ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اول — بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۲ء — نمبر اول

فہرست مضامین

مطبع فیض عام لاہور مین چھپکر باہتمام انجمن اشاعۂ اسلام ۲۰ مارچ کو قادیان ضلع گورداسپور سے شایع ہوا

قیمت سالانہ معہ محصولڈاک ادنے کاغذ پر [illegible] ...... قیمت سالانہ معہ محصولڈاک اعلیٰ کاغذ پر [illegible]

پراسپکٹس

یہ رسالہ انجمن اشاعت اسلام قادیان کے اہتمام سے نکلتا ہے اور مارچ سنہ ۱۹۰۲ء سے ہر مہینہ کی بیس تاریخ کو دارالامان قادیان سے شایع ہوا کریگا۔ مقاصد رسالہ ہذا ہم آگے چل کر بیان کرینگے۔ پہلا سوال جو اس رسالے مین پیش ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ گناہ سے انسان کو کیونکر نجات حاصل ہو سکتی ہے اور اس سے شروع ہوکر نہ صرف تمام مذاہب پر ریویو کرنا اور حق کو باطل سے امتیاز کر کے دکھانا اس کا کام ہوگا۔ بلکہ ان تمام مسئلون کو جن پر مذہب کی بنا ہے یا جن کے لئے مذہب کا وجود ہے حل کرنا اس کے مدنظر ہے۔ علاوہ اس کے اس رسالہ مین ہم تمام اعتراضات کا جواب دین گے جو مخالفین اسلام مذہب اسلام یا اس کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اس کی مقدس کتاب قرآن کریم پر کرتے ہین اور اگر کوئی صاحب اس قسم کے اعتراضات رکھتے ہون تو ان کو چاہئے کہ ایسے اعتراضات کو مدلل کر کے ایڈیٹر رسالہ ہذا کے پاس بھیجین اور پھر ان کا جواب وقتاً فوقتاً رسالہ مین شایع ہوتا رہیگا +

ہم اس بات کا بیان کردینا بھی ضروری سمجھتے ہین کہ مذاہب کی موجودہ صورت مین ایک عظیم الشان تبدیلی اور اصلاح پیدا کرنا اور گناہ سے نجات حاصل کرنیکا طریق بتانا اور عملی طور پر اس پر چلنے کی قوت پیدا کرنا یہ سب ایسے کام ہین جو انسانی قوتون کے ذریعہ سے انکا پورا کردینا محالات مین سے ہے۔ مگر اللہ تعالے نے اپنے فضل سے اس وقت آسمان سے ایک ایسا سلسلہ قایم کردیا ہے جس کی رہنمائی سے ہم اس عظیم الشان کام کو پورا کرنے کی امید کرتے ہین یہ سلسلہ خدائے تعالے نے اپنے طاقتور ہاتھ کے ساتھ اپنی ازلی اور لاتبدیل سنت کے مطابق قائم کیا ہے جسکے انتظار مین آنکھین آسمان کی طرف لگی ہوئی تھین وہ آگیا ہے خدائے تعالے کے پاک نبیون نے اسیوقت کا ذکر کیا تھا اور پاک نوشتون مین خبر دیگئی تھی کہ آخری زمانے مین ثانی مشرق سے مبعوث ہوگا

جیساکہ پہلے آدم کو بھی مشرق کیطرف ہی جگہ دی گئی تھی۔ حضرت میرزا غلام احمد صاحب جنکو اللہ تعالیٰ نے
مسیح موعود ہونے کیلیئے چن لیا ہے ان تمام پیشگوئیون کو پورا کرنے والے ہین جو مسلمان عیسائیون
اور یہودیون کے ہان چلی آتی تھین کہان اور کس غرض کے لئیے یہ آفتاب صداقت طلوع ہوا ہی ہم
کسی اور جگہ بیان کرینگے۔ اس جگہ آپ کا اسم مبارک ظاہر کرنیسے ہماری صرف یہ غرض ہی کہ اس رسالے کے
ہر ایک نمبر مین حضرت موصوف کی طرف سے لطیف اور قیمتی مذہبی مضامین درج ہوا کرینگے آپکے علاوہ
دوسرے جلیل القدر علما و فضلا کے مضامین بھی اس رسالے مین درج ہوتے رہینگے اور اگر کوئی صاحب
رسالہ ہذا کے مقاصد کو مدنظر رکھکر رسالے کے لئے مضامین لکھنا پسند فرماوین تو نہایت خوشی سے قبول
کئے جاوینگے +

ہم اس امر کے بیان کرنے سے رک نہین سکتے کہ ہم اس رسالے کو کسی مالی فائدہ کیغرض سے ہرگز شائع
نہین کرتے بلکہ اصل مقصد ہمارا حق کی خدمت ہے۔ مذہب کی گری ہوئی حالت ہی ہماری اس عظیم الشان
ذمہ واری کے اٹھانے کے لئے محرک ہوئی ہے۔ ہم اس بات کو بھی اچھی طرح سے سمجھتے ہین کہ جو صاحب
مذہبی تعصب کیوجہ سے اپنی رائے اور عقیدہ کو تمام غلطیون سے مبرا اور دوسرونکے مذاہب کو ہر ایک
خوبی سے خالی سمجھے بیٹھے ہین ان کے مذاق ہمارے رسالے کو پسند نہ کرسکینگے کیونکہ وہ دلایل سے کام لینا
نہین چاہتے بلکہ جو عقیدہ ان کے دلون مین جم گیا ہی اسی پر اصرار کے ساتھ قائم ہین۔ یہ رسالہ ان
لوگون کے لئیے ہے جو حق کے طالب ہون اور جو دلائل کے مل جانے پر ہر ایک امر کو قبول کرنے کو تیار
ہون۔ ہمین اس امر کی کچھ پروا نہین کہ فلان فرقہ یا فلان اشخاص ہمارے اظہار خیالات کو پسند کرینگے
یا نہین۔ کیونکہ تاریخی طور پر یہی شہادت ملتی ہے کہ جس شخص نے سچائی کیطرف بلند آواز سے پکارا
اسکے ساتھ تمام لوگون نے بری طرح سے ہی سلوک کیا۔ کوئی مصلح اور کوئی نبی اس سے مستثنے نہین رہا
انسانی فطرت آج بھی وہی ہی جو پہلے تھی اس لئے ہم کسی اور سلوک کی امید نہین کرسکتے مگر ہر ایک طالب
حق پر لازم ہے کہ رائے لگانے سے پہلے ہمارے دلائل کا اچھی طرح سے موازنہ کرلے +

مقاصد رسالہ ہذا

اس رسالہ کے جاری کرنیسے ہماری غرض مشترکت ہے کہ دنیا کو اخلاقی اور اعتقادی اور علمی اور عملی سچائی کی طرف کھینچا جائے - اور نیز یہ کہ وہ ایک خاص کشش سے ایسے طور سے کھینچے جائین کہ ان امور کی بجاآوری مین ان کو ایک قوت حاصل ہو کیونکہ یہ مسئلہ نہایت سچا اور قابل قدر ہے کہ محض نیکیون کا علم ہونا نیکیون پر قائم نہین کر سکتا بلکہ ہر ایک زمانہ مین ایک ایسے وجود کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو قدرتی طور پر ایک کشش کا مادہ اپنے اندر رکھتا ہو - مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ مین اس قدر پادری موجود نہ تھے جو اب موجود ہین اور اس قدر فلاسفر پائے نہ جاتے تھے جو اب پائے جاتے ہین اور دین کی اشاعت کیلئے اس قدر مال موجود نہ تھا جو اب موجود ہے مگر باوصف ان تمام اسباب کے جو عیسائیت کی طرف کھینچنے کیلئے جا بجا کو نظر آرہے ہین پھر باعث حقیقی کشش کے نہ ہونے کے حقیقی تقوے اور پاکیزگی کا وجود جو ٹھیک ٹھیک انجیل کی منشاء کے موافق ہونا چاہیئے مفقود ہے یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے شہرون مین داخل ہوتے ہی ایسے قابل نفرت نظارے دکھائی دیتے ہین کہ اگر حضرت مسیح دوبارہ زندہ ہو کر ان شہرون کا سیر فرماتے تو وہ بہت تعجب کرتے کہ اس بیقیدی اور عیاشی اور نفس پرستی سے زندگی بسر کرنیوالے اور دنیا سے دل لگانے والے کیونکر اپنے تئین ان کی طرف منسوب کرتے ہین - پس بلاشبہ وہ زمانہ جبکہ ایک پاک کشش کا وجود عیسائیون کی جماعت مین موجود تھا یعنی یسوع مسیح وہ اور قسم کی تاثیرات اپنے اندر رکھتا تھا اور اب یہ زمانہ اور قسم کی طرز پر چل رہا ہے اس قدر تفاوت اور فرق کا کیا سبب ہے اسقدر انقلاب کن وجوہ سے پیدا ہو گیا ہے اور اب اس حقیقی پرہیزگاری سے اکثر لوگ الگ ہو کر بیقیدی اور شراب خوری اور عیاشی اور مستانہ زندگی کے کیون عادی ہو گئے ہین اس کا کیا سبب ہے اور کیون وہ لوگ دنیا کی فراہمی کیلئے حد سے زیادہ مصروف پائے جاتے ہین جن کو انجیل مین کل کا فکر کرنے سے ممانعت تھی اور کیون ایسی قوم مین ہزارہا کسبیان پیدا ہو گئی ہین جن کی کتاب مین یہ لکھا تھا کہ جو شخص ایک نامحرم عورت کو بدنظری سے دیکھتا ہے وہ اپنے دل مین اس سے زنا کر چکا اور کس وجہ سے ایک یورپین عیسائی جو مثلاً انگلستان کا رہنے والا ہے زنا کے ارتکاب سے جو ایک بے شوہر عورت سے وقوع مین آوے کسی جرم کا مرتکب نہین سمجھا جاتا لیکن اگر ایسی عورت سے شادی کرے تو مجرم ہے کیا ایک پاک کانشنس شہادت دے سکتا ہے کہ حضرت مسیح کا یہی

منشار تھا۔ اور کیا ابراہیم یعقوب موسیٰ۔ داؤد۔ سلیمان خدا کے مجرم تھے۔ اور قابل سزا جنہوں نے تعداد ازدواج کے
طریق کو موت تک بنا ہا۔ اور کیا جس حد تک یورپ مین شراب نوشی کی ترقی ہو رہی ہے حضرت مسیح کا یہی منشار تھا۔
کیا ان تعلیمونکا ٹھیک ٹھیک عمل ہو رہا ہے کہ ایک گال پہ طمانچہ کھاکر دوسری بھی پھیر دو۔ پھر ان تمام باتون
کا کیا سبب ہے۔ ؟ کیا یہی نہین کہ وہ وجود مبارک عیسائیون مین موجود نہین جو حواریون کے عہد مین موجود تھا مسیح
تو آسمان پر نہین گیا بلکہ جیسا کہ ثابت کیا گیا ہے اس کی مقدس لاش سری نگر کشمیر محلہ خان یار مین مدفون ہے مگر
یہ سچ ہے کہ وہ کشش جو اس کے وجود کے ساتھ نازل ہوئی تھی آسمان پر چلی گئی ہے۔ اور نبیون کی کتابون مین ہے کہ
ایک مرتبہ پھر وہ کشش ایک اور مظہر لیکر زمین پر نازل ہو گی جس سے یہ سمجھا جائیگا کہ دوبارہ مسیح آسمان سے نازل ہو گیا
ان باتون کے ذکر کرنیکا ایک اور موقع ہے اسجگہ تو ہمارا صرف یہ مطلب ہے کہ اخلاقی اور اعتقادی اور عملی نیکیون کو
دلون مین قائم کرنیکے لئے صرف کتابین کافی نہین ہین اور نہ ایسے لوگ کافی ہین کہ بازار وں مین نیکی اور راستبازی
کا وعظ کرین اور پھر جب گھر مین آوین تو چند گلاس شراب کے پیکر صبح کے دس بجے تک خبر نہ ہو کہ کہان ہین۔ یہ سچ
ہے کہ جو آسمان سے آتا ہے وہی آسمان کی طرف لیجا سکتا ہے اور جو خود دیکھتا ہے وہی دکھا سکتا ہے اور جو شخص دنیا
ایک پاک تبدیلی کے رنگ مین آتا ہے وہی تبدیلی کرا سکتا ہے خدا کے وجود کا راز نہایت مخفی ہے اس راز پر الٰہی حالت
مین اطلاع ہو سکتی ہے کہ جب انسان گندی زندگی سے نکل کر ایک پاک زندگی حاصل کرتا ہے اس صورت مین وہی
سوال پھر پیدا ہوتا ہے کہ کیونکر گندی زندگی سے نکلے۔ اسکا جواب یہی ہے کہ ان فوق العادت تبدیلیونکے لئے
ایک صاحب کشش کا وجود ضروری ہے یعنی وہ وجود جو نہایت پاک اور صاف ہونے کی وجہ سے استعارہ کے
رنگ مین خدا کا مظہر کہلاتا ہے جو زہریلے مادون کو دور کرتا اور انکے عوض مین ایک جان بخش تریاق عطا
فرماتا ہے جو سفلی زندگی کی سفلی عادتون کو دور کرتا اور خدا کے پاک اخلاق سے ظلی طور پر حصہ بخشتا ہے شمس اور
قمر کے دائمی دورہ پر غور کرو اور پھر سمجھو کہ تازہ روشنی پانے کیلئے ہمین ہر صبح تازہ طلوع کی ضرورت
ہے کل کا آفتاب آج ہمارے کام نہین آ سکتا۔ آج کے لئے آج کا آفتاب چاہئے مثلاً وہ بزرگ جو پلاطوس
کے زمانہ مین یہودیون مین اٹھا تھا وہ بھی آفتاب تھا مگر صرف ان دنون تک جبکہ اس کی کشش دلونکو محسوس
ہوتی تھی جبکہ وہ اپنے لوگون مین ایک فوق العادت زندگی کا نمونہ دکھلاتا تھا اب وہ آفتاب تو ہے۔
مگر غروب شدہ اسی وجہ سے وہ روشنی جو اسکو دیگئی تھی اور وہ چمک جو ہیرے کے ٹکڑے کیطرح ہمین محسوس
ہوتی تھی اسکا اسکے نام لینے والون مین نام و نشان نہین۔ اس چمک کا انسان خدا تو نہین ہوتا۔ مگر خدا

اس سے جدا بھی نہین ہوتا۔ وہ الٰہی طاقتون کا سرچشمہ ہوتا ہے اور خدا کی نادر اور مخفی قدرتین جو عام
طور پر ظاہر نہین ہوتین ایسے شخص کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہین اور ایسے شخص خدا کے مظہر اور اوتار
اور خلیفہ کہلاتے ہین یعنی الٰہی طاقتون کے دکھلانے مین خدا کی گدی پر بیٹھتے ہین خدا ایک ہی اور واحد
لاشریک مگر ایسے لوگ ہزارون دنیا مین ہوگذرے ہین۔ اسکی مثال ایسی ہی ہی جیساکہ ایک منہ ہزار
آئینہ مین ہزار دکھائی دیتا ہے مگر پھر بھی وہ ہزار نہین بلکہ ایک منہ ہی یہ دنیا ایک انعکاسی تماشا اپنے
اندر رکھتی ہی یا یون سمجھو کہ خدا اور شیطان کا منہ دیکھنے کیلئے یہ ایک شیش محل ہے بعض شیشون کے مقابل
خدا کھڑا ہوگیا۔ پس بالضرورت خدا کا چہرہ ان مین دکھائی دیا۔ اور بعض شیشون کے مقابل شیطان آموجود
ہوا۔ ان مین شیطان کا چہرہ دکھائی دیا۔ مگر ان اظلال سے یہ نتیجہ نہین نکالنا چاہیے کہ یہ خدا ہین۔ خدا ایک
ہے مگر یہ ہزار ہین۔ ہزارون خدا کے مظہر ہین اور ہزارون شیطان کے مظہر۔ یہ ادب سے دور اور واقعہ
کے مخالف ہی جو شیطان کے کامل مظاہر مین کثرت رکھی جائے اور خدا کا کامل مظہر صرف ایک ہی۔ خدا نے
آدم کو پیدا کرکے اپنا مظہر بنایا۔ اور بعد مین شیطان نے قابیل کو اپنا ظل کہدیا۔ اسوقت سے اظلال الرحمن اور
اظلال الشیطان کا سلسلہ چلا آیا ہے۔ سو کسی ایک مین خدا کے مظہر کو محصور رکھنا غلطی ہی۔ ہر ایک زمانہ تازہ
مظہر کا محتاج ہے جیساکہ تازہ روشنی کا اور جب کسی قوم مین مظہر الٰہی باقی نہین رہتا تو وہ قوم دنیا
کی طرف جھک جاتی ہی اور گناہ اور ناپاکی سے رک نہین سکتی۔ شہادت کیلئے واقعات خارجہ سے
بڑھکر کوئی چیز نہین۔ جیساکہ مین ابھی بیان کرچکا ہون کہ جس زمانہ مین حضرت مسیح اپنے شاگردون مین
موجود تھے۔ اس وقت کیسی دن رات ان لوگون کی خدا کی طرف ربودگی تھی اور جب حضرت مسیح نہ این
نہ رہے اور نہ انکے شاگرد رہے تب دن بدن انقلاب پیدا ہوتا گیا یہی اسلام کا حال رہا ہی ہمارے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی نہایت زبردست کشش نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نہ صرف بت پرستی اور مخلوق پرستی سے چھوڑا
کر خدا پرست بنایا تھا بلکہ درحقیقت انکے اندر سے دنیا کی طلب کو مسلوب کردیا تھا اور وہ خدا کو دیکھنے لگے
تھے۔ وہ نہایت سرگرمی سے خدا کی راہ مین ایسے فدا تھے کہ گویا ہر ایک انمین سے ابراہیم تھا انہون نے
کامل اخلاص سے خدا کا جلال ظاہر کرنے کیلئے اور بتون کی عزت مٹانیکے لئے وہ کام کئے جسکی نظیر بعد اسکے
کبھی پیدا نہین ہوئی۔ انکے اخلاص کی برکت سے فتوحات ملکی مین وہ کام کئے جو اعلیٰ درجہ کی تو نیز کبھی
اس زمانہ مین ہو نہین سکتے جب ہم اس بات کا خیال کرین کہ جب وہ خدمت پر لگائے گئے تب عرب کی

کفر اور بت پرستی کی کیا حالت تھی اور جب وہ خدمت کو ادا کر چکے تو کیسی تبدیلی ظہور مین آئی تو ہمین
اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ان مین سچائی اور سرگرمی کی فی الواقع روح پھونکی گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی پاک سرگرمی نے فوق العادت اثر ان مین ڈالا تھا وہ ہر ایک فسق و فجور سے ایسے مجتنب تھے گویا
خدا کو دیکھ رہے ہین۔ اور نیکی مین ایک دوسرے پر سبقت لیجانے پر حریص تھے۔ پھر جن لوگون نے ان ستبازون
کو دیکھا اور یا وہ جنہون نے ان دیکھنے والون کو دیکھا وہ بھی نسبتاً آیندہ نسلون کے عام آدمیون سے
ایسے ممتاز تھے کہ اگر وہ اکثر زمانہ پاتے تو انکو مسلمان نہ سمجھتے۔ اسکا کیا سبب تھا۔ وہی سبب تھا۔ یعنی
کشش کرنے والے وجود کا موجود ہونا یا اسکا زمانہ قریب ہونا۔ پھر بعد اسکے وہ اس تقوے پر قائم نہ رہے
جیسے قرون ثلثہ کے لوگ قائم تھے۔ اگرچہ چار باتون مین مسلمان ابتک عیسائیون کی نسبت عمدہ حالت مین
ہین (۱) یعنی وہ حقیقی خدا پر ایمان رکھتے ہین کسی مخلوق کو خدا نہین بنایا۔ (۲) شراب خوری جو اخلاق
کی سخت دشمن اور ام الخبائث ہے۔ اس مین عیسائیون کی طرح ترقی نہین کی۔ بلکہ بہت کم اور ایسی کم کہ گویا نہین
(۳) ایسا ہی قمار بازی مین بھی انمین نسبتاً نہایت کمی پائی جاتی ہے (۴) ایسا ہی نسبتی طور پر خدا نے
ان کے مردون اور عورتون کو بدکاری سے بہت محفوظ رکھا ہے اسکا یہ سبب ہے کہ ایسے وجودون کا سلسلہ
کبھی بھی ان مین سے مفقود نہین ہے جو نیکی کیطرف کھینچتے ہین۔ ہان صاحب کشش کے مفقود ہونے کے زمانہ مین
انکی حالت پرہیزگاری بھی کمی پر آجاتی ہے۔ ان تمام واقعات سے ثابت ہے کہ دنیا کی صلاح کے لئے بہت
ضروری ہے کہ جب ایسا زمانہ گذر جائے جس مین صاحب کشش موجود ہو یا اسکی پاک تاثیرون کا زمانہ بھی گذر جائے
تو قدیم سے یہی سنت اللہ ہے کہ ایک اور صاحب کشش پیدا ہونا چاہئے جو تاثیرون کو پھر قائم کرکے تمام
پیروی کرنے والی روحون کی گاڑیون کے لئے انجن کی طرح ہوجاتا ہے غرض یہ وہ اصل الاصول ہے
ہے جو تمام مرکز ہدایت اسی پر گھومتا ہے اور ہمیون کا اسی پر اتفاق ہے کہ پاک تبدیلی کے لئے ایسے
صاحب کشش کا ہونا ضروری ہے جو متفرق لوگون کو ایک سوسائٹی کے رنگ مین لاتا ہے۔ اور دو مضبوط
رشتے ان مین قائم کرتا ہے (۱) ایک خدا سے کہ وہ اس سے ایسا کامل تعلق کر لیتے ہین کہ اسی کے ہوجاتے ہین
(۲) اور ایک رشتہ باہمی جو انکو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیتا ہے۔ لیکن یہ سوال کہ وجود جاذب مین
جو صاحب کشش ہے کیا چیز ہوتی ہے جس سے وہ لوگون کو اپنی ذاتی خاصیت سے سچائی کی طرف کھینچتا ہے
اسکا جواب خدا کی کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وجود جو انسانون کو سچائی کی طرف کھینچتا ہے وہ دو قسم کے

کمال اپنے اندر رکھتا ہے (۱) ایک یہ کہ خداتعالےٰ کی جناب مین اپنی کامل محبت کے ساتھ وہ ایسا محو شدہ
ہوتا ہے کہ بباعث تجاذب طبعی کے الہی انوار اسکو اپنے اندر لے لیتے ہین اور جیسا کہ مثلاً ایک لوہے کا
ٹکڑہ بھڑکتی ہوئی آگ سے متاثر ہو کر آگ کی صورت پر آجاتا ہے ایسا ہی ظلی طور پر اس سے بھی
اچھے خواص صادر ہونے لگتے ہین۔ ابتدا یہ ہوتا ہے کہ اسکی روح سفلی زندگی سے بیزار ہو کر طبعاً یہ چاہتی
ہے کہ تاریکی کے کرہ سے باہر آوے۔ تب اس کی طبیعت کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ تاریکی کے تعلقات کو توڑتا
ہے اور ہر ایک روک جو اس مین اور اسکے خدا مین ہے اسکو دور کرتا ہے اور ہر ایک قسم کی ارضی تو
کثافت سے اپنی روح کو الگ کر دیتا ہے اور بیوفائی اور خود نمائی اور خود پرستی اور غیر اللہ کا خوف
اور غیر اللہ کی امید اور خدا کی راہ مین اپنی نفسانی اغراض کو مدنظر رکھنا جو کثافت کی جڑھ ہے اپنے
نفس سے دور کر دیتا ہے۔ تب اسکا نفس ایک پانی کے قطرہ کی طرح خداتعالیٰ کی طرف بہتا ہوا چلا جاتا
اور آخر اس بحر وحدت سے پورا قرب حاصل کر کے الہی اخلاق سے پورا حصہ لے لیتا ہے اور انجام کار
اس موافقت تامہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس طرح خدا اپنی نوع انسان سے طبعاً محبت کرتا اور ان کی بھلائی
چاہتا ہے۔ یہ بھی اسی طرح طبعاً اپنی نوع سے محبت کرتا اور انکے دین اور دنیا کے متعلق بھلائی چاہتا ہے
اور انسانون کی ہمدردی کے لئے ایک سادہ دل اسکو دیا جاتا ہے جس مین کوئی پیچ اور دل چھل نہین ہوتا۔
اور اسکے کلام مین کسی ہار جیت کا خیال مقصود نہین ہوتا اور محض رہنمائی اور ہمدردی کا جوش ہوتا ہے اور
سچی ربوبیت اور سچی رحمت اور سچی عدالت اسکو عطا کیجاتی ہے اور جس طرح آئینہ مین ایک تصویر
منعکس ہو جاتی ہے اسی طرح الہی اخلاق کی تصویر اسکے اندر منقش ہو جاتی ہے۔ اور ان معنون سے واقعی
طور پر وہ خدا کا خلیفہ بنجاتا ہے تب وہ خدا جو کسی استعداد کو ضائع کرنا نہین چاہتا اس کامل انسان میں
افادہ اور ہمدردی مخلوق کی صفات پا کر زمین کے لوگون کی طرف اپنے حکم سے اسکو روانہ کرتا ہے تا انکو
آغوش تربیت مین لیکر سفلی زندگی سے نجات بخشے اسی کی طرف قرآن شریف کی آیت اشارہ کر رہی ہے
دَنٰی فتدلٰی فکان قاب قوسین او ادنٰی۔ یعنی وہ انسان کامل جس پر قرآن نازل ہوا وہ خدا سے
اس قدر نزدیک ہوا کہ آخر الہی اخلاق سے معمور ہو کر دنیا کی طرف ان کی اصلاح کے لئے اسکو لوٹنا
پڑا اور چونکہ دو جوش اس کی فطرت مین کامل طور پر موجود تھے ایک خدا کی محبت کا جوش اور دوسرا
مخلوق کی ہمدردی کا جوش اسلئے اسکا نفسی نقطہ دو قوسون کے اندر واقع ہو گیا اور جیسا کہ ایک خط

قوس ربوبیت

خط محمدی

قوس مخلوقیت

وتر دو قوسون کے اندر ہوتا ہے ایسا ہی اس نے بھی قوس ربوبیت اور قوس مخلوقیت کے عین وسط مین جگہ لی اس طرح پر غرض یہ وہ فلاسفی ہے جو مسئلہ خلافت کی حقیقت کو کھولتی ہے۔ خدا نے جسقدر نبیون کو دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا پہلے ان کو اس امتحان مین پاس یافتہ قرار دیکر پھر روانہ فرمایا ہے یہ کہنا غلطی ہے کہ وہ لوگ آپ ہی ظلمت اور تاریکی مین گرفتار تھے اور اس لائق نہ تھے کہ دوسرون کو درست کر سکتے۔ کیا انسانی گورنمنٹین ایسا کر سکتی ہین کہ ایک نالایق اور بدچلن کو جسکا کچھ نیک اثر نہ پڑ سکے۔ بلکہ الٹا اثر پڑے عنان حکومت بطور نیابت اسکے سپرد کر دین۔ پھر خدا کا انتخاب کیون قابل اعتراض ہوگا اصل بات یہ ہے کہ دنیا ان لوگون کو جو آسمان سے آتے ہین نہین پہچانتی کیونکہ وہ دنیا مین سے نہین ہوتے اس لئے اندھون کے آگے نکتہ چینیون کے نشانہ بنتے ہین چونکہ نور اور ظلمت کی ابتدا سے دشمنی ہے اسلئے ظلمت نہین چاہتی کہ نور آوے اور زمین کے گوشون کو منور کرے۔ ظلمت کے فرزند نور سے بغض رکھتے ہین اسلئے نور ایک بڑی روحانی لڑائی کے بعد آخر فتح پاتا اور ظلمت کا دخل و قبض اٹھا دیتا ہے + اور یہ کہنا ہرگز درست نہین کہ یہ انتظام نبیون کے بھیجنے کا آگے نہین بلکہ پیچھے رہگیا ہے۔ کیونکہ اگر یہ سچ ہے کہ خدا اب بھی یہی چاہتا ہے کہ لوگ بدی کو چھوڑین اور ہر یک پہلو سے راستبازی سے کام لین۔ تو اب بھی ایک ایسے وجود کی ضرورت ہے جو اپنے اندر نیکی کی طرف کھینچنے کی کشش رکھتا ہو جس مین الہی صفات موجود ہون جس کی زندگی دوسرون سے ایک کھلا کھلا فرق رکھتی ہو جس کی تعلیم مین کشش ہو جس مین فوق العادت نشان ہون۔ سو ہم سب سے اول اس رسالہ مین یہ بیان کرنا چاہتے ہین کہ ایسا مصلح اس وقت کون ہے اور پھر ہمارے اس رسالہ کے اغراض مین سے دوسری غرض یہ ہے کہ وہ مصلح کن دلایل اور نشانون کے ساتھ اپنے تئین منجانب اللہ ظاہر کرتا ہے۔ پھر تیسری غرض یہ ہے کہ اسکی اخلاقی تعلیم کیا ہے۔ چوتھی غرض یہ ہے کہ وہ کن اعتقادات کو سکھلاتا ہے اور کن سے منع کرتا ہے۔ پانچوین غرض یہ ہے کہ وہ کن کن علوم اور معارف کو لایا ہے اور اسکے معارف کس الہی کتاب کے موافق ہین اور اس سے نکلتے ہین چھٹی غرض یہ ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لئے عمل اور سلوک کا وہ کیا راہ سکھلاتا ہے یہی ستہ ضروریہ اصل اغراض اس رسالہ کے ہونگے سوا اسکے یہ رسالہ ہر یک ایسے اعتراض کا جواب دیگا جو اسلام پر یا قرآن شریف پر یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یا امام الوقت پر کئے جاتے ہین اور سب مناد وقت متفرق اخبار یا ملکی ایڈیٹر بھی لکھتا رہیگا اور ان تمام بیجا اور نادرست باتون کا مقابلہ کریگا جو حقوق عباد یا حقوق خدا

کوتلف کرتین اور سچائی کاخون کرتی ہین اور کوئی نیا امر جواب فہن ہین نہین جب پیش آئیگا اسکا لکھنا بھی اس رسالہ کا فرض ہوگا

گناہ سے نجات کیونکر مل سکتی ہے

اس رسالہ مین ہمارا یہ ارادہ ہے کہ دنیا کو دکھائین کہ جسقدر ہمارا یہ زمانہ اپنی جسمانی حالت کے روسے ترقی کر گیا ہے اسی قدر اپنی روحانی حالت کے روسے تنزل مین ہے یہانتک کہ روحون مین یہ برداشت ہی نہین رہی کہ وہ پاک سچائیون کو چھو بھی سکین۔ بلکہ انسانون پر ایک غور کی نظر ڈالنے سے ثابت ہو رہا ہے کہ مخفی طور پر ایک بھاری کشش ان کو نیچے کی طرف کھینچ رہا ہے اور وہ دمبدم ایک گڑھے کی طرف حرکت کر رہے ہین جس کو دوسرے لفظون مین اسفل السافلین کہہ سکتے ہین اور استعدادون پر ایک ایسا انقلاب آگیا ہے کہ وہ ایسی چیزون کی خوبصورتی کی نہایت تعریف کر رہے ہین جو روحانیت کی نظر سے سخت مکروہ اور بدشکل ہین۔ ہر ایک کانشنس محسوس کر رہا ہے کہ ایک کشش اس کو نیچے کی طرف لیجا رہی ہے اور نہین کششون کے برباد کن اثرون سے ایک عالم تباہ ہو گیا ہے۔ پاک سچائیون کو ٹھٹھے اور ہنسی سے دیکھا جاتا ہے اور سچ مچ رو بخدا ہو جانے کو ایک حماقت سمجھا جاتا ہے۔ تمام نفوس جو زمین پر ہین یکلخت دنیا پر سرنگون سے نظر آتے ہین۔ گویا ایک پنہانی قوت جاذبہ سے معذور اور مجبور ہو رہے ہین۔ یہ وہی بات ہے جو ہم پہلے لکھ آئے ہین کہ دنیا کا تمام کاروبار کششون پر ہی چلتا ہے جس پہلو مین یقین کی قوت زیادہ ہے وہ اس دوسرے پہلو کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور چونکہ یہ فلاسفی نہایت ہی صحیح ہے کہ ایک کشش کو صرف وہ کشش روک سکتی ہے جو اس کی نسبت بہت زبردست اور طاقتور ہو اس لئے یہ دنیا جو اس سفلی کشش سے متاثر ہو کر نیچے کی طرف کھینچی جا رہی ہے اس کا اوپر کی طرف رخ کرنا بالکل ہیلائے نا امیدی ہے جبتک کہ ایک ایسی مخالف اور زبردست کشش آسمان سے پیدا ہو جو مخالف پہلو کے یقین کو توڑ دے یعنی جیساکہ ایک یقینی نظر سے نفسانی بدعملیون مین فوائد اور لذات محسوس ہو رہے ہین ان سے بڑھکر روحانی حکمون مین فوائد دکھائی دین اور یقین کی نظر سے بدی کا ارتکاب مرنے کے برابر مشہود ہو جو دل کو پکڑ لے اور یہ یقین کی روشنی صرف آسمان سے اس آفتاب کے ذریعہ سے آتی ہے جو امام الوقت ہوتا ہے اس لئے اس امام کا شناخت نہ کرنا جاہلیت کی موت مرنا ہے جو شخص کہتا ہے کہ مین اس آفتاب سے

روشنی حاصل کرنا نہیں چاہتا کے خدا کے مستمرہ قانون کو توڑنا چاہتا ہے کیا ممکن ہے کہ آفتاب کے بغیر آنکھیں دیکھ سکیں گو کہ آنکھوں میں بھی ایک نور ہے مگر آفتاب کا محتاج - آفتاب حقیقی نور ہے جو آسمان سے آتا اور زمین کو روشن کرتا ہے اور آنکھیں بغیر اس کے اندھی ہیں اور جس شخص کو اس آسمانی نور کے ذریعہ سے یقین پیدا ہوگا اس کو نیکی کی طرف ایک کشش پیدا ہوگی اور اس آسمانی کشش اور زمینی کشش میں لڑائی ہونا ایک طبعی امر ہے کیونکہ اس صورت میں ایک کشش نیکی کی طرف کھینچے گی اور ایک بدی کی طرف - اور ایک مشرق کی طرف دھکا دیگی اور ایک مغرب کی طرف اور دونوں کا باہم ٹکرانا اس وقت سخت خطرناک ہوگا جبکہ دونوں میں انتہائی درجہ کی کششیں موجود ہونگی جن کا دنیا کی انتہائی ترقیات پر موجود نا ہونا ایک لازمی امر ہے پس جب تم دیکھو کہ زمین نے انتہائی درجہ پر ترقی کرلی ہو تو سمجھ لو - کہ یہی دن آسمانی ترقی کے بھی ہیں اور یقین کرلو کہ آسمان پر بھی ایک روحانی تیاری ہے اور وہاں بھی ایک کشش پیدا ہوگئی ہے جو زمینی کشش سے لڑنا چاہتی ہے پس ایسے دن سخت خوفناک ہیں جبکہ زمین غفلت اور برائی میں انتہائی درجہ پر ترقی کر جائے کیونکہ روحانی لڑائی کیلئے وہی وعدہ کے دن ہیں جنکو نبیوں نے طرح طرح کے استعارات میں بیان کیا ہو اور بعض نے اس مثال میں اسکو پیش کیا ہے کہ یہ آسمانی فرشتوں اور زمینی شیطانوں کی ایک آخری لڑائی ہے جس پر اس دنیا کا خاتمہ ہوگا - اور بعض نے اپنی جہالت اور نادانی سے اس لڑائی کو ایک جسمانی لڑائی سمجھ لیا ہے جو تلوار اور بندوق سے ہوتی ہیں مگر وہ لوگ غلطی پر ہیں اور اپنی سفلی عقل اور حماقت سے روحانی جنگ کو جسمانی جنگ کی طرف کھینچکر لے گئے ہیں - غرض ان دنوں زمین کی تاریکی اور آسمان کے نور کا ایک انتہائی جنگ ہے - آدم سے لیکر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام خدا کے مقدس نبی اس جنگ کی طرف اشارات کرتے آئے ہیں اور اس جنگ کے سپہ سالار دو انکے دو مختلف نام رکھے گئے ہیں ایک سچائیوں کو چھپانیوالا اور دوسرا سچائیوں کو ظاہر کرنے والا یا دوسرے لفظوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آسمان سے نورانی فرشتوں کے ساتھ اترنے والا اور میکائیل کا مظہر اور ایک زمین سے تمام شیطانی تاریکیوں کو لیکر ظاہر ہونے والا - اور ابلیس کا مظہر ہوگا اب جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ زمینی لشکر خوب تیار ہو - اور وہ خوب مسلح ہوکر کھڑے ہیں اور اپنا کام کر رہے ہیں بلکہ بہت کچھ کر بھی چکے ہیں تو طبعاً یہ نیک خواہش پیدا ہوتی ہے اور فراست صحیحہ گواہی دیتی ہے کہ آسمانی گورنمنٹ بھی ان تیاریوں سے غافل نہیں ہو

اُس گورنمنٹ کی کچھ ایسی عادت ہے کہ وہ ظاہری شور و غوغا کو پسند نہین کرتی۔ اور وہ بہت کچھ کارروائیان اندر ہی اندر کر لیتی ہے اور لوگون کو خبر بھی نہین ہوتی۔ تب آسمان پر ایک نشان ظاہر ہوتا ہے اور زمین پر ایک منار روشن اور نہایت سپید اور وہ آسمانی روشنی منار پر گرتی ہے اور پھر وہ منار تمام دنیا کو روشن کرتا ہے۔ یہ مختصر فقرہ تشریح کا محتاج ہے اور تشریح یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا روحانی سلسلہ اگرچہ جسمانی سلسلے کے بالکل مطابق ہے لیکن بعض امور مین اس مین وہ خواص عجیبہ پائے جاتے ہین کہ جو جسمانی سلسلہ مین کھلے کھلے طور سے نظر آ نہین سکتے چنانچہ منجملہ انکے ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ جب سفلی کشش اپنا کام کرنا شروع کرتی ہے تو گو وہ کشش آسمانی کشش سے بالکل مخالف ہے۔ تاہم آسمانی کشش اس کشش کے طبعی تقاضا سے پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے پس یہ امر معقول ہے کہ ان کششونکی انتہائی درجہ کے زورون کے وقت جو دنیا کا آخری زمانہ ہے ان دونون مین لڑائی ہونا چاہئے تھی۔ کیونکہ اقبال کا تقاضا ہے کہ فریق مخالف کو فنا کرے پس جس موقعہ اور محل مین فریقین برابر درجہ کا اقبال و شوکت رکھین گے۔ ایسے دو فریق بغیر لڑائی کے نہین رہ سکتے کیونکہ ہر ایک خدا کے نبیون کی کتابون مین پیشگوئی کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ ایسا ہی عقل بھی اس کو ضروری سمجھتی ہے کیونکہ جب دو مخالف اور پر زور کششون مین باہم ٹکر لگے تو ضروری ہے کہ ایک دوسرے فنا کر دیوے یا دونون فنا ہو جاوین اور اس لڑائی کے بارہ مین نبیون کی کتابون مین اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام سے پورا ہزار برس گذرا جس مین نبیون کی پیشگوئی کے مطابق شیطان قید کیا گیا تھا تو سفلی کشش نے زمین پر اپنا رنگ جمانا شروع کیا۔ یہ وہی زمانہ تھا جبکہ اسلام اپنی پاک اصولون کے لحاظ سے تنزل کی حالت کی طرف مائل ہو گیا تھا اور اس کی روحانی ترقیان رک گئی تھین اور اسکی ظاہری فتوحات کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا اور وہ شیطان کے قید ہونے کے دنون مین پیدا ہوا۔ اور ضرور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا جیسا کہ تمام نبیون نے یوحنا فقیہہ تک گواہی دی ہے۔ اور شیطان کے چھوٹنے پر یعنے سنہ ۱۰۰۰ عیسوی کے بعد اسکا تنزل شروع ہو گیا اور وہ آگے بڑھنے سے رک گیا تب سے شیطانی کارروائیان رنگارنگ کے پیراؤن مین شروع ہوئین اور زمین پر یہ پودا بڑھتا گیا۔ اور اس کی شاخین کچھ تو مشرق کیطرف پھیل گئین اور کچھ مغرب کی انتہائی آبادیون تک جا نکلین اور کچھ جنوب کی طرف اور کچھ شمال کیطرف متوجہ ہوئین۔ جیسا کہ شیطان کے قید رکھنے کا زمانہ ہزار برس تھا جسپر

واقعات خارجیہ نے گواہی دی ہے۔ ایسا ہی نبیون کی پیشین گوئیون کے رو سے شیطان کے چھوٹنے
کا زمانہ بھی ہزار برس ہی تھا جو ہجرت کی چودھوین صدی کے سر پر پورا ہو جاتا ہے۔ مگر یہ ہزار برس
خدائی حساب کے رو سے ہے یعنی چاند کے حساب سے اور خدا کی طرف سے یہودیون اور مسلمانون کو پیشگوئیون
کے وقتون کی شناخت کرنے کے لئے یہی حساب سکھایا گیا ہے اور سورج کے دنون کے رو سے حساب کرنا انسانون
کی بدعت ہے۔ جو پاک نوشتون کے منشاء کے مخالف ہے۔ غرض اس حساب کے رو سے شیطان کی مہلت کے
آخری دن یہی ہین جن مین ہم ہین بلکہ یون سمجھو کہ گذر بھی چکے کیونکہ ہجری صدی جس کے سر پر ہزار برس
شیطان کے چھوٹنے کا پورا ہو گیا۔ اس کو انیس برس گذر چکے اور شیطان نہین چاہتا کہ اس سے آزادی اور
حکومت چھین لی جاوے ناچار دونون کششون کی لڑائی ہوگی جو ابتدا سے مقدر تھی اور ممکن نہین ہے کہ خدا
کا کلام غلط ہو اور ان دونون پر ایک دوسری شہادت یہ بھی ہے کہ دنیا کی ابتدا سے یعنی آدم کے ظہور سے
آج تک چھٹا ہزار بھی گذر گیا جس مین آدم ثانی پیدا ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ چھٹا دن آدم کی پیدایش
کا دن ہے اور خدا کی پاک کتابون کے رو سے ایک ہزار برس ایسا ہے جیسا کہ ایک دن سو یہ امر خدا کے پاک
وعدون کے رو سے ماننا پڑتا ہے کہ وہ آدم پیدا ہو گیا۔ گو وہ ابھی کامل طور پر شناخت نہین کیا گیا اور ساتھ ہی
یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ اس آدم کا مقام جو خدا کے ہاتھ سے تجویز کیا گیا وہ شرقی ہے نہ غربی۔ کیونکہ
توریت باب ۲۔ آیت ۸ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آدم کو ایک باغ مین شرقی طرف جگہ دی گئی تھی۔ پس
ضرور ہے کہ یہ آدم بھی مشرقی ملک مین ہی ظاہر ہوتا۔ اول اور آخر کی مماثلت مکانی قائم رہے۔ اور
اس اعتراف سے جیسا کہ مسلمانون کو چارہ نہین ویسا ہی عیسائیون کو بھی کوئی گریز کی جگہ نہین
بشرطیکہ دہریت کی رگ مانع نہ ہو۔ پس اصل حقیقت کے سمجھنے کے لئے کچھ مشکلات باقی نہین رہین اور
یہ مسئلہ نہایت صاف ہے کہ یہ زمانہ نور اور ظلمت کی لڑائی کا زمانہ ہے اور ظلمت نے انتہا تک اپنا کام
کر لیا ہے اور یہ امیدین نہین کی جاسکتین کہ بغیر نزول آسمانی نور کے اس ظلمت پر کوئی فتحیاب
ہو سکے اور اس بات مین ذرا بھی شبہ نہین ہے کہ ظلمت اپنے پورے زورون مین ہے اور راستبازی کا
نیم مردہ چراغ فنا ہونے کے قریب ہے اور رسمی عقیدے اور رسمی علم اور رسمی نمازین اس روشنی کو بحال نہین
کر سکتین جو گم ہو چکی ہے کیا اندھا اندھے کو راہ دکھا سکتا ہے؟ ہرگز نہین۔ کیا ظلمت ظلمت کو دور
کر سکتی ہے؟ کسی طرح ممکن نہین۔ اب تو ایک جدید منار کی ضرورت ہے جو زمین پر تیار ہو جو سفلی آبادیون سے

امتیاز کے ساتھ اونچا ہوتا آسمانی روشنی اس پر نازل ہو اور سماوی چراغ اس پر رکھا جاوے۔ اور
پھر تمام دنیا اس روشنی سے منور ہو جاوے کیونکہ اگر چراغ اونچے مقام پر نہ رکھا جائے تو کیونکر
اس کی روشنی دور دور تک پھیل سکے۔ اب آپ کو یہ سمجھنا باقی ہے کہ منار کیا چیز ہے پس یاد رہے کہ منار
اس نفس مقدس اور مطہر اور بلند ہمت کا نام ہے جو انسان کامل کو ملتا ہے۔ جو آسمانی نور پانے کا
مستحق جیسا کہ منار کے معنے میں یہ مطلب داخل ہے اور منار کی بلندی سے مراد اس انسان کی
بلند ہمتی ہے اور منار کی مضبوطی سے مراد اس انسان کی استقامت ہے جو طرح طرح کے امتحانوں کے
وقت وہ دکھلاتا ہے اور اس کی سفیدی دبریت ہے جو انجام کار ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ
سب کچھ ہو لیتا ہے۔ یعنی جب اس کی علو ہمت اور کمال استقامت اور کمال صبر اور استقلال اور دلائل کے
ساتھ اس کی بریت ایک چمکتے ہوئے منار کی طرح کھلجاتی ہے تب اسکی جلالی آمد کا وقت آجاتا ہے اور
پہلی آمد جو ابتلاؤں کے ساتھ ہے اس کا وقت ختم ہو جاتا ہے تب وہ روحانیت خدائی جلال سے رنگین
ہو کر اس وجود پر اترتی ہے جو منار کی صورت پر کھڑا ہے تب باذنہ تعالےٰ خدائی تاثیریں اسمین
پیدا ہو جاتی ہین۔ یہ سب کچھ آمد ثانی مین ہوتا ہے۔ اور مسیح موعود کی خاص طور کی آمد اسی حقیقت کی
کامل تصویر ہے اور مسلمانون مین جو یہ روائتین ہین کہ مسیح موعود منار کے پاس اتریگا اترنے سے مراد ایک
جلالی طور کی آمد ہے جو خدائی رنگ اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ یہ نہین کہ وہ پہلے اس سے زمین پر موجود نہ تھا
مگر ضرور ہے کہ آسمان اسے لئے رہے۔ جبتک کہ وہ وقت نہ آوے جو خدا نے مقرر کر دیا ہے۔ خدا کی عادت
مین یہ بھی داخل ہے کہ روحانی امور کو ذہن نشین کرنے کیلئے ان کے کسی حصہ کی جسمانی تصویر بھی پیدا
کر دیتا ہے۔ جیسا کہ بیت المقدس کی ہیکل اور مکہ معظمہ کا خانہ کعبہ یہ دونون تصویرین روحانی تجلیات
کی ہین اسی بنا پر شریعت اسلامی مین یہ سمجھا گیا ہے کہ مسیح موعود منار پر یا منار کے قریب نازل ہوگا ایک
ایسے ملک مین جو دمشق کے شرقی طرف ہے جیسا کہ آدم کو بھی شرقی طرف ہی جگہ دی گئی تھی اس جلالی آمد
سے پہلے ظاہری منار کے بھی بنائے جانے مین کچھ حرج نہین۔ بلکہ حدیثون مین بطور پیشگوئی اس کا ذکر
پایا جاتا ہے کہ وہ مسیح موعود کی جلالی آمد کے لئے ایک نشان ہوگا جو اس آمد سے پہلے بنایا جائیگا یہ مقدر ہے
کہ مسیح موعود کا آنا دو رنگ مین ہوگا اول معمولی طور پر جس مین طرح طرح کے ابتلا بھرے ہوئے ہین۔
طرح طرح کی تکلیفون کا وقت ہے جب یہ دن پورے ہو جائینگے تب جلالی آمد کا وقت آجائیگا اور ضرور ہے

کہ اس سے پہلے ایک منارتیار ہوجائے جیساکہ حدیثوں سے پایا جاتا ہے کہ اس حقیقت کے دکھلانے کے لئے ایک ظاہری منار بھی ہوگا اور وہ باطنی منار کی تصویر ہوگا اور قبل اس کے جو وہ جلالی طور پر نازل ہو دنیا اس کو نہیں پہچانتی کیونکہ وہ دنیا مین سے نہین ہے اور دنیا اس سے محبت نہین کرتی کیونکہ جس خدا سے وہ آیا ہے اس سے بھی دنیا کو محبت نہین۔ پس ضرور ہے کہ وہ آمد اول مین ستایا جائے اور دکھ دیا جائے اور طرح طرح کے الزام اسپر لگائے جائین جیساکہ اسلامی پیشگوئیون مین لکھا ہے کہ ابتلا مین مسیح موعود کو قبول نہین کیا جائیگا اور نادان لوگون کے کینے اس کی نسبت بہت بڑھ جائین گے اور شرارتین انتہا تک پہونچ جائین گی یہانتک کہ ایک شخص ظالمانہ حملہ اسپر کرکے خیال کریگا کہ اس نے بڑی نیکی کا کام کیا ہے اور ایک اسکو دکھ دیکر یہ سمجھیگا کہ اس نے اپنے فعل سے خدا کو راضی کر دیا ہے۔ اسی طرح ہوتا رہیگا اور ہر ایک قسم کا زلزلہ اس پر آئیگا۔ اور ہر ایک مصیبت کا اسکو سامنا ہوگا۔ یہانتک کہ عادت اللہ اس مین پوری ہو جاویگی۔ تب اس کے جلالی آمد کا وقت آجائے گا اور مستعد دلون کی آنکھین کھولی جائین گی اور وہ خود بخود سوچنے لگین کہ یہ کیا بات ہے اور یہ کس قسم کا کاذب ہے۔ جو زیر نہین ہوتا اور کیون خدا کی تائیدین اس کے شامل حال ہین اور ہمارے شامل حال نہین۔ تب خدا کا ایک فرشتہ انکے دلون پر اتریگا اور ان کو سمجہائیگا کہ کیا تمہاری حدیثون اور روائتون کی پیشگوئیان ضروری الوقوع ہین جو تمہاری روک کا باعث ہین اور کیا انمین سے بعض کی نسبت وضع اور غلطی ممکن اور محل نہین اور کیا بعض پیشگوئیونکا استعارات کے رنگ مین پورا ہونا جائز نہین۔ اور کیا یہود کی بدنصیبی اور بے ایمانی کا بجز اس کے کوئی اور بھی باعث تھا کہ وہ منتظر رہے کہ تمام باتین ظاہری صورت مین ہی پوری ہون۔ اور ان کے خیالات کے مطابق سب کچھ ہو مگر نہ ہوا تو پھر جبکہ وہی خدا اب بھی ہے اور وہی اس کی عادت تو کیون جائز نہین کہ وہی ابتلا تمہین بھی پیش آیا ہو۔ غرض آخر کار انہی خیالات کیطرف طبعاً انسانون کے دلون کا رجوع ہوجائے گا جیساکہ قدیم سے ہوتا آیا ہے +

لیکن یہ بات صحیح نہین کہ حقیقی دین اور راستبازی کے پھیلانے کے لئے یہ جسمانی لڑائیون کا زمانہ ہے۔ کیونکہ تلوار سچائی کے جوہرون کو ظاہر نہین کرسکتی بلکہ انکو اور بھی چھپاتی اور مشتبہ کرتی ہے جو لوگ ایسے خیالات کے خواہشمند ہین وہ اسلام کے دوست نہین ہین بلکہ دشمن ہین اور انکی

فطرت نہایت پست اور سفلی رنگ مین اور ان کی ہتین گری ہوئی اور دل منقبض اور دماغ ابلہ اور طبیعتین تاریک ہین کیونکہ وہ مخالفون کو ایک ایسے اعتراض کا موقعہ دیتے ہین جو درحقیقت وارد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بقول ان کے اسلام اپنی ترقی کیواسطے جہاد کا محتاج ہے۔ اور یہ اسلام کی ہجو ہے کیونکہ جس مذہب مین یہ قوت ہے کہ وہ اپنی سچائی کو عقلی دلائل سے یا کسی اور قسم کے قابل تمسک شہادتون سے یا آسمانی نشانون سے باآسانی ثابت کر سکتا ہے۔ ایسے مذہب کیلئے کچھ ضرورت نہین کہ جبر سے اور تلوار کی دھمکی سے اپنی سچائی کا اقرار کرا دے۔ لیکن اگر کسی مذہب مین یہ ذاتی خاصیت موجود نہین اور اپنی کمزوری کا تلوار سے تدارک کرتا ہے تو ایسے مذہب کے جھوٹا ہونیکے لئے اور کسی دلیل کی ضرورت نہین اس کے کاٹنے کے لئے اسی کی تلوار کافی ہے +

مگر یہ اعتراض کہ اگر جہاد اب جائز نہین تو اسلام مین اول زمانہ مین کیون تلوار سے کام لیا گیا۔ یہ معترضین کی اپنی غلطی ہے جو بباعث ناواقفیت پیدا ہوئی ہے انہین معلوم نہین کہ اسلام دین کے پھیلانے کے لئے ہرگز جبر کی اجازت نہین دیتا۔ دیکھو کیسی ممانعت قرآن مین موجود ہے کہ فرماتا ہے کہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ یعنے دین مین جبر نہین کرنا چاہئے۔ پھر کیون تلوار اٹھائی گئی اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ عرب کے وحشی جن مین کوئی تمیز اور تہذیب باقی نہین رہی تھی وہ اسلام اور مسلمانون کے سخت دشمن ہو گئے تھے اور جب ان پر توحید اور اسلامی سچائیونکی کھلی کھلی دلائل سے حجت پوری کی گئی اور ان کے ذہن نشین کیا گیا کہ انسان ہو کر پتھرون کی پوجا کرنا ایک صریح غلطی ہے کہ انسانیت کے بھی برخلاف ہے تو وہ ان معقول باتون کا کچھ بھی جواب نہ دے سکے اور انکے لاجواب ہو جانے سے سمجھدار لوگون کو اسلام کی طرف حرکت پیدا ہو گئی اور بھائی سے بھائی اور باپ سے بیٹا جدا ہو گیا۔ تب انہین اپنے باطل مذہب کے بچانیکے لئے کوئی تدبیر بجز اسکے خیال مین نہ آئی کہ سخت سخت سزاؤن کے ساتھ لوگون کو مسلمان ہونے سے روک دین۔ چنانچہ مکہ معظمہ مین ابوجہل وغیرہ مکہ کے رئیسون کی طرف سے یہی عملدرآمد شروع ہو گیا۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ کی تاریخ پڑھنے والے خوب جانتے ہین کہ ایسی بیرحمی کی وارداتین مخالفون کیطرف سے مکہ مین کس قدر ظہور مین آئین اور کسقدر بیگناہ ظلم سے مارے گئے۔ مگر لوگ پھر بھی مسلمان ہونے سے باز نہین آتے تھے کیونکہ ہر ایک موٹی عقل کا انسان بھی جانتا تھا کہ بت پرستون کے مقابل پر کسقدر اسلام معقولیت اور صفائی رکھتا ہے

ناچار جب اس تدبیر سے بھی پوری کامیابی نہ ہوئی تو یہ ٹھہری کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی قتل کیا جاوے۔ لیکن خدا تعالےٰ آپکو بچا کر مدینہ مین لے گیا۔ مگر پھر بھی انہون نے قتل کے لئے تعاقب کیا اور کسی صورت مین اپنی عادت کو چھوڑنا نہ چاہا۔ پس اس صورت مین اسلام کے لئے بجز اس کارروائی کے اور کیا چارہ تھا کہ وہ ان حملون کی مدافعت کرتا اور بیجا حملہ کرنے والون کو سزا دیتا۔ سو اسلام کی لڑائیان دین پھیلانے کے لئے نہین تھین بلکہ مسلمانون کی جان بچانے کیلئے تھین کیا کوئی عقل سلیم قبول کر سکتی ہے کہ اسلام وحشی بت پرستون کے آگے بھی اپنی توحید کی معقولیت ثابت کرنے سے عاجز تھا اور کیا کوئی عقلمند باور کر سکتا ہے کہ وہ مشرک لوگ جو پتھرون اور جمادات کی پوجا کرتے اور طرح طرح کی ناپاکیون مین مبتلا تھے اسلام ان کے آگے بھی حجت کے رو سے مغلوب تھا اور تلوار سے کام چلانا چاہتا تھا۔ معاذ اللہ ہرگز یہ خیالات صحیح نہین ہین اور جنہون نے ایسے اعتراض اسلام پر کئے ہین انہون نے سراسر ظلم کی راہ سے حقیقت کو چھپایا ہے +

ہان یہ سچ ہے اس ظلم سے جیساکہ مولویون نے حصہ لیا۔ پادریون نے بھی ان سے کم حصہ نہین لیا۔ اور اسلام پر اس قسم کے اعتراض کر کے نادان مولویون کی باتون کو عوام کے ذہن مین خوب جما دیا اور ان کو یہ دھوکا لگا کہ جس حالت مین ہمارے مولوی جہاد کا فتوے دیتے ہین اور پادری جو بڑے صاحب علم ہین وہ بھی یہی اعتراض پیش کرتے ہین سو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ درحقیقت ہمارے مذہب مین جہاد روا ہے۔ اب یہ کسقدر ظلم ہوا کہ دو مختلف شہادتون سے اسلام پر یہ اعتراض جمایا گیا اگر پادری ایسا طریق اختیار نہ کرتے اور ایمانداری سے سچ کی پیروی کر کے یہ کہتے کہ یہ مولوی نادانی اور جہالت کا فتوے دیتے ہین ورنہ اسلام کی ابتدا مین جس صورت نے یہ ضرورت پیدا کی تھی اب وہ صورت اس زمانہ مین موجود نہین ہے تو امید تھی کہ جہاد کا خیال ہی دنیا سے اٹھ جاتا مگر جوش زیادہ اور سمجھ کم تھی اس لئے حقیقت کو نہین سمجھا +

ہان یہ سچ ہے کہ عرب کے لوگ جب بہت سے مفسدانہ حرکات کے بعد اپنے ناحق کی خونریزیون کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی نظر مین واجب القتل ٹھہر گئے تھے۔ تب یہ حکم بھی نکلا تھا کہ وہ سب قتل کے لائق ہین۔ مگر پھر بھی اگر ایمان لے آوین تو سزائے قتل سے معافی دیجاویگی۔ غالباً کم فہم مخالفون نے اسی حکم سے دھوکہ کھایا ہے انہین معلوم نہین کہ یہ صورت جبر کی نہین بلکہ واجب القتل کے لئے ایک رعایت ہے

اس کو جبر سمجھ لینا اس سے بڑھکر کوئی حماقت نہین - وہ لوگ تو قاتل ہونے کی وجہ سے مستوجب قتل
تھے نہ کافر ہونے کی وجہ سے اور خدائے رحیم یہ بھی خوب جانتا تھا - کہ انہون نے اسلام کی سچائی کو خوب
سمجھ لیا ہے لہذا اس کی رحمت نے تقاضا فرمایا کہ ایسے واجب القتل مجرمون کو پھر بھی گناہ معاف کرانیکا ایک
موقعہ دیا جاوے سو اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ اسلام کا ہرگز منشا نہ تھا کہ کسی کو قتل کرے بلکہ جو لوگ
اپنی خونریزیون کی وجہ سے قتل کے لایق تھے ان کیلئے بھی معافی کی ایک راہ نکال دی اس زمانہ
مین اسلام کو یہ مشکلات جابجا پیش آئین کہ ہر ایک قوم مین اس قدر تعصب بڑھا ہوا تھا کہ کوئی بیچارہ
کسی قوم مین سے اگر مسلمان ہوجاتا تو یا تو وہ قتل کیا جاتا تھا اور یا اس کی جان سخت خطرہ مین
پڑجاتی تھی اور زندگی اس پر وبال ہوجاتی تھی - تو اس صورت مین اسلام کو امن قائم کرنے کیلئے بھی
لڑائیان کرنی پڑین اور بجز ان دو صورتون کے اس ابتلا کے زمانہ مین کبھی اسلام نے جنگ کا نام نہ لیا
اور اسلام کا ہرگز مقصود نہ تھا کہ مذہب کے لئے وہ جنگ کرے لیکن اس کو جنگ کرنے پر خواہ نخواہ مجبور +
کیا گیا - پس جو کچھ اس سے ظہور مین آیا وہ حفاظت خود اختیاری اور ضرورت مدافعت کے لئے ظہور مین آیا
پھر بعد اس کے ناسمجھ مولویون نے اس مسئلہ پر اور رنگ چڑھا دیا اور ایک قابل شرم درندگی کو اپنا فخر سمجھا
لیکن یہ اسلام کا قصور نہین ہے - یہ خود ان لوگون کی عقلون کا قصور ہے جو انسانی خون کو چارپایون کے
خون سے بھی کم قدر سمجھتے ہین اور ابھی تک خونون سے سیر نہین ہوئے بلکہ اسی غرض کیلئے ایک مہدی
خونی کے منتظر ہین - گویا تمام قومون کو یہ ثبوت دینا چاہتے ہین کہ اسلام اپنی اشاعت کے لئے ہمیشہ جبر اور
زبردستی کا محتاج رہا ہے اور اس مین کوئی خفیف اور سبک سچائی بھی نہین +

مجھے معلوم ہوتا ہے کہ حال کے بعض مولوی اس انحطاط پر ابھی راضی نہین ہین جو اسلام کو پیش
آ رہا ہے اور وہ ایسے عقیدون پر زور دیکر کسی اور اسفل مقام تک اسلام کو پہنچانا چاہتے ہین - لیکن
یقیناً سمجھو کہ خدا کو منظور نہین ہے کہ اسلام ایسی ملامتون اور تہمتون کا نشانہ بنے - نادان مخالفون کے
لئے یہ ابتلا بس ہے کہ وہ ابتک اپنے اس خیال پر جمے ہوئے ہین کہ گویا ابتدائی زمانہ مین اور بعد مین
بھی اسلام اپنی جماعت بڑھانے کے لئے تلوار سے کام لیتا رہا ہے - اب یہ زمانہ اور یہ وقت وہ ہے
کہ اس غلطی کو دلون کے اندر سے نکالدیا جائے نہ یہ کہ اور بھی پختہ کیا جائے - اگر اسلام کے مولوی
اتفاق کرکے اس بات پر زور دین کہ وہ وحشی مسلمانون کے دلون سے اس غلطی کو نکال دین تو وہ

بلاشبہ قوم پہ ایک بڑا احسان کرین گے اور نہ صرف یہی بلکہ ان کے ذریعہ سے اسلام کی خوبیون کی
ایک بھاری جڑھ لوگون پہ ظاہر ہو جائے گی اور وہ سب کراہتین جو اپنی غلطیون سے مذہبی مخالف
اسلام کی نسبت رکھتے ہین وہ جاتی رہین گی تب ان کی نظرین صاف ہو کر جلد تر اس چشمہ نور سے فیض
اٹھائین گی - یہ تو ظاہر ہے کہ ایک خونی انسان کے نزدیک کوئی نہین آسکتا - ہر ایک شخص اس سے
ڈرتا ہے - خاصکر بچے اور عورتین اسکو دیکھکر کانپتی ہین اور وہ ایک مجنون کی طرح دکھائی دیتا ہے
اور ایک غیر مذاہب کا مخالف اسکے پاس رات رہنے سے بھی اندیشہ کرتا ہے کہ مبادا غازی بننے کے
لئے رات اٹھکر اس کو قتل نہ کردے کیونکہ انہین ثوابون کے خیال سے بعض سرحدی ابتک ناحق کی
خون کر کے یہ خیال کر لیتے ہین کہ آج ہم نے اپنے ایک ہی عمل سے بہشت حاصل کر لیا ہے اور اس کی تمام
نعمتون کے مستحق ہو گئے سو کس قدر جائے شرم ہے کہ غیر قومون کو مسلمانون کی ہمسائیگی سے امان اٹھ
گیا ہے اور وہ اپنے دلون مین کبھی تسلی نہین پکڑ سکتے کہ اگر موقعہ پاوین تو یہ قوم ہم سے کچھ نیکی
کر سکے گی - ایسے نمونے بار بار پیش آتے ہین کہ ایک غیر قوم کے انسان کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ درحقیقت
مسلمانون کے اس چھپے ہوئے عقیدہ سے ہراسان اور لرزان نظر آتا ہے +

مین ایک ایسا نظارہ دیکھ چکا ہون اور وہ یہ کہ شاید ۲۰ - نومبر ۱۹۰۲ء کا یہ واقعہ ہے - جو
ہمارے اس جگہ قادیان مین ایک انگریز آیا اور اس وقت ہماری جماعت کے لوگ بہت جمع
تھے اور کوئی مذہبی گفتگو شروع تھی کہ وہ آکر ایک کنارہ پہ کھڑا ہو گیا - تب اس کو بہت خلق سے
بلایا گیا - اور اپنے پاس بٹھایا گیا اور معلوم ہوا کہ وہ ایک سیاح انگریز ہے - جو عرب کا ملک بھی دیکھ
آیا ہے اور ہماری ...... جماعت کی تصویرین لینا چاہتا ہے - چنانچہ اس کے کام مین اسکو مدد دی گئی
اور اسکو خاطر داری اور دلجوئی کے طور پہ کہا گیا کہ وہ چند روز ہمارے پاس رہے - مگر معلوم ہوا کہ وہ ڈرتا
تھا اور اس نے بیان کیا کہ مین نے بہت مسلمان دیکھے ہین کہ عیسائیون کو بے رحمی سے قتل کر دیتے ہین
چنانچہ اس نے ایسے چند قصے بغداد کے بھی سنائے جس مین ایسی وارداتین بڑی بیرحمی سے ہوئین تھین
تب اسکو بڑی نرمی اور خلق سے سمجھایا گیا کہ یہ جماعت جو احمدی فرقہ کہلاتا ہے - ایسے عقائد سے
سخت بیزار اور ایسے لوگون کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور انسانی حقوق کی نسبت جو کچھ اس
فرقے نے کام کرنا ہے وہ یہی ہے کہ اسلام مین سے ایسے خیالات کا استیصال کر دیوے - تب اسکا دل

مطمئن ہوا اور وہ خوشی سے ہمارے پاس ایک رات رہا +

اس قصّہ کے بیان سے غرض یہ ہے کہ مسلمانون کے ایسے عقیدے جو سراسر خلاف قرآن ہین غیر
قومون کو بہت مضر ہوئے ہین اور ان کے دلون مین بدظنی اور نفرت پیدا ہو گئی ہے - اور مسلمانون
کی سچی ہمدردی کی نسبت ان کے نیک ظن بہت ہی کم ہو گئے ہین اور اگر کچھ ہین بھی تو ایسے لوگون کی
نسبت جو مولویانہ زندگی نہین رکھتے اور اسلامی اصولون کی پابندی کی چندان پروا نہین کرتے پس
جبکہ مسلمانون کی نسبت اس قدر بدظنی بڑھ گئی ہے جسکے بڑھانے کے وہ خود ہی موجب ہین - تو
کیا اس سے بڑھکر کوئی اور گناہ بھی ہوگا کہ ایک دنیا کو ایسے علما اور ان کے معتقدون نے اسلامی
فیوض سے محروم کر دیا ہے - کیا ایسا مذہب خدا کیطرف سے ہو سکتا ہے جو دلونکے اندر اپنی تعلیم کو
بغیر اسکے نہین اتار سکتا - جبتک تلوار کی چمک نہ دکھلاوے - مذہب سچا تو وہ ہے جو اپنی ذاتی
خاصیت اور طاقت سے دلائل قاطعہ سے خود تلوار کا کام دے نہ یہ کہ لوہے کی تلوار کا محتاج ہو

یہی خرابیان ہین جو ہر وقت تقاضا کر رہی ہین - جو کوئی مصلح پیدا ہو جب ہم اسلام کی
اندرونی حالت پر غور کرین تو ایسی خوفناک حالت ہے - جو گویا سورج کو گرہن لگا ہوا ہے اور اس کا
بہت سا حصہ تاریک ہو چکا ہے اور کچھ تھوڑا سا باقی ہے - مسلمانون کی عملی حالتین قابل رحم ہین
بعض حدیثین ایسی بنائی گئی ہین جو ان کی اخلاقی حالت پر بہت ہی برا اثر ڈالتی ہین اور خدا کے
مقرر کردہ قوانین کی دشمن ہین - مثلاً خدا کے قانون نے انسانون کی نوع کے لئے تین قسم کے
حقوق قائم کئے تھے - یہ کہ بیگناہ کسی کو قتل نہ کرین - اور کبھی بیجا کسی کی عزت مین خلل انداز نہ ہون
اور یہ کہ بغیر کسی حق کے کسی کا مال نہ لیوین - مگر مین دیکھتا ہون کہ بعض مسلمانون نے ان تینون حکمونکو
توڑ دیا ہے وہ ایک بیگناہ کا خون کر دیتے ہین اور نہین ڈرتے - انکے احمق مولویون نے ایسے فتوے
بھی دے رکھے ہین کہ غیر قومون کی عورتون کو جنکو وہ کافر اور بیدین کہتے ہین کسی حیلہ سے بہکا لیجانا
جائز ہے یا پکڑ لینا - اور پھر اپنی عورت بنانا اور ایسا ہی کافرون کا مال خیانت اور چوری کی راہ
سے لینا روا ہے - کوئی گناہ نہین - اب سوچنا چاہیئے کہ جس مذہب مین اسقدر خرابی پیدا ہو جائے
کہ اس مین ایسے ایسے بھی مولوی فتوے دینے والے موجود ہین وہ مذہب کسقدر خطرناک حالتین ہے
نفس پرست لوگون نے یہ سب فتوے اپنی طرف سے بنا لئے ہین اور خدا اور رسول پر افترا کیا ہے

یہ تمام گناہ جو نادان وحشی کر رہے ہین سب ان کی گردن پر ہے۔ وہ بھیڑیئے ہین مگر بھیڑون کے لباس ہین ظاہر ہوتے ہین اور دھوکہ دیتے ہین۔ وہ زہر ہین مگر اپنے تیئن خوبصورت تریاق دکھاتے ہین وہ اسلام کے لئے اور خدا کی مخلوق کے لئے سخت بدخواہ ہین اور ان کے دل رحم اور ہمدردی سے خالی ہین مگر اپنے تیئن چھپاتے ہین۔ وہ مکاری سے وعظ کرتے اور اپنی نفسانی اغراض مدنظر رکھتے ہین۔ وہ زاہدانہ لباسون مین مسجدون مین آتے مگر فاسقانہ عادتین ان کے چھپی ہوئی ہین۔ یہ ایک ملک کی حالت نہین ہے اور نہ کسی خاص شہر کی نہ کسی خاص فرقہ کی بلکہ تمام اسلامی دنیا مین ایک گروہ ایسا ہے جو علمار کہلاتے اور مولویانہ جبے پہنتے ہین۔ اور جہانتک ممکن ہے اپنی صورتین متدین لوگون کی طرح بناتے ہین تا ان کو بہت بزرگ اور مقدس سمجھا جائے مگر اُن کے اعمال گواہی دیتے ہین کہ وہ کیا ہین اور سیرتے انسان ہین وہ نہین چاہتے کہ دنیا مین سچی پاکیزگی اور سچی ہمدردی پھیلے کیونکہ اسمین وہ اپنا نقصان کرتے ہین +

غرض آج کل اسلام بڑی مشکلات مین پھنس گیا ہے۔ اکثر روحین مرگئی ہین ان مین نیکی کی طرف ذرہ حرکت نہین اعتدال کو ان لوگون نے بکلی چھوڑ دیا ہے۔ ان مین ایک وہ گروہ ہے جو قبرون کی پوجا کرتے ہین اور خانہ کعبہ کی طرح ان کا طواف بجالاتے ہین اور اپنے پیرون کی روحون کو ایسا قادر اور متصرف جانتے کہ گویا سب کچھ ان کو خدا کی طرف سے اختیار دیا گیا ہے۔ اکثر گدیان ایسے ہی پاؤ گے جن کے ساتھ قبر بھی ہے جن کی وہ اپنے مریدون سے پوجا کراتے ہین اور اگر کوئی ان سے کرامت کا طالب ہوتا ہے تو صاحب قبر کی ہزارون کرامتین سنادیتے ہین اور ثبوت ایک کا بھی نہین ان کے نزدیک اسلام کا مغز قبر پرستی ہے اور تمام دوسرے مسلمانونکو وہ گمراہ جانتے ہین۔ یہ تو وہ فریق ہے جس نے افراط کی راہ لی ہے ان کے مقابل پر ایک تفریط کا گروہ بھی موجود ہے اور وہ انکار کرنے مین حد سے گذر گئے ہین۔ یہانتک کہ ولایت تو ولایت ان کے نزدیک نبوت بھی کچھ چیز نہین۔ معجزات سے وہ قطعاً منکر ہین اور ان پر ہنسی اور ٹھٹھا اُڑاتے ہین اور وحی کی یہ تعبیر کرتے ہین کہ وہ صاحب کتاب کے اپنے دل کے ہی خیالات ہوتے ہین اور اسکو ایسے خیالات کی تراش خراش مین ایک ملکہ ہوتا ہے اور ایسی پیشگوئی جو عقلی فراست کی حد سے دور ہو

اور خالص غیب کی خبر ہو غیر ممکن ہے۔ غرض انکے نزدیک نہ خدا کی طرف سے کوئی وحی نازل ہوتی ہے اور نہ معجزہ کچھ چیز ہے اور نہ پیشگوئی کچھ حقیقت رکھتی ہے اور مردون کی قبر بجز صرف خاک کا ڈھیر ہے جن کے ساتھ روح کا کوئی علاقہ نہین۔ اور مردون کا جی اٹھنا کم عقلی کے زمانہ کی کہانیان ہین۔ اور آخرت کا فکر دیوانگی ہے۔ اور تمام عقلمندی اسی مین ہے کہ دنیا کمانے کی لیاقتین حاصل کرین۔ اور جو لوگ دن رات دنیا مین اور دنیا کی کارستانیون مین مشغول ہین ان کی پیروی کرین اور ایسے ہی بنجائین +

یہ افراط تفریط تو مسئلہ نبوت اور معاد کے متعلق ہے۔ مگر بجز اس کے بات بات مین مسلمانون کے امور معاشرت مین افراط تفریط پائی جاتی ہے۔ نہ کلام مین اعتدال پایا جاتا ہے۔ نہ کام مین۔ نہ اخلاق مین نہ نکاح مین نہ طلاق مین نہ امساک مین نہ انفاق مین۔ نہ غضب مین نہ رحم مین نہ انتقام مین نہ عفو مین۔ غرض اس قوم مین عجیب قسم کا طوفان بے تمیزی برپا ہے جہالت کا کچھ انتہا نہین ضلالت کا کچھ حد و پایان نہین۔ پھر جبکہ وہ قوم جو توحید اور میانہ روی کا عامہ پہن کر دنیا مین ظاہر ہوئی تھی اس کی بے اعتدالیون کی یہانتک نوبت پہونچ گئی ہے تو دوسری قومون پر افسوس اور کیا ذکر +

عیسائی قوم کا مرکز ایسی زمین ہے جس مین زیرکی اور قویٰ دماغی کی لطافت بہت کچھ امیدین دلاتی تھی۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دین اور توحید کے معاملہ مین انہون نے بھی طبعی اور فلسفہ پڑھکر ڈبو دیا ہے۔ ایکطرف جب ہم نظر کرتے ہین کہ وہ امور دنیا کی تدبیر اور ترتیب اور آئے دن جدید صنعتون کے نکالنے مین کس انتہائی نقطہ تک پہنچ گئے ہین اور پھر جب ہم دوسری طرف دیکھتے ہین کہ وہ خدا شناسی کے مسئلہ مین کیسے گر گئے ہین اور کیسے ایک عاجز انسان کو رب العالمین سمجھ بیٹھے ہین تو حیرت ہوتی ہے کہ دنیا کے کامون مین یہ ذہن رسا اور خدا شناسی مین یہ عقل و دکا اور جب ہم غور کرین کہ عیسائیون اور مسلمانون مین افراط تفریط کے رو سے ما بہ الامتیاز کیا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانون مین ایسے لوگ بہت ہین جو بنی نوع کے حقوق تلف کرتے ہین اور عیسائیون مین ایسے لوگ ہین جو خدا کے حقوق کو تلف کرتے ہین۔ کیونکہ مسلمانون کو جہاد کے مسئلہ کی غلطی نے ایسا سخت دل کر دیا ہے کہ نوع انسان کی سچی محبت ان کے دلون مین نہین رہی

لہذا ان مین سے وحشی لوگ کیسی ادنے غرض نفسانی یا جوش شیطانی کی وجہ سے بیگناہ انسان کا خون کرنے کو تیار ہوجاتے ہین اور بے آبرو کرنے اور مال چھیننے سے بھی دریغ نہین کرتے اور بنی نوع کے حقوق کا ایک ضروری حصہ تلف کرکے انسانیت کو داغ لگا دیا ہے۔ پھر جب ہم عیسائیون کے حالات کو غور کی نظر سے دیکھین تو بکمال صفائی کھلجاتا ہے کہ انہون نے خدا کے حقوق تلف کرنے مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا اور ایک عاجز انسان کو بے وجہ خدا بنا رکھا ہے اور جس غرض کیلئے خدا بنایا گیا تھا وہ غرض حاصل بھی نہین ہوئی۔ اگر گناہ سے پاک ہونے کے لئے یہی نسخہ تھا کہ یسوع مسیح کے خون سے ایمان لایا جائے تو کیون یہ نسخہ یورپ کے لوگون کو دنیا پرستی اور طرح طرح کے ناجائز شہوات کے گناہ سے کہ جن کا ذکر کرنا بھی جائے شرم ہے پاک نہین کرسکا۔ بلکہ بجائے اس کے فوق العادت ترقی ہوئی۔ کیا یورپ کے ملک بدکاریون مین ایشیائی ملکون سے کچھ کم ہین تو پھر اس غیر موثر نسخہ پر کیون نظر ثانی نہین کیگئی۔ دنیا کی چند روزہ صحت کے لئے ہر ایک ڈاکٹر اور بیمار اس قاعدہ کا پابند رہتا ہے کہ جب ایک نسخہ سے ہفتہ عشرہ تک کوئی فائدہ نہین ہوتا تو وہ نسخہ بدلنا پڑتا ہے اور کوئی اور احسن تجویز سوچی جاتی ہے تو پھر کیا وجہ کہ باوجود غلط ثابت ہونے کے اب تک یہ نسخہ بدلایا نہین گیا کیا باوجود انیس سو برس لاحاصل گذر جانے کے ابتک یہ خیال قابل وقعت ہے کہ خون مسیح پر ایمان لانا حقیقی نجات کو عطا کرتا ہے یا یہ امید کرسکتے ہین کہ اگرچہ موجودہ زمانہ تک کوئی امتیاز فیصلہ کرنے والے ظاہر نہین ہوئے لیکن آیندہ وہ زمانہ آنے والا ہے کہ دنیا مین سب سے زیادہ بدکاریون اور بدمستیون سے پرہیز کرنے والے عیسائی ہون گے جو شخص یورپ کے ملکون مین سے کسی ملک مین رہتا ہو وہ اگر چاہے گواہی دے سکتا ہو کہ یہ بیان درست ہے۔ بلکہ ہر ایک دانشمند جس نے کبھی یورپ کی سیر کی ہے۔ اور کچھ عرصہ پیرس وغیرہ مین رہ چکا ہے اس کو اس گواہی مین تامل نہین ہوگا کہ اب بعض حصے یورپ کے اس حالت تک پہونچ گئے ہین کہ قریب ہے کہ بہتون کی نظر مین بدکاری کچھ گناہ ہی نہین ہے ان کے نزدیک ایک بیوی سے زیادہ نکاح حرام ہے مگر بدنظری حرام نہین درحقیقت فرانس وغیرہ مین لاکھون عورتین ایسی پائی جائین گی جن کو خاوند کی ضرورت نہین پس اب یا تو کہنا پڑے گا کہ انکے لئے کوئی نئی آیت انجیل مین سے نکل آئی ہے جس سے یہ سب کارروائیان حلال ہوگئی ہین یا ضرور یہ کہنا پڑے گا کہ خون مسیح کے نسخہ نے الٹا اثر کیا ہے اور دعوے غلط نکلا۔ لیکن سچ یہی ہے کہ یہ نسخہ صحیح نہ تھا +

اور ایک شخص کے مرنے کو دوسرے شخص کے نجات پانے سے کوئی طبعی تعلق نہین - اور خدا کا زندہ ہونا تمام برکات کا مدار ہے نہ کہ مرنا اور سورج کے طلوع کرنے سے روشنی پیدا ہوتی ہے نہ کہ ڈوبنے سے اور جبکہ اس نسخہ سے گناہون سے پاک ہونے کا مقصود حاصل نہ ہو سکا تو وہ اصول بھی صحیح نہ رہا کہ خدا کا بیٹا تھا جس نے اس نیت سے اپنے تئین ہلاک کیا - ہم خدا کی نسبت ایسی موت تجویز نہین کرسکتے کہ جان بھی گئی اور کام بھی نہ ہوا اول تو یہ بات ہی خدا کے قدیم قانون قدرت کے مخالف ہے کہ خدا بھی موت اور فنا اور ہر ایک نقصان اور ذلت کو اپنے پر قبول کر کے ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ اس دعوے کو نہ تو کسی نظیر سے ثابت کیا گیا ہے تا یہ بات سمجھ مین آجائے کہ دو چار دفعہ پہلے بھی خدا نے ایسی طور سے جنم لیا تھا ...... اور دل قرار پکڑ جائے - اور نہ اس دعوی کو خدائی کرشمون کی ساتھ جو انسانی معجزات کی حد سے باہر ہون بپایہ ثبوت پہونچایا گیا ہے اور پھر باین ہمہ اس عقیدہ کی اصل غرض جس کے لئے یہ عقیدہ تراشا گیا تھا بالکل مفقود ہے دنیا مین نفسانی خواہشون کو پورا کرنے کے لئے بڑے بڑے دو گناہ ہین - ایک شراب نوشی اور ایک بدکاری - اب کہو کیا یہ سچ نہین ہے - کہ ان دو گناہون مین یورپ کے اکثر مردون اور عورتون نے پورا حصہ لیا ہے - بلکہ مین اس بات مین مبالغہ نہین دیکھتا کہ شراب نوشی مین ایشیا کے تمام ملکون کی نسبت یوروپ بڑھا ہوا ہے اور یورپ کے اکثر شہرون مین شراب فروشی کی اسقدر دوکانین ملین گی کہ ہمارے قصبون کی ہر قسم کی دوکانین ملا کر بھی ان سے کمتر ہون گی اور تجربہ شہادت دے رہا ہے کہ تمام گناہون کی جڑھ شراب ہی ہے کیونکہ وہ چند منٹ مین ہی بدمست بنا کر خون کرنے تک دلیر کر دیتی ہے اور دوسری قسم کا فسق و فجور اس کے ضروری لوازم ہین - مین سچ سچ کہتا ہون اور اسپر زور دیتا ہون کہ شراب اور تقوے ہرگز جمع نہین ہو سکتے - اور جو شخص اس کے بدنتیجون سے آگاہ نہین وہ عقلمند ہی نہین اور اسمین ایک اور بڑی مصیبت ہے کہ اس کی عادت کو ترک کرنا ہر ایک کا کام نہین +

اب اگر یہ سوال پیش ہے کہ اگر خون مسیح گناہون سے پاک نہین کر سکتا - جیسا کہ وہ واقعی طور پر پاک نہین کر سکا تو پھر گناہون سے پاک ہونے کا کوئی علاج بھی ہے یا نہین کیونکہ گندی زندگی درحقیقت مرنے سے بدتر ہے تو مین اس سوال کے جواب مین نہ صرف پر زور دعوی سے بلکہ اپنے ذاتی تجربہ سے اور اپنی حقیقت اس آزمایشون سے دیتا ہون کہ درحقیقت گناہون سے پاک

ہونے کے لئے اس وقت سے جو انسان پیدا ہوا آج تک جو آخری دن ہیں صرف ایک ہی ذریعہ گناہ
اور نافرمانی سے بچنے کا ثابت ہوا ہے اور وہ یہ کہ انسان یقینی دلائل اور چمکتے ہوئے نشانوں کے
ذریعہ سے اس معرفت تک پہنچ جائے کہ جو درحقیقت خدا کو دکھا دیتی ہے اور کھل جاتا ہے کہ خدا کا غضب
ایک کھا جانے والی آگ ہے اور پھر تجلی حسن الٰہی ہو کر ثابت ہو جاتا ہے کہ ہر یک کامل لذت خدا میں ہے
یعنی جلالی اور جمالی طور پر تمام پردے اٹھائے جاتے ہیں یہی ایک طریق ہے جس سے جذبات نفسانی
رکتے ہیں اور جس سے چار ناچار ایک تبدیلی انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اس جواب کے وقت کتنے
لوگ بول اٹھینگے کیا ہم خدا پر ایمان نہیں رکھتے۔ کیا ہم خدا سے نہیں ڈرتے اور اس سے محبت نہیں رکھتے
اور کیا تمام دنیا بجز تھوڑی افراد کے خدا کو نہیں مانتی اور پھر وہ طرح طرح کے گناہ بھی کرتے ہیں اور
انواع و اقسام کے فسق و فجور میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان اور چیز ہے اور
عرفان اور چیز ہے۔ اور ہماری تقریر کا یہ مدعا نہیں ہے کہ مومن گناہ سے بچتا ہے بلکہ یہ مدعا ہے کہ عارف
کامل گناہ سے بچتا ہے یعنی وہ کہ جس نے خوف الٰہی کا مزہ بھی چکھا اور محبت الٰہی کا بھی۔ شاید کوئی کہے
کہ شیطان کو معرفت کامل حاصل ہے پھر وہ کیوں نافرمان ہے اس کا یہی جواب ہے کہ اسکو وہ معرفت کامل
ہرگز حاصل نہیں ہے جو سعیدوں کو بخشی جاتی ہے۔ انسان کی یہ فطرت میں ہے کہ کامل درجہ کے علم سے ضرور
وہ متاثر ہوتا ہے اور جب ہلاکت کی راہ اپنا ہیبت ناک منہ دکھاوے تو اسکے سامنے نہیں آتا مگر ایمان کی
حقیقت صرف یہ ہے کہ حسن ظن سے مان لے لیکن عرفان کی حقیقت یہ ہے کہ اس مانی ہوئی بات کو دیکھ بھی
لے۔ پس عرفان اور عصیان دونوں کا ایک ہی دل میں جمع ہونا محال ہے جیسا کہ دن اور رات کا ایک ہی وقت
میں جمع ہو جانا محال ہے +

تمہارا روزمرہ کا تجربہ ہے کہ ایک چیز کا مفید ہونا جب ثابت ہو جائے تو فی الفور اس کی طرف ایک
رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور جب مضر ہونا ثابت ہو جائے تو فی الفور دل اس سے ڈرنے لگتا ہے مثلاً جسکو
یہ معلوم نہیں کہ یہ چیز جو میرے ہاتھ میں ہے یہ سم الفار ہے وہ اسکو طباشیر یا کوئی مفید دوا سمجھ کر ایک ہی
وقت میں تولہ یا دو تولہ تک بھی کھا سکتا ہے لیکن جسکو اس بات کا تجربہ ہو چکا ہے کہ یہ تو زہر قاتل ہے
ہے وہ بقدر ایک ماشہ بھی اس کو استعمال نہیں کر سکتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے کھانے کے ساتھ ہی دنیا
سے رخصت ہو جائیگا۔ اسی طرح جب انسان کو واقعی طور پر علم ہو جاتا ہے کہ بلا شبہ خدا موجود ہے

اور در حقیقت تمام قسم کے گناہ اس کی نظر مین قابل سزا ہین - جیسے چوری - خونریزی - بدکاری ظلم
خیانت - شرک - جھوٹ - جھوٹی گواہی دینا - تکبر - ریاکاری - حرامخوری - دغا - دشنام دہی - دھوکہ دینا -
بدعہدی - غفلت اور بدمستی مین زندگی گذارنا - خدا کا شکر نہ کرنا - خدا سے نہ ڈرنا - اس کے بندون کی
ہمدردی نہ کرنا - خدا کو پرخوف دل کے ساتھ یاد نہ کرنا - عیاشی اور دنیا کی لذات مین بکلی محو ہوجانا اور
منعم حقیقی کو فراموش کردینا - دعا اور عاجزی سے کچھ غرض اور واسطہ نہ رکھنا - فروختنی چیز مین کھوٹ
ملانا - یا کم وزن کرنا - یا نرخ بازار سے کم بیچنا - ماں باپ کی خدمت نہ کرنا - بیویون سے نیک معاشرت نہ
رکھنا - خاوند کی پورے طور پر اطاعت نہ کرنا - نامحرم مردون یا عورتون کو نظر بد سے دیکھنا - یتیمون ضعیفون
کمزورون درماندون کی کچھ پرواہ نہ کرنا - ہمسایہ کے حقوق کا کچھ بھی لحاظ نہ رکھنا اور اسکو دکھ دینا - اپنی
بڑائی ثابت کرنے کے لئے دوسرے کی توہین کرنا - کسی کو دلآزار لفظون کے ساتھ ٹھٹھا کرنا - یا توہین
کے طور پر کوئی بدنی نقص اس کا بیان کرنا - یا کوئی برا لقب اسکا رکھنا - یا کوئی بیجا تہمت اسپر لگانا
یا خدا پر افترا کرنا اور نعوذ باللہ کوئی جھوٹا دعوے نبوت یا رسالت یا منجانب اللہ ہونیکا کر دینا -
یا خدا تعالے کے وجود سے منکر ہو جانا - یا ایک عادل بادشاہ سے بغاوت کرنا اور شرارت سے ملک مین فساد
برپا کرنا تو یہ تمام گناہ اس علم کے بعد کہ ہر یک ارتکاب سے سزا کا ہونا ایک ضروری امر ہے خود بخود
ترک ہو جاتے ہین +

شائد پھر کوئی دھوکہ کھا کر یہ سوال پیش کردے کہ باوجود اسکے کہ جانتے بھی ہین کہ خدا موجود
ہے اور یہ بھی جانتے ہین کہ گناہون کی سزا ہوگی - پھر بھی ہم سے گناہ ہوتا ہے اسلئے ہم کسی اور ذریعہ
کے محتاج ہین تو ہم اسکا وہی جواب دینگے جو پہلے دے چکے ہیں کہ ہرگز ممکن نہین اور کسی طرح ممکن نہین
کہ تم اس بات کی پوری بصیرت حاصل کرکے کہ گناہ کرنیکے ساتھ ہی ایک بجلی کی طرح تم پر سزا کی آگ
برسے گی پھر بھی تم گناہ پر دلیر ہوسکو گے یہ ایسی فلاسفی ہے جو کسی طرح ٹوٹ نہین سکتی - سوچو اور خوب
سوچو کہ جہان جہان سزا پانے کا پورا یقین تمہین حاصل ہے وہان تم ہرگز اس یقین کے برخلاف کوئی
حرکت نہین کرسکتے - بھلا بتلاؤ کیا تم آگ مین اپنا ہاتھ ڈال سکتے ہو - کیا تم پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اپنے تئین
گرا سکتے ہو کیا تم کنوئین مین گر سکتے ہو کیا تم چلتی ہوئی ریل کے آگے لیٹ سکتے ہو کیا تم شیر کے منہ
مین اپنا ہاتھ دے سکتے ہو - کیا تم دیوانہ کتے کے آگے اپنا پیر کر سکتے ہو کیا تم ایسی جگہ ٹھہر سکتے ہو جہان

بڑی خوفناک صورت سے بجلی گر رہی ہے - کیا تم ایسے گھر سے جلد باہر نہین نکلتے جہان شہتیر ٹوٹنے
لگا ہے یا زلزلہ سے زمین نیچے کو دھسنے لگی ہے - بھلا تم مین سے کون ہے - جو ایک زہریلا سانپ
کو اپنے پلنگ پر دیکھے اور جلد کود کر نیچے نہ آجائے - بھلا ایک ایسے شخص کا نام تو لو کہ جب اسکے کوٹھہ
کو جسکے اندر وہ سوتا تھا آگ لگ جائے تو وہ سب کچھہ چھوڑکر باہر کو نہ بھاگے تو اب بتلاؤ کہ ایسا تم
کیون کرتے ہو اور کیون ان تمام موذی چیزون سے علیحدہ ہو جاتے ہو مگر وہ گناہ کی باتین جو ابھی
مین نے لکھی ہین ان سے تم علیحدہ نہین ہوتے اس کا کیا سبب ہے پس یاد رکھو کہ وہ جواب جو ایک
عقلمند پوری سوچ اور عقل کے بعد دیسکتا ہے وہ یہی ہے کہ ان دونون صورتون مین علم کا فرق ہے
یعنی خدا کے گناہون مین اکثر انسانون کا علم ناقص ہے اور وہ گناہون کو برا تو جانتے ہین مگر شیر اور
سانپ کی طرح نہین سمجھتے اور پوشیدہ طور پر انکے دلون مین یہ خیالات ہین کہ یہ سزائین یقینی نہین
ہین - یہانتک کہ خدا کے وجود مین بھی ان کو شک ہے کہ وہ ہے یا نہین اور اگر ہے تو پھر کیا خبر کہ روح
کو بعد مرنیکے بقا ہے یا نہین اور اگر بقا بھی ہے تو پھر کیا معلوم کہ ان جرائم کی کچھہ سزا بھی ہے یا نہین
بلاشبہ بہتون کے دلون کے اندر یہی خیال چھپا ہوا موجود ہے - جسپر انہین اطلاع نہین لیکن وہ خوف
کے تمام مقامات جن سے وہ پرہیز کرتے ہین جن کی چند نظیرین مین لکھہ چکا ہون انکی نسبت سب کو
یقین ہے کہ ان چیزون کے نزدیک جاکر ہم ہلاک ہو جائینگے اسلئے ان کے نزدیک نہین جاتے بلکہ ایسی
مہلک چیزین اگر اتفاقاً سامنے بھی آجائین تو چیخین مارکر اُن سے دور بھاگتے ہین سو اصل حقیقت
یہی ہے کہ ان چیزونکے دیکھنے کیوقت انسان کو علم الیقین ہے کہ انکا استعمال موجب ہلاکت ہے - مگر مذہبی احکام
مین علم یقینی نہین ہے بلکہ محض ظن ہے اور اُس جگہ رویت ہے اور اس جگہ محض کہانی ہے سو مجرد
کہانیون سے گناہ ہرگز دور نہین ہو سکتے - مین اس لئے تمہین سچ سچ کہتا ہون کہ اگر ایک مسیح نہین
ہزار مسیح بھی مصلوب ہو جائین تو وہ تمہین حقیقی نجات ہرگز نہین دیسکتے - کیونکہ گناہ سے یا کامل خوف
چھوڑاتا ہے یا کامل محبت اور مسیح کا صلیب پر مرنا اول خود جھوٹھ اور پھر اُس کو گناہ کا جوش بند
کرنے سے کوئی بھی تعلق نہین - سوچ لو کہ یہ دعوٰی تاریکی مین پڑا ہوا ہے جسپر نہ تجربہ شہادت
دیسکتا ہے اور نہ مسیح کی خودکشی کی حرکت کو دوسرون کے گناہ بخشے جانے سے کوئی تعلق پایا جاتا
ہے حقیقی نجات کی فلاسفی یہ ہے کہ اسی دنیا مین انسان گناہ کے دوزخ سے نجات پا جائے مگر تم سوچ لو

کہ کیا تم ایسی کہانیون سے گناہ کے دوزخ سے نجات پاگئے یا کبھی کسی نے ان بیہودہ قصونسے نہین کچھ بھی سچائی نہین اور جنکو حقیقی نجات کے ساتھ کوئی بھی رشتہ نہین۔ نجات پائی ہی مشرق و مغرب مین تلاش کرو کبھی تمہین ایسے لوگ نہین ملین گے جو ان قصون سے اُس حقیقی پاکیزگی تک پہونچگئے ہون جس سے خدا نظر آجاتا ہے اور جس سے نہ صرف گناہ سے بیزاری ہوتی ہے۔ بلکہ بہشت کی صورت پر سچائی کی لذتین شروع ہوجاتی ہین۔ اور انسان کی روح پانی کیطرح بہ کر خدا کے آستانہ پر گرجاتی ہے اور آسمان سے ایک روشنی اترتی اور تمام نفسانی ظلمت کو دور کردیتی ہے۔ اُسی طرح جبکہ تم روز روشن مین چارون طرف کھڑکیان کھولدو تو یہ طبعی قانون تمہین نظر آجائیگا۔ کہ فی الفور سورج کی روشنی تمہارے اندر آجائے گی لیکن اگر تم اپنی کھڑکیان بند رکھوگے تو محض کسی قصہ یا کہانی سے وہ روشنی تمہارے اندر نہین آسکتی تمہین روشنی لینے کے لئے یہ ضرور کرنا پڑے گا کہ اپنے مقام سے اُٹھو اور کھڑکیان کھولدو تب خودبخود روشنی تمہارے اندر آجائیگی اور تمہارے گھر کو روشن کردیگی۔ کیا کوئی صرف پانی کے خیال سے اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔ نہین بلکہ اُس کو چاہئے کہ اُفتان و خیزان پانی کے چشمہ پر پہونچے۔ اور اُس زلال پر اپنی لبین رکھدے تب اُس آب شیرین سے سیراب ہوجائے گا۔

سو وہ پانی جس سے تم سیراب ہوجاؤگے اور گناہ کی سوزش اور جلن جاتی رہیگی وہ یقین ہے۔ آسمان کے نیچے گناہ سے پاک ہونیکیلئے بجز اس کے کوئی بھی حیلہ نہین کوئی صلیب نہین جو تمہین گناہ سے چھوڑا سکے۔ کوئی خون نہین جو تمہین نفسانی جذبات سے روک سکے۔ ان باتون کو حقیقی نجات سے کوئی رشتہ اور تعلق نہین۔ حقیقتونکو سمجھو۔ سچائیون پر غور کرو۔ اور جسطرح دنیا کی چیزون کو آزماتے ہو اس کو بھی آزماؤ۔ تب تمہین جلد سمجھ آجائے گی کہ بغیر سچے یقین کے کوئی روشنی نہین جو تمہین نفسانی ظلمت سے چھوڑا سکے اور بغیر کامل بصیرت کے مصفا پانی کے تمہاری اندرونی غلاظتون کو کوئی بھی دھو نہین سکتا۔ اور بغیر رویت حق کی زلال کے تمہاری جلن اور سوزش کبھی دور نہین ہوسکتی۔ جھوٹا ہے وہ شخص جو اُسکے دور کی تدبیرین تمہین بتلاتا ہے اور جاہل ہے وہ انسان جو اور قسم کا علاج کرنا چاہتا ہے۔ وہ لوگ تمہین روشنی نہین دیسکتے بلکہ اور بھی ظلمت کے گڑھے مین ڈالتے ہین اور تمہین آب شیرین نہین دیتے بلکہ وہ اور بھی جلن اور سوزش زیادہ کرتے ہین۔ کوئی خون تمہین فائدہ نہین پہنچا سکتا مگر وہ خون جو یقین کی غذا سے خود تمہارے اندر پیدا ہو۔ اور کوئی صلیب تمہین چھوڑا نہین سکتی مگر راہ راست کی صلیب یعنی سچائی پر صبر کرنا۔ سو تم آنکھین کھولو اور دیکھو کہ کیا یہ سچ نہین کہ تم روشنی سے ہی دیکھ سکتے ہو نہ کسی اور چیز سے اور صرف

سیدھی راہ سے منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہو۔ نہ کسی اور راہ سے دنیا کی چیزین تم سے نزدیک ہین اور
دین کی چیزین دور۔ پس جو نزدیک ہے انہین پر غور کرو اور ان کا قانون سمجھ لو اور پھر دور کو۔۔۔
اس پر قیاس کر لو۔ کیونکہ وہی ایک ہے جس نے یہ دونون قانون بنائے ہین تم مین سے کون ہے
جو بغیر آنکھون کے دیکھ سکتا ہے یا بغیر کانون کے سن سکتا ہو یا بغیر زبان کے بول سکتا ہے۔
پھر تم کیون اسی قانون سے روحانی امور مین فائدہ نہین اٹھاتے۔ تم آنکھون کے ہوتے ہوئے
کسی ایسے مقام پر ٹھہر سکتے ہو جو تاہ گڑھے کے قریب ہے۔ یا کانون کے ہوتے ہوئے تم ایسی آواز
سے متنبہ نہین ہو سکتے جو چورون کی آمد کی تمہین خبر دیتی ہے یا زبان کے ہوتے ہوئے جو تمہین
کڑوی اور شیرین مین فرق دکھلاتی ہے پھر بھی کڑوی اور زہریلی چیزین کھا سکتے ہو۔ جو
تمہاری زبان کو کاٹین اور تمہارے معدہ مین فساد پیدا کرین اور قے لا دین اور بدن کو سڑا دین
اور انجام کار ہلاک کر دین۔ سو تم انہین اعضا سے سمجھ لو کہ تم روحانی طور پر بھی روحانی زندگی کیلئے
اس بات کے محتاج ہو کہ تمہین ایک روشنی ملے جو بُرے راہون کی بُرائی تمہین دکھائی دے اور تمہین
ایک آواز ملے جو چورون اور ڈاکوون کے گذرگاہ سے تمہین علیحدہ کرے اور تمہین ایک ذائقہ
ملے جس سے تم کڑوی اور شیرین اور زہر اور تریاق مین فرق کر سکو سو جن باتون کو ہلاکت سے
بچنے کے لئے تمہین طلب کرنا چاہئے وہ یہی ہین۔ یہ کسی طرح ممکن نہین کہ تم بغیر روشنی حاصل کرنے کے محض
رہ کر پھر کسی خون سے نجات پا جاؤ۔ نجات کوئی ایسی شے نہین ہے جو اس دنیا کے بعد ملے گی۔
سچی اور حقیقی نجات اسی دنیا مین ملتی ہے وہ ایک روشنی ہو جو دلون پر اترتی ہے اور دکھا دیتی
ہے کہ کونسے ہلاکت کے گڑھے ہین۔ حق اور حکمت کی راہ پر چلو کہ اس سے خدا کو پاؤ گے اور اپنے
دلون مین گرمی پیدا کرو تا سچائی کی طرف حرکت کر سکو۔ بد نصیب ہے وہ دل جو ٹھنڈا پڑا ہو اور بدبخت
ہے وہ طبیعت جو افسردہ ہے اور مردہ ہے۔ وہ کانشنس جس مین چمک نہین۔ پس تم اس ڈول سے
کم نہ رہو جو کنوئین مین خالی گرتا اور پھر کر نکلتا ہے اور اس چھاننی کی صفت مت اختیار کرو
جس مین کچھ بھی پانی نہین ٹھہر سکتا اور ایک راہ سے آتا اور دوسری راہ سے چلا جاتا ہو۔ کوشش
کرو کہ تندرست ہو جاؤ اور وہ دنیا طلبی کے تپ کی زہریلی گرمی دور ہو جائے جسکی وجہ سے نہ آنکھو مین
روشنی ہے نہ کان اچھی طرح سن سکتے ہین نہ زبان کا مزہ درست ہے۔ اور نہ ہاتھون مین

زوراور نہ پیرون مین طاقت ہے۔ایک تعلق کو قطع کرو تا دوسرا تعلق پیدا ہو۔ایک طرف سے دل کو
روکو تا دوسری طرف دل کو راہ ملجائے۔زمین کا نجس کیڑا پھینک دو تا آسمان کا چمکیلا ہیرا
تمہین عطا ہو۔اور اپنے مبدا کیطرف رجوع کرو وہی مبدا جبکہ آدم اس خدائی روح سے زندہ
کیا گیا تھا تا تمہین تمام چیزون پر بادشاہت ملے جیساکہ تمہارے باپ کو ملی۔

دن گذر گیا اب عصر کا وقت ہے چار بجنے کے قریب رات ہوا چاہتی ہے۔سورج
غروب ہونے کو ہے۔اب اگر دیکھنا ہے دیکھ لو۔پھر کیا دیکھو گے۔قبل اسکے کہ کوچ کرو۔
اپنے کھانے کے لئے عمدہ چیزین آگے بھیجو نہ پتھر اور اینٹ۔اور پہننے کے لئے لباس
روانہ کرو نہ کانٹے۔اور خس و خاشاک۔وہ خدا جو بچے کے پیدا ہونے سے پہلے پستان مین
دودھ ڈالتا ہے۔اس نے تمہارے لئے تمہارے ہی زمانہ مین تمہارے ہی ملکون مین.....
ایک بھیجا ہے۔تا مان کی طرح اپنی چھاتیون سے تمہین دودھ پلاوے وہی تمہین یقین کا دودھ پلائیگا
جو سورج سے زیادہ سفید اور تمام شرابون سے زیادہ سرور بخشتا ہے پس اگر تم جیتے پیدا ہوئے
ہو مردہ نہین ہو تو آؤ اس پستان کی طرف دوڑو۔کہ تم اس سے تازہ دودہ پیوگے۔اور وہ
دودھ اپنے برتنون سے پھینک دو کہ جو تازہ نہین اور گندی ہواؤن نے اس کو متعفن کردیا
ہے اور اس مین کیڑے چل رہے ہین جن کو تم دیکھ نہین سکتے۔وہ تمہین روشن نہین کرسکتا بلکہ
اندر داخل ہوتے ہی طبیعت کو بگاڑ دے گا۔کیونکہ اب وہ دودھ نہین ہے۔بلکہ ایک زہر ہے
ہر ایک سفیدی کو بنظر تعریف نہ دیکھو۔کیونکہ بعض سپید سے بعض سیاہ ہی اچھے ہین۔جیساکہ بال
سیاہ جوانی کی طاقت پر دلالت کرتا ہے اور بال سفید ضعف اور کمزوری اور پیرانہ سالی پر اسی طرح
ریاکاری کی سپیدی اور نیکی کی نمایش کسی کام کی نہین ہے اس سے گنہگار سادہ وضع اچھا ہے۔
کہ جو فریب سے اپنے گناہ کو نہین چھپاتا۔سو مین سچ سچ کہتا ہون کہ وہ خدا کی مغفرت سے زیادہ قریب ہے
ان چیزون پر بھروسہ مت کرو جو یقینی نہین جن کے ساتھ کوئی حقیقی روشنی نہین جن کے نیچے کوئی پاک فلسفہ
نہین کہ وہ سب ہلاکت کی راہین ہین تم اپنے دلون کی خواہشون کا اندازہ کرو کہ وہ کیا چیز چاہتے ہین
اور کس طور سے وہ سمجھ سکتے ہین کہ اس طرح ہم بدی سے الگ ہو سکتے ہین +

کس علاج پر ان کا کانشنس بولتا ہے کہ یہ ہمارے لئے کافی ہوگا۔کیا کوئی دل اس بات کو قبول

کرتا ہے کہ مسیح کا خون اُسکو گناہ کرنے سے خوف دلائے۔ بلکہ تجربہ بتلا رہا ہے کہ اور بھی دلیر کرتا ہے۔ کیونکہ
مسیح کے خون پر بھروسہ کرنیوالا جانتا ہے کہ اُس کے گناہ کا فدیہ ادا ہو چکا ہے لیکن گناہ کے زہر کا
علم جسکو دیا جائیگا وہ کسیطرح گناہ نہین کر سکتا۔ کیونکہ وہ اسمین اپنی ہلاکت دیکھتا ہے۔ سو خدا کی طرف
سے ایک بھیجا گیا ہے جو ایسے علم تک تمہین پہنچانا چاہتا ہے جس سے تمہارے دل خدا کو دیکھ لین اور بدی
کے زہر کو دیکھ لین تب خود بخود تم گناہ سے بھاگو گے جیسا کہ ایک انسان شیر سے بھاگتا ہے پس اس رسالہ
کا ضروری فرض یہی ہوگا کہ اسکی تعلیم اور اس کے نشانون کو دنیا مین پھیلاوے۔ تا جو لوگ صلیب اور مسیح کے
خون مین نجات ڈھونڈتے ہین وہ حقیقی نجات کے چشمہ کو دیکھ لین۔ حقیقی نجات اُن پانیون مین نہین ہے
جنمین ایک حصہ پانی اور بیس حصہ کیچڑ اور غلاظت۔ دلون کو دہونیوالا پانی آسمان سے اپنے وقت پر اترتا ہے
جو نہر اُس سے لبالب چلتی ہے وہ کیچڑ اور میلے پانی سے بہت دور ہوتی ہے اور لوگ صاف اور عمدہ پانی
اس کا استعمال کرتے ہین لیکن وہ نہر جو خشک ہے اور کچھ تھوڑا پانی اُس مین کھڑا ہے اور وہ بھی متعفن ہے
مین وہ لطافت اور صفائی نہین رہ سکتی اور بہت سا کیچڑ اُس سے ملجاتا ہے۔ اور کئی حیوان اُسمین بول براز کرتے
ہین اسیطرح جس دلکو خدا کا علم دیا گیا ہے اور یقین بخشا گیا ہے وہ اُس لبالب نہر کی مانند ہے جو تمام کھیتون کو سیراب کرتی
جاتی ہے اور اُس کا صاف اور ٹھنڈا پانی دلونکو تسکین بخشتا اور کلیجون کی جلن کو دور کرتا ہے اور وہ نہ صرف
آپ پاک ہی بلکہ پاک بھی کرتا ہے کیونکہ وہ حکمت اور دانش بخشتا ہے کہ جو دلون کا زنگ دور کرتی ہے گناہ سے نفرت
دلاتی ہے مگر وہ جو تھوڑے پانی کی مانند ہے جسمین کیچڑ ملا ہوا ہے وہ مخلوق کو کچھ فائدہ نہین پہنچا سکتا۔ اور نہ
اپنے تئین صاف کر سکتا ہے سو اب وقت ہے اٹھو اور یقین کا پانی تلاش کرو کہ وہ تمہین ملیگا اور کثرت یقین سے
ایک دریا کی طرح بہہ نکلو۔ ہر ایک شک و شبہ کی نجاست سے پاک ہو کر گناہ سے دور ہو جاؤ۔ یہی
پانی ہے جو گناہ کے نقوش کو دہو ڈالیگا اور تمہارے لوح سینہ کو صاف کر کے ربانی نقوش
کے لیے مستعد کر دیگا۔ تم نفسانی حروف کو اس لوح خاطر سے کسیطرح مٹا نہین سکتے جب تک کہ یقین کے
صاف پانی سے اُسکو دہو نہ ڈالو۔ قصہ کوتاہ تمہین توفیق دیجائے اور ڈھونڈنا تمہارے لئے میسر کیا
جائے اور دلون کو نرم کردنا ان باتون کو سمجھ سکو۔ کیونکہ ممکن نہین کہ سخت دل حقیقتون کو سمجھ سکے۔
کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم بغیر اس راہ کے کہ خدا کی عظمت تمہارے دلمین قائم ہو اور اُس زندہ خدا کا جلال تم پر کھلے اور اُسکا اقتدار تم پر ظاہر ہو اور
دل یقین کی روشنی سے بھر جائے کسی اور طریق سے تم گناہ سے سچی نفرت کر سکو ہرگز نہین ایک ہی راہ ہے اور ایک ہی خدا اور ایک ہی قانون۔

الطاعون

خدا کی حمد اور اُس کے برگزیدہ بندون پر سلام۔ بھائیو اے دانشمند و۔ خدا تم پر دونون جہانون مین رحم کرے۔ جان لو کہ طاعون نے تمہارے شہرون مین ڈیرے ڈالدیئے ہین۔ اور تمہارے جگرون کو پارہ پارہ کردیا۔ اور تمہارے بہت سے دوستون۔ باپون۔ بیٹون۔ بیٹیون۔ اور جورُون اور ہمسایون کو اُچک کر لیگئی ہے۔ اور تمہارے لئے اُس مین خداوند کریم حکیم کیطرف سے بڑا ابتلا اور امتحان ہے۔ اور جو بلا نازل ہوتی ہے۔ اُس کے چار ہی سبب ہوتے ہین اور ابتدائے فطرت سے خدا تعالے کی سنت اسی طرح جاری ہے پہلا یہ ہے کہ جب لوگ خدا کی خوشنودی کی راہون سے نکل جاتے اور عفت و عبادت کو چھوڑ کر اس کے حقوق تلف کردیتے ہین اور خودی اور گھمنڈ مین زندگی بسر کرتے اور آخرت کی دھیان نہین کرتی اور فسق و فجور کی پرواہ نہین کرتے۔ اور خدا کی حدون کی پاسداری نہین کرتے اور اس کے حکمون کو پامال کرتے۔ اور اُس کے سامنے بدی کرتے اور کھلے جرمون پر اصرار کرکے اُسے غصہ دلاتے ہین + دوسرا جب لوگ اُن اولوالامرون کی بے فرمانی کرتے ہین۔ جو مصلحت الٰہی سے اُنھین دیے جاتے ہین۔ اور رعیت کے انبار غلہ کے لئے بجائے مُہر کے ہوتے ہین اور رعایا مفسد اور باغی بن جاتی اور اطاعت کی رسّی اُتار ڈالتی ہے اور معروف باتون اور جائز امرون مین اُن کی مدد نہین کرتی۔ اور ان کی نسبت بدگمانی کرتی۔ اور لڑائی اور مقابلہ کرکے اُن کے معاملات کو درہم برہم کرتی ہے۔ اور وفادارون اور سعادتمندون کیطرح اُن سے بادب پیش نہین آتی۔ اور اُن کے حکمون کو نہین مانتی۔ اور خدا کے جوڑے ہوئے کو کاٹنا چاہتے اور دفع کرتے ہین۔ اس شئے کو جسے خدا بڑی بھاری حکمت سے لایا ہے + تیسرا جب لوگ اُس امام کے قبول کرنے مین بخل کرین۔ جو صدی کے سر پر مبعوث ہو۔ اور روشن دلیلون کے ساتھہ اُسے بھیجا گیا ہو۔ اور جان بوجھکر بخل اور کمینہ پن سے اس کے نشانون کا انکار کرین۔ اور اس کی ایذادہی اور تحقیر اور تکفیر کرین۔ اور تیغ و سنان سے اُسے مارڈالنا چاہین۔ اور ظلم اور فریب سے حکام تک مقدمے لے جائین۔ اور اصل بات کو

پوشیدہ کردین ÷ چوتھا جبکہ لوگ کیڑون۔مکوڑون کی طرح ایک دوسرے کو کھانے لگ.....
جائین۔اور ذرا بھی رحم ان مین نہ رہے۔اور مخلوق پر ترس کھانا اور چھوٹے بڑے
کے حق کی رعایت ترک کردین۔یاد رکھو۔نابود کرنے والی طاعونون کے یہی چار سبب
ہوا کرتے ہین۔ہم خدا سے دعا کرتے ہین کہ وہ ہمین اور ہمارے دوستون کو فضل و کرم
سے اس سے محفوظ رکھے اور میرے نزدیک یہی بڑے سبب ہین۔مگر دانشمند ان
اسباب کو سمجھتے ہین۔سو خدا سے ڈرو اور سلامتی چاہتے ہو تو ان سببون کے نزدیک نہ جاؤ۔
اور مین نے اس سے پہلے بھی کہا۔مگر تم نے کان نہ دھرے اور مین نے راہ بتائی۔پر تم نے
ہدایت نہ پائی۔اور مین نے دکھایا پر تم نے نہ دیکھا۔آج میرے دل مین آیا ہے کہ پھر ایک
دفعہ تمہین وصیت کرون اور اپنی بریت کے لئے حجت پیدا کرلون۔سنو اور منہ نہ پھیرو
اور خدا سے ڈرو اور اس کے حکمون کو نہ توڑو اور خدا کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور سست نہ بیٹھو
اور کہا مانو اور سرکشی نہ کرو اور خدا کو یاد کرو۔اور غفلت چھوڑ دو اور سب مل کر خدا کی رسّی کو
پکڑ لو اور فرقہ فرقہ نہ بنو اور اپنے نفسون کو پاک صاف کرو اور میلے کچیلے نہ رہو اور اپنے باطنونکو
پاک کرو اور آلودگی سے بچو۔اور اپنے رب کی عبادت کرو اور شرک نہ کرو۔اور صدقے دو۔
بخیل نہ بنو۔اور آسمان پر چڑھنے کی کوشش کرو۔اور زمین کی طرف نہ جھکو۔اور ضعیفون پر
رحم کرو۔تاکہ تم پر بھی رحم کیا جائے۔اور خدا اور اپنے بادشاہون کی اطاعت کرو۔
اور فساد نہ کرو۔اور حکام کے حکمون اور فیصلون اور پروانون وغیرہ مین ان کی مخالفت نہ
کرو اور ان کی رضا کے خلاف ایک قدم بھی آگے پیچھے نہ کرو۔اور جب ان کی طرف سے
کوئی حکم آوے۔تو فوراً حاضر ہو جاؤ۔اور ان کے بلانے پر سست اور ہار کھائے ہوئے
نہ بنو۔اور ان کے قانون کی خلاف ورزی نہ کرو۔اور ان کی توہین نہ کرو اور جب کوئی خدمت
تمہین سپرد کی جائے تو بہت جلد حکم مانو۔اور اسکے پورا کرنے کی سعی کرو۔خواہ پہاڑون کی
چوٹیون پر چڑھنا پڑے۔اور جاہلون کی طرح عذر نہ تراشو۔اور کمینہ لوگون کی طرح انکار نہ کرو اور
خوب سمجھ لو کہ سلامتی حکمون کے قبول کرنے مین اور سلامت نافرمانی اور جھگڑے مین ہے اور ہم خدا کا شکر
کرتے ہین کہ اس نے ہمین سلطنت برطانیہ کا عہد بخشا اور اسکے ذریعہ سے بڑی بڑی مہربانیان اور فضل
ہم پر کئے۔ہم نے اس سلطنت کے آنے سے انواع۔اقسام کی نعمتین پائین۔ہماری قوم نے علم
اور تہذیب سیکھی۔اور بہائم کی زندگی سے نکلنا انہین نصیب ہوا۔اور حیوانی جذبون سے نکلکر

انسانی کمالات پر پہونچنا میسر آیا۔ سو ہمین اس گورنمنٹ کی طفیل امید اور فکر سے بڑھکر امن و امان ملا
اب ہم زمین پر گائیون کی طرح نہین۔ بلکہ باردار اونٹنیون کی مانند بڑے وقار اور سہولت سے سفر
کرتے ہین اور ہمین ڈاکوؤن اور بدذات دشمنون کا کچھ بھی ڈر نہین ہوتا اور ہم رات کے پہلے حصہ مین
اکیلے بلا خوف و خطر سفر کرتے ہین۔ اور ریل گاڑی کے چلنے سے اونٹون۔ قافلون اور گھوڑون کی
کوئی ضرورت نہین رہی۔ اب مناسب ہے کہ اپنی نیتون کو درست کرو اور اس سلطنت کی نسبت نیک
گمان رکھو۔ اور صاف دلی اور پاک نیت سے اسکے حضور حاضر ہو اور زمین مین باغیون کی طرح
فساد مچاتے اور شریرون کی طرح بھاگے بھاگے نہ پھرو اور خوب سمجھ لو کہ اس سلطنت نے تمہین ایذا
دینے سے ظالمون کے ہاتھ بند کر دیئے۔ اور تم سوتے تھے اور اس نے تمہین جگایا۔ اور تمہارے سفر اور
حضر مین تمہاری پوری پوری نگہبانی کی اور جب تم کہین کاروزگار کرنے اور معاش کی تلاش مین جاتے
ہو اور پھر وطن کو واپس آتے ہو۔ دونون صور تون مین گورنمنٹ کیطرف سے تمہیر محافظ مقرر ہین اور اسنے تمہاری جان
اور مال کی خوب نگہداشت کی۔ اور صحت مین اور بیماری مین تمہاری خبرگیری کی اور تمہین امن بخشا۔ جسکے
سبب سے تم دولت اور مال مین ترقی کر گئے اور یہ سلطنت ہر میدان مین تمہاری مدد کو کھڑی ہوئی ہے اور اسنے تمہارے
دوستون اور مکانونکی نسبت خوب سلوک کیا اور ثابت کر دیا کہ وہ تمہاری پناہ اور جاء امن ہے۔ اب تم پر اسکے احسان
کے حقوق ثابت ہین اور اسنے تمہین ڈاکوؤن اور چورون سے بچایا اور تمہارے مال و عیال کی نسبت نگہبانی کا حق ادا کر دیا
اور اسکی مہربانی تمہاری عمرونکی درازی کا سبب ہوئی اور اس سے تمہین ایسی عافیت ملی جو تباہ اور برباد کرنیوالی نہ اور
تمہین بے درجے کی رفاہت حاصل ہوئی اور اسنے تمہین دکھون اور دردونکی خوفناک جگہون سے بچایا اور اپنے فضل و کرم کی حمایت اور پناہ
مین لیا۔ اب یہ حال ہے کہ دشمنون کے ناخن بیداد کی تم تک رسائی نہین ہو سکتی۔ سو مناسب ہے کہ اس گورنمنٹ کی
شکر کے ادا کرنے اور تذکرہ مین گونگے اور بیہوش نہ بن جاؤ۔ اسلئے کہ احسان کا بدلہ احسان ہے اور شکر سے
غفلت کرنا کفران ہے اور مین قسم کھا کر کہتا ہون کہ یہ سلطنت تمہارے لئے بڑا امن بخش تعویذ ہے۔ اور اسکے
ہوتے کسی خود پوش مددگار کی ہمین ضرورت نہین اور حقیقت مین ساری حمدین اللہ کیلئے ہین جسنے ہمین
ایسا قیصر عطا فرمایا جو ہماری حال کی خبرگیری اور پرداخت مین کوئی قصور اور کوتاہی نہین کرتا اور کوشش
کرتا ہے کہ ہمین پستی سے باہر لائے اس نے ہمارا دین ہمین پھر دیا۔ بعد اسکے کہ مذہب اپنے مکانون سے اکھڑ چکا
تھا اور اسی نے قیصر ہند اور قیصر کو اسکا امن بنایا۔ سو یہ رحمٰن کی رحمت اور منّان کی منت ہے اور
اگر بندہ نزول نعمت کے وقت خدا کا شکر نہ کرے تو بلا اس پر نازل ہوتی ہے۔ سو اسمین شک نہین
کہ انہین گناہون کے سبب سے طاعون نے تمہارے شہرونمین ڈیرے جما دیئے ہین۔ اب بہت جلد طاعت

کیطرف قدم اٹھاؤ اور اپنی تئین گناہونسے بچاؤ۔ اور اگر تم میری بات پر عمل کروگے تو مجھے امید ہے کہ یہ ورد دکھ تم سے دور ہوجائینگے اور آرام چین ترقی کریگا اب جواب دو کہ تمہاری کیا رائی ہے؟ مانتی ہو یا انکار کرتے ہو۔ اور طاعون کا کوئی علاج بجز پرہیزگاری اور گڑگڑانے اور دعا کے نہین اور تم دیکھ رہے ہو کہ وہ تمہیں ہلاک کرنیکو تمہارے انگنون مین اُتری ہے اور تمہارے فنا کرنیکو تمہارے صحنون مین داخل ہوگئی ہے اور کسقدر تمہارے باپ اور بیٹے اسکا شکار ہوگئے ہین سو اب دانائی اور زیرکی سے اپنے انجام مین غور کرو اور کتنے تم مین سے اسکے تھیلے مین ڈالدیے گئے اور قضاؤ قدر نے اسکے کباب کے لئے انہین بریان کیا۔ تمہین کچھ علم بھی ہے کہ اسکی ساری کارروائی کی جڑھ کیا ہے۔ سو یاد رکھو کہ یہ سب نتیجہ تمہارے فسق و فجور کا ہے۔ اب بیٹھ کر رو و کہ یہ خوشی کا وقت نہین اور اپنے اندرونی معاملات کو خدا کے سامنے پاک کرو اور اس ابر کو جو تمہارے چاند پر آگیا ہے دور کرو اسلئے کہ خدا اس بھیڑئے اور خوفناک جنگل کو تم سے دور کرے اور تمہین عزت اور بزرگی عطا کرے اور اپنے گھرون کی ساری طرفون کو خوب پاک و صاف کرو اور لاف و گزاف چھوڑ دو اور جو گذر چکا ہے اسکی تلافی کرو۔ اور اگر تم باز نہ آئے تو جان لو کہ میری بات کسی افسانہ گو کی بات نہین دیکھو بلا جراسیل کیطرح تمہارے ملک مین داخل ہوچکی ہے۔ سو جو شخص میری بات کو قبول کریگا بوڑھا ہو یا جوان ہو اور اسے ہزل نہین بلکہ سنجیدہ بات سمجھیگا اور سب جھگڑے چھوڑ دیگا۔ وہ کامیاب ہوگا۔ سو اب تم حکم قاضی کیطرف آجاؤ اور اپنی گذشتہ کرتوتون پر پشیمان ہوجاؤ اور میری بات کو اپنے حق مین بڑا احسان یقین کرلو۔ اسی مین میری خوشی اور تمہاری خوشی ہے اور جو شخص میری بات کو قبول کریگا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے دل کی شکست کو درست کردیگا اور اسکے رنج و غم دور کرے اور اسکے احوال کو ٹھیک کریگا۔ اے لوگو مجھے معلوم ہورہا ہے اور میری فراست کہہ رہی ہے کہ یہ بلا گناہون کی کثرت کیوجہ سے آئی ہے۔ جسطرح پہلے زمانون مین آیا کرتی تھی۔ اب تم خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر کرو اور ہر قسم کی بدکاری اور فساد سے بچ جاؤ۔ تم ضرور کیڑون مکوڑون کی موت مرنے سے نجات پاجاؤگے مجھے ڈر ہے کہ یہ مرض کہین ہر شہر مین داخل نہ ہوجائے اور بیشہ مین راہ نہ پاجائے پھر وہان کے درندون اور ہرنون سب کو کھاجائے اور چراگاہون اور بیابانون کو بالکل کھاجائے اور پی جائے سو نیکوکاری مین لگ جاؤ اور صدقات خیرات نکالو اور محتاجون کو دو قسم بخدا مجھے امید ہے کہ خدا تعالیٰ ان لوگونکو طاعون سے بچالیگا۔ جو میرا کہا مانینگے۔ سو تم عیش پسندون کی پوشاک بدن سے اتار پھینکو۔ اور سونیوالون کی غفلت سے الگ ہوجاؤ اور رات کو اٹھ کر عاجزی سے نمازین پڑھو اور صبر و صلوٰۃ اور صدقات خیرات سے مدد لو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تمہین ہر طرح کے دکھ درد سے محفوظ رکھیگا اور تم گمراہی کو چھوڑ کر خدا کا رحم دیکھلوگے اور مین نے تمہین اسیطرح کہدیا جسطرح ملہم کہا کرتے ہین سو تم اے لوگو۔

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے + لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اول   فروری سنہ ۱۹۰۲ء   نمبر ۲

فہرست مضامین

انجمن اشاعت الاسلام قادیان نے انوار احمدیہ پریس قادیان دارالامان مین باہتمام شیخ یعقوب علی تراب احمدی مالک مطبع چھپوا کر ۲۰ اپریل کو شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مذہبی مباحثات اور ہم

سول ملٹری گزٹ کا اعتراض اور میگزین کی غرض

سول ملٹری گزٹ لاہور نے ہمارے شائع کردہ رسالہ کی نسبت ایک فقرہ بہت ناگوار لکھاہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس رسالہ (میگزین) کی تحریرین ایک رنگ مین جہاد کی صورت رکھتی ہین سول اس سے شائد یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اس مین تیزی اور سخت الفاظ سے کام لیا گیا ہے لیکن جن صاحبون نے اس رسالہ کو اول سے آخر تک دیکھا ہے وہ اس بات کی شہادت دے سکتے ہین کہ یہ الزام صحیح نہین ہے۔ کیونکہ جس غرض اور مقصود کی نیت پر ہم نے اس رسالہ کو نکالا ہے اس کا اہم جز تو یہی ہے کہ زمانہ حال مین جو مباحثات مذہبی رنگ مین ہوتے ہین۔ اور جن کے مفاسد روز بروز زیادہ اور فوائد کم ہین۔ ان کو علمی رنگ مین لایا جاوے اور سختی اور درشتی کے طریقون کو مہذبانہ پیرایہ مین دلائل اور براہین کے ساتھ بدل دیا جاوے۔ پھر اگر ہم خود ہی اس طریق کو چھوڑ دین تو گویا ہم اپنے اصلی غرض سے خود ہی دور چلے جانا چاہتے ہین ہان یہ سچ ہے کہ جو شخص ایک ریفارمر اور مصلح کی حیثیت سے کھڑا ہوتا ہے اس کا مخالف الرائے لوگون کی زبانون سے بچنا بہت مشکل ہے اور یہ ایک ایسا دشوار گذار راہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس سے بڑی دشواری اور خراش پہنچنے کے بغیر گذر نہین سکے۔

حضرت مسیح کی تعلیم اخلاق کا ادنیٰ درجہ

حضرت مسیح کی تعلیم جو انجیل مین موجود ہے۔ اس کی نرمی پر پادری صاحبون کو کسقدر ناز ہے یہانتک کہ کلکتہ کے ایک بشپ صاحب یہ رائے پیش کرتے ہین کہ اخلاق کے سکھلانے کے

لئے سرکاری کالجوں اور سکولوں میں لازمی طور پر انجیل کو داخل کر دیا جاوے تو لوگ بے شک اخلاق سیکھیں لیکن یہودیوں کو قدیم سے اس رائے کے ساتھ اختلاف ہے وہ کہتے ہیں - اخلاق اس بات کا نام نہیں کہ لوگوں کو نرم نرم باتیں سکھائی جائیں اور آپ ان پر عمل نہ کیا جاوے اور ان کا یہ اعتراض ہے کہ گو یہ سچ ہے کہ مسیح نے کسی مصلحت سے اپنے حواریوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو۔ مگر خود اس نے اپنے دشمنوں سے پیار نہیں کیا۔ بلکہ ہر ایک مکالمہ اور مخاطبہ کے وقت اس بنے (مسیح نے) سخت الفاظ سے کام لیا ہے اور بنی اسرائیل کے معزز اور پیشرو لوگوں کی اس نے بہت توہین کی ہے یہانتک کہ ان کے معزز فقیہوں اور فریسیوں کا نام حرامکار اور بدکار بھی رکھا ہے۔ اور اگرچہ اس نے لوگوں کو یہ سمجھایا کہ کسی کو احمق مت کہو مگر اس نے خود یہودیوں کے بزرگوں کو سؤر اور سانپوں کے بچے بھی کہدیا۔ اب صاف ظاہر ہے کہ نکتہ چینی کے لئے یہودیوں کو بھی ایک بات ہاتھ لگ گئی۔ گو ہم جانتے ہیں کہ مسیح کے سخت الفاظ بھی بیہودہ نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے محل پر چسپاں ہوں گے اور محض گالیوں کے رنگ میں ہرگز نہیں ہوں گے۔ مگر دشمن جس کی نیت صاف نہیں ہے ہم اس کو کیونکر سمجھا سکتے ہیں؟ کہ وہ محل اور موقعہ کے الفاظ ہیں نہ گالیاں۔ اور اس جگہ تعجب تو یہ ہے کہ یہود کے لئے بظاہر مشکلات پیش آگئی تھیں کہ وہ نبی جو اس قدر نرم تعلیم پیش کرتا ہے کہ ایک گال پر طمانچہ مارنے پر گو تمام دانت اس کے صدمہ سے ٹوٹ جاویں صبر اور بردباری کی تعلیم دیتا ہے بلکہ طمانچہ کھا کر دوسری گال آگے کرنے کے لئے ہدایت کرتا ہے وہی بظاہر اپنی تعلیم کا پابند دکھائی نہیں دیتا اور سخت الفاظ استعمال کرتا ہے اور اس کے مقابل پر یہود ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتے بلکہ اوستاد اوستاد کہتے ہیں +

[illegible]

درحقیقت یہ ایک ایسا مشکل مقام ہے جس سے ایک کم عقل انسان کو حضرت مسیح کے قول اور فعل میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمارے اس رسالہ میں تو ایسا کوئی لفظ نہ تھا جو کسی منصف مزاج کے دل پر گران گذر سکتا۔ یہ تو ہم

قبول کرتے ہین کہ اختلاف رائے کی حالت مین ہم مشنریون کے مسلمات کو اپنے مسلمات قرار نہین دے سکتے اور نہ یہ لکھ سکتے ہین کہ وہ صحیح ہین اور نہ ان کے مقابل پر اپنی رائے کومخفی رکھ سکتے ہین۔ مگر ہم کسی طرح قبول نہین کر سکتے کہ ایک مخالف الرائے انسان جس قدر تہذیب اختیار کر سکتا ہے اس تہذیب کو ہم نے چھوڑ دیا ہے! نہین بلکہ جابجا اس کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ تہذیب کے رو سے شرط ہے۔ بھلا اگر یہ سچ ہے تو سول پر یہ واجب ہے کہ ہمارے وہ درشت الفاظ جو ہم نے اپنے شائع کردہ پرچہ مین لکھے ہین اور جن کو سول نے اس قدر سخت قرار دیا ہے کہ جہاد کے قائم مقام سمجھ لیا ہے وہ براہ مہربانی اپنے پرچہ مین شائع کرے۔ تا منصفین دیکھ لین کہ کیا درحقیقت وہ ایسے الفاظ ہین جن کو نہایت سخت اور جہاد کے ہم رنگ کہہ سکتے ہین؟ اگر ہم نے ایسا کیا ہے تو بیشک ہم سول اور گورنمنٹ دونون کے گنہ گار ہین ورنہ ہمارا حق ہے کہ سول خود اپنے قلم سے اس بدنامی کو ہم سے دور کرے۔ چونکہ یہ ظاہر ہے کہ سول جیسے معزز اخبار کا ایک کلمہ بھی حکام کی نظر مین خطا کی طرف مشکل سے منسوب ہو سکتا ہے تو پھر یہ فقرہ سول کا جو ہماری تحریر کو جہاد کا ہم رنگ قرار دیا ہے۔ جو سراسر دور از حق اور خلاف واقعہ ہے کسقدر حکام کو دھوکہ مین ڈال سکتا ہے۔

گورنمنٹ اور مذہبی آزادی

ہر ایک کو معلوم ہے کہ وہ مباحث جو مذہبی اختلاف کے متعلق پیش آتے ہین گو ان کو کیسی ہی نرمی سے بیان کیا جائے مگر پھر بھی فریق مخالف جس کی مرضی کیموافق وہ باتین نہین ہین ان پر خوش نہین ہو سکتا بلکہ وہ ہرگز خوش نہین ہو سکتا جب تک کہ تمام باتین اس کی قبول نہ کیجاوین مگر جبکہ ہماری گورنمنٹ محسنہ نے جسکے زیر سایہ ہم زندگی بسر کرتے ہین مذہبی آزادی کو بحال رکھا اور ہر ایک کو اختیار دیا ہے کہ اپنی رائے ظاہر کرے تو اس صورت مین ہماری عالی حوصلہ گورنمنٹ نے اپنی رضامندی اس بات پر ظاہر کر دی ہے کہ جیسا کہ مشنری صاحبان دوسرے مذاہب کی نسبت کھلے طور پر مخالفانہ رائے ظاہر کرتے ہین ایسا ہی دوسرے مذہب کے لوگ بھی کر سکتے ہین۔

میگزین اور مسیح موعود اور مذہبی مناظرات بجائے علمی رنگ

سول نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تحریر پیغمبر قادیان کا کام ہے- ہم تسلیم کرتے ہین- کہ بے شک یہ سچ ہے کہ حضرت **مسیح موعود** (علیہ الصلوۃ والسلام) کے منشار کے موافق بلکہ انہین کی تائید مین یہ رسالہ نکلا ہے- مگر سول کو شائد معلوم نہین کہ حضرت اقدس مسیح موعود (علیہ الصلوۃ والسلام) **مذہبی جنگ وجدل** سے سخت متنفر ہین اور وہ چاہتے ہین کہ جو کچھ لکھا جاوے وہ علمی رنگ کی تحقیقات ہو- جیسا کہ طبعی اور ہیئت کی تحقیقاتین ہوتی ہین- وہ مذہبی افسانہ نویسی نہ ہوا اور اسی غرض سے یہ رسالہ جاری کیا گیا ہے +

حضرت **مسیح موعود** کو باہمی مذہبی جھگڑون سے اس قدر نفرت ہے کہ چند سال ہوئے آپ نے بحضور جناب نواب لارڈ کرزن صاحب بہادر اسی غرض سے ایک میموریل بھیجا تھا جس مین درخواست کیگئی تھی کہ کم سے کم دس سال تک اس ملک مین مذہبی مباحثات بند کر دئے جائین اور ہر ایک شخص اپنے مذہب کی خوبیان بیان کرے اور دوسرے مذہب پر حملہ نہ کرے- اس درخواست پر تقریباً پندرہ ہزار آدمی کے دستخط بھی تھے مگر افسوس کہ وہ درخواست منظور نہین ہوئی- اور اس میموریل کا لارڈ کرزن صاحب کی طرف سے بھی کوئی جواب نہین آیا- آخر ناچار ہو کر علمی رنگ پر یہ رسالہ جاری کیا گیا تا اسی طرح گورنمنٹ کی آزادی سے فایدہ اٹھا کر سچائی کی خدمت کی جاوے +

سلسلہ عالیہ احمدیہ اور عام مسلمانوں میں امتیاز

اس زمانہ مین جو دنیا کے تمام مذاہب ایک دوسرے کے مقابل پر کھڑے ہین اور ایک عظیم الشان کشتی کی تیاری کر رہے ہین خدا کی طرف سے ایک مذہب پیدا ہو گیا ہے جو سب سے الگ اور سب کی اصلاح کرنا چاہتا ہے- وہ کونسا مذہب ہے؟ یہی **فرقہ احمدیہ** جسکے امام اور پیشرو حضرت **میرزا غلام احمد قادیانی** (علیہ الصلوۃ والسلام) ہین جو خدا سے الہام پا کر اور اس کے نشانون کی گواہی سے **مسیح موعود** کا دعوے کرتے ہین- یہ کہنا کہ یہ فرقہ اور دوسرے معمولی مسلمان درحقیقت ایک ہی ہین

فاحش خطا اور بڑی غلطی ہے- اور ممکن ہے کہ بعض حکام بھی اسی دھوکے مین ہون لیکن دراصل ایسا نہین ہے معمولی مسلمانون کے عقاید جو اکثر بیہودہ قصّون اور بے ثبوت روائیتون پر مبنی ہین وہ بالکل اس فرقہ کے عقاید سے مختلف ہین- چنانچہ وہ لوگ گو کیسا ہی اپنے حالات کو پوشیدہ رکھین. مگر بعض خیالات ان کے نہ خدا کی مرضی کے موافق ہین اور نہ عقلاً صحیح ہین چنانچہ ان مین ایک مسئلہ جہاد بھی ہے- مسلمانون کی بدقسمتی سے اس غلط خیال نے اس قدر انکو گرفتار کر رکھا ہے کہ قیامت کے دن تک اس سے نجات نہین بلکہ کہتے ہین کہ ایک **خونی مہدی** ابھی باقی ہے جو ہر ایک فرقہ سے لڑائیان کرے گا اور زمین کو خون سے بھر دے گا- اور اپنی نادانی سے یہ نہین سمجھتے کہ دینی سچائیان خونریزی سے ثابت نہین ہوسکتین بلکہ اور بھی اعتراض پیدا ہوتے ہین- اب اس عقیدہ کے مقابل پر ہمارے امام **مسیح موعود** جو ہمین تعلیم دیتے ہین وہ یہ ہے کہ اس زمانہ مین **جہاد** قطعاً حرام ہے- اور جو شخص جہاد کرتا اور دین کے لئے تلوار اٹھاتا ہے وہ خدا کا گنہ گار ہے- اور قرآن اور حدیث سے ثابت کرتے ہین کہ سچا **مسیح موعود** جو دنیا مین آئے گا بلکہ آچکا- اس کی ایک ضروری نشانی یہ ہے- کہ وہ **جہاد** نہین کرے گا اور صرف آسمانی نشانون اور روشن دلائل سے راہ راست سمجھاویگا اسی وجہ سے ہر ایک بیعت کے وقت مین یہ شرط لازمی رکھی گئی ہے کہ یہ جماعت ایسے خیالات سے قطعاً تنفر رہے اور اس کو گناہ سمجھے- پس چونکہ عام مسلمانون کے خونی مسیح اور خونی مہدی سے انکار کر دیا گیا ہے اس لئے یہ اختلاف ان کے بغض اور دشمنی کا بہت ہی موجب ہوا اور اسی بنا پر کفر کے فتوے ہمارے مسیح کی نسبت لکھے گئے- کیونکہ اس مسیح کے ظاہر ہونے سے جو درحقیقت سچا اور خدا کی طرف سے ہے- تمام امیدین **جہاد** اور **لوٹ** اور **غنیمت** کی خاک مین مل گئین ورنہ وہ مسلمان جو وحشیانہ زندگی بسر کرتے ہین وہ ایسے شخص سے جو غازی کی صورت پر کھڑا ہوتا ہے کوئی معجزہ بھی طلب نہین کرتے اور لاکھون اسکے تابع ہوجاتے ہین- پس کیا سبب ہے کہ باوجود اس کے کہ ہمارے اس امام سے ڈیڑھ سو کے قریب نشان ظاہر ہوچکا ہے

پھر بھی مولویون کی طرف سے اسے کافر کا خطاب ہے اس کا یہی سبب ہے جو ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ گو گورنمنٹ انگریزی کو ہمارے ان اصولون کی خبر نہ ہو۔ مگر کوئی چیز پوشیدہ نہین جو ظاہر نہ ہو گورنمنٹ کا یہ اپنا فرض ہے کہ اس فرقہ احمدیہ کی نسبت اپنے تئین تردد اور شک مین نہ رکھے۔ اور ہر ایک حیلہ سے اور ہر ایک تدبیر سے اس کے اندرونی حالات دریافت کرے بعض نادان کہتے ہین کہ یہ باتین محض گورنمنٹ کی خوشامد کے لئے ہین مگر مین ان کو کس سے مشابہت دون وہ اس اندھے سے مشابہ ہین جو سورج کی گرمی محسوس کرتا ہے۔ اور ہزارہا شہادتین سنتا ہے۔ اور پھر سورج کے وجود سے انکار کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس حالت مین ہمارے امام نے ایک بڑا حصہ عمر کا جو بائیس برس ہین اسی تعلیم مین گذارا ہے کہ جہاد حرام اور قطعاً حرام ہے یہانتک کہ بہت سی عربی کتابون مین بھی مضمون ممانعت جہاد لکھکر ان کو بلاد اسلام عرب شام کابل وغیرہ مین تقسیم کیا ہے جن سے گورنمنٹ بے خبر نہین ہے۔ تو کیا گمان ہو سکتا ہے کہ اتنا لمبا حصہ زندگی کا جس نے پیرانہ سالی تک پہنچا دیا نفاق مین بسر کیا ہے۔ اور وہ شخص جو ہزارہا انسانون کو تعلیم دیتا ہے کیا ممکن ہے کہ وہ ہر ایک شخص سے جھوٹ بولے یا جھوٹ کی ان کو رغبت دے اور پھر لوگ اس کے معتقد رہ سکین نہین بلکہ یہی اصول ہین جو جماعت کو سکھائے جاتے اور ان پر زور دیا جاتا ہے۔ بارہا ہمارے امام نے تعلیم دیتے ہوئے ہمین یہ بھی کہا ہے کہ چونکہ مین یسوع مسیح کے قدم پر ہون اور ایسا اس سے اتحاد رکھتا ہون کہ خدا کے نزدیک میری آمد اسی کی آمد ہے جیسا کہ یوحنا کی آمد ایلیا کی آمد تھی تو اس صورت مین ضروری تھا کہ مین عیسے مسیح کے رنگ پر غریبانہ وضع پر آتا اور کوئی شاہانہ شوکت میرے ساتھ نہ ہوتی ہان آپ نے ہمارے لئے یہ دروازہ کھولدیا ہے کہ ہم سچائی کو دلائل کے ساتھ پیش کرین اور گورنمنٹ برطانیہ کی حکومت کو غنیمت سمجھین کیونکہ کوئی دوسری اسلامی سلطنت اپنے مخالفانہ جوشون کی وجہ سے کبھی ہماری برداشت نہین کرے گی ✢

اگر ہم ان نیک ظنیون سے جو اس گورنمنٹ عالیہ کی نسبت ہمارے دل مین بھری

مذہبی آزادی

ہوئی ہین-پورے طور پر فایدہ نہ اٹھاسکین توکم سے کم اس قدر توہم قطعی یقین رکھتے ہین- کہ
وہ لوگ جو اپنے طریقون سے اسلام پر ہاتھ صاف کر رہے ہین وہ اس دانا گورنمنٹ کے
نزدیک انصاف اور قانون کے لحاظ سے آزادی سے فایدہ اٹھانے کا کوئی خاص حق .....
نہین رکھتے بلکہ گورنمنٹ عالیہ کی پولیٹکل مصلحت اس بات کی مقتضی ہے- کہ وہ کشادہ
پیشانی سے مشنریون کے مقابل پر دوسری قومون کو بھی ایسی آزادی دے جو مشنریون کو
حاصل ہے- ہم چونکہ کسی ایسے سلطان کو پیش رو نہین رکھتے اور نہ رکھنا چاہتے ہین کہ
دوسرے بعض مسلمانون کی طرح اس کو خلیفۃ المسلمین قرار دین- اس لئے ہم اسی گورنمنٹ
سے اپنے دینی حقوق بھی ایسے ہی مانگتے ہین جیسے کہ دنیوی حقوق- ہمارے لئے کوئی چارہ
نہین کہ ہم مشنری مصنفون کو کسی طرح راضی کرسکین- گو ہم اس گورنمنٹ محسن کی راہ مین
جان دینے کو بھی تیار ہین- ہم درد دل سے کہتے ہین کہ بے شک ہمارے لئے یہ ایک سخت
ابتلا کا موقعہ ہے کہ ایک کامل تحقیق اور تدقیق جو بپایۂ ثبوت پہنچ گئی ہے وہ گورنمنٹ عالیہ کے
مذہب سے ہمین دور رکھنا چاہتی ہے- لیکن چونکہ دراصل ہماری گورنمنٹ راستی پسند ہے
اور انصاف اپنا اصول رکھتی ہے اس لئے جو شخص راستی سے پیار کرتا ہے وہ اس گورنمنٹ
کی اصل اغراض کے مطابق قدم اٹھاتا ہے اور درحقیقت سچائی ایک ایسی چیز ہے جس کا
بہرحال انجام بخیر ہے اور انصاف پسندی ایک ایسا گوہر تابان ہے جو بہرصورت قابل قدر
ہے- جو بات تحقیق سے ثابت ہوجائے اسکو قبول نہ کرنا..... سچائی کا خون کرنا ہے ہان یہ
بات ضرور ہے کہ ایسے مباحث کو نہایت تہذیب اور سلیقہ سے لکھا جائے- اور کوشش
کی جائے کہ کوئی بات اعتدال سے نہ بڑھے اور ہرایک استدلال لطافت اور نرمی کا پیرایہ
رکھتا ہو- چنانچہ اس رسالہ مین یہی رعایت ملحوظ رہے گی- گورنمنٹ عالیہ کی اطاعت اور
چیز ہے اور مذہبی اختلاف اور چیز ہے- بلکہ اس گورنمنٹ کے لئے شکر کی جگہ ہے کہ خدا نے
اس کو ایسا اقبال بخشا ہے کہ صدہا مختلف طور کے مذہب اس کے زیر سایہ سکونت رکھتے ہین-

اور یہ گورنمنٹ اس وقت ایک ایسے بڑے درخت کی مانند ہے جس پر ہر ایک قسم کے پرند پناہ گزین ہین بعض عوام الناس کی یہ غلطی ہے کہ جو کہتے ہین کہ گورنمنٹ دراصل مشنریون کی طرف دار ہے۔ بلکہ گورنمنٹ نہ کسی کی طرف دار ہے اور نہ کسی کی مزاحم۔ اس پولیٹیکل غلطی سے ہماری گورنمنٹ بہت دور ہے کہ وہ ایسے ملک مین جہان رعایا اپنے بادشاہ سے اختلاف مذہب رکھتی ہے۔ مذہبی امور مین کسی طرف داری کی رنگ آمیزی سے دخل دے یا کسی پیرایہ مین ایسے امور کی بنا پر اپنی ناراضگی ظاہر کرے۔ یہ سچ ہے کہ ہم نے شایع کردہ رسالہ مین حضرت مسیح کو انسان لکھا ہے اور آپ کی موت کی نسبت بھی بیان کیا گیا ہے۔ جو باعث اشتعال سول ہے لیکن جس حالت مین مسلمانون کا سارا قرآن اول سے آخر تک اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم محض ایک انسان تھا جو فوت ہو گیا۔ اور ان کو خدا سمجھنا انسانی غلطیون کا ایک نمونہ ہے جس کی صدہا نظیرین مسیح کے وجود سے بھی پہلے ہر ایک قوم مین پائی جاتی ہین تو پھر اس اعتقادی امر سے ہماری دانشمند گورنمنٹ کو کیا تعلق ہے دنیا مین ہر ایک کا جدا جدا خیال اور جدا جدا مذہب اور جدا جدا رائین ہین۔ پس اگر مشنری صاحبون نے حضرت مسیح کی خدائی دیکھ لی ہے اور کچھ ثبوت مل گیا ہے تو ان کی مہربانی ہو گی کہ بجائے بے جا جوش دکھلانے کے ایسے ثبوت کو پیش کر دین ثابت شدہ سچائی سے کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن ایسا کرنا مناسب نہین ہے کہ کسی ثابت شدہ حقیقت سے ناراض ہون۔ حکمت اور دانائی اسی سے بڑھتی ہے کہ جو بات ثابت ہو جائے اسکو قبول کر لین۔ یہ بھی تو انصافاً سوچنا چاہیئے کہ جیسا کہ ان کو یہ حق حاصل ہے کہ حضرت مسیح کی خدائی کا ثبوت دین ایسا ہی انکے مخالفین کو بھی حق پہونچتا ہے کہ وہ مخالفانہ ثبوت پیش کرین +

روحانی سچائیون مین ترقیات

ہر ایک ملک کی روحانی سچائیون مین ترقیات ان تین چیزون پر موقوف ہین۔ (۱) اول یہ کہ سچائی اور دیانت کی طرف لوگون کو رغبت پیدا ہو۔ (۲) دوسری یہ کہ تحقیق اور تدقیق اور تفتیش کا شوق ہو۔ (۳) تیسری یہ کہ گورنمنٹ جسکے وہ ماتحت ہون وہ علم دوست

اور انصاف پسند ہو سو ہمارے خیال مین ہے کہ خدا کے فضل اور رحمت نے یہ تینون امور ہمارے ملک مین پیدا کر دئے ہین بہتیرے ایسے دل پیدا ہو گئے ہین کہ وہ سچائی سے محبت کرتے ہین اور اگر اس کو پا لین تو گو کیسی ہی تکالیف کا سامنا ہو مگر اس کو چھوڑنا ..... نہین چاہتے بہتیرے ایسے ہین کہ تحقیق اور تفتیش کے لئے ان کی دماغی قوتون کو ایک فطرتی مناسبت ہے - اور نہ صرف وہ روحانی سچائیون کو قبول کرتے ہین بلکہ وہ تحقیق اور تفتیش کی زندہ طاقت سے ایک سچائی کو بہت سے اختلافات کی تاریکیون سے کھینچ کر باہر لے آتے ہین - گورنمنٹ برطانیہ جس کے ماتحت ہم لوگ ہین وسیع خیال اور علم دوست ہے اس کے حکام ایسے اعتدال سے رعایا کے ساتھ برتاؤ کرتے ہین کہ ان کی منصفانہ نیت کی وجہ سے خود بخود مخفی امور ظاہر ہوتے جاتے ہین اور اگر ایک حق الامر کو ایک مشنری کے مخالف بھی پائین تو کبھی اس کو قبول نہین کرتے اور اپنی عملی کارروائیون سے ظاہر کرتے ہین کہ وہ علم دوست اور انصاف پسند اور حق پژوہ انسان ہین یہ بے بنیاد خیال نہین بلکہ ہمارے پاس اس بات کے روشن ثبوت ہین کہ اس گورنمنٹ کے حکام رعایا کی نسبت مذہبی تعصب کو ہرگز اپنے نزدیک نہین آنے دیتے اور پورے انصاف سے کام لیتے ہین +

مسیح موعود اور ڈاکٹر کلارک

اس جگہ ایک قصہ کو لکھنا جو ہمارا خود چشم دید ہے خالی از دلچسپی نہ ہوگا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انگریز حکام سلطنت برطانیہ کے کسقدر حق پسندی کے عاشق ہین کہ انصاف پسندی کے جوش مین مذہبی تعلقات کی کچھ بھی پروا نہین رکھتے کچھ بہت عرصہ نہین گذرا کہ ہمارے اس فرقہ احمدیہ کے امام و پیشوا مسیح موعود **میرزا غلام احمد قادیانی** پر ایک مشنری صاحب نے اقدام قتل کے الزام سے ایک مقدمہ عدالت مین دائر کر دیا تھا - ابتدا اس کی یہ تھی کہ اس مقدمہ کے نام و نشان سے کتنے ہفتے پہلے مرزا صاحب موصوف نے ہم سب کو جو قادیان مین حاضر تھے جمع کیا اور فرمایا

کہ مجھے خدا سے اطلاع ملی ہے کہ ایک خطرناک مقدمہ ہماری نسبت ہونے والا ہے۔ اور ضرور ہے کہ ہم عدالت مین حاضر کئے جائین اور خوف و خطر مین پڑین۔ مگر آخر بریت اور نجات ہے۔ تب جماعت اس بات کی منتظر تھی کہ وہ کس قسم کا مقدمہ ہے کہ بہت خطرناک صورت مین پیدا ہوگا اچانک چند ہفتہ کے بعد حضرت موصوف بذریعہ پولیس عدالت مین بلائے گئے۔ تب معلوم ہوا کہ ایک صاحب ڈاکٹر مارٹن کلارک نام جو امرتسر مین مشنری کا کام کرتے ہین اور ایک معزز جنٹل مین ہین۔ انہون نے حضرت موصوف پر اپنی نسبت اقدام قتل کا مقدمہ دائر کیا ہے۔ بنیاد اس مقدمہ کی صرف اس بات پر تھی کہ ایک شخص عبدالحمید نام نے جس کو بار بار مسلمان اور عیسائی بننے کی عادت تھی ڈاکٹر مارٹن کلارک کو فریب دے کر اس پر یہ ظاہر کیا کہ گویا وہ ایک ہندو تھا اور اس کے پاس عیسائی بننے آیا ہے۔ اور پھر ڈاکٹر مذکور کے چند ماتحت عیسائیون کی ترغیب کے موافق جو محض فتنہ انگیزی اور شرارت اور بہتان کی راہ سے دی گئی تھی۔ یہ ظاہر کیا کہ دراصل مجھے مرزا صاحب قادیانی نے ڈاکٹر کلارک کے قتل کے لئے بھیجا تھا اور ان ترغیب دینے والون دیسی عیسائیون کو جن مین سے بعض واعظ انجیل بھی تھے۔ یہ موقعہ بھی ملا کہ وہی گواہ مقدمہ ہوئے اور جہانتک ان سے ہو سکا انہون نے زور سے گواہیان دے کر اس مقدمہ کو سچا بنانا چاہا۔ اس موقعہ پر اگر حاکم بیدار مغز اور انصاف پسند اور محقق مزاج نہ ہوتا یا برخلاف اصول انصاف کے ایک معزز مشنری کی ایک ذرہ رعایت اسکے دل مین ہوتی تو ظلم کرنے کے لئے اچھا موقعہ تھا۔ مگر اس نے ایسا نہ کیا بلکہ پورے طور پر تحقیق و تفتیش کر کے اصلیت نکال لی اور ثابت کر دیا کہ مقدمہ محض جھوٹ بنایا گیا ہے۔ اس انصاف پسند حاکم کا ہم نام بھی بتلا دیتے ہین وہ ہین کپتان ڈگلس صاحب جو ضلع گورداسپور مین ڈپٹی کمشنر تھے اور اب دہلی مین ہین +

مشنری اور حکام

پس جب گورنمنٹ کے ایسے انصاف پسند حکام ہین کہ باوجودیکہ مقدمہ کرنے والا ایک مشنری ہے اور گروہ عیسائیون کا جو وہ بھی عیسائی اور واعظ انجیل

ہین۔شہادت مین پیش ہوا ہے اور مقدمہ خون کا ہے اور اندرونی طور پر ایک مشنری اس بات کا خواہان ہے کہ کسی طرح ملزم سزایاب ہو لیکن حاکم نے اس تمام جماعت کی کچھ بھی پروا نہین کی اور فی الفور سمجھ لیا کہ جس پر مقدمہ کیا گیا ہے وہ چونکہ مشنریون کے عقاید کے برخلاف لکھتا ہے اس لئے معاملہ عداوت کا ہے اور اصلیت کو ایسے طور سے ظاہر کر دیا کہ کسی کو دم مارنے کی جگہ نہ رہی۔پس یہی اسباب ہین جن کی وجہ سے انگریزی گورنمنٹ دلون کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔اس حاکم کی جوانمردی کو دیکھو کہ عدالت کے رو سے ایک مشنری اور اس کی جماعت کو ہمیشہ کے لئے یہ داغ لگا دیا کہ وہ ایک جھوٹا مقدمہ اقدام قتل کا عدالت مین لایا اور ذرا اس بات کا پاس نہین کیا کہ وہ عیسائی قوم کا ایک معزز مشنری ہے بس یہی وجوہ اس گورنمنٹ کے اقبال کی ہین کہ ایسے منصفانہ نمونے ان حکام مین پائے جاتے ہین ہمین اس بات کے معلوم کرنے سے بڑی خوشی ہوئی کہ اسی قسم کے نمونے والیسرائے حال یعنے لارڈ کرزن کے شہرۂ آفاق ہو رہے ہین۔ایسے نمونون سے جسقدر رعایا کو سچے تعلقات ہمدردی اور خیرخواہی کے اپنی محسن گورنمنٹ سے پیدا ہوتے ہین ان کی تشریح کی ضرورت نہین۔ مذہبی امور مین چڑنا یا دل مین بغض پیدا کرنا ایسی گورنمنٹ سے ہزار ہا کوس بعید ہے جسکے حوالہ خدا کی حکمت اور مصلحت نے کروڑہا انسان مختلف مذاہب اور مشارب کے کئے ہین اور جس کو اپنی سلطنت کی نیابت دے کر اقتدار کے تخت پر بٹھا دیا ہے +

خدا نے بھی اپنی حقیقی بادشاہت کے لئے یہی قانون مقرر کر رکھا ہے کہ ہر ایک قسم کے مذہب جن مین سے صرف ایک سچا اور باقی سب جھوٹے ہین اس کے سایۂ رحمانیت کے نیچے زندگی بسر کر رہے ہین۔کسی اہل مذہب پر آسمان پر سے پتھر نہین برستے اور نہ عذاب نازل ہوتا ہے بلکہ اس کا سورج اور اس کا چاند اور عناصر اور اس کی تمام بنائی ہوئی چیزین سب بنی آدم کو تربیت اور پرورش کا حصہ پہنچا رہی ہین۔اگر دنیا مین کسی باطل مذہب والی قوم پر خدا تعالے کی طرف سے کوئی عذاب نازل ہوا ہے تو وہ عذاب اس وجہ سے نازل نہین ہوا کہ

اس کا مذہب باطل ہے بلکہ ان لوگون کی بے شمار شوخیون اور شرارتون کی وجہ سے نازل ہوا ہے۔ خدا کا ہرگز یہ قانون نہین ہے کہ بطلان مذہب کی وجہ سے کسی قوم پر دنیا مین عذاب نازل کرے یا اپنی رحمت عامہ سے ان کو جواب دیدیوے یہی طریق عادل بادشاہون کا ہوتا ہے کہ وہ محض مذہب کے اختلاف کے خیال سے کوئی بدارادہ اپنے دل مین پیدا نہین کرتے اور مخلوق الٰہی کو جو ان کے زیر سایۂ زندگی بسر کرتی ہو خدا کی امانتین تصور کرتے ہین اس قسم کا چڑنا اور دل تنگی ظاہر کرنا بہت چھوٹے اور پست ہمت آدمیون کا کام ہے اختلاف رائے یا اختلاف مذہب ایک اور چیز ہے۔ اخلاق یا بنی نوع کے حقوق پر اسکا کوئی بدا ثر نہین ہے۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ جو شخص اختلاف مذہب یا اختلاف رائے کے باعث سے چڑتا اور ناراض ہوتا ہے اگر اس کا یہ باعث ہے کہ جس بہشت یا جس نجات ابدی تک وہ نا چاہتا ہے۔ اس بہشت یا اس نجات کو وہ شخص قبول نہین کرتا تو اس حالت مین وہ شخص اور بھی رحم کے لایق ہے کہ وہ نجات جو اسکے لئے تیار کی گئی ہے وہ اس سے دور رہنا چاہتا ہے اور اگر ناراضگی کا یہ باعث ہے کہ وہ اس مذہب کو کیون قبول نہین کرتا جس مذہب کا یہ ناراض ہونے والا شخص پابند ہے تو اس سے بڑھکر کوئی ظلم نہین کیونکہ اس صورت مین یہ شخص اس مورد غضب کا خیرخواہ نہین ہے بلکہ تحکم کے طور پر اپنے مذہب کی پیروی کرانا چاہتا ہے +

مذہب کے رو سے سچا اصول یہی ہے اور اسی مین امن عامہ ہے کہ کسی پر اختلاف کی وجہ سے ناراض نہین ہونا چاہئے اور خود یہ انسانیت سے بھی بعید ہے کہ اختلاف رائے کی وجہ سے اشتعال طبع پیدا ہو بلکہ ایسا شخص ایک قسم کی رگ دیوانگی اپنے اندر رکھتا ہے کہ جو شخص اس کی رائے کے مخالف ہو اس پر آثار درندگی ظاہر کرتا ہے اور بلاشبہ ایسا وجود خطرناک ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا منکر ہے اور اسپر یہ امر مشتبہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم درحقیقت سچے نبی اور خدا کی طرف سے ہین تو

ہمارے انسانی رحم کا یہ مقتضا ہونا چاہیئے کہ ہم نرمی اور ملائمت کے ساتھ اس سے پیش آویں اور کوشش کریں کہ اس کے شبہات دور ہو جائیں اور اس پر ثابت کریں کہ ہم... محبت سے نہ کسی دشمنی اور عناد سے اس کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہتے ہیں اور ہم اسکے شبہات دور کرنے کے لئے بڑے ادب اور ہمدردی سے تیار ہیں لیکن ہم اگر ایسے اختلاف کی وجہ سے اس کو اپنا دشمن سمجھ لیں جیسا کہ اس زمانہ کے اکثر مسلمان مولوی یہی طریق رکھتے ہیں تو اس صورت میں ہماری درندگی بجائے فائدہ کے اس کو نقصان پہنچائے گی اور علاوہ مخالفت مذہب کے ہم اخلاقی حالت میں بھی بہت نیچے گرے ہوئے متصور ہونگے۔ کیونکہ ایک منکر جب تک کہ اس کے پاس ایک عقیدہ کے ماننے کی وجہ نہیں بلاشبہ حق رکھتا ہے کہ وہ انکار پر قائم رہے اور اسکے ساتھ بداخلاقی یہ بھی ایک قسم کا جبر ہے۔ جس کو عقل اور انصاف اور انسانی ہمدردی پسند نہیں کر سکتے اور جن لوگوں کے اخلاق پر مذہبی تعصب غالب ہے ان کو کسی طرح حقیقی اخلاق میں سے حصہ نہیں ہے۔ سو ایسے مسلمان میرے نزدیک سچے مسلمان نہیں ہیں جن کے اخلاق بشرط مناسبت رائے اور بشرط موافقت مذہب ہیں۔ اسی طرح میں ان عیسائی مشنریوں کے حالات کو بھی قابل اعتراض سمجھتا ہوں جو مذہبی تعصب کے جوش میں آکر ایک دم میں انجیل کی تمام تعلیم کو فراموش کر دیتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اپنے دشمنوں سے پیار کریں جیسا کہ ان کو حکم ہے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ گورنمنٹ دانشمند بھی ان ہی کی عادت اور رویہ کو اختیار کرے +

یہ عجیب بات ہے کہ جن انجیلی اخلاق کا مشنریوں کو وارث ہونا چاہیئے تھا وہ اخلاق انگریزی حکام دکھلاتے ہیں جیسا کہ ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ ایک مشنری صاحب نے ہمارے امام مسیح موعود پر اقدام قتل کا قابل شرم مقدمہ کھڑا کیا اور دوسرے مشنریوں کو بطور گواہ پیش کیا لیکن مجسٹریٹ ضلع نے جو کپتان ڈگلس تھے پورے غور اور توجہ سے اس امر کی حقیقت کھولدی اور صاف معلوم کر لیا کہ مشنری صاحب ایک جھوٹا مقدمہ ان کے پاس لائے

ہین اور اس مقدمہ کو خارج کیا- اب اس جگہ طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے- کہ کیون ڈاکٹر مارٹن کلارک نے باوجود مشنری کہلانے کے ارتکاب ایسے امر کا کیا اور ناحق ایک شخص کو جو محض معصوم اور بری تھا خون کے مقدمہ مین پھنسانا چاہا- اور اس منصوبہ بازی مین اپنے بیان اور اپنی کوشش اور اپنے گواہون کے پیش کرنے مین کسی طرح سے کوتاہی نہین کی لیکن برعکس اس کے کپتان ڈگلس نے اس تمام تاریکی سے جو ان کے آگے رکھی گئی تھی- اس طرح پر اپنے تئین باہر نکال لیا جیساکہ بجلی تاریک بادل مین سے باہر آتی اور آسمان کو روشن کر دیتی ہے اسکا کیا سبب ہے- اگر یہ فراست اور کانشنس کی چمک جو کپتان ڈگلس کو دی گئی اس کا سبب انجیل کی پیروی تھی تو یہ راست بازی اور پاک کانشنس ڈاکٹر کلارک اور اسکے رفیقون مین ہونی چاہیئے تھی جو دن رات انجیل پڑھنے اور سناتے اور اس کی اشاعت مین سرگرم رہتے ہین- ہم یقین نہین کر سکتے کہ کپتان ڈگلس کو سرکاری کامون سے اسقدر فرصت ملتی ہو کہ وہ دس بیس مرتبہ تمام دن مین انجیل پڑھتے ہون یا اس کا وعظ کرتے ہون پھر یہ دل کی صفائی ان مین کیونکر پیدا ہو گئی جو ایک پادری کو نصیب نہین- یہانتک کہ انہون نے ایک خون جیسے مقدمہ مین جس مین رعایت کرنے والے یا کسی سفارش سے متاثر ہونے والے کو اپنے ہم مذہبون کو خوش کرنے کا خوب موقعہ ملتا ہے ایک ذرہ کسی فریق کی رعایت نہ کی بلکہ سچائی اور عدالت کا پاس کیا اور مشنریون کی ایک عظیم جماعت منہ دیکھتی رہ گئی اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ قوت راست پسندی اور حق پژوہی کی پادریون کے ذریعہ سے کپتان ڈگلس مین نہین آئی تھی بلکہ اپنے مان اور باپ کے ذریعہ سے تھی اور ایک فطرتی خوبی تھی کیونکہ اگر پادریون کے ذریعہ سے آئی ہوتی تو کیا وجہ تھی کہ مشنری لوگ جو اس قوت کا منبع اور سرچشمہ تھے وہ اس سے محروم رہتے چنانچہ ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ کیونکر ڈاکٹر کلارک اور دوسرے مشنری ایک جھوٹے خون کے مقدمہ کو عدالت کپتان ڈگلس مین لائے ایسا مقدمہ جو سراسر افترا اور قابل شرم

منصوبہ تھا۔

اس مقدمہ سے یہ مسئلہ حل ہوگیا کہ اکثر انگریز جو شریف اور منصف مزاج اس ملک مین آتے ہین ان کی شرافت ذاتی ہے نہ طفیلی جو پادریون کے ذریعہ سے ملی ہو ہان ایک یہ بھی باعث ہے کہ جب ایک بادشاہ صاف طبیعت اور حق پسندی کا مادہ اپنے اندر رکھتا ہے تو اس کی قوم کے لوگون اور اس کی مستعد رعایا پر ضرور اس کا اثر پیدا ہوتا ہے پس چونکہ ملکہ معظمہ مین بھی یہی خاصیت تھی کہ انہون نے رعایا پروری مین مذہبی بخل سے اپنے تئین پاک رکھا اور ان کے انصاف کو مذہبی اختلاف روک نہ سکا اسلئے ان کی خاصیت ان کے نیک فطرت حکام مین بھی آگئی۔ وہ نمونہ اپنی سیرت کا جو ملکہ معظمہ چھوڑ گئین سلطنت برطانیہ کے ہر ایک حاکم بلکہ اخبار نویسون کو بھی لازم ہے کہ اس نمونہ کی پیروی کرین اور ذرا توجہ کر کے دیکھین کہ حضرت ملکہ معظمہ نے اپنی بے تعصبی اور ہمدردی کا کیسا ثبوت دیا۔ کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ ملکہ معظمہ نے بھی رعایا کے مقابل پر مذہبی تعصب سے کام لیا بلکہ بجائے تعصب کے اس نے ایسا نیک برتاؤ اپنی رعایا سے کیا کہ ہر ایک مسلمان ان کی امن بخش حکومت سے فائدہ اٹھا کر یہ خیال کرتا رہا کہ ہم ایک مسلمان عادل بادشاہ کے زیر سایہ زندگی بسر کرتے ہین اور ایسا ہی ہر ایک ہندو یہ سمجھتا تھا کہ ایک اوتار ہمارا راجہ ہے ہمین ماننا پڑتا ہے کہ بلاشبہ اس ملکہ نے اجنبیت کو دور کر دیا تھا اور جیسا کہ ملکون کو مسخر کیا ویسا ہی دلون کو بھی مسخر کیا۔ اس سے عجیب قسم کی ہر دلعزیزی کے کام ظہور مین آئے۔ جب انہون نے اپنا مصاحب بنانے کے لئے منشی عبدالکریم کو منتخب کیا اور ایسا ہی اور کام بھی اسلام کے مفید کئے تب عجیب قسم کے خیالات مسلمانون مین پیدا ہوئے۔ جو سلطنت کے لئے نہایت مفید تھے۔ اور رعایا اور بادشاہ مین ایک روحانی تعلق پیدا کرتے تھے۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ ملکہ معظمہ کو مسلمانون سے ایک خاص تعلق اور انس ہے اور بعض کہتے تھے کہ میان تعلق کیا دراصل ملکہ معظمہ درپردہ

مسلمان ہے جبھی تو ایک مسلمان کو اپنا مصاحب بنایا اور صاف ظاہر ہے کہ منشی عبد الکریم کو اپنی مصاحبت کی عزت بخشنا مشنریون کی رائے کے بالکل مخالف تھا - اور وہ لوگ ہرگز اس سے خوش نہین ہونگے کہ ایک مسلمان کو یہ قرب صحبت کا درجہ عطا کیا جائے ایسا ہی ملکہ معظمہ نے کئی ایسے کام کئے کہ ایک مذہبی انسان سے ایسا ظہور مین آنا بالکل غیر ممکن ہے +

غرض چونکہ انگریز ایسے انصاف پسند اور رعایا پرور بادشاہ کے زیر تربیت نشوو نما پانے والے تھے جیسے کہ ملکہ معظمہ تھین - اسی وجہ سے ان کو انصاف پسندی اور عدالت کا جوہر عطا کیا گیا - اور ملکہ معظمہ مین صرف انصاف پسندی کا ہی مادہ نہین تھا - بلکہ اُن کی فطرت مین ایک یہ بھی خاصیت تھی کہ رعایا کے قصور اور خطا کو حتے الوسع معاف کر دینے کے لئے ان کی طبیعت مائل ہوتی تھی - ۱۸۵۷ء کے ایام مین جب ایک گروہ کثیر نمک حرام لوگون نے غدر برپا کیا اور جہالت اور شرارت سے ہزارہا انگریزون اور ان کی عورتون اور ان کے بچون کو بے وجہ قتل کر ڈالا تو درحقیقت یہ ایک بڑا گناہ تھا جو رعیت سے ظہور مین آیا اور اس ملک کے لوگون کو نہایت شرمندگی سے اقرار کرنا پڑے گا کہ یہ ایک ایسی پلید حرکت تھی کہ اگر اس کے عوض مین کئی لاکھ انسان قتل کئے جاتے - خاص کر مولوی اور پنڈت جو مبدء فساد تھے تو وہ عین انصاف تھا - لیکن جب ایک مسودہ اسی قسم کی سزا کے لئے ملکہ معظمہ کے سامنے پیش کیا گیا اور دستخط کرنے کی التجا کی گئی تو آپ نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ مجھ سے یہ سختی نہین ہو سکتی اور پھر جب عرض کیا گیا کہ یہ لوگ باغی ہین اور بغاوت کی سزائین مصلحت ملکی کی وجہ سے سخت ہوا

+ یہی غدر کے دن تھے جبکہ ہمارے امام مسیح موعود کے والد صاحب میرزا غلام مرتضےٰ رئیس قادیان نے پچاس گھوڑے اور پچاس سوار سے گورنمنٹ عالیہ کو مدد دی تھی اور اسی نازک موقعہ پر جبکہ وحشیانہ ہوا چل رہی تھی اپنے کثیر حصہ جائداد کو فروخت کر کے اور گھوڑے خرید کر اور سوار بہم پہنچا کر حق اخلاص خیر خواہی ادا کر دیا

ہوا کرتی ہین تو آپ نے جواب دیا اور فرمایا کہ یہ سچ ہے مگر مین عورت یا دشاہ ہون مین ایسا ہرگز نہین کرون گی۔ اب ذرا سوچنے کا مقام ہے کہ اگر خدا نے ملکہ معظمہ کے دل کو ایسے طور سے ہمدرد رعایا نہ بنایا ہوتا تو ۱۸۵۷ء مین جو کچھ ہندوستانیون سے بغاوت ظہور مین آئی تھی وہ ایک سخت سزا کے لایق تھے جس سے عمداً درگذر کی گئی +

ان سب باتون سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ گو بظاہر ملکہ معظمہ عیسائی مذہب رکھتی تھین مگر خدا نے ان کو مذہبی تعصبات اور مذہبی رنگ آمیزیون سے بالکل پاک رکھا تھا اور یہی وجہ ان کے اقبال اور شوکت اور شان کی تھی کہ ان کا دل شاہانہ ہمدردی رعایا سے پُر تھا۔ ان کی یہ شایستگی اور اخلاقی حالت پادریون کے ذریعہ سے نہین تھی بلکہ اپنے شریف آباؤ اجداد کے تخم سے اور اپنی فطرت کے گوہر تابان کی وجہ سے تھی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ عیسائیون مین زیادہ تر انجیل پڑھنے والے مشنری لوگ ہین جن کی ہمیشہ یہ آرزو رہتی ہے کہ سرکاری سکولون اور کالجون مین بھی انجیل لازمی ٹھہرائی جائے۔ لیکن اگر ان کی روحانی حالتون کا مثلاً ملکہ معظمہ اور سلطنت کے دوسرے ارکان سے مقابلہ کیا جائے تو مجبوراً اقرار کرنا پڑے گا کہ ان مشنری لوگون کو ان خداداد اخلاق سے جو ملکہ معظمہ یا ان کے حکام کو عطا کیے گئے ہین کچھ بھی نسبت نہین۔ پس اگر یہ اخلاق فاضلہ انجیل کی وجہ سے ہوتے تو سب سے زیادہ پادریون مین ہونے چاہئے تھے حالانکہ ان مین مفقود ہین اور عمدہ صفتین اکثر ایسے انگریزون مین دیکھنے مین آتی ہین کہ نہ تو وہ پادری ہین اور نہ ان کو پادریون کی صحبت کا بہت اتفاق ہوتا ہے +

انسانی سرشت مین اگرچہ بہت سی اعلے درجہ کی قوتین ودیعت رکھی گئی ہین لیکن دو قوتین گویا خاص علامت انسان ہونے کی ہین (۱) ایک یہ کہ اخلاقی حالت ایسے اعلے درجہ پر ہو کہ کوئی مذہبی بخل اور تعصب یا اعتقادی مخالفت اس مین رخنہ انداز نہ ہوسکے (۲) دوسری یہ کہ دماغی بیدار مغزی اور روشنی حواس اور تیزی عقل ایسے کمال پر ہو

جو تدابیر ملکی اور مصالح نگرانی رعایا مین بہت ہی کم غلطی کا اتفاق ہوا ب صاف ظاہر ہے کہ اگر ان دونون قوتون کو اکمل اور احسن درجہ پر پہونچانے کے لئے انجیل کی ضرورت ہے تو پھر یہ قبول کر لینا چاہئے کہ مشنریون سے بڑھکر کوئی عیسائی ان دونون قوتون مین صاحب کمال نہین حالانکہ یہ صریح غلط ہے اگر مثلاً کسی بشپ کو گو کلکتہ کا ہی بشپ ہو بجائے لارڈ کرزن کے وایسرائے کیا جائے تو کیا کوئی عقل مان سکتی ہے کہ جس روشن دماغی اور وسعت اخلاق کی مدد سے لارڈ کرزن کام کر رہے ہین وہ بشپ بھی ایسا ہی کام کر سکے گا۔ ہرگز نہین بلکہ یہ لوگ ایسے ہین کہ ان کی سوچین بہت دور تک نہین جا سکتین اور ان کے اخلاق کا دائرہ نہایت محدود ہے اور ان کا اخلاقی اور ذہنی چشمہ تعصب اور کوتہ اندیشی کے کیچڑ سے محفوظ نہین ہے +

یہ لوگ اپنی نہایت سادہ طبعی سے خیال کرتے ہین کہ اب ایسا زمانہ آگیا ہے۔ کہ حضرت مسیح کی خدائی کو لوگ ہنسی خوشی سے قبول کر لین گے اور یہ نہین جانتے کہ زمانہ کے دماغی قوے اب اس دھوکے مین ہرگز آ نہین سکتے کہ ایک انسان کو خدا قرار دین۔ یہ عقیدہ جب یورپ کے لوگون کے گلے پڑ گیا وہ اور زمانہ تھا اور اب یہ زمانہ اور ہے اور جس درجہ عقل اور فہم تک اب یورپ نے ترقی کر لی ہے۔ اگر اس پہلے زمانہ مین یہی ترقی ان کو حاصل ہوتی تو وہ کبھی اس غلطی کی برداشت نہ کر سکتے۔ غرض یہ ثابت شدہ امر ہے کہ تمام سلسلہ مشنری صاحبون کا ان دونون قوتون مین عمدہ نمونہ اپنے اندر سے پیش نہین کر سکتا۔ لیکن دوسرے انگریز جو نہ مشنری ہین نہ واعظ انجیل وہ دماغی اور اخلاقی قوے کا وہ عمدہ نمونہ دکھلاتے ہین کہ جس سے سلطنت کو قوت پہونچتی ہے۔ پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہین کہ پادری صاحبان جس مسئلہ الوہیت مسیح پر زور لگاتے ہین ایک ذرہ ثبوت اسکا ان کے پاس نہین ہے۔ صرف رسم اور عادت کے رنگ مین یہ عقیدہ ان کو پیارا معلوم ہوتا ہے درحقیقت وہ خیالات جو عادت مین داخل ہو جاتے ہین اور پھر مصالح حمیت قومی کا ان پر رنگ

چڑھ جاتا ہے۔ ان کا دور کرنا نہایت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ خدا کا وجود در پردہ غیب ہے اس سے ڈرنے والے وہی لوگ ہوتے ہین جو انصاف اور راست بازی کو اپنے اصول مقرر کر لیتے ہین اور ان کا آرام اور ان کا بہشت اور ان کا ہر ایک سامان راحت سچائی مین ہوتا ہے۔ اور باقی تمام لوگ تعصب مین مبتلا ہین وہ خدا کی پرستش نہین بلکہ رسم اور عادت اور قوم کی پرستش کرتے ہین اور یہ اعتراض صرف عیسائیون پر نہین بلکہ مسلمانون پر بھی یہی الزام عائد ہوتا ہے۔ جب تک انسان صرف ایک مذہبی رنگ مین زندگی بسر کرتا ہے اور اس روح سے خالی ہے جو خدا کی طرف سے پھونکی جاتی ہے خواہ وہ ایک پادری کی صورت مین ہے اور خواہ ایک مولوی کے پیرایہ مین اور خواہ ایک پنڈت کی شکل مین وہ پاک زندگی سے بے بہرہ ہے اور اس سے تعصب کا الگ ہونا ایسا مشکل ہے جیسا کہ ایک بدبودار مادہ سے بدبو کا دور ہو جانا اور اس کے اخلاق کا وسیع ہونا اس سے بھی زیادہ تر دشوار ہے ٭

لیکن وہ شخص جس کی زندگی مذہبی رنگ پر نہین بلکہ علمی رنگ پر ہو وہ تعصب سے دور ہوتا ہے اور اخلاق اس کے بہت وسیع ہوتے ہین اور عامہ خلائق کا وہ ہمدرد ہوتا ہے۔ اب اس فرق کو خوب غور کر کے سمجھ لو ایسا نہ ہو کہ دھوکا کھاؤ اور فرق یہ ہے کہ مذہبی رنگ کے انسان جیسا کہ اخلاقی حالت ان کی نہایت پست اور گری ہوئی ہوتی ہے ایسا ہی وہ اکثر بہت ذلیل خیالات مین مبتلا ہوتے ہین اور کوئی واقعہ کسی ایسی تبدیلی کا ان کو پیش نہین آتا جس سے وہ عوام الناس کے ہاتھ سے دکھ اٹھاوین اور لعنت ملامت کا نشانہ بنین بلکہ وہ ہمیشہ رسمی عقائد اور اعمال کی بجا آوری مین قوم کے غلام ہوتے ہین اور اپنی وجاہت اور عزت اور آمدنیون کو مدنظر رکھ کر اور قومی تعصب کا بت اپنی آنکھون کے سامنے نصب کر کے ہر وقت اسی کو سجدہ کرتے ہین اور اسی کے مناسب حال ان کا حرکت و سکون ہوتا ہے اور تمام عمر ان کو یہ موقعہ نہین ملتا کہ وہ کسی…

مقام مین عوام کی مخالفت کر سکین اور بسا اوقات ان کا کانشنس ان کو ملزم بھی کرتا ہے کہ جن عقیدون پر وہ اصرار کرتے ہین ان کے متعلق ان کے پاس کوئی دلیل نہین مگر پھر بھی وہ انکو چھوڑنا نہین چاہتے۔ وہ اس سچی تحقیق سے کام نہین لیتے۔ جو ایک دنیادار اپنے ادنے درجہ کے دنیا کے امور مین اس سے کام لیتا ہے۔ بلکہ وہ روحانیت کی امنگ سے کوئی بھی کام نہین کرتے برخلاف اسکے علمی رنگ کا ایک انسان اپنے سچے جوش اور توجہ سے سچائی کو ہاتھ لگانا چاہتا ہے اور وہ اس بات کا شیدا ہوتا ہے کہ قوی دلائل کے ساتھ کوئی بات پیدا ہو ماسوا اس کے وہ تنگ اخلاق بھی نہین ہوتا۔ بلکہ علمی روشنی کے ذریعہ سے وہ دوسرون کو بھی روشن کرنا چاہتا ہے اسی وجہ سے قدرتی طور پر اس کے اخلاق نہایت وسیع ہوتے ہین اور جیسا کہ ایک باپ بچون کے لئے اپنی پوری ہمدردی کو خرچ کرتا ہے ایسا ہی علمی رنگ کے انسان کا حال ہوتا ہے وہ بیہودہ اور بے دلیل باتون پر نہ آپ قائم ہوتا ہے اور نہ خواہش رکھتا ہے کہ کوئی دوسرا قائم ہو۔ بلکہ دلائل قاطعہ کا عاشق ہوتا ہے اور خاموشی کے ساتھ ان کو سنتا اور ان کو لینے کے لئے تیار ہوتا ہے +

مذہب کا علمی پیرایہ

یہ زمانہ جس مین ہم ہین بالطبع تقاضا کرتا تھا کہ بجائے مذہبی جھگڑون اور خرخشون کے جن کی محض قصّون کہانیون پر بنیاد ہے علمی سلسلہ قائم ہو کیونکہ جن قصّون کی بنیاد پر نوع انسان کے مذاہب نے اب تک عمر بسر کی ہے وہ قصّے انسانون کو کسی منزل تک نہین پہنچا سکے اور کسی سچائی کو روشن کر کے نہین دکھلا سکے بلکہ دنیا کو نرے مذہبی رنگ سے بہت نقصان پہونچا ہے اور ان کی اخلاقی حالتین نہایت پست ہو گئی ہین اور انسانیت کی ہمدردی بالکل جاتی رہی ہے۔ اور روحانیت کو نہایت درجہ صدمہ پہونچ گیا ہے اس لئے خدا تعالےٰ نے ایسے وقت مین جبکہ بہت سے زمینی امور بھی علمی رنگ مین آتے جاتے ہین۔ چاہا کہ مذہبی مباحث کو

بھی علمی رنگ مین ظاہر کرے سو اس کے لئے خدا تعالےٰ نے ہمارے امام مسیح موعود کو دنیا مین بھیجا تا تمام دنیا جن جن امور مین مذہبی مباحث کے پیرایہ مین باہم جنگ و جدل کر رہی ہے ان حقیقتون کو علمی رنگ مین کھول کر دکھلایا جاوے۔ اور خود اہل دنیا کو اس بات کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ جبکہ اس علمی ترقی کے زمانہ مین طبعی اور ہیئت نے بھی ایک چمکدار جامہ پہن لیا ہے تو چاہیئے کہ وہ مذہب جو دنیا کے تمام مذہبون مین سے درحقیقت سچائی اور خوبصورتی اپنے اندر رکھتا ہے وہ بھی علمی رنگ مین اپنی سچائی کا تاج مرصع اپنے سر پر رکھے اور شوکت بیان اور قوت برہان کی چست قمیص زیب تن کر کے دکھلاوے اور پھر قمیص کے نیچے کا حصہ ایک ایسی نورانی.... چادر سے پیرون تک ڈھکا ہوا ہو کہ کوئی برہنگی اس سے نظر نہ آسکے +

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جب کبھی ایک دن مذہبون کی لڑائی کا خاتمہ ہوگا تو وہ علمی رنگ کے ظہور کے وقت مین ہوگا نہ کسی اور وقت مین اور ہر ایک مذہب جو علمی رنگ مین اپنی چمک دکھلائے گا وہی سچائی کا بادشاہ سمجھا جائے گا اور یقین سمجھو کہ وہ دن دور نہین ہین۔ بلکہ آگئے۔ اور انسانون کے دماغی قوےٰ ایک نقطہ تک پہنچ گئے ہین کہ اب وہ علمی روشنی پر قصون کو ترجیح نہین دے سکتے۔ جو لوگ ان دنون مین اپنے دماغی قوےٰ کو دنیا کے کامون مین خرچ کر رہے ہین وہ اپنے اندر اس بات کے لئے ایک مناسبت پیدا کرتے جاتے ہین کہ اپنے دین و مذہب مین بھی انہی دماغی قوےٰ سے کام لین سو امید رکھنی چاہیئے کہ یہی قوےٰ جو ہر روز تیز کئے جاتے ہین کسی وقت دین کی اصلیت سمجھنے کیلئے بھی مفید ہون گے۔ غرض اب ایک ایسا زمانہ آگیا ہے جو دماغی قوےٰ کو بیدار کر رہا ہے اور بڑی تیز حرکت کر کے انسانی حوائج کے ہر ایک امر کو علمی رنگ مین لانا چاہتا ہے۔ اور صریح معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین خدا تعالےٰ کا یہی ارادہ ہے کہ سچا فیصلہ اور جھوٹے مبالغے درمیان سے دور کر کے علمی شہادتون سے ہر ایک امر کی اصلیت ظاہر کرے۔ اس زمانہ

مین انسانی چال چلن کی ہیکل اس بیمار سے مشابہ ہے جس کا کوئی عضو بیماری سے خالی نہ ہو اور سر سے پیر تک انواع اقسام کے امراض کا مجموعہ ہو اسی طرح اکثر انسانون کے عقائد ایک طرف گندے اور خراب ہین اور ایک طرف اخلاقی حالت بھی درست نہین اور پھر معاملات بھی سراسر مغشوش اور فساد سے بھرے ہوئے ہین پس ایسی صورت مین یہ تمام تانا بانا جو بگڑ چکا ہے کیونکر درست ہو پس اس سوال کا جواب یہی ہے کہ بجز اسکے کہ مذہب کو علمی رنگ مین لایا جاوے اسوقت تک کسی صورت سے بھی اس گندے کیچڑ سے نجات ممکن نہین ✣

اور علمی رنگ سے مراد یہ ہے کہ ایسے صاف اور پاک دلائل جو محض بیہودہ قصون پر مبنی نہ ہون تلاش کر کے اول مسئلہ خدا شناسی کو غلطیون سے مبرا کیا جائے اور پھر بعد اس کے اسی طرح حکیمانہ اصول کے موافق اخلاق اور معاملات پر نظر ڈالی جائے پس کچھ شک نہین کہ اس تنقیح اور تحقیق کے بعد تمام عقائد اور اخلاق اور معاملات یقینی نور کے ساتھ رنگین ہو جائینگے اور وہ کمزوری جو شک اور شبہ کی حالتین عقائد وغیرہ کے لئے ایک لازمہ ذاتی ہے وہ دور ہو جائے گی - زمانہ اس بات کا محتاج ہو رہا ہے کہ اس کے لئے کوئی ایسی راہ پیدا ہو جس پر قدم مارنے سے وہ نفسانی جذبات اور سفلی تاریکیون سے نجات پاوے اور سچی خدا شناسی اور سچے اخلاق اور معاملات مین سچی امانت اور دیانت پیدا ہو جائے اور دیکھا جاتا ہے کہ ان ہر سہ قسم کی سچائیون کو چھوڑنے سے نوع انسان کو بہت نقصان پہنچتا ہے اور وہ ایک نہایت تاریک گڑھے کی طرف کھینچے جا رہے ہین - ہر ایک قوم نے اپنے اپنے رنگ مین تاریکی سے حصہ لیا ہے - عیسائیون نے حضرت مسیح کو خدا بنا کر توحید کے پاک چشمہ مین ہزارون من کیچڑ ڈال دیا ہے - ان مین جو عقلمند ہین وہ اس بات کو بخوبی سمجھتے ہونگے کہ انہون نے ایک عاجز انسان کو خدائے قادر قیوم کی جگہ دیکر ایک مخلوق فانی کو خدائے ازلی ابدی کے تخت پر بٹھا دیا ہے - مسلمانون نے اگرچہ اپنے

منہ سے یہ اقرار کیا ہے کہ وہ اس سچے خدا پر ایمان لاتے ہین جو ازلی ابدی غیر متبدل قادر
خدا ہے جو مرنے اور پیدا ہونے سے پاک ہے لیکن اکثر لوگون کی حالتین اس اقرار کے
مخالف ہین۔ اور اگرچہ ہمین اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ عقیدہ اس سچائی کا مرکز ہے جو عنایت
ازلی سے محض اسلام کے حصہ مین ہی آئی ہے اور اسلام کی ہی یہ خوبی ہے تاہم افسوس
سے کہنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ مین اکثر مسلمان جس خدا پر ایمان لانے کا دعوے کرتے ہین
درحقیقت اس پر ان کو ایمان نہین ہے نہ ان کو خدا پر بھروسہ ہے اور نہ دعا اور عبادات
مین خلوص اور اہتمام ہے اور نہ اس خدا کے وعدہ لا شریک پر یقین ہے بلکہ مین خیال
کرتا ہون کہ اگر یہ لوگ صرف ظنی طور پر ہی اس خدا کو شناخت کر لیتے تب بھی شک نہ تھا کہ انکے
اخلاق اور معاملات اور اعمال پاک ہو جاتے اس لئے صرف ایک قوم اصلاح کی محتاج نہین
بلکہ یہ تمام قومین اس بات کی محتاج ہو رہی ہین کہ کسی رنگ مین پاک ہدایتین حاصل
کرین اور پھر خدا سے قوت پا کر سچائی اور راستبازی کا کامل طور پر جامہ پہن لین ؛

ایسی اصلاح محض انسانی عقل کا کام نہین ہے کیونکہ اس کے ساتھ وہ روشنی نہین
ہے جو آسمان سے نازل ہوتی اور دلون کو آرام بخشتی ہے۔ اور نہ اس زمانہ مین فقط کسی
گذشتہ زمانہ کا حوالہ دینا کافی ہو سکتا ہے کیونکہ گذشتہ باتین جو اب محض بطور قصہ کے
پیش کیجاتی ہین اس وقت کام نہین کر سکتین۔ مذہب کی حقیقی عظمت وہ ہے جو موجود
ہو اور بدیہی طور پر دکھائی دے نہ یہ کہ وہ باتین ہی باتین ہون جو محض ایک قصہ کے رنگ مین
سنائی جاتی اور پیش کی جاتی ہین جب الحاد اور دہریت کے خطرناک طوفان مین موجودہ
مذاہب گرنا چاہتے ہین اس طوفان سے فقط گذشتہ قصے بچا نہین سکتے کیونکہ وہ اپنے
اندر یقینی طور پر سچائی کی روشنی نہین رکھتے بلکہ ایک موجودہ تاریکی کے دور کرنے کے لئے
ایک موجودہ روشنی کی ضرورت ہے صرف روشنی کے نام سے تاریکی دور نہین ہو سکتی
جب تک اس روشنی کا وجود مرئی اور محسوس نہ ہو۔ لہذا اس زمانہ کی پر ظلمت حالت کو

ایک موجودہ روشنی کے ذریعہ سے تاریکی سے باہر لانا چاہئے۔ کسی عقیدہ کا واقعی طور پر...
یقین دل میں آجانا ہرگز ممکن نہیں جب تک کہ اس عقیدہ کے دلائل علمی رنگ میں بپایۂ
ثبوت پہونچ نہ جائیں۔ یعنی ایسی عظمت جو محققوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لے ہرگز
کسی عقیدہ میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اس عقیدہ کی یقین پر بنا نہ ہو
خاص کر اس زمانہ میں جب کہ بیقیدی اور الحاد کا خوفناک سیلاب ان پلوں کو توڑتا جاتا ہے
جو محض قصّوں اور گذشتہ روایات کی اینٹوں سے بنائے گئے تھے۔

یہ ایک ایسا زمانہ ہے کہ صرف پرانے قصّے عجائب پیرایوں میں پیش کرنے
اس میں کافی نہیں ہیں۔ انسانوں کے دماغی قوے اب اس غذا سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے کہ
جو اس سے پہلے مہیا کی جاتی تھی بلکہ ہر ایک شخص محسوس کر رہا ہے۔ کہ اب وہ علمی....
رنگ کی تحقیقاتوں کا محتاج ہے اور یہ خیال کہ ایسی تحقیقاتوں سے گورنمنٹ انگریزی
ناراض ہے گورنمنٹ عالیہ کی صاف دلی پر بیہودہ بدظنی ہے۔ ہم یقیناً جانتے
ہیں کہ گورنمنٹ اہل ہند کی وفاداری کو صدق دل سے تسلیم کر چکی ہے۔ بالخصوص
ان خاندانوں کی نسبت جنہوں نے طوفان بغاوت کے زمانہ میں ثابت کر دیا کہ وہ اس
دولت کے سچے خیرخواہ ہیں گورنمنٹ عالیہ کو کامل طور پر اطمینان ہے کہ وہ ایسے
نہیں ہیں کہ ان سے کوئی حرکت بیوفائی کی صادر ہو سکے اور بلاشبہ گورنمنٹ عالیہ
کے مدبّر ارکان ان پر نہ صرف نیک ظن رکھتے ہیں بلکہ اس دانا گورنمنٹ کو آیندہ
بھی ان کی وفاداری پر بہت کچھ بھروسہ ہے۔ ہر ایک شخص جو آنکھوں سے کام لیتا ہے
وہ چشم دید سے بڑھ کر کسی دوسری شہادت کو معتبر نہیں سمجھتا گورنمنٹ کا وہ دفتر وہ
تحریریں وہ حکام اب تک موجود ہیں جو بخوبی جانتے ہیں کہ میرزا غلام مرتضےٰ صاحب
رئیس قادیان جو ہمارے میرزا صاحب حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کے والد تھے کیسے
وفادار اور سچے خیرخواہ رعایا میں سے تھے اور پھر آپ کے بھائی میرزا غلام قادر نے سنہ ۱۸۵۷ء

مین تمو کے گذر کی لڑائی مین اپنی جان کو خطرہ مین ڈال کر گورنمنٹ پر ثابت کر دیا کہ وہ نہ محض مال سے بلکہ جان سے بھی گورنمنٹ کی مدد کے لئے ہر وقت تیار ہین - اور جانفشان مخلص ہین - چنانچہ حکام کی خوشنودی کی چٹھیات اب تک موجود ہین - پھر بعد اسکے پورے بائیس برس سے ہمارے امام اس خدمت مین لگے ہوئے ہین کہ پچاس کے قریب ایسی کتابین عربی اور فارسی اور اردو مین تالیف کی ہین جن مین بار بار مسلمانون کو اس گورنمنٹ کی اطاعت کی ترغیب دی ہے اور جہاد کی ممانعت کی ہے اور وہ کتابین نہ صرف برٹش انڈیا مین بلکہ تمام اسلامی ممالک مین شایع کردی ہین اور اسی مضمون کے اشتہار بھی شایع کئے ہین بلکہ اپنی جماعت کے اصولون اور عقاید مین یہ شرط داخل کردی ہے کہ وہ ہمیشہ اس گورنمنٹ کی سچی خیرخواہ رہے - ہر ایک جو آپ کی بیعت کرتا ہے اسکو اپنے اندر یہ تبدیلی کرنی پڑتی ہے کہ وہ درحقیقت اس گورنمنٹ کا سچا خیر خواہ بن جائے -

تثلیث اور توحید

جہانتک مین سوچتا ہون ان لوگون کے لئے جو خدا تعالے کے وجود کو مانتے اور اس کی ہستی اور اس کی تمام پاک صفات اور جزا سزا پر ایمان رکھتے ہین سب سے ضروری امر یہ ہے کہ وہ نجات کے صحیح طریقہ کو تلاش کرین اور اگر خدا کے قدیم قانون قدرت اور صحیفہ فطرت اور اس کی پاک کتابون کی تعلیم کی کھلی کھلی شہادتون سے اور نیز جو اس کی کتابون پر ایمان لانے والے فرقے ہین ان کی کثرت رائے سے اور دوسرے زندہ ثبوتون سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بغیر مسیح کے خون کے نجات نہین اور بغیر عقیدہ تثلیث کے رہائی نہین تو اس صورت مین بڑا گناہ ہوگا کہ اس عقیدہ کو قبول

نہ کیا جائے کیونکہ جس جگہ یہ تمام امور اکٹھے ہو گئے ممکن نہین کہ وہ امر غلط ہو۔ لہذا ضروری ہے کہ اسوقت ان پانچون پہلوؤن پر نظر ڈالین اور پھر جو نتیجہ نکل سکتا ہے معزز ناظرین کو اس سے اطلاع دیدین +

نجات کے بارے مین جس طریق کی طرف مسیحی واعظان دعوت کرتے ہین۔ وہ یہ ہے کہ نجات ان دو باتون پر موقوف ہے اول یہ کہ ایک شخص اس طرح پر تثلیث پر ایمان لاوے کہ باپ اور بیٹا اور روح القدس کو ایک وجود سمجھے اور پھر تین بھی اور ان کا تین ہونا عقیدہ رکھے اور پھر ایک بھی (۲) اور دوسری بات یہ کہ وہ اس بات پر ایمان لاوے کہ یسوع مسیح نے صلیب کے ذریعہ سے مرکر اس لعنت سے پورا حصہ لیا جو شیطان اور اسکے گروہ کے لئے قدیم سے تیار کی گئی تھی اور اس طور سے اس پر ایمان لانے والے اس مہلک لعنت کے پھلون اور نتیجون سے بچائے گئے۔ جو کفر اور ظلم اور طرح طرح کی بدکاریون کا خیال دلون مین ڈالتی اور بے ایمانی کی راہ سکھاتی اور دلونکو اندھا کردیتی اور خدا سے بیزار اور جدا کر دیتی ہے اور ایسے لوگ جو اس لعنت سے حصہ لیتے ہین ان کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ شیطان کے وارث ہوکر بے ایمان اور خدا سے برگشتہ ہو جائین اور ہمیشہ کے جہنم مین جائین کیونکہ لعنت شیطان کے منہ کا سیہ داغ ہے مگر یسوع مسیح نے دنیا سے یہ محبت کی کہ ایسی مہلک اور خطرناک لعنت جو ایمان کی دشمن ہے جسکے ایسے مہلک اور خطرناک نتیجے ہین اپنے باپ سے درخواست کرکے اپنے ہی دل پر وارد کرالی۔

یہ وہ دو باتین ہین جن پر مسیحی صاحبون کے عقیدہ کے رو سے نجات موقوف ہے لیکن افسوس کہ یہ دونون باتین ایسی ہین کہ نہ تو خدا کا قانون قدرت اور صحیفہ فطرت ان کا مصدق ہے اور نہ اس کی پاک کتابون مین ان کی کوئی گواہی پائی جاتی ہے اور نہ کوئی زندہ ثبوت ان کا مؤید ہے اور نہ اہل کتاب کی کثرت رائے نے ان کی سچائی پر مہر لگائی ہے +

نجات اور لعنت

قانون قدرت کی شہادت

اول تثلیث کو دیکھو تو خدا کا قانون قدرت بالکل اسکے مخالف ہے۔ خدا نے ہر ایک بسیط چیز کو کروی شکل پر پیدا کیا ہے جو توحید سے نہایت مناسب ہے دیکھو آفتاب ماہتاب ستارے زمین سب کروی شکل ہیں یہانتک کہ عناصر کی شکل بھی کروی ہی ثابت ہوتی ہے۔ اگر پانی کے ایک قطرہ کو دیکھو تو اس کو بھی کروی شکل کا ہی پاؤگے اب ظاہر ہے کہ اگر تثلیث کا مسئلہ صحیح ہوتا تو ہر ایک بسیط کی سہ گوشہ شکل ہونی چاہیئے تھی اور ضروری تھا کہ آسمان کے ستارے اور زمین کے عناصر سب سہ گوشہ شکل رکھتے تا تثلیث پر ان کی دلالت ہوتی۔ یہ عجیب بات ہے کہ خدا تو اپنی ذات میں مثلث ہو۔ مگر اسکے ہاتھ سے نکلے ہوئے تمام بسائط...... کروی شکل رکھیں۔ اب خوب غور کر لو کہ خدا کا قدیم قانون قدرت تثلیث کے عقیدہ کی کچھ بھی تائید نہیں کرتا بلکہ اس کی نفی کرتا ہے+

صحیفہ فطرت کی شہادت

اب جبکہ قانون قدرت سے تثلیث پر کوئی شہادت پیدا نہ ہوئی۔ تو ہم صحیفہ فطرت کو دیکھتے ہیں کہ کیا اس میں سے تثلیث پر کوئی گواہی ملتی ہے۔ تو فی الفور ثابت ہوتا ہے کہ صحیفہ فطرت بھی مسئلہ تثلیث کا ایسا ہی مخالف ہے جیسا کہ قانون قدرت حضرات عیسائی صاحبان اس بات کو مانتے ہیں بلکہ کتاب میزان الحق میں پادری ڈاکٹر فنڈل صاحب نے اس بات کا اقرار کر لیا ہے کہ کسی جزیرہ میں ایسے لوگ موجود ہوں جن کو انسانی عقل دی گئی ہے اور تثلیث کی تعلیم ان تک نہیں پہونچی تو ان سے قیامت کو محض توحید کی بازپرس ہوگی تثلیث کی بازپرس نہیں ہوگی۔ اب دیکھئے کہ اگر انسان کے صحیفہ فطرت میں تثلیث کی شریعت موجود ہوتی تو ضرور ایسے لوگوں سے جو اس کے منکر ہیں اور عقل رکھتے ہیں گو تثلیث کی تعلیم ان تک نہیں پہونچی۔ خدا کا مواخذہ ہوتا۔ اگر صحیفہ فطرت میں صانع حقیقی کی طرف سے کوئی تثلیث کا نقش بھی موجود ہے تو کیا وجہ کہ اس پر عملدرآمد نہ کرنے سے بازپرس نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ شریعتیں جو انسان کو نبیوں کی معرفت ملی ہیں وہ باطنی شریعت کا ایک ظل ہیں۔ انسان کسی امر کے قبول کرنے کے

لیئے مکلف نہین ہو سکتا جس کا باطنی شریعت کے نقوش مین نام ونشان نہ ہو اور باطنی شریعت ہم کو صرف یہ سکھلاتی ہے کہ خدا وحدہ لاشریک ہے مگر اسکا مثلث یا مربع ہونا اور تین اقنوم سے مرکب ہونا یہ ایک ایسا امر ہے کہ انسانی فطرت پر کوئی نقش اس کا نمایان نہین یہی وجہ ہے کہ گو انسانون نے بیہودہ حیلہ جوئیون کے طور پر ہزار ہا بلکہ لکھوکہا دیویان اور دیوتے اپنی طرف سے تراش لئے ہین۔ مگر باوجود اسکے پھر بھی ان کو ماننا پڑا۔ کہ خدا ایک ہے۔ پس کیا وجہ کہ باوجود اسقدر وسیع شرک کے دلون نے کثرت معبودون پر آرام نہ کیا۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ صحیفہ فطرت نے ان کو اس بات کے لیئے مجبور کیا کہ وہ خدائے واحد کو مان لین +

اب جبکہ قانون قدرت اور صحیفہ فطرت دونون تثلیث کے منکر ثابت ہوئے تو یہ دیکھنا باقی رہا کہ نبیون کی پاک کتابون کی کھلی کھلی کیا تعلیم ہے۔ میری دانست مین.... بائیبل نے باوجود صدہا تغیر تبدل کے جو اس مین واقع ہوئے توحید کی تعلیم کو ایسے پورے طور پر انجام دیا ہے کہ توریت سے ملاکی نبی تک تمام کتابین توحید کی تعلیم پر زور دے رہی ہین اور اس سے پُر ہین۔ نمونہ کے طور پر دیکھو توریت - خروج ۳۴/۱۴ دانیال ۳/۲۸ یسعیا ۴۴/۸ و ۴۶/۹ و یسعیا ۴۵/۵ و ۶ و ۴۴/۱۸ یرمیاہ ۱۰/۶ ہوسیہ ۱۳/۴ زبور ۸۶/۱۰ نحمیہ ۹/۶ تواریخ کی پہلی کتاب ۱۷/۲۰ - ایسا ہی اور صدہا مقامات پر ان کتابون مین کھلی کھلی توحید کی تعلیم ہے اور اگر انجیل کی تعلیمون کو دیکھا جائے جسکے محرف کرنے مین سخت کوشش کی گئی ہے - تو ان مین بھی کھلی کھلی تعلیم توحید کی ہی ثابت ہو گی۔ اور تثلیث کا نام ونشان نہین ہو گا۔ ایک شخص جو خدا سے خوف کرتا اور کوئی حصہ حیا اور انصاف کا اپنے اندر رکھتا ہو وہ اگر ان تمام کتابون کی کھلی کھلی تعلیم جو توحید کے بارے مین ہے ترازو کے ایک پلہ مین رکھے اور دوسرے پلہ مین عیسائی مذہب کے وہ توہمات رکھے جو بعض پیشگوئیون کے غلط معنون سے یا انجیل کے بعض ان فقرون سے جو استعارات کے رنگ مین ہین

بنائے گئے ہین اور پھر ایک نظر اس ذخیرہ پر ڈالے جو توحید کا ذخیرہ ہے اور ایک نظر ان چند توہمات پر جو حضرت مسیح کے خدا بنانے کے لئے تراشے گئے ہین تو میری دانست مین وہ نہایت آسانی سے سمجھ جائے گا کہ خدا کی کتابون پر یہ امید رکھنا کہ تثلیث ثابت ہوگی ایسی ہی امید ہے کہ جیسے کوئی شخص ایک پھونک مارکر آفتاب کی روشنی دور کرنا چاہے کیا کوئی شخص یہ بات منہ پر لاسکتا ہے کہ جس صفائی اور تصریح اور تاکید اور بار بار کی وصیت سے صدہا مرتبہ توریت اور دوسرے نبیون کی کتابون مین توحید کی طرف بلایا گیا ہے وہی صفائی اور تصریح اور تاکید اور بار بار کی وصیت تثلیث کے بارے مین بھی پائی جاتی ہے - حاشا وکلّا ہرگز ہرگز نہین اور اگر یہ تاکید پائی جاتی ہے تو مین سب سے پہلے قبول کرون گا ورنہ ہمین نہین چاہئے کہ خدا سے بے خوف ہوکر محض توہمات کی بنیا دپر ان دلائل کو ہاتھ سے پھینک دین - جو قطعیۃ الدلالت ہین - اگر توہمات سے ہی کام لینا ہے تو پھر ان ہندؤون کا کیا گناہ ہے جو راجہ رامچندر صاحب اور راجہ کرشن صاحب کو خدا بنائے بیٹھے ہین - اس قسم کے خداؤن کی دنیا مین کمی نہین - یہ کس قدر ظلم ہے کہ دوسرون کے حق مین ابن اللہ وغیرہ ہونیکے الفاظ یا اسی قسم کے اور استعارات جو بائیبل مین موجود ہین پائے جائین تو وہ لوگ سب انسان رہین - کوئی خدا نہ بنے لیکن جب وہی الفاظ بلکہ ان سے کمتر یسوع مسیح کے حق مین سمجھے گئے یا خیال کئے گئے اور وہ بھی صرف اعتقادی طور پر نہ قطعی فیصلے سے تو ان سے حضرت مسیح خدا بن گئے اگر اسی طرح کسی کو خدا بنا سکتے ہین تو گو تانبے سے سونا بنانا محال ہی ہو مگر خدا بنانے کا نسخہ نہایت سہل ہے - لیکن کیا تم ایسے خدا پر بھروسہ کرسکتے ہو جسکو تم نے خود بنایا!

اب جبکہ خدا کی کتابون سے بھی تثلیث کا کچھ پتہ نہ چلا تو آؤ ہم یہ بھی دیکھ لین کہ کیا اہل کتاب کی کثرت رائے نے تثلیث کو صحیح عقیدہ قرار دیا ہے - ظاہر ہے کہ

اہل کتاب کی کثرت رائے

بائیبل کے اول وارث یہودی تھے اور ان مین ایک مستقل اور کامل شریعت لانے والا نبی موسےٰ تھا جس نے نہ صرف توریت کو بنی اسرائیل کے حوالہ کیا بلکہ خود تفسیر بن کر اسکے تمام معنے سمجھا بھی دیئے۔ اور توریت کی ہر ایک کتاب مین توحید کی تعلیم پر زور دیا گیا اور سخت تاکید کی گئی کہ ان تعلیمونکو حفظ کرو اور اپنی آستینون اور اپنی چوکھٹون اور اپنے دروازون کی پیشانیون پر لکھو اور ان کو ڈرایا گیا کہ اگر تم ان تعلیمون کو بھولوگے تو طرح طرح کی بیماریون اور زہرناک پھوڑون اور پھنسیون اور دوسری آفات ارضی و سماوی سے ہلاک کئے جاؤگے اور تم دیوانہ اور مجذوم ہوکر مروگے اور تعلیم پر توجہ دلانے کے لئے صرف دھمکی ہی نہین دی گئی بلکہ امیدین بھی دلائی گئین اور علاوہ اسکے یہ بھی انتظام کیا گیا کہ چودہ سو برس تک ان مین سلسلہ نبوت برابر چلا آیا ان پر بے نبی کے کوئی زمانہ نہ آیا اور خود حضرت موسیٰ نے ان کو اپنے مرنے کے وقت بیوہ عورت کی طرح نہین چھوڑا بلکہ خدا کے حکم سے بلاتوقف یشوع نبی کو اپنا قائم مقام کر دیا اور پھر یہ سلسلہ نبیون کا ایسا برابر ان کی محافظت کرتا آیا کہ دنیا مین اس کی کوئی بھی نظیر نہین۔ ذرا اپنے تعصبون سے خالی ہوکر سوچو کہ۔۔۔ کیا ممکن تھا کہ یہودی توریت کی تعلیم کو جو توریت کا اصل مقصود تھا جس کو انہون نے صدہا نبیون کی معرفت سنا تھا اور جس کی نسبت ہمیشہ انکو تازہ بتازہ سبق ملتا تھا۔ اور جس پر عملی طور پر ان کے باپ دادے پابند چلے آتے تھے ایسا بھول جاتے کہ تثلیث اور کفارہ سے بالکل انکاری ہو جاتے۔ خدا کی ذات اور صفات کی نسبت جو توریت کی تعلیم تھی وہ صرف قصون کے رنگ مین توریت مین نہین تھی بلکہ یہودیونکے دلون مین ڈالی گئی تھی۔ ان کے بچے اور بوڑھی عورتین بھی اس تعلیم سے خبر رکھتی تھین۔

جبکہ تثلیث اور کفارہ مسیح سے انکار کرنا ایسا سخت کفر ہے کہ جسکے ترک

کرنے مین ابدی جہنم کی سزا ہے توکیونکر خیال مین آسکتا ہے کہ نبیون نے اس... عقیدہ کی تعلیم کو گول مول بیان کیا ہو بلکہ اس صورت مین بڑا فرض ان کا تو یہی ہونا چاہیئے تھا کہ وہ بار بار ایسے عقیدہ کو کھول کھول کر بیان کرتے اور کوئی ایسا لفظ منہ پر نہ لاتے جو اس عقیدہ کے منافی ہوتا پس یہ انہون نے کیا کیا کہ تمام کتابون کو توحید کی تعلیم سے بھر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف توحید ہی یہودیون کے ذہن نشین ہوگئی اگر نبی لوگ تثلیث کی مسلسل تعلیم دیتے چلے آتے اور اپنی بعثت کی علت غائی اسی کو ٹھہراتے توکیونکر ممکن تھا کہ یہودی اس تعلیم سے بے خبر رہ سکتے جبکہ اصل مدار نجات کا تثلیث اور خون مسیح تھا تو کچھ سمجھ مین نہین آتا کہ موسے اور دوسرے نبیون نے اس اہم مسئلہ کو کیون چھپایا اور شایع نہ کیا اور اگر شائع کیا تھا تو کیا وجہ کہ توریت مین اس تعلیم کا نام و نشان نہین پایا جاتا اور کیا وجہ کہ یہودیون کے تمام فرقے اس تعلیم سے ایسے بے خبر رہے جیسا کہ ایک مسلمان کا بچہ ہندوؤن کے دیوتا۔ پوجا کے طریقون اور بت پرستی کے منترونسے بیخبر ہوتا ہے - یہ بات کس کو معلوم نہین کہ یہودی نہ آج سے بلکہ قدیم سے تحریر اور تقریر کے ذریعہ سے یہی گواہی دیتے آئے ہین اور اب بھی دیتے ہین کہ ان کی کتابون مین تثلیث اور کفارہ کا نام و نشان نہین اور نہ خدا کے دنیا مین مجسم ہو کر آنے کی ان کو امید دلائی گئی ہے۔ فرض کیا کہ یہودی فاسق تھے ظالم تھے خونی تھے لیکن اسقدر بے انصافی نہین کہ ہم یہ رائے ظاہر کرین کہ انہون نے اتفاق کر کے تثلیث اور کفارہ کی تعلیم کو جو ان کے ایمان کا مدار ہونی چاہیئے تھی توریت مین سے نکالدیا اور بجائے اس کے ایک سادہ توحید جو بالکل قرآن کے موافق ہے توریت مین لکھدی +

ہم دیکھتے ہین کہ باوجود ہزارون اختلافات کے جو یہودیون مین پائے جاتے ہین اس بات مین ان کے تمام فرقے متفق ہین کہ کبھی ان کو تثلیث اور کفارہ کی تعلیم نہین دی گئی -ان دنون مین کئی فاضل یہودیون سے خط و کتابت کر کے ان سے یہ امر استفسار

کیا گیا کہ آپ لوگون کو جیسا کہ انجیل سے انکار رہے ویسا ہی قرآن سے بھی ہے اسلئے ہم آپ کو قسم دے کر پوچھتے ہین کہ کیا خدا کے بارے مین توریت کی تعلیم عیسائیون کے مسئلہ تثلیث اور کفارہ سے مشابہ ہے یا قرآن کی تعلیم سے مشابہ تو انہون نے بڑی صفائی سے جواباً خطوط بھیجے اور تحریر کیا کہ توریت مین خدا کے بارے مین سراسر خدا کی تعلیم ہے ایک حرف بھی توریت کی تعلیم کا ایسا نہین ہے کہ تثلیث اور کفارہ پر دلالت کرتا ہو اور لکھا کہ وہ تعلیم قرآن کی تعلیم کے بالکل موافق اور تثلیث اور کفارہ کی تعلیم سے بالکل مخالف اور منافی ہے اور توجہ دلائی کہ توریت موجود ہے۔ اور نبیون کی تمام کتابین موجود ہین خود دیکھ لو کہ ان مین تثلیث اور کفارہ کی تعلیم کہان ہے اور کہ ہر سے وہ چٹھیات ان کی ہمارے دفتر مین موجود ہین اور خود یہودی ہمارے اس پرگنہ اور انڈیا مین بکثرت پائے جاتے ہین ہر ایک براہ راست دریافت کر سکتا ہے +

بیشک ایک خداخوف اور طالب حق آدمی کو اس موقعہ پر غافلانہ طور سے نہین گذرنا چاہئے یہ تو سب کو معلوم ہے کہ الٰہی مدرسہ مین سب سے پہلے تعلیم پانے والے یہودی ہین جو خدا کی قوم کہلاتے رہے ہین۔ پس اس سے زیادہ دنیا مین کونسا حیرت افزا واقعہ ہوگا کہ باوجود اسکے کہ توریت کی تعلیم کو تازہ کرنے کے لئے چودہ سو برس تک متواتر نبی آتے رہے اور کثرت انبیاء کی وجہ سے کسی اجتہاد کی بھی حاجت نہ ہوئی۔ مگر بھی یہودی تثلیث اور کفارہ کے مسئلہ سے بے خبر رہے اگر یہی مدار نجات تھا تو ان صدہا نبیون کی زندگی پر افسوس ہے جو یہودیون کی تعلیم کے لئے بھیجے گئے اور پھر ان کو اصل تعلیم سے بے خبر رکھتے رہے۔ کیا یہ مقام غور نہین کہ یہودیون مین ایک بھی کوئی ایسا فرقہ نہین کہ جس نے ایک ذرہ گمان بھی کیا ہو کہ ان کی نجات تثلیث اور کسی کی صلیبی موت پر موقوف ہے پھر مین یہ بھی کہتا ہون کہ اگر عیسائیون کے فرقے سب کے سب تثلیث کے قائل ہوتے تب بھی ایک

عیسائی کو خوش ہونے کے لئے کوئی بات ہاتھ مین ہوتی مگر اب عیسائیونکے لئے کسقدر تلخی اور ناخوشی کا مقام ہے کہ اندرونی ثبوتن نے بھی ان پر خدا کی حجت پوری کردی اور قرآن شریف کے نزول کے زمانہ مین بھی وہ فرقے موجود تھے جن کا قرآن شریف مین ذکر ہے +

اب جبکہ قانون قدرت اور صحیفہ فطرت اور یہودیون کی پاک کتابون اور یہودیون کی اتفاق رائے اور خود عیسائیون کے بعض فرقون کی شہادت سے بھی ثابت ہوا کہ تثلیث اور کفارہ مسیح کا مسئلہ نہ عقل سے ثابت ہے اور نہ نقل سے تو اب پانچوان امر یہ دیکھنا باقی رہا کہ کیا حضرت مسیح مین کوئی ایسی خاص بات ہے جس سے ان کی نسبت خدائی کا گمان پیدا ہو سکتا ہے - سو جہان تک انسانی طاقتین زور سے گواہی دے سکتی ہین - ہم اس گواہی کو پوری بصیرت اور پورے زور سے ادا کرتے ہین کہ کوئی بھی ایسا امر نہین جس سے حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت ثابت ہو جو ان کی خدائی کا گمان پیدا کرتی ہو ہان بار بار انکی ولادت کو پیش کیا جاتا ہے مگر ہم تو اس پہلے انسان کو بھی خدا نہین کہہ سکتے جس کے باپ اور مان دونون نہ تھے اور ہم روز دیکھتے ہین کہ صدہا کیڑے بغیر ذریعہ مان باپ کے پیدا ہوتے رہتے ہین تو کیا ہم ان کو خدا قرار دیدین یا خدا کے بیٹے سمجھ لین - کیا کرین ہماری دانست مین تو قرآن نے حضرت مسیح اور انکی مان پر ایک بڑا احسان کیا ہے جو چھ سو برس کے بہتان کو اپنی تصدیق سے رد کر دیا اور حضرت مسیح کی ولادت کو اس طور سے مان لیا - جس سے حضرت مریم کی پردہ پوشی ہو گئی ورنہ یہودی اس ولادت کی نسبت جو کچھ کہتے ہین وہ اس لایق نہین کہ اس جگہ اس کا ذکر بھی کیا جائے - غرض حضرت مسیح کی ولادت مین کوئی خصوصیت نہین بلکہ یونانی اور ہندی طبیبون نے اس کی نظیرین دی ہین کہ کبھی انسان محض

مسیح کی ولادت مین کوئی خصوصیت نہین

مان کے مادہ سے بغیر باپ کے نطفہ کے پیدا ہو سکتا ہے۔

ہان شاید کوئی یہ کہے کہ حضرت مسیح کا اپنے تیئن ابن اللہ کہنا انکی خدائی کی دلیل ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ توریت صدہا خدا کے بیٹون سے بھری ہوئی ہے بلکہ یعقوب کی نسبت یہ فقرہ ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ پہلوٹا ہے اور صرف خدا کے بیٹون کا ذکر نہین بلکہ بعض جگہ تو خدا کی لڑکیون کا بھی ذکر ہے اور ایک آیت مین یہ بھی ہے کہ تم سب خدا ہو اب اس بات کا کون فیصلہ کرے کہ وہ تمام بیٹے غیر حقیقی تھی مگر مسیح خدا کا حقیقی بیٹا تھا اصل بات یہ ہے کہ عیسائیون نے اس خیال مین بہت دھوکا کھایا ہے عارف جانتے ہین کہ یہ عادت الٰہی ہے کہ خدا اپنے جن خاص بندون سے پیار کرتا ہے کبھی ایسے الفاظ ان کے حق مین بیان کر دیتا ہی کہ ایک جاہل ان الفاظ کو دستاویز پکڑ کر بآسانی اُنکو خدا بنا سکتا ہے آدم کو بھی انجیل مین خدا کا بیٹا لکھا ہی۔ پس کیا وہ درحقیقت خدا کا بیٹا ہے۔ پہلا مقدمہ تو یہی پیش آیا ہے ذرا اسکا تو فیصلہ کرو۔

یہ تو ان انبیاء کا حال ہے جنکا ذکر توریت مین ہے اور اگر اسی طرح کوئی خدا بن سکتا ہے تو ہم اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف کے رو سے بآسانی خدا ٹھہرا سکتے ہین کیونکہ اللہ تعالے انکے حق مین فرماتا ہی ید اللہ فوق ایدیہم ۔ یعنے یہ خدا کا ہاتھ ہے جو تمہارے ہاتھون پر ہے اس آیت مین اللہ تعالے نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے اور پھر ایک اور آیت مین فرمایا ہے قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً۔ یعنے کہہ اے میرے بندو تم رحمت الٰہی سے نومید مت ہو تمہارے سب گناہ بخشے جائینگے اب اس آیت مین تمام دنیا کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بندے قرار دیا گیا اور نہ صرف یہی بلکہ ان کو گناہ بخشنے کا اختیار بھی دیا گیا اب بتاؤ اس سے زیادہ نقلی طور پر خدائی کا اور کیا ثبوت ہوگا۔ اسی طرح اور بہت سی آیات قرآن شریف کی ایسی ہین کہ اگر ہم

ابن اللہ کی حقیقت

قرآن کریم کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق مین

تو ان آیات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدائی ایسی صفائی سے ثابت ہو سکتی ہے کہ ان کے مقابل پر حضرت مسیح کا ابن اللہ ثابت کرنا ایک باطل خیال ہے اور نہ صرف یہی بلکہ غلبہ اور قدرت جو الوہیت کی ضروری صفت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں ہی پایا جاتا ہے۔ اس بات کو غور کرکے دیکھو کہ جب آنجناب نے دعوٰے نبوت کیا تو تمام قومیں آپ کی دشمن ہو گئی تھیں کیونکہ آپ دنیا کی تمام قوموں کو اسلام کی طرف دعوت کرتے تھے اس لئے تمام قوموں نے آپ کے نابود کرنیکا ارادہ کیا اور ایذا رسانی میں کسی نے کمی نہ رکھی بلکہ بعض بادشاہوں نے بھی کوشش کی کہ آپ کو گرفتار کرکے قتل کر دیں جس میں وہ نامراد رہے پھر وہ کیا راز تھا جسکی وجہ سے آپ تمام دشمنوں کے حملوں سے بچتے رہے؟ وہ آپکے روح کا خدا سے ایک عمیق در عمیق تعلق تھا جو کسی انسان کو اس کی مانند نہ ہوا اور نہ ہوگا۔ آپ خدا کے لئے غیرتمند تھے اور خدا آپ کے لئے۔

یہودا حواری نے صرف تیس روپیہ لیکر حضرت مسیح کو گرفتار کرا دیا جس سے ظاہر ہے کہ حواریوں پر حضرت مسیح کے تقوٰے کا کیا اثر تھا لیکن آنجناب کے اصحاب چونکہ آپ کو بالکل خدا کا مظہر دیکھتے تھے اسلئے برعکس یہودا حواری کے انہوں نے اپنے گھروں کے تمام عزیز مال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے رکھدئے اور انہوں نے اپنے پاک نبی کے سامنے وہ صدق دکھلایا جس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے کون اس یقین کے سمندر کی پیمائش کر سکتا ہے جو ان کے دلوں میں موجیں مار رہا تھا گویا وہ آنحضرت کے چہرہ سے خدا کا چہرہ دیکھتے تھے مگر معلوم نہیں کہ حواریوں کے دلوں میں حضرت مسیح کی نسبت کیا خیالات تھے جو پطرس جیسے بہشت کی کنجیوں کے مالک نے بھی نہ ایک دفعہ بلکہ تین دفعہ حضرت مسیح پر لعنت بھیجی ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کیلئے ایک دنیا نے منصوبے کئے لیکن کچھ بھی نقصان نہ کر سکے بلکہ جس نے سر اٹھایا وہی مارا گیا۔

چنانچہ جب بدبخت خسرو پرویز شاہ ایران آنجناب کے خون کا پیاسا ہوا اور اپنے سپاہی گرفتاری کے لئے روانہ کردئے تو ایک رات بھی اس پر گذرنے نہ پائی کہ خدا نے اس کی خبر لے لی حالانکہ ثابت نہین کہ آپ نے اس ہلاکت کے لئے کوئی دعا بھی کی ہو بلکہ جب سپاہیون نے پکڑنے کے لئے پیغام پہونچایا تو آپ نے انہین فرمایا کہ یہ میرا کام نہین ہے اسکا جواب خدا دیگا تب دوسری صبح کہدیا کہ آج میرے خداوند نے رات کو تمہارے خداوند کو قتل کردیا دیکھو **مظہر الوہیت** اسے کہتے ہین کہ ایک طرف تو خسرو پرویز نے آپ کی گرفتاری کا ارادہ کیا اور دوسری طرف آسمانی حکم سے بلاتوقف ملک الموت اسکی جان لینے کے لئے ایران پہونچ گیا -

اس واقعہ کے مقابل پر جب ہم حضرت مسیح کی گرفتاری کا واقعہ دیکھتے ہین تو نہایت افسوس سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یسوع مسیح کی ساری رات کی دعاؤن کا کچھ بھی اثر نہ ہوا ناحق بے آرام رہے اور نیند بھی ضایع کی اور صبح ہوتے ہی ان کی گرفتاری کے لئے رومی سلطنت کی پولیس کا ایک سپاہی قوم کے چند لوگونکے ساتھ آیا اور یسوع مسیح کو گرفتار کرکے دن کے دس بجنے سے پہلے ہی حوالات مین جاکر داخل کردیا - کیا یہی خدائی تھی جسکا یہ انجام ہوا ہم کسی شخص کا خدا سے کامل تعلق کس طرح اور کیونکر سمجھ لین جب تک خدا کا فضل امتیاز کے ساتھ اسی دنیا مین اسپر نہ دیکھ لین - مسیح ...... وہ شخص ہے کہ جس نے دعائین کین اور باقرار حضرات مسیحیان وہ دعائین قبول نہ ہوئین اور حضرت سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم وہ مرد خدا ہے کہ جسکی تائید بغیر دعا کے بھی ہوتی رہی یہی وجہ ہے کہ جب اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اس مرد کی تائید مین خدا کی مددین بارش کی طرح برس رہی ہین تو وہ اسپر فدا ہو گئے اور بھیڑ بکری کی طرح اس کی راہ مین ذبح کئے گئے اور صدق سے جانین دین اور اگر خدا کے دین مین کسی انسان کی پرستش جائز ہوتی تو وہ دنیا کے سب مصنوعی خداؤن سے

اسی برگزیدہ کو بڑا خدا سمجھتے اور اسی کی پرستش کرتے - جس ادب اور اطاعت کو انہوں نے
ہمارے سید نبی اللہ کی نسبت اختیار کیا کبھی موسےٰ کی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ مسیح کو
دیکھنا نصیب ہوا آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم کے صحابہ کے مقابل پر حواریوں کی ایمانی کیفیت
اگر دیکھنی ہو تو یہوداکا نمونہ بار بار غور کر کے دیکھو اور اگر یہ نہیں تو حواریوں کے سردار
پطرس کی آخری گواہی انجیل میں پڑھ لو - یاد رہے کہ حواریوں کے یہ ناحق کے خوف تھے
یہود نے کبھی ان کو ایک طمانچہ بھی نہیں مارا تھا اور خود وہ لوگ حضرت مسیح کی اپنی ہی قوم تھے
اور وہ بھی بباعث گم ہو جانے اکثر فرقوں کے بہت تھوڑے رہ گئے تھے اور ذلت میں
بسر کرتے تھے تاہم حواری لوگ حضرت مسیح کی زندگی میں کوئی وفاداری کا کام دکھلا نہ سکے
کسی کی ذرہ سی جھڑکی سے بھی الگ ہونے کو تیار ہو جاتے تھے کیا یہی اثر اس شخص کے
وعظوں کا ہونا چاہئیے جو خدائی کی قوتیں لے کر ظاہر ہو - غرض خدائی جلال محمدی زندگی
سے ہی نمایاں ہے نہ یہ کہ ادنے ادنے لوگوں سے مار کھاتے پھریں اور کچھ بھی خدا کی
تائید ظاہر نہ ہو -

مسیح کے اخلاق فاضلہ کا ثبوت نہیں ملتا

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ جبکہ امور مذکرہ بالا کے رو سے حضرت مسیح کی کوئی
خدائی کی خصوصیت ثابت نہ ہو سکی تو کیا آپ کے اخلاق کے رو سے آپ کی خدائی پر کوئی
دلیل قائم ہو سکتی ہے مگر افسوس کہ اس تلاش میں بھی ہم ناکام رہے اور ہماری راست پسندی
ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم گواہی دیں کہ حضرت مسیح کا ایک نیک خلق بھی عقلی طور پر ثابت
نہیں ہو سکتا کیونکہ اخلاق دو قسم کے ہیں (۱) بعض دولت اور ثروت کی حالتیں
ثابت ہوتے ہیں (۲) اور بعض ایسی حالت میں کہ اول عاجزانہ طور پر زندگی بسر...
کر کے دشمنوں سے طرح طرح کے دکھ اٹھائیں اور پھر انتقام لینے کے لئے پوری قدرت
پالیں - سو میں دیکھتا ہوں کہ ان دونوں حیثیتوں میں سے حضرت مسیح کے نصیب میں
کوئی بھی حصہ اخلاق کا نہیں ہوا اگر وہ دولت اور ثروت کا زمانہ پاتے اور انواع اقسام کی

فیاضیان اور سخاوتین ان سے ظاہر ہوتین تو ہم کہہ سکتے کہ وہ بڑے سخی اور فیاض تھے جنہون نے اپنے وقت مین بیواؤن کو یتیمون کو مسکینون کو بھوکون کو قحط زدون کو اپنے مال سے مدد دی مگر اب ہم کس ثبوت کی بنا پر ان کا نام سخی یا جواد رکھین اور اگر وہ دکھ دیئے جانے کے بعد قدرت اور حکومت کا زمانہ پاتے اور اپنے دشمنون پر قابو پاکر پھر ان کو بخش دیتے اور انتقام نہ لیتے تو ہم کہہ سکتے تھے کہ وہ بڑے عفو اور در گذر کرنے والے تھے کہ دشمن پر قابو پاکر پھر بخش دیا مگر اب ہم گو ان سے محبت بھی رکھتے ہین اور موسےؑ کے سلسلہ مین سے ان کو ایک بزرگ نبی بھی سمجھتے ہین مگر ان کے خلق عفو اور در گذر کا ثبوت کیا دین۔ غرض حضرت مسیح کا کوئی خلق ثابت نہین اور تاریخی واقعات کے ذریعہ سے ایک ذرہ بھی اخلاقی نیکی ان کی ثابت نہین ہوسکتی یہ اور بات ہے کہ ہم اپنے نیک خیال سے ان کو اچھا اور بزرگ نبی سمجھتے ہین۔ ایسا خیال ہمارا محض ایمانی رنگ مین ہے نہ عرفانی۔ اور تحقیقی رنگ مین کیونکہ کوئی عقلی دلیل ہمارے ہاتھ مین نہین۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ

لیکن جب ان کے مقابل پر ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر نظر ڈالتے ہین تو اعلے درجہ کے ثبوت پر آنجناب کے دونون قسم کے اخلاق ہمین دکھائی دیتے ہین۔ عقل اور انصاف دونون ہمین مجبور کرتے ہین کہ ہم آپکے اخلاق فاضلہ کا اقرار کرلین کیونکہ آپ کی سخاوت کے متعلق بڑے بڑے کافرون نے گواہی دی ہے کہ اس شخص کا نظیر سخاوت مین دنیا مین نہین۔ چنانچہ صدہا کتابین ان واقعات سے بھری ہین اور جب آپنے برابر بیس برس تک دکھ اٹھاکر مکہ فتح کیا اور ان لوگون پر قابو پایا جو ہزارون خونریزیون کی وجہ سے اس لائق تھے کہ ان کی بوڑھی اور جوان عورتین اور شیرخوار بچے مع انکے قتل کئے جاتے تو آپنے تمام لوگون کا گناہ بخش دیا اور کہا کہ آج مین تم سے وہ معاملہ کرتا ہون کہ جو یوسف نے قابو پانے کے بعد اپنے بھائیون سے کیا تھا جاؤ مین نے سب کو آزاد کر دیا یہ کہنا مکہ والون کے لئے بڑا نشان ہوا اور سچائی کے قبول کرنے کے لئے انکے دل اچھل پڑے۔ اور طاقت

بالاارادہ کو کھینچ کر لے گئی اور شام ہونے سے پہلے ہی سب نے اسلام قبول کر لیا اب دیکھو کیسی صفائی سے ثابت ہوا کہ اخلاق فاضلہ جو خدا کی صفات کے ظل ہوتے ہین یہ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مین ہی ثابت ہین اور آپ صرف سخی اور کریم النفس ہی نہین ہین بلکہ حلیم اور پاک سینہ اور دشمنون کے گناہ بخشنے والے تھے غرض جنگون کے میدانون نے آپ کی شجاعت کو ثابت کیا اور داد و دہش نے آپ کی سخاوت ثابت کی اور دشمن پر قابو پا کر گناہ بخشد ینے نے آپکا اعلے درجہ کا حلیم اور رحیم ہونا ثابت کر دیا۔ (باقی آیندہ)

بیسوین صدی کی عظیم الشان علمی دریافت

۱۔ پانچ سال سے زیادہ کا عرصہ منقضی ہوتا ہے کہ احمدی قوم نے اپنے امام کے ایما سے ایک عظیم الشان تحقیقات شروع کی وہ تحقیقات اب اس حد تک مکمل ہو گئی ہے کہ ہم اسکے نتیجہ کی اشاعت کے قابل ہو گئے ہین چنانچہ اسکا ایک حصہ کتاب کی صورت مین زیر طبع ہے اب ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اس مضمون کو میگزین کے صفحات مین شایع کرین جسمین ہم یہ ظاہر کرین گے کہ عربی زبان ام الالسنہ ہے یا بالفاظ دیگر یون کہو کہ یہ ظاہر کرینگے کہ وہ زبانین جن کی نسبت خیال کیا گیا ہے کہ عربی سے ان کا کوئی تعلق نہین ہے وہ عربی ہی سے نکلی ہین۔

۲۔ ہم نتایج سے ناواقف نہین ہین جنپر زمانہ حال کے عالمان علم اللسان پہونچے ہین۔ ہم جانتے ہین کہ ان مین سے بہت سے ایسے ہین جو اولاً اس امر ہی کو تسلیم نہین کرتے کہ بولی کی اصلیت مین اتحاد ہے۔

اور پھر اس امر پہ شبہات پیش کئے گئے ہین کہ سریانی اور دوسری زبانون خصوصاً آرین زبان مین باہم کوئی تعلق ممکن ہے یا نہین؟ ہم جانتے ہین کہ ہمارا یہ اعلان علم اللسان کے مطالعہ کرنیوالون اور دوسرے لوگون کے لئے عجیب اور حیرت افزا ہوگا۔ مگر ہم امید کرتے

ہین کہ ہمارا یہ دعوے محض اس بنا پر رد نہین کر دیا جاویگا کہ یہ اس تحقیقات کے مخالف ہے
جو یورپ کے عالمان علم اللسان نے کی ہے ۔ ہم خیال کرتے ہین کہ زبانون کے سیمٹیک
سلسلے (سریانی) پر پوری توجہ نہین کی گئی اور خصوصاً اس شجرۃ اللسان کے اس بڑے
ممبر کے متعلق جو علم اللسان کے متعلق بہت سے مغلق اور تاریک سوالات پر تنہا روشنی
ڈالنے والا ہے اور یہ صرف اس لئے ہوا ہے کہ اس سوال کے حل کے لئے اصل مصالح
مطلوب تھا جسکے نہ ہونے کی وجہ سے یہ سوال حل طلب رہا مگر اب کامل توجہ اور غائر
مطالعہ کے بعد اس پردہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ہم امید کرتے ہین کہ اس کی جائز قدر
کی جاوے گی۔

۳۔ عربی لغت کی حیرت انگیز کثرت جو پیچیدہ اور باریک ضمائر انسانی کے لئے مفرد الفاظ
پیش کرتی ہے اور نازک ترین خیالات کے اظہار کے لئے الگ اور مبین الفاظ کا ہونا
رباوصفیکہ یہ ان لوگون کی بولی ہے جن کا طرز تمدن نہایت ہی سادہ اور جو بالکل جاہل اور جنکے
خیالات کا سلسلہ نہایت ہی محدود ہے) ایسے قابل غور امور ہین جنکو تمام عالمان علم اللسان
نے تسلیم کر لیا ہے۔ مگر ان سب سے عجیب تر یہ امر ہے کہ جاہل بدوٗن کے مبین الفاظ
علوم عالیہ کی صداقتون کے ان خزائن کو ظاہر کرتے ہین جن کی بابت ہمین علم نہین کہ
کسقدر زمانہ دراز کے بعد وہ دنیا کو معلوم ہوئے ہین مذہبی نظر سے بھی یہ کچھ کم متعجب
کرنے والی بات نہین ہے کہ تمام مقدس زبانون مین سے (وہ زبانین جن مین مذہبی
قوانین اور شرائع دنیا پر ظاہر ہوئے) صرف عربی ہی ایک ایسی زبان ہے جو نشانات زندگی
رکھنے والی زندہ زبان ہے اور یون یہ اس مذہب کی عظمت اور زندگی کا اظہار
کرتی ہے جس کو یہ دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے یعنے اسلام کی۔
بحالیکہ دوسری تمام زبانون کی موت ان تمام اصولون کی بوسیدگی اور موت پر
دلالت کرتی ہے جو وہ تعلیم دیتی ہین +

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے — لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اوّل — بابت مارچ سنہ ۱۹۰۲ء — نمبر ۳

فہرست مضامین

انجمن اشاعۃ اسلام قادیان نے اخبار الحکم و تفسیر القرآن کے کارخانہ انوار احمدیہ پریس میں شیخ یعقوب علی تراب احمدی مالک و مہتمم کارخانہ مذکور کے اہتمام میں چھپوا کر شائع کیا

دوسری مرتبہ فروری سنہ ۱۹۰۳ء۔ چندہ سالانہ مع محصول ڈاک سنہ ۱۹۰۳ء کیلیے ولایتی کاغذ پر ہے معمولی کاغذ پر عا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام

اس عنوان کے نیچے ہم اس عظیم الشان مضمون کو درج کرینگے جو حضرت میرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کیطرف سے جلسۂ اعظم مذاہب پر جو دسمبر ۱۸۹۶ء مین منعقد ہوا تھا پڑھا گیا۔ اس کانفرنس کے محرکون کیطرف سے مفصلۂ ذیل پانچ سوال اس غرض کے لئے شائع ہوئے تھے کہ مختلف مذاہب کے علماء ان کے جوابات اپنے اپنے مذہب کے رو سے اس جلسہ مین پیش کرین۔

(۱) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتین۔

(۲) انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبےٰ۔

(۳) دنیا مین انسان کی ہستی کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب۔

(۴) کرم یعنے اعمال کا اثر دنیا و عاقبت مین۔

(۵) علم یعنے گیان اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علے رسولہ الکریم

آج اس جلسۂ مبارک مین جسکی غرض یہ ہے کہ ہر ایک صاحب جو بلائے گئے ہین سوالات مشتہرہ کی پابندی سے اپنے اپنے مذہب کی خوبیان بیان فرماوین۔ میں اسلام کی خوبیان بیان کرونگا اور اس سے پہلے کہ مین اپنے مطلب کو شروع کرون اسقدر ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہون کہ مینے اسبات کا التزام کیا ہے کہ جو کچھ بیان کرون خدا تعالی کی پاک کلام قرآن شریف سے بیان

کرون کیونکہ میرے نزدیک یہ بہت ضروری ہے کہ ہر ایک شخص جو کسی کتاب کا پابند ہو اور اس کتاب کو ربانی کتاب سمجھتا ہو وہ ہر ایک بات مین اسی کتاب کے حوالہ سے جواب دے اور اپنی وکالت کے اختیارات کو ایسا وسیع نہ کرے کہ گویا وہ ایک نئی کتاب بنا رہا ہے سو چونکہ آج ہمین قرآن شریف کی خوبیون کو ثابت کرنا ہے اور اسکے کمالات کو دکھلانا ہے اسلئے مناسب ہے کہ ہم کسی بات مین اسکے اپنے بیان سے باہر نہ جائین اور اسی کے اشارہ یا تصریح کے موافق اور اسی کی آیات کے حوالہ سے ہر ایک مقصد کو تحریر کرین تا ناظرین کو موازنہ اور مقابلہ کرنے کیلئے آسانی ہو اور چونکہ ہر ایک صاحب جو پابند کتاب ہین اپنی اپنی الہامی کتاب کے بیان کے پابند ہین گے اور اسی کتاب کے اقوال پیش کرینگے اسلئے ہمنے اِس جگہ احادیث کے بیان کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ تمام صحیح حدیثین قرآن شریف سے ہی لی گئی ہین اور وہ کامل کتاب ہے جس پر تمام کتابون کا خاتمہ ہے۔ غرض آج قرآن شریف کی شان ظاہر ہونیکا دن ہے اور ہم خدا سے دعا مانگتے ہین کہ وہ اس کام مین ہمارا مددگار ہو آمین

سوال اول کا جواب

معزز ناظرین کو خیال رہے کہ اس مضمون کے ابتدائی صفحون مین بعض تمہیدی عبارتین ہین جو بظاہر غیر متعلق معلوم دیتی ہین مگر اصل جوابات کے سمجھنے کیلئے پہلے انکا سمجھنا نہایت ضروری ہے اس لئے صفائی بیان کیلئے قبل از شروع مطلب ان عبارتون کو لکھا گیا کہ تا اصل مطلب سمجھنے مین دقّت نہ ہو۔

اب واضح ہو کہ پہلا سوال انسان کی طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتون کے بارے مین ہے سو جاننا چاہئے کہ خدا تعالی کے پاک کلام قرآن شریف نے اِن تین حالتون کی اس طرح پر تقسیم کی ہے کہ ان تینون کے لئے علیحدہ علیحدہ تین مبدء ٹھہرائے ہین یا یون کہو کہ تین سرچشمے قرار دیئے ہین جن مین سے جدا جدا یہ حالتین نکلتی ہین۔

پہلا سرچشمہ جو تمام طبعی حالتون کا مورد اور مصدر رہے اسکا نام قرآن شریف نے نفس امّارہ

نفس امارہ

رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ یعنے نفس امارہ مین یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو بدی کیطرف جو اسکے کمال کے مخالف اور اسکی اخلاقی حالتون کے برعکس ہے جھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بد راہون پر چلانا چاہتا ہے غرض بے اعتدالیون اور بدیون کی طرف جانا انسان کی ایک حالت ہے جو اخلاقی حالت سے پہلے اسپر طبعًا غالب ہوتی ہے اور یہ حالت اسوقت تک طبعی حالت کہلاتی ہے جبتک کہ انسان عقل اور معرفت کے زیر سایہ نہین چلتا بلکہ چارپائیون کیطرح کھانے پینے سونے جاگنے یا غصہ اور جوش دکھلانے وغیرہ امور مین طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے طبعی حالتون مین تصرف کرتا اور اعتدال مطلوب کی رعایت رکھتا ہے اس وقت ان تینون حالتون کا نام طبعی حالتین نہین رہتا بلکہ اس وقت یہ حالتین اخلاقی حالتین کہلاتی ہین جیسا کہ آگے بھی کچھہ ذکر اسکا آئیگا۔

نفس لوامہ

اور اخلاقی حالتون کے سرچشمہ کا نام قرآن شریف مین نفس لوّامہ ہے جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ یعنے مین اس نفس کی قسم کھاتا ہون جو بدی کے کام اور ہر ایک بے اعتدالی پر اپنے تئین ملامت کرتا ہے یہ نفس لوّامہ انسانی حالتون کا دوسرا سرچشمہ ہے جس سے اخلاقی حالتین پیدا ہوتی ہین اور اس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات کی مشابہت سے نجات پاتا ہے اور اس جگہ نفس لوّامہ کی قسم کھانا اس کو عزت دینے کے لئے ہے گویا وہ نفس امارہ سے نفس لوّامہ بنکر بوجہ اس ترقی کے جناب الٰہی مین عزت پانے کے لائق ہو گیا اور اسکا نام لوّامہ اسلئے رکھا کہ وہ انسان کو بدی پر ملامت کرتا ہے اور اس بات پر راضی نہین ہوتا کہ انسان اپنے طبعی لوازم مین شتر بے مہار کیطرح چلے اور چارپائیونکی سی زندگی بسر کرے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے اچھی حالتین اور اچھے اخلاق صادر ہون اور انسانی زندگی کے تمام لوازم مین کوئی بے اعتدالی ظہور مین نہ آوے اور طبعی جذبات اور طبعی خواہشین عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہون۔ پس چونکہ وہ بری حرکت پر ملامت کرتا ہے اسلئے اسکا نام نفس لوّامہ ہے یعنی بہت ملامت کرنے والا۔ اور نفس لوّامہ اگرچہ طبعی جذبات پسند نہین کرتا بلکہ اپنے تئین ملامت کرتا رہتا ہے لیکن نیکیون

کے بجالانے پر پورے طور سے قادر ہی نہین ہوسکتا اور کبھی نہ کبھی طبعی جذبات اسپر غلبہ کرجاتے ہین تب گرجاتا ہے اور ٹھوکر کھاتا ہے گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے جو گرنا نہین چاہتا ہے مگر کمزوری کیوجہ سے گرتا ہے۔ پھر اپنی کمزوری پر نادم ہوتا ہے۔ غرض یہ نفس کی وہ اخلاقی حالت ہے جب نفس اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا ہے اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے مگر پورے طور پر غالب نہین آسکتا۔

نفس مطمئنہ

پھر ایک تیسرا سرچشمہ ہے جسکو روحانی حالتون کا مبدء کہنا چاہئے اس سرچشمہ کا نام قرآن شریف نے نفس مطمئنہ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ہ یعنے اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پاگیا اپنے خدا کی طرف واپس چلاآ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پس میرے بندون مین مل جا اور میرے بہشت کے اندر آجا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جسمین نفس تمام کمزوریون سے نجات پاکر روحانی قوتون سے بھرجاتا ہے اور خدا تعالی سے ایسا پیوند کرلیتا ہے کہ بغیر اسکے جی ہی نہین سکتا اور جس طرح پانی اوپر سے نیچے کیطرف بہتا اور بسبب اپنی کثرت کے اور نیز روکون کے دور ہونیسے بڑے زور سے چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے۔ اسی کیطرف اشارہ ہے جو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اے وہ نفس جو خدا سے آرام پاگیا اسی کیطرف واپس چلاآ۔ پس وہ اسی زندگی مین نہ موت کے بعد ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا کرتا ہے اور اسی دنیا مین نہ دوسری جگہ ایک بہشت اسکو ملتا ہے اور جیسا کہ اس آیت میں لکھا ہے کہ اپنے رب کیطرف یعنے پرورش کرنیوالے کیطرف واپس آ ایسا ہی اس وقت یہ خدا سے پرورش پاتا ہے اور خدا کی محبت اسکی غذا ہوتی ہے اور اسی زندگی بخش چشمہ سے پانی پیتا ہے اسلئے موت سے نجات پاتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالی قرآن شریف مین فرماتا ہے قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا ہ یعنے جسنے ارضی جذبات سے اپنے نفس کو پاک کیا وہ بچ گیا اور ہلاک نہین ہوگا مگر جس نے ارضی جذبات مین جو طبعی جذبات ہین اپنی تئین چھپا دیا وہ زندگی سے ناامید ہوگیا۔

غرض یہ تین حالتین ہین جنکو دوسرے لفظون مین طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتین کہہ سکتے

ہیں اور چونکہ طبعی تقاضے افراط کے وقت بہت خطرناک ہو جاتے ہین اور بسا اوقات اخلاق اور روحانیت کا ستیاناس کر دیتے ہین اسلئے خدا تعالٰی کی پاک کتاب مین ان کو نفس امّارہ کی حالتون سے موسوم کیا گیا- اگر یہ سوال ہو کہ انسان کی طبعی حالتون پر قرآن شریف کا کیا اثر ہے اور وہ انکی نسبت کیا ہدائت دیتا ہے اور عملی طور پر کس حد تک اُن کو رکھنا چاہتا ہے تو واضح ہو کہ قرآن شریف کے رو سے انسان کی طبعی حالتون کو اسکی اخلاقی اور روحانی حالتون سے نہائت ہی شدید تعلقات واقع ہین یہان تک کہ انسان کے کہانے پینے کے طریقے بھی انسان کے اخلاقی اور روحانی حالتون پر اثر کرتے ہین اور اگر ان طبعی حالتون سے شریعت کی ہدایت کے موافق کام لیا جائے تو جیسا کہ نمک کی کان مین پڑکر ہر ایک چیز نمک ہی ہو جاتی ہے ایسا ہی یہ تمام حالتین اخلاقی ہی ہو جاتی ہین اور روحانیت پر نہائت گہرا اثر کرتی ہین اسی واسطے قرآن شریف نے تمام عبادات اور اندرونی پاکیزگی کے اغراض اور خشوع خضوع کے مقاصد مین جسمانی طہارتون اور جسمانی آداب اور جسمانی تعدیل کو بہت ملحوظ رکہا ہے اور غور کرنیکے وقت یہی فلاسفی نہائت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جسمانی اوضاع کا روح پر بہت قوی اثر ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہین کہ ہمارے طبعی افعال گو بظاہر جسمانی ہین مگر ہماری روحانی حالتون پر ضرور ان کا اثر ہے مثلاً جب ہماری آنکہین رونا شروع کرین اور گو تکلف سے ہی رووین مگر فی الفور ان آنسوؤن کا ایک شعلہ اُٹھکر دل پر جا پڑتا ہے تب دل بھی آنکھون کی پیروی کر کے غمگین ہو جاتا ہے ایسا ہی جب ہم تکلف سے ہنسنا شروع کرین تو دل مین بھی ایک انبساط پیدا ہو جاتا ہے یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جسمانی سجدہ بھی روح مین خشوع اور عاجزی کی حالت پیدا کرتا ہے اسکے مقابل پر ہم یہ بھی دیکھتے ہین کہ جب ہم گردن کو اونچی کہینچکر اور چہاتی کو اُبھار کر چلین تو یہہ وضع رفتار ہم مین ایک قسم کا تکبر اور خود بینی پیدا کرتی ہے تو ان نمونون سے پورے انکشاف کے ساتھ کھلجاتا ہے کہ بیشک جسمانی اوضاع کا روحانی حالتون پر اثر ہے-

ایسا ہی تجربہ ہم پر ظاہر کرتا ہے کہ طرح طرح کی غذاؤن کا بھی دماغی اور دلی قوتون پر ضرور اثر ہے- مثلاً ذرہ غور سے دیکہنا چاہئے کہ جو لوگ کبھی گوشت نہین کہاتے رفتہ رفتہ انکی شجاعت کی

قوت کم ہوتی جاتی ہے یہانتک کہ نہایت دل کے کمزور ہو جاتے ہین اور ایک خداداد اور قابل تعریف قوت کو کہو بیٹھتے ہین اس کی شہادت خدا کے قانون قدرت سے اس طرح پر بھی ملتی ہے کہ چارپائون مین سے جس قدر گہاس خور جانور ہین کوئی بہی ان مین سے وہ شجاعت نہین رکھتا جو ایک گوشت خوار جانور رکھتا ہے۔ پرندون مین بہی یہی بات مشاہدہ ہوتی ہے پس اسمین کیا شک ہے کہ اخلاق پر غذائون کا اثر ہے۔ ہان جو لوگ دن رات گوشت خوری پر زور دیتے ہین اور نباتی غذائون سے بہت ہی کم حصہ رکہتے ہین وہ بہی حلم اور انکسار کے خلق مین کم ہو جاتے ہین اور میانہ روش کو اختیار کرنیوالے دونون خلق کے وارث ہوتے ہین اسی حکمت کے لحاظ سے خدا تعالی قرآن شریف مین فرماتا ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنے گوشت بہی کہاؤ اور دوسری چیزین بہی کہاؤ۔ مگر کسی چیز کی حد سے زیادہ کثرت نہ کرو تا اسکا اخلاقی حالت پر بداثر نہ پڑے اور تا یہ کثرت مضر صحت بہی نہ ہو اور جیسا کہ جسمانی افعال اور اعمال کا روح پر اثر پڑتا ہے ایسا ہی کبھی روح کا اثر بہی جسم پر جا پڑتا ہے جس شخص کو کوئی غم پہنچے آخر وہ چشم پرآب ہو جاتا ہے اور جسکو خوشی ہو آخر وہ تبسم کرتا ہے جس قدر ہمارا کہانا پینا سونا جاگنا حرکت کرنا۔ آرام کرنا غسل کرنا وغیرہ افعال طبعیہ ہین۔ یہ تمام افعال ضروری ہماری روحانی حالات پر اثر کرتے ہین ہماری جسمانی بناوٹ کا ہماری انسانیت سے بڑا تعلق ہے۔ دماغ کے ایک مقام پر چوٹ لگنے سے یکلخت حافظہ جاتا رہتا ہے اور دوسرے مقام پر چوٹ لگنے سے ہوش و حواس رخصت ہوتے ہین۔ وبا کی ایک زہریلی ہوا کسقدر جلدی سے جسم مین اثر کرکے پہر دل مین اثر کرتی ہے اور دیکھتے دیکھتے وہ اندرونی سلسلہ جسکے ساتہہ تمام نظام اخلاق کا ہے درہم برہم ہونے لگتا ہے یہانتک کہ انسان دیوانہ سا ہو کر چند منٹ مین گذر جاتا ہے۔ غرض جسمانی صدمات بہی عجیب نظارہ دکہاتے ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روح اور جسم کا ایک ایسا تعلق ہے کہ اس راز کو کہولنا انسان کا کام نہین۔ اس سے زیادہ اس تعلق کے ثبوت پر یہ دلیل ہے کہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کی ماں جسم ہی ہے حاملہ عورتون کے پیٹ مین روح کبھی اوپر سے نہین گرتی بلکہ وہ ایک نور ہے جو نطفہ مین ہی پوشیدہ طور پر مخفی ہوتا ہے اور جسم کے نشو و نما کے ساتھ چمکتا جاتا ہے خدا تعالی کا پاک کلام ہمین سمجہاتا ہے کہ روح اس قالب مین سے ہی ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔

جو نطفہ سے رحم مین تیار ہوتا ہے جیسا کہ وہ قرآن شریف مین فرماتا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ یعنے پہر ہم اس جسم کو جو رحم مین تیار رہوا تہا ایک اور پیدائش کے رنگ مین لاتے ہین اور ایک اور خلقت اوسکی ظاہر کرتے ہین جو رُوح کے نام سے موسوم ہے اور خدا بہت برکتون والا ہے اور ایسا خالق ہے کہ کوئی اُسکے برابر نہین۔

اور یہ جو فرمایا کہ ہم اسی جسم مین سے ایک اور پیدائش ظاہر کرتے ہین یہ ایک گہرا راز ہے جو روح کی حقیقت دکہلا رہا ہے اور ان نہایت مستحکم تعلقات کیطرف اشارہ کر رہا ہے جو روح اور جسم کے درمیان واقع ہین۔ اور یہ اشارہ ہمین اس بات کی بہی تعلیم دیتا ہے کہ انسان کے جسمانی اعمال اور اقوال بتمام طبعی افعال جب خدا تعالی کیلیئے اور اسکی راہ مین ظاہر ہونے شروع ہون تو ان سے بہی یہی الٰہی فلاسفی متعلق ہے یعنی ان مخلصانہ اعمال مین بہی ابتدا ہی سے ایک روح مخفی ہوتی ہے جیسا کہ نطفہ مین مخفی تہی۔ اور جیسے جیسے ان اعمال کا قالب تیار ہوتا جاتا ہے وہ روح چمکتی جاتی ہے اور جب وہ قالب پورا تیار ہو چکتا ہے تو یکدفعہ وہ روح اپنی کامل تجلی کے ساتہہ چمک اُٹھتی ہے اور اپنی روحی حیثیت سے اپنے وجود کو دکہا دیتی ہے اور زندگی کی صریح حرکت شروع ہو جاتی ہے جبہی کہ اعمال کا پورا قالب تیار ہو جاتا ہے معاً بجلی کیطرح ایک چیز اندر سے اپنی کہلی کہلی چمک دکہلانا شروع کر دیتی ہے یہ وہی زمانہ ہوتا ہے جسکی نسبت اللہ تعالی قرآن شریف مین مثالی طور سے فرماتا ہے فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ یعنے جب مینے اوسکا قالب بنا لیا اور تجلیات کے تمام مظاہر درست کر لئے اور اپنی روح اوسمین پہونک دی تو تم سب لوگ اسکے لئے زمین پر سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤ۔ سو اس آیت مین یہی اشارہ ہے کہ جب اعمال کا پورا قالب تیار ہو جاتا ہے تو اس قالب مین وہ روح چمک اُٹھتی ہے جسکو خدا تعالی اپنی ذات کیطرف منسوب کرتا ہے کیونکہ دنیوی زندگی کی فنا کے بعد وہ قالب تیار ہوتا ہے اسلئے الٰہی روشنی جو پہلے دہیمی تہی یکدفعہ بہڑک اُٹھتی ہے اور واجب ہوتا ہے کہ خدا کی ایسی شان کو دیکہہ کر ہر ایک سجدہ کرے اور اسکی طرف کہینچا جائے سو ہر ایک اس نور کو دیکہہ کر سجدہ کرتا ہے اور طبعاً اس طرف آتا ہے بجز ابلیس کے جو تاریکی سے دوستی رکہتا ہے۔

پہر مین اسی بات کیطرف رجوع کر کے بیان کرتا ہون کہ یہ بات نہایت درست اور صحیح ہے کہ روح ایک لطیف نور ہے جو اس جسم کے اندر ہی سے پیدا ہو جاتا ہے جو رحم مین پرورش پاتا ہے پیدا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اول مخفی اور غیر محسوس ہوتا ہے پہر نمایان ہو جاتا ہے اور ابتدا اُسکا خمیر نطفہ مین موجود ہوتا ہے بیشک وہ آسمانی خدا کے ارادہ سے اور اُسکے اذن اور اُسکی مشیت سے ایک مجہول الکنہ علاقہ کے ساتہہ نطفہ سے تعلق رکہتا ہے اور نطفہ کا وہ ایک روشن اور نورانی جوہر ہے نہین کہہ سکتے کہ وہ نطفہ کی ایسی جز ہے جیسا کہ جسم جسم کی جز ہوتا ہے مگر یہ بہی نہین کہہ سکتے کہ وہ باہر سے آتا ہے یا زمین پر گر کر نطفہ کے مادہ سے آمیزش پاتا ہے بلکہ وہ ایسا نطفہ مین مخفی ہوتا ہے جیسا کہ آگ پتہر کے اندر ہوتی ہے خدا کی کتاب کا یہ منشاء نہین ہے کہ روح الگ طور پر آسمان سے نازل ہوتی ہے یا فضا سے زمین پر گرتی ہے اور پہر کسی اتفاق سے نطفہ کے ساتہہ ملکر رحم کے اندر چلی جاتی ہے بلکہ یہہ خیال کسیطرح صحیح نہین ٹہر سکتا اگر ہم ایسا خیال کرین تو قانون قدرت ہمین باطل پر ٹہراتا ہے ہم روز مشاہدہ کرتے ہین کہ گندے اور باسی کہانون مین اور گندے زخمون مین ہزارہا کیڑے پڑجاتے ہین میلے کپڑون مین صدہا جوئین پڑجاتی ہین انسان کے پیٹ کے اندر بہی کدو دانے وغیرہ پیدا ہو جاتے ہین۔ اب کیا ہم کہہ سکتے ہین کہ وہ باہر سے آتے ہین یا آسمان سے اُترتے کسی کو دکہائی دیتے ہین۔ سو صحیح بات یہ ہے کہ روح جسم ہی سے ہی نکلتی ہے اور اسی دلیل سے اسکا مخلوق ہونا بہی ثابت ہوتا ہے۔

اب اس وقت ہمارا مطلب اس بیان سے یہ ہے کہ جس قادر مطلق نے روح کو قدرت کاملہ کے ساتہہ جسم مین سے ہی نکالا ہے اسکا یہی ارادہ معلوم ہوتا ہے کہ روح کی دوسری پیدائش کو بہی جسم کے ذریعہ سے ہی ظہور مین لاوے۔ روح کی حرکتین ہمارے جسم کی حرکتون پر موقوف ہین جس طرف ہم جسم کو کہینچتے ہین روح بھی بالضرور پیچہے پیچہے کہنچی چلی آتی ہے اس لئے انسان کی طبعی حالتون کیطرف متوجہ ہونا خدا تعالیٰ کی سچی کتاب کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے انسان کی طبعی حالتون کی اصلاح کیلئے بہت توجہ فرمائی ہے اور انسان کا ہنسنا۔ رونا۔ کہانا۔ پینا۔ سونا۔ بولنا۔ چپ ہونا۔ بیوی کرنا۔ مجرد رہنا۔ چلنا۔ ٹہرنا اور ظاہری پاکیزگی غسل وغیرہ کی

شرائط بجالانا اور بیماری کی حالت اور صحت کی حالتیں خاص خاص امور کا پابند ہونا ان سب باتوں پر مدہ اُنہیں لکھی ہیں اور انسان کی جسمانی حالتوں کو روحانی حالتوں پر بہت ہی مؤثر قرار دیا ہے۔ اگر ان حالتوں کو تفصیل سے لکھا جائے تو میں خیال نہیں کرسکتا کہ اس مضمون کے سنانے کیلئے کوئی وقت کافی ملسکے *

میں جب خدا کے پاک کلام پر غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کیونکر اس نے اپنی تعلیموں میں انسان کو اسکی طبعی حالتوں کی اصلاح کے قواعد عطا فرما کر پھر آہستہ آہستہ اوپر کیطرف کھینچا ہے اور اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت پہنچانا چاہا ہے تو مجھے یہ پُرمعرفت قاعدہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اول خدا نے یہ چاہا ہے کہ انسان کو نشست برخاست اور کھانے پینے اور بات چیت اور تمام اقسام معاشرت کے طریق سکھلا کر اسکو وحشیانہ طریقوں سے نجات دیوے اور حیوانات کی مشابہت سے تمیز کلی بخش کر ایک ادنےٰ درجہ کی اخلاقی حالت جس کو ادب اور شائستگی کے نام سے موسوم کرسکتے ہیں سکھلاوے پھر انسان کی بیحرل عادات کو جنکو دوسرے لفظوں میں اخلاق رذیلہ کہہ سکتے ہیں اعتدال پر لاوے تا وہ اعتدال پاکر اخلاق فاضلہ کے رنگ میں آجائیں مگر یہ دونوں طریقے دراصل ایک ہی ہیں کیونکہ طبعی حالتوں کی اصلاح کے متعلق ہیں صرف اعلیٰ اور ادنےٰ درجہ کے فرق نے ان کو دو قسم بنا دیا ہے اور اُس حکیم مطلق نے اخلاق کے نظام کو ایسے طور سے پیش کیا ہے کہ جس سے انسان ادنےٰ خلق سے اعلیٰ خلق تک ترقی کرسکے *

انسان کی ترقی کی ترتیب

اور پھر تیسرا مرحلہ ترقیات کا یہ رکھا ہے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کی محبت اور رضا میں محو ہو جائے اور سب وجود اسکا خدا کیلئے ہو جائے یہ وہ مرتبہ ہے جس کو یاد دلانے کیلئے مسلمانوں کے دین کا نام اسلام رکھا گیا ہے کیونکہ اسلام اس بات کو کہتے ہیں کہ بکلی خدا کیلئے ہو جانا اور اپنا کچھ باقی نہ رکھنا جیسا کہ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے۔ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

مقصود اسلام

عن سبیلہ ۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ ترجمہ یعنے نجات یافتہ وہ شخص ہے جو اپنے وجود کو خدا کے لئے اور خدا کی راہ مین قربانی کیطرح رکھہ دے اور نہ صرف نیت سے بلکہ نیک کامون سے اپنے صدق کو دکہلاوے جو شخص ایسا کرے اسکا بدلہ خدا کے نزدیک مقرر ہوچکا اور ایسے لوگون پر نہ کچھہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے ۔ کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا اُس خدا کے لئے ہے جسکی ربوبیت تمام چیزون پر محیط ہے کوئی چیز اور کوئی شخص اُسکا شریک نہین ۔ اور مخلوق کو کسی قسم کی شراکت اسکی ساتہہ نہین ۔ مجھے یہی حکم ہے کہ مین ایسا کرون اور اسلام کے مفہوم پر قائم ہونے والا یعنے خدا کی راہ مین اپنے وجود کی قربانی دینے والا سب سے اول مین ہون یہ میری راہ ہے سو آؤ میری راہ اختیار کرو اور اسکے مخالف کوئی راہ اختیار نہ کرو کہ خدا سے دور جا پڑوگے ان کو کہدے کہ اگر خدا سے پیار کرتے ہو تو آؤ میرے پیچھے ہولو اور میری راہ پر چلو تا خدا بہی تمسے پیار کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور وہ تو بخشندہ اور رحیم ہے ۔

اب ہم انسان کے اِن تین مرحلون کا جدا جدا بیان کرینگے لیکن اول یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ طبعی حالتین جنکا سرچشمہ در حقیقت نفس امارہ ہے خدا تعالی کے پاک کلام کے اشارات کے موافق اخلاقی حالتون سے کوئی الگ چیز نہین ہے کیونکہ خدا کے پاک کلام نے تمام نیچرل قوتونے اور جسمانی خواہشون اور تقاضون کو طبعی حالات کی مد مین رکہا ہے اور وہی طبعی حالتین ہین جو بالارادہ ترتیب اور تعدیل اور موقع بینی اور محل پر استعمال کرنیکے بعد اخلاق کا رنگ پکڑ لیتی ہین ایسا ہی اخلاقی حالتین روحانی حالتون سے کوئی الگ باتین نہین ہین بلکہ وہی اخلاقی حالتین ہین جو پورے فنافی اللہ اور تزکیہ نفس اور پورے انقطاع الی اللہ اور پوری محبت اور پوری محویت اور پوری سکینت اور اطمینان اور پوری موافقت باللہ سے روحانیت کا رنگ پکڑ لیتی ہین طبعی حالتین جب تک اخلاقی رنگ مین نہ آئین کسیطرح انسان کو قابل تعریف نہین بناتین کیونکہ وہ دوسرے حیوانات بلکہ جمادات مین بہی پائی جاتی ہین ایسا ہی مجرد اخلاق کا حاصل کرنا بہی انسان کو روحانی زندگی نہین بخشتا بلکہ ایک شخص خدا تعالی کے وجود سے بہی منکر رہ کر اچھے

طبعی حالتون اور اخلاقی مین مابہ الامتیاز

اخلاق دکھلا سکتا ہے دل کا غریب ہونا یا دل کا حلیم ہونا یا طبع کا سیر ہونا یا ترک شر کرنا اور شریر کے مقابلہ پر نہ آنا یہ تمام طبعی حالتین ہین اور ایسی باتین ہین جو ایک نا اہل کو بہی حاصل ہو سکتی ہین جو اصل سرچشمہ نجات سے بے نصیب اور نا آشنا محض ہے اور بہت سے چار پائے غریب ہی ہوتے ہین اور ہلنے اور خوبند ہونے سے صلحکاری بہی دکھلاتے ہین سوٹے پر سوٹا مارنے سے کوئی مقابلہ نہین کرتے مگر پہر بہی ان کو انسان نہین کہہ سکتے چہ جائیکہ ان خصلتون سے وہ اعلے درجہ کے انسان بن سکین۔ ایساہی بد سے بد عقیدہ والا بلکہ بعض بد کاریون کا مرتکب ان باتون کا پابند ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ انسان رحم مین اس حد تک پہنچ جائے کہ اگر اسکے اپنے ہی زخم مین کیڑے پڑین انکو بہی قتل کرنا روا نہ رکہے اور جاندارون کی پاسداری اس قدر کرے کہ جوئین جو سر مین پڑتی ہین یا وہ کیڑے جو پیٹ اور انتڑیون اور دماغ مین پیدا ہوتے ہین ان کو بہی آزار دینا نہ چاہے بلکہ مین قبول کرسکتا ہون کہ کسیکا رحم اس حد تک پہنچے کہ وہ شہد کہانا ترک کردے کیونکہ وہ بہت سی جانون کے تلف ہونے اور غریب مکہیون کو انکے استہان سے پراگندہ کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور مین مانتا ہون کہ کوئی مشک سے بہی پرہیز کرے کیونکہ وہ غریب ہرن کا خون ہے اور اس غریب کو قتل کرنے اور بچون سے جدا کرنے کے بعد میسر آسکتا ہے ایساہی مجہے اس سے بہی انکار نہین کہ کوئی موتیون کے استعمال کو بہی چہوڑ دے اور ابریشم کو پہننا بہی ترک کرے کیونکہ یہ دونون غریب کیڑون کے ہلاک کرنے سے ملتے ہین بلکہ مین یہان تک مانتا ہون کہ کوئی شخص دکہہ کیوقت جوکون کے لگانے سے بہی پرہیز کرے اور آپ دکہہ اٹہالے اور غریب جوک کی موت کا خواہان نہ ہو۔ بالآخر اگر کوئی مانے یا نہ مانے مگر مین مانتا ہون کہ کوئی شخص اسقدر رحم کو کمال کے نقطہ تک پہنچا دے کہ پانی پینا چہوڑ دے اور اس طرح پانی کے کیڑون کے بچانیکے لئے اپنے تئین ہلاک کرے۔ مین یہ سب کچہہ قبول کرتا ہون لیکن مین ہرگز قبول نہین کرسکتا کہ یہ تمام طبعی حالتین اخلاق کہلا سکتی ہین یا صرف انہی سے وہ اندرونی گند دہوئے جا سکتے ہین جن کا وجود خدا کے ملنے کی روک ہے۔ مین کبہی باور نہین کرونگا کہ اس طرح کا غریب اور بے آزار بننا جسمین بعض چارپائون اور پرندون کا کچہہ نمبر بڑہا ہوا ہے اعلیٰ انسانیت کے حصول کا موجب ہوسکتا ہے بلکہ میرے نزدیک یہ قانون قدرت

سے لڑائی ہے اور رضا کے بہاری خلق کے برخلاف اور اس نعمت کو رد کرنا ہے جو قدرت نے ہمکو عطا کی ہے بلکہ وہ روحانیت ہر ایک خلق کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنیکے بعد اور پہر خدا کی راہون مین وفاداری کے ساتھ قدم مارنے سے اور اسی کا ہو جانے سے ملتی ہے جو اسکا ہو جاتا ہے اسکی یہی نشانی ہے کہ وہ اُسکے بغیر جی ہی نہیں سکتا - عارف ایک مچھلی ہے جو خدا کے ہاتھ سے ذبح کی گئی اور اسکا پانی خدا کی محبت ہے -

اصلاح کے تین طریق

اب میں پہلے کلام کیطرف رجوع کرتا ہون - مین ابہی ذکر کر چکا ہون کہ انسانی حالتون کے سرچشمے تین ہین یعنے نفس امّارہ - نفس لوّامہ - نفس مطمئنّہ - اور طریق اصلاح کے بھی تین ہین - اول یہ کہ بے تمیز وحشیون کو اِس اَدنے خلق پر قائم کیا جائے کہ وہ کہانے پینے اور شادی وغیرہ تمدنی امور مین انسانیت کے طریقے پر چلین نہ ننگے پہرین اور نہ کتون کیطرح مردار خوار ہون اور نہ کوئی اور بے تمیزی ظاہر کرین یہ طبعی حالتون کی اصلاحون مین سے ادنی درجہ کی اصلاح ہے یہ اس قسم کی اصلاح ہے کہ اگر مثلاً پورٹ بلیر کے جنگلی آدمیون مین سے کسی آدمی کو انسانیت کے لوازم سکہلانا ہو تو پہلے ادنی ادنی اخلاق انسانیت . . . اور طریق ادب کی ان کو تعلیم دی جائے گی - دوسرا طریق صلاح کا یہ ہے کہ جب کوئی ظاہری آداب انسانیت کے حاصل کرلیوے تو اسکو بڑے بڑے اخلاق انسانیت کے سکھلائے جائین اور انسانی قوائے مین جو کچھہ بھرا پڑا ہے ان سب کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنیکی تعلیم دیجائے - تیسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاق فاضلہ سے متصف ہو گئے ہیں ایسے خشک زاہدون کو شربت محبت اور وصل کا مزا چکھایا جائے یہ تین اصلاحین ہین جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہین -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اول اصلاح کی ضرورت کے وقت مبعوث ہونا

اور ہمارے سید و مولے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت مین مبعوث ہوئے تہے جبکہ دنیا ہر ایک پہلو سے خراب اور تباہ ہو چکی تہی جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ یعنی جنگل بہی بگڑ گئے اور دریا بہی بگڑ گئے یہ اشارہ اس بات کیطرف ہے کہ جو اہل کتاب کہلاتے ہین وہ بہی بگڑ گئے اور جو دوسرے لوگ ہین جنکو الہام کا پانی نہین ملا وہ بہی بگڑ گئے ہین - پس قرآن شریف کا کام در اصل مردون کو زندہ کرنا تہا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

یعنے یہ بات جان لوکہ اب اللہ تعالی سنئے سرے سے زمین کو بعد اسکے مرنیکے کے زندہ کرنے لگا ہے اس زمانہ مین عرب کا حال نہائت درجہ کی وحشیانہ حالت تک پہنچا ہوا تہا اور کوئی نظام انسانیت کا باقی نہین رہا تہا اور تمام معاصی اُن کی نظر مین فخر کی جگہ تہے ایک ایک شخص صد ہا بیویان کر لیتا تہا۔ حرام کا کہانا ان کے نزدیک ایک شکار تہا ماؤن کے ساتہہ نکاح کرنا حلال سمجہتے تہے اسی واسطے اللہ تعالی کو کہنا پڑا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ یعنی آج مائین تمہاری تمپر حرام ہوگئین۔ ایسا ہی وہ مُردار کہاتے تہے۔ آدم خور بہی تہے دُنیا کا کوئی بہی گناہ نہین جو نہین کرتے تہے۔ اکثر معاد کے منکر تہے۔ بہت سے اُن مین سے خدا کے وجود کے بہی قائل نہ تہے۔ لڑکیون کو اپنے ہاتہہ سے قتل کرتے تہے یتیمون کو ہلاک کر کے اُن کا مال کہاتے تہے بظاہر تو انسان تہے مگر عقلین مسلوب تہین نہ حیا تہی نہ شرم تہی نہ غیرت تہی۔ شراب کو پانی کی طرح پیتے تہے۔ جسکا زناکاری مین اول نمبر ہوتا تہا وہی قوم کا رئیس کہلاتا تہا۔ بیعلمی اسقدر رہتی کہ اِرد گرد کی تمام قومون نے انکا نام امی رکہہ دیا تہا۔ ایسے وقت مین اور ایسی قومون کی اصلاح کے لئے ہمارے سید و مولی نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ مین ظہور فرما ہوئے۔ پس وہ تین قسم کی اصلاحین جنکا ہم ابہی ذکر کر چکے ہین انکا درحقیقت یہی زمانہ تہا۔ پس اسیوجہ سے قرآن شریف دنیا کی تمام ہدایتون کی نسبت اکمل اور اتم ہونیکا دعوے کرتا ہے کیونکہ دُنیا کی اور کتابون کو ان تین قسم کی اصلاحون کا موقع نہین ملا اور قرآن شریف کو ملا اور قرآن شریف کا یہ مقصد تہا کہ حیوانون سے انسان بناوے اور انسان سے با اخلاق انسان بناوے اور با اخلاق انسان سے با خدا انسان بناوے اسی واسطے اِن تین امور پر قرآن شریف مشتمل ہے ٭

اور قبل اسکے کہ جو ہم اصلاحات ثلثہ مفصل بیان کرین یہ ذکر کرنا بہی ضروری سمجہتے ہین کہ قرآن شریف مین کوئی ایسی تعلیم نہین جو زبردستی ماننی پڑے بلکہ تمام قرآن کا مقصد صرف اصلاحات ثلثہ ہین اور اسکی تمام تعلیمون کا لب لباب یہی تین اصلاحین ہین اور باقی تمام احکام ان اصلاحون کے لئے بطور وسائل کے ہین اور جس طرح بعض وقت ڈاکٹر کو بہی صحت کے پیدا کرنیکے لئے کبہی چیرنے کبہی مرہم لگانے کی ضرورت پڑتی ہے ایسا ہی قرآنی تعلیم نے بہی انسانی ہمدردی کیلئے ان

قرآنی تعلیم کا لب لباب اصلاحات ثلثہ ہین

لوازم کو اپنے محل پر استعمال کیا ہے اور اسکے تمام معارف یعنی گیان کی باتین اور وصایا اور مسائل کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسانون کو انکی طبعی حالتون سے جو وحشیانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہین اخلاقی حالتون تک پہونچاوے اور پھر اخلاقی حالتون سے روحانیت کے ناپیدا کنار دریا تک پہونچاوے

اور پہلے ہم بیان کر چکے ہین کہ طبعی حالات اخلاقی حالات سے کچھہ الگ چیز نہین بلکہ وہی حالات ہین جو تعدیل اور موقع اور محل پر استعمال کرنیسے اور عقل کی تجویز اور مشورہ سے کام مین لانے سے اخلاقی حالات کا رنگ پکڑ لیتے ہین اور قبل اسکے کہ وہ عقل اور معرفت کی صلاح اور مشورہ سے صادر ہون گو وہ کیسے ہی اخلاق سے مشابہ ہون درحقیقت اخلاق نہین ہوتے بلکہ طبیعت کی ایک بے اختیار رفتار ہوتی ہے جیسا کہ اگر ایک کتّے یا ایک بکری سے اپنے مالک کے ساتھہ محبت اور انکسار ظاہر ہو تو اوس کتّے کو خلیق نہین کہین گے اور نہ اس بکری کا نام مہذب الاخلاق رکھین گے۔ اسی طرح ہم ایک بھیڑیے یا شیر کو انکی درندگی کیوجہ سے بدخلق نہین کہین گے بلکہ جیسا کہ ذکر کیا گیا اخلاقی حالت محل اور سوچ اور وقت شناسی کے بعد شروع ہوتی ہے اور ایک ایسا انسان جو عقل و تدبیر سے کام نہین لیتا وہ ان شیرخوار بچون کی طرح ہے جنکے دل اور دماغ پر ہنوز قوت عقلیہ کا سایہ نہین پڑا یا ان دیوانون کیطرح جو جوہر عقل اور دانش کو کھو بیٹھے ہین ظاہر ہے کہ جو شخص بچہ شیرخوار اور دیوانہ ہو وہ ایسی حرکات بعض اوقات ظاہر کرتا ہے کہ جو اخلاق کے ساتھہ مشابہ ہوتی ہین مگر کوئی عقلمند ان کا نام اخلاق نہیں رکھہ سکتا کیونکہ وہ حرکتین تمیز اور موقع بینی کے چشمے سے نہین نکلتین بلکہ وہ طبعی طور پر تحریکون کے پیش آنے کے وقت صادر ہوتی جاتی ہین جیسا کہ انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتیوں کیطرف رخ کرتا ہے اور ایک مرغ کا بچہ پیدا ہوتے ہی دانہ چگنے کیلئے دوڑتا ہے۔ جوک کا بچہ جوک کی عادتین اپنے اندر رکھتا ہے اور سانپ کا بچہ سانپ کی عادتین ظاہر کرتا ہے اور شیر کا بچہ شیر کی عادتین دکھلاتا ہے۔ بالخصوص انسان کے بچہ کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ وہ کیسے پیدا ہوتے ہی انسانی عادتین دکھلانا شروع کر دیتا ہے اور پھر جب برس ڈیڑھ برس کا ہوا تو وہ عادات طبعیہ بہت نمایان ہو جاتی ہین۔ مثلاً پہلے جس طور سے روتا تھا اب

طبعی حالتین تعدیل سے اخلاقی ہو جاتی ہین

رونا بہ نسبت پہلے کے کسی قدر بلند ہو جاتا ہے ایسا ہی ہنسنا قہقہہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے
اور آنکھوں میں بھی عمداً دیکھنے کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں اور اس عمر میں یہ ایک اور امر
طبعی پیدا ہو جاتا ہے کہ اپنی رضامندی یا نارضامندی حرکات سے ظاہر کرتا ہے اور کسی کو
مارتا اور کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے مگر یہ تمام حرکات دراصل طبعی ہوتی ہیں۔ پس ایسے بچہ کی مانند
ایک وحشی آدمی بھی ہے جسکو انسانی تمیز سے بہت ہی کم حصہ ملا ہے وہ بھی اپنے ہر ایک قول
اور فعل اور حرکت اور سکون میں طبعی حرکات ہی دکھلاتا ہے اور اپنی طبیعت کے جذبات کا تابع
رہتا ہے کوئی بات اسکے اندرونی قویٰ کے تدبر اور تفکر سے نہیں نکلتی بلکہ جو کچھ طبعی طور پر اسکے
اندر پیدا ہوا ہے وہ خارجی تحریکوں کے مناسب حال نکلتا چلا جاتا ہے یہ ممکن ہے کہ اس کے
طبعی جذبات جو اسکے اندر سے کسی تحریک سے باہر آتے ہیں وہ سب کے سب برے نہ ہوں
بلکہ بعض انکے نیک اخلاق سے مشابہ ہوں لیکن عاقلانہ تدبر اور موشگافی کو ان میں دخل نہیں
ہوتا اور اگر کسی قدر ہو بھی تو وہ بوجہ غلبہ جذبات طبعی قابل اعتبار نہیں ہوتا بلکہ جس طرف کثرت
ہے اسی کو معتبر سمجھا جائے گا۔

(نفس لوامہ)

غرض ایسے شخص کی طرف حقیقی اخلاق منسوب نہیں کر سکتے جس پر جذبات طبعیہ
حیوانوں اور بچوں اور دیوانوں کی طرح غالب ہیں اور جو اپنی زندگی کو قریب قریب وحشیانہ
کے بسر کرتا ہے بلکہ حقیقی طور پر نیک یا بد اخلاق کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ
جب انسان کی عقل خداداد پختہ ہو کر اس کے ذریعہ سے نیکی اور بدی یا دو نیکیوں یا دو بدیوں
کے درجہ میں فرق کر سکے پھر اچھے راہ کے ترک کرنے سے اپنے دل میں ایک حسرت پاوے
اور برے کام کے ارتکاب سے اپنے تئیں نادم اور پشیمان دیکھے یہ انسان کی زندگی کا دوسرا
زمانہ ہے جسکو خدا کے پاک کلام قرآن شریف میں نفس لوامہ کے نام سے تعبیر کیا ہے مگر یاد رہے
کہ ایک وحشی کو نفس لوامہ کی حالت تک پہونچانے کیلئے صرف سرسری نصائح کافی نہیں ہیں
بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ اسکو خداشناسی کا اس قدر حصہ ملے جس سے وہ اپنی پیدائش بیہودہ اور لغو
خیال نہ کرے تا معرفت الٰہی سے سچے اخلاق اس میں پیدا ہوں اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ساتھ اسکے

سچے خدا کی معرفت کیلئے توجہ دلائی ہے اور یقین دلایا ہے کہ ہر ایک عمل اور خلق ایک نتیجہ رکھتا ہے جو اس زندگی مین روحانی راحت یا روحانی عذاب کا موجب ہوتا ہی اور دوسری زندگی مین کھلے کھلے طور پر اپنا اثر دکھائیگا۔ غرض نفس لوّامہ کے درجہ پر انسان کو عقل اور معرفت اور پاک کانشنس سے اس قدر حصہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ بُرے کام پر اپنے تئین ملامت کرتا ہے اور نیک کام کا خواہشمند اور حریص رہتا ہے یہ وہی درجہ ہے کہ جسمین انسان اخلاق فاضلہ حاصل کرتا ہے۔

اس جگہ بہتر ہوگا کہ مین خُلق کے لفظ کی بہی کسی قدر تعریف کر دون سو جاننا چاہئے کہ خَلق خا کی فتح سے ظاہری پیدائیش کا نام ہے اور خُلق خا کے ضمہ سے باطنی پیدائیش کا نام ہے اور چونکہ باطنی پیدائیش اخلاق سے ہی کمال کو پہونچتی ہے نہ صرف طبعی جذبات سے اسلئے اخلاق پر ہی یہ لفظ بولا گیا ہے طبعی جذبات پر نہین بولا گیا۔ اور پہر یہ بات بہی بیان کردینی کے لائق ہے کہ جیساکہ عوام الناس خیال کرتے ہین کہ خُلق صرف حلیمی اور نرمی اور انکسار ہی کا نام ہے یہ اُنکی غلطی ہے بلکہ جو کچہہ بمقابلہ ظاہری اعضا کے باطن مین انسانی کمالات کی کیفیتین رکھی گئی ہین ان سب کیفیتون کا نام خلق ہے مثلاً انسان آنکھ سے روتا ہے اور اس کے مقابل پر دل مین ایک قوّت رقت ہے وہ جب بذریعہ عقل خداداد کے اپنے محل پر مستعمل ہو تو وہ ایک خلق ہے۔ ایسا ہی انسان ہاتہون سے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل مین ایک قوّت ہے جسکو شجاعت کہتے ہین۔ جب انسان محل پر اور موقع کے لحاظ سے اُس قوّت کو استعمال مین لاتا ہے تو اُس کا نام بہی خلق ہے۔ اور ایسا ہی انسان کبھی ہاتہون کے ذریعہ سے مظلومون کو ظالمون سے بچانا چاہتا ہے یا ناداروں اور بہوکون کو کچہہ دینا چاہتا ہے یا کسی اور طرح سے بنی نوع کی خدمت کرنا چاہتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جسکو رحم بولتے ہین اور کبہی انسان اپنے ہاتہون کے ذریعہ سے ظالم کو سزا دیتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل مین ایک قوّت ہے جسکو عفو اور صبر کہتے ہین اور کبہی انسان بنی نوع کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے ہاتہون سے کام لیتا ہے یا پیرون سے

خُلق اور خَلق

یا دل اور دماغ سے اور انکی بہبودی کیلئے اپنا سرمایہ خرچ کرتا ہے تو اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوّت ہے جسکو سخاوت کہتے ہین۔ پس جب انسان ان تمام قوتون کو موقع اور محل کے لحاظ سے استعمال کرتا ہے تو اس وقت انکا نام خُلق رکہا جاتا ہے اللہ جلّ شانہٗ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ یعنے تو ایک بزرگ خلق پر قائم ہے سو اسی تشریح کے مطابق اِسکے معنی ہین یعنے یہ کہ تمام قسمین اخلاق کی سخاوت۔ شجاعت۔ عدل۔ رحم۔ احسان۔ صدق۔ حوصلہ وغیرہ تجہ مین جمع ہیں۔ غرض جس قدر انسان کے دل مین قوتین پائی جاتی ہین جیسا کہ ادب۔ حیا۔ دیانت۔ مروت۔ غیرت۔ استقامت۔ عفّت۔ زہادت۔ اعتدال۔ مواسات یعنی ہمدردی۔ ایسا ہی شجاعت۔ سخاوت۔ عفو۔ صبر۔ احسان۔ صدق۔ وفا وغیرہ جب یہ تمام طبعی حالتین عقل اور تدبّر کے مشورہ سے اپنے اپنے محل اور موقع پر ظاہر کیجائینگی تو سبکا نام اخلاق ہوگا اور یہ تمام اخلاق درحقیقت انسان کی طبعی حالتین اور طبعی جذبات ہین اور صرف اس وقت اخلاق کے نام سے موسوم ہوتے ہین کہ جب محل اور موقع کے لحاظ سے بالارادہ ان کو استعمال کیا جائے چونکہ انسان کے طبعی خواص مین سے ایک یہ بہی خاصہ ہے کہ وہ ترقی پذیر جاندار ہے اسلئے وہ سچّے مذہب کی پیروی اور نیک صحبتون اور نیک تعلیموں سے ایسے طبعی جذبات کو اخلاق کے رنگ مین لے آتا ہے اور یہ امر کسی اور جاندار کے لئے نصیب نہین ٭

اصلاح اول یعنی طبعی حالتیں

اب ہم منجملہ قرآن شریف کی اصلاحات ثلٰثہ کے پہلی اصلاح کو جو ادنٰے درجہ کی طبعی حالتون سے متعلق ہے ذکر کرتے ہین اور یہہ اصلاح اخلاق کے شعبون مین سے وہ شعبہ ہے جو ادب کے نام سے موسوم ہے یعنے وہ ادب جسکی پابندی وحشیون کو انکی طبعی حالتون

کھانے پینے اور شادی کرنے وغیرہ تمدنی امور مین مرکز اعتدال پر لاتی ہے اور اس زندگی سے
نجات بخشتی ہے جو وحشیانہ اور چوپاؤن یا درندون کی طرح ہو جیسا کہ ان تمام آداب کے بارے
مین اللہ جل شانہ قرآن شریف مین فرماتا ہے

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وبناتكم واخواتكم وعمّٰتكم وخٰلٰتكم وبنٰت الاخ وبنٰت
الاخت وامهٰتكم الّتي ارضعنكم واخواتكم من الرضاعة وامّهٰت نسائكم وربائبكم
الّتي في حجوركم من نسائكم الّتي دخلتم بهن فان لم تكونوا دخلتم بهن فلا جناح
عليكم وحلائل ابنائكم الّذين من اصلابكم وان تجمعوا بين الاختين الا ما قد سلف
لا يحل لكم ان ترثوا النساء كرها ولا تنكحوا ما نكح آباؤكم من النساء الا ما قد سلف
اُحِلَّ لكم الطيبٰت والمحصنٰت من المؤمنٰت والمحصنٰت من الذين اوتوا الكتٰب
من قبلكم اذا آتيتموهن اجورهن محصنين غير مسافحين ولا متخذي اخدان
ولا تقتلوا انفسكم ولا تقتلوا اولادكم لا تدخلوا بيوتا غير بيوتكم حتى تستانسوا
وتسلموا على اهلها فان لم تجدوا فيها احدا فلا تدخلوها حتى يؤذن لكم وان قيل
لكم ارجعوا فارجعوا هو ازكى لكم واتوا البيوت من ابوابها - واذا حيّيتم بتحية
فحيّوا باحسن منها او ردّوها - انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل
الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون - حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير
وما اهل لغير الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردية والنطيحة وما اكل السبع وما ذبح
على النصب يسئلونك ماذا احل لهم قل احل لكم الطيبٰت واذا قيل لكم تفسحوا
في المجالس فافسحوا واذا قيل انشزوا فانشزوا - كلوا واشربوا ولا تسرفوا وقولوا
قولا سديدا وثيابك فطهر والرجز فاهجر واغضض من صوتك واقصد في مشيك
تزودوا فان خير الزاد التقوى وان كنتم جنبا فاطهروا وفي اموالهم حق للسائل و
المحروم وان خفتم الا تقسطوا في اليتامى فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلاث
ورباع وان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملكت ايمانكم ذلك ادنى الا تعولوا واتوا النساء صدقاتهن نحلة

ترجمہ یعنے تمپر تمہاری مائین حرام کی گئین اور ایسا ہی تمہاری بیٹیان اور تمہاری بھنیں اور تمہاری پہوپھیان اور تمہاری خالائین اور تمہاری بھتیجیان اور تمہاری بھانجیان ۔

اور تمہاری وہ مائین جنہون نے تمہین دودہ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنین اور تمہاری بیویون کی مائین اور تمہاری بیویوں کے پہلے خاوندسے لڑکیان جن سے تم ہم صحبت ہو چکے ہو اور اگر تم اُن سے ہم صحبت نہین ہوئے تو کوئی گناہ نہین اور تمہارے حقیقی بیٹون کی عورتین اور ایسے ہی دو بہنین ایک وقت مین یہ سب کام جو پہلے ہوتے تھے آج تم پر حرام کئے گئے ۔ یہ بہی تمہارے لئے جائز نہ ہوگا کہ جبراً عورتون کے وارث بن جاؤ ۔ یہ بہی جائز نہیں کہ تم ان عورتون کو نکاح مین لاؤ جو تمہارے باپونکی بیویاں تہین ۔ جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا پاک دامن عورتین تم مین سے یا پہلے اہلکتاب مین سے تمہارے لئے حلال ہین کہ اُن سے شادی کرو لیکن جب مہر قرار پاکر نکاح ہو جائے بدکاری جائز نہین اور نہ چھپا ہوا یارانہ ۔ عرب کے جاہلون میں جس شخص کے اولاد نہ ہوتی تہی بعض میں یہ رسم تہی کہ انکی بیوی اولاد کے لئے دوسرے سے آشنائی کرتی ۔ قرآن شریف نے اس صورت کو حرام کر دیا ۔ مسافحت اسی بدرسم کا نام ہے ۔ پھر فرمایا کہ تم خودکشی نہ کرو اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اور دوسرے گہرون میں وحشیون کی طرح خود بخود بے اجازت نہ چلے جاؤ ۔ اجازت لینا شرط ہے ۔ اور جب تم دوسرے گہرون مین جاؤ تو داخل ہوتے السلام علیکم کہو اور اگر ان گہرون میں کوئی نہ ہو تو جب تک کوئی مالک خانہ تمہین اجازت نہ دے ان گہرون میں مت جاؤ ۔ اور اگر مالک خانہ یہ کہے کہ واپس چلے جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ ۔ اور گہرون میں دیوارون پرسے کود کر نہ جایا کرو بلکہ گہرون مین ان گہرون کے دروازہ مین سے جاؤ ۔ اور اگر کوئی تمہین سلام کہے تو اس سے بہتر اور نیک تر اسکو سلام کہو ۔ شراب اور قماربازی اور بت پرستی اور شگون لینا یہ سب پلید اور شیطانی کام ہین اِن سے بچو ۔ مردار مت کہاؤ ۔ خنزیر کا گوشت مت کہاؤ ۔ بتون کے چڑھاوے مت کہاؤ ۔ لاٹھی سے مارا ہوا مت کہاؤ ۔ سینگ لگنے سے مرا ہوا مت کہاؤ ۔ درندہ کا پہاڑا ہوا مت کہاؤ ۔ بت پر چڑہایا ہوا مت کہاؤ کیونکہ یہ سب

مردار کا حکم رکھتے ہین اور اگر یہ لوگ پوچھین کہ پھر کہائین کیا۔ تو جواب یہ دے کہ دُنیا کی
تمام پاک چیزین کہاؤ صرف مردار اور مردار کے مشابہ اور پلید چیزین مت کہاؤ۔ اگر مجلسون
مین تمہین کہا جائے کہ کشادہ ہو کر بیٹہو یعنے دوسرون کو جگہ دو تو جلد کشادہ جگہ کر دو تا دوسرے
بیٹہین۔ اور اگر کہا جائے کہ تم اُٹھ جاؤ تو پھر بغیر چون وچرا کے اُٹھ جاؤ۔ گوشت دال وغیرہ
سب چیزین جو پاک ہون بیشک کہاؤ مگر ایک طرف کی کثرت مت کرو اور اسراف اور
زیادہ خوری سے اپنے تئین بچاؤ۔ لغو باتین مت کیا کرو محل اور موقع کی بات کیا کرو۔ اپنے
کپڑے صاف رکہو۔ بدن کو اور گہر کو اور کوچہ کو اور ہر ایک جگہ کو جہان تمہاری نشست ہو
پلیدی اور میل کچیل اور کثافت سے بچاؤ یعنے غسل کرتے رہو اور گہرون کو صاف رکہنے کی
عادت پکڑو۔ نہ بہت اونچا بولا کرو نہ بہت نیچا درمیان کو نگاہ رکہو یعنے باستثناء وقت
ضرورت کے چلنے مین بہی نہ بہت تیز چلو اور نہ بہت آہستہ درمیان کو نگاہ رکہو۔ جب سفر
کرو تو ہر ایک طور پر سفر کا انتظام کر لیا کرو۔ اور کافی زاد راہ لے لیا کرو تا گداگری سے بچو۔
جنابت کی حالت مین غسل کر لیا کرو۔ جب روٹی کہاؤ تو سائل کو بہی دو اور کُتّے کو بہی ڈالدیا
کرو اور دوسرے پرند وغیرہ کو بہی اگر موقع ہو۔ یتیم لڑکیان جن کی تم پرورش کرو ان سے
نکاح کرنا مضایقہ نہین۔ لیکن اگر تم دیکہو کہ چونکہ وہ لاوارث ہین شاید تمہارا نفس انپر زیادتی
کرے تو مان باپ اور اقارب والی عورتین کرو جو تمہاری مؤدب رہین اور ان کا تمہین
خوف رہے ایک دو تین چار تک کر سکتے ہو بشرطیکہ اعتدال کرو اور اگر اعتدال نہ ہو تو
پھر ایک ہی پر کفایت کرو۔ گو ضرورت پیش آوے۔ چار کی حد لگا دی گئی ہے وہ اس مصلحت
سے ہے کہ تا تم پرانی عادت کے تقاضے سے افراط نہ کرو۔ یعنے صدہا تک نوبت نہ پہنچاؤ
یا یہ کہ حرامکاری کی طرف جہک نہ جاؤ اور اپنی عورتون کو مہر دو۔

غرض یہ قرآن شریف کی پہلی اصلاح ہے جسمین انسان کی طبعی حالتون کو وحشیانہ طرز نقون
سے کہینچکر انسانیت کے لوازم اور تہذیب کیطرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس تعلیم مین ابہی اعلے
اخلاق کا کچہہ ذکر نہین صرف انسانیت کے آداب ہین اور ہم لکہ چکے ہین کہ اس تعلیم کی یہ

ضرورت پیش آئی تہی کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم جس قوم کی اصلاح کے لئے آئے تہے وہ وحشیانہ حالت مین سب قومون سے بڑھی ہوئی تہی کسی پہلو مین انسانیت کا طریق اِن مین قایم نہین رہا تہا پس ضرور تہا کہ سب سے پہلے انسانیت کے ظاہری ادب ان کو سکھلائے جاتے ۔

خنزیر کی حرمت

ایک نکتہ اس جگہ یاد رکہنے کے قابل ہے اور وہ نکتہ یہہ ہے کہ خنزیر جو حرام کیا گیا ہے خدا نے ابتدا سے اِسکے نام مین ہی حرمت کیطرف اشارہ کیا ہے کیونکہ خنزیر کا لفظ خنز اور آر سے مرکب ہے جسکے یہ معنے ہین کہ مین اِسکو فاسد اور خراب دیکہتا ہون خنز کے معنے بہت فاسد آر کے معنی دیکہتا ہون۔ پس اِس جانور کا نام جو ابتدا سے خدا تعالیٰ کیطرف سے اس کو ملا ہے وہی اِسکی پلیدی پر دلالت کرتا ہے اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ ہندی مین اِس جانور کو سُور کہتے ہین یہ لفظ بہی سُو اور آر سے مرکب ہے جسکے معنے یہ ہین کہ میں اس کو بہت بُرا دیکہتا ہون اور اس سے تعجب نہین کرنا چاہئے کہ سُو کا لفظ عربی کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ ہمنے اپنی کتاب منن الرحمٰن مین ثابت کیا ہے کہ تمام زبانون کی مان عربی زبان ہے اور عربی کے لفظ ہر ایک زبان مین نہ ایک دو بلکہ ہزارون ملے ہوئے ہین ۔ سو سوء عربی لفظ ہے اس لئے ہندی مین سوء کا ترجمہ بدؔ ہے پس اِس جانور کو بد بہی کہتے ہین ۔ اسمین کچھ بہی شک معلوم نہین ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ تمام دنیا کی زبان عربی تہی اِس ملک مین یہ نام اس جانور کا عربی مین مشہور تہا جو خنزیر کے نام کے ہم معنے ہے پہر اب تک یادگار باقی رہ گیا۔ ہان یہ ممکن ہے کہ شاستری مین اِسکے قریب قریب ہی لفظ متغیر ہوکر اور کچھ بن گیا ہو مگر صحیح لفظ یہی ہے کیونکہ اپنی وجہ تسمیہ ساتہہ رکھتا ہے جس پر لفظ خنزیر گواہ ناطق ہے اور یہ معنی جو اِس لفظ کے ہین یعنے بہت فاسد اسکی تشریح کی حاجت نہین۔ اس بات کا کس کو علم نہین کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے ۔ اب اسکے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید بد جانور کے گوشت کا اثر بہی بدن اور روح پر پلید ہی ہو کیونکہ

ہم ثابت کر چکے ہین کہ غذا اُن کا بہی انسان کے روح پر ضرور اثر ہے۔ پس ہمین کیا شک ہے
کہ اب ایسے بد کا اثر بہی بدہی پڑیگا جیسا کہ یونانی طبیبون نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر
کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیا کی قوت کو کم کرتا ہے اور دیوثی کو بڑہاتا ہے
اور مردار کا کہانا بہی اسی لئے اس شریعت مین منع ہے کہ مردار بہی کہانے والے کو اپنے رنگ
مین لاتا ہے اور نیز ظاہری صحت کیلئے بہی مضر ہے اور جن جانورون کا خون اندر ہی رہتا ہے
جیسے گلا گھونٹا ہوا یا لاٹھی سے مارا۔ یہ تمام جانور درحقیقت مُردار کے حکم مین ہی ہین۔ کیا
مُردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی حالت پر رہ سکتا ہے؟ نہین بلکہ وہ بوجہ مرطوب ہونیکے
بہت جلد گندہ ہوگا اور اپنی عفونت سے تمام گوشت کو خراب کریگا اور نیز خون کے کیڑے
جو حال کی تحقیقات سے بہی ثابت ہوئے ہین مرکر ایک زہرناک عفونت بدن میں پہیلادینگے۔

تثلیث اور توحید

یسوع کی خدائی پر اس پہلو سے بحث کہ اسکی دعوت عام تھی یا خاص۔

پہر ہم حضرت مسیح کی خدائی کی کوئی جز تلاش کرنیکے لئے یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ کیا خدا کی
عام خدائی کی طرح اُن کی دعوت عام تھی یا ایک خاص گروہ تک محدود تھی ظاہر ہے کہ خدا
صرف یہودیون کا خدا نہین بلکہ تمام قومون یہودی۔ مجوسی۔ عیسائی۔ ہندو۔ ستارہ پرست
وغیرہ کا خدا ہے۔ اور جو شخص خدا کا پورا ظل ہوکر دنیا میں ہدایت کیلئے آتا ہے ضرور ہے کہ اُسکی
دعوت بہی عام ہو اور چاہئے کہ اسکی فطرتی ہمدردی کا دائرہ اس قدر وسیع ہو جس قدر زمین پر
مختلف قومین وسعت کے ساتھ موجود ہین۔ غرض مظہر کامل کیلئے یہ ضروری ہے کہ جیسے خدائی
عام ہے ویسا ہی اسکی دعوت بہی عام ہو۔ اب دیکھو یہ تعجب کی جگہ ہے یا نہین کہ دعویٰ تو خدائی

حضرت مسیح اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوتوں کا مقابلہ

کا ہے مگر ہمت اس قدر منقبض اور مضمحل ہے کہ صرف ڈیڑہ قوم یہودیون تک جو بارہ قومون مین سے باقی رہ گئی تہی اور وہ بہی ذلیل اور پست حالت مین تہی صرف انہی تک حضرت مسیح اپنی خدائی کا دائرہ محدود رکہنا چاہتے ہین گویا رب العالمین کے مقابل پر ایک چہوٹی سی خدائی کی تجویز کی گئی ہے۔ کیا خدا کی خدائی یہودیون کے چند اُجڑے ہوئے گھرون تک محدود تہی۔ مین کیونکر مان سکتا ہون کہ جو شخص اپنے تئین اس خدا کا اوتار قرار دیتا ہے کہ جو دنیا کی تمام قومون کا خدا ہے اس کی ہمت اور نظر صرف اپنے چند آبائی شہرکون تک ہی محدود رہے۔

دیکھو جو خدا کا پورا خلیفہ اور مظہر اتم تہا اُس نے مسیح کی طرح نہیں کیا جو صرف یہود اول تک اپنی دعوت کو محدود رکہا ہو بلکہ ظاہر کردیا کہ وہ بہی خدا کی طرح اپنی دعوت عام رکھتا ہے ہم اس مقام مین کسی پر زبردستی نہیں کرینگے بلکہ صرف ہم حضرت مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت اور ہمدردی کا بالمقابل اندازہ دکھلانے کے لئے انجیل اور قرآن شریف مین سے دو آیتین لکھدیتے ہین تا ناظرین کو معلوم ہو کہ ان دونون بزرگ نبیون مین سے کون نبی صفت علو ہمت اور عام ہمدردی کی بنا پر دعوت کیلئے اُٹھا ہے اور کون نبی صرف اپنی خاندان کے چند گھرون تک اپنی ہمت اور ہمدردی محدود رکہتا ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کی پاک فطرت اور پورا مظہر الہی ہونیکے لئے یہ بہی ایک پیمانہ ہے کہ بنی نوع کی ہمدردی کے بارہ مین اسکی ہمت ایسی عالی اور اسکی خیر خواہی ایسی اتم اور اکمل ہو کہ کوئی فرد انسانی اور کوئی قوم اسکے نیک ارادون سے باہر نہ رہ سکے ایسا شخص درحقیقت خدا کا کامل مظہر اور کامل خلیفہ ہوتا ہے جس کی بنی نوع کے لئے ہمدردی تمام انسانی روحون پر محیط ہوتی ہے اور ایسی کامل ہوتی ہے جو خدا کی ربوبیت اور رحیمیت کے دوش بدوش چلتی ہے سو اس عظیم الشان صفت کی جب ہم حضرت مسیح مین تلاش کرتے ہین تو چارون انجیلون کی تمام ورق گردانی کرکے صرف ہمین یہ آیت ملتی ہے کہ مین بجز بنی اسرائیل کی بہیڑون کے اور کسی کی طرف نہین بہیجا گیا۔ (متی ۱۵ / ۲۴) لیکن قرآن اس بات سے بہرا پڑا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نوع انسان کی اصلاح کیلئے اپنے تئین پیش کیا ہے جیسا کہ خدا نے فرمایا قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ

اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ - یعنے کہدے کہ مین تمام انسانون کی اصلاح کیلئے بہیجا گیا ہون -- اور ہمنے تمام عالمون کے لئے تجہے ایک رحمت مجسم بناکر بہیجا ہے اب دیکہو کہ دعوت کے امر مین محمدی ہمت نے زمین کا کوئی ایسا کنارا چہوڑنا نہین چاہا جسمین کوئی فرقہ انسانون کا موجود ہو بلکہ تمام انس وجن کو ہدایت کے لئے بلایا ہے اور کسی سے بخل نہین کیا - پہر آنجناب کے مقابل پر اُس نبی کو دیکہو جسکی طرف خدائی کا دعویٰ منسوب کیا گیا ہے کہ اسرائیل کی بہیڑون سے باہر قدم رکہنا نہین چاہتا اور پہر حیرت پر حیرت یہ کہ اس فرض کو بہی تو پورا نہین کیا -

ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کے ظہور سے بہت عرصہ پہلے بنی اسرائیل کے فرقے زمین پر متفرق ہو چکے تہے اور جنکی طرف حضرت مسیح بہیجے گئے تہے وہ سب اورشلیم مین موجود نہین تہے بلکہ ان کے بارہ فرقون مین سے دس فرقے دنیا کے مختلف مقامات اور بلاد مین بخت نصر کے حادثہ کے وقت پراگندہ ہو چکے تہے خود محقق عیسائی اس بات کے قایل ہین کہ بعض فرقے ان مین سے ایران کی طرف سے ہوکر افغانستان مین اقامت گزین ہوگئے تہے اور درحقیقت وہی لوگ ہین جو اب افغان کہلاتے ہین اور ان ملکون مین آباد ہین اور بعض فرقے ان مین سے ہندوستان مین سے ہوکر کشمیر کیطرف چلے گئے اور یہ ثابت شدہ امر ہے کہ کشمیری لوگ درحقیقت وہی اسرائیلی ہین جو طرح طرح کے انقلاب کے بعد آخر مسلمان ہوگئے اور پہر توریت کے آخری وعدہ کے موافق حق قبول کرنے کے بعد ان کو سلطنت بہی دی گئی جیسا کہ ظاہر ہے کہ افغانون مین بہی اب تک سلطنت اور حکمرانی پائی جاتی ہے اور کشمیری بہی بادشاہ رہے ہین -- اور بعض یہود یونان کی طرف بہی چلے گئے تہے اور بعض تبت مین اور بعض چین تک بہی گئے - لیکن اُن کا گروہ کشمیر افغانستان اور کشمیر مین رہا -

پہر اگر مسیح اس دعوی مین سچا تہا کہ وہ بنی اسرائیل کی متفرق بہیڑون کو جمع کرنے آیا ہے تو اس کا فرض تہا کہ صلیب کے واقعہ کے بعد ان تمام ملکون کی سیاحت کرتا جنمین یہود نے بود و باش اختیار کر لی تہی اور مناسب تہا کہ جب کہ وہ اورشلیم کے یہودیون کی اصلاح سے نومید ہو چکا تہا تو بلا توقف صلیب سے نجات پاکر یا بقول عیسائیان دوبارہ زندگی حاصل کر کے ہندوستان مین آتا اور ایران

اور افغانستان کی سیر کرتا اور کشمیر مین جاتا اور اس ملک کے یہودیون پر اتمام حجت کرتا اور اس حیات ابدی کی طرف اُن کو بلاتا جس سے یروشلیم کے یہودی بے نصیب رہے تھے اور اس طرح پر اپنا فرض پورا کرکے اُن کامل بندون میں داخل ہوتا جو اپنی ذمہ واری کے کامون کے لئے جان دینے تک بھی تیار ہوتے ہین۔ یہ کس قسم کی دانشمندی تھی کہ فرض منصبی تو ابھی پورا نہین کیا اور وہ بدقسمت قومین جن کی اصلاح کے لئے آیا تھا ابھی اکثر اُن کے بلکہ قریبًا تمام اُن کے بجز ایک قلیل فرقہ کے اُس کے آنے سے ہی بیخبر ہین اور جھٹ آسمان پر جا بیٹھا کیا آسمان پر بھی کوئی یہودیون کا فرقہ رہتا تھا جنکی اصلاح کے لئے آسمانی سفر بھی ضروری تھا اور جبکہ مسیح مین اس قدر قوت اور طاقت موجود تھی کہ وہ آسمان پر چڑھ گیا تو اس صورت مین ظاہر ہے کہ کشمیر کا سفر اس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا بلکہ یہ ملک بلاد شام سے آب وہوا مین بہت ملتا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ افغانستان میں جانا بھی کچھ دشوار نہ تھا پھر کیونکر اسکو یہ خیال آیا کہ اپنے فرض سے سبکدوش ہونے سے پہلے ہی لاکھون یہودیون کو بے خبر اور ناکام چھوڑ کر آسمان کی راہ لی تعجب کہ کیونکر اُس کا قدم آسمان کی طرف چلا اور کیونکر اس کی کانشنس نے قبول کر لیا کہ ایک گروہ کثیر یہودیون کو جو صدہا سال سے اسکی انتظار کر رہے تھے اور دن رات اُس کے ظہور کے لئے دعائین مانگتے تھے اور وطن سے بے وطن تھے یکبارگی اوس نے فراموش کر دیا اور ایک ذرہ ہمدردی کی رگ جنبش مین نہ آئی۔

اِس مین کچھ شک نہین کہ اگر وہ اپنا فرض منصبی ادا کر لیتا تو قابل تعریف ٹھیر جاتا۔ آسمان پر تو بھی سیّاح کہلاتا اور زمین پر تکالیف سفر کی وجہ سے قوم کی نظر مین سچا فدیہ ٹھیرتا ظاہر ہے کہ آسمان پر اس کا بیٹھنا نہ اسکے لئے مفید تھا اور نہ اس کی قوم کے لئے۔ سچا فدیہ یہی تھا کہ وہ یہودیون کا پتہ لگا کر ان دور دراز ملکون تک سفر کرتا کہ جن ملکون مین یہودیون نے بود وباش اختیار کر لی تھی اور اس عظیم الشان فدیہ کی یادگار کے لئے نہایت مناسب اور موزون تھا کہ وہ اسی تلاش مین غیر ملک مین مرتا اور غیر ملک مین

اس کی قبر ہوتی تب ہر ایک عقلمند قائل ہوتا کہ درحقیقت اس نے قوم کی بھلائی کے لئے
اپنی جان کو مشقت اور تکلیف مین ڈالکر اور آخر اسی راہ مین جان دے کر اُن کے لئے
اپنے تئین کفارہ کیا۔ مگر یہ بیہودہ کفارہ سمجھہ میں نہین آتا کہ قوم کے تو لاکھون آدمی ہی
اسکے وجود سے ہی بے خبر بیٹھے ہین مگر اس نے ایک لعنتی موت کو اپنے لئے پسند کیا ایسے
کفارہ میں کوئی سچی فلاسفی مخفی نہین اگر زید کے سر مین سخت درد ہوتا ہو۔ اور بکر اس کی
اس حالت سے گھبرا کر ایک پتھر سے اپنا سر پھوڑ لے تو کوئی عقلمند اقرار نہین کریگا کہ بکر نے
زید کی خیر خواہی کے لئے یہ فعل کیا اسیطرح مسیح کی حقیقی خیر خواہی یہودیوں کے حق مین اسی میں تھی
کہ وہ تکالیف سفر اپنے پر گوارا کر لیتے اور سردی اور گرمی اور بھوک اور پیاس کی کچھ پروا
نہ کر کے مختلف ملکوں کی راہ لیتے۔ اگر ایسا کرتے تو خدا کی راہ مین سچے شہید کہلاتے اور
چونکہ مسیح کے لفظ کے ایک یہ بھی معنے ہین کہ بہت سیاحت کرنے والا لہذا وہ اس سیاحت سے
ان معنون کے بھی مصداق ہو جاتے تب ہر ایک شخص آہ کھینچ کر کہتا کہ کاش مین بھی قوم کے لئے
ایسی ہی تکالیف اٹھا کر قوم کے لئے فدیہ ہوتا جیسا کہ مسیح نے اٹھائین اور فدیہ ہوا اور آئندہ
نسلون کے لئے یہ اس کا کارنامہ آب زر سے لکھنے کے لایق ہوتا کہ وہ قوم کی اصلاح اور
دستگیری اور غمخواری کیلئے دور دراز ملکون مین گیا اور غربت اور مسافرت کی حالت مین جان دی
اور وہین دفن ہوا اور اس صورت مین وہ ہجرت کی سنت قدیمہ کو بھی جو سنت انبیا ہے پورا کر لیتا
بلکہ اپنے اس قول کے رو سے جو نبی بے عزت نہین مگر اپنے وطن مین آسمان اور زمین دونون
جگہوں میں عزت پاتا۔ ہائے اس نے یہ کیا کیا کہ اپنے فرض منصبی کو ناتمام چھوڑ کر آسمان پر جا
بیٹھا گویا بار نبوت سے گھبرا کر گوشہ گزینی اور آرام پسندی اختیار کی جو طریق مردمی اور فتوت سے
بہت بعید ہے ۔

غرض حضرت مسیح کا اپنے فرض مذہبی سے قاصر رہنا اور اُن کے مقابل پر ہمارے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کا تمام انسانون کو پورے جوش سے ہدایت کے لئے دعوت عام کرنا یہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اور حضرت مسیح مین ایک ایسا فرق ہے جس سے بداہت معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت

صفت حضرت عامہ کا خصوصیت کیساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں پائی جانا

صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مین صفت رحمت عامہ موجود تہی اور وہ تمام لیاقتین آپ کے نفس نفیس مین جمع تہین جو دنیا کی تمام مختلف قومون کو دعوت حق کرنے کے لئے ایک کامل مصلح مین ہونی چاہئین مگر حضرت مسیح کی فطرت مین نہ رحمت عامہ اور نہ باقی یہ تمام صفات موجود تہین - یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح کی ہمت اپنی قوم کے پیش نظر کفار سے یعنی یہود سے آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ انکی فطرت مین آگے بڑہنے کے قوٰے موجود نہ تہے ناچار انہون نے ایک تہوڑے سے اور مختصر کام پر ہی اپنی نبوت کو ختم کر دیا اور صاف اقرار کر دیا کہ مین صرف یعقوب کی اولاد اور اپنے جدّی لوگون کے لئے پیغام دعوت لیکر آیا ہون اور دُنیا کی قومون سے مجہے کچھ کام نہین لیکن ہماری ہمت اور فطرت چونکہ تمام انسانی روحون سے ہمدردی کا تعلق رکھتی تہی اور آنجناب کی وہ روح تہی جس سے تمام روحین فیضیاب ہونے کے لئے پیدا کی گئی تہین لہذا اِس عالی ہمت نے اسپر اکتفا نہ کیا کہ وہ صرف قریش تک ہی اپنی رسالت کو محدود رکہتے یا محض عرب تک ہی اپنی دعوت کا انحصار کر لیتے بلکہ تمام نوع انسان کو دین اسلام کیطرف بلایا اور یہ ثابت کر دیا کہ اس پاک اور کامل فطرت کو یہہ جوش دیا گیا ہے کہ ہر ایک جو زمین پر رہنے والا ہے خواہ نوع انسان مین سے ہے یا نوع جن مین سے وہ اُسکے فیض عام سے فائدہ اُٹہاوے -

سچ تو یہ ہے کہ زمین کے تمام کنارون تک عام ہمدردی کا خیال دل مین بہر جانا اور عام قومین جو دوسری قومون سے بکلّی منقطع ہو کر اور علیحدہ علیحدہ مذہبون اور نامون سے مخصوص ہو کر اپنی اپنی جگہ پر مستقل ہو چکی تہین سب کی اصلاح کا فکر کرنا اور سب کو نیکی اور ہدایت کی طرف بلانا اس قسم کی دعوت عامہ کا منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی کو نہین دیا گیا اُن مین سے بعض کا تو وہ زمانہ تہا کہ ہنوز مختلف قومین دنیا مین آباد نہین تہین اور بوجہ نہ پڑنے کسی تفرقہ قاطع کے تمام انسان ایک ہی قوم کے حکم مین تہے اور بعض کا وہ زمانہ تہا کہ مختلف قومین آباد تو تہین مگر ایک کو دوسرے کی خبر نہ تہی یا خبر ہی تہی مگر ملاقات باہمی سخت دشوار تھی سہل اور آسان نہ تہی اِن دونون مذکورہ بالا صورتون مین غیر

دعوت عامہ کا منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے -

ممکن تہا کہ کسی نبی کی انبیاء گذشتہ مین سے کل قومون کیلئے دعوت عامہ ہوتی یا وہ دعوت کل قومون کیلئے دعوت کہلا سکتی پس جیسا کہ دوسرے نبیون کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذر چکے ہین تمام قومون کے لئے دعوت عامہ کا منصب نہین دیا گیا ایسا ہی حضرت مسیح کو بہی نہین دیا گیا بلکہ یہ منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی خاص کیا گیا کیونکہ آپ ہی کی فطرت اس بوجھ کی متحمل ہوئی - اب جہان تک انسانون کے لئے خدا تعالی کی خدائی کا زمین پر دامن پہیلا ہوا ہے وہان تک اُن تمام انسانون کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بہی عام ہے اور یہ ایک عظیم الشان خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مین ہے جسمین کوئی دوسرا نبی شریک نہین -

ظاہر ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالی کا مظہر تام ہوتے یا یون کہو کہ خدا ہوتے تو یہ خصوصیت ان میں ہونی چاہئے تہی اور ہر گز ممکن نہ تہا کہ وہ اس ذات کامل کا روپ بن کر جس نے سب انسانون کیلئے اپنے سورج اور چاند اور دوسری مخلوقات کو پیدا کیا ہے ایسی کم ہمتی دکہلاتے کہ صرف یہودیون کے معدودے چند گہرون تک اپنی نبوت کو منحصر کر لیتے بلکہ چاہئے تہا کہ وہ یہ کہتے کہ جیسا کہ خدا تمام نوع انسان کا خدا ہے ایسا ہی مین بہی تمام نوع انسان کیلئے بہیجا گیا ہون اور یہ عذر کہ اگرچہ پہلے انہون نے یہی کہا تہا کہ میری رسالت بنی اسرائیل تک ہی محدود ہے اور مین خاص انہی کے لئے بہیجا گیا ہون مگر آخر کو انہون نے اس قول کی پابندی چہوڑ دی اور اپنے اس اقرار پر قایم نہ رہ سکے اور پہر دعوت عام کا دعوے کر دیا - یہ جواب ایسا ہے کہ بجز اسکے کہ ایک طور سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہجو کی جائے اور یہہ مان لیا جائے کہ انکی طبیعت کچھ ایسی واقعہ ہوئی تہی کہ انکو اپنے قول اور اقرار کا کچھ بہی پاس نہ تہا اور کچھ بھی اس جواب کا نتیجہ معلوم نہین ہوتا کیونکہ جب کہ خود بقول حضرت مسیح کے یہ بات فیصلہ پا چکی تہی کہ وہ صرف یہودیون کے لئے بہیجے گئے ہین کسی اور کے لئے تو پہر اس فیصلہ اور اس اقرار کے بعد اُن کے لئے یہ گنجائش باقی نہین تہی کہ وہ پہلے بیان سے انکاری ہوکر یہ کہہ دیتے کہ مین نہ صرف بنی اسرائیل کیلئے بلکہ تمام دنیا کے

حضرت مسیح کی دعوت کا یہودیوں تک محدود ہونا

لئے بھیجا گیا ہون اس کی توضیح یہ مثال ہے کہ مثلاً فرض کرو کہ ایک گواہ خالد نام نے حلف اٹھا کر ایک جج کے سامنے اول یہ بیان کیا کہ زید نے جو ایک بڑا مالدار تھا ایک کروڑ روپیہ مجھے اس غرض سے حوالہ کیا تھا کہ مین اس روپیہ کی کوئی جائداد خرید کے بکر کو اسکی طرف سے دیدون اور وہ جائداد کا مالک واحد ہوگا اور اس جائداد مین کسی اور شخص کو ایک پیسہ کا بھی حصہ دار قرار نہ دیا جائیگا۔ اور پھر اپنے تتمہ بیان مین لکھوایا کہ زید نے یون کہا تہا کہ وہ جائداد صرف بکر کے حوالہ نہین کی جائے گی بلکہ اسکے پچاس اور شخص بھی مالک ہونگے اور بکر کے شریک مساوی ہ کہ بکر اکیلا اور ان سب کے یہ یہ نام ہین تواب بتلاؤ کہ کیا وہ جج اس مختلف بیان کو صحیح سمجھ لیگا اور پیش کردہ اشخاص کو بکر کے شریک قرار دیدے گا نہین بلکہ مین سچ سچ کہتا ہون کہ وہ اسی وقت اس کو حلف دروغی کے مقدمہ مین پھنسائے گا اور اس سے پوچھے گا کہ تیرے ان دونون بیانون مین سے کونسا سچا اور کونسا جھوٹا ہے اور آخر قانون کی حد تک حلف دروغی مین اسکو سزا دیگا۔

پادریوں کا حضرت مسیح کی طرف متناقض اقوال منسوب کرنا

یہ حضرت عیسی کی سخت بے ادبی ہے کہ نعوذ باللہ ایسے متناقض اقوال ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہین جو کسی عدالت مین پیش ہونے سے جرائم قابل سزا مین پھنسا دیتے ہین لیکن افسوس کہ حضرات پادری صاحبان کو اس حرص شدید کی وجہ سے کہ کسی طرح حضرت مسیح کو خدا مان لیا جائے یہ محسوس ہی نہین ہوتا کہ ان کی کلام مین امور متناقضہ اور متضادہ جمع ہو گئی ہین ایک بات کرتے ہین اور پھر اسی وقت دوسری بات اسکی ضد اور اسکی نقیض بیان کر دیتے ہین مثلاً ایک طرف تو یہ کہتے ہین کہ مسیح خدا کامل ہے اور پھر دوسری طرف یہ بھی کہہ دیتے ہین کہ وہ انسان کامل ہے اور نہین سوچتے کہ جب تمام انسانی لوازم انسانیت کا کمال ثابت کرنیکے لئے اسکی ذات مین جمع ہونگے تو وہ الوہیت کے کمالات کے مخالف پڑینگے کیونکہ ایک طرف تو انسانی جہالتین اور انسانی سہو ونسیان اور انسانی شہوات کا طوفان حضرت مسیح کے نفس مین مان لیا جائے گا اور پھر اسی نفس کی نسبت یہ بھی عقیدہ رکھنا پڑیگا کہ وہ تمام جہالتون سے ازلی پاک اور تمام سہو ونسیان سے ازلی بری و اعلی ہے پادری

صاحبون کے لئے ہرگز مناسب نہین ہے کہ اپنے غلط عقیدہ کو خواہ نخواہ صحیح ٹھہرانیکے لئے
حضرت مسیح کے کلام کو تناقضات کا مجموعہ بناوین اور اس طرح پر یہودیون کو نکتہ چینی کے لئے
مدد دوین - یہ حضرت مسیح کی زندگی پر ظالمانہ حملہ ہے کہ انکی طرف اس دروغ بے فروغ کو منسوب
کرین کہ اول مسیح ہونیکا دعوے کرتے ہی ایک مدت تک بلکہ صلیبی واقعہ تک بار بار کوچہ
وبازار مین یہ سناتے رہے کہ مین بجز اسرائیل کی بھیڑون کے اور کسی کی طرف نہین بھیجا گیا
اور پھر جب دیکھا کہ یہ بات تو بنتی نہین اور یہودی بھی مجھے قبول نہین کرتے اور انکی نسبت تو
اب بکلی امید منقطع ہو چکی ہے تو اپنی ان تمام باتون کو فراموش کرکے کہ جو کہا کرتا تھا کہ مجھے دوسری
قومون سے کچھ غرض و واسطہ نہین یہہ شور مچانا شروع کر دیا کہ نہین بلکہ مین تو تمام قومون
کے لئے بھیجا گیا ہون - اب دیکھو کہ اس تناقض کو جسکی نسبت سمجھہ سکتے ہین کہ اس کا ارتکاب
کرانے والی ایک غرض نفسانی تھی حضرت مسیح کی طرف منسوب کرنا کس قدر اس غریب اور
راستباز نبی پر ظلم شدید ہے -

اگر بطور فرض مان لین کہ معاذ اللہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے مونہہ سے کوئی
ایسا کلمہ نکلا تھا جس مین بظاہر اس قابل شرم تناقض کا وہم گذرتا تھا تو مناسب تھا کہ پاک دل
محققین کیطرح ان دونون قسم کے کلمات مین جو اپنی ظاہری صورت مین ایک نادان
کے نزدیک تناقض کا خیال پیدا کرتے تھے اور حضرت مسیح پر اعتراض کا موقع دیتے تھے
ایسے معنون سے تطبیق کر دیتے کہ تناقض باقی نہ رہتا اور یہودیون کو ہنسنے کا موقع نہ ملتا
چنانچہ بات بھی یہی تھی کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اول تو صاف صاف کہہ دیا کہ مین بجز
اسرائیل کی بھیڑون کے اور کسی کیطرف نہین بھیجا گیا اور پھر جب کہ وہ یہودی جو یروشلیم مین
اور اس کے گرد تھے شرارت اور بے ایمانی سے باز نہ آئے اور حضرت مسیح کو قبول نہ کیا تو پھر حضرت
مسیح نے اپنا فرض منصبی پورا کرنیکے لئے اپنے پر یہ حق واجب اور فرض لازم دیکھا کہ ان یہودیون
کیطرف توجہ کرین جو مختلف ملکون کی طرف جلاوطن ہوکر چلے گئے تھے جیسا کہ بعض یونانیون
مین جا کر آباد ہو گئے تھے اور بعض ہندوستان اور کشمیر کی طرف چلے گئے تھے اور بعض

دونون بیانون مین تطبیق

افغانستان مین سکونت پذیر ہوگئے تہے۔ اب دیکہو یہ معنے کیسے صاف اور سیدہے اور قریب قیاس ہین جن کے ماننے سے نہ تو کوئی تناقض لازم آتا ہے اور نہ مسیح جیسے راستباز نبی کے کلام مین کسی بناوٹ اور جدید منصوبہ کی بد بو آتی ہے اور دل خوب مان لیتا ہے کہ جب کہ حضرت مسیح کو معلوم تہا کہ وہ تمام یہودیوں کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے ہین نہ صرف چند گہرون کے لئے تو یہ ان کا کام تہا اور ان کو کرنا چاہئے تہا کہ جب کہ یروشلم کے یہودی سرکشی اور شرارت سے پیش آئے تہے اور ان سے امید ہدایت قطع ہو چکی تہی تو وہ تکالیف سیاحت اور سفر اپنے ذمہ لے کر ان یہودیوں کی طرف متوجہ ہوتے جو دور دراز ملکون مین چلے گئے تہے اور اگر یہہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت مسیح یروشلم کے یہودیون سے نومید ہو کر گم گشتہ یہودیون کے فرقون کی طرف متوجہ نہین ہوئے بلکہ اپنے پہلے قول اور اقرار کے مخالف اپنے حواریون کو یہ حکم کیا کہ اب تم غیر قومون کی طرف جاؤ اور ان کو اپنے دین کی دعوت کرو تو یہ ایک دوسرا اعتراض حضرت مسیح پر وارد ہوگا کہ جس حالت مین ابہی دس فرقے یہود کے ان کے وجود سے ہی بے خبر تہے جن تک اپنی دعوت کو پہنچانا مسیح کا اصل فرض تہا تو کیون اس فرض کو نظر انداز کر کے دوسری قومون کی طرف توجہ کی۔

غرض یہ بات کسی طرح ٹہیک نہین ہے کہ حضرت مسیح کی دعوت عام تہی اور جبکہ دعوت عام نہ تہی تو اس سے خدائی کا دعوے بداہت باطل ثابت ہوتا ہے اور ایسا ہی کفارہ کا مسئلہ کیونکہ خدا تمام قومون کا خدا ہے نہ صرف یہودیون کا اور وہ سب کے لئے نجات کے طریق ظاہر کرتا ہے نہ محض اسرائیل کی اولاد کے لئے پس اگر یہ بات سچ ہے کہ انسانون کی نجات بغیر کسی کے سولی ملنے کے غیر ممکن ہے تو اس صورت مین دوسری تمام مخلوقات کی نجات کے لئے کسی دوسرے مسیح کے خون کی اشد ضرورت ہے بلکہ دو مسیحون کی ضرورت

(۱) ایک تو ایسا مسیح چاہئے کہ جس فرض کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام ادہورا چہوڑ کر آسمان پر جا بیٹہے تہے یعنی یہود کے دوسرے فرقون کو حکم الٰہی پہنچانا جو ان کا فرض تہا اس فرض کو

وہ پورا کرے اور سیاحت اختیار کر کے جس قدر یہود غیر ملکون مین آباد ہین اُن کو خدا کا حکم پہنچاوے اور پہر ان کے لئے سولی ملجائے (۲) دوسرا وہ مسیح چاہئے جو دوسرے تمام انسانون کے لئے جو یہودی نہین ہین صلیب پر اپنی جان دیوے۔

یسوع کی خدائی پر بحث اس کی پیش کردہ معصومیت کے لحاظ سے

اب جبکہ دلائل مذکورہ بالا سے ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ہرگز یہ دعوی نہین کیا کہ میری دعوت تمام نوع انسان کے لئے عام ہے بلکہ یہ دعوے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تو دعوت کے رو سے تو حضرت مسیح مین کوئی ایسی خصوصیت پائی نہ گئی جس سے انکی خدائی کا کچھہ خیال پیدا ہو سکے اب ہمین یہ دیکھنا باقی رہا کہ کیا معصوم ہونے مین حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت ہے تا یہ حجت پیش ہو سکے کہ وہی خصوصیت ان کی خدائی پر ایک دلیل ہے۔

یسوع کا اپنا اقرار کہ میں نیک نہیں

پس واضح ہو کہ اس مقام مین حضرت مسیح کا اپنا ہی قول ایک فیصلہ کرنے والا قول ہے کیونکہ انجیل مین لکھا ہے کہ ایک نے آ کے مسیح سے کہا اے نیک اُستاد مین کونسا نیک کام کرون کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤن۔ اُس نے اُسے کہا تو کیون مجھے نیک کہتا ہی نیک تو کوئی نہین مگر ایک یعنے خدا۔ دیکھو انجیل متی باب ۱۹ - ۱۷ - آیت مذکورہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح نے نیک ہونے سے انکار کیا ہے اور اسکے معنے بجز اس کے اور کچھہ نہین کہ مسیح اپنے تئین گنہ گار سمجھتا تہا اور پادری صاحبون کی طرف سے اس جگہ یہ جواب ہے کہ چونکہ مسیح جانتا تہا کہ مین خدا ہون اس لئے اس طرز کی تقریر سے اس کا یہ منشا تہا کہ جو شخص مجھے انسان سمجھتا ہے وہ کیون مجھے نیک کہتا ہے کیا انسان نیک ہو سکتا ہے مگر ہر ایک عقلمند سمجھہ سکتا ہے کہ یہ جواب ٹھیک نہین ہے کیونکہ اگر مسیح نے اپنی خدائی کا دعوی یہودیون کے آگے پیش کیا تہا تو ایسا دعوے کرنیوالا ان کے نزدیک کافر اور نہایت بدآدمی اور توریت کے رو سے

واجب القتل تھا تو پھر کیونکر ایک یہودی ایسے دعوے کو سنکر اسکو نیک کہہ سکتا تھا اور اگر
اس یہودی نے خدائی کے دعوے کو مان لیا تھا تو پھر ایسی بات کہنے کا کوئی موقع نہین
تھا کہ تو میری خدائی سے منکر ہو کر پھر مجھے کیوں نیک کہتا ہے یہ بات درحقیقت غیر معقول
اور غیر ممکن ہے کہ ایک یہودی شخص نے اپنے کانون سے سنا ہو کہ حضرت مسیح خدائی کا
دعوے کرتے ہین اور پھر وہ ان کو نیک کہہ سکے یہودیون کا ہرگز یہہ مذہب نہین ہے کہ
خدا کا دعوے کرنیوالا نیک ہو سکتا ہے پس جس یہودی نے حضرت مسیح علیہ السلام کو نیک کہا
تھا اسکی نسبت پادری صاحبون کو بہرحال یہ فرض کرنا پڑے گا کہ وہ حضرت مسیح کی خدائی پر
ایمان رکھتا تھا ورنہ وہ کیونکر ان کو نیک کہہ سکتا تھا تو اس صورت مین وہ توجیہ باطل ہو جائیگی
جو پادری صاحبان اس آیت مین کرتے ہین پس کچھہ شک نہین کہ ایسے معنی مذکورہ بالا آیت
کے محض بناوٹ سے کئے گئے ہین مسیح کے الفاظ سے وہ معنے ہرگز ہرگز نہین نکلتے اور ایسی
بیہودہ کھینچ تان سے مسیح کے معصوم بنانے کے لئے کوشش کرنا ہرگز کوئی منصف اور عقلمند
پسند نہین کریگا۔

صاف ظاہر ہے کہ مسیح نے مذکورہ بالا آیت مین اپنے نیک ہونے سے سادہ
اور سہل الفاظ مین انکار کیا ہے اور یہی الفاظ راستبازون کے محاورہ مین ہمیشہ سے
داخل ہین کہ وہ اپنے تئین کمزور سمجھہ کر حقیقی نیکی خدا کی طرف منسوب کرتے ہین اور انکا
یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ حقیقی طور پر صرف خدا ہی نیک ہے اور تمام بندے اسی سے قوت
پاکر نیک بنتے ہین نہ کہ خود بخود۔ اب کس قدر ظلم اور حق پوشی ہے کہ ایک سیدھے اور صاف
اقرار کو جو راستبازون کی خو اور خلق کے سراسر مناسب حال ہے خدائی کے دعوی کی
طرف کھینچا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہی الفاظ قدیم سے راستبازون کے استعمال مین آتے رہے
ہین اور ہر ایک قوم کے راستبازون کے موہنہ سے یہی کلمے نکلے ہین کہ وہ حقیقی نیکی کا
سرچشمہ اپنے مولی کریم کو ہی ٹھہراتے رہے ہین اور جب انکو نیک کہا جاتا تھا تو وہ انکسار
کے طور سے اور اپنی کمزوری کو خیال کر کے یہی جواب دیتے رہے کہ حقیقی نیکی خدا کے

لئے مسلم ہے۔

مسیح کا انکسار

اب ایسے کلمات کو جو اپنی کمزوری اور خدا کی عظمت کے لئے وضع کئے گئے تھے متکبرانہ رنگ مین لے آنا اور اُن سے خدائی کا دعوے نکالنا عجیب طرح کا تحکم ہے۔ کیا ایک پاک کانشنس قبول کرسکتا ہے کہ نیک اُستاد کہنے سے مسیح کو یہ جوش آیا کہ لوگ مجھے خدا کر کے کیون نہین پکارتے حالانکہ آیت کے سیاق سباق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح نے اس مقام مین اپنی فطرتی سعادت کی وجہ سے انکسار دکھلایا اور اِس شخص کو اس بات پر متنبہ کیا کہ حقیقی نیکی کا سرچشمہ خدا ہے اور جو کچھہ تو مجھہ مین نیکی دیکھتا ہے وہ میری طرف سے نہین بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ یہ ایک معرفت کا سبق تہا جو مسیح نے اسکو دیا نہ یہ کہ شیخی مین آکر نہائت تکبر سے اپنی خدائی کو پیش کیا۔ خدائی تو جو کچھہ تھی وہ روزانہ مصیبتون اور ناکامیون سے ظاہر تہی حاجت بیان نہ تھی پھر اسکے نہ ماننے سے ناراض ہونا اور چڑنا اور غصہ ہونا اخلاق سے بہی بہت بعید تہا اور سراسر بے وجہ تہا ہمیں پادری صاحبان معاف کرین اگر ان کو یہ بات تلخ معلوم ہو کہ جس شخص کو حفاظت خود اختیاری کی بہی طاقت نہین تہی جو خدائی کے ادنےٰ لوازم میں سے ہے اور یہودیون نے جو خود کمزور اور ذلیل ہو رہے تھے اسکو پورے اقتدار سے تکلیفین پہنچائین اور جو کچھہ چاہا اس سے کیا تو کیا ایسے شخص کو عقل سلیم خدائے قادر مطلق کہہ سکتی ہے یا ایک عاجز انسان؟ کیا ہم خدا کی طرف یہ ذلتین منسوب کرسکتے ہین کہ وہ چند کمزور انسانون کے ہاتہہ سے پکڑا گیا اور حوالات مین کیا گیا اور ایک ضلع سے دوسرے ضلع مین اسکا چالان ہوا اور سپاہیون کے ہاتہہ سے اوس نے طمانچے کہائے اور ساری رات کی دعا قبول نہ ہوئی اور کیا عقل قبول کرسکتی ہے کہ جو شخص خود خدا تھا اُس کو بہی دعا کی حاجت تھی؟

[illegible]

اب خلاصہ کلام یہہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جیسا کہ پادری صاحبان سمجھتے ہین معصوم ہونا بہی ثابت نہین ہوتا۔ اگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار سے گناہ گا

ہونے کے معنے نکالے جاتے ہین تو پھر حضرت مسیح کے اس اقرار سے کہ مجھے نیک مت کہو
بوجہ اولی گناہ گار ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ مسیح کی عملی حالتین انہین معنون پر روشنی ڈال کر حق
الیقین تک انکو پہنچاتی ہین۔ کیونکہ اول تو مسیح نے یوحنا کے ہاتھہ پر توبہ کا اصطباغ لیا جس
مین اعتراف گناہ کا ہے پس اصطباغ کیا لیا گویا گنہ گار ہونے پر مہر لگا دی۔ مگر ہمارے نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کے ہاتھہ پر توبہ نہین کی۔ یہ بات ایک بڑی غور کے لائق ہے کہ اگر
مسیح معصوم تہا تو اسے توبہ کی کیا ضرورت تہی دوسرے کی خدمت مین ایک ذلت کے ساتہہ
حاضر ہونا اور گناہ کا اقرار کرنا بجز اس صورت کے کب ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے دل مین
محسوس کرتا ہو کہ مین گنہ گار ہون اور دوسرے یہ کہ مسیح پر اور اس کی والدہ پر دشمنون نے جو
یہودی ہین وہ سخت تر الزام لگائے ہین جن کے لکھنے سے بہی ہاتہہ کانپتا ہے بلکہ بعض الزام
تو ایسے ہین کہ مسیح نے اپنے ذمہ خود انکو قبول کر لیا ہے اور بعض ایسے ہین کہ انجیلون مین حواریون
نے ان پر گواہی دے دی ہے اور عیسائی مورخون نے ان کو مان لیا ہے اور یہودیون کی کتابون
اور تاریخون کے دیکھنے سے جو اعتراضات سے پہین مسیح کی عصمت کی نسبت اس قدر
اور مشکلات پیش آگئی ہین کہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کاش پادری صاحبان خدا کے پاک
نبیون کی نکتہ چینی نہ کرتے اور توہین اور تحقیر اور عیب گیری نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مسلمانون
کا دل نہ دکہاتے تا مسلمان بہی یہودیون کی کتابون کی مدد سے اور خود انجیلون مین سے بہی
حضرت مسیح کے عیبون کی تفتیش نہ کرتے یہ گناہ درحقیقت پادری صاحبون کی گردن پر ہے
کہ وہ تمام مقدس اور راستبازون کی عیب گیری پر کمر بستہ ہو گئے اور طرح طرح کی بیجا تاویلون
بلکہ افتراؤن سے چاہا کہ خواہ نخواہ خدا تعالے کے پاک نبیون کو گنہ گار ٹہراوین اسلئے خدا نے
حضرت مسیح کو بہی نکتہ چینیون سے محفوظ نہ رکہا یہہ مقولہ نہایت سچ ہے بلکہ پادری صاحبون
کے حق مین یہ پیشگوئی ہے کہ عیب مت لگاؤ تا تمپر بہی عیب نہ لگایا جائے اور یاد رہے
کہ یہ طریق نبیون کی عیب گیری اور نکتہ چینی کا درحقیقت انیسوین صدی عیسوی کے پادریون
کو اس کا موجد کہنا چاہیئے مگر انہون نے اچہا نہین کیا کہ اس طریق پر حد سے زیادہ زور دیا اور

مسلمانون کے دلون کو حد سے زیادہ آزار پہنچایا ہم سمجہہ نہین سکتے کہ وہ کونسی عصمت اور
پاک دامنی حضرت مسیح مین ہے جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مین موجود نہین۔ مسیح کی سرگذشت
مین گنہ کا اقرار بہی موجود ہے۔ گناہ گارون کی طرح توبہ بہی موجود ہے۔ اور گناہ گارون
والے افعال بہی موجود ہین۔ اور اگر دشمن کی نکتہ چینی اور عیب گیری سے کوئی نبی خدا کا مجرم
بن سکتا ہے تو جیسا کہ یہودیون کی کتابون سے ظاہر ہوتا ہے ایسی ہی نکتہ چینیون کے انبار
در انبار حضرت مسیح کی زندگی مین بہی موجود ہیں۔

شراب اور مسیح کا اسکو استعمال کرنا

مثلاً ایک شراب ہی کو دیکہو جو ام الخبائث ہے جس سے طرح طرح کے نفسانی جوش
پیدا ہوکر کبہی انسان مرتکب فسق و فجور کا ہوتا ہے اور کبہی خون ریزی کا ارتکاب کرتا ہے اور
بلاشبہ یہ تمام گناہون کی مان ہے مگر نہ صرف یہودیون کے اعتراضات سے بلکہ انجیل سے بہی
ثابت ہے کہ حضرت مسیح تمام عمر اسکے مرتکب رہے اسی وجہ سے عیسائیون کی عشاء ربانی کی بہی
یہ ایک جزو ہے اور انجیل مین حضرت مسیح اقرار کرتے ہین کہ یوحنا شراب نہین پیتا تہا مگر اپنی نسبت
مبالغہ سے کہاؤ پیو کا لفظ استعمال کیا ہے غرض اس مین کسی کو بہی کلام نہین کہ یسوع مسیح شراب
پیا کرتا تہا چنانچہ پرچہ اخبار ایپی فنی ۲۷۔ اپریل ۱۹۰۱ء مین بہی جو ایک مشہور پادریون
کا پرچہ انگریزی زبان مین کلکتہ سے نکلتا ہے یہ عبارت ہے وہ مسیح گوشت بہی کہاتا تہا اور
شراب بہی پیتا تہا۔ اور کتاب دانی ایل باب اول مین شراب کو ناپاک قرار دیا ہے اور لکہا ہے
کہ دانی ایل اسکو ناپاک سمجہتا تہا لیکن اصل بات یہ ہے کہ شراب ایسی خبیث چیز ہے کہ اس کا
پلید ہونا اس بات کا محتاج نہین کہ توریت یا انجیل یا کسی دوسرے صحیفہ مین اس کو پلید اور
ناپاک لکہا ہو بلکہ اگر فرض کے طور پر کسی کتاب مین شراب کی تعریف کی ہو تو شراب اس سے قابل تعریف
نہین ٹہرے گی ہان اس کتاب پر اعتراض آئے گا کہ وہ خدا کی طرف سے نہین ہے جس
چیز کے عیب اور مضرتین تجارب سے کہل گئے ہون اس مین ہم کسی کتاب کی شہادت کے
محتاج نہین ہین ہزارون قسم کی زہرین اور خبیث چیزین دنیا مین موجود ہین جن کی مضرتین
تجربہ نے ہم پر کہول دی ہین۔ پس ضرور نہین کہ ہم ان چیزون کو خبیث ٹہرانے کے لئے آسمانی

کتابون کی ورق گردانی کرین ان سب مین سے اول درجہ پر شراب ہے۔ دُنیا مین ہزارون شہادتین اس کی مضرت اور خباثت پر موجود ہین اُن سب کا لکھنا موجب تطویل ہے اسلئے ہم مناسب سمجھتے ہین کہ عیسائیون مین سے فقط ایک نامی انسان کی شہادت شراب کے بارے مین بیان کی جائے چنانچہ ہم ذیل مین اس شہادت کے لئے جناب وائیسرائے لارڈ کرزن کی سپیچ . . . تحریر کرتے ہین اور یہ وہ تقریر ہے جو وائیسرائے ممدوح نے بمقام سملہ ۷۔ جون ۱۹۰۱ء کو فوجی ٹمپرنس سوسائٹی کے جلسہ پر بیان فرمائی تھی چونکہ اس اسپیچ کا پڑھنا ناظرین کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں اس لئے ہم اس کو بجنسہ نقل کر دیتے ہین اور وہ یہہ ہے۔

اب مین اس انجمن کی کارروائی اور اس کی ضرورت پر گفتگو کرتا ہون۔ فوج برطانیہ کے اعتدال یا غیر اعتدال کے جس پہلو کو دیکھو اس نے ضرور تغیرات کی کئی منزلین طے کی ہین۔ ہمین اُن سپاہیون کے واقعات یاد ہین جن کو ساتھ لیکر ڈیوک آف ولنگٹن نے بہت سے میدان مارے تھے اُن مین چندان اعتدال یا پرہیزگاری نہ تھی۔ وہ ادنے درجہ کے لوگون مین سے بھرتی کئے جاتے تھے اور ان ایام مین یہ عجیب وہم پھیلا ہوا تھا کہ سب سے زیادہ شرابی سب سے عمدہ لڑنے والا ہوتا ہے اگرچہ بعد کے تمام تجارب نے اس امر کو غلط قرار دیا ہے۔ ڈیوک آف ولنگٹن نے کئی بار اس بات کو بیان کیا تھا اور وہ اپنے سپاہیون کی بہادری کی عزت کو ان کی بدیون کی نفرت کے ساتھ پہلو بہ پہلو بیان کرتا تھا۔ لیکن وہ زمانہ اب گیا اور موجودہ زمانہ مین کوئی کمانڈر انچیف تمکو ایسا نہ ملیگا جو یہ نہ کہے کہ بہت شراب پینے والا سپاہی اخلاقی طور پر موجب ذلت اور جنگی موقع پر خطرناک ہے۔ (نعرہ خوشی) ذرا لارڈ رابرٹ کی رپورٹ جنوبی افریقہ کی جنگ مین سپاہیون کے متعلق پڑھو وہان انہین مجبوراً بھی اور خوشی سے بھی شراب سے پرہیز رکھنا پڑا کیونکہ شراب ملتا ہی نہ تھا اور باوجود اس کے انہون نے مردانہ اور شریفانہ کارروائیان کین بلکہ انکی دلچسپی پر لارڈ رابرٹ نے کہا کہ مجھے خطرہ ہے کہ جس اعلیٰ درجہ کے یہ مرد میدان تھے اب ویسے شہر مین گئے

کیونکہ وطن مین شراب پینے کے لئے بہت سی ترغیب انہین مجبور کرتی تہی۔ پس اب ہم ایک
ایسے زمانہ مین آگئے ہین جس مین ہر ایک اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ پرہیز رکہنے والا سپاہی
شرابی سے بہتر ہے اور اوسط درجہ کا شرابی سخت شرابی سے بہتر ہے اور ...... **بالکل نہ پینے**
والا سب سے بہتر ہے۔ (نعرہ خوشی) اس امر سے تو کوئی انکار نہین کرسکتا لیکن صاحبان
ہمین یہان بس نہین کرنی چاہئے۔ یہان تک تو صرف لفظی باتین تہین اب انکو حقیقی واقعات
پر لگانا چاہئے۔ افلاطون کے امثال کو پڑہ کر خوش ہو لینا اور رٹتے ہی مین سمجہ لینا کہ ہم اپنا
کام کر چکے کچہ فائدہ نہین رکہتا۔ پلیٹ فارم پر کہڑے ہو کر صرف تقریر کرنا کہ اب ہماری فوج
جنگ بلکلاوہ یا جنگ واٹرلو کے ایام سے بہتر ہے اور اسی کو اپنے مقصد کا انجام سمجہ لینا کچہ مفید
نہ ہوگا۔ نہ جرگ کے اور نہ کسی اور مقام کے سپاہیون کے لئے یہ بات مفید ثابت ہوگی کہ ان
عمدہ خیالات پر خوشی کے نعرے مارے جائین اور بعد مین ان ساری تقریرون کو نہایت
فیاضی کے ساتہہ رجمنٹ کے شراب خانہ کے خم مین ڈبو دیا جاوے۔ (نعرہ خوشی) پس
ہمین واقعات کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور صرف خیالات کے ساتہہ یا نقشون کے ساتہہ
اپنے آپ کو دہوکا نہین دینا چاہئے کیونکہ اگر کوئی بات خیالات سے بڑہکر غلط ہوسکتی ہے
تو وہ نقشون کے ہندسے ہین۔ پس مین صرف اتنے پر کہ گذشتہ تاریخ کی نسبت اب بہتر حالت ہے
یہ نہین کہہ سکتا کہ اب سب کچہہ درست ہے اور نہ مین مجرمون اور اردلیون کے کمرون
کے نقشجات کا کچہہ حالہ دینا چاہتا ہون تا کہ ایسا نہ ہو کہ صرف نقشون کو دیکہہ کر خوش ہو جاؤن اور
سمجہ لون کہ ہمنے لڑائی جیت لی ہے مجرمون کے نقشے نہ تو کافی ہو سکتے ہین اور نہ وہ غلطیون
سے خالی ہین اور وہ کمان افسر بے وقوف ہوگا جو صرف نقشون کی صفائی پر بہروسہ کرکے
یہ کہہ دے کہ اب شراب بہت نہین پی جاتی ہمین تسلیم کرلینا چاہئے اور اس انجمن کو بہی چاہئے کہ اس بات
کو تسلیم کرے کہ اگرچہ شراب کے سبب سے جرم اب کم ہوتا ہے تاہم مین خیال کرتا ہون کہ یہ بہت
زیادہ ہے اور اگرچہ شرابی اور بدانتظام تہوڑے ہین تاہم چاہئے کہ اور بہی تہوڑے ہون
اور کہ اب بہی رجمنٹون مین ایک بڑی تعداد ایسے آدمیون کی موجود ہے جو کہ عادتاً سخت شرابی

ہین۔ اگرچہ اُن سے کوئی جرم صادر نہ ہوا ہو اور اگرچہ وہ حد سے باہر نہ ہو گئے ہون تاہم
وہ حد پر پہنچ چکے ہین۔ اسکلے دن مجھے ایک انگریزی فوج کا نقشہ دکھایا گیا جسمین یہ لکھا تھا
کہ صرف ایک رجمنٹ مین ایک مہینہ کے اندر (۲۰۸۰) دو ہزار اسی من شراب پیا گیا ہے
اور اس رجمنٹ میں بیارون اور نہ پینے والون کے سوائے کل ۸۰۰ آدمی ہین اِس سے
یہ اوسط نکلی کہ ہر ایک آدمی ہر روز قریبًا تین سیر شراب پیتا ہے اور اگر ان مین بعض آدمی تھوڑا
پینے والے ہونگے تو پھر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ بہت پینے والے کس کثرت سے پیتے ہونگے
اس انجمن کو چاہئے کہ ایسے آدمیون کو اپنے مین ملائے۔ ہمین صرف یہی نہین چاہئے کہ جرم
کے روکنے کی خاطر سخت شراب خوری کو بند کردین بلکہ ہمارا یہ منشاء ہے کہ ایسی شراب خوری
کو بھی روکا جائے جس سے جسمانی اور اخلاقی قوی کو نقصان پہونچتا ہے۔ مین یقین کرتا
ہون کہ اگر ہر ایک کمان افسر کو یہ کہا جائے کہ تمہاری حکومت تمہاری رجمنٹ کی پرہیزگاری
سے جانچی جائیگی اور شراب خانہ کی رونق ایک خراب کرنیل کی نشانی ہوگی تو اس سے بہت
فائدہ ہوگا۔ اور مین یہ تجویز ین کمانڈر ان چیف کے آگے باادب پیش کرتا ہون۔

اب صرف ایک اور امر باقی ہے جس کی طرف مین اس انجمن کو توجہ دلانا چاہتا ہون
اور وہ ایک زیادہ وسیع خیالات کی بات ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم سب کو برٹش تاج کے
نائب یعنے وائسرائے ہند سے لیکر ایک معمولی سپاہی تک۔۔ کس طرح اپنا رویہ رکھنا
چاہئے۔ ہم سب کو چاہئے کہ اپنے وطن کی خاطر ایک نمونہ قایم کرین جو آدمی نیک نمونہ قائم
کرتا ہے وہ اپنے فرض کو ادا کرتا ہے۔ لیکن شرابی کیا نمونہ قائم کرے اور کونسا نمونہ وہ قائم
کرسکتا ہے وہ جو شراب کی عادت کو پاؤن کے نیچے کچل ڈالنے کی بجائے اُسکے آگے گر جاتا
ہے وہ کیا نمونہ قائم کریگا۔ اس موقع پر یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ دیسی سپاہی بھی شراب
پیتے ہین کیونکہ ایک کا گناہ کرنا دوسرے کے واسطے موجب معذرت نہین ٹھہر سکتا۔"

اب اس تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ عیسائی قوم مین شراب نے بڑی بڑی خرابیان پیدا
کی ہین اور بڑی بڑی مجرمانہ حرکات ظہور مین آئی ہین لیکن تمام گناہون کا منبع اور مبدء

مسیح کی تعلیم اور اسکے اپنے حالات ہین۔ جس شخص کے نمونہ کو دیکھ کر پرہیزگاری مین لوگون نے ترقی کرنا تہا جب کہ وہی خود شراب کا مرتکب ہوا۔ پہران بے جا حرکات مین اورون کا کیا گناہ ہے اور جس حالت مین مسیحی لوگ یقیناً جانتے ہین کہ ہمارا رہبر اور ہادی شراب پینے کا شائق تہا بلکہ عشاء ربانی سے اس نے شراب خواری کو دین کی جزو ٹہرادیا تہا تو اس صورت مین کسی دوسرے کی تقریر سے ان پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اگر ایسی سیچون کے وقت ایک آیت بہی شراب کے حرام ہونے پر پیش ہو سکے جس کے نہ ملنے کا ہر ایک پرہیزگاری کے واعظ کو افسوس ہوگا تو ان سیچون مین سچائی کی روح پڑ جائے اور دلون پر ان کا فوق العادت اثر ہو لیکن جو لوگ جو عیسائی کہلاتے اور انجیل شریف پر فدا ہین جبکہ وہ شراب خوری کی انجیل مین ممانعت نہین پاتے بلکہ حضرت مسیح کو جس سے وہ پیار کرتے ہین خود اس کا مرتکب دیکھتے ہین تو کیونکر وہ شراب سے رک سکتے ہین انسان بالطبع اپنے ہادی اور پیشوا کی پیروی کرتا ہے اور اسکے نمونہ پر چلتا ہے پہر جبکہ مسیح نے شراب سے بچنے کا نمونہ نہین دکہلایا اور اسی وجہ سے اس کو کہاؤ پیو کہا گیا تو کیونکر عیسائیون کو شراب چہوڑنے کی طاقت مل سکتی ہے اب ہزار کوشش کرو بے فائدہ اور ہزار سعی کرو لاحاصل کیونکہ آپ لوگون کے پیشوا کی زندگی مین اس قسم کی پرہیزگاری اور معصومیت نہین۔ ہم قبول کرتے ہین کہ عیسائی قوم کی عصمت کو اس خانہ خراب شراب نے قوت غضبیہ اور شہویہ کے اشتعال دینے سے بڑا نقصان پہنچایا ہے لیکن ہم قبول نہین کرسکتے کہ عیسائیت کے دائرہ مین رہ کر ہر ایک طبیعت اور فطرت کا آدمی شراب سے کامل پرہیز کرسکتا ہے الاشاذونادر جو معدوم کے حکم مین ہے۔

شراب کی اجازت کا انجیل کی اخلاقی تعلیم پر برا اثر

ہمین افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شراب کی اباحت نے انجیل کی تمام اخلاقی تعلیم کو بیکار کردیا ہے مثلاً یہ سچ ہے کہ یہ فقرہ اپنی ظاہری صورت مین بہت عمدہ ہے کہ شر کا مقابلہ نکر اور اگر کوئی شخص تیری دائین گال پر طمانچہ مارے تو تو دوسری بہی پہیر دے۔ لیکن ہم پوچہتے ہین کہ ایک شراب خوار آدمی اس حکم کا پابند رہ سکتا ہے؟ کیا وہ ایک دانت نکالنے سے غصہ مین اگر چار دانت نہین نکال دیگا؟ ایسا ہی انجیل کا یہ فقرہ کہ جو شخص بیگانہ عورت کو شہوت کی

نظر سے دیکھتا ہے وہ دل میں اس سے زنا کر چکا۔ یہ دیکھنے میں تو اچھا ہے لیکن عقلمندوں
میں سے کون ہے جو اس بات کو قبول کرے کہ ایک مے خوار آدمی جب نشے سے بدمست ہو
اور شہوت غالب اور نفس طالب ہو تو وہ ایسی حالت میں اپنی نظر پاک رکھ سکتا ہے نہیں
بلکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ نہ صرف صلح سے بدکاری میں مبتلا ہوگا بلکہ چونکہ وہ شراب سے
اندھا ہے لہذا وہ زنا بالجبر کا بھی مرتکب ہوگا۔ ایسی تعلیم جس نے گناہ سے تو منع کیا ہے لیکن
گناہ کے جو اصل موجبات ہیں اُن کے بڑے چوڑے دروازے کھول دیئے ہیں وہ حقیقی نیکی
پر قائم نہیں کر سکتی۔

ازدواج میں قرآن کریم کی تعلیم

اِس کے مقابل پر قرآن شریف نے ایک طرف تو شراب کی مذمتیں بیان کر کے اور
پرہیزگاری کی دشمن ٹھہرا کر قطعی طور پر اس کو حرام کر دیا ہے اور پھر دوسری طرف آنکھ اور دل
کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ بھی تعلیم دی ہے کہ ایک بیوی کرو یا دو یا تین یا چار لیکن حرامکاری
سے اپنے تئیں بچاؤ کیونکہ جو شخص اپنے تئیں پاک رکھنے کے لئے چند بیویوں سے نکاح کرتا ہے
وہ اِس سے اچھی حالت میں ہے جو ایک بیوی رکھتا ہے مگر اُس سے موافقت نہیں رکھتا اور
حرامکاری میں پڑتا یا ہمیشہ اپنی نظر ناپاک رکھتا ہے۔ جو شخص شراب نہیں پیتا اور پھر ضرورت محسوس
کر کے ایک بیوی کے بیمار ہونے کی حالت میں یا کسی اور وجہ سے ناقابل اور موجب نفرت ہونے
کی حالت میں دوسری بیوی نکاح میں لاتا ہے اور دونوں کے حقوق کی رعایت رکھتا ہے
وہ سچا پرہیزگار ہو کر فرشتوں کی طرح زمین پر چلتا ہے اِس کا یہی ثبوت کافی ہے کہ اس قسم کے
لوگ کثرت کے ساتھ پرہیزگار پاؤ گے۔ میرے نزدیک اس شخص سے بڑھ کر کوئی خطرناک حالت
میں نہیں ہے جو ایک طرف تو شراب پیتا ہے جو شہوتوں کو اُبھارتی اور جوش دیتی ہے اور دوسری
طرف اس کی کوئی بیوی نہیں ہے جس سے وہ اُن متحرک شدہ شہوتوں کو محل پر استعمال کر سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت

اِسی وجہ سے میں اپنے سچے دل سے اپنے سید و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو
بمقابل حضرت مسیح کے بہت پیار سے دیکھتا ہوں اور معصومیت کے اعلیٰ اور اکمل مقام پر پاتا
ہوں کیونکہ محسن حقیقی نے جو پرہیزگاری کے اسباب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے وہ حضرت

مسیح کو عطا نہین سکئے ہین۔ مین شریر انسانون کی طرح خواہ نخواہ کی رعائت نہین کرتا اور نہ کسی خدا کے مقدس اور راستباز پر بیہودہ حملہ کرنا چاہتا ہون۔ لیکن مین نے خوب غور کرکے دیکہا ہے اور جہان تک فکر کام دے سکتا ہے خوب سوچا ہے۔ میرے نزدیک جبکہ مسیح شراب سے پرہیز رکہنے والا نہین تہا اور کوئی اسکی بیوی بہی نہین تہی تو گو مین مانتا ہون کہ خدا نے اس کو بہی بُرے کامون سے بچایا۔ لیکن مین کیا کرون میرا تجربہ اس بات کو نہین مانتا کہ وہ عصمت مین ایسا کامل ہو سکے جیسا کہ وہ دوسرا شخص کہ جو نہ شراب پیتا ہے اور نہ حلال وجہ کی عورتون سے اسکو کچھ کمی ہے گو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مسیح کا یہ بہی ایک معجزہ تہا کہ باوجود شراب پینے اور باوجود کسی بیوی کے نہ ہونے کے پہر بہی وہ پرہیزگاری پر قائم رہا۔ لیکن جب مین دیکہتا ہون کہ شریر دشمنون نے انہی واقعات کو مدنظر رکہہ کر مسیح پر یہہ الزام لگائے ہین کہ کیون اس نے مریم نام ایک کنجری کو یہہ موقع دیا کہ اس نے اس کو چہوا اور اسکے سر پر اپنے ہاتہون سے تیل ملا اور پیرون کو اپنے بالون سے پونچہا اور کیون اس نے ایک دوسری عورت کو جو فاحشہ کرکے مشہور تہی جسکا نام بہی مریم تہا ہمیشہ اپنے پاس رہنے دیا۔ تو مجہے خیال آتا ہے کہ کاش ایسے معجزہ سے مسیح اپنے تئین بچاتا تو اچہا ہوتا۔ مسیح کا یہ فرض تہا کہ ایسی عورتون کو جو حرام کاریون مین شہرت پا چکی تہین اپنے پاس سے دفع کرکے حواریون میں ایک نیک نمونہ قائم کرتا۔ اب دشمنون کا یہی تو اعتراض ہے کہ اس نے ایک فرض کے ادا کرنے مین اسی وجہ سے کمزوری دکہلائی کہ وہ شراب کا عادی اور نعوذ باللہ اسکے شہوت انگیز جذبات مین گرفتار تہا۔ ایسا اعتراض کرنے والے صرف یہودی ہی نہین بلکہ وہ بہی ہین جو عیسائی قوم مین سے ہین اور نہایت بیقیدی سے ایسے اعتراض مسیح کے چال چلن پر کرکے پہر ان رسالون کو نہ صرف لنڈن کے بازارون مین تقسیم کرتے بلکہ ہندوستان اور دوسرے ملکون مین بہی شایع کرتے ہین -

میں دیکہتا ہون کہ اب اُنیس سو برس کے بعد عیسائی صاحبون کو محسوس ہوا ہے کہ شراب پینا ایسا گناہ ہے جو اخلاق کو بگاڑتا اور پرہیزگاری کا ستیاناس کرتا ہے اور ان کے جنٹلمین اس کوشش مین ہین کہ اس بدعادت کا اپنی قوم مین سے استیصال کرین۔ لیکن میرے خیال مین

ایسی کوشش کرنا مسیح سے آگے قدم رکھنا ہے یا ایک نئی انجیل بنانا۔ مین دیکھتا ہون کہ وہ سبق جو
زمانہ دراز کی شراب خواری نے عیسائی صاحبون کو دیا ہے اور وہ مشکلات جو ان کو پیش آئی
ہین وہ قرآن شریف کی تعلیم کی طرف ان کو کھینچ رہی ہین۔ مجھے اس سے تعجب آتا ہے کہ جو شراب
خواری کا خوفناک نقشہ لارڈ کرزن نے اپنی اسپیچ مین کھینچا ہے وہی نقشہ نہایت موثر الفاظ مین
قرآن شریف مین ہم پاتے ہین لیکن فرق اتنا ہے کہ قرآنی نقشہ تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے
سکھایا اور اس سپیچ کا نقشہ لارڈ کرزن کو زمانہ نے اور خرابیون کے مشاہدہ نے بتایا۔ لارڈ کرزن
نہایت مدبر اور اصلاح کے کامون مین سرگرم معلوم ہوتے ہین اور انکی سپیچ مین گورنمنٹ اور
قوم کی ہمدردی کی روح موجود ہے اگر ان کے لئے ممکن ہوتا تو وہ ایسی موثر سپیچ مین ضرور کوئی
انجیل کی آیت بھی یاد دلاتے اور اگر یہ سپیچ کسی افسر مسلمان کی طرف سے ہوتی تو وہ پرزور قرآنی آیات
سے دکھلاتا کہ کس قدر خدا شراب پینے والون پر ناراض ہے۔ بہرحال غنیمت ہے کہ ایسے
بیدار مغز اعلیٰ افسر گورنمنٹ اور رعایا کے خیر خواہ نے تسلیم کر لیا ہے کہ درحقیقت شراب
مجرمانہ حرکات کی موجب ہوتی ہے اور اخلاقی اور روحانی قوائے پر بہت برا اثر ڈالتی ہے۔

پس اس سے یہہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اخلاقی تعلیم بے فائدہ ہے جس مین شراب
کی ممانعت نہین۔ شراب خورون کو عفو اور درگذر کی تعلیم کرنا اور شہوت کی نظر سے
روکنا اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے ہم ایک شخص کو ایک دوا سے بیہوش کر دین
اور پھر اس سے ہوشمندون کے کام لینا چاہین۔ نبی کے لئے اہم امر یہ ہوتا ہے کہ وہ
گناہون کے اصل اسباب اور موجبات معلوم کر کے ان کے دور کرنے کے لئے کوشش
کرے اور جب وہ دور ہو جائین گے۔ تو خود گناہ کا سیلاب رک جائے گا۔ سو قرآن اور انجیل
مین یہ فرق ہے کہ انجیل نے تو گناہ کے علل اور اسباب سے نظرانداز ی کر کے محض چند
اخلاقی فقرون کے بولنے سے لوگون کو خوش کرنا چاہا ہے اور قرآن نے حکیم حاذق اور
سچے ہمدرد کی طرح ان علل اور اسباب اور موجبات کو درمیان سے اٹھانا چاہا ہے جو اخلاقی
خباثت کو پیدا کرتے ہین۔ پس اس جگہ ان لوگون کو غور کرنا چاہئے جو خواہ نخواہ انجیلی تعلیم

پر فخر کرتے اور اخلاقی خزانہ کی اس کو کنجی سمجھتے ہین۔ ہم سچ سچ کہتے ہین کہ انجیلی تعلیم نے شراب کو حلال اور مباح کرکے اخلاقی حالات کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ رحم۔ انصاف راستبازی۔ پرہیزگاری۔ جو کچھ عمدہ صفتین ہین اُن سب کی شراب دشمن ہے۔ پھر جب تک ایک گھر مین دشمن موجود ہے کیونکر توقع ہوسکتی ہے کہ اُس گھر والے اُس دشمن کے حملے سے بچ سکین۔

(باقی آئندہ)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اوّل — اپریل سنہ ۱۹۰۲ء — نمبر (۴)

فہرست مضامین

انجمن اشاعت الاسلام قادیان
نے
انوار احمدیہ پریس قادیان دارالامان میں چھپوا کر
۳۰ جون کو شائع کیا

چندہ سالانہ معہ محصول ڈاک:- معمولی کاغذ پر (عہ) ٭ ولایتی کاغذ پر (للعہ) ٭

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

انسان کی اخلاقی حالتیں

دوسرا حصہ قرآنی اصلاح کا یہ ہے کہ طبعی حالتوں کو شرایط مناسب کے ساتھ مشروط کرکے اخلاق فاضلہ تک پہنچایا جائے سو واضح ہو کہ یہ حصہ بہت بڑا ہے اگر ہم اس حصہ کو تفصیل کیساتھ بیان کریں یعنے تمام وہ اخلاق اسجگہ لکھنا چاہیں جو قرآن شریف نے بیان کئے تو یہ مضمون اس قدر لمبا ہو جائیگا کہ وقت اس کے دسویں حصہ تک کو بھی کفایت نہیں کریگا اس لئے چند اخلاق فاضلہ نمونے کے طور پر بیان کئے جاتے ہیں *

اب جاننا چاہیئے کہ اخلاق دو قسم کے ہیں اوّل وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ترک شر پر قادر ہوتا ہے۔ دوسرے وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ایصال خیر پر قادر ہوتا ہے اور ترک شر کے مفہوم میں وہ اخلاق داخل ہیں جنکے ذریعہ انسان کوشش کرتا ہے کہ تا اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنی آنکھ یا اپنے کسی اور عضو سے دوسرے کے مال یا عزت یا جان کو نقصان نہ پہنچاوے یا نقصان رسانی یا کسر شان کا ارادہ نہ کرے اور ایصال خیر کے مفہوم میں تمام وہ اخلاق داخل ہیں جنکے ذریعہ سے انسان کوشش کرتا ہے کہ اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنے علم یا کسی اور ذریعہ سے دوسرے کے مال یا عزت کو فائدہ پہنچا سکے یا اسکے جلال یا عزت ظاہر کرنے کا ارادہ کر سکے یا اگر کسی نے اسپر کوئی ظلم کیا تھا تو جس سزا کا وہ ظالم مستحق تھا اس سے درگذر کر سکے اور اس طرح اس کو دکھ اور عذاب بدنی اور تاوان مالی سے محفوظ رہنے کا فائدہ پہنچا سکے یا اسکو ایسی سزا دے سکے جو حقیقت

ہیں اس کے لئے سراسر رحمت ہے +

اب واضح ہو کہ وہ اخلاق جو ترک شر کے لئے صانع حقیقی نے مقرر فرمائے ہیں وہ زبان عربی میں جو تمام انسانی خیالات اور اوضاع اور اخلاق کے اظہار کے لئے ایک ایک مفرد لفظ اپنے اندر رکھتی ہے چار ناموں سے موسوم ہیں۔ چنانچہ پہلا خلق احصان کے نام سے موسوم ہے اور اس لفظ سے مراد خاص وہ پاکدامنی ہے جو مرد اور عورت کی قوت تناسل سے علاقہ رکھتی ہے اور محصن یا محصنہ اس مرد یا اس عورت کو کہا جائیگا کہ جو حرام کاری یا اس کے مقدمات سے مجتنب رہ کر اس ناپاک بدکاری سے اپنے تئیں روکے۔ جس کا نتیجہ دونوں کے لئے اس عالم میں ذلت اور لعنت اور دوسرے جہان میں عذاب آخرت اور متعلقین کے لئے علاوہ بے آبروئی نقصان شدید ہے۔ مثلاً جو شخص کسی کی بیوی سے .... ناجائز حرکت کا مرتکب ہو یا مثلاً زنا تو نہیں مگر اس کے مقدمات مرد اور عورت دونوں سے ظہور میں آویں تو کچھ شک نہیں کہ اس غیرتمند مظلوم کی ایسی بیوی کو جو زنا کرانے پر راضی ہو گئی تھی یا زنا بھی واقع ہو چکا تھا طلاق دینی پڑیگی اور بچوں پر بھی اگر اس عورت کے پیٹ سے ہونگے بڑا تفرقہ پڑیگا اور مالک خانہ یہ تمام نقصان اس بدذات کی وجہ سے اٹھائیگا +

اس جگہ یاد رہے کہ یہ خلق جس کا نام احصان یا عفت ہے یعنی پاکدامنی یہ اسی حالت میں خلق کہلائیگا جبکہ ایسا شخص جو بدنظری یا بدکاری کی استعداد اپنے اندر رکھتا ہے۔ یعنی قدرت نے وہ قوے اس کو دے رکھے ہیں جن کے ذریعہ سے اس جرم کا ارتکاب ہو سکتا ہے اس فعل شنیع سے اپنے تئیں بچائے اور اگر بباعث بچہ ہونے یا نامرد ہونے یا خوجہ ہونے یا پیر فرتوت ہونے کے یہ قوت اس میں موجود نہ ہو تو اس صورت میں ہم اس کو اس خلق سے جس کا نام احصان یا عفت ہے موصوف نہیں کر سکتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عفت اور احصان کی اس میں ایک طبعی حالت ہے مگر ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ طبعی حالتیں خلق کے نام سے موسوم نہیں ہو سکتیں بلکہ اس وقت خلق کی حد میں داخل کیجائینگی جبکہ عقل کے زیر سایہ ہو کر اپنے محل پر صادر ہوں یا صادر ہونے کی قابلیت پیدا کرلیں۔ لہذا جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں بچے اور نامرد اور ایسے لوگ جو کسی تدبیر سے اپنے تئیں نامرد کرلیں اس خلق کا مصداق نہیں ٹھہر سکتے گو بظاہر عفت اور احصان کے رنگ میں اپنی زندگی بسر کریں بلکہ تمام صورتوں میں ان کی عفت اور احصان کا نام طبعی حالت ہوگا نہ اور کچھ۔ اور چونکہ یہ ناپاک حرکت اور اس کے مقدمات جیسے مرد سے صادر ہو سکتے ہیں ویسے ہی عورت سے

بھی صادر ہو سکتے ہیں۔ لہذا خدا کی پاک کتاب میں دونو مرد اور عورت کیلئے یہ تعلیم فرمائی گئی ہے۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم ذلک ازکیٰ لھم وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن و یحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علےٰ جیوبھن ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن و توبوا الی اللہ جمیعا ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا۔ ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحا۔ ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنٰھا علیھم فما رعوھا حق رعایتھا

یعنے ایمانداروں کو جو مرد ہیں کہدے کہ آنکھوں کو نامحرم عورتوں کے دیکھنے سے بچائے رکھیں اور ایسی عورتوں کو کھلے طور سے نہ دیکھیں جو شہوت کا محل ہو سکتی ہوں اور ایسے موقع پر خوابیدہ نگاہ کی عادت پکڑیں اور اپنے ستر کی جگہ کو جس طرح ممکن ہو بچاویں ایسا ہی کانوں کو نامحرموں سے بچاویں یعنی بیگانہ عورتوں کے گانے بجانے اور خوش الحانی کی آوازیں نہ سنیں یہ طریق پاک نظر اور پاک دل رہنے کے لئے عمدہ طریق ہے۔ ایسا ہی ایماندار عورتوں کو کہدے کہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مردوں کے دیکھنے سے بچائیں یعنی انکی پرشہوات آوازیں نہ سنیں اور اپنے ستر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں اور اپنی زینت کے اعضا کو کسی غیرمحرم پر نہ کھولیں اور اپنی اوڑھنی کو اس طرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہو کر سر پر آجائے یعنے گریبان اور دونو کان اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں اور اپنے پیروں کو زمین پر ناچنے والوں کی طرح نہ ماریں یہ وہ تدبیر ہے کہ جسکی پابندی ٹھوکر سے بچا سکتی ہے۔ اور دوسرا طریق بچنے کے لئے یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کریں اور اس سے دعا کریں تا ٹھوکر سے بچاوے اور لغزشوں سے نجات دے۔ زنا کے قریب مت جاؤ یعنے ایسی تقریبوں سے دور رہو جن سے یہ خیال بھی دل میں پیدا ہو سکتا ہو اور ان راہوں کو اختیار نہ کرو جن سے اس گناہ کے وقوع کا اندیشہ ہو جو زنا کرتا ہے وہ بدی کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے زنا کی راہ بہت بری راہ ہے یعنی منزل مقصود سے روکتی ہے اور تمہاری آخری منزل کے لئے سخت خطرناک ہے اور جس کو نکاح میسر نہ آوے چاہئے کہ وہ اپنی عفت کو دوسرے طریقوں سے بچاوے مثلاً روزہ رکھے یا کم کھاوے یا اپنی طاقتوں سے تن آزار کام لے اور اور لوگوں نے یہ بھی طریق نکالے ہیں کہ وہ ہمیشہ عمداً نکاح سے دست بردار رہیں یا خوجے بنیں اور کسی طریق سے رہبانیت اختیار کریں مگر ہم نے انسان پر یہ حکم فرض نہیں کئے اسلئے وہ ان بدعتوں کو پورے طور پر نباہ نہ سکے۔ خدا کا یہ فرمانا کہ ہمارا یہ حکم نہیں کہ لوگ

خوجے نہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اگر خدا کا حکم ہوتا تو سب لوگ اس حکم پر عمل کرنے کے مجاز بنتے تو اس صورت میں بنی آدم کی قطع نسل ہو کر کبھی کا دنیا کا خاتمہ ہو جاتا اور نیز اگر اس طرح پر عفت حاصل کرنی ہو کہ عضو مردی کو کاٹ دیں تو یہ درپردہ اس صانع پر اعتراض ہے جس نے وہ عضو بنایا اور نیز جبکہ ثواب کا تمام مدار اس بات پر ہے کہ ایک قوت موجود ہو اور پھر انسان خدا تعالےٰ کا خوف کر کے اس قوت کے خراب جذبات کا مقابلہ کرتا رہے اور اس کے منافع سے فائدہ اٹھا کر دو طور کا ثواب حاصل کرے۔ پس ظاہر ہے کہ ایسے عضو کے ضائع کر دینے میں دونو ثوابوں سے محروم رہا ثواب تو جذبہ مخالفانہ کے وجود اور پھر اس کے مقابلہ سے ملتا ہے مگر جس میں بچہ کی طرح وہ قوت ہی نہیں رہی اسکو کیا ثواب ملیگا۔ کیا بچہ کو اپنی عفت کا ثواب ملسکتا ہے ؟

ان آیات میں خدا تعالےٰ نے خلق احصان یعنے عفت کے حاصل کرنے کیلئے صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ انسان کو پاکدامن رہنے کیلئے پانچ علاج بھی بتلا دئے ہیں یعنی یہ کہ اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا۔ کانوں کو نامحرموں کی آواز سننے سے بچانا۔ نامحرموں کے قصے نہ سننا۔ اور ایسی تمام تقریبوں سے جن میں اس بدفعل کا اندیشہ ہو اپنے تئیں بچانا۔ اگر نکاح نہ ہو تو روزہ رکھنا وغیرہ ؂

اس جگہ ہم بڑے دعوے کیساتھ کہتے ہیں کہ یہ اعلےٰ تعلیم اُن سب تدبیروں کے ساتھ جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں صرف اسلام سے ہی خاص ہے۔ اور اس جگہ ایک نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ انسان کی وہ طبعی حالت جو شہوات کا منبع ہے جس سے انسان بغیر کسی کامل تغیر کے الگ نہیں ہو سکتا یہی ہے کہ اسکے جذبات شہوت محل اور موقع پا کر جوش مارنے سے رہ نہیں سکتے یا یوں کہو کہ سخت خطرہ میں پڑ جاتے ہیں۔ اسلئے خدا تعالےٰ نے ہمیں یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم نامحرم عورتوں کو بلا تکلف دیکھ تو لیا کریں اور انکی تمام زینتوں پر نظر ڈال لیں اور ان کے تمام انداز ناچنا وغیرہ مشاہدہ کر لیں لیکن پاک نظر سے دیکھیں اور نہ یہ تعلیم ہمیں دی ہے کہ ہم ان بیگانہ جوان عورتوں کا گانا بجانا سُن لیں اور ان کے حسن کے قصے بھی سنا کریں۔ لیکن پاک خیال سے سنیں بلکہ ہمیں تاکید ہے کہ ہم نامحرم عورتوں کو اور ان کی زینت کی جگہ کو ہرگز نہ دیکھیں نہ پاک نظر سے اور نہ ناپاک نظر سے اور ان کی خوش الحانی کی آوازیں اور انکے حسن کے قصے نہ سنیں نہ پاک خیال سے اور نہ ناپاک خیال سے

بلکہ ہمیں چاہئے کہ اُن کے سننے اور دیکھنے سے نفرت رکھیں جیسا کہ مردار سے تا ٹھوکر نہ کھاویں کیونکہ ضرور ہے کہ بے قیدی کی نظروں سے کسی وقت ٹھوکریں پیش آویں۔ سو چونکہ خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ ہماری آنکھیں اور دل اور ہمارے خطرات سب پاک ہیں اس لئے اس نے یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی۔ اسمیں کیا شک ہے کہ بے قیدی ٹھوکر کا موجب ہو جاتی ہے اگر ہم ایک بھوکے کتے کے آگے نرم نرم روٹیاں رکھدیں اور پھر امید رکھیں کہ اُس کتے کے دلمیں خیال تک ان روٹیوں کا نہ آوے تو ہم اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں سو خدا تعالےٰ نے چاہا کہ نفسانی قوےٰ کو پوشیدہ کارروائیوں کا موقع بھی نہ ملے اور ایسی کوئی بھی تقریب پیش نہ آوے جس سے بدخطرات جنبش کر سکیں +

اسلامی پردہ کی یہی فلاسفی اور یہی ہدایت شرعی ہے۔ خدا کی کتاب میں پردہ سے یہ مراد نہیں کہ فقط عورتوں کو قیدیوں کی طرح حراست میں رکھا جائے یہ اُن نادانوں کا خیال ہے جن کو اسلامی طریقوں کی خبر نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ عورت مرد دونوں کو آزاد نظراندازی اور اپنی زینتوں کے دکھانے سے روکا جائے کیونکہ اس میں دونوں مرد اور عورت کی بھلائی ہے بالآخر یاد رہے کہ خوابیدہ نگاہ سے غیر محل پر نظر ڈالنے سے اپنے تئیں بچا لینا اور دوسری جایز النظر چیزوں کو دیکھنا اس طریق کو عربی میں غضِ بصر کہتے ہیں اور ہر ایک پرہیزگار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اس کو نہیں چاہئے کہ حیوانوں کی طرح جس طرف چاہے بے محابا نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرے۔ بلکہ اس کیلئے اس تمدنی زندگی میں غضِ بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ وہ مبارک عادت ہے جس سے اس کی یہ طبعی حالت ایک بھاری خلق کے رنگ میں آجائیگی اور اسکی تمدنی ضرورت میں بھی فرق نہیں پڑیگا۔ یہی وہ خلق ہے جسکو احصان اور عفت کہتے ہیں +

دوسری قسم ترک شر کے اقسام میں سے وہ خلق ہے جس کو امانت و دیانت کہتے ہیں یعنے دوسرے کے مال پر شرارت اور بدنیتی سے قبضہ کر کے اسکو ایذا پہنچانے پر راضی نہ ہونا۔ سو واضح ہو کہ دیانت اور امانت انسان کی طبعی حالتوں میں سے ایک حالت ہے اسی واسطے ایک بچہ شیرخوار بھی جو بوجہ کم سنی اپنی طبعی سادگی پر ہوتا ہے اور نیز بباعث صغر سنی ابھی بری عادتوں کا عادی نہیں ہوتا۔ اسقدر غیر کی چیز سے نفرت رکھتا ہے کہ غیر عورت کا دودھ بھی مشکل سے پیتا ہے اور اگر بیہوشی کے زمانہ میں کوئی اور دایہ مقرر نہ ہو تو ہوش کے زمانہ میں اسکو دوسرے کا دودھ پلانا نہایت مشکل ہو جاتا ہے اور اپنی جان پر بہت تکلیف اٹھاتا ہے اور ممکن ہے کہ اس تکلیف سے مرنے کے قریب ہو جائے مگر دوسری عورت کے دودھ سے طبعاً

بیزار ہوتا ہے۔ اس قدر نفرت کا کیا بھید ہے؟ بس یہی کہ وہ والدہ کو چھوڑ کر غیر کی چیز کی طرف رجوع کرنے سے طبعاً متنفر ہے۔ اب ہم جب ایک گہری نظر سے بچہ کی اس عادت کو دیکھتے اور اسپر غور کرتے ہیں اور فکر کرتے کرتے اسکی اس عادت کی تہ تک چلے جاتے ہیں تو ہمپر صاف کھل جاتا ہے کہ یہ عادت جو غیر کی چیز سے اس قدر نفرت کرتا کہ اپنے اوپر مصیبت ڈال لیتا ہے یہی جڑ دیانت اور امانت کی ہے اور دیانت کے خلق میں کوئی شخص راستباز نہیں ٹھہر سکتا جبتک بچہ کی طرح غیر کے مال کے بارے میں بھی سچی نفرت اور کراہت اس کے دل میں پیدا نہ ہو جائے لیکن بچہ اس عادت کو اپنے محل پر استعمال نہیں کرتا اور اپنی بیوقوفی کے سبب سے بہت کچھ تکلیفیں اٹھالیتا ہے لہذا اس کی یہ عادت صرف ایک حالت طبعی ہے جسکو وہ بے اختیار ظاہر کرتا ہے اس لئے وہ حرکت اس کے خلق میں داخل نہیں ہو سکتی گو انسانی سرشت میں اصل جڑ خلق دیانت اور امانت کی وہی ہے جیسا کہ بچہ اس غیر معقول حرکت سے متدین اور امین نہیں کہلا سکتا ایسا ہی وہ شخص بھی اس خلق سے متصف نہیں ہو سکتا جو اس طبعی حالت کو محل پر استعمال نہیں کرتا امین اور دیانتدار بننا بہت نازک امر ہے جبتک انسان اس کے تمام پہلو بجا نہ لاوے امین اور دیانتدار نہیں ہو سکتا۔ اسمیں اللہ تعالےٰ نے نمونہ کے طور پر آیات مفصلہ ذیل میں امانت کا طریق سمجھایا ہے اور وہ طریق امانت یہ ہے

ولا تؤتوا السفهاء اموالكم التى جعل الله لكم قيما وارزقوهم فيها واكسوهم وقولوا لهم قولاً معروفا وابتلوا اليتمىٰ حتىٰ اذا بلغوا النكاح فان انستم منهم رشدًا فادفعوا اليهم اموالهم ولا تاكلوها اسرافا وبدارًا ان يكبروا ومن كان غنيا فليستعفف ومن كان فقيرا فليأكل بالمعروف فاذا دفعتم اليهم اموالهم فاشهدوا عليهم وكفىٰ بالله حسيبا وليخش الذين لو تركوا من خلفهم ذرية ضعافا خافوا عليهم فليتقوا الله وليقولوا قولاً سديدا ان الذين ياكلون اموال اليتمىٰ ظلماً انما ياكلون فى بطونهم نارًا وسيصلون سعيرًا

ترجمہ یعنی اگر کوئی ایسا یتیم ہیں مالدار ہو جو صحیح العقل نہ ہو مثلاً یتیم یا نابالغ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ اپنی حماقت سے اپنے مال کو ضائع کر دیگا تو تم (بطور کورٹ آف وارڈس کے) وہ تمام مال اس کا متکفل کے طور پر اپنے قبضہ میں لے لو اور وہ تمام مال جسپر سلسلہ تجارت او معیشت کا چلتا ہے ان بیوقوفوں کے حوالہ مت کرو اور اس مال میں سے بقدر ضرورت ان کے کھانے اور پہننے کے لئے دیدیا کرو اور ان کو اچھی باتیں قول معروف کی کہتے رہو یعنی ایسی باتیں جن سے اُن کی عقل اور تمیز بڑھے اور ایک طور سے ان کے مناسب حال انکی

تربیت ہو جائے اور جاہل اور ناتجربہ کار نہ رہیں اگر وہ تاجر کے بیٹے ہیں تو تجارت کے طریقے انکو سکھلاؤ اور اگر کوئی اور پیشہ رکھتے ہوں تو اس پیشہ کے مناسب حال انکو پختہ کر دو غرض ساتھ ساتھ تعلیم دیتے جاؤ اور اپنی تعلیم کو وقتاً فوقتاً امتحان بھی کرتے جاؤ کہ جو کچھ تم نے سکھلایا انہوں نے سمجھا بھی ہے یا نہیں پھر جب نکاح کے لایق ہو جائیں یعنی عمر قریباً اٹھارہ برس تک پہنچ جائے اور تم دیکھو کہ ان میں اپنے مال کے انتظام کی عقل پیدا ہو گئی ہے تو اُن کا مال اُن کے حوالہ کر دو۔ اور فضول خرچی کے طور پر اُن کا مال خرچ نہ کرو اور نہ اس خوف سے جلدی کر کے کہ اگر یہ بڑے ہو جائینگے تو اپنا مال لے لینگے اُن کے مال کا نقصان کرو جو شخص دولتمند ہو اسکو نہیں چاہیے کہ ان کے مال میں سے کچھ حق الخدمت لیوے لیکن ایک محتاج بطور معروف لے سکتا ہے عرب میں مالی محافظوں کیلئے یہ طریق معروف تھا کہ اگر یتیموں کے کارپرداز اُن کے مال میں سے لینا چاہتے تو حتی الوسع یہ قاعدہ جاری رکھتے کہ جو کچھ یتیم کے مال کو تجارت سے فائدہ ہوتا اسمیں سے آپ بھی لیتے راس المال کو تباہ نہ کرتے۔ سو یہ اسی عادت کی طرف اشارہ ہے کہ تم بھی ایسا کرو اور پھر فرمایا کہ جب تم یتیموں کو مال واپس کرنے لگو تو گواہوں کے روبرو اُن کو انکا مال دو اور جو شخص فوت ہونے لگے اور بچے اُس کے ضعیف اور صغیر السن ہوں تو اسکو نہیں چاہیے کہ کوئی ایسی وصیت کرے کہ جسمیں بچوں کی حق تلفی ہو جو لوگ ایسے طور سے یتیم کا مال کھاتے ہیں جس سے یتیم پر ظلم ہو جائے وہ مال نہیں بلکہ آگ کھاتے ہیں اور آخر جلانیوالی آگ میں ڈالے جائینگے ٭

اب دیکھو خدا تعالے نے دیانت اور امانت کے کس قدر پہلو بتلائے۔ سو حقیقی دیانت اور امانت وہی ہے جو ان تمام پہلوؤں کے لحاظ سے ہو اور اگر پوری عقلمندی کو دخل دیکر امانت داری میں تمام پہلوؤں کا لحاظ نہ ہو تو ایسی دیانت اور امانت کئی طور سے چھپی ہوئی خیانتیں اپنے ہمراہ رکھے گی اور پھر دوسری جگہ فرمایا۔ ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم و انتم تعلمون۔ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامنت الی اھلھا۔ ان اللہ لا یحب الخائنین۔ و اوفوا الکیل اذا کلتم و زنوا بالقسطاس المستقیم ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب یعنے آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طور پر مت کھایا کرو اور نہ اپنے مال کو رشوت کے طور پر حکام تک پہنچایا کرو تا اسپر حکام کی اعانت سے دوسرے کے مالوں کو دبا لو۔

امانتوں کو اُن کے حق داروں کو واپس دیدیا کرو۔ خدا خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا جب تم ماپو تو پورا ماپو۔ جب تم وزن کرو تو پوری اور بے خلل ترازو سے وزن کرو۔ اور کسی طور سے لوگوں کو ان کے مال کا نقصان نہ پہنچاؤ اور فساد کی نیت سے زمین پر مت پھرا کرو یعنی اس نیت سے کہ چوری کریں یا ڈاکہ ماریں یا کسی کی جیب کتریں یا کسی اور ناجائز طریق سے بیگانہ مال پر قبضہ کریں اور پھر فرمایا کہ تم اچھی چیزوں کے عوض میں خبیث اور ردی چیزیں نہ دیا کرو یعنی جس طرح دوسروں کا مال دبا لینا ناجائز ہے اسی طرح خراب چیزیں بیچنا یا اچھی کے عوض میں بُری دینا بھی ناجائز ہے۔ ان تمام آیات میں خدا تعالےٰ نے تمام طریقے بد دیانتی کے بیان فرمائے اور ایسا کلام کلی کے طور پر فرمایا جس میں کسی بد دیانتی کا ذکر باہر نہ رہ جائے صرف یہ نہیں کہا کہ تو چوری نہ کر۔ تا ایک نادان یہ نہ سمجھ لے کہ چوری میرے لئے حرام ہے مگر دوسرے ناجائز طریقے سب حلال ہیں اس کلمہ جامعہ کیساتھ تمام ناجائز طریقوں کو حرام ٹھہرانا یہی حکمت بیانی ہے غرض اگر کوئی اس بصیرت سے دیانت اور امانت کا خلق اپنے اندر نہیں رکھتا اور ایسے تمام پہلوؤں کی رعایت نہیں کرتا۔ وہ اگر دیانت و امانت کو بعض امور میں دکھلائے بھی تو یہ حرکت اس کی خلق دیانت میں داخل نہیں سمجھی جائے گی بلکہ ایک طبعی حالت ہو گی جو عقلی تمیز اور بصیرت سے خالی ہے *

تیسری قسم ترک شر کی اخلاق میں سے وہ قسم ہے کہ جس کو عربی میں ھُدنہ اور ھون کہتے ہیں یعنی دوسرے کو ظلم کی راہ سے بدنی آزار نہ پہنچانا اور بے شر انسان ہونا اور صلح کاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا پس بلاشبہ صلح کاری اعلےٰ درجہ کا ایک خلق ہے اور انسانیت کیلئے ازبس ضروری اور اس خلق کے مناسب حال طبعی قوت جو بچہ میں ہوتی ہے جس کی تعدیل سے یہ خلق بنتا ہے الفت یعنی خوگرفتگی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ انسان صرف طبعی حالت میں یعنے اس حالت میں کہ جب انسان عقل سے بے بہرہ ہو صلح کے مضمون کو سمجھ نہیں سکتا اور نہ جنگجوئی کے مفہوم کو سمجھ سکتا ہے پس اس وقت جو ایک عادت موافقت کی اس میں پائی جاتی ہے وہی صلح کاری کی عادت کی ایک جڑ ہے لیکن چونکہ وہ عقل اور تدبر اور خاص ارادہ سے اختیار نہیں کی جاتی اس لئے خلق میں داخل نہیں بلکہ خلق ہیں تب داخل ہوگی کہ جب انسان بالارادہ اپنے تئیں بے شر بنا کر صلح کاری کے خلق کو اپنے محل پر استعمال کرے اور بے محل استعمال کرنے سے مجتنب رہے اس میں اللہ جل شانہ یہ تعلیم فرماتا ہے

واصلحوا ذات بینکم۔ الصلح خیر۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لہا وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا مرّوا باللغو مرّوا کراما ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینك وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔ یعنے آپس میں صلح کاری اختیار کرو صلح میں خیر ہے جب وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔ خدا کے نیک بندے صلح کاری کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں اور اگر کوئی لغو بات کسی سے سنیں جو جنگ کا مقدمہ اور لڑائی کی ایک تمہید ہو تو بزرگانہ طور پر طرح دیکر چلے جاتے ہیں اور ادنے ادنے بات پر لڑنا شروع نہیں کر دیتے یعنے جبتک کوئی زیادہ تکلیف نہ پہنچے اس وقت تک ہنگامہ پردازی کو اچھا نہیں سمجھتے اور صلح کاری کے محل شناسی کا یہی اصول ہے کہ ادنے ادنے باتوں کو خیال میں نہ لاویں اور معاف فرماویں۔ اور لغو کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے سو واضح ہو کہ عربی زبان میں لغو اس حرکت کو کہتے ہیں کہ مثلاً ایک شخص شرارت سے ایسی بکواس کرے یا بہ نیت ایذا ایسا فعل اس سے صادر ہو کہ دراصل اس سے کچھ ایسا حرج اور نقصان نہیں پہنچتا۔ سو صلحکاری کی یہ علامت ہے کہ ایسی بیہودہ ایذا سے چشم پوشی فرماویں اور بزرگانہ سیرت عمل میں لاویں لیکن اگر ایذا صرف لغو کی مدمیں داخل نہ ہو بلکہ اس سے واقعی طور پر جان یا مال یا عزت کو ضرر پہنچے تو صلحکاری کے خلق کو اس سے کچھ تعلق نہیں بلکہ اگر ایسے گناہ کو بخشا جائے تو اس خلق کا نام عفو ہے جس کا انشاء اللہ تعالے اس کے بعد بیان ہوگا اور پھر فرمایا کہ جو شخص شرارت سے کچھ یاوہ گوئی کرے تو تم نیک طریق سے صلحکاری کا اس کو جواب دو تب اس خصلت سے دشمن بھی دوست ہو جائیگا غرض صلحکاری کے طریق سے چشم پوشی کا محل صرف اس درجہ کی بدی ہے جس سے کوئی واقعی نقصان نہ پہنچا ہو صرف دشمن کی بیہودہ گوئی ہو +

چوتھی قسم ترک شر کی اخلاق میں سے رفق اور قول حسن ہے اور یہ خلق جس حالت طبعی سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام طلاقت یعنی کشادہ روئی ہے بچہ جبتک کلام کرنے پر قادر نہیں ہوتا بجائے رفق اور قول حسن کے طلاقت دکھلاتا ہے یہی دلیل اس بات پر ہے کہ رفق کی جڑ جہاں سے یہ شاخ پیدا ہوتی ہے طلاقت ہے طلاقت ایک قوت ہے اور رفق ایک خلق ہے جو اس قوت کو محل پر استعمال کرنے سے پیدا ہو جاتا ہے اس میں خدا تعالے کی تعلیم یہ ہے وقولوا للناس حسنا۔ لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیرا منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا واتقوا اللہ ان اللہ تواب رحیم۔ ولا تقف ما لیس لك بہ علم ان السمع

و البصر و الفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا۔ یعنے لوگوں کو وہ باتیں کہو جو واقعی طور پر نیک ہوں۔ ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے ہو سکتا ہے کہ جنسے ٹھٹھا کیا گیا ہے وہی اچھے ہوں۔ بعض عورتیں بعض عورتوں سے ٹھٹھا نہ کریں ہو سکتا ہے کہ جن سے ٹھٹھا کیا گیا ہے وہی اچھی ہوں اور عیب مت لگاؤ اپنے لوگوں کے برے برے نام مت رکھو۔ بدگمانی کی باتیں مت کرو اور نہ عیبوں کو کرید کرید کر پوچھو ایک دوسرے کا گلہ مت کرو۔ کسی کی نسبت وہ بہتان یا الزام مت لگاؤ جس کا تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں اور یاد رکھو کہ ہر ایک عضو سے مواخذہ ہو گا اور کان آنکھ دل ہر ایک سے پوچھا جائیگا +

ترک شر کے اقسام ختم ہو چکے اور اب ہم ایصال خیر کے اقسام بیان کرتے ہیں دوسری قسم ان اخلاق کی جو ایصال خیر سے تعلق رکھتے ہیں پہلا خلق ان میں سے عفو ہے یعنی کسی کے گناہ کو بخش دینا اسمیں ایصال خیر یہ ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ ایک ضرر پہنچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اسکو بھی ضرر پہنچایا جائے۔ سزا دلائی جائے۔ قید کرایا جائے جرمانہ کرایا جائے یا آپ ہی اس پر ہاتھ اٹھایا جائے پس اس کو بخش دینا مناسب ہو تو اس کے حق میں ایصال خیر ہے۔ اسمیں قرآن شریف کی تعلیم یہ ہے۔۔۔ و الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس - وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا فمن عفی و اصلح فاجرہ علی اللہ یعنے نیک آدمی وہ ہیں جو غصہ کھانے کے محل پر اپنا غصہ کھا جاتے ہیں اور بخشنے کے محل پر گناہ کو بخشتے ہیں۔ بدی کی جزا اُسی قدر بدی ہے جو کیگئی ہو۔ لیکن جو شخص گناہ کو بخشدے اور ایسے موقع پر بخشے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو کوئی شر پیدا نہ ہوتا ہو یعنے عین عفو کے محل پر ہو نہ غیر محل پر تو اس کا وہ بدلہ پائیگا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ خواہ نخواہ اور ہر جگہ شر کا مقابلہ نہ کیا جائے اور شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دیجائے۔ بلکہ یہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ محل اور موقع گناہ بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا ہے۔ پس مجرم کے حق میں اور نیز عامہ خلائق کے حق میں جو کچھ فی الواقع بہتر ہو وہی صورت اختیار کیجائے۔ بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے۔ پس خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ اندھوں کی طرح صرف گناہ بخشنے کی عادت مت ڈالو بلکہ غور سے دیکھ لیا کرو کہ حقیقی نیکی کس بات میں ہے آیا بخشنے میں یا سزا دینے میں۔ پس جو امر محل اور موقع کے مناسب ہو وہی کرو۔ افراد انسانی کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ جیسے بعض لوگ کینہ کشی پر حریص ہوتے ہیں

یہانتک کہ دادوں پر دادوں کے کینوں کو یاد رکھتے ہیں ایسا ہی بعض لوگ عفو اور درگذر کی عادت کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں اور بسا اوقات اس عادت کے افراط سے دیوثی تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایسے ناقابل شرم حلم اور عفو اور درگذر اُن سے صادر ہوتے ہیں جو سراسر حمیت اور غیرت اور عفت کے برخلاف ہوتے ہیں بلکہ نیک چلنی پر داغ لگاتے ہیں اور ایسے عفو اور درگذر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ توبہ توبہ کر اٹھتے ہیں۔ انہی خرابیوں کے لحاظ سے قرآن شریف میں ہر ایک خلق کیلئے محل اور موقع کی شرط لگادی ہے اور ایسے خلق کو منظور نہیں رکھا جو بے محل صادر ہو یاد رہے کہ مجرد عفو کو خلق نہیں کہ سکتے بلکہ وہ ایک طبعی قوت ہے جو بچوں میں بھی پائی جاتی ہے بچہ کو جس کے ہاتھ سے چوٹ لگ جائے خواہ شرارت سے ہی لگے تھوڑی دیر کے بعد وہ اس قصہ کو بھلا دیتا ہے اور پھر اس کے پاس محبت سے جاتا ہے اور اگر ایسے شخص نے اس کے قتل کا بھی ارادہ کیا ہو تب بھی صرف میٹھی بات پر خوش ہو جاتا ہے پس ایسا عفو کسی طرح خلق میں داخل نہیں ہوگا خلق میں اس صورت میں داخل ہوگا جب ہم اس کو محل اور موقع پر استعمال کرینگے ورنہ صرف ایک طبعی قوت ہوگی۔ دنیا میں بہت تھوڑے ایسے لوگ ہیں جو طبعی قوت اور خلق میں فرق کر سکتے ہیں ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ حقیقی خلق اور طبعی حالتوں میں یہ فرق ہے کہ خلق ہمیشہ محل اور موقع کی پابندی اپنے ساتھ رکھتا ہے اور طبعی قوت بے محل ظاہر ہو جاتی ہے۔ یوں تو چارپایوں میں گائے بھی بے شر ہے اور بکری بھی دل کی غریب ہے مگر ہم ان کو اسی سبب سے ان خلقوں سے متصف نہیں کہ سکتے کہ ان کو محل اور موقع کی عقل نہیں دی گئی۔ خدا کی حکمت اور خدا کی سچی اور کامل کتاب نے ہر ایک خلق کے ساتھ محل اور موقع کی شرط لگادی ہے ٭

دوسرا خلق اخلاق ایصال خیر میں سے عدل ہے اور تیسرا احسان اور چوتھا ایتاء ذی القربیٰ جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعنی اللہ تعالےٰ کا یہ حکم ہے کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کرو۔ اور اگر عدل سے بڑھکر احسان کا موقع اور محل ہو تو وہاں احسان کرو اور اگر احسان سے بڑھکر قریبوں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرنے کا محل ہو تو وہاں طبعی ہمدردی سے نیکی کرو اور اس سے خدا تعالےٰ منع فرماتا ہے کہ تم حدود اعتدال سے آگے گذر جاؤ یا احسان کے بارے میں منکرانہ حالت تم سے صادر ہو جس سے عقل انکار کرے یعنی یہ کہ تم بے محل احسان کرو یا برمحل احسان کرنے سے دریغ کرو یا یہ

کہ تم محل پر ایتاءِ ذی القربےٰ کے خلق میں کچھ کمی اختیار کر دیا حد سے زیادہ رحم کی بارش کرو اس آیت کریمہ میں ایصال خیر کے تین درجوں کا بیان ہے اول یہ درجہ کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کیجائے یہ تو کم درجہ ہے اور ادنےٰ درجہ کا بھلا مانس آدمی بھی یہ خلق حاصل کر سکتا ہے کہ اپنے نیکی کرنے والوں کے ساتھ نیکی کرتا رہے دوسرا درجہ اس سے مشکل ہے اور وہ یہ کہ ابتداءً آپ ہی نیکی کرنا اور بغیر کسی کے حق کے احسان کے طور پر اس کو فائدہ پہنچانا اور یہ خلق اوسط درجہ کا ہے۔ اکثر لوگ غریبوں پر احسان کرتے ہیں اور احسان میں یہ ایک مخفی عیب ہے کہ احسان کرنے والا خیال کرتا ہے کہ میں نے احسان کیا ہے اور کم سے کم وہ اپنے احسان کے عوض میں شکریہ یا دعا چاہتا ہے اور اگر کوئی ممنون منت اس کا مخالف ہو جائے تو اس کا نام احسان فراموش رکھتا ہے بعض وقت اپنے احسان کی وجہ سے اس پر فوق الطاقت بوجھ ڈال دیتا ہے اور اپنا احسان اس کو یاد دلاتا ہے جیسا کہ احسان کرنے والوں کو خدا تعالےٰ متنبہ کرنے کے لئے فرماتا ہے۔ لا تبطلوا صدقٰتکم بالمن والاذٰی۔ یعنی اے احسان کرنے والو اپنے صدقات کو جن کی صدق پر بنا چاہیئے احسان یاد دلانے اور دکھ دینے کے ساتھ برباد مت کرو یعنی صدقہ کا لفظ صدق سے مشتق ہے پس اگر دل میں صدق اور اخلاص نہ رہے تو وہ صدقہ صدقہ نہیں رہتا بلکہ ایک ریا کاری کی حرکت ہو جاتی ہے غرض احسان کرنے والے میں یہ ایک خامی ہوتی ہے کہ کبھی غصہ میں آ کر اپنا احسان بھی یاد دلا دیتا ہے اسی وجہ سے خدا تعالےٰ نے احسان کرنے والوں کو ڈرایا۔ تیسرا درجہ ایصال خیر کا خدا تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے کہ بالکل احسان کا خیال نہ ہو اور شکر گزاری پر نظر ہو بلکہ ایک ایسی ہمدردی کے جوش سے نیکی صادر ہو جیسا کہ ایک نہایت قریبی مثلاً والدہ محض ہمدردی کے جوش سے اپنے بیٹے سے نیکی کرتی ہے۔ یہ وہ آخری درجہ ایصال خیر کا ہے جس سے آگے ترقی کرنا ممکن نہیں لیکن خدا تعالےٰ نے ان تمام ایصال خیر کی قسموں کو محل اور موقع سے وابستہ کر دیا ہے اور آیت موصوفہ میں صاف فرمایا ہے کہ اگر یہ نیکیاں اپنے اپنے محل پر مستعمل نہیں ہونگی تو پھر یہ بدیاں ہو جائینگی۔ بجائے عدل فحشا بنجائیگا یعنے حد سے اتنا تجاوز کرنا کہ ناپاک صورت ہو جائے۔ اور ایسا ہی بجائے احسان کے منکر کی صورت نکل آئیگی یعنے وہ صورت جس سے عقل اور کانشنس انکار کرتا ہے اور بجائے ایتاءِ ذی القربےٰ کے بغی بنجائے گا یعنی وہ بے محل ہمدردی کا جوش ایک بُری صورت پیدا کریگا اصل میں بغی اس بارش کو کہتے ہیں جو حد سے زیادہ برس جائے اور کھیتوں کو تباہ کر دے اور حق واجب میں کمی رکھنے کو بغی کہتے ہیں اور یا حق واجب سے افزونی کرنا بھی بغی ہے غرض ان

تینوں میں سے جو محل پر صادر نہیں ہوگا وہی خراب سیرت ہو جائیگی۔ اسی لئے ان تینوں کے ساتھ موقع
اور محل کی شرط لگادی ہے اسجگہ یاد رہے کہ مجرد عدل یا احسان یا ہمدردی ذے القربیٰ کو خلق نہیں کہہ
سکتے بلکہ انسان میں یہ سب طبعی حالتیں اور طبعی قوتیں ہیں کہ جو بچوں میں بھی وجود عقل سے پہلے پائی جاتی
ہیں مگر خلق کے لئے عقل شرط ہے اور نیز یہ شرط ہے کہ ہر ایک طبعی قوت محل اور موقع پر استعمال ہو +

اور پھر احسان کے بارے میں اور بھی ضروری ہدایتیں قرآن شریف میں ہیں اور سب کو الف لام
کے ساتھ جو خاص کرنے کے لئے آتا ہے استعمال فرما کر موقع اور محل کی رعایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے
جیسا کہ وہ فرماتا ہے:- یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا
تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ - لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِیْ
یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ - اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ - اِنَّ الْاَبْرَارَ
یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۔ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا
تَفْجِیْرًا ۔ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ۔ اِنَّمَا
نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۔ وَاٰتَى الْمَالَ
عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ
اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا - وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ
بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ - وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ
وَالْمَحْرُوْمِ - اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ - وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ
عَلَانِیَةً - اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ
قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ - لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ - وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ
وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ۔ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى
وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ
وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۔
الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

ترجمہ یہ ہے کہ اے ایمان والو تم ان مالوں میں سے لوگوں کو بطریق سخاوت یا احسان یا صدقہ وغیرہ دو جو تمہاری پاک کمائی ہے یعنی جسمیں چوری یا رشوت یا خیانت یا غبن کا مال یا ظلم کے روپیہ کی آمیزش نہیں اور اور یہ قصد تمہارے دل سے دور رہے کہ ناپاک مال لوگوں کو دو اور دوسری یہ بات ہے کہ اپنی خیرات اور مروت کو احسان رکھنے اور دکھ دینے کیساتھ باطل مت کرو یعنی اپنے ممنون منت کو کبھی یہ نہ جتلاؤ کہ ہمنے تجھے یہ دیا تھا اور نہ اس کو دکھ دو کیونکہ اسطرح تمہارا احسان باطل ہوگا اور نہ ایسا طریق پکڑو کہ تم اپنے مالوں کو ریا کاری کیساتھ خرچ کرو۔ خدا کی مخلوق سے احسان کرو کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے جو لوگ حقیقی نیکی کرنے والے ہیں ان کو وہ جام پلائے جائینگے جنکی ملونی کافور کی ہوگی یعنی دنیا کی سوزشیں اور حسرتیں اور ناپاک خواہشیں ان کے دل سے دور کردی جائینگی۔ کافور کفر سے مشتق ہے اور کفر لغت عرب میں دبانے اور ڈھانکنے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ انکے جذبات ناجائز دبائے جائینگے اور وہ پاک باطن ہو جائینگے اور معرفت کی خنکی ان کو پہنچیگی پھر فرماتا ہے کہ وہ لوگ قیامت کو اس چشمہ کا پانی پئینگے جسکو وہ آج اپنے ہاتھ سے چیر رہے ہیں سمجھ بہشت کی فلاسفی کا ایک گہرا راز بتلایا ہے جسکو سمجھنا ہو سمجھ لے۔ اور پھر فرمایا ہے کہ حقیقی نیکی کرنیوالوں کی یہ خصلت ہے کہ وہ محض خدا کی محبت کیلئے وہ کھانے جو آپ پسند کرتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تم پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ یہ کام صرف اس بات کیلئے کرتے ہیں کہ خدا ہم سے راضی ہو اور اسکے منہ کیلئے یہ خدمت ہے ہم تم سے نہ تو کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمارا شکر کرتے پھرو یہ اشارہ اس بات کیطرف ہے کہ ایصال خیر کی تیسری قسم جو محض ہمدردی کے جوش سے ہے وہ طریق بجالاتے ہیں سچے نیکوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ خدا کی رضاجوئی کیلئے اپنے قریبوں کو اپنے مال سے مدد کرتے ہیں اور نیز اس مال میں سے یتیموں کے تعہد اور ان کی پرورش اور تعلیم وغیرہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور مسکینوں کو فقر و فاقہ سے بچاتے ہیں اور اور مسافروں اور سوالیوں کی خدمت کرتے ہیں اور ان مالوں کو غلاموں کے آزاد کرانے کیلئے اور قرضداروں کو سبکدوش کرنے کیلئے بھی دیتے ہیں اور اپنے خرچوں میں نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ تنگدلی کی عادت رکھتے ہیں اور میانہ روش چلتے ہیں پیوند کرنے کی جگہ پر پیوند کرتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں اور اُن کے مالوں میں سوالیوں اور بے زبانوں کا حق بھی ہے۔ بے زبانوں سے مراد کتوں بلیاں چڑیاں بیل گدھے بکریاں اور دوسری چیزیں ہیں وہ تکلیفوں اور کم آمدنی کی حالت میں اور قحط کے دنوں میں سخاوت سے دل تنگ نہیں ہو جاتے بلکہ تنگی کی حالت میں بھی اپنے مقدور کے موافق سخاوت کرتے رہتے ہیں وہ کبھی پوشیدہ خیرات کرتے ہیں اور کبھی ظاہر پوشیدہ اس لئے

کہ تا ریا کاری سے بچیں اور ظاہر اس لئے کہ تا دوسروں کو ترغیب دیں۔ خیرات اور صدقات وغیرہ پر جو مال دیا جائے اس میں یہ ملحوظ رہنا چاہیئے کہ پہلے جس قدر محتاج ہیں ان کو دیا جائے ہاں جو خیرات کے مال کا تعہد کریں یا اس کیلئے انتظام و اہتمام کریں ان کو خیرات کے مال سے کچھ ملسکتا ہے اور نیز کسی کو بدی سے بچانے کیلئے بھی اس مال میں سے دے سکتے ہیں ایسا ہی وہ مال غلاموں کے آزاد کرنے کیلئے اور محتاج اور قرضداروں اور آفت زدہ لوگوں کی مدد کیلئے بھی اور دوسری راہوں میں جو محض خدا کے لئے ہوں ... خرچ ہوگا۔ تم حقیقی نیکی کو ہرگز نہیں پاسکتے جبتک کہ بنی نوع کی ہمدردی میں وہ مال خرچ نہ کرو جو تمہارا پیارا مال ہے غریبوں کا حق ادا کرو مسکینوں کو دو مسافروں کی خدمت کرو اور فضولیوں سے اپنے تئیں بچاؤ یعنے بیاہوں شادیوں میں اور طرح طرح کی عیاشی کی جگہوں میں اور لڑکا پیدا ہونے کی رسوم میں جو اسراف سے مال خرچ کیا جاتا ہے اس سے اپنے تئیں بچاؤ۔ تم ماں باپ سے نیکی کرو اور قریبیوں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور ہمسایہ سے جو تمہارا قریبی ہے اور ہمسایہ سے جو بیگانہ ہے اور مسافر سے اور نوکر اور غلام اور گھوڑے اور بکری اور بیل اور گائے سے اور حیوانات سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں کیونکہ خدا کو جو تمہارا خدا ہے یہی عادتیں پسند ہیں وہ لاپرواہوں اور خود غرضوں سے محبت نہیں کرتا اور ایسے لوگوں کو نہیں چاہتا جو بخیل ہیں اور لوگوں کو بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنے مال کو چھپاتے ہیں یعنی محتاجوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں +

اور منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے وہ حالت ہے جو شجاعت سے مشابہ ہوتی ہے جیسا کہ شیر خوار بچہ بھی اسی قوت کی وجہ سے کبھی آگ میں ہاتھ ڈالنے لگتا ہے کیونکہ انسان کا بچہ بباعث فطرتی جوہر غلبہ انسانیت کے ڈرانے والے نمونوں سے پہلے کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتا۔ اس حالت میں انسان نہایت بے باکی سے شیروں اور دوسرے جنگلی درندوں کا بھی مقابلہ کرتا ہے اور تن تنہا مقابلہ کیلئے کئی آدمیوں کے لڑنے کے لئے نکلتا ہے اور لوگ جانتے ہیں کہ بڑا بہادر ہے لیکن یہ صرف ایک طبعی حالت ہے کہ اور درندوں میں بھی پیدا ہوتی ہے بلکہ کتوں میں بھی پائی جاتی ہے اور حقیقی شجاعت جو محل اور موقع کے ساتھ خاص ہے اور جو اخلاق فاضلہ میں سے ایک خلق ہے وہ ان محل اور موقع کے امور کا نام ہے جنکا ذکر خدا تعالےٰ کے پاک کلام میں اس طرح پر آیا ہے:-

وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ - وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ یعنے بہادر

وہ ہیں کہ جب لڑائی کا موقع آپڑے یا انپر کوئی مصیبت پڑے تو بھاگتے نہیں ان کا صبر لڑائی اور سختیوں کے وقت میں خدا کی رضامندی کے لئے ہوتا ہے اور اس کے چہرہ کے طالب ہوتے ہیں نہ کہ بہادری دکھلانے کے انکو ڈرایا جاتا ہے کہ لوگ تمہیں سزا دینے کیلئے اتفاق کر گئے ہیں سو تم لوگوں سے ڈرو پس ڈرانے سے اور بھی انکا ایمان بڑھتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ خدا ہمیں کافی ہے یعنی اُن کی شجاعت درندوں اور کتوں کی طرح نہیں ہوتی جو صرف طبعی جوش پر مبنی ہو جس کا ایک ہی پہلو پر میل ہو بلکہ انکی شجاعت دو پہلو رکھتی ہے کبھی تو وہ اپنی ذاتی شجاعت سے اپنے نفس کے جذبات کا مقابلہ کرتے ہیں اور اسپر غالب آتے ہیں اور کبھی جب دیکھتے ہیں کہ دشمن کا مقابلہ قرین مصلحت ہے تو نہ صرف جوش نفس سے بلکہ سچائی کی مدد کیلئے دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں مگر نہ اپنے نفس کا بھروسہ کر کے بلکہ خدا پر بھروسہ کر کے بہادری دکھاتے ہیں اور ان کی شجاعت میں ریاکاری اور خود بینی نہیں ہوتی اور نہ نفس کی پیروی بلکہ ہر ایک پہلو سے خدا کی رضا مقدم ہوتی ہے۔ ان آیات میں سمجھایا گیا ہے کہ حقیقی شجاعت کی جڑ صبر اور ثابت قدمی ہے اور ہر ایک جذبہ نفسانی یا بلا جو دشمنوں کی طرح حملہ کرے اسکے مقابلہ پر ثابت قدم رہنا اور بزدل ہو کر بھاگ نہ جانا یہی شجاعت ہے سو انسان اور درندہ کی شجاعت میں بڑا فرق ہے درندہ ایک ہی پہلو پر جوش اور غضب سے کام لیتا ہے اور انسان جو حقیقی شجاعت رکھتا ہے وہ مقابلہ او ترک مقابلہ میں جو کچھ قرین مصلحت ہو وہ اختیار کر لیتا ہے۔

اور منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اُس کی فطرت کا خاصہ ہے سچائی ہے انسان جبتک کوئی غرض نفسانی اسکی محرک نہ ہو جھوٹ بولنا نہیں چاہتا اور جھوٹ کے اختیار کرنے میں ایک طرح کی نفرت اور قبض اپنے دل میں پاتا ہے اسی وجہ سے جس شخص کا صریح جھوٹ ثابت ہو جائے اس سے ناخوش ہوتا ہے اور اس کو تحقیر کی نظر سے دیکھتا ہے لیکن صرف یہی طبعی حالت اخلاق میں داخل نہیں ہو سکتی بلکہ بچے اور دیوانے بھی اس کے پابند رہ سکتے ہیں۔ سو اصل حقیقت یہ ہے کہ جبتک انسان ان نفسانی اغراض سے علیحدہ نہ ہو جو راست گوئی سے روک دیتے ہیں تب تک حقیقی طور پر راستگو نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اگر انسان صرف ایسی باتوں میں سچ بولے جنمیں اس کا چنداں حرج نہیں اور اپنی عزت یا مال یا جان کے نقصان کے وقت جھوٹ بول جائے اور سچ بولنے سے خاموش رہے تو اسکو دیوانوں اور بچوں پر کیا فوقیت ہے۔ کیا پاگل اور نابالغ لڑکے بھی ایسا سچ نہیں بولتے دنیا میں ایسا کوئی بھی نہیں ہوگا کہ جو بغیر کسی تحریک کے خواہ نخواہ جھوٹ بولے پس ایسا سچ جو کسی نقصان کے وقت چھوڑا جائے حقیقی اخلاق میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ سچ کے بولنے کا

بڑا بھاری محل اور موقع وہی ہے جسمیں اپنی جان یا مال یا آبرو کا اندیشہ ہو اس میں خدا کی یہ تعلیم ہے:-

فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور - ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا - ولا تکتموا الشھادۃ - ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ - واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ - کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علیٰ انفسکم او الوالدین والاقربین - ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ الا تعدلوا - والصادقین والصادقات - وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر - لا یشھدون الزور - ترجمہ - بتوں کی پرستش اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو یعنی جھوٹ بھی ایک بت ہے جس پر بھروسا کرنے والا خدا کا بھروسا چھوڑ دیتا ہے سو جھوٹ بولنے سے خدا بھی ہاتھ سے جاتا ہے اور پھر فرمایا کہ جب تم سچی گواہی کیلئے بلائے جاؤ تو جانے سے انکار مت کرو اور سچی گواہی کو مت چھپاؤ اور جو چھپائیگا اس کا دل گنہگار ہے اور جب تم بولو تو وہی بات منہ پر لاؤ جو سراسر سچ اور عدالت کی بات ہے اگرچہ تم اپنے کسی قریبی پر گواہی دو حق اور انصاف پر قائم ہو جاؤ اور چاہیے کہ ہر ایک گواہی تمہاری خدا کیلئے ہو - جھوٹ مت بولو اگرچہ سچ بولنے سے تمہاری جانوں کو نقصان پہنچے یا اس سے تمہارے ماں باپ کو ضرر پہنچے اور قریبیوں کو جیسے بیٹے وغیرہ کو - اور چاہیے کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں سچی گواہی سے نہ روکے سچے مرد اور سچی عورتیں بڑے بڑے اجر پائینگے - ان کی عادت ہے کہ اوروں کو بھی سچ کی نصیحت دیتے ہیں اور جھوٹوں کی مجلسوں میں نہیں بیٹھتے ٭

منجملہ انسان کے طبعی امور کے ایک صبر ہے جو اس کو ان مصیبتوں اور بیماریوں اور دکھوں پر کرنا پڑتا ہے جو اس پر ہمیشہ پڑتے رہتے ہیں اور انسان بہت سیاپے اور جزع فزع کے بعد صبر اختیار کرتا ہے لیکن جاننا چاہیے کہ خدا تعالےٰ کی پاک کتاب کے رو سے وہ صبر اخلاق میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ ایک حالت ہے جو تھک جانے کے بعد ضرورتاً ظاہر ہو جاتی ہے یعنی انسان کی طبعی حالتوں میں سے یہ بھی ایک حالت ہے کہ وہ مصیبت کے ظاہر ہونیکے وقت پہلے روتا چیختا سر پیٹتا ہے آخر بہت سا بخار نکالکر جوش تھم جاتا ہے اور انتہا تک پہنچکر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے پس یہ دونوں حرکتیں طبعی حالتیں ہیں انکو خلق سے کچھ تعلق نہیں بلکہ اس کے متعلق خلق یہ ہے کہ جب کوئی چیز اپنے ہاتھ سے جاتی رہے تو اس چیز کو خدا تعالےٰ کی امانت سمجھکر کوئی شکایت منہ پر نہ لاوے اور یہ کہے کہ خدا کا تھا خدا نے لے لیا اور ہم اس کی رضاء کے ساتھ راضی ہیں اس کے متعلق خدا تعالےٰ کا پاک کلام قرآن شریف ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے:- ولنبلونکم

بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ - یعنے اے مومنو ہم تمہیں اس طرح آزماتے رہینگے کہ کبھی کوئی خوفناک حالت تمپر طاری ہوگی اور کبھی فقر و فاقہ تمہارے شامل حال ہوگا اور کبھی تمہارا مالی نقصان ہوگا اور کبھی جانوں پر آفت آئیگی اور کبھی اپنی محنتوں میں ناکام رہوگے اور حسب المراد نتیجے کوششوں کے نہیں نکلینگے اور کبھی تمہاری پیاری اولاد مریگی پس ان لوگوں کو خوشخبری ہو کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی چیزیں اور اس کی امانتیں اور اسکے مملوک ہیں پس حق یہی ہے کہ جسکی امانت ہے اس کی طرف رجوع کرے یہی لوگ ہیں جنپر خدا کی رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو خدا کی راہ کو پاگئے غرض اس خلق کا نام صبر اور رضا برضا الہی ہے اور ایک طور سے اس خلق کا نام عدل بھی ہے کیونکہ جب کہ خدا تعالےٰ انسان کی تمام زندگی میں اس کی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اور نیز ہزارہا باتیں اس کی مرضی کے موافق ظہور میں لاتا ہے اور انسان کی خواہش کے مطابق اسقدر نعمتیں اسکو دے رکھی ہیں کہ انسان شمار نہیں کرسکتا تو پھر یہ شرط انصاف نہیں کہ اگر وہ کبھی اپنی مرضی بھی منوانا چاہے تو انصاف منحرف ہو اور اس کی رضا کے ساتھ راضی نہ ہو اور چون و چرا کرے یا بیدین اور بے راہ ہوجائے +

اور منجملہ انسان کے طبعی امور کے جو اسکی طبیعت کے لازم حال ہیں ہمدردی خلق کا ایک جوش ہے قومی حمایت کا جوش بالطبع ہر ایک مذہب کے لوگوں میں پایا جاتا ہے اور اکثر لوگ طبعی جوش سے اپنی قوم کی ہمدردی کیلئے دوسروں پر ظلم کر دیتے ہیں گویا انہیں انسان نہیں سمجھتے سو اس حالت کو خلق نہیں کہ سکتے یہ فقط ایک طبعی جوش ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حالت طبعی کووّں وغیرہ پرندوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ ایک کوے کے مرنے پر ہزارہا کوے جمع ہوجاتے ہیں لیکن یہ عادت انسانی اخلاق میں اسوقت داخل ہوگی جبکہ ہمدردی انصاف اور عدل کی رعایت سے محل اور موقع پر ہو اس وقت یہ ایک عظیم الشان خلق ہوگا جس کا نام عربی میں مواسات اور فارسی میں ہمدردی ہے اسی کیطرف اللہ جل شانہ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے :- تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَلَا تَھِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ وَلَا تَکُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا یعنے اپنی قوم کی ہمدردی اور اعانت فقط نیکی کے کاموں میں کرنی چاہیئے - اور ظلم اور زیادتی کے

کاموں میں اُنکی اعانت ہرگز نہیں کرنی چاہئے اور قوم کی ہمدردی میں سرگرم رہو حکومت اور خیانت کرنے والوں کی طرف سے مت جھگڑو جو خیانت کرنے سے باز نہیں آتے خدا تعالٰے خیانت پیشہ لوگوں کو دوست نہیں رکھتا +

تثلیث اور توحید

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

یسوع کی عصمت پر دوسرا اعتراض

ایسا ہی یہودی آجتک یہ بھی کہتے ہیں کہ یسوع مسیح کا ایک یہ بھی توریت کے رو سے گناہ تھا کہ اس نے ماں کی بے عزتی کی۔ دیکھو متی باب ۱۲۔ ۴۷۔ وہ یہ بھی اسپر الزام رکھتے ہیں کہ وہ عمداً ایک بیگناہ کی نقصان رسانی کا مرتکب بھی ہوا دیکھو متی باب ۵۔ ۱۳۔ اُنکا یہ بھی اعتراض ہے کہ اسوجہ سے بھی توریت اُسکو گنہگار ٹھہراتی ہے کہ اُس نے اپنے شاگردوں کو حرام کا مال کھانیسے منع نہ کیا۔ دیکھو متی باب ۱۱۔ ۱۔ وہ بڑے دعوے اور اصرار سے اسلئے بھی اسکو مجرم ٹھہراتے ہیں کہ اُس نے ایک بدکار اور فاحشہ عورت کو موقع دیا کہ اُسکے بعض اعضا سے اپنے اعضا چھوئے اور اپنے مال حرام کا عطر اس کے سر پر ملے۔ دیکھو لوقا۔ باب ۷۔ ۳۷ و ۳۸۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ توریت کے رو سے نہایت سخت اور قابل نفرت اس سے یہ بھی گناہ ہؤا کہ اُس نے خدا کی تحقیر کی اور اپنے تئیں اسکے برابر ٹھہراکر اس کے نام کو بے عزت کیا۔ پس وہ اس حرکت سے نہ صرف گنہگار بلکہ کافر اور واجب القتل ہو گیا۔ دیکھو یوحنا باب ۵۔ ۱۸۔ اُنکا ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ مریم مگدلینی ایک عورت فاحشہ تھی کیوں یسوع نے اسکو اخیر تک اپنے پاس رکھا اور اپنے تئیں اسکی صحبت سے نہ بچایا۔ وہ لوگ اسکے گنہگار ہونے کا یہ بھی موجب ٹھہراتے ہیں کہ اُن کا قول ہے کہ ایک مرتبہ یسوع کسی بیگانہ عورت پر عاشق ہو گیا تھا اور قوم اسرائیل میں اس گناہ کی یہانتک شہرت ہوئی کہ ایک بزرگ نے جو مسیح کا استاد بھی تھا

اس سے وہ حرکت دیکھکر اور سخت ناراض ہو کر ہمیشہ کیلئے اس کو اپنے سے علیحدہ کر دیا دیکھو کتاب سیفر ٹولڈ تھ جیسو
یہودی لوگ اپنی شرارت اور خباثت سے یہ بھی الزام پیش کرتے ہیں کہ یسوع مسیح کی ماں پاکدامن نہیں تھی یعنے
حضرت مسیح کی پیدایش نعوذ باللہ ناجائز ہے اور یہ امر مسیح معصوم ہونے کے برخلاف ہے۔ اسجگہ پادری صاحبوں
کے لئے بڑی مشکل ہے کیونکہ جبکہ مان لیا گیا ہے کہ یسوع کی پیدایش اپنے باپ کی طرف سے نہیں تھی تو اس بات
کا بار ثبوت عیسائیوں کے ذمہ ہے کہ روح القدس بھی عورتوں کو حاملہ کر دیا کرتا ہے اور جبتک نظیروں کے ساتھ اسکا
شافی ثبوت پیش نہ کیا جائے تب تک معترضین کا حق ہے کہ اعتراض کریں +

ہندوؤں میں اس قسم کے افسانے بہت ہیں اور پورانوں میں اس قسم کے تذکرے پائے جاتے ہیں کہ بعض
عورتوں کو چاند سے حمل ہو گیا تھا اور بعض کو سورج سے اور بعض کو اندر سے اور بعض کو کسی اور دیوتا سے لیکن وہ
نظیریں بھی یقینی طور پر پیش کرنے کے لائق نہیں کیونکہ ہندوؤں میں نیوگ کی بھی رسم ہے جو مقدس مانی گئی ہے
اور معلوم ہوتا ہے کہ انسانی فطرت کی حیا کے سبب سے نیوگ کی اولاد کو ان اجرام کیطرف منسوب کر دیا گیا ہوگا کیونکہ
ہندوؤں کے نزدیک نیوگ کی رسم ایک بڑی مقدس رسم ہے اور گو دوسری قومیں اپنی اجنبیت کی وجہ سے اعتراض
کریں مگر چونکہ یہ تمام کارروائی وید کے رو سے ہے اسلئے ایک مہاتما آریہ اس بات سے کچھ بھی کراہت نہیں کرتا کہ کسی وقت
اولاد کی ضرورت کی وجہ سے اپنی بیوی کو دوسرے سے ہم بستر کراوے اور وہ بھاگوان اسطرح پر اجنبی مرد کے ذریعہ سے
گیارہ تک اولاد نرینہ لے سکتی ہے مگر لڑکیاں حساب سے باہر ہیں گو بیس ہو جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وید کے اوائل
زمانہ میں نیوگ میں یہ شرط تھی کہ اس دھرم ریت کے بجالانیوالا کوئی مقدس برہمن ہو اور استعارہ کے طور پر اسی کو سورج
یا چاند یا اندر یا اور کوئی آسمانی دیوتا کہدیا کرتے تھے اور جاہلوں سے حقیقت کو چھپانے کیلئے قوم کے بزرگوں میں
یہ ایک اصلاح تھی مگر پھر بعد اسکے نیوگ کا مسئلہ بہت وسیع کیا گیا اور برہمن کے لفظ میں بزرگ اور مقدس ہونے کی شرط
نہ رہی بلکہ یہ لفظ عام قومیت پر اطلاق پا گیا اور اب بغیر شرط اعمال کے ایک خاص قوم کے لوگوں کو جو شاید ان بزرگوں
کی اولاد ہیں برہمن کہا جاتا ہے اور انہی سے نیوگ کی رسم کرائی جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس رسم کیلئے
کسی دوسرے کو جو مضبوط جوان قابل حمل ٹھہرانے کے ہو انتخاب کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں نیوگ کی رسم بکثرت رہی
ہے اور اب بھی ہے مگر یہ کارروائی بہت پردہ سے اور احتیاط سے کیجاتی ہیں غرض ہندوؤں کے خاندانوں کی ایسی
نظیروں میں کہ کوئی بچہ بغیر باپ کے پیدا ہو گیا بہت شبہ ہے اسلئے ہم ان سے جیسا کہ چاہیئے فائدہ نہیں اٹھا سکتے
اور یونانیوں میں بھی ایسے تذکرے ہیں مگر دراصل یونانی گویا یورپ کے ہندو ہیں پس کچھ شک نہیں کہ وہ بھی نیوگ

کی رسم کو پوشیدہ رکھکر ایسے بچوں کو دیوتاؤں کی طرف منسوب کرتے رہے ہیں یا یوں کہو کہ انہوں نے بھی مقدس انسانوں کو دیوتا ہی سمجھ لیا تھا۔ اور ہندوؤں میں تو ابتک یہ عام خیال کیا جاتا ہے کہ رشی رکھی سب پرمیشر کے ہی مورت ہیں اسی وجہ سے بہت سی عورتیں جگن ناتھ یا کاشی جی کے مندروں میں کسی مقدس برہمن سے اولاد لینے کیلئے پڑی رہتی ہیں اور بعض جوگی جو بڑے مرتاض اور رسدہ گویا پرمیشر کا روپ کہلاتے ہیں وہ اجدھیا یا کاشی یا جگن ناتھ جی کے جنگلوں میں کسی تالاب یا کسی بھاری سرسبز درخت کے نیچے پرمیشر کے دھیان میں بیٹھے رہتے ہیں وہ تپ میں سخت درجہ پر محو ہوتے ہیں اور ایسی انقطاع کی حالت ان پر طاری ہوتی ہے کہ سچ مچ ایشر ہی کے اوتار نظر آتے ہیں اور وہ بدقسمت ہندو جن کو اولاد کی کمی ہے وہ وید کی آگیا سے ان دھرم مورت رشیوں کی خدمت میں اپنی جوان عورتیں ہر طرح سے آراستہ کر کے بھیجدیتے ہیں اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ چند دن میں ہی وہ عورتیں حاملہ ہو کر گھروں میں آجاتی ہیں اور شاید رام جنی کا لفظ جو ہندو مذہب کے طائف پر بولا جاتا ہے اسکی اصلیت بھی یہی ہے کہ ان مقدسوں کو رام یعنے پرمیشر سمجھا جاتا ہے اور اسطرح کی ذریت رام جنی کہلاتی ہے +

غرض جس بات کی ہم تلاش میں تھے یعنے یہ کہ بغیر باپ کے پیدا ہونا اسکی نظیر یقینی طور پر ہندوؤں اور یونانیوں میں ہمیں نہیں ملسکی بلکہ اکثر یہ قصے استعاروں کے رنگ میں پائے گئے گو ممکن ہے کہ ایسا بھی ہو لیکن امکان ثبوت کے قائمقام نہیں ہوسکتا پھر جبکہ یہود اس قسم کی پیدائش کو مانتے نہیں اور عیسائیوں کے پاس اس قسم کے نظائر نہیں تو اس مسئلہ کے حل کرنے میں بڑی مشکلات کا سامنا ہے۔ چونکہ مخالف کی نظر حضرت مسیح جیسے نبی کی پاک فطرت پر دھبہ لگاتی ہے اور معصوم ہونے کے دعوے کو سر سے اڑا دیتی ہے اسلئے میرے خیال میں پادری صاحبوں کا یہ فرض ہے کہ سب سے پہلے اس مشکل پیش آمدہ سے کوئی رہائی کی راہ نکالیں۔ اور یہ کہنا کہ مسیح خدا تھا اس کو باپ کی کیا حاجت تھی یہ دعوے پر دعوے ہے کیونکہ ابھی کہاں ثابت کیا گیا ہے کہ درحقیقت وہ خدا ہے کیا چند معمولی نشان جو محض قصوں کے رنگ میں پائے جاتے ہیں اور ایسے فوق العادت امور میں دوسرے نبی شریک بھی ہیں اُن قصوں سے خدائی ثابت ہو جائیگی؟ ماسوا اس کے اگر فرض کے طور پر مان لیا جاوے کہ مسیح چونکہ خدا تھا اسلئے وہ بغیر باپ کے پیدا ہوسکتا تھا تو ساتھ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر باوجود خدا ہونے کے اس کو ماں کی حاجت کیوں پڑی۔ اور ایک منکر کہ سکتا ہے کہ جبکہ مسیح بغیر ماں کے پیدا نہیں ہوسکا تو اس سے قیاس کر سکتے ہیں کہ باپ بھی کہیں مخفی ہوگا اور چونکہ ہم کسی مخالف کا بغیر حجت قوی کے منہ نہیں بند کر سکتے اس لئے اس سوال کا ہمارے پاس کیا جواب ہے اگر کوئی یہ کہے کہ کیوں جائز نہیں کہ اندر اور چاند کی اولاد کی طرح اسجگہ بھی کوئی استعارہ ہی ہو اور

صدیقہ کے حمل کیلئے کوئی مخفی صدیق ہو اور ایک عیسائی کی طرف سے یہ جواب نیک نیتی سے نہیں ہو سکتا اور نہ بطور حجت صحیحہ کے قابل استدلال کہ قرآن نے حضرت مسیح کی ولادت کو بے پدر مان لیا ہے کیونکہ جس حالت میں قرآن کی وحی انکے نزدیک خدا کی طرف سے نہیں ہے بلکہ نعوذ باللہ انسانی افترا ہے تو کیا وہ انسانی افترا سے اپنی بات کو سرسبز کرنا چاہتے ہیں پس قرآن کی شہادت اُن کو کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی بجز اس کے کہ وہ قرآنی وحی کو منجانب اللہ قبول کرلیں ۔

اس مشکل کے حل کرنے کیلئے مسلمانوں میں سے ایک فرقہ نے جو نیچریوں کے نام سے مشہور ہیں یہ خیال کو ظاہر کیا ہے کہ درحقیقت عیسیٰ علیہ السلام اپنے باپ یوسف کے نطفہ سے تھے لیکن یہ خیال عقل اور نقل دونوں کے مخالف ہے کیونکہ اگر صرف اتنی ہی بات تھی کہ حضرت مسیح بھی اپنے چار اور بھائیوں کیطرح یوسف کے نطفہ سے پیدا ہوئے تھے تو عقل قبول نہیں کرسکتی کہ جو شور قیامت حضرت مریم کے سر پر یہودیوں نے مچایا جس کو قرآن شریف نے آیت وما کانت امك بغیا میں بیان فرمایا ہے وہ ایسی معمولی اور جائز پیدائش میں مچایا جاتا اور نقل سے اسلئے یہ خیال مخالف ہے کہ قرآن کی نص صریح سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم ابھی پیٹ میں ہی تھیں کہ ان کی والدہ نے اپنے پر یہ نذر مان لی تھی کہ اس نے اپنے پیٹ کے بچے کو ہیکل یعنی خانہ خدا کی خدمت کے لئے تمام عمر تک وقف کر دیا ہے اور عہد کرلیا ہے کہ وہ بچہ جو پیٹ میں ہے ہمیشہ کیلئے دنیا کے تعلقات اور نیز تعلق بیوی یا میاں سے دست بردار رہیگا تو اس صورت میں کیونکر ممکن تھا کہ برخلاف عہد کے مریم صدیقہ کا ناطہ کسی شخص سے کیا جاتا بلکہ وہ پیدا ہونے پر نذر کے موافق ہیکل کے بزرگوں کے سپرد ہو چکی تھی اور ماں باپ قطعاً اس سے دست بردار ہو گئے تھے جیسا کہ آیت وکفلھا ذکریا سے ظاہر ہے یعنی بعد اس کے کہ وہ لڑکی ماں باپ نے ہیکل کے بزرگوں کے حوالہ کر دی ذکریا نبی اسکی پرورش کا متکفل ہو گیا اور یہودیوں میں یہ قدیم رواج تھا کہ اس طرح پر ہیکل کی خدمت کیلئے راہبانہ زندگی بسر کرنے والے لڑکے اور لڑکیاں ماں باپ کی نذر مقرر کرنے سے مقرر ہو جاتی تھیں۔ اسی قصہ کو قرآن شریف کی یہ دو آیتیں تصریح سے بیان کرتی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

اذ قالت امرات عمران رب انی نذرت لك ما فی بطنی محررا فتقبل منی انك انت السمیع العلیم۔ دیکھو سورۃ آل عمران۔ یعنی وہ وقت یاد کر جبکہ عمران کی بی بی نے جناب الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے پیٹ میں جو بچہ ہے اسکو میں تعلقات زوجیت اور دوسرے کاروبار دنیا سے آزاد رکھکر تیری نذر کرتی ہوں پس میری نذر قبول کر تو سمیع علیم ہے۔ اس آیت میں دو لفظ قابل یادداشت ہیں ایک

نذر اور دوسرے محرر - نذر کا لفظ اس چیز پر بولا جاتا ہے جس کو انسان اپنے دلمیں کسی خاص شخص کیلئے مخصوص کر لیتا ہے اور محرر کا لفظ اسکی تاکید میں ہے جس سے یہ مطلب ہے کہ کسی طرح سے غیر کو اسمیں اشتراک نہیں ہوگا یہانتک کہ والدین بھی ایسے بچہ سے اپنی اطاعت نہیں چاہتے اور نہ کسی اور کی قید اطاعت میں اسکو لاتے ہیں پس ان آیات سے صاف ثابت ہے کہ مریم کو نذر کے طور پر ہیکل کی خدمت کیلئے ٹاکر بٹھایا گیا تھا اور چونکہ توریت میں حکم ہے کہ اپنی نذروں اور قسموں کو پورا کرو اسلئے والدین کا اختیار نہ تھا کہ وہ اپنی نذر کو توڑ کر مریم کا کسی سے ناطہ کر دیتے لہذا یہ خیال کہ مریم کا یوسف سے ناطہ ہوگیا تھا اور اس کے بعد یوسف سے حمل ہوگیا نہایت جاہلانہ خیال اور نص صریح قرآن کے مخالف ہے اور انجیل بھی اس خیال کی تکذیب کرتی ہے کیونکہ وہ انجیلیں جو حال میں لندن میں چھپی ہیں جو ان چار انجیلوں کے علاوہ ہیں ان میں بھی یہ نذر کا قصہ موجود ہے جو قرآن شریف سے مطابقت رکھتا ہے بلکہ اُن میں لکھا ہے کہ نہ صرف ماں نے یہ نذر مانی تھی بلکہ مریم کے باپ نے بھی نذر مانی تھی اور خود مریم نے بھی بالغ ہو کر نئے سر سے اپنے اقرار اور عہد سے اس نذر کی تجدید کی تھی یعنے خدا کے آگے عہد کیا تھا کہ وہ مرتے دم تک خاوند نہیں کریگی۔ اب اسجگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس موکد عہد اور نذر کے کہ مریم کے باپ اور ماں اور خود مریم کیطرف سے تھا پھر کیوں مریم نے خاوند کر لیا اور توریت کے حکم کو توڑ دیا۔

اس سوال کا جواب کسی پادری صاحب نے صفائی سے نہیں دیا لیکن حال میں مجھے ایک فاضل یہودی کی کتاب ملی ہے جس نے صحیح طور پر اس عقدہ کو حل کر دیا ہے وہ کہتا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ مریم جب ہیکل کی خدمت کے لایق ہوئی تو کچھ مدت تو نیک نامی کے ساتھ خدمت میں مشغول رہی لیکن بالغ ہونے کیساتھ ہی کسی نامعلوم طریق سے اسکو حمل ہوگیا اور بہت شبہات پیدا ہوئے اور یہودیوں نے ایک رومی سپاہی پر یہ الزام لگایا بہرحال جب وہ حاملہ پائی گئی تو ہیکل کے منتظم بزرگوں کو یہ امر بہت شاق گذرا اور انہوں نے اس حمل کے بعد مریم کو ہیکل کی خدمت پر رکھنا نامناسب تصور کیا اسلئے انہوں نے کوشش کر کے ایک بوڑھا آدمی بنی اسرائیل میں سے تلاش کیا جس کا نام یوسف تھا اور اسکو مجبور کیا کہ مریم کو اپنے نکاح میں لاوے وہ شخص بوڑھا بھی تھا اور وجہ معاش بھی نہایت قلیل تھی یعنے بڑھئی تھا اور اس کے گھر میں اسکی جورو بھی زندہ موجود تھی۔ ان مشکلات کے سبب سے مریم کے جورو بنانے سے اس نے انکار کیا اور بزرگوں کی خدمتمیں بادب عرض کی کہ میں بوڑھا ہوں اور میرے گھر میں ایک بیوی موجود ہے اور بچے بھی ہیں اسلئے مجھے اس نکاح سے معاف رکھا جائے مگر بزرگوں نے بہت اصرار کر کے بسرعت تمام مریم کا اس سے نکاح کرا دیا اور مریم کو ہیکل سے رخصت کر دیا تا خدا کے مقدس گھر پر نکتہ چینیاں نہ ہوں پھر کچھ تھوڑے دنوں کے بعد ہی وہ لڑکا

پیدا ہو گیا جس کا نام یسوع رکھا گیا۔ آجتک یہود اس بات کو نہیں مانتے کہ وہ لڑکا معجزہ کے طور پر پیدا ہوا تھا غرض اس یہودی فاضل کا یہ بیان ہے جو ہمنے لکھا اور اس بیان سے بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ کیوں ضرورت نکاح کی پڑی تھی اور اس کے مقابل پر جو انجیلوں میں یہ بیان ہے کہ گویا مریم صدیقہ کا معمولی طور پر جیسا کہ دنیا جہان میں دستور ہے یوسف سے ناطہ ہوا تھا یہ بالکل دروغ اور بناوٹ ہے بلکہ سچ بات یہی ہے کہ ہیکل کے منتظم بزرگوں نے ایک باکرہ عورت کے حمل کو دیکھکر اور دشمنوں کے اعتراض سے ڈرکر اور خاندان کی فضیحت سے اندیشہ کرکے پردہ پوشی کیلئے یہ تدبیر سوچی تھی اور ہرچند وہ جانتے تھے کہ ایسا نکاح توریت کے برخلاف ہے کیونکہ وہ عہد جو مریم کے تارک رکھنے میں خدا سے کیا تھا۔ وہ اسمیں ٹوٹتا تھا تاہم ننگ و ناموس کی مصلحت نے اور شماتت اعدا کے خوف نے ان کو اس کام کیلئے سخت مجبور کر دیا تھا اور ہرچند اس حمل کو اس طرح پوشیدہ کیا گیا تھا تاہم شریر یہودیوں نے جو اس خاندان کے دشمن تھے ناجائز طور پر شہرت دیدی تھی چنانچہ آجتک انہی خیالات سے وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کو جو یسوع ہے یسو بولتے ہیں یعنی بغیر عین کے اور یہ ایک ایسا گندہ لفظ ہے جس کا ترجمہ کرنا ادب سے دور ہے اور میرے دلمیں گذرتا ہے کہ قرآن شریف نے جو حضرت مسیح علیہ السلام کا نام عیسیٰ رکھا وہ اسی مصلحت سے ہے کہ یسوع کے نام کو یہودیوں نے بگاڑ دیا تھا اور ایسے بد خطابوں سے ان کا یہ مطلب تھا کہ تا اپنی جبلی شرارتوں سے حضرت مسیح اور ان کی والدہ صدیقہ کے چال چلن پر ناجائز حملہ کریں اور اُن کو عصمت اور طہارت سے محروم قرار دیں پس جس نہایت مکروہ صورت پر حضرت عیسیٰ اور اُن کی والدہ پر بہتان لگائے گئے اور اُن کی عیب شماری کیگئی اسکی نظیر دوسرے تمام نبیوں میں نہیں پائی جاتی۔ حضرت مریم صدیقہ اور اُن کے سعید لڑکے کو ایسے بہتانوں سے جو کچھ دل پر صدمہ پہنچا ہوگا اُس کا اندازہ ہر ایک شریف کر سکتا ہے +

انہی بہتانوں کیوجہ سے یہود پر یہ پھٹکار پڑی کہ جو عیب وہ حضرت مریم اور حضرت مسیح پر لگاتے تھے وہی عیب ان کے مردوں اور عورتوں میں پھیل گئے کیونکہ یہ سنت اللہ ہے کہ جو قوم کسی نبی پر کوئی عیب لگاتی ہے اس عیب میں خود گرفتار ہو جاتی ہے مثلاً یورپ کے پادریوں اور ان کے پیروؤں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فسق و فجور کا عیب لگایا تھا آخر یہ لوگ جسقدر استیفاء لذات اور ناجائز شہوات میں گرے اور جس قدر ایک گروہ کثیر یورپ کے مردوں اور عورتوں نے کھلی کھلی حرام کاری کے نمونے دکھلائے دوسرے ملکوں میں اسکی نظیر تلاش کرنا ایک عبث کوشش ہے غرض جو کچھ حضرت مسیح اور اُن کی والدہ کی نسبت یہود نامسعود نے ایک طومار عیبوں کا جمع کر رکھا ہے اور جیسا کہ اُن کی ساری زندگی گناہ سے بھری ہوئی زندگی قرار دی ہے یہ نظارہ پادریوں کیلئے ایک نہایت عبرت کا نظارہ ہے اور اس سے سمجھ آسکتا ہے کہ کیونکہ ہر ایک شخص کیلئے عیب جوئی کا میدان وسیع ہے۔ پھر ان خیالات

میں پڑنا کہ دوسرے تمام نبیوں کو گنہگار قرار دیں اور مسیح کا نام معصوم رکھیں گویا خود لوگوں کو اس طرف توجہ دلانا ہے کہ اٹھو تم بھی یسوع مسیح کے عیبوں کی تلاش کرو وہ یاد رکھیں کہ اس غیر مہذب اور گندے طریق میں پڑکر اُن کو کامیابی نصیب نہیں ہوگی اور نہ یہ شریفوں اور نیک فطرت انسانوں کی عادت ہو سکتی ہے کہ خدا کے اُن مقدس نبیوں کو گالیاں دیں اور اُن کا نام فاسق اور فاجر رکھیں جن کو اُس قادر حقیقی نے کروڑہا مخلوقات کے پیشوا ٹھہرا کر جاہ و جلال کے تخت پر بٹھا دیا ہے خوب یاد رکھو کہ تم دوسرے نبیوں کو بدکہکر مریم کے بیٹے کو نیک نہیں بنا سکتے خدا کے تمام پاک نبی ایک وجود کے حکم میں ہیں جب وجود واحد میں سے ایک عضو کی صحت خراب ہو جائے تو سارے وجود کی صحت خراب ہو جاتی ہے کسی کا عیب مت تلاش کرو کہ وہی عیب تم پر لگایا جائیگا یہ گمان مت کرو کہ دوسرے نبیوں کو عیبناک ٹھہرا کر یسوع مسیح بے عیب ثابت ہو جائیگا بلکہ خدا کی غیرت جو اس کے پاک نبیوں کیلئے ہے وہ تمہیں دکھلائیگی کہ یسوع کے مخالفوں نے سب سے زیادہ اسکے عیب دکھلائے ہیں یہانتک کہ انہوں نے اسکی والدہ کی عزت پر حملہ کرکے یسوع کی ولادت کو بھی عیبناک صورت میں دکھلایا ہے پھر **معصوم** کیسا اور عصمت کس بات کی۔ یہ قرآن شریف کا مسیح اور اس کی والدہ پر **احسان** ہے کہ کروڑہا انسانوں کی یسوع کی ولادت کے بارے میں زبان بند کردی اور اُن کو تعلیم دی کہ تم یہی کہو کہ وہ بے باپ پیدا ہوا تھا ورنہ اگر قرآن بھی وہی رائے حضرت مسیح کی ولادت اور ان کی ماں کی چال چلن کی نسبت ظاہر کرتا جو یہودیوں نے ظاہر کی تھی تو تمام دنیا اسی کثرت رائے کیطرف مائل ہو جاتی اور ضرورۃً اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حضرت مسیح اور اُن کی ماں کی معصومیت ثابت کرنا ایک امر محال اور غیر ممکن ہو جاتا! ورگو اب بھی لوگوں کو اس جدید منطق کیطرف راہ نہیں کہ کیونکر روح القدس کنواری عورتوں کو عطیہ حمل عطا کر دیا کرتا ہے اور نہ کسی کے پاس اس کی نظیریں ہیں لیکن چونکہ اسلام نے وحی الٰہی کی اطاعت سے اس قسم حمل کو مان لیا ہے اسلئے ایمانی رنگ میں کسی دلیل سے مسلمانوں کو قبول کرنا پڑا کہ ایسا ہی ہوگا *

اب حاصل کلام یہ ہے کہ مسیح کا یہ کہنا کہ مجھے کیوں نیک کہتا ہے اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہو سکتی کہ مسیح اس طرح کی تعریف سے ناخوش تھا جبتک اس کو خدا خدا کرکے نہ پکارا جائے بلکہ ہر ایک بہادر انکسار کا نفس اسی پر گواہی دیتا ہے کہ مسیح نے خدا کی عصمت اور جلال کو یاد کرکے اور اپنی فطرتی کمزوریوں کو تصور میں لاکر نہ چاہا کہ اسکو نیک کہا جاوے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ مسیح نے اس کلمہ سے اُس نیک کہنے والے کو یہ بھی جتلایا ہو کہ جب کہ تم لوگ اپنے دلوں میں مجھے اچھا نہیں جانتے اور کہتے ہو کہ یہ شخص شراب خوار اور بے قید اور اجنبی

عورتوں سے تعلق رکھنے والا ہے اور ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور نہ سبت کی تعظیم کرتا ہے بلکہ میری ماں پر بھی ایسی ایسی تہمتیں لگاتے ہو تو پھر زبان سے مجھے نیک کہنا کیا فائدہ۔ زبان سے وہی بات کہو جو تمہارے دل میں ہے یہ خیال اسلئے قرین قیاس ہے کہ یہود اب تک مسیح کو اچھا نہیں جانتے جس شخص نے یہودیوں کی کتابیں دیکھی ہونگی یا ان کے علماء سے مسیح کے چال چلن کی نسبت کچھ استفسار کیا ہوگا وہ میرے اس بیان کی تصدیق کریگا کہ عیسائیوں نے جو کچھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نکتہ چینی کی ہے وہ اس نکتہ چینی سے بہت ہی تھوڑی ہے جو یہودی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا کرتے ہیں کوئی ایسا الزام جو تقویٰ اور نیک چلنی کے برخلاف ہو تصور میں نہیں آسکتا جو یہود نے حضرت مسیح اور ان کی ماں اور اُن کے حواریوں پر نہیں لگایا جس قدر گستاخی سے حضرت مسیح اور انکی ماں کی نسبت انہوں نے عیب شماری کی ہے ایک مسلمان کی قلم سے وہ باتیں نہیں نکل سکتیں لیکن یہودیوں کے اعتراضات کا توڑنا سہل بات نہیں وہ خدا کے مقدس کلام کو پیش کر کے لکھتے ہیں کہ ضرور تھا کہ سچے مسیح سے پہلے ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں آجاتا جیسا کہ ملاکی کی کتاب میں بصراحت موجود ہے پھر ابن مریم سچا مسیح کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے آنے سے پہلے ایلیا آسمان سے نازل نہیں ہوا یہودی مسیح کی اس تاویل کو نہیں مانتے کہ ایلیا کے نزول سے مراد کوئی اور شخص ہے یعنے یوحنا جو ایلیا کے خو اور طبیعت پر آیا وہ کہتے ہیں کہ یہ ملحدانہ تاویل ہے اور ایک گناہ ہے جو اس سے ظہور میں آیا کیونکہ اس نے اپنے تئیں مسیح صادق ٹھہرانے کیلئے خدا کے کلام کی تحریف کی۔ ایک یہودی فاضل اپنی کتاب میں جو اس وقت میرے سامنے رکھی ہے لکھتا ہے کہ ہمارے لئے خدا کے سامنے یہ حجت بس ہے کہ خدا نے ملاکی نبی کے صحیفہ میں یہ خبر دی ہے کہ خود ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں آئیگا۔ یہ نہیں کہا کہ اس کا مثیل آئیگا۔ پھر اُن کا ایک اور اعتراض یہ ہے کہ انجیلوں میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مریم روح القدس سے حاملہ پائی گئی مگر لیکن اعمال باب ۲۔ ۳۰ میں لکھا ہے کہ خدا نے داؤد نبی سے قسم کھا کر کہا کہ مسیح تیری نسل سے ہوگا۔ اگر مسیح روح القدس سے ہے تو داؤد کی نسل سے کیسے ہو سکتا ہے اور توریت سے ظاہر ہے کہ نسل مرد سے کہلاتی ہے +

یسوع کی عملی غلطیاں

اب اس امر کا لکھنا بھی اسجگہ غیر موزون نہ ہوگا کہ جس قدر مسیح کی عصمت اور راستبازی کے بارے میں یہودیوں نے نکتہ چینیاں کی ہیں عیسائی قوم کے بعض محققوں نے اُن سے کم نہیں کیں وہ کہتے ہیں کہ

انسان معصوم وہ ہوتا ہے کہ جو غلطی کرنے سے بھی معصوم ہو اور گناہ سے بھی معصوم ہو لیکن مسیح سے دونوں رنگ میں خلاف عصمت حرکات صادر ہوئی ہیں وہ اخیر عمر تک شراب پیتا رہا اور شراب پینے کا حامی تھا اور شراب پینے والی اور بدکار عورتوں کی اُس کے پاس آمد و رفت تھی وہ بعض ناکردہ گناہ لوگوں کی نقصان رسانی کا بھی موجب ہوا اور اُس نے شراب کو عشاء ربانی یعنے ایک مذہبی رسم میں داخل کر کے عیسائی مذہب میں ہمیشہ کیلئے برا نمونہ قائم کیا جس کا خمیازہ آج تک یورپ کی قوموں کو کھینچنا پڑا یعنے شراب کا رواج حد سے زیادہ ہو گیا۔ پس کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ گناہ سے معصوم تھا اور گنہگار نہ تھا ایسا ہی وہ خطا سے بھی معصوم نہ تھا چنانچہ ظاہر ہے کہ اُس نے محض اپنی ذاتی غرض پر نظر رکھکر الیاس کی دوبارہ آنے کی پیشگوئی کے حقیقی معنے ترک کر کے تاویل کے طور پر بیان کیا اور کہا کہ ایلیا خود نہیں بلکہ اس کی خو اور طبیعت پر کوئی اور آگیا ہے حالانکہ ملاکی نبی کے صحیفہ میں صاف لکھا تھا کہ مسیح سے پہلے ایلیا کا دوبارہ آنا ضروری ہے مسیح کو اس تاویل کی اسلئے حاجت پڑی کہ وہ حقیقی معنوں کے رو سے جو ظاہر الفاظ سے نکلتے ہیں سچا نبی بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا چہ جائے کہ اُس کو خدا بنایا جاتا۔ پس اس صورت میں اگر مسیح کی نسبت بہت ہی نرمی اور نیک ظنی کیجائے تب بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہودیوں کے مقابل پر مسیح نے صریح غلطی کی راہ اختیار کی ہے یا یوں کہو کہ خواہ نخواہ سچا مسیح بننے کیلئے ظاہر اور کھلے کھلے معنوں کو عمداً ترک کر دیا ہے اگر مسیح نے صحت نیت اور ایمانداری سے انہی معنوں کو صحیح سمجھا ہے یعنی یہ کہ حقیقی طور پر ایلیا کی آمد ثانی مراد نہیں ہے بلکہ کسی اور کا آنا مراد ہے تو پھر اُس نے اپنی آمد ثانی کے بارے میں یہی معنے کیوں بیان نہ کئے کہ وہ خود دوبارہ دنیا میں نہیں آئیگا بلکہ کوئی اور شخص جو اسکی خو اور طبیعت پر ہوگا آئیگا اب صاف ظاہر ہے کہ ایلیا کی آمد ثانی جسکے آجتک یہودی منتظر ہیں مسیح کے دعوے کو باطل کرتی تھی اور اسکو کاذب ٹھہراتی تھی اسلئے اس نے اپنے تئیں سچا مسیح بنانے کیلئے یہی مصلحت دیکھی کہ ایلیا کی حقیقی آمد ثانی سے انکار کر دے بجز اس کے اُسکے لئے کوئی اور راہ نہ تھی اور نہ یہ قدرت تھی کہ اس کو زندہ کر کے پیش کر سکتا لیکن اپنی آمد ثانی میں اُسکی ایک اور مصلحت تھی اور وہ یہ کہ مسیح کا یہ دعوے کہ داؤد کا تخت دوبارہ قائم کرنیکے لئے میں

٭ یہ مریم مگدلینی اور نیز اُس فاحشہ عورت کی طرف اشارہ ہے جس نے مسیح کے سر پر اپنا عطر ملا تھا اور نیز اس قصہ کی طرف اشارہ ہے جو یہودیوں میں مشہور ہے جو مسیح ایک دفعہ ایک عورت پر عاشق ہو گیا تھا اور اسکی وجہ سے بعض بزرگوں نے ہمیشہ کیلئے اس سے ترک ملاقات کر دی تھی دیکھو ایک یہودی فاضل کی تالیف سیفر ٹولڈتھ جیشو ٭

٭ انجیل سے مسیح کا شرابی اور جرائم پیشہ لوگوں کا یار ہونا ثابت ہے۔ دیکھو انجیل متی باب ۱۱-۱۹ ٭

بھیجا گیا ہوں اُس وقت صحیح ثابت نہیں ہوا اور جس قدر لوگ اس دعوے کی امید پر اس کے ساتھ ہوئے تھے بہتیرے ان میں سے مرتد ہو گئے لہذا مسیح نے اپنی پہلی کلام کو بدلکر یہ کہنا شروع کیا کہ میری بادشاہت زمین کی نہیں بلکہ آسمان کی ہے اس سے بہتوں کی امیدیں ٹوٹ گئیں کیونکہ یہودی تو زمین کی بادشاہت کے بھوکے اور پیاسے تھے وہ آسمان کی محض ایک وہمی بادشاہت سے کیونکر تسلی پکڑ سکتے تھے وہ تو اسی امید پر جیتے تھے کہ ایسا مسیح اُن کی قوم میں سے ظاہر ہوگا کہ جو زمین پر ایک زبردست بادشاہت قائم کریگا اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کر کے انکی ماتحتی سے انکو نجات دیگا - اب بجائے اس کے کہ انکی سالہا سال کی امیدیں پوری کیجاتیں حضرت مسیح اس طرح پر اُنکو تسلی دینے لگے کہ نجات دینے سے مراد گناہ سے نجات دینا ہے اور بادشاہت سے مراد آسمانی بادشاہت ہے اور ایلیا سے مراد یوحنا ہے جو اسکی خو اور طبیعت پر آگیا ان استعاروں پر ایمان لاؤ اور غیر قوموں کی ذرا غلامی کرو اور خوش رہو میں تمہارا ضرور منجی ہوں مگر روحانی طور پر اور ضرور بادشاہ ہوں مگر آسمانی طور پر - اب وہ بیچارے مصیبت کے مارے جو غیر طاقتوں کے پیروں کے نیچے کچلے گئے تباہ ہو گئے برباد ہو گئے ویران ہو گئے ملک سے جلاوطن کئے گئے غلام بنائے گئے ذلیل کئے گئے ایسے منجی کو کیا کرتے اور ان چند لفظوں پر کیونکر خوش ہو سکتے تھے کوئی عمدہ نمونہ بھی تو نظر کے سامنے نہ تھا حواری جنہوں نے اس منجی کو قبول کر لیا تھا وہ بھی طرح طرح کے لالچوں اور عیبوں میں گرفتار تھے جنہوں نے اس منجی پر ہی آخر کار لعنت بھیجی پھر جبکہ یہودیوں کو کوئی کارنمایاں کرشمہ نجات کا دکھائی نہ دیا تو پھر وہ کیونکر مسیح کو منجی مان لیتے انہوں نے بار بار عرض کی کہ حضرت ہمارے گناہوں کا آپ کچھ فکر نہ کریں اسکا ہم خود تدارک کر لینگے ہمارے لئے اس کوچہ کی رہنما توریت کافی ہے - اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ اس کا کچھ زیادہ تر بندوبست کر بھی نہیں سکتے کیونکہ آپکے شاگردوں میں کوئی عمدہ نمونہ استقامت اور ترک دنیا کا ظاہر نہیں پھر ہمیں آپ روحانی نعمت کونسی دینگے ان باتوں کو جانے دیجئے ہم انکو قبول نہیں کر سکتے بلکہ ایسی بیہودہ باتوں سے قوم کو زیادہ تر نفرت ہوتی جاتی ہے اگر آپ سچے مسیح ہیں اور نوشتوں کے موافق ہمارے دردوں دکھوں کو دور کرنے آئے ہیں تو ہماری قومی کمزوری کا کچھ بندوبست کیجئے غیر طاقتوں کی ماتحتی سے ہمیں رہائی دیجئے جلاوطن شدہ فرقوں کو پھر وطن کا منہ دکھلائیے جسمانی مصیبتوں سے توریت کے وعدے کے موافق مخلصی دلائیے اور موسیٰ کیطرح فرعونیوں پر ہاتھ صاف کیجئے پھر آپ ہمارے اور ہم تمہارے ہیں مگر ایسے مسیح کو ہم کیا کریں کہ جو ایک ذرہ بھی ہماری اُن مصیبتوں کو دور نہیں کر سکتا جنہوں نے اسرائیل کی قوم کو آگ کیطرح کھا لیا ہے اور لوہے کے تنور میں ڈال دیا ہے - یہ یہودیوں کا ایسا سوال تھا جس کا جواب مسیح کو کچھ بھی نہیں آیا مگر وہ دل میں محسوس کر گیا کہ اب میں انکے سامنے لاجواب ہوں تب اس نے چالاکی سے ایک تیسرا پہلو بدلا یعنے پہلے تو یہ کہا تھا کہ ابھی میں

داؤد کا تخت قائم کرونگا اور جب وہ بات غیر ممکن نظر آئی تو جھٹ کہدیا کہ میری بادشاہت آسمانی ہے اور جب یہود نے آسمانی بادشاہت پر بھی ہنسی کی تو اب تیسرا پہلو یہ بدلا کہ اب تو میں زمین کا بادشاہ ہو نہیں سکتا باپ کی یہی مصلحت ہے۔ مگر آخری زمانہ میں میں بڑے جلال کے ساتھ اترونگا اور اسرائیل کی قوم کو غیر طاقتوں سے نجات دونگا۔ اب جبکہ مسیح نے پیچھا چھوڑانے کیلئے دور کی ڈالدی اور دل میں یہ خیال کیا کہ اس قدر لمبے زمانہ کی کون تحقیقات کریگا مگر یہودی بھی ان باتوں کے اُستاد تھے انہوں نے تاڑ لیا کہ ٹوٹالتا ہے تب انہوں نے بادب عرض کی جس کا یہ خلاصہ تھا کہ پس از انکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد۔ تب مسیح نے جھٹ ایک چوتھا پہلو بدل دیا کہ ابھی بعض تم میں سے زندہ ہونگے کہ میں آجاؤنگا اور تم ابن آدم کو آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھوگے۔ تب یہودی اپنی درازی عمر کی خوشخبری پاکر خوش ہوگئے اور اسپر زیادہ بحث نہ کی کیونکہ انسان کا قاعدہ ہے کہ خوشامد کے لفظوں پر زیادہ جرح نہیں کرتا۔ غرض مسیح جیسا کہ انجیل میں اُستاد کہلاتا ہے اس حاضر جوابی میں استاد نکلا مگر افسوس کہ یہ پیشگوئی اس کی ایسا قابل شرم دروغ تھا جس کی تصریح کی بھی حاجت نہیں۔ غرض اس فرقہ کے اعتراضات میں سے ایک تو یہی اعتراض ہے جو بیان کیا گیا اور یہ فرقہ لندن میں موجود ہے جو فری تھنکر کہلاتے ہیں اور ہمیشہ اخبارات اور رسالے انہی مضمون کے شایع کرتے رہتے ہیں عیسائی دوسروں پر حملہ کرتے ہیں اور وہ عیسائیوں پر۔ نیز اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جبکہ مسیح الیاس کی آمد ثانی کی نسبت جو تصریح صحیفہ ملاکی میں موجود ہے یہ کہتا ہے کہ وہ آمد حقیقی طور پر نہیں بلکہ اس سے مراد یوحنا نبی ہے جو ایلیا کی خو اور طبیعت پر آیا ہے تو مسیح کو مناسب تھا کہ اپنی آمد ثانی کو بھی اسی طور پر قرار دیتا مگر اُس نے ایسا نہیں کیا بلکہ دونوں موقع پر دو قسم کی مصلحت کو مدنظر رکھا ہے چونکہ ایلیا کی حقیقی طور پر آمد ثانی مسیح سے پہلے نہیں ہوتی اس لئے اسکو اپنی بات بنانے کیلئے کہنا پڑا کہ ایلیا سے مراد یوحنا ہے تا اپنا دعوے برباد نہ ہو جائے لیکن دوسرے موقع پر جہاں اپنی آمد ثانی کا ذکر ہے یہودیوں کے آنسو پونچھنے منظور تھے تا وہ جسمانی طور پر جیسا کہ وہ انتظار کرتے تھے منجی سمجھ لیں لہذا یہی کہدیا کہ میں ہی آجاؤنگا اور یہ سراسر فریب کا طریق ہے کہ ایلیا کی آمد ثانی کے وقت کچھ کہا اور اپنی آمد ثانی کیوقت کچھ کہا اور دونوں پہلوؤں میں اپنا ہی فائدہ مدنظر رکھا۔ یہ تو اعتراض ہے مگر یاد رہے کہ مسیح کا ہرگز یہ دعوے نہیں ہے بلکہ اس نے انجیل میں صاف طور پر اقرار کر دیا ہے کہ میری آمد ثانی بھی ایلیا یعنے الیاس کے مانند ہوگی دیکھو متی باب ۱۷ آیت ۱۰ سے بارہ تک اسمیں مسیح نے صاف اشارہ کر دیا کہ الیاس کو دو مرتبہ دکھ اٹھانا پڑا۔ ایک اپنی آمد اول میں دوسرے اپنی آمد ثانی میں جو بروزی رنگ میں تھی اور الیاس ہی دکھ اٹھائیگا صرف یہ فرق ہوگا کہ پہلے دکھ کے ساتھ محض صبر تھا اور دوسرے دکھ کیساتھ ظفر مقدر تھی۔ پھر آگے لکھا

کے ایک مقام میں لکھا ہے کہ مسیح چور کی طرح آئیگا دیکھو انجیل متی باب ۲۴ - آیت ۴۳ - اور ظاہر ہے کہ چور منہ چھپا کر آتا ہے اپنی وضع بدلا کر آتا ہے اور ۱ سلاطین ۲ سلاطین سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کو الیاس کے سوانح سے بہت ہی مشابہت تھی مثلاً جن معجزات سے مسیح کو خدا بنایا جاتا ہے اور وہی معجزات ایلیا نے بھی دکھلائے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھکر کیونکہ ایلیا کے دشمن اس کی پیشگوئی اور بد دعا سے اسکی نظر کے سامنے ہلاک ہوتے رہے مگر مسیح ایسا نہیں کر سکا۔ پھر دوسری مشابہت یہ ہے کہ جیسا نادان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مسیح آسمان پر اٹھایا گیا یہی خیال ایلیا کی نسبت یہود یونکا ہے کہ وہ آسمان پر اٹھایا گیا اور جیسا کہ مسیح کی نسبت کم فہم لوگ ابتک یہ کہ رہے ہیں کہ وہ آسمان سے پھر نازل ہوگا ایسا ہی یہودیونکا ایلیا کی نسبت اعتقاد ہے کہ وہ بھی نازل ہوگا اور جیسا کہ مسیح کو دکھ دیا گیا اسکے قتل کا ارادہ کیا گیا ایسا ہی ایلیا کے ساتھ بھی کیا گیا اور جیسا کہ ایلیا کی آمد ثانی بروزی طور پر تھی ایسا ہی مسیح کی آمد ثانی بھی بروزی طور پر ہے اسی کی طرف مسیح متی باب ۱۷ آیت ۱۰ سے ۱۳ تک اشارہ کرتا ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ جس طرح ایلیا نے اپنی آمد اول میں مخالفوں کے ہاتھ سے دکھ اٹھایا اور پھر آمد ثانی میں بروزی طور پر دکھ اٹھایا ایسا ہی مسیح کے ساتھ ہؤا اور ہوگا گو آخر میں وہ فتحیاب ہوکر خدا کا جلال ظاہر کریگا غرض یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ داؤد کا تخت قائم کرنیکی پیشگوئی جب صحیح نہ نکلی۔ تو مسیح نے اس غلطی کی پردہ پوشی کے لئے اپنی آمد ثانی کا وعدہ کیا گویا شک کرنے والونکو سراسر فریب سے یہ اطمینان دینا چاہا کہ گو میں اب داؤد کے تخت کو قائم نہیں کر سکا مگر آخری زمانہ میں میں دوبارہ آؤنگا اور پھر داؤد کا تخت قائم کرونگا کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں مسیح نے ہرگز دعوے نہیں کیا کہ فی الحقیقت میں ہی دوبارہ آجاؤنگا ایسا خیال کرنا حضرت مسیح پر سراسر تہمت ہے بلکہ انہوں نے یونس سے اپنے تئیں مشابہت دیکر یہ سمجھایا کہ میں قبر میں داخل ہونگا مگر نہ مردہ بلکہ زندہ اور ایلیا سے اپنے تئیں مشابہت دیکر یہ سمجھایا کہ میری آمد ثانی ایلیا کی طرح ہوگی اور دونوں قسم کی آمد میں جاہل لوگ مجھ سے دشمنی کرینگے جیسا کہ ایلیا سے کی سو آج یہ سب باتیں پوری ہوگئیں کیونکہ جب کہ یہ راقم مسیح کی روح کے رنگ سے رنگین ہوکر اور اسکے لباس میں ظاہر ہوا تو نہ مسلمانوں نے مجھے قبول کیا نہ عیسائیوں نے اور میرا کافر ٹھہرایا گیا اور قتل کے فتوے لکھے گئے *

یسوع کی تعلیم کی غلطیاں

اب پھر ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرکے لکھتے ہیں کہ عیسائی قوم کے نکتہ چینیوں نے جیسا کہ مسیح کو

اعمال کے رو سے غیر معصوم اور گنہگار ٹھہرانے کیلئے بہت کوشش کی ہے اور ایک بڑا ذخیرہ معائب کا اس کی نسبت طیار کیا ہے ایسا ہی اس امر کا بھی ثبوت دیا ہے کہ مسیح اپنے قول کے رو سے بھی معصوم نہیں تھا اور اس کی تعلیم . . . . . خطا سے پاک نہیں ہے مثلاً اُس نے اپنے تمام شاگردوں کو خصّی ہونیکی ترغیب دی اور ظاہر ہے کہ خدا نے ہرگز یہ ارادہ نہیں کیا کہ تمام انسان خصتے ہو کر سلسلہ دنیا کا ختم کر دیں سو اس سے ثابت ہے کہ مسیح اپنے قول کے رو سے ہرگز معصوم نہیں اور ایسی عقل اسکو ہرگز عطا نہیں کیگئی تھی جو غلطی سے اس کو بچاتی پس جس خدا نے اسکو غلطی سے نہیں بچایا کیونکر یقین ہو کہ اس کو گناہ سے بچایا ہو گا۔ اور مسیح خود اقرار کرتا ہے کہ معصوم العمل نہ ہونا ایسا خطرناک نہیں ہے جیسا کہ معصوم القول نہ ہونا جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ جو چیز اندر جاتی ہے وہ انسان کو ناپاک نہیں کرتی بلکہ وہ ناپاک کرتی ہے جو اندر سے نکلتی ہے یعنی بے کلمے جو کفر اور فسق کی تعلیم دیتے ہیں حقیقی گنہ یہی ہے اور عملی گنہ انکی فرع ہیں ✤

ایسا ہی مسیح کی تعلیم کا ایک یہ بھی مسئلہ ہے کہ خدا پیٹ میں رہا۔ خدا پیدا ہؤا۔ خدا نے بچہ دیا۔ خدا خود بچہ بن گیا۔ اور خدا بجز اسکے پورا خدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ روح القدس اس سے شامل نہ ہو اور نیز یسوع ابن مریم بھی شامل نہ ہو اور جب یہ تینوں اکٹھے ہو جائینگے تب ان کو کہا جائیگا کہ یہ ایک خدا ہے ورنہ نہیں اب ظاہر ہے کہ یہ کس قدر بیہودہ گمان اور خطائی القول ہے اگر مسیح گناہ سے معصوم ہوتا تو ان بیہودہ باتوں سے بھی ضرور معصوم ہوتا کیونکہ اعمال میں نہ معصوم ہونے سے صرف اپنی ذات پر اثر بد پڑتا ہے لیکن اقوال میں نہ معصوم ہونے میں تمام دنیا پر اثر بد پڑتا ہے اور جو شخص اپنے اعمال میں معصوم نہیں وہ صرف آپ ہلاک ہوتا ہے اور جو شخص اپنے قول میں معصوم نہیں وہ نہ صرف اپنے تئیں ہلاک کرتا ہے بلکہ تمام بنی نوع کو ہلاک کرنا چاہتا ہے بلکہ قول کے گنہ بہ نسبت فعل کے گناہوں کے زیادہ سخت ہیں کیونکہ جھوٹا اور بیجا مبالغہ اور گالی اور لعنت اور بدزبانی اور کفر اور شرک اور جھوٹی گواہی یہ سب قولی گناہ ہیں اور کچھ شک نہیں کہ یہ فعلی گناہ سے بدرجہا بڑھکر ہیں ظاہر ہے کہ عملی گناہ کیلئے ہمیشہ کا جہنم نہیں مگر قولی گناہ کیلئے ہمیشہ جہنم ہے ✤

مذکورہ بالا عیسائیوں کا ایک یہ بھی اعتراض حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہے کہ یسوع مسیح کی یہ تعلیم جیسا کہ عیسائی صاحبان سمجھے بیٹھے ہیں کہ انسان اعمال سے نہیں بلکہ یسوع مسیح کے خون سے نجات پائیگا اس تعلیم نے کروڑہا بندوں پر گناہ کے دروازے کھول دئے ہیں اور فسق و فجور اور بے قیدی میں جو کچھ حالت یورپ کی ہو رہی ہے اور جس قدر اکثر اُن کے صلاحیت اور ضبط شہوات کے نقطہ سے دور نکل گئے ہیں حاجت بیان

نہیں یہانتک کہ اکثر گویا بھیڑیوں کی طرح بیگانہ عورتوں پر پڑتے اور گدوں کی طرح ہر ایک بدکاری کے مردار پر گرتے ہیں اگر یہ تعلیم صحیح ہوتی تو عملی طور پر ہر طبقہ کے عیسائیوں پر اس کا بہت نیک اثر پڑتا مگر اس تعلیم کی تحریک سے یورپ میں فسق و فجور کی ندیاں بہ گئی ہیں اور ہر ایک شخص جس پہلو سے گنہ کرنے کی قدرت اپنے اندر رکھتا تھا اُسی پہلو سے اپنے گنہ کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ شراب خوار تمام دنیا کے شراب خواروں سے سبقت لیگئے ہیں اور قمار باز تمام دنیا کے قمار بازوں سے اور بدکار مرد اور بدکار عورتیں تمام دنیا کے بدکار مردوں اور بدکار عورتوں سے۔ پس کچھ شک نہیں کہ اس تعلیم نے بدیوں کے کروڑہا درخت یورپ میں بو دئے ہیں۔ پس جس شخص کے منہ سے یہ تعلیم نکلی ہے کیا اُس نے کوئی گنہ کا کام نہیں کیا اور ابھی تک اسکو معصوم ہی کہنا چاہیئے نہیں بلکہ اُن زناکاروں کے گناہ سے لیکر جو مسیح کو پاکر اسپر ایمان لائے جنکا ذکر کارنتھیوں کے خط اول باب ۵ آیت ۱-۲-۶- اور باب ۶- آیت ۹-۱۲ میں تصریح مندرج ہے اُن بدکار عورتوں اور مردوں تک جن کا گروہ کثیر حال کے زمانہ میں پیرس میں موجود ہے اور نیز لندن میں اور دوسرے یورپ کے حصوں میں سب کا مواخذہ اُس معلم سے ہے جس نے ایسی باتوں سے گناہ کرنے پر لوگوں کو دلیر کر دیا اور ابتدا دنیا سے تمام نبیوں نے بدیوں کا کفارہ نیکیوں کو ٹھہرایا تھا کیونکہ یہ مسئلہ تجربہ سے سچا ثابت ہوا ہے کہ روح کا نیکی کے کاموں میں قوت پانا بدی کی قوتوں کو کمزور کر دیتا ہے مگر مسیح یہ سچا مسئلہ سکھلا نہ سکا اس لئے یہ ایسا سنگین گناہ اس سے ظہور میں آیا ہے کہ عیسائی دنیا کے تمام گناہوں کی وہی جڑ ہے ۔

انجیلی عفو کی حقیقت

محقق عیسائیوں نے اپنی کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال پر ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ ان کی یہ تعلیم کہ شر کا مقابلہ نہ کرو اور بہر حال ایک طمانچہ کھاکر دوسری گال بھی پھیر دینی چاہیئے سخت قابل اعتراض اور عصمت سے دور ہے کیونکہ یہ ایک ایسا طریق ہے کہ ظالم کے اخلاق کو بگاڑتا اور مظلوم کو ناحق جان کے خطرہ میں ڈالتا ہے اور ایسی تعلیم دینے والا درحقیقت دو گناہ کا مرتکب ہے (۱) ایک کہ وہ شریروں کو بے سزا چھوڑ کر ظلم کو مدد دیتا ہے اور روا رکھتا ہے کہ زمین پر ظالم بکثرت ہو جائیں (۲) دوسرے یہ کہ وہ غریب مظلوموں پر دادرسی کا دروازہ بند کرنا چاہتا ہے اور اس طرح ایک عمدہ صفت عدل کا دشمن بنکر زمین پر بغاوت اور مفسدہ پھیلانا چاہتا ہے کیا ایسا شخص کل دنیا کی بہتری کا خواہاں ہو سکتا ہے جو انسانوں کے

ایک شریف طبقہ کو یہ نصیحت دیتا ہے کہ گو کوئی تمہاری جان پر حملہ کرے یا تمہاری عزت پر یا ٹھگ بازی اور دغا سے تمہارا مال لینا چاہئے بہرحال تمہیں چاہئے کہ وہ حملہ ہونے دو اور مقابلہ نہ کرو ظاہر ہے کہ ایسی تعلیم سے شرفا کی بیویاں بھی امن سے گھروں میں نہیں بیٹھ سکتیں کیونکہ اس تعلیم کے رو سے جیسا کہ مرد ونکو شر کا مقابلہ نہیں کرنا چاہئے ویسا ہی عورتونکو بھی ایسی تعلیم کو پادری صاحبان لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ بڑی عمدہ تعلیم ہے حالانکہ یہ تعلیم انتظام دنیا کی دشمن انصاف کی دشمن حقیقی پاکیزگی کے پھیلنے کی دشمن ہے کیا یہی تعلیم اس خدا کے منہ سے نکلی ہے جس کے قانون قدرت کے آئینہ میں صاف دکھائی دیتا ہے کہ وہ انصاف اور رحم دونوں کے سلسلہ کو اپنے اپنے محل پر مرعی رکھتا ہے اس کے کاموں میں جو دنیا میں نمایاں ہیں نہ صرف انتقام پر سارا مدار پایا جاتا ہے اور نہ صرف درگذر اور رحم پر بلکہ موقع اور محل کے لحاظ سے دونوں پر۔ کیا یہ سچ نہیں کہ خدا کا قول خدا کے فعل سے مطابق ہونا چاہئے پھر یہ تعلیم جو حضرت مسیح نے دی ہے کیوں خدا کے قانون قدرت سے مطابق نہیں۔ کلیسیا کے بڑے بڑے بزرگ اور دیندار جو دوسرے مذاہب کی نکتہ چینیوں میں مصروف ہیں کیوں انجیل کی اس تعلیم پر غور نہیں کرتے جو غریبوں اور کمزوروں کو سکھاتی ہے جو تم ہر ایک ظلم کی برداشت کرو اور ظالموں کی سرکوبی کے لئے کوئی قانون پیش نہیں کرتی جو شخص دنیا کو ایسا سکھاتا اور ایسی تعلیم دیتا ہے کیا وہ کوئی گناہ نہیں کرتا آپ لوگ اس مقام میں کیوں اس منطق اور فلسفہ سے مدد نہیں لیتے جس میں عمریں بسر کی ہیں اگر کسی منطق سے یہ تعلیم صحیح ٹھہر سکتی ہے تو ہمیں بتا دیں جو لوگ سچائی سے پیار کرنے کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ ہمیں دکھلا دیں کہ اس تعلیم میں کیا سچائی ہے کہ اپنی جان اور عزت اور مال کی نسبت کسی سے مقابلہ نہ کرو اور ہر ایک حملہ ہونے دو اور اگر سچائی تھی تو کیوں عیسائیوں نے اس پر عمل نہ کیا اس صورت میں یا تو وہ لوگ گنہگار ہوئے جو عمل کرنے سے قاصر رہے اور یا دہ گنہگار ہوا جس نے ایسی تعلیم پیش کی جس میں انکی اور انکی ذریت کی حق تلفی اور بربادی تھی اور پھر طرفہ تر یہ کہ ایک خفیف سزا سے درگذر کر کے ایک بڑی سزا کی دھمکی دی ہے مثلاً لکھا ہے کہ آنکھ کی نظر شہوت سے سارا بدن جہنم میں ڈالا جائیگا اب ایک طرف تو یہ منع کیا گیا ہے کہ ہر ایک قسم کے شر کا مقابلہ نہ کیا جائے بلکہ اس کو نہ روکا جائے جنمیں بدنظری کرنیوالوں اور عورتوں کی عفت پر حملہ کرنیوالوں کے شر بھی داخل ہیں جسکا مقابلہ یا روکنا ایک سچے عیسائی کیلئے حرام ہے۔ اور پھر دوسری طرف زناکار کی سزا ابدی جہنم لکھی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر تھوڑی سی دنیا کی سزا سے ایسے لوگوں کی سرکوبی کیجاتی تو وہ ہمیشہ کے جہنم سے بچ جاتے اور جرائم سے رک جاتے پس اس تعلیم نے جیسا کہ کمزوروں پر

سختی کی ہے ویسا ہی ظالموں پر بھی ایک قسم کا ظلم کیا ہے یہ تو عیسائی محققوں کے انجیل کی تعلیم پر اعتراض ہیں اور ہم اس بات کو دقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ عفو اور درگذر اچھے اخلاق ہیں لیکن نہ ہر جگہ اور ہر محل پر اس بارے میں قرآنی تعلیم سے بڑھکر دنیا میں کوئی تعلیم نہیں مثلاً دیکھو کہ انجیل کی اس تعلیم کے مقابل پر جس پر بڑے زور و شور سے آجکل یورپ میں اعتراض ہو رہے ہیں قرآنی تعلیم عفو یا انتقام کے بارے میں یہ ہے۔ جزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللّٰہ یعنے انصاف یہی ہے کہ بدی کی اسی قدر سزا دیجائے جس قدر بدی کیگئی ہے لیکن جو شخص سزا دینے یا دلانے سے درگذر کرے اور اس درگذر سے کوئی اصلاح ہو یعنی درگذر کرنے سے مجرم پر نیک اثر پڑے اور کوئی فساد پیدا نہ ہو اور امن عامہ میں کوئی فتنہ برپا نہ ہو غرض درگذر عین محل پر ہو بے محل نہ ہو تو ایسا شخص خدا سے بڑا اجر پائیگا کیونکہ درگذر سے ایک جان کو بھی بچایا اور اسکی اخلاقی حالت کی بھی اصلاح کی اور پھر امن عامہ میں کوئی خلل نہ آنے دیا اور یہ امر صاف اور بدیہی ہے کہ گنہ کرنیوالے ایک ہی طبیعت کے نہیں ہوتے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کا گناہ معاف کیا جائے۔ تو آئیندہ کان کو ہاتھ لگاتے اور سدھر جاتے ہیں اور پھر ایسی بدی کے مرتکب نہیں ہوتے بلکہ ایسی صحبتوں سے مجتنب ہو جاتے ہیں اور وہ تھوڑے ہیں۔ اور بعض ایسے شریر ہوتے ہیں کہ گناہ معاف کرنے سے اور بھی گناہ پر دلیر اور خیرہ چشم ہو جاتے ہیں اور انکی لعنتی زندگی اور بھی خراب ہو جاتی ہے اور وہ اس طرح پر تمام لوگوں کے ایذا دینے کا موجب ٹھہر جاتے ہیں اور وہ بہت ہیں وہ اس سانپ کی طرح ہوتے ہیں کہ جو ایک شخص کو کاٹ کر اسی پر بس نہیں کر سکتا اور ہرگز نیک اور تائب نہیں بن سکتا بلکہ تمام عمر کیلئے یہ خاصیت اپنے اندر رکھتا ہے اور موقع پاکر پھر دوسرے کو کاٹتا ہے اور پھر تیسرے کو ایسا ہی ایک شہر کو خالی کرنا چاہتا ہے جب تک کہ اس کا سر کاٹ کر الگ نہ کر دیا جائے۔ بعض پادری صاحبان اس بات کو تو قبول کرتے ہیں کہ ہر جگہ عفو اور درگذر صحیح نہیں ہے بیشک اس سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ جواب دیتے ہیں کہ انجیل کا اسجگہ یہ منشاء ہے کہ تم آپ سزا نہ دو بلکہ حاکموں سے دلاؤ تو گویا انجیل عیسائیوں کو یہ سکھلاتی ہے کہ جب تمہیں ایک گال پر طمانچہ لگا جائے تو مقدمہ سنگین بنانے کیلئے دوسری گال بھی پھیر دو اور جب دوسری گال پر طمانچہ خوب زور کا لگ جائے اور کوئی دانت بھی ٹوٹ جائے تو پھر ضرب شدید کا دعویٰ کرکے عدالت میں نالش کر دو اور سزا دلاؤ اب بتلاؤ کہ اگر انجیل کا یہی منشا ہے جیسا کہ پادری صاحبان بیان فرماتے ہیں تو گیا انجیل نے یہی اخلاق سکھلائے ہیں کہ اپنے تئیں درگذر کرنیوالا ظاہر کرکے دشمن کو سخت سزا کے قابل ٹھہرا دو اور ہرگز نہ چھوڑ دیہ تو ایک مکاری

ہے کہ اس تعلیم سے نرمی اور درگذر کیجائے کہ کسی طرح مجرم کوئی مجرمانہ حرکت کر بیٹھے اور جب مجرمانہ حرکت اس سے صادر ہو چکی تو پھر اسکو بذریعہ وارنٹ گرفتار کرا کر جیلخانہ میں پہنچایا جائے یہ خوب درگذر اور عفو ہے اسوا اس کے اس صورت میں تو انجیلی تعلیم کا آل یہ ہوگا کہ کسی طرح دغابازی سے مجرم کو پھنسا کر سزا کے لائق اسکو کر دیا جائے حالانکہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ اس بارے میں کامل تعلیم یہ ہے کہ نہ ہمیشہ مجرموں کو سزا دی جائے اور نہ ہمیشہ درگذر کیجائے بلکہ محل اور موقع کو دیکھا جائے کہ اب قرین مصلحت کیا ہے اور بہتری کس امر میں ہے درگذر میں یا انتقام میں۔ ہم اس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ مسیح کی اس تعلیم سے یہ غرض تھی کہ تا اُن یہودیوں کو جو سزا دینے پر بہت حریص تھے اس عادت سے روک دے لیکن ہم میں کچھ بھی شک نہیں کہ جیسا کہ یہودیوں نے ہر ایک موقع میں سزا دہی پر زور ڈالکر افراط کی راہ لی۔ ایسا ہی حضرت مسیح نے ہر ایک موقع پر ترک سزا کی تعلیم دیکر تفریط کی راہ کو اختیار کر لیا اور چونکہ دونوں راہیں جادۂ اعتدال سے منحرف تھیں اس لئے حکمت الٰہی نے تقاضا کیا کہ ایک تیسری راہ دنیا کو دکھائے جو حکمت اور موقع شناسی کا سبق دیتی اور اعتدال اور میانہ روی کو سکھاتی ہے سو وہ راہ قرآن شریف لایا اور یہ داغ نہ صرف انجیل پر بلکہ توریت پر بھی ہے کہ وہ دونوں اس روشن اور پر حکمت تعلیم کو پیش نہیں کر سکیں جو خدا کی پاک اور زندہ کلام فرقان مجید نے پیش کی کیونکہ وہ دونوں کتابیں قانون مختص المقام یا قانون مختص القوم کی طرح تھیں اور بنی اسرائیل کی افراط اور تفریط نے یہی چاہا تھا کہ ایک زمانہ میں قانون قصاص نہایت درجہ کی سختی کیساتھ اُن کے لئے خدا کی طرف سے نازل ہوتا اور دوسرے زمانہ میں قانون ترک سزا نہایت درجے مبالغہ کیساتھ دیا جاتا۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی فطرتوں نے تہذیب اور شائستگی کیطرف آہستہ آہستہ ترقی کی ہے پس یہ امر ایک ضروری اور بشری پیدایش کی راہ میں تھا کہ اول انسان جذبات نفس کے جوش کی وجہ سے انتقامی شریعت کو زیادہ پسند کرتا اور پھر الٰہی شریعت سے متاثر ہو کر ترک جذبات کے اشتیاق سے ایسے قانون کی خواہش کرتا جس میں عفو اور درگذر پر زور دیا گیا ہو اور آخر دونوں طریق افراط اور تفریط کو آزما کر حکمت اور موقع شناسی کے قانون کو ان دونوں راہوں افراط اور تفریط پر ترجیح دیتا اور خدا سے ایسے قانون کی درخواست کرتا کہ نہ تو خواہ نخواہ دانت کے عوض دانت نکالنا چاہتا ہے اور نہ ہر جگہ عفو اور درگذر کو پسند کرتا۔ پس انسانی فطرتوں کی درخواست کے مطابق تین کتابیں نازل ہوئیں (۱) توریت جو افراط کی طرف لے جاتی ہے (۲) انجیل جو تفریط کی طرف کھینچتی ہے (۳) قرآن جو ہر ایک امر میں بین بین کی راہ اختیار کرتا اور توسط

اور اعتدال کا طریق سکھلاتا ہے ؛

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز
یعنی
دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اول — مئی سنہ ۱۹۰۲ء — نمبر (۵)

فہرست مضامین:-

انجمن اشاعت الاسلام قادیان
نے
انوار احمدیہ پریس قادیان دارالامان میں چھپوا کر
۱۹ جولائی سنہ ۱۹۰۲ء کو شائع کیا

چندہ سالانہ معہ محصول ڈاک:- معمولی کاغذ پر (عہ) ولایتی کاغذ پر (للعہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عصمتِ انبیا علیہم السلام

نجات اور شفاعت کی حقیقی فلاسفی

مذہبی مسائل میں سے نجات اور شفاعت کا مسئلہ ایک ایسا عظیم الشان اور مدار المہام مسئلہ ہے کہ مذہبی پابندی کے تمام اغراض اُسی پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں۔ اور کسی مذہب کے صدق اور سچائی کے پرکھنے کے لئے وہی ایک ایسا صاف اور کھلا کھلا نشان جس کے ذریعہ سے پوری تسلی اور اطمینان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں مذہب درحقیقت سچا اور منجانب اللہ ہے اور یہ بات بالکل راست اور درست ہے کہ جس مذہب نے اس مسئلہ کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا یا اپنے فرقہ میں نجات یافتہ لوگوں کے موجود نمونے کھلے کھلے امتیاز کے ساتھ دکھلا نہیں سکا اُس مذہب کے باطل ہونے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں مگر جس مذہب نے کمال صحت سے نجات کی اصل حقیقت دکھلائی ہے اور نہ صرف اس قدر بلکہ اپنے موجودہ زمانے میں ایسے انسان بھی پیش کئے ہیں جن میں کامل طور پر نجات کی روح پھونکی گئی ہے اُس نے مہر لگا دی ہے کہ وہ سچا اور منجانب اللہ ہے ٭

یہ تو ظاہر ہے کہ ہر ایک انسان طبعاً اپنے دل میں محسوس کرتا ہے کہ وہ صدہا طرح کی غفلتوں اور پردوں اور نفسانی حملوں اور لغزشوں اور کمزوریوں اور جہالتوں اور قدم قدم پر تاریکیوں اور ٹھوکروں اور مسلسل خطرات اور وساوس کی وجہ سے اور نیز دنیا کی انواع و اقسام کی آفتوں اور بلاؤں کے سبب سے ایک ایسے زبردست ہاتھ کا ضرور محتاج ہے جو اس کو ان تمام مکروہات سے بچاوے کیونکہ انسان

اپنی فطرت میں ضعیف ہے اور وہ کبھی ایک دم کے لئے بھی اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرسکتا کہ وہ خود بخود نفسانی ظلمات سے باہر آسکتا ہے۔ یہ تو انسانی کانشنس کی شہادت ہے اور ماسوا اس کے اگر غور اور فکر سے کام لیا جاوے تو عقل سلیم بھی اسی کو چاہتی ہے کہ نجات کے لئے شفیع کی ضرورت ہے کیونکہ خدا تعالے نہایت درجہ تقدس اور تطہر کے مرتبہ پر ہے اور انسان نہایت درجہ ظلمت اور معصیت اور آلودگی کے گڑھے میں ہے اور بوجہ فقدان مناسبت اور مشابہت عام طبقہ انسانی گروہ کا اس لائق نہیں کہ وہ براہ راست خدا تعالےٰ سے فیض پاکر مرتبہ نجات کا حاصل کرلیں۔ پس اس لئے حکمت اور رحمت الٰہی نے یہ تقاضا فرمایا کہ نوع انسان اور اللہ تعالےٰ میں بعض افراد کاملہ جو اپنی فطرت میں ایک خاص فضیلت رکھتے ہوں درمیانی واسطہ ہوں اور وہ اس قسم کے انسان ہوں جن کی فطرت نے کچھ حصہ صفات لاہوتی سے لیا ہو اور کچھ حصہ صفات ناسوتی سے تا باعث لاہوتی مناسبت کے خدا سے فیض حاصل کریں اور بباعث ناسوتی مناسبت کے اُس فیض کو جو اوپر سے لیا ہے نیچے کو یعنے بنی نوع کو پہنچاویں اور یہ کہنا واقعی صحیح ہے کہ اس قسم کے انسان بوجہ زیادت کمال لاہوتی اور ناسوتی کے دوسرے انسانوں سے ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں گویا یہ ایک مخلوق ہی الگ ہے کیونکہ جس قدر ان لوگوں کو خدا کا جلال اور عظمت ظاہر کرنیکے لئے جوش دیا جاتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں وفاداری کا مادہ بھرا جاتا ہے اور پھر جس قدر بنی نوع کی ہمدردی کا جوش ان کو عطا کیا جاتا ہے وہ ایک ایسا امر فوق العادت ہے جو دوسرے کے لئے اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ ہاں یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ یہ تمام اشخاص ایک مرتبہ پر نہیں ہوتے بلکہ ان فطرتی فضائل میں کوئی اعلےٰ درجہ پر ہے کوئی اس سے کم اور کوئی اُس سے کم۔

ایک سلیم العقل کا پاک کانشنس سمجھ سکتا ہے کہ شفاعت کا مسئلہ کوئی بناوٹی اور مصنوعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ خدا کے مقرر کردہ انتظام میں ابتدا سے اس کی نظیریں موجود ہیں اور قانون قدرت میں اسکی شہادتیں صریح طور پر ملتی ہیں۔ اب شفاعت کی فلاسفی یوں سمجھنی چاہیئے کہ شفع لغت میں جفت کو کہتے ہیں پس شفاعت کے لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ضروری امر جو شفیع کی صفات میں سے ہوتا ہے یہ ہے کہ اُس کو دو طرفہ اتحاد حاصل ہو یعنے ایک طرف اُس کے نفس کو خدا تعالےٰ سے تعلق شدید ہو ایسا کہ گویا وہ کمال اتحاد کے سبب حضرت احدیت کے لئے بطور جفت اور پیوند کے ہو اور دوسری طرف اُسکو مخلوق سے بھی شدید تعلق ہو گویا وہ اُن کے اعضا کی ایک جز ہو۔ پس شفاعت کا امر مترتب ہونے

کے لئے درحقیقت یہی دو جز ہیں جن پر ترتب اثر موقوف ہے*

یہی راز ہے جو حکمت الٰہیہ نے آدم کو ایسے طور سے بنایا کہ فطرت کی ابتدا سے ہی اُس کی سرشت میں دو قسم کے تعلق قائم کر دیئے یعنی ایک تعلق تو خدا سے قائم کیا جیسا قرآن شریف میں فرمایا فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوالہ سٰجدین یعنے جب میں اس کو ٹھیک ٹھاک بنا لوں اور میں اپنی روح اسمیں پھونکدوں تو اے فرشتو اسی وقت تم سجدہ میں گر جاؤ۔* مذکورہ بالا آیت سے

حاشیہ* اس آیت میں ایک عمیق راز کی طرف اشارہ ہے - جو انتہائی درجہ کے کمال کا ایک نشان ہے اور وہ یہ کہ انسان ابتدا میں صرف صورت انسان کی ہوتی ہے مگر اندر سے وہ بیجان ہوتا ہے اور کوئی روحانیت اُس میں نہیں ہوتی اور اس صورت میں فرشتے اُس کی خدمت نہیں کرتے کیونکہ وہ ایک پوست بیمغز ہے لیکن بعد اس کے رفتہ رفتہ سعید انسان پر یہ زمانہ آجاتا ہے کہ وہ خدا سے بہت ہی قریب جا رہتا ہے۔ تب جب ٹھیک ٹھیک ذوالجلال کی روشنی کے مقابل پر اس کا نفس جا پڑتا ہے اور کوئی حجاب درمیان نہیں ہوتا کہ اُس روشنی کو روک دے تو ملا توقف الوہیت کی روشنی جس کو دوسرے لفظوں میں خدا کی روح کہہ سکتے ہیں اس انسان کے اندر داخل ہو جاتی ہے اور وہی ایک خاص حالت ہے جسکی نسبت کلام الٰہی میں کہا گیا کہ خدا نے آدم میں اپنی روح پھونکدی اس حالت پر کسی تکلف سے ورنہ ایسے امر سے جو تعلیم کے احکام کے رنگ میں ہوتا ہے فرشتوں کو یہ حکم ہوتا ہے کہ اسکے آگے سجدہ میں گریں یعنی کامل طور پر اسکی اطاعت کریں گویا وہ اسکو سجدہ کر رہے ہیں یہ حکم فرشتوں کی فطرت کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے کوئی مستجدث امر نہیں ہوتا۔ پھر ایسے شخص کے مقابل پر جسکا وجود خدا کی صورت پر آجاتا ہے خود فرشتے طبعاً محسوس کر لیتے ہیں کہ اب اسکی خدمت کیلئے ہمیں گرنا چاہئے اور ایسے قصے درحقیقت قصے نہیں ہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں عادات الٰہی اسی طرح واقع ہے کہ اُن قصوں کے نیچے کوئی علمی حقیقت ہوتی ہے پس اس جگہ بھی علمی حقیقت ہے کہ خدا تعالےٰ نے اس قصے کے پیرایہ میں ظاہر کرنا چاہا ہے کہ کامل انسان کی نشانی کیا ہے پس فرمایا کہ انسان کامل کی پہلی نشانی یہ ہے کہ انسانی خلقت کے کسی حصہ میں وہ کم نصیب نہو اور اس کے روحانی جسمانی اعضا نے بشری بناوٹ سے پورا حصہ لیا ہو اور کمال اعتدال پر اسکی فطرت واقع ہو (۲) اور دوسری یہ نشانی ہے کہ الٰہی روح نے اسکے اندر دخول کیا ہو (۳) اور تیسری یہ نشانی ہے کہ

صاف ثابت ہے کہ خدا نے آدم میں اُسکی پیدایش کے ساتھ ہی اپنی رُوح پھونک کر اسکی فطرت کو اپنے ساتھ ایک تعلق قائم کر دیا۔ سو یہ اس لئے کیا گیا کہ تا انسان کو فطرتاً خدا سے تعلق پیدا ہو جاوے ایسا ہی دوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ ان لوگوں سے بھی فطرتی تعلق ہو جو بنی نوع کہلائینگے کیونکہ جب کہ اُن کا وجود آدم کی ہڈی میں سے ہڈی اور گوشت میں سے گوشت ہوگا تو وہ ضرور اس روح میں سے بھی حصہ لینگے جو آدم میں پھونکی گئی۔ پس اسلئے آدم طبعی طور پر اُن کا شفیع ٹھیریگا۔ کیونکہ بباعث نفخ روح جو راستبازی آدم کی فطرت کو دی گئی ہے ضرور ہے کہ اسکی راستبازی کا کچھ حصہ اُس شخص کو بھی ملے جو اسمیں سے نکلا ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ ہر ایک جاندار کا بچہ اسکی صفات اور افعال میں سے حصہ لیتا ہے اور در اصل شفاعت کی حقیقت بھی یہی ہے کہ فطرتی وارث اپنے مورث سے حصہ لے کیونکہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ شفاعت کا لفظ شفع کے لفظ سے نکلا ہے جو زوج کو کہتے ہیں پس جو شخص فطرتی طور پر ایک دوسرے شخص کا زوج ٹھیر جائیگا ضرور اسکی صفات میں سے حصہ لیگا۔

اسی اصول پر تمام سلسلہ خلقی توارث کا جاری ہے یعنے انسان کا بچہ انسانی قوے میں سے حصہ لیتا ہے اور گھوڑے کا بچہ گھوڑے کے قوے میں سے حصہ لیتا ہے اور اسی وراثت کا نام دوسرے لفظوں میں شفاعت سے فیضیاب ہونا ہے کیونکہ جبکہ شفاعت کی اصل شفع یعنے زوج ہے پس تمام مدار شفاعت سے فیض اُٹھانے کا اس بات پر ہے کہ جس شخص کی شفاعت سے آدمی مستفیض ہونا چاہتا ہے اس سے فطرتی تعلق اسکو حاصل ہوتا ہے جو کچھ اسکی فطرت کو دیا گیا ہے۔ اسکی فطرت کو بھی وہی ملے یہ تعلق جیسا کہ وہی طور پر انسانی فطرت میں موجود ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان

بقیہ حاشیہ

فرشتے اسکو سجدہ کریں یعنے تمام فرشتے جو زمین اور آسمان کے کام میں لگے ہوئے ہیں اُس کے خادم ہوں اور اسکی منشا کے مطابق کام کریں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب خدا تعالے اکسی بندہ کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کا تمام لشکر ملائکہ کا بھی اُس شخص کے ساتھ ہو جاتا ہے اور اسکی طرف جھک جاتا ہے تب ہر ایک میدان میں اور ہر ایک مشکل کے وقت میں فرشتے اسکی مدد کرتے ہیں اور اُس کی اطاعت کیلئے ہر دم کمربستہ رہتے ہیں گویا وہ ہر وقت اسکے سامنے سجدہ میں ہیں کیونکہ وہ خدا کا خلیفہ ہے لیکن اِن باتوں کو زمینی خیال کے لوگ سمجھ نہیں سکتے کیونکہ آسمانی روح سے انکو حصہ نہیں دیا گیا۔ منہ

کی جڑ ہے ایسا ہی کسی طور پر بھی یہ تعلق زیادت پذیر ہے یعنے جب ایک انسان یہ چاہتا ہے کہ جو فطرتی محبت اور فطرتی
ہمدردی بنی نوع کی اس میں موجود ہے اسمیں زیادت ہو تو بقدر دائرہ فطرت اور مناسبت کے زیادت بھی ہو جاتی ہے
اسی بنا پر قوت عشقی کا تموج بھی ہے کہ ایک شخص ایک شخص سے اسقدر محبت بڑھاتا ہے کہ بغیر اسکے دیکھنے کے آرام
نہیں کر سکتا۔ آخر اسکی شدت محبت اس دوسرے شخص کے دل پر بھی اثر کرتی ہے اور جو شخص انتہا درجہ پر کسی
سے محبت کرتا ہے وہی شخص کامل طور پر اور سچے طور پر اُسکی بھلائی بھی چاہتا ہے چنانچہ یہ امر سچوں کی نسبت انکی طرف سے
مشہود اور محسوس ہے *

پس اصل جڑ شفاعت کی یہی محبت ہے جبکہ اسکے ساتھ فطرتی تعلق بھی ہو کیونکہ بجز فطرتی تعلق کے
محبت کا کمال جو شرط شفاعت ہے غیر ممکن ہے اس تعلق کو انسانی فطرت میں داخل کرنے کیلئے حوّا کو علیحدہ پیدا نہ
کیا بلکہ آدم کی پسلی سے ہی اسکو نکالا جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا یعنے آدم کے
وجود میں سے ہی ہمنے اس کا جوڑا پیدا کیا جو حوّا ہے تا آدم کا یہ تعلق حوا اور اسکی اولاد سے طبعی ہو نہ بناوٹی اور
یہ اسلئے کیا کہ تا آدم اولاد کے تعلق اور ہمدردی کو بقا ہو کیونکہ طبعی تعلق غیر منفک ہوتے ہیں مگر غیر طبعی تعلق
کیلئے بقا نہیں ہے کیونکہ انمیں وہ باہمی کشش نہیں ہے جو طبعی میں ہوتی ہے۔ بغرض خدا نے اسطرح پر دونوں
قسم کے تعلق جو آدم کیلئے خدا سے اور بنی نوع سے ہونے چاہئے تھے طبعی طور پر پیدا کئے پس اس تقریر سے صاف ظاہر ہے
کہ کامل انسان جو شفیع ہونیکے لائق ہو وہی شخص ہو سکتا ہے جس نے ان دونوں تعلقوں سے کامل حصہ لیا ہو
اور کوئی شخص بغیر ان ہر دو قسم کے کمال کے انسان کامل نہیں ہو سکتا اسی لئے آدم کے بعد بھی سنت اللہ اسی
طرح پر جاری ہوئی کہ کامل انسان کیلئے جو شفیع ہو سکتا ہے یہ دونوں تعلق ضروری ٹھیرائے گئے یعنے ایک تعلق
کہ انمیں آسمانی روح پھونکی گئی اور خدا نے ایسا اُنسے اتصال کیا کہ گویا انمیں اتر آیا اور دوسرے یہ کہ بنی
نوع کی زوجیت کا وہ جوڑ جو حوّا اور آدم میں باہمی ہمدردی اور محبت کے ساتھ مستحکم کیا گیا تھا اُن میں سب سے
زیادہ چمکایا گیا اسی تحریک سے انکو بیویوں کی طرف بھی رغبت ہوئی اور یہی ایک اول علامت اس بات کی ہے
کہ اُن میں بنی نوع کی ہمدردی کا مادہ ہے اور اسی کی طرف یہ وہ حدیث اشارہ کرتی ہے جسکے الفاظ یہ ہیں
کہ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ بِاَھْلِہٖ یعنے تم میں سب سے زیادہ بنی نوع کیساتھ بھلائی کرنے والا وہی ہو سکتا
ہے کہ پہلے اپنی بیوی کے ساتھ بھلائی کرے مگر جو شخص اپنی بیوی کیساتھ ظلم اور شرارت کا برتاؤ رکھتا ہے
ممکن نہیں کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی بھلائی کر سکے کیونکہ خدا نے آدم کو پیدا کر کے سب سے پہلے آدم کی

محبت کا مصداق اسکی بیوی کو بھی بنایا ہے پس جو شخص اپنی بیوی سے محبت نہیں کرتا یا اسکی خود بیوی ہی نہیں وہ کامل انسان ہونیکے مرتبہ سے گرا ہوا ہے اور شفاعت کی دو شرطوں میں سے ایک شرط اسمیں مفقود ہے اس لئے اگر عصمت اسمیں پائی بھی جائے تب بھی وہ شفاعت کرنیکے لائق نہیں لیکن جو شخص کوئی بیوی نکاح میں لاتا ہے وہ اپنے لئے بنی نوع کی ہمدردی کی بنیاد ڈالتا ہے کیونکہ ایک بیوی بہت سے رشتوں کا موجب ہو جاتی ہے اور بچے پیدا ہوتے ہیں انکی بیویاں آتی ہیں اور بچوں کی نانیاں اور بچوں کے ماموں وغیرہ ہوتے ہیں اور اسطرح ایسا شخص خواہ نخواہ محبت اور ہمدردی کا عادی ہو جاتا ہے اور اسکی اس عادت کا دائرہ وسیع ہو کر سب کو اپنی ہمدردی سے حصہ دیتا ہے لیکن جو لوگ جوگیوں کی طرح نشو ونما پاتے ہیں انکو اس عادت کے وسیع کرنیکا کوئی موقع نہیں ملتا اس لئے انکے دل سخت اور خشک رہ جاتے ہیں +

عصمت اور شفاعت میں تعلق

یہ امر ظاہر ہے کہ عصمت کو شفاعت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ عصمت کا مفہوم صرف اس حد تک ہے کہ انسان گنہ سے بچے اور گنہ کی تعریف یہ ہے کہ انسان خدا کے حکم کو عمداً توڑ کر لائق سزا ٹھیرے پس صاف ظاہر ہے کہ عصمت اور شفاعت میں کوئی تلازم ذاتی نہیں کیونکہ تعریف مذکورہ بالا کے رو سے نابالغ بچے اور پیدائشی مجنوں بھی معصوم ہیں وجہ یہ کہ وہ اس لائق نہیں ہیں کہ کوئی گناہ عمداً کریں پس بلاشبہ وہ حق رکھتے ہیں کہ انکو معصوم کہا جائے مگر کیا وہ یہ بھی حق رکھتے ہیں کہ وہ انسانوں کے شفیع اور منجی کہلائیں پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ منجی ہونے اور معصوم ہونے میں کوئی تعلق نہیں اور ہرگز عقل سمجھ نہیں سکتی کہ عصمت سے شفاعت کو کوئی حقیقی تعلق ہے ہاں عقل اس بات کو خوب سمجھتی ہے کہ شفیع کیلئے یہ ضروری ہے کہ مذکورہ بالا دو قسم کے تعلق اسمیں پائے جائیں اور عقل بلا تردد یہ حکم کرتی ہے کہ اگر کسی

حاشیہ ۱

جبکہ عقل اور انصاف کے رو سے گناہ کی تعریف یہ ہے کہ گناہ ایک فعل کو اُس وقت کہا جائیگا جبکہ ایک انسان اُس فعل کے ذریعہ سے خدا کے حکم کو توڑ کر سزا کے لائق ٹھیرے تو اُس صورت میں ضروری ہوا کہ گناہ کے صادر ہونے سے پہلے خدا کا حکم موجود ہو اور نیز اُس گناہ کے مرتکب کو وہ حکم پہنچ بھی گیا ہو اور نیز اس فعل کے مرتکب کی نسبت عقل تجویز کر سکتی ہو کہ اُس فعل کے ارتکاب سے درحقیقت وہ سزا کے لائق ٹھیر گیا ہے +

انسان میں یہ دو صفتیں موجود ہوں کہ ایک خدا سے تعلق شدید ہو اور دوسری طرف مخلوق سے بھی محبت
اور ہمدردی کا تعلق ہو تو بلاشبہ ایسا شخص ان لوگوں کیلئے جنہوں نے عمداً اسی سے تعلق نہیں توڑا دلی جوش
سے شفاعت کریگا۔ اور وہ شفاعت اسکی منظور کیجائیگی کیونکہ جس شخص کی فطرت کو یہ دو تعلق عطا
کئے گئے ہیں ان کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ خدا کی محبت تامہ کی وجہ سے اس فیض کو کھینچے اور پھر مخلوق
کی محبت تامہ کی وجہ سے وہ فیض اُن تک پہنچائے اور یہی وہ کیفیت ہے جسکو دوسرے لفظوں میں شفاعت کہتے
ہیں شخص شفیع کیلئے جیسا کہ ابھی مینے بیان کیا ہے ضروری ہے کہ خدا سے اسکو ایک ایسا گہرا تعلق ہو کہ
گویا خدا اُس کے دل میں اُترا ہوا ہو اور اسکی تمام انسانیت مر کر بال بال میں لاہوتی تجلی پیدا ہو گئی ہو اور
اُس کی روح پانی کی طرح گداز ہو کر خدا کی طرف بہ نکلی ہو اور اس طرح پر خدائی قرب کے انتہائی نقطہ پر جا پہنچی
ہو اور اسی طرح شفیع کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جسکے لئے وہ شفاعت کرنا چاہتا ہے اسکی ہمدردی
میں اسکا دل ہاتھ سے نکلا جاتا ہو ایسا کہ عنقریب اس پر غشی طاری ہو گی اور گویا شدت قلق سے اُس
کے اعضا اس سے علیحدہ ہوتے جاتے ہیں اور اُسکے حواس منتشر ہیں اور اسکی ہمدردی نے اسکو اس
مقام تک پہنچایا ہو کہ جو باپ سے بڑھکر اور ماں سے بڑھکر اور ہر ایک غمخوار سے بڑھکر ہے پس جب یہ دونوں
حالتیں اسمیں پیدا ہو جائینگی تو وہ ایسا ہو جائیگا کہ گویا وہ ایک طرف سے لاہوت کے مقام سے جفت ہے

(مثالیں بطور استثنار) زید ایک ایسے دور دراز ملک میں ہے کہ خدا کی شریعت اس کو نہیں پہنچی
پس اگر شریعت کے احکام میں سے کسی ایک حکم یا چند حکم کو زید نے توڑ دیا ہے تو اس خلاف ورزی
احکام الٰہی سے وہ مجرم نہیں ہے کیونکہ شریعت پر اسکو اطلاع نہیں لیکن اگر زید عقل اور فہم رکھنے
کی حالت میں بت پرستی کرنے لگے اور خدا کی توحید سے برگشتہ ہو جائے تو وہ باوجود اسکے کہ شریعت
اسکو نہیں پہنچی تب بھی مجرم ہے کیونکہ جس توحید کو قرآن لایا ہے وہ عیسائیوں کی تثلیث کی طرح ایسا
امر نہیں ہے جو انسانی فطرت میں منقوش نہ ہو بلکہ وہ روز ازل سے بشری فطرت میں منقوش ہے لہذا
اسکی خلاف ورزی کے لئے شریعت کا پہنچنا ضروری نہیں صرف عقل انسانی کا پایا جانا ضروری ہے اور اگر
شریعت موجود ہے اور ایک شخص کو پہنچ گئی ہے لیکن وہ نابالغ ہے یا مجنون ہے اور اس حالت میں وہ کسی ایسے
فعل کا مرتکب ہوا ہے جو شریعت کی رو سے گناہ کہلاتا ہے تو وہ سزا کے لائق نہیں کیونکہ انسانی عقل
اسکو دی نہیں گئی اسلئے وہ باوجود شریعت کے پھر بھی معصوم ہے ٭

اور دوسری طرف ناسوت کے مقام سے جفت - تب دونوں پلہ میزان کے اسمیں مساوی ہونگے - یعنے وہ مظہر لاہوت کامل بھی ہوگا - اور مظہر ناسوت کامل بھی - اور بطور برزخ دونوں حالتوں میں واقع ہوگا -
اس طرح پر . . . .

لاہوت
مقام شفیع
ناسوت

قرآن شریف سے ثبوت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان کامل تھے

اسی مقام شفاعت کیطرف قرآن شریف میں اشارہ فرماکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے انسان کامل ہونیکی شان میں فرمایا ہے دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی یعنے یہ رسول خدا کیطرف چڑھا اور جہانتک امکان میں ہے خدا سے نزدیک ہوا اور قرب کے تمام کمالات کو طے کیا اور لاہوتی مقام سے پورا حصہ لیا اور پھر ناسوت کی طرف کامل رجوع کیا یعنے عبودیت کے انتہائی نقطہ تک اپنے تئیں پہنچایا اور بشریت کے پاک لوازم یعنے بنی نوع کی ہمدردی اور محبت سے جو ناسوتی کمال کہلاتا ہے پورا حصہ لیا لہذا ایک طرف خدا کی محبت میں کمال تام تک پہنچا پس چونکہ وہ کامل طور پر خدا سے قریب ہوا اور پھر کامل طور پر بنی نوع سے قریب ہوا اس لئے دونوں طرف کے مساوی قرب کی وجہ سے ایسا ہوگیا جیساکہ دو قوسوں میں ایک خط ہوتا ہے لہذا وہ شرط جو شفاعت کیلئے ضروری ہے اسمیں پائی گئی اور خدا نے اپنے کلام میں اسکے لئے گواہی دی کہ وہ اپنے بنی نوع میں اور اپنے خدا میں ایسے طور سے درمیان ہے جیساکہ وتر دو قوسوں کے درمیان ہوتا ہے -

اور پھر ایک اور مقام میں آپکے الٰہی قرب کی نسبت یوں فرمایا قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنے لوگوں کو اطلاع دیدے کہ میری یہ حالت ہے کہ میں اپنے وجود سے بالکل کھویا گیا ہوں میری تمام عبادتیں خدا کے لئے ہوگئی ہیں - یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر ایک انسان جبتک وہ کامل نہیں خدا کے لئے خالص طور پر عبادت نہیں کرسکتا - بلکہ کچھ عبادت اسکی خدا کے لئے ہوتی ہے اور کچھ اپنے نفس کے لئے - کیونکہ وہ اپنے نفس کی عظمت اور بزرگی چاہتا ہے جیساکہ خدا کی عظمت اور بزرگی کرنی چاہیئے اور یہی عبادت کی حقیقت ہے اور ایسا ہی ایک حصہ اسکی عبادت کا مخلوق کے لئے ہوتا ہے کیونکہ جس عظمت اور بزرگی اور قدرت اور تصرف کو خدا سے مخصوص کرنا چاہیئے اس عظمت اور قدرت

کا حصہ مخلوق کو بھی دیتا ہے۔ اسلئے جیسا کہ وہ خدا کی پرستش کرتا ہے نفس اور مخلوق کی بھی پرستش کرتا ہے بلکہ عام طور پر جمیع اسباب سفلیہ کو اپنی پرستش سے حصہ دیتا ہے کیونکہ خدا کے ارادہ اور تقدیر کے مقابل ان اسباب کو بھی کارخانہ محو و اثبات میں دخیل سمجھتا ہے پس ایسا انسان خدا تعالےٰ کا سچا پرستار نہیں ٹھیر سکتا جو کبھی خدا کی عظمت کا اپنے نفس کو شریک ٹھیراتا ہے اور کبھی مخلوق اور کبھی اسباب کو بلکہ سچا پرستار وہ ہے جو خدا کی تمام عظمتیں اور تمام بزرگیاں اور تمام تصرف خدا ہی کو دیتا ہے نہ کسی اور کو۔ اور جب اس مرتبہ توحید پر انسان کی پرستش پہنچ جائے تب حقیقی طور پر وہ خدا کا پرستار کہلاتا ہے اور ایسا انسان جیسا کہ زبان سے کہتا ہے کہ خداوند وحدہٗ لاشریک ہے ایسا ہی وہ اپنے فعل سے یعنے اپنی عبادت سے بھی خدا کی توحید پر گواہی دیتا ہے پس اسی مرتبہ کاملہ کیطرف اشارہ ہے جو آیت مذکورہ بالا میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا کہ تو لوگوں کو کہدے کہ میری تمام عبادتیں خدا کے لئے ہیں یعنے نفس کو اور مخلوق کو اور اسباب کو میری عبادتیں میں سے کوئی حصہ نہیں۔

اور پھر بعد اس کے فرمایا کہ میری قربانی بھی خاص خدا کے لئے ہے اور میرا جینا بھی خدا کے لئے ہے اور میرا مرنا بھی خدا کے لئے۔ یاد رہے کہ نسیکہ لغت عرب میں قربانی کو کہتے ہیں اور لفظ نسک جو آیت میں موجود ہے اس کی جمع ہے اور نیز دوسرے معنے اسکے عبادت کے بھی ہیں پس اس جگہ ایسا لفظ استعمال کیا گیا جس کے معنے عبادت اور قربانی دونو پر اطلاق پاتے ہیں یہ اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ کامل عبادت جس میں نفس اور مخلوق اور اسباب شریک نہیں ہیں درحقیقت ایک قربانی ہے اور کامل قربانی درحقیقت کامل عبادت ہے اور پھر بعد اسکے جو فرمایا کہ میرا جینا بھی خدا کیلئے ہے اور میرا مرنا بھی خدا کیلئے۔ یہ آخری فقرہ قربانی کے لفظ کی تشریح ہے تا کوئی اس وہم میں پڑے کہ قربانی سے مراد بکرے کی قربانی یا گائے کی قربانی یا اونٹ کی قربانی ہے اور تا اس لفظ سے کہ میرا جینا اور میرا مرنا خاص خدا کے لئے ہے۔ صاف طور پر سمجھا جائے کہ اس قربانی سے مراد روح کی قربانی ہے اور قربانی کا لفظ قرب سے لیا گیا ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کا قرب تب حاصل ہوتا ہے کہ جب تمام نفسانی قوے اور نفسانی جنبشوں پر موت آجائے غرض یہ آیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قرب تام پر ایک بڑی دلیل ہے اور یہ آیت بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسقدر خدا میں گم اور محو ہو گئے تھے کہ آپ کی زندگی کے تمام انفاس اور آپ کی موت محض خدا کیلئے ہو گئی تھی اور آپ کے وجود میں نفس اور مخلوق اور اسباب کا کچھ حصہ باقی نہیں رہا تھا۔ اور آپ کی روح خدا کے آستانہ پر ایسے اخلاص سے گری تھی کہ اس میں غیر کی ایک ذرہ آمیزش نہیں رہی تھی پس اسطرح آپ نے اس

شرط کے ایک حصہ کو پورا کیا جو شفیع کیلئے ایک لازمی شرط ہے اور آخری فقرہ آیت مذکورہ بالا کا یہ ہے کہ میرا جینا اور مرنا اس خدا کے لئے ہے جو تمام جہان کی پرورش میں لگا ہوا ہے اسمیں یہ اشارہ ہے کہ میری قربانی بھی تمام جہانکی بھلائی کیلئے ہے ایسا ہی دوسرا حصہ شفاعت کا ہمدردی مخلوق ہے اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ آیت دَنیٰ فَتَدَلّٰی کا دوسرا لفظ یعنے تَدَلّٰی اسی ہمدردی پر دلالت کرتا ہے یاد رہے کہ تدلّے کا مجرد دلو ہے اور دلو کہتے ہیں ڈول کو کہ کنوئیں کے اندر ڈبوتا تا پانی اسکے اندر بھر جائے اور دوسرے معنے دلو کے یہ ہیں کہ کسیکو اپنا شفیع پکڑنا - پس تدلّے کے یہ معنی ہیں - کہ شفاعت کے لئے دور افتادہ لوگوں کی طرف بکمال ہمدردی وغمخواری توجہ کرنا اور اُن سے بہت نزدیک ہو کر اُن کا مکدر پانی اٹھانا اور پاک پانی اُن کو عطا کرنا +

اور چونکہ خدا سے محبت کرنا اور اسکی محبت میں اعلےٰ مقام قرب تک پہنچنا ایک ایسا امر ہے جو کسی غیر کو اس پر اطلاع نہیں ہو سکتی اس لئے خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسے افعال ظاہر کئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے درحقیقت تمام چیزوں پر خدا کو اختیار کر لیا تھا اور آپ کے ذرہ ذرہ اور رگ اور ریشہ میں خدا کی محبت اور خدا کی عظمت ایسی رچی ہوئی تھی کہ گویا آپ کا وجود خدا کی تجلیات کے پورے مشاہدہ کے لئے ایک آئینہ کی طرح تھا - خدا کی محبت کاملہ کے آثار جسقدر عقل سوچ سکتی ہے وہ تمام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے یہ ظاہر ہے کہ ایک شخص جو کسی دوسرے شخص سے محبت کرتا ہے وہ یا تو اسکے کسی احسان کیوجہ سے اُس سے محبت کرتا ہے اور یا اسکے حسن کیوجہ سے کیونکہ جب سے کہ انسان پیدا ہوا ہے اُسوقت سے آج تک تمام بنی آدم کا متفق علیہ یہ تجربہ ہے کہ احسان محبت کی تحریک کرتا ہے اور باوجود اسکے کہ بنی آدم اپنی طبائع میں بہت سا اختلاف رکھتے ہیں تاہم جمیع افراد انسانی کے اندر یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ وہ احسان سے ضرور بقدر اپنی استعداد کے متاثر ہو کر محسن کی محبت دل میں پیدا کر لیتے ہیں یہانتک کہ نہائت خسیس اور سنگدل اور کمینہ فرقہ انسانوں کا جو چور اور ڈاکو اور دیگر جرائم پیشہ لوگ ہیں جو بذریعہ مختلف قسم جرائم کے وجہ معاش پیدا کرتے ہیں وہ بھی احسان سے متاثر ہو جاتے ہیں مثلاً ایک چور جس کا نقب زنی کام ہے اگر اس کو رات کے وقت دو گھروںمیں نقب لگانے کا موقع ملے اور ان دونوں میں سے ایک ایسا شخص ہو جو کبھی اس نے اسکے ساتھ نیکی کی تھی اور دوسرا محض اجنبی ہو تو اُس چور کی فطرت باوجود سخت ناپاک ہونے کے ہرگز اس بات کو پسند نہیں کریگی - کہ نقب کے وقت اجنبی کے گھر کو تو عمداً چھوڑ دے اور اس اپنے دوست کے

گھر میں نقب لگادے بلکہ انسان تو انسان حیوانات اور درندوں میں بھی یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ وہ احسان کرنیوالے پر حملہ نہیں کرتے چنانچہ اس بارہ میں کتے کی سیرت اور خصلت اکثر انسانوں کے تجربہ میں آچکی ہے کہ کسقدر وہ اپنے محسن کی اطاعت اختیار کرتا ہے پس اسمیں کچھ بھی شک نہیں کہ احسان موجب محبت ہے ایسا ہی حسن کا موجب محبت ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ حسن کے مشاہدے میں ایک لذت ہے اور انسان ایسی چیز کی طرف طبعاً میل کرتا ہے جس سے اسکو لذت پیدا ہوتی ہے اور حسن سے مراد صرف جسمانی نقوش نہیں ہیں کہ آنکھ ایسی ہو اور ناک ایسی ہو اور پیشانی ایسی ہو اور رنگ ایسا ہو بلکہ اُس کئے مراد ایک ذاتی خوبی اور ذاتی کمال اور ذاتی لطافت ہے جو کمال اعتدال اور بےنظیری سے ایسے مرتبہ پر واقع ہو جو اسمیں ایک کشش پیدا ہو جاوے پس تمام وہ خوبیاں جن کو انسانی فطرت تعریف میں داخل کرتی ہے حسن میں داخل ہوتی ہیں اور انسان کا دل ان کی طرف کھینچا جاتا ہے مثلاً ایک شخص ایک ایسا پہلوان بہادر سرآمد روزگار نکلا کہ کوئی شخص کشتی میں اُسکے ساتھ برابری نہیں کرسکتا اور نہ صرف اسیقدر بلکہ وہ شیروں کو بھی ہاتھ سے پکڑ لیتا ہے اور میدان جنگ میں اپنی شجاعت اور طاقت سے ہزار آدمی کو بھی شکست دیسکتا ہے اور ہزاروں دشمنوں کے محاصرہ میں آکر جان بچاکر نکلجاتا ہے تو ایسا شخص بالطبع دلوں کو اپنی طرف کھینچیگا اور لوگ ضرور اُس سے محبت کرینگے اور گو لوگوں کو اسکی بےمثل پہلوانی اور شجاعت سے کچھ بھی فائدہ نہ ہو بلکہ وہ کسی دور دراز ملک کا رہنے والا ہو جسکو دیکھا بھی نہ ہو یا اُس زمانہ سے وہ پہلے گذر چکا ہو مگر تاہم لوگ اسکے قصوں کو محبت سے سنینگے اور اُسکے ان کمالات کی وجہ سے اُس سے محبت کرینگے سو اس محبت کی کیا وجہ ہے؟!!

کیا اُس نے کسی پر احسان کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ احسان تو اُس نے کسی پر نہیں کیا پس بجز حسن کے اُس کی کوئی اور وجہ نہیں پس کچھ شک نہیں کہ یہ تمام روحانی خوبیاں حسن ہیں اور اُس کا نام حسن اخلاق اور حسن صفات ہے جو حسن اعضا کے مقابل پر واقع ہے اور احسان میں اور حسن اخلاق اور حسن صفات میں فرق ہے کہ کسی شخص کے نیک خلق یا نیک صفت کو اس وقت اور اُس شخص کی نسبت احسان کے نام سے موسوم کیا جائیگا جبکہ ایک شخص اس نیک خلق یا نیک صفت سے متمتع ہو جائے اور اُس سے کوئی فائدہ اٹھالے پس وہ شخص جو اس نیک خلق یا نیک صفت سے فائدہ اٹھائیگا اسکی نسبت وہ نیک خلق یا نیک صفت احسان ہوگا جسکا ذکر بطور مدح اور شکر کے وہ کریگا لیکن دوسرے لوگوں کی نسبت وہ نیک خلق اُس کا حسن ہے

داخل ہوگا۔ مثلاً صفت فیاضی اور سخاوت اُس شخص کے حق میں احسان ہے جو فیضیاب ہے مگر دوسروں
کی نظر میں حسن صفات سمجھا جائیگا +

غرض خدا کا قانون قدرت اور صحیفہ فطرت جس کا سلسلہ قدیم سے اور انسان کی بنیاد کے وقت سے چلا آتا
ہے وہ ہمیں سکھاتا ہے کہ خدا کے ساتھ تعلق شدید پیدا ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسکے احسان اور حسن سے
تمتع اٹھایا ہو اور ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ احسان سے مراد خدا تعالےٰ کے اخلاقی نمونے ہیں جو کسی انسان نے
اپنی ذات کی نسبت بچشم خود دیکھے ہوں مثلاً بیکسی اور عاجزی اور کمزوری اور یتیمی کے وقت میں خدا اُس
کا متولی ہوا ہو اور حاجتوں اور ضرورتوں کے وقت میں خدا نے خود اُسکی حاجت برآری کی ہو اور سخت
اور کمر شکن غموں کے وقت میں خدا نے خود اُسکی مدد کی ہو اور خدا کی طلبی کے وقت میں بغیر توسط کسی مرشد
اور ہادی کے خود خدا نے اُسکی رہنمائی کی ہو اور حسن سے مراد بھی خدا تعالےٰ کی وہی صفات حسنہ ہیں
جو احسانکے رنگ میں ملاحظہ ہوتی ہیں۔ مثلاً خدا کی قدرت کاملہ اور رفق اور وہ لطف اور وہ ربوبیت اور وہ
رحم جو خدا میں پایا جاتا ہے اور وہ عام ربوبیت اسکی جو مشاہدہ ہو رہی ہے اور وہ عام نعمتیں اسکی جو انسانوں
کے آرام کیلئے بکثرت موجود ہیں اور وہ علم اُس کا جسکو انسان نبیوں کے ذریعہ سے حاصل کرتا اور اُس
کے ذریعہ سے موت اور تباہی سے بچتا ہے اور اسکی یہ صفت کہ وہ بیقراروں درماندوں کی دعائیں قبول
کرتا ہے اور اُسکی یہ خوبی کہ جو لوگ اسکی طرف جھکتے ہیں وہ اُنسے زیادہ اُن کی طرف جھکتا ہے یہ تمام صفات
خدا کی اسکے حسن میں داخل ہیں اور پھر وہی صفات ہیں کہ جب ایک شخص خاص طور پر اُن سے فیضیاب
بھی ہو جاتا ہے تو وہ اسکی نسبت احسان بھی کہلاتی ہیں گو دوسرے کی نسبت فقط حسن میں داخل
ہیں اور جو شخص خدا تعالےٰ کی ان صفات کو جو درحقیقت اُس کا حسن اور جمال ہے احسان کے رنگ
میں بھی دیکھ لیتا ہے تو اُس کا ایمان نہایت درجہ قوی ہو جاتا ہے اور وہ خدا کی طرف ایسا کھینچا جاتا
ہے جیسا کہ ایک لوہا آہن ربا کی طرف کھینچا جاتا ہے اُس کی محبت خدا سے بہت بڑھ جاتی ہے اور اُس
کا بھروسا خدا پر بہت قوی ہو جاتا ہے اور چونکہ وہ اسباب کو آزما لیتا ہے کہ اُس کی تمام بھلائی خدا پر
ہے اسلئے اُس کی امیدیں خدا پر نہایت مضبوط ہو جاتی ہیں اور وہ طبعاً نہ کسی تکلف اور بناوٹ سے
خدا کی طرف جھکا رہتا ہے اور اپنے تئیں ہر دم خدا سے مدد پانے کا محتاج دیکھتا ہے اور اس کی ان
صفات کاملہ کے تصور سے یقین رکھتا ہے کہ وہ ضرور کامیاب ہوگا کیونکہ خدا کے فیض اور کرم اور جود کے

بہت سے نمونے اُس کا چشم دید مشاہدہ ہوتا ہے اسلئے اُس کی دعائیں قوت اور یقین کے چشمہ سے نکلتی ہیں اور اسکا عقد ہمت نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے اور آخر کار بمشاہدہ آلا ار اور نعماء الٰہی کے نور یقین بہت زور کے ساتھ اس کے اندر داخل ہو جاتا ہے اور اسکی ہستی بکلی جل جاتی ہے اور باعث کثرت تصور عظمت اور قدرت الٰہی کے اس کا دل خدا کا گھر ہو جاتا ہے اور جسطرح انسان کی روح اسکے زندہ ہونے کی حالت میں کبھی اسکے جسم سے جدا نہیں ہوتی اسی طرح خدائے قادر ذوالجلال کی طرف سے جو یقینی نور اُس کے اندر داخل ہوا ہے وہ کبھی اُس سے علیحدہ نہیں ہوتا اور ہر وقت پاک روح اسکے اندر جوش مارتی رہتی ہے اور اسی پاک روح کی تعلیم سے وہ بولتا اور حقائق اور معارف اس کے اندر سے نکلتے ہیں اور خدائے ذوالعزت والجبروت کا خیمہ ہر وقت اُسکے دل میں لگا رہتا ہے اور یقین اور صدق اور محبت کی لذت ہر وقت پانی کی طرح اسکے اندر بہتی رہتی ہے جس کی آبپاشی سے ہر ایک عضو اس کا سیراب نظر آتا ہے آنکھوں میں ایک جدا سیرابی مشہود ہوتی ہے پیشانی پر الگ ایک نور اس سیرابی کا لہراتا دکھائی دیتا ہے اور چہرہ پر محبت الٰہی کی ایک بارش برستی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور زبان بھی اس نور کی سیرابی سے پورا حصہ لیتی ہے اسی طرح تمام اعضا پر ایک ایسی شگفتگی نظر آتی ہے جیسا کہ ابر بہار کے برسنے کے بعد موسم بہار میں ایک دلکش تازگی درختوں کی ٹہنیوں اور پتوں اور پھولوں اور پھلوں میں محسوس ہوتی ہے لیکن جس شخص میں یہ روح نہیں اتری اور یہ سیرابی اسکو حاصل نہیں اُس کا تمام جسم مردار کی طرح ہوتا ہے اور یہ سیرابی اور تازگی اور شگفتگی جس کی قلم تشریح نہیں کر سکتی یہ اس مردار دل کو مل ہی نہیں سکتی جسکو نور یقین کے چشمہ نے شاداب نہیں کیا بلکہ ایک طرح کی سڑی ہوئی بدبو اُس سے آتی ہے مگر وہ شخص جسکو نور دیا گیا ہے اور جسکے اندر یہ چشمہ پھوٹ نکلا ہے اس کی علامات سے یہ ایک علامت ہے کہ اُس کا جی ہر وقت یہی چاہتا ہے کہ ہر ایک بات میں اور ہر ایک قول میں اور ہر ایک فعل میں خدا سے قوت پاوے اسی میں اسکی لذت ہوتی ہے اور اسی میں اس کی راحت ہوتی ہے وہ اُس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا۔ اور قوت پانے کے لئے جو الفاظ خدا کے کلام میں مقرر کئے گئے ہیں وہی ہیں جو استغفار کے نام سے مشہور ہیں +

استغفار

استغفار کے حقیقی اور اصلی معنے یہ ہیں کہ خدا سے درخواست کرنا کہ بشریت کی کوئی

کمزوری ظاہر نہو اور خدا فطرت کو اپنی طاقت کا سہارا دے اور اپنی حمایت اور نصرت کے حلقہ کے اندر لے لے یہ لفظ غفر سے لیا گیا ہے جو ڈھانکنے کو کہتے ہیں سو اسکے یہ معنے ہیں کہ خدا اپنی قوت کے ساتھ شخص مستغفر کی فطرتی کمزوری کو ڈھانک لے لیکن بعد اسکے عام لوگوں کیلئے اس لفظ کے معنے اور بھی وسیع کئے گئے اور یہ بھی مراد کہ خدا گناہ کو جو صادر ہو چکا ہے ڈھانک لے۔ لیکن اصل اور حقیقی معنے یہی ہیں کہ خدا اپنی خدائی کی طاقت کیساتھ مستغفر کو جو استغفار کرتا ہے فطرتی کمزوری سے بچاوے اور اپنی طاقت سے طاقت بخشے اور اپنے علم سے علم عطا کرے اور اپنی روشنی سے روشنی دے کیونکہ خدا انسان کو پیدا کر کے اُس سے الگ نہیں ہوا بلکہ وہ جیسا کہ انسان کا خالق ہے اور اُسکے تمام قوےٰ اندرونی اور بیرونی کا پیدا کرنیوالا ہے ویسا ہی وہ انسان کا قیوم بھی ہے یعنے جو کچھ بنایا ہے اُس کو خاص اپنے سہارے سے محفوظ رکھنے والا ہے پس جبکہ خدا کا نام قیوم بھی ہے یعنے اپنے سہارے سے مخلوق کو قائم رکھنے والا۔ اسلئے انسان کے لئے لازم ہے کہ جیسا کہ وہ خدا کی خالقیت سے پیدا ہوا ہے ایسا ہی وہ اپنی پیدائش کے نقش کو خدا کی قیومیت کے ذریعہ سے بگڑنے سے بچاوے کیونکہ خدا کی خالقیت نے انسان پر احسان کیا کہ اسکو خدا کی صورت پر بنایا۔ پس اسی طرح خدا کی قیومیت نے تقاضا کیا کہ وہ اس پاک نقش انسانی کو جو خدا کے دونوں ہاتھوں سے بنایا گیا ہے پلید اور خراب ہونے دے لہذا انسان کو تعلیم دی گئی کہ وہ استغفار کے ذریعہ سے قوت طلب کرے پس اگر دنیا میں گناہ کا وجود بھی نہ ہوتا تب بھی استغفار ہوتا کیونکہ در اصل استغفار اس لئے ہے کہ جو خدا کی خالقیت نے بشریت کی عمارت بنائی ہے وہ عمارت مسمار نہ ہو اور قائم رہے اور بغیر خدا کے سہارے کے کسی چیز کا قائم رہنا ممکن نہیں ٭

پس انسان کیلئے یہ ایک طبعی ضرورت تھی جس کے لئے استغفار کی ہدایت ہے اسی کی طرف قرآن شریف میں یہ اشارہ فرمایا گیا ہے اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یعنے خدا ہی ہے جو قابل پرستش ہے کیونکہ وہی زندہ کرنیوالا ہے اور اسی کے سہارے سے انسان زندہ رہ سکتا ہے یعنے انسان کا ظہور ایک خالق کو چاہتا تھا اور ایک قیوم کو۔ تا خالق اسکو پیدا کرے اور قیوم اسکو بگڑنے سے محفوظ رکھے سو وہ خالق بھی ہے اور قیوم بھی اور جب انسان پیدا ہو گیا تو خالقیت کا کام تو پورا ہو گیا مگر قیومیت کا کام ہمیشہ کیلئے ہے اسی لئے دائمی استغفار کی ضرورت پیش آئی غرض خدا کی ہر ایک صفت

کے لئے ایک فیض ہے اور استغفار صفت قیومیت کا فیض حاصل کرنے کے لئے ہے اسی کی طرف اشارہ سورہ فاتحہ کی اس آیت میں ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ یعنے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی اس بات کی مدد چاہتے ہیں کہ تیری قیومیت اور ربوبیت ہمیں مدد دے اور ہمیں ٹھوکر سے بچاوے تا ایسا نہ ہو کہ کمزوری ظہور میں آوے اور ہم عبادت نہ کر سکیں "

اس تمام تفصیل سے ظاہر ہے کہ استغفار کی درخواست کے اصل معنی یہی ہیں کہ وہ اس لئے نہیں ہوتی کہ کوئی حق فوت ہو گیا ہے بلکہ اس خواہش سے ہوتی ہے کہ کوئی حق فوت نہ ہو اور انسانی فطرت اپنے تئیں کمزور دیکھ کر طبعاً خدا سے طاقت طلب کرتی ہے جیسا کہ بچہ ماں سے دودھ طلب کرتا ہے پس جیسا کہ خدا نے ابتدا سے انسان کو زبان آنکھ دل کان وغیرہ عطا کئے ہیں ایسا ہی استغفار کی خواہش بھی ابتدا سے ہی عطا کی ہے اور اسکو محسوس کرایا ہے کہ وہ اپنے وجود کے ساتھ خدا سے مدد پانے کا محتاج ہے اسکی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وَاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ یعنے خدا سے درخواست کر کہ تیری فطرت کو بشریت کی کمزوری سے محفوظ رکھے اور اپنی طرف سے فطرت کو ایسی قوت دے کہ وہ کمزوری ظاہر نہ ہونے پاوے اور ایسا ہی ان مردوں اور ان عورتوں کے لئے جو تیرے پر ایمان لاتے ہیں بطور شفاعت کے دعا کرتا رہ کہ تا جو فطرتی کمزوری سے اُنسے خطائیں ہوتی ہیں اُن کی سزا سے وہ محفوظ رہیں اور آئندہ زندگی ان کی گناہوں سے بھی محفوظ ہو جائے یہ آیت معصومیت اور شفاعت کے اعلےٰ درجہ کی فلاسفی پر مشتمل ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان اعلےٰ درجہ کے مقام عصمت پر اور مرتبۂ شفاعت پر تب ہی پہنچ سکتا ہے کہ جب اپنی کمزوری کے روکنے کے لئے اور نیز دوسروں کو گناہ کی زہر سے نجات دینے کے لئے ہر دم اور ہر آن دعا مانگتا رہتا ہے اور تضرعات سے خدا تعالےٰ کی طاقت اپنی طرف کھینچتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ اس طاقت سے دوسروں کو بھی حصہ ملے جو بوسیلہ ایمان اس سے پیوند پیدا کرتے ہیں معصوم انسان کو خدا سے طاقت طلب کرنے کی اس لئے ضرورت ہے کہ انسانی فطرت اپنی ذات میں تو کوئی کمال نہیں رکھتی بلکہ ہر دم خدا سے کمال پاتی ہے اور اپنی ذات میں کوئی قوت نہیں رکھتی بلکہ ہر دم خدا سے قوت پاتی ہے اور اپنی ذات میں کوئی کامل روشنی نہیں رکھتی بلکہ خدا سے اُس پر روشنی اترتی ہے اس میں اصل راز یہ ہے کہ کامل فطرت کو صرف ایک کشش دیجاتی ہے تاکہ وہ طاقت بالا کو اپنی طرف کھینچ سکے مگر طاقت کا خزانہ محض خدا کی ذات ہے اسی خزانہ سے فرشتے بھی اپنے لئے طاقت کھینچتے ہیں اور ایسا ہی انسان کامل بھی اسی سرچشمہ طاقت سے عبودیت کی عاجزی کے ذریعہ عصمت

اور فضل کی طاقت کھینچتا ہے لہٰذا انسانوں میں سے وہی معصوم کامل ہے جو استغفار سے الٰہی طاقت کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کشش کے لئے تضرع اور خشوع کا ہر دم سلسلہ جاری رکھتا ہے تا اُس پر روشنی اترتی رہے اور ایسے دل کو اس گھر سے تشبیہ دے سکتے ہیں جسکے شرق اور غرب اور ہر ایک طرف سے تمام دروازے آفتاب کے سامنے ہیں پس ہر وقت آفتاب کی روشنی اس میں پڑتی ہے لیکن جو شخص خدا سے طاقت نہیں مانگتا وہ اُس کوٹھری کی مانند ہے جسکے چاروں طرف سے دروازے بند ہیں اور جس میں ایک ذرہ روشنی نہیں پڑ سکتی پس استغفار کیا چیز ہے یہ اُس آلہ کی مانند ہے جس کی راہ سے طاقت اُترتی ہے تمام راز توحید اسی اصول سے وابستہ ہے کہ صفت عصمت کو انسان کی ایک مستقل جائداد قرار نہ دیا جائے بلکہ اسکے حصول کے لئے محض خدا کو سرچشمہ سمجھا جائے ذات باری تعالے کو تمثیل کے طور پر دل سے مشابہت ہے جس میں مصفّا خون کا ذخیرہ جمع رہتا ہے اور انسان کامل کا استغفار اُن شرائین اور عروق کی مانند ہے جو دل کے ساتھ پیوستہ ہیں اور خون صافی اس میں سے کھینچتی ہیں اور تمام اعضا پر تقسیم کرتی ہیں جو خون کے محتاج ہیں ٭

ذنب اور جرم میں فرق

یہ کہنا بالکل غلطی ہے کہ آیت وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ میں ذنب کا لفظ موجود ہے جو گناہ کو کہتے ہیں کیونکہ ذنب اور جرم میں فرق ہے جرم کا لفظ تو ہمیشہ اسی گناہ کے لئے آتا ہے جو سزا کے لئے ہوتا ہے مگر ذنب کا لفظ بشریت کی کمزوری کیلئے بھی آجاتا ہے اسی لئے نبیوں پر انسانی کمزوری کی وجہ سے ذنب کا لفظ اطلاق پایا ہے مگر جرم کا لفظ اطلاق نہیں پایا اور خدا کی کتاب میں کسی نبی کو مجرم کے لفظ سے نہیں پکارا گیا اور نیز خدا کی کتاب میں یعنی قرآن کریم میں مجرم کیلئے تو جہنم کی وعید ہے یعنے خدا کی طرف سے عہد ہے کہ وہ جہنم میں ڈالا جائیگا مگر مذنب کے لئے کوئی وعید نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى یعنے جو شخص خدا کے پاس مجرم ہو کر آئیگا۔ اس کی سزا جہنم ہے نہ اس میں مرے گا اور نہ زندہ رہیگا۔ سو اس جگہ خدا نے مُجْرِمًا کہا مُذْنِبًا نہیں کہا کیونکہ بعض صورتوں میں معصوم کو بھی مذنب کہ سکتے ہیں مگر مجرم نہیں کہ سکتے اس پر ایک اور دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ سورۃ آل عمران میں یہ آیت ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ

وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا اس آیت سے بنص صریح ثابت ہوا کہ تمام انبیاء جن میں حضرت مسیح بھی شامل ہیں مامور تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاویں اور انہوں نے اقرار کیا کہ ہم ایمان لائے اور پھر جب آیت وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ کو اسکے ساتھ ملا کر پڑھا جائے اور ذنب سے مراد نعوذ باللہ جرم لیا جائے تو حضرت عیسیٰ بھی اس آیت کے رو سے مجرم ٹھیرینگے کیونکہ وہ بھی اس آیت کے رو سے ان مومنین میں داخل ہیں جو آنحضرت پر ایمان لائے پس بلاشبہ وہ بھی مذنب ٹھیرے - یہ مقام عیسائیوں کو غور سے دیکھنا چاہیئے پس ان آیات سے بوضاحت تمام ثابت ہوا کہ اس جگہ ذنب بمعنے جرم نہیں ہے بلکہ انسانی کمزوری کا نام ذنب ہے جو قابل الزام نہیں اور مخلوق کی فطرت کے لئے ضروری ہے کہ یہ کمزوری اسمیں موجود ہو اور کمزوری کا نام اسلئے ذنب کہا ہے کہ انسان کی فطرت میں طبعاً یہ قصور اور کمی واقع ہے تا وہ ہر وقت خدا کا محتاج رہے اور تا اس کمزوری کے دبانے کیلئے ہر وقت خدا سے طاقت مانگتا رہے اور اسمیں کچھ شک نہیں کہ بشری کمزوری ایک ایسی چیز ہے کہ اگر خدا کی طاقت اسکے ساتھ شامل نہ ہو تو نتیجہ اسکا بجز ذنب کے اور کچھ نہیں پس جو چیز موصل الی الذنب ہے بطور استعارہ اسکا نام ذنب کہا گیا اور یہ محاورہ شائع متعارف ہے کہ جو اعراض بعض امراض کو پیدا کرتے ہیں کبھی انہیں اعراض کا نام امراض رکھدیتے ہیں پس کمزوری فطرت بھی ایک مرض ہے جسکا علاج استغفار ہے

غرض خدا کی کتاب نے بشریت کی کمزوری کو ذنب کے محل پر استعمال کیا ہے اور خود گواہی دی ہے - کہ انسان میں فطرتی کمزوری ہے - جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا یعنے انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے یہی کمزوری ہے کہ اگر الٰہی طاقت اسکے شامل نہ ہو تو انواع اقسام کے گناہوں کا موجب ہو جاتی ہے پس استغفار کی حقیقت یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر دم اور ہر آن خدا سے مدد مانگی جائے اور اس سے درخواست کیجائے کہ بشریت کی کمزوری جو بشریت کا ایک ذنب ہے جو اس کے ساتھ لگا ہوا ہے ظاہر نہ ہو سو مدام استغفار دلیل اس بات پر ہے کہ اس ذنب پر فتح پائی اور وہ ظہور میں نہ آسکا اور خدا کا نور اترا اور اسکو دبا لیا اس جگہ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ استغفار کا لفظ غفر سے نکلا ہے اور اسکے اصل معنے دبانے اور ڈھانکنے کے ہیں یعنے یہ درخواست کرنا کہ بشریت کی کمزوری ظاہر ہو کر نقصان نہ پہنچاوے اور وہ ڈھکی رہے کیونکہ بشر چونکہ خدا نہیں ہے اور نہ خدا سے مستغنی ہے اسلئے وہ اس بچہ کی طرح ہے جو ہر قدم میں ماں کا محتاج ہے تا وہ اسکو گرنے سے بچاوے اور ٹھوکر سے محفوظ رکھے ایسا ہی یہ بھی ہر قدم میں خدا کا محتاج ہوتا ہے تا وہ

اسکو ٹھوکر اور لغزش سے بچاوے سو اسکے علاج کے لئے استغفار ہے ۔

اور کبھی یہ لفظ توسع کے طور پر ان لوگوں پر بھی اطلاق پاتا ہے جو اول کسی گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور اسجگہ استغفار کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ جو گناہ صادر ہو چکا ہے اسکی سزا سے خدا بچاوے لیکن یہ دوسرے معنے خدا کے مقربوں کے حق میں درست اور روا نہیں ہیں وجہ یہ کہ خدا نے تو پہلے سے ان پر ظاہر کیا ہوا ہوتا ہے کہ وہ کوئی سزا نہیں پائینگے اور جنت کے اعلےٰ مقام انکو ملینگے اور خدا کی رحمت کی گود میں وہ بٹھائے جائینگے اور نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ ایسے وعدے انکو دئے جاتے ہیں اور ان کو بہشت دکھایا جاتا ہے پھر اگر وہ ان معنوں کے رو سے استغفار کریں کہ وہ اپنے گناہوں کے سبب سے دوزخ میں نہ پڑیں تو ایسا استغفار تو خود انکے لئے ایک گناہ ہوگا کہ وہ خدا کے وعدوں پر یقین نہیں کرتے اور خدا کی رحمت سے اپنے تئیں دور سمجھتے ہیں پھر ایسا شخص جسکے حق میں خدا تعالےٰ یہ فرماوے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنے تمام دنیا کیلئے تجھے ہم نے رحمت کر کے بھیجا ہے اور تو رحمت مجسم ہے وہ اگر اپنی نسبت ہی یہ شک کرے کہ خدا کی رحمت میرے شامل ہوگی یا نہیں تو پھر دوسروں کے لئے کیونکر رحمت کا باعث ہوگا۔

یہ تمام قرینے اُن لوگوں کے لئے جو انصاف سے سوچتے ہیں صریح اس حقیقت کو کھولتے ہیں۔ کہ استغفار کے دوسرے معنے کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا سخت خطا کاری اور شرارت ہے بلکہ معصوم کیلئے اوّل علامت یہی ہے کہ وہ سب سے زیادہ استغفار میں مشغول رہے اور ہر آن اور ہر حالت میں بشریت کی کمزوری سے محفوظ رہنے کے لئے خدا تعالےٰ سے طاقت طلب کرتا رہے جسکو دوسرے لفظوں میں استغفار کہتے ہیں کیونکہ اگر ایک بچہ ہر وقت ماں کے ہاتھ کے سہارے سے چلتا ہے اور روا نہیں رکھتا کہ ایک سیکنڈ بھی ماں سے دور ہو وہ بچہ بلاشبہ ٹھوکر سے بچ رہیگا لیکن وہ بچہ جو ماں سے علیحدہ ہو کر چلتا ہے اور خود بخود کبھی کسی خوفناک زینہ پر چڑھتا ہے اور کبھی کسی خوفناک زینہ سے اترتا ہے وہ ضرور ایک دن گریگا اور اسکا گرنا سخت ہوگا۔ پس جسطرح خوش قسمت بچہ کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ اپنی پیاری ماں سے ہرگز علیحدگی اختیار نہ کرے اور ہرگز اسکی گود سے جدا نہ ہو اور اسکے دامن کو نہ چھوڑے یہی عادت اُن مبارک مقدسوں کی ہوتی ہے کہ وہ خدا کے آستانہ پر ایسے جا پڑتے ہیں جیسا کہ ماں کی گود میں بچے اور جیسا کہ ایک بچہ اپنا تمام کام اپنی ماں کی طاقت سے نکالتا ہے اور ہر ایک دوسرا بچہ جو اُس سے مخالفت کرتا ہے یا کوئی کتا اُسکے سامنے آتا ہے یا کوئی اور خوف نمودار ہوتا ہے یا کسی لغزش کی جگہ پر اپنے تئیں

پاتا ہے تو فی الفور اپنی ماں کو پکارتا ہے تا وہ جلد تر اسکی طرف دوڑے اور اُسکی آفت سے اُسکو بچاوے
یہی حال اُن روحانی بچوں کا ہوتا ہے کہ بعینہٖ اپنے رب کو ماں کی طرح سمجھ کر اسکی طاقت کو اپنا ذخیرہ
سمجھتے ہیں اور ہر وقت اور ہر دم اُسکی طاقتوں کو طلب کرتے رہتے ہیں اور جس طرح شیر خوار بچہ جب بھوک
کے وقت اپنا منہ اپنی ماں کے پستان کے اوپر رکھدیتا ہے اور اپنی طبعی کشش سے دودھ کو اپنی طرف کھینچنا
چاہتا ہے تو تبھی کہ ماں محسوس کرتی ہے کہ گریہ اور زاری کیساتھ اس بچہ کے نرم نرم ہونٹھ اسکے
پستان پر جا لگے ہیں تو طبعاً اس کا دودھ جوش مارتا ہے اور اُس بچہ کے منہ میں گرتا جاتا ہے یہی
قانون ان بچوں کے لئے بھی ہے جو روحانی دودھ کے طالب اور جویاں ہیں *

ضرورت شفاعت

ممکن ہے کہ اس جگہ کوئی شخص یہ سوال بھی پیش کرے کہ انسان کو شفاعت کی کیوں ضرورت
ہے اور کیوں جائز نہیں کہ ایک شخص براہ راست توبہ اور استغفار کر کے خدا سے معافی حاصل کرے۔
اس سوال کا جواب قانون قدرت خود دیتا ہے کیونکہ یہ بات مسلم ہے اور کسی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا
کہ انسان بلکہ تمام حیوانات کی نسل کا سلسلہ شفاعت پر ہی چل رہا ہے کیونکہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں۔ کہ
شفاعت کا لفظ شفع سے نکلا ہے جسکے معنے ہیں جفت پس اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ تمام برکات
تناسل شفع سے ہی پیدا ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں ایک انسان کے اخلاق اور قوت اور صورت
دوسرے انسان میں اسی ذریعہ سے آجاتے ہیں یعنے وہ ایک جوڑ کا ہی نتیجہ ہوتا ہے ایسا ہی ایک حیوان
جو دوسرے سے پیدا ہوتا ہے مثلاً بکری بیل گدھا وغیرہ اور وہ تمام قوے جو ایک حیوان سے دوسرے
میں منتقل ہوتے ہیں وہ بھی درحقیقت ایک جوڑ کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ پس یہی جوڑ جب ان معنوں سے لیا جاتا
ہے کہ ایک ناقص ایک کامل سے روحانی تعلق پیدا کر کے اسکی روح سے اپنی کمزوری کا علاج پاتا ہے
اور نفسانی جذبات سے محفوظ رہتا ہے تب اس جوڑ کا نام شفاعت ہے جیسا کہ چاند سورج کے مقابل
ہو کر ایک قسم کا اتحاد اور جوڑ اس سے حاصل کرتا ہے تو معاً اس نور کو حاصل کر لیتا ہے جو آفتاب میں
ہے اور چونکہ اس روحانی جوڑ کو جو پر محبت دلوں کو انبیاء کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اس جسمانی جوڑ سے
ایک مناسبت ہے جو زید کو مثلاً اپنے باپ سے ہے اسلئے یہ روحانی فیضیاب بھی خدا کے نزدیک اولاد

کہلاتے ہیں اور اس تولد کو کامل طور پر حاصل کرنے والے وہی نقوش اور اخلاق اور برکات حاصل کر لیتے ہیں جو نبیوں میں موجود ہوتے ہیں پس درحصل یہی حقیقت شفاعت ہے اور جس طرح جسمانی شفع یعنے جوڑ کا یہ لازمہ ذاتی ہے کہ اولاد مناسب حال اُس شخص کے ہوتی ہے جس سے یہ جوڑ کیا گیا ہے ایسا ہی روحانی شفع کا بھی خاصہ ہے غرض یہی حقیقت شفاعت ہے کہ خدا کا قانون جسمانی اور روحانی اس طرح پر قدیم سے واقع ہے کہ تمام برکات جوڑے سے ہی پیدا ہوتی ہیں صرف یہ فرق ہے کہ ایک قسم کو شفع کہا گیا ہے اور دوسری قسم کا نام شفاعت کہا گیا ہے اور انسان کو جس طرح کہ سلسلہ تناسل کے محفوظ رکھنے کے لئے شفع کی ضرورت ہے ایسا ہی روحانیت کا سلسلہ باقی رکھنے کیلئے شفاعت کی ضرورت ہے اور خدا کے کلام نے دونوں کو بیان فرما دیا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ اللہ تعالے قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ خدا نے آدم کو جوڑا پیدا کیا اور پھر اس جوڑہ سے مخلوق مرد اور عورت پیدا کئے اور ایسا ہی فرماتا ہے کہ خدا نے زمین پر اپنا خلیفہ پیدا کیا جو آدم تھا جس میں خدائی روح تھی پھر وہ نور آدم سے دوسرے نبیوں میں منتقل ہو گیا اور ابراہیم اور اسحاق اور اسماعیل اور یعقوب اور موسےٰ اور داؤد اور عیسےٰ وغیرہم سب اس نور کے وارث ہوئے یہانتک کہ آخری وارث ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے پس ان تمام پاک نبیوں نے جیسا کہ آدم سے وراثت میں جسمانی نقوش پائے ایسا ہی بحیثیت خلیفہ ہونے آدم کے اُس سے خدائی روح بھی پائی پھر ان کے ذریعہ سے قوماً بعد قوماً اور لوگ بھی وارث ہوتے گئے ✦

قرآن شریف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ثبوت

اور قرآن شریف میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بارہ میں مختلف مقامات میں ذکر فرمایا گیا ہے جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ترجمہ کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے اب دیکھو کہ یہ آیت کسقدر صراحت سے بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا جسکے لوازم میں سے محبت اور تعظیم اور اطاعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہے اسکا ضروری نتیجہ ہے کہ انسان خدا کا محبوب بن جاتا ہے اور اسکے گناہ بخشے جاتے ہیں اگر کوئی گناہ کی زہر کھا چکا ہے تو محبت اور اطاعت اور پیروی کے تریاق سے اس زہر کا اثر جاتا رہتا ہے اور جس طرح بذریعہ دوا مرض سے ایک انسان پاک ہو سکتا

ہے ایسا ہی ایک شخص گناہ سے پاک ہو جاتا ہے اور جس طرح نور ظلمت کو دور کرتا ہے اور تریاق زہر کا اثر زائل کرتا ہے اور آگ جلاتی ہے ایسا ہی سچی اطاعت اور محبت کا اثر ہوتا ہے دیکھو آگ کیونکر ایکدم میں جلا دیتی ہے پس اسی طرح پرجوش نیکی جو محض خدا کا جلال ظاہر کرنے کیلئے کیجاتی ہے وہ گناہ کا خس و خاشاک بھسم کرنے کیلئے آگ کا حکم رکھتی ہے جب ایک انسان سچے دل سے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے اور آپ کی تمام عظمت اور بزرگی کو مان کر پورے صدق و صفا اور محبت اور اطاعت سے آپکی پیروی کرتا ہے یہانتک کہ کامل اطاعت کی وجہ سے فنا کے مقام تک پہنچ جاتا ہے تب اس تعلق شدید کیوجہ سے جو آپکے ساتھ ہو جاتا ہے وہ الٰہی نور جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اترتا ہے اس سے یہ شخص بھی حصہ لیتا ہے تب چونکہ ظلمت اور نور کی باہم منافات ہے وہ ظلمت جو اسکے اندر ہے دور ہونی شروع ہو جاتی ہے یہانتک کہ کوئی حصہ ظلمت کا اسکے اندر باقی نہیں رہتا اور پھر اس نور سے قوت پاکر اعلےٰ درجہ کی نیکیاں اس سے ظاہر ہوتی ہیں اور اسکے ہر ایک عضو میں سے محبت الٰہی کا نور چمک اٹھتا ہے تب اندرونی ظلمت بکلی دور ہو جاتی ہے اور علمی رنگ سے بھی اسمیں نور پیدا ہو جاتا ہے اور عملی رنگ سے بھی نور پیدا ہو جاتا ہے آخر ان نوروں کے اجتماع سے گناہ کی تاریکی اسکے دل سے کوچ کرتی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ نور اور تاریکی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے لہذا ایمانی نور اور گناہ کی تاریکی بھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی اور اگر ایسے شخص سے اتفاقاً کوئی گناہ ظہور میں نہیں آیا تو اسکو اس اتباع سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آئندہ گناہ کی طاقت اس سے مسلوب ہو جاتی ہے اور نیکی کرنے کی طرف اسکو رغبت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اسکی نسبت اللہ تعالےٰ آپ قرآن شریف میں فرماتا ہے حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ یعنی خدا نے تم پر پاک روح نازل کرکے ہر ایک نیکی تمہیں پیاری لگائی اور کفر اور فسق اور عصیان تمہاری نظر میں مکروہ کیا۔

لیکن اگر اس جگہ یہ سوال ہو کہ وہ نور جو بذریعہ نبی علیہ السلام کے پیروی کرنے والے کو ملتا ہے جس سے گناہ کے جذبات دور ہو جاتے ہیں وہ کیا چیز ہے سو اس سوال کا یہ جواب ہے کہ وہ ایک پاک معرفت[1] ہے جسکے ساتھ کوئی تاریکی شک و شبہ کی نہیں اور وہ ایک پاک محبت[2] ہے جسکے ساتھ کوئی نفسانی غرض نہیں اور وہ ایک پاک لذت[3] ہے جو تمام لذتوں سے بڑھکر ہے جسکے ساتھ کوئی کثافت نہیں اور وہ ایک زبردست کشش[4] ہے جس پر کوئی کشش غالب نہیں اور وہ ایک قوی الاثر تریاق[5] ہے جس سے تمام اندرونی زہریں دور ہوتی ہیں یہ پانچ چیزیں ہیں جو نور کے طور پر روح القدس کے ساتھ سچی پیروی کرنیوالے کے دل پر نازل ہوتی ہیں پس ایسا

دل نہ صرف گناہ سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے بلکہ طبعاً اُس سے متنفر بھی ہو جاتا ہے ان پانچ چیزوں کی طاقت کا جدا جدا بیان تو بہت طول چاہتا ہے مگر صرف پاک معرفت کی خاصیتوں کا کسی قدر تفصیل سے بیان کرنا اس حقیقت کے سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ کیونکر پاک معرفت گناہ سے روکتی ہے*

یہ تو ظاہر ہے کہ انسان بلکہ حیوان بھی نقصان رساں چیز کی نسبت علم صحیح اور یقینی پاکر اُسکے نزدیک نہیں جا سکتا۔ چور کو اگر یہ اطلاع ہو کہ جس جگہ میں نقب لگانا چاہتا ہوں اسجگہ مخفی طور پر ایک جماعت کھڑی ہے جو عین نقب زنی کی حالتمیں مجھے پکڑ لیگی تو وہ ہرگز اسبات پر جرأت نہیں کرسکتا کہ نقب لگاوے بلکہ اگر ایک پرند بھی اسبات کو تاڑ جاوے کہ یہ چند دانہ جو میرے لئے زمین پر پھیلائے گئے ہیں انکے نیچے دام ہے تو وہ ان دانوں کے نزدیک نہیں آتا ایسا ہی مثلاً اگر ایک نہائت عمدہ لطیف کھانا پکایا گیا ہو مگر کسی شخص کو یہ علم ہو جائے کہ اس کھانے میں زہر ہے تو وہ کبھی اُس کھانے کے نزدیک نہیں آتا پس ان تمام مشاہدات سے صاف ظاہر ہے کہ انسان جب ایک موذی اور نقصان رساں چیز کی نسبت پورا علم حاصل کرے تو کبھی اس چیز کی طرف رغبت نہیں کرتا بلکہ اسکی شکل سے بھاگتا ہے لہٰذا یہ امر قابل تسلیم ہے کہ اگر انسان کو کسی ذریعہ سے اس بات کا علم ہو جاوے کہ گناہ ایسی مہلک زہر ہے جو فی الفور ہلاک کرتی ہے تو بلاشبہ انسان بعد اس علم کے گناہ کا مرتکب ہرگز نہیں ہوگا*

لیکن اس جگہ طبعاً یہ سوال پیش ہوتا ہے کہ وہ کونسا ذریعہ ہے کیا عقل وہ ذریعہ ہو سکتی ہے تو اس کا یہی جواب ہے کہ عقل ہرگز کامل ذریعہ نہیں ہو سکتی جبتک کوئی آسمانی مددگار نہ ہو۔ کیونکہ دل میں یقین ہونا کہ گناہ کے لئے واقعی ایک سزا ہے جس سے انسان بچ نہیں سکتا۔ یہ یقین کامل طور پر اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب کامل طور پر معلوم ہو کہ خدا بھی ہے جو گناہ پر سزا دیسکتا ہے لیکن مجرد عقلمند جسکو آسمان سے کوئی روشنی نہیں ملی خدا تعالےٰ پر کامل طور پر یقین نہیں کرسکتا کیونکہ اُسنے خدا تعالےٰ کے کلام کو نہیں سنا اور نہ اُسکے چہرے کو دیکھا اسلئے اُسکو خدا تعالےٰ کی نسبت بشرطیکہ وہ زمین و آسمان کی مخلوقات پر غور کرکے صحیح نتیجہ تک پہنچ سکے صرف اسقدر علم ہو سکتا ہے کہ ان تمام مصنوعات کا کوئی صانع ہونا چاہئے لیکن اس یقینی قطعی علم تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ صانع موجود بھی ہے اور ظاہر ہے کہ ہونا چاہئے۔ اور ہے میں بڑا فرق ہے یعنے جو شخص صرف اسیقدر علم رکھتا ہے کہ فقط ہونا چاہئے کے مرتبہ پر آکر ٹھہر گیا ہے پھر ماوراء اسکے اسکی نظر کے سامنے تاریکی ہی تاریکی ہے وہ اُس شخص کی مانند اپنے علم کے رو سے

ہرگز نہیں کہ جو اس صانع حقیقی کی نسبت صرف یہ نہیں کہتا کہ ہونا چاہئے بلکہ اس نور کی شہادت سے جو اسکو دیا گیا ہے محسوس بھی کر لیتا ہے کہ وہ ہے بھی اور یہ نہیں کہ صرف وہ آسمانی نور سے خدا کی ہستی کا مشاہدہ کرتا ہے بلکہ اس آسمانی نور کی ہدایت سے اسکے ذہنی اور عقلی قوے بھی ایسے تیز کئے جاتے ہیں کہ اس کا قیاسی استدلال بھی اعلے سے اعلے ہوتا ہے پس وہ دوہری قوت سے خدا تعالے کے وجود پر یقین رکھتا ہے۔ اس جگہ آسمانی نور سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالے کا یقینی مکالمہ اسے نصیب ہوتا ہے یا صاحب مکالمہ سے نہایت شدید اور گہرا تعلق اسکو ہوتا ہے اور مکالمہ الہیہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ عام لوگوں کی طرح ظنی طور پر وہ الہام کا دعویٰ ہے کیونکہ ظنی الہام کچھ چیز نہیں ہے بلکہ وہ عقل سے بھی نیچے گرا ہوا ہے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ درحقیقت وہ یقینی و قطعی طور پر خدا تعالے سے ایسی پاک اور کامل وحی ہوتی ہے جسکے ساتھ آسمانی نشان ایک لازمی امر کیطرح ہوتے ہیں اور وہ وحی اپنی ذات میں نہایت شوکت اور عظمت رکھتی ہے اور اپنے پُر رعب اور لذیذ الفاظ کیساتھ ایک فولادی میخ کی طرح دل کے اندر گھس جاتی ہے اور اسپر خدا کے نشانوں اور فوق العادت علامات کی ایک چمکتی ہوئی مہر ہوتی ہے اور انسان کو خدا پر پورا یقین حاصل کرنے کے لئے یہ ایک پہلی ضرورت ہے کہ ایسی وحی سے بذات خود فیضیاب ہو یا ایک فیضیاب سے تعلق شدید رکھتا ہو جو روحانی تاثیر سے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے والا ہو پس ہر ایک مذہب جو یہ تازہ بتازہ وحی جو زندہ نشان اپنے ساتھ رکھتی ہے پیش نہیں کر سکتا وہ ان بوسیدہ ہڈیوں کی مانند ہے جو خاک نے قریباً انکو خاک کی مانند کر دیا ہے اور ایسے مذہب سے ہرگز ممکن نہیں ہے کہ سچی تبدیلی پیدا کر سکے اور اسپر ناز اور فخر کرنے والے صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو محض باپ دادوں کی لکیر پر چلنا چاہتے ہیں اور حق جوئی کی انکی روح میں کوئی خواہش نہیں اور نہ ایسی خواہش کے وہ آرزومند ہیں۔ بلکہ شدت تعصب اور گمراہی کے پیاسے انکی اندرونی حالت کی ایک یا پلٹ ہو رہی ہے انکو اس بات کی پروا نہیں کہ وہ کیونکر یقینی طور پر خدا پر ایمان لا سکتے ہیں اور وہ خدا کن صفات کا ہونا چاہئے جسپر یقینی ایمان آسکتا ہے اور وہ کونسے امور ہیں جو خدا تعالے کی ہستی کی نسبت یقین پیدا کر سکتے ہیں اور نیز یقین کی علامات کیا ہیں جو صاحب یقین کیلئے بطور امتیازی نشان کے ہوتے ہیں یاد رہے کہ اگرچہ کوئی مذہب کسی حد تک معقولیت کے رنگ میں ہو اور ظاہری تہذیب اور شائستگی سے موصوف بھی ہو لیکن اسی حد تک نہیں کہا جائیگا کہ وہ مذہب خدا تعالے کی ہستی اور اسکی صفات کی نسبت یقین کے مرتبہ تک پہنچاتا ہے بلکہ دنیا کے تمام مذہب اسوقت تک سراسر لغو اور بیفائدہ اور بیہودہ اور بیجان اور مردہ ہیں جبتک کہ ایک سالک کو یقین کے صافی چشمہ تک پہنچا دیں +

افسوس کہ اکثر لوگ نہیں سمجھتے کہ خدا کے وجود اور اسکی ہستی اور اسکی عظمت اور قدرت اور دیگر صفات حسنہ پر یقین لانا کیا چیز ہے بلکہ اگر انکی حالت پر افسوس سے یہ اے ظاہر کیجائے کہ وہ چشمۂ صافیہ یقین سے نصیب ہیں لہذا وہ سچی پاکیزگی سے بھی بے نصیب ہیں جو یقین کے بعد حاصل ہوتی ہیں تو وہ اس بات سے بہت غصہ کرتے ہیں اور جوش میں آکر کہتے ہیں کہ کیا ہم خدا پر یقین نہیں رکھتے کیا ہم اسکو نہیں مانتے پس ان تمام باتوں کا یہی جواب ہے کہ درحقیقت نہ تم خدا پر یقین رکھتے ہو اور نہ اُسکو مانتے ہو افسوس کہ وہ نہیں سمجھتے کہ ہر ایک سوراخ پر جوان کو دلی یقین ہوتا ہے کہ اسمیں ایک زہریلہ سانپ ہے تو اسمیں اپنا ہاتھ نہیں ڈالتے کیونکہ اسمیں اپنی ہلاکت دیکھتے ہیں۔ لیکن ہر ایک گناہ دلیری سے کر لیتے ہیں وہ ایک ہلاہل زہر کو نہیں کھاتے کیونکہ جانتے ہیں کہ مر جاوینگے لیکن بڑے بڑے خوفناک جرائم اُنسے ظہور میں آتے ہیں بلکہ یقین تو یقین ظن غالب کے مرتبہ پر بھی وہ کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں کرتے جس سے کسی ضرر کا احتمال ہے مثلاً وہ کسی ایسی چھت کے نیچے سونا پسند نہیں کرتے جسکا شہتیر کسیقدر ٹوٹ گیا ہے وہ کسی ایسے گاؤں میں رہنا نہیں چاہتے جسمیں ہیضہ یا طاعون شروع ہوگئی ہے پھر کیا باعث ہے کہ با وجود دعوے یقین کے خدا تعالے کے حکموں کو توڑتے ہیں پس یقیناً سمجھو کہ حق یہی بات ہے کہ درحقیقت اُن کو یقین نہیں بلکہ انکو یہ ظن غالب بھی نہیں کہ ایک مقتدر ذات موجود ہے جو ایکدم میں ہلاک کر سکتی ہے ◆

عیسائیوں کا خدا

آجکل یہ بیماری کسی خاص فرقہ سے مخصوص نہیں بلکہ جیسی عیسائیوں میں ہے ایسی ہی مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہے اور بقدر مراتب مشرقی لوگوں نے بھی اس سے حصہ لیا ہے جیسا کہ مغربی لوگوں نے مسلمانوں اور عیسائیوں میں فرق یہ ہے کہ مسلمان تو لاپروائی سے سچے اور قادر خدا سے غافل ہیں تاہم ہمیشہ خدا اپنا نور اُن پر ظاہر کرتا رہتا ہے اور ہر زمانہ میں انکو اپنی طرف کھینچتا ہے اور بعد سے سعادت کے فرزند اس نور سے حصہ لیتے ہیں لیکن عیسائی تو مدت ہوئی کہ اُس خدا کو کھو بیٹھے ہیں جس پر یقین آنیسے پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور اسکی عظمت اور جلال کے تصور سے درحقیقت گناہ سے سچی بیزاری پیدا ہو جاتی ہے اور یہ لوگ بجائے اُس حی قیوم کے ایک عاجز انسان کو جو مریم کا بیٹا اور یسوع کہلاتا ہے خدا قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ نہ دعاؤں کا جواب دے سکتا ہے اور نہ خود کسی کو پکار سکتا ہے اور نہ کوئی اپنی عظمت اور قدرت

ظاہر کرسکتا ہے پس اسکے ذریعہ سے اگر سچی پاکیزگی حاصل ہو تو کیونکر ہو اُسکی قدرت کے نمونے جو کتابوں میں لکھے ہیں یہی ہیں جو اُسنے یہودیوں کے ہاتھ سے طرح طرح کے دکھ اٹھائے تمام رات کی دعا قبول نہ ہوئی اور قابل شرم الزام قائم ہوا اسکی مدافعت کسی خدائی چمکار سے نہ کرسکا اسکے معجزات میں اگر وہ صحیح بھی مان لیے جائیں کوئی ایسی خوبی نہیں جو دوسرے انبیاء کے معجزات میں نہو بلکہ ایلیا نبی کے معجزات اور اُس کا مردے زندہ کرنا بکمال قدرت مسیح کے معجزات سے بہت بڑھکر ہے ایسا ہی لیسعیاہ نبی کے معجزات بھی درحقیقت بعض ایسے ہیں کہ مسیح کے معجزات کو اُنسے کچھ بھی نسبت نہیں اور حضرت مسیح کی پیشگوئیاں تو نہایت ردی حالتیں ہیں کہ بجائے اسکے کہ اُنسے کوئی نیک اثر پڑے انکو پڑھکر ہنسی آتی ہے کہ یہ کس قسم کی پیشگوئیاں ہیں کہ قحط پڑینگے زلزلے آئینگے لڑائیاں ہونگی حالانکہ ان پیشگوئیوں سے پہلے بھی ملک میں سب کچھ ہو رہا تھا پس ایسے خدا پر کیونکر کوئی ایمان لاوے ؛

یہ تو پہلے قصے ہیں خدا جانے ان واقعات میں سچ کس قدر ہے اور جھوٹ کسقدر لیکن اس زمانہ کے لوگوں کیلئے اس نئے خدا کے ماننے میں جس کا یہودیوں کی تعلیم میں بھی نام نشان نہیں اور بھی مشکلات بڑھ گئے کیونکہ ان لوگوں نے نہ تو مردے زندہ ہوتے بچشم خود دیکھے اور نہ بیماریوں میں سے بھوتوں کا نکلنا بچشم خود مشاہدہ کیا اور نہ وہ دعوے پورے ہوئے جو انکی نسبت کئے گئے تھے یعنے یہ کہ اگر وہ کوئی زہر کھالیں تو اثر نہیں کریگی اور اگر ایک پہاڑ کو کہیں کہ ایک جگہ سے اٹھ جاوے تو وہ فی الفور اُٹھ جائیگا اور سانپوں کو اپنے ہاتھ میں پکڑینگی اور وہ نہیں کاٹینگے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر یورپ کے عیسائی خودکشی سے مرتے ہیں فی الفور انہیں زہر اثر کر جاتی ہے اور پہاڑ کا تو کیا ذکر اگر ایک لٹا پڑا ہوا جوتا ہو تو فقط حکم سے اسکو سیدھا نہیں کر سکتے جبتک ہاتھ ہلا کر سیدھا نہ کریں اور سانپ وغیرہ زہریلے جانوروں سے ہمیشہ مرتے رہتے ہیں اب اگر اسکے جواب میں یہ کہا جاوے کہ ان آیات کے حقیقی معنے مراد نہیں لینے چاہیئے بلکہ اسجگہ مجازی معنے مراد ہیں مثلاً زہر سے یہ مراد ہے کہ وہ غصہ کھا لیتے ہیں اور سانپوں سے یہ مراد کہ شریر انکو نقصان نہیں پہنچا سکتے تو قبل اسکے کہ ہم ان تاویلوں میں بھی گفتگو کریں ہم حق رکھتے ہیں کہ اسوقت یہ سوال پیش کردیں کہ جبکہ یہ تمام دعوے جو نشانوں کے لئے دیئے گئے اور بار بار حضرت مسیح نے فرمایا کہ جو کچھ نشان میں دکھاتا ہوں میرے پیرو بھی وہی نشان دکھائینگے صرف استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ہیں اور اُنسے نشان مراد نہیں ہیں تو اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ حضرت مسیح کیطرف معجزات منسوب کئے جاتے ہیں وہ بھی استعارہ کے رنگ میں ہیں کیونکہ

حضرت مسیح بار بار انجیلوں میں فرما چکے ہیں کہ جو کچھ میں معجزات دکھاتا ہوں وہی معجزات میرے پیچھے پیرو بھی دکھاتے رہینگے اب چونکہ ایسے معجزات کے مطالبہ کیوقت یہ جواب ملتا ہے کہ ان مقامات سے مراد معجزات نہیں ہیں بلکہ مسیحی لوگوں کی اخلاقی حالتیں مراد ہیں تو کیوں نہ کہا جائے کہ حضرت مسیح کے معجزات سے بھی ایسے ہی امور مراد ہیں نہ درحقیقت معجزات۔ غرض عیسائیوں کے لئے یہ سوال ایک سخت مصیبت کیجگہ ہے جس کا کوئی بھی جواب انکے پاس نہیں اب اگر اس مقام میں ذرا زیادہ سوچا جائے تو درحقیقت یہ ایک مصیبت نہیں بلکہ تین مصیبتیں ہیں (۱) ایک تو یہ کہ مسیح کا فرمانا کہ جو کچھ میں معجزات دکھلاتا ہوں وہی معجزات بلکہ اُن سے بڑھکر میرے پیرو دکھائینگے یہ بات صریح جھوٹی نکلی (۲) اس جھوٹ نے یہ بھی ثابت کردیا کہ مسیح نے بھی کوئی معجزہ نہیں دکھلایا کیونکہ اگر مسیح نے کوئی معجزہ دکھلایا تھا تو ضروری تھا کہ مسیح کے پیرو بھی معجزات دکھلانے پر قادر ہوتے (۳) اگر فرض محال کے طور پر یہ قبول بھی کرلیں کہ مسیح سے معجزات ظاہر ہوئے تھے اور ان عبارات کی کچھ پروا نہ کریں جہاں انجیلوں میں لکھا ہے کہ اس زمانہ کے حرامکار نشان مانگتے ہیں انکو کوئی نشان دکھلایا نہیں جائیگا تاہم ایسے معجزات سے جو پہلے نبیوں کے معجزات سے کچھ زیادہ نہیں ہیں بلکہ کم ہیں مسیح کی خدائی ثابت نہیں ہو سکتی*

پس جب کہ مسیح کی خدائی ایسی ہے کہ ایک سلیم العقل آدمی کو کسی طرح اس پر یقین نہیں آسکتا تو ایسی خدائی کیونکر گناہ سے روک سکتی ہے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ وہ امر جو اول درجہ پر گناہ سے روکتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین ہے یعنے یہ یقین کہ درحقیقت ایک خدا ہے جو گناہ کی سزا دیتا ہے مگر مسیح کی نسبت ایسا یقین کیونکر پیدا ہو بھلا کوئی ہمیں یہ تو بتلاوے کہ اسمیں اور اُن لوگوں میں جو مر چکے ہیں ما بہ الامتیاز کیا ہے ہم اور ہر ایک عقلمند خوب جانتا ہے کہ خدا میں اور مخلوق میں ایک ما بہ الامتیاز ضرور چاہئے لیکن اس جگہ اس ما بہ الامتیاز کا تو ذکر کیا یہاں تو اسقدر بھی ما بہ الامتیاز ثابت نہیں جو ایک مردہ انسان اور زندہ انسان میں ہو سکتا ہے افسوس کہ حضرات عیسائی صاحبان تو مسیح کی خدائی کے لئے شور و فریاد کر رہے ہیں لیکن ہم تو اسی قدر پر راضی ہو سکتے ہیں کہ وہ حضرت مسیح کو ایک زندہ انسان کے مرتبہ پر ثابت کر کے دکھلاویں ہمیں کسی مذہب سے بغض نہیں اگر ابن مریم خدا ہے تو ہم سب سے پہلے اسے قبول کرنیکو طیار ہیں اگر درحقیقت وہی شفیع ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ اول المومنین ہم ہی ہوں لیکن محض باطل اور سراسر لغو اور جھوٹ کو ہم کیونکر قبول کرلیں۔ اگر خدا ایسا ہی کمزور اور عاجز ہونا چاہئے جیسا کہ یسوع ابن مریم ہے تو پھر ایسے خدا کے ماننے کی کچھ ضرورت نہیں اور نہ کسی طرح اسپر

یقین آسکتا ہے لیکن اگر یسوع مسیح ایسا خدا ہے کہ ہم ہی طرز سے اُسکو شناخت کر سکتے ہیں جس طرح خدا تعالےٰ اگلے زمانہ میں نبیوں کی معرفت اور خود بخود اپنے تئیں شناخت کراتا رہا ہے اور وہ بھی اس سے ناشناسا نہیں رہے جن کو آسمانی کتابیں نہیں پہنچیں تو ہم اُسکے قبول کرنیکے لئے تیار ہیں پس کیا زمین کے پردہ پر کوئی صاحب ایسے ہیں جو مسیح کا کوئی امتیازی نشان ہمکو دکھلاویں یعنے ہم اسکی آواز سن سکیں اور اسکی خدائی کے نشانوں کو ہم دیکھ سکیں کیونکہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ اگر اس سچے خدا پر بھی محض شکی ایمان ہو جو واقعی خدا ہو تب بھی ایسا ایمان گناہ سے منجی نہیں ہو سکتا پھر ایسا مصنوعی خدا جو یہودیوں کے ہاتھ سے ماریں کھاتا رہا دل میں اگر محض شکی طور پر اُس خدا کی خدائی کا خیال جمایا جاوے۔ تو ایسا خیال کس مرض سے نجات دے گا؟

یہ یقینی امر ہے کہ وہ خدا جو درحقیقت خدا ہے اسپر ایمان لانا بھی اسی حالت میں گناہ سے چھوڑا سکتا ہے جبکہ وہ ایمان یقین کے درجہ پر پہنچگیا ہو تو پھر کسی انسان کو خدا بنانا اور اسکی خدائی پر یقینی دلائل پیش نکرنا کسقدر جائے شرم ہے اور درحقیقت ایسے لوگ راستی کے دشمن ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ اُن لوگوں کو اس قابل شرم کارروائی کیلئے کونسی ضرورت پیش آئی تھی اور ازلی ابدی خدا کے ماننے میں کونسے نقصان محسوس ہوئے تھے جنکا تدارک اس مصنوعی خدا سے کیا گیا ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ سچا خدا جو آدم پر ظاہر ہوا اور پھر شیث پر اور پھر نوحؑ پر اور ابراہیمؑ پر اور موسےٰؑ اور تمام نبیوں پر یہانتک کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر وہ ہمیشہ زندہ حی وقیوم ہے اور جیسا کہ وہ پہلے زمانوں میں نبیوں کی معرفت انا الموجود کہتا تھا اب بھی اسی طرح کہتا ہے اور جیسا کہ پہلے نبیوں نے اسکی باشوکت آوازیں سنیں اور اُسکے نشان دیکھے تھے اور جیسا کہ پہلے زمانوں میں وہ اپنے لوگوں کی دعائیں سنتا اور جواب دیتا تھا اب بھی وہ ہماری دعائیں سنتا اور جواب دیتا ہے اور جیسا کہ پہلے راستباز اس سے محبت کرنے اور چہرہ دیکھنے سے سچی پاکیزگی حاصل کرتے تھے ویسا ہی ہم بھی حاصل کر رہے ہیں پس اس قادر اور مقتدر خدا کو وہی چھوڑیگا جو سخت بدقسمت اور اندھا ہوگا ہم یقین رکھتے ہیں کہ دنیا میں جسقدر جھوٹے طور پر خدا بنائے گئے ہیں جیسا کہ یسوع ابن مریم اور رام چندر اور کرشن اور بدھ وغیرہ یہ محض بے دلیل بنائے گئے ہیں اور اسکی ایسی ہی مثال ہے جیسا کہ ایک بکری کو انسان کہا جائے حالانکہ نہ وہ بولتی ہے اور نہ انسانوں کی طرح چل سکتی ہے اور نہ انسانوں کیطرح اُسکی صورت ہے اور نہ انسانوں کی طرح عقل رکھتی ہے اور نہ کوئی علامت انسانیت کی اسمیں پائی جاتی ہے۔ پس کیا تم ایک بکری کو انسان کہ

سکتے ہو حالانکہ بہت سی باتوں میں بکری کو انسان سے شراکت بھی ہے مثلاً بکری کھاتی ہے جیسا کہ انسان کھاتا ہے اور بکری پیشاب اور پاخانہ کرتی ہے جیسا کہ انسان کرتا ہے لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ مسیح یا رامچندر وغیرہ کو خدا سے کوئی خاص شراکت ہے جو ثابت ہو سکے *

ان خداؤں کے بنائے جانے کی بجز اُسکے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ بمقابل ایک تفریط کے افراط کا طریق اختیار کیا گیا ہے مثلاً راجہ راون نے جب ایک نہایت سختی سے راجہ رامچندر کی ذلت کی اور اسکی عورت کو بھگا لیجانے سے رامچندر کی تمام جماعت کو سخت صدمہ پہنچایا تو جو فریق راجہ رامچندر کا حامی تھا انہوں نے فی الفور راجہ راون کو انسانوں کی نسل سے خارج کیا اور راجہ رامچندر کو ایسے یقین کامل سے پرمیشر بنا دیا کہ ابتک تمام ہندو بجائے اپنے پرمیشر کا نام لینے کے رام رام ہی کیا کرتے ہیں بلکہ انکے سلام کا لفظ بھی رام رام ہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو یسوع کے خدا بنانے میں ابھی اسقدر غلو نہیں جیسا کہ ہندوؤں کو رامچندر کے خدا بنانے میں غلو ہے یہانتک کہ ہندوؤں کو اپنے پرمیشر کا نام قریباً بھول ہی گیا ہے اور ہر ایک موقع پر کثرت استعمال رام رام کی ہے پس جس بمقابل غیرت اور غلو کیوجہ سے راجہ رامچندر کو خدا بنایا ہے انہیں اسباب سے یسوع ابن مریم کو بھی خدا بنایا گیا یعنے اول شریر یہودیوں نے حضرت مسیح کی ولادت کو ناجائز قرار دیا اور حضرت مریم کو آلودہ دامنی کا الزام لگایا اور پھر حضرت مسیح کے چال چلن پر بہت افترا کیا چنانچہ چند فاضل یہودیوں کی کتابیں جو اسوقت ہمارے مطالع میں ہیں انکے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح کی زندگی کا بہت بُرا نقشہ کھینچا ہے یہ کتابیں اُن فاضل یہودیوں کی اُن دنوں میں شام کے وقت ہمارے حلقہ میں محض اس غرض سے پڑھی جاتی ہیں کہ تا ہماری جماعت کو اس بات کا علم ہو جائے کہ آجکل بعض نادان پادری جیسقدر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر افترا اور بہتان کے طور پر حملے کرتے ہیں انسے بدتر حملے حضرت مسیح کی زندگی پر کئے گئے ہیں یہانتک کہ بعض ایسے حملے ہیں جنکے لکھنے سے بھی شرم اور حیا مانع ہے انکی ماں پر نہایت ناپاک الزام ہے ایسا ہی انکی بعض دادیوں یعنے تمر اور راحب اور بنیت سبع پر حرامکاری کے الزام ہیں جنکو پادری صاحبان بھی قبول کرتے ہیں اور سب سے بدتر وہ الزام ہیں جو حضرت مسیح کے چال چلن پر ہیں اور یہ کہ انہوں نے کس طرح ہر ایک بات میں فریب سے کام لیا اور کیونکر خدا نے توریت کے وعدہ کے موافق انکو آخر کار بُرے موت دیدی یہ تمام ذلت اور اہانت اور تہمت کے ایسے الفاظ ہیں جو ایک مسلمان بغیر اسکے جو بے اختیار غصہ میں آجائے انکو پڑھ نہیں سکتا۔ پس جب اسقدر حضرت مسیح کی توہین کی گئی کہ جو ایک معمولی انسانکے درجہ سے

بھی انکو گرایا گیا تو اس صورت میں یہ واقعہ ایک طبعی امر تھا کہ جو جماعت حضرت مسیح پر ایمان لائی تھی وہ رفتہ رفتہ افراط کی طرف مائل ہو جاتی لہٰذا پر جوش آدمی جنکو پہلے سے شرک سے پیار تھا بجز اُسکے خوش نہ ہو سکے کہ حضرت مسیح کو خدا بنا دیا جائے گویا کہ وہ اسطرح پر ان یہودیوں کے حملوں کا بدلا اتارنا چاہتے تھے۔ جو نہایت سختی سے حضرت مسیح پر کئے گئے تھے۔

اور عجیب تر یہ بات ہے کہ جن انجیلوں سے عیسائی لوگ حضرت مسیح کی خدائی ثابت کرنا چاہتے ہیں انہیں انجیلوں کے حوالہ سے ایک فاضل یہودی نے اپنی کتاب میں ثابت کرنا چاہا ہے کہ نعوذ باللہ یہ انسان درحقیقت ایک دنیا پرست اور مکار تھا جس سے نہ کوئی معجزہ ہوا اور نہ کوئی پیشگوئی سچی نکلی اور وہ لکھتا ہے کہ انجیلوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ گویا مسیح نے بہت سے معجزات یہودیوں کو دکھلائے۔ یہ قول خود انجیلوں کے ہی بیان سے جھوٹا ثابت ہوتا ہے کیونکہ انجیل کی گواہی سے ثابت ہے کہ جب بزرگان قوم یسوع سے کوئی معجزہ طلب کرتے تھے تو اُسکے جواب میں یسوع کا یہی طریق تھا کہ وہ ان بزرگوں کو گندی گالیاں دیکر یہی کہا کرتا تھا کہ ان کو کوئی نشان دکھلایا نہیں جائیگا اور پھر کہتا ہے کہ ہم اگر مان بھی لیں کہ بعض بیماروں کو اُسنے اچھا کیا تھا تو یہ کوئی مفید دلیل اسکی خدائی کیلئے نہیں کیونکہ اسی زمانہ اسکے مخالف بھی ایسے معجزات دکھلاتے تھے اور پھر کیا عقل قبول کر سکتی ہے کہ ایسے معجزات جنسے بہت بڑھکر اور نبی دکھلاتے رہے اُن سے یسوع کا خدا ہونا ثابت ہو جائیگا غرض جبکہ یہودیوں نے نہایت سختی سے حضرت مسیح کی توہین کی تو اسکا ایک ضروری نتیجہ تھا کہ اس تفریط کے مقابل پر افراط بھی کیجاتی پس جب افراط کا سیلاب عیسائیوں میں زور سے چلا اسی زمانہ میں حضرت مسیح کے خدا بنانے کیلئے بنیاد رکھی گئی یہ بات اسوقت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے جبکہ ایک طرف یہودیوں کے حملوں کو دیکھا جائے اور دوسری طرف ان حملوں سے بچنے کے لئے عیسائیوں کی مبالغہ آمیز باتوں کو غور سے سوچا جائے اب چونکہ یہودیوں کی کتابیں بھی اشاعت پا چکی ہیں اور بعض فاضل یہودیوں نے انکو فرانسیسی زبان میں شائع کیا ہے اور پھر انگریزی زبان میں بھی وہ چھپ گئی ہیں لہٰذا ان دنوں میں حق کے طالبوں کے لئے اصل حقیقت سمجھنے کے لئے نہایت آسانی ہو گئی ہے یہودیوں کے تمام فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ جب سے کہ حضرت موسے کو توریت ملی اور پھر وقتاً فوقتاً نبی آتے رہے کسی نے تثلیث کی تعلیم نہیں دی بلکہ یہی تعلیم دیتے رہے کہ تمہارا خدا ایک ہے اور غائب ہے یہودیوں کا یہ بھی مذہب ہے کہ جب موسے نے کوہ سینا پر خدا تعالےٰ سے درخواست کی کہ اپنا چہرہ دکھلا تو خدا نے اُسوقت کیوں کہا کہ میرا چہرہ کوئی دیکھ نہیں سکتا چاہیئے تھا کہ خدا

اسوقت یسوع کی شکل دکھلا دیتا کہ میرا چہرہ یہ ہے غرض یہودیوں نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ عیسائی مذہب ایک ایسا مذہب ہے کہ توریت کے پرانے صحیفہ کو جسپر تمام نبیوں کی مہریں ہیں چاک کرنا چاہتا ہے اور توریت کا بنیادی پتھر جو توحید ہے اسکے استیصال کے وہ درپے ہے ٭

الحاصل عیسائیوں نے ایسے خدا کو پیش کر کے کہ جسکی تعلیم خدا کی بابت ہرگز ہرگز توریت کی تعلیم کے مطابق نہیں اور نہ قرآن کے مطابق ہے ایک مکروہ بدعت کو دنیا میں پھیلانا چاہا ہے انکو اس بات کی کچھ بھی پروا نہیں کہ اس نئے عقیدہ نے اگر توریت اور دوسرے نبیوں کے صحیفوں کی مخالفت کی ہے تو بارے وہ عقل کے ذریعہ سے ہی ثابت کیا جاتا بلکہ انکو عقل کی راہ سے بھی عجیب لاپرواہی ہے گویا انکے نزدیک عقلی استدلال کی مذہب کو کوئی حکمرانی نہیں بلکہ انکے نزدیک عقل کو یہ حق حاصل نہیں کہ توحید اور تثلیث کے بارے میں اپنی کوئی شہادت دیسکے وہ دوسروں کی خردہ گیری اور نکتہ چینی کے بہت عادی ہیں مگر تعجب کہ اپنے عقیدہ کی نسبت وہ بھولکر بھی ایک غور کی نظر نہیں کرتے انکا اصلی کام یہ ہونا چاہئے تھا کہ حضرت مسیح کی خدائی کو جسکے توریت۔ قرآن۔ عقل تینوں مکذب ہیں اول ثابت کر لیتے اور پھر کفارہ اور نجات وغیرہ خود تراشیدہ باتوں پر زور دیتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور اپنے عقیدہ کی اصل بنیاد کو نظرانداز کر کے بیہودہ باتوں میں پڑ گئے

لیکن اسکے ساتھ میں یہ بھی بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس غلطی کی تہ میں ایک سچائی بھی مخفی ہے اور گو بیجا توہمات کے حاشیہ سے اُس سچائی کا منہ کالا کر دیا گیا ہے کہ اب بجائے خوبصورتی کے ایک نہایت بد اور ڈراونی شکل نظر آتی ہے تاہم پھر بھی اس سیاہ بادل کے اندر ایک واقعی سچائی کی برقی روشنی ہے جو نہایت دھیمے طور پر اسکی مہلک تعلیم مسیح کو خدا بنانے وغیرہ میں محسوس ہو رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ توریت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی شکل پر پیدا کیا اور اپنا نور اسکے اندر رکھا اور اپنی روح اسمیں پھونکی اور یہی خبر قرآن شریف سے بھی ملتی ہے پس امر انسانی استعداد اور فطرت سے کچھ بڑھکر نہیں ہے کہ خدا اپنے بندہ کے صاف دل میں اسطور سے نزول جلال فرماوے کہ اسکی عظمت کا خیمہ اسکے دل میں قایم ہو جاوے اور بندہ کو خدا سے ایک ایسا تعلق پیدا ہو جاوے جیسا کہ مثلاً جب لوہے کو نہایت تیز اور بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے تو وہ بظاہر آگ کی صورت پر ہی نظر آجاتا ہے مگر تاہم درحقیقت وہ لوہا ہے نہ آگ۔ پس درحقیقت یہی تعلق خدا کے کامل محبوں کو خدا سے ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اندر محسوس کرنے لگتے ہیں کہ خدا اُن میں اترا ہے اور بسا اوقات اس عالم ایجاد میں بعض لوگوں کی زبان پر شطحیات بھی جاری ہو جاتی ہیں جیسے وہ لوگ اس الٰہی تعلق کو ایسے

رنگ سے بیان کرتے ہیں کہ عام آدمی اس دھوکے میں پڑتے ہیں کہ گویا وہ خدائی کا دعوے کرتا ہے قریباً اس قسم کے کلمات تمام الہٰی کتابوں میں پائے جاتے ہیں *

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال

قُرآنِ شریف میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو اسی بنا پر خدا کا قول و فعل ٹھیرایا گیا ہے مثلاً قول کی نسبت یہ آیت ہے مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰے اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی یعنے اس نبی کا قول بشری ہوا و ہوس کے چشمہ سے نہیں نکلتا بلکہ اُس کا قول خدا کا قول ہے اب دیکھو کہ اس آیت کے رو سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کل اقوال خدا تعالےٰ کے اقوال ثابت ہوتے ہیں پھر اسکے مقابل پر ایک دوسری آیت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے افعال بھی خدا تعالے کے افعال ہیں جیسا کہ فرمایا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰے یعنے جو کچھ تو نے چلایا یہ تو نے نہیں بلکہ خدا نے چلایا پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے افعال بھی خدا کے افعال ہیں پھر جس حالت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال بھی خدا کے اقوال ہوئے اور افعال بھی خدا کے افعال ہوئے۔ تو اب عیسائی بتلائیں کہ انکے ہاتھ میں کیا عذر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ قرار نہیں دیتے اور مسیح کی طرح آنجناب کو الوہیت کا کوئی اقنوم نہیں ٹھیراتے حالانکہ اسجگہ عملی طور پر ثبوت ہے اور وہ یہ کہ جیسا کہ خدا تعالےٰ اپنی ذات کیلئے غیرت رکھتا ہے اسی طرح خدا تعالےٰ آنجناب کے لئے غیرت دکھلاتا ہے چنانچہ جن لوگوں نے آنجناب کو دکھ دیا تھا اور ناحق کے خون کئے تھے اور آپ کو وطن سے نکالا تھا - خدا تعالےٰ نے آنجناب کو وفات نہیں دی جب تک کہ ان لوگوں کو عذاب کا مزا نہ چکھا لیا اور جن لوگوں نے ساتھ دیا تھا اُنکو تختوں پر بٹھا دیا تھا اب جب ہم آنجناب کے ان حالات کا یسوع مسیح کے حالات سے مقابلہ کرتے ہیں تو مجبوراً ہمیں اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے عملی طور پر یسوع مسیح کے لئے کوئی اپنی تائید ظاہر نہ کی بلکہ اُلٹا یہودیوں کی تائید کرتا رہا یہانتک کہ انہوں نے یسوع کو صلیب پر چڑھا دیا اور بڑی بڑی ذلتیں

پہنچا وین سجنر ورپر وین نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے جب ارادہ کیا تو ایک ہی رات میں خود قتل کیا گیا۔ لیکن جب یہودیوں کی جھوٹی مخبری سے یسوع مسیح کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا تو صرف ایک دو سپاہیوں نے تین گھنٹہ کے اندر یسوع مسیح کو گرفتار کر کے حوالات میں داخل کر دیا اب کوئی سمجھ سکتا ہے کہ ایسے شخص کیساتھ کوئی الٰہی جلال بھی تھا جو باوجود تمام رات کی دعاؤں کے گرفتار ہونے سے بچ نہ سکا اور پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ پر جسقدر لوگ حملہ کی نیت پر آپکے گھر جمع ہوئے تھے اور گھر کا محاصرہ کر لیا تھا وہ باوجود سخت درسخت کوششوں کے نامراد رہے اور بغیر اسکے جو آنجناب یسوع مسیح کی طرح تمام رات دعائیں کرتے عنایت ایزدی سے بچائے گئے اور اس جگہ سے روز روشن میں صاف نکل گئے اور کوئی آپکو دیکھ نہ سکا لیکن حضرت مسیح کی دردناک دعا ایلی ایلی لما سبقتانی جسپر ابتک یہودی ہنسی ٹھٹھا مارتے ہیں ایسی نامقبول ہوئی کہ باقرار عیسائیاں اس دعا کے بعد نتیجہ یہی نکلا کہ مصلوب ہو گئے یہ تو حضرت مسیح کی ذات کیساتھ خدا تعالے کے معاملات تھے پھر حواریوں کے حالات بھی ایسے ہی ہیں انکو وعدہ دیا گیا تھا کہ ابھی تم زندہ ہو گے کہ میں واپس آؤنگا اب دیکھو یہ پیشگوئی کیسی صفائی سے جھوٹ نکلی اور دو ہزار برس ہونے لگے آپکا نام ونشان نہیں وہ تمام انتظار کرنیوالے ایسی حالت میں مرے کہ ہمیشہ یہود انسے ٹھٹھا کرتے رہے کہ تمہارا اُستاد کہاں دوبارہ آیا اور وہ ہمیشہ اس سوال سے شرمندہ رہے اور کوئی جواب نہ دیسکے انکو بارہ تختوں کا وعدہ دیا گیا تھا مگر خود حضرت مسیح کی زندگی میں ایک حواری مرتد ہو گیا اور دوسرے نے بھی مرتدوں کا سا کام کیا اور اس حساب سے تخت صرف دس رہ گئے حالانکہ پیشگوئی میں بارہ کا وعدہ تھا اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں تختوں پر بیٹھنے کا اپنے اصحاب کو وعدہ دیا تھا۔ سو ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں کہ وہ وعدہ سچا ہو گیا غرض حضرت مسیح کی تعلیم میں ان الفاظ سے جنسے انکو خدا بنایا جاتا ہے کوئی نادر اور عجیب لفظ نہیں اسلئے کہ اور نبیوں کی شان میں بھی اس قسم کے الفاظ بہت آئے ہیں آدم کو بھی خدا کا فرزند کہا گیا ہے اور اسرائیل کو بھی خدا کا فرزند کہا گیا بلکہ ایک جگہ لکھا ہے کہ تم سب خدا ہو مگر کیا ایسے لفظوں سے یہ نتیجہ نکال لینا چاہئے کہ جن لوگوں کے حق میں ایسے الفاظ استعمال پائے ہیں وہ درحقیقت خدا ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں حضرت

مسیح نے بھی تو ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں*

مسیح موعود کا ظہور

غرض بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح کے معاملہ میں ناحق ایک تنکے کا پہاڑ بنایا گیا ہے دیکھو میں بھی خدا سے الہام پاتا ہوں اور بیس برس سے زیادہ عرصہ سے خدا تعالےٰ مجھ سے ہم کلام ہے ڈیڑھ سو کے قریب نشان ظاہر ہوا ہے میں خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس قسم کے مردے کہ جو سنت اللہ کے رو سے زندہ ہوتے رہے ہیں وہ مجھ سے بھی زندہ ہوئے اسی طرح میں حلفاً کہ سکتا ہوں کہ دس ہزار سے زیادہ میری دعائیں قبول ہوئی ہیں اور جس قسم کے الفاظ انجیلوں میں یسوع مسیح کی نسبت ہیں جن سے انکی خدائی نکالی جاتی ہے ان سے بہت بڑھکر خدا تعالے کا کلام میری نسبت ہے اور ایسے کلمات میں نے کتابوں کے ذریعہ سے شائع بھی کر دئے ہیں خدا نے میرا نام آدمؑ رکھا ہے خدا نے میرا نام ابراہیم رکھا ہے خدا نے میرا نام مسیح موعود رکھا ہے اور خبر دی ہے کہ وہ موعود جس کے انتظار میں تمام نبی گذر گئے ہیں وہ تو ہی ہے مگر باوجود اسکے میں یہ نہیں کہتا کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں حالانکہ میری نسبت خدا کے کلام میں ایسے الفاظ بکثرت موجود ہیں جنکے ذریعہ سے مسیح ابن مریم کی نسبت بآسانی خدا کہلا سکتا ہوں مگر میں جانتا ہوں کہ یہ کفر ہے اسی لئے میں تمام دنیا سے زیادہ حیران ہوں کہ کونسی کوئی خاص فضیلت مسیح ابن مریم میں تھی جسکی وجہ سے اُسکو خدا بنایا گیا کیا اسکے کوئی خاص معجزات تھے مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس سے بڑھکر یہاں معجزات ظاہر ہو رہے ہیں۔ کیا اسکی پیشگوئیاں اعلےٰ قسم کی تھیں مگر میں خلاف واقعہ کہونگا اگر یہ اقرار نہ کروں کہ جو پیشگوئیاں مجھے عطا کی گئی ہیں وہ مسیح ابن مریم سے بہت بڑھکر ہیں کیا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ انجیلوں میں مسیح ابن مریم کی شان میں بڑے اعلےٰ درجہ کے لفظ ہیں جن سے انکو خدا ماننا پڑتا ہے مگر میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جسکی جھوٹی قسم کھانا دنیا اور آخرت میں موجب لعنت ہے کہ وہ الفاظ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے میری شان میں وارد ہوئے ہیں جنکی نسبت میں پھر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ خالص خدا کے الفاظ ہیں نہ انجیلوں کی طرح محرف مبدل متغیر۔ وہ ان الفاظ کی شان سے کہیں بڑھ کر ہیں جو مسیح ابن مریم کی نسبت پادری صاحبان انجیلوں میں دکھلاتے ہیں مگر کیا مجھے جائز ہے کہ میں بھی خدائی کا دعوےٰ کروں یا خدا کا بیٹا

کہلاؤں پس اسیطرح یقیناً سمجھو کہ مسیح ابن مریم بھی خدا کا بیٹا نہیں نہ خدا ہے میں مسیح محمدی ہوں اور وہ مسیح موسوی تھا۔ خدا کی تقدیر نے یہ مقدر کیا تھا کہ اسرائیلی سلسلہ کے آخر میں جس کی شریعت کی ابتدا موسٰے سے ہے ایک مسیح آوے اور اُسکے مقابل پر یہ بھی مقدر کیا تھا کہ اسماعیلی سلسلہ کے آخر میں بھی جسکی شریعت کی ابتدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے ایک مسیح آوے سو ایسا ہی ہوا۔ موسٰے خدا کا بندہ اسرائیل کے لئے شریعت لایا خدا کو معلوم تھا کہ موسٰے سے قریباً چودھویں صدی پر بنی اسرائیل شریعت کے حقائق اور رموز کو چھوڑ دینگے اور نیز اخلاقی حالت انکی بہت ابتر ہو جائیگی سو اسی غرض سے خدا نے حضرت موسے سے چودھویں صدی پر مسیح ابن مریم کو پیدا کیا اس ملک میں جس میں بنی اسرائیل کی سلطنت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ سو جب توریت کتاب استثنا کے وعدہ کے مطابق دنیا میں مثیل موسے آیا یعنے حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم تو خدا نے آپکے بعد بھی جب چودھویں صدی پہنچی تو پہلے مسیح کی مانند ایک مسیح پیدا کیا اور وہ میں ہوں اور جسطرح مثیل موسے بہت سی باتوں میں موسے سے بڑھکر ہے ایسا ہی مثیل عیسٰے بھی بہت سی باتوں میں عیسے سے بڑھکر ہے اور یہ جزئی فضیلت ہے جسکو خدا چاہتا ہے دیتا ہے *

عصمت کیونکر ثابت ہو سکتی ہے

اب میں دیکھتا ہوں کہ جس مسئلہ عصمت اور شفاعت کو عیسائیوں کی طرف سے بار بار پیش کیا جاتا ہے وہ ایک سراسر دھوکا ہے جو عیسائیوں کو لگا ہوا ہے اگر معصوم کے یہ معنے ہیں کہ کوئی دشمن کسی کی عملی زندگی کی نسبت کوئی نکتہ چینی نہ کرے تو آؤ ہم یہود کی کتابیں دکھلاتے ہیں جنہوں نے حضرت مسیح اور ان کی ماں کے چال چلن پر بہت نکتہ چینی کی ہے اور اگر معصوم ہونے کے یہ معنے ہیں کہ کوئی شخص اپنے منہ سے یہ کہے کہ میں نیک ہوں تو آؤ ہم انجیل سے آپ لوگوں کو دکھلاتے ہیں کہ مسیح نے اقرار کیا ہے کہ میں نیک نہیں ہوں پس جبکہ خود مسیح ابن مریم کی عصمت کسی طور سے ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ انجیلوں سے بعض حرکات اسکی عصمت کے برخلاف ثابت ہوتی ہیں جیسا کہ شراب پینا انجیل کے ابدی احکام حرمت خنزیر و ختنہ وغیرہ کا توڑنا ناحق دوسرے کے مالونکو نقصان پہنچانا۔ فقیہوں فریسیوں کو گالیاں دینا بدکردار عورتوں کو جسم چھونے کا موقع دینا حرام کا تیل سر پر ملوانا۔ شاگردونکو غیر لوگوں کے کھیتوں سے خوشے توڑنے سے منع نہ کرنا۔ اب بتلاؤ کہ یہ تمام امور گناہ ہیں یا

نہیں اگر شراب پینا اچھا کام تھا تو یوحنا نے شراب پینے سے کیوں نفرت کی دانیال نے کہا کہ شراب
پینے والوں پر آسمان کے دروازے بند رہتے ہیں۔ ختنہ جو ابدی حکم تھا اس سے کیوں روکدیا حالانکہ
آجکل کی تحقیقات کے رو سے بھی وہ بہت سے امراض کو مفید ہے ایسا ہی سؤر ہمیشہ کے لئے حرام
تھا اُسکو کھانیکا کیوں فتوے دیا اور خود کہا کہ توریت منسوخ نہیں ہوئی۔ اور پھر آپ ہی اُسے منسوخ
کیا اور یاد رکھنا چاہئے کہ مسیح ابن مریم کی عصمت انجیل کے رو سے ثابت کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ
اس مسلول کی صحت ثابت کرنا جس کا مرض قبول اور دستونکی حالت تک پہنچ چکا ہے کیا ضروری نہ تھا
کہ پہلے حضرت مسیح کی عصمت ثابت کرلیتے پھر دوسروں پر نکتہ چینی کرتے قرآن میں استغفار کا لفظ
دیکھ کر فی الفور یہ دعوے کر دیا کہ اس سے گنہگار ہونا ثابت ہوتا ہے اور انجیل کے اس لفظ کو
ہضم کرجانا کہ میں نیک نہیں کیا یہ ایمانداری ہے پھر ان سب باتوں کے بعد ہم یہ بھی دیکھتے ہیں
کہ آخرت کا شفیع وہ ثابت ہو سکتا ہے جسنے دنیا میں شفاعت کا کوئی نمونہ دکھلایا ہو سو اس
معیار کو آگے رکھکر جب ہم موسے پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ بھی شفیع ثابت ہوتا ہے کیونکہ بارہا اُس نے
اترتا ہوا عذاب دعا سے ٹالدیا اُسکی توریت گواہ ہے اسیطرح جب ہم حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ
وسلم پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ کا شفیع ہونا اجلے بدیہیات معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپکی شفاعت کا
ہی اثر تھا کہ آپنے غریب صحابہ کو تخت پر بٹھادیا اور آپکی شفاعت کا ہی اثر تھا کہ وہ لوگ باوجود اسکے
کہ بت پرستی اور شرک میں نشوونما پایا تھا ایسے موحد ہو گئے جنکی نظیر کسی زمانہ میں نہیں ملتی اور پھر
آپکی شفاعت کا ہی اثر ہے کہ اب تک آپکی پیروی کرنے والے خدا کا سچا الہام پاتے ہیں خدا اُن سے
ہمکلام ہوتا ہے مگر مسیح ابن مریم میں یہ تمام ثبوت کیونکر اور کہاں سے ملسکتے ہیں ہمارے سیدنا و
مولے محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر اس سے بڑھکر اور زبردست شہادت
کیا ہوگی کہ ہم اُس جناب کیواسطے سے جو کچھ خدا سے پاتے ہیں ہمارے دشمن وہ نہیں پاسکتے اگر ہمارے
مخالف اس امتحان کی طرف آویں تو چند روز میں فیصلہ ہو سکتا ہے مگر وہ فیصلہ کے خواہاں نہیں
ہیں وہ اسی خدا کو ماننے کے لئے ہمیں مجبور کرتے ہیں جو نہ بول سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ پیش
از وقت کچھ بتلا سکتا ہے مگر ہمارا خدا اُن سب باتوں پر قادر ہے۔ مبارک وہ جو ایسے کا طالب ہو

(باقی آیندہ)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اوّل — جون سنہ ۱۹۰۲ء — نمبر (۶)

فہرست مضامین

انجمن اشاعت الاسلام قادیان
نے
انوار احمدیہ پریس قادیان دار الامان میں چھپوا کر
۳۰- اگست سنہ ۱۹۰۲ء کو شائع کیا

چندہ سالانہ معہ محصولڈاک:- معمولی کاغذ پر (عہ) ولائتی کاغذ پر (للعہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اسلام

اخلاقی حالتیں
ہستی باری تعالیٰ

(رسالہ نمبر ۴ سے آگے)

منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرت کو لازم پڑی ہوئی ہیں ایک برتر ہستی کی تلاش ہے جس کے لئے اندر ہی اندر انسان کے دل میں ایک کشش موجود ہے اور اس تلاش کا اثر اسی وقت سے ہونے لگتا ہے جب کہ بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے کیونکہ بچہ پیدا ہوتے ہی پہلے روحانی خاصیت اپنی جو دکھاتا ہے وہ یہی ہے کہ ماں کی طرف جھکا جاتا ہے اور طبعاً اپنی ماں کی محبت رکھتا ہے اور پھر جیسے جیسے حواس اس کے کھلتے جاتے ہیں اور شگوفہ فطرت اس کا کھلتا جاتا ہے یہ کشش محبت جو اس کے اندر چھپی ہوئی تھی اپنا رنگ روپ نمایاں طور پر دکھاتی چلی جاتی ہے۔ پھر تو یہ ہوتا ہے کہ بجز اپنی ماں کی گود کے کسی جگہ آرام نہیں پاتا اور پورا آرام اس کا اسی کے کنار عاطفت میں ہوتا ہے اور اگر ماں سے علیحدہ کر دیا جائے اور دور کر دیا جائے تو تمام عیش اس کا تلخ ہو جاتا ہے اور اگرچہ اس کے آگے نعمتوں کا ایک ڈھیر ڈال دیا جائے تب بھی وہ اپنی سچی خوشحالی ماں کی گود میں ہی دیکھتا ہے اور اس کے بغیر کسی طرح آرام نہیں پاتا سو وہ کشش محبت جو اس کو اپنی ماں کی طرف پیدا ہوتی ہے وہ کیا چیز ہے؟

درحقیقت یہ **وہی کشش** ہے جو معبود حقیقی کے لئے بچہ کی فطرت میں رکھی گئی ہے بلکہ ہر ایک جگہ جو انسان تعلق محبت پیدا کرتا ہے درحقیقت وہی کشش کام کر رہی ہے اور ہر ایک جگہ جو یہ عاشقانہ جوش دکھلاتا ہے

درحقیقت اسی محبت کا وہ ایک عکس ہے گویا دوسری چیزوں کو اٹھا اٹھا کر ایک گم شدہ چیز کی تلاش کر رہا ہے جس کا اب نام بھول گیا ہے سو انسان کا مال یا اولاد یا بیوی سے محبت کرنا یا کسی خوش آواز کے گیت کی طرف اسکی روح کا کھینچے جانا درحقیقت اسی گمشدہ محبوب کی تلاش ہے اور چونکہ انسان اس دقیق در دقیق ہستی کو جو آگ کی طرح ہر ایک میں مخفی اور سب پر پوشیدہ ہے اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا اور نہ اپنی ناتمام عقل سے اس کو پا سکتا ہے اس لئے اس کی معرفت کے بارہ میں انسان کو بڑی بڑی غلطیاں لگی ہیں اور سہو کاریوں سے اس کا حق دوسرے کو دیا گیا ہے خدا نے قرآن شریف میں یہ خوب مثال دی ہے کہ دنیا ایک ایسے شیش محل کی طرح ہے جس کی زمین کا فرش نہایت مصفا شیشوں سے کیا گیا ہے اور پھر ان شیشوں کے نیچے پانی چھوڑا گیا ہے جو نہایت تیزی سے چل رہا ہے۔ اب ہر ایک نظر جو شیشوں پر پڑتی ہے وہ اپنی غلطی سے ان شیشوں کو بھی پانی سمجھ لیتی ہے اور پھر انسان ان شیشوں پر چلنے سے ایسا ڈرتا ہے جیسا کہ پانی سے ڈرنا چاہئے حالانکہ وہ درحقیقت شیشے ہیں مگر صاف اور شفاف سو یہ بڑے بڑے اجرام جو نظر آتے ہیں جیسے آفتاب و ماہتاب وغیرہ یہ وہی صاف شیشے ہیں جن کی غلطی سے پرستش کی گئی اور ان کے نیچے ایک **اعلےٰ طاقت** کام کر رہی ہے جو ان شیشوں کے پردہ میں پانی کی طرح بڑی تیزی سے چل رہی ہے اور مخلوق پرستوں کی نظر کی یہ غلطی ہے کہ انہیں شیشوں کی طرف کام کو منسوب کر رہے ہیں جو ان کے نیچے کی **طاقت** دکھلا رہی ہے یہی تفسیر اس **آیت کریمہ** کی ہے اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ۔ غرض چونکہ خدا تعالیٰ کی ذات باوجود نہایت روشن ہونے کے پھر بھی نہایت مخفی ہوتی ہے اس لئے اس کی شناخت کے لئے صرف یہ نظام جسمانی جو ہماری نظروں کے سامنے ہے کافی نہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ ایسے نظام پر مدار رکھنے والے باوجودیکہ اس ترتیب ابلغ اور محکم کو جو صدہا عجائبات پر مشتمل ہے نہایت غور کی نظر سے دیکھتے رہے بلکہ ہیئت اور طبعی اور فلسفہ میں وہ مہارتیں پیدا کیں کہ گویا آسمان و زمین کے اندر دھس گئے مگر پھر بھی شکوک اور شبہات کی تاریکی سے نجات نہ پا سکے اور اکثر ان کے طرح طرح کی خطاؤں میں مبتلا ہو گئے۔ اور بیہودہ اوہام میں پڑ کر کہیں کے کہیں چلے گئے اور اگر ان کو اس صانع کے وجود کی طرف کچھ خیال بھی آیا تو بس اسی قدر کہ اس اعلیٰ اور عمدہ نظام کو دیکھ کر یہ ان کے دل میں پڑا کہ اس عظیم الشان سلسلہ کا جو پُرحکمت نظام اپنے ساتھ رکھتا ہے کوئی پیدا کرنے والا ضرور چاہئے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ خیال ناتمام اور یہ معرفت ناقص ہے کیونکہ یہ کہنا کہ اس سلسلہ کے لئے ایک خدا کی ضرورت ہے اس دوسرے کلام سے ہرگز مساوی نہیں کہ وہ خدا درحقیقت ہے بھی۔ غرض یہ ان کی صرف قیاسی معرفت تھی جو دل کو اطمینان اور سکینت نہیں بخش سکتی

اور نہ شکوک کو بکلی دل پر سے اٹھا سکتی ہے اور نہ یہ ایسا پیالہ ہے جس سے وہ پیاس معرفت تامہ کی بجھ سکے جو انسان کی فطرت کو لگائی گئی ہے بلکہ ایسی معرفت ناقصہ نہایت پرخطر ہوتی ہے کیونکہ بہت شور ڈالنے کے بعد پھر آخر ہیچ اور نتیجہ ندارد ہے۔ غرض جب تک خود خدا تعالےٰ اپنے موجود ہونے کو اپنے کلام سے ظاہر نہ کرے جیسا کہ اُس نے اپنے کام سے ظاہر کیا تب تک صرف کام کا ملاحظہ تسلی بخش نہیں ہے مثلاً اگر ہم ایک ایسی کوٹھڑی کو دیکھیں جس میں یہ بات عجیب ہو کہ اندر سے کنڈیاں لگائی گئی ہیں تو اس فعل سے ہم ضرور اول یہ خیال کرینگے کہ کوئی انسان اندر ہے جس نے اندر سے زنجیر کو لگایا ہے کیونکہ باہر سے اندر کی زنجیروں کو لگانا غیر ممکن ہے لیکن جب ایک مدت تک بلکہ برسوں تک باوجود بار بار آواز دینے کے اس انسان کی طرف سے کوئی آواز نہ آوے تو آخر یہ رائے ہماری کہ کوئی اندر ہے بدل جائے گی اور یہ خیال کرینگے کہ اندر کوئی نہیں بلکہ کسی حکمت عملی سے اندر کی کنڈیاں لگائی گئی ہیں یہی حال ان فلاسفروں کا ہے جنہوں نے صرف فعل کے مشاہدہ پر اپنی معرفت کو ختم کر دیا ہے یہ بڑی غلطی ہے جو خدا کو ایک مردہ کی طرح سمجھا جائے جس کو قبر سے نکالنا صرف انسان کا کام ہے۔ اگر خدا ایسا ہے جو صرف انسانی کوشش نے اس کا پتہ لگایا تو ایسے خدا کی نسبت ہماری سب اُمیدیں عبث ہیں بلکہ خدا تو وہی ہے جو ہمیشہ سے اور قدیم سے آپ انا الموجود کہہ کر لوگوں کو اپنی طرف بلاتا رہا ہے یہ بڑی گستاخی ہوگی کہ ہم ایسا خیال کریں کہ اس کی معرفت میں انسان کا احسان اسپر ہے اور اگر فلاسفر نہ ہوتے تو گویا وہ گم کا گم ہی رہتا اور یہ کہنا کہ خدا کیونکر بول سکتا ہے کیا اس کی زبان ہے یہ بھی ایک بڑی بیباکی ہے کیا اس نے جسمانی ہاتھوں کے بغیر تمام آسمانی اجرام اور زمین کو نہیں بنایا۔ کیا وہ جسمانی آنکھوں کے بغیر تمام دنیا کو نہیں دیکھتا۔ کیا وہ جسمانی کانوں کے بغیر ہماری آوازیں نہیں سنتا۔ پس کیا یہ ضروری نہ تھا کہ اسی طرح وہ کلام بھی کرے یہ بات بھی ہرگز صحیح نہیں ہے کہ خدا کا کلام کرنا آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گیا ہے۔ ہم اس کے کلام اور مخاطبات پر کسی زمانہ تک مہر نہیں لگاتے بیشک وہ اب بھی ڈھونڈنے والوں کو الہامی چشمہ سے مالامال کرنے کو تیار ہے جیسا کہ پہلے تھا اور اب بھی اس کے فیضان کے ایسے دروازے کھلے ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ ہاں ضرورتوں کے ختم ہونے پر شریعتیں اور حدود ختم ہو گئیں اور تمام رسالتیں اور نبوتیں اپنے آخری نقطہ پر آکر جو ہمارے سید و مولے صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تھا کمال کو پہنچ گئیں۔ اس آخری نور کا عرب سے ظاہر ہونا بھی خالی حکمت سے نہ تھا عرب وہ بنی اسماعیل کی قوم تھی جو اسرائیل سے منقطع ہو کر حکمت الٰہی سے بیابان فاران میں ڈال دی گئی تھی اور فاران کے معنے ہیں دو فرار کرنے والے یعنے بھاگنے والے۔ پس جن کو حضرت ابراہیم نے بنی اسرائیل سے

علیحدہ کر دیا تھا ان کا توریت کی شریعت میں کچھ حصہ نہیں رہا تھا جیسا کہ لکھا ہے کہ وہ اسحاق کے ساتھ حصہ نہیں پائیں گے۔ پس تعلق والوں نے انہیں چھوڑ دیا اور کسی دوسرے سے ان کا تعلق اور رشتہ نہ تھا۔ دوسرے تمام ملکوں میں کچھ کچھ رسوم عبادات اور احکام کی پائی جاتی تھیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ کسی وقت ان کو نبیوں کی تعلیم پہنچی تھی۔ مگر صرف عرب کا ملک ہی ایک ایسا ملک تھا جو ان تعلیموں سے محض ناواقف تھا اور تمام جہان سے پیچھے رہا ہوا تھا اس لئے آخر میں اس کی نوبت آئی اور اس کی نبوت عام ٹھہری تا تمام ملکوں کو دوبارہ برکات کا حصہ دیوے اور جو غلطی پڑ گئی تھی اس کو نکال دے۔ پس ایسی کامل کتاب کے بعد کس کتاب کا انتظار کریں جس نے سارا کام انسانی اصلاح کا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پہلی کتابوں کی طرح صرف ایک قوم سے واسطہ نہیں رکھا بلکہ تمام قوموں کی اصلاح چاہی اور انسانی تربیت کے تمام مراتب بیان فرمائے وحشیوں کو انسانیت کے آداب سکھائے پھر انسانی صورت بنانے کے بعد اخلاق فاضلہ کا سبق دیا۔ یہ قرآن نے ہی دنیا پر احسان کیا کہ طبعی حالتوں اور اخلاق فاضلہ میں فرق کر کے دکھلایا اور جب طبعی حالتوں سے نکالکر اخلاق فاضلہ کے محل عالی تک پہنچایا تو فقط اسی پر کفایت نہ کی بلکہ اور مرحلہ جو باقی تھا یعنے روحانی حالتوں کا مقام اس تک پہنچنے کے لئے پاک معرفت کے دروازے کھولدیئے اور نہ صرف کھولدیئے بلکہ لاکھوں انسانوں کو اس تک پہنچا بھی دیا۔ اور اس طرح پر تینوں قسم کی تعلیم جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کمال خوبی سے بیان فرمائی۔ پس چونکہ وہ تمام تعلیموں کا جن پر دینی تربیت کی ضرورتوں کا مدار ہے کامل طور پر جامع ہے اس لئے یہ دعویٰ اس نے کیا کہ میں نے دائرہ دینی تعلیم کو کمال تک پہنچایا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا یعنے آج میں نے دین تمہارا کامل کیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور میں تمہارا دین اسلام ٹھہراکر خوش ہوا یعنے دین کا انتہائی مرتبہ وہ امر ہے جو اسلام کے مفہوم میں پایا جاتا ہے یعنے یہ کہ محض خدا کے لئے ہو جانا اور اپنی نجات اپنے وجود کی قربانی سے چاہنا نہ اور طریق سے اور اس نیت اور اس ارادہ کو عملی طور پر دکھلا دینا یہ وہ نقطہ ہے جس پر تمام کمالات ختم ہوتے ہیں پس جس خدا کو حکیموں نے شناخت نہ کیا قرآن نے اس سچے خدا کا پتہ بتایا قرآن نے خدا کی معرفت عطا کرنے کے لئے دو طریق رکھے ہیں۔

اوّل وہ طریق جس کے رو سے انسانی عقل عقلی دلائل پیدا کرنے میں بہت قوی اور روشن ہو جاتی ہے اور انسان غلطی کرنے سے بچ جاتا ہے۔ دوسرا روحانی طریق جس کو ہم تیسرے سوال کے جواب میں عنقریب

انشاء اللہ تعالیٰ بیان کرینگے۔ اب دیکھو کہ عقلی طور پر قرآن شریف نے خدا کی ہستی پر کیا کیا عمدہ اور بے مثل دلائل دیئے ہیں جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی یعنے خدا وہ خدا ہے کہ جس نے ہر ایک شے کے مناسب حال اس کو پیدائش بخشی پھر اس شے کو اپنے کمالات مطلوبہ حاصل کرنیکے لئے راہ دکھلا دی اب اگر اس آیت کے مفہوم پر نظر رکھ کر انسان سے لیکر تمام بحری اور بری جانوروں اور پرندوں کی بناوٹ تک دیکھا جائے تو خدا کی قدرت یاد آتی ہے کہ ہر ایک چیز کی بناوٹ اس کے مناسب حال معلوم ہوتی ہے پڑھنے والے خود سوچ لیں کیونکہ یہ مضمون بہت وسیع ہے ✦

دوسری دلیل خدا تعالیٰ کی ہستی پر قرآن شریف نے خدا تعالیٰ کا علت العلل ہونا قرار دی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی یعنے تمام سلسلہ علل و معلولات کا تیرے رب پر ختم ہو جاتا ہے تفصیل اس دلیل کی یہ ہے کہ نظر تعمق سے معلوم ہوگا کہ تمام موجودات علل و معلول کے سلسلہ سے مربوط ہے اسی وجہ سے دنیا میں طرح طرح کے علوم پیدا ہو گئے ہیں کیونکہ کوئی حصہ مخلوقات کا نظام سے باہر نہیں بعض بعض کے لئے بطور اصول اور بعض بطور فروع کے ہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ علت یا تو خود اپنی ذات سے قائم ہوگی یا اس کا وجود کسی دوسری علت کے وجود پر منحصر ہوگا اور پھر یہ دوسری علت کسی اور علت پر وعلےٰ ہذا القیاس اور یہ تو جائز نہیں کہ اس محدود دنیا میں علل و معلول کا سلسلہ کہیں جا کر ختم نہ ہو اور غیر متناہی ہو تو بالضرورت ماننا پڑا کہ یہ سلسلہ ضرور کسی اخیر علت پر جا کر ختم ہو جاتا ہے پس جس پر اس تمام سلسلہ کی انتہا ہے وہی خدا ہے آنکھ کھولکر دیکھ لو کہ آیت وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی اپنے مختصر لفظوں میں کس طرح اس دلیل مذکور بالا کو بیان فرما رہی ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ انتہا تمام سلسلہ کی تیرے رب تک ہے ✦

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر یہ دی جیسا کہ فرماتا ہے لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ یعنے آفتاب چاند کو نہیں پکڑ سکتا اور نہ رات جو مظہر ماہتاب ہے دن پر جو مظہر آفتاب ہے کچھ تسلط کر سکتی ہے یعنے کوئی ان میں سے اپنی حدود مقررہ سے باہر نہیں جاتا اگر ان کا در پردہ کوئی مدبر نہ ہو تو یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائے یہ دلیل ہیئت پر غور کرنے والوں کے لئے نہایت فائدہ بخش ہے کیونکہ اجرام فلکی کے اتنے بڑے عظیم الشان اور بیشمار گولے ہیں جن کے تھوڑے سے بگاڑ سے تمام دنیا تباہ ہو سکتی ہے یہ کیسی قدرت حق ہے کہ وہ آپس میں نہ ٹکراتے ہیں اور نہ بال بھر رفتار بدلتے اور نہ اتنی مدت تک کام دینے سے کچھ گھسے اور نہ ان کی کلوں پرزوں میں کچھ فرق آیا اگر سر پر کوئی محافظ نہیں تو

کیونکہ اتنا بڑا کارخانہ بیشمار برسوں سے خود بخود چل رہا ہے انہیں حکمتوں کی طرف اشارہ کرکے خدا تعالیٰ دوسرے مقام میں فرماتا ہے اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنے کیا خدا کے وجود میں شک ہو سکتا ہے جس نے ایسے آسمان اور ایسی زمین بنائی +

پھر ایک لطیف دلیل اپنی ہستی پر دیتا ہے اور وہ یہ ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یعنے ہر ایک چیز معرض زوال میں ہے اور جو باقی رہنے والا ہے وہ خدا ہے جو جلال والا اور بزرگی والا ہے۔ اب دیکھو کہ اگر ہم فرض کرلیں کہ ایسا ہو کہ زمین ذرہ ذرہ ہو جائے اور اجرام فلکی بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ان پر معدوم کرنے والی ایک ایسی ہوا چلے جو تمام نشان ان چیزوں کے مٹا دے مگر پھر بھی عقل اس بات کو مانتی اور قبول کرتی ہے بلکہ صحیح کانشنس اس کو ضروری سمجھتا ہے کہ اس تمام نیستی کے بعد بھی ایک چیز باقی رہ جائے جس پر فنا طاری نہو اور تبدل اور تغیر کو قبول نہ کرے اور اپنی پہلی حالت پر باقی رہے پس وہ وہی خدا ہے جو تمام فانی صورتوں کو ظہور میں لایا اور خود فنا کی دستبرد سے محفوظ رہا +

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر قرآن شریف میں پیش کرتا ہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی یعنے میں نے روحوں کو کہا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ قصہ کے رنگ میں روحوں کی اس خاصیت کو بیان فرماتا ہے جو ان کی فطرت میں اس نے رکھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی روح فطرت کے رو سے خدا تعالیٰ کا انکار نہیں کر سکتی صرف منکروں کو اپنے خیال میں دلیل نہ ملنے کی وجہ سے انکار ہے مگر باوجود اس انکار کے وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ ہر ایک حادث کے واسطے ضرور ایک محدث ہے دنیا میں ایسا کوئی نادان نہیں کہ اگر مثلاً بدن میں کوئی بیماری ظاہر ہو تو وہ اس بات پر اصرار کرے کہ در پردہ اس بیماری کے ظہور کی کوئی علت نہیں اگر یہ سلسلہ دنیا کا علل اور معلول سے مربوط نہ ہوتا تو قبل از وقت یہ بتا دینا کہ فلاں تاریخ طوفان آئیگا یا آندھی آئیگی یا خسوف ہوگا یا کسوف ہوگا یا فلاں وقت بیمار مر جائیگا یا فلاں وقت تک ایک بیماری کے ساتھ فلاں بیماری لاحق ہو جائیگی یہ تمام باتیں غیر ممکن ہو جائیں پس ایسا محقق اگرچہ خدا کے وجود کا اقرار نہیں کرتا مگر ایک طور سے تو اس نے اقرار کر ہی دیا کہ وہ بھی ہماری طرح معلولات کے لئے علل کی تلاش میں ہے یہ بھی ایک قسم کا اقرار ہے اگرچہ کمال اقرار نہیں ماسوائے اس کے اگر کسی ترکیب سے ایک منکر وجود باری کو ایسے طور سے بیہوش کیا جائے کہ وہ اس سفلی زندگی کے خیالات سے بالکل الگ ہو کر اور تمام ارادوں سے معطل رہ کر اعلیٰ ہستی کے قبضہ میں ہو جائے تو وہ اس صورت میں خدا کے وجود کا اقرار کرے گا۔

انکار نہیں کریگا جیسا کہ اس پر بڑے بڑے مجربین کا تجربہ شاہد ہے سو ایسی حالت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اور مطلب آیت یہ ہے کہ انکار وجود باری صرف سفلی زندگی تک ہے ورنہ اصل فطرت میں اقرار بھرا ہوا ہے *

صفات باری تعالیٰ

یہ دلائل وجود باری پر ہیں جو ہم نے بطور نمونہ کے لکھدیئے بعد اس کے یہ بھی جاننا چاہئے کہ جس خدا کی طرف ہمیں قرآن شریف نے بلایا ہے اس کی اس نے یہ صفات لکھی ہیں *

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ یعنے وہ خدا جو واحد لاشریک ہے جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے لایق نہیں یہ اس لئے فرمایا کہ اگر وہ لاشریک نہ ہو تو شاید اس کی طاقت پر دشمن کی طاقت غالب آجائے اس صورت میں خدائی معرض خطرہ میں رہے گی اور یہ جو فرمایا کہ اس کے سوا کوئی پرستش کے لایق نہیں اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ایسا کامل خدا ہے جس کی صفات اور خوبیاں اور کمالات ایسے اعلیٰ اور بلند ہیں کہ اگر موجودات میں سے بوجہ صفات کاملہ کے ایک خدا انتخاب کرنا چاہیں یا دل میں عمدہ سے عمدہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ خدا کی صفات فرض کریں تو سب سے اعلیٰ جس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ نہیں ہو سکتا وہی خدا ہے جس کی پرستش میں ادنے کو شریک کرنا ظلم ہے پھر فرمایا کہ عالم الغیب ہے یعنے اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے اس کی ذات پر کوئی احاطہ نہیں کر سکتا ہم آفتاب اور ماہتاب اور ہر ایک مخلوق کا سراپا دیکھ سکتے ہیں مگر خدا کا سراپا دیکھنے سے قاصر ہیں پھر فرمایا کہ وہ عالم الشہادة ہے یعنے کوئی چیز اس کی نظر سے پردہ میں نہیں ہے۔ یہ جائز نہیں کہ وہ خدا کہلا کر پھر علم اشیاء سے غافل ہو وہ اس عالم کے ذرہ ذرہ پر اپنی نظر رکھتا ہے لیکن انسان نہیں رکھ سکتا وہ جانتا ہے کہ کب اس نظام کو توڑ دیگا اور قیامت برپا کر دے گا اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ایسا کب ہو گا سو وہی خدا ہے جو ان تمام وقتوں کو جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ هُوَ الرَّحْمٰنُ یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور ان کے اعمال سے پہلے

محض اپنے لطف سے نہ کسی غرض سے اور نہ کسی کے عمل کی پاداش میں ان کے لئے سامان راحت میسر کرتا ہے جیسا کہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لئے بنایا۔ اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے اور اس کام کے لحاظ سے خدا تعالیٰ رحمٰن کہلاتا ہے پھر فرمایا کہ الرحیم یعنے وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزا دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضایع نہیں کرتا اور اس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے اور یہ صفت رحیمیت کے نام سے موسوم ہے اور پھر فرمایا مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یعنے وہ خدا ہر ایک کی جزا اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے اس کا کوئی ایسا کارپرداز نہیں جس کو اُس نے زمین و آسمان کی حکومت سونپ دی ہو اور آپ الگ ہو بیٹھا ہو اور آپ کچھ نہ کرتا ہو وہی کارپرداز سب کچھ جزا سزا دیتا ہو یا آئندہ دینے والا ہو اور پھر فرمایا اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ یعنے وہ خدا بادشاہ ہے جس پر کوئی داغ عیب نہیں یہ ظاہر ہے کہ انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں اگر مثلاً تمام رعیت جلا وطن ہو کر دوسرے ملک کی طرف بھاگ جاوے تو پھر بادشاہی قایم نہیں رہ سکتی یا اگر مثلاً تمام رعیت قحط زدہ ہو جائے تو پھر خراج شاہی کہاں سے آئے اور اگر رعیت کے لوگ اس سے بحث شروع کردیں کہ تجھ میں ہم سے زیادہ کیا ہے تو وہ کونسی لیاقت اپنی ثابت کرے پس خدا تعالیٰ کی بادشاہی ایسی نہیں ہے وہ ایک دم میں تمام ملک کو فنا کرکے اور مخلوقات پیدا کر سکتا ہے اگر وہ ایسا خالق اور قادر نہ ہوتا تو پھر بجز ظلم کے اس کی بادشاہت چل نہ سکتی کیونکہ وہ دنیا کو ایک مرتبہ معافی اور نجات دیکر پھر دوسری دنیا کہاں سے لاتا کیا نجات یافتہ لوگوں کو دنیا میں بھیجنے کے لئے پھر پکڑتا اور ظلم کی راہ سے اپنی معافی اور نجات دہی کو واپس لیتا تو اس صورت میں اس کی خدائی میں فرق آتا اور دنیا کے بادشاہوں کی طرح داغدار بادشاہ ہوتا جو دنیا کے لئے قانون بناتے ہیں بات بات میں بگڑتے ہیں اور اپنی خود غرضی کے وقتوں پر جب دیکھتے ہیں کہ ظلم کے بغیر چارہ نہیں تو ظلم کو شیر مادر سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً قانون شاہی جائز رکھتا ہے کہ ایک جہاز کو بچانے کے لئے ایک کشتی کے سواروں کو تباہی میں ڈال دیا جائے اور ہلاک کیا جائے مگر خدا کو تو یہ اضطرار پیش نہیں آنا چاہئے پس اگر خدا پورا قادر اور عدم سے پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو یا تو وہ کمزور راجوں کی طرح قدرت کی جگہ ظلم سے کام لیتا اور یا عادل بن کر خدائی ہی کو الوداع کہتا بلکہ خدا کا جہاز تمام قدرتوں کے ساتھ سچے انصاف پر چل رہا ہے۔ پھر فرمایا اَلسَّلَامُ یعنے وہ خدا جو تمام عیبوں اور مصائب اور سختیوں سے محفوظ ہے بلکہ سلامتی دینے والا ہے اس کے معنے بھی ظاہر ہیں کیونکہ وہ آپ ہی مصیبتوں میں پڑتا لوگوں کے ہاتھ سے مارا جاتا اور اپنے ارادوں میں ناکام رہتا تو پھر اس بد نمونہ کو دیکھ کر

کس طرح دل تسلی پکڑتے کہ ایسا خدا ہمیں ضرور مصیبتوں سے چھڑا دیگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ باطل معبودوں کے بارہ میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ۔ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ + الجزو نمبر ۱۷۔ سورہ حج۔ جن لوگوں کو تم خدا بنائے بیٹھے ہو وہ تو ایسے ہیں کہ اگر سب ملکر ایک مکھی پیدا کرنا چاہیں تو کبھی پیدا نہ کر سکیں اگرچہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں بلکہ اگر مکھی ان کی چیز چھین کر لیجائے تو انہیں طاقت نہیں ہوگی کہ وہ مکھی سے چیز واپس لے سکیں ان کے پرستار عقل کے کمزور اور وہ طاقت کے کمزور ہیں کیا خدا ایسے ہوا کرتے ہیں خدا تو وہ ہے کہ سب قوتوں والوں سے زیادہ قوت والا اور سب پر غالب آنے والا ہے نہ اس کو کوئی پکڑ سکے نہ مار سکے ایسی غلطیوں میں جو لوگ پڑتے ہیں وہ خدا کا قدر نہیں پہچانتے اور نہیں جانتے خدا کیسا ہونا چاہئے اور پھر فرمایا کہ خدا امن کا بخشنے والا اور اپنے کمالات اور توحید پر دلائل قایم کرنے والا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچے خدا کو ماننے والا کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہوسکتا اور نہ خدا کے سامنے شرمندہ ہوگا کیونکہ اس کے پاس زبردست دلائل ہوتے ہیں لیکن بناوٹی خدا کا ماننے والا بڑی مصیبت میں ہوتا ہے وہ بجائے دلائل بیان کرنے کے ہر ایک بیہودہ بات کو راز میں داخل کرتا ہے تا ہنسی نہ ہو اور ثابت شدہ غلطیوں کو چھپانا چاہتا ہے +

اور پھر فرمایا کہ اَلْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ + یعنے وہ سب کا محافظ ہے اور سب پر غالب اور بگڑے ہوئے کاموں کا بنانیوالا ہے اور اس کی ذات نہایت ہی مستغنی ہے اور فرمایا هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى یعنے وہ ایسا خدا ہے کہ جسموں کا بھی پیدا کرنے والا اور روحوں کا بھی پیدا کرنے والا رحم میں تصویر کھینچنے والا ہے تمام نیک نام جہانتک خیال میں آسکیں سب اسی کے نام ہیں اور پھر فرمایا یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ یعنے آسمان کے لوگ بھی اس کے نام کو پاکی سے یاد کرتے ہیں اور زمین کے لوگ بھی۔ اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ آسمانی اجرام میں آبادی ہے اور وہ لوگ بھی پابند خدا کی ہدایتوں کے ہیں اور پھر فرمایا عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنے خدا بڑا قادر ہے یہ پرستاروں کے لئے تسلی ہے کیونکہ اگر عاجز ہو اور قادر نہ ہو تو ایسے خدا سے کیا امید رکھیں اور پھر فرمایا رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ہ یعنے وہی خدا ہے جو تمام عالموں کا پرورش کرنے والا رحمن رحیم اور جزا کے دن کا آپ مالک ہے اس اختیار کو کسی کے ہاتھ نہیں دیا

ہر ایک پکارنے والے کی پکار کو سننے والا اور جواب دینے والا یعنے دعاؤں کا قبول کرنے والا اور پھر فرمایا اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یعنے ہمیشہ رہنے والا اور تمام جانوں کی جان اور سب کے وجود کا سہارا یہ اس لئے کہا کہ وہ ازلی ابدی نہ ہو تو بھی اس کی زندگی کے بارہ میں بھی دھڑکا رہے گا کہ شاید ہم سے پہلے فوت نہ ہو جائے اور پھر فرمایا کہ وہ خدا اکیلا خدا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا بیٹا اور نہ کوئی اس کے برابر اور نہ کوئی اس کا ہم جنس +

اور یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید کو صحیح طور پر ماننا اور اس میں زیادت یا کمی نہ کرنا یہ وہ عدل ہے جو انسان اپنے مالک حقیقی کے حق میں بجا لاتا ہے یہ تمام حصّہ اخلاقی تعلیم کا ہے جو قرآن شریف کی تعلیم میں سے درج ہوا ہے اس میں اصول یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام اخلاق کو افراط اور تفریط سے بچایا ہے اور ہر ایک خلق کو اس حالت میں خلق کے نام سے موسوم کیا ہے کہ جب اپنی واقعی اور واجب حد سے کم و بیش نہ ہو تو ظاہر ہے کہ نیکی حقیقی وہی چیز ہے جو دو حدوں کے وسط میں ہوتی ہے یعنی زیادتی اور کمی یا افراط اور تفریط کے درمیان ہوتی ہے ہر ایک عادت جو وسط کی طرف کھینچے اور وسط پر قائم کرے وہی خلق فاضل کو پیدا کرتی ہے محل اور موقعہ کا پہچاننا ایک وسط ہے مثلاً اگر زمیندار اپنا تخم وقت سے پہلے بونے یا وقت کے بعد دونوں صورتوں میں وہ وسط کو چھوڑتا ہے نیکی اور حق اور حکمت سب وسط میں ہے اور وسط موقعہ بینی میں یا یوں سمجھ لو کہ حق وہ چیز ہے کہ ہمیشہ دو متقابل باطلوں کے وسط میں ہوتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ عین موقعہ کا التزام ہمیشہ انسان کو وسط میں رکھتا ہے اور خداشناسی کے بارہ میں وسط کی شناخت یہ ہے کہ خدا کی صفات بیان کرنے میں نہ تو نفی صفات کے پہلو کی طرف جھک جائے اور نہ خدا کو جسمانی چیزوں کا مشابہ قرار دے یہی طریق قرآن شریف نے صفات باری تعالیٰ میں اختیار کیا ہے چنانچہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ خدا سنتا جانتا بولتا کلام کرتا ہے۔ اور پھر مخلوق کی مشابہت سے بچانے کے لئے یہ بھی فرماتا ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ یعنے خدا کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں اس کے لئے مخلوق سے مثالیں مت دو سو خدا کی ذات کو تشبیہہ اور تنزیہہ کے بین بین رکھنا یہی وسط ہے غرض اسلام کی تعلیم میانہ روی کی تعلیم ہے سورہ فاتحہ بھی میانہ روی کی ہدایت فرماتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ مغضوب علیہم سے وہ لوگ مراد ہیں جو خدا تعالیٰ کے مقابل پر قوت غضبی کو استعمال کر کے قوی سبعیہ کی پیروی کرتے ہیں اور ضالین سے وہ مراد ہیں جو قوی بہیمیہ کی پیروی کرتے ہیں اور میانہ طریق وہ ہے جس کو لفظ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ سے یاد فرمایا ہے غرض اس مبارک امت کے لئے قرآن شریف میں وسط کی ہدایت ہے توریت میں خدا تعالیٰ نے

انتقامی امور پر زور دیا تھا اور انجیل میں عفو اور درگذر پر زور دیا تھا اور اس امت کو موقعہ شناسی اور وسط کی تعلیم ملی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا یعنے ہم نے تم کو وسط پر عمل کرنے والے بنایا اور وسط کی تعلیم تمہیں دی سو مبارک وہ جو وسط پر چلتے ہیں خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا۔

روحانی حالتیں

تیسرا حصہ یعنے یہ کہ **روحانی حالتیں کیا ہیں**- واضح رہے کہ ہم پہلے اس سے بیان کر چکے ہیں کہ بموجب ہدایت قرآن شریف کے روحانی حالتوں کا منبع اور چشمہ نفس مطمئنہ ہے جو انسان کو با اخلاق ہونے کے مرتبہ سے باخدا ہونے کے مرتبہ تک پہنچاتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔ یعنے اے نفس خدا کے ساتھ آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے بہشت کے اندر آ- اس جگہ بہتر ہے کہ ہم روحانی حالتوں کے بیان کرنے کے لئے اس **آیت کریمہ کی تفسیر** کسی قدر توضیح سے بیان کریں پس یاد رکھنا چاہئے کہ اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت انسان کی اس دنیوی زندگی میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ آرام پا جائے اور تمام اطمینان اور سرور اور لذت اس کی خدا میں ہی ہو جائے۔ یہی وہ حالت ہے جس کو دوسرے لفظوں میں **بہشتی زندگی** کہا جاتا ہے اس حالت میں انسان اپنے کامل صدق اور صفا اور وفا کے بدلہ میں ایک نقد بہشت پالیتا ہے اور دوسرے لوگوں کی **بہشت موعود** پر نظر ہوتی ہے اور یہ **بہشت موجود** میں داخل ہوتا ہے اسی درجہ پر پہنچ کر انسان سمجھتا ہے کہ وہ عبادت جس کا بوجھ اس کے سر پر ڈالا گیا ہے درحقیقت وہی ایک ایسی غذا ہے جس سے اس کی روح نشو و نما پاتی ہے اور جس پر اس کی روحانی زندگی کا بڑا بھاری مدار ہے اور اس کے نتیجہ کا حصول کسی دوسرے جہان پر موقوف نہیں ہے اسی مقام پر یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ وہ ساری ملامتیں جو نفس لوامہ انسان کا اس کی ناپاک زندگی پر کرتا ہے اور پھر بھی نیک خواہشوں کو اچھی طرح ابھار نہیں سکتا اور بری خواہشوں سے حقیقی نفرت نہیں دلا سکتا اور نہ نیکی پر ٹھہرنے کی پوری قوت بخش سکتا ہے اس پاک تحریک سے بدل جاتی ہیں جو نفس مطمئنہ کے نشو و نما کا آغاز ہوتی ہے اور اس درجہ پر پہنچکر وقت آجاتا ہے کہ انسان پوری افلاح حاصل کرے اور اب تمام نفسانی جذبات خود بخود افسردہ ہونے شروع ہوتے ہیں اور روح پر ایک ایسی طاقت افزا ہوا چلنی لگتی ہے جس سے انسان پہلی کمزوریوں کو ندامت کی نظر سے دیکھتا ہے اس وقت انسانی سرشت پر ایک بھاری انقلاب آتا ہے اور عادات میں ایک تبدل عظیم پیدا

ہوتا ہے اور انسان اپنی پہلی حالتوں سے بہت ہی دور جا پڑتا ہے دھویا جاتا ہے اور صاف کیا جاتا ہے اور خدا نیکی کی محبت کو اپنے ہاتھ سے اس کے دل میں لکھ دیتا ہے اور بدی کا گند اپنے ہاتھ سے اس کے دل سے باہر پھینک دیتا ہے سچائی کی فوج سب کی سب دل کے شہرستان میں آجاتی ہے اور فطرت کے تمام برجوں پر راستبازی کا قبضہ ہو جاتا ہے اور حق کی فتح ہوتی ہے اور باطل بھاگ جاتا ہے اور اپنے ہتھیار پھینک دیتا ہے۔ اس شخص کے دل پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور ہر ایک قدم خدا کے زیر سایہ چلتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ آیات ذیل میں انہیں امور کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ۔ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۔ یعنے خدا نے مومنوں کے دل میں ایمان کو اپنے ہاتھ سے لکھ دیا ہے۔ اور روح القدس کے ساتھ ان کی مدد کی ہے اے مومنوں ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اس کا حسن و جمال تمہارے دل میں بٹھا دیا اور کفر اور بدکاری اور معصیت سے تمہارے دل کو نفرت دیدی اور بری راہوں کا مکروہ ہونا تمہارے دل میں جما دیا یہ سب کچھ خدا کے فضل اور رحمت سے ہوا۔ حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل کب حق کے مقابل ٹھہر سکتا تھا۔ غرض یہ تمام اشارات اس روحانی حالت کی طرف ہیں جو تیسرے درجہ پر انسان کو حاصل ہوتی ہے اور سچی بینائی انسان کو کبھی نہیں مل سکتی جب تک یہ حالت اس کو حاصل نہ ہو اور یہ جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ایمان ان کے دل میں اپنے ہاتھ سے لکھا اور روح القدس سے ان کی مدد کی یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو سچی طہارت اور پاکیزگی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک آسمانی مدد اس کے شامل حال نہ ہو نفس لوامہ کے مرتبہ پر انسان کا یہ حال ہوتا ہے کہ بار بار توبہ کرتا اور بار بار گرتا ہے بلکہ بسا اوقات اپنی صلاحیت سے ناامید ہو جاتا ہے اور اپنی مرض کو ناقابل علاج سمجھ لیتا ہے اور ایک مدت تک ایسا ہی رہتا ہے اور پھر جب وقت مقدر پورا ہو جاتا ہے تو رات یا دن کو ایک دفعہ ایک نور اس پر نازل ہوتا ہے اور اس نور میں الٰہی قوت ہوتی ہے اس نور کے نازل ہونے کے ساتھ ہی ایک عجیب تبدیلی اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اور غیبی ہاتھ کا ایک قوی تصرف محسوس ہوتا ہے اور ایک عجیب عالم سامنے آجاتا ہے اس وقت انسان کو پتہ لگتا ہے کہ خدا ہے اور آنکھوں میں وہ نور آجاتا ہے جو پہلے نہیں تھا لیکن اس راہ کو کیونکر حاصل کریں اور اس روشنی کو کیونکر پاویں۔ سو جاننا چاہئے کہ اس دنیا میں جو دارالاسباب ہے ہر ایک معلول کے لئے ایک علت ہے اور ہر ایک حرکت کے لئے

ایک محرک ہے اور ہر ایک علم حاصل کرنیکے لئے ایک راہ ہے جس کو صراط مستقیم کہتے ہیں دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو بغیر پابندی ان قواعد کے مل سکے جو قدرت نے ابتدا سے اس کے لئے مقرر کر رکھے ہیں قانون قدرت بتلا رہا ہے کہ ہر ایک چیز کے حصول کے لئے ایک صراط مستقیم ہے اور اس کا حصول اسی پر قدرتاً موقوف ہے مثلاً اگر ہم ایک اندھیری کوٹھری میں بیٹھے ہوں اور آفتاب کی روشنی کی ضرورت ہو تو ہمارے لئے یہ صراط مستقیم ہے کہ ہم اس کھڑکی کو کھولدیں جو آفتاب کی طرف ہے تب بیکدفعہ آفتاب کی روشنی اندر آکر ہمیں منور کر دے گی سو ظاہر ہے کہ اسی طرح خدا کے سچے اور واقعی فیوض کے پانے کے لئے بھی کوئی کھڑکی اور پاک روحانیت کے حاصل کرنے کے لئے کوئی خاص طریق ہوگا **اور وہ یہ ہے** کہ روحانی امور کے لئے صراط مستقیم کی تلاش کریں جیسا کہ ہم اپنی زندگی کے تمام امور میں اپنی کامیابیوں کے لئے صراط مستقیم کی تلاش کرتے رہتے ہیں مگر کیا وہ یہ طریق ہے کہ ہم صرف اپنی ہی عقل کے زور سے اور اپنی ہی خود تراشیدہ باتوں سے خدا کے وصال کو ڈھونڈیں کیا محض ہماری ہی اپنی منطق اور فلسفہ سے اس کے وہ دروازے ہم پر کھلتے ہیں جن کا کھلنا اس کے قوی ہاتھ پر موقوف ہے یقیناً سمجھو کہ یہ بالکل صحیح نہیں ہے ہم اس حیّ و قیّوم کو محض اپنی ہی تدبیروں سے ہرگز نہیں پاسکتے بلکہ اس راہ میں صراط مستقیم صرف یہ ہے کہ پہلے ہم اپنی زندگی معہ اپنی تمام قوتوں کے خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کرکے پھر خدا کے وصال کے لئے دعا میں لگے رہیں تا خدا کو خدا ہی کے ذریعہ سے پاویں اور سب سے زیادہ پیاری دعا جو عین محل اور موقعہ سوال کا ہمیں سکھاتی ہے اور فطرت کے روحانی جوش کا نقشہ ہمارے سامنے رکھتی ہے وہ دعا ہے جو خدائے کریم نے اپنی پاک کتاب قرآن شریف میں یعنے **سورہ فاتحہ** میں ہمیں سکھائی ہے اور وہ یہ ہے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ تمام پاک تعریفیں جو ہو سکتی ہیں اُس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا اور قائم رکھنے والا ہے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وہی خدا جو ہمارے اعمال سے پہلے ہمارے لئے رحمت کا سامان میسر کرنے والا ہے اور ہمارے اعمال کے بعد رحمت کے ساتھ جزا دینے والا ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وہ خدا جو جزا کے دن کا وہی ایک مالک ہے کسی اور کو وہ دن نہیں سونپا گیا۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اے وہ جو ان تعریفوں کا جامع ہے ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور ہم ہر ایک کام میں توفیق تجھ ہی سے چاہتے ہیں اس جگہ ہم کے لفظ سے پرستش کا اقرار کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے تمام قوے تیری پرستش میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے آستانہ پر جھکے ہوئے ہیں کیونکہ انسان باعتبار اپنے اندرونی قوے کے ایک جماعت اور ایک امت ہے اور اس طرح پر

تمام قوے کا خدا کو سجدہ کرنا یہی وہ حالت ہے جس کو اسلام کہتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہمیں اپنی سیدھی راہ دکھا اور اسپر ثابت قدم کرکے ان لوگوں کی راہ دکھلا جن پر تیرا انعام واکرام ہے اور تیرے مورد فضل وکرم ہو گئے ہیں غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ہ اور ہمیں ان لوگوں کی راہوں سے بچا جن پر تیرا غضب ہے اور جو تجھ تک نہیں پہنچ سکے اور راہ کو بھول گئے امین۔ اے خدا ایسا ہی کر یہ آیات سمجھا رہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے انعامات جو دوسرے لفظوں میں فیوض کہلاتے ہیں انہیں پر نازل ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کی خدا کی راہ میں قربانی دیکر اور اپنا تمام وجود اس کی راہ میں وقف کرکے اور اس کی رضا میں محو ہو کر پھر اس وجہ سے دعا میں لگے رہتے ہیں کہ تا جو کچھ انسان کو روحانی نعمتوں اور خدا کے قرب اور وصال اور اس کے مکالمات اور مخاطبات میں سے مل سکتا ہے وہ سب ان کو ملے اور اس دعا کے ساتھ اپنے تمام قوے سے عبادت بجالاتے ہیں اور گناہ سے پرہیز کرتے اور آستانہ الہی پر پڑے رہتے ہیں اور جہانتک ان کے لئے ممکن ہے اپنے تئیں بدی سے بچاتے ہیں اور غضب الہی کی راہوں سے دور رہتے ہیں سو چونکہ وہ ایک اعلیٰ ہمت اور صدق کیساتھ خدا کو ڈھونڈتے ہیں اس لئے اس کو پالیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی پاک معرفت کے پیالوں سے سیراب کئے جاتے ہیں۔ اس آیت میں جو استقامت کا ذکر فرمایا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچا اور کامل فیض جو روحانی عالم تک پہنچاتا ہے کامل استقامت سے وابستہ ہے اور کامل استقامت سے مراد ایک ایسی حالت صدق ووفا ہے جس کو کوئی امتحان ضرر نہ پہنچا سکے یعنے ایسا پیوند ہو جس کو نہ تلوار کاٹ سکے نہ آگ جلا سکے اور نہ کوئی دوسری آفت نقصان پہنچا سکے عزیزوں کی موتیں اس سے علیحدہ نکر سکیں۔ پیاروں کی جدائی اس میں خلل انداز نہو سکے بے آبروئی کا خوف کچھ رعب نہ ڈال سکے ہولناک دکھوں سے مارا جانا ایک ذرہ دل کو نہ ڈرا سکے سو یہ دروازہ بہت تنگ ہے اور یہ راہ نہایت دشوار گذار ہے کس قدر مشکل ہے آہ صد آہ اسی کی طرف اللہ جلشانہ ان آیات میں اشارہ فرماتا ہے قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ہ یعنے ان کو کہدے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہاری برادری اور تمہارے وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور تمہاری سوداگری جس کے بند ہونے کا تمہیں خوف ہے اور تمہاری حویلیاں جو تمہارے دل پسند ہیں

خدا سے اور اسکے رسول سے اور خدا کی راہ میں اپنی جانوں کو لڑانے سے زیادہ پیارے ہیں تو تم اس وقت تک
منتظر رہو کہ جبتک خدا اپنا حکم ظاہر کرے اور خدا بدکاروں کو کبھی اپنی راہ نہیں دکھائیگا۔ ان آیات سے ظاہر
ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا کی مرضی کو چھوڑ کر اپنے عزیزوں اور اپنے مالوں سے پیار کرتے ہیں وہ خدا کی نظر میں بدکار
ہیں وہ ضرور ہلاک ہونگے کیونکہ اُنھوں نے غیر کو خدا پر مقدم رکھا یہی وہ تیسرا مرتبہ ہے جس میں وہ شخص باخدا
بنتا ہے جو اس کے لئے ہزاروں بلائیں خریدے اور خدا کی طرف ایسے صدق اور اخلاص سے جھک جائے کہ
خدا کے سوا کوئی اس کا نہ رہے گویا سب مرگئے پس سچ تو یہ ہے کہ جبتک ہم خود نہ مریں زندہ خدا نظر نہیں
آسکتا خدا کے ظہور کا دن وہی ہوتا ہے کہ جب ہماری جسمانی زندگی پر موت آوے ہم اندھے ہیں جبتک غیر کے
دیکھنے سے اندھے نہ ہو جائیں ہم مردہ ہیں جبتک خدا کے ہاتھ میں مردہ کی طرح نہ ہو جائیں جب ہمارا منہ
ٹھیک ٹھیک اسکے محاذات میں پڑیگا تب وہ واقعی استقامت جو تمام نفسانی جذبات پر غالب آتی ہے ہمیں
حاصل ہوگی اس سے پہلے نہیں اور یہی وہ استقامت ہے جس سے نفسانی زندگی پر موت آجاتی ہے ہماری استقامت
یہ ہے کہ جیسا وہ فرماتا ہے کہ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ یعنے یہ کہ قربانی کی طرح میرے آگے گردن
رکھدو ایسا ہی ہم اس وقت درجہ استقامت حاصل کرینگے کہ جب ہمارے وجود کے تمام پُرزے اور ہمارے نفس
کی تمام قوتیں اسی کام میں لگ جائیں اور ہماری موت اور ہماری زندگی اسی کے لئے ہو جائے جیسا کہ وہ فرماتا ہے
قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنے کہ میری نماز اور قربانی اور میرا
زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے ہے اور جب انسان کی محبت خدا کے ساتھ اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کا
مرنا اور جینا اپنے لئے نہیں بلکہ خدا ہی کے لئے ہو جائے تب وہ خدا جو ہمیشہ سے پیار کرنے والوں کے ساتھ پیار کرتا آیا
ہے اپنی محبت کو اسپر اتارتا ہے اور اندونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو دنیا نہیں
پہچانتی اور نہ سمجھ سکتی ہے اور ہزاروں صدیقوں اور برگزیدوں کا اسی لئے خون ہوا کہ دنیا نے ان کو نہیں پہچانا وہ اسی
لئے مکار اور خود غرض کہلائے کہ دنیا کے نورانی چہرہ کو دیکھ نہ سکی جیسا کہ فرماتا ہے یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَھُمْ لَا
یُبْصِرُوْنَ یعنے وہ جو منکر ہیں تیری طرف دیکھتے تو ہیں مگر تو انہیں نظر نہیں آتا غرض جب وہ نور پیدا ہوتا
ہے تو اس نور کی پیدائش کے دن سے ایک زمینی شخص آسمانی ہو جاتا ہے وہ جو ہر ایک وجود کا مالک ہے اس کے
اندر بولتا ہے اور اپنی الوہیت کی چمکیں دکھلاتا ہے اور اس کے دل کو کہ جو پاک محبت سے بھرا ہوا ہے اپنا
تخت گاہ بناتا ہے اور جب ہی سے کہ یہ شخص ایک نورانی تبدیلی پاکر ایک نیا آدمی ہو جاتا ہے وہ اس کے لئے ایک نیا

خدا ہو جاتا ہے اور نئی عادتیں اور نئی سنتیں ظہور میں لاتا ہے یہ نہیں کہ وہ نیا خدا ہے یا عادتیں نئی ہیں مگر خدا کی عام عادتوں سے وہ الگ عادتیں ہوتی ہیں جو دنیا کا فلسفہ ان سے آشنا نہیں اور یہ شخص جیسا کہ اللہ جلشانہ نے فرمایا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَاللهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ - یعنے انسانوں میں وہ اعلیٰ درجہ کے انسان ہیں جو خدا کی رضا میں کھوئے جاتے ہیں وہ اپنی جان بیچتے ہیں اور خدا کی مرضی کو مول لیتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا کی رحمت ہے ایسا ہی وہ شخص جو روحانی حالت کے مرتبہ تک پہنچ گیا ہے خدا کی راہ میں فدا ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ تمام دکھوں سے وہ شخص نجات پاتا ہے جو میری راہ میں اور میری رضا کی راہ میں جان کو بیچ دیتا ہے اور جانفشانی کے ساتھ اپنی اس حالت کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ خدا کا ہے اور اپنے تمام وجود کو ایک ایسی چیز سمجھتا ہے جو طاعت خالق اور خدمت مخلوق کے لئے بنائی گئی ہے اور پھر حقیقی نیکیاں جو ہر ایک قوت سے متعلق ہیں ایسے شوق و ذوق و حضور دل سے بجا لاتا ہے کہ گویا وہ اپنی فرمانبرداری کے آئینہ میں اپنے محبوب حقیقی کو دیکھ رہا ہے اور ارادہ اس کا خدا تعالیٰ کے ارادہ سے ہمرنگ ہو جاتا ہے اور تمام لذت اس کی فرمانبرداری میں ٹھہر جاتی ہے اور تمام اعمال صالحہ نہ مشقت کی راہ سے بلکہ تلذذ اور احتظاظ کی کشش سے صادر ہونے لگتے ہیں وہ **نقد بہشت** ہے جو روحانی انسان کو ملتا ہے اور وہ بہشت جو آئندہ ملے گا وہ درحقیقت اسی کی اظلال و آثار ہے جس کو دوسرے عالم میں قدرت خداوندی جسمانی طور پر متمثل کر کے دکھلائے گی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ۔ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا۔ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝ يُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا۔ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا۔ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ ۝ سَلَاسِلَا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا۔ وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلًا۔ یعنے جو شخص خدا تعالیٰ سے خایف ہے اور اس کی عظمت و جلال کے مرتبہ سے ہراسان ہے اسکے لئے دو بہشت ہیں ایک یہی دنیا اور دوسری آخرت اور ایسے لوگ جو خدا میں محو ہیں خدا نے ان کو وہ شربت پلایا ہے جس سے ان کے دل اور خیالات اور ارادات کو پاک کر دیا نیک بندے وہ شربت پی رہے ہیں جس کی ملونی کافور ہے وہ اس چشمہ سے پیتے ہیں جس کو وہ آپ ہی چیرتے ہیں اور میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ کافور کا لفظ اس واسطے اس آیت میں اختیار فرمایا گیا ہے کہ لغت عرب میں کفر دبانے اور ڈھانکنے کو کہتے ہیں سو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے ایسے خلوص سے انقطاع اور رجوع الی اللہ کا پیالہ پیا ہے کہ دنیا کی محبت

بالکل ٹھنڈی ہوگئی ہے یہ قاعدہ کی بات ہے کہ تمام جذبات دل کے خیال سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور جب دل ان نالائق خیالات سے بہت ہی دور چلا جائے اور کچھ تعلقات ان سے باقی نہ رہیں تو وہ جذبات بھی آہستہ آہستہ کم ہونے لگتے ہیں یہانتک کہ نابود ہو جاتے ہیں سو اس جگہ خدا تعالیٰ کی یہی غرض ہے اور وہ اس آیت میں یہی سمجھاتا ہے کہ جو اس کی طرف کامل طور سے جھک گئے وہ نفسانی جذبات سے بہت ہی دور نکل گئے ہیں اور ایسے خدا کی طرف جھکے کہ دنیا کی سرگرمیوں سے ان کے دل ٹھنڈے ہوگئے اور ان کے جذبات ایسے دبگئے جیسا کہ کافور زہریلے مادوں کو دبا دیتا ہے اور پھر فرمایا کہ وہ لوگ اس کافوری پیالہ کے بعد وہ پیالے پیتے ہیں جن کی ملونی زنجبیل ہے اب جاننا چاہئے کہ زنجبیل دو لفظوں سے مرکب ہے یعنے زناء اور جبل سے اور زنا لغت عرب میں اوپر چڑھنے کو کہتے ہیں اور جبل پہاڑ کو اسکے ترکیبی معنے یہ ہیں کہ پہاڑ پر چڑھ گیا اب جاننا چاہئے کہ انسان پر ہر ایک زہریلی بیماری کے فرو ہونے کے بعد اعلیٰ درجہ کی صحت تک دو حالتیں آتی ہیں ایک وہ حالت جبکہ زہریلے مواد کا جوش بکلی جاتا رہتا ہے اور خطرناک مادوں کا جوش رو باصلاح ہو جاتا ہے اور سمی کیفیات کا حملہ بخیر و عافیت گذر جاتا ہے اور ایک مہلک طوفان جو اٹھا تھا نیچے دب جاتا ہے لیکن ہنوز اعضا میں کمزوری باقی ہوتی ہے کوئی طاقت کا کام نہیں ہو سکتا ابھی مردہ کی طرح افتان وخیزان چلتا ہے اور دوسری وہ حالت ہے کہ جب اصلی صحت عود کر آتی اور بدن میں طاقت بھر جاتی ہے اور قوت کے بحال ہونے سے یہ حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بلا تکلف پہاڑ کے اوپر چڑھ جائے اور نشاط خاطر سے اونچی گھاٹیوں پر دوڑتا چلا جائے سو سلوک کے تیسرے مرتبہ میں یہ حالت میسر آتی ہے ایسی حالت کی نسبت اللہ تعالیٰ آیت موصوفہ میں اشارہ فرماتا ہے کہ انتہائی درجہ کے باخدا لوگ وہ پیالے پیتے ہیں جن میں زنجبیل ملی ہوئی ہے یعنے وہ روحانی حالت کی پوری قوت پاکر بڑی بڑی گھاٹیوں پر چڑھ جاتے ہیں اور بڑے مشکل کام ان کے ہاتھ سے انجام پذیر ہوتے ہیں اور خدا کی راہ میں حیرت ناک جانفشانیاں دکھلاتے ہیں +

اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ علم طب کے رو سے زنجبیل وہ دوا ہے جس کو ہندی میں سونٹھ کہتے ہیں وہ حرارت غریزی کو بہت قوت دیتی ہے اور دستوں کو بند کرتی ہے اور اس کا نام زنجبیل اسی واسطے نام رکھا گیا ہے کہ گویا وہ کمزور کو ایسا قوی کرتی ہے اور ایسی گرمی پہنچاتی ہے جس سے وہ پہاڑوں پر چڑھ سکے ان متقابل آیتوں کے پیش کرنے سے جن میں ایک جگہ کافور کا ذکر ہے اور ایک جگہ زنجبیل کا۔ خدا تعالیٰ کی یہ غرض ہے کہ تا اپنے بندوں کو سمجھائے کہ جب انسان جذبات نفسانی سے نیکی کی طرف حرکت کرتا ہے تو پہلے پہل اس حرکت

کے بعد یہ حالت پیدا ہوتی ہے کہ اسکے زہریلے مواد نیچے دبائے جاتے ہیں اور نفسانی جذبات رو بکمی ہونے لگتے ہیں جیساکہ کافور زہریلے مواد کو دبا لیتا ہے اسی لئے وہ ہیضہ اور محرقہ تپوں میں مفید ہے اور پھر جب زہریلے مواد کا جوش بالکل جاتا رہے اور ایک کمزور صحت جو ضعف کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے حاصل ہو جائے تو پھر دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف بیمار زنجبیل کے شربت سے قوت پاتا ہے اور زنجبیلی شربت خدا تعالیٰ کے حسن و جمال کی تجلی ہے جو روح کی غذا ہے جب اس تجلی سے انسان قوت پکڑتا ہے تو پھر بلند اور اونچی گھاٹیوں پر چڑھنے کے لایق ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ایسی حیرتناک سختی کے کام دکھلاتا ہے کہ جب تک یہ عاشقانہ گرمی کسی کے دل میں نہ ہو ہرگز ایسے کام دکھلا نہیں سکتا سو خدا تعالیٰ نے اس جگہ ان دو حالتوں کے سمجھانے کے لئے عربی زبان کے دو لفظوں سے کام لیا ہے ایک کافور سے جو نیچے دبانے والے کو کہتے ہیں اور دوسرے زنجبیل سے جو اوپر چڑھنے والے کو کہتے ہیں اور اس راہ میں بھی دو حالتیں سالکوں کے لئے واقعہ ہیں باقی حصہ آیت کا یہ ہے۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِیْرًا یعنے ہم منکروں کے لئے جو سچائی کو قبول کرنا نہیں چاہتے زنجیریں تیار کر دی ہیں اور طوق گردن اور ایک افروختہ آگ کی سوزش۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ سچے دل سے خدا تعالیٰ کو نہیں ڈھونڈتے اُن پر خدا کی طرف سے رجعت پڑتی ہے وہ دنیا کی گرفتاریوں میں ایسے مبتلا رہتے ہیں کہ گویا پابزنجیر ہیں اور زمینی کاموں میں ایسے نگونسار ہوتے ہیں کہ گویا ان کی گردن میں ایک طوق ہے جو ان کو آسمان کی طرف سر نہیں اُٹھانے دیتا اور ان کے دلوں میں حرص و ہوا کی ایک سوزش لگی ہوئی ہوتی ہے کہ یہ مال حاصل ہو جائے اور یہ جایداد مل جائے اور فلاں ملک ہمارے قبضہ میں آجائے اور فلاں دشمن پر ہم فتح پا جائیں اس قدر روپیہ ہو اتنی دولت ہو سو چونکہ خدا تعالیٰ ان کو نالایق دیکھتا ہے اور بُرے کاموں میں مشغول پاتا ہے اسلئے یہ تینوں بلائیں ان کو لگا دیتا ہے اور اس جگہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب انسان سے کوئی فعل صادر ہوتا ہے تو اسی کے مطابق خدا بھی اپنی طرف سے ایک فعل صادر کرتا ہے مثلاً انسان جس وقت اپنی کوٹھڑی کے تمام دروازوں کو بند کر دے تو انسان کے اس فعل کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ فعل ہوگا کہ وہ اس کوٹھڑی میں اندھیرا پیدا کر دیگا کیونکہ جو امور خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں ہمارے کاموں کے لئے بطور ایک نتیجہ لازمی کے مقرر ہو چکے ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کے فعل ہیں وجہ یہ کہ وہی علت العلل ہے ایسا ہی اگر مثلاً کوئی شخص زہر قاتل کھالے تو اس کے اس فعل کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ فعل صادر ہوگا کہ اسے ہلاک کر دیگا ایسا ہی اگر کوئی ایسا بیجا فعل کرے

جو کسی متعدی بیماری کا موجب ہو تو اس کے اس فعل کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ فعل ہوگا کہ وہ متعدی بیماری اس کو پکڑے گی۔ پس جس طرح ہماری دنیوی زندگی میں صریح نظر آتا ہے کہ ہمارے ہر ایک فعل کے لئے ایک ضروری نتیجہ ہے اور وہ نتیجہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے ایسا ہی دین کے متعلق بھی یہی قانون ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ ان دو مثالوں میں صاف فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ یعنے جو لوگ اس فعل کو بجا لائے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی جستجو میں پوری پوری کوشش کی تو اس فعل کے لئے لازمی طور پر ہمارا یہ فعل ہوگا کہ ہم ان کو اپنی راہ دکھا دینگے اور جن لوگوں نے کجی اختیار کی اور سیدھی راہ پر چلنا نہ چاہا تو ہمارا فعل ان کی نسبت یہ ہوگا کہ ہم ان کے دلوں کو کج کر دینگے اور پھر اس حالت کو زیادہ توضیح دینے کے لئے فرمایا مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا یعنے جو شخص اس جہان میں اندھا رہا وہ آنے والے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا بلکہ اندھوں سے بدتر یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نیک بندوں کو خدا کا دیدار اسی جہان میں ہو جاتا ہے اور وہ اسی جگہ میں اپنے اس پیارے کا درشن پا لیتے ہیں جسکے لئے وہ سب کچھ کھوتے ہیں غرض مفہوم اس آیت کا یہی ہے کہ بہشتی زندگی کی بنیاد اسی جہان سے پڑتی ہے اور جہنمی نابینائی کی جڑ بھی اسی جہان کی گندہ اور کورانہ زیست ہے اور پھر فرمایا وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ۔ یعنے جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل بجا لاتے ہیں وہ ان باغوں کے وارث ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ایمان کو باغ کے ساتھ مشابہت دی جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں پس واضح رہے کہ اس جگہ ایک اعلیٰ درجہ کی فلاسفی کے رنگ میں بتلایا گیا ہے کہ جو رشتہ نہروں کا باغ کے ساتھ ہے وہی رشتہ اعمال کا ایمان کے ساتھ ہے پس جیسا کہ کوئی باغ بغیر پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا ایسا ہی کوئی ایمان بغیر نیک کاموں کے زندہ ایمان نہیں کہلا سکتا اگر ایمان ہو اور اعمال نہ ہوں تو وہ ایمان ہیچ ہے اور اگر اعمال ہوں اور ایمان نہ ہو تو وہ اعمال ریاکاری ہیں اسلامی بہشت کی یہی حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان اور عمل کا ایک ظل ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملے گی بلکہ انسان کی بہشت انسان کے اندر ہی سے نکلتی ہے اور ہر ایک کی بہشت اسی کا ایمان اور اسی کے اعمال صالحہ ہیں جنکی اسی دنیا میں لذت شروع ہو جاتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ نظر آتے ہیں اور نہریں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہونگے خدا کی پاک تعلیم ہمیں یہی بتلاتی ہے کہ سچا اور پاک اور مستحکم اور کامل ایمان جو خدا اور اس کے ارادوں کے متعلق ہو وہ بہشت خوشنما اور بارور درخت ہے

اور اعمال صالحہ اس بہشت کی نہریں ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ یعنے وہ ایمانی کلمہ جو ہر ایک افراط تفریط اور نقص اور خلل اور کذب اور ہزل سے پاک اور من کل الوجوہ کامل ہو اس درخت کے ساتھ مشابہ ہے جو ہر ایک عیب سے پاک ہو جس کی جڑ زمین میں قائم اور شاخیں آسمان میں ہوں اور اپنے پھل کو ہمیشہ دیتا ہو اور کوئی وقت اسپر نہیں آتا کہ اس کی شاخوں میں پھل نہ ہوں۔ اس بیان میں خدا تعالیٰ نے ایمانی کلمہ کو ہمیشہ پھلدار درخت سے مشابہت دیکر تین علامتیں اس کی بیان فرمائیں (۱) اول یہ کہ جڑ اس کی جو اصل مفہوم سے مراد ہے انسان کے دل کی زمین میں ثابت ہو یعنے انسانی فطرت اور انسانی کانشنس نے اس کی حقانیت اور اصلیت کو قبول کر لیا ہو (۲) دوسری علامت یہ کہ اس کلمہ کی شاخیں آسمان میں ہوں یعنے معقولیت اپنے ساتھ رکھتا ہو اور آسمانی قانون قدرۃ جو خدا کا فعل ہے اس فعل کے مطابق ہو مطلب یہ کہ اس صحت اور اصلیت کے دلائل قانون قدرۃ سے مستنبط ہو سکتے ہوں اور نیز یہ کہ وہ دلائل ایسے اعلےٰ ہوں کہ گویا آسمان میں ہیں جن تک اعتراض کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا (۳) تیسری علامت یہ ہے کہ وہ پھل جو کھانے کے لائق ہے دائمی اور غیر منقطع ہو یعنے عملی مزاولت کے بعد اس کی برکات و تاثیرات ہمیشہ اور ہر زمانہ میں مشہور اور محسوس ہوتی ہوں یہ نہیں کہ کسی خاص زمانہ تک ظاہر ہو کر پھر آگے بند ہو جائیں اور پھر فرمایا مَثَلُ کَلِمَۃٍ خَبِیْثَۃٍ کَشَجَرَۃٍ خَبِیْثَۃِ ۣاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَھَا مِنْ قَرَارٍ یعنے پلید کلمہ اس درخت کے ساتھ مشابہ ہے جو زمین میں اکھڑا ہوا ہو یعنے فطرت انسانی اسکو قبول نہیں کرتی اور کسی طور سے وہ قرار نہیں پکڑتا نہ دلائل عقلیہ کے رو سے نہ قانون قدرت کے رو سے صرف قصہ اور کہانی کے رنگ میں ہوتا ہے اور جیسا کہ قرآن شریف نے عالم آخرت میں ایمان کے پاک درختوں کو انگور اور انار اور عمدہ عمدہ میووں سے مشابہت دی ہے اور بیان فرمایا ہے کہ اس روز وہ ان میووں کی صورت میں متمثل ہونگے اور دکھائی دینگے ایسا ہی بے ایمانی کے خبیث درخت کا نام عالم آخرت میں زقوم رکھا ہے جیسا کہ فرماتا ہے اَذٰلِکَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَۃُ الزَّقُّوْمِ اِنَّا جَعَلْنٰھَا فِتْنَۃً لِّلظّٰلِمِیْنَ اِنَّھَا شَجَرَۃٌ تَخْرُجُ فِیْٓ اَصْلِ الْجَحِیْمِ طَلْعُھَا کَاَنَّہٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِیْمِ کَالْمُھْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ یعنے تم بتلاؤ کہ بہشت کے باغ اچھے ہیں یا زقوم کا درخت جو ظالموں کے لئے ایک بلا ہے وہ ایک درخت ہے

جو جہنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے یعنے تکبر اور خود بینی سے پیدا ہوتا ہے یہی دوزخ کی جڑ ہے اس کا شگوفہ ایسا ہی جیسا کہ شیطان کا سر شیطان کے معنے ہیں ہلاک ہونے والا یہ لفظ شیط سے نکلا ہے۔ پس حاصل کلام یہ ہے کہ اس کا کھانا ہلاک ہونا ہے اور پھر فرمایا کہ زقوم کا درخت ان دوزخیوں کا کھانا ہے جو عمداً گناہ کو اختیار کر لیتے ہیں وہ کھانا ایسا ہے جیسا کہ تانبا گلا ہوا کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں جوش مارنے والا پھر دوزخی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اس درخت کو چکھ تو عزت والا اور بزرگ ہے یہ کلام نہایت غضب کا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر تو تکبر نہ کرتا اور اپنی بزرگی اور عزت کا پاس کر کے حق سے منہ نہ پھیرتا تو آج یہ تلخیاں تجھے اٹھانی نہ پڑتیں یہ آیت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ دراصل یہ لفظ زقوم کا ذق اور ام سے مرکب ہے اور ام اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ کا ملخص ہے جس میں ایک حرف پہلے کا اور ایک حرف آخر کا موجود ہے اور کثرت استعمال نے ذال کو زا کے ساتھ بدلدیا ہے اب حاصل کلام یہ ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا کے ایمانی کلمات کو بہشت کے ساتھ مشابہت دی ایسا ہی اسی دنیا کے بے ایمانی کے کلمات کو زقوم کے ساتھ مشابہت دی اور اس کو دوزخ کا درخت ٹھہرایا اور ظاہر فرمادیا کہ بہشت اور دوزخ کی جڑ اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے جیسا کہ دوزخ کے باب میں ایک اور جگہ فرماتا ہے نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ۔ یعنے دوزخ وہ آگ ہے جو خدا کا غضب اور اس کا منبع ہے اور گناہ سے بھڑکتی ہے اور پہلے دل پر غالب ہوتی ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس آگ کی اصل جڑ وہ غم اور حسرتیں اور درد ہیں جو دل کو پکڑتے ہیں کیونکہ تمام روحانی عذاب پہلے دل سے ہی شروع ہوتے ہیں اور پھر تمام بدن پر محیط ہو جاتے ہیں اور پھر ایک جگہ فرمایا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ یعنے جہنم کی آگ کا ایندھن جس سے وہ آگ ہمیشہ افروختہ رہتی ہے دو چیزیں ہیں ایک وہ انسان جو حقیقی خدا کو چھوڑ کر اور اور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں یا ان کی مرضی سے ان کی پرستش کیجاتی ہے جیسا کہ فرمایا اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ یعنے تم اور تمہارے معبود باطل جو انسان ہو کر خدا کہلاتے رہے جہنم میں ڈالے جائینگے (۲) دوسرا ایندھن جہنم کا بت ہیں مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا وجود نہ ہوتا تو جہنم بھی نہ ہوتا سو ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاک کلام میں بہشت اور دوزخ اس جسمانی دنیا کی طرح نہیں ہے بلکہ ان دونوں کا مبدء اور منبع روحانی امور ہیں ہاں وہ چیزیں دوسرے عالم میں جسمانی شکل پر نظر آئیں گی مگر اس جسمانی عالم سے نہیں ہونگی اب ہم پھر اصل مطلب کی طرف عود کر کے

کہتے ہیں کہ خدا کے ساتھ روحانی اور کامل تعلق پیدا ہونے کا ذریعہ جو قرآن شریف نے ہمیں سکھلایا ہے **اسلام** اور **دعاء فاتحہ** ہے یعنی اول اپنی تمام زندگی خدا کی راہ میں وقف کر دینا اور پھر اس دعا میں لگے رہنا جو سورۂ فاتحہ میں مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے تمام اسلام کا مغز یہ دونوں چیزیں ہیں۔ اسلام اور دعاء فاتحہ دنیا میں خدا تک پہنچنے اور حقیقی نجات کا پانی پینے کے لئے یہی ایک اعلیٰ ذریعہ ہے جو قانون قدرت نے انسان کی اعلیٰ ترقی اور وصال الٰہی کے لئے مقرر کیا ہے اور وہی خدا کو پاتے ہیں کہ جو اسلام کے مفہوم کی روحانی آگ میں داخل ہوں اور دعاء فاتحہ میں لگے رہیں اسلام کیا چیز ہے وہی جلتی ہوئی آگ جو ہماری سفلی زندگی کو بھسم کر کے اور ہمارے باطل معبودوں کو جلا کر سچے اور پاک معبود کے آگے ہماری جان اور ہمارے مال اور ہماری آبرو کی قربانی پیش کرتی ہے ایسے چشمہ میں داخل ہو کر ہم ایک نئی زندگی کا پانی پیتے ہیں اور ہماری تمام روحانی قوتیں خدا سے یوں پیوند پکڑتی ہیں جیسا کہ ایک رشتہ دوسرے رشتہ سے پیوند کیا جاتا ہے بجلی کی آگ کی طرح ایک آگ ہمارے اندر سے نکلتی ہے اور ایک آگ اوپر سے ہم پر اترتی ہے ان دونوں شعلوں کے ملنے سے ہماری تمام ہوا و ہوس اور غیر اللہ کی محبت بھسم ہو جاتی ہے اور ہم اپنی پہلی زندگی سے مر جاتے ہیں اس حالت کا نام قرآن شریف کے رو سے اسلام ہے

اسلام سے ہمارے نفسانی جذبات کو موت آتی ہے اور پھر دعا سے ہم از سر نو زندہ ہوتے ہیں اس دوسری زندگی کے لئے الہام الٰہی ہونا ضروری ہے اسی مرتبہ پر پہنچنے کا نام لقاء الٰہی ہے یعنے خدا کا دیدار اور خدا کا درشن۔ اس درجہ پر پہنچکر انسان کو خدا سے وہ اتصال ہوتا ہے کہ گویا وہ اس کو آنکھ سے دیکھتا ہے اور اس کو قوت دیجاتی ہے اور اس کے تمام حواس اور تمام اندرونی قوتیں روشن کی جاتی ہیں اور پاک زندگی کی کشش بڑے زور سے شروع ہو جاتی ہے اسی درجہ پر آکے خدا انسان کی آنکھ ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اور زبان ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ بولتا ہے اور ہاتھ ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ حملہ کرتا ہے اور کان ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اور پیر ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ چلتا ہے اسی درجہ کی طرف اشارہ ہے جو خدا فرماتا ہے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ یہ اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے جو ان کے ہاتھوں پر ہے اور ایسا ہی فرماتا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی یعنے جو تو نے چلایا تو نے نہیں بلکہ خدا نے چلایا غرض اس درجہ پر خدا کے ساتھ کمال اتحاد ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی پاک مرضی روح کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی ہے اور اخلاقی طاقتیں جو کمزور تھیں اس درجہ میں محکم پہاڑوں کی طرح نظر آتی ہیں اور عقل اور فراست نہایت لطافت پر آ جاتی ہے یہ معنے اس آیت کے ہیں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ اس مرتبہ میں محبت اور عشق کی نہریں ایسے طور سے جوش مارتی ہیں جو خدا کے لئے مرنا

اور خدا کے لئے ہزاروں دکھ اٹھانا اور بے آبرو ہونا ایسا آسان ہو جاتا ہے کہ گویا ایک ہلکا سا تنکا توڑنا ہے خدا کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ کون کھینچ رہا ہے ایک غیبی ہاتھ اس کو اٹھائے پھرتا ہے اور خدا کی مرضیوں کو پورا کرنا اس کی زندگی کا اصل الاصول ٹھہر جاتا ہے اس مرتبہ میں خدا بہت ہی قریب دکھائی دیتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کہ ہم اس سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں ایسی حالت میں اس مرتبہ کا آدمی ایسا ہوتا ہے کہ جس طرح پھل پختہ ہو کر خود بخود درخت پر سے گر جاتا ہے اسی طرح اس مرتبہ کے آدمی کے تمام تعلقات سفلی کالعدم ہو جاتے ہیں اس کا اپنے خدا سے ایک گہرا تعلق ہو جاتا ہے اور وہ مخلوق سے دور چلا جاتا اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات سے شرف پاتا ہے اس مرتبہ کے حاصل کرنے کیلئے اب بھی دروازے کھلے ہیں جیسا کہ پہلے کھلے ہوئے تھے اور اب بھی خدا کا فضل یہ نعمت ڈھونڈنے والوں کو دیتا ہے جیسا کہ پہلے دیتا تھا مگر یہ راہ محض زبان کی فضولیوں کے ساتھ حاصل نہیں ہوتی اور نقطہ بے حقیقت باتوں اور لافوں سے یہ دروازہ نہیں کھلتا چاہنے والے بہت ہیں مگر پانے والے کم اس کا کیا سبب ہے یہی کہ یہ مرتبہ سچی سرگرمی سچی جانفشانی پر موقوف ہے باتیں قیامت تک کیا کرو کیا ہو سکتا ہے صدق سے اس آگ پر قدم رکھنا جس کے خوف سے اور لوگ بھاگتے ہیں اس راہ کی پہلی شرط ہے اگر عملی سرگرمی نہیں تو لاف زنی ہیچ ہے وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۔ یعنے اگر میرے بندے میری نسبت سوال کریں کہ وہ کہاں ہے تو ان کو کہہ کہ وہ تم سے بہت ہی قریب ہے۔ میں دعا کرنے والے کی دعا سنتا ہوں پس چاہئے کہ وہ دعاؤں سے میرا وصل ڈھونڈیں اور مجھ پر ایمان لاویں تا کامیاب ہوویں +

دافع البلاء ومعیار اہل الاصطفاء

ازحضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی مسعود

تمہید

جس پیغام کو ہم اس وقت اپنے عزیزان ملک کے پاس اس رسالہ کے ذریعہ سے پہنچانا چاہتے ہیں اس کی نسبت ہمیں انبیاء علیہم السلام کے قدیم تجربہ کے رو سے یہ ثابت ہے کہ سر دست اس ہماری ہمدردی کا قدر بھی ہوگا کہ پھر دوبارہ ہم اسلام کے مولویوں اور عیسائی مذہب کے پادریوں اور ہندو مذہب کے پنڈتوں سے گالیاں سنیں اور طرح طرح رنج دہ خطابوں سے یاد کئے جاویں اور ہمیں پہلے سے خوب معلوم ہے کہ ایسا ہی ہوگا لیکن ہم نے نوع انسان کی ہمدردی کو اس بات سے مقدم رکھا ہے کہ عام بدزبانی سے ہم ستائے جائیں کیونکہ باوجود اس کے یہ بھی احتمال ہے کہ ان صدہا اور ہزارہا گالیاں دینے والوں میں سے بعض ایسے بھی پیدا ہو جائیں کہ ایسے وقت میں کہ جب آسمان برسے ایک آگ برس رہی ہے بلکہ لگے جاڑے میں تو اور بھی زیادہ برسنے کی توقع ہے اس رسالہ کو غور سے پڑھیں اور اس اپنے ناصح شفیق پر جلد ناراض نہ ہوں اور جس نسخہ کو وہ پیش کرتا ہے اس کو آزمالیں کیونکہ اس ہمدردی کے صلہ میں کوئی اجرت یا پاداش ان سے طلب نہیں کی گئی محض سچے خلوص اور نیک نیتی سے انسانوں کی جان چھوڑانے کے لئے ایک آزمودہ اور پاک تجویز پیش کی گئی ہے پس جس حالت میں لوگ بیماریوں میں علاج کی غرض سے بعض جانوروں کا پیشاب بھی پی لیتے ہیں اور بہت سی پلید چیزوں کو استعمال کر لیتے ہیں تو اس صورت میں ان کا کیا حرج ہے کہ اپنی جان چھوڑانے کے لئے اس پاک علاج کو اپنے لئے اختیار کر لیں اور اگر وہ نہیں کرینگے تب بھی بہرحال اس مقابلہ کے وقت میں ایک دن ان کو معلوم ہوگا کہ ان تمام مذاہب میں سے کونسا ایسا مذہب ہے جس کا شفاعت کرنا اور منجی کے بزرگ لفظ کا مصداق ہونا ثابت ہو سکتا ہے سچے منجی کو ہر ایک شخص چاہتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے پس بلاشبہ اب دن آگئے ہیں کہ ثابت ہو کہ سچا منجی کون ہے ہم مسیح ابن مریم کو بے شک ایک راستباز آدمی جانتے ہیں کہ اپنے زمانے کے

اکثر لوگوں سے البتہ اچھا تھا واللہ اعلم۔ مگر وہ حقیقی منجی نہیں تھا یہ اس پر تہمت ہے کہ وہ حقیقی منجی تھا حقیقی منجی ہمیشہ اور قیامت تک نجات کا پھل کھلانے والا وہ ہے جو زمین حجاز میں پیدا ہوا تھا اور تمام دنیا اور تمام

+ یاد رہے کہ یہ جو ہم نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ کے بہت لوگوں کی نسبت اچھے تھے۔ یہ ہمارا بیان محض نیک ظنی کے طور پر ہے ورنہ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں خدا تعالیٰ کی زمین پر بعض راستباز اپنی راستبازی اور تعلق باللہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی افضل اور اعلیٰ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی نسبت فرمایا ہے وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ جس کے یہ معنے ہیں کہ اس زمانہ کے مقربوں میں سے یہ بھی ایک تھے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ سب مقربوں سے بڑھکر تھے بلکہ اس بات کا امکان نکلتا ہے کہ بعض مقرب ان کے زمانہ کے ان سے بہتر تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لئے آئے تھے اور دوسرے ملکوں اور قوموں سے ان کو کچھ تعلق نہ تھا پس ممکن بلکہ قریب قیاس ہے کہ بعض انبیاء جو لَّمْ نَقْصُصْ میں داخل ہیں وہ ان سے بہتر اور افضل ہوں گے اور جیسا کہ حضرت موسیٰ کے مقابل پر آخر ایک انسان نکل آیا جس کی نسبت خدا نے عَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا فرمایا تو پھر حضرت عیسیٰ کی نسبت جو موسیٰ سے کمتر اور اس کی شریعت کے پیرو تھے اور خود کوئی کامل شریعت نہ لائے تھے۔ اور ختنہ اور مسائل فقہ اور وراثت اور حرمت خنزیر وغیرہ میں حضرت موسیٰ کی شریعت کے تابع تھے۔ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ بالاطلاق اپنے وقت کے تمام راستبازوں سے بڑھکر تھے جن لوگوں نے ان کو خدا بنایا ہے جیسے عیسائی یا وہ جنہوں نے خواہ نخواہ خدائی صفات انہیں دی ہیں جیسا کہ ہمارے مخالف اور خدا کے مخالف نام کے مسلمان وہ اگر ان کو اوپر اُٹھاتے اُٹھاتے آسمان پر چڑھا دیں یا عرش پر بٹھا دیں یا خدا کی طرح پرندوں کا پیدا کرنے والا قرار دیں تو ان کو اختیار ہے۔ انسان جب حیا اور انصاف کو چھوڑ دے تو جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے لیکن مسیح کی راستبازی اپنے زمانہ میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سُنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اسکے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اسکے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اسکی خدمت کرتی تھی اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے اور پھر یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یحییٰ کے ہاتھ پر جسکو عیسائی یوحنا کہتے ہیں جو پیچھے ایلیا بنایا گیا اپنے گناہوں سے توبہ کی تھی اور ان کے خاص مریدوں میں داخل ہوئے تھے اور یہ بات حضرت یحییٰ کی فضیلت کو بداہت ثابت کرتی ہے کیونکہ بمقابل اسکے یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ یحییٰ نے بھی کسی کے ہاتھ پر توبہ کی تھی پس اس کا معصوم ہونا بدیہی امر ہے اور مسلمانوں میں یہ جو مشہور ہے کہ عیسیٰ اور اسکی ماں مس شیطان سے پاک ہیں اسکے معنے نادان لوگ نہیں سمجھتے اصل بات یہ ہے کہ پلید یہودیوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں پر سخت ناپاک الزام لگائے تھے اور دونوں کی نسبت نعوذ باللہ شیطانی کاموں کی تہمت لگاتے تھے سو اس افترا کا رد ضروری تھا پس اس حدیث کے اس سے زیادہ کوئی معنے

زمانوں کی نجات کیلئے آیا تھا اور اب بھی آیا مگر بروز کے طور پر - خدا اسکی برکتوں سے تمام زمین کو متمتع کرے آمین -

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان

طاعون

چو آمد از خدا طاعون بہ بیں از چشم اکرامش ‌‌ ‌ تو خود ملعونی اے فاسق چرا ملعون نہی نامش

زمان توبہ و وقت صلاح و ترک خبث است ایں ‌ ‌ کسے کو بر بدی چسپد نہ بینم نیک انجامش

اس ہولناک مرض کے بارے میں جو ملک میں پھیلتی جاتی ہے لوگوں کی مختلف رائیں ہیں ڈاکٹر لوگ جن کے خیالات فقط جسمانی تدابیر تک محدود ہیں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ زمین میں محض قدرتی اسباب سے ایسے کیڑے پیدا ہو گئے ہیں کہ اول چوہوں پر اپنا بد اثر پہنچاتے ہیں* - اور پھر انسانوں میں سلسلہ موت کا جاری ہو جاتا ہے اور مذہبی خیالات سے اس بیماری کو کچھ تعلق نہیں بلکہ چاہئے کہ اپنے گھروں اور نالیوں کو ہر ایک قسم کی گندگی اور عفونت سے بچا دیں اور صاف رکھیں اور فنائل وغیرہ کے ساتھ پاک کرتے ہیں اور مکانوں کو آگ سے گرم رکھیں اور ایسا بنا دیں جن میں ہوا بھی پہنچ سکے اور روشنی بھی اور کسی مکان میں اس قدر لوگ نہ رہیں کہ ان کے منہ کی بھاپ اور پاخانہ پیشاب وغیرہ سے کیڑے بکثرت پیدا ہو جائیں اور ردی غذائیں نہ کھائیں اور سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ ٹیکا کرا لیں - اور اگر مکانوں میں چوہے مردہ پاویں تو ان مکانوں کو چھوڑ دیں اور بہتر ہے کہ باہر کھلے میدانوں میں رہیں اور میلے کچیلے کپڑوں سے پرہیز کریں اور اگر کوئی شخص کسی متاثر اور آلودہ مکان سے ان کے شہر یا گاؤں میں آوے تو اس کو اندر نہ آنے دیں اور اگر کوئی ایسے گاؤں یا شہر کا اس مرض سے بیمار ہو جائے تو اس کو باہر نکالیں اور اس کے اختلاط سے پرہیز کریں - پس طاعون کا علاج ان کے نزدیک جو کچھ ہے یہی ہے یہ تو دانشمند ڈاکٹروں اور طبیبوں کی رائے ہے جس کو ہم نہ تو ایک کافی اور مستقل علاج کے رنگ میں سمجھتے ہیں اور نہ محض بے فائدہ قرار دیتے ہیں - کافی اور مستقل علاج اس لئے نہیں سمجھتے کہ

* طبابت کے قواعد کے رو سے طاعون کی بیماری کی شناخت کے لئے ضروری ہے کہ جس بد قسمت گاؤں یا شہر میں یا اس کے کسی حصہ میں یہ مہلک بیماری پھوٹ پڑے اس میں کئی روز پہلے اس سے مرے ہوئے چوہے پائے جائیں پس اگر مثلاً محض تپ سے کسی گاؤں میں چند موت کی وارداتیں ہو جائیں اور چوہے مرتے نہ دیکھے جائیں تو وہ طاعون نہیں ہے بلکہ محرقہ کی قسم کا ایک مہلک تپ ہے - منہ -

تجربہ بتلا رہا ہے کہ بعض لوگ باہر نکلنے سے بھی مرے ہیں اور بعض صفائی کا التزام رکھتے رکھتے بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور بعض نے بڑی امید سے ٹیکا لگوایا اور پھر قبر میں جا پڑے۔ پس کون کہہ سکتا ہے کہ کون ہمیں تسلّی دیسکتا ہے یہ تمام تدبیریں کافی علاج ہیں بلکہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ گو یہ تمام طریقے کسی حد تک مفید ہیں لیکن یہ ایسی تدبیر نہیں ہے جس کو طاعون کو ملک سے دفع کرنے کے لئے پوری کامیابی کہہ سکیں +

اسی طرح یہ تدبیریں محض بے فائدہ بھی نہیں ہیں کیونکہ جہاں جہاں خدا کی مرضی ہے وہاں وہاں ان کا فائدہ بھی محسوس ہو رہا ہے مگر وہ فائدہ کچھ بہت خوشی کے لائق نہیں مثلاً گو سچ ہے کہ اگر مثلاً سو آدمی نے ٹیکا لگوایا ہے اور دوسرے اسی قدر لوگوں نے ٹیکا نہیں لگوایا ہے تو جنہوں نے ٹیکا نہیں لگوایا ان میں موتیں زیادہ پائی گئیں اور ٹیکا والوں میں کم لیکن چونکہ ٹیکے کا اثر غایت کار دو مہینے یا تین مہینے تک ہے اس لئے ٹیکے والا بھی بار بار خطرہ میں پڑیگا جب تک اس دنیا سے رخصت نہ ہو جائے صرف اتنا فرق ہے کہ جو لوگ ٹیکا نہیں لگواتے وہ ایک ایسے مرکب پر سوار ہیں کہ جو مثلاً چوبیس گھنٹہ تک ان کو دار الفنا تک پہنچا سکتا ہے اور جو لوگ ٹیکا لگواتے ہیں گویا ایسے آہستہ رو ٹٹو پر چل رہے ہیں کہ جو چوبیس دن تک اسی مقام میں پہنچا دیگا بہرحال یہ تمام طریقے جو ڈاکٹری طور سے اختیار کئے گئے ہیں نہ تو کافی اور پوری تسلی بخش ہیں اور نہ محض نکمے اور بے فائدہ ہیں اور چونکہ طاعون جلد جلد ملک کو کھاتی جاتی ہے اسلئے بنی نوع کی ہمدردی اسی میں ہے کہ کسی اور طریق کو سوچا جائے جو اس تباہی سے بچا سکے +

اور مسلمان لوگ جیسا کہ میاں شمس الدین سکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور کے اشتہار سے سمجھا جاتا ہے جس کو انہوں نے ماہ حال یعنے اپریل ۱۹۰۲ء میں شایع کیا ہے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ تمام فرقے مسلمانوں کے شیعہ سنی مقلد اور غیر مقلد میدانوں میں جاکر اپنے اپنے طریقہ مذہب میں دعائیں کریں اور ایک ہی تاریخ میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھیں تو بس یہ ایسا نسخہ ہے کہ معًا اس سے طاعون دور ہو جائے گی مگر اکٹھے کیونکر ہوں اس کی کوئی تدبیر نہیں بتلائی گئی ظاہر ہے کہ فرقہ وہابیہ کے مذہب کے رو سے تو بغیر فاتحہ خوانی کے نماز درست ہی نہیں پس اس صورت میں انکے ساتھ حنفیوں کی نماز کیونکر ہو سکتی ہے کیا باہم فساد نہیں ہوگا۔ ماسوا اسکے اس اشتہار کے لکھنے والے نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ ہندو اس مرض کے دفع کے لئے کیا کریں کیا ان کو اجازت ہے یا نہیں کہ وہ بھی اس وقت اپنے بتوں سے مدد مانگیں۔ اور عیسائی کس طریق کو اختیار کریں اور جو فرقے حضرت حسین یا علی رضی اللہ عنہ کو قاضی الحاجات سمجھتے ہیں اور محرم* میں

* حاشیہ یہ محرم کا مہینہ بڑا مبارک مہینہ ہے ترمذی میں اسکی فضیلت کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث لکھی ہے کہ

تعزیوں پر ہزاروں درخواستیں مرادوں کے لئے گذارا کرتے ہیں اور یا جو مسلمان سید عبد القادر جیلانی کی پوجا کرتے ہیں یا جو شاہ مدار یا سخی سرور کو پوجتے ہیں وہ کیا کریں اور کیا اب یہ تمام فرقے دعائیں نہیں کرتے بلکہ ہر ایک فرقہ خوف زدہ ہو کر اپنے اپنے معبود کو پکار رہا ہے شیعوں کے محلوں کی سیر کرو کوئی ایسا گھر نہیں ہوگا جس کے دروازہ پر یہ شعر چسپاں نہیں ہوگا

لی خمسۃ اطفی بھا حرّ الوباء الحاطمۃ ٭ المصطفٰی والمرتضٰی وابناھما والفاطمۃ

میرے استاد ایک بزرگ شیعہ تھے ان کا مقولہ تھا کہ وبا کا علاج فقط تولّا اور تبرّیٰ ہے یعنے ائمہ اہل بیت کی محبت کو پرستش کی حد تک پہنچا دینا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے رہنا اس سے بہتر کوئی علاج نہیں اور میں نے سنا ہے کہ بمبئی میں جب طاعون شروع ہوئی ہے تو پہلے لوگوں میں یہی خیال پیدا ہوا تھا کہ یہ امام حسین کی کرامت ہے کیونکہ جن ہندوؤں نے شیعہ سے کچھ تکرار کیا تھا ان میں طاعون شروع ہو گئی تھی پھر جب اسی مرض نے شیعہ میں بھی قدم رنجہ فرمایا تب تو یاحسین کے نعرے کم ہو گئے ٭

یہ تو مسلمانوں کے خیالات ہیں جو طاعون کے دور کرنے کے لئے سوچے گئے ہیں اور عیسائیوں کے خیالات کے اظہار کے لئے ابھی ایک اشتہار پادری وائیٹ برخیٹ صاحب اور ان کی انجمن کی طرف سے نکلا ہے اور وہ یہ کہ طاعون کے دور کرنے کے لئے اور کوئی تدبیر کافی نہیں بجز اسکے کہ حضرت مسیح کو خدا مان لیں اور ان کے کفارہ پر ایمان لے آویں ٭

اور ہندوؤں میں سے آریہ دھرم کے لوگ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہ بلائے طاعون وید کے ترک کرنے کی وجہ سے ہے تمام فرقوں کو چاہئے کہ ویدوں کی ستّ ودیا پر ایمان لاویں اور تمام نبیوں کو نعوذ باللہ مفتری قرار دیں تب اس تدبیر سے طاعون دور ہو جائے گی ٭

اور ہندوؤں میں سے جو سناتن دھرم فرقہ ہے اس فرقہ میں دفع طاعون کے بارہ میں جو رائے ظاہر کی گئی ہے اگر ہم پرچہ اخبار عام نہ پڑھتے تو شاید اس عجیب رائے سے بےخبر رہتے اور وہ رائے یہ ہے کہ یہ بلائے طاعون گائے کی وجہ سے آئی ہے۔ اگر گورنمنٹ یہ قانون پاس کر دے کہ اس ملک میں گائے ہرگز ہرگز ذبح نہ کی جائے تو پھر دیکھئے کہ طاعون کیونکر دفع ہو جاتی ہے بلکہ اسی اخبار میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے گائے کو بولتے سنا کہ وہ کہتی ہے کہ میری وجہ سے ہی اس ملک میں طاعون آیا ہے ٭

اب اے ناظرین خود سوچ لو کہ اس قدر متفرق اقوال اور دعاوی سے کس قول کو دنیا کے آگے صریح اور بدیہی طور پر فروغ ہو سکتا ہے یہ تمام اعتقادی امور ہیں اور اس نازک وقت میں جب تک کہ دنیا ان عقائد کا

فیصلہ کرے خود دنیا کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اسلئے وہ بات قبول کے لایق ہے جو جلد تر سمجھ میں آسکتی ہے اور جو اپنے ساتھ کوئی ثبوت رکھتی ہے سو میں وہ بات مع ثبوت پیش کرتا ہوں۔ چار سال ہوئے کہ میں نے ایک پیش گوئی شایع کی تھی کہ پنجاب میں سخت طاعون آنے والی ہے اور میں نے اس ملک میں طاعون کے سیاہ درخت دیکھے ہیں جو ہر ایک شہر اور گاؤں میں لگائے گئے ہیں اگر لوگ توبہ کریں تو یہ مرض دو جاڑوں سے بڑھ نہیں سکتی خدا اس کو رفع کردے گا مگر بجائے توبہ کے مجھ کو گالیاں دی گئیں اور سخت بدزبانی کے اشتہار شایع کیے گئے جس کا نتیجہ طاعون کی یہ حالت ہے جو اب دیکھ رہے ہو۔ خدا کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوئی اس کی یہ عبارت ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ اِنَّهٗ اٰوَى الْقَرْيَةَ یعنے خدا نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس بلائے طاعون کو ہرگز دور نہیں کرے گا جب تک لوگ ان خیالات کو دور نہ کرلیں جو ان کے دلوں میں ہیں یعنے جبتک وہ خدا کے مامور اور رسول کو مان نہ لیں تب تک طاعون دور نہیں ہوگی اور وہ قادر خدا قادیاں کو طاعون کی تباہی* سے محفوظ رکھے گا تا تم سمجھو کہ قادیاں اسی لئے محفوظ رکھی گئی کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیاں میں تھا

* حاشیہ۔ اٰوٰی عربی لفظ ہے جس کے معنے ہیں تباہی اور انتشار سے بچانا اور اپنی پناہ میں لے لینا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طاعون کی قسموں میں سے وہ طاعون سخت بربادی بخش ہے جس کا نام طاعون جارف ہے یعنے جھاڑو دینے والی جس سے لوگ جابجا بھاگتے ہیں اور کتوں کی طرح مرتے ہیں یہ حالت انسانی برداشت سے بڑھ جاتی ہے پس اس کلام الہی میں یہ وعدہ ہے کہ یہ حالت کبھی قادیاں پر وارد نہیں ہوگی۔ اسی کی تشریح یہ دوسرا الہام کرتا ہے کہ لولا الاکرام لهلك المقام یعنے اگر مجھے اس سلسلہ کی عزت ملحوظ نہ ہوتی تو میں قادیاں کو بھی ہلاک کردیتا اس الہام سے دو باتیں سمجھی جاتی ہیں (۱) اول یہ کہ کچھ حرج نہیں کہ انسانی برداشت کی حد تک کبھی قادیاں میں بھی کوئی واردات شاذ و نادر کے طور پر ہو جائے جو بربادی بخش نہ ہو اور موجب فرار و انتشار نہ ہو کیونکہ شاذ و نادر معدوم کا حکم رکھتا ہے (۲) دوسری یہ کہ یہ امر ضروری ہے کہ جن دیہات اور شہروں میں بمقابلہ قادیاں کے سخت سرکش اور شریر اور ظالم اور بدچلن اور مفسد اور اس سلسلہ کے خطرناک دشمن بستے ہیں ان شہروں یا دیہات میں ضرور بربادی بخش طاعون پھوٹ پڑے گی یہاں تک کہ لوگ بے حواس ہو کر ہر طرف بھاگیں گے ہم نے اٰوٰی کا لفظ جہانتک وسیع ہے اس کے مطابق یہ معنے کر دیئے ہیں اور ہم دعوی سے لکھتے ہیں کہ قادیاں میں کبھی طاعون جارف نہیں پڑے گی جو گاؤں کو ویران کرنے والی اور کھا جانے والی ہوتی ہے مگر اس کے مقابل پر دوسرے شہروں اور دیہات میں جو ظالم اور مفسد ہیں ضرور ہولناک صورتیں پیدا ہونگی۔ تمام دنیا میں ایک قادیاں ہے جس کے لئے یہ وعدہ ہوا فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔ یاد رہے کہ خدا تعالی بیٹوں سے پاک ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں۔ لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیل مجاز اور استعارہ میں سے ہے خدا تعالی نے قرآن شریف میں

اب دیکھو تین برس سے ثابت ہو رہا ہے کہ وہ دونو پہلو پورے ہوگئے یعنے ایک طرف تمام پنجاب میں طاعون پھیل گئی
اور دوسری طرف باوجود اسکے کہ قادیاں کے چاروں طرف دو دو میل کے فاصلہ پر طاعون کا زور ہو رہا ہے مگر قادیاں
طاعون سے پاک ہے بلکہ آج تک جو شخص طاعون زدہ باہر سے قادیاں میں آیا وہ بھی اچھا ہو گیا کیا اس سے بڑھ کر کوئی
اور ثبوت ہوگا کہ جو باتیں آج سے چار برس پہلے کہی گئی تھیں وہ پوری ہوگئیں بلکہ طاعون کی خبر آج سے بائیس
برس پہلے براہین احمدیہ میں بھی دیگئی ہے٭ اور یہ عالم غیب بجز خدا کے کسی اور کی طاقت میں نہیں۔ پس اس بیماری
کے دفع کے لئے وہ پیغام جو خدا نے مجھے دیا ہے وہ یہی ہے کہ لوگ مجھے سچے دل سے مسیح موعود مان لیں اگر میری طرف سے
بھی بغیر کسی دلیل کے صرف دعویٰ ہوتا جیسا کہ میاں شمس الدین سکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور نے اپنے اشتہار
میں یا پادری وائٹ برخیٹ صاحب نے اپنے اشتہار میں کیا ہے تو میں بھی ان کی طرح ایک فضول گو ٹھہرتا لیکن میری
وہ باتیں ہیں جن کو میں نے قبل از وقت بیان کیا اور آج وہ پوری ہوگئیں اور پھر اس کے بعد ان دنوں میں بھی
خدا نے مجھے خبر دی چنانچہ وہ عزوجل فرماتا ہے:۔ مَاکَانَ اللّٰہ لیعذبھم وانت فیھم انہ اوی القریۃ لولا
الاکرام لھلک المقام۔ انی انا الرحمٰن دافع الاذی۔ انی لایخاف لدیّ المرسلون۔ انی حفیظ۔ انی
مع الرسول اقوم۔ والوم من یلوم۔ افطر واصوم۔ غضبت غضبا شدیدا۔ الامراض تشاع
والنفوس تضاع۔ الا الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اُولٰٓئِکَ لھم الامن وھم مھتدون

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰ کا:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور فرمایا یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ایسا ہی بجائے قُلْ یَاعِبَادَ اللّٰہِ
کے قُلْ یَاعِبَادِیْ بھی کہا اور یہ بھی فرمایا فاذکروا اللّٰہ کذکرکم اٰباءکم پس اس خدا کے کلام کو ہشیاری اور احتیاط سے
پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ اور اسکی کیفیت میں دخل نہ دو اور حقیقت کو حوالہ بخدا کرو اور یقین رکھو کہ خدا اتخاذ ولد سے
پاک ہے تاہم متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں پایا جاتا ہے پس اس سے بچو کہ متشابہات کی پیروی کرو اور ہلاک ہو جاؤ اور
میری نسبت بینات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ انما الھکم الہ واحد
والخیر کلہ فی القراٰن۔ منہ

٭ حاشیہ۔ آج سے دس برس پہلے ایک سبز اشتہار میں جو میری طرف سے شایع ہوا تھا طاعون کی خبر دیگئی تھی اور وہ یہ ہے۔
اصنع الفلک باعیننا ووحینا ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم یعنی ایک کشتی میرے
حکم اور آنکھوں کے روبرو بنا جو آنیوالی مصیبت سے بچائیگی جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ مجھ سے بیعت کرتے ہیں یہ تیرا ہاتھ نہیں بلکہ میرا ہاتھ ہے جو ان کے
ہاتھوں پر رکھا جاتا ہے اور اسی الہام الٰہی کا ایک فقرہ براہین احمدیہ میں یعنی حصہ سابقہ میں موجود ہے اور وہ یہ ہے ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا
انھم مغرقون یعنی جو لوگ ظلم اور شرارت اور بدکاری اور نافرمانی سے باز نہیں آتے میرے آگے انکی کچھ شفاعت نہ کر کیونکہ وہ غرق کئے جاویں گے

انا ناتی الارض ننقصھا من اطرافھا۔ انی اجھز الجیش فاصبحوا فی دارھم جاثمین۔ سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم نصر من اللہ وفتح مبین۔ انی بایعتک بایعنی ربی۔ انت منی بمنزلۃ اولادی ٭ انت منی وانا منک۔ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً۔ الفوق معک والتحت مع اعدائک فاصبر حتی یاتی اللہ بامرہ۔ یاتی علی جھنم زمان لیس فیھا احد۔ ترجمہ خدا تعالیٰ ایسا نہیں کہ قادیاں کے لوگوں کو عذاب دے حالانکہ تو ان میں رہتا ہے وہ اس گاؤں کو طاعون کی دست برد اور اس کی تباہی سے بچا لیگا۔ اگر تیرا پاس مجھے نہ ہوتا اور تیرا اکرام مدنظر نہ ہوتا تو میں اس گاؤں کو ہلاک کر دیتا۔ میں رحمان ہوں جو دکھ کو دور کرنے والا ہے میرے رسولوں کو میرے پاس کچھ خوف اور غم نہیں میں نگہ رکھنے والا ہوں۔ میں اپنے رسول کیساتھ کھڑا ہونگا اور اس کو ملامت کرونگا۔ جو میرے رسول کو ملامت کرتا ہے میں اپنے وقتوں کو تقسیم کر دونگا کہ کچھ حصہ برس کا تو میں افطار کرونگا یعنی طاعون سے لوگوں کو ہلاک کرونگا اور کچھ حصہ برس کا میں روزہ رکھونگا یعنے امن رہیگا اور طاعون کم ہو جائیگی یا بالکل نہیں رہیگی۔ میرا غضب بھڑک رہا ہے بیماریاں پھیلیں گی اور جانیں ضایع ہونگی۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائینگے اور ان کے ایمان میں کچھ نقص نہیں ہوگا وہ امن میں رہینگے اور انکو مخلصی کی راہ ملے گی۔ یہ خیال مت کرو کہ جرائم پیچھے ہوئے ہیں ہم ان کی زمین کے قریب آتے جاتے ہیں۔ میں اندر ہی اندر اپنا لشکر تیار کر رہا ہوں یعنی طاعونی کیڑوں کو پرورش دے رہا ہوں پس وہ اپنے گھروں میں ایسے سو جائیں گے جیسا کہ ایک اونٹ مرا رہ جاتا ہے۔ ہم ان کو اپنے نشان پہلے تو دور دور کے لوگوں میں دکھائینگے اور پھر خود انہی میں ہمارے نشان ظاہر ہونگے۔ یہ دن خدا کی مدد اور فتح کے ہونگے میں نے تجھ سے ایک خرید و فروخت کی ہے یعنی ایک چیز میری تھی جس کا تو مالک بنایا گیا اور ایک چیز تیری تھی جس کا میں مالک بن گیا تو بھی اس خرید و فروخت کا اقرار کر اور کہدے کہ خدا نے مجھ سے خرید و فروخت کی۔ تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ اولاد۔ تو مجھ میں سے ہے اور میں تجھ میں سے ہوں وہ وقت قریب ہے کہ میں ایسے مقام پر تجھے کھڑا کرونگا کہ دنیا تیری حمد و ثنا کرے گی۔ فوق تیرے ساتھ ہے اور تحت تیرے دشمنوں کے ساتھ۔ پس صبر کر جب تک کہ وعدہ کا دن آجائے طاعون پر ایک ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ کوئی بھی اس میں گرفتار نہیں ہوگا یعنے انجام کار خیر و عافیت ہے٭

٭حاشیہ مدت ہوئی کہ پہلے اس سے طاعون کے بارے میں حکایتاً عن الغیر خدا نے مجھے یہ خبر دی تھی یا مسیح الخلق عدوانا مگر آج کہ ۲۱۔ اپریل ۱۹۰۲ء ہے اسی الہام کو پھر اس طرح فرمایا گیا یا مسیح الخلق عدوانا لن تری من بعد مودتنا وفسادنا یعنے اے خدا کے مسیح جو مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے ہماری جلد خبر لے اور ہمیں اپنی شفاعت سے بچا تو اس کے بعد

اب اس تمام وحی سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں (۱) اول یہ کہ طاعون دنیا میں اس لئے آئی ہے کہ خدا کے مسیح موعود سے نہ صرف انکار کیا گیا بلکہ اُس کو دکھ دیا گیا اس کے قتل کرنے کے لئے منصوبے کئے گئے اس کا نام کافر اور دجال رکھا گیا پس خدا نے نہ چاہا کہ اپنے رسول کو بغیر گواہی چھوڑے اس لئے اس نے آسمان اور زمین دونوں کو اس کی سچائی کا گواہ بنا دیا۔ آسمان نے کسوف خسوف سے گواہی دی جو رمضان میں ہوا اور زمین نے طاعون کے ساتھ گواہی دی تا کہ خدا کا وہ کلام پورا ہو جو براہین احمدیہ میں ہے اور وہ یہ ہے قل عندی شھادۃ من اللہ فھل انتم تؤمنون۔ قل عندی شھادۃ من اللہ فھل انتم تسلمون ۔ یعنے میرے پاس خدا کی گواہی ہے پس کیا تم ایمان لاؤ گے یا نہیں اور پھر میں کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کی گواہی ہے۔ پس کیا تم قبول کرو گے یا نہیں۔ پہلی گواہی سے مراد آسمان کی گواہی ہے جسمیں کوئی جبر نہیں اس لئے اس میں تؤمنون کا لفظ استعمال کیا گیا اور دوسری گواہی زمین کی ہے یعنے طاعون کی جس میں جبر موجود ہے کہ خوف دیکر اس جماعت میں داخل کرتی ہے اس لئے اس میں تسلمون کا لفظ استعمال کیا گیا (۲) دوسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ یہ طاعون اس حالت میں فرو ہوگی جبکہ لوگ خدا کے فرستادہ کو قبول کرلیں گے اور کم سے کم یہ کہ شرارت اور ایذا اور بدزبانی سے باز آجائیں گے کیونکہ براہین احمدیہ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں آخری دنوں میں طاعون بھیجوں گا تا کہ میں ان خبیثوں اور شریروں کا منہ بند کردوں جو میرے رسول کو گالیاں دیتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ محض انکار اس بات کا موجب نہیں ہوتا کہ ایک رسول کے انکار سے دنیا میں کوئی تباہی بھیجی جائے بلکہ اگر لوگ شرافت اور تہذیب سے خدا کے رسولوں کا انکار کریں اور دست درازی اور بدزبانی نہ کریں تو ان کی سزا قیامت میں مقرر ہے اور جس قدر دنیا میں رسولوں کی حمایت میں مری بھیجی گئی ہے وہ محض انکار سے نہیں بلکہ شرارتوں کی سزا ہے اسی طرح اب بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۳ کا) بناء ہمارے خبیث مادوں کو نہیں دیکھے گا اور نہ ہمارا کچھ فساد باقی رہیگا یعنے ہم سیدھے ہوجاوینگے اور گندہ دہانی اور بدزبانی چھوڑ دینگے یہ خدا کا کلام براہین احمدیہ کے اس الہام کے مطابق ہے کہ آخری دنوں میں ہم لوگوں پر طاعون بھیجیں گے جیسا کہ فرمایا کذالک مننا علی یوسف لنصرف عنه السوء والفحشاء یعنے ہم طاعون کے ساتھ اس یوسف پر یہ احسان کرینگے کہ بدزبان لوگوں کا منہ بند کردینگے تا کہ وہ ڈر کر گالیوں سے باز آجائیں۔ انہی دنوں کے متعلق خدا کا یہ کلام ہے جسمیں زمین کی کلام سے مجھے اطلاع دیگئی اور وہ یہ ہے یا ولی اللہ کنت لا اعرفک یعنے اے خدا کے ولی میں اس سے پہلے تجھے نہیں پہچانتی تھی اسکی تفصیل یہ ہے کہ کشفی طور پر زمین میرے سامنے کیگئی اور اس نے یہ کلام کیا کہ میں اب تک تجھے نہیں پہچانتی تھی کہ تو ولی الرحمان ہے۔ منہ۔

جب لوگ بدزبانی اور ظلم اور تعدی اور اپنی خباثتوں سے باز آجائیں گے اور شریفانہ برتاؤ ان میں پیدا ہو جائیگا تب یہ تنبیہ اٹھالی جائیگی مگر اس تقریب پر بہتیرے سعادت مند خدا کے رسول کو قبول کر لیں گے اور آسمانی برکتوں سے حصہ لینگے اور زمین سعادت مندوں سے بھر جائے گی (۳) تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہر حال جبتک کہ طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس تک رہے قادیاں کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے اور یہ تمام امتوں کے لئے نشان ہے۔

اب اگر خدا تعالیٰ کے اس رسول اور اس نشان سے کسی کو انکار ہو اور خیال ہو کہ فقط رسمی نمازوں اور دعاؤں سے یا مسیح کی پرستش سے یا گائے کے طفیل سے یا ویدوں کے ایمان سے باوجود مخالفت اور دشمنی اور نافرمانی اس رسول کے طاعون دور ہو سکتی ہے تو یہ خیال بغیر ثبوت کے قابل پذیرائی نہیں۔ پس جو شخص ان تمام فرقوں میں سے اپنے مذہب کی سچائی کا ثبوت دینا چاہے اس کے لئے اب بہت عمدہ موقع ہے گویا خدا کی طرف سے تمام مذاہب کی سچائی یا کذب پہچاننے کے لئے ایک نمائش گاہ مقرر کی گئی ہے اور خدا نے سبقت کر کے اپنی طرف سے پہلے قادیاں کا نام لے دیا ہے اب اگر آریہ لوگ وید کو سچا سمجھتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ بنارس کی نسبت جو وید کے درس کا اصل مقام ہے ایک پیشگوئی کر دیں کہ ان کا پرمیشر بنارس کو طاعون سے بچائے گا۔ اور سناتن دہرم والوں کو چاہئے کہ کسی ایسے شہر کی نسبت جس میں گائیاں بہت ہوں مثلاً امرتسر کی نسبت پیشگوئی کر دیں کہ گئو کے طفیل اسمیں طاعون نہیں آئیگی اگر اسقدر گئو اپنا معجزہ دکھا دے تو کچھ تعجب نہیں کہ اس معجزہ نما جانور کی گورنمنٹ جان بخشی کر دے۔ اسی طرح عیسائیوں کو چاہئے کہ کلکتہ کی نسبت پیشگوئی کر دیں کہ اس میں طاعون نہیں پڑے گی کیونکہ لارڈ بشپ برٹش انڈیا کا کلکتہ میں رہتا ہے۔ اسی طرح میاں شمس الدین اور ان کی انجمن حمایت اسلام کے ممبروں کو چاہئے کہ لاہور کی نسبت پیشگوئی کر دیں کہ وہ طاعون سے محفوظ رہیگا اور منشی الہی بخش اکونٹنٹ جو الہام کا دعوی کرتے ہیں ان کے لئے بھی یہی موقعہ ہے کہ اپنے الہام سے لاہور کی نسبت پیشگوئی کر کے انجمن حمایت اسلام کو مدد دیں اور مناسب ہے کہ عبد الجبار اور عبد الحق شہر امرتسر کی نسبت پیشگوئی کریں۔ اور چونکہ فرقہ وہابیہ کی اصل جڑ دلّی ہے اسلئے مناسب ہے کہ نذیر حسین اور محمد حسین دلی کی نسبت پیشگوئی کریں۔ کہ وہ طاعون سے محفوظ رہے گی پس اس طرح سے گویا تمام پنجاب اس مہلک مرض سے محفوظ ہو جائیگا اور گورنمنٹ کو بھی مفت میں سبکدوشی ہو جائیگی۔ اور اگر ان لوگوں نے ایسا نہ کیا تو پھر یہی سمجھا جائیگا کہ سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیاں میں اپنا رسول بھیجا۔

اور بالآخر یاد رہے کہ اگر یہ تمام لوگ جن میں مسلمانوں کے ملہم اور آریوں کے پنڈت اور عیسائیوں کے

پادری داخل ہیں چپ رہے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ سب لوگ جھوٹے ہیں اور ایک دن آنیوالا ہے جو قادیان سورج کی طرح چمک کر دکھلا دیگی کہ وہ ایک سچے کا مقام ہے۔ بالآخر میاں شمس الدین صاحب کو یاد رہے کہ آپنے جو اپنے اشتہار میں آیت امن یجیب المضطر لکھی ہے اور اس سے قبولیت دعا کی امید نکالی ہے یہ امید صحیح نہیں ہے کیونکہ کلام الٰہی میں لفظ مضطر سے وہ ضرر یافتہ مراد ہیں جو محض ابتلا کے طور پر ضرر یافتہ ہوں۔ نہ سزا کے طور پر لیکن جو لوگ سزا کے طور پر کسی ضرر کے تختہ مشق ہوں وہ اس آیت کے مصداق نہیں ہیں ورنہ لازم آتا ہے کہ قوم نوح اور قوم لوط اور قوم فرعون وغیرہ کی دعائیں اس اضطرار کے وقت میں قبول کیجاتیں مگر ایسا نہیں ہوا اور خدا کے ہاتھ نے ان قوموں کو ہلاک کر دیا اور اگر میاں شمس الدین کہیں کہ پھر ان کے مناسب حال کونسی آیت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت مناسب حال ہے کہ مَا دُعَاءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ؞

اور چونکہ احتمال ہے کہ بعض غبی الطبع اس اشتہار کا اصل منشا سمجھنے میں غلطی کھائیں اسلئے ہم مکرراً اپنے فرض دعوت کا اظہار کر دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ طاعون جو ملک میں پھیل رہی ہے کسی اور سبب سے نہیں بلکہ ایک ہی سبب سے ہے اور وہ یہ کہ لوگوں نے خدا کے اس موعود کے ماننے سے انکار کیا ہے جو تمام نبیوں کی پیشگوئی کے موافق دنیا کے ساتویں ہزار میں ظاہر ہوا ہے اور لوگوں نے نہ صرف انکار بلکہ خدا کے اس مسیح کو گالیاں دیں کافر کہا اور قتل کرنا چاہا اور جو کچھ چاہا اس سے کیا اس لئے خدا کی غیرت نے چاہا کہ ان کی اس شوخی اور بے ادبی پر ان پر تنبیہہ نازل کرے اور خدا نے پہلے پاک نوشتوں میں خبر دی تھی کہ لوگوں کے انکار کی وجہ سے ان دنوں میں جب مسیح ظاہر ہوگا ملک میں سخت طاعون پڑے گی سو ضرور تھا کہ طاعون پڑتی اور طاعون کا نام طاعون اسلئے رکھا گیا کہ یہ طعن کرنے والوں کا جواب ہے۔ اور بنی اسرائیل میں ہمیشہ طعن کے وقت میں ہی پڑا کرتی تھی۔ اور طاعون کے لغت عرب میں معنے ہیں بہت طعن کرنے والا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ طاعون طعن تشنیع کی ابتدائی حالت میں نہیں پڑتی بلکہ جب خدا کے مامور اور مرسل کو حد سے زیادہ ستایا جاتا ہے اور توہین کیجاتی ہے اس وقت پڑتی ہے۔ سوائے عزیز و اس کا بجز اس کے کوئی بھی علاج نہیں کہ اس مسیح کو سچے دل اور اخلاص سے قبول کر لیا جاوے۔ یہ تو یقینی علاج ہے اور اس سے کمتر درجہ کا یہ علاج ہے کہ اس کے انکار سے مُنہ بند کر لیا جائے اور زبان کو بدگوئی سے روکا جائے اور دل میں اس کی عظمت بٹھائی جائے اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ لوگ یہ کہتے ہوئے کہ یَا مَسِیْحَ الْخَلْقِ عَدْوَانَا میری طرف دوڑیں گے یہ جو میں نے ذکر کیا ہے یہ خدا کا کلام ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ اے جو خلقت کے لئے مسیح کر کے بھیجا گیا ہے ہماری اس مہلک

بیماری کے لئے شفاعت کرے تم یقیناً سمجھو کہ آج تمہارے لئے بجز اس مسیح کے اور کوئی شفیع نہیں باستثناء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ شفیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہے بلکہ اس کی شفاعت درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی شفاعت ہے اے عیسائی مشنریو! اب ربنا المسیح مت کہو اور دیکھو کہ آج تم میں ایک ہے جو اس مسیح سے بڑھ کر ہے۔ اور اے قوم شیعہ اس پر اصرار مت کرو کہ حسین تمہارا منجی ہے کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک ہے جو اس حسین سے بڑھ کر ہے اور اگر میں اپنی طرف سے یہ باتیں کہتا ہوں تو میں جھوٹا ہوں لیکن اگر میں ساتھ اس کے خدا کی گواہی رکھتا ہوں تو تم خدا سے مقابلہ مت کرو ایسا نہ ہو کہ تم اس سے لڑنے والے ٹھہرو۔ اب میری طرف دوڑو کہ وقت ہے جو شخص اس وقت میری طرف دوڑتا ہے میں اس کو اس سے تشبیہ دیتا ہوں کہ جو عین طوفان کے وقت جہاز پر بیٹھ گیا۔ لیکن جو شخص مجھے نہیں مانتا میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ طوفان میں اپنے تئیں ڈال رہا ہے اور کوئی بچنے کا سامان اس کے پاس نہیں۔ سچا شفیع میں ہوں جو اس بزرگ شفیع کا سایہ ہوں اور اس کا ظل جس کو اس زمانہ کے اندھوں نے قبول نہ کیا اور اس کی بہت ہی تحقیر کی یعنے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لئے خدا نے اس وقت اس گناہ کا ایک ہی لفظ کے ساتھ پادریوں سے بدلہ لے لیا کیونکہ عیسائی مشنریوں نے عیسٰی بن مریم کو خدا بنایا اور ہمارے سید و مولےٰ حقیقی شفیع کو گالیاں دیں اور بدزبانی کی کتابوں سے زمین کو نجس کر دیا اس لئے اس مسیح کے مقابل پر جس کا نام خدا رکھا گیا خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا تا کہ یہ اشارہ ہو کہ عیسائیوں کا مسیح کیسا خدا ہے جو احمد کے ادنےٰ غلام سے بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یعنے وہ کیسا مسیح ہے جو اپنے قرب اور شفاعت کے مرتبہ میں احمد کے غلام سے بھی کمتر ہے۔ اے عزیزو! یہ بات غصہ کرنے کی نہیں اگر اس احمد کے غلام کو جو مسیح موعود کر کے بھیجا گیا ہے تم اس پہلے مسیح سے بزرگتر نہیں سمجھتے اور اسی کو شفیع اور منجی قرار دیتے ہو تو اب اپنے اس دعویٰ کا ثبوت دو اور جیسا کہ اس احمد کے غلام کی نسبت خدا نے فرمایا انہ اوی القریۃ لولا الاکرام لھلک المقام جس کے یہ معنے ہیں کہ خدا نے اس شفیع کی عزت ظاہر کرنے کے لئے اس گاؤں قادیاں کو طاعون سے محفوظ رکھا جیسا کہ دیکھتے ہو کہ وہ پانچ چھ برس سے محفوظ چلی آتی ہے اور نیز فرمایا کہ اگر میں اس احمد کے غلام کی بزرگی اور عزت ظاہر نہ کرنا چاہتا تو آج قادیاں میں بھی تباہی ڈال دیتا ایسا ہی آپ بھی اگر مسیح ابن مریم کو درحقیقت شفیع اور منجی قرار دیتے ہیں تو قادیاں کے مقابل پر آپ بھی کسی اور شہر کا پنجاب کے

شہروں میں سے[*] نام لے دیں کہ فلاں شہر ہمارے خداوند مسیح کی برکت اور شفاعت سے طاعون سے پاک رہیگا اور اگر ایسا نہ کرسکیں تو پھر آپ سوچ لیں کہ جس شخص کی اسی دنیا میں شفاعت ثابت نہیں وہ دوسرے جہان میں کیونکر شفاعت کرے گا۔ اور میاں شمس الدین صاحب یاد رکھیں کہ ان کا اشتہار محض بے سود ہے اور کوئی فائدہ اسپر مرتب نہیں ہوگا اور علاج یہی ہے جو ہم نے لکھا ہے وہ یاد کریں کہ پہلے اس سے انسانی گورنمنٹ میں وہ اور ان کی انجمن میرا مقابلہ کرکے ذلت اُٹھا چکی ہے کہ انہوں نے مؤلف امہات المومنین کی نسبت گورنمنٹ سے سزا طلب کی اور میں نے اس سے منع کیا آخر میری رائے ہی صحیح ہوئی اسی طرح اب بھی جو کچھ انہوں نے آسمانی گورنمنٹ میں میموریل بھیجنا چاہا ہے وہ بھی محض بے سود اور لغو اور بے اثر ہے۔ جیسا کہ پہلا میموریل تھا۔ سچا میموریل یہی ہے جو ہم نے مرتب کیا ہے آخر آپ کو یہی ماننا پڑیگا +

---

[*] مثلاً قادیان یا بٹالہ کا نام لے دیں۔ منہ۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اوّل — اگست ۱۹۰۲ء — نمبر ۸

فہرست مضامین

انجمن اشاعت اسلام قادیان نے انوار احمدیہ پریس قادیان دار الامان میں باہتمام شیخ یعقوب علی (تراب) احمدی مالک مطبع چھپوا کر ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع کیا۔

قیمت ۔۔

الٰہی کاغذ للہ

مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کی کتابین

مندرجہ ذیل کتابین مدرسہ تعلیم الاسلام سے مل سکتی ہین۔

شروح ترمذی صحاح ستہ کی مشہور کتاب ترمذی کی چار عظیم الشان شرحین جلد اول و دوم قیمت فی جلد للعہ دونون جلد کے خریدار سے بحساب ۱۲ روپے فی جلد۔ (کتب فروشون کو دوسری کتابون کے معاوضہ پر دیجا سکتی ہے)

مسک العارف۔ مولوی سید محمد احسن صاحب کی تصنیف جسمین ان پیشگوئیونکا واقع ہونا ثابت کیا گیا ہے جو مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق حدیثون مین آئی ہین۔ اس کتاب کی اصل کتاب ہم رکھی مگر اب اسکی قیمت مین بہت تخفیف کرکے صرف ۱ر قیمت کردیگئی ہے تا جو احباب وسعت رکھتی ہین متعدد جلدین خرید کر مفت تقسیم کرکے ثواب حاصل کرین۔ محصولڈاک ۱ر

یسرنا القرآن نیا قاعدہ جس سے بچہ نہایت آسانی سے چھ سات ماہ مین قرآن شریف ختم کر سکتا ہے قیمت ۲ر محصولڈاک ۱ر

قاعدہ عربی و اردو مصنفہ نواب محمد علیخان صاحب قیمت ۱ر محصولڈاک ۲ر

سلسلہ دینیات کا پہلا نمبر نئی تصنیف بچون کو ارکان اسلام اور نماز سکھانے کیلئے قیمت ۸ر محصولڈاک ۱ر

سرمہ چشم آریہ مشہور تصنیف حضرت مسیح علیہ السلام آریون کے اعتراضون کا جواب قیمت ۱۲ر محصولڈاک ۲ر

سیرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مولوی عبدالکریم صاحب کی مشہور تصنیف ہے جسکو پڑھ کر کئی آدمیون نے حضرت مسیح علیہ السلام کے دعوے کی تصدیق کی۔ ۱۲۸ صفحے قیمت ۸ر محصولڈاک ۱ر

اسلام اور اس کی حقیقت یعنی حضرت مسیح موعود کی وہ تقریر جو جلسہ اعظم مذاہب لاہور پر سنائی گئی تھی جیبی تقطیع پر قیمت ۴ر ہر ایک شخص کے پاس اسکی ایک کاپی ہونی چاہیے۔

درثمین جدید کامل۔ نہایت خوبصورت جیبی تقطیع پر حضرت اقدس کے اردو اور فارسی اشعار کا مجموعہ قیمت بغیر جلد ۵ر مجلد ۶ر محصولڈاک ۱ر

نشان آسمانی قیمت ۳ر

اجرومیہ قیمت ۰ر

جو اصحاب متعدد جلدین خریدنا چاہین وہ کمیشن وغیرہ کے متعلق خط و کتابت سے دریافت کرسکتے ہین۔

ان کتابون کے علاوہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے اردو۔ فارسی اور دینیات کے سلسلے کی تمام کتابین اور منشی ذکاء اللہ کے اردو سلسلہ کی کتابین اور مدرسون کی پڑھائی کی بعض دوسری کتابین اصل قیمت پر ملسکتی ہین قیمت پیشگی آنی چاہیئے یا بذریعہ وی پی طلب کیا کرین۔ درخواستین مولوی شیر علی صاحب کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اسلام

گذشتہ اشاعت سے آگے

دنیا میں زندگی کے مدعا کیا ہیں اور اُن کا حصول کس طرح ہوتا ہے

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مختلف الطبائع انسان اپنی کوتہ فہمی یا پست ہمتی سے مختلف طور کے مدعا اپنی زندگی کیلئے ٹھہراتے ہیں اور فقط دنیا کے مقاصد اور آرزوؤں تک چلکر آگے ٹھہر جاتے ہیں۔ مگر وہ مدعا جو خدا تعالے اپنی پاک کلام میں بیان فرماتا ہے وَمَا خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنے میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے پہچانیں اور میری پرستش کریں پس اس آیت کی رو سے اصل مدعا انسان کی زندگی کا خدا کی پرستش اور خدا کی معرفت اور خدا کے لیے ہو جانا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ اپنی زندگی کا مدعا اپنے اختیار سے آپ مقرر کرے۔ کیونکہ انسان نہ اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے واپس جائیگا۔ بلکہ وہ ایک مخلوق ہے اور جس نے اسے پیدا کیا اور تمام حیوانات کی نسبت عمدہ اور اعلے قوے اس کو عنایت کئے۔ اسی نے اس کی زندگی کا ایک مدعا ٹھہرا رکھا ہے خواہ کوئی انسان اس مدعا کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر انسان کی پیدائش کا مدعا بلاشبہ خدا کی پرستش اور خدا کی معرفت اور خدا میں فانی ہو جانا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالے قرآن شریف میں ایک اور جگہ فرماتا ہے ان الدین عند اللہ الاسلام ذٰلک الدین القیم فطرة اللہ التی فطر الناس علیہا یعنے وہ دین جس میں خدا کی معرفت صحیح اور اس کی پرستش احسن طور پر ہے وہ **اسلام** ہے اور اسلام انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور خدا نے انسان کو اسلام پر

پیدا کیا۔ اور اسلام کیلئے پیدا کیا ہے یعنے یہ چاہا ہے کہ انسان اپنے تمام قوےٰ کے ساتھ اس کی پرستش اور اطاعت اور محبت مین لگ جائے اسی وجہ سے اس قادر کریم نے انسان کو تمام قوے اسلام کے مناسب حال عطا کئے ہین۔ ان آیتون کی تفصیل بہت بڑی ہے اور ہم کسی قدر پہلے سوال کے تیسرے حصہ مین لکھ بھی چکے ہین۔ لیکن اب ہم مختصر طور پر صرف یہ ظاہر کرنا چاہتے ہین۔ کہ انسان کو جو کچھ اندرونی اور بیرونی اعضاء دئے گئے ہین یا جو کچھ قوتین عنایت ہوئی ہین **اصل مقصود** اُن سے خدا کی معرفت اور خدا کی پرستش اور خدا کی محبت ہے۔ اسی وجہ سے انسان دنیا مین ہزارون شغلون کو اختیار کر کے پھر بھی بجز خدا کے اپنی سچی خوشحالی کسی مین نہین پاتا۔ بڑا دولتمند ہو کر بڑا عہدہ پا کر بڑا تاجر بن کر بڑی بادشاہی تک پہنچکر بڑا فلاسفر کہلا کر آخر ان دنیوی گرفتاریون سے بڑی حسرتون کے ساتھ جاتا ہے اور ہمیشہ دل اس کا دنیا کے استغراق سے اسکو ملزم کرتا رہتا ہے۔ اور اس کے مکرون اور فریبون اور ناجائز کامون مین کبھی اس کا کانشنس اس سے اتفاق نہین کرتا۔ ایک دانا انسان اس مسئلہ کو اس طرح بھی سمجھ سکتا ہے کہ جس چیز کے قوے ایک اعلے سے اعلے کام کر سکتے ہین اور پھر آگے جا کر ٹھہر جاتے ہین وہی اعلے کام اس کی پیدائش کی علت غائی سمجھی جاتی ہے مثلاً بیل کا کام اعلے سے اعلے قلبہ رانی یا آبپاشی یا باربرداری ہے۔ اس سے زیادہ اس کی قوتون مین کچھ ثابت نہین ہوا۔ سو بیل کی زندگی کا مدعا یہی تین چیزین ہین۔ اس سے زیادہ کوئی قوت اس مین پائی نہین جاتی۔ مگر جب ہم انسان کی قوتون کو ٹٹولتے ہین کہ ان مین اعلے سے اعلے کونسی قوت ہے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ خدائے اعلے برتر کی اس مین تلاش پائی جاتی ہے یہانتک کہ وہ چاہتا ہے کہ خدا کی محبت مین ایسا گداز اور محو ہو کہ اسکا اپنا کچھ بھی نہ رہے۔ سب خدا کا ہو جائے وہ کھانے اور سونے وغیرہ طبعی امور مین دوسرے حیوانات کو اپنا شریک غالب رکھتا ہے صنعت کاری مین بعض حیوانات اس سے بہت بڑھے ہوئے ہین بلکہ شہد کی مکھیان بھی ہر ایک پھول کا عطر نکالکر ایسا شہد نفیس پیدا کرتی ہین کہ ابتک اس صنعت مین انسان کو کامیابی نہین ہوئی پس ظاہر ہے کہ انسان کا اعلے کمال خدا تعالے کا وصال ہے لہذا اس کی زندگی کا اصل مدعا یہی ہے کہ خدا کیطرف اسکے دل کی کھڑکی کھلے۔ ہان اگر یہ سوال ہو کہ یہ مدعا کیونکر اور کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اور کن وسائل سے انسان اس کو پا سکتا ہے۔ پس واضح ہو کہ سب سے بڑا وسیلہ جو اس مدعا کے پانے کے لئے شرط ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالے کو صحیح طور پر پہچانا جائے اور سچے خدا پر ایمان لایا جائے۔ کیونکہ اگر پہلا قدم ہی غلط ہے اور کوئی شخص مثلاً کسی پرند یا چرند یا عناصر یا انسان کے بچہ کو خدا سمجھ بیٹھا ہے تو پھر دوسرے قدمون مین اسکے راہ راست پر چلنے کی کیا امید ہے سچا خدا اسکے ڈھونڈنے والونکو مدد دیتا ہے۔ مگر مردہ مردہ کو کیونکر مدد دے سکتا ہے اس مین اللہ جلشانہ نے خوب تمثیل فرمائی ہے اور وہ یہ ہے:- لہ دعوۃ الحق والذین یدعون من دونہ لا یستجیبون لھم بشیء الا کباسط کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ھو ببالغہ وما دعاء الکفرین الا فی ضلال + یعنے دعا کرنے کے لایق وہی سچا خدا ہے

جو ہر ایک بات پر قادر ہے اور جو لوگ اس کے سوا اوروں کو پکارتے ہین وہ کچھ بھی ان کو جواب نہین دیسکتے - ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی پانی کی طرف ہاتھ پھیلا دے کہ اسے پانی میرے منہ مین آجا تو کیا وہ اس کے منہ مین آجائیگا ہرگز نہین سو جو لوگ سچے خدا سے بیخبر ہین ان کی تمام دعائین باطل ہین - دوسرا وسیلہ خدا تعالے کے اس حسن وجمال پر اطلاع پانا ہے جو باعتبار کمال تام کے اس مین پایا جاتا ہے کیونکہ حسن ایک ایسی چیز ہے جو بالطبع دل اس کیطرف کھنچا جاتا ہے اور اسکے مشاہدہ سے طبعاً محبت پیدا ہوتی ہے تو حسن ذات باری تعالے اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت اور بزرگی اور صفات ہین - جیساکہ قرآن شریف نے یہ فرمایا ہے - قل هو الله احد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد یعنے خدا اپنی ذات اور صفات اور جلال مین ایک ہے کوئی اس کا شریک نہین سب اسکے حاجتمند ہین ذرہ ذرہ اُس سے زندگی پاتا ہے وہ کل چیزون کے لیئے مبدء فیض ہے اور آپ کسی سے فیضیاب نہین وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ اور کیونکر ہو کہ اس کا کوئی ہم ذات نہین قرآن نے بار بار خدا کا کمال پیش کرکے اور اس کی عظمتین دکھلا کے لوگونکو توجہ دلائی ہے کہ دیکھو ایسا خدا دلون کا مرغوب ہے نہ کہ مردہ اور کمزور اور کم رحم اور کم قدرت +

تیسرا وسیلہ جو مقصود حقیقی تک پہنچنے کے لیئے دوسرے درجے کا زینہ ہے خدا تعالے کے احسان پر اطلاع پانا ہے - کیونکہ محبت کی محرک دو ہی چیزین ہین حسن یا احسان اور خدا تعالی کی احسانی صفات کا خلاصہ سورہ فاتحہ مین پایا جاتا ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے :- الحمد لله رب العلمين الرحمن الرحيم ملك يوم الدين کیونکہ ظاہر ہے کہ احسان کامل اس مین ہے کہ خدا تعالے اپنے بندون کو محض نابود سے پیدا کرے اور پھر ہمیشہ اس کی ربوبیت انکے شامل حال ہو اور وہی ہر ایک چیز کا آپ سہارا ہو - اور پھر اس کی تمام قسم کی رحمتین اس کے بندون کیلیئے ظہور مین آئی ہون اور اس کا احسان بے انتہا ہو جسکا کوئی شمار نہ کرسکے - سو ایسے احسانون کو خدا تعالے نے بار بار جتلایا ہے جیساکہ ایک اور جگہ فرماتا ہے :- وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها یعنے اگر خدا تعالی کی نعمتون کو گننا چاہو تو ہرگز نہین گن سکو گے +

چوتھا وسیلہ خدا تعالے نے اصل مقصود کے پانیکے لیئے دعا کو ٹھہرایا ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے ادعونی استجب لكم یعنے تم دعا کرو مین قبول کرونگا - اور بار بار دعا کیلیئے رغبت دلائی ہے تا انسان اپنی طاقت سے نہین بلکہ خدا کی طاقت سے پاوے +

پانچوان وسیلہ اصل مقصود کے پانیکے لیئے خدا تعالے نے مجاہدہ ٹھہرایا ہے یعنے اپنا مال خدا کی راہ مین خرچ کرنیکے ذریعہ سے اور اپنی طاقتون کو خدا کی راہ مین خرچ کرنیکے ذریعہ سے اور اپنی جان کو خدا کی راہ مین خرچ کرنیکے ذریعہ سے اور اپنی عقل کو خدا کی راہ مین خرچ کرنیکے ذریعہ سے اسکو ڈھونڈا جائے جیساکہ وہ فرماتا ہے جاهدوا باموالكم

وانفسکم ومما رزقنٰھم ینفقون والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ٭
یعنے اپنے مالون اور اپنی جانون اور اپنے نفسون کو معدان کی تمام طاقتون کے خدا کی راہ مین خرچ کرو۔ اور جو کچھ ہم نے عقل اور علم اور فہم اور ہنر وغیرہ تم کو دیا ہے وہ سب کچھ خدا کی راہ مین لگاؤ۔ جو لوگ ہماری راہ مین ہر ایک طور سے کوشش بجا لاتے ہین ہم ان کو اپنی راہین دکھا دیا کرتے ہین ٭

چھٹا وسیلہ اصل مقصود کو پانیکے لئے استقامت کو بیان فرمایا گیا ہے یعنی اس راہ مین درماندہ اور عاجز نہو اور تھک نہ جائے اور امتحان سے ڈر نہ جائے جیسا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکۃ الا تخافوا ۔ یعنے وہ لوگ جنہون نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور باطل خداؤن سے الگ ہوگئے پھر استقامت اختیار کی یعنی طرح طرح کی آزمایشون اور بلا کے وقت ثابت قدم رہے ان پر فرشتے اترتے ہین کہ تم مت ڈرو اور مت غمگین ہو اور خوش ہو۔ اور خوشی مین بھر جاؤ کہ تم اس خوشی کے وارث ہوگئے جس کا تمہین وعدہ دیا گیا ہے ہم اس دنیوی زندگی مین اور آخرت مین تمہارے دوست ہین اس جگہ ان کلمات سے یہ اشارہ فرمایا کہ استقامت سے خدا تعالی کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ یہ سچ بات ہے کہ استقامت فوق الکرامت ہے۔ کمال استقامت یہ ہے کہ چار و نطرف بلاؤن کو محیط دیکھین اور خدا کی راہ مین جان اور عزت اور آبرو کو معرض خطر مین پاوین۔ اور کوئی تسلی دینے والی بات موجود نہو۔ یہانتک کہ خدا تعالی بھی امتحان کے طور پر تسلی دینے والے کشف یا خواب یا الہام کو بند کردے اور ہولناک خوفون مین چھوڑ دے اسوقت نامردی نہ دکھلاوین اور بزدلون کی طرح پیچھے نہ ہٹین اور وفاداری کی صفت مین کوئی خلل پیدا نکرین۔ صدق اور ثبات مین کوئی رخنہ نہ ڈالین۔ ذلت پر خوش ہو جائین۔ موت پر راضی ہو جائین اور ثابت قدمی کیلئے کسی دوست کا انتظار نکرین کہ وہ سہارا دے نہ اسوقت خدا کی بشارتون کے طالب ہون کہ وقت نازک ہے اور باوجود سراسر بیکس اور کمزور ہونیکے اور کسی تسلی کے نہ پانیکے سیدھے کھڑے ہو جائین اور ہر چہ بادا باد کہکر گردن کو آگے رکھدین اور قضاء و قدر کے آگے دم نہ مارین اور ہرگز بیقراری اور جزع فزع نہ دکھلاوین جبتک کہ آزمایش کا حق پورا ہو جائے یہی استقامت ہے جس سے خدا ملتا ہے یہی وہ چیز ہے جس کی رسولون اور نبیون اور صدیقون اور شہیدون کی خاک سے ابتک خوشبو آرہی ہے اسی کیطرف اللہ جلشانہ اس دعا مین اشارہ فرماتا ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم یعنے اے ہمارے خدا ہمین استقامت کی راہ دکھلا وہی راہ جسپر تیرا انعام اکرام مترتب ہوتا ہے اور تو راضی ہو جاتا ہے اور اسی کی طرف اس دوسری آیت مین اشارہ فرمایا۔ ربنا افرغ علینا صبرا وتوفنا مسلمین۔ اے خدا اس مصیبت مین ہمارے دلپر وہ سکینت نازل کر

ہم وکلا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ٥ نحن اولیاءکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ۔

جس سے صبر آ جائے اور ایسا کہ ہماری موت اسلام پر ہو۔ جاننا چاہیئے کہ دکھون اور مصیبتون کے وقت مین خدا تعالےٰ
اپنے پیارے بندون کے دل پر ایک نور اتارتا ہے جس سے وہ قوت پاکر نہایت اطمینان سے مصیبت کا مقابلہ کرتے ہین
اور حلاوت ایمانی سے ان زنجیرون کو بوسہ دیتے ہین جو اس کی راہ مین ان کے پیرون مین پڑین جب باخدا آدمی پر
بلائین نازل ہوتی ہین اور موت کے آثار ظاہر ہو جاتے ہین تو وہ اپنے رب کریم سے خواہ نخواہ کا جھگڑا شروع نہین کرتا
کہ مجھے ان بلاؤن سے بچا کیونکہ اسوقت عافیت کی دعا مین اصرار کرنا خدا تعالےٰ سے لڑائی اور موافقت تامہ کے مخالف
ہے بلکہ سچا محبّ بلا کے اترنے سے اور آگے قدم رکھتا ہے اور ایسے وقت مین جان کو ناچیز سمجھ کر اور جان کی محبت کو الوداع
کہکر اپنے مولے کی مرضی کا بکلی تابع ہو جاتا ہے اور اس کی رضا چاہتا ہے اسی کے حق مین اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ ومن
الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله والله رؤف بالعباد یعنی خدا کا پیارا بندہ اپنی جان خدا کی
راہ مین دیتا ہے اور اسکے عوض مین خدا کی مرضی خرید لیتا ہے وہی لوگ ہین جو خدا کی رحمت خاص کے مورد ہین غرض
وہ استقامت جس سے خدا ملتا ہے اس کی یہی روح ہے جو بیان کی گئی جس کو سمجھنا ہو سمجھے ؛

ساتوان وسیلہ اصل مقصود کے پانیکے لئے راستبازون کی صحبت اور انکے کامل نمونون کو دیکھنا ہے۔
پس جاننا چاہیئے کہ انبیاء کی ضرورتون مین سے ایک یہ بھی ضرورت ہے کہ انسان طبعًا کامل نمونہ کا محتاج ہے اور کامل
نمونہ شوق کو زیادہ کرتا ہے اور ہمت کو بڑھاتا ہے اور جو نمونہ کا پیرو نہین وہ سست ہوتا ہے اور بہک جاتا ہے اسی کیطرف اللہ جلشانہ
اس آیت مین اشارہ فرماتا ہے کونوا مع الصّٰدقین صراط الذین انعمت علیهم یعنی تم ان لوگون کی صحبت
اختیار کرو جو راستباز ہین ان لوگون کی راہین سیکھو جن پر تم سے پہلے فضل ہو چکا ہے ؛

آٹھوان وسیلہ خدا تعالیٰ کیطرف سے پاک کشف اور پاک الہام اور پاک خوابین ہین چونکہ خدا تعالیٰ کیطرف سفر
کرنا ایک نہایت دقیق در دقیق راہ ہے اور اسکے ساتھ طرح طرح کے مصائب اور دکھ لگے ہوئے ہین اور ممکن ہے کہ انسان
اس نادیدہ راہ مین بھول جائے یا ناامیدی طاری ہو اور آگے قدم بڑھانا چھوڑ دے۔ اسلیئے خدا تعالیٰ کی رحمت نے چاہا
کہ اپنی طرف سے اس سفر مین ساتھ ساتھ اسکو تسلی دیتی رہے اور اسکی دلدہی کرتی رہے اور اس کی کمر ہمت کو باندھتی رہے اور اسکے شوق
کو زیادہ کرے۔ سو اس کی سنت اس راہ کے مسافرون کے ساتھ اسطرح پر واقعہ ہے کہ وہ وقتًا فوقتًا اپنے کلام اور الہام سے انکو
تسلی دیتا اور اُن پر ظاہر کرتا ہے کہ مین تمہارے ساتھ ہون تب وہ قوت پاکر بڑے زور سے اس سفر کو طے کرتے ہین چنانچہ اس
بارہ مین وہ فرماتا ہے لهم البشری فی الحیوة الدنیا وفی الاخرة اسی طرح اور بھی کئی وسائل ہین جو قرآن
شریف نے بیان فرمائے ہین مگر افسوس اندیشہ طول کیوجہ سے انکو بیان نہین کر سکتے ؛

مسٹر واخ اور ریویو آف ریلیجنس

سیالکوٹ سکاچ مشن ہوس سے پادری واخ صاحب ہمین غیظ و غضب کیحالت مین ایک خط تحریر فرماتے ہین جس کا اعتراض ہے کہ ماہ اپریل کے پرچہ مین بعض باتین عیسائیت کے بارے مین غلط لکھی گئی ہین چنانچہ معترض صاحب ایسی غلطیون کی فہرست دینے کے بعد یون رقمطراز ہین کہ "یہ امور ایک ایسے شخص کی قلم سے نکلے ہین جو عیسائیت کے حالات لکھنے کے قابل نہین اور بہتر ہوگا کہ ان کی تردید معہ ایک معذرت نامہ کے بہت جلد شایع کردیجائے"

نیز پادری صاحب نے بڑی مہربانی سے اپنا ایک مطبوعہ لکچر الوہیت مسیح پر ہمین بھیجا ہے جو حسب معمول ابن مریم کی مفروضہ الوہیت کے تائیدی دلائل پیش کرنے سے تا آخر مثل بائبل عاجز و خاموش ہے۔ تردید و معافی کی درخواست پر ہمین مسٹر واخ کو یہ سخت مایوس کرنیوالا جواب دینا پڑیگا کہ ان کی یہ خواہش جلدبازی پر مبنی ہونیکے باعث ہماری قبولیت و اتفاق سے دور جا پڑی ہے اگر وہ ذرا غور سے ہمارے میگزین کو پڑھتے تو انہین بآسانی پتہ لگجاتا کہ ہمارا مدعا ان الزامات کا حوالہ دینے سے جو یسوع کے دشمنون اور دیگر بے تعصب نکتہ چینیون نے یسوع کی ذات کیطرف منسوب کئے ہین کیا تھا۔

ذیل مین ہم مسٹر واخ کی پیش کردہ غلطیون کی فہرست درج کرتے ہین:---

"صفحہ ۱۵۶۔ یسوع شراب پینے کا حامی تھا اور اسنے ایسا برا نمونہ قائم کیا جس سے عیسائی اقوام مین شراب پینے کا رواج حد سے زیادہ ہوگیا" (اردو میگزین صفحہ ۱۶۱)

"صفحہ ۱۵۶۔ یسوع نے اپنے تمام شاگردون کو خصی ہونے کی ترغیب دی" (اردو صفحہ ۱۶۷)

"صفحہ ۱۵۷۔ خدا پیدا ہوا خدا نے بچہ دیا" (اردو صفحہ ۱۶۷-۱۶۸)

"صفحہ ۱۵۷۔ خدا بجز اس کے پورا خدا نہین ہوسکتا جبتک کہ روح القدس اس سے شامل نہو اور نیز یسوع ابن مریم شامل نہو اور جب یہ تینون اکٹھے ہوجائینگے تب انکو کہا جائے گا کہ یہ ایک خدا ہے ورنہ نہین"

(اردو میگزین صفحہ ۱۶۸)

"صفحہ ۱۵۹۔ لامحدود خدا کی جسمانی موت"

"صفحہ ۱۶۱۔ اسی وعظ مین ہم پڑھتے ہین کہ انکھ کی نظر شہوت سے سارا بدن جہنم مین ڈالا جائیگا" (اردو صفحہ ۱۷۱)

پیشتر ازین کہ ہم ان بیانات اور مسٹر داخ کے ان سعی انکاری ہونے پر کچھ تحریر کرین ہمین ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان مواقع کا ذکر کیا جائے جنکے متعلق ہم نے مذکورہ بالا امور اپنے پرچہ مین پیش کیے تھے

صفحہ ۱۵۸ مین توضیحاً ہم نے لکھا تھا کہ :-

وہ یاد رکھین کہ اس غیر مہذب اور گندے طریق مین پڑکر انکو کامیابی نصیب نہین ہوگی اور نہ یہ شریفون اور نیک فطرت انسانون کی عادت ہوسکتی ہے کہ خدا کے ان مقدس نبیون کو گالیان دین اور ان کا نام فاسق اور فاجر رکھین جنکو اس قادر حقیقی نے کروڑہا مخلوقات کے پیشوا ٹھہرا کر جاہ وجلال کے تخت پر بٹھا دیا ہے - خوب یاد رکھو کہ تم دوسرے نبیون کو بد کہکر مریم کے بیٹے کو نیک نہین بنا سکتے خدا کے تمام پاک نبی ایک وجود کے حکم مین ہین جب وجود واحد مین سے ایک عضو کی صحت خراب ہو جائے تو سارے وجود کی صحت خراب ہو جاتی ہے - کسی کا عیب مت تلاش کرو کہ وہی عیب تمپر لگایا جائیگا یہ گمان مت کرو کہ دوسرے نبیون کو عیبناک ٹھہرا کر یسوع مسیح بے عیب ثابت ہو جائیگا بلکہ خدا کی غیرت جو اسکے پاک نبیون کے لیئے ہے وہ تمہین دکھلائے گی کہ یسوع کے مخالفون نے سب سے زیادہ اسکے عیب دکھلائے ہین یہانتک کہ انہون نے اس کی والدہ کی عزت پر حملہ کرکے یسوع کی ولادت کو بھی عیبناک صورت مین دکھلایا ہے -

بعد ازان صفحہ ۱۶۰ مین ہم نے لکھا تھا کہ عیسائیون نے جو کچھ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت نکتہ چینی کی ہے وہ اس نکتہ چینی سے بہت ہی تھوڑی ہے جو یہودی لوگ حضرت عیسے علیہ السلام کی نسبت کیا کرتے ہین کوئی ایسا الزام جو تقوے اور نیک چلنی کے برخلاف ہو تصور مین نہین آسکتا جو یہود نے حضرت مسیح اور ان کی ماں اور ان کے حواریون پر نہین لگایا -

یہودیون کے چند الزامات پر غور کرنیکے بعد ہم نے اعلے عیسائی محققین کے بڑے مضبوط اعتراضات کا حوالہ دیا تھا جو اپنے اعتراضات کے جوابات نہ پاکر آخر کار مجبوراً استاد اور اس کی تعلیم دونون سے منکر ہوگئے چنانچہ ان کے بعض اعتراضات جو انہون نے یسوع کے چالچلن اور اسکی تعلیم پر کیے ہین ہم صفحہ ۱۷۱ و دیگر صفحات مین لکھ چکے ہین -

اول الذکر کے بیان مین ہم نے کہا تھا کہ :-

لیکن مسیح سے دو نو رنگ مین خلاف عصمت حرکات صادر ہوئی ہین - وہ اخیر عمر تک شراب پیتا رہا اور شراب پینے کا حامی تھا اور شراب پینے والی اور بدکار عورتون کی اس کے پاس آمدورفت تھی وہ بعض

+ یہ مریم مگدلینی اور نیز اس فاحشہ عورت کیطرف اشارہ ہے جس نے مسیح کے سر پر اپنا عطر ملا تھا اور نیز اسی قصہ کیطرف ... ۵۰۰ ... نمبر

ناکردہ گناہ لوگون کی نقصان رسانی کا بھی موجب ہوا اور اس نے شراب کو عشاء ربانی یعنے ایک مذہبی رسم مین داخل کرکے عیسائی مذہب مین ہمیشہ کے لیئے برا نمونہ قائم کیا جس کا خمیازہ آج تک یوروپ کی قومون کو کھینچنا پڑا یعنے شراب کا رواج حد سے زیادہ ہو گیا پس کیونکر کہہ سکتے ہین کہ وہ گناہ سے معصوم تھا اور گنہگار نہ تھا +

جو بیانات ہم نے یہان نقل کیئے ہین ان مین سے صرف بعض کا انکار مسٹر واخ نے کیا ہے جیسا کہ اسکے اعتراض نمبر ۱ سے ظاہر ہے جس سے ہم نہایت آسانی سے اس نتیجہ پر پہونچتے ہین کہ ان بیانات کا باقی حصہ جسپر مسٹر واخ نے کوئی اعتراض نہین کیا۔ اسکے نزدیک بالکل صحیح ہے۔ اگر یہ حال ہے تو ہمارے خیال مین برائی کا دھبہ یسوع کی شہرت پر ویسے کا ویسا ہی موجود ہے اور مسٹر واخ نے بحیثیت واعظ انجیل یسوع اپنا فرض ادا کرنے مین خاک بھی کامیابی حاصل نہین کی کیونکہ جو شخص اخیر عمر تک شراب پیتا ہے اور بدکار عورتون اور گنہ گارون اور شرابیون کی نہ صرف اسکے پاس آمد و رفت ہو بلکہ ایک گہرا میل جول ہو وہ کسی قوم کا رہبر نہین ہو سکتا اور نہ اسکا نمونہ قابل تقلید ہو سکتا ہے + باقی ماندہ بیانات جو مسٹر واخ کی نظر مین قابل اعتراض ہین وہ بھی اسی رنگ مین لکھے گئے تھے +

مثلاً صفحہ ۱۶۷ مین ہم نے لکھا تھا کہ "عیسائی قوم کے نکتہ چینون نے جیسا کہ مسیح کو اعمال کی رو سے غیر معصوم اور گنہ گار ٹھہرانے کیلیئے بہت کوشش کی ہے اور ایک بڑا ذخیرہ معائب کا اس کی نسبت تیار کیا ہے۔ ایسا ہی اس امر کا بھی ثبوت دیا ہے کہ مسیح اپنے قول کے رو سے بھی معصوم نہین تھا اور اس کی تعلیم خطا سے پاک نہین مثلاً اس نے اپنے تمام شاگردون کو خصی ہونے کی ترغیب دی اور اس حکم کی تعمیل اسکے بعض پہلے نیک شاگردون نے کرکے بھی دکھلا دی" اب اس جگہ پر بھی بیان کے ایک حصہ پر یعنی جو یسوع کے اپنے شاگردونکو خصی ہونے کی تعلیم دینے کے متعلق ہے پادری واخ کو اعتراض سوجھا ہے لیکن دوسرے حصہ کو جہان لکھا ہے کہ عیسائیت کے ابتدائی زمانہ مین بعض یسوع کے نقش قدم پر چلنے والے بزرگ عیسائیون نے اس تعلیم کو عملی طور پر بھی کر دکھایا پادری صاحب چپکے سے ہضم کر گئے ہین۔ شائد پادری صاحب کو اپنے مذہبی بزرگون مین سے کسی کا قصہ یاد آگیا ہوگا جس نے ایسی نامعقول حرکت کی ہو۔

ہم نے یہ طویل عبارات اسواسطے نقل کی ہین تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا مدعا ان اعتراضات کا وارد دینے سے کیا تھا جو خود عیسائی دنیا نے یسوع کے چال چلن اور تعلیم کیطرف منسوب کئے ہین۔ ہم نے

یہ طریق اس لیئے اختیار نہین کیا تھا کہ نعوذ باللہ حضرت عیسے کو ایک برا آدمی ثابت کیا جاوے کیونکہ ہم اس کو خدا کا ایک راستباز رسول سمجھتے ہین اور اس کی نسبت یہ حسن ظن رکھتے ہین کہ وہ اپنے زمانہ کے لوگون مین ایک نیک آدمی تھا جو قوم بنی اسرائیل کی اصلاح کیلئے مبعوث کیا گیا تھا۔ ہمارا مطلب صرف عیسائی مشنریون کو شرم دلانا اور ان کے ان شرمناک حملون کی اصلیت ظاہر کرنا تھا جو وہ خدا کے پاک مرسلین کے چال چلن پر کرتے ہین اور پھر ساتھ اسکے بیہودہ طور پر یسوع کو بڑھا کر خدا بناتے ہین حالانکہ اگر انہین اصولون کے لحاظ سے جنسے وہ خود دوسرے انبیا علیہم السلام پر حملہ کرتے ہین یسوع کا امتحان کیا جائے تو وہ دیگر انبیا سے زیادہ سیاہ کردار نظر آئیگا۔ ہزارون کتابین پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین مین شائع کی گیئن اور انکو سخت سے سخت گالیان نکالی گیئن تاہم مسٹر وائٹ اور اسکے دیگر ہم پیشہ اصحاب کو کبھی یہ خیال نہ گذرا کہ مسلمانونکو جو دکھ اس طرح پر دیا جارہا ہے یہ بھی کسی معافی کا مقتضی ہے لیکن اگر یسوع کی نسبت کچھ کہا جائے تو یسوع کا گلہ غصہ مین بھر کر اسکی تردید و معافی کا طالب ہوتا ہے۔ انکو چاہیئے کہ پہلے ان دشنام دہیون کی تردید کرین جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حق مین کی گئی ہین اور مسلمانون سے معافی مانگین اسکے بعد ہمین ضرورت نہوگی کہ یسوع پر ان الزامات کا حوالہ دین جو روزمرہ لنڈن اور دیگر مسیحی بلاد کے گلی کوچون مین شائع کیئے جاتے ہین۔ اس بات سے ہمین انکار نہین کہ ہر پیغمبر کی زندگی کے حالات ایسے ہین جنکے مطالعہ سے اندھے نکتہ چینیون اور حرف گیرون کو اس کی پاکیزگی پر حملہ کرنیکا موقع ملا لیکن ہم عیسائی مشنریون کے دل پر یہ سچائی نقش کر دینا چاہتے ہین کہ یسوع کی زندگی مین ایسے پہلو بکثرت ہین جن کی بنا پر بے رعایت محققین نے اسے ملزم گردانا ہے۔ اس امر کے اظہار کے لیے ہم نے ان الزامات کا حوالہ دیا تھا جو یسوع کے حق مین ایسے شخصون نے لگائے ہین جو کسی زمانہ مین اسکے پیرو تھے اور جنہون نے اسی بنا پر جماعت بعد جماعت اس مذہب کو الوداع کہی ہے۔

یہ تو ہمنے اصلیت کا اظہار کیا ہے اور اگر ہماری پوچھو تو ہمارے خیال مین جو اعتراضات مسٹر وائٹ کو غلط نظر آئے ہین انکی صحت پر مشکل حرف زنی کیجا سکتی ہے وہ سبکے سب نئے عہدنامے اور مسیحی تعلیم کے اصولون پر مبنی ہین مثلاً ہم نے لکھا تھا کہ یسوع اخیر عمر تک شراب پیتا رہا اب اس مین کیا غلطی ہے۔ عیسائی ہفتہ وار اخبار ایپیفنی نے اپنے پرچہ مطبوعہ ۲۷۔ اپریل سنہ۱۹۰۲ء مین اس بات کا اقرار کیا ہے کہ مسیح گوشت کھاتا اور مے بھی پیتا تھا۔

اب ہم بائیبل کی شہادت پر غور کرتے ہین۔ انجیل متی کے ۱۱ باب کی ۱۸ و ۱۹۔ آیات مین لکھا ہے "کیونکہ یوحنا کھاتا پیتا نہین۔ ابن آدم کھاتا پیتا آیا اور وے کہتے ہین دیکھو ایک کھاؤ اور شرابی اور محصول لینے والون اور گنہگارون کا یار۔ اور انجیل لوقا کے ۷ باب کی ۳۳ و ۳۴ آیات مین لکھا ہے "کیونکہ یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا جو نہ روٹی کھاتا اور نہ

ابن آدم آیا جو کھاتا پیتا ہے اور تم کہتے ہو کہ دیکھو ایک بڑا کھاؤ اور مے خوار اور محصول لینے والون اور گنہگارون کا دوست - ان آیات
مین یسوع نے صاف صاف اپنی شرابخواری کا اقرار کیا ہے اور نیز ان لوگون کی شہادت کا بھی ذکر کر دیا جو ظاہراً کثرت مے نوشی کے
باعث اسکو شرابی کے نام سے یاد کیا کرتے تھے - اسمو قبیر یہ کہنا کہ ہان اگرچہ یسوع شراب پیا کرتا تھا لیکن اسکا پینا اعتدال کی حد تک
تھا محض ایک دعوے بے دلیل ہے - اناجیل کے الفاظ اسکے مقابلہ دعوے کے موید ہین - یہودیون نے اسے مے خوار یعنی شرابی کہا
لیکن اسنے بجائے اپنی بریت ظاہر کرنیکے ملزم ہونا پسند کیا اور بجائے اپنا اعتدال جتانے کے خود اپنی شرابخواری کی تصدیق کی -
نیز ساری دنیا کا تجربہ اس امر کا شاہد ہے کہ اکثر شرابی حد اعتدال سے گذر جاتے ہین اور خواہ وے سوچ سمجھکر قدم رکھین تو بھی
یقیناً کثرت مے خواری کے گڑھے کے کنارے تک پہونچے ہوئے رہتے ہین - اگر پادری وانخ صاحب اسکو ہمارے اس دعوے کا
کافی ثبوت نہین مانتے کہ یسوع شراب پینے کا حامی تھا تو ہم انکو یسوع کے سب سے پہلے معجزے کیطرف متوجہ کرتے ہین -

یہ معجزہ قانائے گلیل کی ایک شادی مین کیا گیا اور یوحنا کی انجیل کے دوسرے باب مین یہ واقع مندرج ہے معلوم ہوتا
ہے کہ دلہا نے براتیونکے لئے شراب کافی مہیا کی تھی لیکن جب ذخیرہ ختم ہو گیا تو مخمور جماعت نے اور شراب کیلئے شور مچایا
یسوع نے جو مع اپنے شاگردونکے اس جماعت مین شامل تھا اسموقع کو غنیمت جانکر پانی کے چھ مٹکون (کل ۱۶۲ گیلن)
کی اعلیٰ شراب بنا ڈالی اور اس طریقہ سے تمام براتیون کو بذات خود شراب بنا کر مخمور کیا - جب یسوع کی نو ساختہ شراب
مجلس کے سردار کے سامنے لائی گئی تو اس نے دلہا کو بلایا اور اسے کہا کہ "ہر شخص پہلے اچھی مے خرچ کرتا ہے اور ناقص سوقت تک
کہ جب پیکے چھک گئے پر تو نے اچھی مے ابتک رکھ چھوڑی ہے" میر مجلس کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ لوگ پیشتر بھی مخمور تھے
جبکہ یسوع نے بڑی فیاضی سے ۱۶۲ گیلن شراب جو اکیلی تمام جماعت کے مخمور کرنیکے لئے کفی تھی اور انکے لئے مہیا کر دی -
مسٹر وانخ سوچکر جواب دے کہ کیا یہ کام اس شخص کا نہین جو شراب پینے کا حامی ہے ہم نے اپنے خیال مین مناسب نکتہ چینی
سے بڑھکر قدم نہین مارا جب ہم نے یسوع کو شراب پینے کا حامی ٹھہرایا - عیسائیون کی خاص مذہبی رسم عشائے ربانی
مین شراب کے داخل کرنے سے مسیحی جماعت کے اخلاق کو ہمیشہ کیلئے نقصان پہونچا ہے - ایکطرف تو انکے قابل تقلید استاد یسوع
کا نمونہ اور عملدرآمد ہے اور دوسریطرف اسنے شراب کو عشائے ربانی کا جزو بنانے کی صریح تعلیم دی - پس انہین وجوہات کے
سبب ہم نے لکھا تھا کہ عیسائی اقوام مین کثرت شراب خوری کا رواج حد سے زیادہ بڑھ گیا - اگر اب بھی مسٹر وانخ اسے
غلط سمجھے تو وہ براہ مہربانی ہمارے سامنے ایسے وجوہات پیش کرے جنسے عیسائی اقوام کی شرابخوار بن گئی جیسا کہ بڑے بڑے
عیسائی خود تسلیم کرتے ہین - مسٹر وانخ کا دوسرا اعتراض ہمارے اس بیان پر ہے کہ یسوع نے اپنے شاگردونکو خصی ہونیکی
تعلیم دی - ہم پادری صاحب سے سفارش کرتے ہین کہ وہ انجیلی مطالعہ کو ذرا زیادہ وقت دیا کرین اور اس موقعہ کو بغور

پڑھیں جہاں لکھا ہے کہ ’’اگر تیری داہنی آنکھ تیرے ٹھوکر کھانیکا باعث ہو تو اسے نکالدے اور اپنے پاس سے پھینکدے۔ یا اگر تیرا دہنا ہاتھ تیرے لئے ٹھوکر کھانیکا باعث ہو تو اسے کاٹ ڈال اور اپنے پاس سے پھینکدے کیونکہ تیرے انگوں میں سے ایک کا نہ رہنا تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ تیرا سارا بدن جہنم میں ڈالا جائے‘‘ (متی ۵ باب ۲۹ و ۳۰ آیات)۔

ان اعضا کے جو انسان کی ٹھوکر کا باعث ہوسکتے ہیں کاٹ ڈالنے کا یہ حکم ٹھیک زنا سے منع کرنے کے بعد دیا گیا ہے اور پھر اس سے آگے اور بھی صاف الفاظ میں یہ کہا گیا ہے ’’کیونکہ بعضے خوجے ہیں جو ماں کے پیٹ ہی سے ایسے پیدا ہوئے اور بعضے خوجے ہیں جنہیں لوگوں نے خوجہ بنایا اور بعضے خوجے ہیں جنہوں نے آسمان کی بادشاہت کیلئے اپنے آپکو خوجہ بنایا (انجیل متی ۱۹ باب ۱۲ آیت) نیز مسٹر واخ کو معلوم ہو کہ بعض پہلے مشہور مسیحیوں نے ان احکام کے صریح و صاف معانی کی تعمیل بھی کر دکھائی۔

تیسرا اعتراض مسٹر واخ کا اس فقرہ پر ہے جو ہمنے لکھا تھا کہ عیسائیوں کے اصول کے بموجب خدا پیدا ہوا اور خدا نے بچہ دیا اگر عیسائی تعلیم سلیس الفاظ میں ادا کیجاتی کے باعث مسٹر واخ کو خوفناک کفر کی صورت میں نظر آئے تو ہمارا اس میں کیا قصور ہوسکتا ہے۔ کیوں اس قسم کی تعلیم دینے والی کتاب کو مردود نہیں سمجھا جاتا۔ مسٹر واخ کو چاہیئے کہ کم سے کم ذیل کی آیات اپنی بائبل سے مٹاویں خواہ انکے اور بھائی اس تجویز کو پسند کریں یا نکریں:۔ (۱) تو میرا بیٹا ہے۔ آج ہی تو مجھ سے پیدا ہوا (زبور ۲/۷) (۲) اکلوتا خدا سے پیدا ہوا ہوا بیٹا جو خدا کی گود میں ہے (یوحنا ۱/۱۸) (۳) کیونکہ خدا نے جہان کو ایسا پیار کیا کہ اس نے اپنا اکلوتا اپنے سے پیدا ہوا ہوا بیٹا بخشا یوحنا ۳/۱۶ (۴) چنانچہ دوسرے زبور میں لکھا ہے کہ تو میرا بیٹا ہے آج ہی تو مجھ سے پیدا ہوا (اعمال ۱۳/۳۳) (۵) کیونکہ اس نے فرشتوں میں سے کس کو کبھی کہا کہ تو میرا بیٹا ہے میں آج ہی تیرا باپ ہوا (عبرانیوں ۱/۵) (۶) اور کلام

یہ تو ظاہر ہے کہ آج کے دن سے ازلیت مراد نہیں تا عیسائی یہ کہکر پیچھا چھوڑالیں کہ چونکہ یسوع خدا کا ازلی بیٹا ہے اسلئے یہ ایک ازلی راز ہے جو انسان کی سمجھ سے باہر ہے۔ جس موقعہ پر نیا عہدنامہ کہتا ہے کہ خدا کے بچہ پیدا ہوا جو خود خدا تھا تو پادری واخ ان الفاظ کے معانی سمجھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کرتے لیکن جب یہ دکھایا جاتا ہے کہ اگر ان الفاظ کو توریت کے دیگر اصطلاحات کی طرح استعارے کے رنگ میں نہ لیا جاوے تو انکا صاف اور سیدھا مفہوم انسانی طریق تولید کا سا ایک طریقہ ٹھہرتا ہے اور اگر استعارے کے رنگ میں لیا جاوے تو یسوع کی خدائی کو جواب ملتا ہے تو پادری صاحبان کے نزدیک یہ کلام سخت کفر ہو جاتا ہے جسکے لئے انجیل کے واعظ رنج و غضب میں بھر کر ہمیں ٹاٹ اور راکھ میں بٹھا کر توبہ کرانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ پادری واخ کو یہ بھی خیال رہے کہ انکے عقیدہ کے رو سے مریم کو روح القدس کے ذریعہ جو وہ بھی خدا ہی حمل ہوا تھا۔ یہ عجیب اتصال خود اس امر پر شاہد ہے کہ عیسائی عقیدہ کے بموجب ولد نے ضرور اس کا رکن والد یعنی خدا کی فطرت سے کچھ حصہ لیا تھا۔ اگر بچہ یسوع جو مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا فقط ایک معمولی انسان تھا تو کنواری کو حاملہ کرنیکے لئے روح القدس

سے درمیان مین کیون دخل دیا گیا پادری صاحب اس بات کو کفر نہین سمجھتے کہ خدا خود حمل دینے کیلئے ایک کنواری کے پاس آسمان سے اترے ہم نے عیسائیونکی اختراعی تثلیث کا ذکر بھی کیا تھا اسمین نقص صرف یہ تھا کہ ہمنے اس معا کو صاف اور سیدھے الفاظ مین بیان کیا تھا جو پادری صاحب کو مقدس راز کی تحریف کے رنگ مین نظر آئے لیکن پادریصاحب کو یاد رہے کہ یہ عیسائی اصول کی ہی بیہودگی ہے جو قابل الزام ٹھہرتی ہے بیان کرنیوالے بے قصور ہین اگر اسکے خیال مین ہم نے اصول تثلیث کو محرف کر کے پیش کیا ہے تو وہ براہ مہربانی معقولیت سے ہمین یہ اصول سمجھا دے اور اسطرح اپنے آپکو عیسائی علم الٰہیات مین سب سے بڑا فاضل ثابت کر دکھائے کیونکہ جب سے یہ اختراع دنیا مین رائج ہوئی ہے اس تاریخ سے لیکر آجتک یہ تعلیم پشت بہ پشت ایک ایسی راز کی صورت مین چلی آئی ہے جسمین دخل دینا انسانی عقل سے باہر اور کفر خیال کیا گیا ہے کیونکہ انسانی رگ و ریشہ تصور ہی نہین کر سکتا کہ کس جمع کے قاعدہ سے ۱+۱+۱=۱ ہو سکتا ہے -

اسکے بعد پادری صاحب ہمارے اس فقرہ یعنی لامحدود خدا کی جسمانی موت پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہین کہ یہ عیسائی مذہب کا سچا نقشہ پیش نہین کیا گیا یہ کیسا قابل افسوس امر ہے کہ ایسے لوگ جو اپنے مذہب کے اصولون سے خود ایسے ناواقف ہون دوسرے ملکوں مین اس تبلیغ کیلئے بھیجے جاتے ہین - عیسائیت کی یہ ایک مسلم تعلیم ہے کہ چونکہ انسان کے گناہ لامحدود ہین اسلئے صرف کوئی لامحدود ہی انکا کفارہ ہو سکتا ہے لہذا خدا کے بیٹے کی موت کی ضرورت ہے - اگر انسان یسوع مرے تو کفارہ کیونکر ہو اگر کبھی انسان کی موت دنیا کی گناہون کا کفارہ ہو سکتی تو ابن خدا کے مجسم ہونیکی ضرورت ہی کیا تھی - ہم اسجگہ پادریصاحب کو نجات کے عہد کے اس اختصار کیطرف توجہ دلاتے ہین جو کتاب سمانفیشن آف فیتھ (عیسائی مذہب کے اصول کی مسلمہ کتاب) مین درج ہے عنوان ۲ کا دوسرا فقرہ یون ہے "کفارے کے عہدنامے کا خلاصہ یہ ہے - خدا نے گنہگار اور کھوئی ہوئی نسل انسانی مین سے ایک معین تعداد کو اپنی منشا سے اپنے فضل عظیم کے جلال کیخاطر چن کر دنیا کے آغاز سے پہلے اپنے خدا بیٹے کو جو ہنوز بنفر رہا تھا اس شرط پر دیا کہ اگر وہ اسطرح ذلت اختیار کرے کہ انسانی ذات کو قبول کرے یعنی ایک روح اور ایک جسم جسکا اسکی الٰہی ذات کیساتھ ذاتی تعلق ہو اور پھر انکی طرف سے ضامن ہو کر شریعت کی ماتحتی اختیار کرے اور انکی خاطر انصاف کو پورا کرے اور انکی نام سے تابعداری اختیار کرے یہانتک کہ صلیب کی لعنتی موت کو اٹھا دے تو وہ ان تمام کو گناہ اور موت سے چھوڑا لیگا اور نجات دیگا" اور پھر آگے چلکر "یہ شرط خدا کے بیٹے نے دنیا کے آغاز سے پہلے قبول کرلی اور وقت کے پورا ہونے پر وہ دنیا مین آیا اور کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا" - یہ مسلم عیسائی عقائد ہین اور جو عبارت یہان نقل کی گئی ہے وہ خود پادری صاحب کے دو اعتراضونکا دندان شکن جواب دیتی ہے کیونکہ یہان صاف لکھا ہے کہ خدا کا بیٹا کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوا اور صلیب کی لعنتی موت سے مرا - کیا اب بھی پادریصاحب کی تشفی نہین ہوئی کہ عیسائی اصول کے مطابق خود خدا ہی پیدا ہوا تھا اور خدا ہی لعنتی موت مرا - اب صرف ایک قضیہ قابل توجہ باقی ہے جہان مسٹر واخ نے انجیل کی اس تعلیم سے کہ آنکھ کو کھو کر سے تمام بدن جہنم مین ڈالا جائیگا صاف قانون پر ماتھہ دھر کر انکار کیا ہے - اسکے متعلق ہم بغیر کسی زائد تشریح کے انجیل متی کے پانچوین باب کی ۲۸ و ۲۹ آیات نقل کرتے ہین :- "جو کسی شہوت سے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ندوۃ العلما کی طرف ایک خط

ندوۃ العلماء کے ناظم معین منشی غلام حسین عارف صاحب کی طرف سے ہمارے پاس ایک اعلان پہنچا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اب کے دسمبر مین یہ گروہ کلکتہ مین فراہم ہوگا۔ اس مین مختصراً ندوہ کی غرضین بھی لکھی ہین اور ایک خط بھی آیا ہے جس مین چاہا گیا ہے کہ حضرت خلیفۃ اللہ مسیح موعود علیہ السلام آنے والے اجلاس مین شریک ہون مین آپ کے قابل قدر اخبار کی وساطت سے جناب ناظم معین صاحب اور ان کے ذریعہ اور تقریب سے ندوہ کے حامیون کی خدمت مین کچھ عرض کرنا چاہتا ہون امید ہے کہ آپکا محسن القوم جریدہ میری چند سطرون کو اپنے اندر جگہ دیکر مجھے شکرگذار بنائے گا ٭

ندوۃ العلماء ہو یا خطرناک اخراجات کا بوجھ قوم پر ڈالنے والی ایجوکیشنل کانفرنس یا کوئی انجمن ہو افراد ہون یا مجموعے ہون جن لوگون کو قوم کی ترقی اور اصلاح کی دھن لگی ہوئی ہے اور یہی گدازش اور قوم کی پستی کے احساس نے انہین بیقرار کر رکھا ہے۔ انہین سب سے پہلے یہ سوچنا چاہئیے وہ کس قوم کی اصلاح کے درپے ہین اور وہ کونسا تاگا ہے جو اس سے نکلگیا ہے جس سے اسکا شیرازہ

دا ہو گیا اور سارا تانا بانا ادھڑ گیا ہے اور یہ قوم کبھی اوج عروج پر تھی تو کن مضبوط چٹانوں پر اسکا بیڑہ جم گیا تھا اور کیا کلید تھی جو اس کے ہاتھ آگئی تھی جس سے قدرت کے مدتوں کے دفینوں کے قفل کھول لئے تھے اور پھر اس امر مین پاک دل سے غور کرنی چاہیئے کہ آیا اس قوم کے مرض الفلاح مین یورپ کا تعلیمی کورس بالذات کارآمد ہے ؟

مسلمان ایک قوم ہین جن کے لئے سب سے پہلے یہ کوشش کی گئی کہ ابراہیمی قبلہ کو پہچانین اس کے بیئے قوم کے بنانے والے نے عجیب عجیب تدابیر اور کارروائیان کین ایک کنکریلے بیابان مین جہان مختلف رنگون کے پتھر تھے اس نے بڑی صاف اور سیدھی سڑک بنانیکا ارادہ کیا تیرہ برس تک اسے مختلف رکون کے ہٹانیمین لگے ان جلیل القدر رزولیوشنون کو غور سے پڑھو جو ملکی اجلاسون مین پیش اور پاس ہوئے کسی مین یہ ہے کہ آلہ باطلہ اٹھا دیئے جائین یہ انسانی ترقی کی راہ مین روک ہین اور پیش ہو کر ملاء اعلے کے اتفاق سے پاس ہوا کہ ایک ہستی کی پرستش ہو جو تمام محامد عالیہ اور اسماء حسنی کی جامع اور تمام نقائص اور رذائل اور عیوب سے پاک ہے تمام تعلقات سے بڑھکر اس سے تعلق پیدا کیا جائے۔ تمام اندرونی اور بیرونی قویٰ اور اعضاء حنیفیت کے رنگ مین رنگین ہو کر اسکے حضور مین جھکجائین کسی رزلیوشن کا مفہوم ہے کہ حرامکاری۔ حرامخواری۔ ہر قسم کے ظاہری اور باطنی فواحش اور بدعہدی اور غداری اور بغاوت اور چوری اور فساد کی راہین انسان کو تباہ کرنے والی چیزین ہین ان کا انسداد کیا جائے کسی رزولیوشن کا یہ مقصد ہے کہ نصرانیت نورحق کے پانے اور سچی فلاح اور صلاح کے حاصل کرنیمین خطرناک روک ہے اس کا مسئلہ ابن خدا ہونے کا اور اس کا کفارہ اور تثلیث ایسے ہولناک اور چشمہ مفاسد ہین کہ آسمان اس سے پھٹ جائین اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ چور چور ہو کر گر پڑین اور اس کی تعلیم اور اس کے نتائج تمام نبیون کی تعلیم اور ساری سنت بازیون کی برہمزن ہین اس غول سے راہ صاف کیجائے کسی مین مذکور ہے کہ اس اعتقاد کو کہ خدا انسان سے کلام نہین کرتا اور اس پر اپنا زندہ نور بخش اور تازہ بتازہ تسلی بخشنے والا کلام نہین اتارتا اور انسان کی روح مین اپنے وصال کی فطری تڑپ پیدا کرکے بھی کبھی ایسی عادت نہین رکھتا کہ اس کے آگے منہ

سے نقاب اٹھائے اور انسان آسمان کے نور کی تائید اور فوق العادت کھڑکیون کے کھلنے کے بغیر اپنی مادی تلاش اور محدود قوے سے کُرید کُرید کر مصنوعات مین سے آخر صانع کا کھوج لگا لیتا ہے۔ غرض بڑے زور سے یہ رزولیوشن پاس ہوتا ہے کہ اس ناپاک برہمو پنے کی بیخ کنی کیجائے اور کہین بڑی قوت اور پورے زور سے یہ طے ہوتا ہے کہ ابراہیم کے طریق اور ملت کو اختیار کیا جائے اس لئے کہ آغاز عالم سے سارے راستبازون اور منعم علیہم کی وہی راہ ہے۔ اسی پر اسماعیل اسحاق یعقوب۔ یوسف۔ موسے۔ داؤد۔ سلیمان۔ اور تمام برگزیدہ لوگ چلکر کامیاب ہوئے۔ غرض قوم بنانے کے لئے اور اس راہ کی روکون کو دور کرنے کے لئے یہ تدبیرین ہین جو اس جہان کی انجمن کے احکم الحاکمین پریزیڈنٹ کو سوجھین اور بنی آدم کے سچے خیر خواہ اور کامل مصلح محمد مصطفےٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعہ عمل مین آئین +

تیرہ برس تک تو بظاہر یہ رزولیوشن تھیوریون کے رنگ اور وزن مین تھے مگر آگے چلکر ایک اور میدان (مدینہ طیبہ) مین ان پر عملدر آمد شروع ہوا باطل معبودون اور ہاتھون کی کاریگریون کے پرستار اور مددگار کاٹ ڈالے گئے۔ ناپاک یہودیت جو ہر ایک تازہ راستی کو بدعت سمجھتی اور اصلاح کے موجدون اور راستبازی کے ناصرون کی جانی دشمن تھی تباہ کردی گئی اور اصلاح و ترقی کی نئی بنائی ہوئی مملکت کے آس پاس سے اس کے منحوس وجود کے خار و خس کو صاف کردیا گیا اور سب سے آخری اور سب سے زیادہ مفید کام جس سے حقیقی ترقیون اور فلاح کے چشمے بہ نکلے یہ کیا گیا کہ بیت اللہ کو تمام نار استیون اور بطلانون کے ریپریزنٹیٹوز (مظاہر و مجالی) سے جو اگرچہ گنتی مین تین سو ساٹھ تھے مگر قیامت تک کے نئے نئے پیدا ہونے والے جھوٹے مذہبون اور مشربون اور سکولون اور تھیورون کے جامع اور جڑ تھے پاک اور خالی کیا گیا +

یہ ساری کارروائیان درحقیقت مبادی تھین اور انسانی فطرتون کے تیار کرنے اور ایک بڑے مقصد کے حاصل کرنے کے قابل انہین بنانیکے لئے ایک بڑے کاری مسہل کے قائمقام تھین اسکے بعد وہ قوانین اور قواعد شروع ہوئے جنہون نے اس کس مپرس اور متفرق اور امی قوم کو تہذیب اور تمدن اور سیاست کے ثمرات سے برخوردار کیا اور ان تمام عقائد اور ایمانیات کو جو

سر السر اور جذر قلب سے تعلق رکھتے تھے عملی رنگ مین ظاہر کیا۔ پانچ وقت کی نمازون کی پابندی کرائی گئی جس سے حقوق الہی کی پوری علمی اور عملی حفاظت ہوگئی پھر زکوۃ کا حکم دیا گیا اور ہر قسم کی صدقات و مبرات کا امر ہوا جن سے حقوق عباد کی رعایت مرعی رکھی گئی۔ اس کونسٹرکشن کے بعد ایک اور ڈسٹرکشن شروع ہوا جو اس پہلے ڈسٹرکشن سے کسی طرح کم نہ تھا۔ یہ مقابلہ اور مجادلہ تھا۔ ان ڈاکوؤن کے ساتھ جو نظام سوسائٹی کو کسی زمانہ مین آرام اور ضبط سے قائم رہنے نہین دیتے یعنی میخوری اور قمار بازی کی ممانعت کی گئی۔ ان دو اخلاقی عیبون کو صلاح کاری اور تقوے اور طہارت اور امن عامہ کا سخت دشمن سمجھا گیا اس لئے ضروری ہوا کہ اس تازہ قوم کو جو سارے جہان کے لئے قیامت تک نمونہ ٹھہرنے والے تھے ان عیوب سے پاک کیا جائے +

ان تمام باتون مین غور کرنے کے بعد اصول سیاست مدن کے بڑے سے بڑے واقف کو بھی شرح صدر سے اس امر کا سمجھنا ناممکن ہے کہ کیونکر ایک شخص اس حیثیت کا جو ہمارے ہادی کامل علیہ الصلوۃ والسلام کی تھی ایسے وقت اور ایسی قوم مین ایسا کامیاب ہوا کہ جس کامیابی کی نظیر آغاز آفرینش سے اب تک کسی مصلح کی تاریخ اور سوانح مین پائی نہین جاتی۔ ایک مادی یورپین کسی ایک شاخ علم مین ماہر کیون نہ ہو جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی لائف مین ان حیرت انگیز کارنامون اور انقلاب انگیزیون کو پڑھتا اور پاتا ہے اور اگر مردم خوار متعصب نہ ہو تو فیاضی سے آپ کو بڑا مدبر اور عقلمند اور مصلح قوم مان لیتا ہے اور حقیقت مین اس پر کیا موقوف ہے سپرٹ آف اسلام کا معتزلی مصنف اور علی گڈھ سکول کا بانی بھی اس سے زیادہ نہ کہہ سکتا اور نہ سمجھ سکتا ہے اسلئے کہ خدا کے صاف اور صریح تکلیم اور انسانی قوے سے بڑھکر اور خارج وحی اور آواز پر ان کا یقین نہین مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ قوم کے بنانے کے لیئے جیسے کہ وہ بنگئے مادی اور زمینی عقل اور انسانی تدبیرین اور حیلے اور جوڑ توڑ کام نہین دے سکتے قوانین اور قواعد کا دینا اور بات ہے اور ان پر عملدرآمد کرا دینا اور بات۔ اور جب یہ دیکھا جائے کہ کن مالوف اور معتاد باتون سے چھوڑایا گیا۔ شرابخواری۔ قماربازی اور عیاشی اور بے باک اور آزاد زندگی اور ہر قسم کی بدکاری عشق بدنظری جو برسون سے شیر مادر کی طرح

لوگون کی محبوب و مطلوب تھی ان باتون سے انہین روکا گیا اور پانچ نمازون کی پابندی اور روزون کی پابندی اور عضو عضو پر تقوے اور عصمت اور طہارت کی قید لگا دی گئی تمام اختلافون اور نزاعون اور خونریزیون کو جو جنگجو قومون کا دلپسند مشغلہ ہوا کرتی ہین دور کرنے کا حکم دیکر پر زور الفاظ مین تاکید ہوئی وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا غرض ان باتون کو دیکھکر عقل کرید کرید کر بیکار ہوجاتی ہے اور کبھی حکم نہین لگا سکتی کہ یہ کام کسی انسان محض کا ہے یعنی یہ کام ایسے انسان سے پورا ہو سکتا ہے جو اپنی سوچ بچار اور جوڑ توڑ اور منصوبون کے سہارے سے اٹھتا بیٹھتا ہے پاک اور صاف عقل اس اعتراف پر مجبور ہوجاتی ہے کہ خدائے مقتدر کی تائید اور سماوی نصرتون کے بغیر اتنی بڑی تبدیل اور انقلاب ممکن نہین۔ ایسی اصلاح اور تبدیل اسی انسان کا کام ہے جو پرلے درجہ کی قدسی قوت رکھتا ہو۔ اس کی جان ساری دنیا سے زیادہ مزکی اور مطہر ہو۔ ایک طرف ساری آلایشون اور کدورتون اور زنگون سے جو دنیوی علائق اور آلودگیون کا لازمی نتیجہ ہین پاک ہوکر اللہ تعالے کے ساتھ سچا اور دائمی اور وفادارانہ پیوند رکھتا ہو اور دوسری طرف مخلوق کے ساتھ ان کی صلاح و فلاح کے لئے بے ریا اور بےغرض کامل محبت اور تعلق رکھتا ہو یعنی اس کی دونون جہتین پوری درست اور ہر ایک قسم کے رخنہ سے محفوظ ہون۔ انسان کامل ہو اور اہل زمین کے مصالح اور مفاد سے سچی دلچسپی رکھتا ہو اور آسمانی تعلق اور الہی قرب سے کامل حصہ رکھتا ہو ممکن ہے کہ آج کل کے خشک لفاظ جو آسمان سے قطع تعلق کرکے زمین کے کیڑے بن گئے اور اپنے ہی منصوبون پر ہر ایک قسم کی قومی ترقی موقوف سمجھتے ہین اور ہر امر کیلئے یورپ کا اسوہ اور نمونہ چاہتے ہین اس بات کو استعجاب یا استخفاف کی نگہ سے دیکھین۔ مگر بات اسی طرح ہے اور عنقریب افصح المودین دکھا دیگا کہ حق اور حکمت وہی راہ ہے جو پیش کی گئی ہے لیکن یہان ایک بات بہت تحقیق کے قابل ہے اور فطرت سلیم مین بے اختیار یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لانظیر اطاعت جو قوم نے دکھائی اور اپنے مالوفات کو چھوڑ کر اس راہ کی پوری پیروی کی جو ہادی نے انہین دکھائی اور مختلف رائون اور مشربون کے لوگ اس کی آواز پر ایک ہوگئے اور اپنے ارادون اور رائون اور مذہبون اور مشربون اور نفسانی

جذبات اور اختلافات کو اس کے امر پر قربان کر دیا بجز کامل اور زندہ ایمان کے اور ایک جان گداز رعب اور سطوت کے جسکے ساتھ عجیب خوف اور خشیت ملی ہوئی ہو یہ اطاعت ناممکن ہے پس یہ کامل ایمان اور زندہ یقین جس سے ان کی پہلی ہستی اور رہا پر موت آگئی اور تمام روکین جو معاصی اور ذنوب سے پیدا ہوتی تھین خار و خس کی طرح جل گئین کیونکر اور کس راہ سے انہین حاصل ہوا اس کے اسباب مین غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ امام مفترض الطاعت ہادی کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی مین دو خصوصیتین تھین جن کی تحریک اور تاثیر سے یہ دولت قوم کو ملی ؛

اول پورا اور سچا نمونہ جو تعلیم آپ نے دی اسپر چلکر دکھایا۔ قرآن کریم کے اوامر کی پابندی کامل طرح خود کی اور اس کی نواہی سے اجتناب کیا۔ اس بات نے لازماً دو عظیم الشان فائدے قوم کو پہنچائے۔ ایک یہ کہ اصحاب کے دلون مین یہ یقین شرح صدر سے پلایا گیا کہ وہ اوامر اور نواہی ضرور خدا تعالےٰ کیطرف سے ہین اور وہ کلام لاریب قاہر و مقتدر خدا کا کلام ہے جس مین وہ مذکور ہین۔ اسلئے کہ انسان کے جذبات اور قوے کی بناوٹ ایسی بنائی نہین گئی کہ خود تراشیدہ باتون اور نفس کے سرجوش کی ایسی کامل پابندی کرے کہ تنہائی کی گھڑیون مین اور میدان مین کبھی بھی بال بھر انحراف ان کی بجا آوری سے نہ کرے اور زندگی کے تمام واقعات مین اس امر کا صاف صاف ثبوت دے کہ ان احکام کی تعمیل اور عدم تعمیل کی صورت مین اسے جانگداز خوف اور روح افزا امید شامل حال رہتے ہین۔ اس عاشق عارف اور اس امر کو محسوس کرنے والے صحابی کے یہ اشعار پڑھ لو اور سوچو کہ کس احساس اور اہتزاز نے اسکے منہ سے نکلوائے۔ جب اس نے رات کے آخری حصہ مین اتفاق سے اپنے محبوب و مولے کو مسجد مبارک مین تہجد پڑھتے دیکھا اور رسول اللہ کو خدا کے احکام کی تعمیل مین سرگرم پایا تو کس جوش سے کہا ؛

و فینا رسول اللہ یتلوا کتابہ	اذا انشق معروف من الفجر ساطع
یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ	اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع
ارانا الہدی بعد العمی فقلوبنا	بہ موقنات ان ما قال واقع

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ آپ کے اسوہ حسنہ کے اتباع کا فوق العادت جوش ان مین پیدا ہوا درحقیقت اس سے زیادہ مؤثر کوئی بات نہین ہوتی کہ بانی اور مصلح کی رفتار اور گفتار مین پوری مطابقت اور مصالحت ہو۔ صحابہ کے چال چلن کا اور اپنے مولے سے لانظیر عشق کا اور اپنے عہدیت کے کامل ایفا کا جو نمونہ ہم دیکھتے ہین وہ کیون دوسری قوم مین پایا نہین جاتا وہ نمونہ حضرت موسی علیہ السلام کی قوم نے دکھایا۔ چنانچہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ وہ بات بات مین بگڑتے اور اپنے نبی کی مخالفت کرتے تھے اور اکثر کوسنے بھی لگ جاتے تھے اور نہ ہی حضرت مسیح کے شاگردون نے دکھایا جنہون نے آخری نازک وقت مین بھی بیوفائی اور غدر کا ثبوت دیا۔ غرض کیا وجہ ہے کہ کسی مرشد کے خدام نے ایسا حیرت انگیز نمونہ کبھی نہین دکھایا۔ اسکا صاف صاف جواب یہی ہے کہ قرآن کریم کی اخلاقی اور تمدنی اور سیاسی تعلیم پر ہمارے ہادی کامل علیہ السلام نے جیسے خود چلکر اور اسے اپنی زندگی کی تمام رفتار اور تحریکات کا دستور العمل بناکر دکھایا اور خدا کیطرف سے آپ کو عمل اور اظہار عمل کے موقعے بھی میسر آگئے ویسے کسی کو بھی بخشے نہین گئے اور آپ کے اخلاق اور اعمال کے تمام مختلف شعبے جو بالقوہ آپ کی پاک ذات مین مخفی اور مرکوز تھے مکی اور مدنی دو متضاد اور متخالف زمانون کی تحریکات کیوجہ سے پوری طرح ظہور مین آگئے اس سے آپ مین قوت قدسی اور عقد ہمت اور تزکیہ اور تطہیر کی طاقت تمام راست بازون سے زیادہ پیدا ہوگئی جو قوم بنانے کے لئے ایک مصلح مین سب سے زیادہ ضروری شے ہوتی ہے اور اسی نمونہ اور اظہار سے قوم مین سچا خلوص اور وفاداری اور اطاعت پیدا ہوئی +

دوسری خصوصیت جس سے زندہ ایمان اور منور یقین دلون مین پیدا ہوا قرآن کریم کا اس صراط مستقیم کو مخصوصاً اختیار کرنا تھا جس کی سخت ضرورت اس کتاب کو تھی جسے ابدتک زندہ اور مبارک رہنا تھا اور جو خدانمائی اور خدا بینی اور گناہ سوزی اور پاک سازی کا ایک ہی ذریعہ تھا وہ تھی مقتدر نشان اور قاہرانہ پیشگوئیان جو غیب پر مشتمل تھین جو اپنے اپنے وقتون پر بڑے جلال اور کمال سے پوری ہوئین تمام قرآن کریم ان زبردست پیشگوئیون سے بھرا ہوا ہے اس وقت محل ودقت

نہین کہ اس اجمال کی تفصیل کی جائے ان امور پر ہم نے اپنے بہت سے خطبون اور تقریرون مین
بحث کی ہے خداوند حکیم علیم کا زندہ اور آخری کتاب مین اس معجزہ اور خرق عادت کو اختیار کرنا اور
دوسرے تمام مادی اور مخلوق کے عمل اور صناعت سے ملتبس اور مشابہ ہوجانیوالے معجزات کو ترک
کردینا اس حکمت پر مبنی ہے کہ سچا اور جاودانی علمی معجزہ جو علوم کی گھمسان لڑائی مین کامیاب ہوسکتا
ہے یہی نشان ہین جو غیبی مقتدرانہ پیشگوئیون کے رنگ مین ظاہر ہوتے ہین +
علوم و فنون کی اعلے سے اعلے ترقی کا زمانہ اس سے بہتر کوئی فوق العادت چیز نہین پاسکتا کہ جسکی
آگے سر تسلیم خم کردے - انجیل کیون ایک تنکے کی طرح علوم جدیدہ کی رَو کے آگے بہ نکلی - اور اس کا
سارا شیرازہ کھلگیا اور کیون ہندوؤن کا مذہب آج بازیچہ طفلان بن گیا اسی لئے کہ اس اول الذکر
کتاب نے ایسے معجزات پر اپنے صدق کا مدار رکھا جس سے بڑھکر آج یورپ دکھا رہا ہے اور وہ مادی
سطح اور انسانی وسعت کے دائرہ سے اوپر اور باہر نہین اور ہندو مذہب کا سارا دار و مدار افسانون
اور کھیلون پر ہے جو علم اور فضل کی روشنی کے مقابل پاش پاش ہوجاتے ہین - اقتداری پیشگوئیان
جو عظیم الشان غیب پر مشتمل ہوتی ہین حقیقی معجزات ہین جن کی مثل لانے پر بشر محض کبھی قادر نہین
ہوسکتا اور دوسرا کوئی ذریعہ اس پر حجاب جہان مین نہین جس سے خدا کی ہستی اور کامل صفات پر
ایمان آسکے - خدا تعالےٰ کا کامل تصرف اور تدبیر اور تقلیب اور ذرات کائنات کو اپنی مشیت اور
ارادہ کے موافق تصریف و تصرف مین رکھنا اور اس کا صفت تکلم اور سمع اور بصر اور بندون کے
ساتھ تعلق کی صفت سے موصوف ہونا غرض خدا تعالےٰ کی ان صفات پر یقین کبھی حاصل نہین ہوسکتا
جبتک اقتداری پیشگوئیان سامنے نہ کی جائین اور پھر وقتون پر حسب مصالح الٰہیہ پوری نہون -
گناہ سوز فطرت جو حرام کاریون اور بیباکیون اور گستاخیون اور رندیون اور قلاشیون اور عیاشیون
اور اباحتی چالون کی زندگی پر موت وارد کردے کبھی حاصل نہین ہوسکتی جبتک خدا کی غیرت پر اور
اس کی حرام کارون کو بھسم کردینے والی آگ پر سچا ایمان نہ ہو اور دل بول اٹھے کہ وہ زندہ اور غیور خدا
ہے اور اس کا غضب مجرمون اور عاصیون کے حق مین تیز دودھاری تلوار ہے اور یہ ایمان

مل نہین سکتا جب تک اس کے وجود اور قائم ارقیوم اور حی مقتدر ہونے کا یقین نہ آجائے
اور اس کے لئے وہی ذریعہ اقتداری پیشگوئی ہے توریت نے بھی یہی نشان بتایا تھا کہ سچا نبی
وہ ہوگا جس کے منہ کی باتین سچی نکلین گی اور قرآن حکیم نے تو حقیقت کا مدار بالکل ان ہی آیات پر
رکھا ہے*

غرض نفسون اور خواہشون کے خلاف ایک تعلیم کا منوا دینا اور اس پر عمل کرا دینا اور ہزارہا
ناپاک عیبون اور رہزنون اور کیسہ برون کا راہ سے صاف کر دینا آسان بات نہین کیسی صاف
بات ہے کہ اصل مقصود تو خدا کی کتاب کا وہ اخلاقی تعلیم تھی جس پر انسان کی صلاح وفلاح کا
دار و مدار ہے پھر غیب کی قادرانہ پیشگوئیان کرنا اور اپنے مخالفون کی ہلاکت اور اپنی نصرت کی
ہمیشہ خبر دینا اور اپنی چال اور اس پر ضرورتی نصرت اور تائید آسمانی کے مترتب ہونیکی شہادت
کے لئے دوسرے منعم علیہم گروہ یعنی نبیون کی سیرت اور کامیابی کو پیش کرنا جیسا کہ کتاب اللہ ان
واقعات سے بھری ہوئی ہے اس کا مطلب کیا ہے۔ بات یہی ہے کہ انسان کی فطرت بغیر انذار
اور تبشیر کے کسی کام کے کرنے یا اس سے ہٹنے کیطرف مائل نہین ہوسکتی۔ یہ ایک ایسا تقاضا ہے۔ جو
خالق فطرت نے انسان کی جبلت مین رکھدیا ہے۔ اسی غرض کے پورا کرنے کے لئے بہت زیادہ
حصہ خدا کی حکیم کتاب کا منصور و موئید نبیون کے قصص اور مقتدرانہ پیشگوئیون سے بھرا ہوا ہے
جن سطحی خیال کے فیلسوفون نے پہلے زمانون مین اور ان کی کورانہ تقلید سے حال کے لوگون نے
معجزات سے انکار کیا ہے انہون نے خدا کے کلام کے اس پر حکمت نظام مین غور نہین کی۔ اور
سخت نادانی اور دلیری سے کہدیا کہ قرآن کریم مین نہ تو کوئی معجزہ ہے اور نہ کوئی غیب کی پیشگوئی
ہے اور زیادہ تر افسوس کی یہ بات ہے کہ وہ اگلی مردہ اور بے برکت کتابون مین اور قرآن مین
کوئی مابہ الامتیاز نہین بتا سکے۔ مجرد تعلیم پر تو وہ ناز نہین کر سکتے تھے اس لئے کہ وہ خوب جانتے
تھے کہ اخلاقی تعلیم کے متفرق اجزا لاعلوم قدامت کے صحیفون مین بھی موجود ہین۔ انسان کی
سطح سے بالاتر ہونے اور آسمانی ہونے کی ایک ہی قطعی دلیل تھی۔ اقتداری پیشگوئی۔ جو علوم

غیب پر مشتمل ہو اس کا انہون نے انکار کر دیا۔ ایک ظالم نے یہان تک لکھدیا کہ الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین مین کوئی پیشگوئی نہین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پارسی اور رومی طاقتون کی قوت کا اندازہ کر کے پولیٹیشنون کیسی اٹکل سے یہ بات کہدی۔ کاش وہ ستمگر قرآن کریم کے الفاظ مین غور کرتا تو اس کی سمجھ مین یہ بات بہت جلد آجاتی کہ خدا کا کلام اس کی پست اور سفلی اٹکل سے بالاتر ہے۔ اور اس نے یومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ سے اس پیشگوئی کو دوہری پیشگوئی کر کے کھانا چاہا ہے کہ یہ پیشگوئی غلبہ روم کی فارس پر انسانی اٹکل نہین بلکہ خدائے غیب دان مقتدر کے منہ کی بات ہے اس لئے کہ جہان یہ فرمایا کہ رومی غالب آئینگے معًا فرمایا کہ اسی تاریخ کو بیکس مظلوم مسلمان ظالم قریش پر منصور ومظفر ہو کر خوش وخورم ہونگے +

(اس پر دیکھو ہمارا مضمون قرآن کریم کی پیشگوئیون کی حقیقت پر الحکم نمبر ۲۰-۲۱ و ۲۲ مین)

غرض یہی سچے معجزات ہین جن پر عقل کا سائنس کا اور قانون قدرت کا کوئی اعتراض وارد نہین ہو سکتا اور یہی ذریعے ہین جن کی شوکت اور اقتدار کی عظمت کے مقابل خم ہو کر انسان گناہون کی ناپاک زندگی سے نکل سکتا اور خدا تعالے کے ساتھ ایمان کی پاک زندگی کے زیور سے آراستہ ہو سکتا ہے +

حاصل کلام خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم نے اس تدریجی تعلیم سے اور ان مقتدر ہتھیارون کے استعمال سے ایک قوم بنائی جو تین صدیون تک صراط مستقیم پر رہی اور آخر قانون قدرت کے مقتضا سے طبعی طور پر انقلاب آیا۔ پہلے مذہب اور اخلاق مین پھر لازمًا حکومت اور سیاست مین خوفناک تغیر پیدا ہوا اور آج یہ حال ہے جیسے ہم دیکھ رہے ہین اور اب علی گڈہ سکول اور ندوہ کوشش کرتے ہین کہ اس کی وہی صورت وشکل بنا دین جو پہلے تھی مگر خدا کیلئے ان سکولون کے انصار اور مویدین غور کرین کہ کیا وہ ان ہی ہتھکنڈیون پر قدم مار رہے ہین جن پر اس قوم کے پہلے بانی نے مارا اور انکے ہاتھون مین وہ ذریعے اور ہتھیار ہین جن کی ترغیب وترہیب سے قوم کو

اس تعلیم پر مجبور ریا مائل کر دین جسے وہ چھوڑ بیٹھے ہین یہ تو مسلم بات ہے اور اس کے ثبوت مین دلائل لانے کی کوئی ضرورت نہین کہ مسلمانون کی تباہی حد سے نکل گئی ہے اور اب پھر یہ اُسی آگ کے گڑھے کے کنارہ پر کھڑے ہوگئے ہین جس سے ایک مبارک اور مقتدر ہاتھ نے انہین پہلے چھوڑایا تھا - وہی اختلاف - وہی نزاعین اور وہی مفاسد - ہوا بالکل نکل چکی ہے ایمان اور مذہب اور عصبیت جو ایک ہی روح ورواں اور سٹیم ان مین تھا وہ بھی ٹھنڈا پڑ گیا ہے وہی عیاشی اور فسق وفجور - شراب خوری - قمار بازی اور کاہلی ان مین آگئی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی عظمت - قرآن کی عزت اور خود خدا تعالے کی جبروت اور وقعت دلون سے اٹھ گئی ہے ان باتون کی تفصیل کی کوئی ضرورت نہین ہے دل سے یا زبان سے بولنے والے سب کے سب وہ عیوب بیان کرتے ہین جو فی الواقع ہین اور اس قوم مین پیدا ہوجاتے ہین جو خدا کی حجت نیرہ کے ہوتے ہوئے اسکے خلاف چلنے سے خدا کی نظرون سے گر جاتے ہین ایجوکیشنل کانفرنس نے بڑی کامیابی حاصل کرلی سیکڑون کو نہین ہزارون کو بی اے - ایم اے بنالیا ڈپٹی کلکٹر اور اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنالیا اور اس کی خواہش اور دلی آرزو کے موافق قوم نیم یورپین بھی بن گئی اس لئے کہ پورے یورپین بن جانے سے تو وہ بھی مایوس ہین اور پیر بابا تو سرے سے مدت ہوئی جنازہ بھی پڑھ چکے تھے - مگر سوال یہ ہے کہ کیا وہ امید کرتے ہین اور ایسی امید کرنے کے وجوہ ان کے پاس ہین کہ وہ وہ قوم بن جائینگے جسکے بنانے کے لئے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے اور اس کے لئے وہ تدابیر اختیار کی گئین جو اوپر ذکر ہو چکی ہین - اس قوم کو گویا قومون کو مسلمانون کے لئے اسوہ قرار دینا اور راتدن انہی کی باتون اور فعلون کو ان کی آنکھون کے سامنے مزین کرنا جس کی نگاہ زمین کی سطح تک محدود ومقصود ہے اور مادی لذت اور عیش اور بطن اور فرج کی شہوتون کے دائرہ سے ان کی ہمت باہر نہین جاتی اور آسمان کیطرف کبھی نظر اٹھا کر نہین دیکھتے سراسر غلطی ہے مسلمانونکو یہ سکھایا گیا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھین اور ان مادہ پرست قومون کی نہایت نظر یہ ہے ان ھی الا حیوتنا الدنیا

نموت و نحیا و ما نحن بمبعوثین ان کی رات دن کی کوشش ان کے
صنائع - ان کی ملک گیری کے منصوبے اور کارروائیان سب سے اصل غرض یہی ہے کہ رذیل اور
سفلہ خواہشین پوری ہون اگر کچھ لوگ ان مین ایسے بھی ہین جو ملک گیری اور صنائع کے شغلون
مین مبتلا لوگون سے ذرا اونچا قدم اٹھاتے اور دکھلاتے ہین کہ وہ آسمانی زندگی بسر کرتے ہین تو
وہ بدقسمتی سے ایک مردہ انسان کی خدائی پر قناعت کئے بیٹھے ہین بڑا زور دیا جا رہا ہے -
ہائی ایجوکیشن پر اور کیا کچھ اس کی خاطر کیا جا رہا ہے - بہت خوب اس کی ضرورت سہی اور واقعی
ضرورت ہے مگر کیا یہ حق نہین کہ ایک طرف سے بالکل ذہول ہو گیا ہے یا دانستہ یا اضطرار پہلو تہی
کیا گیا ہے - ان مجلسون نے سب سے پہلے اس اصل کو ضروری سمجھا ہے اور اس پر ایسا قوی
ایمان رکھتے ہین جیسا راستباز خدا کے کلام پر کہ کسی کے ذاتی افعال سے تعرض نہو شرائع حقہ
کی پابندی صوم وصلوٰۃ کا التزام فسق وفجور سے اجتناب تقوے وطہارت اور تعظیم شعائر اللہ کو
اختیار کرنا - مجالسون اور کانفرنسون مین ان باتون کا ذکر حرام ہے - جسمون اور قالبون کا اجتماع
ایک مکان مین ہو اور ضرور ہو - روحون مین خواہ کیسے ہی مختلف درجہ اور نوع کے میلان اور
جذبات ہون ایک بیباک زناکار ایک رزولیوشن پیش کرے اور دوسرا آب آتشین سے مست
ہوا ہو خواہ اسوقت اس کے منہ سے نجاست کی بدبو آتی ہو اور پاؤن مرکز پر ٹھہر نہ سکتے ہون اس
کی تائید کرے - ایک ایسا شخص جو اسلام کی سچائی اور پابندی سے کوئی نسبت نہ رکھتا ہو مادی
خیال کا آدمی ہو - دہریہ ہو کوئی ہو نام ہو مسلمانون کا سادہ مجلس کا صدر بن جائے - شرط یہ ہے
کہ کلب من کلاب الدنیا ضرور ہو اور جیفۂ دنیا سے اسے کافی حصہ ملا ہوا ہو - مین پوچھتا ہون اور
ہر خداترس حق پرست کے دل مین ضرور یہ سوال پیدا ہونا چاہیئے کہ کیا اس قوم کا آغاز اور
ابتدا ایسے ہی بانیون اور مقدسون اور موئیدون اور ناصرون سے ہوئی ہے اور کیا یہی طریق فلاح
وصلاح کے ہین جو اب اختیار کئے گئے ہین - اور سب سے زیادہ ضروری بات جو مدار ہے تمام
کامیابیون کی اتفاق اور وحدت ہے اسکا ابتک کوئی وجود نہین اور نہ اس کے اشراط و آثار پائے جاتے

ہین۔ ندوۃ العلما خدا کے لئے غور کرے کہ کیا اس کا پاؤن بھی ان ہی آثار پر پڑا ہے جو ایجوکیشنل کانفرنس یا علی گڈہ اسکول کے رہرو زمین پر لگا گئے ہین یا اس بزرگ انجمن نے کوئی اور راہ اختیار کی ہے اور اگر کوئی اور راہ ہے تو وہ کیا ہے مین ان کو اور تمام سچے مسلمانون کو توجہ دلاتا ہون اس اعلان کے مقصد سوم و چہارم و پنجم و ششم کیطرف جو ندوۃ العلما کیطرف سے ۱۲- نومبر ۱۹۰۱ء مین شایع ہوا۔ مقصد سوم ندوہ کی عبارت یہ ہے " اخلاق نبوی کی کامل تعلیم و تربیت کی جائے جس سے ہمارے اطوار اور چال چلن درست ہون آپس کی پھوٹ کی جگہ قوت متفقہ سے کام لیا جائے " (۴) فروعی اور جزئی اختلاف جس نے اسلام کی مضبوط اور مستحکم عمارت کی جڑ کھوکھلی کردی مہذب الفاظ اور مہذب پیرایہ مین ظاہر کیا جائے۔ "

(۵) احقاق حق اور ابطال باطل نہایت نرمی اور سہولت سے کیا جائے فتنہ اور فساد کی نوبت نہ پہنچے " (۶) " وہ خطہ جہان اسلام کا نور دھندلکے مین پڑا ہوا ہے اور جہان اسلام کی حقیقت اور حقانیت سے لوگون کے دماغ ابتک منور نہین ہوئے وہان دکھایا جائے کہ اسلام کیا ہے اور اس کے فیوض و برکات کیا ہین " کیا یہ باتین اور یہ مقاصد سرسبز ہوسکتے ہین ان تجویزون سے اور ان خودتراشیدہ منصوبون سے جو اختیار کئے گئے ہین۔ اخلاق نبوی کس ذریعہ اور اسوہ سے سکھائے جائینگے۔ کون مردمزکی اور مطہر اور صاحب قوت قدسیہ اور صاحب نشان و علامات ہے جو ان اخلاق کو سکھائے۔ کیا ممکن ہے کہ ان اخلاق سے متخلق ہوئے بغیر اور ان صفات کاملہ حسنہ سے متصف ہوئے بدون کوئی دوسرون کے تزکیہ اور تعلیم کا متکفل ہوسکے اخلاق مین وہ سب شیئے داخل ہین جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک مین دکھائے گئے اور جو قوم بننے کے لئے ضروری اور بنیادی پتھر تھے۔ اور جیسا ہم بیان کرچکے ہین۔ آپ کو علمی اور عملی رنگ مین خدائے حکیم نے وہی اخلاق اور صفات بخشے جو اس جہان کے انتظام اور اصلاح کے لئے ضروری اور دوسرے عالم کی تیاری اور اہلیت کے حاصل

کرنے کے لیئے موزون اور مناسب تھے- اب بڑا سوال یہ ہے کہ ندوہ کن کو یا کس کو پیش کرتا ہے
جو محمدیت کے بروزاور مظہر ہونے کا مدعی ہے اور اگر یہ اصطلاح گران معلوم ہو تو یون سہی کہ آپ کا
سچا خلیفہ کونسا ہے جسے پیش نظر رکھکر ندوہ کو امید دلائی گئی ہے کہ وہ مقصد اس سے حاصل
ہو جائے گا- فروعی اور جزئی اختلافات اور نزاعین مٹائی جائین یہ کیونکر اور کس ذریعہ سے
یا کس کے ذریعہ سے- کیا کوئی ایسی پر رعب مگر دلکش آواز رکھتا ہے جو قوم کے خطرناک
جھگڑون مین بہت جلد در آکر زور سے کہے أَلِي الجاهلية وانا فيكم
اور اس آواز کے سنتے ہی سب جوش سرد پڑ جائین اور تلوارین میانون مین کیجائین
اور مفارقت اور میا غضب، معانقہ اور مصافحہ سے بدل جائے- عادت اللہ نے دکھایا ہے
کہ ایک وجود مفترض الطاعت اور مطاع باذن اللہ کے سوا کبھی اس آگ پر پانی نہین پڑا
جس نے کبھی ہزارون خاندانون کو راکھ کر ڈالا تھا اور اب پھر ہماری قوم کے خرمن مین لگ
رہی ہے- بہتون نے منہ کی پھونکون سے اور بعضون نے آستینون سے اس آگ کو بجھانا چاہا
مگر خدا کا قانون قدرت کسی کے لئے کیونکر بدلجاتا- وہ کیونکر بجھتی جب تک آسمانی پانی اسپر نہ پڑتا
جس کی فطرت آتش کشی کے لئے بنائی گئی ہے اور جسکے برسنے کے بعد بھی اور صاف آواز
آتی ہے وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها اور فاصبحتم
بنعمته اخوانا+ یاد رکھو اگر آج زہر وہی پھیلی ہوئی ہے- اگر وہی مفاسد اور عیوب
قوم مین پیدا ہو گئے ہین جو اس وقت تھے جبکہ پاک اور مقدس ہادی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث
ہوا تو آج بھی پھر اسی کے دوبارہ آنے کی ضرورت ہے- پھر اسی سلسلہ کی ضرورت ہے- جو
اس وقت اصلاح قوم کے لئے قائم ہوا اور جس نے اپنی عملی کامیابی پر مہر لگا دی عجیب بات
ہے اور ہمارے علما پر اور بھی تعجب ہے کہ وہ کیون اس سہل بات کو نہین سوچتے کہ اتنا تو سب
تسلیم کر چکے ہین کہ اس جاہلیت نے پھر دوبارہ دنیا مین سر نکالا ہے مسجدون اور خانقاہون مین
عجائب خانون کی طرح انسانونکے ڈھیر بھرے ہوئے ہین مگر روح نہین خدا تعالیٰ پہ وہ ایمان نہین وہ راستی

اور تقوے وطہارت نہین - وہ شریعت حقہ کی پابندی نہین - بیباکی - اباحت - دہریت اور فسق کا مرض عالمگیر وبا ہو رہا ہے پھر باوجود اس بات کے تسلیم کرنے کے اور مرض کے مشخص ہو جانیکے الٹا علاج کیون کیا جاتا ہے کیون اسی پہلے نسخہ کیطرف توجہ نہین کیجاتی +

اور اگر یہ مقصود ہے اس اختلاف کے مٹانے سے کہ سب لوگ نفاق اور مداہنہ سے زندگی بسر کرین اور عقائد اور ایمانیات کی عصبیت اور جوش کی گردن مار دین - ایک محمود آباد کا راجہ سینہ مین خدا کے قدوسیون کا بغض اور عداوت اور جوش تبرا لیکر ندوہ کا پریزیڈنٹ ہو اور وہان ان قدوسیون کے ذکر سے زبان آشنا نہ ہو تو کامیابی معلوم - بڑی غلطی ہے یورپ کی نظیر کو پیش کرنا - ان لوگون کا معاملہ اور ہے اور تمہارا معاملہ جن کو روشن کتاب اور باہرہ حجت دی گئی اور ہے تم اس کتاب کے اصول کو قائم کرنے اور نبی کریم کی سچی عزت کو بحال کرنے کے بغیر سرسبز نہو سکو گے ان بھروپون اور نقالیون سے یقیناً خدا کا غضب بھڑکے گا - سب سے پہلے مداہنہ کی تدبیر پر عمل کرنیکا میلان اس شخص مین پیدا ہونا چاہیئے تھا اور تمہارے علی زعم کے موافق اسے ضروری تھا جسکو غیور خدا نے کہا ودوا لو تدھن فیدھنون مین ندوہ کے اس عالمانہ فقرہ کا مطلب سمجھ نہین سکا کہ "فروعی اور جزئی اختلاف کو مہذب الفاظ اور مہذب پیرایہ مین ظاہر کیا جائے" مسلمانون کے عقائد اور مذہب اور ایمان کی دلون مین پکی ہوئی باتون پر کچھ لکھا جائے اور پھر ایک قوم بن جائین اور اشتعال مین نہ آئین - یا منت سماجت کرکے اور ہاتھ جوڑ کے ہر ایک مذہب اور مشرب کو کہدیا جائے کہ عیسی بدین خود موسی بدین خود - وہ کونسے الفاظ ہین اور مہذب الفاظ جنسے مثلاً منکران خلفاء راشدین کو سمجھایا جائیگا کہ تمہاری راہ درست نہین اور تم خدا کے فعل اور قول کا خلاف کرتے ہو جبکہ وعدہ استخلاف سے جو خدا کا قول ہے اور حضرت صدیق کو خلیفہ بلافصل بنا دینے سے جو خدا کا فعل ہے منہ پھیرتے ہو یا فریق ثانی کو کہا جائے گا کہ امامت بلافصل لاریب حق حضرت علی کا تھا مگر وہ ناتوان تھے بیکس تھے ناچار ان کا حق غصب کیا گیا اور ایسا ہی مقلدون اور غیر مقلدون کے نزاع کا فیصلہ کیا جائے گا - اور وہ کون سے مہذب

الفاظ مین مثلاً جن کی وساطت سے بڑی ملائمت اور ملاطفت کے ساتھ ایک خوفناک سکول کی پیرو یا مداح ذریت کو کہا جائے گا کہ نمازون کی پابندی ضروری شے ہے اور روزے خدا تعالے کا فرض ہین انسان مسلم ہے - اور سچی طہارت اور تقوے اور خشیت اور انابت ایک مسلمان کا تمغہ ہین یہ اباحتی اور بے قید زندگی جو تم نے اختیار کر رکھی ہے اور صورت و سیرت سنت حقہ محمدیہ کے خلاف بنا رکھی ہے یہ مناسب نہین[*] - مین باادب ندوہ کے محترم علما سے پوچھتا ہون کہ وہ اسلوب اور منہاج تو از راہ کرم بیان فرمائین جن سے وہ فروعی اور جزئی اختلاف کو مٹائینگے کیا اس لفظی تجویز کو پیش کرنے اور پاس کرنے کے وقت ان کی ضمیرون نے یقین کر لیا کہ یہ مبارک تجویز ہے اور ضرور عمل مین آجائے گی اور اس تاریکی کے وقت مین یہ تجویز نور کا کام دے گی پھر اس پیچدار بات کا مطلب سوا اسکے کیا ہو سکتا ہے کہ جزئی فروعی اختلافات کا مذکور ہی درمیان نہ آنے پائے مگر یہ ناممکن ہے اور ابد تک ناممکن ہے پھر کیا ندوہ یقین کرتا ہے کہ ایک عالم یا عالمون کے اپنے منصوبے اور جوڑ توڑ ایسے تتر بتر ہو چکے ہوئے گلہ کو ایک میدان مین ایک عصا کی نیچے فراہم کر لینگے - اور کیا کوئی اس کی نظیر ہے - اسلام اور مسلمانان کی تاریخ مین بجز اس مبارک قرن کے جس مین لامعلوم زمانون کے مختلف الآرا دشمن جانی دوست بن گئے اور اگر واقعی یہ

[*] مین ناصران ندوہ کو متوجہ کرتا ہون مسٹر شاہدین بیرسٹر ایٹ لا کی اس لکچر کیطرف جو آپ نے علیگڈھ کالج کی ایک مجلس پسلا ہور مین دیا اور جسے مختصراً سول ملٹری گزٹ نے ۱۵ جولائی ۱۹۰۲ء کے پرچہ مین چھاپا ہے اس پر مشر کو مسلمانون کی فرینہ کا تبیت کنندہ اور قابل فخر نمونہ کہا گیا ہے اس بڑے آدمی کو ایکہ کیشنل کانفرنس نے بھی اپنی اعلی پاک مسند پیگہ دی اور عزت ناز کیا - خدا کا خدا کے برگزیدہ رسول محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کا - تمام اخیار اور ابرار امت کا اور بالآخر دین حق کی عزت کا واسطہ دیکر مین ندوہ کی خدمت مین عرض کرتا ہون کہ اس لکچر کو پڑھیں اور غور کرین کہ کیا اسلام کی عزت اور نبی عربی علیہ الصلوۃ والسلام کی کھوئی ہوئی عزت ان لکچرارون اور قوم کے حامیون سے پھر بحال ہو گی اور کیا ندوہ اس لکچرار کے فعل اور قول سے متفق ہے اور اگر مخالف ہے تو اسکا اثر قوم کی نئی ذریت سے کونسی مٹانے کیلئے اس نے کیا انتظام کیا ہے اور کیا اس اجلاس میں اسپر نوٹس لیا جائیگا اور اگر بدا ہستہ سے کام لینا ہے تو پھر وہ بتلاوے کہ اسکا کام

احساس ندوہ کے دردمند دل کو ہوا ہے کہ اس اختلاف سے اسلام کی جڑ کھوکھلی ہوگئی ہے تو اسکے علاج اور تدارک مآفات کے لئے سچی اور حقیقی راہ پر قدم مارنے کی فکر کرے اور اگر علی گڈہ کے کانفرنس کی طرح رزولیوشن بازی ہی مقصود ہے تو وہ جانے اور اس کا کام۔ پانچوان مقصد بھی مین نہین سمجھ سکتا کہ جذبات کے مغلوب اور پرجوش لوگ کیونکر اس کام سے عہدہ برآ سکتے ہین۔ اس مقصد کا اور چھٹے مقصد کا انجام اور مطلب ایک ہی ہے۔ احقاق حق اور ابطال باطل کیا شے ہے اور کن ذریعون سے ہو سکتا ہے۔ ندوہ نے بیان نہین کئے۔ اور ممکن ہے بلکہ یقین ہے کہ ان مشکلات پر کبھی غور بھی نہ کی ہوگی جو اس راہ مین راست بازون کو پیش آتی ہین آج وہ کون حق ہے جسے وہ پیش کرنا چاہتے ہین اور وہ کونسا باطل ہے جس کو تباہ اور نابود کرنا چاہتے ہین سب سے بڑا اور اعلے حق یہی ہے کہ خدا کی صفات کاملہ مین کسی مخلوق کو شریک نہ سمجھا جائے اور خاتم النبین صلے اللہ علیہ وسلم کی شان کو خدا کے بعد تمام مخلوقات سے برتر مانا جائے۔ لاانتہا مسلمانون نے حضرت عیسے کو ابدی زندہ اور محیی اور ممیت اور شافی اور غیب دان خدا تعالے کی طرح مان رکھا ہے اور یون اس کی الوہیت کو تسلیم کر کے نصرانیون کے شرک عظیم کی مدد کر رہے ہین اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سخت اہانت اور تذلیل کی جاتی ہے کہ وہ مردہ زیر زمین مدفون ہین اور حضرت عیسے زندہ آسمان پر موجود ہین۔ عیسائیون کے ہاتھ مین یہ کاری حربہ خود مسلمانون نے دیا ہے جس سے عیسائی ان کو ذبح کر رہے ہین چنانچہ تھوڑے دن ہوئے لاہور کے بشپ بہادر نے اپنے ایک لیکچر مین جس کے سامعین سیکڑون مسلمان تھے مسلمانون پر خود ان کے اس مسلمہ مسئلہ سے حجت ملزمہ قائم کی اور کہا کہ ایک مٹی مین مل گئے ہوئے انسان مین اور آسمان بلند پر بیٹھے ہوئے وجود مین کوئی فرق بھی تو ہے؟ اور آخر اس سے مسیح کی الوہیت پر اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین پر استدلال کیا اور اس اعتقاد کے رکھنے والون مین سے ایک نے بھی اٹھکر اس کے دانت نہ توڑے اور مسیح کی عزت اور رسول کامل خاتم النبین کی ذلت کو شیر مادر کی طرح پی گئے۔ ہان تو کیا ندوہ تیار ہے کہ اس حق کا احقاق کرے۔ اور بڑا باطل اس وقت حضرت مسیح کی زندگی کا اعتقاد ہے جس سے کروڑون آدمیون نے انہین خدا

بنا رکھا ہے اور اس اعتقاد کی اشاعت مین حد سے زیادہ جوش اس انسان کی پرستار قوم کے دل مین ڈالا گیا ہے سب سے بڑا فتنہ جس کی نسبت قرآن نے کپکپا دینے والے الفاظ مین خبر دی کہ:-
تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا + اور بڑا بھاری مفسدہ جس نے پاکیزگیون اور راستیون یا یون کہو کہ اسلام کی جڑ کھوکھلی کر دی ہے یہ فتنہ عیسے پرستی کا ہے اور اس کی جڑ ہے عیسی کی زندگی یعنی جسد عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر جانا اس کا مان لینا۔ اس کی جڑ کا ٹنا اسلام کو سرسبز کرنا مسیح کو مردہ ثابت کرنا اسلام مین تازہ روح پھونکنا ہے - کیا ندوہ واقف نہین یا کم سے کم کوئی ایک فرد اس کا تو ضرور واقف ہوگا کہ چھ کروڑ سے زیادہ رسالے اور کتابین عیسی پرست یا مردہ پرست قوم نے اسلام اور پیغمبر خدا علیہ الصلوۃ والسلام کی توہین و تذلیل و تفسیق مین لکھی ہین اور یہ دجل اور سفید جھوٹ کنواریون کے خدرون تک مین داخل ہوگیا ہے اور ایک آشوب رستخیز اس سے برپا ہوگیا ہی کیا ندوہ اس باطل کے زہریلے سانپ کا سر کچلنے کو تیار ہے - پھر بہت عظیم الشان حق یہ ہی کہ خدا تعالے کی ذات مین کوئی نقص اور عیب روا رکھا نہ جائے اس کی پاک ذات کی نسبت اعتقاد رکھا جائے کہ وہ ہمیشہ سے متکلم اور مدبر بالارادہ اور متصرف اور سمیع و بصیر ہے اس کی صفت تکلیم کسی زمانہ مین مہر نہین لگ سکتی اسلئے کہ یہ اس کی شان مین منقصت کو روا رکھنا ہی اس نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ + کی دعا مین صاف اشارہ فرمایا ہے کہ منعم علیہم جماعت کے تمام کمالات کے دروازے سدا کھلے رہین گے اور تاکید فرمائی ہے کہ سب مسلمان یہ دعا مانگا کرین اور بڑا انعام اسکا وہ فیوض اور برکات ہین جن کا نام ہی مکاشفہ اور وحی اور رویائے صادقہ اور یہی ورثہ ہے ان لوگون کا جن پر انعام کیا گیا۔ اس لئے کہ اس انعام کے بغیر وہ یقین اور زندہ ایمان مل نہین سکتا جو گناہ کے پر زور جذبات پر انسان کو غالب کر دے اور اگر ایک طرف تو ان فیوض پر مہر لگ چکی تھی اور خدا تعالی کی وہ صفات اس حد تک پہونچ کر ساکن ہوگئی یقین تو پھر یہ دعا نعوذ باللہ ایک دھوکا اور جھوٹے دل خوش کن الفاظ سے زیادہ

نہیں ہوگی اور یہ منقصت ہے صفات باری تعالےٰ میں۔ اور یہ اعتقاد کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم اور اس کے ساتھ آپ کے تمام فیوض اور برکات بھی منقطع ہوگئیں اور آئندہ کیلئے نعوذ باللہ دوسرے لوگوں اور مذہبوں کی طرح آپ کی نبوت بھی مرگئی اور آپ کی صفات عالیہ اور برکات اسی کی قائم مقامی یا مظہر و بروز کی راہ بالکل مسدود ہوگئی اس دعا اھدنا الصراط المستقیم کی تکذیب ہوگی اور خدا تعالےٰ کی پاک اور کامل صفات کی سخت ہتک ہوگی اور بڑا بھاری حق یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے ملائکہ واقعی خارج میں ایک مخلوق ہے جسے خدا نے ایمانیات میں داخل کیا ہے اور جبرئیل علیہ السلام ملکۂ انسانی یا ایک قوت قوائے انسانی میں سے نہیں بلکہ ایک جدا مخلوق ہے اور قانون قدرت کے موافق خدا کے یہ وسائط ہیں اور یہ روحانی وسائط ایسے ہی ہیں جیسے جسمانی عالم میں خدا کے فیوض اور فضلوں کے پہنچانے کے لئے قوائے طبعی مثلاً چاند سورج ستارے اور دیگر مادی اشیاء وسائط ہیں اور یہ وسائط خدا تعالیٰ کی صفات کاملہ اور توحید کی شان پر کوئی زد اور حملہ نہیں اور بڑا حق یہ ہے کہ دعا حق ہے اور ایک سبب قوی ہے منجملہ ان اسباب کے جو مقاصد و مطالب کے برلانے کیلئے خدا تعالےٰ نے حسب قانون قدرت بنائے ہوئے ہیں اور دعا لاریب ایک علت قویہ ہے معلولات کے لئے اور بقول ایک سطحی خیال کے زمینی آدمی کے نری خوش کن خشک عبادت نہیں۔ اور مثلاً بڑا حق یہ ہے کہ خدا کے مرسلوں اور ماموروں اور مبعوثوں کی صدق کے بڑے بھاری نشان اور علامت معجزات اور خوارق آیات ہیں اور وہ ہیں اقتداری پیشگوئیاں جو علوم غیبیہ پر مشتمل ہوتی ہیں اور بے ان کے خدا کا مخفی اور نہاں در نہاں چہرہ اس جہان میں کبھی نظر نہیں آسکتا۔ کیا ندوہ تیار ہے کہ ان حقوں کا احقاق کرے اور ان کے مبطلوں کا سر کچلے۔ بہت خوب اگر ایسے بھاری کام کا بیڑا ندوہ نے اٹھایا ہے تو خدا مبارک کرے مگر افسوس ابتک تو ندوہ کی رفتار اس راہ پر نظر نہیں آتی جو احقاق حق اور ابطال باطل کی ایک ہی مستقیم راہ ہے۔ پھر سوال یہ ہے کہ کیا دکھا کر احقاق حق اور ابطال باطل کرینگے اور ان خطوں میں جہاں ابتک اسلام کا نور نہیں گیا کونسی فضیلت اسلام کی اور دوسرے مذاہب باطلہ

اور اس مین مابہ الامتیاز پیش کرین گے۔ تمام مذاہب باطلہ یہ عقیدہ رکھتے ہین کہ ان کے مذاہب اور مذاہب کے انصار و خدام اقتداری نشان دکھانے سے قاصر ہین اور وہ اسی یقین کو شایع کرتے ہین کہ خوارق عادت کا وجود پچھلے زمانون کے لئے تھا۔ اب نہ کوئی اس کی ضرورت ہے۔ اور نہ کسی مین قدرت ہے اور اس وقت تمام مسلمان بھی یہی اعتقاد رکھتے ہین کہ کمالات نبوت سب ختم ہوگئے۔ اب نہ تو غیب کے حقایق پر مشتمل اقتداری پیشگوئی کوئی کرسکتا ہے اور نہ ہی اس کی راہ مفتوح ہے۔ خدا کی صفت کلام اور وحی اور الہام پر مہر لگ چکی ہے۔ ایک نیچری پیر مرد بھی اس حقیقت حقہ سے منکر ہے جو کہتا ہے کہ کمالات نبوت مین کسی کو سچا جانشین ماننا شرک فی النبوت ہے اور درحقیقت نبوت کو خشک بے اثر غیر متعدی اور مردہ مان کر شرک عظیم کا مرتکب ہوچکا ہے اور اپنی تحریرون مین مجنون اور نبی کے تخیلات مین کوئی واضح فارق اور علی امتیاز نہ دکھا سکنے سے اس بات کا مجرم ٹھہر گیا ہے کہ نبی کو فوق عادت پایہ کا انسان ثابت نہین کر سکا ویسے ہی اہل حدیث اور دیگر مسلمان قولاً یا عملاً اس کے منکر ہین اور بڑے جوش سے اقرار کرتے ہین کہ خلافت محمدیہ یا بروز محمدی یا زندہ نبوت بے معنی اور بے ضرورت باتین ہین۔ دوسرے مذاہب مثلاً عیسائی اور آریہ بھی اپنے مذہب کی صداقت اور حقیت کے لئے دلایل دیتے اور ہزارون صفحے سیاہ کرتے ہین اور تقریرون مین بھی ان کی زبانین تھکنے مین نہین آتین اسی طرح مسلمان بھی لفظی دلائل اور مباحث پر اکتفا کرنے کے بغیر اور کوئی چارہ نہین دیکھتے۔ اب سوال یہ ہے کہ اسلام مین اور ان مذاہب مین مابہ الامتیاز کیا ہے جیسے بے فیض اور خشک اور بے برکت وہ مذاہب باطلہ ہین ویسا ہی اس رنگ مین اسلام ہوا۔ ایک ہی مابہ الامتیاز تھا یعنی زندہ خدا کا زندہ نشان جس کے دکھانے کی توفیق باطل کے پرستار ہاتھون کو کبھی نہین دی گئی اور نہ دیجائے گی جیسا کہ خدا کی پر حکمت کتاب فرماتی ہے عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ + سو اس کے وجود سے تمام بے برکت اور استخوان پرست قومون کی طرح محرکان ندوہ اور دیگر مسلمان بھی منکر ہین۔ جبکہ یہ حال ہے تو

اب مین ندوہ سے باد ب عرض کرتا ہون کہ کیا آپ یورپ مین سید احمد خان والا اسلام پیش کرینگے جس مین خدا کو محض عضو بیکار اور معطل دکھایا گیا ہے۔ وحی سے انکار۔ دعا سے انکار۔ ملائکۃ اللہ سے انکار اور خدا کی پیشگوئیون اور خوارق عادات سے انکار ہے۔ اور قرآن کریم کو ایک روکھی اور پھیکی کتاب ثابت کیا گیا ہے۔ یا کیا آپ اہل حدیث والا اسلام پیش کرین گے جیسا کہ اہلحدیث کے ایک ایڈوکیٹ نے لاہور کے جلسہ اعظم مذاہب مین کہا اور افسوس سے اعتراف کیا کہ اب اسلام مین کوئی ایسا شخص نہین جو کوئی مقتدرانہ نشان دکھا سکے اور خرق عادات امور اس کے ہاتھ پر ظاہر ہون اس طرح اس نے اسلام کو پورا بے برکت اور بے اثر ثابت کیا۔ یا آپ ان سجادہ نشینون اور فقرا اور صوفیون کا اسلام پیش کرین گے جنھون نے باوجود اقرار کرنے ختم نبوت کے ہزارون نبوتین تراش لی ہوئی ہین اور خاتم النبیین کی سنت ثابتہ صحیحہ حقہ کو چھوڑ کر لاانتہا بدعات کے بتون کو سجدہ کر رہے ہین۔ پھر مین باد ب پوچھتا ہون کہ از راہ کرم اتنا تو فرمائین کہ وہ کونسا مابہ الامتیاز نور آپ کے پاس ہے جسے لیکر آپ ان خطون مین جائین گے جہان اب تک اسلام کا نور نہین پہونچا اور لوگ شناخت کرلین گے کہ آپ لاریب ایک صادق اور زندہ اور بابرکت مذہب لائے ہین اور یقین کرلین گے کہ ان کے مذاہب اس کے مقابل مردہ اور لاشے ہین۔ کیا آپ حنفی مذہب کی اشاعت کرین گے یا مالکی کی۔ شافعی کی یا حنبلی کی پھر یہ بھی لازم ہوگا کہ ساتھ چشتی مشرب کی تائید ہو یا نقشبندی کی یا قادری کی یا اور دیگر مشربون کی۔ پھر یا سنیون کے یہ مجموعے ساتھ لے جائین گے یا شیعون کے قصص و روایات کے مؤلفات غرض اس قدر اختلافات مین آپ مین کس فرد یا قوم نے کوئی روشن فیصلہ کی راہ تیار کی ہے جسے غیر قومون کے آگے پیش کرین گے۔ اور اگر ندوہ کے پاس ہنوز تاریک اور بے مغز لفظ ہی ہین اور تحیر کے درطہ مین غوطے کھا رہے ہے تو کیا وہ ایک صادق اور حقیقی رہبر کی آواز سننے کیلئے تیار ہین جو خدا کی طرف سے حکم اور مامور ہو کر ان اختلافات کی نار سے بچاتا اور قرآن کریم کا وہی پہلا حبل متین ہاتھ مین دیتا اور ایک قوم بناتا ہے۔ ندوہ کو معلوم ہوگا کہ آج کل امریکہ مین

ایک شخص جان الگزینڈر ڈوئی نام دعوے کرتا ہے کہ وہ الیاس ہے وہ دوا کا منکر ہے اسکا گمان ہے کہ وہ دعا سے لوگون کو اچھا کرتا ہے وہ اپنے اخبار اور رسائل مین جن کے بہت سے نمبر ہمارے پاس موجود ہین ہزارون آدمیون کی شہادتین درج کرتا ہے جو اس کے زعم مین اس کی دعا کے وسیلہ مختلف بیماریون سے اچھے ہوئے - یہ شخص دوسرے عیسائیون کی طرح پورا ظالم مشرک ہے اور مردہ خدا کی الوہیت اور کفارہ کیطرف دعوت کرتا ہے اور اپنے باطل کو زینت دار الفاظ سے سجاتا ہے - عجیب بات یہ ہے کہ بیماریان بھی وہ پیش کرتا ہے جو نہائت خفیف اور آسان علاج پذیر ہین اور اپنی دعا کو ان کا چارہ کار ریتا ہے اب کون فیصلہ کرے کہ فلان شخص درحقیقت اس کی دعا سے اچھا ہوا یا یون ہی خود بخود صحت یاب ہو گیا - اب اس قوم کے باطل کا ابطال کس ذریعہ سے ہو سکتا ہے اور کونسا مذہب حق ان کے مذہب کے مقابل پیش کیا جا سکتا ہے جس کی نسبت صریح دعوے ہو سکے کہ یہ واقعی مذہب حق ہے اور اس کی سچائی کا یہ معیار اور اس مین اور اس کے غیر مین یہ مابہ الامتیاز ہے اسکا جواب بجز اس کے اور کچھ نہین ہو سکتا کہ مقتدر خدا کا زندہ طریق ثابت کرنے کے لئے ازبس ضروری ہے کہ یہ دکھایا جائے کہ اس کے فیوض اور برکات زندہ اور دائمی ہین اور اس امر کا ثبوت بجز اقتداری اور قاہرانہ پیشگوئیون اور خوارق عادت امور کے اور کچھ نہین *

کیا ندوہ کے علم مین کوئی ایسا شخص ہے جو یہ دعوے کرتا ہے کہ اسلام زندہ مذہب ہے اسلام کا خدا زندہ - اسلام زندہ - اسلام کا نبی کریم زندہ - اسلام کا مرکز بیت اللہ زندہ - اسلام کی بولی عربی زندہ - قرآن نے جو معجزات اور خوارق اور پیشگوئیون کا علم بیان کیا ہے اس کا سلسلہ اب تک زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا - یہ بات کسی کتاب کے مردہ اور بے برکت اور

* آخر غیرت الٰہی نے اس سیاہ دل مشرک کے چارہ کار کے لئے اپنے صادق خلیفہ حضرت مسیح موعود کے دل مین جوش ڈالا آپ نے ایک بڑا زبردست اشتہار اسلام کی حقیت اور نصرانیت کے بطلان کے اظہار کیلئے لکھکر اس باطل کے پرستار کو مقابلہ کیلئے بلایا ہے اور لکھا ہے کہ ہم دونو مین سے جو کاذب ہوگا وہ صادق کے سامنے ہلاک ہوگا - کیا ندوہ اس حربہ کے سوا کوئی اور حربہ باطل کے مقابل

مسوخ و مجذوم ہونے کے نشانون سے ہے کہ اس کے مندرجہ معجزات اور خوارق بطور قصہ اور کتھا کے رہگئے اور اب ان کا نمونہ دنیا مین موجود نہین اور درحقیقت قابل تمسخر اور مضحکہ کے وہ مذہب اور کتاب ہے جو یہ دعوے کرے کہ اس کے برکات پہلے تو تھے مگر پھر بند ہوگئے ہین اور اس وقت نہ تو کوئی موجود ہے اور نہ ایسا شخص کبھی پیدا ہو سکتا ہے جو ان برکات اور انعامات کا حصہ دار ہوا اور دوسرون کو دے سکے اور دشمنان اسلام کو دکھا سکے جو پہلے راستبازون کو دی گئیں - افسوس رونے اور دانت پیسنے کا مقام ہے کہ ایک مردہ اور جلد فنا ہو جانے والی اور مسوخ ہو جانے والی کتاب توریت کے اتباع اور فیض تعلیم سے بیسیون راستباز اور منعم علیہم موسے (علیہ السلام) کی مانند ہوئے اور خدا نے ان سب برکات و فیوض کا وارث انہین کیا جو حضرت موسے کو دی تھین مگر خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے انفاس قدسیہ اور خاتم الکتب قرآن کریم کی یہ تاثیر اور یہ برکت کہ بدقسمتی سے وہ سارا سلسلہ ہی ختم ہو گیا اس لیئے کہ نبوت پر مہر لگ گئی - اور اس طرح وحی کا تار بند ہو گیا پیشگوئیون اور خوارق عادات کا اظہار بند ہو گیا - مصالح الہیہ سے شریعت تو تکمیل پاکر ختم اور بند ہو چکی تھی اور ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا مگر انعامات اور برکات اور فیوض پر کیون مہر لگ گئی اللہ اللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کیا ہوئے آپ کے ساتھ ہی سارا تانا بانا فیوض و برکات کا ادھڑ گیا - اس صورت مین خدا تعالے کے اس قول کے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ کیا معنے ہوئے کیا آپ حفاظت سے لفظون کی حفاظت مراد لیتے ہین اور اس سے آگے تجاوز نہین کرتے اگر یہی مراد ہے تو وہ موجود ہے پھر اس کے ہوتے قوم کیون بگڑی اور کیون لفظون کی ذاتی تاثیر نے خود بخود قوم پر وہی اثر نہ کیا جو اسوقت نظر آگیا اور ایک زمانہ اسکا گواہ ہو گیا جبکہ قرآن کے عمل کا نمونہ صاحب کشش وجود موجود تھا - ایسا نہین بلکہ حفاظت سے مراد اس کی صورت اور سیرت - الفاظ اور معانی اور برکات اور تاثیرات اور فیوض سب کی حفاظت ہے - مطلب یہ ہے کہ جس زمانہ مین انسانون کی ایسی حالت ہو گئی کہ بالکل یتعالے

کی ہستی کا انکار ہو جائے اس کی صفات پر اعتراض ہون اور زمانہ پر فسق اور فجور اور بطلان اور شیطان کا سیاہ سایہ پڑ جائے اور تمام صداقتین اور حقایق حقہ استخفاف اور انکار کی نگ سے دیکھے جایئن اور پست ہمت سفیہ دشمن قرآن پر زبان طعن دراز کرین اس وقت ایسا آدمی ضرور مبعوث ہوگا جو باطل کے ہر قسم کے حملہ کو دفع کرے گا اور اسلام کی کھوئی ہوئی عزت کو بحال کرے گا - اور یون اس ذکر کی حفاظت ہوگی - ہان تو مین پوچھتا ہون کہ ندوۃ العلما کوئی ایسا شخص دکھا سکتا ہے جس کو یہ اقتدار بخشا گیا ہو اس لئے کہ حق کا احقاق اور باطل کا ابطال اور غیر خطون اور ملکون مین نور اسلام کا پہونچانا تو ایسے ہی شخص کا کام ہے - خشک لفاظ اور بے برکت ملا مولوی اور مبتدع صوفی کا تو کام نہین جبکہ ندوہ کے علم اور رسائی مین ایسا شخص نہین تو اس نے ان مقاصد کی ترتیب کے وقت کیا سوچا کیا اتنے پر قناعت کر لی کہ شہر بشہر چند خشک اور بے برکت آدمیون کا اکٹھا ہو جانا ہی اس کام کو پورا کر دے گا - افسوس ندوہ کی حقیقی مان ایجوکیشنل کانفرنس نے بھی ان تیرہ با کم وبیش برسون مین بے شمار رزولیوشن پاس کئے اور بیشمار روپیہ برباد کیا مگر اصل مرض کی تشخیص اور حقیقی علاج کی تلاش مین ایک قدم بھی نہ اٹھایا قوم کو بیمار مانا اور مرض یہ قرار دیا کہ انگریزی اعلے تعلیم کے نہ ہونے سے یہ مریض ہلاکت کے قریب آگیا ہے اس کا علاج علی گڈھ کا کالج یا ایسے انسٹیٹیوشن کے سوا نہین - اور اس طرف کبھی التفات نہین کیا کہ خدا کو ناراض کر کے - یعنی حجت نیرہ کے ہوتے ہوئے قرآن کریم کے موجود ہوتے فسق فجور کی راہون کو اختیار کر کے اور شریعت حقہ کی پابندی سے منہ پھیر کر قوم کا یہ حال ہو گیا ہے اور ضروری تھا کہ ایسا ہوتا - اس لئے کہ سورہ فاتحہ کے اخیر مین مغضوب علیہم کے لفظ مین اشارہ ہو چکا تھا کہ ضالین یعنی نصاریٰ کے استیلا اور فتنہ کے وقت مسلمانون کی حالت علمی اور عملی اور اخلاقی اور سیاسی بالکل یہود کی حالت کی مانند ہو جائیگی چنانچہ خدا کے زندہ کلام کی یہ پیشگوئی صاف طور پہ پوری ہو گئی اور اب کون کہہ سکتا ہے کہ قوم کے ادبار اور نکبت کی حالت ہر رنگ مین مضروب الذلت قوم یہود کی مانند نہین غرض مادہ پرست

اور بالکل رو بدنیا اور آسمان سے قطعاً منقطع قومون کی طرح محمدن (اس بے ادبی اور گستاخی سے خدا کی پناہ) ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ نے قوم کی تباہی کے محض زمینی اور مادی اسباب قرار دئے اور مسٹر گلیسٹون کی طرح معمولی اور ظاہری علت پر سر جھکا دیا۔ اگر میرے اس بیان مین اعتدا ہے تو مجھ سے زیادہ شکر گذار نہ ہوگا کہ جناب سید مہدی علی صاحب خدا کے حضور مین کھڑا ہونیکے ہول کو مدنظر رکھکر حقیقت حقہ کے منہ سے نقاب کھولین اور بالبداہت اسے ذہن مین رکھ لین کہ ہم ان کے اجلاسون کے مختلف پریذیڈنٹون اور بہت سے محرکون اور موئیدون کے حال و قال سے ناواقف نہین۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ لوگ اپنے تقوے وطہارت اور اتباع اور رعایت حقوق اللہ وحقوق العباد کے لحاظ سے وہ لوگ ہین جو قوم کے شیرازہ کے لئے ناقابل نقض تاگا بن سکتے ہین اور یہی لوگ اس زمانہ مین صحابہ کا بروز ہین؟ مین یقین کرتا ہون کہ مین نے مختصراً بیان کر دیا ہے کہ جب تک قوم کو ابراہیمی قبلہ کیطرف متفق کر کے متوجہ نہ کیا جائے اور سب سے پہلے یہ کام کیا جائے تب تک کچھ نہ ہوگا اور مین نے دکھا دیا ہے کہ پہلے جب یہ قوم بنی تھی تو کن ذرائع اور اسباب سے بنی تھی اور اس کی اصلاح کے لئے کیا قانون بنایا گیا اور کیسا بابرکت اور زندہ نمونہ اس قوم کے سامنے پیش ہوا اور اس مقنن اور ہادی کو کیا صفات اور خصائص دئے گئے تھے جنسے قوم مین سچی اور لانظیر اطاعت کا مادہ پیدا ہوا۔ اگرچہ ان مین ہر ایک بات طبعاً تفصیل اور بسط چاہتی تھی مگر مجھے مصلحت نے اختصار اور اجمال پر مجبور کیا۔ مین یقین کرتا ہون کہ اسکے بعد ضرور یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ کارکنون پر ایک مایوسی کا عالم طاری ہو سکتا ہے کہ اب کیا کیا جائے اور قوم کی اصلاح کے لئے ان صفات کا آدمی کہان سے لایا جائے۔ لہذا مین زیادہ دیر تک اس دلکشن آمیز بیان کو معرض تحریر مین لانا نہین چاہتا اور صاف سنا دینا چاہتا ہون کہ خدا تعالے نے اپنے وعدہ کے موافق منہاج نبوت پر ایک سلسلہ قائم کر دیا ہے یا صاف لفظون مین یون کہا جائے کہ جیسا کہ زندہ خدا کی زندہ کتاب قرآن حکیم نے سورہ جمعہ مین فرمایا تھا وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ یعنی وہ رسول پاک جو امیون مین مبعوث ہوا اور ان کا تزکیہ کیا

اور کتاب اور حکمت انہین سکھائی وہ ایک اور قوم کا بھی ویسا ہی معلم اور مزکی ہوگا جو ہنوز صحابہ مین شامل نہین اور اس غرض کے ملئے اس کی بعثت ثانی ہوگی۔ اب اس وعدہ کے موافق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دوبارہ دنیا مین تشریف لائے ہین یا یون کہو کہ حضرت غلام احمد قادیانی کے بروز مین جلوہ گر ہوئے ہین یا یون سمجھو کہ خداوند علیم حکیم نے حضرت غلام احمد قادیانی کو وہی خو بو وہی برکات وہی انعامات اور وہی معجزات دیکر مبعوث فرمایا ہے از بسکہ زمانہ بگاڑ اور فساد مین اپنی اسی پہلی حالت پر آگیا بلکہ زیادہ فساد کی طرف جھک گیا تھا اور اسی تعلیم کی اسی قوت قدسی کی۔ ان ہی فیوض وبرکات کی۔ ان ہی معجزات اور خوارق عادات کی اور مقتدرانہ پیشگوئیون کی ضرورت تھی اس لیئے غیور خدا نے اس پاک اصل کے سچے ظل اور خلیفہ کو جو اسکی اتباع اور اسکے نام مین فانی ہوچکا ہوا ہے اور اپنا کچھ نہین رکھتا اور اس کی تعزیز اور توقیر اور تبجیل مین رات دن کوشش کرتا ہے وہ ساری قدرتین اور طاقتین دیکر دنیا مین بھیجا تاکہ از سر نو خدا کی حمد سے دنیا بھر جائے اور زہریلے سانپ کی کچلیان نکال ڈالی جائین۔ سب سے پہلے اس شخص نے اور اسی نے یہ اصطلاح نکالی کہ جیسا خدا تعالے زندہ اور قیوم ہے قرآن کریم بھی زندہ رسول ہے۔ یعنی اسلام مین اور دیگر باطل مذاہب مین بڑا بین مابہ الامتیاز یہی ہے کہ جن قدرتون اور طاقتون اور معجزہ نمائیون کا دعوے کسی زمانہ مین ان مذہبون نے کیا تھا اور اب وہ بے دست وپا اور بے برکت اور مردہ ہوگئے ہین قرآن کریم کا حال ان کے خلاف ہے۔ اس مین یہ برکت اور تاثیر اور روح حیات ہے کہ جن کمالات اور اقتدارات کا دعوے اس کے برکات کی وساطت سے ایک زمانہ مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا وہ تاثیرین اور برکات اور فیوض اور نشانات ابتک موجود ہین اور وہ قرآن کے سچے متبع کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہین اسلیئے کہ اگر نعوذ باللہ یہ بات نہو تو پھر اس مین اور دوسری مردہ کتابون مین کوئی فرق نہ ہوگا یہ پہلا شخص ہے جس نے خدا کی اور تمام نبیون کی اور نبیونکی خصوصیات کی یعنی وحی کی مکاشفہ کی۔ رویا صالحہ کی۔ استجابت دعا کی۔ اور پیشگوئیون کی کھوئی ہوئی عظمت اور عزت بحال کی۔ اور

قرآن کی جبروت کا سکہ دنیا مین بٹھادیا اور سارے جہان مین ہزارون اشتہار دیئے کہ اسوقت زندہ مذہب صرف اسلام ہے
اور اس دعوے کے ثبوت مین وہ باذن اللہ تمام وہ برکات اور انعامات اور فیوض دکھا سکتا ہے جو گذشتہ راستبازونکو دئے گئے
اور اب بجز اسلام کے اور کسی مذہب مین ان کا نام ونشان نہین - یہ پہلا شخص ہے جس نے عیسائی مذہب اور دوسرے
ایسے باطل طریقونکے استیصال کیلئے یہ حربہ نکالا کہ زندہ اور سچی اور خدا کی کتاب کا یہ نشان ہے کہ وہ دعوے بھی آپ ہی
کرے اور اس دعوے پر دلیل بھی اپنے اندر سے دے - اسسے انجیل کی - وید کی اور تمام ایسی مردہ کتابون کی عزت کی جڑ کٹ
گئی - یہ پہلا شخص ہے جس نے اسوقت کی ساری قومون پر نصرانیون پر - آریون پر - برہموون پر - نیچریون پر خدا تعالے کی حجت
ملزمہ پوری کی - یہ پہلا شخص ہے جسنے اپنی بیعت مین یہ عظیم الشان فقرہ رکھا جو اسکے ہر ایک پیرو کو اقرار بیعت کیوقت منہ سے
نکالنا اور اسپر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے کہ مین دین کو دنیا پر مقدم رکھونگا - جسطرح خدا نے قرآن کریم مین دو باتین رکھی تھین
جنکے ذریعہ سے وہ بابرکت اور ابدی کتاب ٹھہری یعنی عجیب تعلیم و تعلیم کی حفاظت کیلئے اقتداری پیشگوئیان - وہی انعام اور
برکت کا خلعت اسے پہنایا گیا جبکہ تعلیم مین یہ دعوے تھا کہ اسپر چلنے سے خدا خوش ہوتا ہے اور اسکے پیروونکو اس جہان کی اور
آیندہ کی خوشحالی ملتی ہے اور اسکے خلاف کرنے یا انکار سے خدا کا غضب نازل ہوگا اور راستی کے دشمن تباہ ہوجائینگے اور وہان دوسرے
عالم مین دوزخ مین جلین گے - اس لحاظ سے ضروری تھا کہ وہ انذار و تبشیر کے وعدے اس جہان مین بھی پورے ہوتے اور یون آخرت
کے عالم اور اسکے ایلام اور انعام کے ثبوت کیلئے بطور توطیہ اور تمہید کے ٹھہر جاتے - لاجرم خدا کے مبشر وعدونکے مطابق گمنام اور
ریگستان کے رہنے والے کسرے اور قیصر کے خزائن اور ممالک اور انکے سونے کے کنگنون اور مصر و شام کے حور و قصور اور
انہار اور غلمان کے مالک اور وارث ہوئے اسلئے کہ اس تمہید اور مقدمہ سے مہر لگ جائے اس دوسرے عالم کے مواعید صادقہ
پر اور آپکے اعدا تباہ ہوگئے اور اس دنیا کی نار یعنی جنگ کا ہیزم خشک بنگئے اسلئے کہ سچے ثابت ہوجائین اس عالم کے تمام خوفناک
وعید - اگر یہ دو باتین نہ ہوتین تو غیب الغیب خدا کی صفات یعنی اس کی قدرتون اور ارادون پر ایمان اور اس دوسرے دار اور
عالم اور اسکے حالات اور کیفیات پر یقین کبھی پیدا نہ ہوتا - توریت اور انجیل اور وید اور دوسری مردہ کتابون مین یہی نقص تھا
اور ان ہی دو باتون کی کمی تھی جسکی وجہ سے یہود قیامت کے منکر ہوگئے اور آخر پچھلی دو قومین بھی جیسی اصل مین ایک تھین خدا اور
دوسرے جہان کو پس پشت ڈالنے مین بھی ایک ہوگئین اسی طرح اور اسی رنگ مین قرآن کی عزت کیلئے اسلام کی سچائی کو اس جہان کے
وعید وہان منکرون پر ظاہر کرنیکیلئے خدا تعالے نے محمد احمد صلے اللہ علیہ وسلم کے حقیقی بروز احمد قادیانی کے ہاتھ پر نشان ظاہر کیئے چونکہ دو
قومین اسوقت سخت حملہ اور ظالمانہ رد اسلام پر کرتی اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی دلکو لبھانے والی توہین کرتی تھین

اور خدا اور اسکے سچے وعدون اور وعیدون سے نہین انکار تھا ان پر قیامت تک حجت پوری کرنیکے لئے بعد اتمام حجت کے یعنی اسلام کی تعلیم حق اور عجیب کو پیش کرنیکے بعد انکے دو فردون یا ظلم اور شرک کے پرستارونکی نسبت موت کی پیشگوئی کی اور آخر خدا کے قہر کی بجلی نے آتھم اور لیکھرام کے خرمن ہستی کو جلا کر اس ہمارے زمانہ مین اسلام اور بانی اسلام کی صداقت اور حقیت پر ویسی مہر لگا دی جیسے کہ اس خیر القرون مین بدر کی پیشگوئی کے پورا ہونیسے لگی اور اسطرح ثابت ہوگیا کہ قرآن کریم کی تعمیل کے اقرار اور انکار مین وہی پہلے کیسی زندہ اور قاہرانہ تاثیر اور برکت موجود ہے اسبات نے ایک عالم کو دکھا دیا کہ اسوقت ایک شخص ہی جو دشمنونکے مقابل اسلام کی عزت کو قائم رکھسکتا ہے + غرض جو مقاصد اور اغراض ندوۃ العلما نے اپنے اعلان مین لکھے ہین اور الفاظ مین انکے پورا ہونیکے لئے تڑپ اور گداز ش ظاہر کی ہے اور دردناک الفاظ مین ظاہر کیا ہے کہ اسلام کی جڑ کھوکھلی ہوگئی ہے اب حضرت غلام احمد قادیانی کے ذریعہ سے انکے پورا ہونیکی سبیل خدا تعالے نے نکالی ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو خدا نے اندرونی اصلاح کیلئے مہدی موعود یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات بطور ظل کے دیکر بھیجا ہے اور بیرونی حملونکے دفاع اور ان کے مفاسد کی اصلاح کیلئے زمانہ موجودہ کی اقتضا کے موافق آپکا نام مسیح موعود رکھا ہے اب آپکے وجود پاک مین وہ امام مفترض الطاعۃ موجود ہوگیا ہے جسکے علم کے نیچے متفرق اور منتشر فرقے اکٹھے ہوکر دنیوی اور دینی ترقی کر سکتے ہین۔ اس امین اور مامون پریذیڈنٹ کی صدارت کے نیچے کسی ممبر کی جرأت نہین کہ اختلاف اور نزاع کی آگ کو بھڑکا سکے۔ دنیا کو ایک عظیم انجمن کی ضرورت تھی جو مختلف گاڑیون کو کھینچ سکتا سو اب وہ آسمان سے نازل ہوگیا ہے اب تمام برکات اور انعامات قوم کو اسکے ذریعہ حاصل ہوسکتے ہین اور وہ تمام روکین اور موانع دور ہوسکتے ہین جو قوم کی ترقی روحانی اور جسمانی کی راہ مین ہین + ندوۃ العلما اور دیگر انجمنونکا فرض ہے کہ اس نادر انسان کی آواز پر کان لگائین بے التفاتی اور اعراض کرنیسے وہ خدا کے نزدیک سخت ملزم ہونگے۔ ایک لاکھ تک اس سلسلہ کے خدام کی نوبت پہونچگئی ہے اور بہت سی کتابین عربی مین فارسی مین اردو مین انگریزی مین اور لاکھون اشتہار اسکی تائید مین شائع ہوئے ہین۔ قوم کے لیڈرون پر فرض ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی مسعود کے دعاوی اور دلائل مین غور کرین اور پھر یا تو تائید کرین اور اس پاک سلسلہ مین داخل ہوکر قوم کی ترقی کی فکر کرین یا اسکی استیصال کیلئے زور لگائین اسلئے کہ اسلام کے ہزارون فرد دن بدن اس مین داخل ہوتے جاتے ہین اور اس سلسلہ کا دعوے ہے کہ بدون اسکے نہ اس جہان کی فلاح ہے اور نہ اس عالم مین نجات ہے اور یون ان دعاوی سے یہ سلسلہ دوسرے سلسلونکی راہ مین سخت ٹھوکر اور روک ہو رہا ہے۔ اسکی تائید یا تردید سے اعراض اور تغافل کرنا مروی سے بعید ہے۔ خدا کرے کہ ندوہ اور دیگر انجمنین اسطرف توجہ کرین اور اہل المومنین بنکر دوسرے لوگونکے لئے بلکہ سارے جہان کیلئے سنت حسنہ کی بنیاد ڈالنے والے ہون آمین +

عاجز عبد الکریم

ریویو آف ریلیجنز

یہ عجیب و غریب ماہواری مذہبی رسالہ قادیان ضلع گورداسپور سے ہر مہینہ کی بیس تاریخ کو نکلتا ہی اسکے مضامین جو تمام مذاہب باطلہ کی تردید اور اصول حقہ اسلام کی تائید مین ہوتے ہین عموماً حضرت اقدس میرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی مسعود کی قلم سے نکلتے ہین۔ عیسائیون آریون برہموؤن فلسفیون وغیرہ کے ہر ایک اعتراض کا جو وہ مذہب اسلام پر کرتے ہین جواب دیتا ہے۔ اس رسالے کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ زبان انگریزی مین دنیا کے سامنے انگلستان امریکہ وغیرہ مین جاتا ہے اور ایسے اسکی مضامین مخصوصاً اس قسم کے ہوتے ہین جنمین اسلام کا چمکتا ہوا چہرہ نظر آوے اور اسکا رعب لوگون پر قایم ہو۔ اور اسکی متعلق ہر ایک قسم کے شکوک و شبہات دور کیے جاوین۔

قیمت { انگریزی رسالہ ۔۔۔ سالانہ مع محصولڈاک } نمونے کا پرچہ ۸ / { اردو رسالہ معمولی کاغذ ... ولایتی کاغذ ... للعہ } وہم / و ۶ / پر

علی الترتیب ملتا ہی بغیر وصولی قیمت کے رسالہ کسی صاحب کے نام جاری نہین ہو سکتا۔ جو صاحب منی آرڈر کے ذریعہ قیمت ارسال نہ فرماوین انکو چاہیے کہ اپنی درخواست کے ساتھ اطلاع بھیجدین کہ پہلا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جاوے۔

(۲) یہ رسالہ تجارتی اشتہارات کے لئے بھی کھلا ہی بشرطیکہ وہ ہر ایک قسم کے فحش سے اور مبالغہ سے پاک ہون۔ اُجرت اشتہارات کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

	پورا صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
سالانہ	للعہ	دعہ	دعہ
ششماہی	دعہ	دعہ	عہ
سہ ماہی	دعہ	عہ	۸عہ
ایک بار	ے	للعہ	ے

نوٹ۔ یہ رسالہ اخبار الحکم (جو مہینے مین چار بار قادیان سے نکلتا ہی) سے ایک بالکل الگ اور نرالی طرز کا رسالہ ہے جس مین

جیون جواہر مشک۔ عنبر۔ مونگا۔ موتی۔ یاقوت اور بیش قیمت جواہرات سے خالص تیار ہوتی ہین انسان کی زندگی تندرستی اور طاقت کے لئے اس سے بہتر کوئی دوا نہین امراض قلب و اعصاب گردہ و مثانہ و فساد خون کے رفع کرنے مین بے مثل ہین۔ معدہ کو درست اور خون کو زہریلی مواد سے صاف اور تمام جسم کے اعصاب کو قوی اور مضبوط کرتی ہین وبائی اور زہریلی بیماریون کو روک دیتی ہین طبیعت مین تفریح اور غلط خواہ نشاط پہونچاتی ہین۔ عقل ہوش حواس حافظہ ذہن و ذکا کو ترقی دیتی ہین۔

عجیب و غریب مرہم عیسے اگر آپ دنیا بھر مین سب سے اچھا پُر تاثیر تیر بہدف ہر قسم کے زخمون۔ جراحتون۔ چوٹون۔ گلٹیون خنازیر۔ سرطان۔ طاعون اور ہر ایک قسم کی خبیث نیلی پھوڑون۔ پھنسیون۔ ناصورون۔ بواسیر گنج۔ خارش اور طرح طرح کی جلد بیماریون۔ ہاتھونکی سردی سے پھٹ جانے۔ جانورون کے کاٹ لینے۔ جل جانے عورتون کے خطرناک امراض سرطان رحم وغیرہ کیلئے صدہا سال کا مجرب ہر طبقہ کے حکماء کا متفقہ و تجربہ بابرکت علاج چاہتے ہین تو یہ بابرکت مرہم صرف اس کارخانہ سے منگائیے جو اسکو خالص اجزا سے تیار کرنیکا ذمہ دار ہے طبی جہان اس کے کامیاب تاثیرات کا ممنون ہے۔ قیمت فی ڈبیہ ۱۲؍ ۔

پاکٹ کیس ادویات۔ اکثر جانین طبیب اور علاج کے بروقت نہ پہونچنے سے سخت تکلیف برداشت کرتی اور بعض وقت بحسرت ہلاک ہوجاتی ہین۔ اس دردناک حالت کو دیکھ کر ہم نے یہ پاکٹ کیس تیار کیا ہی اور اسمین مختلف پچاس ساٹھ بیماریون کی جنکی اکثر شکایت رہتی ہی وقتاً فوقتاً صحیح مجرب ادویہ رکھی ہین جنسے بڑھ کر ڈاکٹری اور یونانی طب اسوقت کچھ ثابت نہین کرسکتی اور یہ کیس ایسا بنایا گیا ہی کہ جیب مین رہ سکے۔ ایک کتاب ترکیب استعمال اسکی ہمراہ ہی اور ہر طرح سے اسی آسانی کیگئی ہی کہ شدبد جاننے والا انسان بھی سفر و حضر مین اسکو سمجھکر پورے طبیب کا کام دے سکتا ہی اور ادویہ کے استعمال بروقت سے جان مریض کو خطرات معلقہ سے بچا سکتا اس لئے اس پاکٹ کیس کا ہر ایک انسان کے پاس ہر حالت مین ہونا ضروری ہے قیمت صہ و عہ

عمدۃ التقویم ۱۹۱۶ء مع فہرست ادویات مفت | کارخانہ مرہم عیسے حکیم محمد حسین برادرس لاہور طلب کرو | تحفۂ صحت نامہ معہ فہرست ادویات کارخانہ مرہم عیسے

خریداران رسالہ کے نام ضروری اطلاع

۱۔ خریداران کو خط و کتابت مین اور ترسیل زر کے وقت نمبر کا ضرور حوالہ دینا چاہیئے۔ اس سے پہلے بھی اس امر کی اطلاع دیجاچکی ہے لیکن اسکی طرف کافی توجہ نہین کیگئی۔ اس رسالہ کے خریدارون کے ہاتھ مین پہونچنے کے بعد جو صاحب اس قاعدہ کی پابندی کو مدنظر نہ رکھینگے انکی عدم تعمیل کی شکایت بجا نہ ہوگی۔

۲۔ جن اصحاب کو وقت پر رسالہ نہ پہونچے انکو فی الفور دفتر مین اس امر کی اطلاع دینی چاہیئے۔ بعض صاحب کئی کئی ماہ بعد پچھلے نمبر طلب کرتے ہیں جس کی تعمیل دفتر مین بعض وقت مشکل ہوجاتی ہے۔

محمد علی
مینیجر رسالہ

میرے پاس ایک سرمہ ہے جو ہر ایک قسم کی چشم امراض کے لئے تاثیر اکسیر رکھتا ہے میرے آباو اجداد سے یہ سرمہ استعمال میں آ رہا ہے ...

آو لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ✣ لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اول ستمبر ۱۹۰۲ء نمبر ۹

فہرست مضامین

انجمن اشاعتِ اسلام قادیان نے انوار احمدیہ پریس قادیان دارالامان مین باہتمام شیخ یعقوب علی تراب احمدی مالک مطبع چھپوا کر ۲۰ نومبر ۱۹۰۲ء کو شایع کیا۔

رسالہ ہذا کے متعلق ایک نئی تجویز

ابتدا مین جب انگریزی کیساتھ اردو رسالہ شایع کرنیکی تجویز ہوئی تھی تو بعض امور کو مدنظر رکھکر مجلس منتظمہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اردو رسالہ انگریزی سے دو ماہ بعد نکلا کرے چنانچہ اسی تجویز کیمطابق پہلا نمبر جو جنوری سنہ ۱۹۰۲ء مین نکلنا چاہئے تھا مارچ سنہ ۱۹۰۲ء مین شایع ہوا لیکن تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہی کہ یہ توقف اردو رسالہ کے مفید بنانے مین ایک بڑی روک ہے۔ اور اردو خوان احباب کو مضامین بجائے تازہ بتازہ ملنے کے بالکل باسی ہوکر ملتے ہین اسلئے مجلس منتظمہ نے یہ فیصلہ کیا ہی کہ نئے سال کی ابتدا سے اردو اور انگریزی کے نمبر اکٹھے شایع ہوا کرین ہم امید کرتے ہین کہ خریداران میگزین اس تجویز کو بہت پسند کرین گے۔ اور ایک اور فائدہ انگریزی اور اردو کے نمبرون کے اکٹھا کرنیمین یہ ہوگا کہ جو صاحب چاہین گے وہ اردو سے انگریزی اور انگریزی سے اردو ترجمہ مین اس سے فائدہ اٹھا سکینگے۔ اس تجویز کیمطابق ضروری ہی کہ جنوری سنہ ۱۹۰۳ء کے نمبر کیساتھ نومبر سنہ ۱۹۰۲ء اور دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء کا نمبر بھی شایع ہو جاوے اسلئے خریداران رسالہ کیخدمت مین اطلاعاً التماس ہی کہ سنہ ۱۹۰۲ء کا چندہ دسمبر کے پرچے کے ساتھ ختم ہو جائیگا اور جنوری سنہ ۱۹۰۳ء کا پرچہ نئے سال کے چندے میں محسوب ہوگا۔

محمد علی منیجر رسالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ڈوئی کی اس پیشگوئی کا جواب جو اُس نے تمام مسلمانوں کی ہلاکت کیلئے کی ہے

ہر ایک کو جو حق کا طالب ہے معلوم ہو کہ یہ قدیم سے سنت اللہ ہے کہ جب زمین پر بدعقیدگی اور بداعمالی پھیل جاتی ہے اور لوگ اس سچے خدا کو چھوڑ دیتے ہین جو آدم پر ظاہر ہوا اور پھر شیث پر اور پھر نوح پر اور ایسا ہی ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور یوسف پر اور موسےٰ پر اور آخر مین جناب سید الرسل محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر تو ایسے زمانہ مین جبکہ شرک اور ناپاکی اور بدکاری اور دنیا پرستی اور غافلانہ زندگی سے زمین ناپاک ہو جاتی ہے خداتعالیٰ کسی بندہ کو مامور کرکے اور اپنی طرف سے اس مین روح پھونک کر دنیا کی اصلاح کے لیئے بھیجدیتا ہے اور اس کو اپنی عقل مین سے عقل بخشتا ہے اور اپنی طاقت مین سے طاقت اور اپنے علم مین سے علم عطا کرتا ہے اور خدا کی طرف سے ہونے کا اس مین یہ نشان ہوتا ہے کہ دنیا اس کا مقابلہ نہین کر سکتی اگر معارف حقایق کے رو سے کوئی شخص اس کے مقابل پر آوے تو وہی حقائق اور معارف مین غالب آتا ہے اور اگر اعجازی نشانون کا مقابلہ ہو تو غلبہ اسی کو ہوتا ہے اور اگر کوئی اس طور سے اس کے ساتھ بالمقابل یا بطور خود مباہلہ کرے کہ جو شخص ہم دونون مین سے جھوٹا ہے وہ پہلے مرجائے تو ضرور اس کا دشمن پہلے مرتا ہے اب اس زمانہ مین جب خدا نے دیکھا کہ زمین بگڑ گئی اور کروڑہا مخلوقات نے شرک کی راہ اختیار کرلی اور چالیس کروڑ سے بھی زیادہ ایسے لوگ دنیا مین پیدا ہوگئے کہ ایک عاجز انسان مریم کے بیٹے کو خدا بنا رہے ہین اور ساتھ ہی شراب خواری اور بدقیدی اور دنیا پرستی اور غافلانہ زندگی انتہا تک پہونچ گئی تو خداتعالےٰ نے مجھے اس کام کے لئے مامور کیا کہ تا مین ان خرابیون کی اصلاح کرون سو ابتک میرے ہاتھ پر ایک لاکھ کے قریب انسان بدی سے اور بدعقیدگی اور بداعمالی سے

توبہ کر چکا ہے اور ڈیڑھ سو سے زیادہ نشان ظاہر ہو چکا ہے جس کے اس ملک مین کئی لاکھ انسان گواہ ہین اور
مین بھیجا گیا ہون کہ تا زمین پر دوبارہ توحید کو قائم کرون اور انسان پرستی یا سنگ پرستی سے لوگون کو
نجات دیکر خدائے واحد لاشریک کی طرف ان کو رجوع دلاؤن اور اندرونی پاکیزگی اور راستبازی کیطرف
ان کو توجہ دون چنانچہ مین دیکھتا ہون کہ لوگون مین ایک تحریک پیدا ہو گئی ہے اور ہزارہا لوگ میرے
ہاتھ پر توبہ کرتے جاتے ہین اور آسمان سے ہوا بھی ایسی چل رہی ہے کہ اب توحید کے موافق طبیعتین ہوتی
جاتی ہین اور صریح معلوم ہوتا ہے کہ اب خدا تعالے کا یہ ارادہ ہے کہ انسان پرستی کو دنیا سے معدوم کردے
اس ارادہ کے پورا کرنے کے لئے صدہا اسباب پیدا کئے گئے ہین افسوس کہ مخلوق پرست لوگ جن سے
مراد میری اس جگہ وہ عیسائی ہین جو مریم کے صاحبزادہ کو خدا جانتے ہین ابھی اپنے مشرکانہ مذہب کی اس
ترقی پر خوش نہین ہوئے جو اب تک ہو گئی ہے بلکہ وہ چاہتے ہین کہ تمام دنیا حقیقی خدا کو چھوڑ کر اس ضعیف
اور عاجز انسان کو خدا کر کے مانے جس کو ذلیل یہودیون نے پکڑ کر صلیب پر کھینچا تھا اس خواہش کا بجز
اس کے اور کوئی سبب نہین کہ مخلوق پرستی کی عادت نہایت بد عادت ہے جس مین گرفتار ہو کر پھر انسان
دیکھتا ہوا اندھا ہو جاتا ہے مگر پادریون کی اس قدر دلیری بہت ہی قابل تعجب ہے کہ وہ نہین چاہتے روئے زمین
پر ایک بھی ایسا شخص رہے کہ وہ اس اصلی خدا کو ماننے والا ہو جو ابن مریم اور اس کی مان کے پیدا ہونے
سے بھی پہلے ہی موجود تھا بلکہ وہ چاہتے ہین کہ کل دنیا اور کل نوع انسان جو آسمان کے نیچے ہے ابن مریم
کو ہی خدا سمجھ لے اور اسی کو اپنا معبود اور خالق اور خداوند اور منجی مان لے اور مین دیکھتا ہون کہ ان کے ارادون
کے مقابل پر خدائے ذوالجلال نے بہت صبر کیا ہے اس کی عزت ایک عاجز بندہ کو دی گئی اس کے جلال کو
خاک مین ملایا گیا مگر اس نے اب تک صبر کیا کیونکہ جیسا کہ وہ غیور ہے ویسا ہی وہ صابر بھی ہے ان ظالم
مخلوق پرستون نے تمام خدائی صفات یسوع ابن مریم کو دیدیئے اب ان کی نظر مین جو کچھ ہے یسوع ہے
اس کے سوا کوئی خدا نہین - اب سچے خدا کی مثال یہ ہے کہ ایک امیر نے اپنے عزیزون کے لیئے ایک نہایت
عمدہ گھر بنایا اور اس کے ایک حصہ مین ایک بستان سرائے تیار کیا جس مین طرح طرح کے پھول اور پھل اور
سایہ دار درخت تھے اور اس گھر کے ایک حصہ مین اپنے ان عزیزون کو رکھا اور ایک حصہ مین اپنا مال و
حشمت اور قیمتی اسباب مقفل کیا اور ایک حصہ بطور سرائے کے مسافرون کے لئے چھوڑا لیکن جب مالک
چند روز کے لئے سیر کو گیا تو ایک شوخ دیدہ اجنبی نے اس کے اس گھر پر جو بطور سرائے کے تھا دخل اور

تصرف کر لیا اور تمام گھر بجز چند حجرون کے جس مین اس مالک کے عزیز تھے یا جن مین اس مالک کا قیمتی اسباب مقفل تھا خود بخود استعمال مین لانے لگا اور اس سرائے کو اپنا گھر بنالیا اور پھر اسی پر کفائت نہ کی بلکہ اس گھر سے اس مالک کے عزیزون کو نکالدیا اور مقفل مکانون کے قفل توڑ دیئے اور تمام اسباب پر اپنا قبضہ کر لیا اب مالک جو صرف اس گھر کا مالک نہین بلکہ اس ملک کا بادشاہ بھی ہے جب اس شہر مین آئے گا اور اس ظلم اور شوخی کو دیکھے گا تو کیا کرے گا اس کا یہی جواب ہے کہ جو کچھ مقتضا اس کی سلطنت اور غیرت اور جبروت کا ہے سب کچھ عمل مین لائے گا اور اس گھر کو اس ظالم سے خالی کرا کر پھر اپنے مظلوم عزیزون کو اس مین داخل کرے گا اور وہ تمام مال جو غصب کیا گیا ان کو دے گا اور وہ مسافر خانہ بھی انہین کو عطا کردیگا تا آئندہ ان کی مرضی کے برخلاف کوئی اس مین زیادہ ٹھہر نسکے۔ اسی طرح اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ تمام مذہبی جھگڑون کا فیصلہ کر دیوے۔ انسانون مین بہت سی لڑائیان ہوئین بہت سے جنگ ہوئے لیکن ان کے جنگون یا جہادون سے یہ جھگڑا فیصلہ نہ ہوسکا آخر ان کی تلوارین ٹوٹ کر رہ گئین اس سے انسانون کو یہ سبق ملا کہ مذہبی جھگڑون کا تلوار فیصلہ نہین کر سکتی لیکن ہم جانتے ہین کہ اب آسمانی فیصلہ نزدیک ہے کیونکہ خدائے غیور کی زمین پر نہایت تحقیر ہو رہی ہے ہر ایک عیسائی مشنری یہ جوش اپنے دل مین رکھتا ہے کہ وہ خدا جس کی نسبت توریت مین اب تک صحیح تعلیم موجود ہے اس کو بالکل معطل کرکے ابن مریم کو اس کا تخت دیا جائے اور دنیا مین ایک بھی اس خدا کا نام لیوا نہ ہو اور ہر ایک قوم کے منہ سے اور ہر ایک ملک سے یہی آواز نکلے کہ یسوع مسیح خدا اور رب العالمین اور خداوندون کا خداوند ہے اور یہ صرف آرزو نہین بلکہ یسوع کو خدا بنانے کے لیے جس قدر روپیہ صرف کیا گیا ہے جس قدر کتابین لکھی گئی ہین جس قدر ہر ایک تدبیر کی گئی دنیا کی ابتدا سے آج تک اس کی نظیر موجود نہین اور افسوس کہ ایک مدت سے مسلمانون کی یہ عادت ہے کہ معقول اور سیدھے طور پر اس مذہب کا مقابلہ نہین کرتے بلکہ اگر خاص مجمعون مین کبھی یہ ذکر آتا ہے تو بڑا ذریعہ اپنی ترقی کا جہاد کو ٹھہراتے ہین اور ایک ایسے زمانہ کے منتظر ہین کہ گویا اس وقت ان کا کوئی مہدی اور مسیح تلوار سے تمام قومون کو نابود کر دے گا گویا وہ اعتراض جو نادانون نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تلوار پر کیا تھا اس کا جواب بھی آخر کار تلوار ہی ہوگا میری دانست مین یہی سبب مسلمانون کے تنزل کا ہے کہ انسانی رحم کی قوت ان کے دلون سے بہت گھٹ گئی ہے مین ہر ایک مسلمان کو ایسا نہین سمجھتا لیکن مین اس سے انکار نہین کر سکتا کہ کروڑہا انسان ابھی ان مین ایسے موجود ہین کہ

بنی نوع کے خون کے پیاسے ہین مجھے تعجب ہے کہ کیا وہ پسند کرتے ہین کہ ان کو کوئی قتل کر دے اور ان کے یتیم بچے اور ان کی بیوہ عورتین بیکسی کی حالت مین رہ جائین پھر وہ دوسرون کی نسبت ایسا کرنا کیون روا رکھتے ہین مجھے یقین ہے کہ اگر یہ مرض مسلمانون کے لاحق حال نہ ہوتی تو وہ تمام یورپ کے دلون کو فتح کر لیتے ہر ایک پاک کانشنس گواہی دیسکتا ہے کہ عیسائی مذہب کچھ بھی چیز نہین انسان کو خدا بنا دینا کسی عقلمند کا کام نہین یسوع مسیح مین اور انسانون کی نسبت ایک ذرہ خصوصیت نہین بلکہ بعض انسان اس سے بہت بڑھکر گذرے ہین اور اب بھی یہ عاجز اسی لیئے بھیجا گیا ہے کہ تا خدائے قادر لوگون کو دکھلاوے کہ اسکا فضل اس عاجز پر اس مسیح سے بڑھکر ہے اور پھر یہ غلطیان کہ گویا یسوع مسیح ابتک زندہ ہے اور گویا وہ آسمان پر ہے اور گویا وہ سچ مچ مردے زندہ کیا کرتا تھا اور اس کے مرنے پر یروشلم کے تمام مردے جو آدم کے وقت سے لیکر مسیح کے وقت تک مر چکے تھے زندہ ہوکر شہر مین آگئے تھے یہ سب جھوٹی کہانیان ہین جیسا کہ ہندوؤن کے پورانون مین ہین اور سچ صرف اس قدر ہے کہ اس نے بھی بعض معجزات دکھلائے جیسا کہ نبی دکھلاتے تھے اور جیسا کہ اب خدا تعالے اس عاجز کے ہاتھ پر دکھلا رہا ہے مگر مسیح کے کام تھوڑے تھے اور جھوٹے ان مین بہت ملا یا گیا یہ کس قدر قابل شرم جھوٹ ہے کہ وہ زندہ ہوکر آسمان پر چڑھ گیا مگر اصل حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ صلیب پر مرا نہین واقعات صاف گواہی دیتے ہین کہ مرنے کی کوئی بھی صورت نہین تھی تین گھنٹے کے اندر صلیب پر سے اتار اگیا۔ شدت درد سے بیہوش ہو گیا خدا کو منظور تھا کہ اس کو یہودیون کے ہاتھ سے نجات دے اس لیئے اس وقت بباعث کسوف خسوف سخت اندھیرا ہو گیا یہودی ڈر کر اس کو چھوڑ گئے اور یوسف نام ایک پوشیدہ مرید کے وہ حوالہ کیا گیا اور دو تین روز ایک کوٹھہ مین جو قبر کے نام سے مشہور کیا گیا رکھکر آخر افاقہ ہونے پر ملک سے نکلگیا اور نہایت مضبوط دلائل سے ثابت ہو گیا ہے کہ پھر وہ سیر کرتا ہوا کشمیر مین آیا باقی حصہ عمر کا کشمیر مین بسر کیا سری نگر محلہ خان یار مین اس کی قبر ہے افسوس خواہ نخواہ افترا کے طور پر آسمان پر چڑھایا گیا اور آخر قبر کشمیر مین ثابت ہوئی اس بات کے ایک دو گواہ نہین بلکہ بیس ہزار سے زیادہ گواہ ہین +

اس قبر کے بارے مین ہم نے بڑی تحقیق سے ایک کتاب لکھی ہے جو عنقریب شایع کی جائے گی مجھے اس قوم کے مشنریون پر بڑا ہی افسوس آتا ہے جنہون نے فلسفہ طبعی ہیئت سب پڑھکر ڈبو دیا ہے اور خواہ نخواہ ایک عاجز انسان کو پیش کرتے ہین کہ اس کو خدا مان لو چنانچہ حال مین ملک امریکہ مین یسوع مسیح کا

ایک رسول پیدا ہوا ہے جس کا نام ڈوئی ہے اس کا دعوے ہے کہ یسوع مسیح نے بحیثیت خدائی دنیا مین اسکو بھیجا ہی تا سب کو اس بات کیطرف کھینچے کہ بجز مسیح کے اور کوئی خدا نہین مگر یہ کیسا خدا ہے کہ یہودیون کے ہاتھ سے اپنے تیئن بچا نہ سکا ایک دنیا باز شاگرد نے اس کو پکڑوا دیا اس کا کچھ بندوبست نہ کر سکا انجیر کے درخت کیطرف دوڑا گیا اور یہ خبر نہ ہوئی کہ اس پر پھل نہین اور جب قیامت کے بارے مین اس سے پوچھا گیا کہ کب آئے گی تو بے خبری ظاہر کی اور لعنت جس کے یہ معنے ہین کہ دل ناپاک ہو جائے اور خدا سے بیزار ہو جائے اور خدا سے اور اس کی رحمت سے دور جا پڑے وہ اسپر پڑی اور پھر وہ آسمان کی طرف اس لئے چڑھا کہ باپ اس سے بہت دور تھا کروڑہا کوس سے بھی زیادہ دور تھا اور یہ دوری کسی طرح دور نہین ہو سکتی تھی جبتک وہ مع جسم آسمان پر نہ چڑھتا دیکھو کس قدر کلام کا تناقض ہے ایک طرف تو یہ کہتا ہے کہ مین اور باپ ایک ہین اور ایکطرف کروڑہا کوس کا سفر کر کے اس کے ملنے کو جاتا ہے جبکہ باپ اور بیٹا ایک تھے تو اس قدر مشقت سفر کی کیون اٹھائی جہان ہوتا وہین باپ بھی تھا دونو ایک جو ہوئے اور پھر وہ کس کے دہنے ہاتھ بیٹھا۔ اب ہم ڈوئی کو مخاطب کرتے ہین جو یسوع مسیح کو خدا بناتا اور اپنے تیئن اس کا رسول قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ توریت استثنا ۱۸ باب آیت پندرہ کی پیشگوئی میرے حق مین ہے اور مین ہی ایلیا اور مین ہی عہد کا رسول ہون نہین جانتا کہ یہ مصنوعی خدا اس کا موسے کے کبھی خواب خیال مین بھی نہین تھا موسے نے بنی اسرائیل کو یہی بار بار کہا کہ خبردار کسی مجسم چیز انسان یا حیوان کو خدا قرار نہ دینا نہ آسمان پر سے نہ زمین سے۔ خدا نے تم سے باتین کین مگر تم نے اس کی کوئی صورت نہین دیکھی تمہارا خدا صورت اور تجسم سے پاک ہے مگر اب ڈوئی موسے کے خدا سے برگشتہ ہو کر وہ خدا پیش کرتا ہے جسکے چار بھائی اور ایک مان ہے اور بار بار اپنے اخبار مین لکھتا ہے کہ اسکے خدا یسوع مسیح نے اس کو خبر دی ہے کہ تمام مسلمان تباہ اور ہلاک ہو جائینگے اور دنیا مین کوئی زندہ نہین رہے گا بجز ان لوگون کے جو مریم کے بیٹے کو خدا سمجھ لین اور ڈوئی کو اس مصنوعی خدا کا رسول قرار دین ہم ڈوئی کو ایک پیغام دیتے ہین کہ اس کو تمام مسلمانون کے مارنے کی کیا ضرورت ہے وہ محبوب مریم کے عاجز بیٹے کو خدا کیونکر مان لین بالخصوص اس زمانہ مین جبکہ ڈوئی کے خدا کی قبر بھی اس ملک مین موجود ہے اور ان مین وہ مسیح موعود بھی موجود ہے جو چھٹے ہزار کے اخیر اور ساتوین ہزار کے سر پر ظاہر ہوا جس کے ساتھ بہت سے نشان ظہور مین آئے اور ڈوئی کا یہ الہام کہ تمام مسلمان ہلاک ہو جائین گے

اور وہی لوگ باقی رہین گے جو یسوع مسیح کو خدا مانین گے اور ساتھ ہی ڈوئی کو بھی اس خدا کا رسول مان لین گے اس الہام کے رو سے تو باقی عیسائیون کی بھی خیر نہین کیونکہ گو وہ مریم کے صاحبزادہ کو خدا مانتے تھین مگر یہ جھوٹا رسول جو ڈوئی ہے ابتک انہون نے تسلیم نہین کیا اور ڈوئی نے صاف طور پر یہ الہام شائع کر دیا ہے کہ صرف یسوع مسیح کو خدا ماننا کافی نہین جب تک ڈوئی کو بھی ساتھ ہی نہ مان لین اور چاہیئے کہ صاف اقرار کرے کہ ڈوئی ایلیا اور ڈوئی عہد کا رسول اور ڈوئی کے حق مین ہی وہ پیشگوئی ہے جو توریت استثنا باب ۱۸- آیت پندرہ مین ہے تب بچین گے ورنہ ہلاک ہو جائین گے غرض ڈوئی بار بار لکھتا ہے کہ عنقریب یہ سب لوگ ہلاک ہو جائین گے بجز اس گروہ کے جو یسوع کی خدائی مانتا ہے اور ڈوئی کی رسالت - اس صورت مین یورپ اور امریکہ کے تمام عیسائیون کو چاہیئے کہ بہت جلد ڈوئی کو مان لین تا ہلاک نہ ہو جائین اور جبکہ انہون نے ایک نامعقول امر کو مان لیا ہے یعنے یسوع مسیح کی خدائی کو تو چلو یہ دوسرا نامعقول امر بھی مان لو کہ اس خدا کا ڈوئی رسول ہے +

رہے مسلمان سو ہم ڈوئی صاحب کی خدمت مین بادب عرض کرتے ہین کہ اس مقدمہ مین کروڑہا مسلمانون کے مارنے کی کیا حاجت ہے ایک سہل طریق ہے جس سے اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ آیا ڈوئی کا خدا سچا خدا ہے یا ہمارا خدا وہ بات یہ ہے کہ وہ ڈوئی صاحب تمام مسلمانون کو بار بار موت کی پیشگوئی نہ سناوین بلکہ ان مین سے صرف مجھے اپنے ذہن کے آگے رکھکر یہ دعا کر دین کہ ہم دونون مین سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرجائے کیونکہ ڈوئی یسوع مسیح کو خدا جانتا ہے مگر مین اس کو ایک بندہ عاجز مگر نبی جانتا ہون اب فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ دونون مین سے سچا کون ہے چاہیئے کہ اس دعا کو چھاپ دے اور کم سے کم ہزار آدمی کی اس پر گواہی لکھے اور جب وہ اخبار شائع ہو کر میرے پاس پہونچے گی تب مین بھی بجواب اس کے یہی دعا کرونگا اور انشاء اللہ ہزار آدمی کی گواہی لکھدونگا اور مین یقین رکھتا ہون کہ ڈوئی کے اس مقابلہ سے اور تمام عیسائیون کے لئے حق کی شناخت کے لیئے ایک راہ نکل آئے گی مین نے ایسی دعا کے لئے سبقت نہین کی بلکہ ڈوئی نے کی اس سبقت کو دیکھکر غیور خدا نے میرے اندر یہ جوش پیدا کیا اور یاد رہے کہ مین اس ملک مین معمولی انسان نہین ہون مین وہی مسیح موعود ہون جس کا ڈوئی انتظار کر رہا ہے صرف یہ فرق ہے کہ ڈوئی کہتا ہے کہ مسیح موعود پچیس برس کے اندر اندر پیدا ہو جائیگا اور مین بشارت دیتا ہون کہ وہ مسیح پیدا ہو گیا اور وہ مین ہی ہون صدہا نشان زمین سے اور آسمان سے

میرے لئے ظاہر ہو چکے ایک لاکھ کے قریب میرے ساتھ جماعت ہے جو زور سے ترقی کر رہی ہے ڈوئی بیہودہ باتین اپنے ثبوت مین لکھتا ہے کہ مین نے ہزارہا بیمار توجہ سے اچھے کئے ہین ہم اس کا جواب دیتے ہین کہ کیون پھر اپنی لڑکی کو اچھا نہ کرسکا اور وہ مر گئی اور ابتک اس کے فراق مین روتا ہے اور کیونکر اپنے اس مرید کی عورت کو اچھا نہ کرسکا جو بچہ جن کر مر گئی اور اس کی بیماری پر بلایا گیا مگر وہ گذر گئی یاد رہے کہ اس ملک کے صدہا عام لوگ اس قسم کے عمل کرتے ہین اور سلب امراض مین بہتون کو مشق ہو جاتی ہے اور کوئی ان کی بزرگی کا قائل نہین ہوتا پھر امریکہ کے سادہ لوحون پر نہایت تعجب ہے کہ وہ کس خیال مین پھنس گئے کیا ان کے لئے مسیح کو ناحق خدا بنانے کا بوجھ کافی نہ تھا کہ یہ دوسرا بوجھ بھی انہون نے اپنے گلے ڈال لیا اگر ڈوئی اپنے دعوے مین سچا ہے اور درحقیقت یسوع مسیح خدا ہے تو یہ فیصلہ ایک ہی آدمی کے مرنے سے ہو جائے گا۔ کیا حاجت ہے کہ تمام ملکون کے مسلمانون کو ہلاک کیا جائے لیکن اگر اس نے اس نوٹس کا جواب نہ دیا اور یا اپنے لاف وگزاف کے مطابق دعا کر دی اور پھر دنیا سے قبل میری وفات کے اٹھایا گیا تو یہ تمام امریکہ کے لیئے ایک نشان ہو گا مگر یہ شرط ہے کہ کسی کی موت انسانی ہاتھون سے نہ ہو بلکہ کسی بیماری سے یا بجلی سے یا سانپ کے کاٹنے سے یا کسی درندہ کے پھاڑنے سے ہو اور ہم اس جواب کے لئے ڈوئی کو تین ماہ تک مہلت دیتے ہین اور دعا کرتے ہین کہ خدا سچون کے ساتھ ہو آمین ؛

یاد رہے کہ صادق اور کاذب مین فیصلہ کرنے کے لیئے ایسے امور ہرگز معیار نہین ٹھہر سکتے جو دنیا کی قومون مین مشترک ہین کیونکہ کم وبیش ہر ایک قوم مین وہ پائے جاتے ہین انہین امور مین سے طریق سلب امراض بھی ہے یہ طریق نامعلوم وقت سے ہر ایک قوم مین رائج ہے ہندو بھی ایسے کرتب کیا کرتے ہین اور یہودیون مین بھی یہ طریق چلے آتے ہین اور مسلمانون مین بھی بہت سے لوگ سلب امراض کے مدعی ہین اور سچ بات یہ ہے کہ اس طریق کو حق اور باطل کے فیصلہ کرنے کے لئے کوئی دخل نہین کیونکہ اہل حق اور اہل باطل دونون اس مین دخل پیدا کرسکتے ہین چنانچہ انجیلون سے بھی ثابت ہے کہ جب حضرت عیسے اس طریق توجہ سے بعض امراض کو اچھا کرتے تھے تو ان کی زندگی مین ہی ایسے لوگ بھی موجود تھے کہ ان کے مرید اور حواری نہ تھے مگر اسی طرح امراض کو اچھا کر لیتے تھے جیسا کہ حضرت عیسے کر لیتے تھے اور اسوقت ایک تالاب بھی ایسا تھا جس مین غوطہ لگا کر اکثر امراض اچھی ہو جاتی تھین

سو یہ مشق توجہ اور سلب امراض کی جو عام طور پر قوموں کے اندر پائی جاتی ہے یہ سچے مذہب کے لیئے کامل شہادت نہین ٹھہر سکتی ہان اس صورت مین کامل شہادت ٹھہر سکتی ہے کہ دو فریق جو اپنے اپنے مذہب کی سچائی کے مدعی ہین وہ چند بیمار مثلاً بیس بیمار قرعہ اندازی سے باہم تقسیم کرلین اور پھر ان دونون مین سے جسکے بیمار فریق مقابل سے بہت زیادہ اچھے ہوجائین اس کو حق پر سمجھا جائے گا چنانچہ گذشتہ دنون مین ایسا ہی مین نے اس ملک مین اشتہار دیا تھا مگر کسی نے اس کا مقابلہ نکیا مگر مین سچ سچ کہتا ہون کہ اگر ڈوئی یا اور کوئی ڈوئی کا ہمجنس اس مقابلہ کے لیئے میرے مقابل آئے تو میرا خدا اس کو سخت ذلیل کرے گا کیونکہ وہ جھوٹا ہے اور اس کا خدا بھی محض باطل کا پتلا ہے لیکن افسوس کہ اس قدر دوری مین یہ مقابلہ میسر نہین آسکتا مگر خوشی کی بات ہے کہ ڈوئی نے خود یہ طریق فیصلہ پیش کیا ہے کہ مسلمان جھوٹے ہین اور ہلاک ہوجائین گے اس طریق فیصلہ مین ہم اس قدر ترمیم کرتے ہین کہ تمام مسلمانون کو نشانہ بنانے کی ضرورت نہین اس طرح پر تو ڈوئی کے ہاتھ مین مکار لوگون کی طرح یہ عذر باقی رہ جائے گا کہ مسلمان ہلاک نہ ہون گے مگر پچاس یا ساٹھ یا سو برس کے بعد اتنے مین ڈوئی خود مرجائے گا تو کوئی اس کی قبر پر جاکر اسکو ملزم کرے گا کہ تیری پیشگوئی جھوٹی نکلی پس اگر ڈوئی کی سیدھی نیت ہے اور وہ جانتا ہے کہ یہ سبق درحقیقت مریم کے صاحبزادہ نے ہی اسکو دیا ہے جو اسکے نزدیک خدا ہے تو یہ ٹھگون والا طریق اس کو اختیار نہین کرنا چاہئے کہ اس سے کوئی فیصلہ نہین ہوگا بلکہ طریق یہ ہے کہ وہ اپنے مصنوعی خدا سے اجازت لیکر میرے ساتھ اس بارے مین مقابلہ کرے۔ مین ایک آدمی ہون جو پیرانہ سالی تک پہونچ چکا ہون میری عمر غالباً چھیاسٹھ سال سے بھی کچھ زیادہ ہے اور ذیابیطس اور اسہال کی بیماری بدن کے نیچے کے حصہ مین اور دوران سر اور کمی دوران خون کی بیماری بدن کے اوپر کے حصہ مین ہے اور مین دیکھتا ہون کہ میری زندگی میری صحت سے نہین بلکہ میرے خدا کے حکم سے ہے۔ پس اگر ڈوئی کا مصنوعی خدا کچھ طاقت رکھتا ہے تو ضرور میرے مقابل اس کو اجازت دیگا اگر تمام مسلمانون کے ہلاک کرنیکے عوض مین صرف میرے ہلاک کرنے سے ہی کام ہوجائے تو ڈوئی کے ہاتھ مین ایک بڑا نشان آجائے گا پھر لاکھون انسان مریم کے بیٹے کو خدا مان لین گے اور نیز ڈوئی کی رسالت کو بھی اور مین سچ سچ کہتا ہون کہ اگر تمام دنیا کے مسلمانون کی نفرت عیسائیون کے خدا کی نسبت ترازو کے ایک پلہ مین رکھی جائے اور دوسرے پلہ مین میری نفرت رکھی جائے

تو میری نفرت اور بیزاری عیسائیون کے بناوٹی خدا کی نسبت تمام مسلمانون کی نفرت سے وزن مین زیادہ نکلے گی*

مین سب پرندون سے زیادہ کبوتر کا کھانا پسند کرتا ہون کیونکہ وہ عیسائیون کا خدا ہے معلوم نہین کہ ڈوئی کی اس مین کیا رائے ہے کیا وہ بھی اس کی نرم نرم ہڈیان دانتون کے نیچے چباتے ہین یا خدائی کی مشابہت کی وجہ سے اس پر کچھ رحم کرتے اور اس کی حرمت کے قائل ہین اس ملک کے ہندوون نے جب سے گائے کو پرمیشر کا اوتار مانا ہے تب سے وہ گائے کو ہرگز نہین کھاتے پس وہ ان عیسائیون سے اچھے رہے جنہون نے اس کبوتر کی کچھ عظمت نہ کی جس کی شبیہ مین ان کا وہ خدا ظاہر ہوا جس نے مسیح کو آسمان سے آواز دی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے پس اس رشتہ کے لحاظ سے جیسا کہ سمجھا جاتا ہے کبوتر مسیح کا باپ ہوا گویا خدا کا باپ ٹھہرا مگر تب بھی عیسائیون نے اس کے کھانے سے پرہیز نہین کیا حالانکہ وہ اس لائق تھا کہ اس کو خداوند خداوند کہا جائے خصوصاً جبکہ توریت مین یہ کہا کہ آدم کو مین نے اپنی صورت مین پیدا کیا تبھی سے انسان کا گوشت انسانون پر حرام کیا گیا ہے پھر کیا وجہ اور کیا سبب کہ کبوتر جو عیسائیون کے خدا کا باپ ہے جس نے مسیح کو بیٹے کا خطاب دیا وہ کھایا جاتا ہے اور نہ صرف کھایا جاتا بلکہ اس کے گوشت کی تعریف بھی کی جاتی ہے جیسا کہ انسکلوپیڈیا صفحہ ۸ جلد ۱۹ مین لکھا ہے کہ کبوتر کا گوشت تمام پرندون سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے جن لوگون کو کبوتر کی قسم فروٹ بھن کھانے کا اتفاق خوش قسمتی سے ہوا ہے انہون نے یہ شہادت دی ہے اور یہود کی شریعت کے مطابق جسکو بکرا ذبح کرنے کی توفیق نہ ہو وہ کبوتر ذبح کرے لوقا ۲/۲۴ اور مریم نے بھی دو کبوتر ذبح کئے تھے کیونکہ وہ غریب تھی لوقا ۲/۲۴ - اب دیکھو ایک طرف تو کبوتر کو خدا بنایا اور ایکطرف کبوتر پر ہمیشہ چھری پھیر دیجاتی ہے مسیح تو صرف ایکدفعہ صلیب پر چڑھکر تمام عیسائیون کا شفیع بن گیا مگر بیچارہ کبوتر کو اس شفاعت سے کچھ حصہ نہ ملا جس کی بوٹی بوٹی ہمیشہ دانتون کے نیچے پیسی جاتی ہے چنانچہ ہم نے بھی کل ایک سفید کبوتر کھایا تھا لہذا روح القدس کی تائید سے یہ تحریک پیدا ہوئی اور انسکلوپیڈیا مین جو پانچ سو قسم کبوتر کی لکھی ہے یہ بھی میری رائے مین ناقص ہے کیونکہ اس مین اس کبوتر کو شامل نہیں کیا گیا جس کی شبیہ مین عیسائیون کا خدا ظاہر ہوا تھا اس لئے اس بیان کی یون تصحیح کرنی چاہیئے کہ کبوتر کی اقسام ۵۰۱ ہین اور اس کی تصریح کردینی چاہیئے کہ یہ ایک نئی قسم وہ داخل کی گئی ہے جس مین خدا مسیح پر نازل ہوا تھا*

مین ایسے شخص کا سخت دشمن ہون کہ جو کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہو کر پھر خیال کرتا ہے کہ مین خدا ہون گو مین مسیح ابن مریم کو اس تہمت سے پاک قرار دیتا ہون کہ اس نے کبھی خدائی کا دعوے کیا تاہم مین دعوے کرنے والے کو تمام گنہگارون سے بدتر سمجھتا ہون مین جانتا ہون اور مجھے دکھایا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم اس تہمت سے بری اور راستباز ہے اور اس نے کئی دفعہ مجھ سے ملاقات کی لیکن ہر ایک دفعہ اپنی عاجزی اور عبودیت ظاہر کی ایک دفعہ مین نے اور اس نے عالم کشف مین جو گویا بیداری کا عالم تھا ایک جگہ بیٹھکر ایک ہی پیالہ مین گائے کا گوشت کھایا اور اس نے اپنی فروتنی اور محبت سے میرے پر ظاہر کیا کہ وہ میرا بھائی ہے اور مین نے بھی محسوس کیا کہ وہ میرا بھائی ہے تب سے مین اس کو اپنا ایک بھائی سمجھتا ہون سو جو کچھ مین نے دیکھا ہے اس کے موافق میرا یہی عقیدہ ہے کہ وہ میرا بھائی ہے گو مجھے حکمت اور مصلحت الہی نے اس کی نسبت زیادہ کام سپرد کیا ہے اور اس کی نسبت زیادہ فضل اور کرم کے وعدے دئے ہین مگر پھر بھی مین اور وہ روحانیت کے رو سے ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے ہین اسی بنا پر میرا آنا اسی کا آنا ہے جو مجھ سے انکار کرتا ہے وہ اس سے بھی انکار کرتا ہے اس نے مجھے دیکھا اور خوش ہوا پس وہ جو مجھے دیکھتا اور ناخوش ہوتا ہے وہ ہم مین سے نہین ہے نہ مجھ مین سے اور نہ مسیح ابن مریم مین سے ۔ اور مسیح ابن مریم مجھ مین سے ہے اور مین خدا سے ہون مبارک وہ جو مجھے پہچانتا ہے اور بدقسمت وہ جس کی آنکھون سے مین پوشیدہ ہون +

مسیح موعود اور ڈاکٹر لیفرائے

یا

اسلام اور عیسائیت

ہمارے بعض احباب نے یہ خواہش ظاہر کی ہو کہ مندرجہ ذیل خط وکتابت جو دو سال سے کچھ زائد عرصہ ہوا مسلمانون کی ایک منتخب کمیٹی اور لاہور کے بشپ کے مابین ایک مجوزہ مذہبی مباحثہ کے متعلق ہوئی تھی جس مین

لیڈر وہ دو اشخاص تھے جن کا نام عنوان مین درج ہے میگزین مین شایع کردین - اس قسم کے
مباحثہ کا خیال خود پادری لیفرائے کی طرف سے ہی پیدا ہوا تھا کیونکہ پادری صاحب نے
سنہ ۱۹۰۹ء کے موسم سرما کے اخیر مین مسلمانون کو انہین مضامین پر جن کا چیلنج مین ذکر ہے لیکچر
دینے کے لیئے مخاطب کیا تھا ہم یہ بحث کرنا نہین چاہتے کہ آیا پادری صاحب نے اس اپنے بلند
مقدس مرتبہ سے نیچے اتر کر ایک معمولی مباحث کی حیثیت اختیار کرنے مین اور اس طرح پر روح القدس
کے احکام کے خلاف عمل کرنے مین کوئی اچھا کام کیا یا نہین لیکن ہم یہ جتانا ضروری سمجھتے ہین کہ
جب پادری صاحب نے یہ دیکھا کہ میدان مباحثہ مین کوئی نامور مخالف موجود نہین تو بڑی دلیری
سے مذہب اسلام پر حملہ کیا لیکن جبھی کہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ اس چیلنج کو جو وہ جلد بازی سے مسلمانون
کو دے چکے تھے قبول کر کے اور انہیں مضامین پر جو وہ خود مسلمانون کے بالمقابل پیش کر چکے تھے بحث
کرنیکے لئے عیسائیت کا ایک نامور مخالف میدان مباحثہ مین کھڑا ہو گیا ہی تو بشپ صاحب نے بہتری اسی مین
سمجھی کہ مباحثے سے انکار کر دین اور میدان مقابلہ سے گریز کر کے اپنے عہدہ کی علو مین پناہ چاہی
ہمارے خیال مین ہر ایک سچائی کا طالب مندرجہ ذیل خط و کتابت کے مطالعہ کے بعد ہماری
مذکورہ بالا بیان کی تصدیق کرے گا - اہل اسلام نے جو چیلنج بشپ صاحب کو دیا وہ ذیل مین لکھا
جاتا ہے +

"۸ - جون سنہ ۱۹۰۰ء

"بخدمت رائٹ ریورنڈ جارج لیفرائے ڈی ڈی بشپ صاحب لاہور"

"بعد آداب نیاز مندانہ بکمال ادب خدمت عالی مین یہ گذارش ہے کہ چونکہ یہ مختصر زندگی دنیا کی بہت جلد
اپنے دورہ کو پورا کر رہی ہے اور عنقریب وہ زمانہ آتا ہے کہ ہمارے وجود کا نام و نشان بھی نہ ہوگا اس لیئے
ہم لوگون کے دلون مین یہ غم دامنگیر ہے کہ کسی طرح راست روی اور سچی خوشحالی کے ساتھ یہ سفر انجام پذیر
ہو اور اس مذہب پر خاتمہ ہو کہ جو درحقیقت خدا تعالےٰ کی مرضی کے موافق ہے اور اگر ہم حق پر نہین
ہین تو ہمارے دل اس سچائی کے قبول کرنے کے لیئے تیار ہین جو روشن دلیلون کے ساتھ پیش کی
جائے: اور اگر کوئی بزرگ مرد میدان بن کر عیسائی مذہب کی حقانیت ہم پر ثابت کرے تو اس
احسان سے بڑھکر ہمارے نزدیک کوئی احسان نہین ہوگا - اس تحقیق کے لیئے ہمارا دل درد مند ہے

اور ہم دلی شوق سے چاہتے ہین کہ اسلام اور عیسائی مذہب کا ایک مقابلہ ہو کر ہم اس رسول صادق کے آستانہ پر اپنا سر رکھین جو پاکیزگی اور خوبی اور الٰہی طاقت اور اخلاقی کمالات مین تمام نوع انسان سے سبقت لیجانے والا ثابت ہو جائے اور اس دن سے جو آپ نے بمقام لاہور اس مضمون پر تقریر کی کہ نبی معصوم اور زندہ رسول کون ہے ہمارے دل بول اٹھے کہ اس ملک مین آپ ہی ایک ہین جو عیسائی مذہب مین جلیل القدر فاضل ہین تب سے ہمارے دل مین یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ اس کام کے لئے عیسائی صاحبون مین سے آپ سے بہتر اور کوئی نہین ملے گا۔ کیونکہ آپ کے معلومات بہت وسیع معلوم ہوتے ہین اور آپ عربی اور فارسی اور اردو مین عمدہ دخل رکھتے ہین آپ کے اخلاق بھی بہت پسندیدہ اور بزرگانہ ہین۔ اور دوسری طرف مسلمانون کے اہل علم کیطرف جو ہم نے نظر کی تو ہماری رائے مین اس کام کے لئے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے برابر اور کوئی نہین ہے جو مسیح موعود ہونے کا نہ صرف دعوے کرتے ہین بلکہ بہت سے قطعی دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ وہی ہین جن کے دنیا مین آنے کا انجیل اور قرآن مین وعدہ ہے جس کو دنیا کے مختلف حصون مین قریباً تیس ہزار لوگون نے تسلیم کر لیا ہے۔ غرض اس وقت پنجاب اور ہندوستان کے تمام فاضل اور اہل علم عیسائیون مین سے آپ کا وجود از بس غنیمت ہے اور مسلمانون مین سے مرزا صاحب موصوف ہین جو خدا کے انتخاب کردہ اور ممسوح ہین۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ایسا عمدہ موقع ہمین پیش آگیا ہے کہ ایک طرف تو آپ موجود ہین اور دوسری طرف وہ جو خدا کا مسیح کہلاتا ہے۔

”اسی بنا پر ہم لوگون کی طرف سے جنکے نام نیچے لکھے گئے ہین یہ درخواست ہے کہ چند مختلف فیہ مسائل مین آپ اور جناب مسیح موصوف باہم مباحثہ کرین۔ اور حضرت مسیح موعود اس بات کو قبول فرماتے ہین کہ پانچ مسائل مین باہم تحریری بحث ہو جائے اور وہ یہ ہیں:۔

”۱۔ ان دونون نبیون یعنے حضرت مسیح علیہ السلام اور جناب محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم مین سے کس نبی کی نسبت اس کی کتاب کی رو سے اور نیز دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ وہ کامل طور پر معصوم ہے۔

”۲۔ ان دونون بزرگوار نبیون علیہم السلام مین سے کونسا وہ نبی ہے جسکو اس کی کتاب وغیرہ

دلائل کے رو سے زندہ رسول کہہ سکتے ہین جو الٰہی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے -

۳- ان دونون بزرگوار نبیون علیہما السلام سے کونسا وہ نبی ہے جس کو اس کی آسمانی کتاب وغیرہ دلائل کے رو سے شفیع کہہ سکتے ہین -

۴- ان دونون مذہبون عیسائیت اور اسلام مین سے کونسا وہ مذہب ہے جس کو ہم زندہ مذہب کہہ سکتے ہین -

۵- ان دونون تعلیمون انجیلی تعلیم اور قرآنی تعلیم مین سے کونسی وہ تعلیم ہے جس کو ہم اعلیٰ اور سچی تعلیم کہہ سکتے ہین اور تعلیم مین توحید اور تثلیث کی بحث بھی داخل ہے -

یہ پانچ سوال ہین جن مین بحث ہوگی - اس بحث کے لئے شرائط مندرجہ ذیل کی پابندی ضرور ہوگی +

۱- شرط اول یہ کہ ہر ایک امر کی بحث کے متعلق جو مندرجہ بالا پانچ نمبرون مین لکھے گئے ہین ایک ایک دن خرچ ہوگا یعنے یہ کہ کل بحث پانچ دن مین ختم ہوگی +

۲- شرط دوم یہ ہے کہ ہر ایک فریق کو اپنے اپنے بیان کیلئے پورے تین تین گھنٹے موقع دیا جائے گا اور اس طرح پر ہر ایک دن کا جلسہ چھ بجے صبح سے بارہ بجے تک پورا ہو جائے گا +

۳- شرط سوم یہ ہے کہ ہر ایک فریق محض اپنے نبی یا کتاب کی نسبت ثبوت دیگا دوسرے فریق کے نبی یا کتاب کی نسبت حملہ کرنے کا مجاز نہین ہوگا کیونکہ ایسا حملہ محض فضول اور بسا اوقات دل شکنی کا موجب ہوتا ہے اور مقابلہ کرنے کے وقت پبلک کو خود معلوم ہو جائیگا کہ کس کا ثبوت قوی اور کس کا ثبوت ضعیف اور کمزور رہے - ہان ہر ایک فریق کو اختیار ہوگا کہ جس جس موقعہ حملہ کا احتمال ہے ان احتمالی سوالات کا اپنے بیان مین آپ جواب دیدے -

۴- بحث تحریری ہوگی مگر تحریر کا یہ طریق ہوگا کہ ہر ایک فریق کے ساتھ ایک کاتب ہوگا - وہ بولتا جائے گا اور کاتب لکھتا جائے گا اور ہر ایک کے پاس ایک ایسا شخص بھی ہوگا کہ مضمون ختم ہونے کے بعد حاضرین کو سنا دیا کرے گا اور سنانے کے بعد ایک نقل اس کی بعد دستخط فریق مخالف کو دیجائے گی -

۵- یہ بحث بمقام لاہور ہوگی اور آپ کے اختیار مین رہے گا کہ جہان چاہین اس بحث

کے لئے مجلس منعقد فرمالین اور جیسا چاہین مناسب انتظام کرلین -

۶ - جب اس بحث کے دن ختم ہوجائین گے تو دونون فریق مین سے ایک فریق یا دونون اس مضمون کو بصورت رسالہ چھاپ کر شائع کردین گے اور کسی کو اختیار نہین ہوگا کہ اپنی طرف سے بعد مین کچھ ملا وے -

یہ شرائط ہین جو ہم نے حضرت مرزا صاحب مسیح موعود سے منظور کرالئے ہین - اور چونکہ یہ شرائط بہت صاف اور سراسر انصاف پر مبنی ہین - لہذا امید ہے کہ جناب بھی ان کو منظور فرماکر مطلع فرمائین گے کہ ایسی بحث کے لئے کب اور کس مہینے مین آپ تیار ہین ہم درخواست کنندون کی طرف سے التجا اور ادب کے ساتھ یہ گذارش ہے کہ جناب ضرور اس طریق بحث کو منظور فرمائین - اور ہم حضرت عیسے مسیح علیہ السلام کی عزت کا واسطہ جناب کی خدمت مین ڈالکر یہ عاجزانہ سوال کرتے ہین کہ جناب اس مقبول اور پیارے نبی کے نام پر ہماری یہ درخواست منظور فرماکر بذریعہ اشتہار مطبوعہ منظوری سے مطلع فرمائین - اس درخواست مین کوئی فوق الطاقت یا بیہودہ امر نہین اور طریق بحث سراسر مہذبانہ اور سراپا نیک نیتی اور طلب حق پر مبنی ہے اور با این ہمہ جبکہ جناب جیسے ایک بزرگ صاحب مرتبہ کو حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کی قسم دی گئی ہے - تو اس لئے ہم سائلون کو بکلی یقین ہے کہ جناب اس عاجزانہ درخواست کو گو کیسی ہی کم فرصتی ہو بہرحال بغیر کسی تنسیخ یا ترمیم کے حضرت مسیح کے نام کی عزت کے لئے ضرور منظور فرمائین گے - کیونکہ ہم جانتے ہین کہ اگر ایسی منصفانہ درخواست ہم لوگون سے حضرت مسیح کی عزت کا واسطہ درمیان لاکر کیجائے تو ہم سخت گناہ اور سوء ادب سمجھین گے کہ اس درخواست کو منظور نکرین تو پھر آپ کو تو حضرت مسیح علیہ السلام کی محبت کا بہت دعوی ہے جسکے امتحان کا ہم غریبون کو یہ پہلا موقع ہے - زیادہ کیا تکلیف دین صرف جواب کے منتظر ہین اور جواب بنام مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی وکیل بمقام قادیان ضلع گورداسپور آنا چاہیئے کیونکہ وہی اس مجلس کے سکرٹری ہین اور درخواست کرنے والونکے نام یہ ہین "

ہم افسوس کرتے ہین کہ ہمارے پاس کافی جگہ نہین کہ ان تمام دستخطون کو جو چیلنج کے ساتھ تھے۔ اس جگہ نقل کرین۔

پائونیر نے اس کے متعلق یہ الفاظ لکھے تھے:۔

"اس چٹھی پر بہت دستخط ہین جن مین سے پہلے چند اس امر کے ظاہر کرنے کے لیئے کافی ہونگے کہ کس قدر عام اور وسیع دلچسپی اور انتظار کے ساتھ مسلمان اس مقابلہ کو دیکھنا چاہتے ہین"

اس چیلنج کے جواب مین بشپ صاحب نے مندرجہ ذیل خط لکھا۔

"ہارونگٹن شملہ ۱۲- جون سنہ ۱۹۰۲ء

"جناب من - مجھے ایک چھپی ہوئی چٹھی جسپر آپ کے اور کئی اور معزز اشخاص کے دستخط تھے ملی ہے جس مین مجھ سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے ساتھ اسلام اور عیسویت کے بعض اصولون پر ایک کھلے مباحثہ کے لیئے مین کوئی وقت اور جگہ مقرر کرون مین افسوس کرتا ہون کہ مین آپ کی اس تجویز کو قبول نہین کر سکتا اور اس کے بڑے بڑے وجوہات یہ ہین۔

"۱- جس قسم کے دوستانہ تعلقات کی آپ کے مجوزہ مباحثہ مین ضرورت ہوگی۔ اس قسم کے تعلقات کے ساتھ مین مرزا غلام احمد صاحب کو ملنے سے انکار کرتا ہون۔ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو مسیح کہنے کی جرأت کر کے بغیر ایک ذرہ استحقاق کے ایسا نام اختیار کیا ہے جس سے ہم عیسائی پکارے جاتے ہین اور جس کو ہم نہائت درجہ کی عزت اور ادب سے دیکھتے ہین۔ اور اس طرح پر انہون نے سخت ہتک اور بے عزتی اس کی کی ہے جس کو مین اپنا خداوند اور مالک سمجھکر پرستش کرتا ہون تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ مین مرزا صاحب کو دوستانہ تعلقات کے ساتھ مل سکون ٭

"۲- آپ اپنی چٹھی مین اشارہ کرتے ہین کہ تمام بحثون مین میری یہ خواہش ہی ہے کہ ان کو نرمی کے ساتھ کیا جائے اور ان لوگون کے خیالات کو جن کے ساتھ عقائد مین اختلاف کرنے پر مین مجبور ہون ادب کی نگاہ سے دیکھا جائے مین سچ سچ کہتا ہون کہ اس قاعدہ پر عمل کرنا اور کوئی ایسے لفظ نہ کہنا جو جائز طور پر ان لوگون کے خیالات کو دکھ پہونچانے والے ہون جو مجھ سے اختلاف

رکھتے ہین یہی ہمیشہ سے میری سچی خواہش رہی ہے لیکن جب مین ان تحریرون کو جو مرزا صاحب
نے وقتاً فوقتاً عیسائی مذہب پر لکھی ہین پڑھتا ہون اور دیکھتا ہون کہ کسقدر سختی اور بدزبانی کے
ساتھ وہ ان واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہین جو ہمارے خداوند یسوع مسیح کی نسبت ان چار
انجیلون مین مرقوم ہین جن کو ہم عیسائی خداوند تعالے کے پاک کلام کا حصہ سمجھتے اور اس کی تعظیم
کرتے ہین تو مین صرف یہ نتیجہ نکال سکتا ہون کہ مرزا صاحب اپنے مخالف کے ساتھ
مباحثہ مین اس نرمی اور ادب کے معیار کو مدنظر نہین رکھتے جو ہمیشہ سے میرا مقصد رہا ہے اسلئے
اس دلیل پر بھی مین مرزا صاحب کو برابری کے تعلقات کے ساتھ نہین مل سکتا +

"۳- جیسا کہ آپ مجھے یقین دلاتے ہین مرزا صاحب کے بہت سارے پیرو ہون گے مگر
اس سے کوئی شخص انکار نہین کر سکتا کہ انکے مسیح ہونے کے دعوے کو اس صوبہ کے بکثرت
مسلمان رد کرتے اور اس کی تحقیر کرتے اور اس پر استہزا کرتے ہین اس لئے جس حالت مین کہ مین
خواہ ذاتی طور پر کیسا ہی ناقابل ہون ایک حد تک عیسائی قوم کا وکیل ہون اس عہدہ کے سبب
سے جو مجھے حاصل ہے مرزا صاحب کسی طرح پر بھی مسلمانون کے وکیل نہین ہو سکتے تو پھر کس
طرح مین مباحثہ مین انکو اپنے برابر سمجھ سکتا ہون +

"۴- یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جب سے مین اس ضلع کا بشپ ہوا ہون میرا پہلا اور زیادہ
ضروری کام یہ ہے کہ عیسائی کلیسیا کی حاجتون کی طرف توجہ کرون اور پوری کوشش کرون کہ
اس کو مضبوط کیا جائے اور خدا تعالے پر سچے ایمان اور زندگی کی پاکی مین اس کو اندر سے بنایا جائے
اور اس لئے ایک معمولی واعظ کا کام (یعنے ایسے شخص کا جو اپنا وقت وعظ کرنے مین اور ان لوگون کو
جو اب عیسائی مذہب سے باہر ہین عیسائی مذہب پر ایمان لانے کے لئے ترغیب دینے مین صرف
کرتا ہے) میرے وقت اور خیالات مین صرف ایک چھوٹے درجہ کا کام ہے اس مین شک نہین
کہ یہ ایک ایسا کام ہے جس سے مجھے بہت تعلق ہے اور جس مین مین خوشی کے ساتھ شامل ہوتا
ہون لیکن جب خدا نے ایک اور طرح پر اپنی خدمت کرنے کو مجھے بلا لیا ہے تو مجھے اس کی آواز کی
پیروی کرنی چاہئے اس لئے مین اپنے اصل کام مین سے اس قدر حصہ وقت کا نہین دے سکتا
جس کی آپ کے مجوزہ مباحثہ کے لئے ضرورت ہوگی +

"۵- بالآخر مین یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہون کہ ایسے مذہبی مباحثہ سے جو نتائج حاصل ہو سکتے ہین ان کو مین اور آپ ایک بڑے فرق کی نگاہ سے دیکھتے ہین آپ تو اپنی چٹھی مین یہ خواہش ظاہر کرتے ہین کہ اس تحقیقات کے نتیجہ پر ہم اس مقدس نبی کے آگے سر جھکا دین جو دل کی پاکیزگی فضیلت قوت قدسی اور اخلاقی راستبازی مین سب دنیا سے بڑھ کر ہے دوسرے الفاظ مین آپ اس بات کو ممکن سمجھتے ہین کہ محض عقلی دلائل کے ذریعہ سے سچے مذہب کا راستہ اور ایک مذہب کی دوسرے مذہب پر فضیلت معلوم ہو سکتی ہے مین یقین رکھتا ہون کہ یہ خیال اصولاً غلط ہے اور خدا تعالے کے پاک کلام کی تعلیم کے خلاف ہے اور اس ملک کے اکثر لوگون کے دلون مین اس خیال کے غلبہ نے سخت نقصان پایا ہے۔ اس لئے مین اپنے کسی فعل سے اس کو ٹھیک ماننا یا اس کی تائید کرنی نہین چاہتا ہم یقین رکھتے ہین کہ مذہب صرف عقل سے ہی مدد نہین مانگتا بلکہ انسان کے سارے قوے سے یعنی اس کی مرضی کے احساسات سے اس کی اخلاقی خواہشات سے اس کی ایمانی حیثیت سے یا مختصر الفاظ مین اس کے دل اور دماغ سے ہمارے خداوند یسوع مسیح کی تعلیم مین خدا اور اس کے سچے مذہب کا علم اس قدر عقلی قوی کی تیزی سے متعلق نہین جیسا کہ دل کی پاکیزگی اور زندگی کے افعال مین اس کی سچی فرمانبرداری کے ساتھ ہے جیسا کہ ایک موقع پر مسیح کہتا ہے "مبارک ہین وے جو دل کے پاک ہین کیونکہ وے خدا کو دیکھین گے" متی ۵: ۸ پھر ایک دوسرے موقع پر جو میرے خیال مین اس امر پر بڑی روشنی ڈالتا ہے وہ کہتا ہے "اگر کوئی آدمی اس کی مرضی کرنا چاہتا ہے (یعنی خدا کی مرضی) تو وہ تعلیم کو جان لے گا کہ آیا یہ خدا کی طرف سے ہے یا مین اپنی طرف سے باتین کرتا ہون" یوحنا ۷: ۱۷۔ میرا اپنا پکا ایمان ہے کہ کسی آدمی کو سچے خدا کا زندہ علم حاصل نہین ہو سکتا مگر اس کی روح القدس کی مدد سے اور یہ کہ ایسی مدد جیسا کہ مین پہلے بھی کہہ چکا ہون توبہ کرنے والون اور دل کے پاکون اور فروتنون اور راستبازون کو دیجاتی ہے نہ ان لوگون کو جن کے عقلی قوے تیز ہون اور جو مذہبی مباحثہ مین پورے اتر سکین یہ بالکل سچ ہے کہ مین اس بات کو بہت پسند کرتا ہون کہ دونون مذہبون یعنی عیسائیت اور اسلام کے پیرو ایک دوسرے کو جانین اور ایک دوسرے کے عقاید کو اس سے بہتر سمجھین جیسا کہ گذشتہ مین حالت رہی ہے یہی وجہ ہے کہ کیون مین خوش ہوتا ہون کہ ایک طرف تو آپ کے مذہب کی ان تحریرون کو مطالعہ کرون جو مجھے اس کے سچے مضامین اور تعلیمون سے اچھی طرح سے آگاہ کر سکین اور دوسری طرف ایسے لیکچر دون جیسے کہ

ابھی مین نے لاہور مین دیئے جن کے ذریعہ سے حاضرین کو ایسے سوال کرنے کا موقع دیا جائے جنسے وہ مذہب کے اصولون کو بہ نسبت سابق اچھی طرح سے اور زیادہ صفائی کے ساتھ سمجھ سکین مگر یہ مین خیال کرتا ہون آپ دیکھ لین گے ایسی بات نہین ہے جیسا کہ ایک ایسے مباحثہ مین شامل ہونا جسکا مسلم نتیجہ یہ ہو کہ جو لوگ اس مباحثہ مین شریک ہون وہ اس مذہب کو اختیار کر لین جس کے خدا کی طرف سے ہونے کا دعوے اس وقت قطعی طور پر ثابت ہو جائے میرے لئے یہ ممکن نہین کہ کسیوقت بھی کسی مباحثہ مین اس شرط پر شامل ہو سکون اگرچہ یہ چیٹھی چھپی ہوئی نہین مگر آپ کو پورا اختیار ہے کہ اس کو چھاپ لین یا ایسی طرح پر استعمال کرین جیسا کہ آپ پسندیدہ سمجھین مین خیال کرتا ہون کہ میرا معاملہ مسلمان شرفا کے ساتھ ہے اور اس لئے اگر یہ چیٹھی چھاپی جائے گی تو ساری کی ساری اور بغیر کسی تبدیلی کے چھاپی جائیگی"

"آپ کا تابعدار دستخط جی - اے - لاہور"

اس کے جواب مین مسلمانون کی کمیٹی نے مفصلہ ذیل چیٹھی بشپ کو لکھی کہ وہ اپنے فیصلہ پر زیادہ غور کرے +

قادیان مورخہ ۱۰ - جولائی ۱۹۰۰ء

"جناب من - آپکا جواب جس مین آپنے مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کے ساتھ ایک پسندیدہ مباحثہ مین شامل ہونے سے انکار کیا کمیٹی کو سنایا گیا جنہون نے اس پر بہت اظہار افسوس کیا - جو دلائل آپ پیش کرتے ہین وہ صرف بعض غلط فہمیون اور غلطیون کا نتیجہ ہین اور مجھے ہدایت کی گئی کہ ان کی مفصل تردید ایک رسالہ کی صورت مین لکھون جو عنقریب شایع کیا جائے گا اگر آپ کی طرف سے اس درخواست کا جواب ایسا ہی مایوسی دینے والا ہوا جیسا کہ پہلی چیٹھی کا مگر اس رسالہ کو چھپوانے سے پہلے یہ مناسب خیال کیا گیا ہے کہ آپ کو ایسے مباحثہ کی ضرورت کیطرف مزید توجہ دلائی جائے جس کے کثرت سے مسلمان خواہان ہین کیا مسلمان اور کیا عیسائی دونون قومین مباحثہ کی تجویز کی منظوری کو دیکھنا چاہتی تھین اور بہت سے اینگلو انڈین اخبارات نے صرف اس مین دلچسپی ہی ظاہر نہین کی بلکہ صاف صاف اپنی رائے بھی ظاہر کی کہ یہ مباحثہ کی تجویز خواہ کسی پہلو سے اسپر نظر کیجائے یعنی مجوز مباحثین کی بڑی شہرت علمی فضیلت اور وسیع اثر کے لحاظ سے چیلنج دینے والی کمیٹی کی عمومیت کے لحاظ سے مباحثہ مین جو سوال پیش ہونے والے تھے انکے لحاظ سے شرائط مباحثہ کے اعلے درجہ کے منصفانہ ہونے کے لحاظ سے

اور اس مفید نتیجہ کے لحاظ سے جس کی امید کیجاتی تھی غرضکہ ہر ایک طرح سے اس قابل تھی کہ آپ بلا تغیر شرائط اس کو منظور کرتے جن مسلمانون نے آپ کو خطاب کیا تھا وہ ملک کے مختلف حصون سے تھے اور ذی ثروت اور اعلے درجہ کی تعلیم رکھنے والے تھے جن کی درخواست پر آپ کو بہت توجہ کرنی چاہئے تھی تجویز کرنے مین خلوص دل اور نیک نیتی سے یہ مقصد مدنظر رکھا گیا تھا کہ عام لوگون کو اس شک سے باہر نکالا جائے جس مین وہ سچے مذہب کے متعلق پڑے ہوئے ہین مباحثہ کی شرائط ایسی منصفانہ تھین جیسے کہ خواہش کیجا سکتی ہے کیونکہ مخالفانہ حملون کی اس مین اجازت نہ تھی آپ کا ایک عرصہ دراز کے لئے اس ملک مین بطور مشنری کے کام کرنا مشرقی لوگون کے طریقون مذہبون اور زبانون کے ساتھ واقفیت رکھنا - لاہور مین جو آپ نے لیکچر دئے تھے ان مین اپنے دلائل کی تردید کو جو مسلمانون کی طرف سے ہوئی تھی حوصلہ کے ساتھ سننا اور ان تمام واقعات کو آپکے موجودہ بلند مرتبہ سے اور بھی وقعت ملجانا ان تمام باتون نے مسلمانون کو یقین دلادیا تھا کہ مباحثہ کے میدان مین عیسائیت کی طرف سے آپ بہترین وکیل ہو سکتے ہین اور پھر آپ کی طرف سے اس ابتدائی کارروائی کا ہونا جس مین آپ نے مسلمانون کو اپنے پیغمبر کی عصمت اور زندگی بمقابلہ یسوع مسیح کے ثابت کرنے کو بلایا جو ایک ایسا مباحثہ تھا جس مین مسلمانون کی طرف سے نہ تو اچھی طرح سے تیاری ہو سکتی تھی اور نہ ان کو کافی وقت مل سکتا تھا اور نہ اپنا اچھا وکیل پیش کر سکتے تھے یہ اور بھی مسلمانون کی ترغیب کا باعث ہوا کہ آپ کو ایک ایسے مباحثہ کی طرف بلایا جائے جس مین دونون مذہبون کی اور ان کے بانیون کی فضیلتون کا زیادہ مناسب طور پر اور زیادہ انصاف سے امتحان ہو سکے یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اسلام کے جس وکیل کو آپ کے مقابل پر انہون نے پیش کیا تھا وہ کوئی عام ملاؤن یا واعظون مین سے نہ تھا کیونکہ ان کی طرف سے ایسا معمولی حریف پیش کرنا گویا آپ کی قابلیت کی تحقیر کرنا ہوتا بلکہ جیسا آپ کی حیثیت اور قابلیت اعلے درجہ کی تھی ویسا ہی آپ کے بالمقابل جو حریف پیش کیا گیا وہ بھی ایک اعلے درجہ کی شہرت اور حیثیت والا آدمی تھا جس پر اس وقت اس کے مسیح موعود کے دعوے کرنے کے سبب سے تمام ہندوستان کی نظر تھی اور جس کے فرقہ نے باوجود اندرونی اور بیرونی سخت درجہ کی مخالفت کے ایک حیرت انگیز ترقی کر دکھائی تھی جب دنیا کے دو سب سے بڑے مذہبون کے دو ایسے مشہور وکیل موجود ہون تو مناسب نہین کہ عوام کو ان سوالون کے متعلق تاریکی مین چھوڑا جائے جو ہر ایک زمانہ مین بڑے بڑے آدمیون

کے مدنظر رہے ہین اگرچہ آپ عیسائی کلیسیا کی اندر سے مرمت کو اپنا اصل فرض سمجھتے ہین مگر اس سے آپ انکار نہ کر سکین گے کہ ہر ایک نیک عیسائی کا اصلی فرض ان لوگون کو زندگی اور روشنی کی طرف لانے کا ہونا چاہیئے جو اس کی رائے مین موت اور تاریکی کے گڑھے مین گرے ہوئے ہین - اور جو اس لیئے ان لوگون کی نسبت جو بپتسمہ لے چکے ہین سخت بڑی خطرناک حالت مین ہین بپتسمہ والے تو آپکے نزدیک دوزخ سے بچ گئے مگر بے بپتسمہ کو عیسائی عقیدہ کے رو سے ہمیشہ کے لئے دوزخ اور سزا مین ڈالا جائے گا اب مین آپکے کانشنس کو اپیل کرتا ہون کہ ان دونون کامون مین سے آپکے نزدیک کونسا زیادہ ضروری ہے آیا ان لوگون کی حاجتون کی طرف توجہ کرنا جو خطرون سے نکل چکے ہین یا ان لوگون کا ہاتھ پکڑنا جو موت اور تاریکی کے گڑھے مین گر رہے ہین کیا آپ مباحثہ کی تجویز کو اس دلیل پر رد کر سکتے ہین کہ آپ اپنی ساری زندگی مین سے ایسے نیک کام کے لئے پانچ دن بھی علیحدہ نہین کر سکتے - پھر آپ مرزا غلام احمد صاحب کو اس وجہ پر دوستانہ تعلقات کے ساتھ ملنے سے انکار کرتے ہین کہ انہون نے ایک ایسا نام اختیار کیا ہے جس کی عیسائی لوگ اپنا خداوند اور مالک سمجھکر عزت اور عبادت کرتے ہین اگر امر واقع یہی ہوتا جیسا آپ نے خیال کیا ہے تو دشمنی اور دوستانہ تعلقات کے قطع کے لئے یہ کوئی دلیل نہین ہو سکتی کیونکہ آپ کی مقدس بائیبل تو یہ سکھاتی ہے کہ دشمنون سے بھی پیار کرو-

"اپنے مذہبی مخالف کے ساتھ اس قسم کا سلوک کسی مذہب کے پیرؤون کی طرف سے بھی نہین ہونا چاہیئے - چہ جائیکہ عیسائی مذہب کے پیرؤون کی طرف سے ہو اور پھر ان مین سے مخصوصاً کلیسیا کے ایک ایسے بڑے بزرگ کیطرف سے جس کا فرض صرف یہی نہین کہ وہ خود ہی متی باب ۵- آیت ۴۴ پر عمل کرے بلکہ یہ بھی کہ وہ یہ تعلیم دوسرے عیسائیون کو سکھائے بلکہ غیر عیسائیون کو بھی اس کا وعظ کرے مگر مین آپ کو یقین دلاتا ہون کہ مرزا صاحب یہ نہین کہتے کہ وہ سچ مچ یسوع مسیح ہین بلکہ ان کا دعوے یہ ہے کہ وہ بروزی طور پر اس نبی کے رنگ مین آئے ہین اور جس طرح پر اس نے تعلیم دی تھی اسی طرح تعلیم دیتے ہین جیسا کہ اس سے پہلے بھی یوحنا الیاس کے رنگ مین بروزی طور پر آچکا ہے علاوہ ازین مسلمان حضرت عیسے کو ایک سچا اور بزرگ نبی سمجھتے ہین اور مرزا صاحب جو اپنے زمانہ مین اول المسلمین ہین ان سب سے بڑھکر ان کو ایسا سمجھتے ہین حالانکہ کروڑ ہا دوسرے لوگ جن کا مذہب نہ عیسویت

اور نہ اسلام ہے اس کو نبی بھی نہین سمجھتے اور اس طرح پر اس کے مرتبہ کی بڑی حقارت کرتے ہین اور مین سمجھتا ہون کہ آپ ایسے لوگون سے کثرت سے ملتے بھی ہون گے مگر مین یہ خیال نہین کرتا کہ آپ نے ان کی نسبت کبھی ایسا بغض اور عداوت کا خیال ظاہر کیا ہو جیساکہ آپ نے اپنی چھٹی مین جو میرے نام تھی مرزا صاحب کی نسبت ظاہر کیا ہے لیکن اس جگہ مین آپ کو ایک اور بڑے ضروری امر کیطرف توجہ دلانا چاہتا ہون جب اس بات کا ذکر مرزا صاحب کے سامنے ہوا اور ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا جس طرح پر بشپ صاحب آپ سے دوستانہ تعلقات کے ساتھ ملنے سے انکار کرتے ہین آپ بھی بشپ صاحب کی نسبت ایسا ہی خیال رکھتے ہین تو انہون نے مفصلہ ذیل جواب دیا:-

"مین دنیا مین کسی کو اپنا دشمن نہین سمجھتا مین آدمیون کے ساتھ بغض نہین رکھتا بلکہ ان جھوٹے عقیدون کے ساتھ جو وہ رکھتے ہین انسانون کے متعلق میرے خیالات پرلے درجہ کی ہمدردی اور نیک نیتی کے ہین تو پھر کس طرح مین ایسے شخص کو اپنا دشمن سمجھ سکتا ہون جو اپنے ہم مذہبون مین معزز مانا گیا ہے اور علاوہ ازین اپنے عہدہ اور تعلیم کے لحاظ سے قابل عزت ہے مین اس سے محبت رکھتا ہون اگرچہ مین اس کے اصولونکو پسند نہین کرتا مگر میری نفرت ان عقائد کے ساتھ صرف اسی قدر ہو جاتی ہے کہ خدا تعالی کی صفات انسانونکیطرف منسوب کی گئی ہین اور انسانی نقص اور کمزوریان رب العالمین کیطرف منسوب کیجاتی ہین مین بشپ صاحب کو دوستانہ تعلقات کے ساتھ ملنے سے نفرت نہین رکھتا کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی فریق دوسرے سے کوئی فایدہ حاصل کرے کیونکہ ضروری ہے کہ نیک نیتی کا بیج پھل دے مصلح یا واعظ ہونے کی حیثیت مین جو انسان کو فرائض ادا کرنے پڑتے ہین ان سب سے بڑھکر ضروری امر یہ ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ عقائد مین اختلاف رکھتے ہون وہ ان کے ساتھ بڑی خوشی سے ملے حق بات یہ ہے کہ مین نہ صرف اپنی مجددیت کے کام کو ہی چھوڑنے والا ہونگا بلکہ اخلاقی قوانین کو بھی سخت صدمہ پہونچانے والا تصور کیا جاؤنگا اگر مین ان لوگون کو اپنا دشمن سمجھ لون جن کے ساتھ اس وجہ سے کہ وہ بدقسمتی سے غلطیون مین پڑگئے ہین مجھے ہمدردی اور رحم سے کام لینا چاہیئے اگر مین اس کے برعکس کرون تو مین ایک بڑے کثیر گروہ کو ان مقدس اور اعلے درجہ کی سچائیون سے محروم رکھنے والا ٹھہرونگا جو میرا فرض ہے کہ سب کو بتاؤن کوئی شخص کسی ایسے آدمی کے ساتھ نیکی نہین کرسکتا جس کو وہ اپنا دشمن سمجھتا ہو مگر مین سچ سچ کہتا ہون کہ اگر مجھے کہین ایسا موقع ملے

کہ جب مین بشپ صاحب کے ساتھ نیکی بھی اور بدی بھی کرنے کی طاقت رکھتا ہون تو مین اس کے ساتھ ایسی نیکی کرون گا جو تمام دنیا کو حیرت مین ڈالدے۔ لوگون کو پاکیزگی کے راستہ کیطرف بلانے کی طاقت اور ان کی تبدیلی کے لئے سچا جوش سچی محبت سے پیدا ہوتے ہین دشمنی عقل کو تاریک کر دیتی ہے اور ہمدردی کو نابود کر دیتی ہے۔ قرآن شریف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہتا ہے عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم اور پھر ایک دوسری جگہ پر لعلك باخع نفسك الا یکونوا مومنین جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے تمہارے پاس ایک نبی بھیجا ہے جس کا دل تمہاری ہمدردی سے ایسا بھرا ہوا ہے کہ تمہارے غم اور تکلیفین اس کو ایسا ہی رنج پہونچاتی ہین گویا کہ وہ اسی کا رنج اور تکلیفین ہین اور تمہاری بہتری اور خوشحالی کے لئے وہ بڑی خواہش رکھتا ہے اور دوسری آیت کا مطلب یہ ہے اے نبی کیا تو اپنے آپ کو ہلاک کر دے گا اس غم کے لئے کہ یہ لوگ سچائی کو قبول نہین کرتے۔ آخری آیت اس سچی قربانی کی طرف اشارہ کرتی ہے جو خدا تعالے کے مرسل لوگون کی اصلاح کیلئے کرتے ہین یہ وہ آیتین ہین جن پر مین عمل کرتا ہون اور اس سے ہر ایک شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ ان لوگون کی طرف جو اپنے آپ کو میرا دشمن سمجھتے ہین میرے خیالات کیسے ہونے چاہئین" قبل اسکے کہ مین اس چٹھی کو بند کرون مین آپ کو یہ بھی یقین دلانا چاہتا ہون کہ اگرچہ مباحثہ کی درخواست پر صرف مرزا صاحب کے ہی چند پیرؤون کے دستخط تھے مگر تمام مسلمان عام طور پر اس کی منظوری کے منتظر ہین مذہب کے اصل اصولون کے ساتھ مرزا صاحب کا دوسرے مسلمانون سے اختلاف نہین بلکہ اختلاف صرف ایسی باتون مین ہے جیسا کہ ہر ایک بڑے مذہب کے مختلف فرقون مین ہوا کرتا ہے اور خو عیسائیت سب سے بڑھکر ان اختلافون کو اپنے اندر رکھتی ہے اگر آپ اس امر کو بڑی وقعت دیتے ہین تو ہزارہا تعلیم یافتہ مسلمان جو مرزا صاحب کے پیرو نہین درخواست مباحثہ پر دستخط کرنے پر تیار ہین ترجمہ کی کاپیون کے ساتھ جو آپ نے مانگی تھین مین اپریل ماہ گذشتہ کا انڈین ڈیلی ٹیلیگراف بھی آپ کو بھیجتا ہون جس نے اس چیلنج پیچھے ریمارک کئے ہین مین امید کرتا ہون کہ اپنے جواب پر دوبارہ غور کرنیکے بعد آپ کسی بہتر نتیجہ پر پہونچین گے اور اس قدر منتظر دلونکو جو اس کی منظوری کے منتظر ہین مایوس نہ کرینگے"۔

دستخط محمد علی سکرٹری

مگر بشپ صاحب منظوری کے لئے رضامند نہ ہوئے اور جواب مین لکھا "کہ مجھے آپ کی چھٹی مورخہ ۱۰ ماہ حال پہنچ گئی ہے مگر جو وجوہات پہلی چھٹی مین مرزا غلام احمد صاحب کے ساتھ مباحثہ کرنے سے انکار پر مین دیچکا ہون ان کو نہ اب مین بدلتا ہون اور نہ ان پر کچھ ایزادی کرتا ہون آپ نے اپنی پہلی چھٹی کی جو زائد کاپیان بھیجی ہین ان کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہون" دستخط جی۔ اے لاہور

چیلنج پر اور ڈاکٹر لیفرائے کے انکار پر معزز انگریزی اخبارات نے جو رائے دی وہ اس خط وکتابت کی دلچسپی کو اور بھی بڑھاتی ہے مگر ہمارے پاس اس قدر جگہ نہین کہ سب اخبارات کو نقل کر سکین اس لئے دونون صورتون مین ایک ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ پائونیر نے جب چیلنج کو شائع کیا تو یہ پر معنی فقرہ اس کے اوپر لکھا تھا "بیشک اگر ڈاکٹر لیفرائے مقابلہ کرنا منظور کرے تو یہ مباحثہ نہایت ہی دلچسپ ہوگا" انڈین ڈیلی ٹیلیگراف جون ۹ سنہ ۱۹۰۱ء کے پرچہ مین یون لکھتا ہے۔

"ہم کسی دوسرے صفحہ پر ایک نہایت ہی دلچسپ مذہبی چیلنج جو مسلمانون کے اس فرقہ کیطرف سے جو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے پیرو ہین لاہور کے بشپ کے نام دیا گیا ہے نقل کرتے ہین اس کی دلچسپی کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نہایت سنجیدگی اور نیک نیتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی قادیان کے رئیس ہین اور اس چیلنج مین ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ نہ صرف مسیح موعود ہونے کا دعوے ہی کرتے ہین بلکہ اس دعوے کو مضبوط اور قاطع دلیلون کے ساتھ ثابت کر دکھایا ہے اور اپنے آپ کو وہ موعود ثابت کیا ہے جسکے آنے کی پیشگوئیان قرآن مجید اور بائیبل مین بیان کی گئی ہین معلوم ہوتا ہے کہ اس مشہور شخص کے پیرو دنیا کے مختلف حصون مین تیس ہزار کے قریب ہین* اور ان کے دوست اور مرید دل سے چاہتے ہین کہ وہ لاہور کے بشپ کے ساتھ جس کے لیکچرون نے مسلمانون کو قائل کر دیا ہے۔ کہ وہ اپنے مذہبی علوم مین لاثانی ہے مذہب اسلام اور عیسائیت کی سچائی پر ایک فاضلانہ اور معقول بحث کرین۔ بشپ کا وسیع علم اور تجربہ اور اس کی عربی۔ فارسی اور اردو سے واقفیت اور اس کے ہمدردانہ اور عمدہ اخلاق بھی بطور وجوہات بیان کئے گئے ہین کہ کیون خصوصًا اسی کو اسلام کے اس پہلوان کے ساتھ مباحثہ کے لئے بلایا گیا۔ چیلنج سارے کا سارا نہایت مودبانہ الفاظ مین ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس تجویز کے مجوز بڑی بھی خواہش اس امر کی رکھتے ہین کہ عیسائیت اور اسلام کے (نہ اسلام اور عیسائیت) کے بالمقابل فضائل اور خوبیون پر ایک باقاعدہ اور عمدہ مباحثہ ہو جس مین

* یہ تعداد اب ایک لاکھ سے اوپر ہے

دونون فریق کے لئے منصفانہ شرطین پیش کی گئی ہین اور چیلنج دینے والے جن کی تعداد بہت بڑی ہی ہندوستان کے مختلف حصون سے ہین اور بشپ کو یسوع مسیح کے نام مین قسم دیکر امید رکھتے ہین کہ اس مباحثہ پر رضامند ہو جائے گا ہماری رائے ہے کہ بشپ اگر اس چیلنج کو منظور کرلے تو بہت اچھا ہوگا خواہ نخواہ ایک ایسی بڑائی اختیار کرلینا جو مباحثہ کے لئے بھی جھک نہین سکتی اس کی غلطی ہوگی کیونکہ پھر چیلنج دینے والے یہ کہنے کے حق دار ہون گے کہ چونکہ فریق ثانی نے اپنے مقدمہ کو لو ڈیفنڈ نہین کیا اس لئے اس کی عدم پیروی کے سبب سے فیصلہ ان کے حق مین ہونا چاہیئے اور اس طرح پر وہ فتح کے دعویدار ہونگے نیز یہ امر کہ مرزا غلام احمد قادیانی وہ موعود شخص نہین ہی جس کی آمد کے متعلق قرآن شریف اور بائیبل مین پیشگوئیان ہین بشپ کے مقابلہ کرنے سے انکار کے لئے کوئی دلیل نہین۔ یہ سوال مجوزہ مباحثہ مین پیش نہین ہوگا لیکن ممکن ہے کہ اگر بشپ چیلنج منظور کرے تو اپنے مخالف کو اس غلطی کا بھی قائل کردے۔ یہ امر کہ مسلمان اپنے مسیح کو بشپ کے بالمقابل میدان مباحثہ مین پیش کرتے ہین یہ بشپ کی علمیت کی بڑی سے بڑی تعریف ہے۔ جو وہ کرسکتے ہین اس طرح پر وہ یہ جتانا چاہتے ہین کہ وہ ہندوستان مین بشپ کو عیسائی مذہب مین اول درجہ کا فاضل مانتے ہین ہم یہ بھی نہین دیکھتے کہ بشپ کس طرح یہ عذر کرسکتا ہے کہ ایسے عمدہ مباحثین اس کے وقت کا بڑا حصہ صرف ہو جائے گا اس کو کسی طرح پر بھی ایسے مخالفون کی تردید کرنے اور ان کو قائل کرنے کا یہ موقع ہاتھ سے نہین دینا چاہیئے خصوصاً جبکہ اس سے یہ بات ثابت کرنے کی خواہش کی گئی ہے کہ عیسائیت اور اسلام ہردو مذاہب مین سے کونسا مذہب زندہ کہلا سکتا ہے۔ اور قرآن مجید اور بائیبل دونون کی تعلیمات مین سے کس کی تعلیم زیادہ افضل اور انسانی فطرت کے مطابق ہے ہم پسند کرین گے اگر چیلنج منظور کرلیا جائے کیونکہ ہمارے خیال مین یہ نہایت ہی دلچسپ ثابت ہوگا۔"

انڈین سپیکٹیٹر نے بشپ کے انکار پر ذیل کے کلمات لکھے:۔

"معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کے بشپ نے متانت کو چھوڑ کر جلد بازی کے ساتھ ایک ایسے چیلنج سے گریز اختیار کی ہے جس کا محرک وہ پہلے خود ہی ہوا تھا۔ کچھ عرصہ ہوا کہ بشپ نے مسلمان حاضرین کے سامنے مسیح کی صداقت کا ثبوت پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اس دعوت کو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

نے جس کے دعوے مسیحیت کی نسبت ہم پیشتر ازین اسی اخبار مین ذکر کر چکے ہین قبول کر لیا اب خواہ مرزا غلام احمد مفتری ہو اور خواہ وہ اپنے آپ کو واقعی مسیح موعود سمجھتا ہو دونون حالتون مین ہم کوئی وجہ نہین کہ بشپ اس کے ساتھ مباحثہ کرنے سے کیون انکار کرتا ہے۔ بشپ کا بیان ہے کہ مرزا صاحب نے مسیح کہلا کر ایک خوفناک ہتک اور بے عزتی مسیح کی کی ہے مگر ہم کہتے ہین کہ دو ہزار سال گذرے اسی وجہ پر یہودیون نے یسوع کو صلیب دی تھی اس کے مسیح کہلانے پر انہون نے ہتک محسوس کی اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ بشپ مرزا غلام احمد کے دعوے مسیحائی کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ پنجاب کے مسلمانون کے ایک کثیر التعداد گروہ نے اس پر حقارت اور استہزا ظاہر کیا ہے اور اس کو وہ مرزا صاحب کے دعوے کے بطلان کا قطعی اور یقینی ثبوت خیال کرتا ہے مگر تعجب ہے کہ جب پیلاطوس نے یہودیون کے مجمع سے سوال کیا کہ وے عید فسح کے روز کسے آزاد کرانا چاہتے ہین مسیح کو یا براباس کو تو ان سبنے بالاتفاق بدمعاش چور کے حق مین رائے دی کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یسوع کا دعوئے مسیحیت بے بنیاد تھا۔ ہم مرزا غلام احمد کے پیرو نہین اور نہ اس کے دعاوی کو مسیح کے دعوون پر ترجیح دینا چاہتے ہین لیکن ہمارا اعتراض بشپ کے جھوٹے منطق پر ہے اگر تمام مسلمانون نے مرزا صاحب کا دعوے مان لیا ہوتا تو کیا بشپ ان کے رسالت کے دعوے کے متعلق اپنی رائے بدل لیتا۔ اس وقت اس ملک کے لوگ اپنے مذہبی خیالات پر بالاستقلال قائم نہین ہین اس لیئے ایسے لوگون کے لیئے جو ان کو سچائی پر قائم کرنا چاہتے ہین ضروری ہے کہ وہ دلائل ایسے پیش نہ کرین جو نہائت مضبوط اور قاطع نہ ہون +

مذکورہ بالا خط وکتابت اور اخبارون کی رائے سے ظاہر ہے کہ ڈاکٹر لیفرائے کو اس مباحثہ کے لیئے جس کی تحریک اس نے تو دہی کی تھی اس کے مخالفون اور ہم مذہبون نے بلایا کہ وہ اس مباحثہ کو منظور کرے۔ لیکن کوئی چیز اسے رضامند نہ کر سکی۔ پبلک دل سے اس بات کو چاہتی تھی چیلنج دہندون نے جہانتک ہو سکا کوشش کی کہ بشپ صاحب اس مباحثہ کو قبول کرین جس کے وہ خود ہی محرک ہوئے تھے لیکن انہون نے ایک نہ سنی۔ اگر کامل امتحان کے بعد ڈاکٹر لیفرائے کے پیش کردہ وجوہات طفلانہ اور لغو پائے جائین تو یقیناً نتیجہ یہ ہوگا کہ بشپ صاحب میدان مباحثہ سے جس مین انہون نے بمرضی خود پہلے قدم رکھا تھا عیسائیت پر زک کا داغ

لگا کر پیچھے ہٹ گئے۔ لاہور کے مسلمانوں کے سامنے لیکچر دینے میں اگر ان کی سچی خواہش ایک صداقت کو ثابت کرنا تھا تو پھر انہوں نے ایسے پسندیدہ طریق سے گریز کیوں اختیار کی۔ ان کے یکطرفہ لاہور کے لیکچر جہاں کسی مفصل تردید کی امید نہ ہو سکتی تھی اور پھر ان کا آخری انکار جب ان کو انہیں سوالات کے فیصلہ کے واسطے ایک منصفانہ مباحثہ میں بلایا گیا بشپ صاحب کے اس دعوے کے موید نہیں جو وہ انصاف کی محبت اور پسندیدہ طرز کو اختیار کرنے کے متعلق کرتے ہیں +

جو وجوہات بشپ صاحب نے پیش کئے ہیں ان پر نظر ڈالنا کسی قدر ضروری معلوم ہوتا ہے ہمیں افسوس سے ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ اس موازنہ میں ہمیں بار بار بشپ صاحب کو ذاتی طور پر مخاطب کرنا پڑے گا کیونکہ انہوں نے مسیح موعود کی ذات پر حملہ کیا ہے نہ ان کے دلائل اور اصول اور تعلیم پر ایک سرسری نظر ہمیں اس نتیجہ پر پہونچا دیتی ہے کہ اگرچہ بشپ صاحب اپنا دل خوش کرنے کیلئے اپنے پیش کردہ امور کا وجوہات نام رکھتے ہیں لیکن یہ صرف جھوٹے بہانے ہیں جو انہوں نے اپنے آپ کھلے مباحثہ کے ناقابل دیکھکر پیش کئے جس میں ان سے عیسائیت کی صداقت کا ثبوت مانگا گیا تھا۔ ان میں سے سب سے نکما عذر جو بشپ صاحب کے زعم میں سب سے زیادہ وزن دار ہے۔ وہ ہے جو سب سے اول نمبر رکھا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ دوستانہ تعلقات کے ساتھ ایسے شخص کا مقابلہ کیونکر کر سکتے ہیں جس نے خدا سے الہام پاکر مسیح ہونے کا دعوے کیا کیونکہ ایسا نام اختیار کرنے سے اس نے اس شخص کی ہتک اور بیعزتی کی جسے بشپ اپنا خداوند اور مالک سمجھکر پرستش کرتا ہے بیشک ایسی بات ناممکن معلوم ہوتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ بشپ صاحب خود کیوں خداوند کے لفظ کو اپنے واسطے پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ اس کو مائی لارڈ (میرے خداوند) کرکے خطاب کریں کیا یہ نہایت خطرناک ہتک اور بے عزتی اس کی نہیں جسے وہ خداوند سمجھکر پرستش کرتا ہے۔ کیا ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ ہم بشپ کو یسوع مسیح کے نرم الفاظ میں جو متی باب ۷ آیت ۳-۵ میں مندرج ہیں یا کم سے کم موجودہ زمانہ کے ایک عیسائی مدبر کے زیادہ مہذبانہ الفاظ میں نصیحت کریں کہ یسوع کے خدام کو مناسب ہے کہ وے اپنے ہمسایہ کی آنکھ سے کانٹری نکالنے سے پیشتر اپنی آنکھوں سے شہتیر نکالیں"۔ بشپ کو انجیل کے اس صریح حکم کی کیوں پرواہ نہیں جہاں لکھا ہے کہ "نہ تم آقا کہلاؤ"۔ اور کیوں اس نے آقا سے بھی بڑھکر خداوند کا نام فقیتاً

کیا ہوا ہے اور "مائی لارڈ" "ویوبڑ لارڈ بشپ" کہلاتا ہے۔ اس کا جواب صرف یہی ہوگا کہ بشپ صاحب کو اس خطاب کا حق قانوناً حاصل ہے لیکن کیا قانونی حق ان کے نزدیک انجیلی ممانعت سے زیادہ وقعت رکھتا ہے بشپ صاحب تو وکیون "لارڈ" یعنی خداوند کہلاتے ہین درآنحالیکہ وہ اس شخص سے بیزاری ظاہر کرتے ہین جو خدا سے الہام پاکر مسیح کہلاتا ہے انجیل کے خادم کیون گورنمنٹ سے گذارش نہین کرتے کہ آیندہ کوئی شخص "لارڈ" نہ کہلایا کرے یا کیا ان کے خیال مین یسوع نے ان دونون مقامات پر کہ "مبارک ہو تم جو غریب ہو" اور "نہ تم آقا کہلاؤ" غلطی کھائی کیونکہ اس تعلیم کے وقت اس کے پیش نظر صرف گلیل کے ماہی گیر تھے اور اپنے پیچھے آنے والے مریدون کی شان و شوکت کو نہ سمجھکر ان کی حالت کا قیاس انہین چند غریب آدمیون پر کر لیا +

لیکن اگر اعتراض صرف اس قدر ہے کہ یسوع مسیح کا نام کسی حالت مین سوائے عیسائیون کے فرضی خدا کے کسی اور شخص پر نہ لگایا جاوے تو بشپ صاحب کو اور زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان پندرہ اشخاص کی نسبت بشپ صاحب کا کیا خیال ہے جو مسیح کے وقت زندہ موجود تھے اور یسوع کے نام سے پکارے جاتے تھے جن کا تواریخ مین ذکر ہے اور پھر وہ یسوع کی الوہیت کی تطبیق اس امر کے ساتھ کیونکر کرینگے کہ وہ چور بھی جس کا دوسرا نام انگریزی انجیلون مین براباس ہے یسوع کے نام سے ہی مشہور تھا۔ اس امر کے ثبوت مین کہ واقعی اس چور کا نام بھی یسوع ہی تھا اتنا کہدینا کافی ہے کہ ترمیم شدہ یونانی عہدنامون (فرٹزش اور ٹشنڈورف) مین متی ۲۷/۱۷ "تم کسے چاہتے ہو کہ مین تمہارے واسطے رہا کرون براباس یا یسوع جو مسیح کہلاتا ہے" کی بجائے یہ عبارت ہے "یسوع براباس یا یسوع جو مسیح کہلاتا ہے" اور یہی عبارت کم سے کم ایک یونانی نسخون مین پائی جاتی ہے کیا بشپ صاحب کو کبھی خیال نہین آیا کہ یہ تاریخی واقعہ ان کے آقا کی "نہائیت خطرناک ہتک اور بے عزتی" کرتا ہے +

پھر ہم کہتے ہین کہ اگر کوئی دوسرا شخص یسوع کو خدا نہین مانتا تو بشپ کو یہ بات بری کیون معلوم ہوتی ہے۔ یہ اس کا کام ہے کہ پہلے یسوع کی الوہیت ثابت کرے اور پھر اگر کوئی شخص اس چھپتے ہوئے ثبوت کی صرف تحکم کے طور پر تردید کرتا ہے تو بیشک یہ امنانے کی

بات ہے لیکن حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے مسیح کہلا کر یسوع کی کوئی ہتک نہین کی انہون نے
اس کو الوہیت کے باطل مقام سے نیچے اتار کر انسانون مین شامل کر دیا ہے۔ کیا یسوع کا گوشت اور
ہڈیان ایک عورت کے پیٹ مین عورت کے ناپاک خون حیض سے نہین بنے۔ اور کیا وہ اسی راستہ سے
دنیا مین نہین آیا جس سے دیگر اشخاص آتے ہین۔ کیا بیماریان اور عوارض معمولی لوگون کی طرح اس پر
نہ آتے تھے اور کیا وہ معمولی اشخاص کی طرح بھوکا اور پیاسا نہ ہوتا تھا۔ کیا اس نے اپنے دوسرے
بھائیون بہنون کی مانند پرورش نہ پائی تھی۔ کیا ایک مٹھی بھر یہودیون نے اسے نہ مارا اور اس کا انکار
نہین کیا اور کیا وہ گرفتار ہو کر عدالت مین نہین گھسیٹا گیا۔ کیا اس کا انجام ایک معمولی انسان کی طرح
ایلی ایلی لما سبقتانی جیسے مایوس لفظون کے ساتھ نہین ہوا۔ کیا اس نے کوئی معجزہ پہلے نبیون سے
بڑھکر دکھلایا۔ اسپر بھی بشپ صاحب ناراض ہین کیونکہ یسوع کو معمولی شخص بنایا جاتا ہے۔ اپنے عقائد
کی عزت ایسے مخالف سے جس کا کام ان کی نکتہ چینی اور تردید کرنا ہی کرانے مین بشپ صاحب نے بلحاظ
منطق ایک سخت غلطی کھائی ہے کیونکہ وہ مباحثہ کا فیصلہ پیشتر از ین کہ وہ شروع کیا جائے اپنے حق مین
چاہتے ہین۔ ان کو یسوع کی الوہیت ثابت کرنے کیلئے کہا گیا تھا لیکن وہ ایسے مخالف کے ساتھ مباحثہ
پسند کرتے ہین جو پہلے ہی اس مسئلہ کو تسلیم کرے۔ بشپ صاحب اپنے مشنری کام کا انتظام کس طرح کرتے
ہون گے جبکہ ابھی ان کو کلیسیا کے اعلے عہدہ پر مسند نشین ہونے کی خوش قسمتی حاصل نہ ہوئی تھی۔ کیا
حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے کوئی ایسا دعوے کیا ہے جس کا انہون نے ثبوت نہین دیا۔ ان کا دعوے
مسیح ہونے کا ہے جسکے دوبارہ آنے کی پیشگوئیان پرانے اور نئے عہدنامہ اور کلام اللہ اور حدیث
مین موجود ہین۔ مگر تاہم صرف انہین پیشگوئیون پر ان کی مسیحیت کے ثبوت کا انحصار نہین ہے بلکہ
وہ اپنی ماموریت کا کھلا کھلا ثبوت منہاج نبوت کے سارے طریقون پر پیش کرتے ہین اور یہ ثبوت
اپنی قطعیت مین یسوع کی رسالت کے ثبوت سے جو عیسائی پیش کرتے ہین کہین بڑھکر ہے۔ کیونکہ
یسوع کے سارے نشانات اور معجزات قصہ کہانیون کے رنگ مین ہین جن کا ایک بھی شاہد نہین
مگر حضرت مرزا صاحب کے نشانات کے کروڑہا زندہ شاہد موجود ہین قصے اور کہانیان رویت کا مقابلہ
کیونکر کرسکتے ہین اگر بشپ صاحب سچائی کی اتنی تلاش بھی کرنے والے ہون جتنی ان یہودیونکو تھی
جو یسوع سے اس کی خدائی کا اور مسیحیت کا ثبوت طلب کرتے تھے تو ان کو نہ ایکدو بلکہ ہزارہا نشان مسیح موعود

کی صداقت کے ثبوت میں مل جائینگے۔ اگر ان اعتراضوں پر غور کیا جائے جو عوام کی موٹی نظر پیشگوئیوں کی اصل حقیقت اور ماہیت سے ناواقف ہونے کے سبب سے دیکھتی ہے تو اس جگہ بھی یسوع بہ نسبت مسیح موعود کے زیادہ سخت اعتراضات کا نشانہ ہے۔ بلکہ یسوع پر تو بعض اعتراضات ایسے ہیں جن کا جواب آج تک عیسائی ہرگز نہیں دے سکے۔ مثلاً ایک ہی اعتراض ہم لیتے ہیں۔ ملاکی نبی کی کتاب میں لکھا ہے کہ ضرور ہے کہ مسیح سے پہلے الیاس دوبارہ آسمان سے آوے جب یہودیوں نے یسوع سے یہ سوال کیا کہ ہماری کتابوں میں خدائے تعالےٰ نبیوں کی زبان پر وعدہ دے چکا ہے کہ سچا مسیح تب تک نہ آوے گا جبتک الیاس آسمان سے نہ آوے اور اس لئے جو شخص الیاس کے آنے سے پہلے مسیح ہونے کا دعوے کرتا ہے وہ جھوٹا ہے تو یسوع نے ان کے ان اعتراض کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ صرف یہ کہکر ٹالدیا کہ یوحنا ہی الیاس ہے۔ بظاہر یہ تاویل غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہودیوں کا یہ اعتراض تھا کہ اگر الیاس نے خود نہیں آنا تھا بلکہ اسکے کسی مثیل نے آنا تھا تو پھر خدا نے ان کو یہ کیوں نہ کہا کہ الیاس کا مثیل آئے گا۔ علاوہ ازیں جب یہ مانا جاتا ہے کہ یسوع مردے زندہ کیا کرتا تھا تو پھر کیوں اس نے الیاس کو دوبارہ زندہ کر کے یہودیوں کے اعتراض کی تردید نہ کر دی۔ اب اس اعتراض کے مقابل پر مسیح موعود پر یہ اعتراض کہ خود عیسے دوبارہ نازل ہونا چاہیئے تھا اس کا مثیل کیوں آیا ہے۔ ان لوگوں کی طرف سے جو مسیح کی رسالت کو تسلیم کرتے ہیں بیوقوفی ہے کیونکہ اگر یہ اعتراض صحیح ہے تو پھر تو مسیح کو سب سے پہلے رسالت سے جواب ملتا ہے جبتک اس کی کوئی بریت نہ کر لی جائے یہ اعتراض محض حماقت ہے علاوہ ازیں آمد ثانی کے معنے تو مسیح نے خود صاف کر دئے تھے پھر افسوس ہے ان لوگوں پر جو انہیں الفاظ پر ٹھوکر کھائیں۔ کیا مسیح نے نہیں کہا کہ الیاس کا دوبارہ ہونا اس طرح پر ہوا کہ اس کی روح اور خصلت پر کوئی دوسرا شخص آگیا یعنی یوحنا جس نے یسوع کو بپتسمہ دیا اور اس طرح پر صاف جتلا دیا کہ میرا دوبارہ آنا بھی اسی طرح پر ہوگا۔ افسوس ہے ان لوگوں کی عقلوں پر جو اس بھید کو نہیں سمجھتے کہ مسیح کو کیوں یہ واقع پیش آیا کہ اسے آمد ثانی کے یہ معنے کرنے پڑے اسمیں صاف اشارہ تھا کہ پھر بھی ابتلا دنیا میں پیش آئے گا پس ان لوگوں کو جنہوں نے ایک دفعہ آمد ثانی کے یہ معنے سمجھ لئے کہ کوئی دوسرا شخص اس کی خو بو پر آیا کرتا ہے۔ یہ اعتراض کیونکر سوجھ سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کی دوبارہ آمد سے یہ مراد نہیں کہ کوئی اور شخص اس کی خو بو پر آئے تو یسوع مفتری ٹھہرتا

ہے۔ کیونکہ ان معنوں کے انکار سے سب سے پہلے جس شخص کا دعوے باطل ہوتا ہے وہ یسوع ہی ہے۔
اور اگر آمد ثانی کے یہ معنے ہین کہ کوئی دوسرا شخص اس کی خو بو پہ آجائے۔ تو یسوع کی آمد ثانی سے واقعی اسی کا
آجانا مراد نہین ہو سکتا بلکہ یہان بھی یہی مراد ہونی چاہیئے کہ کوئی دوسرا شخص یسوع کی خو بو پہ آجائے
ان دونون پہلوؤن مین سے بیشک جو پہلو چاہے اختیار کرے اور اس محتمل الضدین کی ہر دو شاخون
مین سے جس پہ چاہے اپنے قدم جمائے لیکن یسوع نے خود ہی اس معاملہ کی اور بھی وضاحت کردی
ہے اس نے صاف الفاظ مین کہدیا کہ وہ الیاس کی مانند دکھ اٹھائیگا "پھر مین تم سے کہتا ہون
کہ الیاس تو آچکا لیکن انہون نے اس کو نہین پہچانا بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم
بھی ان سے دکھ اٹھائے گا" (متی ۱۷/۱۲)۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ الیاس نے کس طرح دکھ اٹھایا۔ خود نہین بلکہ یوحنا کی شخصیت مین۔ علیٰ ہذا القیاس
ابن آدم بھی اپنی آمد ثانی کے وقت خود دکھ نہین اٹھائے گا۔ بلکہ اس کی جگہ کوئی اور شخص جو ابن آدم کی
روح و خصلت مین ہو کر آئے وہ دکھ اٹھائے گا۔ اس لیئے ہم یسوع کے خادمون کو ان کے آقا کے
الفاظ مین مگر اس سے بڑھکر سچائی کے ساتھ کہتے ہین کہ "آینوالا مسیح آگیا ہے اگر چاہو تو قبول کرو۔
جسکے کان سننے کے ہون سنے" نیز یسوع نے اپنی آمد کو ایک چور کی آمد سے تشبیہ دی ہے (متی ۲۴/۴۳)
پہرہ والون کی نظر ایک طرف ہوتی ہے لیکن چور دوسرا راستہ اختیار کرلیتا ہے۔ یسوع کے بارے
مین بھی یہی واقعہ پیش آیا ہے۔ عیسائی اس کے اپنے آنے کے منتظر ہین لیکن وہ کسی اور کی شکل مین
ظاہر ہو گیا ہے۔ ان کو مناسب ہے کہ اب تمام بیہودہ امیدون اور فضول انتظارون کو چھوڑ دین کیونکہ
انکے اپنے حساب کے مطابق آمد ثانی کا وقت آچکا ہے بلکہ گذرتا جاتا ہے اگر وہ اب نہ آیا تو یقیناً کبھی بھی
نہین آئے گا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جب کبھی یسوع سے یہودیون نے یہ درخواست کی کہ ہمین
اپنی رسالت کا کوئی آسمانی نشان دکھا تو یسوع ہمیشہ انکار ہی کرتا رہا۔ مگر برعکس اس کے مسیح موعود
نے مخالفین کی درخواست پر اور بغیر درخواست کے آسمانی نشان دکھائے امرتسر کے ایک مشہور پادری
آتھم کی درخواست پر قادر مطلق خدا نے آپکے ہاتھون سے ایک ایسا آسمانی نشان ظاہر کیا جسکا
نتیجہ آتھم کا قبر مین جا سونا تھا عیسائی لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے تھے لیکن انہون نے پہلے زمانہ

کے یہودیون کی طرح انکار ہی کیا۔ علی ہذا القیاس ایک آریہ پنڈت لیکھرام کی درخواست پر حضرت مسیح موعود نے چھ سال کے اندر اس کی موت کی پیشگوئی کی۔ اور بار ایک امور غیبیہ پر مشتمل پیشگوئیاں اس واقعہ کے متعلق قبل از وقت شایع کین اور پنڈت مذکور کے طریق موت و تاریخ و ساعت موت کا پورا پورا پتہ دیدیا۔ یہ پیشگوئی نہ صرف حضرت مرزا صاحب کے ہاتھون سے ہی شایع ہوئی بلکہ خود پنڈت لیکھرام نے بھی اس کو کثرت سے شایع کیا اور اس طرح پر کروڑہا انسانون کے درمیان یہ خبر قبل از وقت شایع ہوگئی اور پھر ہر ایک پہلو سے وقت معینہ پر اپنے تمام شرایط کے ساتھ پوری ہوئی۔ اور اسی طرح پر ڈیرھ سو سے زائد خارق عادت نشانات مسیح موعود دکھا چکے ہین جن کے کروڑون لوگ گواہ ہین اور اگر اس وقت بھی کوئی شخص سچے دل سے اور حق کو قبول کرنے کی خاطر نیک نیتی سے نشان مانگے تو اسے مایوس نہین کیا جاتا۔ یسوع کی پیشگوئیون پر کسی قسم کا وثوق نہین کیا جا سکتا کیونکہ کسی پیشگوئی کے پورا ہونے کی سچائی کا ثبوت نہین مل سکتا جبتک اس کے واقعات پیشتر ہی شایع نہ کئے جائین۔ وقوعہ کے بعد معجزات اور پیشگوئیان تو سیکڑون نہین ہزارون بن سکتی ہین۔ اور تمام قومون کی کتابین ایسی کہانیون سے بھری پڑی ہین۔ لیکن مسیح موعود پیشگوئیون اور معجزات کی سچائی کا زندہ گواہ موجود ہے۔ اس کی پیشگوئیان پورا ہونے سے پہلے شایع کی جاتی ہین تاکہ پورا ہونے کے وقت لوگ ان کی سچائی کو دیکھنے کے قابل ہون۔ عیسائیون کے پاس مسیح کی کوئی بھی پیشگوئی اس قسم کی نہین ہے۔ اس کی جو پیشگوئیان پورا ہونے سے پہلے شایع کی گئین وہ ایسی غلط نکلی ہین کہ عیسائیون کو ان کی وجہ سے سخت ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔ جب ہم یسوع کے حالات پر جیسا اناجیل مین مندرج ہین نظر کرتے ہین تو ایک عجیب مقابلہ کی تصویر ہماری نظرون کے سامنے کھنچ جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ اس امر کی کوشش کرتا رہا کہ اس کا مسیحائی کا دعوے عام طور پر مشتہر نہ ہو۔ اور جب کبھی فاضل یہودیون نے اس سے اس کی سچائی کا نشان مانگا تو وہی جواب دیتا رہا کہ کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔ جب فریسی اس کے دعوے کے متعلق تذبذب مین تھے تو انھون نے بمنت یسوع کیخدمت مین عرض کی کہ وہ اپنی سچائی کا کوئی نشان ان کو دکھاوے۔ لیکن اس نے انہین جواب دیا اور کہا کہ "اس زمانہ کے بد اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہین پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انہین دکھایا نہ جائیگا (متی ۱۲)" ہم امید کرتے ہین کہ ڈاکٹر لیفرائے ایسے

الفاظ موجودہ مسیح سے ہرگز سننے پسند نہ کرے گا اور اسے سننے کی ضرورت بھی نہین کیونکہ اگر وہ حق طلبی کی راہ سے کوئی نشان مانگے تو مسیح موعود اسے دکھلانے کے لئے تیار ہے۔ لیکن جو نشان یسوع نے دکھانا چاہا وہ موت کے بعد ظاہر ہونا تھا۔ اور اس واسطے اس کی رسالت کا ثبوت نہین ٹھہر سکتا تھا اور نہ طلب کرنے والون کو اس سے تسلی حاصل ہو سکتی تھی۔ یسوع نے یہ خاموشی برابر اپنے تبلیغ کے سارے زمانے مین رکھی۔ ایک اور موقع پر جب فریسیون نے اسکے مشن کی تائید مین آسمانی نشان مانگا تو اس نے ایک سرد آہ بھری شائد اس واسطے کہ اس مین نشان دکھلانے کی قدرت نہ تھی اور کہا کہ "اس نسل کو کوئی نشان نہ دکھلایا جائے گا" موجودہ نسل اس لحاظ سے بڑی خوش قسمت ہے کیونکہ اس کا مسیح اپنے خدا کی طرف سے ہونے کا ثبوت دینے کو تیار ہے اور آسمانی نشانات بکثرت دکھلا چکا ہے اور اب بھی دکھلاتا ہے۔ بجائے اس دلیل کے سبب مناظرہ سے انکار کرنے کے بشپ صاحب کو مناسب تھا کہ ایک ایسے دشمن کو خاموش کرنے کے لئے اس موقع کو غنیمت خیال کرتے جو مذہب عیسوی کے جھوٹے مسائل کا استیصال کر رہا ہے۔ بشپ صاحب کا انکار ان کی ناقابلیت کو ظاہر کرتا ہے اور اس بہانہ سے انہون نے صرف اپنے عیب کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ کسی شخص نے کبھی خواہش نہین کی تھی کہ بشپ صاحب مسلمانوں پر عیسائیت کی صداقت ظاہر کرین اور نہ یہ انکا خاص کام تھا۔ لیکن انہون نے ابتدا کی اور عیسائیت کے مسائل کو جو ایک راز کی صورت مین چلے آتے ہین مسلمانون کے سامنے حل کرنا چاہا۔ نہ اس واسطے کہ دراصل انکے پاس کوئی ثبوت موجود تھا (کیونکہ مابعد کی حالت اس خیال کی تردید کر رہی ہے) بلکہ اس سبب سے کہ عوام الناس کے خیالات پر ان کا رعب بیٹھ جائے اور لوگ بشپ صاحب کی . . بزرگی اور فضیلت کی وجہ سے اور بغیر کسی دلیل کے طلب کرنے کے انکے الفاظ پر ایمان لے آئین۔ اصل بات یہ ہے کہ بشپ صاحب کا پادری اور واعظ انجیل ہونے کا جوش نئے عہدہ پر آتے ہی ٹھنڈا نہین ہو سکتا تھا۔ اور اسی جوش سے اپنے عہدہ کی آڑ مین انہون نے یہ فائدہ حاصل کرنا چاہا کہ عوام پر اپنے مذہب کا اثر ڈالین۔ جونہی انہون نے دیکھا کہ ایک مسلمانون کا عظیم الشان امام انکے مقابلہ کے لئے تیار ہے تو انہون نے واپسی کا نقارہ بجایا اور اسلام کے ہاتھ مین ایک فتح عظیم چھوڑ کر میدان جنگ سے گریز اختیار کیا +

ڈاکٹر لیفرائے کا دوسرا اعتراض یسوع اور اس کے پیروؤن کے خلاف ہے۔ اور نہ مسیح موعود کے

وہ کہتے ہین مسیح موعود نے یسوع کی زندگی کے حالات بیان کرنے مین سختی اور بدزبانی سے کام لیا ہے لیکن کیا وہ عیسائی پادریون کی کینہ بدزبانی سے واقف نہین جو وہ اسلام اور اس کے اولوالعزم بانی کے حق مین کرتے ہین در آنحالیکہ وہ خود بھی کئی سالون تک پادری کا کام کرتے رہے ہین کیا وہ نہین جانتے کہ نہایت گندے اور سخت الفاظ جوان کو اپنی زبان مین مل سکتے تھے ان واعظان انجیل نے سب کے سب پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر خرچ کئے ہین۔ آپکے سب اقوال وافعال کو کینہ اغراض کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور آپ کی زندگی کا ہر ایک پہلو عیسائی نکتہ چینون نے ظالمانہ طور سے بدنما بنا کر پیش کیا ہے۔ کیا بشپ صاحب نے کبھی اس برائی کو اپنے مشنری بھائیون سے دور کرنے کی کوشش کی؟ جن لوگون نے وعظ انجیل کو پیشہ بنا لیا ہے ان کی گندی تحریرون نے بار بار مسلمان جماعت کے خون کو جوش دیا ہے اور اسی جوش کو ٹھنڈا کرنیکے لئے ہی مسیح موعود نے مناسب سختی سے کام لیا اور اس طریقہ سے لوگون کے جوشون کو فرو کر دیا اور اگر وہ ایسا نہ کرتے تو اس کا نتیجہ ضرور کوئی خوفناک صورت اختیار کرتا۔ ابتدا انجیلی واعظون نے کی اور مسیح موعود کی سختی اس خرابی کے دفعیہ کے لئے تھی جو پادری ملک مین پیدا کر چکے تھے۔

لیکن ایک اور سبب بھی ہے جس کے باعث مشنری لوگ مسیح موعود کی تحریرون کو سخت سمجھ رہے ہین وہ اپنے آپ کو عام سطح سے اوپر خیال کرتے ہین اور علمی مناظرات مین بیوجہ بڑے بننا چاہتے ہین۔ وہ چاہتے ہین کہ ہر شخص فرض کے طور پر ان کی رائے کو عزت کی نگاہ سے دیکھے خواہ وہ رائے درست ہو یا غلط۔ اسی واقع مین جس پر ہم اس وقت بحث کر رہے ہین بشپ صاحب کو یہ بہت ناگوار گذرا ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب خدا سے الہام پاکر مسیح موعود ہونیکا اور یسوع ناصری کے مساوی بلکہ اس سے افضل ہونے کا دعوے کرتے ہین لیکن خود بشپ صاحب اپنے جذبات کی اتباع کرکے پیغمبر اسلام کو معاذاللہ ایک مفتری قرار دیتے اور نہائت بدنما تصویر ان کی پیش کرتے ہین اور تسپر انہین خیال ہے کہ اسلام کے ساتھ بڑے منصفانہ طور سے برتاؤ کرتے ہین اور مسلمانون کے خیالات کا پاس رکھتے ہین۔ اصل بات تو یہ ہے کہ یسوع کا گلہ دیگر مذاہب کے حق مین جو چاہے کہے لیکن وہ اپنے حق مین ایک لفظ بھی نہین سن سکتے وہ ابن مریم کو خدا سمجھکر پوجتے ہین۔ اور خود بھی چھوٹے چھوٹے خدا بنکر چاہتے ہین کہ لوگ ان کی پرستش کرین۔ اگر کوئی شخص ان کی رائے

پر محققانہ ریویو کرے تو آگ بگولہ ہو جاتے ہین۔ بیشک سچائی ایک تلخ پیالہ ہے ان کے لئے جو جھوٹ سے ملے رہتے ہین ان کے مخالف کا قصور صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ سچائی پیش کرتا ہے +

بشپ صاحب اپنے ہم پیشہ اصحاب کی ابتر اور گندی عادت سے ضرور واقف ہون گے مگر کیا انہون نے یا کسی اور انجیلی واعظ نے کبھی اس بد طریق کو روکنے کی کوشش کی؟ ہان یہ مسیح موعود ہی تھا جس نے تین متواتر درخواستین گورنمنٹ مین بھیجکر درخواست کی کہ مناظرہ کا گندہ طریقہ قانوناً بند کیا جائے اور اس کے لیئے قانون نافذ کیا جائے۔ اگر پادری بھی ایسی ہی التماس کرتے۔ تو گورنمنٹ مسیح موعود کی اس تجویز پر زیادہ غور کرتی۔ کیونکہ جب دونون فریق ایک امر پر رضامند ہوتے تو گورنمنٹ کے لیئے اس قسم کا قانون بنانے کی راہ نکل آتی جس سے دو فریق ایک دوسرے کے مذہب پر حملہ کرنے سے روک دیئے جاتے اور مناظرہ کو صرف اپنے مذہب کی خوبی بیان کرنے کی حد تک محدود کر دیا جاتا۔ علاوہ ازین اس پہلے خط مین جو مسلمانون نے بشپ کو لکھا تھا یہ قواعد بھی موجود تھے کہ کوئی فریق مذہب مقابل پر حملہ نہ کرے اور ہر ایک گروہ صرف اپنے مذہب کی سچائی کا ثبوت دے پس اگر بشپ صاحب نے باوجود اس کے یقین دلائے جانے کے بھی مناظرہ سے علیحدگی ہی اختیار کی تو وہ اپنے سایہ سے ڈرتے رہے اور دراصل کوئی شے انہیں ڈرانے والی موجود نہ تھی +

بشپ صاحب کے دوسرے اعتراض پر اب ہمین صرف ایک اور ریمارک کرنا باقی ہے اور وہ یہ کہ اگر وہ کوئی سختی مسیح موعود کی تحریرین دیکھتے ہین تو وہ سمجھ لین کہ یہ سب کچھ بسبب مماثلت کے ہے اس شخص کے ساتھ جسے بشپ صاحب "خداوند اور آقا" سمجھکر پرستش کرتے ہین۔ جس سختی سے یسوع نے یہودی سردارون کے ساتھ سلوک کیا وہ ان لوگون کے درمیان ضرب المثل ہے تمام یہودی مصنف یسوع کی گندہ زبانی کی جو اس نے ان کے بزرگون اور کاہنون کے حق مین کی جن پر وہ ہمیشہ غضب کے ساتھ حملہ کیا کرتا تھا اب تک شاکی ہین۔ یہودیون نے نرم الفاظ مین اس کو مخاطب کیا اور آقا اور ربی کہکر اسے بلایا اور ثبوت اور نشان مانگے۔ لیکن جواب مین ان کو ریاکار۔ سانپون کے بچے ایک بد اور حرامکار نسل وغیرہ کہا گیا۔ درحقیقت اس کی کثرت بدزبانی کی وجہ سے یہ الفاظ ہر وقت اسکی زبان پر رہتے تھے۔ اس نے صاف صاف یہودیون کے بزرگون اور معزز مردون اور عورتون کی بے عزتی کی اور انہین محصول لینے والون اور بدکار عورتون

بدتر قرار دیا۔ کیا اس سے ان کے خیالات کو کچھ رنج نہ پہونچتا تھا تاہم وہ لوگ اس کی عزت ہی کرتے تھے۔ دراصل یہودی سرداروں نے آج کل کے ظاہری دینداروں اور واعظوں کی نسبت خواہ وہ ظاہراً کیسے ہی مہذب نظر آویں کہیں زیادہ نرمی کا نمونہ دیا۔ بیشک بشپ صاحب کو چاہیئے کہ وہ یہود کے معزز علما اور بزرگوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کریں جو گورنمنٹ رومی کے ماتحت بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز تھے اور جنہیں یسوع حرامکار عورتوں سے بدتر بدکار لوگ سوّر اور کتے سانپوں کے بچے گدھے اور اندھے کہکر مخاطب کیا کرتا تھا۔ اس کی گفتگو کے عام الفاظ بیوقوف۔ جاہل۔ ریاکار اور بدی سے معمور وغیرہ تھے۔ دراصل یسوع نے دشنام دہی کے دفتر میں کوئی لفظ باقی نہیں چھوڑا۔ اور اب پادری لوگ دوسرے مذاہب کے پیشواؤں اور بزرگوں پر حملہ کرتے وقت اس کی نقل ہی کرتے ہیں۔ ایسے "خداوند اور آقا" کے ہوتے ہوئے بشپ صاحب کو مسیح موعود پر سختی اور بدزبانی کا الزام لگانے میں زیادہ محتاط ہونا چاہیئے تھا +

ڈاکٹر لیفرائے کا تیسرا عذر بھی ایسا ہی بودا ہے جیسا پہلا اور دوسرا۔ وہ مسیح موعود کے ساتھ مباحثہ پر رضامند نہ ہونے کے لئے یہ وجہ تراشتے ہیں کہ مسیح موعود کے دعوے کو اس صوبہ کے کثیر مسلمان استہزا اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مگر اپنے تئیں بشپ صاحب عیسائی جماعت کا سچا وکیل ٹھہراتے ہیں بہ سبب اس عہدے کے جسپر وہ اتفاقاً مقرر ہیں خواہ ذاتی طور پر وہ کیسے ہی ناقابل ہوں۔ مگر افسوس ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اس وکالت کے قابل ثابت نکیا کیونکہ عیسائیت کو شکست آتے دیکھکر انہوں نے صاف گریز اختیار کی اور اس کی حفاظت میں کچھ بھی ہاتھ پیر نہ ہلائے اور اس طرح پر ہمیشہ کے لئے اس مذہب پر داغ لگایا جسکے وہ وکیل ہوکر کھڑے ہوئے تھے۔ باقی رہا مسیح موعود کے دعوے کا استہزا اور حقارت سے دیکھے جانا اس معاملہ میں بشپ صاحب کو سوچ سمجھکر قدم رکھنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ شام کے یہودیوں نے بھی یسوع کے دعوے کو نہایت استہزا اور حقارت کے ساتھ دیکھا تھا تو کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نکالیں کہ اس کا دعوے یہودیوں کے بادشاہ ہونے کا باطل تھا اور یہ پیشگوئی کہ مسیح یہودیوں کا بادشاہ ہوگا اس میں پوری نہیں ہوئی نیز وہ خاص مذہبی فرقہ جس میں بشپ شامل ہے اکثر عیسائیوں کی نظروں میں حقیر ہے براہ مہربانی وہ ہمیں بتلاویں کہ کلیسیائے انگلستان کی تعداد یسوع کے خون

بھروسہ کرنیوالے اور اس کو خدا سمجھنے والے دیگر عیسائیون کے مقابلہ مین کیا ہے اس کے بعد انہین خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ خود عیسائی لوگ ان پر اعتراض کرنے والے اور استہزا کرنے والے دنیا مین بکثرت موجود ہین۔ اور وہ لوگ باوجودیکہ بشپ صاحب یسوع کو خدا مانتے ہین پھر بھی ان کو مرتدین اور کافرون کی فہرست مین داخل کرتے ہین۔ اس طرح سے تو بشپ صاحب کا عیسائیت کی وکالت کا دعوے جھوٹا ٹھہرتا ہے۔ پس ان کا یہ اعتراض مسیح موعود پر کہ بہت سارے لوگ انکے دعوے کو نہین مانتے اسلئے وہ اسلام کے وکیل نہین ہو سکتے کسقدر بودا ہے حالانکہ انہین کے بھائی بند امرتسر کے مباحثہ مین حضرت مرزا صاحب کو اسلام کا وکیل مان چکے ہین۔ صرف یہی نہین بلکہ بشپ صاحب کا عیسائیت کی وکالت کا دعوے ایک اور پہلو سے بھی جھوٹا ٹھہرتا ہے۔ بشپ صاحب کی مذہبی وکالت تو صرف اسقدر ہے کہ ایک عہدہ اور تنخواہ کے لحاظ سے وہ چند مذہبی رسوم جو ان کے لئے مقرر شدہ ہین۔ بجا لاتے ہین اور ان رسوم کو ادا کرنے کے علاوہ ان کی اپنی ذات کا اثر مذہب عیسائی پر کیا ہے بالفرض اگر ان کا کانشنس ان کو ہدایت کرے کہ یہ رسم ٹھیک نہین۔ یا اس کے نیچے کوئی حقیقت نہین تو کیا وہ یہ جرأت کر سکتے ہین کہ علانیہ طور پر اپنا اختلاف اس مقرر کردہ طریق سے ظاہر کر سکین اور اگر بالفرض کرین بھی تو وہ اسی وقت وکالت سے علیحدہ کئے جاوینگے وہ اس طریق سے جو ان کے لیئے مقرر کیا گیا ایک ذرہ بھر اِدھر اُدھر نہین ہو سکتے اور اگر ہون تو وہ بشپ نہین رہ سکتے۔ وہ مذہبی رہنما نہین بلکہ رسوم کے غلام ہین۔ اور مذہبی وکیل رسوم کا غلام نہین ہو سکتا۔ بلکہ وہ جسکو سچے طور پر رہنمائی کا حق حاصل ہے۔ بشپ صاحب کو تو صرف وہ وسائل اختیار کرنے پڑتے ہین جو ان کی آمدنی اور عہدہ کے قیام کے لئے ضروری ہین اور اگر ان کا نور قلب انکو یہ ہدایت کرے کہ فلان عقیدہ غلط ہے یا فلان راست ہے تو ان کی جماعت اُن کی رائے کے پیچھے نہین چلیگی پس جس شخص کا اقرار و انکار اس کی جماعت پر کوئی اثر پیدا نہین کر سکتا وہ کیونکر یہ دعوے کر سکتا ہے کہ مین حقیقی طور پر فلان مذہب کا وکیل ہو سکتا ہون۔ برعکس اس کے حضرت مسیح موعود ایک حقیقی رہنما ہین اور ان کی جماعت جسقدر وہ ہے ان کو اپنا پیشوا تصور کرتی اور اپنے عقائد اور اعمال کو ان کے عقائد اور اعمال کے مطابق بنانے کی کوشش کرنیوالی ہے۔ ایک لاکھ یا زیادہ آدمی آپ کو خلیفۃ اللہ سمجھتا اور تمام مذہبی امور مین حکم خیال کرتا ہے اگر بشپ صاحب مسیح موعود کو

خاموش کر دیتے تو گویا وہ ایک لاکھ اشخاص کا منہ بند کر دیتے اور اگر وہ انہین قائل کر دیتے تو وہ اس کثیر تعداد کو اپنے مذہب کی سچائی کا قائل کرنے والے ٹھہرتے۔ اس طرح پر ایک ایسا کام انکے ہاتھ سے ہوتا جو سیکڑون پادری دن رات کی کوشش اور ہر قسم کے حیلہ و فریب سے ایک صدی مین بھی نہین کر سکتے۔ اگر بشپ صاحب یہ عظیم الشان خدمت اپنے مذہب کی کرتے تو بیشک وہ قابل تعظیم اپنے ہم مذہبون مین ٹھہرتے اور علاوہ ازین روح القدس کی عنایت کو اور زیادہ حاصل کر کے کسی اس سے بھی بڑے عہدہ پر ممتاز کئے جاتے اور ان کی یادگارین قائم کیجاتین اور وہ ہمیشہ کے لئے عیسائی مذہب کے سچے اور لایق وکیل ٹھہرتے لیکن موجودہ صورت مین تو افسوس ہے کہ ان کو کوئی بھی فخر حاصل نہین اور واقعات انکے حقیقی وکالت کے دعوے کو مردود ٹھہراتے ہین۔ بشپ صاحب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کا عذر بالکل لغو ہے کیونکہ مسائل متنازعہ فیہ خاص وہ مسائل نہین تھے جن کے باعث مسیح موعود اور دیگر مسلمانون مین اختلاف ہے بلکہ مذہب اسلام کے وہ اصول اور تعلیم تھی جن مین تمام مسلمان ان کے ساتھ متفق ہین اور اسی واسطے بشپ صاحب کو لکھا بھی گیا تھا کہ اگر وہ چاہین تو اس چیلنج پر کل مسلمان دستخط کرنے کے لئے تیار ہین لیکن یہ تمام عذر جو بشپ صاحب پیش کرتے ہین دراصل کسی خوف کا نتیجہ ہین جس کا اظہار بشپ صاحب نے مناسب نہین سمجھا۔ ڈاکٹر لیفرائے صاحب کا چوتھا عذر خاص ان کی اپنی حالت کے متعلق ہے۔ ہم بڑی خوشی سے اسکو قبول کر لیتے اگر خود بشپ صاحب کی ہی پہلی کارروائی اسے باطل نہ ٹھہرا دیتی۔ لاہور مین لیکچر دینے کے لئے انکو وقت کہان سے ملگیا۔ کیا اسوقت کلیسیا کو ان کی ضرورت نہ تھی۔ نیز یہ اظہر من الشمس ہے کہ ہر ایک عیسائی کا یہ پہلا فرض ہے کہ غیر مسیحیون کو بچاوے اور نجات یافتون کی ضروریات کو پورا کرنا ایک چھوٹے درجہ کا کام ہے۔ اگر عیسائیون کے اصل عقیدہ کے روسے دیکھا جاوے تو یہ امر ظاہر ہے کہ ڈاکٹر لیفرائے کا پادریانہ کام انکے موجودہ کام کی نسبت اہم تھا اور زیادہ ضروری تھا اور اگر بشپ صاحب یہ کہین کہ انہون نے روح القدس کے اشارے سے ایک کام چھوڑ کر دوسرا اختیار کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ روح القدس کو شاید کوئی اور اغراض مد نظر ہون اس سے یہ ضروری نتیجہ نہین نکلتا کہ واعظ کا کام چھوٹا کام ہے۔ لیکن اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے کہ بشپ صاحب کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ دوسرون کے بچانے کی فکر کرتے تو پھر بھی بشپ صاحب کی بابت نہین ہوتی

کیونکہ نہ صرف انہون نے دوسرون کو بچانے سے انکار کیا بلکہ اپنے مذہب کی حفاظت کی بھی کچھ پروا نہ کی۔ اور سچی مذہبی حمیت سے بھی کام نہ لیا اور مذہب کی حمایت کی کچھ پروانہ کرکے اسپر ہمیشہ کیلئے زک کا داغ لگایا۔ انگریزی اخبارات جو بشپ صاحب کے ہم مذہب تھے انہون نے تو بشپ صاحب کے انکار سے پہلے ہی صاف اقرار کر لیا تھا کہ اگر ایسی منصفانہ شرطون کے ساتھ بھی بشپ صاحب نے مباحثہ سے انکار کیا تو اسلام کا اس میدان مین فتح کا دعوے بجا ہوگا اور بشپ صاحب کو کسی عذر کی گنجایش نہ ہوگی۔ چنانچہ ان مین سے ایک اخبار انڈین ڈیلی نیوز نے جو بشپ صاحب کی خدمت مین بھی بھیجا گیا تھا۔ پرزور الفاظ مین تحریر کیا کہ "ہم نہین جانتے بشپ صاحب کس طرح یہ کہہ سکتے ہین کہ ایسے دلچسپ مباحثہ مین ان کا وقت بہت خرچ ہو جائے گا کسی حالت مین بھی ان کو نہین چاہیئے کہ ایسے دشمنون کی تردید کرنے۔ خاموش کرنے اور قائل کرنے کا یہ عجیب موقعہ ہاتھ سے دیدین خصوصاً ایسی جگہ جہان انہین یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ہر دو مذاہب عیسائیت اور اسلام مین سے کون زندہ مذہب کہلا سکتا ہے"۔ مگر افسوس کہ بشپ صاحب نے ان تمام پہلوون کو عمداً نظر انداز کرکے یہی مناسب سمجھا کہ بجائے اسکے کہ مباحثہ کے بعد وہ قطعی زک اٹھائین یہ بہتر ہے کہ انکار سے بات کو ٹالدین۔ مگر ہماری رائے مین ایک ایسے مذہبی عہدہ دار کے لئے یہ طریق پسندیدہ نہ تھا۔ ہمارے خیال مین دشمن کو پیٹھ دکھانے کی نسبت اسکا مقابلہ کرنا زیادہ باعث عزت ہے وہ شخص جو پیٹھ دکھاتا ہے شکست کھانے مین اس شخص کے برابر ہوتا ہے جو مقابلہ مین دشمن کی تلوار کے نیچے خاک کے ساتھ ملجاتا ہے۔ صرف فرق یہ ہوتا ہے کہ اول الذکر کے دامن پر بزدلی اور بیعزتی کا یہ داغ رہ جاتا ہے اور موخر الذکر اپنی جوانمردی جہانتک طاقت ہو دکھاتا ہے اور بزدلی کے الزام سے بری ٹھہرتا ہے۔ خصوصاً کلیسیا کا ایک بشپ یہ عذر پیش نہین کرسکتا کہ مجھے اندرونی کام بہت ہین۔ ہر ایک شخص کا جو کسی مذہب سے تعلق ظاہر کرتا ہے پہلا فرض مذہبی حمایت ہوتی ہے اور دیگر فرایض اس سے دوسرے درجہ پر ہین اس لئے جو کام بشپ صاحب نے کیا ہے وہ ایک معمولی انسان کے شایان شان بھی نہین ہے اگر دشمن قلعہ پر گولہ باری کر رہا ہے تو اس کو یہ کہنا بڑی بیوقوفی ہے کہ جناب میرا ابھی تک اندرونی انتظام ٹھیک نہین اس کو درست کرکے پھر آپ کا مقابلہ کرون گا۔ اس طرح پر شہر پناہ کو بے حفاظت چھوڑ دینا قابل شرم غلطی ہے خواہ اسکے لئے سو عذر بنائے جائین۔ بلکہ عذر تو اور بھی کمزوری کا

ثبوت ہے +

بشپ صاحب کے آخری عذر کا سمجھنا اور بھی مشکل ہے کیونکہ یہ محض لفظ ہی ہین جن کے نیچے سچی حقیقت کوئی نہین۔ بشپ صاحب نے یہ فرض کر لیا ہے کہ مذہبی صداقتین دلایل سے ثابت نہین کیجا سکتین لہذا مباحثہ فضول ہے۔ تو پھر گویا مذہبی سچائیان کبھی بھی ثابت ہی نہین ہو سکتین۔ کیونکہ ثبوت بلا دلایل ایک مہمل شے ہے۔ لاکھون کتابین عیسائیون نے شایع کین جن مین عیسائیت کو "معقول دلایل" سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیا یہ سب کچھ بیفایدہ تھا اور کیا مصنفون نے ایک لغو کام کیا۔ بشپ صاحب نے خود بھی بڑی مہربانی سے اہم مذہبی مسائل پر عوام الناس کے سامنے لیکچر دئے۔ کیا یہ ایک فضول حرکت تھی اور کیا انکے لیکچر دلائل اور معقول مباحثات سے خالی تھے اور اس نے مسلمانون کو اعتراض کرنے کیلئے کیون بلایا۔ ایک لغو چیز پر اعتراض کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر ہم بشپ صاحب کی فہم و عقل کی کسر شان نہین کرنا چاہتے۔ اپنے علم اور زبان دانی کی بھروسہ پر انکو پہلے یہ خیال آیا کہ عیسائیت کی سچائی منطق اور دلایل کے ذریعہ سے قائم کرنے کی کوشش کرین۔ لیکن جب انہون نے دیکھا کہ عیسائیت کے سب سے بڑے عقائد تو خود عقل کو دھکے دے رہے ہین تو انہون نے براہین کے راستہ پر قدم مارنے سے انکار کیا۔ تجربہ نے ان پر کھولدیا کہ عیسائی مذہب کے عقائد کی تائید عقلی دلائل کے ذریعہ سے ایک بیہودگی ہے۔ ہم اس بات مین بشپ صاحب سے متفق ہین کہ عیسائیت کے عقائد درحقیقت عقل سے ثابت نہین کئے جا سکتے لیکن ہم ان کے اس منحوس فتوے سے کہ تمام مذاہب کا یہی حال ہے نااتفاقی ظاہر کرتے ہین۔ اگر بشپ صاحب اپنے تنگ دائرہ سے باہر نکل کر یہ دعوے کرین کہ اسلام کے صحیح اصول بھی انہین مذہبی عقایدمین شامل ہین جو عقلی طور پر ثابت نہین ہو سکتے تو ہم اس کی تردید کرتے ہین اور انہین صاف بتلاتے ہین کہ جو چیلنج ان کو مسلمانون نے دیا تھا وہ اسلامی مسائل کی عقل پسندی کا ایک زندہ ثبوت ہے +

بشپ صاحب اپنے جواب مین لکھتے ہین کہ "خدا اور سچے ایمان کا علم...... دل کی پاکیزگی پر مبنی ہے" لیکن کیا ان کو یہ معلوم نہین کہ تمام مذاہب والے دل کی پاکیزگی کے دعویدار ہین۔ اہل ہنود اور بدھ مذہب کے لوگ کہتے ہین کہ دل کی پاکیزگی ہمین ہی حاصل ہے۔ اب ہم کیونکر کہہ سکتے ہین کہ بشپ صاحب کا دل کی پاکیزگی کا بیان صحیح ہے اور دوسرونکے غلط ہین۔ غرض اس فیصلہ کیلئے ہمین دلائل کیطرف ہی رجوع کرنا

پڑے گا۔ پھر بشپ صاحب لکھتے ہین کہ "مذہب کی اپیل ..... تمام انسانی جوارح۔ اس کی مرضی اس کی خیالات اس کی اخلاقی خواہشون اس کی ایمانی قابلیت۔ قصہ کوتاہ اس کے دل اور اس کے دماغ سے تعلق رکھتی ہے"۔ لیکن ان بیانات کو کیا کرین جبکہ ہنوز ایک مذہب کے سچا یا جھوٹا ہونے کا ہی فیصلہ نہین ہوا۔ بشپ صاحب عیسائیت کو اور مسلمان اسلام کو سچا خیال کرتے ہین لیکن اگر کسی کے پاس دلائل ہی نہ ہون تو ایسے خیالات کو کیا وقعت دیسکتے ہین جس شخص نے جس طور پر تربیت پائی اسی کو سچا سمجھ لیا۔ اخلاقی خواہشین بھی ایسی چیز نہین کہ تمام انسانون کے درمیان ایک غیر متبدل طرز پر تسلیم کیجاتی ہون بلکہ جیسے جیسے حالات اور تربیت مین اختلاف ہے اسی کے مطابق انسان اپنی اخلاقی خواہشون کو بھی محدود کر لیتے ہین اور سب کے سب کسی ایک معیار پر قائم نہین ہین۔ جو فیصلہ کن ہو۔ اب مثلاً بشپ صاحب کی اخلاقی خواہشین ایک کمزور انسان کو خدا بنانے تک ہی آکر ٹھہر گئی ہین جو عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور جس کی لاش تھوڑا عرصہ ہوا شہر سرینگر کے محلہ خانیار مین مدفون معلوم ہوئی ہے۔ مگر ایک مسلمان کی اخلاقی خواہشین ایسے گندہ عقیدہ سے سخت متنفر اور بیزار ہوتی ہین۔ بشپ صاحبکو تو یہ تسلی ہے کہ تمام انسانی گناہون کا بدلہ خدا نے اپنے بیٹے کو لعنتی موت مار کر لیلیا۔ اور اس طرح گناہ کا بوجھ انکے سر سے اتر گیا لیکن ان کے بھائی ٹامس پین کی فطرت نے اس بیہودہ بات کو قبول نہ کیا اور اس کی اخلاقی خواہشات نے اسکو اسی طرف ہدایت کی کہ خدا ایک مجنون انسان نہین ہوسکتا جو اپنے ہی بیٹے کو پھانسی دیدے اور ایسا کمزور نہین ہوسکتا جو بغیر ایسا کرنیکے اسکا کام ہی نہ چل سکے۔ عیسائیت مین شراب مذہب کا جز ہے۔ لیکن مسلمانونکے نزدیک اس سے بڑھکر کوئی ناپاکی ہی نہین غرض اس قسم کی بہت مثالین ہین جن سے ظاہر ہے کہ خیالات اور اخلاقی خواہشین ہر ایک فرقہ کی دوسری سے الگ ہین اور ان کے ذریعہ سے کوئی معیار صداقت قائم نہین ہوسکتا۔ دل کو اپیل کرنیسے اگر مراد بشپ صاحب کی وجدانی دلائل ہین تو ان کا اثر ایسے لوگون پر تو ہوسکتا ہے جنہون نے پہلے ہی ایک حد تک کسی مذہب کو قبول کر لیا ہو جسکے متعلق وجدانی دلائل پیش کئے جاتے ہین۔ مگر جہان سرے سے اس مذہب کے تمام عقائد کو ہی مخالف باطل قرار دیتا ہے تو وہان وجدانی دلائل پیش کرنا محض حماقت ہے۔ کیا یہ ہنسی کی بات نہین کہ مذہبی صداقت کے ثبوت کے لئے مخالف کے سامنے وجدانی دلائل پیش کئے جائین اور عقلی دلائل جو دراصل رہنمائی کر سکتے ہین۔ ثبوت کیلئے ناکافی سمجھے جائین

بشپ صاحب شاید اس بات کو کہ گنگا کا پانی گناہ دور کرتا ہے سن کر مضحکہ میں اڑا دینگے مگر کیا یہ اس سے بھی زیادہ ہنسی کی بات نہیں کہ یسوع کا خون گذشتہ اور آیندہ کے تمام گناہوں کو دھو دیتا ہے۔ تاہم ہندو ایک کی اور بشپ صاحب دوسرے کی سچائی کو مانتے ہیں اور اسی کو حق سمجھتے ہیں۔ اگر مذہبی متنازع فیہ مسائل کے فیصلہ کے لئے یہی طریق ہے جو بشپ صاحب پیش کرتے ہیں تو کیوں انہوں نے اس قدر وقت اور روپیہ انجیل کے وعظ کرنے میں ضایع کیا۔ جو لوگ کسی مذہب میں ہیں وہ اسے سچا سمجھتے ہیں اور پادری لوگ صرف ان کے امن میں خلل اندازی کرتے ہیں*

ذنب کے معنوں پر بحث

ماہ مئی کے پرچہ میگزین میں مضمون عصمت کے متعلق لفظ ذنب کے معنوں پر بحث کی گئی تھی ہمیں مجبوراً اس کی طرف پھر توجہ کرنی پڑی ہے کیونکہ ۱۹ جولائی کے پرچہ ایپفینی میں ایک پادری صاحب نے جو اپنا نام جے۔ ایم لکھتے ہیں۔ "قرآن" کے عنوان کے نیچے مضمون نویسی کرتے ہوئے ہمارے مضمون میں دیدہ و دانستہ تحریف کر کے اسکو پیش کیا ہے اور خود غلط بیانی کر کے پھر اسی کی تردید شروع کی ہے اور بہت سی تکلیف اٹھا کر یہ ثابت کیا ہے کہ لفظ ذنب سے جو قرآن شریف میں آیا ہے۔ پانچ مقامات پر واقعی ارتکاب گناہ مراد ہے مگر تعجب ہے کہ ہم نے کب انکار کیا تھا کہ ذنب کبھی بھی ارتکاب گناہ کے معنوں میں نہیں آتا۔ پادری صاحب نے اپنا وقت ضائع کر کے ایک سفید صفحہ کو سیاہ کرنیکے سوائے اور کوئی کام نہیں کیا۔ مگر اس کی ہمیں چنداں پروا نہیں۔ البتہ اس نے جو تحریف ہمارے مضمون میں کی ہے اسکا اظہار ضروری ہے تا ناواقف لوگ دھوکہ میں نہ پڑیں۔ شروع مضمون میں پادری صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کی ان آیات کے مفہوم کو جن میں انبیا کے گناہوں کا ذکر ہے۔ بدلانے کی کوششوں میں سے ایک نئے فرقہ موید ین اسلام کا یہ اختراعی بیان ہے کہ لفظ ذنب سے کسی جگہ گناہ مراد نہیں بلکہ صرف ایسی انسانی کمزوری مراد ہے جس کے لئے انسان کو خدا تعالے سے مدد طلب کرنے کی حاجت پڑتی ہے۔ ہم پادری صاحب سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا واقعی ان کا کانشنس ان کو یہ کہتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے۔ وہ ہمارے مضمون کا صحیح مفہوم ہے۔ پادری صاحب کی عدم واقفیت یا موٹی سمجھ اس تحریف کیلئے عذر نہیں ہو سکتی اور دیدہ و دانستہ دھوکا دینے کے جرم کو کم نہیں کر سکتی۔ کیونکہ انہوں نے صرف یہ کارروائی کی ہے۔ کہ

ایک فقرہ کو آگے اور پیچھے سے کاٹ کر پیش کیا ہے کہ گویا ہمارا یہ مطلب ہے کہ ذنب کا لفظ گناہ کے معنون میں کبھی آتا ہی نہیں۔ اُن فقرات کو ہم بعینہ نیچے نقل کرتے ہیں تاکہ منصف مزاج ناظرین غور کریں کہ ہمارے الفاظ سے یہ مفہوم نکل سکتا ہے جو پادری صاحب نے نکالکر اپنی تحریف کا نمونہ دکھایا ہے۔ نمبر ۵ صفحہ ۱۹۵ و ۱۹۶ پر یہ عبارت ہے "یہ کہنا بالکل غلطی ہے کہ آیت استغفر لذنبک میں ذنب کا لفظ ہے جو گناہ کو کہتے ہیں کیونکہ ذنب اور جرم مین فرق ہے۔ جرم کا لفظ تو ہمیشہ اسی گناہ کے لئے آتا ہے جو سزا کے لئے ہوتا ہے مگر ذنب کا لفظ بشریت کی کمزوری کیلئے بھی آجاتا ہے۔ اس لئے نبیوں پر انسانی کمزوری کی وجہ سے ذنب کا لفظ اطلاق پایا ہے۔ مگر جرم کا لفظ اطلاق نہین پایا۔ اور خدا کی کتاب مین کسی نبی کو مجرم کے لفظ سے نہین پکارا گیا"

کوئی دانشمند ان الفاظ کا یہ مفہوم بیان نہین کر سکتا کہ ذنب کا لفظ سوائے بشریت کی کمزوری کے اور کسی جگہ اطلاق پاتا ہی نہین۔ ہمنے صاف الفاظ مین لکھا تھا کہ جرم اور گناہ ایک ہین لیکن ذنب انسانی کمزوری کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ پھر ہم نے لکھا تھا کہ قرآن مجید نے جرم کا لفظ کسی نبی کے لیئے استعمال نہین کیا۔ اور اس سے ہم نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ اگر لفظ ذنب کسی نبی کے حق مین استعمال بھی کیا گیا ہو تو اس کے معنے گناہ نہین بلکہ صرف انسانی کمزوری ہے۔ امور تنقیح طلب تو یہ تھے کہ کیا قرآن مجید نے کوئی تفریق جرم اور ذنب مین کی ہے؟ اور کیا جرم کا لفظ نبیوں پر کبھی استعمال کیا گیا ہے؟ اور کیا قرآن مجید نے مذنب کے لئے وہی سزا مقرر کی ہے جو اسنے مجرم کیلیئے مقرر کی ہے؟ ہمارے دلائل کی جواب دینے سے تنگ آکر پادری صاحب نے یہ پہلو اختیار کیا کہ بعض اوقات ذنب کے معنی گناہ ہوتے ہین۔ اور پانچ مثالین پیش کرنیکے بعد جن مین کہ لفظ ذنب انبیاء کے علاوہ دیگر اشخاص پر بولا گیا ہے اس نے بڑی چالاکی سے کام لیا اور نتیجہ یہ نکالا کہ "اس لئے لفظ ذنب تمام انبیاء بمعہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے گناہوں پر استعمال کیا گیا ہے" شائد ایک پادری صاحب کے لئے یہ کام باعث فخر ہوگا لیکن ایک دیانت دار مباحث کے واسطے یہ قابل شرم ہے +

جیسا کہ ہم پہلے وعدہ کر چکے ہین۔ عصمت انبیاء کا مضمون آئندہ کسی میگزین مین درج ہوگا۔ اسلئے ہمارے ناظرین کو اس کی مکمل بحث کیلئے ابھی انتظار کرنا چاہیئے۔ سردست ہم اس فرق پر زور دینا چاہتے ہین جو قرآن مجید نے لفظ ذنب اور دیگر الفاظ مین جو گناہ کے معنون مین استعمال ہوئے ہین

رکھا ہے۔ علاوہ لفظ ذنب کے جو گناہ اور انسانی کمزوری دونوں معنوں میں آیا ہے قرآن شریف نے مخصوصاً گناہ کے لئے الفاظ جرم۔ اثم۔ فسق کثرت سے استعمال کئے ہیں۔ یہ تینوں الفاظ معہ اپنے مشتقات کے قریباً دو سو دفعہ اور ذنب قریباً چالیس دفعہ قرآن مجید میں استعمال کیا گیا ہے۔ اب یہ ایک غور طلب بات ہے کہ یہ ہر سہ الفاظ گو اکثر قرآن شریف میں استعمال کئے گئے ہیں لیکن یہ کسی موقعہ پر کبھی بھی انبیاء علیہم السلام کے واسطے نہیں آئے۔ حالانکہ لفظ ذنب جو ان کے مقابلہ میں بہت کم استعمال ہوا ہے بعض مقامات پر قرآن مجید میں انبیا کی نسبت بولا گیا ہے۔ کوئی شہادت اس فرق سے زیادہ بیّن نہیں مل سکتی جو قرآن شریف نے ان الفاظ کے استعمال میں رکھا ہے۔ پس جرم ہی ایک لفظ نہیں جو انبیا کے حق میں نہیں بولا گیا بلکہ دیگر گناہ ظاہر کرنے والے الفاظ بھی ان پر وارد نہیں ہوئے اور صرف لفظ ذنب ہی اس مطلب کے لئے خاص کیا گیا ہے۔ یہ کہنا بیوقوفی ہے کہ ذنب جرم سے بڑھکر ہے۔ کیونکہ اس طرح ہمیں ماننا پڑے گا کہ سخت گناہ کرنے والوں کو ان لوگوں کی اصلاح پسرد کی گئی جو ان سے کم گنہگار تھے لیکن قرآن مجید نے اس خیال کو باطل قرار دیا ہے اور اس نے بتلادیا ہے کہ جرم۔ اثم فسق کسی شخص کے معصوم ہونے کے منافی ہیں گو ذنب معصومیت کے مفہوم کا منافی نہیں ہے۔

ہم پہلے لفظ جرم کو لیکر غور کرینگے کہ قرآن مجید میں یہ لفظ کس طرح استعمال کیا گیا ہے۔ ایک ہی آیت سے فیصلہ ہو جاتا ہے انہ من یات ربہ مجرما فان لہ جہنم جو کوئی اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئیگا (یعنی اس نے جرم کیا ہوگا) اس کی سزا دوزخ ہے۔ یہاں ایک عام قاعدہ باندھا گیا ہر ایک مجرم سزا پائے گا اس لئے جرم خدا تعالےٰ کی ایسی نافرمانبرداری ہے جسپر سزا دیجاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس قرآن مجید کہتا ہے اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْن تحقیق ہم مجرموں سے انتقام لینگے اب لفظ اثم کو لو۔ اسکے لیے قرآن مجید کہتا ہے ومن یکسب اثما فانما یکسبہ علیٰ نفسہ جو کوئی اثم کرتا ہے اپنے نفس پر کرتا ہے (یعنی خدا کے سامنے اسکا جواب وہ ہوگا) اس لئے اثم پر بھی سزا کا عام وعید ہے اور اسکا کرنے والا گنہگار ہوتا ہے۔ ایک اور جگہ قرآن مجید میں ہے۔ ان شجرۃ الزقوم طعام الاثیم تحقیق زقوم کا درخت اثم کے مرتکبوں کی خوراک ہوگی۔ اور ایسا ہی واللہ لا یحب کل کفار اثیم اور خدا ہرگز محبت نہیں کرتا کسی ناشکر گذار اثم کرنے والے سے۔ اس قسم کی بہت آیات قرآن مجید میں موجود ہیں لیکن مذکورہ بالا حوالوں سے ظاہر ہے کہ اثم بھی جرم کی طرح خدا کی

نافرمانی ہے جسکے لئے سزا مقرر ہے۔ لفظ فسق بھی قرآن مجید مین دیدہ و دانستہ خدا کے احکام کی خلاف ورزی کے معنون مین استعمال ہوا ہے مثلاً اَلْفٰسِقِیْنَ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ایک اور جگہ پر ہے وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ اور ایک مقام پر اَلَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ اس لئے فسق کھلے طور پر خدا کے احکام کا توڑنا ہے جسکی سزا دوزخ کی آگ ہے۔ اور فاسق ہدایت نہین پاتا۔ نیز لفظ جناح جو فارسی و اردو مین گناہ ہے اور انگریزی لفظ سن کے ہم معنی ہے کبھی بھی قرآن مین کسی مرسل خدا کے حق مین نہین بولا گیا اور اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ کلام الٰہی مین انبیا بے گناہ یا معصوم قرار دیئے گئے ہین۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جناح ایک ایسے لفظ سے نکلا ہے جسکے معنے ہین کسی طرف جھکنا۔ اور اسی لئے اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہان فاعل کسی فعل کا برائی کی طرف جھکتا ہے +

اگرچہ قرآن شریف مین ذنب سے بعض مقامات پر گناہ مراد ہے لیکن ہر ایک مذنب کیلئے سزا کا عام حکم کہین نہین۔ جیسا مجرم۔ فاسق۔ اثیم کے لئے ہے۔ مجرم کا ذنب گناہ ہے اسیطرح آثم اور فاسق کا ذنب بھی۔ لیکن محض مذنب ہونا گنہگار ہونا ثابت نہین کرتا۔ جبتک سیاق و سباق عبارت کا اسپر دلالت نہ کرتا ہو۔ ذنب وسیع معنی رکھتا ہے بہ نسبت ان تمام الفاظ کے جو گناہ کے لئے استعمال ہوئے ہین اور ذنب عصمت کے منافی نہین۔ کیا پادری جے ایم صاحب قرآن شریف سے کوئی مثال دیسکتے ہین جس مین یہ لکھا ہو کہ ہر مذنب کو دوزخ کی سزا ملیگی یا ہر ایک شخص خدا کے احکام کو توڑنیوالا ہوتا ہے اور آیت لَا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ معترض کو کچھ فائدہ نہین دے سکتی کیونکہ ہم ابھی کہہ چکے ہین کہ مجرم کا ذنب گناہ ہوتا ہے کیونکہ ذنب کے معنی وسیع ہین بعض حالتون مین اس سے گناہ مراد ہوتی ہے اور بعض مین صرف بشری کمزوری اور یہی سبب ہے کہ خدا کے پاک کلام مین انبیا اور راستبازون کے لئے لفظ ذنب جرم فسق۔ اثم یا جناح استعمال نہین ہوا۔ اگر لفظ ذنب سے پیغمبرون کے حق مین بھی وہی مراد ہے جو ان کے مخالفون کے لئے ہے تو کیون قرآن مجید نے ہمیشہ بلا تبدل جرم۔ اثم اور فسق کے استعمال کو انکے واسطے جائز نہین رکھا۔ حالانکہ یہی الفاظ پیغمبرون کے مخالفین کے واسطے اکثر استعمال کیے گئے ہین اور کیون اس نے مذنب کے لئے دوزخ کی سزا مقرر نہین کی جو اس نے مجرم۔ فاسق۔ اثیم

کے لئے کی ہے۔ کیون پادری صاحبان دیانت دار اور خداترس محققین کی طرح ان باتون پر غور نہین کرتے
یہ تو صاف ظاہر ہے کہ جب یہ لفظ خدا کے پاک مرسلون کے واسطے استعمال ہوتا ہے تو اس سے
بشری کمزوری ہی مراد ہوتی ہے۔ کیونکہ گناہ کے ٹھیک الفاظ جنسے صاف طور پر قرآن مجید مین خدا
کے احکام کی نافرمانی جسکا نتیجہ سزا ہے پائی جاتی ہے۔ مثلاً جرم۔ اثم۔ فسق نبیون کے حق مین کبھی
استعمال نہین کئے گئے ہین۔ اور پیغمبرون کی نسبت اللہ تعالےٰ بڑی تعریف کے الفاظ مین کہتا ہے
کہ "ہمنے تجھے جہان کے لئے رحمت کر کے بھیجا ہے" "یہ پیغمبر اپنے پاس سے کچھ نہین بولتا لیکن وہی جو خدا
کی طرف سے اسپر وحی ہوتی ہے" "جو تو نے کیا وہ تو نے نہین کیا بلکہ خدا نے کیا ہے" "کہدے اگر تم خدا
سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو کہ خدا تم سے محبت کرے" "میری دعائین میری قربانی میری
زندگی اور میری موت تمام خالص خدا کے لئے ہین" "مین نے بالکل اپنے آپ کو خدا کی مرضی کے تابع
کر دیا ہے" "اے شیطان تو میرے برگزیدون پر کچھ زور نہین رکھتا" "خدا نے کفر۔ فسق اور عصیان
کو تمہاری آنکھون مین مکروہ کر دکھایا ہے" نیز اور کئی مقامات بھی ہین جن مین انبیاء علیہم السلام۔ اور
راستبازون کی خدا تعالےٰ نے ایسی تعریف کی ہے جس سے ان کا معصوم اور خدا کی نظر مین مورد
غضب نہ ہونا صاف پایا جاتا ہے +

مگر افسوس ہے کہ پادری صاحبان کی آنکھون پر کچھ ایسے پردے ہین کہ دوسرون کی خوبیان
تو ان کو عیب نظر آتے ہین اور یسوع کے عیب خوبیان معلوم ہوتی ہین۔ کس قدر صریح ظلم ہے۔ کہ
باوجودیکہ مسیح نے اپنے نیک ہونے سے انکار کیا اور صاف لفظون مین کہا کہ مجھے نیک مت کہو۔ مگر
پادری صاحبان ظلم عظیم کی حمایت مین اسکے ان الفاظ سے بھی اس کی بیگناہی کا ہی نتیجہ نکالتے
ہین۔ مگر لفظ **ذنب** کے معنون پر جسکے لئے قرائن پیش کئے جاتے ہین یہ اصرار کر رہے ہین کہ ذنب کے
معنے بشری کمزوری نہین ہو سکتے۔ اگر ان لوگون کے دلون مین خدا کا کچھ خوف ہوتا تو وہ ضرور حق کیطرف
توجہ کرتے۔ مگر تعصب نے انکو اندھے کر رکھا ہے کسی لفظ کے معنون کے فیصلہ کیلئے جو طریق ہوتا ہے ہم اسکو ذنب
کے معنون کے لئے پیش کرتے ہین اس کے رو سے آسانی سے فیصلہ ہو سکتا ہے کہ **ذنب** جب
انبیاء علیہم السلام کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اسکے کیا معنے ہوتے ہین۔ کیا یہ امر قابل توجہ نہین
کہ قرآن شریف نے لفظ جرم۔ اثم۔ فسق۔ ہرگز ہرگز انبیاء علیہم السلام کے لئے استعمال نہین کیا

باوجودیکہ دو سو دفعہ سے بھی زیادہ یہ الفاظ گنہ گارون کے لیئے قرآن شریف مین آئے ہین۔ پھر کیا یہ امر قابل توجہ نہین کہ لفظ جرم۔ اثم۔ فسق کی صاف قران شریف مین تعریف کردی گئی ہے کہ ہر ایک جرم۔ اثم۔ فسق کا مرتکب خدا کے حکم کی نافرمانی کرنے والا ہے اور اس نافرمانی کی اسکو سزا دیجاوے گی۔ لیکن ہر ایک مذنب کیلئے خدا تعالے کیطرف سے سارے قرآن شریف مین کہین بھی جہنم کا وعید نہین؟ اور پھر کیا یہ امر قابل توجہ نہین کہ انبیاء کے لیئے قرآن کریم نے ایسے الفاظ استعمال کیئے ہین جو گناہ کے منافی ہین؟ پادری صاحبان کو چاہئے کہ ان باتون پر غور کرین۔ پھر اگر ان کے ہاتھ مین ان کی کوئی تردید نہین تو کیون بیفایدہ انبیا کے گنہ گار ہونیکا شور ڈالا ہوا ہے۔ کیا خدا کے راستباز بندون پر تہمتین لگانے سے یسوع پاک ہوجائے گا۔ ان کو چاہئے کہ پہلے گھر کی صفائی کرین اور یسوع کی بریت ثابت کرین اور پھر دوسرے مذاہب پر حملہ کرین +

ریویو آف ریلیجنز

یہ عجیب وغریب ماہواری مذہبی رسالہ قادیان ضلع گورداسپور سے ہر مہینے کی ۲۰ تاریخ کو نکلتا ہے اسکے مضامین جو تمام مذاہب باطلہ کی تردید اور حصول حقہ اسلام کی تائید مین ہوتے ہین۔ عموماً حضرت اقدس میرزا **غلام احمد** علیہ السلام صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی مسعود کی قلم سے نکلتے ہین۔ عیسائیون آریون۔ برہموؤن فلسفیون وغیرہ کے ہر ایک اعتراض کا جو وہ مذہب اسلام پر کرتے ہین جواب دیتا ہے۔ اس رسالہ کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ زبان انگریزی مین دنیا کے سامنے انگلستان امریکہ وغیرہ مین جاتا ہے۔ اور اس لئے اس کے مضامین مخصوصاً اس قسم کے ہوتے ہین جن سے اسلام کا چمکتا ہوا چہرہ نظر آئے اور اس کا رعب دلون پر قائم ہو۔ اور اس کے متعلق ہر ایک قسم کے شکوک وشبہات دور کئے جاوین +

قیمت

انگریزی رسالہ	للعہ	سالانہ مع محصولڈاک	نمونے کا پرچہ ۸ /
اردو رسالہ معمولی کاغذ عہ / ولایتی کاغذ للعہ /	"	"	و ۴ / ۶ / پیسہ

علی الترتیب ملتا ہے۔ بغیر وصولی قیمت کے رسالہ کسی صاحب کے نام جاری نہین ہو سکتا۔ جو صاحب منی آرڈر کے ذریعہ قیمت ارسال نہ فرماوین ان کو چاہیئے کہ اپنی درخواست کے ساتھ اطلاع بھیجدین کہ پہلا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جاوے +

(۲) یہ رسالہ تجارتی اشتہارات کے لئے بھی کھلا ہے بشرطیکہ وہ ہر ایک قسم کے فحش سے اور مبالغہ سے پاک ہون۔ اجرت اشتہارات کا نقشہ حسب ذیل ہے +

	پورا صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
سالانہ	للعہ /	دسہ /	دعہ /
ششماہی	دسہ	دعہ	عہ
سہ ماہی	صعہ	عہ	ہعہ /
ایک بار	سے	للعہ /	سے /

نوٹ۔ یہ رسالہ اخبار الحکم (جو مہینے مین چار بار قادیان سے نکلتا ہے) سے ایک بالکل الگ اور نرالی طرز کا رسالہ ہے جس مین

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے قلم سے نکلے ہوئے مضامین ہوتے ہین اور اخبار مین عموماً حضرت اقدس کی تقریرین مولوی عبد الکریم صاحب کے خطبے و حکیم الامۃ کے وعظ دارالامان کی خبرین اور متفرق مضامین ہوتے ہین +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام

گذشتہ اشاعت سے آگے

زندگی مین اور زندگی کے بعد عملی شریعت کا فعل کیا ہے ؟

اس سوال کا جواب وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہین کہ خدا کی سچی اور کامل شریعت کا فعل جو اس زندگی مین انسان کے دل پر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کو وحشیانہ حالت سے انسان بناوے اور پھر انسان سے با اخلاق انسان بناوے - اور پھر با اخلاق انسان سے باخدا انسان بناوے - اور نیز اس زندگی مین عملی شریعت کا ایک فعل یہ ہے کہ شریعت حقہ پر قائم ہو جانے سے ایسے شخص کا بنی نوع پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ درجہ بدرجہ ان کے حقوق کو پہچانتا ہے اور عدل اور احسان اور ہمدردی کی قوتون کو اپنے اپنے محل پر استعمال کرتا ہے اور جو کچھ خدا نے اس کو علم اور معرفت اور مال اور آسایش مین سے حصہ دیا ہے - سب لوگون کو حسب مراتب ان نعمتون مین شریک کر دیتا ہے - وہ تمام بنی نوع پر سورج کی طرح اپنی روشنی ڈالتا ہے - اور چاند کی طرح حضرت اعلیٰ سے نور پا کر وہ نور دوسرون تک پہنچاتا ہے - وہ دن کی طرح روشن ہو کر نیکی اور بھلائی کی راہین لوگون کو دکھاتا ہے وہ رات کی طرح ہر ایک ضعیف کی پردہ پوشی کرتا ہے - اور تھکون ماندون کو آرام پہنچاتا ہے - وہ آسمان کی طرح ہر ایک حاجت مند کو اپنے سایہ کے نیچے جگہ دیتا ہے اور وقتون پر اپنے فیض کی بارشین برساتا ہے وہ زمین کی طرح کمال انکسار سے ہر ایک کی آزمایش کے لیے بطور فرش کے ہو جاتا اور سب کو اپنی کنار عاطفت مین لے لیتا - اور طرح طرح کے روحانی میوے ان کے لیے پیش کرتا ہے - سو یہی کامل شریعت کا اثر ہے کہ کامل شریعت

پر قائم ہونے والا حق اللہ اور حق العباد کو کمال کے نقطہ تک پہنچا دیتا ہے۔ خدا مین وہ محو ہو جاتا ہے اور مخلوق کا سچا خادم بن جاتا ہے یہ تو عملی شریعت کا اس زندگی مین اس پر اثر ہے۔ مگر زندگی کے بعد جو اثر ہے وہ یہ ہے۔ کہ خدا کا روحانی اتصال اس روز کھلے کھلے دیدار کے طور پر اس کو نظر آئے گا اور خلق اللہ کی خدمت جو اس نے خدا کی محبت مین ہو کر کی جس کا محرک ایمان اور اعمال صالح کی خواہش تھی وہ بہشت کے درختون اور نہرون کی طرح متمثل ہو کر دکھائی دے گی۔ اس مین خداتعالیٰ کا فرمان یہ ہے: وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا۔ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا۔ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا۔ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا۔ اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا۔ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا۔ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا۔ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ❋

یعنے قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی اور قسم ہے چاند کی جب پیروی کرے سورج کی یعنی سورج سے نور حاصل کرے اور پھر سورج کی طرح اس نور کو دوسرون تک پہنچاوے۔ اور قسم ہے دن کی جب سورج کی صفائی دکھاوے اور راہون کو نمایان کرے اور قسم ہے رات کی جب اندھیرا کرے اور اپنے پردہ تاریکی مین سب کو لے لے۔ اور قسم ہے آسمان کی اور اس علت غائی کی جو آسمان کی اس بنا کا موجب ہوئی۔ اور قسم ہے زمین کی اور اس علت غائی کی جو زمین کی اس قسم کے فرش کا موجب ہوئی اور قسم ہے نفس کی اور نفس کے اس کمال کی جس نے ان سب چیزون کے اسکو برابر کر دیا۔ یعنے وہ کمالات جو متفرق طور پر ان چیزون مین پائے جاتے ہین۔ کامل انسان کا نفس ان سب کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے اور جیسے یہ تمام چیزین علیحدہ علیحدہ نوع انسان کی خدمت کر رہی ہین کامل انسان ان تمام خدمات کو اکیلا بجا لاتا ہے جیسا کہ مین ابھی لکھ چکا ہون۔ اور پھر فرماتا ہے کہ وہ شخص نجات پا گیا اور موت سے بچ گیا جس نے اس طرح پر نفس کو پاک کیا یعنے سورج اور چاند اور زمین وغیرہ کی طرح خدا مین محو ہو کر خلق اللہ کا خادم بنا۔

یاد رہے کہ حیات سے مراد حیات جاودانی ہے جو آیندہ کامل انسان کو حاصل ہوگی یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عملی شریعت کا پھل آیندہ زندگی مین حیات جاودانی ہے جو خدا کے دیدار کی غذا سے ہمیشہ قایم رہے گی اور پھر فرمایا کہ وہ شخص ہلاک ہو گیا اور زندگی سے ناامید ہو گیا۔ جس نے اپنے نفس کو خاک مین ملایا

اور جن کمالات کی اس کو استعداد دی گئی تھیں۔ ان کمالات کو حاصل نہ کیا اور گندی زندگی بسر کر کے واپس گیا اور پھر مثال کے طور پر فرمایا کہ ثمود کا قصہ اس بدبخت کے قصہ سے مشابہ ہے انہوں نے اس اونٹنی کو زخمی کیا جو خدا کی اونٹنی کہلاتی تھی۔ اور اپنے چشمہ سے پانی پینے سے اس کو روکا۔ سو اس شخص نے درحقیقت خدا کی اونٹنی کو زخمی کیا اور اس کو اس کے چشمہ سے محروم رکھا۔ یہ اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ انسان کا نفس خدا کی اونٹنی ہے جس پر وہ سوار ہوتا ہے یعنی انسان کا دل الہی تجلیات کی جگہ ہے اور اس اونٹنی کا پانی خدا کی محبت اور معرفت ہے جس سے وہ جیتی ہے۔ اور پھر فرمایا کہ ثمود نے جب اونٹنی کو زخمی کیا اور اس کو اسکے پانی سے روکا تو ان پر عذاب نازل ہوا۔ اور خدا تعالے نے اس بات کی کچھ بھی پروا نہ کی کہ انکے مرنیکے بعد انکے بچون اور بیواؤن کا کیا حال ہوگا۔ سو ایسا ہی جو شخص اس اونٹنی یعنے نفس کو زخمی کرتا ہے اور اس کو کمال تک پہونچانا نہیں چاہتا۔ اور پانی پینے سے روکتا ہے وہ بھی ہلاک ہوگا

قرآن شریف مین جو مختلف چیزون کی قسمین آئی ہین اُن کی فلاسفی

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ خدا کا سورج اور چاند وغیرہ کی قسم کھانا ایک نہایت دقیق حکمت پر مشتمل ہے جس سے ہمارے اکثر مخالف ناواقف ہونے کیوجہ سے اعتراض کر بیٹھتے ہین کہ خدا کو قسمون کی کیا ضرورت پڑی اور اس نے مخلوق کی کیون قسمین کھائین۔ لیکن چونکہ ان کی سمجھ زمینی ہے نہ آسمانی اس لئے وہ معارف حقہ کو سمجھ نہیں سکتے۔ سو واضح ہو کہ قسم کھانے سے اصل مدعا یہ ہوتا ہے کہ قسم کھانے والا اپنے دعوے کے لئے ایک گواہی پیش کرنا چاہتا ہے کیونکہ جسکے دعوے پر اور کوئی گواہ نہیں ہوتا وہ بجائے گواہ کے خدا تعالے کی قسم کھاتا ہے۔ اس لئے کہ خدا عالم الغیب ہے اور ہر ایک مقدمہ مین وہ پہلا گواہ ہے۔ گویا وہ خدا کی گواہی کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ اگر خدا تعالے اس قسم کے بعد خاموش رہا اور اس پر عذاب نازل نہ کیا تو گویا اس نے اس شخص کے بیان پر گواہون کی طرح مہر لگا دی اس لئے مخلوق کو نہیں چاہیئے کہ دوسری مخلوق کی قسم کھاوے کیونکہ مخلوق کو عالم الغیب نہیں اور نہ جھوٹی قسم پر سزا دینے پر قادر ہے مگر خدا کی قسم ان آیات مین ان معنون سے نہیں۔ جیسا کہ مخلوق کی قسم مین مراد لیجاتی ہے بلکہ اس مین یہ سنت اللہ ہے کہ خدا کے دو قسم کے کام ہین ایک بدیہی جو سب کی سمجھ مین آسکتے ہین اور ان مین کسی کو اختلاف نہیں اور دوسرے وہ کام جو نظری ہین جن مین دنیا غلطیان کھاتی ہے اور باہم اختلاف رکھتی ہے سو خدا تعالے نے چاہا کہ بدیہی کامون کی شہادت سے نظری کامون کو لوگونکی نظر مین ثابت کرے +

پس یہ تو ظاہر ہے کہ سورج اور چاند اور دن اور رات اور آسمان اور زمین مین وہ خواص درحقیقت پائے جاتے ہین جن کو ہم ذکر کر چکے ہین مگر جو اس قسم کے خواص انسان کے نفس ناطقہ مین موجود ہین ان سے ہر ایک شخص آگاہ نہین۔ سو خدا نے اپنے بدیہی کامون کو نظری کامون کے کھولنے کے لئے بطور گواہ کے پیش کیا ہے گویا وہ فرماتا ہے کہ اگر تم ان خواص سے شک مین ہو جو نفس ناطقہ انسانی مین پائے جاتے ہین تو چاند اور سورج وغیرہ مین غور کرو کہ ان مین بدیہی طور پر یہ خواص موجود ہین۔ اور تم جانتے ہو کہ انسان ایک عالم صغیر ہے جسکے نفس مین تمام عالم کا نقشہ اجمالی طور پر مرکوز ہے۔ پھر جبکہ یہ ثابت ہے کہ عالم کبیر کے بڑے بڑے اجرام یہ خواص اپنے اندر رکھتے ہین اور اسی طرح پر مخلوقات کو فیض پہنچا رہے ہین تو انسان جو ان سب سے بڑا کہلاتا ہے اور بڑے درجہ کا پیدا کیا گیا ہے۔ وہ کیونکر ان خواص سے خالی اور بے نصیب ہوگا نہین بلکہ اس مین بھی سورج کی طرح ایک علمی اور عقلی روشنی ہے جسکے ذریعہ سے وہ تمام دنیا کو منور کر سکتا ہے اور چاند کی طرح وہ حضرت اعلے سے کشف اور الہام اور وحی کا نور پاتا ہے اور دوسرون تک جنہون نے انسانی کمال ابھی تک حاصل نہین کیا اس نور کو پہنچاتا ہے پھر کیونکر کہہ سکتے ہین کہ نبوت باطل ہے۔ اور تمام رسالتین اور شریعتین اور کتابین انسان کی مکاری اور خودغرضی ہے یہ بھی دیکھتے ہو کہ کیونکر دن کے روشن ہونے سے تمام راہین روشن ہو جاتی ہین۔ تمام نشیب و فراز نظر آجاتے ہین سو کامل انسان روحانی روشنی کا دن ہے اسکے چڑھنے سے ہر ایک راہ نمایان ہو جاتی ہے وہ سچی راہ کو دکھلا دیتا ہے کہ کہان اور کدھر ہے کیونکہ راستی اور سچائی کا وہی روز روشن ہے ایسا ہی یہ بھی مشاہدہ کر رہے ہو کہ رات کیسی تھکون ماندون کو جگہ دیتی ہے۔ تمام دن کے شکستہ کوفتہ مزدور رات کے کنار عاطفت مین بخوشی سوتے ہین اور محنتون سے آرام پاتے ہین اور رات ہر ایک کیلئے پردہ پوش بھی ہے ایسا ہی خدا کے کامل بندے دنیا کو آرام دینے کیلئے آتے ہین۔ خدا سے وحی اور الہام پانیوالے تمام عقلمندونکو جانکاہی سے آرام دیتے ہین۔ انکے طفیل سے بڑے بڑے معارف آسانی کے ساتھ حل ہو جاتی ہین ایسا ہی خدا کی وحی انسانی عقل کی پردہ پوشی کرتی ہے جیسا کہ رات پردہ پوشی کرتی ہے اس کی ناپاک خطاؤنکو دنیا پر ظاہر ہونے نہین دیتی کیونکہ عقلمند وحی کی روشنی کو پاکر اندر ہی اندر اپنی غلطیون کی اصلاح کر لیتے ہین اور خدا کے پاک الہام کی برکت سے اپنے تئین پردہ دری سے بچا لیتے مین یہی وجہ ہے کہ افلاطون کی طرح اسلام کے کسی فلاسفر نے کسی بت پر مرغ کی قربانی نہ چڑھائی۔ چونکہ افلاطون اسلام کی روشنی سے بے نصیب تھا اسلئے دھوکا کھا گیا۔ اور ایسا فلاسفر کہلا کر یہ مکروہ اور احمقانہ حرکت اس سے صادر ہوئی مگر اسلام کے حکما کو ایسے ناپاک اور احمقانہ حرکتون سے ہمارے سید و مولےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نے بچا لیا۔ اب دیکھو کیسا ثابت ہوا کہ الہام عقلمندونکا رات

کی طرح پردہ پوش ہے۔ یہ بھی آپ لوگ جانتے ہیں کہ خدا کے کامل بندے آسمان کی طرح ہر ایک درماندہ کو اپنے سایہ مین لے لیتے ہین۔ خاص کر اس ذات پاک کے انبیا اور الہام پانیوالے عام طور پر آسمان کی طرح فیض کی بارشین برساتے ہین ایسا ہی زمین کی خاصیت بھی اپنے اندر رکھتے ہین ان کے نفس نفیس سے طرح طرح کے علوم عالیہ کے درخت نکلتے ہین جن کے سایہ اور پھل اور پھول سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہین سو یہ کھلا کھلا قانون قدرت جو ہماری نظر کے سامنے ہے۔ اسی چھپے ہوئے قانون کا ایک گواہ ہے جس کی گواہی کو قسمون کے پیرایہ مین خدا تعالیٰ نے ان آیات مین پیش کیا ہے سو دیکھو کہ یہ کسقدر پر حکمت کلام ہے جو قرآن شریف مین پایا جاتا ہے۔ یہ اسکے منہ سے نکلا ہے جو ایک اُمّی اور بیابان کے رہنے والا تھا۔ اگر یہ خدا کا کلام نہوتا تو اس طرح عام عقلین اور وہ تمام جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہین اس کے اس دقیق نکتہ معرفت سے عاجز آکر اعتراض کی صورت مین اس کو نہ دیکھتے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان جب ایک بات کو کسی پہلو سے بھی اپنی مختصر عقل کے ساتھ نہین سمجھ سکتا۔ تب ایک حکمت کی بات کو جائے اعتراض ٹھہرا لیتا ہے اور اس کا اعتراض اس بات کا گواہ ہوجاتا ہے کہ وہ دقیقہ حکمت عام عقلون سے برتر و اعلےٰ تھا تب ہی تو عقلمندون نے عقلمند کہلا کر پھر بھی اسپر اعتراض کر دیا۔ مگر اب جو یہ راز کھل گیا تو اب اسکے بعد کوئی عقلمند اس پر اعتراض نہین کریگا بلکہ اس سے لذت اٹھائیگا یاد رہے کہ قرآن شریف نے وحی اور الہام کی سنت قدیمہ پر قانون قدرت سے گواہی لانیکے لئے ایک اور مقام مین بھی اسی قسم کی قسم کھائی ہے اور وہ یہ ہے۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ یعنے اس آسمان کی قسم ہے جس کی طرف سے بارش آتی ہے اور اس زمین کی قسم ہے جو بارش سے طرح طرح کی سبزیان نکالتی ہے کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے اور اس کی وحی ہے اور وہ باطل اور حق مین فیصلہ کرنیوالا ہے اور عبث اور بیہودہ نہین یعنی بیوقت نہین آیا موسم کے مینہ کی طرح آیا ہے۔ اب خدا تعالےٰ نے قرآن شریف کے ثبوت کیلئے جو اس کی وحی ہے ایک کھلے کھلے قانون قدرت کو قسم کے رنگ مین پیش کیا۔ یعنے قانون قدرت مین ہمیشہ یہ بات مشہود اور مرئی ہے کہ ضرورتونکے وقت آسمان سے بارش ہوتی ہے اور تمام مدار زمین کی سرسبزی کا آسمان کی بارش پر ہے۔ اگر آسمان سے بارش نہ ہو تو رفتہ رفتہ کنوئین بھی خشک ہوجاتے ہین۔ پس دراصل زمین کے پانی کا وجود بھی آسمان کی بارش پر موقوف ہے۔ اسی وجہ سے جب کبھی آسمان سے پانی برستا ہے تو زمین کے کنوؤن کا پانی چڑھ آتا ہے؟ کیون چڑھ آتا ہے اس کا یہی سبب ہے کہ آسمانی پانی زمین کے پانی کو اوپر کیطرف کھینچتا ہے۔ یہی رشتہ وحی اللہ اور عقل مین ہے۔ وحی اللہ یعنے الہام الٰہی آسمانی پانی ہے اور عقل زمینی پانی ہے۔ اور یہ پانی ہمیشہ آسمانی

پانی سے جو الہام ہے تربیت پاتا ہے۔ اور اگر آسمانی پانی یعنی وحی ہونا بند ہو جائے تو یہ زمینی پانی بھی رفتہ رفتہ خشک ہو جاتا ہے کیا اسکے واسطے یہ دلیل کافی نہین۔ کہ جب ایک زمانہ دراز گذر جاتا ہے اور کوئی الہام یافتہ زمین پر پیدا نہین ہوتا۔ تو عقلمندون کی عقلین نہائت گندی اور خراب ہو جاتی ہین۔ جیسے زمینی پانی بھی خشک ہو جاتا ہے۔ سڑ جاتا ہے۔

اس کے سمجھنے کیلئے اس زمانہ پر ایک نظر ڈالنا کافی ہے۔ جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اپنا رنگ تمام دنیا مین دکھلا رہا تھا۔ چونکہ اس وقت حضرت مسیح ع کے زمانہ کو چھ سو برس گذر گئے تھے اور اس عرصہ مین کوئی الہام یافتہ پیدا نہین ہوا تھا۔ اس لئے تمام دنیا نے اپنی حالت کو خراب کر دیا تھا۔ ہر ایک ملک کی تاریخین پکار پکار کر کہتی ہین کہ آنحضرت ص کے زمانہ مین۔ مگر آپ کے ظہور سے پہلے تمام دنیا مین خیالات فاسدہ پھیل گئے تھے۔ ایسا کیون ہوا تھا اور اسکا کیا سبب تھا۔ یہی تو تھا کہ الہام کا سلسلہ مدتون تک بند ہو گیا تھا۔ آسمانی سلطنت صرف عقل کے ہاتھ مین تھی پس اس ناقص عقل نے کن کن خرابیون مین لوگون کو ڈالا کیا اس سے کوئی ناواقف بھی ہے دیکھو الہام کا پانی جب مدت تک نہ برسا تو عقلون کا پانی کیسا خشک ہو گیا۔ سو ان قسمون مین یہی قانون قدرت اللہ تعالے پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم غور کر کے دیکھو کہ کیا خدا کا یہ حکم اور دائمی قانون قدرت نہین کہ زمین کی تمام سرسبزی کا مدار آسمان کا پانی ہے۔ سو اس پوشیدہ قانون قدرت کیلئے جو الہام الٰہی کا سلسلہ ہے یہ کھلا کھلا قانون قدرت بطور گواہ کے ہے۔ سو اس گواہ سے فائدہ اٹھاؤ اور صرف عقل کو اپنا رہبر مت بناؤ کہ وہ ایسا پانی نہین جو آسمانی پانی کے سوا موجود رہ سکے۔ جس طرح آسمانی پانی کا یہ خاصہ ہے کہ خواہ کسی کنوئین مین اس کا پانی پڑے یا نہ پڑے وہ اپنی طبعی خاصیت سے تمام کنوؤن کے پانی کو اوپر کو چڑھا دیتا ہے ایسا ہی جب خدا کا ایک الہام یافتہ دنیا مین ظہور فرماتا ہے تو خواہ کوئی عقلمند اس کی پیروی کرے یا نہ کرے۔ مگر اس الہام یافتہ کے زمانہ مین خود عقلون مین ایسی روشنی اور صفائی آجاتی ہے کہ پہلے اس سے موجود نہ تھی۔ لوگ خواہ نخواہ حق کی تلاش کرنا شروع کر دیتے ہین اور غیب سے ایک حرکت ان کی قوت متفکرہ مین پیدا ہو جاتی ہے سو یہ تمام عقلی ترقی اور دلی جوش اس الہام یافتہ کے قدم مبارک سے پیدا ہو جاتا ہے اور بالخاصیت زمین کے پانیون کو اوپر اٹھاتا ہے۔ جب تم دیکھو کہ مذہب کی جستجو مین ہر ایک شخص کھڑا ہو گیا ہے اور زمینی پانی کو کچھ ابال آیا ہے تو اٹھو اور خبردار ہو جاؤ اور یقیناً سمجھو کہ آسمان سے زور کا مینہ برسا ہے اور کسی دل پر الہامی بارش ہو گئی ہے +

کلکتہ ریویو

مندرجہ عنوان نام کے رسالے کے اپریل کے نمبر سے ایک مضمون دوبارہ چھپ کر کانپور سے ہمارے پاس پہونچا ہے۔ اس مضمون مین دو سیاہ جھوٹ بولے گئے ہین جو نہ تو نہایت گندے اور خوفناک ہین لیکن عیسائیون کی جہالت یا افترا کا عمدہ نمونہ ہین منجملہ ان کے ایک جھوٹ تو سید الاصفیا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کی نسبت ہے اور دوسرا اسی قسم کا جھوٹ حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود پر افترا ہے بعض وقت عیسائی مصنفین اور اخبار نویسون کی تحریرونکو پڑھکر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ تاریکی اور جہالت کا زمانہ پھر آگیا ہے جو دنیا مین روشنی اور علم کے آنیسے پہلے تھا۔ اس مین تو شک نہین کہ باوجود اسقدر ذرایع علوم کے ابتک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایسی باتین روزمرہ لکھین اور کہی جاتی ہین جن کی بیہودگی اور جھوٹ ان تمام لوگونپر جو آپکے حالات زندگی سے کچھ بھی خبر رکھتے ہین اظہر من الشمس ہوتا ہے مگر کلکتہ ریویو نے ایک ایسی بات لکھی ہے کہ جس سے وہ اسلام پر جھوٹ اور افترا باندھنے مین اگر اول نمبر نہین جیساکہ پولوس گنہگار دن مین تھا تو کم از کم پہلے زمانہ کے مشہور مفتری عیسائیون سے دوسرے درجہ پر ضرور ہے۔ اس رسالہ کا ایڈیٹر اپنے افترا مین بدنام مرکی۔ گرڈیش۔ پریڈو اور دوسرے ابتدائی عیسائی بزرگونکے ہم پلہ ہونیکی کوشش کرتا ہے۔

یہ رسالہ اپنے ناظرین کے ر منے نہایت فخر سے اس جھوٹ کو بیان کرتا ہے کہ جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شامی عیسائی کی مدد سے قرآن شریف بنایا کرتے تھے ایسا ہی حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود نے ایک یورپ کا عیسائی جو انگریز ہے اپنی مدد کے لئے چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ اپنے ناظرین کیخاطر اس رسالہ کا ایک فقرہ ہم یہان نقل کرتے ہین جس پر اس مضمون کو صاحب رسالہ نے ختم کیا ہے۔ "ایک لفظ نصیحت کا مین اپنے دوست مرزا غلام احمد صاحب کو اور کہنا چاہتا ہون۔ میرا مضمون پڑھکر انکو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ وہ کس طرح پر اپنے لوگونکے اندر سچے مصلح ہو سکتے ہین اور نیز عیسائیون کی ہمدردی کے مستحق ہو سکتے ہین یعنی وہ وہی طرز اختیار کرین جو محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآن مین کی ہے (یہ طرز اس مضمون کے لکھنے والے کے زعم فاسد مین یہ ہے کہ گویا مسیح کو نعوذ باللہ خدا مان لیا جاوے اور گویا قرآن کریم کی یہی تعلیم ہے) انگریزی محاورات کی شہادت سے خالص انگریزی محاورے جنکو کوئی اجنبی آدمی استعمال کر ہی نہین سکتا یہ اظہر من الشمس ہے کہ اس نئے رسالہ ریویو آف ریلیجنز مین جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ کسی یورپین کے قلم سے نکلتا ہے جو انگریز ہے۔ اور یہ نقشہ جواب ہمارے

سامنے ہے یعنیہ محمد (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے مددگار شامی عیسائی کی جس کو وہ جبرئیل کہتے تھے نقل ہے۔ اس یورپین کو جو پردے کی اوٹ مین چھپا ہوا کام کر رہا ہے ہم یہ نصیحت کرتے ہین کہ پرانے جبرئیل (یعنی اس کے ایجاد کردہ شامی عیسائی) کے انجام کو خوب سوچ لو۔ اگرچہ اس یورپین کی نیت نیک ہو مگر وہ جھوٹے راستے مین پڑا ہوا ہے اور انجام کار یقیناً اس کو کوئی دکھ اور مصیبت پہونچے گی اگرچہ یہ دکھ اس قسم کی ناگہانی موت نہ ہو جس موت سے اسی طرح کا شامی عیسائی اس سے پہلے مارا گیا۔ اس لئے ہماری نصیحت اس انگریز کو یہی ہے کہ ابھی وقت ہے اسے ہشیار ہو جانا چاہئے"

عیسائیت پر افسوس ہے کہ اس کے ایک معزز رسالے کا ایڈیٹر اس علمی زمانہ مین ایسی باتین پبلک کے سامنے پیش کرتا ہے جو بیچارے شیخ چلی کو بھی نہ سوجھی ہون گی۔ مگر بہر حال اس کی نصیحت کا جو ہماری زندگی کی حفاظت کیلئے اس نے دی ہے ایڈیٹر ان رسالہ ہذا شکریہ ادا کرتے ہین اور اس کے افترا کی تردید سوائے اسکے ہم اور کیا کر سکتے ہین کہ اس کی جہالت پر ہنس چھوڑین لیکن اگر کلکتہ ریویو کا ایڈیٹر اپنے ناظرین کو قائل کرنے مین کامیاب نہ ہو کہ واقعی کوئی انگریز ہی حضرت مرزا صاحب کو مضمون بنا کر دے رہا ہے تو یہ اس کا قصور نہین زمانہ ہی زیادہ سمجھدار ہو گیا ہے اگر ایسا آدمی چند صدی پہلے پیدا ہوتا تو وہ بیشک عیسائیون کے اندر بڑا نام پیدا کر لیتا۔ جیسا کہ اس سے پہلے بہت سے جاہل ایسے ایسے افترا کرنے یا ان کی تائید کرنے سے عیسائی مذہب مین ناموری حاصل کر چکے ہین۔ اور منجملہ انہین افتراؤن کے شامی عیسائی راہب کے متعلق بھی ایک افترا ہے مگر امید نہین کہ اس زمانہ کے عیسائی باوجود اس عناد کے جو انکو اسلام کے مقدس بانی علیہ الصلوة والسلام اور اسلام کے پاک اصولون کے ساتھ ہے کلکتہ ریویو کے افترا کی داد دین۔ اسلام پر افترا کرنیوالے گروٹیس کی روح تو دوبارہ دنیا مین آگئی لیکن البتہ اب اس قسم کے لوگ دنیا مین کم ہین جو ایسے گندے جھوٹون سے لذت اٹھائین +

وحی کے منجانب اللہ ہونے کے نشان

ایک شخص کے مسیح موعود سے اس سوال پر کہ کیا وجہ ہے کہ آپ کی وحی کو از قبیل اضغاث احلام وحدیث النفس نہ سمجھا جاوے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ جواب لکھا ہے۔

اس کا یہی جواب ہے کہ جیسا کہ وحی تمام انبیاء علیہم السلام کی حضرت آدم سے لیکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک از قبیل اضغاث احلام وحدیث النفس نہین ہے ایسا ہی یہ وحی بھی ان شبہات سے پاک اور منزہ ہے

اور اگر کہو کہ اس وحی کے ساتھ جو اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو ہوئی تھی معجزات اور پیشگوئیاں ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس جگہ اکثر گذشتہ نبیوں کی نسبت بہت زیادہ معجزات اور پیشگوئیاں موجود ہیں بلکہ بعض گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور پیشگوئیوں کو ان معجزات اور پیشگوئیوں سے کچھ نسبت ہی نہیں اور نیز ان کی پیشگوئیاں اور معجزات اسوقت محض بطور قصوں اور کہانیوں کے ہیں مگر یہ معجزات اور پیشگوئیاں ہزارہا لوگوں کیلئے واقعات چشمدید ہیں اور اس مرتبہ اور شان کے ہیں کہ اس سے بڑھکر متصور نہیں یعنی دنیا میں ہزارہا انسان ان کے گواہ ہیں مگر گذشتہ نبیوں کے معجزات اور پیشگوئیوں کا ایک بھی زندہ گواہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کے معجزات اور پیشگوئیوں کا میں زندہ گواہ موجود ہوں اور قرآن شریف زندہ گواہ موجود ہے اور میں وہ ہوں جس کے بعض معجزات اور پیشگوئیوں کے کروڑہا انسان گواہ ہیں پھر اگر درمیان تعصب نہ ہو تو کون ایماندار ہے جو واقعات پر اطلاع پانیکے بعد اس بات کی گواہی نہ دے کہ درحقیقت اکثر گذشتہ نبیوں کے معجزات کی نسبت یہ معجزات اور پیشگوئیاں ہر ایک پہلو سے بہت قوی اور بہت زیادہ ہیں اور اگر کوئی کو اندھا انکار کرے تو ہم موجود ہیں اور ہمارے گواہ موجود ہیں وَلَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَۃِ پھر جس حالتمیں صدہا نبیوں کی نسبت ہمارے معجزات اور پیشگوئیاں سبقت لیگئی ہیں تو اب خود سوچ لو کہ اس وحی الٰہی کو اضغاث احلام اور حدیث النفس کہنا درحقیقت تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت سے انکار کرنا ہے اور اگر شک ہو تو خدا تعالیٰ کا خوف کرکے ایک جلسہ کرو اور ہمارے معجزات اور پیشگوئیاں سنو اور ہمارے گواہوں کی شہادت رویت جو حلفی شہادت ہوگی قلمبند کرتے جاؤ اور پھر اگر آپ لوگوں کے لئے ممکن ہو تو باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں کسی نبی یا ولی کے معجزات کو ان کے مقابل پیش کرو لیکن نہ قصوں کے رنگ میں بلکہ رویت کے گواہ پیش کرو کیونکہ قصے تو ہندوؤں کے پاس بھی کچھ کم نہیں۔ قصوں کو پیش کرنا تو ایسا ہے جیسا کہ ایک گوبر کا انبار مشک اور عنبر کے مقابل پر۔ مگر یاد رکھو کہ ان معجزات اور پیشگوئیوں کی نظیر جو میرے ہاتھ پر ظاہر ہوئے اور ہو رہے ہیں کمیت اور کیفیت اور ثبوت کے لحاظ سے ہرگز پیش نہ کر سکو گے خواہ تلاش کرتے کرتے مر بھی جاؤ۔ پھر اگر یہ وحی جس کی تائید میں یہ نشان ظاہر ہوئے خدا کا کلام نہیں ہے تو پھر تو تمہیں لازم ہے کہ دہریہ بنجاؤ اور خدا تعالیٰ کے تمام نبیوں سے انکار کردو کیونکہ نبوت کی عمارت کی شکست ریخت جسقدر ہو چکی ہے اب خدا تعالیٰ اپنے ان معجزات اور پیشگوئیوں سے سب کی مرمت کر رہا ہے اور اب وہ گذشتہ قصوں کو واقعات کے رنگ میں دکھلا رہا ہے اور منقولات کو مشہودات کا پیرایہ پہنا رہا ہے تا جو لوگ شکوک کے گڑھے میں گر گئے ہیں دوبارہ انکو

یقین کا لباس پہناوے لہذا جو شخص مجھے قبول کرتا ہے وہ تمام انبیاء اور ان کے معجزات کو بھی نئے سرے قبول کرتا ہے اور جو شخص مجھے قبول نہین کرتا اسکا پہلا ایمان بھی کبھی قائم نہین رہیگا کیونکہ اسکے پاس نرے قصے ہین نہ مشاہدات۔ خدا نمائی کا آئینہ مین ہون جو شخص میرے پاس آئیگا اور مجھے قبول کریگا وہ نئے سرے اس خدا کو دیکھ لیگا جس کی نسبت دوسرے لوگون کے ہاتھ مین صرف قصے باقی ہین۔ مین اس خدا پر ایمان لایا ہون جس کو میرے منکر نہین پہچانتے اور مین سچ سچ کہتا ہون کہ جسپر وہ ایمان لاتے ہین ان کے وہ خیالی بت ہین نہ خدا اسی وجہ سے وہ بت انکی کچھ مدد نہین کر سکتے انکو کچھ قوت نہین دے سکتے ان مین کوئی پاک تبدیلی پیدا نہین کر سکتے انکے لئے کوئی تائیدی نشان نہین دکھلا سکتے اور یاد رہے کہ یہ اندھو نکے بیہودہ شکوک اور شبہات ہین جو اس وحی الٰہی کی نسبت انکے دلون کو پکڑتے ہین جو میرے پر نازل ہو رہی ہے اور وہ خیال کرتے ہین کہ ممکن ہے کہ یہ خدا کا کلام نہ ہو بلکہ انسان کے اپنے دل کے ہی اوہام ہون مگر ان کو یاد رہے کہ خدا اپنی قدرتون مین کمزور نہین وہ یقین دلانیکے لئے ایسے خارق عادت طریقے اختیار کر لیتا ہے کہ انسان جیسے آفتاب کو دیکھکر پہچان لیتا ہے کہ یہ آفتاب ہے ایسا ہی خدا کے کلام کو پہچان لیتا ہے کیا ان کا یہ خیال ہے کہ آدم سے لیکر آنحضرت تک خدا تعالیٰ اسبات پر قادر تھا کہ اپنی پاک وحی کے ذریعہ سے حق کے طالبون کو سرچشمہ یقین تک پہونچاوے مگر پھر بعد اسکے اس فیضان پر قادر نہ رہا یا قادر تو تھا مگر دانستہ اس اُمت غیر مرحومہ کے ساتھ بخل کیا اور اس دعا کو بھول گیا جو آپ ہی سکھلائی تھی

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

اگر مجھ سے سوال کیا جاوے کہ تمنے کیونکر پہچانا اور یقین کیا کہ وہ کلمات جو تمہاری زبان پر جاری کئے جاتے ہین وہ خدا کا کلام ہے۔ حدیث النفس یا شیطانی القا نہین تو میری روح اس سوال کا مندرجہ ذیل جواب دیتی ہے۔

(۱) اول جو کلام مجھ پر نازل ہوتا ہے اسکے ساتھ ایک شوکت۔ اور لذت اور تاثیر ہے وہ ایک فولادی میخ کی طرح میرے دل کے اندر دھنس جاتا ہے اور تاریکی کو دور کرتا ہے اور اسکے ورود سے مجھ کو ایک نہایت لطیف لذت آتی ہے کاش اگر مین قادر ہو سکتا تو مین اسکو بیان کرتا مگر روحانی لذتین ہون خواہ جسمانی انکی کیفیات کا پورا نقشہ کھینچکر دکھلانا انسانی طاقت سے بڑھکر ہے ایک شخص ایک محبوب کو دیکھتا ہے اور اس کی ملاحت حسن سے لذت اٹھاتا ہے مگر وہ بیان نہین کر سکتا کہ وہ لذت کیا چیز ہے اسی طرح وہ خدا جو تمام ہستیون کا علت العلل ہے جیسا کہ اسکا دیدار اعلیٰ درجہ کی لذات کا سرچشمہ ہے ایسا ہی اسکی گفتار بھی لذات کا سرچشمہ ہے اگر ایک کلام انسان سنے یعنی ایک آواز اسکے دل پر پہنچے اور اس کی زبان پر جاری ہو اور اسکو شبہ باقی رہجاوے کہ شاید شیطانی آواز ہے

یا حدیث النفس ہے تو درحقیقت وہ شیطانی آواز ہوگی یا حدیث النفس ہوگی کیونکہ خدا کا کلام جس قوت اور برکت اور روشنی اور تاثیر اور لذت اور خدائی طاقت اور چمکتے ہوئے چہرہ کے ساتھ دل پر نازل ہوتا ہے خود یقین دلا دیتا ہے کہ میں خدا کیطرف سے ہوں اور ہرگز مردہ آوازوں سے مشابہت نہیں رکھتا بلکہ اس کے اندر ایک جان ہوتی ہے اور اسکے اندر ایک طاقت ہوتی ہے اور اسکے اندر ایک کشش ہوتی ہے اور اسکے اندر یقین بخشنے کی ایک خاصیت ہوتی ہے اور اسکے اندر ایک لذت ہوتی ہے اور اسکے اندر ایک روشنی ہوتی ہے اور اسکے اندر ایک خارق عادت تجلی ہوتی ہے اور اسکے ساتھ ذرہ ذرہ وجود پر تصرف کرنے والے ملائک ہوتے ہیں اور علاوہ اس کے اسکے ساتھ خدائی صفات کے اور بہت سے خوارق ہوتے ہیں اس لئے ممکن ہی نہیں ہوتا کہ ایسی وحی کے مورد کے دل میں شبہ پیدا ہو سکے۔ بلکہ وہ شبہ کو کفر سمجھتا ہے اور اگر اس کو کوئی اور معجزہ نہ دیا جاوے تو وہ اس وحی کو جو ان صفات پر مشتمل ہے بجائے خود ایک معجزہ قرار دیتا ہے ایسی وحی جس شخص پر نازل ہوتی ہے اس شخص کو خدا کی راہ میں اور خدا کی محبت میں ایسے عاشق زار کیطرح بنا دیتی ہے جو اپنے تئیں صدق و ثبات کے کمال کی وجہ سے دیوانہ کی طرح بنا دیتا ہے اسکا یقین اسکے دل کو شہنشاہ کر دیتا ہے وہ میدان کا بہادر اور استغناء کے تخت کا مالک بنجاتا ہے یہی میرا حال ہے جسکو دنیا نہیں جانتی قبل اس کے جو میں معجزات دیکھوں اور آسمانی تائیدوں کا مشاہدہ کروں میں اس کی کلام سے اس کی طرف کھینچا گیا کچھ اٹکل نہیں آتی کہ مجھے کیا ہو گیا۔ تیز تلواریں میرے اس پیوند کو چھڑا نہیں سکتیں۔ کوئی آگ مجھے ڈرا نہیں سکتی۔ وہ کشش جسنے میرے دل پر کام کیا وہ دلائل سے باہر ہے اور بیان سے بلند تر اور براہین سے بالاتر۔ ابتدا میں کلام تھا اس کلام نے جو کچھ کیا سو کیا وہ خدا جو نہاں در نہاں ہے اُس نے میری روح پر ابتدا میں محض کلام کے ساتھ تجلی کی اور اپنے مکالمات کا دروازہ میرے پر کھولا بس وہی ایک بات تھی جو بالخصوص میرے لیئے کافی کشش ہوئی اور حضرت احدیت کیطرف مجھے کھینچکر لیگئی اور یہ کہ کلام کی طاقت نے میرے دل پر کیا کیا اثر ڈالے اور مجھ کو کہاں تک پہنچا دیا اور کیا کیا تبدیلیاں کیں اور کیا میرے دل میں سے لیلیا اور کیا دیدیا۔ ان باتوں کو میں کن لفظوں میں ادا کروں اور کس پیرایہ میں دلوں پر بٹھاؤں۔ جن خارق عادت عنایات کے ساتھ وہ مجھ سے نزدیک ہوا کوئی نہیں جانتا مگر میں اور جس محبت کے مقام پر میرا قدم ہے کوئی نہیں جانتا مگر وہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ابتدا اس ترقی اور تعلق کا خدا کا کلام ہے جس کی ناگہانی کشش نے مجھے ایسا اٹھا لیا جیسا کہ ایک زبردست بگولا ایک تنکے کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پھینکدیتا ہے پس میرے پاس یہ ذکر کرنا کہ کیوں وہ کلام جو تم پر

نازل ہوا حدیث النفس نہین یہ بات ایسی ہی ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ کیون ممکن نہین کہ تمہارا یہ خیال کہ تم آنکھون سے
دیکھتے ہو اور زبان سے بولتے ہو اور کانون سے سنتے ہو یہ غلط خیال ہو پس عزیزو! تم سوچو اور سمجھ لو کہ کیا وہ
شخص جس کو معلوم ہے کہ مین آنکھ بند کرنے سے پھر کچھ دیکھ نہین سکتا اور کانونکے بند کرنیسے پھر کچھ سن نہین سکتا
اور زبان کے کاٹے جانیسے پھر کچھ بول نہین سکتا وہ ایسے منکرانہ جرح کی کچھ حقیقت سمجھے گا۔ یا شک مین پڑیگا
کہ شائد مین آنکھ سے نہین دیکھتا اور کان سے نہین سنتا اور زبان سے نہین بولتا۔ سو اسی طرح میرا حال ہے
خدا کا کلام جو میرے پر نازل ہوا اور ہوتا ہے وہ میری روحانی والدہ ہے جس سے مین پیدا ہوا اس نے مجھے
ایک وجود بخشا ہے جو پہلے نہ تھا اور ایک روح عطا کی ہے جو پہلے نہ تھی مین نے ایک بچہ کی طرح اس کی گود مین پرورش
پائی اور اس نے مجھے ہر ایک ٹھوکر سے سنبھالا اور ہر ایک گرنیکی جگہ سے بچا لیا وہ کلام ایک شمع کی طرح میرے آگے
آگے چلا یہانتک کہ مین منزل مقصود تک پہنچ گیا۔ اس سے زیادہ کوئی بدذاتی نہین ہوگی کہ مین یہ کہون کہ وہ خدا کا
کلام نہین ہین اسی طرح اسکو خدا کا کلام جانتا ہون جس طرح مین یقین رکھتا ہون کہ مین زبان سے بولتا ہون
اور کانون سے سنتا ہون اور مین کیونکر اس سے انکار کرون اس نے تو مجھے خدا دکھلایا اور وہ چشمہ شیرین کی طرح
معارف کا پانی مجھے پلاتا رہا اور ایک ٹھنڈی ہوا کی طرح ہر ایک حبس کیوقت مین مجھے راحت بخش ہوا وہ ان زبانون
مین بھی مجھ پر نازل ہوا جن زبانونکو مین نہین جانتا تھا جیسا کہ زبان انگریزی اور سنسکرت اور عبرانی اس نے
بڑی بڑی پیشگوئیون اور عظیم الشان نشانون سے ثابت کر دیا کہ وہ خدا کا کلام ہے اور اس نے حقایق و معارف
کا ایک خزانہ میرے پر کھولدیا جس سے مین اور میری تمام قوم بےخبر تھی وہ کبھی زبان عربی یا انگریزی یا کسی دوسری
زبان کے ان دقیق اور نامعلوم الفاظ مین میرے پر نازل ہوا جن سے مین بےخبر تھا تو کیا باوجود ان روشن
ثبوتون کے کوئی شک کا مقام ہو سکتا ہے کیا یہ باتین ٹال دینے کے لائق ہین کہ ایک کلام جس نے معجزہ کی
طاقت دکھلائی اور اپنی قوی کشش ثابت کی اور غیب کے بیان کرنے مین وہ بخیل نہین نکلا بلکہ ہزارہا امور غیبیہ
اس نے ظاہر کئے اور ایک باطنی کمند سے مجھے اپنی طرف کھینچا اور ایک کمند دنیا کے سعید دلون پر ڈالا اور میری
طرف انکو لایا اور انکو آنکھین دین جن سے وہ دیکھنے لگے اور کان دئے جنسے وہ سننے لگے اور صدق و ثبات بخشا۔
جس سے وہ اس راہ مین قربانی ہونے کے لئے موجود ہو گئے تو کیا یہ تمام کاروبار شیطانی یا وسوسہ نفسانی
ہے۔ کیا شیطان خدا کے برابر ہو سکتا ہے تو پھر کیون وہ تمہاری مدد نہین کرتا۔ سو وہ جسنے یہ کلام نازل کیا وہ
کیا کہتا ہے اُسنے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ مین اپنی چمکار دکھلاؤنگا اپنی قدرت نمائی سے تجھکو اٹھاؤنگا۔ دنیا مین ایک

نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نکیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا۔ سو ضرور ہے کہ یہ زمانہ گذر نہ جائے اور ہم اس دنیا سے کوچ نہ کرین جبتک خدا کے وہ تمام وعدے پورے نہ ہون۔ جو شخص تاریکی مین پڑا ہوا ہے اور اس سے بیخبر ہے کہ خدا کا یقینی اور قطعی کلام بھی اسکے بندون پر نازل ہوا کرتا ہے وہ خدا کے وجود سے ہی بیخبر ہے لہذا وہ اپنی طرح تمام دنیا کو وساوس کے نیچے پامال دیکھتا ہے اور اس کا یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ بجز وساوس اور اضغاث احلام اور حدیث النفس کے اور کچھ نہین اور غایت کار وہ ظنی طور پر نہ یقینی اور قطعی طور پر الہام الہی کا خیال دل مین لاتا ہے مگر ابھی ہم لکھ چکے ہین کہ جس دل پر درحقیقت آفتاب وحی الہی تجلی فرماتا ہے اسکے ساتھ ظن اور شک کی تاریکی ہرگز نہین رہتی۔ کیا خالص نور کے ساتھ ظلمت رہ سکتی ہے پھر جس حالت مین موسی کی مان کو بھی یقینی الہام ہوا جسپر پورا یقین رکھ کر اس نے اپنے بچہ کو معرض ہلاکت مین ڈالدیا اور خدا تعالے کے نزدیک بجرم اقدام قتل مجرم نہ ہوئی تو کیا یہ امت اسرائیل کے خاندان کی عورتون سے بھی گئی گذری ہے اور پھر اسی طرح مریم کو بھی یقینی الہام ہوا جسپر بھروسہ کر کے اس نے قوم کی کچھ پروا نہین کی توحیف ہے اس مخذول امت پر جو ان عورتون سے بھی کمتر ہے پس اس صورت مین یہ امت خیر الامم کا ہے کو ہوئی بلکہ شر الامم اور اجہل الامم ہوئی۔ اسی طرح خضر جو نبی نہین تھا اسکو علم لدنی دیا گیا تو کیا اگر اس کا الہام ظنی تھا یقینی نہین تھا تو کیون اس نے ناحق ایک بچہ کو قتل کر دیا اور اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ الہام کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو غسل دینا چاہیئے یقینی اور قطعی نہ تھا تو کیون انہون نے اسپر عمل کیا۔ پس اگر ایک شخص اپنی نابینائی سے میری وحی سے منکر ہے تاہم اگر وہ مسلمان کہلاتا ہے اور پوشیدہ دہریہ نہین تو اسکے ایمان مین یہ بات داخل ہونی چاہیئے کہ یقینی قطعی مکالمہ الہیہ ہو سکتا ہے اور جیسا کہ خدا تعالے کی وحی یقینی پہلی امتون مین اکثر مردون اور عورتون کو ہوتی رہی ہے اور وہ نبی بھی نہ تھے اس امت مین بھی تو اس یقینی اور قطعی وحی کا وجود ضروری ہے تا یہ امت بجائے افضل الامم ہونیکے احقر الامم نہ ٹھہر جائے سو خدا نے آخری زمانہ مین اکمل اور اتم طور پر یہ نمونہ دکھایا ان واقعات سے تعجب نہین کرنا چاہیئے بلکہ درحقیقت انسان کی نجات اسی پر موقوف ہے کہ یا تو وہ خود ایسا شخص ہو جو براہ راست خدا تعالے سے شرف مکالمہ اور مخاطبت رکھتا ہو مگر ایسا مکالمہ مخاطبہ نہ ہو کہ جس مین قطعی فیصلہ نہ ہو کہ وہ رحمانی ہے یا شیطانی ہے اور یا وہ شخص نجات پا سکتا ہے جو ایسے شخص کا ہم صحبت اور اسکے دامن سے وابستہ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جسقدر دنیا مین گناہ پیدا ہوئے ہین ان کی یہی وجہ ہے کہ جسقدر انسان کو دنیا کی لذات اور دنیا کی عزت اور دنیا کے مال و متاع پر یقین ہے یہ یقین آخرت پر نہین ہے اور

جیساکہ وہ ایک ایسے صندوق پر توکل کرسکتا ہے جو قیمتی جواہرات اور خالص سونے سے بھرا ہوا ہے اور اسکے قبضے مین ہے ایسا وہ خدا پر توکل نہین کرسکتا اور جیساکہ دنیا کی گورنمنٹ اور دنیا کے حکام سے لوگ ڈرتے ہین اور مداہنہ سے زندگی بسر کرتے ہین ایسا خدا تعالےٰ سے نہین ڈرتے اسکا کیا سبب ہے یہی سبب ہے کہ دنیا کے پیش افتادہ اسباب اور وسائل ان کی نظر مین ایسے یقینی ہین کہ دینی عقائد انکے آگے کچھ بھی چیز نہین - اب اس جگہ طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چونکہ نجات بجز حق الیقین کے ممکن نہین جیساکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا یعنے جو شخص اس جہان مین اندھا ہے وہ اس دوسرے جہان مین بھی اندھا ہی ہوگا بلکہ اس سے بھی بدتر تو بغیر یقین کامل کے کیونکر نجات ہو - اور اگر ایک مذہب کی پابندی سے نجات نہین تو اس مذہب سے حاصل کیا - صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ مین تو یقین کے چشمے جاری تھے اور وہ خدائی نشانونکو اپنی آنکھونسے دیکھتے تھے اور انہین نشانون کے ذریعہ سے خدا کی کلام پر انہین یقین ہوگیا تھا اسلئے ان کی زندگی نہایت پاک ہوگئی تھی لیکن بعد مین جب وہ زمانہ جاتا رہا اور اس زمانہ پر صدہا سال گذر گئے تو پھر ذریعہ یقین کا کونسا تھا - سچ ہے کہ قرآن شریف انکے پاس تھا اور قرآن شریف اس ذوالفقار تلوار کی مانند ہے جسکے دو طرف دھارین ہین ایک طرف کی دھار مومنون کی اندرونی غلاظت کو کاٹتی ہے اور دوسری طرف کی دھار دشمنونکا کام تمام کرتی ہے مگر پھر بھی وہ تلوار اس کام کے لئے ایک بہادر کے دست و بازو کی محتاج ہے جیساکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ پس قرآن سے جو تزکیہ حاصل ہوتا ہے اسکو اکیلا بیان نہین کیا بلکہ وہ نبی کی صفت مین داخل کرکے بیان کیا یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام یونہی آسمان پر سے کبھی نازل نہین ہوا بلکہ اس تلوار کو چلانیوالا بہادر ہمیشہ ساتھ آیا ہے جو اس تلوار کا اصل جوہر شناس ہے لہذا قرآن شریف پر سچا اور تازہ یقین دلانیکے لئے اور اسکے جوہر دکھلانیکے لئے اور اسکے ذریعہ سے اتمام حجت کرنے کیلئے ایک بہادر کے دست و بازو کی ہمیشہ حاجت ہوتی رہی ہے اور آخری زمانہ مین یہ حاجت سب سے زیادہ پیش آئی کیونکہ دجالی زمانہ ہے اور زمین و آسمان کی باہمی لڑائی ہے غرض جب خدا تعالیٰ نے فرمادیا کہ جو شخص اس جہان مین اندھا ہے وہ دوسرے جہان مین بھی اندھا ہی ہوگا تو ہر ایک طالب حق کیلئے ضروری ہوا کہ اسی جہان مین آنکھونکا نور تلاش کرے اور اس زندہ مذہب کا طالب ہو جسمین زندہ خدا کے انوار نمایان ہون وہ مذہب مردہ ہے جس مین ہمیشہ کیلئے یقینی وحی کا سلسلہ جاری نہین کیونکہ وہ انسانون پر یقین کی راہ بند کرتا ہے

اور ان کو قصّون کہانیون پر چھوڑتا ہے اور انکو خدا سے نومید کرتا ہے اور تاریکی مین ڈالتا ہے اور کیونکر
کوئی مذہب خدا نما ہوسکتا ہے اور کیونکر گناہون سے چھڑا سکتا ہے جبتک کوئی یقین کا ذریعہ اپنے پاس
نہین رکھتا اور جبتک سورج نہ چڑھے کیونکر دن چڑھ سکتا ہے پس دنیا مین سچا مذہب وہی ہے جو بذریعہ
زندہ نشانون کے یقین کی راہ دکھلاتا ہے باقی لوگ اسی زندگی مین دوزخ مین گرے ہوئے ہین بھلا بتلاؤ
کہ ظن بھی کچھ چیز ہے جسکے دوسرے لفظون مین یہ معنی ہین کہ شائد یہ بات صحیح ہے یا غلط یاد رکھو کہ گناہ سے پاک
ہونا بجز یقین کے کبھی ممکن نہین فرشتون کی سی زندگی بجز یقین کے کبھی ممکن نہین دنیا کی بیجا عیاشیون
کو ترک کرنا بجز یقین کے کبھی ممکن نہین ایک پاک تبدیلی اپنے اندر پیدا کرلینا اور خدا کیطرف ایک خارق عادت
کشش سے کھینچے جانا بجز یقین کے کبھی ممکن نہین زمین کو چھوڑنا اور آسمان پر چڑھ جانا بجز یقین کے کبھی ممکن
نہین۔ خدا سے پورے طور پر ڈرنا بجز یقین کے کبھی ممکن نہین۔ تقوے کی باریک راہون پر قدم مارنا اور اپنے
عمل کو ریاکاری کی ملونی سے پاک کردینا بجز یقین کے کبھی ممکن نہین۔ ایسا ہی دنیا کی دولت اور حشمت اور
اس کی کیمیا پر لعنت بھیجنا اور بادشاہونکے قرب سے بے پروا ہوجانا اور صرف خدا کو اپنا ایک خزانہ سمجھنا بجز یقین
کے ہرگز ممکن نہین۔ اب بتلاؤ اے مسلمان کہلانیوالو ظلمات شک سے نور یقین کی طرف تم کیونکر پہنچ سکتے ہو۔
یقین کا ذریعہ تو خدا کا کلام ہے جو یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ کا مصداق ہے سوچو کہ
عہد نبوت پر تیرہ سو برس گذر گئے اور تم نے وہ زمانہ نہین پایا جبکہ صدہا نشانون اور چمکتے ہوئے نورونکے ساتھ قرآن
اترتا تھا اور وہ زمانہ پایا جس مین خدا کی کتاب اور اسکے رسول اور اسکے دین پر ہزارہا اعتراض عیسائی اور
دہریہ اور آریہ وغیرہ کر رہے ہین اور تمہارے پاس بجز لکھے ہوئے چند ورقون کے جن کی اعجازی طاقت سے
تمہین خبر نہین اور کوئی ثبوت نہین اور جو معجزات پیش کرتے ہو وہ محض قصّون کے رنگ مین ہین تو اب بتلاؤ کہ
تم کس راہ سے اپنے تئین یقین کے بلند مینار تک پہنچا سکتے ہو اور کس طریق سے دشمن کو بتلا سکتے ہو کہ تمہارے
پاس خدا پر یقین لانیکے لئے اور گناہ سے بچنے کیلئے ایک ایسی چیز ہے جو دشمن کے پاس نہین تا وہ انصاف کرکے
تمہارے مذہب کا طالب ہوجائے اس حرکت سے ایک عقلمند کو کیا فائدہ کہ ایک گوبر کو چھوڑدے اور دوسرے
گوبر کو کھائے۔ سچائی کو ہر ایک سعید دل لینے کو تیار ہے بشرطیکہ سچائی اپنے نور کو ثابت کرکے دکھلاوے جس اسلام
کو آج یہ مخالف مولوی اور انکا گروہ غیر مذہب کے لوگونکے سامنے پیش کر رہے ہین وہ صرف پوست ہے نہ مغز اور محض
افسانہ ہے نہ حقیقت پھر کوئی کیونکر اسکو قبول کرے اور جس بیماری سے نجات حاصل کرنیکے لئے ایک شخص مذہب کو

تبدیل کرنا چاہتا ہے اگر وہی بیماری اس دوسرے مذہب مین بھی ہے تو اس تبدیلی سے بھی کیا فائدہ ہو نتو ہر ایک یہی دعویٰ کرتے ہین کہ ہم ایک خدا کے قایل ہین مگر خدا کا قائل وہی ہے جس کی یقین کی آنکھین کھل گئی ہین اور وہی گناہ سے بچ سکتا ہے۔ کہ جو یقین کی آنکھ سے خدا کو دیکھتا ہے باقی سب قصے جھوٹ ہین اور سب کفارے باطل ہین سو وہی زندہ خدا اس آخری زمانہ مین اپنے تیئین پیش کرتا ہے تا لوگ ایمان لاوین اور ہلاک نہ ہوون قرآن شریف خدا کا کلام تو ہے بلکہ سب سے بڑا کلام مگر وہ تم سے بہت دور ہے۔ تمہاری آنکھین اسکو دیکھ نہین سکتین اب وہ تمہارے ہاتھ مین ایسا ہی ہے جیسا کہ توریت یہودیونکے ہاتھ مین اسی وجہ سے اگر تم انصاف کرو تو گواہی دیسکتے ہو کہ بباعث اسکے کہ اس پاک کلام کے یقینی انوار تمہاری آنکھوں سے پوشیدہ ہین تم اس سے باطنی تقدس کا کچھ بھی فائدہ حاصل نہین کر سکتے اور اگر واقعات خارجیہ کی شہادت کچھ چیز ہے تو تم انصافاً آپ ہی شہادت دیسکتے ہو کہ اس موجودہ زمانہ مین تمہاری کیا حالتین ہین سچ کہو کیا تم گناہون سے اور تمام ان حرکات سے جو تقوے کے برخلاف ہین ایسے ڈرتے ہو جیسا کہ ایک زہر ہلاہل کے استعمال سے انسان ڈرتا ہے سچ کہو کہ کیا تم اس تقوے پر قائم ہو جس تقوے کیلئے قرآن شریف مین ہدایت کیگئی تھی سچ کہو کہ وہ آثار جو سچے یقین کے بعد ظاہر ہوتے ہین وہ تم مین ظاہر ہین۔ تم اسوقت جھوٹ نہ بولو اور بالکل سچ کہو کہ کیا وہ محبت جو خدا سے کرنی چاہیئے اور وہ صدق و ثبات جو اس کی راہ مین دکھلانا چاہیئے وہ تم مین موجود ہے تم خدائے عزوجل کی قسم کھا کر کہو کہ اس مردار دنیا کو جس صفائی سے ترک کرنا چاہیئے کیا تم اسی صفائی سے ترک کر چکے ہو اور جس اخلاص اور توحید اور تفرید سے خدائے واحد لاشریک کیطرف دوڑنا چاہیئے کیا تم اسی اخلاص سے اس کی راہ مین دوڑ رہے ہو ریا کاری سے بات مت کرو اور لاف زنی سے لوگون کو خوش کرنا مت چاہو کہ وہ خدا در حقیقت موجود ہے جو تمہارے ہر ایک قول اور فعل کو دیکھ رہا ہے تم بات کرتے وقت اس قادر کا خیال کر لو جسکا غضب کھا جانیوالی آگ ہے وہ جھوٹی شیخیونکو ایکدم مین جہنم کا ہیزم کر سکتا ہے سو تم سچ سچ کہو کہ تمہارے قدم دنیا کی خواہشون یا دنیا کی آبرؤون یا دنیا کے مال و متاع مین پھنسے ہوئے ہین یا نہین پس اگر تمہین خدا پر یقین حاصل ہوتا تو تم اس زہر کو ہرگز نہ کھاتے اور قریب تھا کہ دنیا اس زہر سے مر جاتی اگر خدا یہ آسمانی سلسلہ اپنے ہاتھ سے قائم نہ کرتا اور اگر تم چالاکی سے کہو کہ ہم ایسے ہی ہین جیسا کہ بیان کیا گیا اور ہم مین گناہ کی کوئی تاریکی نہین اور پورے یقین کے انجن سے ہم کھینچے جا رہے ہین تو تمنے جھوٹ بولا ہے اور آسمان و زمین کے بنانیوالے پر تہمت لگائی ہے اِسلئے قبل اسکے جو تم مرو خدا کی لعنت تمہاری پردہ دری کرے گی یقین اپنے نورونکے

سمیت آتا ہے کوئی آسمان تک نہین پہنچا سکتا ہے مگر وہی جو آسمان سے آتا ہی اگر تم جانتے کہ خدا کا تازہ بتازہ اور یقینی اور قطعی کلام تمہاری بیماریون کا علاج ہے تو تم اس سے انکار نہ کرتے جو مین صدی کے سر پر تمہارے لیئے آیا۔ لے عاقلو یقین کے بغیر کوئی عمل آسمان پر جا نہین سکتا اور اندرونی کدورتین اور دل کی مہلک بیماریان بغیر یقین کے دور نہین ہوسکتین جس اسلام پر تم فخر کرتے ہو یہ رسم اسلام ہے نہ حقیقت اسلام حقیقی اسلام سے شکل بدلجاتی ہے اور دل مین ایک نور پیدا ہو جاتا ہے اور سفلی زندگی مرجاتی ہے اور ایک اور زندگی پیدا ہوتی ہے جسکو تم نہین جانتے یہ سب کچھ یقین کے بعد آتا ہے اور یقین اس یقینی کلام کے بعد جو آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ خدا۔ خدا کے ذریعہ سے ہی پہچانا جاتا ہی۔ کسی اور ذریعہ سے تم مین سے کون ہی جو اپنے ہم کلام کو شناخت نہین کر سکتا۔ پس اسی طرح مکالمات کی حالت مین معرفت مین ترقی ہوتی جاتی ہے بندہ کا دعا کرنا اور خدا تعالی کا لطف اور رحم سے اس دعا کا جواب دینا نہ ایک دفعہ نہ دو دفعہ بلکہ بعض موقعہ پر بیس دفعہ یا تیس دفعہ یا پچاس پچاس دفعہ یا قریباً تمام رات یا قریباً تمام دن اسی طرح ہر ایک دعا کا جواب پانا اور جواب بھی فصیح تقریر مین اور بعض دفعہ مختلف زبانون مین اور بعض دفعہ ایسی زبانون مین جنکا علم بھی نہین اور پھر اسکے ساتھ نشانون کی بارش اور معجزات اور تائیدون کا سلسلہ کیا یہ ایسا امر ہے کہ اسکے ذریعہ سے بندہ اسی عالم مین اپنے خدا کو دیکھ لیتا ہے اور دونون اسکے لئے بلا تفاوت یکسان ہو جاتے ہین اور جس طرح نورہ کے استعمال سے یکدفعہ بال گر جاتے ہین ایسا ہی اس نور کے نزول جلال سے وحشیانہ زندگی کے بال جو جرائم اور معاصی سے مراد ہے کالعدم ہو جاتے ہین اور انسان مردونسے بیزار ہوکر اس دلارام زندہ کا عاشق ہو جاتا ہے جسکو دنیا نہین جانتی اور جیسا کہ تم دنیا کی چیزون سے بیصبر ہو ویسا ہی وہ خدا کی دوری پر صبر نہین کر سکتا غرض تمام برکات اور یقین کی کنجی وہ کلام قطعی اور یقینی ہے جو خدا تعالی کیطرف سے بندہ پر نازل ہوتا ہے۔ جب خدائے ذوالجلال کسی اپنے بندہ کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے تو اپنا کلام اسپر نازل کرتا ہے اور اپنے مکالمات کا اسکو شرف بخشتا ہے اور اپنے خارق عادت نشانون سے اسکو تسلی دیتا ہے اور ہر ایک پہلو سے اسپر ثابت کر دیتا ہے کہ وہ اسکا کلام ہے تب وہ کلام قائمقام دیدار کا ہو جاتا ہے اس وقت انسان سمجھتا ہے کہ خدا ہے کیونکہ انا الموجود کی آواز سنتا ہے خدا تعالی کی کلام سے پہلے اگر انسان کا خدا تعالی کے وجود پر ایمان ہوتا ہے تو بس اسی قدر کہ وہ مصنوعات پر نظر کرکے یہ خیال کر لیتا ہے کہ اس ترکیب محکم ابلغ کا کوئی صانع ہونا چاہیئے لیکن یہ کہ درحقیقت وہ صانع موجود بھی ہے یہ مرتبہ ہرگز بجز مکالمات الہیہ کے حاصل نہین

ہو سکتا اور گندی زندگی بحت الثرےٰ کیطرف ہر لحہ کھینچ رہی ہے وہ ہرگز دور نہین ہوتی۔ اسی جگہ سے عیسائیون کے خیالات کا بھی باطل ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ وہ خیال کرتے ہین کہ ابن مریم کی خودکشی نے انکو نجات دیدی ہے حالانکہ وہ جانتے ہین کہ وہ تنگ و تاریک دوزخ مین پڑے ہوئے ہین جو محجوبیت اور شکوک اور شبہات اور گناہ کا دوزخ ہے پھر نجات کہان ہے نجات کا سرچشمہ یقین سے شروع ہوتا ہے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ انسان کو اس بات کا یقین دیا جائے کہ اسکا خدا درحقیقت موجود ہے جو مجرم اور سرکش کو بلا سزا نہین چھوڑتا اور رجوع کرنیوالے کیطرف رجوع کرتا ہے یہی یقین تمام گناہونکا علاج ہے بجز اسکے دنیا مین نہ کوئی کفارہ ہے نہ کوئی خون ہے جو گناہ سے بچاوے کیا تم دیکھتے نہین کہ ہر ایک جگہ تمہین یقین ہی ناکردنی باتون سے روکدیتا ہے تم آگ مین ہاتھ نہین ڈال سکتے کہ وہ مجھے جلادے گی۔ تم شیر کے آگے اپنے تئین کھڑا نہین کرتے کیونکہ تم یقین رکھتے ہو کہ وہ مجھے کھالیگا تم کوئی زہر نہین کھاتے کیونکہ تم یقین رکھتے ہو کہ وہ مجھے ہلاک کر دے گی پس اس مین کیا شک ہے کہ بیشمار تجارب سے تمپر ثابت ہو چکا ہے کہ جس جگہ تمہین یقین ہوجاتا ہے کہ فعل یا یہہ حرکت بلاشبہ مجھے ہلاکت تک پہنچائیگی تم فی الفور اس سے رک جاتے ہو اور پھر وہ گناہ تمسے سرزد نہین ہوتا پھر خدا تعالےٰ کے مقابل پر کیون اس ثابت شدہ فلسفہ سے کام نہین لیتے کیا تجربہ نے ابتک گواہی نہین دی کہ بجز یقین کے انسان گناہ سے رک نہین سکتا ایک بکری یقین کی حالت مین اس مرغزار مین چر نہین سکتی جس مین شیر سامنے کھڑا ہے۔ پس یقین لایعقل حیوانات پر بھی اثر ڈالتا ہے اور تم تو انسان ہو۔ اگر کسی دل مین خدا کی ہستی اور اس کی ہیبت اور عظمت اور جبروت کا یقین ہے تو وہ یقین ضرور اسے گناہ سے بچالیگا اور اگر وہ نہین بچ سکا تو اسے یقین نہین کیا خدا پر یقین لانا اس یقین سے کمتر ہے کہ جو شیر اور سانپ اور زہر کے وجود کا یقین ہوتا ہے سو وہ گناہ جو خدا سے دور ڈالتا ہے اور جہنمی زندگی پیدا کرتا ہے اسکا اصل سبب عدم یقین ہے۔ کاش مین کس زور کے ساتھ اس کی منادی کرون کہ گناہ سے چھوڑانا یقین کا کام ہے۔ جھوٹی فقیری اور مشیخت سے توبہ کرانا یقین کا کام ہے خدا کو دکھلانا یقین کا کام ہے۔ وہ مذہب کچھ بھی نہین اور گندہ ہے اور مردار ہے اور ناپاک ہے اور جہنمی ہے اور خود جہنم ہے جو یقین کے چشمہ تک نہین پہنچا سکتا۔ زندگی کا چشمہ یقین سے ہی نکلتا ہے اور وہ پر جو آسمان کیطرف اُڑتے ہین وہ یقین ہی ہے کوشش کرو کہ اس خدا کو تم دیکھ لو جس کی طرف تمنے جانا ہے اور وہ مرکب یقین ہے جو تمہین خدا تک پہنچائیگا۔ کسقدر اسکی تیز رفتار ہے کہ وہ روشنی جو سورج سے آتی اور زمین پر پھیلتی ہے وہ بھی اسکی سرعت رفتار کیساتھ مقابلہ نہین کر سکتی اے پاکیزگی کے ڈھونڈنیوالو اگر تم چاہتے ہو کہ پاکدل بنکر زمین پر چلو اور فرشتے تمسے مصافحہ کرین۔

توتم یقین کے راہونکو ڈھونڈو۔ اور اگر تمہین اس منزل تک ابھی رسائی نہین تو اس شخص کا دامن پکڑو جسنے
یقین کی آنکھ سے اپنے خدا کو دیکھ لیا ہے اور یہ کہ کیونکر یقین کی آنکھ سے خدا کو دیکھا جاوے اسکا جواب کوئی
مجھسے سنے یا نہ سنے مگر مین یہی کہونگا کہ اس یقین کے حاصل کرنیکا ذریعہ خدا کا زندہ کلام ہے جو زندہ نشان
اپنے اندر اور ساتھ رکھتا ہے جب وہ آسمان پر سے اترتا ہے تو نئے سرے مردون کو قبرون مین سے نکالتا ہے
تم دیکھتے ہو کہ باوجود آنکھونکے بینا ہونیکے تم آسمانی آفتاب کے محتاج ہو اسی طرح خداشناسی کی بینائی محض اپنی
اٹکلونسے حاصل نہین ہوسکتی وہ بھی ایک آفتاب کی محتاج ہے اور وہ آفتاب بھی آسمان پر سے اپنی روشنی
زمین پر نازل کرتا ہے یعنی خدا کا کلام کوئی معرفت خدا کے کلام کے بغیر کامل نہین ہوسکتی۔ خدا کا کلام بندہ
اور خدا مین ایک دلالہ ہے وہ اترتا ہے اور خدا کا نور اسکے ساتھ ہوتا ہے اور جسپر وہ اپنے پورے کرشمہ اور
پوری تجلی اور پوری خدائی عظمت اور قدرت اور برہنہ کرشمہ کے ساتھ اترتا ہے اسکو وہ آسمان پر لیجاتا
ہے۔ غرض خدا تک پہنچنے کے لئے بجز خدا تعالے کے کلام کے اور کوئی سبیل نہین۔ ماحصل اس تمام تقریر کا
یہ ہے کہ انسان اس دار الظلمات مین اگر کبھی نجات نہین پاسکتا بجز اسکے کہ خود خدا تعالے کے مکالمات سے
مشرف ہو کر یا کسی اہل مکالمہ یقینیہ و اہل آیات بینہ کی صحبت مین رہ کر اس ضروری اور قطعی علم تک پہنچ جائے
کہ اسکا ایک خدا ہے جو قادر اور کریم اور رحیم ہے اور یہ دین یعنی اسلام جسپر یہ قائم ہے درحقیقت یہ سچا ہے۔
اور روز جزا اور بہشت اور دوزخ سب سچ ہے کیونکہ اگرچہ قصۃً اور نقل کیطور پر تمام اہل اسلام اس بات کو مانتے
ہین کہ خدا موجود ہے اور اسکا رسول برحق مگر یہ ایمان کوئی یقینی بنیاد نہین رکھتا اسلئے ایسے ضعیف ایمان
کے ذریعہ سے یقینی رنگ کے آثار ظاہر ہونا اور گناہ سے سچی نفرت کرنا غیر ممکن ہے اور بوجہ اسکے کہ اسلام پر تیرہ سو
برس گذر گئے تمام معجزات گذشتہ برنگ نقول اور قصص ہو گئے ہین اور قرآن شریف اگرچہ عظیم الشان معجزہ
ہے مگر ایک کامل کے وجود کو چاہتا ہے کہ جو قرآن کے اعجازی جواہر پر مطلع ہو اور وہ اس تلوار کی طرح ہے۔ جو
درحقیقت بے نظیر ہے لیکن اپنا جوہر دکھلانے مین ایک خاص دست و بازو کی محتاج ہے اسپر دلیل شاہد یہ آیت ہے
کہ لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ پس وہ ناپاکونکے دلون پر معجزہ کے طور پر اثر نہین کرسکتا بجز اسکے کہ اسکا اثر
دکھلانیوالا بھی قوم مین ایک موجود ہو اور وہ وہی ہوگا جسکو یقینی طور پر نبیون کی طرح خدا تعالی کا مکالمہ و مخاطبہ
نصیب ہوگا غرض تمام برکات اور یقین کے حصول کا ذریعہ خدا کا مکالمہ و مخاطبہ ہے اور انسان کی یہ
زندگی جو شکوک اور شبہات سے بھری ہوئی ہے بجز مکالمات الہٰیہ کے سرچشمہ صافیہ کے یقین تک ہرگز نہین

پہنچ سکتی مگر خدا تعالیٰ کا وہ مکالمہ یقین تک پہنچاتا ہے جو یقینی اور قطعی ہو جس پر ایک ملہم قسم کھا کر کہہ سکتا ہے کہ وہ اسی رنگ کا مکالمہ ہے جس رنگ کا مکالمہ آدم سے ہوا اور پھر شیث سے ہوا اور پھر نوح سے ہوا اور پھر ابراہیم سے اور پھر اسحاق سے اور پھر اسمٰعیل سے اور پھر یعقوب سے ہوا اور پھر یوسف سے اور پھر چار سو برس کے بعد موسیٰ سے اور پھر یسوع بن نون سے ہوا اور پھر داؤد سے ہوا اور سلیمان سے اور الیسع نبی سے اور دانیال سے اور اسرائیلی سلسلہ کے آخرین عیسیٰ بن مریم سے ہوا اور سب سے اتم اور اکمل طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا لیکن اگر کوئی کلام یقین کے مرتبہ سے کمتر ہو تو وہ شیطانی کلام ہے نہ ربانی۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ جب آفتاب طلوع کرتا ہے اور اپنی کرنیں زمین پر چھوڑتا ہے تو اس کی روشنی ایسی صاف دنیا پر پڑتی ہے کہ کسی دیکھنے والے کو اسکے نکلنے مین شک باقی نہین رہتا اور نہ وہ کہہ سکتا ہے کہ کل کا سورج تو یقینی تھا مگر آج کا شکی ہے پس کیا تم اس الہام مین شک کر سکتے ہو کہ خدائی چہرہ کا نور اپنے اندر رکھتا ہے کیا خدا کی کلام کا طلوع سورج کے طلوع سے کچھ کمتر ہے کوئی چیز اپنی صفات ذاتیہ سے الگ نہین ہو سکتی پھر خدا کا کلام جو زندہ کلام ہے کیونکر الگ ہو سکے پس کیا تم کہہ سکتے ہو کہ آفتاب وحی آلہی اگرچہ پہلے زمانون مین یقینی رنگ مین طلوع کرتا رہا ہے مگر اب وہ صفائی اسکو نصیب نہین گویا یقینی معرفت تک پہنچنے کا کوئی سامان آگے نہین بلکہ پیچھے رہ گیا ہے اور گویا خدا کی سلطنت اور حکومت اور فیضرسانی کچھ تھوڑی مدت تک رہ کر ختم ہو چکی ہے لیکن خدا کا کلام اسکے برخلاف گواہی دیتا ہے کیونکہ وہ یہ دعا سکھلاتا ہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ اس دعا مین اس انعام کی امید دلائی گئی ہے جو پہلے نبیون اور رسولون کو دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان تمام انعامات مین سے بزرگتر انعام وحی یقینی کا انعام ہے کیونکہ گفتار الٰہی قائم مقام دیدار الٰہی ہے کیونکہ اسی سے پتہ لگتا ہے کہ خدا موجود ہے پس اگر کسی کو اس امت مین سے وحی یقینی نصیب ہی نہین اور وہ اس بات پر جرأت ہی نہین کر سکتا کہ اپنی وحی کو قطعی طور پر مثل انبیاء علیہم السلام کے یقینی سمجھے اور نہ اسکی ایسی وحی ہو کہ انبیا کیطرح اسکے ترک متابعت اور ترک عمل یقینی طور پر دنیا کا ضرر متصور ہو سکے تو ایسی دعا سکھلانا محض دھوکا ہو گا کیونکہ اگر خدا کو یہ منظور ہی نہین کہ بموجب دعا اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ انبیاء علیہم السلام کے انعامات مین اس امت کو بھی شریک کرے تو اس نے کیون یہ دعا سکھلائی اور ایک ناشدنی امر کے لئے دعا کرنے کی ترغیب دی پس اگر یہ دعا سکھانا یقین اور معرفت کا انعام دینے کی نیت سے نہین بلکہ محض لفظون سے خوش کرنا ہی مد نظر ہے

فیصلہ ہوگیا کہ یہ امت اپنے نصیبون مین سب امتون سے گری ہوئی ہے اور خدا تعالےٰ کی مرضی نہین ہے کہ اس امت کو یقینی چشمہ کا پانی پلا کر نجات دے بلکہ وہ انکو شکوک اور شبہات کے ورطہ مین چھوڑ کر ہلاک کرنا چاہتا ہے لیکن یاد رہے کہ ضرور ان انعامات مین جو نبیون کو دئے گئے اس امت کیلئے حصہ رکھا گیا ہے کیونکہ اگر مسلمانونکے کامل افراد کی فطرتون مین یہ حصہ نہ ہوتا تو ان کے دلون مین یہ خواہش نہ پائی جاتی کہ وہ خدا شناسی کے درجہ مین حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جائین اور ان انعامات سے سب سے بڑھکر یقینی مخاطبات اور مکالمات کا انعام ہے جس سے انسان اپنی خدا شناسی مین پوری ترقی کرتا ہے گویا ایک طور سے خدا تعالےٰ کو دیکھ لیتا ہے اور اس کی ہستی پر رویت کے رنگ مین ایمان لاتا ہے تب الٰہی ہیبت پورے طور پر اس کے دل پر کام کرتی ہے اور جیسا کہ ہر ایک جگہ رویت اور یقین کا خاصہ ہے وہ خاصہ اسکے اندر اپنا کام کرنے لگتا ہے اور شکوک اور شبہات کی تاریکی اس طرح دور ہو جاتی ہے جیسا کہ آفتاب سے ظلمت تب روئے زمین پر اس سے کوئی اتقیٰ نہین ہوتا اور اس جیسا کوئی گناہ سے بیزار نہین ہوتا اور اس جیسا اس خالق یگانہ سے کوئی محبت کرنیوالا نہین ہوتا اور اس جیسا اس یار کا کوئی وفادار نہین ہوتا۔ اور اس جیسا کوئی ڈرنیوالا نہین ہوتا اور اس جیسا کوئی توکل کرنیوالا نہین ہوتا اور اس جیسا پیوند مین کوئی صادق نہین ہوتا اور جیسا کہ خدا تعالےٰ کے کلام سے ظاہر ہے یقینی اور قطعی وحی کا قیامت کے دن تک اس امت کو وعدہ دیا گیا ہے۔ ایسا ہی عقل بھی نوع انسان کے لئے اسکو ضروری سمجھتی ہے کیونکہ گناہ اور فسق و فجور کا علاج اور چارہ بجز اسکے اور کوئی نہین کہ خدا کا جمال اور جلال یقینی طور پر انسان پر مکشوف ہو وجہ یہ کہ تجربہ گواہی دے رہا ہے کہ یا تو سچی محبت گناہ اور مخالفت سے روکتی ہے یا سچی ہیبت نافرمانیون سے باز رکھتی ہے اور سچی محبت مین بھی ایک خوف ہوتا ہے اور وہ یہی کہ یار مہربان سے تعلق نہ ٹوٹ جائے اور جبکہ سچی محبت اور سچی ہیبت کی کیفیت یقینی طور پر وارد ہوا و یا وہ شخص جو کامل طور پر اس شخص کا شناسندہ اور محبت کنندہ اور اسکا زیر اثر ہو وہ بلا شبہ گناہ سے روک لیا جاتا ہے اور دوسرے لوگ دنیا مین جسقدر ہین ان مین سے کوئی بھی گناہ کی زہر سے خالی نہین ہان مکاری سے بہت لوگ کہتے ہین کہ ہم بیگناہ ہین اور ہمارے دلون مین کوئی ناپاکی نہین مگر وہ جھوٹے ہین اور خدا کی مخلوق کو دھوکا دینا چاہتے ہین گناہ سے پاک ہونا بجز اسکے ممکن ہی نہین کہ ہیبت اللہ کی موت یقین کی تیز شعاعون کیوجہ سے انسان کے دل پر وارد ہو جائے اور سچی محبت اور سچی ہیبت دل مین بس جائے اور دل خدا کے جمال اور جلال سے رنگین ہو جائے اور یہ دونون کیفیتین کبھی اور ہرگز دل مین آ ہی نہین سکتین جب

جبتک کہ خدا کی ہستی اور اس کی ان دونوں قسم کے صفات پر یقین پیدا نہو پس اس سے معلوم ہوا کہ نجات کی جڑھ اور نجات کا ذریعہ صرف یقین ہے وہ یقین ہی ہے کہ باوجود بلاؤن کے سامنے کے اطاعت کیلئے گردن جھکا دیتا اور آگ مین داخل ہونیکے لئے کھڑا کر دیتا ہے وہ یقینی نظارہ ہی ہے جو عاشق بنا دیتا ہے اور مرنیکے لئے تیار کر دیتا ہے وہ یقینی نظارہ ہی ہے کہ جس سے انسان خدا کے لئے آرام کا پہلو چھوڑتا اور مخلوق کی تعریف اور تحسین سے لاپرواہ ہو جاتا اور ایک کیلئے تمام دنیا کو اپنا خطرناک دشمن بنا لیتا ہے انسان یقینی ہیبت کیوجہ سے مباح چیزون کو بھی ڈرتا ڈرتا ہی استعمال کرتا ہے اور زبان کو ناگفتنی باتون سے روکتا ہی گویا اوس کے منہ مین سنگریزے ہین اور یہ یقین یا تو دیدار سے میسر آتا ہے اور یا اس گفتار سے جو خدا کا یقینی کلام ہے جو اپنی طاقت اور شوکت اور دلکش خاصیت اور خوارق سے ثابت کر دیتا ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے بجز اس صورت کے نہ خدا کی ہستی پر یقین آسکتا ہے اور نہ اس کی صفات پر۔ اب جس حالت مین یہ مانا گیا ہے کہ خدا تعالےٰ اس بات پر قادر ہے کہ یقینی کلام کسی بندہ پر نازل فرماوے اور اسکا وعدہ انعمت علیہم اس امکان کو ضروری ٹھہراتا ہے اور نجات بھی اسی کلام الٰہی پر موقوف ہے جو یقینی ہو اور انسانی فطرت بھی اس کی پیاسی پائی جاتی ہے تو کیون اور کیا وجہ ہے کہ خدا اس فیض سے امت کو محروم رکھے کیا انسان کی فطرت مین یہ جوش نہین ڈالا گیا کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین پیدا کرے اور کوئی ایسا ذریعہ اسکو حاصل ہو جس سے وہ سمجھ لے کہ وہ اپنی تمام پاک صفات کیساتھ درحقیقت موجود ہے۔ مگر کیا وہ ذریعہ صرف آسمان اور زمین کی صنعتین ہو سکتی ہین ہرگز نہین کیونکہ غایت درجہ ان سے صرف ضرورت خالق محسوس ہوتی ہے نہ یہ کہ وہ خالق درحقیقت موجود بھی ہے اور ضرورت خالق پر دلیل قائم ہونا اس خالق کی واقعی ہستی پر قطعی دلیل نہین ہو سکتی اسی لئے انبیاء اور آسمانی نشانون کی حاجت پڑی کیونکہ دلایل عقلیہ صرف اس حد تک خدا تعالیٰ کی نسبت علم بخشتے ہین کہ ان مصنوعات پر نظر کر کے جن مین ایک ابلغ اور محکم ترکیب پائی جاتی ہے یہ ضرورت ثابت ہوتی ہے کہ ان کا ایک صانع ہونا چاہیئے لیکن یہ دلائل یہ ثابت نہین کرتین کہ وہ صانع فی الواقع ہے بھی اور ہے اور ہونا چاہیئے مین ایک فرق ہے جو اس کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح نہین کہہ سکتے کہ پہلی کتابین اور پہلے معجزات خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک قطعی دلیل ہے کیونکہ اس وقت نہ وہ معجزات بدیہی طور پر مشاہدات مین سے ہین اور نہ اسوقت وہ کلام نازل ہو رہا ہے۔ ہان ہا قرآن شریف معجزہ ہے مگر وہ اس بات کو چاہتا ہے کہ اسکے ساتھ ایک ایسا شخص ہو کہ اس معجزہ کے جوہر ظاہر کرے اور وہ وہی ہوگا جو بذریعہ الہامی کلام کے پاک کیا جائیگا اب جبکہ انسانی فطرت اور انسانی کانشنس اور

انسانی روح شکوک و شبہات کی موت سے مرنا پسند نہیں کرتی اور خدا تعالیٰ کی راہ مین ایک کھلے کھلے یقین کی پیاسی ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ جس قادر اور حکیم نے انسان کو یقین حاصل کرنیکی پیاس لگادی ہے۔ اس نے پہلے سے اس بات کا انتظام بھی کرلیا ہے کہ انسان یقین کے مرتبہ تک پہنچ جائے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا انتظام ہے جو یقین تک پہنچاتا ہے سو مجھے چھوڑ دتا مین صاف صاف کہدون کہ وہ انتظام ابتدا دنیا سے آج تک ایک ہی چلا آیا ہے یعنی خدا کا قول جس کی تائید اور تصدیق اس کا خارق عادت فعل کرتا ہے اور یہ دھوکا مت کھاؤ کہ خدا کا کلام ایک مرتبہ یا چند مرتبہ جو گذشتہ زمانہ مین نازل ہوچکا ہے وہ یقین عطا کرنے کے لئے کافی ہے بار بار کی کیا ضرورت ہے اسی شبہ مین آریہ سماج والے گرفتار ہین کیونکہ انکے نزدیک وید خدا کا کلام ہے اور وہ ایک دفعہ اس موجودہ دور دنیا کے لئے نازل ہوچکا ہے پھر بار بار کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن وہ اور ایسا ہی انکے سیہ خیال دھوکا کھاتے ہین اور اس دھوکہ مین عیسائی بھی شریک ہین جو کہتے ہین کہ توریت نے تعلیم کے حق کو پورا کردیا تھا پھر قرآن کی کیا ضرورت تھی۔ ان تمام توہمات کا جواب یہی ہے کہ خدا کی غرض کتابون کے نازل کرنیسے افادہ یقین ہے کہ تا اس کی ذات اور صفات اور اس کی پسندیدہ اور ناپسند راہون پر لوگون کو یقین آجاوے اور پھر یقین کی برکت سے وہ اپنے خدا پر پورا ایمان لاوین اور بدی سے پورے طور پر پرہیز کرین اور نیکی کو پورے طور پر حاصل کرین سو جب نبوت کا زمانہ گذر جاتا ہے اور خدا کا کلام قصون کے رنگ مین پڑھا جاتا ہے تب یہ غرض مفقود ہوجاتی ہے اور دلون مین اس کلام پر یقین نہین رہتا جیسا کہ تم یہود یونکا حال دیکھتے ہو کہ توریت انکے ہاتھ مین ہے اور کھوٹ انکے دلون مین اور کیا تم عیسائیون مین بتاسکتے ہو کہ ایسے لوگ ان مین کتنے ہین کہ ایکطرف مار کھاکر دوسری طرف بھی پھیر دیتے ہین اور چادر لینے والے کو کرتہ دینے کیلئے تیار ہین اور آنکھونکو بدنظری سے روکتے ہین اور لوگون پر عیب نہین لگاتے اور ان کے دل ٹیڑھے اور مکار اور منصوبہ باز نہین مگر شاذ و نادر جس نے نہ انجیل سے بلکہ اپنی فطرت کی ہدایت سے بدی سے پرہیز کی ہو۔ غرض جس طرح ہر ایک صبح تازہ کھانے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح جب مرور زمانہ سے نور ایمان جو یقین ہے کم ہوجاتا ہے تو وہ خدا کی کلام کو پڑھتے تو ہین مگر وہ پڑھنا انکے حلق کے نیچے نہین اترتا تب خدا کا کلام جو انسے دور ہوجاتا ہے اور ہین چھوتا نہین کوئی نیک اثر انپر ڈال نہین سکتا گویا وہ کلام انکو چھوڑ کر آسمان پر اٹھ جاتا ہے تب ایک جوہر قابل پیدا کیا جاتا ہے جسکو کلام اپنی طرف کھینچتا ہے اور خدا کی کلام کی طاقت اسکو یقین کے کامل مرتبہ تک پہنچاتی ہے تب وہ علم جو آسمان پر اٹھ گیا تھا پھر اسکے ذریعے سے زمین پر

واپس آجاتا ہے اسی طرح ہمیشہ یقین خدا کے تازہ مکالمہ سے تازہ پیدا ہوتا رہتا ہے اور جس شریعت کو خدا تعالےٰ منسوخ کر دیتا ہے اس شریعت کی پیروی کرنیوالونکے دل مسوخ ہو جاتے ہین اور ان مین کوئی باقی نہین رہتا جسپر تازہ کلام وارد ہو تب وہ کتاب ایک متعفن پانی کی طرح ہو جاتی ہے جسکے ساتھ بہت کیچڑ اور گند ملگیا ہے اور ایسی شریعت سے انسانونکو کچھ فائدہ نہین ہو سکتا کیونکہ انکے ہاتھ مین صرف قصے رہ جاتے ہین اور آسمان کا تازہ پانی یعنے تازہ کلام الٰہی انکے پاس نہین آتا پس اس سے سمجھا جاتا ہے کہ خدا نے انکو چھوڑدیا ہے خلاصہ کلام یہ کہ مردود مذہب کی یہ نشانی ہے کہ تازہ کلام کا نور اس مین پایا نہین جاتا اور وہ لوگ ہمیشہ اسی کلام پر بھروسہ رکھتے ہین جس کو تازہ الٰہی کلام تصدیق نہین کرتا اور نہ تازہ نشان تصدیق کرتے ہین انکے دل مردہ رہتے ہین اور نور یقین جو گناہونکو جلاتا ہے انکے نزدیک نہین آتا۔ اس تمام بیان کا خلاصہ در خلاصہ یہ ہے کہ تازہ کلام الٰہی خدا کی شریعت کا پشتیبان ہے اور اس کشتی کو جو گناہونکے سبب سے غرق ہونے لگتی ہے جلد تر کنار امن تک پہونچانے والا ہے مگر شائد کوئی بھول نہ جائے اسلئے بار بار کہا گیا ہے کہ کلام الٰہی سے مراد وہی کلام ہے کہ جو زمانہ کیلئے تازہ طور پر اترتا ہے اور اپنی طبعی خاصیت سے ملہم اور اسکی ہم نشینونپر ثابت کرتا ہے کہ مین یقینی طور پر خدا کا کلام ہون اور ایسا ملہم طبعاً اس مین اور خدا کے دوسرے کلمات مین جو پہلے نبیونپر نازل ہوئے من حیث الوحی کچھ فرق نہین سمجھتا گو دوسری وجوہ سے کچھ فرق ہو۔ لیکن یاد رہے کہ عوام الناس کے ایسے شکی وہمی الہام ہماری اس بحث سے خارج ہین جنکے ساتھ نہ تو خدائی نشان اور آسمانی متواتر تائیدین ہوتی ہین کہ تا اس قول کو فعل کی شہادت سے قوت دین اور نہ خود ملہم کو ان کی نسبت یقین کامل ہوتا ہے بلکہ وہ ہمیشہ دُبدھا مین رہتا ہے کہ آیا یہ شیطانی ہین یا رحمانی سمجھنا چاہیئے خوب توجہ سے یاد رکھنے کے لائق ہے۔ کہ جو الہامات ایسے کمزور اور ضعیف الاثر ہون جو ملہم پر مشتبہ رہتے ہین کہ خدا کی طرف سے ہین یا شیطان کیطرف سے وہ درحقیقت شیطان کیطرف سے ہی ہوتے ہین یا شیطان کی آمیزش سے اور گمراہ ہے وہ شخص جو انپر بھروسا کرتا ہے اور بدبخت ہے وہ شخص جو اس خطرناک ابتلا مین ماخوذ ہے کیونکہ شیطان اس سے بازی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسکو ہلاک کرے اکثر لوگ پوچھا کرتے ہین کہ پھر رحمانی الہام کی نشانی کیا ہے اسکا جواب یہی ہے کہ اس کی کئی نشانیان ہین -(۱) اول یہ کہ الٰہی طاقت اور برکت اسکے ساتھ ایسی ہوتی ہے کہ اگرچہ اور دلائل ابھی ظاہر نہ ہون وہ طاقت بڑے جوش اور زور سے بتلاتی ہے کہ مین خدا کی طرف سے ہون اور ملہم کے دلکو ایسا اپنا مسخر بنا لیتی ہے کہ اگر اسکو آگ مین کھڑا کر دیا جاوے یا

ایک بجلی اس پر پڑنے لگے کبھی نہین کہہ سکتا کہ یہ الہام شیطانی ہے یا حدیث النفس ہی یا شکی ہی یا ظنی ہے۔ بلکہ ہر دم اس کی روح بولتی ہے کہ یقینی ہے اور خدا کا کلام ہے (۲) دوسرے خدا کے الہام مین ایک خارق عادت شوکت ہوتی ہے (۳) تیسرے وہ پر زور آواز اور قوت سے نازل ہوتا ہے (۴) چوتھے اس مین ایک لذت ہوتی ہے (۵) اکثر اس مین سلسلہ سوال و جواب پیدا ہوجاتا ہے بندہ سوال کرتا ہے خدا جواب دیتا ہے۔ اور پھر بندہ سوال کرتا ہے خدا جواب دیتا ہے خدا کا جواب پانیکے وقت بندہ پر ایک غنودگی طاری ہوتی ہی لیکن صرف غنودگی کیحالت مین کوئی کلام زبان پر جاری ہونا وحی الٰہی کی قطعی دلیل نہین کیونکہ اس طرح پر شیطانی الہام بھی ہوسکتا ہے (۶) وہ الہام کبھی ایسی زبانون مین بھی ہوجاتا ہے جن کا ملہم کو کچھ بھی علم نہین (۷) خدائی الہام مین ایک خدائی کشش ہوتی ہے اول وہ کشش ملہم کو عالم تفرید اور انقطاع کیطرف کھینچ لیجاتی ہے اور آخر اسکا اثر بڑھتا بڑھتا طبائع سلیمہ متابعین پر جا پڑتا ہے تب ایک دنیا اس کی طرف کھینچی جاتی ہے اور بہت سی روحین اسکے رنگ مین بقدر استعداد آجاتی ہین (۸) سچا الہام غلطیون سے نجات دیتا اور بطور حکم کے کام کرتا ہی اور قرآن شریف سے کسی بیان مین مخالف نہین ہوتا (۹) سچے الہام کی پیشگوئی فی حد ذاتہ سچی ہوتی ہے گو اسکے سمجھنے مین لوگونکو دھوکا ہو (۱۰) سچا الہام تقوے کو بڑھاتا اور اخلاقی قوتونکو زیادہ کرتا اور دنیا سے دل برداشتہ کرتا اور معاصی سے متنفر کردیتا ہے (۱۱) سچا الہام چونکہ خدا کا قول ہے اسلئے وہ اپنی تائید کیلئے خدا کے فعل کو کھینچ لاتا ہے اور اکثر بزرگ پیشگوئیون پر مشتمل ہوتا ہے جو سچی نکلتی ہین اور قول اور فعل دونون کی آمیزش سے یقین کے دریا جاری ہوجاتے ہین اور انسان سفلی زندگی سے منقطع ہوکر ملکوتی صفات بن جاتا ہے ٭

تناسخ

(ہندو مذہب کے روسے گناہ کے برکات ۶)

روح کا مختلف انسانی اور حیوانی اجسام مین بطور تناسخ کے داخل ہونا پرانے زمانے سے تمام جاہل لوگونکا اعتقاد رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پرانے مصری لوگ بھی اسکے قائل تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ تین ہزار سال کے دور مین روح تمام پیدا کردہ صورتون مین ہوگذرتی ہے۔ بڑے بڑے فاضلون نے یہ بھی خیال کیا ہے کہ مصریون مین جو بعض حیوانوںکے مردہ اجسام کو مصالحون وغیرہ کے ذریعہ سے دیرپا بنایا جاتا تھا اسکی اصلیت بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ شاید کسی وقت پھر روح اپنے اصل جسم کیطرف عود کرے۔ یونان مین

فیثاغورث نے تناسخ کا مسئلہ جاری کیا اسکا عقیدہ یہ تھا کہ روح جسم سے علیحدہ ہونیکے بعد جو میں پرواز کرتی رہتی ہین اور نئی مخلوق اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ نئے اجسام مین جب پہلے پہل ہوا داخل ہوتی ہے تو پہلے تنفس کے ساتھ ان روحون مین سے جو کرہ ہوائیہ مین اڑتی پھرتی ہوتی ہین کوئی روح بھی اندر چلی جاتی ہے لیکن اگر پہلے ہی سانس کے ساتھ کوئی روح داخل ہوجائے تو پھر وہ جسم بیجان ہی رہتا ہے۔ یہ مسئلہ آریہ مذہب کے تناسخ کے مسئلہ سے جو سوامی دیانند نے بیان کیا ہے ملتا جلتا ہے۔

اگرچہ تناسخ کا مسئلہ بہت سارے ملکون سے جہان وحی الہی کی روشنی پہونچی ہے بالکل اٹھ گیا ہے لیکن ہندوستان مین آج اپیر ہندو لوگونکا ویسا ہی پکا اعتقاد ہے جیساکہ جہالت کے زمانہ مین تھا خواہ یہ مسئلہ ابتدائی آریہ قومون نے ہندوستان کی اصلی اقوام سے لیا ہو یا نہین کا من گھڑت ہو اس مین شک نہین کہ ابتدا سے ہی ہندو مذہب کی مقدس کتابون کی بناپر اسکو تسلیم کیا گیا ہے۔ آریہ سماج کے بانی نے روح کے مختلف اجسام مین جانیکی جو حقیقت ستیارتھ پرکاش (ایڈیشن ۱۸۸۴ء) کے صفحہ ۲۶۳۔ آٹھوین سمولاس مین بیان کی ہے وہ اپنی لغویت مین بے مثل ہے۔ اس سوال کے جواب مین کہ جنم اور موت وغیرہ کس طرح سے ہوتے ہین سوامی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ لنگ شریر یعنی جسم دقیق (روح) اور ستھول شریر یعنی جسم کثیف ملکر جب ظاہر ہوتے ہین تب اسکا نام جنم یعنی پیدائش ہوتا ہے اور دونون کی علیحدگی سے غائب ہوجانیکو موت کہتے ہین۔ سو اس طرح سے ہوتا ہے کہ روح اپنے اعمال کے نتائج سے گردش کرتی ہے اور اپنے افعال کی تاثیر سے گھومتے ہوئے پانی یا کسی اناج یا ہوا مین ملتی ہے پھر جب وہ پانی یا کسی بوٹی وغیرہ کے ساتھ ملجاتی ہے تو جیسے جسکے افعال کا اثر یعنی جتنا جسکو سکھ یا دکھ ہونا ضروری ہے خدا کے حکم کے موافق ویسی جگہ اور ویسے ہی جسم مین مل کے شکم مادر مین داخل ہوجاتی ہے۔ پھر جب حیوان یا انسان مین وہ غذا کے ساتھ اندر چلی جاتی ہے اسکے جسم کے حصہ کی کشش سے اسکا جسم بنتا ہے اسی طریقہ سے جو پرمیشر نے مقرر کر رکھا ہے۔ روح نکلنے کے بعد آفتاب کی کرنونکے ساتھ اوپر کو کھینچی جاتی ہے اور پھر چاند کے نور کے ساتھ (اوس کی طرح) زمین پر کسی بوٹی وغیرہ پر گرتی ہے پھر بموجب طریقہ مذکورہ بالا جسم اختیار کرتی ہے۔

روح کے جسم مین داخل ہونیکا یہ مسئلہ فیثاغورث کے لغو خیال سے بھی کمتر درجہ پر ہے اور یہ خیال بالکل خلاف عقل اور خلاف تجارب طبعی ہے۔ تمام عقلا جانتے ہین کہ روح کا تعلق صرف بچہ کی والدہ سے نہین ہوتا بلکہ والد اور والدہ دونون سے ہوتا ہے اور روحانی اخلاق کا افاضہ بچہ کے وجود پر والدین

کیطرفسے ہوتا ہے نہ ان مین سے ایک کیطرفسے۔ ہان اگر پنڈت صاحب یہ کہتے کہ روح دو ٹکڑے ہو کر کسی بوٹی وغیرہ پر گرتی ہے جسکو مرد اور عورت دونون کھا لیتے ہین اور پھر دونوکے میل کے ذریعہ مخلوط ہو جاتی ہے تب بھی کچھ بات تھی اگرچہ اس جگہ یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا روح آدھی آدھی ہو کر گرتی ہے اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر دو ٹکڑے ہونیکے بعد اسکا پیوند کیونکر ہو جاتا ہے یہ وید کا فلسفہ ہی اور عناصر پرستی کے مذہب کیلئے بیشک ایسا مسئلہ قابل فخر ہے ⁜

اصول تناسخ جہالت کا نتیجہ ہے اور صفات الٰہی کے نہ سمجھنے کے سبب سے یہ غلطی پیدا ہوئی ہے جو لوگ عناصر کو اپنا خدا سمجھین وہ تو ایسے مسئلہ کے ماننے مین معذور بھی ٹھہرائے جا سکتے ہین لیکن جب کئی ہزار سال بعد ایک فلسفہ اور سائنس اور تہذیب پر فخر کرنیوالی قوم جسکا دعوے بت پرستی اور عناصر پرستی چھوڑ دینیکا ہو اس بیہودہ مسئلہ پر جمی رہے تو واقعی جائے تعجب ہے۔ آواگون کا مسئلہ نہ صرف خدائے تعالی کی جلالی صفات کا ہی انکار کرتا ہے بلکہ قانون قدرت کے بھی مخالف پڑا ہوا ہے۔ تناسخ تب قائم رہ سکتا ہی کہ جب خدائے تعالے کو اسکے مختارانہ کامون اور ارادی قدرتون اور اختیاری تصرفات اور ذاتی طاقتون اور ذاتی قوتون سے ازل سے ابد تک معطل اور بیکار اور عاجز اور لاچار سمجھا جائے اس سے ظاہر ہے کہ آواگون خدائے تعالے کے قانون قدرت کا ضد پڑا ہوا ہے اور ضد بھی ایسی ضد کہ ایک کے ماننے سے دوسرا قائم نہین رہ سکتا کیونکہ اگر خدائے تعالے کے تصرفات کو تسلیم کیا جاوے اور مان لیا جاوے کہ اس نے تمام اجرام علوی اور اجسام سفلی کو اپنی قدرت ربوبیت سے پیدا کر کے اجزاے عالم کو باہم انضباط بخشا ہے۔ اور محض اپنی قدرت کاملہ سے اور خاص اپنے ہی ارادہ مشیت سے تمام چیزون مادی وغیر مادی کو ایک پر حکمت سلسلہ انتظام مین خود اپنی حکیمانہ مصلحتون سے منسلک کیا ہے۔ تو یہی مان لینا جسکا دوسرے لفظون مین نام قانون قدرت ہے اصول تناسخ کی بیخ کنی کرتا ہے۔ کیونکہ مسئلہ تناسخ اس بنا پر کھڑا کیا گیا ہے کہ یہ ترتیب عالم جو بالفعل موجود ہے پرمیشر کے ارادہ اور قدرت سے نہین ہے اور نہ اس کی حکمت اور مصلحت سے بلکہ گنہ گارونکے گناہ نے یہ مختلف صورتین پیدا کی ہین جس مین پرمیشر کا ذرا دخل نہین ہے مثلاً گائے جو دودھ دیتی ہے یا گھوڑا جو سواری کے کام آتا ہے یا گدھا جو بوجھ اٹھاتا ہے یا زمین جسپر ہم آباد ہین یا چاند اور سورج جو دو چمکتے ہوئے چراغ اپنی مختلف قوتون اور خاصیتون سے انواع و اقسام کے فوائد دنیا کو پہنچاتے ہین یا گیہون اور چنے اور چاول وغیرہ ماکولات جنکو ہم کھاتے ہین یہ

سب مسئلہ تناسخ کی رو سے انسانی روحین ہین جنہون نے کسی جنم گذشتہ کی شامت اعمال سے بطور تناسخ یہ صورتین اختیار کرلی ہین۔ اور یہ سارا مجمع مختلف چیزون کا جو زمین و آسمان مین نظر آتا ہے یہ سب اصول تناسخ کے رو سے اتفاقی ہین جس مین پرمیشر کے ارادہ اور قدرت کا سر مو دخل نہین اور نہ اسکو ان چیزونکے زیادہ یا کم کرنے مین یا موجود یا معدوم کرنے مین ایک ذرا اختیار ہے۔ اگر انسانی روحین مرتکب گناہون کی نہ ہوتین تو یہ چندین ہزار عالم مخلوقات جو نظر آرہا ہے ان مین سے ایک بھی نہ ہوتا۔ گویا ہر ایک آرام دنیا کا تناسخ کے اصول کے رو سے لوگون کی بدکاریون سے ہی میسر آتا ہے اور تمام دنیوی نعمتون کے حاصل ہونیکا اصل موجب بدکاریان ہی ہین۔ کوئی شخص گناہ کرکے گائے کے جنم مین آئے تو پینے کو دودھ ملے۔ اور پھر کسی بدکاری سے گھوڑی کا جنم لے تو سواری میسر ہو اور پھر کسی معصیت کی گدھے یا خچر یا اونٹ کی جون مین پڑے تو باربرداری کا کام چلے۔ پھر اگر کوئی ایسا برا کام کرے جسکی سزا مین اسکو عورت کی جون ڈالا جاوے تو آپ لوگونکو جورو نصیب ہو اور اگر کوئی ایک شخص کسی شامت گناہ سے مرے تب وہی روح اسکی بیٹا یا بیٹی بن کر آپ کو صاحب اولاد بنا ئے۔ اس طرح تناسخ کے اصول کے رو سے تمام سلسلہ خدائی کا گناہون کی طفیل ہی چل رہا ہے اور اگر گناہ ظہور مین نہ آتے تو پرمیشر تو کچھ چیز ہی نہ تھا۔ اور اسکی قدرتین اور حکمتین سب ہیچ اور بے حقیقت تھین۔ قانون قدرت کا تو یہ ضروری تقاضا ہے کہ تمام اجزائے عالم بحکم اس واضع قانون کے روز ازل سے باہم انضباط یافتہ ہین یہ نہین کہ کسی اتفاقی شامت سے یہ ہزارون قسم کی مخلوقات پیدا ہوگئی ہے اور پرمیشر گو کیسا ہی ان چیزونکے پیدا کرنیکے لئے ارادہ کرتا مگر کچھ بھی نہ ہو سکتا۔

غرض تناسخ کی تعلیم کیمطابق پرمیشر صرف نام کا پرمیشر ہے جسکو ایک ذرہ پیدا کرنیکی بھی طاقت نہین ہان روحون پر کسی مخفی وجہ کے سبب سے اسکو تسلط ہوگیا ہے شائد کسی اگلے جنم مین اس نے بہت کرم کئے ہون گے جس سے وہ اس حکمرانی کے لایق ٹھہر گیا۔ ایسے پرمیشر مین قدرت کا نشان نہین مختارانہ تصرفات کی طاقت نہین۔ قادرانہ کامون کی ہمت نہین ترتیب دنیا مین اس کو کچھ دخل ہی نہین تو پھر ظاہر ہے کہ وہ اس لایق بھی نہین کہ اسکا کوئی قانون قدرت ہو۔ ہان تناسخ کے معتقدین کو اپنے ہی گناہون کا آپ شکرگذار ہونا چاہیئے جنہون نے انکو گوئن کا دودھ پلایا۔ گھوڑون پر چڑھایا غرض سب کام بنایا اور سب کچھ کیا کرایا حقیقت مین مسئلہ تناسخ نے انکو بہت فائدہ پہونچایا۔ اگر کچھ نقصان پہنچا تو بس یہی کہ ایک تو پرمیشر ہاتھ سے گیا ملک

دوسرا حلال حرام کا کچھ ٹھکانہ نرہا۔ اگر پیشر کا فکر نہین تو اسکا تو فکر کرنا چاہئے کہ حلال حرام مین گڑبڑ پڑیگا یہ خرابی ایک دنیادار غیر تمدنی کی نظر مین بھی جسکو ایک ذرہ ننگ و ناموس کا پاس ہو قابل برداشت نہین کیونکہ اگر مسئلہ تناسخ صحیح ہے تو اسکے رد سے ممکن ہے کہ کسی شخص کی والدہ یا دختر یا حقیقی بہن یا دادی یا نانی مرنیکے بعد کسی عورت کی جون مین پڑکر پھر اس شخص کے نکاح مین آجائے اور دنیا جو ایک ظلمت کدہ اور بے تمیزی کی جگہ ہے اس مین کون اسکی خبر دیسکتا ہے کہ یہ فلان شخص کی مان یا بہن ہے اس طرح پر آواگون کے مسئلہ نے نہ صرف ایسے پرمیشر کی عزت پر ہی ہاتھ ڈالا بلکہ اور بھی اس مین بڑے بڑے ضرر موجود ہین۔ اور بلاشبہ جو شخص اس مسئلہ تناسخ کو روا اور جایز سمجھتا ہے اسکو اسکے بدنتائج بھی روا اور جایز رکھنے پڑینگے مگر افسوس جو لوگ دنیا کے پرستار ہین اور قومی تعصبونکی زنجیر مین گرفتار ہین۔ وہ اپنے بدعقیدونکو کسی ڈھب چھوڑنا ہی نہین چاہتے۔ قوم کا رعب انکے دلونپر ایسا غالب ہے کہ جو مخلوق پرستی کی حد تک پہنچ گیا ہے خدا تعالے کا انکے دلون مین اتنا بھی قدر نہین جو ایک بوڑھی عورت کو اپنے گھر کی سوئی کا ہوتا ہے ٭

اناجیل تاریخی نظر

اگرچہ کثرت سے ایسے عیسائی ہین جو اناجیل کے معجزات کو اب تسلیم نہین کرتے مگر تاہم ان کا یہ خیال ہے کہ معجزات کے قصونکو نکالکر بھی ہر چہار اناجیل مین مستند اور تاریخی سوانح یسوع کی موجود ہین مگر یہ خیال بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ مثلاً پہلی چارون انجیلون کے متعلق یہ سمجھا گیا ہے کہ انکے مصنف کنعان کے باشندے یسوع کے شاگرد چند یہودی تھے لیکن دراصل ان کتابونکے لکھنے والے کسی اور ملک کے لوگ تھے جنہون نے مندرجہ واقعات کو زمانہ وقوع کے سالہا بعد مرتب کیا اور یہودی رعایا و یہودی و رومی حکمرانون کی رسومات و طرز معاش کے بیان کرنے مین صریح غلطیان کھائی ہین میتھو آرنلڈ لکھتا ہے :۔

"یوحنا کی تحریر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہودیونکے رسوم اور دستور سے اسکو کچھ علاقہ نہین بلکہ یہ رسوم ایسے طرز سے بیان کئے گئے ہین کہ گویا وہ کسی دوسری قوم بلکہ ایک دوسری دنیا کے رسوم ہین۔ قانا جلیل مین پتھر کے مٹکے طہارت کے لئے یہودیون کے دستور کے موافق دھرے جاتے ہین (یوحنا ۲ باب ۶)

ب یوحنا کے شاگردون اور یہودیون کے درمیان طہارت کی بابت بحث ہوئی ۳/۲۵

"اب یہودیون کی عید فسح نزدیک تھی، انہون نے یسوع کی لاش لیکے سوتی کپڑے مین خوشبوئیونکے ساتھ جسطرح سے کہ دفن کرنے مین یہودیون کا دستور ہے کفنایا [۱۹/۴۰] سو انہون نے یسوع کو یہودیونکی تیاری کے دن کے باعث وہین رکھا" بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایک یہودی اپنی عید فسح کو یہودیون کی عید فسح کہے اور اپنی قوم کی بحث کو یون بیان کرے کہ یوحنا کے شاگردون اور ایک یہودی مین طہارت کی بابت بحث ہوئی یہ تو بعینہ وہی معاملہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنی عید کو بیان کرنیکے وقت یون کہے کہ یہ مسلمانون کی عید کا دن تھا ایک مسلمان عید کو اس طرح پہ بیان نہین کریگا بلکہ وہ تو صرف یہی کہیگا کہ یہ عید کا دن تھا۔ اسی طرح کوئی انگریز قومی تذکرہ کیوقت خارج از قوم کی مانند کلام نہین کریگا۔ پھر انجیل چہارم مین دوبار مذکور ہے کہ قیافا اُس سال کا سردار کاہن تھا، گویا یہودی کہانت اس بیان کے مطابق اسوقت ایک سالانہ عہدہ تھا حالانکہ یہ سراسر خلاف واقع ہے اور ایک ایسی غلطی ہے جو کسی یہودی سے نہین بلکہ یقینًا ایک اجنبی سے سرزد ہوسکتی ہے اور یہ تو وہی معاملہ ہے کہ امریکہ کے پریزیڈنٹ کو اس سال کا پریزیڈنٹ کہا جائے اور اس طرح اسے ایک سالانہ عہدہ قرار دیا جائے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کوئی امریکہ کا آدمی ایسی ناواقفیت کا کلمہ منہ سے نہین نکالیگا +

پھر چوتھی انجیل مین لکھا ہے کہ وہ شاگرد جو پطرس کو سردار کاہن کے محل مین لیگیا۔ سردار کاہن کا آشنا تھا کیا ممکن ہے کہ یسوع کے غریب پیروؤن مین سے ایک شخص قیافا جیسے جلیل القدر عہدہ دار سے دوستی کے تعلقات رکھتا ہو یہ مبالغہ ایسا ہے جیسا دہلی کا ایک مزدور جو عین دربار کے دنون مین احاطہ دربار کے آس پاس پڑا پھرتا ہو اور اندر داخل نہ ہوسکے اسکی نسبت بیان کیا جاوے کہ وائسرائے صاحب کا آشنا ہے۔ یوحنا کی انجیل مین جیسی ان باتون مین گڑبڑ پڑی ہوئی ہے جغرافیہ کی صحت کا بھی یہی حال ہے بیت عینا کو یردن کے پار کہنا ایسا ہے جیسا کہ ایک لاہور کا رہنے والا کہے کہ امرتسر دریائے راوی کے پار ہے فلسطین کا باشندہ کبھی ایسی غلطی نہین کرسکتا تہا بلکہ یہ غلطی ایسی موٹی اور صاف ہے کہ پچھلے نسخون مین جب اس غلطی کو محسوس کیا گیا تو بیت عینا کی جگہ بیت بارا کیا گیا اور نئے ترجمون مین بیت بارا ہی موجود ہے (یہ الہامی عبارت کی اصلاح ہے) لیکن تین پرانے اور مستند نوشتون مین بیت عینا لکھا ہوا ہے جسے ہم یقینًا صحیح اور درست اصلی لفظ کہہ سکتے ہین۔ انجیل کے مصنف کو یروشلم کے نزدیک کے بیت عینا کا ہی علم تھا اور لعزر کے زندہ کئے جانے کی جائے وقوع اس نے یہی قرار دی ہے لیکن اسکا فلسطین کا جغرافیہ کچھ ایسا ناقص ہے۔ اور ایک اہل ملک

کی نسبت اسکو اس کی اصلیت وضرورت کا ایسا کم احساس ہوا ہے کہ جب کبھی اسے کسی مقام کے لئے نام کی ضرورت پڑی ہے تو اس نے اسقدر سوچنے کی بھی تکلیف نہیں اٹھائی کہ اس نام کو کچھ مناسبت بھی ہے یا نہیں۔ اور جو نام سب سے پہلے اسے یاد پڑا اس مقام کو اسی نام سے موسوم کر دیتا ہے"۔

یہ اختلاف صرف یوحنا کی انجیل میں ہی نہیں بلکہ سب انجیلوں میں پایا جاتا ہے۔ جیسے متی۔ بیت اللحم اور اسکے سارے سواحل کا ذکر بلاشک اس خیال سے کرتا ہے کہ گویا بیت اللحم سمندر کے کنارے پر واقع ہے اس جگہ بیت اللحم کے سواحل کا ذکر ایسا ہے جیسے امرتسر کے سواحل۔ مرقس اس قسم کی غلطیوں میں کسی سے کم نہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "کہ یسوع صور اور صیدا کے سواحل سے روانہ ہوا اور دکاپولس کے سواحل پر ہو کر جلیل کے سمندر کے پاس آیا" (مرقس ۷ باب ۳۱) جس میں دو جغرافیہ کی غلطیاں اور ایک تاریخی غلطی ہے تھوڑی دیر کیلئے تاریخی غلطی کو نظر انداز کر کے ہم دیکھتے ہیں کہ دریائے جلیل صور وصیدا اور دکاپولس کے درمیان واقع ہے پس یسوع دریائے جلیل تک پہنچنے کیلئے دکاپولس میں سے نہیں گذر سکتا تھا ایسی ہی ناواقفیت لوقا میں ہے چنانچہ ڈاکٹر اسٹلن کارپنٹر لکھتا ہے کہ سامریہ اور جلیل میں سے ہو کر یروشلم تک جو سفر یسوع نے کیا اسکے بیان کرنے میں لوقا کا غلطیاں کھانا اس امر پر دال ہے کہ وہ خود ملک کنعان سے واقف نہ تھا" (پہلی تین اناجیل صفحہ ۲۱۴)

"اور یہ مبہم بیان ایک یہودیوں کا شہر ظاہر کرتا ہے کہ لکھنے والا خود یہودی نہ تھا در اصل وہ ایک غیر قوم کا آدمی تھا جو غیر قوم کے واسطے انجیل لکھتا تھا اور جسکے دعاوی کے قائم کرنے کا موقع اس نے بالکل ہاتھ سے نہیں دیا"۔

یہانتک اسبات کے ثبوت کی کافی شہادت مل گئی ہے کہ اناجیل اربعہ کے مصنف ملک کنعان کے باشندے نہیں تھے لیکن اگر ان انجیلوں کو ہم اور زیادہ اس زمانہ کے تاریخی علم کی روشنی میں پرکھیں تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ کتابیں یسوع اور اسکے شاگردوں کی زندگی کے عرصہ دراز بعد لکھی گئی تھیں۔ انکے مصنفوں کا اپنے ہی زمانہ کی تاریخ سے بالکل ناواقف ہونا ایک عجیب حیرت انگیز امر ہے جہاں کہیں ان کی شہادت کا مقابلہ اس زمانہ کی تواریخ و نوشتوں سے کیا جائے اسی جگہ انکے بیانات تاریخ کے بالکل خلاف پڑے ہوئے ہیں اور کسی طرح بیان کا تاریخی واقعات سے تطابق نہیں ہو سکتا۔ بہت سی کتابیں مسیح کے سال پیدایش کے متعلق لکھی گئیں لیکن تمام عیسائی علما صرف اسی بات پر متفق الرائے ہیں کہ اس کی پیدایش کا سال وہ نہیں جسے کثیر التعداد عیسائی مسیح کا سن ولادت یقین کئے بیٹھے ہیں۔ متی لکھتا ہے کہ وہ بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔ لوقا لکھتا ہے کہ "اس زمانہ میں قیصر اگسٹس کی طرف

حکم نکلا تھا کہ تمام ملک پر ٹکس لگایا جاوے اور یہ ٹکس پہلے اسوقت لگایا گیا جب قرینیوس سوریہ کا حاکم تھا لیکن ہیرودیس ۴ سنہ قبل مسیح مین مرگیا اور قرینیوس ۶ سنہ عیسوی کے بعد گورنر بنا اب یہ دس سال کا فرق ہے جو متی اور لوقا کے بیان مین پایا جاتا ہے۔ پھر ڈاکٹر اسٹلن کارپنٹر جو بسبب ایک پرجوش عیسائی ہونیکے ایسے امور مین مبالغہ نہین کر سکتا۔ لکھتا ہے کہ "وہ رسم نویسی جسکے سبب یوسف اور مریم نے ناصرت سے بیت اللحم تک سفر اختیار کیا اس کی مطابقت نہ تو شاہی رسوم اور قوانین سے ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی دنیوی تاریخ سے۔ یہ مردم شماری محض ٹکس لگانیکی غرض سے تھی اور اسکی بابت کہا گیا ہے کہ اس مین "ہر بستی" شامل تھی۔ تین دفعہ اگسٹس نے عام ٹکس لگایا کل صوبون پر نہین بلکہ تمام رومی باشندوں پر یعنی سن ۲۶ و ۸ قبل از مسیح اور سن ۱۴ بعد از وفات مسیح مین ان مین سے پہلا موقع بہت پہلے ہے اور اخیری بہت پیچھے۔ باقی رہا دوسرا موقع سو ہیرودیس کی زندگی مین یہودیہ اور جلیل ان مقاصد کیواسطے رومی حکومت کے ماتحت نہ تھے اور نیز ہیرودیس کی وفات کے بعد بھی یہودیہ چند سال شاہی انتظام کے احاطہ سے باہر رہا جبتک اسکا بیٹا آرکیلس ۶ سنہ مین تخت سے نہ اتار اگیا۔ علاوہ ازین رومی مردم شماری باشندونکے اپنے اپنے مکانون مین ہوا کرتی تھی پھر یوسف اپنے مکان کو چھوڑ کر کیون گیا اسجگہ پر عیسائی یہ معذرت پیش کرتے ہین کہ یوسف کا اپنی مکان کو چھوڑ کر بیت اللحم مین چلے جانا اسوجہ سے تھا کہ تا یہودی رسم کیمطابق وہ نام لکھوائے لیکن یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ہر گھرانہ مردم شماری کیلئے اپنے ایک ہزار سال پیشتر کی اجداد کے جائے ولادت کو تلاش کرتا پھرے یا وہان پہونچ جاوے۔ یہ انجیل مین لکھا ہے کہ ہر ایک آدمی اپنے شہر کو چلا گیا۔ غرض صرف مریم کو بیت اللحم مین پہنچانیکے لئے اور اسکی خاطر تمام باشندونکو انجیل کے مصنف اپنے اپنے گھروں سے نکالتے ہین ورنہ نہ دراصل ایسا کوئی رواج تھا اور نہ کوئی واقعہ ہی ایسا ہوا۔ مگر اس تدبیر سے بھی اصل مقصد پورا نہین ہوتا کیونکہ قانوناً یہ ضروری نہ تھا کہ باشندے کی جورو کا نام لکھا جائے چہ جائیکہ منگیتر ہو۔ اگر ہم تاریخ روما کے نہائت ہی فہیم عالم ماسن مورخ کے فیصلہ کو قبول کر لین تو وہ رسم نویسی جسکا ذکر لوقا نے کیا ہے ناممکن تھی۔ ماسن کہتا ہے کہ "کوئی اصل واقعات کا واقف یقین نہین کر سکتا کہ رومیون نے ایسی مردم شماری اسوقت کی ہو خواہ مذہبی علماء یا وہ جو مذہبی علما کہلاتے ہین اپنے آپکو یا دوسرے لوگوں کو اس بات کے ماننے کی ترغیب دی ہو" (پہلی تین انجیلین ۱۴۸-۱۵۰) الغرض (۱) کوئی رومی مردم شماری اس وقت نہین ہوئی۔

(۲) رومیون نے کوئی مردم شماری ہیرودیس کے زمانہ مین نہین کی کیونکہ یہ صوبہ اسوقت رومی حکومت کے ماتحت نہ تھا (۳) رومی ہر ایک کے مکان پر جاکر مردم شماری کرتے تھے اور یہ مردم شماری ٹکس کیلئے ہوتی تھی اسلئے لوگونکو نام لکھوانیکے لئے دور کے شہرون مین جانیکی اجازت دینا گویا اپنے مقصد مین خود ناکامیابی ڈالنا ہے (۴) اگر یہ انتظام یہودیون کی رعائیت کیواسطے تھا تو مریم کو ساتھ لیجانے کی کوئی ضرورت یوسف کو نہ تھی کیونکہ یہودی صرف مردونکے نام لکھوایا کرتے تھے (۵) اگر قرینوس کے عہد مین مردم شماری ہوئی ہو تو ہیرودیس اس سے دس سال بیشتر مرچکا تھا اور بچونکے قتل کرنے کی روائت جو اس کیطرف منسوب کیجاتی ہے غلط ہے ❖

ذنب

گذشتہ نمبر مین ہمنے اس لفظ کے معنون پر بحث کرتے ہوئے قرآن شریف مین اسکے استعمال کے متعلق لکھا تھا کہ اس کتاب مجید نے ذنب اور دوسرے الفاظ کے درمیان جو اس نے گناہ کیلئے استعمال کئے ہین ایک کھلا امتیاز رکھا ہے اور اس بارے مین مخصوصاً تین امر قابل غور ہین۔ اول یہ کہ لفظ جُرم اور دوسرے الفاظ مثلاً اثم۔ فسق۔ جناح وغیرہ جو کثرت سے قرآن شریف مین انبیاء علیہم السلام کے مخالفین اور گنہ گارون کے لئے استعمال ہوئے ہین کبھی کسی نبی کے حق مین استعمال نہین کئے گئے۔ بلکہ انبیاء پر جب کبھی بولا گیا ہے لفظ ذنب ہی بولا گیا ہے جو نسبتاً قرآن کریم مین کم استعمال ہوا ہے دوم یہ کہ قرآن کریم نے ہر ایک مذنب کے لئے سزا کا وعید نہین دیا۔ سوم یہ کہ لفظ جرم وغیرہ کی قرآن شریف نے صاف تعریف کردی ہے کہ انکے مرتکب کیلئے ضرور سزا ہے۔

مصر سے ایک پادری صاحب اپنے عیسائی بھائیون کی مدد مین یہ تحریر کرتے ہین کہ لفظ جرم انبیاء پر اسواسطے نہین بولا گیا کہ قرآن شریف مین یہ لفظ قطعاً استعمال ہی نہین کیا گیا۔ کیا خوب مگر پادری صاحب اس کا کیا جواب دیتے ہین کہ شرک۔ کفر۔ اثم۔ جناح۔ فسق انبیاء کے حق مین کیون نہین بولے گئے کیا یہ الفاظ بھی باین ہیئت قرآن شریف مین استعمال نہین ہوئے۔ اور یہ کیسی بیہودگی ہے کہ جرم کا لفظ قرآن شریف مین استعمال نہین ہوا۔ قرآن شریف جو بار بار گنہ گارونکو مجرم کہتا ہے تو انبیاء کو مجرم کیون نہین کہتا کیا کسی کو مجرم کہنا یا جرم کا مرتکب کہنا دو الگ الگ باتین ہین۔ پادریون کی اس عقل پر ہمین تو رونا

آتا ہے۔ عربی زبان مین اس لیاقت پر یہ ناز کہ ذنب اور جرم کے معنون پر بحث کر رہے ہین اور مصر سے گویا اس دعوے سے لکھ رہے ہین کہ ہم بڑے عربی دان ہین۔ بار بار قرآن شریف گنہ گار و مجرم ٹھہراتا ہے مگر عقل کے اندھون کو کون سمجھائے قرآن شریف تو بار بار گنہ گارون کو سزا کی دعید دیتا اور انبیاء کے حق مین تعریف کے الفاظ بولتا ہے۔ کیا یہ بین فرق نہین ہے۔ اسی طرح یہ مصری پادری صاحب کا یہ بیان ہے کہ ذنب کے لئے سزا کا وعید اس لیئے نہین کہ ذنب کا لفظ ہی قرآن شریف مین استعمال نہین ہوا۔ مگر یہ لکھتے وقت پادری صاحب کو سمجھ نہ آئی کہ کچھ سہی بہر حال یہ ثابت تو ہو گیا کہ ذنب کے لیئے سزا کا وعید قرآن شریف مین نہین حالانکہ مجرم وغیرہ کے لئے ہے۔ اگر قرآن کریم کو یہ منظور ہوتا کہ وہ مجرم کی طرح ہر ذنب کو بھی سزا کا وعید دے تو ذنب کا لفظ لانے مین کیا چیز مانع تھی۔ اور علاوہ ازین ذنب کا لفظ نہ لا کر بھی اس مطلب کو قرآن شریف پورا کر سکتا تھا جیسا اثم کے لیئے فرمایا و من یکسب اثما فانما یکسبہ علی نفسہ کیا ایسا ہی ذنب کے لئے نہ آ سکتا تھا۔ مگر قرآن کریم نے یہ کھلا کھلا اور بین فرق رکھ لیا ہے تاکہ جس کو کچھ بھی عقل ہے وہ ٹھوکر سے بچ جاوے۔

بالآخر ہم پھر اپنے پہلے بیان کو موکد کرتے ہین کہ ذنب ایک وسیع معنے کا لفظ ہے۔ مجرم کا ذنب جرم ہے۔ اثیم کا ذنب اثم ہے فاسق کا ذنب فسق ہے۔ مشرک کا ذنب شرک ہے اور کافر کا ذنب کفر ہے مگر نبی نہ مجرم ہے نہ اثیم ہے نہ فاسق ہے نہ مشرک ہے نہ کافر ہے اور اس لئے اس کا ذنب بھی نہ جرم ہے نہ فسق ہے نہ اثم ہے نہ شرک ہے نہ کفر ہے جیسا ان کے لئے سزا کا وعید نہین اس لئے نبی کا ذنب خدا کی ناراضگی کے نیچے نہین آتا اور اس لئے اس مین گناہ کا ٹھیک مفہوم بھی موجود نہین پس نبی کا ذنب سوائے بشریت کی فطری کمزوری کے اور کچھ نہین *

ایک عظیم الشان علمی تحقیقات یسوع مسیح ابن مریم کی نسبت

ہم تمام علم دوست انسانون کو بڑے یقین اور وثوق سے ایک کامل تحقیقات کے بعد بشارت دیتے ہین کہ یہ خیال کہ گویا یسوع مسیح صلیب کے واقعہ کے بعد مع جسم آسمان پر چڑھ گیا تھا غلط ثابت ہوا

ریویو بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۲ء

اور یورپ اور امریکہ کے محقق جو ثابت شدہ سچائیوں کے بھوکے اور پیاسے ہین اس خبر کے سننے سے بہت خوش ہونگے کہ آخر پتہ لگ گیا کہ تمام معمولی انسانون کی طرح یسوع مسیح بھی مرکر زمین مین ہی دفن کیا گیا اور آسمان پر چڑھنے کا قصہ محض افسانہ نکلا۔ یہ مقام جہان یسوع مسیح کی قبر ہے خطۂ کشمیر ہے یعنی سرینگر محلہ خان یار ہے۔ اس بارہ مین پُرانی کتابین دستیاب ہوئی ہین جو اس قبر کا حال بیان کرتی ہین پورانی کتبہ کے دیکھنے والے بھی شہادتیں دیتے ہین کہ یہ یسوع مسیح کی قبر ہے۔ علاوہ ازین سرینگر اور اسکے نواح کے کئی لاکھ آدمی ہر ایک فرقہ کے بالاتفاق گواہی دیتے ہین کہ صاحب قبر عرصہ انیس سو سال کا ہوا ہے کہ ملک شام کیطرف سے اس ملک مین آیا تھا اور اسرائیلی نبی اور شہزادہ نبی کے نام سے شہرت رکھتا تھا قوم نے قتل کرنیکا ارادہ کیا تھا اسلئے بھاگ آیا تھا۔ اب اس سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا کہ قبر موجود اور ساتھ اسکے اسقدر تحریراً اور تقریراً شہادتین جن کی کئی لاکھ انسان تک نوبت پہونچی ہے۔ بلکہ حق بات یہ ہے کہ انجیلین بھی یہی گواہی دیتی ہین کہ مسیح آسمان پر نہین چڑھا کیونکہ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ واقعہ صلیب کے بعد مسیح حواریون کو ملا اور اپنے مجروح بدن کے زخم دکھلائے اور کھانا کھایا اور گلیل کی طرف انکے ساتھ گیا۔ ایسا ہی مسیح کا اپنے واقعہ کو یونس کے واقعہ کے ساتھ مشابہت دینا پلاطوس کی بیوی کو اسکے بچاؤ کیلئے خواب آنا اور مسیح کا اپنے محفوظ رہنے کیلئے دعا کرنا اور وہ دعا قبول ہوجانا جیسا کہ خط عبرانیان باب ۵۔ آیت ۷ سے ظاہر ہے اور اسکا صلیب پر ایلی ایلی لما سبقتانی کہنا یہ تمام امور اسبات پر شہادتین ہین کہ درحقیقت یسوع مسیح آسمان پر نہین گیا زمین پر ہی فوت ہوگیا۔ اس کے ساتھ ایک اور شہادت بہت دلچسپ اور توجہ کے لایق ہے اور وہ یہ ہے کہ قریباً ہزار طبی پورانی کتاب مین ایک مرہم لکھی ہوئی ہے جو مرہم عیسے اور مرہم حوارین اور مرہم شلیخا کے نام سے مشہور ہے۔ اُن کتابون کے تمام فاضل مولف گواہی دیتے ہین کہ یہ مرہم حضرت عیسے کے زخمون کے لئے بنائی گئی تھی ٭

یہ تو زمینی شہادتین ہین اور ساتھ ان کے ان دنون مین آسمان سے بھی ایک گواہی قائم ہوئی ہے کیونکہ عین اس حساب کے روسے جو مسیح موعود کی آمد کے لئے بائیبل کے روسے معلوم ہوتا ہے خدا نے اپنے فضل و کرم سے اس زمانہ کی اصلاح کیلئے مسیح موعود کو ظاہر فرمایا ہے یہ مسیح اسی طرح پہلے مسیح ابن مریم کا قائمقام ہے جیسا کہ یوحنا ایلیا کا قائمقام سمجھا گیا۔ اس کی تصدیق کیلئے خدا کیطرف سے

بہت سے نشان ظاہر ہوگئے ہین جو ڈیڑھ سو سے بھی زیادہ ہین۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک ہی وقت مین دو باتین ظاہر ہوگئین یعنی ایک طرف مسیح ابن مریم کی موت ثابت ہونا اور سرینگر کشمیر مین اسکی قبر کا پایا جانا اور دوسری طرف اسی وقت مین وہ وعدہ کا مسیح ظاہر ہونا جسکی آمد کو مسیح ابن مریم نے بوجہ روحانی اتحاد کی اپنی آمد ٹھہرایا تھا۔ ہر ایک کو چاہیئے کہ جلدی سے انکار نہ کرے اور مسیح موعود کی تحریرین دیکھے جو دلون کو آرام اور تسلی اور یقین بخشتی ہین اور ہم نے جیسا کہ اس اشتہار مین پہلے مسیح کی قبر کا نقشہ پبلک کی رہنمائی کیلئے لکھا ہے اسی طرح ہم نے مناسب سمجھا کہ اسکے ساتھ ہی زندہ مسیح کی تصویر بھی شایع کرین جس کی آمد سے مسیح ابن مریم کی آمد ثانی مراد ہے۔ اسی طرح جیسا کہ خدا کے کلام کے موافق یوحنا کی آمد سے ایلیا کی آمد ثانی مراد تھی اور سو وہ بابرکت تصویر یہ ہے جسکے انتظار مین کروڑہا روحین گذر گئین اور خوش قسمت وہ جنہون نے اس مسیح کو دیکھا اور قبول کیا*

انجمن اشاعت اسلام قادیان۔

* انگریزی اشتہار مین یہ دونون تصویرین دی گئی ہین مگر بعض روکون کی وجہ سے اس جگہ نہین دیجا سکین۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اول — بابت نومبر و دسمبر ۱۹۰۲ء — **نمبر ۱۱ و ۱۲**

فہرست مضامین

انجمن اشاعۃ اسلام قادیان نے انوار احمدیہ پریس قادیان دار الامان میں باہتمام
شیخ یعقوب علی تراب احمدی مالک مطبع چھپوا کر ۲۰ جنوری ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

قیمت معمولی کاغذ پر عا سالانہ - ولایتی کاغذ پر سے سالانہ

رسالہ کشتی نوح

یعنی تقویۃ الایمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

طاعون کا ٹیکا

لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ھو مولٰنا و علی اللہ فلیتوکل المؤمنون

ترجمہ۔ ہمین کوئی مصیبت بجز اسکے نہین پہنچ سکتی بجز اس مصیبت کے جو خدا نے ہمارے لئے لکہدی ہو وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنون کو چاہئے کہ اسی پر بھروسہ رکہین

شکر کا مقام ہے کہ گورنمنٹ عالیہ انگریزی نے اپنی رعایا پر رحم کر کے دوبارہ طاعون سے بچانے کے لئے ٹیکا کی تجویز کی اور بندگان خدا کی بھلائی کیلئے کئی لاکھ روپیہ کا بوجھ اپنے سر پر ڈال لیا درحقیقت یہ وہ کام ہے جس کا شکر گذاری سے استقبال کرنا دانشمند رعایا کا فرض ہے اور سخت نادان اور اپنے نفس کا وہ شخص دشمن ہے کہ جو ٹیکا کے بارے مین بدظنی کرے کیونکہ یہ بارہا تجربہ مین آچکا ہے کہ یہ محتاط گورنمنٹ کسی خطرناک علاج پر عملدرآمد کرانا نہین چاہتی بلکہ بہت سی تجاریب کے بعد ایسے امور مین جو تدبیر فی الحقیقت مفید ثابت ہوتی ہے اسکو پیش کرتی ہے سو یہ بات اہلیت اور انسانیت سے بعید ہے کہ جس سچی خیرخواہی کیلئے لاکھہا روپیہ گورنمنٹ خرچ کرتی ہے اور کر چکی ہے اسکی یہ داد دی جائے کہ گویا گورنمنٹ کو اس ہمدردی اور صرف زر سے اپنا کوئی خاص مطلب ہے وہ رعایا بدقسمت ہے کہ بدظنی مین اس درجہ تک پہنچ جائے کچھہ شک نہین کہ اس وقت تک جو تدابیر اس عالم اسباب مین اس گورنمنٹ عالیہ کے ہاتھ آئی وہ بڑی سے بڑی اور اعلیٰ سے اعلیٰ یہ تدبیر ہے کہ ٹیکا کرایا جائے اس سے کسیطرح انکار نہین ہو سکتا کہ یہ تدبیر مفید پائی گئی ہے اور بپابندی رعایت اسباب تمام رعایا کا فرض ہے کہ اس پر کاربند ہو کر وہ غم جو گورنمنٹ کو انکی جانون کیلئے ہے اس سے اسکو سبکدوش کرین لیکن ہم بڑے ادب سے اس محسن گورنمنٹ کی خدمت مین عرض کرتے ہین کہ اگر ہمارے لئے ایک آسمانی روک نہ ہوتی تو سب سے پہلے رعایا مین سے

ہم ٹیکا کراتے اور آسمانی روک یہ ہے کہ خدا نے چاہا ہے کہ اس زمانہ مین انسانون کے لئے

ایک آسمانی رحمت کا نشان دکھاوے سو اس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تو اور جو شخص تیرے گھر کی چار
دیوار کے اندر ہوگا اور وہ جو کامل پیروی اور اطاعت اور سچے تقویٰ سے تجھ میں محو ہو جائیگا وہ
سب طاعون سے بچائے جائینگے اور ان آخری دنوں میں خدا کا یہ نشان ہوگا تا وہ قوموں
میں فرق کر کے دکھلاوے لیکن وہ جو کامل طور پر پیروی نہیں کرتا وہ تجھ میں سے نہیں ہے اس کیلئے
مت دلگیر ہو۔ یہ حکم الہی ہے جسکی وجہ سے ہمیں اپنے نفس کیلئے اور ان سب کے لئے جو ہمارے گھر کی
چار دیوار میں رہتے ہیں ٹیکا کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ جیسا میں ابھی بیان کر چکا ہوں آج سے
ایک مدت پہلے وہ خدا جو زمین و آسمان کا خدا ہے جس کے علم اور تصرف سے کوئی چیز باہر نہیں اس نے
مجھ پر وحی نازل کی ہے کہ میں ہر ایک ایسے شخص کو طاعون کی موت سے بچاؤنگا جو اس گھر کی چار دیوار
میں ہوگا بشرطیکہ وہ اپنے تمام مخالفانہ ارادوں سے دستکش ہو کر پورے اخلاص اور اطاعت اور
انکسار سے سلسلہ بیعت میں داخل ہو اور خدا کے احکام اور اسکے مامور کے سامنے کسی طرح سے متکبر
اور سرکش اور مغرور اور غافل اور خود سر اور خود پسند نہ ہو اور عملی حالت موافق تعلیم رکھتا ہو اور اس نے
مجھے مخاطب کر کے یہ بھی فرمایا کہ عموماً قادیان میں سخت بربادی افگن طاعون نہیں آئیگی جس سے
لوگ کتوں کی طرح مریں اور مارے غم اور سرگردانی کے دیوانہ ہو جائیں اور عموماً تمام لوگ اس جماعت
کے گو وہ کتنے ہی ہوں مخالفوں کی نسبت طاعون سے محفوظ رہیں گے مگر ایسے لوگ ان میں سے
جو اپنے عہد پر پورے طور پر قائم نہیں یا انکی نسبت اور کوئی وجہ مخفی ہو جو خدا کے علم میں ہو ان پر طاعون وارد
ہو سکتی ہے مگر انجام کار لوگ تعجب کی نظر سے اقرار کرینگے کہ نسبتاً و مقابلتاً خدا کی حمایت اس قوم کے
ساتھ ہے اور اس نے خاص رحمت سے ان لوگوں کو ایسا بچایا ہے جسکی نظیر نہیں۔ اس بات پر بعض
نادان چونک پڑینگے اور بعض ہنسینگے اور بعض مجھے دیوانہ قرار دینگے اور بعض حیرت میں آئیں گے
کہ کیا ایسا خدا موجود ہے جو بغیر رعایت اسباب کے بھی رحمت نازل کر سکتا ہے اسکا جواب یہی ہے
کہ ہاں بلاشبہ ایسا قادر خدا موجود ہے اور اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو اس سے تعلق رکھنے والے زندہ ہی
مر جاتے وہ عجیب قادر ہے اور اسکی پاک قدرتیں عجیب ہیں۔ ایک طرف نادان مخالفوں کو اپنے دوستوں
پر کتوں کیطرح مسلط کر دیتا ہے اور ایک طرف فرشتوں کو حکم کرتا ہے کہ ان کی خدمت کریں ایسا ہی جب

دنیا پر اُسکا غضب ستولی ہوتا ہے اور اُسکا قہر ظالموں پر جوش مارتا ہے تو اُسکی آنکھ اوسکی خاص لوگوں کی حفاظت کرتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو اہل حق کا کارخانہ درہم برہم ہو جاتا اور کوئی اونکو شناخت نہ کر سکتا۔ اُسکی قدرتیں بے انتہا ہیں مگر بقدر یقین لوگوں پر ظاہر ہوتی ہیں جن کو یقین اور محبت اور اُسکی طرف انقطاع عطا کیا گیا ہے اور نفسانی عادتوں سے باہر کئے گئے ہیں انہیں کے لئے خارق عادت قدرتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے مگر خارق عادت قدرتوں کے دکھلانے کا اُنہیں کیلئے ارادہ کرتا ہے جو خدا کے لئے اپنی عادتوں کو پھاڑتے ہیں۔ اِس زمانہ میں ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جو اُسکو جانتے ہیں اور اُسکی عجائب قدرتوں پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ ایسے لوگ بہت ہیں جن کو ہرگز اُس قادر خدا پر ایمان نہیں جسکی آواز کو ہر ایک چیز سُنتی ہے جسکے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ اس جگہ یاد رہے کہ اگرچہ طاعون وغیرہ امراض میں علاج کرنا گناہ نہیں ہے بلکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ کوئی ایسی مرض نہیں جسکے لئے خدا نے دوا پیدا نہیں کی لیکن میں اس بات کو معصیت جانتا ہوں کہ خدا کے اُس نشان کو ٹیکا کے ذریعہ سے مشتبہ کر دوں جس نشان کو وہ ہماری زمین پر صفائی سے ظاہر کرنا چاہتا ہے اور میں اسکے سچے نشان اور سچے وعدہ کی اہانت کر کے ٹیکا کی طرف رجوع کرنا نہیں چاہتا اور اگر میں ایسا کروں تو یہ گناہ میرا قابل مواخذہ ہو کہ میں خدا کے اس وعدہ پر ایمان نہ لایا جو مجھ سے کیا گیا اور اگر ایسا ہو تو پھر تو مجھے شکر گذار اُس طبیب کا ہونا چاہئے جس نے یہ نسخہ ٹیکا کا نکالا نہ خدا کا شکر گذار جس نے مجھے وعدہ دیا کہ ہر ایک جو اس چار دیوار کے اندر ہے میں اُسے بچاؤں گا۔

میں بصیرت کی راہ سے کہتا ہوں کہ اُس قادر خدا کے وعدے سچے ہیں اور میں آنیوالے دنوں کو ایسا دیکھتا ہوں کہ گویا وہ آچکے ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہماری گورنمنٹ عالیہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ کسی طرح طاعون سے لوگ نجات پاویں اور اگر گورنمنٹ کو آئندہ کسی وقت طاعون سے نجات پانیکے لئے ٹیکا سے بہتر کوئی تدبیر ملجائے تو وہ خوشی سے اسی کو قبول کریگی اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ طریق جس پر خدا نے مجھے چلایا ہے اس گورنمنٹ عالیہ کے مقاصد کے برخلاف نہیں ہے اور آج سے بیس برس پہلے اس بلائے عظیم طاعون کی نسبت میری کتاب براہین احمدیہ میں بطور پیشگوئی یہ خبر موجود ہے اور اس سلسلہ کے لئے خاص برکات کا وعدہ بھی موجود ہے۔ دیکھو براہین احمدیہ

صفحہ ۵۱۸ و صفحہ ۵۱۹ - پھر ماسوا اسکے یہ بڑے زور سے خدا تعالی کیطرف سے پیشگوئی ہے کہ خدا میرے گھر کے احاطہ کے اندر مخلص لوگون کو جو خدا کے سامنے اور اوسکے مامور کے سامنے تکبر نہین کرتے بلائے طاعون سے نجات دیگا اور نسبتاً و مقابلتہً اس سلسلہ پر اُسکا خاص فضل ہیگا گو کسی کی ایمانی قوت کے ضُعف یا نقصان عمل یا اجل مقدر یا کسی اور وجہ سے جو خدا کے علم مین ہو کوئی شاذ و نادر کے طور پر اس جماعت مین بھی کیس ہو جائے سو شاذ و نادر حکم معدوم کا رکھتا ہے ہمیشہ مقابلہ کے وقت کثرت دیکھی جاتی ہے جیسا کہ گورنمنٹ نے خود تجربہ کر کے معلوم کر لیا ہے کہ ٹیکا طاعون کا لگا نیوالے بہ نسبت دوسرون کے بہت ہی کم مرتے ہین - پس جیسا کہ شاذ و نادر کی موت ٹیکا کے قدر کو کم نہین کر سکتی اسی طرح اس نشان میں اگر مقابلتہً بہت ہی کم درجہ پر قادیان مین طاعون کی واردات ہون یا شاذ و نادر کے طور پر اس جماعت مین سے کوئی شخص اس مرض سے گذر جائے تو اس نشان کا مرتبہ کم نہین ہوگا وہ الفاظ جو خدا کی پاک کلام سے ظاہر ہوتے ہین اُنکی پابندی سے یہ پیشگوئی لکھی گئی ہے عقلمند کا کام نہین ہے کہ پہلے سے آسمانی باتون پر ہنسی کرے یہ خدا کا کلام ہے نہ کسی منجم کی باتین - یہ روشنی کی چشم سے ہے نہ تاریکی کی اٹکل سے یہ اسکا کلام ہے جس نے طاعون نازل کی اور جو اسکو دور کر سکتا ہے - ہماری گورنمنٹ بلاشبہ اس وقت اس پیشگوئی کا قدر کریگی جبکہ دیکھے گی کہ یہ حیرت انگیز کیا کام ہوا کہ ٹیکا لگانیوالون کی نسبت یہ لوگ **عافیت اور صحت** مین رہے اور مین سچ سچ کہتا ہون کہ اگر اس پیشگوئی کے مطابق کہ در اصل برابر بیس ۲۰ بائیس ۲۲ برس سے شہرت پا رہی ہے ظہور مین نہ آیا تو مین خدا کی طرف سے نہین ہون میرے **منجانب اللہ** ہونیکا یہ **نشان** ہوگا کہ میرے گھر کے چار دیوار کے اندر رہنے والے مخلص لوگ اس بیماری کی موت سے محفوظ رہین گے اور میرا تمام سلسلہ نسبتاً و مقابلتہً طاعون کے حملہ سے بچا رہیگا اور وہ سلامتی جو انہین پائی جائیگی اُسکی نظیر کسی گروہ مین قائم نہین ہوگی اور قادیان میں طاعون کی خوفناک آفت جو تباہ کر دے نہین آئیگی الا کم اور شاذ و نادر

کاش اگر یہ لوگ دلون کے سیدھے ہوتے اور خدا سے ڈرتے تو بالکل بچائے جاتے - کیونکہ مذہب کے اختلاف کی وجہ سے دُنیا مین عذاب کسی پر نازل نہین ہوتا اُسکا مواخذہ **قیامت** کو ہوگا - دُنیا مین محض شرارتون اور شوخیون اور کثرت گناہون کی وجہ سے عذاب آتا ہے اور

یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف مین بلکہ توریت کے بعض صحیفون مین بھی یہ خبر موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑیگی بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی انجیل مین یہ خبر دی ہے اور ممکن نہین کہ نبیون کی پیشگوییان ٹل جائین اور نیز یہ بھی یاد رہے کہ ہمین اس الہی وعدہ کے مقابل اِن لئے انسانی تدبیرون سے پرہیز کرنا لازم ہے تا نشان آلہی کو کوئی دشمن دوسری طرف منسوب نہ کرے لیکن اگر ساتھہ اِسکے خدا تعالی اپنی کلام کے ذریعہ سے خود کوئی تدبیر سمجہا دے یا کوئی دوا بتلا دے تو ایسی تدبیر یا دوا اس نشان مین کچھہ حارج نہین ہوگی کیونکہ وہ اس خدا کی طرف سے ہے جسکی طرف سے وہ نشان ہے۔ کسی کو یہ وہم نہ گذرے کہ اگر شاذ و نادر کے طور پر ہماری جماعت مین سے بذریعہ طاعون کوئی فوت ہو جائے تو نشان کے قدر و مرتبہ مین کوئی خلل آئیگا کیونکہ پہلے زمانون مین موسیٰ اور یشوع اور آخر مین ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا تہا کہ جن لوگون نے تلوار اوٹھائی اور صدہا انسانون کے خون کئے ان کو تلوار سے ہی قتل کیا جائے اور یہ نبیون کیطرف سے ایک نشان تہا جسکے بعد فتح عظیم ہوئی۔ حالانکہ بمقابل مجرمین کے اہل حق بھی انکی تلوار سے قتل ہوتے تہے مگر بہت کم اور اس قدر نقصان سے نشان مین کچھہ فرق نہین آتا تہا پس ایسا ہی اگر شاذ و نادر کے طور پر ہماری جماعت مین سے بعض کو بباعث اسباب مذکورہ طاعون ہو جائے تو ایسی طاعون نشان آلہی مین کچھہ بھی حرج انداز نہین ہوگی۔ کیا یہ عظیم الشان نشان نہین کہ مین بار بار کہتا ہون کہ خدا تعالی اس پیشگوئی کو ایسے طور سے ظاہر کریگا کہ ہر ایک طالب حق کو کوئی شک نہین رہیگا اور وہ سمجھہ جائیگا کہ معجزہ کے طور پر خدا نے اِس جماعت سے معاملہ کیا ہے بلکہ بطور نشان آلہی کے نتیجہ یہ ہوگا کہ طاعون کے ذریعہ سے یہ جماعت بہت بڑہیگی اور خارق عادت ترقی کریگی اور انکی یہ ترقی تعجب سے دیکہی جائیگی اور مخالف جو ہر ایک موقعہ پر شکست پاتے رہے ہین جیسا کہ کتاب نزول المسیح مین مینے لکہا ہے اگر اس پیشگوئی کے مطابق خدا نے اِس جماعت اور دوسری جماعتون مین کچھہ فرق نہ دکہلایا تو ان کا حق ہوگا کہ میری تکذیب کرین ایک جو انہون نے تکذیب کی ہے اسمین تو صرف ایک لعنت کو خریدا ہے مثلاً بار بار شور مچایا کہ آتہم پندرہ مہینہ کے اندر نہین مرا۔ حالانکہ پیشگوئی نے صاف لفظون مین کہدیا تہا کہ اگر وہ حق کیطرف

✱ مسیح موعود کے وقت مین طاعون کا پڑنا بائبل کی ذیل کی کتابون مین موجود ہے۔ ذکریا ۱۴/۱۲ - انجیل متی ۲۴/۸ - مکاشفات ۲۲/۸

رجوع کریگا تو پندرہ مہینہ میں نہیں مریگا سو اس نے عین جلسہ مباحثہ پر ستر معزز آدمیوں کے روبرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجّال کہنے سے رجوع کیا اور نہ صرف یہی بلکہ اسنے پندرہ مہینہ تک اپنی خاموشی اور خوف سے اپنا رجوع ثابت کردیا۔ اور پیشگوئی کی بنا یہی تھی کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کہا تھا لہذا اوس نے رجوع سے صرف اس قدر فایدہ اُٹھایا کہ پندرہ مہینے کے بعد مرا اگر مرگیا یہ اسلئے ہوا کہ پیشگوئی میں یہ بیان تھا کہ فریقین میں سے جو شخص اپنے عقیدہ کے رو سے جھوٹا ہے وہ پہلے مریگا سو وہ مجھہ سے پہلے مرگیا اسی طرح وہ غیب کی باتیں جو خدا نے مجھے بتلائی ہیں اور پھر اپنے وقت پر پوری ہوئیں وہ دس ہزار سے کم نہیں مگر کتاب نزول المسیح میں جو چھپ رہی ہے نمونہ کے طور پر صرف ڈیڑھ سو ایسی سے مع ثبوت اور گواہوں کے لکھی گئی ہیں۔ اور کوئی ایسی پیشگوئی میری نہیں ہے کہ وہ پوری نہیں ہوئی یا اُسکے دو حصوں میں سے ایک حصہ پورا نہیں ہو چکا۔ اگر کوئی تلاش کرتا کرتا مر بھی جائے تو ایسی کوئی پیشگوئی جو میرے موہنہ سے نکلی ہو اسکو نہیں ملیگی جسکی نسبت وہ کہہ سکتا ہو کہ خالی گئی مگر بے شرمی سے یا بے خبری سے جو چاہے کہے اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہزارہا میری ایسی کھلی کھلی پیشگوئیاں ہیں جو نہایت صفائی سے پوری ہوگئیں جن کے لاکھوں انسان گواہ ہیں اِنکی نظیر اگر گذشتہ نبیوں میں تلاش کی جائے تو بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور جگہ انکی مثل نہیں ملیگی اگر میرے مخالف اسی طریق سے فیصلہ کرتے تو کبھی سے اُنکی آنکھیں کھل جاتیں اور میں انکو ایک کثیر انعام دینے کو تیار تھا اگر وہ دُنیا میں کوئی نظیر ان پیشگوئیوں کی پیش کر سکتے محض شرارت سے یا حماقت سے یہ کہنا کہ فلاں پیشگوئی پوری نہ ہوئی ہم بجز اسکے کیا کہیں کہ ایسے اقوال کو خباثت اور بدظنی کیطرف منسوب کریں اگر کسی مجمع میں اسی تحقیق کے لئے گفتگو کرتے تو انکو اپنے قول سے رجوع کرنا پڑتا یا بہت کچھ کھلانا پڑتا۔ ہزارہا پیشگوئیوں کا ہو بہو پورا ہو جانا اور اُن کے پورا ہونے پر ہزارہا گواہ زندہ پائے جانا یہ کچھہ تھوڑی بات نہیں ہے گویا خدای عزوجل کو دکھلا دینا ہے۔ کیا کسی زمانہ میں باستثنائے زمانہ نبوی کے کبھی کسی نے مشاہدہ کیا کہ ہزارہا پیشگوئیاں بیان کی گئیں اور وہ سب کی سب روز روشن کیطرح پوری ہوگئیں اور ہزارہا لوگوں نے ان کے پورے ہونے پر گواہی دی۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ اس زمانہ میں جس طرح خداتعالیٰ قریب ہو کر ظاہر ہو رہا ہے

اور صدہا امور غیب اپنے بندہ پر کھول رہا ہے اس زمانہ کی گذشتہ زمانوں میں بہت ہی کم مثال ملیگی۔ لوگ عنقریب دیکھ لینگے کہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کا چہرہ ظاہر ہوگا گویا وہ آسمان سے اُترےگا اُس نے بہت مدت تک اپنے تئیں چھپائے رکھا اور انکار کیا گیا اور چپ رہا۔ لیکن وہ اب نہیں چھپائیگا اور دنیا اُسکی قدرت کے وہ نمونے دیکھے گی کہ کبھی اُن کے باپ دادوں نے نہیں دیکھے تھے یہ اسلئے ہوگا کہ زمین بگڑ گئی اور آسمان و زمین کے پیدا کرنیوالے پر لوگوں کا ایمان نہیں رہا ہونٹھوں پر اسکا ذکر ہے لیکن دل اس سے پھر گئے ہیں اسلئے خدا نے کہا کہ اب میں نیا آسمان اور نئی زمین بناؤنگا۔ اسکا مطلب یہی ہے کہ زمین مرگئی یعنے زمینی لوگوں کے دل سخت ہو گئے گویا مرگئے کیونکہ خدا کا چہرہ ان سے چھپ گیا اور گذشتہ آسمانی نشان سب بطور قصوں کے ہوگئے سو خدا نے ارادہ کیا کہ وہ نئی زمین اور نیا آسمان بنا دے۔ وہ کیا ہے نیا آسمان؟ اور کیا ہے نئی زمین؟ نئی زمین وہ پاک دل ہیں جنکو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے **جو خدا سے ظاہر ہوئے اور خدا اُن سے ظاہر ہوگا**۔ اور نیا آسمان وہ نشان ہیں جو اسکے بندے کے ہاتھ سے اُسی کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہیں لیکن افسوس کہ دُنیا نے خدا کی اس نئی تجلی سے دشمنی کی۔ اُنکے ہاتھ میں بجز قصوں کے اور کچھ نہیں اور انکا خدا انکے اپنے ہی تصورات ہیں دل ٹیڑھے ہیں اور ہمتیں تھکی ہوئی ہیں اور آنکھوں پر پردے ہیں۔ دوسری قومیں تو خود حقیقی خدا کو کھو بیٹھی ہیں انکا کیا ذکر ہے۔ جنہوں نے انسانوں کے بچوں کو خدا بنا لیا۔ مسلمانوں کا حال دیکھو کہ وہ کس قدر اس سے دور ہو گئے ہیں سچائی کے پکے دشمن ہیں راہ راست کے جانی دشمن کیطرح مخالف ہیں مثلاً **ندوۃ العلما** نے اسلام کیلئے جو کچھ دعویٰ کیا ہے اور یا انجمن حمایت اسلام لاہور جو اسلام کے نام پر مسلمانوں کا مال لیتی ہے کیا یہ **لوگ خیر خواہ اسلام ہیں**؟ کیا یہ لوگ صراط مستقیم کی **حمایت کر رہے ہیں**؟ کیا ان کو یاد ہے کہ اسلام کن مصیبتوں کے نیچے کچلا گیا اور دوبارہ تازہ کرنیکے لئے خدا کی عادت کیا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان کے اسلامی حمایت کے دعوے کسیقدر قابل قبول ہو سکتے لیکن اب یہ لوگ **خدا کے الزام کے نیچے ہیں کہ حمایت کا دعوی کر کے جب آسمان سے ستارہ نکلا تو سب سے پہلے منکر ہو گئے**۔

اب وہ اوس خدا کو کیا جواب دینگے جس نے عین وقت پر مجھے بھیجا ہے مگر انکو تو کچھ پروا نہین
آفتاب دوپہر کے نزدیک آگیا ابھی ان کے نزدیک **رات ہے**۔ خدا کا **چشمہ پھوٹ پڑا**
مگر ابھی وہ بیابان مین رو رہے ہین اُسکے **آسمانی علوم** کا ایک دریا چل رہا ہے لیکن ان
لوگون کو کچھہ بھی خبر نہین۔ اسکے نشان ظاہر ہو رہے ہین لیکن یہ لوگ بالکل غافل ہین اور
نہ صرف غافل بلکہ خدا کے **سلسلہ** سے **دشمنی** رکھتے ہین۔ یہی حمایت اسلام اور ترویج اسلام
اور تعلیم اسلام ہے جو ان کے ہاتھون سے ہو رہی ہے۔ مگر کیا یہ لوگ اپنی روگردانی سے خدا کے
سچے ارادہ کو **روک دینگے** جو ابتدا سے تمام نبی اسپر گواہی دیتے آئے ہین۔ نہین بلکہ خدا کی
یہ پیشگوئی **عنقریب** سچی ہونیوالی ہے کہ کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ خدا نے جیسا کہ
آج سے دس برس پہلے اپنے بندہ کی تصدیق کے لئے آسمان پر رمضان مین خسوف کسوف کیا
اور **نیر النہار** اور **نیر اللیل** کو میرے لئے گواہ بنا کر **دو نشان** ظاہر فرمائے۔ ایسا ہی اُس نے
نبیون کی پیشگوئی کے موافق زمین پر بھی دو نشان ظاہر کئے۔ ایک[1] وہ نشان جسکو تم قرآن شریف
مین پڑھتے ہو وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ اور حدیث مین پڑھتے ہو وَلَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى
عَلَيْهَا جسکی تکمیل کیلئے ارض حجاز مین یعنی مدینہ اور مکہ کی راہ مین ریل بھی طیار ہو رہی ہے۔
دوسرا[2] نشان۔ طاعون کا جیسا کہ خدا تعالی نے فرمایا۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا
قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا سو خدا نے ملک مین ریل بھی جاری کر دی اور طاعون بھی بھیجدی
تا زمین بھی گواہ ہو اور آسمان بھی۔ سو خدا سے **مت لڑو** خدا سے لڑنا بیوقوفی ہے۔ اِس سے
پہلے خدا نے جب آدم کو خلیفہ بنانا چاہا۔ تو فرشتون نے ردکا۔ مگر کیا خدا ان کے قول سے
رُک گیا۔ اب خدا نے **دوسرا آدم** پیدا کرنیکے وقت فرمایا اردت ان استخلف
فخلقت آدم یعنی مینے ارادہ کیا جو خلیفہ بناؤن پس مینے اس آدم کو پیدا کیا اب بتلاؤ کہ کیا تم
خدا کے ارادہ کو روک سکتے ہو پس کیون تم ظنی باتون کا خس و خاشاک پیش کرتے ہو اور یقین کی
راہ اختیار نہین کرتے۔ امتحان مین نہ پڑو یقینًا یاد رکھو کہ خدا کے ارادہ کو روکنے والا کوئی
نہین اس قسم کی لڑائیان تقوی کا طریق نہین البتہ اگر شک ہی تو یہ طریق ہو سکتا ہے کہ جیسا کہ

مین نے خدا سے الہام پاکر ایک گروہ انسانون کے لئے جو میرے قول پر چلنے والے ہین عذاب
طاعون سے بچنے کیلئے خوشخبری پائی ہے اور اسکو شایع کر دیا ہے ایسا ہی اگر اپنی قوم کی بھلائی آپ
لوگون کے دل مین ہے تو آپ لوگ بھی اپنے ہم مذہبون کیلئے خدا تعالی سے نجات کی بشارت
حاصل کرین کہ وہ طاعون سے محفوظ رہین گے اور اس بشارت کو میری طرح بذریعہ چھپے ہوئے اشتہارون
کے شایع کرین تا لوگ سمجھ لین کہ خدا آپ کے ساتھ ہے بلکہ یہ موقعہ عیسائیون کیلئے بھی بہت ہی خوب ہے
وہ ہمیشہ کہتے ہین کہ نجات مسیح سے ہے۔ پس اب انکا بھی فرض ہے کہ ان مصیبت کے دنون مین عیسائیون کو
طاعون سے نجات دلا دین ان تمام فرقون سے جسکی زیادہ سنی گئی وہی **مقبول** ہے۔ اب خدا نے
ہر ایک کو موقعہ دیا ہے کہ خواہ مخواہ زمین پر مباحثات نہ کرین اپنی قبولیت بڑہکر دکھلاوین تا طاعون سے
بھی بچین اور انکی سچائی بھی کھل جائے بالخصوص پادری صاحبان جو دنیا اور آخرت مین مسیح ابن مریم
کو ہی منجی قرار دے چکے ہین وہ اگر دل سے ابن مریم کو دنیا و آخرت کا مالک سمجھتے ہین تو اب عیسائیون کا
حق ہے کہ ان کے کفارہ سے نمونہ نجات دیکھ لین اس طرح پر گورنمنٹ عالیہ کو بھی بہت
آسانی ہو سکتی ہے کہ برٹش انڈیا کے مختلف فرقے جو اپنے اپنے مذہب کی سچائی پر بھروسا رکھتے ہین
اپنے گروہ کے چھڑانے کے لئے اور طاعون سے نجات دلانے کیلئے یہ انتظام کرین کہ اپنے اس خدا سے
جسپر وہ ایمان رکھتے ہین یا اپنے کسی اور معبود سے جسکو اُنہون نے بجائے خدا سمجھ لیا ہے ان مصیبت زدون
کی شفاعت کرین اور اس سے کوئی پختہ وعدہ لیکر اشتہارات کے ذریعہ سے شایع کر دین جیسا کہ ہم نے یہ اشتہار
شائع کر دیا ہے۔ اسمین تو سراسر مخلوق کی بھلائی اور اپنے مذہب کی سچائی کا ثبوت ہے اور نیز گورنمنٹ
کی مدد ہے گورنمنٹ بجز اِس کے کیا چاہتی ہے کہ اسکی رعایا طاعون کی بلا سے بچ جائے گو کسی طرح
بچ جائے۔ بالآخر یاد رہے کہ ہم اس اشتہار مین اپنی جماعت کو جو مختلف حصون پنجاب اور ہندوستان
مین پھیلی ہوئی ہے ٹیکا لگوانے سے منع نہین کرتے جن لوگون کی نسبت گورنمنٹ کا قطعی حکم ہو انکو
ضرور ٹیکا کرانا چاہئے اور گورنمنٹ کے حکم کی اطاعت کرنی چاہئے اور جنکو اپنی رضامندی پر چھوڑا گیا ہے
اگر وہ اس تعلیم پر پورے قایم نہین ہین جو انکو دی گئی ہے تو ان کو بھی ٹیکا کرانا مناسب ہے تا وہ ٹھوکر
نہ کھاوین اور تا وہ اپنی خراب حالت کی وجہ سے خدا کے وعدہ کی نسبت لوگون کو دھوکہ نہ دین اور اگر

یہ سوال ہو کہ وہ تعلیم کیا ہے جسکی پوری پابندی طاعون کے حملہ سے بچا سکتی ہے تو مین بطور مختصر چند سطرین نیچے لکھہ دیتا ہون ٭

تعلیم

واضح رہے کہ صرف زبان سے بیعت کا اقرار کرنا کچھہ چیز نہین ہے جبتک دل کی عزیمت سے اس پر پورا پورا عمل نہ ہو پس جو شخص میری تعلیم پر پورا پورا عمل کرتا ہے وہ اس میرے گھر مین داخل ہو جاتا ہے جسکی نسبت خدا تعالیٰ کی کلام مین یہ وعدہ ہے انی احافظ کل من فی الدار یعنی ہر ایک جو تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہے مین اسکو بچاؤنگا اس جگہ یہ نہین سمجھنا چاہئے کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہین جو میرے اس خاک و خشت کے گھر مین بودوباش رکھتے ہین بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری پیروی کرتے ہین میرے روحانی گھر مین داخل ہین پیروی کرنیکے لئے یہ باتین ہین کہ وہ یقین کرین کہ انکا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے جو اپنی صفات مین ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے نہ وہ کسیکا بیٹا نہ کوئی اسکا بیٹا وہ دکھہ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے وہ ایسا ہے کہ باوجود دور ہونے کے نزدیک ہے اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دور ہے اور باوجود ایک ہونیکے اسکی تجلیات الگ الگ ہین انسان کیطرف سے جب ایک نئے رنگ کی تبدیلی ظہور مین آوے تو اسکے لئے وہ ایک نیا خدا بنجاتا ہے اور ایک نئی تجلی کے ساتھہ اس سے معاملہ کرتا ہے اور انسان بقدر اپنی تبدیلی کے خدا مین بھی تبدیلی دیکھتا ہے مگر یہ نہین کہ خدا مین کچھہ تغیر آجاتا ہے بلکہ وہ ازل سے غیر متغیر اور کمال تام رکھتا ہے لیکن انسانی تغیرات کے وقت جب نیکی کی طرف انسان کے تغیر ہوتے ہین تو خدا بھی ایک نئی تجلی سے اسپر ظاہر ہوتا ہے اور ہر ایک ترقی یافتہ حالت کے وقت جو انسان سے ظہور مین آتی ہے خدا تعالیٰ کی قادرانہ تجلی بھی ایک ترقی کے ساتھہ ظاہر ہوتی ہے وہ خارق عادت قدرت اسی جگہ دکھلاتا ہے جہان خارق عادت تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔ خوارق اور معجزات کی یہی جڑ ہے یہ خدا ہے جو ہمارے سلسلہ کی شرط ہے اسپر ایمان لاؤ اور اپنے نفس پر اور اپنے آرامون پر اور اسکے کل تعلقات پر اوسکو مقدم رکھو اور عملی طور پر بہادری کے ساتھہ اسکی راہ مین صدق و وفا دکھلاؤ دنیا اپنے اسباب اور اپنے عزیزون پر اوسکو مقدم نہین رکھتی مگر تم اسکو مقدم رکھو تا تم آسمان پر اسکی جماعت لکھے جاؤ۔ رحمت کے نشان دکھلانا قدیم سے خدا کی عادت ہے۔

مگر تم اُس حالت مین اِس عادت سے حصہ لے سکتے ہو کہ تم مین اور اس مین کچھ جدائی نہ رہے اور تمہاری مرضی اسکی مرضی اور تمہاری خواہشین اسکی خواہشین ہو جائین اور تمہارا سر ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت مرادیابی اور نامرادی مین اُسکے آستانہ پر پڑا رہے تا جو چاہے سو کرے اگر تم ایسا کروگے تو تم مین وہ خدا ظاہر ہوگا جس نے مدت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے کیا کوئی تم مین ہے جو اسپر عمل کرے اور اسکی رضا کا طالب ہو جائے اور اسکی قضا و قدر پر ناراض نہ ہو سو تم مصیبت کو دیکھکر اور بھی قدم آگے رکھو کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ ہے اور اسکی توحید زمین پر پھیلانے کیلئے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو اور اُسکے بندون پر رحم کرو اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کیلئے کوشش کرتے رہو اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بنجاؤ تا قبول کئے جاؤ۔ بہت ہین جو حلم ظاہر کرتے ہین مگر وہ اندر سے بھیڑئے ہین بہت ہین جو اوپر سے صاف ہین مگر اندر سے سانپ ہین سو تم اسکی جناب مین قبول نہین ہو سکتے جبتک ظاہر و باطن ایک نہ ہو بڑے ہو کر چھوٹون پر رحم کرو نہ انکی تحقیر اور عالم ہو کر نادانون کو نصیحت کرو نہ خود نمائی سے انکی تذلیل اور امیر ہو کر غریبون کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے اُنپر تکبر۔ ہلاکت کی راہون سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو اور مخلوق کی پرستش نہ کرو اور اپنے مولےٰ کیطرف منقطع ہو جاؤ اور دُنیا سے دل برداشتہ رہو اور اُسی کے ہو جاؤ اور اُسی کے لئے زندگی بسر کرو اور اسکے لئے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو کیونکہ وہ پاک ہے چاہئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تمنے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔ دُنیا کی لعنتون سے مت ڈرو کہ وہ دھوئین کیطرح دیکھتے دیکھتے غائب ہو جاتی ہین اور وہ دن کو رات نہین کر سکتین بلکہ تم خدا کی لعنت سے ڈرو جو آسمان سے نازل ہوتی اور جسپر پڑتی ہے اسکی دونون جہانون مین بیخکنی کر جاتی ہے تم ریاکاری کیساتھ اپنے تئین بچا نہین سکتے کیونکہ وہ خدا جو تمہارا خدا ہے اسکی انسان کے پاتال تک نظر ہے کیا تم اسکو دھوکا دے سکتے ہو پس تم سیدھے ہو جاؤ اور صاف ہو جاؤ اور پاک ہو جاؤ اور کھرے ہو جاؤ اگر ایک ذرہ تیرگی تم مین باقی ہے تو وہ تمہاری ساری روشنی کو دور کر دے گی

اور اگر تمہاری کسی پہلو مین تکبر ہے یا ریا ہے یا خود پسندی ہی یا کسل ہی تو تم ایسی چیز نہین ہو کہ جو قبول کے
لائق ہو ایسا نہ ہو کہ تم صرف چند باتونکو لیکر اپنے تئین دہوکہ دو کہ جو کچھہ ہمنی کرنا تہا کر لیا ہی کیونکہ خدا چاہتا ہی
کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آوے اور وہ تم سی ایک موت مانگتا ہے جسکی بعد وہ تمہین زندہ کریگا تم آپس مین
جلد صلح کرو اور اپنے بہائیون کے گناہ بخشو کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بہائی کے ساتہہ صلح پر راضی
نہین وہ کاٹا جائیگا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چہوڑ دو اور باہمی
ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جہوٹے کیطرح تذلل کرو تا تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چہوڑ دو کہ جس دروازے
کیلئے تم بلائے گئے ہو اسمین سی ایک فربہ انسان داخل نہین ہو سکتا۔ کیا ہی بدقسمت وہ شخص ہی جو ان باتونکو
نہین مانتا جو خدا کے منہ سی نکلین اور مینی بیان کین تم اگر چاہتی ہو کہ آسمان پر تمسی خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ
جیسے ایک پیٹ مین سی دو بہائی۔ تم مین سی زیادہ بزرگ وہی ہی جو زیادہ اپنی بہائی کے گناہ بخشتا ہی اور
بدبخت ہی وہ جو ضد کرتا ہے اور نہین بخشتا سو اسکا مجہہ مین حصہ نہین۔ خدا کی لعنت سے بہت خائف رہو
کہ وہ قدوس اور غیور ہے بدکار خدا کا قرب حاصل نہین کر سکتا متکبر اسکا قرب حاصل نہین کر سکتا۔ ظالم اسکا
قرب حاصل نہین کر سکتا خائن اسکا قرب حاصل نہین کر سکتا۔ اور ہر ایک جو اسکے نام کیلئے غیرت مند نہین
اسکا قرب حاصل نہین کر سکتا۔ وہ جو دنیا پر کتون یا چیونٹیون یا گدون کیطرح گرتے ہین اور دنیا سی آرام
یافتہ ہین وہ اسکا قرب حاصل نہین کر سکتے ہر ایک ناپاک آنکہ اس سے دور ہے ہر ایک ناپاک دل اس سے
بیخبر ہے وہ جو اسکے لئے آگ مین ہے وہ آگ سی نجات دیا جائیگا وہ جو اسکیلئے روتا ہی وہ ہنسے گا۔ وہ جو اسکی لئے دنیا سے
توڑتا ہے وہ اسکو ملیگا تم سچے دل سی اور پورے صدق سے اور سرگرمی کے قدم سے خدا کے دوست بنو
تا وہ بہی تمہارا دوست بنجاوے۔ تم ماتحتون پر اور اپنی بیویون پر اور اپنی غریب بہائیون پر رحم کرو تا آسمان پر
تمپر بہی رحم ہو۔ تم سچ مچ اسکے ہو جاؤ۔ تا وہ بہی تمہارا ہو جاوے۔ دنیا ہزارون بلاؤن کی جگہ ہی جنمین سے ایک
طاعون بہی ہی سو تم خدا سی صدق کیساتہہ پنجہ مارو تا وہ یہ بلائین تم سے دور رکہے کوئی آفت زمین پر پیدا نہین
ہوتی جبتک آسمان سی حکم نہ ہو اور کوئی آفت دور نہین ہوتی جبتک آسمان سی رحم نازل نہ ہو سو تمہاری عقلمندی
اسی مین ہی کہ تم جڑ کو پکڑو نہ شاخ کو۔ تمہین دوا اور تدبیر سے ممانعت نہین ہی مگر ان پر بہروسہ کرنے سی ممانعت
ہے اور آخر وہی ہوگا جو خدا کا ارادہ ہوگا اگر کوئی طاقت رکہی تو توکل کا مقام ہر ایک مقام سی بڑہکر ہے

اور تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کیطرح نہ چھوڑو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے
جو لوگ قرآن کو عزت دینگے وہ آسمان پر عزت پائینگے جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو
مقدم رکھیں گے اونکو آسمان پر مقدم رکھا جائیگا۔ نوع انسان کیلئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر
قرآن۔ اور تمام آدمزادوں کیلئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر **محمد مصطفے** صلی اللہ علیہ وسلم سو تم کوشش
کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کیساتھ رکھو اور اسکے غیر کو اسپر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان
پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنیکے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات
ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے **نجات یافتہ** کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے
اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسمیں اور تمام مخلوق میں درمیانی **شفیع** ہے اور آسمان کے نیچے نہ اسکے ہم مرتبہ
کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے **ہم مرتبہ** کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کیلئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ
رہے مگر **یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کیلئے زندہ ہے** اور اسکے ہمیشہ زندہ رہنے کیلئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے
کہ اسکے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخرکار اوسکی روحانی فیضرسانی سے
اس **مسیح موعود** کو دنیا میں بھیجا جسکا آنا اسلامی عمارت کی **تکمیل** کیلئے ضروری تھا کیونکہ ضرور تھا
کہ یہ دنیا ختم نہ ہو جبتک کہ محمدی سلسلہ کیلئے ایک مسیح **روحانی** رنگ کا نہ دیا جاتا جیسا کہ موسوی سلسلہ
کیلئے دیا گیا تھا اسی کیطرف یہ آیۃ اشارہ کرتی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ
أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ موسیٰ نے وہ متاع پائی جسکو قرون اولیٰ کھو چکے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نے وہ متاع پائی جسکو موسیٰ کا سلسلہ کھو چکا تھا اب محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ کے قایم مقام ہے مگر شان میں ہزارہا
درجہ بڑھکر۔ مثیل موسیٰ موسیٰ سے بڑھکر اور مثیل ابن مریم ابن مریم سے بڑھکر۔ اور وہ مسیح موعود نہ صرف مدت کے لحاظ
سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں صدی میں ظاہر ہوا + جیسا کہ مسیح ابن مریم موسیٰ کے بعد
چودھویں صدی میں ظاہر ہوا تھا۔ بلکہ وہ ایسے وقت میں آیا جبکہ مسلمانوں کا وہی حال تھا جیسا کہ
مسیح ابن مریم کے ظہور کے وقت یہودیوں کا حال تھا سو **وہ میں** ہی ہوں خدا جو چاہتا ہے
کرتا ہے نادان ہے وہ جو اس سے لڑے اور جاہل ہے وہ جو اسکے مقابل پر یہ اعتراض کرے کہ یوں
نہیں بلکہ یوں چاہئے تھا۔ اور اس نے مجھے چمکتے ہوئے نشانوں کے ساتھ بھیجا ہے جو دس ہزار

+ یہودی اپنی تاریخ کی رو سے بالاتفاق یہی مانتے ہیں کہ موسیٰ سے چودھویں صدی کے سر پر عیسیٰ ظاہر ہوا تھا دیکھو یہودیوں کی تاریخ مسمّٰی

سے بھی زیادہ ہین از انجملہ ایک طاعون بھی نشان ہے پس جو شخص مجھ سے سچی بیعت کرتا ہے اور سچے دل سے میرا پیرو بنتا ہے اور میری اطاعت مین محو ہو کر اپنے تمام ارادون کو چھوڑتا ہے وہی ہے جو ان آفتون کے دنون مین میری رُوح اُسکی شفاعت کریگی **سو اے تمام لوگو!** جو اپنے تئین میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اُسوقت میری جماعت **شمار** کئے جاؤ گے جب سچ مچ **تقوی** کی راہون پر قدم مارو گے سو اپنی پنجوقتہ نمازون کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالی کو دیکھتے ہو اور اپنے روزون کو خدا کیلئے صدق کے ساتھ پورے کرو ہر ایک جو زکوۃ کے لائق ہے وہ زکوۃ دے اور جسپر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہین وہ حج کرے نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہین پہنچ سکتا جو تقوی سے خالی ہے ہر ایک نیکی کی جڑ **تقوی** ہے جس عمل مین یہ جڑ ضایع نہین ہوگی وہ عمل بھی ضایع نہین ہوگا ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنون کے امتحان ہوئے سو **خبردار رہو** ایسا نہو کہ ٹھوکر کھاؤ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہین سکتی اگر تمہارا آسمان سے **پختہ تعلق ہے** جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھون سے نہ دشمن کے ہاتھون سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہین ایک لازوال عزت آسمان پر دیگا سو تم اسکو مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دکھ دئے جاؤ اور اپنی کئی امیدون سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتون سے تم دلگیر مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہین آزماتا ہے کہ تم اسکی راہ مین ثابت قدم ہو یا نہین اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کرین تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو اور گالیان سنو اور شکر کرو۔ اور ناکامیان دیکھو اور پیوند مت توڑو تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال مین انتہائی درجہ پر ہو۔ ہر ایک جو تم مین سست ہو جائیگا وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت سے باہر پھینک دیا جائیگا اور حسرت سے مریگا اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکیگا دیکھو **مین** بہت خوشی سے خبر دیتا ہون کہ تمہارا خدا در حقیقت موجود ہے اگرچہ سب اُسی کی مخلوق ہے لیکن وہ اُس شخص کو چن لیتا ہے جو اسکو چنتا ہے وہ اُسکے پاس آجاتا ہے جو اُسکے پاس جاتا ہے جو اسکو عزت دیتا ہے وہ اسکو بھی عزت دیتا ہے ✤

تم اپنے دلون کو سیدھے کر کے اور زبانون اور آنکھون اور کانون کو پاک کر کے اسکی طرف آجاؤ

کہ وہ نہین قبول کریگا عقیدہ کے رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُسکا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھکر ہے اب بعد اسکے کوئی نبی نہین مگر وہی جس پر بروزی طور سے محمدیت کی چادر پہنائی گئی کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جدا نہین اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے پس جو کامل طور پر مخدوم مین فنا ہو کر خدا سے نبی کا لقب پاتا ہے وہ ختم نبوت کا خلل انداز نہین جیسا کہ تم جب آئینہ مین اپنی شکل دیکھو تو تم دو نہین ہو سکتے بلکہ ایک ہی ہو اگرچہ بظاہر دو نظر آتے ہین صرف ظل اور اصل کا فرق ہے۔ سو ایسا ہی خدا نے مسیح موعود مین چاہا یہی بھید ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ مسیح موعود میری قبر مین دفن ہوگا یعنی وہ مین ہی ہون۔ اور اہمین دو رنگی نہین آئی اور تم یقیناً سمجھو کہ عیسی بن مریم فوت ہو گیا ہے اور کشمیر سرینگر محلہ خانیار[×] مین اسکی قبر ہے خدا تعالی نے اپنی کتاب عزیز مین اسکے مرجانیکی خبر دی ہے اور اگر اس آیت کے اور معنے ہین تو عیسی بن مریم کی موت کی قرآن مین کہان خبر ہے۔ مرنیکے متعلق جو آیتین ہین اگر وہ اور معنی رکھتی ہین جیسا کہ ہمارے مخالف سمجھتے ہین تو گویا قرآن نے اسکے مرنیکا کہین ذکر نہین کیا کہ وہ کسی وقت مریگا بھی۔ خدا نے ہمارے نبی کے مرنے کی خبر دی مگر سارے قرآن مین عیسی کے مرنے کی خبر نہ دی۔ اسمین کیا راز ہے اور اگر کہو کہ عیسے کے مرنیکی اس آیۃ مین خبر ہے کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ[⁂] سو یہ آیت تو صاف دلالت کرتی ہے کہ وہ عیسائیون کے بگڑنے سے پہلے مرچکے ہین غرض اگر آیۃ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے یہ معنی ہین کہ مع جسم زندہ عیسی کو آسمان پر اُٹھا لیا تو کیون خدا نے ایسے شخص کی موت کا سارے قرآن مین ذکر نہین کیا جسکی زندگی کے خیال نے لاکھون کو ہلاک کر دیا گویا خدا نے اسکو ہمیشہ کیلئے اسلئے زندہ رہنے دیا کہ تا لوگ مشرک اور بیدین ہو جائین اور گویا یہ لوگون کی غلطی نہین بلکہ خدا نے یہ سب کچھ خود کیا تا لوگون کو گمراہ کرے خوب یاد رکھو کہ بجز موت مسیح علیہ عقیدہ پر موت نہین آسکتی سو اس سے فائدہ کیا کہ برخلاف تعلیم قرآن اسکو زندہ سمجھا جائے اسکو مرنے دو تا یہ دین زندہ ہو۔ خدا نے اپنے قول سے مسیح کی موت ظاہر کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اسکو مُردون مین دیکھ لیا اب بھی تم مانتے نہین آتے۔ یہ کیسا ایمان ہے کیا انسانون کی باتون کو خدا کی کلام پر مقدم کرتے ہو

[×] نوٹ عیسائی محققون نے اسی رائے کو ظاہر کیا ہے دیکھو کتاب سپر نیچرل ریلیجن صفحہ ۵۲۲- اگر تفصیل چاہتے ہو تو ہماری کتاب تحفہ گولڑویہ کا صفحہ ۱۳۹ دیکھ لو- منہ

[⁂] اسی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام پھر دنیا مین نہین آئین گے کیونکہ اگر وہ دنیا مین آنیوالے ہوتے تو اس صورت مین یہ جواب عیسی کا محض جھوٹ ٹھہرتا ہے کہ مجھے عیسائیون کے بگڑنے کی کچھ خبر نہین جو شخص دوبارہ دنیا مین آیا اور چالیس برس رہا...... اور کروڑہا عیسائیون کو دیکھا جو اسکو خدا جانتے تھے اور صلیب توڑا اور تمام عیسائیون کو مسلمان کیا وہ کیونکر قیامت کو جناب الٰہی مین یہ عذر کرسکتا ہے کہ مجھے عیسائیون کے بگڑنے کی کچھ خبر نہین- منہ

یہ کیا دین ہے ✠ اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف گواہی دی کہ مَیں نے مردہ روحوں میں عیسٰے کو دیکھا بلکہ خود مر کر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اس سے پہلے کوئی زندہ نہیں رہا۔ پس ہمارے مخالف جیسا کہ قرآن کو چھوڑتے ہیں ویسا ہی سنت کو بھی چھوڑتے ہیں کیونکہ مرنا ہمارے نبی کی سنت ہے اگر عیسٰے زندہ تھا تو مرنے میں ہمارے رسول کی بے عزتی تھی۔ سو تم نہ اہلسنت ہو نہ اہل قرآن جبتک عیسٰی کی موت کے قائل نہ ہو۔ اور میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شان کا منکر نہیں گو خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ مسیح محمدی مسیح موسوی سے افضل ہے لیکن تاہم میں مسیح ابن مریم کی بہت عزت کرتا ہوں کیونکہ میں روحانیت کی رو سے اسلام میں **خاتم الخلفاء** ہوں جیسا کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی سلسلہ کے لئے خاتم الخلفاء تھا موسٰی کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا اور محمدی سلسلہ میں میں مسیح موعود ہوں سو میں اسکی عزت کرتا ہوں جسکا ہمنام ہوں اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔ بلکہ مسیح تو مسیح میں تو اس کے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں ❊ کیونکہ پانچوں ایک ہی ماں کے بیٹے ہیں نہ صرف اسی قدر بلکہ میں تو حضرت مسیح کی دونوں حقیقی ہمشیرون کو بھی مقدسہ سمجھتا ہوں کیونکہ یہ سب بزرگ مریم بتول کے پیٹ سے ہیں اور مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم توریت عین حمل میں کیونکر نکاح کیا گیا اور بتول ہونیکے عہد کو کیوں ناحق توڑا گیا اور تعدد ازدواج کی کیوں بنیاد ڈالی گئی یعنے باوجود یوسف نجار کی پہلی بیوی کے ہونیکے پھر مریم کیوں راضی ہوئی کہ یوسف نجار کے نکاح میں آوے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آگئیں اس صورت میں وہ لوگ قابل رحم تھے نہ قابل اعتراض ❊

✠ حاشیہ یسوع مسیح کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں یہ سب یسوع کے حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں تھیں یعنی سب یوسف اور مریم کی اولاد تھی چار بھائیوں کے نام یہ ہیں۔ یہودا[1] ۔ یعقوب[2] شمعون[3] ۔ یوزس[4] ۔ اور دو بہنوں کے نام یہ تھے۔ آسیا[1] ۔ لیدیا[2] ۔ دیکھو کتاب اپاسٹولک ریکارڈس مصنفہ پادری جان ایلن گائیلز مطبوعہ لنڈن ۱۸۸۶ء صفحہ ۱۵۹ و ۱۶۶ ۔ منہ

× نوٹ ۔ قرآن شریف میں ایک آیۃ میں صریح کشمیر کیطرف اشارہ کیا ہے کہ مسیح اور اسکی والدہ صلیب کے واقعہ کے بعد کشمیر کیطرف چلے گئے جیسا کہ فرماتا ہے وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ۔ یعنی ہم نے عیسٰی اور اسکی والدہ کو ایک ایسے ٹیلے پر جگہ دی جو آرام کی جگہ تھی اور پانی صاف یعنی چشموں کا پانی وہاں تھا سو اسمیں خدا تعالٰے نے کشمیر کا نقشہ کھینچ دیا ہے اور اویٰ کا لفظ لغت عرب میں کسی مصیبت یا تکلیف سے پناہ دینے کے لئے آتا ہے اور صلیب سے پہلے عیسٰی اور اسکی والدہ پر کوئی زمانہ مصیبت کا نہیں گذرا جس سے پناہ دیجاتی پس متعین ہوا کہ خدا تعالٰی نے عیسٰی اور اسکی والدہ کو واقعہ صلیب کے بعد اس ٹیلے پر پہونچایا تھا ۔ منہ

اِن سب باتون کے بعد پھر مین کہتا ہون کہ یہ مت خیال کرو کہ ہمنے ظاہری طور پر بیعت کرلی ہے ظاہر کچھ چیز نہین خدا تمہارے دلون کو دیکھتا ہے اور اُسی کے موافق تم سے معاملہ کریگا دیکھو مین یہ کہہ کر فرض تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہون کہ گناہ ایک زہر ہے اوسکو مت کھاؤ۔ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو دعا کرو تا تمہین طاقت ملے جو شخص دعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہین سمجھتا بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت مین سے نہین۔ جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہین چھوڑتا وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ جو شخص دُنیا کے لالچ مین پھنسا ہوا ہے اور آخرت کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہین دیکھتا وہ میری جماعت مین سے نہین ہے جو شخص درحقیقت دین کو دُنیا پر مقدم نہین رکھتا وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ جو شخص پورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے قمار بازی سے بدنظری سے اور خیانت سے رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرّف سے توبہ نہین کرتا وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہین کرتا وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ جو شخص دُعا مین لگا نہین رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہین کرتا وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ جو شخص بدرفیق کو نہین چھوڑتا جو اوسپر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہین کرتا اور امور معروفہ مین جو خلاف قرآن نہین ہین اُنکی بات کو نہین مانتا اور اُنکی تعہد خدمت سے لاپروا ہے وہ میری جماعت مین سے نہین ہے جو شخص اپنی اہلیہ اور اُسکے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہین کرتا وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنے ادنے خیر سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ جو شخص نہین چاہتا کہ اپنے قصوروار کا گنہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت مین سے نہین ہے ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ جو شخص اُس عہد کو جو اُس نے بیعت کے وقت کیا تھا کسی پہلو سے توڑتا ہے وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ جو شخص مجھے فی الواقع مسیح موعود و مہدی معہود نہین سمجھتا وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ اور جو شخص

امور معروفہ مین میری اطاعت کرنیکے لئے طیار نہین ہے وہ میری جماعت مین سے نہین ہے اور جو شخص مخالفون کی جماعت مین بیٹھتا ہے اور ہان مین ہان ملاتا ہے وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ ہر ایک زانی۔ فاسق۔ شرابی۔ خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن۔ مرتشی۔ غاصب ظالم۔ دروغگو جعلساز اور ان کا ہمنشین اور اپنے بہائیون اور بہنون پر تہمتین لگانیوالا جو اپنے افعال شنیعہ سے توبہ نہین کرتا اور خراب مجلسون کو نہین چہوڑتا وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ یہ سب زہرین ہین تم ان زہرون کو کہا کر کسی طرح بچ نہین سکتے اور تاریکی اور روشنی ایک جگہ جمع نہین ہو سکتی۔ ہر ایک جو پیچ در پیچ طبیعت رکہتا ہے اور خدا کے ساتہہ صاف نہین ہے وہ اُس برکت کو ہرگز نہین پا سکتا جو صاف دلون کو ملتی ہے کیا ہی خوش قسمت وہ لوگ ہین جو دلون کو صاف کرتے ہین اور اپنے دلون کو ہر ایک آلودگی سے پاک کر لیتے ہین اور اپنے خدا سے وفاداری کا عہد باندہتے ہین کیونکہ وہ ہرگز ضایع نہین کئے جائینگے ممکن نہین کہ خدا انکو رسوا کرے کیونکہ وہ خدا کے ہین اور خدا اُن کا وہ ہر ایک بلا کے وقت بچائے جائین گے۔ احمق ہے وہ دشمن جو اُن کا قصد کرے کیونکہ وہ خدا کی گود مین ہین اور خدا انکی حمایت مین

کون خدا پر ایمان لایا؟ صرف وہی جو ایسے ہین۔ ایسا ہی وہ شخص بہی احمق ہے جو ایک بیباک گنہگار اور بد باطن اور شریر النفس کے فکر مین ہے کیونکہ وہ خود ہلاک ہوگا جب سے خدا نے آسمان اور زمین کو بنایا کبہی ایسا اتفاق نہ ہوا کہ اسنے نیکون کو تباہ اور ہلاک اور نیست و نابود کر دیا ہو بلکہ وہ اُنکے لئے بڑے بڑے کام دکہلاتا رہا ہے اور اب بہی دکہلائیگا وہ خدا نہایت وفادار خدا ہے اور وفادارون کے لئے اُسکے عجیب کام ظاہر ہوتے ہین دُنیا چاہتی ہے کہ انکو کہا جاوے اور ہر ایک دشمن اُنپر دانت پیستا ہے مگر وہ جو انکا دوست ہے ہر ایک ہلاکت کی جگہ سے انکو بچاتا ہے اور ہر ایک میدان مین اونکو فتح بخشتا ہے۔ کیا ہی نیک طالع وہ شخص ہے جو اُس خدا کا **دامن نہ چہوڑے**۔ ہم اُسپر ایمان لائے ہمنے اسکو شناخت کیا۔ تمام دُنیا کا **وہی خدا ہے** جس نے میرے پر وحی نازل کی جس نے میرے لئے **زبردست نشان** دکہلائے جس نے مجہے اس زمانہ کے لئے **مسیح موعود** کرکے بہیجا اسکے سوا کوئی خدا نہین نہ آسمان مین نہ زمین مین

سا پر ایمان نہین لاتا وہ سعادت سے محروم اور خذلان مین گرفتار ہے ۔ ہمنے اپنے خدا کی
بے کیطرح روشن وحی پائی ہمنے اُسے دیکھ لیا کہ دنیا کا وہی خدا ہے اُس کے سوا کوئی نہین
کیا ہی قادر اور قیوم خدا ہے جسکو ہمنے پایا ۔ کیا ہی زبردست قدرتون کا مالک ہے جسکو ہمنے دیکھا
سچ تو یہ ہے کہ اُسکے آگے کوئی بات اَنہونی نہین مگر وہی جو اُسکی کتاب اور وعدہ کے برخلاف ہے
سو جب تم دعا کرو تو اُن جاہل نیچریون کیطرح نہ کرو جو اپنے ہی خیال سے ایک قانون قدرت بنا
بیٹھے ہین جسپر خدا کی کتاب کی مہر نہین کیونکہ وہ مردود ہین اُنکی دعائین ہرگز قبول نہین ہونگی
وہ اندھے ہین نہ سوجا کہے وہ مُردے ہین نہ زندے خدا کے سامنے اپنا تراشیدہ قانون پیش
کرتے ہین اور اُسکی بے انتہا قدرتون کی حد بست ٹھہراتے ہین اور اُسکو کمزور سمجھتے ہین سو ان سے
ایسا ہی معاملہ کیا جائیگا جیسا کہ اُنکی حالت ہے لیکن جب تو دعا کے لئے کھڑا ہو تو تجھے لازم ہے
کہ یہ یقین رکھے کہ تیرا خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے تب تیری دعا منظور ہوگی اور تو خدا کی قدرت
کے عجائبات دیکھے گا جو ہمنے دیکھے ہین اور ہماری گواہی رویت سے ہے نہ بطور قصہ کے ۔ اُس
شخص کی دعا کیونکر منظور ہو اور خود کیونکر اُسکو بڑی مشکلات کے وقت جو اُسکے نزدیک قانون
قدرت کے مخالف ہین دعا کرنیکا حوصلہ پڑے جو خدا کو ہر ایک چیز پر قادر نہین سمجھتا ۔ مگر اے سعید
انسان تو ایسا مت کر تیرا خدا وہ ہے جس نے بیشمار ستارون کو بغیر ستونون کے لٹکا دیا اور جس نے
زمین و آسمان کو محض عدم سے پیدا کیا ۔ کیا تو اُسپر بدظنی رکھتا ہے کہ وہ تیرے کام مین عاجز
آجائیگا * بلکہ تیری ہی بدظنی تجھے محروم رکھے گی ہمارے خدا مین بیشمار عجائبات ہین مگر وہی دیکھتے
ہین جو صدق اور وفا سے اسکے ہوگئے ہین وہ غیرون پر جو اسکی قدرتون پر یقین نہین رکھتے
اور اسکے صادق وفادار نہین ہین وہ عجائبات ظاہر نہین کرتا ۔ کیا بدبخت وہ انسان ہے جسکو
اب تک یہ پتہ نہین کہ اُسکا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے ۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے
ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا مین ہین کیونکہ ہمنے اسکو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اُسمین
پائی ۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق
ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو ۔ اے محرومو ! اس چشمہ کی طرف دوڑو

* خدا کسی کام مین عاجز نہین آتا ۔ ہان خدا کی کتاب نے دعا کے بارہ مین یہ قانون پیش کیا ہے کہ وہ نہایت رحیم سے نیک انسان کے ساتھ
دوستون کیطرح معاملہ کرتا ہے یعنی کبھی تو اپنی مرضی کو چھوڑ کر اسکی دعا سنتا ہے جیسا کہ خود فرمایا ادعونی استجب لکم اور کبھی اپنی مرضی ہی
منوانا چاہتا ہے جیسا کہ فرمایا ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف والجوع ۔ ایسا اسلئے کیا کہ تا کبھی انسان کی دعا کے موافق اس سے معاملہ کرکے یقین اور معرفت مین اسکو ترقی دیوے اور کبھی اپنی مرضی کے موافق کرکے اپنی رضا کی اسکو خلعت بخشے اور اسکا

کہ وہ تمہین سیراب کریگا یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہین بچائیگا۔ میں کیا کرون اور کس طرح اس خوشخبری کو دلون مین بٹھا دون۔ کس دف سے مین بازارون میں منادی کرون کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لین اور کس دوا سے مین علاج کرون تا سننے کیلئے لوگون کے کان کھلین
اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے تم سوئے ہوئے ہوگے اور خدا تعالے تمہارے لیئے جاگیگا تم دشمن سے غافل ہوگے اور خدا اُسے دیکھیگا اور اسکے منصوبے کو توڑیگا۔ تم ابھی تک نہین جانتے کہ تمہارے خدا مین کیا کیا قدرتین ہین۔ اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا کہ تم دنیا کے لئے سخت غمگین ہو جاتے ایک شخص جو ایک خزانہ اپنے پاس رکھتا ہے کیا وہ ایک پیسہ کے ضایع ہونے سے روتا ہے اور چیخین مارتا ہے اور ہلاک ہونے لگتا ہے پھر اگر تم کو اس خزانہ کی اطلاع ہوتی کہ خدا تمہارا ہر ایک حاجت کے وقت کام آنیوالا ہے تو تم دنیا کے لیئے ایسے بیخود کیون ہوتے خدا ایک پیارا خزانہ ہے اسکی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے تم بغیر اُسکے کچھہ بھی نہین اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیرین کچھہ چیز ہین۔ غیر قومون کی تقلید نہ کرو کہ جو بکلی اسباب پر گر گئی ہین اور جیسے سانپ مٹی کھاتا ہے انہون نے سفلی اسباب کی مٹی کھائی۔ اور جیسے گدھ اور کتے مردار کھاتے ہین انہون نے مردار پر دانت مارے وہ خدا سے بہت دور جا پڑے انسانون کی پرستش کی اور خنزیر کھایا اور شراب کو پانی کیطرح استعمال کیا اور حد سے زیادہ اسباب پر گرنے سے اور خدا سے قوت نہ مانگنے سے وہ مر گئے اور آسمانی روح انمین سے ایسی نکل گئی جیسا کہ ایک گھونسلے سے کبوتر پرواز کر جاتا ہے انکے اندر دنیا پرستی کا جذام ہے جس نے اُنکے تمام اندرونی اعضا کاٹ دیئے ہین پس تم اس جذام سے ڈرو۔ میں تمہین حد اعتدال تک رعایت اسباب سے منع نہین کرتا بلکہ اس سے منع کرتا ہون کہ تم غیر قومون کیطرح نرے اسباب کے بندے ہو جاؤ اور اُس خدا کو فراموش کر دو جو اسباب کو بھی وہی مہیا کرتا ہے اگر تمہین آنکھ ہو تو تمہین نظر آجائے کہ خدا ہی خدا ہے اور سب ہیچ ہے۔ تم نہ ہاتھہ لمبا کر سکتے ہو اور نہ اکٹھا کر سکتے ہو مگر اوسکے اذن سے۔ ایک مردہ اسپر ہنسی کریگا مگر کاش اگر وہ مر جاتا تو اس ہنسی سے اسکے لئے بہتر تہا۔ خبردار !!! تم غیر قومون کو دیکھہ کر انکی ریس مت کرو کہ انہون نے دنیا کے

منصوبون مین بہت ترقی کر لی ہے آؤ ہم بھی انہین کے قدم پر چلین۔ سنو اور سمجھو کہ وہ اس خدا
سے سخت بیگانہ اور غافل ہین جو تمہین اپنی طرف بلاتا ہے اُنکا خدا کیا چیز ہے صرف ایک
عاجز انسان اسلئے وہ غفلت مین چھوڑے گئے ہین تمہین دنیا کے کسب اور حرفت سے نہین
روکتا مگر تم اُن لوگون کے پیرو مت بنو جنہون نے سب کچھہ دُنیا کو ہی سمجھہ رکھا ہے چاہیئے کہ تمہارے
ہر ایک کام مین خواہ دنیا کا ہو خواہ دین کا خدا سے طاقت اور توفیق مانگنے کا سلسلہ جاری رہے
لیکن نہ صرف خشک ہونٹون سے بلکہ چاہیئے کہ تمہارا سچ مچ یہ عقیدہ ہو کہ ہر ایک برکت آسمان سے
ہی اُترتی ہے تم راستباز اُسوقت بنو گے جبکہ تم ایسے ہو جاؤ کہ ہر ایک کام کے وقت ہر ایک
مشکل کے وقت قبل اسکے جو تم کوئی تدبیر کرو اپنا دروازہ بند کرو اور خدا کے آستانہ پر گرو کہ ہمین یہ
مشکل پیش ہے اپنے فضل سے مشکل کشائی فرما تب روح القدس تمہاری مدد کریگی اور غیب سے کوئی
راہ تمہارے لئے کھولی جائیگی۔ اپنی جانون پر رحم کرو اور جو لوگ خدا سے بکلی علاقہ توڑ چکے ہین اور
ہمہ تن اسباب پر گر گئے ہین یہانتک کہ طاقت مانگنے کیلئے وہ مونہہ سے انشاء اللہ بھی نہین نکالتے
اُنکے پیرو مت بنجاؤ۔ خدا تمہاری آنکھین کھولے تا تمہین معلوم ہو کہ تمہارا خدا تمہاری تمام تدابیر
کا شہتیر ہے اگر شہتیر گر جائے تو کیا کڑیان اپنی چھت پر قائم رہ سکتی ہین۔ نہین بلکہ یکدفعہ گر پڑینگی
اور احتمال ہے کہ اُن سے کئی خون بھی ہو جائین۔ اسی طرح تمہاری تدابیر بغیر خدا کی مدد کے قائم نہین
رہ سکتین اگر تم اس سے مدد نہین مانگو گے اور اُس سے طاقت مانگنا اپنا اصول نہین ٹھہراؤ گے
تو تمہین کوئی کامیابی حاصل نہین ہوگی۔ آخر بڑی حسرت سے مرو گے۔ یہ مت خیال کرو کہ پھر دوسری
قومین کیونکر کامیاب ہو رہی ہین حالانکہ وہ اوس خدا کو جانتی بھی نہین جو تمہارا کامل اور قادر خدا
ہے۔ اسکا جواب یہی ہے کہ وہ خدا کو چھوڑنے کی وجہ سے دنیا کے امتحان مین ڈالی گئی ہین
خدا کا امتحان کبھی اس رنگ مین ہوتا ہے کہ جو شخص اُسے چھوڑتا ہے اور دُنیا کی مستیون اور
لذتون سے دل لگاتا ہے اور دُنیا کی دولتون کا خواہشمند ہوتا ہے تو دُنیا کے دروازے اُسپر
کھولے جاتے ہین اور دین کے رو سے وہ نرا مفلس اور ننگا ہوتا ہے اور آخر دنیا کے خیالات
مین ہی مرتا اور ابدی جہنم مین ڈالا جاتا ہے اور کبھی اس رنگ مین بھی امتحان ہوتا ہے کہ دنیا سے

بھی نامراد رہ کہا جاتا ہے مگر موخرالذکر امتحان ایسا خطرناک نہیں جیسا کہ پہلا کیونکہ پہلا امتحان الازیادہ مغرور ہوتا ہے بہرحال یہ دونوں فریق مغضوب علیہم ہیں سچی خوشحالی کا سرچشمہ خدا ہے پس جبکہ اس حیّ و قیوم خدا سے یہ لوگ بےخبر ہیں بلکہ لاپرواہ ہیں اور اس سے مونہہ پھیر رہے ہیں تو سچی خوشحالی انکو کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔ مبارک ہے وہ انسان کو جو اس راز کو سمجھ لے اور ہلاک ہو گیا وہ شخص جس نے اس راز کو نہیں سمجھا۔ اسی طرح تمہیں چاہئے کہ اس دنیا کے فلسفیوں کی پیروی مت کرو اور انکو عزت کی نگہ سے مت دیکھو کہ یہ سب نادانیاں ہیں سچا فلسفہ وہ ہے جو خدا نے تمہیں اپنی کلام میں سکھلایا ہے۔ ہلاک ہو گئے وہ لوگ جو اس نبوی فلسفہ کے عاشق ہیں اور کامیاب ہیں وہ لوگ جنہوں نے سچے علم اور فلسفہ کو خدا کی کتاب میں ڈھونڈا۔ نادانی کی راہیں کیوں اختیار کرتے ہو کیا تم خدا کو وہ باتیں سکھلاؤ گے جو اُسے معلوم نہیں۔ کیا تم اندھوں کے پیچھے دوڑتے ہو کہ وہ تمہیں راہ دکھلاویں۔ اے **نادانو!** وہ جو خود اندھا ہے وہ تمہیں کیا راہ دکھائیگا بلکہ سچا فلسفہ روح القدس سے حاصل ہوتا ہے جسکا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے تم روح کے وسیلہ سے ان پاک علوم تک پہنچائے جاؤ گے جن تک غیروں کی رسائی نہیں اگر صدق سے مانگو تو آخر تم اُسے پاؤ گے۔ تب سمجھو گے کہ یہی علم ہے جو دل کو تازگی اور زندگی بخشتا ہے اور یقین کے مینار تک پہنچا دیتا ہے وہ جو خود مردار خوار ہے وہ کہاں سے تمہارے لئے پاک غذا لائیگا۔ وہ جو خود اندھا ہے وہ کیونکر تمہیں دکھلائیگا۔ ہر ایک پاک حکمت آسمان سے آتی ہے پس تم زمینی لوگوں سے کیا ڈھونڈتے ہو جنکی روحیں آسمان کی طرف جاتی ہیں وہی حکمت کے وارث ہیں جنکو خود تسلی نہیں وہ کیونکر تمہیں تسلی دے سکتے ہیں مگر پہلے دلی پاکیزگی ضروری ہے پہلے صدق و صفا ضروری ہے پھر بعد اسکے یہ سب کچھ تمہیں ملیگا۔ یہ خیال مت کرو کہ خدا کی وحی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے[*] اور روح القدس اب اتر نہیں سکتا بلکہ پہلے زمانوں میں ہی اُتر چکا۔ اور میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہر ایک دروازہ بند ہو جاتا ہے مگر روح القدس کے اترنے کا کبھی دروازہ بند نہیں ہوتا۔ تم اپنے دلوں کے دروازے کھول دو تا وہ انمیں داخل ہو تم اُس آفتاب سے خود اپنے تئیں دور ڈالتے ہو جبکہ اُس شعاع کے داخل ہونے کی کھڑکی کو بند کرتے ہو۔ اے نادان اُٹھ اور اُس کھڑکی کو کھول دے

[*] قرآن شریف پر شریعت ختم ہو گئی مگر وحی ختم نہیں ہوئی کیونکہ وہ سچے دین کی جان ہے جس دین میں وحی الٰہی کا سلسلہ جاری نہیں وہ دین مردہ ہے اور خدا اُس کے ساتھ نہیں۔ منہ

تب آفتاب خود بخود تیرے اندر داخل ہو جائیگا جبکہ خدا نے دنیا کے فیضوں کی راہیں اس زمانہ میں تم پر بند نہیں کیں بلکہ زیادہ کیں تو کیا تمہارا ظن ہے کہ آسمان کے فیوض کی راہیں جنکی اسوقت تمہیں بہت ضرورت تھی وہ تم پر اُسنے بند کر دی ہیں ہرگز نہیں بلکہ بہت صفائی سے وہ دروازہ کھولا گیا ہے۔ اب جبکہ خدا نے اپنی تعلیم کے موافق جو سورہ فاتحہ میں سکھلائی گئی گذشتہ تمام نعمتوں کا تم پر دروازہ کھول دیا ہے تو تم کیوں ان کے لینے سے انکار کرتے ہو اُس چشمہ کے پیاسے بنو کہ پانی خود بخود آجائے گا۔ اس دودھ کے لئے تم بچہ کیطرح رونا شروع کرو کہ دودھ پستان سے خود بخود اُتر آئیگا۔ رحم کے لائق بنو تا تم پر رحم کیا جائے اضطراب دکھلاؤ تا تسلی پاؤ بار بار چلاؤ تا ایک ہاتھ تمہیں پکڑ لے کیا ہی دشوار گذار وہ راہ ہے جو خدا کی راہ ہے پر اُن کیلئے آسان کیجاتی ہے جو مرنے کی نیت سے اس اتھاہ گڑھے میں پڑتے ہیں وہ اپنے دلوں میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہمیں آگ منظور ہے ہم ہمیں اپنے محبوب کے لئے جلیں گے پھر وہ آگ میں اپنے تئیں ڈال دیتے ہیں پس کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بہشت ہی ہے جو خدا نے فرمایا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا الخ یعنے اسے بد اور اسے نیکو تم میں سے کوئی بھی نہیں جو جہنم کی آگ پر گذر نہ کرے مگر وہ جو خدا کے لئے اُس آگ میں پڑتے ہیں وہ نجات دئے جائینگے لیکن وہ جو اپنے نفس امّارہ کیلئے آگ پر چلتا ہے وہ آگ اُسے کہا جائیگی پس مبارک وہ جو خدا کے لئے اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں اور بدبخت وہ جو اپنے نفس کیلئے خدا سے جنگ کر رہے ہیں اور اس سے موافقت نہیں کرتے جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے وہ آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہوگا سو تم کوشش کرو جو ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا بھی تم پر گواہی نہ دے تا تم اسی کے لئے پکڑے نجاؤ کیونکہ ایک ذرہ بدی کا بھی قابل پاداش ہے وقت تھوڑا ہے اور کار عمر ناپیدا تیز قدم اُٹھاؤ جو شام نزدیک ہے جو کچھ پیش کرنا ہے وہ بار بار دیکھ لو ایسا نہ ہو کہ کچھ رہ جائے اور زیان کاری کا موجب ہو یا سب گندی اور کھوٹی متاع ہو جو شاہی دربار میں پیش کرنے کے لائق نہ ہو۔

مینے سُنا ہے کہ بعض تم سے حدیث کو کلّی نہیں مانتے اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو سخت غلطی

کرتے ہین مینے یہ تعلیم نہین دی کہ ایسا کرو بلکہ میرا مذہب یہ ہے کہ تین چیزین ہین کہ جو تمہاری ہدایت کے لئے خدا نے تمہین دی ہین - سب سے اول قرآن ہے* جسمین خدا کی توحید اور جلال اور عظمت کا ذکر ہے اور جسمین اُن اختلافات کا فیصلہ کیا گیا ہے جو یہود اور نصاری مین تہے جیسا کہ یہ اختلاف اور غلطی کہ عیسیٰ بن مریم صلیب کے ذریعہ قتل کیا گیا اور وہ لعنتی ہوا اور دوسرے نبیون کیطرح اُسکا رفع نہین ہوا اسی طرح قرآن مین منع کیا گیا ہے کہ بجز خدا کے تم کسی چیز کی عبادت کرو نہ انسان کی نہ حیوان کی نہ سورج کی نہ چاند کی اور نہ کسی اور ستارہ کی اور نہ اسباب کی اور نہ اپنے نفس کی - سو تم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قران کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بہی نہ اُٹہاؤ - مین تمہین سچ سچ کہتا ہون کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم مین سے ایک چہوٹے سے حکم کو بہی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتہ سے اپنے پر بند کرتا ہے حقیقی اور کامل نجات کی راہین قرآن نے کہولین اور باقی سب اسکے ظل تہے سو تم قرآن کو تدبر سے پڑہو اور اوس سے بہت ہی پیار کرو ایسا پیار کہ تمنے کسی سے نہ کیا ہو کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجہے مخاطب کر کے فرمایا کہ الخیر کله فی القرآن - کہ تمام قسم کی بہلائیان قرآن مین ہین یہی بات سچ ہے افسوس اُن لوگون پر جو کسی اور چیز کو اوسپر مقدم رکہتے ہین تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن مین ہے کوئی بہی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہین جو قرآن مین نہین پائی جاتی تمہارے ایمان کا مُصدِّق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہین جو بلاواسطہ قرآن تمہین ہدایت دے سکے - خدا نے تمپر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہین عنایت کی - مین تمہین سچ سچ کہتا ہون کہ وہ کتاب جو تم پر پڑہی گئی اگر عیسائیون پر پڑہی جاتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے اور یہ نعمت اور ہدایت جو تمہین دیگئی اگر بجائے توریت کے یہودیون کو دی جاتی تو بعض فرقے ان کے قیامت سے منکر نہ ہوتے پس اِس نعمت کی قدر کرو جو تمہین دیگئی - یہ نہایت پیاری نعمت ہے یہ بڑی دولت ہے اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح ہی قران وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہین - انجیل کے لانیوالا وہ روح القدس تہا جو کبوتر کی شکل پر ظاہر ہوا جو

* دوسرا ذریعہ ہدایت کا سُنت ہے یعنی وہ پاک نمونے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل اور عمل سے دکہلائے مثلاً نماز پڑہ کے دکہلائی کہ یون نماز چاہیئے اور روزہ رکہہ کر دکہلایا کہ یون روزہ چاہیئے اسکا نام سُنت ہے یعنی روش نبوی جو خدا کے قول کو فعل کے رنگ مین دکہلاتے رہے سُنت اِسی کا نام ہے - تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے جو آپکے بعد آپکے اقوال جمع کئے گئے اور حدیث کا رُتبہ قرآن اور سُنت سے کمتر ہے کیونکہ اکثر حدیثین ظنی ہین لیکن اگر ساتہ سُنت ہو تو وہ اُسکو یقینی کر دیگی منہ

ایک ضعیف اور کمزور جانور ہے جسکو بلی بھی پکڑ سکتی ہے اسی لیئے عیسائی دن بدن کمزوری کے گڑھے مین پڑتے گئے اور روحانیت انمین باقی نہ رہی۔ کیونکہ تمام ان کے ایمان کا مدار کبوتر پر تہا مگر قرآن کا روح القدس اس عظیم الشان شکل مین ظاہر ہوا تہا جس نے زمین سے لیکر آسمان تک اپنے وجود سے تمام ارض وسما کو بہر دیا تہا۔ پس کجا وہ کبوتر اور کجا یہ تجلی عظیم جس کا قرآن شریف میں بہی ذکر ہے قرآن ایک ہفتہ مین انسان کو پاک کرسکتا ہے اگر صوری یا معنوی اعراض نہ ہو قرآن تمکو نبیون کیطرح کرسکتا ہے اگر تم خود اس سے نہ بہاگو۔ بجز قرآن کس کتاب نے اپنی ابتدا مین ہی اپنے پڑہنے والون کو یہ دعا سکہلائی اور یہ امید دی کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنے ہمین اپنی اُن نعمتون کی راہ دکہلا جو پہلون کو دکہلائی گئی۔ جو نبی اور رسول اور صدیق اور شہید اور صالح تہے پس اپنی ہمتین بلند کرلو اور قرآن کی دعوت کو ردّ مت کرو کہ وہ تمہین وہ نعمتین دینا چاہتا ہے جو پہلون کو دی تہین۔ کیا اوس نے بنی اسرائیل کا ملک اور بنی اسرائیل کا بیت مقدس تمہین عطا نہین کیا جو آجتک تمہارے قبضہ مین ہے پس اے سست اعتقادو اور کمزور ہمتو کیا تمہین یہ خیال ہے کہ تمہارے خدا نے جسمانی طور پر تو بنی اسرائیل کے تمام املاک کا تمہین قایم مقام کردیا۔ مگر روحانی طور پر تمہین قائم مقام نہ کرسکا بلکہ خدا کا تمہاری نسبت اِن سے زیادہ فیض رسانی کا ارادہ ہے خدا نے اُنکے روحانی جسمانی متاع و مال کا تمہین وارث بنایا مگر تمہارا وارث کوئی دوسرا نہ ہوگا جبتک کہ قیامت آجاوے خدا انہین نعمت وحی اور الہام اور مکالمات اور مخاطبات آلہیہ سے ہرگز محروم نہین رکہے گا وہ تم پر وہ سب نعمتین پوری کرے گا جو پہلون کو دی گئیں لیکن جو شخص گستاخی کی راہ سے خدا پر جہوٹہ باندہے گا اور کہیگا کہ خدا کی وحی میری پر نازل ہوئی حالانکہ نہین نازل ہوئی اور یا کہے گا کہ مجہے شرف مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ کا نصیب ہوا حالانکہ نہین نصیب ہوا تو مین خدا اور اسکے ملایکہ کو گواہ رکہہ کر کہتا ہون کہ وہ ہلاک کیا جائیگا کیونکہ اوس نے اپنے خالق پر جہوٹ باندہا اور فریب کیا اور سخت بیباکی اور شوخی ظاہر کی سو تم اِس مقام مین ڈرو لعنت ہے ان لوگون پر جو جہوٹی

خوابین بناتے ہین اور جہوٹے مکالمات اور مخاطبات کا دعوی کرتے ہین گویا وہ دل مین
خیال کرتے ہین کہ خدا نہین پر خدا کا عقاب انکو سخت پکڑے گا اور اُن کا بُرا دن اُن سے
ٹل نہین سکتا سو تُم صدق اور راستی اور تقوی اور محبّت ذاتیہ الہیّہ مین ترقی کرو اور اپنا کام یہی
سمجہو جبتک زندگی ہے پہر خدا تم مین سے جسکی نسبت چاہیگا اسکو اپنے مکالمہ مخاطبہ سے
بہی مشرف کریگا تمہین ایسی تمنا بہی نہین چاہیئے تا نفسانی تمنّا کی وجہ سے سلسلہ شیطانیہ
شروع نہ ہو جائے جس سے کئی لوگ ہلاک ہو جاتے ہین پس تم خدمت اور عبادت مین لگے
رہو تمہارے تمام کوشش اسی مین مصروف ہونی چاہیئے کہ تم خدا کے تمام احکام کے پابند
ہو جاؤ اور یقین مین ترقی چاہو نجات کے لئے نہ الہام نمائی کیلئے قرآن شریف نے تمہارے
لئے بہت پاک احکام لکہے ہین جنمین سے ایک یہ ہے کہ تم شرک سے بکلی پرہیز کرو کہ مشرک
سرچشمۂ نجات سے بے نصیب ہے۔ تم جہوٹ نہ بولو کہ جہوٹ بہی ایک حصہ شرک ہے۔ قرآن
تمہین انجیل کیطرح یہ نہین کہتا کہ صرف بدنظری اور شہوت کے خیال سے نامحرم عورتون کو مت
دیکہہ اور بجز اسکے دیکہنا حلال۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ ہرگز نہ دیکہہ نہ بدنظری سے اور نہ نیک نظری
سے کہ یہ سب تمہارے لئے ٹہوکر کی جگہ ہے بلکہ چاہیئے کہ نامحرم کے مقابلہ کیوقت تیری آنکہ
خوابیدہ رہے تجہے اسکی صورت کی کچہہ بہی خبر نہ ہو مگر اُسی قدر جیسا کہ ایک دہندلی نظر
سے ابتدا نزول الماء مین انسان دیکہتا ہے۔ قرآن تمہین انجیل کیطرح یہ نہین کہتا کہ اتنی
شراب مت پیؤ کہ مست ہو جاؤ بلکہ وہ کہتا ہے کہ ہرگز نہ پی ورنہ تجہے خدا کی راہ نہین
ملیگی اور خدا تجہہ سے ہمکلام نہین ہوگا اور نہ پلیدیون سے پاک کریگا اور وہ کہتا ہے کہ یہ
شیطان کی ایجاد ہے تم اس سے بچو۔ قرآن تمہین انجیل کیطرح فقط یہ نہین کہتا کہ اپنے
بہائی پر بے سبب غصہ مت ہو بلکہ وہ کہتا ہے کہ نہ صرف اپنے ہی غصہ کو تہام بلکہ تواصوا بالمرحمۃ
پر عمل بہی کرا اور دوسرون کو بہی کہتا رہ کہ ایسا کرین اور نہ صرف خود رحم کر بلکہ رحم کیلئے اپنے تمام بہائیون
کو وصیت بہی کر۔ اور قرآن تمہین انجیل کیطرح یہ نہین کہتا کہ بجز زناہ کے اپنی بیوی کی ہر ایک
ناپاکی پر صبر کرو اور طلاق مت دو بلکہ وہ کہتا ہے الطیبات للطیبین قرآن کا یہ منشا ہے کہ

ناپاک پاک کے ساتھہ رہ نہین سکتا۔ پس اگر تیری بیوی زنا تو نہین کرتی مگر شہوت کی نظر سے غیر لوگون کو دیکھتی ہے اور اُن سے بغل گیر ہوتی ہے اور زنا کے مقدمات اُس سے صادر ہوتے ہین گو ابھی تکمیل نہین ہوئی اور غیر کو اپنی برہنگی دکھلا دیتی ہے اور مشرکہ اور مفسدہ ہے اور جس پاک خدا پر تو ایمان رکھتا ہے اُس سے وہ بیزار ہے تو اگر وہ باز نہ آوے تو تو اُسے طلاق دے سکتا ہے کیونکہ وہ اپنے اعمال مین تجھہ سے علیحدہ ہو گئی اور تیرے جسم کا ٹکڑہ نہین رہی۔ پس تیرے لئے اب جائز نہین ہے کہ تو دیّوثی سے اسکے ساتھہ بسر کرے کیونکہ اب وہ تیرے جسم کا ٹکڑہ نہین ایک گندہ اور متعفن عضو ہے جو کاٹنے کے لائق ہے ایسا نہ ہو کہ وہ باقی عضو کو بھی گندہ کرے اور تو مر جاوے۔ اور قرآن تمہین انجیل کیطرح یہ نہین کہتا کہ ہرگز قسم نہ کھا بلکہ بیہودہ قسمون سے تمہین روکتا ہے کیونکہ بعض صورتون مین قسم فیصلہ کے لئے ایک ذریعہ ہے اور خدا کسی ذریعہ ثبوت کو ضائع کرنا نہین چاہتا کیونکہ اس سے اُسکی حکمت تلف ہوتی ہے یہ طبعی امر ہے کہ جب کوئی انسان ایک متنازعہ فیہ امر مین گواہی نہ دے تب فیصلہ کے لئے خدائی گواہی کی ضرورت ہے اور قسم خدا کو گواہ ٹھہرانا ہے۔ اور قرآن تمہین انجیل کیطرح یہ نہین کہتا کہ ہر ایک جگہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ وہ کہتا ہے جزاء سيئة سيئة مثلها فمن عفا واصلح فاجره على الله یعنی بدی کا بدلہ اُسیقدر بدی ہے جو کی گئی لیکن جو شخص عفو کرے اور گناہ بخش دے اور اس عفو سے کوئی اصلاح پیدا ہوتی ہو نہ کوئی خرابی تو خدا اس سے راضی ہے اور اُسے اُس کا بدلہ دیگا۔ پس قرآن کے رو سے نہ ہر ایک جگہ انتقام محمود ہے اور نہ ہر ایک جگہ عفو قابل تعریف ہے بلکہ محل شناسی کرنی چاہئے اور چاہئے کہ انتقام اور عفو کی سیرت بپابندی محل و مصلحت ہو نہ بیقیدی کے رنگ مین یہی قرآن کا مطلب ہے۔ اور قرآن انجیل کیطرح یہ نہین کہتا کہ اپنے دشمنون سے پیار کرو بلکہ وہ کہتا ہے کہ چاہیے کہ نفسانی رنگ مین تیرا کوئی بھی دشمن نہ ہو اور تیری ہمدردی ہر ایک کیلئے عام ہو مگر جو تیرے خدا کا دشمن تیرے رسول کا دشمن اور کتاب اللہ کا دشمن ہے وہی تیرا دشمن ہوگا سو تو ایسون کو بھی دعوت اور دعا سے محروم نہ رکھہ اور چاہئے کہ تو اُنکے اعمال سے دشمنی رکھے نہ اُنکی ذات سے اور کوشش کرے کہ وہ درست ہو جائین اور اس بارہ مین

فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاۗءِ ذِی الْقُرْبٰی یعنے خدا تم سے کیا چاہتا ہے بس یہی کہ تم تمام نوع انسان سے عدل کے ساتھہ پیش آیا کرو پھر اس سے بڑھکر یہ ہے کہ ان سے بھی نیکی کرو جنہوں نے تم سے کوئی نیکی نہین کی۔ پھر اس سے بڑھکر یہ ہے کہ تم مخلوق خدا سے ایسی ہمدردی کے ساتھہ پیش آؤ کہ گویا تم انکے حقیقی رشتہ دار ہو جیسا کہ مائین اپنے بچون سے پیش آتی ہین کیونکہ احسان مین ایک خودنمائی کا مادہ بھی مخفی ہوتا ہے اور احسان کرنیوالا کبھی اپنے احسان کو جتلا بھی دیتا ہے لیکن وہ جو مان کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرتا ہے وہ کبھی خودنمائی نہین کرسکتا۔ پس آخری درجہ نیکیون کا طبعی جوش ہے جو مان کیطرح ہو اور یہ آیت نہ صرف مخلوق کے متعلق ہے بلکہ خدا کے متعلق بھی ہے خدا سے عدل یہ ہے کہ اسکی نعمتونکو یاد کرکے اسکی فرمان برداری کرنا اور خدا سے احسان یہ ہے کہ اسکی ذات پر ایسا یقین کرلینا کہ گویا اسکو دیکھہ رہا ہے اور خدا سے ایتاء ذی القربےٰ یہ ہے کہ تم اسکی عبادت نہ تو بہشت کے طمع سے ہو اور نہ دوزخ کے خوف سے۔ بلکہ اگر فرض کیا جائے کہ نہ بہشت ہے اور نہ دوزخ ہے تب بھی جوش محبت اور اطاعت مین فرق نہ آوے۔ اور انجیل مین لکھا گیا ہے کہ جو لوگ تمپر لعنت کرین اُن کے لئے برکت چاہو مگر قرآن کہتا ہے کہ تم اپنی خودی سے کچھہ بھی نہ کرو۔ تم اپنے دل سے جو خدا کی تجلیات کا گھر ہے فتوے پوچھو کہ ایسے شخص کے ساتھہ کیا معاملہ چاہئے پس اگر خدا تمہارے دل مین ڈالے کہ یہ لعنت کرنیوالا قابل رحم ہے اور آسمان مین اُسپر لعنت نہین تو تم بھی لعنت نہ کرو تا خدا کے مخالف نہ ٹھہرو۔ لیکن اگر تمہارا کانشنس اسکو معذور نہین ٹھہراتا اور تمہارے دل مین ڈالا گیا ہے کہ آسمان پر اس شخص پر لعنت ہے تو تم اس کے لیئے برکت نہ چاہو جیسا کہ شیطان کے لئے کسی نبی نے برکت نہین چاہی اور کسی نبی نے اسکو لعنت سے آزاد نہین کیا۔ مگر کسی کی نسبت لعنت مین جلدی نہ کرو کہ بہتیری بدظنیان جھوٹھیان ہین اور بہتیری لعنتین اپنے ہی پر پڑتی ہین سنبہل کر قدم رکھو اور خوب پڑتال کرکے کوئی کام کرو اور خدا سے مدد مانگو کیونکہ تم اندھے ہو ایسا نہ ہو کہ عادل کو ظالم ٹھہراؤ۔ اور صادق کو کاذب خیال کرو۔ اس طرح تم اپنے خدا کو ناراض کردو اور تمہارے سب نیک اعمال حبط ہو جاوین۔

ایسا ہی انجیل مین کہا گیا ہے کہ تم اپنے نیک کامون کو لوگون کے سامنے دکہلانے کیلئے نہ کرو مگر قرآن کہتا ہے کہ تم ایسا مت کرو کہ اپنے سارے کام لوگون سے چہپاؤ بلکہ تم حسب مصلحت بعض اپنے نیک اعمال پوشیدہ طور پر بجالاؤ جبکہ تم دیکہو کہ پوشیدہ کرنا تمہارے نفس کے لئے بہتر ہے اور بعض اعمال دکہلا کر بہی کرو جبکہ تم دیکہو کہ دکہلانے مین عام لوگون کی بہلائی ہے تا تمہین دو بدلے ملین اور تا کمزور لوگ کہ جو ایک نیکی کے کام پر جرأت نہین کر سکتے وہ بہی تمہاری پیروی سے اُس نیک کام کو کرلین۔ غرض خدا نے جو اپنے کلام مین فرمایا۔ سرًّا وعلانیۃ یعنے پوشیدہ بہی خیرات کرو اور دکہلا دکہلا کر بہی ان احکام کی حکمت اوس نے خود فرمادی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ نہ صرف قول سے لوگون کو سمجہاؤ بلکہ فعل سے بہی تحریک کرو کیونکہ ہر ایک جگہ قول اثر نہین کرتا بلکہ اکثر جگہ نمونہ کا بہت اثر ہوتا ہے۔

ایسا ہی انجیل مین ہے کہ جب تو دعا مانگے تو اپنی کوٹہری مین جا۔ مگر قرآن سکہاتا ہے کہ اپنی دعا کو ہر یک موقعہ پر پوشیدہ مت کرو بلکہ تم لوگون کے روبرو اور اپنے بہائیون کے مجمع کے ساتہہ بہی کہلی کہلی طور پر دعا کیا کرو تا اگر کوئی دعا منظور ہو تو اس مجمع کیلئے ایمان کی ترقی کا موجب ہو اور تا دوسرے لوگ بہی دعا مین رغبت کرین۔

ایسا ہی انجیل مین ہے کہ تم اس طرح دعا کرو کہ اے ہمارے باپ کہ جو آسمان پر ہے تیرے نام کی تقدیس ہو۔ تیری بادشاہت آوے تیری مرضی جیسی آسمان پر ہے زمین پر آوے ہماری روزانہ روٹی آج ہمین بخش۔ اور جس طرح ہم اپنے قرضدارون کو بخشتے ہین تو اپنے قرض کو ہمین بخشدے اور ہمین آزمایش مین نہ ڈال بلکہ برائی سے بچا کیونکہ بادشاہت اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہین۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ یہ نہین کہ زمین تقدیس سے خالی ہے بلکہ زمین پر بہی خدا کی تقدیس ہو رہی ہے نہ صرف آسمان پر جیسا کہ وہ فرماتا ہے وان من شیء الا یسبح بحمدہ۔ یسبح للہ ما فی السموات وما فی الارض یعنی ذرہ ذرہ زمین کا اور آسمان کا خدا کی تحمید اور تقدیس کر رہا ہے اور جو کچہہ انمین ہے وہ تحمید اور تقدیس مین مشغول ہے پہاڑ اوسکی ذکر مین مشغول ہین دریا اوسکے ذکر مین مشغول ہین درخت اُسکے ذکر مین مشغول ہین اور بہت سے راستباز

اسکے ذکر مین مشغول ہین اور جو شخص دل اور زبان کے ساتھہ اسکے ذکر مین مشغول نہین اور خدا کے آگے فروتنی نہین کرتا اس سے طرح طرح کے شکنجون اور عذابون سے قضا و قدر الٰہی فروتنی کرا رہی ہے اور جو کچھہ فرشتون کے بارے مین خدا کی کتاب مین لکھا ہے کہ وہ نہایت درجہ اطاعت کر رہے ہین یہی تعریف زمین کے پات پات اور ذرہ ذرہ کی نسبت قرآن شریف مین موجود ہے کہ ہر ایک چیز اوسکی اطاعت کر رہی ہے ایک پتہ بھی بجز اسکے امر کے گر نہین سکتا اور بجز اس کے حکم کے نہ کوئی دوا شفا دے سکتی ہے اور نہ کوئی غذا موافق ہو سکتی ہے اور ہر ایک چیز غایت درجہ کی تذلل اور عبودیت سے خدا کے آستانہ پر گری ہوئی ہے اور اُسکی فرمانبرداری مین مستغرق ہے پہاڑون اور زمین کا ذرہ ذرہ اور دریاؤن اور سمندرون کا قطرہ قطرہ اور درختون اور بوٹیون کا پات پات اور ہر ایک جز اُن کا اور انسان اور حیوانات کے کل ذرات خدا کو پہچانتے ہین اور اسکی اطاعت کرتے ہین اور اسکی تحمید و تقدیس مین مشغول ہین اسیواسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یسبح للہ ما فی السموٰت وما فی الارض یعنے جیسے آسمان پر ہر ایک چیز خدا کی تسبیح و تقدیس کر رہی ہے ویسے زمین پر بھی ہر ایک چیز اُسکی تسبیح و تقدیس کرتی ہے۔ پس کیا زمین پر خدا کی تحمید و تقدیس نہین ہوتی ایسا کلمہ ایک کامل عارف کے مونہہ سے نہین نکل سکتا بلکہ زمین کی چیزون مین سے کوئی چیز تو شریعت کے احکام کی اطاعت کر رہی ہے اور کوئی چیز قضا و قدر کے احکام کے تابع ہے اور کوئی دونون کی اطاعت مین کمربستہ ہے کیا بادل کیا ہوا کیا آگ کیا زمین سب خدا کی اطاعت اور تقدیس مین محو ہین اگر کوئی انسان الٰہی شریعت کے احکام کا سرکش ہے تو الٰہی قضا و قدر کے حکم کا تابع ہے۔ ان دونون حکومتون سے باہر کوئی نہین کسی نہ کسی آسمانی حکومت کا جُوا ہر ایک کی گردن پر ہے۔ ہان البتہ انسانی دلون کی صلاح اور فساد کے لحاظ سے غفلت اور ذکر الٰہی نوبت بہ نوبت زمین پر اپنا غلبہ کرتے ہین مگر بغیر خدا کی حکمت اور مصلحت کے یہ مدّ و جزر خود بخود نہین خدا نے چاہا کہ زمین مین ایسا ہو سو ہو گیا سو ہدایت اور ضلالت کا دور بھی دن رات کے دور کی طرح خدا کے قانون اور اذن کے موافق چل رہا ہے نہ خود بخود باوجود اسکے ہر ایک چیز اسکی آواز سنتی ہے اور اسکی پاکی یاد کرتی ہے مگر انجیل کہتی ہے کہ زمین خدا کی تقدیس سے خالی

ہے؟ اسکا سبب اِس انجیلی دُعا کے اگلے فقرہ مین لطور اشارہ بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ ابھی اوسمین خدا کی بادشاہت نہین آئی اِسلئے حکومت نہ ہونیکی وجہ سے نہ کسی اور وجہ سے خدا کی مرضی ایسے طور سے زمین پر نافذ نہین ہوسکی جیسا کہ آسمان پر نافذ ہے مگر قران کی تعلیم سراسر اسکے برخلاف ہے وہ تو صاف لفظون مین کہتا ہے کہ کوئی چور خونی۔ زانی۔ کافر فاسق۔ سرکش۔ جرایم پیشہ کسی قسم کی بدی زمین پر نہین کرسکتا جبتک کہ آسمان پر سے اُسکو اختیار نہ دیا جائے پس کیونکر کہا جائے کہ آسمانی بادشاہت زمین پر نہین کیا کوئی مخالف قبضہ زمین پر خدا کے احکام کے جاری ہونے سے مزاحم ہے سبحان اللہ ایسا ہرگز نہین بلکہ خدا نے خود آسمان پر فرشتون کے لئے جدا قانون بنایا اور زمین پر انسانون کے لئے جدا اور خدا نے اپنی آسمانی بادشاہت مین فرشتون کو کوئی اختیار نہین دیا بلکہ اون کی فطرت مین ہی اطاعت کا مادہ رکہدیا ہے وہ مخالفت کر ہی نہین سکتے اور سہو و نسیان اُنپر وارد نہین ہوسکتا لیکن انسانی فطرت کو قبول عدم قبول کا اختیار دیا گیا ہے اور چونکہ یہ اختیار اوپر سے دیا گیا ہے اِسلئے نہین کہہ سکتے کہ فاسق انسان کے وجود سے خدا کی بادشاہت زمین سے جاتی رہی بلکہ ہر رنگ مین خدا کی ہی بادشاہت ہے ہان صرف قانون دو ہین۔ ایک آسمانی فرشتون کے لئے قضا و قدر کا قانون ہے کہ وہ بدی کر ہی نہین سکتے اور ایک زمین پر انسانون کیلئے خدا کے قضا و قدر کے متعلق ہے اور وہ یہ کہ آسمان سے اون کو بدی کرنیکا اختیار دیا گیا ہے مگر جب خدا سے طاقت طلب کرین یعنی استغفار کرین تو روح القدس کی تائید سے اُنکی کمزوری دور ہوسکتی ہے اور وہ گناہ کے ارتکاب سے بچ سکتے ہین جیسا کہ خدا کے نبی اور رسول بچتے ہین اور اگر ایسے لوگ ہین کہ گنہگار ہو چکے ہین تو استغفار اُن کو یہ فائدہ پہنچاتا ہے کہ گناہ کے نتایج سے یعنی عذاب سے بچائے جاتے ہین کیونکہ نور کے آنے سے ظلمت باقی نہین رہ سکتی۔ اور جرائم پیشہ جو استغفار نہین کرتے یعنی خدا سے طاقت نہین مانگتے وہ اپنے جرائم کی سزا پاتے رہتے ہین۔ دیکھو آجکل طاعون بھی لطور سزا کے زمین پر اُتری ہے اور خدا کے سرکش اوس سے ہلاک ہوتے

جاتے ہین پہر کیونکر کہا جائے کہ خدا کی بادشاہت زمین پر نہین یہ خیال مت کرو کہ اگر
زمین پر خدا کی بادشاہت ہے تو پہر لوگون سے جرائم کیون ظہور مین آتے ہین کیونکہ جرائم
بہی خدا کے قانون قضاء و قدر کے نیچے ہین سو اگرچہ وہ لوگ قانون شریعت سے باہر ہو جاتے
ہین مگر قانون تکوین یعنے قضاء و قدر سے وہ باہر نہین ہو سکتے پس کیونکر کہا جائے
کہ جرائم پیشہ لوگ آلہی سلطنت کا جُوا اپنے گردن پر نہین رکہتے دیکہو اس ملک برٹش انڈیا
مین چوریان بہی ہوتی ہین خون بہی ہوتے ہین زناکار اور خائن اور مرتشی وغیرہ ہر یک
قسم کے جرائم پیشہ بہی پائے جاتے ہین مگر نہین کہہ سکتے کہ اس ملک مین سرکار انگریزی
کا راج نہین - کیونکہ راج تو ہے مگر گورنمنٹ نے عمدًا ایسے سخت قانون کو مناسب نہین
سمجہا جسکی وہشت سے لوگون پر زندگی مشکل ہو جائے ورنہ اگر گورنمنٹ تمام جرائم پیشہ کو ایک
تکلیف دہ زندان مین رکہہ کر اونکو جرائم سے روکنا چاہے تو بہت آسانی سے وہ رک سکتے
ہین یا اگر قانون مین سخت سزائین رکہی جائین تو ان جرائم کا انسداد ہو سکتا ہے پس تم
سمجہہ سکتے ہو کہ جس قدر اس ملک مین شراب پی جاتی ہے فاحشہ عورتین بڑہتی جاتی ہین
چوری اور خون کی وارداتین ہوتی ہین یہ اس لئے نہین کہ گورنمنٹ انگریزی کا یہان راج
نہین بلکہ گورنمنٹ کے قانون کی نرمی نے جرائم مین کثرت پیدا کر دی ہے نہ یہ کہ گورنمنٹ
انگریزی اس جگہ سے اُٹہہ گئی ہے بلکہ سلطنت کا اختیار ہے کہ قانون کو سخت کر کے اور
سنگین سزائین مقرر کر کے ارتکاب جرائم سے روک دے جبکہ انسانی سلطنت کا یہ حال ہے
کہ جو الٰہی سلطنت کے مقابل پر کچہہ بہی چیز نہین تو آلہی سلطنت کس قدر اقتدار اور اختیار رکہتی
ہے اگر خدا کا قانون ابہی سخت ہو جائے اور ہر یک زنا کرنیوالے پر بجلی پڑے اور ہر یک چور
کو یہ بیماری پیدا ہو کہ ہاتہہ گل سڑ کر گر جائین اور ہر یک سرکش خدا کا منکر اسکے دین کا منکر
طاعون سے مرے تو ایک ہفتہ گذرنے سے پہلے ہی تمام دنیا راستبازی اور نیک بختی
کی چادر پہن سکتی ہے - پس خدا کی زمین پر بادشاہت تو ہے لیکن آسمانی قانون کی نرمی
نے اس قدر آزادی دے رکہی ہے کہ جرائم پیشہ جلدی نہین پکڑے جاتے ہان سزائین

بھی پھٹتی رہتی ہیں۔ زلزلے آتے ہیں۔ بجلیاں پڑتی ہیں۔ کوہ آتش فشان آتشبازی کی طرح مشتعل ہو کر ہزاروں جانوں کا نقصان کرتے جاتے ہیں جہاز غرق ہوتے ہیں ریل گاڑیوں کے ذریعہ سے صدہا جانیں تلف ہوتی ہیں۔ طوفان آتے ہیں مکانات گرتے ہیں سانپ کاٹتے ہیں درندے پھاڑتے ہیں وبائیں پڑتی ہیں اور فنا کرنے کا نہ ایک دروازہ بلکہ ہزارہا دروازے کھلے ہیں جو مجرمین کی پاداش کیلئے خدا کے قانون قدرت نے مقرر کر رکھے ہیں پھر کیونکر کہا جائے کہ خدا کی زمین پر **بادشاہت نہیں** سچ یہی ہے کہ بادشاہت تو ہے ہر ایک مجرم کے ہاتھ میں ہتکڑیاں پڑی ہیں اور پاؤں میں زنجیر ہیں مگر حکمت الہی نے اس قدر اپنے قانون کو نرم کر دیا ہے کہ وہ ہتکڑیاں اور وہ زنجیریں فی الفور اپنا اثر نہیں دکھاتی ہیں اور آخر اگر انسان باز نہ آوے تو دائمی جہنم تک پہنچاتی ہیں اور اس عذاب میں ڈالتی ہیں جس سے ایک مجرم نہ زندہ رہے اور نہ مرے۔ غرض قانون **دو ہیں ایک** وہ قانون جو فرشتوں کے متعلق ہے یعنی یہ کہ وہ محض اطاعت کیلئے پیدا کئے گئے ہیں اور انکی اطاعت محض فطرت روشن کا ایک خاصہ ہے وہ گناہ نہیں کر سکتے مگر نیکی میں ترقی بھی نہیں کر سکتے (۲) دوسرا قانون وہ ہے جو انسانوں کے متعلق ہے یعنی یہ کہ انسانوں کی فطرت میں یہ رکھا گیا ہے کہ وہ گنہ کر سکتے ہیں مگر نیکی میں ترقی بھی کر سکتے ہیں یہ دونوں فطرتی قانون غیر متبدل ہیں اور جیسا کہ فرشتہ انسان نہیں بن سکتا ہے ایسا ہی انسان بھی فرشتہ نہیں ہو سکتا ہے یہ دونوں قانون بدل نہیں سکتے ازلی اور اٹل ہیں اسلئے آسمان کا قانون زمین پر نہیں آسکتا اور نہ زمین کا قانون فرشتوں کے متعلق ہو سکتا ہے۔ انسانی خطاکاریاں اگر توبہ کے ساتھ ختم ہوں تو وہ انسان کو فرشتوں سے بہت اچھا بنا سکتی ہیں کیونکہ فرشتوں میں ترقی کا مادہ نہیں انسان کے گنہ توبہ سے بخشے جاتے ہیں اور حکمت الہی نے بعض افراد میں سلسلہ خطاکاریوں کا باقی رکھا ہے تا وہ گناہ کر کے اپنی کمزوری پر اطلاع پاویں اور پھر توبہ کر کے بخشے جاویں یہی قانون ہے جو انسان کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور اسی کو انسانوں کی فطرت چاہتی ہے سہو و نسیان انسانی فطرت کا خاصہ ہے فرشتہ کا خاصہ نہیں پس وہ قانون جو فرشتوں کے

متعلق ہے انسانوں میں کیونکر نافذ ہوسکے۔ یہ خطا کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف کمزوری منسوب کی جاوے صرف قانون کے نتائج ہیں جو زمین پر جاری ہو رہے ہیں نعوذ باللہ کیا خدا ایسا کمزور ہے جسکی بادشاہت اور قدرت اور جلال صرف آسمان تک ہی محدود ہے یا زمین کا کوئی اور خدا ہے جو زمین پر مخالفانہ قبضہ رکھتا ہے اور عیسائیوں کو اس بات پر زور دینا اچھا نہیں کہ **صرف آسمان** میں ہی خدا کی بادشاہت ہے جو ابھی زمین پر نہیں آئی کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ آسمان کچھ چیز نہیں اب ظاہر ہے کہ جبکہ آسمان کچھ چیز نہیں جس پر خدا کی بادشاہت ہو اور زمین پر ابھی خدا کی بادشاہت آئی نہیں تو گویا خدا کی بادشاہت کسی جگہ بھی نہیں۔ ماسوا اسکے ہم خدا کی زمینی بادشاہت کو بچشم خود دیکھ رہے ہیں اُسکے قانون کے موافق ہماری عمریں ختم ہو جاتی ہیں اور ہماری حالتیں بدلتی رہتی ہیں اور صدہا رنگ کے راحت اور رنج ہم دیکھتے ہیں ہزارہا لوگ خدا کے حکم سے مرتے ہیں اور ہزارہا پیدا ہوتے ہیں دعائیں قبول ہوتی ہیں نشان ظاہر ہوتے ہیں زمین ہزارہا قسم کے نباتات اور پھل اور پھول اسکے حکم سے پیدا کرتی ہے تو کیا یہ سب کچھ خدا کی بادشاہت کے بغیر ہو رہا ہے بلکہ آسمانی اجرام تو ایک ہی صورت اور منوال پر چلے آتے ہیں اور اُن میں تغیر تبدیل جس سے ایک مغیر مبدل کا پتہ ملتا ہو کچھ محسوس نہیں ہوتی مگر زمین ہزارہا تغیرات اور انقلابات اور تبدلات کا نشانہ ہو رہی ہے ہر روز کروڑہا انسان دُنیا سے گذرتے ہیں اور کروڑہا پیدا ہوتے ہیں اور ہر ایک پہلو اور ہر ایک طور سے ایک مقتدر صانع کا تصرف محسوس ہو رہا ہے تو کیا ابھی تک خدا کی بادشاہت زمین پر نہیں اور انجیل نے اسپر کوئی دلیل پیش نہیں کی کہ کیوں ابھی تک خدا کی بادشاہت زمین پر نہیں آئی۔ البتہ مسیح کا باغ میں اپنے بچ جانیکے لئے ساری رات دعا کرنا اور دعا قبول بھی ہو جانا جیسا کہ عبرانیان ۵ آیت ۷ میں لکھا ہے مگر پھر بھی خدا کا اُسکے چھڑانے پر قادر نہ ہونا یہ بزعم عیسائیان ایک دلیل ہو سکتی ہے کہ اُس زمانہ میں خدا کی بادشاہت زمین پر نہیں تھی مگر ہمنے اس سے بڑھکر ابتلاء دیکھے ہیں اور اُن سے **نجات پائی** ہے ہم کیونکر خدا کی بادشاہت کا **انکار کر سکتے ہیں** کیا وہ خون کا مقدمہ جو میرے قتل کرنیکے لئے مارٹن کلارک کیطرف

سے عدالت کپتان ڈگلس میں پیش ہوا تھا وہ اس مقدمہ سے کچھ خفیف تھا جو محض مذہبی اختلاف کی وجہ سے نہ کسی خون کے اتہام سے یہودیوں کی طرف سے عدالت پیلاطوس میں دائر کیا گیا تھا مگر چونکہ خدا زمین کا بھی بادشاہ ہے جیسا کہ آسمان کا اسلئے اس نے اس مقدمہ کی پہلے سے مجھے خبر دیدی کہ یہ ابتلا آنیوالا ہے اور پھر خبر دیدی کہ میں تمکو بری کرونگا اور وہ خبر صدہا انسانوں کو قبل از وقت سنائی گئی اور آخر مجھے بری کیا گیا پس یہ خدا کی بادشاہت تھی جس نے اس مقدمہ سے مجھے بچا لیا جو مسلمانوں اور ہندوؤں اور عیسائیوں کے اتفاق سے مجھ پر کھڑا کیا گیا تھا ایسا ہی نہ ایک دفعہ بلکہ بیسیوں دفعہ مینے خدا کی بادشاہت کو زمین پر دیکھا اور مجھے خدا کی اس آیت پر ایمان لانا پڑا کہ لہٗ ملک السموات والارض یعنی زمین پر بھی خدا کی بادشاہت ہے اور آسمان پر بھی۔ اور پھر اس آیت پر ایمان لانا پڑا کہ انّما امرہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون یعنی تمام زمین و آسمان اُسکی اطاعت کر رہی ہے جب ایک کام کو چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا تو فی الفور وہ کام ہو جاتا ہے اور پھر فرماتا ہے واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون یعنے خدا اپنے ارادہ پر غالب ہے مگر اکثر لوگ خدا کے قہر اور جبروت سے بیخبر ہیں غرض یہ تو انجیل کی دعا ہے جو انسانوں کو خدا کی رحمت سے نومید کرتی ہے اور اسکی ربوبیت اور افاضہ اور جزا سزا سے عیسائیوں کو بیباک کرتی ہے اور اسکو زمین پر مدد دینے کے قابل نہیں جانتی جبتک اسکی بادشاہت زمین پر نہ آوے لیکن اسکے مقابل پر جو دعا خدا نے مسلمانوں کو قرآن میں سکھلائی ہے وہ اس بات کو پیش کرتی ہے کہ زمین پر خدا مسلوب السلطنت لوگوں کیطرح بیکار نہیں ہے بلکہ اسکا سلسلہ ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت اور مجازات زمین پر جاری ہے اور وہ اپنے عابدوں کو مدد دینے کی طاقت رکھتا ہے اور مجرموں کو اپنے غضب سے ہلاک کر سکتا ہے وہ دعا یہ ہے

الحمد للّٰہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مٰلک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ آمین۔ ترجمہ

وہ خدا ہی ہے جو تمام تعریفوں کا مستحق ہے یعنی اسکی بادشاہت مین کوئی نقص نہین اور اسکی خوبیون کے لئے کوئی ایسی حالت منتظرہ باقی نہین جو آج نہین مگر کل حاصل ہوگی اور اسکی بادشاہت کے لوازم مین سے کوئی چیز بیکار نہین تمام عالمون کی پرورش کر رہا ہے بغیر عوض اعمال کے رحمت کرتا ہے اور نیز بعوض اعمال رحمت کرتا ہے جزا سزا وقت مقرر پر دیتا ہے اُسی کی ہم عبادت کرتے ہین اور اُسی سے ہم مدد چاہتے ہین اور دعا کرتے ہین کہ ہمین تمام نعمتون کی راہین دکہلا اور غضب کی راہون اور ضلالت کی راہون سے دور رکہہ +

یہ دعا جو سورۃ **فاتحہ** مین ہے انجیل کی دعا سے بالکل نقیض ہے کیونکہ انجیل مین زمین پر خدا کی موجودہ بادشاہت ہونے سے انکار کیا گیا ہے پس انجیل کے رو سے نہ زمین پر خدا کی ربوبیت کچھہ کام کر رہی ہے نہ رحمانیّت نہ رحیمیّت نہ قدرت جزا سزا کیونکہ ابہی زمین پر خدا کی بادشاہت نہین آئی۔ مگر سورۃ فاتحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر خدا کی بادشاہت موجود ہے اسی لئے سورۃ فاتحہ مین تمام لوازم بادشاہت کے بیان کئے گئے ہین ظاہر ہے کہ بادشاہ مین یہ صفات ہونی چاہئین کہ وہ لوگون کی پرورش پر قدرت رکہتا ہو سو سورۃ فاتحہ مین رب العالمین کے لفظ سے اس صفت کو ثابت کیا گیا ہے۔ پہر دوسری صفت بادشاہ کی یہ چاہئے کہ جو کچھہ اسکی رعایا کو اپنی آبادی کے لئے ضروری سامان کی حاجت ہے وہ بغیر عوض اُنکی خدمات کے خود رحم خسروانہ سے بجا لاوے سو الرحمٰن کے لفظ سے اِس صفت کو ثابت کر دیا ہے۔ تیسری صفت بادشاہ مین یہ چاہئے کہ جن کامون کو اپنی کوشش سے رعایا انجام تک نہ پہنچا سکے انکے انجام کیلئے مناسب طور پر مدد دے سو الرحیم کے لفظ سے اس صفت کو ثابت کیا ہے چوتہی صفت بادشاہ مین یہ چاہئے کہ جزا و سزا پر قادر ہو تا سیاست مدنی کے کام مین خلل نہ پڑے سو مالک یوم الدین کی لفظ سے اس صفت کو ظاہر کر دیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ سورۃ موصوفہ بالا نے تمام وہ لوازم بادشاہت پیش کئے ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین پر خدا کی بادشاہت اور بادشاہی تصرّفات موجود ہین چنانچہ اُسکی ربوبیت بہی موجود اور رحمانیت بہی موجود اور رحیمیت بہی موجود اور سلسلہ امداد بہی موجود اور سلسلہ سزا بہی موجود غرض جو کچھہ بادشاہت کے لوازم مین سے ہوتا ہے زمین پر سب کچھہ خدا کا موجود ہے اور ایک ذرہ بہی اُس کے حکم سے باہر نہین

ہرایک جزواوسکے ہاتھ مین ہے ہرایک رحمت اُسکے ہاتھ مین ہے مگر انجیل یہ دعا سکھلاتی
ہے کہ ابھی خدا کی بادشاہت تم مین نہین آئی اوس کے آنے کے لئے خدا سے دعا مانگا
کرو تا وہ آجائے یعنی ابھی تک ان کا خدا زمین کا مالک اور بادشاہ نہین اِس لئے
ایسے خدا سے کیا امید ہوسکتی ہے سُنو اور سمجھو کہ بڑی معرفت یہی ہے کہ زمین کا ذرہ
ذرہ بھی ایسا ہی خدا کے قبضہ اقتدار مین ہے جیسا کہ آسمان کا ذرہ ذرہ خدا کی بادشاہت
مین ہے اور جیسا کہ آسمان پر ایک عظیم الشان تجلی ہے زمین پر بھی ایک عظیم الشان تجلی
ہے بلکہ آسمان کی تجلی تو ایک ایمانی امر ہے عام انسان نہ آسمان پر گئے نہ اوس کا
مشاہدہ کیا مگر زمین پر جو خدا کی بادشاہت کی تجلی ہے وہ تو صریح ہر ایک شخص کو آنکھون
سے نظر آرہی ہے ہر ایک انسان خواہ کیسا ہی دولتمند ہو اپنی خواہش کے مخالف موت
کا پیالہ پیتا ہے پس دیکھو اس شاہ حقیقی کے حکم کی کیسی زمین پر تجلی ہے کہ جب حکم آجاتا
ہے تو کوئی اپنی موت کو ایک سکینڈ بھی روک نہین سکتا۔ ہر ایک خبیث اور ناقابل علاج
مرض جب دامنگیر ہوتی ہے تو کوئی طبیب ڈاکٹر اسکو دور نہین کرسکتا۔ پس غور کرو یہ کیسی
خدا کی بادشاہت کی زمین پر تجلی ہے جو اُسکے حکم رد نہین ہو سکتے۔ پھر کیونکر کہا جائے
کہ زمین پر خدا کی بادشاہت نہین بلکہ آیندہ کسی زمانہ مین آئیگی دیکھو اسی زمانہ مین خدا
کے آسمانی حکم نے طاعون کے ساتھ زمین کو ہلا دیا تا اسکے مسیح موعود کے لئے ایک
نشان ہو پس کون ہے جو اسکی مرضی کے سوا اسکو دور کرسکے پس کیونکر کہہ سکتے ہین کہ
ابھی زمین پر خدا کی بادشاہت نہین۔ ہان ایک بدکار قیدیون کی طرح اسکی زمین مین
زندگی بسر کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کبھی نہ مرے لیکن خدا کی سچی بادشاہت اُسکو
ہلاک کردیتی ہے اور وہ آخر پنجہ ملک الموت مین گرفتار ہوجاتا ہے پھر کیونکہ کہہ سکتے ہین
کہ ابھی تک خدا کی زمین پر بادشاہت نہین۔ دیکھو زمین پر ہر روز خدا کے حکم سے ایک
ساعت مین کروڑہا انسان مرجاتے ہین اور کروڑہا اوس کے ارادہ سے پیدا ہوجاتے ہین
اور کروڑہا اوسکی مرضی سے فقیر سے امیر اور امیر سے فقیر ہوجاتے ہین پھر کیونکر کہہ سکتے ہین

کہ ابھی تک زمین پر خدا کی بادشاہت نہیں آسمانوں پر تو صرف فرشتے رہتے ہیں مگر زمین پر آدمی بھی ہیں اور فرشتے بھی جو خدا کے کارکن اور اسکی سلطنت کے خادم ہیں جو انسانوں کے مختلف کاموں کے محافظ چھوڑے گئے ہیں اور وہ ہر وقت خدا کی اطاعت کرتے ہیں اور اپنی رپورٹیں بھیجتے رہتے ہیں پس کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ زمین پر خدا کی بادشاہت نہیں بلکہ خدا سب سے زیادہ اپنی زمینی بادشاہت سے ہی پہچانا گیا ہے کیونکہ ہر ایک شخص خیال کرتا ہے کہ آسمان کا راز مخفی اور غیر مشہود ہے بلکہ حال کے زمانہ میں قریبًا تمام عیسائی اور اُن کے فلاسفر آسمانوں کے وجود کے ہی قائل نہیں جن پر خدا کی بادشاہت کا انجیلوں میں سارا مدار رکھا گیا ہے مگر زمین تو فی الواقع ایک کرہ ہماری پاؤں کے نیچے ہے اور ہزارہا قضا و قدر کے امور اس پر ایسے ظاہر ہو رہے ہیں جو خود سمجھ آتا ہے کہ یہ سب کچھ تغیر و تبدل اور حدوث اور فنا کسی خاص مالک کے حکم سے ہو رہا ہے پھر کیونکر کہا جائے کہ زمین پر ابھی خدا کی بادشاہت نہیں بلکہ ایسی تعلیم ایسے زمانہ میں جبکہ عیسائیوں میں آسمانوں کا بڑے زور سے انکار کیا گیا ہے نہایت نامناسب ہے کیونکہ انجیل کی اس دعا میں تو قبول کر لیا گیا ہے کہ ابھی زمین پر خدا کی بادشاہت نہیں اور دوسری طرف تمام محققین عیسائیوں نے سچے دل سے یہ بات مان لی ہے یعنی اپنی تحقیقات جدیدہ سے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آسمان کچھ چیز ہی نہیں اُن کا کچھ وجود ہی نہیں پس ماحصل یہ ہوا کہ خدا کی بادشاہت نہ زمین میں ہے نہ آسمان میں آسمانوں سے تو عیسائیوں نے انکار کیا اور زمین کی بادشاہت سے اُنکی انجیل نے خدا کو جواب دیا تو اب بقول ان کے خدا کے پاس نہ زمین کی بادشاہت ہی نہ آسمان کی مگر ہمارے خدائے عزّوجل نے سورۃ فاتحہ میں نہ آسمان کا نام لیا نہ زمین کا نام اور یہہ کہکر حقیقت سے ہمیں خبر دے دی کہ وہ **رب العالمین** ہے یعنی جہاں تک آبادیاں[+] ہیں اور جہاں تک کسی قسم کی مخلوق کا وجود موجود ہے خواہ اجسام خواہ ارواح اُن سب کا پیدا کرنیوالا اور پرورش کرنیوالا خدا ہے جو ہر وقت اُنکی پرورش کرتا ہے اور ان کے مناسب حال ان کا انتظام کر رہا ہے

+ دیکھو یہ لفظ رب العالمین کیسا جامع کلمہ ہے اگر ثابت ہو کہ اجرام فلکی میں آبادیاں ہیں تب بھی وہ آبادیاں اس کلمہ کے نیچے آئیں گی۔ منہ

اور تمام عالمون پر ہر وقت ہر دم اسکا سلسلۂ ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت اور جزا سزا
کا جاری ہے۔ اور یاد رہے کہ سورہ فاتحہ مین فقرہ **مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ** سے
صرف یہ مراد نہین ہے کہ قیامت کو جزا سزا ہوگی بلکہ قرآن شریف مین بار بار اور صاف
صاف بیان کیا گیا ہے کہ قیامت تو مجازات کبریٰ کا وقت ہی مگر ایک قسم کی مجازات اسی
دنیا مین شروع ہے جسکی طرف آیہ یجعل لکم فرقانا اشارہ کرتی ہے۔ اب یہ بات بھی سننے
کہ انجیل کی دعا مین تو ہر روزہ روٹی مانگی گئی ہے جیسا کہ کہا کہ ہماری روزانہ روٹی آج ہمین
بخش " مگر تعجب کہ جسکی ابھی تک زمین پر بادشاہت نہین آئی وہ کیونکر روٹی دیسکتا ہی
ابھی تک تو تمام کہیت اور تمام پہل نہ اُسکے حکم سے بلکہ خود بخود پکتے ہین اور خود بخود بارشین
ہوتی ہین اُسکا کیا اختیار ہے کہ کسیکو روٹی دے جب بادشاہت زمین پر آجائیگی تب
اُس سے روٹی مانگنی چاہئیے ابھی تو وہ ہر ایک ایسی چیز سے **بیدخل** ہے جب اس جایداد
پر پورا قبضہ پائیگا تب کسیکو روٹی دے سکتا ہے اور اسوقت اس سے مانگنا بھی نازیبا ہے
اور پہر اسکے بعد یہ قول کہ جس طرح ہم اپنے قرضدارون کو بخشتے ہین **تو اپنے قرض** کو ہمین
بخش دے اس صورت مین یہ بھی صحیح نہین ہے کیونکہ زمین کی بادشاہت ابھی اُسکو حاصل
نہین اور ابھی عیسائیون نے کچہ اسکے ہاتہہ سے لیکر کہایا نہین تو پہر قرضہ کونسا ہوا۔ پس
ایسے تہیدست خدا سے قرضہ بخشوانے کی کچہہ ضرورت نہین اور نہ اس سے کچہہ خوف ہی کیونکہ
زمین پر ابھی اسکی بادشاہت نہین اور نہ اُسکی حکومت کا تازیانہ کوئی رعب بٹہلا سکتا ہے۔
کیا مجال کہ وہ کسی مجرم کو سزا دے سکے یا موسیٰ کے زمانہ کی نافرمان قوم کی طرح طاعون سے ہلاک
کر سکے یا قوم لوط کی طرح ان پر پتہر برسا سکے یا زلزلہ یا بجلی یا کسی اور عذاب سے نافرمانون کو
نابود کر سکے کیونکہ ابھی خدا کی **زمین پر بادشاہت نہین** پس چونکہ عیسائیون کا خدا ایسا
ہی کمزور ہے جیسا کہ اسکا **بیٹا** کمزور تہا اور ایسا ہی بیدخل ہے جیسا اسکا بیٹا بیدخل تہا تو
پہر اُس سے ایسی دعائین مانگنا لاحاصل ہین کہ ہمین **قرض بخشدے** اُس نے کب قرض دیا تہا
جو بخش دے کیونکہ ابھی تک تو اسکی **زمین کی بادشاہت** نہین جبکہ اسکی زمین پر بادشاہت

ہی نہین تو زمین کی روئیدگی اُسکے حکم سے نہین اور زمینی چیزین اسکی نہین بلکہ خود بخود ہی
ہین کیونکہ اوسکا زمین پر حکم نافذ نہین اور جبکہ زمین پر وہ فرمانروا اور بادشاہ نہین اور کوئی
زمینی آسائش اُسکے شاہانہ حکم سے نہین تو اسکو سزا کا نہ اختیار ہے نہ حق حاصل- لہذا ایسا کمزور اپنا
خدا بنانا اور اس سے زمین پر رہکر کسی کارروائی کی امید رکھنا **حماقت** ہے کیونکہ ابھی اُسکی
زمین پر بادشاہی نہین- لیکن سورۃ فاتحہ کی دعا ہمین سکھلاتی ہے کہ خدا کو زمین پر ہر وقت وہی
اقتدار حاصل ہے جیساکہ اور عالمون پر اقتدار حاصل ہے اور سورۃ فاتحہ کے سر پر خدا کے
اُن کامل اقتداری صفات کا ذکر ہے جو دنیا مین کسی دوسری کتاب نے ایسی صفائی سے ذکر نہین
کیا جیساکہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ وہ رحمان ہے وہ رحیم ہے وہ مالک یوم الدین ہے پھر اس
سے دعا مانگنے کی تعلیم کی ہے اور دعا جو مانگی گئی ہے وہ مسیح کی تعلیم کردہ دعا کیطرح صرف
ہر روزہ روٹی کی درخواست نہین بلکہ جو جو انسانی فطرت کو ازل سے استعداد بخشی گئی ہے
اور اسکو پیاس لگادی گئی ہے وہ دعا سکھلائی گئی ہے اور وہ یہ ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنے اے ان کامل صفتون کے مالک
اور ایسے فیاض کہ ذرہ ذرہ تجھ سے پرورش پاتا ہے اور تیری رحمانیت اور رحیمیت اور قدرت
جزا سزا سے تمتع اُٹھاتا ہے تو ہمین گذشتہ راستبازون کا وارث بنا اور ہر ایک نعمت جو انکو
دی ہے ہمیں بھی دے اور ہمین بچا کہ ہم نافرمان ہو کر مورد غضب نہ ہو جائین اور ہمین بچا کہ
ہم تیری مدد سے بے نصیب رہکر گمراہ نہ ہو جاوین- آمین +

اب اس تمام تحقیقات سے انجیل کی دعا اور قرآن کی دعا مین فرق ظاہر ہو گیا کہ انجیل
تو خدا کی بادشاہت آنیکا ایک وعدہ کرتی ہے مگر قرآن بتلاتا ہے کہ خدا کی بادشاہت تم مین
موجود ہے نہ صرف موجود بلکہ عملی طور پر تم پر فیض بھی جاری ہین غرض انجیل مین تو صرف ایک وعدہ
ہی ہے مگر قرآن نہ محض وعدہ بلکہ قائم شدہ بادشاہت اور اسکے فیوض کو دکھلا رہا ہے اب قرآن
کی فضیلت اس سے ظاہر ہے کہ وہ اس خدا کو پیش کرتا ہے جو اسی زندگی دنیا مین راستبازون
کا منجی اور آرام دہ ہے اور کوئی نفس اُسکے فیض سے خالی نہین بلکہ ہر ایک نفس پر حسب

اس کے ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت کا فیض جاری ہے مگر انجیل اس خدا کو پیش کرتی ہے جو ابھی اسکی بادشاہت دنیا مین نہین آئی صرف وعدہ ہے اب سوچ لو کہ عقل کسکو قابل پیروی سمجھتی ہے حافظ شیرازی نے سچ کہا ہے ؎

مرید پیر مغانم ز من مرنج ای شیخ ✤ چرا کہ وعدہ تو کردی و او بجا آورد

اور انجیلون مین حلیمون۔ غریبون۔ مسکینون کی تعریف کی گئی ہے اور نیز ان کی تعریف جو سُنائے جاتے ہین اور مقابلہ نہین کرتے مگر قرآن صرف یہی نہین کہتا کہ تم ہر وقت مسکین بنے رہو اور شر کا مقابلہ نہ کرو بلکہ کہتا ہے کہ حلم اور مسکینی اور غربت اور ترک مقابلہ اچھا ہے مگر اگر بے محل استعمال کیا جائے تو برا ہے پس تم محل اور موقعہ کو دیکھ کر ہر ایک نیکی کرو کیونکہ وہ نیکی بدی ہے جو محل اور موقعہ کے برخلاف ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ مینہ کیسا عمدہ اور ضروری چیز ہے لیکن اگر وہ بیموقعہ ہو تو وہی تباہی کا موجب ہو جاتا ہے تم دیکھتے ہو کہ ایک ہی سرد غذا یا گرم غذا کی مداومت سے تمہاری صحت قایم نہیں رہ سکتی بلکہ صحت تبھی قایم رہیگی جب موقعہ اور محل کے موافق تمہارے کہانے اور پینے کی چیزون مین تبدیلی ہوتی رہے پس درشتی اور نرمی اور عفو اور انتقام اور دُعا اور بددُعا اور دوسرے اخلاق مین جو تمہارے لئے مصلحت وقت ہی وہ بھی ایسی تبدیلی کو چاہتی ہے اعلیٰ درجہ کے حلیم اور خلیق بنو لیکن نہ بے محل اور بیموقعہ اور ساتھ اسکے یہ بھی یاد رکھو کہ حقیقی اخلاق فاضلہ جنکے ساتھ نفسانی اغراض کی کوئی زہریلی آمیزش نہین وہ اوپر سے بذریعہ روح القدس آتے ہیں سو تم ان اخلاق فاضلہ کو محض اپنی کوششون سے حاصل نہین کرسکتے جبتک تم کو اوپر سے وہ اخلاق عنایت نہ کئے جائین اور ہر ایک جو آسمانی فیض سے بذریعہ روح القدس اخلاق کا حصہ نہین پاتا وہ اخلاق کے دعوی مین جھوٹا ہے اور اسکے پانی کے نیچے بہت سا کیچڑ ہے اور بہت سا گوبر ہے جو نفسانی جوشون کے وقت ظاہر ہوتا ہے سو تم خدا سے ہر وقت قوت مانگو جو اس کیچڑ اور اس گوبر سے تم نجات پاؤ اور روح القدس تم مین سچی طہارت اور لطافت پیدا کرے۔ یاد رکھو کہ سچے اور پاک اخلاق راستبازون کا معجزہ ہے جنمین کوئی غیر شریک نہین کیونکہ وہ جو خدا

مین محو نہین ہوتے وہ اوپر سے قوت نہیں پاتے اسلئے اُنکے لئے ممکن نہین کہ وہ پاک اخلاق حاصل کرسکین سو تم اپنے خدا سے صاف ہو پیدا کرو ٹھٹھا ہنسی کینہ وری گندہ زبانی لالچ جھوٹھ بدکاری بدنظری بدخیالی دنیا پرستی تکبر غرور خودپسندی شرارت کج بحثی سب چھوڑ دو پھر یہ سب کچھ تمہین آسمان سے ملیگا۔ جبتک وہ طاقت بالا جو تمہین اوپر کی طرف کہینچ کر لیجائے تمہارے شامل حال نہو اور روح القدس جو زندگی بخشتا ہے تم مین داخل نہو تب تک تم بہت ہی کمزور اور تاریکی مین پڑے ہوئے ہو بلکہ ایک مُردہ ہو جسمین جان نہین اس حالت مین نہ تو تم کسی مصیبت کا مقابلہ کرسکتے ہو نہ اقبال اور دولتمندی کی حالتمین کبر اور غرور سے بچ سکتے ہو اور ہر ایک پہلو سے تم شیطان اور نفس کے مغلوب ہو سو تمہارا علاج تو درحقیقت ایک ہی ہے کہ روح القدس جو خاص خدا کے ہاتہہ سے اترتی ہے تمہارا مونہہ نیکی اور راستبازی کی طرف پھیر دے تم ابناء السماء بنو نہ ابناء الارض اور روشنی کے وارث بنو نہ تاریکی کے عاشق تا تم شیطان کی گذرگاہون سے امن مین آجاؤ کیونکہ شیطان کو ہمیشہ رات سے غرض ہے دن سے کچھ غرض نہین کیونکہ وہ پورا نا چور ہے جو تاریکی میں قدم رکھتا ہے۔

سورۃ فاتحہ تری تعلیم ہی نہین بلکہ اسمین ایک بڑی پیشگوئی بھی ہے اور وہ یہ کہ خدا نے اپنی چارون صفات ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالکیت یوم الدین یعنے اقتدار جزا سزا کا ذکر کرکے اور اپنی عام قدرت کا اظہار فرماکر پھر اسکے بعد کی آیتو نمین یہ دعا سکھلائی ہی کہ خدایا ایسا کر کہ گذشتہ راستبار نبیون رسولون کے ہم وارث ٹھہرائے جائین انکی راہ ہم پر کھولی جائے اُنکی نعمتین ہمکو دی جائین خدایا ہمین اس سے بچا کہ ہم اس قوم مین سے ہو جائین جنپر دُنیا مین ہی تیرا عذاب نازل ہوا یعنی یہود جو حضرت عیسیٰ مسیح کے وقت مین تہی جو طاعون سے ہلاک کی گئی۔ خدایا ہمین اس سے بچا کہ ہم اُس قوم مین سے ہو جائین جنکی شامل حال تیری رہنمائی نہ ہوئی اور وہ گمراہ ہوگئی یعنی نصاریٰ اس دعا مین یہ پیشگوئی مخفی ہے کہ بعض مسلمانون مین سے ایسے ہونگے کہ وہ اپنے صدق وصفا کی وجہ سے پہلے

نبیون کے وارث ہوجائینگے اور نبوت اور رسالت کی نعمتین پائینگے اور بعض ایسے
ہونگے کہ وہ یہودی صفت ہوجائینگے جنپر دنیا مین ہی عذاب نازل ہوگا اور بعض ایسے
ہونگے کہ وہ عیسائیت کا جامہ پہن لینگے۔ کیونکہ خدا کی کلام مین یہ سنت مستمرہ ہے کہ
جب ایک قوم کو ایک کام سے منع کیا جاتا ہے تو ضرور بعض انمین سے ایسے ہوتے ہین کہ
خدا کے علم مین اُس کام کے مرتکب ہونیوالے ہوتے ہین اور بعض ایسے ہوتے ہین کہ
وہ نیکی اور سعادت کا حصہ لیتے ہین ابتداء دنیا سے اخیر تک جسقدر خدا نے کتابین بھیجیں
اُن تمام کتابون مین خدا تعالی کی یہ قدیم سنت ہے کہ جب وہ ایک قوم کو ایک کام سے
منع کرتا ہے یا ایک کام کی رغبت دیتا ہے تو اسکے علم مین یہ مقدر ہوتا ہے کہ بعض اس
کام کو کرینگے اور بعض نہین۔ پس یہ سورۃ پیشگوئی کر رہی ہے کہ کوئی فرد اس اُمت
مین سے کامل طور پر نبیون کے رنگ مین ظاہر ہوگا تا وہ پیشگوئی جو آیت صراط الذین انعمت
علیہم سے مستنبط ہوتی ہے وہ اکمل اور اتم طور پر پوری ہوجائے۔ اور کوئی گروہ انہین سے
ان یہودیون کے رنگ مین ظاہر ہوگا جنپر حضرت عیسیٰ نے لعنت کی تہی اور وہ عذاب الہی
مین مبتلا ہوئے تھے تا وہ پیشگوئی جو آیت غیر المغضوب علیہم سے مستنبط ہوتی ہے ظہور
پذیر ہو۔ اور کوئی گروہ انہین سے عیسائیون کے رنگ مین ہوجائیگا عیسائی بنجائیگا
جو خدا کی رہنمائی سے بوجہ اپنی شراب خواری اور اباحت اور فسق و فجور کے بے نصیب ہوگئے
تا وہ پیشگوئی جو آیت ولا الضالین سے مترشح ہو رہی ہے ظاہر ہوجائے۔ اور چونکہ یہ
بات مسلمانون کے عقیدہ مین داخل ہے کہ آخری زمانہ مین ہزارہا مسلمان کہلانے والے
یہودی صفت ہوجائینگے اور قرآن شریف کی کئی ایک مقامات مین بھی یہ پیشگوئی
موجود ہے اور صدہا مسلمانون کا عیسائی ہوجانا یا عیسائیون کی سی بے قید اور آزاد زندگی
اختیار کرنا خود مشہود اور محسوس ہو رہا ہے بلکہ بہت سے لوگ مسلمان کہلانے والے ایسے
ہین کہ وہ عیسائیون کی طرز معاشرت پسند کرتے ہین اور مسلمان کہلا کر نماز روزہ اور حلال
اور حرام کے احکام کو بُری نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہین اور یہ دونون فرقے یہودی صفت

اور عیسائی صفت اس ملک مین پھیلے ہوے نظر آتے ہین تو یہ دو پیشگوئیان سورۃ فاتحہ کی
تو تم پوری ہوتی دیکھہ چکے ہو اور بچشم خود مشاہدہ کر چکے ہو کہ کسقدر مسلمان یہودی صفت
اور کس قدر عیسائیون کے لباس مین ہین۔ تو اب تیسری پیشگوئی خود ماننے کے لایق ہے کہ
جیساکہ مسلمانون نے یہودی عیسائی بننے سے یہود نصاریٰ کی بدی کا حصہ لیا ایسا ہی اُنکا حق
تہا کہ بعض افراد انکے اُن مقدس لوگون کے مرتبہ اور مقام سے بھی حصہ لین جو بنی اسرائیل
مین گذر چکے ہین یہ خدا تعالیٰ پر بدظنی ہے کہ اس نے مسلمانون کو یہود نصاریٰ کی بدی کا
تو حصہ دار ٹھہرا دیا ہے یہانتک کہ اُنکا نام یہود بھی رکھدیا مگر اُنکے رسولون اور نبیوں کے مراتب
میں سے اس امت کو کوئی حصہ نہ دیا پھر یہ امت خیر الامم کس وجہ سے ہوئی بلکہ شر الامم ہوئی
کہ ہر ایک نمونہ شر کا انکو ملا مگر نیکی کا نمونہ نہ ملا۔ کیا ضرور نہین کہ اس امت مین بھی کوئی نبیون
اور رسولون کے رنگ مین نظر آوے جو بنی اسرائیل کے تمام نبیون کا وارث اور اُن کا
ظل ہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے بعید ہے کہ وہ اس امت مین اس زمانہ مین ہزار ہا
یہودی صفت لوگ تو پیدا کرے اور ہزار ہا عیسائی مذہب داخل کرے مگر ایک شخص بھی ایسا
ظاہر نہ کرے جو انبیاء گذشتہ کا وارث اور انکی نعمت پانے والا ہوتا پیشگوئی جو آیت
اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم سے مستنبط ہوتی ہے وہ بھی ایسی
ہی پوری ہوجاے جیساکہ یہودی اور عیسائی ہونیکی پیشگوئی پوری ہوگئی اور جس حالت
مین اس امت کو ہزار ہا بُرے نام دئے گئے ہین اور قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے
کہ یہود ہوجانا بھی انکے نصیب مین ہی تو اس صورت مین خدا کے فضل کا خود یہ مقتضا تہا
چاہیئے تہا کہ جیسے گذشتہ نصاریٰ سے انہون نے بُری چیزین لین اسی طرح وہ نیک چیز
کے بھی وارث ہون اسی لئے خدا نے سورۃ فاتحہ مین آیت اهدنا الصراط المستقيم
مین بشارت دی کہ اس اُمت کے بعض افراد انبیاء گذشتہ کی نعمت بھی پائین گے نہ یہ کہ
نرے یہود ہی بنین یا عیسائی بنین اور ان قومون کی بدی تو لے لین مگر نیکی نہ لے سکین
اسی کی طرف سورۃ تحریم مین بھی اشارہ کیا ہے کہ بعض افراد امت کی نسبت فرمایا ہے کہ

وہ مریم صدیقہ سے مشابہت رکہینگے جس نے پارسائی اختیار کی تب اُس کے حسم
مین عیسیٰ کی روح پہونکی گئی اور عیسیٰ اس سے پیدا ہوا اِس آیت مین اس بات کی طرف
اشارہ تہا کہ اس امت مین ایک شخص ہوگا کہ پہلے مریم کا مرتبہ اُسکو ملیگا پھر اُسمین عیسیٰ کی
روح پہونکی جاویگی تب مریم مین سے عیسیٰ نکل آیگا یعنے وہ مریمی صفات سے عیسوی صفات
کی طرف منتقل ہوجائے گا گویا مریم ہونے کی صفت نے عیسیٰ ہونیکا بچہ دیا اور اس طرح یہ
وہ ابن مریم کہلائیگا جیساکہ براہین احمدیہ مین اول میرا نام مریم رکھا گیا اور اسی کی طرف اشارہ
ہے الہام صفحہ ۲۴۱ مین اور وہ یہ ہے کہ اَنّٰی لَکِ ھٰذا یعنے اے مریم تو نے یہ نعمت
کہان سے پائی اور اسی کی طرف اشارہ ہے صفحہ ۲۲۶ مین یعنے اس الہام مین کہ ھُزّی الیک
بجذع النخلۃ یعنے اے مریم کھجور کے تنہ کو ہلا۔ اور پھر اُس کے بعد صفحہ ۴۹۶ براہین احمدیہ
مین یہ الہام ہے یا مریم اسکن انت و زوجک الجنۃ نفخت فیک من لدنی
روح الصدق یعنی اے مریم تو مع اپنے دوستون کے بہشت مین داخل ہو مینے تجھہ
مین اپنے پاس سے صدق کی روح پہونک دی۔ خدا نے اِس آیت مین میرا نام روح الصدق
رکہا۔ یہ اس آیت کے مقابل پر ہے کہ نفخنا فیه من روحنا۔ پس اس جگہ گویا استعارہ کے
رنگ مین مریم کے پیٹ مین عیسیٰ کی روح جا پڑی جسکا نام روح الصدق ہے پہر سب کے
آخر صفحہ ۵۵۶ براہین احمدیہ مین وہ عیسیٰ جو مریم کے پیٹ مین تہا اُسکے پیدا ہونیکے بارے
مین یہ الہام ہوا۔ یا عیسیٰ انی متوفیک و رافعک الیّ و جاعل الذین اتبعوک فوق
الذین کفروا الی یوم القیمہ۔ اس جگہ میرا نام عیسیٰ رکھا گیا اور اس الہام نے ظاہر کیا کہ وہ
عیسیٰ پیدا ہوگیا جسکے روح کا نفخ صفحہ ۴۹۶ مین ظاہر کیا گیا تہا۔ پس اس لحاظ سے مین عیسیٰ
بن مریم کہلایا کیونکہ میری عیسوی حیثیت مریمی حیثیت سے خدا کے نفخ سے پیدا ہوئی دیکھو
صفحہ ۴۹۶ اور صفحہ ۵۵۶ براہین احمدیہ۔ اور اِسی واقعہ کو سورۃ تحریم مین بطور پیشگوئی کمال
تصریح سے بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم اِس امت مین اس طرح پیدا ہوگا کہ پہلے کوئی فرد
اس امت کا مریم بنایا جائیگا اور پھر بعد اسکے اس مریم مین عیسیٰ کی روح پہونک دیجائے گی

پس وہ مریمیت کے رحم میں ایک مدت تک پرورش پاکر عیسیٰ کی روحانیت میں تولد پائے گا اور اسطرح پر وہ عیسیٰ بن مریم کہلائے گا یہ وہ خبر محمدی ابن مریم کے بارہ میں ہے جو قرآن شریف یعنی سورۃ تحریم میں اس زمانہ سے تیرہ سو ۱۳۰۰ برس پہلے بیان کی گئی ہے اور پھر براہین احمدیہ میں سورۃ التحریم کے ان آیات کی خدا تعالیٰ نے خود تفسیر فرمادی ہے قرآن شریف موجود ہے ایک طرف قرآن شریف کو رکہو اور ایک طرف براہین احمدیہ کو اور پہر انصاف اور عقل اور تقویٰ سے سوچو کہ وہ پیشگوئی جو سورۃ تحریم میں تھی یعنے یہ کہ اس امت میں بھی کوئی فرد مریم کہلائیگا اور پہر مریم سے عیسیٰ بنایا جائیگا گویا اسمیں سے پیدا ہوگا وہ کس رنگ میں براہین احمدیہ کے الہامات سے پوری ہوئی کیا یہ انسان کی قدرت ہے کیا یہ میرے اختیار میں تھا اور کیا میں اس وقت موجود تھا جبکہ قرآن شریف نازل ہو رہا تھا تا میں عرض کرتا کہ مجھے ابن مریم بنانیکے لئے کوئی آیت اُتاری جائے اور اس اعتراض سے مجھے سبکدوش کیا جائے کہ تمہیں کیوں ابن مریم کہا جائے اور کیا آج سے بائیس ۲۲ برس پہلے بلکہ اس سے بھی زیادہ میری طرف سے یہ منصوبہ ہو سکتا تھا کہ میں اپنی طرف سے الہام تراش کر اول اپنا نام مریم رکھتا اور پہر آگے چلکر افترا کے طور پر یہ الہام بناتا کہ پہلے زمانہ کی مریم کی طرح مجھ میں بھی عیسیٰ کی روح پھونکی گئی اور پہر آخر کار صفحہ ۵۵۶ براہین احمدیہ میں یہ لکھ دیتا کہ اب میں مریم میں سے عیسیٰ بنگیا۔ اے عزیزو غور کرو اور خدا سے ڈرو ہرگز یہ انسان کا فعل نہیں یہ باریک اور دقیق حکمتیں انسان کے فہم اور قیاس سے بالاتر ہیں اگر براہین احمدیہ کی تالیف کیوقت جس پر ایک زمانہ گذر گیا مجھے اس منصوبہ کا خیال ہوتا تو میں اُسی براہین احمدیہ میں کیوں یہ لکھتا کہ عیسیٰ مسیح ابن مریم آسمان سے دوبارہ آئے گا سو چونکہ خدا جانتا تھا کہ اس نکتہ پر علم ہونے سے یہ دلیل ضعیف ہوجائے گی اس لئے گو اُس نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں میرا نام مریم رکھا پہر جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے دو برس تک صفت مریمیت میں مینے پرورش پائی اور پردہ میں نشوونما پاتا رہا پھر جب اُس پر دو برس گذر گئے تو جیسا کہ براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے مریم کی

طرح عیسیٰ کی روح مجھ مین نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ مین مجھے حاملہ ٹھیرایا گیا اور آخر کئی مہینہ کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہین بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ ۵۵۶ مین درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا پس اس طور سے مین ابن مریم ٹھیرا۔ اور خدا نے براہین احمدیہ کے وقت مین اس سر خفی کی مجھے خبر نہ دی حالانکہ وہ سب خدا کی وحی جو اس راز پر مشتمل تھی میرے پر نازل ہوئی اور براہین مین درج ہوئی مگر مجھے اُس کے معنون اور اس ترتیب پر اطلاع نہ دی گئی اسی واسطے مینے مسلمانون کا رسمی عقیدہ براہین احمدیہ مین لکھدیا تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر وہ گواہ ہو وہ لکھنا جو الہامی نہ تھا محض رسمی تھا مخالفون کے لئے قابل استناد نہین کیونکہ مجھے خود بخود غیب کا دعویٰ نہین جب تک کہ خود خدا تعالیٰ مجھے نہ سمجھاوے سو اس وقت تک حکمت الٰہی کا یہی تقاضا تھا کہ براہین احمدیہ کے بعض الہامی اسرار میری سمجھ مین نہ آئے مگر جب وقت آگیا تو وہ اسرار مجھے سمجھائے گئے تب مینے معلوم کیا کہ میرے اس دعوی مسیح موعود ہونے مین کوئی نئی بات نہین یہ وہی دعوی ہے جو براہین احمدیہ مین بار بار بتصریح لکھا گیا ہے۔ اس جگہ ایک اور الہام کا بھی ذکر کرتا ہون اور مجھے یاد نہین کہ مینے وہ الہام اپنے کسی رسالہ یا اشتہار مین شائع کیا ہے یا نہین لیکن یہ یاد ہے کہ صدہا لوگون کو مینے سنایا تھا اور میری یادداشت کے الہامات مین موجود ہے اور وہ اُس زمانہ کا ہے جب کہ خدا نے مجھے پہلے مریم کا خطاب دیا اور پھر نفخ روح کا الہام کیا۔ پھر بعد اس کے یہ الہام ہوا تھا فاجاءها المخاض الی جذع النخلة قالت یالیتنی مت قبل هذا وکنت نسیا منسیا یعنی پھر مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے درد زہ تنہ کھجور کیطرف لے آئی یعنی عوام الناس اور جاہلون اور بے سمجھ علماء سے واسطہ پڑا جنکے پاس ایمان کا پھل نہ تھا جنہون نے تکفیر و توہین کی اور گالیان دین اور ایک طوفان برپا کیا تب مریم نے کہا کہ کاش مین اس سے پہلے مر جاتی اور میرا نام و نشان باقی نہ رہتا یہ اس شور کی طرف اشارہ ہے جو ابتدا مین مولویون کی طرف سے بہ ہیئت مجموعی پڑا اور وہ اس دعوے کی برداشت نہ کر سکے اور مجھے ہر ایک حیلہ سے انہون نے فنا کرنا چاہا

تب اُس وقت جو کرب اور قلق نا سمجھون کا شور و غوغا دیکھہ کر میری دل پر گذرا اُسکا اسجگہ
خدا تعالیٰ نے نقشہ کھینچدیا ہے اور اس کے متعلق اور بھی الہام تھے جیسا لقد جئت
شیئاً فریا۔ ما کان ابوک امرء سوء و ما کانت امک بغیا اور پھر اسکے
ساتھہ کا الہام براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۲۱ مین موجود ہے اور وہ یہ ہے۔ الیس اللّٰہ
بکاف عبدہ و لنجعلہ اٰیۃ للناس و رحمۃ منا و کان امرا مقضیا قول الحق
الذی فیہ تمترون دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۵۱۶ سطر ۱۲ و ۱۳۔ ترجمہ اور لوگون نے
کہا کہ اے مریم تو نے یہ کیا مکروہ اور قابل نفرین کام دکھلایا جو راستی سے دور ہے تیرا
باپ اور تیری مان تو ایسے نہ تھے مگر خدا ان تہمتون سے اپنے بندہ کو بری کرے گا اور ہم
اسکو لوگون کے لئے ایک نشان بناوینگے اور یہ بات ابتدا سے مقدر تھی اور ایسا ہی
ہونا تھا یہ عیسیٰ بن مریم ہے جسمین لوگ شک کر رہے ہین یہی قول حق ہے۔ یہ سب
براہین احمدیہ کی عبارت ہی اور یہ الہام اصل مین آیات قرآنی ہین جو حضرت عیسیٰ اور
ان کی مان کے متعلق ہین۔ ان آیتون مین جب عیسے کو لوگون نے ناجائز پیدایش کا
انسان قرار دیا ہے اُسی کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اسکو اپنا نشان بناوینگے
اور یہی عیسیٰ ہے جسکی انتظار تھی اور الہامی عبارتون مین مریم اور عیسیٰ سے مین ہی مراد
ہون۔ میری نسبت ہی کہا گیا کہ ہم اس کو نشان بناوینگے اور نیز کہا گیا کہ یہ وہی عیسیٰ
بن مریم ہے جو آنیوالا تھا جسمین لوگ شک کرتے ہین یہی حق ہے اور آنے والا یہی ہے
اور شک محض نافہمی سے ہے جو خدا کے اسرار کو نہین سمجھتے اور صورت پرست ہین حقیقت پر انکی نظر نہین

بقیہ نوٹ۔ اس الہام پر مجھے یاد آیا کہ بٹالہ مین فضل شاہ یا مہر شاہ نام ایک سید تھے جو میرے والد صاحب سے بہت محبت رکھتے تھے
اور بہت تعلق تھا جب میری دعوی مسیح موعود ہونیکی کسی نے انکو خبر دی تو وہ بہت روئے اور کہا کہ انکے والد صاحب بہت اچھے
آدمی تھے یعنی یہ شخص کس پر پیدا ہوا ان کا باپ تو نیک مزاج اور افترا کے کام سے دور اور رسیدہ اور صاف دل مسلمان
تھا ایسا ہی بہتون نے کہا کہ تم نے اپنے خاندان کو داغ لگایا کہ ایسا دعوی کیا۔ منہ

یہ بہی یاد رہے کہ سورۃ فاتحہ کے عظیم الشان مقاصد مین سے یہ دعا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم۔ اور جس طرح انجیل کی دعا مین روٹی مانگی گئی ہے اس دعا مین خدا تعالی سے وہ تمام نعمتین مانگی گئی ہین جو پہلے رسولون اور نبیون کو دیگئی تہین یہ مقابلہ بہی قابل نظارہ ہے اور جس طرح حضرت مسیح کی دعا قبول ہوکر عیسائیونکو روٹی کا سامان بہت کچہہ ملگیا ہے اسی طرح یہ قرآنی دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے قبول ہوکر اخیار و ابرار مسلمان بالخصوص ان کے کامل فرد انبیاء بنی اسرائیل کے وارث ٹہرائے گئے اور دراصل مسیح موعود کا اس امت مین سے پیدا ہونا یہ بہی اس دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے کیونکہ گو مخفی طور پر بہت سے اخیار و ابرار نے انبیاء بنی اسرائیل کی مماثلت کا حصہ لیا ہے مگر اس امت کا مسیح موعود کہلے کہلے طور پر خدا کے حکم اور اذن سے اسرائیلی مسیح کے مقابل کھڑا کیا گیا ہے تا موسوی اور محمدی سلسلہ کی مماثلت سمجہہ آجائے اسی غرض سے اس مسیح کو ابن مریم سے ہر ایک پہلو سے تشبیہ دی گئی ہے یہان تک کہ اس ابن مریم پر ابتلا بہی اسرائیلی ابن مریم کیطرح آئے اول جیسا کہ عیسی ابن مریم محض خدا کے نفخ سے پیدا کیا گیا اسی طرح یہ مسیح بہی سورۃ تحریم کے وعدہ کے موافق محض خدا کے نفخ سے مریم کے اندر سے پیدا کیا گیا اور جیسا کہ عیسے ابن مریم کی پیدائش پر بہت شور اوٹہا اور اندہے مخالفون نے مریم کو کہا لقد جئت شیئا فریا اسی طرح اس جگہ بہی کہا گیا اور شور قیامت مچایا گیا اور جیسا کہ خدا نے اسرائیلی مریم کے وضع حمل کے وقت مخالفون کو عیسے کی نسبت جواب دیا ولنجعلہ اٰیۃ للناس ورحمۃ منا وکان امرا مقضیا یہی جواب خدا تعالے نے میری نسبت براہین احمدیہ مین روحانی وضع حمل کے وقت جو استعارہ کے رنگ مین تہا مخالفون کو دیا اور کہا کہ تم اپنے فریبون سے اسکو نابود نہین کر سکتے مین اس کو لوگون کے لئے رحمت کا نشان بناؤنگا اور ایسا ہونا ابتدا سے مقدر تہا۔ اور پہر جس طرح یہودیون کے علماء نے حضرت عیسی پر فتوی تکفیر کا لکہا اور ایک شریر فاضل یہودی نے وہ استفتاء طیار کیا اور دوسرے فاضلون نے اسپر فتوی

دیا یہان تک کہ بیت المقدس کے صدہا عالم فاضل جو اکثر اہلحدیث تھے۔ انہون نے حضرت عیسےٰ پر تکفیر کی مہرین لگا دین یہی ✻ معاملہ مجہہ سے ہوا اور پہر جیسا کہ اُس تکفیر کے بعد جو حضرت عیسےٰ کی نسبت کیگئی تہی اُنکو بہت ستایا گیا سخت سخت گالیان دی گئین تہین ہجو اور بدگوئی مین کتابین لکہی گئی تہین یہی صورت اس جگہ پیش آئی گویا اٹہارہ سو برس ۱۸۰۰ کے بعد وہی عیسےٰ پہر پیدا ہو گیا اور وہی یہودی پہر پیدا ہو گئے۔ آہ یہی معنی تو اس پیشگوئی کے تہے کہ غیر المغضوب علیہم جو خدا نے پہلے سے سمجہا دیا تہا مگر ان لوگون نے صبر نہ کیا جبتک یہودیون کیطرح مغضوب علیہم نہ بن گئے اِس مماثلت کی ایک اینٹ تو خدا نے اپنے ہاتہہ سے لگا دی کہ مجہے عین چودہوین صدی کے سر پر جیسا کہ مسیح ابن مریم چودہوین صدی کے سر پر آیا تہا **مسیح الاسلام** کرکے بہیجا اور میرے لئے اپنے زبردست نشان دکہلا رہا ہے اور آسمان کے نیچے کسی مخالف مسلمان یا یہودی یا عیسائی وغیرہ کو طاقت

✻ حاشیہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کیوقت مین یہودی اگرچہ بہت فرقے تہے مگر جو حق پر سمجہے جاتے تہے وہ دو فرقے ہو گئے تہے (۱) ایک وہ جو توریت کے پابند تہے اُسی سے اجتہاد کے طور پر مسائل استنباط کرتے تہے (۲) دوسرا فرقہ اہلحدیث تہا جو توریت پر احادیث کو قاضی سمجہتے تہے یہ اہل حدیث اسرائیلی بلاد مین بہت پہیل گئے تہے اور ایسی ایسی حدیثون پر عمل کرتے تہے جو اکثر توریت کی معارض و نقیض تہین اور اُنکی یہ حجت تہی کہ بعض مسائل شرع مثلاً عبادات اور معاملات و قانون مجازات کے مسائل توریت سے ملتے نہین ہین ان پر حدیثون کی رو سے اطلاع ہوتی ہے اور حدیث کی کتاب کا نام طالمود تہا اور اسمین ہر ایک نبی کے زمانہ کی حدیثین تہین یہ حدیثین مدت تک زبانی رہین اور مدت کے بعد قلمبند ہوئین اِسلئے انمین کچہہ موضوعات کا حصہ بہی ملگیا تہا اور بباعث اسکے کہ اسوقت یہودیون کے تہتر ۷۳ فرقے ہو گئے تہے اور ہر ایک فرقہ اپنی اپنی حدیثین جدا جدا رکہتا تہا اور محدثین نے توریت کی طرف توجہ چہوڑ دی تہی اکثر حدیثون پر عمل تہا اور توریت گویا متروک اور مہجور کیطرح تہی اگر حدیث کے مطابق آتی تو اسکو مانا ورنہ اسکو رد کیا۔ پس اس زمانہ مین حضرت عیسی علیہ السلام پیدا ہوئے اور اُنکی مخاطب خاص طور پر اہل حدیث تہے جو توریت سے زیادہ حدیثون کی عزت کرتے تہے اور نبیون کے نوشتون

نہین کہ اُن کا مقابلہ کرے اور خدا کا مقابلہ عاجز اور ذلیل انسان کیا کر سکے یہ تو وہ بنیادی
اینٹ ہے جو خدا کی طرف سے ہے ہر ایک جو اس اینٹ کو توڑنا چاہیگا وہ توڑ نہین سکیگا
مگر یہ اینٹ جب اسپر پڑیگی تو اسکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیگی کیونکہ اینٹ خدا کی اور ہاتہہ خدا کا ہے
اور دوسری اینٹ میرے مخالفون نے طیار کرکے اسکے مقابل پر رکہدی کہ میرے مقابل
پر وہ کام کئے جو اس وقت کے یہودیون نے کئے تہے یہانتک کہ میرے ہلاک کرنیکے
لئے ایک خون کا مقدمہ بہی بنایا گیا جسکی میرے خدا نے مجہے پہلے خبر دیدی تہی وہ مقدمہ
جو میرے پر بنایا گیا وہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے مقدمہ سے بہت سخت تہا کیونکہ حضرت
عیسی پر جو مقدمہ کیا گیا اسکی بنا محض ایک مذہبی اختلاف پر تہی جو حاکم کے نزدیک ایک
خفیف بات تہی بلکہ کچہہ بہی نہ تہی مگر میرے پر جو مقدمہ کہڑا کیا گیا وہ اقدام قتل کا دعوی تہا اور
جیساکہ مسیح کے مقدمہ مین یہودی مولویون نے جاکر گواہی دی تہی ضرور تہا کہ اس مقدمہ
مین بہی کوئی مولویون مین سے گواہی دیتا اِسلئے اس کام کے لئے خدا نے مولوی محمد حسین
بٹالوی کو انتخاب کیا اور وہ ایک بڑا لمبا جبہ پہن کر گواہی کے لئے آیا اور جیساکہ سردار کاہن
مسیح کو صلیب دلانیکے لئے عدالت مین گواہی دینے کے لئے آیا تہا یہ بہی موجود ہوئے
صرف فرق اس قدر تہا کہ سردار کاہن کو پیلاطوس کی عدالت مین کرسی ملی تہی کیونکہ
یہودیون کے معزز بزرگون کو گورنمنٹ رومی مین کرسی ملتی تہی اور بعض انہین سے آنریری
مجسٹریٹ بہی تہے اِسلئے اس سردار کاہن نے عدالت کے قواعد کے لحاظ سے کرسی
پائی اور مسیح ابن مریم ایک مجرم کی طرح عدالت کے سامنے کہڑا تہا۔ لیکن میرے مقدمہ
مین اسکے برعکس ہوا یعنی یہ کہ برخلاف دشمنون کی امیدون کے کپتان ڈگلس نے جو
پیلاطوس کی جگہ عدالت کی کرسی پر تہا مجہے کرسی دی اور یہ پیلاطوس مسیح ابن مریم کے
پیلاطوس کی نسبت زیادہ با اخلاق ثابت ہوا کیونکہ عدالت کے امر مین وہ دلیری اور استقامت
سے عدالت کا پابند رہا اور بالائی سفارشون کی اوس نے کچہہ بہی پروانہ کی اور قومی اور مذہبی
خیال نے بہی اسمین کچہہ تغیر پیدا نہ کیا اور اسنے عدالت پر پورا قدم مارنے سے ایسا عمدہ

نمونہ دکھایا کہ اگر اسکے وجود کو قوم کا فخر اور حکام کے لئے نمونہ سمجھا جائے تو بیجا نہ ہوگا عدالت
ایک مشکل امر ہے جبتک انسان تمام تعلقات سے علیحدہ ہوکر عدالت کی کرسی پر نہ بیٹھے
تبتک اس فرض کو عمدہ طور پر ادا نہین کرسکتا مگر ہم اس سچی گواہی کو ادا کرتے ہین کہ اس
پیلاطوس نے اس فرض کو پورے طور پر ادا کیا۔ اگرچہ پہلا پیلاطوس جو رومی تہا اس فرض کو
اچھے طور پر ادا نہین کرسکا اور اسکی بزدلی نے مسیح کو بڑی بڑی تکالیف کا نشانہ بنایا یہ فرق
ہماری جماعت مین ہمیشہ تذکرہ کے لائق ہے جبتک کہ دنیا قائم ہے اور جیسے جیسے یہ جماعت
لاکہون کروڑون افراد تک پہنچے گی ویسی ویسی تعریف کیساتہہ اس نیک نیت حاکم کا تذکرہ
رہیگا اور یہ اسکی خوش قسمتی ہے کہ خدا نے اس کام کے لئے اسی کو چنا۔ ایک حاکم کے لئے کس قدر
یہ امتحان کا موقعہ ہے کہ دو فریق اسکے پاس آوین کہ ایک انمین سے اسکے مذہب کا مشنری
اور دوسرا فریق وہ ہے جو اسکے مذہب کا مخالف ہے اور اسکے پاس بیان کیا گیا ہے کہ
وہ اسکے مذہب کا سخت مخالف ہے لیکن اس بہادر پیلاطوس نے اس امتحان کو بڑے
استقلال سے برداشت کرلیا اور اسکو ان کتابون کے مقام دکہلائے گئے جنہین کم فہمی سے عیسائی مذہب کی
نسبت سخت الفاظ سمجھے گئے تہے اور ایک مخالفانہ تحریک کیگئی تہی مگر اسکے چہرہ پر کچہہ تغیر پیدا نہوا
کیونکہ وہ اپنی روشن کانشنس کیوجہ سے حقیقت تک پہنچ گیا تہا اور چونکہ اسنے مقدمہ کی اصلیت
کو سچے دل سے تلاش کیا اسلئے خدا نے اسکی مدد کی اور اسکے دل پر سچائی کا الہام کیا اور اسپر
واقعی حقیقت کہولی گئی اور وہ اس سے بہت خوش ہوا کہ عدل کی راہ اوسکو نظر آگئی اسنے
مجہے محض عدل کے لحاظ سے مدعی کے مقابل پر کرسی دی اور جب مولوی محمد حسین جو سردار
کاہن کیطرح مخالفانہ گواہی کے لئے آیا تہا مجہے کرسی پر بیٹہا ہوا پایا اور جس ذلت کو دیکہنے
کے لئے میری نسبت اسکی آنکہہ شوق رکہتی تہی اس ذلت کو اس نے نہ دیکہا تب مساوات
کو غنیمت سمجہہ کر وہ بہی اس پیلاطوس سے کرسی کا خواہشمند ہوا مگر اس پیلاطوس نے اسے
ڈانٹا اور زور سے کہا کہ تجہے اور تیرے باپ کو کبہی کرسی نہین ملی ہمارے دفتر مین
تمہاری کرسی کے لئے کوئی ہدایت نہین۔ اب یہ فرق بہی غور کے لائق ہے کہ پہلے پیلاطوس

نے یہودیون سے ڈر کر ان کے بعض معزز گواہون کو کرسی دیدی اور حضرت مسیح کو جو مجرم
کے طور پر پیش کئے گئے تہے کھڑا رکہا حالانکہ وہ سچے دل سے مسیح کا خیرخواہ تہا بلکہ مریدون
کی طرح تہا اور اسکی بیوی مسیح کی خاص مریدنی تہی جو ولی اللہ کہلاتی ہے لیکن خوف نے
اس سے یہانتک حرکت صادر کرائی کہ ناحق بیگناہ مسیح کو یہودیون کے حوالہ کردیا میری
طرح کوئی خون کا الزام نہ تہا صرف معمولی طور پر مذہبی اختلاف تہا لیکن وہ رومی پیلاطوس
دل کا قوی نہ تہا اس بات کو سنکر ڈر گیا کہ قیصر کے پاس اسکی شکایت کی جائیگی - اور
پہر ایک اور مماثلت پہلے پیلاطوس اور اس پیلاطوس مین یاد رکہنے کے لائق ہے کہ
پہلے پیلاطوس نے اسوقت جو مسیح ابن مریم عدالت مین پیش کیا گیا یہودیون کو کہا تہا
کہ مین اس شخص مین کوئی گناہ نہین دیکہتا ایسا ہی جب آخری مسیح اس آخری پیلاطوس
کے روبرو پیش ہوا اور اس مسیح نے کہا کہ مجہے چند روز تک جواب کے لئے مہلت دینی
چاہئے کہ مجہہ پر خون کا الزام لگایا جاتا ہے تب اس آخری پیلاطوس نے کہا کہ مین آپ پر
کوئی الزام نہین لگاتا یہ دونوں قول دونون پیلاطوسون کے بالکل باہم مشابہ ہین اگر فرق
ہے تو صرف اس قدر ہے کہ پہلا پیلاطوس اپنے اس قول پر قایم نہ رہ سکا اور جب اسکو
کہا گیا کہ قیصر کے پاس تیری شکایت کرینگے تو وہ ڈر گیا اور حضرت مسیح کو اس نے عمدًا خونخوار
یہودیون کے حوالہ کردیا گو وہ اس سپردگی سے غمگین تہا اور اسکی عورت بہی غمگین تہی -
کیونکہ وہ دونون مسیح کے سخت معتقد تہے لیکن یہودیون کا سخت شور و غوغا دیکہکر بزدلی
اسپر غالب آگئی ہان البتہ پوشیدہ طور پر اس نے بہت سعی کی کہ مسیح کی جان کو صلیب
سے بچایا جاوے اور اس سعی مین وہ کامیاب بہی ہوگیا مگر بعد اسکے کہ مسیح صلیب پر چڑہایا
گیا اور شدت درد سے ایک ایسی سخت غشی مین آگیا کہ گویا وہ موت ہی تہی - بہرحال
پیلاطوس رومی کی کوشش سے مسیح ابن مریم کی جان بچ گئی اور جان بچنے کے لئے پہلے سے
مسیح کی دعا منظور ہو چکی تہی - دیکہو عبرانیان باب ۵ آیت ۷ - * بعد اسکے مسیح اُس زمین سے پوشیدہ
طور پر بہاگ کر کشمیر کی طرف آگیا اور وہین فوت ہوا اور تم سن چکے ہو کہ سری نگر محلہ خان یار

* مسیح نے بطور پیشگوئی خود بہی کہا کہ بجز یونس کے نشان کے اور کوئی نشان دکہایا نہین جائیگا پس مسیح نے اپنے اس قول مین یہ ...

میں اسکی قبر ہے یہ سب پیلاطوس کی سعی کا نتیجہ تھا لیکن تاہم اُس پہلے پیلاطوس کی کارروائی
بزدلی کی رنگ آمیزی سے خالی نہ تھی اگر وہ اپنے اس قول کا پاس کرکے کہ مین اس شخص
کا کوئی گناہ نہین دیکھتا مسیح کو چھوڑ دیتا تو اس پر کچھ مشکل نہ تھا اور وہ چھوڑنے پر قادر تھا مگر
وہ قیصر کی دوہائی سُن کر ڈر گیا لیکن یہ آخری پیلاطوس پادریون کے ہجوم سے نہ ڈرا حالانکہ
اس جگہ بھی قیصرہ کی بادشاہی تھی لیکن یہ قیصرہ اُس قیصر سے بدرجہا بہتر تھی اسلئے کسی کے
لئے ممکن نہ تھا کہ حاکم پر دباؤ ڈالنے کے لئے اور انصاف چھوڑانیکے لئے قیصرہ سے
ڈراوے بہرحال پہلے مسیح کی نسبت آخری مسیح پر بہت شور اور منصوبہ اُٹھایا گیا تھا اور میرے
مخالف اور ساری قومون کے سرگروہ جمع ہوگئے تھے مگر آخری پیلاطوس نے سچائی سے
پیار کیا اور اپنے اس قول کو پورا کرکے دکھلایا کہ جو اس نے مجھے مخاطب کرکے کہا تھا کہ مین تم پر
خون کا الزام نہین لگاتا سو اس نے مجھے بہت صفائی اور مردانگی سے بری کیا اور پہلے
پیلاطوس نے مسیح کے بچانے کیلئے حیلون سے کام لیا مگر اس پیلاطوس نے جو کچھ عدالت
کا تقاضا تھا اُس طور سے اس تقاضا کو پورا کیا جسمین بزدلی کا رنگ نہ تھا جس دن میں یہ بھی
ہوا اُس دن اس عدالت مین ملکی فوج کا ایک چور بھی پیش ہوا یہ اسلئے وقوع مین آیا کہ
پہلے مسیح کے ساتھ بھی ایک چور تھا لیکن اس آخری مسیح کے ساتھ کے چور کو جو پکڑا گیا اُس
پہلے چور کی طرح جو پہلے مسیح کے ساتھ پکڑا گیا صلیب پر نہین چڑھایا اور نہ اسکی ہڈیان توڑی
گئین بلکہ صرف تین ماہ کی قید ہوئی ٭

اب پھر ہم اپنے بیان کیطرف رجوع کرکے لکھتے ہین کہ سورۃ فاتحہ مین اس قدر
حقایق و دقایق و معارف جمع ہین کہ اگر اُن سب کو لکھا جائے تو وہ باتین ایک دفتر مین بھی
ختم نہین ہوسکتین اسی ایک حکیمانہ دعا کو دیکھئے کہ جو اس سورہ میں سکھائی گئی ہے یعنے
اهدنا الصراط المستقیم یہ دعا ایک ایسا مفہوم کلّی اپنے اندر رکھتی ہے جو تمام دین اور
دنیا کے مقاصد کی یہی ایک کنجی ہے ہم کسی چیز کی حقیقت پر اطلاع نہین پاسکتے اور نہ اُسکے
فوائد سے منتفع ہوسکتے ہین جبتک کہ ہمین اسکے پانیکے لئے ایک مستقیم راہ نہ ملے دنیا کی جسقدر

مشکل اور پیچیدہ امور مین خواہ وہ سلطنت اور وزارت کے ذمہ واریون کے متعلق ہون اور خواہ سپہ گری اور جنگ وجدال سے تعلق رکھتے ہون اور خواہ طبعی اور ہیئت کے دقیق مسائل کے متعلق ہون اور خواہ صناعت طب کے طریق تشخیص اور علاج کے متعلق اور خواہ تجارت اور زراعت کے متعلق ان تمام امور مین کامیابی ہونا مشکل اور غیر ممکن ہے جبتک کہ انکے بارہ مین ایک مستقیم راہ نہ ملے کہ کس طور سے اس کام کو شروع کرنا چاہئے اور ہر ایک عقلمند انسان مشکلات کے وقت مین یہی اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اس مشکل سربستہ کے بارے مین ایک لمبے وقت تک رات کو اور دن کو سوچتا رہے تا ہو کہ اس مشکل کشائی کے لئے کوئی راہ نکل آوے اور ہر ایک صنعت اور ہر ایک ایجاد اور ہر ایک پیچیدہ اور الجھے ہوئے کام کو چلانا اس بات کو چاہتا ہے کہ اس کام کے لئے راہ نکل آوے پس دنیا اور دین کی اغراض کیلئے اصل دعا راہ نکالنے کی دعا ہے جب سیدھی راہ کسی امر کے متعلق ہاتھ مین آجائے تو یقیناً وہ امر بھی خدا کے فضل سے حاصل ہو جاتا ہے خدا کی قدرت اور حکمت نے ہر ایک مدعا کے حصول کیلئے ایک راہ رکھی ہے مثلاً کسی بیمار کا ٹھیک علاج نہین ہو سکتا جب تک اس مرض کی حقیقت سمجھنے اور نسخہ کے تجویز کے لئے ایک ایسی راہ نہ نکل آوے کہ دل فتوے دیدے کہ اس راہ مین کامیابی ہوگی بلکہ کوئی انتظام دنیا مین ہو ہی نہین سکتا جب تک اس انتظام کے لئے ایک راہ پیدا نہ ہو پس راہ کا طلب کرنا طالب مقصد کا فرض ہوا اور جیسا کہ دنیا کی کامیابی کا صحیح سلسلہ ہاتھ مین لینے کے لئے پہلے ایک راہ کی ضرورت ہے جس پر قدم رکھا جائے ایسا ہی خدا کا دوست اور مورد محبت اور فضل بننے کے لئے قدیم سے ایک راہ کی ضرورت پائی گئی ہے اسی لئے دوسری سورۃ مین جو سورۃ البقر ہے جو اس سورۃ کے بعد ہے سورۃ کے شروع مین ہی فرمایا گیا ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یعنے انعام پانے کی یہ راہ ہے جو ہم بیان کرتے ہین[1] پس یہ دعا یعنے دعا اهدنا الصراط المستقيم ایک جامع دعا ہے کہ جو انسان کو اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ مشکلات دینی اور دنیوی کے وقت مین اول جس چیز کی تلاش انسان کا فرض ہے وہ یہی ہے کہ اس امر کے حصول کیلئے وہ صراط مستقیم تلاش کرے یعنی کوئی ایسی صاف اور سیدھی

[1] سورہ فاتحہ مین راہ راست کیلئے دعا کی گئی اور دوسری سورۃ مین گویا وہ دعا قبول ہو کر راہ راست بتلائی گئی ہے۔ منہ

راہ ڈہونڈ ہے جس سے بآسانی اس مطلب تک پہنچ سکے۔ اور دل یقین سے بھر جائے شکوک سے نجات ہو لیکن انجیل کی ہدایت کے موافق روٹی مانگنے والا خداجوئی کی راہ اختیار نکریگا اُسکا مقصد تو روٹی ہے جب روٹی ملگئی تو پہر اسکو خدا سے کیا غرض یہی وجہ ہے کہ عیسائی صراط مستقیم سے گر گئے اور ایک نہایت قابل شرم عقیدہ جو انسان کو خدا بنانا ہے انکے گلے پڑ گیا ہم نہین سمجہ سکتے کہ مسیح ابن مریم مین دوسرون کی نسبت کیا زیادتی تہی جس سے اسکی خدائی کا خیال آیا معجزات مین پہلے اکثر نبی اس سے بڑھکر ہین جیساکہ موسےٰ اور الیسع اور ایلیا نبی اور مجہے قسم ہے اُس ذات کی جسکے ہاتہ مین میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ مین ہوتا تو وہ کام جو مین کرسکتا ہون وہ ہرگز نہ کرسکتا اور وہ نشان جو مجہہ سے ظاہر ہو رہے ہین وہ ہرگز دکہلا نہ سکتا* اور خدا کا فضل اپنے سے زیادہ مجہہ پر پاتا۔ جبکہ مین ایسا ہون تو اب سوچو کہ کیا مرتبہ ہے **اُس پاک رسول کا جسکی غلامی کیطرف مین منسوب کیا گیا۔** ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ اس جگہ کوئی حسد اور رشک پیش نہین جاتا خدا جو چاہے کرے جو اسکے ارادہ کے مخالفت کرتا ہے وہ صرف اپنے مقاصد مین نامراد ہی نہین بلکہ مرکر جہنم کی راہ لیتا ہے ہلاک ہوگئے وہ جنہون نے عاجز مخلوق کو خدا بنایا۔ ہلاک ہوگئے وہ جنہون نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا۔ مبارک وہ جس نے مجہے پہچانا مین خدا کی سب راہون مین سے آخری راہ ہون۔ اور مین اسکے سب نورون مین سے آخری نور ہون۔ بدقسمت ہے وہ جو مجہے چہوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے +

دوسرا ذریعہ ہدایت کا جو مسلمانون کو دیا گیا ہے **سنت** ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی کارروائیان جو آپ نے قرآن شریف کے احکام کی تشریح کیلئے کرکے دکہلائین مثلاً قرآن شریف مین بظاہر نظر پنجگانہ نمازون کے رکعات معلوم نہین ہوتین کہ صبح کس قدر اور دوسرے وقتون مین کس کس تعداد پر لیکن سنت نے سب کچہ کہول دیا ہے یہ دہوکہ نہ لگے کہ سنت اور حدیث ایک چیز ہے کیونکہ حدیث تو سو ڈیڑھ سو برس کے بعد جمع کی گئی مگر سنت کا قرآن شریف کیساتھ ہی وجود تہا مسلمانون پر قرآن شریف کے بعد بڑا احسان سنت کا ہے خدا اور رسول کی ذمہ داری

* اس تصدیق کیلئے کتاب نزول المسیح کو جو عنقریب شائع ہوگی غور سے دیکھو ... پیر مہر علی گولڑوی کی کتاب ... کے رد مین لکہی گئی ہے جس مین ثابت کیا گیا ہے کہ پیر صاحب ... مضمون ... غلطیون کا ... پیشگوئی ... کے موافق ذلت ہوگیا اور ...

بدبخت احمق کتاب بنا کر پیشگوئی اِنِّيْ مُهِيْنٌ مَنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ کا نشانہ بنگیا فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ۔ منہ

کا فرض صرف دو امر تھے اور وہ یہ کہ خدا نے قرآن کو نازل کرکے مخلوق کو بذریعہ اپنے قول
کے اپنے منشاء سے اطلاع دی۔ یہ تو خدا کے قانون کا فرض تھا اور رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم کا یہ فرض تھا کہ خدا کی کلام کو عملی طور پر دکھلا کر بخوبی لوگوں کو سمجھا دیں۔ پس رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ گفتنی باتیں کر دی کے پیرایہ میں دکھلا دیں اور اپنی سنت یعنے عملی طور
کارروائی سے معضلات اور مشکلات مسائل کو حل کر دیا یہ کہنا بیجا ہے کہ یہ حل کرنا حدیث
پر موقوف تھا کیونکہ حدیث کے وجود سے پہلے اسلام زمین پر قائم ہو چکا تھا کیا جبتک
حدیثیں جمع نہ ہوئی تھیں۔ لوگ نماز نہ پڑھتے تھے یا زکوٰۃ نہ دیتے تھے یا حج نہ کرتے تھے یا
حلال وحرام سے واقف نہ تھے۔ ہاں تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے کیونکہ بہت
سے اسلام کے تاریخی اور اخلاقی اور فقہ کے امور کو حدیثیں کھولکر بیان کرتی ہیں اور
نیز بڑا فائدہ حدیث کا یہ ہے کہ وہ قرآن کی خادم اور سنت کی خادم ہے جن لوگوں کو ادب
قرآن شریف نہیں دیا گیا وہ اس موقعہ پر حدیث کو قاضی قرآن کہتے ہیں جیسا کہ یہودیوں نے
اپنی حدیثوں کی نسبت کہا مگر ہم حدیث کو خادم قرآن اور خادم سنت قرار دیتے ہیں اور
ظاہر ہے کہ آقا کی شوکت خادموں کے ہونے سے بڑھتی ہے قرآن خدا کا قول ہے
اور سنت رسول اللہ کا فعل اور حدیث سنت کے لئے ایک تائیدی گواہ ہے۔ نعوذ باللہ یہ کہنا
غلط ہے کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے اگر قرآن پر کوئی قاضی ہے تو وہ خود قرآن ہی۔ حدیث جو
ایک ظنی مرتبہ پر ہے۔ قرآن کی ہرگز قاضی نہیں ہوسکتی صرف ثبوت موید کے رنگ میں ہے قرآن اور
سنت نے اصل کام سب کر دکھایا ہے اور حدیث صرف تائیدی گواہ ہے۔ حدیث قرآن
پر کیسی قاضی ہوسکتی ہے قرآن اور سنت اس زمانہ میں ہدایت کر رہے تھے جبکہ اس مصنوعی قاضی کا
نام ونشان نہ تھا یہ مت کہو کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے بلکہ یہ کہو کہ حدیث قرآن اور سنت کیلئے تائیدی
گواہ ہے البتہ سنت ایک ایسی چیز ہے جو قرآن کا منشا ظاہر کرتی ہے اور سنت سے وہ راہ مراد ہے
جس راہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر صحابہ کو ڈال دیا تھا۔ سنت ان باتوں کا نام
نہیں ہے جو سوڈیڑھ سو برس بعد کتابوں میں لکھی گئیں بلکہ ان باتوں کا نام حدیث ہے اور

سنت اس عملی نمونہ کا نام ہے جو نیک مسلمانوں کی عملی حالت میں ابتدا سے چلا آیا ہے جس پر ہزارہا مسلمانوں کو لگایا گیا - ہاں حدیث بھی اگرچہ اکثر حصہ اُسکا ظن کے مرتبہ پر ہے مگر بشرط عدم تعارض قرآن وسنت تمسک کے لایق ہے اور مویّد قرآن وسنت ہے اور بہت سی اسلامی مسایل کا ذخیرہ اسکے اندر موجود ہے **پس حدیث** کا قدر نہ کرنا گویا ایک عضو اسلام کا کاٹ دینا ہے ہاں اگر ایک ایسی حدیث ہو جو قرآن اور سنت کے نقیض ہو اور نیز ایسی حدیث کی نقیض ہو جو قرآن کے مطابق ہے یا مثلاً ایک ایسی حدیث ہو جو صحیح بخاری کے مخالف ہے تو وہ حدیث قبول کے لایق نہین ہوگی کیونکہ اس کے قبول کرنے سے قرآن کو اور اُن تمام احادیث کو جو قرآن کے موافق ہین رد کرنا پڑتا ہے اور مین جانتا ہون کہ کوئی پرہیزگار اس پر جرأت نہین کریگا کہ ایسی حدیث پر عقیدہ رکھے کہ وہ قرآن اور سنت کے برخلاف اور ایسی حدیثون کے مخالف ہے جو قرآن کے مطابق ہین بہر حال احادیث کا قدر کرو اور اُن سے فائدہ اُٹھاؤ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب ہین اور جبتک قرآن اور سنت اُنکی تکذیب نہ کرے تم بھی اُنکی تکذیب نہ کرو بلکہ چاہئے کہ احادیث نبویہ پر ایسے کاربند ہو کہ کوئی حرکت نہ کرو اور نہ کوئی سکون اور نہ کوئی فعل کرو اور نہ ترک فعل - مگر اسکی تائید مین تمہارے پاس کوئی حدیث ہو لیکن اگر کوئی ایسی حدیث ہو جو قرآن شریف کے بیان کردہ قصص سے صریح مخالف ہی تو اُسکی تطبیق کے لئے فکر کرو شاید وہ تعارض تمہاری ہی غلطی ہو اور اگر کسی طرح وہ تعارض دور نہ ہو تو ایسی حدیث کو پھینک دو کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہین ہی اور اگر کوئی حدیث ضعیف ہی مگر قرآن سے مطابقت رکھتی ہے تو اس حدیث کو قبول کر لو کیونکہ قرآن اسکا مصدق ہے اور اگر کوئی ایسی حدیث ہو جو کسی پیشگوئی پر مشتمل ہے مگر محدثین کے نزدیک وہ ضعیف ہی اور تمہارے زمانہ مین یا پہلے اس سے اس حدیث کی پیشگوئی سچی نکلی ہے تو اس حدیث کو سچی سمجھو اور ایسے محدثون اور راویون کو مخطی اور کاذب خیال کرو جنہون نے اس حدیث کو ضعیف اور موضوع قرار دیا ہو ایسی حدیثین صدہا ہین جنمین پیشگوئیان ہین اور اکثر ان مین سے محدثین کے نزدیک مجروح یا موضوع یا ضعیف ہین پس اگر کوئی حدیث اُن مین سے پوری ہو جائے اور تم یہ

کہہ کر ٹال دو کہ ہم اسکو نہین مانتے کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے یا کوئی راوی اسکا متدیّن نہین
ہے تو اس صورت مین تمہاری خود بے ایمانی ہوگی کہ ایسی حدیث کو رد کردو جسکا سچا ہونا خدا
نے ظاہر کردیا۔ خیال کرو کہ اگر ایسی حدیثیں ہزار ہوں اور محدثین کے نزدیک ضعیف ہوں اور ہزار
پیشگوئی اسکی سچی نکلے تو کیا تم ان حدیثون کو ضعیف قرار دیکر اسلام کے ہزار ثبوت کو ضائع
کرو گے پس اس صورت مین تم اسلام کے دشمن ٹھیرو گے اور اللہ تعالی فرماتا ہے فَلَا یُظْہِرُ
عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ پس سچی پیشگوئی بجز سچے رسول کے کس کی
طرف منسوب ہوسکتی ہے کیا ایسے موقعہ پر یہ کہنا مناسب حالت ایمانداری نہین ہے کہ
صحیح حدیث کو ضعیف کہنے مین کسی محدث نے غلطی کہائی اور یا یہ کہنا مناسب ہے کہ جہوٹی حدیث
کو سچی کر کے خدا نے غلطی کہائی۔ اور اگر ایک حدیث ضعیف درجہ کی بہی ہو بشرطیکہ وہ قرآن
اور سنت اور ایسی احادیث کے مخالف نہین جو قرآن کے موافق ہین تو اس حدیث پر عمل کرو
لیکن بڑی احتیاط سے حدیثون پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ بہت سی احادیث موضوعہ بہی ہین
جنہون نے اسلام مین فتنہ ڈالا ہے ہر ایک فرقہ اپنے عقیدہ کے موافق حدیث رکہتا ہے
یہان تک کہ نماز جیسے یقینی اور متواتر فریضہ کو احادیث کے تفرقہ نے مختلف صورتون مین
کر دیا ہے کوئی آمین بالجہر کرتا ہے کوئی پوشیدہ کوئی خلف امام فاتحہ پڑہتا ہے کوئی اس پڑہنے
کو مفسد نماز جانتا ہے کوئی سینہ پر ہاتہہ باندہتا ہے کوئی ناف پر اصل وجہ اس اختلاف کی
احادیث ہی ہین کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْہِمْ فَرِحُوْنَ ورنہ سنت نے ایک ہی طریق بتلایا تہا پہر
روایات کے تداخل نے اس طریق کو جنبش دیدی۔ اسی طرح احادیث کی غلط فہمی نے
کئی لوگون کو ہلاک کر دیا۔ شیعہ بہی اسی سے ہلاک ہوئے اگر قرآن کو اپنا حکم ٹہراتے تو ایک
سورۃ نور ہی انکو نور بخش سکتی تہی مگر حدیثون نے انکو ہلاک کیا اسی طرح حضرت مسیح کے وقت وہ
یہودی ہلاک ہو گئے جو اہلحدیث کہلاتے تہے کچہہ مدت سے ان لوگون نے توریت کو
چہوڑ دیا تہا اور جیسا کہ آجتک ان کا عقیدہ ہے ان کا یہ مذہب تہا کہ حدیث توریت پر قاضی
ہے سو انمین ایسی حدیثین بکثرت موجود تہین کہ جب تک ایلیا دوبارہ آسمان سے اپنی عنصری

وجود کے ساتھ نازل نہ ہو تب تک ان کا مسیح موعود نہین آئے گا ان حدیثون نے ان کو سخت ٹھوکر مین ڈالدیا - اور وہ لوگ ان حدیثون پر تکیہ کر کے حضرت مسیح کی اس تاویل کو قبول نہ کر سکے کہ الیاس سے مراد یوحنا یعنے یحییٰ نبی ہے جو الیاس کی خو اور طبیعت پر آیا اور بروزی طور پر اس کا وجود لیا ہے پس تمام ٹھوکر ان کی حدیثون کے سبب سے تھی جو آخر کار ان کے بے ایمان ہونیکا موجب ہوگئی اور ممکن ہے کہ وہ لوگ ان حدیثون کے معنون مین بھی غلطی کرتے ہون یا حدیثون مین بعض انسانی الفاظ مل گئے ہون - غرض شائد مسلمانون کو اس واقعہ کی خبر نہین ہوگی کہ یہودیون مین حضرت مسیح کے منکر اہل حدیث ہی تھے انہون نے ان پر شور مچایا اور تکفیر کا فتوے لکھا اور انکو کافر قرار دیا اور کہا کہ یہ شخص خدا کی کتابون کو مانتا نہین خدا نے الیاس کے دوبارہ آنیکی خبر دی ہے اور یہ اس پیش گوئی کی تاویلین کرتا اور بغیر کسی قرینہ صارفہ کے ان خبرون کو کسی اور طرف کھینچ کر لیجاتا ہے اور حضرت مسیح کا نام انہون نے صرف کافر ہی نہین بلکہ ملحد بھی رکھا کہ اگر یہ شخص سچا ہے تو پھر دین موسوی باطل ہے وہ ان کے لئے فیج اعوج کا زمانہ تھا جھوٹی حدیثون نے ان کو دھوکا دیا - غرض حدیثون کے پڑھنے کے وقت یہ خیال کر لینا چاہیئے کہ ایک قوم پہلے اسی حدیث کو توریت پر قاضی ٹھہرا کر اس حالت تک پہنچ چکی ہے کہ ایک سچے نبی کو انہون نے کافر اور دجال کہا اور اس سے انکار کر دیا - تاہم مسلمانون کے لئے صحیح بخاری نہایت متبرک اور مفید کتاب ہے یہ وہی کتاب ہے جس مین صاف طور پر لکھا ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام وفات پا گئے - ایسا ہی مسلم اور دوسری احادیث کی کتابین بہت سے معارف اور مسایل کا ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہین اور اس احتیاط سے ان پر عمل واجب ہے کہ کوئی مضمون ایسا نہ ہو جو قرآن اور سنت اور ان احادیث سے مخالف ہو جو قرآن کے مطابق ہین ✦

اے خدا کے طالب بندو! کان کھولو اور سنو کہ یقین جیسی کوئی چیز نہین یقین ہی ہے جو گناہ سے چھوڑاتا ہے - یقین ہی ہے جو نیکی کرنے کی قوت دیتا ہے - یقین ہی ہے جو خدا کا عاشق صادق بناتا ہے کیا تم گناہ کو بغیر یقین کے چھوڑ سکتے ہو - کیا تم جذبات نفس سے

ہے جس نے حضرت مسیح کو جبتک وہ اس ملک مین رہے بہت دکھ دیا تھا اور جب وہ صلیب سے نجات پا کر کشمیر کیطرف چلے آئے تو اسنے ایک جھوٹی خواب کے ذریعہ سے حواریون مین اپنے تئین داخل کیا اور تثلیث کا مسئلہ گھڑا اور عیسائیون پر سؤر کو جو توریت کے رو سے ابدی حرام تھا حلال کر دیا اور شراب کو بہت وسعت دیدی اور انجیلی عقیدہ مین تثلیث

بغیر یقینی تجلی کے رُک سکتے ہو- کیا تم بغیر یقین کے کوئی تسلی پا سکتے ہو- کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچی تبدیلی پیدا کر سکتے ہو کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچی خوشحالی حاصل کر سکتے ہو- کیا آسمان کے نیچے کوئی ایسا کفارہ اور ایسا فدیہ ہے جو تم سے گناہ ترک کرا سکے- کیا مریم کا بیٹا عیسےٰ ایسا ہے کہ اس کا مصنوعی خون گناہ سے چھڑائے گا- اے عیسائیو ایسا جھوٹ مت بولو جس سے زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے- یسوع خود اپنی نجات کیلئے یقین کا محتاج تھا اور اس نے یقین کیا اور نجات پائی- افسوس ہے ان عیسائیوں پر جو یہ کہہ کر مخلوق کو دھوکا دیتے ہین کہ ہم نے مسیح کے خون سے گناہ سے نجات پائی ہے- حالانکہ وہ سر سے پیر تک گناہ مین غرق ہین وہ نہین جانتے کہ ان کا کون خدا ہے بلکہ زندگی تو غفلت آمیز ہے شراب کی مستی ان کے دماغ مین ہے مگر وہ پاک مستی جو آسمان سے اترتی ہے اس سے وہ بیخبر ہین اور جو زندگی خدا کے ساتھ ہوتی ہے اور جو پاک زندگی کے نتائج ہونے ہین وہ اس سے بے نصیب ہین پس تم یاد رکھو کہ بغیر یقین کے تم تاریک زندگی سے باہر نہین آ سکتے اور نہ روح القدس تمہین مل سکتا ہے مبارک وہ جو یقین رکھتے ہین کیونکہ وہی خدا کو دیکھین گے- مبارک وہ جو شبہات اور شکوک سے نجات پا گئے ہین کیونکہ وہی گنہ سے نجات پائینگے- مبارک تم جبکہ تمہین یقین کی دولت دیجائے کہ اسکے بعد تمہارے گنہ کا خاتمہ ہوگا- گنہ اور یقین دونون جمع نہین ہو سکتے کیا تم ایسے سوراخ مین ہاتھ ڈال سکتے ہو جس مین تم ایک سخت زہریلے سانپ کو دیکھتے ہو کیا تم ایسی جگہ کھڑے رہ سکتے ہو جس جگہ کسی کوہ آتش فشان سے پتھر برستے ہین یا بجلی پڑتی ہے یا ایک خونخوار شیر کے حملہ کرنے کی جگہ ہے یا ایک ایسی جگہ ہے جہان ایک مہلک طاعون نسل انسان کو معدوم کر رہی ہے پھر اگر تمہین خدا پر ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ سانپ پر یا بجلی پر یا شیر پر یا طاعون پر تو ممکن نہین کہ اسکے مقابل پر تم نافرمانی کرکے سزا کی راہ اختیار کر سکو- یا صدق و وفا کا اس سے تعلق توڑ سکو*

اے وے لوگو جو نیکی اور راستبازی کے لئے بلائے گئے ہو تم یقیناً سمجھو کہ خدا کی کشش اسوقت تم مین پیدا ہوگی اور اسی وقت تم گناہ کے مکروہ داغ سے پاک کئے جاؤ گے

جبکہ تمہارے دل یقین سے بہر جائینگے شائد تم کہوگے کہ ہمین یقین حاصل ہے سو یاد رہے
کہ یہ تمہین دہوکا لگا ہوا ہے یقین تمہین ہرگز حاصل نہین کیونکہ اُسکے لوازم حاصل نہین وجہ یہ
تم گنہ سے باز نہین آتے تم ایسا قدم آگے نہین اُٹہاتے جو اُٹہانا چاہئیے تم ایسے طور سے
نہین ڈرتے جو ڈرنا چاہئیے خود سوچ لو کہ جسکو یقین ہے کہ فلان سوراخ مین سانپ ہے وہ اس
سوراخ مین کب ہاتہہ ڈالتا ہے اور جسکو یقین ہے کہ اسکے کہانے مین زہر ہے وہ اس کہانے
کو کب کہاتا ہے اور جو یقینی طور پر دیکہہ رہا ہے کہ اس فلان بن مین ایک ہزار خونخوار شیر ہے اسکا
قدم کیونکر بے احتیاطی اور غفلت سے اُس بن کیطرف اُٹہہ سکتا ہے سو تمہارے ہاتہہ اور تمہارے پاؤن اور
تمہارے کان اور تمہاری آنکہین کیونکر گناہ پر دلیری کر سکتی ہین اگر تمہین خدا اور جزا سزا پر یقین
ہے گناہ یقین پر غالب نہین ہو سکتا اور جبکہ تم ایک بہسم کرنے اور کہا جانیوالی آگ کو دیکہہ رہے ہو
تو کیونکر اس آگ مین اپنے تئین ڈال سکتے ہو۔ اور یقین کی دیوارین آسمان تک ہین شیطان
اُن پر چڑہ نہین سکتا ہر ایک جو پاک ہوا وہ یقین سے پاک ہوا۔ یقین دُکہہ اُٹہانے کی قوت دیتا ہے
یہان تک کہ ایک بادشاہ کو تخت سے اوتارتا ہے اور فقیری جامہ پہناتا ہے۔ یقین ہر ایک دُکہہ
کو سہل کر دیتا ہے یقین خدا کو دکہاتا ہے ہر ایک کفارہ جہوٹا ہے اور ہر ایک فدیہ باطل ہے۔
اور ہر ایک پاکیزگی یقین کی راہ سے آتی ہے وہ چیز جو گناہ سے چہڑاتی اور خدا تک پہنچاتی اور
فرشتون سے بہی صدق اور ثبات مین آگے بڑہا دیتی ہے وہ یقین ہے ہر ایک مذہب جو یقین
کا سامان پیش نہین کرتا وہ جہوٹا ہے ہر ایک مذہب جو یقینی وسائل سے خدا کو دکہا نہین سکتا
وہ جہوٹا ہے ہر ایک مذہب جسمین بجز پُرانے قصون کے اور کچہہ نہین وہ جہوٹا ہے۔ خدا جیسے
پہلے تہا وہ اب بہی ہے اور اسکی قدرتین جیسی پہلے تہین وہ اب بہی ہین اور اُسکا نشان
دکہلانے پر جیسا کہ پہلے اقتدار تہا وہ اب بہی ہے پہر تم کیون صرف قصون پر راضی ہوتے ہو
وہ مذہب ہلاک شدہ ہے جس کے معجزات صرف قصے ہین جسکی پیشگوئیان صرف قصے ہین
اور وہ جماعت ہلاک شدہ ہے جسپر خدا نازل نہین ہوا اور جو یقین کے ذریعہ سے خدا کے
ہاتہہ سے پاک نہین ہوئی جس طرح انسان نفسانی لذات کا سامان دیکہہ کر انکی طرف کہنچا

جاتا ہے اسی طرح انسان جب روحانی لذات یقین کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے تو وہ خدا کی
طرف کھنچا جاتا ہے اور اسکا حسن اسکو ایسا مست کر دیتا ہے کہ دوسری تمام چیزیں اسکو سراسر
ردی دکھائی دیتی ہین اور انسان اُسی وقت گناہ سے مخلصی پاتا ہے جبکہ وہ خدا اور اسکے
جبروت اور جزا سزا پر یقینی طور پر اطلاع پاتا ہے ہر ایک بیباکی کی جڑھ بیخبری ہے جو شخص
خدا کی یقینی معرفت سے کوئی حصہ لیتا ہے وہ بیباک نہین رہ سکتا۔ اگر گہر کا مالک جانتا ہے
کہ ایک پُرزور سیلاب نے اسکے گہر کیطرف رخ کیا ہے اور یا اسکے گہر کے اردگرد آگ لگ چکی
ہے اور صرف ایک ذرہ سی جگہ باقی ہے تو وہ اس گہر مین ٹھہر نہین سکتا۔ تو پھر تم خدا کی جزا سزا
کے یقین کا دعوے کر کے کیونکر اپنی خطرناک حالتون پر ٹھہر رہے ہو سو تم آنکھین کھولو اور خدا
کے اُس قانون کو دیکھو جو تمام دُنیا مین پایا جاتا ہے چوہے مت بنو جو نیچے کیطرف جاتے ہین
بلکہ بلند پرواز کبوتر بنو جو آسمان کے فضا کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ تم توبہ کی بعیت کر کے پھر
گناہ پر قایم نہ رہو اور سانپ کی طرح مت بنو جو کھال اُتار کر پھر بھی سانپ ہی رہتا ہے موت
کو یاد رکھو کہ وہ تمہارے نزدیک آتی جاتی ہے اور تم اُس سے بیخبر ہو۔ کوشش کرو کہ پاک ہو جاؤ
کہ انسان پاک کو تب پاتا ہے کہ خود پاک ہو جاوے مگر تم اس نعمت کو کیونکر پاسکو اسکا جواب
خود خدا نے دیا ہے جہان قرآن مین فرماتا ہے واستعینوا بالصبر والصلوة یعنے نماز اور صبر
کے ساتھہ خدا سے مدد چاہو نماز کیا چیز ہے وہ دعا ہے جو تسبیح تحمید تقدیس اور استغفار اور
درود کے ساتھہ تضرع سے مانگی جاتی ہے سو جب تم نماز پڑھو تو بے خبر لوگون کیطرح اپنی دُعاؤن
مین صرف عربی الفاظ کے پابند نہ رہو کیونکہ انکی نماز اور انکا استغفار سب رسمین ہین جن کے
ساتھہ کوئی حقیقت نہین لیکن تم جب نماز پڑھو تو بجز قرآن کے جو خدا کا کلام ہے اور بجز بعض ادعیہ
ماثورہ کے کہ وہ رسول کا کلام ہے باقی اپنی تمام عام دعاؤن مین اپنی زبان مین ہی الفاظ متضرعانہ
ادا کر لیا کرو تا ہو کہ تمہارے دلون پر اُس عجز و نیاز کا کچھہ اثر ہو۔ پنجگانہ نمازین کیا چیز ہین وہ تمہارے
مختلف حالات کا فوٹو ہے تمہاری زندگی کے لازم حال پانچ تغیر ہین جو بلا کے وقت تم پر وارد
ہوتے ہین اور تمہاری فطرت کے لئے اُن کا وارد ہونا ضروری ہے۔ (۱) پہلے جبکہ تم مطلع

کئے جاتے ہو کہ تم پر ایک بلا آنیوالی ہے مثلاً جیسے تمہارے نام عدالت سے ایک وارنٹ
جاری ہوا یہ پہلی حالت ہے جس نے تمہاری تسلی اور خوشحالی مین خلل ڈالا سو یہ حالت زوال
کے وقت سے مشابہ ہے کیونکہ اس سے تمہاری خوشحالی مین زوال آنا شروع ہوا اسکے مقابل
پر نماز ظہر متعین ہوئی جس کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا تغیر اس وقت تم پر آتا ہے جبکہ تم بلا کے محل سے بہت نزدیک کئے جاتے ہو۔ مثلاً
جبکہ تم بذریعہ وارنٹ گرفتار ہو کر حاکم کے سامنے پیش ہوتے ہو یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارا
خوف سے خون خشک ہو جاتا ہے اور تسلی کا نور تم سے رخصت ہونیکو ہوتا ہے سو یہ حالت
تمہاری اسوقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب سے نور کم ہو جاتا ہے اور نظر اسپر جم سکتی ہے
اور صریح نظر آتا ہے کہ اب اسکا غروب نزدیک ہے۔ اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز عصر مقرر ہے

(۳) تیسرا تغیر تم پر اسوقت آتا ہے جو اس بلا سے رہائی پانے کی بکلی امید منقطع ہو جاتی ہے۔
مثلاً جیسے تمہارے نام فرد قرارداد جرم لکھی جاتی ہے اور مخالفانہ گواہ تمہاری ہلاکت کے لئے
گذر جاتے ہین یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارے حواس خطا ہو جاتے اور تم اپنے تئین ایک
قیدی سمجھنے لگتے ہو۔ سو یہ حالت اسوقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے
اور تمام امیدین دن کی روشنی کی ختم ہو جاتی ہین اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز مغرب
مقرر ہے۔ (۴) چوتھا تغیر اسوقت تم پر آتا ہے کہ جب بلا تم پر وارد ہی ہو جاتی ہے اور اسکی
سخت تاریکی تم پر احاطہ کر لیتی ہے مثلاً جبکہ فرد قرارداد جرم اور شہادتوں کے بعد حکم سزا تمکو سنایا
جاتا ہے اور قید کے لئے ایک پولس مین کے تم حوالہ کئے جاتے ہو سو یہ حالت اسوقت سے مشابہ ہے جبکہ رات
پڑ جاتی ہے اور ایک سخت اندھیرا پڑ جاتا ہے اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز عشا مقرر ہے۔

(۵) پھر جبکہ تم ایک مدت تک اس مصیبت کی تاریکی مین بسر کرتے ہو تو پھر آخر خدا کا رحم
تم پر جوش مارتا ہے اور تمہین اس تاریکی سے نجات دیتا ہے مثلاً جیسے تاریکی کے بعد پھر آخرکار
صبح نکلتی ہے اور پھر وہی روشنی دن کی اپنی چمک کے ساتھ ظاہر ہو جاتی ہے سو اس روحانی حالت
کے مقابل پر نماز فجر مقرر ہے اور خدا نے تمہارے فطرتی تغیرات مین پانچ حالتین دیکھ کر

پانچ نمازیں تمہارے لئے مقرر کیں اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نمازیں خاص تمہارے نفس کے فائدہ کے لئے ہیں پس اگر تم چاہتے ہو کہ ان بلاؤں سے بچے رہو تو تم پنجگانہ نمازوں کو ترک نہ کرو کہ وہ تمہاری اندرونی اور روحانی تغیرات کا ظل ہیں۔ نماز میں آنے والی بلاؤں کا علاج ہے تم نہیں جانتے کہ نیا دن چڑھنے والا کس قسم کے قضا و قدر تمہارے لئے لائیگا پس قبل اسکے جو دن چڑھے تم اپنے مولےٰ کی جناب میں تضرع کرو کہ تمہارے لئے خیر و برکت کا دن چڑھے۔

اے امیرو اور بادشاہو! اور دولتمندو!! آپ لوگوں میں ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جو خدا سے ڈرتے اور اسکی تمام راہوں میں راستباز ہیں اکثر ایسے ہیں کہ دنیا کے ملک اور دنیا کے املاک سے دل لگاتے ہیں اور پھر اسی میں عمر بسر کر لیتے ہیں اور موت کو یاد نہیں رکھتے۔ ہر ایک امیر جو نماز نہیں پڑھتا اور خدا سے لاپروا ہے اسکے تمام نوکروں چاکروں کا گناہ اسکی گردن پر ہے۔ ہر ایک امیر جو شراب پیتا ہے اسکی گردن پر ان لوگوں کا بھی گناہ ہے جو اسکے ماتحت ہو کر شراب میں شریک ہیں۔ اے عقلمندو یہ دنیا ہمیشہ کی جگہ نہیں تم سنبھل جاؤ۔ تم ہر ایک بے اعتدالی کو چھوڑ دو ہر ایک نشہ کی چیز کو ترک کرو انسان کو تباہ کرنے والی صرف شراب ہی نہیں بلکہ افیون۔ گانجا۔ چرس۔ بھنگ۔ تاڑی اور ہر ایک نشہ جو ہمیشہ کے لئے عادت کر لیا جاتا ہے وہ دماغ کو خراب کرتا اور آخر ہلاک کرتا ہے سو تم اس سے بچو۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ تم کیوں ان چیزوں کو استعمال کرتے ہو جنکی شامت سے ہر ایک سال ہزارہا تمہارے جیسے نشہ کے عادی اس دنیا سے کوچ کرتے جاتے ہیں* اور آخرت کا عذاب الگ ہے۔ پرہیزگار انسان بنجاؤ تا تمہاری عمریں زیادہ ہوں اور تم خدا سے برکت پاؤ۔ حد سے زیادہ عیاشی میں بسر کرنا لعنتی زندگی ہے۔ حد سے زیادہ بدخلق اور بے مہر ہونا لعنتی زندگی ہے۔ حد سے زیادہ خدا یا اسکے بندوں کی ہمدردی سے لاپرواہ ہونا لعنتی زندگی ہے۔ ہر ایک امیر خدا کے حقوق اور انسانوں کے حقوق سے ایسا ہی پوچھا جائیگا جیسا کہ ایک فقیر بلکہ اس سے زیادہ پس کیا بدقسمت وہ شخص ہے جو اس مختصر زندگی پر بھروسہ کر کے بکلی خدا سے مونہہ پھیر لیتا ہے اور خدا کے حرام کو

* یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اسکا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے مگر اے مسلمانو! تمہارے نبی علیہ السلام تو ہر ایک نشہ سے پاک اور معصوم تھے جیسا کہ وہ فی الحقیقت معصوم ہیں سو تم مسلمان کہلا کر کسکی پیروی کرتے ہو قرآن انجیل کی طرح شراب کو حلال نہیں ٹھہراتا پھر تم کس دستاویز سے شراب کو حلال ٹھہراتے ہو کیا مرنا نہیں ہے۔ منہ

ایسی بیبا کی سے استعمال کرتا ہے کہ گویا وہ حرام اسکیلئے حلال ہے غصہ کیحالت میں دیوانوں کیطرح کسیکو گالی کسی کو زخمی اور کسیکو قتل کرنیکے لئے تیار ہو جاتا ہے اور شہوات کے جوش میں بے حیائی کے طریقوں کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے سو وہ سچی خوشحالی کو نہیں پائیگا یہانتک کہ مرے گا۔ اے عزیزو تم تھوڑے دنوں کے لئے دنیا میں آئے ہو اور وہ بھی بہت کچھ گذر چکی سو اپنے مولی کو ناراض مت کرو ایک انسانی گورنمنٹ جو تم سے زبردست ہو اگر تم سے ناراض ہو تو وہ تمہیں تباہ کر سکتی ہے پس تم سوچ لو کہ خدا تعالی کی ناراضگی سے کیونکر تم بچ سکتے ہو اگر تم خدا کی آنکھوں کے آگے متقی ٹھہر جاؤ تو تمہیں کوئی بھی تباہ نہیں کر سکتا۔ اور وہ خود تمہاری حفاظت کریگا اور دشمن جو تمہاری جان کے درپے ہے تم پر قابو نہیں پائیگا ورنہ تمہاری جان کا کوئی حافظ نہیں اور تم دشمنوں سے ڈر کر یا اور آفات میں مبتلا ہو کر بیقراری سے زندگی بسر کرو گے اور تمہاری عمر کے آخری دن بڑے غم اور غصہ کے ساتھ گذرینگے خدا ان لوگوں کی پناہ ہو جاتا ہے جو اسکے ساتھ ہو جاتے ہیں سو خدا کی طرف آ جاؤ اور ہر ایک مخالفت اسکی چھوڑ دو اور اسکے فرائض میں سستی نہ کرو اور اسکے بندوں پر زبان سے یا ہاتھ سے ظلم مت کرو اور آسمانی قہر اور غضب سے ڈرتے رہو کہ یہی راہ نجات کی ہے۔

اے علماء اسلام میری تکذیب میں جلدی مت کرو کہ بہت اسرار ایسے ہوتے ہیں کہ انسان جلدی سے سمجھ نہیں سکتا۔ بات کو سنکر اسی وقت رد کرنیکے لئے تیار مت ہو جاؤ کہ یہ تقوی کا طریق نہیں ہے اگر تم میں بعض غلطیاں نہ ہوتیں اور اگر تمنے بعض احادیث کے الٹے معنے نہ سمجھے ہوتے تو مسیح موعود کا جو حکم ہے آنا ہی لغو تھا تم سے پہلے یہ عبرت کی جگہ موجود ہے کہ جس بات پر تمنے زور مارا ہے اور جس جگہ تمنے قدم رکھا ہے اسی جگہ یہودیوں نے رکھا تھا یعنے جیسا کہ تم حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے منتظر ہو وہ بھی الیاس نبی کے دوبارہ آنیکے منتظر تھے اور کہتے تھے کہ مسیح تب آئیگا جبکہ پہلے الیاس نبی جو آسمان پر اٹھایا گیا دوبارہ دنیا میں آ جائیگا اور جو شخص الیاس کے دوبارہ آنے سے پہلے مسیح ہونیکا دعوی کرے وہ جھوٹا ہے اور وہ نہ صرف احادیث کی رو سے ایسا خیال رکھتے تھے بلکہ خدا کی کتاب کو جو صحیفہ ملاکی نبی ہے

+ جو شخص نبی نوع پر قوت غضبی کو بڑہاتا ہے وہ غضب سے ہی ہلاک کیا جاتا ہے اسلئے خدا نے سورۃ فاتحہ میں یہود کا نام مغضوب علیہم کہا یہ بات کی طرف اشارہ تھا کہ قیامت کو تو ہر ایک مجرم خدا کے غضب کا مزہ چکھے گا مگر جو ناحق دنیا میں غضب کرتا ہے وہ دنیا میں ہی الہی غضب کا مزہ چکھ لیتا ہے نصاری سے یہودیوں کی نسبت دنیا میں غضب ظہور میں نہ آیا اسلئے سورۃ فاتحہ میں انکا نام ضالین کہا گیا ضالین کے لفظ کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ وہ گمراہ ہیں اور دوسرے معنی اسکے ہیں کہ کھوئے جائینگے یہ میرے نزدیک انکے لئے بشارت ہے کہ کسیوقت جھوٹے مذہب سے نجات پاکر اسلام میں کھوئے جائینگے۔ اور رفتہ رفتہ مشرکانہ عقائد اور ناقص یا قابل شرم رسوم کو چھوڑتے چھوڑتے بزنگ مسلمین موحدین ہو جائیں گے غرض الضالین کے لفظ میں جو سورۃ فاتحہ کے آخر میں ضلالت کے دوسرے معنوں کے لحاظ سے کہ ایک چیز کا دوسری چیز میں محو ہونا اور کھوئے جانا ہے عیسائیوں کی آئندہ مذہبی حالت کے لئے یہ ایک پیشگوئی ہے۔ منہ

اس ثبوت مین پیش کرتے تھے لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نسبت یہودیون کے
موعود مسیح ہونیکا دعوے کر دیا اور الیاس آسمان سے نہ اُترا جو اس دعوی کی شرط تھی تو یہ تمام
عقیدے یہودیون کے باطل ثابت ہو گئے اور وہ جو یہودیون کے خیال مین تہا کہ ایلیا نبی
بجسمہ العنصری آسمان سے نازل ہوگا اُسکے آخر کار یہ معنے کہلے کہ الیاس کی خو اور طبیعت پر
کوئی دوسرا شخص ظاہر ہو جائیگا اور یہ معنے حضرت عیسیٰ نے خود بیان فرمائے جنکو دوبارہ آسمان سے اُتار
رہے ہو۔ پس تم کیون ایسی جگہ ٹھوکر کہاتے ہو جس جگہ تم سے پہلے یہود ٹھوکر کہا چکے ہین تمہارے
ملک مین ہزارہا یہودی موجود ہین تم اُنکو پوچھہ کر دیکہہ لو کہ کیا یہود کا یہی اعتقاد نہین جو اب تم
ظاہر کر رہے ہو پس وہ خدا جس نے عیسےٰ کی خاطر ایلیا نبی کو آسمان سے نہ اوتارا اور یہود
کے سامنے اُسکو تاویلون سے کام لینا پڑا وہ تمہاری خاطر کیونکر عیسےٰ کو اُتاریگا جسکو تم دوبارہ
اُتارتے ہو اُسی کے فیصلہ سے تم منکر ہو اگر شک ہے تو کوئی لاکہہ عیسائی اس ملک مین موجود ہین
اور انکی انجیل بہی موجود اُن سے دریافت کر لو کہ کیا یہ سچ نہین ہے کہ حضرت عیسیٰ نے
یہی کہا تہا کہ ایلیا جو دوبارہ آنے والا تہا وہ یوحنا ہی ہے یعنی یحیےٰ۔ اور اتنی بات کہہ کر یہود
کی پُرانی امیدون کو خاک مین ملا دیا۔ **اگر اب یہ ضروری ہے** کہ عیسیٰ نبی ہی آسمان سے
آوے تو اس صورت مین حضرت عیسیٰ سچا نبی نہین ٹہر سکتا کیونکہ اگر آسمان سے واپس آنا
سنت اللہ مین داخل ہے تو الیاس نبی کیون واپس نہ آیا اور کیون اس جگہ یحییٰ کو الیاس
ٹہرا کر تاویل سے کام لیا گیا عقلمند کیلئے یہ سوچنے کا مقام ہے *

اور نیز جس کام کے لئے آپ لوگون کے عقیدون کے موافق مسیح ابن مریم آسمان
سے آئیگا یعنے یہ کہ مہدی سے ملکر لوگون کو جبراً مسلمان کرنیکے لئے جنگ کریگا یہ ایک ایسا
عقیدہ ہے جو اسلام کو بدنام کرتا ہے قرآن شریف مین کہان لکہا ہے کہ مذہب کے لئے جبر
درست ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تو قرآن شریف مین فرماتا ہے لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ یعنے دین
مین جبر نہین ہے پہر مسیح ابن مریم کو جبر کا اختیار کیونکر دیا جائیگا یہان تک کہ بجز اسلام
یا قتل کے جزیہ بہی قبول نہ کریگا یہ تعلیم قرآن شریف کی کس مقام اور کس سیپارہ اور کس سورۃ مین ہے*

* اگر کہو کہ عربون کے لئے یہی حکم تہا کہ جبراً مسلمان کئے جائین یہ خیال قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہین ہوتا بلکہ
یہ ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ تمام عرب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ایذا پہونچایا تہا اور بہت سے صحابہ مردون ......

سارا قرآن بار بار کہہ رہا ہے کہ دین میں جبر نہیں اور صاف طور پر ظاہر کر رہا ہے کہ جن لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت لڑائیاں کی گئی تہیں وہ لڑائیاں دین کو جبراً شائع کرنیکے لئے نہیں تہیں بلکہ یا تو بطور سزا تہیں یعنے اُن لوگوں کو سزا دینا منظور تہا جنہوں نے ایک گروہ کثیر مسلمانوں کو قتل کر دیا اور بعض کو وطن سے نکالدیا تہا اور نہایت سخت ظلم کیا تہا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر یعنی ان مسلمانوں کو جن سے کفار جنگ کر رہے ہیں بسبب مظلوم ہونیکے مقابلہ کرنے کی اجازت دی گئی اور خدا قادر ہے کہ جو ان کی مدد کرے۔ اور یا وہ لڑائیاں ہیں جو بطور مدافعت تہیں یعنے جو لوگ اسلام کے نابود کرنے کیلئے پیش قدمی کرتے تہے یا اپنے ملک میں اسلام کو شایع ہونیسے جبراً روکتے تہے ان سے بطور حفاظت خود اختیاری یا ملک میں آزادی پیدا کرنیکے لئے لڑائی کی جاتی تہی بجز ان تین صورتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے مقدس خلیفوں نے کوئی لڑائی نہیں کی بلکہ اسلام نے غیر قوموں کے ظلم کی اس قدر برداشت کی ہے جو اسکی دوسری قوموں میں نظیر نہیں ملتی پہر یہ عیسیٰ مسیح اور مہدی صاحب کیسے ہونگے جو آتے ہی لوگوں کو قتل کرنا شروع کرونیگے یہاں تک کہ کسی اہل کتاب سے بہی جزیہ قبول نہیں کرینگے اور آیت حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون کو بہی منسوخ کر دینگے یہ دین اسلام کے کیسے حامی ہونگے کہ آتے ہی قرآن کی ان آیتوں کو بہی منسوخ کر دینگے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بہی منسوخ نہیں ہوئیں اور اس قدر انقلاب سے پہر بہی ختم نبوت میں حرج نہیں آئیگا۔ اس زمانہ میں جو تیرہ سو برس عہد نبوت کو گذر گئے اور خود اسلام اندرونی طور پر تہتر فرقوں پر پہیل گیا۔ سچے مسیح کا یہ کام ہونا چاہئے کہ وہ دلائل کے ساتہہ دلوں پر فتح پاوے نہ تلوار کے ساتہہ اور صلیبی عقیدہ کو واقعی اور سچے ثبوت کیساتہہ توڑ دے نہ یہ کہ اُن صلیبوں کو توڑتا پہرے جو چاندی یا سونے یا پیتل یا لکڑی سے بنائی جاتی ہیں اگر تم جبر کروگے تو تمہارا جبر اس بات پر کافی دلیل ہے کہ تمہارے پاس اپنی سچائی پر کوئی دلیل نہیں* ہر ایک نادان اور ظالم طبع جب دلیل سے عاجز آجاتا ہے تو پہر تلوار یا بندوق کیطرف ہاتہہ لمبا کرتا ہے مگر ایسا مذہب ہرگز ہرگز خدا تعالیٰ

* قرآن شریف کے رو سے جنگ مذہبی کرنا حرام ہے کیونکہ وہ بہی کوئی مذہبی جہاد نہیں کرتی اور اسکا شکر کرنا ہمیں اسلئے لازم ہے

کی طرف سے نہین ہو سکتا جو صرف تلوار کے سہارے سے پہیل سکتا ہے نہ کسی اور طریق سے اگر
تم ایسے جہاد سے باز نہین آ سکتے اور اسپر غصہ مین آکر راستبازون کا نام بہی دجال اور ملحد
رکہتے ہو تو ہم ان دو فقرون پر اس تقریر کو ختم کرتے ہین ۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ
مَا تَعْبُدُونَ اندرونی تفرقہ اور پہوٹ کے زمانہ مین تمہارا فرضی مسیح اور فرضی مہدی
کس کس پر تلوار چلائیگا کیا سنیون کے نزدیک شیعہ اس لایق نہین کہ ان پر تلوار اٹھائی جاے
اور شیعون کے نزدیک سنی اس لایق نہین کہ ان سب کو تلوار سے نیست و نابود کیا جاوے
پس جبکہ تمہارے اندرونی فرقے ہی تمہارے عقیدہ کی رو سے مستوجب سزا ہین تو تم کس کس
سے جہاد کروگے ۔ مگر یاد رکہو کہ خدا تلوار کا محتاج نہین وہ اپنے دین کو آسمانی نشانون کیساتھ
زمین پر پہیلائیگا اور کوئی اسکو روک نہین سکے گا اور یاد رکہو کہ اب عیسیٰ تو ہرگز نازل
نہین ہوگا کیونکہ جو اقرار اوس نے آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کی رو سے قیامت کے دن کرنا ہے اس مین صفائی سے
اسکا اعتراف پایا جاتا ہے کہ وہ دوبارہ دنیا مین نہین آیگا اور قیامت کو اسکا یہی عذر ہے
کہ عیسائیون کے بگڑنے کی مجھے خبر نہین اور اگر وہ قیامت کے پہلے دنیا مین آتا تو کیا وہ
یہی جواب دیتا کہ مجھے عیسائیون کے بگڑنے کی کچھہ خبر نہین لہذا اس آیت مین اوس نے
صاف اقرار کیا ہے کہ مین دوبارہ دنیا مین نہین گیا اور اگر وہ قیامت سے پہلے دنیا مین آنیوالا تہا اور
برابر چالیس برس رہنیوالا تب تو اوس نے خدا تعالیٰ کے سامنے جہوٹ بولا کہ مجھے عیسائیون
کے حالات کی کچھہ خبر نہین اسکو تو کہنا چاہئے تہا کہ آمد ثانی کیوقت مینے چالیس کروڑ کے قریب
دنیا مین عیسائی پایا اور ان سب کو دیکہا اور مجھے انکے بگڑنے کی خوب خبر ہے اور مین تو انعام
کے لایق ہون کہ تمام عیسائیونکو مسلمان کیا اور صلیبونکو توڑا یہ کیا جہوٹ ہے کہ عیسیٰ کہیگا کہ مجھے خبر نہین غرض اس آیت
مین نہایت صفائی سے مسیح کا اقرار ہے کہ وہ دوبارہ دنیا مین نہین آئیگا اور یہی سچ ہے کہ مسیح فوت
ہو چکا اور سری نگر محلہ خانیار مین اسکی قبر ہے* اب خدا خود نازل ہوگا اور ان لوگون
سے آپ لڑیگا جو سچائی سے لڑتے ہین ۔ خدا کا لڑنا قابل اعتراض نہین کیونکہ وہ نشانون کے رنگ
مین ہے لیکن انسان کا لڑنا قابل اعتراض ہے کیونکہ وہ جبر کے رنگ مین ہے ۔

* ایک یہودی نے بہی اسکی تصدیق کی ہے کہ قبر واقعہ سری نگر یہودیون کے انبیاء کی قبرون کیطرح بنی ہوئی ہے دیکہو پرچہ علیحدہ حاشیہ ۔ منہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۰ کہ ہم اپنا کام مکہ اور مدینہ مین ہی نہین کر سکتے تہے مگر انکے ملک مین یہہ خدا کیطرف سے حکمت تہی ...... کہ مجھے اس ملک مین پیدا کیا پس کیا مین خدا کی حکمت کی کسر شان کرون اور جیسا کہ قرآن شریف کی آیت وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ مین اللہ تعالیٰ یہ بات ہمین سمجہاتا ہے کہ صلیب کے واقعہ کے بعد ہمنے عیسیٰ مسیح کو صلیبی بلا سے رہائی دیکر اسکو اور اسکی مان کو ایک ایسے اونچے ٹیلے پر جگہ دی تہی کہ وہ آرام کی جگہ تہی اور اسمین چشمے جاری تہے یعنی سری نگر کشمیر ۔ اسی طرح خدا نے مجھے اس گورنمنٹ کے اونچے ٹیلہ پر جہان مفسدین کا ہاتہ نہین پہونچ سکتا جگہ دی جو آرام کی جگہ ہے اور اس ملک مین سچے علوم کے چشمے جاری ہین اور مفسدونکے حملون سے امن اور قرار ہے پہر کیا واجب نہ تہا کہ ہم اس گورنمنٹ کے احسانات کا شکر کرتے ۔ منہ

ان مولویوں پر افسوس اگر انہیں دیانت ہوتی تو وہ تقویٰ کی راہ سے اپنی تسلی ہر طرح سے کراتے اور خدا نے تو نیک روحوں کی تسلی کر دی مگر وہ لوگ جو ابوجہل کی مٹی سے بنے ہوئے ہیں وہ اسی طریق کو اختیار کرتے ہیں جو ابوجہل نے اختیار کیا تھا ایک مولوی صاحب نے میرٹھ سے بذریعہ رجسٹری اطلاع دی ہے کہ امرتسر میں جلسہ **ندوۃ العلماء** ہے اس جگہ آکر بحث کرنی چاہیئے مگر واضح ہو کہ اگر ان مخالفین کی نیتیں نیک ہوتیں اور فتح وشکست کا خیال نہ ہوتا تو ان کو اپنی تسلی کرانے کیلئے ندوہ وغیرہ کی کیا ضرورت تھی ہم ندوہ کے علماء کو امرتسر کے علماء سے الگ نہیں سمجھتے ایک ہی عقیدہ۔ ایک ہی جنس ایک ہی مادہ ہے ہر ایک کو اختیار ہے کہ **قادیان** میں آوے مگر بحث کے لئے نہیں بلکہ صرف طلب حق کے لئے ہماری تقریر کو سنے اگر شک رہے تو عزت اور ادب کے طریق سے اپنے شکوک رفع کرا دے اور وہ جبتک قادیان میں رہیگا بطور **مہمان** کے سمجھا جائیگا ہمیں ندوہ وغیرہ کی ضرورت نہیں اور نہ انکی طرف حاجت ہے یہ سب لوگ راستی کے دشمن ہیں مگر راستی دنیا میں پھیلتی جاتی ہے کیا یہ خدا تعالیٰ کا عظیم الشان معجزہ نہیں کہ اسنے آج سے بیس۲۰ برس پہلے براہین احمدیہ میں اپنے الہام سے ظاہر کر دیا تھا کہ لوگ تمہارے ناکام رہنے کیلئے بڑی کوشش کرینگے اور ناخنوں تک زور لگائیں گے مگر آخر میں تمہیں ایک بڑی جماعت بناؤں گا یہ اس وقت کی وحی الٰہی ہے جبکہ میرے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں تھا پھر میرے دعوے کے شائع ہونے پر مخالفوں نے ناخنوں تک زور لگائے آخر حسب پیشگوئی مذکورہ بالا یہ سلسلہ پھیل گیا اور اب آج کی تاریخ تک برٹش انڈیا میں یہ جماعت ایک لاکھ سے بھی کچھ زیادہ ہے ندوۃ العلماء کو اگر مرنا یاد ہے تو براہین احمدیہ اور سرکاری کاغذات کو دیکھ کر بتلاوے کہ کیا یہ معجزہ ہے یا نہیں پھر جبکہ قرآن اور معجزہ دونوں پیش کئے گئے تو اب بحث کس غرض کیلئے؟

ایسا ہی اس ملک کے گدی نشین اور پیرزادے دین سے ایسے بے تعلق اور اپنی بدعات میں ایسے دن رات مشغول ہیں کہ انکو اسلام کی مشکلات اور آفات کی کچھ بھی خبر نہیں

ان کی مجالس مین اگر جاؤ تو بجائے قرآن شریف اور کتب حدیث کے طرح طرح کے تنبورے اور سارنگیان اور ڈھولکیان اور قوال وغیرہ اسباب بدعات نظر آئینگے اور پھر باوجود اسکے مسلمانون کے پیشوا ہونے کا دعوے اور اتباع نبوی کی لاف زنی اور بعض انمین سے عورتون کا لباس پہنتے ہین اور ہاتھون مین مہندی لگاتے ہین اور چوڑیان پہنتے ہین اور قرآن شریف کی نسبت اشعار پڑہنا اپنی مجلسون مین پسند کرتے ہین - یہ ایسے پرانے زنگار ہین جو خیال مین نہین آسکتا کہ دور ہوسکین تاہم خدا تعالی اپنی قدرتین دکھائے گا اور اسلام کا حامی ہوگا ۔

[عورتون کو کچھ نصیحت]

ہمارے اس زمانہ مین بعض خاص بدعات مین **عورتین** بھی مبتلا ہین وہ **تعدد نکاح** کے مسئلہ کو نہائت بری نظر سے دیکھتی ہین گویا اُسپر ایمان نہین رکھتین انکو معلوم نہین کہ خدا کی شریعت ہر ایک قسم کا علاج اپنے اندر رکھتی ہے پس اگر اسلام مین تعدد نکاح کا مسئلہ نہ ہوتا تو ایسی صورتین کہ جو مردون کے لئے نکاح ثانی کے لئے پیش آجاتی ہین اس شریعت مین انکا کوئی علاج نہ ہوتا - مثلاً اگر عورت دیوانہ ہوجاے یا مجذوم ہوجائے یا ہمیشہ کے لئے کسی ایسی بیماری مین گرفتار ہوجائے جو بیکار کردیتی ہے یا اور کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ عورت قابل رحم ہو مگر بیکار ہوجاوے اور مرد بھی قابل رحم کہ وہ تجرد پر صبر نہ کرسکے تو ایسی صورت مین مرد کے قوے پر یہ ظلم ہے کہ اسکو نکاح ثانی کی اجازت نہ دی جاوے درحقیقت خدا کی شریعت نے انہین امور پر نظر کرکے مردون کے لئے یہ راہ کہلی رکہی ہے اور مجبوریون کے وقت عورتون کے لئے بھی راہ کہلی ہے کہ اگر مرد بیکار ہوجاوے تو حاکم کے ذریعہ سے خلع کرالین جو طلاق کے قایم مقام ہے خدا کی شریعت دوا فروش کی دوکان کی مانند ہے پس اگر دوکان ایسی نہین ہے جسمین سے ہر ایک بیماری کی دوا مل سکتی ہے تو وہ دوکان چل نہین سکتی پس غور کرو کہ کیا یہ سچ نہین کہ بعض مشکلات مردون کے لئے ایسی پیش آجاتی ہین جن مین وہ نکاح ثانی کے لئے مضطر ہوتے ہین - وہ شریعت کس کام کی جسمین کل مشکلات کا علاج نہ ہو - دیکھو انجیل مین

طلاق کے مسئلہ کی بابت صرف زنا کی شرط تہی اور دوسرے صدہا طرح کے اسباب جو مرد
اور عورت میں جانی دشمنی پیدا کر دیتے ہین اُن کا کچہہ ذکر نہ تہا اس لئے عیسائی قوم اس خامی کی
برداشت نہ کر سکی اور آخر امریکہ مین ایک طلاق کا قانون پاس کرنا پڑا سو اب سوچو کہ اس قانون سے انجیل کدہر گئی۔ اور اے
عورتو فکر نہ کرو جو تمہین کتاب ملی ہے وہ انجیل کیطرح انسانی تصرّف کی محتاج نہین
اور اوس کتاب مین جیسے مردون کے حقوق محفوظ ہین عورتون کے حقوق بہی محفوظ ہین
اگر عورت مرد کے تعدّد ازدواج پر ناراض ہے تو وہ بذریعہ حاکم خلع کرا سکتی ہے۔ خدا کا
یہ فرض تہا کہ مختلف صورتین جو مسلمانون مین پیش آنیوالی تہین اپنی شریعت مین انکا ذکر کر دیتا
تا شریعت ناقص نہ رہتی سو تم اے عورتو اپنے خاوندون کے ان ارادون کے وقت کہ وہ
دوسرا نکاح کرنا چاہتے ہین خدا تعالیٰ کی شکایت مت کرو بلکہ تم دعا کرو کہ خدا تمہین مصیبت
اور ابتلا سے محفوظ رکہے بیشک وہ مرد سخت ظالم اور قابل مواخذہ ہے جو دو جورو کین
کرکے انصاف نہین کرتا مگر تم خود خدا کی نافرمانی کرکے مورد قہر الٰہی مت بنو ہر ایک اپنے
کام سے پوچہا جائیگا۔ اگر تم خدا تعالیٰ کی نظر مین نیک بنو تو تمہارا خاوند بہی نیک کیا جاویگا
اگرچہ شریعت نے مختلف مصالح کی وجہ سے تعدد ازدواج کو جائز قرار دیا ہے لیکن قضا و قدر
کا قانون تمہارے لئے کہلا ہے اگر شریعت کا قانون تمہارے لئے قابل برداشت نہین تو
بذریعہ دعا قضا و قدر کے قانون سے فائدہ اُٹہاؤ کیونکہ قضا و قدر کا قانون شریعت کے
قانون پر بہی غالب آجاتا ہے تقویٰ اختیار کرو دُنیا سے اور اوسکی زینت سے بہت دل مت
لگاؤ۔ قومی فخر مت کرو کسی عورت سے ٹہٹہا ہنسی مت کرو خاوندون سے وہ تقاضے نہ کرو جو انکی
حیثیت سے باہر ہین کوشش کرو کہ تا تم معصوم اور پاک دامن ہونیکی حالت مین قبرون مین
داخل ہو خدا کے فرایض نماز زکوٰۃ وغیرہ مین سستی مت کرو اپنے خاوندونکی دل و جان سے مطیع رہو
بہت سا حصہ انکی عزت کا تمہارے ہاتہہ مین ہے سو تم اپنی اس ذمہ داری کو ایسی عمدگی سے ادا
کرو کہ خدا کے نزدیک صالحات قانتات مین گنی جاؤ۔ اسراف نہ کرو اور خاوندونکے مالون کو بیجا
طور پر خرچ نہ کرو۔ خیانت نکرو۔ چوری نہ کرو۔ گلہ نکرو ایک عورت دوسری عورت یا مرد پر بہتان نہ لگاوے

تعطیل جمعہ

مندرجہ ذیل میموریل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے گورنمنٹ آف انڈیا کی خدمت مین تعطیل جمعہ کیلئے پیش کیا ہے

چونکہ تاج پوشی کا جلسہ جو دہلی مین ہوگا ہر ایک فرقہ رعایا گورنمنٹ برطانیہ کو اس سے بہت خوشی ہے
اور مسلمانون کو ایک خاص خوشی جو اس جلسہ مین ان کے اسلامی تخت گاہ کے شہر کو عزت دیگئی ہے جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ اس محسن گورنمنٹ کو مسلمانون پر ایک خاص نظر عنایت ہے اور مسلمانون کی مدت دراز سے
ایک دلی تمنا ہے جسکے پیش کرنیکے لئے اسوقت سے زیادہ مبارک کوئی وقت نہین کہ ہمارے بادشاہ
عالیجاہ قیصر کی تاج پوشی کے جلسہ کا دن قریب ہے اسلئے مجھے تحریک کی گئی کہ مین اس التماس کو ادب
سے پیش کرون کیونکہ مین ایک ایسے مسلمانون کے گروہ کا امام ہون کہ جو برٹش انڈیا اور دوسرے
مقامات مین ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہے اور مین ضروری نہین سمجھتا کہ مین ان کے نام لکھون کیونکہ وہ
مجھ سے بیعت کرنے والے ہین یعنی میرے مرید ہین اور مجھ سے الگ نہین ہین یہ وہ فرقہ ہے جو فرقہ
احمدیہ کے نام سے مشہور ہے اور پنجاب اور ہندوستان اور دیگر متفرق مقامات مین پھیلا ہوا ہے یہی وہ
فرقہ ہے جو دن رات کوشش کر رہا ہے کہ مسلمانون کے خیالات مین سے جہاد کی بیہودہ رسم کو اٹھا دے
چنانچہ اب تک ساٹھ کے قریب مین نے ایسی کتابین عربی اور فارسی اور اردو اور انگریزی مین تالیف کر
کرکے شایع کی ہین جن کا یہی مقصد ہے کہ یہ غلط خیالات مسلمانون کے دلون سے محو ہو جائین اس
قوم مین یہ خرابی اکثر نادان مولویون نے ڈال رکھی ہے لیکن اگر خدا نے چاہا تو مین امید رکھتا ہون کہ
عنقریب اس کی اصلاح ہو جائے گی۔ گورنمنٹ کے اعلےٰ حکام کیطرف سے ایسی کارروائیون کا
ہونا ضروری ہے جنسے مسلمانونکے دلون مین منقوش ہو جائے کہ یہ سلطنت اسلام کے لئے درحقیقت
چشمہ فیض ہے اور نہایت خوشی کی بات ہے کہ حضور لارڈ کرزن بالقابہ نے ایسی نمایان کارروائیان
کی ہین کہ مسلمان کبھی نہین بھولین گے جیساکہ لاہور کے قلعہ کی مسجد کا مسلمانون کو عطا کرنا اور

ایک باہر کی مسجد جسپر ریلوے کا قبضہ تھا مسلمانون کو عنایت فرمانا اور نیز اپنی طرف سے دہلی کی شاہی مسجد کے لئے ایک قیمتی لال ٹین اپنی جیب سے مرحمت فرمانا ان فیاضانہ کارروائیون سے جس قدر مسلمان شکر گذار اور گرویدہ ہین اس کا اندازہ نہین ہوسکتا لیکن ایک تمنا ان کی ہنوز باقی ہے اور وہ امید کئے ہین کہ جن ہاتھون سے یہ مرادین پوری ہوئی ہین وہ تمنا بھی انہین ہاتھون سے پوری ہوگی اور وہ آرزو یہ ہے کہ روز جمعہ ایک اسلامی عظیم الشان تہوار ہے۔ اور قرآن شریف نے خاص کرکے اس دن کو تعطیل کا دن ٹھہرایا ہے اور اس بارے مین خاص ایک سورۃ قرآن شریف مین موجود ہے جسکا نام سورۃ الجمعہ ہے اور اس مین حکم ہے کہ جب جمعہ کی بانگ دیجائے تو تم دنیا کا ہر ایک کام بند کردو اور مسجدون مین جمع ہو جاؤ اور نماز جمعہ اس کی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرو اور جو شخص ایسا نہ کریگا وہ سخت گنہ گار ہے اور قریب ہے کہ اسلام سے خارج ہو اور جسقدر جمعہ کی نماز اور خطبہ سننے کی قرآن شریف مین تاکید ہے اسقدر عید کی نماز کی بھی تاکید نہین اسی غرض سے قدیم سے اور جب سے کہ اسلام ظاہر ہوا ہے جمعہ کی تعطیل مسلمانون مین چلی آئی ہے اور اس ملک مین بھی برابر آٹھ سو برس تک یعنی جبتک کہ اس ملک مین اسلام کی سلطنت رہی جمعہ مین تعطیل ہوتی تھی اسی وجہ سے ریاست پٹیالہ مین جمعہ کی تعطیل ان دنون تک ہوتی رہی اور اس ملک مین تین قومین ہین۔ ہندو عیسائی مسلمان۔ ہندوؤن اور عیسائیونکو ان کے مذہبی رسوم کا دن گورنمنٹ نے دیا ہوا ہے یعنے اتوار جس مین وہ اپنے مذہبی رسوم ادا کرتے ہین جس کی تعطیل عام طور پر ہوتی ہے لیکن یہ تیسرا فرقہ یعنے مسلمان اپنے تہوار کے دن سے یعنے جمعہ سے محروم ہین۔ برٹش انڈیا مین کون مسلمان ہے جو آہ مار کر یہ نہین کہتا کہ کاش جمعہ کی تعطیل ہوتی لیکن اس کرزنی دور مین جبکہ لارڈ کرزن اس ملک کے وایسرائے ہین۔ مسلمانون کو اس تمنا کے پورے ہونے مین بہت کچھ امید بڑھ گئی ہے اور وہ خیال کرتے ہین کہ جبکہ لارڈ موصوف نے دلی فیاضی اور ہمدردی سے ان کی مساجد واگذار کرادی ہین تو پھر وہ امر جو مسجدون کی علت غائی ہے یعنے نماز جمعہ یہ امر بھی انہین ہاتھون سے انجام پذیر ہوگا مسجد تو مثل دسترخوان یا میز کے ہے جسپر روٹی رکھی جاتی ہے مگر نماز جمعہ اصل روٹی ہے۔

تمام مساجد کی بڑی بھاری غرض نماز جمعہ ہے پس کیا ہمارے عالی ہمت وایسرائے لارڈ کرزن یہ
روا رکھیں گے کہ وہ ہمیں دسترخوان تو دیں مگر روٹی نہ دیں ایسی دعوت تو ناقص ہے اور امید نہیں
کہ ایسا فیاض دل جوانمردانہ ایسی کمی کو اپنے پر گوارا کرے اور اگر ایسا ہمدرد وایسرائے جسکے بعد
کم امید ہے کہ اس کی نظیر ملے اس فیاضی کی طرف توجہ نہ فرماوے تو پھر اسکے بعد عقل تجویز نہیں
کر سکتی کہ مسلمانوں کے لئے کبھی وہ دن آوے کہ دوسرے وایسرائے سے یہ مراد پا سکیں یہ ایک
ایسی مراد ہے کہ اسکا انجام پذیر ہونا مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ برطانیہ کی محبت کیطرف
ایک زبردست کشش سے کھینچ لے گا اور ان احسانوں کی فہرست میں جو اس گورنمنٹ نے
مسلمانوں پر کئے ہیں اگر یہ احسان بھی کیا گیا جو عام طور پر جمعہ کی تعطیل دیجائے تو یہ ایسا احسان
ہوگا کہ جو آب زر سے لکھنے کے لایق ہوگا اور اسکا مسلمانوں کے دلوں پر بڑا اثر پڑے گا بالخصوص
جبکہ عین تاج پوشی کے جلسہ میں جہاں ہزارہا رئیس اور والیان ملک موجود ہونگے اس احسان
کو تاج پوشی کی ایک یادگار ٹھہرا کر سنایا جائے گا تو جو کچھ مسلمانوں کے دلوں میں خوشی سے بھری
ہوئی محبت پیدا ہوگی اسکا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس دن لوگ تمام شہر میں خوشی کے نعروں کے
ساتھ لارڈ کرزن کے گیت گائیں گے اور اسکے حق میں دعائیں کریں گے اور اس کارروائی
سے اسلام اور عیسائیت میں ایک میلان پیدا ہو جائے گا اور یہ تمام تعریف لارڈ کرزن کے
عہد کیطرف ہمیشہ کیلئے منسوب رہے گی اور میری دانست میں عام مسلمانوں کو خوش کرنیکے
لئے جو کارنامہ وہ چھوڑ جائینگے اس سے بہتر کوئی نہ ہوگا۔ مسلمان ایک قوم ہے جو سب سے
زیادہ مذہب کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہے اور ہر ایک تالیف قلوب جو مذہبی رنگ میں کیجائے
وہ انکے دلوں کو کھینچ لیتی ہے پس اعلے سے اعلے حکمت عملی مسلمانوں کو مسخر کرنیکی یہی ہے کہ مذہبی
رنگ میں ان کو کوئی فایدہ پہنچایا جائے۔ چونکہ تاجپوشی کے جلسہ کا موقعہ ایک ایسا بابرکت موقعہ
ہے کہ ہندو مسلمانوں کی اسطرف آنکھیں لگی ہوئی ہیں کہ اس مبارک رسم کی یادگار میں کیا کچھ
سرافرازی ہر دو فریق کی کیجاتی ہے پس اگر گورنمنٹ اس مبارک دن کی یادگار کے لئے مسلمانوں
کے لئے جمعہ کی تعطیل کھولدے یا اگر نہ ہو سکے تو نصف دن کی ہی تعطیل دیدے تو میں سمجھ نہیں سکتا

کہ عام دلون کو خوش کرنیکے لئے اس سے زیادہ کوئی کارروائی ہنے مگر چونکہ گورنمنٹ کی فیاضی کا تنگ
دائرہ نہین ہی اور اگر توجہ پیدا ہو تو اسکو کچھ پروا نہین ہی اس لئے صرف نصف دن کی تعطیل ایک ادنی
بات ہی یقین ہے کہ گورنمنٹ عالیہ اس مبارک یادگار مین پورے دن کی تعطیل عنایت فرمائیگی اور
یہی مسلمانونکو توقع ہی جمعہ کے دن کو کچھ مسلمانون سے ہی خصوصیت نہین بلکہ یہ دن عیسائی مذہب
مین بھی قابل تعظیم ہے کیونکہ حضرت عیسے علیہ السلام جمعہ کے روز ہی صلیب دئے گئے تھے اور عیسائی
عقیدہ کے روسے تمام برکات کی جڑ یہی واقعہ ہے یہودیون کا سبت بھی اس زمانہ تک کہ جب وہ
مصر سے نہین نکلے تھے جمعہ ہی تھا قدیم مصری سلطنت مین بھی جمعہ کی ہی تعطیل ہوتی تھی اور حضرت
آدم بھی جمعہ کے دن ہی پیدا ہوئے تھے نوح کی کشتی ارارٹ کے پہاڑ پر جمعہ کے دن ہی لگی تھی۔ پس
اس تعطیل سے یہ تمام یادگارین قایم ہو سکتی ہین اور مسلمان اس بات پر راضی ہین کہ ان کی بعض
غیر ضروری تعطیلین بند کرکے ان کی جگہ جمعہ کی تعطیل دیجائے اور مجھے اس بات کا خیال ہی کہ جمعہ کی
تعطیل رعایا اور گورنمنٹ مین ایک حقیقی مصالحت کی بنیاد ڈالے گی اور خیالات پر ایک ایسا اثر ہوگا
کہ وہ فوق العادت تصور کیا جائے گا اگرچہ گورنمنٹ بہت دانشمند ہے لیکن عام مسلمانونکے حالات
سے ذاتی واقفیت مجھے اس بات کے اظہار کے لئے مجبور کرتی ہے کہ اس موقعپر مسلمانونکو خوش کرنیکے
لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی طریق نہین اس لئے ایک بڑی جماعت کی تحریک سے یہ میموریل ارسال
حضور کیا جاتا ہے اور امید کیجاتی ہے کہ توجہ سے اسپر غور کیجائے خاصکر میرے لئے جو ہمیشہ اس سعی مین
ہون کہ مسلمان لوگ گورنمنٹ کے ساتھ سچے اخلاص مین ترقی کرین اس تعطیل سے ایک دستاویز ملتی ہی
اور گورنمنٹ کی عنایات ثابت کرنیکے لئے اور نئے دلائل حاصل ہوتے ہین اسلئے مین اس عرض
کیلئے جرأت کرتا ہون کہ اس عرضداشت پر ضرور توجہ فرمائی جائے اور اسکو ایک معمولی عرضی سمجھکر ٹال نہ دیا جاوے اور نہ یہ تصور
کیا جاوے کہ صرف ایک شخص کی یہ درخواست ہے کیونکہ جیسا کہ مین عرض کر چکا ہون یہ ایک شخص کی درخواست نہین بلکہ ایک
لاکھہ معزز مسلمان کی درخواست ہی اور چونکہ وہ لوگ مجھ سے بیعت اور مریدی کا تعلق رکھتے ہین اسلئے ضروری ٹھہر
سمجھا گیا کہ ان کے نام لکھے جائین اور مین ان سب کیطرف سے بطور ایڈوکیٹ ہوکر امید بھرے ہوئے
دل کے ساتھ یہ عرضداشت روانہ کرتا ہون اور دعا پر ختم کرتا ہون ❊

اعجاز احمدی

دائمی اور زندہ معجزہ

مختلف مذاہب کے بیان کردہ معجزات کا مطالعہ تحقیق کا ایک وسیع میدان ہمارے سامنے پیش کرتا ہے لیکن ہمارے موجودہ مضمون کو اس سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اس معجزہ کو جس کیطرف ہم ناظرین کو توجہ دلانا چاہتے ہیں معجزات کی تاریخ میں ایک مسلم بے نظیر اور اعلےٰ مرتبہ حاصل ہے گو ہم حضرت موسیٰ و عیسیٰ و دیگر انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی نبوت اور انکے خدا کیطرف سے ہونے پر ایمان لاتے ہیں لیکن اس امر سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ انکے معجزات اور نشان صرف عارضی اور وقتی نشان تھے جو ایک خاص زمانہ اور خاص قوم کیلئے دکھائے گئے تھے مثلاً سب سے بڑا معجزہ حضرت موسیٰ ع کا یعنے انکے عصا کا سانپ بنجانا صرف ناظرین کے لئے ہی ایک معجزہ تھا لیکن ان کی ذریت اور دیگر اشخاص کے سامنے یہ صرف ایک کہانی ہے اور شکی طبیعتوں کیلئے یہ ایک مبالغہ آمیز افسانہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ انجیل کے معجزات محض توریت و دیگر صحف انبیاء کے معجزات کی نقل ہیں۔ اور عظمت میں بعض حالتوں میں ان سے بہت کم درجہ پر ہیں دیو نکالنے پر آج لوگ ہنسی اڑاتے اور پانی کو شراب بنانے پر خیر خواہ بنی نوع تاسف کرتے ہیں۔ آم کا پودا فوراً اگانا انجیر کے درخت کے سکھانے سے بہت بڑھ چڑھکر ہے۔ یسوع کے پانی پر چلنے کو لوگون کے ہوا پر اڑنے نے بالکل مات کر دیا ہے۔ اس نے بیمارون کو چنگا کیا لیکن یہی کام سلوم کے تالاب نے اور یسوع کے ہمعصر مخالفون نے بھی کئے اور ہر زمانہ میں لوگ سلب امراض کرتے آئے ہیں۔ امریکہ کا جھوٹا رسول ڈاکٹر ڈوئی بھی آج کل وہی کام کرتا ہے جو یسوع دو ہزار سال پیشتر کیا کرتا تھا اور اپنی ناکامیوں کے وقت وہ یسوع کی ناکامیون کو مثالاً پیش کر دیتا ہے۔ الغرض ایسے معجزات میں تاریخی پہلو سے بہت نقص ہیں۔ اول تو یہ عارضی باتیں ہوتی ہیں اور گو مشاہدہ کرنے والے لوگ کچھ عرصہ تک متعجب رہیں لیکن معجزہ ہو چکنے کے بعد آنیوالی نسلوں کے لئے ایسے معجزات ان خصوصیتوں سے خالی ہوتے ہیں جو دلون میں خدا تعالےٰ کی قدرت و عظمت کا رعب بٹھا سکیں جبتک کہ انکے ساتھ

دوسرے زندہ معجزات بطور شاہد کے موجود نہ ہون بلکہ ان کا اثر بہت جلد دلون سے زایل ہوجاتا ہے - دویم ایسے معجزات دعوے کی ایسی دلیل نہین ہوتی جس سے قدرتی طور پر نتیجہ صداقت دعوے کا پیدا ہو اور اس طرح پر صحیح تعلق دلیل اور دعوے کے درمیان کوئی نہین ہوتا اگر کوئی شخص خالص پانی کی شراب بنالے تو اس سے یہ استدلال نہین کرسکتے کہ اسکا کلام خدا کا کلام ہے یا وہ اپنے کسی دعوے مین سچا ہے ہان اس کرتب سے ہم زیادہ سے زیادہ یہی نتیجہ نکالین گے کہ وہ پاک پانی کی ناپاک شراب بنانے مین ماہر ہے - سویم ان معجزات کی پیشکردہ شہادت صاف اور صریح نہین ہوتی - مداریونکی ہتھکنڈے معمولی تماشہ بینون کی نظر مین معجزہ کا اثر رکھتے ہین اس قسم کے اصلی معجزہ اور ہتھکنڈے مین امتیاز کرنے کیلیئے کوئی کھلا کھلا معیار نہین - کوئی معجزہ ایسا نہین جس کی نقل شعبدہ باز اور جسمانی ورزش والون نے نہ کی ہو اور ایسے معجزات اور مصنوعی باتون مین بڑی مشابہت پائی جاتی ہے - چہارم چونکہ ایسے معجزات چند لمحون کے لیئے ہوتے ہین اس لئے دیکھنے والے بھی اس کی اصلیت پر پورا یقین نہین کرسکتے ممکن ہو کہ دیکھنے والے کو دھوکا لگا ہو یا کوئی ایسا فریب ہو جس کی وہ اصلیت تک نہ پہونچ سکا ہو کیونکہ حقیقت تک پہونچنے کے لئے کافی وقت نہین ہوتا - پیشتر اسکے کہ کوئی شخص اسپر غور کرے معجزہ ختم ہوجاتا ہے - پنجم ایسے معجزات دکھائے جانیکے بعد بلحاظ دلیل ایک صراحت وبداہت وقدرت اپنے اندر نہین رکھتے - دوسرے زمانہ مین انہین کسی دعوے کی تائید مین پیش کرنا گویا دعوی ہی کو دلیل ٹھہرانا ہے کسی دعوے کے ثبوت مین انکو پیش کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان کی سچائی کو زبردست شہادتون اور صحیح دلائل سے ثابت کیا جائے - ششم انکی سچائی اور واقع ہونے کی لابدی شہادت عموماً یافت سے باہر ہوتی ہے انکے مشاہدہ کرنیوالے صرف چند اشخاص ہوتے ہین اور بسبب ایک آناً فاناً کا نظارہ ہونیکے ان کا اثر زمانہ آئندہ پر کم پڑتا ہے خارق عادت واقعات پر ایمان لانے والے وہ لوگ ہوتے ہین جو انکے مشاہدین ہون لیکن دیگر اشخاص کے نزدیک ان مین اور مبالغہ آمیز فسانون مین کوئی کافی اور کھلا کھلا امتیاز مشکل سے مل سکتا ہے رویت کی شہادت بالکل نہین ہوتی - ممکن ہو کہ سارا قصہ ہی غلط ہو - یا جس شخص کی شہادت بیان کیجاتی ہے اس نے جھوٹ بولا ہو یا اسکو دھوکا لگا ہو پس اس صورت مین اصلیت تک پہنچنا محال کے قریب قریب

ہو جاتا ہے۔ ہفتم۔ معجزات کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہے کہ ایک انصاف پسند محقق کے لئے واقعات
کا امتیاز اور جھوٹی باتون کا رد نہایت مشکل امر ہے۔ ہر ایک مذہبی فرقہ اپنے پیشواؤن کے عجیب
عجیب قصے بیان کرتا ہے لیکن اصلی واقع مین جھوٹ ایسا ملا ہوتا ہے کہ دونون کو علیحدہ علیحدہ کرنا
ایک سخت دشوار امر ہے۔ نیز اگر کوئی صحیح واقع موجود بھی مانا جاوے تو بھی یہ جھوٹی کہانی کا عشر عشیر

قرآن شریف ہی ایک لاثانی کتاب ہے جسے ان سب عیوب سے پاک عظیم الشان معجزہ پیش
کرنے کا فخر حاصل ہے اسکے معجزہ کی صداقت ہر شخص اپنے زمانہ مین اپنے واسطے جانچ سکتا ہے
یہ معجزہ تمام لوگون اور تمام زمانون کے لئے ہے۔ نیز اس معجزہ کو اس دعوے سے بڑا بھاری
تعلق ہے جس کی تائید مین وہ پیش کیا گیا ہے چنانچہ قرآن مجید کے شروع مین اس معجزہ کا یون
ذکر ہے وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ
وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ فَاِنْ لَّمْ
تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ ۔

(البقرہ) ترجمہ "اور اگر تم شک کرتے ہو بیچ اس چیز کے جو اتاری
ہم نے اپنے بندے پر تو بنا لاؤ ایک سورۃ اس کی مانند اور بلا لو اپنی مدد کے لئے ان تمام مددگارون کو
خدا کے سوا جنپر تم بھروسہ کرتے ہو اگر تم سچے ہو اور اگر تم یہ نہ کرو اور تم ہرگز کر نہ سکو گے تو ڈرو دوزخ
کی آگ سے" ایک اور مقام پر آیا ہے قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ
هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۔

(بنی اسرائیل) ترجمہ "کہدے اگر جمع ہو جائین جن اور انسان اس بات پر کہ قرآن
کی مثل بنا لین نہین بنا سکین گے اس کی مثل خواہ دے ایک دوسرے کی مدد ہی کرین" قرآن
کریم کا یہ معجزہ ہمیشہ کے لئے زندہ اور تمام زمانون مین اس کی صداقت کا معیار ہے اس معجزہ
کا قیام جس سے بیمار چنگے ہوتے یا مردے زندہ کئے جاتے ہین (اگر بالفرض ایسا ہوتا ہو) تو اس شخص
کے وجود سے ہی وابستہ ہوتا ہے جسنے اس معجزہ کے اثر سے فائدہ اٹھایا ہو اور اس کی موت کیساتھ
اسپر بھی ایک موت طاری ہو جاتی ہے لیکن قرآن کریم ہمیشہ زندہ ہے اور اسکے ساتھ اسکا پرشوکت

معجزہ بھی زندہ ہے - قرآن کریم کے اس دعوے کی منادی کہ وہ بے مثل اور الٰہی کلام ہے تیرہ صدیوں سے کی جا رہی ہے اور ہمیشہ تک بغیر کسی مقابلہ کے دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ہوتی رہے گی - تمام دنیا اب اور آیندہ اسکے معجزہ کی سچائی پر گواہ ہے اور رہیگی یہ آج بھی اپنے مخالفین کو اپنا مثل بنانیکے لئے ویسا ہی چیلنج کرتا ہے جیسے گذشتہ زمانہ مین کیا کرتا تھا - انسانون کی لیاقت اور عقل کی کمزوری اور نا قابلیت اسکے مثل بنانے مین اسکے معجزہ کی صداقت کی صاف اور قطعی دلیل ہے جسکے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہین پڑتی اس معجزہ سے قرآن کریم کا صریح منجانب اللہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر کل انسانی طاقتین قرآن مجید کے مثل بنانے مین عاجز ہین تو معلوم ہوا کہ اسکا صدور کسی اعلیٰ منبع سے ہے اور اس طرح قرآن کریم کا یہ معجزہ اسکے منجانب اللہ ہونے کی سچائی پر دال ہے -

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی یہی زندہ معجزہ عطا ہوا ہے کیونکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ و مظہر و سچا خادم ہے - قریبًا دس سال ہوئے کہ آپنے خدا سے الہام پاکر مشتہر کیا تھا کہ خدا نے مجھے فصیح و بلیغ عربی لکھنے کا معجزہ بخشا ہے اور یہ کہ کوئی عربی دان میری عربی کی مثل نہ بنا سکے گا خواہ تمام علماء ایک دوسرے کی مدد ہی کیون نہ کرین - دس سال سے اس چیلنج کا کسی نے مقابلہ نہین کیا گو آپنے اس امر کی تجدید ہر تازہ تصنیف سے کی ہے - اور گو اسلامی ممالک کے تمام علماء بار بار اس چیلنج کو قبول کرنیکے لئے مدعو کئے گئے ہین اعجاز المسیح مین جو سورۃ فاتحہ کی ایک معجزانہ تفسیر ہے - یہی دعوےٰ کیا گیا - جسکے بارے مین آپنے تحریر فرمایا تھا کہ تمام عربی دان خواہ اس کی مثل بنانے مین متفق بھی ہو جائین تو بھی نہ بنا سکینگے اور اگر کسی نے اس امر کی جرأت کی تو وہ ذلیل اور ناکام ہوگا - عیسائی و مسلمان مخالفین نے اپنی خاموشی کے ساتھ ان الفاظ کی صداقت پر مہر کر دی ہے +

ایک اور کتاب اعجاز احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے گذشتہ ۱۶ - نومبر کو شائع کی - اس کتاب کے نوّے صفحہ ہین اور یہ پانچ دن مین لکھی گئی ہے اس کی تصنیف کا باعث ایک مباحثہ تھا - جو ضلع امرتسر کے ایک گاؤن مُدنامی مین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مریدون اور ایک مشہور مخالف

کے مابین ہوا۔ یہ مباحثہ ۲۹ و ۳۰۔ اکتوبر گذشتہ کو ہوا اور اس کی خبر آپ کو دو روز بعد ملی۔ پہلے چالیس صفحون مین دیباچہ ہے جس مین مباحثہ مذکور کے متعلق مخالف کے دلایل کی تردید ہے اور باقی حصہ مین ایک نہایت فصیح و بلیغ عربی نظم ہے جسمین واقعات مباحثہ و چند پیشگوئیان شامل ہین اس کتاب کے ساتھ مخالفون کے لئے کہ اگر وہ اس کی مثل بنالائین دس ہزار روپیہ کا انعام بھی تھا اسکے مقابلہ کیلئے مخالفین کو صرف برابری کی سطح پر ہی مدعو نہین کیا گیا تھا بلکہ ان کو دو طرح سے آسانی بھی دی گئی تھی اول یہ کہ اگر وہ چاہین تو اپنی مدد کے لئے جہان سے چاہین عربی دان ادیبون اور علمار کو بلالین۔ دوسرے بجائے پانچ روز کے جس مین یہ کتاب لکھی گئی مخالفین کو پچیس روز تک اس کی مثل تیار کرنے کی مہلت دی گئی تھی اس طرح پر دوہری سہولت ان کو دی گئی۔ مگر ان تمام سہولتوں کے باوجود مخالفین نے جنمین اکثر بڑے بڑے لایق عربی دان بھی ہین اپنی خاموشی سے قطعًا ثابت کردیا ہے کہ انسانی طاقتین اعجاز احمدی کے مثل بنانے مین عاجز ہین اور اسلئے یہ انسانی کام نہین بلکہ منجانب اللہ ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہے کہ وہ پیشگوئی جو احمدیہ فرقہ کے اول اور نہایت شدید دشمن مولوی محمد حسین بٹالوی اور منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ پبلک ورکس لاہور کی نسبت جو دونون بھی سلسلہ عالیہ کا معاند ہے بمع دو اور پیشگوئیون کے کی گئی ہے وہ انسانی فراست کیطرف منسوب نہین کی جاسکتی کیونکہ اپنے کسی سخت مخالف کی نسبت ایسے وقت پر جبکہ وہ اپنی دشمنی مین حد تک پہنچا ہوا ہو۔ اس کی تبدیلی کی پیشگوئی کرنا سوائے الٰہی حکمت و علم غیب کے کسی کا کام نہین ہوسکتا ؎

یسوع کی عصمت کے متعلق انجیل کی تعلیم

یسوع کے سوانح لکھتے وقت ہر ایک محقق کو یہ بات کھٹکی ہے کہ انجیل نویسون نے دیدہ دانستہ اپنے پیش کردہ یسوع کے بچپن کے حالات کو اشارتًا بیان کرنے سے بھی پہلوتہی کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جوانی کے ایام پر ارادتًا پردہ ڈالا گیا ہے جبکہ وہ عین شباب کے دنون مین تھا اور جب اس کی اخلاقی حالت کیلئے بُرے جذبات کا روکنا نہایت قابل فخر تھا لیکن انجیل نویسون نے دیدہ دانستہ اس کی پہلی تیس سال

زندگی کو بیان کرنے سے کنارہ کشی کی ہے انہون نے اس کی زندگی اس دن سے شروع کی ہے جب وہ
یردن کے پاک پانی سے صاف ہوکر اور یحنا کے ہاتھ پر توبہ کا بپتسمہ لیکر ایک تبدیل شدہ انسان
بنا۔ اگر اس زمانہ کی نسبت جہان انجیل نویسون نے خاموشی اختیار کی ہے دوسرے ذرائع سے
پتہ لگایا جائے اور مخالفین کے بیان کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس مین شک نہین کہ اس کی سوانح
مین اعلی درجہ کی پاکیزگی کا نمونہ نہین ملتا بلکہ مخالفین کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسوقت
عیوب سے خالی نہ تھا مثلاً یہودی کہتے ہین کہ ایک دفعہ وہ ایک یہودی لڑکی پر عاشق ہوگیا اسوجہ سے
اسکے استاد نے ناراض ہوکر اسے عاق کر دیا۔ اس قسم کے واقعات یسوع کی الوہیت و معصومیت پر
ایک خطرناک حملہ ہین لیکن ہم اس مضمون کو صرف انجیل کے حوالون کے روسے لکھنا چاہتے ہین اور
اسکے مخالفین کے بیانات کو ابھی چھوڑتے ہین*

اس بارہ مین یسوع کا ایک اپنا مقولہ قطعی ثبوت ہے انجیل متی ۱۹ / ۱۶-۱۷ مین لکھا ہے کہ ایک
شخص نے یسوع کے پاس آکر کہا کہ "اے نیک استاد مین کونسا نیک کام کرون کہ ہمیشہ کی زندگی
پاؤن"۔ اور اس نے جواب دیا "تو مجھے نیک کیون کہتا ہے نیک کوئی نہین مگر ایک یعنی خدا" اس سے ظاہر
ہوتا ہے کہ یسوع کا نیک کہلانے سے انکار کرنا اسواسطے تھا کہ وہ اپنے آپ کو گنہ گار سمجھتا تھا اسکی تعبیر جو
جواب یسوع کی عصمت کے حامی دیتے ہین وہ بجائے خود اس امر کی مضبوط دلیل ہے کہ انکے پاس کوئی
جواب نہین وہ کہتے ہین کہ چونکہ یسوع خدا تھا اسلئے ایسے جواب سے اسکا منشاء صرف یہ تھا کہ وہ شخص جو
اسے صرف انسان سمجھتا ہے اسے نیک نہ کہے کیونکہ کوئی انسان گناہ سے بری نہین اسلئے کوئی بشر
نیک نہین کہلا سکتا۔ لیکن ایک موٹی سے موٹی عقل والا انسان بھی اس بیان کی بیہودگی کو سمجھ سکتا ہے
کیونکہ اگر یسوع صاف طور پر اپنی خدائی کا دعوے یہودیون کے سامنے پیش کر چکا تھا تو ضرور تھا کہ وہ سے
اپنی شریعت کے روسے ایک مرتد اور نہایت گنہ گار شخص خیال کرتے ہون اور شریعت موسوی کے
لحاظ سے وہ موت کا سزاوار ٹھہرایا جاتا۔ پس کس طرح ایک یہودی اس دعوے کو جانکر اور مدعی کو نیک استاد
کہکر خدا کے احکام کی خلاف ورزی کر سکتا تھا۔ برخلاف اسکے اگر اس شخص نے یسوع کے خدا ہونے کے
دعوے کو قبول کیا ہوا تھا تو یہ کہنا ہی بالکل لغو اور بے معنی ہے کیونکہ الوہیت کا تو اسوقت انکار ہی نہین ہوا

کیا گیا- یہ فرض کرنا ایک بیہودہ امر ہے کہ ایک یہودی نے جو اپنے مذہب پر قائم تھا یسوع کے دعوی الوہیت کو جانکر بھی اسے نیک استاد کے لفظ سے مخاطب کیا- یہودی مذہب اس بات کی تردید کرتا ہے کہ کبھی خدا بھی جسم مین ظاہر ہوا کرتا ہے اور ایسا دعوے کرنے والے کو نہایت درجہ کا گنہگار قرار دیتا ہے- اب یسوع کے حامیون کو دو صورتون مین سے ایک کا اقرار کرنا پڑیگا- یعنی یا تو سایل یسوع کی خدائی کے دعوے کو مانتا تھا- اس صورت مین مسیح کا جواب لغو اور بیمعنی ہے اور یا وہ خدائی کے دعوے کو نہ مانتا تھا اس صورت مین اسکا خطاب صحیح نہین ٹھہر سکتا جو تشریح اس آیت کی عیسائی مفسرین نے کی ہے وہ یون غلط ثابت ہوئی- نیز یسوع کے صاف صاف انجیلی الفاظ سے کھینچ تان کر ایسے معنے لگائے بھی نہین جا سکتے اور کوئی عقلمند ایسی رکیک تاویلون کو قبول نہین کر سکتا- اگر انہین باتون پر یسوع کی عصمت کی بنا ہے تو یادرین کو چوڑ دوسرے انبیاء کی عصمت پر اعتراض کرتے ہین یسوع کی عصمت سے ہاتھ دھو لینے چاہیئے- جو الفاظ یسوع نے بولے ان کا صاف اور سیدھا مفہوم جسکو ہر ایک عقلمند انسان قبول کریگا یہی ہے کہ اس نے اپنی بیگناہی کا انکار کیا- اگر اس طرح پر عبارتون کو کھینچ تان کر کچھ کے کچھ معنے مراد لئے جاوین تو کسی عبارت کا مفہوم بیان کرنے مین کوئی امن نہین رہتا- غرض ان واقعات سے عیان ہے کہ انجیلین بجائے یسوع کی معصومیت کے مسئلہ کی تائید کرنے کے اسے گنہگار بتلا رہی ہین کیونکہ آیت مذکورہ کے رو سے یسوع نے نیک یا بیگناہ کہلانے کا انکار کیا وہ تمام بیانات بالکل بیہودہ ہین جو ان الفاظ کے صریح معانی کو رد کرنے کے لئے پیش کئے جاتے ہین اور کوئی عقلمند انسان ان الفاظ سے سوائے یسوع کی گنہگاری کے کوئی اور نتیجہ نہین نکالیگا

یسوع کے افعال بھی اسی امر کے موید ہین کہ وہ بیگناہ نہ تھا اس نے یوحنا بپتسمہ دینے والے کے ہاتھ پر بپتسمہ لیا- اس بپتسمہ لینے کے متعلق کئی امور مدنظر رکھنے چاہیئے- اول یوحنا کا بپتسمہ توبہ اور گناہون کے اقرار کا بپتسمہ تھا جیسا متی ۳-۵ مین لکھا ہے کہ "یروشلم اور تمام یہودیہ اور یردن کے آس پاس کے ملکون کے رہنے والے اسکے پاس گئے اور یردن مین اپنے گناہون کا اقرار کرکے اس سے بپتسمہ پایا" لوقا ۳-۳ مین لکھا ہے "اور وہ (یوحنا) یردن کے سارے آس پاس کے ملک

مین آ کے گناہون کی معافی کے لئے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتا رہا" دوسری دو انجیلون مین بھی ایسی قسم کی آیتین موجود ہین ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یوحنا کا بپتسمہ گناہون کی معافی کے لئے توبہ کا بپتسمہ تھا۔ جیسا کہ لوقا نے صاف طور پر بیان کیا ہے۔ یسوع نے بھی دیگر یہودیون کی طرح بپتسمہ پایا اور دوسرے گنہ گارون کی طرح ضرور اپنے گناہون کا اقرار بھی کیا ہوگا ورنہ بپتسمہ نہین ہو سکتا تھا کیونکہ یوحنا کے بپتسمہ مین بپتسمہ لینے والے کیطرف سے گناہون کا اقرار ہوتا تھا اس اقرار کے بعد بپتسمہ دینے والا امرید کو پانی مین غوطہ دیتا تھا اور اس سے مراد یہ لیا جاتا تھا کہ بپتسمہ لینے والا گناہون سے صاف ہو گیا ہے اگر گناہون کا اقرار نہ ہوا ہو تو پانی مین غوطہ دینا بھی نہوا ہوگا اور اس طرح بپتسمہ کی کوئی رسم بھی پوری نہین ہو سکتی۔ کیونکہ یوحنا کا بپتسمہ توبہ۔ گناہون کے اقرار اور پانی مین غوطہ لینے کے بعد ان گناہون کی معافی کا بپتسمہ تھا۔ یسوع نے خود اس طرح بپتسمہ حاصل کرنا چاہا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کسی اور طریق سے گناہون کی معافی اور روح القدس کا انعام نہین مل سکتا۔ انسائیکلوپیڈیا ببلیکا مین لکھا ہے کہ یوحنا کا بپتسمہ "توبہ اور گناہون کی معافی کا بپتسمہ تھا" اور اس سے یہ مراد تھی کہ "روحانی پلیدیون سے صفائی حاصل ہو" یہ کہنا کہ یسوع نے صرف بے معنی رسم پوری کی سخت بیہودگی ہے۔ انجیلین کہتی ہین کہ اسے بپتسمہ ملا اور اس نے تمام رسم کو ادا کیا جسکا بڑا حصہ گناہونکا اقرار تھا اسکو بے معنی رسم قرار دینا گویا یہ کہنا ہے کہ جب اس نے گناہون کا اقرار کیا تو وہ کہتا کچھ تھا اور اسکے دل مین کچھ تھا۔ لیکن یہ تو ریاکاری ہے کسی نے اسے مجبور نہین کیا تھا کہ گناہون کا اقرار کرتا پھرے جبکہ اس نے کوئی بھی گنہ نہین کیا تھا نیز اگر اس نے ایک موقعہ پر جھوٹ بولا تو پھر کیون ممکن نہین کہ اس کی باقی تعلیم اور بیانات بھی اسی قبیل کے ہون۔ کیا اس سے یہ نہین پایا جاتا کہ اسکے تمام الفاظ اور کام جھوٹے اور بے معنی تھے۔ انجیل کے مطابق یسوع کا دعوے تو یہ تھا کہ مین معلم ہون اور شریعت کو منسوخ کرنے آیا ہون باوجودیکہ شریعت کے رسوم بے معنی اور مہمل اور بے حقیقت نہ تھے اور پھر خود ایسے کام کیے جن مین کوئی حقیقت نہ تھی اور ایسے الفاظ بولے جو محض جھوٹے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسے بیانات صرف عیسائیون کے ڈھکوسلے ہین جو ایک جھوٹے دعوے کو قائم کرنے کیلئے پیش کیے جاتے ہین۔ انجیلون سے ہمین معلوم

ہوتا ہے کہ یسوع نے صاف صاف نیک کہلانے سے انکار کیا اور اس قول کی تائید اپنے فعل سے کی یعنی یوحنا کے ہاتھ پر بپتسمہ لیا +

دوم انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس یسوع پر نہ اتری جبتک اس نے یوحنا کے ہاتھ سے بپتسمہ نہ پایا۔ اگر عیسائی مشنری اس امر پر غور کرتے تو انہیں آسانی سے معلوم ہوجاتا کہ یسوع کی زندگی کا سب سے عظیم الشان واقعہ جو اسکے لئے نزول برکات و انوار کا موجب ہوا یوحنا سے بپتسمہ لینا تھا جسکے بغیر روح القدس ہرگز اسپر نازل نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کی کیا وجہ تھی کہ خدا نے روح القدس کا انعام یسوع کو نہ دیا جبتک اس نے یوحنا کے ہاتھ پہ توبہ نہ کرلی حق تو یہ ہے کہ یہ بپتسمہ بجائے ایک بے معنی رسم ہونیکے یسوع کی زندگی میں ایک عظیم الشان واقعہ ہے اور انجیل ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یوحنا یسوع کا روحانی باپ بننے کے لائق تھا کیونکہ لوقا ۱۵ سے ہمیں پتہ ملتا ہے کہ "وہ یعنی یوحنا اپنی ماں کے پیٹ ہی سے روح القدس سے بھرا ہوا تھا"۔ لیکن یسوع پر روح القدس نازل نہ ہوئی جبتک اس نے یوحنا کے سامنے عجز ظاہر نہ کیا اور اپنے گناہوں کا اقرار کرکے اسکے ہاتھ پر توبہ نہ کی۔ اس بپتسمہ کا اثر اتنی جلدی ہوا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ یوحنا کی روحانی طاقت ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ جونہی یسوع نے اسکے پاس توبہ کی اسیوقت روح القدس کا انعام اسے بخشا گیا +

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یسوع اپنی راستبازی کو جبتک اس نے یوحنا سے بپتسمہ نہ لیا ناقص خیال کرتا تھا۔ متی یسوع کے وہ الفاظ لکھتا ہے جن میں اس نے یوحنا کے ہاتھ سے بپتسمہ لینے کی وجہ بیان کی ہے "کیونکہ ہمیں مناسب ہے کہ یونہی سب راستبازی پوری کریں"۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسوقت وہ اپنی راستبازی کو ناقص خیال کرتا تھا۔ اسی نقص کو اپنی راستبازی میں محسوس کرکے یا کسی دیگر گناہ کے باعث اس نے یوحنا کے سامنے انکساری کی اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی یسوع کی راستبازی کا نقص اسکے اپنے اقرار سے ظاہر ہے کیونکہ اس نے کہا کہ میں شراب پیتا ہوں حالانکہ یوحنا بقول اناجیل تمام مسکرات سے پرہیز کرنیوالا تھا۔ یوحنا کے وہ الفاظ جو متی نے لکھے ہیں اور جنسے پایا جاتا ہے کہ یوحنا نے یسوع کے مقابلہ میں کسرنفسی دکھائی بالکل بے بنیاد ہیں کیونکہ ان کی نظیر

دوسری دو معتبر انجیلوں میں نہیں پائی جاتی۔ نیز ان الفاظ کی تردید متی کے ہی بیان سے ہوتی ہے۔
جہاں یسوع نے اقرار کیا کہ میری راستبازی یوحنا کے ہاتھ پر توبہ کرنے کے بغیر ناقص رہے گی
نیز یوحنا یسوع کی مسیحیت پر آخر تک شک کرتا رہا (لوقا ۷/۱۹) کیونکہ اس نے یسوع کو اس گروہ میں
سے جو اپنے گناہوں کے اقرار کے لئے اسکے پاس آیا تھا ایک معمولی شخص سمجھکر بپتسمہ دیا تھا۔

ماسوا ان امور کے کہ یسوع نے خود گناہوں کا اقرار کیا اور نیز اپنے مرشد یوحنا بپتسمہ دینے
والے کے پاس اقرار کیا۔ اناجیل میں اسکے کئی ایک دیگر اقوال و افعال دیکھے جاتے ہیں جن سے
اس کی معصومیت بالکل ملیامیٹ ہو جاتی ہے اول اسے شراب پینے کی عادت تھی لوقا ۷/۳۳-۳۴
"کیونکہ یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا جو نہ روٹی کھاتا اور نہ مے پیتا ہے...... ابن آدم کھاتا پیتا آیا اور
تم کہتے ہو دیکھو ایک کھاؤ اور مے خوار محصول لینے والوں اور گنہ گاروں کا دوست" اس لئے
اسنے اپنی تعلیم اور نمونہ سے لاکھوں جانوں کو تباہ کر دیا جو شراب کا شکار بن گئے ہزاروں خاندان
اس زہر سے ہلاک ہو گئے اور اس طوفان کو بجائے روکنے کے یسوع نے اور بھی جوش دیا باوجود
جوان اور مجرد ہونیکے اس کی آشنائی بعض بدکار عورتوں سے تھی جو ہمیشہ اسکے پاس رہتی تھیں بلکہ ایک
جگہ وہ بدکار عورتوں کی تعریف بھی کرتا ہے متی ۲۱/۳۱۔ اسنے ایک کنچنی سے عطر ملوایا جو اس کی حرامکاری
کی کمائی تھی اور ارادتاً اس عورت کو اپنے جسم سے جسم لگانے کی اجازت دی لوقا ۷/۳۸ وہ اپنے والدین
کی بے ادبی کرتا تھا اور اپنی ماں کی اس نے بے ادبی کی۔ (متی ۱۲/۴۸) جو شریعت موسوی کیمطابق
سخت گناہ ہے اسنے ایک بیگناہ شخص کو جسنے اسے کچھ نقصان نہ پہونچایا تھا۔ قریباً دو ہزار
سؤروں کے گلہ کو تلف کر دیا۔ مرقس ۵/۱۳۔ اس نے اپنی حاضری میں اپنے شاگردوں کو بغیر رضامندی
مالک کے ایسی چیز کھانے کی اجازت دی جو شرعاً ناجائز تھی اور جس واقعہ پر تینوں معتبر اناجیل متفق
ہیں (متی ۱۲/۱ مرقس ۲/۲۳-لوقا ۶/۱)۔ اسنے یہودیوں کے بزرگوں کو سخت گالیاں دیں اور بہت
نامناسب حملے ان کی عزت پر کئے جیسا آگے بیان ہوگا۔ اسنے تمام انبیاء اور اولیاء کو جو اس سے
پیشتر گذر چکے تھے چور اور بٹمار کہا (یوحنا ۱۰/۸) اور اس بات کا خیال نہ کیا کہ اسکی تمام تعلیم انہیں
سے جدائی ہوئی ہے اسنے خدا کی مرضی کے خلاف دعا مانگی جبکہ اسے یقین تھا کہ اسکی موت ٹل نہیں

سکتی۔ اس نے اس چور سے وعدہ خلافی کی جو اسکے ساتھ صلیب پر لٹکایا گیا تھا متی ۲۳/۴۳ سے
ظاہر ہے کہ یسوع نے چور کو کہا "آج تو میرے ساتھ بہشت مین ہوگا" لیکن یسوع خود تین رات
دوزخ مین رہا اور یہ بھی مشکوک امر ہے کہ آیا وہ چور کو بھی دوزخ مین ساتھ لیگیا یا نہین بہشت
مین جانے سے تو وہ ناکام رہا پس کم سے کم اسے مناسب تھا کہ اس چور کو دوزخ ہی مین لیجاتا۔
اس سوال کا جواب عیسائی مشنریون کے ذمہ ہے انجیلون سے صرف یہ پایا جاتا ہے کہ یسوع نے
وعدہ کا خلاف کیا کیونکہ وہ مصلوب ہونیکے بعد کئی روز اور بعض روایتون کے موافق چالیس روز
زمین پر رہا یا عیسائی تعلیم کے بموجب دوزخ مین اتر گیا۔ اور یہ بھی معلوم نہین ہوتا کہ یسوع چور
کے ساتھ پہلے بہشت مین گیا ہو اور اسے وہان چھوڑ کر زمین پر یا دوزخ مین اتر پڑا ہو کیونکہ یوحنا
۲۰/۱۷ مین وہ صاف صاف کہتا ہے کہ "مین ہنوز اوپر اپنے باپ کے پاس نہین گیا"

یسوع کی ایک اور وعدہ شکنی بھی انجیلون سے معلوم ہوتی ہے اس نے وعدہ کیا تھا کہ ابھی
یہ نسل گذر نہ جائے گی کہ ابن آدم جلال کے ساتھ آئے گا۔ مگر افسوس کہ یہ وعدہ بھی جھوٹا نکلا اور وہ لوگ
جنکو مسیح نے واپس آکر دیکھنا تھا اور انکے دیدار سے دل ٹھنڈا کرنا تھا۔ وہ سب کے سب مر گئے
اور انکے بیٹے اور پوتے وغیرہ سب مر گئے اور انیس سو برس کے قریب انکے مرنے پر گذر گئے تو اب دوبارہ
آمد مین یسوع مسیح کو کیا خوشی ہوگی اور کس کو دیکھ کر آنکھین ٹھنڈی کریگا کیا انکی قبرونکو دیکھے گا۔
یا ان کی اجڑی ہوئی بستیون کا نظارہ کرے گا۔ افسوس کہ ان لوگونکی زندگی جنکو یہ وعدہ دیا گیا تھا۔
کس مایوسی مین گذری ہوگی اور پھر موت کے وقت انکو کیسی کیسی حسرتین سامنے آئی ہونگی۔

سب سے بڑا گناہ جو انجیلونکے رو سے یسوع پر عاید ہوتا ہے اسکا خدا ہونے کا دعوے کرنا ہے باوجود اس
بات کے کہ اسکو یہ علم تھا کہ وہ مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور خون حیض سے اسکے اعضا بنے ہین
اور ساری انسانی کمزوریان اور بیماریان اور لاچاریان اور بھوک پیاس کی تنگیان اسپر وارد ہوئی
ہین یہ بیہودہ دعوے ایک بڑا نقص ہے جو اس کی فہم اور عقل مین پایا گیا ہے چاہیئے تھا کہ وہ خدائی
کا دعوے اسوقت کرتا جبکہ خدائی کی طاقتین اپنے اندر پاتا نہ یہ کہ یہودیون سے مارین کھاتا حکام
کی عدالتون مین کھینچا جاتا غمونسے جان کھینچتی بھوک سے جان نکلنے کو ہوتی اور اگر خدائی کے دعوے

کیلئے یہ کہا جائے کہ اس نے معجزات دکھلائے تو اسکا کیا ثبوت ہے کہ اس نے دکھلائے اور کیوں جائز نہیں کہ ہندؤون کی ان کہانیوں کی طرح جو پرانوں مین موجود ہین یہ بھی کہانیاں ہوں مردہ کا زندہ کرنا تو ایسا حیرت انگیز معجزہ ہے کہ اگر ہوتا تو اس سے اسرائیل کی قوم مین ایک شور مچ جاتا اور سب یہودی روتے روتے پیرون پر آگرتے نہ یہ کہ ان کے پیرون مین زنجیر ڈالتے اور حوالات مین کرتے اور آخر بڑی بے رحمی سے صلیب پر چڑھا دیتے اور اگر فرض کے طور پر کوئی نشان ظاہر ہوا ہو تو وہ صرف صحت نبوت کی دلیل ہوگی نہ کہ خدائی کا کوئی نشان کیونکہ اگر نشانون سے خدائی ثابت ہو سکتی تو ایلیا نبی کی خدائی بوجہ اولیٰ ثابت ہو جاتی وجہ یہ کہ اسلاطین ۱ اور ۲ سلاطین مین ایلیا کے اسقدر زبردست اور اقتداری معجزات کا ذکر ہے کہ مسیح کی نسبت ذکر کرنا حواری شاید بھول گئے ایلیا نے اپنے پیٹ سے پیٹ لگاکر ایک مردہ کو زندہ کر دیا۔ ایک عورت کو اسکے ایک پاؤ آٹے مین یہ برکت دی کہ وہ اخیر عمر تک ختم نہ ہو سکا اور دشمن جب اسکو پکڑنے گئے تو دو دفعہ پچاس پچاس آدمی کو صرف لفظ کرنے سے ہلاک کر دیا اور بادشاہ کو یہ کہا کہ قبل اسکے کہ تو پلنگ کے نیچے اترے تیری جان نکل جائے گی۔ مگر مسیح پیلاطوس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکا۔ اور پھر اخیری وقت مین عزت کے ساتھ رتھ پر سوار کرا کر آسمان پر اٹھایا گیا مگر یسوع مسیح کی نسبت ثابت نہیں کہ وہ آسمان پر کھینچے جانیکے وقت ایک گدھے پر بھی سوار کیا گیا ہو اور پھر جب ایلیا دوبارہ دنیا مین نازل ہوگا تو ثابت کر دے گا کہ ایسا مسیح جھوٹا تھا جو اسکے پہلے آگیا غرض خدائی کا دعوے ایک بڑے گناہ کا ارتکاب ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اسکا خدا ہونا اسکے بزرگوں کو جن مین نبی اور کاہن بھی تھے پہلے سے معلوم ہوتا اور وہ جانتے کہ وہ تین خداؤن میں سے ایک ہے اور کتابوں میں اس مثلث خدا کی خبر ملتی تو انپر کیا مصیبت پڑی تھی کہ اس کی ماں کے تارکہ ہونیکی حالت مین یہ بے ادبی کرتے کہ اسکے لئے کوئی خاوند تلاش کرکے خواہ نخواہ بے باپ پیدا ہونے کی رونق پر خاک ڈالدیتے اور مریم کو نذر شکنی کی مجرم ٹھہراتے اور اسکا نکاح کراتے اور اپنے خدا کی ماں کو کسی دوسرے کی جورو بناتے اور پھر جب مسیح پیدا ہوا جو انکے زعم مین خدا تھا تو خدا کے ختنہ کرنے کی کیا ضرورت تھی اسکے گوشت کا تو سب حصہ خدائی کے رنگ سے رنگین تھا اسکا کاٹنا تو ہرگز مناسب نہ تھا۔

اور اگر کاٹا گیا تھا تو تبرک کیطور پر رکھنا چاہیے تھا ختنہ کی اصل جڑھ یہ ہے کہ تا اس بات کا نشان ہو کہ جس طرح وہ زائد گوشت کاٹا گیا اسی طرح اس عضو کی ناجایز گردن کشیون پر خدا کے حکم کی تیز چھری چلائی جائے کہ وہ بے اعتدالی اس کی کٹ جائے اور یا بعض اسلیے بھی ختنہ کرایا کرتے ہین کہ تا پیشاب نہ رکے کیونکہ اس مرض کو ختنہ کرنا فائدہ کرتا ہی لیکن مسیح کی نسبت نہ تو یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ بزرگون نے اسلیے اسکا ختنہ کرایا تھا کہ تا شہوات کا وحشیانہ جوش کم ہو جائے جیسا کہ غیر مختون تو موہبت ہوتا ہی اور نہ یہ خیال کیا گیا ہے کہ اسکا پیشاب بند ہونیکا اندیشہ تھا اسلیے ختنہ کرایا گیا ✤

پھر یسوع مسیح کا یہ قول جو متی باب ۲۱ - آیت ۳۱ مین درج ہی کہ یسوع نے انسے یعنے یہودی علما کو کہا مین تم سے سچ کہتا ہون کہ محصول لینیوالے اور کسبیان تم سے پہلے خدا کی بادشاہت مین داخل ہوتی ہین یہ خطاب یہودیون کے مولویون اور فقیہون اور فریسیون کو تھا جسکا دوسرے لفظون مین خلاصہ یہ تھا کہ اے مولویو اور فقیہو اور بنی اسرائیل کے عالمو اور موسے کی گدی پر بیٹھنے والو کنجریان جو ہمیشہ زنا کراتی - اور حرام کی خرچی پر گذارہ کرتی ہین وہ تم سے بہتر ہین اور وہ تم سے پہلے بہشت مین جائینگی یہ اسقدر سخت کلامی اور بدتہذیبی ہے کہ شاید اس سے بڑھکر دنیا مین نہ ہو اور کیا حقیقت مین یہودیون کے علما اور فقہا اور انکے ربانی مولوی جن مین سے بعض حضرت مسیح کے استاد بھی تھے وہ کنجریون سے بدتر تھے ایسا کلمہ اگر اس زمانہ کے مولویون یا پنڈتون کی نسبت کہا جائے تو وہ گلے کا ہار ہو جائین اور کوشش کرین کہ اول تو خود ورنہ عدالت کے ذریعہ سے اسکو سزا دلائین کیا آپ گمان کر سکتے ہین کہ یہودیونکے ان علما کیطرح ان مولویون مین بھی صبر ہے کیا وہ ایسے بدزبان کو کسی قانونی شکنجہ مین نہین لائینگے اور کیا وہ اسکی سزا دہی کیلیے عدالت تک استغاثہ نہین پہونچائینگے پس اس سے ثابت ہوتا ہی کہ یہودیونکے مولوی بہت ہی حلیم اور بردبار اور حلیم اور درگذر کرنیوالے تھے جو باوجود خداداد عزت اور مرتبت کے کہ انمین سے بعض رومی گورنمنٹ مین کرسی نشین رئیس بھی تھے پھر ایسے سخت کلمات بلکہ گندی گالیان سنکر بھی بہت برداشت اور درگذر کرتے رہے کیا مسیح کو مناسب تھا کہ اپنی سخت گوئی کو اس حد تک پہونچاتا کہ تمام معزز مولویون اور فقہا کا نام کنجر رکھتا فرض کیا کہ مسیح کے برابر انکا تقوے نہین تھا گو مسیح کی شرابخواری یاد کرکے ایسا فرض کرنیسے بھی ہمین شرم آتی ہی لیکن تاہم اگر بطور فرض محال مسیح کو تقوے سے کچھ زیادہ حصہ دیا جائے تب بھی

مسیح کا ایسا کہنا بیجا تھا کیونکہ آخر علماء یہود موسے کی شریعت کے وارث تھے کیا قیاس مین آسکتا ہے
کہ وہ سب کے سب خراب ہوگئے تھے اور اس لایق ہوگئے تھے کہ انکو کنجر کے نام سے پکارا جائے ماسوا اسکے
کسقدر تہذیب سے بعید ہے کہ جس شخص کو نہ صرف نبی مانا گیا بلکہ خدائی کا جامہ بھی پہنایا گیا ہے وہ شریف انسانونکا
نام کنجر رکھے اس سے تو یہ صاف ثبوت ملتا ہے کہ یہودی بڑے ہی بردبار اور حلیم اور با اخلاق تھے کہ باوجود
اسرائیل کی اولاد ہونے اور انبیا زادہ ہونیکے اور باوجود ان وجاہتونکے جو گورنمنٹ رومی مین انکو حاصل
تھین پھر ایسے نالایق الفاظ کی برابر ساڑھے تین برس تک برداشت کرتے رہے جسمین انکی خدا داد
عزت اور مرتبت کی سخت کسرشان تھی درحقیقت کوئی بھی ایسا گندہ اور سخت لفظ باقی نہین رہا جو انکے
معزز علماء کے حق مین اس شخص نے نہین بولا کنجر انکا نام رکھا حرامکار انکو کہا کبھی غصہ مین آکر سوءر کے نام
سے انکو موسوم کیا اور کبھی کتے کتے کرکے پکارا اور کبھی سانپونکے بچے اور کبھی گدھے اور کبھی اندھے انکو کہا گیا او
مسیح کا گدھے پر سوار ہونا بھی یہی رمز تھی کہ یہودیوں پر سے غلبہ ہوگا۔ اور احمق نادان کذاب دغاباز بے ایمان
ریاکار رشوت خوار علماء یہود کو کہنا یہ تو ہر وقت گویا انکی نسبت یسوع کی زبان پر جاری تھا تو کیا اسقدر
گالیان اور پھر سخت گالیان یہود نے بھی کبھی یسوع مسیح کو دین اسکا ثبوت ایک ذرہ بھی انجیلونمین نہین
پاؤگے تو کیا یہ تعجب کی بات نہین کہ جو شخص اخلاق سکھانے آیا تھا اس کی زبان پر ہروقت کتا بلا سوءر
حرامزادہ بے ایمان کنجر جاری رہے اور ادنے ادنے بات پر چڑ کر لوگونکو ہمیشہ کا جہنم انعام دے اور جنکو
بداخلاقی سے متہم کیا جاتا ہے وہ سخت گوئیونپر صبر کرین اور سنین اور چپ رہین +

ہان یہود کے نامدار علماء نے مسیح پر کفر کا فتوے لکھا اور تمام معزز علماء نے اس تکفیر پر اتفاق
کیا سو یہ فتوے گالی مین داخل نہ تھا بلکہ جو جو کلمات کفر یسوع مسیح کے منہ پر جاری ہوئے جن کی نسبت
علماء کی خدمت مین استفسار پیش کیا گیا اس استفسار کا موسوی شریعت کے رو سے یہی جواب تھا کہ
ایسے کلمات منہ پر لانیوالا کافر بلکہ واجب القتل ہے تو اسمین یہودیون کا کیا قصور تھا مسیح نے خود توریت کی تعلیم
کی مخالفت کی یہانتک کہ اسکا معاملہ پردہ پوشی اور تاویل کی حد سے بہت آگے گذر گیا۔ آخر علماء یہود کو اسکی
نسبت کفر کا فتوے لکھنا پڑا اور اگر کفارہ کی بات کچھ سچائی رکھتی ہے تو یہود پر یہ اعتراض بھی سچا نہین کہ یسوع
کو سولی دیا کیونکہ انکے ذریعہ سے یسوع مسیح کی وہ مراد حاصل ہوگئی جسکے لئے وہ آیا تھا جس بات کو

باپنے چاہا بیٹے نے چاہا - روح القدس نے چاہا اور وہ اس سے گنہ گار نہ ہوئے تو پھر اگر یہودیون نے بھی اسی بات کو چاہا تو وہ کیون گنہ گار ہوگئے کیا نیکی بھی گنہ مین بھی داخل ہوسکتی ہے وہ اس بات مین اکیلے تھوڑے ہین یہ تو کثرت رائے سے فیصلہ ہوگیا اور وہ نیکی کے معین تھے نہ بدی کے جو کام انہون نے کیا اس مین تو سارے جہان کی بھلائی تھی بھلا اہت یہودا اسکریوطی نے ان کا ہاتھ بٹایا باقی حواری شائد کفارہ کے مسئلہ کے قائل نہ تھے کہ ایک ساعت بھی ٹھہر نہ سکے مگر انکا کیا گناہ حضرت مسیح بھی اس ارادہ پر قائم نہ رہ سکے صرف یہود نے اپنے صدق کو نباہا کہ بہر حال صلیب پر چڑھا دیا

مگر مسیح صدق پر قائم نہ رہ سکا - ایلی ایلی کرکے چیخین مارنی شروع کردین اور صلیب سے بچنا چاہا مگر وہ اقرار کے بعد انکار تھا اسلئے قابل سماعت نہ تھا اور پھر خدا کا یسوع مسیح کو زندہ کرکے دور دراز ملک مین پہلے آسمان سے بھی کہین آگے پہونچا دینا یہ دوسرا اس بات پر قرینہ ہے کہ خدا یہودیون کی اس کارروائی پر کچھ ایسا ناراض نہ تھا صرف اسقدر خیال مین آسکتا ہے کہ خدا نے موت کی سزا کو جو یہودیون نے دی تھی حبس دوام کے ساتھ بدل دیا تو اسلئے کہ حبس دوام بعض صورتون مین موت سے بدتر ہوتا ہے کیونکہ کھانے پینے اور سونے اور پھرنے چلنے مین اسقدر تنگیان پیش آتی ہین کہ بعض قیدی خود موت کی تمنا کرتے ہین اور یا اس لئے کہ باپ خدا کو یہودیون کی ناراضگی بھی منظور نہین تھی اور نہ بیٹے کو ہمیشہ کے لئے سزائے موت دیسکتا تھا پس جیسا کہ اعلےٰ عدالتین ماتحتون کے احکام مین کچھ تخفیف کردیا کرتی ہین اسی طرح یہ حبس دوام بعبور صدود زمین ایک قسم کی تخفیف سزا تھی اور یہ امر کہ کیون خدا نے پہلے آسمان پر ہی مسیح کو نہ رکھا آگے لیجانے سے کیا فایدہ تھا ممکن ہے کہ اس کا یہ سبب ہو کہ یہودی سحر بابل مین بھی طاق ہوگئے تھے وہ اپنی ساحرانہ قوت سے پہلے آسمان پر پہنچ سکتے ہونگے سو اس اندیشے سے کہ کہین پھر وہ پکڑ کر صلیب پر چڑھا دین پہلے آسمان سے آگے پہونچا دیا اور اس سزائے حبس دوام کے بارے مین یہ بھی خیال کرسکتے ہین کہ چونکہ کفارہ کی تاثیر کو ہمیشہ جاری رکھنے کے لئے دائمی تعذیب منظور تھی اور وہ موت کی حالت مین نہین ہوسکتی تھی اس لئے حبس دوام کی سزا دی گئی جسمین ہمیشہ بھوک پیاس کی تکالیف اور عزیزون کی جدائی اور وطن کی مفارقت شامل حال رہتی ہے اور اگر یہ جلا وطنی کسی خیر خواہی کی نیت سے تھی تو چاہئے

تھا کہ آسمانون پر اٹھانے کے وقت یسوع مسیح کی والدہ اور باران حواریون کو ساتھ ہی آسمان پر اٹھایا جاتا۔ تا جن لوگون سے دلی تعلقات تھے ان کی ہمیشہ کی جدائی دل کو کباب نہ کرتی رہتی اور اگر یہ منظور نہین تھا تو ایسا تو ضرور کرنا چاہئے تھا کہ دو تین سال کے بعد ایک دفعہ زمین پر نازل ہونے کی اجازت دیدیا کرتا تا یہ ناگہانی جدائی اور پھر لاکھون کوس کی دوری جان کو تحلیل نکرتی رہتی کچھ سمجھ نہین آتا کہ یہ کیا کارروائی کی گئی سزا تو یہود کو دینی تھی الٹی یسوع کو دوبارہ دیدی انسانی فطرت مین یہ بھی داخل ہے کہ جب ایک مصیبت اور مشکل کیوقت مین رہائی یا تخفیف سزا کا وعدہ دیا جائے اور وہ وعدہ پھر پورا نہ کیا جائے تو اس سے بھی دل کو بہت ایذا پہونچتا ہے۔ گویا پہلی مصیبت دوبارہ تازہ ہو جاتی ہے اور اسکا نقشہ دل کے سامنے آجاتا ہے اور یہ کارروائی ان لوگون سے کیجاتی ہے جنکو ہر ایک پہلو سے عذاب دینا ہی منظور رہتا ہے سو افسوس کہ یہ تمام برتاؤ یسوع مسیح سے کیا گیا اور زمین کا تو کوفتہ تھا آسمان کا بھی کوفتہ ہوا۔ جب آسمان اٹھانے کے وقت کے قریب یسوع مسیح کو خبر دی گئی کہ تجھے لاکھون کوسون کی دوری پر پہونچا کر تمام عزیزون اور والدہ سے مہجور کیا جائے گا تو وہ بہت غمگین ہوا اور ساری رات اس نے رو رو کر دعائین کین کہ اے میرے باپ یہ پیالہ مجھ سے ٹالدے اس کی مین برداشت نہین کر سکتا اور والدہ کی جدائی اور عزیزون کی ہمیشہ کے لئے دوری میری طاقت سے باہر ہے تو اسے یہ بشارت دی گئی تھی کہ ہم جلد تر تجھے والدہ اور دوسرے دوستونکو ملا دینگے اور وطن دکھلا دینگے۔ اور ابھی یہ لوگ جنکو تو چھوڑ چلا ہے موت کا مزہ نہ چکھینگے کہ تو واپس آجائے گا مگر افسوس کہ یہ وعدہ بھی جھوٹا ہی نکلا!!

غرض منجملہ نہایت مضبوط اور قوی اعتراضونکے یسوع کی خدائی کا دعوے ہے۔ اگر اس مین خدائی کی طاقت موجود تھی تو کیون اسنے اپنی اس طاقت کو استعمال کر کے اپنی خدائی کا ثبوت ندیا۔ اور اگر الٰہی طاقت موجود نہین تھی تو کیون فضولی کر کے ایسا دعوے کیا جسکا کچھ ثبوت نہین تھا اور اس سے بڑھکر اور کیا گناہ ہوگا کہ انسان ہوکر خدائی کو ہاتھ مارنا چاہا۔ لیکن ہم کہتے ہین کہ اس تہمت سے حضرت مسیح علیہ السلام کا دامن پاک ہے جس طرح دنیا مین صدہا انسان خدا بنائے گئے ایسا ہی ان لوگون نے

جنکو مخلوق پرستی کی عادت تھی حضرت مسیح کو خدا قرار دیدیا جبکہ پتھرون اور نباتات کو بھی جنمین انسانی طاقتین موجود نہیں خدا ٹھہرایا گیا تو اس صورت مین انسانون کو خدا بنانا بہت سہل تھا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جسقدر انسانون کو خدا بنایا گیا خدا نے ہر ایک پہلو سے ان کی کمزوری اور ضعف ظاہر کیا مثلاً بدھ ایسا کمزور ثابت ہوا کہ بیوی اور بچون کے حقوق کو بھی ادا نہ کرسکا اور شریعت کی دو بھاری جزمین سے جو حق العباد ہے اسکو بھلا دیا معجزات اور استجابت دعا کا منکر رہا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسپر وہ راہ نہین کھلی جو اہل اللہ پر کھلا کرتی ہے ایسا ہی راجہ رامچندر کو خدا بنایا گیا آخر اسکو یہ مصیبت پیش آئی کہ راجہ راون اس کی عورت کو نکالکر لے گیا اور سخت غم اور بےحرمتی اسکو اٹھانی پڑی اسی طرح حضرت مسیح کو خدا بنانیکی کوشش کی گئی - اسکا نتیجہ ہوا کہ ان کی عصمت اور ان کی والدہ کی پاک دامنی پر وہ سخت حملے ہوئے جنکی نظیر تمام نبیون کے سوانح مین نہین پائی جاتی ایک یہ بھی حملہ ہوا کہ ان کی کوئی پیشگوئی سچی نہین اور نشانونکے دکھلانیمین وہ تالاب شریک غالب رہا جسکا انجیلون مین ذکر ہے اس سے ثابت ہے کہ کسی شخص کو خدائی کا دعوے مبارک نہین ہوا - اس زمانہ کے پادری صاحبون نے حضرت مسیح کو خدا بنانیکے لئے تمام نبیون کی عیب گیری کرنا اپنا ایک فرض قرار دیدیا ہے انسانیت اور انصاف نہین کہ ایک شخص بیباک ہوکر اور منہ پھاڑکر خدا کے پاک نبیون کی نسبت جو چاہے کہے اور جب کوئی دوسرا شخص اس سے بڑھکر اسکے پیشوا کے عیب پیش کرے تب برافروختہ ہوجائے اور عدالتون تک پہونچے اے نادانون جب تم دوسرونکے مقدس

نبیوں مسیح کے معجزات کو معجزہ نما تالاب نے ایسا سخت صدمہ پہنچایا تھا جو اسکی وجہ سے یہودیونکی نظر مین مسیح کے نشانونکی کچھ بھی وقعت نہین رہی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لوگ جو مسیح پر ایمان لاکر پھر مرتد ہوگئے انکی ارتداد کی وجوہ مین سے ایک یہی وجہ تھی کہ ایکطرف تو مسیح کی پیشگوئیان پوری نہوئین اور نہ داؤد کا تخت اسکو ملا اور نہ اسنے یہودیونکو انکے دشمنونسے چھوڑایا اور نہ مسیح کے وعدہ کے موافق اسکے مانیوالے نشان دکھانے پر قادر ہوسکے اور دوسری طرف جو معجزات کا دعوی تھا اسمین بھی عیسائیونکو بہت خفت اٹھانی پڑی یروشلم کا تالاب ایک ایسا دلآزار رقیب پیدا ہوگیا جسمین غسل کرکے انواع اقسام کی بیمار اچھے ہوتے تھے اس تالاب سے مسیح کے نشانونکی وقعت اور عزت جاتی رہی اور یہ کچھ تعجب کی جگہ نہین کیونکہ کشمیر کے بعض حصوں مین بھی ابتک ایسے تالاب موجود ہین جنمین غسل کرنیسے بعض بیماریان دور ہوتی ہین اور حال مین موضع بدولی ضلع مظفرنگر کے علاقہ مین ایسا تالاب پیدا ہوا ہے جسمین غسل کرنیسے مریض اچھے ہوتے ہین اور ہر سال اسپر میلہ لگتا ہے دیکھو پرچہ نیر آصفی مدراس ۲۷ جون سنہ ۱۹۰۲ء

رہبرون پر عیب لگاؤ گے تو اسکا یہ ضروری اور لازمی نتیجہ ہوگا کہ تمہارے نبی پر بھی عیب لگایا جاویگا اور جس پیمانہ سے تم ملتے ہو اسی پیمانہ سے تمہارے لئے بھی ناپا جائے گا تم اس ناپاک خصلت سے کیون باز نہین آتے کیا یہ بھی عیسائی تعلیم کا ایک جزو ہے تمہین اس تصور سے بہت شرمندہ ہونا چاہیئے تھا کہ تمہارے مذہب کا سارا مدار ایک مرے ہوئے انسان کی فرضی زندگی پر ہے اور اسی کو تم نے خدا بنا رکھا ہے پھر وہ شخص سچائی سے کیا حصہ رکھتا ہے جسکا خدا ایک قبر مین بوسیدہ ہڈیان پڑی ہین۔ سو تم ایسے کمزور ہو کر اسلام جیسے زبردست مذہب پر مفتریانہ حملہ مت کرو بلکہ چونکہ تم اپنے مردہ خدا کیوجہ سے سب سے کمتر ہو بہتر یہی ہے کہ کسی مذہب کی بھی عیب گیری مت کرو

دراصل یہ گناہ پادری صاحبو لگاہی نہ کسی اور کا کیونکہ پادری صاحبان تعلیم تو یہ پیش کرتے ہین کہ اگر ایک گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسری بھی پھیر دو مگر اپنا شیوہ یہ بنا رکھا ہے کہ جبتک مخالف کی دونون گالون پر بے قصور طمانچہ نہ مارلین تب تک صبر نہین۔ کیا یہ طمانچہ مارنے سے کم ہے کہ اپنے مخالفونکے پیشواؤن پر طرح طرح کے جھوٹے عیب لگاتے ہین اور بدزبانی سے دل دکھاتے ہین کیا اس طریق سے کسی بھی کامیابی کی امید ہے اگر زید بکر پر پتھر پھینکتا ہے اور بکر کے پاس اس سے بڑھ کر پتھر موجود ہین تو کیا وہ ان پتھرون سے زید کا سر نہین کچلے گا یہ تو سب دنیاوی صورت پر جھگڑے اور کینے ہو جائینگے۔ آپ گندی زمین پر کھڑے ہو کر جس مین نجاست تا بزانو ہی دوسرونکے مصفا فرش پر داغ کا اتہام لگانا انہین نادانون کا کام ہے جو اپنا انجام نہین سوچتے۔ دین اسی حد تک دین ہے جبتک دیانت اور صبر اور راستبازی ہو نہ یہ کہ دن رات اس بات کی کوشش مین ہین کہ افترا سے بہتان سے جھوٹ سے تحریف سے جعل سے جھوٹی کتابون کے ذریعہ سے سیدھے معنونکے بگاڑنے سے کسی خدا کے مقدس اور پاک نبی پر گناہ کا عیب لگایا جائے تا کسی طرح یسوع مسیح بے گناہ ہو کر خدا بن جائے اور شفیع قرار پاوے لیکن مسیح کے مخالفون نے درحقیقت یہ ثابت کر دیا ہے کہ بیگناہ اور معصوم نام رکھانے مین جسقدر یسوع مسیح اور اس کی والدہ کو مشکلات اور پیچیدہ اعتراضات کا سامنا پیش آیا ہے آدم سے لیکر اس دم تک کسی نبی کو ایسے ناپاک الزامات کا نشانہ نہین بنایا گیا ہے۔ پس اگر اس طرح کی عیب جوئی سے کچھ بن سکتا ہے تو بتلاؤ کہ ایسے

ایسے الزامات کے رو سے کونسا حصہ معصومیت کا مسیح اور اس کی والدہ کے لئے باقی رہ گیا ہے یہ اعتراض ایسے نہیں ہیں کہ کوئی شخص عقل اور انصاف اور نظائر قانون قدرت کا پابند ہو کر انکو توڑ سکے پس جس مذہب کے پیشوا کی لائف قانون قدرت کے مخالف اور تعلیم صحیفہ فطرت کے مخالف اور متبعین کی عملی حالت۔ تقوے اور طہارت کے مخالف ہو کیا وہ بھی کسی دوسری قوم کو منہ دکھا سکتے ہیں ؟!! تمام نبیوں کے اتفاق سے یہ مسئلہ صحیح مانا گیا ہے کہ شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں پس جس شخص نے اپنی تمام عمر میں یہی سکھلایا کہ مجھے خدا کر کے مان لو اسکے اول درجہ کے گنہگار ہونے میں کس عقلمند کو شبہ ہو سکتا ہے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ توریت اور قرآن نے تو یہ سکھلایا کہ خون نہ کرو زنا نہ کرو جھوٹی گواہی ندو۔ مگر جس نے یہ سکھلایا کہ میرے خون کے بھروسہ پر سب کچھ کرو نیک چلنی کچھ چیز نہیں تمام نجات کفارہ سے وابستہ ہے کیا اس نے گناہ نہیں کیا۔ جس شخص نے شراب پینے کی رسم کا بانی ہو کر کروڑہا انسانوں کو شراب کے دریا میں ڈبو دیا کیا اس نے یہ نیکی کا کام کیا اور کیا وہ دوسرا شخص جس نے عرب کے تمام جزیرہ کو جو شراب کے خطرناک سیلاب میں غرق ہو چکے تھے اس مہلک طوفان سے نجات دی۔ بالمقابل اس بڑی نیکی کا حقدار نہیں ہو چکا۔ یہ دو انسان ہیں ایک نے شراب کا فتوے دیکر بیشمار دنیا کو جو انیس سو برس سے آج تک چلی آتی ہے۔ طرح طرح کی ناپاکیوں میں ڈالدیا جن کا تدارک غیر ممکن ہو گیا۔ اور دوسرے نے صدہا سال کی رسم شراب خواری کا استیصال کر کے اسکی بد نتائج سے کروڑہا جانیں بچالیں تو اب بتلاؤ کہ ان ثابت شدہ واقعات کی رو سے منجی کون ہوا کیا یسوع یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ کہنا کہ مرنیکے بعد یسوع نجات دے گا یہ محض ایک خیالی پلاؤ ہے۔ ہندو گبر چینی وغیرہ سب اپنے اپنے پیشواؤں کو ایسا ہی گمان کرتے ہیں اب کون فیصلہ کرے کہ کس کا گمان صحیح ہے مابعد الدنیا کا واقعہ تو کسی نے دیکھا نہیں لیکن ثابت شدہ واقعات کے رو سے جو دنیا میں ہی ثابت ہو چکے ہیں حقیقی منجی حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم ہی ٹھہرتا ہے کیونکہ کروڑہا انسانوں کو شراب سے اسنے نجات دی۔ دختر کشی کی رسم سے اسنے نجات دی۔ فسق و فجور کی رسم سے جو یورپ کیطرح عرب میں بھی پھیل گئی تھی اُسنے نجات دی۔ قمار بازی کی رسم سے جو یورپ کی طرح عرب میں بھی پھیل گئی تھی اس نے نجات دی۔

اسی طرح بیسیون گناہ ہین جو رسم کی طرح عرب مین شائع ہو چکے تھے جنکو کوئی گناہ نہین سمجھتا تھا اُس کامل انسان اور مرد خدا نے ان سے نجات دی - مگر مسیح نے تو بجائے نجات دینے کے اور بھی گناہون مین پھنسا دیا - کیا شراب پینے مین قمار بازی مین فسق و فجور مین انسان کے خدا بنانے مین دنیا مین عیسائیون کی کوئی نظیر بھی ہے سو اب بتلاؤ کہ یہ تمام گناہ کس پر ہین کیا ان گناہون سے اس شخص کو کوئی حصہ نہین جس کی ناقص تعلیم نے یہ نتائج پیدا کئے - پادری صاحبان ان سوالات سے عاجز رہکر اپنی قدیم عادت کیوجہ سے زینب کے نکاح کا قصہ پیش کر دیتے ہین اور کہتے ہین کہ قرآن سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زینب پر عاشق ہو گئے تھے اسکا جواب بجز اسکے کیا لکھین کہ لعنت اللہ علی الکاذبین قرآن شریف تو خدا کا کلام ہے اگر پادری صاحبان کسی حدیث صحیح سے بھی اس افترا کو ثابت کر دکھائین تو ہم یکشت انکو دس ہزار روپیہ دینے کو تیار ہین پھر ہم کہتے ہین کہ خدا کا نبی کہلا کر کسی بیگانہ عورت پر عاشق ہونا یہ واقعہ بھی تو حضرت مسیح کے خاندان سے ہی تعلق رکھتا ہے کیونکہ بقول پادری صاحبان داؤد نبی حضرت مسیح کا دادا تھا جو اوریا کی جورو بنت سبع پر عاشق ہو گیا - اور بنت سبع وہ عورت ہے جو حضرت مسیح کی دادی یا نانی تھی اور اسنے بغیر کسی جبر کے خود ہی شوق سے داؤد سے زنا کرایا - مگر بقول پادری صاحبان ایسا ہونا کیا تعجب تھا انسان جو ہوئے لیکن تعجب تو یہ ہے کہ یسوع خدا کا بیٹا کہلا کر ایک اجنبی عورت پر عاشق رہ چکا ہے یہ وہ روائیت ہے جو یہودی پیش کرتے ہین جو بقول پادری صاحبان ایسے نیکبخت ہین جنہون نے ابتک توریت کا ایک نقطہ یا ایک شعشہ بھی تبدیل نہین کیا اسلئے کہ ان کی تمام روائتین بڑی صحیح ہین دیانت دار جو ٹھہرے +

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے * لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اول | بابت نومبر و دسمبر ۱۹۰۲ء | نمبر ۱۱ و ۱۲

فہرست مضامین

انجمن اشاعت اسلام قادیان نے انوار احمدیہ پریس قادیان دارالامان میں باہتمام
شیخ یعقوب علی تراب احمدی مالک مطبع چھپوا کر ۲۰ جنوری ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

قیمت معمولی کاغذ پر عا سالانہ - ولایتی کاغذ پر سے سالانہ

رسالہ کشتی نوح

یعنی تقویۃ الایمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

طاعون کا ٹیکا

لَنْ یُّصِیْبَنَاۤ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ۚ ھُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

ترجمہ ہمین کوئی مصیبت بجز اس مصیبت کے نہین پہنچ سکتی جو خدا نے ہمارے لئے لکھدی ہو وہی ہمارا کارساز اور مولیٰ ہے اور مومنون کو چاہئیے کہ اُسی پر بھروسہ رکھین

شکر کا مقام ہے کہ گورنمنٹ عالیہ انگریزی نے اپنی رعایا پر رحم کرکے دوبارہ طاعون سے بچانیکے لئے ٹیکا کی تجویز کی اور بندگان خدا کی بہبودی کیلئے کئی لاکھ روپیہ کا بوجھ اپنے سر پر ڈال لیا درحقیقت یہ وہ کام ہے جس کا شکر گذاری سے استقبال کرنا دانشمند رعایا کا فرض ہے اور سخت نادان اور اپنے نفس کا وہ شخص دشمن ہے جو ٹیکا کے بارے مین بدظنی کرے کیونکہ یہ بارہا تجربہ مین آچکا ہے کہ یہ محتاط گورنمنٹ کسی خطرناک علاج پر عملدرآمد کرانا نہین چاہتی بلکہ بہت سی تجاریب کے بعد ایسے امور مین جو تدبیر فی الحقیقت مفید ثابت ہوچکی ہے اُسکو پیش کرتی ہے سو یہ بات اہلیت اور انسانیت سے بعید ہے کہ جس سچی خیرخواہی کیلئے لاکھوں روپیہ گورنمنٹ خرچ کرتی ہے اور کرچکی ہے اُسکی یہ داد دی جائے کہ گویا گورنمنٹ کو اس دردسری اور صرف زر سے اپنا کوئی خاص مطلب ہے وہ رعایا بدقسمت ہو کہ بدظنی مین اس درجہ تک پہنچ جائے کچھ شک نہین کہ اس وقت تک جو تدبیر اس عالم اسباب مین اس گورنمنٹ عالیہ کے ہاتھ آئی وہ بڑی سے بڑی اور اعلیٰ سے اعلیٰ یہی تدبیر ہے کہ ٹیکا کرایا جائے اس سے کسیطرح انکار نہین ہوسکتا کہ یہ تدبیر مفید پائی گئی ہے اور بپابندی رعایت اسباب تمام رعایا کا فرض ہے کہ اس پر کاربند ہوکر وہ غم جو گورنمنٹ کو انکی جانون کیلئے ہے اس سے اُسکو سبکدوش کرین لیکن ہم بڑے ادب سے اس محسن گورنمنٹ کی خدمت مین عرض کرتے ہین کہ اگر ہمارے لئے ایک آسمانی روک نہ ہوتی تو سب سے پہلے رعایا مین سے ہم ٹیکا کراتے اور آسمانی روک یہ ہے کہ خدا نے چاہا ہے کہ اس زمانہ مین انسانون کے لئے

ایک آسمانی رحمت کا نشان دکھاوے سو اس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تو اور جو شخص تیرے گھر کی چار
دیوار کے اندر ہوگا اور وہ جو کامل پیروی اور اطاعت اور سچے تقویٰ سے تجھ مین محو ہو جائیگا وہ
سب **طاعون سے بچائے** جائینگے اور ان آخری دنون مین خدا کا یہ نشان ہوگا تا وہ قومون
مین فرق کر کے دکھلاوے لیکن وہ جو کامل طور پر پیروی نہین کرتا وہ تجھ مین سے نہین ہے اس کیلئے
مت دلگیر ہو یہ حکم الٰہی ہے جسکی وجہ سے ہمین اپنے نفس کیلئے اور ان سب کیلئے جو ہمارے گھر کی
چار دیوار مین رہتے ہین ٹیکا کی کچھ ضرورت نہین کیونکہ جیسا مین ابھی بیان کر چکا ہون آج سے
ایک مدت پہلے وہ خدا جو زمین و آسمان کا خدا ہے جس کے علم اور تصرف سے کوئی چیز باہر نہین اُس نے
مجھ پر وحی نازل کی ہے کہ مین ہر ایک ایسے شخص کو طاعون کی موت سے بچاؤن گا جو اس گھر کی چار دیوار
مین ہوگا بشرطیکہ وہ اپنے تمام مخالفانہ ارادون سے دستکش ہو کر پورے اخلاص اور اطاعت اور
انکسار سے سلسلہ **بیعت مین داخل ہو** اور خدا کے احکام اور اُسکے مامور کے سامنے کسی طور سے متکبر
اور سرکش اور مغرور اور غافل اور خودسر اور خودپسند نہ ہو اور عملی حالت موافق تعلیم رکھتا ہو اور اس نے
مجھے مخاطب کر کے یہ بھی فرمادیا کہ عموماً قادیان مین سخت بربادی افگن طاعون نہین آئیگی جس سے
لوگ کتون کی طرح مرین اور مارے غم اور سرگردانی کے دیوانہ ہو جائین اور عموماً تمام لوگ اس جماعت
کے گو وہ کتنے ہی ہون مخالفون کی نسبت طاعون سے محفوظ رہین گے مگر ایسے لوگ اُنمین سے
جو اپنے عہد پر پورے طور پر قائم نہین یا اُنکی نسبت اور کوئی وجہ مخفی ہو جو خدا کے علم مین ہو اُن پر طاعون وارد
ہو سکتی ہے مگر انجام کار لوگ تعجب کی نظر سے اقرار کرینگے کہ نسبتاً و مقابلتاً خدا کی حمایت اِس قوم کے
ساتھ ہے اور اس نے خاص رحمت سے ان لوگون کو ایسا بچایا ہے جسکی نظیر نہین۔ اس بات پر بعض
نادان چونک پڑینگے اور بعض ہنسین گے اور بعض مجھے دیوانہ قرار دینگے اور بعض حیرت مین آئین گے
کہ کیا ایسا خدا موجود ہے جو بغیر رعایت اسباب کے بھی رحمت نازل کر سکتا ہے اسکا جواب یہی ہے
کہ ہان بلاشبہ ایسا قادر خدا موجود ہے اور اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو اس سے تعلق رکھنے والے زندہ ہی
مر جاتے وہ عجیب قادر ہے اور اُسکی پاک قدرتین عجیب ہین۔ ایک طرف نادان مخالفون کو اپنے دوستون
پر کتون کیطرح مسلط کر دیتا ہے اور ایک طرف فرشتون کو حکم کرتا ہے کہ اُن کی خدمت کرین ایسا ہی جب

دنیا پر اُسکا غضب متولی ہوتا ہے اور اُسکا قہر ظالموں پر جوش مارتا ہے تو اُسکی آنکھ اوسکی خاص لوگوں کی حفاظت کرتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو اہل حق کا کارخانہ درہم برہم ہو جاتا اور کوئی اونکو شناخت نہ کرسکتا۔ اُسکی قدرتیں بے انتہا ہیں مگر بقدر یقین لوگوں پر ظاہر ہوتی ہیں جن کو یقین اور محبت اور اُسکی طرف انقطاع عطا کیا گیا ہے اور نفسانی عادتوں سے باہر کئے گئے ہیں انہیں کے لئے خارق عادت قدرتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے مگر خارق عادت قدرتوں کے دکھلانے کا اُنہیں کیلئے ارادہ کرتا ہے جو خدا کے لئے اپنی عادتوں کو پھاڑتے ہیں۔ اِس زمانہ میں ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جو اُسکو جانتے ہیں اور اُسکی عجائب قدرتوں پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ ایسے لوگ بہت ہیں جن کو ہرگز اُس خدا پر ایمان نہیں جسکی آواز کو ہر ایک چیز سُنتی ہے جسکے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ اس جگہ یاد رہے کہ اگرچہ طاعون وغیرہ امراض میں علاج کرنا گناہ نہیں ہے بلکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ کوئی ایسی مرض نہیں جسکے لئے خدا نے دوا پیدا نہیں کی لیکن میں اس بات کو معصیت جانتا ہوں کہ خدا کے اُس نشان کو ٹیکا کے ذریعہ سے مشتبہ کردوں جس نشان کو وہ ہمارے لئے زمین پر صفائی سے ظاہر کرنا چاہتا ہے اور میں اسکے سچے نشان اور سچے وعدہ کی ہتک عزت کرکے ٹیکا کی طرف رجوع کرنا نہیں چاہتا اور اگر میں ایسا کروں تو یہ گناہ میرا قابل مواخذہ ہو کہ میں خدا کے اس وعدہ پر ایمان نہ لایا جو مجھ سے کیا گیا اور اگر ایسا ہو تو پھر تو مجھے شکرگذار اُس طبیب کا ہونا چاہئے جس نے یہ نسخہ ٹیکا کا نکالا نہ خدا کا شکرگذار جس نے مجھے وعدہ دیا کہ ہر ایک جو اس چار دیوار کے اندر ہے میں اُسے بچاؤنگا۔

میں بصیرت کی راہ سے کہتا ہوں کہ اُس قادر خدا کے وعدے سچے ہیں اور میں آنیوالے دنوں کو ایسا دیکھتا ہوں کہ گویا وہ آچکے ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہماری گورنمنٹ عالیہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ کسی طرح طاعون سے لوگ نجات پاویں اور اگر گورنمنٹ کو آئندہ کسیوقت طاعون سے نجات پانیکے لئے ٹیکا سے بہتر کوئی تدبیر ملجائے تو وہ خوشی سے اسی کو قبول کریگی اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ طریق جس پر خدا نے مجھے چلایا ہے اس گورنمنٹ عالیہ کے مقاصد کے برخلاف نہیں ہے اور آج سے بیس برس پہلے اس بلائے عظیم طاعون کی نسبت میری کتاب براہین احمدیہ میں بطور پیشگوئی یہ خبر موجود ہے اور اس سلسلہ کے لئے خاص برکات کا وعدہ بھی موجود ہے۔ دیکھو براہین احمدیہ

صفحہ ۵۱۸ و صفحہ ۵۱۹ - پھر ماسوا اسکے بہ بڑے زور سے خدا تعالیٰ کیطرف سے پیشگوئی ہے کہ خدا میرے گھر کے احاطہ کے اندر مخلص لوگون کو جو خدا کے سامنے اور اوسکے مامور کے سامنے تکبر نہین کرتے بلائے طاعون سے نجات دیگا اور نسبتاً و مقابلتہً اس سلسلہ پر اسکا خاص فضل ہیگا گو کسی کی ایمانی قوت کے ضعف یا نقصان عمل یا اجل مقدر یا کسی اور وجہ سے جو خدا کے علم مین ہو کوئی شاذ و نادر کے طور پر اس جماعت مین بھی کبھی ہو جائے سو شاذ و نادر حکم معدوم کا رکھتا ہے ہمیشہ مقابلہ کے وقت کثرت دیکھی جاتی ہے جیسا کہ گورنمنٹ نے خود تجربہ کر کے معلوم کر لیا ہے کہ ٹیکا طاعون کا لگا نیوالے بہ نسبت دوسرون کے بہت ہی کم مرتے ہین - پس جیسا کہ شاذ و نادر کی موت ٹیکا کے قدر کو کم نہین کر سکتی اسی طرح اس نشان میز اگر مقابلتہً بہت ہی کم درجہ پر قادیان مین طاعون کی وارداتین ہون یا شاذ و نادر کے طور پر اس جماعت مین سے کوئی شخص اس مرض سے گذر جائے تو اس نشان کا مرتبہ کم نہین ہوگا وہ الفاظ جو خدا کی پاک کلام سے ظاہر ہوتے ہین انکی پابندی سے یہ پیشگوئی لکھی گئی ہے عقلمند کا کام نہین ہے کہ پہلے سے آسمانی باتون پر ہنسی کرے یہ خدا کا کلام ہے نہ کسی منجم کی باتین - یہ روشنی کی چشم سے ہے نہ تاریکی کی اٹکل سے یہ اسکا کلام ہے جس نے طاعون نازل کی اور جو اسکو دور کر سکتا ہے - ہماری گورنمنٹ بلاشبہ اس وقت اس پیشگوئی کا قدر کریگی جبکہ دیکھے گی کہ یہ حیرت انگیز کیا کام ہوا کہ ٹیکا لگانیوالون کی نسبت یہ لوگ **عافیت اور صحت** مین رہے اور مین سچ سچ کہتا ہون کہ اگر اس پیشگوئی کے مطابق کہ در اصل برابر بیس ۲۰ بائیس ۲۲ برس سے شہرت پا رہی ہے ظہور مین نہ آیا تو مین خدا کی طرف سے نہین ہون میرے **منجانب اللہ** ہونیکا یہ **نشان** ہوگا کہ میرے گھر کے چار دیوار کے اندر رہنے والے مخلص لوگ اس بیماری کی موت سے محفوظ رہین گے اور میرا تمام سلسلہ نسبتاً و مقابلتہً طاعون کے حملہ سے بچا رہیگا اور وہ سلامتی جو انہین پائی جائیگی اسکی نظیر کسی گروہ مین قایم نہین ہوگی اور قادیان مین طاعون کی خوفناک آفت جو تباہ کر دے نہین آئیگی الا کم اور شاذ و نادر

کاش اگر یہ لوگ دلون کے سیدھے ہوتے اور خدا سے ڈرتے تو بالکل بچائے جاتے - کیونکہ مذہب کے اختلاف کی وجہ سے دنیا مین عذاب کسی پر نازل نہین ہوتا اسکا مواخذہ **قیامت** کو ہوگا - دنیا مین محض شرارتون اور شوخیون اور کثرت گناہون کی وجہ سے عذاب آتا ہے اور

یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف مین بلکہ توریت کے✱ بعض صحیفون مین بھی یہ خبر موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑیگی بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی انجیل مین یہ خبر دی ہے اور ممکن نہین کہ نبیون کی پیشگوئیان ٹل جائین اور نیز یہ بھی یاد رہے کہ ہمین اس الہی وعدہ کے مقابل اس لئے انسانی تدبیرون سے پرہیز کرنا لازم ہے تا نشان الہی کو کوئی دشمن دوسری طرف منسوب نہ کرے لیکن اگر ساتھ اسکے خدا تعالی اپنی کلام کے ذریعہ سے خود کوئی تدبیر سمجھا وے یا کوئی دوا بتلادے تو ایسی تدبیر یا دوا اس نشان مین کچھہ حارج نہین ہوگی کیونکہ وہ اس خدا کی طرف سے ہے جسکی طرف سے وہ نشان ہے۔ کسی کو یہ وہم نہ گذرے کہ اگر شاذ و نادر کے طور پر ہماری جماعت مین سے بذریعہ طاعون کوئی فوت ہوجائے تو نشان کے قدر و مرتبہ مین کوئی خلل آئیگا کیونکہ پہلے زمانون مین موسیٰ اور یشوع اور آخر مین ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا تھا کہ جن لوگون نے تلوار اوٹھائی اور صدہا انسانون کے خون کئے ان کو تلوار سے ہی قتل کیا جائے اور یہ نبیون کیطرف سے ایک نشان تھا جسکے بعد فتح عظیم ہوئی۔ حالانکہ بمقابل مجرمین کے اہل حق بھی انکی تلوار سے قتل ہوتے تھے مگر بہت کم اور اس قدر نقصان سے نشان مین کچھہ فرق نہین آتا تھا پس ایسا ہی اگر شاذ و نادر کے طور پر ہماری جماعت مین سے بعض کو بباعث اسباب مذکورہ طاعون ہو جائے تو ایسی طاعون نشان الہی مین کچھہ بھی حرج انداز نہین ہوگی۔ کیا یہ عظیم الشان نشان نہین کہ مین بار بار کہتا ہون کہ خدا تعالی اس پیشگوئی کو ایسے طور سے ظاہر کرے گا کہ ہر ایک طالب حق کو کوئی شک نہین رہیگا اور وہ سمجھہ جائیگا کہ معجزہ کے طور پر خدا نے اس جماعت سے معاملہ کیا ہے بلکہ بطور نشان الہی کے نتیجہ یہ ہوگا کہ طاعون کے ذریعہ سے یہ جماعت بہت بڑھیگی اور خارق عادت ترقی کریگی اور انکی یہ ترقی تعجب سے دیکھی جائیگی اور مخالف جو ہر ایک موقعہ پر شکست پاتے رہے ہین جیسا کہ کتاب نزول المسیح مین مینے لکھا ہے اگر اس پیشگوئی کے مطابق خدا نے اس جماعت اور دوسری جماعتون مین کچھہ فرق نہ دکھلایا تو ان کا حق ہوگا کہ میری تکذیب کرین ایک جو انہون نے تکذیب کی ہے اسمین تو صرف ایک لعنت کو خریدا ہے مثلاً بار بار شور مچایا کہ آتھم پندرہ مہینہ کے اندر نہین مرا۔ حالانکہ پیشگوئی نے صاف لفظون مین کہدیا تھا کہ اگر وہ حق کیطرف

✱ مسیح موعود کے وقت مین طاعون کا پڑنا بائبل کی ذیل کی کتابون مین موجود ہے۔ زکریا ۱۴/۱۲۔ انجیل متی ۲۴/۸۔ مکاشفات ۲۲/۸

رجوع کریگا تو پندرہ مہینہ میں نہیں مریگا سو اس نے عین جلسہ مباحثہ پر ستر معزز آدمیوں کے روبرو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجّال کہنے سے رجوع کیا اور نہ صرف یہی بلکہ اسنے پندرہ مہینہ تک
اپنی خاموشی اور خوف سے اپنا رجوع ثابت کر دیا۔ اور پیشگوئی کی بنا یہی تھی کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو دجال کہا تھا لہذا اوس نے رجوع سے صرف اس قدر فائدہ اُٹھایا کہ پندرہ مہینے کے
بعد مرا مگر مر گیا یہ اسلئے ہوا کہ پیشگوئی میں یہ بیان تھا کہ فریقین میں سے جو شخص اپنے عقیدہ کے
رو سے جھوٹا ہے وہ پہلے مریگا سو وہ مجھ سے پہلے مر گیا اسی طرح وہ غیب کی باتیں جو خدا نے مجھے
بتلائی ہیں اور پھر اپنے وقت پر پوری ہوئیں وہ دس ہزار سے کم نہیں مگر کتاب نزول المسیح میں جو
چھپ رہی ہے نمونہ کے طور پر صرف ڈیڑھ سو لکھی ہیں مع ثبوت اور گواہوں کے لکھی گئی ہیں۔ اور
کوئی ایسی پیشگوئی میری نہیں ہے کہ وہ پوری نہیں ہوئی یا اُسکے دو حصوں میں سے ایک حصہ پورا
نہیں ہو چکا۔ اگر کوئی تلاش کرتا کرتا مر بھی جائے تو ایسی کوئی پیشگوئی جو میرے موہنہ سے نکلی ہو
اسکو نہیں ملیگی جسکی نسبت وہ کہہ سکتا ہو کہ خالی گئی مگر بے شرمی سے یا بے خبری سے جو چاہے کہے
اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہزار ہا میری ایسی کھلی کھلی پیشگوئیاں ہیں جو نہایت صفائی سے
پوری ہو گئیں جن کے لاکھوں انسان گواہ ہیں انکی نظیر اگر گذشتہ نبیوں میں تلاش کی جائے
تو بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور جگہ انکی مثل نہیں ملیگی اگر میرے مخالف اسی طریق سے فیصلہ کرتے
تو کبھی سے انکی آنکھیں کھل جاتیں اور میں انکو ایک کثیر انعام دینے کو تیار تھا اگر وہ دنیا میں کوئی نظیر
ان پیشگوئیوں کی پیش کر سکتے محض شرارت سے یا حماقت سے یہ کہنا کہ فلاں پیشگوئی پوری نہ ہوئی ہم بجز
اسکے کیا کہیں کہ ایسے اقوال کو خباثت اور بدظنی کیطرف منسوب کریں اگر کسی مجمع میں اسی تحقیق کے
لئے گفتگو کرتے تو انکو اپنے قول سے رجوع کرنا پڑتا یا بہت کچھ کہلانا پڑتا۔ ہزار ہا پیشگوئیوں کا ہو بہو پورا ہو جانا
اور اُن کے پورا ہونے پر ہزار ہا گواہ زندہ پائے جانا یہ کچھ تھوڑی بات نہیں ہے گویا خدای عز و جل کو
دکھلا دینا ہے۔ کیا کسی زمانہ میں باستثنائے زمانہ نبوی کے کبھی کسی نے مشاہدہ کیا کہ ہزار ہا پیشگوئیاں
بیان کی گئیں اور وہ سب کی سب روز روشن کیطرح پوری ہو گئیں اور ہزار ہا لوگوں نے ان کے پورے
ہونے پر گواہی دی۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ اس زمانہ میں جس طرح خدا تعالیٰ قریب ہو کر ظاہر ہو رہا ہے

اور صدہا امور غیب اپنے بندہ پر کھول رہا ہے اس زمانہ کی گذشتہ زمانوں مین بہت ہی کم مثال ملیگی۔ لوگ عنقریب دیکھ لینگے کہ اس زمانہ مین خدا تعالیٰ کا چہرہ ظاہر ہوگا گویا وہ آسمان سے اُترے گا اس نے بہت مدت تک اپنی تئین چھپائے رکھا اور انکار کیا گیا اور چپ رہا۔ لیکن وہ اب نہین چھپائیگا اور دُنیا اُسکی قدرت کے وہ نمونے دیکھے گی کہ کبھی اُن کے باپ دادون نے نہین دیکھے تھے یہ اسلئے ہوگا کہ زمین بگڑ گئی اور آسمان و زمین کے پیدا کرنیوالے پر لوگون کا ایمان نہین رہا ہونٹھون پر اسکا ذکر ہے لیکن دل اس سے پھر گئے ہین اسلئے خدا نے کہا کہ اب مین نیا آسمان اور نئی زمین بناؤن گا۔ اسکا مطلب یہی ہے کہ زمین مر گئی یعنے زمینی لوگون کے دل سخت ہو گئے گویا مر گئے کیونکہ خدا کا چہرہ ان سے چھپ گیا اور گذشتہ آسمانی نشان سب بطور قصون کے ہو گئے سو خدا نے ارادہ کیا کہ وہ نئی زمین اور نیا آسمان بنا دے۔ وہ کیا ہے نیا آسمان؟ اور کیا ہے نئی زمین؟ نئی زمین وہ پاک دل ہین جنکو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے **جو خدا سے ظاہر ہوئے اور خدا اُن سے ظاہر ہوگا**۔ اور نیا آسمان وہ نشان ہین جو اسکے بندے کے ہاتھ سے اسی کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہین لیکن افسوس کہ دنیا نے خدا کی اس نئی تجلی سے دشمنی کی۔ انکے ہاتھ مین بجز قصون کے اور کچھ نہین اور انکا خدا انکے اپنے ہی تصورات ہین دل ٹیڑھے ہین اور ہمتین تھکی ہوئی ہین اور آنکھون پر پردے ہین۔ دوسری قومین تو خود حقیقی خدا کو کھو بیٹھی ہین انکا کیا ذکر ہے۔ جنہون نے انسانون کے بچون کو خدا بنا لیا۔ مسلمانون کا حال دیکھو کہ وہ کس قدر اس سے دور ہو گئے ہین سچائی کے پکے دشمن ہین راہ راست کے جانی دشمن کیطرح مخالف ہین مثلاً **ندوۃ العلما** نے اسلام کیلئے جو کچھ دعویٰ کیا ہے اور یا انجمن حمایت اسلام لاہور جو اسلام کے نام پر مسلمانون کا مال لیتی ہے کیا یہ **لوگ خیر خواہ اسلام ہین**؟ کیا یہ لوگ صراط مستقیم کی **حمایت کر رہے ہین**؟ کیا ان کو یاد ہے کہ اسلام کن مصیبتون کے نیچے کچلا گیا اور دوبارہ تازہ کرنیکے لئے خدا کی عادت کیا ہے۔ مین سچ سچ کہتا ہون کہ اگر مین نہ آیا ہوتا تو ان کے اسلامی حمایت کے دعوی کسیقدر قابل قبول ہو سکتے لیکن اب یہ لوگ **خدا کے الزام کے نیچے ہین** کہ حمایت کا **دعوی کر کے جب آسمان سے** ستارہ نکلا تو سب سے پہلے منکر ہو گئے

اب وہ اوس خدا کو کیا جواب دینگے جس نے عین وقت پر مجھے بھیجا ہے مگر انکو تو کچھ پروا نہین آفتاب دوپہر کے نزدیک آگیا ابھی اُن کے نزدیک رات ہے۔ خدا کا چشمہ پھوٹ پڑا مگر ابھی وہ بیابان مین رو رہے ہین اُسکے آسمانی علوم کا ایک دریا چل رہا ہے لیکن ان لوگون کو کچھ بھی خبر نہین۔ اسکے نشان ظاہر ہو رہے ہین لیکن یہ لوگ بالکل غافل ہین اور نہ صرف غافل بلکہ خدا کے سلسلہ سے دشمنی رکھتے ہین۔ ایسا ہی حمایت اسلام اور ترویج اسلام اور تعلیم اسلام ہے جو ان کے ہاتھون سے ہو رہی ہے۔ مگر کیا یہ لوگ اپنی روگردانی سے خدا کے سچے ارادہ کو روک دینگے جو ابتدا سے تمام نبی اسپر گواہی دیتے آئے ہین۔ نہین بلکہ خدا کی یہ پیشگوئی عنقریب سچی ہونیوالی ہے کہ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ خدا نے جیسا کہ آج سے دس برس پہلے اپنے بندہ کی تصدیق کے لئے آسمان پر رمضان مین خسوف کسوف کیا اور نیر النہار اور نیر اللیل کو میرے لئے گواہ بناکر دو نشان ظاہر فرمائے۔ ایسا ہی اُس نے نبیون کی پیشگوئی کے موافق زمین پر بھی دو نشان ظاہر کئے۔ ایک[1] وہ نشان جسکا ذکر قرآن شریف مین پڑھتے ہو وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ اور حدیث مین پڑھتے ہو وَلَیُتْرَکَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا جسکی تکمیل کیلئے ارض حجاز مین یعنی مدینہ اور مکہ کی راہ مین ریل بھی طیار ہو رہی ہے۔ دوسرا[2] نشان۔ طاعون کا جیسا کہ خدا تعالی نے فرمایا۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُھْلِکُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْھَا عَذَابًا شَدِیْدًا سو خدا نے ملک مین ریل بھی جاری کر دی اور طاعون بھی بھیجدی تا زمین بھی گواہ ہو اور آسمان بھی۔ سو خدا سے مت لڑو خدا سے لڑنا بیوقوفی ہے۔ اِس سے پہلے خدا نے جب آدم کو خلیفہ بنانا چاہا۔ تو فرشتون نے روکا۔ مگر کیا خدا ان کے قول سے رُک گیا۔ اب خدا نے دوسرا آدم پیدا کرنیکے وقت فرمایا اردت ان استخلف فخلقت آدم یعنی مینے ارادہ کیا جو خلیفہ بناؤن پس مینے اس آدم کو پیدا کیا اب بتلاؤ کہ کیا تم خدا کے ارادہ کو روک سکتے ہو پس کیون تم ظنی باتون کا خس و خاشاک پیش کرتے ہو اور یقین کی راہ اختیار نہین کرتے۔ امتحان مین نہ پڑو یقینًا یاد رکھو کہ خدا کے ارادہ کو روکنے والا کوئی نہین اس قسم کی لڑایان تقوی کا طریق نہین البتہ اگر شک ہی تو یہ طریق ہو سکتا ہے کہ جیسا کہ

مین نے خدا سے الہام پاکر ایک گروہ انسانون کے لئے جو میرے قول پر چلنے والے ہین عذاب
طاعون سے بچنے کیلئے خوشخبری پائی ہے اور اسکو شایع کردیا ہے ایسا ہی اگر اپنی قوم کی بھلائی آپ
لوگون کے دل مین ہے تو آپ لوگ بھی اپنے ہم مذہبون کیلئے خدا تعالیٰ سے نجات کی بشارت
حاصل کرین کہ وہ طاعون سے محفوظ رہین گے اور اس بشارت کو میری طرح بذریعہ چھپے ہوئے اشتہارون
کے شایع کرین تا لوگ سمجھ لین کہ خدا آپ کے ساتھ ہے بلکہ یہ موقعہ عیسائیون کیلئے بھی بہت ہی خوب ہے
وہ ہمیشہ کہتے ہین کہ نجات مسیح سے ہی پس اب انکا ہی فرض ہے کہ ان مصیبت کے دنون مین عیسائیون کو
طاعون سے نجات دلا دین **ان تمام فرقون** سے جسکی زیادہ سنی گئی وہی **مقبول** ہے - اب خدا نے
ہر ایک کو موقعہ دیا ہے کہ خواہ مخواہ زمین پر مباحثات نہ کرین اپنی قبولیت بڑھکر دکھلاوین تا طاعون سے
بھی بچین اور انکی سچائی بھی کھل جائے بالخصوص پادری صاحبان جو دنیا اور آخرت مین مسیح **ابن مریم**
کو ہی منجی قرار دے چکے ہین وہ اگر دل سے ابن مریم کو دنیا و آخرت کا مالک سمجھتے ہین تو اب عیسائیون کا
حق ہے کہ ان کے **کفارہ** سے نمونہ **نجات** دیکھ لین اس طرح پر گورنمنٹ عالیہ کو بھی بہت
آسانی ہو سکتی ہے کہ برٹش انڈیا کے مختلف فرقے جو اپنے اپنے مذہب کی سچائی پر بھروسا رکھتے ہین
اپنے گروہ کے چھڑانے کے لئے اور طاعون سے نجات دلانے کیلئے یہ انتظام کرین کہ اپنے اس خدا سے
جسپر وہ ایمان رکھتے ہین یا اپنے کسی اور معبود سے جسکو انہون نے بجائے خدا سمجھ لیا ہے ان مصیبت زدہ دنون
کی شفاعت کرین اور اس سے کوئی پختہ وعدہ لیکر اشتہارات کے ذریعہ سے شایع کردین جیسا کہ ہمنے یہ اشتہار
شائع کردیا ہے - اسمین تو سراسر مخلوق کی بھلائی اور اپنے مذہب کی سچائی کا ثبوت ہے اور نیز گورنمنٹ
کی مدد ہے گورنمنٹ بجز اس کے کیا چاہتی ہے کہ اسکی رعایا طاعون کی بلا سے بچ جائے گو کسی طرح
بچ جائے - بالآخر یاد رہے کہ ہم اس اشتہار مین اپنی جماعت کو جو مختلف حصون پنجاب اور ہندوستان
مین پھیلی ہوئی ہے ٹیکا لگوانے سے منع نہین کرتے جن لوگون کی نسبت گورنمنٹ کا قطعی حکم ہو انکو
ضرور ٹیکا کرانا چاہئے اور گورنمنٹ کے حکم کی اطاعت کرنی چاہئے اور جنکو اپنی رضامندی پر چھوڑا گیا ہے
اگر وہ اس تعلیم پر پورے قائم نہین ہین جو انکو دی گئی ہے تو ان کو بھی ٹیکا کرانا مناسب ہے تا وہ ٹھوکر
نہ کھاوین اور تا وہ اپنی خراب حالت کی وجہ سے خدا کے وعدہ کی نسبت لوگون کو دھوکا نہ دین اور اگر

یہ سوال ہو کہ وہ تعلیم کیا ہے جسکی پوری پابندی طاعون کے حملہ سے بچا سکتی ہے تو مین بطور مختصر چند سطرین نیچے لکھہ دیتا ہون *

تعلیم

واضح رہے کہ صرف زبان سے بیعت کا اقرار کرنا کچھہ چیز نہین ہے جبتک دل کی عزیمت سے اس پر پورا پورا عمل نہ ہو پس جو شخص میری تعلیم پر پورا پورا عمل کرتا ہے وہ اس میرے گھر مین داخل ہو جاتا ہے جسکی نسبت خدا تعالیٰ کی کلام مین یہ وعدہ ہے انی احافظ کل من فی الدار یعنی ہر ایک جو تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہے مین اسکو بچاؤنگا اس جگہ یہ نہین سمجھنا چاہئے کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہین جو میرے اس خاک و خشت کے گھر مین بود و باش رکھتے ہین بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری پیروی کرتے ہین میرے روحانی گھر مین داخل ہین پیروی کرنیکے لئے یہ باتین ہین کہ وہ یقین کرین کہ انکا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے جو اپنی صفات مین ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے نہ وہ کسیکا بیٹا نہ کوئی اسکا بیٹا وہ دکھہ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے وہ ایسا ہے کہ باوجود دور ہونے کے نزدیک ہے اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دور ہے اور باوجود ایک ہونیکے اسکی تجلیات الگ الگ ہین انسان کیطرف سے جب ایک نئے رنگ کی تبدیلی ظہور مین آوے تو اسکے لئے وہ ایک نیا خدا بنجاتا ہے اور ایک نئی تجلی کے ساتھہ اس سے معاملہ کرتا ہے اور انسان بقدر اپنی تبدیلی کے خدا مین بھی تبدیلی دیکھتا ہے مگر یہ نہین کہ خدا مین کچھہ تغیر آجاتا ہے بلکہ وہ ازل سے غیر متغیر اور کمال تام رکھتا ہے لیکن انسانی تغیرات کے وقت جب نیکی کی طرف انسان کے تغیر ہوتے ہین تو خدا بھی ایک نئی تجلی سے اسپر ظاہر ہوتا ہے اور ہر ایک ترقی یافتہ حالت کے وقت جو انسان سے ظہور مین آتی ہے خدا تعالیٰ کی قادرانہ تجلی بھی ایک ترقی کے ساتھہ ظاہر ہوتی ہے وہ خارق عادت قدرت اسی جگہ دکھلاتا ہے جہان خارق عادت تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔ خوارق اور معجزات کی یہی جڑ ہے یہ خدا ہے جو ہمارے سلسلہ کی شرط ہے اسپر ایمان لاؤ اور اپنے نفس پر اور اپنے آرامون پر اور اسکے کل تعلقات پر اوسکو مقدم رکھو اور عملی طور پر بہادری کے ساتھہ اسکی راہ مین صدق و وفا دکھلاؤ دنیا اپنے اسباب اور اپنے عزیزون پر اوسکو مقدم نہین رکھتی مگر تم اسکو مقدم رکھو تا تم آسمان پر اسکی جماعت لکھی جاؤ۔ رحمت کے نشان دکھلانا قدیم سے خدا کی عادت ہے۔

مگر تم اُس حالت مین اِس عادت سے حصہ لے سکتے ہو کہ تم مین اور اُس مین کچھہ جدائی نہ رہے اور تمہاری مرضی اسکی مرضی اور تمہاری خواہشین اسکی خواہشین ہو جائین اور تمہارا سر ایک وقت اور ہر ایک حالت مرادیابی اور نامرادی مین اُسکے آستانہ پر پڑا رہے تا جو چاہے سو کرے اگر تم ایسا کروگے تو تم مین وہ خدا ظاہر ہوگا جس نے مدت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے کیا کوئی تم مین ہے جو اسپر عمل کرے اور اسکی رضا کا طالب ہو جائے اور اسکی قضاؤقدر پر ناراض نہ ہو سو تم مصیبت کو دیکھکر اور بھی قدم آگے رکھو کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ ہے اور اُسکی توحید زمین پر پھیلانے کیلئے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو اور اُسکے بندون پر رحم کرو اور ان پر زبان یا ہاتھہ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کیلئے کوشش کرتے رہو اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بنجاؤ تا قبول کئے جاؤ۔ بہت ہین جو حلم ظاہر کرتے ہین مگر وہ اندر سے بھیڑئے ہین بہت ہین جو اوپر سے صاف ہین مگر اندر سے سانپ ہین سو تم اسکی جناب مین قبول نہین ہو سکتے جبتک ظاہر و باطن ایک نہ ہو بڑے ہو کر چھوٹون پر رحم کرو نہ اُنکی تحقیر اور عالم ہو کر نادانون کو نصیحت کرو نہ خود نمائی سے اُنکی تذلیل اور امیر ہو کر غریبون کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے اُنپر تکبر۔ ہلاکت کی راہون سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور تقوی اختیار کرو اور مخلوق کی پرستش نہ کرو اور اپنے مولے کیطرف منقطع ہو جاؤ اور دُنیا سے دل برداشتہ رہو اور اُسی کے ہو جاؤ اور اُسی کے لئے زندگی بسر کرو اور اسکے لئے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو کیونکہ وہ پاک ہے چاہئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقوی سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تمنے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔ دُنیا کی لعنتون سے مت ڈرو کہ وہ دھوئین کیطرح دیکھتے دیکھتے غائب ہو جاتی ہین اور وہ دن کو رات نہین کر سکتین بلکہ تم خدا کی لعنت سے ڈرو جو آسمان سے نازل ہوتی اور جسپر پڑتی ہے اسکی دونون جہانون مین بیخکنی کر جاتی ہے تم ریاکاری کیساتھہ اپنے تئین بچا نہین سکتے کیونکہ وہ خدا جو تمہارا خدا ہے اسکی انسان کے پاتال تک نظر ہے کیا تم اسکو دھوکا دے سکتے ہو پس تم سیدھے ہو جاؤ اور صاف ہو جاؤ اور پاک ہو جاؤ اور کھرے ہو جاؤ اگر ایک ذرہ تیرگی تم مین باقی ہے تو وہ تمہاری ساری روشنی کو دور کر دیگی

اور اگر تمہاری کسی پہلو میں تکبر ہے یا ریا ہے یا خود پسندی ہے یا کسل ہے تو تم ایسی چیز نہیں ہو کہ جو قبول کے لائق ہو ایسا نہ ہو کہ تم صرف چند باتوں کو لیکر اپنے تئیں دھوکہ دو کہ جو کچھہ ہمنے کرنا تہا کر لیا ہے کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آوے اور وہ تم سے ایک موت مانگتا ہے جسکے بعد وہ تمہیں زندہ کریگا تم آپس مین جلد صلح کرو اور اپنے بہائیون کے گناہ بخشو کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بہائی کے ساتہہ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائیگا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چہوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جہوٹے کیطرح تذلل کرو تا تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چہوڑ دو کہ جس دروازے کیلئے تم بلائے گئے ہو اس مین سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔ کیا ہی بدقسمت وہ شخص ہے جو ان باتوں کو نہیں مانتا جو خدا کے منہ سے نکلین اور مینے بیان کین تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ مین سے دو بہائی۔ تم مین سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بہائی کے گناہ بخشتا ہے اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا سو اسکا مجہہ مین حصہ نہیں۔ خدا کی لعنت سے بہت خائف رہو کہ وہ قدوس اور غیور ہے بدکار خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتا متکبر اسکا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ ظالم اسکا قرب حاصل نہیں کر سکتا خائن اسکا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ اور ہر ایک جو اسکے نام کیلئے غیرت مند نہیں اسکا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ جو دنیا پر کتون یا چیونٹیون یا گدّون کیطرح گرتے ہین اور دنیا سے آرام یافتہ ہین وہ اسکا قرب حاصل نہیں کر سکتے ہر ایک ناپاک آنکھہ اس سے دور ہے ہر ایک ناپاک دل اس سے بیخبر ہے وہ جو اسکے لئے آگ مین ہے وہ آگ سے نجات دیا جائیگا وہ جو اسکیلئے روتا ہے وہ ہنسے گا۔ وہ جو اسکے لئے دنیا سے توڑتا ہے وہ اسکو ملیگا تم سچے دل سے اور پورے صدق سے اور سرگرمی کے قدم سے خدا کے دوست بنو تا وہ بہی تمہارا دوست بنجاوے۔ تم ماتحتون پر اور اپنی بیویون پر اور اپنے غریب بہائیون پر رحم کرو تا آسمان پر تم پر بہی رحم ہو۔ تم سچ مچ اُسکے ہو جاؤ۔ تا وہ بہی تمہارا ہو جاوے۔ دنیا ہزارون بلاؤن کی جگہ ہے جنمین سے ایک طاعون بہی ہے سو تم خدا سے صدق کیساتہہ پنجہ مارو تا وہ یہ بلائین تم سے دور رکہے کوئی آفت زمین پر پیدا نہیں ہوتی جبتک آسمان سے حکم نہ ہو اور کوئی آفت دور نہیں ہوتی جبتک آسمان سے رحم نازل نہ ہو سو تمہاری عقلمندی اسی مین ہے کہ تم جڑ کو پکڑو نہ شاخ کو۔ تمہیں دوا اور تدبیر سے ممانعت نہیں ہے مگر اون پر بہروسہ کرنے سے ممانعت ہے اور آخر وہی ہوگا جو خدا کا ارادہ ہوگا اگر کوئی طاقت رکہے تو توکل کا مقام ہر ایک مقام سے بڑہکر ہے

اور تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کیطرح نہ چھوڑو کہ تمہاری اسی مین زندگی ہے جو لوگ قرآن کو عزت دینگے وہ آسمان پر عزت پائینگے جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھینگے اونکو آسمان پر مقدم رکھا جائیگا۔ نوع انسان کیلئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہین مگر قرآن۔ اور تمام آدمزادون کیلئے اب کوئی رسول اور شفیع نہین مگر محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کیساتھہ رکھو اور اسکے غیر کو اسپر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہین جو مرنیکے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا مین اپنی روشنی دکھلاتی ہے **نجات یافتہ** کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسمین اور تمام مخلوق مین درمیانی **شفیع** ہے اور آسمان کے نیچے نہ اسکے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے **ہم مرتبہ** کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کیلئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ **برگزیدہ نبی ہمیشہ کیلئے زندہ ہے** اور اسکے ہمیشہ زندہ رہنے کیلئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اسکے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخرکار اوسکی روحانی فیض رسانی سے اس **مسیح موعود** کو دنیا مین بھیجا جسکا آنا اسلامی عمارت کی **تکمیل** کیلئے ضروری تھا کیونکہ ضرور تھا کہ یہ دنیا ختم نہ ہو جبتک کہ محمدی سلسلہ کیلئے ایک مسیح **روحانی** رنگ کا نہ دیا جاتا جیسا کہ موسوی سلسلہ کیلئے دیا گیا تھا اسی کیطرف یہ آیۃ اشارہ کرتی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ موسیٰ نے وہ متاع پائی جسکو قرون اولی کھو چکے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ متاع پائی جسکو موسیٰ کا سلسلہ کھو چکا تھا اب محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ کے قائم مقام ہے مگر شان مین ہزارہا درجہ بڑھکر۔ مثیل موسیٰ موسیٰ سے بڑھکر اور مثیل ابن مریم ابن مریم سے بڑھکر۔ اور وہ مسیح موعود نہ صرف مدت کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھوین صدی مین ظاہر ہوا[+] جیسا کہ مسیح ابن مریم موسیٰ کے بعد چودھوین صدی مین ظاہر ہوا تھا۔ بلکہ وہ ایسے وقت مین آیا جبکہ مسلمانون کا وہی حال تھا جیسا کہ مسیح ابن مریم کے ظہور کے وقت یہودیون کا حال تھا سو **وہ مین** ہی ہون خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے نادان ہے وہ جو اس سے لڑے اور جاہل ہے وہ جو اسکے مقابل پر یہ اعتراض کرے کہ یون نہین بلکہ یون چاہئے تھا۔ اور اس نے مجھے چمکتے ہوئے نشانون کے ساتھہ بھیجا ہے جو دس ہزار

+ یہودی اپنی تاریخ کی رو سے بالاتفاق یہی مانتے ہین کہ موسیٰ سے چودھوین صدی کے سر پر عیسیٰ ظاہر ہوا تھا دیکھو یہودیونکی تاریخ سمنہ

سے بھی زیادہ ہین ازانجملہ ایک طاعون بھی نشان ہے پس جو شخص مجھ سے سچی بیعت کرتا ہے اور سچے
دل سے میرا پیرو بنتا ہے اور میری اطاعت مین محو ہو کر اپنے تمام ارادون کو چھوڑتا ہے وہی ہے جو اِن
آفتون کے دنون مین میری رُوح اُسکی شفاعت کریگی **سو اے تمام لوگو!** جو اپنے تئین میری
جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اُسوقت میری جماعت **شمار** کئے جاؤگے جب سچ مچ **تقوی** کی
راہون پر قدم مارو گے سو اپنی پنجوقتہ نمازون کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو
دیکھتے ہو اور اپنے روزون کو خدا کیلئے صدق کے ساتھ پوری کرو ہر ایک جو زکوۃ کے لایق ہے وہ زکوۃ
دے اور جسپر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہین وہ حج کرے نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار
ہو کر ترک کرو یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہین پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہے ہر ایک نیکی کی
جڑ **تقوی** ہے جس عمل مین یہ جڑ ضایع نہین ہوگی وہ عمل بھی ضایع نہین ہوگا ضرور ہے کہ انواع
رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنون کے امتحان ہوئے سو **خبردار رہو** ایسا نہو
کہ ٹھوکر کھاؤ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہین سکتی اگر تمہارا آسمان سے **پختہ تعلق ہے** جب کبھی تم اپنا نقصان کروگے
تو اپنے ہاتھون سے نہ دشمن کے ہاتھون سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہی تو خدا تمہین ایک
لازوال عزت آسمان پر دیگا سو تم اسکو مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دکھ دئے جاؤ اور اپنی کئی امیدون سے
بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتون سے تم دلگیر مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہین آزماتا ہے کہ تم اسکی
راہ مین ثابت قدم ہو یا نہین اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کرین تو تم مارین
کھاؤ اور خوش رہو اور گالیان سنو اور شکر کرو۔ اور ناکامیان دیکھو اور پیوند مت توڑو تم خدا کی
آخری جماعت ہو سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال مین انتہائی درجہ پر ہو۔ ہر ایک جو تم مین سست
ہو جائیگا وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت سے باہر پھینک دیا جائیگا اور حسرت سے مریگا اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکیگا
دیکھو مین بہت خوشی سے خبر دیتا ہون کہ تمہارا خدا درحقیقت موجود ہے اگرچہ سب اُسی کی مخلوق
ہے لیکن وہ اُس شخص کو چن لیتا ہے جو اسکو چنتا ہے وہ اُسکے پاس آجاتا ہے جو اُسکے پاس جاتا ہے
جو اسکو عزت دیتا ہے وہ اسکو بھی عزت دیتا ہے ٭٭

تم اپنے دلون کو سیدھا کر کے اور زبانون اور آنکھون اور کانون کو پاک کر کے اسکی طرف آجاؤ

کہ وہ نہین قبول کریگا عقیدہ کے رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُسکا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھکر ہے اب بعد اسکے کوئی نبی نہین مگر وہی جس پر بروزی طور سے محمدیت کی چادر پہنائی گئی کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جدا نہین اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے پس جو کامل طور پر مخدوم مین فنا ہو کر خدا سے نبی کا لقب پاتا ہے وہ ختم نبوت کا خلل انداز نہین جیسا کہ تم جب آئینہ مین اپنی شکل دیکھو تو تم دو نہین ہو سکتے بلکہ ایک ہی ہو اگرچہ بظاہر دو نظر آتے ہین صرف ظل اور اصل کا فرق ہے۔ سو ایسا ہی خدا نے مسیح موعود مین چاہا یہی بھید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ مسیح موعود میری قبر مین دفن ہوگا یعنی وہ مین ہی ہون۔ اور اسمین دو رنگی نہین آئی اور تم یقیناً سمجھو کہ عیسیٰ بن مریم فوت ہو گیا ہے اور کشمیر سرینگر محلہ خانیار× مین اسکی قبر ہے خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز مین اسکے مر جانیکی خبر دی ہے اور اگر اس آیت کے اور معنے ہین تو عیسیٰ بن مریم کی موت کی قرآن مین کہان خبر ہے۔ مرنیکے متعلق جو آیتین ہین اگر وہ اور معنی رکھتی ہین جیسا کہ ہمارے مخالف سمجھتے ہین تو گویا قرآن نے اسکے مرنیکا کہین ذکر نہین کیا کہ وہ کسی وقت مریگا بھی۔ خدا نے ہمارے نبی کے مرنے کی خبر دی مگر سارے قرآن مین عیسیٰ کے مرنے کی خبر نہ دی۔ اسمین کیا راز ہے اور اگر کہو کہ عیسیٰ کے مرنیکی اس آیۃ مین خبر ہے کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ‡ سو یہ آیت تو صاف دلالت کرتی ہے کہ وہ عیسائیون کے بگڑنے سے پہلے مر چکے ہین غرض اگر آیۃ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے یہ معنی ہین کہ مع جسم زندہ عیسیٰ کو آسمان پر اُٹھا لیا تو کیون خدا نے ایسے شخص کی موت کا سارے قرآن مین ذکر نہین کیا جسکی زندگی کے خیال نے لاکھون کو ہلاک کر دیا گویا خدا نے اسکو ہمیشہ کیلئے اسلئے زندہ رہنے دیا کہ تا لوگ مشرک اور بیدین ہو جائین اور گویا یہ لوگون کی غلطی نہین بلکہ خدا نے یہ سب کچھ خود کیا تا لوگون کو گمراہ کرے خوب یاد رکھو کہ بجز موت مسیح عیسیٰ عقیدہ پر موت نہین آسکتی سو اس سے فائدہ کیا کہ برخلاف تعلیم قرآن اسکو زندہ سمجھا جائے اسکو مرنے دو تا یہ دین زندہ ہو۔ خدا تعالیٰ نے اپنے قول سے مسیح کی موت ظاہر کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اسکو مُردون مین دیکھ لیا اب بھی تم ماننے مین نہین آتے۔ یہ کیسا ایمان ہے کیا انسانون کی باتون کو خدا کی کلام پر مقدم کرتے ہو

‡ اسی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر دنیا مین نہین آئین گے کیونکہ اگر وہ دنیا مین آنیوالے ہوتے تو اس صورت مین یہ جواب عیسیٰ کا محض جھوٹ ٹھہرتا ہے کہ مجھے عیسائیون کے بگڑنے کی کچھ خبر نہین جو شخص دوبارہ دنیا مین آیا اور چالیس برس رہا...... اور کروڑہا عیسائیون کو دیکھا جو اسکو خدا جانتے تھے اور صلیب توڑا اور تمام عیسائیون کو مسلمان کیا وہ کیونکر قیامت کو جناب الٰہی مین یہ عذر کر سکتا ہے کہ مجھے عیسائیون کے بگڑنے کی کچھ خبر نہین۔ منہ

× نوٹ عیسائی محققون نے اسی رائی کو ظاہر کیا ہے دیکھو کتاب سپرنیچرل ریلیجن صفحہ ۵۲۲۔ اگر تفصیل چاہتے ہو تو ہماری کتاب تحفہ گولڑویہ کا صفحہ ۱۳۹ دیکھ لو۔ منہ

یہ کیا دین ہے[++] اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف گواہی دی کہ میں مردہ روحوں میں عیسے کو دیکھا بلکہ خود مرکر یہ بھی ظاہر کردیا کہ اس سے پہلے کوئی زندہ نہیں رہا۔ پس ہمارے مخالف جیسا کہ قرآن کو چھوڑتے ہیں ویسا ہی سنت کو بھی چھوڑتے ہین کیونکہ مرنا ہمارے نبی کی سنت ہے اگر عیسے زندہ تھا تو مرنے میں ہمارے رسول کی بےعزتی تھی۔ سو تم نہ اہلسنت ہو نہ اہل قرآن جبتک عیسیٰ کی موت کے قائل نہ ہو۔ اور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان کا منکر نہیں گو خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ مسیح محمدی مسیح موسوی سے افضل ہے لیکن تاہم میں مسیح ابن مریم کی بہت عزت کرتا ہوں کیونکہ میں روحانیت کی رو سے اسلام میں **خاتم الخلفاء** ہوں جیسا کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی سلسلہ کے لئے خاتم الخلفاء تھا موسیٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا اور محمدی سلسلہ میں میں مسیح موعود ہوں سو میں اسکی عزت کرتا ہوں جسکا ہمنام ہوں اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔ بلکہ مسیح تو مسیح میں تو اس کے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں[*] کیونکہ پانچوں ایک ہی ماں کے بیٹے ہیں نہ صرف اسی قدر بلکہ میں تو حضرت مسیح کی دونوں حقیقی ہمشیرون کو بھی مقدسہ سمجھتا ہوں کیونکہ یہ سب بزرگ مریم بتول کے پیٹ سے ہیں اور مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کرلیا۔ گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم توریت عین حمل میں کیونکر نکاح کیا گیا اور بتول ہونیکے عہد کو کیوں ناحق توڑا گیا اور تعدد ازدواج کی کیوں بنیاد ڈالی گئی یعنے باوجود یوسف نجار کی پہلی بیوی کے ہونیکے پھر مریم کیوں راضی ہوئی کہ یوسف نجار کے نکاح میں آوے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آگئیں اس صورت میں وہ لوگ قابل رحم تھے نہ قابل اعتراض *

[++] حاشیہ۔ یسوع مسیح کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں یہ سب یسوع کے حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں تھیں یعنی سب یوسف اور مریم کی اولاد تھی چار بھائیوں کے نام یہ ہیں۔ یہودا۔ یعقوب۔ شمعون۔ یوزس۔ اور دو بہنوں کے نام یہ تھے۔ آسیا۔ لیدیا۔ دیکھو کتاب اپاسٹولک ریکارڈس مصنفہ پادری جان ایلن گائیلز مطبوعہ لندن ۱۸۸۶ء صفحہ ۱۵۹ و ۱۶۶۔ منہ

[*] نوٹ۔ قرآن شریف میں اگرچہ صریح کسی قدر لطف و اشارہ کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور اسکی والدہ صلیب کے واقعہ کے بعد کسی طرف بھاگ گئے جیسا کہ فرماتا ہے وآویناہما الی ربوۃ ذات قرار ومعین۔ یعنی ہم نے عیسیٰ اور اسکی والدہ کو ایک ایسے ٹیلہ پر جگہ دی جو آرام کی جگہ تھی اور پانی صاف یعنی چشموں کا پانی وہاں بہتا سو اسی میں خدا تعالیٰ نے کشمیر کی طرف اشارہ کیا ہے اور آوی کا لفظ لغت عرب میں کسی مصیبت یا تکلیف سے پناہ دینے کے لئے آتا ہے اور صلیب سے پہلے عیسیٰ اور اسکی والدہ پر کوئی زمانہ مصیبت کا نہیں گذرا جس سے پناہ دیجاتی پس متعین ہوا کہ خدا تعالیٰ نے عیسیٰ اور اسکی والدہ کو واقعہ صلیب کے بعد اس ٹیلے پر پہونچایا تھا۔ منہ

اِن سب باتون کے بعد پھر مین کہتا ہون کہ یہ مت خیال کرو کہ ہمنے ظاہری طور پر بیعت کرلی
ہے ظاہر کچھہ چیز نہین خدا تمہارے دلون کو دیکھتا ہے اور اُسی کے موافق تم سے معاملہ کریگا
دیکھو مین یہ کہہ کر فرض تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہون کہ گناہ ایک زہر ہے اوسکو مت کھاؤ۔
خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو دعا کرو تا تمہین طاقت ملے جو شخص دعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات
پر قادر نہین سمجھتا بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت مین سے نہین۔ جو شخص جھوٹ
اور فریب کو نہین چھوڑتا وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ جو شخص دُنیا کے لالچ مین پھنسا
والا ہے اور آخرت کی طرف آنکھہ اُٹھا کر بھی نہین دیکھتا وہ میری جماعت مین سے نہین ہے
جو شخص درحقیقت دین کو دُنیا پر مقدم نہین رکھتا وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ جو شخص
پورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے قمار بازی سے بدنظری سے
اور خیانت سے رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرّف سے توبہ نہین کرتا وہ میری جماعت مین سے
نہین ہے۔ جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہین کرتا وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔
جو شخص دُعا مین لگا نہین رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہین کرتا وہ میری جماعت مین سے
نہین ہے۔ جو شخص بدرفیق کو نہین چھوڑتا جو اوس پر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت مین سے
نہین ہے۔ جو شخص اپنے مان باپ کی عزت نہین کرتا اور امور معروفہ مین جو خلاف قرآن نہین
ہین اُنکی بات کو نہین مانتا اور اُنکی تعہد خدمت سے لاپرواہ ہے وہ میری جماعت مین سے نہین ہے
جو شخص اپنی اہلیہ اور اُسکے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھہ معاشرت نہین کرتا وہ میری جماعت
مین سے نہین ہے۔ جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنٰے ادنٰے خیر سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری
جماعت مین سے نہین ہے۔ جو شخص نہین چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور
آدمی ہے وہ میری جماعت مین سے نہین ہے ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی جو خاوند سے خیانت
سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ جو شخص اُس عہد کو جو اُس نے بیعت کے
وقت کیا تھا کسی پہلو سے توڑتا ہے وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ جو شخص مجھے فی الواقع
مسیح موعود و مہدی معہود نہین سمجھتا وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ اور جو شخص

امور معروفہ مین میری اطاعت کرنیکے لئے طیار نہین ہے وہ میری جماعت مین سے نہین ہے اور جو شخص مخالفون کی جماعت مین بیٹھتا ہے اور ہان مین ہان ملاتا ہے وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ ہر ایک زانی۔ فاسق۔ شرابی۔ خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن۔ مرتشی۔ غاصب ظالم۔ دروغگو۔ جعلساز اور ان کا ہمنشین اور اپنے بہائیون اور بہنون پر تہمتین لگانیوالا جو اپنے افعال شنیعہ سے توبہ نہین کرتا اور خراب مجلسون کو نہین چہوڑتا وہ میری جماعت مین سے نہین ہے۔ یہ سب زہر ین ہین تم ان زہرون کو کہا کر کسی طرح بچ نہین سکتے اور تاریکی اور روشنی ایک جگہ جمع نہین ہو سکتی۔ ہر ایک جو پیچ در پیچ طبیعت رکہتا ہے اور خدا کے ساتہہ صاف نہین ہے وہ اُس برکت کو ہرگز نہین پا سکتا جو صاف دلون کو ملتی ہے کیا ہی خوش قسمت وہ لوگ ہین جو دلون کو صاف کرتے ہین اور اپنے دلون کو ہر ایک آلودگی سے پاک کر لیتے ہین اور اپنے خدا سے وفاداری کا عہد باندہتے ہین کیونکہ وہ ہرگز ضایع نہین کئے جائینگے ممکن نہین کہ خدا انکو رسوا کرے کیونکہ وہ خدا کے ہین اور خدا اُن کا وہ ہر ایک بلا کے وقت بچائے جائینگے۔ احمق ہے وہ دشمن جو اُن کا قصد کرے کیونکہ وہ خدا کی گود مین ہین اور خدا انکی حمایت مین کون خدا پر ایمان لایا؟ صرف وہی جو ایسے ہین۔ ایسا ہی وہ شخص بہی احمق ہے جو ایک بیباک گنہگار اور بدباطن اور شریر النفس کے فکر مین ہے کیونکہ وہ خود ہلاک ہوگا جب سے خدا نے آسمان اور زمین کو بنایا کبہی ایسا اتفاق نہ ہوا کہ اسنے نیکون کو تباہ اور ہلاک اور نیست و نابود کر دیا ہو بلکہ وہ اُنکے لئے بڑے بڑے کام دکہلاتا رہا ہے اور اب بہی دکہلائیگا وہ خدا نہایت وفادار خدا ہے اور وفادارون کے لئے اُسکے عجیب کام ظاہر ہوتے ہین دُنیا چاہتی ہے کہ انکو کہا جائے اور ہر ایک دشمن اُنپر دانت پیستا ہے مگر وہ جو انکا دوست ہے ہر ایک ہلاکت کی جگہ سے انکو بچاتا ہے اور ہر ایک میدان مین انکو فتح بخشتا ہے۔ کیا ہی نیک طالع وہ شخص ہے جو اس خدا کا دامن نہ چہوڑے۔ ہم اسپر ایمان لائے ہمنے اسکو شناخت کیا۔ تمام دُنیا کا وہی خدا ہے جس نے میرے پر وحی نازل کی جس نے میرے لئے زبردست نشان دکہلائے جس نے مجہے اس زمانہ کے لئے مسیح موعود کرکے بہیجا اسکے سوا کوئی خدا نہین نہ آسمان مین نہ زمین مین

...پر ایمان نہیں لاتا وہ سعادت سے محروم اور خذلان مین گرفتار رہے۔ ہمنے اپنے خدا کی
...ب کیطرح روشن وحی پائی ہمنے اُسے دیکھ لیا کہ دُنیا کا وہی خدا ہے اُس کے سوا کوئی نہیں
کیا ہی قادر اور قیوم خدا ہے جسکو ہمنے پایا۔ کیا ہی زبردست قدرتون کا مالک ہے جسکو ہمنے دیکھا
سچ تو یہ ہے کہ اُسکے آگے کوئی بات اَنہونی نہیں مگر وہی جو اُسکی کتاب اور وعدہ کے برخلاف ہے
سو جب تم دعا کرو تو اُن جاہل نیچریون کیطرح نہ کرو جو اپنے ہی خیال سے ایک قانون قدرت بنا
بیٹھے ہیں جسپر خدا کی کتاب کی مہر نہیں کیونکہ وہ مردود ہیں اُنکی دعائیں ہرگز قبول نہیں ہونگی
وہ اندھے ہیں نہ سوجاکھے وہ مُردے ہیں نہ زندے خدا کے سامنے اپنا تراشیدہ قانون پیش
کرتے ہیں اور اُسکی بے انتہا قدرتون کی حد بست ٹھہراتے ہیں اور اُسکو کمزور سمجھتے ہیں سو اُن سے
ایسا ہی معاملہ کیا جائیگا جیسا کہ اُنکی حالت ہے۔ لیکن جب تو دعا کے لئے کھڑا ہو تو تجھے لازم ہے
کہ یہ یقین رکھے کہ تیرا خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے تب تیری دعا منظور ہوگی اور تو خدا کی قدرت
کے عجائبات دیکھے گا جو ہمنے دیکھے ہیں اور ہماری گواہی رویت سے ہے نہ بطور قصہ کے۔ اُس
شخص کی دعا کیونکر منظور ہو اور خود کیونکر اُسکو بڑی مشکلات کے وقت جو اُسکے نزدیک قانون
قدرت کے مخالف ہیں دعا کرنیکا حوصلہ پڑے جو خدا کو ہر ایک چیز پر قادر نہیں سمجھتا۔ مگر اے سعید
انسان تو ایسا مت کر تیرا خدا وہ ہے جس نے بیشمار ستارون کو بغیر ستونون کے لٹکا دیا اور جس نے
زمین و آسمان کو محض عدم سے پیدا کیا۔ کیا تو اُسپر بدظنی رکھتا ہے کہ وہ تیرے کام میں عاجز
آجائیگا* بلکہ تیری ہی بدظنی تجھے محروم رکھے گی ہمارے خدا میں بیشمار عجائبات ہیں مگر وہی دیکھتے
ہیں جو صدق اور وفا سے اُسکے ہو گئے ہیں وہ غیرون پر جو اُسکی قدرتون پر یقین نہیں رکھتے
اور اُسکے صادق وفادار نہیں ہیں وہ عجائبات ظاہر نہیں کرتا۔ کیا بدبخت وہ انسان ہے جسکو
اب تک یہ پتہ نہیں کہ اُسکا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے
ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہمنے اُسکو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اُس میں
پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق
ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو

* خدا کسی کام میں عاجز نہیں آتا۔ ہاں خدا کی کتاب نے دعا کے بارہ میں یہ قانون پیش کیا ہے کہ وہ نہایت رحیم و کریم نیک انسان کے ساتھ دوستون کیطرح معاملہ کرتا ہے یعنی کبھی تو اپنی مرضی کو چھوڑ کر اُسکی دعا سنتا ہے جیسا کہ خود فرمایا ادعونی استجب لکم اور کبھی اپنی مرضی ہی منوانا چاہتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع [illegible]

کہ وہ تمہین سیراب کریگا یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہین بچائیگا۔ میں کیا کرون اور کس
خوشخبری کو دلون مین بٹھا دون۔ کس دف سے مین بازارون میں منادی کرون
تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لین اور کس دوا سے مین علاج کرون تا سننے کیلئے لوگون کے کان کہلین
اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے تم سوئے ہوئے ہوگے
اور خدا تعالے تمہارے لیئے جاگیگا تم دشمن سے غافل ہوگے اور خدا اُسے دیکھیگا اور
اسکے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی تک نہین جانتے کہ تمہارے خدا مین کیا کیا قدرتین ہین۔
اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا کہ تم دنیا کے لئیے سخت غمگین ہو جاتے ایک شخص جو ایک
خزانہ اپنے پاس رکہتا ہے کیا وہ ایک پیسہ کے ضایع ہونے سے روتا ہے اور چیخین مارتا ہے
اور ہلاک ہونے لگتا ہے پہر اگر تم کو اس خزانہ کی اطلاع ہوتی کہ خدا تمہارا ہر ایک حاجت کے
وقت کام آنیوالا ہے تو تم دنیا کے لیئے ایسے بیخود کیون ہوتے خدا ایک پیارا خزانہ ہے اسکی
قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے تم بغیر اُسکے کچھ بہی نہین اور نہ تمہارے
اسباب اور تدبیرین کچھ چیز ہین۔ غیر قومون کی تقلید نہ کرو کہ جو بکلی اسباب پر گر گئی ہین اور جیسے
سانپ مٹی کہاتا ہے انہون نے سفلی اسباب کی مٹی کہائی۔ اور جیسے گدہ اور کتے مردار کہاتے ہین انہون
نے مردار پر دانت مارے وہ خدا سے بہت دور جا پڑے انسانون کی پرستش کی اور خنزیر کہایا اور
شراب کو پانی کیطرح استعمال کیا اور حد سے زیادہ اسباب پر گرنے سے اور خدا سے قوت نہ مانگنے سے
وہ مر گئے اور آسمانی روح انمین سے ایسی نکل گئی جیسا کہ ایک گہونسلے سے کبوتر پرواز کر جاتا ہے
انکے اندر دنیا پرستی کا جذام ہے جس نے اُنکے تمام اندرونی اعضا کاٹ دئے ہین پس تم اس جذام
سے ڈرو۔ میں تمہین حد اعتدال تک رعایت اسباب سے منع نہین کرتا بلکہ اس سے منع کرتا ہون کہ تم
غیر قومون کیطرح نرے اسباب کے بندے ہو جاؤ اور اُس خدا کو فراموش کردو جو اسباب کو بہی وہی مہیا کرتا ہے
اگر تمہین آنکھ ہو تو تمہین نظر آجائے کہ خدا ہی خدا ہے اور سب ہیچ ہے۔ تم نہ ہاتھ لمبا کر سکتے ہو
اور نہ اکٹھا کر سکتے ہو مگر اوسکے اذن سے۔ ایک مردہ اسپر ہنسی کریگا مگر کاش اگر وہ مرجاتا تو اس
ہنسی سے اسکے لئے بہتر تہا۔ خبردار!!! تم غیر قومون کو دیکہہ کر انکی ریس مت کرو کہ انہون نے دنیا کے

منصوبون مین بہت ترقی کرلی ہے آؤ ہم بہی انہین کے قدم پر چلین - سنو اور سمجہو کہ وہ اس خدا سے سخت بیگانہ اور غافل ہین جو تمہین اپنی طرف بلاتا ہے انکا خدا کیا چیز ہے صرف ایک عاجز انسان اِسلئے وہ غفلت مین چہوڑے گئے ہین تمہین دنیا کے کسب اور حرفت سے نہین روکتا مگر تم اُن لوگون کے پیرو مت بنو جنہون نے سب کچہہ دُنیا کو ہی سمجہہ رکہا ہے چاہیئے کہ تمہارے ہر ایک کام مین خواہ دنیا کا ہو خواہ دین کا خدا سے طاقت اور توفیق مانگنے کا سلسلہ جاری رہے لیکن نہ صرف خشک ہونٹون سے بلکہ چاہیئے کہ تمہارا سچ مچ یہ عقیدہ ہو کہ ہر ایک برکت آسمان سے ہی اُترتی ہے تم راستباز اُسوقت بنو گے جبکہ تم ایسے ہو جاؤ کہ ہر ایک کام کے وقت ہر ایک مشکل کے وقت قبل اسکے جو تم کوئی تدبیر کرو اپنا دروازہ بند کرو اور خدا کے آستانہ پر گرو کہ ہمین یہ مشکل پیش ہے اپنے فضل سے مشکل کشائی فرما تب روح القدس تمہاری مدد کریگی اور غیب سے کوئی راہ تمہارے لئے کہولی جائیگی اپنی جانون پر رحم کرو اور جو لوگ خدا سے بکلی علاقہ توڑ چکے ہین اور ہمہ تن اسباب پر گر گئے ہین یہانتک کہ طاقت مانگنے کیلئے وہ موُنہہ سے انشاء اللہ بہی نہین نکالتے اُنکے پیرو مت بنجاؤ - خدا تمہاری آنکہین کہولے تا تمہین معلوم ہو کہ تمہارا خدا تمہاری تمام تدابیر کا شہتیر ہے اگر شہتیر گر جائے تو کیا کڑیان اپنی چہت پر قائم رہ سکتی ہین - نہین بلکہ یکدفعہ گرینگی اور احتمال ہے کہ اُن سے کئی خون بہی ہو جائین - اسی طرح تمہاری تدابیر بغیر خدا کی مدد کے قائم نہین رہ سکتین اگر تم اس سے مدد نہین مانگو گے اور اُس سے طاقت مانگنا اپنا اصول نہین ٹہراؤ گے تو تمہین کوئی کامیابی حاصل نہین ہوگی - آخر بڑی حسرت سے مرو گے - یہ مت خیال کرو کہ پہر دوسری قومین کیونکر کامیاب ہو رہی ہین حالانکہ وہ اوس خدا کو جانتی بہی نہین جو تمہارا کامل اور قادر خدا ہے - اسکا جواب یہی ہے کہ وہ خدا کو چہوڑنے کی وجہ سے دنیا کے امتحان مین ڈالی گئی ہین خدا کا امتحان کبہی اس رنگ مین ہوتا ہے کہ جو شخص اُسے چہوڑتا ہے اور دُنیا کی مستیون اور لذتون سے دل لگاتا ہے اور دُنیا کی دولتون کا خواہشمند ہوتا ہے تو دُنیا کے دروازے اُسپر کہولے جاتے ہین اور دین کے رو سے وہ نِرا مفلس اور ننگا ہوتا ہے اور آخر دنیا کے خیالات مین ہی مرتا اور ابدی جہنم مین ڈالا جاتا ہے اور کبہی اس رنگ مین بہی امتحان ہوتا ہے کہ دنیا سے

بھی نامراد رکھا جاتا ہے مگر موخر الذکر امتحان ایسا خطرناک نہین جیسا کہ پہلا کیونکہ پہلے امتحان والا زیادہ مغرور ہوتا ہے بہرحال یہ دونون فریق مغضوب علیہم ہین سچی خوشحالی کا سرچشمہ خدا ہے پس جبکہ اس حیّ وقیوم خدا سے یہ لوگ بیخبر ہین بلکہ لاپرواہین اور اس سے مونہہ پھیر رہے ہین تو سچی خوشحالی انکو کہان نصیب ہوسکتی ہے۔ مبارک ہو اُس انسان کو جو اس راز کو سمجھے اور ہلاک ہوگیا وہ شخص جس نے اس راز کو نہین سمجھا۔ اسی طرح تمہین چاہئے کہ اس دُنیا کے فلسفیون کی پیروی مت کرو اور انکو عزت کی نگہ سے مت دیکھو کہ یہ سب نادانیان ہین سچا فلسفہ وہ ہے جو خدا نے تمہین اپنی کلام مین سکھلایا ہے ہلاک ہوگئے وہ لوگ جو اس فلسفہ کے عاشق ہین اور کامیاب ہین وہ لوگ جنہون نے سچے علم اور فلسفہ کو خدا کی کتاب مین ڈھونڈا۔ نادانی کی راہین کیون اختیار کرتے ہو کیا تم خدا کو وہ باتین سکھلاؤ گے جو اُسے معلوم نہین۔ کیا تم اندھون کے پیچھے دوڑتے ہو کہ وہ تمہین راہ دکھلاوین۔ اے نادانو! وہ جو خود اندھا ہے وہ تمہین کیا راہ دکھائیگا بلکہ سچا فلسفہ روح القدس سے حاصل ہوتا ہے جسکا تمہین وعدہ دیا گیا ہے تم روح کے وسیلہ سے ان پاک علوم تک پہنچائے جاؤ گے جن تک غیرون کی رسائی نہین اگر صدق سے مانگو تو آخر تم اُسے پاؤ گے۔ تب سمجھو گے کہ یہی علم ہے جو دل کو تازگی اور زندگی بخشتا ہے اور یقین کے مینار تک پہنچا دیتا ہے وہ جو خود مردار خوار ہے وہ کہان سے تمہارے لئے پاک غذا لائیگا۔ وہ جو خود اندھا ہے وہ کیونکر تمہین دکھائیگا۔ ہر ایک پاک حکمت آسمان سے آتی ہے پس تم زمینی لوگون سے کیا ڈھونڈتے ہو جنکی روحین آسمان کیطرف جاتی ہین وہی حکمت کے وارث ہین جنکو خود تسلی نہین وہ کیونکر تمہین تسلی دے سکتے ہین مگر پہلے دلی پاکیزگی ضروری ہے پہلے صدق وصفا ضروری ہے پھر بعد اسکے یہ سب کچھ تمہین ملیگا۔ یہ خیال مت کرو کہ خدا کی وحی آگے نہین بلکہ پیچھے رہ گئی ہے* اور روح القدس اب اتر نہین سکتا بلکہ پہلے زمانون ہی مین اُتر چکا۔ اور مین تمہین سچ سچ کہتا ہون کہ ہر ایک دروازہ بند ہوجاتا ہے مگر روح القدس کے اُترنیکا کبھی دروازہ بند نہین ہوتا۔ تم اپنے دلون کے دروازے کھول دو تا وہ انمین داخل ہو تم اُس آفتاب سے خود اپنے تئین دور ڈالتے ہو جبکہ اُس شعاع کے داخل ہونے کی کھڑکی کو بند کرتے ہو۔ اے نادان اُٹھ اور اُس کھڑکی کو کھولدے

* قرآن شریف پر شریعت ختم ہوگئی مگر وحی ختم نہین ہوئی کیونکہ وہ سچے دین کی جان ہے جس دین مین وحی الہی کا سلسلہ جاری نہیں وہ دین مردہ ہے اور خدا اُس کے ساتھ نہین۔ منہ

تب آفتاب خود بخود تیرے اندر داخل ہو جائیگا جبکہ خدا نے دنیا کے فیضون کی راہین اس زمانہ مین تمپر بند نہین کین بلکہ زیادہ کین تو کیا تمہارا ظن ہے کہ آسمان کے فیوض کی راہین جنکی اسوقت تمہین بہت ضرورت تہی وہ تمپر اُسنے بند کر دی ہین ہرگز نہین بلکہ بہت صفائی سے وہ دروازہ کہولا گیا ہے۔ اب جبکہ خدا نے اپنی تعلیم کے موافق جو سورہ فاتحہ مین سکہلائی گئی گذشتہ تمام نعمتون کا تمپر دروازہ کہول دیا ہے تو تم کیون ان کے لینے سے انکار کرتے ہو اس چشمہ کے پیاسے بنو کہ پانی خود بخود آ جائیگا۔ اس دودہ کے لئے تم بچہ کیطرح رونا شروع کرو کہ دودہ پستان سے خود بخود اُتر آئیگا۔ رحم کے لائق بنو تا تمپر رحم کیا جائے اضطراب دکہلاؤ تا تسلی پاؤ بار بار چلاؤ تا ایک ہاتہ تمہین پکڑ لے کیا ہی دشوار گذار وہ راہ ہے جو خدا کی راہ ہے پر اُن کیلئے آسان کیجاتی ہے جو مرنے کی نیت سے اس اتہاہ گڑہے مین پڑتے ہین وہ اپنے دلون مین فیصلہ کر لیتے ہین کہ ہمین آگ منظور ہے ہم اپنے محبوب کے لئے جلینگے پہر وہ آگ مین اپنے تئین ڈال دیتے ہین پس کیا دیکہتے ہین کہ وہ بہشت ہی ہے جو خدا نے فرمایا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا الخ یعنے اسے بدو اور اے نیکو تم مین سے کوئی بہی نہین جو جہنم کی آگ پر گذر نہ کرے مگر وہ جو خدا کے لئے اُس آگ مین پڑتے ہین وہ نجات دئے جائینگے لیکن وہ جو اپنے نفس امارہ کیلئے آگ پر چلتا ہے وہ آگ اُسے کہا جائیگی پس مبارک وہ جو خدا کے لئے اپنے نفس سے جنگ کرتے ہین اور بدبخت وہ جو اپنے نفس کیلئے خدا سے جنگ کر رہے ہین اور اس سے موافقت نہین کرتے جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے وہ آسمان مین ہرگز داخل نہین ہوگا سو تم کوشش کرو جو ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا بہی تمپر گواہی نہ دے تا تم اسی کے لئے پکڑے نجاؤ کیونکہ ایک ذرہ بدی کا بہی قابل پاداش ہے وقت تہوڑا ہے اور کار عمر ناپیدا تیز قدم اُٹہاؤ جو شام نزدیک ہے جو کچہہ پیش کرنا ہے وہ بار بار دیکہہ لو ایسا نہ ہو کہ کچہہ رہ جائے اور زیانکاری کا موجب ہو یا سب گندی اور کہوٹی متاع ہو جو شاہی دربار مین پیش کرنے کے لائق نہ ہو۔

مینے سنا ہے کہ بعض تم سے حدیث کو کلی نہین مانتے اگر وہ ایسا کرتے ہین تو سخت غلطی

کرتے ہین مینے یہ تعلیم نہین دی کہ ایسا کرو بلکہ میرا مذہب یہ ہے کہ تین چیزین ہین کہ جو تمہاری ہدایت کے لئے خدا نے تمہین دی ہین - سب سے اول قرآن ہے* جسمین خدا کی توحید اور جلال اور عظمت کا ذکر ہے اور جسمین اُن اختلافات کا فیصلہ کیا گیا ہے جو یہود اور نصاری مین تھے جیسا کہ یہ اختلاف اور غلطی کہ عیسٰے بن مریم صلیب کے ذریعہ قتل کیا گیا اور وہ لعنتی ہوا اور دوسرے نبیون کیطرح اُسکا رفع نہین ہوا اسی طرح قرآن مین منع کیا گیا ہے کہ بجز خدا کے تم کسی چیز کی عبادت کرو نہ انسان کی نہ حیوان کی نہ سورج کی نہ چاند کی اور نہ کسی اور ستارہ کی اور نہ اسباب کی اور نہ اپنے نفس کی - سو تم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اُٹھاؤ مین تمہین سچ سچ کہتا ہون کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم مین سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے حقیقی اور کامل نجات کی راہین قرآن نے کھولین اور باقی سب اسکے ظل تھے سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو ایسا پیار کہ تمنے کسی سے نہ کیا ہو کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ الخیر کلہ فی القرآن - کہ تمام قسم کی بھلائیان قرآن مین ہین یہی بات سچ ہے افسوس اُن لوگون پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہین تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن مین ہے کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہین جو قرآن مین نہین پائی جاتی تمہارے ایمان کا مُصدّق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہین جو بلاواسطہ قرآن تمہین ہدایت دے سکے - خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہین عنایت کی - مین تمہین سچ سچ کہتا ہون کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی اگر عیسائیون پر پڑھی جاتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے اور یہ نعمت اور ہدایت جو تمہین دی گئی اگر بجائے توریت کے یہودیون کو دی جاتی تو بعض فرقے ان کے قیامت سے منکر نہ ہوتے پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہین دی گئی - یہ نہایت پیاری نعمت ہے یہ بڑی دولت ہے اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتین ہیچ ہین - انجیل کے لانیوالا وہ روح القدس تھا جو کبوتر کی شکل پر ظاہر ہوا جو

* دوسرا ذریعہ ہدایت کا سنت ہے یعنی وہ پاک نمونے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل اور عمل سے دکھلائے مثلاً نماز پڑھ کے دکھلائی کہ یون نماز پڑھا کرو اور روزہ رکھ کر دکھلایا کہ یون روزہ رکھا کرو [illegible] یعنی روش نبوی جو خدا کے قول کو فعل کے رنگ مین دکھلا [illegible] سنت [illegible] کا کام ہے تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے جو آپ کے بعد [illegible] اور حدیث کا مرتبہ قرآن اور سنت کے بعد ہے [illegible]

ایک ضعیف اور کمزور جانور ہے جسکو بلی بھی پکڑ سکتی ہے اسی لیئے عیسائی دن بدن کمزوری کے
گڑھے میں پڑتے گئے اور روحانیت انمیں باقی نہ رہی۔ کیونکہ تمام ان کے ایمان کا مدار کبوتر
پر تہا مگر قرآن کا روح القدس اس عظیم الشان شکل میں ظاہر ہوا تہا جس نے زمین سے لیکر آسمان
تک اپنے وجود سے تمام ارض و سما کو بہر دیا تہا۔ پس کجا وہ کبوتر اور کجا یہ تجلی عظیم جس کا قرآن
شریف میں بہی ذکر ہے قرآن ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کرسکتا ہے اگر صوری یا معنوی
اعراض نہ ہو قرآن تمکو نبیوں کیطرح کرسکتا ہے اگر تم خود اس سے نہ بہاگو۔ بجز قرآن کس کتاب نے
اپنی ابتدا میں ہی اپنے پڑہنے والوں کو یہ دعا سکہلائی اور یہ امید دی کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنے ہمیں اپنی اُن نعمتوں کی راہ دکہلا جو
پہلوں کو دکہلائی گئی۔ جو نبی اور رسول اور صدیق اور شہید اور صالح تہے پس اپنی ہمتیں
بلند کرلو اور قرآن کی دعوت کو رد مت کرو کہ وہ تمہیں وہ نعمتیں دینا چاہتا ہے جو پہلوں
کو دی تہیں۔ کیا اوس نے بنی اسرائیل کا ملک اور بنی اسرائیل کا بیت مقدس تمہیں عطا
نہیں کیا جو آجتک تمہارے قبضہ میں ہے پس اے سست اعتقادو اور کمزور ہمتو کیا تمہیں یہ خیال
ہے کہ تمہارے خدا نے جسمانی طور پر تو بنی اسرائیل کے تمام املاک کا تمہیں قایم مقام کردیا۔ مگر
روحانی طور پر تمہیں قائم مقام نہ کرسکا بلکہ خدا کا تمہاری نسبت اِن سے زیادہ فیض رسانی
کا ارادہ ہے خدا نے اُنکے روحانی جسمانی متاع و مال کا تمہیں وارث بنایا مگر تمہارا وارث
کوئی دوسرا نہ ہوگا جبتک کہ قیامت آجاوے خدا تمہیں نعمت وحی اور الہام اور مکالمات
اور مخاطبات الہیہ سے ہرگز محروم نہیں رکہے گا وہ تم پر وہ سب نعمتیں پوری کرے گا جو
پہلوں کو دی گئیں لیکن جو شخص گستاخی کی راہ سے خدا پر جہوٹہ باندہے گا اور کہیگا کہ
خدا کی وحی میرے پر نازل ہوئی حالانکہ نہیں نازل ہوئی اور یا کہے گا کہ مجہے شرف مکالمات
اور مخاطبات الہیہ کا نصیب ہوا حالانکہ نہیں نصیب ہوا تو میں خدا اور اسکے ملایکہ کو گواہ
رکہہ کر کہتا ہوں کہ وہ ہلاک کیا جائیگا کیونکہ اوس نے اپنے خالق پر جہوٹ باندہا اور فریب کیا
اور سخت بیباکی اور شوخی ظاہر کی سو تم اِس مقام میں ڈرو لعنت ہے ان لوگوں پر جو جہوٹی

خواہین بناتے ہین اور جہوٹے مکالمات اور مخاطبات کا دعوی کرتے ہین گویا وہ دل مین
خیال کرتے ہین کہ خدا نہین پر خدا کا عقاب انکو سخت پکڑے گا اور اُن کا بُرا دن اُن سے
ٹل نہین سکتا سو تم صدق اور راستی اور تقوی اور محبت ذاتیہ الہیہ مین ترقی کرو اور اپنا کام یہی
سمجہو جبتک زندگی ہے پہر خدا تم مین سے جسکی نسبت چاہیگا اسکو اپنے مکالمہ مخاطبہ سے
بہی مشرف کریگا تمہین ایسی تمنا بہی نہین چاہئیے تا نفسانی تمنا کی وجہ سے سلسلہ شیطانیہ
شروع نہ ہو جائے جس سے کئی لوگ ہلاک ہو جاتے ہین پس تم خدمت اور عبادت مین لگے
رہو تمہارے تمام کوشش اسی مین مصروف ہونی چاہئیے کہ تم خدا کے تمام احکام کے پابند
ہو جاؤ اور یقین مین ترقی چاہو نجات کے لئے نہ الہام نمائی کیلئے قرآن شریف نے تمہارے
لئے بہت پاک احکام لکہے ہین جنمین سے ایک یہ ہے کہ تم شرک سے بکلی پرہیز کرو کہ مشرک
سرچشمہ نجات سے بے نصیب ہے۔ تم جہوٹ نہ بولو کہ جہوٹ بہی ایک حصہ شرک ہے۔ قرآن
تمہین انجیل کیطرح یہ نہین کہتا کہ صرف بدنظری اور شہوت کے خیال سے نامحرم عورتون کو مت
دیکہو اور بجز اسکے دیکہنا حلال۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ ہرگز نہ دیکہہ نہ بدنظری سے اور نہ نیک نظری
سے کہ یہ سب تمہارے لئے ٹہوکر کی جگہ ہے بلکہ چاہئیے کہ نامحرم کے مقابلہ کیوقت تیری آنکہ
خوابیدہ رہے تجہے اسکی صورت کی کچہہ بہی خبر نہ ہو مگر اُسی قدر جیسا کہ ایک دُہندلی نظر
سے ابتدا نزول الماء مین انسان دیکہتا ہے۔ قرآن تمہین انجیل کیطرح یہ نہین کہتا کہ اتنی
شراب مت پیو کہ مست ہو جاؤ بلکہ وہ کہتا ہے کہ ہرگز نہ پی ورنہ تجہے خدا کی راہ نہین
ملیگی اور خدا تجہہ سے ہمکلام نہین ہوگا اور نہ پلیدیون سے پاک کریگا اور وہ کہتا ہے کہ یہ
شیطان کی ایجاد ہے تم اس سے بچو۔ قرآن تمہین انجیل کیطرح فقط یہ نہین کہتا کہ اپنے
بہائی پر بے سبب غصہ مت ہو بلکہ وہ کہتا ہے کہ نہ صرف تو ہی غصہ کو تہام بلکہ **تواصوا بالمرحمہ**
پر عمل بہی کر اور دوسرون کو بہی کہتا رہ کہ ایسا کرین اور نہ صرف خود رحم کر بلکہ رحم کیلئے اپنے تمام بہائیون
کو وصیت بہی کر۔ اور قرآن تمہین انجیل کیطرح یہ نہین کہتا کہ بجز زناہ کے اپنی بیوی کی ہر ایک
ناپاکی پر صبر کرو اور طلاق مت دو بلکہ وہ کہتا ہے **الطیبات للطیبین** قرآن کا یہ منشا ہے کہ

ناپاک پاک کے ساتھ رہ نہیں سکتا۔ پس اگر تیری بیوی زنا تو نہیں کرتی مگر شہوت کی نظر سے غیر لوگوں کو دیکھتی ہے اور اُن سے بغل گیر ہوتی ہے اور زنا کے مقدمات اُس سے صادر ہوتے ہیں گو ابھی تکمیل نہیں ہوئی اور غیر کو اپنی برہنگی دکھلا دیتی ہے اور مشرکہ اور بدعتیہ ہے اور جس پاک خدا پر تو ایمان رکھتا ہے اُس سے وہ بیزار ہے تو اگر وہ باز نہ آوے تو تو اُسے طلاق دے سکتا ہے کیونکہ وہ اپنے اعمال میں تجھ سے علیحدہ ہو گئی اور تیرے جسم کا ٹکڑہ نہیں رہی۔ پس تیرے لئے اب جائز نہیں ہے کہ تو دیّوثی سے اسکے ساتھ بسر کرے کیونکہ اب وہ تیرے جسم کا ٹکڑہ نہیں ایک گندہ اور متعفن عضو ہے جو کاٹنے کے لائق ہے ایسا نہ ہو کہ وہ باقی عضو کو بھی گندہ کرے اور تو مر جاوے۔ اور قرآن تمہیں انجیل کیطرح یہ نہیں کہتا کہ ہرگز قسم نہ کھا بلکہ بیہودہ قسموں سے تمہیں روکتا ہے کیونکہ بعض صورتوں میں قسم فیصلہ کے لئے ایک ذریعہ ہے اور خدا کسی ذریعہ ثبوت کو ضائع کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اِس سے اُسکی حکمت تلف ہوتی ہے یہ طبعی امر ہے کہ جب کوئی انسان ایک تنازعہ فیہ امر میں گواہی نہ دے تب فیصلہ کے لئے خدائی گواہی کی ضرورت ہے اور قسم خدا کو گواہ ٹھہرانا ہے۔ اور قرآن تمہیں انجیل کیطرح یہ نہیں کہتا کہ ہر ایک جگہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ وہ کہتا ہے جزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ یعنی بدی کا بدلہ اُسیقدر بدی ہے جو کی گئی لیکن جو شخص عفو کرے اور گناہ بخش دے اور اِس عفو سے کوئی اصلاح پیدا ہوتی ہو نہ کوئی خرابی تو خدا اس سے راضی ہے اور اُسے اُس کا بدلہ دیگا۔ پس قرآن کے رو سے نہ ہر ایک جگہ انتقام محمود ہے اور نہ ہر ایک جگہ عفو قابل تعریف ہے بلکہ محل شناسی کرنی چاہیئے اور چاہیئے کہ انتقام اور عفو کی سیرت بپابندی محل و مصلحت ہو نہ بیقیدی کے رنگ میں یہی قرآن کا مطلب ہے۔ اور قرآن انجیل کیطرح یہ نہیں کہتا کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو بلکہ وہ کہتا ہے کہ چاہیے کہ نفسانی رنگ میں تیرا کوئی بھی دشمن نہ ہو اور تیری ہمدردی ہر ایک کیلئے عام ہو مگر جو تیرے خدا کا دشمن تیرے رسول کا دشمن اور کتاب اللہ کا دشمن ہے وہی تیرا دشمن ہوگا سو تو ایسوں کو بھی دعوت اور دعا سے محروم نہ رکھ اور چاہیئے کہ تو اُنکے اعمال سے دشمنی رکھے نہ اُنکی ذات سے اور کوشش کرے کہ وہ درست ہو جائیں اور اس بارہ میں

فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى یعنے خدا تم سے کیا چاہتا ہے بس یہی تم تمام نوع انسان سے عدل کے ساتھہ پیش آیا کرو پھر اس سے بڑھکر یہ ہے کہ ان سے بھی نیکی کرو جنہون نے تم سے کوئی نیکی نہین کی۔ پھر اس سے بڑھکر یہ ہے کہ تم مخلوق خدا سے ایسی ہمدردی کے ساتھہ پیش آؤ کہ گویا تم اُنکے حقیقی رشتہ دار ہو جیسا کہ مائین اپنے بچون سے پیش آتی ہین کیونکہ احسان مین ایک خودنمائی کا مادہ بھی مخفی ہوتا ہے اور احسان کرنیوالا کبھی اپنے احسان کو جتلا بھی دیتا ہے لیکن وہ جو مان کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرتا ہے وہ کبھی خودنمائی نہین کرسکتا۔ پس آخری درجہ نیکیون کا طبعی جوش ہے جو مان کیطرح ہو اور یہ آیت نہ صرف مخلوق کے متعلق ہے بلکہ خدا کے متعلق بھی ہے خدا سے عدل یہ ہے کہ اسکی نعمتونکو یاد کرکے اسکی فرمان برداری کرنا اور خدا سے احسان یہ ہے کہ اسکی ذات پر ایسا یقین کرلینا کہ گویا اسکو دیکھہ رہا ہے اور خدا سے ایتاء ذی القربے یہ ہے کہ تم اسکی عبادت نہ تو بہشت کے طمع سے ہو اور نہ دوزخ کے خوف سے۔ بلکہ اگر فرض کیا جائے کہ نہ بہشت ہے اور نہ دوزخ ہے تب بھی جوش محبت اور اطاعت مین فرق نہ آوے۔ اور انجیل مین لکھا گیا ہے کہ جو لوگ تمپر لعنت کرین اُن کے لئے برکت چاہو مگر قرآن کہتا ہے کہ تم اپنی خودی سے کچھہ بھی نہ کرو۔ تم اپنے دل سے جو خدا کی تجلیات کا گھر ہے فتوے پوچھو کہ ایسے شخص کے ساتھہ کیا معاملہ چاہئے پس اگر خدا تمہارے دل مین ڈالے کہ یہ لعنت کرنیوالا قابل رحم ہے اور آسمان مین اسپر لعنت نہین تو تم بھی لعنت نہ کرو تا خدا کے مخالف نہ ٹھہرو۔ لیکن اگر تمہارا کانشنس اسکو معذور نہین ٹھہراتا اور تمہارے دل مین ڈالا گیا ہے کہ آسمان پر اس شخص پر لعنت ہے تو تم اس کے لئے برکت نہ چاہو جیسا کہ شیطان کے لئے کسی نبی نے برکت نہین چاہی اور کسی نبی نے اسکو لعنت سے آزاد نہین کیا۔ مگر کسی کی نسبت لعنت مین جلدی نہ کرو کہ بہتیری بدظنیان جھوٹھیان ہین اور بہتیری لعنتین اپنے ہی پر پڑتی ہین سنبھل کر قدم رکھو اور خوب پڑتال کرکے کوئی کام کرو اور خدا سے مدد مانگو کیونکہ تم اندھے ہو ایسا نہ ہو کہ عادل کو ظالم ٹھہراؤ۔ اور صادق کو کاذب خیال کرو۔ اس طرح تم اپنے خدا کو ناراض کردو اور تمہارے سب نیک اعمال حبط ہوجاوین۔

ایسا ہی انجیل مین کہا گیا ہے کہ تم اپنے نیک کامون کو لوگون کے سامنے دکہلانے کیلئے نہ کرو مگر قرآن کہتا ہے کہ تم ایسا مت کرو کہ اپنے سارے کام لوگون سے چہپاؤ بلکہ تم حسب مصلحت بعض اپنے نیک اعمال پوشیدہ طور پر بجالاؤ جبکہ تم دیکہو کہ پوشیدہ کرنا تمہاری نفس کے لئے بہتر ہے اور بعض اعمال دکہلا کر بہی کرو جبکہ تم دیکہو کہ دکہلانے مین عام لوگون کی بہلائی ہے تا تمہین دو بدلے ملین اور تا کمزور لوگ کہ جو ایک نیکی کے کام پر جرأت نہین کر سکتے وہ بہی تمہاری پیروی سے اُس نیک کام کو کرلین۔ غرض خدا نے جو اپنے کلام مین فرمایا۔ سرًّا وعلانیۃ یعنے پوشیدہ بہی خیرات کرو اور دکہلا دکہلا کر بہی ان احکام کی حکمت اوس نے خود فرمادی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ نہ صرف قول سے لوگون کو سمجہاؤ بلکہ فعل سے بہی تحریک کرو کیونکہ ہر ایک جگہ قول اثر نہین کرتا بلکہ اکثر جگہ نمونہ کا بہت اثر ہوتا ہے۔

ایسا ہی انجیل مین ہے کہ جب تو دعا مانگے تو اپنی کوٹہری مین جا۔ مگر قرآن سکہاتا ہے کہ اپنی دعا کو ہر ایک موقعہ پر پوشیدہ مت کرو بلکہ تم لوگون کے روبرو اور اپنے بہائیون کے مجمع کے سانتہ بہی کہلی کہلی طور پر دعا کیا کرو تا اگر کوئی دعا منظور ہو تو اس مجمع کیلئے ایمان کی ترقی کا موجب ہو اور تا دوسرے لوگ بہی دعا مین رغبت کرین۔

ایسا ہی انجیل مین ہے کہ تم اس طرح دعا کرو کہ اے ہمارے باپ کہ جو آسمان پر ہے تیرے نام کی تقدیس ہو۔ تیری بادشاہت آوے تیری مرضی جیسی آسمان پر ہے زمین پر آوے ہماری روزانہ روٹی آج ہمین بخش۔ اور جس طرح ہم اپنے قرضدارون کو بخشتے ہین تو اپنے قرض کو ہمین بخشدے اور ہمین آزمایش مین نہ ڈال بلکہ برائی سے بچا کیونکہ بادشاہت اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہین۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ یہ نہین کہ زمین تقدیس سے خالی ہے بلکہ زمین پر بہی خدا کی تقدیس ہو رہی ہے نہ صرف آسمان پر جیسا کہ وہ فرماتا ہے وان من شئ الا یسبح بحمدہ۔ یسبح للہ ما فی السموات وما فی الارض یعنی ذرہ ذرہ زمین کا اور آسمان کا خدا کی تحمید اور تقدیس کر رہا ہے اور جو کچہہ انمین ہے وہ تحمید اور تقدیس مین مشغول ہے پہاڑ اوسکی ذکر مین مشغول ہین دریا اوسکے ذکر مین مشغول ہین درخت اُسکے ذکر مین مشغول ہین اور بہت سے راستباز

اسکے ذکر مین مشغول ہین اور جو شخص دل اور زبان کے ساتھہ اسکے ذکر مین مشغول نہین اور خدا کے آگے فروتنی نہین کرتا اس سے طرح طرح کے شکنجون اور عذابون سے قضا و قدر الٰہی فروتنی کرا رہی ہے اور جو کچھہ فرشتون کے بارے مین خدا کی کتاب مین لکھا ہے کہ وہ نہایت درجہ اطاعت کر رہے ہین یہی تعریف زمین کے پات پات اور ذرہ ذرہ کی نسبت قرآن شریف مین موجود ہے کہ ہر ایک چیز اوسکی اطاعت کر رہی ہے ایک پتہ بھی بجز اسکے امر کے گر نہین سکتا اور بجز اس کے حکم کے نہ کوئی دوا شفا دے سکتی ہے اور نہ کوئی غذا موافق ہو سکتی ہے اور ہر ایک چیز غایت درجہ کی تذلل اور عبودیت سے خدا کے آستانہ پر گری ہوئی ہے اور اُسکی فرمانبرداری مین مستغرق ہے پہاڑون اور زمین کا ذرہ ذرہ اور دریاؤن اور سمندرون کا قطرہ قطرہ اور درختون اور بوٹیون کا پات پات اور ہر ایک جُز اُن کا اور انسان اور حیوانات کے کل ذرات خدا کو پہچانتے ہین اور اسکی اطاعت کرتے ہین اور اسکی تحمید و تقدیس مین مشغول ہین اسیواسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یسبح للہ ما فی السموت وما فی الارض یعنے جیسے آسمان پر ہر ایک چیز خدا کی تسبیح و تقدیس کر رہی ہے ویسے زمین پر بھی ہر ایک چیز اُسکی تسبیح و تقدیس کرتی ہے۔ پس کیا زمین پر خدا کی تحمید و تقدیس نہین ہوتی ایسا کلمہ ایک کامل عارف کے مونہہ سے نہین نکل سکتا بلکہ زمین کی چیزون مین سے کوئی چیز تو شریعت کے احکام کی اطاعت کر رہی ہے اور کوئی چیز قضا و قدر کے احکام کے تابع ہے اور کوئی دونون کی اطاعت مین کمربستہ ہے کیا بادل کیا ہوا کیا آگ کیا زمین سب خدا کی اطاعت اور تقدیس مین محو ہین اگر کوئی انسان الٰہی شریعت کے احکام کا سرکش ہے تو الٰہی قضا و قدر کے حکم کا تابع ہے۔ ان دونون حکومتون سے باہر کوئی نہین کسی نہ کسی آسمانی حکومت کا جُوا ہر ایک کی گردن پر ہے۔ ہان البتہ انسانی دلون کی صلاح اور فساد کے لحاظ سے غفلت اور ذکر الٰہی نوبت بہ نوبت زمین پر اپنا غلبہ کرتے ہین مگر بغیر خدا کی حکمت اور مصلحت کے یہ مدّ و جزر خود بخود نہین خدا نے چاہا کہ زمین مین ایسا ہو سو ہو گیا سو ہدایت اور ضلالت کا دور بھی دن رات کے دور کی طرح خدا کے قانون اور اذن کے موافق چل رہا ہے نہ خود بخود باوجود اسکے ہر ایک چیز اسکی آواز سنتی ہے اور اسکی پاکی یاد کرتی ہے مگر انجیل کہتی ہے کہ زمین خدا کی تقدیس سے خالی

ہے ؟ اسکا سبب اِس انجیلی دُعا کے اگلے فقرہ مین بطور اشارہ بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ
کہ ابھی اوسمین خدا کی بادشاہت نہین آئی اِسلئے حکومت نہ ہونیکی وجہ سے نہ کسی اور وجہ سے
خدا کی مرضی ایسے طور سے زمین پر نافذ نہین ہوسکی جیسا کہ آسمان پر نافذ ہے مگر قرآن کی تعلیم
سراسر اسکے برخلاف ہے وہ تو صاف لفظون مین کہتا ہے کہ کوئی چور خونی - زانی - کافر
فاسق - سرکش - جرایم پیشہ کسی قسم کی بدی زمین پر نہین کرسکتا جبتک کہ آسمان پر سے
اُسکو اختیار نہ دیا جائے پس کیونکر کہا جائے کہ آسمانی بادشاہت زمین پر نہین کیا کوئی
مخالف قبضہ زمین پر خدا کے احکام کے جاری ہونے سے مزاحم ہے سبحان اللہ ایسا ہرگز نہین
بلکہ خدا نے خود آسمان پر فرشتون کے لئے جدا قانون بنایا اور زمین پر انسانون کے لئے
جدا اور خدا نے اپنی آسمانی بادشاہت مین فرشتون کو کوئی اختیار نہین دیا بلکہ اون کی فطرت
مین ہی اطاعت کا مادہ رکھدیا ہے وہ مخالفت کر ہی نہین سکتے اور سہو و نسیان اُنپر وارد
نہین ہوسکتا لیکن انسانی فطرت کو قبول عدم قبول کا اختیار دیا گیا ہے اور چونکہ یہ اختیار اوپر
سے دیا گیا ہے اِسلئے نہین کہہ سکتے کہ فاسق انسان کے وجود سے خدا کی بادشاہت
زمین سے جاتی رہی بلکہ ہر رنگ مین خدا کی ہی بادشاہت ہے ہان صرف قانون دو ہین -
ایک آسمانی فرشتون کے لئے قضاء و قدر کا قانون ہے کہ وہ بدی کر ہی نہین سکتے اور
ایک زمین پر انسانون کیلئے خدا کے قضاء و قدر کے متعلق ہے اور وہ یہ کہ آسمان سے
ہمن کو بدی کرنیکا اختیار دیا گیا ہے مگر جب خدا سے طاقت طلب کرین یعنی استغفار
کرین تو روح القدس کی تائید سے اُنکی کمزوری دور ہوسکتی ہے اور وہ گناہ کے ارتکاب
سے بچ سکتے ہین جیسا کہ خدا کے نبی اور رسول بچتے ہین اور اگر ایسے لوگ ہین کہ گنہگار
ہوچکے ہین تو استغفار اُن کو یہ فائدہ پہنچاتا ہے کہ گناہ کے نتائج سے یعنی عذاب سے
بچائے جاتے ہین کیونکہ نور کے آنے سے ظلمت باقی نہین رہ سکتی - اور جرائم پیشہ جو استغفار
نہین کرتے یعنی خدا سے طاقت نہین مانگتے وہ اپنے جرائم کی سزا پاتے رہتے ہین - دیکھو
آجکل طاعون بھی بطور سزا کے زمین پر اُتری ہے اور خدا کے سرکش اوس سے ہلاک ہوتے

جاتے ہین پہر کیونکر کہا جاوے کہ خدا کی بادشاہت زمین پر نہین یہ خیال مت کرو کہ اگر زمین پر خدا کی بادشاہت ہے تو پہر لوگون سے جرائم کیون ظہور مین آتے ہین کیونکہ جرائم بہی خدا کے قانون قضاء و قدر کے نیچے ہین سو اگرچہ وہ لوگ قانون شریعت سے باہر ہو جاتے ہین مگر قانون تکوین یعنے قضاء و قدر سے وہ باہر نہین ہو سکتے پس کیونکر کہا جاوے کہ جرائم پیشہ لوگ الٰہی سلطنت کا جُوا اپنے گردن پر نہین رکہتے دیکہو اس ملک برٹش انڈیا مین چوریان بہی ہوتی ہین خون بہی ہوتے ہین زناکار اور خائن اور مرتشی وغیرہ ہر ایک قسم کے جرائم پیشہ بہی پائے جاتے ہین مگر نہین کہہ سکتے کہ اس ملک مین سرکار انگریزی کا راج نہین - کیونکہ راج تو ہے مگر گورنمنٹ نے عمدًا ایسے سخت قانون کو مناسب نہین سمجہا جس کی دہشت سے لوگون پر زندگی مشکل ہو جاوے ورنہ اگر گورنمنٹ تمام جرائم پیشہ کو ایک تکلیف دہ زندان مین رکہہ کر اونکو جرائم سے روکنا چاہے تو بہت آسانی سے وہ رُک سکتے ہین یا اگر قانون مین سخت سزائین رکہی جائین تو ان جرائم کا انسداد ہو سکتا ہے پس تم سمجہہ سکتے ہو کہ جس قدر اس ملک مین شراب پی جاتی ہے فاحشہ عورتین بڑہتی جاتی ہین چوری اور خون کی وارداتین ہوتی ہین یہ اس لئے نہین کہ گورنمنٹ انگریزی کا یہان راج نہین بلکہ گورنمنٹ کے قانون کی نرمی نے جرائم مین کثرت پیدا کر دی ہے نہ یہ کہ گورنمنٹ انگریزی اس جگہ سے اُٹہہ گئی ہے بلکہ سلطنت کا اختیار ہے کہ قانون کو سخت کرکے اور سنگین سزائین مقرر کرکے ارتکاب جرائم سے روک دی جبکہ انسانی سلطنت کا یہ حال ہے کہ جو الٰہی سلطنت کے مقابل پر کچہہ بہی چیز نہین تو الٰہی سلطنت کس قدر اقتدار اور اختیار رکہتی ہے اگر خدا کا قانون ایسا سخت ہو جائے اور ہر ایک زنا کرنیوالے پر بجلی پڑے اور ہر ایک چور کو یہ بیماری پیدا ہو کہ ہاتہہ گل سڑ کر گر جائین اور ہر ایک سرکش خدا کا منکر اسکے دین کا منکر طاعون سے مرے تو ایک ہفتہ گذرنے سے پہلے ہی تمام دنیا راستبازی اور نیک بختی کی چادر پہن سکتی ہے - پس خدا کی زمین پر بادشاہت تو ہے لیکن آسمانی قانون کی نرمی نے اس قدر آزادی دے رکہی ہے کہ جرائم پیشہ جلدی نہین پکڑے جاتے ہان سزائین

بھی ملتی رہتی ہین - زلزلے آتے ہین بجلیان پڑتی ہین - کوہ آتش فشان آتشبازی کی طرح مشتعل ہوکر ہزارون جانون کا نقصان کرتے جاتے ہین جہاز غرق ہوتے ہین ریل گاڑیون کے ذریعہ سے صدہا جانین تلف ہوتی ہین - طوفان آتے ہین مکانات گرتے ہین سانپ کاٹتے ہین درندے پھاڑتے ہین وبائین پڑتی ہین اور فنا کرنے کا نہ ایک دروازہ بلکہ ہزارہا دروازے کھلے ہین جو مجرمین کی پاداش کیلئے خدا کے قانون قدرت نے مقرر کر رکھے ہین پھر کیونکر کہا جائے کہ خدا کی زمین پر **بادشاہت نہین** سچ یہی ہے کہ بادشاہت تو ہے ہر ایک مجرم کے ہاتھ مین ہتکڑیان پڑی ہین اور پاؤن مین زنجیر ہین مگر حکمت الٰہی نے اس قدر اپنے قانون کو نرم کر دیا ہے کہ وہ ہتکڑیان اور وہ زنجیرین فی الفور اپنا اثر نہین دکھاتی ہین اور آخر اگر انسان باز نہ آوے تو دائمی جہنم تک پہنچاتی ہین اور اس عذاب مین ڈالتی ہین جس سے ایک مجرم نہ زندہ رہے اور نہ مرے - غرض قانون **دو ہین ایک** وہ قانون جو فرشتون کے متعلق ہے یعنی یہ کہ وہ محض اطاعت کیلئے پیدا کئے گئے ہین اور انکی اطاعت محض فطرت روشن کا ایک خاصہ ہے وہ گناہ نہین کر سکتے مگر نیکی مین ترقی بھی نہین کر سکتے (۲) دوسرا قانون وہ ہے جو انسانون کے متعلق ہے یعنی یہ کہ انسانون کی فطرت مین یہ رکھا گیا ہے کہ وہ گنہ کر سکتے ہین مگر نیکی مین ترقی بھی کر سکتے ہین یہ دونون فطرتی قانون غیر متبدل ہین اور جیسا کہ فرشتہ انسان نہین بن سکتا ہے ایسا ہی انسان بھی فرشتہ نہین ہو سکتا ہے یہ دونون قانون بدل نہین سکتے ازلی اور اٹل ہین اسلئے آسمان کا قانون زمین پر نہین آسکتا اور نہ زمین کا قانون فرشتون کے متعلق ہو سکتا ہے - انسانی خطاکاریان اگر توبہ کے ساتھ ختم ہون تو وہ انسان کو فرشتون سے بہت اچھا بنا سکتی ہین کیونکہ فرشتون مین ترقی کا مادہ نہین انسان کے گنہ توبہ سے بخشے جاتے ہین اور حکمت الٰہی نے بعض افراد مین سلسلہ خطاکاریون کا باقی رکھا ہے تا وہ گناہ کر کے اپنی کمزوری پر اطلاع پاوین اور پھر توبہ کر کے بخشے جاوین یہی قانون ہے جو انسان کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور اسی کو انسانون کی فطرت چاہتی ہے سہو و نسیان انسانی فطرت کا خاصہ ہے فرشتہ کا خاصہ نہین پس وہ قانون جو فرشتون کے

متعلق ہے انسانوں مین کیونکر نافذ ہو سکے - یہ خطا کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف کمزوری منسوب کی جاوے صرف قانون کے نتائج ہین جو زمین پر جاری ہو رہے ہین نعوذ باللہ کیا خدا ایسا کمزور ہے جسکی بادشاہت اور قدرت اور جلال صرف آسمان تک ہی محدود ہے یا زمین کا کوئی اور خدا ہے جو زمین پر مخالفانہ قبضہ رکھتا ہے اور عیسائیون کو اس بات پر زور دینا چاہئیے نہین کہ صرف آسمان مین ہی خدا کی بادشاہت ہے جو ابھی زمین پر نہین آئی کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہین کہ آسمان کچھ چیز نہین اب ظاہر ہے کہ جبکہ آسمان کچھ چیز نہین جسپر خدا کی بادشاہت ہو اور زمین پر ابھی خدا کی بادشاہت آئی نہین تو گویا خدا کی بادشاہت کسی جگہ بھی نہین - ماسوا اسکے ہم خدا کی زمینی بادشاہت کو بچشم خود دیکھ رہے ہین اُسکے قانون کے موافق ہماری عمرین ختم ہو جاتی ہین اور ہماری حالتین بدلتی رہتی ہین اور صدہا رنگ کے راحت اور رنج ہم دیکھتے ہین ہزارہا لوگ خدا کے حکم سے مرتے ہین اور ہزارہا پیدا ہوتے ہین دعائین قبول ہوتی ہین نشان ظاہر ہوتے ہین زمین ہزارہا قسم کے نباتات اور پھل اور پھول اسکے حکم سے پیدا کرتی ہے تو کیا یہ سب کچھ خدا کی بادشاہت کے بغیر ہو رہا ہے بلکہ آسمانی اجرام تو ایک ہی صورت اور منوال پر چلے آتے ہین اور اُن مین تغیر تبدیل جس سے ایک متغیر مبدل کا پتہ ملتا ہو کچھ محسوس نہین ہوتی مگر زمین ہزارہا تغیرات اور انقلابات اور تبدلات کا نشانہ ہو رہی ہے ہر روز کروڑہا انسان دُنیا سے گذرتے ہین اور کروڑہا پیدا ہوتے ہین اور ہر ایک پہلو اور ہر ایک طور سے ایک مقتدر صانع کا تصرف محسوس ہو رہا ہے تو کیا ابھی تک خدا کی بادشاہت زمین پر نہین اور انجیل نے اسپر کوئی دلیل پیش نہین کی کہ کیون ابھی تک خدا کی بادشاہت زمین پر نہین آئی - البتہ مسیح کا باغ مین اپنے بچ جانیکے لئے ساری رات دعا کرنا اور دعا قبول بھی ہو جانا جیسا کہ عبرانیان ۵ - آیت ۷ مین لکھا ہے مگر پھر بھی خدا کا اُسکے چھڑانے پر قادر نہ ہونا یہ بزعم عیسائیان ایک دلیل ہو سکتی ہے کہ اُس زمانہ مین خدا کی بادشاہت زمین پر نہین تھی مگر ہمنے اس سے بڑھکر ابتلاء دیکھے ہین اور اُن سے **نجات پائی** ہے ہم کیونکر خدا کی بادشاہت کا **انکار کر سکتے ہین** کیا وہ خون کا مقدمہ جو میرے قتل کرنیکے لئے مارٹن کلارک کیطرف

سے عدالت کپتان ڈگلس مین پیش ہوا تہا وہ اوس مقدمہ سے کچہہ خفیف تہا جو محض مذہبی اختلاف کی وجہ سے نہ کسی خون کے اتہام سے یہودیون کی طرف سے عدالت پیلاطوس مین دائر کیا گیا تہا مگر چونکہ خدا زمین کا بہی بادشاہ ہے جیسا کہ آسمان کا اسلیئے اُس نے اس مقدمہ کی پہلے سے مجہے خبر دیدی کہ یہہ ابتلا آنیوالا ہے اور پہر خبر دیدی کہ مین تمکو بری کرونگا اور وہ خبر صدہا انسانون کو قبل از وقت سُنائی گئی اور آخر مجہے بری کیا گیا پس یہ خدا کی بادشاہت تہی جس نے اس مقدمہ سے مجہے بچالیا جو مسلمانون اور ہندوؤن اور عیسائیون کے اتفاق سے مجہہ پر کہڑا کیا گیا تہا ایسا ہی نہ ایک دفعہ بلکہ بیسیون دفعہ مینے خدا کی بادشاہت کو زمین پر دیکہا اور مجہے خدا کی اس آیت پر ایمان لانا پڑا کہ لہٗ ملک السموات والارض یعنی زمین پر بہی خدا کی بادشاہت ہے اور آسمان پر بہی۔ اور پہر اس آیت پر ایمان لانا پڑا کہ انّما امرہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون یعنی تمام زمین و آسمان اُسکی اطاعت کر رہی ہے جب ایک کام کو چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا تو فی الفور وہ کام ہو جاتا ہے اور پہر فرماتا ہے واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون یعنے خدا اپنے ارادہ پر غالب ہے مگر اکثر لوگ خدا کے قہر اور جبروت سے بیخبر ہین غرض یہ تو انجیل کی دعا ہے جو انسانوں کو خدا کی رحمت سے نومید کرتی ہے اور اسکی ربوبیت اور افاضہ اور جزا سزا سے عیسائیون کو بیباک کرتی ہے اور اسکو زمین پر مدد دینے کے قابل نہین جانتی جبتک اسکی بادشاہت زمین پر نہ آوے لیکن اسکے مقابل پر جو دعا خدا نے مسلمانون کو قرآن مین سکہلائی ہے وہ اس بات کو پیش کرتی ہے کہ زمین پر خدا مسلوب السلطنت لوگون کیطرح بیکار نہین ہے بلکہ اسکا سلسلہ ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت اور مجازات زمین پر جاری ہے اور وہ اپنے عابدون کو مدد دینے کی طاقت رکہتا ہے اور مجرمون کو اپنے غضب سے ہلاک کرسکتا ہے وہ دُعا یہ ہے

الحمد للہ ربّ العالمین الرّحمٰن الرّحیم مٰلک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ آمین۔ ترجمہ

وہ خدا ہی ہے جو تمام تعریفون کا مستحق ہے یعنی اسکی بادشاہت مین کوئی نقص نہین اور اسکی خوبیون کے لئے کوئی ایسی حالت منتظرہ باقی نہین جو آج نہین مگر کل حاصل ہوگی اور اسکی بادشاہت کے لوازم مین سے کوئی چیز بیکار نہین تمام عالمون کی پرورش کر رہا ہے بغیر عوض اعمال کے رحمت کرتا ہے اور نیز بعوض اعمال رحمت کرتا ہے جزا سزا وقت مقرر پر دیتا ہے اسی کی ہم عبادت کرتے ہین اور اُسی سے ہم مدد چاہتے ہین اور دعا کرتے ہین کہ ہمین تمام نعمتون کی راہین دکھلا اور غضب کی راہون اور ضلالت کی راہون سے دور رکھہ +

یہ دعا جو سورۃ **فاتحہ** مین ہے انجیل کی دعا سے بالکل نقیض ہے کیونکہ انجیل مین زمین پر خدا کی موجودہ بادشاہت ہونے سے انکار کیا گیا ہے پس انجیل کے رو سے نہ زمین پر خدا کی ربوبیت کچھہ کام کر رہی ہے نہ رحمانیت نہ رحیمیت نہ قدرت جزا سزا کیونکہ ابھی زمین پر خدا کی بادشاہت نہین آئی۔ مگر سورۃ فاتحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر خدا کی بادشاہت موجود ہے اسی لئے سورۃ فاتحہ مین تمام لوازم بادشاہت کے بیان کئے گئے ہین ظاہر ہے کہ بادشاہ مین یہ صفات ہونی چاہئین کہ وہ لوگون کی پرورش پر قدرت رکھتا ہو سو سورۃ فاتحہ مین رب العالمین کے لفظ سے اس صفت کو ثابت کیا گیا ہے۔ پھر دوسری صفت بادشاہ کی یہ چاہئے کہ جو کچھہ اسکی رعایا کو اپنی آبادی کے لئے ضروری سامان کی حاجت ہے وہ بغیر عوض اُنکی خدمات کے خود رحم خسروانہ سے بجا لاوے سو الرحمٰن کے لفظ سے اِس صفت کو ثابت کر دیا ہے۔ تیسری صفت بادشاہ مین یہ چاہئے کہ جن کامون کو اپنی کوشش سے رعایا انجام تک نہ پہنچا سکے انکے انجام کیلئے مناسب طور پر مدد دے سو الرحیم کے لفظ سے اس صفت کو ثابت کیا ہے چوتھی صفت بادشاہ مین یہ چاہئے کہ جزا و سزا پر قادر ہو تا سیاست مدنی کے کام مین خلل نہ پڑے سو مالک یوم الدین کی لفظ سے اس صفت کو ظاہر کر دیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ سورۃ موصوفہ بالا نے تمام وہ لوازم بادشاہت پیش کئے ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین پر خدا کی بادشاہت اور بادشاہی تصرفات موجود ہین چنانچہ اُسکی ربوبیت بھی موجود اور رحمانیت بھی موجود اور رحیمیت بھی موجود اور سلسلہ امداد بھی موجود اور سلسلہ سزا بھی موجود غرض جو کچھہ بادشاہت کے لوازم مین سے ہوتا ہے زمین پر سب کچھہ خدا کا موجود ہے اور ایک ذرہ بھی اُس کے حکم سے باہر نہین

ہر ایک جزا اوسکے ہاتھ مین ہے ہر ایک رحمت اُسکے ہاتھ مین ہے مگر انجیل یہ دعا سکھلاتی
ہے کہ ابہی خدا کی بادشاہت تم مین نہین آئی اوس کے آنے کے لئے خدا سے دعا مانگا
کرو تا وہ آجائے یعنی ابہی تک ان کا خدا زمین کا مالک اور بادشاہ نہین اِس لئے
ایسے خدا سے کیا امید ہو سکتی ہے سُنو اور سمجہو کہ بڑی معرفت یہی ہے کہ زمین کا ذرہ
ذرہ بہی ایسا ہی خدا کے قبضہ اقتدار مین ہے جیسا کہ آسمان کا ذرہ ذرہ خدا کی بادشاہت
مین ہے اور جیسا کہ آسمان پر ایک عظیم الشان تجلی ہے زمین پر بہی ایک عظیم الشان تجلی
ہے بلکہ آسمان کی تجلی تو ایک ایمانی امر ہے عام انسان نہ آسمان پر گئے نہ اوس کا
مشاہدہ کیا مگر زمین پر جو خدا کی بادشاہت کی تجلی ہے وہ تو صریح ہر ایک شخص کو آنکہون
سے نظر آرہی ہے ہر ایک انسان خواہ کیسا ہی دولتمند ہو اپنی خواہش کے مخالف موت
کا پیالہ پیتا ہے پس دیکہو اس شاہ حقیقی کے حکم کی کیسی زمین پر تجلی ہے کہ جب حکم آجاتا
ہے تو کوئی ابہی موت کو ایک سکینڈ بہی روک نہین سکتا۔ ہر ایک خبیث اور نا قابل علاج
مرض جب دامنگیر ہوتی ہے تو کوئی طبیب ڈاکٹر اسکو دور نہین کر سکتا۔ پس غور کرو یہ کیسی
خدا کی بادشاہت کی زمین پر تجلی ہے جو اُسکے حکم ردّ نہین ہو سکتے۔ پہر کیونکر کہا جائے
کہ زمین پر خدا کی بادشاہت نہین بلکہ آیندہ کسی زمانہ مین آئیگی دیکہو اسی زمانہ مین خدا
کے آسمانی حکم نے طاعون کے ساتہہ زمین کو ہلا دیا تا اسکے مسیح موعود کے لئے ایک
نشان ہو پس کون ہے جو اسکی مرضی کے سوا اسکو دور کر سکے پس کیونکر کہہ سکتے ہین کہ
ابہی زمین پر خدا کی بادشاہت نہین۔ ہان ایک بدکار قیدیون کی طرح اسکی زمین مین
زندگی بسر کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کبہی نہ مرے لیکن خدا کی سچی بادشاہت اُسکو
ہلاک کر دیتی ہے اور وہ آخر پنجہ ملک الموت مین گرفتار ہو جاتا ہے پہر کیونکر کہہ سکتے ہین
کہ ابہی تک خدا کی زمین پر بادشاہت نہین۔ دیکہو زمین پر ہر روز خدا کے حکم سے ایک
ساعت مین کروڑہا انسان مرجاتے ہین اور کروڑہا اوس کے ارادہ سے پیدا ہو جاتی ہین
اور کروڑہا اوسکی مرضی سے فقیر سے امیر اور امیر سے فقیر ہو جاتے ہین پہر کیونکر کہہ سکتے ہین

کہ ابھی تک زمین پر خدا کی بادشاہت نہیں آسمانوں پر تو صرف فرشتے رہتے ہیں مگر زمین پر آدمی بھی ہیں اور فرشتے بھی جو خدا کے کارکن اور اسکی سلطنت کے خادم ہیں جو انسانوں کے مختلف کاموں کے محافظ چھوڑے گئے ہیں اور وہ ہر وقت خدا کی اطاعت کرتے ہیں اور اپنی رپورٹیں بھیجتے رہتے ہیں پس کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ زمین پر خدا کی بادشاہت نہیں بلکہ خدا سب سے زیادہ اپنی زمینی بادشاہت سے ہی پہچانا گیا ہے کیونکہ ہر ایک شخص خیال کرتا ہے کہ آسمان کا راز مخفی اور غیر مشہود ہے بلکہ حال کے زمانہ میں قریباً تمام عیسائی اور اُن کے فلاسفر آسمانوں کے وجود کے ہی قائل نہیں جن پر خدا کی بادشاہت کا انجیلوں میں سارا مدار رکھا گیا ہے مگر زمین تو فی الواقع ایک کرہ ہماری پاؤں کے نیچے ہے اور ہزارہا قضاو قدر کے امور اسپر ایسے ظاہر ہو رہے ہیں جو خود سمجھ آتا ہے کہ یہ سب کچھ تغیر و تبدل اور حدوث اور فنا کسی خاص مالک کے حکم سے ہو رہا ہے پھر کیونکر کہا جائے کہ زمین پر ابھی خدا کی بادشاہت نہیں بلکہ ایسی تعلیم ایسے زمانہ میں جبکہ عیسائیوں میں آسمانوں کا بڑے زور سے انکار کیا گیا ہے نہایت نامناسب ہے کیونکہ انجیل کی اس دعا میں تو قبول کر لیا گیا ہے کہ ابھی زمین پر خدا کی بادشاہت نہیں اور دوسری طرف تمام محققین عیسائیوں نے سچے دل سے یہ بات مان لی ہے یعنی اپنی تحقیقات جدیدہ سے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آسمان کچھ چیز ہی نہیں اُن کا کچھ وجود ہی نہیں پس ماحصل یہ ہوا کہ خدا کی بادشاہت نہ زمین میں ہے نہ آسمان میں آسمانوں سے تو عیسائیوں نے انکار کیا اور زمین کی بادشاہت سے اُنکی انجیل نے خدا کو جواب دیا تو اب بقول ان کے خدا کے پاس نہ زمین کی بادشاہت رہی نہ آسمان کی مگر ہمارے خدائے عزوجل نے سورۃ فاتحہ میں نہ آسمان کا نام لیا نہ زمین کا نام اور یہہ کہکر حقیقت سے ہمیں خبر دے دی کہ وُہ **رب العالمین** ہے یعنی جہاں تک آبادیاں[+] ہیں اور جہاں تک کسی قسم کی مخلوق کا وجود موجود ہے خواہ اجسام خواہ ارواح اُن سب کا پیدا کرنیوالا اور پرورش کرنیوالا خدا ہے جو ہر وقت اُنکی پرورش کرتا ہے اور ان کے مناسب حال ان کا انتظام کر رہا ہے

+ دیکھو یہ لفظ رب العالمین کیسا جامع کلمہ ہے اگر ثابت ہو کہ اجرام فلکی میں آبادیاں ہیں تب بھی وہ آبادیاں اس کلمہ کے نیچے آئیں گی۔ منہ

اور تمام عالمون پر ہر وقت ہر دم اسکا سلسلۂ ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت اور جزا سزا کا جاری ہے - اور یاد رہے کہ سورہ فاتحہ مین فقرہ **مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ** سے صرف یہ مراد نہین ہے کہ قیامت کو جزا سزا ہوگی بلکہ قرآن شریف مین بار بار اور صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ قیامت تو مجازات کبریٰ کا وقت ہی مگر ایک قسم کی مجازات اسی دنیا مین شروع ہے جسکی طرف آیہ یجعل لکم فرقانا اشارہ کرتی ہے - اب یہ بات بھی سننے کہ انجیل کی دعا مین تو ہر روزہ روٹی مانگی گئی ہے جیسا کہ کہا کہ ہماری روزانہ روٹی آج ہمین بخش" مگر تعجب کہ جسکی ابھی تک زمین پر بادشاہت نہین آئی وہ کیونکر روٹی دیسکتا ہی ابھی تک تو تمام کہیت اور تمام پہل نہ اُسکے حکم سے بلکہ خود بخود پکتے ہین اور خود بخود بارشین ہوتی ہین اُسکا کیا اختیار ہے کہ کسیکو روٹی دے جب بادشاہت زمین پر آجائیگی تب اُس سے روٹی مانگنی چاہئیے ابھی تو وہ ہر ایک زمینی چیز سے **بیدخل** ہے جب اس جائداد پر پورا قبضہ پائیگا تب کسیکو روٹی دے سکتا ہے اور اسوقت اس سے مانگنا بھی نازیبا ہے اور پہر اسکے بعد یہ قول کہ جس طرح ہم اپنے قرضداروں کو بخشتے ہین تو اپنے **قرض** کو ہمین بخش دے اس صورت مین یہ بھی صحیح نہین ہے کیونکہ زمین کی بادشاہت ابھی اُسکو حاصل نہین اور ابھی عیسائیون نے کچھہ اسکے ہاتہہ سے لیکر کہایا نہین تو پہر قرضہ کونسا ہوا - پس ایسے تہیدست خدا سے قرضہ بخشوانے کی کچھہ ضرورت نہین اور نہ اس سے کچھہ خوف ہی کیونکہ زمین پر ابھی اسکی بادشاہت نہین اور نہ اُسکی حکومت کا تازیانہ کوئی رعب بٹھلا سکتا ہے - کیا مجال کہ وہ کسی مجرم کو سزا دی سکے یا موسیٰ کے زمانہ کی نافرمان قوم کی طرح طاعون سے ہلاک کرسکے یا قوم لوط کی طرح ان پر پتھر برسا سکے یا زلزلہ یا بجلی یا کسی اور عذاب سے نافرمانون کو نابود کرسکے کیونکہ ابھی خدا کی **زمین پر بادشاہت نہین** پس چونکہ عیسائیون کا خدا ایسا ہی کمزور ہے جیسا کہ اسکا **بیٹا** کمزور تہا اور ایسا ہی بیدخل ہے جیسا اسکا بیٹا بیدخل تہا تو پہر اُس سے ایسی دعائین مانگنا لاحاصل ہین کہ ہمین **قرض بخشدی** اُس نے کب قرض دیا تہا جو بخش دے کیونکہ ابھی تک تو اسکی **زمین کی بادشاہت** نہین جبکہ اسکی زمین پر بادشاہت

ہی نہین تو زمین کی روئید گی اُسکے حکم سے نہین اور زمینی چیزین اسکی نہین بلکہ خود بخود ہی ہین کیونکہ اوسکا زمین پر حکم نافذ نہین اور جبکہ زمین پر وہ فرمانروا اور بادشاہ نہین اور کوئی زمینی آسائش اُسکے شاہانہ حکم سے نہین تو اسکو سزا کا نہ اختیار ہے نہ حق حاصل۔ لہذا ایسا کمزور اپنا خدا بنانا اور اس سے زمین پر رہکر کسی کارروائی کی امید رکھنا **حماقت** ہے کیونکہ ابھی اُسکی زمین پر بادشاہی نہین۔ لیکن سورۃ فاتحہ کی دعا ہمین سکھلاتی ہے کہ خدا کو زمین پر ہر وقت وہی اقتدار حاصل ہے جیساکہ اور عالمون پر اقتدار حاصل ہے اور سورۃ فاتحہ کے سر پر خدا کے اُن کامل اقتداری صفات کا ذکر ہے جو دنیا مین کسی دوسری کتاب نے ایسی صفائی سے ذکر نہین کیا جیساکہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ وہ رحمان ہے وہ رحیم ہے وہ مالک یوم الدین ہے پھر اس سے دعا مانگنے کی تعلیم کی ہے اور دعا جو مانگی گئی ہے وہ مسیح کی تعلیم کردہ دعا کیطرح صرف ہر روزہ روٹی کی درخواست نہین بلکہ جو جو انسانی فطرت کو ازل سے استعداد بخشی گئی ہے اور اسکو پیاس لگادی گئی ہے وہ دعا سکھلائی گئی ہے اور وہ یہ ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنے اے ان کامل صفتون کے مالک اور ایسے فیاض کہ ذرہ ذرہ تجھہ سے پرورش پاتا ہے اور تیری رحمانیت اور رحیمیت اور قدرت جزا سزا سے تمتع اٹھاتا ہے تو ہمین گذشتہ راستبازون کا وارث بنا اور ہر ایک نعمت جو انکو دی ہے ہمیں بھی دے اور ہمین بچا کہ ہم نافرمان ہوکر مورد غضب نہ ہو جائین اور ہمین بچا کہ ہم تیری مدد سے بے نصیب رہکر گمراہ نہ ہو جاوین۔ آمین +

اب اس تمام تحقیقات سے انجیل کی دعا اور قران کی دعا مین فرق ظاہر ہوگیا کہ انجیل تو خدا کی بادشاہت آنیکا ایک وعدہ کرتی ہے مگر قرآن بتلاتا ہے کہ خدا کی بادشاہت تم مین موجود ہے نہ صرف موجود بلکہ عملی طور پر تم پر فیض بھی جاری ہین غرض انجیل مین تو صرف ایک وعدہ ہی ہے مگر قران نہ محض وعدہ بلکہ قائم شدہ بادشاہت اور اسکے فیوض کو دکھلا رہا ہے اب قران کی فضیلت اس سے ظاہر ہے کہ وہ اس خدا کو پیش کرتا ہے جو اسی زندگی دنیا مین راستبازون کا منجی اور آرام دہ ہے اور کوئی نفس اُسکے فیض سے خالی نہین بلکہ ہر ایک نفس پر جسب

اس کے ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت کا فیض جاری ہے مگر انجیل اس خدا کو پیش کرتی ہے جو ابھی اسکی بادشاہت دنیا مین نہین آئی صرف وعدہ ہے اب سوچ لو کہ عقل کسکو قابل پیروی سمجھتی ہے حافظ شیرازی نے سچ کہا ہے ؎

مرید پیر مغانم ز من مرنج ای شیخ ✧ چرا کہ وعدہ تو کردی و او بجا آورد

اور انجیلون مین حلیمون۔ غریبون۔ مسکینون کی تعریف کی گئی ہے اور نیز اُن کی تعریف جو ستائے جاتے ہین اور مقابلہ نہین کرتے مگر قرآن صرف یہی نہین کہتا کہ تم ہر وقت مسکین بنے رہو اور شر کا مقابلہ نہ کرو بلکہ کہتا ہے کہ حلم اور مسکینی اور غربت اور ترک مقابلہ اچھا ہے مگر اگر بے محل استعمال کیا جائے تو برا ہے پس تم محل اور موقعہ کو دیکھ کر ہر ایک نیکی کرو کیونکہ وہ نیکی بدی ہے جو محل اور موقعہ کے برخلاف ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ مینہ کیسا عمدہ اور ضروری چیز ہے لیکن اگر وہ بیموقعہ ہو تو وہی تباہی کا موجب ہو جاتا ہے تم دیکھتے ہو کہ ایک ہی سرد غذا یا گرم غذا کی مداومت سے تمہاری صحت قایم نہیں رہ سکتی بلکہ صحت تبھی قایم رہیگی جب موقعہ اور محل کے موافق تمہارے کہانے اور پینے کی چیزون مین تبدیلی ہوتی رہے پس درشتی اور نرمی اور عفو اور انتقام اور دعا اور بددعا اور دوسرے اخلاق مین جو تمہارے لئے مصلحت وقت ہے وہ بھی اسی تبدیلی کو چاہتی ہے اعلیٰ درجہ کے حلیم اور خلیق بنو لیکن نہ بے محل اور بیموقعہ اور ساتھ اسکے یہ بھی یاد رکہو کہ حقیقی اخلاق فاضلہ جنکے ساتھ نفسانی اغراض کی کوئی زہریلی آمیزش نہین وہ اوپر سے بذریعہ روح القدس آتے ہیں سو تم ان اخلاق فاضلہ کو محض اپنی کوششون سے حاصل نہین کر سکتے جبتک تم کو اوپر سے وہ اخلاق عنایت نہ کئے جائین اور ہر ایک جو آسمانی فیض سے بذریعہ روح القدس اخلاق کا حصہ نہین پاتا وہ اخلاق کے دعوی میں جھوٹا ہے اور اسکے پانی کے نیچے بہت سا کیچڑ ہے اور بہت سا گوبر ہے جو نفسانی جوشون کے وقت ظاہر ہوتا ہے سو تم خدا سے ہر وقت قوت مانگو جو اس کیچڑ اور اس گوبر سے تم نجات پاؤ اور روح القدس تم مین سچی طہارت اور لطافت پیدا کرے۔ یاد رکہو کہ سچے اور پاک اخلاق راستبازون کا معجزہ ہے جنمین کوئی غیر شریک نہین کیونکہ وہ جو خدا

مین محو نہین ہوتے وہ اوپر سے قوت نہیں پاتے اسلئے اُنکے لئے ممکن نہین کہ وہ پاک اخلاق حاصل کرسکین سو تم اپنے خدا سے صاف بدل پیدا کرو ٹھٹھا ہنسی کینہ وری گندہ زبانی لالچ جہوٹھ بدکاری بدنظری بدخیالی دنیا پرستی تکبر غرور خودپسندی شرارت کج بحثی سب چھوڑدو۔ پہر یہ سب کچھ تمہین آسمان سے ملیگا۔ جبتک وہ طاقت بالا جو تمہین اوپر کی طرف کہینچ کرلیجائے تمہارے شامل حال نہ ہو اور روح القدس جو زندگی بخشتا ہے تم مین داخل نہ ہو تب تک تم بہت ہی کمزور اور تاریکی مین پڑے ہوئے ہو بلکہ ایک مُردہ ہو جسمین جان نہین اس حالت مین نہ تو تم کسی مصیبت کا مقابلہ کرسکتے ہو نہ اقبال اور دولتمندی کی حالتمین کبر اور غرور سے بچ سکتے ہو اور ہر ایک پہلو سے تم شیطان اور نفس کے مغلوب ہو سو تمہارا علاج تو درحقیقت ایک ہی ہے کہ روح القدس جو خاص خدا کے ہاتھ سے اُترتی ہے تمہارا موُنہہ نیکی اور راستبازی کی طرف پہیر دے تم ابناء السماء بنو نہ ابناء الارض اور روشنی کے وارث بنو نہ تاریکی کے عاشق تا تم شیطان کی گذرگاہون سے امن مین آجاؤ کیونکہ شیطان کو ہمیشہ رات سے غرض ہے دن سے کچھ غرض نہین کیونکہ وہ پورانا چور ہے جو تاریکی میں قدم رکھتا ہے۔

سورۃ فاتحہ تری تعلیم ہی نہین بلکہ اسمین ایک بڑی پیشگوئی بھی ہے اور وہ یہ کہ خدا نے اپنی چارون صفات ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالکیت یوم الدین یعنے اقتدار جزا سزا کا ذکر کرکے اور اپنی عام قدرت کا اظہار فرماکر پھر اسکے بعد کی آیتون مین یہ دُعا سکھلائی ہی کہ خدایا ایسا کر کہ گذشتہ راستباز نبیون رسولون کے ہم وارث ٹھہرائے جائین اُنکی راہ ہمپر کھولی جائے اُنکی نعمتین ہمکو دی جائین خدایا ہمین اس سے بچا کہ ہم اُس قوم مین سے ہو جائین جنپر دُنیا مین ہی تیرا عذاب نازل ہوا یعنی یہود جو حضرت عیسیٰ مسیح کے وقت مین تہی جو طاعون سے ہلاک کی گئی۔ خدایا ہمین اس سے بچا کہ ہم اُس قوم مین سے ہو جائین جنکی شامل حال تیری رہنمائی نہ ہوئی اور وہ گمراہ ہوگئی یعنی نصاریٰ اس دعا مین یہ پیشگوئی مخفی ہے کہ بعض مسلمانون مین سے ایسے ہونگے کہ وہ اپنے صدق وصفا کی وجہ سے پہلے

نبیون کے وارث ہوجائینگے اور نبوت اور رسالت کی نعمتین پائینگے اور بعض ایسے
ہونگے کہ وہ یہودی صفت ہوجائینگے جنپر دنیا مین ہی عذاب نازل ہوگا اور بعض ایسے
ہونگے کہ وہ عیسائیت کا جامہ پہن لینگے۔ کیونکہ خدا کی کلام مین یہ سنت مستمرہ ہے کہ
جب ایک قوم کو ایک کام سے منع کیا جاتا ہے تو ضرور بعض انمین سے ایسے ہوتے ہین کہ
خدا کے علم مین اُس کام کے مرتکب ہونیوالے ہوتے ہین اور بعض ایسے ہوتے ہین کہ
وہ نیکی اور سعادت کا حصہ لیتے ہین ابتدا دنیا سے اخیر تک جسقدر خدا نے کتابین بھیجیں
اُن تمام کتابون مین خدا تعالی کی یہ قدیم سنت ہے کہ جب وہ ایک قوم کو ایک کام سے
منع کرتا ہے یا ایک کام کی رغبت دیتا ہے تو اسکے علم مین یہ مقدر ہوتا ہے کہ بعض اس
کام کو کرینگے اور بعض نہین۔ پس یہ سورۃ پیشگوئی کر رہی ہے کہ کوئی فرد اس اُمت
مین سے کامل طور پر نبیون کے رنگ مین ظاہر ہوگا تا وہ پیشگوئی جو آیت صراط الذین انعمت
علیہم سے مستنبط ہوتی ہے وہ اکمل اور اتم طور پر پوری ہوجائے۔ اور کوئی گروہ انمین سے
ان یہودیون کے رنگ مین ظاہر ہوگا جنپر حضرت عیسی نے لعنت کی تہی اور وہ عذاب الہی
مین مبتلا ہوئے تھے تا وہ پیشگوئی جو آیت غیر المغضوب علیہم سے مستنبط ہوتی ہے ظہور
پذیر ہو۔ اور کوئی گروہ انمین سے عیسائیون کے رنگ مین ہوجائیگا عیسائی بنجائیگا
جو خدا کی رہنمائی سے بوجہ اپنی شراب خواری اور اباحت اور فسق و فجور کے بے نصیب ہوگئے
تا وہ پیشگوئی جو آیت ولا الضالین سے مترشح ہو رہی ہے ظاہر ہوجائے۔ اور چونکہ یہ
بات مسلمانون کے عقیدہ مین داخل ہے کہ آخری زمانہ مین ہزارہا مسلمان کہلانے والے
یہودی صفت ہوجائینگے اور قرآن شریف کی کئی ایک مقامات مین بھی یہ پیشگوئی
موجود ہے اور صدہا مسلمانون کا عیسائی ہوجانا یا عیسائیون کی سی بے قید اور آزاد زندگی
اختیار کرنا خود مشہود اور محسوس ہو رہا ہے بلکہ بہت سے لوگ مسلمان کہلانے والے ایسے
ہین کہ وہ عیسائیون کی طرز معاشرت پسند کرتے ہین اور مسلمان کہلا کر نماز روزہ اور حلال
اور حرام کے احکام کو بُری نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہین اور یہ دونون فرقے یہودی صفت

اور عیسائی صفت اس ملک مین پھیلے ہوے نظر آتے ہین تو یہ دو پیشگوئیان سورۃ فاتحہ کی تو تم پوری ہوتی دیکھ چکے ہو اور بچشم خود مشاہدہ کر چکے ہو کہ کسقدر مسلمان یہودی صفت اور کس قدر عیسائیون کے لباس مین ہین۔ تو اب تیسری پیشگوئی خود ماننے کے لایق ہے کہ جیساکہ مسلمانون نے یہودی عیسائی بننے سے یہود نصاریٰ کی بدی کا حصہ لیا ایسا ہی اُنکا حق تہا کہ بعض افراد انکے اُن مقدس لوگون کے مرتبہ اور مقام سے بھی حصہ لین جو بنی اسرائیل مین گذر چکے ہین یہ خدا تعالیٰ پر بدظنی ہے کہ اُس نے مسلمانون کو یہود نصاریٰ کی بدی کا تو حصہ دار ٹھہرا دیا ہے یہانتک کہ اُنکا نام یہود بھی رکھدیا مگر اُنکے رسولون اور نبیوں کے مراتب مین سے اس امت کو کوئی حصہ نہ دیا پھر یہ امت خیر الامم کس وجہ سے ہوئی بلکہ شر الامم ہوئی کہ ہر ایک نمونہ شر کا انکو ملا مگر نیکی کا نمونہ نہ ملا۔ کیا ضرور نہین کہ اس امت مین بھی کوئی نبیون اور رسولون کے رنگ مین نظر آوے جو بنی اسرائیل کے تمام نبیون کا وارث اور اُن کا ظل ہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے بعید ہے کہ وہ اس امت مین اس زمانہ ہین ہزارہا یہودی صفت لوگ تو پیدا کرے اور ہزارہا عیسائی مذہب داخل کرے مگر ایک شخص بھی ایسا ظاہر نہ کرے جو انبیاء گذشتہ کا وارث اور انکی نعمت پانے والا ہوتا پیشگوئی جو آیت اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم سے مستنبط ہوتی ہے وہ بھی ایسی ہی پوری ہو جاوے جیساکہ یہودی اور عیسائی ہونیکی پیشگوئی پوری ہو گئی اور جس حالت مین اس امت کو ہزارہا بُرے نام دئے گئے ہین اور قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود ہو جانا بھی انکے نصیب مین ہے تو اس صورت مین خدا کے فضل کا خود یہ مقتضا ہونا چاہئیے تہا کہ جیسے گذشتہ نصاریٰ سے انہون نے بُری چیزین لین اسی طرح وہ نیک چیز کے بھی وارث ہون اسی لئے خدا نے سورۃ فاتحہ مین آیت اهدنا الصراط المستقیم مین بشارت دی کہ اس اُمت کے بعض افراد انبیاء گذشتہ کی نعمت بھی پائین گے نہ یہ کہ نرے یہود ہی بنین یا عیسائی بنین اور ان قومون کی بدی تو لے لین مگر نیکی نہ لے سکین اسی کی طرف سورۃ تحریم مین بھی اشارہ کیا ہے کہ بعض افراد امت کی نسبت فرمایا ہے کہ

وہ مریم صدیقہ سے مشابہت رکھینگے جس نے پارسائی اختیار کی تب اُس کے حسم
مین عیسیٰ کی روح پہونکی گئی اور عیسیٰ اس سے پیدا ہوا اِس آیت مین اس بات کی طرف
اشارہ تہا کہ اس امت مین ایک شخص ہوگا کہ پہلے مریم کا مرتبہ اُسکو ملیگا پھر اسمین عیسیٰ کی
روح پہونکی جاویگی تب مریم مین سے عیسیٰ نکل آیگا یعنے وہ مریمی صفات سے عیسوی صفات
کی طرف منتقل ہوجائے گا گویا مریم ہونے کی صفت نے عیسیٰ ہونیکا بچہ دیا اور اس طرح یہ
وہ ابن مریم کہلائیگا جیساکہ براہین احمدیہ مین اول میرا نام مریم رکھا گیا اور اسی کی طرف اشارہ
ہے الہام صفحہ ۲۴۱ مین اور وہ یہ ہے کہ انّٰی لک ھٰذا یعنے اے مریم تونے یہ نعمت
کہان سے پائی اور اسی کی طرف اشارہ ہی صفحہ ۲۲۶ مین یعنے اس الہام مین کہ ھزّی الیک
بجذع النخلۃ یعنے اے مریم کہجور کے تنہ کو ہلا - اور پھر اُس کے بعد صفحہ ۴۹۶ براہین احمدیہ
مین یہ الہام ہے یا مریم اسکن انت و زوجک الجنۃ نفخت فیک من لدنی
روح الصدق یعنی اے مریم تو مع اپنے دوستون کے بہشت مین داخل ہو مینے تجھ
مین اپنے پاس سے صدق کی روح پہونک دی - خدا نے اِس آیت مین میرا نام روح الصدق
رکہا - یہ اس آیت کے مقابل پر ہی کہ نفخنا فیہ من روحنا - پس اس جگہ گویا استعارہ کے
رنگ مین مریم کے پیٹ مین عیسیٰ کی روح جا پڑی جسکا نام روح الصدق ہے پہر سب کے
آخر صفحہ ۵۵۶ براہین احمدیہ مین وہ عیسیٰ جو مریم کے پیٹ مین تہا اُسکے پیدا ہونیکے بارے
مین یہ الہام ہوا - یا عیسیٰ انّی متوفیک و رافعک الیّ و جاعل الذین اتبعوک فوق
الذین کفروا الی یوم القیمۃ - اس جگہ میرا نام عیسیٰ رکھا گیا اور اس الہام نے ظاہر کیا کہ وہ
عیسیٰ پیدا ہوگیا جسکے روح کا نفخ صفحہ ۴۹۶ مین ظاہر کیا گیا تہا - پس اس لحاظ سے مین عیسیٰ
بن مریم کہلایا کیونکہ میری عیسوی حیثیت مریمی حیثیت سے خدا کے نفخ سے پیدا ہوئی دیکھو
صفحہ ۴۹۶ اور صفحہ ۵۵۶ براہین احمدیہ - اور اِسی واقعہ کو سورۃ تحریم مین بطور پیشگوئی کمال
تصریح سے بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم اِس امت مین اس طرح پیدا ہوگا کہ پہلے کوئی فرد
اس امت کا مریم بنایا جائیگا اور پھر بعد اسکے اس مریم مین عیسیٰ کی روح پہونک دیجائے گی

پس وہ مریمیت کے رحم میں ایک مدت تک پرورش پاکر عیسیٰ کی روحانیت میں تولد پائے گا اور اسطرح پر وہ عیسیٰ بن مریم کہلائے گا یہ وہ خبر محمدی ابن مریم کے بارہ میں ہے جو قرآن شریف یعنی سورۃ تحریم میں اس زمانہ سے تیرہ ۱۳ سو برس پہلے بیان کی گئی ہے اور پھر براہین احمدیہ میں سورۃ التحریم کے ان آیات کی خدا تعالیٰ نے خود تفسیر فرمادی ہے قرآن شریف موجود ہے ایک طرف قرآن شریف کو رکھو اور ایک طرف براہین احمدیہ کو اور پھر انصاف اور عقل اور تقوٰی سے سوچو کہ وہ پیشگوئی جو سورۃ تحریم میں تھی یعنے یہ کہ اس امت میں بھی کوئی فرد مریم کہلائیگا اور پھر مریم سے عیسیٰ بنایا جائیگا گویا اسمیں سے پیدا ہوگا وہ کس رنگ میں براہین احمدیہ کے الہامات سے پوری ہوئی کیا یہ انسان کی قدرت ہے کیا یہ میرے اختیار میں تھا اور کیا میں اس وقت موجود تھا جبکہ قرآن شریف نازل ہو رہا تھا تا میں عرض کرتا کہ مجھے ابن مریم بنانیکے لئے کوئی آیت اُتاری جائے اور اس اعتراض سے مجھے سبکدوش کیا جائے کہ تمہیں کیوں ابن مریم کہا جائے اور کیا آج سے بائیس ۲۲ برس پہلے بلکہ اس سے بھی زیادہ میری طرف سے یہ منصوبہ ہو سکتا تھا کہ میں اپنی طرف سے الہام تراش کر اول اپنا نام مریم رکھتا اور پھر آگے چلکر افترا کے طور پر یہ الہام بناتا کہ پہلے زمانہ کی مریم کی طرح مجھ میں بھی عیسیٰ کی روح پھونکی گئی اور پھر آخر کا صفحہ ۵۵۶ براہین احمدیہ میں یہ لکھہ دیتا کہ اب میں مریم میں سے عیسیٰ بنگیا۔ اے عزیزو غور کرو اور خدا سے ڈرو ہرگز یہ انسان کا فعل نہیں یہ باریک اور دقیق حکمتیں انسان کے فہم اور قیاس سے بالاتر ہیں اگر براہین احمدیہ کی تالیف کیوقت جس پر ایک زمانہ گذر گیا ہے مجھے اس منصوبہ کا خیال ہوتا تو میں اُس سے براہین احمدیہ میں کیوں یہ لکھتا کہ عیسیٰ مسیح ابن مریم آسمان سے دوبارہ آئے گا سو چونکہ خدا جانتا تھا کہ اس نکتہ پر علم ہونے سے یہ دلیل ضعیف ہوجائے گی اس لئے گو اُس نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں میرا نام مریم رکھا پھر جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے دو برس تک صفت مریمیت میں میں نے پرورش پائی اور پردہ میں نشوونما پاتا رہا پھر جب اُس پر دو برس گذر گئے تو جیسا کہ براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے مریم کی

طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر
کئی مہینہ کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر
براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ ۵۵۶ میں درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا پس اس طور سے
مین ابن مریم ٹھہرا۔ اور خدا نے براہین احمدیہ کے وقت میں اس سر خفی کی مجھے خبر نہ دی حالانکہ
وہ سب خدا کی وحی جو اس راز پر مشتمل تھی میرے پر نازل ہوئی اور براہین میں درج ہوئی
مگر مجھے اس کے معنوں اور اس ترتیب پر اطلاع نہ دی گئی اسی واسطے مینے مسلمانوں کا
رسمی عقیدہ براہین احمدیہ میں لکھدیا تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر وہ گواہ ہو وہ لکھنا جو الہامی
نہ تھا محض رسمی تھا مخالفوں کے لئے قابل استناد نہیں کیونکہ مجھے خود بخود غیب کا دعویٰ
نہیں جب تک کہ خود خدا تعالیٰ مجھے نہ سمجھاوے سو اس وقت تک حکمت الٰہی کا یہی تقاضا
تھا کہ براہین احمدیہ کے بعض الہامی اسرار میری سمجھ میں نہ آئے مگر جب وقت آگیا تو وہ
اسرار مجھے سمجھائے گئے تب مینے معلوم کیا کہ میرے اس دعویٰ مسیح موعود ہونے میں کوئی نئی بات
نہیں یہ وہی دعویٰ ہے جو براہین احمدیہ میں بار بار بتصریح لکھا گیا ہے۔ اس جگہ ایک اور
الہام کا بھی ذکر کرتا ہوں اور مجھے یاد نہیں کہ مینے وہ الہام اپنے کسی رسالہ یا اشتہار میں شائع
کیا ہے یا نہیں لیکن یہ یاد ہے کہ صدہا لوگوں کو مینے سنایا تھا اور میری یادداشت کے الہامات
میں موجود ہے اور وہ اس زمانہ کا ہے جب کہ خدا نے مجھے پہلے مریم کا خطاب دیا اور پھر نفخ
روح کا الہام کیا۔ پھر بعد اس کے یہ الہام ہوا تھا فاجاءھا المخاض الی جذع النخلۃ قالت
یالیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیا منسیا یعنی پھر مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے
درد زہ تنہ کھجور کی طرف لے آئی یعنی عوام الناس اور جاہلوں اور بے سمجھ علماء سے واسطہ
پڑا جنکے پاس ایمان کا پھل نہ تھا جنہوں نے تکفیر و توہین کی اور گالیاں دیں اور ایک طوفان
برپا کیا تب مریم نے کہا کہ کاش میں اس سے پہلے مر جاتی اور میرا نام و نشان باقی نہ رہتا یہ
اس شور کی طرف اشارہ ہے جو ابتدا میں مولویوں کی طرف سے بہ ہیئت مجموعی پڑا اور
وہ اس دعوے کی برداشت نہ کر سکے اور مجھے ہر ایک حیلہ سے انہوں نے فنا کرنا چاہا

تب اُس وقت جو کرب اور قلق نا سمجھون کا شور و غوغا دیکھہ کر میری دل پر گذرا اُسکا اسجگہ خدا تعالی نے نقشہ کھنچدیا ہے اور اس کے متعلق اور بھی الہام تھے جیسا لقد جئت شیئا فریا۔ ماکان ابوک امرء سوء وما کانت امک بغیا اور پھر اسکے ساتھہ کا الہام براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۲۱ مین موجود ہے اور وہ یہ ہے۔ الیس اللہ بکاف عبدہ ولنجعلہ اٰیۃ للناس ورحمۃ منا وکان امرا مقضیا قول الحق الذی فیہ تمترون دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۵۱۶ سطر ۱۲ و ۱۳ ۔ ترجمہ اور لوگون نے کہا کہ اے مریم تو نے یہ کیا مکروہ اور قابل نفرین کام دکھلایا جو راستے سے دور ہے تیرا باپ اور تیری مان تو ایسے نہ تھے مگر خدا ان تہمتون سے اپنے بندہ کو بری کرے گا اور ہم اسکو لوگون کے لئے ایک نشان بنا دین گے اور یہ بات ابتدا سے مقدر تھی اور ایسا ہی ہونا تھا یہ عیسیٰ بن مریم ہے جسمین لوگ شک کر رہے ہین یہی قول حق ہے۔ یہ سب براہین احمدیہ کی عبارت ہی اور یہ الہام اصل مین آیات قرآنی ہین جو حضرت عیسیٰ اور ان کی مان کے متعلق ہین۔ ان آیتون مین جب عیسےٰ کو لوگون نے ناجائز پیدایش کا انسان قرار دیا ہے اُسی کی نسبت اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ہم اسکو اپنا نشان بنائین گے اور یہی عیسیٰ ہے جسکی انتظار تھی اور الہامی عبارتون مین مریم اور عیسیٰ سے مین ہی مراد ہون۔ میری نسبت ہی کہا گیا کہ ہم اس کو نشان بنا دین گے اور نیز کہا گیا کہ یہ وہی عیسیٰ بن مریم ہے جو آنیوالا تھا جسمین لوگ شک کرتے ہین یہی حق ہے اور آنے والا یہی ہے اور شک محض نافہمی سے ہے جو خدا کے اسرار کو نہین سمجھتے اور صورت پرست ہین حقیقت پر انکی نظر نہین

نوٹ۔ اس الہام پر مجھے یاد آیا کہ بٹالہ مین فضل شاہ یا مہر شاہ نام ایک سید تھے جو میرے والد صاحب سے بہت محبت رکھتے تھے اور بہت تعلق تھا جب میری دعوی مسیح موعود ہونیکی کسی نے انکو خبر دی تو وہ بہت روئے اور کہا کہ انکے والد صاحب بہت اچھے آدمی تھے یعنی یہ شخص کس پر پیدا ہوا ان کا باپ تو نیک مزاج اور افترا کے کامون سے دور اور رسیدہ اور صاف دل مسلمان تھا ایسا ہی بہتون نے کہا کہ تم نے اپنے خاندان کو داغ لگایا کہ ایسا دعوی کیا۔ منہ

یہ بہی یاد رہے کہ سورۃ فاتحہ کے عظیم الشان مقاصد مین سے یہ دعا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ اور جس طرح انجیل کی دعا مین روٹی مانگی گئی ہے اس دعا مین خدا تعالیٰ سے وہ تمام نعمتین مانگی گئی ہین جو پہلے رسولون اور نبیون کو دیگئی تہین یہ مقابلہ بہی قابل نظارہ ہے اور جس طرح حضرت مسیح کی دعا قبول ہوکر عیسائیون کو روٹی کا سامان بہت کچہہ ملگیا ہے اسی طرح یہ قرآنی دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے قبول ہوکر اخیار و ابرار مسلمان بالخصوص ان کے کامل فرد انبیاء بنی اسرائیل کے وارث ٹہرائے گئے اور دراصل مسیح موعود کا اس امت مین سے پیدا ہونا یہ بہی اس دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے کیونکہ گو مخفی طور پر بہت سے اخیار و ابرار نے انبیاء بنی اسرائیل کی مماثلت کا حصہ لیا ہے مگر اس امت کا مسیح موعود کہلے کہلے طور پر خدا کے حکم اور اذن سے اسرائیلی مسیح کے مقابل کھڑا کیا گیا ہے تا موسوی اور محمدی سلسلہ کی مماثلت سمجھہ آجائے اسی غرض سے اس مسیح کو ابن مریم سے ہر ایک پہلو سے تشبیہ دی گئی ہے یہان تک کہ اس ابن مریم پر ابتلا بہی اسرائیلی ابن مریم کیطرح آئے اول جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم محض خدا کے نفخ سے پیدا کیا گیا اسی طرح یہ مسیح بہی سورۃ تحریم کے وعدہ کے موافق محض خدا کے نفخ سے مریم کے اندر سے پیدا کیا گیا اور جیسا کہ عیسے ابن مریم کی پیدائش پر بہت شور اوٹھا اور راندہ ہے مخالفون نے مریم کو کہا لقد جئت شیئاً فریا اسی طرح اس جگہ بہی کہا گیا اور شور قیامت مچایا گیا اور جیسا کہ خدا نے اسرائیلی مریم کے وضع حمل کے وقت مخالفون کو عیسیٰ کی نسبت یہ جواب دیا ولنجعلہ آیۃ للناس ورحمۃ منا وکان امرا مقضیا یہی جواب خدا تعالیٰ نے میری نسبت براہین احمدیہ مین روحانی وضع حمل کے وقت جو استعارہ کے رنگ مین تہا مخالفون کو دیا اور کہا کہ تم اپنے فریبون سے اسکو نابود نہین کر سکتے مین اس کو لوگون کے لئے رحمت کا نشان بناؤنگا اور ایسا ہونا ابتدا سے مقدر تہا۔ اور پہر جس طرح یہودیون کے علماء نے حضرت عیسیٰ پر فتوی تکفیر کا لگایا اور ایک شریر فاضل یہودی نے وہ استفتاء طیار کیا اور دوسرے فاضلون نے اسپر فتوی

دیا یہان تک کہ بیت المقدس کے صدہا عالم فاضل جو اکثر اہلحدیث تھے۔ انہون نے حضرت عیسے پر تکفیر کی مہرین لگادین یہی ✠ معاملہ مجھہ سے ہوا اور پہر جیسا کہ اُس تکفیر کے بعد حضرت عیسے کی نسبت کیگئی تہی انکو بہت ستایا گیا سخت سخت گالیان دی گئین تہبین ہجو اور بدگوئی مین کتابین لکھی گئی تہین یہی صورت اس جگہ بیش آئی گویا اٹھارہ سو برس ۱۸۰۰ کے بعد وہی عیسے پہر پیدا ہوگیا اور وہی یہودی پہر پیدا ہوگئے۔ آہ یہی معنی تو اس پیشگوئی کے تہے کہ غیر المغضوب علیہم جو خدا نے پہلے سے سمجہا دیا تہا مگر ان لوگون نے صبر نہ کیا جبتک یہودیون کیطرح مغضوب علیہم نہ بن گئے اِس مماثلت کی ایک اینٹ تو خدا نے اپنے ہاتہہ سے لگادی کہ مجھے عین چودہوین صدی کے سر پر جیسا کہ مسیح ابن مریم چودہوین صدی کے سر پر آیا تہا مسیح الاسلام کرکے بہیجا اور میرے لئے اپنے زبردست نشان دکہلا رہا ہے اور آسمان کے نیچے کسی مخالف مسلمان یا یہودی یا عیسائی وغیرہ کو طاقت

✠ حاشیہ حضرت عیسے علیہ السلام کیوقت مین یہودی اگرچہ بہت فرقے تہی مگر جو حق پر سمجھے جاتے تہے وہ دو فرقے ہوگئے تہے (۱) ایک وہ جو توریت کے پابند تہے اسی سے اجتہاد کے طور پر مسائل استنباط کرتے تہے (۲) دوسرا فرقہ اہلحدیث تہا جو توریت پر احادیث کو قاضی سمجہتے تہے یہ اہل حدیث اسرائیلی بلاد مین بہت پہیل گئے تہے اور ایسی ایسی حدیثون پر عمل کرتے تہے جو اکثر توریت کی معارض اور نقیض تہین اور انکی یہ حجت تہی کہ بعض مسائل شرعیہ مثلاً عبادات اور معاملات اور قانون مجازات کے مسائل توریت سے ملتے نہین ہین ان پر حدیثون کی روسے اطلاع ہوتی ہے اور حدیث کی کتاب کا نام طالمود تہا اور اسمین ہر ایک نبی کے زمانہ کی حدیثین تہین یہ حدیثین مدت تک زبانی رہین اور مدت کے بعد قلمبند ہوئین اِسلئے انمین کچہہ موضوعات کا حصہ بہی ملگیا تہا اور بباعث اسکے کہ اسوقت یہودیون کے تہتر ۷۳ فرقے ہوگئے تہے اور ہر ایک فرقہ اپنی اپنی حدیثین جدا جدا رکہتا تہا اور محدثین نے توریت کی طرف توجہ چہوڑ دی تہی اکثر حدیثون پر عمل تہا اور توریت گویا متروک اور مہجور کیطرح تہی اگر حدیث کے مطابق ہوتی تو اسکو مانا ورنہ اسکو رد کیا۔ پس اس زمانہ مین حضرت عیسے علیہ السلام پیدا ہوئے اور انکے مخاطب خاص طور پر اہل حدیث تہے جو توریت سے زیادہ حدیثون کی عزت کرتے تہے اور نبیون کے نوشتون

صہ مین پہلے خبر دی گئی تہی کہ جب یہود کئی فرقون پر منقسم ہوجائینگے اور خدا کی کتاب کو چہوڑ کر اسکے برخلاف حدیثون پر عمل کرینگے تب انکو ایک حکم عدل دیا جائیگا جو مسیح کہلائیگا اور اسکو وہ قبول نہ کرینگے آخر سخت عذاب انپر نازل ہوگا اور وہ طاعون

نہین کہ اُن کا مقابلہ کرے اور خدا کا مقابلہ عاجز اور ذلیل انسان کیا کر سکے یہ تو وہ بنیادی
اینٹ ہے جو خدا کی طرف سے ہے ہر ایک جو اس اینٹ کو توڑنا چاہیگا وہ توڑ نہین سکیگا
مگر یہ اینٹ جب اسپر پڑیگی تو اسکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیگی کیونکہ اینٹ خدا کی اور ہاتہہ خدا کا ہے
اور دوسری اینٹ میرے مخالفون نے طیار کر کے اسکے مقابل پر رکہدی کہ میرے مقابل
پر وہ کام کئے جو اس وقت کے یہودیون نے کئے تہے یہانتک کہ میرے ہلاک کرنیکے
لئے ایک خون کا مقدمہ بہی بنایا گیا جسکی میرے خدا نے مجہے پہلے خبر دیدی تہی وہ مقدمہ
جو میرے پر بنایا گیا وہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے مقدمہ سے بہت سخت تہا کیونکہ حضرت
عیسیٰ پر جو مقدمہ کیا گیا اسکی بنا محض ایک مذہبی اختلاف پر تہی جو حاکم کے نزدیک ایک
خفیف بات تہی بلکہ کچہہ بہی نہ تہی مگر میرے پر جو مقدمہ کہڑا کیا گیا وہ اقدام قتل کا دعوی تہا اور
جیساکہ مسیح کے مقدمہ مین یہودی مولویون نے جا کر گواہی دی تہی ضرور تہا کہ اس مقدمہ
مین بہی کوئی مولویون مین سے گواہی دیتا اِسلئے اس کام کے لئے خدا نے مولوی محمد حسین
بٹالوی کو انتخاب کیا اور وہ ایک بڑا لمبا جبہ پہن کر گواہی کے لئے آیا اور جیساکہ سردار کاہن
مسیح کو صلیب دلانیکے لئے عدالت مین گواہی دینے کے لئے آیا تہا یہہ بہی موجود ہوئے
صرف فرق اس قدر تہا کہ سردار کاہن کو پیلاطوس کی عدالت مین کرسی ملی تہی کیونکہ
یہودیون کے معزز بزرگون کو گورنمنٹ رومی مین کرسی ملتی تہی اور بعض انہین سے آنریری
مجسٹریٹ بہی تہے اِسلئے اس سردار کاہن نے عدالت کے قواعد کے لحاظ سے کرسی
پائی اور مسیح ابن مریم ایک مجرم کی طرح عدالت کے سامنے کہڑا تہا۔ لیکن میرے مقدمہ
مین اسکے برعکس ہوا یعنی یہ کہ برخلاف دشمنون کی امیدون کے کپتان ڈگلس نے جو
پیلاطوس کی جگہ عدالت کی کرسی پر تہا مجہے کرسی دی اور یہ پیلاطوس مسیح ابن مریم کے
پیلاطوس کی نسبت زیادہ بااخلاق ثابت ہوا کیونکہ عدالت کے امر مین وہ دلیری اور استقامت
سے عدالت کا پابند رہا اور بالائی سفارشون کی اوس نے کچہہ بہی پروانہ کی اور قومی اور مذہبی
خیال نے بہی اسمین کچہہ تغیر پیدا نہ کیا اور اسنے عدالت پر پورا قدم مارنے سے ایسا عمدہ

نمونہ دکھایا کہ اگر اسکے وجود کو قوم کا فخر اور حکام کے لئے نمونہ سمجھا جائے تو بیجا نہ ہوگا عدالت ایک مشکل امر ہے جبتک انسان تمام تعلقات سے علیحدہ ہوکر عدالت کی کرسی پر نہ بیٹھے تبتک اس فرض کو عمدہ طور پر ادا نہیں کرسکتا مگر ہم اس سچی گواہی کو ادا کرتے ہیں کہ اس پیلاطوس نے اس فرض کو پورے طور پر ادا کیا۔ اگرچہ پہلا پیلاطوس جو رومی تھا اس فرض کو اچھے طور پر ادا نہیں کرسکا اور اسکی بزدلی نے مسیح کو بڑی بڑی تکالیف کا نشانہ بنایا یہ فرق ہماری جماعت میں ہمیشہ تذکرہ کے لائق ہے جبتک کہ دنیا قائم ہے اور جیسے جیسے یہ جماعت لاکھوں کروڑوں افراد تک پہنچے گی ویسی ویسی تعریف کیسا تھ اس نیک نیت حاکم کا تذکرہ رہیگا اور یہ اسکی خوش قسمتی ہے کہ خدا نے اس کام کے لئے اسی کو چنا۔ ایک حاکم کے لئے کس قدر یہ امتحان کا موقعہ ہے کہ دو فریق اسکے پاس آویں کہ ایک ان میں سے اسکی مذہب کا مشنری اور دوسرا فریق وہ ہے جو اسکے مذہب کا مخالف ہے اور اسکے پاس بیان کیا گیا ہے کہ وہ اسکے مذہب کا سخت مخالف ہے لیکن اس بہادر پیلاطوس نے اس امتحان کو بڑے استقلال سے برداشت کرلیا اور اسکو ان کتابوں کے مقام دکھلائے گئے جنہیں کم فہمی سے عیسائی مذہب کی نسبت سخت الفاظ سمجھے گئے تھے اور ایک مخالفانہ تحریک کیگئی تھی مگر اسکے چہرہ پر کچھ تغیر پیدا نہوا کیونکہ وہ اپنی روشن کانشنس کیوجہ سے حقیقت تک پہنچ گیا تھا اور چونکہ اسنے مقدمہ کی اصلیت کو سچے دل سے تلاش کیا اسلئے خدا نے اسکی مدد کی اور اسکے دل پر سچائی کا الہام کیا اور اسپر واقعی حقیقت کھولی گئی اور وہ اس سے بہت خوش ہوا کہ عدل کی راہ اوسکو نظر آگئی اسنے مجھے محض عدل کے لحاظ سے مدعی کے مقابل پر کرسی دی اور جب مولوی محمد حسین جو سردار کاہن کیطرح مخالفانہ گواہی کے لئے آیا تھا مجھے کرسی پر بیٹھا ہوا پایا اور جس ذلت کو دیکھنے کے لئے میری نسبت اسکی آنکھ شوق رکھتی تھی اس ذلت کو اس نے نہ دیکھا تب مساوات کو غنیمت سمجھ کر وہ بھی اس پیلاطوس سے کرسی کا خواہشمند ہوا مگر اس پیلاطوس نے اسے ڈانٹا اور زور سے کہا کہ تجھے اور تیرے باپ کو کبھی کرسی نہیں ملی ہمارے دفتر میں تمہاری کرسی کے لئے کوئی ہدایت نہیں۔ اب یہ فرق بھی غور کے لائق ہے کہ پہلے پیلاطوس

نے یہودیون سے ڈر کران کے بعض معزز گواہون کو کرسی دیدی اور حضرت مسیح کو جو مجرم کے طور پر پیش کئے گئے تہے کھڑا رکہا حالانکہ وہ سچے دل سے مسیح کا خیرخواہ تہا بلکہ مریدون کی طرح تہا اور اسکی بیوی مسیح کی خاص مریدتہی جو ولی اللہ کہلاتی ہے لیکن خوف نے اس سے یہان تک حرکت صادر کرائی کہ ناحق بیگناہ مسیح کو یہودیون کے حوالہ کردیا میری طرح کوئی خون کا الزام نہ تہا صرف معمولی طور پر مذہبی اختلاف تہا لیکن وہ رومی پیلاطوس دل کا قوی نہ تہا اس بات کو سنکر ڈر گیا کہ قیصر کے پاس اسکی شکایت کی جائیگی۔ اور پہر ایک اور مماثلت پہلے پیلاطوس اور اس پیلاطوس مین یاد رکہنے کے لائق ہے کہ پہلے پیلاطوس نے اسوقت جو مسیح ابن مریم عدالت مین پیش کیا گیا یہودیون کو کہا تہا کہ مین اس شخص مین کوئی گناہ نہین دیکہتا ایسا ہی جب آخری مسیح اس آخری پیلاطوس کے روبرو پیش ہوا اور اس مسیح نے کہا کہ مجہے چند روز تک جواب کے لئے مہلت دینی چاہئے کہ مجہہ پر خون کا الزام لگایا جاتا ہے تب اس آخری پیلاطوس نے کہا کہ مین آپ پر کوئی الزام نہین لگاتا یہ دونوں قول دونون پیلاطوسون کے بالکل باہم مشابہ ہین اگر فرق ہے تو صرف اس قدر ہے کہ پہلا پیلاطوس اپنے اس قول پر قایم نرہ سکا اور جب اسکو کہا گیا کہ قیصر کے پاس تیری شکایت کرینگے تو وہ ڈر گیا اور حضرت مسیح کو اس نے عمداً خونخوار یہودیون کے حوالہ کردیا گو وہ اس سپردگی سے غمگین تہا اور اسکی عورت بہی غمگین تہی۔ کیونکہ وہ دونون مسیح کے سخت معتقد تہے لیکن یہودیون کا سخت شوروغوغا دیکہہ کر بزدلی اسپر غالب آگئی ہان البتہ پوشیدہ طور پر اس نے بہت سعی کی کہ مسیح کی جان کو صلیب سے بچایا جاوے اور اس سعی مین وہ کامیاب بہی ہوگیا مگر بعد اسکے کہ مسیح صلیب پر چڑہایا گیا اور شدت درد سے ایک ایسی سخت غشی مین آگیا کہ گویا وہ موت ہی تہی۔ بہرحال پیلاطوس رومی کی کوشش سے مسیح ابن مریم کی جان بچ گئی اور جان بچنے کے لئے پہلے سے مسیح کی دعا منظور ہوچکی تہی۔ دیکہو عبرانیان باب ۵ آیت ۷۔* بعد اسکے مسیح اس ملک مین سے پوشیدہ طور پر بہاگ کر کشمیر کی طرف آگیا اور وہین فوت ہوا اور تم سن چکے ہو کہ سری نگر محلہ خان یار

* مسیح نے بطور پیشگوئی خود بہی کہا کہ بجز یونس کے نشان کے اور کوئی نشان دکہایا نہین جائیگا پس مسیح نے اپنے اس قول مین یہ . . .

میں اسکی قبر ہے یہ سب پیلاطوس کی سعی کا نتیجہ تہا لیکن تاہم اُس پہلے پیلاطوس کی کارروائی بزدلی کی رنگ آمیزی سے خالی نہ تہی اگر وہ اپنے اس قول کا پاس کرکے کہ مین اس شخص کا کوئی گناہ نہین دیکہتا مسیح کو چہوڑ دیتا تو اس پر کچھہ مشکل نہ تہا اور وہ چہوڑنے پر قادر تہا مگر وہ قیصر کی دوہائی سُن کر ڈر گیا لیکن یہ آخری پیلاطوس پادریوں کے ہجوم سے نہ ڈرا حالانکہ اس جگہ بہی قیصرہ کی بادشاہی تہی لیکن یہ قیصرہ اُس قیصر سے بدرجہا بہتر تہی اسلیئے کسی کے لئے ممکن نہ تہا کہ حاکم پر دباؤ ڈالنے کے لیئے اور انصاف چہوڑانیکے لئے قیصرہ سے ڈرادے بہرحال پہلے مسیح کی نسبت آخری مسیح پر بہت شور اور منصوبہ اُٹہایا گیا تہا اور میرے مخالف اور ساری قوموں کے سرگروہ جمع ہو گئے تہے مگر آخری پیلاطوس نے سچائی سے پیار کیا اور اپنے اس قول کو پورا کرکے دکہلایا کہ جو اس نے مجھے مخاطب کرکے کہا تہا کہ مین تم پر خون کا الزام نہین لگاتا سو اس نے مجھے بہت صفائی اور مردانگی سے بری کیا اور پہلے پیلاطوس نے مسیح کے بچانے کیلئے حیلوں سے کام لیا مگر اس پیلاطوس نے جو کچھہ عدالت کا تقاضا تہا اُس طور سے اس تقاضا کو پورا کیا جسمین بزدلی کا رنگ نہ تہا جس دن میں بری ہوا اُس دن اس عدالت مین ملکی فوج کا ایک چور بہی پیش ہوا یہ اسلئے وقوع مین آیا کہ پہلے مسیح کے ساتہہ بہی ایک چور تہا لیکن اس آخری مسیح کے ساتہہ کے چور کو جو پکڑا گیا اُس پہلے چور کی طرح جو پہلے مسیح کے ساتہہ پکڑا گیا صلیب پر نہین چڑہایا اور نہ اسکی ہڈیاں توڑی گئین بلکہ صرف تین ماہ کی قید ہوئی ✦

اب پہر ہم اپنے بیان کیطرف رجوع کرکے لکہتے ہین کہ سورۃ فاتحہ مین اس قدر حقایق ودقایق ومعارف جمع ہین کہ اگر اُن سب کو لکہا جائے تو وہ باتین ایک دفتر مین بہی ختم نہین ہوسکتین اسی ایک حکیمانہ دعا کو دیکہئے کہ جو اس سورہ میں سکہائی گئی ہے یعنے اھدنا الصراط المستقیم یہ دعا ایک ایسا مفہوم کلّی اپنے اندر رکہتی ہے جو تمام دین اور دنیا کے مقاصد کی یہی ایک کنجی ہے ہم کسی چیز کی حقیقت پر اطلاع نہین پاسکتے اور نہ اُسکے فوائد سے منتفع ہوسکتے ہین جبتک کہ ہمین اسکے پانیکے لئے ایک مستقیم راہ نہ ملے دنیا کی حقیقت

مشکل اور پیچیدہ امور میں خواہ وہ سلطنت اور وزارت کے ذمہ واریوں کے متعلق ہوں اور خواہ سپہ گری اور جنگ وجدال سے تعلق رکھتے ہوں اور خواہ طبعی اور ہیئت کے دقیق مسائل کے متعلق ہوں اور خواہ صناعت طب کے طریق تشخیص اور علاج کے متعلق اور خواہ تجارت اور زراعت کے متعلق ان تمام امور میں کامیابی ہونا مشکل اور غیر ممکن ہے جبتک کہ انکے بارہ میں ایک مستقیم راہ نہ ملے کہ کس طور سے اس کام کو شروع کرنا چاہئے اور ہر ایک عقلمند انسان مشکلات کے وقت میں یہی اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اس مشکل سربستہ کے بارہ میں ایک لمبے وقت تک رات کو اور دن کو سوچتا رہے تا ہو کہ اس مشکل کشائی کے لئے کوئی راہ نکل آوے اور ہر ایک صنعت اور ہر ایک ایجاد اور ہر ایک پیچیدہ اور الجھے ہوئے کام کو چلانا اس بات کو چاہتا ہے کہ اُس کام کے لئے راہ نکل آوے پس دنیا اور دین کی اغراض کیلئے اصل دعا راہ نکالنی کی دُعا ہے جب سیدھی راہ کسی امر کے متعلق ہاتھ میں آجائے تو یقیناً وہ امر بھی خدا کے فضل سے حاصل ہو جاتا ہے خدا کی قدرت اور حکمت نے ہر ایک مدعا کے حصول کیلئے ایک راہ رکھی ہے مثلاً کسی بیمار کا ٹھیک علاج نہیں ہو سکتا جب تک اُس مرض کی حقیقت سمجھنے اور نسخہ کے تجویز کے لئے ایک ایسی راہ نہ نکل آوے کہ دل فتوے دیدے کہ اس راہ میں کامیابی ہوگی بلکہ کوئی انتظام دُنیا میں ہو ہی نہیں سکتا جب تک اس انتظام کے لئے ایک راہ پیدا نہ ہو پس راہ کا طلب کرنا طالب مقصد کا فرض ہوا اور جیسا کہ دنیا کی کامیابی کا صحیح سلسلہ ہاتھ میں لینے کے لئے پہلے ایک راہ کی ضرورت ہے جس پر قدم رکھا جائے ایسا ہی خدا کا دُوست اور مورد محبت اور فضل بننے کے لئے قدیم سے ایک راہ کی ضرورت پائی گئی ہے اسی لئے دوسری سورۃ میں جو سورۃ البقر ہے جو اس سورۃ کے بعد ہے سورۃ کے شروع میں ہی فرمایا گیا ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یعنے انعام پانے کی یہ راہ ہے جو ہم بیان کرتے ہیں[+] پس یہ دعا یعنے دعا اهدنا الصراط المستقیم ایک جامع دعا ہے کہ جو انسان کو اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ مشکلات دینی اور دنیوی کے وقت میں اول جس چیز کی تلاش انسان کا فرض ہے وہ یہی ہے کہ اس امر کے حصول کیلئے وہ صراط مستقیم تلاش کرے یعنی کوئی ایسی صاف اور سیدھی

[+] سورہ فاتحہ میں راہ راست کیلئے دعا کی گئی اور دوسری سورۃ میں گویا وہ دعا قبول ہو کر راہ راست بتلائی گئی ہے۔ منہ

راہ ڈہونڈہ ہے جس سے بآسانی اس مطلب تک پہنچ سکے - اور دل یقین سے بھرجائے شکوک سے نجات ہو لیکن انجیل کی ہدایت کے موافق روٹی مانگنے والا خداجوئی کی راہ اختیار نکریگا اُسکا مقصد تو روٹی ہے جب روٹی ملگئی تو پھر اسکو خدا سے کیا غرض یہی وجہ ہے کہ عیسائی صراط مستقیم سے گر گئے اور ایک نہایت قابل شرم عقیدہ جو انسان کو خدا بنانا ہے انکے گلے پڑ گیا ہم نہین سمجھ سکتے کہ مسیح ابن مریم مین دوسرون کی نسبت کیا زیادتی تہی جس سے اسکی خدائی کا خیال آیا معجزات مین پہلے اکثر نبی اس سے بڑہکر ہین جیساکہ موسٰے اور الیسع اور ایلیا نبی اور مجہے قسم ہے اُس ذات کی جسکے ہاتہ مین میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ مین ہوتا تو وہ کام جو مین کرسکتا ہون وہ ہرگز نہ کرسکتا اور وہ نشان جو مجہہ سے ظاہر ہو رہے ہین وہ ہرگز دکہلا نہ سکتا* اور خدا کا فضل اپنے سے زیادہ مجہہ پر پاتا - جبکہ مین ایسا ہون تو اب سوچو کہ کیا مرتبہ ہے **اُس پاک رسول کا جسکی غلامی کیطرف مین منسوب کیا گیا** - ذٰلِکَ فَضلُ اللہِ یُؤتِیہِ مَن یَّشَآءُ اس جگہ کوئی حسد اور رشک پیش نہین جاتا خدا جو چاہے کرے جو اسکے ارادہ کے مخالفت کرتا ہے وہ صرف اپنے مقاصد مین نامرادہی نہین بلکہ مرکر جہنم کی راہ لیتا ہے ہلاک ہوگئے وہ جنہون نے عاجز مخلوق کو خدا بنایا - ہلاک ہوگئے وہ جنہون نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا - مبارک وہ جس نے مجہے پہچانا مین خدا کی سب راہون مین سے آخری راہ ہون - اور مین اسکے سب نورون مین سے آخری نور ہون - بدقسمت ہے وہ جو مجہے چہوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے *

دوسرا ذریعہ ہدایت کا جو مسلمانون کو دیا گیا ہے **سنت** ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی کارروائیان جو آپ نے قرآن شریف کے احکام کی تشریح کیلئے کرکے دکہلائین مثلاً قرآن شریف مین بظاہر نظر پنجگانہ نمازون کے رکعات معلوم نہین ہوتین کہ صبح کس قدر اور دوسرے وقتون مین کس کس تعداد پر لیکن سنت نے سب کچھ کہول دیا ہے یہ دہوکہ نہ لگے کہ سنت اور حدیث ایک چیز ہے کیونکہ حدیث تو سو ڈیڑھ سو برس کے بعد جمع کی گئی مگر سنت کا قرآن شریف کیساتھ ہی وجود تہا مسلمانون پر قرآن شریف کے بعد بڑا احسان سنت کا ہے خدا اور رسول کی ذمہ واری

* اس تصدیق کے لئے کتاب نزول المسیح جو عنقریب [illegible] اور عنقریب شائع ہونیوالی ہے دیکہنا چاہیے جس مین [illegible] پیر مہر علی گولڑوی کی کتاب [illegible] کے رد مین لکہی گئی ہے جس مین ثابت کیا گیا ہے [illegible] بدبخت احمق کتاب بناکر پیشگوئی اِنّی مُہِینٌ مَن اَرَادَ اِہَانَتَکَ کا نشانہ بنگیا فَاعتَبِرُوا یَا اُولِی الاَبصَار - منہ

کا فرض صرف دو امر تھے اور وہ یہ کہ خدا نے قرآن کو نازل کر کے مخلوق کو بذریعہ اپنے قول کے اپنے منشا سے اطلاع دی - یہہ تو خدا کے قانون کا فرض تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہہ فرض تھا کہ خدا کی کلام کو عملی طور پر دکھلا کر بخوبی لوگون کو سمجھا دینا پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ گفتنی باتین کر دی کے پیرایہ مین دکھلا دین اور اپنی سنت یعنے عملی طور کارروائی سے معضلات اور مشکلات مسائل کو حل کر دیا یہ کہنا بیجا ہے کہ یہہ حل کرنا حدیث پر موقوف تھا کیونکہ حدیث کے وجود سے پہلے اسلام زمین پر قائم ہو چکا تھا کیا جبتک حدیثین جمع نہ ہوئی تھین۔ لوگ نماز نہ پڑھتے تھے یا زکوٰۃ نہ دیتے تھے یا حج نہ کرتے تھے یا حلال وحرام سے واقف نہ تھے۔ ہان تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے کیونکہ بہت سے اسلام کے تاریخی اور اخلاقی اور فقہ کے امور کو حدیثین کھولکر بیان کرتی ہین اور نیز بڑا فایدہ حدیث کا یہہ ہے کہ وہ قرآن کی خادم اور سنت کی خادم ہے جن لوگونکو ادب قرآن شریف کا نہین دیا گیا وہ اس موقعہ پر حدیث کو قاضی قرآن کہتے ہین جیساکہ یہودیون نے اپنی حدیثون کی نسبت کہا مگر ہم حدیث کو خادم قرآن اور خادم سنت قرار دیتے ہین اور ظاہر ہے کہ آقا کی شوکت خادمون کے ہونے سے بڑھتی ہے قرآن خدا کا قول ہے اور سنت رسول اللہ کا فعل اور حدیث سنت کے لئے ایک تائیدی گواہ ہے۔ نعوذ باللہ یہ کہنا غلط ہے کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے اگر قرآن پر کوئی قاضی ہے تو وہ خود قرآن ہی ہے۔ حدیث جو ایک ظنی مرتبہ پر ہے۔ قرآن کی ہرگز قاضی نہین ہو سکتی صرف ثبوت موئید کے رنگ مین ہے قرآن اور سنت نے اصل کام سب کر دکھایا ہے اور حدیث صرف تائیدی گواہ ہے۔ حدیث قرآن پر کیسی قاضی ہو سکتی ہے قرآن اور سنت اس زمانہ مین ہدایت کر رہے تھے جبکہ اس صنوعی قاضی کا نام ونشان نہ تھا یہہ مت کہو کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے بلکہ یہہ کہو کہ حدیث قرآن اور سنت کیلئے تائیدی گواہ ہے البتہ سنت ایک ایسی چیز ہے جو قرآن کا منشا ظاہر کرتی ہے اور سنت سے وہ راہ مراد ہے جس راہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر صحابہ کو ڈال دیا تھا۔ سنت ان باتونکا نام نہین ہے جو سو ڈیڑھ سو برس بعد کتابون مین لکھی گیئین بلکہ ان باتون کا نام حدیث ہے اور

سنت اس عملی نمونہ کا نام ہے جو نیک مسلمانوں کی عملی حالت میں ابتدا سے چلا آیا ہے جس پر ہزارہا مسلمانوں کو لگایا گیا۔ ہان حدیث بھی اگرچہ اکثر حصہ اُسکا ظن کے مرتبہ پر ہے مگر بشرط عدم تعارض قرآن و سنت تمسک کے لایق ہے اور مؤید قرآن و سنت ہے اور بہت سی اسلامی مسایل کا ذخیرہ اسکے اندر موجود ہے **پس حدیث** کا قدر نہ کرنا گویا ایک عضو اسلام کا کاٹ دینا ہے ہان اگر ایک ایسی حدیث ہو جو قرآن اور سنت کے نقیض ہو اور نیز ایسی حدیث کی نقیض ہو جو قرآن کے مطابق ہے یا مثلاً ایک ایسی حدیث ہو جو صحیح بخاری کے مخالف ہے تو وہ حدیث قبول کے لایق نہین ہوگی کیونکہ اس کے قبول کرنے سے قرآن کو اور اُن تمام احادیث کو جو قرآن کے موافق ہین رد کرنا پڑتا ہے اور مین جانتا ہون کہ کوئی پرہیزگار اس پر جرأت نہین کریگا کہ ایسی حدیث پر عقیدہ رکھے کہ وہ قرآن اور سنت کے برخلاف اور ایسی حدیثون کے مخالف ہے جو قرآن کے مطابق ہین بہرحال احادیث کا قدر کرو اور اُن سے فائدہ اُٹھاؤ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب ہین اور جبتک قرآن اور سنت انکی تکذیب نہ کرے تم بھی انکی تکذیب نہ کرو بلکہ چاہئے کہ احادیث نبویہ پر ایسے کاربند ہو کہ کوئی حرکت نہ کرو اور نہ کوئی سکون اور نہ کوئی فعل کرو اور نہ ترک فعل۔ مگر اسکی تائید مین تمہارے پاس کوئی حدیث ہو لیکن اگر کوئی ایسی حدیث ہو جو قرآن شریف کے بیان کردہ قصص سے صریح مخالف ہی تو اُسکی تطبیق کے لئے فکر کرو شاید وہ تعارض تمہاری ہی غلطی ہو اور اگر کسی طرح وہ تعارض دور نہ ہو تو ایسی حدیث کو پھینک دو کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سی نہین ہی اور اگر کوئی حدیث ضعیف ہی مگر قرآن سے مطابقت رکھتی ہے تو اس حدیث کو قبول کرلو کیونکہ قرآن اسکا مصدق ہے اور اگر کوئی ایسی حدیث ہی جو کسی پیشگوئی پر مشتمل ہے مگر محدثین کے نزدیک وہ ضعیف ہی اور تمہارے زمانہ مین یا پہلے اس سی اس حدیث کی پیشگوئی سچی نکلی ہے تو اس حدیث کو سچی سمجھو اور ایسے محدثون اور راویون کو مخطی اور کاذب خیال کرو جنہون نے اس حدیث کو ضعیف اور موضوع قرار دیا ہو ایسی حدیثین صدہا ہین جنمین پیشگوئیان ہین اور اکثر ان مین سی محدثین کے نزدیک مجروح یا موضوع یا ضعیف ہین پس اگر کوئی حدیث اُن مین سے پوری ہو جائے اور تم یہ

کہہ کر ٹال دو کہ ہم اسکو نہین مانتے کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے یا کوئی راوی اسکا متدین نہین
ہے تو اس صورت مین تمہاری خود بے ایمانی ہوگی کہ ایسی حدیث کو رد کردو جسکا سچا ہونا خدا
نے ظاہر کردیا۔ خیال کرو کہ اگر ایسی حدیث ہزار ہو اور محدثین کے نزدیک ضعیف ہو اور ہزار
پیشگوئی اسکی سچی نکلے تو کیا تم ان حدیثون کو ضعیف قرار دیکر اسلام کے ہزار ثبوت کو ضائع
کردوگے پس اس صورت مین تم اسلام کے دشمن ٹھیروگے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا یُظْہِرُ
عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ پس سچی پیشگوئی بجز سچے رسول کے کس کی
طرف منسوب ہوسکتی ہے کیا ایسے موقعہ پر یہ کہنا مناسب حالت ایمانداری نہین ہے کہ
صحیح حدیث کو ضعیف کہنے مین کسی محدث نے غلطی کھائی اور یا یہ کہنا مناسب ہے کہ جھوٹی حدیث
کو سچی کرکے خدا نے غلطی کھائی۔ اور اگر ایک حدیث ضعیف درجہ کی بھی ہو بشرطیکہ وہ قرآن
اور سنت اور ایسی احادیث کے مخالف نہین جو قرآن کے موافق ہین تو اس حدیث پر عمل کرو
لیکن بڑی احتیاط سے حدیثون پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ بہت سی احادیث موضوعہ بھی ہین
جنہون نے اسلام مین فتنہ ڈالا ہے ہر ایک فرقہ اپنے عقیدہ کے موافق حدیث رکھتا ہے
یہان تک کہ نماز جیسے یقینی اور متواتر فریضہ کو احادیث کے تفرقہ نے مختلف صورتون مین
کردیا ہے کوئی آمین بالجہر کرتا ہے کوئی پوشیدہ کوئی خلف امام فاتحہ پڑھتا ہے کوئی اس پڑھنے
کو مفسد نماز جانتا ہے کوئی سینہ پر ہاتھ باندھتا ہے کوئی ناف پر اصل وجہ اس اختلاف کی
احادیث ہی ہین کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْہِمْ فَرِحُوْنَ ورنہ سنت نے ایک ہی طریق بتلایا تھا پھر
روایات کے تداخل نے اس طریق کو جنبش دیدی۔ اسی طرح احادیث کی غلط فہمی نے
کئی لوگون کو ہلاک کردیا۔ شیعہ بھی اسی سے ہلاک ہوئے اگر قرآن کو اپنا حکم ٹھہراتے تو ایک
سورۃ نور ہی انکو نور بخش سکتی تھی مگر حدیثون نے انکو ہلاک کیا اسی طرح حضرت مسیح کے وقت وہ
یہودی ہلاک ہوگئے جو اہل حدیث کہلاتے تھے کچھ مدت سے ان لوگون نے توریت کو
چھوڑ دیا تھا اور جیسا کہ آجتک ان کا عقیدہ ہے ان کا یہ مذہب تھا کہ حدیث توریت پر قاضی
ہے سو انمین ایسی حدیثین بکثرت موجود تھین کہ جب تک ایلیا دوبارہ آسمان سے اپنے عنصری

وجود کے ساتھ نازل نہ ہو تب تک ان کا مسیح موعود نہین آئے گا ان حدیثون نے ان کو سخت ٹھوکر مین ڈالدیا - اور وہ لوگ ان حدیثون پر تکیہ کر کے حضرت مسیح کی اس تاویل کو قبول نہ کر سکے کہ الیاس سے مراد یوحنا یعنے یحیٰی نبی ہے جو الیاس کی خو اور طبیعت پر آیا اور بروزی طور پر اس کا وجود لیا ہے پس تمام ٹھوکر ان کی حدیثون کے سبب سے تھی جو آخر کار ان کے بے ایمان ہونیکا موجب ہوگئی اور ممکن ہے کہ وہ لوگ ان حدیثون کے معنون مین بھی غلطی کرتے ہون یا حدیثون مین بعض انسانی الفاظ مل گئے ہون - غرض شائد مسلمانون کو اس واقعہ کی خبر نہین ہوگی کہ یہودیون مین حضرت مسیح کے منکر اہل حدیث ہی تھے انہون نے ان پر شور مچایا اور تکفیر کا فتوے لکھا اور انکو کافر قرار دیا اور کہا کہ یہ شخص خدا کی کتابون کو مانتا نہین خدا نے الیاس کے دوبارہ آنیکی خبر دی ہے اور یہ اس پیش گوئی کی تاویلین کرتا اور بغیر کسی قرینہ صارفہ کے ان خبرون کو کسی اور طرف کھینچ کر لیجاتا ہے اور حضرت مسیح کا نام انہون نے صرف کافر ہی نہین بلکہ ملحد بھی رکھا کہ اگر یہ شخص سچا ہے تو پھر دین موسوی باطل ہے وہ ان کے لئے فیج اعوج کا زمانہ تھا جھوٹی حدیثون نے ان کو دھوکا دیا - غرض حدیثون کے پڑھنے کے وقت یہ خیال کر لینا چاہئے کہ ایک قوم پہلے اس حدیث کو توریت پر قاضی ٹھہرا کر اس حالت تک پہنچ چکی ہے کہ ایک سچے نبی کو انہون نے کافر اور دجال کہا اور اس سے انکار کر دیا - تاہم مسلمانون کے لئے صحیح بخاری نہایت متبرک اور مفید کتاب ہے یہ وہی کتاب ہے جس مین صاف طور پر لکھا ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام وفات پا گئے - ایسا ہی مسلم اور دوسری احادیث کی کتابین بہت سے معارف اور مسائل کا ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہین اور اس احتیاط سے ان پر عمل واجب ہے کہ کوئی مضمون ایسا نہ ہو جو قرآن اور سنت اور ان احادیث سے مخالف ہو جو قرآن کے مطابق ہین +

اے خدا کے طالب بندو ! کان کھولو اور سنو کہ یقین جیسی کوئی چیز نہین یقین ہی ہے جو گنہ سے چھوڑاتا ہے - یقین ہی ہے جو نیکی کرنے کی قوت دیتا ہے - یقین ہی ہے جو خدا کا عاشق صادق بناتا ہے کیا تم گنہ کو بغیر یقین کے چھوڑ سکتے ہو - کیا تم جذبات نفس سے

ہے جنہ حضرت مسیح کو جبتک وہ اس ملک مین رہے بہت دکھ دیا تھا اور جب وہ صلیب سے نجات پا کر کشمیر کیطرف چلے آئے تو اسنے ایک جھوٹی خواب کے ذریعہ سے حواریون مین اپنے تئین داخل کیا اور تثلیث کا مسئلہ گھڑا اور عیسائیون پر سور کو جو توریت کے رو سے ابدی حرام تھا حلال کر دیا اور شراب کو بہت وسعت دیدی اور بخیلی عقیدہ مین تثلیث

بغیر یقینی تجلی کے رُک سکتے ہو- کیا تم بغیر یقین کے کوئی تسلی پا سکتے ہو- کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچی تبدیلی پیدا کر سکتے ہو کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچی خوشحالی حاصل کر سکتے ہو- کیا آسمان کے نیچے کوئی ایسا کفارہ اور ایسا فدیہ ہے جو تم سے گناہ ترک کرا سکے- کیا مریم کا بیٹا عیسےٰ ایسا ہے کہ اس کا مصنوعی خون گناہ سے چھڑائے گا- اے عیسائیو ایسا جھوٹ مت بولو جس سے زمین ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے- یسوع خود اپنی نجات کیلئے یقین کا محتاج تھا اور اس نے یقین کیا اور نجات پائی- افسوس ہے ان عیسائیوں پر جو یہ کہہ کر مخلوق کو دھوکا دیتے ہیں کہ ہم نے مسیح کے خون سے گناہ سے نجات پائی ہے- حالانکہ وہ سر سے پیر تک گناہ میں غرق ہیں وہ نہیں جانتے کہ ان کا کون خدا ہے بلکہ زندگی تو غفلت آمیز ہے شراب کی مستی ان کے دماغ میں ہے مگر وہ پاک مستی جو آسمان سے اترتی ہے اس سے وہ بیخبر ہیں اور جو زندگی خدا کے ساتھ ہوتی ہے اور جو پاک زندگی کے نتائج ہوتے ہیں وہ اس سے بے نصیب ہیں پس تم یاد رکھو کہ بغیر یقین کے تم تاریک زندگی سے باہر نہیں آسکتے اور نہ روح القدس تمہیں مل سکتا ہے مبارک وہ جو یقین رکھتے ہیں کیونکہ وہی خدا کو دیکھیں گے- مبارک وہ جو شبہات اور شکوک سے نجات پا گئے ہیں کیونکہ وہی گنہ سے نجات پائینگے- مبارک تم جبکہ تمہیں یقین کی دولت دیجائے کہ اسکے بعد تمہارے گنہ کا خاتمہ ہوگا- گنہ اور یقین دونوں جمع نہیں ہوسکتے کیا تم ایسے سوراخ میں ہاتھ ڈال سکتے ہو جس میں تم ایک سخت زہریلے سانپ کو دیکھ رہے ہو کیا تم ایسی جگہ کھڑے رہ سکتے ہو جس جگہ کسی کوہ آتش فشان سے پتھر برستے ہیں یا بجلی پڑتی ہے یا ایک خونخوار شیر کے حملہ کرنے کی جگہ ہے یا ایک ایسی جگہ ہے جہاں ایک مہلک طاعون نسل انسان کو معدوم کر رہی ہے پھر اگر تمہیں خدا پر ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ سانپ پر یا بجلی پر یا شیر پر یا طاعون پر تو ممکن نہیں کہ اسکے مقابل پر تم نافرمانی کرکے سزا کی راہ اختیار کرسکو- یا صدق و وفا کا اس سے تعلق توڑ سکو*

اے وے لوگو جو نیکی اور راستبازی کے لئے بلائے گئے ہو تم یقیناً سمجھو کہ خدا کی کشش اسوقت تم میں پیدا ہوگی اور اسی وقت تم گناہ کے مکروہ داغ سے پاک کئے جاؤگے

جبکہ تمہارے دل یقین سے بھر جائینگے شائد تم کہو گے کہ ہمیں یقین حاصل ہے سو یاد رہے کہ یہ تمہیں دہوکا لگا ہوا ہے یقین تمہیں ہرگز حاصل نہیں کیونکہ اُسکے لوازم حاصل نہیں وجہ یہ کہ تم گناہ سے باز نہیں آتے تم ایسا قدم آگے نہیں اُٹھاتے جو اُٹھانا چاہیئے تم ایسے طور سے نہیں ڈرتے جو ڈرنا چاہیئے خود سوچ لو کہ جسکو یقین ہے کہ فلاں سوراخ میں سانپ ہے وہ اس سوراخ میں کب ہاتھ ڈالتا ہے اور جسکو یقین ہے کہ اسکے کہانے میں زہر ہے وہ اس کہانے کو کب کہاتا ہے اور جو یقینی طور پر دیکھ رہا ہے کہ اس فلاں بن میں ایک ہزار خونخوار شیر ہے اسکا قدم کیونکر بے احتیاطی اور غفلت سے اُس بن کیطرف اٹھہ سکتا ہے سو تمہارے ہاتھہ اور تمہارے پاؤں اور تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں کیونکر گناہ پر دلیری کرسکتی ہیں اگر تمہیں خدا اور جزا سزا پر یقین ہے گناہ یقین پر غالب نہیں ہوسکتا اور جبکہ تم ایک بہسم کرنے اور کہا جانیوالی آگ کو دیکہہ رہے ہو تو کیونکر اس آگ میں اپنے تئیں ڈال سکتے ہو۔ اور یقین کی دیواریں آسمان تک ہیں شیطان اُن پر چڑھ نہیں سکتا ہر ایک جو پاک ہوا وہ یقین سے پاک ہوا۔ یقین دُکہہ اُٹھانے کی قوت دیتا ہے یہاں تک کہ ایک بادشاہ کو تخت سے اوتارتا ہے اور فقیری جامہ پہناتا ہے۔ یقین ہر ایک دکھ کو سہل کردیتا ہے یقین خدا کو دکہاتا ہے ہر ایک کفارہ جہوٹا ہے اور ہر ایک فدیہ باطل ہے۔ اور ہر ایک پاکیزگی یقین کی راہ سے آتی ہے وہ چیز جو گناہ سے چھڑاتی اور خدا تک پہنچاتی اور فرشتوں سے بہی صدق اور ثبات میں آگے بڑہا دیتی ہے وہ یقین ہے ہر ایک مذہب جو یقین کا سامان پیش نہیں کرتا وہ جہوٹا ہے ہر ایک مذہب جو یقینی وسائل سے خدا کو دکہا نہیں سکتا وہ جہوٹا ہے ہر ایک مذہب جسمیں بجز پرانے قصوں کے اور کچھہ نہیں وہ جہوٹا ہے۔ خدا جیسے پہلے تہا وہ اب بہی ہے اور اسکی قدرتیں جیسی پہلے تہیں وہ اب بہی ہیں اور اُسکا نشان دکہلانے پر جیسا کہ پہلے اقتدار تہا وہ اب بہی ہے پہر تم کیوں صرف قصوں پر راضی ہوتے ہو وہ مذہب ہلاک شدہ ہے جس کے معجزات صرف قصے ہیں جسکی پیشگوئیاں صرف قصے ہیں اور وہ جماعت ہلاک شدہ ہے جسپر خدا نازل نہیں ہوا اور جو یقین کے ذریعہ سے خدا کے ہاتھہ سے پاک نہیں ہوئی جس طرح انسان نفسانی لذات کا سامان دیکہہ کر انکی طرف کہنچا

جاتا ہے اِسی طرح انسان جب روحانی لذات یقین کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے تو وہ خدا کی طرف کھنچا جاتا ہے اور اسکا حُسن اسکو ایسا مست کر دیتا ہے کہ دوسری تمام چیزیں اسکو سراسر ردی دکھائی دیتی ہین اور انسان اُسی وقت گناہ سے مخلصی پاتا ہے جبکہ وہ خدا اور اسکے جبروت اور جزا سزا پر یقینی طور پر اطلاع پاتا ہے ہر ایک بیباکی کی جڑھ بیخبری ہے جو شخص خدا کی یقینی معرفت سے کوئی حصہ لیتا ہے وہ بیباک نہین رہ سکتا۔ اگر گہر کا مالک جانتا ہے کہ ایک پُر زور سیلاب نے اسکے گہر کیطرف رُخ کیا ہے اور یا اسکے گہر کے ارد گرد آگ لگ چکی ہے اور صرف ایک ذرہ سی جگہ باقی ہے تو وہ اس گہر مین ٹھہر نہین سکتا۔ تو پہر تم خدا کی جزا سزا کے یقین کا دعوے کرکے کیونکر اپنی خطرناک حالتون پر ٹھہر رہے ہو سو تم آنکھین کھولو اور خدا کے اُس قانون کو دیکھو جو تمام دُنیا مین پایا جاتا ہے چوہے مت بنو جو نیچے کیطرف جاتے ہین بلکہ بلند پرواز کبوتر بنو جو آسمان کے فضا کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ تم توبہ کی بعیت کرکے پہر گناہ پر قایم نہ رہو اور سانپ کی طرح مت بنو جو کھال اُتار کر پہر بھی سانپ ہی رہتا ہے موت کو یاد رکھو کہ وہ تمہارے نزدیک آتی جاتی ہے اور تم اُس سے بے خبر ہو۔ کوشش کرو کہ پاک ہو جاؤ کہ انسان پاک کو تب پاتا ہے کہ خود پاک ہو جاوے مگر تم اس نعمت کو کیونکر پاسکو اسکا جواب خود خدا نے دیا ہے جہان قرآن مین فرماتا ہے واستعینوا بالصبر والصلوۃ یعنے نماز اور صبر کے ساتہہ خدا سے مدد چاہو نماز کیا چیز ہے وہ دعا ہے جو تسبیح تحمید تقدیس اور استغفار اور درود کے ساتہہ تضرع سے مانگی جاتی ہے سو جب تم نماز پڑہو تو بے خبر لوگون کیطرح اپنی دعاؤن مین صرف عربی الفاظ کے پابند نہ رہو کیونکہ انکی نماز اور انکا استغفار سب رسمین ہین جن کے ساتہہ کوئی حقیقت نہین لیکن تم جب نماز پڑہو تو بجز قرآن کے جو خدا کا کلام ہے اور بجز بعض ادعیہ ماثورہ کے کہ وہ رسول کا کلام ہے باقی اپنی تمام عام دعاؤن مین اپنی زبان مین ہی الفاظ متضرعانہ ادا کر لیا کرو تا ہو کہ تمہارے دلون پر اُس عجز و نیاز کا کچھہ اثر ہو۔ پنجگانہ نمازین کیا چیز ہین وہ تمہارے مختلف حالات کا فوٹو ہے تمہاری زندگی کے لازم حال پانچ تغیر ہین جو بلا کے وقت تم پر وارد ہوتے ہین اور تمہاری فطرت کے لئے اُن کا وارد ہونا ضروری ہے۔ (۱) پہلے جبکہ تم مطلع

کئے جاتے ہو کہ تم پر ایک بلا آنیوالی ہے مثلاً جیسے تمہارے نام عدالت سے ایک وارنٹ جاری ہوا یہ پہلی حالت ہے جس نے تمہاری تسلی اور خوشحالی مین خلل ڈالا سو یہ حالت زوال کے وقت سے مشابہ ہے کیونکہ اس سے تمہاری خوشحالی مین زوال آنا شروع ہوا اسکے مقابل پر نماز ظہر متعین ہوئی جس کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا تغیر اس وقت تمپر آتا ہے جبکہ تم بلا کے محل سے بہت نزدیک کئے جاتے ہو۔ مثلاً جبکہ تم بذریعہ وارنٹ گرفتار ہو کر حاکم کے سامنے پیش ہوتے ہو یہ وہ وقت ہی کہ جب تمہارا خوف سے خون خشک ہو جاتا ہے اور تسلی کا نور تم سے رخصت ہونیکو ہوتا ہے سو یہ حالت تمہاری اسوقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب سے نور کم ہو جاتا ہے اور نظر اسپر جم سکتی ہی اور صریح نظر آتا ہے کہ اب اسکا غروب نزدیک ہی۔ اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز عصر مقرر ہی (۳) تیسرا تغیر تمپر اسوقت آتا ہے جو اس بلا سے رہائی پانے کی بکلی امید منقطع ہو جاتی ہے۔ مثلاً جیسے تمہارے نام فرد قرارداد جرم لکھی جاتی ہے اور مخالفانہ گواہ تمہاری ہلاکت کے لئے گذر جاتے ہین یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارے حواس خطا ہو جاتے اور تم اپنے تئین ایک قیدی سمجھنے لگتے ہو۔ سو یہ حالت اسوقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور تمام امیدین دن کی روشنی کی ختم ہو جاتی ہین اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز مغرب مقرر ہے۔ (۴) چوتھا تغیر اسوقت تمپر آتا ہے کہ جب بلا تمپر وارد ہی ہو جاتی ہے اور اسکی سخت تاریکی تم پر احاطہ کر لیتی ہے مثلاً جبکہ فرد قرارداد جرم اور شہادتوں کے بعد حکم سزا تمکو سنایا جاتا ہے اور قید کے لئے ایک پولس مین کی تم حوالہ کئے جاتے ہو سو یہ حالت اسوقت سے مشابہ ہی جبکہ رات پڑ جاتی ہی اور ایک سخت اندھیرا پڑ جاتا ہے اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز عشا مقرر ہے۔

(۵) پھر جبکہ تم ایک مدت تک اس مصیبت کی تاریکی مین بسر کرتے ہو تو پھر آخر خدا کا رحم تمپر جوش مارتا ہے اور تمہین اس تاریکی سے نجات دیتا ہے مثلاً جیسے تاریکی کے بعد پھر آخر کار صبح نکلتی ہے اور پھر وہی روشنی دن کی اپنی چمک کے ساتھ ظاہر ہو جاتی ہی سو اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز فجر مقرر ہے اور خدا نے تمہارے فطرتی تغیرات مین پانچ حالتین دیکھ

پانچ نمازین تمہارے لئے مقرر کین اس سے تم سمجھہ سکتے ہو کہ یہ نمازین خاص تمہاری نفس کے فائدہ کے لئے ہین پس اگر تم چاہتے ہو کہ ان بلاؤن سے بچے رہو تو تم پنجگانہ نمازون کو ترک نہ کرو کہ وہ تمہاری اندرونی اور روحانی تغیرات کا ظلّ ہین۔ نماز مین آنے والی بلاؤن کا علاج ہے تم نہین جانتے کہ نیا دن چڑہنے والا کس قسم کے قضا و قدر تمہارے لئے لائیگا پس قبل اسکے جو دن چڑہے تم اپنے مولےٰ کی جناب مین تضرّع کرو کہ تمہارے لئے خیر و برکت کا دن چڑہے ✦

اے امیرو اور بادشاہو! اور دولت مندو!! آپ لوگون مین ایسے لوگ بہت ہی کم ہین جو خدا سے ڈرتے اور اسکی تمام راہون مین راستباز ہین اکثر ایسے ہین کہ دنیا کے ملک اور دنیا کے املاک سے دل لگاتے ہین اور پہر اسی مین عمر بسر کر لیتے ہین اور موت کو یاد نہین رکہتے۔ ہر ایک امیر جو نماز نہین پڑہتا اور خدا سے لاپروا ہے اُسکے تمام نوکرون چاکرون کا گناہ اُسکی گردن پر ہے۔ ہر ایک امیر جو شراب پیتا ہے اُسکی گردن پر ان لوگونکا بہی گناہ ہے جو اسکے ماتحت ہو کر شراب مین شریک ہین۔ اے عقلمندو یہ دنیا ہمیشہ کی جگہ نہین تم سنبہل جاؤ۔ تم ہر ایک بے اعتدالی کو چہوڑ دو ہر ایک نشہ کی چیز کو ترک کرو انسان کو تباہ کرنے والی صرف شراب ہی نہین بلکہ افیون۔ گانجا۔ چرس۔ بہنگ تاڑی اور ہر ایک نشہ جو ہمیشہ کے لئے عادت کر لیا جاتا ہے وہ دماغ کو خراب کرتا اور آخر ہلاک کرتا ہے سو تم اس سے بچو۔ ہم نہین سمجہہ سکتے کہ تم کیون ان چیزون کو استعمال کرتے ہو جنکی شامت سے ہر ایک سال ہزارہا تمہارے جیسے نشہ کے عادی اس دنیا سے کوچ کرتے جاتے ہین* اور آخرت کا عذاب الگ ہے۔ پرہیزگار انسان بنجاؤ تا تمہاری عمرین زیادہ ہون اور تم خدا سے برکت پاؤ۔ حد سے زیادہ عیاشی مین بسر کرنا لعنتی زندگی ہے۔ حد سے زیادہ بدخلق اور بیمہر ہونا لعنتی زندگی ہے۔ حد سے زیادہ خدا یا اسکے بندونکی ہمدردی سے لاپرواہ ہونا لعنتی زندگی ہے۔ ہر ایک امیر خدا کے حقوق اور انسانونکے حقوق سے ایسا ہی پوچہا جائیگا جیسا کہ ایک فقیر بلکہ اس سے زیادہ پس کیا بدقسمت وہ شخص ہے جو اس مختصر زندگی پر بہروسہ کر کے بکلی خدا سے مونہہ پہیر لیتا ہے اور خدا کے حرام کو

ایسی بیبا کی سے استعمال کرتا ہے کہ گویا وہ حرام اسکیلئے حلال ہے غصہ کیحالتمین دیوانون کیطرح کسیکو گالی کسی کو زخمی اور کسیکو قتل کرنیکے لئے تیار ہو جاتا ہے اور شہوات کے جوش مین بے حیائی کے طریقون کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے سو وہ سچی خوشحالی کو نہین پائیگا یہان تک کہ مرے گا۔ اے عزیزو تم تہوڑے دنون کے لئے دنیا مین آئے ہو اور وہ بہی بہت کچہہ گذر چکی سو اپنے مولی کو ناراض مت کرو ایک انسانی گورنمنٹ جو تم سے زبردست ہو اگر تم سے ناراض ہو تو وہ تمہین تباہ کر سکتی ہے پس تم سوچ لو کہ خدا تعالی کی ناراضگی سے کیونکر تم بچ سکتے ہو اگر تم خدا کی آنکہون کے آگے متقی ٹہر جاؤ تو تمہین کوئی بہی تباہ نہین کر سکتا۔ اور وہ خود تمہاری حفاظت کریگا اور دشمن جو تمہاری جان کے درپے ہے تم پر قابو نہین پائیگا ورنہ تمہاری جان کا کوئی حافظ نہین اور تم دشمنون سے ڈر کر یا اور آفات مین مبتلا ہو کر بیقراری سے زندگی بسر کرو گے اور تمہاری عمر کے آخری دن بڑے غم اور غصہ کے ساتہہ گذرینگے خدا اون لوگون کی پناہ ہو جاتا ہے جو اسکے ساتہہ ہو جاتے ہین سو خدا کی طرف آ جاؤ اور ہر ایک مخالفت اسکی چہوڑ دو اور اسکے فرائض مین سستی نہ کرو اور اسکے بندون پر زبان سے یا ہاتہہ سے ظلم مت کرو اور آسمانی قہر اور غضب سے ڈرتے رہو کہ یہی **راہ نجات کی ہے۔**

اے علماء اسلام میری تکذیب مین جلدی مت کرو کہ بہت اسرار ایسے ہوتے ہین کہ انسان جلدی سے سمجہہ نہین سکتا۔ بات کو سنکر اسی وقت رد کرنیکے لئے تیار مت ہو جاؤ کہ یہ تقوی کا طریق نہین ہے اگر تم مین بعض غلطیان نہ ہوتین اور اگر تمنے بعض احادیث کے الٹے معنے نہ سمجہے ہوتے تو مسیح موعود کا جو حکم ہے آنا ہی لغو تہا تم سے پہلے یہ عبرت کی جگہ موجود ہے کہ جس بات پر تمنے زور مارا ہے اور جس جگہ تمنے قدم رکہا ہے اسی جگہ یہودیون نے رکہا تہا یعنے جیسا کہ تم حضرت عیسے علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے منتظر ہو وہ بہی الیاس نبی کے دوبارہ آنیکے منتظر تہے اور کہتے تہے کہ مسیح تب آئیگا جبکہ پہلے الیاس نبی جو آسمان پر اٹہایا گیا دوبارہ دنیا مین آ جائیگا اور جو شخص الیاس کے دوبارہ آنے سے پہلے مسیح ہونیکا دعوی کرے وہ جہوٹا ہے اور وہ نہ صرف احادیث کی رو سے ایسا خیال رکہتے تہے بلکہ خدا کی کتاب کو جو صحیفہ ملاکی نبی ہے

✛ جو شخص بنی نوع پر قوت غضبی کو بڑہاتا ہے وہ غضب سے ہی ہلاک کیا جاتا ہے اسلئے خدا نے سورۃ فاتحہ مین یہود کا نام مغضوب علیہم کہا یہ بات کی طرف اشارہ تہا کہ قیامت کو تو ہر ایک مجرم خدا کے غضب کا مزہ چکہے گا مگر جو ناحق دنیا مین غضب کرتا ہے وہ دنیا مین ہی الٰہی غضب کا مزہ چکہہ لیتا ہے نصاری سے یہودیون کی نسبت دنیا مین غضب ظہور مین نہ آیا اسلئے سورۃ فاتحہ مین انکا نام ضالین کہا گیا ضالین کے لفظ کے دو معنی ہین ایک تو یہ کہ وہ گمراہ ہین اور دوسری معنی اسکے ہین کہ کہوئے جائینگے یہ میری نزدیک انکے لئے بشارت ہے کہ کسیوقت جہوٹے مذہب سے نجات پاکر اسلام مین کہوئے جائینگے۔ اور رفتہ رفتہ مشرکانہ عقائد اور ناقص یا قابل شرم رسوم کو چہوڑتے چہوڑتے بزنگ مسلمین موحدین ہو جائینگے غرض الضالین کے لفظ مین جو سورۃ فاتحہ کے آخر مین ضلالت کے دوسری معنون کے لحاظ سے کہ ایک چیز کا دوسری چیز مین محو ہونا اور کہوئی جانا ہے عیسائیون کی آئندہ مذہبی حالت کے لئے یہ ایک پیشگوئی ہے۔ منہ

اس ثبوت مین پیش کرتے تہے لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نسبت یہودیون کے موعود مسیح ہونیکا دعوے کر دیا اور الیاس آسمان سے نہ اُترا جو اس دعوی کی شرط تہی تو یہ تمام عقیدے یہودیون کے باطل ثابت ہو گئے اور وہ جو یہودیون کے خیال مین تہا کہ ایلیا نبی بجسمہ العنصری آسمان سے نازل ہوگا اُسکے آخر کار یہ معنے کہلے کہ الیاس کی خو اور طبیعت پر کوئی دوسرا شخص ظاہر ہو جائیگا اور یہ معنے حضرت عیسیٰ نے خود بیان فرمائے جنکو دوبارہ آسمان سے اُتار رہے ہو - پس تم کیون ایسی جگہ ٹہوکر کہاتے ہو جس جگہ تم سے پہلے یہود ٹہوکر کہا چکے ہین تمہارے ملک مین ہزارہا یہودی موجود ہین تم اُنکو پوچہہ کر دیکہہ لو کہ کیا یہود کا یہی اعتقاد نہین جو اب تم ظاہر کر رہے ہو پس وہ خدا جس نے عیسےٰ کی خاطر ایلیا نبی کو آسمان سے نہ اوتارا اور یہود کے سامنے اُسکو تاویلون سے کام لینا پڑا وہ تمہاری خاطر کیونکر عیسےٰ کو اُتاریگا جسکو تم دوبارہ اُتارتے ہو اُسی کے فیصلہ سے تم مُنکر ہو اگر شک ہے تو کوئی لاکہہ عیسائی اس ملک مین موجود ہین اور انکی انجیل بہی موجود اُن سے دریافت کر لو کہ کیا یہ سچ نہین ہے کہ حضرت عیسیٰ نے یہی کہا تہا کہ ایلیا جو دوبارہ آنے والا تہا وہ یوحنا ہی ہے یعنی یحیےٰ - اور اتنی بات کہہ کر یہود کی پرانی امیدون کو خاک مین ملا دیا - **اگر اب یہ ضروری ہے** کہ عیسیٰ نبی ہی آسمان سے آوے تو اس صورت مین حضرت عیسیٰ سچا نبی نہین ٹہر سکتا کیونکہ اگر آسمان سے واپس آنا سنت اللہ مین داخل ہے تو الیاس نبی کیون واپس نہ آیا اور کیون اس جگہ یحییٰ کو الیاس ٹہرا کر تاویل سے کام لیا گیا عقلمند کیلئے یہ سوچنے کا مقام ہے ٭

اور نیز جس کام کے لئے آپ لوگون کے عقیدون کے موافق مسیح ابن مریم آسمان سے آئیگا یعنے یہ کہ مہدی سے ملکر لوگون کو جبرًا مسلمان کرنیکے لئے جنگ کریگا یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو اسلام کو بدنام کرتا ہے قرآن شریف مین کہان لکہا ہے کہ مذہب کے لئے جبر درست ہے بلکہ اللہ تعالی تو قرآن شریف مین فرماتا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ یعنے دین مین جبر نہین ہے پہر مسیح ابن مریم کو جبر کا اختیار کیونکر دیا جائیگا یہان تک کہ بجز اسلام یا قتل کے جزیہ بہی قبول نہ کریگا یہ تعلیم قرآن شریف کی کس مقام اور کس سیپارہ اور کس سورہ مین ہے٭

٭ اگر کہو کہ عربون کے لئے یہی حکم تہا کہ جبرًا مسلمان کئے جائین یہ خیال قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہین ہوتا بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ تمام عرب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ایذا پہونچائی تہا اور بہت سے صحابہ مردون اور عورتون کو قتل کر دیا تہا اور بقیۃ السیف کو وطن سے نکال دیا تہا اس لئے وہ تمام لوگ جو مرتکب جرم قتل یا معین اس جرم کے تہی وہ سب خدا تعالی کی نظر مین اپنی خونریزی کے عوض مین خونریزی کے لایق ہو چکے تہے انکی نسبت بطور قصاص اصل حکم قتل کا تہا مگر ارحم الراحمین کیطرف سے یہ رعایت دی گئی کہ اگر کوئی انمین سے مسلمان ہو جائے تو اسکا گذشتہ جرم جسکی وجہ سے وہ قابل سزا موت ہو بخشدیا جائیگا پس کہان یہ صورت رحم اور کہان جبر - منہ

سارا قرآن بار بار کہہ رہا ہے کہ دین میں جبر نہیں اور صاف طور پر ظاہر کر رہا ہے کہ جن لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت لڑائیاں کی گئی تھیں وہ لڑائیاں دین کو جبراً شائع کرنیکے لئے نہیں تھیں بلکہ یا تو بطور سزا تھیں یعنے اُن لوگوں کو سزا دینا منظور تہا جنہوں نے ایک گروہ کثیر مسلمانوں کو قتل کر دیا اور بعض کو وطن سے نکال دیا تہا اور نہایت سخت ظلم کیا تہا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر یعنی ان مسلمانوں کو جن سے کفار جنگ کر رہے ہیں بسبب مظلوم ہونیکے مقابلہ کرنے کی اجازت دی گئی اور خدا قادر ہے کہ جو ان کی مدد کرے۔ اور یا وہ لڑائیاں ہیں جو بطور مدافعت تہیں یعنے جو لوگ اسلام کے نابود کرنے کیلئے پیش قدمی کرتے تہے یا اپنے ملک میں اسلام کو شایع ہونیسے جبراً روکتے تہے ان سے بطور حفاظت خود اختیاری یا ملک میں آزادی پیدا کرنیکے لیئے لڑائی کی جاتی تہی بجز ان تین صورتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے مقدس خلیفوں نے کوئی لڑائی نہیں کی بلکہ اسلام نے غیر قوموں کے ظلم کی اس قدر برداشت کی ہے جو اسکی دوسری قوموں میں نظیر نہیں ملتی پہر یہ عیسیٰ مسیح اور مہدی صاحب کیسے ہونگے جو آتے ہی لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دینگے یہان تک کہ کسی اہل کتاب سے بھی جزیہ قبول نہیں کرینگے اور آیت حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون کو بھی منسوخ کر دینگے یہ دین اسلام کے کیسے حامی ہوں گے کہ آتے ہی قرآن کی ان آیتوں کو بھی منسوخ کر دینگے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی منسوخ نہیں ہوئیں اور اس قدر انقلاب سے پہر بھی ختم نبوت میں حرج نہیں آئیگا۔ اس زمانہ میں جو تیرہ سو برس عہد نبوت کو گذر گئے اور خود اسلام اندرونی طور پر تہتّر فرقوں پر پہیل گیا۔ سچے مسیح کا یہ کام ہونا چاہیئے کہ وہ دلائل کے ساتھ دلوں پر فتح پاوے نہ تلوار کے ساتھ اور صلیبی عقیدہ کو واقعی اور سچے ثبوت کیساتھ توڑ دے نہ یہ کہ ان صلیبوں کو توڑتا پہرے جو چاندی یا سونے یا پیتل یا لکڑی سے بنائی جاتی ہیں اگر تم جبر کروگے تو تمہارا جبر اس بات پر کافی دلیل ہے کہ تمہارے پاس اپنی سچائی پر کوئی دلیل نہیں* ہر ایک نادان اور ظالم طبع جب دلیل سے عاجز آجاتا ہے تو پہر تلوار یا بندوق کیطرف ہاتھ لمبا کرتا ہے مگر ایسا مذہب ہرگز ہرگز خدا تعالیٰ

* قرآن شریف کے رو سے جنگ مذہبی کرنا حرام ہے کیونکہ وہ بہی کوئی مذہبی جہاد نہیں کرتی اور انکا شکر کرنا ہمیں اسلئے لازم ہے

کی طرف سے نہین ہو سکتا جو صرف تلوار کے سہارے سے پہیل سکتا ہے نہ کسی اور طریق سے اگر تم ایسے جہاد سے باز نہین آسکتے اور اسپر غصہ مین آکر راستبازون کا نام بہی دجال اور ملحد رکہتے ہو تو ہم اِن دو فقرون پر اِس تقریر کو ختم کرتے ہین۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ اندرونی تفرقہ اور پہوٹ کے زمانہ مین تمہارا فرضی مسیح اور فرضی مہدی کس کس پر تلوار چلائیگا کیا سنیون کے نزدیک شیعہ اس لایق نہین کہ اُن پر تلوار اٹہائی جاے اور شیعون کے نزدیک سنی اس لایق نہین کہ ان سب کو تلوار سے نیست و نابود کیا جاوے پس جبکہ تمہارے اندرونی فرقے ہی تمہارے عقیدہ کی رو سے مستوجب سزا ہین تو تم کس کس سے جہاد کروگے۔ مگر یاد رکہو کہ خدا تلوار کا محتاج نہین وہ اپنے دین کو آسمانی نشانون کیساتہہ زمین پر پہیلائیگا اور کوئی اُسکو روک نہین سکے گا اور یاد رکہو کہ اب عیسیٰ تو ہرگز نازل نہین ہوگا کیونکہ جو اقرار اوس نے آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے روسے قیامت کے دن کرنا ہے اس مین صفائی سے اُسکا اعتراف پایا جاتا ہے کہ وہ دوبارہ دنیا مین نہین آئیگا اور قیامت کو اسکا یہی عذر ہے کہ عیسائیون کے بگڑنے کی مجہے خبر نہین اور اگر وہ قیامت کے پہلے دنیا مین آتا تو کیا وہ یہی جواب دیتا کہ مجہے عیسائیون کے بگڑنے کی کچہہ خبر نہین لہذا اس آیت مین اوس نے صاف اقرار کیا ہے کہ مین دوبارہ دنیا مین نہین گیا اور اگر وہ قیامت سے پہلے دنیا مین آنیوالا تہا اور برابر چالیس برس رہنے والا تب تو وہ ہی نے خدا تعالیٰ کے سامنے جہوٹ بولا کہ مجہے عیسائیون کے حالات کی کچہہ خبر نہین اسکو تو کہنا چاہئے تہا کہ آمد ثانی کیوقت مینے چالیس کروڑ کے قریب دنیا مین عیسائی پایا اور ان سب کو دیکہا اور مجہے انکے بگڑنے کی خوب خبر ہے اور مین تو انعام کے لایق ہون کہ تمام عیسائیونکو مسلمان کیا اور صلیبونکو توڑا یہ کیا جہوٹ ہے کہ عیسیٰ کہیگا کہ مجہے خبر نہین غرض اس آیت مین نہایت صفائی سے مسیح کا اقرار ہے کہ وہ دوبارہ دنیا مین نہین آئیگا اور یہی سچ ہے کہ مسیح فوت ہو چکا اور سری نگر محلہ خان یار مین اسکی قبر ہے۔* اب خدا خود نازل ہوگا اور ان لوگون سے آپ لڑیگا جو سچائی سے لڑتے ہین۔ خدا کا لڑنا قابل اعتراض نہین کیونکہ وہ نشانون کے رنگ مین ہے لیکن انسان کا لڑنا قابل اعتراض ہے کیونکہ وہ جبر کے رنگ مین ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۰ کہ ہم اپنا کام مکہ اور مدینہ مین ہی نہین کر سکتے تہے مگر انکے ملک مین یہہ خدا کیطرف سے حکمت تہی ...

* ایک بیہودی ... [illegible]

اِن مولویون پر افسوس اگر انہین دیانت ہوتی تو وہ تقویٰ کی راہ سے اپنی
تسلی ہر طرح سے کراتے اور خدا نے تو نیک روحون کی تسلی کر دی مگر وہ لوگ جو ابوجہل کی
مٹی سے بنے ہوئے ہین وہ اسی طریق کو اختیار کرتے ہین جو ابوجہل نے اختیار کیا تھا
ایک مولوی صاحب نے **میرٹھ** سے بذریعہ رجسٹری اطلاع دی ہے کہ امرتسر مین جلسہ
ندوۃ العلماء ہے اِس جگہ آکر بحث کرنی چاہئے مگر واضح ہو کہ اگر ان مخالفین کی نیتین
نیک ہوتین اور فتح و شکست کا خیال نہ ہوتا تو ان کو اپنی تسلی کرانے کیلئے ندوہ وغیرہ کی
کیا ضرورت تھی ہم ندوہ کے علماء کو امرتسر کے علماء سے الگ نہین سمجھتے ایک ہی عقیدہ۔
ایک ہی جنس ایک ہی مادہ ہے ہر ایک کو اختیار ہے کہ **قادیان** مین آوے مگر
بحث کے لئے نہین بلکہ صرف طلب حق کے لئے ہماری تقریر کو سُنے اگر شک رہے تو عزت
اور ادب کے طریق سے اپنے شکوک رفع کرا دے اور وہ جبتک قادیان مین رہیگا بطور مہمان
کے سمجھا جائیگا ہمین ندوہ وغیرہ کی ضرورت نہین اور نہ انکی طرف حاجت ہے یہ سب لوگ
راستی کے دشمن ہین مگر راستی دنیا مین پھیلتی جاتی ہے کیا یہ خدا تعالیٰ کا عظیم الشان معجزہ
نہین کہ اُسنے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ مین اپنے الہام سے ظاہر کر دیا تھا کہ
لوگ تمہارے ناکام رہنے کیلئے بڑی کوشش کرینگے اور ناخنون تک زور لگائینگے مگر آخر
مین تمہین ایک بڑی جماعت بناؤن گا یہ اس وقت کی وحی الٰہی ہے جبکہ میرے ساتھ ایک
آدمی بھی نہین تھا پھر میرے دعوی کے شائع ہونے پر مخالفون نے ناخنون تک زور لگائے
آخر حسب پیشگوئی مذکورہ بالا یہ سلسلہ پھیل گیا اور اب آج کی تاریخ تک برٹش انڈیا مین یہ جماعت
ایک لاکھ سے بھی کچھ زیادہ ہے ندوۃ العلماء کو اگر مرنا یاد ہے تو براہین احمدیہ اور سرکاری کاغذات
کو دیکھ کر بتلاوے کہ کیا یہ معجزہ ہے یا نہین پھر جبکہ قرآن اور معجزہ دونون پیش کئے گئے تو
اب بحث کس غرض کیلئے؟

ایسا ہی اِس ملک کے گدی نشین اور پیرزادے دین سے ایسے بے تعلق اور اپنی
بدعات مین ایسے دن رات مشغول ہین کہ انکو اسلام کی مشکلات اور آفات کی کچھ بھی خبر نہین

ان کی مجالس مین اگر جاؤ تو بجائے قرآن شریف اور کتب حدیث کے طرح طرح کے تنبوروے اور سارنگیان اور ڈھولکیان اور قوال وغیرہ اسباب بدعات نظر آئینگے اور پہر باوجود اسکے مسلمانون کے پیشوا ہونے کا دعوےٰ اور اتباع نبوی کی لاف زنی اور بعض انمین سے عورتون کا لباس پہنتے ہین اور ہاتہون مین مہندی لگاتے ہین اور چوڑیان پہنتے ہین اور قرآن شریف کی نسبت اشعار پڑہنا اپنی مجلسون مین پسند کرتے ہین - یہ ایسے پرانے زنگار ہین جو خیال مین نہین آسکتا کہ دور ہوسکین تاہم خدا تعالیٰ اپنی قدرتین دکہائے گا اور اسلام کا حامی ہوگا ۔

عورتون کو کچھ نصیحت

ہمارے اس زمانہ مین بعض خاص بدعات مین **عورتین** بہی مبتلا ہین وہ **تعدد نکاح** کے مسئلہ کو نہایت بری نظر سے دیکھتی ہین گویا اسپر ایمان نہین رکہتین انکو معلوم نہین کہ خدا کی شریعت ہر ایک قسم کا علاج اپنے اندر رکہتی ہے پس اگر اسلام مین تعدد نکاح کا مسئلہ نہ ہوتا تو ایسی صورتین کہ جو مردون کے لئے نکاح ثانی کے لئے پیش آجاتی ہین اس شریعت مین انکا کوئی علاج نہ ہوتا - مثلاً اگر عورت دیوانہ ہوجاوے یا مجذوم ہوجائے یا ہمیشہ کے لئے کسی ایسی بیماری مین گرفتار ہوجائے جو بیکار کردیتی ہے یا اور کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ عورت قابل رحم ہو مگر بیکار ہوجاوے اور مرد بہی قابل رحم کہ وہ تجرد پر صبر نہ کرسکے تو ایسی صورت مین مرد کے قوےٰ پر یہ ظلم ہے کہ اسکو نکاح ثانی کی اجازت نہ دی جاوے درحقیقت خدا کی شریعت نے انہین امور پر نظر کرکے مردون کے لئے یہ راہ کہلی رکہی ہے اور مجبوریون کے وقت عورتون کے لئے بہی راہ کہلی ہے کہ اگر مرد بیکار ہوجاوے تو حاکم کے ذریعہ سے خلع کرالین جو طلاق کے قایم مقام ہے خدا کی شریعت دوا فروش کی دوکان کی مانند ہے پس اگر دوکان ایسی نہین ہے جسمین سے ہر ایک بیماری کی دوا مل سکتی ہے تو وہ دوکان چل نہین سکتی پس غور کرو کہ کیا یہ سچ نہین کہ بعض مشکلات مردون کے لئے ایسی پیش آجاتی ہین جن مین وہ نکاح ثانی کے لئے مضطر ہوتے ہین - وہ شریعت کس کام کی جسمین کل مشکلات کا علاج نہ ہو - دیکہو انجیل مین

طلاق کے مسئلہ کی بابت صرف زنا کی شرط تھی اور دوسرے صدہا طرح کے اسباب جو مرد
اور عورت میں جانی دشمنی پیدا کر دیتے ہیں ان کا کچھہ ذکر نہ تھا اس لئے عیسائی قوم اس خامی کی
برداشت نہ کر سکی اور آخر امریکہ میں ایک طلاق کا قانون پاس کرنا پڑا سو اب سوچو کہ اس قانون سے انجیل کدہر گئی۔ اور اے
عورتو فکر نہ کرو جو تمہیں کتاب ملی ہے وہ انجیل کیطرح انسانی تصرف کی محتاج نہیں
اور اوس کتاب میں جیسے مردوں کے حقوق محفوظ ہیں عورتوں کے حقوق بھی محفوظ ہیں
اگر عورت مرد کے تعدد ازدواج پر ناراض ہے تو وہ بذریعہ حاکم خلع کرا سکتی ہے۔ خدا کا
یہ فرض تھا کہ مختلف صورتیں جو مسلمانوں میں پیش آنیوالی تھیں اپنی شریعت میں انکا ذکر کر دیتا
تا شریعت ناقص نہ رہتی سو تم اے عورتو اپنے خاوندوں کے ان ارادوں کے وقت کہ وہ
دوسرا نکاح کرنا چاہتے ہیں خدا تعالیٰ کی شکایت مت کرو بلکہ تم دعا کرو کہ خدا تمہیں مصیبت
اور ابتلا سے محفوظ رکھے بیشک وہ مرد سخت ظالم اور قابل مواخذہ ہے جو دو جورو ئیں
کرکے انصاف نہیں کرتا مگر تم خود خدا کی نافرمانی کرکے مورد قہر الٰہی مت بنو ہر ایک اپنے
کام سے پوچھا جائیگا۔ اگر تم خدا تعالیٰ کی نظر میں نیک بنو تو تمہارا خاوند بھی نیک کیا جاویگا
اگرچہ شریعت نے مختلف مصالح کی وجہ سے تعدد ازدواج کو جائز قرار دیا ہے لیکن قضا و قدر
کا قانون تمہارے لئے کہلا ہے اگر شریعت کا قانون تمہارے لئے قابل برداشت نہیں تو
بذریعہ دعا قضا و قدر کے قانون سے فائدہ اٹھاؤ کیونکہ قضا و قدر کا قانون شریعت کے
قانون پر بھی غالب آجاتا ہے تقویٰ اختیار کرو دنیا سے اور اوسکی زینت سے بہت دل مت
لگاؤ۔ قومی فخر مت کرو کسی عورت سے ٹھٹھا ہنسی مت کرو خاوندوں سے وہ تقاضے نہ کرو جو انکی
حیثیت سے باہر ہیں کوشش کرو کہ تا تم معصوم اور پاک دامن ہونیکی حالت میں قبروں میں
داخل ہو خدا کے فرائض نماز زکوٰۃ وغیرہ میں سستی مت کرو اپنے خاوندونکی دل و جان سے مطیع رہو
بہت سا حصہ انکی عزت کا تمہارے ہاتھہ میں ہے سو تم اپنی اس ذمہ داری کو ایسی عمدگی سے ادا
کرو کہ خدا کے نزدیک صالحات قانتات میں گنی جاؤ۔ اسراف نہ کرو اور خاوندوں کے مالوں کو بیجا
طور پر خرچ نہ کرو۔ خیانت نکرو۔ چوری نہ کرو۔ گلہ نکرو ایک عورت دوسری عورت یا مرد پر بہتان نہ لگاوے

تعطیل جمعہ

مندرجہ ذیل میموریل حضرت مسیح موعودؑ نے گورنمنٹ آف انڈیا کی خدمت میں تعطیل جمعہ کیلئے پیش کیا ہے

چونکہ تاج پوشی کا جلسہ جو دہلی میں ہوگا ہر ایک فرقہ رعایا گورنمنٹ برطانیہ کو اس سے بہت خوشی ہے اور مسلمانوں کو ایک خاص خوشی جو اس جلسہ میں ان کے اسلامی تخت گاہ کے شہر کو عزت دیگئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس محسن گورنمنٹ کو مسلمانوں پر ایک خاص نظر عنایت ہے اور مسلمانوں کی مدت دراز سے ایک دلی تمنا ہے جسکے پیش کرنیکے لئے اسوقت سے زیادہ مبارک کوئی وقت نہیں کہ ہمارے بادشاہ عالیجاہ قیصر کی تاج پوشی کے جلسہ کا دن قریب ہے اسلئے مجھے تحریک کی گئی کہ میں اس التماس کو ادب سے پیش کروں کیونکہ میں ایک ایسے مسلمانوں کے گروہ کا امام ہوں کہ جو برٹش انڈیا اور دوسرے مقامات میں ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہے اور میں ضروری نہیں سمجھتا کہ میں ان کے نام لکھوں کیونکہ وہ مجھ سے بیعت کرنے والے ہیں یعنی میرے مرید ہیں اور مجھ سے الگ نہیں ہیں یہ وہ فرقہ ہے جو فرقہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہے اور پنجاب اور ہندوستان اور دیگر متفرق مقامات میں پھیلا ہوا ہے یہی وہ فرقہ ہے جو دن رات کوشش کر رہا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات میں سے جہاد کی بیہودہ رسم کو اٹھادے چنانچہ اب تک ساٹھ کے قریب میں نے ایسی کتابیں عربی اور فارسی اور اردو اور انگریزی میں تالیف کر کے شایع کی ہیں جن کا یہی مقصد ہے کہ یہ غلط خیالات مسلمانوں کے دلوں سے محو ہو جائیں اس قوم میں یہ خرابی اکثر نادان مولویوں نے ڈال رکھی ہے لیکن اگر خدا نے چاہا تو میں امید رکھتا ہوں کہ عنقریب اس کی اصلاح ہو جائے گی۔ گورنمنٹ کے اعلےٰ حکام کیطرف سے ایسی کارروائیوں کا ہونا ضروری ہے جنسے مسلمانوں کے دلوں میں منقوش ہو جائے کہ یہ سلطنت اسلام کے لئے درحقیقت چشمۂ فیض ہے اور نہایت خوشی کی بات ہے کہ حضور لارڈ کرزن بالقابہ نے ایسی نمایاں کارروائیاں کی ہیں کہ مسلمانوں کو کبھی نہیں بھولیں گی جیسا کہ لاہور کے قلعہ کی مسجد کا مسلمانوں کو عطا کرنا اور

ایک باہر کی مسجد جسپر ریل والون کا قبضہ تھا مسلمانون کو عنایت فرمانا اور نیز اپنی طرف سے دہلی کی شاہی مسجد کے لئے ایک قیمتی لال ٹین اپنی جیب سے مرحمت فرمانا ان فیاضانہ کارروائیون سے جس قدر مسلمان شکر گذار اور گرویدہ ہین اس کا اندازہ نہین ہوسکتا لیکن ایک تمنا ان کی ہنوز باقی ہے اور وہ امید رکھتے ہین کہ جن ہاتھون سے یہ مرادین پوری ہوئی ہین وہ تمنا بھی انہین ہاتھون سے پوری ہوگی اور وہ آرزو یہ ہے کہ روز جمعہ ایک اسلامی عظیم الشان تہوار ہے۔ اور قرآن شریف نے خاص کر کے اس دن کو تعطیل کا دن ٹھہرایا ہے اور اس بارے مین خاص ایک سورۃ قرآن شریف مین موجود ہے جسکا نام سورۃ الجمعہ ہے اور اس مین حکم ہے کہ جب جمعہ کی بانگ دیجائے تو تم دنیا کا ہر ایک کام بند کردو اور مسجدون مین جمع ہو جاؤ اور نماز جمعہ اس کی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرو اور جو شخص ایسا نہ کریگا وہ سخت گنہ گار ہے اور قریب ہے کہ اسلام سے خارج ہو اور جسقدر جمعہ کی نماز اور خطبہ سننے کی قرآن شریف مین تاکید ہے اسقدر عید کی نماز کی بھی تاکید نہین اسی غرض سے قدیم سے اور جب سے کہ اسلام ظاہر ہوا ہے جمعہ کی تعطیل مسلمانون مین چلی آئی ہے اور اس ملک مین بھی برابر آٹھ سو برس تک یعنی جبتک کہ اس ملک مین اسلام کی سلطنت رہی جمعہ مین تعطیل ہوتی تھی اسی وجہ سے ریاست پٹیالہ مین جمعہ کی تعطیل ان دنون تک ہوتی رہی اور اس ملک مین تین قومین ہین۔ ہندو عیسائی مسلمان۔ ہندوؤن اور عیسائیونکو ان کے مذہبی رسوم کا دن گورنمنٹ نے دیا ہوا ہے یعنے اتوار جس مین وہ اپنے مذہبی رسوم ادا کرتے ہین جس کی تعطیل عام طور پر ہوتی ہے لیکن یہ تیسرا فرقہ یعنے مسلمان اپنے تہوار کے دن سے یعنے جمعہ سے محروم ہین۔ برٹش انڈیا مین کون مسلمان ہے جو آہ مار کر یہ نہین کہتا کہ کاش جمعہ کی تعطیل ہوتی لیکن اس کرزنی دور مین جبکہ لارڈ کرزن اس ملک کے وایسرائے ہین۔ مسلمانون کو اس تمنا کے پورے ہونے مین بہت کچھ امید بڑھ گئی ہے اور وہ خیال کرتے ہین کہ جبکہ لارڈ موصوف نے دلی فیاضی اور ہمدردی سے ان کی مساجد واگذار کرادی ہین تو پھر وہ امر جو مسجدون کی علت غائی ہے یعنے نماز جمعہ یہ امر بھی انہین ہاتھون سے انجام پذیر ہوگا مسجد تو مثل دسترخوان یا میز کے ہے جسپر روٹی رکھی جاتی ہے مگر نماز جمعہ اصل روٹی ہے۔

تمام مساجد کی بڑی بھاری غرض نماز جمعہ ہے پس کیا ہمارے عالی ہمت وایسرائے لارڈ کرزن یہ
روا رکھیں گے کہ وہ ہمیں دسترخوان تو دیں مگر روٹی نہ دیں ایسی دعوت تو ناقص ہے اور امید نہیں
کہ ایسا فیاض دل جوانمرد ایسی کمی کو اپنے پر گوارا کرے اور اگر ایسا ہمدرد وایسرائے جسکے بعد
کم امید ہے کہ اس کی نظیر ملے اس فیاضی کی طرف توجہ نہ فرماوے تو پھر اسکے بعد عقل تجویز نہیں
کر سکتی کہ مسلمانوں کے لئے کبھی وہ دن آوے کہ دوسرے وایسرائے سے یہ مراد پا سکیں یہ ایک
ایسی مراد ہے کہ اسکا انجام پذیر ہونا مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ برطانیہ کی محبت کیطرف
ایک زبردست کشش سے کھینچ لے گا اور ان احسانوں کی فہرست میں جو اس گورنمنٹ نے
مسلمانوں پر کئے ہیں اگر یہ احسان بھی کیا گیا جو عام طور پر جمعہ کی تعطیل دیجائے تو یہ ایسا احسان
ہوگا کہ جو آب زر سے لکھنے کے لایق ہوگا اور اسکا مسلمانوں کے دلوں پر بڑا اثر پڑے گا بالخصوص
جبکہ عین تاج پوشی کے جلسہ میں جہاں ہزارہا رئیس اور والیان ملک موجود ہونگے اس احسان
کو تاج پوشی کی ایک یادگار ٹھہرا کر سنایا جائے گا تو جو کچھ مسلمانوں کے دلوں میں خوشی سے بھری
ہوئی محبت پیدا ہوگی اسکا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس دن لوگ تمام شہر میں خوشی کے نعروں کے
ساتھ لارڈ کرزن کے گیت گائیں گے اور اسکے حق میں دعائیں کریں گے اور اس کارروائی
سے اسلام اور عیسائیت میں ایک میلان پیدا ہو جائے گا اور یہ تمام تعریف لارڈ کرزن کے
عہد کیطرف ہمیشہ کیلئے منسوب رہے گی اور میری دانست میں عام مسلمانوں کو خوش کرنیکے
لیئے جو کارنامہ وہ چھوڑ جائینگے اس سے بہتر کوئی نہ ہوگا۔ مسلمان ایک قوم ہے جو سب سے
زیادہ مذہب کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہے اور ہر ایک تالیف قلوب جو مذہبی رنگ میں کیجائے
وہ انکے دلوں کو کھینچ لیتی ہے پس اعلےٰ سے اعلےٰ حکمت عملی مسلمانوں کو مسخر کرنیکی یہی ہے کہ مذہبی
رنگ میں ان کو کوئی فایدہ پہنچایا جائے۔ چونکہ تاجپوشی کے جلسہ کا موقعہ ایک ایسا بابرکت موقعہ
ہے کہ ہندو مسلمانوں کی اسطرف آنکھیں لگی ہوئی ہیں کہ اس مبارک رسم کی یادگار میں کیا کچھ
سرافرازی ہر دو فریق کی کیجاتی ہے پس اگر گورنمنٹ اس مبارک دن کی یادگار کے لئے مسلمانوں
کے لئے جمعہ کی تعطیل کھولدے یا اگر نہ ہو سکے تو نصف دن کی ہی تعطیل دیدے تو میں سمجھ نہیں سکتا

کہ عام دلون کو خوش کرنیکے لئے اس سے زیادہ کوئی کارروائی ہنے مگر چونکہ گورنمنٹ کی فیاضی کا تنگ دائرہ نہیں ہے اور اگر توجہ پیدا ہو تو اسکو کچھ پروا نہیں ہے اس لئے صرف نصف دن کی تعطیل ایک ادنی بات ہے یقین ہے کہ گورنمنٹ عالیہ اس مبارک یادگار مین پورے دن کی تعطیل عنایت فرمائیگی اور یہی مسلمانونکو توقع ہے۔ جمعہ کے دن کو کچھ مسلمانون سے ہی خصوصیت نہیں بلکہ یہ دن عیسائی مذہب مین بھی قابل تعظیم ہے کیونکہ حضرت عیسے علیہ السلام جمعہ کے روز ہی صلیب دئے گئے تھے اور عیسائی عقیدہ کے روسے تمام برکات کی جڑ یہی واقعہ ہے یہودیون کا سبت بھی اس زمانہ تک کہ جب وہ مصر سے نہیں نکلے تھے جمعہ ہی تھا قدیم مصری سلطنت مین بھی جمعہ کی ہی تعطیل ہوتی تھی اور حضرت آدم بھی جمعہ کے دن ہی پیدا ہوئے تھے نوح کی کشتی اراراٹ کے پہاڑ پر جمعہ کے دن ہی لگی تھی۔ پس اس تعطیل سے یہ تمام یادگارین قائم ہو سکتی ہین اور مسلمان اس بات پر راضی ہین کہ ان کی بعض غیر ضروری تعطیلین بند کر کے ان کی جگہ جمعہ کی تعطیل دیجائے اور مجھے اس بات کا خیال ہے کہ جمعہ کی تعطیل رعایا اور گورنمنٹ مین ایک حقیقی مصالحت کی بنیاد ڈالے گی اور خیالات پر ایک ایسا اثر ہوگا کہ وہ فوق العادت تصور کیا جائیگا اگرچہ گورنمنٹ بہت دانشمند ہے لیکن عام مسلمانونکے حالات سے ذاتی واقفیت مجھے اس بات کے اظہار کے لئے مجبور کرتی ہے کہ اس موقعہ پر مسلمانونکو خوش کرنیکے لئے اس سے بڑھکر اور کوئی طریق نہیں اس لئے ایک بڑی جماعت کی تحریک سے یہ میموریل ارسال حضور کیا جاتا ہے اور امید کیجاتی ہے کہ توجہ سے اسپر غور کیجائے خاصکر میرے لئے کیونکہ ہمیشہ اس سعی مین ہون کہ مسلمان لوگ گورنمنٹ کے ساتھ سچے اخلاص مین ترقی کرین اس تعطیل سے ایک دستاویز ملتی ہے اور گورنمنٹ کی عنایات ثابت کرنیکے لئے اور نئے دلائل حاصل ہوتے ہین اسلئے مین اس عرض کیلئے جرأت کرتا ہون کہ اس عرضداشت پر ضرور توجہ فرمائی جاوے اور اسکو ایک معمولی عرضی سمجھکر ٹال نہ دیا جاوے اور نہ یہ تصور کیا جاوے کہ صرف ایک شخص کی یہ درخواست ہے کیونکہ جیسا کہ مین عرض کر چکا ہون یہ ایک شخص کی درخواست نہیں بلکہ ایک لاکھ معزز مسلمان کی درخواست ہے اور چونکہ وہ لوگ مجھ سے بیعت اور مریدی کا تعلق رکھتے ہین اسلئے ضروری نہیں سمجھا گیا کہ ان کے نام لکھے جائین اور مین ان سب کیطرف سے بطور ایڈوکیٹ ہو کر امید بھرے ہوئے دل کے ساتھ یہ عرضداشت روانہ کرتا ہون اور دعا پر ختم کرتا ہون ۔

اعجاز احمدی

دائمی اور زندہ معجزہ

مختلف مذاہب کے بیان کردہ معجزات کا مطالعہ تحقیق کا ایک وسیع میدان ہمارے سامنے پیش کرتا ہے لیکن ہمارے موجودہ مضمون کو اس سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اس معجزہ کو جس کیطرف ہم ناظرین کو توجہ دلانا چاہتے ہیں معجزات کی تاریخ میں ایک مسلم بے نظیر اور اعلےٰ مرتبہ حاصل ہے گو ہم حضرت موسیٰ و عیسیٰ و دیگر انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی نبوت اور انکے خدا کیطرف سے ہونے پر ایمان لاتے ہیں لیکن اس امر سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ انکے معجزات اور نشان صرف عارضی اور وقتی نشان تھے جو ایک خاص زمانہ اور خاص قوم کیلئے دکھائے گئے تھے مثلاً سب سے بڑا معجزہ حضرت موسیٰ ع کا یعنے انکے عصا کا سانپ بنجانا صرف ناظرین کے لئے ہی ایک معجزہ تھا لیکن ان کی ذریت اور دیگر اشخاص کے سامنے یہ صرف ایک کہانی ہے اور شکی طبیعتوں کیلئے یہ ایک مبالغہ آمیز افسانہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ انجیل کے معجزات محض توریت و دیگر صحف انبیاء کے معجزات کی نقل ہیں۔ اور عظمت میں بعض حالتوں میں ان سے بہت کم درجہ پر ہیں دیو نکالنے پر آج لوگ ہنسی اڑاتے اور پانی کو شراب بنانے پر خیر خواہ بنی نوع تاسف کرتے ہیں۔ آم کا پودا فوراً اگانا انجیر کے درخت کے سکھانے سے بہت بڑھ چڑھکر ہے۔ یسوع کے پانی پر چلنے کو لوگوں کے ہوا پر اڑنے نے بالکل مات کر دیا ہے۔ اس نے بیماروں کو چنگا کیا لیکن یہی کام سلوم کے تالاب نے اور یسوع کے ہمعصر مخالفوں نے بھی کئے اور ہر زمانہ میں لوگ سلب امراض کرتے آئے ہیں۔ امریکہ کا جھوٹا رسول ڈاکٹر ڈوئی بھی آج کل وہی کام کرتا ہے جو یسوع دو ہزار سال پیشتر کیا کرتا تھا اور اپنی ناکامیوں کے وقت وہ یسوع کی ناکامیوں کو مثالاً پیش کر دیتا ہے۔ الغرض ایسے معجزات میں تاریخی پہلو سے بہت نقص ہیں۔ اول تو یہ عارضی باتیں ہوتی ہیں اور گو مشاہدہ کرنے والے لوگ کچھ عرصہ تک متعجب رہیں لیکن معجزہ ہو چکنے کے بعد یا آنیوالی نسلوں کے لئے ایسے معجزات ان خصوصیتوں سے خالی ہوتے ہیں جو دلوں میں خدا تعالےٰ کی قدرت و عظمت کا رعب بٹھا سکیں جبتک کہ انکے ساتھ

دوسرے زندہ معجزات بطور شاہد کے موجود نہ ہون بلکان کا اثر بہت جلد دلون سے زایل ہوجاتا ہے۔ دویم ایسے معجزات دعوے کی ایسی دلیل نہین ہوتی جس سے قدرتی طور پر نتیجہ صداقت دعوے کا پیدا ہوا اور اس طرح پر صحیح تعلق دلیل اور دعوے کے درمیان کوئی نہین ہوتا اگر کوئی شخص خالص پانی کی شراب بنالے تو اس سے یہ استدلال نہین کرسکتے کہ اسکا کلام خدا کا کلام ہے یا وہ اپنے کسی دعوے مین سچا ہے ہان اس کرتب سے ہم زیادہ سے زیادہ یہی نتیجہ نکالین گے کہ وہ پاک پانی کی ناپاک شراب بنانے مین ماہر ہے۔ سوئم ان معجزات کی پیشکردہ شہادت صاف اور صریح نہین ہوتی۔ مداریونکی ہتھکنڈے معمولی تماش بینون کی نظر مین معجزہ کا اثر رکھتے ہین اس قسم کے اصلی معجزہ اور ہتھکنڈے مین امتیاز کرنے کیلیے کوئی کھلا کھلا معیار نہین۔ کوئی معجزہ ایسا نہین جس کی نقل شعبدہ باز اور جسمانی ورزش والون نے نہ کی ہو اور ایسے معجزات اور مصنوعی باتون مین بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ چہارم چونکہ ایسے معجزات چند لمحون کے لیے ہوتے ہین اس لئے دیکھنے والے بھی اس کی اصلیت پر پورا یقین نہین کرسکتے ممکن ہو کہ دیکھنے والے کو دھوکا لگا ہو یا کوئی ایسا فریب ہو جس کی وہ اصلیت تک نہ پہونچ سکا ہو کیونکہ حقیقت تک پہونچنے کے لئے کافی وقت نہین ہوتا۔ پیشتر اسکے کہ کوئی شخص اسپر غور کرے معجزہ ختم ہوجاتا ہے۔ پنجم ایسے معجزات دکھائے جانیکے بعد بلحاظ دلیل ایک صراحت وبداہت وقدرت اپنے اندر نہین رکھتے۔ دوسرے زمانہ مین انہین کسی دعوے کی تائید مین پیش کرنا گویا دعوی ہی کو دلیل ٹھہرانا ہے کسی دعوے کے ثبوت مین انکو پیش کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان کی سچائی کو زبردست شہادتون اور صحیح دلائل سے ثابت کیا جائے۔ ششم انکی سچائی اور واقع ہونے کی لابدی شہادت عموماً یافت سے باہر ہوتی ہے انکے مشاہدہ کرنیوالے صرف چند اشخاص ہوتے ہین اور بسبب ایک آناً فاناً کا نظارہ ہونیکے ان کا اثر زمانہ آیندہ پر کم پڑتا ہے خارق عادت واقعات پر ایمان لانے والے وہ لوگ ہوتے ہین جو انکے مشاہدین ہون لیکن دیگر اشخاص کے نزدیک ان مین اور مبالغہ آمیز فسانون مین کوئی کافی اور کھلا کھلا امتیاز مشکل سے مل سکتا ہے رویت کی شہادت بالکل نہین ہوتی۔ ممکن ہو کہ سارا قصہ ہی غلط ہو۔ یا جس شخص کی شہادت بیان کیجاتی ہے اس نے جھوٹ بولا ہو یا اسکو دھوکا لگا ہو پس اس صورت مین اصلیت تک پہنچنا محال کے قریب قریب

ہو جاتا ہے۔ ہفتم۔ معجزات کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہے کہ ایک انصاف پسند محقق کے لئے واقعات کا امتیاز اور جھوٹی باتون کا رد نہایت مشکل امر ہے۔ ہر ایک مذہبی فرقہ اپنے پیشواؤن کے عجیب عجیب قصے بیان کرتا ہے لیکن اصلی واقع مین جھوٹ ایسا ملا ہوتا ہے کہ دونون کو علیحدہ علیحدہ کرنا ایک سخت دشوار امر ہے۔ نیز اگر کوئی صحیح واقع موجود بھی مانا جائے تو بھی یہ جھوٹی کہانی کا عشرعشیر

قرآن شریف ہی ایک لاثانی کتاب ہے جسے ان سب عیوب سے پاک عظیم الشان معجزہ پیش کرنے کا فخر حاصل ہے اسکے معجزہ کی صداقت ہر شخص اپنے زمانہ مین اپنے واسطے جانچ سکتا ہے یہ معجزہ تمام لوگون اور تمام زمانون کے لئے ہے۔ نیز اس معجزہ کو اس دعوے سے بڑا بھاری تعلق ہے جس کی تائید مین وہ پیش کیا گیا ہے چنانچہ قرآن مجید کے شروع مین اس معجزہ کا یون ذکر ہے وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ ۝

(البقرہ) ترجمہ "اور اگر تم شک کرتے ہو بیچ اس چیز کے جو اتاری ہم نے اپنے بندے پر تو بنا لاؤ ایک سورۃ اس کی مانند اور بلا لو اپنی مدد کے لئے ان تمام مددگارون کو خدا کے سوا جن پر تم بھروسہ کرتے ہو اگر تم سچے ہو اور اگر تم یہ نہ کرو اور تم ہرگز نہ کر سکو گے تو ڈرو دوزخ کی آگ سے" ایک اور مقام پر آیا ہے قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝

(بنی اسرائیل) ترجمہ "کہدے اگر جمع ہو جاوین جن اور انسان اس بات پر کہ قرآن کی مثل بنا لین نہین بنا سکین گے اس کی مثل خواہ وے ایک دوسرے کی مدد ہی کرین" قرآن کریم کا یہ معجزہ ہمیشہ کے لئے زندہ اور تمام زمانون مین اس کی صداقت کا معیار ہے اس معجزہ کا قیام جس سے بیمار چنگے ہوتے یا مردے زندہ کئے جاتے ہین (اگر بالفرض ایسا ہوتا ہو) تو اس شخص کے وجود سے ہی وابستہ ہوتا ہے جسنے اس معجزہ کے اثر سے فائدہ اٹھایا ہو اور اس کی موت کیساتھ اسپر بھی ایک موت طاری ہو جاتی ہے لیکن قرآن کریم ہمیشہ زندہ ہے اور اسکے ساتھ اسکا پر شوکت

معجزہ بھی زندہ ہے۔ قرآن کریم کے اس دعوے کی منادی کہ وہ بے مثل اور الٰہی کلام ہے تیرہ صدیوں سے کی جا رہی ہے اور ہمیشہ تک بغیر کسی مقابلہ کے دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ہوتی رہے گی۔ تمام دنیا اب اور آیندہ اسکے معجزہ کی سچائی پر گواہ ہے اور رہیگی یہ آج بھی اپنے مخالفین کو اپنا مثل بنانیکے لئے ویسا ہی چیلنج کرتا ہے جیسے گذشتہ زمانہ مین کیا کرتا تھا۔ انسانون کی لیاقت اور عقل کی کمزوری اور ناقابلیت اسکے مثل بنانے مین اسکے معجزہ کی صداقت کی صاف اور قطعی دلیل ہے جسکے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہین پڑتی اس معجزہ سے قرآن کریم کا صریح منجانب اللہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر کل انسانی طاقتین قرآن مجید کے مثل بنانے مین عاجز ہین تو معلوم ہوا کہ اسکا صدور کسی اعلیٰ منبع سے ہے اور اس طرح قرآن کریم کا یہ معجزہ اسکے منجانب اللہ ہونے کی سچائی پر دال ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی یہی زندہ معجزہ عطا ہوا ہے کیونکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ و مظہر و سچا خادم ہے۔ قریبًا دس سال ہوئے کہ آپنے خدا سے الہام پاکر مشتہر کیا تھا کہ خدا نے مجھے فصیح و بلیغ عربی لکھنے کا معجزہ بخشا ہے اور یہ کہ کوئی عربی دان میری عربی کی مثل نہ بنا سکے گا خواہ تمام علماء ایک دوسرے کی مدد ہی کیون نہ کرین۔ دس سال سے اس چیلنج کا کسی نے مقابلہ نہین کیا گو آپنے اس امر کی تجدید ہر تازہ تصنیف سے کی ہے۔ اور گو اسلامی ممالک کے تمام علماء بار بار اس چیلنج کو قبول کرنیکے لئے مدعو کئے گئے ہین اعجاز المسیح مین جو سورۃ فاتحہ کی ایک معجزانہ تفسیر ہے۔ یہی دعوے کیا گیا۔ جسکے بارے مین آپنے تحریر فرمایا تھا کہ تمام عربی دان خواہ اس کی مثل بنانے مین متفق بھی ہو جائین تو بھی نہ بنا سکینگے اور اگر کسی نے اس امر کی جرأت کی تو وہ ذلیل اور ناکام ہوگا۔ عیسائی و مسلمان مخالفین نے اپنی خاموشی کے ساتھ ان الفاظ کی صداقت پر مہر کر دی ہے +

ایک اور کتاب اعجاز احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے گذشتہ ۱۶۔ نومبر کو شائع کی۔ اس کتاب کے نوے صفحہ ہین اور یہ پانچ دن مین لکھی گئی ہے اس کی تصنیف کا باعث ایک مباحثہ تھا۔ جو ضلع امرتسر کے ایک گاؤن مُدنامی مین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مریدون اور ایک مشہور مخالف

کے مابین ہوا۔ یہ مباحثہ ۲۹ و ۳۰۔ اکتوبر گذشتہ کو ہوا اور اس کی خبر آپ کو دو روز بعد ملی۔ پہلے چالیس صفحوں میں دیباچہ ہے جس میں مباحثہ مذکور کے متعلق مخالف کے دلایل کی تردید ہے اور باقی حصہ میں ایک نہایت فصیح و بلیغ عربی نظم ہے جسمیں واقعات مباحثہ و چند پیشگوئیاں شامل ہیں اس کتاب کے ساتھ مخالفوں کے لئے کہ اگر وہ اس کی مثل بنا لائیں دس ہزار روپیہ کا انعام بھی تھا اسکے مقابلہ کیلئے مخالفین کو صرف برابری کی سطح پر ہی مدعو نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان کو دو طرح سے آسانی بھی دی گئی تھی اول یہ کہ اگر وہ چاہیں تو اپنی مدد کے لئے جہان سے چاہیں عربی دان ادیبوں اور علماء کو بلا لیں۔ دوسرے بجائے پانچ روز کے جس میں یہ کتاب لکھی گئی مخالفین کو پچیس روز تک اس کی مثل تیار کرنے کی مہلت دی گئی تھی اس طرح پر دوہری سہولت ان کو دی گئی۔ مگر ان تمام سہولتوں کے باوجود مخالفین نے جنمیں اکثر بڑے بڑے لائق عربی دان بھی ہیں اپنی خاموشی سے قطعاً ثابت کر دیا ہے کہ انسانی طاقتیں اعجاز احمدی کے مثل بنانے میں عاجز ہیں اور اسلئے یہ انسانی کام نہیں بلکہ منجانب اللہ ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہے کہ وہ پیشگوئی جو احمدیہ فرقہ کے اول اور نہایت شدید دشمن مولوی محمد حسین بٹالوی اور منشی الہی بخش اکونٹنٹ پبلک ورکس لاہور کی نسبت ہو وہ بھی سلسلہ عالیہ کا معاند ہے مع دو اور پیشگوئیوں کے کی گئی ہے وہ انسانی فراست کیطرف منسوب نہیں کی جا سکتی کیونکہ اپنے کسی سخت مخالف کی نسبت ایسے وقت پر جبکہ وہ اپنی دشمنی میں حد تک پہنچا ہوا ہو۔ اس کی تبدیلی کی پیشگوئی کرنا سوائے الہی حکمت و علم غیب کے کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔

یسوع کی عصمت کے متعلق انجیل کی تعلیم

یسوع کے سوانح لکھتے وقت ہر ایک محقق کو یہ بات کھٹکتی ہے کہ انجیل نویسوں نے دیدہ دانستہ اپنے پیش کردہ یسوع کے بچپن کے حالات کو اشارتاً بیان کرنے سے بھی پہلو تہی کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جوانی کے ایام پر ارادتاً پردہ ڈالا گیا ہے جبکہ وہ عین شباب کے دنوں میں تھا اور جب اس کی اخلاقی حالت کیلئے بُرے جذبات کا روکنا نہایت قابل فخر تھا لیکن انجیل نویسوں نے دیدہ دانستہ اس کی پہلی تیس سالہ

زندگی کو بیان کرنیسے کنارہ کشی کی ہے انہون نے اس کی زندگی اس دن سے شروع کی ہے جب وہ یردن کے پاک پانی سے صاف ہوکر اور یوحنا کے ہاتھ پر توبہ کا بپتسمہ لیکر ایک تبدیل شدہ انسان بنا۔ اگر اس زمانہ کی نسبت جہان انجیل نویسون نے خاموشی اختیار کی ہے دوسرے ذرائع سے پتہ لگایا جائے اور مخالفین کے بیان کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس مین شک نہین کہ اس کی سوانح مین اعلی درجہ کی پاکیزگی کا نمونہ نہین ملتا بلکہ مخالفین کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسوقت عیوب سے خالی نہ تھا مثلاً یہودی کہتے ہین کہ ایک دفعہ وہ ایک یہودی لڑکی پر عاشق ہوگیا اسوجہ سے اسکے استاد نے ناراض ہوکر اسے عاق کر دیا۔ اس قسم کے واقعات یسوع کی الوہیت و معصومیت پر ایک خطرناک حملہ ہین لیکن ہم اس مضمون کو صرف انجیل کے حوالون کے روسے لکھنا چاہتے ہین اور اسکے مخالفین کے بیانات کو ابھی چھوڑتے ہین*

اس بارہ مین یسوع کا ایک اپنا مقولہ قطعی ثبوت ہے انجیل متی $\frac{19}{16-17}$ مین لکھا ہے کہ ایک شخص نے یسوع کے پاس آکر کہا کہ "اے نیک استاد مین کونسا نیک کام کرون کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤن"۔ اور اس نے جواب دیا "تو مجھے نیک کیون کہتا ہے نیک کوئی نہین مگر ایک یعنی خدا" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع کا نیک کہلانے سے انکار کرنا اسواسطے تھا کہ وہ اپنے آپ کو گنہگار سمجھتا تھا اسکی تعبیر جو جواب یسوع کی عصمت کے حامی دیتے ہین وہ بجائے خود اس امر کی مضبوط دلیل ہے کہ انکے پاس کوئی جواب نہین وہ کہتے ہین کہ چونکہ یسوع خدا تھا اسلئے ایسے جواب سے اسکا منشاء صرف یہ تھا کہ وہ شخص جو اسے صرف انسان سمجھتا ہے اسے نیک نہ کہے کیونکہ کوئی انسان گناہ سے بری نہین اسلئے کوئی بشر نیک نہین کہلا سکتا۔ لیکن ایک موٹی سے موٹی عقل والا انسان بھی اس بیان کی بیہودگی کو سمجھ سکتا ہے کیونکہ اگر یسوع صاف طور پر اپنی خدائی کا دعوے یہودیون کے سامنے پیش کرچکا تھا تو ضرور تھا کہ وہ اپنی شریعت کے روسے ایک مرتد اور نہایت گنہگار شخص خیال کرتے ہون اور شریعت موسوی کے لحاظ سے وہ موت کا سزاوار ٹھہرایا جاتا۔ پس کس طرح ایک یہودی اس دعوے کو جانکر اور مدعی کو نیک استاد کہکر خدا کے احکام کی خلاف ورزی کر سکتا تھا۔ برخلاف اسکے اگر اس شخص نے یسوع کے خدائی کے دعوے کو قبول کیا ہوا تھا تو یہ کہنا ہی بالکل لغو اور بے معنی ہے کیونکہ الوہیت کا تو اسوقت انکار ہی نہین ہوا

کیا گیا - یہ فرض کرنا ایک بیہودہ امر ہے کہ ایک یہودی نے جو اپنے مذہب پر قائم تھا یسوع کے دعویٰ
الوہیت کو جانکر بھی اسے نیک استاد کے لفظ سے مخاطب کیا - یہودی مذہب اس بات
کی تردید کرتا ہے کہ کبھی خدا بھی جسم مین ظاہر ہوا کرتا ہے اور ایسا دعوے کرنے والے کو نہایت درجہ کا
گنہگار قرار دیتا ہے - اب یسوع کے حامیون کو دو صورتون مین سے ایک کا اقرار کرنا پڑیگا -
یعنی یا تو سایل یسوع کی خدائی کے دعوے کو مانتا تھا - اس صورت مین مسیح کا جواب لغو اور
بیمعنی ہے اور یا وہ خدائی کے دعوے کو نہ مانتا تھا اس صورت مین اسکا خطاب صحیح نہین ٹھہر سکتا
جو تشریح اس آیت کی عیسائی مفسرین نے کی ہے وہ یون غلط ثابت ہوئی - نیز یسوع کے
صاف صاف انجیلی الفاظ سے کھینچ تان کر ایسے معنے لگائے بھی نہین جاسکتے اور کوئی عقلمند ایسی
رکیک تاویلون کو قبول نہین کرسکتا - اگر انہین باتون پر یسوع کی عصمت کی بنا ہے تو پادریون کو
جو دوسرے انبیاء کی عصمت پر اعتراض کرتے ہین یسوع کی عصمت سے ہاتھ دھو بیٹھنے
چاہیئے - جو الفاظ یسوع نے بولے ان کا صاف اور سیدھا مفہوم جسکو ہر ایک عقلمند انسان قبول
کرے گا یہی ہے کہ اس نے اپنی بیگناہی کا انکار کیا - اگر اس طرح پر عبارتون کو کھینچ تان کر کچھ کے
کچھ معنے مراد لئے جاوین تو کسی عبارت کا مفہوم بیان کرنے مین کوئی امن نہین رہتا - غرض
ان واقعات سے عیان ہے کہ انجیلین بجائے یسوع کی معصومیت کے مسئلہ کی تائید کرنے کے
اسے گنہگار بتلا رہی ہین کیونکہ آیت مذکورہ کے رو سے یسوع نے نیک یا بیگناہ کہلانیکا انکار
کیا وہ تمام بیانات بالکل بیہودہ ہین جو ان الفاظ کے صریح معانی کو رد کرنے کے لئے پیش کئے جاتے
ہین اور کوئی عقلمند انسان ان الفاظ سے سوائے یسوع کی گنہگاری کے کوئی اور نتیجہ نہین نکالیگا

یسوع کے افعال بھی اسی امر کے موید ہین کہ وہ بیگناہ نہ تھا اس نے یوحنا بپتسمہ دینے والے
کے ہاتھ پر بپتسمہ لیا - اس بپتسمہ لینے کے متعلق کئی امور مد نظر رکھنے چاہیئے - اول یوحنا کا بپتسمہ توبہ
اور گناہون کے اقرار کا بپتسمہ تھا جیسا متی ۳/۵-۶ مین لکھا ہے کہ "یروشلم اور تمام یہودیہ اور یردن کے
آس پاس کے ملکون کے رہنے والے اسکے پاس گئے اور یردن مین اپنے گناہون کا اقرار کرکے
اس سے بپتسمہ پایا" لوقا ۳/۳ مین لکھا ہے "اور وہ (یوحنا) یردن کے سارے آس پاس کے ملک

مین آسکے گناہون کی معافی کے لئے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتا رہا" دوسری دو انجیلون مین بھی ایسی قسم کی آیتین موجود ہین ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یوحنا کا بپتسمہ گناہون کی معافی کے لئے توبہ کا بپتسمہ تھا۔ جیساکہ لوقا نے صاف طور پر بیان کیا ہے۔ یسوع نے بھی دیگر یہودیون کی طرح بپتسمہ پایا اور دوسرے گنہ گارون کی طرح ضرور اپنے گناہون کا اقرار بھی کیا ہوگا ورنہ بپتسمہ نہین ہوسکتا تھا کیونکہ یوحنا کے بپتسمہ مین بپتسمہ لینے والے کیطرف سے گناہون کا اقرار ہوتا تھا اس اقرار کے بعد بپتسمہ دینے والا مرید کو پانی مین غوطہ دیتا تھا اور اس سے مراد یہ لیا جاتا تھا کہ بپتسمہ لینے والا گناہون سے صاف ہوگیا ہے اگر گناہون کا اقرار نہ ہوا ہو تو پانی مین غوطہ دینا بھی نہوا ہوگا اور اس طرح بپتسمہ کی کوئی رسم بھی پوری نہین ہوسکتی۔ کیونکہ یوحنا کا بپتسمہ توبہ۔ گناہون کے اقرار اور بعدہٗ پانی مین غوطہ لینے کے بعد ان گناہون کی معافی کا بپتسمہ تھا۔ یسوع نے خود اس طرح بپتسمہ حاصل کرنا چاہا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کسی اور طریق سے گناہون کی معافی اور روح القدس کا انعام نہین مل سکتا۔ انسائیکلوپیڈیا ببلیکا مین لکھا ہے کہ یوحنا کا بپتسمہ "توبہ اور گناہون کی معافی کا بپتسمہ تھا" اور اس سے یہ مراد تھی کہ "روحانی پلیدیون سے صفائی حاصل ہو" یہ کہنا کہ یسوع نے صرف بے معنی رسم پوری کی سخت بیہودگی ہے۔ انجیلین کہتی ہین کہ اسے بپتسمہ ملا اور اس نے تمام رسم کو ادا کیا جسکا بڑا حصہ گناہونکا اقرار تھا اسکو بے معنی رسم قرار دینا گویا یہ کہنا ہے کہ جب اس نے گناہون کا اقرار کیا تو وہ کہتا کچھ تھا اور اسکے دل مین کچھ تھا۔ لیکن یہ تو ریاکاری ہے کسی نے اسے مجبور نہین کیا تھا کہ گناہون کا اقرار کرتا پھرے جبکہ اس نے کوئی بھی گنہ نہین کیا تھا نیز اگر اس نے ایک موقعپر جھوٹ بولا تو پھر کیون ممکن نہین کہ اس کی باقی تعلیم اور بیانات بھی اسی قبیل کے ہون۔ کیا اس سے یہ نہین پایا جاتا کہ اسکے تمام الفاظ اور کام جھوٹے اور بے معنی تھے۔ انجیل کے مطابق یسوع کا دعوے تو یہ تھا کہ مین معلم ہون اور شریعت کو منسوخ کرنے آیا ہون باوجودیکہ شریعت کے رسوم بے معنی اور مہمل اور بے حقیقت نہ تھے اور پھر خود ایسے کام کئے جن مین کوئی حقیقت نہ تھی اور ایسے الفاظ بولے جو محض جھوٹے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسے بیانات صرف عیسائیوں کے ڈھکوسلے ہین جو ایک جھوٹے دعوے کو قائم کرنے کیلئے پیش کئے جاتے ہین۔ انجیلونسے ہمیں معلوم

ہوتا ہے کہ یسوع نے صاف صاف نیک کہلانے سے انکار کیا اور اس قول کی تائید اپنے فعل سے کی یعنی یوحنا کے ہاتھ پر بپتسمہ لیا۔

دوم انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس یسوع پر نہ اتری جبتک اس نے یوحنا کے ہاتھ سے بپتسمہ نہ پایا۔ اگر عیسائی مشنری اس امر پر غور کرتے تو انہیں آسانی سے معلوم ہوجاتا کہ یسوع کی زندگی کا سب سے عظیم الشان واقعہ جو اسکے لئے نزول برکات و انوار کا موجب ہوا یوحنا سے بپتسمہ لینا تھا جسکے بغیر روح القدس ہرگز اسپر نازل نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کی کیا وجہ تھی کہ خدا نے روح القدس کا انعام یسوع کو نہ دیا جبتک اس نے یوحنا کے ہاتھ پہ توبہ نہ کرلی حق تو یہ ہے کہ یہ بپتسمہ بجائے ایک بے معنی رسم ہونیکے یسوع کی زندگی میں ایک عظیم الشان واقعہ ہے اور انجیل ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یوحنا یسوع کا روحانی باپ بننے کے لائق تھا کیونکہ لوقا ۱ سے ہمیں پتہ ملتا ہے کہ "وہ یعنی یوحنا اپنی ماں کے پیٹ ہی سے روح القدس سے بھرا ہوا تھا" لیکن یسوع پر روح القدس نازل نہ ہوئی جبتک اس نے یوحنا کے سامنے عجز ظاہر نہ کیا اور اپنے گناہوں کا اقرار کرکے اسکے ہاتھ پہ توبہ نہ کی۔ اس بپتسمہ کا اثر اتنی جلدی ہوا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ یوحنا کی روحانی طاقت ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ جونہی یسوع نے اسکے پاس توبہ کی اسیوقت روح القدس کا انعام اسے بخشا گیا۔

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یسوع اپنی راستبازی کو جبتک اس نے یوحنا سے بپتسمہ نہ لیا ناقص خیال کرتا تھا۔ متی یسوع کے وہ الفاظ لکھتا ہے جن میں اس نے یوحنا کے ہاتھ سے بپتسمہ لینیکی وجہ بیان کی ہے "کیونکہ ہمیں مناسب ہے کہ یونہی سب راستبازی پوری کریں" اس سے ظاہر ہے کہ اسوقت وہ اپنی راستبازی کو ناقص خیال کرتا تھا۔ اسی نقص کو اپنی راستبازی میں محسوس کرکے یا کسی دیگر گناہ کے باعث اس نے یوحنا کے سامنے انکساری کی اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی یسوع کی راستبازی کا نقص اسکے اپنے اقرار سے ظاہر ہے کیونکہ اس نے کہا کہ میں شراب پیتا ہوں حالانکہ یوحنا بقول اناجیل تمام مسکرات سے پرہیز کرنیوالا تھا۔ یوحنا کے وہ الفاظ جو متی نے لکھے ہیں اور جنسے پایا جاتا ہے کہ یوحنا نے یسوع کے مقابلہ میں کسرنفسی دکھائی بالکل بے بنیاد ہیں کیونکہ ان کی نظیر

دوسری دو معتبر انجیلوں میں نہیں پائی جاتی۔ نیز ان الفاظ کی تردید متی کے ہی بیان سے ہوتی ہے۔ جہاں یسوع نے اقرار کیا کہ میری راستبازی یوحنا کے ہاتھ پر توبہ کرنے کے بغیر ناقص رہے گی نیز یوحنا یسوع کی مسیحیت پر آخر تک شک کرتا رہا (لوقا ۷/۱۹) کیونکہ اس نے یسوع کو اس گروہ میں سے جو اپنے گناہوں کے اقرار کے لئے اسکے پاس آیا تھا ایک معمولی شخص سمجھکر بپتسمہ دیا تھا۔

ماسوا ان امور کے کہ یسوع نے خود گناہوں کا اقرار کیا اور نیز اپنے مرشد یوحنا بپتسمہ دینے والے کے پاس اقرار کیا۔ اناجیل میں اسکے کئی ایک دیگر اقوال و افعال دیکھے جاتے ہیں جن سے اس کی معصومیت بالکل ملیامیٹ ہو جاتی ہے اول اسے شراب پینے کی عادت تھی لوقا ۷/۳۳-۳۴ "کیونکہ یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا جو نہ روٹی کھاتا اور نہ مے پیتا ہے..... ابن آدم کھاتا پیتا آیا اور تم کہتے ہو دیکھو ایک کھاؤ اور مے خوار محصول لینے والوں اور گنہ گاروں کا دوست" اس لئے اسنے اپنی تعلیم اور نمونہ سے لاکھوں جانوں کو تباہ کر دیا جو شراب کا شکار بن گئے ہزاروں خاندان اس زہر سے ہلاک ہو گئے اور اس طوفان کو بجائے روکنے کے یسوع نے اور بھی جوش دیا باوجود جوان اور مجرد ہونیکے اس کی آشنائی بعض بدکار عورتوں سے تھی جو ہمیشہ اسکے پاس رہتی تھیں بلکہ ایک جگہ وہ بدکار عورتوں کی تعریف بھی کرتا ہے متی ۲۱/۳۱۔ اسنے ایک کنچنی سے عطر ملوایا جو اس کی حرامکاری کی کمائی تھی اور ارادتاً اس عورت کو اپنے جسم سے جسم لگانے کی اجازت دی لوقا ۷/۳۸ وہ اپنے والدین کی بے ادبی کرتا تھا اور اپنی ماں کی اس نے بے ادبی کی۔ (متی ۱۲/۴۸) جو شریعت موسوی کیمطابق سخت گناہ ہے اسنے ایک بیگناہ شخص کو جسنے اسے کچھ نقصان نہ پہونچایا تھا۔ قریباً دو ہزار سؤروں کے گلہ کو تلف کر دیا۔ مرقس ۵/۱۳۔ اس نے اپنی حاضری میں اپنے شاگردوں کو بغیر رضامندی مالک کے ایسی چیز کھانے کی اجازت دی جو شرعاً ناجائز تھی اور جس واقعہ پر تینوں معتبر اناجیل متفق ہیں (متی ۱۲/۱ مرقس ۲/۲۳۔ لوقا ۶/۱)۔ اسنے یہودیوں کے بزرگوں کو سخت گالیاں دیں اور بہت نامناسب حملے ان کی عزت پر کئے جیسا آگے بیان ہوگا۔ اسنے تمام انبیاء اور اولیاء کو جو اس سے پیشتر گذر چکے تھے چور اور بٹمار کہا (یوحنا ۱۰/۸) اور اس بات کا خیال نہ کیا کہ اسکی تمام تعلیم انہیں سے چرائی ہوئی ہے اسنے خدا کی مرضی کے خلاف دعا مانگی جبکہ اسے یقین تھا کہ اسکی موت ٹل نہیں

سکتی۔ اس نے اس چور سے وعدہ خلافی کی جو اسکے ساتھ صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ متی ۲۳ ۴۳ سے
ظاہر ہے کہ یسوع نے چور کو کہا ”آج تو میرے ساتھ بہشت مین ہوگا“ لیکن یسوع خود تین رات
دوزخ مین رہا اور یہ بھی مشکل امر ہے کہ آیا وہ چور کو بھی دوزخ مین ساتھ لیگیا یا نہین بہشت
مین جانے سے تو وہ ناکام رہا پس کم سے کم اسے مناسب تھا کہ اس چور کو دوزخ ہی مین لیجاتا۔
اس سوال کا جواب عیسائی مشنریون کے ذمہ ہے انجیلون سے صرف یہ پایا جاتا ہے کہ یسوع نے
وعدہ کا خلاف کیا کیونکہ وہ مصلوب ہونیکے بعد کئی روز اور بعض روایتون کے موافق چالیس روز
زمین پر رہا یا عیسائی تعلیم کے بموجب دوزخ مین اتر گیا۔ اور یہ بھی معلوم نہین ہوتا کہ یسوع چور
کے ساتھ پہلے بہشت مین گیا ہو اور اسے وہان چھوڑ کر زمین پر یا دوزخ مین اتر پڑا ہو کیونکہ یوحنا
۲۰/۱۷ مین وہ صاف صاف کہتا ہے کہ ”مین ہنوز اوپر اپنے باپ کے پاس نہین گیا“

یسوع کی ایک اور وعدہ شکنی بھی انجیلون سے معلوم ہوتی ہے اس نے وعدہ کیا تھا کہ ابھی
یہ نسل گذر نہ جائے گی کہ ابن آدم جلال کے ساتھ آئے گا۔ مگر افسوس کہ یہ وعدہ بھی جھوٹا نکلا اور وہ لوگ
جنکو مسیح نے واپس آکر دیکھنا تھا اور انکے دیدار سے دل ٹھنڈا کرنا تھا۔ وہ سب کے سب مر گئے
اور انکے بیٹے اور پوتے وغیرہ سب مر گئے اور انیس سو برس کے قریب انکے مرنے پر گذر گئے تو اب دوبارہ
آمد مین یسوع مسیح کو کیا خوشی ہوگی اور کس کو دیکھ کر آنکھین ٹھنڈی کریگا کیا انکی قبرونکو دیکھے گا۔
یا ان کی اجڑی ہوئی بستیون کا نظارہ کرے گا۔ افسوس کہ ان لوگونکی زندگی جنکو یہ وعدہ دیا گیا تھا۔
کس مایوسی مین گذری ہوگی اور پھر موت کے وقت انکو کیسی کیسی حسرتین سامنے آئی ہونگی۔

سب سے بڑا گناہ جو انجیلونکے رو سے یسوع پر عاید ہوتا ہے اسکا خدائی کا دعوے کرنا ہے باوجود اس
بات کے کہ اسکو یہ علم تھا کہ وہ مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور خون حیض سے اسکے اعضا بنے ہین
اور ساری انسانی کمزوریان اور بیماریان اور لاچاریان اور بھوک پیاس کی تنگیان اسپر وارد ہوئی
ہین یہ بیہودہ دعوے ایک بڑا نقص ہے جو اس کی فہم اور عقل مین پایا گیا ہے چاہیے تھا کہ وہ خدائی
کا دعوے اسوقت کرتا جبکہ خدائی کی طاقتین اپنے اندر پاتا نہ یہ کہ یہودیون سے مارین کھاتا حکام
کی عدالتون مین کھینچا جاتا غم سے جان کھینتی بھوک سے جان نکلنے کو ہوتی اور اگر خدائی کے دعوے

کیلئے یہ کہا جائے کہ اس نے معجزات دکھلائے تو اسکا کیا ثبوت ہے کہ اس نے دکھلائے اور کیون جائز نہین کہ ہندوؤن کی ان کہانیون کی طرح جو پرانون مین موجود ہین یہ بھی کہانیان ہون مردہ کا زندہ کرنا تو ایسا حیرت انگیز معجزہ ہے کہ اگر ہوتا تو اس سے اسرائیل کی قوم مین ایک شور مچ جاتا اور سب یہودی روتے روتے پیرون پر آگرتے نہ یہ کہ ان کے پیرون مین زنجیر ڈالتے اور حوالات مین کرتے اور آخر بڑی بے رحمی سے صلیب پر چڑھا دیتے اور اگر فرض کے طور پر کوئی نشان ظاہر ہوا ہو تو وہ صرف صحت نبوت کی دلیل ہوگی نہ کہ خدائی کا کوئی نشان کیونکہ اگر نشانون سے خدائی ثابت ہو سکتی تو ایلیا نبی کی خدائی بوجہ اولیٰ ثابت ہو جاتی وجہ یہ کہ اسلاطین ۱۔ اور دو سلاطین مین ایلیا کے اسقدر زبردست اور اقتداری معجزات کا ذکر ہے کہ مسیح کی نسبت ذکر کرنا حواری شاید بھول گئے ایلیا نے اپنے پیٹ سے پیٹ لگا کر ایک مردہ کو زندہ کر دیا۔ ایک عورت کو اسکے ایک پاؤ آٹے مین یہ برکت دی کہ وہ اخیر عمر تک ختم نہ ہو سکا اور دشمن جب اسکو پکڑنے گئے تو دو دفعہ پچاس پچاس آدمی کو صرف تلفظ کرنے سے ہلاک کر دیا اور بادشاہ کو یہ کہا کہ قبل اسکے کہ تو پلنگ کے نیچے اترے تیری جان نکل جائے گی۔ مگر مسیح پیلاطوس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکا۔ اور پھر اخیری وقت مین عزت کے ساتھ رتھ پر سوار کرا کر آسمان پر اٹھایا گیا مگر یسوع مسیح کی نسبت ثابت نہین کہ وہ آسمان پر کھینچے جانیکے وقت ایک گدھے پر بھی سوار کیا گیا ہو اور پھر جب ایلیا دوبارہ دنیا مین نازل ہوگا تو ثابت کر دے گا کہ ایسا مسیح جھوٹا تھا جو اسکے پہلے آگیا غرض خدائی کا دعوے ایک بڑے گناہ کا ارتکاب ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اسکا خدا ہونا اسکے بزرگون کو جن مین نبی اور کاہن بھی تھے پہلے سے معلوم ہوتا اور وہ جانتے کہ وہ تین خداؤن مین سے ایک ہے اور کتابون مین اس مثلث کی خبر ملتی تو انپر کیا مصیبت پڑی تھی کہ اس کی ماں کے تارکہ ہونیکی حالت مین یہ بے ادبی کرتے کہ اسکے لئے کوئی خاوند تلاش کر کے خواہ نخواہ بے باپ پیدا ہونے کی رونق پر خاک ڈالدیتے اور مریم کو نذر شکنی کی مجرم ٹھہراتے اور اسکا نکاح کراتے اور اپنے خدا کی ماں کو کسی دوسرے کی جورو بناتے اور پھر جب مسیح پیدا ہوا جو انکے زعم مین خدا تھا تو خدا کے ختنہ کرنے کی انہین کیا ضرورت تھی اسکے گوشت کا تو سب حصہ خدائی کے رنگ سے رنگین تھا اسکا کاٹنا تو ہرگز مناسب نہ تھا۔

اور اگر کاٹا گیا تھا تو تبرک کیطور پر رکھنا چاہیے تھا ختنہ کی اصل جڑھ یہ ہے کہ تا اس بات کا نشان ہو کہ جس طرح وہ زائد گوشت کاٹا گیا اسی طرح اس عضو کی ناجایز گردن کشیون پر خدا کے حکم کی تیز چھری چلائی جائے کہ وہ بے اعتدالی اس کی کٹ جائے اور یا بعض اسلئے بھی ختنہ کرایا کرتے ہین کہ تا پیشاب نہ رکے کیونکہ اس مرض کو ختنہ کرنا فائدہ کرتا ہی لیکن مسیح کی نسبت نہ تو یہ خیال ظاہر کیا گیا ہو کہ بزرگون نے اسلئے اسکا ختنہ کرایا تھا کہ تا شہوات کا وحشیانہ جوش کم ہوجائے جیسا کہ غیر مختون تو موہن ہوتا ہے اور نہ یہ خیال کیا گیا ہے کہ اسکا پیشاب بند ہونیکا اندیشہ تھا اسلئے ختنہ کرایا گیا*

پھر یسوع مسیح کا یہ قول جو متی باب ۲۱- آیت ۳۱ مین درج ہی کہ یسوع نے انسے یعنے یہودی علما کو کہا مین تم سے سچ کہتا ہون کہ محصول لینےوالے اور کسبیان تم سے پہلے خدا کی بادشاہت مین داخل ہوتی ہین یہ خطاب یہودیون کے مولویون اور فقیہون اور فریسیون کو تھا جسکا دوسرے لفظون مین خلاصہ یہ تھا کہ اے مولویو اور فقیہو اور بنی اسرائیل کے عالمو اور موسے کی گدی پر بیٹھنے والو کنجریان جو ہمیشہ زناکاری- اور حرام کی خرچی پر گذارہ کرتی ہین وہ تمسے بہتر ہین اور وہ تمسے پہلے بہشت مین جاینگی یہ اسقدر سخت کلامی اور بدتہذیبی ہے کہ شاید اس سے بڑھکر دنیا مین نہ ہو اور کیا حقیقت مین یہودیون کے علما اور فقہا اور انکے ربانی مولوی جن مین سے بعض حضرت مسیح کے استاد بھی تھے وہ کنجریون سے بدتر تھے ایسا کلمہ اگر اس زمانہ کے مولویون یا پنڈتون کی نسبت کہا جائے تو وہ گلے کا ہار ہوجائین اور کوشش کرین کہ اول تو خود ورنہ عدالت کے ذریعہ سے اسکو سزا دلائین کیا آپ گمان کرسکتے ہین کہ یہودیونکے ان علما کیطرح ان مولویون مین بھی صبر ہے کیا وہ ایسے بدزبان کو کسی قانونی شکنجہ مین نہین لاینگے اور کیا وہ اسکی سزادہی کیلیے عدالت تک استغاثہ نہین پہونچاینگے پس اس سے ثابت ہوتا ہی کہ یہودیونکے مولوی بہت ہی حلیم اور بردبار اور حلیم اور درگذر کرنیوالے تھے جو باوجود خداداد عزت اور مرتبت کے کہ انمین سے بعض رومی گورنمنٹ مین کرسی نشین رئیس بھی تھے پھر ایسے سخت کلمات بلکہ گندی گالیان سنکر بھی بہت برداشت اور درگذر کرتے رہے کیا مسیح کو مناسب تھا کہ اپنی سخت گوئی کو اس حد تک پہونچاتا کہ تمام معزز مولویون اور فقہا کا نام کنجر رکھنا فرض کیا کہ مسیح کے برابر انکا تقوے نہین تھا گو مسیح کی شراب خواری یاد کرکے ایسا فرض کرنیسے بھی ہمین شرم آتی ہی لیکن تاہم اگر بطور فرض محال مسیح کا تقوے کچھ زیادہ حصہ دیا جائے تب بھی

مسیح کا ایسا کہنا بیجا تھا کیونکہ آخر علماء یہود موسے کی شریعت کے وارث تھے کیا قیاس مین آسکتا ہے کہ وہ سب کے سب خراب ہوگئے تھے اور اس لایق ہوگئے تھے کہ انکو کنجر کے نام سے پکارا جائے ماسوا اسکے کسقدر تہذیب سے بعید ہے کہ جس شخص کو نہ صرف نبی مانا گیا بلکہ خدائی کا جامہ بھی پہنایا گیا ہے وہ شریف انسانونکا نام کنجر رکھے اس سے تو یہ صاف ثبوت ملتا ہے کہ یہودی بڑے ہی بردبار اور حلیم اور با اخلاق تھے کہ باوجود اسرائیل کی اولاد ہونے اور انبیاء زادہ ہونیکے اور باوجود ان وجاہتونکے جو گورنمنٹ رومی مین انکو حاصل تھین پھر ایسے نالایق الفاظ کی برابر ساڑھے تین برس تک برداشت کرتے رہے جسمین انکی خداداد عزت اور مرتبت کی سخت کسرشان تھی درحقیقت کوئی بھی ایسا گندہ اور سخت لفظ باقی نہین رہا جو انکے معزز علماء کے حق مین اس شخص نے نہین بولا کنجر انکا نام رکھا حرامکار انکو کہا کبھی غصہ مین آکر سوٗر کے نام سے انکو موسوم کیا اور کبھی کتے کتے کر کے پکارا اور کبھی سانپونکے بچے اور کبھی گدھے اور کبھی اندھے انکو کہا گیا اور مسیح کا گدھے پر سوار ہونا بھی یہی رمز تھی کہ یہودیون پر اسے غلبہ ہوگا۔ اور احمق نادان کذاب ونماز بے ایمان ریاکار رشوت خوار علماء یہود کو کہنا یہ تو ہر وقت گویا انکی نسبت یسوع کی زبان پر جاری تھا تو کیا اسقدر گالیان اور پھر سخت گالیان یہود نے بھی کبھی یسوع مسیح کو دین اسکا ثبوت ایک ذرہ بھی انجیلونمین نہین پاؤگے تو کیا یہ تعجب کی بات نہین کہ جو شخص اخلاق سکھانے آیا تھا اس کی زبان پر ہر وقت کتا بلا سوٗر حرامزادہ بے ایمان کنجر جاری رہے اور ادنے ادنے بات پر چڑ کر لوگونکو ہمیشہ کا جہنم انعام دے اور جنکو بداخلاقی سے متہم کیا جاتا ہے وہ سخت گوئیونپر صبر کرین اور نہین اور چپ رہین +

ہان یہود کے نامدار علماء نے مسیح پر کفر کا فتوے لکھا اور تمام معزز علماء نے اس تکفیر پر اتفاق کیا سو یہ فتوے گالی مین داخل نہ تھا بلکہ جو جو کلمات کفر یسوع مسیح کے منہ پر جاری ہوئے جن کی نسبت علماء کی خدمت مین استفسار پیش کیا گیا اس استفسار کا موسوی شریعت کے رو سے یہی جواب تھا کہ ایسے کلمات منہ پر لانیوالا کافر بلکہ واجب القتل ہی تو اسمین یہودیون کا کیا قصور تھا مسیح نے خود توریت کی تعلیم کی مخالفت کی یہانتک کہ اسکا معاملہ پردہ پوشی اور تاویل کی حد سے بہت آگے گذر گیا۔ آخر علماء یہود کو اسکی نسبت کفر کا فتوے لکھنا پڑا اور اگر کفارہ کی بات کچھ سچائی رکھتی ہے تو یہود پر یہ اعتراض بھی سچا نہین کہ یسوع کو سولی دیا کیونکہ انکے ذریعہ سے یسوع مسیح کی وہ مراد حاصل ہوگئی جسکے لئے وہ آیا تھا جس بات کو

باپنے چاہا بیٹے نے چاہا۔ روح القدس نے چاہا اور وہ اس سے گنہ گار نہ ہوئے تو پھر اگر یہودیون نے بھی اسی بات کو چاہا تو وہ کیون گنہ گار ہو گئے کیا نیکی بھی گنہ مین بھی داخل ہو سکتی ہے وہ اس بات مین اکیلے تھوڑے ہین یہ تو کثرت رائے سے فیصلہ ہو گیا اور وہ نیکی کے معین تھے نہ بدی کے جو کام انہون نے کیا اس مین تو سارے جہان کی بھلائی تھی بھوڑا بہت یہودا اسکریوطی نے ان کا ہاتھ بٹایا باقی حواری شائد کفارہ کے مسئلہ کے قائل نہ تھے کہ ایک ساعت بھی ٹھہر نہ سکے مگر انکا کیا گناہ حضرت مسیح بھی اس ارادہ پر قائم نہ رہ سکے صرف یہود نے اپنے صدق کو نباہا کہ بہر حال صلیب پر چڑھا دیا

مگر مسیح صدق پر قائم نہ رہ سکا۔ ایلی ایلی کر کے چیخین مارنی شروع کر دین اور صلیب سے بچنا چاہا مگر وہ اقرار کے بعد انکار تھا اسلئے قابل سماعت نہ تھا اور پھر خدا کا یسوع مسیح کو زندہ کر کے دور دراز ملک مین پہلے آسمان سے بھی کہین آگے پہونچا دینا یہ دوسرا اس بات پر قرینہ ہے کہ خدا یہودیون کی اس کارروائی پر کچھ ایسا ناراض نہ تھا صرف اسقدر خیال مین آسکتا ہے کہ خدا نے موت کی سزا کو جو یہودیون نے دی تھی حبس دوام کے ساتھ بدل دیا تو اسلئے کہ حبس دوام بعض صورتون مین موت سے بدتر ہوتا ہے کیونکہ کھانے پینے اور سونے اور پھرنے چلنے مین اسقدر تنگیان پیش آتی ہین کہ بعض قیدی خود موت کی تمنا کرتے ہین اور یا اس لئے کہ باپ خدا کو یہودیون کی ناراضگی بھی منظور نہین تھی اور نہ بیٹے کو ہمیشہ کے لئے سزائے موت دیسکتا تھا پس جیسا کہ اعلےٰ عدالتین ماتحتون کے احکام مین کچھ تخفیف کر دیا کرتی ہین اسی طرح یہ حبس دوام بعبور صدود زمین ایک قسم کی تخفیف سزا تھی اور یہ امر کہ کیون خدا نے پہلے آسمان پر ہی مسیح کو نہ رکھا آگے لیجانیسے کیا فایدہ تھا ممکن ہے کہ اس کا یہ سبب ہو کہ یہودی سحر بابل مین بھی طاق ہو گئے تھے وہ اپنی ساحرانہ قوت سے پہلے آسمان پر پہنچ سکتے ہونگے سو اس اندیشے سے کہ کہین پھر وہ پکڑ کر صلیب پر چڑھا دین پہلے آسمان سے آگے پہونچا دیا اور اس سزائے حبس دوام کے بارے مین یہ بھی خیال کر سکتے ہین کہ چونکہ کفارہ کی تاثیر کو ہمیشہ جاری رکھنے کے لئے دائمی تعذیب منظور تھی اور وہ موت کی حالت مین نہین ہو سکتی تھی اس لئے حبس دوام کی سزا دی گئی جسمین ہمیشہ بھوک پیاس کی تکالیف اور عزیزون کی جدائی اور وطن کی مفارقت شامل حال رہتی ہے اور اگر یہ جلاوطنی کسی خیر خواہی کی نیت سے تھی تو چاہئے

تھا کہ آسمانوں پر اٹھانے کے وقت یسوع مسیح کی والدہ اور باران حواریوں کو ساتھ ہی آسمان پر اٹھا لیا جاتا۔ تا جن لوگوں سے دلی تعلقات تھے ان کی ہمیشہ کی جدائی دل کو کباب نہ کرتی رہتی اور اگر یہ منظور نہین تھا تو ایسا تو ضرور کرنا چاہئیے تھا کہ دو تین سال کے بعد ایک دفعہ زمین پر نازل ہونے کی اجازت دیدیا کرتا تا یہ ناگہانی جدائی اور پھر لاکھوں کوس کی دوری جان کو تحلیل نکرتی رہتی کچھ سمجھ نہین آتا کہ یہ کیا کارروائی کی گئی سزا تو یہود کو دینی تھی الٹی یسوع کو دوبارہ دیدی انسانی فطرت مین یہ بھی داخل ہے کہ جب ایک مصیبت اور مشکل کیوقت مین رہائی یا تخفیف سزا کا وعدہ دیا جائے اور وہ وعدہ پھر پورا نہ کیا جائے تو اس سے بھی دل کو بہت ایذا پہونچتا ہے۔ گویا پہلی مصیبت دوبارہ تازہ ہوجاتی ہے اور اسکا نقشہ دل کے سامنے آجاتا ہے اور یہ کارروائی ان لوگون سے کیجاتی ہے جنکو ہر ایک پہلو سے عذاب دینا ہی منظور ہوتا ہے سو افسوس کہ یہ تمام برتاؤ یسوع مسیح سے کیا گیا اور زمین کا تو کوفتہ تھا آسمان کا بھی کوفتہ ہوا۔ جب آسمان اٹھانے کے وقت کے قریب یسوع مسیح کو خبر دی گئی کہ تجھے لاکھون کوسون کی دوری پر پہونچا کر تمام عزیزون اور والدہ سے مہجور کیا جائے گا تو وہ بہت غمگین ہوا اور ساری رات اس نے رو رو کر دعائین کین کہ اے میرے باپ یہ پیالہ مجھ سے ٹالدے اس کی مین برداشت نہین کرسکتا اور والدہ کی جدائی اور عزیزون کی ہمیشہ کے لئے دوری میری طاقت سے باہر ہے تو اسپر یہ بشارت دی گئی تھی کہ ہم جلد تر تجھے والدہ اور دوسرے دوستونکو ملا دینگے اور وطن دکھلا دینگے۔ اور ابھی یہ لوگ جنکو تو چھوڑ چلا ہے موت کا مزہ نہ چکھینگے کہ تو واپس آجائے گا مگر افسوس کہ یہ وعدہ بھی جھوٹا ہی نکلا!!

غرض منجملہ نہایت مضبوط اور قوی اعتراضونکے یسوع کی خدائی کا دعوے ہے۔ اگر اس مین خدائی کی طاقت موجود تھی تو کیون اسنے اپنی اس طاقت کو استعمال کر کے اپنی خدائی کا ثبوت ندیا۔ اور اگر الٰہی طاقت موجود نہین تھی تو کیون فضولی کر کے ایسا دعوے کیا جسکا کچھ ثبوت نہین تھا اور اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہوگا کہ انسان ہو کر خدائی کو ہاتھ مارنا چاہا۔ لیکن ہم کہتے ہین کہ اس تہمت سے حضرت مسیح علیہ السلام کا دامن پاک ہے جس طرح دنیا مین صدہا انسان خدا بنائے گئے ایسا ہی ان لوگون نے

جنکو مخلوق پرستی کی عادت تھی حضرت مسیح کو خدا قرار دیدیا جبکہ پتھرون اور نباتات کو بھی انسانی طاقتین موجود نہین خدا ٹھہرایا گیا تو اس صورت مین انسانون کو خدا بنانا بہت سہل تھا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جسقدر انسانون کو خدا بنایا گیا خدا نے ہر ایک پہلو سے ان کی کمزوری اور ضعف ظاہر کیا مثلاً بدھ ایسا کمزور ثابت ہوا کہ بیوی اور بچون کے حقوق کو بھی ادا نہ کرسکا اور شریعت کی دو بھاری جز مین سے جو حق العباد ہے اسکو بھلا دیا معجزات اور استجابت دعا کا منکر رہا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسپر وہ راہ نہین کھلی جو اہل اللہ پر کھلا کرتی ہے ایسا ہی راجہ رامچندر کو خدا بنایا گیا آخر اسکو یہ مصیبت پیش آئی کہ راجہ راون اس کی عورت کو نکالکر لے گیا اور سخت غم اور بیحرمتی اسکو اٹھانی پڑی اسی طرح حضرت مسیح کو خدا بنانیکی کوشش کی گئی - اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کی عصمت اور ان کی والدہ کی پاکدامنی پر وہ سخت حملے ہوئے جنکی نظیر تمام نبیون کے سوانح مین نہین پائی جاتی ایک یہ بھی حملہ ہوا کہ ان کی کوئی پیشگوئی سچی نہین اور نشانونکے دکھلانیمین وہ تالاب شریک غالب رہا جسکا انجیلون مین ذکر ہے اس سے ثابت ہے کہ کسی شخص کو خدائی کا دعوے مبارک نہین ہوا - اس زمانہ کے پادری صاحبون نے حضرت مسیح کو خدا بنانیکے لئے تمام نبیون کی عیب گیری کرنا اپنا ایک فرض قرار دیدیا ہے انسانیت اور انصاف نہین کہ ایک شخص بیباک ہوکر اور منہ پھاڑکر خدا کے پاک نبیون کی نسبت جو چاہے کہے اور جب کوئی دوسرا شخص اس سے بڑھکر اسکے پیشوا کے عیب پیش کرے تب برافروختہ ہوجائے اور عدالتون تک پہونچے اے نادانون جب تم دوسرونکے مقدس

نبیون مسیح کے معجزات کو معجزہ نما تالاب نے ایسا سخت صدمہ پہنچایا تھا جو اسکی وجہ سے یہودیونکی نظر مین مسیح کے نشانونکی کچھ بھی قعت نہین رہی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لوگ جو مسیح پر ایمان لاکر پھر مرتد ہوگئے انکی ارتداد کی وجوہ مین سے ایک یہی وجہ تھی کہ ایکطرف تو مسیح کی پیشگوئیان پوری نہوئین اور نہ داؤد کا تخت اسکو ملا اور نہ اسنے یہودیونکو انکی دشمنونسے چھوڑایا اور نہ مسیح کی وعدہ کیموافق اسکی مانند والے نشانون پر قادر ہوسکے اور دوسری طرف جو معجزات کا دعوی تھا اسمین بھی عیسائیونکو بہت خفت اٹھانی پڑی یروشلم کا تالاب ایک ایسا ولایتی نرغیب پیدا ہوگیا جسمین غسل کرکے انواع اقسام کی بیمار اچھے ہوجاتے تھے اس تالاب سے مسیح کے نشانونکی وقعت اور عزت جاتی رہی اور یہ کچھ تعجب کی جگہ نہین کیونکہ کشمیر کے بعض حصونمین بھی ابتک ایسے تالاب موجود ہین جنمین غسل کرنیسے بعض بیماریان دور ہوتی ہین اور حال مین موضع بدولی ضلع مظفرنگر کی علاقہ مین ایسا تالاب پیدا ہوا ہے جسمین غسل کرنیسے مریض اچھے ہوتے ہین اور ہر سال اسپر میلہ لگتا ہے دیکھو پرچہ نیر آصفی مدراس ۲۷ جون سنہ ۱۹۰۱ع

رہبرون پر عیب لگاؤ گے تو اسکا یہ ضروری اور لازمی نتیجہ ہوگا کہ تمہارے نبی پر بھی عیب لگایا جاویگا اور جس پیمانہ سے تم ملتے ہو اسی پیمانہ سے تمہارے لئے بھی ناپا جائے گا تم اس ناپاک خصلت سے کیون باز نہین آتے کیا یہ بھی عیسائی تعلیم کا ایک جزء ہے تمہین اس تصور سے بہت شرمندہ ہونا چاہیئے تھا کہ تمہارے مذہب کا سارا مدار ایک مرے ہوئے انسان کی فرضی زندگی پر ہے اور اسی کو تم نے خدا بنا رکھا ہے پھر وہ شخص سچائی سے کیا حصہ رکھتا ہے جسکا خدا ایک قبر مین بوسیدہ ہڈیان پڑی ہین - سو تم ایسے کمزور ہوکر اسلام جیسے زبردست مذہب پر مفتریانہ حملہ مت کرو بلکہ چونکہ تم اپنے مردہ خدا کیوجہ سے سب سے کمتر ہو بہتر یہی ہے کہ کسی مذہب کی بھی عیب گیری مت کرو

دراصل یہ گناہ پادری صاحبون کا ہے نہ کسی اور کا کیونکہ پادری صاحبان تعلیم تو یہ پیش کرتے ہین کہ اگر ایک گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسری بھی پھیر دو مگر اپنا شیوہ یہ بنا رکھا ہے کہ جبتک مخالف کی دونون گالون پر بے قصور طمانچہ نہ مارلین تب تک صبر نہین - کیا یہ طمانچہ مارنے سے کم ہے کہ اپنے مخالفون کے پیشواؤن پر طرح طرح کے جھوٹے عیب لگاتے ہین اور بدزبانی سے دل دکھاتے ہین کیا اس طریق سے کسی بھی کامیابی کی امید ہے اگر زید بکر پر پتھر پھینکتا ہے اور بکر کے پاس اس سے بڑھ کر پتھر موجود ہین تو کیا وہ ان پتھرون سے زید کا سر نہین کچلے گا یہ تو سب دنیاوی صورت پر جھگڑے اور کینے ہوجائینگے - آپ گندی زمین پر کھڑے ہوکر جس مین نجاست تا بزانو ہے دوسرونکے مصفا فرش پر داغ کا اتہام لگانا نہین نادانون کا کام ہے جو اپنا انجام نہین سوچتے - دین اسی حدتک دین ہے جبتک دیانت اور صبر اور راستبازی ہو نہ یہ کہ دن رات اس بات کی کوشش مین ہین کہ افترا سے بہتان سے جھوٹ سے تحریف سے جعل سے جھوٹی کتابون کے ذریعہ سے سیدھے معنونکے بگاڑنے سے کسی خدا کے مقدس اور پاک نبی پر گناہ کا عیب لگایا جاوے تا کسی طرح یسوع مسیح بے گناہ ہوکر خدا بن جائے اور شفیع قرار پاوے لیکن مسیح کے مخالفون نے درحقیقت یہ ثابت کر دیا ہے کہ بیگناہ اور معصوم نام رکھانے مین جسقدر یسوع مسیح اور اس کی والدہ کو مشکلات اور پیچیدہ اعتراضات کا سامنا پیش آیا ہے آدم سے لیکر اس دم تک کسی نبی کو ایسے ناپاک الزامات کا نشانہ نہین بنایا گیا ہے - پس اگر اس طرح کی عیب جوئی سے کچھ بن سکتا ہے تو بتلاؤ کہ ایسے

ایسے الزامات کے رو سے کونسا حصہ معصومیت کا مسیح اور اس کی والدہ کے لئے باقی رہ گیا ہے یہ اعتراض ایسے نہین ہین کہ کوئی شخص عقل اور انصاف اور نظائر قانون قدرت کا پابند ہو کر انکو توڑ سکے پس جس مذہب کے پیشوا کی لائف قانون قدرت کے مخالف اور تعلیم صحیفہ فطرت کے مخالف اور متبعین کی عملی حالت۔ تقوے اور طہارت کے مخالف ہو کیا وہ بھی کسی دوسری قوم کو منہ دکھا سکتے ہین ؟!! تمام نبیوں کے اتفاق سے یہ مسئلہ صحیح مانا گیا ہے کہ شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہین پس جس شخص نے اپنی تمام عمر مین یہی سکھلایا کہ مجھے خدا کر کے مان لو اسکے اول درجہ کے گنہ گار ہونے مین کس عقلمند کو شبہ ہو سکتا ہے۔

پھر مین کہتا ہون کہ توریت اور قرآن نے تو یہ سکھلایا کہ خون نہ کرو زنا نہ کرو جھوٹی گواہی نہ دو۔ مگر جس نے یہ سکھلایا کہ میرے خون کے بھروسہ پر سب کچھ کرو نیک چلنی کچھ چیز نہین تمام نجات کفارہ سے وابستہ ہے کیا اس نے گناہ نہین کیا۔ جس شخص نے شراب پینے کی رسم کا بانی ہو کر کروڑہا انسانوں کو شراب کے دریا مین ڈبو دیا کیا اس نے یہ نیکی کا کام کیا اور کیا وہ دوسرا شخص جس نے عرب کے تمام جزیرہ کو جو شراب کے خطرناک سیلاب مین غرق ہو چکے تھے اس مہلک طوفان سے نجات دی۔ بالمقابل اس بڑی نیکی کا حقدار نہین ہو چکا۔ یہ دو انسان ہین ایک نے شراب کا فتوے دیکر بیشمار دنیا کو جو انیس سو برس سے آج تک چلی آتی ہے۔ طرح طرح کی ناپاکیون مین ڈالدیا جن کا تدارک غیر ممکن ہو گیا۔ اور دوسرے نے صدہا سال کی رسم شراب خواری کا استیصال کر کے اسکی بدنتائج سے کروڑہا جانین بچا لین تو اب بتلاؤ کہ ان ثابت شدہ واقعات کے رو سے منجی کون ہوا کیا یسوع یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ کہنا کہ مرنیکے بعد یسوع نجات دے گا یہ محض ایک خیالی پلاؤ ہے۔ ہندو گبر چینی وغیرہ سب اپنے اپنے پیشواؤن کو ایسا ہی گمان کرتے ہین اب کون فیصلہ کرے کہ کس کا گمان صحیح ہے مابعد الدنیا کا واقعہ تو کسی نے دیکھا نہین لیکن ثابت شدہ واقعات کے رو سے جو دنیا مین ہی ثابت ہو چکے ہین حقیقی منجی حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم ہی ٹھہرتا ہے کیونکہ کروڑہا انسانونکو شراب سے اسنے نجات دی ۔ دختر کشی کی رسم سے اسنے نجات دی۔ فسق وفجور کی رسم سے جو یورپ کیطرح عرب مین بھی پھیل گئی تھی اُسنے نجات دی۔ قماربازی کی رسم سے جو یورپ کی طرح عرب مین بھی پھیل گئی تھی اس نے نجات دی۔

اسی طرح بیسیون گناہ ہین جو رسم کی طرح عرب مین شائع ہوچکے تھے جنکو کوئی گناہ نہین سمجھتا تھا اُس کامل انسان اور مرد خدا نے ان سے نجات دی - مگر مسیح نے تو بجائے نجات دینے کے اور بھی گناہون مین پھنسا دیا - کیا شراب پینے مین قماربازی مین - فسق و فجور مین انسان کے خدا بنانے مین دنیا مین عیسائیون کی کوئی نظیر بھی ہے سو اب بتلاؤ کہ یہ تمام گناہ کس پر ہین کیا ان گناہون سے اس شخص کو کوئی حصہ نہین جس کی ناقص تعلیم نے یہ نتائج پیدا کئے - پادری صاحبان ان سوالات سے عاجز رہکر اپنی قدیم عادت کیوجہ سے زینب کے نکاح کا قصہ پیش کر دیتے ہین اور کہتے ہین کہ قرآن سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زینب پر عاشق ہوگئے تھے اسکا جواب بجز اسکے کیا لکھین کہ لعنت اللہ علی الکاذبین قرآن شریف تو خدا کا کلام ہے اگر پادری صاحبان کسی حدیث صحیح سے بھی اس افترا کو ثابت کر دکھائین تو ہم یکشت انکو دو ہزار روپیہ دینے کو تیار ہین پھر ہم کہتے ہین کہ خدا کا نبی کہلا کر کسی بیگانہ عورت پر عاشق ہونا یہ واقعہ بھی تو حضرت مسیح کے خاندان سے ہی تعلق رکھتا ہے کیونکہ بقول پادری صاحبان داؤد نبی حضرت مسیح کا دادا تھا وہ اوریا کی جورو بنت سبع پر عاشق ہوگیا - اور بنت سبع وہ عورت ہے جو حضرت مسیح کی دادی یا نانی تھی اور اسنے بغیر کسی جبر کے خود ہی شوقسی داؤد سے زنا کرایا - مگر بقول پادریصاحبان ایسا ہونا کیا تعجب تھا انسان جو ہوئے لیکن تعجب تو یہ ہے کہ یسوع خدا کا بیٹا کہلا کر ایک اجنبی عورت پر عاشق رہ چکا ہے یہ وہ روائیت ہے جو یہودی پیش کرتے ہین جو بقول پادری صاحبان ایسے نیکبخت ہین جنہون نے ابتک توریت کا ایک نقطہ یا ایک شعشہ بھی تبدیل نہین کیا اسلئے کہ ان کی تمام روائتین بڑی صحیح ہین دیانت دار جو ٹھہرے +

اے لوگو کہ تمہیں نورِ خدا پاؤ گے　　لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲　　بابت جنوری سنہ ۱۹۰۳ء　　نمبر (۱)

فہرست مضامین

انجمن اشاعت اسلام قادیان نے انوار احمدیہ پریس قادیان دارالامان میں باہتمام شیخ یعقوب علی
تراب احمدی مالک مطبع چھپوا کر ۲ جنوری سنہ ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

اطلاع اور ہدایتیں

۱۔ جنوری ۱۹۰۲ء کا میگزین تاریخ مقررہ سے آٹھ دن بعد شایع ہوا ہے۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسی مہینے میں ایک پرچہ کی بجائے تین پرچے اکٹھے شائع کرنے پڑے ہیں امید ہے کہ ہمارے ناظرین معاف رکھیں گے۔

۲۔ چندہ میگزین کا ہر حالت میں پیشگی آنا ضروری ہے خریداران کو چاہئے کہ میگزین کو بار بار کی خط و کتابت کی زیرباری سے بچانے کے لئے خود ہی سال رواں کا چندہ پیشگی ارسال فرماویں۔

۳۔ جو صاحب پیشگی چندہ ارسال کرنے میں چندوں کی مہلت چاہتے ہوں اونکو چاہئے کہ ابھی اس امر کی اطلاع دیدیں کہ کس مہینہ کا پرچہ اُنکے نام وی پی کرکے روانہ کیا جاوے۔

۴۔ جن خریداروں سے پیشگی چندہ وصول نہیں ہو چکا مینجر کو اختیار ہوگا کہ کسی وقت ان سے پرچہ وی پی کرکے قیمت وصول کرے جو صاحب رعایت چاہتے ہوں اُن کو ضروری ہے کہ خود دفتر میں اطلاع دیں۔

۵۔ منی آرڈر کے ذریعہ روپیہ بھیجنے کے وقت ضروری ہے کہ کوپن پر فرستندہ اپنا پورا نام خوشخط مع پتہ و تفصیل روپیہ لکھے۔

۶۔ خط و کتابت میں اور روپیہ بھیجنے کے وقت خریداروں کو اپنا نمبر ساتھ لکھنا چاہئے ورنہ وقت پر تعمیل ہونے کی شکایت بیجا ہوگی۔

۷۔ حصص سرمایہ میگزین کا روپیہ بنام مفتی محمد صادق فنانشل سکرٹری۔ متعلق خط و کتابت مولوی شیر علی صاحب بی۔اے سکرٹری بورڈ آف ڈائرکٹر کمال الدین صاحب بی۔اے سکرٹری انجمن کے نام سے ہونی چاہئے۔

۸۔ خریداری میگزین کا روپیہ اور خط و کتابت متعلقہ مینجر رسالہ ہونی چاہئے۔

محمد علی

مینجر رسالہ ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان۔ ضلع گورداسپور پنجاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں کیا تبدیلی کی

اس کے سمجھنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اور آپکی بعثت کے بعد جو عرب کی حالت تھی اُسپر ایک نظر ڈالنا کافی ہے۔ آنحضرت کے ظہور سے پہلے وہ لوگ شرک کرتے اور پتھروں کی پوجا کرتے تھے اور خدائے واحد اور قیامت پر اُن کو ایمان نہ تھا اور وہ بتوں پر گرے ہوئے تھے اور خدا تعالی کی قدرتوں کو بتوں کی طرف منسوب کرتے تھے یہانتک کہ مینہ کا برسانا اور پہلو نکالنا اور بچوں کا رحموں میں پیدا کرنا اور ہر ایک امر جو موت اور زندگی کے متعلق تہا تمام یہ امور بتوں کی طرف منسوب کر رکھے تھے اور ہر ایک اُنمیں سے اعتقاد رکھتا تھا کہ اس کا ایک بڑا ہمارا مددگار بت ہی ہے جس کی وہ پوجا کرتا اور وہی بت مصیبتوں کے وقت اُس کی مدد کرتا ہے اور حملوں کے وقت اُسکو خزانہ دیتا ہے اور ہر ایک اُنمیں سے اُنہی پتھروں کی طرف دوڑتا تہا اور اُنہی کے آگے فریاد کرتا تہا اور اسیطرح اُنہوں نے روشنی کو چھوڑا رات کو اپنا قیام گاہ بنایا اور لذیذ سمجھ پیار کرکے رات میں داخل ہوئے۔ اور بتوں کے ساتھ وہ لوگ ایسے خوش ہوتے تھے جیساکہ کوئی مراد پاکر خوش ہوتا ہے یا جیساکہ وہ شخص خوش ہوتا ہے جسکے قابو میں آسانی سے جنگلی شکار پڑ جاتا ہے اور بغیر تیر مارنے کے پکڑا جاتا ہے اور اُنکے دل میں یہ ذہن نشین تھا کہ اُن کے بت تمام مرادیں اُنکی دیسکتے ہیں مگر وہ لوگ خیال کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ اُن تکالیف سے کہ کسی کو مراد دیوے اور کسی کو بگڑے پاک اور منزہ ہے اور اُس نے یہ تمام قوتیں اور قدرتیں جو عالم ارواح اور اجسام کے متعلق ہیں اُنکے بتوں کو دے رکھی ہیں اور عزت بخشی کے ساتھ الوہیت کی چادر اُنکو پہنادی ہے اور خدا عرش پر آرام کر رہا ہے۔ اور ان بکھیڑوں سے الگ ہے۔ اور اُنکے بت شفاعت کرتے اور دردوں سے نجات دیتے ہیں اور خدا کا قرب اُنکے ذریعہ سے میسر آتا ہے اور سرگردان لوگوں کو اُنکے مقاصد تک پہونچاتے ہیں۔ اور باوجود ان عقیدوں کے پھر بدکاریاں کرتے تھے اور اُنکے ساتھ فخر کرتے تھے اور زنا کرتے اور وزن نہ ڈرتے اور کوئی گناہ

نہ تھا جو انہوں نے نہ کیا اور کوئی جھوٹا معبود نہ تھا جس کی پوجا نہ کی۔ انسانیت کے ادبوں کو ضایع کیا اور انسانی خلقوں سے دور جا پڑے اور وحشی جانوروں کی طرح ہو گئے یہانتک کہ بیٹیوں اور بہائیوں کے گوشت کہائے اور ہر ایک مردار کو بتمام حرص کہایا اور خون کو یوں پیا جیسا کہ دودہ پیا جاتا ہے اور بدکاریوں اور خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں میں حد سے گذر گئے اور جنگلی حیوانوں کی طرح جو کچھ چاہا کیا اور ہمیشہ انکے شاعر بیدہڑک عورتوں کی بیعزتی کرتے اور انکے امرا کا شغل قمار بازی اور شراب اور بدی تھی اور جب بخل کرتے تھے تو بہائیوں اور یتیموں اور غریبوں کا حق تلف کر دیتے تھے اور جب مالوں کو خرچ کرتے تھے تو عیاشی اور فضول خرچی اور زناکاری اور نفسانی ہوا اور ہوس کے پوری کرنے میں خرچ کرتے اور نفس پرستی کو انتہا تک پہونچاتے تھے۔ اور وہ لوگ اپنی اولاد کو درویشی اور تنگدستی کے خوف سے قتل کر دیا کرتے تھے اور بیٹیوں کو اسی عار سے قتل کرتے تھے کہ تلاش کرنے سے انکا کوئی داماد نہ ہو اور اسطرح انہوں نے اپنے اندر اخلاق ردیہ اور رذیل خصلتیں جمع کر رکھی تہیں۔ یہانتک کہ انمیں ایک جماعت بداصلوں اور ولد الحراموں کی ہو گئی تھی اور عورتیں زانیہ آشناؤں سے تعلق رکھنے والیں اور مرد زانی پیدا ہو گئے تھے اور جو لوگ ان کی راہ کے مخالف ہوتے تھے وہ نصیحت دینے کے وقت اپنی عزت اور جان اور گہر کی کی نسبت خوف کرتے تھے۔ غرض عرب کے لوگ ایک ایسی قوم تہی جنکو کبھی واعظوں کے وعظ سننے کا اتفاق نہ ہوا۔ اور نہیں جانتے تہے کہ پرہیزگاری اور پرہیزگاروں کی خصلتیں کیا چیز ہیں۔ اور انمیں کوئی ایسا نہ تھا کہ جو کلام میں صادق اور فیصلہ مقدمات میں منصف ہو۔ پس اسی زمانہ میں جبکہ وہ لوگ ان حالات اور ان فسادوں میں مبتلا تہے اور ان کا تمام قول اور فعل فساد سے بھرا ہوا تھا خدا تعالیٰ نے مکہ میں سے انکے لئے رسول پیدا کیا اور وہ نہیں جانتے تہے کہ رسالت اور نبوت کیا چیز ہے اور اس حقیقت کی کچھ بھی خبر نہ تہی پس انکار اور نافرمانی کی اور اپنے کفر اور فسق پر اصرار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے ہر ایک جفا کی برداشت کی اور ایذا پر صبر کیا اور بدی کو نیکی کے ساتھ اور بغض کو محبت کے ساتھ ٹالدیا اور غمخوار اور محبوب کیطرح انکے پاس آیا اور ایک مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے اور ردّ شدہ انسان کی طرح مکہ کی گلیوں میں پہرتے رہے اور قوت نبوت سے ہر ایک عذاب کا مقابلہ کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تہی کہ رات کو اٹھکر خدا تعالیٰ کیطرف توجہ کرتے اور خدا تعالیٰ سے انکی بینائی اور فضل اور رحمت چاہتے یہانتک کہ دعائیں قبول کی گئیں اور انکی کستوری کی خوشبو پہیلی اور خوشبوئیں پے درپے پہیلنی شروع ہوئیں اور دلوں کے بدلنے والے کا حکم نازل ہوا۔ اور اس ذات سے انکو قوت عطا ہوئی جو محبت کو عطا کرتا اور دانوں کو اگاتا ہے سو حکم الہی سے زمین بدلائی گئی اور آواز دینے والے بابرکت کیطرف دل کھینچے گئے۔ اور ہر ایک شہید اپنے قتل گاہ کیطرف صدق اور

وفا سے نکل آیا اور اُنہوں نے مالوں اور جانوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کوششیں کیں اور اپنی جانفشانی کی نذریں انکو پورا کیا اور اس کے لئے یوں ذبح کئے گئے جیسا کہ قربانی کا بکرا ذبح کیا جاتا ہے۔ اور انہوں نے اپنے خونوں سے گواہی دیدی کہ وہ ایک سچی قوم ہے اور اپنے اعمال سے ثابت کر دیا کہ وہ لوگ خدا کی راہ میں مخلص ہیں اور زمانہ کفر میں وہ لوگ تاریکی کے زندان میں قید تھے اسلام کے قبول کرنے نے انکو منور کر دیا اور اُنکی بدیوں کو نیکی کے ساتھ اور اُنکی شرارتوں کو بھلائی کے ساتھ بدل دیا اور اُنکی شراب شبانگاہی کو رات کی نماز اور رات کے تضرعات کے ساتھ بدل ڈالا اور اُنکی بامدادی شراب کو صبح کی نماز اور تسبیح و استغفار کیساتھ مبدل کر دیا اور انہوں نے یقین کامل کے بعد اپنے مالوں اور جانوں کو خدا تعالیٰ کی راہوں میں بخوشی خاطر خرچ کیا اور جب انہوں نے حق کو دیکھ لیا پس اپنی کوششوں کو ایمان کے چقماق میں سے آگ نکالنے میں کمال تک پہونچایا۔ اور اپنی جانوں کو اسلئے کہ یقین کی تلوار کی جوہر کو خوب غور اور تامل کیساتھ دیکھیں آزمایش میں ڈالا۔ پس یہی امر ہے جس نے ان کو بہادر کر دیا اور انکی کاروں کو تیز کیا پھر انکے ذکر کو بلند کیا اور انکا انجام بخیر کیا۔ اور یہ ہی جوانمردی ہے جس نے لوگوں کے دلوں میں انکی فطرت کو محبوب بنایا اور اس کستوری کی خوشبو کیطرح جو پیسی جائے انکی باطنی حقیقتوں کو دکھلایا اور یہی سبب انکے دل کی دلبری اور زبان کی روانگی اور ایمان کی قوت اور بلندی معرفت کا ہے۔ اور اسی لئے اُنہوں نے اپنی جانوں کو محبت میں جلایا یہانتک کہ اُن کا کوئلہ راکھ کیطرح ہوگیا اور خدا تعالیٰ کی محبت میں افروختہ ہوگیا اور اس کی راہوں کے لئے خوب طیاری کی اور مصیبتیں اُنکے لئے سلامتی اور ٹھنڈک ہوگئیں اور گرمی اور آگ کی تیزی کو اُنہوں نے بھلا دیا اور جو شخص اس بات کو غور کی نظر سے دیکھے کہ اُنہوں نے اپنی پہلی چراگاہوں کو کیونکر چھوڑ دیا اور کیونکر وہ ہوا نفس کے جنگل کو کاٹکر اپنے مولے کو جاملے تو ایسا شخص یقین سے جان لیگا کہ وہ تمام قوت قدسیہ محمدیہ کا اثر تھا وہ رسول جسکو خدا نے برگزیدہ کیا اور عنایات ازلیہ کے ساتھ اس کی طرف توجہ کی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ کی وجہ سے صحابہؓ زمین کے نیچے سے لئے گئے اور آسمان کی بلندی تک پہونچائے گئے اور درجہ بدرجہ برگزیدگی کے مقام تک منتقل کئے گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونکو چارپایوں کی مانند پایا کہ وہ توحید اور پرہیزگاری میں سے کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اور نیکی بدی میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو انسانیت کے آداب سکھلائے اور تمدن اور بود و باش کی راہوں پر مفصل مطلع کیا اور اُن کے لئے پاکیزگی کے طریقوں اور دانتوں کو صاف کرنا اور مسواک کرنا اور خلال بعد طعام چاشت طعام شب کرنا اور

بول کرکے جلدی سے نہ اُٹھنا بلکہ بقیہ قطرات کو نکالنا تا کپڑا ناپاک نہو اور تمام تر صفائی سے استنجا کرنا اور معاشرت اور تمدن اور کھانے پینے اور لباس اور علاج اور پرہیز اور اصول رعایت صحت اور اسباب بلا سے پرہیز کے قوانین ظاہر فرمائے اور تمام صورتوں میں اعتدال کی وصیت فرمائی پھر جب جسمانی آداب سے خوب تہذیب ہو گئے تو جسمانی پاکیوں سے منتقل کرکے اخلاق فاضلہ روحانیہ اور خصال ایمانیہ کیطرف کھینچا تا انکے ذریعہ سے روحانی پاکیزگی حاصل ہو۔ پھر جب دیکھا کہ وہ لوگ نیک خصلتوں میں پختہ ہو گئے اور اچھے خلقوں کے صادر کرنے کا ان کو ملکہ ہو گیا پس اُن کو قرب اور وصال کے سرادق کیطرف بلایا اور معارف الہیہ انکو سکھلائے۔ اور حضرت عزت اور جلال کی طرف اُن کی باگیں پھیریں تا وہ قرب کے سبزہ گاہوں سے محبت کا سبزہ چگیں۔ اور خدا تعالیٰ کے نزدیک اُن کو مقام قرب اور صدق حال میسر آوے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ قرآن شریف کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تین قسم پر منقسم تھی پہلی یہ کہ وحشیوں کو انسان بنایا جاوے اور انسانی آداب اور حواس انکو عطا کئے جائیں۔ اور دوسری یہ کہ انسانیت سے ترقی دیکر اخلاق کاملہ کے درجہ تک پہونچایا جاوے۔ اور تیسری یہ کہ اخلاق کے مقام سے انکو اُٹھا کر محبت الہی کے مرتبہ تک پہونچایا جاوے اور یہ کہ قرب اور رضا اور معیت اور فنا اور محویت کے مقام انکو عطا ہوں یعنے وہ مقام جس میں وجود اور اختیار کا نشان باقی نہیں رہتا اور خدا اکیلا باقی رہجاتا ہے جیسا کہ وہ اس عالم کے فنا کے بعد اپنی ذات قہار کیساتھ باقی رہیگا۔ پس یہ سالکوں کے لئے کیا مرد اور کیا عورت آخری مقام ہے اور ریاضتوں کے تمام مرکب اسی پر جاکر ٹھہر جاتے ہیں۔ اور اسی میں اولیا کے ولایتوں کے سلوک ختم ہوتے ہیں اور وہ استقامت جس کا ذکر سورۃ فاتحہ کی دعا میں ہے اس سے مراد یہی مرتبہ سلوک ہے۔ اور نفس امارہ کی جس قدر ہوا و ہوس بھڑکتی ہے وہ اسی مقام میں خدا ے ذوالجبروت والعزت کے حکم سے گداز ہوتی ہے۔ پس تمام شہر فتح ہو جاتا ہے اور ہوا و ہوس کے عوام کا شور باقی نہیں رہتا اور کہا جاتا ہے کہ آج کس کا ملک ہے اور یہ جواب ہوتا ہے کہ خدائے ذوالمجد والکبریا کا۔ مگر جو مرتبہ اخلاق فاضلہ اور نیک خصلتوں کا ہے اُسمیں غفلت کے وقت دشمنوں سے امن نہیں ہے کیونکہ جن لوگوں کا سلوک اخلاق تک ہی محدود ہوتا ہے اُنکے لئے ابھی بعض قلعے باقی ہونے ہیں جنکا فتح کرنا مشکل ہوتا ہے اور اُنکی نسبت یہ اندیشہ دامنگیر رہتا ہے کہ نفس امارہ اپنی بھوک کے بھڑکنے کیوقت حملہ نکرے۔ اور جو شخص صرف اخلاق تک ہی اپنا کمال کہتا ہے اُسکی زندگی کے دن گرد و غبار

سے پاک نہیں رہ سکتے اور ایسے لوگ ہوائی تیروں سے امن میں نہیں رہ سکتے۔

پس حاصل کلام یہ ہے کہ یہ جو ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ قرآن شریف کی تعلیمیں ہیں اور انہی تعلیموں کے ساتھ انسان کی تکمیل علمی اور عملی کا دائرہ اپنے کمال کو پہونچتا ہے اور یہ تعلیمیں ایسے معاف ہیں کہ پہلی کتابوں میں سے کوئی کتاب بھی انکی متکفل نہیں ہوئی اور نہ کبھی پہلے صحیفوں میں سے کوئی صحیفہ انپر مشتمل ہوا ہے پس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ علمی و عملی معجزہ ہے اور قرآن کریم کا تمام مخلوق کے لئے بڑا ایک اعجاز ہے اور پہلے نبیوں کے معجزے منقضی اور معدوم ہوگئے مگر یہ قرآنی معجزہ قیامت تک باقی رہے گا۔ اور یہ جو ہم نے کہا کہ قرآن علمی و عملی معجزہ ہے سو یہ ایک بیہودہ اور بے اصل بات نہیں ہے بلکہ ہمارے پاس اسپر دلائل قاطعہ اور براہین شافیہ اور تسکین بخش ہیں پس جان لو کہ قرآن شریف کا علمی معجزہ بدیہیات کی طرح ثابت ہے اور اسپر کسی قسم کے شبہات کے غبار نہیں کیونکہ وہ ایک ایسا کلام ہے جو ضروری تعلیموں اور ضروری وصایا اور معارف اور دلایل کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے اور وہ ایک ایسی تعلیم کامل ہے جو تمام انسانی ضرورتوں کو جو خدا تعالے تک پہونچنے کے لئے پیش آتی ہیں پوری کرتی ہے اور جو حق کے ثبوت میں دلایل پیش کرنا چاہئے یا جس طرح باطل کا رد لکھنا چاہئے اور یا جس طور اور اندازہ سے معرفت کی باریک باتیں بیان کرنی چاہئے ان میں سے ایک بات کو بھی اس نے نہیں چھوڑا اور اسپر زاید یہ امر ہے کہ ان تمام تعلیموں اور احکام اور حدود کو نہایت فصیح اور بلیغ اور شیریں اور پسندیدہ پیرایہ میں بیان فرمایا۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے جو انسان کی قدرت سے بالاتر ہے۔ اور ہمارا یہ قول کہ قرآن جیسا کہ علمی معجزہ ہے ایسا ہی وہ عملی معجزہ بھی ہے۔ سو یہ امر بھی اُس کی پہلی شاخ کیطرح ایک بدیہی واقعہ ہے اور انکار اور خصومت کی گنجایش نہیں کیونکہ قرآنی تعلیموں نے اپنی تاثیرات عجیبہ اور تبدیلات غریبہ ورائے وحشیوں کو دلوں پر ڈالنے سے جو خارق عادت ہیں اور ردی اور مستحکم ملکوں کے دور کرنے سے عقلمندوں کو حیران کردیا ہے اور ٹیڑھی اور سخت طبیعتوں کے دیوار او پردے کو ڈھا دیا ہے اور جو سخت دل لوگ گھر تھے اُنکے اندر داخل ہوگیا ہے اور اُن لوگوں تک پہونچا ہے جو بباعث سفلی طبیعتوں کے عمیق اور ناقابل گذر خندقوں کے پرے رہتے تھے۔ اور خدا نے اُسکے ساتھ سخت کو نرم اور دور کو نزدیک کردیا اور سینوں کو قبض سے انشراح کی طرف اور تنگی سے فراخی کیطرف پھیر دیا اور حجاب کو دور کیا اور حق کو دکھلا دیا۔ یہانتک کہ مومنوں کو الہامات صریحہ اور مکاشفات صادقہ اور صحیحہ تک پہونچا دیا اور دائمی کرامتوں کا وارث اُنکے سینوں کی ہمو

زمین میں بو دیا۔ اسی وجہ سے ہم لوگ کرامتوں کے طلب کے وقت پہلے زمانہ کیطرف نہیں بھاگتے بلکہ ہم اپنے مقام پر استوار رہتے ہیں اور منکر کو خدا کے تازہ بتازہ نشان دکھلاتے ہیں اور ہمارے مخالفوں کے ہاتھ میں بجز قصوں کے اور کچھ نہیں اور صرف قصوں کے ساتھ کبھی کوئی دین ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ اُن نوروں سے ثابت ہوتا ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوتے۔ اور نہ کبھی پورانے ہوتے ہیں۔ بعد اسکے جان کہ یہ وہ معجزہ ہے جس کی دونوں شاخیں عظیم الشان ہیں اور جسکی خوشبو پھیل رہی ہے اور اُس تصدیق پر طوایف مخلوقات جمع ہیں جیسا کہ حج قافلہ کعبہ پر جمع ہوتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جلیل الشان حکیموں سے اسبات کیطرف توجہ کرے کہ کسی سفیہ نادان کی طبیعت کی کجی کو دور کرے یا کسی فاسق بدکاری کے عادی کو اُس کی اس بدخصلت سے چھوڑا دے۔ پس ایسا کرنا اُس حکیم پر مشکل ہو جائے گا اور اُس فاسق کے خیالات کو بدلا دینا اُس کے لئے بجز ممکن ہوگا۔ اب دیکھو کہ اُس مرد کی کیسی بلند شان ہے جس نے تھوڑے سے عرصہ میں ہزاروں انسانوں کی اصلاح کی اور فساد سے صلاحیت کیطرف اُنکو منتقل کیا یہانتک کہ اُن کا کفر پاش پاش ہوگیا اور صدق اور راستی کے تمام اجزا ہیئت اجتماعی اُنکے وجود میں جمع ہوگئے اور اُن کے دلوں میں پرہیزگاری کے نور چمک اُٹھے اور اُنکے پیشانی کے نقشوں میں محبت الٰہی کے بھید ایک چمکیلی صورت میں نمودار ہوگئے اور اُنکی ہمتیں دینی خدمات کے لئے بلند ہوگئیں اور وہ دعوت اسلام کے لئے ممالک شرقیہ اور مغربیہ تک پہونچے اور ملت محمدیہ کی اشاعت کے لئے بلاد جنوبیہ اور شمالیہ کیطرف اُنہوں نے سفر کیا اور اُنکی عقلیں علوم الٰہیہ میں منور ہوگئیں اور اُنکے قویٰ فکریہ اسرار ربانیہ کے سمجھنے کیلئے باریک ہوگئیں اور نیک باتیں بالطبع اُنکو پیاری لگنے لگیں اور بد باتوں اور گناہوں سے بالطبع اُنکو نفرت پیدا ہوگئی اور رشد اور سعادت کے خیموں میں وہ اُتارے گئے بعد اسکے جو بتوں پرستش کے لئے سرنگون تھے اور اور اُنھوں نے اپنی کوششوں اور تگ و دو میں کوئی دقیقہ اسلام کے لئے اُٹھا نہ رکھا یہانتک کہ دین کو فارس اور چین اور روم اور شام تک پہونچا دیا اور جہاں جہاں کفر نے اپنا بازو پھیلا رکھا تھا اور شرک نے اپنی تلوار کھینچ رکھی تھی وہیں پہنچے اور انہوں نے موت کے سامنے سے موہنہ نہ پھیرا اور ایک بالشت بھی پیچھے نہ ہٹے اگرچہ تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے وہ لوگ جنگ کے وقتوں میں اپنی قدمگاہوں پر استوار اور قایم رہتے تھے اور خدا کے لئے موت کی طرف دوڑتے تھے وہ ایک قوم ہے جنہوں نے کبھی جنگ کے میدانوں سے تخلف نہ کیا اور زمین کی انتہائی آبادی تک زمین پر قدم

مارتے ہوئے پہونچے۔ اُنکی عقلیں آزمائی گئیں اور ملکداری کی لیاقتیں جانچی گئیں سو وہ ہر ایک امر میں فایق نکلے اور علم و عمل میں سبقت کرنیوالے ثابت ہوئے۔ اور یہ معجزہ ہمارے رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور حقیقت اسلام پر ایک صریح دلیل ہے۔ اور اگر تمہیں شک ہے تو اُنکی مانند حضرت موسیٰ کے اصحاب میں سے یا حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں سے یا کسی اور نبی کے صحابہ میں سے ایک انسان بھی دکھلاؤ اور اُنکی خبریں تم سن چکے ہو اور جو کچھ اُنکے بارہ میں اُنکے نبیوں نے کہا تمہیں معلوم ہے۔ اور اُن نبیوں کی زبانوں پر خلاف واقعہ باتیں جاری نہیں ہو سکتی تھیں اور نہ وہ جھوٹے تھے کیونکہ وہ روح القدس کے بلانے سے بولے تھے اور غضبناک انسانوں کی طرح اُنکا کلام نہ تھا۔

حضرت مسیح کا دس گم شدہ اسرائیلی قوموں کی طرف جانا

وَاٰوَیْنٰھُمَآ اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ ﴿قرآن کریم﴾ (میں صرف اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کو لئے بھیجا گیا ہوں) متی باب ۱۵/۲۴

جو مضمون اس عنوان کے نیچے اس نمبر میں اور اسکے بعد کے نمبروں میں نکلیگا وہ ایک ایسا وسیع اور ضروری مضمون ہے اور ساتھ ہی اسقدر دلوں میں جمے ہوئے خیالات کی تردید کرتا ہے کہ اسپر پوری بحث کرنے سے ایک ضخیم مجلد تیار ہوتا ہے۔ مگر بعض حالات کی مجبوری کے سبب سے ہمیں یہ عظیم الشان مضمون ہی درج کرکے پبلک کے سامنے پیش کرنا پڑا ہے لیکن باوجودیکہ اس اختصار کر دینے اور پھر ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے اسکا زور بہت کم ہو جائیگا تاہم حق کے طالبوں کیلئے اسصورت میں بھی یہ مضمون بڑی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ علاوہ ازیں اس مختصر صورت مضمون کو پڑھ لینے کے بعد ناظرین اس کی مفصل بحث پر غور کرنے کے لئے تیار ہو جاوینگے جسکے بہت جلد شائع ہونیکی امید کیجاتی ہے۔

بڑے عنوان کے نیچے چند چھوٹے چھوٹے عنوان ہیں جنہیں وہ شہادتیں درج ہیں جو مختلف ذرائع سے ہمکو ہاتھ لگی ہیں گویا یہ چھوٹے عنوان ایک سلسلے اور مضبوط زنجیر میں کڑیوں کے قائممقام ہیں اور سب شہادتوں پر یکجائی طور پر نظر کر دینے سے وہ عظیم الشان مسئلہ حل ہوتا ہے جسکا بیان بڑے عنوان میں ہے

انجیلی شہادتیں

سب سے پہلے مسئلہ زیر بحث کے تصفیہ کیلئے ہم ان شہادتوں پر غور کرتے ہیں جو چار انجیلوں سے ہمیں ملتی ہیں ۔ زمانہ حال کی تحقیقات سے اناجیل اسقدر پایہ اعتبار سے ساقط ہو گئی ہیں کہ انکی شہادتوں پر سب سے پہلے غور کرنے پر شاید بہت لوگ حیران ہونگے ۔ یہ امر محقق ہو چکا ہے اور نہ صرف محققین نے ہی اسکو تسلیم کیا بلکہ ان لوگوں نے بھی جو سچے عیسائی کہلاتے ہیں ۔ یہ مان لیا ہے کہ چاروں انجیلیں ان واقعات کے بہت مدت بعد لکھی گئی ہیں جو انمیں مندرج ہیں اور یہ کہ انجیل کے بیان ان واقعات کے متعلق بہت ناقص ہیں اور غلط ہیں اور مبالغوں اور فرضی کہانیوں سے بھرے ہوئے ہیں ۔ انجیلوں کے محقق شارحوں نے اسبات کو مان لیا ہے کہ انجیلوں میں دو حصے ہیں ۔ پہلا حصہ تو انجیلی تعلیم ہے جو حواریوں کو حضرت مسیح سے ملی تھی ۔ اور جسمیں اگرچہ سلسلہ روایات میں بہت ساری تبدیلیاں ہو گئی ہیں مگر یہ حصہ اصل روح انجیل کا ہے ۔ دوسرے حصہ میں تاریخی واقعات ہیں جیسے حضرت عیسیٰؑ کا شجرہ نسب اور انکا پکڑا جانا یا سولی پر چڑھنا وغیرہ سو اس حصے کو تاریخ کی بنا پر جانچا جانا چاہئے یعنی جن امور کا وقوع زیادہ قرین قیاس ہے یا کافی شہادت رکھتا ہے انکو مان لیا جائے اور باقی کو رد کیا جائے اس میں شک نہیں کہ کسی مدت کے بعد تاریخی واقعات کے تحریر میں لانے سے بہت سے واقعات رہ جاتے ہیں اور بہتوں میں غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں جسقدر حصہ زبانی روایات سے محفوظ بھی رہا ہو وہ بھی راویوں اور پھر مورخوں کے اپنے خیالات اور مذہبی اعتقادات کے رنگ میں بہت کچھ رنگا جاتا ہے ۔

یہی واقعات ہماری اس شہادت کو جو ہم انجیلوں سے لیتے ہیں اور بھی زیادہ قوی اور مضبوط بناتے ہیں ۔ کیونکہ یہ شہادت انہی واقعات کے متعلق ہے جنکا چھپانا انجیل نویسوں کی غرض معلوم ہوتی ہے ابتدا ہی میں عیسائی مذہب میں یہ غلطی جڑ پکڑ گئی کہ حضرت مسیح گویا آسمان پر چڑھ گئے ہیں اس لئے انکی زندگی کے واقعات میں سے سیدھے سادے حالات کو ایسی طرز پر بیان کیا جاتا ہے کہ کوئی امر خلاف معمول بنجائے اور آسمان پر چڑھنے کے غلبہ نے مسیح کی زندگی کے ہر ایک واقعہ کو اس رنگ میں رنگ دیا ہے ۔ یہ ایک نہایت صاف بات تھی کہ تین گھنٹے صلیب پر لٹکانے سے کبھی کسی کی جان نکل سکتی تھی مگر انجیل نویسوں کو اپنے اعتقاد کی خاطر یہ بھی بیان کرنا پڑا کہ تین ہی گھنٹے میں معجزے کے طور پر حضرت مسیح صلیب پر مر گئے تھے ۔ یہاں صرف مارنیکی خاطر مرنیکو معجزہ بنایا گیا ہے ۔ اب جب انجیلوں کے مورخ اسقدر اس اعتقاد کے خیال کے نیچے لکھ رہے تھے تو ضرور ہے کہ جو شہادت

اس اعتقاد کے خلاف انکے بیانات سے صاف طور پر نکل سکتی ہو وہ نہایت وزنی اور معتبر شہادت سمجھی جاوے اسی لحاظ سے ہمنے سب سے پہلے انجیل کی شہادت کا ذکر کیا ہے -

جاننا چاہیئے کہ اگرچہ عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودا اسکریوطی کی شرارت سے گرفتار ہوکر مصلوب ہوگئے اور پھر زندہ ہوکر آسمان پر چلے گئے لیکن انجیل شریف پر غور کرنے سے یہ اعتقاد سراسر باطل ثابت ہوتا ہے - متی باب ۱۲ آیت ۴۰ میں لکھا ہے کہ جیسا کہ یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا - اب ظاہر ہے کہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا نہیں تھا اور اگر زیادہ سے زیادہ کچھ ہوا تھا تو صرف بیہوشی اور غشی تھی - اور خدا کی پاک کتابیں یہ گواہی دیتی ہیں کہ یونس خدا کے فضل سے مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہا اور زندہ نکلا - اور آخر قوم نے اسکو قبول کیا - پھر اگر حضرت مسیح علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں مر گئے تھے تو مردہ کو زندہ سے کیا مشابہت اور زندہ کو مردہ سے کیا مناسبت بلکہ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ مسیح ایک نبی صادق تھا اور جانتا تھا کہ وہ خدا جسکا وہ پیارا تھا لعنتی موت سے اُسکو بچائیگا اس لیئے اس نے خدا سے الہام پاکر پیشگوئی کے طور پر یہ مثال بیان کی تھی اور اس مثال میں جتلا دیا تھا کہ وہ صلیب پر نہ مرے گا اور نہ لعنت کی لکڑی پر اسکی جان نکلے گی بلکہ یونس نبی کیطرح صرف غشی کی حالت ہوگی - اور مسیح نے اس مثال میں یہ بھی اشارہ کیا تھا کہ وہ زمین کے پیٹ سے نکل کر پھر قوم سے ملیگا اور یونس کی طرح قوم میں عزت پائیگا سو یہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی - کیونکہ مسیح زمین کے پیٹ میں سے نکل کر اپنی اُن قوموں کی طرف گیا جو کشمیر اور تبت وغیرہ مشرقی ممالک میں سکونت رکھتی تھیں یعنی بنی اسرائیل کے وہ دس فرقے جنکو شالمنذر شاہ اسوج سامریہ سے مسیح سے سات سو اکیس برس پیشتر اسیر کرکے لے گیا آخر وہ ہندوستان کی طرف آکر اس ملک کے متفرق مقامات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے - اور ضرور تھا کہ مسیح اس سفر کو اختیار کرتا - کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی اس کی نبوت کی علت غائی تھی کہ وہ اُن گمشدہ یہودیوں کو ملتا جو ہندوستان کے مختلف مقامات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے وجہ یہ کہ درحقیقت وہی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیں تھیں جنہوں نے ان ملکوں میں آکر اپنے باپ دادے کا مذہب بھی ترک کر دیا تھا اور اکثر اُن کے بدھ مذہب میں داخل ہوگئے تھے اور پھر رفتہ رفتہ بُت پرستی تک نوبت پہنچی تھی چنانچہ ڈاکٹر برنیر نے بھی اپنی کتاب وقائع سیر و سیاحت میں

کئی اہل علم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ کشمیر کے باشندے دراصل یہودی ہیں کہ جو تفرقہ شاہ اسور کے
ایام میں اس ملک میں آ گئے تھے؏ بہرحال حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے یہ ضروری تھا کہ اُن گم شدہ بھیڑوں کو
تلاش کرتے جو اس ملک ہند میں آکر دوسری قوموں میں مخلوط ہو گئی تھیں چنانچہ آگے چلکر ہم اسبات کا
ثبوت دیں گے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فی الواقع اس ملک ہند میں آئے اور پھر منزل بمنزل کشمیر میں
پہونچے - اور اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کا بدھ مذہب میں پتہ لگالیا - اور اُنہوں نے آخر اُسکو اسی طرح
قبول کیا جیسا کہ یونس کی قوم نے یونس کو قبول کر لیا تھا - اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا - کیونکہ مسیح انجیل میں
اپنی زبان سے اسبات کو بیان کرتا ہے کہ وہ اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کے لئے بھیجا گیا ہے -

ماسوا اسکے صلیب کی موت سے نجات پانا اس کو اس لئے بھی ضروری تھا کہ مقدس
کتاب میں لکھا ہے کہ جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے - اور لعنت کا ایک مفہوم ہے کہ جو عیسیٰ مسیح جیسے
برگزیدہ پر ایکدم کے لئے بھی تجویز کرنا سخت ظلم اور ناانصافی ہے - کیونکہ باتفاق تمام اہل زبان لعنت
کا مفہوم دل سے تعلق رکھتا ہے - اور اُس حالت میں کسی کو ملعون کہا جائیگا جب کہ حقیقت میں
اس کا دل خدا سے برگشتہ ہو کر سیاہ ہو جائے* اور خدا کی رحمت سے بے نصیب اور خدا کی محبت سے
بے بہرہ اور خدا کی معرفت سے بکلی تہیدست اور خالی اور شیطان کی طرح اندھا اور بے بہرہ ہو کر گمراہی کے
زہر سے بھرا ہوا ہو اور خدا کی محبت اور معرفت کا نور ایک ذرہ اس میں باقی نہ رہے اور تمام تعلق مہر و
وفا کا ٹوٹ جائے اور اُس میں اور خدا میں باہم بغض اور نفرت اور کراہت اور عداوت پیدا ہو جائے
یہانتک کہ خدا اس کا دشمن اور وہ خدا کا دشمن ہو جائے اور خدا اس سے بیزار اور وہ خدا سے بیزار
ہو جائے - غرض ہر ایک صفت میں شیطان کا وارث ہو جائے - اور اسی وجہ سے لعین شیطان
کا نام ہے؏؏ اب ظاہر ہے کہ ملعون کا مفہوم ایسا پلید اور ناپاک ہے کہ کسی طرح کسی راستباز پر جو کہ
اپنے دل میں خدا کی محبت رکھتا ہے صادق نہیں آسکتا - افسوس کہ عیسائیوں نے اس اعتقاد
کے ایجاد کرنے کے وقت لعنت کے مفہوم پر غور نہیں کی ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہ لوگ ایسا خراب
لفظ مسیح جیسے راستباز کی نسبت استعمال کر سکتے - کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسیح پر کبھی ایسا زمانہ آیا
تھا کہ اُسکا دل درحقیقت خدا سے برگشتہ اور خدا سے منکر اور خدا سے بیزار اور خدا کا دشمن ہو گیا تھا؟
کیا ہم گمان کر سکتے ہیں کہ مسیح کے دل نے کبھی یہ محسوس کیا تھا کہ وہ اب خدا سے برگشتہ اور خدا کا دشمن

* اور اسکے سوا اور بیہودگی کی باتوں کا وارث ہو جائے جو شیطان کی بدقسمت ذریت کا ورثہ ہے - منہ

؏ دیکھو جلد دوم وقعات سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر فرانسیسی -
؏؏ دیکھو کتب لغت لسان العرب صحاح جوہری - قاموس - محیط تاج العروس وغیرہ منہ

اور کفر اور انکار کی تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے؟ پھر اگر مسیح کے دل پر کبھی ایسی حالت نہیں آئی بلکہ وہ ہمیشہ محبت اور معرفت کے نور سے بھرا رہا تو اے دانشمندو! یہہ سوچنے کا مقام ہے کہ کیونکر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسیح کے دل پر نہ ایک لعنت بلکہ ہزاروں خدا کی لعنتیں اپنی کیفیت کیساتھ نازل ہوئی تہیں۔ معاذ اللہ ہرگز نہیں۔ تو پھر ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ نعوذ باللہ وہ لعنتی ہوا؟ نہایت افسوس ہے کہ انسان جب ایک بات سونہہ سے نکال لیتا ہے یا ایک عقیدہ پر قایم ہوجاتا ہے تو پھر گو کیسی ہی خرابی اُس عقیدہ کی کھل جائے کسی طرح اُسکو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ نجات حاصل کرنے کی تمنا اگر کسی حقیقت حقہ پر بنیاد رکھتی ہو تو قابل تعریف امر ہے۔ لیکن یہہ کیسی نجات کی خواہش ہے جس سے ایک سچائی کا خون کیا جاتا اور ایک پاک نبی اور کامل انسان کی نسبت یہہ اعتقاد کیا جاتا ہے کہ گویا اس پر یہہ حالت بھی آئی تھی کہ اُسکا خدا تعالی سے رشتہ تعلق ٹوٹ گیا تھا۔ اور بجائے ایک دلی اور یک جہتی کے مغایرت اور مباینت اور عداوت اور بیزاری پیدا ہوگئی تھی اور بجائے نور کے دل پر تاریکی چھا گئی تھی۔

یہہ بھی یاد رہے کہ ایسا خیال صرف حضرت مسیح علیہ السلام کی شان نبوت اور مرتبہ رسالت کے ہی مخالف نہیں بلکہ اُنکے اس دعوی کمال اور پاکیزگی اور محبت اور معرفت کے بھی مخالف ہے جو اُنہوں نے جابجا انجیل میں ظاہر کیا ہے۔ انجیل کو پڑھکر دیکھو کہ حضرت عیسی علیہ السلام صاف دعوی کرتے ہیں کہ میں جہان کا نور ہوں۔ میں ہادی ہوں اور میں خدا سے اعلی درجہ کی محبت کا تعلق رکھتا ہوں۔ اور میں نے اس سے پاک پیدایش پائی ہے اور میں خدا کا پیارا بیٹا ہوں پھر باوجود ان غیر منفک اور پاک تعلقات کے لعنت کا ناپاک مفہوم کیونکر مسیح کے دل پر صادق آ سکتا ہے ہرگز نہیں پس بلاشبہ یہہ بات ثابت ہے کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا یعنے صلیب پر نہیں مرا کیونکہ اُسکی ذات صلیب کے نتیجہ سے پاک ہے۔ اور جبکہ مصلوب نہیں ہوا تو لعنت کی ناپاک کیفیت سے بیشک اسکے دل کو بچایا گیا۔ اور بلاشبہ اس سے یہہ نتیجہ بھی نکلا کہ وہ آسمان پر ہرگز نہیں گیا کیونکہ آسمان پر جانا اس منصوبہ کی ایک جز تھی اور مصلوب ہونیکی ایک فرع تھی۔ پس جبکہ ثابت ہو کہ وہ نہ لعنتی ہوا اور نہ تین دن کے لئے دوزخ میں گیا اور نہ مرا تو پھر یہہ دوسری جز آسمان پر جانیکی بھی باطل ثابت ہوئی۔

پھر ایک اور شہادت جو حضرت مسیح کے زندہ دوسری اقوام بنی اسرائیل کی طرف چلے جانے پر انجیلوں سے پیدا ہوتی ہے وہ بیان ہے جس میں حضرت مسیح کہتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کی کہوئی ہوئی

بھیڑوں کے سوا دوسری کسی قوم کی طرف نہیں بھیجا گیا (متی ۱۵ / ۲۴) اور اسی طرح پر لکھے وہ الفاظ ہیں جنہیں وہ کہتے ہیں کہ میں کھوئے ہوؤں کو تلاش کرنے اور بچانے کے لئے آیا ہوں - اب اگر ہم مان لیں کہ جو یہودی اسوقت فلسطین میں رہتے تھے وہ روحانی طور پر کھوئے تھے تو ضرور ہے کہ وہ بنی اسرائیل جو دور دراز کے ملکوں میں جا آباد ہوئے تھے، فلسطین کے یہودیوں سے بھی بڑھکر کھوئے ہوئے تصور کیئے جاویں کیونکہ وہ صرف روحانی طور پر مثل فلسطین کے یہودیوں کے کھوئے ہوئے تھے بلکہ جسمانی طور پر بھی گم شدہ تھے - علاوہ ازیں حضرت مسیح کے یہہ الفاظ کہ میں گم شدوں کو تلاش کرنے آیا ہوں - گم شدہ فرقوں کے سوا دوسرے یہودیوں پر کسی طرح لگ ہی نہیں سکتے فلسطین کے یہودی تو خود ہی حضرت مسیح کے گرد گروہوں کے گروہ جمع ہو جاتے تھے اس لیئے حضرت مسیح کو انکے تلاش کرنے کی ضرورت باقی نہ تھی - بلکہ تلاش کرنا تو ایک طرف انجیلوں میں تو لکھا ہے کہ وہ فلسطین کے یہودیوں سے چھپا کرتا تھا پس معلوم ہوا کہ تلاش کرنا صرف دوسرے یہودی اقوام کے لیئے تھا جو گم شدہ فرقے بنی اسرائیل کے تھے - اس کے علاوہ حضرت مسیح نے ایک مثال بھی بیان کی ہے جسمیں اس گڈرئے کا ذکر ہے جو ننانوے موجود بھیڑوں کو چھوڑ کر ایک گم شدہ کی تلاش میں پہاڑوں اور جنگلوں میں پھرتا تھا یہہ تمثیل جیسی حضرت مسیح پر صادق آتی ہے اور کسی پر نہیں آتی - وہ اسرائیلیوں کے لیے مبعوث ہوئے تھے لیکن جس جگہ انہوں نے تبلیغ شروع کی وہاں بارہ قوموں میں سے صرف دو موجود تھیں اور باقی دس فرقے گم تھے پس جو شخص یہہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک گم شدہ بھیڑ کی خاطر ننانوے بھیڑوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں تلاش کرنی چاہیئے اس سے بڑھکر کون گنہگار ہوگا اگر وہ خود دو موجود فرقوں کی خاطر دس گم شدہ فرقوں کی تلاش میں پہاڑوں اور جنگلوں میں نہ جائے بلکہ اسکا تو یہہ فرض ہونا چاہیئے کہ تھوڑوں کو چھوڑ کر بہتوں کی تلاس کرے یہہ ایک صاف اور کھلی بات ہے کہ حضرت مسیح کا فرض کثیر تعداد کو تبلیغ کرنیکا تھا اور یہہ فرض وہ ادا نہیں کر سکتے تھے جبتک دس گم شدہ فرقوں کو جاکر وعظ نہ کرتے بہرحال یہہ ظاہر ہے کہ مسیح کا مشن سارے اسرائیلیوں کی طرف تھا کسی خاص فرقہ کی طرف ۔ اور اسکے متعلق یہہ پیشگوئی بھی تھی کہ وہ خدا کا برگزیدہ قوم بنی اسرائیل پر حکمرانی کریگا - پس وہ صلیب پر فوت ہوگئے اور پھر جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے آسمان پر چڑھ گئے تھے تو انکی بعثت کی اصل غرض جو بار بار انجیلوں میں بھی بیان کیگئی ہے اسرائیلیوں کو نجات دیں اور خصوصاً انکی گم شدہ بھیڑوں کو بالکل پوری

نہ ہوئی۔ اگر حضرت مسیح صلیب سے بچکر دس گم شدہ بنی اسرائیل کے فرقوں کی طرف نہیں گئے تو بجائے اسرائیلیوں کو گناہ سے چھوڑانیکے اور بھی اسرائیلیوں پر انہوں نے گناہ کا بوجھ ڈالدیا۔ کیونکہ اُنکی موت کا گناہ بھی ہیود یوں کے سر پر ہی پڑا۔

انجیلوں سے حضرت مسیح کے مشرق کیطرف جانیکی ایک شہادت بھی ملتی ہے متی ۲ میں لکھا ہے کہ وہ ستارہ جو مسیح کی پیدایش کے نشان کے طور پر طلوع ہوا تھا وہ مشرق میں نکلا تھا۔ اسی ستارے کی رہنمائی سے چند دانا آدمی ایک لمبا سفر اختیار کرکے اسجگہ پہونچے جہاں حضرت مسیح پیدا ہوئے تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مسیح کی پیدایش کے منتظر تھے لیکن مسیح کی آمد کا وعدہ اور اسکی ظہور کے علامات سوائے اسرائیلی اقوام کے دوسری کسی قوم کو نہ دئے گئے تھے۔ اسلئے وہ لوگ جو ستارہ کو دیکھکر مشرق کیطرف سے آئے اسرائیلی ہونے چاہئے اب یہ دو واقعات یعنی مشرق میں ستارہ کا نکلنا اور مشرق سے دانا آدمیوں کا آنا لغو اور بے معنی باتیں نہیں ہو سکتیں۔ ستارہ جو مسیح کی پیدایش کو بتاتا تھا وہ مشرق میں کیوں طلوع ہوا اگر مشرقی لوگوں نے اس مسیح سے محض بے بہرہ رہنا تھا۔ بلکہ یہاں صاف اشارہ ہے کہ مشرقی اسرائیلی مسیح کی آمد سے بہ نسبت ان لوگوں کے زیادہ فایدہ اُٹھائینگے جو اسکے ہموطن تھے۔ ستارہ مشرق میں نکلا نہ فلسطین میں اور اسطرح صاف جتلا دیا گیا کہ مسیح کی دعوت مشرق میں قبول کی جاوے گی اور اسکے ہموطن محروم رہ جائینگے۔ گویا حضرت مسیح کی پیدایش کا ستارہ اُنکے اقبال کا ستارہ تھا اور انکی تبلیغ کی قبولیت کا کھلا کھلا نشان تھا۔ اور کیوں خدا تعالیٰ نے مشرقی لوگوں کو ستارے کے ذریعہ ہدایت کی اگر اصلی ہدایت سے وہ محروم ٹھہرائے گئے تھے اور یہ مقدر ہی نہ تھا کہ وہ پیغمبر انکو ہدایت کرے جس کی پیدایش کا نشان اُن کو دکھایا گیا تھا۔ یہ کیسا حیرت انگیز امر ہے کہ مشرقی اسرائیلی جن کو ستارہ دکھایا گیا وہ تبلیغ سے محروم رکھے گئے اور فلسطین کے یہودی جنکو تبلیغ کرنے میں مسیح نے اپنی عمر صرف کردی تھی انکو کوئی نشان اس کی ظہور کا نہ دکھایا گیا۔ خدا کے نشان ایسے ہی لغو اور بیہودہ ہوتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ وہ بڑے بڑے اسرار کی طرف اشارہ کرنے والے ہوتے ہیں اور اسی قسم کا ایک نشان مشرق میں ستارہ کا طلوع تھا۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح بڑی ناشکر گذار ٹھہرتے ہیں اگر وہ ان لوگوں کی طرف توجہ ہی نہ کرتے جو انکی پیدایش کیوقت اتنے دور سے قبول کرنیکے لئے آئے تھے۔ مشرقی اسرائیلیوں نے تو اس کی پیدایش پر ہی اس کا خیر مقدم کیا حالانکہ مغربی اسرائیلیوں نے اسکی موت کے حیلے سوچے اسمیں سے کون مسیح کا پیرو ہونا چاہئے پھر ایک دانا آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اور منجملہ انجیلی شہادتوں کے پلاطوس کی بیوی کا خواب ہے۔

جب پلاطوس کچہری کی مسند پر بیٹھا تھا اُس کی جورو نے اُسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ

یعنے اسکے قتل کرنے کے لئے سعی نکر کیونکہ میں نے آج رات خواب میں اس کے سبب سے بہت تکلیف پائی دیکھو متی باب ۲۷ آیت ۱۹۔ سو یہ فرشتہ جو خواب میں پلاطوس کی جورو کو دکھایا گیا۔ اس سے ہم اور ہر ایک منصف یقینی طور پر یہ سمجھے گا کہ خدا کا ہرگز یہ منشا نہ تھا کہ مسیح صلیب پر وفات پاوے جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی آجتک یہ کبھی نہ ہوا کہ جس شخص کے بچانے کے لئے خدا تعالیٰ رویا میں کسی کو ترغیب دے کہ ایسا کرنا چاہئے تو وہ بات خطا جاے مثلاً انجیل متی میں لکھا ہے کہ خداوند کے ایک فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا اُٹھ اس لڑکے اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو بھاگ جا اور وہاں جب تک میں تجھے خبر دوں ٹھہر رہ کیونکہ ہیرودوس اس لڑکے کو ڈھونڈے گا کہ مار ڈالے دیکھو انجیل متی باب ۲ آیت ۱۳۔ اب کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ یسوع کا مصر میں پہونچکر مارا جانا ممکن تھا اسی طرح خدا تعالیٰ کیطرف سے یہ ایک تدبیر تھی کہ پلاطوس کی جورو کو مسیح کیلئے خواب آئی اور ممکن نہ تھا کہ یہ تدبیر خطا جاتی اور جیطرح مصر کے قصہ میں مسیح کے مارے جانے کا اندیشہ ایک ایسا خیال ہے جو خدا تعالیٰ کے ایک مقرر شدہ وعدہ کے برخلاف ہے اسیطرح اسجگہ بھی یہ خلاف قیاس بات ہے کہ خدا تعالیٰ کا فرشتہ پلاطوس کی جورو کو نظر آوے اور وہ اس ہدایت کی طرف اشارہ کرے کہ اگر مسیح صلیب پر فوت ہوگیا تو یہ تمہارے لئے اچھا نہ ہوگا تو پھر اس غرض سے فرشتہ کا ظاہر ہونا بیسود جاوے اور مسیح صلیب پر مارا جاوے کیا اس کی دنیا میں کوئی نظیر ہے ہرگز نہیں۔ ہر ایک نیکدل انسان کا پاک کانشنس جب پلاطوس کی بیوی کے خواب پر اطلاع پاے گا تو بیشک وہ اپنے اندر اس شہادت کو محسوس کریگا کہ درحقیقت اس خواب کا منشا و یہی تھا کہ مسیح کے چھوڑنے کی ایک بنیاد ڈالی جاوے۔ یوں تو دنیا میں ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ اپنے عقیدہ کے تعصب سے ایک کھلی کھلی سچائی کو رد کر دے اور قبول نہ کرے لیکن انصاف کے رو سے ماننا پڑتا ہے۔ کہ پلاطوس کی بیوی کا خواب مسیح کے صلیب سے بچنے پر ایک وزن کی شہادت ہے۔ اور سب سے اول درجہ کی انجیل یعنے متی نے اس شہادت کو قلمبند کیا ہے۔ اگرچہ ایسی شہادتوں سے جو میں بڑے زور سے اس کتاب میں لکھونگا مسیح کی خدائی اور مسئلہ کفارہ یکلخت باطل ہوتا ہے لیکن ایمانداری اور حق پسندی کا ہمیشہ یہ تقاضا ہونا چاہئے کہ ہم سچائی کے قبول کرنے میں قوم اور برادری اور عقاید رسمیہ کی کچھ پرواہ نہ کریں۔ جب سے انسان پیدا ہوا ہے آج تک اُس کی کوتہ اندیشیوں نے ہزاروں چیزوں کو خدا بنا ڈالا ہے یہانتک کہ بلیوں اور سانپوں کو بھی پوجا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی عقلمند لوگ خداداد توفیق سے اس قسم کے شرکانہ عقیدوں سے نجات پاتے آئے ہیں۔

اور منجملہ انجیلی شہادتوں کے جو ہمکو ملی ہیں انجیل متی کی وہ آیت ہے جو ذیل میں لکھتا ہوں ۔"ہابل راستباز کے خون سے برخیاہ کے بیٹے ذکریاہ کے خون تک جسے تم نے ہیکل اور قربان گاہ کے درمیان قتل کیا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس زمانہ کے لوگوں پر آویگا" دیکھو باب ۲۳ آیت ۳۵ و ۳۶ - اب ان آیات پر اگر نظر غور کرو تو واضح ہوگا کہ انمیں حضرت مسیح علیہ السلام نے صاف طور پر کہدیا ہے کہ یہودیوں نے جسقدر نبیوں کے خون کئے انکا سلسلہ ذکریا نبی تک ختم ہو گیا - اور اسکے بعد یہودی لوگ کسی نبی کے قتل کرنے کے لئے قدرت نہیں پائینگے - یہ ایک بڑی پیشگوئی ہے اور اس سے نہایت صفائی کے ساتھ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کے ذریعہ سے قتل نہیں ہوئے بلکہ صلیب سے بچکر نکل گئے اور آخر طبعی موت سے فوت ہوئے - کیونکہ اگر یہ بات صحیح ہوتی کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی ذکریا کیطرح یہودیوں کے ہاتھ سے قتل ہونیوالے تھے تو ان آیات میں حضرت مسیح علیہ السلام ضرور اپنے قتل کیے جانے کی طرف بھی اشارہ کرتے - اور اگر یہ کہو کہ گو حضرت مسیح علیہ السلام بھی یہودیوں کے ہاتھ سے مارے گئے - لیکن انکا مارا جانا یہودیوں کے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں تھی کیونکہ وہ بطور کفارہ کے مارے گئے تو یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ یوحنا باب ۱۹ آیت ۱۱ میں مسیح نے صاف طور پر کہدیا ہے کہ یہودی مسیح کے قتل کرنیکے ارادہ سے سخت گنہگار ہیں اور ایسا ہی اور کئی مقامات میں اسی امر کیطرف اشارہ ہے اور صاف لکھا ہے کہ اس جرم کی عوض میں جو مسیح کی نسبت اُن سے ظہور میں آیا خدا تعالےٰ کے نزدیک قابل سزا ٹھہر گئے تھے - دیکھو انجیل متی باب ۱۶ آیت ۲۴ -

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب سے محفوظ رہنے کے بارہ میں انجیل سے ملتی ہیں وہ شہادت ہے جو انجیل متی باب ۲۶ میں یعنے آیت ۳۶ سے آیت ۴۶ تک مرقوم ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام گرفتار کیے جانے کا الہام پا کر تمام رات جناب الٰہی میں رو رو کر اور سجدے کرتے ہوئے دعا کرتے رہے - اور ضرور تھا کہ ایسی تضرع کی دعا جس کے لئے مسیح کو بہت لمبا وقت دیا گیا تھا قبول کیجاتی کیونکہ مقبول کا سوال جو بیقراری کے وقت کا سوال ہو ہرگز رد نہیں ہوتا - پھر کیوں مسیح کی ساری رات کی دعا اور دردمند دل کی دعا اور مظلومانہ حالت کی دعا رد ہو گئی - حالانکہ مسیح دعوی کرتا ہے کہ باپ جو آسمان پر ہے میری سنتا ہے - پس کیونکر باور کیا جائے کہ خدا اُس کی سنتا تھا جبکہ ایسی بے قراری کی دعا نہ سنی گئی - اور انجیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو دلی یقین تھا کہ اُس کی وہ دعا ضرور قبول ہو گئی اور اس دعا پر اسکو بہت بھروسہ تھا - اسی وجہ سے

جب وہ پکڑا گیا اور صلیب پر کھینچا گیا اور ظاہری علامات کو اُس نے اپنی امید کے موافق نہ پایا تو بے
اختیار اُسکے مونہہ سے نکلا کہ "ایلی ایلی لما سبقتنانی" اے میرے خدا اے میرے خدا تونے کیوں مجھے چھوڑ دیا یعنے مجھے
یہ امید ہرگز نہیں تھی کہ انجام یہ ہوگا اور میں صلیب پر مرونگا۔ اور یقین کرتا تھا کہ تو میری دعا سنے گا۔ پس ان
دونوں مقامات انجیل سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کو خود دلی یقین تھا کہ میری دعا ضرور قبول ہوگی اور میرا
تمام رات کا رو رو کر دعا کرنا ضایع نہیں جائیگا۔ اور خود اُس نے خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے شاگردوں کو یہ تعلیم دی
تھی کہ اگر دعا کروگے تو قبول کیجائے گی بلکہ ایک مثال کے طور پر ایک قاضی کی کہانی بھی بیان کی تھی کہ جو نہ خلقت
سے اور نہ خدا سے ڈرتا تھا اور اس کہانی سے بھی مدعا یہ تھا کہ تا حواریوں کو یقین آجائے کہ بیشک خدا تعالیٰ
دعا سنتا ہے۔ اور اگرچہ مسیح کو اپنے پر ایک بڑی مصیبت کے آنیکا خدا تعالیٰ کیطرف سے علم تھا۔ مگر مسیح نے عارفوں کیطرح
اس بنا پر دعا کی کہ خدا تعالیٰ کے آگے کوئی بات انہونی نہیں اور ہر ایک محو و اثبات اُسکے اختیار میں ہے۔
لہذا یہ واقعہ کہ نعوذ باللہ مسیح کی خود دعا قبول نہ ہوئی یہ ایک ایسا امر ہے جو شاگردوں پر نہایت بد اثر پیدا کرنیوالا
تھا۔ سو کیونکر ممکن تھا کہ ایسا نمونہ جو ایمان کو ضایع کرنیوالا تھا حواریوں کو دیا جاتا جبکہ انہوں نے اپنی آنکھوں
سے دیکھا تھا کہ مسیح جیسے بزرگ نبی کی تمام رات کی پرسوز دعا قبول نہ ہو سکی تو اس بد نمونہ سے انکا ایمان
ایک سخت امتحان میں پڑتا تھا۔ لہذا خدا تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا یہی تھا کہ اس دعا کو قبول کرتا یقیناً سمجھو
کہ وہ دعا جو گتسمنی نام مقام میں کی گئی تھی ضرور قبول ہوگئی تھی۔

ایک اور بات اسجگہ یاد رکھنے کے لایق ہے کہ جیسا کہ مسیح کے قتل کے لئے مشورہ ہوا تھا اور اس غرض
کے لئے قوم کے بزرگ اور معزز مولوی قیافا نامی سردار کاہن کے گھر میں اکٹھے ہوئے
تھے کہ کسی طرح مسیح کو قتل کر دیں یہی مشورہ حضرت موسیٰ کے قتل کرنیکے لئے ہوا تھا۔
اور یہی مشورہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کے لئے مکہ میں دار الندوہ
کے مقام میں ہوا تھا۔ مگر قادر خدا نے اُن دونوں بزرگ نبیوں کو اس مشورہ کے
بد اثر سے بچا لیا۔ اور مسیح کے لئے جو مشورہ ہوا اُن دونوں مشوروں کے درمیان میں ہے
پھر کیا وجہ کہ وہ بچایا نہ گیا حالانکہ اس نے ان دونوں بزرگ نبیوں سے بہت زیادہ دعا کی اور پھر جب
کہ خدا اپنے پیارے بندوں کی ضرور سنتا ہے اور شریروں کے مشورہ کو باطل کر کے دکھاتا ہے تو پھر کیا وجہ
کہ مسیح کی دعا نہیں سنی گئی ہر ایک صادق کا تجربہ ہے کہ بیقراری اور مظلومانہ حالت کی دعا قبول ہوتی ہے

بلکہ صادق کے لئے مصیبت کا وقت نشان ظاہر کرنے کا وقت ہوتا ہے چنانچہ میں خود اس میں صاحب
تجربہ ہوں مجھے یاد ہے کہ دو برس کا عرصہ ہوا ہے کہ مجھ پر ایک جھوٹا مقدمہ اقدام قتل کا ایک صاحب
ڈاکٹر مارٹن کلارک عیسائی مقیم امرتسر پنجاب نے عدالت ضلع گورداسپور میں دائر کیا اور یہہ استغاثہ پیش
کیا کہ گویا میں نے ایک شخص عبد الحمید نامی کو بھیجکر ڈاکٹر مذکور کو قتل کرنا چاہا تھا اور ایسا اتفاق ہوا کہ اس مقدمہ
میں تینوں قوم کے چند منصوبہ باز آدمی یعنے عیسائی اور ہندو اور مسلمان میرے مخالف متفق ہوگئے اور جہانتک
ان سے ہوسکتا تھا یہہ کوشش کی کہ مجھپر اقدام قتل کا الزام ثابت ہو جائے عیسائی پادری مجھ سے اسوجہ
سے ناراض تھے کہ میں اس کوشش میں تھا اور اب بھی ہوں کہ مسیح کی نسبت جو اُن کا غلط خیال ہے
اس سے خدا کے بندوں کو نجات دوں اور یہہ اول نمونہ تھا جو میں نے ان لوگوں کا دیکھا اور ہندو مجھ سے اسوجہ
سے ناراض تھے کہ میں نے لیکھرام نامی اُنکے ایک پنڈت کی نسبت اسکی رضامندی سے اسکے مرنیکی نسبت خدا
کا الہام پاکر پیشگوئی کی تھی اور وہ پیشگوئی اپنی میعاد میں اپنے وقت پر پوری ہوگئی اور وہ خدا کا ایک ہیبتناک
نشان تھا اور ایسا ہی مسلمان مولوی بھی ناراض تھے کیونکہ میں اُنکے خونی مہدی اور خونی مسیح کے آنے سے اور نیز
اُنکے جہاد کے مسئلہ کا مخالف تھا لہذا ان تین قوموں کے بعض سر برآوردہ لوگوں نے یہہ مشورہ کیا کہ کسی طرح
قتل کا جرم میرے پر لگ جائے اور میں مارا جاؤں یا قید کیا جاؤں۔ اور ان خیالات میں وہ خدا تعالیٰ
کی نظر میں ظالم تھے۔ اور خدا نے مجھے اس گھڑی سے پہلے کہ ایسے منصوبے مخفی طور پر کئے جائیں اطلاع دی
اور پھر انجام کار بری کرنے کی مجھے خوشخبری سُنائی۔ اور یہہ خدا کے پاک الہام صدہا لوگوں میں قبل از وقت
مشہور کئے گئے اور جبکہ میں نے الہام کی خبر پاکر دعا کی کہ اے میرے مولیٰ اس بلا کو مجھ سے رد کر تب
مجھے الہام ہوا کہ میں رد کروں گا اور تجھے اس مقدمہ سے بری کردوں گا اور وہ الہام بہتوں کو سنایا گیا
جو تین سو سے بھی زیادہ تھے جو ابتک زندہ موجود ہیں۔ اور ایسا ہوا کہ میری دشمنوں نے جھوٹے گواہ بناکر اور
عدالت میں گذران کر اس مقدمہ کو ثبوت تک پہونچا دیا اور تین قوموں کے لوگوں نے جنکا ذکر ہو چکا ہے میری
مخالف گواہی دی۔ تب ایسا ہوا کہ جس حاکم کے پاس وہ مقدمہ تھا جسکا نام کپتان ڈبلیو ڈگلس تھا جو ضلع
گورداسپورہ کا ڈپٹی کمشنر تھا خدا نے طرح طرح کے اسباب سے تمام حقیقت اس مقدمہ کی اُس پر کھول دی۔
اور اس پر کھل گیا کہ وہ مقدمہ جھوٹا ہے۔ تب اسکی انصاف پسندی اور عدل پروری نے یہہ تقاضا کیا کہ
اُس ڈاکٹر کا جو پادری صاحب کا بھی کام کرتا تھا کچھ بھی لحاظ نکرکے اس مقدمہ کو خارج کیا۔ اور جیسا کہ میں نے

خدا تعالیٰ سے الہام پاکر موجودہ خوفناک صورتوں کے برخلاف عام جلسوں میں اور صدہا لوگوں میں اپنا انجام کار بری ہونا بتلایا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا اور بہت سی لوگوں کی قوت ایمان کا باعث ہوا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اور بھی اس قسم کی کئی تہمتیں اور مجرمانہ صورت کے الزام میرے پر مذکورہ بالا وجوہات کی وجہ سے لگائے گئے اور عدالت تک مقدمے پہونچائے گئے۔ مگر خدا نے مجھے قبل اسکے جو میں عدالت میں بلایا جاتا اپنے الہام سے اول اور آخر کی خبر دیدی۔ اور ہر ایک خوفناک مقدمہ میں مجھے بری ہونے کی بشارت دی۔

اس تقریر سے مدعا یہہ ہے کہ بلاشبہ خدا تعالیٰ دعاؤں کو سنتا ہے بالخصوص جبکہ اُسپر بھروسہ کرنیوالے مظلوم ہونیکی حالت میں اسکے آستانہ پر گرتے ہیں تو وہ انکی فریاد کو پہونچتا ہے اور ایک عجیب طور پر اُنکی مدد کرتا ہے اور ہم اس بات کے گواہ ہیں تو پھر کیا باعث اور سبب کہ مسیح کی ایسی بے قراری کی دعا منظور نہ ہوئی؟ نہیں بلکہ منظور ہوئی اور خدا نے اسکو بچالیا۔ خدا نے اسکے بچانے کے لئے زمین سے بھی اسباب پیدا کئے اور آسمان سے بھی۔ یوحنا یعنی یحییٰ نبی کو خدا نے دعا کرنیکیلئے مہلت نہ دی کیونکہ اُس کا وقت آچکا تھا۔ مگر مسیح کو دعا کرنے کیلئے تمام رات مہلت دیگئی اور وہ ساری رات سجدہ میں اور قیام میں خدا کے آگے کھڑا رہا۔ کیونکہ خدا نے چاہا کہ وہ بیقراری ظاہر کرے۔ اور اُس خدا سے جسکے آگے کوئی بات ان ہونی نہیں اپنی مخلصی چاہے سو خدا نے اپنی قدیم سنت کیموافق اسکی دعا کو سنا۔ یہودی اس بات میں جھوٹے تھے جنہوں نے صلیب دیکر یہہ طعنہ مارا کہ اس نے خدا پر توکل کیا تھا کیوں خدا نے اُسکو نہ چھوڑایا کیونکہ خدا نے یہودیوں کے تمام منصوبے باطل کئے اور اپنے پیارے مسیح کو صلیب اور اس کی لعنت سے بچا لیا اور یہودی نامراد رہے۔

جہاد کے قطعی استیصال کیلئے ایک تجویز پیش کردہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

چونکہ تقریب جلسہ تاج پوشی ہمارے شہنشاہ عالی جاہ ایڈورڈ قیصر کے درپیش ہے اور ہر ایک شخص پر جو زیر سایہ اس سلطنت پُر امن کے رہتا ہے واجب ہے کہ اس خوشی سے حصہ لے۔ اور اس موقع پر اپنی خیر خواہی اور

خلوص کا اظہار کرے سو میں جو ایک گوشہ گزین انسان ہوں اور قبل اسکے جو واقعہ موت پیش آوے اس شہود عالم کو دیکھ رہا ہوں جسکو اکثر دوسرے لوگ موت کے بعد دیکھیں گے۔ اس لئے میری معرفت اور حقیقت شناسی نے جو انصاف اور حق پسندی کو چاہتی ہے مجھے تحریک کی ہے کہ نہایت یک رنگی اور دلی جوش سے اپنی مشرب اور طریق کے مطابق اس موقعہ پر وہ باتیں ظاہر کروں جنکو لئے میرا دل جوش مار رہا ہے اور جنکو اپنا فرض سمجھتا ہوں سو سب سے اول میں اپنی طرف سے اور اپنی جماعت کے منتخب لوگوں کی طرف سے جو میرے تخمینہ میں اب وہ برٹش انڈیا کی متفرق بلاد میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہیں حضرت شہنشاہ قیصر کو شکر سے بھرے ہوئے الفاظ کے ساتھ دعائے خیر کرتا ہوں اور جناب الٰہی سے چاہتا ہوں کہ وہ قادر کریم جسکی بے انتہا طاقت نے ذرہ ذرہ پر قبضہ کر رکھا ہے اس شہنشاہ کو جسکی سلطنت امن بخش اور ہر ایک ظالم سے حفاظت کرتی ہے تمام مکروہات زمانہ سے بچاوے اور فتح وظفر نصیب کرے۔ اور ہمیں زیادہ سے زیادہ اس بات کی توفیق دے کہ ہم سچے دل سے اس محسن گورنمنٹ کے خیر خواہ رہیں۔ اور دو رنگی سے بچیں۔ پھر بعد اسکے میرے دل میں جلسہ تاج پوشی کی تقریب پر ایک ارادہ دوبارہ جوش زن ہوا ہے جسکو میں آج سے قریباً بائیس۲۲ برس پہلے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں ملک میں مسلمانوں کی توجہ کے لئے شائع کیا تھا اور پھر وقتاً فوقتاً میں اس ارادہ کو اپنی متفرق کتابوں میں شائع کرتا رہا اور غالباً تیس مرتبہ کے قریب میں نے اس ارادہ کو ملک میں شائع کیا مگر افسوس کہ ابتک وہ میرا مطلب پورا نہ ہوا۔ اب اس تقریب جلسہ تاج پوشی پر خوب موقعہ نکلا ہے کہ پھر میں یہہ بات پیش کروں۔ اور وہ یہہ ہے کہ جس رعیت کو اپنی گورنمنٹ کے ساتھ دلی اطاعت کا جوش نہو۔ وہ بدقسمت رعیت ہے جو نفاق کے ساتھ گزارہ کرتی ہے۔ اور اب ہم نے قریباً پچاس سال کی مدت میں متواتر تجارب سے دیکھہ لیا ہے کہ گورنمنٹ درحقیقت مسلمانوں کے لئے ابر رحمت ہے۔ اس کے سایہ میں ہم امن سے گزارہ کرتے ہیں اسکے سایہ میں اکثر مسلمان نسبتاً اپنی پہلی حالت بے علمی سے بہت کچھ ترقی کر گئے ہیں اور یہ گورنمنٹ انکی جانوں اور مالوں اور آبروؤں کی محافظ ہے۔ اور ایسے عمدہ انتظام سے امن قایم کیا گیا ہے کہ اس سے بہتر متصور نہیں۔ تو پھر کیا اس کے علماء کا فرض نہیں ہے کہ وہ پوری توجہ سے سوچیں کہ کیوں آئے دن اس محسن گورنمنٹ کو سرحدی وحشیوں کی لڑائیوں کے مشکلات پیش آتے ہیں کیا اسکا یہ سبب نہیں ہے کہ انمیں ایسے بدظن مُلّا موجود ہیں جو ہمیشہ اُنکو یہی سبق دیتے رہتے ہیں۔ کہ

کافروں سے جہاد کرنا دین کا فرض اور بہشت کے حاصل کرنیکی ایک کنجی ہے۔ پس اسبات میں کچھ بھی شک نہیں کہ جن اسباب سے یہہ فتنہ ہمیشہ اُٹھتا رہتا ہے۔ اُنہیں اسباب سے یہہ فرو بھی ہوگا یعنی علماء کے مقابل پر علماء کی کوشش ضروری ہے۔

پس کیا ہمارے علماء کوئی ایسی تدبیر نہیں کر سکتے کہ اس تدبیر کا اثر ان وحشیوں پر پڑے؟ بیشک کر سکتے ہیں اور اگر زیادہ اثر نہو تو بلاشبہ کسی قدر ضرور اثر ہوگا۔ یہہ گورنمنٹ بے شک با ہیبت اور اقبال ہے اگر چاہے تو ایک کروڑ مفسد اور باغی کی بخوبی سرکوبی کر سکتی ہے۔ لیکن آخر لڑائیوں میں عزیز جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ سو اگر کسی تدبیر سے کام نکلے تو کیوں جانیں ضائع ہوں۔ پس میرے نزدیک تدبیر یہہ ہے کہ ایک کتاب بسوط مخالفت جہاد میں لکھی جائے جسکا یہہ مطلب ہو کہ بموجب آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ اور اصول انصاف کے اس گورنمنٹ سے ہرگز جہاد درست نہیں کیونکہ وہ دادگستری اور حق پسندی اور رعیت پروری اور بہت سے اپنے منصفانہ اصولوں کے رو سے دین اسلام کی حامی ہے اور علاوہ اس کے مقابلہ کر کے دیکھہ لو کہ ہندوستان کے پہلے بادشاہوں کے زمانہ کی نسبت علمی ترقی اور امن اور آزادی میں گورنمنٹ انگریزی کی رعایا مسلمان آگے بڑھ گئے ہیں بلکہ اگر زیادہ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ انگریزی قوانین اسلام کے لئے راستہ صاف کر رہی ہیں۔ ان تمام امور کے لحاظ سے اس محسن گورنمنٹ سے بغاوت یا مقابلہ یا سرکشی سے پیش آنا صرف ناجائز ہی نہیں بلکہ اسلام سے خارج ہونا ہے جب ایسی کتاب طیار ہو جائے۔ تو تمام سرآمد علماء کے اسپر دستخط ہو جائیں اور پھر وہ کتاب زبان پشتو اور فارسی اور عربی میں ترجمہ کیجائے اور ایسی کتاب کی چالیس ہزار کاپی چھپوائی جائے اور ملک میں اور سرحدی ممالک میں تقسیم کیجائے اگر ایسا ہو تو میں نے منظور کیا ہے کہ دس ہزار روپیہ تک اسکی چھپوائی کے اخراجات میں خود دیدونگا۔ مگر شرط یہہ ہے کہ محض بیہودہ اور مجمل اور منافقانہ بیان نہ ہو بلکہ ہر ایک پہلو سے مکمل ہو میں اس بات کو خوب جانتا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ وہ بیان کس قوت کے ہوتے ہیں جو دل کی سچائی سے نکلتے ہیں اور وہ بیان کیسے بودے اور کمزور ہوتے ہیں جو محض منافقانہ ہوتے ہیں منافقانہ بیان ایک مردہ بیان ہوتا ہے اور اسکی ایسی مثال ہے جیسا کہ ایک پھوڑا کہ اندر بہت سی پیپ بھری ہو اور بظاہر دکھائی دیتا ہو کہ وہ زخم مل گیا ہے مگر جو بیان دل سے نکلتا ہے وہ آخر دلوں کو جا پکڑتا ہے میں اس بارے میں ایسی تحریروں کو پسند نہیں کرتا جو گول مول ہوں اور صرف دو چار مختصر ورق ہوں۔ بلکہ چاہئے کہ بہت مبسوط کتاب ہو

اور اس میں تین قسم کے زبردست دلائل ہوں (۱) اول آیات قرآنی سے تمسک ہو (۲) دوسری حدیثوں سے تمسک ہو (۳) تیسری دلائل عقلیہ سے تمسک ہو اور میں نے سنا ہے کہ بعض والیان ریاست سرحدی نے جہاد پر زور دینے کے لئے ایک کتاب لکھی ہے اس صورت میں اور بھی واجب ہوا کہ اُس کتاب کا اثر دور کر دیا جائے اگر گورنمنٹ یہہ عذر پیش کرے کہ ایسی ہدایت گویا ایک جبر کی قسم ہے تو اس کا یہہ جواب ہے کہ یہہ جبر نہیں ہے جس بات میں لوگوں کی بھلائی اور امن کی ترقی اور عافیت کی امید ہے وہ جبر کیونکر ہو سکتا ہے ایسے خیالات مسلمانوں کو پستی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اور درندگی کی قوتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ اور اس ملک کے علماء کا کیا حرج ہے کہ ایسی مبسوط کتاب تصنیف کر کے اپنے دستخطوں اور مہروں سے مزین کریں انپر کوئی خرچ نہیں ڈالا جاتا بلکہ اس تمام خرچ کا میں ہی ذمہ اُٹھاتا ہوں لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے صفائی اور پوری دیانت سے ایسی کتاب تالیف ہونی چاہئے میں انکی نسبت کوئی بدظنی نہیں کرتا۔ مگر میرا کانشنس اسبات کو نہیں مانتا کہ جب تک پوری صفائی اور پوری دل کے جوش سے ایسی کتاب نہ لکھی جائے۔ اور ایسے تمام امور کی جڑھ کاٹ نہ دیجائے جو جہادی مسائل کیطرف حرکت دیتے ہیں۔ یا کسی آئندہ جہاد کی امید دیتے ہیں۔ تب تک وہ کتاب موثر ہو سکے اس لئے ہمیں چاہئے کہ اُس جڑھ کو اپنے عقائد کے اندر سے بکلّی نکال دیں جس کی زہر کسی وقت پہونچنے کے لئے طیار ہے۔

میرے خیال میں یہہ دو عقیدے جہاد کی جڑھ ہیں (۱) ایک یہہ کہ جو امید کیجاتی ہے کہ اب عنقریب زمانہ میں کوئی ایسا مہدی آنیوالا ہے کہ جو جہاد اور اپنی مذہبی لڑائیوں سے زمین کو خون سے پر کر دیگا (۲) دوسری یہہ کہ مہدی کے ہاتھ بٹانے کے لئے کوئی مسیح آسمان سے آنیوالا ہے جس کا کام بھی یہی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بھی سخت دل سپاہیوں کی طرح تلوار سے دین کو پھیلانا چاہے گا میں دیکھتا ہوں کہ اب ایسی عقیدوں کا زمانہ گذرتا جاتا ہے اور وہ جو ایسی بحثوں میں سختی سے پیش آتے تھے اب وہ خود بخود سمجھتے جاتے ہیں اور دل جلد جلد صاف ہوتے جاتے ہیں بعض نادانوں کا پہلے اس سے ان عقیدوں پر بہت غلو تھا اور اب بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو تہذیب اور انسانیت سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں وہ ان بیہودہ عقیدوں پر ابتک قائم ہیں۔ اگر یہہ عقیدے قرآن شریف میں مذکور ہوتے تو ایسے عقیدوں والے پر کچھہ افسوس نہ تھا لیکن تعجب تو یہہ ہے کہ ان ہر دو عقیدوں کا قرآن شریف میں نام و نشان نہیں ہاں سوء

فاتحہ اور سورۃ نور اور کئی اور سورتوں میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسطرح بنی اسرائیل کے نبیوں کا سلسلہ آخر کو ایک ایسے نبی پر ختم ہوا جسنے تلوار نہیں اٹھائی اور نہ جہاد کیا اور محض اخلاقی تعلیم کی قوت سے دلوں کو اپنی طرف کھینچا ایسا ہی محمدی سلسلہ میں جب وہی زمانہ آئیگا یعنی جبکہ ہجرت سے چودھویں صدی آئیگی جو اُس زمانہ سے بہت مشابہ ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ حضرت موسیٰ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ تب حضرت عیسیٰ مسیح کی مانند اس امت میں بھی ایک شخص پیدا ہوگا۔ جو نہ جہاد کریگا اور نہ تلوار اٹھائے گا اور آرام سے اور صلح کاری سے دلوں کو خدا کی طرف پھیر دے گا۔ اور قرآن شریف سے یہہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ آخری مسیح جو پہلے مسیح کے قدم پر آئے گا۔ آدم کے زمانہ سے چھٹے ہزار کے آخر پر پیدا ہوگا یہہ پیشگوئی ہے جو قرآن شریف میں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور ہے کہ اسلام چودھویں صدی میں اپنی ترقی کا تمام مدار اخلاقی اور عقلی اور اعجازی نمونوں پر رکھے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھا تھا۔ یہی ہے جو دوسرے لفظوں میں مسیح کا دوبارہ آنا بیان کیا جاتا ہے۔ اسمیں یہہ جتلانا منظور ہے کہ پہلے مسیح میں اور دوسرے مسیح میں ایسی مشابہت ہے کہ گویا وہ دونوں ایک ہیں۔ یہی ایک پیشگوئی ہے جو قرآن شریف سے ثابت ہوتی ہے۔ باقی سب باطل اور جھوٹے قصے ہیں جو لوگوں نے بنا رکھے ہیں اور مہدی کے متعلق جسقدر حدیثیں ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے قرآن نے دو مسیح بالمقابل رکھے ہیں ایک مسیح اسرائیلی اور ایک مسیح محمدی اور دونوں کی نسبت بیان ہے کہ وہ محض اخلاقی تعلیم اور آسمانی نشانوں سے دین کو پھیلانے والے ہیں۔ پہلے اس سے اسرائیلی سلسلہ میں موسیٰ اور یشوع وغیرہ نبیوں کی لڑائیوں سے یہہ شک کیا گیا تھا کہ شاید مذہب ایسا ہے کہ اس میں بجز تلوار کے اور کچھ نہیں۔ پس خدا نے نہ چاہا کہ وہ شک دلوں میں باقی رہے اس لیے اپنے موسوی سلسلہ کے آخری زمانہ میں یسوع مسیح کو بھیجا تا اپنی اخلاقی تعلیم سے اُس شک کو دور کر دے۔ اسیطرح محمدی سلسلہ میں بھی جبکہ پہلے زمانہ میں بطور مدافعت کے لڑائیاں ہوئیں تو لوگوں نے بعد میں یہہ اعتراض اسلام پر کیا کہ وہ جبر سے دین کو پھیلاتا رہا ہے۔ حالانکہ وہ لڑائیاں مخالفوں کے حملوں کے دفع کے لئے تھیں نہ دین کے پھیلانے کیلئے جیسا کہ قرآن شریف میں خدانے صاف فرما دیا کہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ یعنی دین میں جبر نہیں ہے۔ سو چونکہ یہہ اعتراض دلوں میں جم گیا تھا۔ اور جاہل اور وحشی مسلمانوں نے بھی اپنے بدنمونوں سے اس اعتراض کو قوت دی تھی۔ اور دینداری کا شعار غازی کہلانا سمجھا گیا تھا اور دین

کے لئے تلوار اٹھانا گویا بہشت کی کنجیاں ٹھہر گئیں تھیں - اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں صدی میں اسلام پر بھی وہ زمانہ آگیا کہ خدا اس غلطی کو اسلام میں سے نکالدے اسی طرح جیسا کہ موسیٰ سے چودہ سو برس بعد عیسیٰ مسیح کو خدا نے بھیجکر یہودیوں کی غلطی کو نکالدیا - سو اصل بات تو صرف اسقدر تھی - جسکو بعض نادانوں نے کچھہ کا کچھہ بنا دیا - مگر میں جانتا ہوں کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اسلام کے عقلمند اور پاک دل لوگ اُس حقیقت کو جلد تر سمجھہ جائیں گے - میں صرف قیاسی طور پر نہیں کہتا بلکہ وہ نیک دل انسان جو ڈیڑھ لاکھہ کے قریب میری اس ہدایت کو قبول کر چکے ہیں وہ ایک زندہ گواہ میرے اس خیال کے ہیں - اور میں دیکھتا ہوں کہ ہر روز اسلام میں سے غلط عقیدے اُٹھتے جاتے اور انکے بدلے یہہ پاک سلسلہ قایم ہوتا جاتا ہے - میرے اس سلسلہ میں اگرچہ ایسے لوگ بھی بکثرت ہیں جو انگریزی خواں اور تعلیم یافتہ اور سرکاری عہدوں پر مقرر ہیں مگر ایک گروہ کثیر ان میں علماٗ کا بھی ہے جنہیں انکے ساتھہ ان مسائل کے سمجھانے میں کوئی دقت اٹھانی نہیں پڑی - بلکہ وہ ایسی آسانی سے سمجھہ گئے - گویا کہ وہ پہلے سے ہی طیار تھے - سو میں اس سے قیاس کرتا ہوں کہ اس پاک عقیدے کیلئے قریباً کل دانشمند طیار ہیں اور عقلمند لوگ جہادی مسائل سے اندر ہی اندر بیزار ہو رہے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ درحقیقت قدیم سے خدا کا منشا یہی ہے کہ وہ اپنی ضعیف بندوں کو نرمی اور رحم سے سمجھاوے - اور درحقیقت سچ یہی ہے کہ تلواریں محض زمین کو فتح کرتی ہیں - مگر اخلاقی تعلیم جو صرف زبانی باتیں نہوں بلکہ عملی طور پر دکہائی جائے وہ دلوں پر فتحیاب ہوتی ہے - اُن لوگوں نے خدا کا بڑا گناہ کیا ہے جنہوں نے قرآن کی اخلاقی تعلیم کو جو افراط تفریط سے پاک اور دُنیا کی ہر ایک تعلیم سے اعلےٰ تھی اپنے وحشیانہ جنگوں اور ظالمانہ خونریزیوں کے نیچے چھپا دیا ہے - اور چونکہ اس زمانہ میں خدا کے منشاء کے برخلاف یہہ کاروایاں اُن سے ہوئیں اس لئے اُنکو ایسے حملوں میں بجز ناکامی اور ذلت کے اور کچھہ حاصل نہیں ہوا اور ہمیشہ شکست اُٹھاتے اور مارے جاتے ہیں - لیکن میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اب وہ اگر ایسا کریں گے تو وہ خدا سے لڑیں گے اور خدا اُن سے لڑیگا کیونکہ اُس کا منشا یہی ہے کہ دنیا کو یہہ معجزہ دکہاوے کہ نرمی سے اور صلح سے اور اخلاق کے کمال سے اور اعجازی نمونوں سے دلوں میں پاک تبدیلی پیدا کرے - پس جو شخص اُسکے منشاء کے برخلاف دین کے لئے تلوار اُٹھاتا ہے وہ اُس کے معجزہ کو باطل کرنا چاہتا ہے اور اُس کی

حکمت کا دشمن ہے اس لئے کبھی اس کے لئے بہتری نہیں ہے اب کے بعد جو لوگ دین کے بہانہ سے تلوار اُٹھائیں گے گو وہ اپنی جہالت یا فریب سے مہدی کہلاویں یا مُلاّ کے نام سے منسوب ہوں وہ بہت ذلیل ہونگے۔ کیونکہ خدا کے قدیم ارادہ کا انہوں نے مقابلہ کیا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس حقیقت کو کئی لاکھ انسانوں نے سمجھ لیا ہے۔ اور کروڑ ہا انسان اس کے سمجھنے کے لئے مستعد ہو رہے ہیں۔ اگر گورنمنٹ عالیہ مجھے اس قدر مدد دے کہ میری اس تقریر کو اپنی طور پر اخبار میں شائع کردے اور اسمیں لکھدے کہ جو علماء اور عقلاء اور فتوے دینے والے جہاد کے مخالف ہیں اور وہ کتاب مخالفت جہاد پر دستخط کرنیکو طیار ہیں وہ ایک خاص عہدہ دار کے پاس جسکو گورنمنٹ مقرر کرے اپنے عرائض اخیر جون ۱۹۰۳ء تک یا اس مدت تک جو گورنمنٹ مناسب سمجھے بھیجدیں اور اُنکے منتخب عالم جہاد کی مخالفت کے بارے میں اپنی اپنی جگہ ایک ایک کتاب لکھیں جنمیں سے ایک یہہ راقم بھی ہوگا۔ پھر مناسب ہے کہ اُن تمام کتابوں میں سے جس کتاب کو گورنمنٹ پسند کرے اور پُرزور دیکھے اسپر سب علماء کے دستخط ہو جائیں اور پھر وہ فارسی اور پشتو اور عربی میں ترجمہ ہو کر بلاد اسلامیہ میں شائع کی جائے اور گورنمنٹ خسروانہ مہربانی کرکے ایسی کتابوں کی تالیف کے لئے بذریعہ اپنے اشتہار کے اطلاع دے اور مناسب ہو گا کہ تالیف کتاب کے لئے ایک برس مہلت رکھی جائے تا تکمیل کتاب میں کوئی دقیقہ رہ نجائے۔ یاد رہے کہ وحشی قوموں کو مہذب بنانے کے لئے جو ملاّؤں کے پنجہ میں ہیں اس سے زیادہ کوئی موزوں تدبیر نہیں ہو گی جو علماء کے فتنہ کا علاج علماء کے ساتھہ ہی کیا جائے۔ اب یہہ زمانہ نیا رنگ پکڑ گیا ہے اور عملی تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ یہہ طریق جو میں نے بیان کیا ہے بہت موثر ہے بس ہماری گورنمنٹ کو چاہیئے کہ اس سے پورے طور پر فائدہ اٹھاوے۔ مسلمانوں کے لئے اس بات کے بیان کرنیکی ضرورت نہیں کہ درحقیقت خدا تعالیٰ کا یہہ بڑا فضل ہے کہ یہہ عادل گورنمنٹ انپر حکم رانی کر رہی ہے۔ اگر یہہ گورنمنٹ اس ملک سے دستکش ہو جائے تو چند روز میں قوموں کی باہم کُشت و خون سے خون بہنے شروع ہو جائیں اور کیڑوں کی طرح ایک دوسرے کو کھالیں تب ہاتھہ جوڑ کر پھر اس گورنمنٹ کو اپنے ملک میں لاویں گے۔ انسان کے لئے امن اور عافیت کی زندگی اور عادل سلطنت کے زیر سایہ رہنا بڑی چیز ہے گویا اسے دنیا میں بہشت ہے۔ اور جن حکومتوں کے ماتحت جان و مال ہر دم خطرہ میں ہے وہ اگرچہ مسلمان کہلاویں لیکن اُنکا وجود

آرام دِہ نہیں ہے ہم لوگوں کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ہم کو ایسے حکام ملے ہیں جو حکومت کی کرسی پر بیٹھکر نہ صرف اپنے نفسانی جوشوں کو
طاق پر رکھدیتے ہیں بلکہ جو تقاضا انصاف اور عدالت کا ہے وہی کرتے ہیں مجھے اس بات کے لکھنے سے خوشی ہے کہ میرے پاس
اس دعویٰ پر ایک نظیر بطور ثبوت کے ہے جس پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انگلش افسروں کی کسقدر نیتیں نیک ہیں
اور وہ کس قدر عدالت اور انصاف کے دلدادہ ہیں اور وہ یہ ہے کہ چند سال گذرے ہیں کہ ایک مشنری صاحب نے جنکا
نام ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک ہے ایک جھوٹا مقدمہ اقدام قتل کا میرے پر دائر کیا میرا خیال ہے کہ اُنکا گناہ نہیں تھا بلکہ
بعض عیسائیوں نے انکو دہوکا دیا تھا پھر وہ مقدمہ کپتان ڈگلس ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت میں جو حال میں دہلی
کے ڈپٹی کمشنر ہیں تحقیقات ہوا۔ صاحب موصوف نے اس مقدمہ پر پوری توجہ سے غور کی اور کئی دنوں کی کوشش
کے بعد معلوم کر لیا کہ یہ مقدمہ محض دروغ اور سراسر بہتان ہے تب اسکو خارج کیا اور مجھے پوری صفائی سے بری کیا
اس مقدمہ کے دیکھنے والے ہزارہا آدمی تھے جا بجا لوگوں کو یہ خیال تھا کہ ایک مشنری کا مقدمہ اور انگریز کے پاس ہے
وہ بہر حال اس مشنری کی رعایت کریگا لیکن جب وہ مقدمہ خارج کیا گیا اس دن لوگوں کے موُنہ سے بے اختیار
نکلتا تھا کہ درحقیقت انگریز ایک ایسی قوم ہے کہ جو انصاف کو مدنظر رکھتے ہیں۔ اور میں چونکہ خوب جانتا تھا کہ یہ محض
بے اصل اور قابل شرم بہتان تھا اور میرا صرف خدا پر بھروسہ تھا اس لئے اس مقدمہ کے راست راست فیصلہ
ہونے پر میرا اعتقاد انگریزی سلطنت کے عدل پسند حکام کی نسبت زیادہ بڑھ گیا۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ
انگریز حکام صرف عدل پسند ہی نہیں ہیں بلکہ خدا نے انکو عقل ایسی دی ہے کہ مخفی حقیقت کی تہ تک
پہونچ جاتے ہیں۔ یہ امر بہت مشکل ہے کہ جب ایک حاکم کے سامنے ایسا مدعی آوے جو اسکی قوم کا بزرگ اور قابل
تعظیم اور جنٹلمین ہو اور مقابل میں میرے جیسا ہو دنیا سے الگ جس پر ایک طرف باعث فرقہ جدیدہ ہونیکے
قوم ناراض ہے اور دوسری طرف ایک فرقہ جدیدہ کا بانی ہونا انتظاماً بھی نگرانی کے لایق ہے پھر پوری
پوری عدالت سے کام لیا جاوے میں نہیں سمجھ سکتا کہ اسکی نظیر ابھی تک کسی دوسرے فرقہ میں موجود ہے
اور نہ میں اسکا قائل ہو سکتا ہوں جب تک کہ اس کو دیکھ نہ لوں۔ پس جس قوم میں ایسے عدل پسند
حکام ہیں جو فیصلہ کے وقت خدا سے ڈرتے ہیں اور عدالت کو ہر ایک تعارف پر مقدم رکھتے ہیں
اور اپنی قوم کے بزرگوں کی بھی عدالت میں رعایت نہیں کرتے۔ انکا سچا وفادار نہ ہونا میں نہیں
سمجھ سکتا کہ اس سے زیادہ کوئی بدبختی اور شقاوت ہے۔ میں نے اس نمونہ کو جو کپتان ڈگلس کی عدالت
میں دیکھا ضایع نہیں کیا بلکہ ایک کتاب اسکو نام تالیف کرکے شایع کر دی۔ اور میں چاہتا ہوں کہ صدہا سال تک یہ یاد دلانہ

کارروائی میری جماعت کو یاد رہے گی۔

باوا نانک صاحب کا چولا

یہ چولا جسکو سکھ تعظیم کے سبب سے چولا صاحب پکارتے ہیں ڈیرہ نانک (پنجاب) میں ایک خاص مکان میں رکھا ہوا ہے جو صرف اس تبرک کے لئے تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ ایک سوتی کپڑا ہے اور بعض بعض کناروں پر کچھ سرخی نما ہے۔
کتاب ساکھی چولا صاحب سے ثابت ہے کہ جب باوا نانک صاحب کا انتقال ہوا تو یہ چولا انگد صاحب کو جو پہلے جانشین باوا صاحب کے تھے ملا جسکو اونہوں نے گدی پر بیٹھنے کے وقت سر پر باندھا اور ہمیشہ بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے پاس رکھا۔ چنانچہ پانچویں گرو ارجن داس صاحب کے وقت تک ہر ایک گرو اپنی گدی نشینی کیوقت اسکو مبارک سمجھکر سر پر رکھتا رہا اور انہیں ایک فرض کیطرح یہ عادت تھی کہ بڑے بڑے درباروں میں اور عظیم الشان مہموں کے وقت یہ چولا سر پر رکھتے اور اس سے برکت ڈھونڈتے۔ ایک دفعہ ارجن داس صاحب کیوقت میں امرتسر کا تالاب بن رہا تھا اور بہت اخلاص مند سکھ اُسکے کھودنے میں مصروف تھے تو ایک شخص طوطا رام جو زمین کھودنے میں لگا ہوا تھا اور ارجن داس صاحب سے بہت ہی اعتقاد رکھتا تھا اُسکے اخلاص کو ارجن داس صاحب نے دیکھکر اُسے کہا کہ میں تجھ سے خوش ہوں اِسوقت جو کچھ تو نے مجھ سے مانگنا ہے مانگ اُس نے کہا کہ مجھے سکھی دان دو یعنی ایسی چیز دو جس سے مجھے دین کی ہدایت ہو تب ارجن صاحب سمجھ گئے کہ یہ چولا مانگتا ہے کیونکہ سچے دین کی ہدائتیں اسی میں موجود ہیں تو اُنہوں نے کہا کہ تو نے تو ہمارے گھر کی پونجی ہی مانگ لی پھر سر سے اُتار کر اُسکو چولا دیدیا کہ اگر ہدایت چاہتا ہے تو سب ہدائتیں اسی میں ہیں لیکن پھر وہی چولا ایک مدت کے بعد کابلی مل کو جو باوا نانک صاحب کی اولاد میں سے تھا مل گیا اور ابتک بمقام ڈیرہ نانک ضلع گورداسپورہ پنجاب اُنہیں کی اولاد کے پاس موجود ہے۔
یہ چولا نانک صاحب کو کہاں سے اور کیونکر ملا اس کی اصلیت سکھوں کی ایک روایت میں اس طرح پر بیان کیگئی ہے یہ روایت بالا کی جنم ساکھی میں جو انگد ساکھی کے نام سے مشہور ہے یوں آئی ہے۔

"عرب کے بادشاہ کے ساتھ جو قصہ گذرا"

ترجمہ۔ ایک زمانہ میں مردانہ نے گوروجی کے سامنے ادب سے عرض کی۔ اے سچے بادشاہ عرب کا ملک کیسا ہے

سری گورو جی نے کہا مردانہ تو دیکھنا چاہتا ہے تو تجھے دکھلائیں گے۔ تب پھر گورو جی نے مجھے فرمایا کیوں بھئی مردانہ کیا مرضی ہے میں نے عرض کی جو آپ کی رضا ہو تب سری نانک صاحب وہاں سے چلکر عرب کے ملک میں پہونچے اُس ملک کے بادشاہ کا نام لاجورد مشہور تھا اور بہت ظلم کرتا تھا رعیت بڑی تنگ تھی اور جو کوئی ہندوستان سے اُس ملک میں جاتا اُسکو قتل کردیا کرتا تھا اس ملک میں بھی ہوم پوجا رہی تھی جب تمام لوگ بہت تنگ ہوئے تو پرمیشر کے آگے عاجزی سے دعا کی تو انکی عاجزی کی دعا بارگاہ میں قبول ہوئی تب خدا کی بارگاہ سے بابے نانک جی کو آسمانی ندا ہوئی اے نانک میں تجھ سے بہت خوش ہوں اور ایک خلعت تجھکو عطا ہوتا ہے تب گورو جی نے عرض کیا کہ اے وحدہٗ لاشریک جو تیری رضا ہو تب گورو جی نے مراقب ہو کر خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا تب ایک خلعت مرحمت ہوا اور اُس خلعت پر قدرت کے حرف عربی ترکی فارسی ہندی سنسکرت میں لکھے ہوئے پانچوں قسم کے موجود تھے تب سر گورو جی وہ خلعت پہن کر اُس شہر کے دروازہ کے باہر جا بیٹھے سات دن گذرنے کے بعد لوگوں نے کہا کہ یہاں ایک ایسا درویش بیٹھا ہے کہ جس کی خلعت پر قدرتی قرآن کے تیس سیپارے لکھے ہوئے ہیں جب اُن لوگوں نے غور سے دیکھا تو بادشاہ کو خبر دی کہ اے بادشاہ ہمارے شہر کے باہر ایک درویش ایسا بیٹھا ہے کہ جسکے گلے میں ایک خلعت ہے اُس خلعت پر تیس سپارے قرآن کے لکھے ہوئے ہیں تب بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اس درویش کے جسم سے وہ خلعت اُتار لاؤ۔ تب وزیر نے جاکر کہا کہ اے درویش یہ خلعت اُتار کر ہمیں دے کہ ہمارا بادشاہ طلب کرتا ہے بادشاہ کی عدول حکمی نہیں چاہئے۔ ورنہ آپکو سزا دیگا تب یہ بات سنکر سری بابے جی نے کہا کہ اگر بتا ہیگو تم سے اُتر سکتا ہے تو اُتار لو جب سری بابے جی نے یہ فرمایا تو جسقدر لوگ وزیر کے ساتھ تھے سب سری بابے جی کی طرف دوڑے لیکن وہ قدرتی خلعت اور قدرتی کپڑا اور قدرتی پہنایا ہوا۔ وحدہٗ لاشریک کا عطیہ اُن جھوٹے لوگوں سے کیونکر اُتر سکتا تھا بہت کچھ جتن کیا نہ کھینچنے سے اُترا نہ پھاڑنے سے پھٹکر اُترا تو سب لوگ حیران رہ گئے" اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ نے مختلف طریقوں سے کوشش کی کہ چولہ کو باوا صاحب کے گلے سے اُتارے مگر وہ ایسا نہ کرسکا۔ کیونکہ چولہ خدا کی طرف سے نانک صاحب کو ملا ہوا تھا۔

بعض تفصیلات کو چھوڑکر اس روایت کی سچائی میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی یہ امر کہ یہ چولا آسمان سے اُترا تھا اور خدا نے اُسکو اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اسکو ناقابل اعتبار ٹھہراتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی قدرتیں

بے انتہا ہیں اور اُنکی کسی نے حد بست نہیں کی۔ کون انسان کہہ سکتا ہے کہ خدا کی قدرتیں صرف اتنی ہی ہیں اور اس سے آگے نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ باوا صاحب کو یہ قرآنی آیات الہامی طور پر معلوم ہو گئی ہوں اور اذن ربی سے لکھی گئی ہوں۔ لہذا بموجب آیات ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی وہ سب عمل خدا تعالیٰ کا فعل سمجھا گیا ہو کیونکہ قرآن شریف آسمان سے نازل ہوا ہے اور ہر ایک بانی الہام آسمان سے ہی نازل ہوتا ہے۔ دین اسلام درحقیقت سچا ہے اور اسکی تائید میں خدا تعالیٰ بڑے بڑے نشان دکھلاتا ہے جو شخص خدا تعالیٰ کو ڈھونڈتا ہے اور سرگرمی اور اخلاص سے اسکی راہ میں قدم اُٹھاتا ہے وہ اپنا خوبصورت چہرہ اُسکو دکھاتا ہے۔ اور اُسکے چہرہ کا نظر آنا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے عجیب در عجیب کام اور نشان اُسکو دکھائے جاتے ہیں۔ نانک اس تلاش میں نکلا اور حق کی طلب میں ایک پرند کی طرح ملک بملک آوارہ پھرا اور اپنی عمر کو اس راہ میں وقف کر دیا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اس کا صدق دیکھکر اسکو ضایع نہ کیا بلکہ وہ چولا اسکو عطا کیا جس پر تمام قدرت کے نقوش ہیں تا کہ اس کا اسلام پر یقین بڑھ جائے اور وہ سمجھ جائے کہ بجز لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اور کوئی سبیل نجات نہیں سو اس نے اس چولہ کو اسی غرض سے پہنا کہ تا اس چولے کو اپنی نجات کا ذریعہ قرار دے اور تمام دنیا کو اپنے اسلام پر گواہ کر دے۔

یہ تو چولا کی وہ تاریخ ہے جو جنم ساکھیوں میں دی ہوئی ہے اور اس جگہ سے یہ بھی پتہ ملتا تھا کہ چولا پر پانچ مختلف زبانوں کے حروف ہیں لیکن کوئی یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ وہ لفظ کیا ہیں۔ چونکہ چولہ کی ابتدا سے ہی بہت شہرت تھی اور اسکو بہت متبرک خیال کیا جاتا تھا۔ اسلئے ابتدا سے ہی اسپر غلاف چڑھنے شروع ہو گئے اور بڑے بڑے راجہ اور رئیس اسپر نہایت بیش قیمت غلاف بطور نذر کے چڑھاتے رہے یہانتک کہ کئی سو غلاف ہو جانے کے سبب آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ چولا کے اصل الفاظ کو کوئی شخص نہ دیکھ سکتا تھا۔ اسی وجہ سے بہت مدت سے یہ رسم چلی آتی ہے کہ چولا کی زیارت کرنیوالوں کو صرف اس کا ایک چھوٹا سا کونہ دکھایا جاتا ہے اور باقی سارا اسی طرح چھپا رہتا ہے۔ جو حصہ دکھایا جاتا ہے اسکے حروف بہ سبب بار بار ہاتھوں کے نیچے آنیکے صاف نہیں پڑھے جاتے اس طرح وہ الفاظ جو چولہ پر لکھے ہوئے تھے اور جنکے متعلق معتبر روایت یہ چلی آتی تھی کہ وہ قدرت کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں بالکل ایک راز کی صورت میں ہو گئے اور عام طور پر یہ خیال مشہور ہو گیا کہ تمام مذاہب کی مقدس کتابوں کی آئتیں چولہ پر لکھی ہوئی ہیں۔ اس راز کو کھولنے کے لئے ۳۰ ستمبر ۱۸۹۵ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مع اپنے رفقا کے

سفر اختیار کیا اور اس سفر میں خدا تعالیٰ نے امید سے بڑھکر کامیابی دی۔ محافظین چولہ کے ساتھ خاص انتظام کے سبب سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو چولہ کے دیکھنے کا وہ موقعہ ملا جو اس سے پہلے کبھی کسی کو نہ ملا تھا۔ اور چولہ کے ان الفاظ پر اطلاع ہو گئی جو بہت مدت سے کسی نے نہ دیکھے تھے پردے اُٹھاتے اُٹھاتے ایک جگہ یہ نکل آیا **اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ**۔ پھر شیخ رحمت اللہ صاحب نے اتفاقاً دیکھا کہ چولا اندر کچھ گرد و غبار سا پڑا ہے انہوں نے تب بڈھیکو کو کہا کہ چولہ کو اس گرد سے صاف کر دینا چاہئے لاؤ ہم ہی صاف کر دیتے ہیں یہ کہکر باقی تہیں اُٹھا دیں اور ثابت ہو گیا کہ تمام قرآن ہی لکھا ہے اور کچھ سورہ فاتحہ لکھی ہوئی ہے اور کسی جگہ سورہ اخلاص اور کسی جگہ قرآن شریف کی یہ تعریف تھی کہ **قرآن خدا کا پاک کلام ہے اسکو ناپاک لوگ ہاتھ نہ لگاویں** معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کے لئے باوا صاحب کا ایسا سینہ کھول دیا تھا کہ اللہ اور رسول کے عاشق زار ہو گئے تھے۔ غرض باوا صاحب کے اس چولا سے نہایت قوی روشنی اسبات پر پڑتی ہے کہ وہ دین اسلام پر نہایت ہی فدا ہو گئے تھے اور وہ اس چولہ کو اسی غرض سے بطور وصیت چھوڑ گئے تھے کہ تا سب لوگ اور آنیوالی نسلیں اُنکی اندرونی حالت پر زندہ گواہ ہوں اور ہم نہایت افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ بعض مفتری لوگوں نے یہ کیسا جھوٹھ بنا لیا کہ چولے پر سنسکرت اور شاستری لفظ اور زبور کی آیتیں بھی لکھی ہیں یاد رہے کہ یہ بالکل جھوٹ اور سخت مکروہ افترا پردازی ہے اور کسی شریر انسان کا کام ہے نہ بھلے مانس کا سنسکرت کا ایک حرف تک نہیں بلکہ تمام چولا پر قرآن شریف اور کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت لکھا ہوا ہے اور بعض جگہ آیات کو صرف ہندسوں میں لکھا ہے مگر زبور اور سنسکرت کا نام و نشان نہیں ہر ایک جگہ قرآن شریف اور اسماء الٰہی لکھے ہیں جو قرآن شریف میں ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھوٹ صرف اس لئے بنایا گیا تا لوگ یہ سمجھ جاویں کہ چولا صاحب پر جیسا کہ قرآن شریف لکھا ہے وید بھی لکھا ہوا ہے مگر ہم بجز اسکے کیا کہیں کہ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ باوا صاحب تو چولہ میں صاف صاف گواہی دیتے ہیں کہ بجز دین اسلام کے تمام دین جھوٹے اور باطل اور گندے ہیں۔

یہ خیال کہ چولہ پر آیات قرآنی کا لکھے ہوئے ہونا محض ایک اتفاقی امر ہے واقعات کے رو سے باطل اور لغو ٹھہرتا ہے۔ چولہ پر آیات قرآنی لکھکر اسکو پہنے پھرنا صاف اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ اس سے باوا نانک صاحب کی غرض سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ تمام لوگ اُنکے اسلام پر اطلاع

پالیں صرف مونہہ سے کلمہ شہادت پڑہنے سے تو سننے والے ہی انکو مسلمان سمجھ سکتے تھے لیکن چولہ پر وہی کلمہ لکھکر پہننے سے جہاں کہیں جاتے ہوں گے فی الفور مسلمان پہچان لئے جاتے ہونگے۔ علاوہ اسکے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ چولہ پر آیات وہ درج ہیں جنمیں مذہب اسلام کی صداقت اور تمام دیگر مذاہب کا بطلان ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں ہندوں کے مکانوں پر باوا نانک صاحب جاتے تو ہندو لوگ انکے جانے کے بعد اسکو گوبر وغیرہ سے اپنے نزدیک پاک کر لیتے تھے۔ خدا کی طرف سے اس چولہ کا دیا جانا بھی اسی امر کی تائید کرتا ہے کہ یہ چولہ باوا صاحب خاص غرض کے لئے پہنا کرتے تھے۔ ورنہ ایک ہندو کیونکر ایسے چولہ کو پہن سکتا ہے جسپر قرآنی آیات اور اُس کے اپنے مذہب کی تردید لکھی ہوئی ہو بلکہ نانک صاحب نے تو اپنی حالت کا اظہار بھی چولہ کے اُن الفاظ میں کر دیا تھا لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہنود مذہب کو قطعی طور پر چھوڑ بیٹھے تھے علاوہ ازیں چولہ ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے یقینی طور پر نانک صاحب کے مذہب کا پتہ لگ سکتا ہے۔ اور باقی باتیں بہت تغیر و تبدل ہو کر ہم تک پہونچی ہیں۔ حالانکہ چولہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ یقینی طور پر یہ وہی چولا ہے جو باوا صاحب نے پہنا ہوا تھا۔

غرض اسبات کے ثبوت کے لئے کہ چولہ درحقیقت نانک صاحب کیطرف سے ہی ہے یہ وجوہ کافی اور شافی اور تسلی بخش ہیں کہ اسی چولا کا ذکر انگد اور بالا کی اس جنم ساکھی میں مذکور ہے جو اُسی زمانہ میں تالیف ہوئی۔ پھر دوسرا ثبوت وہ کتاب ہے جو کابلی مل کی اولاد کے ہاتھ میں ہے جس کا نام چولا ساکھی ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ چولہ نانک صاحب کو خدا تعالیٰ کیطرف سے ملا تھا اور جتنے گورو بعد میں ہوئے ہیں سب کا اس چولا سے برکت ڈھونڈنا اس میں مذکور ہے یہ دوسرا ثبوت اسبات پر ہے کہ چولا خود نانک صاحب کا ہی تھا جس کی نسبت ابتدا سے یقین کیا گیا تھا کہ اس میں بہت سی برکتیں ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تیسرا ثبوت یہ ہے کہ چولہ کی تعظیم اور تکریم برابر چارسو برس سے چلی آتی ہے پس یہ عملی حالت جو ہر ایک زمانہ میں ثابت ہوتی چلی آئی ہے جس کے ساتھ پرانے زمانہ سے میلے اور جلسے بھی ہوتے چلے آئے ہیں اور راجوں اور امیروں کا اُسپر دوشالے چڑھانا ثابت ہوتا چلا آیا ہے یہ ثبوت بھی نہایت اعلےٰ درجہ کا ثبوت ہے۔

اب ایک اور ضروری سوال پیدا ہوتا ہے یعنی یہ کہ آیا چولہ کی اس حقیقت کا کھلنا محض ایک اتفاقی

امر ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ اتفاقی امر نہیں بلکہ عین خدا تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اپنے وقت پر اس امر کا اظہار ہوا اور اُسکے قدیم ارادہ کے موافق یہ سب کچھ ظہور میں آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت کی قرآن کریم نے دو غرضیں قرار دی ہیں اول تکمیل ہدایت اور دوم تکمیل اشاعت ہدایت۔ چنانچہ ان ہر دو اغراض کے متعلق قرآن شریف میں دو الگ الگ آیتیں موجود ہیں چنانچہ ایک جگہ تو فرمایا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ اور دوسری جگہ فرمایا ہے هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ان دونوں آیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انمیں جو دو مقصد بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کئے گئے ہیں اُنکی تکمیل کا وقت بھی الگ الگ کہا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ تو فرمایا کہ میں نے تمہارا دین آج کے دن کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں اور اسی طرح پر ماضی کے صیغہ میں اسکو بیان کر کے یہ بتلا دیا کہ تکمیل ہدایت تو ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض اول آپکی اُسی زندگی میں پوری ہو گئی لیکن دوسری غرض کی تکمیل کے متعلق بیان کرتے وقت آئندہ زمانہ کا حوالہ دیا گیا ہے چنانچہ اس آیت لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی تفسیر میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس مقصد کی تکمیل مسیح موعود کے وقت میں ہوگی یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ یہ بھی غرض بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مگر اس کی تکمیل کا وقت آنحضرت کی آمد اول میں نہیں بلکہ آمد ثانی میں ہوگا۔ اسطرح پر دونوں اغراض کے متعلق آیات پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غرض اول یعنی تکمیل ہدایت تو ہو چکی مگر تکمیل اشاعت ہدایت ابھی باقی تھی اور اسکے متعلق خدا تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ وہ آخری زمانہ میں آنحضرتؐ کی آمد ثانی میں پوری ہو۔ اسی آمد ثانی کیطرف قرآن شریف کے دیگر مقامات میں بھی اشارہ ہے چنانچہ آیت وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ الخ کا بھی یہی منشاء ہے۔ مگر اس آمد ثانی کے معنے آنحضرتؐ نے خود بتا دیئے ہیں کہ مسیح موعود کی آمد ہوگی۔ یعنی ایسے شخص کی آمد جو آپکے اتباع کمال اور پاک محبت تامہ میں فنا ہونے کی وجہ سے گویا آپ ہی کا مظہر ہوگا۔ اس لئے یہ امر مقدر تھا کہ آخری زمانہ میں ایک ایسا آدمی پیدا ہو جو تکمیل اشاعت ہدایت کی غرض کو پورا کرے یعنے تمام مذاہب کا بطلان ثابت کرے اسلام کی سچائی کو ساری دنیا پر ظاہر کرے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے خدا تعالیٰ نے وہ تمام اسباب و ذرائع پیدا کر دیئے ہیں جنکے ذریعہ یہ غرض پوری ہو سکتی ہے۔

اس غرض کی تکمیل کے لئے عین اسوقت پر جو پیشگوئیوں کے حساب سے ہوتا ہے مسیح موعود عین انتظار کی حالت میں ظاہر ہوا ہے تاکہ مذاہب باطلہ کی غلطیاں اور اسلام کی صداقت ظاہر کرے۔ اسی وعدہ کے پورا کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کے ذریعہ سے عین وقت پر چولے کی حقیقت کو ظاہر کیا ہے۔ جس طرح پر مسیح کی قبر کے دریافت ہونیسے عیسائی مذہب کے شہتیر کفارہ اور دوبارہ جی اُٹھنا یکدفعہ ٹوٹ کر گر گئے ہیں۔ اسیطرح چولہ کی حقیقت کھلنے سے سکھ مذہب کا یہ غلط خیال کہ باوا نانک صاحب سوائے اسلام کے کسی اور مذہب کو بھی ٹھیک سمجھتے تھے جڑھ سے اُکھڑ گیا ہے۔ یہ بجائے خود ایک بڑا معجزہ ہے کہ باوجودیکہ چولا ایسے شخصوں کے ہاتھ میں رہا جنکو اللہ اور رسول پر ایمان نہ تھا۔ اور ایسی سلطنت کا زمانہ اسپر آیا جس میں تعصب اسقدر بڑھ گئے تھے کہ بانگ دینے پر بھی خون کئے جاتے تھے۔ وہ ضائع نہیں ہوا اگر خدا تعالیٰ کا ہاتھ اسپر نہ ہوتا تو انقلابوں کے وقت کب کا نابود ہو جاتا۔ مقدر تھا کہ وہ اس زمانہ تک رہتا اور اُسکے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق اسلام کی سچائی ظاہر ہوتی۔ خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے چاہا کہ ایک وقت تک یہ امر پوشیدہ رہے اور سکھوں کی جہالت اور بھی اوسکی موید ہو گئی اور پھر اپنے وقت پر اسکی اصل حقیقت کا اظہار ہو۔ اور اس اظہار کے ذریعہ سے اسلام کی صداقت کا اظہار ہو اور اشاعت ہدایت کی وقت مقرر پر تکمیل ہو۔ غرض جس طرح چولہ خدا کی طرف سے آیا تھا اور خدا کے ہاتھ سے اسپر الفاظ لکھے گئے تھے اسی پر حکمت و مصلحت الہی کا بھی یہ تقاضا تھا کہ اُسکے الفاظ ایک وقت تک پوشیدہ رہکر عین وقت پر پیشگوئی کے مطابق ظاہر ہوں۔ اور اسلام کی صداقت کی ایک عظیم الشان دلیل ٹھیریں باوا نانک صاحب کا چولا اور حضرت مسیح کی قبر اسلام کی سچائی پر دو عظیم الشان گواہ ہیں اور اسوقت پر انکا ظاہر ہونا حضرت مسیح موعود کی صداقت کے ویسے ہی بڑے نشان ہیں۔

نوٹ اور ریویو

ایپی فینی ۔ ذنب اور استغفار کے معنوں پر جو اس سلسلے کے کسی نمبر میں بیان کئے گئے تھے عیسائیوں نے اس پرچہ میں دیر سے بحث چھیڑی ہوئی ہے۔ بڑی بات ان الفاظ کے معانی کے متعلق جو یاد رکھنے کے لائق ہے یہ ہے کہ قرآن کریم کی ان اصطلاحوں کے معانی کا فیصلہ صرف قرآن کریم سے ہی ہو سکتا ہے۔ جو باریک فرق ذنب جرم وغیرہ مختلف الفاظ کے معانی میں قرآن کریم نے مد نظر رکھے ہیں بسبب اسکے کہ نزول قرآن سے پہلے اس قسم کی اصطلاحیں ہی نہ تھیں انکا قرآن کریم سے پہلے کہیں پتہ لگانا عبث کوشش ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ قرآن شریف نے کیونکر ان الفاظ کو استعمال کیا ہے اور انکے معانی میں کیا فرق رکھا ہے۔ چنانچہ ہمنے بہت وضاحت کے ساتھ اس امر کو بیان کیا تھا کہ ہر ایک مذنب کے لئے سزا کا وعید نہیں ہے اور پھر یہ لکھا تھا کہ ہر مجرم کے لئے سزا کا وعید ہے اور پھر یہ بیان کیا تھا کہ کسی نبی کے حق میں جرم کا لفظ بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ انبیاء کیلئے صرف ذنب کا لفظ بولا گیا ہے اب ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اس میں کیا سر ہے کہ قرآن شریف انبیاء کے لئے وہ لفظ استعمال کرتا ہے جسکے متعلق سزا کا وعید نہیں اور وہ لفظ استعمال نہیں کرتا جسکے لئے سزا کا وعید ہے کیا اس سے یہ صاف نہیں پایا جاتا کہ قرآن کریم انبیاء کو کسی ایسے فعل کا مرتکب نہیں ٹھہراتا جس پر سزا کا وعید ہو۔ یا بالفاظ دیگر انکو گناہ کا مرتکب نہیں ٹھہراتا کیونکہ گناہ ایسے فعل کا نام ہے جس میں خدا کی نافرمانی ہو اور جس پر سزا عائد ہوتی ہو۔ اس طرح انبیاء کی عصمت کا مسئلہ صاف طے ہو جاتا ہے۔ مگر عیسائی نامہ نگار جو ایپی فینی میں لکھتے ہیں وہ ان امور تنقیح طلب کو جو ہم نے ذنب کے معنوں کا فیصلہ کرنے کے لئے اوپر بیان کئے ہیں عموماً چھوڑ کر ایسا پہلو گریز کا اختیار کرتے ہیں جس میں ان سوالوں کا سامنا نہ ہو۔ ہاں بعض نے اسطرف توجہ کی ہے مگر انہوں نے ایسے لغو جواب دئے ہیں کہ انکے اعتراضوں پر مفصل بحث کرنیکی کچھ ضرورت نہیں چنانچہ پہلے امر کہ ذنب پر سزا کا وعید نہیں چند ایسی آئتیں پیش کی جاتی ہے جن میں یہ بیان ہے کہ خدا تعالی نے بعض قوموں کو یا لوگوں کو ان کے ذنب کے لئے سزا دی لیکن اگر ان مضمون نویسوں نے عمداً یہ دھوکا نہیں دینا چاہا تو ہمیں ان کی عقل پر افسوس ہے۔ کیا اس بیان سے کہ کسی ایک آدمی کو اسکے ذنب کے لئے سزا دی گئی کوئی عقلمند یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ہر ایک مذہب کے لئے سزا کا وعید ہے۔ یہ جھوٹا منطق ہے کسی ایک آدمی کو سزا دئے جانیسے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا کہ ہر ایک ذنب پر سزا کا

وعید ہے۔ دوسرے اور تیسرے امر کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ جرم کا لفظ قرآن شریف میں کسی کے حق میں بھی نہیں بولا گیا۔ یہ پادری صاحبان کے عربی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ ایسا پوچ اعتراض کیا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ کسی شخص کو گنہ گار کہنے سے لفظ گناہ اسکے حق میں بولا جاتا ہے یا نہیں۔ پھر مجرم کہنے سے کیوں جرم کا لفظ ایسے شخص کے حق میں عاید نہ ہوگا۔ اب یہی لفظ مجرم بار بار قرآن شریف میں استعمال ہوا ہے اور انبیاء کے حق میں کبھی نہیں بولا گیا۔ اسی طرح پر الفاظ اجرام۔ اجرموا۔ تجرمون جن سب کے معنے جرم کرنے کے ہیں بار بار قرآن شریف میں استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن ایک موقعہ پر بھی انبیاء کے حق میں انمیں سے کوئی لفظ نہیں دکھایا جا سکتا۔

عیسائی پرچہ کے بعض نامہ نگاروں نے یہ پہلو بحث کا اختیار کیا ہے کہ تفسیروں میں سے بعض حوالے نکال کر پیش گئے ہیں جہاں بعض انبیاء کے گناہوں کا ذکر ہے مگر قرآن کریم پر بحث نکرنی اور تفسیروں کے حوالے دینے نہایت قابل افسوس امر ہے۔ بحث کے لئے تو ضروری ہے کہ قرآن شریف کو ہی پیش کیا جائے کیا بائیبل کی تفسیروں میں جو جو لغو باتیں بھری پڑی ہیں ان سب کو عیسائی تسلیم کرتے ہیں اگر نہیں تو پھر اپنے مخالفین سے کیوں ایسا مطالبہ کرتے ہیں جسکی جوابدہی کیلئے وہ خود تیار نہیں باقی رہا انبیاء کے وہ افعال جو عیسائی صاحبان کے نزدیک قابل اعتراض ہیں سو انکا فیصلہ اس طرح سے ہو سکتا ہے کہ پہلے حضرت عیسٰی کے جو اس قسم کے افعال ہیں انکا جواب دیا جائے جبتک انکا کوئی شافی و کافی جواب نہ دیا جاوے گا تب تک ایسا اعتراض بُرم کی جگہ ہے۔ کیا حضرت عیسٰیؑ کے متعلق انجیلوں میں نہیں لکھا کہ وہ شراب پیتے تھے۔ شراب بناتے تھے (خواہ معجزہ سے ہی سہی) وعدہ کا ایفا نہ کیا۔ والدین کی بے ادبی کی خدائی کا دعویٰ کیا کنجری سے حرام کا تیل ملوایا۔ بدچال چلن کنجروں سے ملتے جلتے تھے۔ جو چیز شرعاً ممنوع تھی اور دوسرے کا مال تھا وہ اپنے حواریوں کو کھلائی۔ ایک غریب آدمی کے مال کو تباہ کیا۔ اپنے بزرگوں کو گالیاں نکالیں اور ایسا ہی اور بہت سے افعال کے مرتکب ہوئے جو اُن کی معصومیت کو غلط ٹھہراتے ہیں اور پھر ساتھ اسکے اس امر کو بھی مدنظر رکھ لیں کہ اور نبیوں کی نسبت تو کہیں نہیں لیکن یسوع کے متعلق انجیل میں یہ لکھا کہ خدا تعالیٰ نے اسے چھوڑ دیا اور اسپر لعنت پڑی اور وہ دوزخ میں گیا اس کا سبب بھی بیان کرنا چاہیئے کہ اگر یسوع بے گناہ تھا تو خدا نے اُسے کیوں چھوڑا

اور اسپر لعنت کیوں کی اور دوزخ میں کیوں گیا۔

بینر آف اسلام

یہ ایک نئے ہفتہ وار پرچہ کا نام ہے جسکے ایڈیٹر حامد سنو صاحب ہیں اور جس کا پہلا پرچہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء کو شایع ہوا ہے اس پرچہ کی پالیسی اسکے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ باہمی جو فرقوں کے اختلاف ہیں اُن کو چھوڑ کر اسلام کے روح کی طرف لوگوں کو بلایا جاوے اور اس کا مدعا یہ ہے کہ تمام فرقوں کو امیر المومنین کے ماتحت اکٹھا کیا جاوے۔ یہ بیان نہیں کیا گیا کہ یہ غرض کسطرح سے حاصل ہوگی مگر پہلے دو نمبروں کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالہ کا بڑا مضمون علاج بذریعہ توجہ ہوگا جو عام طور پر رایج ہے۔ اسلام کے متعلق اس پرچہ میں بعض ایسے بیان ہیں جو ہماری سمجھ میں قابل اعتراض ہیں اور اس قسم کے بیانوں سے بجاے اسلام کو نفع پہونچنے کے نقصان پہونچنے کا احتمال ہے۔ چنانچہ پہلے ہی پرچہ میں لکھا ہے۔ "ہم اس تعلق کو جو ابتدائی عیسویت اور اسلام میں ہے دلی یقین سے تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس تعلق کی نہایت عمدہ مثال یہ ہے کہ نماز عشا پانچویں اولوالعزم نبی عیسیٰ کی یادگار ہیں ہے اور خود اسلام لفظ عیسیٰ اسلام سے مشتق ہے جسکے معنے ہیں عیسیٰ روح اللہ کی سلامتی"۔ ہمیں بڑا افسوس ہے کہ ایک ایسے پرچہ میں جو مسلمان کہلانے کا دعوے دار ہو اس قسم کے بیانات شایع ہوں مگر ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی وجہ عربی زبان سے ناواقفیت ہے اور عمدًا یہ قابل اعتراض بیان شایع نہیں کیا گیا جس شخص کو ذرا بھی عربی زبان سے مس ہے وہ اسبات کو بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ عیسیٰ اور عشا کو کوئی باہمی تعلق نہیں کیونکہ یہ لفظ حضرت عیسیٰ کی پیدایش سے ہزارہا سال پہلے کا چلا آتا ہے۔ اور اسکے معنے رات کا پہلا حصہ ہیں اور اسی واسطے اسلامی شریعت میں رات کی نماز کے معنوں میں آیا ہے۔ ایسا ہی

اسلام سلم سے مشتق ہے جسکے معنے ہیں اطاعت کرنا۔ اسکو علیہ السلام کے ساتھ ملانا جو عربی ترکیب نہیں ہے بالکل بیہودہ بات ہے اسلامی شریعت میں اسلام کے معنے ہیں اس طرح پر اپنے آپ کو خدائے تعالےٰ کی رضا کے سپرد کر دینا کہ اپنی ساری خواہشیں اسی کے ماتحت کر دیجائیں۔ اور ہر ایک قول و فعل اسی کی رضا کے مطابق ہو۔ قرآن کریم میں تمام انبیا کا مذہب اسلام بیان کیا گیا ہے اور عیسیٰ کے وجود سے ہزار ہا سال پہلے سے چلا آتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ بینر آف اسلام اپنے اُن بیانات کی بہت جلدی تردید شایع کرے گا۔ ایسا ہی ایک اور بیان قابل اصلاح یہ ہے "نسطوری فرقہ اور نسطوری راہب بحیرہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آنے کا سبب ہو گئے جو خود ایک ناصری تھے" اس قسم کے بیانات سخت مضر ہیں اسکے علاوہ اس پرچہ کے ایڈیٹر نے لفظ روح اللہ پر بھی ٹھوکر کھائی ان الفاظ کا منشا سوائے اس کے کچھ نہیں کہ قرآن کریم روحوں کے دو قسم بیان کرتا ہے ایک وہ روح جو خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور دوسرے وہ روح جو شیطان کی طرف سے ہیں یعنے جن کو شیطان سے تعلق ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کو خدائی روح بیان کرنے کی غرض صرف اس کے شیطانی روح ہونے کی نفی کرنے کی تھی کیونکہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ اور اُنکی والدہ پر سخت بہتان باندھے تھے اور صدیقہ کی پاک دامنی پر تہمتیں لگائی تھیں۔ اُنکی تردید کے لئے قرآن شریف نے یہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ خدائی روح ہیں چونکہ دوسرے انبیا پر ایسے اعتراض نہیں ہوئے۔ اس لئے اُن کے حق میں ایسے لفظ نہیں بولے گئے۔

عیسویت کی روحانی موت:۔ اس کو اب تمام عیسائی تسلیم کرتے ہیں حال میں بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں تسلیم کیا گیا ہے کہ واقعی عیسائی مذہب روحانی زندگی سے خالی ہے بڑے بڑے عیسائی مورخین نے اور کلیسیا کے بڑے بڑے عہدہ داروں نے صاف لفظوں میں اقرار کیا ہے کہ شراب خوری قماربازی اور زنا جیسے عیسائیوں میں پائے جاتے ہیں دنیا کی کسی قوم میں نہیں پائے جاتے۔ مدراس کا اخبار کرسچین پیٹریٹ اپنے اخبار مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۰۲ء میں پادری جی ڈاکر صاحب

ایم - اے سے نقل کر کے لکھتا ہے -

"میں نے ایسے ایسے تامل اور دوسرے پادری دیکھے ہیں جو اسبات کے کہنے پر غصہ ہو جاتے ہیں کہ مذہب کی سچی تبدیلی بالکل شاذ و نادر اور بہت عرصہ کے بعد وقوع میں آتی ہے - اور پھر انہیں لوگوں کو جب علیحدہ طور پر پوچھا جائے تو اقرار کرتے ہیں کہ انکے ماتحت جو جماعتیں ہیں وہ روحانی طور پر مردہ اور نفسانی خواہشوں کے پیرو اور دنیا میں غرق ہیں .... جہانتک میری سمجھ ہے اس بات پر سب اتفاق ہے کہ معاملات کی حالت بالکل اطمینان بخش نہیں ہے میں نے ایک دفعہ ایک مشہور ہندوستانی پادری سے سوال کیا کہ ان بیس یا تیس جماعتوں میں سے جو اسکے ماتحت ہیں کس قدر آدمی ایسے ہیں جنکی نسبت وہ کہہ سکتا ہے کہ اُنمیں روحانی زندگی ہے - وہ چپ ہو گیا اور تھوڑی دیر تامل کر کے کہنے لگا کہ دو یا تین سے زیادہ نہیں - اور یقینی طور پر صرف ایک آدمی کی نسبت کہہ سکتا ہوں .... کیا یہ موقع نہیں کہ جو عیسائی ہمارے نقشوں میں پیش کئے جاتے ہیں وہ صرف نام کے عیسائی ہیں اور کیا یہ ٹھیک نہیں کہ ہماری جماعتیں اکثر مردہ اور بے روح اور ساکن ہیں"

یہ لفظ جو ایک بڑے پادری صاحب نے کہے ہیں عیسائی مذہب کی روحانی موت کا افسوسناک نقشہ پیش کرتے ہیں - اور علاوہ ازیں عیسائی اسبات سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ جو نشان ایمانداروں کے ان کی انجیل میں لکھے ہیں وہ اس موجودہ زمانہ میں انکے درمیان نہیں پائے جاتے یہ تمام امور اس پر شاہد ہیں کہ واقعی عیسائی مذہب مر چکا ہے اور اب اس میں روحانیت باقی نہیں رہی لیکن اس کی وجہ کیا ہے مسیح کے حواری تو روحانی طور پر مردہ اور ہلاک شدہ نہ کہلاتے تھے جیسا کہ اس زمانہ کے عیسائی لوگ اپنی نسبت اعتراف کرتے ہیں - اگر اب بھی مسیح زندہ ہوتا تو چاہئے تھا کہ اس کا اثر اسی طرح پیرؤں پر محسوس ہوتا اور عیسائیت میں وہی روحانیت پائی جاتی لیکن عیسائیوں کے اپنے اقرار کے بموجب عیسائی مذہب کی یہ حالت نہیں ہے اس کا صاف نتیجہ یہ ہے کہ مسیح زندہ نہیں بلکہ فوت ہو چکا درحقیقت عیسائیت کی روحانی موت اس کے بانی کی موت کی عظیم الشان شہادت ہے -

فرقہ احمدیہ کی ترقی

گذشتہ تین سال میں اس فرقہ نے حیرت انگیز ترقی کی ہے ۱۹۰۱ء میں اس کی تعداد صرف چند سو نفوس تھی مگر آج اس کا شمار ڈیڑھ لاکھ سے بھی زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس ترقی کے اس حصہ کا ثبوت جو ان تین سال کے پہلے نصف حصہ میں ہوئی ہے کسی قدر مردم شماری کے کاغذات سے مل سکتا ہے اگرچہ وہاں بھی پوری تعداد اسوقت کے مطابق درج نہیں ہو سکی جسکی وجہ یہ ہوئی کہ مردم شماری کا کام شروع ہونے کے بعد وہ اشتہار جاری کیا گیا جس کے رو سے اس فرقہ کا نام احمدیہ فرقہ رکھا گیا اور اس سے پہلے اس فرقہ کا نام کوئی مخصوص نہیں کیا گیا تھا۔ اس واسطے سب لوگ جو اس فرقہ کے پیرو تھے اس نام سے مطلع نہ ہو سکے۔ احاطہ بمبئی کی مردم شماری کی رپورٹ (ہندوستان کی مردم شماری ۱۹۰۱ء جلد ۹ بمبئی حصہ اول) سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف علاقہ بمبئی میں اس فرقہ کی تعداد ۱۱۰۸۷ تھی مگر فرقہ احمدیہ کا بہت بڑا حصہ پنجاب میں ہے جہاں سے زیادہ مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ قبول ہوئی ہے اور بہ سبب نزدیکی کے لوگ زیادہ فائدہ اٹھا سکے ہیں۔ پنجاب میں اس کی حیرت انگیز ترقی ہم کسی دوسرے موقعہ پر بیان کریں گے بالفعل ہم بمبئی کی مردم شماری کی رپورٹ میں سے وہ حصہ نیچے نقل کرتے ہیں۔ جس میں افسر مردم شماری نے اس فرقہ کی نسبت اپنی رائے ظاہر کی ہے۔

"اس فرقہ کے بانی **میرزا غلام احمد** صاحب رئیس قادیان ہیں اور انہوں نے کوشش کی ہے کہ اس مردم شماری میں انکے پیروؤں کی تعداد پوری پوری معلوم ہو جائے۔ ان کا دعوے ہے کہ میں مسیح ہوں اور اپنے فرقہ کے خاص اصولوں کو انہوں نے ایک اشتہار میں بیان کیا ہے جو مردم شماری کی کارروائی کے ابتداء میں ہمیں پہنچا ہے مختصر طور پر یہ اصول اسطرح پر

بیان کئے جا سکتے ہیں۔ اشتہار کے الفاظ میں اُس فرقہ کی خاص علامت یہ ہے کہ وہ نہ صرف جہاد کو موجودہ حالت میں ہی رو کرتا ہے بلکہ آیندہ بھی کسی وقت اس کا منتظر نہیں ہے۔ مذہب کے پھیلانے کی خاطر خون بہانے کو یہ فرقہ قطعاً ممنوع سمجھتا ہے" اس کے بعد اس فرقہ کا بانی اپنے درمیان بحیثیت مسیح یا امام ہونے کے اور عیسویت کے بانی کے درمیان ایک مماثلت قایم کرتا ہے۔ انکا دعوٰے ہے کہ انکی آمد کی پیشگوئی پہلے سے کی گئی تھی اور انکا منشاء یہ ہے کہ صلح اور آشتی کی بنا ڈالیں۔ اپنے مریدوں کے لئے بعض اعلےٰ درجہ کے اصول عال چلن کے قایم کرکے وہ بیان کرتے ہیں کہ کیوں اس فرقہ کا نام احمدیہ فرقہ رکھا گیا۔ اُن کا بیان ہے کہ ہمارے نبی رسول اللہ صلے اللہ علیہ السلام کے دو نام تھے ایک **محمد** جو کہ جلالی نام تھا اور جس میں آنحضرتؐ کی کامیابیوں کی طرف اشارہ تھا اور دوسرا **احمد** جو جمالی نام تھا جس میں اشارہ اس صلح اور اخوت کیطرف تھا جو آپکے ذریعہ دنیا میں پھیلنے تھے۔ جہاد کی تعلیم اور مذہب کے نام سے ہر قسم کی خونریزی کو مردود ٹھہرا کر امام یہ بیان کرتا ہے کہ اس کا اور اسکے فرقہ کا نام احمدیہ ہے"

اس فرقہ کی ترقی کا آیندہ مردم شماریوں میں خیال رکھا جانا چاہئے اور پرانے مسلمانوں کے لئے اس کی ترقی کسی قدر دلچسپی کا باعث ہوگی۔ اشتہار سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بانی کی وفات کے بعد جانشین کا کیا انتظام کیا گیا ہے"

لیکن یہ ترقی بمقابلہ اس عظیم الشان ترقی کے جو گذشتہ تین سال کے آخری حصہ میں اس فرقہ نے کی ہے۔ بہت ہی کم ہے جیسا کہ ایک طرف طاعون کے خطرناک حملوں سے پنجاب کی عام مردم شماری میں کمی آتی گئی ہے فرقہ احمدیہ کی تعداد بڑے زور کے ساتھ بڑھتی گئی ہے۔ کیونکہ لوگوں نے تجربہ سے دیکھ لیا ہے کہ طاعون سے بچاؤ کی صرف ایک ہی صورت انہیں نظر آئی ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کو قبول کر لیا جائے۔ اس لئے طاعون کی ترقی کے ساتھ جوق در جوق لوگ جماعت احمدیہ میں داخل ہو گئے ہیں۔

مکالمات الٰہی

یکم جنوری ۱۹۰۳ء مطابق یکم شوال ۱۳۲۰ھ روز عید صبح پانچ بجے کے وقت خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ خوشخبری دی - اول ایک خفیف خواب میں جو کشف کے رنگ میں تھی دکھایا گیا کہ آپ نے ایک لباس فاخرہ پہنا ہوا ہے اور چہرہ چمک رہا ہے پھر وہ کشفی حالت وحی الٰہی کیطرف منتقل ہوگئی اور خدا تعالیٰ کا کلام اس طرح پر نازل ہوا یبدی لک الرحمٰن شیئًا اتی امر اللّٰہ فلا تستعجلوہ بشارۃ تلقاھا النبیون ترجمہ خدا جو رحمٰن ہے تیری سچائی ظاہر کرنے کے لئے کچھ ظہور میں لائیگا خدا کا امر آرہا ہے تم جلدی نہ کرو یہ ایک خوشخبری ہے جو نبیوں کو دیجاتی ہے -

اس سے پہلے ۲۵ دسمبر ۱۹۰۲ء کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اور وحی ہوئی تھی جو آپ کی طرف سے حکایت تھی - انی صادق صادق و سیشھد اللّٰہ لی ترجمہ میں صادق ہوں صادق ہوں عنقریب خدا میری گواہی دیگا یہ پیشگوئیاں بآواز بلند پکار رہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کیطرف سے کوئی تائیدی امر ظاہر ہونیوالا ہے جس سے مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی ظاہر ہوگی اور ایک وجاہت اور قبولیت ظہور میں آئیگی اور وہ خدا تعالیٰ کا نشان ہوگا تا دشمنوں کو شرمندہ کرے اور مسیح موعود کی عزت اور وجاہت اور سچائی کی نشانیاں دنیا میں پھیلا دے -

۲ - جنوری ۱۹۰۳ء کی رات کو الہام ہوا جاء نی ائل واختار وادار اصبعہ واشار یعصمک اللّٰہ من العدا ویسطوا بکل من سطا آئیل جبرئیل ہے فرشتہ بشارت دینے والا -

ریویو آف ریلیجنز

یہ عجیب و غریب ماہواری مذہبی رسالہ قادیان ضلع گورداسپور سے ہر مہینہ کی بیس تاریخ کو نکلتا ہے اسکے مضامین جو تمام مذاہب باطلہ کی تردید اور حصول حقہ اسلام کی تائید میں ہوتے ہیں عموماً حضرت اقدس **میرزا غلام احمد** صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود کی قلم سے نکلتے ہیں۔ عیسائیوں آریوں برہموؤں فلسفیوں وغیرہ کے ہر ایک اعتراض کا جو وہ مذہب اسلام پر کرتے ہیں جواب دیتا ہے۔ اس رسالہ کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ زبان انگریزی میں دنیا کے سامنے انگلستان امریکہ وغیرہ میں جاتا ہے اور اس لئے اسکے مضامین مخصوصاً اس قسم کے ہوتے ہیں جنسے اسلام کا چمکتا ہوا چہرہ نظر آئے اور اس کا رعب لوگوں پر قایم ہو۔ اور اُسکے متعلق ہر ایک قسم کے شکوک و شبہات دور کئے جاویں۔

قیمت انگریزی رسالہ للعه سالانہ مع محصولڈاک نمونہ کا پرچہ ۶ر

اردو رسالہ معمولی کاغذ عا " ۳ر

ولایتی کاغذ سے " ۴ر

علی الترتیب ملتا ہے۔ بغیر وصولی قیمت کے رسالہ کسی صاحب کے نام جاری نہیں ہو سکتا جو صاحب منی آرڈر کے ذریعہ قیمت ارسال نہ فرماویں ان کو چاہئے کہ اپنی درخواست کے ساتھ اجازت بھیجدیں کہ پہلا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جاوے ۔

یہ رسالہ تجارتی اشتہارات کے لئے بھی کھلا ہے بشرطیکہ وہ ہر ایک قسم کے فحش سے اور مبالغہ سے پاک ہوں۔ اجرت اشتہارات کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

	پورا صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
سالانہ	عیسه	مدعیه	عه
ششماہی	مدعه	عه	سے ر
سہ ماہی	عه	سے ر	للعه ر
فی سطر ۴ر			

نوٹ۔ یہ رسالہ اخبار الحکم (جو مہینے میں چار بار قادیان سے نکلتا ہے) سے ایک بالکل الگ اور نرالی طرز کا رسالہ ہے جس میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلم سے نکلے ہوئے مضامین ہوتے ہیں اور اخبار میں عموماً حضرت اقدس کی تقریریں مولوی عبد الکریم صاحب کے خطبے اور حکیم الامۃ کے وعظ دار الامان کی خبریں اور متفرق مضامین ہوتے ہیں۔

اعلان

تمام صاحبان جنکے نام قادیاں میں کسی قسم کا روپیہ آتا ہے فرستندگان کی خدمت میں
درخواست کرتے ہیں کہ منی آرڈر کے کوپن سے پورا فائدہ حاصل کیا کریں یعنی
اپنا پورا پتہ خوشخط و تعداد مبلغ و تفصیل کہ کس مد کا روپیہ ہے کوپن پر دیا کریں -

تمام صاحبان جو میگزین کے خریدار ہیں انکو ضروری ہے کہ خط و کتابت میں اور
ترسیل زر کے وقت نام کے ساتھ اپنا نمبر بھی دیا کریں -

محمد علی - مینیجر رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان ضلع گورداسپورہ

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۰۳ء نمبر ۲

فہرست مضامین

انجمن اشاعت اسلام قادیان نے انوار احمدیہ پریس قادیان دار الامان میں باہتمام شیخ یعقوب علی احمدی مالک مطبع چھپوا کر ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن کی حقانیت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک دلیل

قرآن شریف نے بہت زور شور سے اس دعویٰ کو پیش کیا ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے اور حضرت سیدنا و مولینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسکے سچے نبی اور رسول ہیں جنپر وہ پاک کلام اُترا ہے۔ چنانچہ یہ دعوے آیات مندرجہ ذیل میں بخوبی مصرح و مندرج ہے۔

(آل عمران ۱ و ۲) الٓمٓ - اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ یعنی وہی اللہ ہے اُسکا کوئی ثانی نہیں اُسی سے ہر ایک کی زندگی اور بقا ہے اُسنے حق اور ضرورت حقّہ کے ساتھ تیرے پر کتاب اُتاری اور پھر فرمایا یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ (الجزو ۵ سورۃ النسا) یعنی اے لوگو حق اور ضرورت حقّہ کیساتھ تمہارے پاس یہ نبی آیا۔ اور پھر فرمایا بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰہُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ (الجزو ۱۵) یعنے ضرورت حقّہ کے ساتھ ہمنے اس کلام کو اُتارا ہے اور ضرورت حقّہ کے ساتھ اُترا ہے۔ اور پھر فرمایا یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (الجزو ۶ سورۃ النسا) لوگو تمہارے پاس یہ یقینی برہان پہنچی ہے اور ایک کھلا نور تمہاری طرف ہمنے اُتارا ہے۔ اور پھر فرمایا قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الجزو ۹) یعنی لوگوں کو کہدے کہ مَیں تم سب کی طرف پیغمبر ہو کر آیا ہوں۔ اور پھر فرمایا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ کَفَّرَ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَاَصْلَحَ بَالَھُمْ (الجزو ۲۶) یعنے جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور وُہی حق ہے خدا اُنکے گناہ دور کریگا اور اُنکے حال چال کو درست کر دیگا۔

ایسا ہی صدہا آیات اور ہیں جنمیں نہایت - صفائی سے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم خُدا کا کلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اسکے سچے نبی ہیں۔ لیکن ہم بالفعل اسی قدر

لکھنا مناسب و کافی دیکھتے ہیں مگر ساتھ ہی اپنے مخالفوں کو یاد دلاتے ہیں کہ جس شد و مد سے قرآن شریف میں یہ دعوٰی موجود ہے کسی اور کتاب میں ہرگز موجود نہیں۔ ہم نہایت مشتاق ہیں اگر آریہ اپنے ویدوں میں اتنا ہی ثابت کر دیں کہ انکے ہر چہار ویدوں نے کلام الٰہی ہونیکا دعوٰی کیا اور بتصریح بتلایا کہ فلاں فلاں شخص پر فلاں فلاں زمانہ میں وہ اُترے ہیں کتاب اللہ کے ثبوت کیلئے پہلا ضروری امر یہی ہے کہ وہ کتاب اپنے منجانب اللہ ہونیکی مُدعی بھی ہو کیونکہ جو کتاب اپنے منجانب اللہ ہونیکی طرف آپ کوئی اشارہ نہیں کرتی اُسکو خداوند تعالٰی کیطرف منسوب کرنا ایک مداخلت بیجا ہے۔

اب **دُوسرا** امر قابل تذکرہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنے منجانب اللہ ہونے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں صرف دعوٰی ہی نہیں کیا بلکہ اس دعوے کو نہایت **مضبوط** اور **قوی دلیلوں** کیساتھ ثابت بھی کر دیا ہے اور ہم انشاء اللہ تعالٰے سلسلہ وار اُن تمام دلائل کو لکھیں گے۔ اور انمیں سے پہلی دلیل ہم اسی مضمون میں تحریر کرتے ہیں تا حق کے طالب اوّل اسی دلیل میں دوسری کتابوں کا قرآن کیساتھ مقابلہ کریں اور نیز ہم ہر ایک مخالف کو بھی بُلاتے ہیں کہ اگر یہ طریق ثبوت جسکا ایک کتاب میں پایا جانا اُسکی سچائی پر بدیہی دلیل ہے انکی کتابوں اور نبیوں کی نسبت بھی پایا جاتا ہے تو وہ ضرور اپنے اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے پیش کریں ورنہ اُنکو اقرار کرنا پڑیگا کہ انکی کتابیں اس اعلیٰ درجہ کے ثبوت سے عاری اور بے نصیب ہیں اور ہم نہایت لقین اور وثوق سے کہتے ہیں کہ یہ طریق ثبوت اُنکے مذہب میں ہرگز نہیں پایا جاتا پس اگر ہم غلطی پر ہیں تو ہماری غلطی ثابت کریں اور وہ پہلی دلیل جو قرآن شریف نے اپنے منجانب اللہ ہونے پر پیش کی ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ عقل سلیم ایک سچی کتاب اور ایک **سچے** اور **منجانب اللہ** رسُول کے ماننے کیلئے اس بات کو نہایت بزرگ دلیل ٹھہراتی ہے کہ انکا ظہور ایک ایسے وقت میں ہو جبکہ زمانہ تاریکی میں پڑا ہو اور لوگوں نے توحید کی جگہ شرک اور پاکیزگی کی جگہ فسق اور انصاف کی جگہ ظلم اور علم کی جگہ جہل اختیار کر لیا ہو اور **ایک مصلح** کی اشد ضرورت ہو اور پھر ایسے وقت میں وہ رسُول دُنیا سے رخصت ہو جبکہ وہ اصلاح کا کام عمدہ طور سے کر چکا ہو اور جبتک اُس نے اصلاح نہ کی ہو دشمنوں سے محفوظ رکھا گیا ہو اور تو کروں کیطرح حکم سے آیا ہو اور حکم سے واپس گیا ہو۔ غرضیکہ وہ ایسے وقت میں ظاہر ہو جبکہ وہ وقت بزبان حال پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ ایک آسمانی مصلح اور کتاب کا آنا ضروری ہے اور ایسے وقت میں الہامی پیشگوئی کے ذریعہ سے واپس بُلایا جاوے کہ جب اصلاح کے پودہ کو مُستحکم کر چکا ہو اور ایک **عظیم الشّان** انقلاب ظہور میں آچکا ہو اب ہم اس بات کو بڑے فخر کے ساتھ

بیان کرتے ہیں کہ یہ دلیل جسطرح قرآن اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہایت روشن چہرہ کیساتھ جلوہ نما ہوئی ہے کسی اور نبی اور کتاب کے حق میں ہرگز ظاہر نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ دعوےٰ تھا کہ میں تمام قوموں کیلئے آیا ہوں سو قرآن شریف نے تمام قوموں کو ملزم کیا ہے کہ وہ طرح طرح کے شرک فسق اور فجور میں مبتلا ہیں جیساکہ وہ فرماتا ہے ظھر الفساد فی البرّ والبحر یعنے دریا بھی بگڑ گئے اور جنگل بھی بگڑ گئے۔ اور فرماتا ہے لتکون للعٰلمین نذیرًا یعنی ہمنے تجھے بھیجا تاکہ دُنیا کی تمام قوموں کو ڈراوے یعنے اُنکو تنبیہ کرے کہ وہ خُدا تعالیٰ کے حضور میں اپنی بدکاریوں و بدعقیدوں کیوجہ سے سخت گنہگار ٹھہرے ہیں۔

یاد رہے کہ جو اس آیت میں نذیر کا لفظ دُنیا کے تمام فرقوں کے مقابل پر استعمال کیا گیا ہے جس کے معنے گنہگاروں اور بدکاروں کو ڈرانا ہے اسی لفظ سے یقینی سمجھا جاتا ہے کہ قرآن کا یہ دعوےٰ تھا کہ تمام دُنیا بگڑ گئی اور ہر ایک نے سچائی اور نیکبختی کا طریق چھوڑ دیا کیونکہ انذار کا محل فاسق اور مشرک اور بدکار ہی ہیں اور انذار اور ڈرانا مجرموں کی ہی تنبیہ کیلئے ہوتا ہے نہ نیکبختوں کیلئے۔ اس بات کو ہر ایک جانتا ہے کہ ہمیشہ سرکشوں اور بے ایمانوں کو ہی ڈرایا جاتا ہے اور سُنت اللہ اسی طرح پر ہے کہ نبی نیکوں کے لئے بشیر ہوتے ہیں اور بدوں کیلئے نذیر۔ پھر جبکہ ایک نبی تمام دُنیا کے لئے نذیر ہوا تو ماننا پڑا کہ تمام دنیا کو نبی کی وحی نے بداعمالیوں میں مبتلا قرار دیا ہے اور یہ ایک دعویٰ ہے کہ نہ توریت نے موسیٰ کی نسبت کیا اور نہ انجیل نے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی نسبت بلکہ صرف قرآن شریف نے کیا اور پھر فرمایا کنتم علٰی شفا حفرۃ من النّار یعنے تم اس نبی کے آنے سے پہلے دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر پہنچ چکے تھے اور عیسائیوں اور یہودیوں کو بھی متنبہ کیا کہ تم نے اپنے دجل سے خُدا کی کتابوں کو بدل دیا اور تم ہر ایک شرارت اور بدکاری میں تمام قوموں کے پیشرو ہو اور بُت پرستوں کو جا بجا ملزم کیا کہ تم پتھروں اور انسانوں اور ستاروں اور عناصر کی پرستش کرتے ہو اور خالق حقیقی کو بھول گئے ہو اور تم یتیموں کا مال کھاتے اور بچوں کو قتل کرتے اور شرکاء پر ظلم کرتے ہو اور ہر ایک بات میں حد اعتدال سے گذر گئے ہو اور فرمایا اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا یعنے یہ بات تمہیں معلوم رہے کہ زمین سب کی سب مر گئی تھی اب اسکو خُدا نئے سرے زندہ کرتا ہے غرض تمام دُنیا کو قرآن نے شرک اور فسق اور بُت پرستی کے الزام سے ملزم کیا جو اُم الخبائث ہیں اور عیسائیوں اور یہودیوں کو دُنیا کی تمام بدکاریوں کی جڑھ ٹھہرایا۔ اور ہر ایک قسم کی بدکاریاں انکی بیان کردیں اور ایک ایسا نقشہ کھینچکر زمانہ موجودہ کا امتحان دکھلا دیا کہ جب سے دُنیا کی بنا پڑی ہے بجز نوح کے زمانہ کے اور کوئی زمانہ اس زمانہ سے مشابہ نظر نہیں آتا

اور ہمنے اِسجگہ جس قدر آیات لکھ دی ہیں وہ اتمام حجت کیلئے اول درجہ پر کام دیتی ہیں۔ لہذا ہم نے طول کے خوف سے تمام آیات کو نہیں لکھا۔ ناظرین کو چاہئے کہ قرآن شریف کو غور سے پڑھیں تا انہیں معلوم ہو کہ کس شدومد سے اور کسقدر مؤثر کلام سے جابجا قرآن شریف بیان کر رہا ہے کہ تمام دُنیا بگڑ گئی۔ تمام دُنیا مر گئی۔ اور لوگ دوزخ کے گڑھے کے قریب پہنچگئے اور کیسے بار بار کہتا ہے کہ تمام کو ڈرا کہ وہ خطرناک حالت میں پڑے ہیں۔ یقیناً قرآن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرک اور فسق اور بت پرستی اور طرح طرح کے گناہوں میں پڑ گئے اور بدکاریوں کے عمیق کوئیں میں ڈوب گئے ہیں۔ یہ بات سچ ہے کہ انجیل میں بھی کسیقدر یہودیوں کی بدچلنیوں کا ذکر ہے۔ لیکن مسیحؑ نے کہیں یہ ذکر تو نہیں کیا کہ جس قدر دُنیا کے صفحہ میں لوگ موجود ہیں جنکو عالمین کے نام سے نامزد کر سکتے ہیں وہ سب بگڑ گئے اور مر گئے اور دُنیا شرک اور بدکاریوں سے بھر گئی اور نہ رسالت کا عام دعوٰی کیا۔ پس ظاہر ہے کہ یہودی ایک تھوڑی سی قوم تھی جو مسیح کی مخاطب تھی بلکہ وہی تھے جو مسیح کی نظر کے سامنے تھے اور چند دیہات کے آدمی تھے لیکن قرآن کریم نے تو تمام زمین کے مر جانیکا ذکر کیا ہے اور تمام قوموں کی بُری حالت کو وہ بتلاتا ہے اور صاف بتلاتا ہے کہ زمین ہر قسم کے گناہ سے مر گئی۔ یہودی تو نبیوں کی اولاد تھے اور توریت کو اپنے اقرار سے مانتے تھے گو عمل سے قاصر تھے لیکن قرآن کے زمانہ میں علاوہ فسق اور فجور کے عقائد میں بھی فتور ہو گیا تھا۔ ہزارہا لوگ دھریہ تھے۔ ہزارہا وحی اور الہام سے منکر تھے اور ہر قسم کی بدکاریاں زمین پر پھیلگئی تھیں اور دُنیا میں اعتقادی اور عملی خرابیوں کا ایک طوفان برپا تھا۔ ماسوائے اسکے مسیح نے اپنی چھوٹی سی قوم یہودیوں کی بدچلنی کا کچھ ذکر تو کیا جس سے البتہ یہ خیال پیدا ہوا کہ اُسوقت یہود کی ایک خاص قوم کو ایک مصلح کی ضرورت تھی مگر جس دلیل کو ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونیکے بارے میں بیان کرتے ہیں یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فساد عام کے وقت میں آنا اور کامل اصلاح کے بعد واپس بُلائے جانا اور ان دونوں پہلوؤں کا قرآن شریف کا آپ پیش کرنا اور آپ دُنیا کو اسکی طرف توجہ دلانا یہ ایک ایسا امر ہے کہ انجیل تو کیا بجز قرآن شریف کسی کتاب میں بھی نہیں پایا جاتا۔ قرآن شریف نے آپ یہ دلائل پیش کئے ہیں اور آپ فرما دیا ہے کہ اسکی سچائی ان دو پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتی ہے یعنی ایک تو وہی جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایسے زمانہ میں ظہور فرمایا جبکہ زمانہ میں عام طور پر طرح طرح کی بدکاریاں اور بداعتقادیاں پھیلگئی تھیں اور دُنیا حق اور حقیقت اور توحید اور پاکیزگی سے بہت دُور جا پڑی تھی اور قرآن شریف کے اس قول کی اُسوقت

تصدیق ہوتی ہے جبکہ ہرایک قوم کی تاریخ اس زمانہ کے متعلق پڑھی جائے کیونکہ ہرایک قوم کے اقرار سے یہ شہادت پیدا ہوتی ہے کہ درحقیقت وہ ایسا پُرظلمت زمانہ تھا کہ ہرایک قوم مخلوق پرستی کیطرف جھک گئی تھی اور یہی وجہ ہے کہ جب قرآن نے تمام قوموں کو گمراہ اور بدکار قرار دیا تو کوئی اپنا بری ہونا ثابت کرسکا۔ دیکھو اللہ تعالٰے کیسے زور سے اہل کتاب کی بدیوں اور تمام دُنیا کے مرجانیکا ذکر کرتا ہے اور فرماتا ہے ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتٰب من قبل فطال علیہم الامد فقست قلوبہم و کثیر منہم فاسقونؕ اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتہا قد بیّنا لکم الاٰیات لعلکم تعقلون (سورہ الحدید جزو ۲۷ رکوع ۱۷) یعنے مومنوں کو چاہئے کہ اہل کتاب کے چال وچلن سے پرہیز کریں۔ اِنکو اس سے پہلے کتاب دیگئی تھی پس اُنپر ایک زمانہ گذر گیا سو اُن کے دل سخت ہوگئے۔ اور اکثر اُنہیں سے فاسق اور بدکار ہی ہیں۔ یہ بات بھی جانو کہ زمین مرگئی تھی اور اب خدا نئے سرے سے زمین کو زندہ کر رہا ہے یہ **قرآن کی ضرورت اور سچائی کے نشان ہیں** جو اسی لئے بیان کئے گئے تاکہ تم نشانوں کو دریافت کرلو۔

اب سوچکر دیکھو کہ یہ دلیل جو تمہارے سامنے پیش کیگئی ہے یہ اپنے ذہن سے ایجاد نہیں کی بلکہ قرآن شریف آپ ہی اسکو پیش کرتا ہے اور دلیل کے دونوں حصّے بیان کرکے پھر آپ ہی فرماتا ہے قد بیّنا لکم الاٰیات لعلکم تعقلون یعنے اِس رسُول اور اس کتاب کے منجانب اللہ ہونے پر یہ بھی ایک نشان ہے جسکو ہمنے بیان کردیا تاکہ تم سوچو اور حقیقت تک پُہنچ جاؤ۔

دُوسرا پہلو اس دلیل کا یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے وقت میں دُنیا سے اپنے مولیٰ کی طرف بُلائے گئے جبکہ وُہ اپنے کام کو پُورے طور پر انجام دے چکے اور یہ امر قرآن شریف سے بخوبی ثابت ہے کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً یعنے آج میں نے قرآن شریف کے اُتارنے اور تکمیل نفوس سے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کردیا اور اپنی نعمت تمپر پُوری کردی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کرلیا۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید جسقدر نازل ہونا تھا نازل ہوچکا اور مستعد دلوں میں نہایت عجیب اور حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا کرچکا اور تربیت کو کمال تک پہنچا دیا اور اپنی نعمت کو اُنپر پُورا کردیا۔ اور یہی دو رکن ضروری ہیں جو ایک نبی کے آنے کی علت غائی ہوتی ہے اب دیکھو یہ آیت

کس زور شور سے بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہرگز اس دنیا سے کوچ نہ کیا جبتک کہ دین اسلام کو تنزیل قرآن اور تکمیل نفوس سے کامل نہ کیا گیا*- اور یہی ایک خاص علامت منجانب اللہ ہونیکی ہے جو کاذب کو ہرگز نہیں دیجاتی بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی صادق نبی نے بھی اس اعلےٰ شان کے کمال کا نمونہ نہیں دکھلایا کہ ایکطرف کتاب اللہ بھی آرام اور امن کیساتھ پوری ہو جائے اور دوسری طرف تکمیل نفوس بھی ہو اور باایں ہمہ کفر کو ہر ایک پہلو سے شکست اور اسلام کو ہر ایک پہلو سے فتح ہو- اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے کہ† اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَأَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا یعنے جبکہ آنیوالی مدد اور فتح آگئی جسکا وعدہ دیا گیا تھا اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہوتے جاتے ہیں پس خدا کی حمد اور تسبیح کر یعنے یہ کہو کہ جو ہوا وہ مجھ سے نہیں بلکہ اُسکے فضل اور کرم اور تائید سے ہے اور الوداعی استغفار کر کیونکہ وہ رحمت کے ساتھ بہت ہی رجوع کرنیوالا ہے- استغفار کی تعلیم جو نبیوں کو دیجاتی ہے اُسکو عام لوگوں کے گناہ میں داخل کرنا عین حماقت ہے بلکہ دوسرے لفظوں میں اپنی نیستی اور تذلل اور کمزوری کا اقرار اور مدد طلب کرنیکا متواضعانہ طریق ہے- چونکہ اس صورت میں فرمایا گیا ہے کہ جس کام کیلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے وہ پورا ہو گیا یعنی یہ کہ ہزارہا لوگوں نے دین اسلام قبول کر لیا- اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ ہے چنانچہ اسکے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک برس کے اندر فوت ہو گئے۔

---

* **حاشیہ**- خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں صحابہ کو مخاطب کیا کہ میں نے تمہارے دین کو کامل کیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کی اور آیت کو اسطور سے نہ فرمایا کہ اے نبی آج میں نے قرآن کو کامل کر دیا اسمیں حکمت یہ ہے کہ تا ظاہر ہو کہ صرف قرآن شریف کی تکمیل نہیں ہوئی بلکہ اُنکی تکمیل ہو گئی کہ جنکو قرآن پہنچایا گیا اور رسالت کی علت غائی کمال تک پہنچ گئی- منہ

† **حاشیہ**- اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں نہایت درجہ کا یہ جوش تھا کہ میں اپنی زندگی میں اسلام کا زمین پر پھیلنا دیکھ لوں اور یہ بات بہت ہی گوارا تھی کہ حق کو زمین پر قائم کرنے سے پہلے سفر آخرت پیش آوے سو خدا تعالیٰ اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری دیتا ہے کہ دیکھ میں نے تیری مراد پوری کر دی اور کم و بیش اس مراد کا ہر ایک نبی کو خیال تھا مگر چونکہ اسدرجہ کا جوش نہیں تھا اسلئے نہ مسیح کو اور نہ موسیٰ کو یہ خوشخبری ملی بلکہ اُسی کو ملی جسکے حق میں قرآن میں فرمایا لعلّک باخع نفسک الّا یکونوا مؤمنین یعنی کیا تو اس غم سے ہلاک ہو جاویگا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے- منہ

پھر ہم اپنے پہلے مقصد کیطرف عود کر کے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ اور قرآن کریم کی حقانیت پر اس دلیل سے نہایت اعلیٰ و اجلیٰ ثبوت پیدا ہوتا ہے کہ آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے وقت میں دنیا میں بھیجے گئے کہ جب دُنیا زبان حال سے ایک عظیم الشان مصلح کو مانگ رہی تھی اور پھر نہ مرے اور نہ مارے گئے جبتک کہ راستی کو زمین پر قائم نہ کر دیا۔ جب نبوت کے ساتھ ظہور فرماہوئے تو آتے ہی اپنی ضرورت دُنیا پر ثابت کر دی۔ اور ہریک قوم کو اُنکے شرک اور ناراستی اور مفسدانہ حرکات کا ملزم کیا جیسا کہ قرآن کریم اس سے بھرا ہوا ہے مثلاً اسی آیت کو سوچکر دیکھو جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تبارک الذی نزّل الفرقان علی عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا۔ یعنے وہ بہت برکت والا ہے جس نے قرآن شریف کو اپنے بندے پر اس غرض سے اُتارا کہ تمام جہان کو ڈرانے والا ہو یعنی تا ان کی بدراہی اور بدعقیدگی پر انکو متنبہ کرے۔ پس یہ آیت بصراحت اس بات پر دلیل ہے کہ قرآن کا یہی دعوے ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں تشریف لائے تھے جبکہ تمام دُنیا اور تمام قومیں بگڑ چکی تھیں اور مخالف قوموں نے اس دعویٰ کو نہ صرف اپنی خاموشی سے بلکہ اپنے اقرار ول سے مان لیا ہے پس اس سے بداہت نتیجہ نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت ایسے وقت میں آئے تھے جس وقت میں ایک سچے اور کامل نبی کو آنا چاہئے۔ پھر جب ہم دوسرا پہلو دیکھتے ہیں کہ آنجناب صلعم کس وقت واپس بُلائے گئے تو قرآن صاف اور صریح طور پر ہمیں خبر دیتا ہے کہ ایسے وقت میں بُلانیکا حکم ہوا کہ جب اپنا کام پُورا کر چکے تھے یعنے اُسوقت کے بعد بُلائے گئے جبکہ یہ آیت نازل ہو چکی کہ مسلمانوں کے لئے تعلیم کا مجموعہ کامل ہو گیا اور جو کچھ ضروریات دین میں نازل ہونا تھا وہ سب نازل ہو چکا اور نہ صرف یہی بلکہ یہ خبر بھی دیگئی کہ خدا تعالیٰ کی تائیدیں بھی کمال کو پہنچ گئیں۔ اور جوق در جوق لوگ دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ آیتیں بھی نازل ہو گئیں کہ خدا تعالےٰ نے ایمان اور تقویٰ کو اُنکے دلوں میں لکھ دیا اور فسق و فجور سے اُنہیں بیزار کر دیا اور پاک اور نیک اخلاق سے وہ متصف ہو گئے اور ایک بھاری تبدیلی اُنکے اخلاق اور چلن اور روح میں واقع ہو گئی۔ تب ان تمام باتوں کے بعد سورۃ النصر نازل ہوئی جسکا ماحصل یہی ہے کہ نبوت کے تمام اغراض پُورے ہو گئے اور اسلام دلوں پر فتحیاب ہو گیا تب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر اعلان دیا کہ یہ سورۃ میری وفات کی طرف اشارت کرتی ہے بلکہ اسکے بعد حج کیا اور اسکا نام حجۃ الوداع رکھا اور ہزارہا لوگوں کی حاضری میں ایک اُونٹنی پر سوار ہو کر ایک لمبی تقریر کی اور کہا کہ سُنو! اے خُدا کے بندو! مجھے میرے رب کیطرف سے یہ حکم ملے تھے

کہ تا میں سب احکام تمہیں پہنچاؤں۔ پس کیا تم گواہی دیسکتے ہو کہ یہ سب باتیں میں نے تمہیں پہنچا دیں۔ تب ساری قوم نے بآواز بلند تصدیق کی کہ ہم تک یہ پیغام پہنچائے گئے۔ تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ آسمان کیطرف اشارہ کرکے کہا کہ اے خدا! اِن باتوں کا گواہ رہ۔ اور پھر فرمایا کہ تمام تبلیغ اِسلئے مکرّر کیگئی کہ شائد آئندہ سال میں تمہارے ساتھ نہیں ہونگا۔ اور پھر دوسری مرتبہ تم مجھے اس جگہ نہیں پاؤگے۔ تب مدینہ میں جاکر دوسرے سال میں فوت ہوگئے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیۡہِ وَبَارِکۡ وَسَلِّمۡ۔ درحقیقت یہ تمام اشارات قرآن شریف سے ہی مستنبط ہوتے ہیں جسکی تصدیق اسلام کی متفق علیہ تاریخ سے بتفصیل تمام ہوتی ہے۔

حضرت مسیح کا دس گمشدہ اسرائیلی قوموں کیطرف جانا

(انجیلی شہادتیں نمبر ۲)

گزشتہ نمبر میں اس عنوان کے نیچے انجیل کے مختلف حوالوں سے ہمنے یہ دکھایا تھا کہ مسیح کی رسالت صرف انہیں یہودیوں تک محدود نہیں تھی جو شام کے ملک میں رہتے تھے بلکہ وہ بنی اسرائیل کے تمام فرقوں کی طرف آئے تھے جنمیں سے اکثر انکی آمد سے بہت عرصہ پہلے مشرقی ممالک میں آباد ہوچکے تھے۔ نیز انجیل کی بناء پر ہمنے یہ بھی ثابت کیا تھا کہ مسیح کا سولی پر مرنا انجیلوں سے ثابت نہیں ہوتا اس نمبر میں ہم مزید شہادت اس امر کی کہ مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوا انجیل کے اوراق سے پیش کرینگے۔

مسیح کے صلیب پر چڑھائے جانیکا واقعہ جسطرح اناجیل میں مذکور ہے اس امر پر ایک بھاری دلیل ہے کہ واقعی وہ صلیب پر نہیں مرا۔ اور ابتدا سے ہی تمام سمجھدار لوگوں کے دل میں مسیح کی صلیب پر موت کے متعلق شبہات پیدا ہوتے رہے ہیں۔ کیونکہ جس طرح پر صلیب کا واقعہ اناجیل میں مذکور ہے اِس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ تاریخ کے اوراق میں جہانتک ممکن ہو تلاش کرو مگر یہ کہیں نہ پاؤگے کہ کوئی شخص تین گھنٹے میں صلیب پر مرگیا ہو۔ اسی مشکل کے پیش آنے پر ابتدائی زمانہ میں اس خیال کے پیرووں کو کہ مسیح صلیب پر مرچکا تھا یہ عذر بنانا پڑا

کہ در اصل اسقدر جلدی مرجانا بھی ایک معجزہ ہے۔ اور اگرچہ اس قدر جلدی صلیب پر کوئی انسان مر
سکتا تھا مگر وہ اپنے اختیار سے مرا اور یہ اسکا معجزہ تھا۔ گمراہی بھی عجیب شے ہے ایک غلطی کی تائید کیلئے
ایک دوسری غلطی بنانی پڑتی ہے مگر اصلیت کے پیش ہوتے پر اسکی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ مسیح
کا تین گھنٹہ صلیب پر رہ کر نہ مرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ بہت ساری مثالیں اس قسم کی موجود بلکہ مشہور
ہیں جنمیں ایک شخص اس سے بہت زیادہ عرصہ تک صلیب پر رکھ کر اُتارا گیا اور علاج سے آخر کار
اچھا ہو گیا۔

ناظرین کو اس دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ یہودیوں کی صلیب اس زمانہ کی پھانسی کیطرح
ہو گی جس سے نجات پانا قریبًا محال ہے۔ کیونکہ اُس زمانہ کی صلیب میں کوئی رسّا گلے میں نہیں ڈالا
جاتا تھا اور نہ تختہ پر سے گرا کر لٹکایا جاتا تھا بلکہ صرف صلیب پر کھینچکر ہاتھوں اور پیروں میں کیل
ٹھونکے جاتے تھے اور یہ بات ممکن ہوتی تھی کہ اگر صلیب پر کھینچنے اور کیل ٹھونکنے کے بعد ایک دو دن تک
کسی کی جان بخشی کا ارادہ ہو تو اُسیقدر عذاب پر کفایت کرکے ہڈیاں توڑنے سے پہلے اُسکو زندہ اُتار لیا
جائے۔ اور اگر مارنا ہی منظور ہوتا تھا تو کم سے کم تین دن تک صلیب پر کھنچا ہوا رہنے دیتے تھے اور
پانی اور روٹی نزدیک نہ آنے دیتے تھے اور اسی طرح دھوپ میں تین دن یا اس سے زیادہ چھوڑ دیتے
تھے اور پھر اسکے بعد اسکی ہڈیاں توڑتے تھے اور پھر آخر ان تمام عذابوں کے بعد وہ مرجاتا تھا لیکن خدا
تعالیٰ کے فضل و کرم نے حضرت مسیح کو اس درجہ کے عذاب سے بچا لیا جس سے زندگی کا خاتمہ ہو جاتا
انجیلوں کو ذرا غور کی نظر سے پڑھنے سے آپکو معلوم ہو گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نہ تین دن تک صلیب پر
رہے اور نہ تین دن کی بھوک اور پیاس اُٹھائی اور نہ انکی ہڈیاں توڑی گئیں بلکہ قریبًا دو گھنٹہ صلیب پر
رہے اور خدا کے رحم اور فضل نے انکے لئے یہ تقریب قائم کر دی کہ دن کے اخیر حصہ میں صلیب دینے کی
تجویز ہوئی اور وہ جمعہ کا دن تھا اور صرف تھوڑا سا دن باقی تھا اور اگلے دن سبت اور یہودیوں
کی عید فسح تھی اور یہودیوں کیلئے یہ حرام اور قابل سزا جرم تھا کہ کسی کو سبت یا سبت کی رات میں
صلیب پر رہنے دیں اور مسلمانوں کیطرح یہودی بھی قمری حساب رکھتے تھے اور رات دن پر مقدم سمجھی
جاتی تھی پس ایکطرف تو یہ تقریب تھی کہ جو زمینی اسباب سے پیدا ہوئی۔ اور دوسری طرف آسمانی اسباب خدا
تعالیٰ کیطرف سے یہ پیدا ہوئے کہ جب چھٹا گھنٹہ ہوا تو ایک ایسی آندھی آئی کہ جس سے ساری زمین پر
اندھیرا چھا گیا اور وہ اندھیرا تین گھنٹے برابر رہا۔ دیکھو مرقس باب ۱۶ آیت ۳۳۔ یہ چھٹا گھنٹہ بارہ بجے کے بعد تھا۔

یعنے وہ وقت جو شام کے قریب ہوتا ہے - اب یہودیوں کو اس شدت اندھیرے میں یہ فکر پڑی کہ مُبادا سبت کی رات آجائے اور وہ سبت کے مجرم ہو کر تاوان کے لائق ٹھہریں - اسلئے انہوں نے جلدی سے مسیح کو اور اُسکے ساتھ کے دو چوروں کو بھی صلیب پر سے اُتار لیا -

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو انجیل سے ہمیں مسیح ابن مریم کی صلیبی موت سے محفوظ رہنے پر ملتی ہیں اسکا وہ سفر دُور دراز ہے جو قبر سے نکل کر جلیل کیطرف اُسنے کیا - چُنانچہ اتوار کی صبح کو پہلے وہ مریم مگدلینی سے مِلا - مریم نے فی الفور حواریوں کو خبر کی کہ مسیحؑ تو جیتا ہے لیکن وہ یقین نہ لائے پھر وہ حواریوں میں سے دو کو جبکہ وہ دیہات کیطرف جاتے تھے دِکھائی دیا - آخر وہ گیارھوں کو جبکہ وہ کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا اور اُنکی بے ایمانی اور سخت دلی پر ملامت کی - دیکھو انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۹ سے آیت ۱۴ تک - اور جب مسیح کے حواری سفر کرتے ہوئے اُس بستی کی طرف جا رہے تھے جسکا نام املوس ہے جو یروشلم سے پونے چار کوس کے فاصلے پر ہے تب مسیح اُن کو مِلا - اور جب وہ اس بستی کے نزدیک پُہنچے تو مسیح نے آگے بڑھ کر چاہا کہ اُنسے الگ ہو جائے - تب اُنہوں نے اُسکو جانے سے روک لیا کہ آج رات ہم اکٹھے رہینگے اور اُس نے اُنکے ساتھ بیٹھ کر روٹی کھائی اور وہ سب مع مسیح کے املوس نام کے ایک گاؤں میں رات رہے - دیکھو لوقا باب ۲۴ آیت ۱۳ سے ۳۱ تک - اب ظاہر ہے کہ ایک جلالی جسم کے ساتھ جو موت کے بعد خیال کیا گیا ہے مسیحؑ سے فانی جسم کے عادات صادر ہونا اور کھانا اور پینا اور سونا اور جلیل کی طرف ایک لمبا سفر کرنا جو یروشلم سے قریبًا ۷ کوس کے فاصلے پر تھا بالکل غیر ممکن اور نامعقول بات ہے - اور باوجود اِسکے کہ خیالات کے میلان کی وجہ سے انجیلوں کے اِن قصّوں میں بہت کچھ تغیر ہو گیا ہے تاہم جسقدر الفاظ پائے جاتے ہیں اُنسے صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح اُسی فانی اور معمولی جسم سے اپنے حواریوں کو مِلا اور پیادہ پا جلیل کیطرف ایک لمبا سفر کیا اور حواریوں کو اپنے زخم دِکھلائے اور رات اُنکے پاس روٹی کھائی اور سویا - اور آگے چلکر ہم ثابت کرینگے کہ اُسنے اپنے زخموں کا ایک مرہم کے استعمال سے علاج کیا -

اب یہ مقام ایک سوچنے کا مقام ہے کہ کیا ایک جلالی اور ابدی جسم پانیکے بعد یعنے اُس غیر فانی جسم کے بعد جو اس لائق تھا کہ کھانے پینے سے پاک ہو کر ہمیشہ خدا تعالےٰ کے دائیں ہاتھ بیٹھے اور ہر ایک داغ اور درد اور نقصان سے مُنزّہ ہو اور ازلی ابدی خُدا کے جلال کا اپنے اندر رنگ رکھتا ہو ابھی اِسمیں یہ نقص باقی رہگیا کہ اُسپر صلیب اور کیلوں کے تازہ زخم موجود تھے

جنسے خون بہتا تھا اور درد اور تکلیف اُسکے ساتھ تھی جنکے واسطے ایک مرہم بھی طیار کیگئی تھی اور جلالی اور غیر فانی جسم کے بعد بھی جو ابد تک سلامت اور بے عیب اور کامل اور غیر متغیر چاہئے تھا کئی قسم کے نقصانوں سے بھرا رہا اور خود مسیح نے حواریوں کو اپنا گوشت اور ہڈیاں کھلائیں اور پھر اسی پر کفایت نہیں بلکہ اس فانی جسم کے لوازم میں سے بھوک اور پیاس کی درد بھی موجود تھی ورنہ اس لغو حرکت کی کیا ضرورت تھی کہ مسیح جلیل کے سفر میں کھانا کھاتا اور پانی پیتا اور آرام کرتا اور سوتا۔ اسمیں کیا شک ہے کہ اس عالم میں جسم فانی کے لئے بھوک اور پیاس بھی ایک درد ہے جسکے حد سے زیادہ ہونے سے انسان مرسکتا ہے۔ پس بلاشبہ یہ بات سچ ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا اور نہ کوئی نیا جلالی جسم پایا بلکہ ایک غشی کی حالت ہوگئی تھی جو مرنے سے مشابہ تھی۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ اتفاق ہؤا کہ جس قبر میں وہ رکھا گیا وہ اس ملک کی قبروں کیطرح نہ تھی بلکہ ایک ہوادار کوٹھا تھا جسمیں ایک کھڑکی تھی اور اس زمانہ میں یہودیوں میں رسم تھی کہ قبر کو ایک ہوادار کشادہ کوٹھا کیطرح بناتے تھے اور اسمیں ایک کھڑکی رکھتے تھے اور ایسی قبریں پہلے سے موجود رہتی تھیں اور پھر وقت پر میت اسمیں رکھی جاتی تھی۔ چنانچہ یہ گواہی انجیلوں سے صاف طور پر ملتی ہے۔ انجیل لوقا میں یہ عبارت ہے " اور وے یعنے عورتیں اتوار کے دن بڑے تڑکے یعنے کچھ اندھیرے سے ہی اُن خوشبوؤں کو جو طیار کی تھیں لیکر قبر پر آئیں اور انکے ساتھ کئی اور بھی عورتیں تھیں۔ اور انہوں نے پتھر کو قبر پر سے ڈھلکا ہؤا پایا۔ (اس مقام میں فکر اغور کرو) اور اندر جا کے خداوند یسوع کی لاش نہ پائی " دیکھو لوقا باب ۲۴ آیت ۲ و ۳۔ اب اندر جانے کے لفظ کو ذرا سوچو۔ ظاہر ہے کہ اُسی قبر کے اندر انسان جا سکتا ہے کہ جو ایک کوٹھے کی طرح ہو اور اسمیں کھڑکی ہو۔

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو انجیل سے ہمکو ملی ہیں پلاطس کا وہ قول ہے جو انجیل مرقس میں لکھا ہے اور وہ یہ ہے " اور جبکہ شام ہوئی اسلئے کہ تیاری کا دن تھا جو سبت سے پہلے ہوتا۔ یوسف ارمتیا جو نامور مشیر اور وہ خود خدا کی بادشاہت کا منتظر تھا آیا اور دلیری سے پلاطس پاس جا کے یسوع کی لاش مانگی اور پلاطس نے متعجب ہو کر شبہ کیا کہ وہ یعنے مسیح ایسا جلد مرگیا " دیکھو مرقس باب ۱۵ آیت ۴۲ سے ۴۴ تک۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ عین صلیب کی گھڑی میں ہی یسوع کے مرنے پر شبہ ہؤا۔ اور شبہ بھی ایسے شخص نے کیا جسکو

اِس بات کا تجربہ تھا کہ اِس قدر مُدت میں صلیب پر جان نکلتی ہے۔

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو انجیل سے ہمکو ملی ہیں انجیل کی وُہ عبارت ہے جو ذیل میں لکھتا ہوں " پھر یہودیوں نے اُس لحاظ سے کہ لاشیں سبت کے دِن صلیب پر نہ رہجائیں۔ کیونکہ وہ دِن طیاری کا تھا۔ بلکہ بڑا ہی سبت تھا پلاطوس سے عرض کی کہ اُنکی ٹانگیں توڑی اور لاشیں اُتاری جائیں۔ تب سپاہیوں نے آکر پہلے اور دُوسرے کی ٹانگیں جو اُسکے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے توڑیں لیکن جب اُنہوں نے یسُوع کی طرف آکے دیکھا کہ وُہ مرچکا ہے تو اسکی ٹانگیں نہ توڑیں۔ پر سپاہیوں میں سے ایک نے بھالے سے اسکی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے لہو اور پانی نکلا" دیکھو یوحنا باب ۱۹ آیت ۳۱ سے آیت ۳۴ تک۔ اِن آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت کسی مصلوب کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے یہ دستور تھا کہ جو صلیب پر کھینچا گیا ہو اُسکو کئی دِن صلیب پر رکھتے تھے اور پھر اُسکی ہڈیاں توڑتے تھے لیکن مسیح کی ہڈیاں دانستہ نہیں توڑی گئیں اور وہ ضرور صلیب پر سے ان دو چوروں کی طرح زندہ اُتارا گیا۔ اسی وجہ سے پسلی چھیدنے سے خون بھی نکلا۔ مُردہ کا خُون جم جاتا ہے۔ اور اس جگہ یہ بھی صریح معلوم ہوتا ہے کہ اندرُونی طور پر یہ کچھ سازش کی بات تھی۔ پلاطوس ایک خُداترس اور نیکدل آدمی تھا۔ کھُلی کھُلی رعایت سے قیصر سے ڈرتا تھا کیونکہ یہودی مسیح کو باغی ٹھہراتے تھے مگر وُہ خوش قسمت تھا کہ اُس نے مسیح کو دیکھا لیکن قیصر نے اِس نعمت کو نہ پایا اُسنے نہ صرف دیکھا بلکہ بہت رعایت کی اور اُسکا ہرگز منشاء نہ تھا کہ مسیح صلیب پاوے۔ چُنانچہ انجیلوں کے دیکھنے سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ پلاطوس نے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ مسیح کو چھوڑ دے لیکن یہودیوں نے کہا کہ اگر تو اِس مرد کو چھوڑ دیتا ہے تو تُو قیصر کا خیرخواہ نہیں اور یہ کہا کہ یہ باغی ہے اور خُود بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ دیکھو یوحنا باب ۱۹ آیت ۱۲۔ اور پلاطوس کی بیوی کی خواب اَور بھی اِس بات کی محرک ہوئی تھی کہ کسی طرح مسیح کو مصلوب ہونے سے بچایا جائے ورنہ اِن کی اپنی تباہی ہے۔ مگر چونکہ یہودی ایک شریر قوم تھی اور پلاطوس پر قیصر کے حضور میں مُخبری کرنے کو بھی طیار رہتے تھے اِسلئے پلاطوس نے مسیح کو چھوڑانے میں حکمت عملی سے کام لیا۔ اول تو مسیح کا مصلوب ہونا ایسے دِن پر ڈالدیا کہ وہ جمعہ کا دِن تھا اور صرف چند گھنٹے دِن سے باقی تھے اور بڑے سبت کی رات قریب تھی اور پلاطوس خوب جانتا تھا کہ یہودی اپنی شریعت کے حکموں کے موافق صرف شام کے وقت

تک ہی مسیح کو صلیب پر رکھ سکتے ہیں۔ اور پھر شام ہوتے ہی اِنکا سبت ہے جسمیں صلیب پر رکھنا روا نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور مسیح شام سے پہلے صلیب پر سے اُتارا گیا۔ اور یہ قریب قیاس نہیں کہ دونوں چور جو مسیح کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے وہ زندہ رہے۔ مگر مسیح صرف دو گھنٹہ تک مر گیا۔ بلکہ یہ صرف ایک بہانہ تھا جو مسیح کو ہڈیاں توڑنے سے بچانے کیلئے بنایا گیا تھا سمجھدار آدمی کے لئے یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ دونوں چور صلیب پر سے زندہ اُتارے گئے اور ہمیشہ معمول تھا کہ صلیب پر سے لوگ زندہ اُتارے جاتے تھے اور صرف اس حالت میں مرتے تھے کہ ہڈیاں توڑی جائیں اور یا بھوک اور پیاس کی حالت میں چند روز صلیب پر رہ کر جان نکلتی تھی۔ مگر ان باتوں میں سے کوئی بات بھی مسیح کو پیش نہ آئی نہ وہ کئی دن صلیب پر بھوکا پیاسا رکھا گیا اور نہ اسکی ہڈیاں توڑی گئیں اور یہ کہکر کہ مسیح مرچکا ہے یہودیوں کو اسکی طرف سے غافل کر دیا گیا۔ مگر چوروں کی ہڈیاں توڑ کر اُسی وقت اُن کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا۔ بات تو تب تھی کہ اُن دونو چوروں میں سے بھی کسی کی نسبت کہا جاتا کہ یہ مرچکا ہے اسکی ہڈیاں توڑنے کی ضرورت نہیں اور یوسف نام پلاطوس کا ایک معزز دوست تھا جو اس نواح کا رئیس تھا۔ اور مسیح کے پوشیدہ شاگردوں میں داخل تھا وہ عین وقت پر پہنچ گیا۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی پلاطوس کے اشارہ سے بُلایا گیا تھا مسیح کو ایک لاش قرار دیکر اُسکے سپرد کر دیا گیا کیونکہ وہ ایک بڑا آدمی تھا اور یہودی اسکے ساتھ کچھ پرخاش نہیں کر سکتے تھے۔ جب وہ پہنچا تو مسیح کو جو غشی میں تھا ایک لاش قرار دیکر اُسنے لیا اور اسی جگہ ایک وسیع مکان تھا جو اُس زمانہ کی رسم پر قبر کے طور پر بنایا گیا تھا اور اس میں ایک کھڑکی بھی تھی اور ایسے موقعہ پر تھا جو یہودیوں کے تعلق سے الگ تھا اسی جگہ پلاطوس کے اشارہ سے مسیح کو رکھا گیا۔ یہ واقع اس وقت پیش آیا جبکہ حضرت موسیٰؑ کی وفات پر چودھویں صدی گزر رہی تھی اور اسرائیلی شریعت کے زندہ کرنے کے لئے مسیح چودھویں صدی کا مجدد تھا۔ اور اگرچہ یہودیوں کو اِس چودھویں صدی میں مسیح موعود کا انتظار بھی تھا اور گزشتہ نبیوں کی پیشگوئیاں بھی اسوقت پر گواہی دیتی تھیں لیکن افسوس کہ یہودیوں کے نالائق مولویوں نے اسوقت اور موسم کو شناخت نہ کیا اور مسیح موعود کو جھوٹا قرار دیدیا۔ نہ صرف یہی بلکہ اُسکو کافر قرار دیا اور اُسکا نام ملحد رکھا اور آخر اسکے قتل پر فتویٰ لکھا اور اسکو عدالت میں کھینچا۔ اِس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ خدا نے چودھویں

صدی میں کچھ تاثیر ہی ایسی رکھتی ہے جسمیں قوم کے دِل سخت اور مولوی دُنیا پرست اور اندھے حق کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اسجگہ اگر موسیٰؑ کی چودھویں صدی اور موسیٰ کے مثیل کی چودھویں صدی کا جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں باہم مُقابلہ کیا جائے تو اول یہ نظر آئیگا کہ ان دونوں چودھویں صدیوں میں دو ایسے شخص ہیں جنہوں نے مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کیا اور وہ دعوے سچا تھا اور خُدا کیطرف سے تھا۔ پھر اُسکے ساتھ یہ بھی معلوم ہوگا کہ قوم کے علماء نے اُن دونوں کو کافر قرار دیا اور ان دونوں کا نام ملحد اور دجال رکھا اور ان دونوں کے قتل کے فتوے لکھے گئے اور دونوں کو عدالتوں کیطرف کھینچا گیا جنمیں سے ایک رُومی عدالت تھی اور دوسری انگریزی۔ آخر دونوں بچائے گئے اور دونوں قسم کے مولوی یہودی اور مسلمان ناکام رہے۔ اور خدا نے ارادہ کیا کہ دونوں مسیحوں کو ایک بڑی ہی جماعت بنا وے اور دونوں قسم کے دشمنوں کو نامُراد رکھے۔ غرض موسیٰ کی چودھویں صدی اور ہمارے سید و مولے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی چودھویں صدی اپنے اپنے مسیحوں کیلئے سخت بھی ہیں اور انجام کار مُبارک بھی۔

وہ قبر جس میں مسیح رکھا گیا اور جس طرح پر وہ وہاں رکھا گیا اور جس طرح سے وہاں سے نکلا یہ تمام امور اِس بیان کے مؤید ہیں کہ وہ اسوقت تک مرا نہیں بلکہ وہ زندہ ہی تھا اور زندہ ہونیکی حالت میں ہی قبر میں رکھا گیا۔ متی باب ۲۷ آیت ۶۰ میں لکھا ہے کہ قبر کے دروازہ کے آگے ایک بڑا پتھر رکھ دیا گیا۔ پھر لوقا باب ۲۴ آیت ۱ و ۲ میں لکھا ہے کہ اتوار کے دِن سویرے ہی کئی عورتیں خوشبوئیں وغیرہ لیکر قبر پر آئیں اور اُنہوں نے پتھر کو ہٹا ہُوا پایا اور پھر وہ اندر بھی گئیں تو مسیح وہاں نہ تھا۔ اِن بیانوں سے اول تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کو عام لاشوں کیطرح مٹی میں نہیں دبایا گیا صرف ایک بڑے کوٹھے میں رکھ کر دروازے کے آگے ایک پتھر دیدیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ روشنی اور ہوا کی آمدورفت کے عمداً سوراخ رکھے گئے اور مُنہ کو بالکل بند نہیں کیا گیا۔ عورتوں کے قبر کے اندر چلے جانے سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ جگہ قبر کیطرح ایک لاش کے دفن کرنیکی جگہ نہ تھی بلکہ ایک وسیع کوٹھے کیطرح تھی جسمیں پانچ سات اشخاص ایک ہی وقت جا سکتے تھے اور اسکا ایک دروازہ بھی تھا جو صرف عارضی طور پر بند کیا گیا تھا تا آمد ورفت ہوسکے۔ عورتوں کے تیسرے روز مصالحہ اور مرہمیں لیکر آنا بھی اسی بات کی دلیل ہے کہ وہ یسوع کو زندہ سمجھتی تھیں ورنہ مصالحہ اور خوشبوئیں لاش کے پاس لیکر آنیکے کیا معنے اور وہ بھی تیسرے دن جب لاش سڑ گل چکی ہو اور اُسکے پاس انسان آ بھی نہ سکتا ہو۔ پھر یہ امر قابل غور ہے کہ عورتوں نے پتھر کو دروازے سے ہٹا ہُوا پایا

اِس سے ظاہر ہے کہ مسیح بغیر پتھر کے دروازے سے ہٹائے جانیکے باہر نہ آسکتا تھا۔ اگر جلالی جسم ہوتا تو پتھر کے ہٹانے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اگر مسیح کے فرضی جی اُٹھنے کے بعد بھی اسکا جسم ایسا ہی تھا کہ وہ بغیر پتھر کو ہٹائے جانے کے باہر نہ نکل سکتا تھا تو یہ یقینی اور قطعی امر ہے کہ ایسے جسم کے ساتھ وہ آسمان پر بھی نہ چڑھ سکتا تھا۔ اور قبر سے نکلنے کے بعد جسم کی کوئی تبدیلی نہ ہوئی جیسا کہ انجیلوں سے ظاہر ہے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یسوع نے قبر سے نکلتے ہی بھیس بدل لیا چنانچہ جب مریم نے اسے دیکھا تو وہ پہچان نہیں سکی بلکہ ایک دو باتیں اس سے کیں تو بھی نہیں پہچانا۔ اور اسی طرح پر دو حواری بھی حالانکہ بہت دُور تک اسکے ساتھ چلتے رہے اور باتیں کرتے رہے اسے پہچان نہ سکے۔ اور اسے ایک دیہاتی آدمی خیال کرتے رہے۔ مریم نے بھی اسے باغبان سمجھا تھا۔ چُنانچہ اس نے کہا کہ اے باغبان! حالانکہ اسکا مخاطب مسیح تھا۔ کہاں خُدائی اور کہاں باغبانی۔ اور یہ بھی احتمال تھا کہ باغبان کے کپڑے پہن لئے۔ اُسی طرح شکل بنالی۔ اور پھر باوجود بھیس بدلنے کے بھی اُسے اندیشہ رہا کہ یہودیوں کو خبر نہ ہو جائے اور چپکے سے مریم کو بھی کہا کہ مت ڈر یعنی میرے پکڑا جانیسے نہ ڈر بلکہ میرے دوستوں کو اطلاع دیدے کہ وہ گلیل کو چلیں اور مصلحت بھی اسی میں تھی کہ یروشلم میں تو نیا نیا شور پڑا ہُوا تھا وہاں اگر حواریوں سے ملتا تو شائد دشمنوں کو بھی اطلاع ہو جاتی۔ اِسلئے اِسنے مناسب یہی خیال کیا کہ اکیلا اور بھیس بدلکر سفر کرے کیونکہ اگر حواریوں سے ملتا تو ضرور پکڑا جاتا۔ گلیل میں پہنچکر بھی حواریوں کے پاس جب آیا تو دروازے بند کر دئے گئے تا کوئی دشمن اندر نہ آجائے۔ اور اس کے بھاگنے کی یہودیوں کو اطلاع نہ ہو جائے۔ اگر جلالی جسم تھا تو ان احتیاطوں کی کیا ضرورت تھی اور کیوں یروشلم میں حواریوں سے بھی نہ ملا۔ یہودی تو ایک طرف رہے اسکی وجہ صرف یہی تھی کہ وہ چپکے سے اس ملک سے الگ ہونا چاہتا تھا۔ اور اگر یہودیوں کو افواہ بھی پہنچ جاتی تو پھر اُسکی جان کی خیر نہ تھی۔

اب یہ قصہ جو انجیلوں میں بیان کیا گیا ہے قابلِ غور ہے ایک آدمی تین گھنٹہ کے لئے صلیب پر لٹکایا جاتا ہے۔ اور کوئی تاریخی شہادت اس امر کی نہیں ملتی کہ صلیب پر تین گھنٹہ میں کوئی آدمی مر گیا ہو صلیب سے اُتارے جانیکے بعد اسکی ہڈیاں توڑی نہیں جاتیں۔ جو آدمی اِسکے ساتھ ہی صلیب پر چڑھائے گئے اور ساتھ ہی اُتارے گئے وُہ زندہ ہی تھے۔ جب اسکی پسلی میں ذرا نیزہ کا سرا چبھ گیا تو وہاں سے خُون نکلا۔ کوئی طبی شہادت لی نہیں گئی کہ واقعی یہ شخص مر چکا ہے۔ دُوسرے مجرموں کی لاشوں کیساتھ اُسکا جسم نہیں رکھا گیا بلکہ ایک دولتمند مُرید کے سپرد کیا گیا جس نے ہر طرح سے

اسکی خبرگیری کی اور سب علاج کئے۔ بجائے قبر میں دفن کئے جانیکے اسے ایک وسیع کوٹھے میں رکھا گیا جس کا ایک دروازہ بھی تھا اس کے دوست اور رشتہ دار تیسرے دن اسے دیکھنے بھی آئے۔ پتھر کو دروازے سے ہٹائے جانیکے بغیر وُہ قبر سے نہ نکل سکا۔ باہر نکلتے ہی باغبان کا بھیس بدل لیا۔ (قبر بھی ایک باغ میں ہی تھی) اپنے دوستوں اور حواریوں کو وہاں ملنا پسند نکیا جہاں اسکے پکڑے جانیکا اندیشہ تھا جبھی کہ چلنے کے قابل ہوا اُس شہر سے بھاگ گیا جہاں یہ سب مصیبت اُسکے سر پر آئی تھی۔ ستر میل تک پا پیادہ گیا۔ جب سفر کا تھکان معلوم ہُوا تو آرام بھی کیا۔ بھوک اور پیاس لگی تو اپنے دوستوں سے کھانا مانگا۔ معمولی انسانوں کی طرح کھاتا اور پیتا رہا۔ کیلوں کے زخم جو صلیب سے اسکوں پر آگئے تھے وہ اپنے دوستوں کو دکھائے۔ اور اپنے آپ کو خفیہ اور بھیس بدلے رکھا۔ کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ یہ شخص تمام طاقتوں کا مالک خدا تھا جو آسمان پر چڑھنے کی طیاریاں کر رہا تھا۔ ان واقعات سے تو صاف اور سیدھا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا کیونکہ اسقدر تھوڑے وقت میں کوئی انسان صلیب پر مر ہی نہ سکتا تھا صلیب سے اُتارے جانے کے بعد عمداً ان تمام امور سے پرہیز کیا گیا جو اسکی موت کا باعث ہو سکتے تھے۔ ہوش میں آکر ایک دن اور دو راتوں کے بعد اس نے ایک باغبان کا بھیس بدل لیا اور اکیلا وہاں سے بھاگ نکلا وُہی گوشت اور ہڈیوں کا جسم تھا اور وہی کمزوریاں اور خواہشیں تھیں جو صلیب سے پہلے بھی موجود تھیں اور ان لوگوں کے ظلموں سے تنگ آکر آخر کہیں اور پناہ جالی۔ یہ حضرت مسیحؑ کا قصہ ہے اور ہر ایک عقلمند صاف سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مرے بلکہ بھاگ کر کہیں اور پناہگزین جا ہوئے۔

(باقی آئندہ)

مسیح موعود کی لائف اور مشن

(اُنکے اپنے الفاظ میں)

مَیں کچھ مختصر حال اپنا بیان کرتا ہُوں - اور وُہ جو خدا تعالیٰ کے فضل میں سے میرے حصے میں لکھا گیا اور میری دعوت میں داخل کیا گیا کسی قدر اسکو لکھتا ہُوں کیونکہ مَیں حکم دیا گیا ہُوں کہ وہ دعوت تم تک پہنچاؤں اور قرض کیطرح اسکو ادا کروں - سو واضح ہو کہ مَیں خاندان عزت اور ریاست سے ایک آدمی ہُوں اور میرے بزرگ امیر اور صاحب مُلک تھے اور مجھے خبر دیگئی ہے کہ وہ سمرقند سے اس ملک میں آئے تھے اور وقت کے بادشاہ نے اُنکو حکومت و امارت کیخدمت سپرد کی تھی اور فوج اور تلوار ان کو دیگئی تھی پس جبکہ اس مُلک پر سکھوں کا زور اور تسلط ہُوا اور فساد انگیزی میں اُنہوں نے حد سے تجاوز کیا - تو اسوقت یہ اتفاق ہُوا کہ سکھوں نے ہمارا ملک اور تمام املاک چھین لیں - اور ہمیں قید کر دیا - پھر ہم محض انکے ظلم کی وجہ سے اپنے دار الریاست سے نکالے گئے اور وہ دن سردی کے دن تھے اور سخت سردی پڑتی تھی پس ہمارے بزرگ رات کیوقت سردی سے کانپتے ہُوئے اپنے دار الریاست سے نکلے اور ہمارے غم کے ایسے تھے جیسا کہ کوئی گھٹنوں پر گرا جاتا ہے - تب اُنہوں نے ایک اَور ریاست میں ایک عارضی رہائش اختیار کی اور اُس ریاست نے کسی قدر نیک سلوک اُنکے ساتھ کیا اور بغیر کسی سوال کے ان کی ہمدردی کی اور ان کی تنگدستی کے کچھ نشان دیکھ کر اُنپر رحم کیا اگرچہ انکا سلوک بُہت کم اور ناکافی سلوک تھا - پھر جب زمانہ دولت برطانیہ کا آیا اور شیطانی غارتوں کا وقت گذر گیا تو ہم اس سلطنت کے ذریعہ سے امن میں آ گئے اور ہمارے بزرگوں نے پھر اپنے وطن کی طرف معہ رفیقان سفر کے مراجعت کی اور خُدا تعالیٰ کا شکر کرتے تھے اور بعض دیہات ہمارے اور بعض مال ہمارے ہمیں واپس دیئے گئے اور ہمارا بخت برگردیدہ پھر ہماری طرف آیا اور دو خوشیاں باغوں کے پھولوں کیطرح ہمارے وجود میں پھوٹ نکلیں - ایک امن کی خوشی اور دوسرے دینی آزادی کی خوشی اور مجھے اپنے معظم اور مکرم بزرگوں کی ریاست سے کچھ حصہ نہیں ملا اور مَیں اپنے باپ کی موت کے بعد محرموں کی طرح کیا گیا اور میرے پر ایک ایسا زمانہ گذرا ہے کہ بجز چند گاؤں کے لوگوں کے اَور کوئی مجھ کو نہیں جانتا تھا یا کچھ اردگرد کے دیہات کے لوگ تھے کہ رُوشناس تھے اور میری یہ حالت تھی کہ اگر مَیں کبھی سفر سے

اپنے گاؤں میں آتا تو کوئی مجھے نہ پوچھتا کہ تو کہاں سے آیا۔ اور اگر میں کسی مکان میں اُترتا تو کوئی سوال نہ کرتا کہ تو کہاں اُترا ہے اور میں اِس گمنامی اور اس حال کو بہت اچھا جانتا تھا اور شہرت اور عزت اور اقبال سے پرہیز کرتا تھا اور میری طبیعت کچھ ایسی واقع تھی کہ میں پوشیدہ رہنے کو بہت چاہتا تھا اور میں ملنے والوں سے تنگ آجاتا تھا اور کوفتہ خاطر ہوتا تھا یہاں تک کہ میرا باپ مجھ سے نومید ہو گیا اور سمجھا کہ یہ ہم میں ایک شب باش مہمان کی طرح ہے جو صرف روٹی کھانے کا شریک ہوتا ہے اور گمان کیا کہ یہ شخص خلوت کا عادی ہے اور لوگوں سے وسیع گھر کے ساتھ میل جول رکھنے والا نہیں۔ سو وہ مجھے اِس عادت پر غصہ سے اور تیز کاروں سے ملامت کرتا اور مجھے دن رات اور ظاہر اور در پردہ دُنیا کی ترقی کے لئے نصیحت کیا کرتا تھا اور دُنیا کی آرائشوں کیطرف رغبت دیتا تھا اور میرا دِل خُدا کی طرف کھنچا جا رہا تھا اور ایسا ہی میرا بھائی مجھے پیش آیا اور وہ ان باتوں میں میرے باپ سے مشابہ تھا۔ پس خُدا نے ان دونوں کو وفات دی اور زیادہ دیر تک زندہ نہ رکھا اور اُس نے مجھ کہا کہ ایسا ہی کرنا چاہئے تھا تا تجھ میں خصومت کرنے والے باقی نہ رہیں اور اُنکا الحاح تجھ کو ضرر نہ کرے پھر میرے ربّ نے مجھے عزت دی اور بزرگی کے گھر کی طرف کھینچا۔ اور مجھے اس بات کا علم نہ تھا کہ وہ مجھے مسیح موعود بناویگا اور اپنے عہد مجھ میں پورے کریگا اور میں اس بات کو دوست رکھتا تھا کہ گمنامی کے گوشہ میں چھوڑا جاؤں اور میری تمام لذت پوشیدہ اور گم رہنے میں تھی میں دُنیا اور دین کی شہرت کو نہیں چاہتا تھا۔ اور میں ہمیشہ اپنی کوشش کی اُونٹنی اسی طرف چلاتا گیا کہ میں فانیوں کی طرح پوشیدہ رہوں پس خدا کے حکم نے میرے پر غلبہ کیا اور میرے مرتبہ کو بلند کیا اور مجھے دعوتِ مخلوق کیلئے حکم کیا اور چرچا کیا کہ وہ احکم الحاکمین ہے۔ ؎

حِبٌّ لنا فنحبّه نحبّب	وعن المنازل والمراتب نرغبُ
إنّی اری الدنیا وبلدة اهلها	جدبت وارض ودادنا لا تجدبُ
یتمایلون علی النعیم واننا	ملنا الیٰ وجه یسرّ یطربُ
انا تعلقنا بنور حبیبنا	حتی استنار لنا الذی لا یحسبُ
سبّوا وما ادری لأیّ جریمة	سبّوا أنعصی الحبّ او نتجنّبُ
اقسمت انّی لن افارقه ولو	مزقت اسود جثتی او اذئبُ
ذهبت ریاسات الاناس بموتهم	ولنا ریاسة خلّة لا تذهبُ

۵ ہمارا ایک دوست ہے اور ہم اُسکی محبت سے پُر ہیں۔ اور مراتب اور منازل سے ہمیں بے رغبتی اور نفرت ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ دُنیا اور اسکے طالبوں کی زمین قحط زدہ ہو گئی یعنی جلد تباہ ہو جائیگی اور ہماری محبت کی زمین کبھی قحط زدہ نہیں ہو گی۔ لوگ دُنیا کی نعمت پر جھکتے ہیں مگر ہم اس مُنہ کیطرف جُھک گئے ہیں جو خُوشی پہنچانے والا اور طرب انگیز ہے۔ ہم اپنے پیارے کے دامن سے آویختہ ہیں ایسے کہ جو صاف اور شفاف نہیں ہو سکتا وہ بھی ہمارے لئے منور ہو گیا۔ انہوں نے گالیاں دیں اور میں نہیں جانتا کیوں دیں کیا ہم اُس دوست کی مُخالفت کریں یا اُس سے کنارہ کریں۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اُس سے علیحدہ نہیں ہُونگا اگرچہ شیر یا بھیڑیئے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کردیں لوگوں کی ریاستیں انکے مرنے کے ساتھ جاتی رہیں اور ہمارے لئے دوستی کی وہ ریاست ہے جو قابلِ زوال نہیں۔

اور اسیطرح میں لوگوں سے منقطع ہو چکا تھا اور دُنیوی صلح اور جنگ سے فارغ ہو کر خُدا تعالٰے کی طرف جُھک گیا تھا اور میں ابھی نوجوان تھا کہ اس بات کو جانتا تھا کہ خُدا تعالٰی نے مجھے ایک امرِ عظیم کیلئے پیدا کیا ہے۔ اور میری طبیعت ترقی اور قربِ رب العالمین کو چاہتی تھی۔ اور میری طبیعت کا سونا خاک کی جڑھ میں چمک رہا تھا۔ بغیر اسکے کہ وہ کھود کر نکالا جائے اور ظاہر کیا جائے۔ اور میرا باپ میرے معاملہ میں غمگین رہتا تھا اور میری آہستگی کی خصلت اور دُنیا کے کاموں میں شوخ اور چالاک نہ ہونا اسکو فکر اور غم میں رکھتا۔ اور وہ اس کوشش میں تھا کہ تا ہم اقبال کے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائیں اور اپنے بزرگوں کیطرح دولت اور امیری کو پالیں۔ حاصل کلام یہ کہ میرے باپ کا ارادہ تھا کہ ہم دُنیا کے اعلٰے سے اعلٰے مراتب پر پہنچ جاویں۔ لیکن خُدا نے میرے لئے ایک اور رتبہ کا ارادہ کر رکھا تھا پس جو خُدا نے چاہا وہی ہؤا۔ اور اس نے سخت سیاہ رات میں جسکے سیاہ اور لمبے بال تھے نور عطا فرمایا اور میرے دِل کو اُمتوں اور قوموں کے روشن کرنیکے لئے روشن کیا اور میرے پر احسان کیا اور مجھے مسیح موعود بنایا جیسا کہ قدیم سے اسکا وعدہ تھا۔ پھر طرح طرح کی مددوں کے ساتھ میری تائید کی اور اپنے نشان دکھلائے اور میرے لئے آسمان پر کسوف خسوف ظاہر کیا تاکہ دعوے کی راہ چمکے اور کہانیوں کی راہوں کیطرح نہ ہو۔ اور جب میں نے اپنے مسیح موعود ہونے کی لوگوں کو خبر کی تو یہ بات اس ملک کے لوگوں پر بہت شاق گذری اور مجھے اُنہوں نے کافر ٹھہرایا اور میری تکذیب کی اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کرتے اگر حکام کا خوف نہ ہوتا۔ اور وہ یہ حجت پیش کرتے تھے

کہ مسیح آسمان سے اُتریگا۔ جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے اور اُسپر اکابر فضلا کا اتفاق ہے اور وہ اسی پر اصرار کرتے تھے اور ہمنے اِن کو سُنایا مگر انہوں نے نہ سُنا اور ہمنے سمجھایا مگر انہوں نے نہ سمجھا پس ہمنے ارادہ کیا کہ اِس دعوت کو دوسری قوموں تک پہنچاویں اور ان کو پہلو بپہلو گواہ بناویں اور منکروں پر دوبارہ حجت قائم کردیں اور خُدا سے ہم مدد چاہتے ہیں اور وہی بہتر آقا اور وہی بہتر مددگار ہے۔

اے زمین سُن جو میں کہتا ہوں اور اے آسمان گواہ رہ

اے بھائیو! مَیں اللہ جلشانہ سے الہام دیا گیا ہوں اور علوم ولایت میں سے مجھے علم عطا ہوا ہے پھر مَیں صدی کے سر پر مبعوث کیا گیا تا اِس اُمت کے دین کی تجدید کروں اور ایک حکم بنکر ان کے اختلافات کو درمیان سے اُٹھاؤں اور صلیب کو آسمانی نشانوں کیساتھ توڑوں اور قوت الٰہی سے زمین میں تبدیلی پیدا کروں۔ اور اللہ تعالےٰ نے الہام صریح اور وحی صحیح سے مجھے مسیح موعود اور مہدی موعود کے نام سے پکارا اور مَیں فریبیوں میں سے نہیں اور نہ مَیں ایسا ہُوں کہ میری زبان پر جھُوٹ جاری ہوتا اور مَیں لوگوں کو بدی میں ڈالتا اور جھوٹوں کے انجام کو آپ لوگ جانتے ہیں بلکہ یہ خُدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہے اور باوجود اسکے مَینے اپنے نفس پر یہ تنگی کر رکھی تھی کہ مَیں کسی الہام کی پیروی نہ کرُوں مگر بعد اسکے کہ بار بار خُدا تعالیٰ کی طرف سے اِسکا اعلام ہو۔ اور قرآن اور حدیث سے بکلی موافق ہو اور پُوری پُوری مطابقت ہو۔ پھر اس کارروائی کے لئے ایک یہ شرط بھی میری طرف سے تھی کہ مَیں الہام کے بارے میں اسکے کناروں تک نظر ڈالُوں اور بغیر مشاہدہ خوارق کے قبول نہ کروں۔ پس بخدا کہ مَینے اپنے الہام میں اِن تمام شرطوں کو پایا اور مَیں نے اسکو سچائی کا بلاغ دیکھا نہ اُس خشک گھاس کیطرح جسمیں سانپ ہو۔ پھر یہ الہام اُس وقت مجھے ملا جبکہ میرے جگر کے ٹکڑے خُدا تعالےٰ کے شوق میں اُڑے اور عشاق الٰہی کی مَوت میرے پر آئی اور کئی قسم کے جلانے سے مَیں جلایا گیا اور کئی قسم کے خونوں سے مَیں کوٹا گیا اور اہل و عیال سے میرا دِل کاٹا گیا یہاں تک کہ خُدا تعالیٰ کا فعل پُورا ہو گیا اور میرا راستہ کھولا گیا اور میرے چاند کا نُور مجھ میں بھر گیا۔ پس اس سے مجھے دو حصّے ملے۔ الہام کا نُور اور عقل کا نُور۔ اور یہ خُدا تعالیٰ کا فضل ہے اور کوئی اسکے فضل کو رد نہیں کرسکتا۔

پھر میرے الہام غیب کی پیشگوئیوں سے بھرے ہوئے ہیں اور غیب اللہ جلشانہ کی ذات سے خاص ہے اور ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر اُس شخص کو پُورا غلبہ بخشے جو فاسد الخیال

اور دُنیا کا چاہنے والا ہے۔ کیا خدا ایسے آدمی کو دوست پکڑ سکتا ہے جس نے ہلاکت کی دام محض فریب کی راہ سے بچھائی اور لوگوں کو گمراہ کیا اور ہدایت کی اور دین اسلام کو دشمنوں کی طرح ضرر پہنچایا۔ اور نورِ صدق سے اسکے مطلع کو روشن نہ کیا۔ اور اسکی غمخواری میں نہ کبھی صبح کی اور نہ شام اور اس کی اصلاح کے لئے کچھ تگ و دو نہ کی بلکہ اپنے جھوٹ کیساتھ ذہنوں کا زنگ بڑھایا اور اپنے افترا کی باتوں کے ساتھ اُمت میں فتنہ کی گرد و غبار پیدا کر دی۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالےٰ مفتریوں کو رسوا کرتا اور انکی جڑھ کاٹ کر اُن کے ساتھ انکو ملا دیتا ہے جو اُنسے پہلے لعنت کئے گئے ہیں۔

اور پھر یہ بات یاد رکھو کہ ایک مُدت سے مجھے الہام ہو رہا تھا جسکو میں نے لوگوں سے ایک عرصہ تک چھپایا اور اپنے تئیں ظاہر نہ کیا پھر میں ظاہر کرنے کے لئے مامور ہُوا تب میں نے حکم کی تعمیل کی۔ اور تمہیں حدیثیں پہنچ چکی ہیں اور تم سُن چکے ہو کہ مسیح موعود اور مہدی موعود صلیب کے غلبہ کے وقت ظاہر ہوگا۔ اور صلیبی خرابیوں اور گمراہیوں کی تلافی کریگا اور مستعد لوگوں کو ہدایت دیگا۔ اور جنکو ان کے نفسانی ننگ اور سرکشی قبول کرنے سے روکیگی وہ اتمام حُجت کے حربہ سے مقتول کی طرح ہو جائیں گے۔ اور مسیح میں نزول کا لفظ اِسلئے استعمال کیا گیا تا کہ اس بات کیطرف اشارہ ہو کہ مسیح زرہ اور ہتھیاروں کے ساتھ ظاہر نہیں ہوگا اور کوئی لڑائی اسکو پیش نہیں آئیگی بلکہ اسکی بادشاہت آسمان میں ہوگی اور اُسکا حربہ اُسکی دُعا ہوگی۔

خدا تعالےٰ کی عادت یوں جاری ہُوئی ہے کہ وہ بروقت کسی فساد کے تجدید دین کے لئے از سرِ نو توجہ فرماتا ہے۔ پس اسی لئے اس نے میرے پر تجلی کی تا کہ اجساد میں رُوح پھونکے اور مجھے مسیح اور مہدی بنایا اور تمام سامان رشد کا مجھے عطا فرمایا اور مجھے وصیت کی کہ میں نرم زبانی اختیار کروں اور سختی اور افروختہ ہونے کو چھوڑ دوں۔ مگر کسر صلیب کا لفظ جو حدیثوں میں آیا ہے وہ بطور مجاز کے استعمال کیا گیا ہے اور اس سے مُراد کوئی جنگ یا دینی لڑائی اور درحقیقت صلیب کا توڑنا نہیں ہے اور جس شخص نے ایسا خیال کیا اُس نے خطا کی ہے بلکہ اِس لفظ سے مُراد عیسائی مذہب پر حجۃ پُوری کرنا اور دلائل واضح کے ساتھ صلیب کی شان کو توڑنا ہے۔ اور ہمیں حکم ہے کہ ہم نرمی اور حلم کے ساتھ حجت کو پُوری کریں اور بدی کے عوض میں بدی نہ کریں مگر اُس صورت میں جب کوئی شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے اور اہانت کرنے اور فحش گوئی میں حد سے بڑھ جائے پس ہم عیسائیوں کو گالی نہیں دیتے اور دشنام اور فحش گوئی اور ہتک عزت سے پیش نہیں آتے اور

ہم صرف ان لوگوں کی طرف توجہ کرتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بصراحت یا اشارات سے گالیاں دیتے ہیں۔ اور ہم اُن پادری صاحبوں کی عزت کرتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں دیتے اور ایسے دلوں کو جو اس پلیدی سے پاک ہیں ہم قابل تعظیم سمجھتے ہیں اور تعظیم تکریم کے ساتھ اُنکا نام لیتے ہیں اور ہمارے کسی بیان میں کوئی ایسا حرف اور نقطہ نہیں ہے جو اُن بزرگوں کی کسرشان کرتا ہو اور صرف ہم گالی دینے والوں کی گالی انکے مُنہ کی طرف واپس کرتے ہیں۔ تا ان کے افترا کی پاداش ہو۔

تین نام ہیں جو احادیث صحیحہ میں بتصریح مذکور ہیں۔ یعنی حکم اور مہدی اور مسیح۔ اور جیسا کہ روایت کیا گیا ہے حکَم کے نام کی یہ وجہ ہے کہ مسیح موعود اُمت کے اختلاف کے وقت میں ظاہر ہوگا اور ان میں اپنے قول فیصل کے ساتھ وہ حکم دیگا جو قریب انصاف ہوگا اور اس کے زمانہ کے وقت میں کوئی عقیدہ ایسا نہیں ہوگا جسمیں کئی قول نہ ہوں۔ پس وہ حق کو اختیار کرے گا اور باطل اور گمراہی کو چھوڑ دیگا۔ اور مہدی کے نام کی وجہ جیسا کہ روایت کیا گیا ہے یہ ہے کہ وہ علم کو علماء سے نہیں لیگا اور خدا تعالےٰ کے پاس سے ہدایت پائیگا جیسا کہ اللہ جلشانہٗ نے اپنے نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی طریق سے ہدایت دی۔ اس نے محض خُدا سے علم اور ہدایت کو پایا۔ اور مسیح کے نام کی وجہ جیسا کہ روایت کیگئی ہے یہ ہے کہ وہ دین کی اشاعت کے لئے تلوار اور نیزہ سے کام نہیں لیگا بلکہ تمام مدار اسکا آسمانی برکتوں کے چھونے پر ہوگا اور اُسکا حربہ قسم قسم کی تضرع اور دُعا ہوگی۔ پس خُدا کا شکر کرو کہ وہ تمہارے زمانہ اور تمہارے ملک میں موجود ہے اور وہی تو ہے جو اسوقت تم سے کلام کر رہا ہے اور یہ وہ دن ہے جس میں برکات نازل ہو رہے ہیں اور نشان ظاہر ہو رہے ہیں اور ایمان کا مسافر اپنے وطن کیطرف رجوع کر رہا ہے۔ اور اُس کے معدن سے علم کے موتی نکل رہے ہیں یہ وُہ دن ہے جس سے کُفار کے دلوں میں دھڑکہ بیٹھ گیا ہے اور غلبۂ رقت کی وجہ سے ابرار کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہ دن غافلوں کے جاگنے کا دن اور بھاگنے والوں کی رقتِ قلب کا دن ہے۔ اور یہ دن قبول اور رد کا دن ہے۔ اسمیں قبول کرنے والوں کے مُنہ کشادہ اور خنداں اور پہچاننے والے ہیں۔ اور رد کرنے والوں کے مُنہ تُرش اور بدشکل اور ناشناس ہیں۔ اور جس نے صادق کے پاس آکر اسکی تصدیق کی اُس نے نئے سرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اپنے امر متفرق کو

جمع کر لیا اور جس نے اعراض اور انکار کر کے صادق کی تکذیب کی وہ شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہو گیا۔ اور کچھ نہ ڈرا۔ یہ میرا قول نہیں بلکہ یہی خدا تعالےٰ نے تاکیداً فرمایا ہے۔ میرے مبعوث ہونے کے ساتھ تمام زاہد اور عابد آزمائے گئے۔ اور مجھے وہی دِل جانتے ہیں جو بدلائے گئے اور مستقیم کئے گئے۔ مگر اِس ملک کے اکثر علماء کا دِل مر گیا اور خدا نے اُنکا نُور ہدایت اور زیرکی چھین لی۔ مجھے اکثر کافر کہتے ہیں اور نہیں جانتے کہ کس کو کہہ رہے ہیں اور حق سے مُنہ پھیرتے ہیں اور قبول نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ کے نشان دیکھتے ہیں اور پھر ہدایت نہیں پاتے اور مجھے گالیاں دیتے ہیں اور میری بیخکنی کے لئے کوشش کرتے اور منصوبے بناتے ہیں اور مجھ سے اور میری جماعت سے ٹھٹھا کرتے اور بُرے بُرے نام رکھتے ہیں اور عنقریب ظالم لوگ جان لینگے کہ کہاں پھیرے جاتے ہیں۔

پھر اے بزرگوں کے گروہ آپ لوگوں کو معلوم ہو کہ مجھے کئی سال سے الہام ہو رہا ہے۔ اور میں اس بات کو عام و خاص پر ظاہر کرنے کے لئے حکم کیا گیا ہوں کہ وہ مسیح صدیق جس کے اُترنے کے لئے اس اُمت کو وعدہ دیا گیا ہے کہ وہ صلیبی فتنوں کے شائع ہونیکے وقت اُتریگا **وہ یہی** بندہ ہے جو صدی کے سر پر مبعوث کیا گیا اور حکم کیا گیا ہے کہ تا خدا تعالےٰ کی حجت اہل صلیب پر پُوری کرے اور دلائل قاطعہ کے ساتھ اُنکے غلو کو توڑے اور تمام کفار کا قطع عذر کرے اور جو لوگ بے توشہ ہو رہے ہیں اُن کو متاع جدید عطا فرماوے اور خدا کے ڈھونڈنے والوں کو خوشخبری دے یعنے اُن لوگوں کو جو خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہوں کو ڈھونڈھتے ہیں۔ اور جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔ اس نبی پر خدا اور اُس کے فرشتوں اور تمام پاک بندوں کی طرف سے درُود ہو۔ اور میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ یہ وقت مسیح موعود کے ظہور کا وقت ہے۔ اور ہمارے رب کی بات صدق اور سچائی سے پُوری ہو گی اور اُس نے اپنے عہدوں کو پُورا کیا اور کس طرح پُورا نہ کرتا اور اس کے وعدے کی مدت بہت گذر گئی تھی اور تمام نشانیاں پُوری ہو چکی تھیں۔

استغفار

زبان عربی کی ناواقفیت اور اس سچے تعلق کو جو اللہ تعالےٰ اور اسکے بندوں میں ہوتا ہے نہ سمجھنے کے باعث بہت لوگوں نے استغفار کے معنوں میں غلطی کھائی ہے۔ استغفار جیسا کہ اسکے باب استفعال کے ہونے سے صاف ظاہر ہے کسی شے کی طلب یا دُعا ہے۔ شے مطلوب کے سمجھنے کے لئے لفظ کے اصل معنوں کو دیکھنا ضروری ہے۔ استغفار غفر سے نکلا ہے جس سے مغفرت غفران وغیرہ دوسرے مصدر بھی آئے ہیں لفظ غفر کے اصل اُوّل معنے جس سے تمام دوسرے مفہوم نکالے گئے ہیں ڈھانکنے یا حفاظت کے ہیں لہذا استغفار کے اصلی معنے حفاظت کے لئے دُعا یا طلب حفاظت ہوئے باقی رہے یہ امر کہ کس سے حفاظت طلب کی جاتی ہے اور کس بارے میں حفاظت طلب کیجاتی ہے سو انمیں سے امر اول کے متعلق تو اتنا کہدینا کافی ہے کہ یہ اصطلاح مذہب اسلام کی ہے اور اسلئے یہ دُعا بھی خدا تعالیٰ کے سواے اور کسی کے آگے نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اسلام نے صرف اللہ تعالیٰ کو ہی وہ ہستی قرار دیا ہے۔ جس سے تمام دُعائیں مانگی جانی چاہئیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلام میں مروج طریق استغفار کا استغفر اللہ ہی ہے جس سے بھی یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار میں حفاظت اللہ تعالیٰ سے ہی مانگی جاتی ہے اسلئے یہاں تک تو کسی عیسائی کو بھی انکار کی گنجائش نہیں ہوسکتی کہ استغفار کا اصل اور سچا مفہوم اللہ تعالےٰ سے حفاظت طلب کرنا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ حفاظت کس بارے میں ہے آیا اسکا منشاء صرف یہ ہے کہ ان بدیوں کی سزا سے حفاظت طلب کیجاوے جنکا کوئی شخص مرتکب ہوچکا ہے یا اوّلاً حفاظت خود بدی اور گناہ سے طلب کیجاتی ہے اور پھر معنوں کو وسعت دینے سے وہ حفاظت بھی اسمیں شامل ہوجاتی ہے جو بدیوں کی سزا سے طلب کیجاوے۔

ان سوالوں کے جواب کے لئے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے کیا تعلق ہے۔ آیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے پھر اس سے کوئی تعلق رکھا ہے یا نہیں سو واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ صرف خالق ہی نہیں بلکہ وہ قیوم بھی ہے۔ اور جس چیز کو اُس نے

پیدا کیا ہے اسکی حفاظت بھی کرتا ہے جیسا کہ انسان بغیر خدا تعالیٰ کی خالقیت کے عدم سے وجود میں نہ آسکتا تھا ایسا ہی بغیر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے وہ پیدا ہونے کے بعد رہ سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ انسان کو پیدا کرے اور صفت قیومی کا یہ تقاضا تھا کہ جس چیز کو اُسنے اپنی صورت پر پیدا کیا تھا اسکو بگڑنے اور ہمیشہ کی تباہی سے بچاوے۔ انہی دو صفات کے بیان کے لئے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حیّ اور قیوم آئے ہیں یعنی عدم سے وجود میں لانے والا۔ اور حفاظت کرنیوالا۔ اس میں کوئی شک نہیں کرسکتا کہ انسان کی زندگی کے لئے جیسا کہ خالق کی ضرورت ہے قیوم کی بھی ضرورت ہے اب جیسا کہ خدا تعالےٰ میں یہ حفاظت کی صفت موجود ہے اسی تقاضا کو پورا کرنے کے لئے انسانی فطرت میں ایک کمزوری ہے جو اسکے مخلوق ہونیکا لازمی نتیجہ ہے۔ فطرت کی کمزوری چاہتی ہے کہ اسکا سہارا کسی پر ہو۔ قرآن شریف نے انسانی فطرت کی کمزوری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے خلق الانسان ضعیفا یعنی انسان کی پیدائش میں ہی کمزوری رکھی گئی ہے۔ انسان کا مخلوق ہونا ہی اس کمزوری کو چاہتا تھا اسکا سہارا اپنے خالق پر ہو۔ انسان ہر قدم میں اسیطرح اپنے خالق کا محتاج ہے جسطرح بچہ اپنی ماں کا۔ پس ایک طرف تو اللہ تعالےٰ کی صفت قیوم ہونے کی ہے اور دوسری طرف انسانی فطرت کی کمزوری ہے جو کسی سہارے اور مدد کو چاہتی ہے۔ اب اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی بیرونی اور اندرونی حفاظت کے لئے ہزارہا قسم کے اسباب پیدا کئے ہیں اور بن مانگے انسان کو وہ وسائل عطا کئے ہیں جن سے اس کی زندگی کا قیام ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ انسان کو چونکہ عقل دیگئی ہے اسلئے خدا تعالیٰ کی بعض عنایات ایسی ہیں کہ وہ انسان کو بھی طلب کرنی چاہئیں تاکہ وہ اُن سے فائدہ اُٹھا سکے۔ ہر ایک سمجھ دار آدمی اپنی فطرت کی کمزوری کو محسوس کرتا ہے۔ اور اس بات کا احساس رکھتا ہے کہ انسانی فطرت خود بخود بُری کششوں کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتی بلکہ ایسی طاقت صرف خدا تعالیٰ سے ملسکتی ہے جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔ اسلئے پھر اگر جان بوجھ کر وہ خدا تعالیٰ سے طاقت طلب نہیں کرتا تو وہ خود خدا تعالےٰ کے اس عطیہ سے اپنے تئیں محروم رکھتا ہے جسکو وہ طلب کرتا تو اس سے فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔ اسی مانگنے کی ضرورت کی طرف ہی قرآن شریف کی اس آیت میں اشارہ ہے جہاں یہ دُعا سکھلائی گئی ہے کہ ایاک نستعین - گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ فطرتی کمزوری کو پورا کرنے کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور مدد مانگا کرے۔ جیسا کسی انسان کو اس فطرتی کمزوری کا احساس زیادہ ہوگا۔

ویسا ہی خدا تعالیٰ سے زیادہ طاقت مانگیگا اور اُتنا ہی زیادہ خُدا تعالیٰ کی حفاظت اور مدد کو پائیگا۔

یہاں تک یہ دلیل اسقدر روشن اور واضح ہے کہ ہم نہیں سمجھتے کہ جو شخص خُدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لاتا ہوا اسکو اسکے ماننے سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔ خُدا تعالیٰ میں قیوم ہونے کی صفت ہے اور انسان کی فطرت میں کمزوری ہے جو کسی سہارے کو چاہتی ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ فطری کمزوری کے بد اثر سے محفوظ رہنے کے لئے انسان خُدا تعالیٰ کی مدد اور حفاظت کو طلب کرے۔ دوسرے لفظوں میں جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ گُناہ سے بچا رہے اُسے خُدا تعالیٰ سے حفاظت اور مدد کی دُعا کرنی چاہئیے یہی بعینہ استغفار کے اصلی اور سچے معنے ہیں کیونکہ استغفار کے اصلی معنے لُغت کی رُو سے ہم دکھا چکے ہیں یہی ہو سکتے ہیں کہ انسان خُدا تعالیٰ سے حفاظت اور مدد طلب کرے۔ اور یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ خُدا تعالیٰ کی حفاظت اور مدد کا طلب کرنا بدی سے بچنے کے لئے ضروری ہے تو گویا استغفار بدی سے بچنے کے لئے ضروری ہُوا بغیر اس بحث کے کہ کوئی انسان جو ایسی حفاظت طلب کرتا ہے گنہگار ہے یا نہیں۔ اگر گُناہ کا وجود بھی نہ ہوتا تو بھی چُونکہ انسان کا اصل سہارا خُدا ہی ہے خدا تعالیٰ سے حفاظت طلب کرنا ضروری ہوتا یا دُوسرے الفاظ میں استغفار ضروری ہوتا۔ استغفار کی ضرورت دائمی ہے تاکہ وُہ عمارت جسکو خُدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے ضائع نہ ہو جاوے۔ لیکن یہ بغیر خُدا تعالیٰ کی مدد اور حفاظت کے ممکن ہی نہ تھا۔ انسانی فطرت میں ایک طبعی تقاضا تھا جسکو پُورا کئے بغیر وہ کمال کو حاصل ہی نہ کر سکتا تھا اسی تقاضا کو پُورا کرنے کیلئے اسکو استغفار کی ہدایت کیگئی تاکہ خدا تعالیٰ کی مدد کے ساتھ فطری کمزوری کا ازالہ ہو جائے۔ خُدا تعالیٰ کی صفت خالقیت کا ظہور تو صرف پیدا کرنے کیوقت ہی ہوتا ہے لیکن اُسکی صفت قیومیت چونکہ انسان کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے اسلئے اُس کا ظہور بھی ہر وقت ضروری ہے۔ یہاں سے استغفار کی دائمی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔

اس تمام بحث سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ **استغفار** کی سچی اور اصلی ضرورت بدی سے بچنے کے لئے ہے اور اسلئے جو سوال ہمنے ابتداء میں اُٹھایا تھا کہ استغفار میں دُعا کس امر سے حفاظت کے لئے مانگی جاتی ہے اسکا جواب یہ ہُوا کہ اولاً وہ امر جس سے حفاظت طلب کیجاتی ہے انسانی فطری کمزوری ہی ہے۔ انسان کی فطرت اور اللہ تعالیٰ کے صفات دونوں اس امر کے مقتضی ہیں کہ بدی سے بچنے کے لئے استغفار کیا جاوے۔ جس پہلو سے سوچا جائے یہی امر حق معلوم ہوتا ہے۔ اگر انسانی دل میں یہ خواہش ہے کہ جو بدی وہ کر چکا ہے اُس سے بچنے کے لئے دُعا کرے تو اس سے

بدرجہا بڑھ کر یہ تڑپ اُسکے دل میں لگی ہوئی ہے کہ وہ بدی سے بچایا جاوے اور نفس امّارہ کی تمام خواہشیں دبی رہ کر وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرے بلکہ یہ دوسری خواہش انسانی فطرت میں منقوش ہے اور ہمیشہ وہاں موجود ہے اور ہر ایک شخص کو خواہ اس نے گناہ کیا ہو یا نہ کیا ہو لگی ہوئی ہے۔ حالانکہ گناہ کی سزاء سے بچنے کی خواہش صرف گناہ کرنیکے بعد پیدا ہوتی ہے اور اسلیئے یہ ایک عارضی چیز ہے۔ گناہ سے نجات پا جانا ہی نجات ہے اور چونکہ ہر ایک دل میں نجات کی خواہش فطرتی طور پر لگی ہوئی ہے اسلیئے تمام انسانوں کی پہلی اور سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ وہ گناہوں سے نجات حاصل کریں۔ علاوہ اسکے گناہوں کی سزاء سے بچنے کی خواہش کبھی دل میں پیدا ہوتی ہی نہیں جبتک کہ اُسکے ساتھ یہ سچی خواہش نہ ملی ہوئی ہو۔ کہ خود گناہ سے ہی نجات ملجائے۔ سچی توبہ یہی ہے کہ انسان کا دل بدی سے بیزار ہو جائے اور گناہ سے اُسکو سخت نفرت ہو جاوے۔ ان تمام باتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑی خواہش جو انسانی دل میں ہے وہ یہی ہے کہ وہ بدی سے بچایا جاوے اور اسلیئے اگر استغفار کے ایک ہی معنے ہوتے اور اسکے معنوں میں وسعت نہ ہوتی تو وہ معنے اسکے سوائے کچھ نہ ہو سکتے تھے کہ خدا تعالیٰ سے بدی سے بچنے کے لئے دُعا کیجاوے اور اسلیئے بدی کے نتائج سے محفوظ رکھے جانے کے معنے استغفار کی اہم غرض اور اصل مفہوم نہیں ہے۔

جس نتیجہ پر ہم پہنچے ہیں اسکی تائید اور طرح پر بھی ہوتی ہے اگر ہم یہ دیکھیں کہ انبیاء کی بعثت کی اصل غرض کیا ہوتی ہے تو معلوم ہو گا کہ یہ غرض بھی صرف یہی ہوتی ہے کہ وہ انسانوں کو گناہ سے نجات دیویں اور یہ غرض نہیں ہوتی کہ لوگ گناہ کرتے جاویں اور انبیاء ان کے گناہ معاف کرا کر انکو سزاء سے بچاتے جاویں۔ اسلیئے جو کام کسی نبی نے کیا ہے اُسکا اندازہ صرف اسی سے ہو سکتا ہے کہ کس قدر اسکے ذریعہ سے دُنیا نے گناہ سے نجات پائی ہے اور اسی ایک معاملہ میں انکی فضیلتوں کا بھی مقابلہ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بزرگی اور فضیلت حاصل ہے جو اور کسی نبی کو نہیں ہوئی آپ ایسے وقت میں مبعوث ہوئے جب دُنیا پر ایک تاریکی چھائی ہوئی تھی اور عملی اور اعتقادی طور پر دُنیا ضلالت میں پڑی ہوئی تھی۔ عرب کے لوگ جو بلا واسطہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخاطب تھے ان کی یہ حالت تھی کہ بدیوں میں غرق ہوئے ہوئے تھے اور اخلاق فاضلہ کا نام تک بھی نہ جانتے تھے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں آپنے ایک عظیم الشان تبدیلی اُن کی زندگی میں کر دکھائی اور تمام بدیوں سے جنمیں وہ مبتلا تھے اُن کو نجات دی بدی کے

انہیں گڑھے سے نکالکر آپ نے انکو تہذیب کے اعلیٰ معراج پر پہنچایا - اور دُنیا کو گناہ سے نجات دینے کا وہ نمونہ دیا جو محسوس اور مشہود ہے - اسی ایک بات میں یسوع کی ناکامی نظر آتی ہے - عیسائی اُسکے متعلق صرف یہی کہسکتے ہیں کہ اسکے ذریعہ گناہ معاف ہوگئے لیکن گناہ سے نجات دینے کا نمونہ انجیل کے مطابق اسکی زندگی میں کہیں نہیں ملتا اور نہ انجیلیں اس امر پر کچھ روشنی ڈالتی ہیں کہ کتنے ہزار آدمیوں کو یسوع نے اپنی زندگی میں اور اپنے وعظ اور نمونہ سے بدی سے بچایا - اور یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ اُسکی موت کے بعد اسکے پیروؤں میں تبدیلی پیدا ہوگئی تھی بالکل ناقابلِ اعتبار بیان ہے - کیونکہ جب وہ زندگی میں کچھ نہیں کرسکا تو کون عقلمند کہسکتا ہے کہ مرکر وہ کوئی اثر ڈال سکا ہو زندگی میں تو وہ اپنے خاص مُریدوں کو بھی گناہ سے نہ چھوڑا سکا - بلکہ گیاراں حواری بھی (بارھواں تو قابل ذکر ہی نہیں) عین موقعہ پر اپنے اُستاد کو چھوڑکر بھاگ گئے اور اس طرح سے ایک بڑے گناہ کے مُرتکب ہوئے -

غرضیکہ انبیاء کی بعثت کی علت غائی گناہ سے نجات دینا ہوتا ہے اور قرآن میں ایسی آیتیں بکثرت موجود ہیں لیکن چونکہ یہ غرض بغیر اسکے کہ گناہ سے نجات حاصل کرنیکے لئے دُعا سکھلائی جائے حاصل ہی نہ ہو سکتی تھی - جیسا کہ خود مخالفین کے نزدیک بھی مسلّم ہے کیونکہ خدا تعالیٰ سے ہی وہ طاقت ملتی ہے جس سے انسان شیطان پر غلبہ پاسکتا ہے - اسلئے یہ ایک حیرت انگیز بات ہوگی کہ خدا کا ایک نبی اس غرض کے لئے دُنیا میں آئے اور نبی بھی وہ جسنے سب سے زیادہ دُنیا کو گناہ سے نجات دی ہو اور پھر وہ بغیر اس قسم کی دُعا کے سکھانے کے دُنیا سے چلا جائے - قرآن شریف جو بار بار تزکیہ نفس پر اور پاکیزگی کی زندگی پر زور دیتا ہے تو کیا اسمیں وہ ذریعہ نہیں بتایا گیا جس سے انسان پاک زندگی حاصل کرسکتا ہے؟ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لاکھوں مخلوق کو کھلے کھلے طور پر جس سے انکار نہیں ہوسکتا گناہ سے نجات دی تو کیا بغیر اس ذریعہ کے سکھانیکے تھی جس سے انسان کو گناہ سے نجات ملسکتی ہے؟ اگر ان سوالوں کا جواب ہم ہاں میں دیں تو گویا متضاد امور اور متضاد باتوں کو اکٹھا کرینگے -

یہ تمام امور اسی بات پر شاہد ہیں کہ استغفار کی علت غائی بدی سے بچے رہنا ہے - استغفار دعا ہے جو سب دُعاؤں سے افضل ہے - یہ روزی کی روٹی کے لئے دُعا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی حفاظت اور قوت کے لئے دُعا ہے گرنے اور ٹھوکر کھانے سے بچایا جانے کے لئے دُعا ہے اور سب سے اعلےٰ اور اکمل برکات کے حاصل کرنیکے لئے دُعا ہے - یہ خدا تعالیٰ اور اسکے بندے میں تشدید اور مضبوط

تعلق پیدا کرنیوالی دُعا ہے اور انسانی رُوح کا اس مقام تک پرواز کراتی ہے جو سب سے بلند مقام ہے۔ جو شخص استغفار کرتا ہے وہ اپنے مولیٰ کے سامنے عاجز ہو کر گر جاتا ہے وہ اپنے نفس کی کمزوری سے کے خطروں اور اپنے مولیٰ کی طاقتوں کو خوب دیکھتا اور سمجھتا ہے وہ اپنی قوت پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ ایک طاقتور ہستی کی حفاظت میں آجاتا ہے اور اسی سے مدد طلب کرتا ہے اسکی تمام خوشی بلکہ اسکا بہشت اسی میں ہے کہ وہ اس مضبوط چٹان پر قائم ہو جائے اور بغیر خدا تعالیٰ کی حفاظت کے اسکی زندگی ہی نہیں ہوتی وہ خدا تعالےٰ سے دُعا کرتا ہے کہ اسے نفس کی کمزوریوں کا مطیع ہونیسے بچاوے اور اپنی پناہ اور اپنے سایہ میں اسکو لیلیوے وہ اپنے آپکو بالکل نیست کر دیتاہے اور اسکے لئے جو کچھ ہوتا ہے خدا ہی ہوتا ہے اسکی ہر دم یہی دُعا ہوتی ہے کہ وہ اپنی طاقت سے اسے انسانی کمزوریوں کی لغزش سے بچاوے اور اپنی قوت میں سے اسکو قوت دے اور اپنے نور سے اسکو نور دے اور خود ہی اُسے ہدایت کرے۔ جو شخص ہمیشہ استغفار کرتا ہے وہ اپنی کمزوری کو جان لیتا ہے اور اسلئے مدد اور حفاظت کے لئے ہر لمحہ خدا کیطرف دوڑتا ہے اور اُسکا استغفار اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وہ نفس کی کمزوریوں پر غالب آگیا اور بدی کی کششوں کو دُور کر دیا کیونکہ وہ اپنی قوت سے نہیں بلکہ خدا کی قوت سے بڑھا اور اُسکے نور نے نازل ہو کر ان تمام کمزوریوں کو دبا دیا جو اُسکے گناہ کا باعث ہو سکتی تھیں دانشمند انسان چونکہ اپنے نفس کی کمزوری پر آگاہی رکھتا ہے اسلئے وہ اپنی طاقت پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ خدا تعالےٰ سے مدد طلب کرتا ہے کہ وہ گرنے اور ٹھوکر کھانے سے بچایا جاوے اور استغفار پر اُسکا سہارا ہوتا ہے معصوم وہی ہے جو مدد کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف کھینچا گیا ہے وہ اس بات کو یقیناً جانتا ہے کہ انسانی فطرت خود بخود کمال اپنے اندر نہیں رکھتی۔ بلکہ یہ کمال اُسے خدا تعالےٰ سے حاصل ہوتا ہے اور کہ وہ خود بخود طاقت نہیں رکھتی بلکہ ایسی طاقت اُسے ہر لمحہ خدا سے ملتی ہے اور کہ خود بخود اسکے اندر کامل روشنی نہیں بلکہ کامل روشنی اُسے خدا تعالےٰ سے ملتی ہے۔ انسانوں میں سے وہی کامل طور پر معصوم ہے جو ہر وقت اور ہر لحظہ خدا تعالےٰ سے قوت طلب کرتا اور قوت پاتا ہے اور اسی کیلئے چلاتا اور دُعا کرتا ہے۔ یہی خدا تعالیٰ کی توحید کے راز کا اصل اصول ہے کہ عصمت کو کسی انسان کی ملکیت خاص نہ کیا جاوے بلکہ اسکا اصل سرچشمہ خدا ہی ہے اور جو اس سے طلب کرتے ہیں وہی پاتے ہیں۔

ہم اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ استغفار کے معنے بعض حالتوں میں وسیع کئے جاتے ہیں لیکن معنوں کی اس وسعت کے ساتھ اسکے اصل مفہوم پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور نہ اسمیں کوئی تغیر ہی آتا ہے وسیع معنوں میں استغفار سے یہ مُراد ہوتی ہے کہ جو گناہ انسان سے ہو چکے ہیں اُنکی سزا سے اور بد نتائج سے

اللہ تعالیٰ سے حفاظت طلب کیجاوے۔ یہاں بھی حفاظت کے طلب کرنیکا مفہوم جو اسکے اصل معنوں میں موجود ہے پایا جاتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ اس صورت میں گناہ کے بدنتائج سے حفاظت طلب کی جاتی ہے لیکن ان معنوں میں یہ لفظ اُن لوگوں پر کبھی نہیں بولا گیا جنکو خدا تعالےٰ اپنے برگزیدہ اور اپنے پیارے اور مقرب لوگ بیان کرتا ہے۔ کیونکہ ان کے ساتھ خدا تعالیٰ کے یہ وعدے ہیں کہ کسی قسم کی سزا انکو نہ چھوئیگی اور وہ خدا تعالےٰ کے رحم کی گود میں بٹھائے جائینگے۔ پھر انکے استغفار کے یہ معنے کیونکر ہو سکتے ہیں کہ اِن کو دوزخ سے بچایا جاوے جبکہ خدا تعالیٰ خود ان کو فرما چکا ہے کہ لا یسمعون حسیسھا یعنی وہ دوزخ کی آہٹ بھی نہ سنیں گے۔ اگر انکے استغفار کے یہی معنے ہوتے تو پھر گویا اُنکو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر کوئی ایمان نہ ہوا۔ وہ جسے خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ ہمنے تجھے تمام جہان کیلئے رحمت کر کے بھیجا ہے کیونکر شک کر سکتا ہے کہ اسے خدا تعالےٰ کے رحم سے حصہ ملیگا یا نہیں۔

قرآن شریف میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جنسے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی اپنی ہستی کچھ نہیں ہوتی بلکہ وہ اس طرح بکُلی خدا تعالےٰ کے تصرف میں ہوتے ہیں جس طرح ایک کَل انسان کے تصرف میں ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین ترجمہ۔ کہدے کہ میری ایسی حالت ہے کہ میری اپنی ہستی پر بالکل موت وارد ہو چکی ہے اور میری عبادت اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا خالص اور بغیر کسی ملاوٹ کے اللہ تعالےٰ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ یہ آیت قطعی ثبوت اس امر کا ہے کہ انبیاء نہیں بولتے جبتک خدا اُن کو نہ بلائے اور کوئی کام نہیں کرتے جبتک خدا اُنسے نہ کرائے جو کچھ وہ کہتے ہیں یا کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے احکام کے نیچے کہتے یا کرتے ہیں اور اُنسے وہ طاقت سلب کی جاتی ہے جس سے خدا تعالےٰ کی مرضی کے خلاف کوئی انسان کرتا ہے وہ خدا کے ہاتھ میں ایسے ہوتے ہیں جیسے مردہ۔ اور اُسکی ہستی اُنپر ایسی غالب ہوتی ہے کہ ان کی اپنی ہستی پر فنا آجاتی ہے اُنکے اقوال و افعال اُسی کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں بلکہ وہ تمام اُسی کیطرف سے ہوتے ہیں مثلاً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ جو کام تو نے کیا وہ تو نے نہیں بلکہ خدا نے کیا۔ اور پھر کہتا ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ یہ نبی اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی بات بولتا ہے جو اُسکو خدا تعالےٰ بذریعہ وحی حکم دیتا ہے۔ ان آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو خدا تعالیٰ اپنے اقوال و افعال قرار دیتا ہے پس قرآن کریم

میں یہ صاف دعویٰ ہے کہ انبیاء خدا تعالیٰ کے منشاء کے مظہر ہوتے ہیں انکی اپنی خواہشات کچھ نہیں ہوتیں بلکہ اُنکا جینا مرنا سب کچھ خدا کی خاطر ہی ہوتا ہے اور اپنی بڑائی کی اسمیں کوئی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ اُنکی رُوح خدا تعالیٰ کے آستانہ پر ایسی گری ہوئی ہوتی ہے اور ایسی خالص عظمت اسی کی چاہتی ہے کہ غیر کا اسمیں کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔

اسی قسم کی اور آیات قرآن شریف میں بکثرت ہیں لیکن چونکہ مضمون کے طویل ہونیکا اندیشہ ہے اسلئے ہم صرف ایک اور موقع اس قسم کا نقلکر کے بس کرتے ہیں۔ سورۃ انبیاء میں یہ آیتیں ہیں:۔

وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحي اليه انه لا اله الا انا فاعبدون ۝ وقالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحنه بل عباد مكرمون ۝ لا يسبقونه بالقول وهم بامره يعملون ۝ يعلم ما بين ايديهم وما خلفهم ولا يشفعون الا لمن ارتضى وهم من خشيته مشفقون ۝ ومن يقل منهم اني اله من دونه فذلك نجزيه جهنم كذلك نجزي الظلمين۔ **ترجمہ**۔ اور ہمنے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا جسکو یہ وحی نہ کی ہو کہ سوائے میرے اور کوئی معبود نہیں سو میری ہی پرستش کرو اور کہا (عیسائیوں نے) رحمن نے (یسوع کو) بیٹا بنایا۔ پاک ہے وہ اس سے۔ سب نبی اس کے معزز بندے ہیں کلام کرنے میں اس سے آگے نہیں چلتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے اور انکے پیچھے ہے اور وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اُس کے لئے کہ جس سے وہ خوش ہو اور وہ اسکے خوف سے ڈرتے ہیں اور جو کوئی ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں (جیسا کہ عیسائی سمجھتے ہیں عیسیٰ نے کہا) تو ہم اسکو سزائے جہنم دینگے ظالموں کو ہم اسیطرح سزا دیتے ہیں۔ ان آیتوں کے لکھنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ انمیں انبیاء کا ہی ذکر ہے اور انبیاء کی نسبت ہی یہاں یہ کہا گیا ہے کہ وہ کوئی کلام نہیں کرتے جبتک خدا تعالیٰ کلام نہ کرے اور کوئی کام نہیں کرتے جبتک خدا تعالیٰ حکم نہ دے۔ گویا انبیاء کے اقوال و افعال کو خدا نے پھر اس جگہ اپنے اقوال و افعال کہا ہے۔ اور اس لئے یہ کہنا سخت غلطی ہے کہ وہ بھی کبھی خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ ان کے آنے کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کے احکام پر چلا دیں تو گویا وہ خدا کے احکام کو عملدرآمد میں لانیوالے ہوتے ہیں اسلئے اگر وہ خود ہی احکام کی خلاف ورزی کریں تو پھر وہ عملدرآمد کرانیوالے نہ رہے یا دوسرے

لفظوں میں یُوں کہو کہ نبی نہ رہے وہ خُدا تعالیٰ کے مظہر اور اسکے اقوال و افعال کے مظہر ہوتے ہیں پس خدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی اُنکی طرف منسوب ہی نہیں ہوسکتی - ہم یہاں یہ بھی بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ آیات کے آخری الفاظ میں کہ جو کوئی کہے کہ مَیں خُدا ہوں صرف فرض کے طور پر ایک امر بیان کیا گیا ہے اور پھر ساتھ ہی اسکے ان الفاظ سے کہ ہم اُسے دوزخ میں ڈالیں گے اسکی نفی بھی لگی ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ اسکے صالح بندے دوزخ کی آہٹ بھی نہ سُنیں گے ۔ لیکن تاہم ہم اِس سے انکار نہیں کر سکتے کہ ان الفاظ میں عیسائی عقیدہ کیطرف ایک لطیف اشارہ ہو جس نے پہلے یسُوع کو خدا بنایا اور پھر اُسے دوزخ میں بھیجا۔

غرض مُتذکرہ بالا آیات سے اور اسی قسم کی دُوسری آیات سے جو بکثرت قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔ یہ قطعی ثبوت ملتا ہے کہ انبیاء کے اقوال و افعال کو خُدا تعالیٰ اپنے اقوال و افعال ٹھہراتا ہے اور وہ اسی طرح پھرتے ہیں جسطرح وہ اُن کو پھراتا ہے وہ اسکے ہاتھ میں ایسے بے اختیار ہوتے ہیں جیسے کہ ایک مُردہ اور بکلی اسی کے تصرف میں ہوتے ہیں اُنکے اپنے جذبات اور خواہشات کچھ نہیں ہوتے اور نہ اُن کے حرکات اور کلام اور ارادے اُنکے اپنے ہوتے ہیں۔ حرکت یا سکون۔ رنج یا راحت خوشی یا غم۔ محبّت یا عداوت۔ عفو یا انتقام۔ سخاوت یا بخل۔ شجاعت یا بزدلی۔ رحم یا غضب ان کی طرف منسُوب ہی نہیں ہو سکتے کیونکہ اُن کی اپنی مرضی یا اپنے ارادے کچھ نہیں ہوتے وہ خدا تعالےٰ کے تصرّف تام میں ہوتے ہیں اور اُنکے تمام قوٰے اُسی کی خدمت میں لگے ہُوئے ہوتے ہیں۔

اس طرح پر اگرچہ استغفار کا اصلی اور حقیقی مفہوم خُدا تعالےٰ سے حفاظت اور مدد کی دُعا کرنی ہے اور انبیاء علیہم السّلام کے حق میں انہیں معنوں میں یہ لفظ بولا گیا ہے۔ تاہم اس کے معنے عام انسانوں کے لئے وسیع کئے گئے ہیں جن کو دونوں دُعاؤں کی ضرورت ہے۔ یعنی گناہ سے حفاظت کی دُعا اور گناہ کی سزا سے حفاظت کی دُعا۔ اِن دونوں دُعاؤں کا ایک ہی لفظ میں اکٹھا کر دینا انسانی فطرت کے صحیح علم کو ظاہر کرتا ہے اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے نزدیک صرف گذشتہ گناہوں کے لئے پچھتانے یا افسوس کرنے کا ہی نام توبہ نہیں ہے بلکہ سچی توبہ وہ ہے جسکے ساتھ سچی اور دلی خواہش گناہ سے بچنے کی اور سچا اور مضبُوط ارادہ بدی سے پرہیز کرنیکا ہو استغفار ہی ہے جو انسانی فطرت کے

دونوں تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور انسان کو نجات کے لئے جن دو چیزوں کی ضرورت ہے وہ دونوں مہیا کرتا ہے اس طرح پر استغفار ہر ایک طبقہ کے انسانوں کیلئے اعلیٰ سے اعلیٰ دُعا ہے۔

استغفار کے معنے جو قرآن کریم کے رُو سے اُوپر بیان کئے گئے ہیں ان معنوں کے لحاظ سے استغفار ہی ایک سچا ذریعہ خُدا تعالیٰ سے قوّت اور طاقت طلب کرنیکا ہے اور استغفار ہی وُہ راستہ ہے جسمیں چلکر انسان معصوم رہ سکتا ہے اور کوئی سمجھدار آدمی اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن جو لوگ بجائے خُدا تعالےٰ پر بھروسہ کرنیکے ایک انسان کے خُون پر بھروسہ کر بیٹھے ہیں وہ استغفار کی برکات کو نہیں سمجھ سکتے۔ انکا سہارا اور قوّت خدا میں نہیں ہے بلکہ ایک کمزور انسان میں جو ان کے زعم کے مطابق صلیب پر مارا گیا وہ استغفار کو گناہ کا علاج نہیں سمجھتے۔ انبیاء کو گنہگار ٹھہراتے ہیں اور خدا تعالےٰ کی بے ادبی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لاکھوں آدمیوں میں سے جو ہر زمانہ میں سوسائٹی کیلئے مضر رساں ہونیکے سبب سے پھانسی دئے جاتے اور صلیب پر چڑھائے جاتے ہیں ایک انسان جسکو وہ تجویز کرتے ہیں ایسا تھا کہ اس کے صلیب پر مرنے سے تمام دُنیا کے گناہ مُعاف ہوگئے یا کم از کم اُن لوگوں کے جو ایسا سمجھ لیں۔ وہ انسانوں کی طرح پیدا ہُوا۔ انسانوں کی کمزوریاں اور نقص اسمیں موجود تھے۔ اسیطرح بیماریاں اور دُکھ اُٹھاتا رہا۔ کبھی ایک دفعہ بھی خُدائی طاقت نہ دکھا سکا اور آخر کار مجرم کی موت مرگیا۔ لیکن پھر بھی ہمیں اسے خدا سمجھ لینا چاہئے کیونکہ پادری صاحبان کا یہ خیال ہے۔ اگر ان لوگوں کی سمجھ میں استغفار کا پاکیزہ اور اعلےٰ درجہ کا مفہوم نہ آسکے تو وہ معذور ہیں کیونکہ ایک جھوٹے اصول نے انکی سمجھ پر پردہ ڈال دیا ہے۔

اب ہم قرآن شریف سے چند آیات پیش کرتے ہیں جہاں استغفار کو نیک آدمیوں کا اعلےٰ درجہ کا وصف بیان کیا گیا ہے انّ المتقین فی جنّٰت وعیون آخذین ما اٰتٰھم ربھم انھم کانوا قبل ذٰلک محسنین ۝ کانوا قلیلاً من اللیل ما یھجعون ۝ وبالاسحار ھم یستغفرون ۝ (الذٰریٰت) ترجمہ: متقی باغوں اور چشموں کے درمیان رہینگے اور وہ نعمتیں حاصل کرینگے جو اُنکا رب اُنکو دیگا کیونکہ وہ اس سے پہلے محسن تھے۔ بہت تھوڑا حصہ رات کا سویا کرتے تھے اور سحر کو استغفار کیا کرتے تھے۔ اس آیت میں استغفار کو [illegible] اور نیکی کا بڑا موجب ٹھہرایا

[illegible]

اور بڑا اجر ان کو دیا گیا لفظ احسان جو اس آیت میں آیا ہے اسکے معنے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دئیے ہیں یعنی اسطرح پر خدا کی عبادت کرنا کہ گویا کہ انسان اُسے دیکھتا ہے یا کم از کم یہ کہ وہ انسان کو دیکھتا ہے۔ لیکن جو شخص اس منزل تک پہنچ جاتا ہے کہ گویا کہ وہ خدا کو دیکھتا ہے تو پھر وہ گناہ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ پھر وہ دیکھتا ہے کہ وہ طاقتور ہستی جس کے حضور وہ کھڑا ہے ایک دم میں اُسکو تباہ کر سکتی ہے اگر وہ اُسکے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ اسلئے وہ گناہ سے ایسا بچتا ہے اور ڈرتا ہے جیسا ایک شخص آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ڈرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آگ جلا دیگی اب آیت مذکورہ بالا میں یہ بیان ہے کہ برکات و انوار الٰہی محسنوں کو دئے جاوینگے۔ اور پھر کہا گیا ہے کہ محسن وہ لوگ ہیں جو رات کا بہت تھوڑا حصہ سوتے ہیں اور صبح کے وقت استغفار کرتے ہیں۔ اگر استغفار کے صرف یہی معنے لئے جاویں کہ گناہوں کی سزاء سے بچنے کی دعا تو آیت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ رات کو خدا تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر گذاریں صبح ہوتے ہی وہ گناہوں کی معافی میں لگ جائیں گویا کہ وہ اپنی عبادت اور خدا کے حضور کھڑا ہونے کو گناہ سمجھتے ہیں اور رات کو یہ گناہ کر کے صبح کو اُنکی معافی طلب کرتے ہیں لیکن اگر استغفار کے اصل معنے لئے جاویں تو آیت کے معنے بالکل صاف ہیں یعنی کہ جن لوگوں کو یہ طاقت ملتی ہے کہ وہ رات کو خدا کے حضور کھڑے ہو کر گذاریں اور شیطان پر اُن کو غلبہ ملتا ہے وہ صبح کو پھر اُنہیں دعاؤں میں مشغول ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اُن کو استقامت کی طاقت بخشے اور اور بھی اُن کو قوت دے کہ وہ اُسکی راہ میں بغیر ٹھوکر کے چل سکیں۔ ان لوگوں کو خدا تعالیٰ کی حفاظت کی اور بھی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کیونکہ ایک لذت اُن کو خدا تعالیٰ کی عبادت میں ملتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اُن کے نفس کی کمزوری کے سبب وہ لذت جاتی نہ رہے۔ لیکن اگر استغفار کے معنے صرف اسیقدر ہیں کہ جو گناہ کوئی انسان کر چکا ہے اُسکی سزاء سے بچنے کے لئے دعا کیجائے تو چاہئے تھا کہ استغفار مانگنے سے پہلے کوئی گناہوں کا ذکر ہوتا نہ کہ عبادت کا تا کہ بعد میں استغفار کا موقع ہوتا۔

ایسا ہی ایک دوسرے موقع پر قرآن شریف فرماتا ہے۔ الصّٰبرین والصّٰدقین و القٰنتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحار۔ اب یہاں امر اول غور طلب تو یہی ہے کہ استغفار کو نیکی اور راستبازی کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے۔ صبر اور صدق اور فرمانبرداری اور انفاق فی سبیل اللہ کی طرح استغفار بھی ایک نیکی ہے اور ہدایت کیگئی ہے کہ جس طرح دوسرے نیکی کے

کاموں کو انسان بجالاتا ہے اسی طرح ہمیشہ استغفار میں بھی لگا رہے اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ استغفار صرف سزا سے بچنے کیلئے ہی نہیں ہے بلکہ دوسری نیکیوں کیطرح یہ بھی بڑے بڑے برکات الٰہی کا موجب ہوتا ہے - پھر تمام نیکیوں کے بعد استغفار کا ذکر کرنے سے یہ بھی صاف منشاء قرآن کریم کا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کی جڑھ استغفار ہی ہے اور جو شخص استغفار کرتا ہے اسکو یہ سب باتیں حاصل ہو جاتی ہیں - ان دونوں باتوں سے استغفار کے معنے صاف حل ہو جاتے ہیں اور یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ استغفار کا اصل اور سچا مفہوم یہی ہے کہ خدا تعالےٰ سے یہ دعا کی جاتی ہے کہ وہ اپنے احکام پر چلنے کی طاقت انسان کو بخشے اور نفس کی کمزوریوں سے اسکی حفاظت کرے -

استغفار کے متعلق صرف یہی نہیں لکھا کہ وہ انسان کو نیکی کی طرف کھینچتا اور نیکی کی طاقت دیتا ہے بلکہ نیکیوں کے لئے خدا تعالےٰ نے مغفرت کے وعدے بھی دئے ہیں مثلاً سورہ ھود کی اس آیت پر غور کرو اِلَّا الذین صبروا وعملوا الصّٰلحٰت اولٰٓئک لھم مغفرۃ واجر کبیر - صبر کیا چیز ہے اَلصّبر علی الطّاعۃِ والصّبر عن المعصیۃ یعنی نیکیوں پر لگے رہنا اور بدیوں سے بچے رہنا - پس آیت کا ترجمہ یہ ہوا جو شخص نیکیوں میں لگے رہتے ہیں اور بدیوں سے بچے رہتے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں - ان کو خدا کیطرف سے مغفرت اور بڑے بڑے اجر ملیں گے گویا مغفرت اعمال صالح کی جزاء ہوئی - اس جگہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مغفرت کے معنوں کو گناہ کی سزا سے بچائے جانے تک محدود کرنا غلطی ہے کیونکہ یہاں مغفرت کا وعدہ ان لوگوں کے لئے ہے جو اعمال صالح کرتے رہے ہیں اور گناہ سے بچتے رہے ہیں - پس یہاں مغفرت کے معنے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ مغفرت خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ طاقت اور حفاظت ہے جسکی مدد سے نیک لوگ روحانی طور پر ترقیاں کرتے اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج جو انسانی کمال کیلئے ضروری ہیں طے کرتے ہیں - الغرض چونکہ مغفرت خدا تعالےٰ کی حفاظت اور طاقت کا نام ہے اسلئے انسان ہمیشہ مغفرت کا ایسا ہی محتاج ہے جیسا کہ خود خدا کا محتاج ہے نہ وہ خدا سے الگ ہو کر رہ سکتا ہے اور نہ کبھی مغفرت کو ترک کر کے رہ سکتا ہے بلکہ جیسا جیسا وہ روحانی ترقی کرتا ہے ویسے ویسے مغفرت کی ضرورت کو اور بھی زیادہ محسوس کرتا ہے - اور چونکہ اسکی روحانی ترقی غیر محدود ہے اسلئے کوئی وقت اسپر ایسا نہیں آتا جب اسکو استغفار یا مغفرت کی حاجت نہ ہو اسلئے خدا کی مغفرت بہشت میں بھی بہشتیوں کو ملتی رہیگی -

بہشت میں مغفرت کی ضرورت پر قرآن شریف نے دوسری جگہ صاف لفظوں میں فرمایا ہے جہاں سورۂ محمدؐ میں بہشتیوں کا ذکر کیا ہے ولھم فیھا من کل الثمرات ومغفرة من ربھم بہشتیوں کیلئے بہشت میں ہر قسم کے میوے اور اپنے رب کی مغفرت ہوگی۔ یہاں صاف لفظوں میں فرمایا کہ بہشت میں بہشتیوں کو مغفرت ملتی رہے گی۔ اور پھر ایک اور آیت میں سورہ تحریم میں فرمایا ہے یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا۔ یعنی جو لوگ بہشت میں داخل ہو جائیں گے وُہ دُعا کرینگے کہ اے رب ہمارے ہمارے نور کو کامل کر اور ہماری مغفرت کر۔ یہ مغفرت کمال کی خواہش جو ہمیشہ تک رہیگی صاف ظاہر کرتی ہے کہ بہشت میں ترقیات کا سلسلہ غیر متناہی ہوگا ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ بہشت میں داخل ہونیکے بعد بھی جو ممکن ہی نہیں جبتک کہ جس شخص نے کوئی گناہ کیا ہے اسکا گناہ معاف نہ ہو جائے پھر بھی نیک لوگوں کو مغفرت کی خواہش ہوگی اور اُن کو مغفرت ملتی رہیگی۔ یا بالفاظ دیگر بہشتی بہشت میں بھی استغفار کرتے رہیں گے حالانکہ اُنکے گناہ معاف ہو چکے ہونگے۔ اب استغفار کے دُوسرے معنوں کے لحاظ سے جو اسلام کے مخالف کہتے ہیں کہ اسکے سوائے استغفار کے اور کوئی معنے ہی نہیں۔ استغفار کی غرض صرف ان گناہوں کی سزا سے بچائے جانا ہے جو کسی شخص نے کئے ہوں۔ اسلئے جزا و سزا کے پہلے تو کوئی شخص ان معنوں کے رُو سے مغفرت طلب کر سکتا ہے لیکن جو شخص بہشت میں داخل ہو چکا ہے اور سزا سے بچ چکا ہے اور اُسکے گناہ اُسے معاف ہو چکے ہیں اب اُسکو کونسی سزا کا خوف باقی ہے جو وُہ بھی استغفار کرے اور خدا اسکو کونسی سزا سے بچاتا ہے جو مغفرت دیتا ہے جب وُہ بہشت میں داخل ہوگیا تو ہر قسم کی تکلیف اور سزا سے بچایا گیا اور ہمیشہ کیلئے سب تکلیفیں دُور ہوگئیں اور کسی سزا کا خطرہ نہ رہا کیونکہ خُدا کا وعدہ ہے کہ بہشتی بہشت سے کبھی نکالے نہ جائیں گے۔ وماھم منھا بمخرجین۔ پھر وہ لوگ جو بہشت میں داخل ہو چکے کیوں استغفار کرینگے اور کیوں خُدا تعالیٰ بہشت کی نعمتوں میں سے مغفرت اپنی بڑی نعمت بیان کرتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا دو آیتوں سے ظاہر ہے یہ قطعی دلیل اس امر پر ہے کہ اس جگہ استغفار کے معنے گناہ کی سزاء سے بچائے جانے یا گُناہ سے معافی کے نہیں ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہشت میں مغفرت کے معنے کیا؟ اس دُنیا میں اور اس جسم کے ساتھ تو گناہ کا امکان ہے جس سے حفاظت کے لئے انسان استغفار کرتا ہے مگر بہشت میں

تو نہ اِمکان ہوگا اور نہ شیطان کا خطرہ۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے کہ اس دُنیا میں بھی اَیسے آدمی ہیں جن پر شیطان کا کوئی تسلط نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ عبادی لیس لك علیهم سلطان۔ لیکن باوجود اسکے اُن بندوں کو بھی استغفار کا حکم ہے۔ ان سوالوں کے جواب کیلئے ہم ناظرین کو پھر استغفار کے اصل معنوں کیطرف اور استغفار کی ضرورت کیطرف توجہ دلاتے ہیں۔ استغفار کی ضرورت جیسا اُوپر دکھا چکے ہیں یہ ہے کہ انسان کی فطرت اور خدا کے صفات کا تقاضا بغیر استغفار کے پُورا ہی نہیں ہوتا۔ ایک تو خالق ہے جو ہر عیب اور نقص اور کمزوری سے پاک ہے اور جسکی ذات میں صفت قیومیت ہے جو چاہتی ہے کہ مخلوق کا اُسپر سہارا ہو پس جبتک مخلوق ہے یہ صفت اپنے تقاضا کو پُورا کریگی۔ پھر دوسری طرف مخلوق میں سے اِنسان ہے جو اپنی ذات میں کمزوری رکھتے ہیں اور کمال کے لئے وہ اپنے خالق کے محتاج ہیں جبتک کہ وہ مخلوق کی حیثیت میں ہیں۔ انہی دو باتوں سے استغفار کی ضرورت پیدا ہوتی ہے لیکن یہ امر بھی ظاہر ہے کہ خواہ اِنسان کتنی ہی ترقی کرے وہ مخلوق ہونے کی حیثیت سے کبھی بھی باہر نہیں رہ سکتا۔ اور ہمیشہ کیلئے خدا کا محتاج ہے جو کمال اِنسان اس دُنیا میں یا دوسری دُنیا میں حاصل کرسکتا ہے وہ کبھی بھی خدا کے کمال تام کے برابر نہیں ہوسکتا۔ خواہ کتنا ہی معراج وہ حاصلکرے پھر بھی مخلوق ہے اور خدا پھر بھی خالق ہے۔ اسی لئے ضرورت ہے کہ وہ ہمیشہ کیلئے استغفار بھی کرے۔ بہشت میں نیک لوگ ترقیاں کرینگے اور ہمیشہ ایک حالت سے دوسری حالت میں ترقی کرینگے اور اسلئے جب ایک حالت پر وہ پہنچینگے تو اُس سے بلند تر حالت کی خواہش کرینگے اور پہلی حالت کو بمقابلہ اُسکے ناقص خیال کرینگے۔ اسلئے چونکہ یہ ترقی کا سلسلہ غیر متناہی ہے مغفرت کی خواہش یا استغفار بھی کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔

اِن آیات کے علاوہ جو ہمنے اُوپر بیان کی ہیں بہت ساری اور آیات ہیں جن سے صاف صاف پایا جاتا ہے کہ عیسائیوں نے استغفار کے لطیف اور اعلیٰ مفہوم اصلی کو سمجھنے میں سخت غلطی کی ہے لیکن ہم اسی پر اتفاق کرتے ہیں کیونکہ اس مضمون کو اس قدر لمبا کرنا کبھی ہمارا منشا نہ تھا۔ لیکن ایک بات کیطرف یہاں ناظرین کو توجہ دلانا ضروری ہے عیسائی بھی کہا کرتے ہیں کہ آیت لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر کے جو سورۂ فتح میں نازل ہوئی ہے سوا اسکے کوئی معنے نہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اگلے اور پچھلے گناہوں کی

معافی دیتا ہے۔ چونکہ مضمون بہت لمبا ہو چکا ہے اسلئے اسجگہ ہم اصل معنے اس آیت کے بیان نہیں کرتے۔ صرف مخالفین اسلام کے معنوں کی غلطی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس آیت کے یہی صحیح معنی ہیں یہ امر مسلم ہے کہ سورہ نصر فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے کیونکہ سورہ فتح تو فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی تھی اور سورہ نصر فتح مکہ سے بعد نازل ہوئی ہے اب سورہ نصر میں خدا تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پھر استغفار مانگنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ فرماتا ہے فسبح بحمد ربك واستغفرہ۔ جسکے معنے عیسائی صاحبان کے نزدیک یہ ہوئے کہ گناہوں کی معافی مانگتا رہ۔ لیکن گزشتہ اور آئندہ گناہ تو سب پہلے ہی اللہ تعالیٰ معاف کر چکا تھا۔ اب کونسے گناہوں کی معافی چاہتا ہے۔ اگر صحیح معنے ہردو آیات کے کئے جائیں تو یہ تضاد واقع نہیں ہوتا۔ یہ صرف غلط معنوں کا نتیجہ ہے اگر پادریصاحبان کو انصاف یا حیا کا کچھ بھی خیال ہوتا تو وہ اپنی غلطی کو تسلیم کر لیتے۔

بالآخر ہم پادریصاحبان کی ایک اور بیہودگی کیطرف ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ فخر کیا کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں دوسرے نبیوں کے استغفار کا تو ذکر ہے مگر حضرت عیسےٰ کے استغفار کا کہیں ذکر نہیں اور اس سے بجائے خود جھٹ اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ دوسرے نبی گنہگار رکھے مگر حضرت عیسیٰ بیگناہ تھے۔ استغفار کے معنے جو ہم اوپر کھول کر بیان کر چکے ہیں انکے رو سے اگر حضرت عیسےٰ نے واقعی جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں استغفار نہیں کیا تو اس سے انکی کمزوری پائی جاتی ہے اور یہ بات انبیاء کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ استغفار نہ کریں لیکن اس بیان میں بھی پادری صاحبان دھوکہ دینا چاہتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم سے حضرت عیسےٰ کا استغفار ثابت نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے بار بار صالحین کے لئے استغفار اور مغفرت کا ذکر فرمایا ہے پس اگر حضرت عیسےٰ بھی صالحین میں سے تھے تو ضرور ہے کہ انہوں نے بھی استغفار کیا ہو اور خدا نے ان کو مغفرت دی ہو۔ اس قسم کی آیات ہم اوپر بہت لکھ چکے ہیں مثلاً ایک یہی آیت ہے اَلَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ۔ پس اگر حضرت عیسےٰ نے صبر کیا اور اعمال صالح کئے تو ضرور ہے کہ ان کو مغفرت بھی ملی ہو۔ ایک اور موقع پر ملائکہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن شریف فرماتا ہے ویستغفرون لمن فی الارض۔ اور فرشتے ان تمام کے لئے جو روے زمین پر ہیں استغفار کرتے ہیں۔ پس اگر حضرت عیسےٰ بھی زمین پر تھے تو ضرور ہے کہ فرشتوں نے انکے لئے استغفار کیا ہو۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ پادری صاحبان اس قسم کی بیہودہ باتیں اپنی تحریروں میں نہ لکھینگے۔ ہاں انہیں طاقت ہے تو یہ ثابت کر دکھائیں کہ انجیل کے رو سے

یسوع مسیح کیونکر معصوم کہلا سکتا ہے مگر اُمید نہیں کہ اس بات کی طرف وہ کبھی آئیں۔

نوٹ اور ریویو

رپورٹ مردم شماری صوبہ پنجاب:۔ پچھلے نمبر میں فرقہ احمدیہ کی ترقی بیان کرتے وقت ہمنے احاطہ بمبئی کی مردم شماری فرقہ احمدیہ کی دکھائی تھی۔ اس سے پیچھے ہمیں پنجاب کی رپورٹ بھی پہنچگئی ہے جسمیں دکھایا گیا ہے کہ پنجاب میں اس فرقہ کے لوگ ۱۱۳*۔ ایسے مرد ہیں جنکی عمر پندرہ سال سے اُوپر ہے۔ ہم کسی طرح سے اسکو ٹھیک تعداد یا ٹھیک کے قریب قریب بھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ جہاں احاطہ بمبئی میں ۱۱۰۸۷۔ اشخاص ہیں اور ممالک مغربی و شمالی میں بھی ۹۳۱ تعداد مردم شماری کی رپورٹ میں دکھائی گئی ہے۔ یہ امر کسیطرح قابل تسلیم نہیں ہو سکتا کہ پنجاب میں جو اس سلسلہ کا اصل گھر ہے ایکہزار سے کچھ اُوپر مرد ہیں۔ اس امر کی کہ کیوں رپورٹ میں کم تعداد آئی ہے بعض بڑی بڑی موٹی وجوہات ہیں۔ اول تو خود اس فرقہ کا نام ہی یعنی فرقہ احمدیہ اُسوقت رکھا گیا جبکہ مردم شماری کی کارروائی شروع ہو چکی تھی ہندوستان جیسے مُلک میں جہاں کثرت آبادی کی ان پڑھ ہے ایک واقع کو اشتہار کے ذریعہ شائع کر کے تمام لوگوں تک تھوڑے ہی عرصہ میں خبر پہنچا دینا قریبًا ناممکن ہے۔ دیہات یا دُور دُور کی جگہوں میں جنکا علم بھی نہ تھا کس طرح ممکن تھا کہ ہر ایک آدمی کو جو اس فرقہ میں داخل تھا خبر پہنچائی جاتی کہ فرقہ کا یہ نام رکھا گیا ہے مردم شماری ہو جانے کے بعد ایسے خطوط کا آنا کہ ہمیں نام کی خبر بعد ازوقت ملی ہے اس امر کی بڑی شہادت ہے کہ فرقہ کے تمام ممبروں کو وقت پر یہ اطلاع نہ پہنچ سکی تھی۔ دوسرے جو لوگ اس کام پر معین ہوتے ہیں اُنکو چنداں پرواہ نہیں ہوتی کہ ہر ایک کا فرقہ دریافت کریں اور پھر اسکا صحیح صحیح اندراج کریں۔ ایک آبادی ان پڑھ اور دوسرے شمار لینے والے خود اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ معمولی شُد بُود جانتے ہیں اور پھر ہر ایک شخص کے فرقہ کا نام پوچھ کر داخل کرنا اُنکے نزدیک غیر ضروری ہوتا ہے اور خود لوگوں کو اس قدر توجہ نہیں ہوتی کہ وہ اپنے فرقہ کا نام زور دیکر لکھوائیں۔ مردم شماری کی رپورٹ نے ایک طرح سے خود اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ اسکی تعداد کا اصل تعداد فرقہ سے بعض موقع پر بہت بڑا اختلاف ہوتا ہے۔ تیسری اور بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس نئے فرقہ کے برخلاف مذہب قوم کے

* یاد رہے کہ یہ مارچ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری ہے۔ منہ

لوگوں کو سخت تعصب اور عناد ہے۔ اور جہاں شمار کنندوں کی ایسی بڑی وسیع تعداد درکار ہو جیسا کہ ہندوستان کی آبادی کیلئے ہونی چاہئے وہاں ہر ایک قسم کا آدمی جو ملسکے شمار کنندہ بنانا پڑتا ہے کیونکہ پڑھے ہوئے لوگ دیہات میں بہت ہی کم ملتے ہیں۔

اس تفصیل کی کچھ ضرورت نہیں کہ فرقۂ احمدیہ پنجاب میں کس زور و شور سے ترقی کر رہا ہے ایک ہی دن جہلم میں جہانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۷ جنوری کو قیام پذیر تھے۔ چھ سو کے قریب آدمیوں نے بیعت کی۔ اصل بات یہ ہے کہ ایک طرف وہ امن پسند اور صلح جو تعلقات جو یہ سلسلہ نوع انسان کے ساتھ سکھاتا ہے۔ اور دوسری طرف وُہ اعلےٰ درجہ کی رُوحانی تعلیم جو یہ اللہ تعالےٰ کے متعلق پیش کرتا ہے یہ دونوں باتیں سمجھ دار دلوں کے لئے ایک کشش کا باعث ہو رہی ہیں۔

پنجاب کی رپورٹ مردم شماری میں ایک قابلِ افسوس غلطی بھی درج ہو گئی ہے جس کے دُور کرنیکے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مفصلہ ذیل چٹھی میں پنجاب گورنمنٹ کو توجہ دلائی ہے۔

"۱۔ پنجاب کی مردم شماری کی رپورٹ کے حصہ اول باب ۳ فقرہ ۹ ۳ صفحہ ۱۴۳ میں میرے متعلق لکھا گیا ہے کہ میرا پہلا کام بحیثیت ایک مولوی کے چوہڑوں کو تبلیغ کا تھا۔

۲۔ یہ بیان بالکل خلاف واقعہ اور بے بنیاد ہے اور میری عزت اور شہرت کو سخت نقصان پہنچانیوالا ہے۔

۳۔ جس شخص نے چوہڑوں کی تبلیغ کا دعویٰ کیا تھا وہ ایک بالکل الگ آدمی ہے جسکا نام امام الدین ہے جسکے اصول اسلام سے بالکل مخالف ہیں اور میں اور دیگر تمام سچے مسلمان ان اصولوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ شخص تیس سال سے زیادہ عرصہ سے میرے سخت مخالفوں میں سے ہے اور یہ بالکل بعید از انصاف ہے کہ ایک ایسے شخص کی تعلیم کو میری طرف منسوب کیا جائے جس سے میں سخت بیزار ہوں۔

۴۔ چوہڑے ایک ایسی قوم ہے جو اس ملک میں جرائم پیشہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور میرا تعلق ایسی قوم سے ظاہر کرنا جو ایک بالکل بے بنیاد امر ہے۔ میری طرف ایک ذلیل حالت کو منسوب کرنا ہے۔ چوہڑے ایک ذلیل قوم سمجھی جاتی ہے اور اس قسم کا بیان جو مردم شماری کی رپورٹ میں ہے میری شہرت کو سخت نقصان پہنچانیوالا اور میرے اور گورنمنٹ کے ہزارہا وفادار اور معزز رعایا کے لوگوں کے دلوں کو دُکھ دینے والا ہے جو مجھے اپنا روحانی پیشواء اور مذہبی سرگروہ تسلیم کرتے ہیں۔

۵- میرے اصول اور تعلیم جو میں ابتدا سے ہی لوگوں کو سکھاتا ہوں وہ ایسے اخلاق فاضلہ سکھانے والے اور اعلیٰ مراتب روحانیت پر پہنچانیوالے ہیں کہ چوہڑے تو ایکطرف رہے وہ مسلمان بھی نہ اُن کو قبول کر سکتے ہیں اور نہ اُنہوں نے قبول کیا ہے جو ذلیل حالت میں ہیں اور جنکی اخلاقی حالتیں گری ہوئی ہیں بلکہ ایسے فہیم اور شریف انسان انکو قبول کرتے ہیں جو نہایت پاکیزہ زندگیاں بسر کرتے ہیں - اور میرے پیروؤں میں کثرت سے رئیس جاگیردار معزز گورنمنٹ کے عہدیدار - سوداگر و فاضل علماء اور اعلےٰ درجے کے تعلیم یافتہ مسلمان ہیں -

۶- اسی قسم کا ایک بیان میرے متعلق پہلے گورداسپور گزیٹر میں کیا گیا تھا - لیکن جب گورنمنٹ کو اس غلطی کی طرف توجہ دلائی گئی تو گورنمنٹ نے اپنی چٹھی نمبر ۳۴۹ مورخہ ۱۹ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء (یعنی اُسوقت جبکہ مردم شماری ختم ہو چکی تھی) ہوم ڈیپارٹمنٹ میں یہ جواب دیا تھا کہ یہ فقرہ نظر ثانی کیوقت نکالدیا جاویگا اور کہ اسکے متعلق گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر کو ہدایت کردیگئی ہے -

۷- یہ فقرہ اب ایک ایسی کتاب میں درج کیا گیا ہے جو کہ دُنیا میں معتبر سمجھی جاتی ہے اور اگر اسکی تردید معاً ہی نکی جاوے تو میری عزت اور شہرت کو نقصان پہنچائیگا -

۸- یہی فقرہ مردم شماری کی رپورٹ کی بناء پر سول ملٹری گزٹ لاہور میں چھاپ دیا گیا - جسکا اور تردید نہ ہونے کی صورت میں دوسرے تمام اخبارات میں اندراج شائع ہوکر مجھے نقصان پہنچانیوالا ہوگا اور اسطرح تمام دُنیا کے سامنے غلطی سے میرا تعلق ایک ذلیل قوم کیساتھ ظاہر کیا جاویگا -

۹- میں رؤسا کے ایک ایسے خاندان سے ہوں جسکی گورنمنٹ ہمیشہ عزت کرتی رہی ہے بسبب اُن قابل قدر خدمات کے جو اس خاندان نے وفاداری سے کی ہیں اور میری نسبت یہ خلاف واقع بیان تمام خاندان کی شہرت اور عزت کو داغ لگانیوالا ہے -

۱۰- گورنمنٹ اس بیان کا جھوٹا اور بے بنیاد ہونا افسران ضلع کی معرفت تحقیق کر سکتی ہے - "

آخر میں یہ الفاظ فرقہ احمدیہ کے متعلق رپورٹ مردم شماری میں لکھے ہیں جو ذیل میں درج ہیں

"یہ فرقہ بڑے زور سے اس اعتقاد کو رد کرتا ہے کہ اسلام کا مہدی خونی مہدی ہوگا اور صحیح بخاری کی بناء پر جو حدیث کی کتابوں میں سب سے زیادہ معتبر ہے یہ روایت پیش کرتا ہے کہ وہ جنگ نہیں کریگا بلکہ مذہب کی خاطر جو لڑائیاں ہوتی ہیں اُنکو بند کر دیگا - اپنی ضخیم تصنیفات میں مرزا صاحب نے

جہاد کی تعلیم کے برخلاف بہت کوشش کی ہے اور اس بارے میں یہ فرقہ اس فرقہ اہلحدیث کے جو افراط کیطرف چلا گیا ہے بالکل مخالف ہے۔"

الہام و رویائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

۹-جنوری ۱۹۰۳ء- ان وعد اللہ اتیٰ ورکل ورکا فطوبیٰ لمن وجد ورایٰ قتل خیبۃ وزید ھیبۃ (ترجمہ- خدا کا وعدہ آگیا اور ایک پاؤں مارا اور بگڑے ہوئے کام کی اصلاح کی پس خوشخبری ہو اسکو جسنے اس وعدہ کو پالیا اور دیکھ لیا- ایک شخص نامراد مارا گیا اور اسکی ہلاکت ہیبت ناک ہوئی)-

۱۱-جنوری ایک کاغذ مجھے دکھایا گیا جسکا عنوان تھا بقیۃ الطاعون اور اُسکی پُشت پر ایک اعلان ہماری طرف سے ہی تھا-

۱۵-جنوری- بمقام لاہور- اریک برکات من کل طرف (میں تجھے ہر طرف سے برکتیں دکھاؤنگا)

۱۸-جنوری- اٰثرک اللہ علیٰ کل شئ (خدا نے تجھے ہر چیز پر اختیار کرلیا)

۱۹-جنوری- افانین اٰیات (گوناگون نشان)

رویا میں دیکھا کہ میں مصر کے دریائے نیل پر کھڑا ہوں اور میرے ساتھ بہت سے بنی اسرائیل ہیں اور میں اپنے آپکو موسیٰ سمجھتا ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھاگے چلے آتے ہیں۔ نظر اُٹھا کر پیچھے دیکھا تو معلوم ہوا کہ فرعون ایک لشکر کثیر کیساتھ ہمارے تعاقب میں ہے اور اُسکے ساتھ بہت سامان مثل گھوڑے اور گاڑیوں اور رتھوں کے ہے وہ ہمارے بہت قریب آگیا ہے- میرے ساتھی بنی اسرائیل بہت گھبرائے ہوئے ہیں اور بعض اُنمیں سے بیدل ہوگئے ہیں اور بلند آواز سے چلاتے ہیں کہ اے موسیٰ ہم پکڑے گئے تو مینے بلند آواز سے کہا کلا ان معی ربی سیھدین اتنے میں میں بیدار ہوگیا اور زبان پر یہی لفظ جاری تھے-

۲۴ جنوری- کاغذ پر لکھا ہوا دکھایا گیا- تفصیل ما صنع اللہ فی ھذا الباس بعد ما اشعتہ فی الناس

۲۹-جنوری- سا کرمک اکراما عجبا-

۲- فروری- سنجیک- سنعلیک- انی معک ومع اھلک- سمع الدعاء- دعاء مستجاب ساکرمک اکراما عجبا- انی مع الرسول اقوم واصلی واصوم واعطیک ما یدوم- انی مع الافواج اٰتیک بغتۃً-

رجسٹرڈ ایل ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے　　لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

بابت مارچ و اپریل سنہ ۱۹۰۳ء

جلد (۲)　　نمبر ۳ و ۴

فہرست مضامین

انجمن اشاعۃ الاسلام قادیان نے انوار احمدیہ پریس قادیان دار الامان میں باہتمام شیخ یعقوب علی تراب احمدی مالک مطبع چھپوا کر ۲ مارچ سنہ ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبدیل مذہب کی فلاسفی

آریہ سماج۔ اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ

اُس قادر اور سچّے اور کامل خدا کو ہماری رُوح اور ہمارا ذرہ ذرہ وجود کا سجدہ کرتا ہے جس کے ہاتھ سے ہر ایک رُوح اور ہر ایک ذرہ مخلوقات کا مع اپنے تمام قویٰ کے ظہور پذیر ہوا۔ اور جس کے وجود سے ہر ایک وجود قایم ہے اور کوئی چیز نہ اُس کے علم سے باہر ہے اور نہ اُس کے تصرّف سے اور نہ اُس کی خلق سے۔ اور ہزاروں درود اور سلام اور رحمتیں اور برکتیں اُس پاک نبی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوں جس کے ذریعہ سے ہم نے وہ زندہ خدا پایا جو آپ کلام کرکے اپنی ہستی کا آپ ہمیں نشان دیتا ہے اور آپ فوق العادت نشان دکھلا کر اپنی قدیم اور کامل طاقتوں اور قوتوں کا ہم کو چمکنے والا چہرہ دکھاتا ہے۔ سو ہم نے ایسے رسول کو پایا جس نے خدا کو ہمیں دکھلایا اور ایسے خدا کو پایا جس نے اپنی کامل طاقت سے ہر ایک چیز کو بنایا۔ اُس کی قدرت کیا ہی عظمت اپنے اندر رکھتی ہے جس کے بغیر کسی چیز نے نقش وجود نہیں پکڑا۔ اور جس کے سہارے کے بغیر کوئی چیز قایم نہیں رہ سکتی۔ وہ ہمارا سچا خدا بیشمار برکتوں والا ہے اور بے شمار قدرتوں والا اور بیشمار حُسن والا۔ اور بیشمار احسان والا۔ اُس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں۔

بعد ہذا واضح ہو کہ آج آریہ سماج قادیان کی طرف سے میری نظر سے ایک اشتہار گذرا[1] جس پر سات فروری ۱۹۰۳ء تاریخ لکھی ہے اور مطبع چشمہ نور پریس امرتسر میں چھپا ہے جس کا عنوان اشتہار پر یہ لکھا ہے۔ "قادیانی پوپ کے چیلوں کے ایک ڈینگ کا جواب"۔ اس اشتہار میں ہمارے سید و مولیٰ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور میری نسبت اور میری معزز احباب جماعت کی نسبت اس قدر سخت الفاظ اور گالیاں استعمال کی ہیں کہ بظاہر یہی دل چاہتا تھا کہ ایسے لوگوں کو مخاطب نہ کیا جائے مگر خدا تعالیٰ نے اپنی وحی خاص سے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ اس تحریر کا جواب لکھ اور میں جواب دینے میں تیرے ساتھ ہوں۔ تب مجھے اس مبشر وحی سے بہت خوشی پہنچی کہ جواب دینے میں مَیں اکیلا نہیں۔ سو میں اپنے خدا سے قوت پاکر اُٹھا اور اُس کی رُوح کی تائید سے میں نے اس رسالہ کو لکھا۔ اور جیسا کہ خدا نے مجھے تائید دی میں نے یہی چاہا کہ اُن تمام گالیوں کو جو میرے نبی مطاع کو اور مجھے دی گئیں نظر انداز کرکے نرمی سے جواب لکھوں اور پھر یہ کاروبار خدا تعالےٰ کے سپرد کردوں ❊

مگر قبل اس کے کہ میں اس اشتہار کا جواب لکھوں اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحتاً کہتا ہوں کہ جو کچھ اس اشتہار کے لکھنے والوں اور اُن کی جماعت نے محض دل دکھانے اور توہین کی نیت سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اعتراضات کے پیرایہ میں سخت الفاظ لکھے ہیں یا میرے نسبت مال خور اور ٹھگ اور کاذب اور نمک حرام کے لفظ کو استعمال میں لائے ہیں۔ اور مجھے لوگوں کا دغا بازی سے مال کھانے والا قرار دیا ہے اور یا جو میری جماعت کی نسبت سور اور کتے اور مردار خوار اور گدھے اور بندر وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور ملیچھ اُن کا نام رکھا ہے ان تمام دُکھ دینے والے الفاظ پر وہ صبر کریں اور میں اُس جوش اور اشتعال طبع کو خوب جانتا ہوں کہ جو انسان کو اس حالت میں پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ نہ صرف اس کو گالیاں دی جاتی ہیں بلکہ اُس کے رسول و ہادی و پیشوا

---

[1] اس کے بعد ایک اور تحریر ایک انگریزی اخبار میں جو آریہ سماج لاہور کی طرف سے نکلتی ہے اور ایک اور اشتہار طوطی رام نام ایک شخص کی طرف سے دیکھا گیا ❊ منہ

اور امام کو توہین اور تحقیر کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے اور سخت اور غضب پیدا کرنے والے
الفاظ سنائے جاتے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر تم ان گالیوں اور بدزبانیوں پر صبر نہ کرو تو
پھر تم میں اور دوسرے لوگوں میں کیا فرق ہوگا۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ تمہارے ساتھ ہوئی
اور پہلے کسی سے نہیں ہوئی۔ ہر ایک سچا سلسلہ جو دُنیا میں قائم ہوا ضرور دُنیا نے اُس سے
دشمنی کی ہے۔ سو چونکہ تم سچائی کے وارث ہو ضرور ہے کہ تم سے بھی دشمنی کریں۔ سو خبردار رہو
نفسانیت تم پر غالب نہ آوے ہر ایک سختی کی برداشت کرو ہر ایک گالی کا نرمی سے جواب
دو تا آسمان پر تمہارے لئے اجر لکھا جاوے۔ تمہیں چاہئے کہ آریوں کے رشیوں اور بزرگوں
کی نسبت ہرگز سختی کے الفاظ استعمال نہ کرو تا وہ بھی خدائے قدوس اور اُس کے رسول
پاک کو گالیاں نہ دیں۔ کیونکہ اُن کو معرفت نہیں دی گئی اس لئے وہ نہیں جانتے کہ کس کو
گالیاں دیتے ہیں۔ یاد رکھو کہ ہر ایک جو نفسانی جوشوں کا تابع ہے ممکن نہیں کہ اُس کے
لبوں سے حکمت اور معرفت کی بات نکل سکے بلکہ ہر ایک قول اُس کا فساد کے کیڑوں کا ایک
انڈہ ہوتا ہے بجز اس کے اور کچھ نہیں۔ پس اگر تم رُوح القدس کی تعلیم سے بولنا چاہتے
ہو تو تمام نفسانی جوش اور نفسانی غضب اپنے اندر سے باہر نکال دو تب پاک معرفت کے
بھید تمہارے ہونٹوں پر جاری ہونگے اور آسمان پر تم دُنیا کے لئے ایک مفید چیز سمجھے
جاؤ گے اور تمہاری عمریں بڑھائی جائیں گی۔ تمسخر سے بات نہ کرو اور ٹھٹھے سے کام نہ لو۔
اور چاہئے کہ سفلہ پن اور اوباش پن کا تمہاری کلام پر رنگ نہ ہو تا حکمت کا چشمہ تم پر کھلے۔
حکمت کی باتیں دلوں کو فتح کرتی ہیں لیکن تمسخر اور سفاہت کی باتیں فساد پھیلاتی ہیں جہاں
تک ممکن ہو سکے سچی باتوں کو نرمی کے لباس میں بتاؤ تا سامعین کے لئے موجب ملال نہ ہوں
جو شخص حقیقت کو نہیں سوچتا اور نفس سرکش کا بندہ ہو کر بدزبانی کرتا ہے اور شرارت کے
منصوبے جوڑتا ہے وہ ناپاک ہے اُس کو کبھی خدا کی طرف راہ نہیں ملتی اور نہ کبھی حکمت اور حق
کی بات اُسکے مونہہ پر جاری ہوتی ہے۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ خدا کی راہیں تم پر کھلیں تو نفسانی
جوشوں سے دُور رہو اور کھیل بازی کے طور پر بحثیں مت کرو کہ یہ کچھ چیز نہیں اور وقت ضائع کرنا
ہے۔ بدی کا جواب بدی کے ساتھ مت دو نہ قول سے نہ فعل سے تا خدا تمہاری حمایت کرے اور

چاہئے کہ دردمند دل کے ساتھ سچائی کو لوگوں کے سامنے پیش کرو نہ ٹھٹھے اور ہنسی سے کیونکہ مردہ ہے وہ دل جو ٹھٹھا ہنسی اپنا طریق رکھتا ہے۔ اور ناپاک ہے وہ نفس جو حکمت اور سچائی کے طریق کو نہ آپ اختیار کرتا ہے اور نہ دوسرے کو اختیار کرنے دیتا ہے سو تم اگر پاک علم کے وارث بننا چاہتے ہو تو نفسانی جوش سے کوئی بات منہ سے مت نکالو کہ ایسی بات حکمت اور معرفت سے خالی ہو گی اور سفلہ اور کمینہ لوگوں اور اوباشوں کی طرح نہ چاہو کہ دشمن کو خواہ نخواہ ہتک آمیز اور تمسخر کا جواب دیا جائے۔ بلکہ دل کی راستی سے سچا اور پُرحکمت جواب دو تا تم آسمانی اسرار کے وارث ٹھیرو ۔

اس جگہ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ قادیان کے آریوں کا یہ حملہ جو میرے پر کیا گیا ہے یہ ایک ناگہانی ہے۔ ان دنوں میں کوئی تحریر میری طرف سے شائع نہیں ہوئی اور نہ میرے قلم سے اور نہ میری تعلیم سے اور نہ میری تحریک سے کسی نے کوئی اشتہار شائع کیا۔ پس خواہ نخواہ مجھے نشانہ بنانا اور مجھے گالیاں دینا اور میرے سید و مولےٰ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نسبت توہین تحقیر کے الفاظ لکھنا اور اس طرح پر مجھے دوہری طور پر دکھ دینا میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس قدر نفسانی جوش کیوں دکھلایا گیا۔ بعض قادیان کے آریہ جو میرے پاس آتے تھے بارہا میں نے اُن کو نصیحت دی کہ زبان کی چالاکیوں کا نام مذہب نہیں ہے مذہب ایک پاک کیفیت ہے جو اُن لوگوں کے لئے پیدا ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کو پہچان لیتے ہیں۔ اور میں نے اُن کو بارہا یہ بھی کہا کہ دیکھو طاعون کا زمانہ ہے اور دُنیا کی تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ جب یہ کسی ملک میں بڑے زور سے بھڑکتی رہی ہے تو اس کا یہی موجب ہوتا رہا ہے کہ زمین پاپ اور گناہ سے بھر جاتی تھی اور خدا کی طرف سے جو آتا تھا اُس سے انکار کیا جاتا تھا اور جب ہی کہ آسمان کے نیچے اس قسم کا کوئی بڑا گناہ ظہور میں آیا اور بے باکی حد سے بڑھ گئی تب ہی یہ بلا ظہور میں آئی۔ اب بھی یہ گناہ انتہا تک پہنچ گیا ہے۔ دنیا میں ایک عظیم الشان بنی انسانوں کی اصلاح کیلئے آیا یعنے سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور اُس نے اس سچے خدا کی طرف لوگوں کو بلایا جس کو دُنیا بھول گئی تھی۔ لیکن اس زمانہ میں اسی کامل نبی کی ایسی توہین اور تحقیر کی جاتی ہے جس کی نظیر کسی

زمانہ میں نہیں بل سکتی۔ پھر خدا نے چودھویں صدی کے سر پر اپنے ایک بندہ کو جو یہی لکھنے والا ہے بھیجا تا اُس نبی کی سچائی اور عظمت کی گواہی دے اور خدا کی توحید اور تقدیس کو دُنیا میں پھیلاوے اُس کو بھی گالیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ سو یہ بُرے دن جو زمانہ دیکھ رہا ہے اس کا یہی باعث ہے کہ دلوں میں خدا کا خوف نہیں رہا اور زبانیں تیز ہو گئیں ہر ایک جوش محض قوم اور سوسائٹی کے لئے دکھلاتے ہیں۔ خدا کی عظمت ان لوگوں کے دلوں میں نہیں۔

غرض کئی دفعہ ایسی نصیحتیں قادیان کے ان آریوں کو کی گئیں لیکن نتیجہ برخلاف ہوا۔ اور وہ خدا کی عظمت سے بالکل نہیں ڈرے۔ شاید دلوں میں یہ خیال ہوگا کہ گو طاعون قادیان کے اردگرد لوگوں کو ہلاک کر رہی ہے مگر ہمیں کیا غم ہم تو ٹیکا لگانے کے بعد ہمیشہ کے لئے طاعون کے پنجہ سے رہائی یاب ہو گئے ہیں۔ بڑا تعجب ہے کہ ایسے خطرناک دن اور پھر یہ لوگ زبان کو اپنے قابو میں نہیں رکھتے۔ نہیں سوچتے کہ جس نبی کو ہم گالیاں دیتے ہیں۔ اور اُس کی تحقیر اور توہین کرتے ہیں اگر وہ خدا کی طرف سے ہے اور ضرور وہ خدا کی طرف سے ہے تو کیا یہ بدزبانیاں اور بے ادبیاں خالی جائیں گی۔ سنو اے غافلو! ہمارا اور اُن راستبازوں کا تجربہ جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں گواہی دیتا ہے کہ خدا کے پاک رسولوں کی بے ادبی کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ہر ایک نیک طینت جانتا ہے کہ خدا کے پاس ہر ایک بدی اور شوخی کی سزا ہے۔ اور ہر ایک ظلم کا پاداش ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

اب ہم آریہ صاحبوں کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں جو اُنہوں نے اپنے اشتہار میں ہماری جماعت کے نومسلم آریوں پر کیا ہے اور وہ یہ کہ یہ مسلمان ہونا اُن کا تب صحیح ہوتا کہ اوّل وہ چاروں وید پڑھ لیتے اور پھر ویدوں کے پڑھنے کے بعد چاہئے تھا کہ وہ آریہ دھرم کا اسلام سے مقابلہ کرتے اور پھر اس قدر تحقیق و تفتیش کے بعد اگر اسلام کو حق دیکھتے تو مسلمان ہو جاتے۔ سو واضح ہو کہ ہمارے نومسلم آریہ جہاں تک حق تحقیق کا ہے سب کچھ ادا کر کے مشرف باسلام

ہوئے ہیں۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ انہوں نے چاروں وید کب پڑھے ہیں۔ یہ اعتراض اُس صورت میں ہوسکتا تھا کہ جب اعتراض کرنے والے اپنے وید خوان ہونے کا ثبوت دیتے۔ افسوس کہ اُنہوں نے اعتراض کرتے وقت انصاف اور خدا ترسی سے کام نہیں لیا۔ بھلا اگر اُنہوں نے سچائی کی پابندی سے یہ اعتراض پیش کیا ہے تو ہمیں بتلا دیں کہ اُن میں سے وہ تمام لوگ رام رام کہنے والے جو سناتن دھرم پر قایم تھے اور پھر چند سال سے وہ آریہ بنے۔ اُنہوں نے کس پنڈت سے وید پڑھا ہے۔ کیونکہ اگر مذہب کی تبدیلی کے لئے پہلے ویدوں کا پڑھ لینا ضروری شرط ہے تو اس شرط سے آریہ کیونکر باہر رہ سکتے ہیں۔ یہ بات کس کو معلوم نہیں کہ پنڈت دیانند کے وجود سے پہلے اس ملک میں تمام ہندو سناتن دھرم رکھتے تھے۔ اور ابھی تک اُن کے ٹھاکر دوارے اس گاؤں میں بھی موجود ہیں۔ اور ان کے پنڈت اور وید دان آریہ ورت میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور بہتوں کو ہم نے خود دیکھا ہے۔ اور وید جو اُردو اور انگریزی میں ترجمہ ہو چکے ہیں ان پر نظر ڈال لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وید کے اکثر رکھ جو سناتن دھرم والے کہتے ہیں وہی ٹھیک ہیں۔ خیر اس بحث کو اس وقت جانے دو بہرحال جو اعتراض ان آریہ صاحبوں نے نومسلم ہندوؤں پر کیا ہے وہی اعتراض اُن پر بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک زمانہ تو وہ تھا کہ وہ رام چندر۔ کرشن اور دیگر اوتاروں کو پرمیشر جانتے تھے۔ مورتی پوجا کو وید کی ہدایت سمجھتے تھے اور سب سے زیادہ یہ کہ ویدانت کے اصول کے موافق اپنے تئیں پرمیشر ہی سے نکلے ہوئے خیال کرتے تھے اور پھر آریہ بننے کے بعد وہ سب خیالات پلٹ گئے اور بجائے اس کے کہ پرمیشر میں سے نکلے ہوں انادی اور غیر مخلوق کہلا کر خود قدیم اور پرمیشر کے شریک بن گئے۔ پس کیا اس قدر انقلاب کے لئے حسب عقیدہ اُن کے یہ ضرور نہ تھا کہ ہر ایک فرد اُن میں سے اول چاروں وید پڑھ لیتا پھر اپنے قدیم مذہب سناتن دھرم کو چھوڑتا اور آریہ سماج میں داخل ہوتا۔ پس اگر قادیان کے آریہ سماجیوں نے نومسلم آریوں پر اعتراض کرنے کے وقت جھوٹ اور حق پوشی سے کام نہیں لیا تو ہمیں دکھلا دیں کہ اُن کی جماعت آریوں میں سے کتنے وہ لوگ ہیں جن کو رگ اور یجر اور شام اور اتھربن وید سب کنٹھ ہیں۔ اگر اس بات میں وہ سچے نکلے کہ اپنی سب جماعت اُنہوں

نے وید دان ثابت کر دی تو کم سے کم ہم اُن کو شریف آدمی مان لیں گے جنہوں نے اپنے اعتراض میں کسی ایسی جھوٹی بات کو پیش نہیں کیا جس کے آپ وہ پابند نہیں تھے۔ یہ کس کو معلوم نہیں کہ یہ تمام مجمع قادیان والوں کا ایک بازاری دوکان نشینوں کا مجمع ہے جن میں سے کوئی ساہوکارہ کا شغل رکھتا ہے اور کوئی بزازی کرتا ہے اور کوئی نون تیل کی دوکان رکھتا ہے اور جہاں تک ہم کو علم ہے اُن میں سے ایک بھی وید دان نہیں۔ پس کیا اُن لوگوں کے مقابل پر وہ شریف نومسلم آریہ جاہل کہلا سکتے ہیں جو بعض اُن کے بی۔ اے تک تعلیم یافتہ ہیں اور انگریزی اور اُردو ترجمے ویدوں کے پڑھتے ہیں اور دن رات دین کی تعلیم پاتے ہیں ؞

پھر ماسوا اس کے یہ ہمارا دعوٰے صرف قادیان تک محدود نہیں بلکہ ہم اس امر کی پوری اطلاع رکھتے ہیں کہ ہر ایک شہر اور قصبہ کا آریہ سماج اکثر ایسے ہی ذخیرہ سے بھرا ہوا ہے اور یہ خیال ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے کہ جن لوگوں نے سناتن دھرم کو الوداع کہہ کر باوجود سخت اختلاف کے آریہ سماجی بننا قبول کیا ہے پہلے وہ اپنے گھر سے وید پڑھ کر آئے تھے بلکہ ہم زور سے کہتے ہیں کہ تمام پنجاب اور ہندوستان میں بجز معدودے چند جن کو انگلیوں پر گن سکتے ہیں تمام مجموعہ آریوں کا ایسا ہی ہے کہ ہر ایک دوکاندار یا ساہوکار نے آریوں میں نام لکھا رکھا ہے اور خود بجز بڑے پیٹ اور لمبی مونچھوں اور دوکان کے حساب کے اور کچھ یاد نہیں ؞

اور یہ باتیں میری بے تحقیق نہیں بلکہ میں آریہ صاحبوں کو ہزار روپیہ بطور انعام دینے کو تیار ہوں اگر وہ میرے پر ثابت کر دیں کہ جس قدر اُن کی فہرست میں ممبر درج ہیں یا یوں کہو کہ جس قدر آریہ سماجی کہلانے والے مرد ہوں یا عورات ہوں جو برٹش انڈیا میں موجود ہیں فیصدی اُن میں سے پانچ ایسے پنڈت پائے جاتے ہیں جو چاروں وید سنسکرت میں جانتے ہیں اگر چاہیں تو میں کسی سرکاری بینک میں یہ روپیہ جمع کرا سکتا ہوں۔ اب بتلاؤ کہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ خود را فضیحت و دیگرے را نصیحت اگر حیا اور سچائی سے کام لیا جاتا تو ایسے اعتراضات کی کیا ضرورت تھی جو خود آریہ سماج پر ہی وارد ہوتے ہیں۔ ہمارے دیکھنے کی بات ہے کہ آریوں کا یہ مجموعہ صرف اسی طرح پر طیار ہوا ہے کہ مہاجنوں ساہوکاروں

ملازموں کو طرح طرح کے حیلوں سے ترغیب دی گئی کہ تم آریہ سماج میں نام لکھا دو تو بہت سے لالہ صاحبوں نے اصلاح پر نام لکھا رکھے ہیں اور اصل حقیقت کی کچھ بھی خبر نہیں اور اکثروں کے گھروں میں دیوتا پرستی اور مورتی پوجا کے تعلقات بھی بدستور قائم ہیں۔ یہ بات ایسی مخفی نہیں ہے جس کی تحقیق کرنے کے لئے کچھ زیادہ مشقت کی حاجت ہو تم کسی شہر یا قصبہ میں چلے جاؤ اور تحقیقات کر لو کہ کس قدر اس میں آریہ سماجی ہیں اور کس قدر اُن میں سے ویددان ہیں پس جبکہ آریہ سماجی بننے کی یہ کیفیت ہے تو پھر کون ایسے تعلیم یافتہ نومسلم آریوں پر اعتراض کر سکتا ہے جو اوّل ہندو تھے اور پھر سناتن دھرم اور آریوں کے اصولوں کو خوب معلوم کر کے اور اس کے مقابل پر اسلام کے اصول دیکھ کر اور سچائی اور عظمت الٰہی ان میں مشاہدہ کر کے مشرف باسلام ہو گئے محض خدا کے لئے دکھ اٹھائے اور بیویوں بھائیوں عزیزوں سے الگ ہوئے اور قوم کی گالیاں سنیں۔ ان نومسلم آریوں کے تبدیل مذہب کو غرض نفسانی پر محمول کرنا یہ طعن ہندؤں کا کچھ نیا نہیں بلکہ قدیم سے اس مذہب کے متعصب لوگوں کی عادت ہے کہ جب کوئی اور معقول جواب نہیں آتا تو یہی کہہ دیا کرتے ہیں کہ مال کیلئے یا کسی عورت کیلئے ہندو مذہب کو چھوڑ دیا ہے اور یہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ کروڑ ہا ہندو جو مسلمان ہو گئے وہ مسلمان بادشاہوں کے جبر سے ہوئے تھے بعض ہندو جوش میں آکر یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ مسلمان ہونیوالے دراصل مسلمانوں ہی کا نطفہ ہیں اور نہیں سوچتے کہ یہ اعتراض تو ہماری ہی کروڑ ہا عورتوں پر آتا ہے۔ آجکل کی تحقیقات سے ثابت ہے کہ اسلامی بادشاہوں کے عہد کا زمانہ جو سات سو برس تک تھا اگر انگریزوں کے زمانے سے جو سو برس تک ابھی گذرا ہے مقابلہ کیا جائے تو اس میں جسقدر ہندو کثرت سے مسلمان ہوئے ہیں اسکی اوسط زیادہ نکلتی ہے اور خود غرضی کا الزام تو بہت ہی قابل شرم ہے کیونکہ بعض ہندو امیروں رئیسوں اور راجوں نے اسلام کے بعد کئی لاکھ روپیہ دینی امداد میں دیا ہے اور ہمارے غریب نومسلم آریہ ہمیشہ اپنی کمائی سے ہمیں چندہ دیتے ہیں پھر تعجب کہ یہ مخالف لوگ ایسے بے جا بہتانوں سے باز نہیں آتے اور جس حالت میں اکثر آریہ اپنی عورتوں کو چھوڑ کر اسلام کیطرف آتے ہیں تو اس صورت میں پھر انکو عورتوں کا الزام دینا کیا اس قسم کے اعتراضات دیانت کے اعتراض ہیں مثلاً ذرا سوچو کہ سردار فضل حق اور شیخ عبدالرحیم جو نومسلم آریہ ہیں ہندو ہونے کی حالت میں کس قسم کی حاجت رکھتے تھے جو اسلام سے پوری ہوئی ۔

تبدیل مذہب کے لئے جسقدر علم درکار ہے اسکی سچی فلاسفی

اب ہم فایدہ عام کے لئے اس امر کی سچی فلاسفی بیان کرتے ہیں کہ تبدیل مذہب کے لئے کس قدر واقفیت ضروری ہے۔ کیا بقول آریہ سماج قادیان جب مثلاً ایک ہندو تبدیل مذہب کرنے لگے تو اوّل اُس کو چاروں وید سنسکرت میں پڑھ لینے چاہئے یا عقل اور انصاف کے رُو سے اس میں کوئی اور قاعدہ ہے ؛

پس واضح ہو کہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ تبدیل مذہب کیلئے ایک ہندو کا یہ فرض ہے کہ اوّل چاروں وید سبقاً سبقاً کسی پنڈت سے پڑھ لے اور پھر اگر چاہے تو کوئی اور مذہب اختیار کرے۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہو تو مذہب کی تبدیلی کے لئے صرف وہی لوگ لایق ہونگے جو ویددان پنڈت ہوں حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ صدہا ہندو جو ویدوں کا ایک صفحہ بھی نہیں پڑھ سکتے سناتن دھرم سے نکل کر آریہ سماجی بنتے جاتے ہیں اور بموجب حال کی مردم شماری کے پنجاب میں آریہ مت والے مرد نو ہزار سے زیادہ نہیں اور اس قدر جماعت آریہ میں شاید ایک دو پنڈت ہوں یا نہ ہوں باقی سب عوام ہندو ہیں جو محض چند باتیں سُنکر آریہ بن گئے ہیں اور اپنے قدیم مذہب سناتن دھرم کو چھوڑ دیا ہے اور جیسا کہ آریہ سماجی لوگ مسلمان ہونے والے آریوں کا نام پرہشت اور ملیچھ رکھتے ہیں یہی نام سناتن دھرم کیطرف سے اُن کو ملتا ہے اور مذہب سے اُن کو خارج سمجھتے ہیں اور وید کے منکر قرار دیتے ہیں پھر باوجود اسقدر مخالفت شدید اور اختلاف عقاید کے جو سناتن دھرم اور آریہ سماجیوں میں اظہر من الشمس ہے ایک جاہل سے جاہل سناتن دھرم والا جب آریہ بننے کے لئے آتا ہے تو کوئی اُس کو نہیں کہتا کہ اوّل چاروں وید پڑھ لے۔ بلکہ اُسکا آریہ سماجی بننا غنیمت سمجھتے ہیں خاص کر اگر کوئی دولت مند ساہوکار ہو گو کیسا ہی جاہل ہو تو پھر کیا کہنا ہے ایک شکار ہاتھ آگیا اُسکو کون چھوڑے بھلا بتلائے آپکے لالہ ٹھاکر مال صاحب کتنے وید پڑھے ہوئے ہیں جو سناتن دھرم چھوڑ کر آریہ بن گئے ایسا ہی دوسرے لالہ صاحبان جو اُنہیں کے بھائی بند ہیں اپنے اپنے گریبانوں میں مُنہ ڈال کر سوچیں کہ

انکو ویددانی میں کیا کیا کمالات حاصل ہیں پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ جو اعتراض نومسلم آریوں پر کیا جاتا ہے وہی دراصل آریوں پر بھی ہوتا ہے مگر یاد رکھنا چاہئیے کہ جو آریہ ہندو مسلمان ہوتا ہے چونکہ اسکو پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو بہت سے دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑیگا اسلئے طبعاً وہ اُسی وقت مسلمان ہوتا ہے جب وہ اپنے دل میں حق اور باطل کا فیصلہ کر لیتا ہے ؛

اور یہ فیصلہ چاروں وید پڑھنے پر منحصر نہیں ورنہ تبدیل مذہب کا دروازہ ہی بند ہو جائے اور نیز اس صورت میں یہ بھی لازم آتا ہے کہ آریہ سماج والے بجز ایک دو ویدوان پنڈتوں کے جو اُن میں ہوں باقی سب ہندوؤں کو سناتن دھرم کیطرف واپس کر دیں اور اُن کو ہدایت کر دیں کہ جب تم وید پڑھ کر آؤ گے تب تمہیں آریہ سماج میں داخل کیا جاویگا پہلے نہیں۔ ہوشمند انسان اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر تبدیل مذہب کے لئے عالم فاضل ہونا ضروری ہے تو ہندوستاں کے کروڑہا ہندو عوام الناس جو کچھ علم نہیں رکھتے اور مختلف فرقوں پر تقسیم شدہ ہیں وہ آریہ سماج میں داخل ہونے کے لایق نہیں ہو سکتے جب تک سب کے سب ویدداں نہ ہوں اور شاستروں کو سبقاً سبقاً نہ پڑھ لیں۔

پس سنو اور خُوب کان کھول کر سنو کہ تبدیل مذہب کے لئے تمام جزئیات کی تفتیش کچھ ضروری نہیں بلکہ سچائی کی تلاش کرنے والے کے لئے مذاہب موجودہ کا باہم مقابلہ کرنے کے وقت اور پھر اُن میں سے سچا مذہب شناخت کرنے کے لئے صرف تین باتوں کا دیکھنا ضروری ہے

(۱) اوّل یہ کہ اس مذہب میں خدا کی نسبت کیا تعلیم ہے یعنے اُسکی توحید اور قدرت اور علم اور کمال اور عظمت اور سزا اور رحمت اور دیگر لوازم اور خواص الوہیت کی نسبت کیا بیان ہے کیونکہ اگر کوئی مذہب خدا کو وحدہ لاشریک قرار نہیں دیتا اور آسمان کے اجرام یا زمین کے عناصر یا کسی انسان یا کسی اور چیزوں کو خدا جانتا ہے یا خدا کے برابر ٹھہراتا ہے اور ایسی پرستشوں سے منع نہیں کرتا یا خدا کی قدرت کو ناقص خیال کرتا ہے اور جہاں تک امکانِ قدرت ہے وہاں تک قدرت کے سلسلہ کو نہیں پہنچاتا یا اُس کے علم کو ناتمام جانتا ہے یا اُسکی قدیم عظمت کے برخلاف کوئی تعلیم دیتا ہے یا سزا اور رحمت کے قانون میں افراط یا تفریط کی راہ لیتا ہے یا اُسکی رحمت عامہ جیسا کہ جسمانی طور پر محیط عالم ہے اسکے برخلاف کسی خاص قوم سے خدا کا خاص تعلق اور روحانی نعمت کے وسایل کو مخصوص

رکھتا ہے یا اُلوہیت کے خواص میں سے کسی خاصہ کے برخلاف بیان کرتا ہے تو وہ مذہب خدا کی طرف سے نہیں۔ (۲) دوسرے طالب حق کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس مذہب میں جس کو وہ پسند کرے اُس کے نفس کے بارے میں اور ایسا ہی عام طور پر انسانی چال چلن کے بارے میں کیا تعلیم ہے کیا کوئی ایسی تعلیم تو نہیں کہ جو انسانی حقوق کے باہمی رشتہ کو توڑتی ہو یا انسان کو دیوثی کیطرف کھینچتی ہو۔ یا دیوثی امور کو مستلزم ہو اور فطرتی حیا اور شرم کی مخالف ہو اور نہ کوئی ایسی تعلیم ہو کہ جو خدا کے عام قانون قدرت کے مخالف پڑی ہو اور نہ کوئی ایسی تعلیم ہو جس کی پابندی غیر ممکن یا مُنتج خطرات ہو اور نہ کوئی ضروری تعلیم جو مفاسد کے روکنے کے لئے اہم ہے ترک کی گئی ہو اور نیز یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ کیا وہ تعلیم ایسے احکام سکھلاتی ہے یا نہیں کہ جو خدا کو عظیم الشان مُحسن قرار دے کر بندہ کا رشتہ محبت اُس سے محکم کرتے ہوں اور تاریکی سے نور کیطرف لیجاتے ہوں اور غفلت سے حضور اور یادداشت کیطرف کھینچتے ہوں ٭

(۳) تیسرے طالب حق کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس مذہب کو پسند کرے جسکا خدا ایک فرضی خدا نہ ہو جو محض قصّوں اور کہانیوں کے سہارے سے مانا گیا ہو اور ایسا نہ ہو کہ صرف ایک مُردہ سے مشابہت رکھتا ہو کیونکہ اگر ایک مذہب کا خدا صرف ایک مُردہ سے مشابہ ہے جسکا قبول کرنا محض اپنی خوش عقیدگی کی وجہ سے ہے نہ اس وجہ سے کہ اس نے اپنے تئیں آپ ظاہر کیا ہے تو ایسے خدا کا ماننا گویا اُسپر احسان کرنا ہے اور جس خدا کی طاقتیں کچھ محسوس نہ ہوں اور اپنے زندہ ہونے کے علامات وہ آپ ظاہر نہ کرے اُسپر ایمان لانا بیفایدہ ہے اور ایسا خدا انسان کو پاک زندگی بخش نہیں سکتا اور نہ شبہات کی تاریکی سے باہر نکال سکتا ہے اور ایک مُردہ پرمیشر سے ایک زندہ کتّا بہتر ہے۔ جس سے کاشتکاری کر سکتے ہیں۔ پس اگر ایک شخص بے ایمانی اور دُنیا پرستی پر جھکا ہوا نہ ہو تو وہ زندہ خدا کو ڈھونڈیگا تا اُسکا نفس پاک اور روشن ہو جائے اور کسی ایسے مذہب پر راضی نہیں ہو گا جسمیں زندہ خدا اپنا جلوہ قدرت نہیں دکھلاتا اور اپنے جلال کی بھری ہوئی آواز سے تسلّی نہیں بخشتا ٭

یہ تین ضروری امر ہیں جو تبدیل مذہب کرنے والے کیلئے قابل غور ہیں پس اگر کوئی شخص کسی مذہب کو ان تین معیاروں کے رُو سے دوسرے مذاہب پر فایق اور غالب پا دے تو اُس کا

فرض ہوگا کہ ایسے مذہب کو اختیار کرے اور اس قدر تحقیق کے لئے نہ کسی بڑے پنڈت بننے کی حاجت ہے اور نہ کسی بڑے پادری بننے کی ضرورت ہے اور خدا نے جیسا کہ جسمانی زندگی کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے جیسے پانی۔ ہوا۔ آگ۔ اور خوردنی چیزیں وہ اُن کے لئے جو عمداً خودکشی نہ کرنا چاہیں بکثرت پیدا کر رکھی ہیں اسی طرح اُس نے رُوحانی زندگی کے لئے اپنی ہدایت کے طریقوں کو انسانوں کے لئے بہت سہل و آسان کر دیا ہے تا انسان اس مختصر عُمر میں فوق الطاقت مشکلات میں نہ پڑیں اور امور ثلاثہ جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں اُن کیلئے ایک عمر خرچ کرنی اور عالم فاضل بننے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر ایک حامیٔ مذہب جو اپنے اصُول شائع کرتا ہے اُنہیں اصولوں سے پتہ لگ جاتا ہے کہ وہ اس معیار کے موافق ہیں یا نہیں اور اگر وہ اپنے اصولوں کے بیان کرنے میں کچھ جھوٹ بولے یا کسی بات کو چھپاوے۔ تو وہ خیانت پوشیدہ نہیں رہ سکتی کیونکہ علمی زمانہ ہے اور صدہا پہلو ایسے ہیں جن سے حقیقت ظاہر ہوجاتی ہے۔

اب جبکہ مذکورہ بالا بیانات سے بہداہت ثابت ہے کہ تبدیل مذہب کے لئے ہرگز ایسی ضرورت نہیں کہ کسی دین کے تمام فروع اصول اور جزئیات کلیات معلوم کئے جائیں بلکہ امور متذکرہ بالا کی واقفیّت کافی ہے تو اس صورت میں ان نومسلم آریوں کا کیا قصور ہے جو ان ضروری امور کی تحقیق کر کے مشرف باسلام ہوئے ہیں اور جس صورت میں خود آریہ سماج کے گروہ میں سکھ جٹ سنار اور جاہل دوکاندار آریوں میں شامل ہیں جو بغیر چاروں وید پڑھنے کے بلکہ بدون ان امور ثلاثہ مذکورہ بالا کی تحقیق کے سناتن دھرم اور خالصہ مذہب سے جو ان کے قدیم مذاہب تھے دست بردار ہو کر آریہ مت میں داخل ہو گئے ہیں اور اکثر لوگ ان میں سے نادان اور جاہل ہیں گویا کل ذخیرہ آریہ مت کا بجز شاذ و نادر اشخاص کے اُنہیں عوام الناس سے بھرا ہوا ہے تو پھر کیوں ان غریب نومسلم آریوں پر اعتراض کیا جاتا ہے جنہوں نے ارکان ثلاثہ پر خوب غور کر کے مذہب اسلام اختیار کیا ہے۔ ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ یہ بات تعلیق بالمحال ہے کہ کسی مذہب کے اختیار کرنے کے لئے پہلے اپنے آبائی مذہب کی کتاب اور اسکی تفسیروں کو سبقاً سبقاً اول سے آخر تک پڑھ لینا ضروری ہے اس شرط کو نہ کوئی آریہ دکھا سکتا ہے اور نہ کوئی پادری بلکہ یہ صرف ناحق کی نیش زنی ہے جو راستبازی سے بعید ہے۔ دُنیا میں عالم فاضل کی ڈگری حاصل کرنے والے تو ہر

ایک مذہب میں تھوڑے ہوتے ہیں بلکہ تجر علمی میں پورے کامل ہر ایک ملک میں دس بیس سے زیادہ نہیں ہوتے مگر دوسرے لوگ کروڑہا ہوتے - جو نہ پنڈت کہلاویں اور نہ پادری کے نام سے ملقب ہوں اور نہ مولوی ہونے کا عمامہ سر پر رکھتے ہیں اور انہیں میں اکثر طالب حق بھی ہوتے ہیں اور ان کے لئے کافی ہوتا ہے کہ وہ اس قدر دیکھ لیں کہ کسی مذہب میں خدا کے بارے میں کیا تعلیم ہے اور پھر مخلوق کے بارے میں کیا تعلیم - اور پھر اس تعلیم کا ثمرہ کیا ہے کیا وہ اُس خدا تک پہنچاتی ہے اور اُس مخفی ذات کو دکھلاتی ہے جو زندہ خدا ہے یا اس کو محض قصّوں کے سہارے پر چھوڑتی ہے جیسا کہ ہم ان امور ثلاثہ کی ابھی تصریح کر چکے ہیں اور عقل سلیم ببداہت اس بات کو سمجھتی ہے کہ جو شخص ان تینوں امور میں کسی مذہب کو کامل پائیگا وہی مذہب سچا ہوگا - کیونکہ یہ تسلی جھوٹے مذہب میں ہرگز مل نہیں سکتی *

اب ہم ناظرین پر بڑے زور سے اس بات کا ثبوت ظاہر کرتے ہیں کہ یہ تینوں قسم کی خوبیاں محض اسلام میں پائی جاتی ہیں اور باقی جس قدر مذاہب روئے زمین پر ہیں کیا آریہ اور کیا عیسائی اور کیا کوئی اور مذہب وہ ان سہ گونہ خوبیوں سے خالی ہیں اور ہم طول بیان سے پرہیز کر کے ہر ایک خوبی کے ذیل میں اسلام اور ان دونوں مذہبوں کا کچھ ذکر کرینگے انشاءاللہ تعالےٰ *

اول

خدا تعالیٰ کے متعلق عیسائی صاحبوں اور آریہ صاحبوں کی کیا تعلیم ہے اور قرآن شریف کی کیا تعلیم

عیسائی صاحبان اس بات کے اقراری ہیں کہ اُن کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کامل خدا ہیں جن کے اندر چار روحیں موجود ہیں ایک بیٹے کی دوسرے باپ کی تیسری رُوح القدس کی چوتھی انسان کی اور یہ مربّع خدا ہمیشہ کے لئے مربّع ہوگا بلکہ اُس کو مخمس کہیں تو بجا ہے کیونکہ اس کے ساتھ جسم بھی ہمیشہ ہی رہیگا لیکن اب تک اس بات کا جواب نہیں دیا گیا کہ اُس خدا کا وہ جسم جو ختنہ کے وقت اُس سے علیحدہ کیا گیا تھا اور وہ جسم جو تحلیل ہوتا رہا اور ہمیشہ ناخنوں

اور بالوں کے کٹانے کی وجہ سے کم ہوتا رہا کیا وہ بھی کبھی اُس جسم کے ساتھ شامل کیا جائے گا یا ہمیشہ کے لئے اُس کو داغِ جدائی نصیب ہوا۔ ہر ایک عقلمند کو معلوم ہے کہ یہ علم طبعی کا مسلم اور مقبول اور تجربہ کردہ مسئلہ ہے کہ تین برس تک پہلا جسم تحلیل پاکر نیا جسم اسکی جگہ آجاتا ہے اور پہلے ذرات الگ ہو جاتے ہیں۔ پس اس حساب سے تینتیس برس کے عرصہ میں حضرت مسیح کے گیارہ جسم تحلیل پائے ہونگے اور گیارہ نئے جسم آئے ہوں گے۔ اب طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ گیارہ مفقود شدہ جسم پھر حضرت مسیح کے موجودہ جسم کے ساتھ شامل ہو جائیں گے یا نہیں اور اگر نہیں شامل ہوں گے تو کیا بوجہ کسی گناہ کے وہ علیحدہ رکھنے کے لائق تھے یا کسی اور وجہ سے علیحدہ کئے گئے اور اس ترجیح بلا مرجح کا کیا سبب ہے۔ اور کیوں جائز نہیں کہ اس موجودہ جسم کو دُور کر کے وہی پہلے جسم حضرت مسیح کو دے جائیں اور کیا وجہ کہ جبکہ گیارہ دفعہ اس بات کا تجربہ ہو چکا ہے کہ حضرت مسیح تمام انسانوں کیطرح تین برس کے بعد نیا جسم پاتے رہے ہیں اور تینتیس برس تک گیارہ نئے جسم پا چکے ہیں تو پھر کیوں اب باوجود دو ہزار برس گذرنے کے وہی پرانا جسم اُنکے ساتھ لازم غیر منفک رہا اگر اُس جسم کے غیر فانی بننے کی وجہ اُنکی خدائی ہے تو اُن پہلے دنوں میں بھی تو خدائی موجود تھی جبکہ ہر ایک تین برس کے بعد پہلا چولا جسم کا وہ اُتارتے رہے ہیں اور وہ جسم جو خدائی کا ہمسایہ تھا خاک و غبار میں ملتا رہا تو کیوں یہ موجودہ جسم بھی ان سے الگ نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی ذرہ سوچو کہ انسان کے جسم کے پہلے ذرات اس سے الگ ہو جانا تو کوئی غیر معمولی بات نہیں بلکہ رحم سے نکلتے ہی ایک حصہ اُس کے جسم کے زواید کا الگ کرنا پڑتا ہے اور ناخن اور بال ہمیشہ کٹانے پڑتے ہیں اور بسا اوقات بباعث بیماری بہت دُبلا ہو جاتا ہے اور پھر کھانے پینے سے نیا جسم آجاتا ہے مگر خدا کے گیارہ جسم اُس سے الگ ہو جائیں اسمیں بیشک خدا کی ہتک ہے ہاں جیسا کہ چاروں روحوں کے عقیدہ میں ایک راز تسلیم کیا گیا ہے اگر اس جگہ بھی یہی جواب دیا جائے کہ اسمیں بھی کوئی راز ہے تو پھر بحث کو ختم کرنا پڑتا ہے مگر بار بار راز کا بہانہ پیش کرنا یہ ایک بناوٹ اور کمزوری کی نشانی ہے۔

پھر دوسری تعجب یہ ہے کہ اس تخمیس کا نام تثلیث کیوں رکھا گیا ہے جبکہ بموجب عیسائی عقیدہ کے چاروں روحیں مسیح کے جسم میں ابدی اور غیر فانی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی الہ انسانی

رُوح بھی بباعث غیر فانی ہونے کے اس مجموعہ سے کبھی الگ نہیں ہوگی اور نہ کبھی جسم الگ ہوگا تو پھر یہ تخمیس ہوئی نہ تثلیث اب ظاہر ہے کہ واضعان تثلیث سے یہ ایک بڑی ہی غلطی ہوئی ہے جو اُنہوں تخمیس کو تثلیث سمجھ لیا مگر اب بھی یہ غلطی درست ہوسکتی ہے۔ اور جیساکہ گذشتہ دنوں میں تثلیث کے لفظ کی نسبت ثالوث تجویز کیا گیا تھا۔ اب بجائے ثالوث کے تخمیس تجویز ہوسکتی ہے غلطی کی اصلاح ضروری ہے دمگر افسوس کہ اس پانچ پہلو والے خدا کی کچھ نہ کچھ مرمت ہی ہوتی رہتی ہے۔

اب خلاصہ کلام یہ کہ عیسائی مذہب توحید سے تہیدست اور محروم ہے بلکہ ان لوگوں نے سچے خدا سے مُنہ پھیر کر ایک نیا خدا اپنے لئے بنایا ہے جو ایک اسرائیلی عورت کا بیٹا ہے مگر کیا نیا خدا اُن کا قادر ہے جیساکہ اصلی خدا قادر ہے۔ اس بات کے فیصلہ کیلئے تو اُس کی سرگذشت گواہ ہے کیونکہ اگر وہ قادر ہوتا تو یہودیوں کے ہاتھ سے ماریں نہ کھاتا۔ رومی سلطنت کی حوالات میں نہ دیا جاتا اور صلیب پر کھینچا نہ جاتا۔ اور جب یہودیوں نے کہا تھا کہ صلیب پر سے خود بخود اُتر آ ہم ابھی ایمان لے آئینگے اُس وقت اُتر آتا۔ لیکن اُس نے کسی موقعہ پر اپنی قدرت نہیں دکھلائی۔ رہے اُس کے معجزات سو واضح ہو کہ اس کے معجزات دوسرے اکثر نبیوں کی نسبت بہت ہی کم ہیں مثلاً اگر کوئی عیسائی ایلیا نبی کے معجزات سے جو بائیبل میں مفصل مرقوم ہیں جنہیں سے مُردوں کا زندہ کرنا بھی ہے مسیح ابن مریم کے معجزات کا مقابلہ کرے تو اُس کو ضرور اقرار کرنا پڑے گا کہ ایلیا نبی کے معجزات شان اور شوکت اور کثرت میں مسیح ابن مریم کے معجزات سے بہت بڑھ کر ہیں ہاں انجیلوں میں بار بار اس معجزہ کا ذکر ہے کہ یسوع مسیح مصروعوں یعنے مرگی زدہ لوگوں میں سے جن نکالا کرتا تھا اور یہ بڑا معجزہ اُس کا شمار کیا گیا ہے جو محققین کے نزدیک ایک ہنسی کی جگہ ہے آجکل کی تحقیقات سے ثابت ہے کہ مرض صرع ضُعف دماغ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے یا بعض اوقات کوئی رسولی دماغ میں پیدا ہوجاتی ہے اور بعض دفعہ کسی اور مرض کا یہ عرض ہوتی ہے لیکن ان تمام محققین نے کہیں نہیں لکھا کہ اس مرض کا سبب جن بھی ہؤا کرتے ہیں۔ قرآن شریف کا حضرت مسیح ابن مریم پر یہ بھی احسان ہے کہ اسکے بعض معجزات کا ذکر تو کیا لیکن یہ نہیں لکھا کہ وہ مرگی زدہ بیماروں میں سے جن بھی نکالا کرتا

تھا۔ اور قرآن شریف میں حضرت مسیح ابن مریم کے معجزات کا ذکر اس غرض سے نہیں ہے کہ اُس سے معجزات زیادہ ہوئے ہیں بلکہ اس غرض سے ہے کہ یہودی اس کے معجزات سے قطعاً منکر تھے اور اسکو فریبی اور مکار کہتے تھے پس خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہودیوں کے دفع اعتراض کے لئے مسیح ابن مریم کو صاحب معجزہ قرار دیا اور اسی حکمت کی وجہ سے اُسکی ماں کا نام صدیقہ رکھا کیونکہ یہودی اُسپر ناجایز تہمت لگاتے تھے سو مریم کا نام صدیقہ رکھنا اس غرض سے نہیں تھا کہ وہ دوسری تمام پاک دامن اور صالح عورتوں سے افضل تھی بلکہ اس نام کے رکھنے میں یہودیوں کے اعتراض کا ذب اور دفع مقصود تھا۔ اسی طرح جو احادیث میں لکھا گیا کہ عیسےٰ اور اُس کی ماں مس شیطان سے پاک تھی اس قول کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دوسرے نبی مس شیطان سے پاک نہیں تھے بلکہ غرض یہ تھی کہ نعوذ باللہ جو حضرت مسیح پر ولادت ناجایز کا الزام لگایا گیا تھا۔ اور حضرت مریم کو ایک ناپاک عورت قرار دیا گیا تھا۔ اس کلمہ میں اس کا رد مقصود ہے ایسا ہی حضرت مسیح کی پیدایش بھی کوئی ایسا امر نہیں ہے جس سے اُنکی خدائی مستنبط ہو سکے۔ اسی دھوکہ کے دُور کرنے کے لئے قرآن شریف اور انجیل میں حضرت عیسیٰ اور یحییٰ کی ولادت کا قصہ ایک ہی جگہ بیان کیا گیا ہے تا پڑھنے والا سمجھ لے کہ دونوں ولادتیں اگرچہ بطور خارق عادت ہیں لیکن اِن سے کوئی خدا نہیں بن سکتا ورنہ چاہیئے کہ یحییٰ بھی جسکا عیسائی یوحنا نام رکھتے ہیں خدا ہو بلکہ یہ دونوں امر اس بات کیطرف اشارہ تھا کہ نبوت اسرائیلی خاندان میں سے جاتی رہیگی یعنے جبکہ یسوع مسیح کا باپ بنی اسرائیل میں سے نہ ہوا اور یحییٰ کی ماں اور باپ اس لایق نہ ٹھہرے کہ اپنے نطفہ سے بچہ پیدا کر سکیں تو یہ دونوں بنی اسرائیلی سلسلہ سے خارج ہو گئے اور یہ آیندہ ارادہ الٰہی کے لئے ایک اشارہ قرار پا گیا کہ وہ نبوت کو دوسرے خاندان میں منتقل کریگا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا کوئی اسرائیلی باپ نہیں ہے پس وہ بنی اسرائیل میں سے کیونکر ہو سکتا ہے لہذا اسکا وجود اسرائیلی سلسلہ کے دائمی نبوت کی نفی کرتا ہے ایسا ہی یوحنا یعنے یحییٰ اپنے ماں باپ کے قویٰ میں سے نہیں ہے سو وہ بھی اسی کیطرف اشارہ ہے۔

اس تمام تحقیق سے ظاہر ہے کہ مسیح کے کسی معجزہ یا طرز ولادت میں کوئی ایسا اعجوبہ نہیں کہ وہ اسکی خدائی پر دلالت کرے اسی امر کیطرف اشارہ کرنے کے لئے خدا تعالےٰ نے مسیح کی ولادت کے

ذکر کے ساتھ یحیٰی کی ولادت کا ذکر کر دیا تا معلوم ہو کہ جیسا کہ یحیٰی کی خارق عادت ولادت انکو انسان ہونے سے باہر نہیں لے جاتی ایسا ہی مسیح ابن مریم کی ولادت اُس کو خدا نہیں بناتی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یوحنا کی ولادت حضرت عیسیٰ کی ولادت کوئی کم عجیب تر نہیں بلکہ حضرت عیسےٰ میں صرف باپ کی طرف میں ایک خارق عادت امر ہے اور حضرت یحیٰی میں ماں اور باپ دونوں کیطرف میں ایک خارق عادت امر ہے اور اُس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ حضرت یحیٰی کی پیدائش کا نشان بہت صاف رہا ہے کیونکہ اُن کی ماں پر کوئی ناجائز تہمت نہیں لگائی گئی اور بوجہ اس کے کہ وہ بانجھ تھی تہمت کا کوئی محل بھی نہ تھا۔ لیکن حضرت مریم پر تہمت لگائی گئی اور اس تہمت نے حضرت عیسیٰ کی ولادت کے اعجوبہ کو خاک میں ملا دیا مگر اس تہمت میں صرف یہودیوں کا قصور نہیں بلکہ خود حضرت مریم سے ایک بڑی بھاری غلطی ہوئی جس نے یہود کو تہمت کا موقعہ دیا اور وہ یہ کہ جب اُس نے اپنے کشف میں فرشتہ کو دیکھا اور فرشتہ نے اُس کو حاملہ ہونے کی بشارت دی تو مریم نے عمداً اپنے خواب کو چھُپایا اور کسی کے پاس اس کو ظاہر نہ کیا کیونکہ اس کی ماں اور باپ دونوں نے اس کو بیت المقدس کے نذر کیا تھا تاکہ وہ ہمیشہ تارک رہ کر بیت المقدس کی خدمت میں مشغول رہے اور کبھی خاوند نہ کرے اور بتول کا لقب اُس کو دیا گیا اور اُس نے آپ بھی یہی عہد کیا تھا کہ خاوند نہیں کرے گی اور بیت المقدس میں رہے گی۔ اب اس خواب کے دیکھنے سے اُسکو یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر میں لوگوں کے پاس یہ ظاہر کرتی ہوں کہ فرشتہ نے مجھے یہ بشارت دی ہے کہ تیرے لڑکا پیدا ہوگا تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ خاوند کرنا چاہتی ہے اسلئے وہ اس خواب کو اندر ہی اندر دبا گئی لیکن وہ خواب سچّی تھی اور ساتھ ہی اُسکے حمل ہو گیا۔ جس سے مریم مدت تک بیخبر رہی جب پانچواں مہینا حمل پر گذرا تب یہ چرچا پھیل گیا کہ مریم کو حمل ہے۔ اور اسوقت لوگوں کو خواب سنا دی لیکن اسوقت سُنانا بے فایدہ تھا آخر بزرگوں نے پردہ پوشی کے طور پر یوسف نام ایک شخص سے اس کا نکاح کر دیا۔ اسطرح پر یہ نشان مکدّر ہو گیا۔

رہی حضرت مسیح کی پیشگوئیاں پس وہ تو ایسی ہیں کہ اب تک یہودی اسپر ہنسی کرتے

کرتے ہیں کیونکہ ایسی باتیں کہ زلزلے آئینگے قحط پڑینگے لڑائیاں ہونگی عادت میں داخل ہیں اور ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں اور نیز یہودی کہتے ہیں کہ انکی کوئی بات بجز پیشگوئی کے زنگر بھی سچی نہیں نکلی چنانچہ یہ اعتراض اُن کے ابتک لا ینحل چلے آتے ہیں کہ حضرت عیسٰے نے باراں حواریوں کو جو ان کے سامنے موجود تھے بہشت کا وعدہ دیا تھا بلکہ اُن کے لئے باراں تخت تجویز کئے تھے لیکن آخر کار باراں میں سے گیارہ رہ گئے اور بارہواں حواری جو یہودا اسکریوطی تھا وہ مرتد ہوگیا اور تیس روپیہ لے کر حضرت عیسٰے کو اس نے گرفتار کرا دیا اگر یہ پیشگوئی خدا کی طرف سے ہوتی تو یہودا مرتد نہ ہوتا۔ ایسا ہی اُن کا یہ بھی اعتراض ہے کہ انکی یہ پیشگوئی کہ ابھی اس زمانہ کے لوگ زندہ ہونگے کہ میں واپس آجاؤنگا یہ پیشگوئی بھی بڑی صفائی سے خطا گئی۔ کیونکہ اُنیس سو برس گذر گئے اور اس زمانہ کے لوگ مدت ہوئی کہ مرکھپ گئے لیکن وہ واپس نہیں آئے۔

غرض ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ وہ ہرگز کسی بات پر قادر نہیں تھا صرف ایک عاجز انسان تھا اور انسانی ضعف اور لاعلمی اپنے اندر رکھتا تھا اور انجیل سے ظاہر ہے کہ اس کو غیب کا علم ہرگز نہیں تھا کیونکہ وہ ایک انجیر کے درخت کی طرف پھل کھانے گیا اور اُس کو معلوم نہ ہوا کہ اس پر کوئی پھل نہیں ہے اور وہ خود اقرار کرتا ہے کہ قیامت کی خبر مجھے معلوم نہیں پس اگر وہ خدا ہوتا تو ضرور قیامت کا علم اُسکو ہونا چاہئے تھا اسی طرح کوئی صفت الوہیت اُسمیں موجود نہیں تھی اور کوئی ایسی بات اسمیں نہیں تھی کہ دوسروں میں نہ پائی جائے عیسائیوں کو اقرار ہے کہ وہ مر بھی گیا۔ پس کیسے بدقسمت وہ فرقہ ہے جسکا خدا مر جائے۔ یہ کہنا کہ پھر زندہ ہوگیا تھا کوئی تسلی کی بات نہیں جس نے مرکر ثابت کر دیا کہ وہ بھی مرسکتا ہے اُس کی زندگی کا کیا اعتبار ؞

اس تمام تحقیق سے ظاہر ہے کہ موجودہ مذہب عیسائیوں کا ہرگز خدا تعالےٰ کیطرف سے نہیں ہے کیونکہ جسکو اُنھوں نے خدا قرار دیا ہے وہ کسی طرح خدا نہیں ہوسکتا۔ خدا پر ہرگز موت نہیں آسکتی اور نہ وہ علم غیب سے محروم ہوسکتا ہے۔

اب ہم اسی پیمانہ سے آریہ مذہب کو ناپنا چاہتے ہیں کہ آیا وہ سچے اور کامل اور وحدہ لاشریک خدا کو مانتے ہیں یا اُس سے برگشتہ ہیں۔ پس واضح ہو کہ اول علامت خدا شناسی کی توحید ہے یعنی خدا کو اس کی ذات اور صفات میں ایک ماننا اور کسی میں اُس کا کوئی شریک قرار نہ دینا۔ لیکن ظاہر ہے کہ آریہ سماجی لوگ ذرہ ذرہ کو خدا تعالیٰ کی ازلیت کی صفت میں شریک قرار دیتے ہیں* اور جس طرح خدا تعالیٰ اپنے وجود اور ہستی میں کسی خالق کا محتاج نہیں اسی طرح اُن کے نزدیک جیو یعنے روح اور پرمانو یعنے ذرات اجسام بھی اپنے وجود اور ہستی میں کسی خالق کیطرف محتاج نہیں بلکہ اپنی تمام قوتوں کیساتھ قدیم اور انادی ہیں اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی خدا ہیں اب ظاہر ہے کہ اس عقیدہ کے رُو سے نہ خدا کی توحید باقی رہتی ہے نہ اسکی عظمت میں سے کچھ باقی رہ سکتا ہے بلکہ اس صورت میں اُسکی شناخت پر کوئی دلیل بھی قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ صانع اپنے مصنوعات سے ہی شناخت ہوتا ہے پس جبکہ روحوں اور جسموں کی تمام قوتیں خود بخود اور قدیم ہیں تو پھر خدا کے وجود پر کونسی دلیل قائم ہوئی اور عقل انسانی نے کیونکر سمجھ لیا کہ وہ موجود ہے۔ یہ کہنا بیجا ہے کہ وہ ان ذرات کو جوڑتا ہے اور روح اور جسم کو تعلق بخشتا ہے اور اسی سے وہ پہچانا جاتا ہے کیونکہ صرف جوڑنے سے کوئی شخص خدا نہیں کہلا سکتا وجہ یہ کہ اگر صرف جوڑنے سے کوئی خدا کہلا سکتا ہے تو اس صورت میں تو تمام نجار اور معمار خدا کہلا سکتے ہیں کیونکہ جوڑنے کا کام تو انہیں بھی آتا ہے۔ دیکھو حال کے زمانہ میں کیسی کیسی عمدہ صنعتیں یورپ کے صناعوں نے ایجاد کی ہیں۔ یہاں تک کہ مادرزاد اندھوں کے دیکھنے کے لئے بھی ایک آلہ نکالا ہے۔ اور آئے دن کوئی نہ کوئی نئی صنعت نکال لیتے ہیں یہاں تک کہ ایک قسم کے مردہ جانوروں میں روح ڈالنے کا طریق بھی انہوں نے ایجاد کیا ہے یعنے جب کوئی جانور ایسے طور سے مر جائے جو اس کے اعضاء رئیسہ کو صدمہ نہ پہنچے اور اس کی موت پر کچھ زیادہ عرصہ بھی نہ گذرے تو وہ اس کو اپنی حکمت عملی سے دوبارہ زندہ کر دیتے ہیں گو حقیقی طور پر وہ زندگی نہیں ہوتی تاہم اعجوبہ نمائی میں کیا شک ہے۔ امریکہ میں آج کل یہ عمل کثرت سے پھیل رہا ہے مگر کیا ایسی صنعتوں سے وہ خدا کہلا سکتے ہیں۔

* یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ مسلمان بھی انسانی ارواح کو ابدی قرار دیتے ہیں کیونکہ قرآن شریف یہ نہیں سکھلاتا کہ انسانی ارواح اپنی ذات کے تقاضا سے ابدی ہیں بلکہ وہ یہ سکھلاتا ہے کہ یہ ابدیت انسانی روح کے لئے محض عطیہ الٰہی ہے ورنہ انسانی روح بھی دوسرے حیوانات کے روحوں کی طرح قابل فنا ہے۔ منہ

پس اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی قدرت میں جو ایک خصوصیت ہے جس سے وہ خدا کہلاتا ہے وہ روحانی اور جسمانی قوتوں کے پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔ مثلاً جانداروں کے جسم کو جو اُس نے آنکھیں عطا کی ہیں اسکا اصل کمال یہ نہیں ہے کہ اُس نے یہ آنکھیں بنائیں بلکہ کمال یہ ہے کہ اُس نے ذرات جسم میں پہلے سے ایک پوشیدہ طاقتیں پیدا کر رکھی تھیں جن میں بینائی کا نور پیدا ہو سکے پس اگر وہ طاقتیں خود بخود ہیں تو پھر خدا کچھ بھی چیز نہیں کیونکہ بقول شخصے کہ گھی سنوارے سالنا بڑی بہو کا نام۔ اس بینائی کو وہ طاقتیں پیدا کرتی ہیں خدا کو اس میں کچھ دخل نہیں اور اگر ذرات عالم میں وہ طاقتیں نہ ہوتیں تو خدائی بیکار رہ جاتی پس ظاہر ہے کہ خدائی کا تمام مدار اس پر ہے کہ اُس نے روحوں اور ذرات عالم کی تمام قوتیں خود پیدا کی ہیں اور کرتا ہے اور خود ان میں طرح طرح کے خواص رکھے ہیں اور رکھتا ہے پس وہی خواص جوڑنے کے وقت اپنا کرشمہ دکھلاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے خدا کے ساتھ کوئی موجد برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ گو کوئی شخص ریل کا موجد ہو یا تار کا یا فوٹو گراف کا یا پریس کا یا کسی اور صنعت کا اس کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ ان قوتوں کا موجد نہیں جن قوتوں کے استعمال سے وہ کسی صنعت کو تیار کرتا ہے بلکہ یہ تمام موجد بنی بنائی قوتوں سے کام لیتے ہیں جیسا کہ انجن چلانے میں بھاپ کی طاقتوں سے کام لیا جاتا ہے پس فرق یہی ہے کہ خدا نے عنصر وغیرہ میں یہ طاقتیں خود پیدا کی ہیں مگر یہ لوگ خود طاقتیں اور قوتیں پیدا نہیں کر سکتے پس جبتک خدا کو ذرات عالم اور ارواح کی تمام قوتوں کا موجد نہ ٹھیرایا جائے تب تک خدائی اُس کی ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی اور اس صورت میں اس کا درجہ ایک معمار یا نجار یا حداد یا گلگو سے ہرگز زیادہ نہیں ہوگا۔ یہ ایک بدیہی بات ہے جو رد کے قابل نہیں پس دانشمند کو چاہیئے کہ سمجھ کر جواب دے کہ بغیر سمجھے کے جواب دینا صرف بکواس ہے۔

یہ نمونہ آریہ سماجیوں کی توحید کا ہے اور پھر دوسرا امر کہ وہ اپنے پرمیشر کو قادر کس درجہ تک سمجھتے ہیں خود ظاہر ہے کیونکہ جب اُن کا یہ مانا ہوا اصول ہے کہ اُن کا پرمیشر ارواح کا خالق ہے نہ ذرات اجسام کا تو اس سے ظاہر ہے کہ اس کی قدرت انکے نزدیک صرف

اس حد تک ہے کہ وہ باہم جسم اور روح کو جوڑتا ہے اور جو ارواح اور اجسام میں گُن اور خواص اور عجیب و غریب قوتیں ہیں اور انکے نزدیک انادی اور خود بخود ہیں پرمیشر کا ان میں کچھ بھی دخل نہیں۔ اب اس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک اُن کے پرمیشر کی قوت اور قدرت نجّاروں اور آہنگروں وغیرہ صنّاعوں سے کچھ زیادہ نہیں کیونکہ زیادتی تو تب ہو کہ وہ ان قوتوں اور گنوں اور خاصیتوں کا پیدا کرنے والا بھی ہو اور جبکہ وہ سب خاصیتیں اور قوتیں اور گن اور طرح طرح کی طاقتیں ارواح اور ذرّات اجسام میں قدیم اور انادی ہیں جیسا کہ خود ارواح اور ذرّات اجسام قدیم اور انادی ہیں تو اس صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ جس پرمیشر نے ان ارواح اور ذرّات کو پیدا نہیں کیا اس نے انکی قوتوں کو بھی پیدا نہیں کیا کیونکہ کوئی چیز اپنی قوتوں سے الگ نہیں رہ سکتی۔ ہر ایک چیز کی قوتیں اسکے ساتھ ہوتی ہیں اور وہی اسکی صورت نوعیہ کو قایم رکھتی ہیں اور جب وہ قوت اور گُن باطل ہو جائے تو ساتھ ہی وہ چیز باطل ہو جاتی ہے پس اگر یہ مانا جائے کہ پرمیشر نے روحوں اور ذرات عالم کو پیدا نہیں کیا تو ساتھ ہی ماننا پڑتا ہے کہ اُس نے اسکی قوتوں اور گنوں اور خاصیتوں کو بھی پیدا نہیں کیا۔ اور اس صورت میں بدیہی طور پر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پرمیشر کی قدرت اور قوت انسانی قوت اور قدرت سے بڑھ کر نہیں کیونکہ ہم بار بار کہتے ہیں کہ انسان سے زیادہ پرمیشر میں یہی بات ہے کہ وہ قوتوں اور گنوں اور خاصیتوں کا اپنی قدرت سے پیدا کرنیوالا ہے مگر انسان گو کیسا ہی انواع اقسام کے ایجادات میں سبقت لیجائے مگر وہ قوتوں اور گنوں اور خاصیتوں کو اپنے مطلب کے موافق ارواح اور اجسام میں پیدا نہیں کر سکتا ہاں جو خدا کیطرف سے پہلے ہی سے قوتیں اور گن اور خاصیتیں موجود ہیں اُن سے کام لیتا ہے۔ مگر خدا نے انسانوں میں جس مطلب کا ارادہ کیا ہے پہلے سے اُس مطلب کے تکمیل کے لئے تمام قوتیں خود پیدا کر رکھی ہیں مثلاً انسانی روحوں میں ایک قوت عشقی موجود ہے اور گو کوئی انسان اپنی غلطی سے دوسرے سے محبت کرے اور اپنے عشق کا محل کسی اَور کو ٹھیراوے لیکن عقل سلیم بڑی آسانی سے سمجھ سکتی ہے کہ یہ قوت عشقی اسلئے روح میں رکھی گئی ہے کہ تا وہ اپنے محبوب حقیقی سے جو اُس کا خدا ہے اپنے سارے دل اور ساری طاقت اور سارے جوش سے پیار کرے

پس کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ قوت عشقی جو انسانی روح میں موجود ہے جسکی موجیں ناپیدا کنار ہیں اور جسکے کمال تموج کے وقت انسان اپنی جان سے بھی دست بردار ہونیکو طیار ہوتا ہی یہ خود بخود رُوح میں قدیم سے ہے ہرگز نہیں اگر خدا نے انسان اور اپنے ذات میں عاشقانہ رشتہ قایم کرنے کے لئے خود قوت عشقی پیدا کر کے یہ رشتہ آپ پیدا نہیں کیا تو گویا یہ امر اتفاقی ہے کہ پرمیشر کی خوش قسمتی سے روحوں میں قوت عشقی پائی گئی اور اگر اس کے مخالف کوئی اتفاق ہوتا یعنے قوت عشقی روحوں میں نہ پائی جاتی تو کبھی لوگوں کو پرمیشر کی طرف خیال نہ آتا اور نہ پرمیشر اسمیں کوئی تدبیر کر سکتا کیونکہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی۔ لیکن ساتھ ہی اس بات کو بھی سوچنا چاہیئے کہ پرمیشر کا بھگتی اور عبادت اور نیک اعمال کے لئے مواخذہ کرنا اسبات پر دلیل ہے کہ اُس نے خود محبت اور اطاعت کی قوتیں انسان کے روح کے اندر رکھی ہیں لہذا وہ چاہتا ہے کہ انسان جسمیں خود اس نے یہ قوتیں رکھی ہیں اسکی محبت اور اطاعت میں محو ہو جائے ورنہ پرمیشر میں یہ خواہش پیدا کیوں ہوئی کہ لوگ اُس سے محبت کریں اسکی اطاعت کریں اور اسکی مرضی کے موافق رفتار اور گفتار بناویں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ باہمی کشش کیلئے کسی قسم کا اتحاد ضروری ہے انسان انسان کے ساتھ اُنس رکھتا ہے اور بکری بکری کے ساتھ اور گائے گائے کیساتھ اور ایک پرندہ اپنے ہم قسم پرندہ کیساتھ پس جبکہ انسان کی روحانی اور جسمانی قوتوں کو پرمیشر کے ساتھ کوئی بھی رشتہ نہیں تو کس اشتراک سی باہمی کشش درمیان ہو صرف جوڑنے کا اشتراک کافی نہیں کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں جوڑنے میں پرمیشر اور ایک بیچارہ آہنگر برابر ہیں اگر ہمارا کوئی عضو اپنے ٹھکانہ سے اُتر جائے اور کوئی شخص اُسکو اصل جگہ سے جوڑ دے یا مثلاً اگر کسی کا ناک کٹ جائے اور کوئی شخص زندہ گوشت اُس ناک پر چڑھا کر اُس کو درست کر دے تو کیا وہ اُس کا پرمیشر ہو جائے گا۔ خدا کو پہلی کتابوں میں استعارہ کے طور پر پتا یعنے باپ قرار دیا گیا ہے اور قرآن شریف میں بھی فرمایا ہے فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم یعنے تم خدا کو ایسا یاد کرو جیسا کہ تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو اور فرمایا اللہ نور السموات والارض یعنے خدا اصل نور ہے ہر ایک نور زمین اور آسمان کا اسی سے نکلا ہے۔ پس خدا کا

نام استعارۃً پتا رکھنا اور ہر ایک نو کی جڑھ اسکو قرار دینا اسی کیطرف اشارہ کرتا ہے کہ انسانی رُوح کا خدا سے کوئی بھاری علاقہ ہے -

عربی میں آدمی کو انسان کہتے ہیں یعنے جس میں دو اُنس ہیں ایک اُنس خدا کی اور ایک اُنس بنی نوع کی - اور اسی طرح ہندی میں اُسکا نام مانس ہے جو مانوس کا مخفف ہے اس سے ظاہر ہے کہ انسان اپنے خدا سے طبعی اُنس رکھتا ہے اور مشرکانہ غلطی بھی در اصل اُسی سچے خدا کی تلاش کیوجہ سے ہے - ہم اپنے کامل ایمان اور پوری معرفت سے یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ اصول آریہ سماجیوں کا ہرگز درست نہیں کہ ارواح اور ذرات اپنی تمام قوتوں کے ساتھ قدیم اور انادی اور غیر مخلوق ہیں اس سے تمام وہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے جو خدا میں اور اُس کے بندوں میں ہے - یہ ایک نیا اور مکروہ مذہب ہے جو پنڈت دیانند نے پیش کیا ہے ہم نہیں جانتے کہ وید سے کہاں تک اس مذہب کا تعلق ہے لیکن ہم اس پر بحث کرتے ہیں کہ یہ اصول جو آریہ سماجیوں نے اپنے ہاتھ سے شائع کیا ہے یہ عقل سلیم کے نزدیک کامل معرفت اور کامل غور اور کامل سوچ کے بعد ہرگز درست نہیں - سناتن دھرم کا اصول جو اسکے مقابل پر پڑا ہوا ہے اسکو اگرچہ ویدانت کے بیجا مبالغہ نے بدشکل کر دیا ہے اور ویدانتیوں کی افراط نے بہت سے اعتراضات کا موقعہ دیدیا ہے تاہم اسمیں سچائی کی ایک چمک ہے اگر اُس عقیدہ کو زوائد سے الگ کر دیا جائے تو ماحصل اسکا یہی ہوتا ہے کہ ہر ایک چیز پرمیشر کے ہی ہاتھ سے نکلی ہے پس اس صورت میں تمام شبہات دُور ہو جاتے ہیں اور ماننا پڑتا ہے کہ بموجب اصول سناتن دھرم کے وید کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ یہ تمام ارواح اور ذرات اجسام اور اُن کی قوتیں اور طاقتیں اور گُن اور خاصیتیں خدا کیطرف سے ہیں -

یاد رہے کہ آریہ ورت میں مذہب قدیم جس پر کروڑہا انسان پائے جاتے ہیں سناتن دھرم ہے اگرچہ اس مذہب کو عوام نے بگاڑ دیا ہے اور مورتی پوجا اور دیویوں کی پرستش اور بہت سی مشرکانہ بدعتیں اور اوتاروں کو خدا سمجھنا گویا اس مذہب کی جُز ہو گیا ہے لیکن ان چند غلطیوں کو الگ کر کے بہت سی عمدہ باتیں بھی اس مذہب میں موجود ہیں اسی مذہب میں بڑے بڑے رشی اور مُنی اور جوگی ہوتے رہے ہیں اور نیز اس مذہب میں بڑے بڑے جپی تپی اور ریاضت

کرنے والے پائے گئے ہیں اب اگر کوئی چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔ لیکن جس مذہب کو پنڈت دیانند نے پیش کیا ہے اسمیں وہ روحانیت نہیں ہے جسکو سناتن دھرم کے بزرگوں نے پایا تھا گو آخر کار شرک کو اپنے عقاید میں ملاکر اُس روحانیت کو کھو دیا مخلوق کا خدا سے حقیقی تعلق تب ہی ٹھہرتا ہے جب مخلوق خدا کے ہاتھ سے نکلنے والے ہوں جس پر غیریت کا داغ ہے اس میں یگانگت کبھی نہیں آسکتی۔ ہم نے بڑے بڑے پنڈتوں سے سُنا ہے کہ پنڈت دیانند نے جو مذہب پیش کیا ہے یہ اس ملک کے خود رائے لوگوں کا مذہب تھا جو محض اپنی ناقص عقل کے پیرو تھے جیسے کہ یونان کے گمراہ فلاسفر اس لئے وہ وید کی چنداں پرواہ نہیں کرتے تھے غایت کار عوام کو مائل کرنے کے لئے تاویلوں کیساتھ کوئی وید کی شرتی اپنی تائید میں سناتے تھے تا اس طرح پر اپنے عقاید کو عوام میں پھیلا دیں ورنہ اصل عقیدہ وید کا وہی ہے جو سناتن دھرم کی روح میں مخفی ہے۔ ان لوگوں میں کسی زمانہ میں قابل تعریف عملی حالتیں تھیں اور وہ بنوں میں جاکر ریاضت اور عبادت بھی کرتے تھے اور ان کے دلوں میں نرمی اور سچی تہذیب تھی۔ کیونکہ اُن کا مذہب صرف زبان تک نہیں بلکہ دلوں کو صاف کرتے تھے اور وہ پرمیشر جس کا کتابوں میں اُنہوں نے نام سُنا تھا چاہتے تھے کہ اسی دنیا میں اس کا درشن ہو جائے اسلئے وہ بہت محنت کرتے تھے اور اس صدق کا نور اُنکی پیشانیوں میں ظاہر تھا۔ پھر بعد اسکے ایک اور زمانہ آیا کہ بت پرستی اور دیوتوں کی پوجا اور مورتی پوجا اور اوتاروں کی پوجا بلکہ ہر ایک عجیب چیز کی پوجا سناتن دھرم کا طریق ہو گیا اور وہ اُس طریق کو بھول گئے جو طریق راجہ رامچندر اور راجہ کرشن نے اختیار کیا تھا جن پر اُن کی راستبازی کیوجہ سے خدا ظاہر ہوا۔

بات یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے ہو جاتے ہیں اور واقعی اپنا وجود اور ذرہ ذرہ اپنے جسم کا خدا کیطرف سے سمجھتے ہیں انکو خدا اور بھی نعمت دیتا ہے اور جو لوگ اپنا روح اور اپنے جسم کا ذرہ ذرہ خدا کیطرف سے نہیں جانتے ان میں تکبر ہوتا ہے اور وہ دراصل خدا کے گہرے احسان اور اسکی کامل پرورش سے منکر ہوتے ہیں بلکہ اُنکے نزدیک جسقدر باپ کو اپنے بیٹے سے روحانی تعلق ہے اسقدر بھی خدا کو اپنے بندہ سے تعلق نہیں کیونکہ وہ مانتے اور قبول کرتے ہیں کہ بیٹا اپنی ماں

اور باپ کے اس قدر روحانی تعلق رکھتا ہے کہ اُن کے اخلاق سے حصہ لیتا ہے۔ مثلاً جب بیٹے کا باپ شجاعت کی صفت سے موصوف ہے بیٹے میں بھی وہ صفت کسی قدر آجاتی ہے اور جس باپ میں مادہ فراست اور عقل کا بہت ہے بیٹا بھی اُس میں سے کسی قدر حصہ پاتا ہے لیکن آریہ صاحبوں کا یہ مذہب نہیں ہے کہ انسانی رُوح میں جو اخلاق اور صفات اور قوتیں ہیں وہ خدا سے اُس کو ملی ہیں۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کہیں تو پھر اُنہیں روح کو مخلوق ماننا پڑے حالانکہ انسانی اخلاق خدا کے اخلاق کا پرتوہ ہیں جب خدا تعالیٰ نے روحوں کو پیدا کیا تو جس طرح باپ کے اخلاق کا بیٹوں میں اثر آجاتا ہے ایسا ہی بندوں میں اپنے خدا کا اثر آگیا۔

اور ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ خدا نے جو انسان کو اپنی طرف بلایا ہے اس لئے اُس نے پہلے سے پرستش اور عشق کے مناسب حال قوتیں اس میں رکھ دی ہیں۔ پس وہ قوتیں جو خدا کی طرف سے ہیں خدا کی آواز کو سُن لیتی ہیں۔ اسی طرح جب خدا نے چاہا کہ انسان خدا کی معرفت میں ترقی کرے تو اُس نے پہلے سے ہی انسانی روح میں معرفت کے حواس پیدا کر رکھے ہیں اگر وہ پیدا نہ کرتا تو پھر کیونکر انسان اُس کی معرفت حاصل کر سکتا تھا۔ انسان کی روح میں جو کچھ ہے دراصل خدا سے ہے اور وہ خدا کی صفات ہیں جو انسانی آئینہ میں ظاہر ہیں ان میں سے کوئی صفت بُری نہیں بلکہ ان کے بد استعمالی اور ان میں افراط تفریط کرنا بُرا ہے شاید کوئی جلدی سے یہ اعتراض کرے کہ انسان میں حسد ہے بغض ہے اور دوسری صفات ذمیمہ ہوتے ہیں پھر وہ کیونکر خدا کی طرف سے ہو سکتے ہیں پس واضح رہے کہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں دراصل تمام انسانی اخلاق الٰہی اخلاق کا ظل ہیں کیونکہ انسانی روح خدا سے ہے لیکن کمی یا زیادتی یا بد استعمالی کی وجہ سے وہ صفات ناقص انسانوں میں مکروہ صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً حسد انسان میں ایک بہت بُرا خلق ہے جو چاہتا ہے جو ایک شخص سے ایک نعمت زائل ہو کر اُس کو مل جائے لیکن اصل کیفیت حسد کی صرف اس قدر ہے کہ انسان اپنے کسی کمال کے حصول میں یہ روا نہیں رکھتا کہ اُس کمال میں اُس کا کوئی شریک بھی ہو پس درحقیقت یہ صفت خدا تعالیٰ کی ہے جو اپنے تئیں ہمیشہ وحدہٗ لاشریک دیکھنا چاہتا ہے۔ پس ایک قسم

کی بد استعمالی سے یہ عمدہ صفت قابل نفرت ہو گئی ہے ورنہ اس طرح پر یہ صفت مذموم نہیں
کہ کمال میں سب سے زیادہ سبقت چاہے اور روحانیت میں تفرد اور یکتائی کے درجہ
پر اپنے تئیں دیکھنا چاہئے۔

پھر ماسوائے اس کے اگر خدا کو قادر نہ مانا جاوے تو پھر اس سے ساری امیدیں
باطل ہو جاتی ہیں کیونکہ ہماری دعاؤں کی قبولیت اس بات پر موقوف ہے کہ خدا تعالے
جب چاہے ذرات اجسام میں یا ارواح میں وہ قوتیں پیدا کر دے جو اُن میں موجود نہ
ہوں۔ مثلاً ہم ایک بیمار کے لئے دعا کرتے ہیں اور بظاہر مرنے والے آثار اس میں ہوتے
ہیں تب ہماری درخواست ہوتی ہے کہ خدا اسکے ذرات جسم میں ایک ایسی قوت پیدا کر دے
جو اس کے وجود کو موت سے بچالے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر وہ دُعا قبول ہوتی ہے۔ اور بسا
اوقات اوّل ہمیں علم دیا جاتا ہے کہ یہ شخص مرنے پر ہے اور اسکی زندگی کی قوتوں کا خاتمہ ہے
لیکن جب دعا بہت کی جاتی ہے اور انتہا تک پُہنچ جاتی ہے اور شدّت دعا اور قلق اور
کرب سے ہماری حالت ایک موت کی سی ہو جاتی ہے تب ہمیں خدا سے وحی ہوتی ہے
کہ اس شخص میں زندگی کی طاقتیں پھر پیدا کی گئیں تب وہ یک دفعہ صحت کے آثار ظاہر کرنے
لگتا ہے۔ گویا مردہ سے زندہ ہو گیا۔

ایسا ہی مجھے یاد ہے کہ جب میں نے طاعون کے وقت میں دعا کی کہ اے خدا اسے
قادر ہمیں اس بلا سے بچا اور ہمارے جسم میں وہ ایک تریاقی خاصیت پیدا کر دے جس سے
ہم طاعون کے زہر سے بچ جائیں۔ تب وہ خاصیت خدا نے ہم میں پیدا کر دی اور فرمایا کہ
میں طاعون کی موت سے تمہیں بچاؤں گا اور فرمایا کہ تیرے گھر کی چار دیواری کے لوگ جو تکبر
نہیں کرتے یعنے خدا کی اطاعت سے سرکش نہیں اور پرہیزگار ہیں میں اُن سب کو بچاؤنگا۔
اور نیز میں قادیان کو طاعون کے سخت غلبہ اور عام ہلاکت سے محفوظ رکھونگا۔ یعنے وہ سخت
تباہی جو دوسرے دیہات کو فنا کر دیگی اس قدر قادیان میں تباہی نہیں ہوگی سو ہم نے
دیکھا اور خدا تعالیٰ کی ان تمام باتوں کو مشاہدہ کیا۔ پس ہمارا خدا یہی خدا ہے جو نئی نئی قوتیں
اور گن اور خاصیتیں ذرات عالم میں پیدا کرتا ہے اس سے پہلے پانسو برس تک پنجاب میں

اس مہلک طاعون کا پتہ نہیں ملتا اُس وقت یہ ذرّات کہاں تھے۔ اب جب خدا نے پیدا
کئے تو پیدا ہو گئے اور پھر ایسے وقت رخصت ہونگے جب خدا تعالےٰ اُن کو رخصت کرے گا
ہمارا یہ طریق ہر ایک آریہ کے لئے ایک نشان ہوگا کہ ہم نے اس کامل خدا سے خبر پاکر ٹیکا
کے انسانی حیلہ سے دستکشی کی اور بہت سے لوگ ٹیکا کرانے والے اس جہان سے گذر
گئے اور ہم ابتک خدا تعالےٰ کے فضل سے زندہ موجود ہیں۔ پس اسی طرح خدا تعالےٰ ذرات
پیدا کرتا ہے جس طرح اُس نے ہمارے لئے ہمارے جسم میں تریاقی ذرات پیدا کر دیئے۔ اور اسی
طرح وہ خدا روح پیدا کرتا ہے جس طرح مجھ میں اُس نے وہ پاک روح پھونک دی جس سے
میں زندہ ہو گیا۔ ہم صرف اس بات کے محتاج نہیں کہ وہ روح پیدا کرکے ہمارے جسم کو
زندہ کرے بلکہ خود ہماری رُوح بھی ایک اَور رُوح کی محتاج ہے جس سے وہ مردہ رُوح زندہ
ہو۔ پس ان دونوں روحوں کو خدا ہی پیدا کرتا ہے۔ جس نے اس راز کو نہیں سمجھا وہ خدا کی
قدرتوں سے بے خبر اور خدا سے غافل ہے۔

اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ خدا تعالےٰ کے علم کے بارے میں آریہ سماجیوں کا
کیا عقیدہ ہے۔ واضح ہو کہ عقل سلیم اس بات کی ضرورت سمجھتی ہے کہ خدا تعالےٰ
عالم الغیب ہو اور کوئی ایسا مخفی امر نہ ہو جس پر اس کا علم محیط نہ ہو۔ لیکن آریہ صاحبوں
کے عقیدہ سے یہی لازم آتا ہے کہ اُن کا پرمیشر ارواح اور ذرات کی مخفی درمخفی قوتوں
اور خاصیّتوں کا علم نہیں رکھتا کیونکہ ابھی تک اس کو اسی قدر خبر ہے کہ جو کچھ کسی انسان
یا حیوان میں گن اور قوت اور خوبی ہے وہ گذشتہ اعمال کی وجہ سے ہے پس
اگر اُس کو یہ بھی معلوم ہوتا کہ علاوہ جسم دار جانداروں کے خود روحوں میں بھی انواع
اقسام کی قوتیں اور گُن اور خوبیاں ہیں جو کبھی اُن سے دور نہیں ہوتیں تو وہ اُن
کے لئے بھی کوئی گذشتہ جنم تجویز کرتا۔ اور اُن کو انادی قرار نہ دیتا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ
کسی چیز کے خواص اُس سے منفک نہیں ہوتے پس فرض کے طور پر اگر انسانی روح گدھے
میں آجاتا ہے تو وہ اپنے طبعی خواص کو کسی طرح چھوڑ نہیں سکتا گو اُس جون میں اُن خواص کو
ظاہر کرے یا نہ کرے کیونکہ اگر کسی جون کے بدلنے سے اصلی خواص اور قوتیں روح کی قطعاً

اس سے دور ہو جاویں تو پھر خود بقول آریہ صاحبان اعادہ اسکا محال ہوگا کیونکہ نیستی سے ہستی نہیں ہوسکتی جو قوت درحقیقت روح میں سے معدوم ہو گئی اسکا دوبارہ روح میں موجود ہو جانا درحقیقت نیست سے ہست ہو جانا ہے اور اگر تناسخ کے چکر میں آکر روح کی قوتیں معدوم نہیں ہوتیں تو تناسخ کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا پس جبکہ پرمیشر نے ان غیر منفک قوتوں کو تناسخ کے چکر سے باہر رکھا ہی تو اس سے معلوم ہوا کہ اسکو ان مخفی قوتوں اور خوبیوں کی خبر ہی نہیں اور نہ یہ معلوم کہ کن عملوں کے پاداش میں یہ قوتیں اور یہ گُن اور خوبیاں روحوں کو ملی ہیں۔ علاوہ اس کے اگر پرمیشر کو اس بات کا کامل علم ہے کہ روح کیا چیز ہے اور اُس کے خواص اور قوتیں کیا ہیں تو پھر کیوں وہ اس کے بنانے پر قادر نہیں۔ یہ تو آریہ صاحبوں کے نزدیک مانا ہوا مسئلہ ہے کہ ارواح اپنے شمار میں محدود ہیں اور محدود وقت تک اپنا دورا پورا کرتی ہیں پس محدود اور معلوم کے بنانے پر کیوں خدا قادر نہیں اور کس نے ان روحوں کو شمار مقررہ تک محدود کر دیا ہے اگر خدا ان کا محدد نہیں۔ اگر وہ روحیں خدا کی بنائی ہوئی نہیں تو انکی نسبت خدا کا علم ایسا کیونکر کامل ہوسکتا ہے جیسا کہ بنانیوالے کا علم ہوتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ بنانیوالے اور غیر بنانے والے کا علم برابر نہیں ہوتا۔ مثلاً جو لوگ اپنے ہاتھ سے کوئی صنعت بناتے ہیں جیسے وہ لوگ اس صنعت کی دقیق در دقیق کیفیتوں پر واقف ہوتے ہیں دوسرے لوگ ایسی اطلاع نہیں رکھتے اور اگر کامل طور پر اطلاع رکھتے تو بنا بھی سکتے یہ بات مسلّم اور مقبول ہے کہ جو بنانے والے کو ایک قسم کا علم ہوتا ہے۔ وہ دوسرے شخص کو نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ خیال بھی کرے کہ میں علم رکھتا ہوں تب بھی اُسکا وہ خیال غلط ہے اور در اصل ایک قسم کی ناواقفی کا پردہ اس پر ضرور رہتا ہے مثلاً ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ روٹی اسطرح پکاتے ہیں اور ہمارے روبرو وہ روٹی بنائی جاتی ہے اور عمدہ اور لطیف پھلکے اور نان اور کلچے تیار ہوتے ہیں لیکن اگر ہم کبھی اپنے ہاتھ سے یہ کام کرنا چاہیں تو اوّل غالباً یہی ہوگا کہ ہم گوندھنے کے وقت آٹے کو ہی خراب کرینگے اور وہ پتلا ہو کر روٹی پکانے کے لایق ہی نہیں رہیگا یا گاڑھ اور سخت ہو کر اس کام کے ناقابل ہوگا اور یا اُس میں آٹے کی گانٹھیاں پڑ جائینگی۔ اور اگر ہم نے مطلب کے موافق آٹا گوندھ

کبھی لیا تو پھر روٹی ہم سے ہرگز درست نہیں آئے گی۔ غالباً بیچ میں اس کے ایک ٹکی رہیگی اور گرد اس کے بڑے بڑے کان نکل آئیں گے اور کسی جگہ سے پتلی اور کسی جگہ سے موٹی اور اور کسی جگہ سے کچی اور کسی جگہ سے سڑی ہوئی ہوگی پس کیا سبب ہے کہ باوجود ہر روز مشاہدہ کے ہم صاف روٹی پکا نہیں سکیں گے اور باوجودیکہ وقت بہت خرچ کرینگے لیکن کام بگاڑ دینگے اس کا یہی سبب ہے کہ ہمارے پاس وہ علم نہیں کہ جو اُس شخص کو علم ہے جو بیس برس سے ہر قسم کی روٹیاں اپنے ہاتھ سے پکا رہا ہے ۔

اسی طرح دیکھو کہ تجربہ کار ڈاکٹر کیسے کیسے نازک اپریشن کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ گردہ میں سے پتھریاں نکال لیتے ہیں۔ اور بعض ڈاکٹروں نے انسان کے سر کے بیکار اور زخم رسیدہ کھوپری کو کاٹ کر اسی قدر حصہ کسی اور جانور کی کھوپری کا اس سے پیوست کر دیا ہے اور دیکھو وہ کیسی عمدگی سے بعض نازک اعضاء کو چیرتے ہیں یہاں تک کہ انتڑیوں میں جو بعض پھوڑے پیدا ہوتے ہیں نہایت صفائی سے ان پر عمل جراحی کرتے ہیں۔ اور نزول الماء کے موتی کو کیسی صفائی سے کاٹتے ہیں اب اگر یہی عمل ایک دہقان بغیر تجربہ اور علم کے کرنے لگے تو اگر آنکھ پر کوئی نشتر چلاوے تو دونوں ڈیلے نکال دیگا اور اگر پیٹ پر چلاوے تو وہیں بعض اعضاء کو کاٹ کر زندگی کا خاتمہ کر دیگا ۔ اب ظاہر ہے کہ اس دہقان اور ڈاکٹر میں فرق صرف علم کا ہے کیونکہ ڈاکٹر کو کثرت تجربہ اور عملی مزاولت سے ایک قسم کا علم حاصل ہو گیا ہے جو اُس دہقان کو حاصل نہیں ۔ دیکھو ہمیشہ شفاخانوں میں بیماروں کیلئے خدمت کرنیوالے اور سقّے وغیرہ موجود رہتے ہیں اور وہ ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر کس کس قسم کے اپریشن کرتا ہے لیکن اگر وہ آپ کرنے لگیں تو بیشک کسی انسان کا خون کر دینگے پس اسمیں کچھ شک نہیں کہ عملی مزاولت میں ایک خاص علم ہو جاتا ہے کہ دوسرے کو نہیں ہو سکتا اسی طرح آریہ صاحبوں کو اس بات کا اقرار کرنا پڑیگا کہ اگر اُن کا پرمیشر روحوں اور ذرات عالم کا خالق ہوتا تو اسکا علم موجودہ حالت سے بہت زیادہ ہوتا۔ اسی اقرار سے یہ بھی انکو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ انکے پرمیشر کا علم ناقص ہے کیونکہ بنانے والا اور نہ بنانے والا حقیقت شناسی میں برابر نہیں ہو سکتے اور جب خود مان لیا جائے کہ پرمیشر نے نہ روحوں

کو بنایا نہ انکی قوتوں کو اور نہ ان کی خاصیتوں کو اور نہ پرمانو یعنے ذرات اجسام کو بنایا اور نہ انکی قوتوں اور خاصیتوں اور گنوں کو تو اُس پر کیا دلیل ہے کہ ایسے پرمیشر کو اُن قوتوں اور خاصیتوں اور گنوں کا علم بھی ہے یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اس کو علم ہے کیونکہ محض عقیدہ پیش کرنا کوئی دلیل نہیں ہے اور ابفرض محال اگر کسی قدر علم مان بھی لیں تو وہ علم اس علم کے برابر کب ہو سکتا ہے کہ اس حالت میں ہوتا کہ جبکہ پرمیشر نے روحوں اور ذرات عالم اور اُن کی قوتوں اور خاصیتوں کو اپنے ہاتھ سے بنایا ہوتا کیونکہ تمام عقلمندوں کی یہ مانی ہوئی بات ہے کہ بنانے والے اور نہ بنانے والے کا علم برابر نہیں ہوتا جیساکہ ابھی ہم اوپر بیان کر چکے ہیں لیکن قرآن شریف ہمیں سکھلاتا ہے کہ وہ روحوں اور ذرات عالم کی تمام اندرونی کیفیتیں اور قوتیں اور خاصیتیں جانتا ہے اور قرآن شریف میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں اس لئے اندرونی حالات ارواح اور ذرات کے جانتا ہوں کہ میں اُن سب چیزوں کا بنانیوالا ہوں لیکن وید کا پرمیشر کوئی دلیل نہیں دیتا کہ بلاتعلق اور بلا واسطہ کیوں اور کس وجہ سے ارواح کی پوشیدہ قوتوں اور گنوں اور خواص کا اُس کو علم ہے اور ایسا ہی کیوں اور کسطرح ذرات اجسام کے نہاں در نہاں خواص اور طاقتوں اور گنوں پر اس کو اطلاع ہے۔

پھر ماسوا اسکے ہم خدا تعالےٰ کے علم کا اُس کی تازہ بتازہ وحی سے ہمیشہ مشاہدہ کرتے ہیں اور ہم روز دیکھتے ہیں کہ درحقیقت خدا تعالیٰ غیب دان ہے اور نہ صرف اسی قدر بلکہ ہم اسکی قدرت کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں مگر آریہ صاحبوں پر یہ دروازہ بھی بند ہے اسلئے اُنکے لئے اس بات پر یقین کرنے کیلئے کوئی راہ کھلی نہیں کہ اُن کا پرمیشر غیب دان ہے یا قادر مطلق ہے اور نہ وید اُنکو اس درجہ کے حاصل کرنے کی کوئی بشارت دیتا ہے۔

ایسا ہی آریہ صاحبان خود اقراری ہیں کہ اُن کے پرمیشر کیلئے اپنے فیض الوہیت میں کمال تام حاصل نہیں کیونکہ وہ ہمیشہ ناقص طور پر لوگوں کو مکتی خانہ میں داخل کرتا ہے اور پھر کچھ مدّت کے بعد ناکردہ گناہ مکتی خانہ سے باہر نکال دیتا ہے تا سلسلہ تناسخ میں کچھ فرق نہ آوے اس لئے اسکی سزا اور رحمت کا قاعدہ بھی خود غرضی کی آمیزش اپنے اندر رکھتا ہے۔ کیونکہ

وہ جانتا ہے کہ اگر میں رحمت تامہ سے کام لوں اور سب کو ہمیشہ کے لئے نجات دیدوں تو
سلسلہ تناسخ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیگا تو پھر بعد میں بیکار بیٹھنا پڑے گا کیونکہ جس حالت
میں روحیں محدود ہیں یعنے ان کے شمار کی ایک مقدار تک حد مقرر ہے تو اس صورت
میں اگر ایک بھگت کو جو عبادت میں اپنی تمام عمر بسر کرتا ہے نجات ابدی دی جائے
تو ظاہر ہے کہ جو روح نجات پاگئی وہ ہاتھ سے گئی اور تناسخ کے چکّر سے آزاد ہوئی
پس بالضرورت ایک دن ایسا آجائیگا کہ سب روحیں ہمیشہ کے لئے نجات پاجائینگی
اور یہ تو خود مانا ہوا مسئلہ ہے کہ پرمیشر روح پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ پس اس صورت
میں بجز اس کے کیا نتیجہ ہو سکتا ہے کہ کسی دن تمام روحوں کی دائمی مکتی پانے کے بعد پرمیشر
گری کا تمام سلسلہ معطل پڑ جائے اور تناسخ کے لئے ایک روح بھی اسکے ہاتھ میں نہ رہے
پس اس تمام تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ آریہ صاحبان کا پرمیشر جیسا کہ روحوں کے پیدا
کرنے پر قادر نہیں ایسا ہی وہ روحوں کو نجات ابدی دینے پر بھی قادر نہیں کیونکہ اگر وہ
روحوں کو نجات ابدی دیدے تو اسکا تمام سلسلہ ٹوٹتا ہے اس لئے اپنی تمام عملداری کے
محفوظ رکھنے کے لئے بخل کی عادت کو اُسنے لازم پکڑ لیا ہے اور اپنے راستباز پرستاروں
کے ساتھ بخیلوں کی طرح کارروائی کرتا ہے اور بار بار عزت کے بعد اُن کو ذلت دیتا ہے
اور تناسخ کے چکّر میں ڈال کر مکروہ در مکروہ موتوں میں اُن ڈالتا ہے محض اسلئے
کہ تا اُس کی عملداری میں فرق نہ آوے۔ اس بات کا آریہ صاحبوں کو خود اقرار ہے کہ
اُس نے بارہا دنیا کے کل انسانوں کو نجات دیدی ہے مگر پھر کچھ مدت کے بعد
اُس نجات خانہ سے باہر نکال کر طرح طرح کی جونوں میں اُن کو ڈال دیا ہے اب یہ صاحبان
ناراض نہ ہوں ہم ادب سے عرض کرتے ہیں اور جہاں تک ہمیں نرم الفاظ مل سکتے ہیں ان
میں ہماری یہ گذارش ہے کہ اس عقیدہ پر ایک سخت اعتراض ہوتا ہے اور ہم امید نہیں
کرتے کہ اس اعتراض کا کوئی آریہ صاحب صفائی سے جواب دے سکے اور اگر جواب دیں
تو ہم خوشی سے سنیں گے اور اعتراض یہ ہے کہ جبکہ خود غرضی کی ضرورت کی وجہ سے
پرمیشر کی یہ عادت ہے کہ وہ مکتی خانہ میں ہمیشہ لوگوں کو رہنے نہیں دیتا اور پھر طرح طرح کی

جونوں میں ڈالتا ہے تو ان مختلف جونوں سے ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی یعنے جو لوگ پرمیشر کے سچے بھگت ہو کر نجات پا چکے ہیں اب مکتی خانہ سے باہر نکالنے کے وقت کسی کو مرد بنانا اور کسی کو عورت اور کسی کو گائی اور کسی کو بیل اور کسی کو کُتّا اور کسی کو سؤر اور کسی کو بندر اور کسی کو بھیڑیا یا اس میں خلاف عدالت طریق معلوم ہوتا ہے خصوصاً جس حالت میں ہر ایک مکتی پانے والا سخت امتحان کے بعد مکتی پاتا ہے اور کروڑ ہا برس تناسخ کے چکر میں رہ کر پھر کہیں اس مراد تک پہنچتا ہے تو کم سے کم اس کیلئے یہ رعایت تو ہونی چاہیئے تھی کہ وہ انسان بنایا جاتا - یہ کیا معاملہ ہے کہ اپنا پیارا بناکر اور اپنے قرب کے شرف بخش کر پھر آخر کار اُس کو کُتّا یا سور بنا کر مکتی خانہ سے باہر نکال دیا گیا اور اُس کے ساتھ کے اشخاص کو کُتّا نہ بنایا بلکہ انسان بنایا حالانکہ مکتی پانے کے شرائط سب نے برابر پورے کرلئے تھے - پرمیشر کا کسی پر احسان نہ تھا پھر کیا وجہ کہ مکتی خانہ سے نکال کر کسی کو انسان اور کسی کو کُتّا بنایا گیا - اس صورت میں نہ سزا عدل کے طور پر ہوئی اور نہ رحمت -

ایک اور بات ہے جو ہمیں سمجھ نہیں آتی کیا کوئی شریف آریہ صاحب ہیں جو اسکو سمجھ سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ بموجب اس قاعدہ کے جو مکتی یابوں کو ایک مدت کے بعد پھر تناسخ کے چکر میں ڈالا جاتا ہے اور طرح طرح کے جونوں کی ذلت انکو دیکھنی پڑتی ہے لازم آتا ہے کہ آریہ صاحبوں کا کوئی مقدس بزرگ اس ذلت سے باہر نہ ہو گو ہماری یہ رائے نہیں ہے کہ ہم کسی قوم کے بزرگوں کو ذلت کے داغ کی طرف منسوب کریں بلکہ ہماری یہ رائے ہے کہ جس شخص کو خدائے کریم اپنے فضل عظیم سے اپنی معرفت اور محبت اور اپنے پاک تعلق سے حصہ کامل بخشتا ہے اور اپنے عزت والے گروہ میں داخل کرتا ہے پھر اسکو کبھی ذلیل نہیں کرتا اور ممکن نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے قرب کا اتنا بڑا درجہ پاکر پھر کُتّا یا بلّا یا سور یا بندر بنایا جاوے مگر آریہ صاحبوں کا یہ قاعدہ چاہتا ہے کہ ضرور مقدس لوگ ان جونوں میں آتے ہیں خواہ وہ اوتار کہلاویں یا رشی یا منی کے درجہ تک پہنچیں ہم باادب دریافت کرتے ہیں کہ کیا وید کے رشی جن پر چاروں وید نازل ہوتے تھے اور

راجہ رام چندر اور راجہ کرشن وغیرہ اوتار اس قاعدہ سے مستثنے ہیں یا نہیں اور اگر مستثنے ہیں تو کیا وجہ اور اگر نہیں تو ان کو عزت سے یاد کرنا کیا معنے رکھتا ہے کیا عقل سلیم اس بات کو چاہتی ہے کہ ایک کتاب کو تو عزت دی جائے اور اُسکو آسمانی کتاب سمجھا جائے مگر جس پر وہ کتاب نازل ہوئی تھی اسکی نسبت یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ رذیل سے رذیل جونوں میں چکر کھاتا پھرتا ہے بغرض جو لوگ خدا تعالے کے جناب میں ایک مرتبہ عزت پا گئے پھر ان کو تناسخ کے چکر میں ڈالنا اور کتے۔ بلّے سور بنانا۔ یہ اُس قدوس خدا کا فعل نہیں ہے جو پاک بنا کر پھر پلید بنانا نہیں چاہتا۔ ورنہ اس صورت میں آریہ سماجیوں کا کوئی بزرگ بھی یقینی طور پر قابل تعریف نہیں ٹھہرتا کیونکہ کیا معلوم کہ اب وہ کس جون میں ہے بغرض اس عقیدہ کے رو سے آریہ صاحبوں کا پرمیشر نہ صرف بخیلی کی صفت مذمومہ سے موسوم ہوتا ہے بلکہ سخت دل اور ظالم اور کینہ ور بھی ٹھہرتا ہے کہ جن لوگوں نے اس کے ساتھ سچے دل سے محبت کی اور اس کی راہ میں فدا ہوئے اور اس کو ہمیشہ کے لئے اختیار کیا وہ ان کو بھی مکتی خانہ سے نکال کر اُسی وقت یا کچھ دن بعد بندر اور سور بنا دیتا ہے ایسے پرمیشر سے کونسی نیکی کی امید ہو سکتی ہے چاہئے کہ آریہ صاحبان اس مضمون کو غور سے مطالعہ کریں اور محض جوش اور غضب سے جواب نہ دیں بلکہ اول بات کو سمجھ لیں پھر کوئی کلمہ مونہہ پر لاویں +

آریہ سماجیوں کا یہ دعوےٰ ہے کہ وید میں عناصر پرستی اور ستارہ پرستی کی تعلیم نہیں ہے اور اس میں محض خدائے واحد لاشریک کی پرستش کی تعلیم ہے لیکن ان کے مقابل پر قدیم مذہب سناتن دھرم کا ہے جو تمام آریہ ورت میں پھیلا ہوا ہے جس کے کروڑہا باشندے اس ملک میں موجود ہیں اور صدہا پنڈت جا بجا پائے جاتے ہیں ان کا یہ بیان ہے کہ ضرور عناصر پرستی کی تعلیمیں وید میں پائی جاتی ہیں اور بلاشبہ وید یہی ہدایت کرتا ہے کہ تم آگ کی پرستش کرو ہوا کی پرستش کرو پانی کی پرستش کرو زمین کی پرستش کرو سورج کی پرستش کرو

چاند کی پرستش کرو۔ اور اسی وجہ سے آریہ ورت میں قدیم سے ان چیزوں کے پرستار پائے جاتے ہیں چنانچہ گنگا کی پرستش کرنے والے اور کانگڑہ میں جوالا مکھی کی آگ کے پرستش کرنے والے اور سورج کے آگے ہاتھ جوڑنے والے اب تک جا بجا ان پرستشوں میں مشغول ہیں۔ اور یہ سب لوگ وید کی پابندی کا دعوے کرتے ہیں۔ اور قطع نظر اس کے جب کہ ہم خود بھی ایمان اور انصاف کے رو سے ان ویدوں میں غور کرتے ہیں جو اُردو اور انگریزی میں ترجمہ ہو کر شائع کئے گئے ہیں تو صدہا شرتیوں پر نظر ڈال کر ضرور ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ بلاشبہ ان ویدوں میں آگ اور ہوا اور سورج اور چاند وغیرہ سے دعائیں مانگی گئی ہیں اور مرادوں کے پانیکے لئے ان سے مدد طلب کی گئی ہے چنانچہ ہم چند شرتیاں رگ وید کی اس جگہ محض نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں اور یہ حصہ وید کا ترجمہ ہو کر سنسکرت پستک سے دوبارہ مقابلہ کیا گیا ہے اور پنڈتوں کی شہادتوں کے ساتھ اس کی صحت کی اطمینان دلائی گئی ہے اور یونیورسٹی میں پڑھانے کے لئے قبول کیا گیا ہے اور وہ شرتیاں یہ ہیں:۔

"میں اگنی دیوتا کی جو ہوم کا بڑا گرو کارکن اور دیوتاؤں کو نذریں پہنچانے والا اور بڑے ثروت والا ہے مہما کرتا ہوں۔ ایسا ہو کہ اگنی جس کا ہمارا زمانہ قدیم اور زمانہ حال کے رشی کرتے چلے آئے ہیں دیوتاؤں کو اس طرف متوجہ کرے۔ اے اگنی جو کہ دو لکڑیوں کے رگڑنے سے پیدا ہوئی ہے اس پاک کٹے ہوئے کشا پر دیوتاؤں کو لا تو ہماری جانب سے اُن کا بلانے والا ہے اور تیری پرستش ہوتی ہے۔ اے اگنی آج ہماری خوش ذائقہ قربانی دیوتاؤں کو ان کے کھانے کے واسطے پیش کر۔ اے اگنی۔ وایو سورج وغیرہ دیوتاؤں کو ہماری نذر پیش کر۔ اے بے عیب اگنی تو منجملہ اور دیوتاؤں کے ایک ہوشیار دیوتا ہے جو اپنے والدین کے پاس رہتا ہے اور ہمیں اولاد عطا کرتا ہے تمام دولتوں کا تو ہی بخشنے والا ہے۔ اے اگنی سرخ گھوڑوں کے سوامی ہماری استت سے پرسن ہو

تینتیس دیوتاؤں کو یہاں لا۔ اے اگنی جیسا کہ تو ہے لوگ اپنے گھروں میں تجھے محفوظ جگہ میں روشن کرتے ہیں۔ اے عاقل اگنی تو پناپت ہے یعنی اپنے جسم کا آپ جلانے والا ہے آج ہماری خوش ذائقہ قربانی دیوتاؤں کو اُن کے کھانے کے لئے پیش کر۔ اے اندرا اے وایو یہ ارگ تمہارے واسطے چھڑکا گیا ہے ہمارے واسطے کھانا لے کر ادھر آؤ۔ اے اندر کوسیکا رشی کے پوتر جلد آ اور مجھ رشی کو مالدار کر دے[۱]۔ اے سورج اور چاند ہمارے یگ کو کامیاب کرو اور ہماری قوت زیادہ کرو۔ تم بہت آدمیوں کے فائدے کے لئے پیدا ہوئے ہو بہتوں کو تمہارا ہی آسرا ہے [غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک طرف اس شرتی میں اقرار ہے کہ سورج اور چاند دونوں مخلوق اور پیدا شدہ ہیں اور پھر ان سے مرادیں بھی مانگی گئی ہیں] سورج کے نکلنے پر ستارے اور رات چوروں کی طرح بھاگ جاتے ہیں ہم سورج کے پاس جاتے ہیں جو دیوتاؤں کے بیچ نہایت عمدہ دیوتا ہے۔ اے چاند ہمیں تہمت سے بچا گناہ سے محفوظ رکھ ہمارے توکل سے خوش ہو کر ہمارا دوست ہو جا ایسا ہو کہ تیری قوت زیادہ ہو۔ اے چاند تو دولت کو بخشنے والا ہے اور مشکلوں سے نجات دینے والا ہمارے مکان پر دلیر بہادروں کے ہمراہ آ۔ اے چاند اور اگنی تم مرتبہ میں برابر ہو ہماری تعریفوں کو آپس میں بانٹ لو۔ کہ تم ہمیشہ دیوتاؤں کے سردار رہے ہو۔ میں جل دیوتا کو جسمیں ہمارے مویشی پانی پیتے ہیں بلاتا ہوں۔ اے دھرتی دیوتا ایسا ہو کہ تو بہت وسیع ہو جائے تجھ پر کانٹے نہ رہیں اور تو ہمارے رہنے کی جگہ ہو جائے اور ہمیں بڑی خوشی دے ✣

---

[۱] تمام پرانوں کے شجرہ میں لکھا ہے کہ کوسیکا کا بیٹا وشوامتر تھا اور سیانا وید کا بھاشیکار اسکی وجہ بیان کرنے کو کہ اندر کوسیکا کا کیونکر پوتر ہو گیا یہ قصہ بیان کرتا ہے جو کہ وید کے تتمہ انو کرانیکا میں درج ہے کہ کوسیکا اشیرا تھا کے پوتر نے یہ دل میں خواہش کر کے کہ اندر کی توجہ سے میرا بیٹا ہو تپ جپ اختیار کیا تھا جس تپ کے جلدو میں خود اندر نے ہی اس کے گھر جنم لیلیا اور آپ ہی اسکا بیٹا بن گیا۔ منہ

یہ چند شرتیاں ہیں جو ہمنے رگوید سے بطور نمونہ کے لکھی ہیں جس کا جی چاہے اصل سنسکرت پستک سے مقابلہ کر لے۔ اس قسم کی شرتیاں جو صدہا وید میں پائی جاتی ہیں سناتن دھرم والے ہزارہا پنڈت جو آریہ ورت میں موجود ہیں ان کے یہی معنے کرتے ہیں کہ ان سے عناصر پرستی ثابت ہوتی ہے اسی وجہ سے آریہ قوم میں آگ کی پوجا کرنے والے، اور ایسا ہی پانی کی پوجا کرنے والے اور سورج چاند کے پوجاری بھی پائے جاتے ہیں اور ان معنوں پر صرف انہیں کی گواہی نہیں بلکہ ہر ایک مذہب کے صدہا محقق بھی جنہوں نے بڑی محنت سے سنسکرت میں چاروں وید پڑھے تھے آجتک گواہی دیتے آئے ہیں +

اب غور کا مقام ہے کہ ان سب کے مقابل پر صرف ایک پنڈت دیانند جس کو کوئی وحی الہام نہیں ہوتا تھا دعوے کرتا ہے کہ یہ سب پرمیشر کے نام ہیں اور پھر وہ اس دعوے کو بھی اخیر تک نباہ نہیں سکا بلکہ بعض مقام میں جہاں کسی طرح اسکی تاویل پیش نہیں گئی آپ قبول کر لیا ہے کہ اس جگہ آگ سے آگ ہی مراد ہے یا جل سے جل ہی مراد ہے۔ اصل انصاف کی یہ بات ہے کہ پنڈت دیانند وید کی تاویل نہیں کرتا تھا بلکہ ایک دوسرا وید بنانا چاہتا تھا آخر تاویل کی بھی ایک حد ہوتی ہے ظاہر ہے کہ وہ خدا کے آسمانی بندوں میں سے تو نہیں تھا جو خدا سے الہام پاتے ہیں اور نہ اُسکو خدا کا مکالمہ نصیب تھا اور نہ اُس کی تائید میں کوئی آسمانی نشان ظاہر ہوئے بلکہ بلا امتیاز صدہا ہندو پنڈتوں میں سے ایک پنڈت تھا پھر خواہ نخواہ بے دلیل اسکی بات کو ماننا انصاف سے بعید ہے جبکہ ہزارہا پنڈت ایک طرف ہیں اور ایک طرف صرف وہ اور خدا کی طرف سے کوئی امتیازی نشان اسکے ساتھ نہیں اور بجز تاویلوں کے اور کوئی کام اس نے نہیں کیا تو کیوں بغیر تحقیق کے خواہ نخواہ اُسکی بات مان لی جائے یہ صرف مسلمانوں کا الزام نہیں کہ ویدوں میں مخلوق پرستی کی تعلیم ہے بلکہ سناتن دھرم والے قدیم ہندو جن کے مذہب کے کروڑہا لوگ اس ملک مین پائے جاتے ہیں وہ بھی اس بات کے ہمیشہ قایل چلے آتے ہیں کہ وید میں مخلوق پرستی کی تعلیم ہے ہیں ہرگز

سمجھ نہیں سکتا کہ اگر وید میں مخلوق پرستی کی تعلیم نہ ہوتی تو پھر کیوں یہ ہزارہا پنڈت یک دفعہ اندھے ہو جاتے اور خلاف واقعہ وید پر تہمتیں لگاتے عناصر پرستی کی شرتیاں صرف ایک دو نہیں بلکہ تمام رگوید اُن سے بھرا پڑا ہے اب کہاں تک انسان تاویل کرتا جاوے اگر دو شرتیاں ہوتیں یا دس ہوتیں یا بیس ہوتیں یا پچاس ہوتیں تو کوئی شخص تکلف سے محنت اُٹھا کر تاویل بھی کرتا مگر وید میں تو صدہا شرتیاں اسی قسم کی پائی جاتی ہیں انکی کہاں تک تاویل ہو سکے تعصب امر الگ ہے اور گرفتار تعصب جو چاہے کہے لیکن انصاف کے ساتھ اگر سوچا جائے تو کوئی صورت تاویل کی معلوم نہیں ہوتی +

آریہ سماجیوں کے دل میں خواہ نخواہ یہ وہم پیدا ہو گیا ہے کہ جو کچھ پنڈت دیانند نے سمجھا ہے وہ دوسرے ہزارہا پنڈتوں نے نہیں سمجھا لیکن یہ خیال بالکل بیہودہ ہے وید سامنے موجود ہے اور وہ تین فرقوں کے ہاتھ میں ہے۔ایک سناتن دھرم والے دوسرے برہم سماج والے تیسرے وید کے ترجمے جو اُردو اور انگریزی میں ہو چکے ہیں اس صورت میں کوئی قبول کر سکتا ہے کہ اس رائے کے ظاہر کرنے میں کہ ویدوں میں مخلوق پرستی ہے ان تمام لوگوں کی عقل ماری گئی اور صرف پنڈت دیانند صاحب اس دھوکہ سے بچ گئے۔ہاں میرے خیال میں ایک بات آتی ہے اگر اس امر کو آریہ سماجی لوگ ثابت کر سکیں تو پھر پنڈت دیانند کی تاویل صحیح ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ جس قدر شد و مد سے ویدوں میں مخلوق پرستی کی تعلیم ہے جیسا کہ ابھی ہم نے چند شرتیاں نمونہ کے طور پر لکھی ہیں اسکے مقابلہ پر ویدوں میں سے بکثرت ایسی صاف صاف شرتیاں پیش کر دی جائیں جن میں یہ بیان ہو کہ تم نہ تو آگ کی پرستش کرو اور نہ ہوا کی اور نہ پانی کی اور نہ سورج کی اور نہ چاند کی اور نہ کسی اور چیز کی بلکہ محض پرمیشر کی ہی پرستش کرو مگر چاہیئے کہ ایسی شرتیاں کم سے کم پچاس یا ساٹھ ہوں کیونکہ جس حالت میں عناصر پرستی اور شمس و قمر کی پوجا کے بارے میں صدہا شرتیاں وید میں پائی جاتی ہیں تو ان کے ردّ میں صرف دو چار شرتیاں کافی نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہم گذرتا ہے کہ

کسی نے وید کی پردہ پوشی کیلئے پیچھے سے ملا دی ہونگی اسی فیصلہ کے لئے میں نے یہ گذارش کیا ہے اگر ایسی شرتیاں جو مخلوق پرستی کے وہم کو رد کرتی ہوں بہت ہی تھوڑی ہوں تب بھی کم سے کم پچاس یا ساٹھ ہونی چاہئیں تا کسی وہم کی گنجائش نہ رہے اور اگر مشرکانہ تعلیم کی کثرت کے مقابل ایسی شرتیوں کی کثرت ثابت نہ ہو تو اگر ایک پنڈت دیانند نہیں کروڑہا پنڈت دیانند ہوں ہرگز ان مشرکانہ شرتیوں کی تاویل میں ایمانداری سے جواب نہیں دیسکے گا ظاہر ہے کہ وید کی ان تعلیموں سے کروڑہا مخلوقات گمراہ ہو چکی ہے اور بیسیوں مخلوق پرستی کے مذہب آریہ قوم میں پھیلے ہوئے ہیں پس اگر فرض کے طور پر پنڈت دیانند کی طرح کسی اور وید کے بھاشی کار نے بھی ان شرتیوں کی وہی تاویل کی ہو جو دیانند نے کی ہے تو وہ بھی ہرگز پذیرائی کے لائق نہیں ہوگی کیونکہ ایسی تاویل کرنے والے کو وحی اور الہام کا دعوی نہیں ممکن ہے کہ کسی شخص نے جسکو مشرکانہ تعلیم بُری معلوم ہوئی ہو وید کی ان شرتیوں پر اپنی تاویل سے پردہ ڈال دیا ہو تو جبکہ اسکے مقابل دوسرے بھاشی کاروں نے قبول کیا ہے کہ ضرور اسمیں مشرکانہ تعلیم ہے تو دو مختلف رائیوں کے ساتھ فیصلہ کیونکر ہو اور ایسے بے اصل خیالات سے گو وہ قدیم ہوں یا جدید قطعی طور پر ہرگز یہ رائے قائم نہیں ہوسکتی کہ وید اس داغ سے مبرا ہے کیونکہ ہم دوسرے بھاشیکاروں کی شہادت کو کہاں چھپائیں اور جس طور کے معنی کروڑہا لوگ ابتدا سے سمجھتے چلے آئے ہیں ان معنوں سے بلاوجہ کیونکر اعراض کیا جائے یہ وید کا خود اپنا فرض تھا کہ جس حالت میں اُسنے ایسے الفاظ استعمال کئے جن سے قوم شرک کی نجاست سے آلودہ ہوگئی تو وہ دھوکہ دور کرنیکے لئے آپ ہی پچاس یا ساٹھ یا سو مرتبہ تاکید کے طور پر بار بار لکھدیتا کہ تم نے سورج چاند آگ پانی وغیرہ کی پرستش ہرگز نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے ✤

ایک اور امر ہے جو قرآن شریف کی تعلیم سے ہمیں معلوم ہوا ہے اور ہم تکمیل بحث کے لئے اُسکا ذکر بھی اس جگہ مناسب سمجھتے ہیں اور ہمیں خیال گذرتا ہے کہ شاید رگوید کی شرتیوں کا بھی یہی منشا ہو اور پھر ایک زمانہ کے گذرنے کے بعد وہ منشاء سطحی نظروں سے چھپ گیا اور

ساتھ ہی اسکے یہ بھی ممکن ہے کہ ابتدا زمانہ میں ایسی شرتیاں وید میں بہت ہوں جنکا مضمون یہ ہو کہ آگ اور پانی اور ہوا اور سورج اور چاند وغیرہ کی پرستش نہیں کرنی چاہیئے۔ پھر بعد میں جب کہ آریہ ورت میں ایسے فرقے بہت پیدا ہو گئے جو وید کے ظاہری الفاظ کو دیکھ کر عناصر پرست اور آفتاب پرست وغیرہ بنگئے تو رفتہ رفتہ انہوں نے وہ شرتیاں وید میں سے نکال دیں کیونکہ طبعاً انسان میں یہ عادت ہے کہ جب وہ اپنی عقل اور فہم کے حد تک دو مخالف مضمون کو ایک کتاب میں دیکھتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح ان دونوں کو مطابق کرے اور جب مطابق نہیں کر سکتا تو پھر اس کوشش میں لگ جاتا ہے کہ کسی طرح اس حصہ کو نکال دے کہ جو اُسکے مسلم حصہ کے مخالف ہے جیسا کہ عیسائی صاحبان بھی دن رات یہی کوشش کر رہے ہیں اور انجیل کے وہ حصے جنمیں صریح گواہی دیگئی ہے کہ یسوع ابن مریم انسان تھا وہ ان پر بہت ناگوار گذر رہے ہیں اگر انکے مشورہ سے انجیلیں لکھی جاتیں تو بہت سے مقامات انجیل کے نکال دینے کے لائق تھے اور حتی المقدور اب بھی یہ کارروائی مختلف ترجموں کے ذریعہ سے کی جاتی ہے اسی طرح اس تقریر کے لحاظ سے جو ہم ذیل میں لکھتے ہیں جسکو ہم نے نہ اپنی طرف سے بلکہ قرآن شریف کی استنباط سے لکھا ہے ممکن معلوم ہوتا ہے کہ وید بھی کسی زمانہ میں خدا کی وحی ہو اور خدا کی طرف سے یہ کتاب ہو اور پھر ایک مدت کے بعد اُسکے اصلی معنوں کے سمجھنے میں لوگوں نے غلطی کھائی اور اس وجہ سے آریہ ورت میں آریہ قوم میں یہ فرقے پیدا ہو گئے کہ کوئی سورج کی پوجا کرتا ہے اور کوئی آگ کا پوجاری اور کوئی گنگا سے مرادیں مانگتا ہے اور جب ان فرقوں نے دیکھا کہ وید کی صدہا دوسری شرتیاں مخلوق پرستی کے مخالف ہیں تب انہوں نے رفتہ رفتہ اُن تمام شرتیوں کو وید میں سے باہر نکال دیا اور صرف وہی شرتیاں وید میں رہنے دیں جو مشرکانہ تعلیم کے رنگ میں تھیں۔ اگر یہ امر ثابت ہو جائے کہ درحقیقت ایسی صدہا شرتیاں وید میں سے نکال دی گئی ہیں تو کم سے کم ایک خدا ترس کو تقوی کے لحاظ سے وید کے بارے میں جلدی سے تکذیب کرنا منع ہوگا اور وید کی تکذیب کیلئے صرف

اس قدر کافی نہیں ہوگا کہ اسمیں آگ وغیرہ کی پرستش واستت وہما موجود ہے کیونکہ قرآن شریف کی بعض آیات جیسا کہ ہم آگے چلکر بیان کرینگے وید کے اس طرز کو توحید میں داخل کرتے ہیں اور گو عناصر پرستی کے متعلق بعض شرتیاں وید میں اس قسم کی ہیں کہ اُنکی تاویل کرنا بہت مشکل ہے مگر اسمیں کچھ شک نہیں کہ اُس طور پر جو قرآن شریف میں اشارات مذکور ہیں بعض شرتیوں کی تاویل بھی ہو سکتی ہے چنانچہ ہم اس قاعدہ کو ذیل میں لکھینگے۔ اور اسکے ساتھ ہم یہ بھی اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ گو وید اپنی موجودہ حالت میں ایک دہوکا دینے والی کتاب ہے جو شرک کی تعلیم جا بجا اسمیں دکھائی دیتی ہے اور کروڑہا لوگوں پر اُس کا یہ بد اثر پایا جاتا ہے کہ وہ آتش پرستی وغیرہ مشرکانہ طریقوں میں سرگرم ہیں بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ستارہ پرستی اور آتش پرستی پارسیوں میں موجود ہے وہ بھی وید سے ہی اُنہیں پہنچی ہے اور تعجب نہیں کہ رومیوں اور یونانیوں میں بھی یہ مشرکانہ تعلیمیں وید کے ذریعہ سے ہی رواج پائی ہوں کیونکہ آریہ قوم کا خیال ہے کہ وید قدیم ہے لہذا ہر ایک جھوٹی اور مشرکانہ تعلیم کا سرچشمہ ایسی کتاب کو ہی ماننا پڑیگا جو سب سے پُرانی کہلاتی ہے پس وہ نمونہ جو وید کی تعلیم نے دکھلایا ہے وہ ان کروڑہا لوگوں کے عقیدوں سے ظاہر ہے جو وید کی پابندی کا دعوی رکھتے ہیں۔ اور موجودہ حالت میں وید میں کوئی نور توحید نظر نہیں آتا۔ ہر ایک صفحہ پر مشرکانہ تعلیم کے الفاظ نظر آتے ہیں اور بے اختیار دل میں گذرتا ہے کہ یہ چار کا عدد ہی شرک سے کچھ مناسبت رکھتا ہے انجیلیں چار تھیں انہوں نے ایک مصنوعی خدا پیش کیا اور پھر وید بھی چار ہیں اُنہوں نے آگ وغیرہ کی پرستش سکھلائی لیکن تاہم ممکن اور قرین قیاس ہے کہ یہ کتاب تحریف کی گئی ہو اور کسی زمانہ میں صحیح ہو اور خدا تعالےٰ کیطرف سے ہو اور پھر نادانوں کے تصرف اور تحریف سے بگڑ گئی ہو اور وہ شرتیاں اسمیں سے نکال دی گئی ہوں جن میں یہ ذکر تھا کہ تم سورج اور چاند اور ہوا اور آگ اور پانی اور اکاش اور خاک وغیرہ کی پرستش مت کرو اگرچہ اس قدر تغیر اور انقلاب سے یہ کتاب خطرناک اور مضر ہو گئی تاہم کسی زمانہ میں بیکار نہ تھی اور جس شخص کو ہندوؤں کی تاریخ سے واقفیت ہو وہ خوب جانتا ہے

کہ وید پر بڑے بڑے تغیرات آئے ہیں اور ایک زمانہ میں ویدوں کو مخالفوں نے آگ
میں جلا دیا تھا اور مدت تک وہ ایسے لوگوں کے قبضہ میں رہے جو عناصر پرستی اور مورتی
پوجا کے دلدادہ تھے اور بجز اس قسم کے برہمنوں کے دوسروں پر اُن کا پڑھنا حرام کیا گیا
تھا۔ پس اس وجہ سے وید کے پستک عام طور پر مل نہیں سکتے تھے بلکہ صرف بڑے بڑے
برہمنوں کے کتب خانوں میں ہی پائے جاتے تھے جو بت پرست اور عناصر پرست
ہو چکے تھے اس صورت میں خود عقل قبول کرتی ہے کہ ان دنوں میں اُن برہمنوں
نے بہت کچھ مشرکانہ حاشیے وید پر چڑھائے ہونگے اور اس بات کے اکثر محقق آریہ
ورت کے قائل ہیں کہ بعض زمانوں میں وید بڑھائے گئے اور بعض میں گھٹائے گئے
اور بعض وقت جلائے گئے اور جب آریہ قوم نے اندرونی لڑائیوں سے فراغت پائی
تو بیرونی حکومتوں کے پنجہ میں پھنس گئے اسلامی حکومت بھی سات سو برس تک اس
ملک میں رہی۔ اس لمبے زمانہ میں بھی جو کچھ مسلمانوں نے آریہ قوم کا عقیدہ دیکھا وہ بت پرستی
اور آتش پرستی وغیرہ تھا۔ اسی زمانہ میں شیخ سعدی بھی ایک مرتبہ اس ملک میں آئے
تھے اور بت پرستی کا بڑا زور تھا چنانچہ وہ اپنی کتاب بوستاں میں فرماتے ہیں

بتک را یکی بوسہ دادم بدست کہ لعنت بر و باد و بر بت پرست

گائی کے لئے جس قدر آریہ صاحبوں کو جوش ہے وہ بھی دراصل مخلوق پرستی کی ایک
برانچ ہے ورنہ ایک حیوان کے لئے اسقدر جوش کیا معنے رکھتا ہے۔ قریباً تیرہ سو برس ہوتے
ہیں کہ مسلمانوں نے اس ملک کا ایک حصہ فتح کر لیا تھا اسوقت بھی اس ملک میں عام طور پر
بت پرستی اور آتش پرستی وغیرہ پھیلی ہوئی تھی پس جہاں تک تاریخ کا قدم روشنی میں ہے ہرگز
ثابت نہیں ہوتا کہ آریہ ورت پر کوئی ایسا زمانہ بھی آیا تھا کہ وہ خدا پرست تھے۔
مسلمانوں پر یہ اعتراض آریوں کا کہ اُن کے بادشاہوں نے ہمارے بزرگوں کو جبراً
بت پرستی سے چھوڑا کر مسلمان بنایا تھا یہ بھی صاف بتلا رہا ہے کہ اب تک آریہ صاحبوں
کو بت پرستی سے بہت پیار ہے۔ عملی طور پر توحید سے کچھ تعلق ثابت نہیں ہوتا اس پر یہ کافی

دلیل ہے کہ وہ بت پرستوں کے مسلمان ہونے سے بہت ناراض ہیں ایک بت پرست حقیقت رائے کا قصہ بھی اسی غرض سے گھڑا گیا ہے جسکو بقول ان کے کسی مسلمان بادشاہ نے مورتی پوجا سے جبراً چھوڑا کر مسلمان کرنا چاہا تھا مگر وہ لڑکا بت پرستی پر عاشق تھا اسی میں اُس نے جان دی۔

غرض اسلامی تاریخ بھی قریباً ایک ہزار برس سے اس بات کی گواہ ہے کہ یہ ملک آریہ ورت بت پرستی اور مورتی پوجا کا ایک بھاری مرکز ہے اُس زمانہ کا کون ثبوت دے سکتا ہے کہ جب ان کروڑہا لوگوں کی طرح جو بت پرست اور عناصر پرست نظر آتے ہیں وید مقدس کی تعلیم سے اس ملک میں کروڑہا خدا پرست مُوحّد بھی موجود تھے۔ جگناتھ جی کا قدیم بت خانہ اور ایسا ہی اور بعض پُرانے بت خانے جن کی عمارت ہزارہا برس کی معلوم ہوتی ہے صاف طور پر گواہی دے رہے ہیں کہ یہ بت پرستی اور مورتی پوجا کا مذہب کچھ نیا نہیں بلکہ قدیم ہے ایسا ہی بھاگوت وغیرہ کتابیں جو ہزارہا برس کی تالیف معلوم ہوتی ہیں جن کو سناتن دھرم والے سیدھے سادھے ہندو بڑے پیار سے پڑھا کرتے ہیں اس قدامت شرک کے گواہ ہیں اس کے ساتھ پُرانے کتبے بھی اس ملک میں ایسے پائے گئے ہیں کہ وہ ایک پُرانے زمانے کی حالت کی ایک آئینہ کی طرح شکل دکھلا رہے ہیں اور بلند آواز سے گواہی دے رہے ہیں کہ اُسوقت بھی اس ملک میں بُت پرستی تھی اور جہاں تک تاریخ کا سلسلہ صفائی سے چل سکتا ہے یہی ظلمت شرک اور عناصر پرستی اور مورتی پوجا کے رسوم ہر ایک زمانہ میں پائی جاتی ہیں اور ایسے گلے کا ہار ہو رہے ہیں کہ جب تک ایک ہندو اسلام اختیار نہ کرے یہ شرک کا داغ اُس سے بکلی دور ہی نہیں ہو سکتا گو آریہ سماجی بنے یا کچھ اور ہو جائے زمانہ دراز سے جس کا ابتدا معلوم کرنا مشکل ہے مورتی پوجا اور عناصر پرستی کا مذہب آریہ قوم میں چلا آتا ہی اور دوسری قوموں کے مورخوں کو کبھی یہ نصیب نہیں ہوا کہ وہ گواہی دیں کہ آریہ

ورت میں بھی کسی وقت توحید تھی اور اس زمانہ دراز میں اگر ہم یہ کہیں کہ کروڑہا پنڈت آریہ ورت میں عناصر پرستی کے حامی گذرے ہیں تو یہ کچھ مبالغہ نہ ہوگا پس ایسے پنڈتوں کے وجود سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ہمیشہ تمام ملک ایک سمندر کی طرح بت پرستی اور عناصر پرستی اور مورتی پوجا سے بھارہا ہے اور اس ملک کو توحید نصیب نہ ہوئی جب تک اسلام اس ملک میں نہ آیا مگر جن بادشاہوں نے توحید کو اس ملک میں پھیلایا اور بت پرستی کی جڑ کھوئی وہی آریہ صاحبوں کے نظر میں بُرے بنے۔ اب تک ہندو صاحبان محمود غزنوی کو بھی گالیاں دیتے ہیں کہ اُس نے کیوں اُن کے قدیم بتخانے توڑے غرض بت پرستی اور عناصر پرستی کا مذہب اس ملک میں اس قدر قدیم ہے کہ محققانہ طور پر اُس کا کوئی ابتدا ٹھہرانا مشکل ہے بجز اس کے کہ اس مذہب کو وید کے ساتھ ساتھ تسلیم کیا جائے مگر پھر بھی جیساکہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے مجھے بعض قرآنی آیتوں پر نظر ڈالکر خیال آتا ہے کہ شاید اصل تعلیم وید کی عناصر پرستی سے پاک ہو اور عناصر کی مہما اور استت سے کچھ اور مطلب ہو مگر جیساکہ میں نے ذکر کیا ہے یہ میرا خیال اس وقت یقین کے مرتبہ تک پہنچیگا جب کہ وید کی پچاس یا ساٹھ یا ستر شرتیوں سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ ان تمام عناصر اور اجرام فلکی کی پوجا سے جنکی مہما اور اُستت رگوید میں موجود ہے صاف اور صریح لفظوں کے ساتھ منع کرتا ہے ✤

وید کی شرتیوں کی وہ تاویل جس کے لکھنے کا ہمنے وعدہ کیا تھا

وید کی شرتیوں کی وہ تاویل جس کا میں اوپر ذکر کر آیا ہوں قرآن شریف کی چند آیتوں پر غور کرنے سے میرے دل میں گذرتی ہے پہلی آیت یہ کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی سورۃ فاتحہ میں فرماتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنے ہر ایک حمد اور ثنا اس خدا کے لئے مسلم ہے

جس کی تربیت ہر ایک عالم میں یعنے ہر ایک رنگ میں ہر ایک پیرایہ میں اور ہر ایک فائدہ بخش
صنعت الہی کے ذریعہ سے مشہود اور محسوس ہو رہی ہے یعنی جن جن متفرق
وسیلوں پر اس دنیا کے لوگوں کی بقا اور عافیت اور تکمیل موقوف ہے دراصل ان
کے پردہ میں ایک ہی پوشیدہ طاقت کام کر رہی ہے جس کا نام اللہ ہے چنانچہ اس
دنیا کے کاروبار کی تکمیل کے لئے ایک قسم کی تربیت سورج کر رہا ہے جو ایک حد تک
انسان کے بدن کو گرمی پہنچا کر دوران خون کا سلسلہ جاری رکھتا ہے جس سے انسان مرنے
سے بچتا ہے اور اسکے آنکھوں کے نور کی مدد کرتا ہے پس حقیقی سورج جو حقیقی گرمی پہنچانیوالا
اور حقیقی روشنی عطا کرنیوالا ہے وہ خدا ہے کیونکہ اسی کی طاقت کے سہارے سے یہ سورج
بھی کام کر رہا ہے اور اُس حقیقی سورج کا صرف یہی کام نہیں کہ وہ دوران خون کے سلسلہ
کو جاری رکھتا ہے جس پر جسمانی زندگی موقوف ہے اس طرح پر کہ اس فعل کا آلہ انسان
کے دل کو ٹھہراتا ہے اور آسمانی روشنی سے آنکھوں کے نور کی مدد کرتا ہے بلکہ وہ روحانی زندگی
کو نوع انسان کے تمام اعضاء تک پہنچانے کے لئے منجملہ انسانوں کے ایک انسان کو
اختیار کر لیتا ہے اور انسانی سلسلہ کے مجموعہ کے لئے جو ایک جسم کا حکم رکھتا ہے اس کو
بطور دل کے قرار دیدیتا ہے اور اسکو روحانی زندگی کا خون نوع انسان کے تمام اعضاء
تک پہنچانے کے لئے ایک آلہ مقرر کر دیتا ہے پس وہ طبعاً اس خدمت میں لگا رہتا
ہے کہ ایک طرف سے لیتا اور پھر تمام مناسب اطراف میں تقسیم کر دیتا ہے اور جیسا کہ غیر حقیقی اور
جسمانی سورج آنکھوں کو کامل روشنی پہنچاتا اور تمام نیک بد چیزیں ان پر کھول دیتا ہے۔
ایسا ہی یہ حقیقی سورج دل کی آنکھ کو معرفت کے بلند مینار تک پہنچا کر دن چڑھا دیتا ہے اور
جیسا کہ وہ جسمانی سورج حقیقی سورج کے سہارے سے پھلوں کو پکاتا ہے اور انمیں شیرینی اور
حلاوت ڈالتا اور عفونتوں کو دور کرتا اور بہار کے موسم میں تمام درختوں کو ایک سبز چادر پہناتا اور
خوشگوار پھلوں کی دولت سے اُن کے دامن کو پُر کرتا اور پھر خریف میں اسکے برخلاف اثر ظاہر

کرتا ہے اور تمام درختوں کے پتے گرا دیتا اور بدشکل بنا دیتا اور پھلوں سے محروم کرتا اور بالکل انہیں ننگے کر دیتا ہے بجز اُن ہمیشہ بہار درختوں کے جن پر وہ ایسا اثر نہیں ڈالتا یہی کام اُس حقیقی آفتاب کے ہیں جو سرچشمہ تمام روشنیوں اور فیضوں کا ہے وہ اپنی مختلف تجلیات سے مختلف طور کے اثر دکھاتا ہے ایک قسم کی تجلی سے وہ بہار پیدا کر دیتا ہے اور پھر دوسری قسم کی تجلی سے وہ خزان لاتا ہے اور ایک تجلی سے وہ عارفوں کے لئے معرفت کی حلاوتیں پیدا کرتا ہے اور پھر ایک تجلی سے کفر اور فسق کا عفونت ناک مادہ دنیا سے دور اور دفع کر دیتا ہے۔ پس اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ تمام کام جو یہ جسمانی آفتاب کر رہا ہے وہ سب کام اُس حقیقی آفتاب کے ظل ہیں اور یہ نہیں کہ وہ صرف روحانی کام کرتا ہے بلکہ جس قدر اس جسمانی سورج کے کام ہیں وہ اسکے اپنے کام نہیں ہیں بلکہ درحقیقت اسی معبود حقیقی کی پوشیدہ طاقت اس کے اندر وہ تمام کام کر رہی ہے جیسا کہ اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے قرآن شریف میں ایک ملکہ کا قصہ لکھا ہے جو آفتاب پرست تھی اور اُس کا نام بلقیس تھا اور وہ اپنے ملک کی بادشاہ تھی اور ایسا ہوا کہ اُس وقت کے نبی نے اُس کو دہمکی دے بھیجی کہ تجھے ہمارے پاس حاضر ہونا چاہیئے ورنہ ہمارا لشکر تیرے پر چڑھائی کریگا اور پھر تیری خیر نہیں ہو گی۔ پس وہ ڈر گئی اور اُس نبی کے پاس حاضر ہونے کے لئے اپنے شہر سے روانہ ہوئی اور قبل اس کے کہ وہ حاضر ہو اس کو متنبہ کرنے کے لئے ایک ایسا محل طیار کیا گیا جس پر نہایت مصفا شیشہ کا فرش تھا اور اس فرش کے نیچے نہر کی طرح ایک وسیع خندق طیار کی گئی تھی جس میں پانی بہتا تھا اور پانی میں مچھلیاں چلتی تھیں جب وہ ملکہ اس جگہ پہنچی تو اُس کو حکم دیا گیا کہ محل کے اندر آجا تب اُس نے نزدیک جاکر دیکھا کہ پانی زور سے بہ رہا ہے اور اس میں مچھلیاں ہیں اس نظارہ سے اس پر یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنی پنڈلیوں پر سے کپڑا اُٹھا لیا کہ ایسا نہ ہو کہ پانی میں تر ہو جائے تب اُس نبی نے اُس ملکہ کو جسکا نام بلقیس تھا آواز دی کہ اے بلقیس تو کس غلطی میں گرفتار ہو گئی یہ تو پانی نہیں ہے جس سے ڈر کر تو نے پاجامہ اوپر اُٹھا لیا یہ تو شیشہ کا فرش ہے اور پانی اسکے

نیچے ہے۔ اس مقام میں قرآن شریف میں یہ آیت ہے۔ قال انہ صرح ممرد من قواریر
یعنے اس نبی نے کہا کہ اے بلقیس تو کیوں دھوکا کھاتی ہے یہ تو شیش محل کے شیشے ہیں جو اوپر
کی سطح پر بطور فرش کے لگائے گئے ہیں اور پانی جو زور سے بہ رہا ہے وہ تو ان شیشوں کے
نیچے ہے نہ کہ یہ خود پانی ہیں تب وہ سمجھ گئی کہ میری مذہبی غلطی پر مجھے ہوشیار کیا گیا ہے
اور میں نے فی الحقیقت جہالت کی راہ اختیار کر رکھی تھی جو سورج کی پوجا کرتی تھی۔

تب وہ خدائے واحد لاشریک پر ایمان لائی اور اُس کی آنکھیں کھل گئیں اور اُس نے یقین
کر لیا کہ وہ طاقت عظمیٰ جس کی پرستش کرنی چاہیئے وہ تو اور ہے اور میں دھوکہ میں رہی اور
سطحی چیز کو معبود ٹھہرایا۔ اور اُس نبی کی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ دنیا ایک شیش محل ہے اور سورج
اور چاند اور ستارے اور عناصر وغیرہ جو کچھ کام کر رہے ہیں یہ دراصل انکے کام نہیں یہ تو
بطور شیشوں کے ہیں بلکہ ان کے نیچے ایک طاقت مخفی ہے جو خدا ہے یہ سب اس کے
کام ہیں اس نظارہ کو دیکھ کر بلقیس نے سچے دل سے سورج کی پوجا سے توبہ کی اور سمجھ لیا
کہ وہ طاقت ہی اور ہے کہ سورج وغیرہ سے کام کراتی ہے اور یہ تو صرف شیشے ہیں۔

یہ تو ہم نے سورج کا حال بیان کیا ایسا ہی چاند کا حال ہے جن صفات کو چاند کی طرف
منسوب کیا جاتا ہے وہ دراصل خدا تعالےٰ کے صفات ہیں وہ راتیں جو خوفناک تاریکی پیدا
کرتی ہیں چاند ان کو روشن کرنے والا ہے جب وہ چمکتا ہے تو فی الفور اندھیری رات کی تاریکی
اُٹھ جاتی ہے کبھی وہ پہلے وقت سے ہی چمکنا شروع کرتا ہے اور کبھی کچھ تاریکی کے بعد
نکلتا ہے یہ عجیب نظارہ ہوتا ہے کہ ایک طرف چاند چڑھا اور ایک طرف تاریکی کا نام و
نشان نہ رہا اسی طرح خدا بھی جب نہایت گندے اور تاریک آدمیوں پر جو اسکی طرف جھکتے ہیں چمکتا
ہے تو انکو ایسی طرح روشن کر دیتا ہے جیسا کہ چاند رات کو روشن کرتا ہے۔ اور کوئی انسان اپنی عمر
کے پہلے زمانہ میں ہی اس چاند کی روشنی سے حصہ لیتا ہے اور کوئی نصف عمر میں اور کوئی آخری
حصہ میں اور بعض بدبخت سلخ کی راتوں کی طرح ہوتے ہیں یعنے تمام عمر انپر اندھیرا ہی چھا جائے

رہتا ہے اُس حقیقی چاند سے حصہ لینا ان کے نصیب نہیں ہوتا غرض کہ یہ سلسلہ چاند کی روشنی کا اس حقیقی چاند کی روشنی سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ ایسا ہی چاند پھلوں کو موٹا کرتا اور اُنمیں طراوت ڈالتا ہے اسی طرح وہ لوگ جو عبادت کر کے اپنے درخت وجود میں پھل تیار کرتے ہیں چاند کی طرح خدا کی رحمت انکے شامل حال ہو جاتی ہے اور اس پھل کو موٹا اور تازہ بتازہ کر دیتی ہے اور یہی معنے رحیم کے لفظ میں مخفی ہیں جو سورۃ فاتحہ میں خدا کی دوسری صفت بیان کی گئی ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ جسمانی طور پر چار قسم کی ربوبیت ایسی ہو رہی ہے جس سے نظام عالم وابستہ ہے ایک آسمانی ربوبیت یعنی اکاش سے ہے جو جسمانی تربیت کا سرچشمہ ہے جس سے پانی برستا ہے اگر وہ پانی کچھ مدت نہ برسے تو جیسا کہ علم طبعی میں ثابت کیا گیا ہے کوؤں کے پانی بھی خشک ہو جائیں یہ آسمانی ربوبیت یعنی اکاش کا پانی بھی دنیا کو زندہ کرتا ہے اور نابود کو بود کی حالت میں لاتا ہے اس طور پر آسمان ایک پہلا رب النوع ہے جس+ سے پانی برستا ہے جسکو وید میں اندر کے نام سے یاد کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالی فرماتا ہے وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ اس جگہ آسمان سے مراد وہ کرّہ زمہریر ہے جس سے پانی برستا ہے اور اس آیت میں اس کرہ زمہریر کی قسم کھائی گئی جو مینہ برساتا ہے اور رجع کے معنی مینہ ہے اور خلاصہ معنی آیت یہ ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میں وحی کا ثبوت دینے کے لئے آسمان کو گواہ لاتا ہوں جس سے پانی برستا ہے یعنی تمہاری روحانی حالت بھی ایک پانی کی محتاج ہے اور وہ آسمان سے ہی آتا ہے جیسا کہ تمہارا جسمانی پانی آسمان سے آتا ہے اگر وہ پانی نہ ہو تو تمہاری عقلوں کے پانی بھی خشک ہو جائیں عقل بھی اُسی آسمانی پانی یعنے وحی آلہی سے تازگی اور روشنی پاتی ہے۔ غرض جس خدمت میں آسمان لگا ہوا ہے یعنی پانی برسانے کی خدمت یہ کام آسمان کا خدا تعالی کی پہلی صفت کا ایک ظلّ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ ابتداء ہر ایک چیز کا پانی سے ہے انسان بھی پانی سے ہی پیدا ہوتا ہے اور وید کی رو سے پانی کا دیوتا اکاش ہے جسکو وید کی اصطلاح میں اندر کہتے ہیں مگر یہ سمجھنا غلطی ہے کہ یہ اندر کچھ چیز ہے بلکہ وہی پوشیدہ اور نہاں در نہاں طاقت عظمی

+ قرآن شریف کی اصطلاح کی رو سے جو فضا یعنے پول اوپر کی طرف ہے جسمیں بادل جمع ہو کر مینہ برستا ہے اسکا نام بھی آسمان ہے جسکو ہندی میں اکاش کہتے ہیں۔ منہ

جس کا نام خدا ہے اس میں کام کر رہی ہے اسی کو بیان کرنے کے لئے خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں یعنے سورۃ فاتحہ میں یوں فرمایا ہے ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
یعنے مت خیال کرو کہ بجز خدا کے کوئی اور بھی رب ہے جو اپنی ربوبیت سے دنیا کی پرورش کر رہا ہے بلکہ وہی ایک خدا ہے جو تمہارا رب ہے اُسی کی طاقت ہر ایک جگہ کام کرتی ہے اس جگہ اس ترتیب کے لحاظ سے جو اس سورت میں ہے اندر دیوتا کا رد ملحوظ ہے کیونکہ پہلی ترتیب اسی سے شروع ہوتی ہے اسی کو دوسرے لفظوں میں آسمان یا اکاش کہتے ہیں۔ اِسی وجہ سے دُنیا کے لوگ تمام قضاء و قدر کو آسمان کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں۔ اور بت پرستوں کے نزدیک بڑا رب النوع وہی ہے جو اندر کہلاتا ہے پس اس جگہ اسی کا رد منظور ہے اور یہ جتلانا مقصود ہے کہ حقیقی اندر وہی اکیلا خدا ہے اُسی کی طاقت ہے جو پانی برساتی ہے آسمان کو رب العالمین کہنا حماقت ہے بلکہ رب العالمین وہی ہے جس کا نام اللہ ہے۔

غرض خدا تعالیٰ کی یہ پہلی ربوبیت ہے جس کو نادانوں نے اکاش یعنے اندر کی طرف منسوب کیا ہے بات یہی ہے کہ اندھوں کو اکاش سے پانی برستا نظر آتا ہے مگر برسانے والی ایک اور طاقت ہے اور اس طور پر برسانا یہ جلوہ دکھلاتا ہے کہ یہ بھی اسکی ایک صفت ہے پس آسمان کی یہ ظاہری ربوبیت اسکی حقیقی ربوبیت کا ایک ظل ہے اور جو سامان رعد اور صاعقہ وغیرہ کا بادل میں ہوتا ہے دراصل یہ سب اسکی صفات کے رنگوں میں سے ایک رنگ ہے۔ پھر دوسری ربوبیت خدا تعالیٰ کی جو زمین پر کام کر رہی ہے رحمانیت ہے۔ اس لفظ رحمان سے بت پرستوں کے مقابل پر سورج دیوتا کا رد ملحوظ ہے کیونکہ بموجب بت پرستوں کے خیال کے جیسا کہ اکاش یعنے آسمان پانی کے ذریعہ سے چیزوں کو پیدا کرتا ہے ایسا ہی سورج بہار کے ایام میں تمام درختوں کو لباس پہناتا ہے گویا یہ اسکی وہ رحمت ہے جو کسی عمل پر مترتب نہیں۔ پس سورج جسمانی طور پر رحمانیت کا مظہر ہے کیونکہ وہ موسم بہار میں ننگے درختوں کو پتوں کی چادر پہناتا ہے اور اسوقت تک درختوں نے اپنے طور پر کوئی عمل نہیں کیا ہوتا یعنی کچھ بنایا نہیں ہوتا

تا بنائے ہوئے پر کچھ زیادہ کیا جائے بلکہ وہ خزاں کی غارت گری کے باعث سے محض ننگے اور برہنہ کھڑے ہوتے ہیں پھر سورج کے پرتوہ عاطفت سے ہر ایک درخت اپنے تئیں آراستہ کرنا شروع کر دیتا ہے آخر سورج کی مدد سے درختوں کا عمل اس حد تک پہنچتا ہے کہ وہ پھل بنا لیتے ہیں پس جب کہ وہ پھل بنا کر اپنے عمل کو پورا کر چکتے ہیں تب چاند اُن پر اپنی رحیمیت کا سایہ ڈالتا ہے۔ اور رحیم اُس کو کہتے ہیں کہ عمل کرنیوالے کو اُس کے تکمیل عمل کے لئے مدد دے تا اُس کا عمل ناتمام نہ رہ جاوے پس چاند درختوں کے پھلوں کو یہ مدد دیتا ہے کہ اُن کو موٹے کر دیتا ہے اور اُن میں اپنی تاثیر سے رطوبت ڈالتا ہے چنانچہ علم طبعی میں یہ مُسلّم مسئلہ ہے کہ چاند کی روشنی میں باغبان لوگ اناروں کے پھٹنے کی آواز سنا کرتے ہیں غرض استعارہ کے طور پر قمر جو نیر دوم ہے رحیم کے نام سے موسوم ہوا کیونکہ بڑا فعل اس کا یہی ہے جو موجود شدہ پھلوں کی مدد کرتا ہے اور موٹا اور تازہ کر دیتا ہے پھر جب وہ پھل طیار ہو جاتے اور اپنے کمال کو پہنچ جاتے ہیں تو زمین اُن کو اپنی مالکانہ حیثیت سے اپنی طرف گراتی ہے تا وہ اپنی جزا سزا کو پہنچیں۔ پس اگر وہ عمدہ اور نفیس پھل ہیں تو زمین پر ان کی بڑی عزت ہوتی ہے اور وہ قابل قدر جگہوں میں رکھے جاتے ہیں اور اگر وہ ردّی ہیں تو خراب جگہوں میں پھینک دئے جاتے ہیں اور یہ سزا جزا گویا زمین کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ جو خدا نے اس کی فطرت کو دے رکھی ہے کہ اچھے پھل کا قدر کرتی ہے اور بُرے پھل کو ذلیل جگہ رکھتی ہے۔

غرض وید میں بطور استعارہ کے یہ چار نام ہیں جو چار بڑے بڑے دیوتاؤں کو عطا ہوئے ہیں اول اکاش یعنے آسمان جس کو اندر دیوتا بو✝ لتے ہیں وہ پانی کا داتا ہے اور قرآن شریف میں ہے

✝ حاشیہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ حقیقت میں یہ سب دیوتا ہیں بلکہ یہ سب ایک ہی مالک کی قبضہ میں ہیں اور انسانکے فائدے کیلئے بنائے گئے ہیں ہمنے اسلئے دیوتا کا لفظ محض وید کا استعارہ بیان کیا ہی کیونکہ ان چاروں کے فیوض جو وید کے ایسے طور سے جاری ہیں کہ گویا اختیار سے یہ فیض پہنچا رہی ہیں مگر یہ سب خدا کی مخلوق ہیں اپنے ارادہ سے کوئی کام نہیں کرتے اور نہیں جانتے کہ کیا کام کرتے ہیں گویا مردہ بدست زندہ ہیں یہ چار صفات کے نمونہ جو اکاش اور سورج اور چاند اور زمین میں پائے جاتے ہیں یہ انسانوں کو غور کرنے کے لئے دئے گئے ہیں تا صفات الٰہی کے سمجھنے میں یہ مدد دیویں مثلاً آریہ لوگ خدا کی رحمانیت سے منکر ہیں اور حالانکہ وید رج میں استعارہ کے رنگ میں خود رحمانیت کی صفت قرار دیتا ہے یہ اسی غرض سے ہے کہ تا انسانوں کو اس تقریب سے خدا کی رحمانیت پر نظر پڑے۔ منہ

کہ وجعلنا من الماء کل شیء حی یعنے ہر ایک چیز پانی سے ہی زندہ ہے اس لئے یہ مجازی دیوتا
یعنے اندر جس کو اکاش کہنا چاہئے سب مجازی دیوتاؤں سے بڑا ہے جس کی بغلوں میں سورج
اور چاند پرورش پاتے ہیں یہ بہ نسبت اوروں کے ربوبیت عامہ کا دیوتا ہے بعد اس کے
سورج دیوتا ہے جو رحمانیت کا مظہر ہے اس کی ربوبیت چاند سے زیادہ اور اکاش
یعنے اندر دیوتا سے کم ہے وہ کام جو اس کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ
وہ بغیر موجودگی عمل کے درختوں پر اپنی عنایت اور کرپا ظاہر کرتا ہے کیونکہ درخت ننگ دھڑنگ
کھڑے ہوتے ہیں اور خزاں کے مارے ہوئے ایسے ہوتے ہیں کہ گویا مردے ہیں جو
زمین میں گاڑے گئے ہیں اور تہیدست فقیروں کی طرح ایک پاؤں پر کھڑے ہوتے ہیں پس
سورج دیوتا بہار کے موسم میں موج میں آکر ان کو لباس بخشتا ہے اور ان کا دامن پھلوں اور
پھولوں سے بھر دیتا ہے اور چند روز میں اُن کے سر پر پھولوں کے سہرے باندھتا ہے
اور سبز پتوں کے ریشمی قبا ان کو پہناتا ہے اور پھلوں کی دولت سے اُن کو مال مال کر دیتا ہے
اور اس طرح پر ایک شاندار نوشہ بنا دیتا ہے پس اس کی رحمانیت میں کیا شک رہا جو بغیر
کسی سابق عمل کے ننگے درویشوں پر اس قدر کرپا اور مہربانی کرتا ہے۔ اس قسم کے استعارات
وید میں بہت موجود ہیں کہ اول شاعرانہ طور پر معلوم ہوتے ہیں اور پھر ذرہ غور کریں تو کوئی علمی
چمک بھی ان میں دکھائی دیتی ہے۔

پھر سورج کے بعد وید کی رو سے چاند دیوتا ہے کہ وہ کمزوروں کے عملوں کو دیکھ کر اپنی
مدد سے اُن کے اعمال انجام تک پہنچاتا ہے یعنی بہار کے موسم میں درخت پھل تو
پیدا کر لیتے ہیں لیکن اگر چاند نہ ہوتا تو یہ عمل ان کا ناقص رہ جاتا اور پھلوں میں تازگی اور
فربہی اور طراوت ہرگز نہ آتی پس چاند ان کے عمل کا متمم ہے اس لئے اس لائق ہوا
کہ مجازی طور پر اس کو رحیم کہا جائے سو وید اُس کو رحیم قرار دیتا ہے سو استعارہ کے طور پر
کچھ حرج نہیں۔

پھر چاند کے بعد دھرتی دیوتا ہے جس نے مسافروں کو جگہ دینے کے لئے اپنی
پشت کو بہت وسیع کر رکھا ہے ہر ایک پھل درخت پر مسافر کی طرح ہوتا ہے آخر کار مستقل سکونت

اُس کی زمین پر ہوتی ہے اور زمین اپنے مالکانہ اختیارات سے جہاں چاہے اُس کو اپنی پشت پر جگہ دیتی ہے اور جیسا کہ خدا نے قرآن شریف میں فرمایا وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کہ ہم نے انسانوں کو زمین پر اور دریاؤں پر خود اُٹھایا ایسا ہی زمین بھی ہر ایک چیز کو اُٹھاتی ہے اور ہر ایک خاکی چیز کی سکونت مستقل زمین میں ہے وہ جس کو چاہے عزت کے مقام پر بٹھاوے اور جس کو چاہے ذلت کے مقام میں پھینک دے۔ پس اس طرح پر زمین کا نام مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہوا یعنے استعارہ کے طور پر صحیفہ فطرت کے آئینہ میں یہ چاروں الٰہی صفات نظر آتی ہیں۔ غرض اسی طرح خدا نے چاہا کہ اپنی صفات کو مجازی مظاہر میں بھی ظاہر کرے تا طالب حق مثالوں کو پاکر اُس کے دقیق در دقیق صفات پر اطمینان پکڑ لے۔

اب اس تمام تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ چار مجازی دیوتے جو وید میں مذکور ہیں چار مجازی صفات اپنے اندر رکھتے ہیں چنانچہ اکاش مجازی طور پر ربوبیت کبریٰ کی صفت اپنے اندر رکھتا ہے اور سورج رحمانیت کی صفت سے موصوف ہے اور چاند رحیمیت کی صفت سے حصہ دیا گیا ہے اور زمین مالک یوم الدین کی صفت سے بہرہ یاب ہے اور یہ چاروں صفات مشہود و محسوس ہیں۔ انہیں امور کی وجہ سے موٹی عقل والوں نے در حقیقت ان کو دیوتے قرار دیا ہے* اور ان کو ربّ النوع اور قابل پرستش سمجھا ہے پس ان لوگوں کے رد کے لئے خدا تعالیٰ اپنی پاک کتاب قرآن شریف میں یعنے سورۃ فاتحہ میں فرماتا ہے۔

الحمد للہ رب العٰلمین ۔ الرحمٰن ۔ الرحیم ۔ ملك یوم الدین ۔ ایاك نعبد و ایاك نستعین ۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۔ اٰمین

* دیوتا سنسکرت میں ربّ کو کہتے ہیں جو کسی کی ربوبیت کرتا ہے یعنی پرورش کرتا ہے۔ پس سورج بجائے خود ایک ربّ ہے یعنی دیوتا ہے اور چاند بجائے خود ایک رب ہے یعنی دیوتا ہے ان تمام ربوں یعنی دیوتاؤں کے سر پر ایک بڑا رب ہے جو مدبّر بالارادہ ہے اور وہی خدا ہے اس کا نام ربّ العالمین ہے یعنی سب کا رب اور تمام ربوں کا بھی ربّ ارادہ اور اختیار سے کام کرنیوالا وہی ایک ہے باقی سب کلیں ہیں جو اس کے ہاتھ سے چلتی ہیں۔ پس عبادت اور حمد کے لائق وہی ہے اسی واسطے فرمایا الحمد للہ ربّ العالمین۔ منہ

ترجمہ حمد اور اُستت اور مہما اس بڑے رب کے لئے خاص ہے جس کا نام اللہ ہے جو رب العالمین ہے۔ اور رحمان العالمین ہے اور رحیم العالمین ہے۔ اور مالک جمیع عالم یوم الدین ہے یعنی یہ مرتبہ پرستش کا خدا کے لئے مخصوص ہے کہ اس کی ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت اور جزا سزا کے لئے مالکیت ایک عالم اور ایک رنگ میں محدود نہیں بلکہ یہ صفات اس کی بے انتہا رنگوں میں ظاہر ہوتی ہیں کوئی ان کا انتہا نہیں پا سکتا اور آسمان اور سورج وغیرہ کی ربوبیتیں یعنے پرورشیں ایک خاص رنگ اور ایک خاص قسم میں محدود ہیں اور اس اپنے تنگ دائرہ سے آگے نہیں نکلتیں اسلئے ایسی چیزیں پرستش کے لایق نہیں۔ علاوہ اس کے اُن کے یہ افعال بالارادہ نہیں بلکہ ان سب کے نیچے الٰہی طاقت کام کر رہی ہے۔ پھر فرمایا کہ اے وہ سب کے رب کہ جو بے انتہا رنگوں میں اپنے یہ صفات ظاہر کرتا ہے پرستش کے لایق تو ہی ہے اور سورج چاند وغیرہ پرستش کے لایق نہیں ہیں اسیطرح دوسرے مقام میں فرمایا لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ یعنے نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو بلکہ اُس خدا کو سجدہ کرو جس نے یہ تمام چیزیں سورج چاند۔ آسمان۔ آگ۔ پانی وغیرہ پیدا کی ہیں۔ چاند اور سورج کا ذکر کر کے پھر بعد اس کے جمع کا صیغہ بیان کرنا اس غرض سے ہے کہ یہ کل چیزیں جنکی غیر قومیں پرستش کرتی ہیں تم ہرگز اُن کی پرستش مت کرو۔ پھر اس سورۃ میں یعنے سورۃ فاتحہ میں اس بات کا جواب ہے کہ جب اکاش اور سورج اور چاند اور آگ اور پانی وغیرہ کی پرستش سے منع کیا گیا تو پھر کونسا فائدہ اللہ کی پرستش میں ہے کہ جو ان چیزوں کی پرستش میں نہیں تو دعا کے پیرایہ میں اس کا جواب دیا گیا کہ وہ خدا ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کرتا ہے اور اپنے تئیں آپ اپنے بندوں پر ظاہر کرتا ہے انسان صرف اپنی عقل سے اُسکو شناخت نہیں کرتا بلکہ وہ قادر مطلق اپنی خاص تجلی سے اور اپنی زبردست قدرتوں اور نشانوں سے اپنے تئیں شناخت کرواتا ہے وہی ہے کہ جب غضب اور قہر اس کا دنیا پر بھڑکتا ہے تو اپنے پرستار بندوں کو اُس غضب سے بچا لیتا ہے وہی ہے جو انسان کی عقل کو روشن کر کے اور اُسکو اپنے پاس سے معرفت عطا کر کے گمراہی سے نجات دیتا ہے اور گمراہ ہونے نہیں دیتا۔ یہ سورۃ فاتحہ

کا خلاصہ مطلب ہے جسکو پانچ وقت مسلمان نمازیں پڑھتے ہیں بلکہ دراصل اسی دعا کا نام نماز ہے اور جب تک انسان اس دعا کو درد دل کے ساتھ خدا کی حضور میں کھڑے ہو کر نہ پڑھے اور اس سے وہ عقدہ کشائی نہ چاہے جس عقدہ کشائی کے لئے یہ دعا سکھلائی گئی ہے تب تک اُس نے نماز نہیں پڑھی۔ اور اس نماز میں تین چیزیں سکھلائی گئی ہیں۔

(۱) اول خدا تعالیٰ کی توحید اور اسکی صفات کی توحید تا انسان چاند سورج اور دوسرے جھوٹے دیوتاؤں سے مُنہ پھیر کر صرف اسی سچے دیوتا کا ہو جاوے اور اسکی روح سے یہ آواز نکلے کہ

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن

یعنی میں تیرا ہی پرستار ہوں اور تجھ سے ہی مدد چاہتا ہوں اور دوسری یہ سکھلایا گیا ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں اپنے بھائیوں کو شریک کرے اور اس طرح پر بنی نوع کا حق ادا کردے اس لئے دعا میں اِھْدِنَا کا لفظ آیا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اے ہمارے خدا ہم سب لوگوں کو اپنی سیدھی راہ دکھلا۔ یہ معنے نہیں کہ مجھ کو اپنی سیدھی راہ دکھا۔ پس اس طور کی دعا سے جو جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے بنی نوع کا حق بھی ادا ہو جاتا ہے اور تیسری اس دعا میں یہ سکھلانا مقصود ہے کہ ہماری حالت کو صرف خشک ایمان تک محدود نہ رکھ بلکہ وہ ہمیں روحانی نعمتیں عطا کر جو تو نے پہلے راستبازوں کو دی ہیں اور پھر کہا کہ یہ دعا بھی کرو کہ ہمیں ان لوگوں کی راہوں سے بچا جن کو روحانی آنکھیں عطا نہیں ہوئیں آخر انہوں نے ایسے کام کئے جن سے اسی دنیا میں غضب اُن پر نازل ہوا۔ اور یا اس دُنیا میں غضب سے تو بچے مگر گمراہی کی موت سے مرے اور آخرت کے غضب میں گرفتار ہوئے خلاصہ دعا کا یہ ہے کہ جسکو خدا روحانی نعمتیں عطا نہ کرے اور دیکھنے والی آنکھیں نہ بخشے اور دل کو یقین اور معرفت سے نہ بھرے آخر وہ تباہ ہو جاتا ہے اور پھر اسکی شوخیوں اور شرارتوں کی وجہ سے اسی دنیا میں اس پر غضب پڑتا ہے کیونکہ وہ پاکوں کے حق میں بدزبانی کرتا ہے اور کتوں کی طرح زبان نکالتا ہے پس ہلاک کیا جاتا ہے جیسا کہ یہود اپنی شرارتوں اور شوخیوں کی وجہ سے ہلاک کئے گئے اور بارہا طاعون کا عذاب اُن پر نازل ہوا جس نے ان کی بیخکنی کردی اور یا اگر وہ دنیا میں شوخی اور شرارت نہ کرے اور بدزبانی اور شرارت کے منصوبے میں شریک

نہ ہو تو اُس کے عذاب کی جگہ عالم ثانی ہے جب اس دنیا سے وہ گذر جائیگا۔
اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں یہ ممکن ہے کہ رگوید میں جو اندر اور سورج اور چاند اور آگ وغیرہ دیوتاؤں سے دعائیں مانگی گئی ہیں اُس سے مراد وہ اعلےٰ طاقت حضرت احدیت ہو جو ان کے پردہ میں کام کر رہی ہے جو سب مجازی دیوتاؤں کا دیوتا ہے کیونکہ ہم بعض جگہ قرآن شریف میں اس بات کی طرف بھی اشارہ پاتے ہیں کہ جس قدر اس عالم میں مختلف چیزیں نظام عالم کا قائم رکھنے کے لئے کام کر رہی ہیں وہ درحقیقت خدا تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے نمونے ہیں جو مجازی رنگ میں ظاہر ہو رہی ہیں گویا اجرام فلکی اور عناصر ارضی ایک کتاب کے اوراق ہیں جن سے ہمیں خدا تعالیٰ کی صفات کے بارے میں معرفت کا سبق ملتا ہے اور عادت اللہ کا پتہ لگتا ہے۔ مثلاً سورج چار فصلوں میں چار تغیرات دکھلاتا ہے۔
اول **تغیر موسم خریف** جو موسم بہار کے مخالف ہے اس تغیر سے وہ درختوں کے آب و تاب کو ویران کرنا شروع کرتا ہے اکثر درختوں کے پتے گر جاتے ہیں اور اُن کے اندر کا مادہ سیالہ جو تازگی بخش ہوتا ہے خشک ہو جاتا ہے انسانوں کے بدن پر بھی اس موسم کا یہی اثر ہوتا ہے کہ خشک اور سوداوی امراض پیدا ہوتے ہیں پس اسی طرح خدا کی ایک **تجلی** بھی موسم خریف سے **مشابہ** ہے کہ ایک زمانہ انسانوں پر آتا ہے کہ اُن کے دلوں پر قبض طاری ہوتی ہے اور **وجد** اور یاد الٰہی کا مادہ سیالہ جو روحانی تازگی کو بخشتا ہے وہ کم ہونا شروع ہو جاتا ہے گو کھلے کھلے معصیت اور فسق کا **دَور** ابھی نہیں آتا مگر **اُنس** الٰہی کا جوش جاتا رہتا ہے اور دلوں پر افسردگی اور مُردگی اور جمود طبع اور قبض غالب ہو جاتا ہے اور لذت اور ذوق شوق الٰہی باقی نہیں رہتا اور یہ زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ گویا اسکو **کلجگ** کا پیش خیمہ کہنا چاہئے۔
پھر دوسرا زمانہ جو بذریعہ سورج کے خریف کے بعد ظاہر ہوتا ہے وہ **موسم سرما** کا زمانہ ہے جب کہ آفتاب اپنی دوری کی وجہ سے شدّت برودت ظاہر کرتا ہے سو اسی طرح اُس آفتاب حقیقی کے جس کا نام خدا ہے ایک تجلی ہے جو جاڑے سے مشابہت

رکھتی ہے یہ اُس وقت ہوتا ہے جب کہ خدا کی محبت دلوں سے بکلی ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور انسانی طبیعتیں اس کو چھوڑ دیتی ہیں اور بجائے اس کے ہر ایک شخص نفس اور شہوات کی راہ پسند کرتا ہے اور شراب خواری۔ قمار بازی۔ زناکاری اور جھوٹ۔ فریب۔ دغا بدزبانی۔ تکبر۔ دُنیا پرستی۔ چوری۔ خیانت۔ خون ریزی۔ ٹھٹھا ہنسی اور ہر ایک قسم کا پاپ اور ہر ایک قسم کا پلید کام دنیا میں پھیل جاتا ہے اور تمام لیاقتیں زبان کی چالاکیوں سے آزمائی جاتی ہیں اور جو شخص ایسے طریقوں سے اپنی چالاکیاں دکھلاتا ہے وہ بڑا لایق سمجھا جاتا ہے اور بڑی عزت سے دیکھا جاتا ہے اور اگر مر بھی جائے تو اس کی یادگاریں قایم ہوتی ہیں۔ ایسا ہی زمین سُنسان پڑی ہوئی ہوتی ہے شاذ و نادر کے طور پر کوئی زمین پر ہوتا ہے جو پاک دل اور پاک زبان اور پاک خیال اور خدا سے ڈرنے والا اور معرفت کے پاک پانی سے سیراب ہونے والا ہو یہ موسم ایسا ہے گویا اس کو کل جگ کہہ سکتے ہیں کیونکہ اسمیں نیکی کا کال اور بدی کا اقبال ہوتا ہے۔ اور زمین پاپ اور گناہ سے بھر جاتی ہے۔

پھر دوسرا زمانہ جو سورج اپنے تغیرات سے جاڑے کے بعد ظاہر کرتا ہے وہ ربیع کا زمانہ ہے یہ وہ زمانہ ہے جب کہ مُردہ پودے نئے سرے زندہ کئے جاتے ہیں اور نباتات کا خشک شدہ خون نئے سرے پیدا کیا جاتا ہے سو اسی طرح وہ جو آفتاب حقیقی ہے ایک بھاری تجلی اپنی جو موسم بہار کو دکھلاتی ہے دنیا پر ظاہر کرتا ہے تب زمین کے زندہ کرنے کے لئے ایک نیا پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے اور وہ پانی اس طرح اُترتا ہے کہ خدا تعالی اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب کر کے اُس کے دل کو اُس پانی کا ابرِ بہار بناتا ہے تب وہ پانی اُس بادل میں سے خدا تعالی کے اذن سے نکلتا رہتا ہے اور اُن خشک پودوں پر پڑتا ہے جن کو خریف کی بادِ صرصر نے تباہ اور خراب کر دیا تھا اور ان میں معرفت آلہی کے نئے پتے پیدا کرتا ہے اور ذوق شوق کے پھول اُن میں نمایاں کر دیتا ہے اور آخر انسانی شاخوں کو نیک اعمال کے پھلوں سے بھر دیتا ہے۔

پھر تیسرا زمانہ جو زمانہ بہار کے بعد سورج دیوتا ظاہر کرتا ہے وہ صیف کا زمانہ ہے جو موسم گرما کا زمانہ کہلاتا ہے اور موسم گرما میں سورج اُن پھلوں کو پکا دیتا ہے جو بہار کے موسم میں ابھی کچے تھے۔ پس اسی طرح خدا کی تجلی کے لئے بھی ایک موسم صیف یعنے موسم گرما آتا ہے۔ وہ موسم ہوتا ہے جب کہ بہار کے دلوں سے ترقی کر کے انسانی پاک طبیعتیں خدا تعالیٰ کی یاد میں اور اس کی محبت میں گرم ہوتی ہیں اور طبیعتوں میں ذکر الٰہی کے لئے جوش پیدا ہوتے ہیں اور ترقیات کمال کو پہنچتی ہیں اور یہ زمانہ پورے معنے سے ست جُگ کا زمانہ ہوتا ہے۔ تب اکثر لوگ درحقیقت خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق چلتے ہیں اور اُس کی خواہشوں کو اپنی خواہشیں بناتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ سورج کے ان چار تغیّر کے مقابل خدا تعالیٰ کے بھی چار تغیّر پائے جاتے ہیں پس اس میں کلام کی جگہ نہیں کہ جو کچھ اجرام فلکی اور عناصر میں جسمانی اور فانی طور پر صفات پائی جاتی ہیں وہ رُوحانی اور ابدی طور پر خدا تعالیٰ میں موجود ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے یہ بھی ہم پر کھول دیا ہے کہ سورج وغیرہ بذات خود کچھ چیز نہیں ہیں یہ اُسی کی طاقت زبردست ہے جو پردہ میں ہر ایک کام کر رہی ہے وُہی ہے جو چاند کو پردہ پوش اپنی ذات کا بنا کر اندھیری راتوں کو روشنی بخشتا ہے جیسا کہ وہ تاریک دلوں میں خود داخل ہو کر اُن کو مُنوّر کر دیتا ہے اور آپ انسان کے اندر بولتا ہے وُہی ہے جو اپنی طاقتوں پر سورج کا پردہ ڈال کر دن کو ایک عظیم الشان روشنی کا مظہر بنا دیتا ہے اور مختلف فصلوں میں مختلف اپنے کام ظاہر کرتا ہے اُسی کی طاقت آسمان سے برستی ہے جو مینہ کہلاتی ہے اور خشک زمین کو سرسبز کر دیتی ہے اور پیاسوں کو سیراب کر دیتی ہے اُسی کی طاقت آگ میں ہو کر جلاتی ہے اور ہوا میں ہو کر دم کو تازہ کرتی اور پھولوں کو شگفتہ کرتی اور بادلوں کو اُٹھاتی اور آواز کو کانوں تک پہنچاتی ہے یہ اُسی کی طاقت ہے کہ زمین کی شکل میں مجسّم ہو کر نوع انسان اور حیوانات کو اپنی پشت پر اُٹھا رہی ہے مگر کیا یہ چیزیں خدا ہیں؟ نہیں

بلکہ مخلوق مگر اُن کے اجرام میں خدا کی طاقت ایسے طور سے پیوست ہو رہی ہے کہ جیسے قلم کے ساتھ ہاتھ ملا ہوا ہے اگرچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قلم لکھتی ہے مگر قلم نہیں لکھتی بلکہ ہاتھ لکھتا ہے یا مثلاً ایک لوہے کا ٹکڑا جو آگ میں پڑ کر آگ کی شکل بنگیا ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ جلاتا ہے اور روشنی بھی دیتا ہے مگر دراصل وہ صفات اس کی نہیں بلکہ آگ کے ہیں اسی طرح تحقیق کی نظر سے یہ بھی سچ ہے کہ جس قدر اجرام فلکی و عناصر ارضی بلکہ ذرہ ذرہ عالم سفلی اور علوی کا مشہود اور محسوس ہے یہ سب باعتبار اپنی مختلف خاصیتوں کے جو انمیں پائی جاتی ہیں خدا کے نام ہیں اور خدا کی صفات ہیں اور خدا کی طاقت ہے جو انکے اندر پوشیدہ طور پر جلوہ گر ہے اور یہ سب ابتدا میں اُسی کے کلمے تھے جو اسکی قدرت نے انکو مختلف رنگوں میں ظاہر کر دیا۔ نادان سوال کریگا کہ خدا کے کلمے کیونکر مجسم ہوئے کیا خدا ان کے علیحدہ ہونے سے کم ہوگیا مگر اُسکو سوچنا چاہئے کہ آفتاب سے جو ایک آتشی شیشی† آگ حاصل کرتی ہے وہ آگ کچھ آفتاب میں سے کم نہیں کرتی۔ ایسا ہی جو کچھ چاند کی تاثیر سے پھلوں میں فربہی آتی ہے وہ چاند کو دُبلا نہیں کر دیتی۔ یہی خدا کی معرفت کا ایک بھید اور تمام نظام روحانی کا مرکز

† حاشیہ آریہ صاحبان کا یہ عقیدہ ہے کہ پرمیشر نے زمین اور آسمان کی کسی چیز کو پیدا نہیں کیا صرف موجودہ چیزوں کو جو قدیم سے تھیں باہم جوڑا ہے جیسا کہ جیو جو قدیم سے اور انادی ہے اور پرمانو یا پرکرتی جو اجسام کے چھوٹے چھوٹے حصے ہیں اور قدیم اور انادی ہیں۔ مگر ہم ایسے اعتقاد کی وجہ سے اس قدر آریہ صاحبوں پر غصہ نہیں کرتے جس قدر ہمیں اُن کی بے نصیبی پر رحم آتا ہے کیونکہ جب کہ اُنھوں نے خدا تعالیٰ کی قدرت ایجاد کو شناخت نہیں کیا تو کیا شناخت کیا اور کونسا سچا اور کامل گیان اُن کو حاصل ہوا۔ وہ خدا جس نے اس قدر بڑے بڑے اجرام آسمان میں پیدا کئے جیسے سورج اور چاند اور اس قدر ستارے پیدا کئے جن کا اب تک انسانوں کو پتہ نہیں لگا۔

+ کوئی محبت بغیر مشاہدہ حسن یا احسان کے پیدا نہیں ہو سکتی اور کوئی گناہ بغیر خدا کی محبت اور اندیشہ اسکی ناراضگی کے دور نہیں ہو سکتا۔ محبت گناہ کو ایسا جلاتی ہے جیسا کہ آگ میل کو جس سونے کو ہر روز آگ میں ڈالو گے کیا اسپر کوئی میل رہ سکتی ہے۔ مگر وہ شخص جو نہ خدا کے حسن کا قائل ہے یعنے اسکو پورا قادر نہیں جانتا اور نہ خدا کے احسان کا قایل ہے یعنی یہ یقین نہیں رکھتا جو اسکی روح جو اُسکے اندر بول رہی ہے وہ خدا سے ہے وُہ خاک اپنے پرمیشر سے محبت کریگا۔ منہ

ہے کہ خدا کے کلمات سے ہی دُنیا کی پیدائش ہے جب کہ یہ بات طے ہو چکی اور خود قرآن شریف نے یہ علم ہمیں عطا کیا تو پھر میرے نزدیک ممکن ہے کہ وید نے جو کچھ آگ کی تعریف کی یا ہوا کی تعریف کی یا سورج کی مہما اور اُستت کی اُسکا بھی یہی مقصد ہوگا کہ **الٰہی طاقت** ایسے شدید تعلق سے اُن کے اندر کام کر رہی ہے کہ درحقیقت اُسکے مقابل وہ **سب اجرام بطور چھلکے** کے ہیں اور **وُہ مغز** ہے اور سب صفات اُسی کی طرف رجوع کرتی ہیں اسلئے اسی کا نام آگ رکھنا چاہئیے اور اسی کا نام پانی اور اسی کا نام ہوا کیونکہ ان کے فعل انکے فعل نہیں بلکہ یہ سب اُس کے فعل ہیں اور اِن کی طاقتیں اُن کی طاقتیں نہیں بلکہ یہ سب اُسکی طاقتیں ہیں جیساکہ سورۃ فاتحہ کی اِس آیت میں کہ الحمد للہ رب العالمین اسی کی طرف اشارہ ہے یعنے مختلف رنگوں اور پیرایوں اور عالموں میں جو دنیا کا نظام قایم رکھنے کے لئے زمین

بقیہ حاشیہ کیا وہ پیدا کرنے میں کسی مادّہ کا محتاج تھا جب میں ان بڑے بڑے اجرام کو دیکھتا ہوں اور ان کی عظمت اور عجائبات پر غور کرتا اور دیکھتا ہوں کہ صرف ارادہ الٰہی سے اور اسکے اشارہ سے ہی سب کچھ ہو گیا تو میری روح بے اختیار بول اُٹھتی ہے کہ اے ہمارے قادر خدا تو کیا ہی بزرگ قدرتوں والا ہے تیرے کام کیسے عجیب اور وراء العقل ہیں۔ نادان ہے وہ جو تیری قدرتوں سے انکار کرے اور احمق ہے وہ جو تیری نسبت یہ اعتراض پیش کرے کہ اس نے ان چیزوں کو کس مادہ سے بنایا **افسوس** کہ آریہ صاحبان یہ نہیں خیال کرتے کہ اگر خدا کو مخلوق کے بنانے میں انسانی اسباب کی پابندی ضروری ہے تو پھر وہ جیسے بغیر مادہ کے کچھ بنا نہیں سکتا ویسا ہی وہ بغیر کسی کافی وقت کے کچھ بنا نہیں سکتا پس اس صورت میں جیساکہ ہم ایک دیوار کے بنانے میں اندازہ کرتے ہیں کہ ایک معمار اتنے دنوں میں اس کو تیار کر سکتا ہے اس سے پہلے نہیں۔ ایسا ہی ہمیں یہ اندازہ کرنا پڑیگا کہ خدا کو مثلاً سورج یا چاند بنانے میں اس قدر وقت کی ضرور حاجت پڑی ہو گی اور اس سے پہلے اسکے لئے غیر ممکن ہوگا کہ کچھ بنا سکے مگر ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے یہ حدیں مقرر کرنا اور کسی خاص اندازہ وقت کی طرف کسی کام کے لئے اُس کو محتاج سمجھنا کفر ہے اور گو وہ اپنی مرضی سے کوئی کام جلدی سے کرے یا دیر سے مگر وہ وقت کا محتاج نہیں۔ پس اس صورت میں

آسمان کی چیزیں کام کر رہی ہیں یہ وہ نہیں کام کرتیں بلکہ خدائی طاقت ان کے نیچے کام کر رہی ہے جیسا کہ دوسری آیت میں بھی فرمایا صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ یعنے دنیا ایک **شیش محل** ہے جس کے شیشوں کے نیچے زور سے پانی چل رہا ہے اور نادان سمجھتا ہے کہ یہی شیشے پانی ہیں حالانکہ پانی ان کے نیچے ہے۔ اور جیسا کہ قرآن شریف میں ایک تیسری جگہ بھی فرمایا وحملناھم فی البر والبحر یعنے یہ خیال مت کرو کہ زمین تمہیں اٹھاتی ہے یا کشتیاں دریا میں تمہیں اٹھاتی ہیں بلکہ ہم خود تمہیں اٹھا رہے ہیں۔

خلاصہ مطلب یہ کہ ہم ان معنوں کو جو اوپر بیان ہوئے وید کی نسبت قبول کر سکتے ہیں اور ہم خیال کر سکتے ہیں کہ جیسا کہ قرآن شریف نے ہمیں ہدایت دی ہے وید کا

بقیہ حاشیہ　وہ مادہ کا کیونکر محتاج ہو گیا۔ انسانی ضعف کے لئے جو منطق بنائی گئی ہے اُس منطق سے اس کے حق میں بھی کوئی نتیجہ نکالنا اس سے زیادہ کونسی حماقت ہو گی۔ میں ہرگز یقین نہیں رکھتا کہ وید کی یہ تعلیم ہو بلکہ خاص پنڈت دیانند کے پیٹ سے یہ تعلیم نکلی ہے پنڈت صاحب نے جب دیکھا کہ بغیر روٹی کھانے کے وہ جی نہیں سکتے اور بغیر پانی کے اُن کی پیاس نہیں بجھتی اور بغیر مشقت اور مغز خوری کے وید نہ پڑھ سکے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ جیسا وہ ایک چیز کے حصول کے لئے مادہ کے محتاج ہیں ایسا ہی ان کا پرمیشر بھی مادہ کا محتاج ہے انسان کا قاعدہ ہے کہ وہ دوسرے کے کاموں کو اپنے نفس پر قیاس کر لیتا ہے چنانچہ بازاری عورتیں ہرگز سمجھ نہیں سکتیں کہ دنیا میں پاک دامن اور پاک دل عورتیں بھی ہوتی ہیں جس کو آنکھیں ملی ہیں وہ آنکھوں کے بعد اپنے تئیں اندھا نہیں کر سکتا اور جس کو کوئی حصہ گیان اور معرفت کا ملا ہے وہ پھر جہالت کو پسند نہیں کر سکتا ہم نے صدہا امور اپنی آنکھوں سے ایسے خارق عادت دیکھے ہیں کہ اگر ہم بعد اس کے گواہی نہ دیں کہ درحقیقت ہمارا خدا قادر مطلق ہے اور کسی مادہ کا محتاج نہیں تو ہم سخت گنہگار ہونگے شائد چودہ سال کے قریب ہو گیا؎ یا کم زیادہ جو میں نے دیکھا تھا کہ عالم کشف میں ایک کاغذ پر میں نے بعض باتیں لکھی ہیں اس غرض سے کہ

؎ [illegible]

بھی یہی مدعا ہے مگر دو باتوں کا ثابت ہونا ضروری ہے (۱) اول یہ کہ وید کا بھی یہی مذہب ہو جو قرآن نے ظاہر کیا ہے کہ یہ سب چیزیں کیا آسمان کے اجرام اور کیا زمین کے عناصر اور کیا ذرہ ذرہ مخلوقات خدا کے ہاتھ سے نکلے ہیں کیونکہ اگر ایسا تسلیم نہ کریں تو پھر ان چیزوں کی صفات پرمیشر کے صفات نہیں ہو سکتے اور ان چیزوں کے گُن پرمیشر کے گن نہیں کہلا سکتے۔ اور ان چیزوں کی طاقتیں پرمیشر کی طاقتیں نہیں کہلا سکتیں مگر افسوس کہ آریہ سماجی اصول کے موافق ذرات یعنی پرمانو اور جیو یعنی روح یہ سب انادی اور قدیم اور غیر مخلوق ہیں اسلئے انکے گن اور صفات اور خواص اور طاقتیں بھی غیر مخلوق اور انادی ہیں پرمیشر کو انمیں کچھ دخل نہیں پس اگر وید کا یہی مذہب ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ وید نے آگ کے صفات بیان کر کے آتش پرستی سکھائی ہے اور سورج کی اُستت اور مہما کر کے سورج پرستی سکھائی ہے ہاں اگر ان سب چیزوں کو پرمیشر سے نکلی ہوئی مان لیں اور انکی طاقتیں اسکی طاقتیں مان لیں تو پھر اعتراض باقی نہیں رہتا اور یاد رہے کہ اس کے ساتھ دوسری شرط بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ وید میں ان صد ہا شرتیوں کے مقابل پر جنمیں سورج اور آگ وغیرہ کی اُستت و مہما موجود ہے پچاس[۵۰] یا ساٹھ[۶۰] یا ستر[۷۰] ایسی شرتیاں بھی پائی جائیں جن کا یہ مطلب ہو

بقیہ حاشیہ: اور میں نے دیکھا کہ میں نے وہ تحریر اپنے قادر خدا کے روبرو پیش کی کہ اسپر دستخط کر دیں کہ ایسا ہی ہو جائیگا تب میری خدا نے ایک قلم سے ایک سرخی کی سیاہی سے جو خون کے مانند تھی اور میں خیال کرتا تھا کہ وہ خون ہی ہے اسپر دستخط اپنے کر دئیے اور دستخط سے پہلے قلم کو چھڑک دیا اور وہ چھینٹے خون کے میری پر پڑے تب وجد اور شوق محبت سے میری آنکھ کھل گئی کہ خدا نے میرا منشا پورا کیا اور میری تحریر پر بے تامل دستخط کر دئیے۔ اسوقت میرے پاس ایکدوست موجود تھا یعنی میاں عبداللہ سنوری اپنے شور مچایا کہ یہ قطرے سرخ کہاں سے گرے اور جیساکہ عالم کشف میں دیکھا تھا درحقیقت خارج میں بھی وہ سرخ قطرے تر بتر میرے کرتہ پر پڑے تھے اور کچھ عبداللہ پر بھی۔ اب بتلاؤ کہ یہ تو تمام کشفی معاملہ تھا ظاہر میں ان خونی قطروں کا وجود کیونکر پیدا ہو گیا اور کس مادہ سے وہ خون پیدا ہوا آریہ صاحبان بجز اسکے کیا جواب دے سکتے ہیں کہ یہ قصہ جھوٹا ہے اور آپ بنا لیا ہے اور یہی قصہ میں نے سرمہ چشم آریہ میں لکھا ہے کیونکہ انہیں دنوں میں وہ کتاب تالیف ہوئی تھی اور چونکہ یہی آریہ صاحبوں کے مقابل پر یہ نشان ظاہر ہوا تھا اسلئے میرے خیال میں یہ پنڈت لیکھرام کے مارے جانے کی طرف اشارہ تھا اور طاعون کے وقوع کی طرف بھی اشارہ تھا۔ اسی طرح صد ہا نشان ہیں جو ایسی قدرتوں پر دلالت کرتے ہیں جو بغیر مادہ کے ظہور میں آئیں جنہوں نے یہ قدرتیں نہیں دیکھیں اُنہوں نے اپنے خدا کا کیا دیکھا ہے

کہ یہ چیزیں ہرگز پرستش کے لایق نہیں اور نہ ان سے مراد مانگ سکتے ہیں۔ان دو باتوں کے ثابت ہو جانے سے وید اس لایق ہوگا کہ اس الزام سے اس کو بری کر دیا جاوے۔ اور وہ فرد قرارداد جرم اسپر سے اُٹھائی جائے جو بڑے بڑے اہل الرائے اسپر لگا رہے ہیں اور اگر یہ باتیں ثابت نہیں تو الزام **ثابت** ہے۔

پھر ایک اور اعتراض آریہ صاحبوں کے اصول پر ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اسپر بھی توجہ کرینگے اور وہ یہ ہے کہ یہ قرار دیا گیا ہے کہ گو دنیا کے لئے ایک ازلی اور ابدی سلسلہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا لیکن پرمیشر نے قدیم سے یہی طریق مقرر کر رکھا ہے کہ ہمیشہ وہ سنسکرت زبان میں اور آریہ ورت میں آسمانی کتاب پیدایش کے ابتدا میں بھیجتا رہتا ہے یہ مقولہ تین طور سے غلط ہے اول خدا تعالےٰ کی رحمت عامہ کے برخلاف ہے یعنے جس حالت میں دنیا میں مختلف بلاد اور مختلف زبانیں پائی جاتی ہیں اور ایک ملک کے باشندے دوسری قوم کی زبان سے ناآشنا ہیں بلکہ اس زمانہ سے پہلے تو یہ حالت رہی ہے کہ ایک ملک دوسرے ملک کے وجود سے بھی بیخبر تھا اور آریہ ورت میں یہ خیال تھا کہ ہمالہ پہاڑ کے پرے کوئی آبادی نہیں تو اس صورت میں جب کہ دنیا کے تفرقہ کی یہ صورت تھی ہمیشہ اور کروڑہا برسوں سے آسمانی کتاب کو ایک ہی ملک تک محدود رکھنا یہ خدا کی اُس رحمت کے برخلاف ہے جو اس کے رب العالمین ہونے کی شان کو زیبا ہے اور اس کے برخلاف جو قرآن شریف نے فرمایا ہے وہ نہایت معقول اور قرین انصاف ہے اور وہ یہ کہ وہ فرماتا ہے۔ وان من امۃ الاخلا فیھا نذیر یعنے کوئی بستی اور کوئی آباد ملک نہیں جس میں پیغمبر نہیں بھیجا گیا اور پھر فرماتا ہے یتلو صحفًا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ یعنے یہ کتاب جو قرآن شریف ہے یہ مجموعہ ان تمام کتابوں کا ہے جو پہلے بھیجی گئی تھیں۔اس آیت سے مطلب یہ ہے کہ خدا نے پہلے متفرق طور پر ہر ایک امت کو جدا جدا دستور العمل بھیجا اور پھر چاہا کہ جیسا کہ خدا ایک ہے وہ بھی ایک ہو جائیں تب سب کو اکٹھا کرنے کے لئے قرآن کو بھیجا اور خبر دی کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ خدا تمام قوموں کو ایک قوم بنا دے گا اور تمام ملکوں کو ایک ملک کر دے گا اور تمام

زبانوں کو ایک زبان بنا وے گا سو ہم دیکھتے ہیں کہ دن بدن دنیا اس صورت کے قریب آتی جاتی ہے اور مختلف ملکوں کے تعلقات بڑھتے جاتے ہیں۔ سیاحت کے لئے وہ سامان میسر آگئے ہیں جو پہلے نہیں تھے خیالات کے مبادلہ کے لئے بڑی بڑی آسانیاں ہو گئی ہیں ایک قوم دوسری قوم میں ایسی دھنس گئی ہے کہ گویا وہ دونوں ایک ہونا چاہتی ہیں۔ بڑے اور مشکل سفر بہت سہل اور آسان ہو گئے ہیں۔ اب روس کی طرف سے ایک ریل طیار ہو رہی ہے کہ جو چالیس دن میں تمام دنیا کا دورہ ختم کرے گی اور خبر رسانی کے خارق عادت ذریعے پیدا ہو گئے ہیں اس سے پایا جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ اُن مختلف قوموں کو جو کسی وقت ایک تھیں پھر ایک ہی بنانا چاہتا ہے تا پیدایش کا دائرہ پورا ہو جائے اور تا ایک ہی خدا ہو اور ایک ہی نبی ہو اور ایک ہی دین ہو۔ یہ بات نہایت معقول ہے کہ تفرقہ کے زمانہ میں خدا نے جدا جدا ہر ایک ملک میں نبی بھیجے اور کسی ملک سے بخل نہیں کیا لیکن آخری زمانہ میں جب تمام ملکوں میں ایک قوم بننے کی استعداد پیدا ہو گی تب سب ہدایتوں کو اکٹھا کر کے ایک ایسی زبان میں جمع کر دیا جو وہ ام الالسنہ ہے یعنے زبان عربی۔ کیا کوئی کانشنس اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ سنسکرت زبان اور آریہ ورت میں تو کروڑہا مرتبہ وید نے جو بقول آریہ پرمیشر کا کلام ہے جنم لیا لیکن کسی اور زبان میں اور کسی اور ملک میں ایک مرتبہ بھی اس کا ظہور نہ ہوا۔ اگر تناسخ کا مسئلہ کچھ چیز ہے تو اس سے ہی ثبوت دینا چاہیئے کہ پرمیشر نے اس ملک کے لوگوں سے اسقدر کیوں پیار کیا اور دوسرے ملکوں سے کیوں ایسی بیگانگی ظاہر فرمائی کون سے عمدہ اور پاک کرم یہ ملک ہمیشہ کرتا رہا ہے جن کی وجہ سے یہ وید کی عزت ہمیشہ اس کو دی جاتی ہے کیا پرمیشر جانتا ہے یا نہیں کہ دوسرے ملک بھی اس بات کے محتاج ہیں کہ کبھی ان کی زبان میں بھی کلام الہی نازل ہو اور ان میں بھی وحی الہی پانے والے پیدا ہوں اور اگر جانتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ ہمیشہ وید آریہ ورت میں ہی آتا ہے اور سنسکرت زبان میں ہی ہوتا ہے بیان تو کرنا چاہیئے کہ یہ یکپش بات کیوں ہے اور دوسرے ملکوں کا کیا گناہ ہے جن کی قسمت میں یہ نعمت نہیں اور ہمیشہ

کے لئے وہ اس فخر سے بے نصیب ہیں کہ اُن کے ملک میں اور اُن کی زبان میں خدا کی کتاب نازل ہو۔

پھر دوسرا پہلو اعتراض کا یہ ہے کہ اگر فرض محال کے طور پر یہ بھی خیال کیا جائے کہ وید کل دنیا کے لئے آیا ہے اور خدا تعالے پر یہ بخل جائز رکھا جائے کہ اس نے دوسرے ملکوں اور قوموں کو اپنے شرف مکالمہ سے ہمیشہ کے لئے محروم رکھا تو اس صورت میں اس قدر تو چاہیئے تھا کہ پرمیشر وہ زبان اختیار کرتا جو تمام زبانوں کی ماں ہو اور زندہ زبان ہو نہ سنسکرت کہ کسی طرح وہ تمام زبانوں کی ماں نہیں کہلا سکتی اور نہ وہ زندہ زبان ہے بلکہ مدت ہوئی کہ مر گئی اور کسی ملک میں وہ بولی نہیں جاتی۔ ہاں یہ درجہ ام الالسنہ ہونے کا عربی زبان کو حاصل ہے اور وہی آج اُن تمام زبانوں میں سے جن میں آسمانی کتابیں بیان کی جاتی ہیں زندہ زبان ہے اور ہم نے بڑی تحقیق سے تمام زبانوں کا مقابلہ کر کے بہت سے قوی دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ درحقیقت عربی زبان ہی ام الالسنہ ہے۔ اس لئے وہی زبان اس لائق ہے کہ کل قوموں کو اُس زبان میں مخاطب کیا جائے اور ہم نے عربی زبان کے ام الالسنہ ہونے کے بارے میں ایک کتاب تالیف کی ہے اور جو شخص اس کتاب کو پڑھے گا میں خیال نہیں کرتا کہ بجز تسلیم کے کسی طرف اسکو گریز کی راہ مل سکے کیونکہ اس میں اعلےٰ درجہ کی تحقیقاتوں سے اور ہزارہا مفردات کے مقابلہ سے اور نیز اُس علمی خزانہ سے جو عربی مفردات میں پایا جاتا ہے عربی کا تمام زبانوں کی ماں ہونا ثابت کر دیا ہے۔

تیسری وجہ آریہ صاحبوں کے اس اصول کے غلط ہونے کی کہ وید پر پرمیشر کی مہر لگ چکی ہے اور اس کے بغیر وحی الٰہی کا دروازہ بند ہے ہمارا ذاتی تجربہ ہمارے ہاتھ میں ہے کہ قریباً ہر روز خدا تعالے ہم سے کلام کرتا ہے اور اپنے اسرار غیب اور علوم معرفت سے مطلع فرماتا ہے۔ پس اگر یہ لاف و گزاف درحقیقت میں ہے کہ آیندہ وحی کا دروازہ بند ہو گیا تو بعد اسکے ہمیں اسکے جھوٹا ہونے کیلئے کسی اور دلیل کی ضرورت

نہیں کیونکہ امور مشہودہ محسوسہ کے برخلاف کہنے والا بالیقین کاذب اور سخت کاذب ہوتا ہے جس عالی شان وحی سے ہمیں خدا نے مشرف کیا ہے ہم وید میں اس کا نمونہ نہیں دیکھتے ۔ یہ کلام خارق عادت باتوں اور غیب سے پر ہے جیسا کہ سمندر پانی سے اور اکثر عربی میں جو نبوت کے کلام کی تخت گاہ ہے نازل ہوتا ہے اور کبھی اردو میں اور کبھی فارسی میں اور بعض اوقات انگریزی زبان میں بھی ہوا ہے اور اگر آریہ صاحبان یہ کہیں کہ کونسا نشان ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ خدا کا کلام ہے سو میں کہتا ہوں کیا پنڈت لیکھرام کے متعلق جو پیشگوئی تھی جس میں اسکے مارے جانیکا دن اور تاریخ بھی درج تھی کیا وہ آریہ صاحبوں کو بھول گئے کیا وہ ایک ہی پیشگوئی آریہ صاحبونکے لئے کافی نہیں تھی اور ایسی پیشگوئیاں ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہیں اور ایک فوج گواہونکی انکے ساتھ ہے جنمیں سے کئی معزز آریہ بھی ہیں پس اس سے زیادہ ہم خدا کے مکالمہ کا اور کیا ثبوت دے سکتے ہیں بلکہ ہم اسی جگہ کے چند آریہ صاحبوں کو بلکہ کئی لاکھ اور آریہ صاحبونکو بھی گواہی کے لئے پیش کرتے ہیں ۔

اور اس جگہ اس بات کا ذکر کرنا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ بعض نادان ایک لاکھ پیشگوئی کے مقابل پر ایک دو پیشگوئیونکا ذکر کرکے کہتے ہیں کہ وہ پوری نہیں ہوئیں لیکن یہ خود اُن کا قصور فہم ہے بلکہ کوئی بھی ایسی پیشگوئی نہیں کہ وہ اپنے الفاظ کے مطابق پوری نہیں ہو چکی یا اسمیں سے کوئی حصہ پورا نہیں ہو چکا جو دوسرے حصے کے کسی وقت پورا ہو جانے پر گواہ ہے ۔ سچی گواہی کو چھپانا اور جھوٹی حجتیں پیش کرنا اُن لوگوں کا کام نہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں ۔ خاص کر آریہ صاحبوں کو وہ نشان فراموش نہیں کرنا چاہیئے جو خدا نے اُن کو اپنے زبردست ہاتھ سے دکھلایا اور کئی کروڑ انسانونکو اسپر گواہ کیا ۔ ایسے زبردست نشانوں کا انکار کرکے پھر تکذیب کرنا یہ خدا کے ساتھ لڑائی ہے ۔

وید کی یہ تعلیمیں ہم نے بطور نمونہ کے بیان کی ہیں اور ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف کی تعلیمیں اسکے مخالف ہیں وہ دنیا میں توحید قائم کرنے آیا ہے اس میں توحید کی تعلیم شمشیر برہنہ کی طرح ہے اسکو اول سے آخر تک پڑھو وہ یہ نہیں سکھلاتا کہ خدا کے بغیر کسی چیز کی پرستش کرو اور اس سے مرادیں مانگو اور اسکی مہما اور استت بیان کرو وہ خدا کی کتابوں کو نہ کسی

نمبر ۲

ہر ایک نفس کے بارہ میں اس کی ذات کے متعلق اور نیز بنی نوع اور قوم کے متعلق عیسائی صاحبوں اور آریہ صاحبوں کی کیا تعلیم ہے اور قرآن شریف کی کیا تعلیم

عیسائی صاحبوں کی تعلیم کو اس جگہ مفصل لکھنے کی ضرورت نہیں خون مسیح اور کفارہ کا ایک ایسا مسئلہ ہے جسنے ان کو نہ صرف تمام مجاہدات اور ریاضات سے فارغ کر دیا ہے بلکہ اکثر دلوں کو گناہوں کے ارتکاب پر ایک دلیری بھی پیدا ہو گئی ہے کیونکہ جب کہ عیسائی صاحبوں کے ہاتھ میں قطعی طور پر گناہوں کے بخشے جانے کا ایک نسخہ ہے یعنی خون مسیح تو صاف ظاہر ہے کہ اس نسخہ نے قوم میں کیا کیا نتائج پیدا کئے ہونگے اور کسقدر نفس امارہ کو گناہ کرنے کے لئے ایک جرأت پر آمادہ کر دیا ہوگا۔ اس نسخہ نے جسقدر یورپ اور امریکہ کی عملی پاکیزگی کو نقصان پہنچایا ہے میں خیال کرتا ہوں کہ اس کے بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں بالخصوص جب سے اس نسخہ کی دوسری جُز شراب بھی اس کے ساتھ ملحق ہو گئی ہے تب سے تو یہ نسخہ ایک خطرناک اور بھڑکنے والا مادہ بن گیا ہے اس کی تائید میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے ہر ایک سچے عیسائی کا یہ فرض ہے کہ وہ بھی شراب پیوے اور اپنے مرشد کی پیروی کرے۔

غرض اس نسخہ کے استعمال سے ان ملکوں کی عملی پاکیزگی پر جو زلزلہ آیا ہے اور جو کچھ تباہی قوم میں پھیلی ہے اس کے ذکر کرنے سے بھی بدن کانپتا ہے۔ افسوس کہ شراب اور کفارہ دونوں ملکر ایک ایسا تیز اور جلد مشتعل ہونے والا بارود ہو گیا ہے جس کے آگے تقویٰ اور طہارت باطنی یوں اُڑ جاتی ہے جیسے سخت آندھی کے آگے خس و خاشاک اور اسمیں اندرونی پاکیزگی کے اُڑانے کے لئے اُس توپ سے بھی زیادہ قوت ہے جو دس میل سے مار کر سکتی ہے کیونکہ توپیں تو اکثر دو تین میل تک فیر کر سکتے ہیں مگر ان توپوں کی زد تو دس ہزار میل سے بھی زیادہ تک پہنچ گئی ہے

یورپ کی شراب کی گرم بازاری نے اس ملک کو بھی شریک کر لیا ہے - زیادہ بیان کی حاجت نہیں - پھر علاوہ اس کے عورتوں کی عام بے پردگی نے اس توپ کا زن و مرد کو نشانہ بنا دیا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ پاک دل رکھنے والے اور خدا سے ڈرنے والے دنیا میں بہت کم لوگ ہوتے ہیں - اور اکثر انسان اُس کُتے سے مشابہ ہیں جو دودھ یا کسی اور عمدہ چیز کو دیکھ کر اُس میں مُنہ ڈالنے سے صبر نہیں کر سکتا نفس غالب اور شہوت طالب اور آنکھیں اندھی ہوتی ہیں اور شراب ایسے جذبات کو اور بھی بانس پر چڑھا دیتی ہے - تب خدا تعالیٰ کا خوف دل میں سے جاتا رہتا ہے اور جوانی کے دن اور جذبات کے ایام اور نیز شرابوں کے جام اندھا کر دیتے ہیں - اس صورت میں جوان مردوں اور جوان عورتوں کا اس طور سے بلا تکلف ملاپ ہونا گویا کہ وہ میاں بیوی ہیں ایسی قابلِ شرم خرابیاں پیدا کرتا ہے جن سے اب یورپ بھی دن بدن واقف ہوتا جاتا ہے آخر جیسے بہت سی تجاریب کے بعد طلاق کا قانون پاس ہو گیا ہے اسی طرح کسی دن دیکھ لو گے کہ تنگ آکر اسلامی پردہ کے مشابہ یورپ میں بھی کوئی قانون شائع ہوگا ورنہ انجام یہ ہوگا کہ چارپایوں کی طرح عورتیں اور مرد ہو جائینگے - اور مشکل ہوگا کہ یہ شناخت کیا جائے کہ فلاں شخص کس کا بیٹا ہے اور وہ لوگ کیونکر پاک دل ہوں - پاک دل تو وہ ہوتے ہیں جن کی آنکھوں کے آگے ہر وقت خدا رہتا ہے اور نہ صرف ایک موت ان کو یاد ہوتی ہے بلکہ وہ ہر وقت عظمت الٰہی کے اثر سے مرتے رہتے ہیں مگر یہ حالت شراب خوری میں کیونکر پیدا ہو - شراب اور خداترسی ایک وجود میں اکٹھی نہیں ہو سکتی - خون مسیح کی دلیری اور شراب کا جوش تقویٰ کی بیخکنی میں کامیاب ہو گیا ہے - ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ آیا کفارہ کے مسئلہ نے یہ خرابیاں زیادہ پیدا کی ہیں یا شراب نے - اگر اسلام کی طرح پردہ کی رسم ہوتی تو پھر بھی کچھ پردہ رہتا مگر یورپ تو پردہ کی رسم کا دشمن ہے - ہم یورپ کے اس فلسفہ کو سمجھ نہیں سکتے اگر وہ اس اصرار سے باز نہیں آتے تو شوق سے شراب پیا کریں کہ اُس کے ذریعہ سے کفارہ کے فوائد بہت ظاہر ہوتے ہیں - کیونکہ مسیح کے خون کے سہارے پر جو لوگ گناہ کرتے ہیں شراب کے وسیلہ سے اُن کی میزان بڑھتی ہے - ہم اس بحث کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتے کیونکہ فطرت

کا تقاضا الگ الگ ہے ہمیں تو ناپاک چیزوں کے استعمال سے کسی سخت مرض کے وقت بھی ڈر لگتا ہے چہ جائیکہ پانی کی جگہ بھی شراب پی جائے۔ مجھے اسوقت ایک اپنا سرگذشت قصہ یاد آیا ہے اور وہ یہ کہ مجھے کئی سال سے ذیابیطس کی بیماری ہے۔ پندرہ بیس مرتبہ روز پیشاب آتا ہے اور بعض وقت سَو سَو دفعہ دن میں پیشاب آتا ہے اور بوجہ اس کے کہ پیشاب میں شکر ہے۔ کبھی کبھی خارش کا عارضہ بھی ہو جاتا ہے۔ اور کثرت پیشاب سے بہت ضعف تک نوبت پہنچتی ہے ایک دفعہ مجھے ایک دوست نے یہ صلاح دی کہ ذیابیطس کے لئے افیون مفید ہوتی ہے پس علاج کی غرض سے مضائقہ نہیں کہ افیون شروع کر دیجائے۔ میں نے جواب دیا کہ یہ آپ نے بڑی مہربانی کی کہ ہمدردی فرمائی لیکن اگر میں ذیابیطس کے لئے افیون کھانے کی عادت کروں تو میں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نکہیں کہ پہلا مسیح تو شرابی تھا اور دوسرا افیونی۔

پس اس طرح جب میں نے خدا پر توکّل کی تو خدا نے مجھے اِن خبیث چیزوں کا محتاج نہیں کیا۔ اور بارہا جب مجھے غلبہ مرض کا ہوا تو خدا نے فرمایا کہ دیکھ میں نے تجھے شفا دے دی۔ تب اُسی وقت مجھے آرام ہو گیا۔ انہیں باتوں سے میں جانتا ہوں کہ ہمارا خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے* جھوٹے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ نہ اُس نے روح پیدا کی اور نہ ذرات اجسام۔ وہ خدا سے غافل ہیں۔ ہم ہر روز اُس کی نئی پیدائش دیکھتے ہیں۔ اور ترقیات سے نئی نئی روح وہ ہم میں پھونکتا ہے۔ اگر وہ نیست سے ہست کرنے والا نہ ہوتا تو ہم تو زندہ ہی مرجاتے۔ عجیب ہے وہ خدا جو ہمارا خدا ہے۔ کون ہے جو اس کی مانند ہے۔ اور عجیب ہیں اُس کے کام۔ کون ہے جس کے کام اس کی مانند ہیں۔ وہ قادر مطلق ہے ہاں بعض وقت حکمت اُس کی ایک کام کرنے سے اُسے روکتی ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے دو مرض دامنگیر ہیں۔ ایک جسم

* انسان جب تک خود خدا کی تجلّی سے اور خدا کے وسیلہ سے اُسکے وجود پر اطلاع نہ پاوے تب تک وہ خدا کی پرستش نہیں کرتا بلکہ اپنے خیال کی پرستش کرتا ہے محض خیال کی پرستش کرنا اندرونی گندگی کو صاف نہیں کرتا۔ ایسے لوگ تو پرمیشر کے خود پرمیشر بنتے ہیں کہ خود اُس کا پتہ آپ لگاتے ہیں۔ منہ

کے اوپر کے حصہ میں کہ سردرد اور دوران سر اور دوران خون کم ہو کر ہاتھ پیر سرد ہو جانا نبض کم ہو جانا دوسرے جسم کے نیچے کے حصہ میں کہ پیشاب کثرت سے آنا اور اکثر دست آتے رہنا یہ دونوں بیماریاں قریباً بیس برس سے ہیں۔ کبھی دُعا سے ایسی رخصت ہو جاتی ہے۔ کہ گویا دور ہو گئیں۔ مگر پھر شروع ہو جاتی ہیں۔ ایک دفعہ میں نے دعا کی کہ یہ بیماریاں بالکل دور کر دیجائیں تو جواب ملا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ تب میرے دل میں خدا تعالےٰ کی طرف سے ڈالا گیا کہ مسیح موعود کے لئے یہ بھی ایک علامت ہے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ وہ دو زرد چادروں میں اُترے گا۔ سو یہ وہی دو زرد رنگ کی چادریں ہیں ایک اوپر کے حصۂ بدن پر اور ایک نیچے کے حصۂ بدن پر۔ کیونکہ تمام اہل تعبیر اس پر متفق ہیں کہ عالم کشف یا عالم رویا میں جو نبوت کا عالم ہے اگر زرد چادریں دیکھی جائیں تو اُن سے بیماری مراد ہوتی ہے۔ پس خدا نے نہ چاہا کہ یہ علامت مسیح موعود کی مجھ سے علیحدہ ہو۔

کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ہم نے اس جگہ انجیل کی تعلیم کا ذکر نہیں کیا کیونکہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ مسیح صرف اپنے خون کا فائدہ پہنچانے کے لئے آیا تھا یعنی اس لئے کہ تا گناہ کرنے والے اس کے مرنے سے نجات پاتے رہیں ورنہ انجیل کی تعلیم ایک معمولی بات ہے جو پہلے سے بائیبل میں موجود ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیئے کہ یہ صرف دکھانے کے دانت ہیں۔ اس پر عمل کرنا مقصود ہی نہیں۔ اور یہی سچ ہے کیا عدالتیں اس پر عمل کرتی ہیں؟ کیا خود پادری صاحبان اس پر عمل کرتے ہیں؟ کیا عوام عیسائی اس کے پابند ہیں؟ ہاں کفارہ اور خون مسیح کے موافق ضرور عمل ہو رہا ہے۔ اور اس سے یورپ امریکہ دونوں فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

علاوہ اس کے یہ بھی سخت غلطی ہے کہ انجیل کی تعلیم کو کامل کہا جائے۔ وہ انسانی فطرت کے درخت کی پورے طور پر آب پاشی نہیں کر سکتی اور صرف ایک شاخ کو غیر موزوں طور پر لمبی کرتی ہے اور باقی کو کاٹتی ہے۔ اور جن جن قوتوں کے ساتھ انسان اس مسافرخانہ میں آیا ہے انجیل ان سب قوتوں سے مُربی نہیں ہے۔ انسان کی فطرت پر نظر کر کے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مختلف قویٰ اس غرض سے دئے گئے ہیں کہ تا وہ مختلف وقتوں میں

حسب تقاضا محل اور موقعہ کے ان قویٰ کو استعمال کرے مثلاً انسان میں منجملہ اور خلقوں کے ایک خلق بکری کی فطرت سے مشابہ ہے۔ اور دوسرا خلق شیر کی صفت سے مشابہت رکھتا ہے۔ پس خدائے تعالےٰ انسان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ بکری بننے کے محل میں بکری بن جائے۔ اور شیر بننے کے محل میں وہ شیر بن جائے۔ اور خدا تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ وہ ہر وقت اور ہر محل میں بکری ہی بنا رہے۔ اور نہ یہ کہ ہر جگہ وہ شیر ہی بنا رہے۔ اور جیسا کہ وہ نہیں چاہتا کہ ہر وقت انسان سوتا ہی رہے یا ہر وقت جاگتا ہی رہے یا ہر دم کھاتا ہی رہے یا ہمیشہ کھانے سے مونہہ بند رکھے۔ اسی طرح وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ انسان اپنی اندرونی قوتوں میں سے صرف ایک قوت پر زور ڈال دے۔ اور دوسری قوتیں جو خدا کی طرف سے اس کو ملی ہیں اُن کو لغو سمجھے۔ اگر انسان میں خدا نے ایک قوت حلم اور نرمی اور درگذر اور صبر کی رکھی ہے تو اسی خدا نے اس میں ایک قوت غضب اور خواہش انتقام کی بھی رکھی ہے پس کیا مناسب ہے کہ ایک خداداد قوت کو تو حد سے زیادہ استعمال کیا جائے اور دوسری قوت کو اپنی فطرت میں سے بکلی کاٹ کر پھینک دیا جائے۔ اس سے تو خدا پر اعتراض آتا ہے کہ گویا اُس نے بعض قوتیں انسان کو ایسی دی ہیں جو استعمال کے لایق نہیں۔ کیونکہ یہ مختلف قوتیں اُسی نے تو انسان میں پیدا کیں۔ پس یاد رہے کہ انسان میں کوئی بھی قوت بُری نہیں ہے۔ بلکہ اُن کی بداستعمالی بُری ہے۔ سو انجیل کی تعلیم نہایت ناقص ہے۔ جس میں ایک ہی پہلو پر زور ڈالدیا گیا ہے۔ علاوہ اس کے دعوی تو ایسی تعلیم کا ہے کہ ایک طرف طمانچہ کھا کر دوسری بھی پھیر دیں۔ مگر اس دعوے کے موافق عمل نہیں ہے مثلاً ایک پادری صاحب کو کوئی طمانچہ مار کر دیکھے کہ پھر عدالت کے ذریعہ سے وہ کیا کارروائی کراتے ہیں پس یہ تعلیم کس کام کی ہے۔ جس پر نہ عدالتیں چل سکتی ہیں نہ پادری چل سکتے ہیں۔ اصل تعلیم قرآن شریف کی ہے جو حکمت اور موقعہ شناسی پر مبنی ہے مثلاً انجیل نے تو یہ کہا کہ ہر وقت تم لوگوں کے طمانچے کھاؤ اور کسی حالت میں شر کا مقابلہ نہ کرو۔ مگر قرآن شریف اس کے مقابل پر یہ کہتا ہے۔ جزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ یعنی اگر کوئی تمہیں دُکھ پہنچاوے مثلاً دانت توڑ دے یا آنکھ پھوڑ دے تو اس کی سزا اسیقدر

بدی ہے جو اُس نے کی لیکن اگر تم ایسی صورت میں گناہ معاف کردو کہ اُس معافی کا کوئی نیک نتیجہ پیدا ہو اور اس سے کوئی اصلاح ہو سکے یعنی مثلاً مجرم آئندہ اس عادت سے باز آجائے تو اس صورت میں معاف کرنا ہی بہتر ہے اور اس معاف کرنے کا خدا سے اجر ملیگا۔

اب دیکھو اس آیت میں دونوں پہلو کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اور عفو اور انتقام کو مصلحت وقت سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ سو یہی حکیمانہ مسلک ہے جس پر نظام عالم کا چل رہا ہے رعایت محل اور وقت سے گرم اور سرد دونوں کا استعمال کرنا یہی عقلمندی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہم ایک ہی قسم کی غذا پر ہمیشہ زور نہیں ڈال سکتے بلکہ حسب موقعہ گرم اور سرد غذائیں بدلتے رہتے ہیں۔ اور جاڑے اور گرمی کے وقتوں میں کپڑے بھی مناسب حال بدلتے رہتے ہیں۔ پس اسی طرح ہماری اخلاقی حالت بھی حسب موقع تبدیلی کو چاہتی ہے ایک وقت رعب دکھلانے کا مقام ہوتا ہے وہاں نرمی اور درگذر سے کام بگڑتا ہے اور دوسرے وقت نرمی اور تواضع کا موقع ہوتا ہے اور وہاں رعب دکھلانا سفلہ پن سمجھا جاتا ہے۔ غرض ہر ایک وقت اور ہر ایک مقام ایک بات کو چاہتا ہے۔ پس جو شخص رعایت مصالح اوقات نہیں کرتا وہ حیوان ہے نہ انسان اور وہ وحشی ہے نہ مُہذّب۔

اب ہم آریہ مذہب میں کلام کرتے ہیں کہ اس میں انسانی پاکیزگی اور انسانی نیک چلنی کے لئے کیا تعلیم ہے۔ پس واضح ہو کہ آریہ سماج کے اصولوں میں سے نہایت قبیح اور قابل شرم نیوگ کا مسئلہ ہے۔ جس کو پنڈت دیانند صاحب نے بڑی جرأت کے ساتھ اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں درج کیا ہے۔ اور وید کی قابل فخر تعلیم اس کو ٹھہرایا ہے اور اگر وہ اس مسئلہ کو صرف بیوہ عورتوں تک محدود رکھتے۔ تب بھی ہمیں کچھ غرض نہیں تھی کہ ہم اس میں کلام کرتے مگر اُنہوں نے تو اس اصول انسانی فطرت کے دشمن کو انتہا تک پہنچا دیا اور حیا اور شرم کے جامہ سے بالکل علیحدہ ہو کر یہ بھی لکھ دیا۔ کہ ایک عورت جو خاوند زندہ رکھتی ہے۔ اور وہ کسی بدنی عارضہ کی وجہ سے اولاد نرینہ پیدا نہیں کر سکتا مثلاً

لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں یا بباعث رقت منی کے اولاد ہی نہیں ہوتی یا وہ شخص کو جماع پر قادر ہے۔ مگر بانجھہ عورتوں کی طرح ہے یا کسی اور سبب سے اولاد نرینہ ہونے میں توقف ہوگئی ہے تو ان تمام صورتوں میں اس کو چاہیئے کہ اپنی عورت کو کسی دوسرے سے ہم بستر کراوے اور اس طرح پر وہ غیر کے نطفہ سے گیارہ* بچے حاصل کرسکتا ہے گویا قریباً بیس برس تک اس کی عورت دوسرے سے ہم بستر ہوتی رہیگی جیسا کہ ہم نے مفصل کتاب کے حوالہ سے یہ تمام ذکر اپنے رسالہ آریہ دھرم میں کر دیا ہے اور حیا مانع ہے کہ ہم اس جگہ وہ تمام تفصیلیں لکھیں۔ غرض اس عمل کا نام نیوگ ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ اصول انسانی پاکیزگی کی بیخکنی کرتا ہے۔ اور اولاد پر ناجائز ولادت کا داغ لگاتا ہے۔ اور انسانی فطرت اس بیحیائی کو کسی طرح قبول نہیں کرسکتی کہ ایک انسان کی ایک عورت منکوحہ ہو جس کے بیاہنے کے لئے وہ گیا تھا۔ اور والدین نے صدہا یا ہزارہا روپیہ خرچ کرکے اس کی شادی کی تھی جو اس کے ننگ و ناموس کی جگہ تھی اور اُس کی عزت و آبرو کا مدار تھا وہ باوجودیکہ اس کی بیوی ہے اور وہ خود زندہ موجود ہے۔ اس کے سامنے رات کو دوسرے سے ہم بستر ہووے اور غیر انسان اس کے ہوتے ہوئے اُسی کے مکان میں اُس کی بیوی سے مونہہ کالا کرے اور وہ آوازیں سُنے اور خوش ہو کہ اچھا کر رہا ہے اور یہ تمام ناجائز حرکات اس کی آنکھوں کے سامنے ہوں۔ اور اس کو کچھ بھی جوش نہ آوے۔ اب بتلاؤ کہ کیا ایسا شخص جس کی منکوحہ اور سہروں کے ساتھ بیاہی ہوئی بیوی اس کی آنکھوں کے سامنے دوسرے کے ساتھ خراب ہو۔ کیا اس کی انسانی غیرت اس بیحیائی کو قبول کریگی دیکھو راجہ رام چندر نے اپنی بیوی سیتا کے لئے کسقدر

* مجھے ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں کہ نیوگ میں یعنی اپنی بیوی کو دوسرے سے ہمبستر کرو اگر صرف گیارہ بچوں تک لینے کا حکم ہے یا زیادہ۔ مُدت ہوئی کہ میں نے ستیارتھ پرکاش میں پڑھا تو تھا۔ مگر حافظہ اچھا نہیں۔ یاد نہیں رہا۔ آریہ صاحبان خود مطلع فرماویں کیونکہ بوجہ روز کی مشق کرانے کے اُن کو خوب یاد ہوگا۔

غیرت دکھلائی۔ حالانکہ راون ایک برہمن تھا اور سیتا کی ابھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اور بموجب اس قاعدہ کے برہمن سے نیوگ جائز تھا۔ تاہم رام چندر کی غیرت نے اپنی پاکدامن بیوی کے لئے راون کو قتل کیا اور لنکا کو جلا دیا۔ وہ شخص انسان کہلانے کا مستحق نہیں جس کو اپنی بیوی کے لئے بھی غیرت نہیں۔ اور کیا وجہ کہ اس کا نام دیوث نہ رکھا جائے حیوانوں میں بھی یہ غیرت مشاہدہ کی گئی ہے پرندوں میں بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک پرند روا نہیں رکھتا کہ دوسرا پرند اس کی مادہ سے تعلق پیدا کرے پھر انسان ہو کر یہ حیا سے دور حرکت کیا کوئی پاک فطرت اس کو قبول کریگی۔ اور دیانند کا یہ لکھنا کہ وید کی شرتی ہے ہم نہیں قبول کر سکتے کہ ایسی کوئی شرتی وید میں ہوگی۔ نادانوں میں پنڈت دیانند نے جسقدر چاہا لافیں ماریں ورنہ کامل علمی فضیلت حاصل کرنا جو انسان کے دل کو روشن کرتی ہے۔ ہر ایک کا کام نہیں۔ بعض الفاظ کے بہت سے معنے ہوتے ہیں اور ایک جاہل اپنی جلد بازی اور اپنی جہالت سے ایک معنے کو پسند کر لیتا ہے۔ پس ایسا شخص جس میں مادہ حیا کا کم ہو اُسے محسوس نہیں ہوتا کہ یہ میرا قول شرافت اور طہارت سے بعید ہے۔ مگر اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے قابل شرم امر پر دیانند نے کیوں زور دیا۔ اور کیوں دلیری کر کے یہ گندی تعلیم اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھدی۔ پس جہاں تک میں نے سوچا ہے میرے خیال میں اس کا یہ جواب ہے کہ چونکہ پنڈت دیانند تمام عمر مجرد رہا ہے اور بیوی نہیں کی لہذا اُس کو اُس غیرت کی خبر نہیں تھی کہ جو ایک شریف اور غیور انسان کو اپنی بیوی کی نسبت ہوا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کی ناتجربہ کار فطرت نے محسوس نہ کیا کہ میں کیا لکھ رہا ہوں۔ دیانند کو معلوم نہیں تھا کہ اپنی بیویوں کی نسبت تو کنجروں کو بھی غیرت ہوتی ہے۔ بلکہ بہت سے لوگ جو بازاری عورتوں سے ناجائز تعلق رکھتے ہیں جب کسی آشنا کنجری کی نسبت ان کو شک پڑتا ہے کہ وہ دوسرے کے پاس گئی تو بسا اوقات غصہ میں آکر اُسکا ناک کاٹ دیتے ہیں یا قتل کر دیتے ہیں تو پھر کیا عقل قبول کر سکتی ہے کہ ایک غیرتمند آریہ کی عورت ایسے کام کرے تو وہ لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل

رہے۔اسی اصول سے تو دنیا میں صریح بدکاری پھیلتی ہے اور آخر حکام کو بھی ان گندے اصولوں کے روکنے کے لئے دخل دینا پڑتا ہے جیسا گورنمنٹ انگریزی نے ابتداء حکومت میں ہی جل پروا اور ستی کے رواج کو جبراً ہٹا دیا تھا۔

اسی طرح تناسخ کا مسئلہ بھی اگر صحیح فرض کیا جاوے تو اسی خرابی کا موجب ہوگا جیسا کہ نیوگ کیونکہ اس صورت میں کروڑہا دفعہ یہ واقعہ پیش آ جائیگا کہ ایک شخص ایک ایسی عورت سے نکاح کرے کہ جو دراصل اس کی ماں تھی یا دادی تھی یا لڑکی تھی جو مر چکی تھی اور پھر وہ دوبارہ جنم لے کر دنیا میں آئی۔پس اگر آواگون کا مسئلہ صحیح تھا تو اتنا تو پرمیشر کو کرنا چاہئے تھا کہ نئے پیدا ہونے والی کو اس بات کا علم دیدیتا کہ وہ فلاں فلاں شخص سے پہلے جنم میں یہ رشتہ رکھتا تھا تا بدکاری تک نوبت نہ آتی۔

حاشیہ تناسخ کے مسئلہ جیسا اور کوئی جھوٹا مسئلہ نہیں کیونکہ اس کی بنیاد بھی غلط ہے اور آزمائش کے طور پر بھی یہ غلط ثابت ہوتا ہے اور انسانی پاکیزگی کے لحاظ سے بھی غلط ٹھہرتا ہے اور خدا کی قدرت میں رخنہ انداز ہونے کی وجہ سے بھی ہر ایک عارف کا فرض ہے جو اس کو غلط سمجھے۔

اس کی بنیاد اس طرح پر غلط ہے کہ ستیارتھ پرکاش میں بتلایا گیا ہے کہ روح عورت کے پیٹ میں اس طرح آتی ہے کہ شبنم کے ساتھ کسی ساگ پات پر پڑتی ہے اور اس ساگ پات کے کھانے سے روح بھی ساتھ کھائی جاتی ہے پس اس سے تو لازم آتا ہے کہ روح دو ٹکڑے ہو کر زمین پر پڑتی ہے ایک ٹکڑے کو اتفاقاً مرد کھا لیتا ہے اور دوسرے ٹکڑے کو عورت کھاتی ہے کیونکہ یہ ثابت شدہ مسئلہ ہے کہ بچہ کو روحانی قوتیں اور روحانی اخلاق مرد اور عورت دونوں سے ملتے ہیں نہ کہ صرف ایک سے پس دونوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ

+ نیوگ کی کثرت عورتوں کے لئے اس وجہ سے بھی مضر ہے کہ اس سے حجاب اُٹھ جائیگا اور چند سال بیگانہ کے پاس جا کر پھر ہمیشہ کے لئے یہی عادت رہیگی۔منہ

اس جگہ یاد رہے کہ تناسخ کا مسئلہ اپنی جڑھ سے باطل ہے وہ تب سچ ہو سکتا ہے۔ جب یہ بات سچ ہو کہ روح دو ٹکڑے ہو کر کسی ساگ پات پر گرتی ہے اور پھر غذا کی طرح کھائی جاتی ہے مگر بیشی کمی مراتب کی تناسخ پر دلیل نہیں یہ اختلاف مراتب تو بیجان چیزوں میں بھی پایا جاتا ہے اس وسوسہ کا جواب یہی ہے کہ قیامت کے دن کم حصہ والے کو پورا حصہ دیا جائیگا اور زیادہ حصہ والے سے حساب کیا جائیگا پس چند روزہ دنیا کی کمی بیشی تناسخ پر کیونکر دلیل ہو سکتی ہے۔

اور نیوگ کے جواب میں یہ کہنا کہ مسلمانوں میں بھی متعہ ہے یہ عجیب جواب ہے میں نہیں جانتا کہ آریہ صاحبوں نے متعہ کس چیز کو سمجھا ہوا ہے پس واضح ہو کہ خدا نے قرآن شریف میں بجز نکاح کے ہمیں کوئی اور ہدایت نہیں دی ہاں شیعہ مذہب میں سے ایک فرقہ ہے کہ وہ مُوقّت طور پر نکاح کر لیتے ہیں یعنے فلاں وقت تک نکاح اور پھر طلاق ہو گی اور اس کا نام متعہ رکھتے

بقیہ حاشیہ ایسے ساگ پات کو کھاویں جس میں روح ہو اور صرف ایک کا کھانا کافی نہیں پس ببداہت یہ امر مستلزم تقسیم روح ہے۔ اور تقسیم روح باطل ہے اس لئے **تناسخ باطل** ہے۔

اور آزمائش کے طور پر یہ مسئلہ اس طرح پر غلط ٹھہرتا ہے کہ جس طرح ہر قسم کی روحیں پیدا ہوتی رہتی ہیں ان تمام صورتوں میں ممکن ہی نہیں کہ شبنم کے ساتھ وہ روحیں پیدا ہوتی ہوں مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ بالوں میں جوئیں پڑ جاتی ہیں وہ روحیں کس شبنم کے ساتھ کھائی جاتی ہیں۔ ایسا ہی گنک کے کھاتوں میں **سُسری** پڑ جاتی ہے وہ کروڑہا روحیں جو کھاتہ کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں وہ کس شبنم کے ساتھ کھاتہ کے اندر اُترتی ہیں اور کون اُن کو کھاتہ ہے۔ ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں کہ پیٹ میں کدو دانے پیدا ہوتے ہیں اور کبھی کبھی دماغ میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں اور طبعی علم کے تجربہ سے پانی کے ہر ایک قطرے میں ہزارہا کیڑے ثابت ہوتے ہیں یہ کس شبنم سے پڑتے ہیں۔ تجربہ بتلا رہا ہے کہ ہر ایک چیز میں ایک قسم کے کیڑہ کا مادہ موجود ہے پشمینہ میں بھی ایک قسم کا کیڑہ لگ جاتا ہے لکڑی میں بھی اناج میں بھی۔ پھلوں میں بھی اور بعض پھلوں میں پھل کی پیدایش کے ساتھ ساتھ

ہیں مگر خدا تعالیٰ کے کلام سے اُن کے پاس کوئی سند نہیں بہر حال وہ تو ایک نکاح ہے جس کی طلاق کا زمانہ معلوم ہے اور نیوگ کو طلاق کے مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں طلاق کے بعد تمام تعلقات میاں بیوی کے قطعاً ٹوٹ جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ مر گیا اور یہ طلاق کا مسئلہ بوجہ انسانی ضرورتوں کے ہر ایک مذہب میں پایا جاتا ہے چنانچہ ولایت میں بھی قانون طلاق پاس ہو گیا ہے اور یہ اعتراض کہ مسلمان کئی بیویاں کر لیتے ہیں۔ اس کو بھی نیوگ سے کچھ تعلق نہیں۔ ہندو دھرم کے راجے اور بڑے بڑے آدمی قدیم سے کئی بیویاں کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں۔ اور یہ اعتراض کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بیوی زینب کا آسمان پر نکاح ہوا تھا اس سے بھی معترض کی صرف نادانی ثابت ہوتی ہے خدا کے نبیوں اور رسولوں کے آسمان پر ہی نکاح ہوتے ہیں کیونکہ

بقیہ حاشیہ ہی کیڑا پیدا ہوتا ہے جیسا کہ گولر کا درخت وہ کس شبنم سے کیڑے آتے ہیں۔ اور اہل تجربہ نے ثابت کیا ہے کہ بعض ترکیبوں سے ہزارہا بچھو پیدا کر سکتے ہیں وُہ کس شبنم سے آتے ہیں۔ افسوس پنڈت دیانند صاحب کی موٹی عقل نے بہت کچھ خفتیں اور ندامتیں آریہ صاحبوں کو پہنچائی ہیں۔ آپ تو ایسی غلط اور بیہودہ باتیں بیان کر کے جلد اس دنیا سے گذر گئے اور دوسروں کو جنہوں نے انہیں کا مت اختیار کیا تھا ندامتوں کا نشانہ بنا گئے۔

دیکھو پاکیزگی کے لحاظ سے بھی تناسخ کا مسئلہ کیسا خراب ہے کیا جب کوئی لڑکی پیدا ہوتی ہے اس کے ساتھ کوئی فہرست بھی اندر سے نکلتی ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ لڑکی فلاں مرد کی ماں یا دادی یا ہمشیرہ ہے اس سے وہ شادی کرنے سے پرہیز کرے۔

اور یہ **تناسخ** کا مسئلہ پرمیشر کی قدرت میں بھی سخت رخنہ انداز ہے خدا وہ خُدا ہے کہ چاہے تو ایک لکڑی میں جان ڈالدے جیسا کہ حضرت موسیٰ کا عصا ایک دم میں لکڑی اور ایک دم میں سانپ بن جاتا تھا مگر روحوں کی انادی ہونے کی حالت میں ہندوؤں کا پرمیشر ہرگز پرمیشر نہیں رہ سکتا کیونکہ جو محض دوسروں کے سہارے سے اپنی خدائی

خدا ان کو قبل از وقت نکاح کا حکم دیتا ہے اور اپنی رضامندی ظاہر کرتا ہے جب کہ آپ لوگوں کا ایک برہمن درمیان میں آکر نکاح کرا جاتا ہے تو کیا خدا کو اختیار نہیں۔ اعتراض تو اس صورت میں تھا کہ خدا کسی غیر کی عورت سے جو اس کے نکاح میں ہے اور اُس نے طلاق نہیں دی جبراً کسی پیغمبر کو دیدے مگر طلاق کے بعد اگر خدا کے حکم سے طرفین کی رضامندی سے نکاح ہو تو اس پر کیا اعتراض ہے۔

اور اگر آریہ صاحبوں کے نزدیک اپنی عین حیات میں اپنی بیوی کو کسی دوسرے سے ہم بستر کرانا اُس صورت سے برابر ہے کہ جب انسان اپنی عورت کو بوجہ اُس کی ناپاکی یا بدکاری یا کسی اور وجہ سے طلاق دیتا ہے تو اس کا فیصلہ بہت سہل ہے کیونکہ اس ملک میں ایسے مسلمان اور دوسرے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں جو اپنی عورتوں سے بوجہ ناموافقت عاجز آکر ان کو طلاق دیدیتے ہیں اور پھر وہ عورتیں اُس عضو کی طرح ہو جاتی ہیں جو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے اور اُن سے کچھ تعلق نہیں رہتا اور اگر آریہ صاحبان چاہیں تو ہم ایسے مسلمانوں بلکہ ہندؤں کے ناموں کی بھی بہت سی فہرستیں دے سکتے ہیں جنہوں نے ان مشکلات کی وجہ سے ناپاک وضع عورتوں کو طلاق دیکر اُن سے تمام تعلقات زندگی کے قطع کر لئے ہیں۔ ایسا ہی

بقیہ حاشیہ چلا رہا ہے اس کی خدائی کی خیر نہیں وہ آج بھی نہیں اور کل بھی نہیں اور یہ کہنا۔ کہ تناسخ کا چکر جو کئی ارب سے بموجب آریہ صاحبوں کے عقیدہ کے جاری ہے۔ اس کا باعث گذشتہ پیدائشوں کے گناہ ہیں یہ خیال طبعی علم کے تجربہ کے ذریعہ سے نہایت فضول اور لچر اور باطل ثابت ہوتا ہے یہ ظاہر ہے کہ روحوں کی پیدائش میں بھی خدا تعالےٰ کا ایک نظام ہے جو کبھی پیش و پس نہیں ہوتا مثلاً برسات کے دنوں ہزارہا کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں اور گرمی کے دنوں میں بکثرت مکھیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو کیا انہیں دنوں میں ہمیشہ دنیا میں پاپ زیادہ ہوتے ہیں اور نہایت سخت گناہ کی وجہ سے انسانوں کو مکھیاں اور برسات کے کیڑے بنایا جاتا ہے اس طرح کے ہزارہا دلایل ہیں جن سے تناسخ باطل ہوتا ہے چاہیئے کہ آریہ صاحبان بغور ان تمام باتوں کو سوچیں۔ منہ

آریہ صاحبوں کو چاہیئے کہ ہمیں اُن شریف اور جنٹلمین اور معزز آریہ صاحبوں کی فہرست دکھلاویں* جنہوں نے اپنی زندگی میں اپنی عورتوں سے نیوگ کرائے ہیں اور غیر مردوں سے ہم بستر کرا کر اُن سے اولاد حاصل کی ہے۔ مگر چاہیئے کہ اس فہرست کے ساتھ نیوگ کی اولاد کی ایک فہرست بھی نام بنام پیش کردیں ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ خاص قادیاں میں جو آریہ صاحبان رہتے ہیں کتنوں نے اب تک اُن میں سے اپنی بیویوں سے نیوگ کرایا ہے۔ اور کسقدر انہوں نے اس مقدس عمل سے حصہ لیا ہے اور کتنے نامحرم مردوں سے اپنی جوروں کو ہم بستر کرا کر اُن سے اولاد حاصل کی ہے کیونکہ اگر درحقیقت یہ عمل عمدہ اور قابل فخر اور وید مقدس کی ہدایت ہے تو ضرور ہر ایک آریہ صاحب نے اس ہدایت سے حصہ لیا ہوگا۔ اور لینا چاہیئے۔

یاد رہے کہ بمقابل نیوگ کی ہدایت کے قرآن شریف میں بیویوں کے لئے پردہ کی ہدایت ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذالک ازکیٰ لھم۔ وقل للمومنٰت یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن۔ یعنے مومنوں کو کہدے مرد ہوں یا عورتیں ہوں کہ اپنی آنکھوں کو غیر عورتوں اور مردوں کی طرف دیکھنے سے روکو اور کانوں کو غیر مردوں کی ناجائز آواز اور غیر کی آواز سُننے سے روکو اور اپنے ستر گاہوں کی حفاظت کرو کہ اس طریق سے تم پاک ہو جاؤ گے۔

اب اے آریہ صاحبان انصاف سے سوچو کہ قرآن شریف تو اس بات سے بھی منع کرتا ہے کہ کوئی مرد غیر عورت پر نظر ڈالے اور یا عورت غیر مرد پر نظر ڈالے یا اُس کی آواز ناجائز طور پر سُنے مگر آپ لوگ خوشی سے اپنی بیویوں کو غیر مردوں سے ہم بستر کراتے ہیں اسکا نام نیوگ رکھتے ہیں کس قدر ان دونوں تعلیموں میں فرق ہے خود سوچ لیں اور سخت افسوس ہے کہ اگر آپ پر ہمدردی کی راہ سے اعتراض کیا جائے کہ ایسا گندہ کام عورتوں سے کیوں کراتے ہو تو آپ طلاق کا مسئلہ پیش کر دیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ طلاق کی ضرورتیں تو تمام دنیا میں مشترک ہیں جس عورت سے باہمی زوجیت کا علاقہ توڑ دیا گیا وہ تو گویا طلاق دہندہ کے حساب میں مر گئی اگر آپ لوگ

*: کچھ مدت ہوئی ہے کہ ایک آریہ صاحب نے بذریعہ ایک اخبار کے غالباً فیروزپور سے اس مضمون کا ایک خط شائع کیا تھا کہ اگر کوئی آریہ صاحبوں میں سے اپنی بیوی کے نیوگ کرانا چاہتے ہیں یا خود بیوی ہی اس مقدس کام کی شایق ہے تو وہ بذریعہ خط و کتابت

صرف اس حد تک رہتے کہ ضرورتوں کے وقتوں میں آپ لوگ اپنی اُن عورتوں کو طلاق دیتے جو آپ لوگوں کی نافرمان یا ناموافق یا بدچلن ہوتیں یا دشمن جانی ہوتیں تو کوئی بھی آپ پر اعتراض نہ کرتا کیونکہ عورت مرد کا جوڑ تقوے طہارت کے محفوظ رکھنے کے لئے ہے اور عورت مرد ایک دوسرے کے دین اور پاکیزگی کے مددگار ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے سچے دوست اور وفادار مخلص ہوتے ہیں۔ اور جب انہیں وہ پاک تعلق باقی نہ رہے جو اصل مدعا نکاح کا ہے تو پھر بجز طلاق کے اور کیا علاج ہے جب ایک دانت میں کیڑا پڑ جائے اور درد پہنچائے تو اب وہ دانت نہیں ہے بلکہ ایک خبیث چیز ہے اُسکو باہر نکالنا چاہئے تا زندگی تلخ نہ ہو۔

چون بدندان تو کرمے او فتاد ✣ نیست آن دنداں بکن اے اوستاد

سیوم

جس خدا کی طرف عیسائی مذہب ہدایت کرتا ہے یا وید یا قرآن شریف ان تینوں مذاہب میں سے کونسا ایسا مذہب ہے جو سچے خدا کو دکھلاتا ہے صرف قصے پیش نہیں کرتا

واضح رہے کہ مذہب کے اختیار کرنے سے اصل غرض یہ ہے کہ تا وہ خدا جو سرچشمہ نجات کا ہے اسپر ایسا کامل یقین آجائے کہ گویا اُسکو آنکھ سے دیکھ لیا جائے کیونکہ گناہ کی خبیث روح انسان کو ہلاک کرنا چاہتی ہے اور انسان گناہ کی مہلک زہر سے کسی طرح بچ نہیں سکتا جب تک اسکو اس کامل اور زندہ خدا پر پورا یقین نہ ہو اور جب تک معلوم نہ ہو کہ وہ خدا ہے جو مجرم کو سزا دیتا ہے اور راستباز کو ہمیشہ کی خوشی پہنچاتا ہے یہ عام طور پر ہر روز دیکھا جاتا ہے کہ جب تک کسی چیز کے مہلک ہونے پر کسی کو یقین آجائے تو پھر وہ شخص اُس چیز کے نزدیک نہیں جاتا۔ مثلاً کوئی شخص عمداً زہر نہیں کھاتا۔ کوئی شخص شیر خونخوار کے سامنے کھڑا نہیں ہوسکتا۔ اور کوئی شخص عمداً سانپ کے سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈالتا پھر عمداً گناہ کیوں کرتا ہے۔ اس کا یہی باعث ہے کہ وہ یقین اُس کو حاصل نہیں جو اُن دوسری چیزوں پر حاصل ہے۔ پس سب سے مقدم انسان کا یہ فرض ہے کہ خدا پر یقین حاصل کرے اور اُس مذہب کو اختیار کرے جس کے ذریعہ سے یقین حاصل ہوسکتا ہے تا وہ خدا سے

✣ درحقیقت اسلامی پاکیزگی نے ہی طلاق کی ضرورت کو محسوس کیا ہے ورنہ جو لوگ دیوثوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اُن کے نزدیک گو اُن کی عورت کچھ کرتی پھرے طلاق کی ضرورت نہیں۔ منہ

ڈرے اور گناہ سے بچے مگر ایسا یقین حاصل کیونکر ہو کیا یہ صرف قصوں کہانیوں سے حاصل ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔ کیا یہ محض عقل کے ظنی دلائل سے میسر آسکتا ہے؟ ہرگز نہیں پس واضح ہو کہ یقین کے حاصل ہونیکی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے مکالمہ کے ذریعہ سے اُسکی خارق عادت نشان + دیکھے اور بار بار کے تجربہ سے اُسکی جبروت اور قدرت پر یقین کرے یا ایسے شخص کی صحبت میں رہے جو اس درجہ تک پہنچگیا ہے۔

اب میں کہتا ہوں کہ یہ درجہ معرفت کا نہ کسی عیسائی صاحب کو نصیب ہے اور نہ کسی آریہ صاحب کو اور ان کے ہاتھ میں محض قصے ہیں اور زندہ خدا کی زندہ تجلی کے نظارہ سے وہ سب بے نصیب ہیں۔ ہمارا زندہ حی و قیوم خدا ہم سے انسان کی طرح باتیں کرتا ہے ہم ایکبات پوچھتے اور دعا کرتے ہیں تو وہ قدرت کے بھرے ہوئے الفاظ کے ساتھ جواب دیتا ہے اگر یہ سلسلہ ہزار مرتبہ تک بھی جاری رہے تب بھی وہ جواب دینے سے اعراض نہیں کرتا وہ اپنے کلام میں عجیب در عجیب غیب کی باتیں ظاہر کرتا ہے اور خارق عادت قدرتوں کے نظارے دکھلاتا ہے یہاں تک کہ وہ یقین کرا دیتا ہے کہ وہ وہی ہے جسکو خدا کہنا چاہئے۔ دعائیں قبول کرتا ہے اور قبول کرنے کی اطلاع دیتا ہے وہ بڑی بڑی مشکلات حل کرتا ہے اور جو مُردوں کی طرح بیمار ہوں ان کو بھی کثرت دعا سے زندہ کر دیتا ہے اور یہ سب ارادے اپنے قبل از وقت اپنے کلام سے بتلا دیتا ہے۔ خدا وہی خدا ہے جو ہمارا خدا ہے وہ اپنے کلام سے جو آیندہ کے واقعات پر مشتمل ہوتا ہے ہمپر ثابت کرتا ہے کہ زمین و آسمان کا وہی خدا ہے وہی ہے جس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے طاعون کی موت سے بچاؤنگا اور نیز اُن سب کو جو تیرے گھر میں نیکی اور پرہیزگاری کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں بچاؤنگا اس زمانہ میں کون ہے جسنے میرے سوا ایسا الہام شائع کیا اور اپنے نفس اور اپنی بیوی اور اپنے بچوں اور دوسرے نیک انسانوں کے لئے جو اس کی چار دیوار کے اندر رہتے ہیں خدا کی ذمہ واری ظاہر کی ایک لاکھ تک ابتک میرے نشان ظاہر ہو چکے ہیں اور ایک بڑے حصہ کے گواہ اسجگہ کے آریہ صاحبان لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل

+ نبوت کے زمانہ کے بعد کچھ مدت تک پیشگوئیاں اُسی نبی کی جو دنیا سے گزر گیا بطور معجزات کے دلوں کو تسلی دیتی رہتی ہیں جو دوسری نسل کے سامنے پوری ہوتی رہتی ہیں مگر یہ نظارہ بہت مدت تک نہیں رہتا اور نرے قصے انسان کو سچا پرہیزگار نہیں بنا سکتے گو صرف لکیر پر چلنے والا قومی تعصب میں بڑھ سکتا ہے اور شریر انسان کی طرح زبان دراز ہو سکتا ہے مگر سچی پاکیزگی جو اپنے پھل ظاہر کرے کبھی اُس کے دل میں نہیں آسکتی۔ منہ

بھی ہیں اگر وہ انکار کرینگے توہم ایک اور رسالہ کے ذریعہ سے دکھائینگے کہ انکارؔ دھرم ہٹ یا ہٹ دھرمی قوم کے ڈر سے جھوٹھ بولنا نجاست کھانے سے بدتر ہے پھر قوم بھی کب اُس گواہی سے باہر ہے ان کے بہادر پنڈت نے اپنی موت سے سب کو گواہ بنادیا غریب شرمپت اور ملاوامل کس حساب میں ہیں۔

یاد رہے کہ طاعون کے متعلق اور ایک پیشگوئی عظیم الشان ظہور میں آئی اور وہ یہ کہ آج سے چھ سات سال پہلے مینے اپنی ایک کتاب میں خدا تعالیٰ سے الہام پاکر شایع کیا تھا کہ طاعون کے ذریعہ سے بہت سے لوگ میری جماعۃ میں داخل ہونگے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ابتک دس ہزار سے زیادہ ایسے لوگ میری جماعۃ میں داخل ہوئے ہیں جو طاعون سے ڈر کر اسطرف آئے ہیں خدا تعالیٰ نے میرے سلسلہ کو نوح کی کشتی سے تشبیہ دی تھی سو اس کشتی میں لوگ بیٹھتے جاتے ہیں نوح کی کشتی میں ہر ایک درند چرند ڈر کر بیٹھ گیا تھا یہ نہیں کہ نوح شکاریوں کی طرح اُن کو جنگلوں سے پکڑ لایا تھا بلکہ وہ جان کے خوف سے آپ ہی کشتی میں بیٹھ گئے تھے اب بھی اس کشتی میں ہر قسم کے ڈرنے والے لوگ بیٹھ رہے ہیں۔

سنو اے سب زمین پر رہنے والو آپ آریہ صاحبان اور عیسائی صاحبان سے پوچھ کر انصافاً کہیں کہ انکے ہاتھ میں بجز پُرانے اور بوسیدہ قصّوں کے کچھ اور بھی ہے یہی تو وجہ ہے کہ ایک فرقہ نے انہیں سے ایک انسان کو خدا بنا رکھا ہے جو درحقیقت مجھ سے زیادہ نہیں اگر وہ مجھے دیکھتا تو خدا کی نعمتوں کو اسجگہ زیادہ پاتا یہ تو عیسائیوں کا جعلی خدا ہے مگر آریوں نے ایک فرضی خدا انسان کی طرح کمزور اپنی طرف سے تراش لیا ہے جو روحوں اور ذرات اجسام کے پیدا کرنے پر قادر نہیں اگر انکو خدا تعالیٰ کی تازہ قدرتوں سے حصہ ہوتا تو وہ جانتے کہ وہ انسان ہونے سے پاک اور ہر ایک بات پر قدرت رکھتا ہے روح کیا حقیقت ہے جو اسکو پیدا نہ کرسکے اور پرمانو کیا چیز ہیں جو اُن کی پیدایش پر قادر نہو روحوں کے اندر ایک اور روحیں ہیں اور ذرات کے اندر ایک اور ذرات ہیں سبکا وہی پیدا کرنے والا ہے وہ کبھی اپنی مرضی سے اور کبھی اپنے مقبول بندوں کی دعا سُنکر

٭ میں دیکھتا ہوں کہ آریہ صاحبوں کی اب بدزبانی بڑھتی جاتی ہے اور انہوں نے اب علاوہ وید کے دیوتاؤں کے اپنی قوم کو بھی ایک دیوتا بنا لیا ہے میں جانتا ہوں کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ وہ زندہ اور حیّ و قیوم خدا سچائی کی تائید میں آسمان سے م

تازہ بتازہ ایجاد کرتا رہتا ہے جس نے اُس کو اس طرح پر نہیں دیکھا وہ اندھا ہی جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔

مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى

یعنے جس کو اس جہان میں اُس کا درشن نہیں ہوا اس کو اس جہان میں اُسکا درشن نہیں ہوگا۔ اور وہ دونوں جہانوں میں اندھا رہے گا۔ خدا کے دیکھنے کے لئے اِسی جہان میں آنکھیں طیار ہوتی ہیں اور بہشتی زندگی اسی جہان سے شروع ہوتی ہے۔

ان اشتہارات میں جو میرے پر حملہ کرنے کے لئے آریہ صاحبوں نے شائع کئے ہیں۔ میرے بعض پیشگوئیوں پر ناسمجھی سے بعض اعتراض بھی کر دئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حال میں یا پہلے لڑکا ہونے کی پیشگوئی کی تھی اور لڑکی پیدا ہوئی۔ پس اس قدر جواب کافی ہے کہ اگر کتابوں کو دیکھ کر دیانت کے طریق کو اختیار کرتے تو ایسا اعتراض کبھی نہ کرتے مجھے تو ایسا الہام کوئی یاد نہیں کہ جس کا یہ مضمون ہو کہ اب ضرور بلافاصلہ لڑکا پیدا ہوگا۔ اگر اُن کو یاد ہے تو وہ پیش کریں ورنہ لعنت اللہ علی الکاذبین ہماری طرف سے جواب کافی ہے۔ خدا تعالے نے تمام کتابوں میں قیامت کی پیشگوئی شائع کر رکھی ہے۔ آریہ صاحبان بھی مہاپرلو کے قائل ہیں مگر وہ پیشگوئی اب تک پوری نہیں ہوئی بلکہ دُنیا پہلے سے زیادہ آباد ہوتی جاتی ہے جو پہلے جنگل تھی اب وہاں آبادیاں اور شہر ہیں مگر کیا کہہ سکتے ہیں کہ وہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ خدا کی باتوں میں ایک وقت ہوتا ہے وہ اپنے وقتوں میں پوری ہوتی ہیں۔ اور وعید کی پیشگوئی میں توبہ اور رجوع سے کبھی تاخیر بھی ہو جاتی ہے۔ انسان کی بدذاتی کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت نہیں کہ اعتراض کے وقت جھوٹ بولے۔ ایسا ہی آتھم کی موت کی پیشگوئی پر تب اعتراض ہوتا کہ میں اُس سے پہلے مر جاتا اور وہ اب تک زندہ ہوتا۔ کیونکہ الہام کا خلاصہ یہ ہے کہ جو مذہب میں جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔ الہامی شرط کے موافق اُس نے عین مجلس میں قریباً ستر آدمی کے روبرو جن میں نصف کے قریب عیسائی تھے اپنی شوخیوں سے رجوع کیا اور پھر آخر میعاد تک ڈرتا اور روتا رہا۔ اس کو کچھ مہلت دی گئی۔ اور یہ مُہلت خدا کی شرط کے موافق اور الہام میں درج تھی اور آخر قبر نے اُس کو بلا لیا۔ مگر تعجب کہ آریہ

صاحبان کیوں خواہ مخواہ دوسروں کے قصّے پیش کرتے ہیں۔ آپ بیتی کو کیوں اس قدر جلدی بھول گئے۔ اور کیوں وہ پنڈت لیکھرام کی پیش گوئی سے فایدہ نہیں اُٹھاتے۔ ذرہ پنڈت لیکھرام کی کتاب کو کھول کر دیکھیں کہ اُس نے میری نسبت اشتہار شائع کیا تھا کہ مجھے پرمیشر نے خبر دی ہے کہ یہ شخص تین برس تک ہیضہ سے مرجائے گا۔ اور میں نے بھی خدا تعالےٰ سے الہام پاکر کئی کتابوں میں شائع کردیا تھا کہ پنڈت لیکھرام چھ برس کے عرصہ تک قتل کے ذریعہ مارا جائے گا۔ اور وہ دن عید کے دن سے ملا ہوا ہوگا۔ اور کچھ عرصہ بعد اس ملک میں طاعون پھیلے گی۔ چنانچہ وہ سب باتیں پوری ہوگئیں اور آپ لوگوں کا بہادر پنڈت لیکھرام آپ کو نادم کرنے والا چھ مارچ کو اس دُنیا سے رخصت ہوگیا۔ دیکھو! اسلام کا خدا کیسا سچّا اور غالب نکلا۔ اگر یہ انسان کا کام تھا تو کیوں لیکھرام کی پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔ میں آریہ صاحبوں سے بادب پوچھتا ہوں کہ یہ پیش گوئی پنڈت لیکھرام صاحب کی جو میرے نسبت تھی کہ یہ شخص تین برس کے عرصہ میں ہیضہ سے مرجائے گا کیا یہ درحقیقت پرمیشر کے طرف سے تھی۔ پھر ایسے مقابلہ کے وقت لیکھرام کا پرمیشر کیوں عاجز رہ گیا۔ اور اگر پنڈت جی نے جھوٹ بولا تھا اور پرمیشر پر افترا کیا تھا تو کیا ایسے مفتری کی یادگاریں قایم کرنا روا ہے جس نے پرمیشر پر جھوٹ بولا۔ دیکھو اس مقابلہ میں ہمارے خدا کی کیسی صفائی سے پیش گوئی پوری ہوئی۔ اور میں نے لکھ دیا تھا کہ تمام آریہ صاحبان اب مل کر لیکھرام کے بچانے کے لئے اپنے پرمیشر سے دعا کریں۔ مگر پرمیشر بچا نہ سکا۔ اب بالفعل ہم اسی پر ختم کرتے ہیں۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدےٰ +

خاتمہ آریہ صاحبوں کے بعض اعتراضات کے

جواب میں

انسان جب بغیر سوچنے سمجھنے کے محض نکتہ چینی کے ارادہ سے مخالفت کی نظر سے دیکھے تو گو کیسا ہی کوئی امر سیدھا اور صاف ہو اُس کی نظر میں جائے اعتراض ٹھہر جاتا ہے۔ ایسا ہی آریہ صاحبوں کا حال ہے وہ اُس ندامت کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے جو ایک اعتراض کے غلط اور بے جا ثابت ہونے میں ایک باحیا انسان کے دل پر صدمہ پہنچاتی ہے۔ اب سُنئے اعتراضات یہ ہیں جو ہمیشہ اسلام جیسے پاک اور کامل مذہب پر نادانی سے کرتے ہیں۔ اور ہم اس وقت وہ اعتراض لکھتے ہیں جو اُنہوں نے ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء کو قادیان میں جلسہ کر کے اسلام پر کئے اور اس طرح پر ثابت کر دیا کہ اُن کے تعصب اور نافہمی اور ناحق کے کینہ کی کہاں تک نوبت پہنچی ہے ؎

اعتراضات

(۱) مسلمان خدا کی نندیا کرتے ہیں کیونکہ اُن کا عقیدہ ہے کہ خدا عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور چار فرشتوں نے اُس تخت کو اُٹھایا ہوا ہے اس طرح پر ثابت ہوتا ہے کہ خدا محدود ہے اور قایم بالذات نہیں اور جب محدود ہے تو اُسکا علم بھی محدود ہو گا اور حاضر ناظر نہ ہو گا۔

الجواب

اے حضرات! مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ عرش کوئی جسمانی اور مخلوق چیز ہے جس پر خدا بیٹھا ہوا ہے۔ تمام قرآن شریف کو اوّل سے آخر تک پڑھو اس میں ہرگز نہیں پاؤ گے کہ عرش بھی کوئی چیز محدود اور مخلوق ہے۔ خدا نے بار بار قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ ہر ایک چیز جو وجود رکھتی ہے اس کا میں ہی پیدا کرنے والا ہوں۔ میں ہی زمین آسمان اور روحوں

اور اُن کی تمام قوتوں کا خالق ہوں۔ میں اپنی ذات میں آپ قایم ہوں اور ہر ایک چیز میرے ساتھ قایم ہے۔ ہر ایک ذرّہ اور ہر ایک چیز جو موجود ہے وہ میری ہی پیدایش ہے مگر کہیں نہیں فرمایا کہ عرش بھی کوئی جسمانی چیز ہے جس کا میں پیدا کرنے والا ہوں۔ اگر کوئی آریہ قرآن شریف میں سے نکال دے کہ عرش کوئی جسمانی اور مخلوق چیز ہے تو میں اُس کو قبل اس کے جو قادیان سے باہر جائے **ایک ہزار روپیہ انعام دونگا۔** میں اُس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتی کا کام ہے کہ میں قرآن شریف کی وہ آیۃ دکھاتے ہی ہزار روپیہ حوالہ کروں گا۔ ورنہ میں بادب کہتا ہوں کہ ایسا شخص خود لعنت کا محل ہوگا جو خدا پر جھوٹ بولتا ہے ✣

اب ظاہر ہے کہ اس اعتراض کی بُنیاد تو محض اس بات پر ہے کہ عرش کوئی علیحدہ چیز ہے جس پر خدا بیٹھا ہوا ہے اور جب یہ امر ثابت نہ ہو سکا تو کچھ اعتراض نہ رہا۔ خدا صاف فرماتا ہے کہ وہ زمین پر بھی ہے اور آسمان پر بھی اور کسی چیز پر نہیں بلکہ اپنے وجود سے آپ قائم ہے اور ہر ایک چیز کو اُٹھائے ہوئے ہے اور ہر ایک چیز پر محیط ہے جہاں تین ہوں تو چوتھا ان کا خدا ہے۔ جہاں پانچ ہوں تو چھٹا اُن کے ساتھ خدا ہے اور کوئی جگہ نہیں جہاں خدا نہیں۔ اور پھر فرماتا ہے اَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ جس طرف تم مُنہ کرو اُسی طرف خدا کا مُنہ پاؤ گے۔ وہ تم سے تمہاری رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہی ہے جو پہلے ہے اور وہی ہے جو آخر ہے اور وہ سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے اور وہ نہاں در نہاں ہے۔ اور پھر فرماتا ہے

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

یعنے جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں کہ وہ کہاں ہے پس جواب یہ ہے کہ ایسا نزدیک ہوں کہ مجھ سے زیادہ کوئی نزدیک نہیں جو شخص مجھ پر ایمان لاکر مجھے پکارتا ہے تو میں اُسکا جواب دیتا ہوں۔ ہر ایک چیز کی کَل میرے ہاتھ میں ہے اور میرا علم سب پر محیط ہے

حاشیہ ریویو آف ریلیجنز متعلقہ صفحہ ۱۶۹

خدا تعالےٰ کی چار صفتیں ہیں جن سے ربوبیت کی پوری شوکت نظر آتی ہے اور کامل طور پر چہرہ اُس ذات ابدی ازلی کا دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے اُن ہر چہار صفتوں کو سورہ فاتحہ میں بیان کر کے اپنی ذات کو معبود قرار دینے کے لئے ان لفظوں سے لوگوں کو اقرار کرنے کی ہدایت دی ہے کہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ یعنی اے وہ خدا جو ان چار صفتوں سے موصوف ہے ہم خاص تیری ہی پرستش کرتے ہیں کیونکہ تیری ربوبیت تمام عالموں پر محیط ہے اور تیری رحمانیت بھی تمام عالموں پر محیط ہے اور تیری رحیمیت بھی تمام عالموں پر محیط ہے اور تیری صفت مالکانہ جزا و سزا کی بھی تمام عالموں پر محیط ہے اور تیرے اس حسن اور احسان میں بھی کوئی شریک نہیں اسلئے ہم تیری عبادت میں بھی کوئی شریک نہیں کرتے۔

اب واضح ہو کہ خدا تعالےٰ نے اس سورۃ میں ان چار صفتوں کو اپنی الوہیت کا مظہر اتم قرار دیا ہے اور اسی لئے صرف اس قدر ذکر پر مترتب کیا ہے کہ ایسا خدا کہ یہ چار صفتیں اپنے اندر رکھتا ہے وہی لائق پرستش ہے اور درحقیقت یہ صفتیں بہر وجہ کامل ہیں اور ایک دائرہ کے طور پر الوہیت کے تمام لوازم اور شرائط پر محیط ہیں کیونکہ ان صفتوں میں خدا کی ابتدائی صفات کا بھی ذکر ہے اور درمیانی زمانہ کی رحمانیت اور رحیمیت کا بھی ذکر ہے اور پھر آخری زمانہ کی صفت مجازات کا بھی ذکر ہے اور اصولی طور پر کوئی فعل اللہ تعالیٰ کا ان چار صفتوں سے باہر نہیں پس یہ چار صفتیں خدا تعالیٰ کی پوری صورت دکھلاتی ہیں۔ سو درحقیقت **اِسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ** کے یہی معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی یہ صفات جب دنیا کو پیدا کر کے ظہور میں آگئیں۔ تو خدا تعالیٰ ان معنوں سے اپنے عرش پر پوری وضع استقامت سے بیٹھ گیا کہ کوئی صفت صفات لازمہ الوہیت سے باہر نہیں رہی اور تمام صفات کی پورے طور پر تجلی ہو گئی جیسا کہ جب اپنے تخت پر بادشاہ بیٹھتا ہے تو تخت نشینی کے وقت اس کی ساری شوکت ظاہر ہوتی ہے ایک طرف شاہی ضرورتوں کے لئے طرح طرح کے سامان طیار ہونے کا حکم ہوتا ہے اور وہ فی الفور ہو جاتے ہیں اور یہی حقیقۃً ربوبیت عامہ ہیں۔ دوسری طرف خسروانہ فیض سے بغیر کسی عمل کے حاضرین کو جود و سخاوت سے مالا مال کیا جاتا ہے تیسری طرف جو لوگ خدمت کر رہے ہیں اُن کو مناسب چیزوں سے اپنی خدمات کے انجام کے لئے مدد دیجاتی ہے۔ چوتھی طرف جزا و سزا کا دروازہ کھولا جاتا ہے کسی کی گردن ماری جاتی ہے اور کوئی آزاد کیا جاتا ہے۔ یہ چار صفتیں تخت نشینی کے ہمیشہ لازم حال ہوتی ہیں پس خدا تعالیٰ کا ان ہر چہار صفتوں کو دنیا پر نافذ کرنا گویا تخت پر بیٹھنا ہے۔ جس کا نام عرش ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اسکے کیا معنی کیا ہیں کہ اس تخت کو چار فرشتے اُٹھا رہے ہیں پس اسکا یہی جواب ہے کہ ان چار صفتوں پر چار فرشتے موکل ہیں جو دنیا پر یہ صفات خدا تعالیٰ کی ظاہر کرتے ہیں اور اُن کے ماتحت چار ستارے ہیں جو چار رب النوع کہلاتے ہیں جنکو وید میں دیوتا کے نام سے پکارا گیا ہے پس وہ ان چاروں صفتوں کی حقیقت کو دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ گویا اُس روحانی تخت کو اُٹھا رہے ہیں۔ بُت پرستوں کا جیسا کہ وید سے ظاہر ہے صاف طور پر یہ خیال تھا کہ یہ چار صفتیں مستقل طور پر دیوتاؤں کو حاصل ہیں اسلئے رگ وید میں جا بجا اُن کی اُستت اور مہما کی گئی اور اُن سے مرادیں مانگی گئیں پس خدا تعالےٰ نے

استعارہ کیطور پر سمجھایا کہ یہ چار دیوتا جن کو بُت پرست اپنا معبود قرار دیتے ہیں یہ مخدوم نہیں ہیں بلکہ یہ چاروں خادم ہیں اور خدا تعالےٰ کے عرش کو اُٹھا رہے ہیں یعنی خادموں کیطرح ان الٰہی صفات کو اپنے آئینوں میں ظاہر کر رہے ہیں اور عرش سے مراد لوازم صفات تحت نشینی ہیں جیسا کہ ابھی میں نے بیان کر دیا ہے۔ ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ رب کے معنی دیوتا ہے پس قرآن شریف پہلے اسی سورۃ سے شروع ہوا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی وہ تمام مہما اور اُستت اُس خدا کی چاہئے جو تمام عالموں کا دیوتا ہے وہی ہے جو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے اور رَحْمٰنُ الْعٰلَمِیْنَ ہے اور رَحِیْمُ الْعٰلَمِیْنَ ہے اور مالک جزاء العلمین ہے اُسکی برابر اور کوئی دیوتا نہیں کیونکہ قرآن شریف کے زمانہ میں دیوتا پرستی بہت شائع تھی اور یونانی ہر ایک دیوتے کا نام ربّ النوع رکھتے تھے اور ربّ النوع کا لفظ آریہ ورت میں دیوتا کے نام سے موسوم تھا اسلئے پہلے خدا کا کلام ان جھوٹے دیوتاؤں کیطرف ہی متوجہ ہوا جیسا کہ اُس نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی وہ سب عالموں کا دیوتا ہے نہ صرف ایک یا دو عالم کا اسی کی پرستش اور حمد و ثنا چاہئے۔ دوسروں کی مہما اور اُستت کرنا غلطی ہے اس صورت میں جو صفتیں بُت پرستوں نے چار دیوتوں کے لئے مقرر کر رکھی تھیں خدا تعالیٰ نے اُن سب کو اپنی ذات میں جمع کر دیا ہے اور صرف اپنی ذات کو ان صفات کا منبع ظاہر فرمایا۔ بُت پرست قدیم سے یہ بھی خیال کرتے تھے کہ خدا کی اصولی صفات یعنی جو اصل جڑ تمام صفات کی ہیں وہ صرف چار ہیں۔ پیدا کرنا۔ پھر مناسب حال سامان عطا کرنا۔ پھر ترقی کے لئے عمل کرنے والوں کی مدد کرنا پھر آخر میں جزا سزا دینا اور وہ ان چار صفات کو چار دیوتاؤں کیطرف منسوب کرتے تھے اسی بنا پر نوح کی قوم کے بھی چار ہی دیوتا تھے اور انہیں صفات کے لحاظ سے عرب کے بُت پرستوں نے بھی لاتؔ مناتؔ عزّیٰ اور ہبل بنا رکھے تھے ان لوگوں کا خیال تھا کہ یہ چار دیوتا بالارادہ دنیا میں اپنے اپنے رنگوں میں پرورش کر رہے ہیں اور ہمارے شفیع بھی ہیں اور ہمیں خدا تک بھی یہی پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ یہ مطلب آیت لیقربونا الی اللہ زُلفیٰ سے ظاہر ہے۔

اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں وید بھی ان چاروں دیوتاؤں کی مہما اور اُستت کی ترغیب دیتا ہے اور وید میں اگرچہ اور دیوتاؤں کا بھی ذکر ہے لیکن اصولی دیوتے جن سے اور سب دیوتے پیدا ہوئے ہیں یا یوں کہو کہ اُن کی شاخ ہیں وہ چار ہی ہیں کیونکہ کام بھی چار ہی ہیں پس قرآن شریف کی پہلی غرض یہی تھی کہ وید وغیرہ مذاہب کے دیوتاؤں کو نیست و نابود کرے اور ظاہر کرے کہ یہ لوگوں کی غلطیاں ہیں کہ اور اور چیزوں کو دیوتا یعنی ربّ النوع بنا رکھا تھا بلکہ یہ چار صفتیں خاص خدا تعالیٰ کی ہیں اور ان چار صفتوں کے عرش کو خادموں اور نوکروں کی طرح یہ بے جان دیوتے اُٹھا رہے ہیں۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے سے حمد را با تو نسبتے است درست ۔۔ بر درِ ہر کہ رفت بر درِ تُست ۔ پس یہ اعتراض کہ آریہ صاحبان ہمیشہ سے کرتے ہیں یہ تو درحقیقت اُن کے ویدوں پر اعتراض ہے کیونکہ مسلمان تو اُس خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ جو مخدوم ہے مگر آریہ صاحبان اُن جھوٹے دیوتاؤں کو خدا سمجھ رہے ہیں جو خادموں اور نوکروں چاکروں کی طرح خدا تعالےٰ کی صفات اربعہ کا عرش اپنے سر پر اُٹھا رہے ہیں بلکہ وہ تو چاکروں کے بھی چاکر ہیں کیونکہ اُن پر اور طاقتیں بھی مسلّط ہیں جو ملائک کے نام سے موسوم ہیں جو ان دیوتاؤں کی طاقتوں کو قائم رکھتے ہیں جن میں سے زبان شرع میں کسی کو جبرئیل کہتے ہیں اور کسی کو میکائیل اور کسی کو عزرائیل اور کسی کو اسرافیل اور سناتن دھرم والے اس قسم کے ملائک کے بھی قائل ہیں اور ان کا نام جم رکھتے ہیں۔ منہ

میں ہی ہوں جو زمین و آسمان کو اُٹھا رہا ہوں۔ میں ہی ہوں جو تمہیں خشکی تری میں اُٹھا رہا ہوں ۔

یہ تمام آیات قرآن شریف میں موجود ہیں بچہ بچہ مسلمانوں کا ان کو جانتا اور پڑھتا ہے جس کا جی چاہے وہ ہم سے آکر پوچھ لے۔ پھر ان آیات کو ظاہر نہ کرنا اور ایک استعارہ کو لے کر اُس پر اعتراض کر دینا کیا یہی **دیانت** آریہ سماج کی ہے۔ ایسا دُنیا میں کون مسلمان ہے جو خدا کو محدود جانتا ہے یا اس کے وسیع اور غیر محدود علم سے منکر ہے۔ اب یاد رکھو کہ قرآن شریف میں یہ تو کہیں بھی نہیں کہ خدا تعالےٰ کو کوئی فرشتہ اُٹھا رہا ہے بلکہ جا بجا یہ لکھا ہے کہ خدا ہر ایک چیز کو اُٹھا رہا ہے۔ ہاں بعض جگہ یہ استعارہ مذکور ہے کہ خدا کے عرش کو جو دراصل کوئی جسمانی اور مخلوق چیز نہیں فرشتے اُٹھا رہے ہیں۔ دانشمند اس جگہ سے سمجھ سکتا تھا کہ جب کہ عرش کوئی مجسم چیز ہی نہیں تو فرشتے کس چیز کو اُٹھاتے ہیں ضرور یہ کوئی استعارہ ہوگا۔ مگر آریوں صاحبوں نے اس بات کو نہیں سمجھا۔ کیونکہ انسان خود غرضی اور تعصّب کے وقت اندھا ہو جاتا ہے۔ اب اصل حقیقت سنو کہ قرآن شریف میں لفظ عرش کا جہاں جہاں استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد خدا کی عظمت اور جبروت اور بلندی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو مخلوق چیزوں میں داخل نہیں کیا۔ اور خدا تعالےٰ کی عظمت اور جبروت کے **مظہر چار ہیں** جو وید کے رُو سے چار دیوتے کہلاتے ہیں مگر قرآنی اصطلاح کی رُو سے اُن کے نام **فرشتے** بھی ہے اور وہ یہ ہیں۔ **اکاش** جس کا نام اندر بھی ہے۔ **سورج** دیوتا جس کو عربی میں شمس کہتے ہیں **چاند** جس کو عربی میں قمر کہتے ہیں **دھرتی** جس کو عربی میں ارض کہتے ہیں یہ چاروں دیوتا جیسا کہ ہم اس رسالہ میں بیان کر چکے ہیں۔ خدا کی چار صفتوں کو جو اُس کے جبروت اور عظمت کا اتم مظہر ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں عرش کہا جاتا ہے اُٹھا رہے ہیں یعنے عالم پر یہ ظاہر کر رہے ہیں تصریح کی حاجت نہیں۔ اس بیان کو ہم مفصّل لکھ آئے ہیں اور قرآن شریف میں تین قسم کے فرشتے لکھے ہیں ۔

(۱) ذرات اجسام ارضی اور روحوں کی قوتیں۔

(۲) اکاش۔سورج۔چاند۔زمین کی قوتیں جو کام کر رہی ہیں۔

(۳) اُن سب پر اعلیٰ طاقتیں جو جبرئیل ومیکائیل و عزرائیل وغیرہ نام رکھتی ہیں جن کو وید میں جم لکھا ہے مگر اس جگہ فرشتوں سے یہ چار دیوتے مراد ہیں۔ یعنے اکاش اور سورج وغیرہ جو خدا تعالےٰ کی چار صفتوں کو اُٹھا رہے ہیں۔یہ وہی صفتیں ہیں جنکو دوسرے لفظوں میں عرش کہا گیا ہے ۔اس فلسفہ کا وید کو بھی اقرار ہے ۔مگر یہ لوگ خوب وید دان ہیں جو اپنے گھر کے مسئلہ سے بھی انکار کر رہے ہیں ۔

غرض وید کے چار دیوتے یعنی اکاش ۔سورج ۔چاند ۔دھرتی ۔خدا کے عرش کو جو صفت ربوبیّت اور رحمانیت اور رحیمیّت اور مالک یوم الدین ہی اُٹھا رہے ہیں ۔اور فرشتہ کا لفظ قرآن شریف میں عام ہے ہر ایک چیز جو اُس کی آواز سُنتی ہے وہ اُس کا فرشتہ ہے پس دُنیا کا ذرّہ ذرّہ خدا کا فرشتہ ہے ۔کیونکہ وہ اُس کی آواز سنتے ہیں اور اُس کی فرمان برداری کرتے ہیں اور اگر ذرّہ ذرّہ اُس کی آواز سُنتا نہیں تو خدا نے زمین آسمان کے اجرام کو کس طرح پیدا کر لیا ۔اور یہ استعارہ جو ہم نے بیان کیا ہے اس طرح خدا کے کلام میں بہت سے استعارات ہیں جو نہایت لطیف علم اور حکمت پر مشتمل ہیں ۔ اگر اب بھی کوئی شخص اپنی ناسمجھی سے باز نہ آوے تو وہ کوئی اعتراض منتخب کر کے اسلام پر پیش کرے اور پھر انسانیت اور تحمل سے اس کا جواب سُنے ورنہ ایسے اعتراضات سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بس یہی کہ معترض حقیقت سے بے خبر اور دل اس کا تعصّب سے پُر اور غرض اُس کی محض تحقیر ہے ۔ دین ایک علم ہے اور اپنے اندر اسرار رکھتا ہے۔ کیا لازم ہے کہ اس طرح پر افترا کے طور پر اعتراض کئے جائیں ورنہ مسلمان بوجہ اولےٰ کہہ سکتے ہیں کہ جن خداؤں کو وید نے پیش کیا ہے وہ تو یہی ہیں کہ سورج چاند آگ پانی زمین وغیرہ مخلوق چیزیں یہ سب محدود اور مخلوق اور بے جان ہیں

اس لئے آریہ صاحبوں کا پرمیشر نہ صرف محدود بلکہ بے جان چیز ہے اسی لئے اُن کی آواز نہیں سُن سکتا اور نہ جواب دے سکتا ہے۔

پھر جس پرمیشر نے کچھ پیدا ہی نہیں کیا اُس کا محدود ہونا تو بہرحال ماننا پڑے گا کیونکہ اس طرح پر سمجھ لو کہ روحوں اور پرماتو اور پرمیشر سے گویا ایک شہر آباد ہے۔ جسکے ایک محلہ میں تو ارواح یعنے جیو رہتے ہیں اور دوسرے محلہ میں پرماتو یعنے ذرات اجسام رہتے ہیں اور تیسرے محلّہ کے کونہ میں پرمیشر رہتا ہے کیونکہ جو چیزیں انادی اور اپنا اپنا وجود مستقل رکھتی ہیں اُن میں پرمیشر دھنس نہیں سکتا کیا تم سرب بیاپک ہو سکتے ہو پس سوچ کر دیکھو کہ انادی اور غیر مخلوق ہونے کی حیثیت سے تم میں اور پرمیشر میں فرق کیا ہے پس وہ کیوں کر غیر میں دھنس جائے گا۔ پس خواہ مخواہ تمہارا پرمیشر محدود ہوگیا اور بوجہ محدود ہونے کے علم بھی محدود ہوگیا۔ مگر اُس خدا کو کون محدود کہہ سکتا ہے جس کو قرآن شریف نے پیش کیا ہے۔ جس کی نسبت وہ کہتا ہے کہ ہر ایک جان کی وہی جان ہے جس کے ساتھ وہ زندہ ہے اور ذرہ ذرّہ اس کے ہاتھ سے نکلا اور اسی کے سہارے سے موجود ہے اور سب چیزوں پر وہ محیط ہے کیونکہ ہر ایک چیز اُسی سے نکلی ہے۔

نادان انسان جو تعصّب سے بھرا ہوا ہوتا ہے ایک بات اپنے مونہہ سے نکالتا ہے اور کبھی ارادہ نہیں رکھتا کہ اُس کا فیصلہ کرے یہی آریہ صاحبوں کا حال ہے۔ گویا وہ اس دنیا میں ہمیشہ رہیں گے ورنہ ہم کہتے ہیں کہ اگر تم قرآن شریف کی ایک بات کو بھی رد کر سکو تو جو تاوان چاہو ہم پر لگا لو۔ خواہ تم تمام جائداد ہماری لے لو مگر کیا کسی کی نیّت ہے کہ آرام سے اور آہستگی سے جیسا کہ عدالت میں مقدمات فیصلہ پاتے ہیں کسی چیز کا فیصلہ کرے ہرگز نہیں پس صبر کرو جبتک خدا ہمارا تمہارا فیصلہ کرے۔

(۲) ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ فرشتے خدا تعالےٰ کو جا کر نیکی بدی کی خبر دیتے ہیں اور

اس وقت تک وہ بے خبر ہوتا ہے۔
الجواب اس کا جواب یہ ہے کہ لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْن۔ ورنہ کھول کر دکھلاؤ کہ کہاں قرآن شریف میں لکھا ہے کہ میں مخلوق کے حال سے بیخبر ہوں جب تک کوئی فرشتہ مجھے خبر نہ دے۔ وہ بار بار قرآن شریف میں کہتا ہے کہ ذرہ ذرہ کی مجھے خبر ہے ایک پتہ بھی میرے حکم کے بغیر نہیں گرتا۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ یہ کس قسم کی روحیں ہیں کہ دلیری سے اسقدر افتراء کرتے ہیں سارا قرآن شریف اس بات سے بھرا ہوا ہے کہ خدا ہر ایک چیز کا بالذات علم رکھتا ہے پس ہم اس افترا کا کیا نام رکھیں کہ گویا مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کو کچھ بھی اپنی مخلوق کی خبر نہیں جب تک فرشتے جاکر رپورٹ نہ دیں۔
(۲) ایک یہ بھی اعتراض ہو کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا کچھ مدت تک بیکار رہا ہے کیونکہ دنیا ہمیشہ سے نہیں۔
الجواب یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہرگز نہیں ہے کہ انسان کے پیدا کرنے سے پہلے خدا بیکار تھا بلکہ وہ بار بار قرآن شریف میں کہتا ہے کہ میں قدیم سے خالق ہوں مگر اسباب کی تفصیل کہ وہ کس کس مخلوق کو پیدا کرتا رہا ہے یہ امر انسان کے احاطہ اقتدار سے باہر ہے ہم قرآن کی رُو سے ایمان رکھتے ہیں کہ وہ کبھی معطل نہیں رہا مگر اسکی تفصیل کو ہم نہیں جانتے ہیں معلوم نہیں کہ اُسنے کتنی مرتبہ اس دُنیا کو بنایا اور کتنی مرتبہ ہلاک کیا۔ یہ لمبا اور غیر متناہی علم خدا کو ہے کسی دفتر میں یہ سما نہیں سکتا۔ ہاں عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ صرف چند مدت سے خدا نے دنیا کو پیدا کیا ہے پہلے کچھ نہ تھا اور قدیم سے وہ خالق نہیں ہو۔ سو یہ اعتراض اُن پر کرو۔ اور پھر آپ لوگوں کو شرم کرنا چاہیئے کہ ہم تو مانتے ہیں کہ ہمارا خدا قدیم سے ذرات اجسام پیدا کرتا رہا اور قدیم سی روحیں بھی پیدا کرتا رہا۔ مگر آپ لوگ تو قطع نظر قدیم کے ایک مرتبہ کے لئے بھی خدا تعالے کی ان صفات کو نہیں مانتے۔ پھر کیوں اپنے گھر سے بے خبر رہ کر اسلام پر بعض افترا کے طور پر اعتراض کردیتے ہیں ورنہ حیا اور شرم کر کے قرآن شریف سے ہمیں دکھلا دو کہ کہاں لکھا ہے کہ میں قدیم سے خالق نہیں ہوں مگر آپ کا پرمیشر تو بجز معمار یا نجار کی حیثیت سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتا اور کیونکر معلوم

ہوا کہ وہ عالم الغیب ہے اس کا وید میں کیا ثبوت ہے ذرہ ہوش سے جواب دو۔

(۴) ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ مسلمانوں کا خدا متغیر ہے کبھی کوئی حکم دیتا ہے کبھی کوئی۔

الجواب - خدا آپ کو ہدایت دے قرآن شریف میں کہیں نہیں لکھا کہ خدا متغیر ہے۔ بلکہ یہ لکھا ہے کہ انسان متغیر ہے اس لئے اس کے مناسب حال خدا اسکے لئے تبدیلیاں کرتا ہے۔ جب بچہ پیٹ میں ہوتا ہے تو صرف اسکو خون کی غذا ملتی ہے اور جب پیدا ہوتا ہے تو ایک مدت تک صرف دودھ پیتا ہے اور پھر بعد اس کے اناج کھاتا ہے اور خدا تعالیٰ تینوں سامان اس کے لئے وقتاً فوقتاً پیدا کرتا ہے۔ پیٹ میں ہونے کی حالت میں پیٹ کے فرشتوں کو جو اندرونی ذرات ہیں حکم کرتا ہے کہ اس کی غذا کے لئے خون بنا دیں اور پھر جب پیدا ہوتا ہے تو اس حکم کو منسوخ کر دیتا ہے۔ تو پھر پستان کے فرشتوں کو جو اس کے ذرات ہیں حکم کرتا ہے جو اس کیلئے دودھ بنا دیں۔ اور جب وہ دودھ سے پرورش پا چکتا ہے۔ تو پھر اس حکم کو بھی منسوخ کر دیتا ہے تو پھر زمین کے فرشتوں کو جو اس کے ذرات ہیں حکم کرتا ہے جو اس کیلئے اخیر مدت تک اناج اور پانی پیدا کرتے رہیں۔ پس ہم مانتے ہیں کہ ایسے تغیر خدا کے احکام میں ہیں خواہ بذریعہ قانون قدرت اور خواہ بذریعہ شریعت۔ مگر اس سے خدا میں تغیر کون سا لازم آیا۔ شرم! شرم!! شرم!!!

مگر افسوس کہ وید کی رو سے خدا ان تغیرات کا مالک نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وید تو خدا کے فرشتوں کا منکر ہے پس کیونکر دنیا کے ذرات اور روحوں کی قوتیں اس کی آواز سن سکتی ہیں۔ علم طبعی اور ہیئت کا سلسلہ تب ہی خدا کیطرف منسوب ہو سکتا ہے کہ جب طبعی طور پر ہر ایک ذرہ مخلوقات کا خدا کا فرشتہ مان لیا جائے ورنہ فرشتوں کے انکار سے دہریہ بننا پڑے گا کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے پرمیشر کو اسکا کچھ بھی علم نہیں اور نہ اسکی مرضی اور ارادہ سے ہو رہا ہے۔ مثلاً کانوں میں سونا اور چاندی اور پیتل اور تانبا اور لوہا طیار ہوتا ہے اور بعض کانوں میں سے ہیرے نکلتے ہیں اور نیلم پیدا ہوتا ہے اور بعض جگہ یاقوت کی کانیں ہیں۔ اور بعض دریاؤں میں سے موتی پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک جانور کے پیٹ کے

بچہ یا انڈہ پیدا ہوتا ہے۔اب خدا نے تو قرآن شریف میں ہمیں یہ سکھلایا ہے کہ یہ طبعی سلسلہ خودبخود نہیں بلکہ ان چیزوں کے تمام ذرات خدا کی آواز سنتے ہیں اور اس کے فرشتے ہیں یعنی اُس کی طرف سے ایک کام کے لئے مقرر شدہ ہیں۔پس وہ کام اسکی مرضی کے موافق وہ کرتے رہتے ہیں سونے کے ذرات سونا بناتے رہتے ہیں۔اور چاندی کے ذرات چاندی بناتے رہتے ہیں اور موتی کے ذرات موتی بناتے ہیں اور انسانی وجود کے ذرات ماؤں کے پیٹ میں انسانی بچہ طیار کرتے ہیں اور یہ ذرات خودبخود کچھ بھی کام نہیں کرتے بلکہ خدا کی آواز سُنتے ہیں اور اس کی مرضی کے موافق کام کرتے ہیں اسلئے وہ اس کے فرشتے کہلاتے ہیں اور کئی قسم کے فرشتے ہوتے ہیں یہ تو زمین کے فرشتے ہیں مگر آسمان کے فرشتے آسمان سے اپنا اثر ڈالتے ہیں جیساکہ سورج کی گرمی بھی خدا کا ایک فرشتہ ہے جو پھلوں کو پکانا اور دوسرے کام کرتا ہے اور ہوائیں بھی خدا کے فرشتے ہیں جو بادلوں کو اکٹھے کرتے اور کھیتوں کو مختلف اثر اپنے پہنچاتے رہتے ہیں اور پھر اُن کے اوپر اَور بھی فرشتے ہیں جو اُن میں تاثیر ڈالتے ہیں۔علوم طبعی اسبات کے گواہ ہیں کہ فرشتوں کا وجود ضروری ہے اور ان فرشتوں کو ہم بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔اب بقول آریہ صاحبان وید ان فرشتوں کا منکر ہے پس اس طور سے وہ اس طبعی سلسلہ سے انکاری اور دہریہ مذہب کی بنیاد ڈالتا ہے۔کیا یہ امر بدیہی اور مشہود و محسوس نہیں کہ ہر ایک ذرہ ذرات اجسام میں سے ایک کام میں مشغول ہے یہانتک کہ شہد کی مکھیاں بھی خدا کے وحی سے ایک کام کر رہی ہیں۔پس وید اگر اس سلسلہ سے منکر ہے تو پھر اُس کی خیر نہیں۔اس صورت میں وہ تو دہریہ مذہب کا حامی ہوگا۔اگر یہی وید ودیا کا نمونہ ہے تو شاباش خوب نمونہ پیش کیا +

(۵) ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ شفاعت پر بھروسہ شرک ہے۔

الجواب قرآن شریف میں اللہ تعالے فرماتا ہے من ذا الذی یشفع عندہٗ الّا باذنہٖ یعنی خدا کے اذن کے سوا کوئی شفاعت نہیں ہوسکتی۔قرآن شریف کی رُو سے شفاعت کے معنے یہ ہیں کہ ایک شخص اپنے بھائی کیلئے دعا کرے کہ وہ مطلب اسکو حاصل ہوجائے یا کوئی بلا ٹل جائے

پس قرآن شریف کا حکم ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے حضور میں زیادہ جھکا ہوا ہے وہ اپنے کمزور بھائی کیلئے دعا کرے کہ اُسکو وہ مرتبہ حاصل ہو یہی حقیقت شفاعت کی ہے۔ سو ہم اپنے بھائیوں کے لئے بے شک دُعا کرتے ہیں کہ خدا اُن کو قوت دے اور اُن کی بلا دور کرے۔ اور یہ ایک ہمدردی کی قسم ہے۔ پس اگر وید نے اس ہمدردی کو نہیں سکھلایا اور وید کی رُو سے ایک بھائی دوسرے کے لئے دُعا نہیں کر سکتا تو یہ بات وید کے لئے قابل تعریف نہیں بلکہ ایک سخت عیب ہے۔ چونکہ تمام انسان ایک جسم کیطرح ہیں اس لئے خدا نے ہمیں بار بار سکھلایا ہے کہ اگرچہ شفاعت کو قبول کرنا اس کا کام ہے مگر تم اپنے بھائیوں کی شفاعت میں یعنے اُن کے لئے دُعا کرنے میں لگے رہو اور شفاعت سے یعنی ہمدردی کی دُعا سے باز نہ رہو کہ تمہارا ایک دوسرے پر حق ہے۔ اصل میں شفاعت کا لفظ شفع سے لیا گیا ہے شفع جفت کو کہتے ہیں جو طاق کی ضد ہے۔ پس انسان کو اس وقت شفیع کہا جاتا ہے جبکہ وہ کمال ہمدردی سے دوسرے کا جفت ہو کر اس میں فنا ہو جاتا ہے اور دوسرے کے لئے ایسی ہی عافیت مانگتا ہے جیسا کہ اپنے نفس کے لئے۔ اور یاد رہے کہ کسی شخص کا دین کامل نہیں ہو سکتا جبتک کہ شفاعت کے رنگ میں ہمدردی اس میں پیدا نہ ہو۔ بلکہ دین کے دو ہی کامل حصے ہیں ایک خدا سے محبت کرنا اور ایک بنی نوع سے اس قدر محبت کرنا کہ اُن کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھ لینا اور اُن کے لئے دُعا کرنا جس کو دوسرے لفظوں میں شفاعت کہتے ہیں۔

(۶) خدا کی کوئی آواز دنیا میں سنائی نہیں دیتی۔

الجواب تعجب کہ باوجودیکہ پنڈت لیکھرام کی موت سے تمام آریہ صاحبوں نے ۶ مارچ کے دن میں خدا تعالیٰ کی آواز سُن لی اور خدا نے دنیا میں اشتہار دیدیا کہ لیکھرام بوجہ اپنی بدزبانیوں کے چھ برس تک کسی کے ہاتھ سے مارا جائیگا۔ وہ آواز نہ صرف ہم نے سُنی بلکہ ہمارے ذریعہ سے سب آریہ صاحبوں نے سُنی مگر کیا اب بھی ثابت نہ ہوا کہ خدا کی آواز دُنیا کو سنائی دیتی ہے۔ آپ صاحبوں میں سے پکے آریہ لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل ساکن قادیان بہت سے خدا کی آوازوں کے گواہ ہیں۔ اگر وہ انکار کرینگے اور قوم کو خدا پر مقدم رکھیں گے اور جھوٹ بولینگے تو شاید کوئی اور آواز آسمانی سُن لیں گے ؛ **المشتہر** خاکسار میرزا غلام احمد قادیانی۔

رجسٹرڈ ایل ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے + لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت مئی ۱۹۰۳ء نمبر ۵

فہرست مضامین

انجمن اشاعۃ اسلام قادیان دار الامان نے
انوار احمدیہ پریس قادیان میں باہتمام شیخ یعقوب علی احمدی تراب چھپوا کر ۲۰ مئی ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

چندہ سالانہ معمولی کاغذ پر عار — اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر سے ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ضرورت قرآن

عیسائی اور دیگر مخالفین مذہب اسلام کی طرف سے اکثر اوقات یہ سوال ہوتا ہے کہ جس صورت میں توحید کا مسئلہ توریت کے ذریعہ دنیا پر روشن ہوچکا تھا تو پھر قرآن شریف کی کیا ضرورت تھی یا مثلاً یہودیوں کیلئے جنکی کتاب توحید سکھلاتی ہے کیا ضرورت تھی کہ وہ قرآن شریف کی پیروی کریں جبکہ اسلام کا مقصد بھی سوائے توحید کیطرف آدمیوں کو بلانے کے اور کچھ نہیں تھا اس سوال کے جواب میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوقت میں یہودی توریت کی ہدایتوں سے بہت دور جا پڑے تھے۔ اگر یہ سچ ہے کہ انکی کتابوں میں توحید باری تعالیٰ تھی مگر وہ اس توحید سے منتفع نہیں ہوتے تھے۔ اور وہ علت غائی جس کیلئے انسان پیدا کیا گیا اور کتابیں نازل ہوئیں اس کو کھو بیٹھے تھے حقیقی توحید یہ ہے کہ خدا کی ہستی کو مانکر اور اس کی وحدانیت کو قبول کرکے پھر اس کامل اور محسن خدا کی اطاعت اور رضا جوئی میں مشغول ہونا اور اسکی محبت میں کھوئے جانا۔ سو عملی طور پر یہ توحید ان میں باقی نہیں رہی تھی۔ اور خدا تعالےٰ کی عظمت اور جلال انکے دلوں سے اٹھ گئی تھی وہ لبوں سے خدا خدا پکارتے تھے مگر دل انکے شیطان کے پرستار ہوگئے تھے اور انکے سینے دنیا پرستی اور دنیا طلبی اور مکر اور فریب میں حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے۔ ان میں درویشوں اور راہبوں کی پوجا ہوتی تھی۔ اور سخت قابل شرم اور بے حیائی کے کام ان میں ہوتے تھے۔ ریاکاریاں بڑھ گئی تھیں۔ مکاریاں زیادہ ہوگئی تھیں۔ اور ظاہر ہے کہ توحید صرف اس بات کا نام نہیں کہ مونہہ

سے لا الٰہ الا اللہ کہین اور دل مین ہزاروں بت جمع ہوں بلکہ جو شخص کسی اپنے کام اور مکر فریب اور تدبیر کو خدا کی سی عظمت دیتا ہے یا کسی انسان پر ایسا بھروسہ رکھتا ہے جو خدا تعالےٰ پر رکھنا چاہیے یا اپنے نفس کو وہ عظمت دیتا ہے جو خدا کو دینی چاہئے ان سب صورتوں مین وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک بت پرست ہے۔ بُت وہی نہین ہین جو سونے چاندی یا پیتل یا پتھر وغیرہ سے بنائے جاتے اور اُن پر بھروسہ کیا جاتا ہے بلکہ ہر ایک چیز یا قول یا فعل جس کو وہ عظمت دی جائے جو خدا تعالےٰ کا حق ہے وہ خدا تعالےٰ کی نگہ مین بت ہے۔ ہان یہ سچ ہے کہ توریت میں اس باریک بت پرستی کی تصریح نہین ہے مگر قرآن شریف ان تصریحات سے بھرا پڑا ہے۔ سو قرآن شریف کو نازل کرکے خدا تعالےٰ کا ایک یہ بھی منشاء تھا کہ یہ بت پرستی بھی جو دق کی بیماری کی طرح لگی ہوئی تھی لوگوں کے دلوں سے دور کرے۔ اور اس زمانہ مین یہودی اِس قسم کی بت پرستی مین غرق تھے اور توریت ان کو چھوڑا نہین سکتی تھی اس لئے کہ توریت میں یہ باریک تعلیم نہین تھی۔ اور نیز اس لئے کہ یہ بیماری جو تمام یہودیوں مین پھیل گئی تھی ایک پاک توحید کے نمونہ کو چاہتی تھی جو زندہ طور پر ایک کامل انسان میں نمودار ہو۔

یاد رہے کہ حقیقی توحید جسکا اقرار خدا ہم سے چاہتا ہے اور جسکے اقرار سے نجات وابستہ ہے یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو اپنی ذات مین ہر ایک شریک سے خواہ بت ہو خواہ انسان ہو خواہ سورج ہو یا چاند ہو یا اپنا نفس یا اپنی تدبیر اور مکر اور فریب ہو **منزہ سمجھنا** اور اس کے مقابل پر کوئی قادر تجویز نہ کرنا کوئی رازق نہ ماننا کوئی مُعزّ اور مُذلّ خیال نہ کرنا کوئی ناصر اور مددگار قرار نہ دینا اور دوسرے یہ کہ اپنی محبّت اسی سے خاص کرنا۔ اپنی عبادت اُسی سے خاص کرنا۔ اپنا تذلّل اسی سے خاص کرنا اپنی امیدین اسی سے خاص کرنا۔ اپنا خوف اسی سے خاص کرنا۔ پس کوئی توحید بغیر ان تین قسم کی تخصیص کے کامل نہین ہو سکتی۔ اوّل ذات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ اس کے وجود کے مقابل پر تمام موجودات کو معدوم کی طرح سمجھنا۔ اور تمام کو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت خیال کرنا۔ دوم صفات کے لحاظ سے توحید یعنے یہ کہ ربوبیت اور الوہیت کی صفات بجز ذات باری کسی مین قرار نہ دینا۔ اور جو بظاہر ربّ الانواع یا فیض رساں نظر آتے ہین یہ اسی کے ہاتھ کا ایک نظام یقین کرنا۔ تیسرے اپنی

محبت اور صدق اور صفا کے لحاظ سے توحید - یعنے محبت وغیرہ شعار عبودیت میں دوسرے کو خدا تعالیٰ کا شریک گردانتا - اور اسی میں کھوئے جانا - سو اس توحید کو جو تینوں شعبوں پر مشتمل اور اصل مدار نجات ہے یہودی لوگ کھو بیٹھے تھے - چنانچہ انکی بدچلنیاں اس بات پر صاف گواہی دیتی تھیں کہ اُن کے لبوں پر خدا کے ماننے کا دعوے ہے مگر دل میں نہیں - جیساکہ قرآن خود یہود و نصارے کو ملزم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر یہ لوگ توریت اور انجیل کو قایم کرتے تو آسمانی رزق بھی انہیں ملتا اور زمینی بھی - یعنے آسمانی خوارق عادت اور قبولیت دعا اور کشوف اور الہامات جو مومن کی نشانیاں ہیں اُن میں پائی جاتیں جو آسمانی رزق ہے - اور زمینی رزق بھی ملتا مگر اب وہ آسمانی رزق سے بکلی بے نصیب ہیں اور زمین کا رزق بھی رجوع بحق ہوکر نہیں بلکہ رو بہ دنیا ہوکر حاصل کرتے ہیں - سو دونوں رزقوں سے محروم ہیں -

رہا یہ سوال کہ یہودیوں کو مسلمان ہونے کی کیا ضرورت تھی وہ تو پہلے سے موحد تھے ؟ اس کا جواب ہم ابھی دے چکے ہیں کہ توحید یہودیوں کے دلوں میں قایم نہ تھی صرف کتابوں میں تھی اور وہ بھی ناقص - سو توحید کی زندہ روح حاصل کرنے کی ضرورت تھی - کیونکہ جب تک توحید کی روح انسان کے دل میں قائم نہ ہو تب تک نجات نہیں ہوسکتی - یہودی مُردوں کیطرح تھے اور بباعث سخت دلی اور طرح طرح کی نافرمانیوں کے وہ زندہ روح اُن میں سے نکل چکی تھی اُنکو خدا کے ساتھ کچھ بھی میلان باقی نہیں رہا تھا اور توریت بباعث نقصان تعلیم اور نیز بوجہ لفظی اور معنوی تحریف کے اس لایق نہیں رہی تھی جو کامل طور پر رہبر ہو سکے اِس لئے خدا نے زندہ کلام تازہ بارش کیطرح اُتارا اور اس زندہ کلام کیطرف اُنکو بلایا تا وہ طرح طرح کے دہوکوں اور غلطیوں سے نجات پاکر حقیقی نجات کو حاصل کریں - سو قرآن کے نزول کی ضرورتوں میں سے ایک یہ تھی کہ تا مردہ طبع یہودیوں کو زندہ توحید سکھائے اور دوسرے یہ کہ تا اُنکی غلطیوں پر اُنکو متنبہ کرے - اور تیسرے یہ کہ تا وہ مسائل کہ جو توریت میں محض اشارہ کیطرح بیان ہوئے تھے جیساکہ مسئلہ حشر اجساد اور مسئلہ بقاء روح اور مسئلہ بہشت اور دوزخ اُن کے مفصل حالات سے آگاہی بخشے -

یہ بات سچ ہے کہ سچائی کی تخم ریزی توریت سے ہوئی اور انجیل سے اس تخم نے ایک آیندہ کی بشارت دینے والے کیطرح مُنہ دکھلایا - اور جیسے ایک کھیت کا سبزہ پوری صحت اور عمدگی سے نکلتا ہے اور بزبان حال خوشخبری

دیتا ہے کہ اس کے بعد اچھی پھل اور اچھے خوشے ظہور کرینوالے ہیں ایسا ہی انجیل کامل شریعت اور کامل بہر کیلئے
خوشخبری کیطور پر آئی اور قرآن ہی وہ تخم اپنے کمال کو پہونچا جو اپنے ساتھ اس کامل نعمت کو لایا جس نے حق اور
باطل میں بکلی فرق کر کے دکھلایا اور معارف دینیہ کو اپنے کمال تک پہونچایا جیسا کہ توریت میں پہلے سے
لکھا تھا کہ "خدا سینا سے آیا اور سعیر سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے انپر چمکا" !!!

یہ بات بالکل ثابت شدہ امر ہے کہ شریعت کے ہر ایک پہلو کو کمال کیصورت میں صرف قرآن نے
ہی دکھلایا ہے۔ شریعت کے بڑے حصے دو ہیں۔ حق اللہ۔ اور حق العباد۔ یہہ دونوں حصے صرف
قرآن شریف نے ہی پورے کئے ہیں۔ قرآن کا یہ منصب تھا کہ وحشیوں کو انسان بناوے اور انسان
سے با اخلاق انسان بناوے اور با اخلاق انسان سے باخدا انسان بنائے۔ سو اس منصب کو اُس نے
ایسے طور سے پورا کیا کہ جس کے مقابل پر توریت ایک گونگے کیطرح ہے۔

اور منجملہ قرآن کیضرورتوں کے ایک یہ امر بھی تھا کہ جو اختلاف حضرت مسیح کی نسبت یہود اور
نصاریٰ میں واقع تھا اُسکو دور کرے۔ سو قرآن شریف نے ان سب جھگڑوں کا فیصلہ کیا۔ جیسا
کہ قرآن شریف کی یہ آیت یٰعِیسیٰ اِنِّی مُتَوَفِّیکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ الخ۔ اسی جھگڑے کے
فیصلے کے لئے ہے۔ کیونکہ یہودی لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ نصارے کا نبی یعنے مسیح
صلیب پر کھینچا گیا۔ اس لئے موافق حکم توریت کے وہ لعنتی ہوا اور اس کا رفع نہیں ہوا۔
اور یہ دلیل اس کے کاذب ہونے کی ہے۔" اور عیسائیوں کا یہ خیال تھا کہ لعنتی تو ہوا مگر ہمارے لئے
اور بعد اُس کے لعنت جاتی رہی اور رفع ہو گیا۔ اور خدا نے اپنے دہنے ہاتھ اس کو بٹھا لیا۔
اب اس آیت نے یہ فیصلہ کیا کہ رفع بلا توقف ہوا نہ یہودیوں کے زعم پر دائمی لعنت ہوئی جو
ہمیشہ کے لئے رفع الی اللہ سے مانع ہے اور نہ نصارے کے زعم پر چند روز لعنت رہی اور
پھر رفع الی اللہ ہوا بلکہ وفات کے ساتھ ہی رفع الی اللہ ہو گیا۔ اور انہی آیات میں خدا تعالیٰ نے
یہ بھی سمجھا دیا کہ یہ رفع توریت کے احکام کے مخالف نہیں۔ کیونکہ توریت کا حکم عدم رفع اور
لعنت اُس حالت میں ہے کہ جب کوئی صلیب پر مارا جائے۔ مگر صرف صلیب کے چہرنے یا
صلیب پر کچھ ایسی تکلیف اٹھانے سے جو موت کی حد تک نہیں پہنچتی لعنت لازم نہیں آتی
اور نہ عدم رفع لازم آتا ہے۔ کیونکہ توریت کا منشا یہی ہے کہ صلیب خدا تعالیٰ کیطرف سے

جرائم پیشہ کی موت کا ذریعہ ہے۔ پس جو شخص صلیب پر مرگیا وہ مجرمانہ موت مرا جو لعنتی موت ہے لیکن مسیح صلیب پر نہیں مرا اور اس کو خدا نے صلیب کی موت سے بچا لیا بلکہ جیسا کہ اس نے کہا تھا کہ میری حالت یونس سے مشابہ ہے ایسا ہی ہوا نہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا نہ یسوع صلیب کے پیٹھ پر۔ اور اُس کی دُعا "ایلی ایلی لما سبقتانی" سُنی گئی۔ اگر مرتا تو پیلاطوس پر بھی ضرور وبال آتا۔ کیونکہ فرشتہ نے پیلاطوس کی جورو کو یہ خبر دی تھی کہ اگر یسوع مرگیا تو یاد رکھ کہ تم پر وبال آئیگا مگر پیلاطوس پر وبال نہ آیا۔ اور یہ بھی یسوع کے زندہ رہنے کی ایک نشانی ہے کہ اُس کی ہڈیاں صلیب کے وقت نہیں توڑی گئیں۔ اور صلیب پر سے اتارنے کے بعد چھیدنے سے خون بھی نکلا۔ اور اُس نے حواریوں کو صلیب کے بعد اپنے زخم دکھلائے۔ اور ظاہر ہے کہ نئی زندگی کے ساتھ زخموں کا ہونا ممکن نہ تھا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا اس لئے لعنتی بھی نہیں ہوا۔ اور بلاشبہ اس نے پاک وفات پائی اور خدا کے تمام پاک رسولوں کی طرح موت کے بعد وہ بھی خدا کی طرف اٹھایا گیا۔ اور بموجب وعدہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ اُس کا خدا کی طرف رفع ہوا۔ اگر وہ صلیب پر مرتا تو اپنے قول سے خود جھوٹا ٹھہرتا کیونکہ اس صورت میں یونس کے ساتھ اس کی کچھ بھی مشابہت نہ ہوتی۔

سو یہی جھگڑا مسیح کے بارے میں یہود اور نصاریٰ میں چلا آتا تھا جس کو آخر قرآن شریف نے فیصلہ کیا۔ پھر ابھی تک نصاریٰ کہتے ہیں کہ قرآن کے اترنے کی کیا ضرورت تھی۔ اے نادانوں! اور دلوں کے اندھو! قرآن کامل توحید لایا۔ قرآن نے عقل اور نقل کو ملا کر دکھلایا۔ قرآن نے توحید کو کمال تک پہنچایا۔ قرآن نے توحید اور صفات باری پر دلائل قائم کئے۔ اور خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت عقلی نقلی دلائل سے دیا۔ اور کشفی طور پر بھی دلائل قائم کئے۔ اور وہ مذہب جو پہلے قصہ کہانی کے رنگ میں چلا آتا تھا اُس کو علمی رنگ میں دکھلایا۔ اور ہر ایک عقیدہ کو حکمت کا جامہ پہنایا۔ اور وہ سلسلہ معارف دینیہ کا جو غیر مکمل تھا اُسکو کمال تک پہونچایا۔ اور یسوع کی گردن پر سے لعنت کا طوق اتارا۔ اور اُسکے مرفوع اور سچا نبی ہونیکی شہادت دی۔ تو کیا اسقدر فیض رسانی کے ساتھ ابھی قرآن کی ضرورت ثابت نہ ہوئی؟

یہ یاد رہے کہ قرآن نے بڑی صفائی سے اپنی ضرورت ثابت کی ہے۔ قرآن صاف کہتا ہے اِعْلَمُوْا اَنَّ

اللہ یحیی الارض بعد موتہا سے یہ اس بات کو جتانا ہے کہ زمین مرگئی تھی اور اب خدا نئے سر سے اسکو زندہ کرنے لگا ہے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ قرآن کے زمانہ قرب نزول میں ہر ایک قوم نے اپنا چال چلن بگاڑا ہوا تھا۔ پادری فنڈل مصنف میزان الحق باوجود اسقدر تعصب کے جو اسکے رگ و ریشہ میں بھرا ہوا تھا میزان الحق میں صاف گواہی دیتا ہے کہ قرآن کے نزول کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ کا چال چلن بگڑا ہوا تھا اور انکی حالتیں خراب ہو رہی تھیں اور قرآن کا آنا اُنکے لئے ایک تنبیہ تھی۔ مگر اس نادان نے باوجودیکہ یہ تو اقرار کیا کہ قرآن اُسوقت آیا جبکہ یہود و نصاریٰ کا چال چلن بہت خراب ہو رہا تھا لیکن پھر بھی یہ جھوٹا عذر پیش کر دیا کہ خدا تعالے کو ایک جھوٹا نبی بھیجکر یہود و نصاریٰ کو متنبہ کرنا منظور تھا مگر یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت ہے کیا ہم اللہ جلشانہ کیطرف یہ خراب عادت منسوب کر سکتے ہیں کہ اس نے لوگوں کو گمراہی اور بدچلنی میں پاکر یہ تدبیر سوچی کہ اور بھی گمراہی کے سامان اُنکے لئے میسر کرے اور کروڑہا بندگان خدا کو اپنے ہاتھ سے تباہی میں ڈالے۔ کیا غلبہ شدائد اور مصائب کیوقت خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں بھی عادت اُسکی ثابت ہوتی ہے؟ افسوس کہ یہ لوگ دنیا سے محبت کر کے کیسے آفتاب پر تھوک رہے ہیں ایک ناچیز انسان کو خدا بھی کہتے ہیں اور پھر ملعون بھی۔ اور اس عظیم الشان نبی کے وجود سے انکار کر رہے ہیں کہ جو ایسے وقت میں آیا جبکہ نوع انسان مردہ کیطرح ہو رہے تھے اور کہتے ہیں کہ قرآن کی ضرورت کیا تھی۔ اے غافلو! اور دلوں کے اندھو! قرآن جیسے ضلالت کے اور طوفان کے وقت میں آیا ہے کوئی نبی ایسے وقت میں نہیں آیا۔ اُس نے دنیا کو اندھا پایا اور روشنی بخشی۔ اور گمراہ پایا اور ہدایت دی۔ اور مُردہ پایا اور جان عطا فرمائی۔ تو کیا ابھی ضرورت ثابت ہونے میں کچھہ کسر رہ گئی؟ اور اگر یہ کہو کہ توحید تو پہلے بھی موجود تھی۔ قرآن نے نئی چیز کونسی دی؟ تو اس سے اور بھی تمہاری عقل پر رونا آتا ہے میں ابھی لکھہ چکا ہوں کہ توحید پہلی کتابوں میں ناقص طور پر تھی اور تم ہرگز ثابت نہیں کر سکتے کہ کامل تھی۔ ماسوا اس کے توحید دلوں سے بکلی کم ہو گئی تھی قرآن نے اس توحید کو پھر یاد دلایا اور اس کو کمال تک پہونچایا۔ قرآن کا نام اسی لئے ذکر ہے کہ وہ یاد دلانیوالا ہے۔ ذرہ آنکھہ کھول کر سوچو کہ کیا توریت نے جو کچھہ توحید کے بارے میں بیان کیا تھا وہ ایک ایسی نئی بات تھی جو پہلے نبیوں کو اُس کی خبر نہیں تھی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ سب سے پہلے آدم کو اور پھر شیث اور نوح اور ابراہیم اور دوسرے رسولوں کو جو موسے سے پہلے

آئے توحید کی تعلیم ملی تھی ؟ پس یہ توریت پر بھی اعتراض ہے کہ اُس نے نئی چیز کونسی پیش کی۔ اے کج دل قوم! خدا روز روز نیا نہیں ہو سکتا۔ موسیٰ کے وقت میں وہی خدا تھا جو آدم اور شیث اور نوح اور ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب اور یوسف کے وقت میں تھا۔ اور توریت نے وہی توحید کے بارہ میں بیان کیا جو پہلے نبی کرتے آئے۔

اب اگر یہ سوال ہو کہ کیوں توریت نے اسی پورانی توحید کا ذکر کیا تو اس کا جواب یہی ہے کہ خدا کی ہستی اور وحدانیت کا مسئلہ توریت سے شروع نہیں ہوا بلکہ قدیم سے چلا آتا ہے۔ ہاں بعض زمانوں میں ترک عمل کی وجہ سے اکثر لوگوں کی نظر میں حقیر اور ذلیل ضرور ہوتا رہا ہے۔ پس خدا کی کتابوں اور خدا کے نبیوں کا یہ کام تھا کہ وہ ایسے وقتوں میں آتے رہے ہیں کہ جب اس مسئلہ توحید پر لوگوں کی توجہ کم رہ گئی ہو۔ اور طرح طرح کے شرکوں میں وہ مبتلا ہو گئے ہوں یہی مسئلہ دنیا میں ہزاروں دفعہ صیقل ہوا۔ اور ہزاروں دفعہ پھر زنگ خوردہ کی طرح ہو کر لوگوں کی نظروں سے چھپ گیا۔ اور جب چھپ گیا تو پھر خدا نے اپنے کسی بندہ کو بھیجا تا نئے سرے اسکو روشن کر کے دکھلاوے اسیطرح دنیا میں کبھی ظلمت کبھی نور غالب آتا رہا۔ اور ہر ایک نبی کی شناخت کا یہ نہایت اعلیٰ درجہ کا معیار ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کسوقت آیا اور کسقدر اصلاح اُس کے ہاتھ سے ظہور میں آئی۔ چاہیئے کہ حق طلبی کی راہ سے اسی بات کو سوچیں اور شریروں اور متعصب لوگوں کے پُرخیانت اقوال کیطرف توجہ نہ کریں اور ایک صاف نظر لیکر کسی نبی کے حالات کو دیکھیں کہ اُسنے ظہور فرما کر اس زمانہ کے لوگوں کو کس حالت میں پایا اور پھر اُسنے اُن لوگوں کے عقائد اور چال چلن میں کیا تبدیلی کر کے دکھلائی تو اس سے ضرور پتہ لگ جائیگا کہ کون نبی اشد ضرورت کیوقت آیا اور کون اس سے کمتر۔ نبی کیضرورت گنہگاروں کیلئے بعینہ ایسی ہی ہوتی ہے جیسا کہ طبیب کیضرورت بیماروں کیلئے۔ اور جیسا کہ بیماروں کی کثرت ایک طبیب کو چاہتی ہے ایسا ہی گنہگاروں کی کثرت ایک مصلح کو۔

اب اگر کوئی اس قاعدہ کو ذہن میں رکھکر عرب کی تاریخ پر نظر ڈالے کہ عرب کے باشندے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے کیا تھے اور پھر کیا ہو گئے تو بلاشبہ وہ اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو قوت قدسی اور تاثیر قوی اور افاضہ برکات میں سب نبیوں سے اوّل درجہ سمجھے گا۔ اور اسی بنا پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کیضرورت کو دوسری تمام کتابوں

اور نبیوں کی ضرورت سے بدیہی الثبوت یقین کرے گا۔ مثلاً یسوع نے دنیا میں آکر دنیا کی کس ضرورت کو پورا کیا؟ اور اُسکا ثبوت کیا ہے کہ اُس نے کوئی ضرورت پوری کی؟ کیا یہودیوں کے اخلاق اور عادات اور ایمان میں کوئی بھاری تبدیلی کر دی یا اپنے حواریوں کو تزکیہ نفس میں کمال تک پہونچا دیا؟ بلکہ ان پاک اصلاحوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں۔ اور اگر کچھ ثابت ہے تو صرف یہی کہ چند آدمی طمع اور لالچ سے بھرے ہوئے اس کے ساتھ ہو گئے۔ اور انجام کار انہوں نے بڑی قابل شرم بے وفائیاں دکھلائیں۔ اور اگر یسوع نے خودکشی کی تو میں اس سے زیادہ ہرگز تسلیم نہیں کرونگا کہ ایک ایسی بیوقوفی کی حرکت اُس سے صادر ہوئی جس سے اُسکی انسانیت اور عقل پر ہمیشہ کیلئے داغ لگ گیا ایسی حرکت جسکو انسانی قوانین بھی ہمیشہ جرائم کے نیچے داخل کرتے ہیں کیا کسی عقلمند سے صادر ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس ہم پوچھتے ہیں کہ یسوع نے کیا سکھلایا اور کیا دیا؟ کیا وہ لعنتی قربانی جسکا عقل اور انصاف کے نزدیک کوئی بھی نتیجہ معلوم نہیں ہوتا۔

یاد رہے کہ انجیل کی تعلیم میں کوئی نئی خوبی نہیں بلکہ یہ سب تعلیم توریت میں پائی جاتی ہے اور اُسکا ایک بڑا حصہ یہودیوں کی کتاب طالموت میں ابتک موجود ہے۔ اور یہودی فاضل ابتک کہتے ہیں کہ ہماری پاک کتابوں سے یہ فقرے چورائے گئے ہیں۔ چنانچہ حال میں جو ایک فاضل یہودی کی کتاب میرے پاس آئی ہے اُس نے اسی بات کا ثبوت دینے کیلئے کئی ورق لکھے ہیں اور بڑے زور سے اسناد پیش کئے ہیں کہ یہ فقرات کہاں کہاں سے چورائے گئے ہیں یعنی یہ کتابیں صرف میاں سراج الدین کے لئے منگوائی تھیں مگر اُن کی بدقسمتی ہے کہ وہ دیکھنے سے پہلے چلے گئے محقق عیسائی اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ درحقیقت انجیل یہودیوں کی کتابوں کے ان مضامین کا ایک خلاصہ ہے جو حضرت مسیح کو پسند آئے لیکن بالآخر یہ کہتے ہیں کہ مسیح کے دنیا میں آنے سے یہ غرض نہیں تھی کہ کوئی تعلیم لائے بلکہ اصل مطلب تو اپنے وجود کی قربانی دینا تھا یعنی وہی لعنتی قربانی جسکے بار بار ذکر سے میں اس رسالہ کو پاک رکھنا چاہتا ہوں غرض عیسائیوں کو یہ دھوکہ لگا ہوا ہے کہ شریعت توریت تک مکمل ہو چکی اس لئے یسوع کوئی شریعت لیکر نہیں آیا بلکہ نجات دینے کی سامان لیکر آیا اور قرآن نے ناحق پھر ایسی شریعت کی بنیاد ڈالی جو پہلے مکمل ہو چکی تھی یہی دھوکہ عیسائیوں کی ایمانکو کھا گیا مگر یاد رہے کہ یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ انسان سہو و نسیان سے مرکب ہے اور نوع انسان میں خدا کے

احکام عملی طور پر ہمیشہ قایم نہیں رہ سکتے - اس لئے ہمیشہ نئے یاد دلانے والے اور قوت دینے والے کی ضرورت پڑتی ہے - لیکن قرآن شریف صرف انہی دو ضرورتوں کی وجہ سے نازل نہیں ہوا بلکہ وہ پہلی تعلیموں کا درحقیقت متمم اور مکمل ہے - مثلاً توریت کا زور حالات موجودہ کے لحاظ سے زیادہ تر قصاص پر ہے اور انجیل کا زور حالات موجودہ کے لحاظ سے عفو اور صبر اور درگذر پر ہے اور قرآن ان دونوں صورتوں میں محل شناسی کی تعلیم دیتا ہے - ایسا ہی ہر ایک باب میں توریت افراط کیطرف گئی ہے اور انجیل تفریط کیطرف اور قرآن شریف وسط کی تعلیم کرتا اور محل و موقعہ کا سبق دیتا ہے - گو نفس تعلیم تینوں کتابوں کا ایک ہی ہے مگر کسی نے کسی پہلو کو شدومد کے ساتھ بیان کیا اور کسی نے کسی پہلو کو - اور کسی نے فطرت انسانی کے لحاظ سے درمیانہ راہ لیا جو طریق تعلیم قرآن ہے اور چونکہ محل اور موقعہ کا لحاظ رکھنا ہی حکمت ہے سو اس حکمت کو صرف قرآن شریف نے سکھلایا ہے - توریت ایک بیہودہ سختی کیطرف کھینچ رہی ہے* اور انجیل ایک بیہودہ طور پر زور دے رہی ہے اور قرآن شریف وقت شناسی کی تاکید کرتا ہے - پس جسطرح پستان میں آکر خون دودھ بنجاتا ہے اسیطرح توریت اور انجیل کے احکام قرآن میں آکر حکمت بنگئے ہیں - اگر قرآن شریف نہ آیا ہوتا تو توریت اور انجیل اُس اندھے کے تیر کیطرح ہوتیں کہ کبھی ایک آدھ دفعہ نشانہ پر لگ گیا اور سو دفعہ خطا گیا غرض شریعت قصّوں کے طور پر توریت سے آئی اور مثالوں کیطرح انجیل سے ظاہر ہوئی اور حکمت کے پیرایہ میں قرآن شریف سے حق اور حقیقت کے طالبوں کو ملی -

سو توریت اور انجیل قرآن کا کیا مقابلہ کرینگی - اگر صرف قرآن شریف کی پہلی سورت کے ساتھ ہی مقابلہ کرنا چاہیں یعنی سورہ فاتحہ کے ساتھ جو فقط سات آیتیں ہیں اور جس ترتیب انسب اور ترتیب محکم اور نظام فطرتی سے اس سورت میں صدہا حقایق اور معارف دینیہ اور روحانی حکمتیں درج ہیں اُن کو موسیٰ کی کتاب یا یسوع کے چند ورق انجیل میں سے نکالنا چاہیں تو گو ساری عمر کوشش کریں تب بھی یہ کوشش لاحاصل ہوگی - اور یہ بات لاف و گزاف نہیں بلکہ واقعی اور حقیقی یہی بات ہے کہ توریت اور انجیل کو علوم حکمیہ میں سورۃ فاتحہ کیساتھ بھی مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں - خدا کا کلام خدا کی طاقتوں سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ اُس کی مصنوعات عجائب قدرت سے ثابت ہوتی ہیں - مثلاً آسمان پر ہزاروں ستارے

* یہ سختی اور نرمی اپنے اپنے زمانہ اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے مناسب تعلیم تھی مگر حقیقی تعلیم نہیں تھی جو قابل ترک نہ ہو - منہ

ہیں۔ اب اگر کوئی بیوقوف چند ستاروں کیطرف اشارہ کرکے کہدے کہ ان کی کیا ضرورت ہے لہٰذا یہ خدا تعالےٰ کی طرف سے نہیں ہیں یا چند بوٹیوں یا پتھروں یا جانوروں کا نام لیکر کہدے کہ انکے وجود کے بغیر دوسری بوٹیوں وغیرہ سے کام چل سکتا ہے۔ اس لئے یہ خدا تعالےٰ کیطرف سے نہیں ہیں تو ایسا قائل بجز دیوانہ یا احمق کے کون ہوسکتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قرآن اُن تمام کمالات کا جامع ہے جنکی انسانکو تکمیل نفس کیلئے حاجت ہے۔ اور توریت کی قرآن کے ساتھ یہ مثال ہے کہ جیسے ایک مسافرخانہ تھا وہ بڑی بڑی آندھیوں اور زلزلوں کے باعث سے گر پڑا اور بجائے اس مسافرخانہ کے ایک اینٹوں کا ڈھیر لگ گیا اور پاخانہ کی اینٹیں باورچی خانہ میں اور باورچی خانہ کی پاخانہ میں جا پڑیں اور سب مکان زیروزبر ہوگیا پس اس سرائے کے مالک کو مسافروں کے حال پر رحم آیا سو اُس نے فی الفور بجائے اس مسافرخانہ کے ایک ایسا عمدہ اور آرام بخش مسافرخانہ طیار کیا جو اُس پہلے سے بہتر اور مسافروں کے لئے نہایت آرام بخش مکانات اپنے اپنے قرینہ سے اُس میں موجود تھے اور کسی ضرورت کے مکان کی کمی نہیں تھی اور مالک نے اس آخرالذکر مسافرخانہ کی تعمیر میں کچھہ تو وہی اینٹیں پہلے مسافرخانہ کی لے لیں اور کچھہ زیادہ اینٹیں اور لکڑی وغیرہ مصالح بہم پہونچایا جو عمارت کو کامل طور پر کافی ہوسکتا تھا سو قرآن شریف وہی دوسرا مسافرخانہ ہے جسکی آنکھیں ہوں دیکھے !!!

اس جگہ یہ اعتراض بھی دور کر دینے کے قابل ہے کہ جس حالت میں حقیقی اور کامل تعلیم یہی ہے جس میں محل اور موقعہ کی رعایت اور ہر ایک نکتہ معرفت کا استیفاء کے ساتھ بیان ہو تو کیا سبب ہے کہ توریت اور انجیل اس سے خالی رہیں اور قرآن نے ان دونو باتوں کو کمال تک پہونچایا تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہ توریت اور انجیل کا قصور نہیں ہے بلکہ قوموں کی استعداد کا قصور ہے یہودی لوگ جنسے پہلے حضرت موسیٰ کو واسطہ پڑا وہ چارسو برس تک فرعون کی غلامی میں رہے تھے اور ایک مدت درازتک ظلم کے تختہ مشق رہکر عدل اور انصاف کی حقیقت سے بے خبر ہو گئے تھے یہ ایک فطرتی قاعدہ ہے کہ اگر بادشاہ وقت جو مؤدب اور آموزگار کے حکم میں ہوتا ہے عادل ہو تو رعایا کے دل پر عدل کا پرتو پڑتا ہے اور طبعاً وہ بھی خلق عدل کیطرف مائل ہو جاتے ہیں اور تہذیب اور شائستگی ان میں پیدا ہو کر عادلانہ صفات اپنا جلوہ دکھاتے ہیں لیکن اگر بادشاہ ظالم ہو تو رعایا بھی اس سے ظلم اور تعدی کا سبق

سکھتی ہے اور اکثر ان کی صفت عدل سے محروم ہوتی ہے۔ پس یہی حال بنی اسرائیل کا ہوا۔ کہ وہ لوگ ایک مدت دراز تک فرعون جیسے ظالم بادشاہ کی رعایا رہکر اور طرح طرح کے ظلم اٹھاکر عدل کی کیفیت سے بالکل غافل ہو گئے۔ سو حضرت موسیٰ کا فرض یہ تہا کہ ان کو سب سے پہلے عدل کا سبق دین اس لئے توریت مین عدل کی حفاظت کے لئے بڑے تشدد و مد سے آیات پائی جاتی ہین۔ ہاں رحم کی آیات کا بھی توریت مین پتہ ملتا ہے لیکن اگر غور سے دیکھو تو ایسی آئتین بھی عدل کے حدود کی نگہداشت کے لئے اور ناجائز جذبات اور بیجا کینون کے روکنے کے لئے بیان فرمائی گئی ہین۔ اور ہر جگہ اصل مدعا قوانین عدل اور انصاف کی نگہداشت ہے۔ لیکن انجیل پڑہنے سے یہ مدعا معلوم نہین ہوتا بلکہ انجیل مین عفو اور ترک انتقام پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اور جب ہم انجیل کو تدبر اور عمیق نگاہ سے دیکھتے ہین تو اس کے سلسلہ عبارت سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ اس کتاب کا لکھنے والا اپنے مخاطبین کی نسبت یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ لوگ طریق مروت اور صبر اور ترک انتقام سے بالکل دور اور مہجور ہین اور چاہتا ہے کہ انکے ایسے دل ہو جائین کہ انتقام لینے کے حریص نہ ہوں اور صبر اور برداشت اور عفو اور درگذر اپنی عادت کرین۔ اس کا یہی سبب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت مین یہودیوں کی اخلاقی حالت مین بہت فتور آگیا تہا اور مقدمہ بازی اور کینہ کشی مین انتہا تک پہونچ گئے تھے۔ اور اس بہانہ سے کہ ہم قانون عدل کے حامی ہین رحم اور درگذر کی خصلتین بالکل ان مین سے دور ہو گئی تھین۔ سو انجیل کی نصیحتین قانون مختص الزمان کیطرح یا مختص القوم کیطرح ان کو سنائی گئی تھین۔ مگر یہ واقعی قانون کی تصویر نہ تھی اس لئے قرآن نے آکر اُس کو دور کر دیا۔

جسوقت ہم قرآن کو غور سے دیکھتے ہین اور صاف دل سے اس کے مقصد کے گہراؤ تک چلے جاتے ہین تو ہمین صاف دکھائی دیتا ہے کہ قرآن نے نہ توریت کیطرح انتقام اور سختی پر ایسا زور ڈالا ہے کہ جیسا کہ توریت کی لڑائیوں اور قانون قصاص سے ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ انجیل کی طرح یکدفعہ عفو اور صبر اور درگذر کی تعلیم پر گر پڑا ہے بلکہ بار بار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیتا ہے۔ یعنی یہ حکم دیتا ہے کہ جو امر عقل اور شرع کے رو سے بہتر اور محل پر ہو اس کو بجا لاؤ اور جس پر عقل اور شرع کا اعتراض ہو اور منکرات مین سے ہو اس سے دست بردار ہو جاؤ سو قرآن کے دیکھنے سے ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے قوانین اور حدود اور اوامر کو علم کے رنگ مین ہمارے دلوں مین جمانا چاہتا ہے

کیونکہ وہ شخصی امر اور نہی کے زندان میں ہمیں محبوس کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنی پاک شریعت کو قواعد کلیہ کے طور پر بیان کر دیتا ہے۔ مثلاً وہ ایک کلام کلی کے طور پر حکم فرماتا ہے کہ تم معروف کو بجا لاؤ اور منکر سے دستکش ہو جاؤ۔ سو یہ دو کلمے جیسے معروف اور منکر ایسے جامع کلمے ہیں جو شریعت کے قوانین کو علمی رنگ میں لے آتے ہیں اور اس تعلیم سے ہر ایک عمل میں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ حقیقی نیکی کیا ہے۔ مثلاً اسوقت جو زید نے ہمارا ایک گناہ کیا ہے تو اسکو مارنا بہتر ہے یا عفو کرنا۔ اور ایک سائل جو ہم سے مثلاً ہزار روپیہ اس غرض سے مانگتا ہے کہ وہ اس روپیہ سے اپنے لڑکے کی دھوم دھام سے شادی کرے اور آتشبازی اور ناچنے والی عورتیں اور دوسرے باجوں کے ساتھ اپنے خاندان کے رسوم کے موافق اس رسم کو ادا کرے۔ تو ہم ہزار روپیہ اسکو دے سکتے ہیں مگر ہمیں امر معروف اور نہی منکر کے قاعدہ کے لحاظ سے سوچ لینا چاہیئے کہ کیا یہ سخاوت ہے جو ہم کسی شخص کی مدد کرتے ہیں غرض اسیطرح قرآن نے ہمارے دین اور دنیا کی بہبودی کے لئے ہمارے ہر ایک کار خیر میں محل اور موقعہ کی قید لگا دی ہے۔

اسجگہ ایک اور اعتراض کا دفع کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلام نے توحید کے منوانے کے لئے یہود وغیرہ اقوام کے ساتھ لڑائیاں کی ہیں۔

سو واضح ہو کہ اسلام نے توحید منوانے کے لئے لڑائیاں ہرگز نہیں کیں بلکہ اسلام کے مخالف خود اپنی شرارتوں سے لڑائیوں کے محرک ہوئے۔ بعض نے مسلمانوں کے قتل کرنے کے لئے خود پہلے تلوار اٹھائی بعض نے اُن کی مدد کی۔ بعض نے اسلام کی تبلیغ روکنے کے لئے بے جا مزاحمت کی۔ سو ان تمام موجبات کی وجہ سے مفسدین کی سرکوبی اور سد راہ اور شر کی مدافعت کے لئے خدا تعالےٰ نے اُن ہی مفسدوں کے مقابل پر لڑائیوں کا حکم کیا۔ اور یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تیرہ برس تک اس وجہ سے مخالفوں سے لڑائی نہیں کی کہ اس وقت تک پوری جمعیت حاصل نہیں ہوئی تھی یہ محض ظالمانہ اور مفسدانہ خیال ہے۔ اگر صورت حال یہ ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تیرہ برس تک ان ظلموں اور خونریزیوں سے باز رہتے جو مکہ میں ان سے ظہور پذیر ہوئے اور پھر آپس میں مشورہ کرکے یہ تجویز نہ کرتے کہ یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینا چاہیئے اور یا وطن سے نکال دینا چاہیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی بغیر حملہ مخالفین کے مدینہ کیطرف چلے جاتے تو ایسی بدظنیوں کی کوئی جگہ بھی ہوتی۔ لیکن یہ واقعہ تو ہمارے مخالفوں

کو بھی معلوم ہے کہ تیرہ برس کے عرصہ مین ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم دشمنوں کی ہر ایک سختی پر صبر کرتے رہے اور صحابہ کو سخت تاکید تھی کہ بدی کا مقابلہ نہ کیا جائے چنانچہ مخالفوں نے بہت سے خون بھی کئے اور غریب مسلمانوں کو زدوکوب کرنے اور خطرناک زخم پہونچانے کا تو کچھ شمار نہ رہا۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کے لئے حملہ کیا۔ سو ایسے حملہ کے وقت خدا نے اپنے نبی کو شریروں سے محفوظ رکھکر مدینہ مین پہونچا دیا اور یہ خوشخبری دی کہ جنہوں نے تلوار اٹھائی وہ تلوار ہی سے ہلاک کئے جاینگے پس ذرا عقل اور انصاف سے سوچو کہ کیا اس روئداد سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ جمعیت لوگوں کی ہوگئی تو پھر لڑائی کی نیت جو پہلے سے دل مین پوشیدہ تھی ظہور مین آئی افسوس ہزار افسوس کہ تعصب مذہبی کے رو سے عیسائی دین کے حامیوں کی کہاں تک نوبت پہونچ گئی ہے۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ مدینہ مین جا کر جب مکہ والوں کے تعاقب کے وقت بدر کی لڑائی ہوئی جو اسلام کی پہلی لڑائی ہے تو کونسی جمعیت پیدا ہو گئی تھی۔ اس وقت تو کل تین سو تیرہ آدمی مسلمان تھے اور وہ بھی اکثر نوعمر ناتجربہ کار جو میدان بدر مین حاضر ہوئے تھے۔ پس سوچنے کا مقام ہے کہ کیا اس قدر آدمیوں پر بھروسہ کر کے عرب کے تمام بہادروں اور یہود اور نصاریٰ اور لاکھوں انسانوں کی سرکوبی کے لئے میدان مین کسی کا نکلنا عقل فتوے دے سکتی ہے ؟!!! اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ نکلنا اُن تدبیروں اور ارادوں کا نتیجہ نہیں تھا۔ جو انسان دشمنوں کے

ہلاک کرنے اور اپنی فتحیابی کے لئے سوچتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کم سے

کم تین ۳ چالیس ہزار فوج کی جمعیت حاصل کر لینا ضرور تھا

اور پھر اس کے بعد لاکھوں انسانوں کا مقابلہ کرنا لہذا

صاف ظاہر ہے کہ یہ لڑائی مجبوری کیوقت

خدا تعالےٰ کے حکم سے ہوئی تھی

نہ ظاہری سامان کے

بھروسہ پر

حضرت مسیح کا دس گمشدہ اسرائیلی

قوموں کیطرف جانا

انجیلی شہادتیں نمبر ۳

اس عنوان کے نیچے گذشتہ دو نمبروں مین انجیل کے قصص کی بنا پر ہمنے یہ ثابت کیا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کی لعنتی موت سے بچائے گئے۔ اگرچہ ان مضامین کو شایع ہوئے دو ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن عیسائیوں کی طرف سے ان کی تردید مین ہم نے سوائے اس ریمارک کے اور کچھہ نہین دیکھا کہ اس قسم کے استنباط انجیلوں کے اصلی اور یکساں مفہوم اور منشاء کے خلاف ہین لیکن اصل بات یہ ہی کہ اناجیل کا یہ فرضی اصلی منشاء سوائے اس کے کوئی حقیقت نہین رکھتا کہ یہ عیسائیوں کا دلی اعتقاد ہے۔ بجائے خود قصص اناجیل اسقدر متضاد بیانات کا مجموعہ ہین کہ ان کا ایک ہی مفہوم ہونا تو الگ رہا۔ انکے پڑھنے سے یہ بھی معلوم نہین ہوتا کہ وہ ایک ہی شخص کے قصہ کو بیان کر رہی ہین یا مختلف اشخاص کے۔ جسقدر رکیک تاویلوں سے چاہو الفاظ کے معنے کرنے مین مدد لو لیکن پھر بھی تمام انجیلوں کے قصوں کو ایک ہی شخص کا مکمل قصہ ثابت کرنا محال ہے۔ ایسی صورت مین عقلمند کا فرض ہے کہ بیہودگیوں کو رد کرکے یسوع کی زندگی کی بنا ان واقعات کو ٹھیرائے جو تاریخی طور پر صحیح معلوم ہون اور اگر وہ یہ نہ کرے گا تو پھر اُسے سارے قصہ کو ہی غلط اور بے بنیاد ٹھیرا کر رد کرنا پڑے گا۔ اس سے پہلے ہم دکھلا چکے ہین کہ انجیل مین ایسے واقعات اور بیانات ایک دو نہین بلکہ بکثرت ہین جنسے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یسوع صلیب پر نہین مرا اب ہم عیسائیوں ہی سے پوچھتے ہین کہ ان تمام انجیلی فقروں کو کیا کرین جھوٹے کہین یا وضعی ٹھہرائین یا تحریف کا نام دین۔ مثلاً انجیل کی اس پیشگوئی کی نسبت عیسائیوں کا کیا اعتقاد ہے جس مین حضرت مسیح کہتے ہین کہ یونس نبی کے نشان کے سوائے کوئی نشان یہودیوں کو نہین دیا جاوے گا۔ اگر اس پیشگوئی کو جھوٹا نہ ٹھیرایا جائے تو اس نتیجہ سے کسی طرح گریز ہی نہین ہو سکتی کہ جسطرح یونس زندہ مچھلی کے پیٹ مین ڈالا گیا اُسیطرح مسیح زندہ قبر کے اندر رکھا گیا۔

عیسائی مذہب کے حامیوں نے بہت ساری کوششیں کی ہیں کہ اس مشکل سے بچنے کی کوئی راہ نکل آوے مگر ان کی کوششیں لاحاصل ثابت ہوئی ہیں۔ پھر مثلاً پیلاطوس کی بیوی کے اس خواب کی نسبت کیا رائے لگائی جاوے جو متی ۲۷ باب ۱۹ میں مذکور ہے۔ کیا اس کو شیطانی سمجھا جاوے یا اس سارے قصے کو ہی جھوٹا مانا جاوے۔ ان دونوں باتوں کو تو کوئی عیسائی تسلیم نہیں کرے گا۔ لیکن اگر یہ دونوں باتیں ٹھیک نہیں تو پھر اس خواب کی غرض اور مقصد کیا ہے کیا یہ بدیہی بات نہیں کہ اس خواب کا مقصد مسیح کو صلیب سے نجات دینا ہے؟ اگر خدا تعالیٰ کا یہ منشا نہیں تھا کہ مسیح صلیب کی لعنتی موت سے نجات پائے تو کیوں اس نے پیلاطوس کو متنبہ کرنے کے لئے اس کی عورت کے پاس فرشتہ بھیجا اور اس طرح پر نعوذ باللہ ایک لغو حرکت کی؟ اور اگر اس کا مقصد واقعی یسوع کو چھوڑانا ہی تھا جیسا کہ خواب سے صاف طور پر پایا جاتا ہے تو کیا خدا کے علاوہ اور اس سے مقتدر بھی ہستی موجود ہے جس نے خدا تعالیٰ کے اس ارادے کو پورا نہ ہونے دیا۔ مسیح کی پیدائش کے متعلق جو قصہ انجیل میں مذکور ہے وہاں بھی ایک خواب کے ذریعہ ہی متنبہ کر کے خدا تعالیٰ نے مسیح کو قتل کئے جانے سے بچایا تھا اب ان دونوں خوابوں کا مقابلہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ پہلی خواب میں منشاء ایزدی یہ تھا کہ مسیح کی جو اسوقت بچہ تھا جان بچ جائے ایسا ہی دوسری خواب میں بھی الٰہی منشاء اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مسیح صلیب کی لعنتی موت سے بچایا جاوے۔ اگر اس خواب کا یہ منشاء نہیں تو بہتر ہے کہ عیسائی صاحبان اس خواب کے ذکر کو ایک جھوٹا قصہ ٹھہرا کر انجیل سے خارج کر دیں پھر تیسرا امر یہ ہے کہ باغ میں جو یسوع کی دردناک دعا کا قصہ انجیل میں مذکور ہے اس کو کیونکر رد کیا جاتا ہے شدت غم کی حالت میں جو اسے موت کے برابر معلوم ہوتا تھا حضرت مسیح بڑی عاجزی سے خدا تعالیٰ کے آستانہ پر گرے اور سچی خضوع و خشوع سے رو رو کر یہ دعائیں مانگیں کہ اے میرے قادر خدا اگر ممکن ہی تو تو یہ موت کا پیالہ مجھ سے ٹال دے کون جانتا ہے کہ اسوقت اسکے دل کی کیا حالت تھی جب وہ غموں کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا نہایت درد کے ساتھ ساری رات چلّاتا رہا سوتے ہوئے حواری اسکی دردناک چیخوں سے کبھی کبھی چونک پڑتے اسکا دل اس غم کے نیچے پھوٹ پھوٹ کر نکلتا اور اس کی چیخیں اس دردناک حالت میں دعا کرتے وقت ایسے زور سے نکلتی تھیں کہ حواری جو بہت دور سوئے پڑے تھے۔ وہ بھی کبھی کبھی ان سے چونک اٹھتے* اس سے قیاس ہو سکتا

* نوٹ صفحہ ۹۲ پر ملاحظہ ہو۔

ہے کہ کسقدر اسکو غم تہا اور کیسا سچا جوش اس کے دل مین تہا کہ خدا تعالے اسے صلیب کی لعنتی
موت سے بچالے۔ عقلمند انسان ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہین کر سکتا کہ خدا کا ایک مقبول
نبی بڑے لمبے درد کی حالت مین ساری رات ایک لعنتی موت سے بچنے کے لئے چیختا چلاتا
رہے اور خدائے کریم و رحیم اس پر کچھ بھی رحم نہ کرے اور اسکی دعا کو نہ سنے اور اگر حضرت مسیح کی دعا ایسی
دردناک حالت مین بھی قبول نہین کی تو عیسائیوں کو اپنی دعاؤں کی قبولیت سے بالکل مایوس رہنا
چاہیئے بلکہ خود حضرت مسیح کا دعا پر اسقدر زور دینا بالکل لغو تہا اگر اس کی اپنی دعا سب سے بہاری
مصیبت کے وقت مردود ہوئی تھی ان امور کے علاوہ عبرانیوں ۵ مین یہ صاف طور پر لکہا ہو کہ
حضرت مسیح کی یہ دعا قبول ہوگئی تھی لیکن اگر مسیح صلیب پر مرا تہا تو دعا کے متعلق یہ تمام قصے
جھوٹے ہونے چاہئیں۔

یہ چند باتین مثال کے طور پر ہم نے بیان کی ہین ان کے علاوہ مسیح کا صلیب پر نہایت تہوڑا عرصہ
رہنا اور صلیب کے بعد کے واقعات جو انجیلون مین مذکور ہین ان سے سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ
نکالا ہی نہین جا سکتا کہ مسیح صلیب پر ہرگز نہین مرا اور عیسائیت کے عذرخواہ جو اپنے نزدیک
اناجیل کا اصلی مفہوم اس نتیجہ کے مخالف سمجھے بیٹھے ہین وہ دراصل ایک جھوٹا عقیدہ ہے جو بچپن
سے انکے دل مین جاگزین ہو گیا ہے۔

ساری تاریخ مین ایک بھی ایسی مثال نہین ملتی جس مین ایک شخص دو یا تین گھنٹے صلیب
پر لٹکائے جانے سے مر گیا ہو اور برعکس اس کے ایسی مثالین بکثرت موجود ہین کہ ایک یا دو دن

---

* انجیل مین اس دعا کا لکہا جانا اسی صورت مین ٹھیک ہو سکتا ہے کیونکہ اس موقعہ پر حضرت مسیح
اپنے سارے مریدوں کو چھوڑ کر دور چلا گیا تہا (متی ۲۶/۳۶) اور تین حواری جنکو ساتھ لے گیا تھا۔
وہ بھی گولی کی مار پر سوئے پڑے تھے (لوقا ۲۶/۳۶) لیکن اناجیل مین حضرت مسیح کی اس دعا کا
لکہے جانا صاف اس امر پر شاہد ہے کہ حضرت مسیح کی دردناک آہوں سے جو دعا کے وقت وہ کرتے
ہوں گے کبھی کبھی حواری جاگ اٹھتے ہونگے اور اس طرح پر اسکی دعا کے الفاظ سن لیے ہوں گے
جو بعد ازان انکی روایت پر انجیل مین درج ہوئے۔ منہ

تک بھی صلیب پر لٹکا رہنے کے بعد بعض اشخاص جانبر ہو گئے فاضل مورخ جوزیفس نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں اس نے قیصر سے تین شخصوں کے جو صلیب پر دکم از کم ایک دن سے زیادہ عرصہ سے جیسا کہ واقعات سے شہادت ملتی ہے) لٹکے ہوئے تھے چھوڑے جانے کیلئے درخواست کی اور وہ درخواست قبول ہو کر مناسب علاج سے تینوں میں سے ایک کی جان بچ گئی۔ درحقیقت صلیب سے موت اسقدر آہستہ واقع ہوتی ہے کہ عقلمند انسان صرف اسی ایک واقعہ پر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب پر دو یا تین گھنٹے سے زیادہ نہیں رہا غور کرنے سے اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ مسیح کے صلیب پر مرنے کا مقدمہ ایک بالکل بے بنیاد اور غلط اعتقاد ہے۔ اس خیال کا بے بنیاد ہونا خود اناجیل سے بھی ثابت ہے کیونکہ لکھا ہے کہ یسوع اور دونوں چوروں کے لئے صلیب کی سزا کے بعد ٹانگیں توڑنے کی سزا کا بھی حکم ہوا تھا جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس تھوڑے سے عرصہ کو جو وہ صلیب پر رہے تھے موت کے لئے بالکل ناکافی خیال کیا گیا اور اس لئے ایک دوسری تجویز ایسی سزا کی کیگئی جس سے سچ مچ موت واقعہ ہو جاوے کیونکہ ٹانگوں کے توڑنے کی سزا اکثر اوقات مجرموں کے مارنے کے لئے ایک علیحدہ سزا کے طور پر دی جاتی تھی اور مسیح اور چوروں پر صلیب کے بعد بھی اس سزا کے وارد کئے جانے کا حکم صاف بتاتا ہے کہ صلیب کو بسبب تھوڑا وقت ہونیکے ناکافی خیال کیا گیا اور ایک اور تکلیف دہ صورت موت کی تجویز کی گئی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ٹانگوں کا توڑنا اس طور پر ہوا کرتا تھا کہ چوٹے سے لیکر پاؤں تک کی تمام ہڈیاں ہتھوڑے کے ساتھ توڑی جاتی تھیں۔ اب جہاں انجیلوں سے یہ ثابت ہے کہ ٹانگیں توڑنے کا حکم دیا گیا تھا کیونکہ صلیب پر اسقدر تھوڑے عرصہ کے لئے مسیح اور دونوں چور رکھے گئے تھے کہ اس سے موت واقعہ نہ ہو سکتی تھی۔ اس جگہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ چوروں کی ٹانگیں توڑی گئیں مگر مسیح کی نہیں توڑی گئیں اور یہ بہانہ کر دیا گیا کہ مسیح مر چکا ہے اس لئے اس کی ٹانگیں توڑنے کی حاجت نہیں ہے مگر جب کہ مسیح چوروں سے زیادہ عرصہ صلیب پر نہیں رہا اور صلیب کا اثر اس قدر کم مانا گیا کہ ایک اور ایسی سخت سزا ان کے لئے تجویز کرنی پڑی جو بغیر صلیب کے بھی موت کا ذریعہ ہو سکتی تھی تو کس طرح پر ہم اس کو تسلیم کر سکتے ہیں کہ مسیح صلیب پر ہی مر چکا تھا۔ بھالے کے زخم کا قصہ رہا سہا بھی اس امر کا فیصلہ کرتا ہے کہ مسیح میں جب وہ صلیب سے اتارا گیا جان باقی تھی کیونکہ لکھا ہے کہ زخم سے پانی اور لہو بہا۔ پانی بہنے سے اگر یہ منشاء ہے کہ واقعی

لہو اور پانی دو الگ الگ سیال نکلے تھے تو اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ پانی صرف معجزہ بنانے کی خاطر بہایا گیا ہے اگر زخم اسقدر بھی گہرا ہوتا کہ دل تک پہنچ جاتا تو بھی پانی کا نکلنا ممکن نہ تہا سوا اس کے کہ مرض استسقا ہوتا مگر ہم خیال نہیں کرتے کہ انجیل نویس کا یہ مطلب ہو۔ البتہ لہو کا نکلنا صاف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مسیح ابھی زندہ تہا کیونکہ مرنے کے بعد معاً خون جم جاتا ہے مگر خون کا سیال ہونا اس امر کا یقینی ثبوت ہے کہ جب مسیح صلیب پر سے اتار اگیا تو وہ بھی چوروں کی طرح زندہ ہی تہا۔

اس مشکل سے نجات ڈہونڈنے کے لئے عذر خواہان مذہب عیسائی نے بہت سے حیلے تراشے ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہے کہ جسطرح چوروں کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے ان کی ٹانگیں توڑی گئیں اسی طرح مسیح کی زندگی کا بہالے سے خاتمہ کیا گیا۔ یہ اصل واقعات کی خلاف بیانی ہے۔ سپاہیوں کو اس قدر وسیع اختیارات حاصل نہ تھے کہ جسطرح چاہتے کسی کو مار ڈالتے اور اگر اُن کو ایک طریق سے مارنے کا حکم ہوتا تو اس کی بجائے وہ خود ایک اور طریق اختیار کر لیتے۔ اُن کو تو یہ ہدایت تھی کہ صلیب پر موت کے نہ واقعہ ہونے کے سبب سے تینوں کی ٹانگیں توڑیں اور اس قانونی حکم کی بجائے وہ خود بخود کوئی دوسرا تجویز نہ کر سکتے تھے۔ ہاں انجیل کے قصہ سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ چوروں کی ٹانگیں توڑی گئیں مگر مسیح کی نہ توڑی گئیں اور اس کے لئے ایک جھوٹا عذر کر دیا گیا۔ یہ بیان نہیں کیا گیا کہ سپاہیوں کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ مسیح مر چکا ہے۔ سکتہ یا غشی کی حالت اور حقیقی موت میں امتیاز کرنا اس قدر مشکل امر ہے کہ اس زمانہ کا ایک ڈاکٹر بھی غلطی کھا سکتا تہا کیونکہ اُس وقت کی ڈاکٹری معلومات اس قدر وسیع نہ تھے لیکن انجیل نویس یہ چاہتے ہیں کہ بغیر چون و چرا کے ہم ایک جاہل پولیس کے آدمی کی رائے کو تسلیم کر لیں خواہ کیسی ہی مضبوط شہادت اس کی تردید کر رہی ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ بے شک صلیب پر تو موت واقعہ نہ ہوئی تھی لیکن بہالے کا زخم ایسا کاری لگا تہا کہ دل تک پہونچ گیا تہا اور اسی سے حضرت مسیح مر گئے تو اس کے لئے اناجیل سے کوئی شہادت نہیں ملتی علاوہ ازیں انجیل میں تو یہ لکہا ہے کہ پہلو میں نیزہ چبھویا گیا تہا نہ یہ کہ عین دل کے مقام پر مارا گیا تھا اور نہ ہی یہ کہیں لکہا ہے کہ وہ زخم بڑا گہرا تھا دراصل اس طرح پر نیزہ کو عین دل کے مقام پر مارنا کہ اس سے خون باہر کو نکلے بڑے ہنر کو چاہتا ہے اور محض ایک جاہل سپاہی سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ انسانی بدن کی تشریح سے ایسا واقف ہوتا

جیسے پہلی صورت میں یہ بہانہ کردیا گیا تہا کہ مسیح صلیب پر مرچکا ہے اس لئے ٹانگیں توڑنے کی ضرورت نہیں اسی قسم کا یہ دوسرا عذر ہے کہ نیزہ کا زخم ایسا کاری تہا کہ مسیح کی ہلاکت کا باعث ہوگیا لیکن جیسا کہ خون کے بہنے میں پہلے عذر کو جھوٹا ثابت کردیا اور دکھا دیا کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا تہا اسی طرح مابعد کے واقعات نے اور کوئی ایسا یقینی طریق اختیار نہ کئے جانے نے جو واقعی موت کا باعث ہوسکتا یہ ثابت کردیا کہ زخم محض کوئی چھوٹا سا خراش تہا اور اس سے بھی موت واقع نہیں ہوئی۔

اس طرح پر ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جو واقعات اناجیل میں مذکور ہیں ان سے مسیح کی موت کی کوئی بھی شہادت نہیں ملتی۔ باقی رہے دوسرے تاریخی ذرایع جن پر ہم آگے چلکر غور کرینگے سو ان سے صاف اور یقینی شہادت مسیح کے صلیب سے بچ نکلنے کی ملتی ہے۔ کسی نامعلوم آدمی کا یہ بیان کہ مسیح صلیب پر مرگیا کسی دوسری تردید کا محتاج نہیں کیونکہ انجیل نے ہی خون نکلنے کا قصہ بیان کرکے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کردیا اس طرح پر یوحنا کی انجیل اُن تمام لوگوں کے بیان کو جھوٹا ٹھیراتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مسیح صلیب پر مرگیا تھا اور یقینی طور پر اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ وہ زندہ ہی اُتارا گیا۔ اس امر کو عیسائی بھی تسلیم کرنے سے چارہ نہیں دیکھتے کیونکہ دوسری صورت میں یوحنا کی انجیل کو ایک افترائے عظیم ٹھیرانا پڑتا ہے۔ اس طرح پر وہ تمام بیانات انجیل کی رو سے اور تاریخ کی رو سے جھوٹے ٹہرے جن میں یہ مذکور ہے کہ مسیح صلیب پر مرگیا تھا اور جب یہ بیانات جھوٹے ثابت ہوگئے تو اب مسیح کی موت کی کوئی شہادت باقی نہ رہی۔ مردوں میں سے مسیح کا جی اٹھنا ایک ایسا امر ہے جو انسانی روزمرہ مشاہدہ کے خلاف ہے اور اس لئے اس کے ثابت کرنے کے لئے شہادت بھی ایسی ہی وزنی اور مضبوط ہونی چاہیے۔ لیکن اگر کسی ایسے آدمی کے زندہ دیکھے جانے کا ثبوت ملے جس کی موت کی کوئی معتبر اور یقینی شہادت ہمارے پاس نہیں ہے تو ایسا ثبوت اُس کے مردوں میں سے جی اٹھنے کی کوئی دلیل نہیں ہاں اگر وہ کسی خطرناک حالت میں سے ہوگذرا ہو تو اس کی شفایابی کی یہ دلیل ٹھہر سکتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بہت لوگ جو مسیح سے بہت زیادہ عرصہ صلیب پر لٹکائے گئے وہ بھی جانبر ہوگئے تو کیا پھر ان سب کو مردوں میں سے اٹھے ہوئے مان لینگے۔ ایسا محاورہ اگر استعارہ کے طور پر ان کے حق میں بولا جاوے تو اس میں تو چنداں حرج نہیں کیونکہ دنیا کے نزدیک وہ مرہی چکے ہوتے ہیں انھیں معنوں

کے رو سے مسیح نے بھی اپنے شاگردوں کو کہا تھا کہ جی اٹھنے کے بعد مین تم سے آگے آگے جلیل کو جاؤن گا۔ اس لئے اگر ان بیانات کو جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب کے بعد بھی چلتا پھرتا دیکھا گیا صحیح تسلیم کیا جاوے تو اس کے حقیقی طور پر مردون مین سے جی اٹھنے کے لئے اس کی موت کی اعلےٰ درجہ کی مضبوط شہادت اور قوی دلیل چاہیے کیونکہ صرف اس طرح پر دیکھا جانا اس نتیجہ تک نہین پہونچاتا کہ وہ جی اُٹھا تہا بلکہ اس نتیجہ تک پہونچاتا ہے کہ وہ مرا ہی نہین تھا لیکن مسیح کی موت کی ایسی مضبوط شہادت جو یقین کے درجہ تک ثبوت کو پہونچا سکے اناجیل مین نہین پائی جاتی۔ اس لئے اناجیل کی شہادت بجائے جی اٹھنے کے اس کی شفا پانی پر شاہد ہے اس قسم کی شہادت کے نہ پائے جانے سے ہر زمانہ مین مسیح کی موت کے متعلق شکوک پیدا ہوتے رہے ہین بلکہ خود اسی وقت یعنی عین صلیب کے وقت پیلاطوس نے اپنی رائے کا یہ اظہار کیا کہ اتنی جلدی مسیح کیونکر مر گیا اس وقت سے لے کر اس زمانہ تک دوستون اور دشمنون کے دلون مین یہ شکوک پیدا ہوتے رہے کہ مسیح واقعہ مین مرا نہین اگرچہ ابتدا ہی سے حامیان مذہب عیسائی نے یہ عذر گھڑ لیا تہا کہ مسیح کا اس قدر جلدی مر جانا اس کا معجزہ ہے ورنہ واقعات کے رو سے وہ اس قدر جلدی مر نہ سکتا تھا۔

اناجیل متضاد بیانات کا ایک عجیب نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کرتی ہیں یعنی پہلے تو ہمین یہ بتاتی ہین کہ مسیح صلیب پر مر گیا تہا پھر اس کے بعد خون نکلنے کا واقعہ بیان کر کے یہ ظاہر کرتی ہین کہ وہ صلیب پر مرا نہین تھا یہ اختلاف بیان دور نہین ہو سکتا جب تک یہ تسلیم نکیا جاوے کہ پہلا بیان جو صلیب پر موت کے متعلق ہے وہ اگر مسیح کو بچانے کی غرض سے نہین تو کم از کم ناواقفیت کے سبب سے ہے کیونکہ ایسی صورت مین موت کے متعلق قطعی رائے دینا کسی لائق ڈاکٹر کا کام ہو سکتا ہے جو ہرگز بلایا نہین گیا اور اگر اس کو ہم تسلیم نکرین تو پھر انجیلوں کو مختلف اور متضاد بیانات کا ایک مجموعہ ٹھہرا کر ردی مین پھینکنا پڑے گا۔ اگر انجیلوں مین کوئی اس قسم کا بیان بھی ہوتا کہ خون بہنے کے بعد مسیح مر گیا تھا تو ایسا بیان البتہ بحث اور غور کے لائق ہوتا اگرچہ پھر بھی یہ شبہ باقی رہتا اور اس اعتراض کی گنجایش ہوتی کہ جیسے مسیح کے صلیب پر مرنے کا بیان خود انجیلوں سے ہی غلط ثابت ہوتا ہے ایسے ہی یہ دوسرا بیان بھی پہلے کی طرح جھوٹا ہے لیکن عیسائیت کے حامیوں کے مشکلات اس سے اور بھی بڑھ گئے

ہیں کہ کوئی بیان یا واقع خون نکلنے کے قصے کے بعد ایسا مذکور نہیں جس سے مسیح کی موت کی شہادت ملے اس لئے اس امر کا بار ثبوت کہ مسیح یقینی طور پر مر چکا تھا عیسائی صاحبان کے ذمہ ہے اور جب تک اس کی موت کا قطعی ثبوت پیش نہ کیا جاوے اس کے جی اٹھنے کے قصے بیان کرنا ایک بے معنی اور لغو حرکت ہے۔

واقعہ صلیب کے بعد یسوع کا دیکھے جانا جیسا کہ ہم مفصل پہلے نمبروں میں بیان کر چکے ہیں۔ صاف طور پر دکھاتا ہے کہ مسیح کو کوئی نیا جسم نہیں ملا تھا بلکہ یہی انسانی جسم اسی ترکیب سے تھا۔ ہر ایک واقع جو اس کے دیکھا جانے یا ملاقات کرنے کے متعلق واقعہ صلیب کے بعد بیان کیا جاتا ہے۔ اس سے اس کے جسم کا انسانی ترکیب اور انسانی احتیاجات کا پابند ثابت ہونے کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کی صحت میں اسیطرح بتدریج ترقی ہوئی جیسے کسی خطرناک مرض سے شفایافتہ انسان کے صحت پانے کی حالت میں ہوتی ہے سب سے پہلے تو یہی امر قابل غور ہے کہ جب تک دو تین دن گذر نہیں جاتے وہ قبر سے باہر نہیں نکل سکتا یہ خیال کرنا کہ جی اٹھنے کے لئے اُسے اسقدر وقت درکار تھا اور اس سے پہلے وہ جی نہ سکتا تھا پرلے درجہ کی بیہودگی ہے ہاں سخت کمزوری اور بے ہوشی کے بعد بے شک انسان اس قابل نہیں ہو سکتا کہ جلدی ہی چل پھر سکے سو اس لحاظ سے یہ بالکل صاف بات ہے کہ دو تین دن کے سوائے وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو سکتا تھا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کے بعد بھی یعنی قبر سے باہر نکلنے کے بعد وہ معاً کوئی بڑا سفر اختیار نہیں کر سکا بلکہ پہلے باغ میں چلتا پھرتا رہا پھر آہستہ آہستہ باہر نکلنا شروع کیا اور آخر کار جب کافی طاقت جسم میں دیکھی تو جلیل کا راستہ اختیار کیا جو یہود کے شور و شر اور فتنوں سے امن میں تھا اور جو پہلے سے ہی حواریوں کے ساتھ ملاقات کا مقام قرار پا چکا تھا۔ اور پھر ان تمام صورتوں میں بھیس بدل کر رہا اور ہمیشہ یہ احتیاط کرتا رہا کہ اس کے دشمنوں کو اُس کا پتہ نہ ملجائے۔ علاوہ ازیں جسوقت سے یوسف نے اپنے ذمہ اُس کی خبر گیری لی اسی وقت سے وہ تجربہ کار طبیبوں کے زیر علاج رہا یہ محض خیال ہی نہیں بلکہ مرہم عیسیٰ کی نہایت مضبوط شہادت سے ایک ثابت شدہ امر ہے لیکن اس کا ذکر ہم آگے اس کے اپنے مقام پر چلکر کرینگے۔

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو انجیل سے ہم کو ملی ہیں انجیل متی کی وہ عبارت ہے جو ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔ "اور قبریں کھل گئیں اور بہت لاشیں پاک لوگوں کی جو آرام میں تھیں اٹھیں اور اس کے

اٹھنے کے بعد (یعنی مسیح کے اٹھنے بعد) قبروں میں سے نکلکر اور مقدس شہر میں جا کر بہتوں کو نظر آئیں"۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۷ آیت ۵۲۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ قصہ جو انجیل میں بیان کیا گیا ہے کہ مسیح کے اٹھنے کے بعد پاک لوگ قبروں میں سے باہر نکل آئے اور زندہ ہوکر بہتوں کو نظر آئے یہ کسی تاریخی واقعہ کا بیان نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر گویا اسی دنیا میں قیامت نمودار ہو جاتی اور وہ امر جو صدق اور ایمان دیکھنے کے لئے دنیا پر مخفی رکھا گیا تھا وہ سب پر کھل جاتا اور ایمان ایمان نہ رہتا اور ہر ایک مومن اور کافر کی نظر میں آنے والے عالم کی حقیقت ایک بدیہی چیز ہو جاتی جیسا کہ چاند اور سورج اور دن رات کا وجود بدیہی ہے تب ایمان ایسی قیمتی اور قابل قدر چیز نہ ہوتی جس پر اجر پانے کی کچھ امید ہو سکتی اگر مقدس لوگ اور بنی اسرائیل کے گذشتہ نبی جن کی تعداد لاکھوں تک پہونچتی ہے سچ مچ واقعہ صلیب کے وقت زندہ ہو گئے تھے اور زندہ ہو کر شہر میں آ گئے تھے اور حقیقت میں مسیح کی سچائی اور خدائی ثابت کرنے کے لئے یہ معجزہ دکھایا گیا تھا جو صدہا نبیوں اور لاکھوں راستبازوں کو ایک دم میں زندہ کر دیا گیا تو اس صورت میں یہودیوں کو یہ ایک عمدہ موقعہ ملا تھا کہ وہ زندہ شدہ نبیوں اور دوسرے راستبازوں اور اپنے فوت شدہ باپ دادوں سے مسیح کی نسبت دریافت کرتے کہ کیا یہ شخص جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے درحقیقت خدا ہے یا کہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے اور قرین قیاس ہے کہ اس موقعہ کو انہوں نے ہاتھ سے نہ دیا ہوگا اور ضرور دریافت کیا ہوگا کہ یہ شخص کیسا ہے کیونکہ یہودی ان باتوں کے بہت حریص تھے کہ اگر مردے دنیا میں دوبارہ آ جائیں تو ان سے دریافت کریں تو پھر جس حالتیں لاکھوں مردے زندہ ہو کر شہر میں آ گئے اور ہر ایک محلہ میں ہزاروں مردے چلے گئے تو ایسے موقعہ کو یہودی کیونکر چھوڑ سکتے تھے ضرور انھوں نے نہ ایک نہ دو سے بلکہ ہزاروں سے پوچھا ہوگا اور جب یہ مردے اپنے اپنے گھروں میں داخل ہوئے ہونگے تو ان لاکھوں انسانوں کے دنیا میں دوبارہ آنے سے گھر گھر میں شور پڑ گیا ہوگا اور ہر ایک گھر میں یہی شغل اور یہی ذکر اور یہی تذکرہ شروع ہو گیا ہوگا کہ مردوں سے پوچھتے ہونگے کہ کیا آپ لوگ اس شخص کو جو یسوع مسیح کہلاتا ہے حقیقت میں خدا جانتے ہیں۔ مگر چونکہ مردوں کی اس گواہی کے بعد جیسا کہ امید تھی یہودی حضرت مسیح پر ایمان نہیں لائے اور نہ کچھ نرم دل ہوئے بلکہ اور بھی سخت دل ہو گئے تو غالباً معلوم ہوتا ہے کہ مردوں نے کوئی اچھی گواہی نہیں دی بلکہ بلا توقف یہ جواب

دیا ہوگا کہ یہ شخص اپنے اس دعوے خدائی میں بالکل جھوٹا ہے اور خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ تبھی تو لاکھوں انسانوں بلکہ پیغمبروں اور رسولوں کے زندہ ہونے کے بعد بھی یہودی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور حضرت مسیح کو مار کر پھر دوسروں کے قتل کیطرف متوجہ ہوئے۔ بھلا یہ بات سمجھ آسکتی ہو کہ لاکھوں راستباز کہ جو حضرت آدم سے لیکر حضرت یحییٰ تک اس زمین پاک کی قبروں میں سوئے ہوئے تھے وہ سب کے سب زندہ ہو جائیں اور پھر وعظ کرنے کے لئے شہر میں آئیں اور ہر ایک کھڑا ہو کر ہزارہا انسانوں کے سامنے یہ گواہی دے کہ درحقیقت یسوع مسیح خدا کا بیٹا بلکہ خود خدا ہے اسی کی پوجا کیا کرو اور پہلے خیالات چھوڑ دو ورنہ تمہارے لئے جہنم ہے جسکو خود ہم دیکھکر آئے ہیں۔ اور پھر باوجود اس اعلیٰ درجہ کی گواہی اور شہادت رویت کے جو لاکھوں راستباز مردوں کے منہ سے نکلی یہودی اپنے انکار سے باز نہ آئیں۔ ہمارا کانشنس تو اس بات کو نہیں مانتا۔ پس اگر فی الحقیقت لاکھوں راستباز فوت شدہ پیغمبر اور رسول وغیرہ زندہ ہو کر گواہی کے لئے شہر میں آئے تھے تو کچھ شک نہیں کہ انہوں نے کچھ اُلٹی ہی گواہی دی ہوگی اور ہرگز حضرت مسیح کی خدائی کو تصدیق نہیں کیا ہوگا۔ تبھی تو یہودی لوگ مردوں کی گواہیوں کو سنکر اپنے کفر پر پکے ہوگئے اور حضرت مسیح تو اُن سے خدائی منوانا چاہتے تھے مگر وہ تو اس گواہی کے بعد نبوت سے بھی منکر ہو بیٹھے۔

غرض ایسے عقیدے نہایت مضر اور بد اثر ڈالنے والے ہیں کہ ایسا یقین کیا جائے کہ یہ لاکھوں مردے یا اس سے پہلے کوئی مردہ حضرت مسیح نے زندہ کیا تھا کیونکہ ان مردوں کے زندہ ہونے کے بعد کوئی نیک نتیجہ پیدا نہیں ہوا۔ یہ انسان کی فطرت میں ہے کہ اگر مثلاً کوئی شخص کسی دور دراز ملک میں جاتا ہے اور چند برس کے بعد اپنے شہر میں واپس آتا ہے تو طبعاً اس کے دل میں یہ جوش ہوتا ہے کہ اس ملک کے عجائب غرائب لوگوں کے پاس بیان کرے اور اس ولایت کے عجیب در عجیب واقعات سے ان لوگوں کو اطلاع دے نہ یہ کہ اتنی مدت کی جدائی کے بعد جب اپنے لوگوں کو ملے تو زبان بند رکھے اور گنگوں کی طرح بیٹھا رہے بلکہ ایسے موقعہ میں دوسرے لوگوں میں بھی فطرتاً یہ جوش پیدا ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے پاس دوڑے آتے ہیں اور اس ملک کے حالات اس سے پوچھتے ہیں اور اگر ایسا اتفاق ہو کہ ان لوگوں کے ملک میں کوئی غریب شکستہ حال وارد ہو جسکی ظاہری حیثیت غریبانہ ہو اور وہ دعویٰ کرتا ہو کہ میں اس ملک کا بادشاہ ہوں جس کے پایہ تخت کا سیر کر کے یہ لوگ آئے ہیں۔ اور میں فلاں فلاں بادشاہ سے بھی اپنے شاہانہ مرتبہ میں

اول درجہ پر ہوں تو لوگ ایسے سیاحوں سے ضرور پوچھا کرتے ہیں کہ بھلا یہ تو بتلائے کہ فلاں شخص جو ان دنوں میں ہمارے ملک میں اُس ملک سے آیا ہوا ہے کیا یہ سچ مچ اس ملک کا بادشاہ ہے اور پھر وہ لوگ جیسا کہ واقعہ ہو بتلا دیا کرتے ہیں تو اس صورت میں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے حضرت مسیح کے ہاتھ سے مردوں کا زندہ ہونا فقط اس حالت میں قابل پذیرائی ہوتا جبکہ وہ گواہی جو ان سے پوچھی گئی ہوگی جس کا پوچھنا ایک طبعی امر ہے کوئی مفید نتیجہ بخشتی۔ لیکن اس جگہ ایسا نہیں ہے پس ناچار اسبات کے فرض کرنیسے کہ مردہ زندہ ہوئے تھے اس بات کو بھی ساتھ ہی فرض کرنا پڑتا ہے کہ اُن مردوں نے حضرت مسیح کے حق میں کوئی مفید گواہی نہیں دی ہوگی جس سے اُن کی سچائی تسلیم کیجاتی۔ بلکہ ایسی گواہی دی ہوگی جس سے اور بھی فتنہ بڑھگیا ہوگا۔ کاش اگر انسانوں کی جگہ دوسرے چارپائیوں کا زندہ کرنا بیان کیا جاتا تو اس میں بہت کچھ پردہ پوشی متصور تھی مثلاً یہ کہا جاتا کہ حضرت مسیح نے کئی ہزار بیل زندہ کئے تھے تو یہ بات بہت معقول ہوتی اور کسی کے اعتراض کیوقت جب کہ مذکورہ بالا اعتراض کیا جاتا یعنی یہ کہا جاتا کہ ان مردوں کی گواہی کا نتیجہ کیا ہوا تو ہم فی الفور کہہ سکتے کہ وہ تو بیل تھے۔ ان کی زبان کہاں تھی جو بھلی یا بری گواہی دیتے بھلا وہ تو لاکھوں مردہ تھے جو حضرت مسیح نے زندہ کئے آج مثلاً چند ہندوں کو بلا کر پوچھو کہ اگر تمہارے فوت شدہ باپ دادے دس بیس زندہ ہو کر دنیا میں واپس آجائیں اور گواہی دیں کہ فلاں مذہب سچا ہے تو کیا پھر بھی تم کو اس مذہب کی سچائی میں شک باقی رہ جائے گا۔ تو ہرگز نفی کا جواب نہیں دیں گے۔ پس یقیناً سمجھو کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں کہ اس قدر انکشاف کے بعد پھر بھی اپنے کفر اور انکار پر اڑا رہے افسوس ہے کہ ایسی کہانیوں کی بندش میں ہمارے ملک کے سکھ خالصہ عیسائیوں سے اچھے رہے اور انہوں نے ایسی کہانیوں کے بنانے میں خوب ہوشیاری کی۔ کیونکہ وہ بیان کرتے ہیں کہ اُن کے گرو باوا نانک نے ایک دفعہ ایک ہاتھی مردہ زندہ کیا تھا۔ اب یہ اس قسم کا معجزہ ہے کہ نتائج مذکورہ کا اعتراض اُس پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ سکھ کہہ سکتے ہیں کہ کیا ہاتھی کی کوئی بولنے والی زبان ہے کہ تا باوا نانک کی تصدیق یا تکذیب کرتا غرض عوام تو اپنی چھوٹی سی عقل کی وجہ سے ایسے معجزات پر بہت خوش ہوتے ہیں مگر عقلمند غیر قوموں کے اعتراضوں کا نشانہ بن کر کوفتہ خاطر ہوتے ہیں اور جس مجلس میں ایسی بیہودہ کہانیاں کی جائیں وہ بہت شرمندہ ہوتے ہیں

اب چونکہ ہم کو حضرت مسیح علیہ السلام سے ایسا ہی محبت اور اخلاص کا تعلق ہے جیساکہ عیسائیوں کو تعلق ہے بلکہ ہم کو بہت بڑھ کر تعلق ہے کیونکہ وہ نہیں جانتے کو وہ کس کی تعریف کرتے ہین مگر ہم جانتے ہین کہ ہم کس کی تعریف کرتے ہین کیونکہ ہم نے اُن کو دیکھا ہے لہٰذا ہم اس عقیدہ کی اصل حقیقت کو کھولتے ہین کہ جو انجیلوں میں لکھا ہے کہ صلیب کے واقعہ کے وقت تمام راستباز فوت شدہ زندہ ہوکر شہر میں آگئے تھے۔

پس واضح ہو کہ یہ ایک کشفی امر تھا جو صلیب کے واقعہ کے بعد بعض پاک دل لوگوں نے خواب کیطرح دیکھا تھا کہ گویا مقدس مردے زندہ ہوکر شہر مین آگئے ہین اور لوگوں سے ملاقاتین کرتے ہین اور جیساکہ خوابوں کی تعبیر خدا کی پاک کتابوں مین کیگئی ہے مثلاً جیساکہ حضرت یوسف کی خواب کی تعبیر کی گئی ہے ایسا ہی اس خواب کی بھی ایک تعبیر تھی۔ اور وہ یہ تعبیر تھی کہ مسیح صلیب پر نہین مرا اور خدا نے اس کو صلیب کی موت سے نجات دے دی۔ اور اگر ہم سے یہ سوال کیا جائے کہ یہ تعبیر نہین کہان سے معلوم ہوئی تو اسکا یہ جواب ہے کہ فن تعبیر کے اماموں نے ایسا ہی لکھا ہے اور تمام معبرین نے اپنے تجربہ سے اس پر گواہی دی ہے چنانچہ ہم قدیم زمانہ کے ایک امام فن تعبیر یعنی صاحب کتاب تعطیر الانام کی تعبیر کو اس کی اصل عبارت کے ساتھ ذیل مین لکھتے ہین اور وہ یہ ہے۔ من رائے ان الموتیٰ وثبوا من قبورھم ورجعوا الی دورھم فانہ یُطلق من فی السجن۔ دیکھو کتاب تعطیر الانام فی تعبیر المنام مصنفہ قطب الزمان شیخ عبدالغنی النابلسی صفحہ ۲۸۹۔ ترجمہ۔ اگر کوئی یہ خواب دیکھے یا کشفی طور پر مشاہدہ کرے کہ مردے قبروں سے نکل آئے اور اپنے گھروں کیطرف رجوع کیا تو اس کی یہ تعبیر ہے کہ ایک قیدی قید سے رہائی پائے گا اور ظالموں کے ہاتھ سے اس کو مخلصی حاصل ہوگی۔ طرز بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا قیدی ہوگا کہ ایک شان اور عظمت رکھتا ہوگا۔ اب دیکھو یہ تعبیر کیسی معقولی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام پر صادق آتی ہے اور فی الفور سمجھ آجاتا ہے کہ اسی اشارہ کے ظاہر کرنے کے لئے فوت شدہ راستباز زندہ ہوکر شہر مین داخل ہوتے نظر آئے تا کہ اہل فراست معلوم کرین کہ حضرت مسیح صلیبی موت سے بچائے گئے

اور منجملہ ان انجیلی شہادتوں کی جو ہمکو ملی ہین انجیل متی کی وہ عبارت ہے جو ذیل مین لکھی جاتی ہے "مین تمسے سچ کہتا ہون کہ ان میں سے جو یہان کھڑے ہین بعضے ہین کہ جبتک ابن آدم کو اپنی بادشاہت میں آتے دیکھ نہ لیں موت کا مزہ نہ

چکھیں گے" دیکھو انجیل متی باب ۱۶ آیت ۲۸ - ایسا ہی انجیل یوحنا کی یہ عبارت ہے یسوع نے اُسے کہا کہ اگر میں چاہوں کہ جب تک میں آؤں وہ (یعنی یوحنا حواری) یہیں ٹھہرے یعنی یروشلم میں - دیکھو یوحنا باب ۲۱ آیت ۲۲ - یعنے اگر میں چاہوں تو یوحنا نہ مرے جب تک میں دوبارہ آؤں - ان آیات سے بکمال صفائی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے وعدہ کیا تھا کہ بعض لوگ اسوقت زندہ رہیں گے جب تک کہ وہ پھر واپس ہو اور اُن زندہ رہنے والوں میں سے یوحنا کو بھی قرار دیا تھا - سو ضرور تھا کہ یہ وعدہ پورا ہوتا - چنانچہ عیسائیوں نے بھی اسبات کو مان لیا ہے کہ یسوع کا اس زمانہ میں جبکہ بعض اہل زمانہ زندہ ہوں پیشگوئی کے پورا کرنے کیلئے آنا نہایت ضروری تھا تا وعدہ کے موافق پیشگوئی ظہور میں آوے - اسی بنا پر پادری صاحبوں کو اس بات کا اقرار ہے کہ یسوع اپنے وعدہ کے موافق یروشلم کی بربادی کے وقت آیا تھا اور یوحنا نے اسکو دیکھا تھا کیونکہ وہ اسوقت تک زندہ تھا مگر یاد رہے کہ عیسائی اس بات کو نہیں مانتے کہ مسیح اسوقت حقیقی طور پر اپنے قرارداد نشانوں کے موافق آسمان سے نازل ہوا تھا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ایک کشفی رنگ میں یوحنا کو نظر آگیا تا اپنی اس پیشگوئی کو پورا کرے جو متی باب ۱۶ آیت ۲۸ میں ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اس قسم کے آنے سے پیشگوئی پوری نہیں ہو سکتی یہ تو نہایت ضعیف تاویل ہے - گویا نکتہ چینیوں سے نہایت تکلف کیساتھ بچنا ٹھہرانا ہے - اور یہ معنے اسقدر غلط اور بدیہی البطلان ہیں کہ رد کرنیکی بھی حاجت نہیں کیونکہ اگر مسیح نے خواب یا کشف کے ذریعہ سے کسی پر ظاہر ہونا تھا تو پھر ایسی پیشگوئی گویا ایک ہنسی کی بات ہے ✤ اسطرح تو ایک مدت اس سے پہلے حضرت مسیح پولوس پر ظاہر ہو چکے تھے - معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی جو متی باب ۱۶ آیت ۲۸ میں ہے اس نے پادری صاحبوں کو نہایت گھبراہٹ میں ڈال رکھا ہے اور وہ اپنے عقیدہ کے موافق کوئی معقول معنے اسکے نہیں کر سکتے - کیونکہ یہ کہنا انکے لئے مشکل ہے کہ مسیح یروشلم کی بربادی کے وقت اپنے جلال کیساتھ آسمان سے نازل ہوا تھا اور جسطرح آسمان پر ہر ایک چمکنے والی بجلی سبکو نظر آجاتی ہے سب نے اُسکو دیکھا تھا اور انجیل کے اس فقرہ کو بھی نظر انداز کرنا اُن کے لئے آسان نہ تھا کہ اُن میں سے جو یہاں کھڑے ہیں بعضے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اپنی بادشاہت

✤ میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ اس زمانہ کے مولوی عیسائیوں سے بھی زیادہ متی باب ۲۶ آیت ۲۴ کے پُر تکلف معنی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جبکہ مسیح نے اپنے آنیکے لئے یہ شرط لگادی تھی کہ بعض شخص اس زمانہ کے زندہ ہونگے اور ایک حواری بھی زندہ ہوگا جب مسیح آئے گا تو اس صورت میں ضروری ہے کہ وہ حواری اب تک زندہ ہو کیونکہ مسیح ابتک نہیں آیا اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ حواری کسی پہاڑ میں پوشیدہ طور پر مسیح کے انتظار میں چھپ کر بیٹھا ہوا ہے - منہ

میں آتے دیکھ نہ لیں موت کا مزہ نہ چکھیں گے لہذا نہایت تکلف سے اس پیشگوئی کو کشفی رنگ میں مانا گیا مگر یہ نادرست ہے کشفی طور پر تو ہمیشہ خدا کے برگزیدہ بندے خاص لوگوں کو نظر آجایا کرتے ہیں۔ اور کشفی طور میں خواب کی بھی شرط نہیں بلکہ بیداری میں ہی نظر آجاتے ہیں چنانچہ میں خود اس میں صاحب تجربہ ہوں میں نے کئی دفعہ کشفی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ اور اور بعض نبیوں سے بھی میں نے عین بیداری میں ملاقات کی ہے اور میں نے اپنے سید و مولے اپنے امام نبی محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کئی دفعہ عین بیداری میں دیکھا ہے اور باتیں کی ہیں اور ایسی صاف بیداری سے دیکھا ہے جس کے ساتھ خواب یا غفلت کا نام و نشان نہ تھا اور میں نے بعض اور وفات یافتہ لوگوں سے بھی اُن کی قبر پر یا اور موقعہ پر عین بیداری میں ملاقات کی ہے اور ان سے باتیں بھی کی ہیں میں خوب جانتا ہوں کہ اس طرح پر عین بیداری میں گذشتہ لوگوں کی ملاقات ہو جاتی ہے اور نہ صرف ملاقات بلکہ گفتگو ہوتی ہے اور مصافحہ بھی ہوتا ہے اور اس بیداری اور روز مرہ کی بیداری میں لوازم حواس میں کچھ بھی فرق نہیں ہوتا۔ دیکھا جاتا ہے کہ ہم اسی عالم میں ہیں اور یہی کان ہیں اور یہی آنکھیں ہیں اور یہی زبان ہے مگر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم اور ہے اور دنیا اس قسم کی بیداری کو نہیں جانتی کیونکہ دنیا غفلت کی زندگی میں پڑی ہے یہ بیداری آسمان سے ملتی ہے یہ ان کو دی جاتی ہے جن کو نئے حواس ملتے ہیں یہ ایک صحیح بات ہے اور واقعات حقہ میں سے ہے پس اگر مسیح اسی طرح یروشلم کی بربادی کے وقت یوحنا کو نظر آیا تھا تو گو وہ بیداری میں نظر آیا ہو اور گو اس سے باتیں بھی کی ہوں اور مصافحہ کیا ہو تاہم وہ واقعہ اس پیشگوئی سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہ وہ امور ہیں جو ہمیشہ دنیا میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور اب بھی اگر ہم توجہ کریں تو خدا کے فضل سے مسیح کو یا اور کسی مقدس نبی کو عین بیداری میں دیکھ سکتے ہیں لیکن ایسی ملاقات سے متی باب ۱۶ آیت ۲۸ کی پیشگوئی ہرگز پوری نہیں ہو سکتی سو اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ مسیح جانتا تھا کہ میں صلیب سے بچ کر دوسرے ملک میں چلا جاؤں گا اور خدا نہ مجھے ہلاک کرے گا اور نہ دنیا سے اُٹھائے گا جب تک کہ میں یہودیوں کی بربادی اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں اور جب وہ بادشاہت جو برگزیدوں کے لئے آسمان میں مقرر ہوتی ہے اپنے نتائج نہ دکھادے ہیں ہرگز وفات نہیں پاؤں گا اس لئے مسیح نے

یہ پیشگوئی کی تا اپنے شاگردوں کو اطمینان دے کہ عنقریب تم میرا یہ نشان دیکھوگے کہ جنہوں نے مجھپر تلوار اٹھائی وہ میری زندگی اور مشاہدہ مین تلواروں سے ہی قتل کئے جائینگے سو اگر ثبوت کچھہ چیز ہے تو اس سے بڑھکر عیسائیوں کے لئے اور کوئی ثبوت نہین کہ مسیح اپنے منہ سے پیشگوئی کرتا ہے کہ ابھی تم مین سے بعض زندہ ہوں گے کہ میں پھر آؤن گا۔

یاد رہے کہ انجیلوں میں دو قسم کی پیشگویاں ہین جو حضرت مسیح کے آنے کے متعلق ہین۔ (۱) ایک وہ جو آخری زمانہ مین آنے کا وعدہ ہے وہ وعدہ روحانی طور پر ہے اور وہ آنا اسی قسم کا آنا ہے جیساکہ ایلیا نبی مسیح کے وقت دوبارہ آیا تھا سو وہ ہمارے اس زمانہ میں ایلیا کی طرح آچکا اور وہ یہی راقم ہے جو خادم نوع انسان ہے جو مسیح موعود ہوکر مسیح علیہ السلام کے نام پر آیا ہے۔ اور مسیح نے میری نسبت انجیل مین خبر دی ہے۔ سو مبارک وہ جو مسیح کی تعظیم کے لئے میرے باب میں دیانت اور انصاف سے غور کرے۔ اور ٹھوکر نہ کھاوے۔ (۲) دوسری قسم کی پیشگویاں جو مسیح کے دوبارہ آنے کے متعلق انجیلون میں پائی جاتی ہین وہ درحقیقت مسیح کی اس زندگی کے ثبوت کے لئے بیان کی گئی ہین جو صلیب کے بعد خدا تعالےٰ کے فضل سے قایم اور بحال رہی اور صلیبی موت سے خدا نے اپنے برگزیدہ کو بچالیا جیساکہ یہ پیشگوئی جو ابھی بیان کی گئی۔ عیسائیوں کی یہ غلطی ہے کہ ان دونوں مقاموں کو ایک دوسرے کے ساتھہ ملا دیتے ہین۔ اور اسی وجہ سے بڑی گھبراہٹ اور طرح طرح کے مشکلات اُن کو پیش آتے ہین۔ غرض مسیح کے صلیب سے بچ جانے کے لئے یہ آیت جو متی ۱۶ باب میں پائی جاتی ہے بڑا ثبوت ہے۔

نوٹ اور ریویو

اعلیٰ طبقہ کے عیسائی محققین اور پادری - ایک لیکچر کے متعلق جو ڈاکٹر راؤس نے کلکتہ میں عیسائی کانفرنس کے موقعہ پر "بائیبل کی اعلیٰ درجہ کی تحقیقات" کے مضمون پر دیا + ایک پادریوں کا میگزین ہاروسٹ فیلڈ یوں لکھتا ہے -

"ہم یقین رکھتے ہیں کہ سچائی اور ہندوستان میں کلیسیا کی بہبودی کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ بائیبل کے کلام الہی ہونے کے متعلق جو اعتقاد کلیسیا کے عالم فاضل محقق رکھتے ہیں اسپر زیادہ توجہ کیجاوے - ہم خود اخبار انڈین وٹنس کی دانشمندانہ رائے سے بکلی اتفاق رکھتے ہیں جو لکھتا ہے کہ بہت مدت سے ہم اس امر کو محسوس کر رہے ہیں کہ یہ بڑی بیوقوفی ہوگی اور ہندوستانی کلیسیا اور خصوصاً ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کے حق میں جو بکثرت آگے بڑھ رہے ہیں پرلے درجہ کی بے انصافی ہوگی کہ ان سے اس انقلاب عظیم کا علم عمداً چھپایا جاوے جو مغرب میں بائیبل کیمتعلق شروع ہوگیا ہے یہ یقینی بات ہے کہ اگر سازش کیطور پر اس معاملہ میں خاموشی اختیار کیگئی تو پھر آخرکار خود بخود طبعتیں ایسی طور پر اس انقلاب کو قبول کرنیکے لئے تیار ہو جاوینگی کہ جسکا نتیجہ عیسائیت کیلئے بہت مضر ہوگا - کلیسیا ہندوستانی عہدداروں کا بڑا حصہ بائیبل کیمتعلق ان نئے اعتقادات سے بالکل بیخبر ہے جو یورپ اور امریکہ میں کثرت سے مشنری لوگ رکھتے ہیں - جیسا کہ کانفرنس کے موقعہ پر ایک لیکچرار نے بیان کیا کہ بہت سارے نوجوان کلیسیا کیلئے اسوقت طیار کئے جارہے ہیں جنکو بائیبل کیمتعلق یہ تعلیم دیجاتی ہے کہ اس کے الفاظ الہامی ہیں اور یہ غلطیوں سے بالکل پاک ہے اس قسم کی تعلیم دینا بڑی بیوقوفی کے ساتھ دشمن کیمقابل میں بازی ہار دینا ہے اور صداقت کے برخلاف یہ ایک بڑی بغاوت ہے کہ بائیبل کو غلطیوں سے پاک اور اس کے الفاظ کو خدا کا کلام کہا جائے -"

اس طرح پر بائیبل موجودہ تحقیقات کے زبردست رو کے سامنے ایک تنکے کیطرح بہ گئی ہے اور اسی قابل یہ بھی - موجودہ اعتقاد عیسائی مذہب کا اس کے متعلق یہ ہے کہ نہ تو یہ خدا کا کلام ہے اور نہ ہی غلطیوں سے پاک ہے اور ہمیں اس سے بھی خوشی ہے کہ پادری صاحبان نے بھی اس اعتقاد کی

سچائی کو تسلیم کرلیا ہے مگر یہ ابھی تک ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی کتاب کو پھر مدار نجات کیوں
ٹھہرا رکھا ہے جو خود غلطیوں سے پاک نہیں وہ دوسرے کو کیونکر پاک کر سکتا ہے۔ اور خود تجربہ اسپر
شاہد ہے کہ بائبل انسانوں کو غلطیوں اور گناہوں سے پاک کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے علاوہ
ازیں اگر بائبل کے بعض حصوں میں غلطیاں ہیں اور بعض میں سچائیاں۔ تو عیسائیوں کے ہاتھ میں کونسی
کسوٹی ہے جس سے وہ غلطیوں کو سچائیوں سے الگ کر سکتے ہیں۔ اگر عقل کو ایسی کسوٹی مانا جائے تو پھر
عیسائیوں کو صاف طور پر تسلیم کرنا چاہیئے کہ انکے مذہب کی بنا وحی الہی پر نہیں ہے بلکہ عقل پر ہے۔ لیکن
اگر ایسی کسوٹی وحی الہی کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتی تو یقیناً کسی سچی پاکیزہ اور قابل اعتبار وحی الہی
کی جو تمام غلطیوں سے پاک ہو ضرورت ہے تاکہ وہ بائبل کی غلطیوں کو الگ کرکے پھینکدے اور سچائیوں کو
لیلے ایسی وحی الہی صرف ایک ہی کتاب میں پائی جاتی ہے کیونکہ قرآن شریف ہی صرف ایک ایسی کتاب
ہے جسنے یہ دعوے کیا ہے کہ وہ خدا کا سچا اور خالص کلام ہے جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہے اور ہر ایک
کھوٹ سے اور باطل سے پاک ہے قرآن کریم ہی ہے جسنے پہلے دنیا پر یہ امر واضح کیا کہ بائبل ایک محرف
مبدل کتاب ہے اور اس طرح پر اپنی ضرورت کو ثابت کیا جو خالص اور سچا کلام الہی ہے۔ یہ امر بڑا خوشی دینیوالا
ہے کہ بائبل کے متعلق جو دعوے قرآن کریم نے کیا تھا اسی کو آخر عیسائیوں نے حتے کہ پادریوں نے بھی
تسلیم کرلیا۔ ہاں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ایسی کتاب کو جو بموجب اعتقاد عیسائی صاحبان
غلطیوں سے پاک نہیں دنیا میں پھیلانے کے لئے اس قدر جوش کیوں دکھایا جاتا ہے۔ کیا یہ
ٹھیک ہے کہ غلطیوں کو دنیا میں پھیلا کر وہ دنیا کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں محققین مذہب عیسائی
کی رائے کو اور بائبل کی غلطیوں کو تسلیم کرکے عیسائی مذہب ایک دم کے لئے بھی قائم نہیں رہ سکتا۔
سب سے بڑی معتبر کتاب میں جس میں بائبل کے متعلق موجودہ خیالات اور اعتقادات کو ظاہر
کیا گیا ہے یعنی انسکلوپیڈیا ببلیکا یا مخزن العلوم بائبل جو ولایت میں عیسائیوں کے اہتمام میں
چھپ رہی ہے۔ کالم ۱۸۸۱ جلد ۲ میں یہ لکھا ہے کہ تمام انجیلوں میں صرف پانچ فقرے یسوع
کے متعلق ایسے ہیں جو بالکل قابل اعتبار مانے جاسکتے ہیں اور وہ پانچ فقرے حسب ذیل ہیں
اول مرقس ۱۰/۱۷ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں سوائے خدا کے۔ دوئم
متی ۱۲/۳۱ کا بیان کہ ابن آدم کے متعلق گناہ بخشا جاسکتا ہے۔ **سوئم** مرقس ۳/۲۱ کا

بیان کہ یسوع کے رشتہ دار اسے پاگل سمجھتے تھے چہارم مرقس ۱۳/۳۲ اس دن اور اس گھڑی کو کوئی نہیں جانتا (یعنی قیامت کو) نہ آسمان کے فرشتے اور نہ بیٹا ہی۔ بلکہ صرف باپ پنجم مرقس ۱۵/۳۴ اور متی ۲۷/۴۶ میرے خدا میرے خدا تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اس کے بعد پروفیسر شمیڈل جو کہ زیورچ کی یونیورسٹی میں تفسیر انجیل کا پروفیسر ہے لکھتا ہے کیونکہ اس سارے مضمون کا لکھنے والا ایسی کلیسیا کا عظیم الشان عہدہ دار ہے کہ یہ فقرے " جنکو یسوع کی علمی زندگی کے بنیادی پتھر کہا جا سکتا ہے قطعی طور پر اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ یسوع کی ذات میں ہمارا معاملہ ایک خالص انسان کے ساتھ ہے اور یہ کہ اگر کوئی الوہیت اس میں ہے تو وہ اسی رنگ میں ہے جسمیں کہ وہ انسانوں میں پائی جاتی ہے"۔ یعنی یسوع میں کوئی نرالی الوہیت نہیں بلکہ اسی قسم کی ہے۔ جیسے دوسرے برگزیدوں مین پائی جاتی ہے ہم امید رکھتے ہین کہ پادری صاحبان ان عظیم الشان سچائیوں کا صاف صاف اقرار کر کے مشتہر کر دین گے اور یسوع کی خدائی کے جھوٹے عقیدے پر لعنت ڈالینگے۔

روح اللہ۔ عیسائی اخبار ایپی فینی کا ایک نامہ نگار جو اپنے آپ کو ہندو ظاہر کرتا ہے ۱۸۔ اپریل ۱۹۰۳ء کے اخبار مین لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے قرآن میں چار پیغمبروں " یعنی ابراہیم۔ موسیٰ۔ عیسیٰ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم " کے ناموں کے بعد خاص خطابات خلیل اللہ۔ کلیم اللہ۔ روح اللہ۔ اور حبیب اللہ استعمال کئے گئے ہین " اور ایڈیٹر اخبار مذکور بھی اس تحریر کو بغیر کسی نوٹ کے چھاپنے سے اسی کی تائید کرتا ہے۔ قرآن کریم سے ایسی جہالت اور نا واقفیت خصوصاً جبکہ ان تحریر دنکو مخالفت کے رنگ میں ہزارہا انسانوں مین شایع کیا جاتا ہے نہایت ہی قابل افسوس ہے امر واقعہ یہ ہے کہ ان کلمات میں سے کوئی کلمہ بھی نہ ان نبیوں کے نام کے بعد اور نہ ہی کسی اور نبی کے نام کے بعد استعمال کیا گیا ہے اسمیں شک نہین کہ حضرت عیسیٰ کی پیدایش کا ذکر کرتے ہوئے قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے روح منہ فرمایا ہے مگر یہ بالکل الگ بات ہے ان الفاظ کا منشا تو صرف اس اعتراض کو دور کرنا ہی جو یسوع کی پیدایش کو ناپاک اور ناجائز قرار دیتا ہے۔ یسوع کی پیدایش کے متعلق یہودیوں کا یہ نہایت ہی ناپاک اعتراض چلا آتا تھا۔ کہ اسکی ولادت ناجائز ہے اور اسلئے قرآن شریف کے لئے ضروری تھا کہ قبل اسکو پیغمبر منوانے کے اس ناپاک اعتراض کا دفعیہ کرتا۔ ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ جو روح ناجائز تعلق کے نتیجہ میں جو خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون نکاح کے خلاف ہو دنیا میں آوے اسکو استعارہ کے رنگ مین شیطانی روح کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہودی حضرت مسیح کی نسبت بعینہ یہ الفاظ استعمال کرتے تھے۔ اور اس ناپاک حملے کو دور کرنے کے لئے قرآن شریف نے یہ فرمایا کہ اسکی روح شیطانی نہین بلکہ خدا کی طرف سے ہے

یعنی پاک روح ہے۔ ناپاک روح کو دوسرے موقعہ پر قرآن شریف نے شیطانی روح ٹھیرایا ہے اس سے ظاہر ہے کہ کیوں اسی قسم کے الفاظ دوسرے انبیا کی نسبت استعمال نہیں کئے گئے۔ کسی نبی کی پیدایش کے متعلق ناجائز ولادت کی ناپاک تہمت نہیں لگائی گئی سوائے حضرت مسیح کے اور اس لئے صرف مسیح کی صورت میں ہی قرآن شریف کو یہ کہنے کی ضرورت پیش آئی کہ اس کی ولادت پاک ہے اور اس کی روح خدا کی طرف سے ہے نہ شیطانی۔ دوسرے انبیاء کی روح کو کبھی کسی نے شیطانی نہیں کہا اس لئے قرآن شریف کو ضرورت نہ تھی کہ انکی نسبت کسی ایسے اعتراض کا ذب کرنے کے لئے وہ الفاظ استعمال کرتا۔ جو حضرت مسیح کے لئے کئے۔ غرض کہ حضرت عیسیٰ کی نسبت لفظ روح منہ کے استعمال سے قرآن کریم کی غرض صرف دفع اعتراض ولادت ناجائز ہے اور کچھ نہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ ضرورت کے مطابق نازل ہوئے ہیں اور یہ لفظ جو حضرت مسیح کی نسبت بیان فرمائے تو ضرورت یہی پیش آئی تھی کہ ان کی ولادت کو ناپاک کہا گیا تھا۔ اس اعتراض کو رفع کر کے قرآن شریف نے حضرت مسیح کی ولادت کو ایسا ہی پاک قرار دیا ہے جیسے کہ دوسرے انبیا کی ولادت اس کے نزدیک پاک ہے اسی کی تائید میں ہم یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت مریم کو قرآن شریف کا صدیقہ کہنا بھی اسی بات کیطرف اشارہ ہے۔ ایسا لفظ حضرت مریم کی نسبت استعمال کرنے سے یہ غرض نہیں کہ مریم کے سوائے کوئی عورت صدیقہ نہیں ہوئی بلکہ غرض صرف یہی ہے کہ چونکہ حضرت مریم پر زنا کی تہمت لگائی گئی تھی اس لئے اُن کی تطہیر قرآن شریف نے اس بیان سے کی ہے اور اس تہمت کو جھوٹا ٹھیرا کر حضرت مریم کو صدیقہ کے لقب سے یاد فرمایا۔ حضرت مریم کی پاکدامنی پر الزام لگایا گیا جیسا کہ اس کے بیٹے کی ولادت پر لگایا گیا تھا اس لئے قرآن شریف نے اسکا ذب کر دیا ایسا ہی اس حدیث کا منشا ہے جسمیں لکھا ہے کہ مریم اور اسکا بیٹا مس شیطان سے پاک ہیں کیونکہ یہودی ماں اور بیٹے دونوں کیطرف شیطانی کام اور شیطانی صفات بہ سبب عداوت کے منسوب کرتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ نبی علیہ السلام دونو برگزیدوں کو مس شیطان سے یعنی شیطانی تعلقات سے پاک بیان فرماتے اس حدیث کا منشا بھی صرف دفع اعتراض ہی ہے ورنہ گناہ کرنے یا نہ کرنے سے اسکو کوئی تعلق نہیں ہے۔

گذشتہ دس سال میں مسلمانونکی ہند میں ترقی ۱۹۱۱ء کی مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ مسلمانونکے پاس مذہب کے پھیلانے کے ذرایع بہت ہی کم ہیں پھر بھی جو ترقی ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد میں ہوئی ہے وہ ان سب ترقیوں کے مجموعہ سے بہت بڑھکر ہے جو دیگر تمام مذاہب میں ہوئی ہیں مفصلہ ذیل اعداد اُسکی تفسیر کرتے ہیں۔ ۱۸۹۱ء سے لیکر ۱۹۰۱ء تک ہندوؤں کی تعداد میں پانچ لاکھ پچاسی ہزار کی کمی ہوئی ہے عیسائیوں

کی تعداد میں چھ لاکھ انتالیس ہزار کی زیادتی ہوئی۔ بدھ مذہب والوں کی تعداد میں تئیس لاکھ بینتالیس ہزار کی زیادتی ہوئی ہے۔ اور سکھوں کی تعداد میں ایک لاکھ نناسی ہزار چار سو کی ترقی ہوئی ہے اس طرح پر ان تمام مذاہب میں جو زیادتیاں ہوئی ہیں ان کو اگر جمع کیا جاوے تو دس سال میں تمام مذاہب کی ترقی ملک ہندوستان میں بحیثیت مجموعی پچیس لاکھ چھیاسی ہزار چار سو ہوتی ہے جس میں سے مسلمان صرف الگ ہیں اسی عرصہ میں مسلمانوں کی ترقی پچاس لاکھ سے بھی زیادہ ہوئی ہے جو دیگر تمام مذاہب کے مجموعہ ترقی سے دوگنی ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ ہندوستان کی کل آبادی جو انتیس کروڑ چالیس لاکھ کے قریب ہے اس میں مسلمان صرف چھ کروڑ ساڑھے باراں لاکھ ہیں یعنی کل مردم شماری میں صرف اکیس فیصدی کے قریب۔ یہ حیرت انگیز ترقی مذہب اسلام کی ملک ہند میں بمقابلہ طرح طرح کی رکاوٹوں اور کم سامانیوں کے صرف اسکے اصول کی سادگی اور کشش کے باعث ہے تاہم یہ افسوس کا مقام ہے کہ چھ لاکھ انتالیس ہزار کی ترقی کا جو مذہب عیسائی میں ہوئی ہے کثیر حصہ دوسرے مذاہب سے لیا گیا ہے اور ان میں بہت سے ایسے ہیں جو اسلام کو چھوڑ کر نصرانیت کیطرف گئے ہیں۔ یہ نتیجہ سچے اصول میں ان اصولوں کے ملا لینے کا ہے جو عیسائیت کے جھوٹے اعتقاد سے جاہل انسانوں کو فریب کر دیتے ہیں کیا یہ سچ نہیں کہ جس زمانہ میں خالص اور سچے اصول مذہب اسلام کے تھے تو کوئی کوئی عیسائی اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتے تھے حالانکہ برعکس اسکے اب یہ حالت ہے کہ مسلمان اپنے سچے مذہب کو چھوڑ کر عیسائیت کے بطلان کیطرف جا رہے ہیں

حضرت مسیح کی قبر

جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ازراہِ مہربانی میری اس چٹھی کو اپنے رسالے میں جگہ دیکر ممنون فرمادیں۔

کلکتہ کے عیسائی اخبار ایپی فینی مورخہ ۱۱۔ اپریل ۱۹۰۳ء میں ایک گمنام چٹھی چھپی ہے جس میں یہ کوشش کیگئی ہے کہ جو امور حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے سرینگر کی قبر کی نسبت شائع کئے ہیں ان کی تردید کیجائے اس چٹھی کا لکھنے والا اکثر امور کو جو میرزا صاحب نے شائع کئے ہیں قبول کرتا ہے اور جہاں وہ حضرت میرزا صاحب سے اختلاف کرتا ہے۔ وہاں

وہ اپنے اختلاف کے لئے کوئی دلیل پیش نہیں کرتا۔ وہ مانتا ہے کہ یہ قبر نبی یوز آسف کی قبر کے نام سے مشہور ہے۔ اس بات کو مانکر پھر بھی وہ یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ یوز آسف کوئی اسلامی ولی تھا۔ جسکو مرے دوسو برس سے زیادہ نہیں ہوئے۔ اسکا یہ نتیجہ صرف طرز عمارت پر مبنی ہے۔ وہ لکھتا ہے "اُس قبر کے مسالح اور طرز تعمیر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ عمارت دوسو برس کی ہوگی۔ بلکہ اغلب تو یہ ہے کہ اس سے بھی بہت پیچھے کی ہے"۔ اگر ہم مان بھی لیں۔ کہ یہ عمارت دوسو برس سے زیادہ کی نہیں ہے۔ تو کیا اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ یوز آسف کو گذرے صرف دوسو برس ہوئے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتا۔ کہ قدیمی عمارتوں کی اکثر مرمت کیجاتی ہے اور جب ایک پورا نا مکان زمانی کے ہاتھوں سے تباہ ہو جاتا ہے تو اس کی بجائے نئی عمارتیں بنانی پڑتی ہیں۔ صرف یہی امر کہ کشمیر کے مسلمانوں میں یہ شخص نبی کے نام سے مشہور ہے۔ اس خیال کی تردید کیلئے کافی ہے کہ وہ ایک اسلام کا ولی تھا۔ کوئی سمجھدار آدمی یہ خیال نہیں کرے گا۔ کہ جو شخص مسلمانوں میں نبی کے نام سے مشہور ہے۔ وہ ایک مسلمانوں کا ولی تھا۔ اگر ایک مسلمان ولی معجزات بھی دکھائے مسلمان اُس کو کبھی نبی کا خطاب نہیں دینگے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ اس لئے یوز آسف کا کشمیر کے مسلمانوں میں نبی کے نام سے مشہور ہونا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کے زمانے سے پہلے کا ہے اور جو شخص اس کو ایک مسلمان ولی سمجھتا ہے۔ وہ عام مسلمانوں کے مشہور اعتقادات سے اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے۔ اس نامہ نگار کی تردید کیلئے خود اس کی چٹھی کی شہادت کافی ہے۔

اوّل۔ وہ بیان کرتا ہے۔ کہ اس مقام کے لوگ یوز آسف کو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے سمجھتے ہیں۔ یہ شہادت ظاہر کرتی ہے کہ یوز آسف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء جن میں یوز آسف کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ یہ سب ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرے ہیں۔ اور کوئی بھی بعد کا نہیں ہے۔

دوم۔ جیساکہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ یوز آسف کا نبی کے نام مشہور ہونا ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرا ہے۔ "ہم کسی ایسے کشمیری نبی کو نہیں جانتے۔ جو دوسو سال کے اندر گذرا ہو۔"

سوم۔ یہ نامہ نگار ہمیں خبر دیتا ہے کہ یہ قبر یوز آسف کے مقبرے کے نام سے مشہور ہے یہ شہادت بھی ظاہر کرتی ہے کہ یہ ایک قدیم زمانے کا نبی ہے۔ یہی یوز آسف ہے جو یورپ میں سینٹ جوآزف یا سینٹ جوزافٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے متعلق ایک قصہ بھی بنا ہوا ہے۔ سینٹ جوآزف کا قصہ یورپ کو پہلے پہل سینٹ جوہن دمشقی کی ایک یونانی کتاب کے ذریعہ سے پہنچا۔ جو آٹھویں صدی میں لکھی گئی۔ اس قصہ کے اس سے بھی پیشتر کے نسخے ہیں۔ اور یہ بات بڑی قوی ہے۔ کہ یوز آسف پہلی صدی عیسوی میں گذرا ہے یوز آسف کو عیسائیوں نے اپنا ایک ولی مقرر کیا۔ اور اس کے نام کا ایک گرجا شہر پلرمو جزیرہ سسلی میں اب تک موجود ہے۔ اس کے ولی مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی تعلیم اور مثالیں مسیح کی تعلیم اور مثالوں سے نہایت ہی مشابہ تھیں۔ اور بعض تو بعینہ وہی تھیں۔ اس لئے غلطی سے اس کو مسیح کا شاگرد سمجھا گیا۔ یوز آسف کے قصے کے بعض نسخے بصراحت بیان کرتے ہیں کہ وہ کشمیر میں فوت ہوا۔ یوز آسف کے قصوں میں ممکن ہے کہ بہت سا جھوٹ ملا ہوا ہو مگر ان سے اتنی بات یقیناً ثابت ہوتی ہے کہ یوز آسف کوئی حال کا اسلامی ولی نہیں ہے۔

یہ بے نام نامہ نگار حضرت میرزا صاحب کو بڑی جرأت سے بناوٹ اور جعل کا الزام لگاتا ہے۔ حضرت میرزا صاحب نے اس قبر کی نسبت بعض ایسے امور شائع کئے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ شخص مسیح ابن مریم تھا جو کشمیر میں آکر فوت ہوا۔ ان کی بعض باتیں تو یہ نامہ نگار مانتا ہے مگر باقی کو یہ محض جھوٹ قرار دیتا ہے۔ یہ شخص بظاہر ایک دیسی عیسائی ہے جو پنجاب کا رہنے والا ہے۔ اس نے بہت ہی ناقص اور ناسکمل تحقیقات کی ہے۔ خود اس کی چٹھی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی تحقیقات صرف چند ایک آدمیوں تک محدود رہی۔ جو اتفاقاً قبر کے پاس اس وقت موجود تھے۔ اگر یہ حضرت میرزا صاحب کے بیانات کی تردید کرنا چاہتا تھا۔ جو آپ نے بڑی شجاعت کے ساتھ دنیا میں بھی شائع کئے ہیں تو اس کو چاہیے تھا کہ اپنی تحقیقات کے دائرہ کو بہت وسیع کرتا۔ اور اس اہم کام کے لئے بہت سا وقت خرچ کرتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس دیسی عیسائی نے عمداً اپنی تحقیقات کو وسیع نہیں کیا تا ایسا نہ ہو کہ

سچ کھلجائے۔ اس نے چند مبہم جوابات پر قناعت کر لی۔ جو اسکو اُن لوگوں سے ملے جو اتفاقاً وہاں موجود تھے اگر وہ اپنی تحقیقات کے دائرہ کو وسیع کرتا۔ تو یقیناً اسکو کئی ایسے آدمی ملتے جو اسکو وہ تمام باتیں بتلاتے۔ جو حضرت میرزا صاحب کی تحریروں میں پائی جاتی ہیں۔

اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت میرزا صاحب کا اعلان ایسی نکمی تحقیقات پر مبنی نہیں ہے۔ جیسا کہ اس نے سری نگر میں جاکر کی ہے۔ حضرت میرزا صاحب نے صرف اسی غرض کے واسطے چند آدمی کشمیر بھیجے۔ یہ لوگ اچھے تعلیم یافتہ اور کشمیری زبان سے خوب واقف تھے انھوں نے ایک لمبے عرصہ تک وہاں رہ کر بڑے اطمینان کے ساتھ تحقیقات کی۔ ناخواندہ لوگوں کی بے شمار زبانی شہادتوں کے علاوہ انھوں نے پانسو آدمیوں کے تحریری بیانات اور دستخط حاصل کئے جنھوں نے ان تمام امور کی شہادت دی۔ جو حضرت میرزا صاحب نے بعد میں عام لوگوں کی واقفیت کے لئے شائع کئے۔ حضرت میرزا صاحب کی اس کامل تحقیقات کے مقابل میں ایک ایسے دیسی عیسائی کی سرسری اور متعصبانہ تحقیقات کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ جس میں اتنی بھی جرأت نہیں کہ اپنے نام کو ہی ظاہر کرے +

سچ تو یہ ہے۔ کہ جتنے امور اس بے نام نامہ نگار نے واقعی طور پر تحقیقات کئے ہیں۔ وہ حضرت میرزا صاحب کے بیانات کے بالکل مطابق ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے۔ کہ حضرت میرزا صاحب نے اس عیسائی نامہ نگار کی نسبت زیادہ امور دریافت کئے ہیں۔ اور زیادہ محنت اٹھائی ہے۔ اس گمنام شخص کی یہ حرکت بہت ہی قابل نفرین ہے۔ کہ اس نے حضرت میرزا صاحب کو جعل اور بناوٹ کا الزام لگایا ہے۔ جن لوگوں سے اس نے دریافت کیا۔ انہوں نے صاف شہادت دی کہ یہ یوز آسف کی قبر ہے۔ پھر بھی یہ شخص ایسا نادان ہے کہ حضرت میرزا صاحب کو جعل کا الزام لگاتا ہے۔ اس نے کسی کو ان امور کا انکار کرتے ہوئے نہیں سُنا۔ جو حضرت میرزا صاحب نے اس قبر کے متعلق شائع کئے ہیں۔ اور اگر وہ اُن سے بالصراحت سوال کرتا۔ تو ممکن تھا۔ کہ وہی لوگ حضرت میرزا صاحب کے

بیانات کی تصدیق کرتے - اگرچہ انھوں نے بالصراحت بیان نہیں کیا - کہ یوز آسف ایک شہزادہ تھا - جو انیس سو برس ہوئے ایک غیر ملک سے یہاں آیا تھا - مگر ان کے بیانات میں کافی شہادت ہے - جس سے ان سب امور کی تصدیق ہوتی ہے - مثلاً خود یوز آسف کا نام اس بات کی شہادت ہے کہ وہ شہزادہ تھا - یہ نام بہت سی پرانی کتابوں اور تاریخوں میں مذکور ہے - جس میں اسکو بلا اختلاف شہزادہ بیان کیا گیا ہے - اسکا غیر ملک سے آنا بھی بدلائل ذیل واضح ہے -

اوّل - یوز آسف ایک ہندی نام نہیں ہے اس لئے جس شخص کا نام ہے وہ ضرور کسی غیر ملک کا باشندہ ہوگا -

دوم - لفظ نبی بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہندوستان کا باشندہ نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ اوتار یا بدھ کے نام سے مشہور ہونا چاہیے تھا - لفظ نبی سے اس کا اسرائیلی نبی ہونا ثابت ہوتا ہے - کیونکہ یہ نام کسی اور قوم کے بزرگوں پر اطلاق نہیں پاتا -

ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نامہ نگار کی چٹھی میں کوئی ایسی بات نہیں جو کہ مرزا صاحب کے بیانات کے مخالف ہو - بلکہ اس کی چٹھی حضرت مرزا صاحب کی رائے کی تائید کرتی ہے - اور اس لئے اُس نے نہایت ہی بُری حرکت کی ہے کہ میرزا صاحب کو جھوٹا الزام لگایا ہے - وہ اپنی چٹھی کے عنوان پر لکھتا ہے یوز آسف کی قبر کی اصلیت - مگر ہم تعجب سے دیکھتے ہیں کہ اس چٹھی میں کوئی بھی نئی بات نہیں اُس کی یہ رائے یوز آسف ایک اسلامی ولی تھا - جس کو گذرے ہوئے دو سو برس بھی نہیں ہوئے - یہ اس کی ایک ذاتی رائے ہے جس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں - جو واقعات وہ پیش کرتا ہے وہ میرزا صاحب کی رائے کی تائید کرتے ہیں +

حضرت میرزا صاحب نے اپنے اشتہار میں ایک کتبے کا بھی ذکر کیا ہے یہ شخص اس کے وجود سے ہی انکار کرتا ہے - اور بیان کرتا ہے کہ یہ میرزا صاحب کی اپنی ایجاد ہے - اس بیچارے نے سری نگر جانے میں بے فائدہ تکلف اٹھائی اور وہ پوری تحقیقات کرتا تو کبھی ایسی بیہودگی کا مرتکب نہ ہوتا - اس کو معلوم

ہونا چاہیئے کہ یہہ کتبہ مسیح کی قبر سے ایک میل کے فاصلہ پر کوہ سلیمان کی چوٹی پر ایک قلعہ کے اندر پڑا ہے۔

وہ بیان کرتا ہے کہ یہ قبر عام طور پر زنگا صاحب کے نام سے مشہور ہے مگر سری نگر میں کوئی قبر اس نام کی موجود نہیں معلوم ہوتا ہے کہ چھپنے میں غلطی ہوئی ہے روضہ کی جگہ رنگہ لکھا گیا (کیونکہ انگریزی حروف میں یہ دونوں لفظ بہت متشابہ ہیں) اس قبر کا نام روضہ بل مشہور ہے۔ روضہ کا لفظ عام طور پر قبروں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بل کشمیری میں اجتماع کی جگہ کو کہتے ہیں اور بھی بہت سے مقامات ہیں جن میں بل کا لفظ آتا ہے مثلاً یاربل۔ تاربل۔ جھابل۔

یہ نامہ نگار بڑی سادگی سے بیان کرتا ہے کہ مسیح کی موت صلیب پر ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اگر مسیح علیہ السلام صلیب پر مر گئے تھے تو جب آپ کے پہلو کو برچھی سے چھیدا گیا تو کیوں خون نکل آیا۔ صلیب پر صرف تین گھنٹے لٹکنا موت کا باعث نہیں ہو سکتا تھا۔ جو دو آدمی حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ صلیب پر چڑھائے گئے تھے وہ بالکل زندہ اور پورے ہوش و حواس کے ساتھ اُترے۔ حضرت مسیح علیہ السلام قبر سے نکلے۔ قریباً ایک سو میل کا سفر پیادہ پا کیا۔ لوگوں کی اُنگلیاں میخوں کے زخموں میں ڈلوا کر اپنے خاکی جسم کا ثبوت دیا۔ حواریوں کے ساتھ ملکر کھایا اور پیا۔ اور مرہم حوارین کے استعمال سے اپنے صلیبی زخموں کا علاج کیا۔ اور اس طرح اپنی اس پیشگوئی کو پورا کیا کہ بجز یونس نبی کے معجزہ کے سوائے اور کوئی معجزہ نہیں دکھاؤں گا۔ جس طرح یونس زندہ ہی مچھلی کے پیٹ میں داخل ہوئے اور زندہ ہی نکلے۔ ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام زندہ قبر میں داخل ہوئے اور زندہ نکلے۔ مگر باوجود اتنی شہادتوں کے یہ سادہ لوح عیسائی کہتا ہے کہ مسیح ع کی موت صلیب پر ایک تاریخی واقعہ ہے۔

یہ شخص مرہم حوارین کا بڑی حقارت کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ یہہ مرہم جسکو مرہم عیسیٰ اور مرہم رسل بھی کہتے ہیں۔ کوئی ایسی چیز نہیں جسکا نام آج سنا گیا ہو بلکہ کثیر التعداد قدیمی طبی کتابوں میں مذکور ہے جن میں بالاتفاق بیان

کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں نے آپ کے زخموں کے لئے تیار کی تھی۔ اور ایسی کتابوں کی تعداد ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں تک پہونچی ہوئی ہے صرف تمسخر اور استہزا سے وہ ان طبی کتابوں کی متفق علیہ شہادت کو رد نہیں کر سکتا۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام کے زخم مرہم حواریین کے استعمال سے اچھے ہو گئے تو آپ نے افغانستان اور کشمیر کی طرف رخ کیا تا بنی اسرائیل کے دس فرقے جو جلاوطن ہو کر ان ملکوں میں آباد ہو گئے تھے آپکی رسالت سے محروم نہ رہیں۔ آخر وفات پائی اور سری نگر کے محلہ خان یار میں آپ مدفون ہوئے۔

جب میں یہ چٹھی لکھ چکا تو اس گمنام نامہ نگار کی بدقسمتی سے مجھے الھلال کا اپریل کا پرچہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ ایک عیسائی پرچہ ہے جو بیروت ملک شام سے نکلتا ہے۔ اس کا ایڈیٹر کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے یوز آسف کی قبر کی نسبت یوں لکھتا ہے۔ وفی حارۃ تسمی الخانہ یار فی ھذہ المدینۃ قبر یسمیہ القشامرۃ قبر النبی یوزاسف یزورہ العوام والخواص وفی بعض کتب التاریخ عندھم ان یوزاسف ھذا کان نبیا من الانبیاء جاء من اقصی البلاد فمات ودفن فی ھذہ المدینۃ فزعم رجل فنجابی ان ھذا النبی ھو المسیح۔ یعنے اس شہر (سری نگر) کے محلہ خانہ یار میں ایک قبر ہے جس کو کشمیر کے لوگ نبی یوز آسف کی قبر کہتے ہیں۔ عوام اور خواص اس قبر کی زیارت کرنے کیلئے آتے ہیں۔ اور بعض کشمیر کی تاریخی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ یہ یوز آسف ایک نبی تھا جو دور دراز ملک سے آیا۔ یہاں وفات پائی اور اس شہر میں مدفون ہوا۔ اس لئے ایک پنجابی آدمی نے یہ خیال کیا ہے کہ یہ نبی مسیح ہی تھا۔

ایک فاضل عیسائی ایڈیٹر کی یہ شہادت ہمارے عیسائی

نامہ نگار کی چٹھی کی تردید کے لئے کافی ہے۔

شیر علی۔ یکم مئی ۱۹۰۳ء۔

از قادیان دارالامان۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت ماہ جون ۱۹۰۳ء نمبر ۶

فہرست مضامین

انجمن اشاعتِ اسلام قادیان دارالامان نے
انوار احمدیہ پریس قادیان میں باہتمام شیخ یعقوب علی تراب احمدی چھپواکر
۲۰ جون ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

معرفت الٰہی کے ذرائع

اس سوال کے جواب میں واضح ہو کہ اس بارے میں جس قدر قرآن شریف نے مبسوط طور پر ذکر فرمایا ہے اُسکے ذکر کرنے کی تو اس جگہ کسی طرح گنجائش نہیں لیکن بطور نمونہ کسی قدر بیان کیا جاتا ہے سو جاننا چاہئیے کہ قرآن شریف نے علم تین قسم پر قرار دیا ہے۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ جیسا کہ ہم پہلے اس سے سورہ الہٰکم التکاثر کی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں اور بیان کر چکے ہیں کہ علم الیقین وُہ ہے کہ شے مقصود کا کسی واسطہ کے ذریعہ سے نہ بلاواسطہ پتہ لگایا جائے جیسا کہ ہم دھوئیں سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔ ہم نے آگ کو دیکھا نہیں مگر دھوئیں کو دیکھا ہے کہ جس سے ہمیں آگ کے وجود یقین آیا۔ سو یہ علم الیقین ہے۔ اور اگر ہمنے آگ کو ہی دیکھ لیا ہے تو یہ بموجب بیان قرآن شریف یعنے سورہ الہٰکم التکاثر کے علم کے مراتب میں سے عین الیقین کے نام سے موسوم ہے اور اگر ہم اُس آگ میں داخل بھی ہو گئے ہیں تو اس علم کے مرتبہ کا نام قرآن شریف کے بیان کی رُو سے حق الیقین ہے۔ سورۃ الہٰکم التکاثر کے اب دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ناظرین اُس موقع سے اس تفسیر کو دیکھ لیں۔ اب جاننا چاہئیے کہ پہلی قسم کا جو علم ہے یعنے علم الیقین اس کا ذریعہ عقل اور منقولات ہیں اللہ تعالےٰ دوزخیوں سے حکایت کر کے فرماتا ہے قَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ یعنے دوزخی کہیں گے کہ اگر ہم عقلمند ہوتے اور مذہب اور عقیدہ کو معقول طریقوں سے آزماتے۔ یا کامل عقلمندوں اور محققوں کی تحریروں اور تقریروں کو توجہ سے سُنتے تو آج دوزخ میں نہ پڑتے۔ یہ آیت اس دُوسری آیت کے موافق ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یعنے خدا تعالےٰ انسانی نفوس کو انکی وسعت علمی سے زیادہ کسی بات کو قبول کرنے کے لئے تکلیف نہیں دیتا اور وہی عقیدے پیش کرتا ہے جنکا سمجھنا

انسان کے حد استعداد میں داخل ہے تا اُسکے حکم تکلیف مالا یُطاق میں داخل نہ ہوں اور ان آیات میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کانوں کے ذریعہ سے بھی علم الیقین حاصل کر سکتا ہے۔ مثلاً ہمنے لنڈن تو نہیں دیکھا صرف دیکھنے والوں سے اِس شہر کا وجود سُنا ہے مگر کیا ہم شک کر سکتے ہیں کہ شائد ان سب نے جھوٹ بول دیا ہو گا یا مثلاً ہمنے عالمگیر کا زمانہ نہیں پایا اور نہ عالمگیر کی شکل دیکھی ہے مگر کیا ہمیں اس بات میں کچھ بھی شبہ ہے کہ عالمگیر چغتائی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔ پس ایسا یقین کیوں حاصل ہُوا۔ اس کا جواب یہی ہے کہ صرف سماع کے تواتر سے۔ پس اس میں کچھ شک نہیں کہ سماع بھی علم الیقین کے مرتبہ تک پُہنچاتا ہے۔ نبیوں کی کتابیں اگر سلسلہ سماع میں کچھ خلل نہ رکھتی ہوں وُہ بھی ایک سماعی علم کا ذریعہ ہیں لیکن اگر ایک کتاب آسمانی کتاب کہلا کر پھر مثلاً پچاس ساٹھ نسخہ اسکے پائے جائیں اور بعض بعض کے مخالف ہوں تو گو کسی فریق نے یقین بھی کر لیا ہو کہ ان میں سے صرف دو چار صحیح ہیں اور باقی جعلی اور وضعی لیکن محقق کے لئے ایسا یقین جو کسی کامل تحقیقات پر مبنی نہیں بیہودہ ہو گا اور نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ سب کتابیں اپنے تناقض کی وجہ سے ردی اور نا قابل اعتبار قرار دیجائینگی اور ہرگز جائز نہیں ہو گا کہ ایسے متناقض بیانات کو کسی علم کا ذریعہ ٹھیرایا جائے کیونکہ علم کی یہ تعریف ہے کہ ایک یقینی معرفت عطا کرے اور مجموعہ تناقضات میں یقینی معرفت کا پایا جانا ممکن نہیں۔ اس جگہ یاد رہے کہ قرآن شریف صرف سماع کی حد تک محدُود نہیں ہے کیونکہ اِس میں انسانوں کے سمجھانے کے لئے بڑے بڑے معقول دلائل ہیں۔ اور جس قدر عقائد اور اصُول اور احکام اُس نے پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا امر نہیں جس میں زبردستی اور تحکّم ہو۔ جیسا کہ اس نے خُود فرما دیا ہے کہ یہ سب عقائد وغیرہ انسان کی فطرت میں پہلے سے منقوش ہیں اور قرآن شریف کا نام ذکر رکھا ہے جیسا کہ فرماتا ہے هٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ یعنے یہ قرآن بابرکت کوئی نئی چیز نہیں لایا بلکہ جو کچھ انسان کی فطرت اور صحیفۂ قدرت میں بھرا پڑا ہے اس کو یاد دلاتا ہے اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ یعنے یہ دین کوئی بات جبر سے منوانا نہیں چاہتا بلکہ ہر ایک بات کے دلائل پیش کرتا ہے ماسوا اس کے قرآن میں دلوں کو روشن کرنے کے لئے ایک رُوحانی خاصیت بھی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ یعنے قرآن اپنی خاصیت سے تمام بیماریوں کو دُور کرتا ہے۔ اس لئے اس کو منقولی کتاب نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ اعلےٰ درجہ کے معقُول دلائل اپنے ساتھ رکھتا ہے اور ایک چمکتا ہُوا نُور اسمیں پایا جاتا ہے ایسا ہی عقلی دلائل جو صحیح مقدمات سے مستنبط ہوئے ہوں بلا شبہ علم الیقین تک

پہنچاتے ہیں۔ اسی کی طرف اللہ جلشانہٗ آیات مندرجہ ذیل میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ اَلَّذِیْنَ
یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا
مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ یعنے جب دانشمند اور اہل عقل انسان
زمین اور آسمان کے اجرام کی بناوٹ میں غور کرتے اور رات دن کی کمی بیشی کے موجبات اور علل کو
نظر عمیق سے دیکھتے ہیں اُنہیں اس نظام پر نظر ڈالنے سے خدا تعالیٰ کے وجود پر دلیل ملتی ہے پس وہ
زیادہ انکشاف کے لئے خدا سے مدد چاہتے ہیں اور اُس کو کھڑے ہو کر اور بیٹھکر اور کروٹ پر لیٹ کر
یاد کرتے ہیں جس سے اُن کی عقلیں بہت صاف ہو جاتی ہیں۔ پس جب وہ ان عقلوں کے ذریعہ سے اجرام
فلکی اور زمین کی بناوٹ احسن اور اولیٰ میں فکر کرتے ہیں تو بے اختیار بول اُٹھتے ہیں کہ ایسا نظام ابلغ اور محکم
ہرگز باطل اور بے سود نہیں بلکہ صانع حقیقی کا چہرہ دکھلا رہا ہے پس وہ الوہیت صانع عالم کا اقرار کرکے یہ مناجات
کرتے ہیں کہ یا الٰہی تو اس سے پاک ہے کہ کوئی تیرے وجود سے انکار کرکے نالائق صفتوں سے تجھے موصوف
کرے سو تو ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا یعنی تجھ سے انکار کرنا عین دوزخ ہے اور تمام آرام اور راحت تجھ میں اور تیری شناخت
میں ہے جو شخص کہ تیری سچی شناخت سے محروم رہا وہ درحقیقت اسی دُنیا میں آگ میں ہے۔

ایسا ہی ایک علم کا ذریعہ انسانی کانشنس بھی ہے جس کا نام خدا کی کتاب میں انسانی فطرت رکھا
ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا یعنے خدا کی فطرت جس پر لوگ
پیدا کئے گئے ہیں۔ اور وہ نقش فطرت کیا ہے یہی کہ خدا کو واحد لاشریک خالق الکل مرنے اور پیدا ہونے
سے پاک سمجھنا اور ہم کانشنس کو علم الیقین کے مرتبہ پر اس لئے کہتے ہیں کہ گو بظاہر اس میں ایک
علم سے دُوسرے علم کی طرف انتقال نہیں پایا جاتا جیسا کہ دھوئیں کے علم سے آگ کے علم کی طرف انتقال
پایا جاتا ہے لیکن ایک قسم کے باریک انتقال سے یہ مرتبہ خالی نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک چیز میں
خدا نے ایک نامعلوم خصوصیت رکھی ہے جو بیان اور تقریر میں نہیں آسکتی لیکن اُس چیز پر نظر ڈالنے اور اُس کا تصور
کرنے سے بلا توقف اس خاصیت کیطرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے غرض وہ خاصیت اس وجود کو ایسی لازم پڑی
ہوتی ہے جیسا کہ آگ کو دھوئاں لازم ہے مثلاً جب ہم خدا تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ کیسی
ہونی چاہئے۔ آیا خدا ایسا ہونا چاہئے کہ ہماری طرح پیدا ہو اور ہماری طرح دُکھ اُٹھاوے اور ہماری طرح

مرے تو معاً اس تصور سے ہمارا دل دُکھتا اور کانشنس کانپتا ہے اور اس قدر جوش دکھلاتا ہے کہ گویا اس خیال کو دھکے دیتا ہے اور بول اُٹھتا ہے کہ وہ خدا جس کی طاقتوں پر تمام اُمیدوں کا مدار ہے وہ تمام نقصانوں سے پاک اور کامل اور قوی چاہیئے۔ اور جب ہی کہ خدا کا خیال ہمارے دل میں آتا ہے معاً توحید اور خدا میں دُھوئیں اور آگ کی طرح بلکہ اس سے بہت زیادہ ملازمت تامہ کا احساس ہوتا ہے۔ لہٰذا جو علم ہمیں ہمارے کانشنس کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے وہ علم الیقین کے مرتبہ میں داخل ہے۔ لیکن اس پر ایک اور مرتبہ ہے جو عین الیقین کہلاتا ہے اور اس مرتبہ سے اس طور کا علم مُراد ہے کہ جب ہمارے یقین اور اس چیز میں جس پر کسی نوع کا یقین کیا گیا ہے کوئی درمیانی واسطہ نہ ہو۔ مثلاً جب ہم قوتِ شامہ کے ذریعہ سے ایک خوشبو یا بدبو کو معلوم کرتے ہیں اور یا ہم قوتِ ذائقہ کے ذریعہ سے شیریں یا نمکین پر اطلاع پاتے ہیں یا قوتِ حاسہ کے ذریعہ سے گرم یا سرد کو معلوم کرتے ہیں تو یہ تمام معلومات عین الیقین کی قسم میں داخل ہیں مگر عالم ثانی کے بارے میں ہمارا علم الٰہیات تب عین الیقین کی حد تک پہنچتا ہے کہ جب خود بلا واسطہ ہم الہام پاویں خدا کی آواز کو اپنے کانوں سے سُنیں اور خدا کے صاف اور صحیح کشفوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں ہم بیشک کامل معرفت کے حاصل کرنے کے لئے بلا واسطہ الہام کے محتاج ہیں اور اس کامل معرفت کی ہم اپنے دل میں بھوک اور پیاس بھی پاتے ہیں پس اگر خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے پہلے سے اس معرفت کا سامان مُہیّا نہیں کیا تو یہ پیاس اور بھوک ہمیں کیوں لگا دی ہے۔ کیا ہم اس زندگی میں جو ہمارے آخرت کے ذخیرہ کے لئے یہی ایک پیمانہ ہے اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ ہم اُس سچے اور کامل اور قادر اور زندہ خدا پر صرف قصّوں اور کہانیوں کے رنگ میں ایمان لاویں یا محض عقلی معرفت پر کفایت کریں جو اب تک ناقص اور ناتمام معرفت ہے کیا خدا کے سچے عاشقوں اور حقیقی دلدادوں کا دل نہیں چاہتا کہ اس محبوب کے کلام سے لذت حاصل کریں۔ کیا جنھوں نے خدا کے لئے تمام دُنیا کو برباد کیا۔ دل کو دیا جان کو دیا وہ اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ صرف ایک دُھندلی سی روشنی میں کھڑے رہ کر مرتے رہیں۔ اور اُس آفتاب صداقت کا مُنہ نہ دیکھیں۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اُس زندہ خدا کا انا الموجود کہنا وہ معرفت کا مرتبہ عطا کرتا ہے کہ اگر دُنیا کے تمام فلاسفروں کی خود تراشیدہ کتابیں ایک طرف رکھیں اور ایک طرف انا الموجود خدا کا کہنا تو اُسکے مقابل وہ تمام فلاسفر ہیچ ہیں جو فلاسفر کہلا کر آپ اندھے رہے وہ ہمیں کیا سکھائیں گے۔ غرض اگر خدا تعالیٰ نے حق کے طالبوں کو کامل معرفت دینے کا ارادہ فرمایا ہے تو ضرور اُس نے اپنے مکالمہ اور مخاطبہ کا طریق

کھلا رکھا ہے۔ اِس بارے میں اللہ جلّشانہٗ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ یعنے اے خدا ہمیں وہ استقامت کی راہ بتلا جو راہ اُن لوگوں کی ہے جنپر تیرا انعام ہوا ہے۔ اِس جگہ انعام سے مُراد الہام اور کشف وغیرہ آسمانی علوم ہیں جو انسان کو براہِ راست ملتے ہیں ایسا ہی ایک دُوسری جگہ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ یعنی جو لوگ خدا پر ایمان لاکر پُوری پُوری استقامت اختیار کرتے ہیں اُنپر خدا تعالےٰ کے فرشتے اُترتے ہیں اور یہ الہام اُنکو کرتے ہیں کہ تم کچھ خوف اور غم مت کرو تمہارے لئے وہ بہشت ہے جس کے بارے میں تمہیں وعدہ دیا گیا ہے سو اس آیت میں بھی صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ خدا تعالےٰ کے نیک بندے غم اور خوف کیوقت خدا سے الہام پاتے ہیں اور فرشتے اُترکر اُنکی تسلّی کرتے ہیں۔ اور پھر ایک اور آیت میں فرمایا ہے لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ یعنے خدا کے دوستوں کو الہام اور خدا کے مکالمہ کے ذریعہ سے اِس دُنیا میں خوشخبری ملتی ہے اور آئندہ زندگی میں بھی ملیگی۔ لیکن اس جگہ یاد رہے کہ الہام کے لفظ سے اِس جگہ یہ مُراد نہیں ہو کہ سوچ اور فکر کی کوئی بات دل میں پڑجائے جیساکہ جب شاعر شعر کے بنانے میں کوشش کرتا ہے ایک مصرع بناکر دُوسرا سوچتا رہتا ہے تو دُوسرا مصرع دل میں پڑ جاتا ہے سو دل میں پڑجانا الہام نہیں ہے بلکہ یہ خدا کے قانون قدرت کے مُوافق اپنے فکر اور سوچ کا ایک نتیجہ ہے۔ جو شخص اچھی باتیں سوچتا ہے یا بُری باتوں کیلئے فکر کرتا ہے اُس کی تلاش کے موافق کوئی بات ضرور اس کے دل میں پڑ جاتی ہے۔ ایک شخص مثلاً نیک اور راستباز آدمی ہے جو سچائی کی حمایت میں چند شعر بناتا ہے اور دُوسرا شخص جو ایک گندہ اور پلید آدمی ہے اپنے شعروں میں جھوٹ کی حمایت کرتا ہے اور راستبازوں کو گالیاں نکالتا ہے تو بلاشبہ یہ دونوں کچھ نہ کچھ شعر بنالیں گے۔ بلکہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ راستبازوں کا دُشمن جو جھُوٹ کی حمایت کرتا ہے بباعث دائمی مشق کے اسکا شعر عمدہ ہو۔ سو اگر صرف دل میں پڑجانیکا نام الہام ہے تو پھر ایک بدمعاش شاعر جو راستبازی اور راستبازوں کا دشمن اور ہمیشہ حق کی مخالفت کے لئے قلم اُٹھاتا اور افتراؤں سے کام لیتا ہے خدا کا مُلہم کہلائیگا دُنیا میں ناولوں وغیرہ میں جادو بیانیاں پائی جاتی ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ اس طرح سراسر باطل مگر مسلسل مضمون لوگوں کے دلوں میں پڑتے ہیں۔ پس کیا ہم ان کو الہام کہہ سکتے ہیں بلکہ اگر الہام صرف دل میں بعض باتیں پڑنیکا نام ہے تو ایک چور بھی مُلہم کہلا سکتا ہے کیونکہ وہ بسا اوقات فکر کرکے اچھے اچھے طریق نقب زنی کے نکال لیتا ہے اور عمدہ عمدہ تدبیریں ڈاکہ مارنے اور خون

ناحق کرنے کی اس کے دل میں گنجائش رہ جاتی ہیں تو کیا لائق ہے کہ ہم ان تمام ناپاک طریقوں کا نام الہام رکھدیں ہرگز نہیں بلکہ یہ اُن لوگوں کا خیال ہے جنکو اب تک اُس سچے خدا کی خبر نہیں جو آپ خاص مکالمہ سے دلوں کو تسلی دیتا اور ناواقفوں کو روحانی علوم سے معرفت بخشتا ہے۔ الہام کیا چیز ہے وہ پاک اور قادر خدا کا ایک برگزیدہ بندہ کے ساتھ یا اُسکے ساتھ جسکو برگزیدہ کرنا چاہتا ہے ایک زندہ اور باقدرت کلام کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے۔ سو جب یہ مکالمہ اور مخاطبہ کافی اور تسلی بخش سلسلہ کے ساتھ شروع ہو جائے اور اس میں خیالات فاسدہ کی تاریکی نہ ہو اور غیر مکتفی اور چند بے سرو پا لفظ ہوں اور کلام لذیذ اور پر حکمت اور پُرشوکت ہو تو وہ خدا کا کلام ہے جس سے وہ اپنے بندے کو تسلی دینا چاہتا ہے اور اپنے تئیں اُس پر ظاہر کرتا ہے۔ ہاں کبھی ایک کلام محض امتحان کے طور پر ہوتا ہے اور پورا اور بابرکت سامان ساتھ نہیں رکھتا اس میں خدا تعالےٰ کے بندہ کو اسکی ابتدائی حالت میں آزمایا جاتا ہے تا وہ ایک ذرہ الہام کا مزہ چکھکر پھر واقعی طور پر اپنا حال و قال سچے ملہموں کی طرح بناوے یا ٹھوکر کھاوے۔ پس اگر وہ حقیقی راستبازی صدیقوں کی طرح اختیار نہیں کرتا تو اس نعمت کے کمال سے محروم رہ جاتا ہے اور صرف بیہودہ لاف زنی اسکے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ کروڑہا نیک بندوں کو الہام ہوتا رہا ہے مگر انکا مرتبہ خدا کے نزدیک ایک وجہ کا نہیں بلکہ خدا کے پاک نبی جو پہلے درجہ پر کمال صفائی سے خدا کا الہام پانیوالے ہیں وہ بھی مرتبہ میں برابر نہیں خدا تعالےٰ فرماتا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یعنی بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ الہام محض فضل ہے اور فضیلت کے وجود میں اُسکو دخل نہیں بلکہ فضیلت اس صدق اور اخلاص اور وفاداری کے قدر پر ہے۔ جس کو خدا جانتا ہے ہاں الہام بھی اگر اپنی بابرکت شرائط کے ساتھ ہو تو وہ بھی ان کا ایک پھل ہے اسمیں کچھ شک نہیں کہ اگر اس رنگ میں الہام ہو کہ بندہ سوال کرتا ہے اور خدا اُس کا جواب دیتا ہے اسی طرح ایک ترتیب کے ساتھ سوال و جواب ہو اور الٰہی شوکت اور نور الہام میں پایا جاوے اور علوم غیب یا معارف صحیحہ پر مشتمل ہو تو وہ خدا کا الہام ہے خدا کے الہام میں یہ ضروری ہے کہ جس طرح ایک دوست دوسرے دوست سے ملکر باہم ہمکلام ہوتا ہے اسی طرح رب اور اُس کے بندہ میں ہمکلامی واقع ہو اور جب یہ کسی امر میں سوال کرے تو اس کے جواب میں ایک کلام لذیذ فصیح خدا تعالےٰ کی طرف سے سُنے جس میں اپنے نفس اور فکر اور غور کا کچھ بھی دخل نہ ہو اور وہ مکالمہ اور مخاطبہ اُسکے لئے موہبت ہو جائے تو وہ خدا کا کلام ہے اور ایسا بندہ خدا کی جناب میں عزیز ہے مگر یہ درجہ کہ الہام بطور موہبت ہو اور زندہ اور پاک الہام کا سلسلہ

ایسے بندہ کو خدا سے حاصل ہو اور صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ ہو کسی کو نہیں ملتا بجز اُن لوگوں کے جو ایمان اور اخلاص اور اعمال صالح میں ترقی کریں اور نیز اُس چیز میں جسکو ہم بیان نہیں کرسکتے۔ سچا اور پاک الہام الوہیت کے بڑے بڑے کرشمے دکھلاتا ہے بارہا ایک نہایت چمکدار نور پیدا ہوتا ہے اور ساتھ اسکے پُرشوکت اور چمکدار الہام آتا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ ملہم اس ذات سے باتیں کرتا ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنیوالا ہے۔ دُنیا میں خدا کا دیدار یہی ہے کہ خدا سے باتیں کرے مگر اس ہمارے بیان میں انسان کی وہ حالت داخل نہیں ہے جو کسی کی زبان پر بے ٹھکانہ کوئی لفظ یا فقرہ یا شعر جاری ہو اور ساتھ اس کے کوئی مکالمہ اور مخاطبہ نہ ہو بلکہ ایسا شخص خدا کے امتحان میں گرفتار ہے کیونکہ خدا اس طریق سے بھی سست اور غافل بندوں کو آزماتا ہے کہ کبھی کوئی فقرہ یا عبارت کسی کے دل پر یا زبان پر جاری کی جاتی ہے اور وہ شخص اندھے کی طرح ہوجاتا ہے نہیں جانتا کہ وہ عبارت کہاں سے آئی خدا سے یا شیطان سے سو ایسے فقرات سے استغفار لازم ہے لیکن اگر ایک صالح اور نیک بندہ کو بیحجاب مکالمہ الٰہی شروع ہوجائے اور مخاطبہ اور مکالمہ کے طور پر ایک کلام روشن لذیذ پُرمعنے پُرحکمت پوری شوکت کے ساتھ اُسکو سنائی دے اور کم سے کم بارہا اسکو ایسا اتفاق ہُوا ہو کہ خدا میں اور اُس میں عین بیداری میں دس مرتبہ سوال و جواب ہُوا ہو اُس نے سوال کیا خدا نے جواب دیا پھر اُسی وقت عین بیداری میں اُسنے کوئی اور عرض کی اور خدا نے اسکا بھی جواب دیا پھر گذارش عاجزانہ کی خدا نے اُسکا بھی جواب عطا فرمایا ایسا ہی دس مرتبہ تک خدا میں اور اُسمیں باتیں ہوتی رہیں اور خدا نے بارہا ان مکالمات میں اُسکی دعائیں منظور کی ہوں عمدہ عمدہ معارف پر اُسکو اطلاع دی ہو آنیوالے واقعات کی اُسکو خبر دی ہو اور اپنے برہنہ مکالمہ سے بار بار کے سوال و جواب میں اسکو مشرف کیا ہو تو ایسے شخص کو خدا تعالےٰ کا بہت شکر کرنا چاہیئے اور سب سے زیادہ خدا کی راہ میں فدا ہونا چاہیئے کیونکہ خدا نے محض اپنے کرم سے اپنے تمام بندوں میں سے اسے چن لیا اور اُن صدیقوں کا اُسکو وارث بنادیا جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں۔ یہ نعمت نہایت ہی نادر الوقوع اور خوش قسمتی کی بات ہے جسکو ملی اس کے بعد جو کچھ ہے وہ ہیچ ہے۔ اس مرتبہ اور اس مقام کے لوگ اسلام میں ہمیشہ ہوتے رہے ہیں اور ایک اسلام ہی ہے جس میں خدا بندہ سے قریب ہوکر اس سے باتیں کرتا اور اس کے اندر بولتا ہے وہ اُسکے دل میں اپنا تخت بناتا اور اس کے اندر سے اُسے آسمان کی طرف کھینچتا ہے اور اُسکو وہ سب نعمتیں عطا فرماتا ہے جو پہلوں کو دی گئیں۔ افسوس

اندھی دُنیا نہیں جانتی کہ انسان نزدیک ہوتا ہوتا کہاں تک پُہنچ جاتا ہے وہ آپ تو قدم نہیں اُٹھاتے اور جو قدم اُٹھاتے تو یا تو اُسکو کافر ٹھیرایا جاتا ہے اور یا اسکو معبود ٹھیرا کر خدا کی جگہ دیجاتی ہے یہ دونوں ظلم ہیں ایک افراط سے ایک تفریط سے پیدا ہُوۓ اگر عقلمند کو چاہیئے کہ وہ کم ہمت نہ ہو اور اس مقام اور اس مرتبہ کا انکاری نہ رہے اور صاحب اس مرتبہ کی کسرشان نہ کرے اور نہ اسکی پُوجا شروع کرے اس مرتبہ پر خدا تعالیٰ وہ تعلقات اس بندہ سے ظاہر کرتا ہے کہ گویا اپنی الُوہیت کی چادر اس پر ڈالدیتا ہے اور ایسا شخص خدا کے دیکھنے کا آئینہ بنجاتا ہے یہی بھید ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھے دیکھا اُسنے خدا کو دیکھ لیا غرض یہ بندوں کے لئے انتہائی تنبیہ ہے اور اسپر تمام سلوک ختم ہو جاتے ہیں اور پُوری تسلی ملتی ہے میں بنی نوع پر ظلم کرونگا اگر میں اسوقت ظاہر کروں کہ وہ مقام جس کی میں نے یہ تعریفیں رکیں ہیں اور وہ مرتبہ مکالمہ و مخاطبہ کا جسکی میں نے اسوقت تفصیل بیان کی وہ خدا کی عنایت نے مجھے عنایت فرمایا ہے تا میں اندھوں کو بینائی بخشوں اور ڈھونڈنے والوں کو اُس گمگشتہ کا پتہ دوں اور سچائی قبول کرنیوالوں کو اُس پاک چشمہ کی خوشخبری سُناؤں جسکا تذکرہ بہتوں میں ہے اور پانیوالے تھوڑے ہیں۔ میں سامعین کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ خدا جس کے ملنے میں انسان کی نجات اور دائمی خوشحالی ہے وہ بجز قرآن شریف کی پیروی کے ہرگز نہیں ملسکتا کاش جو میں نے دیکھا ہے لوگ دیکھیں جو میں نے سُنا ہے وہ سُنیں اور قصوں کو چھوڑیں اور حقیقت کیطرف دوڑیں وہ کامل علم کا ذریعہ جس سے خدا نظر آتا ہے وہ میل اُتارنیوالا پانی جس سے تمام شکوک دُور ہو جاتے ہیں وہ آئینہ جس سے اس برتر ہستی کا درشن ہو جاتا ہے خدا کا وہ مکالمہ اور مخاطبہ ہے جسکا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں جس کی رُوح میں سچائی کی طلب ہے وہ اُٹھے اور تلاش کرے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر روحوں میں سچی تلاش پیدا ہو اور دلوں میں سچی پیاس لگ جائے تو لوگ اس طریق کو ڈھونڈھیں اور اس راہ کی تلاش میں لگیں مگر یہ راہ کس طریق سے کھلیگی اور حجاب کس دوا سے اُٹھیگا میں سب طالبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ صرف اسلام ہی ہے جو اس راہ کی خوشخبری دیتا ہے اور دوسری قومیں تو خدا کے الہام پر مدت سے مُہر لگا چکی ہیں سو یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کی طرف سے مُہر نہیں بلکہ محرومی کی وجہ سے انسان ایک حیلہ پیدا کر لیتا ہے اور یقیناً سمجھو کہ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ہم بغیر آنکھوں کے دیکھ سکیں یا بغیر کانوں کے سُن سکیں یا بغیر زبان کے بول سکیں اسیطرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ بغیر قرآن کے اس پیارے محبوب کا مُنہ دیکھ سکیں۔

میں جوان تھا اب بوڑھا ہوا مگر میں نے کوئی نہ پایا جس نے بغیر اس پاک چشمہ کے اس کھلی کھلی معرفت کو پایا ہو
اے عزیزو! اے پیارو! کوئی انسان خدا کے ارادوں میں اُس سے لڑائی نہیں کر سکتا یقیناً
سمجھو کہ کامل علم کا ذریعہ خدا تعالےٰ کا الہام ہے جو خدا تعالےٰ کے پاک نبیوں کو ملا پھر بعد اُس کے اس
خدا نے جو دریائے فیض ہے یہ ہرگز نہ چاہا کہ آئندہ اس الہام کو مُہر لگا دے اور اس طرح پر دنیا کو تباہ کرے بلکہ
اس کے الہام اور مکالمہ اور مخاطبہ کے ہمیشہ دروازے کھلے ہیں۔ ہاں ان کو انکی راہوں سے ڈھونڈو تب وہ
آسانی سے تمہیں ملیں گے وہ زندگی کا پانی آسمان سے آیا اور مناسب مقام پر ٹھیرا اب تمہیں کیا کرنا
چاہئے تا تم اُس پانی کو پی سکو یہی کرنا چاہئے کہ اُفتاں وخیزاں اس چشمہ تک پہنچو پھر اپنا منہ اس چشمہ
کے آگے رکھدو تا اس زندگی کے پانی سے سیراب ہو جاؤ۔ انسان کی تمام سعادت اسی میں ہے کہ
جہاں روشنی کا پتہ ملے اُسی طرف دوڑے اور جہاں اُس گمشدہ دوست کا نشان پیدا ہو اُسی راہ کو اختیار کرے
دیکھتے ہو کہ ہمیشہ آسمان سے روشنی اُترتی اور زمین پر پڑتی ہے اسیطرح ہدایت کا سچا نور آسمان سے ہی
اُترتا ہے۔ انسان کی اپنی ہی باتیں اور اپنی ہی اٹکلیں سچا گیان اسکو بخش نہیں سکتیں کیا تم خدا
کو بغیر خدا کی تجلی کے پا سکتے ہو کیا تم بغیر اس آسمانی روشنی کے اندھیرے میں دیکھ سکتے ہو اگر دیکھ سکتے
ہو تو شائد اس جگہ بھی دیکھ لو مگر ہماری آنکھیں گو بینا ہوں تا ہم آسمانی روشنی کی محتاج ہیں اور ہمارے کان
گو شنوا ہوں تاہم اس ہوا کے حاجتمند ہیں جو خدا کی طرف سے چلتی ہیں وہ خدا سچا خدا نہیں ہے جو
خاموش ہے اور سارا مدار ہماری اٹکلوں پر ہے بلکہ کامل اور زندہ خدا وہ ہے جو اپنے وجود کا آپ پتہ
دیتا رہا ہے اور اب بھی اُس نے یہی چاہا ہے کہ آپ اپنے وجود کا پتہ دیوے آسمانی کھڑکیاں کھلنے
کو ہیں عنقریب صبح صادق ہونیوالی ہے مبارک وہ جو اٹھ بیٹھیں اور اب سچے خدا کو ڈھونڈیں وہی خدا
جسپر کوئی گردش یا مصیبت نہیں آتی جس کے جلال کی چمک پر کبھی حادثہ نہیں پڑتا قرآن شریف
میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی خدا ہی ہے جو ہر دم آسمان کا نور اور
زمین کا نور ہے اُسی سے ہر ایک جگہ روشنی پڑتی ہے آفتاب کا وہی آفتاب ہے زمین کے تمام جانداروں
کی وہی جان ہے سچا زندہ خدا وہی ہے مبارک وہ جو اسکو قبول کرے۔

تیسرا علم کا ذریعہ وہ اُمور ہیں جو حق الیقین کے مرتبہ پر ہیں اور وہ تمام شدائد اور مصائب اور
تکالیف ہیں جو خدا کے نبیوں اور راستبازوں کو مخالفوں کے ہاتھ سے یا آسمانی قضاء وقدر سے

پہنچتی ہیں اور اس قسم کے دکھوں اور تکلیفوں سے وہ تمام شرعی ہدایتیں جو محض علمی طور پر انسان کے دل میں تھیں اسپر وارد ہوکر عملی رنگ میں آجاتی ہیں اور پھر عمل کی زمین سے نشوونما پاکر کمال تام تک پہنچ جاتی ہیں اور عمل کرنیوالوں کا اپنا ہی وجود ایک نسخہ مکمل خدا کی ہدایتوں کا ہو جاتا ہے اور وہ تمام اخلاق عفو اور انتقام اور صبر اور رحم وغیرہ جو صرف دماغ اور دل میں بھرے ہوئے تھے اب تمام اعضا کو عملی مزاولت کی برکت سے اُنسے حصہ ملتا ہے اور وہ تمام جسم پر وارد ہوکر اپنے نقش ونگار اُسپر جما دیتے ہیں جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۔ یعنی ہم تمہیں خوف اور فاقہ اور مال کے نقصان اور جان کے نقصان اور کوشش ضائع جانے اور اولاد کے فوت ہونے سے آزمائینگے یعنی یہ تمام تکلیفیں قضاوقدر کے طور پر یا دشمن کے ہاتھ سے تمہیں پہنچینگی سو اُن لوگوں کو خوشخبری ہو جو مصیبت کے وقت صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے ہیں اور خدا کی طرف رجوع کریں گے ان لوگوں پر خدا کا درود اور رحمت ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت کے کمال تک پہنچ گئے ہیں یعنی محض اس علم میں کچھ شرف اور بزرگی نہیں جو صرف دماغ اور دل میں بھرا ہوا ہو بلکہ حقیقت میں علم وہ ہے کہ دماغ سے اُتر کر تمام اعضاء اسکے متادب اور رنگین ہو جائیں اور حافظہ کی یادداشتیں عملی رنگ میں دکھائی دیں سو علم کے مستحکم کرنے اور اس کے ترقی دینے کا یہ بڑا ذریعہ ہے کہ عملی طور پر اس کے نقوش اپنے اعضا میں جمالیں کوئی ادنے علم بھی عملی مزاولت کے بغیر اپنے کمال کو نہیں پہنچتا مثلاً مدت دراز سے ہمارے علم میں یہ بات ہے کہ روٹی پکانا نہایت ہی سہل بات ہے اور اسمیں کوئی زیادہ باریکی نہیں صرف اتنا ہے کہ آٹا گوندھ کر اور بقدر ایک ایک روٹی کے اس آٹے کے پیڑے بناویں اور اُنکو دونوں ہاتھوں کے باہم ملانے سے چوڑے کر کے توے پر ڈالدیں اور ادھر اُدھر پھیر کر اور آگ پر سینک کر رکھ لیں روٹی پک جائیگی یہ تو ہماری صرف علمی لاف وگزاف ہے لیکن جب ہم ناتجربہ کاری کی حالت میں پکانے لگیں گے تو اول تو ہمپر بھی مصیبت پڑے گی کہ آٹے کو اسکے مناسب قوام پر

رکھ سکیں بلکہ یا تو پتھر سا رہیگا یا پتلا ہو کر گلگلوں کے لائق ہو جائیگا اور اگر مر کر اور تھک تھکا کر گوندھ
بھی لیا تو روٹی کا یہ حال ہوگا کہ کچھ جلیگی اور کچھ کچی رہیگی۔ بیچ میں ٹکیا رہیگی اور کئی طرف سے کان نکلے
ہوئے ہونگے حالانکہ پچاس برس تک ہم پکتی ہوئی دیکھتے رہے غرض مجرد علم کی شامت سے جو عملی مشق کے
نیچے نہیں آیا کئی سیر آٹے کا نقصان کرینگے۔ پھر جبکہ ادنے ادنے سی بات میں ہمارے علم کا یہ حال
ہے تو بڑے بڑے امور میں بجز عملی مزاولت اور مشق کے صرف علم پر کیونکر بھروسہ رکھیں سو خدا تعالیٰ
ان آیتوں میں یہ سکھاتا ہے کہ جو مصیبتیں میں تم پر ڈالتا ہوں وہ بھی علم اور تجربہ کا ذریعہ ہیں یعنی اُن سے
تمہارا علم کامل ہوتا ہے اور پھر آگے فرماتا ہے کہ تم اپنے مالوں اور جانوں میں بھی آزمائے جاؤگے
لوگ تمہارے مال لوٹیں گے تمہیں قتل کرینگے اور تم یہودیوں اور عیسائیوں اور مشرکوں کے ہاتھ سے
بہت ہی ستائے جاؤگے وہ بہت کچھ ایذا کی باتیں تمہارے حق میں کہینگے پس اگر تم صبر کروگے اور بیجا باتوں
سے بچوگے تو یہ ہمت اور بہادری کا کام ہوگا۔ ان تمام آیات کا مطلب یہ ہے کہ بابرکت علم وہی ہوتا ہے جو
عمل کے مرتبہ میں اپنی چمک دکھاوے اور منحوس علم وہ ہے جو صرف علم کی حد تک ہی کبھی عمل تک نوبت نہ پہنچے۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح مال تجارت سے بڑھتا ہے اور پھولتا ہے ایسا ہی علم عملی مزاولت سے اپنے
روحانی کمال کو پہنچتا ہے۔ سو علم کو کمال تک پہنچانیکا بڑا ذریعہ عملی مزاولت ہے مزاولت سے علم
میں نور آجاتا ہے اور یہ بھی سمجھو کہ علم کا حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچنا اور کیا ہوتا ہے یہی تو ہے کہ عملی
طور پر ہر ایک گوشہ اُسکا آزمایا جائے چنانچہ اسلام میں ایسا ہی ہوا جو کچھ خدا تعالےٰ نے قرآن
کے ذریعہ سے لوگوں کو سکھایا انکو یہ موقعہ دیا کہ عملی طور پر اس تعلیم کو چمکاویں اور اُسکے نور سے پُر
ہو جاویں۔ اسی غرض سے خدا تعالےٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح کو دو حصہ پر منقسم
کردیا ایک حصہ دکھوں اور مصیبتوں اور تکلیفوں کا اور دوسرا حصہ فتحیابی کا تا مصیبتوں کے وقت
میں وہ خلق ظاہر ہوں جو مصیبتوں کے وقت ظاہر کرتے ہیں اور فتح اور اقتدار کے وقت میں وہ خلق ثابت
ہوں جو بغیر اقتدار کے ثابت نہیں ہوتے سو ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں قسم کے
اخلاق دونوں زمانوں اور دونوں حالتوں کے وارد ہونے سے کمال وضاحت سے ثابت ہوگئے
چنانچہ وہ مصیبتوں کا زمانہ جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر تیرہ برس تک مکہ معظمہ میں شامل حال
رہا اس زمانہ کی سوانح پڑھنے سے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ

وہ اخلاق جو مصیبتوں کے وقت کامل راستباز کو دکھلانے چاہئیں یعنی خدا پر توکل رکھنا اور جزع فزع سے
کنارہ کرنا اور اپنے کام میں سست نہ ہونا اور کسی کے رعب سے نہ ڈرنا ایسے طور پر دکھلائے جو کفار ایسی استقامت
کو دیکھ کر ایمان لائے اور شہادت دی کہ جبتک کسی کا پورا بھروسہ خدا پر نہ ہو تو اس استقامت اور اس طور سے دکھوں کی برداشت نہیں کر سکتا
اور پھر جب دوسرا زمانہ آیا یعنی فتح اور اقتدار اور ثروت کا زمانہ تو اس زمانہ میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم کے اعلےٰ اخلاق عفو اور سخاوت اور شجاعت کے ایسے کمال کے ساتھ صادر ہوئے جو ایک گروہ کثیر کفار
کا انہیں اخلاق کو دیکھ کر ایمان لایا۔ دکھ دینے والوں کو بخشا اور شہر سے نکالنے والوں کو امن دیا۔ انکے
محتاجوں کو مال سے مالا مال کر دیا۔ اور قابو پا کر اپنے بڑے بڑے دشمنوں کو بخش دیا۔ چنانچہ بہت سے
لوگوں نے آپکے اخلاق کو دیکھ کر گواہی دی کہ جب تک کوئی خدا کی طرف سے اور حقیقۃً راستباز نہ ہو
یہ اخلاق ہرگز دکھا نہیں سکتا یہی وجہ ہے کہ آپ کے دشمنوں کے پرانے کینے یک لخت دور ہو گئے آپ کا
بڑا بھاری خلق جسکو آپنے ثابت کر کے دکھلا دیا وہ خلق تھا جو قرآن شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے اور
وہ یہ ہے قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ یعنی انکو کہدے کہ میری عبادت
اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا خدا کی راہ میں ہے یعنے اسکا جلال ظاہر کرنے کے لئے اور نیز
اسکے بندوں کے آرام دینے کے لئے ہے تا میرے مرنے سے اُن کو زندگی حاصل ہو۔ اس جگہ جو خدا کی
راہ میں اور بندوں کی بھلائی کے لئے مرنیکا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ آپنے نعوذ باللہ
جاہلوں یا دیوانوں کی طرح درحقیقت خودکشی کا ارادہ کر لیا تھا اس وہم سے کہ اپنے تئیں کسی آلہ قتل کے
ذریعہ سے ہلاک کر دینا اوروں کو فائدہ پہنچائیگا بلکہ آپ ان بیہودہ باتوں کے سخت مخالف تھے اور قرآن
ایسی خودکشی کے مرتکب کو سخت مجرم اور قابل سزا ٹھیراتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ
إِلَى التَّهْلُكَةِ یعنے خودکشی نہ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کے باعث نہ ٹھیرو اور یہ ظاہر ہے کہ اگر
مثلاً خالد کے پیٹ میں درد ہو اور زید اُسپر رحم کر کے اپنا سر پھوڑے تو زید نے خالد کے حق میں کوئی نیکی
کا کام نہیں کیا بلکہ اپنے سر کو احمقانہ حرکت سے ناحق پھوڑا۔ نیکی کا کام تب ہوتا کہ جب زید خالد کی خدمت میں
مناسب اور مفید طریق کے ساتھ سرگرم رہتا اور اسکے لئے عمدہ دوائیں میسر کرتا اور طبابت کے قواعد
کے موافق اسکا علاج کرتا مگر اس کے سر کے پھوڑنے سے زید کو تو کوئی فائدہ نہ پہنچا ناحق اس نے
اپنے وجود کے ایک شریف عضو کو دکھ پہنچایا۔ غرض اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

نے واقعی ہمدردی اور محنت اُٹھانے سے بنی نوع کی رہائی کے لئے جان کو وقف کر دیا تھا اور دُعا کے ساتھ اور تبلیغ کے ساتھ اور ان کے جور و جفا اُٹھانے کے ساتھ اور ہر ایک مناسب اور حکیمانہ طریق کے ساتھ اپنی جان اور اپنے آرام کو اس راہ میں فدا کر دیا تھا جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ کیا تو اس غم اور سخت محنت میں جو لوگوں کے لئے اُٹھا رہا ہے اپنے تئیں ہلاک کر دیگا اور کیا اُن لوگوں کے لئے جو حق کو قبول نہیں کرتے تو حسرتیں کھا کھا کر اپنی جان دیگا سو قوم کی راہ میں جان دینے کا حکیمانہ طریق یہی ہے کہ قوم کی بھلائی کیلئے قانون قدرت کی مفید راہوں کے موافق اپنی جان پر سختی اُٹھاویں اور مناسب تدبیروں کے بجالانے سے اپنی جان ان پر فدا کر دیں نہ یہ کہ قوم کو سخت بلا یا گمراہی میں دیکھکر اور خطرناک حالت میں پاکر اپنے سر پر پتھر مار لیں یا دو تین رتی اسٹرکینا کھا کر اس جہان سے رخصت ہو جائیں اور پھر گمان کریں کہ ہمنے اپنی اس حرکت بیجا سے قوم کو نجات دیدی ہے یہ مردوں کا کام نہیں ہے زنانہ خصلتیں ہیں اور بیحوصلہ لوگوں کا ہمیشہ سے یہی طریق ہے کہ مصیبت کو قابل برداشت نہ پاکر جھٹ پٹ خودکشی کیطرف دوڑتے ہیں ایسی خودکشی کی گو بعد میں کتنی ہی تاویلیں کیجائیں مگر یہ حرکت بلاشبہ عقل اور عقلمندوں کا ننگ ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا صبر اور دُشمن کا مقابلہ نہ کرنا معتبر نہیں ہے جسکو انتقام کا موقع ہی نہ ملا کیونکہ کیا معلوم ہے کہ اگر وہ انتقام پر قدرت پاتا تو کیا کچھ کرتا جب تک انسان پر وہ زمانہ نہ آوے جو ایک مصیبتوں کا زمانہ اور ایک مقدرت اور حکومت اور ثروت کا زمانہ ہو اس وقت تک اس کے سچے اخلاق ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتے۔ صاف ظاہر ہے کہ جو شخص صرف کمزوری اور ناداری اور بے اقتداری کی حالت میں لوگوں کی ماریں کھاتا مرجاوے اور اقتدار اور حکومت اور ثروت کا زمانہ نہ پاوے اسکے اخلاق میں سے کچھ بھی ثابت نہ ہوگا اور اگر کسی میدان جنگ میں حاضر نہیں ہؤا تو یہ بھی ثابت نہیں ہوگا کہ وہ دل کا بہادر تھا یا بزدل ہوگا۔ اس کے اخلاق کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم نہیں جانتے ہیں کیا معلوم ہے کہ اگر وہ اپنے دشمنوں پر قدرت پاتا تو ان سے کیا سلوک بجالاتا اور اگر وہ دولتمند ہو جاتا تو اس دولت کو جمع کرتا یا لوگوں کو دیتا اور اگر وہ کسی میدان جنگ میں آتا تو دُم دبا کر بھاگ جاتا یا بہادروں کیطرح ہاتھ دکھاتا مگر خدا کی عنایت اور فضل نے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ سلم کو ان اخلاق کے ظاہر کرنیکا موقع دیا چنانچہ سخاوت اور شجاعت اور حلم اور عفو اور عدل اپنے اپنے موقع پر ایسے کمال سے ظہور میں آئے کہ صفحہ دُنیا میں اس کی نظیر

ڈھونڈھنا لاحاصل ہے اپنے دونوں زمانوں ضعف اور قدرت اور ناداری اور ثروت میں تمام جہان کو دکھلا دیا کہ وہ ذات پاک کیسی اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی جامع تھی اور کوئی انسانی خلق اخلاق فاضلہ میں سے ایسا نہیں ہے جو اس کے ظاہر ہونے کیلئے آپ کو خدا تعالیٰ نے ایک موقع نہ دیا شجاعت۔ سخاوت۔ استقلال۔ عفو۔ حلم۔ وغیرہ وغیرہ تمام اخلاق فاضلہ ایسے طور پر ثابت ہو گئے کہ دنیا میں اسکی نظیر کا تلاش کرنا طلب محال ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جنہوں نے ظلم کو انتہا تک پہنچا دیا اور اسلام کو نابود کرنا چاہا خدا نے اُن کو بھی بے سزا نہیں چھوڑا کیونکہ انکو بے سزا چھوڑنا گویا راستبازوں کو اُنکے پیروں کے نیچے ہلاک کرنا تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی لڑائیوں کی ہرگز یہ غرض نہ تھی کہ خواہ نخواہ لوگوں کو قتل کیا جائے وہ اپنے باپ دادا کے ملک سے نکالے گئے تھے اور بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں بے گناہ شہید کئے گئے تھے اور ابھی ظالم ظلم سے باز نہیں آتے تھے اور اسلام کی تعلیم کو روکتے تھے لہذا خدا کے قانون حفاظت نے یہ چاہا کہ مظلوموں کو بالکل نابود ہونے سے بچالے جنہوں نے تلوار اٹھائی تھی انہیں کیساتھ تلوار کا مقابلہ ہوا۔ غرض قتل کرنیوالوں کا فتنہ فرو کرنے کے لئے بطور مدافعت شر کے وہ لڑائیاں تھیں اور اُسوقت ہوئیں جبکہ ظالم طبع لوگ اہل حق کو نابود کرنا چاہتے تھے اس حالت میں اگر اسلام اس حفاظت اختیاری کو عمل میں نہ لاتا تو ہزاروں بچے اور عورتیں بے گناہ قتل ہو کر آخر اسلام نابود ہو جاتا۔ یاد رہے کہ ہمارے مخالفین کی یہ بڑی زبردستی ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ الہامی ہدایت ایسی ہونی چاہئے جس کے کسی مقام اور کسی محل میں دشمنوں کے مقابلہ کی تعلیم نہ ہو اور ہمیشہ حلم اور نرمی کے پیرایہ میں اپنی محبت اور رحمت کو ظاہر کرے ایسے لوگ اپنی دانست میں خدائے عزوجل کی بڑی تعظیم کر رہے ہیں کہ جو اسکی صفات کاملہ کو صرف نرمی اور ملائمت پر ہی ختم کرتے ہیں لیکن اس معاملے میں فکر اور غور کرنے والوں پر بآسانی کھل سکتا ہے کہ یہ لوگ بڑی موٹی موٹی اور فاش غلطی میں مبتلا ہیں۔ خدا کے قانون قدرت پر نظر ڈالنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کے لئے وہ رحمت محض تو ضرور ہے مگر وہ رحمت ہمیشہ اور ہر حال میں نرمی اور ملائمت کے رنگ میں ظہور پذیر نہیں ہوتی بلکہ وہ سراسر رحمت کے تقاضا سے طبیب حاذق کی طرح کبھی شربت شیریں ہمیں پلاتا ہے اور کبھی دوائی تلخ دیتا ہے اس کی رحمت نوع انسان پر اس طرح وارد ہوتی ہے جیسے ہم میں سے ایک شخص اپنے تمام وجود پر رحمت رکھتا ہے اس بات میں

کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک فرد ہم میں سے اپنے سارے وجود سے پیار رکھتا ہے اور اگر کوئی ہمارے ایک بال کو اکھاڑنا چاہے تو ہم اُس پر سخت ناراض ہوتے ہیں لیکن باوصف اس کے کہ ہماری محبت جو ہم اپنے وجود سے رکھتے ہیں ہمارے تمام وجود میں بٹی ہوئی ہے اور تمام اعضا ہمارے لئے پیارے ہیں ہم کسی کا نقصان نہیں چاہتے مگر پھر بھی یہ بات ببداہت ثابت ہے کہ ہم اپنے تمام اعضا سے ایک ہی درجہ کی اور یکساں محبت نہیں رکھتے بلکہ اعضا رئیسہ و شریفہ کی محبت جن پر ہمارے مقاصد کا بہت کچھ مدار ہے ہمارے دلوں پر غالب ہوتی ہے۔ ایسا ہی ہماری نظر میں ایک ہی عضو کی محبت کی نسبت مجموعہ اعضا کی محبت...... بہت بڑھ کر ہوتی ہے پس جب کبھی ہمارے لئے کوئی ایسا موقع آپڑتا ہے کہ ایک عضو کا بچاؤ ادنےٰ درجہ کے عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے یا توڑنے پر موقوف ہوتا ہے تو ہم جان کے بچانے کیلئے بلا تامل اُسی عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے پر مستعد ہو جاتے ہیں اور گو اسوقت ہمارے دل میں رنج بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنے ایک پیارے عضو کو زخمی کرتے یا کاٹتے ہیں مگر اِس خیال سے کہ اس عضو کا فساد کسی دوسرے شریف عضو کو بھی ساتھ ہی تباہ نہ کرے ہم کاٹنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں پس اسی مثال سے سمجھ لینا چاہئے کہ خُدا بھی جب دیکھتا ہے کہ اسکے راستباز باطل پرستوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوتے ہیں اور فساد پھیلتا ہے تو راستبازوں کی جان کے بچاؤ اور فساد کے فرو کرنے کے لئے مناسب تدبیر ظہور میں لاتا ہے خواہ آسمان سے خواہ زمین سے اِسلئے کہ وُہ جیسا کہ رَحِیم ہے وَیسا ہی حَکِیم ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

حضرت مسیحؑ کا دَس گُم شُدہ اسرائیلی قوموں کی طرف جانا

قرآن شریف اور حدیث کی شہادت

اگرچہ عیسائی کہہ سکتے ہیں کہ وہ قرآن شریف کی کسی آیت یا کسی حدیث کو اپنے لئے حجت

نہیں سمجھ سکتے لیکن ہم نے محض اس غرض سے ان کو لکھا ہے کہ تا عیسائیوں کو قرآن شریف اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ معلوم ہو اور اُنپر یہ حقیقت کھلے کہ کیونکر وہ سچائیاں جو صدہا برس کے بعد اب معلوم ہوئی ہیں وہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم نے پہلے سے بیان کر دی ہیں۔ چنانچہ اُنمیں سے کسی قدر ذیل میں لکھتا ہوں :-

اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ الآیۃ وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا الآیۃ یعنی یہودیوں نے نہ حضرت مسیح کو درحقیقت قتل کیا اور نہ بذریعہ صلیب ہلاک کیا بلکہ انکو محض ایک شبہ پیدا ہوا کہ گویا حضرت عیسٰی صلیب پر فوت ہو گئے ہیں اور اُن کے پاس وہ دلائل نہیں ہیں جنکی وجہ سے اُن کے دل اس بات پر مطمئن ہو سکیں کہ یقیناً حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیب پر جان نکل گئی تھی۔

اِن آیات میں اللہ تعالےٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ یہ سچ ہے کہ بظاہر مسیح صلیب پر کھینچا گیا اور اُسکے مارنیکا ارادہ کیا گیا مگر یہ محض ایک دھوکا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ایسا خیال کر لیا کہ درحقیقت حضرت مسیح علیہ السلام کی جان صلیب پر نکل گئی تھی بلکہ خدا نے ایسے اسباب پیدا کر دئے جن کی وجہ سے وہ صلیبی موت سے بچ رہا۔ اب انصاف کرنیکا مقام ہے کہ جو کچھ قرآن کریم نے یہود اور نصاریٰ کے برخلاف فرمایا تھا آخر کار وہی بات سچی نکلی اور اس زمانہ کی اعلیٰ درجہ کی تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح درحقیقت صلیبی موت سے بچائے گئے تھے۔ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ یہودی اس بات کا جواب دینے سے قاصر رہے کہ کیونکر حضرت مسیح علیہ السلام کی جان بغیر ہڈیاں توڑنے کے صرف دو تین گھنٹہ میں نکل گئی اسی وجہ سے بعض یہودیوں نے ایک اور بات بنائی ہے کہ ہمنے مسیح کو تلوار سے قتل کر دیا تھا۔ حالانکہ یہودیوں کی پرانی تاریخ کے رُو سے مسیح کو تلوار کے ذریعہ سے قتل کرنا ثابت نہیں۔ یہ اللہ تعالےٰ کی شان ہے کہ مسیح کے بچانے کے لئے اندھیرا ہوا بھونچال آیا پلاطوس کی بیوی کو خواب آئی سبت کے دن کی رات قریب آگئی جس میں مصلوبوں کو صلیب پر رکھنا روا نہ تھا۔ حاکم کا دل بوجہ ہولناک خواب کے مسیح کے چھوڑانے کی لئے متوجہ ہوا۔ یہ تمام واقعات خدا نے اسلئے ایک ہی دفعہ پیدا کر دئے کہ تا مسیح کی جان بچ جائے اِس کے علاوہ مسیح کو غشی کی حالت میں کر دیا کہ تا ہر ایک کو مُردہ معلوم ہو۔ اور یہودیوں پر اُس وقت ہیبت ناک نشان بھونچال وغیرہ کے دکھلا کر بزدلی اور خوف اور عذاب کا

اندیشہ طاری کردیا۔ اور یہ دھڑکا اسکے علاوہ تھا کہ سبت کی رات میں لاشیں صلیب پر نہ رہ جائیں۔ پھر یہ بھی ہؤا کہ یہودیوں نے مسیح کو غشی میں دیکھکر سمجھ لیا کہ فوت ہوگیا۔ اندھیرے اور بھونچال اور گھبراہٹ کا وقت تھا گھروں کا بھی اِن کو فکر پڑا کہ شائد اس بھونچال اور اندھیرے سے بچوں پر کیا گذرتی ہوگی اور یہ دہشت بھی دلوں پر غالب ہوئی کہ اگر یہ شخص کاذب اور کافر تھا جیسا کہ ہمنے سمجھا ہے تو اسکے اس دکھ دینے کے وقت ایسے ہولناک آثار کیوں ظاہر ہوئے ہیں جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئے۔ لہذا انکے دل بیقرار ہوکر اس لائق نہ رہے کہ وہ مسیح کو اچھی طرح دیکھتے کہ آیا مرگیا یا کیا حال ہے۔ مگر درحقیقت یہ سب امور مسیح کے بچانے کے لئے خدائی تدبیریں تھیں۔ اسی کیطرف اس آیت میں اشارہ ہے ولکن شبہ لھم یعنی یہودنے مسیح کو جان سے مارا نہیں ہے لیکن خدا نے اُن کو شبہ میں ڈال دیا کہ گویا جان سے ماردیا ہے اس سے راستبازوں کو خدا تعالیٰ کے فضل پر بڑی امید بڑھتی ہے کہ جس طرح اپنے بندوں کو چاہے بچالے۔

اور قرآن شریف میں ایک یہ بھی آیت حضرت مسیح کے حق میں ہے وجیھا فی الدنیا والاخرۃ و من المقربین۔ اسکا ترجمہ یہ ہے کہ دنیا میں بھی مسیح کو اس کی زندگی میں وجاہت یعنے عزت اور مرتبہ اور عام لوگوں کی نظر میں عظمت اور بزرگی ملیگی اور آخرت میں بھی۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت مسیح نے ہیرودوس اور پلاطوس کے علاقہ میں کوئی عزت نہیں پائی بلکہ غایت درجہ کی تحقیر کی گئی۔ اور یہ خیال کہ دنیا میں پھر آکر عزت اور بزرگی پائینگے یہ ایک بے اصل وہم ہے جو نہ صرف خدا تعالیٰ کی کتابوں کے منشاء کے مخالف بلکہ اس کے قدیم قانون قدرت سے بھی منافی اور مبائن اور ایک بے ثبوت امر ہے مگر واقعی اور سچی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اُس بدبخت قوم کے ہاتھ سے نجات پاکر جب مُلک پنجاب کو اپنی تشریف آوری سے فخر بخشا تو اِس مُلک میں خدا تعالیٰ نے اُن کو بہت عزت اور بنی اسرائیل کی وہ دس قومیں جو گم تھیں اس جگہ آکر اُن کو ملگئیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل اس ملک میں آکر اکثر اُنمیں سے بدھ مذہب میں داخل ہوگئے تھے اور بعض ذلیل قسم کی بت پرستی میں پھنس گئے تھے۔ سو اکثر ان کے حضرت مسیح کے اس ملک میں آنے سے راہ راست پر آگئے۔ اور چونکہ حضرت مسیح کی دعوت میں آنیوالے نبی کے قبول کرنے کے لئے وصیت تھی اِسلئے وہ دس فرقے جو اس ملک میں آکر افغان اور کشمیری کہلائے آخرکار سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ غرض اِس مُلک میں حضرت مسیح کو بڑی وجاہت پیدا ہوئی۔ قرآن شریف

ہیں ایک یہ بھی آیت ہے وجعلنی مبارکاً اینما کنت کہ مسیح کو خدا نے ایسی برکت دی ہے کہ جہاں جائیگا وُہ مُبارک ہوگا۔ اس سے ثابت ہے کہ اُسنے خدا سے بڑی برکت پائی اور وُہ فوت نہ ہُوا جبتک اُس کو ایک شاہانہ عزت نہ دیگئی۔ اسیطرح قرآن شریف میں ایک یہ بھی آیت ہے۔ ومطھرک من الذین کفروا یعنے اے عیسیٰ میں اُن الزاموں سے تجھے بری کرونگا۔ اور تیرا پاک دامن ہونا ثابت کردونگا اور اُن تہمتوں کو دُور کردونگا جو تیرے پر یہودا ور نصاریٰ نے لگائیں۔ یہ ایک بڑی پیشگوئی تھی اور اسکا ماحصل یہی ہے کہ یہود نے یہ تہمت لگائی تھی کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح مصلوب ہوکر ملعون ہوگئے اور خُدا کی محبت انکے دل میں سے جاتی رہی اور جیساکہ لعنت کے مفہوم کے لئے شرط ہے اُن کا دل خدا سے برگشتہ اور خدا سے بیزار ہوگیا اور تاریکی کے بے انتہاء طوفان میں پڑگیا اور بدیوں سے محبت کرنے لگا اور کل نیکیوں کا مخالف ہوگیا اور خدا سے تعلق توڑ کر شیطان کی بادشاہت کے ماتحت ہوگیا اور اُسمیں اور خدا میں حقیقی دشمنی پیدا ہوگئی۔ اور یہی تہمت ملعون ہونے کی نصاریٰ نے بھی لگائی تھی مگر نصاریٰ نے اپنی نادانی سے دو ضدوں کو ایک ہی جگہ جمع کردیا۔ اُنھوں نے ایکطرف تو حضرت مسیح کو خُدا کا فرزند قرار دیا اور دُوسری طرف ملعون بھی قرار دیا ہے اور خُود مانتے ہیں کہ ملعون تاریکی اور شیطان کا فرزند ہوتا ہے یا خُود شیطان ہوتا ہے۔ سو حضرت مسیح پر یہ سخت ناپاک تہمتیں لگائی گئی تھیں۔ اور "مطھرک" کی پیشگوئی میں یہ اشارہ ہے کہ ایک زمانہ وہ آتا ہے کہ خُدا تعالےٰ ان الزاموں سے حضرت مسیح کو پاک کریگا اور یہی وُہ زمانہ ہے۔

اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تطہیر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی گواہی کی گواہی سے بھی عقلمندوں کی نظروں میں بخُوبی ہوگئی کیونکہ آنجناب نے اور قرآن شریف نے گواہی دی کہ وُہ الزام سب جھوٹے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لگائے گئے تھے۔ لیکن یہ گواہی عوام کی نظر میں نظری اور باریک تھی اس لئے اللہ تعالےٰ کے انصاف نے یہی چاہا کہ جیساکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب کرنا ایک مشہور امر تھا اور اُمور بدیہیہ مشہودہ محسُوسہ میں سے تھا اسی طرح تطہیر اور بریت بھی امور مشہودہ محسُوسہ میں سے ہونی چاہئے۔ سو اب اسی کے موافق ظہور میں آیا یعنے تطہیر بھی صرف نظری نہیں بلکہ محسُوس طور پر ہوگئی اور لاکھوں انسانوں نے اِس جسم کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجُود ہے اور جیساکہ گلگتہ یعنے سری کے مکان پر حضرت مسیح کو صلیب پر کھینچا گیا تھا ایسا ہی سری کے مکان پر یعنے سری نگر میں اُنکی قبر کا ہونا ثابت ہُوا۔ یہ عجیب بات ہے کہ دونوں موقعوں میں

سری کا لفظ موجود ہے یعنے جہاں حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر کھینچے گئے اس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری ہے اور جہاں اُنیسویں صدی کے اخیر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر ثابت ہوئی اُس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ گلگت جو کشمیر کے علاقہ میں ہے یہ بھی سری کی طرف ایک اشارہ ہے۔

اور احادیث میں معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح کی عُمر ایکسو پچیس ۱۲۵ برس کی ہوئی ہے۔ اور اس بات کو اسلام کے تمام فرقے مانتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں دو ایسی باتیں جمع ہوئی تھیں کہ کسی نبی میں وُہ دونوں جمع نہیں ہوئیں۔ (۱) ایک یہ کہ اُنہوں نے کامل عمر پائی یعنی ایکسو پچیس برس زندہ رہے۔ (۲) دوم یہ کہ اُنہوں نے اکثر حصوں کی سیاحت کی اس لئے نبی سیاح کہلائے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر وہ تینتیس برس کی عُمر میں آسمان کیطرف اُٹھائے جاتے تو اس صُورت میں ایکسو پچیس ۱۲۵ برس کی روایت صحیح نہیں ٹھیر سکتی۔ اور نہ وہ اُس چھوٹی سی عُمر میں یعنی تینتیس برس میں سیاحت کر سکتے تھے۔ اور یہ روایتیں نہ صرف حدیث کی مُعتبر اور قدیم کتابوں میں لکھی ہیں بلکہ تمام مُسلمانوں کے فرقوں میں اس تواتر سے مشہور ہیں کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ کنز العمال جو احادیث کی ایک جامع کتاب ہے اُس کے صفحہ ۳۴ میں ابو ہریرہ رض سے یہ حدیث لکھی ہے اوحی اللّٰہ تعالیٰ الی عیسیٰ ان یٰعیسیٰ انتقل من مکان الی مکان لئلا تعرف فتوذیٰ یعنے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیطرف وحی بھیجی کہ اے عیسٰے ایک مکان سے دُوسرے مکان کیطرف نقل کرتا رہ یعنے ایک مُلک سے دُوسرے مُلک کیطرف جا تا کہ کوئی تجھے پہچانکر دُکھ نہ دے۔ اور پھر اسی کتاب میں جابر رض سے روایت کرکے یہ حدیث لکھی ہے۔ کان عیسیٰ ابن مریم یسیح فاذا امسٰی اکل بقل الصحراء ویشرب الماء القراح یعنے حضرت عیسٰے علیہ السلام ہمیشہ سیاحت کیا کرتے تھے اور ایک مُلک سے دوسرے ملک کی طرف سَیر کرتے تھے اور جہاں شام پڑتی تھی تو جنگل کے بقولات میں سے کچھ کھاتے تھے اور خالص پانی پیتے تھے۔ اور پھر اسی کتاب میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے جس کے یہ لفظ ہیں قال احبّ شیءٍ الی اللّٰہ الغرباء قیل ای شیءٍ الغرباء۔ قال الذین یفرّون بدینھم ویجتمعون الی عیسیٰ ابن مریم۔ یعنے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پیارے خدا کی جناب میں وہ لوگ ہیں جو غریب ہیں۔ پُوچھا گیا کہ غریب کے کیا معنے ہیں کہا وُہ لوگ ہیں جو عیسٰے مسیح کی طرح دین لیکر اپنے مُلک سے بھاگتے ہیں۔

عصمتِ انبیاء پر بحث

جناب ایڈیٹر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ عصمت انبیاء پر جو مضمون سال گذشتہ میں آپکے رسالے میں نکلا تھا اُسپر کچھ عرصہ بعد عیسائیوں کے ایک اخبار ایپی فینی میں بحث شروع ہوگئی مگر افسوس کہ ایڈیٹر اخبار نے اِس بحث کو انصاف کے ساتھ جاری نہیں کیا بلکہ قبل اسکے کہ ہماری طرف سے اِسے مفصل جواب پہنچے بحث کو بند کردیا۔ گویا ایڈیٹر کے نزدیک مذہبی سچائیاں بھی دو تین مہینہ میں زائد المیعاد ہوجاتی ہیں۔ لہذا میں یہ مضمون آپکے رسالے میں بھیجکر اُمید کرتا ہوں کہ آپ اسکو چھاپ دیں گے۔

اوّل یسُوع کی حمایت سے عیسائیوں کا گریز

ایپی فینی میں عصمت انبیاء پر جو خط وکتابت شائع ہوئی ہے اُس میں سب سے عجیب بات یہ ہے کہ عیسائی نامہ نگاروں نے ریویو آف ریلیجنز کے مضامین کے اُس حصہ پر توجہ کرنے سے قطعی طور پر گریز کیا ہے جسمیں انجیلی یسوع کی عصمت پر نکتہ چینی کیگئی تھی اُنہوں نے آپکے عصمت انبیاء کے مضمون کی تردید میں سارا زور لگایا ہے اور انبیاء کو گنہگار ثابت کرنے میں ہر ایک کوشش سے کام لیا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ اُنہوں اس امر کیلئے ذرا بھی کوشش نہیں کی کہ یسُوع کو ان الزاموں سے بری ثابت کریں جو انجیل کے رُو سے اُسپر وارد ہوتے ہیں اُنکا اوّل غرض تو یسُوع کی حمایت تھی مگر بجائے اس کے کہ اسکی حمایت میں کچھ کہیں اُنہوں نے دُوسرے انبیاء پر حملہ کرنے میں اپنی قوت تمام خرچ کیا ہے۔ خود عیسائی نوشتوں کی بناء پر جو آپنے نکتہ چینی کی ہے اسپر چونکہ انکو طیش آتا ہے اسلئے مخرج یہ اختیار کیا ہے کہ انبیاء کو جہانتک ممکن ہے بُرا کہا۔ ذنب کے معنوں پر تو اُنھوں نے بڑے پُرجوش مضامین لکھے ہیں مگر یسُوع کی نکتہ چینیوں پر جو انجیل کی بناء پر کیگئی ہیں وہ خاموشی سے گذر گئے ہیں۔ انکی یہ عمداً خاموشی ظاہر کرتی ہے کہ وہ یسوع کی حمایت میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور اُنھوں نے اپنے خداوند کی حمایت میں کافی دلائل دینے کی بجائے یہی مناسب سمجھا ہے کہ اس امر میں بکلی خاموشی اختیار کی جاوے۔ اگر وہ درحقیقت یسوع کی حمایت کرسکتے ہیں تو کیا وجہ ہو کہ وہ میدان میں نہیں آتے اور اُن اعتراضوں کا جواب نہیں دیتے جو یسُوع پر اناجیل کی بناء پر کئے گئے ہیں۔

دوم۔ زبان عربی سے عیسائیوں کی جہالت کا ایک ثبوت

آپ نے لکھا تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت قرآن شریف میں جُرم کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا اسکے متعلق عیسائی نامہ نگاروں کیطرف سے یہ احمقانہ جواب دیا گیا ہے کہ انبیاء کی نسبت جُرم کا لفظ اسلئے استعمال نہیں کیا گیا کہ یہ لفظ قرآن شریف میں بالکل آتا ہی نہیں۔ اگر یہ بیہودہ جواب صرف ہندوستان کے عیسائیوں کیطرف سے ہوتا تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی کیونکہ عربی زبان سے ان لوگوں کی ناواقفیت کس شخص کو معلوم نہیں بیشک ایسا بیہودہ جواب اس ملک کے عیسائیوں کے حال کے بالکل شایاں تھا۔ جو باوجود اپنی جہالت کے اپنے آپ عربی کا عالم ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نادانی سے عربی زبان کے باریک مسئلوں پر بحث کرکے اپنے آپکو ہنسی کا نشانہ بناتے ہیں۔ ہم اس ملک کے پادریوں سے تو ایسے بیہودہ بیانات سُننے کے عادی ہی تھے مگر ہمیں یہ کبھی خیال نہیں گذرا تھا کہ دوسرے اسلامی ممالک کے پادری بھی اپنے ہندوستانی بھائیوں کیطرح عربی سے محض نابلد ہیں۔ ہم خیال کرتے تھے کہ دوسرے اسلامی ممالک کے پادری اپنے ہندی بھائیوں کی نسبت عربی زیادہ جانتے ہونگے مگر مصر کے ایک پادری مسٹر اوپسن نے ہمارے اس خیال کو غلط ثابت کیا ہے۔ اس شخص نے مصر میں بیٹھکر اس مباحثہ میں حصہ لیا ہے اور ناظرین یہ سُنکر تعجب کرینگے کہ یہی پہلے صاحب ہیں جنہوں نے یہ پیش کیا کہ جُرم کا لفظ قرآن شریف میں کسی شخص کے حق میں بھی استعمال نہیں ہوا۔ چونکہ یہ بات ایک مصر کے پادری کے منہ سے نکلی تھی اسلئے ہندوستان کے پادریوں نے بڑے شوق سے اسکو لیلیا اور اس کی بڑی قدر کی۔ ہمیں تعجب آتا ہے کہ مسٹر اوپسن کو اس معاملہ میں دخل دینے کی کیا ضرورت تھی کیا ہندوستان میں پہلے ہی عیسائی جہالت کافی موجود نہ تھی۔ مسٹر اوپسن عربی سے ایسا ہی ناواقف معلوم ہوتا ہے جیسا کہ یہاں کے انگریز اکثر ہندوستان کی بولیوں سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اگر وہ عربی سے خوب واقف ہوتا تو یہ بیہودہ بات کبھی پیش نہ کرتا کہ قرآن شریف میں لفظ جُرم کا استعمال نہ نبی پر آیا ہے نہ غیر نبی پر۔ مگر اُسکے ہندوستانی بھائیوں نے اس کے بیان کو خیر مقدم کہا صرف اسلئے کہ یہ بات مصر سے آئی ہے۔ انکو یہ خبر نہ تھی کہ اس امر میں وہ بھی انکی طرح نابینا ہے۔ اس امر میں رانا گھاٹ کے ایک پادری مسٹر بازو نے جو حصہ لیا ہے اُس سے نہایت ہی ہنسی آتی ہے۔ چونکہ یہ شخص عربی سے ناواقف تھا اسلئے اسکو اوپسن کے بیان کی لغویت نظر نہ آئی۔ جس طرح جاہل لوگ دوسرے کی بات پر اعتبار کر لیا کرتے ہیں اسی سادگی سے اُس نے بھی مسٹر اوپسن کے بیان پر یقین کر لیا۔ اور

چاہا کہ اس نکتہ سے بڑا فائدہ اُٹھائے۔ اس نے سمجھا کہ اب ریویو آف ریلیجنز کا ایڈیٹر خوب قابو میں آگیا ہے۔ کیونکہ وہ عمداً ایک بڑی سخت غلط بیانی کا مرتکب ہوا ہے۔ اس نے مناسب نہ سمجھا کہ ایڈیٹر پر حملہ کرنے کے موقع کو ہاتھ سے جانے دے۔ اس بیچارے کو اپنی آنکھوں کا شہتیر نظر نہ آیا۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکا کہ مَیں مسٹر اوپسن کے لغو بیان کی تصدیق کرنے میں خود اپنی جہالت کا ثبوت دے رہا ہوں۔ ہمیں اس سے تو تعجب نہیں آتا کہ وہ مسٹر اوپسن کی غلطی کو دیکھ نہ سکا کیونکہ اس سے اس بات کی اُمید ہی نہ تھی اسکی جہالت باوجود اپنی حماقت کے اسکو معذور ٹھیراتی ہے۔ اسکا جرم تو یہ ہے کہ اُسنے شوخی سے ایڈیٹر پر کیوں حملہ کیا مگر میرے خیال میں اسکو اس امر کی کافی سزا مل چکی ہے۔ اس کا حملہ ہی اس کے لئے کافی سزا ہے کیونکہ اس حملہ سے اُسنے اپنی پردہ دری کرائی اسکو اپنی جہالت اور مسٹر اوپسن کی بات پر حد سے زیادہ اعتبار کر لینے سے ذلت نصیب ہوئی اور اُسے اس منحوس وقت پر لعنت بھیجنی چاہیئے۔ جبکہ اُسے اس مباحثہ میں حصہ لینے کا خیال آیا جس کے وہ بالکل ناقابل تھا اور جو انجام کار اس کی پردہ دری کا باعث ہُوا۔ میں اسکو ہمدردی سے مشورہ دیتا ہوں کہ آئندہ وہ ایسے مباحثات میں شامل ہونے کا کبھی خیال بھی نہ کرے جنمیں عربی دانی کی ضرورت ہو۔ مَیں اُمید کرتا ہوں کہ وہ اس سبق سے فائدہ اُٹھائیگا اور پھر کبھی ایسے مباحثات میں دخل نہ دیگا اگر وہ بیکار نہیں بیٹھ سکتا اور ضرور اُسکے لئے کوئی شغل چاہیئے تو مَیں اُسکے لئے ایک اَور قسم کا مباحثہ تجویز کرتا ہوں جسمیں اسکی ذات کے لئے کسی پردہ دری کا خطرہ نہیں۔ انجیل کی بنا پر ریویو آف ریلیجنز میں یسوع پر نکتہ چینی کیگئی ہے۔ اور عیسائی نوشتوں کی شہادت پر یسوع کی عصمت پر بڑے سخت اعتراض کئے گئے ہیں اسلئے مسٹر ہازو کے لئے بہت بہتر ہوگا کہ اس ضروری مسئلہ کو بحث کے نیچے لائے اور اس مضمون پر پُرزور مضامین لکھے۔ یہ اسکے لئے زیادہ سلامتی کی راہ ہے کیونکہ اسمیں اُسکے لئے کسی اپنی پردہ دری کا خطرہ نہیں۔ اگرچہ ممکن ہے کہ اس سے اُس شخص کی پردہ دری ہو جائے جسکو جہالت سے وہ اپنا خدا سمجھ کے پُوجتا ہے۔

مگر باوجود اسکے کہ یہ مسٹر ہازو کے لئے نہایت ہی مقدس اور اعلےٰ درجہ کا فرض ہے کہ اپنے خدا کی خدائی کو اسکی معصومیت ثابت کرکے نبھائے۔ مَیں وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ اس کام کے لئے کبھی جرأت نہیں کریگا۔ اسکے اپی فینی میں بہت دفعہ خطوط چھپے ہیں جسمیں اُسنے ریویو آف ریلیجنز کے بعض بیانات پر اعتراض کیا ہے مگر تعجب کی بات ہے کہ باوجود اسقدر مذہبی جوش اور تعصب کے یسوع کی عصمت پر جو اعتراض کئے گئے ہیں انکا کوئی دفعیہ نہیں کیا۔ وہ خوب جانتا ہے کہ ایسی کوشش کرنا مفید نہیں

جرم کی صورت میں عیسائیوں کا جواب اس سے کچھ کم لغو نہیں ہے اگرچہ قریباً تمام الفاظ جو جرم کے لفظ سے نکل سکتے ہیں قرآن شریف میں آئے ہیں مگر وہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ جرم کا مادہ اپنی اصل صورت میں قرآن شریف میں کہیں نہیں آیا۔ اس لئے ریویو آف ریلیجنز کے ایڈیٹر نے بڑی غلط بیانی کی جبکہ اُس نے کہا کہ جرم اگرچہ اکثر قرآن شریف میں دوسرے لوگوں پر آیا ہے مگر انبیاء کی نسبت ایک دفعہ بھی نہیں آیا۔ گویا کہ ایڈیٹر صاحب کی یہ مُراد تھی کہ جرم سے نکلے ہوئے لفظ ممکن ہے کہ انبیاء کی نسبت آئے ہوں مگر جرم کا مادہ قرآن شریف میں انبیاء کی نسبت استعمال نہیں ہوا۔

سوم ۔ ذنب کے معنے

(ا) عیسائی بیان کرتے ہیں کہ قرآن شریف انبیاء کو ایسا ہی گنہگار ٹھیراتا ہے جیسا کہ معمولی آدمیوں کو۔ یہ صریحاً غلط ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو قرآن شریف ایسے الفاظ کو مثلاً جرم ۔ فسق ۔ جناح ۔ اثم وغیرہ انبیاء کے متعلق کیوں استعمال نہیں کرتا۔ حالانکہ یہ الفاظ اکثر دوسرے لوگوں کی نسبت استعمال ہوئے ہیں۔ اگر قرآن شریف اُنکو ایسا ہی گنہگار سمجھتا ہے جیسا کہ دوسرے آدمیوں کو۔ تو کیوں وہ اُنکے متعلق ایسے الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز کرتا ہے جو دوسرے گنہگاروں کے متعلق اکثر استعمال کرتا ہے۔ لفظ فسق ۔ جرم ۔ اثم ۔ جناح وغیرہ قرآن کریم میں قریباً دو سو دفعہ آئے ہیں لیکن باوجود ان کی اسقدر کثرت استعمال کے کسی نبی کی نسبت وہ ایک دفعہ بھی استعمال نہیں کئے گئے۔ اگر لفظ ذنب اور جرم وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ قرآن شریف نے انبیاء کے لئے صرف ذنب کا لفظ چُن لیا ہے۔ اور ہمیشہ جرم وغیرہ الفاظ کے استعمال سے پرہیز کی ہے۔ اگرچہ قرآن شریف میں جرم فسق ۔ اثم وغیرہ کی نسبت ذنب کا استعمال بہت کم ہے لیکن باوجود اسکے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف دوسرے لفظوں کو چھوڑ کر انبیاء کی نسبت صرف ذنب کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ قرآن شریف نے صریحاً انبیاء کے متعلق جرم اور ذنب کے لفظ کے استعمال میں تمیز رکھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کبھی انبیاء کی نسبت ذنب کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو وہ جرم وغیرہ کا مترادف نہیں ہوتا۔

(ب) ایک اور دلیل کہ ذنب ہمیشہ گناہ سرزد شدہ کے معنے نہیں رکھتا۔ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ ذنب کی ایسے فعل کے طور پر تعریف نہیں کرتا جو ہمیشہ قابل سزا ہو۔ حالانکہ دوسرے الفاظ جرم ۔ وغیرہ کی ایسی تعریف کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ ذنب کو تمام صورتوں میں قابل سزا فعل نہیں ٹھیراتا۔ ہمیں قرآن شریف میں کہیں نہیں بتلایا گیا کہ جس شخص میں صرف ذنب پایا جائے وہ ہمیشہ مستحق سزاء کا

بلکہ مضر ہوگا کیونکہ ان اعتراضات کی بناء اناجیل کے کھلے کھلے اور صریح الفاظ پر ہے۔

یہ آسانی سے سمجھ آسکتا ہے کہ عیسائیوں کو یہ غلطی کیونکر لگی کہ جُرم کا استعمال قرآن شریف میں ہُوا ہی نہیں۔ آپ نے جو مضمون عصمت انبیاء پر شائع کیا تھا اسمیں آپ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ قرآن شریف انبیاء کو گنہگار نہیں ٹھیراتا اور اس بات کے ثبوت میں آپ نے بیان کیا کہ قرآن شریف میں انبیاء کی نسبت جُرم کا لفظ جو گناہ کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ ہے کبھی نہیں آیا۔ اگرچہ یہ لفظ قرآن شریف میں دُوسرے لوگوں کی نسبت بہت دفعہ آیا ہے آپ کا یہ مطلب تھا کہ ایسے لفظ مثلاً مجرم۔ یجرمون۔ اجرموا۔ وغیرہ جو جرم کے مادہ سے نکلے ہیں ممکن ہے کہ انبیاء کی نسبت استعمال کئے گئے ہوں مگر جرم اپنی مصدری صورت میں انبیاء کی نسبت استعمال نہیں ہُوا۔ ایسا کہنا انبیاء کی عصمت کی کوئی دلیل نہیں ہوسکتی تھی۔ اگر دُوسرے لفظ جو جرم کے مادے سے نکلے ہوئے ہیں انبیاء کی نسبت استعمال کئے جاتے اور صرف جرم کی مصدری صورت استعمال نہ ہوتی تو یہ کوئی اُنکی عصمت کی دلیل نہ ہوتی۔ جرم ایک جزء ہونیکی وجہ سے اِن تمام الفاظ پر حاوی ہے جو اس سے نکل سکتے ہیں۔ اور جب آپ نے کہا کہ جُرم کا استعمال انبیاء کے مُتعلق قرآن شریف میں نہیں آیا اگرچہ اکثر دُوسرے لوگوں کی نسبت آیا ہے تو صریحاً جُرم سے آپکی مراد وہ سارے الفاظ تھے جو اس لفظ سے نکلتے ہیں اور جنپر یہ لفظ حاوی ہے مگر عیسائیوں کو اتنا علم نہ تھا کہ وُہ اس بات کو سمجھیں۔ اُنہوں نے کسی نجوم الفرآن میں لفظ جرم کا دیکھا اور جب ان کو اس لفظ کا پتہ نہ مِلا تو اُنہوں نے دلیری سے کہدیا کہ جُرم کا استعمال قرآن شریف میں ہُوا ہی نہیں۔ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس طرح وہ اپنی جہالت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ چونکہ عربی سے واقف نہ تھے اُنکو یہ خیال نہ آیا کہ اُن الفاظ کو ڈھونڈھیں جو جُرم کے مادے سے نکلے ہُوئے ہیں۔ اگر قرآن شریف میں دُوسرے الفاظ جو جرم کے مادے سے نکلے ہُوئے ہیں انبیاء کی نسبت آئے ہوتے تو صرف نہ آنا اُن کی معصومیت کو ثابت نہیں کرسکتا تھا۔ فرض کرو کہ زید بیان کرتا ہے کہ گناہ کا لفظ یسوع کی نسبت انجیل میں استعمال نہیں ہُوا اِسلئے اُسے معصوم سمجھنا چاہئے۔ مگر عمرو ایسے فقرے انجیل سے پیش کرتا ہے جنمیں یسوع کی نسبت یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ گنہ گار۔ گنہ کرنے والا۔ گناہ کُنندہ وغیرہ۔ تو کیا زید کے لئے یہ کہنا عقلمندی ہوگی کہ اگرچہ یہ الفاظ یسوع کی نسبت بیان کئے گئے ہیں۔ مگر چُونکہ لفظ گناہ اپنی سادہ اور غیر مرکب صُورت میں یسوع کی نسبت نہیں آیا اِسلئے یسوع کو بیگناہ سمجھنا چاہئے۔ زید کا ایسا جواب موجب تمسخر ہوگا۔ لیکن لفظ

ہوتا ہے۔ مگر گناہ ایک قابل سزا فعل ہے۔ اور ہر ایک شخص جو گناہ کا مرتکب ہے سزا کا مستحق ہوتا ہے اس سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ خدا تعالےٰ ذنب کو تمام صورتوں میں گناہ کا مترادف نہیں قرار دیتا کیونکہ وہ کہیں بیان نہیں کرتا کہ جس شخص میں ذنب پایا جائے وہ ہمیشہ قابل سزا فعل کا مرتکب ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں ایک بھی آیت نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ نکل سکے کہ خدا ابتدائی ذنب کی تمام صورتوں کو قابل سزا ٹھیراتا ہے بجائے اسکے کہ عیسائی قرآن شریف سے کوئی ایسی آیت پیش کرتے جس سے پایا جاتا کہ جس شخص میں ذنب پایا جائے وہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اُنھوں نے ایسی آیتیں پیش کی ہیں جسمیں ذنب گناہ کے لئے آیا ہے۔ گویا ہمارا یہ دعوےٰ تھا کہ ذنب گناہ کے معنوں میں آتا ہی نہیں۔ قرآن شریف سے ایسی آیتیں پیش کیگئیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجرم لوگ اپنے ذنوب کی سزا پائینگے۔ لیکن کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس میں ذنب پایا جائے وہ سزا پائیگا۔ ان آیتوں سے تو اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ جو مجرم ہونگے وہ اپنے ذنوب کی سزا پائیں گے۔ ہم عیسائی صاحبان سے ایسی آیت طلب کرتے ہیں جس کے یہ معنی ہوں کہ ہر ایک ذنب سزا پائیگا۔ قرآن شریف میں ایسی کئی آیتیں ہیں کہ جو کوئی جرم۔ فسق۔ اثم۔ کفر کرے وہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ آیت ہے۔ ومن یات ربہ مجرما فان لہ جھنم۔ ترجمہ۔ اور جو کوئی خدا کے پاس مجرم کے طور پر آئیگا دوزخ میں ڈالدیا جائیگا۔ لیکن ہمیں کہیں نہیں بتلایا گیا کہ جو کوئی رب کے پاس مذنب ہو کر جائیگا دوزخ میں سزا پاویگا۔ ایسا ہی قرآن شریف میں کئی آیتیں ہیں جنمیں فسق۔ اثم کفر وغیرہ تمام صورتوں میں قابل سزا فعل بیان کئے گئے ہیں۔ مگر ذنب کی کہیں ایسی تعریف نہیں کیگئی۔

مجرم۔ کافر۔ فاسق وغیرہ کا ذنب خالص ذنب نہیں ہے کیونکہ ان صورتوں میں ان لوگوں کیطرف صرف ذنب ہی منسوب نہیں کیا گیا بلکہ ان لوگوں کے ذنب کیساتھ جرم۔ کفر۔ فسق وغیرہ بھی ملائے گئے ہیں۔ اسلئے ہم نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ ذنب جس کے ساتھ کفر۔ جرم۔ فسق وغیرہ نہ ملا ہؤا ہو وہ بھی ہمیشہ قابل سزا ہوتا ہے۔ اگر مجرم کافر۔ فاسق وغیرہ کو اس کے ذنب کی سزا میں دوزخ کا وعید سُنایا گیا ہے تو اس سے ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ انبیاء بھی جنکی طرف جرم۔ کفر۔ فسق منسوب نہیں کئے گئے۔ اپنے ذنب کے لئے مستحق سزا ہوتے ہیں۔ عیسائیوں کو قرآن شریف کی رُو سے ثابت کرنا چاہیئے کہ جس شخص کیطرف صرف ذنب منسوب کیا گیا ہو۔ اور جرم۔ فسق۔ اثم وغیرہ اس کی طرف منسوب نہ کئے گئے ہوں وُہ بھی سزا کا ایسا ہی مستحق ہو جاتا ہے جیسا کہ مجرم یا اثیم وغیرہ۔ اب قرآن شریف میں

خدا تعالیٰ انبیاء کی نسبت صرف ذنب کا لفظ استعمال کرتا ہے اور ذنب کو وہ کہیں ایسے فعل کے طور پر بیان نہیں کرتا جو کہ تمام صورتوں میں سزا کا مستحق بنا دے اور وہ جرم۔ فسق۔ اثم۔ کفر وغیرہ الفاظ انبیاء کی نسبت استعمال نہیں کرتا۔ اور وہ اُن فعلوں کو ان کی تمام صورتوں میں قابل سزا بیان کرتا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ انبیاء کو ایسے لوگوں میں شامل نہیں کرتا جو کہ سزا پانے کے خطرہ میں ہوتے ہیں جیسا کہ وہ دوسرے لوگوں کو سمجھتا ہے۔

(ج) عیسائی بیان کرتے ہیں کہ انبیاء بھی اسیطرح گناہ کر سکتے ہیں جیسا کہ دوسرے لوگ۔ اور کہ انبیاء اور دوسرے لوگوں میں اس بارہ میں کوئی فرق نہیں۔ قرآن شریف اس کی تردید کرتا ہے وہ اس بارے میں انبیاء اور دوسرے لوگوں میں صاف تمیز کرتا ہے جب بعض لوگوں نے شک کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے زیادہ حصہ لے لیا ہے تو خدا تعالےٰ نے انکے شبہات کا اس طرح جواب دیا ما کان لنبی ان یغل۔ (ترجمہ) نبی کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے جس طرز میں خداوند تعالیٰ نے جواب دیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گناہ کے بارے میں خدا تعالےٰ انبیاء کو اور دوسرے لوگوں کو مساوات کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ خدا تعالےٰ اُنکے شبہوں کا یوں جواب دے سکتا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں کوئی خیانت نہیں کی۔ برخلاف اسکے خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی نبی ایسا کام کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک انبیاء اور دوسرے لوگ گناہ کے معاملہ میں مساوی نہیں جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے خدا یہاں ایک قسم کے گناہ کا ذکر اسلئے کرتا ہے کہ موجودہ صورت میں اسی قسم کا الزام لگایا گیا تھا اور یہی الزام تھا جس سے خدا تعالےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بری کرنا چاہتا تھا۔

(د) عیسائی لوگ بیان کرتے ہیں کہ استغفار ایسے گناہوں کی معافی کے لئے ایک دعا ہے جو سرزد ہو چکے ہیں۔ اور جب تک کہ کوئی گناہ سرزد نہ ہو کوئی استغفار نہیں ہو سکتا۔ یہ بیان کئی وجوہات کے رُو سے غلط ہے۔

(۱) استغفار کے لفظی معنے اس بیان کی تردید کرتے ہیں۔ اسکے معنے ہیں حفاظت مانگنا گناہوں سے حفاظت مانگنا ضرورتاً دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک سرزد شدہ گناہوں کے بدنتائج سے حفاظت طلب کرنا۔ دوسرا خود گناہوں کے وقوع سے حفاظت طلب کرنا۔ ہم طبعی طور پر صرف یہی خواہش نہیں کرتے کہ ہمارے

گزشتہ گناہ معاف ہوں بلکہ یہ بھی خواہش کرتے ہیں کہ آئندہ ہم سے گناہ سرزد ہی نہ ہوں۔ اور استغفار ایک ایسی دعا ہے جس میں ہم اپنی طبعی خواہشوں کو ظاہر کرتے ہیں اُس کو صرف ایک خواہش پر ہی محدود کرنا بے انصافی ہے۔

(۲) قرآن شریف میں کئی آیات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار صرف سرزدشدہ گناہوں کے لئے ایک دعا نہیں ہے بلکہ ہم بغیر کسی گناہ کے وقوع کے بھی استغفار کر سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں تاکید کرتا ہے کہ صبح کے وقت استغفار کیا کرو۔ اگر استغفار ضرور گناہوں کے بعد ہوتا ہے تو کیوں خداوند تعالیٰ نے صبح کا وقت خاص کیا۔ ہم سے جس وقت گناہ سرزد ہو اسی وقت استغفار کرنا چاہئے تھا۔ مگر خدا ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ تم ہر روز صبح کے وقت استغفار کیا کرو۔ وہ فرماتا ہے الصابرین والصادقین والقانتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحار پھر فرماتا ہے انھم کانوا قبل ذلک محسنین کانوا قلیلاً من اللیل ما یھجعون وبالاسحار ھم یستغفرون۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیں یہی حکم نہیں کرتا کہ جس وقت تم سے کوئی گناہ سرزد ہو اُس وقت استغفار کیا کرو۔ بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ بغیر گناہوں کے ارتکاب کے بھی ہم استغفار کیا کریں۔

(۳) ایک اور آیت جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار گنہگار ہونیکا کوئی ثبوت نہیں ہے اسطرح پر ہے نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (سورۃ التحریم) اس آیت میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ بہشتی لوگ بھی استغفار کیا کرینگے۔ ان کا استغفار گناہوں کے لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ بہشت میں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ اپنی دنیاوی زندگی کے گناہونکے لئے استغفار کریں گے کیونکہ ہمیں اس سے پہلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ بہشت میں داخل ہونے سے پہلے اُن کے گناہ معاف کئے جائیں گے۔ آیت اس طرح ہے عسیٰ ربکم ان یکفر عنکم سیئاتکم و یدخلکم جنّٰت تجری من تحتھا الانھار۔ پس اُن کا استغفار گزشتہ گناہوں کے لئے نہیں خود اس آیت سے ہمیں پتہ ملتا ہے کہ اُن کا استغفار کس غرض کے لئے ہوگا۔ چونکہ خداوند تعالےٰ کے نور کی کوئی حد نہیں ہے اس لئے جو نور اہل جنت کو ملیگا وہ انکو اس نور کے مقابل ناقص نظر آئیگا جو ابھی ان کو نہیں ملا۔ اس نقص کو محسوس کرکے وہ خدا سے دعا کرینگے کہ ہمارا نور پورا کر۔ اور ہماری اس

ناقص حالت کو ڈھانپ دے - مگر وہ کبھی نور سے سیر نہیں ہونگے - کیونکہ خدا کے نور کی کوئی حد نہیں - اسلئے وہ ہمیشہ زیادہ اور زیادہ نور مانگتے رہینگے - اس سے معلوم ہوا کہ استغفار روحانی ترقی کے لئے ایک دعا ہے - چونکہ روحانی ترقی کی کوئی حد نہیں - اسلئے انبیاء علیہم السلام ہمیشہ دعا میں لگے رہتے ہیں اور ہمیشہ زیادہ نور مانگتے رہتے ہیں وہ کبھی اپنی روحانی ترقی پر سیر نہیں ہوتے اسلئے ہمیشہ استغفار میں لگے رہتے ہیں کہ خدا انکی ناقص حالت کو ڈھانپے - اور پورا روشنی کا پیمانہ دے - اسی وجہ سے خدا تعالیٰ اپنے نبی کو فرماتا ہے قُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا یعنی ہمیشہ علم کے لئے دعا کرتا رہ - کیونکہ جیسا خدا ابحد ہے ایسا ہی اُسکا علم بھی بحید ہے - القصہ اہل جنت کا استغفار صاف طور پر ثابت کرتا ہے کہ استغفار اور گناہ لازم ملزوم نہیں ہیں اور یہ کہ ہمارا استغفار اسلئے بھی ہوسکتا ہے کہ خدا ہماری کمزوریوں کو ڈھانپے اور روحانی ترقی کیلئے طاقت دے - عیسائی بڑے ظالم ٹھہرینگے اگر وہ اب بھی اصرار کرینگے کہ استغفار ہمیشہ گزشتہ گناہوں کی معافی کے لئے ایک دعا ہوتی ہے -

(۴) ایک اور آیت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار ہمیشہ گزشتہ گناہوں کے لئے نہیں ہوتا - یہ ہے فسبّح بحمد ربّك واستغفرہ اِنّہٗ کان توّابا - اس آیت میں خداوند تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کی تاکید کرتا ہے - یہ آیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تھوڑے ہی دن پہلے اُتری - اب اس آیت کے ساتھ یہ آیت ملاؤ - انّا فتحنا لك فتحا مبینا لیغفر لك اللہ ما تقدّم من ذنبك وما تاخّر - یہ آیت فتح مکہ کے وقت اُتری اسلئے یہ آیت اوّل الذکر آیت سے بہت پہلے کی ہے - عیسائی اس آیت کا اسطرح ترجمہ کرتے ہیں " ہمنے تجھے ایک صریح فتح دی تاکہ ہم تیرے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کریں"* - یہ عیسائیوں کا ترجمہ ہے - اسلئے عیسائیوں کو ماننا چاہئے کہ خدا تعالے نے فتح مکہ کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کل اگلے پچھلے گناہ معاف کر دئے تھے اب جب خداوند تعالے

---

* یہ معنے بالصراحت غلط ہیں کیونکہ اس آیت کا ربط ہی بگڑ جاتا ہے - ایک فتح کو گناہ کی معافی سے کیا تعلق ہے گناہوں کی معافی فتح کا کوئی نتیجہ نہیں ہوسکتا - یہاں لفظ ذنب سے وہ عیب مراد ہیں جو کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب کیا کرتے تھے کہ یہ شخص مفتری اور جھوٹا ہے - خدا تعالے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح دی - جو کہ آپکی صداقت کی علامت تھی - اور اسطرح خداوند تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو فتح دیکر ان تمام الزاموں کو دور کر دیا جو کفار آنحضرت صلعم کیطرف منسوب کیا کرتے تھے - خدا تعالے نے آپ کے سلسلہ کو پوری کامیابی دی - اور آپکے دشمنوں کو ہلاک کیا اور اسطرح آپ کی سچائی کی شہادت دی - ربط کلام ان معنوں کی تائید کرتا ہے -

نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دئے تو پھر خداوند تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو کیوں استغفار کی تاکید کی۔ اگر ہم عیسائیوں کے ترجمہ کو بھی مان لیں تو ہمیں نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ جب خداوند تعالےٰ نے گناہ معاف کرنیکے بعد استغفار کی تاکید کی تو وہ استغفار گزشتہ سرزد شدہ گناہوں کے لئے نہیں تھا کیونکہ آپکے گناہ تو سارے معاف ہو چکے تھے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ خداوند تعالیٰ اول سارے گناہوں کو معاف کرے اور پھر بعد اسکے گناہوں کی معافی منگوائے۔ پس عیسائیوں کو ماننا چاہئے کہ یہاں واستغفرہ کے معنے یہ نہیں کہ گناہوں کے لئے معافی مانگ۔ بلکہ یہاں استغفار کے معنے خداوند تعالیٰ سے قوت طلب کرنا ہیں تاکہ وہ روحانی منزل کے طے کرنے میں طاقت بخشے۔ سیاق کلام بھی اس معنے کی تائید کرتا ہے۔ اس سورۃ میں (یعنی النصر) میں خداوند تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل کامیابی کا ذکر کرتا ہے۔ اور آپکے قرب موت کیطرف اشارہ کرتا ہے۔ اور تاکید کرتا ہے کہ زندگی کے باقی دنوں میں صرف دعا میں لگ جاؤ۔

(۵) عیسائی بیان کرتے ہیں کہ استغفار نہیں ہو سکتا جب تک کہ گناہوں کا ارتکاب ہوا ہو اور یہ کہ جتنا زیادہ کوئی استغفار کرے اتنا ہی زیادہ وہ گنہگار ہوتا ہے۔ اس خیال کی قرآن شریف تردید کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریباً ایک دن میں سو دفعہ استغفار کیا کرتے تھے۔ اور آپ ساری عمر ایسا ہی کرتے رہے۔ اب عیسائیوں کے نزدیک یہ بار بار کا استغفار گناہوں کی زیادتی کو ظاہر کرتا ہے۔ مگر قرآن شریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بڑے تعریف والے کلمے بیان کرتا ہے مثلاً انک لعلےٰ خلق عظیم نیز یہ آیت قل انّ صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ ربّ العٰلمین پھر خداوند تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر فرماتا ہے۔ اب ان تمام آیتوں سے اس نتیجہ کی تردید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار کا استغفار کثرت گناہوں کی وجہ سے تھا اگر ایسا ہوتا تو خداوند تعالےٰ ایسے الفاظ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یاد نہ فرماتا جنکا اوپر ذکر ہوا ہے۔

(۶) خداوند تعالیٰ مسلمانوں کو حکم کرتا ہے کہ وہ آنحضرتؐ کے نمونہ پر چلیں اور آپکے ہر قول اور فعل کی پیروی کریں چنانچہ فرماتا ہے۔ قد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ پھر فرماتا ہے ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال عیب سے خالی نہ تھے تو کیوں ہم پر واجب کیا کہ ہم آپ کے نمونے پر چلیں جب خدا نے ابراہیم علیہ السلام کے نمونے پر چلنے کی تاکید فرمائی تو ساتھ ایک استثنا لگا دیا* مگر آنحضرتؐ کی صورت میں

---

* دیکھو آیت قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم .... الا قول ابراھیم لابیہ لاستغفرن لک (الممتحنہ) اور آیت وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبین لہ انہ عدوّ للہ تبرأ منہ۔ ان ابراھیم لاوّاہ حلیم (التوبۃ)

کوئی استثنا نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال غلطی سے پاک تھے۔

چہارم۔ کیا عیسائی قرآن شریف سے حضرت مسیح کی عصمت ثابت کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر استغفار اور گناہ لازم ملزوم ہیں تو اس سے ماننا پڑتا ہے کہ قرآن شریف کے رُو سے حضرت مسیح بھی بیگناہ نہیں ہیں۔

(الف) قرآن شریف میں ہے یستغفرون لمن فی الارض یعنی خدا کے فرشتے کل اہل زمین کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ اب اگر استغفار کے لئے گناہ کا ہونا ضروری ہے۔ تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح بھی بیگناہ نہ تھے کیونکہ وہ بھی اہل زمین میں شامل ہیں جن کے لئے فرشتے استغفار کرتے ہیں۔

(ب) قرآن شریف ایک اور جگہ فرماتا ہے کہ فرشتوں کا استغفار خاصکر مومنوں کے لئے ہوتا ہے وہ آیت اس طرح ہے یستغفرون للذین امنوا۔ قرآن شریف کی رُو سے تمام لوگ دو اقسام میں منقسم ہیں ایک مومن دوسرے غیر مومن۔ اور حضرت مسیح مومنوں میں شامل ہیں اور اسلئے فرشتے اُن کے لئے بھی استغفار کرتے ہیں۔ پس اگر استغفار سے گناہ کا ہونا لازم ہوتا ہے۔ تو پھر حضرت مسیح بیگناہ نہیں ہو سکتے۔

(ج) قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام گذشتہ انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ الخ (آل عمران رکوع ۹)

مسٹر اے۔ ایم۔ اذ اخذ اللہ میثاق النبیین کا عجیب ترجمہ کرتا ہے۔ اس کا ترجمہ کرنے کیواسطے وہ قرآن شریف کی ایک اور آیت کیطرف رُخ کرتا ہے۔ یعنی ولقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل الخ ان دونوں آیتوں کو ملانے کی کوشش کرتا ہے۔ پچھلی آیت کا یہ معنے ہے کہ خدا نے بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ اور پہلی آیت اپنی ترکیب کے لحاظ سے بالکل پچھلی آیت کے مشابہ ہے۔ اسلئے اسکے معنے یُوں کرنے چاہئے کہ خدا نے انبیاء سے عہد لیا۔ دونوں ترکیبیں بالکل مشابہ ہیں۔ اور اگر لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل کے یہ معنے ہیں کہ خدا نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تو دوسری آیت کے یہ معنے ہونے چاہئے کہ خدا نے انبیاء سے عہد لیا۔ صرف ہم نے ایک آیت میں انبیاء کا لفظ لکھنا ہے۔ اور دوسری آیت میں بنی اسرائیل کا لفظ۔ باقی حالتوں میں دونوں عبارتیں بالکل ایک ہی

ہیں لیکن بجائے اسکے کہ مسٹر اے ایم اذ اخذ اللہ میثاق النبیین کا اسی طرز سے ترجمہ کرے جس طرح وہ دوسری عبارت کا ترجمہ کرتا ہے۔ وہ اذ اخذ اللہ میثاق النبیین کا بہت ہی خلاف محاورہ ترجمہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اسکے معنے یہ ہیں کہ خدا نے انبیاء کے بارے میں بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ بنی اسرائیل کا لفظ وہ اپنی طرف سے ملاتا ہے۔ ایک طرف تو وہ میثاق بنی اسرائیل کے یہ معنے کرتا ہے کہ بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ دوسری طرف میثاق النبیین کا یوں ترجمہ کرتا ہے کہ نبیاء کے بارے میں بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ دونوں عبارتیں بالکل مشابہ ہیں۔ اسلئے اگر میثاق بنی اسرائیل کے یہ معنے ہیں کہ بنی اسرائیل سے عہد لیا تو میثاق النبیین کے یہ معنے ہونے چاہئیں کہ نبیوں سے عہد لیا۔

اسکا یہ اعتراض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی نبی زندہ نہ تھا جو آپ پر ایمان لاتا اور آپکی نصرت کرتا۔ لغو ہے۔ خدا نے یہ عہد ہر ایک نبی سے کیا جو آنحضرت سے پہلے گذرا اور خدا کی وحی انبیا پر اُترتی تھی نہ کہ عام لوگوں پر۔ لیکن انبیاء کا فرض تھا کہ خدا کا یہ حکم اپنی اپنی اُمتوں کو پہنچاتے اور اُن کو تاکید کرتے کہ جب موعود نبی ظاہر ہو تو اُسپر ایمان لانا اور اُسکی امداد کرنا مگر وہ اس حکم کو نہیں پہنچا سکتے تھے جبتک وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاتے جب انہوں نے آنحضرت کی آمد کی پیشگوئی کی تو لازم تھا کہ وہ خود بھی آپکی نبوت پر ایمان لاتے۔ اگر مسٹر اے ایم کا اعتراض ہمپر پڑتا ہے تو وہ اسکے معنوں پر بھی ایسا ہی پڑتا ہے۔ اگر عہد بنی اسرائیل سے کیا گیا تھا تو وہ بنی اسرائیل کی کوئی خاص نسل ہوگی۔ اگر انبیاء آنحضرت کے زمانے تک زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ تو بنی اسرائیل بھی زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ وہ نسل اپنے نبی کے ساتھ ہی گذر گئی ہوگی تو پھر وہ کسطرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کو دیکھ سکتی تھی۔ اسلئے دونوں صورتوں میں جن لوگوں سے عہد کیا گیا وہ تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اسلئے دونوں صورتوں میں خدا کے حکم کی تعمیل کرنیوالے وہی لوگ ٹھیرتے ہیں جو آنحضرت کی بعثت کیوقت موجود تھے۔ اور اپنے انبیاء کے قائم مقام تھے۔ پس ہمیں صرف یہی دیکھنا چاہئے کہ عہد کن سے کیا گیا۔ آیت کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عہد انبیاء سے کیا گیا۔ خدا سے الہام پاکر انبیاء کا فرض تھا کہ خدا کے اس حکم کو اپنی اُمتوں تک پہنچاویں اور انکو تاکید کریں کہ موعود نبی پر ایمان لانا اور اُسکی مدد کرنا۔ لیکن وہ کس طرح اوروں کو تاکید کرسکتے تھے جبتک کہ وہ خود پہلے آنحضرت کی نبوت پر ایمان نہ لاتے۔ انبیاء کی نصرت تو یہی تھی کہ وہ اپنی اپنی

امتوں کو تاکید کر جاویں کہ موعود نبی پر ایمان لانا۔ اور اُسکی نصرت کرنا۔

اب چونکہ حضرت مسیح بھی انہی انبیاء میں سے ہیں جنکا اس آیت میں ذکر ہے اسلئے ثابت ہوا کہ وہ بھی آنحضرت کی نبوت پر ایمان لاتے تھے اور اسلئے مومنین میں شامل تھے۔ اب خدا تعالٰے آنحضرت صلعم کو فرماتا ہے استغفر لذنبک وللمومنین والمومنات۔ اب اگر استغفار کیلئے گناہ لازم ہے تو ثابت ہوا کہ حضرت مسیح بھی بیگناہ نہیں تھے کیونکہ آپ بھی بذکورہ بالا آیت کے مطابق مومنین میں شامل تھے جن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم ہے۔

پنجم۔ کیا یہودیوں کی نسبت جُرم کا لفظ قرآن شریف میں نہیں آیا ؟

عیسائی نامہ نگاروں نے بیان کیا ہے کہ اگر انبیاء کی نسبت جُرم کا لفظ نہیں آیا تو یہودیوں کی نسبت بھی نہیں آیا یہ ان کی جہالت کا دُوسرا ثبوت ہے۔ یہودیوں کی نسبت کئی جگہ جُرم کا لفظ قرآن شریف میں آیا ہے نمونہ کیلئے صرف تین آیتیں لکھنی کافی ہونگی۔ ایک آیت یہ ہے۔ وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر۔ ومن البقر والغنم حرمنا علیھم شحومھما الا ما حملت ظھورھما او الحوایا او ما اختلط بعظم ذٰلک جزینٰھم ببغیھم وانا لصادقون۔ فان کذبوک فقل ربکم ذو رحمۃ واسعۃ ولا یرد باسہ عن القوم المجرمین (الانعام رکوع ۱۸) اس آیت میں یہودیوں کا ذکر ہے۔ جنکی نسبت لفظ مجرمین آیا ہے دُوسری آیت یہ ہے ولقد ارسلنا من قبلک رسلاً الی قومھم فجاءوھم بالبینات فانتقمنا من الذین اجرموا وکان حقاً علینا نصر المؤمنین (الروم رکوع ۵) اس آیت میں گزشتہ انبیاء کے دُشمنوں کو مجرم بیان کیا ہے حضرت مسیح بھی انہیں نبیوں میں شامل ہیں اسلئے انکے دُشمن قرآن شریف کی رُو سے مجرم ٹھیرتے ہیں اب ہم عیسائی صاحبان سے پُوچھتے ہیں کہ آیا یہودی حضرت مسیح کے دُشمن تھے یا دوست۔ اگر وہ آپکے دوست تھے تو بیشک وہ مجرم نہیں ہیں لیکن اگر وہ آپکے دشمن تھے تو پھر قرآن شریف کی رُو سے وہ مجرم ٹھیرتے ہیں۔ تیسری آیت یہ ہے۔ وکذٰلک جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین (پارہ ۱۹- رکوع ۱) اس آیت سے بھی انبیاء کے دشمن مجرمین کے لفظ سے پکارے گئے ہیں۔ اور اسلئے یہودی بھی مجرم ٹھیرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے جانی دُشمن تھے۔ اور آنحضرت صلعم کے بھی دشمن تھے۔

عیسائی نامہ نگاروں کو اپنے اِس بیہودہ قول سے شرم کرنی چاہئے کہ قرآن شریف میں جُرم کا لفظ یہودیوں کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔ انکا یہ قول بھی ایسا ہی بیہودہ ہے جیسا کہ انکا پہلا قول۔ کہ جرم کا لفظ قرآن شریف میں آیا ہی نہیں

اس سے عیسائی نامہ نگاروں نے صرف اپنی کم علمی کا ہی ثبوت نہیں دیا بلکہ اپنی کم فہمی کا بھی ثبوت دیا ہے۔ اگر قرآن شریف میں یہودیوں کی نسبت جرم کا لفظ نہ بھی آتا تو کیا پھر وہ انبیاء سے مساوی ٹھہر سکتے تھے۔ خدا ان کی نسبت انکی بدعملی اور بدی بیان کرتے ہوئے ہر ایک لفظ سے کام لیتا ہے جو خیال میں آ سکتا ہے۔ ان کو فاسق۔ ملعون۔ کافر معتدین شیاطین ظالم۔ بندر۔ مغضوب علیہم وغیرہ بیان کرتا ہے۔ ان الفاظ کے مقابل اگر قرآن شریف یہودیوں کی نسبت جرم کا لفظ نہ بھی بیان کرتا تو کیا وہ انبیاء کی طرح بیگناہ ثابت ہو سکتے تھے جنکے متعلق ان الفاظ میں سے کوئی بھی استعمال نہیں ہوا۔

ششم۔ احادیث اور عصمتِ انبیاء

عیسائیوں کی کوشش کہ احادیث کے الفاظ کی بناء پر کوئی نتیجہ نکالیں عبث ہے۔ پہلے انہیں ثابت کرنا چاہئے کہ یہ ہوبہو وہی الفاظ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلے۔ اور پھر ان سے نتیجہ نکالنا چاہئے وہ نتائج جو صرف احادیث کے الفاظ پر مبنی ہوں پختہ نہیں ہو سکتے کیونکہ بناء انکی پختہ نہیں۔ قرآن شریف کے الفاظ کی بناء پر ہم نتائج قائم کر سکتے ہیں مگر احادیث کے الفاظ پر کوئی نتیجہ قائم نہیں کر سکتے۔ احادیث میں جو دعائیں مذکور ہیں اُنسے عیسائی عدم عصمت کا نتیجہ نکالتے ہیں مگر وہ ان دوسری احادیث کی طرف توجہ نہیں کرتے جن سے عصمت ثابت ہوتی ہے۔ صرف دُعاؤں کے الفاظ کی بناء پر نتیجہ نکالنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ بیشتر اس کے کہ ہم ان الفاظ سے کوئی نتیجہ نکالیں ہمیں پہلے یقینی طور پر ثابت کرنا چاہئے کہ ہوبہو یہی الفاظ بلا کم و کاست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلے۔ احادیث میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں انسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ اور کوئی بھی صحیح حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے اسکے برخلاف نتیجہ نکال سکیں۔ میں یہاں نمونہ کے طور پر ایک حدیث مسلم سے درج کرتا ہوں جس سے صاف طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت ثابت ہوتی ہے

وعن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملئکۃ قالوا وایاک یا رسول اللہ قال وایای ولکن اللہ اعاننی علیہ فاسلم فلا یامرنی الا بخیر۔ ترجمہ۔ ابن مسعود روایت کرتا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے ایسا کوئی نہیں کہ جس کے ساتھ ایک جن اور ایک فرشتہ نہ ہو پھر لوگوں نے کہا یا رسول اللہ آپ کے ساتھ بھی ہیں فرمایا میرے ساتھ بھی ہیں لیکن اللہ نے مجھے اُسپر مدد دی ہے پس وہ مسلمان ہو گیا ہے اور مجھے سوائے بھلائی کے اور کسی چیز کا حکم نہیں دیتا۔

ہفتم۔ قرآن شریف میں کسی نبی کے گناہ کا ذکر نہیں ہے

میں یہاں اُن انبیاء کا ذکر کرتا ہوں جنکی نسبت عیسائی بیان کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں انکے گناہوں کا ذکر ہے اور دیکھتا ہوں کہ اُنکا یہ قول کہاں تک صحیح ہے۔

حضرت آدمؑ کی نسبت تو خدا خود فرماتا ہے ولم نجد له عزما۔ یعنی آدم نے یہ کام ارادۃً نہیں کیا۔ اب گناہ تو ارادہ پر منحصر ہے۔ اگر ایک شخص زہر پی لے اور اُسکو علم ہو کہ یہ زہر ہے اور اسکا نتیجہ موت ہوگا۔ تو ایسی صورت میں وہ ایک گناہ کا مرتکب ہوتا ہے لیکن اگر وہ اسکو بغیر علم کے پی لے تو اگرچہ اسکو نتیجہ بھگتنا پڑیگا مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے گناہ کیا۔ یہی حال حضرت آدم علیہ السلام کا ہے۔ ہمیں بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حوا نے انکو یہ پھل دیا تھا۔ انکو یہ علم نہ تھا کہ یہ وہی ممنوع پھل ہے۔ انکا یہ کام بیشک خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف تھا۔ مگر اُنھوں نے اس حکم کو عمداً نہیں توڑا۔ اسلئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُنھوں نے گناہ کیا۔ اس پھل کے کھانیکا وہی نتیجہ نکلا جو زہر کھانے سے نکلتا ہے۔ کیونکہ قدرت اپنا کام کرنے سے نہیں رک سکتی مگر اسمیں انکا کوئی گناہ نہیں تھا کیونکہ ارادہ نہیں تھا۔

حضرت آدمؑ کبھی شرک کے مرتکب نہیں ہوئے۔ شرک ایک ناقابلِ عفو گناہ ہے اور خدا کے پاک لوگ ایسا گناہ نہیں کر سکتے جس آیت کا عیسائی حوالہ دیتے ہیں اسمیں حضرت آدم کا نام نہیں ہے اسمیں صرف عام انسانوں کے میلان کا ذکر ہے جو شرک کیطرف اُنمیں پایا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو مُکا مارا اسکا ناجائز محل پر نہیں تھا۔ اُنھوں نے اپنی جماعت کے ایک آدمی کی ایک دشمن کے مقابل حمایت کی اور موت کا واقع اتفاقی تھا۔ انکا ارادہ قتل کا نہیں تھا۔ خدا تعالےٰ کوئی گناہ انکی طرف منسوب نہیں کرتا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کو عیسائیوں نے یہ الزام لگایا ہے کہ اُنھوں نے بت پرستوں کی امداد کی اور اُسمیں شریک ہوئے۔ یہ خالص جھوٹ ہے۔ قرآن شریف سے ہمیں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰؑ کی غیر حاضری میں قوم کو گوسالہ پرستی سے روک نہ سکے اور یہ قصہ قرآن شریف میں نہیں ہے۔ اگر دوسرے لوگ بائیبل کی جھوٹی کہانیاں درج کردیں تو قرآن شریف ایسی افسانوں کا ذمہ وار نہیں ہے۔

حضرت مسیح نے کہا کہ میں یُونس نبی کا نشان دکھاؤنگا۔ کیا اُن کا یہ مطلب تھا کہ میں بھی یُونس کیطرح ایک گناہ کا ارتکاب کرونگا۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ جسکو حضرت مسیح یُونسؑ کا معجزہ قرار دیتے ہیں۔ اسکو آجکل کے عیسائی گناہ یا گناہ کی سزا بیان کرتے ہیں۔

بالآخر کیا عیسائیوں کے لئے یہ مناسب نہیں کہ پہلے یسوع کو اُن گناہوں سے بری کرکے دکھائیں جنکا ذکر

انجیل میں ہے۔ بجائے اس کے کہ دوسرے انبیاء کو گنہگار ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

لاہور کے بشپ کی رائے ہندوستان کی اخلاقی حالت پر

لاہور کا بشپ ایسٹ اینڈ ویسٹ ایک نئے مشنری رسالے میں مضمون نویسی کرتا ہوا ہندوستان کی گری ہوئی اخلاقی حالت پر یوں رقمطراز ہے:۔ "اصول زندگی میں ایمان کا بالکل معدوم ہونا۔ ایک نہایت ہی گری ہوئی اخلاقی حالت اور گناہ کے احساس کا بالکل جاتے رہنا۔ یہانتک کہ انسان اسکے ارتکاب میں بالکل بیحیا ہو جائے اور سچی توبہ کے قابل ہی نہ رہے۔ سوائے اسکے کہ اُس گناہ کی سزا سے بچنے کی بڑی خواہش ہو۔ یہ ہے ہندوستان کی حالت اور یہ ہیں اُسکے لوگوں کی زندگی میں قابل توجہ باتیں۔ اور جب یہ غور کیا جائے کہ یہ رذیل حالتیں صدیوں سے ان لوگوں کے خون میں رچ گئی ہیں اور انکی زندگی کو تباہ کر چکی ہیں تو آسانی سے سمجھ آسکتا ہے کہ پادریوں کی کوششیں کیوں اس جلدی اور اس کثرت سے بارآور نہیں ہوتیں جیسا کہ ہم چاہتے ہیں" یہ گری ہوئی اخلاقی حالت جسکو بشپ صاحب پادریوں کی کوششوں کے آگے ایک روک سمجھتے ہیں ایک استثناء کی محتاج ہے کیونکہ بعض قوموں کے درمیان جیسے مثلاً چوہڑے یا چمار یا پاریا یا بعض دوسری پنچ ہندو قومیں پادری صاحبوں کی کوششیں بہت بارآور ہوئی ہیں جس سے لاہور کے بشپ صاحب کی منطق کی رُو سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ چوہڑوں اور چماروں کی اخلاقی حالت اور گناہ کا احساس مسلمانوں اور ہندؤں سے بہت بڑھ کر ہے پس کم از کم بشپ صاحب کو یہ چاہئے تھا کہ ہندوستان کے باشندوں کی اخلاقی حالت پر حملہ کرتے وقت چوہڑوں اور چماروں کو مستثنےٰ کر دیتے پھر شائد اُن کی اس غلط بیانی سے مُسلمانوں اور ہندؤں کو اتنا رنج بھی نہ ہوتا۔ جہاں تک مُسلمانوں پر بشپ صاحب کا حملہ ہے ہمارا ارادہ ہے کہ کسی دوسرے نمبر میں اسپر مفصل بحث کریں اور پردہ پر جو نہایت ہی بیہودہ حملہ بشپ صاحب نے اپنی فضیلت کو ثابت کرنے کیلئے کیا ہے اُسکی بھی تردید کریں لیکن قبل ایسی بحث کے ہمارے بعض سوالات ہیں جنپر اُمید ہے بشپ صاحب جواب دیکر کچھ روشنی ڈالیں گے۔ بشپ صاحب کہتے ہیں کہ ہندوستان میں گناہ کا احساس ہی نہیں رہا۔ لیکن ہم باادب بشپ صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ اُنکے نزدیک شراب خوری بھی گناہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا یہ سچ نہیں کہ شراب خوری عیسائی ممالک میں اسلامی ممالک سے بہت ہی بڑھکر رنج ہے؟ کیا شراب خوری نے عیسائی اقوام کو تباہ کیا ہے یا مسلمانوں کو؟ کیا عیسائی قومیں دوسرے

ممالک میں جا کر شراب خوری کو رائج کر رہی ہیں یا مسلمان؟ کیا شراب خوری ایک ایسی بدی نہیں جو تمام دوسری بدیوں کی جڑھ ہے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ شراب خوری ہی ایک ایسی چیز ہے جو گناہ پر دلیر کرتی اور اسکے احساس کو کم کرتی ہے؟ کیا شراب خور اندھوں کیطرح تمام تمدنی اور اخلاقی اصولوں کو توڑنیوالا نہیں ہوتا؟ اور بالآخر کیا شراب خوری کی عام کثرت اور رواج نے عیسائی ممالک میں بدکرداری کے درخت کی پرورش سب سے زیادہ نہیں کی؟ ہم بشپ صاحب کے مُنہ سے ہی یہ فیصلہ بھی سُننا چاہتے ہیں کہ اُنکے نزدیک زنا بھی کوئی گناہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا یہ سچ نہیں کہ زنا اسلامی ممالک کے مقابلہ میں عیسائی ممالک میں بہت ہی بڑھ کر کثرت سے ہو رہا ہے۔ بشپ صاحب سے بڑے بڑے کلیسیا کے عہدہ داروں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے اور بشپ صاحب کو ان نہایت ضروری سوالات کا جواب دیتے وقت اس بات کو بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ شراب سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں جو شہوات کو اُبھارتی اور حیوانی خواہشوں کو جوش دیتی ہو۔ اور پھر کیا بشپ صاحب کے نزدیک قماربازی بھی کوئی گناہ ہے؟ اور اگر ہے تو سب سے بڑھ کر کونسے ممالک میں یہ رائج ہے۔ لیکن اگر بشپ صاحب کی یہ رائے ہے کہ شراب خوری اور زنا اور قماربازی گناہ ہی نہیں تو ہم اُمید کرتے ہیں کہ وہ گناہ کی تعریف کر کے اس معاملہ پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔ ہاں ایک صورت میں ان کا جواب ایسا ہو سکتا ہے کہ ہمیں خاموشی اختیار کرنی پڑے۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ شراب خوری زنا اور قماربازی دوسرے لوگوں کے لئے گناہ ہیں لیکن عیسائیوں کیلئے کوئی گناہ نہیں کیونکہ مسیح کے خون نے اُنکے کسی گناہ کو گناہ رہنے ہی نہیں دیا۔ اس صورت میں ہم مجبور ہونگے کہ اُنکے جواب میں اسی طرح خاموشی اختیار کریں جس طرح شاکت مت والوں کے اس اصول کے جواب میں ہمیں خاموش ہونا پڑتا ہے کہ اُنکے منتروں میں اس قدر بڑی طاقت ہے کہ ماں یا بہن سے زنا کو جائز کر دیتی ہے۔

رجسٹرڈ ایل ۳۰۲

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ — بابت جولائی سنہ ۱۹۰۲ء — نمبر ۷

فہرست مضامین

انجمن اشاعت اسلام قادیان دارالامان نے
انوار احمدیہ پریس قادیان میں باہتمام شیخ یعقوب علی احمدی تراب چھپوا کر ۲ - جولائی سنہ ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عصمت انبیا پر پادری مانرو کے رسالے

پادری مانرو راناگھاٹ میڈیکل مشن کے پادری نے اخبار ’’ایپی فینی‘‘ کے ایڈیٹر کی مہربانی سے ایک رسالہ عصمت انبیا پر نکالا ہے جو کہ اس کے ایک پہلے شایع شدہ رسالے کا دوسرا حصہ ہے جو اسی مضمون پر مشتمل تھا۔ ہم خود بھی منتظر تھے کہ پادری صاحب کے قلم سے عصمت انبیا کا دوسرا حصہ نکلنا چاہئے لیکن ہمیں بڑی امید تھی کہ اس دفعہ پادری صاحب اس انسان کی عصمت کے مسئلہ کیطرف توجہ کرینگے جسکو وہ خوش اعتقادی سے خدا سمجھے بیٹھے ہیں اس مضمون پر پادری صاحب کی مضمون نگاری کے دیکھنے کا ہمیں شوق تھا لیکن اسمیں ہمیں مایوس ہی ہونا پڑا ہے لیکن چونکہ پادری مانرو صاحب ہندوستان میں یسوع کی انجیل کے واعظ بنکر آئے ہوئے ہیں اس لئے امید ہے کہ وہ بہت جلد ایک تیسرا حصہ شائع کرکے یہ ثابت کرینگے کہ جو اقوال و افعال یسوع کے انجیل میں لکھے گئے ہیں ان سے اس کی معصومیت ثابت ہوتی ہے۔

عصمت انبیا کا مسئلہ مسلمانوں میں عام طور پر مانا جاتا ہے جن لوگوں نے عصمت میں طعن کیا ہے انکی ذاتی رائیں ساری مسلمان دنیا کے مضبوط اعتقاد کے خلاف کچھ بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ اغلب یہ ہے کہ اس قسم کے بیہودہ خیالات اسلام میں ان لوگوں کے ذریعہ سے آئے ہیں۔ جو دوسرے مذاہب کو چھوڑ کر اسلام

مین داخل ہوے تھے اور اس لیے بعض مسائل مین اپنے پہلے خیالات پر ہی جمے رہے۔ لیکن پادری صاحبان کی یہ کسقدر بڑی بے ایمانی ہے کہ وہ پبلک کے سامنے یہ ظاہر کرتے ہین کہ قرآن شریف اور اسکی تمام معتبر تفسیرین عصمت انبیا کا انکار کرتی ہین حالانکہ اصل بات یہ ہی کہ وہ قصے جنکو پادری مانرو انبیا کے گنہگار ہونے کا قطعی ثبوت خیال کرتا ہے اور جنکا قرآن کریم مین کوئی ذکر نہیں ہی انکو بڑے معتبر اور محقق مفسرین نے جھوٹے اور وضعی ٹھیرا کر رد کیا ہے۔ جو جو الزامات اس راناگھاٹ کے پادری نے انبیا علیہم السلام پر لگائے ہین اور جنکی بنا وہ قرآن شریف کو ٹھیراتا ہے قرآن کریم کے الفاظ اُن کے ایک شوشہ کی بھی تائید نہین کرتے۔ اس سے بڑہ کر کونسی بے ایمانی ہو سکتی ہی کہ عوام کو یہ دھوکا دیا جائے کہ فاضل اور محقق مفسّرین کی رائے ایسی اور ایسی ہے حالانکہ اس رائے کو محقق مفسّرین رد کر چکے ہین علاوہ ازین کسی مفسر کی رائے ہر ایک حالت مین قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے نزدیک قرآن کریم کی تفسیرین خدا کا کلام نہین ہین جنکی ہر ایک لفظ کا وہ اپنے آپ کو پابند خیال کرتے ہوں ہاں اگر کسی لفظ یا آیت کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی ہوئی ثابت ہو تو اس کو بیشک یقینی طور پر صحیح اور قابل اتباع مانا جائے گا۔ لیکن جن قصوں کی بنا پر عصمت انبیا مین طعن کیا جاتا ہے ان مین سی کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف یقینی طور سی منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کریم کے الفاظ مع تمام حرکات و سکنات و وقفوں کے آج اسی طرح محفوظ ہمارے پاس موجود ہین جیسی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کر منہ سے وہ نکلے تھے اور اکثر حالتوں مین آسانی سی سمجھ مین آ سکتا ہے کہ کسی فقرہ پر بلحاظ سیاق و سباق کے کونسے معنے چسپان ہین اور کونسے وہ معنی ہین جو قرآن شریف کے عام مفہوم کیمطابق ہین قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اس کے بعض حصے دوسروں کے معنوں پر روشنی ڈالتے ہین۔ اس لئے جو جو سوالات پادری مانرو نے پیش کئے ہین ان کا جواب دیتے وقت ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی کو پیش کرینگے اور معنی کرنے مین انھین معنوں کو صحیح سمجھین گے۔ جو قرآن شریف کے دوسرے حصوں کے مخالف نہوں اور جنکا موید خود قرآن شریف ہو۔ اگر کبھی کہین کہین کسی تفسیر کا حوالہ ہوگا تو وہ صرف تائیدی رنگ مین ہوگا لیکن ہماری تحقیقات کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر ہی ہوگی۔ اگر پادری صاحبان کا یہ منشا ہی کہ مباحثہ کو نیک نیتی اور ایمانداری سی جاری رکھیں تو ان کا فرض ہی کہ وہ بھی قرآن شریف کے الفاظ کی بنیاد پر ہمارے بیانات کی تردید کرین اور بجائے اس کے کہ معتبر اور محقق مفسرین کی رائے کا اخفا کر کے جھوٹے قصوں کو تمام

مسلمان مفسرین کیطرف منسوب کریں صاف لفظوں میں اس بات کا اقرار کریں کہ معتبر اور محقق مفسرین جیسے مثلاً امام رازی صاحب تفسیر کبیر ان جھوٹے قصوں کو مردود ٹھیراتے ہیں جو پادری اپنے الزامات کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اگر ضروری ہوا تو ہم آئندہ یہ بھی ثابت کر کے دکھا سکتے ہیں کہ اگر ان مردود قصوں کو بعض پادری مانتے ہیں یا جنہوں نے انبیا علیہم السلام پر الزام لگاتے وقت پیش کیا ہے تمام محقق مسلمان مفسرین نے سیاہ جھوٹ ٹھیرایا ہے۔

اس وقت ہم سب سے پہلے ان افعال کی حقیقت پر بحث کرتے ہیں جنکو انبیا کیطرف گناہ ٹھیرا کر منسوب کیا جاتا ہے اور اس کے بعد ہم اس مسئلہ کے دوسرے پہلو پر بھی غور کرینگے جیسے الفاظ ذنب وغیرہ کے معنے استغفار کے متعلق ہم مفصل بحث اس رسالے کے فروری کے نمبر میں چھاپ چکے ہیں اور اس لئے بجائے اس کا اعادہ کرنے کے ناظرین کو اسی کا حوالہ دیتے ہیں۔

جیساکہ اس سے پہلے مفصل بیان کیا جا چکا ہے **گناہ** کی تعریف یہ ہے کہ گناہ ایک فعل کو اس وقت کہا جائے گا جب کہ ایک انسان اس فعل کے ذریعہ سے خدا کے حکم کو توڑ کر سزا کے لائق ٹھیرے۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ گناہ کے صادر ہونے سے پہلے خدا کا حکم موجود ہو اور نیز اس گناہ کے مرتکب کو وہ حکم پہونچ بھی گیا ہو اور نیز اس فعل کے مرتکب کی نسبت عقل تجویز کر سکتی ہو کہ اس فعل کے ارتکاب سے وہ درحقیقت سزا کے لائق ٹھیر گیا ہے لیکن قبل اس کے کہ ہم ان افعال پر بحث کریں جنکو انبیا کے گناہ کہا جاتا ہے اس امر کی طرف ناظرین کو توجہ دلانا ضروری ہے کہ انبیا علیہم السلام کو خدا نے ہر ایک قسم کی سزا سے ہمیشہ کیلئے بری ٹھیرایا ہے چنانچہ قرآن شریف سورہ انبیا میں صاف الفاظ میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ (الانبیاء - رکوع ۷) ترجمہ جنکے لئے ہم نے پہلے سے ہی نیک بدلا مقرر کر رکھا ہے وہ دوزخ سے بہت دور رہیں گے اس کی آہٹ تک بھی نہیں سنیں گے اور ہمیشہ کیلئے ایسی زندگی بسر کریں گے جو ان کے دل چاہتے تھے۔ اس بڑی گھبراہٹ کیوقت ان کو کوئی غم نہ ہوگا اور فرشتے آگے سے انکی ملاقات کریں گے آج وہ دن ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا جاتا تھا + مگر افسوس ہے کہ پادریوں کا منشا حق کی تلاش نہیں ہے بلکہ وہ صرف اعتراض ہی تلاش کرتے ہیں اور اس لئے قرآن کریم کے ایک

حصہ کو دوسرے سے ملاکر نہیں پڑھتے بلکہ ایک ایک لفظ کو الگ کرکے اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں خواہ کوئی دلیل ہاتھ میں ہو یا نہ ہو اور اسی کو اپنا اہم فرض اور اپنے خداوند کی عمدہ خدمت سمجھتے ہیں کہ خدا کے پاک نبیوں کی شان میں بہتان باندھیں اور ان کو گالیاں دیں اور اُن پر طعن کریں۔

حضرت آدم کا ممنوع پھل کو کھانا

سورۂ طٰہٰ میں حضرت آدم کے قصے کے ابتدا میں **ایک** ہی آیت اس فیصلہ کے لئے کافی ہے کہ کس طرح پر حضرت آدم اس عصیان کے مرتکب ہوئے۔ وہ آیت یہ ہے وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا **ترجمہ** اس سے پہلے ہم نے آدم کو ایک حکم دیا تھا سو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا گناہ پر عزم نہیں پایا۔ اس سے حضرت آدم کی صاف صاف بریت ہوتی ہے کہ اُنھوں نے عمداً حکم الٰہی کو نہیں توڑا۔ یہ آیت صرف یہی بیان نہیں کرتی کہ حضرت آدم بھول گئے بلکہ اُن کے ارادہ کی بھی صاف نفی کرتی ہے اور یوں دوہرے طور پر اُن کو اس جھوٹے الزام سے بری ٹھیراتی ہے۔ چونکہ ارادہ گناہ کے لئے ضروری ہے جیسا کہ ابھی گناہ کی تعریف میں ہم نے دکھایا ہے۔ اس لئے آدم کا ممنوع پھل کو کھانا گناہ نہیں تھا۔ اس آیۃ کے بعد ہی حضرت آدم کا مشہور قصہ شروع ہو جاتا ہے کہ کیونکر شیطان نے اُنھیں دھوکا دیا اور کیونکر اُنھوں نے ممنوع پھل کو کھایا۔ اس لئے اس سے انکار کی کوئی گنجایش نہیں کہ یہ بھول جانا اور بغیر ارادہ کے کام کرنا صرف اسی حکم کے متعلق ہیں نہ کسی اور کے۔ اس میں شک نہیں کہ آدم حکم الٰہی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا مگر اس کا ارادہ نہ تھا کہ خلاف ورزی کرے بلکہ بھول کر ایک ایسا فعل اس سے ہو گیا جس کا نتیجہ ایک حکم الٰہی کی خلاف ورزی تھا۔ اس لئے خواہ ہم نتیجہ کو عصیان ہی کہیں مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ آدم اس میں بے قصور تھا اور آدم کا گناہ اس کو نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں ارادہ کی جزو جو گناہ کے لئے نہایت ضروری ہے بالکل مفقود ہے اور خود خدا تعالےٰ اس معاملہ میں آدم کے گناہ کی نفی کرتا ہے۔ بھول جانا ایک فطرتی انسانی کمزوری ہے اسی لئے جبھی کہ پھل کھا چکنے کے بعد آدم کو معلوم ہوا کہ اس سے بے ارادہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی

ہوگئی اور ضعف بشریت غالب آگیا تو اس نے خدا تعالےٰ سے دعا مانگی کہ اے خدا اگر تو ہی ہمارا حافظ نہ ہو اور تو ہی اپنی طاقت کے ساتھ ہمیں سہارا نہ دے اور ہماری انسانی کمزوری کو دبائے نہ رکھے تو ہم گھاٹا پانے والے ہونگے۔ استغفار کے مضمون پر مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے اور اس لئے ہم اسکا اعادہ اس جگہ پسند نہیں کرتے آیۃ عصیٰ اٰدم ربہ فغوی میں عصیان یا خلاف ورزی حکم الٰہی جیساکہ پہلے بیان ہو چکا ہے حکم الٰہی کے بھول جانے کا نتیجہ تھا۔ اور اس لئے ایسا عصیان گناہ نہیں کہلا سکتا۔ اور غوی کے معنے لسان العرب نے صاف طور پر بیان کئے ہیں کہ فسد علیہ عیشہ یعنی اُس کے آرام میں خلل آگیا۔ پس ان دونوں لفظوں سے بھی آدم کے گنہگار ہونیکا نتیجہ نہیں نکلتا

حضرت آدم پر شرک کا الزام

مانزو صاحب۔ حضرت آدم پر شرک کا الزام لگاتے ہیں ایسی جرأت کے ساتھ جو پادریوں کے ہی موزون حال ہے۔ وہ کہتا ہے "سورۃ الاعراف آیت ۱۹۰ میں صریح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ آدم شرک جیسے قبیح گناہ کا مرتکب ہوا۔" ہم پوچھتے ہیں کہ آیا ان پادریوں میں کوئی ایمان داری باقی بھی رہ گئی ہے۔ کیا پادری صاحب بتا سکتے ہیں کہ اس آیت میں جس سے وہ شرک کا الزام حضرت آدم پر لگاتے ہیں حضرت آدم کا نام بھی آیا ہے۔ اور اگر وہاں آدم کا نام ہی نہیں تو کیا یہ ایمانداری تھی کہ وہ شرک جیسا قبیح الزام انبیا کیطرف منسوب کرتا حالانکہ اس کو یہ بھی علم ہے کہ قرآن شریف اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو خدا تعالےٰ نے شرک کی ہی بیخکنی کے لئے بھیجا تھا۔ کیا شرک کے متعلق اس نے قرآن شریف میں یہ سخت وعید نہیں پڑھا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ترجمہ۔ خدا اس بات کو معاف نہیں کرتا ہے کہ اس سے شرک کیا جاوے اور اس کے سوا جو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ بہت امور ایسے تھے جنپر غور کر کے وہ اس الزام کی بیہودگی کو

خود ہی سمجھہ سکتا تھا اگر اس کا ارادہ نیک نیتی سے حل اعتراض کا ہوتا۔

قبل اس کے جو ہم اس آیت کے الفاظ پر بحث کریں جسکی بنا پر الزام لگایا گیا ہے پہلے ہم سورۂ اعراف کے مضامین اور ان کی ترتیب کو دیکھتے ہیں۔ قرآن کریم کی وحی کا ذکر شروع کر کے سب سے پہلے حضرت آدم کا ہی قصہ بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی پیدایش۔ فرشتوں کو حکم کہ اُسے سجدہ کریں۔ درخت کے قریب جانے سے منع کرنا۔ ابلیس کا آدم اور حوا کو دہوکا دینا اور ان کا ہبوط۔ اس کے بعد عام طور پر نیکوں اور بدوں کے اعمال اور ان کی جزا و سزا کا ذکر ہے۔ اور اس کے بعد دوسرے انبیا کے قصص بیان کئے گئے ہیں جن کے دشمنوں کو اس واسطے ہلاک کیا گیا کہ جب پیغمبر نے اُن کو توحید اور عبادت الٰہی کی طرف بلایا تو اُنھوں نے اس کو قبول نہ کیا۔ ہر ایک نبی کے متعلق اس کا یہ خطاب اپنی قوم کو بیان کیا گیا ہے یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ ترجمہ اے میری قوم خدا کی عبادت کرو جس کے سوائے اور کوئی معبود نہیں۔ اس طرح پر گویا یہ ساری کی ساری سورۃ شرک کی بیخکنی پر ہی زور دے رہی ہے اور اس کی ساری تعلیم شرک کے ہی خلاف ہے پہلے نوحؑ کا ذکر ہے پھر ہودؑ کا پھر صالحؑ کا پھر لوطؑ کا پھر شعیبؑ کا اور بالآخر حضرت موسےٰ کا قصہ۔ اُن کا فرعون کو حق کی طرف بلانا اور پھر اسرائیلیوں کو تعلیم دینا بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ کبھی اُن کو یہ سمجھایا گیا ہے۔ کہ انسانی فطرت پر نقش توحید الٰہی کا ہے۔ نہ کہ شرک کا۔ کبھی اُن کو دھمکایا گیا ہے کہ اگر وہ شرک سے باز نہ آئینگے اور خدا کے نشانوں کا انکار ہی کرتے جائیں گے تو اُن پر سخت عذاب الٰہی اور ہلاکت نازل ہوں گے تب وہ پوچھتے ہیں۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ یہہ عذاب کی گھڑی جسکا وعید ہم کو سنایا جاتا ہے کب آئے گی تو ان کو جواب دیا جاتا ہے کہ یقیناً تم پر آئے گی مگر لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً جب آئیگی تو ناگہان ہی آئے گی اور میں نہیں قبل از وقت اطلاع دیتا ہوں اور اس آنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں

اِس کے بعد یوں خطاب الٰہی اُن کو ہوتا ہے ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا لِیَسْکُنَ اِلَیْھَا ج فَلَمَّا تَغَشّٰھَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِہٖ ج فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰہَ رَبَّھُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ ہ فَلَمَّآ اٰتٰھُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَہٗ شُرَکَآءَ فِیْمَآ اٰتٰھُمَا فَتَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ہ ترجمہ وہی خدا ہے جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا (یاد رکھنا چاہیے کہ اُنھیں لوگوں کو یہ خطاب ہے جنکو پہلے خطاب تھا اور اس مین کوئی تبدیلی نہیں ہوئی - اور تم سے مراد وہی مشرکین عرب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہین) اور اس سے اس کے جوڑہ کو پیدا کیا - تاکہ وہ اس کے ساتھ آرام پکڑے - پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا تو عورت کو ہلکا سا حمل رہا بس اس سے چلتی رہی - پھر جب وہ بوجھل ہوئی تو دونون نے اللہ اپنے رب کو پکارا کہ اگر تو ہمین صحیح سالم لڑکا دے تو ہم تیرے شکر گذار ہون - لیکن جب خدا نے ان کو چنگی بھلی اولاد عطا کی تو وہ دونوں خدا کے شریک ٹھیرانے لگے اس مین جو خدا نے ان دونوں کو دیا تھا بزرگ ہے خدا بلند تر اس سے جو یہ لوگ (یعنی مشرکین عرب) اس کے ساتھ شریک ٹھیراتے ہین * آیت کے آخری الفاظ صاف بتا رہے ہین کہ ان آیات مین آدم اور حوا کا ذکر نہیں ہے کیونکہ اگر یہ انھین کے شرک کا ذکر ہوتا تو اخیری الفاظ یوں ہونے چاہییے تھے کہ بلند تر ہے خدا اس سے جو ان دونوں نے اس سے شریک ٹھیرائے - لیکن کلام الٰہی مین اس موقعہ پر نہ تو صیغہ تثنیہ کا ہی استعمال کیا گیا ہے اور نہ ہی ماضی کا - اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر ان تمام مشرکین عرب کا ہے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مخاطب ہین نہ کسی دو ایسے اشخاص کا جنکے ساتھ کوئی تیسرا انسان نہ تھا جس کی وجہ سے جمع کے صیغہ یشرکون کی ضرورت پڑتی -

مختلف باتوں پر غور کرکے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آدم اور حوا کا اس جگہ ذکر نہیں ہے - **اوّل** حضرت آدم کا قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ اسی سورۃ کے شروع مین بیان ہو چکا ہے اور اس لئے اگر یہ واقعہ اوس کے متعلق ہوتا تو ابتدائے صورت مین ہی آدم کے قصہ کے ساتھ اس کا ذکر ہونا چاہیے تھا - **دوم** سورت کے مضامین کی ترتیب صاف

اس بات پر شاہد ہے کہ اس سورۃ مین انبیا علیہم السّلام کا ذکر بالترتیب ہے اور آدم سے شروع کرکے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا گیا ہے اور اس لئے آیت مذکورہ بالا مین خطاب بھی آنحضرت صلعم کے دشمنوں کو ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیتوں مین بھی ذکر انھین مشرکین کا ہے۔ سوم آدم کا نام ان آیات مین ہرگز مذکور نہین اور مضامین کی ترتیب ہمین یہ اجازت نہیں دیتی کہ اس قصہ کو آدم کا قصہ ہی سمجھ لین چہارم حضرت آدم کے ممنوع پھل کھانے سے قصہ بار بار قرآن شریف مین بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس مین خود ہی خدا تعالےٰ نے یہ کہکر آدم کی بریت بھی کردی تھی کہ وہ بھول گیا تھا اور عمداً اس نے حکم کی خلاف ورزی نہین کی۔ پس اگر آدم شرک جیسے گناہ کا مرتکب ہوا ہوتا تو زیادہ نہین تو کم از کم اتنی دفعہ ہی یہ قصہ قرآن شریف مین بیان کیا جاتا جتنی دفعہ کہ دانہ کھانے کے قصہ کا ذکر ہی جو کوئی گناہ بھی نہین تھا۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ اتنا بڑا گناہ ہو اور ایک دفعہ بھی اس کا ذکر قرآن شریف مین نہ ہو اور آیت زیر بحث جس کو اس واقعہ کا مصداق بنایا جاتا ہے اس مین آدم کا نام تک بھی نہ ہو۔ ایک چھوٹی سی لغزش کو جو نسیان کی وجہ سے ہو گئی اتنی وقعت دی جائے کہ بار بار اس کا ذکر قرآن شریف مین کیا جاوے اور اتنے بڑے جرم کو جیسا کہ شرک ہے ایک دفعہ بھی نام لیکر بیان نہ کیا جاوے یہ بات ہماری سمجھ مین تو نہین آتی۔ پنجم دانہ کھانے کی کمزوری کے بعد حضرت آدم خدا تعالےٰ سے حفاظت اور مدد طلب کرتے ہین اور بار بار یہ کہتے ہین کہ اے خدا اگر تیری مدد میرے شامل حال نہ ہوگی تو مین زیاں کاروں مین ہوں گا لیکن اتنے بڑے گناہ کے ارتکاب کے بعد جس سے زیادہ خدا تعالےٰ کو ناراض کرنے والی کوئی چیز ہی نہین وہ ایک لفظ بھی منہ پر نہ لایا لیکن یہ کسطرح ہوسکتا ہے۔ کیا انکی فطرت ایسی جلدی اس قدر بدل گئی تھی کہ گناہ کا احساس ہی جاتا رہا۔ اور وہ ایک سخت دل گنہگار کی طرح ہو گئے نعوذ باللہ من ذالک ششم ممنوع پھل کہانے کے بعد حضرت آدم نے الفور خدا کی حفاظت اور مدد طلب کرتے ہین اور خدا تعالےٰ کی طرف سے حفاظت اور مدد کا وعدہ بھی اُن کو

دیا جاتا ہے تا آیندہ ایسی کمزوری ان سے ظاہر نہو جس پر انسان خود بخود قادر نہین ہوسکتا۔ پھر یہ کسطرح ممکن ہے کہ خدا کی حفاظت اور مدد حسب وعدہ الہی حضرۃ آدم کے شامل حال ہو کر وہ ایسے سیاہ گناہ کا مرتکب ہوسکے کیا خدا کی حفاظت اور مدد اسکے نیک بندون کی اسی طرح دستگیری کیا کرتی ہے ؟ اس قسم کی بیہودگیان خدا کے پاک کلام کیطرف منسوب کرنیسے پادریون کو شرم کرنی چاہیے۔ **ہفتم** سورہ طہٰ مین حضرۃ آدم کے قصہ کے بعد خدا تعالی فرماتا ہے ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ **ترجمہ** پھر اسکے خداوند نے اسے چن لیا اور برگزیدہ کیا اور اس پر رجوع برحمت کیا اور اسکو سیدھی راہ پر چلایا۔ اب یہ آیت صاف طور پر اس بات کی نفی کرتی ہے کہ اسکے بعد پھر آدم سے کوئی اسی قسم کی کمزوری ظاہر ہو جیسی کہ پہلی ہوئی تھی شرک جیسے بڑے گناہ کا تو کچھ ذکر ہی نہین۔ علاوہ ازین اگر آدم نے شرک کا ارتکاب کیا تو پھر ہمیں نعوذ باللہ یہ ماننا پڑیگا کہ خدا تعالی نے ایسے شخص کو اپنے لئے چن لینے مین سخت غلطی کھائی جسکو بسبب اپنے شرک کے ہمیشہ کے جہنم مین ڈالا جاتا تھا کیونکہ اس کی معافی کا بھی ذکر کہین نہین **ہشتم** قرآن کریم نے صاف فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ **ترجمہ** خدا تعالی شرک کو معاف نہیں کرتا اور اسکے علاوہ جس گناہ کو چاہتا ہے بخشدیتا ہے۔ اسلئے اگر آدم نے شرک کیا تو اسے بھی نعوذ باللہ دوزخ مین اسکی سزا بھگتنی ہوگی حالانکہ اس خیال کو قرآن کریم اور مسلمانون کے عقاید سخت مردود اور لغو خیال ٹھہراتے ہین **نہم** اس سورت مین ہر ایک نبی کو یہی حکم ہے کہ شرک کی دنیا سے بیخکنی کرے اور یہی اس کی رسالت کی علت غائی ٹھہرائی گئی ہے پھر اگر انبیاء خود ہی شرک مین گرفتار ہو رہے تھے تو اُن کے ذریعہ جو احکام پہنچائے گئے تھے وہ سب بے معنے ہوجاتے ہین **دہم** آیت زیر بحث کی مابعد کی آیتین بھی یہی ثابت کرتی ہین چنانچہ فرماتا ہے اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ **ترجمہ** کیا یہ مشرک لوگ انکو خدا کا شریک ٹھیراتے ہین جو کچھ پیدا نہین کرتے بلکہ خود پیدا کئے گئے ہین اور نہ وہ یہ ہی طاقت رکھتے ہین کہ اپنے پرستارونکو کچھ مدد دیسکیں اور نہ ہی وہ اپنے آپکی مدد کرسکتے ہین۔ کہہ جنکو تم خدا کا شریک ٹھیراتے ہو ان سب کو بلاؤ اور میرے ساتھ جنگ کرو اور مجھکو ایک دم کی بھی مہلت نہ دو۔ یہ آیتیں صاف دکھاتی ہین کہ جن مشرکون کا پہلی آیت میں ذکر ہے وہ ہی عرب کے مشرک ہین اور انھین کو یہ خطاب کیا گیا ہے نہ کہ آدم اور حوا کو کہ اپنے معبودونکو اپنی مدد کیلئے بلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرلین۔ یہ آیتیں قطعی طور پر یہ فیصلہ کرتی ہیں کہ جن مشرکین کا

پہلی آیت مین ذکر ہے وہ یہی مشرک ہین جو آنحضرت کے دشمن ہین نہ کہ آدم وحوا۔

اگر یہ کہا جاوے کہ اس آیت مین دعا جناب الہی سے مانگی گئی ہے اس لئے اس مین بت پرست مخاطب نہین ہو سکتے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض صحیح نہین عرب کے بت پرست دوسرے ممالک کے بت پرستوں کیطرح اپنے بتوں سے برتر ایک ہستی کو مانتے تھے لیکن ان کا یہ خیال تھا کہ ان کے بت بھی چھوٹے چھوٹے خدا ہین اور دنیا کے کاروبار کے انتظام مین خدا تعالےٰ کے ساتھ شریک ہین۔ اسی مضمون کی آیت جسمین بت پرستون کا ذکر ہے سورہ یونس مین مذکور ہے وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِي آيَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَنجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ **ترجمہ** اور جب ہم ان مشرک لوگوں کو کسی دکھ کے پیچھے جوان کو پہنچ چکا ہے اپنی رحمت چکھاتے ہین تو وہ ہمارے نشانوں کے خلاف مکر کرتے ہیں۔ انکو کہدے کہ اللہ کی تدبیر سریع الاثر ہے ہمارے رسول جو کچھ تم مکر کرتے ہو لکھتے جاتے ہین۔ وہی خدا ہے جو تم کو خشکی اور تری مین سیر کراتا ہے یہانتک کہ جب تم کشتی مین سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیاں ان کو خوشگوار ہواؤں کے ساتھ لے چلتی ہین اور وہ خوش ہوتے ہین تو ایک سخت ہوا آتی ہے اور ہر ایک طرف سے ان پر موجین آتی ہین اور وہ جان لیتے ہین کہ وہ انسے گھیرے گئے۔ تو پھر وہ خدا تعالےٰ کو خالص کر کے پکارتے ہین کہ اگر تو ہم کو اس سے نجاۃ دے تو ہم تیرے بڑے شکر گذار ہوں لیکن جب ان کو خدا تعالیٰ نجاۃ دیدیتا ہے تو پھر وہ زمین مین بغیر حق کے فساد کرتے ہین + اس آیت مین بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ مشرک لوگ مصیبت کیوقت خالص خدا کو پکارتے ہین جیسا کہ آیت زیر بحث مین بتایا گیا تھا اور اسی آیت کیطرح یہان بھی وعدہ کرتے ہین کہ اگر انکو مصیبت سے نجات ملجائے تو وہ خدا تعالےٰ کے شکر گذار ہونگے لیکن جب خدا تعالیٰ انکو نجاۃ دیدیتا ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہین +

اب صرف یہ دیکھنا باقی رہتا ہے کہ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے کیا مراد ہے۔ اس آیت کا مدعا یہ ہے کہ مشرکوں کو بتایا جاوے کہ خدا تعالیٰ ہی انکا اور انکی بیویوں کا پیدا کرنے والا ہے نہ وہ کہ جن کو وہ خدا کے شریک ٹھیراتے ہین اور انکو اس غلطی کا جتانا مقصود ہے کہ خدا تعالیٰ

کو خالق مانکر وہ پھر دوسروں کو عبادت مین شریک ٹھیراتے ہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک قوم ہر ایک خاندان ہر ایک فرقہ ایک ہی جان سے پیدا کیا گیا ہے خواہ وہ نسل قریب سے ملی ہو یا دور سے چلی آتی ہو۔ اگر خلقکم مین ضمیر کو مجموعی طور پر لیا جاوے یعنی کل مشرکین عرب تو وہ ایک جان یعنی نفس واحدہ عربوں کا جد مشترک ہوگا جس سے ان سب کی نسل چلتی ہے لیکن اگر ضمیر مین مشرکین کا ہر ایک فرد مراد لیا جاوے تو اس حالت مین نفس واحدہ یعنی ایک جان سے ہر ایک مشرک کا جو مخاطب ہے جد مراد ہوگا اس صورت مین معنی یہ ہوں گے کہ خدا ہی ہے جس نے اے مشرکو تم مین سے ہر ایک کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے دونوں صورتوں مین لفظ نفس واحدہ یعنی ایک جان سے مشرکین عرب کے کسی ایک جد یا اجداد سے مراد ہوگی۔ الفاظ کے معنی دونو صورتوں مین درست ہین اگرچہ سیاق اور سباق آیت پہلی معنوں کو ترجیح دیتا ہے۔ الفاظ تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ سے جو اسی آیۃ کے آخر مین آئے ہین یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ آیت مین ایک جوڑہ کا ذکر ہے مگر اس سے کوئی خاص جوڑہ مراد نہین بلکہ مشرک والدین کا ہر ایک جوڑہ مراد ہے کیونکہ خطاب عام طور پر سب کو کیا گیا ہے اور یُشْرِکُوْنَ جو کہ جمع کا صیغہ مین آیا ہے صاف ثابت کرتا ہے کہ اصل مراد دو سے زیادہ کی ہے۔ اس طرح پر ہر ایک جدا ایک نفس واحدہ ہوا اور ہمارا اختیار ہے کہ خواہ اس سے مراد ہر ایک موجود مشرک کے والدین کو لین یا کل مشرکین کے جد مشترک کو مراد لین باقی رہے الفاظ جَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا سو ان کے متعلق یہ کہنا درست نہین کہ چونکہ یہان عورت کا مرد سے پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے اس لئے اس کا مصداق سوائے آدم اور حوا کے اور کوئی نہین ہو سکتا۔ یہ خیال غلط ہے۔ سورہ روم مین قرآن شریف مین آیا ہے وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا ترجمہ اور خدا کے نشانون مین یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم سے ہی تمہاری بیویان پیدا کین پس قرآن شریف کی رو سے صرف حوا ہی آدم سے پیدا نہین ہوئی بلکہ ہر ایک آدمی کے لئے عورت اسی سے پیدا کی گئی ہے اور جیسا کہ وہان لفظ مِنْ آیا ہے جس کے معنی ہین اس نفس سے ایسا ہی یہان پر لفظ مِنْ اَنْفُسِکُمْ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنے ہین تمہاری جانون سے۔ دونوں جگہ مراد یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے عورۃ کو اسی قسم سے بنایا ہے جس سے مرد کو۔ اسی طرح پر قرآن شریف مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ آیتین آئی ہین لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اور بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِہِمْ جنکے معنے یہ ہین کہ تم مین سے ہی ایک رسول تمہارے پاس آیا ہے اور خدا نے امیوں مین ایک رسول ان مین سے ہی بھیجا۔ اور یہان الفاظ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اور مِنْ اَنْفُسِہِمْ جو استعمال ہوئے ہین وہ بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہین جو کہ مرد سے عورت کی پیدائش

کے متعلق استعمال ہوئے ہین +

اس طرح پر یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت مین جسکے متعلق پادری مانرو یہ بیان کرتا ہے کہ اس مین کھلے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ آدم شرک جیسے گناہ کا مرتکب ہوا وہان نہ تو آدم کا نام ہے اور نہ ان الفاظ سے آدم مراد ہی لیا جا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پادری لوگ اعتراض کرنے مین کسطرح دیانت کو چھوڑ بیٹھے ہین۔ قرآن شریف کے الفاظ کیطرف کوئی توجہ نہین کرتے حالانکہ وہی الفاظ ایسے ہین جنکو مسلمان سند مانتے ہین۔ اور بجائے ان الفاظ کے یہ لوگ کسی ایک مفسر کی مردود رائے کو ہاتھ مین لیکر اسکو اسلام جیسے پاک مذہب پر حملہ کرنے کے لئے قیمتی ہتھیار سمجھتے ہین اور ایسے مفسر کو عالم و فاضل بیان کرتے ہین خواہ اسکی ایسی رائے کو سینکڑون فاضل اور معتبر مفسر رد کر چکے ہون۔

یہ کسقدر دیانت داری سے بعید ہے کہ ظاہر تو یہ کیا جاتا ہے کہ ہم قرآن شریف کی بنا پر اعتراض کرتے ہین لیکن اعتراض کی بنیاد صرف کسی مفسر کی مردود رائے پر یا کسی مردود قول پر ہوتی ہے جسکو نہ صرف دوسرے معتبر مفسر ہی رد کر چکے ہیں بلکہ جس کی خود قرآن شریف بڑے زور سے تردید کرتا ہے۔

ہم تعجب کرتے ہین کہ پادری صاحبان انبیا کیطرف گناہ منسوب کرنے مین کسقدر جرأت سے کام لیتے ہین حالانکہ ان کے ہاتھ مین کوئی دلیل بھی نہین ہے لیکن انجیلون مین جو یسوع کے متعلق اس قسم کا ذکر ہوتا ہے جس سے گناہ کا نتیجہ نکل سکے اسپر خاموشی سے گذر جاتے ہین۔ آدم پر تو یہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ اسنے خدا کے ساتھ شریک ٹھیرایا لیکن ایسے مقابلہ کیوقت یسوع کا نام بھی نہیں لیتے جس نے انکی کتابوں کے موافق خدائی کا دعوی کیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ معمولی طور پر پیدا ہوا ہے اور کمزور سے کمزور انسان کیساتھ اس مین مقابلہ کی طاقت نہ تھی آدم کسی عورت کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ خود خدا تعالی نے اپنے ہاتھ سے اپنی شکل پر اسکو پیدا کیا تھا لیکن پھر بھی اسنے ایسے کفر کا دعوی نہ کیا جو عیسائیوں کے اعتقاد کیمطابق ایک عورت کے بچے نے کیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ آدم کی خدائی ایک دانہ کے کھانے سے جاتی رہی تو پھر یسوع پر تو اس سے بھی بڑھکر اعتراض ہے کہ اسنے ایک ایسے کھیت سے جو دوسرے کا مال تھا خوشے توڑے اور اپنے مریدوں کو توڑنے دیے۔ حالانکہ یہ خوشے اسکے لئے ایسے ہی ممنوع تھے جیساکہ آدم کے لئے وہ دانہ علاوہ اسکے آدم نے تو بھولکر دانہ کھایا تھا مگر یسوع نے عمداً حکم الہی کو توڑا اور علاوہ اسکے اس ناجائز فعل سے سبت کو جسکی تعظیم کا حکم تھا ناپاک کیا۔ اب مقابلہ سے آسانی سے یہ سمجھ مین آسکتا ہے کہ واقعی گنہگار کون شخص ہے آیا وہ جسکے متعلق یہ بیان کیا گیا کہ اسنے بھولکر ایک دانہ کھا لیا جس سے وہ

منع کیا گیا تھا اور اس طرح پر بغیر ارادہ کے اس سے حکم الٰہی کے متعلق چوک ہو گئی۔ یا وہ شخص جس کی متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ارادۃً نہ ابتدائً بلکہ کئی خوشے توڑے جو اس کیلئے ممنوع تھے۔ اور اس طرح پر بڑی جرأت کے ساتھ حکم الٰہی کی عمداً خلاف ورزی کی۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ پادری مانرو صاحب اس میں فیصلہ دیں گے۔

حضرت نوحؑ کی دُعا

اس عنوان کے نیچے صرف چند ہی لفظ کافی ہونگے۔ پادری مانرو کا مجرم کانشنس ہر ایک نبی پر کوئی نہ کوئی تہمت لگائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس نے بڑی جرأت کیساتھ یہ لکھا ہے کہ نوح اپنے بیٹے کیلئے دعا کرنی میں گناہ کا مرتکب ہوا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ خدا کا حکم جس میں نوح کو اپنے بیٹے کیلئے دعا کرنے سے منع کیا گیا ہو۔ قرآن شریف میں کہاں مذکور ہے اور اگر وہ کوئی ایسا حکم الٰہی نہیں دکھا سکتا تو یہ کیسا قابل نفرین جھوٹ ہے قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جسمیں یہ ذکر ہو کہ نوح کو اپنے بیٹے کے بچانے کے لئے دعا کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ آیت وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا یعنی ظالموں کے بارہ میں مجھسے خطاب نکرو۔ پادری صاحب کے لئے مفید نہیں ہو سکتی کیونکہ خدا تعالیٰ کا نوح کے ساتھ یہ بھی وعدہ تھا کہ اس کے اہل کو بچا لیا جاویگا۔ اس لئے پادری مانرو کو کوئی ایسی آیۃ پیش کرنی چاہیئے جس میں نوح کو اپنے بیٹے کے لئے جو اس کے اہل میں سے تھا دعا کرنے سے منع کیا گیا ہو۔ سورۂ ھود میں جہاں سے پادری صاحب نے اپنا اعتراض لیا ہے یہ آیتیں ہیں وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ۔ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ ترجمہ اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے رب میرا بیٹا میری اہل سے ہے اور بلاشک تیرا وعدہ (میری اہل کو بچانے کا) سچ ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے خدا تعالیٰ نے فرمایا اے نوح یہ تیرا بیٹا تیرے اہل سے نہیں ہے کیونکہ وہ عمل غیر صالح ہے۔ اس لئے ایسا سوال مجھسے مت کر جسکا تجھے علم نہیں دیا گیا یا میں اس لئے تجھے سمجھاتا ہوں کہ تو جاہلوں سے نہ ہو جاوے۔ نوح نے عرض کیا اے میرے رب میں تیری ہی پناہ مانگتا ہوں کہ ایسا سوال تجھسے کروں جس کا مجھے علم نہیں۔ اور اگر تو میری حفاظت

تجھے اور مجھپر رحم نکرے تو بیشک میں زیان کاروں میں سے ہونگا۔

ان آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح کو یہ خیال تھا کہ چونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ اسکے اہل کو بچانیکا ہے اسلئے شاید اس کا بیٹا بھی وعدہ کے الفاظ کے اندر آجاتا ہے لیکن جب حضرت نوح نے بیٹے کو ڈوبتے ہوئے دیکھا تو خدا تعالیٰ کے سامنے نہایت عاجزی سے یہ عرض کی کہ جناب الہی کا وعدہ اسکے اہل کو بچانے کا تھا اور اسکا بیٹا بھی اسکے اہل میں سے ہی ہے۔ اور ساتھ یہ بھی عرض کی کہ خدا کے وعدے بالکل حق ہیں اور ہر ایک حکم جو اسکی جناب سے صادر ہوتا ہے وہ نہایت ٹھیک ہے اسکے جواب میں خداوند تعالیٰ نے اسے بتایا کہ اس کا بیٹا اسکے اہل میں سے نہیں لیکن چونکہ صرف اسی قدر بیان سے حضرت نوح کے سوال کا جواب پورا نہ ہوتا تھا۔ اسلئے اس کی وجہ ساتھ یہ بیان فرمائی کہ وہ عمل غیر صالح ہے اس آخری فقرہ کو پادری مانرو حضرت نوح کی دعا کے متعلق سمجھتا ہے۔ کئی وجوہات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ ضمیر کے لئے پہلے کوئی اسم ہونا چاہیے جس کی بجائے وہ ضمیر آئے لیکن پہلی فقرہ میں کوئی ایسا اسم جیسا مثلاً نوح کی دعا یا نوح کا سوال یا نوح کا فعل واقعہ نہیں ہوا۔ اور اسلئے اِنَّہٗ میں جو ضمیر ہے اس کو حضرت نوح کی دعا یا سوال کے متعلق نہیں سمجھا جا سکتا۔ دوم اِنَّہٗ جو پہلے واقعہ ہوا ہے اس سے اور بھی صفائی سے معلوم ہوتا ہے جملہ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ معًا اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ کے بعد آتا ہے لیکن اس آخری جملہ کی ضمیر صاف طور پر بیٹے کیطرف ہے جسکا ذکر پہلی آیۃ میں ہے۔ اور اسلئے اِنَّہٗ جو پہلے جملہ میں واقعہ ہوا ہے یعنی اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ میں اس کی ضمیر بھی اسی اسم کیطرف پھرتی ہے دونو ضمیریں ایک ہی طرز سے واقعہ ہوئی ہیں اور سیاق کا تعلق صاف بتاتا ہے کہ وہ ایک ہی اسم کیطرف پھرتی ہیں۔ لیکن چونکہ پہلی ضمیر بغیر کسی شک کے نوح کے بیٹے کیطرف پھرتی ہے دوسری ضمیر بھی سوائے اس کے اور کیسی طرف نہیں پھر سکتی۔ سوم نوح نے ان الفاظ میں دعا کی تھی کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور اسلئے صرف اسی قدر جواب کہ تیرا بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے کافی نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ ساتھ کوئی وجہ نہ بتائی جاتی کہ کیونکر اس کا بیٹا اسکے اہل میں سے خارج ہو گیا۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ نوح کیساتھ ان کے اہل کو بچانے کا تھا۔ اسلئے جب انہوں نے اپنے بیٹے کو غرق ہوتے دیکھا تو فطرتاً وہ خدا تعالیٰ کے آگے چلا اٹھے کہ ان کا بیٹا بسبب انکے اہل میں سے ہونے کے وعدہ کے اندر آنا چاہیے تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ تیرا بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے یہ جواب نوح کی عرضداشت کا کافی جواب کسی صورت میں خیال نہیں کیا جا سکتا ہے جب تک کہ کوئی وجہ ساتھ نہ بتائی جاوے کہ کیوں بیٹا اہل میں سے نہیں سمجھا جاتا چاہیے کیونکہ لفظ کے عام معنوں میں

بیٹا اہل میں تھا۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے الفاظ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِكَ کے بعد یہ وجہ بیان فرمادی کہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ کہ اس کے عمل اچھے نہیں۔ اور اس وجہ کے بیان کئے جانے کے بغیر فقرہ بالکل نامکمل رہتا ہے۔

پادری مانرو کو الفاظ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ سے جو کہ نوح کے بیٹے کے متعلق استعمال ہوئے ہیں یہ دھوکا لگا ہے کہ انسان کو عمل غیر صالح نہیں کہا جا سکتا اس لئے یہ الفاظ نوح کے بیٹے کے متعلق نہیں بلکہ نوح کی دعا کے متعلق ہونے چاہیے۔ لیکن ایسا اعتراض صرف عربی زبان سے ناواقفیت کے باعث پیدا ہو سکتا ہے۔ زبان عربی میں ایسے الفاظ عام طور پر مستعمل ہوتے ہیں جیسا کہ کسی شخص کے متعلق مثلاً یہ کہا جاوے اِنَّهٗ عِلْمٌ وَ کَرَمٌ وَ جُوْدٌ یعنی وہ شخص علم ہے۔ کرم ہے۔ اور سخاوت ہے۔ جب کہ مراد یہ ہو کہ اس کا علم اور کرم اور سخاوت بہت بڑا ہے قرآن شریف میں بھی اس کی مثال موجود ہے جیسا کہ فرمایا لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ الآیۃ ترجمہ نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے مُنہ مشرق اور مغرب کیطرف پھیرو لیکن نیکی ہے۔ وہ شخص جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخر پر یہاں اس شخصکو جو اللہ تعالےٰ پر الآیۃ ایمان لائے صاحب نیکی کہنے کے بجائے نیکی کہا گیا ہے۔ اس لئے ایک ایسی شخص کو جو صاحب عمل غیر صالح ہو عمل غیر صالح کہنے میں کوئی اعتراض نہیں بلکہ یہ ایک عام محاورہ اہل عرب کا ہے۔ ایک اور امر پر غور کرنے سے بھی ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں اسی فقرہ کی ایک قرأۃ عَمِلَ غَیْرَ صَالِحٍ ہے۔ اور یہاں ماضی کا صیغہ عَمِلَ بجائے مصدری صورۃ عَمَلٌ کے استعمال کیا گیا ہے۔ اب اگرچہ ہم ایسی قراءتوں سے اور کوئی فایدہ نہ اُٹھا سکیں لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اصل جو الفاظ قرآن شریف میں استعمال ہوئے ہیں ان کے معنوں پر دوسری قراءۃ سے روشنی پڑتی ہے۔ اب دوسری قراءۃ کے مطابق معنی یہ ہیں کہ اس نے عمل کئے عمل غیر صالح۔ اور یہ معنی ہم کو اصل الفاظ کے معنی کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ کیونکہ اس سے پایا جاتا ہے کہ اصل الفاظ یعنی اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ کے یہی معنے سمجھے گئے تھے۔ اس لئے جس پہلو سے غور کیا جاوے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل معنے ان الفاظ کے وہی ہیں جو ہم نے اوپر کئے ہیں۔

حضرت ابراہیم نے جو دعا لوط کی قوم کے لئے کی اس سے بھی نوح کی دعا کے معاملہ پر روشنی پڑتی ہے حضرت ابراہیم کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ یعنی لوط کی قوم کے بارہ میں

ہم سے جھگڑا کیا اب اگر نوح کی دعا اپنے بیٹے کے لئے اس خیال پر کہ انہوں نے اسکو وعدہ مین شامل سمجھا گناہ ہوسکتی ہے تو ابراہیم کی سفارش لوط کی قوم کے لئے زیادہ سخت گناہ قرار دیا جانا چاہئے تھا کیونکہ علم کے معاملہ مین تو بہرحال حضرۃ ابراہیم کی حالت حضرت نوح کی حالت سے کم نہین اور عذاب الہی بھی ضروری آنے والا تھا اور اسلئے ان کی سفارش بھی قضاء و قدر الہی کے اسی طرح برخلاف تھی بلکہ حضرت ابراہیم کا معاملہ حضرت نوح سے بعد ہوا ہے اور اس واسطے اُن کو حضرت نوح کے قصہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے تھا اگر وہ نوح کا گناہ ہوتا۔ ابراہیم کا گنہگار قوم کے لئے یہ سفارش کا قصہ اسی سورت مین حضرت نوح کے قصہ کے بعد مذکور ہے اس لئے ان دونو قصون کے بیان کئے جانے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت نوح کی دعا خدا تعالےٰ کی ناراضگی کا کچھ بھی موجب ہوتی تو ابراہیم کی سفارش اس سے بڑھ کر ناراضگی کا موجب ہونی چاہیے تھی۔ درحقیقت حضرت ابراہیم کا قصہ حضرت نوح کی دعا کے قصہ کی تشریح کرتا ہے اس لئے ہم دیکھتے ہین کہ ابراہیم کی دعا پر اللہ تعالےٰ کیا فرماتا ہے وہ آیت اس طرح پر ہے یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْب۔ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔ ترجمہ ابراہیم ہمارے ساتھ لوط کی قوم کے بارہ مین جھگڑنے لگا کیونکہ ابراہیم بڑا نرم دل اور بہت خدا تعالےٰ کیطرف رجوع کرنے والا تھا اے ابراہیم اس سے رک جاؤ۔ جیسا نوح کو اپنے بیٹے کے لئے دعا کرنیسے روکا گیا اسی طرح پر ابراہیم کو قوم لوط کے لئے دعا کرنے سے روکا گیا۔ چونکہ قرآن بعض بعض کی تفسیر ہے۔ اور ابراہیم کا قصہ بعینہ نوح کے قصہ کیطرح اسجگہ پر واقعہ ہوا ہے اس لئے ہم ان دونو قصون کی صورت کو ایک ہی سمجھین گے۔ کوئی وجہ نہین کہ نوح کو اسی فعل کیلئے عمل غیر صالح کا مرتکب کہا جائے جس کے لئے ابراہیم کی جو نوح سے بعد آیا اسقدر تعریف کیگئی ہے اگر ایسی دعا سے ابراہیم نرم دل ثابت ہوتا ہے جیساکہ خدا تعالےٰ نے فرمایا تو نوح بھی اس دعا سے نرم دل ثابت ہونا چاہیے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ دونو صورتوں مین صرف الفاظ مختلف ہین اور معانی ایک ہی ہین۔ جسطرح پر نوح کو حکم ہوا کہ دعا نہ کرے اسی طرح پر ابراہیم کو حکم ہوا کہ دعا نہ کرے کیونکہ وہ لوگ جنکے لئے وہ دعا کرتے تھے اپنی بدعملیوں کے سبب سے خدا تعالیٰ کے رحم کے مستحق نہ تھے۔ پھر جسطرح ابراہیم منیب یعنی خدا کیطرف رجوع کرنے والا بیان کیا گیا اسی طرح پر نوح کیمتعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہنے خدا کی حفاظت اور مدد طلب کی اور اس طرح پر خدا کیطرف اسکا رجوع کرنا ثابت کیا

گیا ہے پس کوئی لفظ ہمیں ایسا معلوم نہیں ہوتا جس سے یہ نتیجہ نکال سکیں - کہ اپنے بیٹے کے واسطے دعا کرنے کے لئے حضرت نوح کو خدا نے گناہ گار ٹھیرایا - یہ الفاظ کہ " اے میرے خدا میں تیری حفاظت طلب کرتا ہوں کہ ایسا سوال کروں جسکا مجھے علم نہیں کیونکہ اگر تو میرا محافظ نہ ہو اور مجھپر رحم نکرے تو میں زیانکاروں سے ہوں گا " پادری مانزو کے بیان کی تائید نہیں کرتے - ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کیا نبی اور کیا غیر نبی سب خدا تعالےٰ کی حفاظت کے محتاج ہیں اور جو شخص خدا تعالیٰ کی حفاظت طلب نہیں کرتا یا جسکو خدا تعالیٰ کی حفاظت نہیں دیجاتی وہ بیشک زیانکاروں میں سے ہے - چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا کی اور فرمایا رَبِّ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ یعنی اے میرے خدا مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے نفس کیطرف مت چھوڑ یعنی تو ہی میرا ہر وقت محافظ اور مددگار رہ - لیکن چونکہ حفاظت الٰہی حضرت نوح کے شامل حال تھی اسی واسطے بچائے گئے اور اگلی آیت میں خدا تعالیٰ انکی نسبت فرماتا ہے یٰنُوْحُ اھْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَکٰتٍ عَلَیْکَ یعنی اے نوح اتر و ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لیکر - کیا یہ بھی کبھی دیکھا میں ہوا ہے کہ گناہ کا بدلہ خدا کی طرف سے سلامتی اور برکتیں دیجاتیں۔

مگر یہ ایک ہی امر نہیں جو پادریوں کیطرف سے ہمیں تعجب میں ڈالتا ہے - کہ وہ ناحق خدا کے نبیوں کی شان میں نکتہ چینی لگاتے ہیں بلکہ زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ انکی انجیلوں کی بنا پر وہ انسان جسکو وہ اپنا خدا سمجھتے ہیں زیادہ سخت گناہوں کا مرتکب ٹھیرتا ہے - مثلاً حضرت نوح پر تو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کے لئے دعا کر کے خدا کی نافرمانی کی اور اس کو ہم جھوٹ ثابت کر چکے ہیں کیونکہ نہ تو حضرت نوح کو یہ حکم ہی دیا گیا تھا کہ تو اپنے بیٹے کیلئے دعا نہ کرنا اور نہ ہی حضرۃ نوح کے دعا کرنے کو کہیں گناہ کہا ہے - لیکن ایک دعا کے ہی معاملہ میں اگر ہم انجیلوں کا اعتبار کریں تو یسوع گنہگار ٹھیرتا ہے - انجیلوں کے مطابق خدا نے یسوع کو اسی لئے دنیا میں بھیجا تھا کہ تا وہ صلیب پر جان دے اور اس حکم الٰہی کا اسکو بخوبی علم تھا - اس لئے صلیب پر مرنے سے بچنے کیلئے دعا کرنے سے بڑھ کر یسوع اور کوئی گناہ ہی نہ کر سکتا تھا - لیکن انجیلوں میں لکھا ہے کہ اس نے بچنے کے لئے رو رو کر دعا کی اور ساری رات حکم الٰہی کی خلاف ورزی میں صرف کی اور غم سے اسکی موت تک نوبت پہونچ گئی - پس کوئی شک نہیں کہ یسوع کی یہ دعا کہ موت کا پیالہ ٹل جائے خدا کے اس حکم کی نافرمانی تھی جسکا منشا یہ تھا کہ وہ صلیب پر لعنتی موت سے مرے - درحقیقت پادریوں نے یسوع کی اس دعا کے گناہ کو چھپانے کے لئے اسکا گناہ حضرۃ نوح پر تھوپ دیا ہے - ہم امید کرتے ہیں کہ پادری مانزو قلم اٹھانے وقت ضرور وضاحت کے ساتھ بیان کریگا -

کرکیون حکم الہی کی خلاف ورزی مین اپنے بچاؤ کے لئے دعا کرنیکے واسطے یسوع گناہ گار نہین اور نوح قرآن شریف
کے مطابق کیونکر کسی گناہ کا مرتکب ہوا +

حضرت یونس کا بھاگنا

حضرت یونس کیمتعلق پادری مانرو نے اپنی معمولی جرأت کیساتھ یہ جھوٹ بیان کیا ہی کہ وہ نعوذ باللہ خدا سے بھاگ گئے اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی اور حوالہ کے لئے قرآن کریم کو پیش کرتا ہے جن آیتوں کا اُس نے حوالہ دیا ہے اُنکو مفصل نقل کر کے ہم آگے دکھائینگے کہ پادری مذکور نے کیسی سفید جھوٹ بولکر ناحق اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا ہے - قرآن کریم کا ایک لفظ بھی اُسکی اس جھوٹ کی تائید نہین کرتا پہلے ہم ان آیتوں کو لیتے ہین جو سورہ انبیاء میں اس قصہ کیمتعلق آئی ہین اور جنکا حوالہ پادریصاحب نے دیا ہی - اس سورۃ کے مضامین جیساکہ اسکے نام سے ظاہر ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام کے متعلق بالخصوص نہایت ضروری ہین - پہلے بیان کیا گیا ہی - کہ کیونکر انبیاء سے استہزا کیا جاتا ہے اور اُنکی تحقیر اور توہین کیجاتی ہی اور اُنکو گالیاں دیجاتی ہین اسکے بعد انبیاء کے مکذبین کا انجام بیان کیا گیا ہے اور پھر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ انبیاء حکم الہی کی خلاف ورزی کا ارادہ ہی نہین کرسکتے چنانچہ فرمایا عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون انبیاء خدا کے مکرم بندے ہین جو خدا کے حکم سے آگے بڑھ کر بات نہین کرتے اور اسی کے ارشاد کیمطابق کام کرتے ہین کوئی سمجھدار آدمی ایک لمحہ کیلئے بھی خیال نہین کرسکتا کہ ان الفاظ کے بعد انبیاء کی نافرمانیوں کا ذکر بھی ہوسکتا ہی بلکہ یہاں تو نافرمانی کے امکان کو ہی توڑا گیا ہی اور اُنکی فطرۃ کو ہی ایسا بیان کیا گیا ہی کہ نافرمانی کا ارادہ بھی وہ نہین کرسکتے اس عام بیان کے بعد ضروری تھا کہ تشریح کیطور پر کچھ الگ الگ ذکر انبیاء کا بھی ہوتا جو انبیاء کے اس وصف کو ظاہر کرنیوالا ہوتا - اور قرآن شریف کی یہ عادت بھی ہی کہ عام بیان کے بعد وضاحت کے لئے خاص مثالیں بیان فرماتا ہی - اس بیان کی تصدیق کیلئے اسی سورۃ کا مطالعہ کافی ہی کہ کسطرح انبیاء کے متعلق خدا تعالی اپنے انعامات و اکرامات کا بیان کرتا ہی اور دکھاتا ہی کہ جو کچھ اسکا منشا تھا انبیاء کرتے رہے اور اس لئے خدا بھی ہمیشہ انکے ساتھ رہا - چنانچہ چند انبیاء کا نام لیکر ذکر کیا گیا ہی - ہر ایک نبی کی فضیلت کو بیان کر کے بتایا گیا ہی کہ اس مستحکم تعلق اور قرب کے باعث جو خدا کے ساتھ اُنکو تھا کیونکر اللہ تعالی ہر ایک مصیبت کیوقت جو دشمنوں کے ہاتھ سے یا قضاء و قدر الہی سے اُنپر وارد ہوئی اُنکو بچاتا رہا - پہلے حضرت ابراہیم کا ذکر ہے

ولقد آتینا ابراھیم رشدہ من قبل (اور اس سے پہلے ہمنے ابراہیم کو رشد عطا فرمایا) پھر بیان کیا کہ کیونکر لوگ اس سبب سے اس کے دشمن ہوگئے کہ اس نے منشاء الہی کیمطابق بتونکو توڑا اور بالآخر یہ بیان ہے کہ کسطرح ہر ایک مصیبت اور تنگی کے وقت مین خدا تعالیٰ اسے نجات دیتا رہا حضرۃ ابراہیم کی اولاد مین سے اسحٰق اور یعقوب کا نام لیا گیا ہے اور پھر یہ آیت آتی ہے وکلا جعلنا صالحین وجعلنٰھم ائمۃ یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات اور ہر ایک کو ہمنے راستباز بنایا اور انکو امام بنایا جو ہمارے احکام کی لوگونکو ہدایت کرتے اور ہمنے انکی طرف نیک کامونکی وحی کی پھر حضرۃ **لوط** کا ذکر فرمایا کہ ہمنے اسکو حکمۃ اور علم سکھایا اور اسکو اس گاؤن سے نجاۃ دی جو بد عملیان کرتے تھے۔ پھر حضرت **نوح** کا ذکر ہے کہ ہمنے اسکی دعا کو قبول کیا اور اسکو اور اسکے اہل کو بڑی مصیبت سے نجاۃ دی" پھر حضرت **داؤد** اور **سلیمان** کا ذکر ہے کہ ہمنے انھین حکمۃ اور علم عطا فرمایا" پھر **ایوب** علیہ السلام کا ذکر ہے کہ ہمنے اسکی دعا کو قبول کیا اور اسکے دکھ کو دور کیا" پھر حضرۃ **اسمٰعیل ادریس** اور **ذو الکفل** کا ذکر ہے جو بڑے صابر تھے اور ہمنے انکو اپنی رحمت مین داخل کیا کیونکہ وہ بڑے راستباز تھے" یہان سے حضرۃ **یونس** کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ وذا النون اذ ذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیہ فنادی فی الظلمٰت ان لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین فاستجبنا لہ ونجینٰہ من الغم وکذٰلک ننجی المؤمنین **ترجمہ**۔ اور ہمنے ذوالنون کو بھی رشد عطا فرمایا جبکہ وہ غضب کیحالت مین چلا گیا اور اس نے خیال کیا کہ ہم اس پر تنگی نہین کرینگے یا اسپر مصیبت نہین ڈالین گے (لیکن جب وہ مصیبت مین گرفتار ہوگیا) تو پھر اسنے اس تاریکی مین (جسکے اندر وہ مچھلی کے پیٹ مین پڑا ہوا تھا) ہمین پکارا اور دعا کی کہ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات ہر ایک عیب اور نقص سے پاک ہے اور مین کمزور اور مصیبتون مین پھنسا ہوا ہون۔ پس ہمنے اسکی دعا کو قبول کیا اور اسکو مصیبت سے نجات دی اور ہر ایک ایماندار کو ہم اسی طرح نجاۃ دیتے ہین" یہان ذوالنون منصوب واقع ہوا ہے اور واو عاطفہ ظاہر کرتی ہے کہ اسکا عطف کسی پہلی فعل پر ہے جیساکہ حضرۃ ابراہیم کے بعد جتنے نام آئے ہین وہ واو عاطفہ کے ساتھ سب منصوب آئے ہین اس لئے ان سب مین وہی فعل مقدر ہے۔ جو حضرۃ ابراہیم کیمتعلق بولا گیا۔ اسی لئے ہمنے وذا النون کا ترجمہ فعل مقدرہ کو ظاہر کرکے کیا ہے۔ آخری آیۃ سے یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس مصیبت مین حضرۃ یونس گرفتار ہوے وہ اسی قسم کی تھی جیسی پہلے انبیاء پر وارد ہوئی تھی اور ان کا نجاۃ پانا اسی طرز کا تھا جیسا پہلے انبیاء کا جنکا ذکر اسی سورۃ مین حضرت یونس سے پہلے ہوچکا ہے نیز جو خلاصہ مضمون اس سورۃ کا ہمنے اوپر دیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ میں جسقدر انبیاء کا ذکر ہے ان مین سے اکثر کا ذکر اسی طرح پر واقع ہوا ہے کہ وہ بڑی بڑی مصیبتون

گرفتار رہے لیکن جب انھوں نے خدا سے دعا کی تو خدا نے اُنکی دعا کو قبول کیا اور اُنکی مصیبت کو دور کر دیا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ مصائب جو انبیاء پر آتے رہے ہیں وہ اُنکے گناہوں کے سبب سے نہیں تھے۔ بار بار اس امر پر اس سورۃ میں زور دیا گیا ہے کہ کسطرح صبر کے ساتھ انبیاء نے ان مصیبتوں کی برداشت کی جو قضاو قدر سے یا انکو دشمنوں کے ہاتھ سے انکو پہنچتی رہیں۔ اور کسطرح انھوں نے ہر ایک بھروسہ کو چھوڑ کر صرف خدا کو ہی پکارا اور اسی کی مدد طلب کی جب ساری دنیا انکو چھوڑ چکی تھی اور بالآخر کسطرح پر خدا کے فضل اور تائید غیبی نے انھیں اُن مشکلات سے نجاۃ دی۔ جو پہاڑ کیطرح نظر آتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورۃ میں قریباً ہر ایک نبی کے متعلق ان الفاظ کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے کہ **نجینٰہ** کہ ہمنے اسکو نجاۃ دی۔ یہی الفاظ حضرۃ یونس کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں اور اسجگہ اسکے ساتھ یہ بھی بڑھا دیا گیا ہے **کذٰلک ننجی المؤمنین** کہ ہر ایک شخص کو جو مصائب کیوقت خدا پر پورا ایمان رکھے ہم اسی طرح نجاۃ دیتے ہیں اور ان الفاظ سے یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ جن مشکلات میں حضرت یونس مبتلا ہوئے تھے اور جسطرح انکو نجات دیگئی۔ وہ بعینہٖ اسی طرز کی تھی جیسا کہ پہلے انبیاء کی مشکلات اور انکا نجات پانا تھا۔

اب ہم ان آیات کے الفاظ پر غور کرتے ہیں جو حضرۃ یونس کے متعلق ہمنے اوپر لکھی ہیں سب سے پہلے الفاظ قابل غور ہیں کہ ہمنے یونس کو رشد عطا کیا۔ جب کہ وہ غضب میں چلا گیا۔ قرآن شریف میں یہ نہیں لکھا کہ یہ انکا غضب کسکے متعلق تھا۔ لیکن اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ غضب انکا خدا تعالےٰ کے متعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اول تو اسی غضب میں چلے جانے کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ہمنے اسکو رشد عطا فرمایا اگر انکا غضب خدا تعالےٰ کے بر خلاف ہوتا تو اس طرح پر بیان کیا جانا چاہیے تھا کہ یونس سخت غلطی میں تھا اور خدا کے غضب کے نیچے تھا۔ جب کہ وہ غضب میں چلا گیا۔ نہ یہ کہ ہمنے اُسکو رشد عطا فرمایا جبکہ وہ غضب میں چلا گیا۔ علاوہ ازیں ایک نبی کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خدا کے خلاف غضب میں تھا اگر بے ایمانی نہیں تو بیوقوفی ضرور ہے خصوصاً جبکہ اسی سورۃ میں یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ خدا کے نبی وہ مکرم بندے ہیں جو نہیں بولتے جب تک خدا انکو نہ بلاوے اور کوئی کام نہیں کرتے جب تک خدا انکو کرنے کا حکم نہ دے۔ ہمارے لئے یہ ضروری نہیں کہ ان تفصیلات کو دیکھیں کہ یونس کا غضب کس پر تھا کیونکہ قرآن شریف نے اسکو مجمل رکھا ہے اور اسکی تفصیل کو ضروری نہیں سمجھا۔ ہاں اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ ابن عباس کی ایک روایت کے مطابق وہ اس ملک کا بادشاہ تھا جسکے برخلاف یونس غضبناک ہوا اور بعض لوگوں کا مذہب ہے کہ وہ اسکی اپنی قوم تھی جسکو وہ وعظ کیا کرتے تھے۔ اور جنھوں نے اسکو قبول نہ کیا ان دونو باتوں میں سے کوئی سی مان لیں تو حضرۃ یونس کا قصہ دوسرے انبیاء کے قصص کے مطابق ہو جاتا ہے

جو اس سورۃ مین بیان کئے گئے ہین۔ اور نیز انبیاء کی اس خصوصیت کے مطابق ہو جاتا ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔

اس کے بعد یہ الفاظ آتے ہین فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ اور وہ یہ موقعہ ہے جہان یا تو پادری مانرو اور اُسکے دوستوں کو غلطی لگی ہے یا انھون نے عمداً غلط معنے کئے ہیں۔ صحیح معنے وہی ہین جو ہمنے اوپر کئے ہیں جن لوگون نے اسکے معنے یہ سمجھے ہیں کہ اُسنے خیال کیا کہ ہم اس پر کوئی قدرت نہین رکھتے" ان کے متعلق صاحب ..... **لسان العرب** کہتا ہے دیکھو جلد ۶ صفحہ ۳۹۶ ولا يتأول مثله الا الجاهل بكلام العرب ولغاتها یعنی ایسے معنے کوئی نہین کرتا سوائے ایسے شخص کے جو عربون کے کلام اور انکے لغات سے بالکل جاہل ہو پھر اس فقرے کے معنے کرتے ہوئے اسی کتاب مین لکھا ہے کہ اُسکے صحیح معنے یہ ہین کہ ہم اسکیلئے کوئی مصیبت مقدر نہین کرینگے یا ہم اس پر تنگی نہیں کرینگے اور یہ دونو معنے عربی زبان مین مشہور ہین" ان معنوں کی مثالین قرآن شریف مین اور جگہ بھی موجود ہین۔ چنانچہ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ اور مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ اگر بالفرض کسی نے غلطی سے یا عربی زبان کی ناواقفیت کے سبب سے یہ معنی کئے بھی ہوں تو وہ سند نہین ہو سکتے کیونکہ تمام مفسرین اور اہل لغت نے اس غلطی کو بیان کر کے اسکے صحیح معنے کر دیئے ہین۔ یہ پادریون کی محض بیوقوفی ہے کہ غلط ترجمہ پر زور دیے جاتے ہین۔ جب کہ اس غلطی کی اس قدر زور سے تردید بھی کر دی گئی ہے۔

ان الفاظ پر غور کرنا باقی ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ لفظ ظلم پر الگ مفصل بحث کیجاویگی۔ یہان اتنا بیان کرنا ضروری ہے کہ حضرت یونس یہان انسانی کمزوری اور نقص کا خدا تعالیٰ کے کمال اور قدرت کے سامنے اقرار کرتے ہین۔ لفظ سبحانک کے یہی معنی ہین کہ اے خدا تو ہر ایک عیب اور نقص سے پاک ہے اور اپنی ذات مین کامل ہے۔ خدا تعالیٰ کی طاقت اور کمال کے سامنے وہ اپنی انسانی حالت کو عاجز طور پر بیان کرتے ہین اور اپنے مصائب اور تکالیف کو اُسکے سامنے پیش کرتے ہین وہ تمام قوۃ خدا تعالیٰ کیطرف منسوب کرتے ہین اور کمزوری اپنی طرف اور التجا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی طاقت کے ساتھ ان کو ان مصائب سے نجاۃ دے جنمین وہ مبتلا ہین کیونکہ وہ خود باہر نکلنے کی طاقت نہین رکھتے۔ ایسا ہی وہ بے عیبی کو خدا تعالےٰ کی طرف منسوب کرتے ہین اور اس کے بالمقابل انسانی نقص کو پیش کرتے ہین اور خدا سے دعا کرتے ہین کہ اس کا کمال انکے تمام فطرتی نقصونکو پورا کرے۔ اسطرح خدا تعالیٰ کے کمال مطلق اور انسانی کمزوری اور عجز کو بالمقابل رکھا گیا

ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ معتبر روایتوں میں آیا ہے فرمایا کہ جو شخص بڑی مصیبتوں کے نیچے دبا ہوا حضرۃ یونس کے الفاظ میں دعا کرے گا یعنی ان الفاظ میں کہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین اس کے مصائب دور کئے جائینگے۔ تو گویا اس دعا کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ مصائب سے نجاۃ طلب کرنیکے لئے ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ یہ گناہ سے معافی مانگنے کے لئے ہے۔ اس حدیث سے اس دعا کے معنی بالکل صاف ہو جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ظلم جو یہاں استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد وہ مصائب ہیں جو حضرۃ یونس کو پیش آئے تھے نہ کہ گناہ کیسی گناہ کا آگے یا پیچھے ذکر نہیں۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ یہ دعا مصائب سے نجاۃ مانگنے کے لئے ہے چنانچہ فرمایا مادعا بھا عبد مسلم قط وھو مکروب الا استجاب اللہ دعاءہ یعنی جو کوئی مسلمان جو مصائب کے نیچے دبا ہوا ہو یہ دعا کرے گا۔ ضرور ضرور خدا تعالے اسکی دعا کو منظور کریگا۔ اس لئے اس دعا میں لفظ ظالم کے معنے یہ ہیں کہ مصائب کے نیچے دبا ہوا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو حضرت یونس کیحالت میں ایک شخص کو مناسب حال بالکل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس دعا کو مصائب اور مشکلات سے نجاۃ پانے سے کچھ تعلق ہونا چاہیے۔

آخری الفاظ ان آیات کے فاستجبنا لہ ونجیناہ من الغم ان معنوں پر اور زیادہ روشنی ڈالتی ہیں یہاں ایک دعا کا ذکر ہے جو خدا تعالے نے قبول کی اور اس قبولیت کا نتیجہ مصیبت سے نجاۃ دینا ہے اور ساتھ ہی ایسی نجاۃ کا ہر ایک مومن سے وعدہ ہے جو دعا کرے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس کی دعا مصیبت سے نجاۃ کیلئے تھی جسکو قبول کر کے خدا تعالی نے اُسکو نجات دی۔ لیکن قرآن شریف میں جس دعا کا ذکر ہے وہ صرف یہی دعا ہے جسکا ذکر اوپر ہو چکا۔ یعنی لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ اور اس دعا میں حضرۃ یونس کے متعلق جو لفظ بیشک ظالم کا لفظ ہے۔ اس لئے حضرۃ یونس کی دعا بھی اسی حالت ظلم سے نجات پانیکے لئے تھی۔ لیکن دعا کی قبولیت ہمیں بتاتی ہے کہ یہ حالت سخت مصیبت اور تکلیف کیحالت تھی اس لئے ہم لفظ ظالم کے معنی اسی کے مطابق کر سکتے ہیں یعنی مصیبتوں کے نیچے دبا ہوا اس لئے جہانتک ان آیات کا ہم کوئی مفہوم لے سکتے ہیں۔ نہ تو حضرت یونس کے خدا سے بھاگنے کا ذکر ہے خدا کے کسی حکم کو توڑنیکا ذکر ہے اور نہ کسی گناہ کا اقرار ہے۔

اب ہم سورۃ الصافات میں جو حضرۃ یونس کے متعلق آیتیں آئی ہیں اُنکو لیتے ہیں۔ وہ آیتیں اسطرح پر ہیں۔ وان یونس لمن المرسلین ۝ اذ ابق الی الفلک المشحون ۝ فساھم فکان من المدحضین ۝ فالتقمہ الحوت وھو ملیم ۝ فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الخ اور یونس ہمارے مرسلوں

میں سے ایک تھا۔ یاد کرو جبکہ وہ بھرے ہوئے جہاز کیطرف بھاگ گیا اور قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ اسی پر پڑا
پھر مچھلی اسکو نگل گئی اور وہ مستحق ملامتہ سمجھا گیا تھا۔ لیکن اگر وہ ہماری تسبیح و تقدیس کرنیوالوں میں سے نہ ہوتا
تو اسی کے پیٹ میں رہتا" اس سورۃ میں بھی یہی ذکر ہے کہ کسطرح خدا تعالے نے اپنے برگزیدہ نبیوں کو انکے دشمنوں
کے ہاتھ سے نجات دی کسطرحپر نوح پھر ابراہیم پھر موسےٰ اور ہارون پھر الیاس پھر لوط کو عین ضرورۃ کیوقت خدا تعالے
مدد دی کیونکہ اُن کا بھروسہ خدا ہی پر تہا اور وہ بڑے بڑے مصائب اور ابتلاؤں کے وقت ثابت قدم رہے۔ اور
راستبازی کے کام کرتے رہے چنانچہ قریباً ہر ایک نبی کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ۔ یعنی اسی طرح پر ہم راستبازوں کو انعام دیتے ہیں کیونکہ وہ (یعنی جس نبی کا ذکر ہے)
مصائب کے وقت ہمارے ثابت قدم بندوں میں سے تھا۔ اسکے بعد حضرۃ یونس کا ذکر ان تعریفی الفاظ میں شروع ہوتا ہے
یونس بھی ان لوگوں میں سے تھا جنکو ہم نے نبی کرکے چن لیا۔ اسکے بعد اس مصیبت کا بیان ہے۔ جو حضرۃ یونس پر اسی
طرح پڑی جسطرح حضرۃ ابراہیم۔ نوح۔ موسیٰ۔ لوط۔ وغیرہ دوسرے انبیاء پر مصیبتیں آئیں۔ اس مصیبت کا آغاز یہ
ہے کہ حضرۃ یونس کو ایک جہاز کیطرف بھاگنا پڑا۔ یہ فرض کرنا کہ وہ خدا سے بھاگے تھے پرلے درجہ کی حماقت ہے اگر خدا
کا یہی منشاء ہوتا تو ماقبل کی آیت میں بجائے یہ کہنے کے کہ یونس بھی ہمارے برگزیدہ رسولوں میں سے تھا یہ کہنا چاہیے تھا کہ
یونس بھی گنہگاروں یا مجرموں میں سے ایک تھا کیونکہ وہ خدا سے بھاگ گیا۔ سورۂ انبیاء کی آیۃ پر بحث کرتے وقت ہم
یہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرۃ یونس کا بھاگنا اس ملک کے بادشاہ سے تھا یا اپنی قوم سے۔ اسکے بعد جب حضرۃ یونس جہاز میں
چڑھ بیٹھے تو اور بھی زیادہ مصائب نے انکو آگھیرا۔ قرعہ ڈالکر انکو دریا میں پھینکا گیا اور اہل جہاز نے خیال کیا کہ وہ واقعی
ملامتہ کے قابل ہیں لیکن چونکہ وہ خدا تعالے کے نزدیک قابل ملامت نہیں تھے اس لئے خدا تعالے نے انکو بچا لیا۔ اگر وہ
خدا تعالے کے نزدیک ایسے ہی ملزم ہوتے جیسا کہ لوگوں نے انکو خیال کر لیا تھا جب وہ دریا میں پھینکے گئے تھے تو وہ ضرور غرق
ہو جاتے کیونکہ خدا تعالیٰ انکی مدد نہ کرتا۔ لیکن خدا تعالے خود ان کے ملزم ہونیکا انکار ان الفاظ میں کرتا ہے
فَلَوْلَا اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ اور فرماتا ہے کہ اگر واقعی وہ خدا کی تسبیح کرنے والا نہ ہوتا اور ملزم ہی ہوتا جیسا
کہ لوگوں نے اسے خیال کر لیا تھا تو ضرور غرق کیا جاتا لیکن خدا تعالیٰ اسکی نسبت یہ بیان کرکے کہ وہ خدا
کی تسبیح اور تقدیس کرنے والوں میں سے تھا اور اس لئے بچا لیا گیا اسکے ملزم ہونے سے صاف انکار کرتا ہے کیونکہ
اگر وہ خدا کو ناراض کرکے اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرکے بھاگا ہوتا تو وہ مسبح نہ ٹھیرتا لیکن چونکہ وہ
ہر وقت خدا پر خالص اور سچا ایمان رکھتا تھا۔ جیسا کہ دوسرے انبیاء رکھتے تھے اس واسطے خدا نے اسکو

عین اُس وقت بچالیا جبکہ اُسکے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ حضرۃ یونس خدانعالے سے کبھی نہیں بھاگے ہاں یسوع کے متعلق ایک واقعہ کا انجیل میں ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا کہ یسوع خدا سے بھاگ گیا کیونکہ انجیل میں لکھا ہے کہ جب اس مقصد کے پورا ہونے کا وقت آیا جسکے لئے عیسائیوں کے اعتقاد کے بموجب خدا نے یسوع کو بھیجا تھا تو یسوع ایک باغ میں چھپ گیا۔ اب یہودیوں سے اپنے آپ کو چھپانا خدانعالے سے بھاگنا تھا کیونکہ یہودی اس وقت عیسائیوں کے اعتقاد کے رو سے خدانعالے کے حکم کو پورا کرنا چاہتے تھے لیکن یسوع اسقدر دلیری نہ کرسکا کہ اس حکم الہی کے مطابق وہ خود ہی یہودیوں کے پاس چلا جاتا اور صلیب پر چڑھنے کی درخواست کرتا اور اسی لئے بیچارے یہودیوں کو اُسکے منتخب شاگردوں میں سے ایک کو رشوت دینی پڑی تاکہ اس کا پتہ ملجاوے۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ پادری یسوع کے اس طرح پر خدا سے بھاگنے کی کیا تشریح کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کا قتل کرنا

پادری مانرو حضرت موسیٰ پر یہ الزام لگاتا ہے کہ وہ ایک خون ناحق کرکے خدا کے گنہگار ہوئے۔ اور سورۃ قصص کی بنا پر وہ یہ الزام پیش کرتا ہے۔ سورۃ قصص میں یہ قصہ اس طرح پر مذکور ہے۔ اور جب موسیٰ عین بلوغت پر پہونچا اور اسکے انسانی قوےٰ پوری طرح نشو و نما پاگئے تو ہمنے اُسکو علم اور حکمت دیا کیونکہ راستبازوں کو ہم اسی طرح پر انعام دیا کرتے ہیں اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوا جبکہ لوگ غفلت کیحالت میں تھے اور اسنے دو آدمی لڑتے پائے ایک اُسکی اپنے گروہ میں سے اور دوسرا اسکے دشمنوں میں سے۔ جو شخص اسکی اپنی گروہ میں سے تھا۔ اسنے موسیٰ کے پاس فریاد کی اور دشمن پر مدد چاہی تو موسیٰ نے اسکے ایک مُکا مارا تو وہ مرگیا۔ موسیٰ نے کہا یہ شیطانی اعمال کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ شیطان دشمن صریح بہکانیوالا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ اے میرے رب میں نے اپنی جانکو خسارہ میں ڈالدیا پس تو میری حفاظت کر پس خدا نے اس کی حفاظت کی کیونکہ خدا بڑا حفاظت کرنے والا مہربان ہے حضرۃ موسیٰ نے کہا اے میرے رب جیسا تونے مجھپر فضل کیا میں بھی کبھی گنہگاروں کا مددگار نہیں ہونگا لیکن شہر میں وہ صبح کو ڈرتا ہوا اٹھا اس انتظار میں کہ کوئی اُسکو پکڑ نہ لے تو پھر وہی آدمی جس نے پہلے دن اس سے مدد مانگی تھی فریاد کرتا ہوا نظر آیا موسےٰ نے اسکو کہا تو بڑا جھگڑالو ہے پھر جب ارادہ کیا کہ اس شخص پر ہاتھ ڈالے جو ان دونوں کا دشمن تھا تو وہ دوسرا شخص بول اٹھا کہ اے موسےٰ کیا تو ارادہ کرتا ہے کہ جیسا کل ایک آدمی کو قتل کیا ویسا ہی آج مجھے قتل کرے۔ اس قصہ

ہیں کئی امور قابل غور ہیں اول تو قصہ کو شروع کرنے سے پہلے ایسے الفاظ میں حضرۃ موسیٰ کی تعریف کی گئی ہے جو اس کے خلاف گناہ کا نتیجہ نکالنے سے سخت مانع ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ کو علم و حکمۃ اسواسطے دیا گیا کہ وہ بڑا راستباز تھا۔ اب قصہ کو بیان کرتے ہوئے پادری اس نکتہ کو کبھی بیان نہیں کرینگے۔ چنانچہ پادری مانرو نے ایسا ہی کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ الفاظ سارے قصہ کی جان ہیں اور اس کے اصل منشا کو ظاہر کرتے ہیں۔ موسیٰ کی راستبازی خدا تعالےٰ کو ایسی پسند آئی کہ اس نے بڑے بڑے انعامات حکمت اور علم کے اُسے عطا فرمائے۔ اب خیال کرو کہ ایسے بیان کے بعد یہ قصہ مذکور ہوا کہ ایک دن تو حضرت موسےٰ نے خون ناحق کیا اور رات کو توبہ کر کے پھر دوسری صبح ایک اور خون ناحق کرنے کی کوشش کی اور اس میں بھی کامیاب ہو جاتا اگر شور نہ پڑ جاتا۔ کیا اس سے زیادہ بھی بیہودہ تعلق عبارۃ کا قیاس میں آسکتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً ایک شخص شراب کی ممانعت پر لیکچر دینے کھڑا ہوا اور سامعین کی تقلید کیلئے ایک ایسی شخص کو بطور نمونہ پیش کرے جسکی ہر جگہ پرہیزگاری اور شراب نہ پینے کی تعریف اور شہرت ہو رہی ہو اور پھر ساتھ اس کے یہ قصہ بھی بیان کرے کہ یہی شخص جسکو وہ نمونہ کیطور پر پیش کرتا ہے ایک شام کو بازار میں شراب سے مدہوش پڑا ہوا پایا گیا۔ اور پھر رات کو اسکے سامنے اُس نے توبہ کی اور دوسری شام کو پھر ایک شراب کی دوکان میں جاتا ہوا دیکھا گیا۔ اس مثال کی بیہودگی پر غور کرو اور پھر سوچو کہ آیا پادری قرآن شریف کے معنے کرنے میں اس سے بھی بڑھ کر حماقت نہیں دکھلاتے موسےٰ ایک شخص ہے جسکو پہلے مومنین کے سامنے راستبازی کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے اور پھر اُس کی راستبازی کی یہانتک تعریف کی جاتی ہے کہ خدا تعالےٰ اُس سے خوش ہو کر اس کو بڑے بڑے انعام دیتا ہے اور علم و حکمت عطا کرتا ہے۔ اور پھر اگلی آیت میں اُس کی متعلق یہ بیان کیا جاوے کہ وہ بڑا سفاک اور خونریز تھا جو ناحق لوگوں کے خون کیا کرتا تھا۔

پھر ایک اور امر قابل غور یہ ہے کہ خدا تعالےٰ سے حفاظت مانگنے کے بعد اور جب خدا تعالےٰ سے حفاظت کا وعدہ انکو دیا جاتا ہے تو حضرۃ موسیٰ بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں رَبِّ بِمَآ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَکُوۡنَ ظَہِیۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ اے میرے رب تیرے انعاموں کے سبب سے جو تو نے مجھ پر کئے ہیں میں کبھی مجرموں کا مددگار نہیں ہونگا۔ اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسرائیلی کی مدد کرنے میں حضرت موسیٰ گناہ کے مرتکب ہوئے کیونکہ یا تو اس فعل میں وہ حق پر تھے یا ناحق پر۔ اگر حق پر تھے تو پھر تو کوئی اعتراض ہی باقی نہیں رہتا لیکن اگر ناحق پر تھے تو پھر وہ مجرم کے مددگار ٹھہرے۔ لیکن خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ کبھی بھی مجرموں کے مددگار نہیں ہوئے بفرض محال اگر یہی مان لیا جاوے کہ یہ وعدہ حضرت موسیٰ کا

قبطی کے قتل کے بعد کا تھا۔ تب بھی یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اسرائیلی کی مدد کرنے میں حضرۃ موسیٰ ناحق پر تھے کم سے کم اتنا تو ماننا پڑے گا۔ کہ وعدہ کے بعد حضرۃ موسے اس قسم کے ارتکاب کی پھر کوشش کرتے اگر وہ اپنے فعل کو گناہ یا مجرم کی مدد سمجھتے۔ لیکن ایک دن بھی اس وعدہ پر نہ گذرنے پایا تھا کہ اسی قسم کا واقعہ حضرت موسیٰ کو پھر پیش آیا کہ آپ نے اسی اسرائیلی کو ایک اور قبطی سے لڑتے دیکھا اور پھر اسرائیلی نے اسیطرح موسے کے پاس فریاد کی اور اسیطرح موسے نے اسکی مدد کرنی چاہی اور دشمن کو ہلاک کرنا چاہا مگر ایک ایسا واقعہ پیش آگیا کہ انکو رکنا پڑا۔ اگر حضرۃ موسیٰ پہلی دفعہ اسرائیلی کی مدد کو گناہ خیال کرتے تو ممکن نہ تھا کہ انہیں واقعات کے ماتحت اسی اسرائیلی کی مدد کو پھر تیار ہو جاتے جو ایک دفعہ انکے گناہ کا موجب ہو چکا تھا درآنحالیکہ وہ وعدہ بھی کر چکے تھے کہ وہ کبھی کسی مجرم کی مدد نہیں کرینگے۔ آیۃ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ صاف اس امر پر شاہد ہے کہ دوسرے موقعہ پر حضرت موسیٰ کا فعل ظالمانہ فعل نہ تھا مگر چونکہ حضرت موسے نے دوسرے موقعہ پر بعینہ اسی فعل کا ارادہ کیا تھا جو وہ پہلے موقعہ پر کر چکے تھے اس لئے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ پہلے موقعہ پر بھی وہ کسی برے فعل کے مرتکب نہیں ہوئے یعنی کسی ایسے فعل کے کہ جسکو وہ خود برا سمجھتے ہوں یا جو خدا کی نزدیک برا ہو۔

ایک اور امر جسپر غور کرنے سے حضرۃ موسیٰ کی معصومیت ثابت ہوتی ہے انکی وہ دعا ہے جو کہ مدین کو بھاگتے وقت انھوں نے اللہ تعالےٰ سے مانگی۔ یہ دعا ان الفاظ میں ہے رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ یہاں موسیٰ اپنے دشمنوں کو ظالم بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اگر اپنے فعل کو ظلم سمجھتے تو ممکن نہ تھا کہ اسی معاملہ میں وہ اپنے دشمنوں کو بھی ظالم کہتے۔ اگر حضرت موسیٰ یہ جانتے تھے کہ ایک آدمی کے مار ڈالنے میں انھوں نے کسی ظالمانہ فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ تو پھر وہ اُن لوگوں کو جو ایک مجرم شخص کو قرار واقعی سزا دینا چاہتے تھے۔ کیوں ظالم کہتے۔ خود انکی یہ تعلیم تھی کہ جان کی بدلے جان۔ تو پھر اُن لوگوں کو جو اسی قانون کے مطابق انھیں پکڑنا چاہتے تھے جسکو وہ عدل اور انصاف کا قانون سمجھتے تھے کیونکر ظالم کہہ سکتے تھے ان کا اپنے مخالفوں کو ظالم بیان کرنا اس لئے کہ وہ قبطی کے مارنے کی وجہ سے انکی جان کے درپے ہوگئے تھے صاف ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے آپکو اس معاملہ میں بیگناہ سمجھتے تھے اور یقیناً جانتے تھے کہ انھوں نے کوئی خون ناحق نہیں کیا جسکے بدلے انھیں سزا ملنی چاہیے۔ اگر وہ خون ناحق کے مرتکب ہوئے ہوتے تو ایک عدل اور انصاف کی سزا کو ظلم نہیں کہہ سکتے تھے۔ پھر جب کہ مدین میں پہنچے ہیں اور شیخ کبیر کے سامنے اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ کیونکر انھوں نے ایک قبطی کو مارا اور پھر کیونکر وہاں سے بھاگے تو وہ شیخ کبیر بھی قبطیوں کو ہی ظالم ٹھیراتا ہے اور اس معاملہ میں انھیں کیطرف ظلم کو منسوب کرتا ہے اور کہتا ہے لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ تو مت ڈر کہ ان لوگوں سے جو تجھپر ظلم کا ارادہ رکھتے تھے تو نجات پا گیا۔ اسی طرح یہ

اس قصہ میں حضرت موسےٰ کے دشمنوں کے اس فعل کو کہ وہ قبطی کے بدلے انکو مارنا چاہتے تھے - خدا تعالےٰ نے ظلم اور ناحق قرار دیا ہے اور اس لئے وہ فعل جسپر یہ سزا تجویز کرتے تھے خدا تعالےٰ کے نزدیک ظالمانہ اور ناحق نہیں ہو سکتا - ایسا ہی خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہوتے ہوئے موسےٰ کہتے ہیں وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ کہ ان مصریوں کا مجھپر گناہ ہے اور یہ نہیں کہا کہ خدا کا گناہ ہے - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قتل کے معاملہ میں وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک قطعاً اپنے آپ کو گنہگار نہیں سمجھتے تھے کیونکہ وہ خدا کو یہ کہتے ہیں کہ میں ان مصریوں کے نزدیک گنہگار ہوں نہ یہ کہ تیرے نزدیک بھی گنہگار ہوں۔

حضرت موسےٰ کے یہ الفاظ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ کہ یہ تیرے شیطانی فعلوں کی سزا ہے جو اُنھوں نے قبطی کے متعلق کہے اسی نتیجہ کے موید ہیں - جب حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ قبطی انکے مُکّہ سے موت تک پہنچ گیا ہے تو فی الفور بول اُٹھے کہ یہ تیرے شیطانی فعلوں کے سبب ہے - جس سے اُنکا یہ مطلب تھا کہ تو نے ناحق ایک اسرائیلی پر ظلم کرنا چاہا اس لئے اپنی سزا کو پہونچگیا - ان الفاظ کو حضرت موسیٰ کے متعلق سمجھنا ایسی بیہودگی ہے کہ اُسکی تردید کی حاجت معلوم نہیں ہوتی - جتنے پہلوؤں پر ہم اب تک غور کر چکے ہیں وہ سب اس بیہودہ خیال کی تردید کرتے ہیں اور قرآن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسےٰ اس مصری کے شیطانی فعلوں کا ذکر کرتے ہیں - الفاظ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ سے بھی یہ مراد نہیں لی جاسکتی کہ حضرت موسیٰ اپنی طرف کسی ظالمانہ فعل کو منسوب کر رہے ہیں کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں وہ اپنے دشمنوں کے فعل کو جو اس قتل کا بدلہ حضرت موسےٰ سے لینا چاہتے تھے ظالم کہتے اور سمجھتے تھے - اور اس لئے ایک لمحہ کے لئے بھی وہ اپنی طرف اس معاملہ میں ظلم کو منسوب نہ کر سکتے تھے - ان الفاظ سے مراد فقط یہ ہے کہ میں نے اپنی جانکو خطرہ میں ڈالدیا ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مصری جو انکے پہلے سے دشمن تھے انکے قتل کیلئے کوئی بہانہ چاہتے تھے - اسی خطرہ کے احساس کے سبب سے وہ فی الفور خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سے حفاظت طلب کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں فَاغْفِرْ لِيْ کیونکہ وہ ایک راستباز آدمی تھے - اور کسی دوسرے کو خدا کے سوا اپنا مددگار اور محافظ نہ سمجھتے تھے سو خدا تعالےٰ نے انکی دعا کو منظور کیا اور فرمایا کہ تم مصریوں کے ہاتھ سے بچائے جاؤ گے چنانچہ اسی وعدہ الٰہی کے مطابق عین موقعہ پر اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کو اطلاع دیدی کہ تمہارے پکڑنے کیلئے دشمن تجویزیں کر رہے ہیں سو تم اس شہر سے بھاگ جاؤ اور اس طرح پر جس حفاظت کا حضرت موسیٰ کیساتھ وعدہ کیا تھا اسکو پورا کیا - آیۃ کے ان معنوں کی صحت پر صرف امور متذکرہ بالا ہی شاہد نہیں ہیں بلکہ دوسرے مقامات پر جہاں قرآن کریم میں اس قصہ کا ذکر آیا ہے وہاں سے بھی انہیں معنوں کی تائید ہوتی ہے - مثلاً سورہ طٰہٰ

میں اللہ تعالیٰ حضرۃ موسیٰ پر اپنے انعامات کو بیان کرتا ہوا فرماتا ہے کہ کسطرح کئی موقعوں پر ہمنے تیری جان بچائی چنانچہ پہلا واقعہ بچپن کا بیان فرما کر پھر فرماتا ہے وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ یعنی تو نے ایک آدمی کو قتل کر دیا اور ہم نے تجھے اس غم سے نجات دی۔ اس میں ذرا شک نہیں ہو سکتا کہ اس غم سے مراد وہی غم ہے جو بعد قتل کے حضرت موسیٰ کو اپنی جان کیلئے ہوا جسکے لئے انھوں نے یہ دعا مانگی کہ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ۔ اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک اس قبطی کا قتل گناہ ہوتا اور اسی کیمطابق سورۃ قصص کے ان الفاظ کے معنے ہوتے جو ہمنے اوپر نقل کئے ہیں تو ضرور تھا کہ خداوند تعالیٰ موسیٰ کو یہ بھی فرماتا کہ کسطرح وہ قبطی کے قتل میں گناہ کا مرتکب ہوا اور کیونکر اس کا گناہ معاف کر دیا گیا جبکہ اُس نے توبہ کی برخلاف اس کے خدا تعالیٰ اسی انعام کو بیان کرتا ہے کہ کیونکر جب وہ قبطی کو قتل کر چکا خدا تعالیٰ نے اُس کی جان بچائی اور قرآن میں کہیں یہ بھی ذکر ہونا چاہیے تھا کہ کس طرح موسیٰ اپنے اس گناہ کے لئے نادم ہوتا رہا اور فکر کرتا رہا کیونکہ حضرۃ موسیٰ کا قصہ کئی بار قرآن شریف میں بیان ہوا ہے۔ مگر قرآن شریف میں اسی غم کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ کو اپنی جان کیلئے ہوا تھا اور اسی انعام کا ذکر ہے جو خدا تعالیٰ نے اس غم کے وقت میں اسکو سہارا دیا اور اُسکی جان بچائی چنانچہ جب نبوت اس کو فرعون کی طرف جانے کا حکم ہوا تو حضرۃ موسیٰ نے بھی عرض کی اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ کہ ان میں سے میں نے ایک آدمی کو مار دیا ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے مار نہ ڈالیں۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ جس غم کا الفاظ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ میں اظہار کیا گیا ہے وہ انکو انکی جان کے خطرہ کے متعلق تھا جس کا ذکر قرآن شریف میں بار بار آیا ہے اور جس حفاظت کا ان کو وعدہ دیا گیا ہے۔ وہ حفاظت اسکے دشمنوں کے منصوبوں سے تھی نہ کہ خدا کی سزا سے چنانچہ اس واقعہ کے بعد جو کچھ ہوا وہ بھی اسی نتیجہ کا مؤید ہے کیونکہ اپنے سخت ترین دشمنوں کے درمیان ہی حضرۃ موسیٰ کی زندگی معجزانہ طور پر بچائی گئی۔

جہانتک یہ قصہ قرآن شریف میں موجود ہے اس سے حضرۃ موسیٰ کے گنہگار ہونے کا نتیجہ ہرگز نہیں نکل سکتا اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کا فعل قبطی کے مارنے کا کس قسم کا تھا۔ اور کیا وجہ تھی کہ وہ قتل میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور ان لوگوں کو جو قصاص میں اُن کی جان لینا چاہتے تھے ناحق پر خیال کرتے تھے۔ یہ امر واقعہ ہے جس کی شہادت تاریخ سے ملتی ہے کہ اسرائیلی مصریوں کے ماتحت ایک سخت غلامی کی زندگی بسر کرتے تھے انکے ساتھ صرف معمولی غلاموں کا ہی سلوک نہ ہوتا تھا بلکہ بہت سختی اور ظلم اُنپر کئے جاتے تھے اور ذلیل سے ذلیل کام ان سے لئے جاتے تھے قرآن شریف اور توریت دونو گواہ ہیں۔ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے

کہ اس ذلت کیحالت مین انکے ظالم آقا کس کس قسم کی بے رحمیاں انپر کرتے ہوں گے اور کسطرح بیدردی سے انکو مار ڈالتے ہونگے۔ تمدن اسکے پُرانے قوانین کی رو سے غلام کے قتل کیوقت مناسب چارہ جوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ اور جب اس کے ساتھ ہم اس سختی کو بھی مدنظر رکھین جو مصری اسرائیلوں پر کرتے تھے اور اس ذلیل حالت پر غور کرین کہ جسطرح اسیر اسرائیلی رکھے جاتے تھے تو آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے کہ کسطرح یہ قبطی اسرائیلیونکو قانون کی گرفت سے بیخوف مار ڈالتے ہوں گے۔ جبکہ حکام بھی ان بیچارے غیر اپنوں کی جانون کی چندان پروا نہ کرتے تھے۔ اب سوچنا چاہیئے کہ اگر ایک اسرائیلی اور قبطی لڑ رہے ہوں تو بیچارے اسرائیلی غلام کی جان کسقدر خوف کیحالت مین ہوگی۔ کیونکہ اسرائیلی تو اپنے آقا کے خلاف ہاتھ بھی نہیں اُٹھا سکتا اور قبطی کو نہ اس کی جان کی پرواہ ہے اور نہ قانون کا خوف ہے۔ اب اگر حضرۃ موسیٰ اسرائیلی کی مدد کے لئے وقت پر نہ پہونچگئے ہوتے تو وہ یقیناً جانبر نہ ہوسکتا جب اس نے ظالم دشمن کے پنجہ مین اپنے آپ کو بے بس پایا تو ناگہاں حضرت موسیٰ پر اس کی نظر جاپڑی اور ان کو اُس نے مدد طلب کی۔ لفظ استغاثہ جو یہاں استعمال کیا گیا ہے وہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ مظلوم اسرائیلی تھا۔ اور اگر حضرت موسیٰ اس کی جان نہ بچاتے تو وہ خود بخود قبطی کے پنجہ سے نجات نہ پاسکتا یہ حالت دیکھکر حضرت موسےٰ نے اُس ظالم کے مُکا مارا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا منشا اسکو قتل کرنے کا نہیں تھا بلکہ صرف مظلوم کو چھوڑانے کا تھا۔ مُکا سے مرجانا یہ ایک اتفاقی امر تھا ورنہ ضرب اس قسم کی نہ تھی جس سے معمولی طور پر نتیجہ موت کا پیدا ہوسکے لیکن اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ حضرت موسیٰ کا ارادہ ہی اس کو قتل کرنے کا تھا تب بھی حضرت موسیٰ حق پر ہی تھے کیونکہ اگر وہ مظلوم کی مدد نہ کرتے تو معاً اس کی جان کا خاتمہ ہوجاتا اس لئے حضرت موسیٰ نے جو کچھ فعل کیا وہ ایک جان بچانے کے لئے تھا اور اس لئے اس کو گناہ یا جرم کیصورت مین کہا نہیں جاسکتا۔ حضرۃ موسیٰ کا قتل کے واقعہ کے بعد ہی معاً یہ کہنا کہ مین مجرموں کا مددگار ہرگز نہیں ہوں گا اسی امر پر دال ہے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ اسرائیلی کی مدد کرنے مین انھوں نے ظالم کی مدد نہین کی بلکہ مظلوم کی کی ہے یہی وجہ تھی کہ دوسرے دن جب انہوں نے اسی اسرائیلی کو ایک اور قبطی کے پنجہ مین گرفتار پایا اور مدد کے لئے چلاتے ہوئے دیکھا تو پھر وہ اسی طرح مدد کے لئے طیار ہو گئے۔ یہ کہ اُس کو حضرت موسےٰ نے غوی کہا اس سے مراد اُن کی یہ نہ تھی کہ وہ ظالم ہے کیونکہ غوی کو اگر ان معنوں مین استعمال کرتے تو کبھی اس کی مدد کے لئے آگے نہ بڑھتے غوی سے مراد اُن کی یہ تھی کہ تو جھگڑالو ہے۔ اور اس کو یہ اطلاع دینا مقصود تھا کہ اسکو ایسے آدمیوں کے ساتھ جھگڑنے سے پرہیز کرنا چاہیئے جو بڑی بے دردی سے اس کی جان کا خاتمہ کردینے کو طیار تھے پس صاف

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ ایک غلام کی جان بچانے لگے تھے کہ اتفاقاً ظالم اپنی سزا کو پہونچگیا۔ اور حضرت موسیٰ کا یہ فعل صرف جائز ہی نہ تھا بلکہ ایک بیگناہ آدمی کی جان بچانے کے لئے ضروری ہوگیا تھا۔

حضرت ہارون پر شرک کا الزام

پادری مانرو حضرت ہارون پر شرک کا الزام لگاتا ہے اور سند کے لئے سورۃ اعراف کی آیت ۱۵۰ کا حوالہ دیتا ہے۔ اس آیت کو معہ ترجمہ ہم نیچے لکھتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ کسقدر دیانت داری سے پادری صاحبان کام لیتے ہیں۔ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ترجمہ اور جب پھر آیا موسےٰ اپنی قوم کیطرف غضب اور رنج سے بھرا ہوا۔ کہا بُرا ہے جو کچھ تم نے میرے بعد کیا۔ کیا تم نے اپنے رب کے حکم میں شتابی کی۔ اور تختیاں ڈالدیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اسکو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ اس نے کہا اے میری ماں کے بیٹے۔ قوم نے مجھے ضعیف سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے پس میرے ساتھ دشمنوں کو خوش مت کر اور ان ظالم لوگوں کے ساتھ مجھکو نہ ملا۔" ہم تعجب کرتے ہیں کہ اس ساری آیت میں کونسا لفظ ہے جو پادری مانرو کے الزام شرک کی تائید کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ کا غضب اور رنج جیسا کہ آیت میں صاف بتایا گیا ہے قوم کے خلاف تھا کیونکہ اُنھوں نے اُن کی غیر حاضری میں گوسالہ پرستی اختیار کی اور ان الفاظ کی مخاطب بھی وہی قوم ہے کہ "برا ہے جو کچھ تم نے میرے پیچھے کیا۔" پھر اسی قوم کی نسبت ہی حضرت ہارون کہتے ہیں کہ قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہارون خود اس قوم میں شامل نہ تھے بلکہ اُن کے گوسالہ پرستی کی مخالفت کرنے کی ہی وجہ سے اُن کی جان خود خطرہ میں پڑی ہوئی تھی۔ یہ آیت صاف شاہد ہے کہ حضرت ہارون اُن لوگوں میں سے نہ تھے جنھوں نے گوسالہ کی پرستش کی تھی بلکہ برعکس اس کے انھوں نے گوسالہ پرستی کی مخالفت یہانتک کی کہ لوگ ان کے دشمن اور مارنیکے درپے ہوگئے حضرت ہارون کا توحید پر قایم رہنا اور توحید کا وعظ بنی اسرائیل کو سنانا سورۃ طٰہٰ میں صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِن قَبْلُ يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ ۖ وَإِنَّ

رَبُّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي۔ "اور ہارون نے اس سے پہلے انکو کہا تھا اے میری قوم تم اس گوسالہ سے آزمائے گئے ہو۔ اور تمھارا رب بڑا رحم کرنے والا ہی ہے پس تم میرے پیچھے چلو اور میرے امر کی پیروی کرو"۔ کیا ان صاف الفاظ کے باوجود ایک نبی پر شرک کا الزام لگانا ایمانداری ہے۔ پھر حضرۃ ہارون سورۂ اعراف کی اس آیت میں جو اوپر نقل کی گئی ہے صاف حضرۃ موسیٰ کو کہتے ہیں کہ مجھے ان ظالموں کے ساتھ مت ملا اور اس طرح پر اپنے اس فعل میں شامل ہونیکا صریح انکار کرتے ہیں کوئی لفظ اس آیت میں ایسا نہیں جس سے ہارون کا گوسالہ پرستی میں شامل ہونا ثابت ہو۔ بلکہ صاف صاف الفاظ اس جرم میں انکی شمولیت کی تردید کرتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ وہ گوسالہ پرستی کے برخلاف وعظ کرتے رہے۔ اس سے پہلے حضرۃ آدم کے متعلق لکھتے ہوئے ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ شرک جیسی سخت گناہ کو انبیاء کیطرف منسوب کرنا قرآن شریف کے صریح اور صاف الفاظ کو رد کرنا ہے اسلیئے اس مضمون پر دوبارہ بحث کرنیکی ضرورت نہیں حضرۃ ہارون کی شرکت کا نتیجہ حضرۃ موسیٰ کی اس دعا سے نکالنا کہ اُنھوں نے کہا تھا رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي سخت بیہودگی ہے۔ استغفار کے معنوں پر پہلے بحث ہو چکی ہے اور استغفار کرنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ جس کیلئے استغفار کیا گیا ہے وہ کوئی گناہ بھی کر چکا ہے۔ بلکہ استغفار کے معنے خدا کی حفاظت اور مدد کو طلب کرنیکے ہیں علاوہ اس کے حضرۃ موسیٰ کا اس دعا میں اپنے آپ کو اپنے بھائی کے ساتھ شامل کرنا اور یہ کہنا کہ اے خدا مجھے اور میرے بھائی کو مغفرۃ عطا کر اسبات پر شاہد ہے کہ وہ گناہوں کی معافی کی دعا نہ کر رہے تھے کیونکہ اتنا تو ہر ایک کو ماننا پڑے گا کہ حضرۃ موسیٰ کسی طرح سے اس گوسالہ پرستی میں شامل نہ تھے بلکہ اسکا حال سنکر انکو سخت رنج پہونچا تھا۔ انکا استغفار جیسا اپنے لئے ہی ویسا ہی اپنے بھائی کیلئے ہے اور اس سے غرض صرف حفاظت الٰہی کا طلب کرنا ہی۔ کیا یہ ایک اور حیرت انگیز امر نہیں کہ اگر استغفار کے معنے گناہوں کی معافی کی درخواست کے سوا کچھ نہیں تو استغفار کی ضرورۃ حضرۃ موسیٰ اور ہارون کیلئے تو ہو جو گوسالہ پرستی میں شامل نہیں ہوئے تھے اور اس ساری قوم کیلئے اس کی ضرورت نہ ہو۔ جو گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوئی تھی۔

حضرۃ ابراہیم پر جھوٹ کا الزام

پادری مانرو کہتا ہے کہ حضرۃ ابراہیم علیہ السلام تین مرتبہ جھوٹ بولنے کے گناہ کے مرتکب ہوئے مگر یہ پادری صاحب جھوٹ بول رہے ہیں کیونکہ قرآن شریف میں کہیں ذکر نہیں کہ حضرۃ ابراہیم نے جھوٹ بولا۔ اس بیان کی تائید میں

وہ قرآن شریف کو پیش نہیں کرتا بلکہ حدیث کیطرف رجوع کرتا ہے۔ ہم خیال نہیں کرتے کہ اس کو یہ علم نہ ہو کہ مسلمان حدیث کیمتعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی حدیث اہل اسلام کے نزدیک معتبر نہیں ہوسکتی جو قرآن شریف کے خلاف ہو۔ اب قرآن شریف تو حضرۃ ابراہیم کو صِدِّیقًا نَّبِیًّا کا خطاب دیتا ہے یعنی نہایت ہی صادق نبی۔ اسکے مقابلہ میں کسی حدیث کو کسطرح معتبر مان سکتے ہیں جس میں ایسے صادق کیطرف کذب منسوب کیا گیا ہو۔ کیونکہ حدیثوں میں بہت سا موضوعات کا بھی مجموعہ ہے اور اس لئے کوئی حدیث قابل سند نہیں جو قرآن کریم کے خلاف ہو۔ یہ کتنی صاف بات ہے کہ قرآن کریم جو خدا کا پاک کلام ہے جھوٹا نہیں ہوسکتا لیکن حدیث کو صحیح مانکر اُسکے راوی کو سچا اور حضرت ابراہیم کو جھوٹا ماننا پڑتا ہے حالانکہ حدیث کو جھوٹا مانکر صرف راوی کو جھوٹا ماننا پڑے گا۔ اب کون مسلمان ہے جو قرآن کریم کے الفاظ صِدِّیقًا نَّبِیًّا کے باوجود بھی حضرۃ ابراہیم کو اسلئے جھوٹا مانیگا تا کہ حدیث کا ایک راوی سچا ثابت ہو حضرۃ ابراہیم کے استغفار سے یہ معنی نکالنا جیسا کہ بہت دفعہ ثابت کیا جاچکا ہے محض بے وقوفی ہے۔ علاوہ اسکے عیسائیوں کو کوئی عذر تلاش کرنا پڑے گا جس سے حضرۃ عیسیٰ مومنین کی جماعت میں سے خارج ہو جائیں کیونکہ حضرۃ ابراہیم نے اپنے لئے ہی استغفار طلب نہیں کیا بلکہ کل مومنین کی جماعت کے لئے جو دنیا میں ہو چکے یا ہونیوالی تھی۔

اگرچہ ایسی ضرورت تو نہیں مگر ہم یہاں ان امور پر بھی غور کرتے ہیں جنکی نسبت حضرۃ ابراہیم کیطرف کذب منسوب کیا جاتا ہے۔ سب سے اول کہا جاتا ہے کہ حضرۃ ابراہیم نے یہ کہتے ہیں کہ اِنِّی سَقِیْمٌ جھوٹ بولا۔ ہم حیران ہیں کہ اس میں کیا جھوٹ ہے کس معتبر ڈاکٹر نے حضرۃ ابراہیم کی اسوقت کیحالت کو دیکھکر یہ کہا تھا کہ حضرت ابراہیم اپنے آپکو بیمار کہنے میں سچے نہیں ہیں اگر کوئی آدمی کہے کہ میں بیمار ہوں تو کون شخص اس میں شک کرسکتا ہے پھر حضرۃ ابراہیم پر کیوں ان الفاظ کی بنا پر ایک جھوٹی تہمت لگائی جاتی ہے دوسرا موقعہ جسکے متعلق حضرت ابراہیم پر جھوٹ کی تہمت لگائی جاتی ہے حضرت ابراہیم کا یہ قول ہے بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا اصل بات یہ تھی کہ بت پرستوں نے حضرت ابراہیم کو پوچھا کہ تو نے ہمارے بت توڑے ہیں جس کے جواب میں آپ نے یہ فرمایا۔ ان الفاظ کے مختلف معنی مفسرین نے کئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک حضرۃ ابراہیم کو جھوٹ کی تہمت سے بری ٹھیراتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فَعَلَهٗ کے بعد وقف ہے اس لئے اس فعل کا فاعل اسی میں مقدر ماننا پڑے گا اور معنی یہ کرینگے کہ کیا جسنے کیا اور كَبِيْرُهُمْ هٰذَا الگ جملہ ہوگا کہ یہ ان میں کا بڑا موجود ہے۔ چونکہ فعل اور فاعل کے درمیان سطر حرف فقط نہیں آیا کرتا

اس لئے یہ معنے نہایت صحیح اور اقرب الی الفہم ہین - اگر کبیرھم کو فعلہ کا فاعل بھی مان لیا جاوے - تب بھی حرج لازم نہین آتا کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا منشا کسی امر کو چھپانیکا نہ تہا بلکہ صرف بت پرستوں کو انکی بیوقوفی کیطرف توجہ دلانے کا تھا - کہ ایکطرف تو وہ اس بات کو مانتے تہی کہ انکے بتوں میں وہ طاقتین ہین جن سے زمین و آسمان کے کاروبار چل رہے ہین اور دوسری طرف سب سے بڑے بت مین اس قدر طاقت بھی تسلیم نہ کر سکتے تہے کہ وہ چھوٹونکو توڑ سکے اگر اس کو جھوٹ کہا جاوے تو اس کی غرض صرف اپنے قصور کا اخفا ہو سکتی تھی - لیکن حضرت ابراہیم نے کبھی اپنے اس فعل کو چھپانا نہین چاہا بلکہ وہ عام مجلس مین تمام مشرکین کو مخاطب کر کے علانیہ کہہ چکے تھے تاللہ لاکیدن اصنامکم کہ خدا کی قسم مین ان تمہارے بتون سے جنگ کرونگا جس سے صاف اُن کا منشا یہ تھا کہ مین اُنکو توڑ ڈالونگا - اُنکے اسی علانیہ اظہار کیوجہ سے بت پرستونکو فوراً بھی لگ گیا تھا کہ اِن کا توڑنے والا سوائے ابراہیم کے اور کوئی نہین پھر اخفا کے کیا معنی ہو سکتے ہین تیسرا موقعہ جس کی نسبت اس صادق پر جھوٹ کی تہمت لگائی جاتی ہے اس کا ذکر قرآن شریف مین نہین یہ حضرت ابراہیم کے اس بیان کیمتعلق ہی کہ سائرہ میری بہن ہی جس کا ذکر کتاب پیدایش مین ہی - مگر اسی کتاب کے باب ۲۰ آیت ۱۲ میں صاف لکھا ہے کہ " وہ یعنی سائرہ میری بہن بھی ہے کیونکہ وہ میری ماں کی لڑکی تو نہین مگر باپ کی لڑکی ہی " پھر اسکو بہن کہنے مین جھوٹ ہی کیا ہو سکتا ہی -

اس سے معلوم ہوگا کہ حضرت ابراہیم تو کبھی جھوٹ کے مرتکب نہین ہوے اور قرآن کریم ایسے عقیدہ کو رد کرتا ہے لیکن جب ہم انجیلوں کو پڑھتے ہین تو انمین کئی موقعہ پر یسوع کے جھوٹ بولنے کا ذکر ہے اب مشکل یہ ہی کہ اگر اناجیل کو سچی تسلیم کیا جاوے تو یسوع کو جھوٹا ماننا پڑتا ہے لیکن اگر یسوع کو سچا مانا جائے تو انجیلونکو جھوٹا ماننا پڑتا ہے - شاید پادری ہانڈ صاحب اس مشکل کو دور کر سکیں اور امید ہی کہ وہ ضرور اس معاملہ پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کرینگے - مثلاً متی ۲۳/۴۳ میں یسوع چور کو کہتا ہی کہ " آج تو میرے ساتھ بہشت مین ہوگا " لیکن اسکو علم تھا کہ وہ خود دوزخ کو جائیگا اور چور کو اپنے ساتھ بہشت مین لیجانا محض جھوٹ تھا یوحنا ۲۰/۱۷ مین قبر سے نکلنے کے بعد مسیح کہتا ہی کہ مین ابھی اپنے باپ پاس نہین چڑھا ہوں اور عیسائی اعتقاد کے مطابق وہ چالیس روز تک دوزخ مین رہا یا زمین پر رہا بہشت مین نہین گیا - ایک اور مثال جسمیں یا یسوع کو جھوٹا ماننا پڑتا ہی یا انجیلونکو متی ۱۶/۲۸ مین درج ہی جہاں لکھا ہی کہ ان مین سے جو یہاں کھڑے ہین بعض موت کا مزہ نہ چکھیں گے جبتک کہ وہ ابن آدم کو اپنی سلطنت مین آتے نہ دیکھلین " - اب تمام دنیا مانتی ہی کہ یہ جھوٹ ہی اور پادریونکا اختیار ہی کہ جسکی طرف چاہین اس

جھوٹ کو منسوب کریں اس میں جلدی جواب دینے کی ضرورۃ نہیں کیونکہ سخت زد یسوع پر دافع ہوتی ہی یا انجیل پر۔ اس لئے پادری صاحبان غور کے بعد جواب دیں۔ پھر ایک موقعہ پر یسوع نے اپنے حواریوں کو یہ کہا کہ وہ باراں کے باراں ہی باراں تختوں پر بیٹھیں گے اور انھیں باراں میں یہودا اسکریوطی بھی شامل تھا۔ اب انجیلوں سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کو یہ علم بھی تھا کہ یہودا اسکو پکڑوا کر لعنتی اور شیطان کا فرزند ہو جائیگا اس لئے ایسے آدمی کو تخت کا وعدہ دینا جھوٹ تھا جو یسوع نے بولا۔ اور بھی کئی مثالیں پیش کیجا سکتی ہیں۔ لیکن پہلے ان کے متعلق پادری صاحبوں کا جواب سنکر پھر ہم اور پیش کرینگے ہم امید کرتے ہیں کہ پادری صاحب ان کے جواب میں تساہل سے کام نہ لینگے۔ (باقی آئندہ)

کیا سب مذاہب خدا تعالےٰ کیطرف سے ہو سکتے ہیں

مندرجہ ذیل چٹھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک پرانے ہندو دوست کے خط کے جواب میں لکھی جس نے اپنے خط میں اپنا یہ مذہب ظاہر کیا تھا کہ سب مذہب خدا کیطرف سے ہی ہیں اس لئے ہر ایک مذہب پر چلکر انسان خدا کو پا سکتا ہے۔ چٹھی یہ ہے۔

آپنے اپنے خط میں کچھ مذہبی رنگ میں بھی نصائح تحریر فرمائے تھے مجھکو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ آپکو اس عظیم الشان پہلو سے بھی دلچسپی ہے درحقیقت چونکہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے اور تھوڑی دیر کے بعد ہم سب اصلی گھر کی طرف واپس کئے جائینگے اس لئے ہر ایک کا یہی فرض ہونا چاہیے کہ دین اور مذہب اور عقائد کے معاملہ میں پورے غور سے سوچے پھر جس طریق کو خدا تعالیٰ کی رضامندی کے مطابق پاوے اسکے اختیار کرنے میں کسی ذلت اور بدنامی سے نہ ڈرے اور نہ اہل و عیال اور خویشوں اور فرزندوں کی پروا رکھے۔ ہمیشہ صادقوں نے ایسا ہی کیا ہے اور سچائی کے اختیار کرنے میں اُنھوں نے بڑے بڑے دُکھ اٹھائے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ خواہ عقاید ہوں یا اعمال دو حال سے خالی نہیں یا سچے ہوتے ہیں یا جھوٹے۔ پھر جھوٹے کو اختیار کرنا دہرم نہیں ہے۔ مثلاً وید کیطرف یہ ہدایت منسوب کیجاتی ہے کہ اگر کسی عورت کے چند سال تک بیٹا نہ ہو یا بیٹیاں ہی ہوں تو اسکا خاوند اپنی اس عورت کو دوسرے سے ہمبستر کرا سکتا ہے اور ایسا سلسلہ اُسوقت تک جاری رہ سکتا ہے جب تک ایک بیگانہ مرد کے نطفہ سے گیاراں فرزند نرینہ پیدا ہو جائیں۔ اور شاکت مت میں جو وید کیطرف ہی اپنے تئیں منسوب کرتے ہیں یہ ہدایت ہے کہ ان کے خاص مذہبی میلوں میں ماں اور بہن سے بھی جماع درست ہے اور ایک شخص دوسرے شخص کی عورت سے

زنا کر سکتا ہے اسی طرح دنیا میں ہزارہا ایسے مذہب ہیں کہ اگر ان کا ذکر کیا جائے تو آپ انگشت بدندان رہیں گے پھر کیونکر ممکن ہے کہ انسان صلحکاری اختیار کر کے ان لوگوں کی ہاں سے ہاں ملاوے۔ ایسا ہی عقاید کا حال ہے بعض لوگ دریاؤں کی پوجا کرتے ہیں بعض لوگ آگ کی بعض سورج کی بعض چاند کی بعض درختوں کی بعض سانپوں اور بلیوں کی اور بعض انسانوں کو درحقیقت خدا سمجھتے ہیں تو کیا ممکن ہے کہ ان سب کو راستباز سمجھا جاوے۔

جو لوگ دنیا کی اصلاح کے لئے آتے ہیں اُن کا فرض ہوتا ہے کہ سچائی کو زمین پر پھیلاویں اور جھوٹ کی بیخکنی کریں۔ وہ سچائی کے دوست اور جھوٹ کے دشمن ہوتے ہیں مثلاً اگر کسی راستباز کو چند ڈاکو یا اُچکے یا چور یہ ترغیب دیں کہ بذریعہ ڈاکہ یا کیسہ بُری یا نقب زنی کے کوئی مال حاصل کرنا چاہیئے تو کیا جائز ہوگا کہ وہ راستباز انکے ساتھ ہو کر ایسے جرائم کا ارتکاب کرے۔ پس مذہب کس چیز کا نام ہے اسی بات کا نام تو مذہب ہے کہ جو عقاید یا اعمال بُرے اور گندے اور ناپاک ہوں اُن سے پرہیز کیا جاوے اور ایسی کتابیں جو ناپاک عقاید یا اعمال سکھلاتی ہیں انکو اپنا پیشوا اور رہبر نہ بنایا جاوے۔ میں اس بات کو کسیطرح سمجھ نہیں سکتا کہ ہر ایک مذہب سے صلح رکھی جاوے اور انکی ہاں میں ہاں ملائی جائے کیونکہ اگر ایسا کیا جاوے تو دنیا میں کوئی بدی بدی نہیں رہیگی اور ہر ایک قسم کے بد عقائد اور بد اعمال بھی نیکیوں میں داخل ہو جائینگی حالانکہ جو شخص ایک نظر دنیا کے مذاہب پر ڈالے تو اسکو معلوم ہو جائیگا کہ خدا شناسی کی راہ میں ہی کئی عقائد ہیں بعض ناستک مت یعنی دہریہ ہیں وہ خدا کے قائل نہیں ہیں اور بعض انسانوں یا حیوانوں یا اجرام سماوی یا عناصر کو خدا بناتے ہیں خاص آریہ سماجی جو اپنے تئیں ویدوں کے وارث ٹھیراتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک ذرّہ بھی پیدا نہیں کیا۔ اور نہ ارواح پیدا کئے بلکہ یہ تمام چیزیں اور انکی تمام قوتیں خود بخود ہیں پرمیشر کا انمیں کچھ بھی دخل نہیں۔ مگر مجھے اس جگہ ان باتوں کے بیان کرنے سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ایک راستباز کے لئے ممکن نہیں کہ ان تمام تناقض امور کو مان لے اور ان پر ایمان لے آوے جن لوگوں نے خدا تعالی کی عظمت اور توحید اور قدرت کاملہ پر داغ لگایا ہے یا بدکاری کو جائز رکھا ہے میں اس جگہ نہ انکی نسبت اور نہ اُن کی کتاب کی نسبت کچھ نہیں کہتا صرف آپکو یاد دلاتا ہوں کہ انسان کیلئے ممکن نہیں کہ ناپاک کو بھی ایسا ہی تسلیم کرے جیسا کہ پاک کو کرتا ہے یہ سچ ہے کہ پاک ہونے سے خدا ملتا ہے لیکن ایسے طریقوں سے جو ناپاک عقاید اور ناپاک اعمال پر مشتمل ہیں کیونکر خدا مل سکتا ہے یہ سچ ہے کہ خدا تعالی سے محبت کرنا بہشتی زندگی تک پہنچاتا ہے۔ لیکن جو شخص راجہ رامچندر یا راجہ کرشن یا حضرۃ عیسیٰ کو خدا سمجھتا ہے یا خدائے قیوم کو ایسا عاجز اور ناقص خیال کرتا ہے کہ ایک ذرّہ یا ایک روح کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں وہ کیونکر اس پاک ذوالجلال کی حقیقی محبت سے حصہ لے سکتا ہے۔ حقیقی

اور سچے خدا کو اس کی پاک اور کامل صفات کیساتھ جاننا اور اُسکی پاک راہوں کے مطابق چلنا ہی حقیقی نجات ہی اور اس حقیقی نجاۃ کے مخالف جو طریق ہیں وہ سب گمراہی کے طریق ہیں پھر کیونکر ان طریقوں میں پھنسے رہنے سے انسان حقیقی نجات پا سکتا ہی۔

دنیا میں اکثر یہ واقعہ مشہود ہی کہ ہر ایک شخص ان خیالات پر بہت بھروسہ رکھتا ہی جن خیالات میں اُس نے پرورش پائی ہی۔ یا جنکے سُننے کا اسکو بہت موقعہ ملا ہے چنانچہ ایک عیسائی بے تکلف کہدیتا ہی کہ عیسیٰ ہی خدا ہی اور ایک ہندو اسبات کے بیان کرنے سے کچھ شرم نہیں کرتا کہ رام چندر اور کرشن درحقیقت خدا ہیں یا دریائے گنگ ایسی پرستاروں کو مرادیں دیتا ہے یا اُنکا ایک ایسا خدا ہے جس نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا صرف موجودہ اجسام اور ارواح کو جو کسی اتفاق سے خود بخود اور قدیم سے چلی آتے ہیں جوڑنا اس کا کام ہے لیکن یہ تمام بھروسے بے اصل ہیں۔ انکے ساتھ کوئی دلیل نہیں زندہ خدا کو تلاش کرنا نجات کے طالب کا اصول ہونا چاہیے۔ دنیا رسوم اور عادات کی قید میں ہی ہر ایک شخص جو کسی مذہب میں پیدا ہوتا ہے اکثر بہر حال اسی کی حمایت کرتا ہی لیکن یہ طریق صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ بات ہی کہ جس مذہب کے رو سے زندہ خدا کا پتہ مل سکے اور بڑے بڑے نشانوں اور معجزات سے ثابت ہو کہ وہی خدا ہے اس مذہب کو اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر درحقیقت خدا موجود ہے۔ اور اسکی ذات کی قسم کہ درحقیقت موجود ہے۔ تو یہ اس کا کام ہی کہ بندوں پر اپنے تئیں ظاہر کرے۔ اور انسان جو محض اپنی اٹکلوں سے خیال کرتا ہی کہ اس جہان کا ایک خدا ہے وہ اٹکلیں سچی تسلی دینے کے لئے کافی نہیں اور جیسا کہ ایک محجوب ان روپیوں پر بھروسہ کرتا ہی جو اُسکے صندوق میں بند ہیں اور اس زمین پر جو اسکے قبضہ میں ہی اور ان باغات پر جو ہمیشہ صدہا روپیہ کی آمدنی نکالتے ہیں اور ان لائق بیٹوں پر جو بڑے بڑے عہدوں پر سرافراز ہیں اور ماہ بماہ اپنے باپ کو ہزارہا روپیہ سے مدد کرتے ہیں وہ محجوب ایسا بھروسہ خدا تعالیٰ پر ہرگز نہیں کرسکتا۔ اسکا کیا سبب ہے یہی سبب ہے کہ اُسپر حقیقی ایمان نہیں ایسا ہی ایک غافل جیسا کہ طاعون سے ڈرتا ہی اور اس گاؤں میں داخل نہیں ہوتا جو طاعون سے ہلاک ہو رہا ہی اور جیسا کہ وہ سانپ سے ڈرتا ہی اور اس سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈالتا جس میں سانپ ہو یا سانپ ہونیکا گمان ہو اور جیسا کہ وہ شیر سے ڈرتا ہی اور اس بن میں داخل نہیں ہوتا جس میں شیر ہو۔ ایسا وہ خدا سے نہیں ڈرتا اور دلیری سے گناہ کرتا ہی اسکا سبب یہی ہی کہ وہ اگرچہ زبان سے کہتا ہی مگر دراصل خدا تعالیٰ سے غافل اور بہت دور ہے۔ خدا تعالیٰ پر ایمان لانا کوئی امر سہل نہیں ہی بلکہ جب تک خدا تعالیٰ کے کھُلے کھُلے نشان ظاہر نہ ہوں اسوقت تک انسان سمجھ بھی نہیں سکتا کہ خدا بھی ہی گو تمام دنیا اپنی زبان سے کہتی ہی کہ ہم خدا پر ایمان لائے مگر ان کے اعمال گواہی دے رہے

ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائے - سچا ایمان تجربہ کے بعد حاصل ہوتا ہے مثلاً جب انسان بار بار کے تجربہ سے معلوم کر لیتا ہے کہ سم الفار ایک زہر ہے جو نہایت قلیل مقدار اس کی قاتل ہے تو وہ سم الفار کھانے سے پرہیز کرتا ہے تب اس وقت کہہ سکتے ہیں کہ وہ سم الفار کے قاتل ہونے پر ایمان لایا - سو جو شخص کسی پہلو سے گناہ میں گرفتار ہے وہ ہنوز خدا پر ایمان ہرگز نہیں لایا اور نہ اُسکو شناخت کیا۔

دنیا بہت سی فضولیوں سے بھری ہوئی ہے اور اکثر لوگ ایک جھوٹی منطق پر راضی ہو رہے ہیں - مذہب وہی ہے جو خدا تعالےٰ کو دکھلاتا ہے اور خدا سے ایسا قریب کر دیتا ہے کہ گویا انسان خدا کو دیکھتا ہے اور جب یقین سے بھر جاتا ہے تو خدا تعالےٰ سے اُس کا ایک خاص تعلق ہو جاتا ہے وہ گناہ سے اور ہر ایک ناپاکی سے خلاصی پاتا ہے اور اس کا سہارا صرف خدا ہو جاتا ہے اور خدا تعالےٰ اپنے خاص نشانوں سے اور اپنی خاص تجلی سے اور اپنے خاص کلام سے اس پر ظاہر کر دیتا ہے کہ میں موجود ہوں - تب اس روز سے وہ جانتا ہے کہ خدا ہے اور اسی روز سے وہ پاک کیا جاتا ہے اور اندرونی آلائشیں دور کیجاتی ہیں یہی معرفت ہے جو بہشت کی کنجی ہے مگر یہ بغیر اسلام کے اور کسیکو بھی میسر نہیں آتی - یہی خدا تعالےٰ کا ابتدا سے وعدہ ہے جو وہ انھیں پر ظاہر ہوتا ہے جو اسکے پاک کلام کی پیروی کرتے ہیں تجربہ سے زیادہ کوئی گواہ نہیں پس جب کہ تجربہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ خدا اپنے تئیں بجز اسلام کے کسی پر ظاہر نہیں کرتا اور کسی سے ہمکلام نہیں ہوتا اور کسیکی اپنے زبردست معجزات سے مدد نہیں کرتا تو ہم کیونکر مان لیں کہ دوسرے مذاہب میں ایسا ہو سکتا ہے۔

ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ لیکھرام نامی ایک برہمن جو آریہ تھا قادیان میں میرے پاس آیا اور کہا کہ وید خدا کا کلام ہے اور قرآن شریف خدا کا کلام نہیں ہے - میں نے اسکو کہا کہ چونکہ تمھارا دعوےٰ ہے کہ وید خدا کا کلام ہے مگر میں اسکو اُسکی موجودہ حیثیت کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں جانتا کیونکہ اس میں شرک کی تعلیم ہے اور کئی اور ناپاک تعلیمیں ہیں - مگر میں قرآن شریف کو خدا کا کلام جانتا ہوں کیونکہ اس میں نہ شرک کی تعلیم ہے اور نہ کوئی اور ناپاک تعلیم ہے اور اس کی پیروی سے زندہ خدا کا چہرہ نظر آجاتا ہے اور معجزات ظاہر ہوتے ہیں پس بہت سہل طریق یہ ہے کہ تم وید والے خدا سے میری نسبت کوئی پیشگوئی کرو اور میں قرآن شریف والے خدا سے وحی پاکر کوئی پیشگوئی کروں گا - پس اس نے میری نسبت یہ پیشگوئی کی کہ یہ شخص تین برس تک ہیضہ کی بیماری سے مر جائیگا اور میرے خدا نے یہ ظاہر کیا کہ چھ برس تک لیکھرام بذریعہ قتل نابود ہو جائے گا کیونکہ خدا کے پاک نبی کی بے ادبی میں حد سے گذر گیا - اور میرے پر ظاہر کیا گیا کہ وہ جسدن مرے گا اس کے ساتھ مسلمانوں کی عید کا دن ہوگا

اور میرے پر ظاہر کیا گیا کہ اسکے مرنے کے تھوڑی مدت بعد پنجاب مین طاعون پھیل جائے گی یہ تمام پیشگوئی
مین نے اپنی کتابوں مین بار بار شائع کردی اور یہ بھی شائع کردیا کہ اگر وید درحقیقت خدا تعالےٰ کیطرف سے ہے
تو اب آریہ سماج والونکو چاہیے کہ لیکھرام کی نسبت اپنی پرمیشر سے بہت دعا کرین تا وہ اُسکو بچالے کیونکہ میرے
پر ظاہر کیا گیا ہے کہ ان کا پرمیشر اس کو بچا نہین سکیگا اور ایسا ہی لیکھرام نے بھی میری نسبت اپنی کتاب مین
شائع کردیا کہ یہ شخص تین برس مین ہیضہ کی بیماری سے فوت ہوجائیگا۔ آخر لیکھرام اپنے قتل ہوجانیسے گواہی دیگیا
کہ وید خدا کیطرف سے نہیں ہے۔

اسی طرح نہ ایک نشان بلکہ ہزارہا نشان ظاہر ہوئے جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہین جنسے روز روشن
کیطرح کھلگیا کہ دین اسلام ہی دنیا مین سچا مذہب ہے اور سب انسانوں کے اختراع ہین اور یا کسیوقت سچے
تھے اور بعد مین وہ کتابین بگڑگئین۔ اے عزیز ہم آپ کی باتونکو جو کوئی روشن دلیل ساتھ نہین رکھتین کیونکر مان
لین آپنے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف دعوے ہی جسکے ساتھ کوئی دلیل نہین۔ دنیا مین ایک ادنے مقدمہ بھی جب کسی عدالت
مین پیش ہوتا ہے تو ثبوت کے سوائے کسی حاکم کے نزدیک قابل سماعت نہین ہوتا اور ایسا مدعی ڈگری حاصل نہین
کرسکتا تو پھر نہ معلوم آپ ان خیالات پر کیونکر بھروسہ رکھتے ہین جو بے ثبوت ہین خدا ایک ہی اور اسکی مرضی ایک ہی
پھر وہ کیونکر تناقض امور کا مصداق ہوسکتا ہے اور کیونکر ہم ان سب باتوں کو سچی مان سکتے ہین کہ عیسی خدا ہی اور رامچندر
خدا ہے اور کرشن خدا ہے اور یا کہ خدا ایسا عاجز ہے کہ ایک ذرہ بھی اس نے پیدا نہین کیا۔ وہ مذہب قبول کے
لائق ہے جو ثبوت کا روشن چراغ اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ اسلام ہے اگر آپ یہ کہین کہ جو زبردست نشان
اور معجزات اسلام مین ظاہر ہوتے ہین وہ کسی دوسرے مذہب میں بھی ہوتے ہین تو ہم آپ کی اس بات کو بشوق
سنین گے بشرطیکہ آپ اس کا ثبوت دین مگر یاد رکھین کہ یہ آپ کے لئے ہرگز ممکن نہین ہوگا کہ اس زمانہ مین کوئی ایسا
زندہ شخص بھی دکھلاسکین کہ وہ برکات اور آسمانی نشان جو مجھے ملے ہین ان مین وہ مقابلہ کرکے دکھلادے
اب مین آپکے بعض خیالات کی غلطی کو رفع کرتا ہوں۔

قول العزیز - خدا نے کافر اور مومن کو اس دنیا مین یکساں حصہ بخشا ہی **اقول** چونکہ خدا نے
ہر ایک کو اپنی طرف بلایا ہے اس لیے سب کو ایسی قوتین بخشی ہین کہ اگر وہ ان قوتونکو ٹھیک طور پر استعمال کرین
تو منزل مقصود تک پہنچ جائیں مگر تجربہ سے ثابت ہی کہ بجز اسکے کہ کوئی اسلام پر قدم مارے ہر ایک شخص ان قوتونکو
بے اعتدالی سے استعمال مین لاتا ہے اور منزل مقصود تک نہین پہونچتا۔

قول العزیز۔ بہت مشکل ہے کہ تمام لوگ ایک ہی مذہب پر چلیں۔ **اقول** سچے طالب کے لئے ہر ایک مشکل سہل کی جاتی ہے۔

قول العزیز۔ اگرچہ ریل پر چلنے والے بہت آرام پاتے ہیں لیکن اگر کوئی پیادہ پا سفر اختیار کرے تو ریل والے اس کو کافر نہیں کہتے۔ **اقول**۔ یہ قول دینی معاملہ پر چسپاں نہیں ہے اور قیاس مع الفارق ہے۔ خدا کے ملنے کی ایک خاص راہ ہے یعنی معجزات اور نشانوں سے یقین حاصل ہونا اسی پر تزکیہ نفس اور سچا ایمان موقوف ہے جسکو خدا پر یقین ہی نہیں وہ کیونکر اُس تک پہنچ سکے اور کیونکر سچا ایمان حاصل ہو پس اس جگہ دنیا کی راہوں کی طرح دوسرا کوئی راہ نہیں ہے صرف ایک ہی راہ ہے کہ خدا پر یقین حاصل ہو اسی پر تزکیہ نفس موقوف ہے اور یقین کے اسباب بجز اسلام کے کسی مذہب میں نہیں۔

قول العزیز۔ خدا بے انت ہے سو ہم بے انت کو اسی وقت محسوس کر سکتے ہیں جب پابندی شرع سے باہر ہو جائیں **اقول** شرع عربی لفظ ہے جسکے معنی ہیں راہ یعنی خدا کے پانے کی راہ پس آپکے کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب ہم خدا کے پانے کی راہ چھوڑ دیں تب ہمیں خدا ملے گا۔ اب آپ خود سمجھ لیں کہ یہ کیسا مقولہ ہے۔

قول العزیز۔ ذات پات پوچھے نہ کو + ہر کو بھجے سو ہر کا ہو + **اقول** یہ سچ بات ہے اس سے اسلام بحث نہیں کرتا کہ کس قوم اور کس ذات کا آدمی ہے جو شخص راہ راست طلب کرے گا۔ خواہ وہ کسی قوم کا ہو خدا اُسے ملے گا مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ خواہ کسی مذہب کا پابند ہو خدا کو مل سکتا ہے کیونکہ جب تک پاک مذہب اختیار نہیں کرے گا تب تک خدا ہرگز نہیں پائے گا۔ مذہب اور چیز ہے اور قوم اور چیز۔

قول العزیز۔ یہی وجہ ہے کہ پیروان وید نے کسی شخص کی پیروی نجات کیلئے محصور نہیں رکھی۔ **اقول** جس شخص کے نزدیک وید کے مؤلف کی پیروی نجات کے لئے محصور نہیں وہ وید کا مکذب ہے۔ آپ خود بتلائیں کہ اگر مثلاً ایک شخص وید کے اصولوں اور تعلیموں کو نہیں مانتا نہ نیوگ کو مانتا ہے نہ اسبات پر راضی ہوتا ہے کہ اولاد کی خواہش کے لئے اپنی زندگی میں اپنی جورو کو دوسرے سے ہمبستر کرا دے اور یا وہ اسبات کو نہیں مانتا کہ پرمیشر نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا اور تمام روحیں اپنے اپنے وجود کی آپ ہی خدا ہیں اور یا وہ اگنی وایو سورج وغیرہ کی پرستش کو نہیں مانتا غرض وہ ہر طرح وید کو ردی کی طرح خیال کرتا ہے۔ یہانتک کہ جس پرمیشر کو وید نے پیش کیا ہے اس کو پرمیشر ہی نہیں جانتا تو کیا ایسے آدمی کیلئے نجات ہے یا نہیں۔ اگر نجات ہے تو آپ وید سے ایسی شرتی پیش کریں جو ان مضمون پر مشتمل ہو اور اگر نجات نہیں تو پھر آپ کا یہ قول صحیح نہ ہوا کیونکہ ہم لوگ بھی تو صرف

اس قدر کہتی ہین کہ جو شخص قران شریف کی تعلیموں کو نہین مانتا اسکو ہرگز نجات نہیں اور اس جہان مین وہ اندھو کیطرح بسر کرے گا جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۔ یعنی قرآن نے جو دین اسلام پیش کیا ہے جو شخص قرآنی تعلیم کو قبول نہین کرے گا وہ مقبول خدا ہرگز نہین ہوگا اور مرنے کے بعد وہ زیانکاروں مین سے ہوگا یہ کہنا کہ کسی شخص کی پیروی وید کی روسے درست نہین یہ غلط ہے جب اس کی کتاب کی پیروی کی تو خود اس کی پیروی ہوگئی اگر ہندو صاحبان وید کی پیروی نہین کرتے تو پھر وید کو پیش کیوں کرتے ہین۔

قول آنعزیز۔ ہر ملت اور مذہب مین صاحب کمال گذرے ہین **اقول**۔ زمانہ موجودہ مین بطور ثبوت کے کسی صاحب کمال کو پیش کرنا چاہیے کیا آپ کے نزدیک پنڈت لیکھرام صاحب کمال تھا یا نہین جسکو آج تک آریہ سماجی لوگ روتے ہیں۔

مین نے آنمحب کی دلجوئی کیلئے باوجود کم فرصتی کے یہ چند سطرین لکھی ہین امید ہے کہ اس پر غور فرمائینگے۔

خاکسار غلام احمد از قادیان

۱۴ جون ۱۹۰۳ء

انجام مقدمات کی نسبت پیشگوئی از حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲۹ جون ۱۹۰۳ء - اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۔ فِیْہِ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ

تفصیل کے لئے دیکھو ٹائیٹل پیج کے اندر کا صفحہ

انجام مقدمات کی نسبت پیشگوئی

از حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

رات کے وقت جو ۲۸ جون ۱۹۰۳ء کے دن کے بعد رات تھی یعنی وہ رات جس کے بعد پیر کا دن تھا اور ۲۹ جون ۱۹۰۳ء میرے خیال پر کشش غالب ہوئی کہ یہ مقدمات جو کرم الدین کیطرف سے میرے پر ہیں۔ یا بعض میری جماعت کے لوگوں کی طرف سے کرم الدین پر ہیں۔ ان کا انجام کیا ہوگا سو اس غلبہ کشش کے وقت میری حالت وحی الٰہی کیطرف منتقل کی گئی اور خدا تعالے کا یہ کلام میرے پر نازل ہوا۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ فِیْہِ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ

اس کے معنی یہ مجھے سمجھائے گئے کہ ان دونوں فریقوں میں سے خدا اس کے ساتھ ہوگا اور اسکو فتح اور نصرۃ نصیب کرے گا کہ جو پرہیزگار ہیں یعنی جھوٹ نہیں بولتے ظلم نہیں کرتے تہمت نہیں لگاتے اور دغا اور فریب اور خیانت سے ناحق خدا کے بندوں کو نہیں ستاتے اور ہر ایک بدی سے بچتے اور راست بازی اور انصاف کو اختیار کرتے ہیں اور خدا سے ڈر کر اس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی اور نیکی کے ساتھ پیش آتے ہیں اور بنی نوع کے وہ سچے خیر خواہ ہیں ان میں درندگی اور ظلم اور بدی کا جوش نہیں بلکہ عام طور پر ہر ایک کے ساتھ وہ نیکی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ سو انجام یہ ہے کہ اُن کے حق میں فیصلہ ہوگا تب وہ لوگ جو پوچھا کرتے ہیں جو اُن دونوں گروہوں میں سے حق پر کون ہے ان کے لئے نہ ایک نشان بلکہ کئی نشان ظاہر ہوں گے۔ **وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی**

۲۹۔ جون ۱۹۰۳ء

رجسٹرڈ ایل ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۰۳ء نمبر ۸

فہرست مضامین

انجمن اشاعت اسلام قادیان نے انوار الاسلام پریس قادیان دار الامان مین باہتمام منشی محمد افضل احمدی

۲۰۔ اگست سنہ ۱۹۰۳ء کو چھپوا کر شائع کیا

چندہ سالانہ .... معمولی کاغذ پر ۴ عہ .... اعلی کاغذ پر ۵ ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؁

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عصمت انبیاء پر پادری مانرو کے رسالے

گذشتہ اشاعت سے آگے

حضرت داؤد پر تہمت

پادریوں نے حضرت داؤد علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس کی اصلیت بائبل کے جھوٹے قصوں میں ہو تو ہو لیکن قرآن کا ایک لفظ بھی اس بے بنیاد الزام کی تائید نہیں کرتا بلکہ صاف الفاظ میں اس جھوٹ کی تردید کرتا ہے اور محقق مفسرین اور محدثین بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ محض جھوٹ ہے۔ چنانچہ فخر الدین رازی جو مفسرین میں سب سے بڑھکر مانے گئے ہیں تفسیر کبیر میں اس قصہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "مفسرون میں سے اکثر محققین نے اس قصہ کو مردود ٹھہرایا ہے اور اس پر کذب اور فساد کا حکم لگایا ہے" حضرت علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ ایسا جھوٹا الزام خدا کے ایک پاک نبی پر لگایا جاتا ہے تو انہوں نے خطبہ میں یہ فرمایا۔ من حدثکم بحدیث داؤد علےٰ مایرویہ القصاص جلدتہ مائۃ وستین وھو حد الفریۃ علے الانبیاء یعنی جو شخص حضرت داؤد کا قصہ اس طرح بیان کرے گا جس طرح قصہ گو لوگ بیان کرتے ہیں (یعنی ان پر زنا کی تہمت لگائیگا) میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے لگاؤنگا اور یہ انبیاء پر جھوٹی تہمت کی حد ہے"۔ یہاں حضرت علی نے نہ صرف اس قصہ کو جھوٹا ٹھہرایا ہے بلکہ اس کی حد عام مومنین پر تہمت کی حد سے دوگنی کردی ہے۔ چنانچہ خط میں آپ نے یہی بیان فرمایا کہ جب عام مومن پر تہمت کی حد اسی کوڑی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ نبی پر تہمت کے لئے دوگنی سزا نہ دیجاوے۔ حضرت علی کے اس خطبہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے قصے مسلمان محققین کے ذریعے اسلام میں نہیں آئے بلکہ جھوٹے قصہ گو ہی ان کے اصل مشتہر کرنے

والے تھے۔ اس لئے جو الزام حضرت داؤد پر لگایا جاتا ہے اس کی تردید کافی طور پر حضرت علی کے اس خطبہ اور مسلمان محقق مفسرین کی رائے سے ہی ہو جاتی ہے لیکن اس کے جھوٹ کو اور بھی واضح کرنے کے لئے ہم قرآن کریم کے اصل الفاظ پر بحث کرینگے اور دکھائینگے کہ یہ قصہ گھڑنے میں کہاں تک جھوٹ سے کام لیا گیا ہے۔ جن آیات کی بنا پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ سورہ ص میں آتی ہیں۔ اس قصہ کو سمجھنے کیلئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس کے اول آخر پر غور کیا جاوے۔ چنانچہ آغاز میں اور آخر پر حضرت داؤد کی بہت ہی تعریف کی گئی ہے اور یہ خیال کرنا کہ ایسے تعریف کے الفاظ کے درمیان کسی ایسے سخت جرم کا ذکر ہے جس کے متعلق تہمت لگائی گئی ہے۔ بڑے درجہ کی حماقت ہے؛ چنانچہ شروع میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے اللہ تعالے فرماتا ہے۔ اصبر علی ما یقولون واذکر عبدنا داؤد ذا الاید انہ اواب وشددنا ملکہ واتینٰہ الحکمۃ وفصل الخطاب "دان اذیتوں پر جو کفار کی طرف سے تجھے پہونچ رہی ہیں) صبر کرو اور ہمارے بندہ داؤد کو یاد کرو جسکو ہم نے طاقت دی ہوئی تھی کیونکہ وہ ہماری طرف رجوع کرنے والا تھا۔ اور ہم نے اس کے ملک کو مضبوط کیا اور اس کو حکمت اور فصل خطاب عطا فرمایا" اس جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہے کہ جس طرح حضرت داؤد دکھوں اور تکلیفوں پر صبر کرتے رہے اسی طرح آپ بھی صبر کرتے رہیں + اس سورہ کا مکی ہونا اس امر پر شاہد ہے کہ یہ زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بڑے بڑے مصائب کا زمانہ تھا اور کفار کی طرف سے آپ کو اس وقت طرح طرح کے دکھ اور تکلیفیں پہونچ رہی تھیں ان تکالیف کے وقت آنحضرت کو حکم ہوتا ہے کہ اسی طرح صبر سے ان کی برداشت کرو جس طرح حضرت داؤدؑ نے صبر سے مصائب کی برداشت کی +

ہم اس بات پر زور نہیں دینگے کہ پادری صاحبان ضرور پہلے رائی کے دانہ کے برابر ایمان حاصل کریں تو ہی ان کی سمجھ میں یہ بات آسکے گی کیونکہ انجیل کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ رائی کے دانہ کے برابر ایمان ان میں بالکل نہیں لیکن اگر ان کے دماغ میں رائی کے دانہ کے برابر عقل ہو تو اس بات کا سمجھنا ان کے لئے چنداں مشکل نہ ہوگا کہ اگر نعوذ باللہ حضرت داؤدؑ کے کسی فسق کا ذکر آیت مذکور میں ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کس بات میں ان کی پیروی کرنے کے لئے حکم دیا گیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو یہ فرماتے ہیں کہ زانی زناہ نہیں کرتا درآنحالیکہ وہ مومن ہو اور نیز یہ کہ جو شخص کسی مسلمان کا ناحق خون کرنے میں کچھ بھی حصہ لیگا۔ وہ قیامت کے دن خدائے تعالے کے سامنے اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اس کی پیشانی پر "خدا کی رحمت سے ناامید" لکھا ہوا ہوگا۔ اور خدائے تعالے آپ کو اس شخص کی پیروی کا حکم دیتا ہے جس کے متعلق ساتھ ہی یہ ذکر ہے کہ

اس نے نعوذ باللہ زنا کیا اور ایک مومن کو اس کی عورت چھیننے کے لئے ناحق قتل کرایا۔ پھر علاوہ ازین آنحضرت کے سامنے کس طرح وہ شخص صبر کے لئے نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے جو اپنی شہوانی خواہشات کو بھی نہین روک سکتا۔ ایسے شخص سے صبر کی امید کیا ہو سکتی ہے۔ پھر ایک اور امر قابل غور ہے کہ حضرت داؤد کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ مین یاد فرماتا ہے کہ وہ ہمارا خاص بندہ ہے اور اس کو **عبدنا** کے عزت کے خطاب سے پکارتا ہے۔ گویا اس لفظ مین حضرت داؤد ؑ کی کمال عبودیت کا اظہار فرماتا ہے اور اس پاک اور خالص تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو حضرت داؤد کو جناب الٰہی سے حاصل ہے ایسی تعریف کے ذکر کے ساتھ زنا اور قتل جیسے قبیح جرایم کا ذکر ایک احمقانہ خیال ہے۔ خدا کا پاک کلام ایسی بیہودگیون سے پاک ہے۔ سورہ فرقان مین اللہ تعالیٰ عباد الرحمٰن کی صفات بیان فرماتا ہے اور دوسری صفات کے ساتھ یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ وہ زنا نہین کرتے اور نہ ناحق خون ہی کرتے ہین۔ پھر غور کرو کہ حضرت داؤد ؑ کو خدائے تعالےٰ ذوالاید بیان فرماتا ہے۔ یعنی صاحب طاقت۔ طاقت سے مراد صرف جسمانی یا دنیوی طاقت ہی نہین۔ کیونکہ حضرت داؤد ؑ کی دنیوی طاقت کو آگے الگ ان الفاظ مین بھی بیان فرمایا ہے **وشددنا ملکہ** یعنی ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور علاوہ ازین دنیوی طاقت مومنین کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ کفار کو بھی دی جاتی ہے۔ اس لئے اس جگہ صاحب طاقت بیان کرنے سے بالخصوص ان کی روحانی طاقت کا ذکر مقصود ہے۔ یعنی وہ طاقت جو انسان کو بدی کی کشش کے مقابلہ کے لئے دی جاتی ہے اور یہی وہ روحانی طاقت ہے جس کی وجہ سے حضرت داؤد ؑ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے صبر کا نمونہ بیان فرمایا۔ اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے مطابق حضرت داؤد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طاقت دی گئی تھی کہ وہ اس احکام کے مطابق چلین اور اس کی راہ سے باہر ایک قدم بھی نہ رکھین انھیں معنون کی تائید لفظ **اواب** سے بھی ہوتی ہے جو ساتھ ہی واقع ہوا ہے۔ کیونکہ **اواب** مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بہت ہی خدا کی طرف رجوع کرنے والا۔ اس لئے جہان ایک طرف اللہ تعالےٰ نے یہ بیان فرمایا کہ حضرت داؤد کو عظیم الشان روحانی طاقت دی گئی تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ وہ ہمیشہ خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے یعنی ہر معاملہ مین خدا کی فرمانبرداری کو اختیار کرتے تھے۔ ایسے آدمی کی طرف زنا اور قتل کو منسوب کرنا اور پھر یہ کہنا کہ یہ قصہ مذکور بھی اسی آیت مین ہے جس مین اس کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ پرلے درجہ کی بیہودگی نہین تو کیا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت داؤد ؑ کو حکمت عطا فرمائی تھی اور خود ہی قرآن شریف مین حکمت کے معنے بیان فرماتا ہے کہ **ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا**

یعنی جس کو حکمت دیجاوے اس کو خیر کثیر دیا جاتا ہے۔

یہ اعلےٰ درجہ کے اوصاف اس شخص کے بیان کئے گئے ہین جس کے متعلق پادری صاحبان یہ کہتے ہین۔ کہ اس سے اگلی ہی آیت مین اس کے سیاہ کبائر کا ذکر ہے قبل اس کے جو ہم ان آیات کے الفاظ پر غور کرین جن کی بنا پر یہ بہتان حضرت داؤد پر باندھا جاتا ہے۔ ہم یہ بھی دیکھنا چاہتے ہین کہ ان آیات کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت داؤدؑ کا ذکر کن الفاظ مین کرتا ہے۔ قصہ کو ختم کرنے کے بعد سب سے پہلے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ان لہ عندنا لزلفےٰ وحسن مآب "اور داؤدؑ کو ہمارے حضور قرب حاصل تھا اور اچھا رجوع کرنا"۔ اب کیونکر ممکن ہے کہ ایک طرف تو ابھی ایک شخص کے زنا اور خونریزی کا قصہ ختم نہین ہوا اور دوسری طرف اس کی تعریف ان الفاظ مین شروع ہو جائے کہ اس کو جناب الٰہی مین بڑا قرب حاصل تھا۔ قصہ کے عین اختتام پر ان الفاظ کا آنا صاف بتاتا ہے کہ قصہ مین کوئی ایسا ہی امر مذکور ہے جس سے حضرت داؤدؑ کی استقامت اور اسکا قرب بارگاہ الٰہی مین ثابت ہوتا ہے۔ ورنہ کوئی اور نظیر بھی قرآن شریف مین ہونی چاہئے کہ جہان فاسقوں کے کبائر کا ذکر کرتے ہوئے خدائے تعالےٰ نے یہ بھی فرمایا ہو کہ ان کو ہماری جناب مین قرب حاصل تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ دونون خیال ایک دوسرے کے متضاد ہین اور ایک کے ساتھ دوسرا جمع ہی نہین ہو سکتا۔ پھر قرآن شریف جیسی فصیح بلیغ کتاب کی طرف ایسے متضاد خیالات کو منسوب کرنا پادریوں کی اپنی حماقت ہے۔ جو شخص زنا جیسے شیطانی فعل کا مرتکب ہو کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اس کو خدا کے حضور قرب حاصل ہے۔ ایسے فعل سے وہ شیطان کی طرف پھرتا اور شیطان کے نزدیک ہوتا اور خدائے تعالےٰ سے دور ہوتا ہے اور پھر اور بھی تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد ہی خدائے تعالےٰ حضرت داؤدؑ کو کہتا ہے کہ اے داؤد ہم تجھے زمین پر اپنا خلیفہ بناتے ہین۔ اگر نعوذ باللہ حضرت داؤد پر یہ تہمت سچی ہے تو یہ خوب بدلہ ہے کہ ادھر تو ایک شخص نفسانی خواہشوں کے تابع تمام انسانی حقوق سے اندھا ہو کر زنا اور خون ناحق کا مرتکب ہوتا ہے اور ادھر اسے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ لو اب ہم تمہین اپنا خلیفہ بنا کر انسانی حقوق کا محافظ ٹھہراتے ہین۔ کیا خدائے تعالےٰ کو حضرت داؤدؑ کا یہ فعل بہت ہی پسند آیا تھا یا اس کے سوائے زمین پر اور کوئی خلافت کے قابل ہی معلوم نہ ہوا۔ اس قسم کی بیہودگیوں سے معترضین کو شرم کرنی چاہئے۔ اگر ایک عیسائی کے اندر بھی یہ سچی خواہش ہو کہ وہ سچائی کو معلوم کرے اور اسی کو اختیار کرے تو اس قدر مضبوط دلائل موجود ہین کہ جن سے انکار کی گنجایش ہی نہین۔ لیکن ان لوگون کے مد نظر صرف دنیا ہی دنیا ہے اور اس سچے اور زندہ خدا کو چھوڑ کر جھوٹ سے پیار کرتے ہین۔ ہم نے صفائی سے ثابت

کر دیا ہے کہ جس آیت کی بنا پر حضرت داؤد ؑ پر جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے اس سے پہلی اور پچھلی آیات اس قصے کی سخت تردید کرتی اور اس کو جھوٹا ٹھہراتی ہین اب اصل الفاظ پر غور کرنا باقی ہے +

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝ إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ۝ يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ۔

ترجمہ۔ اور کیا پہونچی ہے تیرے پاس (داؤد کے) دشمنون کی خبر جب وہ دیوار پھاند کر عبادتخانے مین آ گئے۔ جب وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان سے ڈر گیا۔ وہ کہنے لگے مت ڈر ہم تو صرف دو فریق مقدمہ ہین اور ہم مین سے بعض نے بعض پر زیادتی کی ہے سو ہم مین.... انصاف کا فیصلہ کر دے اور بات کو دور نہ ڈال اور ہم کو سیدھی راہ (اس معاملہ مین) بتا دے۔ (پھر ایک بولا) یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دُنبیان ہین اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے پھر بھی یہ کہتا ہے کہ وہ ایک بھی میرے ہی حوالے کر دے اور اس بات کے کرنے مین مجھ سے زبردستی کرتا ہے۔ حضرت داؤد ؑ نے کہا کہ اس طرح جو تیری دُنبی کو بھی اپنی دنبیون مین ملا لینے کے واسطے مانگنے مین یہ نا انصافی کرتا ہے اور حق بات یہ ہے کہ اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہین سوائے ان لوگون کے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کئے مگر ایسے لوگ بہت تھوڑے ہین اور داؤد ؑ نے سمجھ لیا کہ ہم نے اس کو فتنہ مین ڈالا ہے۔ سو اس نے خدا کی حفاظت طلب کی اور خدا کے آگے جھک کر گر گیا۔ اور خدا کی طرف رجوع کیا۔ سو ہم نے اس کو حفاظت دی اور اس کے لئے ہمارے حضور مین قرب ہے۔ اور اچھا ٹھکانہ۔ اے داؤد ہم تجھ کو اس ملک مین خلیفہ بناتے ہین!!! اب اس سارے قصے مین ایک لفظ بھی ایسا نہین جس سے صراحتاً یا کنایۃً یہ نتیجہ نکل سکے کہ حضرت داؤد ؑ نے نعوذ باللہ اوریا کو قتل کیا اور اس کی جورو سے زنا کیا۔ کسقدر افسوس کی بات ہے کہ کفارہ کی من گھڑت کو قائم رکھنے کے لئے عیسائی لوگ اپنے خداوند کے دادا کی بے ادبی سے بھی باز نہین آتے۔ یہ ایک جھوٹے عقیدے

سے کے گندے لوازم ہین - قرآن شریف کے الفاظ کا لفظی ترجمہ جو اوپر دیا گیا ہے پادریون کو جو خدا کے ایک پاک نبی پر کمینہ تہمتین لگاتے ہین جھوٹے ٹھہراتا ہے - قرآن شریف جس قصہ کو بیان کرتا ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ حضرت داؤد کے دشمن کسی بدارادہ کے ساتھ دیوارین پھاند کر آگئے تھے لیکن حضرت داؤدؑ کو جاگتا پاکر وہ اپنے بدارادہ کو پورا نہ کرسکے اور اپنے بچاؤ کے لئے یہ بہانہ پیش کردیا کہ ہم ایک مقدمہ لیکر آئے ہین جس کا فیصلہ آپ اسی وقت کردین - حضرت داؤد نے جب دیکھا کہ اس کے دشمن اس طرح اس کی جان کے درپے ہین تو آپ نے سمجھ لیا کہ سوائے حفاظت الہی کے اور کسی طرح ان کے ہاتھ سے بچنا مشکل ہے اور اسی لئے خدا سے دعا کی کہ تو ہی میری حفاظت کر - اور چونکہ وہ خدا کے نزدیک بڑے مقرب اور بہت اس کی طرف رجوع کرنیوالے تھے اس لئے اللہ تعالے نے ان کی دعا کو قبول کیا اور تمام خطرات کو دور کردیا اور اس ملک مین انہین خلیفہ بنادیا - محقق مفسرین نے اسی روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے - چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر مین اس آیت کے نیچے لکھتے ہین - "یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد کے دشمنون کی ایک جماعت آپ کے قتل کے درپے تھی اور آپ نے تنہائی مین عبادت کے لئے ایک دن علیحدہ کیا ہوا تھا - دشمنون نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور ایک شرارت کا منصوبہ پورا کرنے کے لئے دیوارین پھاند کر عین اس جگہ پر پہونچ گئے جہان حضرت داؤد تنہا تھے لیکن وہان پہونچنے پر انہون نے پہرے والونکو موجود پایا اور اس لئے اس خوف سے کہ وہ گرفتار کر لئے جاوینگے ایک جھوٹ بناکر حضرت داؤد کے سامنے پیش کردیا" آیت کا سیاق و سباق اور دوسرے تمام واقعات انہین معنون کی سچائی پر دلالت کرتے ہین +

یہ قصہ کہ جو لوگ دیوار پھاند کر آئے تھے وہ حضرت داؤد کے دشمن نہین تھے بلکہ فرشتے تھے جو حضرت داؤد کو اوریا کی جورو کے معاملہ مین تنبیہ کرنے آئے تھے - قرآن شریف کے الفاظ کو مدنظر رکھکر صحیح تسلیم نہین کیا جا سکتا - ایک لفظ بھی ایسا نہین جس سے معلوم ہوسکے کہ وہ فرشتے تھے - برعکس اس کے ان کا دیوار پھاند کر آنا اور دروازون مین سے گذر کر نہ آنا یا کسی اور خلاف عادت طریق سے ظاہر نہ ہونا یقینی طور سے اس نتیجہ پر پہونچاتا ہے - کہ نہ تو وہ درحقیقت فریق مقدمہ تھے جیسا انہون نے بیان کیا ہے اور نہ فرشتے تھے - بلکہ داؤد کو قتل کرنیکا منصوبہ کرکے آئے تھے اور یہ سمجھکر کہ اس وقت وہ اکیلا اپنی عبادت گاہ مین ہوگا - دیوار پھاند کر اندر آگئے کیونکہ سیدھے راستے سے آنے مین باہر کے دروازون کے پہرے والے ان کو روک دیتے - علاوہ ازین اگر وہ فرشتے ہوتے تو وہ جھوٹ نہ بولتے اور یہ نہ کہتے کہ ہم دو فریق مقدمہ ہین - اگر حضرت داؤد دا
قعی

کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تھے تو کیا خدا کسی اور طریق سے ان کو اسکا احساس نہ دلا سکتا تھا اور کیا حضرت داؤد کا اپنا احساس گناہ کا اس قدر جاتا رہا تھا۔ اور وہ ایسا سخت دل ہو گیا تھا کہ ایسے قبیح جرائم کا مرتکب ہو کر جیسے کہ زنا اور قتل ہیں پھر بھی اسے پتہ نہ لگا کہ میں نے خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام کیا ہے اور جب تک دو فرشتے جھوٹ نہ بولتے اس کو پتہ ہی نہ لگ سکتا تھا۔ کہ میں نے کوئی گناہ کیا ہے۔ اس لئے ایسا خیال کرنے میں صرف خدا کے ایک پاک نبی پر ہی جھوٹی تہمت نہیں لگائی جاتی۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کے فرشتوں کو بھی جھوٹے ماننا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر حضرت داؤد واقعی ایسے گناہ کے مرتکب ہوئے ہوتے جس سے وہ خدائی اور انسانی حقوق کو توڑ چکے تھے۔ تو فیصلہ دیتے وقت یہ الفاظ ان کے منہ سے کیونکر نکل سکتے تھے کہ بہت سارے شریک ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جو عمل نیک کرتے ہیں۔ بظاہر وہ اپنے آپ کو مومن اور عمل صالح کرنے والے سمجھتے ہیں اور اس لئے وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہو سکتے جو اپنے قریبیوں پر یا ہمسائیوں پر یا دوسرے لوگوں پر کسی قسم کا ظلم روا رکھتے ہوں۔ اب جب حضرت داؤد اپنے آپ کو ان لوگوں میں سے بھی نہیں سمجھتے جو دوسروں پر چھوٹے سے چھوٹا ظلم بھی کر سکیں۔ تو یہ کس قدر بیہودگی ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ خود نہ صرف مال پر ہی ظلم کر چکے تھے بلکہ پاکدامنی پر اور جان پر بھی حملہ کر چکے تھے کیا کوئی شخص ایسی جرأت کر سکتا ہے کہ دوسرے کو تو اتنے ظلم پر بھی سخت تنبیہ کرے کہ اس نے کسی کی بکری کیوں لی۔ اور خود ایک آدمی کو جان سے مار کر اس کی عورت کو چھین لے۔ اگر واقعی حضرت داؤد ایسا کر چکے ہوتے تو بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو ان لوگوں سے مستثنیٰ کرتے جو لوگوں کے حقوق چھین لیتے ہیں ان کو چاہیئے تھا کہ اپنے آپ کو ایسے ظالموں میں سے سب سے بڑھکر سمجھتے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالےٰ کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمانا کہ دشمن جو دکھ دیتے ہیں ان پر اسی طرح صبر کر جس طرح داؤد نے اپنے دشمنوں کی تکلیفوں پر صبر کیا بےمعنی ہو جاتا ہے۔ اگر بجائے صبر کے حضرت داؤد کے کاموں میں سے نمونہ وہ پیش کیا جاوے جو ایک سخت گناہ ہے۔ صبر کا نمونہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ معنے لئے جاویں جو اوپر بیان کئے گئے ہیں کیونکہ اس صورت میں حضرت داؤد اپنے ان دشمنوں کو بھی معاف کرتے ہیں جو قتل کا منصوبہ کر کے اچانک ان پر آن پڑے تھے۔ باوجود صاحب طاقت اور ملک ہونے کے آپنے ان سے وہ سلوک نہ کیا جس کے وہ مستحق تھے بلکہ ان کو معاف کیا اور خود جناب الٰہی سے پناہ مانگی۔ وہ چاہتے تو ان کو مار ڈالتے لیکن انہوں نے اپنی طاقت پر بھروسہ نکر کے جناب الٰہی سے حفاظت طلب کی

کیونکہ سچی حفاظت وہی ہے جو خدا کی طرف سے ملتی ہے یہ فقرات کہ ظن داؤد انما فتنٰہ اور فاستغفر ربہ کسی سمجھدار آدمی کو اس نتیجہ پر نہیں پہونچا سکتے کہ حضرت داؤد کسی ایسے گناہ کے مرتکب ہوئے تھے جیسا ان پر الزام لگایا جاتا ہے۔ پہلے فقرہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت داؤد سمجھ گئے کہ ان کی زندگی بڑے خطرے کی حالت میں پڑ گئی تھی۔ اور دوسرے کے معنے یہ ہین کہ انہون نے اپنے رب سے حفاظت طلب کی۔

حضرت داؤد کے متعلق یہ جھوٹی کہانیاں کیونکر مشہور ہوگئیں اس کے متعلق چند الفاظ کافی ہون گے۔ طاقت اور سلطنت جو حضرت داؤد اور سلیمان کو حاصل تھی سلیمان کے بیٹے کے نیچے اس مین سخت ضعف آگیا۔ جو یہودی اس کی حکومت سے آزاد ہوگئے ان کے دلون مین پہلے اس کے متعلق اور پھر حضرت سلیمان اور داؤد کے متعلق نفرت بڑھتی گئی۔ مرور زمانہ سے یہ نفرت دل مین جمتی گئی اور زیادہ مضبوط ہوتی گئی اور اس لئے جھوٹے قصّے ان کی نسبت مشہور ہونے شروع ہوگئے اور بالآخر ایسے ایسے قصّے مشہور کئے گئے جو ان کی نبوت کے منافی تھے۔ چنانچہ حضرت سلیمان پر کفر اور بت پرستی کا الزام لگایا گیا اور اس لئے قرآن شریف کو اس الزام کی تردید کے لئے یہ ضرورت پڑی کہ بیان کرے کہ سلیمان نے کفر نہیں کیا ورنہ اس بات کے کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ وما کفر سلیمٰن۔ حضرت مسیح کے متعلق بھی ایک الزام کی ہی تردید کے لئے قرآن شریف کو یہ کہنا پڑا کہ اس کی روح شیطانی نہین بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح اور ان کی والدہ پر بھی یہودنے بڑے ناپاک الزام لگائے تھے ایسے ہی جیسے کہ آج کل کے عیسائی دوسرے انبیاء پر لگاتے ہین۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے ان الزامات کی تردید کی۔ اور جیسا کہ سلیمان کے متعلق کہا کہ وہ کافر نہین تھا اسی طرح پر مسیح کے متعلق فرمایا کہ اس کی روح شیطانی نہین۔ بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ ہر دو نبیون کی صورت مین اس قسم کے بیان کی ضرورت نہ پڑتی۔ اگر دشمنون کے ان ناپاک حملوں کا جواب مقصود نہ ہوتا کیونکہ جب سلیمان کے متعلق کفر کی نفی کی تو اس سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ باقی نبیون نے کفر کیا تھا۔ ایسا ہی جب مسیح کے متعلق یہ کہا کہ اس کی روح خدا کی طرف سے ہے تو اس سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ باقی نبیون کی روح خدا کی طرف سے نہین۔ بلکہ دونون صورتون مین ردالزام مقصود ہے غرض حضرت داؤد اور سلیمان کے متعلق ایسی ایسی جھوٹی کہانیاں شایع ہوتی شروع ہوگئین۔ اور آخر کار قومی اعتقاد کا جزو ہوگئین جب اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو یہودی بھی بکثرت اسلام میں داخل ہوئے اور جس طرح یہ کہانیاں ان مین علی العموم مشہور تھین اسی طرح بعد اسلام کے بھی چلی آئین۔ ان قصّون کے

زیادہ اسلام میں پھیل جانے پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ ضرورت پڑی کہ وہ صاف طور پر اس امر کا اعلان کر دیں کہ جو شخص حضرت داؤد کی نسبت ایسا جھوٹا قصہ بیان کرے گا اس پر جھوٹی تہمت کی دوگنی حد لگائی جاوے گی۔ لیکن جوں جوں یہودی اسلام میں زیادہ داخل ہوتے گئے اور مرور زمانہ کے سبب سے اسلام کے پاک اصولوں پر اس مضبوطی سے قیام نہ رہا۔ جیسا کہ ابتدائی زمانہ اسلام میں تھا۔ یہ قصے بھی زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔ یہانتک کہ کسی مفسر نے بے احتیاطی سے ان کو تفسیروں میں بھی داخل کر دیا لیکن ہم ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن کریم کے الفاظ ان کا سیاق وسباق محقق مفسرین کی رائے اور حضرت علی کا اعلان حضرت داؤد کے متعلق اس الزام کو سیاہ جھوٹ ٹھہراتے ہیں +

یہ تو حضرت داؤد کا قصہ ہے لیکن انجیلوں میں حضرت مسیح کے متعلق ایک فاحشہ عورت کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اور ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ پادری صاحبان انجیل کے حرف حرف کو سچا اور الہامی مان کر حضرت مسیح کی عصمت کو کیونکر ثابت کر سکتے ہیں۔ حضرت مسیح نے ایک کنجری سے تیل ملوایا اور تیل بھی وہ جو اس کی زنا کی کمائی کا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باوجود شباب کے اور بن بیاہا ہونے کے یسوع ایسی عورتوں کے ساتھ کھلے طور سے ملتا جلتا تھا جن کا چال چلن نہ صرف مشتبہ تھا بلکہ جو شہرت یافتہ بدکار عورتیں تھیں اور اس کا تعلق اس قسم کا تھا کہ وہ ایک موقعہ پر ان بدکار عورتوں کی تعریف بھی کرتا ہے دیکھو لوقا ۷ اور متی ۲۱ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ حضرت داؤد کے متعلق یا دوسرے کسی نبی کے متعلق قرآن شریف میں ہوتا تو پادری بہت ہی خوش ہوتے لیکن یہ اپنی آنکھ کا شہتیر ان کی نظر سے پنہاں ہے۔ اگر یہ واقعات جو انجیلوں میں یسوع کی نسبت مذکور ہیں کسی دوسرے نبی کے متعلق ہوتے تو کئی ماترو اور فلندر مضمون پر مضمون لکھتے کہ فلاں نبی فلاں گناہ کا مرتکب ہے لیکن جب یسوع کے متعلق اس قسم کے واقعات پائیں تو پھر تاویل کا دروازہ کھل جاتا ہے اور انہیں واقعات سے جو دوسرے نبیوں کی صورت میں گناہ بتائے جاتے ہیں مسیح کی صورت میں بڑے بڑے نصائح اور اخلاقی سبق عیسائیوں کے لئے نکالے جاتے ہیں۔ پادریوں کی یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ایک طرف تو ہمیں کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت داؤد نے بذریعہ استغفار حفاظت الٰہی طلب کی اس لئے وہ نعوذ باللہ زنا کا مرتکب ہوا تھا اور دوسری طرف یہ کہ چونکہ مسیح کنجریوں اور بدکار عورتوں کے ساتھ ملا جلا رہتا تھا اس واسطے وہ پاکباز ہے۔ راستبازی کے دشمن اور نبیوں کو گالیاں دینے والے ان پادریوں سے بڑھکر دنیا

مین کبھی پیدا نہین ہوئے۔ وہ اپنے دلون کو پاک کرنا تو جانتے ہی نہین مگر راستبازون کے دلون کی پاکیزگی کو بھی وہ ناپاکی سمجھتے ہین +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر حملے

پادری مانرو قرآن شریف کے* دو مقامات پیش کرتا ہے جہان اس کے نزدیک آنحضرت کے کسی ایسے فعل کی طرف اشارہ ہے جس کو گناہ کہا جاسکتا ہے ان مین سے پہلا مقام سورہ احزاب مین ہے۔ چنانچہ اس سورت مین سے ایک آیت کے ایک حصہ کا ترجمہ نقل کرکے پادری مانرو بڑی جرأت سے کہتا ہے "کیا اس کا یہ مطلب نہین کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالے نے اس گناہ کے لئے سرزنش کی کہ وہ کیون لوگون سے ڈرے" لیکن اس آیت مین جس کا وہ حوالہ دیتا ہے وہ ایک لفظ بھی ایسا نہین دکھا سکتا جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت لوگون سے ان معنون مین ڈرتے تھے جن معنون مین خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ یا یہ کہ وہ خدا سے نہین ڈرتے تھے۔ یا یہ کہ وہ اس طرح پر ڈرنے مین کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ آیت ہم یہان نقل کرتے ہین۔ واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسك عليك زوجك واتق اللہ وتخفی فی نفسك ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ فلما قضی زید منہا وطرا زوجنکہا لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیاءہم اذا قضوا منہن وطرا وکان امر اللہ مفعولا۔

ترجمہ۔ اور جب تو نے کہا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا اور جس پر تو نے بھی احسان کیا اپنی بیوی کو طلاق مت دے اور خدا سے ڈر اور تو اپنے دل مین ایک چیز کو چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور تو لوگون سے ڈرتا تھا اور اللہ زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ تو اسی سے ڈرے۔ پھر جب زید

+ * علاوہ جن چار مقامات کا ذکر پادری مانرو کرتا ہے انپر علیحدہ استغفار اور ذنب کے نیچے بحث کیگئی ہے کیونکہ انسے پادری صاحب عام طور پر گنہگار ہونا نکالتے ہین اور ان دو مقامات کیطرح وہان کسی خاص گناہ کا ذکر نہین بتاتے +

اس عورت سے اپنی غرض پوری کر چکا تو ہم نے اسے تیرے نکاح مین دیدیا تاکہ مسلمانون کے لئے اپنے
لے پالکون کی جوروؤن سے جب وہ انہین طلاق دیدین نکاح کر لینا کوئی گناہ نہ ہے اور خدا کا امر اسی
طرح پر ہونا تھا" اب کسی پہلو سے سوچا جاوے خدا کے سوائے کسی اور چیز سے ڈرنا کسبصورت مین گناہ
نہین کہلا سکتا۔ پادری مانرو کو چاہئے تھا کہ اپنے دعوے کی تائید مین قرآن شریف کی کوئی آیت پیش
کرتا۔ حضرت موسے مصریون سے ڈر کر مدین کو بھاگ گئے مگر کیا کہین سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایسا
کرنے مین وہ خدا کے گنہگار تھے۔ پھر جب اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق حضرت موسےٰ نے اپنا عصا
پھینکا اور وہ سانپ بن گیا تو اس وقت بھی موسےٰ ڈرے۔ لیکن یہ کہین نہین لکھا کہ وہ ایسا کرنے مین
کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تھے + پھر ایک اور امر قابل غور ہے کہ جب حضرت موسےٰ اور ساحرین کا
مقابلہ ہوا۔ اور ان کی رسیان وغیرہ لوگون کی نظر مین سانپ دکھائی دینے لگین۔ تو حضرت موسےٰ کی
نسبت خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ یعنی موسےٰ
اپنے دل مین ڈرے۔ لیکن باوجود اس کے کہین خدا نے حضرت موسےٰ کو سرزنش نہین کی کہ وہ کیون
ڈرا یا کہین یہ نہین کہا کہ اس نے گناہ کیا۔ اسی طرح اور بہت سی مثالین بائیبل سے پیش کی جا سکتی
ہین جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس قسم کا ڈرنا کوئی گناہ نہین ہے۔ اگر عقل کے رو سے دیکھا جائے
تو بھی اس طرح پر ڈرنا گناہ نہین ہے۔ ڈر انسان کی فطرت مین رکھا ہوا ہے اور کسی خوفناک نظارے
کو دیکھکر فطرتاً انسان ڈر جاتا ہے۔ لیکن اس طرح پر ڈرنے سے یہ نہین کہ انسان کو خدا کا ڈر نہین رہتا
خدا کا ڈر ایک الگ چیز ہے۔ جس کے سبب سے انسان اس کی مرضی کی راہون مین چلتا ہے۔ اور
اس کی فرمانبرداری کے طریق کو اختیار کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کو ایک بھسم کرنیوالی آگ سمجھ لیتا ہے
ان معنون مین خدا کے پاک نبی اللہ تعالےٰ سے ڈرتے ہین اور ان معنون مین سوائے خدا کے اور کسی
چیز سے نہین ڈرتے۔ چنانچہ سورہ احزاب کی اس آیت سے ما بعد کی آیت جسپر پادری مانرو اعتراض کرتا
ہے اس طرح پر ہے + الذين يبلغون رسلت الله ويخشونه ولا يخشون احدا الا الله یعنی جو
لوگ خدا کے پیغام پہونچاتے ہین اور خدا سے ہی ڈرتے ہین اور سوائے خدا کے کسی سے نہین ڈرتے + یہان
تمام انبیاء کی نسبت صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ ان سب کو خدا نے ایسا بنایا ہے کہ وہ سوائے
خدا کے کبھی کسی سے نہین ڈرتے۔ اور اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس وجہ سے کہ وہ بھی انبیاء

بین سے ہین بلکہ بموجب قرآن شریف کے سب سے افضل ہین لوگون سے ڈرنے بین خدا کے گنہگار نہین ہو سکتے کیونکہ جن معنون مین خدا سے ڈرنا چاہئے۔ ان معنون مین تمام انبیاء خدا کے سوائے کسی سے ڈرتے ہی نہین۔ اب پادری مارو صاحب اگر چاہتے تو ان الفاظ کو قرآن شریف مین عین اسی موقعہ پر پڑھ سکتے تھے جہان ان کو چند الفاظ اعتراض کرنے کے لئے نظر آگئے تھے۔ لیکن تعصب کا پردہ ان کی آنکھ پر پڑا رہا اور اس لئے ان کو یہ لفظ نظر نہ آئے۔ انبیاء کی یہ تعریف بتاتی ہے۔ کہ حضرت موسے کا ڈرنا یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ڈرنا یا کسی اور دوسرے نبی کا ڈرنا ان کے خدا کے ڈر کے کسی طرح متضاد نہین ہے کیونکہ ایسے موقعہ پر در اصل یہ لفظ الگ معنون مین استعمال ہوتا ہے۔ نہ صرف انبیاء کی نسبت ہی قرآن شریف یہ کہتا ہے کہ وہ سوائے خدا کے کسی سے نہین ڈرتے بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی نسبت بھی فرماتا ہے کہ لایخافون لومۃ لائم کہ وہ کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہین ڈرتے پس جب آنحضرتؐ کے صحابہ کا یہ حال ہے کہ وہ خدا کی راہ مین خدا کے سوا کسی سے نہین ڈرتے تو آنحضرتؐ جو ان کے لئے رہبر تھے کسطرح پر خدا کی راہ مین لوگون سے ڈر سکتے تھے +

اس فقرہ یعنی تخشی الناس کے اصلی معنے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ زید اور زینب کے نکاح اور طلاق کے متعلق تمام واقعات پر غور کرکے نظر کی جاوے سب سے پہلی آیت جس سے یہ ذکر شروع ہوتا ہے سورہ احزاب مین اس طرح پر آئی ہے وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا۔ ترجمہ۔ اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو نہین چاہیے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ایک امر کا فیصلہ کردین تو پھر ان کو اس امر (کے کرنے یا نہ کرنے) مین اختیار رہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا وہ سخت گمراہی مین پڑ گیا۔ اس آیت کے شان نزول مین علامہ سیوطی **لباب النقول فی شان النزول** مین کہتے ہین کہ طبرانی نے سند صحیح سے قتادہ سے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کے نکاح کے لئے درخواست کی اور آپ کا ارادہ زید کے ساتھ نکاح کرنے کا تھا۔ زینب نے سمجھا کہ آپ کا منشاء اپنے واسطے ہے لیکن جب اس کو پتہ لگا کہ آپ کا ارادہ زید کے ساتھ اس کا نکاح کرنے کا ہے تو اس نے انکار کیا پس آنحضرت پر یہ وحی نازل ہوئی وما کان لمومن الآیہ پس وہ راضی ہوگئی اور

آنحضرت کا حکم مان لیا۔ پھر اسی کتاب مین علامہ موصوف لکھتے ہین کہ ابن جریر نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کی زید بن حارثہ کے کے ساتھ شادی کے لئے درخواست کی۔ زینب نے اس سے کنارہ کیا اور کہا کہ مین اس سے اچھی ہون از روئے حسب کے۔ تب خدا تعالے کی طرف سے وحی نازل ہوئی وَمَا کَانَ لِمُؤمِنٍ الآیہ اور ابن جریر نے عوفی کے طریق سے ابن عباس سے اسی طرح پر روایت کی ہے +

ان متفق روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زینب کے زید کے ساتھ نکاح کے لئے درخواست کی تھی مگر زینب اور اس کا بھائی اگرچہ اس بات کے لئے تو بخوشی تیار تھے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو جاوے مگر زید سے نکاح کے لئے انہون نے انکار کر دیا اس وجہ پر کہ زید ایک غلام آزاد شدہ تھا حالانکہ زینب قریش کے شریف خاندان کی ایک معزز عورت تھی لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود اس سے نکاح کرنا پسند نہ کرتے تھے اور یہی چاہتے تھے کہ وہ زید پر ہی راضی ہو جاوین۔ جب زینب اور اس کے بھائی کی طرف سے انکار پر اصرار رہا۔ تو خدائے تعالے نے ان کو اس معاملہ مین متنبہ کیا اور تمام مومن مردون اور مومن عورتون کے لئے ایک عام حکم کے ذریعہ ان کو مطلع فرمایا کہ جب خدا اور اس کا رسول ایک معاملہ مین فیصلہ کر چکے ہین تو پھر کسی مومن مرد یا مومن عورت کے یہ لائق نہین کہ وہ انکار کرے اور یہ بھی بتا دیا کہ اگر وہ خدا اور اس کے رسول کے حکم سے انکار کرین گے تو سخت گمراہی مین پڑین گے۔ اس آیت کے آنے پر زینب اور اس کا بھائی راضی ہو گئے اور خدا تعالے کے حکم کو خوشی سے قبول کیا۔ اور زید کا زینب کے ساتھ نکاح ہو گیا +

یہانتک تو اس نکاح کا قصہ ہے۔ اور ناظرین اسے پڑھکر خود دیکھ لین گے کہ جو الزام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ کس قدر جھوٹا ہے اب یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ زینب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بہت قریبیون مین سے تھی۔ زینب کی مان امیمہ عبد المطلب کی بیٹی تھی (دیکھو اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد پنجم صفحہ ۴۶۳) اس قدر قریب کی تو رشتہ دار تھی مگر ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ زینب ان لوگون مین سے تھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ابتدا ہی مین ایمان لے آئے تھے اور وہ مہاجرہ بھی تھی ان تمام باتون سے

معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زینب کو بڑی اچھی طرح سے جانتے تھے تمام واقعات یعنی آپ کا اور زینب کا رشتہ داری کا اس قدر قریب تعلق اور زینب کا ابتدا مین ہی مسلمان ہو جانا اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مدینہ کو بھاگنا یقینی طور پر ثابت کرتے ہین - کہ زینب کوئی اجنبی عورت نہین تھی بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس کو بچپن سے ہی بخوبی جانتے تھے اور بارہا بچپن مین اور جوانی مین اس کو دیکھا ہوا تھا - علاوہ ازین اسلام سے پہلے عرب مین پردہ کی رسم نہ تھی - اور اس لئے مرد اور عورتین تمدنی زندگی مین باہم ملتے جلتے تھے - بلکہ اسلام مین بھی پردہ کا حکم آنحضرت کے زینب سے نکاح کے بعد ہوا ہے اور چونکہ تمام عیسائی مورخین اس بات کو تسلیم کرتے ہین اس لئے اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہین - اب ان تمام واقعات پر غور کرو کہ اول تو زینب آنحضرت کی پھوپھی کی لڑکی ہے اور پھر ابتدائی مسلمانون کی چھوٹی سی جماعت مین بھی داخل ہے پھر وہ آنحضرت کے ساتھ ہی مدینہ کو بھاگ کر چلی آتی ہے اور پردہ کا ملک مین کوئی رواج بھی نہین اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زینب سے درخواست کرتے ہین کہ وہ زید کے ساتھ نکاح منظور کرے - اور پھر سوچو کہ یہ کسقدر بڑا سیاہ جھوٹ ہے کہ آنحضرت صلعم نے نیم کشادہ دروازہ مین سے اتفاقاً زینب کو دیکھ لیا تھا - اور اس کی خوبصورتی کے سبب سے اس پر فریفتہ ہو گئے تھے اس کمینہ اور گندے جھوٹ کو پیش کرنے والے خدا کی لعنت کے نیچے ہین - ہم تو دیکھتے ہین کہ جب زینب آنحضرت کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے تو وہ خود اس کو منظور نہین کرتے اور باوجود اس کے اصرار کے کہ وہ اپنے نکاح مین اسے لے لین آپ زید کے لئے ہی زور دیتے ہین - اگر نفسانی خواہش ہی آنحضرت کے اس نکاح کی محرک تھی تو پھر کونسی وجہ تھی جو آپ نے اسوقت اسے منظور نہ کیا جب وہ جوان تھی بات یہ ہے کہ تعصب کا پردہ جو عیسائیون کی آنکھ کے آگے پڑا ہوا ہے وہ انہین واقعات کو اصل صورت مین دیکھنے نہین دیتا +

اب اس بیان سے جسے مسلمان محققین نے سچا اور صحیح بیان تسلیم کیا ہے اور جسے انہون نے قابل اعتبار قرار دیا ہے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہی اس بات پر زور دیا تھا کہ زینب کا زید کے ساتھ نکاح کر دیا جاوے اور خود زینب اور اس کے رشتہ دار اس کے مخالف تھے لیکن اللہ تعالیٰ کیطرف سے جو وحی نازل ہوئی اس مین یہی حکم تھا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے وہی ٹھیک ہے

اور زینب اور اس کے رشتہ داروں کو اس معاملہ مین کوئی اختیار نہین - اس لئے اس نکاح کے
متعلق یہ ایک شہرت یافتہ امر ہوگیا تھا کہ یہ نکاح خدا تعالےٰ کے حکم کے مطابق ہوا ہے یہ بات بہت
قابل توجہ ہے کیونکہ اس کی طرف پھر بھی ہم توجہ دلائینگے جب تک وحی نازل نہین ہوئی تب تک زینب
زید کے ساتھ نکاح پر راضی نہین ہوئی - اور اس امر سے مسلمان اور غیر مسلمان سب آگاہ تھے سب
جانتے تھے کہ زینب نے انکار کیا تھا مگر آنحضرت کے فیصلہ کے مطابق وحی الٰہی نے فیصلہ کیا اس
لئے ایک ایسی نکاح کے متعلق جو خدا کے حکم سے ہوا تھا لوگ ہر وقت منتظر تھے کہ آئندہ کیا ہوتا ہے +
اب ہم نکاح کے بعد کے واقعات پر غور کرتے ہین سب سے پہلے قرآن کریم کے ان الفاظ مین ہمین
اس مضمون کی طرف توجہ دلائی گئی ہے واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت
علیہ امسک علیک زوجک واتق اللہ - اور جب تو کہتا تھا اس شخص کو جسپر اللہ تعالےٰ
نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا کہ اپنی بیوی کو طلاق مت دے اور خدا سے ڈر'' اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ زید اپنی بیوی کو طلاق دینی چاہتا تھا - لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق سے روکا
اس کے متعلق حاکم انسؓ سے روایت کرتا ہے کہ زید بن حارثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا
اور زینب بنت جحش کی شکایت کی (یعنی اس امر کی کہ وہ اس سے متکبرانہ طریق سے پیش آتی ہے)
اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلاق مت دو اور خدا سے ڈرو - دیکھو لباب النقول فی
اسباب النزول - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد زینب جو نہایت معزز خاندان قریش کی عورت
تھی اپنے حسب کی بڑائی کے سبب ایسے طریق سے زید سے پیش آتی تھی جو اسکو ناگوار گذرتا تھا اور
آخر اس کو بالکل ناقابل برداشت پاکر زید نے آنحضرتؐ کے پاس شکایت کی اور طلاق دینا چاہا لیکن آنحضرت
نے اسے منع کیا اور فرمایا کہ اس سختی کی برداشت کرکے اپنی بیوی کو رکھو اور خدا سے ڈرو - یہ کہنا کہ یہ الفاظ
دل سے نہ تھے نہایت کمینہ درجہ کی بے ایمانی ہے خواہ اس کا کہنے والا امپور ہو یا مانرو ہو یا یسوع کی انجیل کا
کوئی اور حلیم واعظ - اگر آنحضرت کی نسبت یہ کہنا درست ہے تو کیوں جائز نہین کہ یسوع کو بھی بھیڑ کی
صورت مین ایک بھیڑیا بلکہ بھیڑیے سے بھی بدتر مانا جاوے - وہ وقت کب آئے گا کہ پادری صاحبان
بھی ایمانداری سے اعتراض کرنا سیکھین گے - کب ان کو یہ سمجھ آئے گی کہ خدا کے پاک اور معصوم
نبیوں کو گالیاں دینے سے وہ اپنے موہوم خداوند کی کوئی خدمت نہین کر سکتے - اگر تمام برگزیدوں

کو گنہگار کہا جائے گا تو اس ہی ایک ضعیف انسان ایک عاجز مخلوق جو نو ماہ تک عورت کے پیٹ
مین خون حیض سے پرورش پاتا رہا خدا اور خالق ارض و سما ہنین بن جائے گا زید آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کے پاس آتا ہے اور اپنی بیوی کے متکبرانہ سلوک کی جو شرافت خاندان کے احساس
کی وجہ سے تھا۔ آپ کے پاس شکایت کرتا ہے اور طلاق کا ارادہ ظاہر کرتا ہے آنحضرت نہایت
سختی سے اسے روکتے ہین مگر یہ سچائی کے دشمن کہتے ہین کہ یہ نعوذ باللہ منافقانہ الفاظ تھے اگر آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہین جانتے تھے کہ زید آپ کے ارادے سے جو اس کی بیوی کے
متعلق آپ رکھتے تھے آگاہ ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ آپ کی خاطر طلاق دے رہا ہے تو اس
فقرے کے کیا معنے تھے کہ اتق اللہ خدا سے ڈرو کسطرح آپ زید کو ان الفاظ مین روک
سکتے تھے کہ اے زید خدا سے ڈر اور اپنی بیوی کو طلاق مت دے۔ کیا یہ لفظ منافقانہ ہو سکتے
ہین۔ ہنین بلکہ یہ لفظ ہی ایسے ہین کہ دل کے اندر سے نکلے ہوئے ہین۔ خدا سے ڈر ایک ایسا
فقرہ ہنین ہے جو ایک مجرم دل زبان پر لاسکے اور پھر ایسے شخص کے سامنے جسے وہ جانتا ہے کہ
کہ اس کے فاسد خیال سے وہ آگاہ ہے کیا انسانی فطرت ایک لمحہ کے لئے بھی اس خیال کی برداشت
کر سکتی ہے اور پھر زید جس کو یہ لفظ بولے جاتے ہین کون ہے اور اس کا آنحضرت سے تعلق کیا ہے
یہ وہ نازک تعلق ہے جو مرید اور مرشد کے درمیان ہوتا ہے۔ مرید ایمان رکھتا ہے اور یقیناً جانتا
ہے کہ میرا آقا خدا کا بھیجا ہوا ہے تا لوگون کو راستبازی کی طرف بلائے وہ خدا سے ہمکلام ہوتا
ہے اور خدا اس سے ہمکلام ہوتا ہے وہ اپنی راستبازی مین ایک کامل انسان ہے اور نیکی کا ایک
نمونہ ہے جس کے ہر ایک قول اور فعل کی اسے پیروی کرنی چاہئے۔ اب اس نازک تعلق کو
جس کی بنیاد راستبازی اور پاکیزگی پر تھی سامنے رکھو اور ان الفاظ پر غور کرو جو ایسے آقا کے منہ
سے اس مرید کے لئے نکل رہے ہین کہ خدا کے سامنے تقوے اختیار کرو اور اپنی بیوی کو طلاق مت
دو۔ کسقدر ظلم اور بے ایمانی ہے کہ کہا جائے کہ یہ الفاظ منافقانہ اور ظاہر داری کے رنگ مین تھے
اور دلی منشاء یہ نہ تھا کیا منافقانہ الفاظ ایسا ہی اثر کیا کرتے ہین۔ جیسا کہ آنحضرت کے الفاظ نے
صحابہ کے دل پر اثر کیا۔ جنہون نے ان الفاظ کو سنکر اپنا سب کچھ اسی کی راہ مین کھو دیا اگر آپ کے الفاظ
دل سے نہ تھے تو انہون نے دلون پر کیون اثر کیا۔ کیا یہ سچ ہنین کہ دل پر وہی اثر کرتا ہے جو دل سے نکلے ؏

پھر ہم اصل مضمون کیطرف توجہ کرتے ہین جب زید نے خانگی مشکلات کیوجہ سے زینب کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو آنحضرت نے اسے بہت ناپسند کیا اور اس کو اس فعل سے روکا۔ آپ نے کیون روکا اس کے کئی وجوہات تھے اول تو زینب کا آپ کے ساتھ نہایت ہی قریب کا تعلق تھا اور زید سے بھی آپ کو بڑی محبت تھی اور آپ پسند نہین کرتے تھے کہ دو شخص جن سے آپ کو اس قدر تعلق اور محبت تھی ان مین ناچاقی ہو۔ علاوہ برین خود ہی آنحضرت اس شادی کے محرک ہوئے تھے اور زینب کے منشار کے خلاف آپ نے اسپر زور دیا تھا حالانکہ زینب کے دوسرے رشتہ دار بھی اسے پسند نہ کرتے تھے اس لئے ضرور تھا کہ زینب کے وارث بھی قومی اور رسمی خیال کے لحاظ سے اس طلاق سے ناخوش ہون اور یہ بات بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل کا مضطر کرنے کا باعث ہوسکتی تھی اگر نکاح کے وقت وہ لوگ تھوڑے بھی ناخوش تھے تو اب طلاق سے ان کو بہت ہی رنج کا اندیشہ تھا لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ زینب کا نکاح حکم الہی کے مطابق ہوا تھا اب آنحضرت کو یہ فکر تھا کہ جاہل اور سطحی خیال کے لوگ اپنے نزدیک اسے بھی ایک اعتراض سمجھ لین گے کہ ایک نکاح جو وحی الہی کے حکم کے نیچے ہوا تھا اتنی جلدی اس کا نتیجہ ایسی ناچاقی اور طلاق ثابت ہوا۔ آپ یہ بھی سوچتے تھے کہ مخالف منکر جو ہر وقت اسلام پر اعتراض کرنے کے لئے حیلے سوچتے رہتے تھے انھیں بھی طلاق پر زبان درازی اور طعن کا موقعہ ملے گا اور وہ لوگون کو سچائی کے قبول کرنے سے روکین گے یہی وجہ تھی کہ آپ نے زید کو طلاق سے روکا تاکہ مخالفون کو زبان درازی اور طعن کا موقعہ نہ ملے چنانچہ اس کے بعد جو الفاظ قرآن کریم مین استعمال ہوئے ہین وہ آنحضرت کے دل کی اس مضطربانہ حالت کو ظاہر کرتے ہین "وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ اور تو اپنے دل مین چھپاتا تھا۔ اس بات کو جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا اور اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرے" ان الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر آنحضرت کے دل کی کیا حالت تھی۔ آپ نہین چاہتے تھے کہ طلاق ہو کر اس ناچاقی کا افشا ہو اور معاندین اسلام کو زبان درازی کا موقعہ ملے۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ اس قسم کی نکتہ چینیان نادانون کی ٹھوکر کا باعث ہوجاتی ہین اس لئے آپ کی دلی خواہش یہی تھی کہ زید طلاق نہ دے اور اس جھگڑے پر پردہ پڑ جائے یہی وہ بات تھی جسکو آنحضرت چھپانا چاہتے تھے مگر اللہ تعالےٰ کا منشار یہ نہ تھا کیونکہ جیسے آگے چلکر اسی آیت کے اخیر پر بیان کیا گیا ہے اس نکاح اور طلاق مین خدائے تعالےٰ ایک خاص منشار الہی کو پورا کرنا چاہتا تھا جیسا کہ فرمایا وکان امر اللہ مفعولاً آنحضرت اسی بات سے ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ نکتہ چینیان کفار کیطرف سے سچائی کے قبول کرنے مین لوگون

سکے لئے روک ہو جاویں۔ وہ لوگوں سے ڈرتے تھے مگر انھیں کے فایدے کے لئے کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ ہلاکت میں پڑ جاویں۔ آنحضرت کو یہ غم جو لوگوں کے لئے تھا کہ وہ راہ ہدایت پر کیوں نہیں آتے اس کا اظہار قرآن شریف میں دوسرے موقعہ پر اس طرح پر کیا گیا ہے لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین ایک موٹی سمجھ کا آدمی تو یہ خیال کرے گا کہ اس جگہ آنحضرت کو سرزنش کی گئی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ خدا تعالےٰ آنحضرت کی تعریف کرتا ہے اس غمگساری اور ہمدردی کے لئے جو آپ کو لوگوں کے ساتھ تھی اسی طرح ان الفاظ تخشی الناس میں لوگوں کی بہتری کی غم کی طرف اشارہ ہے۔ آنحضرت کے دل کی ایسی حالت کو دیکھکر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ اس طلاق کے ذریعے اللہ تعالےٰ اپنا ایک خاص منشا پورا کرنا چاہتا ہے اور اسی کی مصلحت نے یہ تقاضا کیا ہے کہ اسی طرح پر یہ نکاح اور پھر طلاق ہو پس جب اس ارادہ اور مصلحت یہی چاہتے ہیں تو پھر اور کسی سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے اللہ ہی حقدار ہے کہ ہر وقت اسی سے ڈرنا چاہیے گویا ان الفاظ سے یہ بتایا گیا ہے کہ تم اسبات سے مت ڈرو کہ ایسی طلاق سے کوئی مضرت پیدا ہو گی اور اس لئے جسطرح حکم الہی ہے اسی طرح ہونے دینا چاہیے۔

اس وقت تک آنحضرت کا زینب سے نکاح کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا کیونکہ ابھی ایک دو سال پیشتر ہی وہ انکار کر چکے تھے جب زینب نے یہ خواہش ظاہر کی تھی۔ بالآخر زید نے طلاق دیدی اور آنحضرت نے بھی حکم الہی کے مطابق اسے روکنا چھوڑ دیا اور طلاق کے بعد عدت بھی گذر گئی جیسا کہ الفاظ فلما قضی زید منہا وطرا کا منشا ہے۔ اس کے بعد یعنی طلاق اور عدت کے گذر جانے کے بعد حکم الہی آتا ہے کہ آنحضرت خود زینب سے نکاح کر لیں۔ چنانچہ الفاظ منقولہ بالا کے بعد خدا تعالےٰ فرماتا ہے زوجنکہا یعنے ہم نے اسے یعنی زینب کو تیری بیوی بنا دیا۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ تو نے زینب سے نکاح کی خواہش ظاہر کی یا نکاح کر لیا تو ہم نے تجھے اجازت دیدی بلکہ یہ فرمایا کہ خود ہم نے ہی تیرا نکاح اس کے ساتھ کر دیا۔ یعنی ہمارے حکم سے تو نے نکاح کیا۔ اور جب تک ہم نے حکم نہیں دیا نکاح نہیں کیا۔ کیا ان الفاظ سے یہ صاف نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ آنحضرت نے حکم الہی کے بغیر ارادہ نکاح کا نہیں کیا اور یہ حکم اس وقت نازل ہوا۔ جب طلاق ہو کے بعد عدت بھی گذر چکی تھی۔ اگر یہ نکاح آنحضرت کی خواہش سے ہوتا تو قرآن شریف کو چاہیئے تھا کہ اسی طرح پر اس کو بیان کرتا۔ لیکن قرآن شریف ہمیں یہی بتاتا ہے۔ کہ آنحضرت کی خواہش نہ تھی بلکہ خدا کا حکم تھا ✦

اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیون خدا تعالےٰ نے پہلے ہی موقعہ پر آنحضرت کو حکم نہین دیا کہ آپ ہی زینب سے نکاح کرلین بلکہ اس وقت تو زید کے نکاح کا حکم دیا اور اب جب ناچاقی کے بعد طلاق ہوگئی تو پھر آنحضرت کو حکم دیا کہ اب تم زینب سے نکاح کرو۔ خدا تعالےٰ جو عالم الغیب ہے وہ خوب جانتا ہوگا کہ زید اور زینب کا نکاح بالآخر فسخ ہونے والا ہے پھر پہلے اس نے کیون یہ حکم دیا کہ زینب کا نکاح زید کے ساتھ ہی ہو۔ اس کا جواب خود قرآن شریف نے دیا ہے اور جہان آنحضرت کو حکم ہوا ہے کہ تم زینب سے نکاح کرو وہان ہی اس سوال کا جواب اس طرح پر دیا گیا ہے۔ لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منھن وطرا وکان امر اللہ مفعولا (ہم نے اس واسطے تیرا نکاح زینب سے کیا ہے) کہ مسلمانوں کے لئے اپنے لے پالکوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح کرلینا گناہ نہ رہے اور یہ خدا کا حکم تھا جو اسی طرح پر پورا ہوتا تھا۔" یہان نہایت صاف الفاظ مین اس حکم کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ کیون ہم نے بعد طلاق کے رسول کو حکم دیا۔ کہ زینب سے نکاح کرو۔ ان الفاظ کے معنون مین کسی قسم کے شک و شبہ کی بھی گنجایش نہین اگر یہہ نکاح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی خواہش کا نتیجہ مانا جاوے تو یہ وجہ نکاح کی جو قرآن شریف نے خود بیان فرمائی ہے بےمعنی ہوئی جاتی ہے۔ اب اس جگہ دو سوال ہین جن کا حل کرنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ آیا تبنیت کی رسم فی الواقع مضر رسم ہے یا نہین اور آیا یہ ضرورت تھی کہ اس بری رسم کو دور کرنے کیلئے آنحضرت خود ایک نمونہ بنین اس جگہ ہم نہایت اختصار کے ساتھ ان سوالون کے جواب دینگے۔ اول تبنیت کی رسم کو لو۔ اس کے مضر ہونے مین کسیکو شک نہین ہوسکتا صرف کہدینے سے ایک انسان دوسرے کا باپ یا بیٹا نہین ہوسکتا علاوہ برین اس کی بنیاد جھوٹ پر ہے اور جو شخص جھوٹ بولتا ہے وہ راستبازی سے دور رہتا ہے۔ اس رسم کے بدنتائج ہندو مذہب مین سب سے بڑھکر ظاہر ہوئے ہین اور اسی بدرسم کی وجہ سے آخر نیوگ جیسا ناپاک اصول اس مذہب کے پیرؤن کو ماننا پڑا ہے اور اس طرح پر بے غیرتی سے ایک عورت خاوند کی موجودگی مین اجنبیون کے پاس صرف اولاد لینے کے لئے بھیجی جاتی ہے اس قسم کے ناپاک اصولون کی دنیا سے بیخ کنی کرنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بڑا مقصد تھا۔ اور اس لئے ضروری تھا کہ مذہب اسلام اس رسم کو بھی دنیا سے دور کرے۔ لیکن جن لوگون کو کسی قسم کی اصلاح سے کام پڑا ہے وہ خوب سمجھ سکتے ہین کہ بغیر نمونہ

سینفنے کے رسوم کا دور کرنا ناممکن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی کامیابی کا یہی راز ہے کہ آپ نے جو کچھ اپنے پیرؤون کو کرنے کا حکم دیا پہلے خود اس پر عمل کر دکھایا۔ اس گہری فراست سے جو اللہ تعالے نے آپ کو عطا فرمائی تھی آپ دیکھتے تھے کہ فطرت انسانی ایسی واقع ہوئی ہے کہ جب تک واعظ خود نمونہ بن کر نہ دکھلاوے دوسرے لوگوں کو ان نیک کامون کی طاقت نہین ملتی جن کا وعظ ان کو کیا جاتا ہے۔ یسوع نے کیون ناکامیابی کا منہ دیکھا کیونکہ انجیلون کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تعلیم وہ دیتے تھے وہ ناقابل عمل تھی اور خود بھی اسپر ان کا عمل نہ تھا۔ کیون آج عیسائی قومیں شراب خواری سے تباہ ہو رہی ہین؟ کیونکہ یسوع نے خود شراب سے پرہیز نہ کیا۔ اس جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونے پر غور کرو کہ آپ نے کس طرح شراب خواری کو خود پرہیزگاری کا ایک کامل نمونہ بنکر مسلمانون کے درمیان سے دور کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زندگی کے ہر ایک پہلو مین کامل نمونہ تھے اور انہون نے خود راستبازی کے تمام طریقون پر چلکر اپنے پیرؤون کو دکھا دیا کہ کسطرح انسان ایک کامل انسان بن سکتا ہے بدرسوم کی بیخ کنی سچے مصلح کا عظیم الشان کام ہوتا ہے۔ پرانی رسوم آہستہ آہستہ عادت مین داخل ہو جاتی ہین کئی ہزار کتابین نصیحت کی ایک انسان سے بھی بدعادات کو نہین چھڑا سکتین یہ جائیکہ دنیا سے انہین نیست و نابود کر دین۔ صحابہ کو قرآن شریف مین یہی سکھایا گیا تھا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کہ تمہارے لئے ہر ایک نیکی کا نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہین اس لئے جو وہ آپ کو کرتے دیکھتے وہی کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ تبنیت کی رسم کو دنیا سے دور کرنے کے لئے وہ خود زینب سے نکاح کرین جو عربون کی رسم کے مطابق سخت معیوب امر سمجھا جاتا تھا کیونکہ زید جو زینب کو طلاق دیچکا تھا اس کے ساتھ رسول خدا اس قدر محبت کرتے تھے کہ لوگ اسے آپ کا بیٹا کہنے لگے تھے۔ اس لئے سب سے پہلے آنحضرت ہی کو حکم ہوا کہ زینب کے ساتھ نکاح کرکے اس بدرسم کی جڑ کاٹین۔ اگر آنحضرت کی اپنی خواہش یہ ہوتی کہ زینب کو نکاح مین لادین تو اس سے پہلے کوئی روک ان کے لئے نہ تھی آپ اسے اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے اور آپ جسوقت چاہتے وہ اور اس کے وارث بخوشی راضی ہوتے کہ آپ اس سے نکاح کر لین۔ چنانچہ جب زید کے لئے آپ نے اسے مانگا تو اس وقت بھی زینب اور اس کے ورثا دونون کی منشا یہ تھی کہ آپ خود اس سے نکاح کر لین لیکن آپ نے پسند

نہین کیا اور اس وقت زید کے ساتھ ہی زینب کا نکاح کرایا۔ اس مین مصلحت الٰہی یہی تھی کہ زید کے
طلاق دیدینے کے بعد آپ اس سے شادی کرین تا اسلام سے یہ رسم اٹھ جائے کہ صرف کہدینے
سے کوئی شخص حقیقی بیٹا بن سکتا ہے سو پہلی دفعہ خدائے تعالےٰ نے یہی چاہا کہ زینب کا نکاح زید کے
ساتھ ہو اور پھر حالانکہ آنحضرت بظاہر طلاق کو پسند نہ کرتے تھے لیکن خدا کے حکم کے مطابق طلاق
ہی ہوئی اور آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح سے منشاء الٰہی پورا ہوا۔ اس امر الٰہی کے پورا ہونے
کی طرف ان الفاظ مین اشارہ ہے جیسا کہ فرمایا: وکان امر اللہ مفعولا اور پھر فرمایا وکان امر اللہ
قدرا مقدورا۔ یعنی امر الٰہی ہو کر ہی رہنا تھا اور اس امر الٰہی کا ہونا پہلے سے ہی مقدر ہو چکا تھا۔ اور منشاء
الٰہی اس مین یہ تھا جیسا کہ خود اللہ تعالےٰ نے بیان فرمادیا ہے کہ اسلام سے بنیت کی رسم اٹھا دیجاوے
آیت مذکورہ بالا سے مابعد کی آیت اور بھی وضاحت کے ساتھ اس امر کو بیان کرتی ہے کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کا زینب کے ساتھ نکاح کرنا حکم الٰہی ہی کی تعمیل مین ہوا تھا اور اپنی کسی خواہش کے پورا
کرنے کے لئے نہین تھا۔ ما کان علی النبی من حرج فیما فرض اللہ لہ۔ ترجمہ "نبی پر اس کام کے کرنے
مین کوئی گناہ نہین جو اللہ تعالےٰ اس کے لئے فرض کردے"۔ پادری مانرو کو اپنے اعتراض پر شرم کرنی چاہئے
قرآن شریف تو صاف صاف کہتا ہے کہ آنحضرت کو خدا نے حکم دیا کہ نکاح کرلین۔ اس لئے آپ پر کوئی
حرج نہین۔ کیا سچ یہ ہے کہ آنحضرت کو کسی گناہ کے لئے سرزنش کی گئی ہے یا یہ کہ آپ کو ہر ایک الزام
اور گناہ سے جو آپ کے ناعاقبت اندیش دشمن آپ پر لگادین بری اور پاک اور معصوم ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ
الفاظ کہ خدا نے پیغمبر کے لئے اس بات کو فرض کردیا تھا کہ وہ زینب سے نکاح کرین اس بات کی نفی کرتے
ہین کہ آپ کا اپنا بھی کوئی ارادہ یا خواہش اس امر کا تھا۔ علاوہ ازین یہان سے صاف ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت
کی طرف اس معاملے مین کوئی گناہ منسوب نہین کیا جاسکتا حالانکہ پادری مانرو بڑی جرات کے ساتھ یہ دعوےٰ
کرتا ہے کہ نبی علیہ السلام اس معاملہ مین گنہگار تھے اگر پادری صاحب یہ کہین کہ رسول کریم علیہ السلام لوگون مین
ڈرنے سے گنہگار ہوئے تو اس کی بھی صاف نفی اسی آیت مین موجود ہے جہان فرمایا ہے الذین یبلغون
رسلت اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ یعنی جو لوگ خدا کے پیغام پہنچاتے ہین اور اسی
سے ڈرتے ہین اور سوائے خدا کے اور کسی سے نہین ڈرتے"۔ یہ لفظ عام ہین یعنی کسی معاملہ مین بھی انبیاء سوائے
خدا کے کسی سے نہین ڈرتے۔ یہ خیال کرلینا کہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ تبلیغ پیغام الٰہی مین کسی

سے نہین ڈرتے اور باقی امور مین ڈر جاتے ہین محض بیوقوفی ہے علاوہ ازین جو الفاظ دیکھنشونہ۔ دونون نفقرات کے درمیان آئے ہین ان سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خشیت کا ذکر عام ہے۔ اور صرف تبلیغ پیغام تک محدود نہین ورنہ یہ الفاظ درمیان مین نہ آتے اصل مین ان مین سے ہر ایک جملہ الذین خلوا من قبل کا بیان ہے کیونکہ پہلی آیت مین یہ نہین بتایا گیا کہ الذین خلوا من قبل سے کیا مراد ہے سو اس جگہ اس امر کو کھولکر بیان کیا گیا ہے کہ وہ وہ لوگ ہین جو پیغام الٰہی مخلوق تک پہنچاتے ہین اور خدا سے ڈرتے ہین اور خدا کے سوا کسی چیز سے نہین ڈرتے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہے۔ یہ ایک مشہور ضرب المثل ہے اور شاید پادری مانزو صاحب کو بحیثیت ایک پادری کے اپنی شہرت قائم رکھنے کے لئے ایسے ایسے بے بنیاد حیلے سوچنے پڑین جیسے مثلاً یہ کہ اس مین صرف انبیاء سابق کا ذکر ہے اور آنحضرت اس مین شامل نہیں ہین۔ مگر اسے یاد رکھنا چاہیے کہ بحیثیت نبی ہونے کے آنحضرت ویسے ہی اس مین شامل ہین جیسے کہ دوسرے نبی بلکہ اگر آنحضرت کا ذکر بالخصوصیت اس مین مقصود نہ ہو تو ایسا بیان کرنے سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے کہ انبیاء سابق یون کیا کرتے تھے اصل مقصود کتاب اللہ کا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو ہی بیان کرنا ہے۔ علاوہ ازین بہت ساری آیات اس مضمون کی ہین جن کو خود پادری صاحب کئی دفعہ ذکر کر چکے ہین کہ آنحضرت دوسرے انبیاء کی طرح نبی ہین پادری مانزو کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے نزدیک تو انبیائے سابق بھی معصوم نہین ہین پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اس تعریف مین دوسرے انبیاء کو تو داخل سمجھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مین داخل نہ سمجھے۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت موسےٰ کے ڈرنے کا تو خود قرآن شریف مین ذکر ہے اور حضرت موسیٰ الذین خلوا من قبل مین داخل ہین پس اگر حضرت موسیٰ اس تعریف مین داخل ہین۔ تو آنحضرت کیون نہین +

ہم یہ بھی بیان کر چکے ہین کہ جہان کہین کسی نبی کے سوائے خدا سے ڈرنے کا ذکر ہے اس جگہ یہ مراد نہین کہ وہ اس دوسری چیز سے اسی طرح ڈرا جیسے انسان کو خدا سے ڈرنا چاہیے یا یہ کہ وہ اس وقت خدا سے نہین ڈرتا تھا ہم یہ بھی بیان کر چکے ہین کہ قرآن شریف نے کہین اس طرح ڈرنے کو گناہ نہین کہا ہے اور اگر کہا ہے تو پادری مانزو کا فرض ہے کہ وہ آیت پیش کرے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ڈرنا اقتضائے بشریت اور انسانی کمزوری کا خاصہ ہے چونکہ نبی مین بھی بشریت ہوتی ہے اسلئے اس کا بمقتضائے بشریت ڈرنا گناہ نہین اور نہ

ہی قابل اعتراض ہے۔ ہاں انبیاء کے ساتھ یہ سنت اللہ ہے کہ جب کبھی بمقتضائے بشریت وہ ڈرین
تو حفاظت الہی معاً ان کے شامل حال ہو جاتی ہے اور انسانی کمزوری کو دبا دیتی ہے۔ جو لفظ اس آیت
مین بولے گئے ہین وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ ان سے بھی یہی قانون الہی معلوم ہوتا ہے
یہ الفاظ آنحضرت کے دل کی کیفیت سے آگاہ کرتے ہین۔ اس مین شک نہین کہ وحی الہی دل کے اندر سے
پیدا نہین ہوتی لیکن یہ انعام الہی دل کی حالت کے بموجب عطا ہوتا ہے اور جس دل پر وارد ہو اس کی حالت
کا نقشہ دکھاتا ہے آنحضرت کے دل کی پہلی حالت بمقتضائے بشریت یہ ہے کہ آپ کے دل مین ایک
لمحہ سے بھی کم کے لئے لوگون کے ڈر کا خیال آیا جن معنون مین اس ڈر کو چاہین لین۔ لیکن اس خیال نے
آپ کے دل مین جگہ نہین پکڑی اور نہ اس کا کچھ اثر آپ کے دل پر ہوا بلکہ معاً دوسری حالت دل کی یہ ہو
گئی کہ واللہ احق ان تخشٰہ کہ اللہ ہی سے ڈرنا چاہیے اور حقیقی ڈر اللہ ہی کا ڈر ہے نہ کہ غیر اللہ کا
یہ سچ نہین کہ پہلے خیال کا بھی آپ کے دل پر کوئی اثر ہوا تھا کیونکہ پیشتر اس کے کہ وہ دل مین جگہ لے دوسری
حالت بدل گئی اور وہی آپ کے دل کی مستقل حالت ہے جس پر آپ قائم رہے۔ ایک خیال بمقتضائے
بشریت تھا لیکن دوسرا خیال جو صحیح اور سچا تھا اور منصب رسالت کے لازم حال پڑا ہوا تھا وہ معاً اس
پہلے خیال کو دل سے دور کرتا اور انسانی کمزوری کو دبا دیتا ہے کیونکہ یہ دوسرا خیال حفاظت الہی کا لازمی
نتیجہ ہے۔ جو کسی انسانی کمزوری کو نبی کے دل پر غالب نہین ہونے دیتی۔ انبیاء مین بشریت کا حصہ بھی موجود
ہوتا ہے اور اس لئے بلحاظ بشریت کے اگر کوئی خیال ان کے دل مین آئے تو خدا کا فضل اور حفاظت معاً
اس کو دبا دیتے ہین۔ ہمارا یہ اعتقاد نہین کہ انبیاء مین بشریت نہیں ہوتی البتہ یہ اعتقاد ہم رکھتے ہین اور سچا مذہب
یہی ہے کہ بشریت کی کوئی کمزوری انبیاء پر غالب نہیں ہوتی بلکہ ہر وقت خدا کی حفاظت اور مدد اس طرح پر ان
کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ جو بشریت کی کمزوریون کو دبائے رکھتی ہے چنانچہ وتخشی الناس کے ساتھ ہی اللہ
تعالے کا یہ ذکر کر دینا کہ واللہ احق ان تخشٰہ یہی بتاتا ہے کہ آنحضرت کے دل کی اصلی حالت جس پر آپ
قائم تھے واللہ احق ان تخشٰہ کی مصداق ہے ایسا ہی جہان حضرت موسیٰ کا ڈرنا بیان کیا گیا ہے اور
کہا گیا ہے فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ یہ بھی بلحاظ تقاضائے بشریت ہے مگر حضرت موسیٰ اس پر قائم نہین
رہے اور نہ اس کا کوئی اثر ان کے دل پر ہوا بلکہ ساتھ ہی منصب رسالت کے لحاظ سے جو ان کے دل کی حالت
ہونی چاہیے وہ بیان کر دی گئی ہے اور وہ یہ ہے قلنا لا تخف انک انت الاعلے یعنی اپنے مظفر و منصور ہونے

کا احساس- اور یہی ان کے دل کی اصلی حالت ہے جس پر وہ ہمیشہ قائم ہین بشری کمزوری دل پر تسلط نہین کر سکتی بلکہ اس کے آتے ہی معاً حفاظت الہی شامل حال ہوکر کمزوری کو دبادیتی ہے اور خوف وغیرہ سب کچھ جاتا رہتا ہے (یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت موسیٰ کو خوف صرف یہ تھا کہ ایسا نہ ہو لوگ ساحرون کے دھوکہ مین آجائین) اس طرح پر اللہ تعالےٰ کا انبیاء کے ساتھ تعلق ہوتا ہے کہ ہر ایک بشریت کی کمزوری معاً حفاظت الٰہی کے ذریعہ دبادی جاتی ہے اور اس کا اثر دل پر مستقل طور پر کچھ نہین ہوتا اور نہ وہ کمزوری ان پر غالب ہی آسکتی ہے -

قرآن شریف کی ان آیات سے معلوم ہوگا کہ اس قصے کے مختلف واقعات بالترتیب قرآن شریف مین بیان کئے گئے ہین۔ سب سے پہلے وہ وحی ہے جس کے آنے پر زینب زید کے ساتھ نکاح پر راضی ہوئی۔ پھر ایک جھگڑا پیدا ہوتا ہے اور زید آنحضرت کے پاس شکایت لے کر آتا ہے اور طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے آنحضرت اسے روکتے ہین اور آپ کو یہ بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ اس ناچاقی کے افشا ہونے سے لوگون کو ابتلا نہ ہو۔ مگر آخر کار طلاق واقع ہوجاتی ہے اور عدت بھی گذر جاتی ہے اس کے بعد آنحضرت کو حکم ہوتا ہے کہ زینب سے نکاح کرین اور اس کی بڑی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ تا متبنیت کی رسم دنیا سے دور ہو جائے اور مسلمانون کو اپنے لے پالکون کی مطلقہ بیویون سے نکاح کرنے مین مضایقہ نہ ہو۔ پھر یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہی وہ غرض تھی جس کے پورا کرنے کے لئے یہ سارے واقعات خدا تعالےٰ کے منشا کے مطابق ظہور مین آئے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بریت کی جاتی ہے تا کوئی اندیش مخالف ٹھوکر سے بچین اور صاف لفظون مین کہا جاتا ہے کہ آنحضرت پر اس معاملے مین کسی قسم کا الزام نہین لگایا جاسکتا اور وجہ اس کی ساتھ ہی یہ بیان کی جاتی ہے کہ خدا نے حکم دیا تو آپ نے نکاح کیا- اور بالآخر یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ خیال نہین کرنا چاہیئے کہ لوگون سے ڈرنے مین آنحضرت نے کوئی گناہ کیا کیونکہ خدا کے رسول . . سوائے خدا کے کسی سے نہین ڈرتے- اور ہم یہ بھی دکھا چکے ہین کہ یہ آنحضرت کا لوگون سے ڈرنا محض طلاق کے معاملہ مین تھا چنانچہ بخاری بھی یہی روایت کرتا ہے کہ یہ آیت زید اور زینب کے معاملات کے متعلق ہے یعنی ناچاقی اور طلاق کے متعلق- اگر ہم اس ڈرنے کو ان معنون مین بھی لین کہ آنحضرت ڈرتے تھے کہ لوگ کہین گے اپنے لے پالک کی بیوی سے نکاح کر لیا تو بھی کوئی حرج نہین اور نہ ان معنون کے لینے سے ان دلائل مین سے کوئی دلیل کمزور ہوتی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہین لیکن سیاق وسباق آیت انہین معنون کو چاہتا ہے جنھین ہم نے ترجیح دی ہے ٭

جو واقعات اس قصے کے یہان بیان کئے گئے ہین یہی معتبر اور صحیح روایتون مین ملتے ہین- اور اس لئے انہین

کی صحت پر یقین کیا جا سکتا ہے لیکن چونکہ یہ واقعات پادریون کے مفید مطلب ہین اس لئے وہ مردود قصون اور روایتوں پر بھروسہ کرتے ہین اور صحیح اور معتبر روایتوں کی طرف نہین آتے کہا جاتا ہے کہ جب زینب کا زید سے نکاح ہوگیا تو ایک آنحضرت زید کے گھر تشریف لے گئے اس وقت وہ تو گھر مین موجود نہین تھا لیکن اس کی بیوی موجود تھی اتفاقاً آنحضرت کی نظر اس پر دروازے کے شگاف مین سے جا پڑی اور یہی باعث نکاح کا ہوگیا کیونکہ جب زید کو معلوم ہوا کہ یہ واقع ہوا ہے تو اس نے خود آنحضرت کی خاطر اپنی بیوی کو طلاق دیدی تا آپ اس سے شادی کر لیوین چنانچہ ایسا ہی ہوا صرف یہی نہین کہ قرآن شریف اس جھوٹے قصہ کی تائید نہین کرتا بلکہ صاف لفظون مین اس کی تردید کرتا ہے اگر اس قصے کو سچا مانا جاوے تو اس سے قرآن شریف کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ اس کے رو سے تو آنحضرت اس معاملہ مین قابل الزام ٹھہرتے ہین حالانکہ قرآن شریف کہتا ہے کہ اس معاملہ مین آپ کسی طرح سے قابل الزام نہین - دوسرے اس قصے کے رو سے آنحضرت کا نکاح زینب کے ساتھ ان کی اپنی خواہش کا نتیجہ ہوگا - حالانکہ قرآن شریف کہتا ہے کہ خدا نے آپ پر یہ فرض کر دیا تھا اور اس لئے نکاح صرف خدا کے حکم سے ہی ہوا نہ کہ اور کسی طرح - اور نیز اس کو امر الٰہی بیان کیا گیا ہے - تیسرے اس قصہ کا مطلب یہ ہے - کہ آنحضرت زینب سے نکاح چاہتے تھے لیکن قرآن شریف کہتا ہے کہ آپ نے زید کو طلاق دینے سے روکا - اگر آپ کو نکاح کی کچھ بھی خواہش ہوتی تو آپ زید کو طلاق دینے سے کیون روکتے بلکہ خوش ہوتے - یہ کہنا کہ ممانعت کے لفظ اوپرے دل سے تھے اول کہنے والے کے اپنے دل کی حالت کو ظاہر کرتا ہے کہ کیسا سیاہ اور گندہ دل ہے اور دوسرے بہر حال منع تو کیا خواہ اوپرے دل سے ہی کیا - لیکن اگر نکاح کی خواہش ہوتی تو روکتے کیون - علاوہ ازین اس قسم کی نصیحت کہ خدا سے ڈرو اور راستبازی اختیار کرو سچے دل کی نصیحت ہو سکتی ہے جھوٹے کے مناسب حال یہ الفاظ ہی نہین چہارم قصہ کی غرض یہ ہے کہ زینب کے ساتھ نکاح کرنے مین آنحضرت کا صرف اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا مقصد تھا - حالانکہ قرآن شریف کہتا ہے کہ اس نکاح سے خالص یہی غرض تھی کہ تبنیت کی رسم کو دور کیا جاوے - پنجم جن الفاظ مین زید کو بیان کیا گیا ہے وہ بھی اس قصے کو جھوٹا ٹھہراتے ہین بجائے اس طرح کہنے کے کہ جس وقت تو زید کو کہتا تھا قرآن شریف فرماتا ہے وَاِذْ تَقُولُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ جب تو کہتا تھا اس شخص کو جس پر خدا نے احسان کیا اور جس پر تو نے

احسان کیا۔ اس میں دو باتیں زید کے متعلق بیان کیگئی ہیں اول یہ کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن پر اللہ نے انعام کیا اس لئے وہ انعمت علیھم میں شامل ہوا اور یہی وہ مرتبہ ہے جس کے لئے تمام مسلمان خواہش رکھتے ہیں ۔ اب اگر یہ مانا جائے کہ زید نے یہ جانکر زینب کو طلاق دی تھی کہ رسول خدا اس سے نکاح کی خواہش رکھتے ہیں اور ان تمام واقعات کو سچا مانا جائے جو میور صاحب نے اپنی کتاب میں لکھے ہیں تو زید انعمت علیھم میں سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس صورت میں یہ واقع اس کی بڑی بیعزتی اور گمراہی کا ثبوت ہوگا کہ ایسے شخص کے پیچھے وہ چلتا تھا جو اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے میں دن رات لگا رہتا تھا۔ پس زید کو ان لوگوں میں داخل کرکے جنکو قرآن شریف نے منعم علیہ مانا ہے خدا کے کلام نے اس جھوٹے قصہ کی تردید کردی ہے ۔ پھر زید کیمتعلق یہ کہا گیا ہے کہ خود رسول خدا کے بھی اس پر بہت احسان ہیں لیکن اگر ایسا امر آنحضرت کی طرف سے ظہور میں آیا ہوتا تو آپ کے سارے احسان اور انعام باطل اور کالعدم ہو جاتے اور قابل ذکر نہ ہوتے چہ جائیکہ خصوصیت سے ان کا ذکر کیا جاتا۔ پس جب قرآن شریف کا لفظ لفظ اس قصے کی تردید کرتا ہے تو اس کو صحیح ماننے کے لئے ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ ہر ایک روایت جو قرآن شریف کے مخالف ہو وہ رد کرنی چاہئے +

جب یہ معلوم ہوگیا کہ قرآن شریف اس قصے کی تردید کرتا ہے تو اب ہم یہ دیکھیں گے کہ آیا واقعات اس کو کیسا ٹھہراتے ہیں سب سے پہلے یہ مسلم ہے کہ زینب آنحضرت کی حقیقی پھوپھی کی بیٹی تھی اور اس لئے آنحضرت اس کو بچپن ہی سے جانتے تھے ۔ دوسرے وہ ابتدا میں ہی اسلام لے آئی تھی اور یہ ممکن ہی نہ تھا کہ آنحضرت نے اسے دیکھا نہ ہو تیسرے وہ مہاجرہ بھی تھی ۔ چوتھے اسلام سے پہلے عرب میں پردہ کی رسم نہ تھی اور عورتیں اور مرد باہم ملتے جلتے تھے اور اسلام میں بھی پردہ کا حکم اس وقت آیا جب زینب کا نکاح آنحضرت سے ہو چکا تھا۔ یہ کسقدر جھوٹ ہے کہ اتفاقاً آنحضرت کی نظر زینب پر جا پڑی ۔ زینب ہمیشہ آنحضرت کے سامنے رہی بلکہ آپ کے سامنے جوان ہوئی بیاہی گئی اور پھر خود آپ نے اس کا نکاح زید سے کرایا اور خود اس کے ساتھ نکاح کرنا منظور نہ کیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ آنحضرت کے ساتھ نکاح کیوقت اس کی عمر پینتیس سال کی تھی اور یہ عمر گرم ملکوں میں عورتوں کے لئے بڑھاپے کی عمر سمجھی جاتی ہے ۔ پھر ایک اور امر قابل غور ہے اگر کوئی اس قسم کا واقعہ ہوا ہوتا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے تو ضرور تھا کہ آپ کے پیروؤں کے دل میں سخت شبہات پیدا ہوتے ۔ اگر آپ ایک ایسے قابل نفرت فعل کے مرتکب ہوتے تو آپ کا سلسلہ ایک لمحہ میں درہم برہم ہو جاتا۔

زید سب سے پہلے آپ کی صداقت کا منکر ہوتا کیونکہ اس کو ان تمام واقعات سے خبر تھی اور اس کی شہرت فوراً پھیل جاتی۔ ایسے واقعہ پر ایک آدمی بھی آپ کے ساتھ نہ رہ سکتا کیونکہ یہ فعل بظاہر صورت ایسا قبیح ہے کہ مرشد اور مرید کا نازک تعلق اس سے ایک دم میں ٹوٹ جاتا ہے آپ کے پیرؤوں کا تعلق آپ کے ساتھ صرف راستبازی اور نیکی کا تعلق تھا اور آپ کو وہ قابل پیروی نمونہ جانتے تھے کونسی چیز تھی جسکو دیکھکر آپ کے صحابہ نے اپنے وطن اور جائدادیں چھوڑ دیں۔ دکھ اور تکالیف سہے اور جانوں کو بیدریغ قربان کر دیا۔ یہ صرف آپ کی کامل راستبازی اور صحابہ کے دلوں میں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی سچی خواہش تھی۔ پھر کس طرح ایک قبیح فعل کو آپ کے اندر پاکر آپ کے ساتھ رہ سکتے لیکن ہمیں صاف شہادت ملتی ہے کہ ایک صحابی کے دل میں بھی کسی قسم کا شک یا شبہ پیدا نہیں ہوا۔ کیا اس سے قطعی اور یقینی ثبوت نہیں ملتا کہ یہ قصہ جسے میور صاحب پیش کرتے ہیں ایک صریح جھوٹ ہے اور اس کی اصلیت آنحضرت کی زندگی کے واقعات میں کچھ بھی نہیں ان سب امور سے یعنی قرآن شریف اور معتبر احادیث اور واقعات کی شہادت سے اس قصے کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے*

اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ خود اس قصے کی سند کیا ہے۔ میور صاحب طبری کا حوالہ دیتے ہیں طبری ایک ایسا مورخ ہے جس نے بغیر تنقید کے روایات کو اپنی کتاب میں داخل کیا ہے۔ صرف ایک محدثین کا فرقہ ہی ایسا ہے جس نے احادیث کا جھوٹ اور سچ پرکھنے میں محنت شاقہ اٹھائی ہے۔ طبری ان لوگوں میں سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس نے اپنی تاریخ یا تفسیر میں جھوٹ اور سچ کو الگ کرنے کی کوئی کوشش کی ہے بلکہ ہر ایک روایت کو جو اسے مل گئی بلا تنقید درج کر دیا ہے۔ اس لئے کسی روایت کے معتبر یا غیر معتبر ہونیکو دیکھنے کے لئے ہمیں محدثین کیطرف رجوع کرنا چاہئے۔ طبری نے جو روایت لی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کسقدر سادگی سے بلا تحقیق اس نے اس قصہ کو درج کر دیا ہے۔ یہ قصہ دو بار طبری میں مذکور ہے اور روایت لفظی میں دونوں روایتوں میں تھوڑا سا اختلاف ہے راوی دونوں صورتوں میں ایک ہی بیان کئے گئے ہیں۔ طبری محمد بن عمر سے وہ عبداللہ بن عامر اسلمی سے اور وہ محمد بن یحیٰی بن حبان سے اس روایت کا ذکر کرتا ہے۔ طبری جو ایک چوتھی صدی کا مورخ ہے صرف تین راویوں کے ذریعہ ایک روایت کو آنحضرت تک پہنچاتا ہے اور اس کی روایت اسی سے مشکوک ہو جاتی ہے۔ اب ہم ہر سہ راویوں کو علیحدہ علیحدہ لیتے ہیں اخیر جس شخص تک روایت پہنچائی جاتی ہے وہ محمد بن یحیٰی بن حبان ہے لیکن چونکہ وہ صحابہ میں

سے نہین اس لئے ایک ایسے قصہ کو جو اس کے سامنے نہین ہوا صرف اسی کی سند پر کوئی وقعت نہین دیجا سکتی یہ روایت کسی صحابی تک نہین پہنچتی اور اس لئے ہم اسے رد کرنے پر مجبور ہین یہ محمد ۱۲۱ھ مین فوت ہوا۔ محمد سے عبداللہ بن عامر اسلمی روایت کرتا ہے جو ۱۵۰ھ مین مرا اور اسکو اسماء الرجال کی کتابون مین احد من الضعفاء لکھا ہے اس لئے اس کی روایت بھی قابل اعتبار نہین ہتی۔ علاوہ ازین انھین کتابون مین یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ محمد بن یحیی سے کوئی روایت نہین کرتا اور نہ ہی محمد بن عمر اس سے کچھ روایت کرتا ہے اس لئے اس کی روایت محمد بن یحیی سے اور اس سے محمد بن عمر کی روایت محدثین کے نزدیک بالکل ناقابل اعتبار ہے۔ محمد بن عمر کی نسبت جبکہ ہی طبری کو روایت پہونچی ہے ابھی ہم کچھ نہین کہہ سکتے کیونکہ اس کا پورا پتہ نہین دیا گیا۔ علاوہ ازین یہ روایت طبری نے صرف ایک ہی ذریعہ سے پہنچائی ہے۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک اعلی درجہ کی صحت روایت کیلئے ضروری ہے کہ وہ مختلف ذریعون سے مختلف آدمیون کو پہونچی ہو جس سے جھوٹ یا سازش کا شک جاتا رہے اس لئے ایک ایسی روایت کی بنا پر جو ہر طرح سے جھوٹی ثابت ہوتی ہے آنحضرت پر حملہ کرنا ایمانداری کا کام نہین ہے +

ان سب امور پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس قصہ کی بنا پر پادری مانزے نے آنحضرت پر گناہ کا الزام لگایا ہے وہ قصہ ہی جھوٹا ہے۔ اور قرآن شریف ایسے الزام کی تردید کرتا ہے ایک اور پہلو سے غور کرکے ہم اسی نتیجہ پر پہونچتے ہین۔ عرب ایک غیور قوم تھی اور بسبب اپنی شرافت کے احساس کے ان مین غیرت کا مادہ بہت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ چھوٹے یا دھوبی نہین تھے اور نہ ہی وہ عورتین جنھون نے آپ کی دعوت کو قبول کیا تھا کنجریان تھین بلکہ کیا مرد اور کیا عورت سب باغیرت اور پاکدامنی کی قدر کرنے والے تھے۔ ایک موقعہ پر جب آنحضرت اپنی کسی بیوی کے ہمراہ جا رہے تھے تو دو آدمی پاس سے گذرے آپ نے اسیوقت انکو بلا کر فرمایا کہ یہ میری بیوی ہے۔ یہ اس لئے نہین تھا کہ ان گذرنے والے کے دلون مین آپ کی نسبت کوئی شک پیدا ہوا تھا بلکہ آپ کی غیرت یہ نہین چاہتی تھی کہ امکانی طور پر بھی آپکے صحابہ مین سے کسی کے دل مین کوئی شک پیدا ہو اور کامل عصمت اور پاکدامنی کے لحاظ سے جو آپکو حاصل تھی آپ نے یہ فرمایا۔ اس جگہ یسوع مین اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مین ایک بین فرق ہے۔ انجیلون مین ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک موقعہ پر یسوع ایک کنجری کے ساتھ ایک ایسے مقام پر پایا گیا جہان اور کوئی انسان نہ تھا۔ اب اس باریک فرق پر غور کرو کہ آنحضرت اپنی بیوی کے ساتھ جا رہے تھے لیکن پھر بھی آپنے ضروری

سمجھا کہ اس پاک اور نازک تعلق کے مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کیلئے جو آپ کے مریدوں اور آپکے درمیان تھا کسی کو امکانی طور پر بھی شک کی گنجایش نہیں ہونی چاہئے۔ برعکس اس کے یسوع باوجود اس کے کہ شادی بھی نہ ہوئی ہوئی تھی اور انجیلوں کے بیان کے مطابق شراب کے استعمال سے بھی پرہیز نہ کرتا تھا ایک مشہور برے چال چلن کی عورت کے ساتھ اکیلا گفتگو کرتا ہوا پایا گیا لیکن اس نے کچھ بھی خیال نہ کیا کہ ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے اسے اس حالت میں دیکھا ہوگا کیا خیالات گذرے ہونگے حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس کے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہی جا رہے تھے اسقدر محتاط ثابت ہوئے۔ ایک ایسی غیور آدمی کی نسبت جو اپنی عصمت کی حفاظت میں ہر وقت محتاط ہی ایسے الزام لگانا جیسا کہ زینب کے معاملے میں آنحضرت پر لگایا گیا ہے پادریوں کی شرارت ہی۔ انہیں واقعات سی یہ بھی پتہ ملتا ہے کہ آپکے صحابہ کو کیوں آپکی کامل استبازی پر پورا یقین تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی راہ میں اپنی جان قربان کرنیکو کچھ بھی مشکل نہ سمجھتے تھے لیکن برخلاف اس کے یسوع کے مریدوں کو ایسا موقعہ ہی نہیں ملا کہ وہ اس کی کامل راستبازی پر پورا یقین حاصل کریں اور اسی لئے جب ذرا سی تکلیف یسوع کو پہونچی تو بعض نے اسے پکڑوا دیا بعض نے لعنت بھیجی اور باقی سب بھاگ گئی اس سی صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو کامل یقین صحابہ کو آنحضرت کی راستبازی کی نسبت تھا۔ اس کا عشر عشیر بھی یسوع کے مریدوں کو یسوع کی نسبت حاصل نہیں ہوا ان کی یہ کمزوریاں جنکا ذکر انا جیل میں موجود ہے ان کی ایمانی کمزوریوں کی وجہ سے تھیں۔ یہاں ہم پادری مانرو سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر یہی واقعات جو یسوع کی نسبت انجیلوں میں لکھے ہیں کسی اور نبی کی نسبت ہوتے تو اس کے حق میں وہ کیا کیا عیب جوئی کرتا اس جواب دینے وقت مانرو کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یسوع کے ہمعصروں کی رائے یسوع کی نسبت کیا تھی اور اس آیت کا بھی مطالع کرنا چاہئے جہاں انجیل میں لکھا ہی کہ یسوع کے ہمعصر اسے شرابی اور گنہگاروں یعنی کنجریوں کا دوست کہتے تھے +

دوسرا موقعہ جہاں پادری مانرو کے نزدیک آنحضرت کا کوئی گناہ بیان کیا گیا ہی آیت ذیل ہی۔ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ‌ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّـلۡخَآٮِٕنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۙ (سورہ نساء) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تیری طرف اتاری ہے تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس طرح فیصلہ کرے جس طرح خدا تجھے دکھاتا ہے اور دغا بازوں کی طرف سی جھگڑنیوالا کبھی مت بنو+ شاید ناظرین حیران ہوں کہ پادری مانرو اسی آیت سی آنحضرت کا کوئی گناہ ثابت کرنا چاہتے تھے۔ مگر یہاں کسی گناہ کا ذکر نہیں۔ پادری صاحب کی دلیل یہ ہی کہ چونکہ آنحضرت کو کہا گیا

ہے کہ دغابازون کیطرف سے جھگڑنیوالے مت بنو اس لئے ضرور ہے کہ پیغمبر صاحب کسی دغاباز کیلئے جھگڑے ہون مگر ایسی دلیل پادری مانرد کی بے سمجھی ظاہر کرتی ہے جب خدائے تعالے کسی نبی کو کوئی حکم دیتا ہے تو اس سے منشاء یہ نہین ہوتا کہ وہ اس کی خلاف ورزی کر چکا ہے شاید اس بیہودگی کو پادری صاحب دوبارہ غور کرکے خود ہی سمجھ لین۔ پادری مانرد نے اپنے نزدیک کوئی فاضل مفسر بھی مانا ہوا ہے جسکے پیچھے وہ بلا تحقیق چلتا ہے اور قرآن کے الفاظ پر کبھی غور نہین کرتا۔ اگر ان فاضل مفسرین نے جنکا حوالہ پادری مانرد دیتا ہے اپنی رائے بیان کی ہے تو جبتک اس کی معقولیت قرآن کے الفاظ سے نہ دکھائی جاوے وہ قابل تسلیم نہین ہو سکتی اور اگر وہ کسی روایت کی نقل کرتے ہین تو روایت کا صدق و کذب زیر بحث ہوگا۔ آیت مذکورہ بالا کی شان نزول کے متعلق ایک قصہ مختلف پیرایون مین بیان کیا گیا ہے اور اگرچہ ان مین سے کوئی روایت بھی حدیث کے اعلیٰ درجہ کے صحیح طبقہ مین سے نہین ہے لیکن وہ روایت جسی کسیقدر تسلیم کیا جاسکتا ہے وہی ہے جسے جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب لباب النقول فی اسباب النزول مین بیان کیا ہے اور وہ اس طرح پر ہے کہ ترمذی اور حاکم وغیرہما نے قتادہ بن نعمان سے روایت کی ہے کہ ہم مین سے کچھ لوگ تھے جنکو بنو ابیرق کہتے تھے۔ بشر بشیر مبشر۔ اور بشیر ایک منافق آدمی تھا جو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا اور پھر ان شعرون کو دوسرون کیطرف منسوب کر دیتا تھا اور یہ لوگ اسقدر حاجتمند تھے کہ جاہلیت مین اور اسلام مین فاقہ تک ان کی نوبت پہونچی رہتی تھی۔ اور لوگون کا کھانا مدینہ مین کھجورین اور جو تھے۔ میرے چچا رفاعہ نے ایک بوجھ درمک کا خریدا اور اسکو ایک مکان مین رکھدیا جہان اس کے سلاح اور تلوار وغیرہ بھی تھے اس مکان مین نقب لگی اور طعام اور سلاح دونون چرائے گئے۔ صبح کو میرا چچا آیا اور کہا کہ ہمارے مکان مین نقب لگی ہے اور ہمارا طعام اور سلاح دونون چوری چلے گئے ہین پس ہمنے گھر مین تلاش شروع کی اور پوچھنے لگے تو ہمکو کہا گیا کہ رات کو بنو ابیرق آگ جلاتے دیکھے گئے ہین اور ہمارا خیال ہے کہ وہ تمہارا ہی طعام تھا۔ بنو ابیرق نے کہا کہ ہمارے خیال مین چور لبید بن سہل ہے اور یہ شخص ہم مین سے تھا جسکے متعلق صلاحیت اور اسلام بیان کیا جاتا تھا۔ جب لبید نے سنا تو اس نے تلوار کھینچ لی کہ مین اور چوری کرون۔ خدا کی قسم مین تم کو تلوار سے ہلاک کر دونگا ورنہ اس چوری کو کھولو۔ بنو ابیرق نے کہا کہ ہمپر ملامت کرو ہم تمکو چور نہین کہتے پھر ہم گھر مین پوچھنے لگے۔ یہانتک کہ ہمین کوئی شک باقی نہ رہا کہ بنو ابیرق نے ہی یہ کام کیا ہے میرے چچا نے مجھے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپکے پاس یہ ذکر کرو سو مین آنحضرت کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اس طرح سے ہم مین سے کچھ اہل بیت

ہیں جنہوں نے میرے چچا کے مکان میں نقب لگا کر طعام اور ہتھیار نکال لئے ہیں طعام کی تو اب ہمیں حاجت نہیں لیکن ہمارے ہتھیار ہمیں واپس دیدیں آپنے فرمایا کہ میں غور کرونگا۔ جب بنو ابیرق نے یہ سنا تو ایک آدمی کے پاس آئے جسکو اسیر بن عروہ کہتے تھے اور اس معاملہ میں اس کے ساتھ گفتگو کی پس چند آدمی اس مکان کے رہنے والوں میں سے جمع ہوگئے اور کہا کہ یا رسول اللہ قتادہ بن نعمان اور اسکا چچا ہم میں سے چند آدمیوں کو جو اہل صلاح اور مسلمان ہیں چوری کا الزام لگاتے ہیں اور انکے پاس کوئی دلیل یا ثبوت اس امر کا نہیں ہے قتادہ کہتا ہے پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپنے فرمایا کہ کیا تو ان لوگوں پر جنکو اہل صلاح اور مسلمان کہا جاتا ہے بغیر دلیل اور ثبوت کے چوری کا الزام لگاتا ہے میں واپس آیا اور اپنے چچا کو خبر دی اسنے کہا اللہ ہی مددگار ہے ابھی عرصہ نہ گذرا تھا کہ قرآن شریف کی یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ الآیہ"

اب اس تمام قصہ میں سے پادری مانرو کو چاہیئے کہ وہ الفاظ پیش کرے جہاں رسول خدا کے کسی گناہ کا ذکر ہے۔ جو کچھ آنحضرت نے کیا واقعات کے ماتحت وہ بالکل حق تھا۔ قتادہ نے اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہیں کی اور نہ ہی وہ اپنے دعوے کو ثابت کرسکا کیونکہ جب آنحضرت نے اس سے ثبوت مانگا تو وہ خاموش ہوکر چلا گیا اور اس کے چچا نے بھی ثبوت اور شہادت ضروری سے مایوس ہوکر یہی کہا کہ اب اللہ ہی ہماری مدد کریگا۔ بحیثیت ایک جج کے آنحضرت قتادہ کا دعوے خارج کرنے میں بالکل حق پر تھے کیونکہ اسنے کوئی شہادت پیش نہیں کی۔ جج کسی مقدمہ کا فیصلہ صرف شہادت کے روسے ہی کرسکتا ہے اور اگر اسکے سامنے کوئی شہادت نہ ہو تو وہ دعویٰ کو خارج کرکے عین انصاف اور حق کی کارروائی کرتا ہے اگر درحقیقت ایسا فیصلہ ٹھیک نہ ہو تو جج قابل الزام نہیں بلکہ دعویٰ کرنیوالا قابل الزام ہے کہ کیوں اسنے ضروری شہادت پیش نہیں کی۔ اسلئے اگر آنحضرت کا ارادہ قتادہ کے خلاف فیصلہ کرنے کا تھا بھی تو بھی آنحضرت پر اسمیں کوئی الزام نہیں آسکتا۔ یہ کسقدر بیوقوفی ہے کہ یہ کہا جائے کہ چونکہ ثبوت کے نہ ہونیکی وجہ سے آنحضرت ایک دعوے کو خارج کرنا چاہتے تھے اسلئے آپ گنہگار ہیں۔ کیا کہیں آپکو خدا نے یہ حکم دیا تھا کہ جس دعوے کی شہادت مدعی پیش نکرے اسکا فیصلہ مدعی کے حق میں دینا چاہیئے۔ انبیاء پر نکتہ چینی کی عادت نے پادری مانرو کو اس بیہودگی کیلئے مجبور کیا ہے ورنہ وہ منہ سے نکالنے سے پہلے ضرور اس بات کو سوچ لیتا۔

اگر آنحضرت قتادہ کے خلاف فیصلہ کر بھی دیتے تو وہ بالکل حق بجانب ہوتے کیونکہ جج کا کام صرف شہادت پیش کردہ پر غور کرنا ہے لیکن وحی الہی نے فی الفور آپ کو اطلاع دیدی کہ اگرچہ مدعی کے پاس ثبوت کوئی نہیں

لیکن حق پر رہی ہے اس لئے آپنے اسی کے مطابق فیصلہ دیا جو اللہ تعالیٰ نے آپکو دکھایا تھا اور آپ دغابازوں کی طرفدار کبھی نہیں بنے نہ کبھی ایسا ارادہ کیا بلکہ یہ الفاظ کہ لَاتَکُنْ لِلْخَائِنِیْنَ خَصِیْمًا + آنحضرت کے دل کی اصلی حالت سے آگاہ کرتے ہیں کہ وہ پاک دل کبھی دغابازوں کا طرفدار ہو ہی نہیں سکتا۔ اس طرح پر آیت مذکورہ بالا آنحضرتؐ کے منہ میں یوں ہوگی کہ خدا نے مجھپر حق کیساتھ یہ کتاب اتاری ہے تا کہ لوگوں کے درمیان میں اسی طرح فیصلہ کروں جس طرح اللہ تعالیٰ مجھے دکھائے۔ اور میں کبھی بھی دغابازوں کا طرفدار نہیں ہونگا۔ ایک سمجھدار آدمی پادری ملنز پر تعجب کریگا کہ کہاں سے گناہ کا نتیجہ نکالا ہے + (باقی آئندہ)

اخبار اپی فینی

اور

مسلمانوں کا اعتقاد دوزخ کے متعلق

مذہب عیسائی میں کفارہ کے بہانے سے جو آزادی دیگئی ہے وہ کبھی نہ کبھی کسی مسلمان کیلئے باعث ترغیب ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے تمام گناہوں کو خون مسیح میں ڈبو کر بالکل لاپروا ہو جاوے۔ ایک شخص اخبار اپی فینی میں لکھتا ہوا۔ ۱۸ جولائی کے پرچے میں کہتا ہے کہ قرآن شریف کی یہ تعلیم ہے کہ تمام انسان خواہ نیک اور خواہ بد دوزخ کی آگ میں جلائے جائینگے اور اس سے کفارے کی ضرورت کا نتیجہ نکالا گیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن شریف کی اسی تعلیم نے پادری عماد الدین کے دلپر یہ اثر کیا تھا کہ اسنے اسلام کو چھوڑ کر عیسائی مذہب کو قبول کیا۔ چونکہ پادری صاحب مر چکے ہیں اس لئے ہم اس وقت ان کی تبدیلی مذہب کے وجوہ کو ظاہر نہیں کرتے مگر ہم حیران ہیں کہ اگر بفرض محال یہ صحیح بھی ہو کہ مذہب اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ سب لوگ دوزخ کا مزہ چکھے بغیر نہ رہینگے تو کفارے کی سچائی اس سے کیونکر ثابت ہو سکتی ہے ان باتوں کی کہ "ایک منجی پہنوکے گناہ اٹھانے کیلئے بھیجا گیا" یا "خدا نے مسیح میں ہو کر دنیا سے صلح کی" عقلمندوں کے نزدیک ایک دیوانے کی بڑ سے بڑھکر کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ تعجب ہے کہ پادری صاحبان جب کفارے کی گفتگو شروع کرتے ہیں تو کیسی آسانی سے عقل کو لات ماردیتے ہیں اگر کسی مسلمان مفسر نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کے ایمان کی قوت سے آگ انکے لئے ٹھنڈی کر دیجائیگی تو اسپر اپی فینی کا نامہ نگار ہنستا ہے لیکن کفارے کے بے سروپا مسئلہ پر اسے کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا مذہب میں اس قسم کے اصول کہ ایک شخص آکر سب کے گناہ لے گیا اور سب کو فارغ کر گیا سخت نقصان دہ ہیں اور بیقیدی کی زندگی کیطرف انسانوں کو مائل کرتے

ہاں مگر افسوس تو یہ ہے کہ جب یہ لوگ اپنے آپ کو پاک نہین کر سکتے تو پھر اپنے مسیح مین خدا کو دوزخ مین بھیجنے سے دریغ نہین کرتے اگر یہ مان بھی لین کہ اسلامی تعلیم یہی ہے کہ سب لوگ دوزخ مین جاوینگے تو کیا یہ سچ نہین ہے کہ عیسائی تعلیم نے تمام آدمیون کے علاوہ اپنے خدا کو بھی دوزخ مین بھیجکر اسکو اور بھی بھیانک بنا دیا ہے۔ اگر پادری صاحبان یہ کہین کہ خدا گنہگارون کے بچانے کے لئے دوزخ مین گیا تو کیون جائز نہین کہ کوئی نیک آدمی اپنے گنہگار بھائیون کو بچانے کے لئے دوزخ مین جائے +

اب ہم اس قرآنی تعلیم کو دیکھتے ہین۔ ابتدا سے ہی اسلام مین کسی کا مذہب یہ نہین ہوا کہ راستباز نار جہنم مین جائے جاوینگے آیت اِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کو قرآن شریف کی اس دوسری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہئیے جسمین لکھا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَھَا وَھُمْ فِیْ مَا اشْتَھَتْ اَنْفُسُھُمْ خٰلِدُوْنَ + لَا یَحْزُنُھُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ۔ جسکا ترجمہ یہ ہے کہ یقیناً وہ لوگ جن کیلئے پہلے سے ہی ہم نے نیک بدلہ مقرر کر چھوڑا ہے وہ دوزخ سے بہت دور رہین گے۔ اس کی آہٹ تک بھی نہین سنین گے۔ اور ہمیشہ کیلئے ایسی زندگی بسر کرینگے جو انکے دل چاہتے تھے۔ یہ بڑی گھبراہٹ انکو غم مین نہ ڈالے گی اور فرشتے آگے سے ان کی ملاقات کرینگے"۔ کیا اس سے زیادہ صاف اور واضح الفاظ کی ضرورت ہے جن سے ثابت ہو کہ راستباز جہنم مین کبھی نہ جلائے جائینگے۔ اس آیت مین کئی باتین بیان کی گئی ہین۔ اول یہ کہ راستباز دوزخ سے بہت دور رہین گے اور اس لئے اسے دیکھین گے بھی نہین۔ دوسرے یہ کہ وہ اس کی آہٹ کو نہین سنین گے۔ تیسرے یہ کہ اسکے عذاب کو وہ محسوس نہین کرینگے پس جب یہ تینون باتین قرآن کریم کے صاف اور واضح الفاظ سے ثابت ہین تو پھر مفسرین کا اختیار ہے کہ اس آیت کو مدنظر رکھکر اس طرح پر آیت زیر بحث کی تفسیر کرین جو انکی رائے مین ٹھیک ہو۔ ان تشریحون کو یہ کہنا کہ یہ ایک سخت مشکل کو ٹالنے کیلئے کوششین ہین۔ معترض کی اپنی حماقت ہے۔ قرآن کریم کے معنے کرنے مین مدنظر رکھنا اس امر کا ضروری ہے کہ وہ معنے کسی دوسرے مقام کے مخالف نہ ہون۔ اب جب قرآن شریف صاف صاف کہتا ہے کہ راستباز نہ دوزخ کو دیکھین گے نہ اس کی آواز سنین گے نہ اسکا عذاب چکھینگے تو نیک نیت معترض کو چاہئیے کہ اس مقام پر ٹھہر کر پہلے غور کرے کہ اسکا اعتراض کہانتک صحیح ہے۔ لیکن پادری صاحبان اعتراض کرتے وقت کبھی ایمانداری اور نیک نیتی سے کام نہین لیتے۔ وہ اپنے مذہب کے ہر ایک عیب کو چھپانے اور دوسرے مذاہب کو ناحق اعتراضات کا نشانہ بناتے ہین۔ ہم یہ نہین کہتے کہ انھین مفسرین کی ہر ایک رائے کو تسلیم کر لینا چاہئیے بلکہ قرآن شریف کے الفاظ پر پوری توجہ کرنی چاہئیے اِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کے معنون مین اگر کوئی مشکل اٹھین

نظر آتی تھی تو چاہئے تھا کہ قرآن شریف کو پڑھکر دیکھتے پھر انہیں معلوم ہو جاتا کہ اس آیت کے معنی کسیصورت مین یہ نہین ہو سکتے کہ راستباز جہنم مین جلائے جاوینگے اگر معنے کرنیوالے کیلئے اس آیت مین ایک مشکل کا سامنا ہے تو یہ کونسی عجیب بات ہے کیا بائیبل ایسی مشکلات سے خالی ہے اگر نامہ نگار مذکور خیال کرتا ہے کہ واقعی بائیبل مین کوئی ایسی مشکل نہین تو جسقدر مثالین وہ چاہیگا ہم پیش کر دینگے لیکن یہ ہم نے بطریق تنزل مانا ہے کہ اس آیت مین کوئی خصوصیت سے مشکل ہے +

اب ہم اصل الفاظ آیت کو لیکر دکھاتے ہین کہ اسکے معنوں مین کوئی بڑی مشکل در پیش نہین۔ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا یعنی تم مین سے کوئی نہین جو اس مین (یعنی دوزخ مین) نہ جائے پس سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس جگہ مخاطب کون لوگ ہین کیا اس سے مراد ساری دنیا ہے۔ یا صرف بدلوگ یا صرف راستباز اور مومنین۔ ایپی فینی کے نامہ نگار کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ اس سے صرف راستباز ہی مراد ہین۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "دوزخ کیلئے جو لفظ اس آیت سے پہلے استعمال کیا گیا ہے وہ جہنم ہے جو مسلمان متکلین کے نزدیک دوزخ کا وہ طبقہ ہے جہان مسلمانوں کو انکے گناہون کے بدلے سزا بھگتنی ہوگی قبل اسکے کہ وہ جنت مین داخل ہون" پھر اس سے آگے اسکا بیان ہے کہ قرآن سات درجہ دوزخ کے بیان کرتا ہے لیکن خود اس نے صرف چھ کے نام لئے ہین۔ امر واقع یہ ہے کہ یہ چھ نام یعنی جہنم۔ لظی۔ حطمہ۔ سعیر۔ جحیم۔ اور ہاویہ دوزخ کے ہی الگ الگ نام ہین اور قرآن شریف مین کہین نہین لکھا کہ یہ دوزخ کے طبقونکے نام ہین جہان الگ الگ قسم کے کافر رکھے جاوینگے۔ اس سے زیادہ چھ طبقون کے متعلق (ساتوین کا تو پادری صاحب نام نہین لیتے شاید وہ انہون نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے) ہم کچھ نہین کہنا چاہتے کیونکہ پادری صاحبان کبھی شرمندہ نہین ہوتے خواہ کتنی دفعہ ثابت کیا جاوے کہ وہ قرآن شریف سے محض جاہل ہین اور نہ ہی سمجھ سوچکر اعتراض کرتے ہین۔ یہان ہماری غرض ناظرین کو اس امر کیطرف توجہ دلانیکی ہے کہ یہ عیسائی نامہ نگار بڑی چالاکی سے یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا مین جو حتمی وعید ہے اسمین صرف مسلمان ہی شامل ہین کیونکہ نام صرف جہنم کا لیا گیا ہے جو اسکے نزدیک مسلمانونکے لئے مخصوص ہے اور باقی حصے جنمین اسکے نزدیک عیسائی۔ بت پرست۔ مجوسی یہودی منافق ہونگے۔ انکا یہان ذکر نہین کیونکہ ان طبقات کے یہان نام بھی موجود نہین ہین اسطرحپر پادری صاحب قرآن شریف سے ثابت کرتے ہین کہ خدا نے اسے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ ہر ایک مسلمان کو ضرور ضرور دوزخ مین بھیجیگا البتہ کافرونکو دوزخ مین بھیجنا اس موکد طور پر اس نے اپنے اوپر لازم نہین کیا اس لئے شاید وہ چھوڑ دئے جاوین تو چھوڑ ہی دیئے جاوین۔ گویا نتیجہ پادری صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان ضرور دوزخ مین جائیگا اگرچہ کافر ان

مین سے بعض کے بیچ جانیکا امکان ہے بھلا اس سے بڑھکر بھی کوئی کافرون کیلئے اسلام مین داخل ہونیکے واسطے تحریص ہوسکتی تھی۔ پادری ڈبلیو جی صاحب سب سے لائق پادری ہے جو کبھی ہندوستان مین آیا ہو۔ اگر آج یہ پادری صاحب جو اپنی قوم کیلئے جائی فخر ہین ہندوستان مین نہ ہوتے تو یہ عظیم الشان فتح عیسائی مذہب کو اسلام پر کسطرح حاصل ہوسکتی۔ پادریصاحبان کیلئے اس شخص کا وجود اس زمانہ مین غنیمت ہے اور اپنی اس خوش قسمتی پر کہ انکے درمیان ایسا آدمی موجود ہے وہ جتنا ناز کرین کم ہے +

یہ تو ہین ایپی فینی کے نامہ نگار کے توہمات۔ قرآن شریف کو دیکھتے ہین تو اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ اس آیت زیربحث مین اسکے مخاطب کون لوگ ہین۔ چند آیتین پیچھے یہ آیت ہے۔ وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا " اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب مین مرجاؤنگا تو اسکے بعد پھر زندہ کرکے اٹھایا جاؤنگا" مگر ہر ایک انسان تو یہ نہین کہتا۔ آنحضرت اور آپکے صحابہ تو یہ نہ کہتے تھے پس الانسان سے یہان مراد یوم البعث کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے۔ چنانچہ اسکے بعد فرماتا ہے " قسم ہے تیرے رب کی کہ ہم ان (منکرین) کو اور شیطانونکو (جنھون نے انہین گمراہ کیا) اکٹھا کرینگے پھر انکو دوزخ کے گرد گھٹنونکے بل حاضر کرینگے۔ پھر ہم ہر فرقہ مین سے جدا کرینگے جونسا انمین سے سخت اکڑ رحمان سے رکھتا تھا پھر ہمکو خوب معلوم ہین وہ لوگ جو اس مین جلائے جانیکے زیادہ قابل ہین (یعنی جیسا جیسا کوئی رحمان سے زیادہ اکڑ بازی کریگا ویسی ہی سخت سزا اسکو دیجاویگی)" اسکے بعد وہ آیت آتی ہے یعنی اِنْ مِّنكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا جو زیربحث ہے اور پہلی آیتین صاف بتارہی ہین کہ یہان مخاطب وہی لوگ کئے گئے ہین جن کا پہلے بطور غائب ذکر ہے۔ وہی لوگ جنکی نسبت قرآن شریف پہلی آیت مین کہہ چکا ہے کہ انکو گھٹنونکے بل دوزخ کے گرد اکٹھا کیا جاویگا اور یہ منکرین اور شیاطین کا گروہ ہے۔ انہین کو یہ کہا جاتا ہے کہ جسطرح وہ انکار پر سختی سے قائم ہین ویسا ہی یقینی اور مضبوط امر یہ ہے کہ وہ نیامت کو اٹھائے جاوینگے اور انکو انکے بداعمال کی سزا دیجاویگی۔ پس یہ حتمی وعید عذاب کا بھی انہین لوگ کیلئے ہے +

اب چند اعتراضونپر جو ان معنونپر کئے جاتے ہین غور کرنا باقی ہے ان معنونکی تردید مین کہا جاتا ہے کہ اسکے بعد یہ آیت ہے ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا جسکے معنی یہ کئے جاتے ہین کہ اسکے بعد ہم متقیونکو چھوڑ دینگے اور نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے کہ اس لئے متقی بھی دوزخ مین رہ چکے ہونگے تو ہی یہ الفاظ انپر صادق آسکتے ہین مگر اسجگہ ثُمَّ کے معنی کرنیمین غلطی کیجاتی ہے۔ ثُمَّ کے معنی ہمیشہ یہی نہین ہوتے کہ ایک واقعہ جو دوسرے واقعہ سے بعد ہوا اسی کیساتھ ثم لگایا جاتا ہے بلکہ ایک بالکل نیا ذکر بھی جو ترتیب مین پیچھے نہین ہوتا ثُمَّ سے شروع کردیا جاتا ہے اسکی مثال سورہ انعام مین موجود ہے

آنحضرت کا ذکر کرتے کرتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہی۔ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ کوئی سمجھدار آدمی اسکے یہ معنی نہین کریگا کہ اسکے بعد (یعنی آنحضرت کے بعد) ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ بلکہ یہان صاف معنی یہ ہین کہ اب ہم ایک نیا ذکر شروع کرتے ہین کہ ہمنے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی یا جیسا کہا جاتا ہی کہ اور سنو۔ ایسا ہی اس جگہ بھی ہی۔ لفظ ننجّی سے بھی یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ وہ عذاب مین گرفتار ہو چکی ہونگے اور پھر انکو نجات دیجاویگی بلکہ اسکے معنی صرف یہ ہین کہ انکو دوزخ سی بچایا جاویگا۔ قرآن شریف مین اسکی مثالین موجود ہین جب فرشتے لوط کے پاس آئے تھے تو وہ کہتے ہین اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اسکا یہ مطلب نہین کہ تھوڑے سی عذاب مین تمکو گرفتار کرکے اسکے بعد چھوڑ دینگے بلکہ یہ کہ ہم اس عذاب سے جو مجرمین پر آنیوالا ہی تمکو بالکل بچا لینگے ایسا ہی ان الفاظ سی کہ وَنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ”اور ظالموں اسکے اندر ہم گھٹنوں کے بل چھوڑ دینگے“۔ یہ نتیجہ نکالنا کہ متقی گھٹنوں کے بل دوزخ مین نہین چھوڑے جاوینگے اور پھر ان الفاظ سی یہ مطلب نکالنا کہ وہ دوزخ مین ڈالکر نکالے جاوینگے اور اس طرح پر چھوڑنے کا لفظ انپر صادق آئیگا۔ محض خیالات اور توہمات ہین۔ حق بات یہ ہی کہ اسجگہ متقیوں اور ظالموں کا ذکر پہلو بہ پہلو کرکے انکی حالتوں کا مقابلہ کیا گیا ہے کہ ایک گروہ متقیوں کا ہی جو نجات پائیگا اور دوسرا گروہ ظالموں کا ہی جو گھٹنوں کے بل دوزخ مین چھوڑا جاویگا۔ اسکی مثالین بھی بکثرت قرآن شریف مین موجود ہین چنانچہ اسی سورۃ مین آگے چلکر فرماتا ہے۔ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا۔ اسدن ہم متقیوں کو رحمٰن کے پاس مہمانونکی طور پر اکٹھا کرلاوینگی اور مجرمونکو جہنم کیطرف پیاسے ہانک لیجاوینگے“۔ ایسا ہی سورہ زمر مین فرماتا ہی وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا... وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا۔ اور کافر جہنم کیطرف گروہ کے گروہ کرکے ہانکے جاوینگے اور راستبار جنت کیطرف گروہ کے گروہ کرکے بلائے جاوینگے“۔ یہان بھی وہی مقابلہ متقیوں اور کافروں کا دکھایا گیا ہی جو آیت زیربحث کی مابعد کی آیت مین ہے۔ ان سب آیتون مین یہ صاف طور پر دکھایا گیا ہے کہ متقی اور کافر دو مختلف سمتوں مین چلائے جائینگے ایک جنت کیطرف اور دوسرے جہنم کیطرف +

بالآخر ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہین کہ اگر خطاب اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا مین کل دنیا کو ہو تو وہ معنی جو محقق مسلمان مفسرین نے کئے ہین انہین کسی اعتراض کی گنجائش نہین۔ پادری صاحبانکو ہم یہ نصیحت کرتے ہین کہ وہ قرآن شریف پر ذرا زیادہ غور کرنیکی عادت ڈالین اندھا دھند اعتراض کرنیسے آخر انھین خود ہی شرم اٹھانی پڑتی ہی یہ بھی انھین سمجھ لینا چاہئیے کہ ان نکتہ بازیوں سی کفارہ کا مسئلہ حل نہین ہو جاویگا۔ انکو چاہئیے کہ اگر وہ واقعی سچائی کے طالب ہین کفارہ کے مسئلہ کے سمجھنے کیلئے کوئی راہ کھولنا چاہتے ہین تو اسے عقلی دلائل کے ساتھ پیش کرین +

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طَور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۳ء نمبر ۹

فہرست مضامین

انجمن اشاعۃ اسلام قادیان نے انوار الاسلام پریس قادیان دار الامان میں باہتمام منشی محمد افضل احمدی

۲۰ ستمبر ۱۹۰۳ء کو چھپوا کر شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عیسائی مذہب پر ایک خاص ریویو

از حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۔ تثلیث

عیسائی مذہب کے حامی اِس زمانہ میں عصمتِ مسیح اور کفارہ خُون مسیح کا مسئلہ پیش کرکے یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ گویا تمام مدارِ نجات اِسی پر ہے کہ مسیح ابن مریم کو خُدا تعالیٰ کا بیٹا مان لیا جائے جو گناہوں سے پاک ہے اور انسانوں کی رہائی کیلئے مصلوب ہو چُکا ہے۔ لیکن سچ بات یہ ہے کہ اب وہ زمانہ گذر گیا ہے کہ لوگ اِن مصنوعی باتوں سے کچھ تسلی پاسکیں بلکہ سچائی کے پوشیدہ چشمے اب ایسے زور سے پھُوٹ رہے ہیں کہ بند کرنا اِن کا غیر ممکن ہے۔ بہتر تو یہ تھا کہ یہ لوگ اب تثلیث اور کفارہ کو الوداع کہتے اور اُن سچائیوں کا مقابلہ نہ کرتے۔ جو ایک فوج کرّار کیطرح آسمان سے اُتر رہی ہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ پادری صاحبان ان سخت نامعقول باتوں سے گھبراتے نہیں ہیں جنکو زمانہ دھکّے دے رہا ہے۔ جن لوگوں کی قدیم کتابوں کی بنا پر یہ لوگ ایک عاجز انسان کو خُدا بنانا چاہتے ہیں یعنی یہودی جو اصل وارث بائیبل کے ہیں وہ انکے عقیدہ سے بیزار دل بیزار ہیں اور یہ بات خود سمجھ نہیں آسکتی کہ اگر درحقیقت یہودیوں کو مسلسل طور پر یہ

اور خدا کی مقدس کتابوں کے وسیلہ سے یہی تعلیم ملتی آئی تھی کہ خدا درحقیقت تین ہیں جنہیں سے ایک مریم کا بیٹا ہے تو اس صاف اور صحیح تعلیم سے اُنہوں نے وقت پر انکار کیوں کیا اور کیوں انکار پر اتفاق ہو گیا۔ کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ چودہ سو برس تک یہودی اس اعتقاد پر جمے رہے کہ خدا تین ہیں اور نجات خون مسیح پر موقوف ہے اور پھر حضرت مسیح کے ظاہر ہونے سے انہوں نے اس پرانے اعتقاد سے انکار کر دیا۔ اور اسقدر لمبے زمانہ تک جو تعلیم ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تھی اس کو وہ یکلخت بھول گئے ہاں یہ ممکن تھا کہ وہ ابن مریم کو خدا نہ ٹھہراتے اور آئندہ کسی اور خدا کے منتظر رہتے جو تین میں سے ایک ہوتا اور کسی عورت کے پیٹ میں سے پیدا ہونیوالا ہوتا۔ مگر یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ ایسی متوارث اور مسلسل تعلیم کو بھول جاتے جو ان کی نجات کا مدار تھی اور جو برابر نبیوں کے ذریعہ سے چودہ سو برس تک انکو دی گئی تھی اور بجائے اسکے ایک ایسی توحید پر جم جاتے جو قرآنی توحید کے موافق ہے۔ اس بات کو تو کوئی عقل قبول نہیں کریگی کہ درحقیقت یہ تعلیم تین خداوالی توریت اور دوسرے نبیوں کے صحیفوں میں موجود ہے کیونکہ اگر یہ سچ ہے کہ یہی تعلیم توریت کی ہے اور ہمیشہ اسرائیلی نبی یہی تعلیم اپنی اُمت کو ہر ایک زمانہ میں دیتے رہے تھے اور ان کے بچوں کو یہی تعلیم مدارس میں سکھلائی جاتی تھی کہ تمہارا خدا عیسٰے ہے جو ایک عورت مریم نام کے پیٹ سے پیدا ہوگا تو پھر ہمیں ایک ایسے تواتر سے انکار کرنا پڑیگا جو اجلی بدیہیات کیطرح روشن ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ قدیم سے یہودی اپنی تالیفات اور تفسیرات کے ذریعہ سے یہی شہادت دیتے آئے ہیں کہ انکا خدا واحد لاشریک ہے۔ اور بیٹے سے پاک ہے۔ اور جو کوئی عورت سے پیدا ہوا ہو وہ خدا نہیں پھر جس حالتمیں بقول عیسائیاں ہر ایک نبی انکو تثلیث کی تعلیم دیتا آیا ہے تو وہ کتابیں ان کی کہاں گئیں جنمیں اُنہوں نے گواہی دی کہ ہمیں یہی تعلیم ملی تھی اور ایسی کھلی کھلی تعلیم کیونکر چھپ گئی حالانکہ خدا نے نبیوں کے بھیجنے میں کچھ فرق نہیں کیا تھا اور موسے سے یحییٰ یعنی یوحنا نبی تک متواتر نبی آئے اور ان کا اصل کام یہی تھا کہ وہ تعلیم جو مدار نجات ہے یہودیوں پر ظاہر کریں پس اُنہوں نے کیا ظاہر کیا۔ پس اس بات میں کچھ بھی کلام نہیں کہ جس تعلیم کو توارث کے طور پر یہودی پاتے آئے ہیں وہ توحید ہی ہے۔ جیسا کہ یہودی آجتک یہی کہتے ہیں اور ہمنے خود ان کے فاضل اور اہل علم اور بڑے بڑے نامی سرگروہوں سے دریافت کیا وہ بالاتفاق تثلیث کو کفر جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ درحقیقت ہمیشہ سے توحید کی تعلیم انکو ملتی رہی ہے۔ اور توریت اور دوسری کتابوں کے تعلیمی حصہ کے جس طور سے قدیم زمانہ سے یہودی معنے کرتے آئے ہیں وہی معنے درست ہیں ہاں ممکن بلکہ قریب قیاس ہے کہ وہ پیشگوئیاں جو آنیوالے زمانہ میں نبیوں کے حق میں تھیں کہ وہ ظاہر ہونگے

ان میں سے بعض کا مصداق مقرر کرنیمیں غلطی ہو گئی ہو کیونکہ پیشگوئیوں کی تفہیم اکثر اجمالی ہوتی ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک نبی پیشگوئی کرنیوالا بھی اسکی تفصیل بیان کرنے سے عاجز ہوتا ہے کیونکہ وہ علم غیب ہے اور بجز خدا تعالیٰ کے کسی کا اسپر احاطہ نہیں اور نہ خدا تعالیٰ پر واجب ہے کہ قبل از وقت اسکی تفصیل بیان کرے ہر ایک چیز کا پورا ظہور خدا نے وقت پر رکھا ہوا ہے۔ پس قبل از وقت کسی پیشگوئی کے معنے سمجھنے میں احتمال خطا کا رہتا ہے لیکن تعلیم جو مدار نجات ہے وہ اصل فرض نبی کا ہوتا ہے اسکو ہمیشہ خدا کے نبی کھولکر سمجھاتے ہیں اور اسی غرض سے بنی اسرائیل میں کثرت سے نبی آئے تا تعلیم کو بار بار بیان کرکے دلوں میں منقوش کر دیں۔

ہاں اگر موجودہ انجیلوں پر اعتبار کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح نے اپنے تئیں خدا کے بیٹوں میں شمار کیا ہے لیکن قطع نظر اس سے کہ یہ انجیلیں بباعث کثرت تحریف ایک ردی کی طرح ہیں اس قسم کے خطاب خدا تعالیٰ کیطرف سے نبیوں کیلئے کوئی نئی بات نہیں تمام اسرائیلی نبی خدا کے بیٹے ہی کہلاتے رہے۔ مسیح ابن مریم میں کوئی ایسی بات نہیں کوئی ایسا معجزہ ہے جس سے اسکی خدائی ثابت ہو سکے۔ اور انسانیت کے لوازم اس میں اسقدر ہیں جیسا کہ انسانوں میں ہوتے ہیں مخلوق کی سب سے بڑھکر علامت اسکی موت ہے سو مسیح مر بھی گیا مگر پھر بھی نادانوں نے اسکو خدا بنا لیا عقل اس بات کو کسیطرح سمجھ نہیں سکتی کہ خدا ہوا اور پھر مر جائے اور باوجودیکہ تینوں خدا ایک ہیں پھر اسکے کیا معنے ہیں کہ انمیں سے ایک خدا مر جائے اور باقی دو زندہ رہیں بلکہ تینوں میں سے ایک کا مرجانا باقی دو کی موت کو بھی مستلزم ہے اور پھر کس طرح ممکن ہے کہ خدا کا درحقیقت بیٹا ہو اور پھر کہے کہ میں جو ابن اللہ ہوں مجھے قیامت کی خبر نہیں عجب ہے کہ خدا اور پھر جاہل اور بیعلم۔ علاوہ اسکے یہ بات بھی وجوہات مندرجہ ذیل سے غلط ثابت ہوتی ہے کہ مسیح ابن مریم مرکر زندہ ہو گیا تھا اور پھر آسمان پر چلا گیا تھا بلکہ وہ صلیب پر نہیں مرا۔

۲۔ مسیح صلیب پر نہیں مرا

اول انجیل کے دو مقام پر غور کرنے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح سولی پر ہرگز نہیں مرا چنانچہ ایک جگہ مسیح خود اپنے قصہ کو یونس بن متی کے قصہ سے مشابہت دیتا ہے بلکہ اس قصہ کو بطور نشان کے قرار دیتا ہے اب ظاہر ہے کہ یونس مچھلی کے پیٹ کے اندر نہیں مرا تھا اور نہ مردہ ہونے کی حالت میں شکم ماہی میں داخل ہوا تھا تو پھر اگر فرض کیا جائے کہ مسیح مردہ ہونیکی حالت میں قبر میں داخل ہوا تھا تو یونس کے قصہ سے اسکے قصہ کو کسی طرح مشابہت نہیں ہتی پس یہ مثال جو اپنے لئے مسیح نے پیش کی ہے ایک دانشمند کیلئے بشرطیکہ

اسکی عقل کسی تعصب یا عادت کے نیچے دبی ہوئی نہ ہو مسیح کیطرف سے ایک صاف گواہی ہے کہ وُہ سولی پر نہیں مرا تھا اور قبر میں زندہ داخل ہؤا تھا جیسا کہ یُونس بھی مچھلی کے پیٹ میں زندہ ہی داخل ہُوا تھا اور یُونس نبی پر جو ابتلا آیا تھا اصل جڑھ اسکی وہ پیشگوئی تھی جو قوم کی نسبت اس نے کی تھی یعنی یہ کہ چالیس دن کے اندر اُن پر عذاب نازل ہوگا اور وہ عذاب اِن پر نازل نہ ہُوا اسلیئے یُونس کے دل پر اس سے بہت صدمہ پہنچا کہ اسکی پیشگوئی غلط نکلی اور وُہ قوم سے ڈر کر کسی دُوسرے ملک کیطرف بھاگ گیا۔ اسی طرح مسیح ابن مریم پر جو ابتلا آیا اسکی جڑھ بھی اسکی وہ پیشگوئی تھی جو قوم کی نسبت اس نے کی تھی یعنی یہ کہ وُہ اس قوم پر حکمران اور بادشاہ ہو جائیگا اور داؤد کا تخت اسے ملیگا مگر وہ پیشگوئی ان معنوں کے رُو سے جو مسیح نے سمجھی پُوری نہ ہُوئی اور غلط نکلی اسلیئے مسیح کو اسکی وجہ سے بہت صدمہ پہنچا اور وہ جیسا کہ اس نے انجیل میں اشارہ کیا ہے ارادہ رکھتا تھا کہ یُونس کی طرح کسی اَور ملک کی طرف بھاگ جائے کیونکہ اس نے کہا کہ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں پس اسکے دل میں تھا کہ کسی اَور جگہ ہجرت کرکے عزت پاوے اور ہجرت انبیاء علیہم السلام کی سُنّت میں سے بھی ہے لیکن چونکہ کسی قدر قوم کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھانا اسکی قسمت میں تھا اسلیئے اس ارادہ کے پُورا کرنیکے پہلے ہی پکڑا گیا اور سولی پر کھینچا گیا مگر جیسا کہ یونس کے قصہ کے خیال سے سمجھا جاتا ہے خُدا نے اسکو اس موت سے بچالیا اور اسکی دُعا کو جو باغ میں کی تھی اسکے تقویٰ کی وجہ سے قبول کیا۔ تب اسنے اپنے اس ارادہ کو پُورا کیا جو اسکے دل میں تھا اور دوسری گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں وہ دُور دراز ملکوں کیطرف نکل گیا اسی وجہ سے اسکا یسوع آسف نام ہؤا یعنی گمشدہ قوم کو تلاش کرنیوالا۔ پھر کثرتِ استعمال سے یہ لفظ یوز آسف کے نام سے مشہور ہوگیا۔ غرض یُونس نبی سے مسیح کی یہی مماثلت تھی کہ وُہ زندگی کی حالت میں ہی یُونس کیطرح قبر میں داخل ہؤا اور نیز قوم کے ڈر سے دُوسرے ملک کیطرف بھاگا۔ اگر اس مماثلت کو قبول نہ کیا جائے تو پھر مسیح کا بیان خلاف واقع ٹھہرتا ہے اور نیز بجائے مماثلت کے منافات ثابت ہوتی ہے اور مماثلت کے قبول کرنے سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا +

پھر دوسری دلیل اس بات پر کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ اسکی وُہ دعا ہے جو اسنے باغ میں نہایت تضرع اور عاجزی سے کی تھی جس کا مفصل ذکر انجیلوں میں موجود ہے اور مَیں ہرگز سمجھ نہیں سکتا کہ اس قسم کی دُعا کہ مسیح جیسا ایک راستباز ساری رات کرے اور گریہ اور زاری اور تضرع کو انتہا تک پہنچادے تب بھی وُہ دعا قبول نہ ہو۔ دعا کا مطلب صرف یہ تھا کہ وہ سُولی سے بچایا جائے کیونکہ یہودیوں نے یہ سوچا تھا کہ مسیح کو سُولی دیکر یہ امر لوگوں کے ذہن نشین کریں کہ وہ نعوذ باللہ صادق نہیں ہے اور ان کاذبوں میں سے ہے جن پر

خُدا کی لعنت ہے یہی غم تھا جس کی وجہ مسیح نے ساری رات دعا کی تھی ورنہ اسکو موت کا کوئی غم نہ تھا اور ایسی حالت میں ضروری تھا کہ خدا تعالےٰ مسیح کی بریت کیلئے اسکی دعا منظور فرماتا سو وہ دعا منظور کیگئی۔ چنانچہ انجیل میں صریح الفاظ میں اسکا ذکر ہے کہ مسیح رات کو رُوتا رہا اور وہ جناب الٰہی میں چیخیں مارتا رہا اور ساری رات اسکے آنسو جاری رہے پس اسکے تقویٰ کی وجہ سے وہ دُعا قبول کیگئی دیکھو عبرانیوں ۵ اس مقام میں عیسائیوں کی عقل اور سمجھ پر بہت سخت تعجب ہے کہ جس حالت میں انجیل خود گواہی دیتی ہے کہ باغ والی دُعا قبول کیگئی تو پھر قبول ہونیکے بجز اسکے اور کیا معنے ہیں کہ وہ صلیب پر مرنیسے بچایا گیا +

پھر تیسری دلیل اس بات پر کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا اسکا زندہ دیکھا جانا ہے یعنی وہ بعد صلیب کے اپنے حواریوں کو ملا اور اپنے زخم دکھلائے اور ان کیساتھ گلیل کیطرف گیا اس جگہ عقل کو اس فتوے کیلئے کوئی راہ نہیں کہ وہ مر کر پھر زندہ ہو گیا کیونکہ یہ امر غیر معقول اور سخت بعید از قیاس ہے جو بودی اور کمزور شہادتوں سے ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ عقل کیلئے سہل طریق یہی ہے کہ صلیب پر اسکی جان نہیں نکلی تھی جیسا کہ اس سے پہلے بھی ایسے اتفاق کئی ہوئے تھے کہ بعض آدمی صلیب پر نہیں مرے تھے۔ پس طریق معقول کو چھوڑ کر طریق نامعقول کو اختیار کرنا سراسر سچائی سے دشمنی اور جہالت سے دوستی ہے اگر مسیح نئے سرے زندہ کیا جاتا تو اسکو قوم کا کچھ خوف نہ ہوتا کیونکہ جس خدا نے اسکو مار کر پھر زندہ کیا وہ خدا اسکو ضرور بچاتا اور اسکا یقین بڑھ جاتا۔ پھر اسکے کیا معنے ہیں کہ مسیح دوبارہ زندگی کے بعد بھی یہود سے ڈرتا رہا کہ مجھے پکڑ نہ لیں اور اپنے شاگردوں کو منع کرتا رہا کہ یہود کو میری اطلاع نہ ہو ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ پھر آکر مجھے پکڑ لیں۔ پھر عجیب در عجیب یہ بات ہے کہ مسیح کو دوبارہ خدا نے زندہ تو کیا مگر اسکے زخموں کے اچھا کرنے پر وہ قادر نہ ہو سکا اور آخر اچھا کرنے کے لئے اس مرہم کی حاجت پڑی جو آجتک مرہم عیسےٰ کے نام سے مشہور چلی آتی ہے۔

پھر چوتھی دلیل اس بات پر کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا نسخہ مرہم عیسیٰ ہے جو طب کی کتابوں میں جو ہزار کے قریب ہیں بلکہ غالباً اس سے زیادہ ہونگی ابتک پایا جاتا ہے موجود ہے اور یہ کتابیں یونانی رومی عبرانی فارسی میں موجود ہیں اور اس زمانہ سے عیسوی تاریخ کی دوسری صدی تک ان کتابوں کا پتہ ملتا ہے۔ اس نسخہ مرہم عیسےٰ کی نسبت طبیب لوگ یہ لکھتے چلے آئے ہیں کہ یہ مرہم حواریوں نے عیسےٰ کیلئے تیار کی تھی اور چونکہ اس مرہم کے فوائد میں یہ لکھا ہے کہ وہ چوٹوں کے لئے بہت مفید ہے اور زخم کو اچھا کرتی ہے اور خون جاری کو بند کرتی ہے پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مرہم حضرت مسیح کی اُن چوٹوں کیلئے تیار کیگئی تھی جو صلیب سے اسکو پہنچی تھیں یہ شہادت یعنی نسخہ مرہم عیسےٰ بڑی توجہ کے لائق ہے کیونکہ علمی کتابوں میں درج ہے

اور ہزارہا طبیب اس کی تصدیق کرتے آئے ہیں۔

پھر پانچویں دلیل اس بات پر کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ نقودیمس کی انجیل ہے جو لنڈن میں بزبان انگریزی ۱۸۲۰ء میں چھپی تھی اس انجیل کے دسویں باب میں لکھا ہے کہ رُومی سپاہیوں نے یہودیوں کو کہا کہ ہمنے سُنا ہے کہ تمنے یوسف کو جس نے یسُوع کی نعش کو کفنایا تھا ایک کوٹھہ میں بند کیا ہے جس کی کلید مہر بند کر کے رکھی تھی اور جب تم نے اس کوٹھہ کو کھولا تو یوسف کو تمنے نہ پایا۔ ہمکو یوسف کو دو جس کو تم نے ایک کوٹھہ میں بند کیا تھا تو ہم تم کو یسُوع کو (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو) دیدیں گے جس کی ہمنے قبر میں حفاظت کی تھی یہودیوں نے جواب دیا کہ ہم ہمکو یوسف کو دیدینگے تم ہمکو یسوع کو دو۔ یوسف اپنے شہر اری ما تھی میں ہے۔ سپاہیوں نے جواب دیا کہ اگر یوسف اری ما تھی میں ہے تو یسُوع گلیل میں ہے۔" اِس لفظ میں صریح اشارہ ہے کہ یسُوع یعنی حضرت عیسیٰ صلیب سے بچکر اپنے شہر گلیل میں چلا گیا تھا۔ اور اس انجیل پر کچھ موقوف نہیں مروجہ چار انجیلوں پر غور کر کے بھی اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ مسیح قبر سے نکل کر گلیل کیطرف گیا تھا پس ایک امر قریب القیاس کو چھوڑ کر جو صاف اور سیدھے طور پر معلوم ہو رہا ہے ایک اعجوبہ بعید از قیاس بنانا اور مسیح کو مار کر پھر اسکو زندہ کرنا ایک ایسا بیہودہ خیال ہے کہ کوئی عقلمند اسکو قبول نہیں کریگا کیوں یہ بات نہ مان لیجائے کہ یسُوع مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ اور مرنے کے اسباب بھی پیدا نہیں ہوئے تھے نہ اسکی ٹانگیں توڑی گئیں اور نہ وُہ بہت دیر تک صلیب پر رکھا گیا پھر کچھ تعجب کی بات نہیں تھی کہ وہ صلیب پر نہ مرتا بلکہ تعجب کی بات یہ تھی کہ باوجود ٹانگیں نہ توڑنے کے وہ صرف تین چار گھنٹہ کی مُدت میں صلیب پر مرجاتا۔ اس واقعہ کی نظیر کسی مصلوب میں نہ پاؤگے کہ وہ باوجود ٹانگوں کے نہ توڑنے کے اس قدر جلد مرگیا۔ قیاس تو یہ چاہتا تھا کہ خُدا کی جان بہ نسبت انسان کی جان کے بہت دیر کے بعد نکلتی۔ کیونکہ جس قدر خُدا اور انسان میں فرق ہے اسیقدر ان کے مرنے میں بھی فرق ہونا چاہئیے پس یہ کیا بات ہے کہ انسانوں کی تو صلیب پر چھ چھ سات سات دن کے بعد جان نکلے اور وہ جو خُدا کہلاتا تھا جس نے اپنی قوی طاقتوں سے دُنیا کو نجات دینا تھا وہ تین چار گھنٹہ میں مرجائے۔ اور یہ جواب صحیح نہیں ہے کہ کہ اگرچہ وہ خُدا تھا لیکن تمام دُنیا کے گناہ جو یکدفعہ اکٹھے ہو کر اسکی گردن پر پڑے اسلئے وُہ کمزور ہو گیا اور ان گناہوں کے بوجھ کی برداشت نہ کر سکا۔ اسلئے وہ جلد تر مرگیا۔ کیونکہ اگر وہ گناہوں کے بوجھ کی برداشت نہیں کر سکتا تھا تو کیوں اس نے ایسی فضولی کی کہ میں برداشت کرلوں گا۔ اور کیوں اس نے کہا کہ میں تمام دُنیا کے گناہ اپنے سر پر لے سکتا ہوں جس حالت میں گناہ غالب رہے

جنہوں نے بہت جلد اسکو ہلاک کر دیا اسلئے قوی طاقت کے لحاظ سے گناہ قابل تعریف ہیں کہ یسوع مسیح کہ جو ایسا جلد ان کے نیچے دب کر مر گیا جیسا کہ ایک کمزور بچہ تھوڑے سے صدمہ سے مر جاتا ہے۔ بہرحال یہ عجیب بات ہے کہ خدا پر گناہ غالب آ گئے یہاں تک کہ ان گناہوں نے صرف تین گھنٹوں تک اسکا کام تمام کر دیا۔ ایسے کمزور خدا پر ایمان لانا جسکی موت کا باعث اسکی کمزوری ہے۔ اگر بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ تو پادری صاحبوں کا عجیب عقیدہ ہے مگر ان کی ان سکلوپیڈیا جلد ۱۳ صفحہ ۶۶۹ میں لکھا ہے کہ مسیح نے واقعہ صلیب کے بعد دس دفعہ لوگوں سے ملاقات کی اور وہ صرف تین گھنٹہ تک صلیب پر رہا تھا اب اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ ضرور صلیب سے زندہ بچگیا جیسا کہ اس سے پہلے بھی وہ یہودیوں کے حملوں سے بچتا رہا۔

پھر چھٹی دلیل اس بات پر کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا یہ ہے کہ عیسائی فرقوں میں سے بعض فرقے خود اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی الیاس نبی کیطرح بروزی رنگ میں ہوگی نہ کہ حقیقی یعنی اسکی خو اور صفت پر کوئی اور آجائیگا کیونکہ وہ مر چکا ہے۔ چنانچہ نیو لائف آف جیزس جلد اول صفحہ ۴۱۰ مصنفہ ڈی ایف سٹراس میں عبارت ہے جسکا ترجمہ ذیل میں لکھا جاتا ہے اور وہ یہ ہے:-

(جرمن کے بعض عیسائی محققوں کی رائے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا)

جرمن کے محقق عیسائی یہ دلائل دیتے ہیں کہ اگرچہ صلیب کے وقت ہاتھ اور پاؤں دونوں پر میخیں ماری جائیں پھر بھی بہت تھوڑا خون انسان کے بدن سے نکلتا ہے اس واسطے صلیب پر لوگ رفتہ رفتہ اعضاء پر زور پڑنے کے سبب تشنج میں گرفتار ہو کر مر جاتے ہیں یا بھوک سے مر جاتے ہیں پس اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ قریب چھ گھنٹے صلیب پر رہنے کے بعد یسوع جب اُتارا گیا تو وہ مرا ہوا تھا تب بھی نہایت ہی اغلب بات یہ ہے کہ وہ صرف ایک موت کی سی بیہوشی تھی اور جب شفا دینے والی مرہمیں اور نہایت ہی خوشبودار دوائیاں ملکر اسے غار کی ٹھنڈی جگہ میں رکھا گیا تو اسکی بیہوشی دور ہوئی۔ اس دعوے کی دلیل میں عموماً یوسفس کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے جہاں یوسفس نے لکھا ہے کہ میں ایکدفعہ ایک فوجی کام سے واپس آرہا تھا تو راستہ میں مینے دیکھا کہ کئی ایک یہودی قیدی صلیب پر لٹکے ہوئے ہیں انمیں سے میں نے پہچانا کہ تین میرے واقف تھے۔ پس مینے ٹیٹس (حاکم وقت) سے انکے اُتار لینے کی اجازت حاصل کی اور انکو فوراً اُتار کر انکی خبر گیری کی تو ایک بالآخر تندرست ہو گیا

پر باقی دو مر گئے +

اور کتاب ماڈرن ڈوٹ اینڈ کرسچن بیلیف کے صفحہ ۴۵۵ - ۴۵۷ میں یہ عبارت ہے جسکا ذیل میں ترجمہ لکھا جاتا ہے:-

شلیر میخر اور نیز قدیم محققین کا یہ مذہب تھا کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا بلکہ ایک ظاہرا موت کی سی حالت ہو گئی تھی اور قبر سے نکلنے کے بعد کچھ مدت تک اپنے حواریوں کے ساتھ پھرتا رہا اور پھر دوسری یعنی اصل موت کے واسطے کسی علیحدگی کے مقام کی طرف روانہ ہو گیا +

ایسا ہی کتاب سپر نیچرل ریلجن کے صفحہ ۸۵۷ پر لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ پہلی تفسیر جو بعض لائق محققین نے کی ہے وہ یہ ہے کہ یسوع دراصل صلیب پر نہیں مرا بلکہ صلیب سے زندہ اُتار کر اسکا جسم اسکے دوستوں کے حوالہ کیا گیا اور وہ آخر بچ نکلا - اس عقیدہ کی تائید میں یہ دلائل پیش کئے جاتے ہیں کہ اناجیل کے بیان کے مطابق یسوع صلیب پر تین گھنٹے یا زیادہ سے زیادہ چھ گھنٹے رہ کر فوت ہوا - لیکن صلیب پر ایسی جلدی کی موت کبھی پہلے واقعہ نہیں ہوئی تھی - یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ صرف اسکے ہاتھوں پر میخیں لگائی گئی تھیں اور پاؤں پر نہیں تھیں چونکہ یہ عام قاعدہ نہ تھا کہ ہر ایک مصلوب کی ٹانگ توڑی جاوے اسواسطے تین انجیل نویسوں نے تو اسکا کچھ ذکر بھی نہیں کیا اور چوتھے نے صرف اپنی کسی خاص غرض کی تکمیل کیلئے اسکا ذکر کیا ہے اور جہاں ٹانگ توڑنے کا ذکر نہیں ہے تو ساتھ ہی برچھی کا واقعہ بھی کالعدم ہو جاتا ہے پس ظاہرا موت جو واقع ہوئی وہ ایک سخت بیہوشی تھی جو کہ چھ گھنٹے کے جسمانی اور دماغی صدموں کے بعد واقع ہوئی اور اسکے علاوہ گذشتہ شب بھی بیداری اور تکالیف میں گذری تھی - جب اسے کافی صحت پھر حاصل ہو گئی تو اپنے حواریوں کو پھر یقین دلانے کے واسطے کئی دفعہ ملا لیکن یہودیوں کے ڈر سے وہ بڑی احتیاط سے نکلتا تھا - حواریوں نے یہی سمجھا کہ وہ مر کر زندہ ہوا ہے اور چونکہ موت کی سی بیہوشی تک پہنچکر وہ پھر بحال ہوا* - اسلئے ممکن ہے کہ اس نے

* کفر ورحبس نے شنٹوڈ کے اس مسئلہ کی نہایت قابلیت کے ساتھ تائید کی ہے لکھتا ہے کہ یہود کے حکام کے درمیان یسوع کے مرید تھے جو کہ اسکو اگرچہ عوام کی مخالفت سے بچا نہ سکتے تھے تاہم انکو امید تھی کہ ہم ویسے اسکو بچا لینگے - یوسف ایک دولتمند آدمی تھا اور اسکو مسیح کے بچانے کے وسائل مل گئے - نئی قبر بھی عین مقام صلیب کے قریب ہی اس نے تیار کرالی اور جسم بھی پیلاطوس سے مانگ لیا اور نقودیمس یہودیوں کی توجہ ہٹانے کیلئے بہت سارے مصالح خرید لایا اور یسوع کو جلدی سے قبر میں رکھا گیا اور ان لوگوں کی سعی وہ بچ گیا کفر ورنے یوحنا ۲۰:۱۷ کی عجیب تفسیر کی ہے اور اس فقرے کو کہ میں ابھی باپ پاس نہیں گیا صرف نامرادی ہی (بقیہ دیکھو صفحہ ۳۴۷)

اس نے خود بھی یہی خیال ... مر کر پھر زندہ ہؤا ہوں۔ اب جب اُستاد نے دیکھا کہ اس ظاہری موت نے میرے کام کی تکمیل کر دی ہے تو پھر وہ کسی نامعلوم تنہائی کی جگہ میں چلا گیا۔ اور مفقود الخبر ہو گیا +

ایسا ہی مشہور و معروف بٹن اپنی کتاب میں لکھتا ہے (لائف آف جیزس صفحہ ۲۶۹) یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کی موت کی اصلیت کی نسبت بہت شکوک پیدا ہو گئے تھے جو لوگ صلیب پر موت کو دیکھنے کے عادی تھے وہ کبھی اس بات کو تسلیم کر ہی نہ سکتے تھے کہ چند گھنٹے صلیب پر رہکر جیسا کہ یسوع رہا موت واقع ہو سکتی ہے وہ بہت ساری مثالیں مصلوب آدمیوں کی پیش کرتے تھے جنکو وقت پر صلیب سے اُتارا گیا تو آخر کار علاج کرنے سے وہ بالکل شفایاب ہو گئے۔ آری گن کل (ابتدائی زمانہ کا ایک مشہور عیسائی فاضل) کچھ عرصہ بعد یہ خیال تھا کہ اسقدر جلدی موت کا واقع ہونا مسیح کا معجزہ ہے۔ یہی حیرت مرقس کے بیان میں بھی پائی جاتی ہے +

حضرت مسیح کی قبر بمقام سری نگر

اب اِسکے بعد ایک بھاری ثبوت اس بات کا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب سے مخلصی پا کر آسمان کی طرف نہیں اُٹھائے گئے بلکہ کسی اَور ملک کیطرف چلے گئے۔ ایک اَور ہے جو ہم ذیل میں لکھتے ہیں لیکن قبل تحریر اس واقعہ کے ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ یہ قصہ کہ گویا حضرت مسیح مصلوب ہونے کے بعد یا مصلوب ہونے سے پہلے آسمان پر چلے گئے تھے ایسا ایک بیہودہ قصہ ہے کہ ایک غور کرنے والی طبیعت اسکو بدیہی طور پر جھوٹا قرار دیگی۔ خدا تعالیٰ کا یہ عام قانون قدرت ہے کہ کوئی شخص مع جسم عنصری آسمان پر نہیں جا سکتا اور نہ نازل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس کی نظیر الیاس کا قصہ ہے کیونکہ الیاس کا قصہ جس کی دوبارہ آمد پر مسیح کی نبوت موقوف تھی۔ آخر مسیح کی زبان سے ہی قابل تاویل ٹھہرا اور دوبارہ آنا اُسکا محض ایک مجازی طور پر تصور کیا گیا پھر کیونکر اعتبار کیا جائے کہ مسیح کے صعود اور نزول سے مراد حقیقی صعود اور نزول ہے جس امر کی دنیا کی ابتدا سے کوئی بھی نظیر نہیں اس امر پر اصرار کرنا اپنے تئیں ہلاکت کے گڑھے میں ڈالنا ہے۔ ماسوا اسکے یہ امر سراسر غیر معقول ہے کہ ایک نبی اپنے فرض منصبی کو ناتمام چھوڑ کر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۶ + کیونکہ آسمان پر جانیسے مراد دراصل مرنا ہوتا ہے اور اسکے جواب کا مطلب یہ ہے کہ مجھے مت چھوؤ کیونکہ میں ابھی تک گوشت اور خون ہوں میں ابھی مرا نہیں ہوں۔ اس واقعہ کے بعد یسوع پوشیدہ طور پر چند دفعہ اپنے حواریوں سے ملا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ ظاہری موت نے اسکے کام کی صداقت پر آخری مہر لگا دی ہے تو وہ پھر کسی تنہائی کی جگہ میں چلا گیا +

آسمان پر جا بیٹھے مسیح کو اس بات کا اقرار ہے کہ اس کی اَور بھی بھیڑیں ہیں جن کو پیغام پہنچانا ضروری ہے اور یہ اس بات کیطرف اشارہ تھا کہ وہ یہودی جو دُوسرے ملکوں میں منتشر ہو گئے تھے ابھی انکو ہدایت کرنا باقی ہے پس صلیب سے مُخلصی پاکر مسیح کا یہ فرض تھا کہ ان بدقسمت یہودیوں کو اپنے آنے سے مطلع کرتا جنکو اس کے آنے کی خبر بھی نہیں تھی کیونکہ وہ لوگ ہندوستان کے بعض حصّوں میں تا سکر کشمیر میں مُدت سے سکونت پذیر ہو گئے تھے اور مسیح نے خود اس بات کو بیان کر دیا تھا کہ یہ اسکا فرض ہے کہ منتشر شدہ بنی اسرائیل کو بھی ان سے مُلاقات کر کے انکو اپنی ہدایتوں سے فیضیاب کرے پس ایک راستباز کے بدن پر اس سے لرزہ پڑتا ہے کہ یہ گناہ عظیم مسیح کیطرف منسوب کیا جائے کہ وہ منصبی کام کو ناتمام چھوڑ کر آسمان پر جا بیٹھا۔ اور نہ ہم اس لغو اور بیہودہ امر کو خُدائے حکیم کیطرف منسوب کر سکتے ہیں کہ وُہ ایک زندہ شخص کو جسمیں اچھے اچھے کام کرنے کی قوّتیں موجود ہیں اور مخلوق کو اپنی ہدایتوں سے نفع پہنچا سکتا ہے تمام کاموں سے مُعطّل کر کے آسمان پر بٹھاوے اور اس قیدی کیطرح جو قید محض میں ایام گذارتا ہے اور کوئی کام نہیں کرتا چھوڑ دے*

کیا مسیح کے لئے یہ بہتر تھا کہ وہ اپنی اس لمبی عُمر کو بنی نوع انسان کی خدمت میں صرف کرتا اور ہر ایک ملک میں سفر کر کے جیسا کہ خُود اسکو ایک نبی سیّاح سمجھا گیا ہے اپنی مُنتشر قوم کو فائدہ پہنچاتا یا یہ کہ اپنی تبلیغ کا کام ناتمام چھوڑ کر اور قوم کو طرح طرح کی گمراہیوں میں پاکر آسمان پر جا بیٹھتا۔ بالخصوص اُن بدقسمت لوگوں کا کیا گُناہ تھا جنہوں نے ابھی اسکو دیکھا بھی نہیں تھا*

اور یہ کہ وہ مختلف ملکوں کا سَیر کرتا ہُوا آخر کشمیر میں چلا گیا اور تمام عمر وہاں سَیر کر کے آخر سری نگر محلہ یار خاں میں بعد وفات مدفون ہُوا۔ اسکا ثبوت اسطرح پر ملتا ہے کہ عیسائی اور مسلمان اس بات پر اتّفاق رکھتے ہیں کہ یوز آسف نام ایک نبی جسکا زمانہ وہی زمانہ ہے جو مسیح کا زمانہ تھا دُور دراز سفر کر کے کشمیر میں پہنچا اور وہ نہ صرف نبی بلکہ شاہزادہ بھی کہلاتا تھا اور جس ملک میں یسُوع مسیح رہتا تھا اسی ملک کا وہ باشندہ تھا اور اسکی تعلیم بہت سی باتوں میں مسیح کی تعلیم سے ملتی تھی بلکہ بعض مثالیں اور بعض فقرے اسکی تعلیم کے بعینہٖ مسیح کے ان تعلیمی فقرات سے ملتے ہیں جو اب تک انجیلوں میں پائے جاتے ہیں اور عیسائی نہایت مجبور اور حیرت زدہ ہو کر اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ یہ شخص جو یوز آسف اور شاہزادہ نبی کہلاتا ہے وہ مسیح کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد تھا اسی بناء پر اسکو بڑا مُقدس سمجھا گیا ہے یہاں تک کہ سسلی میں اسکے نام کا ایک گرجا بھی بنایا ہُوا ہے جو پُرانا اور قدیم زمانہ سے بنا ہوا

اسی تعلق کے قبول کرنے کے بعد یوزآسف کا قصہ یورپ کی تمام زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے.....

.........جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس قدر

پُرجوش محبت سے یورپ کی تمام زبانوں میں یوزآسف کی تعلیم کا ترجمہ ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ کم سے کم یوزآسف کو ایک مقدس حواری سمجھا گیا ہے۔ پس اس صورت میں تمام عیسائی صاحبان اس مطالبہ کے نیچے ہیں کہ انہوں نے بہرحال یوزآسف کا عیسائی مذہب سے ایک تعلق مان لیا ہے اور اسکے ظہور کا بھی وہی زمانہ قرار دیا ہے جو مسیح کا زمانہ تھا اور اس کی سوانح کا بڑی محبت اور دلچسپی سے ترجمہ بھی کیا اور اسکی یادگار کا ایک گرجا بھی بنایا اور یہ بھی اقرار کیا کہ اسکی تعلیم کا اخلاقی حصہ انجیل کی تعلیم سے ملتا ہے اور اس نے بھی اپنی تعلیم کا نام انجیل ہی رکھا ہے۔ پس اس صورت میں اگر یوزآسف یسوع نہیں ہے تو یہ بارِ ثبوت عیسائی صاحبوں کی گردن پر ہے کہ وہ ثابت کرکے دکھلاویں کہ کبھی مسیح کا کوئی شاگرد شاہزادہ نبی بھی کہلاتا تھا اور کبھی اس نے مسیح کی تعلیم کو اپنی تعلیم بھی قرار دیا اور اسکا نام انجیل رکھا اور میں بڑے دعوے اور ثبوت سے کہتا ہوں کہ یہ ثبوت ہرگز انکے لئے ممکن نہیں کیونکہ ان کے نزدیک شاہزادہ نبی ایک ہی ہے یعنی یسوع ابن مریم ؛

اور یوزآسف کے حالات کے بیان کرنے کے بارے میں مسلمانوں کی کتابوں میں بعض ہزار برس سے زیادہ زمانہ کی تالیف ہیں جیساکہ کتاب اکمال الدین جس میں یہ تمام باتیں درج ہیں اور اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ یوزآسف نے جو شاہزادہ نبی تھا اپنی کتاب کا نام انجیل رکھا تھا ماسوا اس کتاب کے خاص سری نگر میں جہاں حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی قبر ہے ایسے پرانے نوشتے اور تاریخی کتابیں پائی گئی ہیں جنمیں لکھا ہے کہ یہ نبی جسکا نام یوزآسف ہے اور اسے عیسےٰ نبی بھی کہتے ہیں اور شاہزادہ نبی کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ یہ بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ایک نبی ہے جو اس پورانے زمانہ میں کشمیر میں آیا تھا۔ جس کو ان کتابوں کی تالیف کے وقت تک قریباً سولہ سو برس گذر گئے تھے یعنی اس موجودہ زمانہ تک انیس سو برس گذرا ہے۔ اور اس قسم کی تحریریں کشمیر کے باشندوں کے پاس کچھ تھوڑی نہیں بلکہ بہت سی کتابیں پائی جاتی ہیں اور میں نے سُنا ہے کہ اس جگہ کے ہندوؤں کے پاس بھی اپنی زبان میں ایک کتاب ہے جس میں اس شاہزادہ نبی کا ذکر ہے پس ایک حق کے طالب کو یہ تمام ثبوت اس بات کے قبول کرنیکے لئے مجبور کرتے ہیں کہ درحقیقت

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔ بالخصوص جبکہ ان تمام باتوں کو یکجائی نظر سے دیکھا جائے کہ اول تو خود انجیل سے یہ پتہ لگتا ہے کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا بلکہ وہ صلیب پر غشی کی حالت میں ہو گیا تھا جیسا کہ اس نے خود کہا کہ یونس نبی کا معجزہ دکھایا جاویگا پس اگر صلیب پر مر گیا تھا اور مردہ ہونیکی حالت میں قبر میں داخل ہوا تو اسکے اس واقعہ کو یونس کے واقعہ سے کیا مشابہت ہوئی۔ پھر یہ کہ انہیں انجیلوں میں یہ لکھا ہے کہ وہ قبر سے زندہ نکلا اور ابھی زخم اسکے اچھے نہیں ہوئے تھے اور وہ اپنے حواریوں کو ملا اور منع کیا کہ میرا حال کسی سے مت کہو اور ان کیساتھ اپنے وطن کیطرف چلا گیا اور انکے ساتھ ملکر کھانا کھایا اور پھر طب کی کتابوں سے متواتر طور پر ثابت ہوا ہے کہ یسوع کے زخموں کے لئے مرہم عیسیٰ بنائی گئی تھی جسکے استعمال سے اسکے زخم اچھے ہوئے اور چونکہ وہ یہود کے دوبارہ حملے سے ڈرتا تھا اسلئے وہ اس ملک سے نکل گیا اور یہ رائے کچھ ہماری خاص رائے نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے محقق پادریوں نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے جیسا کہ جرمن کے پچاس پادریوں کی رائے ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں اور کئی پرانی تحریریں اور بھی ہیں جنسے ثابت ہوتا ہے کہ یسوع واقعہ صلیب کے بعد مدت تک مختلف ملکوں میں سیاحت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسکا نام نبی سیاح ہو گیا اور ان باتوں کو مسلمانوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ مسیح نبوت پانیکے بعد ایک مدت تک مختلف بلاد میں سیاحت کرتا رہا ہے پس ان تمام باتوں کو ایک ہی جگہ جمع کرنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یسوع ہرگز آسمان پر نہیں چڑھا اور جیسا کہ یہ تمام واقعات ایسے قریب قیاس ہیں کہ بڑی سرعت سے عقل ان کو قبول کرتی ہے ایسا ہی آسمان پر چڑھنا ایسا بعید از قیاس ہے کہ عقل اسکو فی الفور رد کرتی ہے اور دھکے دیتی ہے پس کیا وجہ کہ جو واقعات ثابت شدہ اور قریب قیاس ہیں انکو تو قبول نہ کیا جائے اور جو خیالات ثابت نہیں ہو سکے اور نہ وہ قریب قیاس ہیں انکو قبول کیا جائے۔

بالآخر ہم پرچہ الہلال کے ایڈیٹر کو جو عیسائی ہے جس نے اپنے پرچہ شائع کردہ ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۲ء میں...... جلد ۱۱ میں یہ اشارہ کیا ہے کہ یسوع کا کشمیر سری نگر میں مدفون ہونا صحیح نہیں ہے مخاطب کر کے تنبیہ کرتے ہیں کہ عقلمند اور منصف آدمی کا یہ کام نہیں ہے کہ صرف مذہبی تعصب کی وجہ سے ثابت شدہ حقائق اور واقعات کو رد کرے۔ بالخصوص جبکہ صاحب ہلال اپنے رسالہ میں اس بات کو مانتا ہے کہ یوز آسف شاہزادہ نبی تھا اور پورے وثوق سے قبول کرتا ہے کہ پرانی کتابیں اسکا نام شاہزادہ نبی کہتی ہیں اور وہ کسی اور دور دراز ملک سے کشمیر میں آیا تھا تو تعجب کہ وہ قریب ہو کر

پھر کیوں دُور چلا جاتا ہے سچ تو یہ ہے کہ اگر ان واقعات اور دلائل میں سے جو ہم نے پیش کئے ہیں ایک بھی پیش نہ کیا جاتا تب بھی عقل سلیم کا یہی فتویٰ تھا کہ یسوع ابن مریم آسمان پر ہرگز نہیں گیا وہ ہمیشہ انسانوں کی طرح کمزوریاں دکھلاتا رہا اور پسپا ہوتا رہا اس نے ماریں کھائیں اور جب شیطان نے اسے کہا کہ اُوپر سے اپنے تئیں نیچے گرا دے تو وہ اپنے تئیں نیچے نہ گرا سکا اور کوئی امر اس میں ایسا نہ تھا کہ جو انسان سے بڑھ کر شمار کیا جائے۔ بلکہ بعض نبیوں نے اس سے بڑھکر معجزات دکھلائے پھر یہ امر بغیر عقلی دلائل اور یقینی براہین کے کیونکر مان لیا جائے کہ وہ درحقیقت آسمان پر چڑھ گیا تھا اور ابتک زندہ موجود ہے اور اگر آسمان پر چڑھنا ممکن بھی ہو تب بھی اسکے لئے ناجائز بلکہ ایک جرم کا ارتکاب تھا کیونکہ ابھی وہ اپنے فرض تبلیغ کو تمام نہیں کر چکا تھا اور یہود کے اور بہت سے فرقے ہنوز اور ملکوں میں ایسے تھے جنہوں نے مسیح کا نام بھی نہیں سُنا تھا جنکو پیغام پہنچانا باقی تھا اور آسمان پر تو یہود کی کوئی قوم آباد نہیں تھی تا یہ کہا جائے کہ آسمان پر بھی انکا جانا ضروری تھا پس جیسے کہ یہ امر نامعقول ہے کہ یسوع نے صلیب کو اپنے لئے پسند کیا اور خودکشی کو روا رکھا ایسا ہی یہ بھی نامعقول ہے کہ وہ ابتک ایک عمدہ زمانہ اپنی زندگی کا محض بیکاری سے گذار رہا ہے حالانکہ اسکو چاہئے تھا کہ اپنے اس وقت عزیز کو اپنی قوم کی ہمدردی میں خرچ کرتا نہ یہ کہ ایسی بیہودہ حرکتیں کہ دوسروں کے لئے خودکشی کرے۔ اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر جا بیٹھے۔ پس ایک عقلمند بجز اسکے کہ کیا کرے ان قصوں کو جھوٹے قرار دے۔ سچائی ایک ایسی چیز ہے کہ وہ صرف واقعات سے ہی ثابت نہیں ہوتی بلکہ دلائل عقلیہ بھی اسپر شہادت دیتے ہیں۔ لیکن جو جھوٹ ہے نہ اسکے لئے واقعات صحیحہ ثابت شدہ ملتے ہیں اور نہ عقلی دلائل اسپر قائم ہو سکتے ہیں۔ افسوس کہ عیسائی کسی بات پر بھی غور نہیں کرتے انہیں کے انسکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ تھوما رسول جس کا ذکر انجیلوں میں درج ہے ہندوستان میں آیا تھا اور میلاپور میں شہید ہوا۔ اور یہ بھی اسی میں لکھا تھا کہ یسوع کا ایک بھائی بھی اسکے ساتھ تھا۔ اب جائے غور ہے کہ ایکطرف تو عیسائی صاحبان قبول کرتے ہیں کہ اسی بلاد شام سے ہندوستان میں انہیں دنوں میں ایک شاہزادہ نبی آیا تھا جو آخر سری نگر کشمیر میں فوت ہوا اور پھر انہیں ایام میں تھوما حواری اور ایک یسوع کا بھائی بھی ہندوستان میں آیا تھا اور پھر دوسری طرف اس بات کو نہیں مانتے کہ وہ جو شاہزادہ نبی کہلاتا تھا اور بیان کرتا تھا کہ میرے پر انجیل نازل ہوئی ہے وہی یسوع مسیح ہے یہ واقعات بہت ہی صاف تھے اور ان کا نتیجہ بھی بہت ہی صاف تھا مگر ہائے افسوس کہ با وجود

صاحبوں نے تاریکی سے پیار کیا اور نور سے دشمنی۔ دنیا اپنی انتہا تک پہنچ گئی اور ساری علامتیں پوری ہو گئیں مگر انکا فرضی مسیح اب تک آسمان سے نازل نہ ہوا۔ آدم سے لے کر اسوقت تک چھٹا ہزار ختم ہو چکا جو الٰہی شریعتوں کی اصطلاح میں چھٹا دن کہلاتا ہے جسمیں مسیح موعود نے آنا تھا مگر انکا یسوع اب تک نہ آیا۔ شیطان کے رہا ہونے پر ایکہزار برس بھی گذر گیا مگر انکا یسوع ابتک نہ آیا جو شیطان کو دائمی قید کے زندان میں روکتا جیساکہ نبیوں نے پیشگوئی کی تھی۔ ملک میں طاعون بھی پھیل گئی جیساکہ انجیل میں آنیوالے مسیح کا نشان لکھا تھا۔ مگر ابتک ان کا مسیح نہ آیا۔ مدت ہوئی کہ آنیوالے مسیح کا ستارہ بھی نکل چکا مگر ابتک مسیح نہ آیا۔ پس اے یورپ اور ایشیا کے رہنے والے عیسائیو۔ اور اے حق کے طالبو یقیناً سمجھو کہ مسیح جو آنیوالا تھا وہ آچکا اور وہ وہی ہے جو اب تم سے باتیں کر رہا ہے۔ آسمان نے نشان ظاہر کئے اور زمین نے بھی اور خدا کے پاک نبیوں کی پیشگوئیاں نشان کے طور پر آج پوری ہو گئیں اور خدا نے میرے ہاتھ پر نشان دکھلانے کی کچھ کمی نہیں رکھی۔ ہزارہا نشان ظاہر کئے ہر ایک پہلو سے اپنی حجت کو پورا کیا اور میں سچ کہتا ہوں کہ یہ نشان جو میرے ہاتھ پر دکھلائے گئے اگر یسوع ابن مریم کے ہاتھ پر دکھلائے جاتے تو یہود ہلاکت سے بچائے جاتے مگر وہی جو ہلاکت کے فرزند تھے۔ یسوع کے نشانوں کا جو یہود پر اثر پڑا تھا کسکو اسکی خبر نہیں خود اسکا اپنا حواری یہودا اسکریوطی جسکو بہشتی تخت کا وعدہ بھی دیا گیا تھا خود اسکے دیکھتے دیکھتے مرتد ہو گیا اور نہ خود وہ حواری تخت موعود سے محروم رہ گیا بلکہ یسوع کو بھی بڑی بلا میں ڈال گیا۔ سو اے وہ لوگو جو دائمی سعادت اور ابدی نجات کو چاہتے ہو میری طرف دوڑو کہ اسجگہ وہ چشمہ ہے جو تمہیں پرانی میلوں سے پاک کر دیگا اور وہ نجات جو یقین اور قوت ایمان اور پورے عرفان سے ملتی ہے وہ تمہیں دیجائیگی اور یقیناً سمجھو کہ یسوع ابن مریم کے خون پر تمہارا بھروسہ غلط ہے اگر وہ ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ بھی صلیب پر چڑھایا جاتا تب بھی وہ تمہیں نجات نہ دے سکتا۔ نجات ایمان اور محبت اور یقین سے پیدا ہوتی ہے نہ کسی کے خون سے۔ دیکھو زمانہ تمہیں بتلا رہا ہے کہ یہ تمام خیالات جھوٹے تھے پس قبل اسکے جو تم خدا کی طرف بلائے جاؤ ان خیالات سے توبہ کرو مجھے خدا نے اس گواہی کیلئے اس زمانہ میں کھڑا کیا ہے کہ سب دین بگڑ گئے اور باطل کا رنگ پکڑ لیا مگر **اسلام** اگر میری گواہی پر خدا کی مہر نہیں تو میں سچا نہیں لیکن اگر میری گواہی پر خدا کی مہر ہے تو تم مسیح کو رد کرکے قابل مواخذہ نہ بنو۔ ایک عاجز انسان مریم کا بیٹا ہرگز خدا نہیں۔ مجھے وہ روح دیگئی ہے جس کے مقابل پر کسی کو

تاب مقابلہ نہیں اگر تم میں کوئی اس لائق نہیں کہ روح سے علم پاکر اس روح القدس کا مقابلہ کرے جو مجھے عطا کیا گیا ہے تو تمہاری خاموشی تمہیں ملزم کریگی۔ والسلام علےٰ من اتبع الھدےٰ ؛

کیا ڈوئی اس مقابلہ مین نکلیگا

یہ سوال امریکہ کی اخباری دُنیا میں بڑی کثرت سے پُوچھا گیا ہے۔ ہمارے پاس اس قدر گنجائش تو نہیں کہ ہم ان سب اخباروں کی رائے کو نقل کرسکیں* لیکن نمونہ کے طور پر ہم تین اخباروں کی رائے نقل کرتے ہیں جس سے یہ اندازہ لگ سکیگا کہ امریکہ کے اخبارات کے اس چیلنج کے متعلق کیا خیالات ہیں جو گذشتہ ستمبر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیطرف سے امریکہ کے جھوٹے مُدعی نبوت کو دیا گیا تھا۔ لٹرری ڈائیجسٹ جو نیویارک شہر کا مشہور اخبار ہے۔ ۲۰۔جون ۱۹۰۳ء کے پرچے میں یوں لکھتا ہے

ایک مجوزہ دُعا کے مقابلہ میں دو حریف

میرزا غلام احمد صاحب ساکن قادیان (پنجاب ہندوستان) اپنی شائع شدہ تحریروں میں مسیح موعود ہونیکا دعوٰے کرتے ہیں اُنہوں نے اس ملک کے ڈاکٹر ڈوئی کو ایک مُقابلہ کیلئے بلایا ہے جسمیں ہتھیار صرف دُعا ہوگی۔ اور ہر ایک فریق خُدائے تعالیٰ سے یہ دُعا کریگا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے ہلاک ہو۔ ریویو آف ریلیجنز کے بیان کے مطابق اس چیلنج کا پیش کرنیوالا مسیح موعود ہے "جو عین اسوقت پر دُنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہے جو بائیبل کی پیشگوئیوں کے حساب کے رُو سے مسیح کی آمد کا وقت ہے" اور اس کے پیرو ایک لاکھ آدمی ہیں جنکی تعداد بہت جلد بڑھ رہی ہے اس مسیح کی تعلیم یہ ہے کہ یسوع مسیح محض ایک اِنسان تھا۔ ایک نیک انسان لیکن اسمیں الوہیت کوئی نہ تھی۔ مرزا غلام احمد صاحب اسی مذکورہ بالا رسالے میں یہ بھی لکھتے ہیں۔

یاد رہے کہ میں اس ملک میں معمولی انسان نہیں ہوں میں وہی مسیح موعود ہوں جسکا ڈوئی

* اِن اخبارات میں سے کئی اخباروں میں حضرت مسیح موعود کی تصویر بھی شائع ہوئی ہے اور قریب ایک سو ایسے اخبارات کے ہمارے پاس پہنچ گئے ہیں ؛ بعض اخبارات میں قبر مسیح کی تصویر بھی چھپی ہے ؛

انتظار کر رہا ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ ڈوئی کہتا ہے کہ مسیح موعود پچیس برس کے اندر اندر پیدا ہو جائیگا۔ اور میں بشارت دیتا ہوں کہ وہ مسیح پیدا ہو گیا اور وہ میں ہی ہوں۔ صدہا نشان زمین سے اور آسمان سے میرے لئے ظاہر ہو چکے ایک لاکھ کے قریب میرے ساتھ جماعت ہے جو زور سے ترقی کر رہی ہے ڈوئی بیہودہ باتیں اپنے ثبوت میں لکھتا ہے کہ میں نے ہزارہا بیمار توجہ سے اچھے کئے ہیں۔ ہم اسکا جواب دیتے ہیں کہ کیوں پھر اپنی لڑکی کو اچھا نہ کرسکا اور وہ مر گئی اور اب تک اسکے فراق میں روتا ہے۔

پھر مسیح موعود لکھتا ہے کہ ڈوئی کا دعویٰ یہ ہے کہ یسوع مسیح نے بحیثیت خدائی دنیا میں اسکو بھیجا ہے تا سب کو اس بات کیطرف کھینچے کہ بجز مسیح کے اور کوئی خدا نہیں۔ اسکے بعد یہ مدعی لکھتا ہے :-

" ایک سہل طریق ہے جس سے اس بات کا فیصلہ ہو جائیگا کہ آیا ڈوئی کا خدا سچا خدا ہے یا ہمارا خدا۔ وہ بات یہ ہے کہ ڈوئی صاحب تمام مسلمانوں کو بار بار موت کی پیشگوئی نہ سنا دیں بلکہ ان میں سے صرف مجھے اپنے ذہن کے آگے رکھ کر یہ دعا کریں کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرجائے۔ کیونکہ ڈوئی یسوع مسیح کو خدا جانتا ہے مگر میں اسکو ایک بندہ عاجز مگر نبی جانتا ہوں۔ اب فیصلہ طلب امر ہے کہ دونوں میں سے سچا کون ہے اگر ڈوئی کو یہ یقین ہے کہ ابن مریم ہی خدا ہے تو چاہئے کہ وہ اس دعا کو چھاپ دے اور کم سے کم ہزار آدمی کی اسپر گواہی لکھے۔ اور جب وہ اخبار شائع ہو کر میرے پاس پہنچیگی تب میں بھی بجواب اسکے یہی دعا کرونگا اور انشاء اللہ ہزار آدمی کی گواہی لکھ دونگا۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ڈوئی کے اس مقابلہ سے اور تمام عیسائیوں کے لئے حق کی شناخت کے لئے ایک راہ نکل آئیگی۔ میں نے ایسی دعا کے لئے سبقت نہیں کی بلکہ ڈوئی نے کی۔ اس سبقت کو دیکھ کر میرے اندر غیور خدا نے یہ جوش پیدا کیا "

اس چیلنج دینے والے مسیح کے پیرؤں نے " ایک عظیم الشان علمی تحقیقات یسوع مسیح کی نسبت" کی ہے جسکا پتہ ہمیں اسی رسالہ سے لگتا ہے۔ تحقیقات یہ ہے کہ یسوع مسیح صلیب پر نہیں مرا بلکہ زندہ بیہوشی کی حالت میں صلیب سے اُتارا گیا۔ تندرست ہو کر وہ مشرق کی طرف چلا گیا جہاں وہ بہت مدت تک جیتا رہا۔ اسکی قبر سری نگر کشمیر کے محلہ خان یار میں بتائی جاتی ہے ۔" پھر لکھتا ہے " اس سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا کہ قبر موجود اور ساتھ اسکے تقریراً و تحریراً اس قدر شہادتیں جنکی کئی لاکھ انسان تک نوبت پہنچ چکی ہے"

اخبار برلنگٹن فری پریس ۲۷ - جون ۱۹۰۳ء کے پرچے میں لکھتا ہے:۔

ایک دعا کے مقابلہ کی تجویز

ملک کے مختلف حصّوں میں یہ بحث بڑے زور و شور سے ہو رہی ہے کہ قحط کے دُور کرنے میں دُعا مؤثر ہے یا نہیں۔ اور اس بحث میں دو فریق ہو گئے ہیں...... دُعا کے اثر کے متعلق ایک طریق تحقیق ابھی پیش ہُوا ہے جسکا آخری نتیجہ ایسا قطعی ہوگا کہ اسمیں کسی بحث کی گنجائش نہیں ہوگی۔ الیاس ڈوئی شکاگو کے مفتری پیشوا کو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ایک چیلنج دیا ہے کہ وہ ایک ایسی دُعا میں جسکا نیتجہ ایک فریق کے لئے موت ہوگا انکا مقابلہ کرے...... بلحاظ رواج کے ڈوئی کو یہ حق حاصل ہونا چاہئے تھا کہ وہ مقابلہ کے لئے خود ہتھیار تجویز کرتا لیکن مسیح موعود نے بڑی ہوشیاری سے ایک ایسا ہتھیار تجویز کردیا ہے جس سے ڈوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اب اگر ڈوئی اس تجویز کو نہ مانے تو دُوسرے الفاظ میں اسکا یہ مطلب ہوگا کہ وہ اپنے معاملہ کو اس بڑے مقتدر حاکم کے ہاتھ میں نہیں دینا چاہتا جس کی طرف سے وُہ ہونیکا دعوٰی کرتا ہے۔ اگر وہ سچا ہے بر عکس اسکے اس بات سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ڈوئی کا فریق مقابل کوئی معمولی آدمی نہیں ہے...... ڈوئی نے ابھی تک کوئی اظہار رائے نہیں کیا لیکن اگر وہ اس نئی قسم کے چیلنج کو منظور کرنے سے انکار کردیگا تو اسکے مُریدوں کی تعداد میں ضرور کمی آنی شروع ہو جاویگی"+

ایسا ہی شکاگو کا ایک اخبار لکھتا ہے "ڈوئی کو جو الیاس ہونیکا دعوٰی کرتا ہے۔ دُعا کے ایک مقابلہ میں بُلایا گیا ہے جس کا نیتجہ موت ہوگا +

مرزا غلام احمد ایک مُسلمان جو مسیح موعود ہونیکا دعوٰے کرتا ہے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ جھُوٹا کون ہے۔* الیاس ڈوئی کو چیلنج دیا گیا ہے کہ وُہ دعا میں مقابلہ کرے۔ چیلنج کا دینیوالا مرزا غلام احمد

* اِس اخبار میں مسیح موعود اور ڈوئی کی تصویریں ایک ہی جگہ چھاپی گئی ہیں۔ مسیح موعود کی تصویر کے نیچے یہ لکھا ہے "مرزا غلام احمد مشرق یعنی ہندوستان کا مسیح جس نے الیاس ڈوئی کو دُعا کے مقابلہ کے لئے چیلنج دیا ہے" اور ڈوئی کی تصویر کے نیچے یہ لفظ ہیں "جان الگزنڈر ڈوئی شکاگو کا مدعی الیاس ہونیکا جس نے اب تک مسلمان مسیح کے چیلنج کا کچھ بھی جواب نہیں دیا +

قادیانی ہے۔ مرزا صاحب اپنے چیلنج میں لکھتے ہیں کہ اے جھوٹے مُدعی دُعا کو ہتھیار بنا کر میرے ساتھ مقابلہ کر۔ آؤ ہم دونوں زمین پر جھک جائیں اور خدا سے دُعا کریں کہ جو ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ پہلے ہلاک ہو۔ ڈوئی نے چیلنج کو منظور نہیں کیا اور نہ ہی ابتک انکار کیا ہے غالباً بہاٹ کی خوشگوار ہوا میں وہ جواب تجویز کر رہا ہے۔ ممکن ہے کہ بحیثیت فریق ثانی چیلنج ہونے کے وہ شرائط میں کچھ تبدیلی چاہے اس صورت میں اسکی درخواست یہ ہوگی کہ بجائے دُعا کے گالیوں میں مقابلہ کیا جاوے+۔ اور جو دُوسرے کو زیادہ گالیاں دے سکے وُہی فتحیاب سمجھا جاوے شائد وہ چیلنج کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور مرزا غلام احمد کو کہے کہ پہلے تم ایسی شہرت حاصل کرلو خواہ کچھ ہی ہو ڈوئی اس چیلنج کو یونہی رد نہیں کرسکتا دعوے کے لحاظ سے مرزا صاحب کا دعوے ہلکا نہیں ریویو آف ریلیجنز جسمیں یہ چیلنج چھپا ہے کہتا ہے کہ مرزا صاحب مسیح موعود ہیں جو دُنیا کی اصلاح کیلئے عین اسوقت بھیجے گئے ہیں جو بائبل کی پیشگوئیوں کے حساب کے رُو سے مسیح کے آنیکا وقت ہے ان کی جماعت ایک لاکھ تک پہنچ چکی ہے اور زور سے ترقی کر رہی ہے۔ اس مسیح کی تعلیم یہ ہے کہ مسیح ایک انسان تھا الوہیت سے خالی مگر راستباز۔ مرزا صاحب یہ بھی لکھتے ہیں (اسکے بعد وہی حوالجات ہیں جو اخبار لٹریری ڈائیجسٹ نے حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے نقل کئے ہیں) اخیر پر یہ اخبار پُرزور الفاظ میں یُوں لکھتا ہے "کیا ڈوئی اس مقابلہ کو منظور کریگا۔ مرزا صاحب نے کُشا پہلو اپنی رعایت کا رکھا ہے کہ وہ نہ منظور کرے"۔

ایسا ہی دُوسرے اخباروں کی رائے ہے ڈوئی کے نام جو چٹھی لکھی گئی تھی اسکو ایک سال گذر چکا۔ مگر ڈوئی نے اب تک ایک لفظ بھی مُنہ سے نہیں نکالا نہ قبول کرتا ہے اور نہ انکار کرتا ہے ہاں الیاس ہونے کا جو اسکا دعوے تھا اس نے بہت خفیف کر دیا ہے۔ ایک چٹھی میں جو ۲۳۔ جون ۱۹۰۳ء کی لکھی ہُوئی ہے اور مفتی محمد صادق صاحب فنانشل سکرٹری انجمن اشاعت اسلام کے نام آئی ہے وہ لکھتا ہے۔ "میں صاف صاف بیان کرنا چاہتا ہُوں کہ یہ اعتقاد کہ میں الیاس کے رنگ میں اور اسکی خو پر آیا ہُوں۔ میرے سلسلہ میں داخل ہونیکے لئے لازمی نہیں ہے۔ اس معاملہ میں میں نے یہ وسعت دے رکھی ہے کہ خواہ کوئی شخص مجھے الیاس مانے یا نہ مانے میرے سلسلہ میں داخل ہوسکتا ہے۔ ہاں اسکو یہ نہیں چاہئیے کہ وہ اُن لوگوں سے جھگڑا کرے جو اس بات کو مان چکے ہیں۔ میری غرض کو ماننا

+ یاد رہے کہ امریکہ کے اخباروں میں ڈوئی اپنے مخالفوں کو سخت گالیاں دینے کے سبب سے بہت بدنام ہے ۔

سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے"۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر ڈاکٹر ڈوئی کا یہی منشا شروع سے تھا۔ کہ اسے مسیح کا خاص رسول یا الیاس ماننا ضروری نہیں ہے تو پھر اس قدر شور کا کیا فائدہ تھا۔ اس نے دعویٰ تو کر دیا ہے مگر اس دعوے کی صداقت کا وہ خود قائل نہیں ہے کیونکہ اگر اس دعوے کی سچائی پر اسے یقین کامل ہوتا تو وہ ایسا بودا پن اور اخلاقی کمزوری نہ دکھاتا۔ سچے مدعی کو جو اپنی صداقت پر یقین کامل حاصل ہوتا ہے وہ اسکے دل کو ایک ایسی طاقت دیتا ہے جس سے وہ بغیر تزلزل کے ہر ایک مشکل کا سامنا کرتا اور بالآخر اسپر غالب آتا ہے لیکن جو انسان ذرا سے لالچ پر اپنا دعوے چھوڑنے کو تیار ہو جائے اسے اپنی صداقت پر کیونکر یقین ہو سکتا ہے۔ ڈوئی بجائے اس کے جو اپنے دعویٰ کا کوئی ثبوت پیش کرتا آہستہ آہستہ اس دعوے کو چھوڑ رہا ہے اور اس سے اگلا قدم اس کا اس دعوے سے صاف انکار ہوگا۔ جبتک اسے کوئی جواب نہ ملا تھا تو وہ گالیوں پر گالیاں اور دھمکیوں پر دھمکیاں دیتا رہا کہ جو لوگ مجھے الیاس نہیں مانتے وہ سب ہلاک ہو جائینگے کیا عیسائی اور کیا مسلمان۔ لیکن جب ایک معیار اس کے سامنے پیش کیا گیا جس سے اسکے دعوے کی صداقت معلوم ہو تو اب وہ کہتا ہے کہ اس امر کی کوئی ضرورت ہی نہیں کہ کوئی مجھے الیاس مانے یا نہ مانے۔ پس جن دس ہزار مریدوں کا وہ دعوے کرتا ہے وہ اسکے سچے پیرو نہیں کہلا سکتے۔ ممکن ہے کہ ان میں سے ایک بھی ایسا نہ ہو جو اسکے دعویٰ کو تسلیم کرتا ہو۔ مگر علاوہ اسکے معلوم ہوتا ہے کہ ڈوئی اپنے جھوٹ کو آپ ہی محسوس کرتا ہے کیونکہ نہ وہ حضرت مسیح موعود کی دعوت کو قبول کرتا ہے اور نہ اسمیں یہ جرأت ہے کہ اسکو رد کر سکے۔ تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں کہ وہ پیشگوئی کر رہا تھا کہ سب مسلمان میرے سامنے تباہ ہو جائینگے لیکن اب جب اسکے سامنے ایک خاص آدمی مقابلہ میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ اسی کی ہلاکت کیلئے وہ دعا کرے تو وہ خاموش ہو گیا ہے *

بعض امریکہ کے اخباروں میں یہ لکھا ہے کہ ڈاکٹر ڈوئی کے مرید کہتے ہیں کہ اسکے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ کسی پنجابی سے مقابلہ کرے۔ مگر سوال یہ نہیں کہ کوئی مدعی مسیحیت پنجابی ہے یا امریکی ہے بلکہ سوال تو یہ ہے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ ڈاکٹر ڈوئی ایک مسیح کا منتظر ہے اور ایک ایسا شخص جو ڈوئی کے مشہور ہونے سے پہلے مسیحیت کا دعوے کر چکا ہے اسے اطلاع دیتا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں۔ اور ایک ایسا راستہ اسے بتاتا ہے جسے اختیار کر کے وہ اسکے دعوے کی سچائی کو معلوم کر سکتا ہے ڈوئی یہ تو نہیں کہسکتا کہ مسیح اسکے نئے بنے ہوئے شہر میں ہی نازل ہوگا جسکا نام اسنے

یسیحون رکھا ہے اسلئے اسکا فرض ہے کہ جہاں کہیں مسیح ظاہر ہوا اسکو تلاش کرکے اس کے حکم کو مانے۔ علاوہ اسکے جو طریق فیصلہ حضرت مسیح موعود نے پیش کیا ہے وُہ لمبے وقت کو نہیں چاہتا۔ اسکو یہ تو نہیں کہا جاتا کہ وہ کوئی شہر بنادے یا گوٹے کا کارخانہ تیار کرے۔ صرف خدا تعالےٰ کے پاس دُعا کرنا ہے اور یا اس واقعہ کا شائع کرنا۔ اور پھر معیار بھی صرف دُعا رکھا گیا ہے اگر ڈوئی یہ سمجھتا ہے کہ واقعی خدا تعالےٰ نے اسے بھیجا ہے تو پھر وہ خدا پر بھروسہ کیوں نہیں کرتا اور اپنا معاملہ خدا کو سپرد کرنے سے کیوں جھجکتا ہے۔ کیا دُعا کی قبولیت معیار صداقت نہیں؟ یا کیا خدا تعالیٰ بھول کر جھوٹے کی مدد کر دیگا؟ اور سچے کو اسکے سامنے ہلاک کریگا۔ علاوہ ازیں ڈوئی کو تو یہ دعوےٰ بھی ہے کہ وہ تمام بیماریوں سے لوگوں کو شفا دیسکتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو ضرور ہے کہ اس میں یہ طاقت بھی ہو کہ وہ دُعا کے ذریعہ بیماریوں کو ٹال سکے اور اسطرح جتنی مُدت چاہے وہ اپنی صحت کو قائم رکھکر زندہ رہ سکتا ہے اسلئے اسکا فرض ہے کہ اس مقابلہ میں نکلے۔

ایک یادوامریکہ کے اخباروں نے یہ خیال کیا ہے اور ممکن ہے کہ ڈاکٹر ڈوئی کو بھی یہ غلطی لگی ہو کہ ایسی دُعا کے کرنے میں کہ جھوٹا پہلے ہلاک ہو۔ حضرت مسیح موعود نے اپنے لئے کوئی فائدہ سوچا ہے جو دعوت ڈوئی کو دیگئی تھی اسمیں صاف اس امر کا اظہار کر دیا گیا تھا کہ ظاہری اسباب کے لحاظ سے اگر کسی فریق کو اسمیں کچھ فائدہ ہے تو وُہ ڈاکٹر ڈوئی کو حاصل ہے۔ مسیح موعود کی عمر اس وقت غالباً ۷۰ برس سے اُوپر ہے۔ حالانکہ ڈوئی کی عمر قریباً ۵۶ سال کی ہے اسلئے عمر کے لحاظ سے ڈاکٹر ڈوئی صریح فائدہ میں ہے اور اگر کسی اَور پہلو سے بھی فائدہ ہے وہ ڈاکٹر ڈوئی کو ہی ہے حضرت میرزا صاحب اسوقت قریباً ستر سال کی عمر تک پہنچ چکے ہیں۔ اور یہ انسان کی اوسط عمر کی حد ہے جو لوگ اس سے زیادہ عمر پاتے ہیں ان کی تعداد نسبتاً بہت کم ہے۔ پس قدرت کے قوانین کو مدنظر رکھکر ڈاکٹر ڈوئی کو آپ سے بہت عرصہ پیچھے تک زندگی کی امید کرنی چاہئے۔ علاوہ اس کے پنجاب کے ایک گاؤں اور امریکہ کے ایک نئے بنے ہوئے شہر کا صفائی کے لحاظ سے مقابلہ کرنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ڈوئی صریح فائدے میں ہے۔ بلکہ طاعون جو تباہی ہندوستان میں اور خصوصاً پنجاب میں دکھلا رہی ہے اسکو دیکھ کر کون انسان ایک دن بھی زندہ رہنے کا دعوےٰ کرسکتا ہے۔ بالخصوص پنجاب کے دیہات میں جو سب سے زیادہ طاعون کی تباہی کا نشانہ ہو رہے ہیں۔ ان دیہات میں سے بہت سے بالکل ویران ہو چکے ہیں اور بیشمار گھروں کے گھر

خالی ہو چکے ہیں۔ انہیں دیہات میں سے جن کی تباہی سے یہ حالت ہو رہی ہے۔ ایک گاؤں میں ایک شخص کھڑا ہوتا ہے جو بظاہر انسانی عمر کی حد تک پہنچ چکا ہے اور اپنے سے ایک گیارہ سال چھوٹے شخص کو جو بظاہر نہایت امن کی حالت میں اور صفائی اور آب و ہوا کے لحاظ سے بھی نہایت عمدہ جگہ میں رہتا ہے یہ دعوت کرتا ہے کہ وہ دعا کرے کہ جھوٹا پہلے ہلاک ہو۔ کیا کوئی سمجھدار آدمی اس کو ہنسی کی بات خیال کر سکتا ہے اگر ڈاکٹر ڈوئی اس دعوت کو قبول کرلے تو ہر ایک رعایت جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے ہو سکتی ہے اسی کے حق میں ہے۔ اور اگر ڈوئی اس دعوت کو قبول نہ بھی کرے تو بھی صرف ایسی چیلنج کا دینا ہی اس امر کا ثبوت ہے کہ چیلنج دینے والا اس طاقتور خدا کیطرف سے آیا ہے جسکو یہ قدرت ہے کہ اپنے بندے کیلئے جسطرح چاہے ظاہری اسباب کو توڑ کر کام لے ؛

لیکن ڈاکٹر ڈوئی اکیلا ہی ایسے مقابلہ کے لئے نہیں بلایا گیا۔ اخبار سنڈے سرکل لنڈن مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۰۳ء میں ایک قدر پیشگوئی صریح اور معین اسی چیلنج کی طرز کی (مگر چیلنج نہیں) حضرت مسیح موعود کیطرف سے شائع ہوئی ہے۔ چنانچہ اخبار مذکور لکھتا ہے ؛

سب سے آخری مسیح

پادری پگٹ کا ایک ہندوستانی حریف

وہ عام جوش جو پگٹ کے دعوے پر کہ میں یسوع مسیح ہوں پھیلا تھا ابھی تک ہمارے ناظرین کے دلوں سے فراموش نہیں ہوا ہوگا۔ اسلئے یہ خبر ان کے لئے باعث دلچسپی ہوگی کہ مشرق میں ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں ایک اسی دعوے کا مدعی پیدا ہوا ہے جو پگٹ نے کیا تھا۔ اس سب سے آخری مسیح کا نام مرزا غلام احمد ہے اور وہ قادیان میں رہتے ہیں جسکے وہ رئیس ہیں انہوں نے ابھی ایک اشتہار یورپ اور امریکہ میں اشاعت کے لئے بھیجا ہے جسکا عنوان ہے کہ ایک الوہیت کے مدعی کو تنبیہ۔ جس سے مراد ان کی پگٹ صاحب ہی معلوم ہوتا ہے کہ پگٹ کے پرائیویٹ سکرٹری نے مرزا غلام احمد صاحب کے دو اشتہار جنمیں اسکے جھوٹے دعووں کا ذکر تھا بھیجے تھے۔ ہندوستان کا مسیح پگٹ کے اس دعوے کو گستاخی اور کفر کا دعوےٰ کہتا ہے اسکے بعد مرزا غلام احمد کپکپا دینے والے لفظوں میں پگٹ کو اسکے دعوے پر تنبیہ کرتا ہے وہ کہتا ہے۔

" یہ امر خدا کی غیرت کو بھڑکانے والا ہے کہ ایک شخص انسان ہو کر پھر خدا بنتا ہو اور زمین و آسمان کا پیدا کرنیوالا اپنے تئیں قرار دیتا ہے اور اسطرح پر خدا کے مقدس نبیوں کی بیعزتی کا بھی موجب ہوتا ہے۔ اسلیئے میرے سچے اور پاک اور کامل خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے کہ میں ایسے شخص کو ابدائی سزا سے متنبہ کروں کہ اگر وہ اس گستاخی سے توبہ نہیں کریگا تو ہمارے دیکھتے ہوئے اور ہماری زندگی میں ہی بہت قریب عرصہ تک اس دنیا سے ایک شدید عذاب کے ساتھ رخصت ہو جائیگا جو محض خدا کیطرف سے ہوگا نہ انسان کے ہاتھ سے۔ یہ عذاب کا وعدہ اس خدا کی طرف سے ہے جو زمین و آسمان کا خدا ہے اسکی غیرت ایسا کریگی تا آئندہ کوئی انسان ہو کر ایسے جھوٹے دعووں سے زمین کو ناپاک نہ کرے "

اگرچہ ہندوستان کا نبی سچا مسیح ہونیکا دعوے کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں مسیح کی طبیعت اور اسی کی خو پر آیا ہوں لیکن وہ یہ مانتا ہے کہ میں انسان ہوں اسکا یہ دعویٰ ہے کہ ہزارہا نشان میرے ہاتھ پر ظاہر ہو چکے ہیں اور ایک لاکھ انسان میرے ہاتھ پر توبہ کر چکے ہیں۔ اس عجیب اشتہار کے اخیر پر وہ یوں لکھتے ہیں " اگر میں پگٹ کے پہلے مرگیا تو پھر میں خدا کی طرف سے سچا مسیح نہیں ہوں لیکن اگر میںنے اسکی موت کو دیکھ لیا جو میری دعا کا نتیجہ ہوگی تو پھر سمجھو کہ میں سچا مسیح ہوں اور خدا کیطرف سے ہوں۔ ہم دونوں ایک طاقت کے قبضہ میں ہیں اور وہ قادر خدا سچے مسیح کو دکھلا دیگا کہ جھوٹا اسکی زندگی میں ہی مرگیا۔ میری عمر اسوقت ۶۵ برس سے اوپر ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ پگٹ مجھ سے ۱۵ سال چھوٹا ہوگا۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کی پیشگوئی بڑی صاف ہے انکا یہ بھی دعوے ہے کہ ان کی سینکڑوں پیشگوئیاں اس سے پہلے پوری ہو چکی ہیں اسلیئے اس پیشگوئی کا بھی دلچسپی سے انتظار کیا جاویگا "

اخبار سنڈے سرکل کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی شخص جس نے ایک جھوٹے مدعی کو یہ چیلنج دیا ہے کہ وہ اسکے بالمقابل دعا کرے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاوے اسی نے ایک دوسرے مفتری کی نسبت جو عمر میں اس سے پندرہ سال چھوٹا ہے یہ پیشگوئی کی ہے کہ وہ اسکی زندگی میں ہلاک ہو جاویگا۔ کیا ایسی پیشگوئی انسانی طاقت کے اندر ہے اگر پگٹ یا ڈوئی کو اپنی صداقت کا کچھ بھی یقین ہوتا تو وہ کبھی اس طرح سے خاموشی اختیار نہ کرتے ہندوستان

اور پنجاب میں کئی آدمیوں نے اسی طرح بالمقابل دُعا کی کہ جھوٹا سچے کی زندگی کے اندر مر جائے اور وہ سب حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہی مر گئے۔ ڈوئی کو چاہئے کہ مسیح پر جو اس کا ایمان ہے اسکا کچھ ثبوت دے۔ چونکہ اسکا یہ بھی دعوٰے ہے کہ میں مسیح سے پہلے بحال کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسیح کی آمد تک ضرور زندہ رہیگا۔ ورنہ اس کی ساری تیاری خاک میں ملجائیگی اور جس صورت میں وہ ابھی اور پچیس سال تک مسیح کے انتظار میں ہے تو اسے یہ بھی اُمید ہونی چاہئے کہ تب تک وُہ زندہ رہیگا۔ پھر اسے کیا اندیشہ ہے کہ ایسے آدمی کے خلاف جو ایک طاعون زدہ ملک میں ستر سال کی عمر کو پہنچا ہؤا ہے وہ یہ دُعا کرے کہ جھوٹا پہلے ہلاک ہو جاوے اور ایسی ہلاکت کو کذب کا نشان سمجھے۔ اگر مسیح جلدی آگیا یا اگر اور پچیس سال تک مسیح موعُود زندہ رہے تو بھی اسے فکر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ مسیح کے آنے سے خُود اس کے مخالفوں کے دعوے باطل ہو جاوینگے اور چونکہ بحیثیت الیاس ہونے کے ڈوئی صاحب اُسوقت مسیح کے وزیر ہونگے اِس لئے وہ مسیح سے درخواست کر سکتے ہیں کہ وہ ان کے مخالف کو فی الفور ہلاک کر دے۔ ایک امریکہ کے اخبار نے لکھا ہے کہ شرط یہ نہیں ہونی چاہئے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاوے بلکہ یہ کہ جھوٹا فی الفور ہلاک ہو جاوے لیکن اسکو علم نہیں ہوگا کہ مسیح سے کتنی مُدت بعد یہودیوں اور یروشلم پر تباہی آئی تھی۔ جب اپنی مجوزہ صورت میں یہ مقابلہ ایک آسمانی نشان کے رنگ میں ہے تو پھر شرطیں تجویز کرنا ایمان داری نہیں ہے کیا یہ بات اِنسان کی طاقت میں ہے کہ وہ کہدے کہ فلاں شخص میری زندگی میں ہلاک ہو جاویگا ✦

عصمتِ انبیاء پر پادری مانزو کے رسالے

"جناب ایڈیٹر صاحب! مجھے ریویو آف ریلیجنز کا جولائی کا نمبر پہنچا اور میں نے دیکھا ہے کہ اسکے چالیس صفحوں میں سے تیس صفحوں میں میرے ایک رسالے پر ریویو ہے۔ غرض یہ ہے کہ یہ رسالہ کوئی نئی تصنیف نہیں ہے جیسا کہ ریویو کی تمہیدی ریمارکس سے شک گذرتا ہے بلکہ محض اس

خط و کتابت کو جو جنوری ۱۹۰۳ء سے چند ماہ پہلے ایپی فینی میں چھپتی رہی تھی دوبارہ ایک رسالے کی صورت میں کسیقدر نئے نوٹوں کے ساتھ شائع کیا گیا ہے اور ان چٹھیوں کی جب وہ اخبار مذکور میں چھپتی تھیں مرزا صاحب کو بخوبی اطلاع تھی۔ اس خط و کتابت کے بعض حصوں پر بحث کرتے ہوئے جو بیانات میگزین میں کئے گئے ہیں میں انکی تردید کرنے کو بالکل تیار ہوں اگر مرزا صاحب میرے لئے راستہ کھول دیں۔ ایپی فینی میں اس خط و کتابت کا سلسلہ اسلئے بند ہوگیا تھا جیسا کہ مرزا صاحب کو بخوبی علم ہونا چاہئے کہ مرزا صاحب نے اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ قرآن شریف میں ذنب انسانی کمزوری کے معنوں میں آیا ہے۔ کوئی قرآن شریف کی آیت پیش نہیں کی۔ یہی نقص قرآن شریف کی آیت کو پیش نہ کرنیکا جون کے ریویو میں اور پھر جولائی کے ریویو میں ظاہر ہے۔ جب اس جائز درخواست کو کہ قرآن شریف کی ایسی آیت پیش ہونی چاہئے پورا کر دیا جاویگا تو اسوقت مرزا صاحب کو یہ کہنے کا حق ہوگا کہ انہوں نے آخر کار اور بہت توقف کے بعد اس خط و کتابت کی بڑی تنقیح کو طے کر دیا ہے جب تک یہ نہ کیا جاوے تو دوسرے امور پر لکھنے سے خواہ وہ تحریریں کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہوں یہ امر واقع چھپ نہیں سکتا کہ ضروری تنقیح کو مرزا صاحب جان بوجھ کر ٹالتے ہیں۔ ان حالات کے ماتحت انہیں مجھ سے یہ اُمید نہیں کرنی چاہئے کہ میں بحث کے دوسرے پہلوؤں پر غور کروں اور نہ ہی ایپی فینی کے ایڈیٹر سے کبھی یہ امید رکھنی چاہئے کہ وہ اس خط و کتابت کو پھر کھولیگا۔ بڑی تنقیح جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن میں جو لفظ ذنب ۳۷ مقام پر آیا ہے جیسا کہ پادری ایسن نے بیان کیا ہے ان میں سے کونسے مقام کو مرزا صاحب اپنی رائے کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ ابتک اس قسم کی کوئی آیت پیش نہ کرنے سے حالانکہ بار بار ان سے مطالبہ کیا گیا ہے مرزا صاحب کا مقدمہ خارج ہو چکا ہے اور اب اسکی دوبارہ سماعت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ اس نقص کو دور کر دیں جسکی وجہ سے انکا مقدمہ خارج کیا گیا ہے۔"

آپ کا تابعدار جیمس مانرو

مانرو صاحب کا یہ خیال ہے کہ اب عصمت کے مضمون پر قلم اُٹھانے سے ہم روکے گئے ہیں جبتک کہ پادری صاحب بحیثیت جج یہ فیصلہ نہ دیں کہ ہمنے ذنب کے معنے درست کئے ہیں۔ لیکن یہ ان کی غلطی ہے ان کا یہ عذر کہ یہ رسالہ نئی تصنیف نہیں ہے قابل سماعت نہیں کیونکہ بہرحال پبلک کے سامنے یہ نئی صورت میں پیش ہوا ہے اور ہمیں حق حاصل ہے کہ اسپر ریویو کریں۔ پادری صاحب نے معلوم ہوتا ہے اتنی تکلیف نہیں اُٹھائی کہ عصمت پر وہ ہمارے اس تیس صفحے کے مضمون کو

پڑھ بھی لیتے جس کا وہ حوالہ دیتے ہیں کہ جولائی کے میگزین میں اُنھوں نے دیکھا ہے اگرچہ باوجود اس لاعلمی کے بھی کہ ہمنے اِس مضمون میں کیا لکھا ہے پادری صاحب لکھتے ہیں کہ میں "اس کی تردید کے لئے بالکل تیار ہوں۔" حالانکہ مضمون کو پڑھا ایک دفعہ بھی نہیں۔ شائید پادری صاحب کے نزدیک نیک نیتی سے اور ایمانداری سے مباحثہ کرنا اسی کا نام ہے۔ لیکن اگر وہ ہمارے اس مضمون کو پڑھ لیتے تو اُنہیں یہ خط لکھنے کی حاجت نہ ہوتی کیونکہ ہمنے تمہید میں لکھ دیا تھا کہ ہم انبیاء کے ان افعال پر جنکو گُناہ کہا جاتا ہے بحث کرنے کے بعد اس مسئلہ کے دُوسرے پہلوؤں پر بھی غور کرینگے جن میں لفظ ذنب پر بحث بھی ہوگی۔ دیکھو صفحہ ۲۵۵ سطر ۹-۱۰-۱۱ ؛

پادری مانزو صاحب مباحثہ میں حیلوں کو خُوب کام میں لاتے ہیں اور اظہار حق ہرگز نہیں چاہتے جب مفتی محمد صادق صاحب نے ۲۴- اگست ۱۹۰۲ء کے اپی فینی میں خط لکھا تھا جسمیں اُنھوں نے ریویو آف ریلیجنز کی بناء پر تین وجوہات پیش کئے تھے کہ ذنب کے معنے کلام اللہ کی اِن آیات میں جہاں انبیاء کے ذنب کا ذکر ہے صرف انسانی کمزوری ہیں تو پادری مانزو نے اسوقت یہ جواب دیا تھا کہ چونکہ قرآن شریف میں انبیاء کیطرف ..... ایسے افعال منسوب کئے گئے ہیں جو گناہ کے مفہوم میں آتے ہیں اسلئے ذنب کے یہ معنی انبیاء کے متعلق نہیں لئے جا سکتے۔ لیکن اب جب ہمنے یہ ثابت کیا کہ قرآن شریف میں کسی نبی کے کسی گُناہ کا ذکر نہیں ہے تو پادری صاحب کہتے ہیں کہ یہ باتیں ہی غیر متعلق ہیں اور وہ اس طرف توجہ نہیں کر سکتے۔ تعجب ہے کہ ایک طرف تو ذنب کے معنوں کی تردید میں کس زور و شور سے اس بحث کو پیش کیا۔ کہ انبیاء کے گُناہوں کا ذکر قرآن شریف میں ہے اور جب اس باطل خیال کی تردید کیگئی تو جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ غیر متعلق باتیں ہیں پادری صاحب کیوں عمداً پبلک کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اگر وہ اپنے آپ کو اس الزام سے بری سمجھتے ہیں تو پھر وہ دوسری مثل اُنپر صادق آئیگی کہ دروغگو را حافظہ نباشد۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۰۲ء کے اپی فینی میں پادری صاحب نے یہ مضمون چھپوایا تھا جواب انکے رسالہ میں پھر چھپا ہے۔ جسکو ہم شبہ کے دُور کرنیکے لئے ان کے الفاظ میں یہاں نقل کرتے ہیں :- ؛

" قرآن شریف میں یہ لکھا ہے کہ کس طرح حضرت آدمؑ نے خُدا کی نافرمانی کی اور ممنوع پھل کھایا پھر اسی سورۃ اعراف میں یہ لکھا ہے کہ کس طرح حضرت آدمؑ شرک جیسے گُناہ کے مرتکب ہُوئے آدم کے ان افعال کا جنکا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ مُفتی صاحب کیا نام رکھتے ہیں کیا اِن دونوں

فعلوں میں سے ہر ایک فعل گناہ تھا یا انسانی کمزوری جو صرف فطرتِ انسان میں ہے ایسا ہی یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے تین دفعہ جھوٹ بولا۔ کیا یہ جھوٹ گناہ تھے یا صرف انسانی کمزوری۔ حضرت موسےٰ کی نسبت سورۂ قصص میں یہ ذکر ہے کہ اس نے ناحق ایک خون کیا۔ کیا مفتی صاحب کی رائے میں گناہ تھا یا انسانی کمزوری۔ پھر سورۂ اعراف میں مفصل ذکر ہے کہ کیونکر ہارون نے اسرائیلیوں کو گوسالہ پرستی میں مدد دی اور ترغیب دی۔ کیا مفتی صاحب محمد صادق صاحب کے نزدیک ہارون کا یہ فعل گناہ تھا یا نہیں میں اس فہرست کو بہت لمبا کرسکتا ہوں۔ اور حضرت نوحؑ۔ یونس۔ داؤد وغیرہ علیہم السلام کے گناہ قرآن کریم میں دکھا سکتا ہوں۔ لیکن بالفعل اسی قدر کافی ہے" اب دیکھنا چاہئے کہ کس قدر اصرار کے ساتھ مازوریہ مطالبہ کرتا ہے اور اس فیصلہ کو کہ آیا انبیاءؑ کے یہ فعل گناہ تھے یا نہیں۔ ذنب کے معنوں کے تصفیہ کے لئے کس قدر ضروری سمجھتا ہے۔ لیکن جب اصل حقیقت ان باتوں کی پیش کیگئی تو کس چالاکی سے وہ ہمیں خط لکھتا ہے کہ ان باتوں کی اسے کچھ ضرورت نہیں۔ پہلے تو سوال پر سوال کرتا جاتا ہے کہ فلاں نبی کے فلاں فعل کا جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے کیا نام رکھنا چاہئے اور جب جواب دیا جاتا ہے تو کس دلیری سے وہ اُلٹا الزام ہمکو دیتا ہے کہ ہم امر تنقیح طلب کو ٹال رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ پادریصاحب کو اپنے مطلب کیلئے کوئی ٹیڑھا راستہ اختیار کرنے میں کسی قسم کی شرم یا پرہیز نہیں ہے۔ ایسے شخص کو کس طرح یقین دلایا جاسکتا ہے کہ انبیاء واقعی معصوم تھے۔ جبتک کہ پہلے اسے اس بڑے دھوکے سے نہ نکالا جاوے جو وہ سمجھتا ہے کہ یسوع مسیح آسمان پر چڑھ گیا تھا۔ اور جبتک اسے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ اسکا فرضی خدا مٹی کے نیچے پڑا ہے۔ ہاں سری نگر کی مقدس خاک میں لیٹا ہوا ہے۔ پادریصاحب سے ہمارا ایک اور سوال بھی ہے کہ کیا استغفار کے ان معنوں کو جو ہمنے کئے ہیں وہ صحیح تسلیم کرتے ہیں یا نہیں یعنی یہ کہ استغفار صرف گناہوں کی معافی مانگنے کا نام ہی نہیں ہے بلکہ گناہ سے حفاظت طلب کرنا بھی اسکا اعلیٰ اور اہم مفہوم ہے اسکا ثبوت ہم بارہا پیش کرچکے ہیں اور دکھاچکے ہیں کہ جنتی جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی ہمیشہ کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ پادری صاحب اس کا جواب دے کر ہمیں ممنون کرینگے +

پادری مازور کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مسیح موعود کبھی کسی مباحثہ میں اسکو فریق ثانی نہیں بنے +

اس کا یہ کہنا کہ حضرت مرزا صاحب کو اپنی فیبنی کے سارے مضامین سے بخوبی اطلاع تھی یا یہ کہ جو بحث پادری صاحب نے شروع کی تھی اسکے بند ہونیکا ان کو علم تھا سیاہ جھوٹ ہے حضرت مسیح موعود کی طرف سے ایک مفصل مضمون عصمت انبیاء پر مئی ۱۹۰۲ء کے پرچے میں چھپا تھا اور پادری ابتک اسکے جواب میں خاموش ہیں۔ پادری مازو نے بہت ساری دلیلوں میں سے صرف ایک دلیل کو پکڑا یعنی ذنب کے معنوں پر بحث شروع کی لیکن حضرت مسیح موعود کے مضمون میں یہ بحث صرف دو صفحوں میں منجملہ ۴۵ صفحوں کے درج تھی اور جب تک پادری مازو حضرت مسیح موعود کے مضمون کے اصلی اور بڑے حصہ پر..... بحث نہ کریں اور یا صاف لفظوں میں یہ اقرار نہ کریں کہ مجھے اس سارے مضمون پر کوئی اعتراض نہیں۔ حضرت مسیح موعود کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ پادری صاحب کے لغو اور پوچ اعتراضوں کا جواب دیں۔ پادریصاحب کو اس سارے مضمون کو ایک مضمون سمجھکر معرض بحث میں لانا چاہیئے اور یا تو وہ کل دلائل پر بحث کریں اور یا صاف صاف کہہ دیں کہ اس حصہ کے سوائے جہاں ذنب کا ذکر ہے مضمون کے باقی حصہ پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے کیا یہ ایمانداری ہے کہ ایک بڑی چھوٹی سی بات کو لیکر پبلک کو دھوکہ دیا جاوے۔ اور باقی کل کے کل دلائل کا اخفا کیا جاوے۔ کیا پادری مازو نے ان تمام دلائل پر جو حضرت مسیح موعود نے پیش کئے تھے غور کیا ہے اور اگر نہیں تو کیا اسکو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ میں نے مسیح موعود کے دلائل کو توڑ دیا ہے۔ علاوہ بریں ہر ایک شہادت کا وزن تو بحیثیت مجموعی جانچا جا سکتا ہے نہ یہ کہ ایک غیر مستقل ٹکڑے کو لیکر باقی کو علیحدہ کر دیا جائے گویا کہ اس حصے کا باقی بحث سے کچھ تعلق ہی نہ تھا۔ یہ مضمون عصمت انبیاء کے اثبات میں لکھا گیا تھا اور منجملہ بہت سارے دلائل کے ایک دلیل یہ بھی تھی کہ ذنب کے معنے انسانی کمزوری کے بھی ہیں کل گیارہ عنوانوں میں یہ مضمون تقسیم ہوا تھا یعنی ۱۔ نجات اور شفاعت۔ ۲۔ عصمت اور شفاعت میں تعلق۔ ۳۔ قرآن شریف سے ثبوت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان کامل تھے۔ ۴۔ استغفار ۵۔ ذنب اور جرم میں فرق۔ ۶۔ شفاعت کی ضرورت۔ ۷۔ قرآن شریف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ثبوت۔ ۸۔ عیسائیوں کا خدا۔ ۹۔ ثبوت قرآن شریف سے کہ آنحضرت کے قول و فعل خدا کی طرف سے تھے۔ ۱۰۔ مسیح موعود کا آنا۔ ۱۱۔ عصمت کے مسئلہ کا اخیری فیصلہ ⁘

اِن میں سے پادری مازو کا اعتراض صرف پانچویں عنوان پر ہے لیکن اس اعتراض میں بھی وہ ایمانداری سے کام نہیں لیتا۔ حضرت مسیح موعود نے تو ذنب اور جرم میں فرق دکھایا تھا مگر اب مازو اسپر بحث کرتا ہُوا یہ کہتا ہے کہ ہم جرم کے معنوں پر کوئی غور نہیں کرینگے جب تک ذنب کے معنوں کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ قرآن شریف لُغت کی کتاب تو ہے نہیں کہ اس سے ذنب کے معنے نکالکر پادریصاحب کی تسلّی کر دیجائے بلکہ اس امر کا کہ قرآن شریف نے کسی لفظ کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے۔ فیصلہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ قریب المعنے الفاظ کے استعمال۔ سیاق و سباق یا قرآن شریف کے عام مفہوم پر غور کیا جاوے۔ چُنانچہ عصمتِ انبیاءؑ کو ثابت کرتے ہُوئے انہیں اصولوں پر حضرت مسیح موعود نے ذنب اور جرم کے درمیان فرق دِکھایا تھا۔ لیکن پادری مازو سیدھا طریق کبھی اختیار نہیں کرتا وہ ہمیشہ حیلوں سے کام نکالنا چاہتا ہے۔ اور بڑی دلیری سے انکو کام میں لاتا ہے۔ ستمبر کے ریویو کے پرچہ میں ہمنے ذنب کے معنے ثابت کرنے کے لئے چار امور ثابت کئے تھے لیکن پادری مازو کو نہ تو یہ جرأت ہُوئی کہ اس مضمون کو اپنے رسالے میں درج کریں اور نہ ہی اسکی تردید کی ان میں طاقت تھی اور اسلئے انہوں نے مصلحت یہی سمجھی کہ اس مضمون کا کہیں ذکر تک بھی نہ کریں۔ یہ چار اُمور حسب ذیل ہیں:۔

(۱) لفظ **ذنب** قرآن شریف میں قریبًا چالیس دفعہ استعمال ہُوا ہے حالانکہ **جُرم۔ اثم۔ فسق** قریبًا دو سو دفعہ استعمال ہُوئے ہیں +

(۲) باوجودیکہ الفاظ جرم۔ اثم۔ فسق بمقابلہ ذنب کے اس کثرت سے استعمال ہُوئے ہیں لیکن انمیں سے کبھی بھی کوئی لفظ انبیاء کے حق میں نہیں بولا گیا +

(۳) الفاظ جرم۔ اثم۔ فسق کے مُتعلق قرآن شریف نے صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ یہ افعال خدا کے حکم کی نافرمانیاں ہیں جنپر خدا تعالےٰ کی طرف سے سزا کا وعید ہے۔ اور ان کے کرنے والوں کیلئے جہنّم مُقرر کیا گیا ہے +

(۴) ذنب کی ایسی تعریف قرآن شریف میں کہیں نہیں کیگئی اور نہ ہی ہر ایک مذنب کے لئے دوزخ کی سزا مقرر کیگئی ہے +

نہ پادری مازو نے اور نہ ہی اس کے کسی دوست نے ان چار امور میں سے ایک کو بھی

غلط ثابت کر کے...... دکھایا۔ پادری اسپن مانزو کے فاضل مصری دوست نے جو بے وقوفی کی ہے۔ اسپر ہر ایک شخص جسکو عربی زبان سے کچھ بھی واقفیت ہے ہنسیگا۔ پادری مانزو حضرت مسیح موعود کو اپنا فریق مخالف تجویز کرنے میں اپنے پایہ سے بڑھ کر جرأت کرتا ہے اسے شائد ابھی اتنا تجربہ نہیں ہُوا ہے جیسا لاہور کے فاضل بشپ کو جنہنے ایسے مقابلہ سے گریز کی تھی پادریصاحب کو بشپ صاحب سے سبق حاصل کرنا چاہئیے تھا شائد مانزو کو یہ خیال ہو کہ بشپ صاحب کو وہ بحث کے حیلے یاد نہ تھے جنمیں پادریصاحب مشاق ہیں مگر اغلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بشپ صاحب نے سمجھ لیا ہوگا کہ ایسے مباحثہ میں جہاں دونوں فریق برابری کی حیثیت میں ہونگے ایسے حیلے کام نہ دیسکیں گے۔ کیونکہ اتنا تو ہم جانتے ہیں کہ عرصہ دراز تک بشپ صاحب پادری کا کام کرتے رہے ہیں۔ اور اسلئے وہ ان سب باتوں سے واقف ہیں ایسے حیلے صرف اپی فینی کے اخبار میں یا الگ رسالے شائع کرنے میں کام آسکتے ہیں۔

اب صرف ہمیں چند لفظ پادری مانزو کے اس فیصلہ کے متعلق کہنے ہیں جو اس نے کیا ہے فیصلہ اسکا یہ ہے کہ مرزا صاحب کا مقدمہ بسبب شہادت کے نہ ہونے کے خارج کیا گیا ہے حالانکہ نہ تو اس نے خود حضرت مسیح موعود کی کسی دلیل کا جو عصمتِ انبیاء پر آپ نے تحریر فرمائی ہیں جواب دیا ہے اور نہ ریویو آف ریلیجنز کے ان دلائل کا جواب دیا ہے جو ذنب کے معنوں کے متعلق اسمیں لکھے گئے تھے۔ یہ تو ہوا لیکن خود پادریصاحب نے یسوع کی عصمت پر جو اناجیل کی بناء پر حملے کئے گئے تھے انکا آجتک کچھ بھی جواب نہیں دیا۔ گویا کہ انکے کانوں میں رُوئی بھری ہُوئی ہے۔ ہر ایک دلیل کے جواب میں وُہ محض گونگے کیطرح خاموشی اختیار کرتے ہیں کیا بار بار ان کو توجہ نہیں دلائی گئی کہ جس حالت میں دُوسرے انبیاء کو خُدا کے کلام میں متقی۔ صالح۔ راستباز کہا گیا ہے تو یسُوع نے نیک کہلانے سے کیوں انکار کیا۔ اور پھر علاوہ اس انکار کے اس نے اگر وُہ واقعی بے گناہ تھا تو یوحنا کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کر کے بپتسمہ کیوں لیا۔ کیا پادری مانزو نے بائیبل کی کسی آیت کا حوالہ دیا ہے جسمیں "میں نیک نہیں ہُوں" کے معنے "میں نیک ہُوں" لئے گئے ہوں۔ یا وُہ گرامر کا کوئی ایسا قاعدہ پیش کر سکتا ہے جس کے رُو سے ان الفاظ کے معنے کہ "تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے" یہ ہونے چاہئیے کہ "تجھے چاہئیے کہ مجھے نیک کہے" یا انگریزی زبان کی کوئی ایسی ڈکشنری پیش کی ہو جسمیں لکھا ہو کہ

ناٹ گڈ کے معنے نیک ہوتے ہیں کیا اسے معلوم نہیں کہ یہ اور اسی قسم کے اور سوالات ہیں مہینوں سے برابر اسے پوچھے جارہے ہیں اور ان سب کے جواب میں اسنے اور دوسرے تمام پادریوں نے اب تک خاموشی اختیار کر رکھی ہے دعوے تو یہ ہے کہ ہم ہندوستان میں یسوع کی انجیل کے واعظ اور مفسر ہو کر آئے ہیں اور کرتوت یہ کہ مہینوں سے ایک سوال کا جواب بھی نہیں دیا کیا پادری ناز وکو حضرت مرزا صاحب کے برخلاف اس وجہ پر کہ اسکے اپنے بیان کے مطابق انہوں نے اسکے ایک سوال کا جواب پانچ ماہ تک نہیں دیا۔ یہ فیصلہ دیتے ہوئے کہ عدم ثبوت کی وجہ سے ان کا مقدمہ خارج ہے شرم نہ آئی جب وہ خود مہینوں سے ہمارے متواتر سوالوں کے جواب میں خاموش ہو رہا ہے۔ کیا یہی سچائی ہے جو اس نے انجیل سے سیکھی ہے کیا یہ طریق کسی ایماندار مباحث کے شایانِ شان ہے۔ یہ مصرع گویا پادریصاحب کے لئے ہی لکھا گیا تھا۔ ؎

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

دعوے یسوع کی عصمت کا ہے اور انبیاء کو گالیاں دیجاتی ہیں لیکن پادری صاحب کی موہوم عصمت یسوع پر انجیل ہی کی بناء پر اعتراض کئے جاتے ہیں اور مہینوں سے لگاتار سوالوں کا سلسلہ چلا آتا ہے تو پادری صاحب اپنی ناکامی اور شکست کو چھپانے کے لئے بڑی جرأت سے یہ کہتے ہیں کہ ہمنے مرزا صاحب کا مقدمہ عدم شہادت کے لئے خارج کر دیا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ ایسی بیہودگی کرتا اسے چاہیئے تھا کہ گھر کو صاف کر لیتا۔ اور ان سوالوں کا جواب دے لیتا جو بار بار اس سے پوچھے گئے ہیں یا صاف لفظوں میں اقرار کرتا کہ ان کا جواب دینے سے وہ عاجز ہے اگر ان دونوں راہوں میں سے وہ کوئی راہ بھی اختیار نہیں کریگا تو آئندہ ہم اس سے کوئی واسطہ نہیں رکھیں گے اور نہ اسکی تحریروں پر کوئی غور کرینگے خواہ وہ ایپی فینی میں چھپیں یا ہمارے پاس بھیجی جاویں ؏

وہ نبی

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

ایک بھرت پور کا عیسائی موہن لال نامی ایپی فینی مورخہ ۲۰ جون ۱۹۰۳ء میں بیان کرتا ہے

کہ استثنا باب ۱۸ آیت ۲۰ میں دو پیشگوئیاں ہیں ایک سچے نبی کی اور دوسری جھوٹے نبی کی اور جب یہودیوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ آیا تو وہ **نبی** ہے تو ان کا اشارہ اس جھوٹے نبی کیطرف تھا جسکا ذکر استثناء میں ہے اور یہ جھوٹے نبی معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بت پرستی اور انسان کی پوجا سے عقلیں کند ہو جاتی ہیں ۔

استثنا کے متعلق تمام یہودیوں اور عیسائیوں کا اتفاق ہے کہ ان آیتوں میں ایک ہی سچے نبی کی پیشگوئی ہے - لیکن اگر ہم مان بھی لیں کہ استثنا باب ۱۸ آیت ۲۰ میں ایک جھوٹے نبی کی پیشگوئی ہے تو وہ پیشگوئی ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر نہیں لگتی - کیونکہ اسمیں لکھا ہے کہ جھوٹا نبی قتل کیا جائیگا یعنے ناکامی کے ساتھ ہلاک ہوگا - مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کامیابی کے اعلےٰ منار تک پہنچ گئے - اور جب اپنے کام کو مکمل کر چکے تو وفات پائی - خدا تعالےٰ ان کی سچائی کے ثبوت میں فرماتا ہے ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین یعنی اگر یہ نبی ہمپر افترا کرتا تو ہم اسکو دائیں ہاتھ سے پکڑتے پھر اسکی رگ جان کو کاٹ دیتے - پھر آپکے کام کی تکمیل کی نسبت فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تمپر پورا کر دیا - ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب استثنا کے یہ الفاظ "لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جسکے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا تو وہ نبی قتل کیا جائیگا" ہمارے نبی پر صادق نہیں آتے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ پیشگوئی نہیں لگتی - لیکن اگر بابو موہن لال نے ضرور یہ الفاظ کسی مدعی نبوت پر لگانے ہیں تو یہ یسوع پر خوب چسپاں ہوتے ہیں - کیونکہ اسکو بہت مہلت نہیں دیگئی اور جب اس نے خدائی کا دعوےٰ کیا تو اسکے بعد جلد ہی یہودی اس کو پھانسی کیطرف گھسیٹ کر لیگئے اور وہ صلیب پر لعنتی موت مرا جو بائیبل کے رو سے صرف ایک جھوٹے نبی کے حصے میں آ سکتی ہے ۔

اور بھی کئی وجوہات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ استثنا باب ۱۸ کی پیشگوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے نہ یسوع کے حق میں - یہ الفاظ کہ موعود نبی انکے بھائیوں میں سے ہوگا - صاف طور پر ثابت کرتے ہیں کہ یہ پیشگوئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہے میرا مدعا یہاں یہ نہیں ہے کہ ان لفظوں سے صرف بنی اسماعیل ہی مراد ہو سکتے ہیں میں مان لیتا ہوں کہ یہ الفاظ بنی اسرائیل کیلئے بھی ایسے ہی ہو سکتے ہیں

جیسے بنی اسمٰعیل کے لئے۔ مَیں تو اس بات پر زور دیتا ہوں کہ یہ الفاظ یسوع کو بالکل خارج کرتے
ہیں کیونکہ انہی الفاظ کے رُو سے موعود نبی یا اسمٰعیلی ہونا چاہئے یا اسرائیلی۔ مگر چونکہ یسوع کو
عیسائی بے باپ مانتے ہیں اسلئے نہ وُہ اسرائیلی تھا نہ اسماعیلی کیونکہ اسماعیلی یا اسرائیلی باپ تھا۔ علاوہ
اسکے عیسائی تو اسکو خُدا اور خُدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو وہ کس طرح اسمٰعیل یا یعقوب کی
اولاد کہا جاسکتا ہے اگر عیسائی اس پیشگوئی کو یسوع پر لگانا چاہتے ہیں تو اول ان کو اسکی خُدائی
سے انکار کرنا چاہئے اور پھر کسی آدمی کا نام لینا چاہئے جس کے نطفہ سے وہ پیدا ہُوا ہو اور یہ بھی کہنا
چاہئے کہ وہ یسوع کا باپ بنی اسمٰعیل یا بنی اسرائیل میں سے تھا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیل
میں سے تھے اور اسلئے یہ الفاظ کہ موعود نبی انکے بھائیوں میں سے ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
پر صادق آتے ہیں۔ بابو موہن لال بیان کرتا ہے کہ یہ الفاظ اسماعیلیوں پر اطلاق نہیں
پا سکتے کیونکہ حضرت اسماعیلؑ حضرت یعقوب کے چچے تھے نہ بھائی۔ اسلئے بنی اسماعیل بنی اسرائیل
کے بھائی نہیں کہے جا سکتے۔ یہ عجیب دلیل ہے۔ بابو صاحب بتلا دیں کہ اگر بھائیوں کا لفظ بنی
اسماعیل پر نہیں لگ سکتا تو وہ اور کونسا لفظ ہے جس کے ذریعہ ان دونوں قوموں کے رشتے کو
ظاہر کیا جاوے۔ کیا بنی اسماعیل کو بنی اسرائیل کے چچے کہنا چاہئے دونوں قوموں کا جد اعلیٰ ایک
ہے۔ یعنے دونوں قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اِس لئے ہم ان کے باہمی رشتے
کو بھائیوں کے لفظ سے ظاہر کر سکتے ہیں ایسا ہی یہ الفاظ کہ موعود نبی تجھ سا یعنے موسیٰ جیسا
ہوگا صاف طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ اس پیشگوئی کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان
الفاظ کے رُو سے ضروری ہے کہ موعود نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل ہو۔ اب دیکھنا چاہئے کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام میں وُہ کونسی خاص باتیں ہیں جنہیں موعود نبی کو ان سے مشابہت
ہونی چاہئے۔ اوّل حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت تھے۔ دوم وہ اپنے دُشمن پر
فتحیاب ہُوئے اور فرعون مع اپنے تمام لشکر کے ہلاک ہُوا۔ سوم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے
اپنی قوم کو فرعون کے ظلم اور جفا سے نجات دی اور انکے پیرو ایک سلطنت کے وارث ہوئے یہ تین
باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام میں نمایاں ہیں۔ اب دیکھنا چاہئے کہ ان سے ان باتوں میں کون مشابہت
رکھتا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا یسوع عیسائی نوشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کی حضرت موسےٰ سے
کوئی مشابہت نہ تھی یسوع کوئی شریعت نہیں لایا بلکہ اُسنے حضرت موسیٰؑ کی شریعت کو بھی موقوف کیا یا اسی

وجہ سے عیسائیوں کا عمل توریت پر نہیں تھا۔ ایسا ہی بجائے اس کے کہ یسوع حضرت موسیٰؑ
کی طرح اپنے دشمنوں پر غالب آئے اسکے دشمن اُلٹا یسوع پر غالب آگئے چنانچہ اُنہوں نے
یسوع کو پھانسی پر چڑھا دیا ایسا ہی یسوع اِس بات میں کامیاب ہُوا کہ اپنے شاگردوں کو مُلک
کا بادشاہ بنائے۔ یہودیوں اور خُود اس کے شاگردوں کی اسطرف آنکھیں لگی ہُوئی تھیں کہ وہ
داؤد کے تخت کو قائم کریگا مگر ساری اُمیدیں بیفائدہ تھیں۔ پس ثابت ہُوا کہ یسوع حضرت
مُوسیٰ علیہ السلام سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا تھا۔ ہاں اگر استثنا کی پیشگوئی میں یہ الفاظ ہوتے
کہ وہ حضرت موسیٰؑ جیسا نہ ہوگا تو پھر یسوع اس پیشگوئی کا مصداق ہوسکتا تھا علاوہ ازیں
حضرت موسیٰؑ تو انسانوں کی اولاد تھے مگر یسُوع تو عیسائیوں کا خُدا تھا۔ پس انسان اور خُدا
میں کیسے مشابہت ہوسکتی ہے لیکن اگر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح کی طرف توجہ کریں
تو ہم ان میں اور حضرت مُوسیٰؑ میں بیّن مشابہت پاتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی طرح ہمارے نبی صلی
اللہ علیہ وسلّم صاحب شریعت تھے۔ اور حضرت مُوسیٰؑ کیطرح ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم
اپنے دشمنوں پر غالب آئے اور آپ کے دشمنوں کا نام ونشان مٹا دیا گیا۔ حضرت موسیٰؑ کی قوم کی
طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ مُلکوں کے بادشاہ اور فاتح بنے۔ پس یہ الفاظ کہ وہ موعود
نبی تجھ سا یعنے حضرت موسیٰؑ جیسا ہوگا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر صادق آتے ہیں۔ پھر یہ الفاظ
بھی کہ "اپنا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالونگا اور جو کچھ میں اسے فرماؤنگا وہ سب ان سے کہیگا"......
...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر ہی صادق آتے ہیں نہ یسوع پر۔ خُدا تعالےٰ نے پیشگوئی کے منشاء
کے مطابق اپنا کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے مُنہ میں ڈالا جسکو آپ نے لوگوں تک پہنچایا اور جو
اب قرآن شریف میں موجود ہے۔ عیسائیوں کے پاس کوئی ایسی کتاب نہیں جس میں خُدا تعالےٰ
کا کلام درج ہو جو خُدا تعالےٰ نے یسُوع کے مُنہ میں ڈالا تھا۔ اناجیل میں کچھ ٹوٹی پھوٹی یسوع کی
تقریریں درج ہیں مگر وہ یسُوع کے اپنے الفاظ ہیں نہ خدا تعالےٰ کے۔ اور یسوع نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ
یہ الفاظ اُنکا کلام نہیں خُدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس پیشگوئی کو یسُوع پر لگانے کے لئے بابو موہن لال بیان
کرتا ہے کہ یسُوع کلمۃ اللہ تھا۔ میں یہاں یہ بحث نہیں کرتا کہ آیا وُہ فی الحقیقت کلمۃ اللہ تھا اگر ہم مان
بھی لیں کہ وہ کلمۃ اللہ تھا تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یسُوع اس پیشگوئی کا مصداق نہیں کیونکہ
پیشگوئی...... تو اسطرح پر ہے کہ خُدا تعالےٰ کا کلام نبی موعُود کے مُنہ میں ڈالا جائیگا۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ نبی موعود اور خدا کا کلام ایک چیز نہیں بلکہ وہ الگ الگ چیزیں ہیں۔ پس اگر یسوع کلمۃ اللہ یعنی خدا تعالیٰ کا کلام تھا تو وہ نبی موعود نہیں ہو سکتا۔ نبی موعود اَور ہے اور کلام الٰہی اَور ہے دونوں ایک نہیں۔

بابو موہن لال کی بات ایسی بیہودہ نہ ہوتی اگر وہ یہ بیان کرتا کہ یہ پیشگوئی یسوع کی ماں مریم کے حق میں ہے جسکے رحم میں یسوع جو خدا کا کلام تھا ڈالا گیا اور اسطرح یہ پیشگوئی مریم میں پوری ہوئی اگرچہ اسمیں بھی ایک یہ مشکل پیش آتی ہے کہ پیشگوئی کے رُو سے خدا کا کلام مریم کے مُنہ میں ڈالا جانا چاہئے تھا نہ رحم میں ⁂

علاوہ ازیں یسوع نے کبھی دعوےٰ نہیں کیا کہ یہ پیشگوئی اسکے حق میں ہے۔ بلکہ نئے عہدنامے سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکے پُورا ہونیکا ابھی انتظار تھا۔ دیکھو اعمال باب ۳ آیت ۲۲-۲۳ جسمیں لکھا ہے اور یسوع مسیح کو پھر بھیجے جس کی مُنادی تم لوگوں کے درمیان آگے سے ہُوئی۔ ضرور ہے کہ آسمان اسے لئے رہے اسوقت تک کہ سب چیزیں جنکا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں کیونکہ موسےٰ نے باپ دادوں سے کہا۔ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی میری مانند اُٹھائیگا جو کچھ وُہ تمہیں کہے اسکی سب سنو۔ اور ایسا ہوگا کہ ہر نفس جو اس نبی کی نہ سُنے وہ قوم میں سے نیست کیا جاوے۔ مذکورہ بالا عبارت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یسوع میں یہ پیشگوئی پوری نہیں ہُوئی بلکہ یہ نبی ابھی آنیوالا ہے اور جب تک یہ نبی ظاہر نہ ہولے یسوع دوبارہ نہیں آئیگا۔ اب یہ دیکھنا باقی رہا ہے کہ آیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوےٰ کیا ہے کہ موسےٰؑ کی پیشگوئی آپکے حق میں ہے۔ اس امر کے متعلق قرآن شریف صاف شہادت دیتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً۔ یعنے ہمنے تمہارے پاس ایک رسول بھیجا ہے جو تمپر گواہ ہے جیسا کہ ہمنے فرعون کیطرف رسول بھیجا۔ اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسےٰؑ میں مشابہت قائم کیگئی ہے۔ پھر فرماتا ہے وشھد شاھد من بنی اسرائیل علیٰ مثلہ (الاحقاف) یعنی بنی اسرائیل میں سے ایک شاہد نے اپنے مثیل کے پیدا ہونے کی شہادت دی ہے اسمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کیطرف صریح اشارہ ہے پھر جیسا کہ استثنا کی پیشگوئی میں لکھا ہے کہ میں اپنا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالونگا اور جو کچھ میں اسے کہونگا وہ سب ان سے کہیگا۔ اسی کے موافق قرآن شریف میں یہ آیت ہے ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ (سورۃ النجم)

یعنے یہ نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ یہ ایک وحی ہے جو اسکی طرف بھیجی جاتی ہے اور جیسا کہ استثنا کی پیشگوئی میں لکھا ہے کہ جھوٹا نبی ہلاک ہو جائیگا۔ ایسا ہی قرآن شریف میں ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تقول علی اللہ کرتے یعنی خدا تعالیٰ پر افترا کرتے تو اسکا نتیجہ ہلاکت ہوتا۔ ان آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف حضرت موسے علیہ السلام کی پیشگوئی کا مصداق جو استثنا باب ۱۸ میں ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ٹھہراتا ہے +

اب میں نئے عہدنامے کی اُس عبارت کیطرف رجوع کرتا ہوں جسمیں بابو موہن لال کہتا ہے کہ ایک جھوٹے نبی کا ذکر ہے وہ عبارت یوں ہے:۔

"بلکہ یوحنا نے انکار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ تب اُنہوں نے اس سے پوچھا تو اور کون ہے؟ کیا تُو الیاس ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں پس آیا تُو وہ نبی ہے اس نے جواب دیا۔ نہیں"

مندرجہ بالا عبارت میں صریحاً ایک سچے مشہور موعود نبی کا ذکر ہے نہ جھوٹے نبی کا جیسا کہ مندرجہ ذیل دلائل سے ظاہر ہوتا ہے:۔

اوّل یہودیوں نے جو سوال حضرت یحییٰ ؑ سے کیا اس سے ان کی غرض اس امر کا معلوم کرنا تھا کہ وُہ کیا دعوےٰ کرتا ہے پس وہ ان سے یہ نہیں پُوچھ سکتے تھے کہ کیا تم ایک جھوٹا نبی ہونیکا دعویٰ کرتے ہو؟

دوم۔ یہودیوں نے سوال کیا۔ اگر تو نہ مسیح ہے نہ الیاس نہ وُہ نبی۔ پس کیوں بپتسمہ دیتا ہے + اِس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ **وہ نبی** سے ان کی مراد ایک ایسا نبی تھا جسکو اصطباغ دینے کا یا بیعت لینے کا اختیار تھا یعنے ایک سچا نبی +

سوم۔ مروجہ بائیبلوں کے حاشیہ پر لکھا ہُوا ہے کہ یہاں **وہ نبی** سے مراد وُہ موعود رسول ہے جسکا ذکر استثنا باب ۱۸۔ آیت ۱۵ و ۱۸ میں ذکر ہے اب بابو موہن لال مانتا ہے کہ آیت ۱۵ و ۱۸ میں ایک سچے نبی کا ذکر ہے نہ جھوٹے کا پس ثابت ہُوا کہ یہاں **وہ نبی** سے مراد سچا نبی مُراد ہے +

چہارم۔ جب کبھی نبی کا لفظ تنہا ہوتا ہے تو اس سے سچا نبی ہی مراد ہوتا ہے جبتک جھوٹا وغیرہ ساتھ نہ لگے ہُوئے ہوں +

[لال] کا یہ کہنا کہ جب یہودیوں نے حضرت یحییٰ ؑ سے پُوچھا کہ کیا تُو وہ نبی ہے؟ [و]ہ جھوٹا نبی تھا جس کا ذکر استثنا باب ۱۸ آیت ۲۰ میں ہے بالکل بے بنیاد ہے [ج]بتک کہ وُہ یہ ثابت نہ کرے کہ یہودیوں کے نزدیک بھی آیت ۲۰ میں ایک جھوٹے نبی

کی پیشگوئی تھی کیا یہ ضروری ہے کہ جو بابو صاحب کی رائے ہو وہی یہودی عالموں کی بھی رائے ہو +

ابھی میں نے بابو صاحب کا فیصلہ نہیں کیا۔ ابھی ایک اور زد باقی ہے بابو صاحب نے یہ کہہ کر کہ **وُہ نبی** سے مُراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم ہیں اپنے آپ کو ایک مشکل میں پھنسا دیا ہے اور میں نہیں دیکھتا کہ وہ کسطرح رہائی حاصل کر سکتے ہیں۔ سب عیسائیوں کا اسپر اتّفاق ہے کہ **وہ نبی** سے مُراد ایک سچا نبی ہے۔ پس بابو صاحب کو ماننا پڑا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سچے نبی تھے اور نیز چونکہ کل عیسائیوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وُہ نبی سے وہ موعود رسول مراد ہے جسکی نسبت استثنا باب ۱۸ آیت ۱۸ میں پیشگوئی ہے پس چونکہ بابو صاحب کی رائے میں **وہ نبی** سے مُراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسلئے انکو ماننا چاہئیے کہ استثنا کی پیشگوئی بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے حق میں ہے یا دُوسرے لفظوں میں یُوں کہو کہ بابُو صاحب کو اب مسلمان ہونا چاہئیے +

بابو صاحب اب دو مشکلات میں پھنس گئے ہیں یا تو ثابت کریں کہ **وہ نبی** سے جھوٹا نبی مُراد ہے یا بسم اللہ کر کے اسلام قبول کریں مگر یہ تو ثابت کرنا محال ہے کہ **وہ نبی** سے جھوٹا نبی مُراد ہے پس انکے لئے اسلام قبول کرنیکا پہلو باقی رہگیا۔ اور اگر ان میں کچھ دیانت باقی ہے تو ضرور ہے کہ وہ چند دنوں میں اپنے مسلمان ہو جانے کا اعلان دیدیں گے۔ جھوٹ پر ہٹ کر کے زندگی بسر کرنے سے کیا فائدہ +

شیر علیؐ از قادیان

رجسٹرڈ ایل ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے　　لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲　　بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء　　نمبر ۱۰

فہرست مضامین

آئندہ نمبر اور اسکے مضمون کیلئے دیکھو اخیر صفحہ

انجمن اشاعۃ اسلام قادیان نے انوار الاسلام پریس قادیان دار الامان میں باہتمام منشی محمد افضل احمدی

۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء کو چھپوا کر شائع کیا

چندہ سالانہ ... معمولی کاغذ پر عما ... ولایتی پر ۳ ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علے رسولہ الکریم

مسیح کی آمد ثانی

اس مضمون کی عظمت جتنی بیان کی جائے تھوڑی ہے۔ اسکی بنا دنیا کے تین بڑے مذاہب یعنی یہودیت عیسائیت اور اسلام کی کتب مقدسہ پر ہے آمد مسیح کے عقائد ابتدا میں یہودیوں سے شروع ہوئے تھے۔ انبیائے بنی اسرائیل نے پہلے پہل اسکے متعلق نبوت کی اور ان کی پیشگوئیاں اور اقوال یہود کی کتب سماوی اور کتب احادیث میں درج ہیں۔ ان کی روشن ترین امیدیں اسی پیشگوئی میں بھری پڑی تھیں اور اسی پیشگوئی کے پورا ہونے میں ان کی تمام امیدوں کا مرکز تھا پس صفات مسیح کے متعلق صحیح عقائد وہی ہو سکتے ہیں جو علمائے یہود نے اپنی کتب سماوی اور کتب احادیث کے فہم پر بیان کئے۔ اور وہی ہمارے واسطے سب سے زیادہ مستند ہو سکتے ہیں۔ آمد مسیح سے یہود نے کبھی ایسا خیال نہ کیا تھا کہ ایک خدا آدمی کا جنم دھار کر ان کے درمیان آموجود ہوگا! اور نہ وہ شریعت موسوی اور تعلیم انبیاء علیہم السلام پر ایمان لا کر کبھی ایسا وہم وگمان کر سکتے تھے یہود کا مذہب واحد خدا کے غیر جسمانی اور غیر محدود ہونے پر کسی انسان کی الوہیت کے عقیدہ کے سخت مخالف تھا اور اسلئے انکے کسی نبی نے کوئی ایسی تعلیم نہیں دی اور نہ کوئی اسرائیلی کسی ایسے مسئلہ کو کبھی مان سکتا تھا زمانۂ مسیح سے یہود کی یہ مراد ہوا کرتی تھی کہ یہودی قوم کیواسطے امن اور اقبال مندی کا ایک زمانہ آنیوالا ہے جسمیں خدا کی توحید بالخصوص

عظمت کے ساتھ ظاہر ہوگی۔ دراصل انبیاء نے اپنی پیش گوئیوں میں بنی اسرائیل کو اس بات میں بڑی امیدیں بندھوائی تھیں کہ آمد مسیح کے ساتھ ذات باری کی مطلق توحید تمام قوموں میں جاری و ساری ہو جائیگی ان کا مسیح ان پہلے انبیاء کا ایک مثیل ہونے والا تھا جو کہ ان کے درمیان گذر چکے تھے پس ہم بآسانی اس نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ یہود کو جس مسیح کا وعدہ دیا گیا تھا وہ کوئی خدا نہ تھا بلکہ خدا کا ایک فرستادہ بنی انسان تھا مگر یہود کی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ انبیاء کی پیش گوئیوں کے مطابق دو مسیح پیدا ہونگے ایک تکلیف اٹھانے والا مسیح اور دوسرا فاتح مسیح اور اس سے مراد یہ تھی کہ پہلا مسیح توحید کے مذہب کو عام طور پر قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوگا بلکہ اس امر میں کامیابی کا فخر دوسرے مسیح کو عطا کیا جائیگا اب عیسائی اور مسلمان ہر دو اس امر میں متفق ہیں کہ پہلے مسیح کے متعلق جو پیشگوئی تھی وہ یسوع ابن مریم کے آنے سے پوری ہو گئی مگر یہود چونکہ یسوع کو ایک چھوٹا نبی قرار دیتے ہیں اسواسطے وہ اب تک مسیح اول کے انتظار میں لگے ہوئے ہیں۔ دنیا کے اندر تمام تکالیف اور مصائب کے درمیان جو یہود پر پڑتی رہی ہیں صرف مسیح کی آمد پر ایک چمکیلی امید ہی ہے جو کہ ان کو تمام دکھوں کے وقت ایک سہارا اور ہمت و استقلال کا ڈھارس بندھاتی رہی ہے پس یہود نے آمد مسیح پر اپنے مضبوط ایمان کا ایک عملی ثبوت دکھا دیا ہے۔ یہ تو یہود کا حال ہے مگر عیسائیوں میں یہ پیشگوئی اس سے بھی بڑھ کر عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ آمد ثانی کی پیشگوئی خود یسوع مسیح نے کی اور حواری اس پر پختہ ایمان رکھتے تھے اور تب سے ہر ایک عیسائی نسل اس امر پر پختہ ایمان رکھتی رہی اور اسی پیش گوئی کو اپنی تمام امیدوں کا دارو مدار سمجھتی رہی۔ دین عیسوی میں یہ پیش گوئی ایسی عظیم الشان مانی جاتی ہے کہ اس کو سب سے بڑی پیشگوئی کہا جاتا ہے اور بائیبل کے کلام الٰہی ہونے کیواسطے یہ پیشگوئی ایک بڑا ثبوت سمجھی جاتی ہے۔ ایسا کہ اگر مسیح نہ آوے تو بائیبل سب خاک میں ملجائے۔ اب رہے مسلمان سو ان کو ایک عظیم الشان الہامی وعدہ ہے جس میں کسی کو ذرہ بھی شک نہیں کہ مسیح ضرور آئیگا اور یہ وعدہ آیات قرآن کریم پر مبنی ہے اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل کی ہے +

مسئلہ آمد ثانی کے حل کرنے کے وقت تین باتیں پیش نظر آتی ہیں یعنی اس کا وقت ۱۔ طریق ۲ اور مقصد ۳ وقت کا اگر ٹھیک اندازہ ہو سکے تو یہ سب سے زیادہ ضروری امر ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالےٰ کا رحیم اور حکیم ہونا اس امر کا مقتضی ہے کہ اس مصلح کا آنا عین ضرورت کے وقت ہو۔ پس آمد کا وقت صرف ان پیش گوئیوں اور نشانات سے ہی مقرر نہیں کیا جائے گا جو پہلے سے بیان کی جا چکی ہوں بلکہ

وقتی ضرورت کا بھی اس میں بڑا دخل ہوگا۔ درحقیقت تینوں قومیں یعنی یہود عیسائی اور مسلمان جنکو مسیح کا وعدہ دیا گیا تھا اگر کسی امر میں کبھی متفق ہوئی ہیں تو اس امر میں ضرور متفق ہیں کہ اس مصلح کی آمد کا وقت آگیا ہے۔ زمانۂ آمد مسیح کے متعلق یہ ایک ایسا غیر معمولی اتفاق تمام قوموں نے ظاہر کیا ہے کہ مسیح موعود کی آمد اسی گھڑی میں ہونی چاہیئے اور موجودہ وقت کی ضرورت اس کی آمد کو ایسا ثابت کرتی ہے کہ اس کی آمد کا وقت مقرر کرنے کے واسطے ہم ایک قدم بھی آگے بڑھ نہیں سکتے اور اگر فی الواقع مسیح اب تک ظاہر نہیں ہوا تو پھر اس کی آمد کے تمام وعدے بے کار اور بے فائدہ ہیں +

یہود کئی صدیوں کے مصائب میں دب کر مذہبی امور میں بہت ہی بے پرواہ ہو گئے تھے پر وہ بھی غیر معمولی چستی مذہبی معاملات میں ظاہر کرنے لگے ہیں جیسا کہ ان کے موجودہ حالات سے صاف معلوم ہو رہا ہے۔ تمام دنیا کے یہود میں ایک قومی جوش پھیل رہا ہے کہ اس پراگندہ قوم کو اپنے اصلی وطن میں پھر جمع کیا جائے۔ ہزاروں بیت المقدس میں آکر آباد ہو گئے اور لاکھوں اس امر کے لئے تیاریاں کر رہے ہیں وہ ایک محکم یقین پر جم گئے ہیں کہ مسیحا جلد آتا ہے اور باوجود زر کے پیار کے سب دنیا بھر میں ضرب المثل ہونے کے وہ دنیاوی فوائد اس خوشی میں قربان کر رہے ہیں کہ اب مسیح کے استقبال کا وقت آگیا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کبھی مسیح کی آمد کے واسطے ایسا انتظار اور تیاری اس سے پہلے نہیں ہوئی اور یہ ایک سچا نشان اس امر کا ہے کہ وہ آنے والا آگیا ہے۔

اس زمانہ میں عیسائی تو مسیح کے ملنے کے لئے یہود سے بھی بڑھ کر تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ابتدائے عیسائیت میں جبکہ متی باب ۲۴۔ آیت ۳۴ کی عبارت کا مطلب غلطی سے یہ سمجھا گیا تھا کہ یہ مسیح کی دوبارہ آمد کی طرف اشارہ ہے حالانکہ اس سے مراد صرف یہ تھی کہ مسیح صلیبی موت سے بچ جائے گا۔ تب سے لے کر آج تک مسیح کی آمد کے واسطے ایسی جوشیلی امیدیں کبھی ظاہر نہیں کی گئیں مخلوق ہر جگہ اس امر کے واسطے بے آرام ہو رہی ہے اور لوگوں کے دل دھڑک رہے ہیں گویا کہ مسیح دروازہ پر کھٹکھٹا رہا ہے آہ صد آہ وہ تو بے شک کھٹ کھٹا رہا ہے پر کون ہے جو اس کے لئے دروازہ کھولے!! عیسائی دنیا میں یہ ایک عالمگیر رائے قائم ہوگئی ہے کہ آمد مسیح کی گھڑی آگئی۔ دور و نزدیک تمام ممالک سے یہی آوازہ آرہا ہے۔ یہ نہایت ہی قابل غور امر ہے کہ مسیح کی آمد کا زمانہ صرف سر پر پہنچا ہوا ہی نہیں بیان کیا جاتا بلکہ بائیبل کی پیشگوئیوں کے مطابق تو وہ گھڑی کچھ گذر گئی ہوئی معلوم ہوتی ہے دراصل مسیح

کی آمد کے سب نشان تو پورے ہو گئے ہیں۔ لیکن عیسائی چونکہ اس کے طریق آمد کے متعلق ایک غلطی میں پڑے ہوئے ہیں اسواسطے وہ اس وقت کو اور آگے بڑھاتے جاتے ہیں تاکہ ان کی یہ بے فائدہ امید پوری ہو جاوے کہ وہ اس طرز سے ان کے درمیان نمودار ہوگا جیسا کہ وہ خیال کئے بیٹھے ہیں ان کا حساب اس معاملہ میں بالکل صحیح ہے اور نشانات کے پورا ہونے کے پہچاننے میں وہ راستی پر ہیں لیکن اس آمد کے لئے جو طریق اور مقصد وہ قائم کرتے ہیں اس میں وہ بڑی غلطی کھا رہے ہیں۔ اٹھارھویں صدی کے ابتدا ہی میں بعض اشخاص نے آمد مسیح کا وقت مقرر کیا تھا مگر اس وقت اس امر کے متعلق کوئی عام شور پیدا نہ ہوا۔ بعد کے حساب والوں نے اس کو غلط قرار دیا اور توریت و انجیل کی پیش گوئیوں کے مطابق حساب لگا کر بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ آمد مسیح ۱۸۶۸ء میں ہوگی اس رائے کو عام طور پر قبول کیا گیا اور اضطراب کے ساتھ اس گھڑی کا انتظار ہوتا رہا لیکن وہ وقت معمولی طور پر گذر گیا اور پادریوں کے درمیان کوئی تبدیلی نمودار نہ ہوئی۔ اس واقعہ سے نہ صرف اس آمد کے حامیوں کو ہی صدمہ پہنچا بلکہ عام طور پر اس درد کو محسوس کیا گیا تاہم اس کے بعد بھی اس آمد پر ایمان اور یقین پختہ طور پر قائم رہا اور اس مایوسی کا باعث حساب کرنے والوں کی غلطی قرار دیا گیا۔ کتاب ملینل ڈان یعنی ابتدائے ہزار سالہ سلطنت مسیح ۱۸۸۹ء میں شائع ہوئی اور پرانے حساب کی اصلاح کے بعد اس میں یہ ظاہر کیا گیا کہ حضرت آدم کا چھٹا ہزار جس کے خاتمہ پر مسیح کا آنا ضروری تھا سنہ ۱۸۷۳ء میں ختم ہوا۔ پھر اس کتاب میں بائیبل کی پیشگوئیوں کی بنا پر جن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں یہ لکھا ہے کہ مسیح کی آمد کا سال سنہ ۱۸۷۳ء ہی ہے اور وہ سنہ ۱۹۱۴ء تک اپنے اولیاء کو جمع کرنے میں مصروف رہے گا جس کے بعد اس کی سلطنت پورے طور پر قائم ہو کر وہ سب لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے گا لیکن اس وقت تک سوائے چند برگزیدوں کے اس کو کوئی نہ پہچانے گا اس میں یہ بھی مانا گیا ہے کہ مسیح کی آمد کے وقت کے تقرر میں اتنی غلطی نہیں ہوئی جتنی کہ اس کے آمد کے طریق اور مقصد کے سمجھنے میں ہوئی ہے۔ مسٹر ڈمبل بی نے اسی مضمون پر ایک مشہور کتاب بنام ایپائنٹڈ ٹائم یعنی وقت مقررہ لکھی ہے جو کہ دوبارہ سنہ ۱۸۸۶ء میں تالیف ہو کر شائع ہوئی تھی وہ برطانیہ اعظم کی انجمن تواریخ و علم نجوم کا ایک مشہور ممبر تھا اور کئی ایک کتابوں کا مصنف تھا مثلاً آل پاسٹ ٹائم یعنی زمانہ گذشتہ اور ڈیٹ ری میں ٹل سائی کلس آف ایکلپس یعنی دوران کسوف و خسوف۔ واقعات کسوف و خسوف یا دوران شمسی کے لحاظ سے اندازۂ اوقات شناسی کے اصول کے مطابق اس نے حساب لگایا

کہ آمد مسیح کا وقت بالآخر ۱۸۹۶ء ہے۔ اس فاضل مصنف کے دیباچہ میں سے ہم چند سطریں اس جگہ ترجمہ کرتے ہیں وہ لکھتا ہے "یہ کتاب اس واسطے لکھی گئی ہے کہ عیسائیوں کے سامنے وہ سب سے اعلےٰ اور سب سے جدید طریق پیش کیا جائے جس کے ذریعہ سے بڑی بڑی پیشگوئیوں کے اب پورا ہو جانے کی شہادت ایسے طور پر ثابت ہوتی ہے۔ کہ ناظرین خود اس امر کو سمجھ کر اپنے لئے آپ فیصلہ کر سکیں گے اب جبکہ پیش گوئیوں کے مطالعہ نے ایک علمی رنگ اختیار کیا ہے ہم نئے واقعات کا ایک بڑا ذخیرہ حاصل کر رہے ہیں اور ایک بھاری شہادت کا مجموعہ جمع کر رہے ہیں جس سے یہ مضمون تمام شکوک سے بالاتر درجے تک پہنچ جاتا ہے... جب پیشگوئیوں کا اس طرح سے نقشہ کھینچا جائے تو وہ ایک ایسی مکمل شکل اختیار کرتی ہیں کہ اس میں کوئی تبدیلی بغیر کلام الٰہی یعنی بائیبل کے قطعاً انکار کرنے اور ساری دنیا کے تہ و بالا کرنے کے واقع ہو نہیں سکتی اس لئے میں نے انہیں اصولی امور کو قائم رکھا ہے جو کہ سب کے سب زمانۂ تاریکی کے انجام پر روشنی ڈالتے ہیں یعنی ۱۸۹۶ء پر جو کہ ہمارا سنہ ۱۸۹۸ء ہوتا ہے جس کو ہر ایک فہیم شخص اب تسلیم کرے گا کہ ایک نئے زمانہ کا ابتداء ہے۔" تم کلامہٗ۔ مسیح موعود کا بے صبری سے انتظار کرنے والوں کے لئے یہ کتاب ایک برکت کی طرح نمودار ہوئی کیونکہ اس سے ان کی وہ امید قائم ہو گئی جس میں کتنی دفعہ پہلے ناکامیابی ہو چکی تھی لیکن اس کتاب میں بھی یہ غلطی بدستور قائم رہی کہ مسیح کے طریق آمد کی طرف کچھ توجہ نہ کی گئی اور اس واسطے عیسائی دنیا کو پھر ایک تازہ ناامیدی کا مونہہ دیکھنا پڑا ۱۸۹۶ء معمولی طور پر گذر گیا اور کوئی امر ایسا واقع نہ ہوا کہ عیسائی قوم کی اس بڑی امید کو پورا کرتا کیونکہ طریق و طرز آمد کے متعلق وہ ایک بڑی غلطی میں پڑے ہوئے تھے۔ اس سخت ناامیدی کے بعد عیسائیوں کا انتظار اور بھی زیادہ جوش میں آیا اور کرنیل رابرٹس نے ایک کتاب لکھی کہ حساب کے مطابق مسیح کی آمد ۱۸۹۹ء سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکتی اور اب ہمارے سامنے اس قسم کے رسالوں کتابوں اور اشتہارات کا ایک ڈھیر لگ گیا ہے جو عیسائی دنیا کی تصنیف ہیں اور جن میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آمد مسیح کے نشانات پورے ہو گئے ہیں اور اس کے آنے کی گھڑی بہت ہی قریب ہے اور کہ دجال کی تمام نشانیاں موجودہ عیسائی فرقوں میں پائی جاتی ہیں کتاب ان ویلنگ آو دی ڈاٹرز آف این ایجڈ مادر یعنی اظہار بنات الدجال موجودہ زمانہ کے اعتقادات کو دجال قرار دیتی ہے یہ کتاب ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی اور اس میں لکھا ہے کہ عیسائیوں کا پوپ جو روما میں رہتا ہے اور اس کا سلسلہ ایک بڑا دجال ہے اور دنیا کے تمام

عیسائی فرقوں کو دجال کی ایک شاخ قرار دیتی ہے اور بعض کو بنات الفواحش کے لقب سے ملقب کرتی ہے +

ان امور سے کیا نتیجہ نکلتا ہے یہ تمام امور اس امر کا فیصلہ کرتے ہیں کہ یا تو مسیح اب آگیا ہے ورنہ اس کے آنے کی سب امیدیں منقطع ہیں۔ دراصل یہ بات اب ظاہر ہو گئی ہے کہ مسیح کی آمد کی گھڑی گذر چکی ہے اور صرف بار بار کی مایوسیوں کے سبب یہ تاریخ آگے آگے گئی بار بڑھائی گئی ہے اور آخری حساب کے مطابق مسیحا اب تک آچکنا چاہیئے تھا۔ عیسائی لوگ ایک پہلو پر اتنا زور دیتے ہیں کہ دوسرے پہلو کو بالکل بھول ہی جاتے ہیں۔ ہر دفعہ کی ناکامیابی پر یہی خیال کیا گیا کہ کچھ حساب میں غلطی ہو گئی ہے اور اس امر کی طرف کچھ توجہ نہ کی گئی کہ اس کے طریق آمد میں ہم غلطی کھا رہے ہیں بالکلیہ ناامیدی سے بچنے کے واسطے ہر ایک نے یہی تجویز سوچی کہ آمد کی تاریخ کو کچھ اور آگے بڑھائے اور طریق آمد کے متعلق وہی خیال قائم رکھا۔ لیکن چونکہ یہ ایک اصلی اور صحیح امید تھی اس واسطے یہ بالکل دلوں سے مٹ نہ سکی باوجودیکہ کئی بار اپنے خیالات میں عیسائیوں کو ناامیدی دیکھنی پڑی۔ ایسی ہی غلطی کے سبب یہود نے حضرت عیسےٰ کا انکار کیا تھا اگرچہ یسوع کی پیدایش کے زمانہ میں وہ مسیح کی آمد کے لئے عین انتظار میں بیٹھے تھے تاہم ان کو یہ خیال کبھی نہ آیا کہ اگرچہ وقت تو یہی ہے مگر ممکن ہے کہ اس کی آمد اس طریق سے نہ ہو جو ہم اپنے خیال میں جمائے بیٹھے ہیں مسیح کا انتظار تو ان کو ہمیشہ رہا مگر وہ یسوع کو نہ مان سکے کیونکہ ان کے نزدیک وہ ایسے طرز سے نمودار نہ ہوا جو طرز کہ ان کی کتب مقدسہ سے بظاہر معلوم ہوتا تھا عیسائیوں کو چاہیئے تھا کہ یہود کی غلطی سے سبق حاصل کرتے مگر افسوس کہ وہ خود بھی اسی غلطی میں جا پڑے۔ آمد مسیح کا ہر ایک نشان پورا ہو گیا مگر وہ اس کے انتظار میں ایک غلط راہ پر جا کھڑے ہوئے اگرچہ ان کے کھڑے ہونے کا وقت درست ہے۔ زلزلے۔ طاعون قحط اور جنگ اور تمام زمینی اور آسمانی حالات اس امر کی گواہی دے رہے ہیں کہ آمد مسیح کے واسطے اب اس کے آگے انتظار کا کوئی وقت نہیں +

اب ہم مسلمانوں کے خیالات کے مطابق آمد مسیح کے مقررہ وقت پر غور کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں بہت سے اہم ایسے امور ہیں جو کہ وقت کا قطعی فیصلہ کرتے ہیں۔ سب سے اول یہ ہے کہ قرآن شریف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسےٰ کا مثیل قرار دے کر استثنا باب ۱۸ کی پیشگوئی کا مصداق

آپ کو قرار دیتا ہے جیسا کہ سورۃ المزمل میں لکھا ہے پھر سورۃ النور میں یہ وعدہ دیا گیا ہے کہ اس اُمت میں ایسے ہی خلفاء پیدا کئے جائیں گے جیسے کہ حضرت موسے کے بعد ان کی اُمت میں خلفاء ہوئے شریعت اسلام اور شریعت موسوی کے بانیوں کے درمیان اور پھر ان کے خلفاء کے درمیان جو مشابہت بہت اس جگہ قائم کی گئی ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جیسا کہ حضرت موسے کے خلفاء کا سلسلہ حضرت مسیح پر آکر ختم ہوا ایسا ہی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ خلافت کا آخری شخص ایک مسیح ہی ہونا چاہیئے اس طرح آمد مسیح کی پیش گوئی ہر دو مسیحوں کے درمیان بہت امور میں مشابہت قائم کرتی ہے جس میں سے ہم اس جگہ وقت کے متعلق مشابہت کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت موسے اور حضرت عیسے کا درمیانی فاصلہ چودہ صدیاں بیان کیا جاتا ہے۔ مگر یہودیوں کے نزدیک یہ وقت تیرہ صدیاں تھا۔ اس لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ اب بھی مسیح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں صدی میں پیدا ہوتا اور اس سے موجودہ وقت حاصل ہوتا ہے صرف ایک مشابہت کی ضرورت ہے اور اس امر کی تصدیق اور بھی کئی باتوں سے ہوتی ہے کہ مسیح کی آمد کا یہی وقت ہے۔

قرآن شریف نے حکمت کاملہ کے ساتھ چند نشانات آمد مسیح کے واسطے بیان فرمائے ہیں جن سے ہر ایک شخص اس وقت کو پہچان سکتا ہے ان میں سے سب سے بڑی بات دین عیسوی کا عروج اور ہر امر میں عیسائی قوموں کی چستی وچالاکی ہے اس عروج اور چستی وچالاکی میں کسی کو کوئی شبہ ہو نہیں سکتا۔ عیسائی مشنری دنیا کے تمام کونوں میں گھس گئے ہیں۔ اس وقت ستر ہزار سے زیادہ آدمی مشن کے کام میں مصروف ہیں اور پانچ کروڑ سے زیادہ روپے ہر سال ان کے اخراجات میں صرف کیا جاتا ہے۔ دو سو پچاس انجمنیں ایسی ہیں جو باہر مشن بھیجتی ہیں اور ان کے ایجنٹ بیس ہزار سے زائد شہروں میں اپنا کام کر رہی ہیں۔ اگر اب بھی مسیح کی ضرورت نہیں تو کیا اس وقت ہوگی جب کہ ساری دنیا اس ناپاک عقیدہ سے بھر جائے گی جس کے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے۔ کہ تکاد السموات ان یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا۔ قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ جاویں اور زمین شق ہو جاوے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں +

آمد مسیح کا ایک اور بڑا نشان جس کی طرف قرآن شریف نے اشارہ کیا ہے اور جس کا ذکر احادیث میں مفصل آیا ہے وہ چاند اور سورج کا کسوف وخسوف ہے جس کا واقع ہونا ۱۳۔ رمضان اور ۲۸۔

رمضان کو قرار دیا گیا تھا۔ یہ ۱۸۹۴ء میں واقع ہوا تھا اور آمد مسیح کے واسطے تیرہ سو سال پہلے یہ ایک ایسا کھلا نشان بتلایا گیا تھا اور ایسی صفائی سے یہ پورا ہوا ہے کہ ہر ایک شخص بجائے خود اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے علاوہ ازیں اور بہت سے نشانات قرآن شریف اور احادیث صحیحہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً طاعون جو ہندوستان اور کئی ایک اور ممالک کو اس وقت تباہ کر رہی ہے اونٹ وغیرہ کی بجائے ایک نئی سواری کا ایجاد ہونا یعنی ریلوں کا تمام دنیا میں پھیل جانا۔ علوم کا بڑھنا بڑے بڑے فاصلہ سے لوگوں کا باہم میل جول ہونا۔ نہروں کی کثرت۔ اخباروں اور کتابوں کی اشاعت اور بے شما دیگر نشانات جن کی تفصیل کی اس جگہ گنجایش نہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس امر کو ثابت کیا جائے کہ تمام نشانات پورے ہو گئے ہیں۔ اور کوئی نشانی ایسی نہیں جس سے یہ بات ثابت ہو کہ آمد مسیح ابھی اور آگے ہوگی۔ ان نشانات سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح آگیا ہے اور ہر ایک حق جو کا یہ فرض ہے کہ اس کی تلاش کرے۔ ایک اور بات قابل غور یہ ہے کہ تمام اولیاء اللہ کے الہامات آمد مسیح کا وقت چودھویں صدی ہجری علےٰ صاحبہا التحیتہ والسلام کا ابتدا مقرر کرتے ہیں اور کسی ولی کا الہام اس واقع کی تاریخ اس سے پیچھے نہیں ڈالتی۔ علاوہ ازیں یہ ایک صحیح حدیث ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد پیدا ہوتا ہے اور چونکہ مسیح بھی خود ایک بڑا مجدد ہوگا اس واسطے اگر وہ اس صدی ہجری کے ابتدا میں نہ آوے تو اس کا آنا ایک سو سال اور پیچھے پڑے گا۔ لیکن یہ امر نہ صرف اسلام کے موجودہ تنزل کو اور بھی نیچے گرانے کا موجب ہوگا بلکہ اس سے تمام پیش گوئیوں کا بھی ابطال لازم آئے گا +

پس ہم اس امر کو ثابت کر چکے ہیں کہ یہود عیسائی اور مسلمان تمام فرقوں نے بالاتفاق یہ آواز دی ہے کہ آمد مسیح کا وقت یہی ہے آپس میں اتنا اختلاف رکھنے والے مذاہب کا اس ایک امر میں پورا اتفاق کرنا قابل غور ہے۔ پہلے مسیح کے آنے کا انتظار تو صرف ایک قوم کو تھا اور وہ بھی تھوڑی سی تھی۔ مگر دوسرے مسیح کی آمد کا انتظار نہیں بہت بڑی قوموں کو لگا ہوا ہے اور وہ سب کی سب اس امر میں متفق ہیں کہ اس کی آمد کا وقت یہی ہے۔ یہ ایسا وقت ہے کہ تمام مذہبی اور قومی تعصبات کو چھوڑ دینا چاہیئے تاکہ حق کی قبولیت میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو مسیح آگیا ہے اور ہر ایک حق پسند کا فرض ہے کہ اس کی پیروی کرے +

اس کی آمد کے واسطے اس سے بڑھ کر اور کسی ثبوت کی ضرورت نہیں کہ تین مختلف مذاہب مختلف کتابوں کی سند پر اور مختلف دلائل کے ذریعہ سے اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں۔ بنی اسرائیل کے انبیاء مثلاً دانیال وغیرہ کی پیشگوئیاں حضرت عیسے علیہ السلام اور ان کے حواریوں کی نبوت کی باتیں اور آنحضرت نبی کریم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیاں سب کی سب اس وقت آکر پوری ہوئی ہیں۔ اگر کبھی کوئی پیشگوئی پوری ہوا کرتی ہے تو اس پیشگوئی کا پورا ہونا ہم بدیہی طور پر دیکھ رہے ہیں +

اب دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ مسیح کی آمد کا طریق اور اس کا مقصد کیا ہے۔ یہ بیان بیشک بہتوں کو حیران کرنے والا ہوگا لیکن حق جب مدتوں بھول چکا ہو تو اس کی دوبارہ یاد دہانی ہمیشہ حیرانی ہی پیدا کیا کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ اس کی آمد کا طریق تو صاف بیان ہو چکا ہے اور اب اس امر پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن بات یہ ہے کہ اسی موقعہ پر پہلوں نے ٹھوکر کھائی تھی اور اس واسطے یہی موقعہ ایسا ہے جہاں سوچ سمجھ کر قدم رکھنا چاہیئے اور ہر ایک احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ کروڑ ہا انسان اس فیصلہ تک پہنچ چکے ہیں کہ آمد مسیح کے تمام نشانات پورے ہو چکے ہیں اور اب یہی وقت ہے کہ وہ آوے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا ایک نیا زمانہ شروع ہوا ہے اور ہر ایک دل اس امر کو محسوس کرتا ہے کہ کوئی تبدیلی واقعہ ہونے والی ہے اس واسطے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ آمد مسیح کے طرز و طریق کے مسئلہ پر پورا غور کیا جائے +

خصوصاً یہ خوشی کی بات ہے کہ اس اہم معاملہ میں ہم کو صرف قیاسات پر نہیں چھوڑا گیا خدا کے کلام اور اس کی شریعت نے ہمارے سامنے ایک صاف اور سیدھی سڑک تیار کر کے رکھدی ہے مسیح کی آمد اول یا یوں کہو کہ مسیح اول کی آمد کی پیشگوئیوں سے ہم خوب واقف ہیں اور ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ وہ کس طرح سے پوری ہوئی تھیں پس وہ پیش آمدہ مسئلہ کے حل کے واسطے ہمارے لئے کافی راہ نما بن سکیں گی۔ جن پیش گوئیوں کی بنا پر یہود آمد مسیح کے انتظار میں تھے وہ ان کی کتب مقدسہ میں درج تھیں جن کو یہود اور عیسائی بالاتفاق کلام الہی مانتے تھے۔ سب سے بڑا نشان جو سچے اور جھوٹے مسیح کی پہچان کے لئے ان کے پاس موجود تھا وہ یہ تھا کہ سچے مسیح کی آمد سے پہلے الیاس نبی دوبارہ آئے گا اور آسمان سے نازل ہوگا۔ کتب مقدسہ کے مطابق یہود کا یہ

مذہب تھا کہ الیاس نبی آسمان پر اٹھا یا گیا تھا اور آمد مسیح سے پہلے وہ آسمان سے پھر نازل ہوگا پس انہیں اس بات کا کچھ فکر نہ تھا کہ سچے مسیح کو کیونکر پہچانینگے *

ان کے ہاتھ میں اس کے پہچان لینے کا ایک بدیہی نشان تھا اور ان کے نزدیک ممکن نہ تھا کہ وہ اس مبارک موقعہ پر غلطی کھا جائیں۔ ایسے معزز نبی کے آسمان سے نازل ہونے کا خاق عادت واقع چپکے چپکے بے خبر نہیں ہو سکتا تھا۔ ایسے عجیب معجزہ کے ذریعہ سے ان کے بڑے منجی کی آمد کا اشتہار ان کے درمیان ہونا ضروری تھا۔ یہ تو پیشگوئی تھی اب دیکھنا چاہئے کہ وہ پوری کس طرح سے ہوئی۔ ذکریا کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام یوحنا رکھا گیا وہ ایک راستباز تھا اور انبیائے بنی اسرائیل کی طرح وعظ کا کام کرنے لگا یسوع نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور بپتسمہ پایا اور اپنے آپ کو مسیح مشہور کیا۔ قدرتاً یہود کی طرف سے یہ اعتراض ہوا کہ تو مسیح نہیں ہے کیونکہ الیاس نبی کا معجزانہ نزول ابھی تک وقوع میں نہیں آیا۔ اس بات کو سن کر یسوع نے یوحنا کی طرف اشارہ کیا کہ یہی الیاس ہے جس نے آنا تھا پر یہود ایسی بات کب مانتے تھے وہ کہنے لگے اس طرح تو ہر ایک مفتری کہہ سکتا ہے کہ میں مسیح ہوں۔ انہوں نے کہا کہ خدا تعالےٰ نے تو ہم کو وعدہ دیا ہے کہ الیاس نبی خود واپس آئے گا اور یوحنا کو تو ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ ذکریا کے گھر میں ہمارے سامنے پیدا ہوا تھا پس وہ کیونکر الیاس ہو سکتا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ وقت تو یہی ہے پر انہوں نے کہا کہ ہم یسوع کو کیونکر مسیح مان لیں وہ تو اس طریق کے مطابق نہیں آیا۔ جو کہ ہماری کتابوں میں درج ہے پیش گوئی میں تو صاف یہ درج تھا کہ خود الیاس آوے گا۔ کتاب میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ مثیل الیاس آوے گا۔ اگر ہم یسوع کو مان لیں تو پھر بھی یوحنا مثیل الیاس ہوگا نہ کہ خود الیاس مگر مثیل الیاس کا ہم کو کبھی وعدہ نہیں دیا گیا۔ کیا ہم کلام الٰہی میں تبدیلی کر ڈالیں اور بجائے الیاس کے مثیل الیاس کا لفظ اس میں ڈال دیں یہاں تو آمد مسیح کی پہلی نشانی ہی پوری نہیں ہوتی تو ہم آگے کیا چلیں *

علاوہ ازیں یسوع کو مسیح تسلیم کرنے میں یہود کو اور مشکلات بھی تھیں۔ اسرائیلیوں کی نجات کسی معجزانہ رنگ میں ہونے والی تھی تا کہ وہ اپنے منجی کو فوراً پہچان سکیں۔ وہ الٰہی طاقت کے عجیب در عجیب ظہور دیکھ چکے تھے۔ وہ خدا کی آواز ہوا اور آندھی کے درمیان سن چکے تھے

وہ جانتے تھے کہ خدا نے کوہ سینا پر بادل کی گرج اور قدرت کے نظاروں کے درمیان موسے
پر اپنے آپ کو ظاہر کیا تھا اور ان کو وعدہ دیا جا چکا تھا کہ ایسے ہی عجیب نشانات تم آمد مسیح پر
بھی دیکھو گے۔ چونکہ مسیح ایک اتنا بڑا منجی تھا اس کی آمد بھی کیسے عجیب انکشاف سے مشتہر
ہونی چاہئے تھی۔ لیکن یہ امیدیں بالآخر کس طرح سے پوری ہوئیں۔ یہود کو کوئی عجیب بات نظر نہ
آئی یہاں تک کہ انہوں نے خود یسوع کے منہ سے یہ کلمات سنے کہ میں مسیح ہوں۔ حضرت موسے
اور دیگر بڑے انبیاء سے جو خوارق وہ دیکھ چکے تھے ان کا اثر ان کے دل پر ایسا تھا کہ وہ ایسا خیال
بھی دل میں نہ لا سکے کہ مسیح جیسا اولوالعزم نبی بغیر ان خوارق اور نشانات کے ظاہر ہو جائے
جن کا وعدہ ان کو پہلے سے دیا گیا تھا +

صرف یہی نہیں بلکہ ان کو یہ بھی وعدہ دیا گیا تھا کہ یسوع کسی بڑے شاہی خاندان میں سے
پیدا ہوگا اور داؤد کی نسل سے ہوگا اور داؤد کی سلطنت کو پھر قائم کرے گا۔ اس کا یہ کام تھا کہ
اسرائیلیوں کو اجنبیوں کے جوئے سے چھوڑائے اور ان کو غاصبوں کی اطاعت سے چھوڑا کر
آزاد کرے۔ لیکن یسوع کی پیدایش کے قصے جن لوگوں کو یاد تھے وہ اس کے حلال زادہ ہونے
کے متعلق بہت سے شبہات دل میں رکھتے تھے زیادہ سے زیادہ وہ یہ نیک ظنی کر سکتے تھے کہ
یوسف نجار کا بیٹا ہے اور اس طرح اس کا شاہی خاندان سے ہونا بالکل بعید از قیاس تھا اس
کے دعوے مسیحیت کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں ان کو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس شخص کے
لئے بادشاہی کے تخت پر بیٹھنے یا ہمیں رومیوں کے جوئے سے چھوڑانے کی امید کرنا بیفائدہ ہے

پس یسوع کے متعلق ان کی تمام امیدیں ناکامیابی سے مبدل ہو گئیں کیونکہ مسیح کی آمد کے
طریق اور مقصد کے مطابق کوئی پیشگوئی اس کے وجود میں پوری ہوتی ہوئی نظر نہ آتی تھی ان کے
حساب کے مطابق وقت تو پورا ہو چکا تھا لیکن وہ ایسے شخص پر کیونکر ایمان لاتے جس کی ذات
میں کوئی پیشگوئی پوری نہیں ہوتی تھی وہ مسیح کے استقبال کے لئے تیار تھے لیکن ان وعدوں
کے پورا ہونے کے بغیر وہ کسی کو کیوں کر مان لیتے جن کا پیشگوئیوں میں ذکر کیا گیا تھا +

پھر اکثر پیشگوئیوں میں بالاتفاق یہ بیان کیا گیا تھا کہ آمد مسیح کا وقت ایک عالم گیر امن اتفاق
اور برادری کا زمانہ ہوگا اور اس وقت یروشلم اس دنیا کا مرکز ہوگا کیا یسوع اس نشان کے مطابق

مسیح تسلیم ہو سکتا تھا۔ کوئی پیشگوئی بھی پوری نہ ہوئی۔ یہ ناممکن تھا کہ بے شمار نشانات جو بیان کئے گئے تھے ان میں سے ایک بھی ظاہر ہو اور مسیح آجائے ❊

کتب مقدسہ کے الفاظ جو انبیاء پر نازل ہوئے تھے ان کی نظروں کے سامنے تھے۔ وہ ایسے مسیح کو کیونکر مان سکتے تھے جس کا ماننا خود انکی کتابوں کو جھٹلاتا تھا۔ وہ اپنی بدقسمتیوں کے درمیان اس زمانۂ مسیحیت کے لئے آہیں بھرتے جسکی تصویریں ان کے سامنے ایسی خوبصورت کھینچی گئی تھیں۔ وہ اس مسیح کے انتظار میں تھے جس نے داؤد کے تخت پر بیٹھ کر انکو اجنبیوں کے جوئے سے چھوڑانا تھا۔ وہ اس دن کے انتظار میں تھے جس دن ان کا یروشلم تمام دنیا کا مرکز بننے والا تھا اور وہ اس گھڑی کے لئے دعائیں مانگتے تھے جب کہ اسرائیلی بجائے پاؤں کے نیچے کچلا جانے کے دنیا کی تمام قوموں پر حکمران ہونے والے تھے۔ لیکن یسوع ناصری اور اس کے ظہور میں ان کو کوئی نشان پورا ہوتا ہوا نظر نہ آتا تھا ❊

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صاف پیشگوئیوں کے ہوتے ہوئے جن کا پورا ہونا یسوع کے وجود میں نہیں ہوا تھا آیا یہود یسوع کے انکار میں حق پر تھے یا نہیں۔ عیسائی اور مسلمان تو کبھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ حق پر تھے۔ اچھا پھر پیشگوئیوں کو کیا کیا جائے۔ وہ ان کتابوں میں اب بھی موجود ہیں جن کو یہود اور عیسائی کلام الٰہی مانتے ہیں۔ ان کے الفاظ صاف ہیں۔ اگر یہود ان کا پورا ہونا طلب نہ کرتے تو وہ کلام الٰہی کے انکار کے مجرم ہوتے اور پھر سچے اور جھوٹے مدعیوں کے درمیان تمیز کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی معیار نہ ہوتا کئی ایک جھوٹے مسیح ان کے درمیان ہو چکے تھے اور ایسے جھوٹے مدعیوں نے بے اعتبار کر دیا ہوا تھا۔ ان وجوہات سے یہ ظاہر ہے کہ یہودیوں کا یہ فرض تھا کہ ایسے مدعیوں کو تسلیم کرنے سے پہلے نبوت کی باتوں کا پورا ہونا طلب کرتے۔ پھر کیا یہود یسوع کا انکار کرنے میں حق پر تھے۔ ان کے حق پر نہ ہونے کی کیا دلیل پیش کی جا سکتی ہے۔ پھر بھی عیسائی اور مسلمان ان کو یسوع کے انکار میں کافر قرار دیتے ہیں بلکہ خود یسوع نے ان کو اپنے انکار کے سبب خدا کا مجرم قرار دیا ان کا کیا قصور تھا۔ اگر صرف پیشگوئیوں کی تفہیم اور تعبیر کے متعلق ایک رائے کا اختلاف تھا اور پیشگوئیوں کے معنے دو طرح ہو سکتے تھے تو یہود باوجود غلطی پر ہونے کے اس قابل نہ تھے کہ ایسی سختی سے ان کو مجرم قرار دیا جاتا جب

تک انہوں نے کھلے طور پر غلط طریق کو اختیار نہ کیا ہو اور بغیر دلائل کے اپنی غلطی پر اصرار نہ کیا ہو تب
تک وہ خدا کی نظروں میں چنداں قصوروار قرار نہیں دئے جا سکتے۔ یسوع کے مقابلہ میں ان کا بڑا
اعتراض یہی تھا کہ الیاس نمودار نہیں ہوا اگر شریعت کے مطابق اس کا اپنا ظہور جائز تھا تو ان کا
اعتراض بھی درست تھا۔ کیونکہ اس شریعت میں صاف الفاظ میں اس کی واپسی کی پیشگوئی کی
گئی تھی۔ لیکن اگر اس کا اپنا ظہور جائز نہ تھا تو یہود کا اصرار بے شک قابل سزا کے تھا۔ پس جو
لوگ یہود کو یسوع کے انکار کے سبب کافر قرار دیتے ہیں وہ خواہ عیسائی ہوں یا مسلمان ہوں انکو
یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ الیاس کی جسمانی آمد شریعت کے مطابق ایک غلط خیال تھا اگرچہ کلام الٰہی میں
اس کے متعلق الفاظ پائے جاتے ہوں اور اگر الیاس کے متعلق یہ امر تسلیم کیا جاوے تو یہ قانون
عام ہوگا کہ کوئی گیا ہوا دوبارہ اسی جسم میں واپس نہیں آیا کرتا لیکن کیا یہود کے پاس اس امر کے
واسطے کوئی دلیل تھی کہ ایسی آمد واقع نہیں ہوسکتی۔ اس امر کا کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اس وقت
یہودی بڑے شوق سے مسیح کی آمد کے منتظر ہو رہے تھے ان کے حساب کے مطابق وہ وقت
آگیا تھا کہ ان کی نجات ہو چونکہ پیشگوئی کے مطابق وقت آپہنچا تھا اسواسطے ان کا یہ فرض تھا کہ
پیشگوئی کے پورا ہونے کے لئے لفظی معنوں کی سختی سے پیروی نہ کرتے۔ لیکن وہ مادی لوگ یسوع
کے روحانی استدلال کو مان سکے۔ وہ دنیا پر اپنا سر جھکائے ہوئے تھے اور اسواسطے وہ یہ چاہتے
کہ پیشگوئی ظاہر اور مادی الفاظ میں پوری ہو۔ الیاس نبی کی آمدیوں آسانی سے سمجھ میں آسکتی تھی کہ
ایک شخص الیاس کی روح اور طاقت میں آگیا ہے کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ امر مقدس
شریعت کے بالکل مخالف ہے کہ کوئی نبی آسمان سے نازل ہو اور نہ یہودیوں کی تاریخ میں اس امر
کی کوئی نظیر موجود تھی۔ ہر ایک نبی دنیوی ماں باپ سے پیدا ہوتا رہا موسےٰ سا شارع بھی اس قاعدہ
سے مستثنےٰ نہ تھا اس قسم کی باتوں پر غور کرنے سے وہ بآسانی سمجھ سکتے تھے کہ آمد الیاس سے مراد
صرف ایک ایسے آدمی کی آمد ہے جو الیاس کی روح اور طاقت رکھتا ہو اور اس لئے یسوع اپنی
آمد کے لئے ایسی تاویلات کے کرنے میں کہ یوحنا الیاس ہے راستی پر تھا +

مگر اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ یسوع کے انکار کے سبب یہود کو کافر قرار دینے کے
وقت اس بات کا تسلیم کرلینا ضروری ہے کہ جو اس دنیا سے گذر چکا ہو کبھی واپس نہیں آسکتا

اور الیسوں کی واپسی کا وعدہ صرف ایک روحانی معنے اپنے اندر رکھا کرتا ہے۔ اگر کسی کی آمد ثانی اسی وجود کے ساتھ جائز اور صحیح ہے تو یہود کا انکار مسیح بھی جائز اور صحیح تھا لیکن نہ یہود بے قصور ہیں اور نہ ایسی آمد جائز ہے جو کوئی پچھلی بات کا قائل نہیں اسے پہلی بات کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ اگر جسمانی آمد ثانی جائز تھی تو پھر یہود کیوں بغیر قصور کے بُرے بنائے جاتے ہیں انہوں نے کلام الٰہی میں اس بات کو پڑھا تھا کہ الیاس نبی دوبارہ آئیگا ان کو یہ نہ کہا گیا تھا کہ مثیل الیاس آنے والا ہے نہ یسوع نے ان کو کبھی یہ کہا تھا کہ الیاس کی آمد ثانی کے اعتقاد میں تم غلطی کھا رہے ہو یسوع نے اس امر سے انکار نہیں کیا کہ الیاس کی پیشگوئی کی گئی تھی لیکن اس نے انہیں یہ کہا کہ الیاس کی آمد یوحنا میں پوری ہو گئی ہے جو کہ الیاس کی روح اور طاقت میں آیا ہے۔ پس آمد ثانی سے مراد اس کے روحانی طاقت کی دوبارہ آمد تھی نہ کہ اس کی جسمانی آمد یا جسم کے کسی حصہ کی آمد۔ روح ہی ہے جو باقی رہتا ہے نہ کہ جسم اور اسواسطے روح ہی واپس آسکتا ہے۔ روح سے مراد اس جگہ جان نہیں ہے اور نہ ہم مسئلہ تناسخ کی تائید کرتے ہیں بلکہ ہم اس کو ٹھیک ان معنوں میں لیتے ہیں جن میں یسوع نے اس کو لیا +

اب ہم مسیح یا یسوع کے دوبارہ آنے کی طرف توجہ کرتے ہیں جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے عیسائی صحیفوں میں جو پیشگوئی کی گئی ہے وہ بالکل اس طرح کی ہے جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں متی کہتا ہے کہ جیسا کہ بجلی مشرق میں کوندتی اور مغرب میں چمکتی ہے ایسا ہی ابن آدم کا آنا ہے... ان دنوں کی تکالیف کے بعد جلد سورج اندھیرا ہوگا اور چاند اپنی روشنی چھوڑ دیگا اور ستارے آسمان سے گر پڑینگے اور آسمان کی طاقتیں ہل جائینگی اور تب ابن آدم کی نشانی آسمان میں نمودار ہوگی تب زمین کی تمام قومیں گریہ وزاری کرینگی اور وہ ابن آدم کو آسمان کے بادلوں میں طاقت اور جلال کے ساتھ آتے ہوئے دیکھینگی اور وہ اپنے فرشتوں کو ایک بڑی تُرہی دیکر بھیجیگا جو کہ چاروں طرف سے برگزیدوں کو جمع کرینگے۔ آسمان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک (متی ۲۴-۲۷ تا ۳۱)

اس پیشگوئی کا جو یسوع کی آمد ثانی کے متعلق ہے ان پیشگوئیوں کے ساتھ مقابلہ کرو۔ جو مسیح اول کے متعلق اسرائیلی انبیاء نے کی تھیں اور بنی اسرائیل کی کتب میں موجود تھیں +

"دیکھو میں اپنا رسول بھیجونگا اور وہ میرے آگے راہ تیار کریگا اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو اچانک اپنی ہیکل میں نمودار ہوگا کیونکہ دیکھو وہ دن آتا ہے جو بھٹے کی طرح تپایا جائیگا۔ تب سارے مغرور اور ہر ایک جو بدکاری کرتا ہے کھونٹی کی مانند ہونگے... اور تم شریروں کو پائمال کروگے کیونکہ جس دن کہ میں یہ ٹھہراؤں وے تمہارے پاؤں تلے کی راکھ ہونگے رب الافواج فرماتا ہے... دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیا نبی کو تمہارے پاس بھیجونگا ملاکی ۳ و ۴"۔

"دیکھو میں ایسا کرونگا کہ یروشلم آس پاس کی ساری قوموں کے لئے تھرتھراہٹ کا پیالہ ہوگی... اس دن خداوند فرماتا ہے میں ہر ایک گھوڑے کو ایسا مارونگا کہ سب حیران رہ جاویں اور اس کے سوار کو دیوانہ کردونگا... تب خداوند خروج کریگا اور ان قوموں کے ساتھ جس طرح سابق میں جنگ کے دن لڑا تھا لڑائی کریگا اور اس کے پاؤں اس دن زیتون کے پہاڑ پر جو یروشلم کے سامنے پورب پر ہے جمے رہیں گے اور زیتون کا پہاڑ بیچوں بیچ پچھم کی طرف اور پورب کی طرف ایسا پھٹ جائیگا کہ اس میں نہایت بڑی وادی ہو جائیگی کیونکہ آدھا پہاڑ اتر کی طرف سرک جائیگا اور آدھا اسکا دکن کی طرف اور خداوند میرا خدا آویگا اور سارے قدسی تیرے ساتھ اور اسی دن ایسا ہوگا۔ کہ نفیس اجرام فلک کی روشن نہ ہوگی۔ اور اسی دن یوں ہوگا کہ جیتا پانی یروشلم میں سے جاری ہوگا اور اس کا آدھا پوربی سمندر کی طرف اور اس کا آدھا پچھمی سمندر کی طرف۔۔ اور خداوند تمام زمین پر بادشاہ ہوگا اور ساری غیر قوموں کا حال جو آس پاس ہیں کیا سونا کیا روپا کیا لباس بڑی کثرت سے فراہم کیا جائیگا۔ (ذکریا باب ۱۲-۱۴)

اُن دنوں میں ایسا ہوگا کہ دس آدمی جن کی جدی جدی لغت ہو ہاتھ بڑھائینگے ہاں ایک یہودی شخص کے دامن کو پکڑینگے اور کہینگے کہ ہم تمہارے ساتھ جائینگے کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ خدا تمہارے ساتھ ہے (ذکریا باب ۸-۲۰)

ایسی ہی اور پیشگوئیاں زمانہ مسیح میں خوارق و عجائبات کا وعدہ کرتی ہوئی یہود کی کتب مقدسہ میں بکثرت پائی جاتی ہیں اور یسوع کی آمد کے وقت ان میں سے ایک خارق عادت امر بھی ظاہر نہ ہوا تھا اور یہود کی کوئی امید بھی پوری نہ ہونے پائی تھی تاہم ان خوارق میں اور مسیح کی آمد ثانی

کے نشانات کے درمیان کوئی حد فاصل کھینچی جا نہیں سکتی کوئی سمجھ دار آدمی ایسی بیہودگی حضرت عیسےٰ جیسے نبی کی طرف منسوب نہیں کر سکتا کہ وہ آپ تو یہودیوں کو موعودہ عجائبات کے دکھلانے سے انکار کرتا رہا اور ان کو کہا کہ ان کے معانی مجازاً لینے چاہئیں اور خود حواریوں کو یہ وعدہ دیا کہ آمد ثانی کا مسیح ایسے خوارق اور معجزات اپنے لفظی معنوں میں پورا کریگا اگر یسوع نے ایسا کیا اور کہا تو اس نے نہ صرف دو متضاد باتوں کو پیش کیا بلکہ ارادتاً مخلوق کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جبکہ کوئی شخص کسی خاص خوارق یا عجائبات کے متعلق اپنی یہ رائے ایک دفعہ ظاہر کر دے کہ ان سے مراد صرف روحانی امور ہیں اور یہ مجاز اور استعارہ کے طور پر سمجھنے چاہئیں تو جب کبھی وہ اس قسم کے معجزات اور خوارق کا ذکر پھر اپنے متعلق کرے تو اس سے بھی مجاز و استعارہ ہی مراد لینی چاہئے۔ اگر یہودی حضرت عیسےٰ کا انکار کرنے میں سچے نہ تھے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آمد ثانی کے متعلق جو خوارق بیان کئے گئے ہیں ان کو مجاز کے رنگ میں لینا چاہئے اور اگر یہودی اپنے انکار میں سچے تھے۔ تو نعوذ باللہ حضرت عیسےٰ کاذب تھے اگر ہم خود پیشگوئیوں کا پورا ہونا بجائے مجاز کے لفظی معنوں میں چاہتے ہیں اور بجائے روحانی طرز کے جسمانی طرز کی خواہش رکھتے ہیں تو پھر بیچارے یہودیوں کا کیا قصور تھا بیشک یہودیوں کا راہ تاریک تھا مگر یہود کے واقعہ نے ہمارے راہ کو تو بالکل روشن کر دیا ہے روحانی معانی کی تفہیم ان کے لئے ایسی صاف نہ تھی جیسے کہ ہمارے لئے ہے۔ انکے پاس اس مشکل کے حل کرنے کے لئے کوئی راہ نمانہ تھا پر ہمارے پاس ایک مثال موجود ہے اس وقت آمد ثانی کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مسیح کو صرف انسان سمجھ کر جیسا کہ پہلے سے اسکے لئے یہودیوں میں امید اور نبوت چلی آتی تھی اور جیسا کہ وہ درحقیقت انکے درمیان نمودار ہوا تھا ہر ایک عیسائی اس امر کے ماننے پر مجبور ہوگا کہ آمد ثانی اس طرز پر ہونی چاہئے جس طرز پر کہ الیاس کی آمد ثانی ہوئی تھی اور اسکے متعلق خوارق اور عجائبات کو انہیں روحانی معنوں میں لینا چاہئے جن معنوں میں کہ الیاس کی آمد ثانی کے وقت ایسے الفاظ کو لیا گیا تھا۔ خدا تعالےٰ نے یہ صفائی سے ظاہر کر دیا ہے کہ کسی شخص کی آمد ثانی کس طرح سے ہوا کرتی ہے۔ اگر جسمانی آمد ثانی شریعت الٰہی کے مطابق جائز تھی تو یہود کو یہ حق حاصل تھا کہ الیاس کی جسمانی واپسی کے طلب گار ہوتے اور جب تک یہ بات پوری نہ ہوئی مسیحیت کے ہر ایک مدعی کو مفتری قرار دینے کے لئے انکو پورا حق حاصل تھا لیکن اگر یہود

کو بُرا کہا جاوے تو ساتھ ہی اس عقیدہ کو بھی بُرا کہنا پڑتا ہے کہ کوئی شخص دوبارہ جسمانی طور پر نازل ہوگا اور اس کی آمد کے وقت جن عجائبات کا انتظار ہے ان کو روحانی سمجھنا چاہیئے کیونکہ یسوع نے دنیا میں آکر خود اس بات کو ثابت اور تسلیم کر دیا ہوا ہے۔ اگرچہ پہلا مسیح باوجود سینکڑوں نشانات کے وعدہ کے بغیر ایک معجزہ کے بھی ظاہر ہو گیا تھا تو کیا وجہ ہے کہ دوسرا مسیح معمولی قدرتی طور پر دنیا میں داخل نہ ہو جائے اور کیا وجہ ہے کہ ہم بیفائدہ بادلوں کی طرف دیکھتے رہیں اور اپنے آپ کو داناؤں کی نظروں میں بیوقوف بنائیں اور توہمات میں گرفتار رہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ راہ راست کی طرف توجہ کریں۔ تاکہ ہم روشنی میں چلیں اور سچے مسیح کو ہم دیکھ سکیں +

اگر یہ کہا جائے کہ یہود کے دل بدی کی طرف بھرے ہوئے تھے اور ان کی تنگ رسومات انہیں آسمانی نشانات پہچاننے نہیں دیتی تھیں تو یہی اعتراض موجودہ حالت پر بھی وارد ہو سکتا ہے عیسائیوں کی کتب سے ہم اس امر کے لئے کافی شہادت پیدا کر سکتے ہیں کہ آج کل کے گرجے ویسی ہی تنگ اور خشک رسومات سے بھرے پڑے ہیں جیسے کہ آمد یسوع کے وقت ہیکل کا حال تھا لیکن ہم اس جگہ چند ایک بائیبل کی شہادات پر قناعت کرتے ہیں۔ "تو یہ جان رکھ کہ آخری دنوں میں بُرے اوقات آوینگے کیونکہ آدمی خود غرض۔ زر دوست۔ لاف زن۔ گھمنڈ کرنیوالے۔ ماں باپ کے نافرمانبردار۔ ناشکر۔ ناپاک بے درد۔ کینہ ور۔ تہمتی بدپرہیز بے رحم نیکی کے دشمن۔ دغاباز۔ بے لحاظ پھولنے والے۔ خدا کے چاہنے کی بہ نسبت عشرت کے زیادہ چاہنے والے"۔ (۲ تمطاؤس باب ۳۔ ا سے ۴ آیت)۔ "جب ابن آدم آویگا تو کیا وہ زمین میں ایمانداری پائیگا"۔ (لوقا ۱۸۔ ۸) وہ نیکی کی ظاہری شکل رکھتے ہونگے مگر دراصل نیکی ان میں نہ پائی جاتی ہوگی"۔ کیا یہ حالت یہودیوں سے بھی بدتر حالت نہیں ہے کیا وہ لوگ جو ایمان سے خالی ہیں اور زمین پر جھکے ہوئے ہیں اس لایق ہیں کہ آسمانی باتوں کو سمجھ سکیں اور ان کے درست معانی کو فہم میں لا سکیں +

کیا یہود نے جان بوجھ کر اس برکت کے لینے سے انکار کیا تھا جس کے لئے وہ اتنی مدت سے مضطرب ہو رہے تھے کوئی عقلمند انسان اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ وہ اس وقت بڑی مشکلات سے گھرے ہوئے تھے اور الٰہی مدد کی ضرورت کو بہت محسوس کر رہے تھے وہ اپنے نجات دہندہ کے استقبال کے واسطے بالکل تیار تھے اور اضطراب سے اس کی آمد کا انتظار کر رہے تھے وہ خدا کی برگزیدہ قوم تھی مسیح کے قبول کرنے پر ان کو بڑے بڑے برکات کا وعدہ تھا بلکہ تمام مصائب کے درمیان آمد مسیح کا خیال ہی ان کے لئے

بڑے تشفیوں کا موجب تھا کیسا پسندیدہ خیال اور کیسی اعلیٰ خوشی ان کے سامنے تھی کہ یروشلم دنیا کا مرکز بنیگا۔ اور وہ تمام قوموں پر بالاتر ہونگے اور امن اور سلامتی ان کو ہمیشہ کے لئے عطا کی جائیگی کیا یہ لوگ اس برکت کا ارادتاً انکار کر سکتے تھے ایسا کہنا یہود پر سخت ظلم ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ پیشگوئی کی سچی تفہیم میں ان کو بڑی غلطی لگی تھی۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس غلطی میں پڑنے کے لئے وہ کسی قدر معذور تھے تب بھی موجودہ نسل کیواسطے ویسی ہی غلطی میں پڑنے کے لئے کوئی عذر نہیں ہو سکتا خدا کی ایک برگزیدہ قوم جن کو تمام برکات کے وعدے دئے گئے تھے جبکہ وہ اس غلطی میں پڑے تو پھر ہمیں تو اس امر میں بہت ہی محتاط ہونا چاہئے۔ ہم پیشگوئیوں کا پورا ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں ہم جانتے ہیں کہ وقت یہی ہے پس مناسب نہیں کہ پیشگوئی کے ظاہر الفاظ ہمارے لئے ایک رکاوٹ بنیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہم سے پہلے ایک قوم محض الفاظ کی پیروی کرنے کے سبب اپنے آپ کو تباہی میں ڈال چکی ہے۔ اُسی یسوع کی جسمانی اور ظاہری آمد کا انتظار کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ یہود نے اسی الیاس کی جسمانی اور ظاہری آمد کا انتظار کیا تھا پس اس قوم کے قدم بقدم چلنا مناسب نہیں جس کو یسوع نے اسواسطے برا کہا کہ وہ پیشگوئی کے ظاہر الفاظ کے پیچھے پڑے ہوئے تھے +

چند اور باتیں بھی ایسی ہیں کہ ان پر غور کرنے سے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے یعنی دوسرا مسیح اگرچہ روحانی طور پر پہلے مسیح کے ساتھ ایک ہوگا تاہم جسمانی طور پر یہ وہی شخص نہیں ہے جو کہ پہلے زمین پر کچھ عرصہ رہ کر وفات پا گیا تھا۔ انجیلوں سے یہ ثابت ہے کہ یسوع اپنی آمد کو چور کے ساتھ مشابہت دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی آمد کسی قدر دھندے پن میں رہیگی اگر مذکورہ بالا پیشگوئی کو لفظاً لیا جائے تو پھر کسی دھندلاپن کا اسمیں امکان نہیں۔ ایسے شخص کو جو فرشتوں کے ساتھ آسمان سے نازل ہوا اور بزرگوں کی فوج نیچے سے اس کے استقبال کیلئے نصف آسمان تک اوپر چڑھے۔ ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ اس کا آنا چور کی طرح ہے چور سب کی نظروں سے غائب رہتا ہے سوائے شائد پہرے والے کی نظر کے جو کہ برابر جاگتا رہتا ہے درحالیکہ دوسرے سب سوئے ہوئے ہوتے ہیں سونے والوں کو چور کی خبر نہیں ہو سکتی اور نہ وہ اسکو پہچان سکتے ہیں۔ چور علاوہ اس کے کہ وہ تاریکی میں آتا ہے ساتھ ہی بھیس بھی بدل کر نمودار ہوتا ہے ایسا ہی یسوع کو آنا چاہئے۔ جو اس کے نزول کے لئے بادلوں کی طرف دیکھ رہے ہیں وہ سب سوئے ہوئے ہیں اور پہرے والے تھوڑے سے ہی ہیں جو پیشگوئی کے اصل مفہوم

کو سمجھتے ہیں علاوہ ازیں روحانی طور پر تو یہ وہی آدمی ہے جیسا کہ یوحنا روحانی طور پر الیاس ہی تھا لیکن وہ ایک اور انسان کی شکل میں بھیس بدل کر آیا ہے اور اسی واسطے اسکی آمد کو چور کا سا آنا کہا جاتا ہے ایک اور آیت جو کہ اس موقعہ پر قابل غور ہے وہ لوقا ۱۷-۲۶ ہے "جیسا کہ نوح کے زمانہ میں تھا ایسا ہی ابن آدم کے زمانہ میں بھی ہوگا" نوح کے زمانہ میں یہی ہوا تھا کہ حضرت نوح نے خدا کا رسول ہونے کا دعوے کیا اور لوگوں کو وعظ کیا مگر کسی نے اسکی بات نہ سنی تب خدا نے اس شریر نسل کو سزا دی اور ان پر تباہی ڈالی ایسا ہی ابن آدم کے زمانہ میں بھی واقع ہونا چاہیئے غور کرنا چاہیئے کہ یہ واقع اسکی آمد پر نہیں بلکہ اسکے زمانہ میں واقع ہونیوالا ہے +

وہ آئیگا پر لوگ اسے نہیں پہچانینگے وہ وعظ کریگا پر کوئی اس کی بات نہ سنے گا بلکہ اُس کو دُکھ دیا جائیگا اور بالآخر خدا کا غضب اس شریر قوم پر بھڑک پڑیگا جیسا کہ الفاظ نوح کے دنوں سے یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت نوح کی بعثت کے دن بلکہ وہ دن جب حضرت نوح لوگوں میں وعظ کر چکے اور انہوں نے ان کی بات نہ مانی اور ان پر خدا کا عذاب نازل ہوا ایسا ہی ابن آدم کے دنوں سے بھی مراد ابن آدم کے آنے کا دن نہیں ہے بلکہ وہ دن جب کہ ابن آدم لوگوں کو تبلیغ کرے اور وہ بالآخر اس کی نہ مانیں اور ان پر عذاب الٰہی نازل ہو۔ ایسا ہی پھر اس آیت میں آگے لکھا ہے کہ "وے کھاتے اور پیتے اور بیاہ کرتے اور بیاہے جاتے تھے یہانتک کہ وہ دن الخ" باوجود حضرت نوح کی وعظ کے ایسا ہو رہا تھا حضرت نوح کے وعظ کی کوئی پروا نہیں کرتا تھا آخری دنوں میں جبکہ مسیح وعظ کریگا اسوقت بھی ایسا ہی واقع ہوگا +

اس رات دو آدمی بستر پر ہونگے ایک اٹھایا جائیگا اور دوسرا چھوڑا جائیگا۔ دو عورتیں اکٹھی چکی پیستی ہونگی ایک لی جائیگی اور دوسری چھوڑ دی جائیگی۔ دو آدمی کھیت میں ہونگے ایک لیا جائیگا اور دوسرا چھوڑ دیا جائیگا۔ اس سب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کا غضب لوگوں پر مسیح کی بات نہ سننے کے سبب طاعون کی شکل میں نازل ہوگا۔ خدا کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتا جب تک کہ اپنے کسی رسول کے ذریعہ سے ان کو وعظ نہ کرلے اور ظاہر نشانات ان کو دکھا نہ لے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا کے غضب کی مار کسی قوم پر پڑے پیشتر اس کے کہ ان کو اپنی اصلاح کا کوئی موقعہ دیا گیا ہو جب سے دنیا شروع ہوئی ہے الٰہی قانون میں کبھی ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ ایک اور شہادت متی باب ۱۷- آیت ۱۲ سے ملتی ہے "لیکن میں تمہیں کہتا ہوں کہ الیاس تو آچکا لیکن انہوں نے اس کو نہ پہچانا بلکہ جو کچھ چاہا اسکے

ساتھ کیا ایسا ہی ابن آدم ان سے دکھ اٹھائیگا۔" یہاں یسوع آمد الیاس کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ یہ الیاس کی آمدِ ثانی تھی جب وہ یوحنا میں نمودار ہوا لیکن اگرچہ الیاس پیشگوئی کے مطابق دوبارہ آیا تھا تاہم یہودیوں نے اس کو نہ پہچانا اور اسواسطے اس کو تکلیف دی۔ ایسا ہی یسوع بھی دکھ اٹھائیگا یہاں ظاہر ہے کہ یسوع اپنی دوسری آمد میں دکھ اٹھانے کی طرف اشارہ کر رہا ہے کیونکہ الیاس جس کے ساتھ وہ اپنی مشابہت دے رہا ہے اسوقت اپنی دوبارہ آمد میں تھا جیسا کہ الیاس کو اسکی دوسری آمد میں لوگوں نے نہ پہچانا اگرچہ یسوع کے کلام کے مطابق اسکی یہ آمد درست تھی ایسا ہی یسوع نے بھی دوسری آمد میں تکلیف اٹھائی تھی جبکہ وہ الیاس کی مانند نہ اپنے پہلے جسم میں بلکہ کسی اور کے جسم میں نمودار ہو۔

(صفحہ ۱۱۶)

مذہب عیسوی کی مشکلات اور یونیورسٹیوں میں اپیل

اخبار کیمبرج کرانیکل ۳۱۔ جولائی ۱۹۰۲ء کے پرچہ میں لکھتا ہے:۔

"مندرجہ ذیل اپیل اکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں کے چانسلروں کے پاس بھیجی گئی ہے۔ ہندوستان میں عیسائی مذہب اور بائیبل کی حالت بہت ہی خطرناک ہو رہی ہے جسکی وجہ بائیبل کے متعلق نئی تحقیقات سے جو مسئلے پیدا ہوئے ہیں ان کا پھیل جانا ہے اور جن کو وہاں انگریزی یونیورسٹیوں کی تعلیم کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ دیسی اخبارات خصوصاً اور بالاامتیاز پنجاب کا اخبار ریویو آف ریلیجنز کھلے طور پر اس امر کو پیش کرتے ہیں کہ یہ تعلیم عیسائی مذہب کی تردید کرنیوالی ہے اور بائیبل یقیناً سچائی میں اور اسی وجہ پر اخلاقی تعلیم کے لحاظ سے قرآن شریف سے بہت ادنےٰ اور کم درجہ پر ہے اسی قسم کی باتیں اور شکائتیں بنگال، شام، اسٹریلیا۔ اور دنیا کے دوسرے حصوں سے پہنچ رہی ہیں۔ پادریوں کی حالت عجیب بے ڈھنگی ہو رہی ہے کیونکہ مذہب عیسائی کی اس کتاب مقدس یعنی بائیبل سے انہیں تعلیم دینی پڑتی ہے جسکی صداقت کا انکار عیسائی مذہب کے عین مرکز میں یعنی خود یونیورسٹیوں میں ہو رہا ہے اور اگرچہ بائیبل کے متعلق اس اعلےٰ تنقید کے مسئلے باریک علوم اور نئی تحقیقاتوں کی روشنی میں اور نیز بائیبل کی تنقید کی تمام شاخوں میں ماہر علوم کے لحاظ سے جیسے مثلاً زباندانی۔ قدیم چیزوں کا علم۔ ادب اور تاریخ اور پھر سب سے بڑھ کر نئے علوم طبیعات کی روشنی میں یہ مسئلے بے دلیل ثابت ہو گئے ہیں۔ لیکن اسمیں کیا شک ہے کہ بائیبل کی صداقت کے انکار کے یہ مسئلے یونیورسٹیوں سے نکل کر تمام دنیا میں پہنچ چکے ہیں یہاں تک کہ

دانا مسلمان اب دیسیوں کے سامنے بائیبل کو اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ وہ قرآن شریف سے بڑھکر کچھ نہیں سکھلاتی بلکہ جہانتک اسکی صداقت کا سوال ہے یہ قرآن شریف سے بہت کم درجہ پر ہے کیونکہ قرآن کریم کی صداقت پر اسکے پیروؤں کو ذرا بھی شک نہیں۔ یہ اس ملک کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ بائیبل کی اعلےٰ تنقید کے مسئلوں کی علمی تردید اسکے ہاتھ میں آگئی ہے اور اس سے بڑھکر یہ کہ یہ علمی تردید یونیورسٹیوں سے باہر اور انکے بلاواسطہ طی ہے اور خواہ اس حالت کو یونیورسٹیاں تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن یہ حالت اس ملک میں عام طور پر تسلیم کی جارہی ہے کیونکہ اس سارے مضمون پر نئی ماہرانہ تصنیفات کی وجہ سے کامل علوم پھیل رہے ہیں لیکن اگر یونیورسٹیوں کے اوقات عیسائی مذہب کی تائید سے اس طرح پر منحرف کئے جاتے ہیں اور اگر یونیورسٹیوں کے سرکاری سبیل مذہب عیسائی کی بنیاد یعنی بائبل کی صداقت کے انکار کے لئے اور یا بائیبل کے زور کو کم کرکے قرآن شریف کے برابر کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو پھر یونیورسٹیوں کے چانسلروں کے سامنے یہ کھلی اپیل پیش کی جاتی ہے کیونکہ یونیورسٹیاں صحیح معنوں میں قومی ورثہ ہیں اور اس عیسائی تعلیم کا سچا نقشہ پیش کرتی ہیں جو کہ یونیورسٹی کی کتبہ "خداوند مجھے نور دے" میں منقوش ہے۔ اور یونیورسٹیوں کا ایسی تعلیم پر اصرار کرنا جسکو غیر عیسائی لوگ بھی جنکو عیسائی کرنے کے لئے اس ملک سے مشنری بھیجے جاتے ہیں اپنی تعلیم کی طرح ہی سمجھتے ہیں۔ اصل مقصد سے بالکل اور مطلقاً دور جا پڑنا ہے اور قوانین یونیورسٹی کی عملاً خلاف ورزی ہے اس مضمون پر کیا دنیوی اور کیا مذہبی اخبارات میں خط و کتابت کے بڑے بڑے انبار اس امر کو ظاہر کرتے ہیں کہ ان علمی دلائل کے متعلق جن سے اعلےٰ تنقید بائیبل کے مسئلوں کی غلطی ثابت ہوتی ہے پورا پورا اور مفصل علم وسیع پیمانے پر عام ہو چکا ہے اور یونیورسٹیوں کا اعتبار جوان کو مفید اور مذہبی تعلیم کے مرکز ہونے کے رو سے حاصل ہے بالکل جاتا رہیگا اگر وہ بائیبل کو گرانیوالی تنقید کا راستہ نہ چھوڑ دیں گی جواب اس ملک میں غلط تسلیم ہو چکا ہے ؛

سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ یونیورسٹیوں کا خدا اور عیسائیت کے انقیاد اور اطاعت کو بدلنا خواہ اس کی وجہ عارضی طور پر عقلی پلہ کا بھاری ہو جانا ہو جو پچھلی نصف صدی کی تحقیقاتوں یا انکلوں سے ہوا ہے یا کوئی اور وجہ ہو۔ ایسی تبدیلی اس عیسائی ملک کے عام لوگوں کی منظوری کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اور حقیقت میں یہ ایک ایسا اہم اور بنیادی سوال ہے جو مقامی طور پر یونیورسٹیوں میں تصفیہ نہیں پا سکتا بلکہ تمام دنیا کی انگریزی عیسائیت کی عام منظوری سے روا رکھا جا سکتا ہے۔

کیمبرج کرانیکل کی یہ تحریر عیسائی پادریوں کی حالت سے زیادہ بے سروپا ہے تعجب آتا ہے کہ یونیورسٹیوں کی تعلیم پر اعتراض کس قسم کا کیا جاتا ہے خواہ یہ اپیل سنجیدگی سے ہی پیش کی گئی ہو مگر اسمیں شک نہیں کہ اسمیں جو صورت اختیار کی گئی ہے وہ بالکل بیہودہ ہے یونیورسٹیاں اس تعلیم کو کیونکر پھیلا سکتی ہیں جسکو وہ جھوٹا سمجھ رہی ہیں۔ اگر عیسائی لوگ گذشتہ انیس سو سال سے ایک سخت گمراہی میں پڑے رہے ہیں تو انکی گمراہی یونیورسٹیوں کیلئے کوئی دلیل نہیں کہ غلطی کے اظہار کے بعد بھی وہ اسی غلطی کی تعلیم ہی دیتی رہیں کیا یونیورسٹیونکی بنیاد جھوٹ اور غلطیوں کی تعلیم دینے کیلئے رکھی گئی تھی یہ کہنا کہ یونیورسٹیونکا فرض ہے کہ عوام کی مذہبی رائے کی تائید کریں خواہ اسے جھوٹا سمجھیں یا سچا۔ اس سے بڑھکر کوئی بیہودگی نہیں +

کیمبرج کرانیکل کی تحریر تضادات کا عجیب مجموعہ ہے ایک طرف تو یہ خطرہ پڑا ہوا ہے کہ بائیبل کی اعلےٰ تنقید کے مسئلوں کے پھیل جانے سے عیسائیت اور بائیبل کی حالت نہایت خطرناک ہو رہی ہے دوسری طرف یہ بھی جتلانا مقصود ہے کہ اندر ہی اندر ان مسئلوں کی خیالی علمی تردید ہاتھ آجانے سے اطمینان ہو گیا ہے اخبار مذکور دعوے کرتا ہے کہ تنقید بائیبل کے سارے مضمون پر نئی ماہرانہ تصنیفات میں سے اسے نئے کامل علوم حاصل ہوئے ہیں جن سے اعلےٰ تنقید کے مسئلوں کی تردید ہوتی ہے ہم تعجب کرتے ہیں کہ کیا بائیبل کا دائرۃ المعارف جسکی چوتھی اور اخیری جلد ابھی چند مہینے ہی ہوئے ہیں شائع ہوئی ہے اور جو ہر ملک کے فاضلان بائیبل کے عمیق غور و فکر کا نتیجہ ہے ان نئی ماہرانہ تصنیفات کے اندر نہیں آتی۔ اس قابل قدر تصنیف کے مصنفوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ نہ صرف برطانیہ کلاں کے فاضلان و ماہران بائیبل ہی شامل ہیں بلکہ ہر ایک عیسائی ملک کے عالم جو علوم بائیبل میں خاص طور پر امتیاز رکھتے ہیں انکی قلموں کے لکھے ہوئے آرٹیکل بھی اسمیں موجود ہیں اور ہر ملک کے فاضلوں کے نام ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ اس کتاب میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ حاوی اور صحیح خیالات ہیں یہ امر بالکل قابل تسلیم نہیں کہ اس قسم کے مشہور اور فاضل ماہران بائیبل جیسے پروفیسر چین[1] ٹیل[2]۔ ولہاسن[3] شمٹ[4] شمیڈل[5] گلڈنر[6]۔ نولڈیک[7] اور انگلستان اور دوسرے ممالک کی یونیورسٹیوں کے پروفیسر لکچرار اور فیلو جن کی تعداد

---

[1] آکسفورڈ میں کتاب مقدس کے ترجمہ کا پروفیسر [2] لیڈن میں تاریخ مذہب اور فلسفہ مذہب کا پروفیسر [3] گوٹنگن میں شامی زبانوں (یعنی عربی عبرانی سریانی وغیرہ) کی زباندانی کا پروفیسر [4] نیویارک میں شامی زبانوں اور شامی علم ادب کا پروفیسر [5] زیورچ میں تفسیر انجیل کا پروفیسر [6] برلن میں پروفیسر [7] سٹراسبرگ میں شامی زبانوں کا پروفیسر +

کچھ تھوڑی سی نہیں یہ سب کے سب اُن کامل علوم" اور ان "علمی دلائل" سے محض ناواقف رہے جنکا پتہ کیمبرج کرانیکل کو ملگیا یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان فاضل لوگوں کو عیسائی مذہب اور بائیبل کے خلاف کوئی تعصب تھا نہیں بلکہ انکو جو بائیبل سے محبت ہے، وہ اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ ہے جو کیمبرج کرانیکل کو ہے چنانچہ دائرۃ المعارف مذکور کی تمہید میں اسکے اڈیٹر لکھتے ہیں کہ ہم اس دفعہ کو ختم کرنے سے پہلے سچے دل سے یہ شہادت ادا کرتے ہیں کہ بائیبل پر محققانہ اور تاریخی نظر کے ساتھ جبکہ وہ نظر کافی طور پر محیط ہو کتاب مقدس کے ساتھ محبت ہمیشہ بڑھتی رہیگی" +

عیسائی مذہب کی حقیقت اگر معلوم ہوسکتی ہے تو صرف عیسائی یونیورسٹیوں سے ہی ہوسکتی ہے جو کہ عیسائی تعلیم کی مرکز ہیں نہ کہ عوام سے جو عموماً جاہل ہوتے ہیں اور نہ ہی اس قسم کے متعصب مذہبی پرچوں سے جنکی غرض عوام کو خوش کرنا ہوتا ہے کیمبرج کرانیکل کی یہ رائے ہے کہ یونیورسٹیوں کیلئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ سچائی کو شائع کریں جب تک کہ عام لوگ ان کے ساتھ اتفاق نہ کریں کیا کوئی عقلمند انسان ایسی بیہودہ بات کو تسلیم کرسکتا ہے سچے مذہبی علوم تمام دوسرے سچے علوم کی طرح عوام سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ عوام تو اندھوں کی طرح انہیں سڑے گلے پُرانے عقائد کے پیچھے چلتے رہتے ہیں جب تک کہ ان کے خلاف عقائد مضبوطی کے ساتھ قائم نہ ہوجاویں اگرچہ پادریوں اور واعظوں پر یہ کبھی امید نہیں ہوسکتی کہ وہ پُرانے عقائد کو چھوڑ سکیں کیونکہ انکے لئے وہ ذریعہ معاش ہوتے ہیں لیکن باوجود اس بات کے بائیبل کی اعلےٰ تنقید کے مسئلے عام طور پر گرجوں کے پادری اور مشنری لوگ تسلیم کر رہے ہیں +

کیمبرج کرانیکل کی یہ عجیب اپیل عیسائی مذہب کی افسوس ناک حالت کو ظاہر کرتی ہو دراصل اس اپیل کا منشاء یہ ہو کہ وہ ان خیالات کی تردید سے جن پر عیسائی مذہب قائم ہے اور جو انیس سو سال سے عیسائی دنیا میں مانے چلے آئے ہیں عیسائیت پر وہ کاری حربہ نہ چلائیں جس سے اس کا کام تمام ہوجائے آہ کتنی بڑی یہ مصیبت ہو۔ ایک زبردست مذہب جو دو ہزار سال سے کروڑ ہا آدمیوں کی قسمت کا فیصلہ کرتا رہا ہے اور جسکی حکومت دنیا کے اتنے بڑے حصے پر پھیلی ہوئی ہے اب چند انسانوں کے سامنے عاجزی سے جھک کر یہ التجا کر رہا ہے کہ مجھ پر ایسا حربہ نہ چلاؤ جو میری زندگی کا خاتمہ کردے ایک مذہب جو ایسا طاقتور اور غالب رہ چکا ہے آخر کار مجبور ہوگیا ہو کہ ایک نہایت حقیرانہ صورت اختیار کرے اگرچہ انسان اس کی حالت پر رحم بھی کریں تو بھی قبر مسیح کی دریافت سے اسے وہ صدمہ پہنچا ہے کہ دوبارہ یہ اپنا سر نہیں اٹھا

سکیگا۔ اگرچہ عیسائیت کی حالت موجودہ حالات کے ماتحت نہایت ہی افسوسناک ہے مگر یہ ضروری تھا کہ جھوٹ اور سچ کی پرکھ کے لئے یہ واقعات ظہور میں آتے۔ اور عیسائیت کو یہ مصیبت کا دن دیکھنا پڑتا آسمانی مذہب پر جب مشکلات آتے ہیں تو اسکی نظر بھی آسمان کیطرف ہی ہوتی ہے تاکہ اسے اوپر سے تائید ربانی پہنچے لیکن ہر ایک زمینی سلسلہ کو زمینی اسباب کی طرف جھکنا پڑتا ہے۔ عیسائی مذہب کو اسلام سے زیادہ مشکلات درپیش نہیں ہیں لیکن اسلام کو آسمان سے مدد دی گئی اور اسکی مشکلات کے وقت میں آسمان سے ایک انسان بھیجا گیا اور آسمانی پانی سے اسے دوبارہ زندگی بخشی گئی اور عیسائی مذہب کو زمینی انسانوں کے دروازوں پر التجا کرنے کی ضرورت درپیش آئی جب عیسائیت کے معجزات پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ صرف قصے کہانیاں ہیں تو اسے عاجز ہو کر ساکت ہونا پڑتا ہے اور کسی طرح اس الزام سے اپنی بریت ثابت کرنے کے وہ قابل نہیں ہوتا اگرچہ انجیلوں میں یہ وعدہ بھی دیا گیا تھا کہ مسیح کے پیرو مسیح کی طرح ہی معجزات دکھائینگے لیکن جو مذہب زندہ اور طاقتور خدا کیطرف سے ہے یعنی مذہب اسلام وہ خدا کے فضل سے آج بھی خدا کی طرف سے ہونے کے وہی آسمانی نشان دکھا سکتا ہے جو اس سے تیرہ سو سال پہلے دکھاتا تھا جو اصول انیس سو سال سے عیسائی مذہب میں مسلم رہے ہیں وہ آج جھوٹے اور غلط ثابت ہونے پر اسے یونیورسٹیوں کے چانسلروں کے پاس اپیل پیش کرنی پڑی لیکن بالمقابل اسلام کو دیکھو کہ جب لوگوں نے اسکے پاک اصول پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو خدائیتعالے نے اپنے رسول کو جو مسیح موعود ہے دنیا میں بھیجا تا آسمانی نشانوں کے ساتھ وہ پاکیزگی کو دلوں میں قائم کرے اور اسلام کی سچائی کو روشن کر کے دکھلاوے۔ کیا یہ ایک زندہ اور مردہ مذہب جھوٹے اور سچے اصول کے درمیان صاف امتیاز نہیں؟ اگر مذہب ایک آسمانی چیز ہے اور زمین سے نہیں نکلتا تو پھر اسمیں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ جب اس پر کوئی سخت حملہ ہو یا وہ سخت مشکلات میں گھر جاوے تو آسمانی نشانوں کے ساتھ اسی طرح پر اس کے اصول دوبارہ مضبوط کئے جاویں جیسا کہ اسکی پیدایش کے وقت آسمانی نشانوں سے اسکی تائید ہوئی تھی۔ اور یہ ایسے انسانوں کی رائے کا محتاج نہ ہو جو آسمان سے الہام نہیں پاتے لیکن کیا عیسائی مذہب آج ایسے نشانات کے دکھلانے کا دعوے کر سکتا ہے کیا عیسائیت کے حلقہ میں ایک آدمی بھی ایسا ہے جو یہ کہہ سکتا ہو کہ روح القدس سے مدد پا کر میں اسی طرح آسمانی نشان دکھا سکتا ہوں جس طرح مسیح اور اسکے شاگردوں نے دکھائے اگر ایسا کوئی انسان عیسائی مذہب میں پایا جاتا تو اسکا خدا کیطرف سے ہونے کا دعوے قابل

شنوائی ہوتا مگر نہیں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسے یہ پاک امتیاز حاصل ہے اور جسمیں وہ سچا معیار پایا جاتا ہے جو سچے اور جھوٹے کے درمیان امتیاز کر سکتا ہے +

عیسائیت کی افسوسناک حالت اور ہمارے اس حملہ کی سچائی اور طاقت کو جو کیمبرج کرانیکل کی اس اپیل کا محرک ہوا ہے (دیکھو ریویو آف ریلیجنز مئی ۱۹۰۳ء بعنوان اعلے طبقہ کے عیسائی محققین اور پادری) پادری ہیوٹ صاحب پرنسپل سی ایم ایس ہائی سکول کرمشناگڑھ ندیا بنگال نے بہت صفائی کے ساتھ تسلیم کیا ہے اور اس مضمون کی چٹھی ولایت کے اخبار ریکارڈ مورخہ ۲۶ جون ۱۹۰۳ء میں چھپوائی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں "پادریوں کی متفقہ کانفرنس نے جسکا اجلاس ماہوار کلکتہ میں ہوتا ہے تھوڑا عرصہ ہوا اعلے تنقید کے مضمون پر بحث کی تھی۔ کارروائی اجلاس کی روئداد ایک دانا مسلمان مباحث یعنی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بڑے غور سے پڑھی ہے میں ایک آرٹیکل اس مضمون کے ساتھ چھاپنے کے لئے بھیجتا ہوں جو مرزا صاحب کے میگزین ریویو آف ریلیجنز کی گذشتہ اشاعت میں شایع ہوا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کس قدر غور کے ساتھ یہ اور اسی قسم کے دوسرے مضامین اسوقت ہندوستان میں غیر عیسائیوں کی توجہ کھینچ رہے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو دنیا میں مسیح کی سلطنت کے پھیلانے میں مشغول ہیں اور اسمیں دلچسپی رکھتے ہیں اسمیں ایک سبق ہے۔ مرزا صاحب سب سے نئی اور اعلے درجہ کی تنقید بائبل کو لے کر یہ کہتے ہیں کہ یہ طریقہ وہی تعلیم دیتا ہے جو قرآن شریف ہمیشہ سے دیتا چلا آیا ہے اور وہ پادریوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ ایک ایسی بائبل سے تعلیم دینا چھوڑ دیں جو جھوٹی ثابت ہو چکی ہے اور اس امر کو مان لیں کہ مسیح کی فرضی الوہیت اس سے زیادہ نہیں جیسی دوسرے انسانوں میں پائی جاتی ہے نئے محققین کی یہ عجیب حالت ہے جو انہوں نے اختیار کی ہے۔ ایک مسلمان مصلح جو عیسائیت کی تردید میں مصروف ہے اور اسکا دشمن ہے ان محققین کے خیالات کو اپنی تائید میں لیتا ہے میں تعجب کرتا ہوں کہ ہمارے گرجا کے پادریوں نے جو اس اعلے تنقید کے معاملہ میں کسی بڑے نام کی سند پر اعتبار کر لیتے ہیں اس تعلیم کے لازمی نتیجہ کو ابتک محسوس کیا ہے یا نہیں اس کا ضروری نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے درمیان عیسائی مذہب کے پھیلانے میں نئی اور سخت مشکلات درپیش آئینگی۔ دلائل کے رو سے مرزا صاحب بالکل حق پر ہیں اور ہمارا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ یہ تعلیم ابھی تک محض ایک خیالی مسئلہ ہے لیکن دراصل ایسا جواب دینا صرف یہ کہنا ہے کہ مرزا صاحب انتظار کریں جب تک کہ عیسائی آپس میں لڑ جھگڑ

کہ بائبل کی صداقت کا فیصلہ کریں یقیناً ایسی حالت تک پہنچ جانا ایک قابل افسوس حالت ہے ہمارے محققین دیکھیں اس کا کیا جواب دیتے ہیں"۔

پادری ہیوٹ صاحب کی اس چھٹی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اعلے تنقید کے اصولوں کو گرجا کے پادریوں اور مشنریوں نے بھی مان لیا ہے۔ ہاروسٹ فیلڈ جو ایک مشنری میگزین ہے اس امر پر بہت زور دیتا ہے وہ کہتا ہے "ہم یقین رکھتے ہیں کہ سچائی کی خاطر اور ہندوستان میں کلیسیا کی بہبودی کیلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ بائبل کے کلام الٰہی ہونے کے متعلق جس طرح کا اعتقاد کلیسیا کے عالم فاضل اور اسکے پیشوا رکھتے ہیں اس پر زیادہ توجہ کیجاوے"۔ اس طرح پر اخبار مذکور اپنی رائے کا صاف اظہار کرتا ہے کہ مسئلہ مذکور یعنی بائبل کی صداقت کا مسئلہ جس طرح اب پیش کیا جاتا ہے یا جس طرح اب آیندہ عیسائیوں کو تسلیم کرنا چاہیئے وہ اس سے مختلف ہے جسطرح وہ پہلے مانا جاتا رہا ہے اور اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ آگے چلکر اخبار انڈین وٹنس کے دانشمندانہ الفاظ" نقل کرتا ہوا میگزین مذکور یوں کہتا ہے "کلیسیا کے ہندوستانی عہدہ داروں کا بڑا حصہ بائبل کے متعلق ان نئے اعتقادات سے بالکل بے خبر ہے جو یورپ اور امریکہ کے پادریوں کے بہت بڑے حصہ نے مانے ہوئے ہیں صداقت کے برخلاف یہ ایک بڑی بغاوت ہے کہ بائبل کو غلطیوں سے پاک اور اسکے الفاظ کو خدا کا کلام کہا جائے"۔" کیا اخبار کیمبرج کرانیکل سچائی کو عمداً چھپانے کا ملزم نہیں جب وہ یہ کہتا ہے کہ اعلے تنقید کے اصولوں کی تردید ہو چکی ہے حالانکہ کلیسیا کے بڑے بڑے عہدہ دار اور پادری صاحبان کھلے طور پر ان کو قبول کر رہے ہیں تھوڑا ہی عرصہ گذرتا ہے کہ بمبئی کے بشپ نے پرزور الفاظ میں یہ لکچر دیا تھا کہ بائبل کو ہرگز غلطیوں سے پاک نہیں کہا جا سکتا خود ایسے گرجے موجود ہیں جا ہوں کو آزاد گرجے کہو لو مگر پھر بھی وہ عیسائی گرجے ہی ہیں جو کھلے طور پر یہ تعلیم دیتے ہیں کہ "بائبل خدا کا کلام نہیں بلکہ واقعات۔ توہمات اور جھوٹے قصہ کہانیوں سے ایک ملی جلی چیز ہے یعنی سچائیوں غلطیوں اور بیہودگیوں کا ایک مرکب ہے"۔ اور اس سے ہمیں معقول باتیں پسند کر کے باقی کو ردی میں ڈالنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی بڑھکر خود متعصب عیسائی ممبروں سے اب یہ وعظ کیا جاتا ہے کہ بائبل خدا کا کلام نہیں ہے سچ تو یہ ہے کہ وہ انقلاب عظیم جو مغرب میں بائبل کے عقیدہ کے متعلق واقع ہوا ہے کلیسیا یا مشنری ہرگز اسکو برا نہیں مناتے۔ برعکس اس کے یہ بائبل کے لفظ بلفظ الہامی کلام ہونے اور غلطیوں سے پاک ہونیکا عقیدہ ہی جسکو ہر ایک سمجھدار آدمی اب رد کر رہا ہے اور چاہیئے بھی ایسا ہی تھا مسٹر ہیوٹ کے یہ الفاظ کہ نیا عقیدہ ابھی تک ایک

ذہنی مسئلہ ہے صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ سارے محققین اور کلیسیا کے بہت سے بڑے بڑے عہدہ دار اور مشنری اب اس عقیدے پر اتفاق رکھتے ہیں کہ بائیبل غلطیوں سے پاک نہیں ہے۔ جاہل عوام ابتک پرانے عقیدے پر جمے ہوئے ہونگے لیکن انکی رائے کو ایسے معاملہ میں بمقابلہ تمام فاضلان اور دانشمندان اور عہدہ داران کے کوئی وقعت نہیں دی جا سکتی +

یہاں ہم ناظرین کو ایک ضروری امر کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ بفرض محال اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دونوں فریق یعنی بائبل کی صحت کے مویّد اور اسکی غلطیوں کے قائل ابھی تک جھگڑ رہے ہیں کہ ان میں سے حق پر کون ہے اور ہم کو اسوقت تک انتظار کرنا چاہیئے جب تک کہ ان فریقوں کا باہمی تصفیہ ہو جاوے یا اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر ہم یہ بھی فرض کریں کہ کیمبرج کرانیکل کے ہاتھ میں واقعی اعلےٰ تنقید کی "علمی تردید" آگئی ہے تو کیا پھر ہر ایک غور کرنے والی طبیعت پر یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ کیوں بائبل خود اس امر پر خاموش ہے مختلف نسخوں اور ترجموں کے سوال کو بالفعل نظر انداز کر کے جو بائبل کے کلام الٰہی ہونے کے دعوے کو صاف جواب دے رہے ہیں یہ خیال کیسا لغو ہے کہ کسی کتاب کے خدا کی طرف سے ہونے کے دعوے کا فیصلہ کثرت رائے سے کیا جاوے۔ کیا ایسی کتاب خدا کی طرف سے ہو سکتی ہے جسکی صداقت کا فیصلہ چند آدمیوں کی رائے پر ہوتا ہے ایسی کتاب کس طرح کسی ادب کے قابل ہو سکتی ہے جسکے پیرو اسکی سچائی پر جھگڑ رہے ہوں اور کثرت رائے سے سوال کے فیصلہ کے لئے تیار ہوں۔ اگر بیسویں صدی کے مہذب عیسائیوں کا یہ حال ہے کہ اپنے مذہب کی مقدس کتاب کی اصلیت کا فیصلہ کثرت رائے سے کرنا چاہتے ہیں تو پھر ان آئیس لینڈ والوں پر کیوں ہنسا جاتا ہے جنہوں نے عیسائی مذہب کے اختیار کرنے یا اسکو رد کرنے کا سوال قومی پارلیمنٹ میں پیش کر کے آخر کثرت رائے سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ سب لوگ عیسائی مذہب کو اختیار کریں ہمیں اسقدر رائے دینے کی اجازت ملنی چاہیئے کہ اس سوال کے جلدی فیصلہ کرنے کیلئے اور پبلک کو بہت مدت تک انتظار میں نہ رکھنے کیلئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کے کلام الٰہی اور غلطیوں سے پاک ہونے کے سوال کو بجائے اس طرح پر مباحثہ کرنے کے پارلیمنٹ میں پیش کر دینا چاہیئے تاکہ جلدی بحث ہو کر اسکا فیصلہ ہو جائے اور عیسائیت کے دشمنوں اور دوستوں کو پتہ لگ جائے کہ اصل عقیدہ عیسائی مذہب کا انگریزی کلیسیا میں کیا ہے یہ ہے قسمت اس کتاب کی جسکو دو ہزار سال تک بے سوچے سمجھے کلام الٰہی اور غلطیوں سے پاک مانا

گیا ہے اس کے پیروؤں کو یہ کبھی نہیں سوجھا کہ ایک ایسی کتاب کو کلام الٰہی اور غلطیوں سے پاک ماننا جو خود بالکل خاموش ہو ایسا دعوے اسکے لئے کرنا ہے جسکی وہ مستحق نہیں اور جسکی غلطی کا افشا دیر و زود ضرور ہو جائیگا۔ یہ محض حماقت ہے کہ ایک ایسی کتاب کو کلام الٰہی سمجھ لیا جاوے جو نہ دعوے کرتی ہے اور نہ ہی دلیل دیتی ہے۔ دنیا میں صرف ایک ہی ایسی کتاب ہے یعنی قرآن شریف جس نے نہ صرف خدا کی طرف سے ہونے اور غلطیوں سے پاک ہونے کا دعوے کیا ہے بلکہ یقینی اور قطعی دلائل بھی ساتھ ہی اسکے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔ بار بار اس نے یہ دعوے کیا ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے جو خدا نے نازل کیا ہے اور یہ کہ وہ خالص حق اور حکمت ہے اور باطل اسکے پاس نہیں آسکتا اور یہ کہ اسکا ہر ایک لفظ غلطی سے پاک ہے اس دعوے پر اس نے کثرت سے دلائل بھی دئے ہیں جنہیں سے اختصار کی خاطر ہم صرف ایک دلیل کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ قرآن شریف کی پہلی ہی سورت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے **وان کنتم فی ریب مما نزلنا علٰے عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین** اور اگر تم کو شک ہے اس چیز میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو ایک سورت اس جیسی بنا لاؤ اور اللہ تعالےٰ کے سوائے اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو پھر اسکے بعد فرماتا ہے **فان لم تفعلوا ولن تفعلوا** اور اگر تم اسکی مثل نہ بنا سکو اور ہرگز نہ بنا سکو گے۔ یہاں اس کتاب مقدس کے خدا کی طرف سے ہونے کا صاف دعوے اور دلیل موجود ہے اور تیرہ سو سال سے اس دلیل کا کسی نے جواب نہیں دیا عیسائی یا کوئی اور قرآن شریف کو قبول نہ کریں لیکن کوئی سمجھ دار آدمی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ جب تک وہ قرآن کریم کی مثل بنا کر پیش نہ کریں ان کا عدم قبول ایک مردود شے ہے۔ تمام دنیا بھی اکٹھی ہو کر قرآن شریف کا مثل نہیں بنا سکتی۔ نہ صرف عربوں نے ہی مثل بنانے سے عاجزی کا اظہار کر کے قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت قطعی دیدیا ہے بلکہ کروڑ ہا انسان جنکے سامنے قرآن شریف پیش کیا گیا ہے ان سب نے اپنی خاموشی سے اسکی سچائی پر مہر لگا دی ہے اور اسکو انسانی طاقت سے بالاتر ثابت کر دیا ہے کیا بائیبل بھی کوئی ایسا دعوے کرتی ہے یا ایسا ثبوت پیش کرتی ہے اگر یہ اپنے اندر کوئی ایسا ثبوت رکھتی تو کیوں اسکے پیرو اسکی سچائی پر جھگڑتے اور لڑتے۔ یہاں ہم نے صرف ایک دلیل قرآن کریم کی صداقت کی پیش کی ہے تا یہ معلوم ہو کہ بالفرض اگر کثرت رائے سے بائیبل کے حق میں بھی فیصلہ ہو تو بھی کوئی سمجھ دار آدمی نجات کے لئے ایک ایسی کتاب پر بھروسہ نہیں کر سکتا جو چند آدمیوں کے وہم پر قبول کی جا سکتی ہے یا رد کی جا سکتی ہے +

کیمبرج کرانیکل کی تحریر کے متعلق صرف ایک اور بات کہنی ضروری ہے اسلام کے متعلق اس نے یہ سخت غلط بیانی کی ہے کہ دانا مسلمان اب بائیبل کو اس حیثیت میں پیش کرتے ہیں کہ وہ قرآن شریف سے بڑھکر کچھ نہیں سکھاتی مسلمان ہمیشہ سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بائیبل کی تعلیم قرآن شریف کی تعلیم سے نہایت کمتر درجہ پر ہے ہاں عیسائیوں کو اس بات کا اب یقین آنے لگا ہے جو مسلمان ہمیشہ سے مانتے رہے ہیں کہ بائیبل غلطیوں سے خالی نہیں ہے عیسائیوں نے بڑی ہٹ کے ساتھ اس تعلیم کا مقابلہ کیا یہانتک کہ اب خود زمانے نے انکو اپنی غلطی پر مطلع کر دیا۔ ہاں کچھ عرصہ تک اور وہ ایک جھوٹی تسلی اپنے آپ کو دے سکتے ہیں کہ یہ تعلیم ابھی تک محض ایک ذہنی مسئلہ ہے یا انکے ہاتھ کوئی فرضی "علمی تردید" آگئی ہے لیکن اسکی غلطی بھی انہیں جلدی معلوم ہو جائیگی تب انکو پتہ لگیگا کہ بائیبل اس طرح پر گری ہے کہ اسکا پھر اٹھنا ناممکن ہے جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی بھی کی تھی مسیح موعود آگیا ہے اور اسکے آنے کے ساتھ ہر ایک جھوٹ دور ہو جائیگا اور حق غالب آئیگا یہی پہلے سے بتایا گیا تھا اور اسیطرح ہو کر رہیگا

عیسائی مذہب کا زوال

باوجود پادریوں کی شبانہ روز کوشش کے کہ تمام دنیا مسیح کی الوہیت کو مان لے اس مذہب کا جو مسیح کے نام پر چل رہا ہے افسوسناک خاتمہ قریب نظر آتا ہے کیونکہ وہ بنیاد جس پر یہ قائم تھا گر رہی ہے اس نئی تحقیقات کو جسکے رو سے یسوع مسیح کی قبر بمقام سری نگر کشمیر دریافت ہوئی ہے اور جس نے عیسائی مذہب کے تمام خاص دعووں کو خاک میں ملا دیا ہے۔ الگ چھوڑکر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسیح کا جی اٹھنا جو عیسائی مذہب کی عمارت کا سب سے بڑا شہتیر ہے بڑے بڑے دانشمند اور بائیبل کے فاضل ماہر قبول نہیں کرتے بلکہ کھلے لفظوں میں اس سے انکار کر رہے ہیں۔ اسکے ثبوت میں ہم چند اقوال انسکلوپیڈیا ببلیکا کے جو مسلم ماہران بائیبل کی سب سے آخری تحقیقات ہی نقل کرتے ہیں۔ سب سے پہلے اس عقیدہ کی اہمیت اس کتاب کی بنا پر ہم دیکھیں گے چنانچہ مسیح کے جی اٹھنے اور آسمان پر چڑھنے کے متعلق جو اسمیں آرٹیکل لکھا ہے اسمیں تمہیدی عبارت یہ ہے "مسیح کا جی اٹھنا تمام امور سے اہم امر ہے جسپر عیسائی کلیسیا کی بنیاد ہے۔ ایسے ابتدائی زمانہ میں بھی جب کہ پولوس نے پہلا خط قرنطیوں کو لکھا تو ایک دقیق بحث میں اس مسئلہ کی اس اہمیت کو جتلایا ... اسلئے بروئے دلائل یہ یقینی امر ہے کہ اگر کسی وقت یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ مسیح کا جی اٹھنا کبھی نہیں ہوا تو عیسائی مذہب

تمام امور متذکرہ بالا کے لحاظ سے لازمی طور پر دنیا سے اٹھ جائیگا۔ ان تمام خطرات سے اندیشہ کرنے کی وجہ ہے کہ یسوع کے جی اٹھنے کی مفروضیت پر ان مسئلوں کی بنیاد رکھی گئی ہے جو عیسائی مذہب کے بنیادی مسئلے ہیں مثلاً خدا تعالےٰ اور اسکے انسانوں کے ساتھ تعلق کے متعلق جسپر انسانوں کی نجات جیسا اہم مسئلہ موقوف ہے" اس عظیم الشان عمارت کو دیکھو اور پھر اس کھوکھلی بنیاد کی طرف ایک نظر ڈالو جسپر یہ عمارت کھڑی کی گئی ہے" چنانچہ انسکلوپیڈیا کہتا ہے"لیکن یہ بنیاد کیا چیز ہے۔ یہ تاریخ کے ایک واقعہ کو مان لینے پر موقوف ہے اور اسکا علم ہم تک صرف بذریعہ روایات پہنچتا ہے اور اسلئے تاریخی تنقید کے یہ اسی طرح نیچے آتا ہے جیسے دوسرے تاریخی واقعات اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسیح کا جی اٹھنا جیسا کہ اسکے خارق عادت ہونیکی حیثیت کے لحاظ سے کچھ عجیب بات نہیں ہے ملک کے بہت سارے حصوں میں اور بڑھتے ہوئے اتفاق کے ساتھ جھوٹا قصہ سمجھا جاتا ہے اور یہ نہ صرف اسوقت جبکہ اسکو یسوع کے مردہ جسم کا جی اٹھنا بیان کیا جاوے بلکہ اسوقت بھی جبکہ کوئی روحانی پہلو اسکے بچاؤ کا اختیار کیا جاوے" اس کے بعد یہ بیان کیا ہے کہ ایسے واقعہ کو کس طرح اور کسقدر شہادت کے ساتھ لینا چاہیے" اسلئے تاریخدان کا معمولی طریق گذشتہ زمانہ کے واقعات پر بحث کرتے وقت سب سے پہلے یہ ہوگا کہ آیا اسکی کوئی سیدھی سادی تشریح ہو سکتی ہے جسمیں معجزہ کے وجود کو نہ ماننا پڑے اور اسکے علاوہ کسی اور نتیجہ پر پہنچنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی مضبوط شہادت درکار ہوگی" اس امر کے متعلق شہادت کے ذرائع میں سے سب سے پہلے مروجہ اناجیل پر غور کیا گیا ہے"لیکن ان میں نہایت ہی کھلے کھلے متضاد بیانات پائے جاتے ہیں ریمارس نے دس متضاد بیانات گنے ہیں۔ لیکن درحقیقت انکی تعداد اس سے بہت ہی بڑھکر ہے" غیر مروج ذرائع میں سے"بعض کو بلحاظ تقدم اناجیل مروجہ سے بہت بڑھکر سمجھا گیا ہے جیسے مثلاً عبرانیوں کی انجیل" لیکن اسمیں بھی"مروجہ اناجیل کے ساتھ بڑے بڑے اختلاف پائے جاتے ہیں"۔ پطرس کی انجیل کے ٹکڑے ہیں جو ۱۸۹۲ء میں ملا ہے بہت سارے فاضلوں نے اور خصوصاً ہارنک نے سب سے بڑھکر پرانے زمانے کے واقعات سمجھے ہیں اور اسکو اول درجہ کا ذریعہ خیال کیا ہے"لیکن اس میں بھی بہت ساری باتیں ناقابل اعتبار ہیں اور جو حصہ"خصوصاً پرانا سمجھا جانے کے قابل ہے وہ یہ بیان ہے کہ یسوع پہلے جلیل میں پطرس کو ملا۔ اسکے علاوہ یہ بات بھی اسکی اصلی معلوم ہوتی ہے کہ یسوع کی سب سے پہلے ملاقات حواریوں کے ساتھ اسکی موت کے آٹھ دن بعد ہوئی" ایک "قبطی کتاب جس کا میلان عیسائیوں کے فرقہ ناستک کے خلاف ہے اور جو اخمیم میں ملی ہے وہ اس گفتگو

کو نقل کرتی ہے جو یسوع اور اسکے حواریوں میں اسکے جی اُٹھنے کے بعد ہوئی" اس میں بہت ساری باتیں نئی ہیں لیکن ایسی بات کوئی نہیں جسکو مروجہ اناجیل کے بیانات سے بڑھ کر وقعت دیجا سکے" اس کے علاوہ اور بھی الگ الگ ٹکڑے ہیں ان میں سے ایک کے مطابق "یسوع نے مچھلی اور شہد کے چھتے میں سے کچھ کھا کر باقی حواریوں کو دیدیا" ایک اور غیر مروج تصنیف میں جسکا جارجی زبان میں ایک ترجمہ ملا ہے کہ یسوع سب سے پہلے یوسف ارمتیا کو ملا +

یسوع اعمال کے بیان کے بموجب چالیس دن تک جی اُٹھنے کے بعد زمین پر رہا لیکن ولنٹنی انس اور افائٹیس (دو فرقے) کا یہ اعتقاد ہے کہ یسوع جی اُٹھنے کے بعد اٹھارہ مہینے تک زمین پر رہا ایسا ہی اتھیوپک زبان کی ایک کتاب میں پسٹس سوفیا ء اکے مطابق وہ گیارہ سال رہا" یسوع حواریوں کو پہلے پہل گلیل میں ملا کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ یروشلم اور گلیل دونوں کے قصے ٹھیک مان لئے جاویں اس لئے دونوں قسم کی روائتیں ایک جیسی نہیں ہوسکتیں۔ بہت سارے دلائل اسبات کے دئے گئے ہیں کہ گلیل کی بجائے یروشلم بدل سکتا تھا لیکن یروشلم کو گلیل بنانا مشکل تھا" اگر متی اور مرقس اپنی انگلوں سے ہی کام لیتے تو وہ یروشلم کے سوا ملاقات کا مقام اور کہیں نہ لکھہ سکتے تھے کیونکہ قبر اور عورتیں اور حواری سب وہاں ہی موجود تھے۔ اسلئے وہ روایت جسکے مطابق اُنھوں نے ملاقات کا مقام گلیل کو مقرر کیا بہت ہی مضبوط روائت ہونی چاہیئے +

اسکے بعد چند واقعات کا ذکر کر کے جن پر جی اُٹھنے کی بنا ہے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ سب جھوٹے ہیں۔ پھر یہ بحث کی گئی ہے کہ یسوع کا جسم جی اُٹھنے کے بعد کس قسم کا جسم تھا۔ اور جسقدر خارق عادت تشریحین جی اٹھنے کے متعلق ہیں انکی تردید کی گئی ہے۔ دو تشریحین ایسی بیان کی گئی ہے جن میں کوئی معجزہ ماننا نہیں پڑتا۔ اور ارٹیکل کا لکھنے والا خود محض اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ یسوع کا دیکھا جانا محض ایک کشفی نظارہ تھا۔ پہلے اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ" اگرچہ یسوع شفایاب ہوکر دوبارہ زندہ نہیں ہوا۔ مگر حواریوں نے ایسی افواہ کہ وہ زندہ ہی مشہور کر دیا اور آہستہ آہستہ اسپر لوگوں کو یقین آگیا" پھر دو وجوہات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ خیال کیوں غلط ہے۔ اب ہم دوسری تشریح کو لیتے ہیں" یہ رائے کہ یسوع بظاہر مردہ کی طرح ہوگیا تھا مگر دراصل مرا نہیں معقولیت کے زمانہ میں بہت لوگ اسکے موید تھے۔ اور اسکی تائید ایک موجود زمانہ کے مورخ ہیس نے بھی کی ہے" لیکن پروفیسر شمیڈل اس رائے کو تسلیم نہیں کرتا

اس کا یہ خیال ہے کہ یسوع کا دیکھا جانا محض ایک کشفی نظارہ تھا +

اب مرہم عیسٰے اور حضرت مسیح کی قبر کی شہادت کو بالفعل الگ چھوڑ کر انجیل کے بیان کردہ واقعات سے اسی بیان کی تائید ہوتی ہے کہ یسوع دراصل مرا نہیں تھا۔ اگر اس طور پر ہم انجیل کے بیان کردہ واقعات کی تشریح نہ کریں تو انجیل کے بیان کو جھوٹا ماننا پڑتا ہے۔ یہ امر کہ یسوع گلیل میں اپنے حواریوں کو ملا اور یروشلم میں نہیں ملا جیسا کہ پروفیسر شمیڈل نے ثابت کیا ہے اسی نتیجہ کا موید ہے کیونکہ کوئی وجہ نہیں کہ کشفی نظارہ یروشلم میں نہ ہو بلکہ گلیل میں پہنچکر ہی ہو۔ ہاں اگر اسکی موت کو نہ مانا جائے تو پھر مضبوط وجوہات ہمیں ملتے ہیں کہ کیوں ضروری تھا کہ یسوع یروشلم میں حواریوں کو نہ ملتا بلکہ گلیل میں پہنچکر ہی اپنے آپ کو ظاہر کرتا۔ یروشلم میں یہودی اسکے خلاف سخت جوش میں تھے حالانکہ گلیل مقابلتہً ایک بڑے امن کی جگہ تھی۔ جہاں یسوع کو یہ خطرہ نہ تھا کہ اُس کا پتہ اُنکو ملجائیگا۔ یہ بھی امر یقینی ہے کہ تین گھنٹے کے اندر صلیب پر اُسکی موت واقعہ نہ ہوسکتی تھی۔ پھر یسوع کھاتا رہا پیتا رہا چلتا پھرتا رہا۔ سویا اور بھوک اور پیاس کو محسوس کیا اور تھکان کو بھی محسوس کیا لیکن کشفی نظارہ کے ساتھ ان واقعات کی تطبیق کیونکر ہوسکتی ہے۔ ایسے ہی دوسرے واقعات جو انجیل میں مذکور ہیں۔ مثلاً یہ کہ یسوع نے باغبان کا بھیس بدل لیا تھا اور اپنے شاگردوں کو منع کیا تھا کہ کسی کو اسکی خبر نہ کریں اور اسکے زخم اسکے جسم پر نمایاں تھے سب اسی رائے کے موئد ہیں کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا۔ پیلاطوس اور یہودی بھی اس کی موت کی نسبت شک میں رہے اور کافی دلائل اس یقین کے لئے موجود ہیں کہ مسیح کا فرضی جی اٹھنا دراصل ایک بیہوشی کی حالت سے ہوش میں آنا تھا۔ اور جن معنوں میں آجتک اُنیس سو سال سے کلیسیا اسکے جی اُٹھنے کو سمجھتی رہی ہے وہ معنے آج عیسائی فاضلوں نے غلط تسلیم کئے ہیں دو ہزار سال سے کلیسیا ایک ایسی سخت غلطی میں مبتلا رہا اور اب وہ غلطی ظاہر ہوگئی +

حضرت مسیح کا ان گم شدہ اسرائیلی قوموں کی طرف جانا۔ ۵

طبی شہادت

اس عنوان کے نیچے ہم ایک ایسی قطعی شہادت پیش کرتے ہیں کہ بجز ماننے کے کچھ بن نہیں پڑتا وہ

ایک نسخہ ہے جس کا نام مرہم عیسیٰ ہے جو طب کی صدہا کتابوں میں لکھا ہوا پایا جاتا ہے۔ ان کتابوں میں سے بعض ایسی ہیں جو عیسائیوں کی تالیف ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ جن کے مولف مجوسی یا یہودی ہیں اور بعض کے بنانے والے مسلمان ہیں۔ اور اکثر انمیں قدیم زمانہ کی ہیں تحقیق سے ایسا معلوم ہوا ہے کہ اول زبانی طور پر اس نسخہ کا لاکھوں انسانوں میں شہرہ ہو گیا اور پھر لوگوں نے اس نسخہ کو قلمبند کر لیا۔ پہلے رومی زبان میں حضرت مسیح کے زمانہ میں ہی کچھ تھوڑا عرصہ واقعہ صلیب کے بعد ایک قرابادین تالیف ہوئی جسمیں یہ نسخہ تھا اور جسمیں یہ بیان کیا گیا تھا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی چوٹوں کیلئے یہ نسخہ بنایا گیا تھا پھر وہ قرابادین کئی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوئی یہاں تک کہ ماموں رشید کے زمانہ میں عربی زبان میں اس کا ترجمہ ہوا اور یہ خدا کی عجیب قدرت ہے کہ ہر ایک مذہب کے فاضل طبیب نے کیا عیسائی اور کیا یہودی اور کیا مجوسی اور کیا مسلمان سب نے اس نسخہ کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور سب نے اس نسخہ کے بارے میں یہی بیان کیا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کیلئے انکے حواریوں نے تیار کیا تھا اور جن کتابوں میں ادویہ مفردہ کے خواص لکھے ہیں انکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ان چوٹوں کے لئے نہایت مفید ہے جو کسی ضربہ یا سقطہ سے لگ جاتی ہیں اور چوٹوں سے جو خون رواں ہوتا ہے وہ فی الفور اس سے خشک ہو جاتا ہے اور چونکہ اس میں مُر بھی داخل ہے اس لئے زخم کیڑا پڑنے سے بھی محفوظ رہتا ہے اور یہ دوا طاعون کے لئے بھی مفید ہے اور ہر قسم کے پھوڑے پھنسی کو اس سے فائدہ ہوتا ہے یہ معلوم نہیں کہ یہ دوا صلیب کے زخموں کے بعد خود ہی حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے الہام کے ذریعہ سے تجویز فرمائی تھی یا کسی طبیب کے مشورہ سے تیار کی گئی تھی اسمیں دوائیں اکسیر کیطرح ہیں خاص کر مُر جس کا ذکر توریت میں بھی آیا ہے۔ بہرحال اس دوا کے استعمال سے حضرت مسیح علیہ السلام کے زخم چند روز میں ہی اچھے ہو گئے اور اسقدر طاقت آگئی کہ آپ تین روز میں یروشلم سے جلیل کی طرف ستر کوس تک پیادہ پا گئے پس اس دوا کی تعریف میں اسقدر کافی ہے کہ مسیح تو اوروں کو اچھا کرتا تھا مگر اس دوا نے مسیح کو اچھا کیا۔ اور جن طب کی کتابوں میں یہ نسخہ لکھا گیا وہ ہزار کتاب سے بھی زیادہ ہیں جن کی فہرست لکھنے سے بہت طول ہوگا اور چونکہ یہ نسخہ یونانی طبیبوں میں بہت مشہور ہے اس لئے میں کچھ ضرورت نہیں دیکھتا کہ تمام کتابوں کے نام اس جگہ لکھوں محض چند کتابیں جو اس جگہ موجود ہیں ذیل میں لکھ دیتا ہوں ✣

فہرست ان طبی کتابوں کی جن میں مرہم عیسیٰ کا ذکر ہے اور یہ بھی ذکر ہے کہ وہ مرہم حضرت عیسیٰ کیلئے یعنے ان کے بدن کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی

کامل الصناعۃ تصنیف علی ابن العباس المجوسی جلد دوم صفحہ ۶۰۲ کتاب مجموعہ بقائی مصنفہ محمود محمد اسمٰعیل مخاطب از خاقان بخطاب پدر محمد بقا خان جلد ۲ صفحہ ۴۹۷۔ کتاب تذکرہ اولو الالباب مصنفہ شیخ داؤد الضریر الانطاکی صفحہ ۳۰۲۔ قرابادین رومی مصنفہ قریب زمانہ حضرت مسیح جس کا ترجمہ مامون رشید کے وقت میں عربی میں ہوا امراض جلد۔ کتاب عمدۃ المحتاج مصنفہ احمد بن حسن الرشیدی الحکیم اس کتاب میں مرہم عیسیٰ وغیرہ ادویہ سو کتاب میں سے بلکہ اس سے بھی زیادہ کتابوں میں سے لکھی گئی ہیں اور وہ تمام کتابیں فرنچ زبان میں تھیں۔ کتاب قرابادین فارسی مصنفہ حکیم محمد اکبر ارزانی امراض جلد کتاب شفاء الاسقام جلد دوم صفحہ ۲۳۰۔ کتاب مرأۃ الشفا مصنفہ حکیم نتھو شاہ نسخہ قلمی امراض جلد۔ ذخیرہ خوارزم شاہی ۔ امراض جلد۔ شرح قانون گیلانی جلد ثالث شرح قانون قرشی جلد ثالث۔ قرابادین علوی خان امراض جلد۔ کتاب علاج الامراض مصنفہ حکیم محمد شریف خانصاحب صفحہ ۸۹۳۔ قرابادین یونانی امراض جلد تحفۃ المؤمنین برحاشیہ مخزن الادویۃ صفحہ ۷۱۳۔ کتاب محیط فی الطب صفحہ ۳۶۷۔ کتاب اکسیر اعظم جلد رابع مصنفہ حکیم محمد اعظم خانصاحب المخاطب بناظم جہان صفحہ ۳۳۱۔ کتاب قرابادین معصومی لمعصوم بن کریم الدین الشوشتری شیرازی کتاب عجالہ نافعہ محمد شریف دہلوی صفحہ ۱۰۴۱۔ کتاب طب شبری مسمی بلوامع شبریہ تالیف سید حسین شبر کاظمی صفحہ ۴۷۱۔ کتاب مخزن سلیمانی ترجمہ اکسیر عربی صفحہ ۵۹۹ مترجم محمد شمس الدین صاحب بہاولپوری۔ شفاء الامراض مترجم مولانا الحکیم محمد نور کریم صفحہ ۲۸۲ کتاب الطب دارا شکوہی مؤلفہ نور الدین محمد عبد الحکیم عین الملک الشیرازی ورق ۳۶۰۔ کتاب منہاج الدکان بدستور الاعیان فی اعمال وترکیب النافعہ للابدان تالیف افلاطون زمانہ و رئیس اوانہ ابو المنا ابن ابی نصر العطار الاسرائیلی الہارونی (یعنے یہودی) صفحہ ۸۶۔ کتاب زبدۃ الطب لسید الامام ابو ابراہیم اسمٰعیل بن حسن الحسینی الجرجانی ورق ۱۸۲ طب اکبر مصنفہ محمد اکبر ارزانی صفحہ ۲۴۲۔ کتاب میزان الطب مصنفہ محمد اکبر ارزانی صفحہ ۱۵۲۔ سدیدی مصنفہ رئیس المتکلمین امام المحققین السدید الکازرونی صفحہ ۲۸۳ جلد ۲۔ کتاب حاوی کبیر ابن زکریا۔ امراض جلد۔ قرابادین ابن تلمیذ

امراض جلد- قرابادین ابن ابی صادق امراض جلد ٭

یہ وہ کتابیں ہیں جنکو ہم نے بطور نمونہ اس جگہ لکھا ہے اور یہ بات اہل علم اور خاصکر طبیبوں پر پوشیدہ نہیں ہے کہ اکثر ان میں ایسی کتابیں ہیں جو پہلے زمانہ میں اسلام کے بڑے بڑے مدرسوں میں پڑھائی جاتی تھیں اور یورپ کے طالب العلم بھی ان کو پڑھتے تھے اور یہ کہنا بالکل سچ اور مبالغہ کی ایک ذرہ آمیزش سے بھی پاک ہے کہ ہر ایک صدی میں قریباً کروڑہا انسان ان کتابوں کے نام سے واقف ہوتے چلے آئے ہیں اور لاکھوں انسانوں نے انکو اول سے آخر تک پڑھا ہے اور ہم بڑے زور سے کہہ سکتے ہیں کہ یورپ اور ایشیا کے عالم لوگوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ ان میں سے بعض عظیم الشان کتابوں کے نام سے ناواقف ہو جو اس فہرست میں درج ہیں جس زمانہ میں ہسپانیہ اور کیسمنو اور سٹلیرنم دار العلم تھے اس زمانہ میں بوعلی سینا کی کتاب قانون جو طب کی ایک بڑی کتاب ہے جس میں مرہم عیسیٰ کا نسخہ ہے اور دوسری کتابیں شفا اور اشارات اور بشارات جو طبعی اور ہیئت اور فلسفہ وغیرہ میں ہیں بڑے شوق سے اہل یورپ سیکھتے تھے اور ایسا ہی ابونصر فارابی اور ابوریحان اور اسرائیل اور ثابت بن قرہ اور حنین بن اسحاق اور اسحاق وغیرہ فاضلوں کی کتابیں اور انکی یونانی سے ترجمہ شدہ کتابیں پڑھائی جاتی تھیں یقیناً ان کتابوں کے ترجمے یورپ کے کسی حصہ میں ابتک موجود ہونگے اور چونکہ اسلام کے بادشاہ علم طب وغیرہ کو ترقی دینا بدل چاہتے تھے اسی وجہ سے انہوں نے یونان کی عمدہ عمدہ کتابوں کا ترجمہ کرایا اور عرصہ دراز تک ایسے بادشاہوں میں خلافت رہی کہ وہ ملک کی توسیع کی نسبت علم کی توسیع زیادہ چاہتے تھے انہی وجوہ اور اسباب سے انہوں نے نہ صرف یونانی کتابوں کے ترجمے عربی میں کرائے بلکہ ملک ہند کے فاضل پنڈتوں کو بھی بڑی بڑی تنخواہوں پر طلب کر کے طب وغیرہ علوم کے بھی ترجمے کرائے پس انکے احسانوں میں سے حق کے طالبوں پر یہ ایک بڑا احسان ہے جو انہوں نے ان رومی و یونانی وغیرہ طبی کتابوں کے ترجمے کرائے جن میں مرہم عیسیٰ موجود تھی اور جس پر کتبہ کی طرح یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چوٹوں کے لئے تیار کی گئی تھی فاضل حکماء عہد اسلام نے جیسا کہ ثابت بن قرہ اور حنین بن اسحاق ہیں جنکو علاوہ علم طب و طبعی و فلسفہ وغیرہ کی یونانی زبان میں خوب مہارت تھی جب اس قرابادین کا جس میں مرہم عیسیٰ تھی ترجمہ کیا تو عقلمندی سے سلیخا کے لفظ کو جو ایک یونانی لفظ ہے جو باران کو کہتے ہیں بعینہ عربی میں لکھ دیا تا اس بات کا اشارہ کتابوں میں قائم رہے کہ یہ کتاب یونانی قرابادین سے ترجمہ کی گئی اسی وجہ سے ہر ایک کتاب میں شلیخا کا لفظ بھی لکھا ہوا پاؤ گے ٭

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے لایق ہے کہ اگرچہ پورانے سکے بڑی قابل قدر چیزیں ہیں اور انکے ذریعہ سے

بڑے بڑے تاریخی اسرار کھلتے ہیں لیکن ایسی پورانی کتابیں جو مسلسل طور پر ہر صدی میں کروڑ ہا انسانوں میں مشہور ہوتی چلی آئیں اور بڑے بڑے مدارس میں پڑھائی گئیں اور ابتک درسی کتابوں میں داخل ہیں انکا مرتبہ اور عزت ان سکوں اور کتبوں سے ہزارہا درجہ بڑھ کر ہے کیونکہ کتبوں اور سکوں میں جعلسازی کی بھی گنجائشیں ہیں لیکن وہ علمی کتابیں جو اپنے ابتدائی زمانہ میں ہی کروڑ ہا انسانوں میں مشہور ہوتی چلی آئی ہیں اور ہر ایک قوم انکی محافظ اور پاسبان ہوتی رہی ہے اور اب بھی ہے انکی تحریریں بلاشبہ ایسی اعلیٰ درجہ کی شہادتیں ہیں جو سکوں اور کتبوں کو ان سے کچھ بھی نسبت نہیں اگر ممکن ہو تو کسی سکہ یا کتبہ کا نام تو لو جس نے ایسی شہرت پائی ہو جیسا کہ بوعلی سینا کے قانون نے ۔ غرض مرہم عیسےٰ حق کے طالبوں کے لئے ایک عظیم الشان شہادت ہو اگر اس شہادت کو قبول نکیا جائے تو پھر دنیا کے تمام تاریخی ثبوت اعتبار سے گر جاوینگے کیونکہ اگرچہ ابتک ایسی کتابیں جنمیں اس مرہم کا ذکر ہے قریباً ایک ہزار ہیں یا کچھ زیادہ لیکن کروڑ ہا انسانوں میں یہ کتابیں اور انکے مولف شہرت یافتہ ہیں اب ایسا شخص علم تاریخ کا دشمن ہوگا جو اس بدیہی اور روشن اور پرزور ثبوت کو قبول نکرے اور کیا یہ تحکم پیش جاسکتا ہے کہ اسقدر عظیم الشان ثبوت کو ہم نظرانداز کر دیں اور کیا ہم ایسے بھاری ثبوت پر بدگمانی کر سکتے ہیں جو یورپ اور ایشیا پر دائرہ کی طرح محیط ہو گیا ہے اور جو یہودیوں اور عیسائیوں اور مجوسیوں اور مسلمانوں کے نامی فلاسفروں کی شہادتوں سے پیدا ہوا ہے اب اے محققوں کی روحو اس اعلیٰ ثبوت کی طرف دوڑو۔ اور اے منصف مزاجو اس معاملہ میں ذرہ غور کرو۔ کیا ایسا چمکتا ہوا ثبوت اس لایق ہے کہ اسپر توجہ نہ کیجائے؟ کیا مناسب ہے کہ ہم اس آفتاب صداقت سے روشنی حاصل نہ کریں؟ یہ وہم بالکل لغو اور بیہودہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو نبوت کے زمانہ سے پہلے چوٹیں لگی ہوں یا نبوت کے زمانہ کی ہی چوٹیں ہوں مگر وہ صلیب کی نہیں بلکہ کسی اور وجہ سے ہاتھ اور پیر زخمی ہو گئے ہوں مثلاً وہ کسی کوٹھے پر سے گر گئے ہوں اور اس صدمہ کیلئے یہ مرہم تیار کی گئی ہو کیونکہ نبوت کے زمانہ سے پہلے حواری نہ تھے اور اس مرہم میں حواریوں کا ذکر ہے شلیخا کا لفظ جو یونانی ہے جو بارہ کو کہتے ہیں ان کتابوں میں ابتک موجود ہے اور نیز نبوت کے زمانہ سے پہلے حضرت مسیح کی کوئی عظمت تسلیم نہیں کی گئی تھی تا اسکی یادگار محفوظ رکھی جاتی اور نبوت کا زمانہ صرف ساڑھے تین برس تھا اور اس مدت میں کوئی واقعہ ضربہ یا سقطہ کا بجز واقعہ صلیب کے حضرت مسیح ؑ کی نسبت تاریخوں سے ثابت نہیں اور اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ ممکن ہے کہ ایسی چوٹیں کسی اور سبب سے حضرت عیسےٰ کو لگی ہوں تو یہ ثبوت اسکے ذمہ ہے کیونکہ ہم جس واقعہ کو پیش کرتے ہیں وہ ایک ایسا ثابت شدہ اور مانا ہوا واقعہ ہے کہ نہ یہودیوں کو اس سے انکار ہے

اور نہ عیسائیوں کو بجز صلیب کا واقعہ لیکن یہ خیال کہ کسی اور سبب سے کوئی چوٹ حضرت مسیح کو لگی ہوگی کسی قوم کی تاریخ سے ثابت نہیں اسلئے ایسا خیال کرنا عمداً سچائی کی راہ کو چھوڑنا ہے یہ ثبوت ایسا نہیں ہے کہ اس قسم کے بیہودہ عذرات سے رد ہو سکے۔ اب تک بعض کتابیں بھی موجود ہیں جو مصنفوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں تو بھر یہ صریح ظلم اور سچائی کا خون کرنا ہے کہ ایسے روشن ثبوت کو یونہی پھینک دیا جائے بار بار اس بات میں غور کرو اور خوب غور کرو کہ کیونکر یہ کتابیں ابتک یہودیوں اور مجوسیوں اور عیسائیوں اور عربوں اور فارسیوں اور یونانیوں اور رومیوں اور اہل جرمن اور فرانسیسیوں اور دوسرے یورپ کے ملکوں اور ایشیا کے پرانے کتب خانوں میں موجود ہیں اور کیا یہ لایق ہے کہ ہم ایسے ثبوت سے جسکی روشنی سے انکار کی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں یونہی مُنہ پھیر لیں؟ اگر یہ کتابیں صرف اہل اسلام کی تالیف اور اہل اسلام کے ہی ہاتھ میں ہوتیں تو شائد کوئی جلد باز خیال کر سکتا کہ مسلمانوں نے عیسائی عقیدہ پر حملہ کرنے کیلئے جعلی طور پر یہ باتیں اپنی کتابوں میں لکھدی ہیں مگر یہ خیال علاوہ ان وجوہ کے جو ہم بعد میں لکھتے ہیں اس وجہ سے بھی غلط تھا کہ ایسے جعل کے مسلمان کسی طور سے مرتکب نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ عیسائیوں کی طرح مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کے بعد بلا توقف آسمان پر چلے گئے۔ اور مسلمان تو اس بات کے قائل بھی نہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو صلیب پر کھینچا گیا یا صلیب پر سے انکو زخم پہنچے پھر وہ عمداً ایسی جعلسازی کیونکر کر سکتے تھے جو انکے عقیدہ کے بھی مخالف تھی۔ ماسوا اس کے ابھی اسلام کا دنیا میں وجود بھی نہیں تھا جبکہ رومی و یونانی وغیرہ زبانوں میں ایسی قرابادینیں لکھی گئیں اور کروڑہا لوگوں میں مشہور کی گئیں جن میں مرہم عیسیٰ کا نسخہ موجود تھا اور ساتھ ہی یہ تشریح بھی موجود تھی کہ یہ مرہم حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بنائی تھی اور یہ قومیں یعنی یہودی و عیسائی و اہل اسلام و مجوسی مذہبی طور پر ایکدوسرے کے دشمن تھے پس ان سب کا اس مرہم کو اپنی کتابوں میں درج کرنا بلکہ درج کرنیکے وقت اپنے مذہبی عقیدوں کی پروا نہ رکھنا صاف اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ مرہم ایسا واقعہ مشہورہ تھا۔ کہ کوئی فرقہ اور کوئی قوم اس سے منکر نہ ہو سکی ہاں جب تک وہ وقت نہ آیا جو مسیح موعود کے ظہور کا وقت تھا اسوقت تک ان تمام قوموں کے ذہن کو اس طرف التفات نہیں ہوئی کہ یہ نسخہ جو صدہا کتابوں میں درج اور مختلف قوموں کے کروڑہا انسانوں میں شہرۃ یاب ہو چکا ہے اس سے کوئی تاریخی فائدہ حاصل کریں پس اس جگہ ہم بجز اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ خدا کا ارادہ تھا کہ وہ چمکتا ہوا حربہ اور وہ حقیقت نما برہان کہ جو صلیبی اعتقاد کا خاتمہ کرے اسکی نسبت ابتداء سے یہی مقدر تھا کہ مسیح موعود کے ذریعہ سے دنیا میں ظاہر ہو کیونکہ خدا کے پاک نبی نے

یہ پیشگوئی کی تھی کہ صلیبی مذہب نہ گھٹیگا اور نہ اسکی ترقی میں فتور آئیگا جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں ظاہر نہ ہو۔ اور وہی ہے جو کسر صلیب اسکے ہاتھ پر ہوگی۔ اس پیشگوئی میں یہی اشارہ تھا کہ مسیح موعود کے وقت میں خدا کے ارادہ سے ایسے اسباب پیدا ہو جائینگے جنکے ذریعہ سے صلیبی واقعہ کی اصل حقیقت کھل جائیگی تب انجام ہوگا اور اس عقیدہ کی عمر پوری ہو جائیگی لیکن نہ کسی جنگ اور لڑائی سے بلکہ محض آسمانی اسباب سے جو علمی اور استدلالی رنگ میں دنیا میں ہونگے یہی مفہوم اس حدیث کا ہے جو صحیح بخاری اور دوسری کتابوں میں درج ہے پس ضرور تھا کہ آسمان ان امور اور ان شہادتوں اور ان قطعی اور یقینی ثبوتوں کو ظاہر نہ کرتا جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں نہ آتا اور ایسا ہی ہوا اور اب سے جو وہ موعود ظاہر ہوا ہر ایک کی آنکھ کھلیگی اور غور کرنے والے غور کرینگے کیونکہ خدا کا مسیح آگیا اب ضرور ہے کہ دماغوں میں روشنی اور دلوں میں توجہ اور قلموں میں زور اور کمروں میں ہمت پیدا ہو۔ اور اب ہر ایک سعید کو فہم عطا کیا جائیگا اور ہر ایک رشید کو عقل دیجائیگی کیونکہ جو چیز آسمان میں چمکتی ہے وہ ضرور زمین کو بھی منور کرتی ہے مبارک وہ جو اس روشنی سے حصہ لے۔ اور کیا ہی سعادتمند وہ شخص ہے جو اس نور میں سے کچھ پاوے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ پھل اپنے وقت پر آتے ہیں ایسا ہی نور بھی اپنے وقت پر ہی اترتا ہے اور قبل اسکے جو وہ خود اترے کوئی اسکو اتار نہیں سکتا اور جبکہ وہ اترے تو کوئی اسکو بند نہیں کر سکتا مگر ضرور ہے کہ جھگڑے ہوں اور اختلاف ہو مگر آخر سچائی کی فتح ہے کیونکہ یہ امر انسان سے نہیں ہے اور نہ کسی آدم زاد کے ہاتھوں سے بلکہ اس خدا کیطرف سے ہے جو موسموں کو بدلاتا اور وقتوں کو پھیرتا اور دن سے رات اور رات سے دن نکالتا ہے وہ تاریکی بھی پیدا کرتا ہے مگر چاہتا روشنی کو ہے۔ وہ شرک کو بھی پھیلنے دیتا ہے مگر پیار اسکا توحید سے ہی ہے اور نہیں چاہتا کہ اسکا جلال دوسرے کو دیا جائے جب سے کہ انسان پیدا ہوا ہے اسوقت تک کہ نابود ہو جائے خدا کا قانون قدرت یہی ہے کہ وہ توحید کی ہمیشہ حمایت کرتا ہے جتنے نبی اس نے بھیجے سب اسی لئے آئے تھے کہ تا انسانوں اور دوسری مخلوقوں کی پرستش دور کر کے خدا کی پرستش دنیا میں قائم کریں اور انکی خدمت یہی تھی کہ لا الہ الا اللہ کا مضمون زمین پر چمکے جیسا کہ وہ آسمان پر چمکتا ہے سو اُن سب میں سے بڑا وہ ہے جس نے اس مضمون کو بہت چمکایا جس نے پہلے باطل الہوں کی کمزوری ثابت کی اور علم اور طاقت کی رو سے انکا ہیچ ہونا ثابت کیا اور جب سب کچھ ثابت کر چکا تو پھر اس فتح نمایاں کی ہمیشہ کے لئے یادگار یہ چھوڑی کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس نے صرف بے ثبوت دعوے کے طور پر لا الہ الا اللہ نہیں کہا بلکہ اسنے پہلے ثبوت دیکر اور باطل کا بطلان دکھلا کر پھر لوگوں کو اس طرف توجہ دی کہ دیکھو اس خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں جسنے تمہاری تمام قوتیں توڑ دیں اور تمام شیخیاں نابود کر دیں سو اس ثابت

شدہ بات کو یاد دلانے کے لیئے ہمیشہ کے لیئے یہ مبارک کلمہ سکھلایا کہ :- لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ

میکسلی صاحب اخبار یونین سگنل میں

میکسلے صاحب جو مشن کالج لاہور میں کوئی صاحب ہیں شکاگو کے اخبار یونین سگنل کو لکھتے ہیں کہ گرسولڈ صاحب نے مسیح موعود کے دعووں کو جھوٹا ثابت کر دیا ہے۔ بالفعل گرسولڈ صاحب کے رسالہ پر ریویو کو کسی آیندہ اشو پر ملتوی کر کے ہم میکسلے صاحب سے یہ پوچھتے ہیں کہ انکے نزدیک ایک رسالت کے دعویدار کے جھوٹ کا ثبوت کس چیز کا نام ہے اگر صرف اسقدر دعویٰ ہے کہ فلاں شخص جھوٹا ہے یا اسکی فلاں پیشگوئی جھوٹی نکلی اسکے جھوٹا ثابت کرنیکے لیئے کافی ثبوت ہے تو پھر فریسی یسوع کا جھوٹا ہونا اچھی طرح سے ثابت کر چکے ہیں اور انکے بعد لاکھوں آدمی اُسکے جھوٹ کو ثابت کر چکے ہیں اور اگر نرا دعوے ثبوت نہیں تو پھر میکسلے صاحب کو چاہیئے کہ گرسولڈ کے ۴۲ صفحے کے رسالہ میں سے وہ دلائل نکالکر پیش کرے جن سے مصنف مذکور نے یہ ثابت کیا کہ مثلاً یہ مسیح کے آنیکا وقت نہیں ہے یا یہ کہ مسیح کی آمد ثانی خود یسوع کے واپس آنے سے ہی ہو سکتی ہے اور اسکے بغیر نہیں ہو سکتی ذرا یہ بھی یاد رکھیں کہ یسوع نے خود الیاس کی آمد ثانی کے کیا معنے کیئے تھے جب اُن سے مسیحیت کا ثبوت یہود نے طلب کیا تھا، یا یہ کہ یسوع صلیب پر مر گیا تھا۔ مردوں میں سے اٹھا تھا اور آسمان پر چڑھ گیا تھا۔ یا یہ کہ مسیح موعود نے جو دلائل اسکی تردید میں بیان کیئے ہیں وہ جھوٹے ہیں یا یہ کہ مسیح موعود کے نشان ایسے ثابت شدہ اور قطعیۃ الدلالت نہیں ہیں جیسے یسوع کے بلکہ یسوع نے واقعی وہ نشان دکھائے بھی تھے جنکا ذکر اناجیل میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گرسولڈ صاحب نے میکسلے صاحب کے پاس یہ ذکر کیا ہوگا کہ میں نے مرزا صاحب کے دعوے کو جھوٹا ثابت کیا ہے اور میکسلے صاحب نے یہ نہ چاہا کہ اپنے دوست کی ایمانداری کو پرکھنے کیلیئے ذرا خود بھی دلائل اور انکے وزن کو ملاحظہ کریں یا شاید میکسلے صاحب کی منطقی قابلیت پر حملہ کرنیکے بغیر ہم یہ کہنے کے مجاز ہوں کہ انہیں اپنے دوست پادری گرسولڈ کی طرح دعوے اور دلیل میں فرق سمجھ میں نہیں آیا اور اسلیئے پادری صاحب کے دعووں کو انہوں نے بجائے دلائل کے تسلیم کر لیا ؛

یہانتک تو میکسلے صاحب دوسرے کے حوالے سے گفتگو کرتے تھے لیکن انہوں نے ہمیں انکی اپنی قابلیت اور علمیت کے جانچنے کا بھی موقعہ دیا ہے وہ لکھتے ہیں "جہانتک میں دیکھ سکتا ہوں یا معلوم کر سکتا ہوں اس قادیانا کا اثر جن لوگوں پر پڑ رہا ہے انکی تعداد روز بروز کم ہو رہی ہے اور پکے مسلمان انکو بڑی حقارت کے

ساتھ رد کرتے ہیں" اگرچہ میکلے صاحب نے "اس قادیانا" کے اثر کی خبر تو دی ہے لیکن "اس ناصری" کے اثر کا کچھ حال نہیں لکھا اور نہ ہی یہ لکھا ہے کہ وہ یہودی جو صدیوں سے مسیح کے منتظر تھے انہوں نے کس عزت کے ساتھ یسوع کو قبول کیا۔ کیا یہ سچ ہے کہ یسوع کو بھی بڑی حقارت کے ساتھ بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہی یہودیوں نے رد کیا تھا میکلے صاحب جو کچھ اس سوال کا جواب دیں ہمیں اسکے تسلیم کرنے میں انکار نہ ہوگا ایک بات اور بھی ہے کہتے ہیں کہ ایک موقعہ پر یسوع کے مریدونکی ایک بہت بڑی تعداد یکدفعہ ہی اس سے برگشتہ ہوگئی تھی بلکہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ان باراں منتخب حواریوں میں سے جنہیں تختونکے وعدے دیئے گئے تھے ایک نے نہ صرف ارتداد اختیار کیا بلکہ یسوع کو گرفتار بھی کرادیا اور باقی بھی سنا جاتا ہے اسوقت یسوع کو چھوڑ کر بھاگ گئے بلکہ کسی لعنت کا بھی ذکر ہے۔ میکلے صاحب کو تو یہ حالات اچھی طرح معلوم ہونگے اگر یہ باتیں سچی ہیں تو ہم امید کرتے ہیں کہ انہیں انکے تسلیم کرنے میں کچھ انکار نہیں ہوگا خواہ اس سے کچھ نتیجہ ہی پہنچے لیکن سوال یہ ہے کہ میکلے صاحب نے کس طرح دیکھ لیا یا جان لیا کہ مسیح موعود کے مریدونکی تعداد روز بروز کم ہو رہی ہے کیا اس نے کبھی احمدیہ ہفتہ وار اخباروں میں سے کسی کو دیکھا ہے۔ یا یہ بات ہے کہ انکی نظر میں گذشتہ ایک یا دو سال کے اندر کالج کا قائم ہونا۔ منارہ کا بنایا جانا۔ اور تین اردو اور ایک انگریزی پرچوں کا نکالے جانا یہ سب مریدونکے کم ہونے کے اور سلسلہ کے زوال کے آثار ہیں۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ پادری صاحب کو اس عظیم الشان ترقی کا علم نہ ہو جو سلسلہ احمدیہ کر رہا ہے لیکن پادریوں کی نظر میں بڑا بننے کے لئے ضروری تھا کہ وہ کچھ غلط بیانیاں بھی کریں کیا پادری صاحب یہ امید رکھتے ہیں کہ اپنے مُنہ کی پھونکوں سے وہ آسمانی روشنی کو بجھائینگے۔ یہ ان کی غلطی ہے +

شائد پادری میکلے صاحب کو اطلاع نہ ہو اسلئے ہم یہ بھی بیان کئے دیتے ہیں کہ یہ مسیح موعود کی سچائی کا آسمانی نشان ہے کہ ان کا سلسلہ دن بدن ترقی کریگا اور جیسا کہ پادری صاحب یا ان کے دوست کہتے ہیں یا چاہتے ہیں اسمیں کمی نہیں آئیگی ۱۸۸۰ء میں مسیح موعود کی سب سے پہلی تصنیف براہین احمدیہ چھپنی شروع ہوئی تھی اور اسمیں وہ پیشگوئیاں درج ہوئیں جو اس سے بھی پہلے بذریعہ الہام الٰہی مسیح موعود پر ظاہر ہو چکی تھیں اور جو آج پوری ہو رہی ہیں اسوقت یہی بات نہیں تھی کہ مسیح موعود کا کوئی پیرو نہیں تھا بلکہ گاؤں سے باہر انکو کوئی جانتا بھی نہیں تھا وہ اسوقت ایک تنہائی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس تنہائی کی حالت میں خدا کا وہ کلام ان پر نازل ہوا جسمیں یہ پیشگوئیاں درج تھیں کہ وہ وقت آرہا ہے کہ لوگ جوق درجوق دنیا کے چاروں کونوں سے تیرے پاس آئینگے۔ اپنے مکانوں کو وسیع کرو کیونکہ کثرت سے

لوگ تمہارے پاس ملاقات کیلئے آئینگے۔ پھر یہ بھی بذریعہ الہام الہٰی آپ کو کہا گیا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی کثرت سے جو تیرے پاس آئینگے تو اکتا جائے اور انکی ملاقات سے تھک جائے چنانچہ فرمایا۔ **انت منی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی فحان ان تعان وتعرف بین الناس**۔ تو مجھ سے میری توحید اور تفرید کے منزلہ پر ہے اور وہ وقت آگیا ہے کہ تیری مدد کی جائے اور لوگوں کے درمیان تو پہچانا جائے۔ اس الہام الہٰی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس الہام کے وقت آپ اکیلے تھے اور آپکو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اس پیشگوئی نے یہ بتا دیا کہ اب الہٰی مدد اور نصرت کا وقت آئیگا اور تو اکیلا نہیں رہیگا بلکہ بڑی جماعت تیرے ساتھ کیجائیگی اور پھر فرمایا **یاتون من کل فج عمیق** ہر دور کے راستہ کے لوگ تیرے پاس آئینگے۔ خود ملہم کو اسوقت یہ بات حیرت میں ڈالتی تھی جیسا کہ آج اسکا پورا ہونا ہمیں حیرت میں ڈالتا ہے کہ کہاں سے وہ لوگ آئینگے کیونکہ اسوقت اسکے پاس کسی کی بھی آمدورفت نہیں تھی اور آج ہزارہا آدمی دنیا کے ہر حصے سے آپ کی زیارت کے لئے آتے ہیں اسی طرح پر اسیوقت یہ الہام بھی ہوا **لاتصعر لخلق اللّٰہ ولاتسئم من الناس** خلق خدا سے منہ مت پھیر اور لوگوں سے مت تھک۔ یہ امر کیسا قابل غور ہے کہ یہ الہامات اسوقت کے ہیں جب ایک آدمی بھی اس مورد وحی کے پاس نہیں آتا تھا۔ اس وقت وہ خود بھی اس بات کو نہیں سمجھ سکتے تھے کہ کیونکر یہ سب باتیں پوری ہونگی اور کیونکر اسقدر لوگونکا ہجوم ہوگا۔ کہ جسکی وجہ سے خدا نے یہ فرمایا کہ لوگوں سے تھک نہ جانا چنانچہ اب بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ ایک ایک دن میں ہزار ہزار آدمی سے بھی زیادہ سے ملاقات کرنی پڑتی ہے ایک تنہائی کے گوشہ میں بیٹھا ہوا انسان کس طرح قیاس کر سکتا تھا کہ اس طرح پر ہزارہا آدمیونکا مجمع اسکے پاس جمع ہو جاویگا۔ ان ترقی کے وعدوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ سخت مخالفت ہوگی اور تمام لوگ اکٹھے ہو کر ہر طرح سے تباہی کی کوشش کرینگے اور چاہینگے کہ زمین سے نام مٹا دیا جائے اس مخالفت کی خبر بھی بار بار الہاموں میں دی گئی تھی چنانچہ ایک الہام میں یہ پیشگوئی ہے۔ **یریدون ان یطفئوا نور اللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون**۔ دشمن کوشش کرینگے کہ خدا کے نور کو اپنے منہ کی پھونک سے بجھا دیں اور اللہ ضرور اپنے نور کو پورا کر کے رہیگا۔ اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے۔ اور پھر ایک اور بشارت اس الہام الہٰی میں دی گئی **اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح وانتھی امر الزمان الینا الیس ھذا بالحق** جب خدا کی مدد اور فتح آئیگی اور زمانہ کا امر ہماری طرف منتہی ہوگا۔ (پھر کہا جائیگا) کیا یہ سچ نہیں۔ یہاں صاف صاف یہ پتہ بتلایا گیا ہے کہ اس مخالفت کے بعد خدا کی نصرت مسیح موعود کو ایک ایسی فتح عطا کریگی کہ آپکے دعوے

کی سچائی وسیع طور پر لوگ مان لینگے +

یہ تمام الہامات جن پر صدی کا چوتھا حصہ گذر چکا ہے اور جنکو شائع ہوئے بھی ۱۲ سال سے زیادہ گذر چکے ہیں صاف بتا رہے ہیں کہ خدا کا ہاتھ اس سلسلہ کی تائید میں کام کر رہا ہے جو الفاظ اسوقت وحی الٰہی نے بتائے تھے انکا پورا ہونا آج ہر ایک بے تعصب انسان دیکھ رہا ہے کیا یہ انسانی طاقت میں ہے کہ ایسے امور کو انکے واقعہ ہونے سے پچیس سال پہلے دنیا میں شایع کرے۔ یہ طاقت اور علم کا ایک نہایت عمدہ ثابت شدہ معجزہ ہے علم کا معجزہ اسلئے کہ آیندہ کے متعلق یہ ایسے گہرے راز کو بتاتا ہے جنکا معلوم کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہے اور طاقت کا معجزہ اسلئے کہ یہ مرسل یزدانی کی تائید اور نصرت میں اور دشمنوں کے مغلوب کرنے میں خدائے تعالے کی طاقت کو دکھاتا ہے آپکی زندگی کے خلاف سازشیں کی گئیں لیکن خدائے تعالے نے سب دشمنوں کو نامراد کیا اور ان سب وعدوں کو پورا کیا جو بیس سال پہلے بذریعہ وحی الٰہی دئے تھے۔ ان الہامات کے شائع ہونے کے بعد آپکی مخالفت میں سارا ملک اٹھا اور خدائے تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق اسکی نصرت آئی اور مخالفت آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی یہانتک کہ ۱۸۹۵ء میں ۳۱۳ مریدوں کی تعداد سے اس وقت دولاکھ تک پہنچگئی ہے اور اب یہ تعداد حیرت انگیز ترقی کے ساتھ بڑھ رہی ہے +

میکسکے صاحب نے شرمناک جھوٹ بولا ہے ہم اس وقت یہ بحث نہیں کرتے کہ اسکی اس میں غرض کیا تھی۔ شائد اس کا یہ خیال ہو کہ ان جھوٹے بیانات سے امریکہ والوں کو خوش کرے اور انکو دھوکہ میں رکھے تا وہ اصل واقعات سے آگاہ نہ ہوں۔ ہم اسکو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ذرائع پیش کرے جہاں سے اس نے حساب لگایا ہے کہ مرزا صاحب کے مریدوں کی تعداد کم ہے کیا مسیح کا مذہب ان جھوٹوں سے سرسبز ہوگا افسوس ہے کہ اب پادریوں کے ہاتھ میں یہ ہتھیار رہ گئے ہیں۔ وہ لوگ جو سچائی کے انجیل کے واعظ کہلاتے ہیں کرتوتیں یہ کرتے ہیں +

میگزین کا اگلا نمبر ۲۰ نومبر کو شائع نہیں ہوسکیگا بلکہ نومبر اور دسمبر کے پرچے اکٹھے ۲۰ نومبر کے بعد کسی تاریخ کو شائع کئے جاوینگے جو غالباً دسمبر کا پہلا ہفتہ ہوگا۔ یہ ضرورت اسلئے پیدا ہوئی ہے کہ حضرت اقدس کی طرف سے ایک نہایت ضروری مضمون بعنوان تذکرۃ الشہادتین میگزین میں شائع ہوگا اور وہ دو نمبر سے کم میں نہیں آسکتا۔ کوشش کی جائیگی کہ جس قدر جلدی ممکن ہو یہ رسالہ ناظرین کو پہنچایا جائے +

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۰۳ء نمبر ۱۱ و ۱۲

فہرست مضامین

انجمن اشاعت اسلام قادیان نے ضیاء الاسلام پریس قادیان دارالامان میں باہتمام حکیم مولوی فضل الدین ۲۰ دسمبر ۱۹۰۳ء کو چھپوا کر شائع کیا

چندہ سالانہ ... معمولی کاغذ پر .... عہ ...... ولایتی کاغذ پر ..... سے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تذکرۃ الشہادتین

دعویٰ مسیح موعود

اس زمانہ مین اگرچہ آسمان کے نیچے طرح طرح کے ظلم ہو رہے ہین۔ مگر جس ظلم کو ابھی مین ذیل مین بیان کرون گا وہ ایک ایسا **دردناک حادثہ** ہے کہ دل کو ہلا دیتا ہے اور بدن پر لرزہ ڈالتا ہے +

اس امر کو با ترتیب بیان کرنے کے لئے پہلے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ جب خدا تعالےٰ نے زمانہ کی موجودہ حالت کو دیکھ کر اور زمین کو طرح طرح کے فسق اور معصیت اور گمراہی سے بھرا ہوا پا کر مجھے تبلیغ حق اور اصلاح کے لئے مامور فرمایا۔ اور یہ زمانہ بھی ایسا تھا کہ اس دنیا کے لوگ تیرھوین صدی ہجری کو ختم کر کے چودھوین صدی کے سر پر پہنچ گئے تھے تب مین نے اس حکم کی پابندی سے عام لوگون مین بذریعہ تحریری اشتہارات اور تقریرون کے یہ ندا کرنی شروع کی کہ اس صدی کے سر پر جو خدا کی طرف سے تجدید دین کے لئے آنے والا تھا وہ **مین ہی ہون** تا وہ ایمان جو زمین پر سے اُٹھ گیا ہے اس کو دوبارہ قائم کرون اور خدا سے قوت پا کر اسی کے ہاتھ کی کشش سے دنیا کو صلاح اور تقوے اور راستبازی کی طرف کھینچون اور ان کی اعتقادی اور عملی غلطیون کو دور کرون اور پھر جب اس پر چند سال گذرے تو بذریعہ وحی الٰہی میرے پر بتصریح کھولا گیا کہ وہ مسیح جو اس امت کے لئے ابتدا سے موعود تھا اور وہ آخری مہدی جو تنزل اسلام کے وقت اور گمراہی کے پھیلنے کے زمانہ مین براہ راست خدا سے ہدایت پانے والا اور اس آسمانی مائدہ کو نئے سرے انسانون کے آگے پیش کرنے والا تقدیر الٰہی مین مقرر کیا گیا تھا جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ وہ مین ہی ہون۔ اور مکالمات الٰہیہ اور مخاطبات رحمانیہ اس

صفائی اور تواتر سے اس بارے مین ہوئے کہ شک و شبہ کی جگہ نہ رہی۔ ہر ایک وحی جو ہوتی تھی ایک فولادی میخ کی طرح دل مین دھنستی تھی اور یہ تمام مکالمات الٰہیہ ایسی عظیم الشان پیشگوئیون سے بھرے ہوئے تھے کہ روز روشن کی طرح وہ پوری ہوتی تھین اور ان کے تواتر اور کثرت اور اعجازی طاقتون کے کرشمہ نے مجھے اس بات کے اقرار کے لئے مجبور کیا کہ یہ اسی وحدہٗ لاشریک خدا کا کلام ہے جس کا کلام قرآن شریف ہے اور مین اس جگہ توریت اور انجیل کا نام نہین لیتا کیونکہ توریت اور انجیل تحریف کرنے والون کے ہاتھون سے اسقدر محرف و مبدّل ہوگئی ہین کہ اب ان کتابون کو خدا کا کلام نہین کہہ سکتے۔ غرض وہ خدا کی وحی جو میرے پر نازل ہوئی ایسی یقینی اور قطعی ہے کہ جس کے ذریعہ سے مین نے اپنے خدا کو پایا اور وہ وحی نہ صرف آسمانی نشانون کے ذریعہ مرتبہ حق الیقین تک پہنچی بلکہ ہر ایک حصہ اس کا جب خدا تعالےٰ کے کلام قرآن شریف پر پیش کیا گیا۔ تو اس کے مطابق ثابت ہوا اور اس کی تصدیق کے لئے بارش کی طرح نشان آسمانی برسے۔ انہین دنون مین رمضان کے مہینہ مین سورج اور چاند کا گرہن بھی ہوا جیساکہ لکھا تھا کہ اس مہدی کے وقت مین ماہ رمضان مین سورج اور چاند کا گرہن ہوگا اور انہین ایام مین طاعون بھی کثرت سے پنجاب مین ہوئی جیساکہ قرآن شریف مین یہ خبر موجود ہے۔ اور پہلے نبیون نے بھی یہ خبر دی ہے۔ کہ ان دنون مین مری بہت پڑے گی اور ایسا ہوگا کہ کوئی گاؤن اور شہر اس مری سے باہر نہین رہیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے اور خدا نے اس وقت کہ اس ملک مین طاعون کا نام و نشان نہ تھا قریباً بائیس برس طاعون کے پھوٹنے سے پہلے مجھے اس کے پیدا ہونے کی خبر دی پھر اس بارہ مین الہامات بارش کی طرح ہوئے اور تکرار ان فقرات کا مختلف پیراؤن مین ہوا چنانچہ مندرجہ ذیل وحی مین اس طرح پر مجھے مخاطب کرکے فرمایا:۔

اَتٰی اَمرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ بِشَارَۃٌ تَلَقَّاھَا النَّبِیُّوْنَ۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَ الَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ اِنَّہٗ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ وَاِنَّہٗ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ اَنْفَرُوْنَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ یَقُوْلُوْنَ اِنْ ھٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ وَ اَعَانَہٗ عَلَیْہِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ۔ جَاھِلٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ اِنَّا کَفَیْنَاکَ الْمُسْتَھْزِئِیْنَ۔ اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ۔ وَ اِنِّیْ مُعِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِعَانَتَکَ وَ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَ الْفَتْحُ وَتَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ ھٰذَا الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ

وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۔ اَلَآ اِنَّھُمْ
ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ۔ وَاِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا ھُزُوًا اَھٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰہُ بَلْ اَتَیْنٰھُمْ
بِالْحَقِّ فَھُمْ لِلْحَقِّ کَارِھُوْنَ۔ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔ سُبْحٰنَہٗ
وَ تَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَیَقُوْلُوْنَ لَسْتَ مُرْسَلًا۔ قُلْ عِنْدِیْ شَہَادَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ فَھَلْ
اَنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ۔ اَنْتَ وَجِیْہٌ فِیْ حَضْرَتِیْ۔ اِخْتَرْتُکَ لِنَفْسِیْ۔ اِذَا غَضِبْتَ
غَضِبْتُ وَکُلَّمَا اَحْبَبْتَ اَحْبَبْتُ۔ یَحْمَدُکَ اللّٰہُ مِنْ عَرْشِہٖ۔ یَحْمَدُکَ اللّٰہُ
وَیَمْشِیْ اِلَیْکَ۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃٍ لَّا یَعْلَمُھَا الْخَلْقُ۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِیْ
وَتَفْرِیْدِیْ۔ اَنْتَ مِنْ مَّآءِنَا وَھُمْ مِّنْ فَشَلٍ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَکَ الْمَسِیْحَ
ابْنَ مَرْیَمَ۔ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَعْلَمْ۔ قَالُوْٓا اَنّٰی لَکَ ھٰذَا قُلْ ھُوَ اللّٰہُ عَجِیْبٌ لَا رَآدَّ
لِفَضْلِہٖ۔ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ خَلَقَ
اٰدَمَ فَاَکْرَمَہٗ۔ اَرَدْتُّ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ۔ وَقَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا
مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ یَقُوْلُوْنَ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ
قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَ۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰہُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ
وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ یَآ اَحْمَدِیْ اَنْتَ مُرَادِیْ وَمَعِیْ۔ سِرُّکَ
سِرِّیْ۔ شَاْنُکَ عَجِیْبٌ وَّاَجْرُکَ قَرِیْبٌ۔ اِنِّیْ اَنَرْتُکَ وَاخْتَرْتُکَ۔ یَاْتِیْ
عَلَیْکَ زَمَنٌ کَمِثْلِ زَمَنِ مُوْسٰی۔ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا
اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ۔ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ۔ اِنَّہٗ کَرِیْمٌ تَمَشّٰی
اَمَامَکَ وَعَادٰی لَکَ مَنْ عَادٰی وَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۔ اَنَّا نَرِثُ
الْاَرْضَ نَاْکُلُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُھُمْ
وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ۔ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ
قُلْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ۔ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ
لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ تُؤْمِنُوْنَ۔
یُرِیْدُوْنَ اَنْ لَّا یَتِمَّ اَمْرُکَ۔ وَاللّٰہُ یَاْبٰٓی اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ اَمْرَکَ
وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَتْرُکَکَ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ۔ ھُوَ الَّذِیْٓ

اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وکَانَ وَعْدُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا - اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ اٰتٍ - ورکل و رکے یَعْصِمُكَ اللّٰهُ مِنَ الْعِدَا - وَیسْطُو بِکُلِّ مَنْ سَطَا - حَلَّ غَضَبُهٗ عَلَی الْاَرْضِ - ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ - اَلْاَمْرَاضُ تُشَاعُ وَالنُّفُوْسُ تُضَاعُ - اَمْرٌ مِّنَ السَّمَآءِ - اَمْرٌ مِّنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْاَکْرَمِ - اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ - اِنَّهٗ اٰوَی الْقَرْیَةَ - لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ اِلَّا اللّٰهُ - اِصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا - اِنَّهٗ مَعَكَ وَمَعَ اَهْلِكَ - اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ - اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا مِنِ اسْتِکْبَارٍ وَاُحَافِظُكَ خَاصَّةً - سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ - سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ - وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ - اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاَصُوْمُ - وَاَلُوْمُ مَنْ یَّلُوْمُ - وَاُعْطِیْكَ مَا یَدُوْمُ - وَاَجْعَلُ لَكَ اَنْوَارَ الْقُدُوْمِ - وَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ اِلَی الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ - اِنِّیْ اَنَا الصَّاعِقَةُ وَاِنِّیْ اَنَا الرَّحْمٰنُ ذُو اللُّطْفِ وَالنَّدٰی +

ترجمہ - خدا کا امر آ رہا ہے پس تم جلدی مت کرو یہ خوشخبری ہے جو قدیم سے نبیوں کو ملتی رہی ہے خدا اُن کے ساتھ ہے جو تقوے اختیار کرتے ہین یعنی ادب اور حیا اور خوف الٰہی کی پابندی سے ان مخفی راہون کو بھی چھوڑتے ہین جن مین معصیت اور نافرمانی کا گمان ہو سکتا ہے اور دلیری سے کوئی قدم نہین اٹھاتے بلکہ ڈرتے ڈرتے کسی فعل یا قول کے بجالانے کا قصد کرتے ہین اور خدا ان کے ساتھ ہے جو اس کے ساتھ اخلاص اور اس کے بندون سے نیکی بجالاتے ہین - وہ قوی اور غالب ہے وہ ہر ایک امر پر غالب ہے مگر اکثر لوگ نہین جانتے - جب وہ ایک بات کو چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو پس وہ بات ہو جاتی ہے - کیا تم مجھ سے بھاگ سکتے ہو اور ہم مجرمون سے انتقام لین گے - کہتے ہین کہ یہ تو صرف انسان کا قول ہے اور ان باتون مین دوسرون نے اس شخص کی مدد کی ہے - یہ تو جاہل ہے یا مجنون ہے ان کو کہہ دے کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تمہین دوست رکھے اور جو لوگ تجھ سے ٹھٹھا کرتے ہین ہم ان کے لئے کافی ہین مین اس شخص کی اہانت کرونگا جو تیری اہانت کے درپے ہے - اور مین اس شخص کی مدد کرونگا جو تیری مدد کرنا چاہتا ہے - مین ہون جو میرے پاس ہو کر میرے رسول ڈرا نہین کرتے - جب خدا کی مدد اور فتح آئے گی اور تیرے رب کا کلمہ پورا ہو جائیگا تو کہا جائیگا کہ یہ وہی ہے جس کے لئے تم جلدی کرتے تھے

اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت کرو تو کہتے ہین کہ ہم تو اصلاح کرتے ہین۔ خبردار رہو کہ وہی مفسد ہین اور تجھے انہون نے ہنسی اور ٹھٹھے کی جگہ بنا رکھا ہے اور ٹھٹھا مار کر کہتے ہین کہ کیا یہ وہی شخص ہے کہ جو خدا نے مبعوث فرمایا۔ یہ تو ان کی باتین ہین اور اصل بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے سامنے حق پیش کیا۔ پس وہ حق کے قبول کرنے سے کراہت کر رہے ہین اور جن لوگون نے ظلم کیا ہے۔ وہ عنقریب جان لین گے کہ وہ کس طرف پھیرے جائین گے۔ خدا ان تہمتون سے پاک اور برتر ہے جو اس پر لگا رہے ہین اور کہتے ہین کہ تو خدا کی طرف سے بھیجا ہوا نہین۔ ان کو کہدے کہ خدا کی میرے پاس گواہی موجود ہے پس کیا تم ایمان لاتے ہو۔ تو میری درگاہ مین وجیہ ہے مین نے اپنے لئے تجھے چن لیا۔ جب تو کسی پر ناراض ہو تو مین اس پر ناراض ہوتا ہون اور ہر ایک چیز جس سے تو پیار کرتا ہے مین بھی اس سے پیار کرتا ہون خدا اپنے عرش سے تیری تعریف کرتا ہے۔ خدا تیری تعریف کرتا ہے اور تیری طرف چلا آتا ہے۔ تو مجھ سے اس مرتبہ پر ہے جس کو دنیا نہین جانتی۔ تو مجھ سے ایسا ہے۔ جیسا کہ میری توحید اور تفرید۔ تو ہمارے پانی سے ہے اور وہ لوگ فشل سے۔ اس خدا کو حمد ہے جس نے تجھے مسیح ابن مریم بنایا اور تجھے وہ باتین سکھلائین جن کی تجھے خبر نہ تھی لوگون نے کہا کہ یہ مرتبہ تجھے کہان سے اور کیونکر مل سکتا ہے ان کو کہدے کہ میرا خدا عجیب ہے اس کے فضل کو کوئی رد نہین کر سکتا۔ جو کام وہ کرتا ہے اس سے پوچھا نہین جاتا کہ ایسا کیون کیا۔ مگر لوگ اپنے اپنے کامون سے پوچھے جاتے ہین تیرا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے اس نے اس آدم کو پیدا کر کے اس کو بزرگی دی مین نے اس زمانہ مین ارادہ کیا کہ اپنا ایک خلیفہ زمین پر قائم کرون پس مین نے اس آدم کو پیدا کیا اور لوگون نے کہا کہ کیا تو ایسا شخص اپنا خلیفہ بناتا ہے جو زمین پر فساد کرتا ہے یعنے پھوٹ ڈالتا ہے تو خدا نے کہا کہ جن باتون کا مجھے علم ہے تمہین وہ باتین معلوم نہین اور کہتے ہین کہ یہ ایک بناوٹ ہے۔ کہہ خدا ہی جس نے یہ سلسلہ قائم کیا۔ پھر یہ کہہ کر ان کو اپنے لہو ولعب مین چھوڑ دے اور ہم نے حق کے ساتھ اسکو اتارا اور ضرورت حقہ کے موافق وہ اترا اور ہم نے تجھے تمام دنیا کے لئے ایک عام رحمت کر کے بھیجا ہے۔ اے میرے احمد تو میری مراد ہے اور میرے ساتھ ہے۔ تیرا بھید میرا بھید ہے تیری شان عجیب ہے اور اجر قریب ہے۔ مین نے تجھے روشن کیا اور مین نے تجھے چنا۔ تیرے پر ایک ایسا زمانہ آئیگا جیسا کہ موسیٰ پر زمانہ آیا تھا اور تو ان لوگون کے بارے مین میری جناب مین شفاعت مت کر جو ظالم ہین کیونکہ وہ غرق کئے جائین گے اور یہ لوگ مکر کرین گے اور خدا بھی ان سے مکر کرے گا اور خدا تعالیٰ بہتر مکر کرنیوالا ہے۔ وہ کریم ہے جو تیرے آگے آگے چلتا ہے اور اس کو وہ اپنا دشمن قرار دیتا ہے جو تجھ سے دشمنی کرتا ہے اور وہ عنقریب تجھے وہ چیزین دیگا

جن سے تو راضی ہو جائے گا ہم زمین کے وارث ہونگے اور ہم اس کو اس کے طرفوں سے کھاتے جاتے ہین تا کہ تو اس قوم کو ڈراوے جن کے باپ دادے ڈرائے نہین گئے اور تا کہ مجرمون کی راہ کھل جائے۔ کہہ مین مامور ہون اور مین سب سے پہلے مومن ہون۔ کہہ میرے پر یہ وحی نازل ہوتی ہے۔ کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے اور تمام خیر قرآن مین ہے۔ اس کے حقائق معارف تک وہ لوگ پہنچتے ہین جو پاک کئے جاتے ہین پس تم اس کے بعد یعنے اس کو چھوڑ کر کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔ یہ لوگ ارادہ کرتے ہین کہ کچھ ایسی کوشش کرین کہ تیرا امر ناتمام رہ جائے لیکن خدا تو یہی چاہتا ہے کہ تیری بات کو کمال تک پہنچاوے اور خدا ایسا نہین ہے کہ قبل اس کے جو پاک اور پلید مین فرق کر کے دکھلاوے تجھے چھوڑ دے۔ خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق دیکر اس غرض سے بھیجا ہے تا وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے اور خدا کا وعدہ ایک دن ہونا ہی تھا خدا کا وعدہ آگیا اور ایک پیر اس نے زمین پر مارا اور خلل کی اصلاح کی۔ خدا تجھے دشمنون سے بچائیگا اور اس شخص پر حملہ کریگا کہ جو ظلم کی راہ سے تیرے پر حملہ کریگا۔ اس کا غضب زمین پر اترا کیونکہ لوگون نے معصیت پر کمر باندھی اور وہ حد سے گذر گئے۔ بیماریان ملک مین پھیلائی جائینگی اور طرح طرح کے اسباب سے جانین تلف کیجائینگی۔ یہ امر آسمان پر قرار پا چکا ہے یہ اس خدا کا امر ہے جو غالب اور بزرگ ہے۔ جو کچھ قوم پر نازل ہوا خدا اسکو نہین بدلائیگا جبتک کہ وہ لوگ اپنے دلون کی حالتین نہ بدلالین۔ وہ اس گاؤن کو جو قادیان ہے کسی قدر ابتلا کے بعد اپنی پناہ مین لے لیگا*۔ آج خدا کے سوا کوئی بچانیوالا نہین ہماری آنکھون کے سامنے اور ہماری وحی سے کشتی بنا۔ وہ قادر خدا تیرے ساتھ اور تیرے لوگون کے ساتھ ہے مین ہر ایک کو جو تیرے گھر کے اندر ہے بچاؤنگا مگر وہ لوگ جو میرے مقابل پر تکبر سے اپنے تئین نافرمان اور اونچا رکھتے ہین یعنی پورے طور پر اطاعت نہین کرتے اور خاصکر میری حفاظت تیرے شامل حال رہے گی۔ خدائے رحیم کی طرف سے سلامتی ہو۔ تم پر سلامتی ہو تم پاک نفس ہو۔ اور اے مجرمو آج تم الگ ہو جاؤ مین اس رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا اور افطار کرونگا اور روزہ بھی رکھونگا اور اسکو ملامت کرونگا جو ملامت کرتا ہو اور تجھے وہ نعمت دونگا جو ہمیشہ رہیگی اور اپنی تجلی کے نور تجھ مین رکھ دونگا اور مین اس زمین سے وقت مقدر تک علیحدہ نہین ہونگا یعنی میری قہری تجلی مین فرق نہ آئے گا مین صاعقہ ہون اور مین رحمان ہون صاحب لطف و بخشش

* اوی کا لفظ زبان عرب مین ایسے موقع پر استعمال ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کو کسی قدر مصیبت یا ابتلا کے بعد اپنی پناہ مین لیا جائے۔ اور کثرت مصائب اور تلف ہونے سے بچایا جائے جیسا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے الم یجدک یتیماً فاوی۔ اسی طرح تمام قرآن شریف مین آوی اور آوی کا لفظ ایسے ہی موقعون پر استعمال ہوا ہے کہ جہان کسی شخص یا کسی قوم کو کسی قدر تکلیف کے بعد پھر آرام دیا گیا۔ منہ

ذکر واقعہ شہادتین

انہیں دنوں میں جبکہ متواتر یہ وحی خدا کی مجھ پر ہوئی اور نہایت زبردست اور قوی نشان ظاہر ہوئے اور میرا دعوے مسیح موعود ہونیکا دلائل کے ساتھ دنیا میں شائع ہوا۔ خوست علاقہ حدود کابل میں ایک بزرگ تک جن کا نام اخوندزادہ مولوی عبد اللطیف ہے کسی اتفاق سے میری کتابیں پہنچیں۔ اور وہ تمام دلائل جو نقل اور عقل اور تائیدات سماوی سے میں نے اپنی کتابوں میں لکھے تھے وہ سب دلیلیں ان کی نظر سے گذریں اور چونکہ وہ بزرگ نہایت پاک باطن اور اہل علم اور اہل فراست اور خدا ترس اور تقوے شعار تھے اس لئے ان کے دل پر ان دلائل کا قوی اثر ہوا اور ان کو اس دعوے کی تصدیق میں کوئی دقت پیش نہ آئی اور ان کی پاک کانشنس نے بلا توقف مان لیا کہ یہ شخص منجانب اللہ اور یہ دعوے صحیح ہے۔ تب انہوں نے میری کتابوں کو نہایت محبت سے دیکھنا شروع کیا۔ اور ان کی روح جو نہایت صاف اور مستعد تھی میری طرف کھینچی گئی یہانتک کہ ان کے لئے بغیر ملاقات کے دور بیٹھے رہنا نہایت دشوار ہو گیا۔ آخر اس زبردست کشش اور محبت اور اخلاص کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اس غرض سے کہ ریاست کابل سے اجازت حاصل ہو جائے حج کے لئے مصمم ارادہ کیا اور امیر کابل سے اس سفر کے لئے درخواست کی چونکہ وہ امیر کابل کی نظر میں ایک برگزیدہ عالم اور تمام علما کے سردار سمجھے جاتے تھے اس لئے نہ صرف ان کو اجازت ہوئی بلکہ امداد کے طور پر کچھ روپیہ بھی دیا گیا۔ سو وہ اجازت حاصل کر کے قادیان میں پہنچے۔ اور جب مجھ سے ان کی ملاقات ہوئی تو قسم اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے ان کو اپنی پیروی اور اپنے دعوے کی تصدیق میں ایسا فنا شدہ پایا کہ جس سے بڑھ کر انسان کے لئے ممکن نہیں اور جیسا کہ ایک شیشہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے ایسا ہی میں نے ان کو اپنی محبت سے بھرا ہوا پایا اور جیسا کہ ان کا چہرہ نورانی تھا ایسا ہی ان کا دل مجھے نورانی معلوم ہوتا تھا۔ اس بزرگ مرحوم میں نہایت قابل رشک یہ صفت تھی کہ درحقیقت وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتا تھا اور وہ درحقیقت ان راستبازوں میں سے تھا جو خدا سے ڈر کر اپنے تقوے اور اطاعت الٰہی کو انتہا تک پہنچاتے ہیں اور خدا کے خوش کرنے کے لئے اور اُس کی رضا حاصل کرنیکے لئے اپنی جان اور عزت اور مال کو ایک ناکارہ خس و خاشاک کی طرح اپنے ہاتھ سے چھوڑ دینے کو تیار ہوتے ہیں اس کی ایمانی قوت اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ اگر میں اُسکو ایک بڑے سے بڑے پہاڑ سے تشبیہ دوں تو میں ڈرتا ہوں کہ میری تشبیہ ناقص نہ ہو۔ اکثر لوگ باوجود بیعت کے اور باوجود میرے دعوے کی تصدیق کے پھر بھی دنیا کو دین پر مقدم رکھنے کے زہریلے تخم سے بکلی نجات نہیں پاتے بلکہ کچھ ملونی ان میں باقی رہ جاتی ہے اور پوشیدہ بخل خواہ وہ

جان کے متعلق ہو خواہ آبرو کے متعلق اور خواہ مال کے اور خواہ اخلاقی حالتون کے متعلق ان کے ناکمل نفسون مین پایا
جاتا ہے اسی وجہ سے ان کی نسبت ہمیشہ میری یہ حالت رہتی ہے کہ مین ہمیشہ کسی خدمت دینی کے پیش کرنیکے
وقت ڈرتا رہتا ہون کہ ان کو ابتلا پیش نہ آوے اور اس خدمت کو اپنے پر ایک بوجھ سمجھ کر اپنی بیعت کو الوداع نہ
کہہ دین لیکن مین کن الفاظ سے اس بزرگ مرحوم کی تعریف کرون جس نے اپنے مال اور آبرو اور جان کو میری
پیروی مین یون پھینک دیا کہ جس طرح کوئی ردی چیز پھینک دیجاتی ہے۔ اکثر لوگون کو مین دیکھتا ہون کہ ان کا اول
اور آخر برابر نہین ہوتا اور ادنے سی ٹھوکر یا شیطانی وسوسہ یا بد صحبت سے وہ گر جاتے ہین مگر جوانمرد مرحوم کی استقامت
کی تفصیل مین کن الفاظ سے بیان کرون کہ وہ نور یقین مین دمبدم ترقی کرتا گیا اور جب وہ میرے پاس پہنچا تو مین نے
ان سے دریافت کیا کہ کن دلائل سے آپ نے مجھے شناخت کیا تو انہون نے فرمایا کہ سب سے پہلے قرآن ہی جس نے
آپ کی طرف میری رہبری کی اور فرمایا کہ مین ایک ایسی طبیعت کا آدمی تھا کہ پہلے سے فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ زمانہ
جس مین ہم ہین اس زمانہ کے اکثر مسلمان اسلامی روحانیت سے بہت دور جا پڑے ہین وہ اپنی زبانون سے کہتے
ہین کہ ہم ایمان لائے مگر ان کے دل مومن نہین اور ان کے اقوال اور افعال بدعت اور شرک اور انواع و
اقسام کی معصیت سے پُر ہین۔ ایسا ہی بیرونی حملے بھی انتہا تک پہنچ گئے ہین اور اکثر دل تاریک پردون مین ایسے
بےحس و حرکت ہین۔ کہ گویا مر گئے ہین۔ اور وہ دین اور تقوے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لائے تھے جس کی تعلیم صحابہ
رضی اللہ عنہم کو دی گئی تھی اور وہ صدق اور یقین اور ایمان جو اس پاک جماعت کو ملا تھا بلا شبہ اب وہ بباعث
کثرت غفلت کے مفقود ہے اور شاذ و نادر حکم معدوم کا رکھتا ہے ایسا ہی مین دیکھ رہا تھا کہ اسلام ایک مردہ کی حالت مین
ہو رہا ہے اور اب وہ وقت آ گیا ہے کہ پردہ غیب سے کوئی منجانب اللہ مجدد دین پیدا ہو۔ بلکہ مین روز بروز اس
اضطراب مین تھا کہ وقت تنگ ہوتا جاتا ہے۔ انہین دنون مین یہ آواز میرے کانون تک پہنچی کہ ایک شخص نے قادیان
ملک پنجاب مین مسیح موعود ہونے کا دعوے کیا ہے اور مین نے بڑی کوشش سے چند کتابین آپ کی تالیف کردہ بہم
پہنچائین اور انصاف کی نظر سے ان پر غور کر کے پھر قرآن کریم پر ان کو عرض کیا تو قرآن شریف کو ان کے ہر ایک
بیان کا مصدق پایا پس وہ بات جس نے پہلے پہل مجھے اس طرف حرکت دی وہ یہی ہے کہ مین نے دیکھا کہ ایک
طرف تو قرآن شریف بیان کر رہا ہے کہ عیسے علیہ السلام فوت ہو گئے اور واپس نہین آئینگے اور دوسری وہ موسوی
سلسلہ کے مقابل پر اس امت کو وعدہ دیتا ہے کہ وہ اس امت کی مصیبت اور ضلالت کے دنون مین ان خلیفون
کے رنگ مین خلیفے بھیجتا رہیگا جو موسوی سلسلہ کے قائم اور بحال رکھنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ سو چونکہ ان مین سے
حضرت عیسے علیہ السلام ایک ایسے خلیفے تھے جو موسوی سلسلہ کے آخر مین پیدا ہوئے اور نیز وہ ایسے خلیفے تھے کہ جو لڑائی

کے لئے مامور نہیں ہوئے تھے اس لئے خدا تعالےٰ کے کلام سے ضرور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کے رنگ پر بھی اس امت میں آخری زمانہ میں کوئی پیدا ہو اسی طرح بہت سے کلمات معرفت اور دانائی کے ان کے منہ سے میں نے سُنے جو بعض یاد رہے اور بعض بھول گئے اور وہ کئی مہینے تک میرے پاس رہے اور اس قدر ان کو میری باتوں میں دلچسپی ہوئی کہ انہوں نے میری باتوں کو حج پر ترجیح دی اور کہا کہ میں اس علم کا محتاج ہوں جس سے ایمان قوی ہو اور علم عمل پر مقدم ہے۔ سو میں نے ان کو مستعد پا کر جہاں تک میرے لئے ممکن تھا اپنے معارف ان کے دل میں ڈالے اور اس طرح پر ان کو سمجھایا کہ دیکھو یہ بات بہت صاف ہے کہ اللہ جلشانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے ایک رسول کو جو تم پر گواہ ہے یعنی اس بات کا گواہ کہ تم کیسی خراب حالت میں ہو تمہاری طرف اسی رسول کی مانند بھیجا ہے جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا سو اس آیت میں اللہ جلشانہٗ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ ٹھہرایا ہے پھر سورۂ نور میں سلسلہ خلافت محمدیہ کو سلسلہ خلافت موسویہ کا مثیل ٹھہرا دیا ہے۔ سو کم سے کم تحقق مشابہت کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں سلسلوں کے اول اور آخر میں نمایاں مشابہت ہو یعنی یہ ضروری ہے کہ اس سلسلہ کے اول پر مثیل موسیٰ ہو اور اس سلسلہ کے اخیر میں مثیل عیسیٰ۔ اور ہمارے مخالف علماء یہ تو مانتے ہیں کہ سلسلہ ملت اسلامیہ مثیل موسیٰ سے شروع ہوا۔ مگر وہ سراسر ہٹ دھرمی سے اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ خاتمہ اس سلسلہ کا مثیل عیسیٰ پر ہوگا۔ اور اس صورت میں وہ عمداً قرآن شریف کو چھوڑتے ہیں کیا یہ سچ نہیں ہے کہ قرآن شریف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ قرار دیا بلکہ آیت كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ میں تمام سلسلہ خلافت محمدیہ کو سلسلہ خلافت موسویہ کا مثیل قرار دیدیا ہے۔ پس اس صورت میں قطعاً و جزماً لازم آتا ہے کہ سلسلۂ خلافتِ اسلامیہ کے آخر میں ایک مثیل عیسیٰ پیدا ہو اور چونکہ اول اور آخر کی مشابہت ثابت ہونے سے تمام سلسلہ کی مشابہت ثابت ہو جاتی ہے اس لئے خدا تعالےٰ کے پاک نبیوں کی کتابوں میں جابجا انہیں دونوں ہستیوں پر زور دیا گیا ہے بلکہ اول اور آخر کے دشمنوں میں بھی مشابہت ثابت کی گئی ہے جیسا کہ ابوجہل کو فرعون سے مشابہت دی گئی ہے اور آخری مسیح کے مخالفین کو یہود مغضوب علیہم سے اور آیت كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ میں یہ بھی اشارہ کر دیا ہے کہ آخری خلیفہ اس امت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے زمانہ میں آئیگا جو وہ زمانہ اپنی مدت میں اس زمانہ کی مانند ہوگا جبکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بعد آئے تھے یعنے چودھویں صدی کیونکہ کَمَا کا لفظ جس مشابہت کو چاہتا ہے اس میں زمانہ کی مشابہت بھی داخل ہے۔ تمام فرقے یہودیوں کے اس بات پر متفق ہیں کہ عیسےٰ ابن مریم نے جس زمانہ میں دعوے نبوت کیا وہ زمانہ حضرت موسےٰ سے چودھویں صدی تھی۔ اور عیسائیوں میں سے پروٹسٹنٹ مذہب والے

خیال کرتے ہین کہ پندرھوین صدی موسوی سے کچھ سال گذر چکے تھے جب حضرت عیسےٰ نے دعوے نبوت کیا- اور پروٹسٹنٹ کا قول یہودیون کے متفق علیہ قول کے مقابل پر کچھ چیز نہین اور اگر اس کی صحت مان بھی لین تو اس قدر قلیل فرق سے مشابہت مین کچھ فرق نہین آتا بلکہ مشابہت ایک قلیل فرق کو چاہتی ہے ایسا ہی قرآن شریف کی رو سے سلسلہ محمدیہ سلسلہ موسویہ سے ہر ایک نیکی اور بدی مین مشابہت رکھتا ہے اسی کی طرف ان آیتون مین اشارہ ہے کہ ایک جگہ یہود کے حق مین لکھا ہے **فینظر کیف تعملون** دوسری جگہ مسلمانون کے حق مین لکھا ہے **لننظر کیف تعملون**- ان دونون آیتون کے یہ معنے ہین کہ خدا تمہین خلافت اور حکومت عطا کر کے پھر دیکھے گا کہ تم راستبازی پر قائم رہتے ہو یا نہین- ان آیتون مین جو الفاظ یہود کے لئے استعمال کئے ہین وہی مسلمانون کے لئے یعنی ایک ہی آیت کے نیچے ان دونون کو رکھا ہے پس ان آیتون سے بڑھکر اس بات کے لئے اور کونسا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خدا نے بعض مسلمانون کو یہود قرار دیدیا ہے اور صاف اشارہ کر دیا ہے کہ جن بدیون کے یہود مرتکب ہوئے تھے یعنے علماء ان کے اس امت کے علماء بھی انہین بدیون کے مرتکب ہونگے اور اسی مفہوم کی طرف آیت **غیر المغضوب علیھم** مین بھی اشارہ ہے کیونکہ اس آیت مین باتفاق کل مفسرین مغضوب علیہم سے مراد وہ یہود ہین جن پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے انکار کی وجہ سے غضب نازل ہوا تھا- اور احادیث صحیحہ مین مغضوب علیہم سے مراد وہ یہود ہین جو مورد غضب الٰہی دنیا مین ہی ہوئے تھے اور قرآن شریف یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ یہود کو مغضوب علیہم ٹھہرانے کے لئے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زبان پر لعنت جاری ہوئی تھی پس یقینی اور قطعی طور پر مغضوب علیہم سے مراد وہ یہود ہین جنہون نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو سولی پر ہلاک کرنا چاہا تھا- اب خدا تعالےٰ کا یہ دعا سکھلانا کہ خدایا ایسا کر کہ ہم وہی یہودی نہ بن جائین جنہون نے عیسےٰ کو قتل کرنا چاہا تھا صاف بتلا رہا ہے کہ امت محمدیہ مین بھی ایک عیسےٰ پیدا ہونے والا ہے ورنہ اس دعا کی کیا ضرورت تھی اور نیز جبکہ آیات مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی زمانہ مین بعض علماء مسلمان بالکل علماء یہود سے مشابہ ہوجائنگے اور یہودی بن جائین گے- پھر یہ کہنا کہ ان یہودیون کی اصلاح کے لئے اسرائیلی عیسےٰ آسمان سے نازل ہوگا بالکل غیر معقول بات ہے کیونکہ اول تو باہر سے ایک نبی کے آنے سے مہر ختم نبوت ٹوٹتی ہے اور قرآن شریف صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہراتا ہے- ماسوا اس کے قرآن شریف کی رو سے یہ امت خیر الامم کہلاتی ہے پس اس کی اس سے زیادہ بے عزتی اور کوئی نہین ہوسکتی کہ یہودی بننے کے لئے تو یہ امت ہو مگر عیسےٰ باہر سے آوے- اگر یہ سچ ہے کہ کسی زمانہ مین اکثر علماء اس امت کے یہودی بن جائین گے یعنے یہود خصلت ہو جائین گے تو پھر یہ بھی سچ ہے کہ ان یہود کے درست کرنے کے لئے عیسےٰ باہر سے نہین آئے گا بلکہ جیسا کہ بعض افراد کا نام یہود رکھا گیا ہے ایسا ہی انکے مقابل پر ایک فرد کا نام عیسےٰ بھی رکھا جائیگا- اس بات کا انکار نہین ہوسکتا کہ قرآن اور حدیث دونون نے بعض

افراد اس امت کا نام یہود رکھا ہے جیسا کہ آیت غیر المغضوب علیہم سے بھی ظاہر ہے کیونکہ اگر بعض افراد اس امت کے یہودی
بننے والے نہ ہوتے تو دعا مذکورہ بالا ہرگز نہ سکھلائی جاتی جب سے دنیا مین خدا کی کتابین آئی ہین خدا تعالے کا
ان مین یہی محاورہ ہے کہ جب کسی قوم کو ایک بات سے منع کرتا ہے کہ مثلاً تم زنا نہ کرو یا چوری نہ کرو یا یہودی نہ بنو تو
اس منع کے اندر یہ پیشگوئی مخفی ہوتی ہے کہ بعض ان مین سے ارتکاب ان جرائم کا کرین گے دنیا مین کوئی شخص
ایسی نظیر پیش نہین کر سکتا کہ ایک جماعت یا ایک قوم کو خدا تعالے نے کسی ناکردنی کام سے منع کیا ہو اور پھر وہ
سب کے سب اس کام سے باز رہے ہون بلکہ ضرور بعض اس کام کے مرتکب ہو جاتے ہین جیسا کہ اللہ تعالے نے
توریت مین یہودیون کو یہ حکم دیا کہ تم نے توریت کی تحریف نہ کرنا سو اس حکم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض یہود نے توریت کی
تحریف کی مگر قرآن شریف مین خدا تعالے نے مسلمانون کو کہین یہ حکم نہین دیا کہ تم نے قرآن کی تحریف نہ کرنا بلکہ یہ
فرمایا کہ **انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون** یعنے ہم نے ہی قرآن شریف کو اتارا اور ہم ہی اس کی محافظت
کرین گے اسی وجہ سے قرآن شریف تحریف سے محفوظ رہا۔ غرض یہ قطعی اور یقینی اور مسلم سنت الٰہی ہے کہ جب خدا تعالے
کسی کتاب مین کسی قوم یا جماعت کو ایک برے کام سے منع کرتا ہے یا نیک کام کے لئے حکم فرماتا ہے تو اس کے علم قدیم
مین یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ اس کے حکم کی مخالفت بھی کرین گے پس خدا تعالے کا سورہ فاتحہ مین یہ فرمانا کہ تم دعا
کیا کرو کہ تم وہ یہودی نہ بن جاؤ جنہون نے عیسے علیہ السلام کو سولی دینا چاہا تھا جس سے دنیا مین ہی ان پر غضب الٰہی کی
مار پڑی اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ خدا تعالے کے علم مین یہ مقدر تھا کہ بعض افراد اس امت کے جو علماء امت
کہلائین گے اپنی شرارتون اور تکذیب مسیح وقت کی وجہ سے یہودیون کا جامہ پہن لین گے ورنہ ایک لغو دعا
کے سکھلانے کی کچھ ضرورت نہ تھی یہ تو ظاہر ہے کہ علماء اس امت کے اس طرح کے یہودی نہین بن سکتے کہ وہ اسرائیل
کے خاندان مین سے بن جائین اور پھر عیسے ابن مریم کو جو مدت سے اس دنیا سے گذر چکا ہے سولی دینا چاہین کیونکہ
اب اس زمانہ مین نہ وہ یہودی اس زمین پر موجود ہین نہ وہ عیسے موجود ہے پس ظاہر ہے کہ اس آیت مین ایک
آیندہ واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ بتلانا منظور ہے کہ اس امت مین عیسی مسیحؑ کے رنگ مین آخری زمانہ مین
ایک شخص مبعوث ہوگا اور اس کے وقت کے بعض علماء اسلام ان یہودی علما کی طرح اسکو دکھ دین گے جو عیسے
علیہ السلام کو دکھ دیتے تھے اور ان کی شان مین بدگوئی کرینگے بلکہ احادیث صحیحہ سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہودی
بننے کے یہ معنے ہین کہ یہودیون کی بد اخلاق اور بد عادات علماء اسلام مین پیدا ہو جائین گی۔ اور گو بظاہر مسلمان
کہلائین گے مگر ان کے دل مسخ ہو کر ان یہودیون کے رنگ سے رنگین ہو جائین گے جو حضرت عیسی علیہ السلام کو
دکھ دے کر مورد غضب الٰہی ہوئے تھے پس جبکہ یہودی یہی لوگ بنین گے جو مسلمان کہلاتے ہین تو کیا یہ اس

امت مرحومہ کی بیعزتی نہیں کہ یہودی بننے کے لئے تو مقرر کئے جائیں مگر مسیح جو ان یہودیوں کو درست کریگا وہ باہر سے آوے یہ تو قرآن شریف کے منشاء کے سراسر برخلاف ہے۔ قرآن شریف نے سلسلہ محمدیہ کو ہر ایک نیکی اور بدی میں سلسلہ موسویہ کے مقابل رکھا ہے نہ صرف بدی میں ماسوا اس کے آیت **غیر المغضوب علیہم** کا صریح یہ منشاء ہے کہ وہ لوگ یہودی اس لئے کہلائیں گے کہ خدا کے مامور کو جو ان کی اصلاح کے لئے آئیگا بنظر تحقیر دیکھیں گے اور اس کی تکذیب کرینگے اور اس کو قتل کرنا چاہیں گے اور اپنے قوئے غضبیہ کو اس کی مخالفت میں بھڑکائیں گے اس لئے وہ آسمان پر مغضوب علیہم کہلائیں گے۔ ان یہودیوں کی مانند جو حضرت عیسے علیہ السلام کے مکذب تھے جس تکذیب کا آخر کار نتیجہ یہ ہوا تھا کہ سخت طاعون یہود میں پڑی تھی اور بعد اس کے طیطوس رومی کے ہاتھ سے وہ نیست و نابود کئے گئے تھے پس آیت غیر المغضوب علیہم سے ظاہر ہے کہ دنیا میں ہی کوئی غضب ان پر نازل ہوگا کیونکہ آخرت کے غضب میں تو ہر ایک کافر شریک ہے اور آخرت کے لحاظ سے تمام کافر مغضوب علیہم ہیں پھر کیا وجہ کہ خدا تعالے نے اس آیت میں خاص کر کے ان یہودیوں کا نام مغضوب علیہم رکھا جنہوں نے حضرت عیسے کو سولی دینا چاہا تھا۔ بلکہ اپنی دانست میں سولی دے چکے تھے پس یاد رہے کہ ان یہودیوں کو مغضوب علیہم کی خصوصیت اس لئے دی گئی کہ دنیا میں ہی ان پر غضب الٰہی نازل ہوا تھا اور اسی بنا پر سورہ فاتحہ میں اس امت کو یہ دعا سکھلائی گئی کہ خدایا ایسا کر کہ وہی یہودی ہم نہ بن جائیں یہ ایک پیش گوئی تھی جسکا یہ مطلب تھا کہ جب اس امت کا مسیح مبعوث ہوگا تو اس کے مقابل پر وہ یہود بھی پیدا ہو جائیں گے۔ جن پر اسی دنیا میں خدا کا غضب نازل ہوگا پس اس دعا کا یہ مطلب تھا کہ یہ مقدر ہے کہ تم میں سے بھی ایک مسیح پیدا ہوگا اور اس کے مقابل پر یہود پیدا ہوں گے جن پر دنیا میں ہی غضب نازل ہوگا۔ سو تم دعا کرتے رہو کہ تم ایسے یہود نہ بن جاؤ*

یہ بات یاد رکھنے کے لایق ہے کہ یوں تو ہر ایک کافر قیامت میں مورد غضب الٰہی ہے لیکن اس جگہ غضب سے مراد دنیا کا غضب ہے جو مجرموں کے سزا دینے کے لئے دنیا میں ہی نازل ہوتا ہے اور وہ یہودی جنہوں نے حضرت عیسے علیہ السلام کو دکھ دیا تھا اور بموجب نص قرآن کریم ان کی زبان پر لعنتی کہلائے تھے وہ وہی لوگ تھے جن پر دنیا میں ہی عذاب کی مار پڑی تھی یعنی اول سخت طاعون سے وہ ہلاک کئے گئے تھے اور پھر جو باقی رہ گئے تھے وہ طیطوس رومی کے ہاتھ سے سخت عذاب کے ساتھ ملک سے منتشر کئے گئے تھے پس غیر المغضوب علیہم میں یہی عظیم الشان پیش گوئی مخفی ہے کہ وہ لوگ جو مسلمانوں میں سے یہودی کہلائیں گے وہ بھی ایک مسیح کی تکذیب کریں گے جو اس پہلے مسیح کے رنگ پر آئے گا یعنی نہ وہ جہاد کرے گا اور نہ تلوار اٹھائے گا بلکہ

پاک تعلیم اور آسمانی نشانون کے ساتھ دین کو پھیلائے گا اور اس آخری مسیح کی تکذیب کے بعد بھی دنیا مین طاعون پھیلے گی اور وہ سب باتین پوری ہونگی جو ابتدا سے سب نبی کہتے چلے آئے ہین اور یہ وسوسہ کہ آخری زمانہ مین وہی مسیح ابن مریم دوبارہ دنیا مین آجائے گا۔ یہ تو قرآن شریف کے منشاء کے سراسر بر خلاف ہے جو شخص قرآن شریف کو ایک تقوے اور ایمان اور انصاف اور تدبر کی نظر سے دیکھے گا اس پر روز روشن کی طرح کھلجائیگا کہ خداوند قادر کریم نے اس امت محمدیہ کو موسوی امت کے بالکل بالمقابل پیدا کیا ہے۔ ان کی اچھی باتون کے بالمقابل پر اچھی باتین دی ہین اور ان کی بری باتون کے مقابل پر بری باتین اس امت مین بعض ایسے ہین جو انبیاء بنی اسرائیل سے مشابہت رکھتے ہین اور بعض ایسے ہین جو مغضوب علیہم یہود سے مشابہت رکھتے ہین اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک گھر ہے جس مین عمدہ عمدہ آراستہ کمرے موجود ہین جو عالیشان اور مہذب لوگون کے بیٹھنے کی جگہ ہین اور جس کے بعض حصے مین پائخانے بھی ہین اور بدرو بھی اور گھر کے مالک نے چاہا کہ اس محل کے مقابل پر ایک اور محل بناوے کہ تا جو سامان اس پہلے محل مین تھا اس مین بھی موجود ہو۔ سو یہ دوسرا محل اسلام کا محل ہے اور پہلا محل موسوی سلسلہ کا محل تھا۔ یہ دوسرا محل پہلے محل کا کسی بات مین محتاج نہین۔ قرآن شریف توریت کا محتاج نہین اور یہ امت کسی اسرائیلی نبی کی محتاج نہین۔ ہر ایک کامل جو اس امت کے لئے آتا ہے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض سے پرورش یافتہ ہے اور اس کی وحی محمدی وحی کی ظل ہے۔ یہی ایک نکتہ ہے جو سمجھنے کے لائق ہے افسوس ہمارے مخالف حضرت عیسے علیہ السلام کو دوبارہ لاتے ہین نہین سمجھتے کہ مطلب تو یہ ہے کہ اسلام کو فخر مشابہت حاصل ہو نہ یہ ذلت کہ کوئی اسرائیلی نبی آوے تا امت اصلاح پاوے علاوہ اس کے یہ نہایت بیہودہ خیال ہے کہ ایسے لغو اعتقاد پر زور دیا جاوے جس کی خدا کی کتاب مین کوئی نظیر نہین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھنے کی درخواست کی گئی جیسا قرآن شریف مین مذکور ہے مگر وہ یہ کہہ کر نا منظور کی گئی کہ **قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا** تو کیا عیسے بشر نہ تھا کہ اس کو بغیر درخواست کے آسمان پر چڑھایا گیا۔ پھر قرآن شریف سے تو صرف رفع الی اللہ ثابت ہے جو ایک روحانی امر ہے نہ رفع الی السماء اور یہودیون کا اعتراض تو یہ تھا کہ جو شخص لکڑی پر لٹکایا جاوے اس کا رفع روحانی دوسرے نبیون کی طرح خدا تعالے کی طرف نہین ہوتا اور یہی اعتراض دفع کرنے کے لائق تھا پس قرآن شریف نے کہان اس اعتراض کو دفع کیا ہے یعنی اس تمام نزاع کی بنیاد یہ تھی کہ یہودی کہتے تھے کہ عیسے مصلوب ہو گیا ہے اور جو شخص مصلوب ہو اسکا خدا تعالیٰ کی طرف رفع نہین ہوتا اسلئے عیسے کا اور نبیون کی طرح خدا تعالے کی طرف رفع روحانی نہین ہوا لہٰذا وہ مومن نہین ہے اور نہ نجات یافتہ ہے اور چونکہ قرآن اس بات کا ذمہ وار ہے کہ

نبی دوبارہ دنیا مین نہ آیا اس لئے ہم نے اس شخص کو قبول نہ کیا ہمین یہ نہین کہا گیا تھا کہ جبتک الیاس کا مثیل نہ آوے سچا مسیح نہین آئیگا بلکہ ہمین کہا گیا تھا کہ سچے مسیح کے پہلے سچ مچ الیاس کا دوبارہ آنا ضروری ہے سو وہ بات پوری نہ ہوئی ❖

پھر اس کے بعد یہ فاضل یہودی جس کی کتاب میرے پاس ہے اپنی اس دلیل پر بڑا فخر کر کے پبلک کے سامنے اپیل کرتا ہے کہ کیا ایسے مفتری کو کوئی قبول کر سکتا ہے جو تاویلون سے کام لیتا ہے۔ اور اپنے استاد یوحنا کو خواہ نخواہ الیاس ٹھہراتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس نے بڑا جوش ظاہر کیا ہے اور ایسے تحقیر کے الفاظ سے حضرت مسیح کو یاد کرتا ہے جن کی نقل ہم اس جگہ کر نہین سکتے اور اگر قرآن نازل نہ ہوا ہوتا تو اس حجت مین بظاہر یہود حق بجانب معلوم ہوتے تھے کیونکہ ملاکی نبی کے صحیفہ مین درحقیقت یہ الفاظ نہین ہین کہ سچے مسیح کے پہلے مثیل الیاس آئیگا بلکہ صاف لکھا ہے کہ اس مسیح سے پہلے خود الیاس کا دوبارہ آنا ضروری ہے۔ اس صورت مین اگرچہ عیسائی حضرت مسیح کی خدائی کے لئے روتے ہین مگر نبوت بھی ثابت نہین ہو سکتی اور یہودی سچے معلوم ہوتے ہین پس یہ احسان قرآن شریف کا عیسائیون پر ہے کہ حضرت مسیح کی سچائی ظاہر کر دی ❖

اس جگہ ایک سوال باقی رہتا ہے اور وہ یہ کہ جس حالت مین ملاکی نبی کے صحیفہ مین صاف لفظون مین لکھا ہے کہ جبتک الیاس نبی دوبارہ دنیا مین نہ آوے تب تک وہ سچا مسیح جسکا بنی اسرائیل کو وعدہ دیا گیا ہے دنیا مین نہین آوے گا تو پھر اس صورت مین یہود کا کیا قصور تھا جو انہون نے حضرت مسیح کو قبول نہین کیا۔ اور اسکو کافر اور مرتد اور ملحد قرار دیا کیا ان کی صحت نیت کیلئے یہ کافی نہین ہے کہ کتاب اللہ کی نص کے موافق انہون نے عملدرآمد کیا ہان اگر ملاکی نبی کے صحیفہ مین مثیل الیاس کے دوبارہ آنے کا ذکر ہوتا تو اس صورت مین یہود ملزم ہو سکتے تھے کیونکہ یہ امر زیادہ بحث کے لائق نہین تھا کہ یحیی نبی کو مثیل الیاس قرار دیا جاوے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہود خوب جانتے تھے کہ خدا تعالے کی یہ عادت نہین ہے کہ کوئی شخص دوبارہ دنیا مین آوے اور اس کی کوئی نظیر پہلے سے موجود نہین تھی لہذا یہ صرف ایک استعارہ تھا جس طرح اور صدہا استعارات خدا تعالیٰ کی کتابون مین استعمال پاتے ہین اور ایسے استعارات سے یہود بے خبر نہ تھے۔ پھر علاوہ اسکے حضرت عیسے علیہ السلام کے ساتھ تائیدات الٰہیہ بھی شامل تھین اور فراست صحیحہ کے لئے کافی ذخیرہ تھا کہ یہود ان کو شناخت کر لیتے اور ان پر ایمان لاتے مگر وہ دن بدن شرارت مین بڑھتے گئے اور وہ نور جو صادقون مین ہوتا ہے وہ ضرور انہون نے حضرت عیسیٰ مین مشاہدہ کر لیا تھا مگر تعصب اور بخل اور شرارت نے ان کو نہ چھوڑا۔ لیکن یاد رہے کہ یہ سوال تو صرف یہود کے بارہ مین ہوتا ہے جنکو پہلے پہل یہ ابتلا پیش آیا تھا۔ مگر مسلمان اگر

ٹھہرنے کو اختیار کرتے تو قرآن شریف نے اس ابتلاء سے انکو بچا لیا تھا کیونکہ صاف لفظون مین کہدیا تھا کہ عیسےٰ فوت ہو گیا اور نہ صرف یہی بلکہ سورۃ مائدہ مین صاف طور پر سمجھا دیا تھا کہ وہ دوبارہ نہین آئیگا کیونکہ آیت فلما توفیتنی مین یہی ذکر ہے کہ اللہ تعالےٰ قیامت کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے پوچھے گا کہ کیا تو نے ہی کہا تھا کہ مجھے اور میری مان کو خدا کر کے مانا تو حضرت عیسےٰ جواب دینگے کہ یا الٰہی اگر مین نے ایسا کہا ہے تو تجھے معلوم ہوگا کیونکہ تیرے علم سے کوئی چیز باہر نہین مین نے تو صرف وہی کہا تھا جو تو نے فرمایا تھا پھر جبکہ تو نے مجھے وفات دیدی تو پھر صرف تو ہی ان کا نگہبان تھا مجھے ان کے حال کا کیا علم تھا +

اب ظاہر ہے کہ اگر یہ بات سچ ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا مین آئین گے اور چالیس برس دنیا مین ٹھہرین گے اور صلیب کو توڑینگے اور عیسائیون کے ساتھ لڑائیان کرینگے تو وہ قیامت کو خدا تعالےٰ کے حضور مین کیونکر کہہ سکتے ہین کہ جب تو نے مجھے وفات دی تو اسکے بعد مجھے کیا علم ہے کہ عیسائیون نے کونسی راہ اختیار کی اگر وہ یہی جواب دینگے کہ مجھے خبر نہین تو ان سے بڑھکر دنیا مین کوئی جھوٹا نہین ہوگا کیونکہ جس شخص کو یہ علم ہے کہ وہ دنیا مین دوبارہ آیا تھا اور عیسائیون کو دیکھا تھا کہ اسکو خدا سمجھ رہے ہین اور اس کی پرستش کرتے ہین اور ان سے لڑائیان کین اور پھر وہ خدا تعالےٰ کے روبرو انکار کرتا ہے۔ کہ مجھے کچھ بھی خبر نہین کہ میرے بعد انہون نے کیا کیا۔ اس سے زیادہ کاذب کون ٹھہر سکتا ہے جواب صحیح تو یہ تھا کہ ہان میرے خداوند مجھے عیسائیون کی گمراہی کی خوب خبر ہے کیونکہ مین دوبارہ دنیا مین جاکر چالیس برس تک وہان رہا اور صلیب کو توڑا پس میرا کچھ گناہ نہین ہے جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ مشرک ہین تو مین اسی وقت ان کا دشمن ہو گیا بلکہ ایسی صورت مین کہ جبکہ قیامت سے پہلے حضرت عیسےٰ علیہ السلام چالیس برس تک دنیا مین رہ چکے ہونگے اور ان سب کو سزائین دی ہون گی جو ان کو خدا سمجھتے تھے خدا تعالےٰ کا ایسا سوال ان سے ایک لغو سوال ہوگا کیونکہ جب کہ خدا تعالےٰ کے علم مین یہ بات ہے کہ اس شخص نے اپنے معبود ٹھہرائے جانے کی اطلاع پاکر ایسے لوگون کو خوب سزا دی تو پھر ایسا سوال کرنا اس کی شان سے بعید ہے۔ غرض جس قدر مسلمانون کو خدا تعالےٰ نے یہ کھولکر سنا دیا ہے کہ عیسےٰ فوت ہو گیا ہے اور پھر دنیا مین نہین آئیگا ہان اسکا مثیل آنا ضروری ہے اگر اس قسم کی تصریح ملاکی نبی کے صحیفہ مین ہوتی تو یہود ہلاک نہ ہوتے پس بلاشبہ وہ لوگ یہود سے بدتر ہین کہ جو اس قدر تصریحات خدا تعالےٰ کے پاک کلام مین پاکر پھر حضرت عیسےٰ کے دوبارہ آنے کے منتظر ہین +

ماسوا اسکے ہمارے مخالف مولوی لوگون کو دھوکہ دیکر سکھا کرتے ہین کہ قرآن شریف سے اگرچہ نہین

مین کہان اور کس جگہ لکھا ہے کہ وہی اسرائیلی نبی جس کا عیسیٰ نام تھا جس پر انجیل نازل ہوئی تھی باوجود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کے پھر دنیا مین آجائیگا اگر صرف عیسیے یا ابن مریم کے نام پر دھوکہ کھانا ہے تو قرآن کریم کی سورۃ تحریم مین اس امت کے بعض افراد کا نام عیسیے اور ابن مریم رکھدیا گیا ہے ایمان کے لئے اس قدر کافی ہے کہ اس امت کے بعض افراد کا نام بھی عیسیے یا ابن مریم رکھا گیا ہے کیونکہ جب خدا تعالےٰ نے سورۃ موصوفہ مین بعض افراد امت کو مریم سے مشابہت دی اور پھر اس مین نفخ روح کا ذکر کیا تو صاف ظاہر ہے کہ وہ روح جو مریم مین پھونکی گئی وہ عیسیے تھا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس امت کا کوئی فرد اول اپنی خداداد تقوےٰ کی وجہ سے مریم بنے گا اور پھر عیسیے ہوجائیگا جیسا کہ براہین احمدیہ مین خدا تعالےٰ نے پہلے میرا نام مریم رکھا اور پھر نفخ روح کا ذکر کیا اور پھر آخر مین میرا نام عیسیے رکھدیا۔

اور حدیثون مین تو صاف لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات مین حضرت عیسیے کو مردہ روحون مین ہی دیکھا آپ عرش تک پہنچ گئے مگر کوئی عیسیے نام ایسا نظر نہ آیا جو معہ جسم عنصری علیحدہ تھا دیکھا تو وہی روح دیکھی جو یحییٰ وفات یافتہ کے پاس تھی ظاہر ہے کہ زندون کو مردون کے مکان مین گذر نہین ہو سکتا غرض خدا نے اپنے قول سے حضرت عیسیے کی وفات پر گواہی دی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے یعنی رویت سے وہی گواہی دیدی اگر اب بھی کوئی نہ سمجھے تو پھر اس سے خدا سمجھے گا۔

ماسوا اس کے یہود سے زیادہ ان کو تجربہ ہوچکا ہے کہ خدا تعالیٰ کی عادت نہین ہے کہ دوبارہ دنیا مین لوگون کو بھیجا کرے ورنہ ہمین تو عیسیے کی نسبت حضرت سیدنا **محمد مصطفےٰ** کے دوبارہ دنیا مین آنے کی زیادہ ضرورت تھی اور اسی مین ہماری خوشی تھی مگر خدا تعالےٰ نے **اِنَّكَ مَيِّتٌ** کہکر اس امید سے محروم کردیا۔ یہ بات سوچنے کے لایق ہے کہ اگر دوبارہ دنیا مین آنے کا دروازہ کھلا تھا تو خدا تعالےٰ نے کیون چند روز کے لئے الیاس نبی کو دوبارہ دنیا مین نہ بھیجا اور اس طرح پر لاکھون یہودیون کو داخل جہنم کیا۔ آخر حضرت مسیح نے آپ ہی یہ فیصلہ دیا کہ دوبارہ آنے سے کسی مثیل کا آنا مراد ہے یہ فیصلہ اب تک انجیلون مین لکھا ہوا موجود ہے پھر جو بات ایک مرتبہ طے پا چکی ہے اور جو راہ خطرناک ثابت ہوچکا ہے اسی راہ پر پھر قدم مارنا عقلمندون کا کام نہین ہے یہودیون نے اس بات پر ضد کرکے کہ الیاس نبی دوبارہ دنیا مین آئے گا بجز کفر اور روسیاہی کے کیا فائدہ اٹھایا تا اس زمانہ کے مسلمان اس فائدہ کی توقع رکھین جس سوراخ سے ایک بڑا گروہ کاٹا گیا اور ہلاک ہوچکا ہے پھر کیون یہ لوگ اسی سوراخ مین ہاتھ ڈالتے ہین۔ کیا حدیث **لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین** [illegible]

اپنی نمازون مین پڑھتے ہین یعنے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کیون اس کے معنون مین غور نہین کرتے اور کیون یہ نہین سوچتے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بھی بعض صحابہ کو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ آنجناب صلے اللہ علیہ وسلم دوبارہ دنیا مین آئینگے مگر حضرت ابوبکر نے یہ آیت پڑھ کر کہ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اس خیال کو رفع دفع کر دیا اور اس آیت کے یہ معنے سمجھائے کہ کوئی نبی نہین جو فوت نہین ہو چکا پس اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہو جائین تو کوئی افسوس کی جگہ نہین یہ امر سب کے لئے مشترک ہے ✧

ظاہر ہے کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلون مین یہ خیال ہوتا کہ عیسے آسمان پر چھ سو برس سے زندہ بیٹھا ہے تو وہ ضرور حضرت ابوبکرؓ کے آگے یہ خیال پیش کرتے لیکن اس روز سب نے مان لیا کہ سب نبی مر چکے ہین اور اگر کسی کے دل مین یہ خیال بھی تھا کہ عیسے زندہ ہے تو اُس نے اس خیال کو ایک ردی چیز کی طرح اپنے دل سے باہر پھینک دیا یہ مین نے اس لئے کہا کہ ممکن ہے کہ عیسائی مذہب کے قرب وجوار کے اثر کی وجہ سے کوئی ایسا شخص جو غبی ہو اور جس کی درایت صحیح نہ ہو یہ خیال رکھتا ہو کہ شاید عیسے ابتک زندہ ہی ہے مگر اس مین کچھ شک نہین کہ اس وعظ صدیقی کے بعد کل صحابہؓ اس بات پر متفق ہو گئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلے جتنے نبی تھے سب مر چکے ہین اور یہ پہلا اجماع تھا جو صحابہ مین ہوا اور صحابہ رضی اللہ عنہم جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت مین محو تھے کیونکر اس بات کو قبول کر سکتے تھے باوجودیکہ ان کے بزرگ نبی نے جو تمام نبیون کا سردار ہے ۔ چونسٹھ برس کی بھی پوری عمر نہ پائی مگر عیسے چھ سو برس سے آسمان پر زندہ بیٹھا ہے ہرگز ہرگز محبت نبوی فتوے نہین دیتی کہ وہ عیسے علیہ السلام کی نسبت بالتخصیص ایسی فضیلت قایم کرتے لعنت ہر ایسے اعتقاد پر جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین لازم آوے ۔ وہ لوگ تو عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے وہ تو اس بات کے سننے سے زندہ ہی مر جاتے کہ ان کا پیارا رسول فوت ہو گیا مگر عیسے آسمان پر زندہ بیٹھا ہے وہ رسول نہ ان کو بلکہ خدا تعالے کو بھی تمام نبیون سے زیادہ پیارا تھا اسی وجہ سے جب عیسائیون نے اپنی بدقسمتی سے اس رسول مقبول کو قبول نہ کیا اور عیسیٰ کو آسمان پر چڑھا کر خدا بنا دیا تو خدا تعالیٰ کی غیرت نے تقاضا کیا کہ ایک غلام غلمان محمدی سے یعنے یہ عاجز اس کا مثیل کر کے اس امت مین سے پیدا کیا اور اُس کی نسبت اپنے فضل اور انعام کا زیادہ حصہ دیا تا عیسائیون کو معلوم ہو کہ تمام فضل خدا تعالے کے اختیار مین ہے ✧

جائے۔ انسان کا آسمان پر جا کر مع جسم عنصری آباد ہونا ایسا ہی سنت اللہ کے خلاف ہے جیسے کہ فرشتے مجسم ہو کر زمین پر آباد ہو جائیں **ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا**۔

پھر یہ نادان قوم نہیں سوچتی کہ جس حالت میں صلیب دینے کے وقت ابھی **تبلیغ** حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی **ناتمام** تھی اور ابھی **دس قومیں** یہود کی دوسرے ملکوں میں باقی تھیں جو ان کے نام سے بھی بے خبر تھیں تو پھر حضرت عیسےٰ کو یہ کیا سوجھی کہ اپنا منصبی کام **ناتمام چھوڑ کر آسمان** پر جا بیٹھے۔ پھر تعجب کہ **اسلامی** کتابوں میں تو حضرت عیسےٰ کو نبی **سیاح** لکھا ہے مگر وہ تو صرف ساڑھے تین برس اپنے ہی گاؤں میں رہ کر راہیئے **ملک سماوی** ہوئے +

ظاہر ہے کہ جبکہ صرف بیہودہ قصوں پر بھروسہ کر کے حضرت عیسےٰ کو خدا مانا جاتا ہے پھر اگر وہ یہ کرشمہ بھی دکھلا دیں کہ آسمان سے معہ فرشتوں کے اُتریں تو اس وقت کیا حال ہوگا۔ یاد رہے کہ جو شخص اُترنے والا تھا۔ وہ عین وقت پر اُتر آیا اور آج تمام نوشتے پورے ہو گئے تمام نبیوں کی کتابیں اسی زمانہ کا حوالہ دیتی ہیں عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ اسی زمانہ میں مسیح موعود کا آنا ضروری تھا ان کتابوں میں صاف طور پر لکھا تھا کہ آدم سے چھٹے ہزار کے اخیر پر مسیح موعود آئے گا سو چھٹے ہزار کا اخیر ہو گیا اور لکھا تھا کہ اس سے پہلے **ذو السنین ستارہ** نکلے گا سو مدت ہوئی کہ نکل چکا اور لکھا تھا کہ اس کے ایام میں **سورج اور چاند** کو ایک ہی مہینہ میں جو رمضان کا مہینہ ہوگا گرہن لگے گا سو مدت ہوئی کہ یہ پیشگوئی بھی پوری ہو چکی اور لکھا تھا کہ اسکے زمانہ میں ایک بڑے جوش سے **طاعون** پیدا ہوگی اس کی خبر انجیل میں بھی موجود ہے سو دیکھتا ہوں کہ طاعون نے ابتک پیچھا نہیں چھوڑا اور قرآن شریف اور احادیث اور پہلی کتابوں میں لکھا تھا کہ اسکے زمانہ میں ایک **نئی سواری** پیدا ہوگی جو آگ سے چلے گی اور انہیں دنوں میں **اونٹ بیکار** ہو جائینگے اور یہ آخری حصہ کی حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے سو وہ سواری **ریل** ہے جو پیدا ہو گئی اور لکھا تھا کہ وہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا سو صدی میں سے بھی اکیس [۲۱] برس گذر گئے اب ان تمام نشانوں کے بعد جو شخص مجھے رد کرتا ہے وہ مجھے نہیں بلکہ تمام نبیوں کو رد کرتا ہے اور خدا تعالےٰ سے جنگ کر رہا ہے اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اسکے لئے بہتر تھا +

خوب یاد رکھو کہ تمام خرابی اور تباہی جو اسلام میں پیدا ہوئی یہانتک کہ اسی ملک ہندوستان میں ۲۹ لاکھ انسان مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا اس کا سبب یہی تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ کی نسبت بیجا اور مبالغہ آمیز امیدیں رکھ کر اور ان کو ہر ایک صفت میں خصوصیت دے کر قریب قریب عیسائیوں کے پہنچ گئے یہانتک کہ جو کچھ بعض انسانی صفات وہ حضرت سیدنا پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت تجویز کرتے ہیں

اگر کسی تاریخی کتاب مین اسی قسم کے صفات حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی نسبت لکھے ہون تو توبہ توبہ کر اُٹھتے ہین۔ مثلاً ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بسا اوقات بیمار بھی ہو جاتے تھے اور آپ کو تپ بھی آجاتا تھا اور آپ دوا بھی کرتے تھے اور بسا اوقات سنگیان پچھ کے ساتھ لگواتے تھے لیکن اگر اسی کے مشابہ حضرت مسیح کی نسبت لکھا ہو کہ وہ تپ مین یا کسی اور بیماری مین گرفتار ہو گئے اور ان کو اٹھا کر کسی ڈاکٹر کے پاس لے گئے تو فی الفور چونک اُٹھین گے کہ یہ مسیح کی شان سے بعید ہے حالانکہ وہ صرف ایک عاجز انسان تھا اور تمام انسانی ضعفون سے پورا حصہ رکھتا تھا اور وہ اپنے چار بھائی حقیقی اور رکھتا تھا جو بعض اسکے مخالف تھے اور اس کی حقیقی ہمشیرہ دو تھین کمزور سا آدمی تھا جسکو صلیب پر محض دو پہرون کے سٹھو کنے سے غش آگیا۔ ہائے افسوس اگر مسلمان حضرت عیسےٰ کی نسبت قرآن شریف کے قول پر چلتے اور ان کو وفات یافتہ یقین رکھتے اور جیسا کہ قرآن کا منشا ہے ان کا دوبارہ آنا ممتنع سمجھتے تو اسلام مین یہ تباہی نہ آتی جو آگئی اور عیسائیت کا جلد تر خاتمہ ہو جاتا شکر للہ کہ اسوقت خدا نے آسمان سے اسلام کا ہاتھ پکڑ لیا۔

یہ وہ باتین تھین جو مین نے صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب سے کین اور وہ امر جو آخر مین ان کو سمجھایا وہ یہ تھا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام مین مذہبی پہلو کے رو سے تین خصوصیتین تھین (۱) اول یہ کہ وہ بنی اسرائیل کے لئے ایک موعود نبی تھا جیسا کہ اس پر اسرائیلی نبیون کے صحیفے گواہ ہین (۲) دوسری یہ کہ مسیح ایسے وقت مین آیا تھا جبکہ یہودی اپنی سلطنت کھو چکے تھے یعنی اس ملک مین یہودیون کی کوئی سلطنت نہین رہی تھیؔ گو ممکن تھا کہ کسی اور ملک مین جہان بعض فرقے یہود کے چلے گئے تھے کوئی حکومت ان کی قائم ہو گئی ہو جیسا کہ سمجھا جاتا ہے کہ افغان اور ایسا ہی کشمیری بھی یہود مین سے ہین جن کا اسلام قبول کرنے کے بعد سلاطین مین داخل ہونا ایک ایسا واقعہ ہے جس سے انکار نہین ہو سکتا۔ بہرحال حضرت مسیح کے ظہور کے وقت اس حصہ ملک سے یہود کی سلطنت جاتی رہی تھی (۳) تیسری یہ کہ وہ ایسے وقت مین آیا تھا کہ جبکہ یہودی بہت سے فرقون پر منقسم ہو چکے تھے اور ہر ایک فرقہ دوسرے فرقہ کا مخالف تھا اور ان سب مین باہم سخت عناد اور خصومتین پیدا ہو گئی تھین۔ اور توریت کے اکثر احکام باعث ان کے کثرت اختلافات کے مشتبہ ہو گئے تھے صرف وحدانیت الٰہی مین وہ باہم اتفاق رکھتے تھے باقی اکثر مسائل جزیۂ مین وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے اور کوئی واعظ ان مین باہم صلح نہین کرا سکتا تھا اور نہ ان کا فیصلہ کر سکتا تھا اس صورت مین وہ ایک آسمانی حکم یعنی فیصلہ کنندہ کے محتاج تھے جو خدا سے جدید وحی پا کر اہل حق کی حمایت کرے اور قضا و قدر سے

ؔ جاتی رہی تھی اور وہ رومی سلطنت کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے اور رومی سلطنت گویا انگریزی سلطنت

ایسی ضلالت کی ملونی ان کے کل فرقون مین ہوگئی تھی جو خالص طور پر ان مین ایک بھی اہل حق نہین کہلا سکتا تھا۔ ہر ایک فرقہ مین کچھ نہ کچھ جھوٹ اور افراط و تفریط کی آمیزش تھی پس یہی وجہ پیدا ہوگئی تھی کہ یہود کے تمام فرقون نے حضرت مسیح کو دشمن پکڑ لیا تھا اور ان کی جان لینے کی فکر مین ہو گئے تھے کیونکہ ہر ایک فرقہ چاہتا تھا کہ حضرت مسیح پورے طور پر ان کا مصدق ہو اور ان کو راستباز اور نیک چلن خیال کرے اور ان کے مخالف کو جھوٹا کہے اور ایسا مداہنہ خدا تعالے کے نبی سے غیر ممکن تھا (۴) چہارم یہ کہ مسیح ابن مریم کے لئے جہاد کا حکم نہ تھا اور حضرت موسےٰ ؑ کا مذہب یونانیون اور رومیون کی نظر مین اس وجہ سے بہت بدنام ہو چکا تھا کہ وہ دین کی ترقی کے لئے تلوار سے کام لیتا رہا ہے گو کسی بہانہ سے چنانچہ اب تک ان کی کتابون مین موسےٰ ؑ کے مذہب پر برابر یہ اعتراض ہین کہ کئی لاکھ شیر خوار بچے اسکے حکم اور نیز اسکے خلیفہ یشوع کے حکم سے جو اسکا جانشین تھا قتل کئے گئے اور پھر داؤد اور دوسرے نبیون کی لڑائیان بھی اس اعتراض کو چمکاتی تھین پس انسانی فطرتین اس سخت حکم کو برداشت نہ کر سکین اور جب یہ خیالات غیر مذہب والون کے انتہا تک پہنچ گئے تو خدا تعالے نے چاہا کہ ایک ایسا نبی بھیج کر جو صرف صلح اور امن سے مذہب کو پھیلائے توریت پر سے وہ نکتہ چینی اٹھا دے جو غیر قومون نے کی تھی سو وہ صلح کا نبی عیسےٰ ابن مریم تھا (۵) پانچوین یہ کہ حضرت عیسےٰ کے وقت مین یہودیون کے علماء کا عموماً چال چلن بہت بگڑ چکا تھا اور ان کا قول اور فعل باہم مطابق نہ تھا۔ ان کی نمازین اور ان کے روزے محض ریاکاری سے پُر تھے اور وہ جاہ طلب علماء رومی سلطنت کے نیچے ایسے دنیا کے کیڑے ہو چکے تھے کہ تمام ہمتین ان کی اسی مین مصروف ہوگئی تھین کہ مکر سے یا خیانت سے یا دغا سے یا جھوٹی گواہی سے یا جھوٹے فتوون سے دنیا کماوین ان مین بجز زاہدانہ لباس اور بڑے بڑے جبّون کے ایک ذرہ روحانیت باقی نہین رہی تھی وہ رومی سلطنت کے حکام سے بھی عزت پانے کے بہت خواہان تھے اور طرح طرح کے جوڑ توڑ اور جھوٹی خوشامد سے سلطنت سے عزت اور کسی قدر حکومت حاصل کر لی تھی اور چونکہ ان کی دنیا ہی دنیا رہ گئی تھی اس لئے وہ اس عزت سے جو توریت پر عمل کرنے سے آسمان پر مل سکتی تھی بالکل لاپروا ہو کر دنیا پرستی کے کیڑے بن گئے تھے اور تمام فخر دنیا کی وجاہت مین ہی سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کے گورنر پر جو رومی سلطنت کی طرف سے تھا کسی قدر ان کا دباؤ بھی تھا کیونکہ ان کے بڑے بڑے دنیا پرست مولوی دور دراز سفر کرکے قیصر کی ملاقات بھی کرتے تھے اور سلطنت سے تعلقات بنا رکھے تھے اور کئی لوگ ان مین سے سلطنت کے وظیفہ خوار بھی تھے اسی بنا پر وہ لوگ اپنے تئین سلطنت کے بڑے خیر خواہ جتلاتے تھے اس لئے وہ اگرچہ ایک نظر

سے زیر نگرانی بھی تھے مگر خوشامدانہ طریقون سے انہون نے قیصر اور اس کے بڑے حکام کو اپنی نسبت بہت نیک ظن بنا رکھا تھا انہین چال بازیون کی وجہ سے علماء ان مین سے سلطنت کے حکام کی نظر مین معزز سمجھے جاتے تھے اور کرسی نشین تھے لہذا وہ غریب گلیل کا رہنے والا جس کا نام یسوع بن مریم تھا ان شریر لوگون کے لئے بہت کوفتہ خاطر کیا گیا اسکے مُنہ پر نہ صرف تھوکا گیا بلکہ گورنر کے حکم سے اسکو تازیانے بھی مارے گئے وہ چورون اور بدمعاشون کے ساتھ حوالات مین دیا گیا حالانکہ اس کا ایک ذرہ قصور نہ تھا صرف گورنمنٹ کی طرف سے یہودیون کی ایک دل جوئی تھی کیونکہ سلطنت کی حکمت عملی کا یہ اصول ہے کہ گروہ کثیر کی رعایت رکھی جائے سو اس غریب کو کون پوچھتا تھا۔ یہ عدالت تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر وہ یہودیون کے مولویون کے سپرد ہوا اور انہون نے اس کو صلیب پر چڑھا دیا ایسی عدالت پر خدا جو زمین و آسمان کا مالک ہے۔ لعنت کرتا ہے مگر افسوس ان حکومتون پر جن کی آسمان کے خدا پر نظر نہین یون تو پیلاطوس جو اس ملک کا گورنر تھا مع اپنی بیوی کے حضرت عیسے کا مرید تھا اور چاہتا تھا کہ اسے چھوڑ دے مگر جب زبردست یہودیون کے علما نے جو قیصر کی طرف سے بباعث اپنی دنیا داری کے کچھ عزت رکھتے تھے اسکو یہ کہہ کر دھمکایا کہ اگر تو اس شخص کو سزا نہین دے گا تو ہم قیصر کے حضور مین تیرے پر فریاد کرینگے تب وہ ڈر گیا کیونکہ بزدل تھا اپنی ارادت پر قائم نہ رہ سکا۔ یہ خوف اس لئے اسکے دامن گیر ہوا کہ بعض معزز علماء یہود نے قیصر تک اپنی رسائی بنا رکھی تھی اور پوشیدہ طور پر حضرت عیسےٰ کی نسبت یہ مخبری کرتے تھے کہ یہ مفسد اور در پردہ گورنمنٹ کا دشمن ہے اور اپنی ایک جمعیت بنا کر قیصر پر حملہ کرنا چاہتا ہے بظاہر یہ مشکلات بھی پیش تھین کہ اس سادہ اور غریب انسان کو قیصر اور اس کے حکام سے کچھ تعلق نہ تھا اور ریاکارون اور دنیا طلبیون کی طرح ان سے کچھ تعارف نہ تھا اور خدا پر بھروسہ رکھتا تھا اور اکثر علمائے یہود اپنی دنیا پرستی اور چال بازی اور خوشامدانہ وضع سے سلطنت مین دھنس گئے تھے وہ سلطنت کے در حقیقت دوست نہ تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت اس دھوکے مین ضرور آ گئی تھی کہ وہ دوست ہین اس لئے ان کی خاطر سے ایک بے گناہ خدا کا نبی ہر ایک طرح سے ذلیل کیا گیا مگر وہ جو آسمان سے دیکھتا اور دلون کا مالک ہے وہ تمام شرارت پیشہ اس کی نظر سے محجوب نہ تھے۔ آخر انجام یہ ہوا کہ حضرت عیسے علیہ السلام کو صلیب پر چڑھائے جانے کے بعد خدا نے مرنے سے بچا لیا اور ان کی وہ دعا منظور کر لی جو انہون نے درد دل سے باغ مین کی تھی جیسا کہ لکھا ہے کہ جب مسیح کو یقین ہو گیا کہ یہ خبیث یہودی میری جان کے دشمن ہین اور مجھے نہین چھوڑتے تب وہ ایک باغ مین رات کے وقت جا کر زار زار رویا اور دعا کی کہ یا الٰہی اگر تو یہ پیالہ مجھ سے ٹال دے تو تجھ سے بعید نہین

تو جو چاہتا ہے کرتا ہے اس جگہ عربی انجیل میں یہ عبارت لکھی ہے **فبکی بدموع جاریۃ وعبرات متحدرۃ فسمع لتقواہ** یعنے یسوع مسیح اس قدر رویا کہ دعا کرتے کرتے اسکے منہ پر آنسو رواں ہو گئے اور وہ آنسو پانی کی طرح اس کے رخساروں پر بہنے لگے اور وہ سخت رویا اور سخت دردناک ہوا تب اس کے تقوے کی وجہ سے اس کی دعا سنی گئی اور خدا کے فضل نے کچھ اسباب پیدا کر دئے کہ وہ صلیب سے زندہ اتارا گیا اور پھر پوشیدہ طور پر باغبانوں کی شکل بنا کر اس باغ سے جہاں وہ قبر میں رکھا گیا تھا باہر نکل آیا اور خدا کے حکم سے دوسرے ملک کی طرف چلا گیا اور ساتھ ہی اس کی ماں گئی جیسا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے **واٰویناھما الی ربوۃ ذات قرار و معین** یعنی اس مصیبت کے بعد جو صلیب کی مصیبت تھی ہم نے مسیح اور اس کی ماں کو ایسے ملک میں پہنچا دیا جس کی زمین بہت اونچی تھی اور صاف پانی تھا اور بڑے آرام کی جگہ تھی اور احادیث میں آیا ہے کہ اس واقعہ کے بعد عیسے ابن مریم نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی اور پھر فوت ہو کر اپنے خدا کو جا ملا اور دوسرے عالم میں پہنچ کر یحییٰ کا ہم نشین ہوا کیونکہ اس کے واقعہ اور یحییٰ نبی کے واقعہ کو باہم مشابہت تھی اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ نیک انسان تھا اور نبی تھا مگر اسے خدا کہنا کفر ہے لاکھوں انسان دنیا میں ایسے گذر چکے ہیں اور آیندہ بھی ہوں گے خدا کسی کے برگزیدہ کرنے میں کبھی نہیں تھکا اور نہ تھکے گا (۶) چھٹی خصوصیت یہ ہے۔ کہ حضرت عیسے علیہ السلام قیصر روم کی عملداری کے ماتحت مبعوث ہوئے تھے (۷) ساتویں خصوصیت یہ ہی کہ رومی سلطنت کو مذہب عیسوی سے مخالفت تھی مگر آخیری نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب عیسائی قیصری قوم میں گھس گیا یہانتک کہ کچھ مدت کے بعد خود قیصر روم عیسائی ہو گیا (۸) آٹھویں خصوصیت یہ ہی کہ یسوع مسیح کے وقت میں جس کو اہل اسلام عیسے کہتے ہیں ایک نیا ستارہ نکلا تھا (۹) نویں خصوصیت یہ ہی کہ جب اسکو صلیب پر چڑھایا گیا تو سورج کو گرہن لگا تھا (۱۰) دسویں خصوصیت یہ ہے کہ اسکو دکھ دینے کے بعد یہودیوں میں سخت طاعون پھیلی تھی (۱۱) گیارھویں خصوصیت یہ ہے کہ اس پر مذہبی تعصب سے مقدمہ بنایا گیا اور یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ وہ سلطنت روم کا مخالف اور بغاوت پر آمادہ ہے (۱۲) بارھویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ صلیب پر چڑھایا گیا تو اسکے ساتھ ایک چور بھی صلیب پر لٹکایا گیا (۱۳) تیرھویں خصوصیت یہ ہے کہ جب وہ پیلاطوس کے سامنے سزائے موت کے لئے پیش کیا گیا تو پیلاطوس نے کہا کہ میں اس کا کوئی گناہ نہیں پاتا (۱۴) چودھویں خصوصیت یہ کہ اگرچہ وہ باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل میں سے نہ تھا۔ مگر ان کے سلسلہ کا آخری پیغمبر تھا جو موسے کے بعد چودھویں صدی میں ظاہر ہوا (۱۵) پندرھویں خصوصیت یہ کہ یسوع بن مریم کے وقت میں جو قیصر تھا اسکے عہد میں بہت سی نئی باتیں رعایا کے آرام اور ان کے سفر و حضر کی سہولت

کے لئے مشکل آپڑی تھیں۔ سڑکیں بنائی گئی تھیں اور سرائیں تیار کی گئی تھیں اور عدالت کے نئے طریقے وضع
کئے گئے تھے جو انگریزی عدالت سے مشابہ تھے (۱۶) سولھویں خصوصیت مسیح میں یہ تھی کہ بن باپ
پیدا ہونے میں آدم سے مشابہ تھے۔ یہ سولہ خصوصیتیں ہیں جو موسوی سلسلہ میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام
میں رکھی گئی تھیں۔ پھر جبکہ خدا تعالےٰ نے موسوی سلسلہ کو ہلاک کر کے محمدی سلسلہ قائم کیا جیسا کہ نبیوں
کے صحیفوں میں وعدہ دیا گیا تھا تو اس حکیم وعلیم نے چاہا کہ اس سلسلہ کے اول اور آخر دونوں میں مشابہت
تامہ پیدا کرے تو پہلے اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر مثیل موسےٰ قرار دیا جیسا کہ آیت
انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ سے ظاہر ہے حضرت موسےٰ
نے کافروں کے مقابل پر تلوار اٹھائی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس وقت جبکہ مکہ سے نکالے گئے
اور تعاقب کیا گیا مسلمانوں کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھائی ایسا ہی حضرت موسےٰ کی نظر کے سامنے سخت
دشمن ان کا جو فرعون تھا غرق کیا گیا اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے سخت دشمن آپ کا
جو ابوجہل تھا ہلاک کیا گیا ایسا ہی اور بہت سی مشابہتیں ہیں جن کا ذکر کرنا موجب طول ہے یہ تو سلسلہ کے
اول میں مشابہتیں ہیں مگر ضروری تھا کہ سلسلہ محمدیہ کے آخری خلیفہ میں بھی سلسلہ موسویہ کے آخری
خلیفہ سے مشابہت ہو تا خدا تعالےٰ کا یہ فرمانا کہ سلسلہ محمدیہ باعتبار امام سلسلہ اور خلفاء سلسلہ کے سلسلہ
موسویہ سے مشابہ ہے ٹھیک ہو اور ہمیشہ مشابہت اول اور آخر میں دیکھی جاتی ہے اور درمیانی
زمانہ جو ایک طویل مدت ہوتی ہے گنجایش نہیں رکھتا کہ پوری پوری نظر سے اس کو جانچا جائے۔ مگر
اول اور آخر کی مشابہت سے یہ قیاس پیدا ہو جاتا ہے کہ درمیان میں بھی ضرور مشابہت ہوگی گو نظر عقلی
اس کی پوری پڑتال سے قاصر ہے اور ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام میں مذہبی پہلو کے رو سے
سولہ خصوصیتیں تھیں جن کا اسلام کے آخری خلیفہ میں پایا جانا ضروری ہے تا اس میں اور حضرت عیسےٰ
میں مشابہت تامہ ثابت ہو۔ پس اول موعود ہونے کی خصوصیت ہے اسلام میں اگرچہ ہزار ہا ولی اور اہل اللہ
گذرے ہیں مگر ان میں کوئی موعود نہ تھا لیکن وہ جو مسیح کے نام پر آنے والا تھا وہ موعود تھا۔ ایسا ہی حضرت
عیسےٰ علیہ السلام کے پہلے کوئی نبی موعود نہ تھا صرف مسیح موعود تھا۔ **دوم** خصوصیت سلطنت کے برباد
ہو چکنے کی ہے پس اس میں کیا شک ہو کہ جیسا کہ حضرت عیسےٰ بن مریم سے کچھ دن پہلے اس ملک سے
اسرائیلی سلطنت جاتی رہی تھی ایسا ہی اس آخری مسیح کی پیدایش سے پہلے اسلامی سلطنت بباعث
طرح طرح کی بدچلنیوں کے ملک ہندوستان سے اٹھ گئی تھی اور انگریزی سلطنت اس کی جگہ قائم ہو گئی تھی

سوم خصوصیت جو پہلے مسیح مین پائی گئی وہ یہ ہے کہ اس کے وقت مین یہود لوگ بہت سے فرقون پر منقسم ہو گئے تھے اور بالطبع ایک حکم کے محتاج تھے تا ان مین فیصلہ کرے ایسا ہی آخری مسیح کے وقت مین مسلمانون مین کثرت سے فرقے پھیل گئے تھے **چہارم** خصوصیت جو پہلے مسیح مین تھی وہ یہ ہے کہ وہ جہاد کے لئے مامور نہ تھا ایسا ہی آخری مسیح جہاد کے لئے مامور نہین ہے اور کیونکہ امور ہو زمانہ کی رفتار نے قوم کو متنبہ کر دیا ہے کہ تلوار سے کوئی دل تسلی نہین پا سکتا اور اب مذہبی امور کے لئے کوئی مہذب تلوار نہین اٹھاتا اور اب زمانہ جس صورت پر واقع ہے خود شہادت دے رہا ہے کہ مسلمانون کے وہ فرقے جو مہدی خونی یا مسیح خونی کے منتظر ہین وہ سب غلطی پر ہین اور ان کے خیالات خدا تعالیٰ کی منشاء کے برخلاف ہین اور عقل بھی یہی گواہی دیتی ہے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کا یہ منشاء ہوتا کہ مسلمان دین کے لئے جنگ کرین تو موجودہ وضع کی لڑائیون کے لئے سب سے فائق مسلمان ہوتے وہی توپون کی ایجاد کرتے وہی نئی نئی بندوقون کے موجد ٹھہرتے اور انہین کو فنون حرب مین ہر ایک پہلو سے کمال بخشا جاتا یہانتک کہ آئندہ زمانہ کے جنگون کے لئے انہین کو غبارہ بنانیکی سوجھتی اور وہی آب دوز کشتیان جو پانی کے اندر چوٹین کرتی ہین بناتے اور دنیا کو حیران کرتے حالانکہ ایسا نہین ہے بلکہ دن بدن عیسائی ان باتون مین ترقی کر رہے ہین اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ منشاء نہین ہے کہ لڑائیون کے ذریعہ سے اسلام پھیلے ہان عیسائی مذہب دلائل کے رو سے دن بدن سست ہوتا جاتا ہے اور بڑے بڑے محقق تثلیث کے عقیدہ کو چھوڑتے جاتے ہین یہانتک کہ جرمن کے بادشاہ نے بھی اس عقیدہ کے ترک کی طرف اشارہ کر دیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ محض دلائل کے ہتھیار سے عیسائی تثلیث کے عقیدہ کو زمین پر سے نابود کرنا چاہتا ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ جو پہلو ہونہار ہوتا ہے پہلے سے اسکے علامات شروع ہو جاتے ہین سو مسلمانون کے لئے آسمان سے حربی فتوحات کی کچھ علامات ظاہر نہین ہوئین البتہ مذہبی دلائل کی علامات ظاہر ہوئی ہین اور عیسائی مذہب خود بخود دیگلتا جاتا ہے اور قریب ہے کہ جلد تر صفحہ دنیا سے نابود ہو جائے **پنجم** خصوصیت جو پہلے مسیح مین تھی وہ یہ ہے کہ اسکے زمانہ مین یہودیون کا چال چلن بگڑ گیا تھا بالخصوص اکثر ان کے جو علماء کہلاتے تھے وہ سخت مکار اور دنیا پرست اور دنیا کے لالچون مین اور دنیوی عزتون کی خواہشون مین غرق ہو گئے تھے ایسا ہی آخری مسیح کے وقت مین عام لوگون اور اکثر علماء اسلام کی حالت ہو رہی ہے مفصل لکھنے کی کچھ حاجت نہین **ششم** خصوصیت یعنے یہ کہ حضرت مسیح قیصر روم کے ماتحت مبعوث ہوئے تھے سو اس خصوصیت مین آخری مسیح کا بھی اشتراک ہے کیونکہ مین بھی قیصر کی عملداری کے ماتحت مبعوث ہوا ہون یہ قیصر اس قیصر سے بہتر ہے جو حضرت مسیح کے وقت مین تھا کیونکہ تاریخ مین لکھا ہے کہ جب قیصر روم کو خبر ہوئی کہ اسکے گورنر پیلاطوس نے حیلہ جوئی سے مسیح کو اس سزا سے بچا لیا ہے کہ وہ صلیب پر مارا جائے اور روپوش کر کے کسی طرف فراری کر دیا ہے تو وہ بہت ناراض ہوا اور یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یہ مخبری یہودیون کے مولویون نے ہی کی تھی کہ پیلاطوس نے ایک قیصر کے باغی کو مفرور کرا دیا ہے تو اس مخبری

کے بعد فی الفور پیلاطوس قیصر کے حکم سے جیلخانہ مین ڈالا گیا اور آخری نتیجہ یہ ہوا کہ جیلخانہ مین ہی اس کا سر کاٹا گیا اور اس طرح پر پیلاطوس مسیح کی محبت مین شہید ہوا اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم اور سلطنت اکثر دین سے محروم رہجاتی ہین۔ اُس نادان قیصر نے یہودیون کے علماء کو بہت معتبر سمجھا اور ان کی عزت افزائی کی اور ان کی باتون پر عمل کیا اور حضرت مسیح کے قتل کئے جانے کو مصلحت ملکی قرار دیا مگر جہانتک میرا خیال ہے اب زمانہ بہت بدل گیا ہے اس لئے ہمارا قیصر مراتب اس قیصر سے بہتر ہے جو ایسا جاہل اور ظالم تھا **ہفتم** خصوصیت یہ کہ مذہب عیسائی آخر قیصری قوم مین گھس گیا سو اس خصوصیت مین بھی آخری مسیح کا اشتراک ہے کیونکہ مین دیکھتا ہون کہ یورپ اور امریکہ مین میرے دعوے اور دلائل کو بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے اور ان لوگون نے خود بخود صدہا اخبار مین میرے دعوے اور دلائل کو شائع کیا ہے اور میری تائید اور تصدیق مین ایسے الفاظ لکھے ہین کہ ایک عیسائی کے قلم سے ایسے الفاظ کا نکلنا مشکل ہے یہانتک کہ بعض نے صاف لفظون مین لکھ دیا ہے کہ یہ شخص سچا معلوم ہوتا ہے اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ درحقیقت یسوع مسیح کو خدا بنانا ایک بھاری غلطی ہے اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت مسیح موعود کا دعوے عین وقت پر ہے اور وقت خود ایک دلیل ہے غرض ان کے ان تمام بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ میرے دعوے کے قبول کرنے کے لئے تیاری کر رہے ہین اور ان ملکون مین سے دن بدن عیسائی مذہب خود بخود برف کی طرح پگلتا جاتا ہے **ہشتم** خصوصیت مسیح مین یہ تھی کہ اسکے وقت مین ایک ستارہ نکلا تھا اس خصوصیت مین بھی مین آخری مسیح بننے مین شریک کیا گیا ہون کیونکہ وہی ستارہ جو مسیح کے وقت مین نکلا تھا دوبارہ میرے وقت مین نکلا ہے اس بات کی انگریزی اخبارون نے بھی تصدیق کی ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ مسیح کے ظہور کا وقت نزدیک ہے **نہم** خصوصیت یسوع مسیح مین یہ تھی کہ جب اسکو صلیب پر چڑھایا گیا تو سورج کو گرہن لگا تھا سو اس واقعہ مین بھی خدا نے مجھے شریک کیا ہے۔ کیونکہ جب میری تکذیب کی گئی تو اس کے بعد نہ صرف سورج بلکہ چاند کو بھی ایک ہی مہینہ مین جو رمضان کا مہینہ تھا گرہن لگا تھا اور نہ ایک دفعہ بلکہ حدیث کے مطابق دو دفعہ یہ واقعہ ہوا ان دونون گرہنون کی انجیلون مین بھی خبر دی گئی ہے اور قرآن شریف مین بھی یہ خبر ہے اور حدیثون مین بھی جیسا کہ دارقطنی مین **دہم** خصوصیت یہ ہے کہ یسوع مسیح کو دُکھ دینے کے بعد یہودیون مین سخت طاعون پھیلی تھی سو میرے وقت مین بھی سخت طاعون پھیل گئی **یازدہم** خصوصیت یسوع مسیح مین یہ تھی کہ یہودیون کے علماء نے کوشش کی کہ وہ باغی قرار پاوے اور اس پر مقدمہ بنایا گیا اور زور لگایا گیا کہ اسکو سزائے موت دیجائے سو اس قسم کے مقدمہ مین بھی قضاء و قدر الٰہی نے مجھے شریک کر دیا ایک خون کا مقدمہ مجھ پر بنایا گیا اور اسی کے ضمن مین مجھے باغی بنانے کی کوشش کی گئی یہ وہی مقدمہ ہے جس مین فریق ثانی کی طرف سے مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی گواہ بن کر آئے تھے۔ **دوازدہم** خصوصیت یسوع مسیح مین یہ تھی کہ جب وہ

صلیب پر چڑھایا گیا تو اس کے ساتھ ایک چور بھی صلیب پر لٹکایا گیا تھا سو اس واقعہ مین بھی مین شریک کیا گیا ہون کیونکہ جس دن مجھ کو خون کے مقدمہ سے خدا تعالے نے رہائی بخشی اور اس پیش گوئی کے موافق جو مین خدا تعالے سے وحی یقینی پاکر صدہا لوگون مین شائع کر چکا تھا مجھ کو بری فرمایا اس دن میرے ساتھ ایک عیسائی چور بھی عدالت مین پیش کیا گیا تھا یہ چور عیسائیون کی مقدس جماعت مکتی فوج مین سے تھا جس نے کچھ روپیہ چرا لیا تھا اس چور کو صرف تین مہینہ کی سزا ملی پہلے مسیح کے رفیق چور کی طرح سزائے موت اسکو نہین ہوئی **سیزدہم** خصوصیت مسیح مین یہ بھی تھی کہ جب وہ پیلاطوس گورنر کے سامنے پیش کیا گیا اور سزائے موت کی درخواست کی گئی تو پیلاطوس نے کہا کہ مین اس کا کوئی گناہ نہین پاتا جس سے یہ سزا دون ایسا ہی کپتان ڈگلس صاحب ضلع مجسٹریٹ نے میرے ایک سوال کے جواب مین مجھ کو کہا کہ مین آپ پر کوئی الزام نہین لگاتا +

میرے خیال مین ہے کہ کپتان ڈگلس اپنی استقامت اور عادلانہ شجاعت مین پیلاطوس سے بہت بڑھ کر تھا کیونکہ پیلاطوس نے آخر کار بزدلی دکھائی اور یہودیون کے شریر مولویون سے ڈر گیا مگر ڈگلس ہرگز نہ ڈرا اس کو مولوی محمد حسین نے کرسی مانگ کر کہا کہ میرے پاس صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر کی چٹھیان ہین مگر کپتان ڈگلس نے اس کی کچھ پروانہ کی اور مین باوجودیکہ ملزم تھا مجھے کرسی دی اور اسکو کرسی کی درخواست پر جھڑک دیا اور کرسی نہ دی اگرچہ آسمان پر کرسی پانیوالے زمین کی کرسی کے محتاج نہین ہین مگر یہ نیک اخلاق اس ہمارے وقت کے پیلاطوس کے ہمیشہ ہمین اور ہماری جماعت کو یاد رہین گے اور دنیا کے اخیر تک اس کا نام عزت سے لیا جائے گا **چہاردہم** خصوصیت یسوع مسیح مین یہ تھی کہ وہ باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل مین سے نہ تھا مگر تاہم موسوی سلسلہ کا آخری پیغمبر تھا جو موسے کے بعد چودھوین صدی مین پیدا ہوا ایسا ہی مین بھی خاندان قریش مین سے نہین ہون اور چودھوین صدی مین مبعوث ہوا ہون اور سب سے آخر ہون **پانزدہم** خصوصیت حضرت مسیح مین یہ تھی کہ ان کے عہد مین دنیا کی وضع جدید ہو گئی تھی ۔ سڑکین ایجاد ہو گئی تھین ڈاک کا عمدہ انتظام ہو گیا تھا فوجی انتظام مین بہت صلاحیت پیدا ہو گئی تھی اور مسافرون کے آرام کے لئے بہت کچھ باتین ایجاد ہو گئی تھین اور پہلے کی نسبت قانون معدلت نہایت صاف ہو گیا تھا ایسا ہی میرے وقت مین دنیا کے آرام کے اسباب بہت ترقی کر گئے ہین یہان تک کہ ریل کی سواری پیدا ہو گئی جس کی خبر قرآن شریف مین پائی جاتی ہے باقی امور کو پڑھنے والا خود سمجھ لے ۔ **شانزدہم** خصوصیت حضرت مسیح مین یہ تھی کہ بن باپ ہونے کی وجہ سے حضرت آدم سے وہ مشابہ تھے ایسا ہی مین بھی توام پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت آدم سے مشابہ ہون اور اس قول کے مطابق جو حضرت محی الدین ابن عربی لکھتے ہین کہ خاتم الخلفاء صینی الاصل ہوگا یعنی مغلون مین سے اور وہ جوڑہ

یعنے توام پیدا ہوگا پہلے لڑکی نکلے گی بعد اس کے وہ پیدا ہوگا۔ ایک ہی وقت میں اسی طرح میری پیدایش ہوئی۔ کہ جمعہ کی صبح کو بطور توام مین پیدا ہوا اول لڑکی اور بعدہٗ مین پیدا ہوا نہ معلوم کہ یہ پیش گوئی کہان سے ابن عربی صاحب نے لی تھی جو پوری ہوگئی ان کی کتابون مین ابتک یہ پیش گوئی موجود ہے *

یہ سولہ مشابہتین ہین جو مجھ مین اور مسیح مین ہین اب ظاہر ہے کہ اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا تو مجھ مین اور مسیح ابن مریم مین اس قدر مشابہت ہرگز نہ ہوتی یون تو تکذیب کرنا قدیم سے ان لوگون کا کام ہے جن کے حصہ مین سعادت نہین مگر اس زمانہ کے مولویون کی تکذیب عجیب ہے مین وہ شخص ہون جو عین وقت پر ظاہر ہوا جس کے لئے آسمان پر رمضان کے مہینہ مین چاند اور سورج کو قرآن اور حدیث اور انجیل اور دوسرے نبیون کی خبرون کے مطابق گرہن لگا اور مین وہ شخص ہون جس کے زمانہ مین تمام نبیون کی خبر اور قرآن شریف کی خبر کے موافق اس ملک مین خارق عادت طور پر طاعون پھیل گئی۔ اور مین وہ شخص ہون جو حدیث صحیح کے مطابق اسکے زمانہ مین حج روکا گیا اور مین وہ شخص ہون جسکے عہد مین وہ ستارہ نکلا جو مسیح ابن مریم کے وقت مین نکلا تھا۔ اور مین وہ شخص ہون جسکے زمانہ مین اس ملک مین ریل جاری ہوکر اونٹ بیکار کئے گئے اور عنقریب وہ وقت آتا ہے بلکہ بہت نزدیک ہے جبکہ مکّا اور مدینہ کے درمیان ریل جاری ہوکر وہ تمام اونٹ بیکار ہو جاینگے جو تیرہ سو برس سے یہ سفر مبارک کرتے تھے۔ تب اس وقت ان اونٹون کی نسبت وہ حدیث جو صحیح مسلم مین موجود ہے صادق آئے گی یعنے یہ کہ **لیترکن القلاص فلا یسعٰے علیھا** یعنے مسیح کے وقت مین اونٹ بیکار کئے جاینگے اور کوئی انپر سفر نہین کرے گا ایسا ہی مین وہ شخص ہون جس کے ہاتھ پر صدہا نشان ظاہر ہوئے کیا زمین پر کوئی ایسا انسان زندہ ہے کہ جو نشان نمائی مین میرا مقابلہ کرکے مجھ پر غالب آسکے مجھے اس خدا کی قسم جسکے ہاتھ مین میری جان ہے۔ کہ اب تک دو لاکھ سے زیادہ میرے ہاتھ پر نشان ظاہر ہو چکے ہین اور شاید دس ہزار کے قریب یا اس سے زیادہ لوگون نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب مین دیکھا اور آپنے میری تصدیق کی اور اس ملک مین جو بعض نامی اہل کشف تھے جن کا تین تین چار چار لاکھ مرید تھا انکو خواب مین دکھلایا گیا کہ یہ انسان خدا کی طرف سے ہے اور بعض ان مین سے ایسے تھے کہ میرے ظہور سے تیس برس پہلے دنیا سے گذر چکے تھے جیسا کہ ایک بزرگ گلاب شاہ نام ضلع لدہانہ مین تھا جس نے میان کریم بخش مرحوم ساکن جمال پور کو خبر دی تھی کہ عیسٰے قادیان مین پیدا ہوگیا اور وہ لدہانہ مین آئیگا میان کریم بخش ایک صالح موحد اور بڈہا آدمی تھا اس نے مجھ سے لدہانہ مین ملاقات کی اور یہ تمام پیش گوئی مجھے سنائی اس لئے مولویون نے اسکو بہت تکلیف دی مگر اس نے کچھ پروا نہ کی۔ اس نے مجھے کہا کہ گلاب شاہ مجھے کہتا تھا کہ عیسے بن مریم زندہ نہین وہ مرگیا ہے وہ دنیا مین واپس نہین آئیگا اس امت کے لئے مرزا غلام احمد عیسے ہے جسکو خدا کی قدرت

اور مصلحت نے پہلے عیسٰے سے مشابہ بنایا ہے اور آسمان پر اسکا نام عیسےٰ رکھا ہے اور فرمایا کہ اسے کریم بخش جب وہ عیسےٰ ظاہر ہوگا تو تو دیکھے گا کہ مولوی لوگ کس قدر اس کی مخالفت کرینگے وہ سخت مخالفت کرینگے لیکن نامراد رہین گے۔ وہ اس لئے دنیا مین ظاہر ہوگا تا وہ جھوٹے حاشیے جو قرآن پر چڑہائے گئے ہین ان کو دور کرے اور قرآن کا اصل چہرہ دنیا کو دکھادے۔ اس پیش گوئی مین اس بزرگ نے صاف طور پر یہ اشارہ کیا تھا کہ تو اس قدر عمر پائے گا کہ اس عیسےٰ کو دیکھ لے گا ✢

اب باوجود ان تمام شہادتون اور معجزات اور زبردست نشانون کے مولوی لوگ میری تکذیب کرتے ہین اور ضرور تھا کہ ایسا ہی کرتے تا پیشگوئی آیت غیر المغضوب علیہم کی پوری ہوجاتی۔ یاد رہے کہ اصل جڑھ اس مخالفت کی ایک حماقت ہے اور وہ یہ کہ مولوی لوگ یہ چاہتے ہین کہ جو کچھ ان کے پاس رطب و یابس کا ذخیرہ ہے وہ سب علامتین مسیح موعود مین ثابت ہونی چاہئین اور ایسے مدعی مسیحیت یا مہدویت کو ہرگز نہین ماننا چاہئے کہ ان کی تمام حدیثون مین سے گو ایک حدیث اس پر صادق نہ آوے حالانکہ قدیم سے یہ امر غیر ممکن چلا آیا ہے۔ یہود نے جو جو علامتین حضرت عیسےٰ کے لئے اپنی کتابون مین تراش رکھی تھین وہ پوری نہ ہوئین۔ پھر انہین بدبخت لوگون نے ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے جو جو علامتین تراشی تھین اور مشہور کر رکھی تھین وہ بھی بہت ہی کم پوری ہوئین ان کا خیال تھا کہ یہ آخری نبی بنی اسرائیل سے ہوگا مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بنی اسماعیل مین پیدا ہوئے اگر خدا تعالےٰ چاہتا تو توریت مین لکھدیتا کہ اس نبی کا نام محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہوگا اور باپ کا نام عبد اللہ اور دادا کا نام عبد المطلب اور مکہ مین پیدا ہوگا اور مدینہ اس کی ہجرت گاہ ہوگی مگر خدا تعالےٰ نے یہ نہ لکھا کیونکہ ایسی پیشگوئیون مین کچھ امتحان بھی منظور ہوتا ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ مسیح موعود کے لئے پہلے سے خبر دی گئی ہے کہ وہ اسلام کے مختلف فرقون کے لئے بطور حکم کے آئیگا اب ظاہر ہے کہ ہر ایک فرقہ کی جدا جدا حدیثین ہین پس یہ کیونکر ممکن ہو کہ سب کے خیالات کی وہ تصدیق کرے اگر اہل حدیث کی تصدیق کرے تو حنفی ناراض ہونگے اگر حنفیون کی تصدیق کرے تو شافعی بگڑ جائینگے اور شیعہ جدا یہ اصول ٹھہرائینگے کہ ان کے عقیدہ کے موافق وہ ظاہر ہو اس صورت مین وہ کیونکر سب کو خوش کر سکتا ہے علاوہ اسکے خود حکم کا لفظ چاہتا ہے کہ وہ ایسے وقت مین آئے گا کہ جب تمام فرقے کچھ نہ کچھ حق سے دور جا پڑینگے اس صورت مین اپنی اپنی حدیثون کے ساتھ اس کو آزمانا سخت غلطی ہے بلکہ قاعدہ یہ چاہیئے کہ جو نشان اور قرار دادہ علامتین اس کے وقت مین ظاہر ہوجائین ان سے فایدہ اٹھائین اور باقی کو موضوع اور انسانی افترا سمجھین یہی قاعدہ ان نیک بخت یہودیون نے برتا جو مسلمان ہوگئے تھے کیونکہ جو جو باتین مقرر کردہ احادیث یہود

دقوع مین آگیئن اور آنحضرت پر صادق آگیئن ان حدیثون کو انہون نے صحیح سمجھا اور جو پوری نہ ہوئین ان کو موضوع قرار دیا اگر ایسا نہ کیا جاتا تو پھر نہ حضرت عیسے کی نبوت یہودیون کے نزدیک ثابت ہوسکتی نہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو لوگ مسلمان ہوئے تھے انہین یہود کی صدہا جھوٹی حدیثون کو چھوڑنا پڑا جب انہون نے دیکھا کہ ایک طرف بعض علامات قرار دادہ پوری ہوگئین اور ایک تائیدات الہیہ کا خدا کے رسول مین ایک دریا جاری ہے۔ تو انہون نے ان حدیثون سے فائدہ اٹھایا جو پوری ہوگئین اگر ایسا نہ کرتے تو ایک شخص بھی ان مین سے مسلمان نہ ہوسکتا

یہ تمام وہ باتین ہین کہ کئی دفعہ اور کئی پیرایئون مین مین نے مولوی عبد اللطیف صاحب کو سنائی تھین اور تعجب کہ انہون نے میرے پاس بیان کیا کہ یہ باتین پہلے سے میرے علم مین ہین اور بہت سے ایسے عجیب دلائل حضرت مسیح کی وفات اور اس بات پر سنائے کہ اسی زمانہ مین اور اسی امت سے مسیح موعود ہونا چاہیئے جس سے مجھے بہت تعجب ہوا اور اسوقت شعر حسن ز بصرہ بلال از حبش یاد آیا۔ اور اکثر ان کا استدلال قرآن شریف سے تھا اور وہ بار بار کہتے تھے کہ کیسے نادان وہ لوگ ہین جن کا خیال ہو کہ مسیح موعود کی پیش گوئی صرف حدیثون مین ہو حالانکہ جس قدر قرآن شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عیسے فوت ہوگیا اور مسیح موعود اسی امت مین سے آنے والا ہے اس قدر ثبوت حدیثون سے نہین ملتا غرض خدا تعالے نے ان کے دل کو حق الیقین سے پر کر دیا تھا اور وہ پوری معرفت سے اس طرح پر مجھے شناخت کرتے تھے جس طرح درحقیقت ایک شخص کو آسمان سے اترتا مع فرشتون کے دیکھا جاتا ہو اسوقت سے مجھے یہ خیال آیا ہو کہ حدیثون مین جو مسیح موعود کے نزول کا ذکر ہے اگرچہ یہ لفظ اکرام اور اعزاز کے لئے محاورہ عرب مین آتا ہو جیسا کہ کہتے ہین کہ فلان لشکر فلان جگہ اترا ہے اور جیسا کہ کسی شہر کے نووارد کو کہا جاتا ہو کہ آپ کہان اترے ہین اور جیسا کہ قرآن شریف مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت اللہ تعالے فرماتا ہو کہ مین نے ہی اس رسول کو اتارا ہے اور جیسا کہ انجیل مین آیا ہو کہ عیسے اور یحییٰ آسمان سے اترے لیکن با این ہمہ یہ نزول کا لفظ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ اس قدر اس مسیح کی سچائی پر دلائل جمع ہو جائینگے کہ اہل فراست کو اسکے مسیح موعود ہونے مین یقین تام ہوجائیگا گویا وہ ان کے روبرو آسمان سے ہی اترا ہی چنانچہ ایسے یقین کامل کا نمونہ شہزادہ مولوی عبد اللطیف شہید نے دکھاویا جان دینے سے بڑھ کر کوئی امر نہین اور ایسی استقامت سے جان دینا صاف بتلا رہا ہو کہ انہون نے مجھے آسمان سے اترتے دیکھ لیا اور دوسرے لوگون کے لئے بھی یہ امر صاف ہو کہ میرے دعوے کے تمام پہلو آفتاب کی طرح چمک رہے ہین اول قرآن شریف نے یہ فیصلہ کر دیا ہو کہ عیسے بن مریم فوت ہوگیا ہو اور پھر دنیا مین نہین آئیگا اور اگر بفرض محال قرآن کریم کے مخالف ایک لاکھ حدیث بھی ہو وہ سب باطل اور جھوٹے اور کسی باطل پرست کی بناوٹ ہے حق وہی ہو جو قرآن نے فرمایا اور حدیثین وہ ماننے کے لائق ہین

جو اپنے قصوں مین قرآن کے بیان کردہ قصوں سے مخالف نہین پھر بعد اسکے یہ فیصلہ بھی قرآن شریف نے ہی سورۂ نور مین
لفظ منکم کے ساتھ ہی کر دیا ہے کہ اس دین کے تمام خلیفے اسی امت مین سے پیدا ہونگے اور وہ خلفاء سلسلہ موسوی کے
مثیل ہونگے اور صرف ایک ان مین سے سلسلہ کے آخر مین موعود ہوگا جو عیسے بن مریم کے مشابہ ہوگا باقی موعود نہین ہونگے
یعنی نام لیکر انکے لئے کوئی پیش گوئی نہین ہوگی اور یہ منکم کا لفظ بخاری مین بھی موجود ہے اور مسلم مین بھی ہے جسکے یہی معنی
ہین۔ کہ وہ مسیح موعود اسی امت مین سے پیدا ہوگا پس اگر ایک غور کرنے والا اس جگہ پورا غور کرے اور طریق خیانت
اختیار نہ کرے تو اسکو ان تین منکم کے لفظون پر نظر ڈالنے سے یقین ہو جائیگا کہ یہ امر قطعی فیصلہ تک پہنچ چکا ہے کہ مسیح موعود اسی
امت مین سے پیدا ہوگا۔ اب رہا میرا دعوے سو میرے دعوے کے ساتھ اس قدر دلائل ہین کہ کوئی انسان نرا بیحیا نہ
ہو تو اسکے لئے اس سے چارہ نہین ہے کہ میرے دعوے کو اسی طرح مان لے جیسا کہ اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی
نبوت کو مانا ہے کیا یہ دلائل میرے دعوے کے ثبوت کے لئے کم ہین کہ میری نسبت قرآن کریم نے اسقدر پورے پورے
قرائن اور علامات کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ایک طور سے میرا نام بتلا دیا ہے اور حدیثون مین کدعہ کے لفظ سے میرے گاؤن کا
نام موجود ہے اور حدیثون سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مسیح موعود کی تیرھوین صدی مین پیدایش ہوگی اور چودھوین
صدی مین اسکا ظہور ہوگا اور صحیح بخاری مین میرا تمام حلیہ لکھا ہے اور پہلے مسیح کی نسبت جو میرے حلیہ مین فرق
ہے وہ ظاہر کر دیا ہے اور ایک حدیث مین صریح یہ اشارہ ہے کہ وہ مسیح موعود ہند مین ہوگا کیونکہ دجال کا بڑا مرکز مشرق یعنی
ہند قرار دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مسیح موعود دمشق سے مشرق کی طرف ظاہر ہوگا سو قادیان دمشق سے مشرق کیطرف
ہے اور پھر دعوے کے وقت مین اور لوگون کی تکذیب کے دنون مین آسمان پر رمضان کے مہینہ مین کسوف خسوف ہونا۔
زمین پر طاعون کا پھیلنا حدیث اور قرآن کے مطابق ریل کی سواری پیدا ہو جانا۔ اونٹ بیکار ہو جانے حج رکا
جانا صلیب کے غلبہ کا وقت ہونا میرے ہاتھ پر صدہا نشانون کا ظاہر ہونا نبیونکے مقرر کردہ وقت مسیح موعود کیلئے یہی
وقت ہونا صدی کے سر پر میرا مبعوث ہونا۔ ہزارہا نیک لوگون کا میری تصدیق کے لئے خوابین دیکھنا اور آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف کا یہ فرمانا کہ وہ مسیح موعود میری امت مین سے پیدا ہوگا اور خدا تعالی کی تائیدات
کا میرے شامل حال ہونا اور ہزارہا لوگون کا دو لاکھ کے قریب میرے ہاتھ پر بیعت کرکے راستبازی اور پاکدلی
اختیار کرنا اور میرے وقت مین عیسائی مذہب مین ایک عام تنزل پڑ جانا یہانتک کہ تثلیث کی طلسم کا برف کیطرح
گداز ہونا شروع ہو جانا اور میرے وقت مین مسلمانون کا بہت سے فرقون پر منقسم ہو کر تنزل کی حالت مین ہونا اور
طرح طرح کی بدعات اور شرک اور میخواری اور حرامکاری اور خیانت اور دروغگوئی دنیا مین شائع ہو کر ایک عام
تغیر دنیا مین پیدا ہو جانا اور ہر ایک پہلو سے انقلاب عظیم اس عالم مین پیدا ہو جانا اور ہر ایک دانشمند کی شہادت سے

دنیا کا ایک مصلح کا محتاج ہونا اور میرے مقابلہ سے خواہ وہ اعجازی کلام میں اور خواہ آسمانی نشانوں میں تمام لوگوں کا عاجز آجانا اور میری تائید میں خدا تعالیٰ کی لاکھوں پیشگوئیاں پوری ہونا یہ تمام نشان اور علامات اور قرائن ایک خدا ترس کے لیے میرے قبول کرنیکے لئے کافی ہیں بعض جاہل اس جگہ اعتراض کرتے ہیں کہ بعض پیش گوئیاں پوری نہیں ہوئیں جیسا کہ آتھم کے مرنے کی اور احمد بیگ کے داماد کی پیش گوئی مگر ان کو خدا تعالےٰ سے شرم کرنی چاہیئے کیونکہ جس حالت میں کئی لاکھ پیش گوئی روز روشن کی طرح پوری ہو چکی ہے اور دن بدن نئے نئے نشان ظاہر ہوتے جاتے ہیں تو اس صورت میں اگر ایک دو پیش گوئیاں ان کی سمجھ میں نہیں آئیں تو یہ ان کی سراسر شقاوت ہے کہ باعث اس بدفہمی کے جس میں خود ان کا قصور ہے خدا تعالےٰ کے ہزارہا نشانوں اور دلیلوں اور معجزات سے انکار کر دیں اور اگر اسی طرح پر انکار ہو سکتا ہے تو پھر ہمیں کسی پیغمبر کا پتہ تبلا دیں جس کی بعض پیش گوئیوں کے پورا ہونے کی نسبت انکار نہیں کیا گیا چنانچہ ملاکی نبی کی پیش گوئی اپنے ظاہری معنوں کے رو سے ابتک پوری نہیں ہوئی کہاں الیاس نبی دنیا میں آیا جسکا یہود کو آج تک انتظار ہے حالانکہ مسیح آچکا ہے جس سے پہلے اُسکا آنا ضروری تھا کہاں یہ پیش گوئی مسیح کی پوری ہوئی کہ اس زمانہ کے لوگ ابھی زندہ ہی ہونگے کہ میں واپس آجاؤنگا کہاں یہ پیش گوئی پوری ہوئی کہ پطرس کے ہاتھ میں آسمان کی کنجیاں ہیں کہاں اس کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی کہ وہ داؤد کا تخت قائم کرے گا اور کب یہ پیشگوئی ظہور میں آئی کہ اسکے بارہ حواری بارہ تختوں پر بیٹھینگے کیونکہ یہودا اسکریوطی مرتد ہو گیا اور جہنم میں جا پڑا اور اس کی بجائے جسکے لئے تخت کا وعدہ تھا ایک نیا حواری تراشا گیا جو مسیح کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا ایسا ہی حدیثوں میں لکھا ہے چنانچہ دُرِّ منثور میں بھی ہے کہ یونس نبی نے یہ پیش گوئی قطعی طور پر بغیر کسی شرط کے کی تھی کہ نینوہ کے رہنے والوں پر چالیس دن کے اندر عذاب نازل ہوگا جو ان کو اس میعاد کے اندر ہلاک کر دیگا مگر کوئی عذاب نازل نہ ہوا اور نہ وہ ہلاک ہوئے آخر یونس کو شرمندہ ہو کر اس جگہ سے بھاگنا پڑا یہ پیش گوئی بائبل میں یونہ نبی کی کتاب میں بھی موجود ہے جس کو عیسائی خدا تعالےٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں پھر باوجود ان سب باتوں کے مسلمان ان پیغمبروں پر ایمان بھی لاتے ہیں اور ان چند اعتراضات کی کچھ پروا نہیں کرتے اور وہ دو پیشگوئیاں مذکورہ بالا جن کی نسبت ان کا اعتراض ہے یعنی آتھم کے متعلق اور احمد بیگ کے داماد کے متعلق ان کی نسبت ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ آتھم کی موت کی پیشگوئی تمام تر صفائی سے پوری ہو گئی اب تلاش کرو آتھم کہاں ہے کیا وہ زندہ ہے یا مر گیا پیشگوئی کا ماحصل یہ تھا کہ ہم دونوں فریق میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے سے پہلے مریگا سو مدت ہوئی کہ آتھم مر گیا اور یہ فقرہ جو اس پیش گوئی میں موجود تھا کہ آتھم پندرہ مہینہ کے اندر مرے گا اس کے ساتھ یہ شرط بھی شائع کی گئی تھی

کہ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے مگر آتھم نے اُسی مجلس بحث مین اپنی بے ادبی سے رجوع کر لیا تھا کیونکہ جب مین نے اسکو کہا کہ یہ پیش گوئی اس لئے کی گئی ہے کہ تم نے آنحضرت صلعم کو اپنی کتاب مین دجال لکھا ہے تو سنتے ہی اسکا چہرہ زرد ہو گیا اور نہایت تضرع سے اس نے اپنی زبان منہ سے باہر نکالی اور دونون ہاتھ کانون پر رکھ لئے اور کہا کہ مین نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان مین ہرگز ایسا نہین کہا اور بڑی عاجزی اور تضرع ظاہر کی اسوقت ساٹھ سے زیادہ مسلمان اور عیسائی وغیرہ موجود تھے کیا یہ ایسا لفظ نہین تھا جس کو شوخی اور بے ادبی سے رجوع سمجھا جاتے اور پھر وہ پندرہ مہینہ تک مخالفت سے بالکل چپ رہا اور اکثر گریہ و بکا مین رہا اور اپنی حالت اس نے بالکل بدل لی پس ایک نیک دل ایماندار کے لئے یہ کافی ہے کہ اس نے پندرہ مہینہ کے اندر کسی حد تک اپنی تبدیلی کر لی تھی اور چونکہ اُس نے خدا تعالے سے خوف کھا کر نرمی اور تضرع اختیار کیا اور قطعاً شوخی اور گستاخی چھوڑ دی بلکہ امرت سر مین جو ایسے لوگون کی صحبت اسے میسر تھی اس صحبت کو ترک کر کے اور وہ مکان چھوڑ کر دو شہرون مین جا کر مقیم ہو گیا پس ضرور تھا کہ وہ اسقدر خوف سے فائدہ اٹھاتا۔ پس اگرچہ اس بات سے محفوظ نہ رہا کہ میرے پہلے بہت جلد انہین دنون مین مر گیا مگر کسی قدر شرط کے پورا کرنے سے فائدہ اٹھا لیا۔ اس کے مقابل لیکھرام تھا جس نے پیش گوئی کی میعاد مین کوئی تضرع اور خوف ظاہر نہ کیا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ گستاخ ہو کر رات دن اور کوچون اور شہرون اور دیہات مین توہین اسلام کرنے لگا تب وہ میعاد کے اندر ہی اپنی اس بداعمالی کی وجہ سے پکڑا گیا اور وہ زبان اس کی جو گالی اور بدزبانی مین چھری کی طرح چلتی تھی اسی چھری نے اسکا کام تمام کر دیا +

رہا احمد بیگ کا داماد پس ہر ایک شخص کو معلوم ہے کہ یہ پیشگوئی دو شخصون کی نسبت تھی ایک احمد بیگ کی نسبت اور دوسری اسکے داماد کی نسبت سو ایک حصہ اس پیش گوئی کا میعاد کے اندر ہی پورا ہو گیا یعنی احمد بیگ میعاد کے اندر مر گیا اور اس طرح پر ایک ٹانگ پیشگوئی کی پوری ہو گئی اب دوسری ٹانگ جو باقی ہے اس کی نسبت جو اعتراض ہے افسوس کہ وہ **دیانت** کے ساتھ پیش نہین کیا جاتا اور آج تک کسی معترض کے منہ سے مین نے یہ نہین سنا کہ وہ اس طرح پر اعتراض کرے کہ اگرچہ اس پیش گوئی کا ایک حصہ پورا ہو چکا ہے اور بصدق دل اعتراف کرتے ہین کہ وہ پورا ہوا مگر دوسرا حصہ اب تک پورا نہین ہوا بلکہ یہودیون کی طرح پورا ہونے والا حصہ بالکل مخفی رکھ کر اعتراض کرتے ہین کیا ایسا شیوہ ایمان اور حیا اور راستبازی کے مطابق ہے؟ اب قطع نظر ان کی خائنانہ طرز گفتگو کے جواب یہ ہے کہ یہ پیشگوئی بھی آتھم کی پیش گوئی کی طرح مشروط بشرط ہے یعنے یہ لکھا گیا تھا کہ اس شرط سے وہ میعاد کے اندر پوری ہو گی کہ ان دونون مین سے کوئی شخص خوف اور خشیت ظاہر نکرے سو احمد بیگ کو یہ خوفناک علامت پیش نہ آئی اور وہ پیشگوئی کو خلاف واقعہ سمجھتا رہا مگر احمد بیگ کے داماد اور اسکے عزیزون کو یہ

یہ خوفناک حالت پیش آگئی کیونکہ احمد بیگ کی موت نے ان کے دلون پر ایک لرزہ ڈال دیا جیسا کہ انسانی فطرت مین داخل ہے کہ سخت سے سخت انسان نمونہ دیکھنے کے بعد ضرور ہراسان ہو جاتا ہے سو ضرور تھا کہ اسکو بھی مہلت دیجاتی سو یہ تمام اعتراضات جہالت اور نابینائی اور تعصب کی وجہ سے ہین نہ دیانت اور حق طلبی کی وجہ سے جس شخص کے ہاتھ سے ابتک دس لاکھ سے زیادہ نشان ظاہر ہو چکے ہین اور ہو رہے ہین کیا اگر ایک یا دو پیش گوئیان اس کی کسی جاہل اور بدفہم اور غبی کو سمجھ مین نہ آوین تو اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہین کہ وہ تمام پیش گوئیان صحیح نہین ہین یہ بات حتمی وعدہ سے لکھتا ہون کہ اگر کوئی مخالف خواہ عیسائی ہو خواہ بگفتن مسلمان میری پیش گوئیون کے مقابل پر اس شخص کی پیش گوئیون کو جسکا آسمان سے اترنا خیال کرتے ہین صفائی اور یقین اور بداہت کے مرتبہ پر زیادہ ثابت کر سکے تو مین اسکو نقد ایک ہزار روپیہ دینے کو تیار ہون مگر ثابت کرنے کا یہ طریق نہین ہوگا کہ وہ قرآن شریف کو پیش کرے کہ قرآن کریم نے حضرت عیسے علیہ السلام کو نبی مان لیا ہے اور یا اسکو نبی قرار دیدیا ہے کیونکہ اس طرح پر تو مین بھی زور سے دعوے کرتا ہون کہ قرآن شریف میری سچائی کا بھی گواہ ہے تمام قرآن شریف مین کہین یسوع کا لفظ نہین ہے مگر میری نسبت **منکم** کا لفظ موجود ہے اور دوسرے بہت سے علامات موجود ہین بلکہ اس جگہ میرا صرف یہ مطلب ہے کہ قرآن شریف سے قطع نظر کر کے محض میری پیشگوئیون اور یسوع کی پیش گوئیون پر عدالتون کی عام تحقیق کے رنگ مین نظر ڈالی جائے اور دیکھا جائے کہ ان دونون مین سے کونسی پیش گوئیان یا اکثر حصہ ان کا بحکم عقل کمال صفائی سے پورا ہو گیا اور کونسا اس درجہ پر نہین یعنی یہ تحقیقات اور مقابلہ ایسے طور سے ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی شخص قرآن شریف سے منکر ہو تو وہ بھی رائے ظاہر کر سکے کہ ثبوت کا پہلو کس طرف ہے*

ماسوا اس کے اس جگہ مجھے افسوس آتا ہے کہ ہمارے مخالف مسلمان تو کہلاتے ہین لیکن اسلام کے اصول سے بیخبر ہین اسلام مین یہ مسلم امر ہے کہ جو پیش گوئی وعید کے متعلق ہو اس کی نسبت ضروری نہین کہ خدا اسکو پورا کرے یعنی جس پیش گوئی کا یہ مضمون ہو کہ کسی شخص یا گروہ پر کوئی بلا پڑے گی اس مین یہ بھی ممکن ہے کہ خدا تعالےٰ اس بلا کو ٹالدے جیسا کہ یونس کی پیش گوئی کو جو چالیس دن تک محدود تھی ٹال دیا لیکن جس پیشگوئی مین وعدہ ہو یعنی کسی انعام اکرام کی نسبت پیشگوئی ہو وہ کسی طرح ٹل نہین سکتی خدا تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے کہ **ان اللہ لا یخلف المیعاد** مگر کسی جگہ یہ نہین فرمایا کہ **ان اللہ لا یخلف الوعید** پس اس مین راز یہی ہے کہ وعید کی پیش گوئی خوف اور دعا اور صدقہ خیرات سے ٹل سکتی ہے تمام پیغمبرون کا اس پر اتفاق ہے کہ صدقہ اور دعا اور خوف اور خشوع سے وہ بلا جو خدا کے علم مین ہے جو کسی شخص پر آئے گی وہ رد ہو سکتی ہے۔ اب سوچ لو کہ ہر ایک بلا جو خدا کے

علم مین ہے اگر کسی نبی یا ولی کو اس کی اطلاع دیجائے تو اس کا نام اس وقت پیش گوئی ہوگا جب وہ نبی یا ولی دوسروں کو اس بلا سے اطلاع دے اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ بلا ٹل سکتی ہے پس ضرورتاً یہ نتیجہ نکلا کہ ایسی پیش گوئی کے ظہور مین تاخیر ہوسکتی ہے جو کسی بلا کی پیش خبری کرے۔

پھر ہم اپنے پہلے کلام کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہین کہ مولوی صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب جب قادیان مین آئے تو صرف انکو یہی فائدہ نہ ہوا کہ انہون نے مفصل طور پر میرے دعوے کے دلائل سنے بلکہ ان چند مہینوں کے عرصہ مین جو وہ قادیان مین میرے پاس رہے اور ایک سفر جہلم تک بھی میرے ساتھ کیا بعض آسمانی نشان بھی میری تائید مین انہون نے مشاہدہ کئے ان تمام براہین اور انوار اور خوارق کے دیکھنے کی وجہ سے وہ فوق العادت یقین سے بھر گئے اور طاقت بالا اُن کو کھینچ کر لے گئی۔ مین نے ایک موقعہ پر ایک اعتراض کا جواب بھی انکو سمجھایا تھا جس سے وہ بہت خوش ہوئے تھے اور وہ یہ کہ جس حالت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسے ہین اور آپ کے خلفاء مثیل انبیاء بنی اسرائیل ہین تو پھر کیا وجہ کہ مسیح موعود کا نام احادیث مین نبی کر کے پکارا گیا ہے مگر دوسرے تمام خلفاء کو یہ نام نہین دیا گیا۔ سو مین نے ان کو یہ جواب دیا کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہین تھا۔ اس لئے اگر تمام خلفاء کو نبی کے نام سے پکارا جاتا تو امر ختم نبوت مشتبہ ہوجاتا اور اگر کسی ایک فرد کو بھی نبی کے نام سے نہ پکارا جاتا تو عدم مشابہت کا اعتراض باقی رہ جاتا کیونکہ موسے کے خلفاء نبی ہین اس لئے حکمت الٰہی نے یہ تقاضا کیا۔ کہ پہلے بہت سے خلفاء کو برعایت ختم نبوت بھیجا جائے اور ان کا نام نبی نہ رکھا جائے اور یہ مرتبہ انکو نہ دیا جائے تا ختم نبوت پر نشان ہو۔ پھر آخری خلیفہ یعنی مسیح موعود کو نبی کے نام سے پکارا جائے تا خلافت کے امر مین دونون سلسلون کی مشابہت ثابت ہوجائے اور ہم کئی دفعہ بیان کر چکے ہین کہ مسیح موعود کی نبوت ظلی طور پر ہے کیونکہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بروز کامل ہونے کی وجہ سے نفس نبی سے مستفیض ہوکر نبی کہلانے کا مستحق ہوگیا ہے۔ جیسا کہ ایک وحی مین خدا تعالےٰ نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ **یا احمد جعلت مرسلا**۔ اے احمد تو مرسل بنایا گیا یعنی جیسے تو بروزی رنگ مین احمد کے نام کا مستحق ہوا۔ حالانکہ تیرا نام **غلام احمد** تھا سو اسی طرح بروز کے رنگ مین نبی کے نام کا مستحق ہے کیونکہ احمد نبی ہے۔ نبوت اس سے منفک نہین ہوسکتی اور ایک دفعہ یہ ذکر آیا کہ احادیث مین ہے کہ مسیح موعود دو زرد رنگ چادرون مین اُتریگا۔ ایک چادر بدن کے اوپر کے حصہ مین ہوگی اور دوسری چادر بدن کے نیچے کے حصہ مین۔ سو مین نے کہا کہ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود دو بیماریون کے ساتھ ظاہر ہوگا کیونکہ تعبیر کے علم مین زرد کپڑے سے مراد بیماری ہے۔ اور وہ دونون بیماریان مجھ مین ہین یعنی ایک سر کی بیماری اور دوسری کثرت پیشاب اور دستون کی بیماری ابھی وہ اسی جگہ تھے کہ بہت سے یقین اور بھاری تبدیلی کی وجہ سے ان پر الہام

اور وحی کا دروازہ کھولا گیا۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے کھلے لفظوں میں میری تصدیق کے بارہ میں انہوں نے شہادتیں پائیں جن کی وجہ سے آخرکار انہوں نے اس شہادت کا شربت اپنے لئے منظور کیا جسکے مفصل لکھنے کے لئے اب وقت آگیا ہے یقیناً یاد رکھو کہ جس طرز سے انہوں نے میری تصدیق کی راہ میں مزا قبول کیا اس قسم کی موت اسلام کے تیرہ سو برس کے سلسلہ میں بجز نمونہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اور کسی جگہ نہیں پاؤ گے پس بلا شبہ اس طرح الکامرنا اور میری تصدیق میں نقد جان خدا تعالیٰ کے حوالہ کرنا یہ میری سچائی پر ایک عظیم الشان نشان ہے مگر انکے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں انسان شک و شبہ کی حالتیں کب چاہتا ہے کہ اپنی جان دیدے۔ اور اپنی بیوی اور اپنے بچوں کو تباہی میں ڈالے۔ پھر عجیب تر یہ کہ یہ بزرگ معمولی انسان نہیں تھا بلکہ ریاست کابل میں کئی لاکھ کی ان کی اپنی جاگیر تھی اور انگریزی عملداری میں بھی بہت سی زمین تھی۔ اور طاقت علمی اس درجہ تک تھی کہ ریاست نے تمام مولویوں کا انکو سردار قرار دیا تھا وہ سب سے زیادہ عالم علم قرآن اور حدیث اور فقہ میں سمجھے جاتے تھے اور نئے امیر کی دستار بندی کی رسم بھی انہیں کے ہاتھ سے ہوتی تھی اور اگر امیر فوت ہو جائے تو اسکے جنازہ پڑھنے کے لئے بھی وہی مقرر تھے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو ہمیں معتبر ذریعہ سے پہنچی ہیں اور ان کی خاص زبان سے ہم نے سنا تھا کہ ریاست کابل میں پچاس ہزار کے قریب ان کے معتقد اور ارادتمند ہیں جن میں سے بعض ارکان ریاست بھی تھے۔ غرض یہ بزرگ ملک کابل میں ایک فرد تھا۔ اور کیا علم کے لحاظ سے اور کیا تقوےٰ کے لحاظ سے اور کیا جاہ اور مرتبہ کے لحاظ سے اور کیا خاندان کے لحاظ سے اس ملک میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اور علاوہ مولوی کے خطاب کے صاحبزادہ اور اخون زادہ اور شاہزادہ کے لقب سے اس ملک میں مشہور تھے۔ اور شہید مرحوم ایک بڑا کتب خانہ حدیث اور تفسیر اور فقہ اور تاریخ کا اپنے پاس رکھتے تھے اور نئی کتابوں کے خریدنے کے لئے ہمیشہ حریص تھے اور ہمیشہ درس تدریس کا شغل جاری تھا۔ اور صدہا آدمی ان کی شاگردی کا فخر حاصل کر کے مولویت کا خطاب پاتے تھے لیکن باایں ہمہ کمال یہ تھا کہ بےنفسی اور انکسار میں اس مرتبہ تک پہنچ گئے تھے کہ جب تک انسان فنافی اللہ نہ ہو یہ مرتبہ نہیں پا سکتا۔ ہر ایک شخص کسی قدر شہرت اور علم سے محجوب ہو جاتا ہے اور اپنے تئیں کچھ چیز سمجھنے لگتا ہے اور وہی علم اور شہرت حق طلبی سے اسکو مانع ہو جاتی ہے مگر یہ شخص ایسا بےنفس تھا کہ باوجودیکہ ایک مجموعہ فضائل کا جامع تھا مگر تب بھی کسی حقیقت حقہ کے قبول کرنے سے اسکو اپنی علمی اور عملی اور خاندانی وجاہت مانع نہیں ہو سکتی تھی اور آخر سچائی پر اپنی جان قربان کی۔ اور ہماری جماعت کے لئے ایک ایسا نمونہ چھوڑ گیا جس کی پابندی اصل منشاء خدا کا ہے۔ اب ہم ذیل میں اس بزرگ کی شہادت کے واقعہ کو لکھتے ہیں کہ کس دردناک طریق سے وہ قتل کیا گیا اور اس راہ میں کیا استقامت اس نے دکھلائی کہ بجز کامل قوت ایمانی کے اس دار الغرور میں کوئی نہیں دکھلا سکتا اور بالآخر ہم یہ بھی لکھینگے کہ ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا کیونکہ آج سے تئیس برس پہلے ان کی شہادت اور ان کے ایک شاگرد

کی شہادت کی نسبت خدا تعالے نے مجھے خبر دی تھی جس کو اسی زمانہ مین مین نے اپنی کتاب براہین احمدیہ مین شائع کیا تھا۔ سواس بزرگ مرحوم نے نہ فقط وہ نشان دکھلایا جو کامل استقامت کے رنگ مین اس سے ظہور مین آیا بلکہ یہ دوسرا نشان بھی اسکے ذریعہ سے ظاہر ہوگیا جو ایک مدت دراز کی پیش گوئی اس کی شہادت سے پوری ہوگئی جیساکہ ہم انشاء اللہ اخیر مین اس پیش گوئی کو درج کرین گے۔

واضح ہے کہ براہین احمدیہ کی پیشگوئی مین دو شہادتون کا ذکر ہے اور پہلی شہادت میان عبدالرحمٰن مولوی صاحب موصوف کے شاگرد کی تھی جس کی تکمیل امیر عبدالرحمٰن یعنی اس امیر کے باپ سے ہوئی اسلئے ہم بلحاظ ترتیب زمانی پہلے میان عبدالرحمٰن مرحوم کی شہادت کا ذکر کرتے ہین۔

بیان شہادت میان عبدالرحمٰن مرحوم شاگرد مولوی صاحبزادہ عبداللطیف صاحب رئیس اعظم خوست ملک افغانستان

مولوی صاحبزادہ عبداللطیف صاحب مرحوم کی شہادت سے تخمیناً دو برس پہلے انکے ایما اور ہدایت سے میان عبدالرحمٰن شاگرد رشید انکے قادیان مین شاید دو یا تین دفعہ آئے اور ہر ایک مرتبہ کئی کئی مہینہ تک رہے اور متواتر صحبت اور تعلیم اور دلائل کے سننے سے انکا ایمان شہدا کا رنگ پکڑ گیا اور آخری دفعہ جب کابل واپس گئے تو وہ میری تعلیم سے پورا حصہ لے چکے تھے اور اتفاقاً ان کی حاضری کے ایام مین بعض کتابین میری طرف سے جہاد کی ممانعت مین چھپی تھین جنسے انکو یقین ہوگیا تھا کہ یہ سلسلہ جہاد کا مخالف ہے پھر ایسا اتفاق ہوا کہ جب وہ مجھ سے رخصت ہو کر پشاور مین پہنچے تو اتفاقاً خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر سے جو پشاور مین تھے اور میرے مرید ہین ملاقات ہوئی اور انہین دنون مین خواجہ کمال الدین صاحب نے ایک رسالہ جہاد کی ممانعت مین شائع کیا تھا اس سے انکو بھی اطلاع ہوئی اور وہ مضمون ایسا انکے دل مین بیٹھ گیا کہ کابل مین جاکر جابجا انہون نے یہ ذکر شروع کیا کہ انگریزون سے جہاد کرنا درست نہین کیونکہ وہ ایک کثیر گروہ مسلمانون کے حامی ہین اور کئی کروڑ مسلمان امن و عافیت سے انکے زیر سایہ زندگی بسر کرتے ہین۔ تب یہ خبر رفتہ رفتہ امیر عبدالرحمٰن کو پہنچ گئی اور یہ بھی بعض شریر پنجابیون نے جو اسکے ساتھ ملازمت کا تعلق رکھتے ہین اس پر ظاہر کیا کہ یہ ایک پنجابی شخص کا مرید ہے جو اپنے تئین مسیح موعود ظاہر کرتا ہے اور اس کی یہ بھی تعلیم ہے کہ انگریزون سے جہاد درست نہین بلکہ اس زمانہ مین قطعاً جہاد کا مخالف ہے تب امیر یہ بات سُن کر بہت برافروختہ ہوگیا اور اسکو قید کرنیکا حکم دیا تا مزید تحقیقات سے کچھ زیادہ حال معلوم ہو۔ آخر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ضرور یہ شخص مسیح قادیانی

کا مرید اور مسئلہ جہاد کا مخالف ہے تب اس مظلوم کو گردن میں کپڑا ڈال کر اور دم بند کر کے شہید کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی شہادت کے وقت بعض آسمانی نشان ظاہر ہوئے +

یہ تو میاں عبد الرحمٰن شہید کا ذکر ہے اب ہم مولوی صاحبزادہ عبد اللطیف کی شہادت کا دردناک ذکر کرتے ہیں اور اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ اس قسم کا ایمان حاصل کرنے کے لئے دعا کرتے رہیں۔ کیونکہ جب تک انسان کچھ خدا کا اور کچھ دنیا کا ہے تب تک آسمان پر اُس کا نام مومن نہیں +

بیان واقعہ ہائلہ شہادت مولوی صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب مرحوم رئیس اعظم خوست علاقہ کابل غفر اللہ لہٗ

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مولوی صاحب خوست علاقہ کابل سے قادیان میں آکر کئی مہینہ میرے پاس اور میری صحبت میں رہے۔ پھر بعد اسکے جب آسمان پر یہ امر قطعی طور پر فیصلہ پا چکا کہ وہ درجہ شہادت پاویں تو اس کے لئے یہ تقریب پیدا ہوئی کہ وہ مجھ سے رخصت ہو کر اپنے وطن کی طرف واپس تشریف لے گئے۔ اب جیسا کہ معتبر ذرائع سے اور خاص دیکھنے والوں کی معرفت مجھے معلوم ہوا ہے قضا و قدر سے یہ صورت پیش آئی۔ کہ مولوی صاحب جب سرزمین علاقہ ریاست کابل کے نزدیک پہنچے تو علاقہ انگریزی میں ٹھہر کر بریگیڈیر محمد حسین کوتوال کو جو ان کا شاگرد تھا ایک خط لکھا کہ اگر آپ امیر صاحب سے میرے آنے کی اجازت حاصل کر کے مجھے اطلاع دیں تو امیر صاحب کے پاس بمقام کابل میں حاضر ہو جاؤں۔ بلا اجازت اس لئے تشریف نہ لیگئے کہ وقت سفر امیر صاحب کو یہ اطلاع دی تھی کہ میں حج کو جاتا ہوں مگر وہ ارادہ قادیان میں بہت دیر تک ٹھہرنے سے پورا نہ ہو سکا اور وقت ہاتھ سے جاتا رہا اور چونکہ وہ میری نسبت شناخت کر چکے تھے کہ یہی شخص مسیح موعود ہے اس لئے میری صحبت میں رہنا انکو مقدم معلوم ہوا۔ اور بموجب نص اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول حج کا ارادہ انہوں نے کسی دوسرے سال پر ڈالدیا اور ہر ایک دل اس بات کو محسوس کر سکتا ہے کہ ایک حج کے ارادہ کرنے والے کے لئے اگر یہ بات پیش آجائے کہ وہ اس مسیح موعود کو دیکھ لے جسکا تیرہ سو برس سے اہل اسلام میں انتظار ہے تو بموجب نص صریح قرآن اور احادیث کے وہ بغیر اس کی اجازت کے حج کو نہیں جا سکتا۔ ہاں باجازت اسکے دوسرے وقت میں جا سکتا ہے غرض چونکہ وہ مرحوم سید الشہداء اپنی صحبت نیت کا حج نہ کر سکا اور قادیان میں ہی دن گذر گئے تو قبل اسکے کہ وہ سرزمین کابل میں وارد ہوں اور حدود ریاست کے اندر قدم رکھیں احتیاطاً

قرین مصلحت سمجھا کہ انگریزی علاقہ میں رہکر امیر کابل پر اپنی سرگذشت کھول دیجائے کہ اس طرح پر حج کرنے سے معذوری پیش آئی۔ سو انہوں نے مناسب سمجھا کہ برگیڈیر محمد حسین کو خط لکھا تا وہ مناسب موقعہ پر اصل حقیقت مناسب لفظوں میں امیر کے گوش گذار کردیں اور اس خط میں یہ لکھا کہ اگرچہ میں حج کرنے کے لئے روانہ ہوا تھا مگر مسیح موعود کی مجھے زیارت ہو گئی اور چونکہ مسیح کے ملنے کے لئے اور اس کی اطاعت مقدم رکھنے کے لئے خدا اور رسول کا حکم ہے اس مجبوری سے مجھے قادیان میں ٹھہرنا پڑا اور میں نے اپنی طرف سے یہ کام نہ کیا بلکہ قرآن اور حدیث کی رو سے اسی امر کو ضروری سمجھا۔ جب یہ خط برگیڈیر محمد حسین کوتوال کو پہنچا تو اس نے وہ خط اپنے زانو کے نیچے رکھ لیا اور اسوقت پیش نہ کیا مگر اسکے نائب کو جو مخالف اور شریر آدمی تھا کسی طرح پتہ لگ گیا کہ یہ مولوی صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کا خط ہے اور وہ قادیان میں ٹھہرے رہے۔ تب اس نے وہ خط کسی تدبیر سے نکال لیا۔ اور امیر صاحب کے آگے پیش کر دیا امیر صاحب نے برگیڈیر محمد حسین کوتوال سے دریافت کیا کہ کیا یہ خط آپکے نام آیا ہے۔ اس نے امیر کے موجودہ غیظ و غضب سے خوف کھا کر انکار کر دیا۔ پھر ایسا اتفاق ہوا کہ مولوی صاحب شہید نے کئی دن پہلے خط کے جواب کا انتظار کر کے ایک اور خط بذریعہ ڈاک محمد حسین کوتوال کو لکھا۔ وہ خط افسر ڈاکخانہ نے کھول لیا اور امیر صاحب کو پہنچا دیا۔ چونکہ قضا و قدر سے مولوی صاحب کی شہادت مقدر تھی اور آسمان پر وہ برگزیدہ بزمرۂ شہدا داخل ہو چکا تھا اسلئے امیر صاحب نے انکے بلانے کے لئے حکمت عملی سے کام لیا اور ان کی طرف خط لکھا کہ آپ بلا خطرہ چلے آؤ۔ اگر یہ دعوے سچا ہوگا تو میں بھی مرید ہو جاؤں گا۔ بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ خط امیر صاحب نے ڈاک میں بھیجا تھا یا دستی روانہ کیا تھا۔ بہرحال اس خط کو دیکھ کر مولوی صاحب موصوف کابل کیطرف روانہ ہو گئے اور قضا و قدر نے نازل ہونا شروع کر دیا۔ راویوں نے بیان کیا ہے کہ جب شہید مرحوم کابل کے بازار سے گذرے تو گھوڑے پر سوار تھے اور ان کے پیچھے آٹھ سرکاری سوار تھے اور ان کی تشریف آوری سے پہلے عام طور پر کابل میں مشہور تھا کہ امیر صاحب نے اخوندزادہ صاحب کو دھوکہ دیکر بلایا ہے۔ اب بعد اسکے دیکھنے والوں کا یہ بیان ہے۔ کہ جب اخوندزادہ صاحب مرحوم بازار سے گذرے تو ہم اور دوسرے بہت سے بازاری لوگ ساتھ چلے گئے۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ آٹھ سرکاری سوار خوست سے ہی ان کے ہمراہ کئے گئے تھے کیونکہ ان کے خوست میں پہنچنے سے پہلے حکم سرکاری ان کے گرفتار کرنے کے لئے حاکم خوست کے نام آچکا تھا غرض جب امیر صاحب کے روبرو پیش کئے گئے تو مخالفوں نے پہلے سے ہی ان کے مزاج کو بہت کچھ متغیر کر رکھا تھا اسلئے وہ بہت ظالمانہ جوش سے پیش آئے اور حکم دیا کہ مجھے ان سے بو آتی ہے ان کو فاصلہ پر کھڑا کرو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد حکم دیا کہ ان کو اُس قلعہ میں جس میں خود امیر صاحب رہتے ہیں قید کر دو۔ اور زنجیر غراغراب لگا دو۔ یہ زنجیر وزنی ایک من چوبیس سیر انگریزی کا ہوتا ہے۔ گردن سے کمر تک گھیر لیتا ہے اور اس میں ہتکڑی بھی شامل ہے اور نیز حکم دیا۔ کہ

پاؤن مین بیڑی ونتی آٹھ سیر انگریزی کی لگادو۔ پھر اس کے بعد مولوی صاحب مرحوم چار مہینہ قید مین رہے اور اس عرصہ
مین کئی دفعہ انکو امیر صاحب کی طرف سے فہمائش ہوئی کہ اگر تم اس خیال سے توبہ کرو کہ قادیانی درحقیقت مسیح موعود ہے
تو تمہین رہائی دیجائیگی۔ مگر ہر ایک مرتبہ انہون نے یہی جواب دیا کہ مین صاحب علم ہون اور حق اور باطل کی شناخت کرنے
کی خدا نے مجھے قوت عطا کی ہے مین نے پوری تحقیق سے معلوم کرلیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مسیح موعود ہے۔ اگرچہ مین جانتا ہون
کہ میرے اس پہلو کے اختیار کرنے مین میری جان کی خیر نہین ہے اور میرے اہل وعیال کی بربادی ہے مگر مین اسوقت
اپنے ایمان کو اپنی جان اور ہر ایک دنیوی راحت پر مقدم سمجھتا ہون۔ شہید مرحوم نے نہ ایک دفعہ بلکہ قید ہونے کی
حالت مین بارہا یہی جواب دیا اور یہ قید انگریزی قید کی طرح نہین تھی جس مین انسانی کمزوری کا کچھ کچھ لحاظ رکھا جاتا ہے
بلکہ ایک سخت قید تھی جس کو انسان موت سے بدتر سمجھتا ہے اسلئے لوگون نے شہید موصوف کی اس استقامت اور استقلال کو نہایت
تعجب سے دیکھا اور درحقیقت تعجب کا مقام تھا کہ ایسا جلیل الشان شخص کہ جو کئی لاکھ روپیہ کی ریاست کابل مین جاگیر رکھتا
تھا اور اپنے فضائل علمی اور تقوے کی وجہ سے گویا تمام سرزمین کابل کا پیشوا تھا۔ اور قریباً پچاس برس کی عمر تک تنعم
اور آرام مین زندگی بسر کی تھی اور بہت سا اہل وعیال اور عزیز فرزند رکھتا تھا پھر یکدفعہ وہ ایسی سنگین قید مین
ڈالا گیا جو موت سے بدتر تھی اور جسکے تصور سے بھی انسان کے بدن پر لرزہ پڑتا ہے ایسا نازک اندام اور نعمتون کا پروردہ انسان
وہ اس روح کے گداز کرنے والی قید مین صبر کرسکے اور جان کو ایمان پر فدا کرے۔ بالخصوص جس حالت مین امیر کابل کی طرف سے
بار بار ان کو پیغام پہنچتا تھا کہ اس قادیانی شخص کے تصدیق دعوے سے انکار کردو تو تم ابھی عزت سے رہا کئے جاؤگے۔ مگر اس قوی الایمان
بزرگ نے اس بار بار کے وعدہ کی کچھ بھی پروانہ کی اور بار بار یہی جوابدیا کہ مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ مین ایمان پر دنیا کو مقدم
رکھ لون۔ اور کیونکر ہوسکتا ہے کہ جسکو مین نے خوب شناخت کرلیا اور ہر ایک طرح سے تسلی کرلی اپنی موت کے خوف سے اُسکا
انکار کردون یہ انکار تو مجھ سے نہین ہوگا مین دیکھ رہا ہون کہ مین نے حق پالیا اسلئے چند روزہ زندگی کے لئے مجھ سے یہ
بے ایمانی نہین ہوگی کہ مین اس ثابت شدہ حق کو چھوڑ دون۔ مین جان چھوڑنے کے لئے تیار ہون اور فیصلہ کرچکا ہون مگر
حق میرے ساتھ جائیگا اس بزرگ کے بار بار کے یہ جواب ایسے تھے کہ سرزمین کابل کبھی ان کو فراموش نہین کریگی اور کابل کے
لوگون نے اپنی تمام عمر مین یہ نمونہ ایمانداری اور استقامت کا کبھی نہین دیکھا ہوگا۔ اس جگہ یہ بھی ذکر کرنیکے لایق ہے
کہ کابل کے امیرون کا یہ طریق نہین ہے کہ اسقدر بار بار وعدہ معافی دیکر ایک عقیدہ کے چھوڑانے کے لئے توجہ دلائین لیکن
مولوی عبد اللطیف صاحب مرحوم کی یہ خاص رعایت اس وجہ سے تھی کہ وہ ریاست کابل کا گویا ایک بازو تھا اور ہزارہا
انسان اُسکے معتقد تھے اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہین وہ امیر کابل کی نظر مین اسقدر منتخب عالم فاضل تھا کہ تمام علماء مین آفتاب
کی طرح سمجھا جاتا تھا پس ممکن ہے کہ امیر کو بجائے خود یہ رنج بھی ہو کہ ایسا برگزیدہ انسان علماء کے اتفاق رائے سے ضرور قتل

کیا جائے گا۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ آج کل ایک طور سے عنان حکومت کابل کی مولویون کے ہاتھ مین ہے اور جس بات پر مولوی لوگ اتفاق کرلین پھر ممکن نہین کہ امیر اسکے برخلاف کچھ کرسکے پس یہ امر قرین قیاس ہے کہ ایک طرف اس امیر کو مولویون کا خوف تھا اور دوسری طرف شہید مرحوم کو بیگناہ دیکھتا تھا پس یہی وجہ ہے کہ وہ قید کی تمام مدت مین یہی ہدایت کرتا رہا کہ آپ اس شخص قادیانی کو مسیح موعود مت مانین اور اس عقیدہ سے توبہ کرین تب آپ عزت کے ساتھ رہا کئے جاؤ گے اور اسی نیت سے اس نے شہید مرحوم کو اس قلعہ مین قید کیا تھا جس قلعہ مین وہ آپ رہتا تھا تا متواتر فہمایش کا موقعہ ملتا رہے اور اس جگہ ایک اور بات لکھنے کے لائق ہے اور دراصل وہی ایک بات ہے جو اس بلا کی موجب ہوئی اور وہ یہ ہے کہ عبدالرحمان شہید کے وقت سے یہ بات امیر اور مولویون کو خوب معلوم تھی کہ قادیانی جو مسیح موعود کا دعوے کرتا ہے جہاد کا سخت مخالف ہے اور اپنی کتابون مین بار بار اس بات پر زور دیتا ہے کہ اس زمانہ مین تلوار کا جہاد درست نہین اور اتفاق سے اس امیر کے باپ نے جہاد کے واجب ہونے کے بارے مین ایک رسالہ لکھا تھا جو میرے شائع کردہ رسالون کے بالکل مخالف ہے اور پنجاب کے شر انگیز بعض آدمی جو اپنے تئین موحد یا اہل حدیث کے نام سے موسوم کرتے تھے امیر کے پاس پہنچ گئے تھے غالباً ان کی زبانی امیر عبدالرحمن نے جو امیر حال کا باپ تھا میری ان کتابون کا مضمون سن لیا ہوگا اور عبدالرحمن شہید کے قتل کی بھی یہی وجہ ہوئی تھی کہ امیر عبدالرحمن نے خیال کیا تھا کہ یہ اس گروہ کا انسان ہے جو لوگ جہاد کو حرام جانتے ہین اور یہ بات یقینی ہے کہ قضا و قدر کی کشش سے مولوی عبداللطیف مرحوم سے بھی یہ غلطی ہوئی کہ اس قید کی حالت مین بھی جتلا دیا کہ اب یہ زمانہ جہاد کا نہین اور وہ مسیح موعود جو درحقیقت مسیح ہے اس کی یہی تعلیم ہے کہ اب یہ زمانہ دلائل کے پیش کرنے کا ہے تلوار کے ذریعہ سے مذہب کو پھیلانا جائز نہین اور اب اس قسم کا پودہ ہرگز بارور نہین ہوگا بلکہ جلد خشک ہوجائیگا۔ چونکہ شہید مرحوم سچ کے بیان کرنے مین کسی کی پروا نہین کرتے تھے اور درحقیقت انکو سچائی کے پھیلانے کے وقت اپنی موت کا بھی اندیشہ نہ تھا اسلئے ایسے الفاظ انکے مُنہ سے نکل گئے اور عجیب بات یہ ہے کہ ان کے بعض شاگرد بیان کرتے ہین کہ جب وہ وطن کی طرف روانہ ہوئے تو بار بار کہتے تھے کہ کابل کی زمین اپنی اصلاح کے لئے میرے خون کی محتاج ہے اور درحقیقت وہ سچ کہتے تھے کیونکہ سرزمین کابل مین اگر ایک کروڑ اشتہار شائع کیا جاتا اور دلائل قویہ سے میرا مسیح موعود ہونا ان مین ثابت کیا جاتا تو ان اشتہارات کا ہرگز ایسا اثر نہ ہوتا جیسا کہ اس شہید کے خون کا ہوا ہے اس تخم کی مانند پڑا ہے جو تھوڑے عرصہ مین بڑا درخت بن جاتا ہے اور ہزارہا پرندے اس پر اپنا بسیرا لیتے ہین۔ اب ہم اس دردناک واقعہ کا باقی حصہ اپنی جماعت کے لئے لکھ کر اس مضمون کو ختم کرتے ہین اور وہ یہ ہے کہ جب چار مہینے قید کے گذر گئے۔ تب امیر نے اپنے روبرو شہید مرحوم کو بلا کر پھر اپنی عام کچہری مین توبہ کے لئے فہمائش کی۔ اور بڑے زور سے رغبت دی کہ اگر تم اب بھی قادیانی کی تصدیق اور اسکے اصولون کی تصدیق سے میرے روبرو انکار کرو تو تمہاری جان بخشی کی جائیگی اور تم عزت کے ساتھ چھوڑے جاؤ گے۔ شہید مرحوم نے جواب دیا کہ یہ تو غیر ممکن ہے کہ مین سچائی سے توبہ

کردن۔ اس دنیا کے حکام کا عذاب تو موت تک ختم ہو جاتا ہے لیکن مین اس سے ڈرتا ہون جس کا عذاب کبھی ختم نہین ہو سکتا۔ ہان
چونکہ مین سچا پر ہون اسلئے مین چاہتا ہون کہ ان مولویون سے جو میرے عقیدہ کے مخالف ہین میری بحث کرائی جائے اگر مین
دلائل کے رو سے جھوٹا نکلا تو مجھے سزا دیجائے۔ راوی اس قصہ کے کہتے ہین کہ ہم اس گفتگو کے موجود تھے امیر نے اس بات
کو پسند کیا اور مسجد شاہی مین خان ملا خان اور آٹھ مفتی بحث کے لئے منتخب کیئے گئے اور ایک لاہوری ڈاکٹر جو خود پنجابی ہونیکی
وجہ سے سخت مخالف تھا بطور ثالث کے مقرر کرکے بھیجا گیا۔ بحث کے وقت مجمع کثیر تھا۔ اور دیکھنے والے کہتے ہین کہ ہم اس
بحث کے وقت موجود تھے مباحثہ تحریری تھا صرف تحریر ہوتی تھی اور کوئی بات حاضرین کو سنائی نہین جاتی تھی اسلئے
اس مباحثہ کا کچھ حال معلوم نہین ہوا۔ سات بجے صبح سے تین بجے سہ پہر تک مباحثہ جاری رہا۔ پھر جب عصر کا آخری وقت
ہوا تو کفر کا فتوے لگایا گیا اور آخر بحث مین شہید مرحوم سے یہ بھی پوچھا گیا کہ اگر مسیح موعود یہی قادیانی شخص ہے تو پھر تم عیسے
علیہ السلام کی نسبت کیا کہتے ہو۔ کیا وہ واپس دنیا مین آئینگے یا نہین تو انہون نے بڑی استقامت سے جواب دیا کہ حضرت
عیسے ؑ فوت ہو چکے ہین اب وہ ہرگز واپس نہین آئینگے قرآن کریم انکے مرنے اور واپس نہ آنیکا گواہ ہے۔ تب تو وہ لوگ ان
مولویون کی طرح جنہون حضرت عیسی کی بات کو سُن کر اپنے کپڑے پھاڑ دیتے تھے گالیان دینے لگے اور کہا اب اس شخص کے
کفر مین کیا شک رہا اور بڑی غضبناک حالت مین یہ کفر کا فتوے لکھا گیا۔ پھر بعد اسکے اخوندزادہ حضرت شہید مرحوم اسی طرح
پا بزنجیر ہونیکی حالت مین قیدخانہ مین بھیجے گئے اور اس جگہ یہ بات بیان کرنے سے رہ گئی ہے کہ جب شاہزادہ مرحوم کی ان بدقسمت
مولویون سے بحث ہو رہی تھی تب آٹھ آدمی برہنہ تلوارین لیکر شہید مرحوم کے سر پر کھڑے تھے۔ پھر بعد اسکے وہ فتوے کفر
رات کے وقت امیر صاحب کیخدمت مین بھیجا گیا اور یہ چالاکی کی گئی کہ مباحثہ کے کاغذات ان کی خدمت مین عمداً نہ بھیجے گئی
اور نہ عوام پر ان کا مضمون ظاہر کیا گیا۔ یہ صاف اس بات پر دلیل تھی کہ مخالف مولوی شہید مرحوم کے ثبوت پیش کردہ
کا کوئی رد نہ کر سکے۔ مگر افسوس امیر پر کہ اس نے کفر کے فتوے پر ہی حکم لگا دیا اور مباحثہ کے کاغذ طلب نہ کیے حالانکہ اسکو
چاہیئے تو یہ تھا کہ اس عادل حقیقی سے ڈر کر جس کی طرف عنقریب تمام دولت و حکومت کو چھوڑ کر واپس جائیگا خود
مباحثہ کے وقت ہوتا۔ بالخصوص جبکہ وہ خوب جانتا تھا کہ اس مباحثہ کا نتیجہ ایک معصوم بیگناہ کی جان ضائع کرنا ہے تو اس
صورت مین مقتضا خدا ترسی کا یہی تھا کہ بہرحال اُفتان و خیزان اس مجلس مین جاتا اور نیز چاہیئے تھا کہ قبل ثبوت
کسی جرم کے اس شہید مظلوم پر یہ سختی روا نہ رکھتا کہ ناحق ایک مدت تک قید کے عذاب مین اسکو رکھتا اور زنجیرون اور
ہتھکڑیون کے شکنجہ مین اسکو دبایا جاتا۔ اور آٹھ سپاہی برہنہ شمشیرون کے ساتھ اسکے سر پر کھڑے کیے جاتے اور اس طرح
ایک عذاب اور رُعب مین ڈالکر اسکو ثبوت دینے سے روکا جاتا۔ پھر اگر اس نے ایسا نہ کیا تو عادلانہ حکم دینے کے لئے یہ تو اسکا
فرض تھا کہ کاغذات مباحثہ کے اپنے حضور مین طلب کرتا بلکہ پہلے سے یہ تاکید کر دیتا کہ کاغذات مباحثہ کے میرے پاس بھیجدیئے

چاہئیں اور نہ صرف اس بات پر کفایت کرتا کہ آپ ان کاغذات کو دیکھتا بلکہ چاہیئے تھا کہ سرکاری طور پر ان کاغذات کو چھپوا دیتا کہ دیکھو کیسے یہ شخص ہمارے مولویوں کے مقابل پر مغلوب ہو گیا اور کچھ ثبوت قادیانی کے مسیح موعود ہونے کے بارہ میں اور نیز جہاد کی ممانعت میں اور حضرت مسیحؑ کے فوت ہونیکے بارہ میں نہ دے سکا۔ ہائے وہ معصوم اس کی نظر کے سامنے ایک بکرے کی طرح ذبح کیا گیا اور باوجود صادق ہونیکے اور باوجود پورا ثبوت دینے کے اور باوجود ایسی استقامت کے کہ صرف اولیاء کو دیجاتی ہے۔ پھر بھی اسکا پاک جسم پتھروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور اس کی بیوی اور اسکے یتیم بچوں کو خوست سے گرفتار کر کے بڑی ذلت اور عذاب کے ساتھ کسی اور جگہ حراست میں بھیجا گیا۔ اے نادان! کیا مسلمانوں میں اختلاف مذہب اور رائے کی یہی سزا ہوا کرتی ہے۔ تو نے کیا سوچ کر یہ خون کر دیا۔ سلطنت انگریزی جو اس امیر کی نگاہ میں اور نیز اسکے مولویوں کے خیال میں ایک کافر کی سلطنت ہے کس قدر مختلف فرقے اس سلطنت کے زیر سایہ رہتے ہیں کیا اب تک اس سلطنت نے کسی مسلمان یا ہندو کو اس قصور کی بنا پر پھانسی دیدیا کہ اس کی رائے پادریوں کی رائے کے مخالف ہے ہائے افسوس آسمان کے نیچے یہ بڑا ظلم ہوا کہ ایک بے گناہ معصوم باوجود صادق ہونیکے باوجود اہل حق ہونیکے اور باوجود اسکے کہ وہ ہزارہا معزز لوگوں کی شہادت سے تقوے اور طہارت کے پاک پیرائیہ سے مزین تھا۔ اس طرح بیرحمی سے محض اختلاف مذہب کی وجہ سے مارا گیا۔ اس امیر سے وہ گورنر ہزارہا درجہ اچھا تھا جس نے ایک مخبری پر حضرت مسیح کو گرفتار کر لیا تھا یعنے پیلاطوس جسکا آج تک انجیلوں میں ذکر موجود ہے کیونکہ اس نے یہودیوں کے مولویوں کو جبکہ انہوں نے حضرت مسیح پر کفر کا فتوے لکھ کر یہ درخواست کی کہ اسکو صلیب دیجائے یہ جواب دیا کہ اس شخص کا میں کوئی گناہ نہیں دیکھتا۔ افسوس اس امیر کو کم سے کم اپنے مولویوں سے یہ تو پوچھنا چاہئیے تھا کہ یہ سنگساری کا فتوے کس قسم کے کفر پر دیا گیا۔ اور اس اختلاف کو کیوں کفر میں داخل کیا گیا اور کیوں انہیں یہ نہ کہا گیا کہ تمہارے فرقوں میں خود اختلاف بہت ہیں کیا ایک فرقہ کو چھوڑ کر دوسروں کو سنگسار کرنا چاہئیے جس امیر کا یہ طریق اور یہ عدل ہے نہ معلوم وہ خدا کو کیا جواب دیگا +

بعد اس کے کہ فتوے کفر لگا کر شہید مرحوم قید خانہ میں بھیجا گیا صبح روز شنبہ کو شہید موصوف کو سلام خانہ یعنے خاص مکان دربار امیر صاحب میں بلایا گیا۔ اسوقت بھی بڑا مجمع تھا امیر صاحب جب ارک یعنی قلعہ سے نکلے تو راستہ میں شہید مرحوم ایک جگہ بیٹھے تھے ان کے پاس ہو کر گذرے اور پوچھا کہ اخوندزادہ صاحب کیا فیصلہ ہوا شہید مرحوم کچھ نہ بولے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان لوگوں نے ظلم پر کمر باندھی ہے۔ مگر سپاہیوں میں سے کسی نے کہا کہ ملامت ہو گیا یعنے کفر کا فتوے لگ گیا۔ پھر امیر صاحب جب اپنے اجلاس پر آئے تو اجلاس میں بیٹھتے ہی پہلے اخوندزادہ صاحب مرحوم کو بلایا۔ اور کہا کہ آپ پر کفر کا فتوے لگ گیا ہے۔ اب کہو کہ کیا توبہ کرو گے یا سزا پاؤ گے تو انہوں نے صاف لفظوں میں انکار کیا اور کہا کہ میں حق سے توبہ نہیں کر سکتا کیا میں جان کے خوف سے باطل کو مان لوں یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ تب امیر نے

دوبارہ توبہ کے لئے کہا اور توبہ کی حالت مین بہت امید دی اور وعدہ معافی دیا مگر شہید موصوف نے بڑے زور سے
انکار کیا اور کہا کہ مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ مین سچائی سے توبہ کرون - ان باتون کو بیان کرنیوالے کہتے ہین کہ یہ سُنی
سنائی باتین نہین بلکہ ہم خود اس مجمع مین موجود تھے اور مجمع کثیر تھا شہید مرحوم ہر ایک فہمایش کا زور سے انکار کرتا تھا
اور وہ اپنے لئے فیصلہ کر چکا تھا کہ ضرور ہے کہ مین اس راہ مین جان دون - تب اس نے یہ بھی کہا کہ مین بعد قتل چھ روز تک
پھر زندہ ہو جاؤن گا - یہ راقم کہتا ہے کہ یہ قول وحی الٰہی کی بنا پر ہوگا جو اسوقت ہوئی ہوگی کیونکہ اس وقت شہید مرحوم
منقطعین مین داخل ہو چکا تھا اور فرشتے اس سے مصافحہ کرتے تھے تب فرشتون سے یہ خبر پاکر ایسا اس نے کہا اور اس قول
کے یہ معنے تھے کہ وہ زندگی جو اولیاء اور ابدال کو دیجاتی ہے چھ روز تک مجھے مل جائیگی اور قبل اس کے جو خدا کا دن آوے یعنے
ساتوان دن مین زندہ ہو جاؤنگا اور یاد رہے کہ اولیاء اللہ اور وہ خاص لوگ جو خدا تعالیٰ کی راہ مین شہید ہوتے ہین وہ چند
دنون کے بعد پھر زندہ کئے جاتے ہین جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء**
یعنے تم انکو مردے مت خیال کرو جو اللہ کی راہ مین قتل کئے جاتے ہین وہ تو زندے ہین پس شہید مرحوم کا اسی مقام کی طرف اشارہ
تھا - اور مین نے ایک کشفی نظر مین دیکھا کہ ایک درخت سرو کی ایک بڑی لمبی شاخ جو نہایت خوبصورت اور سرسبز تھی ہمارے باغ
مین سے کاٹی گئی ہے اور وہ ایک شخص کے ہاتھ مین ہے تو کسی نے کہا کہ اس شاخ کو اس زمین مین جو میرے مکان کے قریب ہے اس بیری
کے پاس لگادو جو اس سے پہلے کاٹی گئی تھی اور پھر دوبارہ اُگیگی اور ساتھ ہی مجھے یہ وحی الٰہی ہوئی کہ کابل سے کاٹا گیا اور سیدھا
ہماری طرف آیا - اس کی مین نے یہ تعبیر کی کہ تخم کی طرح شہید مرحوم کا خون زمین پر پڑا ہے اور وہ بہت بارور ہو کر ہماری جماعت کو
بڑھا دیگا - اس طرف مین نے یہ خواب دیکھا اور اس طرف شہید مرحوم نے کہا کہ چھ روز تک مین زندہ کیا جاؤنگا میرا خواب اور
شہید مرحوم کے اس قول کا مآل ایک سا ہی ہے شہید مرحوم نے مرکر میری جماعت کو ایک نمونہ دیا ہے اور درحقیقت میری جماعت
ایک بڑے نمونہ کی محتاج تھی - ابتک ان مین ایسے بھی پائے جاتے ہین کہ جو شخص ان مین سے ادنی خدمت بجالاتا ہے وہ خیال کرتا ہے
کہ اس نے بڑا کام کیا ہے اور قریب ہے کہ میرے پر احسان رکھے حالانکہ خدا کا اس پر احسان ہے کہ اس خدمت کے لئے اس نے اسکو توفیق دی
بعض ایسے ہین کہ پورے زور اور پورے صدق سے اس طرف نہین آئے اور جس قوت ایمان اور انتہا درجہ کے صدق و صفا کا
وہ دعوے کرتے ہین آخر تک اس پر قائم نہین رہ سکتے اور دنیا کی محبت کے لئے دین کو کھو دیتے ہین اور کسی ادنے امتحان کی
بھی برداشت نہین کر سکتے - خدا کے سلسلے مین داخل ہو کر ان کی دنیاداری کم نہین ہوتی لیکن خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار
شکر ہے کہ ایسے بھی ہین کہ وہ سچے دل سے ایمان لائے اور سچے دل سے اس طرف کو اختیار کیا اور اس راہ کے لئے ہر ایک
دکھ اٹھانے کیلئے تیار ہین لیکن جس نمونہ کو اس جوانمرد نے ظاہر کر دیا ابتک وہ قوتین اس جماعت کی مخفی ہین خدا سب کو
وہ ایمان سکھاوے اور وہ استقامت بخشے جسکا اس شہید مرحوم نے نمونہ پیش کیا ہے یہ دنیوی زندگی جو شیطانی حملونکے

ساتھ ملی ہوئی ہے کامل انسان بننے سے روکتی ہے اور اس سلسلہ مین بہت داخل ہونگے مگر افسوس کہ تھوڑے ہین کہ یہ نمونہ دکھائینگے

پھر ہم اصل واقعہ کی طرف رجوع کرکے لکھتے ہین کہ جب شہید مرحوم نے ہر ایک مرتبہ توبہ کرنے کی فہمایش پر توبہ کرنے سے انکار کیا تو امیر نے ان سے مایوس ہوکر اپنے ہاتھ سے ایک لمبا چوڑا کاغذ لکھا اور اس مین مولویون کا فتوے درج کیا اور اس مین یہ لکھا کہ ایسے کافر کی سنگسار کرنا سزا ہے تب وہ فتوے اخوندزادہ مرحوم کے گلے مین لٹکا دیا گیا اور پھر امیر نے حکم دیا کہ شہید مرحوم کے ناک مین چھید کرکے اس مین رسی ڈال دیجائے۔ اور اسی رسی سے شہید مرحوم کو کھینچ کر مقتل یعنی سنگسار کرنے کی جگہ تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس ظالم امیر کے حکم سے ایسا ہی کیا گیا اور ناک کو چھید کر سخت عذاب کے ساتھ اس مین رسی ڈالی گئی۔ تب اس رسی کے ذریعہ سے شہید مرحوم کو نہایت ٹھٹھے ہنسی اور گالیون اور لعنت کے ساتھ مقتل تک لے گئے۔ اور امیر اپنے تمام مصاحبون کے ساتھ اور مع قاضیون مفتیون اور دیگر اہلکارون کے یہ دردناک نظارہ دیکھتا ہوا مقتل تک پہنچا۔ اور شہر کی ہزارہا مخلوق جنکا شمار کرنا مشکل ہے اس تماشا کے دیکھنے کے لئے گئی جب مقتل پر پہنچے تو شاہزادہ مرحوم کو کمر تک زمین مین گاڑ دیا اور پھر اس حالت مین جبکہ وہ کمر تک زمین مین گاڑ دئے گئے تھے امیر ان کے پاس گیا اور کہا کہ اگر تو قادیانی سے جو مسیح موعود ہونے کا دعوے کرتا ہے انکار کرے تو اب بھی مین تجھے بچا لیتا ہون۔ اب تیرا آخری وقت ہے اور یہ آخری موقعہ ہے جو تجھے دیا جاتا ہے اور اپنی جان اور اپنے عیال پر رحم کر۔ تب شہید مرحوم نے جواب دیا کہ نعوذباللہ سچائی سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے اور جان کیا حقیقت ہے اور عیال واطفال کیا چیز ہین جن کے لئے مین ایمان کو چھوڑ دون مجھ سے ایسا ہرگز نہین ہوگا اور مین حق کے لئے مرونگا۔ تب قاضیون اور فقیہون نے شور مچایا کہ کافر ہے کافر ہے اسکو جلد سنگسار کرو۔ اس وقت امیر اور اسکا بھائی نصراللہ خان اور قاضی اور عبدالاحد کمیدان یہ لوگ سوار تھے اور باقی تمام پیادہ تھے۔ جب ایسی نازک حالت مین شہید مرحوم نے بار بار کہدیا کہ مین **ایمان** کو جان پر **مقدم** رکھتا ہون تب امیر نے اپنے قاضی کو حکم دیا کہ پہلا پتھر تم چلاؤ کہ تم نے کفر کا فتوے لگایا ہے۔ قاضی نے کہا کہ آپ بادشاہ وقت ہین آپ چلا دین۔ تب امیر نے جواب دیا کہ شریعت کے تم ہی بادشاہ ہو اور تمہارا ہی فتوے ہے اس مین میرا کوئی دخل نہین۔ تب قاضی نے گھوڑے سے اتر کر ایک پتھر چلایا جس پتھر سے شہید مرحوم کو زخم کاری لگا اور گردن جھک گئی۔ بعد اسکے بدقسمت امیر نے اپنے ہاتھ سے پتھر چلایا۔ پھر کیا تھا اس کی پیروی سے ہزارون پتھر اس شہید پر پڑنے لگے اور کوئی حاضرین مین سے ایسا نہ تھا جس نے اس شہید مرحوم کی طرف پتھر نہ پھینکا ہو یہان تک کہ کثرت پتھرون سے شہید مرحوم کے سر پر ایک کوٹھہ پتھرون کا جمع ہو گیا پھر امیر نے واپس ہوتے وقت کہا کہ یہ شخص کہتا تھا کہ مین چھ روز تک زندہ ہو جاؤنگا اس پر چھ روز تک پہرہ رہنا چاہئے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ظلم یعنی سنگسار کرنا ۱۴ جولائی کو وقوع مین آیا۔ اس بیان مین اکثر حصہ ان لوگون کا ہے جو اس سلسلہ کے مخالف تھے جنہون نے یہ بھی اقرار کیا کہ ہم نے بھی پتھر مارے تھے اور بعض ایسے آدمی بھی اس بیان مین داخل ہین کہ شہید مرحوم کے پوشیدہ شاگرد تھے معلوم ہوتا ہے

کہ یہ واقعہ اس سے زیادہ دردناک ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کیونکہ امیر کے ظلم کو پورے طور پر ظاہر کرنا کسی نے روا نہیں رکھا اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے بہت سے خطوط کے مشترک مطلب سے ہم نے خلاصۃً لکھا ہے ہر ایک قصہ میں اکثر مبالغہ ہوتا ہے لیکن یہ قصہ ہے کہ لوگون نے امیر سے ڈر کر اسکا ظلم پورا پورا بیان نہیں کیا اور بہت سی پردہ پوشی کرنی چاہی ہے شاہزادہ عبد اللطیف کے لئے جو **شہادت** مقدر تھی وہ ہو چکی۔ اب ظالم کا پاداش باقی ہے **انہ من یأت ربہ مجرما فان لہ جہنم لایموت فیہا ولا یحیٰی**۔ افسوس کہ یہ امیر زیر آیت **من یقتل مومنا متعمدا** داخل ہو گیا اور ایک ذرہ خدا تعالے کا خوف نہ کیا۔ اور مومن بھی ایسا مومن کہ اگر کابل کی تمام سرزمین میں اس کی نظیر تلاش کیجائے تو تلاش کرنا لاحاصل ہے ایسے لوگ اکسیر احمر کے حکم میں ہیں جو صدق دل سے ایمان اور حق کیلئے جان بھی فدا کرتے ہیں اور زن و فرزند کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے۔ **اے عبد اللطیف تیرے پر ہزارون رحمتیں کہ تو نے میری زندگی مین ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا**۔ اور جو لوگ میری جماعت مین سے میری موت کے بعد رہینگے مین نہین جانتا کہ وہ کیا کام کرینگے +

آن جوان مرد حبیب کردگار ‏ جوہر خود کرد آخر آشکار
نقد جان از بہر جانان باختہ ‏ دل ازین فانی سرا پرداختہ

پُرخطر ہست این بیابان حیات ‏ صد ہزاران اژدہائش در جہات
صد ہزاران آتشے تا آسمان ‏ صد ہزاران سیل خونخوار دمان

صد ہزاران فرسخے تا کوے یار ‏ دشت پُر خار و بلائش صد ہزار
بنگر این شوخی ازان شیخ عجم ‏ این بیابان کرد طے از یک قدم

این چنین باید خدا را بندۂ ‏ سر پئے دلدار خود افگندۂ
او پئے دلدار از خود مردہ بود ‏ از پئے تریاق زہرے خوردہ بود

تا نہ نوشد جام این زہرے کسے ‏ کے رہائی یابد از مرگ آن خسے
زیر این موت است پنہان صد حیات ‏ زندگی خواہی بخور جام ممات

تو گشتی بندۂ حرص و ہوا ‏ این طلب در نفس دون تو کجا
دل بدین دنیائے دون آویختی ‏ آبرو از بہر عصیان ریختی

صد ہزاران فوج شیطان در پسِت ‏ تا بسوزد در جہنم چون خسِت
از پئے امید یا بہر خطر ‏ مے شنود ایمان تو زیر و زبر

از برائے این سرائے بے وفا ‏ مے نہی دین خدا را زیر پا
دین بود دین فدائے آن نگار ‏ اے سیہ باطن ترا با دین چہ کار

پست ہستی لافِ استغنا مزن ‏ در گلیم خویش بیرون پا مزن
خویشتن را نیک اندیشیدۂ ‏ اے ہلاک اللہ چہ بد فہمیدۂ

خوش نگردد دلستان از قیل و قال ‏ تا نمیری زندگی باشد محال
کبر و کین را ترک کن اے بدخصال ‏ تا بتابد بر تو نور ذوالجلال

این چنین بالا ز بالا چون پری ‏ یا مگر زان ذات بیچون منکری
کاخ دنیا را چہ دید استی بنا ‏ کت خوش افتاد این فانی سرا

دل چرا غافل بہ بندد اندرین ‏ ناگہان باید شدن بیرون ازین
از پئے دنیا بُریدن از خدا ‏ پس ہمین باشد نشان اشقیا

چون شود بخشائش حق بر کسے ‏ دل نہ ماند بر بنائش بسے
خوشترش آید بیابان تپان ‏ تا در و نالد ز بہر دلستان

پیش از مردن بمیرد حق شناس ‏ زینکہ محکم نیست دنیا را اساس
ہوش کن این جائیگہ جائے فناست ‏ با خدا اے باش چون آخر خداست

زہر قاتل گر بدست خود خوری — من چسان دانم کہ تو دانشوری
بین کاین عبد اللطیف پاک مرد — چون پئے حق خویشتن برباد کرد

جان بصدق آن دلستان را دادہ است — تاکنون در سنگہا افتادہ است
این بود رسم رہ صدق و وفا — این بود مردان حق را انتہا

از پئے آن زندہ از خود فانی اند — جان فشان بر مسلک ربانی اند
فارغ افتادہ ز نام و عزّ و جاہ — دل ز کف و ز فرق افتادہ کلاہ

دور تر از خود بہ یار آمیختہ — آبرو از بہر روئے ریختہ
ذکر شان ہم می دہد یاد از خدا — صدق ورزان در جناب کبریا

گر بجوئی این چنین ایمان بود — کار بر جویندگان آسان بود
لیک تو افتادہ در دنیا اسیر — تا نمیری کے رہی زین دار و گیر

تا نمیری اے سگ دنیا پرست — دامن آن یار کے آید بدست
نیست شو تا بر تو فیضانے رسد — جان بہ بخشان تا دگر جانے رسد

تو گذاری عمر خود در کبر و کین — چشم بستہ از رہ صدق و یقین
نیک دل با نیکوان دارد سرے — بر گہر افتد می زند بد گوہرے

ہست دین تخم فنا را کاشتن — وز سر ہستی قدم برداشتن
چون بیفتی با دو صد درد و نفیر — کس ہمی خیزد کہ گردد دستگیر

با خبر را دل تپد بر بے خبر — رحم بر کورے کند اہل بصر
ہمچنین قانون قدرت اوفتاد — مر ضعیفان را قوی آرد بیاد

اپنی جماعت کے لئے بعض نصائح

اے میری جماعت خدا تعالے آپ لوگوں کے ساتھ ہو وہ قادر کریم آپ لوگوں کو سفر آخرت کے لئے ایسا تیار کرے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تیار کئے گئے تھے۔ خوب یاد رکھو کہ دنیا کچھ چیز نہیں ہے لعنتی ہے وہ زندگی جو محض دنیا کے لئے ہے اور بد قسمت ہے وہ جسکا تمام ہم و غم دنیا کیلئے ہے ایسا انسان اگر میری جماعت میں ہے تو وہ عبث طور پر میری جماعت میں اپنے تئیں داخل کرتا ہے کیونکہ وہ اس خشک ٹہنی کی طرح ہے جو پھل نہیں لائے گی +

اے سعادتمند لوگو تم زور کے ساتھ اس تعلیم میں داخل ہو جو تمہاری نجات کے لئے مجھے دی گئی ہے تم خدا کو واحد لاشریک سمجھو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو۔ نہ آسمان میں سے نہ زمین میں سے خدا اسباب کے استعمال سے تمہیں منع نہیں کرتا لیکن جو شخص خدا کو چھوڑ کر اسباب ہی پر بھروسہ کرتا ہے وہ مشرک ہے قدیم سے خدا کہتا چلا آیا ہے کہ پاک دل بننے کے سوا نجات نہیں سو تم پاک دل بن جاؤ اور نفسانی کینوں اور غصوں سے الگ ہو جاؤ انسان کے نفس امارہ میں کئی قسم کی پلیدیاں ہوتی ہیں مگر سب سے زیادہ تکبر کی پلیدی ہے اگر تکبر نہ ہوتا تو کوئی شخص کافر نہ رہتا سو تم دل کے مسکین بن جاؤ عام طور پر بنی نوع کی ہمدردی کرو جبکہ تم انہیں بہشت دلانے کیلئے وعظ کرتے ہو سو یہ وعظ تمہارا کب صحیح ہو سکتا ہے اگر تم اس چند روزہ دنیا میں ان کی بدخواہی کرو خدا تعالے کے فرائض کو دلی خوف سے بجا لاؤ کہ تم ان سے پوچھے جاؤ گے نمازوں میں بہت دعا کرو کہ تا خدا تمہیں اپنی طرف کھینچے اور تمہارے دلوں کو صاف کرے کیونکہ انسان کمزور ہے ہر ایک بدی

جو دور ہوتی ہے وہ خدا تعالیٰ کی قوت سے دور ہوتی ہے اور جب تک انسان خدا سے قوت نہ پاوے کسی بدی کے دور کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا اسلام صرف یہ نہیں ہے کہ رسم کے طور پر اپنے تئیں کلمہ گو کہلاؤ بلکہ اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ تمہاری روحین خدا تعالیٰ کے آستانہ پر گر جائین اور خدا اور اسکے احکام ہر ایک پہلو کے رو سے تمہاری دنیا پر تمہین مقدم ہو جائین -

اے میری عزیز جماعت یقیناً سمجھو کہ زمانہ اپنے آخر کو پہنچ گیا ہے اور ایک صریح انقلاب نمودار ہو گیا ہے سو اپنی جانون کو دھوکہ مت دو اور بہت جلد راستبازی مین کامل ہو جاؤ- قرآن کریم کو اپنا پیشوا پکڑو اور ہر ایک بات مین اس سے روشنی حاصل کرو اور حدیثون کو بھی ردی کی طرح مت پھینکو کہ وہ بڑی کام کی ہین اور بڑی محنت سے ان کا ذخیرہ تیار ہوا ہے لیکن جب قرآن کے قصّون سے حدیث کا کوئی قصّہ مخالف ہو تو ایسی حدیث کو چھوڑ دو تا گمراہی مین نہ پڑو- قرآن شریف کو بڑی حفاظت سے خدا تعالیٰ نے تمہارے تک پہنچایا ہے سو تم اس پاک کلام کا قدر کرو اس پر کسی چیز کو مقدم نہ سمجھو کہ تمام راست روی اور راستبازی اسی پر موقوف ہے کسی شخص کی باتین لوگون کے دلون مین اسی حد تک مؤثر ہوتی ہین جس حد تک اس شخص کی معرفت اور تقوے پر لوگون کو یقین ہوتا ہے

اب دیکھو خدا نے اپنی حجت کو تم پر اس طرح پر پورا کر دیا ہے کہ میرے دعوے پر ہزارہا دلائل قائم کر کے تمہین یہ موقعہ دیا ہے کہ تا تم غور کرو کہ وہ شخص جو تمہین اس سلسلہ کی طرف بلاتا ہے وہ کس درجہ کی معرفت کا آدمی ہے اور کسقدر دلائل پیش کرتا ہے اور تم کوئی عیب افترا یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہین لگا سکتے تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افترا کا عادی ہے یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا- کون تم مین ہے جو میری سوانح زندگی مین کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے پس یہ خدا کا فضل ہے کہ جو اس نے ابتدا سے مجھی تقوے پر قائم رکھا اور سوچنے والون کے لئے یہ ایک دلیل ہے +

پھر ما سوا اسکے میرے خدا نے عین صدی کے سر پر مجھے مامور فرمایا اور جس قدر دلائل میرے سچا ماننے کے لئے ضروری تھے وہ سب دلائل تمہارے لئے مہیا کر دئے اور آسمان سے لیکر زمین تک میرے لئے نشان ظاہر کئے اور تمام نبیون نے ابتدا سے آج تک میرے لئے خبرین دی ہین پس اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا تو اسقدر دلائل اسمین کبھی جمع نہ ہو سکتے- علاوہ اسکے خدا تعالیٰ کی تمام کتابین اس بات پر گواہ ہین کہ مفتری کو خدا جلد پکڑتا ہے- اور نہایت ذلت سے ہلاک کرتا ہے مگر تم دیکھتے ہو کہ میرا دعوےٰ منجانب اللہ ہونیکا تیئس برس سے بھی زیادہ کا ہے جیسا کہ **براہین احمدیہ** کے پہلے حصّہ پر نظر ڈالکر تم سمجھ سکتے ہو پس ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ کیا کبھی خدا کی یہ عادت ہوئی اور جب سے انسان کو اس نے پیدا کیا ہے کیا کبھی اس نے ایسا کام کیا کہ جو شخص ایسا بد طینت اور چالاک اور گستاخ اور مفتری ہے کہ تئیس برس تک ہر روز نئے دن اور نئی رات مین خدا تعالیٰ پر افترا کر کے ایک نئی وحی اور نیا الہام اپنے دل سے تراشتا ہے اور پھر لوگون کو یہ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی نازل ہوئی ہے اور خدا تعالیٰ بجائے اسکے کہ ایسے شخص کو ہلاک کرے اپنے زبردست نشانون سے اس کی تائید کرے اسکے دعوے کے ثبوت کیلئے آسمان مین چاند اور سورج کو پیشگوئی کے موافق گرہن مین ڈالے اور اس طرح یہ وہ پیشگوئی جو پہلی کتابون اور قرآن شریف اور حدیثون مین

اور خود اس کی کتاب براہین احمدیہ میں تھی پوری کرکے دنیا میں دکھاوے اور سچون کی طرح عین صدی کے سر پر اسکو مبعوث کرے اور عین صلیبی غلبہ کے وقت میں جس کے لئے کاسر صلیب مسیح موعود آنا چاہئے تھا اسکو اس دعوے کے ساتھ کھڑا کرے اور ہر ایک قدم میں اس کی تائید کرے اور دس لاکھ سے زیادہ اس کی تائید میں نشان دکھاوے اور اسکو دنیا میں عزت دے اور زمین پر اس کی قبولیت پھیلاوے اور صدہا پیشگوئیاں اسکے حق میں پوری کرے اور نبیوں کے مقرر کردہ دنون میں جو مسیح موعود کے ظہور کے لئے مقرر ہیں اسکو پیدا کرے اور اس کی دعائیں قبول فرماوے اور اسکے بیان میں تاثیر ڈالدے اور ایسا ہی ہر ایک پہلو سے اس کی تائید کرے حالانکہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے اور ناحق عمداً اس پر افترا کر رہا ہی کیا بتا سکتے ہو کہ یہ کرم و فضل کا معاملہ پہلے مجھ سے خدا تعالےٰ نے کسی مفتری سے کیا ÷

پس اے بندگانِ خدا غافل مت ہو اور شیطان تمہین وساوس میں نہ ڈالے یقیناً سمجھو کہ یہ وہی وعدہ پورا ہوا ہے جو قدیم سے خدا کے پاک نبی کرتے آئے ہین آج خدا کے مرسل اور شیطان کا آخری جنگ ہے اور یہ وہی وقت اور وہی زمانہ ہے جیسا کہ دانیال نبی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا تھا میں ایک فضل کی طرح اہل حق کے لئے آیا پر مجھ سے ٹھٹھا کیا گیا اور مجھے کافر اور دجال ٹھیرایا گیا اور بے ایمانون میں سے مجھے سمجھا گیا۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا تا وہ پیشگوئی پوری ہوتی جو آیت غیر المغضوب علیہم کے اندر مخفی ہے کیونکہ خدا نے منعم علیہم کا وعدہ کرکے اس آیت میں بتا دیا ہی کہ اس امت میں وہ یہودی بھی ہونگے جو یہود کے علماء سے مشابہ ہونگے جنہون نے حضرت عیسےٰ کو سولی دینا چاہا تھا اور جنہون نے عیسےٰ کو کافر اور دجال اور ملحد قرار دیا تھا اب سوچو کہ یہ کس بات کی طرف اشارہ تھا اسی بات کی طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود اس امت میں سے آنیوالا ہے اسلئے اسکے زمانہ میں یہود کے رنگ کے لوگ بھی پیدا کئے جائیں گے جو اپنے زعم میں علما کہلائینگے سو آج تمہارے ملک میں وہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ اگر یہ علماء موجود نہ ہوتے تو اب تک تمام باشندے اس ملک کے جو مسلمان کہلاتے ہین مجھے قبول کر لیتے پس تمام منکرون کا گناہ ان لوگون کی گردن پر ہے یہ لوگ راستبازی کے محل میں نہ آپ داخل ہوتے ہین نہ کم فہم لوگون کو داخل ہونے دیتے ہین کیا کیا مکر ہین جو کر رہے ہین اور کیا کیا منصوبے ہین جو اندر ہی اندر انکے گھرون میں ہو رہے ہین مگر کیا وہ خدا پر غالب آجائینگے اور کیا وہ اس قادر مطلق کے ارادہ کو روک دینگے جو تمام نبیون کی زبانی ظاہر کیا گیا ہے وہ اس ملک کے شریر امیرون اور بدقسمت دولتمند دنیاداروں پر بھروسہ رکھتے ہین مگر خدا کی نظر میں وہ کیا ہین صرف ایک مرے ہوئے کیڑے ÷

اے تمام لوگو سن رکھو کہ یہ اسکی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکون میں پھیلاد یگا اور حجت اور برہان کے رو سے سب پر انکو غلبہ بخشیگا وہ دن آتے ہین بلکہ قریب ہین کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائیگا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالیگا اور ہر ایک

جو اسکے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہیگا۔ یہان تک کہ قیامت آجائیگی۔ اگر اب مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہین تو اس ٹھٹھے سے کیا نقصان کیونکہ کوئی نبی نہین جس سے ٹھٹھا نہین کیا گیا پس ضرور تھا کہ مسیح موعود سے بھی ٹھٹھا کیا جاتا جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۔

پس خدا کی طرف سے یہ نشانی ہے کہ ہر ایک نبی سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے مگر ایسا آدمی جو تمام لوگون کے روبرو آسمان سے اترے اور فرشتے بھی اسکے ساتھ ہون اس سے کون ٹھٹھا کریگا۔ پس اس دلیل سے بھی عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ مسیح موعود کا آسمان سے اترنا محض جھوٹا خیال ہے یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہین اترے گا ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہین وہ تمام مرینگے اور کوئی ان مین سے عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہین دیکھے گا اور پھر انکی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور ان مین سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہین دیکھے گا اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اترتے نہین دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلون مین گھبراہٹ ڈالیگا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گذر گیا اور دنیا دوسرے رنگ مین آگئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ ابتک آسمان سے نہ اترا۔ تب دانشمند یکدفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائینگے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہین ہوگی کہ عیسیٰ کے انتظار کرنیوالے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑینگے اور دنیا مین ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا مین تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہون سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہین جو اس کو روک سکے ۔

اور یہ خیال مت کرو کہ آریہ یعنے ہندو دیانندی مذہب والے کچھ چیز ہین وہ صرف اس زنبور کی طرح ہین جس مین بجز نیش زنی کے اور کچھ نہین۔ وہ نہین جانتے کہ توحید کیا چیز ہے اور روحانیت سے سراسر بے نصیب ہین عیب چینی کرنا اور خدا کے پاک رسولون کو گالیان دینا ان کا کام ہے اور بڑا کمال ان کا یہی ہے کہ شیطانی وساوس سے اعتراضات کے ذخیرے جمع کر رہے ہین اور تقوےٰ اور طہارت کی روح ان مین نہین یاد رکھو کہ بغیر روحانیت کے کوئی مذہب چل نہین سکتا اور مذہب بغیر روحانیت کے کچھ بھی چیز نہین جس مذہب مین روحانیت نہین اور جس مذہب مین خدا کے ساتھ مکالمہ کا تعلق نہین اور صدق و صفا کی روح نہین اور آسمانی کشش اسکے ساتھ نہین اور فوق العادت تبدیلی کا نمونہ اسکے پاس نہین وہ مذہب مردہ ہے۔ اس سے مت ڈرو۔ ابھی تم مین سے لاکھون اور کروڑون انسان زندہ ہونگے کہ اس مذہب کو نابود ہوتے دیکھ لوگے کیونکہ یہ مذہب آریا کا زمین سے ہے نہ آسمان سے اور زمین کی باتین پیش کرتا ہے نہ آسمان کی پس تم خوش ہو اور خوشی سے اچھلو کہ خدا تمہارے ساتھ ہے اگر تم صدق اور ایمان پر قائم رہوگے تو فرشتے تمہین تعلیم دینگے اور آسمانی سکینت تم پر اترے گی اور روح القدس سے مدد دیے جاؤگے اور خدا ہر ایک قدم مین تمہارے ساتھ ہوگا اور کوئی تم پر غالب نہین ہو سکے گا۔ خدا کے فضل کی صبر سے انتظار کرو گالیان سنو اور چپ رہو۔ مارین کھاؤ اور صبر کرو

اور حتی المقدور بدی کے مقابلہ سے پرہیز کرو تا آسمان پر تمہاری قبولیت لکھی جاوے یقیناً یاد رکھو کہ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں اور دل ان کے خدا کے خوف سے پگھل جاتے ہیں انہیں کے ساتھ خدا ہوتا ہے اور وہ ان کے دشمنوں کا دشمن ہو جاتا ہے دنیا صادق کو نہیں دیکھتی پر خدا جو علیم و خبیر ہے وہ صادق کو دیکھ لیتا ہے پس اپنے ہاتھ سے اسکو بچاتا ہے کیا وہ شخص جو سچے دل سے تم سے پیار کرتا ہے اور سچ مچ تمہارے لئے مرنے کو بھی تیار رہتا ہے اور تمہارے منشاء کے موافق تمہاری اطاعت کرتا ہے اور تمہارے لئے سب کچھ چھوڑتا ہے کیا تم اس سے پیار نہیں کرتے اور کیا تم اسکو سب سے عزیز نہیں سمجھتے پس جبکہ تم انسان ہو کر پیار کے بدلہ میں پیار کرتے ہو پھر کیونکر خدا نہیں کریگا۔ خدا خوب جانتا ہے کہ واقعی اسکا وفادار دوست کون ہے اور کون غدار اور دنیا کو مقدم رکھنے والا ہے سو تم اگر ایسے وفادار ہو جاؤ گے تو تم میں اور تمہارے غیروں میں خدا کا ہاتھ ایک فرق قائم کر کے دکھلائیگا۔

ذکر اس پیشگوئی کا جو براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۰ میں درج ہے مع اس پیشگوئی کے جو براہین کے صفحہ ۵۱۱ میں مندرج ہے یعنی وہ پیشگوئی جو صاحبزادہ مولوی محمد عبد اللطیف صاحب مرحوم اور میاں عبد الرحمن مرحوم کی شہادت کی نسبت ہے اور وہ پیشگوئی جو میرے محفوظ رہنے کی نسبت ہے

واضح ہو کہ براہین احمدیہ کے صفحہ پانچسو دس ۵۱۰ اور صفحہ پانچسو گیارہ ۵۱۱ میں یہ پیش گوئیاں ہیں۔

وان لم یعصمک الناس یعصمک اللہ من عندہ یعصمک اللہ من عندہ وان لم یعصمک الناس شاتان تذبحان۔ وکل من علیہا فان۔ ولا تہنوا ولا تحزنوا الیس اللہ بکاف عبدہ۔ الم تعلم ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر۔ وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا۔ وفی اللہ اجرک۔ ویرضی عنک ربک۔ ویتم اسمک وعسٰی ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم۔ وعسٰی ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون *

ترجمہ۔ اگرچہ لوگ تجھے قتل ہونے سے نہ بچائیں لیکن خدا تجھے بچائیگا۔ خدا تجھے ضرور قتل ہونے سے بچائیگا اگرچہ لوگ نہ بچائیں یہ اس بات کیطرف اشارہ تھا کہ لوگ تیرے قتل کے لئے سعی اور کوشش کرینگے خواہ اپنے طور سے اور خواہ گورنمنٹ کو دھوکہ دیکر مگر خدا

ان کو ان کی تدبیرون مین نامراد رکھیگا۔ یہ ارادہ الٰہی اس غرض سے ہے کہ اگرچہ قتل ہونا مومن کیلئے شہادت ہے لیکن عادت اللہ
اسی طرح ہے کہ دو قسم کے مرسل من اللہ قتل نہین ہوا کرتے (۱) ایک وہ نبی جو سلسلہ کے اول پر آتے ہین جیسا کہ سلسلہ موسویہ
مین حضرت موسےٰ اور سلسلہ محمدیہ مین ہمارے سید و مولےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم (۲) دوسرے وہ نبی اور مامور من اللہ
جو سلسلہ کے آخر مین آتے ہین جیسے کہ سلسلہ موسویہ مین حضرت عیسےٰ اور سلسلہ محمدیہ مین یہ عاجز۔ یہی راز ہے کہ جیسے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن شریف مین **یعصمک اللہ** کی بشارت ہے ایسا ہی اس خدا کی وحی مین میرے لئے
یعصمک اللہ کی بشارت ہے اور سلسلہ کے اول اور آخر کے مرسل کو قتل سے محفوظ رکھنا اس حکمت الٰہی کے تقاضا سے
ہے۔ کہ اگر اول سلسلہ کا مرسل جو صدر سلسلہ ہے شہید کیا جائے تو عوام کو اس مرسل کی نسبت بہت شبہات پیدا ہو جاتے
ہین کیونکہ ہنوز وہ اس سلسلہ کی پہلی اینٹ ہوتا ہے پس اگر سلسلہ کی بنیاد پڑتے ہی اس سلسلہ پر یہ پتھر پڑین کہ جو بانی
سلسلہ ہے وہی قتل کیا جائے تو یہ ابتلا عوام کی برداشت سے برتر ہوگا اور ضرور وہ شبہات مین پڑینگے اور ایسے بانی کو نعوذ باللہ
مفتری قرار دینگے مثلاً اگر حضرت موسےٰ فرعون کے روبرو جا کر اسی روز قتل کئے جاتے یا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم
اس روز جس دن قتل کیلئے مکہ مین آپ کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تھا کافرون کے ہاتھ سے شہید کئے جاتے تو شریعت اور سلسلہ
کا وہین خاتمہ ہو جاتا اور بعد اسکے کوئی نام بھی نہ لیتا۔ پس یہی حکمت تھی کہ باوجود ہزارون جانی دشمنون کے نہ حضرت
موسےٰ شہید ہو سکے اور نہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم شہید ہو سکے۔ اور اگر آخر سلسلہ کا مرسل شہید کیا جائے تو عوام
کی نظر مین خاتمہ سلسلہ پر ناکامی اور نامرادی کا داغ لگایا جائے گا اور خدا تعالےٰ کا منشاء یہ ہے کہ خاتمہ سلسلہ کا فتح
اور کامیابی کے ساتھ ہو۔ کیونکہ حکم خواتیم پر ہوتا ہے اور خدا تعالےٰ کا منشاء ہرگز نہین ہے کہ خاتمہ سلسلہ پر دشمن ملعون
کو کوئی خوشی پہنچے جیسا کہ اس کا منشاء نہین ہے کہ سلسلہ کی ابتدا مین ہی پہلی اینٹ کے ٹوٹنے سے ہی دشمن لعنتی خوشی سے
بغلین بجاوین پس اسی لئے حکمت الٰہیہ نے سلسلہ موسویہ کے آخر مین حضرت عیسےٰ کو صلیب کی موت سے بچا لیا اور سلسلہ
محمدیہ کے آخر مین بھی اسی غرض سے کوشش کی گئی یعنی خون کا دعوےٰ کیا گیا تا محمدی مسیح کو صلیب پر کھینچا جائے۔
مگر خدا کا فضل پہلے مسیح کی نسبت بھی اس مسیح پر زیادہ جلوہ نما ہوا اور سزائے موت سے اور ہر ایک سزا سے محفوظ رکھا
غرض چونکہ اول اور آخر سلسلہ کے دو دیوارین ہین۔ اور دو پشتیبان ہین۔ اس لئے عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے
کہ اول سلسلہ اور آخر سلسلہ کے مرسل کو قتل سے محفوظ رکھتا ہے اگرچہ شریر اور خبیث آدمی بہت کوشش کرتے ہین کہ قتل کرین
مگر خدا کا ہاتھ انکے ساتھ ہوتا ہے بعض وقت نادان دشمن دھوکہ سے یہ خیال کرتا ہو کہ کیا مین نیک نہین ہون اور کیا مین
نماز اور روزہ کا پابند نہین جیسا کہ یہود کے فقیہون اور فریسیون کو یہی خیال تھا بلکہ بعض ان مین سے حضرت عیسے کے وقت
مین ملہم ہونیکا بھی دعوے کرتے تھے۔ مگر ایسا نادان یہ نہین جانتا کہ جو خدا کے صادق بندے ہوتے ہین اور گہرے تعلق

اس کے ساتھ رکھتے ہین۔ وہ اس صدق اور وفا اور محبت الٰہیہ سے رنگین ہوتے ہین کہ خدا تعالیٰ کو ان کا ساتھ دینا پڑتا ہے اور ان کے دشمن کو ہلاک کرتا ہی جیسا کہ بلعم نے تکبر اور غرور سے یہ خیال کیا کہ کیا موسٰی مجھ سے بہتر ہے مگر موسٰی کا خدا کے ساتھ ایک تعلق تھا جسکو لفظ ادا نہین کر سکتے اور جو بیان کرنے مین نہین آسکتا اس لئے اندھا بلعم اس تعلق سے بیخبر رہا اور جو اپنے سے بہت بڑا تھا اسکا مقابلہ کر کے مارا گیا۔ سو ہمیشہ یہ امر واقع ہوتا ہی کہ جو خدا کے خاص حبیب اور وفادار بندے ہین ان کا صدق خدا کے ساتھ اس حد تک پہنچ جاتا ہی کہ یہ دنیادار اندھے اسکو دیکھ نہین سکتے اس لئے ہر ایک سجادہ نشینون اور مولویون مین سے انکے مقابلہ کے لئے اٹھتا ہی اور وہ مقابلہ اس سے نہین بلکہ خدا سے ہوتا ہی بھلا یہ کیونکر ہو سکے کہ جس شخص کو خدا نے ایک عظیم الشان غرض کے لئے پیدا کیا ہے اور جسکے ذریعہ سے خدا چاہتا ہے کہ ایک بڑی تبدیلی دنیا مین ظاہر کرے ایسے شخص کو چند جاہل اور بزدل ا[illegible]مام اور ناتمام اور بیوفا زاہدون کی خاطر سے ہلاک کرے اگر دو کشتیون کا باہم ٹکراؤ ہو جائے جن مین سے ایک کشتی ایسی ہی کہ اس مین بادشا[illegible]وقت جو عادل اور کریم الطبع اور فیاض اور سعید النفس ہے معہ اپنے خاص ارکان کے سوار ہی۔ اور دوسری ایسی ہی جس مین چند چوہڑے یا چمار یا ایسی بدمعاش بد وضع بیٹھے ہین اور ایسا موقع آپڑا ہے کہ ایک کشتی کا بچاؤ اس مین ہی کہ دوسری کشتی مع اسکے سوارون کے تباہ کیجائے تو اب بتلاؤ کہ اس وقت کونسی کارروائی بہتر ہوگی۔ کیا اس بادشاہ عادل کی کشتی تباہ کی جائے گی یا ان بدمعاشون کی کشتی کہ جو حقیر و ذلیل ہین تباہ کر دیجائے گی مین تمہین سچ سچ کہتا ہون کہ بادشاہ کی کشتی بڑی زور اور حمایت سے بچائی جائے گی۔ اور ان چوہڑون چمارون کی کشتی تباہ کر دی جائے گی اور وہ بالکل لاپرواہی سے ہلاک کر دئے جائینگے اور انکے ہلاک ہونے مین خوشی ہوگی کیونکہ دنیا کو بادشاہ عادل کے وجود کی بہت ضرورت ہے اور اسکا مرنا ایک عالم کا مرنا ہے۔ اگر چند چوہڑے اور چمار مر گئے تو ان کی موت سے کوئی خلل دنیا کے انتظام مین نہین آسکتا پس خدا تعالیٰ کی یہی سنت ہے کہ جب اسکے مرسلون کے مقابل پر ایک اور فریق کھڑا ہو جاتا ہے تو گو وہ اپنے خیال مین کیسے ہی اپنے تئین نیک قرار دین انہین کو خدا تعالےٰ تباہ کرتا ہے اور انہین کی ہلاکت کا وقت آجاتا ہے کیونکہ وہ نہین چاہتا کہ جس غرض کے لئے اپنے کسی رسول کو مبعوث فرماتا ہے اسکو ضائع کرے کیونکہ اگر ایسا کرے تو پھر وہ خود اپنی غرض کا دشمن ہوگا۔ اور پھر زمین پر اس کی کون عبادت کرے گا۔ دنیا کثرت کو دیکھتی ہی اور خیال کرتی ہی کہ یہ فریق بہت بڑا ہے۔ سو یہ اچھا ہے اور نادان خیال کرتا ہی کہ یہ لوگ ہزارون لاکھون مساجد مین جمع ہوتے مین کیا یہ برے ہین۔ مگر خدا کثرت کو نہین دیکھتا وہ دلون کو دیکھتا ہے خدا کے خاص بندون مین محبت الٰہی اور صدق و وفا کا ایک ایسا خاص نور ہوتا ہی کہ اگر مین بیان کر سکتا تو بیان کرتا لیکن مین کیا بیان کرون جب سے دنیا ہوئی اس راز کو کوئی نبی یا رسول بیان نہین کر سکا۔ خدا کے باوفا بندون کی اس طور سے آستانہ الٰہی پر روح گرتی ہے کہ کوئی لفظ ہمارے پاس نہین کہ اس کیفیت کو دکھلا سکے +

اب بعد اسکے بقیہ ترجمہ کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہون۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہی کہ اگرچہ مین تجھے قتل سے بچاؤن گا

مگر تیری جماعت مین سے دو بکریان ذبح کی جاینگی اور ہر ایک جو زمین پر ہے آخر فنا ہو گا یعنے بیگناہ اور معصوم ہونے کی حالت مین قتل کیجائینگی۔ یہ خدا تعالےٰ کی کتابون مین محاورہ ہے کہ بیگناہ اور معصوم کو بکرے یا بکری سے تشبیہ دیجاتی ہے اور کبھی گائیون سے بھی تشبیہ دیجاتی ہے سو خدا تعالےٰ نے اس جگہ انسان کا لفظ چھوڑ کر بکری کا لفظ استعمال کیا کیونکہ بکری مین دو ہنر ہین وہ دودھ بھی دیتی ہے اور پھر اسکا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور یہ پیشگوئی شہید مرحوم مولوی محمد عبد اللطیف اور انکے شاگرد عبد الرحمن کے بارہ مین ہے کہ جو براہین احمدیہ کے لکھے جانے کے بعد پورے تیئیس برس بعد پوری ہوئی اب تک لاکھون کروڑون انسانون نے اس پیشگوئی کو میری کتاب براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۰ مین پڑھا ہوگا اور ظاہر ہے کہ جیسا کہ ابھی مین نے لکھا ہے بکری کی صفتون مین سے ایک دودھ دینا ہے اور ایک اسکا گوشت ہے جو کھایا جاتا ہے یہ دونون بکری کی صفتین مولوی عبد اللطیف صاحب مرحوم کی شہادت سے پوری ہوئین کیونکہ مولوی صاحب موصوف نے مباحثہ کے وقت انواع اقسام کے معارف اور حقایق بیان کرکے مخالفون کو دودھ دیا گو بدقسمت مخالفون نے وہ دودھ نہ پیا اور پھینکدیا اور پھر شہید مرحوم نے اپنی جان کی قربانی سے اپنا گوشت دیا اور خون بہلایا تا مخالف اس گوشت کو کھاوین اور اس خون کو پیوین یعنے محبت کے رنگ مین اور اس طرح اس پاک قربانی سے فائدہ اٹھاوین اور سوچ لین کہ جس مذہب اور جس عقیدہ پر وہ قائم ہین اور جس پر انکے باپ دادے مر گئے کیا ایسی قربانی کبھی انہون نے کی کیا ایسا صدق اور اخلاص کبھی کسی نے دکھلایا۔ کیا ممکن ہے کہ جبتک انسان یقین سے بھر کر خدا کو نہ دیکھے وہ ایسی قربانی دیسکے۔ بیشک ایسا خون اور ایسا گوشت ہمیشہ حق کے طالبونکو اپنی طرف دعوت کرتا رہیگا جبتک کہ دنیا ختم ہو جاوے۔ غرض چونکہ صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب کو ان دو صفتون کی وجہ سے بکری سے بہت مشابہت تھی اور میان عبد الرحمن بھی بکری سے مشابہت رکھتا تھا اسلئے انکو بکری کے نام سے یاد کیا گیا اور چونکہ خدا تعالےٰ جانتا تھا کہ اس راقم اور اس کی جماعت پر ان ناحق کے خون سے بہت صدمہ گذریگا اس لئے اس وحی کے مابعد آنیوالے فقرون مین تسلی اور عزا پرسی کے رنگ مین کلام نازل فرمایا جو ابھی عربی مین لکھ چکا ہون جسکا یہ ترجمہ ہے کہ اس مصیبت اور اس سخت صدمہ سے تم غمگین اور اداس مت ہو کیونکہ اگر دو آدمی تم مین سے مارے گئے تو خدا تمہارے ساتھ ہے وہ دو کے عوض ایک قوم تمہارے پاس لائیگا اور وہ اپنے بندہ کے لئے کافی ہے۔ کیا تم نہین جانتے کہ خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے اور یہ لوگ جوان دو مظلومونکو شہید کرینگے ہم تجھ کو ان پر قیامت مین گواہ لائینگے اور کس گناہ سے انہون نے شہید کیا تھا اور خدا تیرا اجر دیگا اور تجھ سے راضی ہوگا اور تیرے نام کو پورا کریگا۔ یعنے احمد کے نام کو جسکے یہ معنے ہین کہ خدا کی بہت تعریف کرنیوالا اور وہی شخص خدا کی بہت تعریف کرتا ہے جسپر خدا کے انعام اکرام بہت نازل ہوتے ہین بس مطلب یہ ہے کہ خدا تجھ پر انعام اکرام کی بارش کریگا اسلئے تو سب سے زیادہ اسکا ثناخوان ہوگا۔ تب تیرا نام جو احمد ہے پورا ہو جائیگا۔ پھر اسکے فرمایا کہ ان شہیدون کے مارے جانیسے غم مت کرو۔ ان کی

شہادت مین حکمت الٰہی ہے اور بہت باتین ہین جو تم چاہتے ہو کہ وہ وقوع مین آوین۔ حالانکہ ان کا واقع ہونا تمہارے لئے اچھا نہین ہوتا اور بہت امور ہین جو تم چاہتے ہو کہ وہ واقع نہ ہون حالانکہ ان کا واقع ہونا تمہارے لئے اچھا ہوتا ہے اور خدا خوب جانتا ہے کہ تمہارے لئے کیا بہتر ہے۔ مگر تم نہین جانتے اس تمام وحی الٰہی مین یہ سمجھایا گیا ہے کہ صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف مرحوم کا اس بیرحمی سے مارا جانا اگرچہ ایسا امر ہے کہ اسکے سننے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے (**وما رئینا ظلماً اغیظ من ہذا**) لیکن اس خون مین بہت برکات ہین کہ بعد مین ظاہر ہونگے اور کابل کی زمین دیکھ لیگی کہ یہ خون کیسے کیسے پھل لائیگا یہ خون کبھی ضائع نہین جائیگا۔ پہلے اس سے غریب عبد الرحمن میری جماعت کا ظلم سے مارا گیا اور خدا چپ رہا مگر اس خون پر اب وہ چپ نہین رہیگا اور بڑے بڑے نتائج ظاہر ہونگے۔ چنانچہ سنا گیا ہے کہ جب شہید مرحوم کو ہزارون پتھرون سے قتل کیا گیا تو انہین دنون مین سخت ہیضہ کابل مین پھوٹ پڑا اور بڑے بڑے ریاست کے نامی اسکا شکار ہو گئے اور بعض امیر کے رشتہ دار اور عزیز بھی اس جہان سے رخصت ہوئے مگر ابھی کیا ہے۔ یہ خون بڑی بیرحمی کے ساتھ کیا گیا ہے اور آسمان کے نیچے ایسے خون کی اس زمانہ مین نظیر نہین ملے گی۔ ہائے اس نادان امیر نے کیا کیا کہ ایسے معصوم شخص کو کمال بیدردی سے قتل کر کے اپنے تئین تباہ کر لیا۔ اے کابل کی زمین تو گواہ رہ کہ تیرے پر سخت جرم کا ارتکاب کیا گیا۔ اے بدقسمت زمین تو خدا کی نظر سے گر گئی کہ تو اس ظلم عظیم کی جگہ ہے۔

ایک جدید کرامت مولوی عبد اللطیف صاحب مرحوم کی

جب مین نے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا تو میرا ارادہ تھا کہ قبل اس کے جو ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو بمقام گورداسپور ایک مقدمہ پر جاؤن جو ایک مخالف کیطرف سے فوجداری مین میرے پر دائر ہے یہ رسالہ تالیف کر لون اور اسکو ساتھ لے جاؤن۔ تو ایسا اتفاق ہوا کہ مجھے درد گردہ سخت پیدا ہوا۔ مین نے خیال کیا کہ یہ کام ناتمام رہ گیا صرف دو چار دن ہین اگر مین اسی طرح درد گردہ مین مبتلا رہا جو ایک مہلک بیماری ہے تو یہ تالیف نہین ہو سکے گا۔ تب خدا تعالےٰ نے مجھے دعا کی طرف توجہ دلائی مین نے رات کے وقت مین جبکہ تین گھنٹے کے قریب بارہ بجے کے بعد رات گذر چکی تھی اپنے گھر کے لوگون سے کہا کہ اب مین دعا کرتا ہون تم آمین کہو۔ سو مین نے اسی دردناک حالت مین صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف کے تصور سے دعا کی کہ یا الٰہی اس مرحوم کے لئے مین اسکو لکھنا چاہتا تھا تو ساتھ ہی مجھے غنودگی ہوئی اور الہام ہوا۔ **سلام قولاً من رب رحیم**۔ یعنے سلامتی اور عافیت ہے یہ خدائے رحیم کا کلام ہے۔ پس قسم ہے مجھے اس ذات کی جسکے ہاتھ مین میری جان ہے کہ ابھی صبح کے چھ نہین بجے تھے کہ مین بالکل تندرست ہو گیا اور اسی روز نصف کے قریب کتاب کو لکھ لیا۔ **فالحمد للّٰہ علےٰ ذالک**۔

ایک ضروری امر اپنی جماعت کی توجہ کے لئے

اگرچہ مین خوب جانتا ہون کہ جماعت کے بعض افراد ابھی تک اپنی روحانی کمزوری کی حالت مین ہین یہانتک کہ بعض کو اپنے وعدون پر بھی ثابت رہنا مشکل ہے لیکن جب مین اس استقامت اور جانفشانی کو دیکھتا ہون جو صاحبزادہ مولوی محمد عبد اللطیف مرحوم سے ظہور مین آئی تو مجھے اپنی جماعت کی نسبت بہت امید بڑھ جاتی ہے کیونکہ جس خدا نے بعض افراد اس جماعت کو یہ توفیق دی کہ نہ صرف مال بلکہ جان بھی اس راہ مین قربان کر گئے اس خدا کا صریح یہ منشا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت سے ایسے افراد اس جماعت مین پیدا کرے جو صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف کی روح رکھتے ہون اور ان کی روحانیت کا ایک نیا پودہ ہون جیسا کہ مین نے کشفی حالت مین واقعہ شہادت مولوی صاحب موصوف کے قریب دیکھا کہ ہمارے باغ مین سے ایک بلند شاخ سرو کی کاٹی گئی* اور مین نے کہا کہ اس شاخ کو زمین مین دوبارہ نصب کر دو تا وہ بڑھے اور پھولے۔ سو مین نے اس کی یہی تعبیر کی کہ خدا تعالیٰ بہت سے انکے قائمقام پیدا کر دیگا۔ سو مین یقین رکھتا ہون کہ کسی وقت میرے اس کشف کی تعبیر ظاہر ہو جائے گی۔ مگر ابھی تک یہ حال ہے کہ اگر مین ایک تھوڑی سی بات بھی اس سلسلہ کے قائم رکھنے کیلئے جماعت کے آگے پیش کرتا ہون تو ساتھ ہی میرے دل مین خیال آتا ہے کہ مبادا اس بات سے کسی کو ابتلا پیش نہ آوے۔ اب ایک ضروری بات جو اپنی جماعت کے آگے پیش کرنا چاہتا ہون یہ ہے کہ مین دیکھتا ہون کہ لنگر خانہ کے لئے جسقدر میری جماعت وقتاً فوقتاً مدد کرتی رہتی ہے وہ قابل تعریف ہے ہان اس مد مین پنجاب نے بہت حصہ لیا ہوا ہے اسکا سبب یہ ہے کہ پنجاب کے لوگ اکثر میرے پاس آتے جاتے ہین۔ اور اگر دلون مین غفلت کی وجہ سے کوئی سختی آ جائے تو صحبت اور پے در پے ملاقات کے اثر سے وہ سختی بہت جلد دور ہوتی رہتی ہے اس لئے پنجاب کے لوگ خاصکر بعض افراد ان کی محبت اور صدق اور اخلاص مین ترقی کرتے جاتے ہین اور اسی وجہ سے ہر ایک ضرورت کے وقت وہ بڑی سرگرمی دکھلاتے ہین اور سچی اطاعت کے آثار ان سے ظاہر ہوتے ہین اور یہ ملک دوسرے ملکون سے نسبتاً کچھ نرم دل بھی ہے بایں ہمہ انصاف سے دور ہوگا اگر مین تمام دور کے مریدونکو ایسے ہی سمجھ لون کہ وہ ابھی اخلاص اور سرگرمی سے کچھ حصہ نہین رکھتے کیونکہ صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف جس نے جان نثاری کا یہ نمونہ دکھایا وہ بھی تو دور کی زمین کا رہنے والا تھا جس کے صدق اور وفا اور اخلاص اور استقامت کے آگے پنجاب کے بڑے بڑے مخلصونکو بھی شرمندہ ہونا پڑتا ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ وہ ایک شخص تھا کہ ہم سب سے پیچھے آیا اور سب سے آگے بڑھ گیا۔ اسیطرح بعض دور دراز ملک کے مخلص بڑی بڑی خدمت مالی کر چکے ہین اور انکے صدق وفا مین کبھی فتور نہ آیا۔ جیسا کہ اخویم سیٹھ عبد الرحمن تاجر مدراس اور چند ایسے اور دوست لیکن کثرت تعداد کے لحاظ سے پنجاب کو مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ پنجاب مین ہر ایک طبقہ کے آدمی خدمت دینی سے بہت حصہ لیتے جاتے ہین اور دور کے اکثر لوگ اگرچہ ہمارے سلسلہ مین داخل تو ہین مگر بوجہ اسکے کہ ان کو صحبت کم نصیب ہوتی ہے ان کے دل بکلی دنیا کے گند سے صاف نہین ہین۔ امر یہ معلوم ہوتا ہے

* اس سے پہلے ایک صریح وحی الٰہی صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب موصوف کی نسبت ہوئی تھی جبکہ وہ زندہ تھے بلکہ قادیان مین ہی موجود تھے [illegible] اور وہ وحی الٰہی الحکم اور البدر مین شائع ہو چکی ہے [illegible] ۱۹۰۳ [illegible] بالکو کسی نے نہ سُنا اور اُسکا مارا جانا ایک ہیبت ناک امر تھا یعنی لوگون کو بہت ہیبت ناک معلوم ہوا اور اسکا بڑا اثر دلون پر ہوا۔ منہ

کہ یا تو آخرکار وہ گند سے صاف ہو جائینگے اور یا خدا تعالیٰ انکو اس پاک سلسلہ سے کاٹ دیگا۔ اور ایک مردار کی طرح مرینگے بڑی غلطی انسان کی دنیا پرستی ہے۔ یہ بدبخت اور منحوس دنیا کبھی خوف دلانیسے اور کبھی امید دینے سے اکثر لوگوں کو اپنے دام مین لے لیتی ہے اور یہ اسی مین مرتے ہین۔ نادان کہتا ہے کہ کیا ہم دنیا کو چھوڑ دین اور یہ غلطی انسان کو نہین چھوڑتی جبتک کہ اس کو بے ایمان کرکے ہلاک نکرے۔ اے نادان کون کہتا ہے کہ تو اسباب کی رعایت چھوڑدے مگر دل کو دنیا اور دنیا کے فریبون سے الگ کر ورنہ تو ہلاک شدہ ہے اور جس عیال کیلئے تو حد سے زیادہ بڑھتا جاتا ہے یہان تک کہ خدا کے فرایض کو بھی چھوڑتا ہے اور طرح طرح کی مکاریون سے ایک شیطان بن جاتا ہے اس عیال کیلئے تو بدی کا بیج بوتا ہے اور ان کو تباہ کرتا ہے اسلئے کہ خدا تیری پناہ مین نہین کیونکہ تو پارسا نہین۔ خدا تیرے دل کی جڑھ کو دیکھ رہا ہے سو تو بیوقت مریگا اور عیال کو تباہی مین ڈالیگا لیکن وہ جو خدا کی طرف جھکا ہوا ہے اس کی خوش قسمتی سے اسکے زن و فرزند کو بھی حصہ ملیگا اور اسکے مرنیکے بعد کبھی وہ تباہ نہین ہونگے جو لوگ مجھ سے سچا تعلق رکھتے ہین وہ اگرچہ ہزار کوس پر بھی ہین تاہم ہمیشہ مجھے لکھتے رہتے ہین اور دعائین کرتے رہتے ہین کہ خدا تعالیٰ انہین موقعہ دے تا وہ برکات صحبت حاصل کرین مگر افسوس کہ بعض ایسے ہین کہ مین دیکھتا ہون کہ قطع نظر ملاقات کے سالہا سال گذر جاتے ہین اور ایک کارڈ بھی ان کی طرف سے نہین آتا اس سے مین سمجھتا ہون کہ انکے دل مر گئے ہین اور انکے باطن کے چہرہ پر کوئی داغ جذام ہے۔ مین تو بہت دعا کرتا ہون کہ میری سب جماعت ان لوگون مین ہو جائے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہین اور نماز پر قائم رہتے ہین اور رات کو اٹھکر زمین پر گرتے ہین اور روتے ہین اور خدا کے فرائض کو ضائع نہین کرتے اور بخیل اور ممسک اور غافل اور دنیا کے کیڑے نہین ہین اور مین امید رکھتا ہون کہ یہ میری دعائین خدا تعالیٰ قبول کریگا اور مجھے دکھائیگا کہ اپنے پیچھے مین ایسے لوگون کو چھوڑتا ہون لیکن وہ لوگ جن کی آنکھیں زنا کرتی ہین اور جنکے دل پاخانہ سے بدتر ہین اور جنکو مرنا ہرگز یاد نہین ہے مین اور میرا خدا اُن سے بیزار ہین۔ مین بہت خوش ہونگا اگر ایسے لوگ اس پیوند کو قطع کرلین کیونکہ خدا اس جماعت کو ایک ایسی قوم بنانا چاہتا ہے جسکے نمونہ سے لوگون کو خدا یاد آوے۔ اور جو تقوے اور طہارت کے اول درجہ پر قائم ہون اور جنہون نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم رکھ لیا ہو۔ لیکن وہ مفسد لوگ جو میرے ہاتھ کے نیچے ہاتھ رکھکر اور یہ کہکر کہ ہم نے دین کو دنیا پر مقدم کیا۔ پھر وہ اپنے گھرونمین جا کر ایسے مفاسد مین مشغول ہو جائین کہ صرف دنیا ہی دنیا انکے دلون مین ہوتی ہے نہ ان کی نظر پاک ہے نہ ان کا دل پاک ہے اور نہ انکے ہاتھون سے کوئی نیکی ہوتی ہے اور نہ انکے پیر کسی نیک کام کے لئے حرکت کرتے ہین۔ اور وہ اس چوہے کی طرح ہین جو تاریکی مین ہی پرورش پاتا ہے اور اسی مین رہتا اور اسی مین مرتا ہے۔ وہ آسمان پر ہمارے سلسلہ مین سے کاٹے گئے ہین وہ عبث کہتے ہین کہ ہم اس جماعت مین داخل ہین کیونکہ آسمان پر وہ داخل نہین سمجھے جاتے۔ جو شخص میری اس وصیت کو نہین مانتا کہ درحقیقت وہ دین کو دنیا پر مقدم کرے اور درحقیقت ایک پاک انقلاب اُسکی

ہستی پر آجائے اور درحقیقت وہ پاک دل اور پاک ارادہ ہوجائے اور پلیدی اور حرامکاری کا تمام چولا اپنے بدن پر سے پھینکدے اور نوع انسان کا ہمدرد اور خدا کا سچا تابعدار ہوجائے اور اپنی تمام خودروی کو الوداع کہہ کر میرے پیچھے ہولے مین اس شخص کو اس کتے سے مشابہت دیتا ہون جو ایسی جگہ سے الگ نہین ہوتا جہان مردار پھینکا جاتا ہو اور جہان سڑے گلے مردون کی لاشین ہوتی ہین کیا مین اس بات کا محتاج ہون کہ وہ لوگ زبان سے میرے ساتھ ہون اور اس طرح پر دیکھنے کے لئے ایک جماعت ہو مین سچ سچ کہتا ہون کہ اگر تمام لوگ مجھے چھوڑ دین اور ایک بھی میرے ساتھ نہ رہے تو میرا خدا میرے لئے ایک اور قوم پیدا کریگا جو صدق اور وفا مین ان سے بہتر ہوگی۔ یہ آسمانی کشش کام کر رہی ہے جو نیک دل لوگ میری طرف دوڑتے ہین کوئی نہین جو آسمانی کشش کو روک سکے بعض لوگ خدا سے زیادہ اپنے مکر اور فریب پر بھروسہ رکھتے ہین شاید انکے دلون مین یہ بات پوشیدہ ہوکہ نبوتین اور رسالتین سب انسانی مکر ہین اور اتفاقی طور پر شہرتین اور قبولیتین ہوجاتی ہین اس خیال سے کوئی خیال پلید تر نہین اور ایسے انسان کو اس خدا پر ایمان نہین جسکے ارادہ کے بغیر ایک پتہ بھی گر نہین سکتا لعنتی ہین ایسے دل اور ملعون ہین ایسی طبیعتین خدا انکو ذلت سے ماریگا کیونکہ وہ خدا کے کارخانہ کے دشمن ہین۔ ایسے لوگ درحقیقت دہریہ اور خبیث باطن ہوتے ہین وہ جہنمی زندگی کے دن گذارتے ہین اور مرنے کے بعد بجز جہنم کی آگ کے انکے حصہ مین کچھ نہین ٭

اب مختصر کلام یہ ہے کہ علاوہ لنگرخانہ اور میگزین کے جو انگریزی اور اردو مین نکلتا ہے جسکے لئے اکثر دوستون نے سرگرمی ظاہر کی ہے ایک مدرسہ بھی قادیان مین کھولا گیا ہے اس سے یہ فائدہ ہے کہ نوعمر بچے ایک طرف تو تعلیم پاتے ہین اور دوسری طرف ہمارے سلسلہ کے اصولون سے واقفیت حاصل کرتے جاتے ہین اس طرح پر بہت آسانی سے ایک جماعت تیار ہوجاتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات ان کے ماں باپ بھی اس سلسلہ مین داخل ہوجاتے ہین لیکن ان دنون مین ہمارا یہ مدرسہ بڑی مشکلات مین پڑا ہوا ہے اور باوجودیکہ محبی عزیزی اخویم نواب محمد علیخان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ اپنے پاس سے اسّی روپیہ ماہوار اس مدرسہ کی مدد کرتے ہین مگر پھر بھی استادون کی تنخواہین ماہ بماہ ادا نہین ہوسکتین صدہا روپیہ قرضہ سر پر رہتا ہے علاوہ اسکے مدرسہ کے متعلق کئی عمارتین ضروری ہین جو ابتک تیار نہین ہوسکین یہ غم علاوہ اور غمون کے میری جان کو کھا رہا ہے اس کی بابت مین نے بہت سوچا کہ کیا کرون آخر یہ تدبیر میرے خیال مین آئی کہ مین اسوقت اپنی جماعت کے مخلصون کو بڑے زور کے ساتھ اس بات کیطرف توجہ دلاؤن کہ وہ اگر اس بات پر قادر ہون کہ پوری توجہ سے اس مدرسہ کیلئے بھی کوئی ماہانہ چندہ مقرر کرین تو چاہئے کہ ہر ایک ان مین سے ایک مستحکم عہد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مقرر کرے جسکی ادائیگی وہ ہرگز تخلف نہ کرے مگر کسی مجبوری سے جو قضا و قدر سے واقع ہو۔ اور جو صاحب ایسا نہ کر سکین انکے لئے بالضرورت یہ تجویز سوچی گئی ہے کہ جو کچھ وہ لنگرخانہ کے لئے بھیجتے ہین اسکا چہارم حصہ براہ راست مدرسہ کیلئے نواب صاحب

موصوف کے نام بھیجدین لنگرخانہ مین شامل کرکے ہرگز نہ بھیجین بلکہ علیحدہ منی آرڈر کرا کر بھیجین اگرچہ لنگرخانہ کا فکر ہر روز مجھکو کرنا پڑتا ہی اور اس کا غم براہ راست میری طرف آتا ہی اور میری اوقات کو مشوش کرتا ہی لیکن یہ غم بھی مجھ سے دیکھا نہین جاتا۔ اس لئے مین لکھتا ہون کہ اس سلسلہ کے جوانمرد لوگ جن سے مین ہر طرح امید رکھتا ہون کہ وہ میری اس التماس کو ردی کیطرح نہ پھینک دین اور پوری توجہ سے اس پر کاربند ہون مین اپنے نفس سے کچھ نہین کہتا بلکہ وہی کہتا ہون جو خدا تعالے میرے دل مین ڈالتا ہے مین نے خوب سوچا ہی اور بار بار مطالعہ کیا ہی میری دانست مین اگر یہ مدرسہ قادیان کا قائم رہ جائے تو بڑی برکات کا موجب ہوگا اور اسکے ذریعہ سے ایک فوج نئے تعلیم یافتون کی ہماری طرف آسکتی ہی اگرچہ مین یہ بھی جانتا ہون کہ اکثر طالب علم نہ دین کیلئے بلکہ دنیا کے لئے پڑھتے ہین اور انکے والدین کے خیالات بھی اسی حد تک محدود ہوتے ہین مگر پھر بھی ہر روز کی صحبت مین ضرور اثر ہوتا ہے اگر بیس طالب علمون مین سے ایک بھی ایسا نکلے جسکی طبیعت دینی امور کیطرف راغب ہو جائے اور وہ ہمارے سلسلہ اور ہماری تعلیم پر عمل کرنا شروع کرے تب بھی مین خیال کرونگا کہ ہم نے اس مدرسہ کی بنیاد سے اپنے مقصد کو پالیا۔ آخر مین یہ بھی یاد رہے کہ مدرسہ ہمیشہ اس تنگی اور ضعف کی حالت مین نہین رہیگا بلکہ یقین ہی کہ پڑھنے والون کی فیس سے بہت سی مدد ملجاویگی یا وہ کافی ہو جائے گی۔ پس اسوقت ضروری نہین ہوگا کہ لنگرخانہ کی ضروری رقوم کاٹکر مدرسہ کو دیجائین سو اس وسعت کے حاصل ہونیکے وقت ہماری یہ ہدایت منسوخ ہو جائیگی اور لنگرخانہ جو وہ بھی درحقیقت ایک مدرسہ ہے اپنے چہارم حصہ کی رقم کو پھر واپس پالیگا۔ اور یہ مشکل طریق جس مین لنگرخانہ کو حرج پہنچیگا محض اس لئے مین نے اختیار کیا ہے کہ بظاہر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر مدد کی ضرورت ہے شاید جدید چندہ مین وہ ضرورت پوری نہو سکے لیکن اگر خدا کے فضل سے پوری ہو جائے تو پھر اس قطع برید کی ضرورت نہین اور مین نے یہ جو کہا کہ لنگرخانہ بھی ایک مدرسہ ہے یہ اسیلئے کہا کہ جو مہمان میرے پاس آتے جاتے ہین جنکے لئے لنگرخانہ جاری ہی وہ میری تعلیم سنتے رہتے ہین اور مین یقین رکھتا ہون کہ جو لوگ ہر وقت میری تعلیم سنتے ہین خدا تعالے انکو ہدایت دیگا اور ان کے دلونکو کھولدیگا۔ اب مین اسی قدر پر بس کرتا ہون اور خدا تعالے سے چاہتا ہون کہ جو مُدعا مین نے پیش کیا ہی میری جماعت کو اسکے پورا کرنیکی توفیق دے اور ان کے مالون مین برکت ڈالے اور اس کار خیر کے لئے انکے دلونکو کھولدے آمین۔ ثم آمین۔ والسلام علے من اتبع الھدے +

۱۶ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء

بقیہ حالات حضرت صاحبزادہ مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم

میاں احمد نور جو حضرت صاحبزادہ مولوی عبداللطیف صاحب کے خاص شاگرد ہیں آج ۸۔ نومبر ۱۹۰۳ء کو مع عیال خوست سے قادیان میں پہنچے انکا بیان ہے کہ مولوی صاحب کی لاش برابر چالیس دن تک ان پتھروں میں پڑی رہی جن میں وہ سنگسار کئے گئے تھے۔ بعد اسکے میں نے چند دوستوں کے ساتھ ملکر رات کے وقت ان کی نعش مبارک نکالی اور ہم پوشیدہ طور پر شہر میں لائے اور اندیشہ تھا کہ امیر اور اسکے ملازم کچھ مزاحمت کرینگے مگر شہر میں وبائے ہیضہ اس قدر پڑ چکا تھا کہ ہر ایک شخص اپنی بلا میں گرفتار تھا اس لئے ہم اطمینان سے مولوی صاحب مرحوم کا قبرستان میں جنازہ لیگئے اور جنازہ پڑھکر وہاں دفن کر دیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ مولوی صاحب جب پتھروں میں سے نکالے گئے تو کستوری کی طرح ان کے بدن سے خوشبو آتی تھی اس سے لوگ بہت متاثر ہوئے +

اس واقعہ سے پہلے کابل کے علماء امیر کے حکم سے مولوی صاحب کے ساتھ بحث کرنیکے لئے جمع ہوئے تھے مولوی صاحب نے ان کو فرمایا کہ تمہارے دو خدا ہیں کیونکہ تم امیر سے ایسا ڈرتے ہو جیسا کہ خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے مگر میرا ایک خدا ہے اس لئے میں امیر سے نہیں ڈرتا اور جب گھر میں تھے اور ابھی گرفتار نہیں ہوئے تھے اور نہ اس واقعہ کی کچھ خبر تھی اپنے دونوں ہاتھوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لے میرے ہاتھو کیا تم ہتکڑیوں کی برداشت کر لوگے۔ ان کے گھر کے لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات آپکے منہ سے نکلی ہے۔ تب فرمایا کہ نماز عصر کے بعد تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ کیا بات ہے تب نماز عصر کے بعد حاکم کے سپاہی آئے اور گرفتار کر لیا اور گھر کے لوگوں کو انہوں نے نصیحت کی کہ میں جاتا ہوں اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم کوئی دوسری راہ اختیار کرو جس ایمان اور عقیدہ پر میں ہوں چاہئے کہ وہی تمہارا ایمان اور عقیدہ ہو۔ اور گرفتاری کے بعد راہ میں چلتے وقت کہا کہ میں اس مجمع کا نوشاہ ہوں۔ بحث کے وقت علماء نے پوچھا کہ تو اس قادیانی شخص کے حق میں کیا کہتا ہے جو مسیح موعود ہونیکا دعوے کرتا ہے تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ ہم نے اس شخص کو دیکھا ہے اور اسکے امور میں بہت غور کی ہے اسکی مانند زمین پر کوئی موجود نہیں اور بیشک اور بلاشبہ وہ مسیح موعود ہے اور وہ مُردوں کو زندہ کر رہا ہے۔ تب ملاؤں نے شور کر کے کہا کہ وہ کافر اور تو بھی کافر ہے اور انکو امیر کیطرف سے بحالت نہ توبہ کرنیکے سنگسار کرنے کے لئے دھمکی دی گئی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب میں مرونگا۔ تب یہ آیت پڑھی۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

یعنے اے ہمارے خدا ہمارے دل کو لغزش سے بچا اور بعد اسکے جو تو نے ہدایت دی ہمیں پھسلنے سے محفوظ رکھ اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت عنایت کر کیونکہ ہر ایک رحمت کو تو ہی بخشتا ہے +

پھر جب ان کو سنگ سار کرنے لگے تو یہ آیت پڑھی **انت ولیّ فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین** یعنے اے میرے خدا تو دنیا اور آخرت مین میرا متولی ہے مجھے اسلام پر وفات دے اور اپنے نیک بندون کے ساتھ ملا دے۔ پھر بعد اس کے پتھر چلائے گئے اور حضرت مرحوم کو شہید کیا گیا **انا للہ وانا الیہ راجعون** اور صبح ہوتے ہی کابل مین ہیضہ پھوٹ پڑا اور نصر اللہ خان حقیقی بھائی امیر حبیب اللہ خان کا جو اصل سبب اس خونریزی کا تھا اسکے گھر مین ہیضہ پھوٹا اور اس کی بیوی اور بچہ فوت ہو گیا اور چار سو کے قریب ہر روز آدمی مرتا تھا اور شہادت کی رات آسمان سرخ ہو گیا اور اس سے پہلے مولوی صاحب فرماتے تھے کہ مجھے بار بار الہام ہوتا ہے **اذہب الیٰ فرعون انی معک اسمع واریٰ وانت محمد معنبر معطر** اور فرمایا کہ مجھے الہام ہوتا ہے کہ آسمان شور کر رہا ہے اور زمین اس شخص کی طرح کانپ رہی ہے جو تپ لرزہ مین گرفتار ہو دنیا اسکو نہین جانتی یہ امر ہونیوالا ہے اور فرمایا کہ مجھے ہر وقت الہام ہوتا ہے کہ اس راہ مین اپنا سر دیدے اور دریغ نہ کر کہ خدا تعالیٰ کابل کی زمین کی بھلائی کیلئے یہی چاہتا ہے +

اور میان احمد نور کہتے ہین کہ مولویصاحب موصوف ڈیڑھ ماہ تک قید مین رہے اور پہلے ہم لکھ چکے کہ چار ماہ تک قید مین رہے یہ اختلاف روایت ہے اصل واقعہ مین سب متفق ہین۔ والسلام علی من اتبع الهدیٰ +

حضرت عیسیٰؑ کی قبر

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ بزرگان عیسویت کو یسوع کو خدا بنانیکا اس قدر جوش تھا کہ اس کی خدائی کی تائید کے لئے وہ جھوٹ اور افترا سے بھی پرہیز نہین کرتے تھے چنانچہ کئی جعلی تحریرین آج تک موجود ہین جن کو ان بزرگون نے مصنوعی طور پر بنایا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس روشنی اور تہذیب کے زمانہ مین بھی واعظان اناجیل نے اس پاک جعلسازی کو بالکل ترک نہین کیا۔ سرینگر مین حضرت مسیح کی قبر کے نکلنے سے یہ لوگ سخت گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہین اور بعض نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ اب بھی وہی قدیمی اور آزمودہ ہتھیار برتا جائے جسکو انکے بزرگون نے برتا تھا۔ چنانچہ بعض نے جھوٹ اور دھوکہ دہی کی طرف رجوع کیا ہے اس امید پر کہ ایسا کرنے سے وہ قبر مسیحؑ پر پردہ ڈالدینگے لاہور مین ایک پادری وائیٹ برکٹ صاحب ہین جو ریورنڈ یعنے مقدس کے خطاب سے ممتاز ہین انہون نے

میری چٹھی کا جو قبر مسیح کی نسبت مئی کے رسالہ مین چھپی تھی جواب دیتے ہوئے اپنے بزرگون کے قدم بقدم مارا ہے یہ صاحب ظاہر کرتے ہین کہ انہون نے ہی وہ گمنام چٹھی اخبار **اپی فینی** مین چھپوائی تھی جسکا جواب بندہ آپکے مئی کے رسالہ مین دیچکا ہے اور اب وہ **اپی فینی** مورخہ ۷-۲ جون ۱۹۰۳ء مین جواب الجواب شایع کرتے ہین اس جواب الجواب مین پادری صاحب کچھ غلط بیانیان کرتے ہین - اور عمداً عوام کو دھوکہ دینے کا ارتکاب کرتے ہین ان کی پہلی چٹھی کا عنوان یہ تھا - "قبر یوزآسف واقع سری نگر کی حقیقت جو روضہ صاحب کے نام سے مشہور ہے" لیکن ان کی دوسری چٹھی کا عنوان اس طرح پر ہے "سید نصیر الدین کی قبر واقع سرینگر" یہ نام کی تبدیلی وہ عوام کو دھوکہ دینے کی نیت سے کرتے ہین ان کی دھوکہ دہی مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے پہلے وہ لکھتے ہین -

"قبر پر جو لوگ موجود تھے وہ یوزآسف کے لفظ پر اڑتے تھے اور مختلف طرز سے اس لفظ کو بولتے تھے - گویا یہ لفظ ان کے لئے نیا تھا - مرزا صاحب کے مریدان لوگون کے پاس تھوڑا عرصہ ہوا کہ آئے تھے اور بے شک ان مریدون نے یہ نام لوگون کے دلون پر بٹھایا" پھر لکھتے ہین کہ "قبر کے متعلق جو نام پڑوسی بہت جلدی سے بیان کرتے تھے وہ سید نصیر الدین کا نام ہے اور اگرچہ مین ان کی شہادت کو بالکل تقینی خیال نہین کرتا پھر بھی میری رائے مین اغلباً اس مدفون ولی کا نام سید نصیر الدین ہے اور اسی نام کو مین اختیار کرتا ہون" یہان **مدفون ولی** سے مراد پادری صاحب کے نزدیک یوزآسف ہے اور وہ خیال کرتے ہین کہ یوزآسف نام غلط ہے یہ حضرت مرزا صاحب کے شاگردون نے لوگون کے دلون پر بٹھایا ہے - اصل نام اغلباً سید نصیر الدین ہے - اگر ہم فرض بھی کر لین کہ یوزآسف کا نام اہل سرینگر کو پہلے بالکل معلوم نہین تھا اور حضرت مرزا صاحب کے پیروؤن نے ان کو یہ نام سکھایا - پھر بھی پادری صاحب کو کوئی حق نہین پہنچتا کہ مدفون نبی کا نام سید نصیر الدین رکھین وہ دھوکہ دہی کی راہ سے لکھتے ہین کہ اس قبر کے متعلق پڑوسی سید نصیر الدین کا نام بڑی جلدی سے بیان کرتے تھے اس لئے اس شخص کا نام اغلباً سید نصیر الدین تھا نہ یوزآسف - پڑوسیون نے کبھی یہ نہین کہا کہ مدفون نبی کا نام سید نصیر الدین ہے - اس مقبرہ مین دو قبرین ہین ایک بڑی قبر اور ایک چھوٹی قبر - بڑی قبر نبی یوزآسف کی ہے اور چھوٹی قبر سید نصیر الدین کی بیان کی جاتی ہے اور مقدس پادری صاحب صرف دھوکہ دہی کی راہ سے ان دو شخصون کے نامون مین تفرقہ نہین کرتے اور چھوٹی قبر والے کا نام بڑی قبر والے پر لگاتے ہین وہ خود اپنی پہلی چٹھی مین تحریر کر چکے ہین کہ "اس مقبرہ مین دو قبرین ہین ایک بڑی اور دوسری چھوٹی اور ایک بوڑھے شخص نے جو وہان کا متولی تھا بیان کیا کہ بڑی قبر نبی یوزآسف کی ہے اور چھوٹی قبر سید نصیر الدین کی جو اس جگہ کا ایک پیر تھا جسکو مرے ہوئے دو سو برس ہوئے" یہ پادری صاحب کا اپنا بیان ہے جو انہون نے پہلی چٹھی مین لکھا مگر دوسری چٹھی مین ان کو یہ پہلا بیان بھول گیا - اور اب لکھتے ہین کہ بڑی قبر والے کا نام سید نصیر الدین ہے

کسی نے سچ کہا ہے۔ دروغ گورا حافظہ نباشد۔ پادری صاحب کو خوب معلوم تھا کہ سید نصیر الدین چھوٹی قبر مین مدفون ہے بڑی قبر والے کا نام سید نصیر الدین نہین ہے یہ عیسائی اخلاق کا نمونہ ہے۔ آپ ایک عیسائی پادری ہین جو ہندوستان مین سچائی۔ روشنی اور صلح کا پیغام لیکر تشریف لائے ہین اور اب اپنی اغراض کے حاصل کرنے کیلئے غلط بیانی سے کام لے رہے ہین۔ ایک دفعہ فرض کرکے کہ مدفون نبی کا نام نصیر الدین ہے آپ بار بار قبر کا ذکر کرتے ہوئے قبر کا نام سید نصیر الدین کی قبر رکھتے ہین تاکہ یہ نام لوگون کے خوب ذہن نشین ہو جائے اور لوگ سچ مچ سمجھ لین کہ بڑی قبر جو ہماری بحث کا مضمون ہے سید نصیر الدین کی قبر ہے۔ اسی نیت سے وہ اپنی دوسری چٹھی کا عنوان سید نصیر الدین کی قبر رکھتے اور چٹھی کے اندر جہان جہان قبر کا ذکر آتا ہے اسکو سید نصیر الدین کی قبر لکھتے ہین چنانچہ انکا یہ فقرہ دیکھو کیسی چالاکی سے لکھا گیا ہے "سید نصیر الدین کی قبر یوز آسف کی قبر کے نام سے عام طور پر مشہور نہین ہے" کیسی دلیری سے وہ مدفون نبی کا نام سید نصیر الدین رکھتے ہین گویا اس مین کوئی شبہ نہین کہ فی الواقعہ سید نصیر الدین ہی مدفون نبی کا نام ہے +

پادری صاحب کی چٹھی مین ترک دیانت کا صرف ایک ہی نمونہ نہین۔ بلکہ ان کی چٹھی کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہون نے دھوکہ دہی کی چال مین کوئی کمی نہین کی۔ صرف انہون نے لوگون کے دلون مین یہی بٹھانا نہین چاہا کہ جس شخص کے متعلق بحث ہے اسکا نام سید نصیر الدین ہو بلکہ انہون نے لوگون کو یہ بھی یقین دلانا چاہا ہے کہ اہل سری نگر کو یوز آسف کے نام کا پہلے کوئی علم نہین تھا حضرت مرزا صاحب کے شاگرد وہان جاکر لوگونکو یہ نام سکھایا ہے کیا پادری صاحب نے اس الزام کے لگانے مین افترا سے کام نہین لیا۔ پادری صاحب کے ہاتھ مین ذرا بھی اس امر کا ثبوت نہین ہے کہ یوز آسف کا نام حضرت مرزا صاحب کے مریدون نے لوگون کے دلون مین بٹھایا پادری صاحب کو کس طرح علم ہو گیا کہ یہ نام ابتک اہل سرینگر کو معلوم نہین تھا جن لوگون نے پادری صاحب کو بتلایا کہ یہ نبی یوز آسف کی قبر ہے انہون نے انکو یہ نہین بتلایا کہ ہم نے یہ نام حضرت مرزا صاحب کے پیرؤن سے سیکھا پادری صاحب کا یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ کہنا کہ اہل سرینگر یوز آسف کے لفظ کو صفائی سے ادا نہین کر سکتے اس بات کی دلیل نہین ہو سکتا کہ یہ نام انہون نے حضرت مسیح موعود کے تابعین سے سیکھا چونکہ یوز آسف ایک غیر زبان کا لفظ ہے اس لئے ناخواندہ کشمیری اسکو مشکل سے ادا کرتے ہین یہی وجہ ہے کہ عام طور پر نبی صاحب پر ہی اکتفا کرتے ہین۔ اگر پادری صاحب اس الزام کو دوسری چٹھی مین دوبارہ نہ بیان کرتے تو ان کا فعل قابل چشم پوشی ہوتا۔ مگر چونکہ پھر وہ دوبارہ اسکو اپنی دوسری چٹھی مین بیان کرتے ہین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہون نے بدنیتی سے یہ الزام لگایا ہے۔ مین نے ان کی پہلی چٹھی کے جواب مین صاف طور پر ان پر ظاہر کیا تھا کہ

صرف عام لوگ ہی اس قبر کو نبی یوز آسف کی قبر نہین کہتے بلکہ کشمیر کی تاریخون مین بھی یہی نام یوز آسف درج
ہے۔ چنانچہ مین نے الہلال کے عیسائی ایڈیٹر کا قول بھی نقل کیا تھا جس مین وہ قبول کرتا ہے کہ کشمیر کی تواریخ
مین اس قبر والے کا نام یوز آسف لکھا ہے اور یہ ایک نبی تھا جو غیر ملک سے کشمیر مین آکر سرینگر کے محلہ خانیار
مین مدفون ہوا اس سے پادری صاحب کا دعوے باطل ہوگیا تھا کہ یوز آسف اس قبر والے کا نام نہین یہ نام
حضرت مرزا صاحب کے تابعین نے لوگون کو سکھایا ہے۔ اب چاہیئے تھا کہ پادری صاحب اپنے دعوے سے باز
آتے بلکہ اپنی جھوٹی اور بے بنیاد بات سے شرمندگی اور خجالت مین غرق ہو جاتے مگر برخلاف اسکے وہ میری اس چٹھی کو پڑھنے
کے بعد بھی اپنے پہلے دعوے پر قائم ہین۔ باوجودیکہ انکو علم حاصل ہو بھی گیا کہ کشمیر کی تواریخ مین بھی محلہ
خانیار کی قبر کا نام نبی یوز آسف کی قبر لکھا ہے پھر بھی وہ الزام لگانے سے باز نہ آئے اور یہی کہتے چلے گئے
کہ یہ نام حضرت مسیح موعود کے حواریون نے لوگونکے دلون پر بٹھایا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ انہون نے
بدنیتی سے اور محض عوام کو دھوکہ دینے کی نیت سے یہ الزام لگایا ہے۔ پادری ہو کر ایسی حرکتون کا مرتکب ہونا
قابل شرم بات ہے۔ یہ دکھلانے کے لئے کہ ہمیشہ سے یہ قبر یوز آسف کی قبر کے نام سے مشہور ہے مین یہان
کشمیر کی تاریخ مسمی بتاریخ اعظمی صفحہ ۸۲ کی عبارت اردو مین درج کرتا ہون جسکو لکھے قریباً ۲۰۰ برس ہوگئے

"سید نصیر الدین کی قبر کے ساتھ ایک نبی کی قبر مشہور ہے۔ وہ ایک شاہزادہ تھا جو غیر ملک سے کشمیر مین
آیا۔ وہ زہد۔ تقوے اور عبادت مین کامل تھا۔ خدا کیطرف سے نبی بنایا گیا اور اہل کشمیر کی دعوت مین مشغول ہوا
اسکا نام یوز آسف تھا۔ بہت سے اہل کشف اور خصوصاً میرے مرشد نے شہادت دی ہے کہ اس قبر سے برکات
نبوت ظاہر ہوتے ہین"۔ مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ سرینگر کی قبر ایک دراز زمانہ سے یوز آسف
کی قبر کے نام سے مشہور ہے اور یہ کہ ہم نے یہ نام لوگون کے دلون پر نہین بٹھایا۔ اس بیان سے پادری صاحب
کا یہ قول بھی رد ہوتا ہے کہ یوز آسف شہزادہ کے خطاب سے ہرگز مشہور نہین۔

ذیل مین مین اکمال الدین کا حوالہ پیش کرتا ہون جسکو لکھے ہزار برس کے قریب ہوگئے ہین صفحہ ۳۵۹

وسار فی بلاد و مدائن کثیرة حتی اتی ارضاً تسمی قشمیر فسار فیها و احیا منها و مکث
حتی اتاه الاجل الی خلع الجسد وارتفع الی النور و قبل موته دعا تلمیذاً له
اسمه یابد الذی کان یخدمه ویقوم علیه وکان رجلاً کاملاً فی الامور کلها فاوصی الیه
فقال له قد دنا ارتفاعی عن الدنیا فاحفظوا بفرائضکم ولا تزیغوا عن الحق وخذوا بالنسک ثم امر
یابد ان یبنی له مکانا وبسط هو رجلیه و صیار راسه الی الغرب و وجه الی الشرق

ثم قضی نحبہ۔

ترجمہ۔ وہ (یوز آسف) بہت سے ملکون اور شہرون مین پھرتے ہوئے اس ملک مین آئے جسکا نام کشمیر ہے اس مین پھرتے رہے۔ وہان زندگی بسر کرتے رہے اور وہان ٹھہرے رہے۔ یہان تک کہ موت کا وقت آگیا اور انہون نے خاکی جسم کو چھوڑا اور نور کیطرف ان کا رفع ہوا اور اپنے مرنے سے پہلے انہون نے اپنے ایک شاگرد یابد نامی کو بلایا جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا اور آپ کی خدمت مین حاضر رہتا تھا۔ اور کل امور مین کامل تھا۔ پس انہون نے اسکو وصیت کی اور فرمایا کہ میرا اس دنیا سے اٹھنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ سو تم اپنے فرائض اہتمام سے ادا کیا کرنا اور حق سے نہ مڑنا اور عبادات کا پابند رہنا۔ پھر یابد کو حکم کیا کہ میرے لئے ایک مکان یعنے مقبرہ بنا اور اپنے پاؤن کو پھیلایا۔ سر مغرب کی طرف کیا اور منہ مشرق کیطرف اور اپنی جان دے دی +

اس بیان کی تصدیق ایک اور کتاب سے بھی ہوتی ہے۔ جوزف جیکبس اپنی کتاب برلام و جوسافٹ مین بڑی پرانی کتابون کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ وہ (یعنی جوسافٹ یا یوز آسف) آخر کار کشمیر مین جاتا ہے جہان وہ اپنا سر مغرب کی طرف کرتا ہے اور اپنی ٹانگین مشرق کیطرف اور مر جاتا ہے"

کتاب اکمال الدین کا مصنف ایک عجیب واقعہ بیان کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہزادہ نبی جو غیر ملک سے آیا اور کشمیر مین وفات پائی حضرت مسیح علیہ السلام ہی تھے اور کوئی نہین تھا۔ کتاب اکمال الدین کے اصل الفاظ یہ ہین۔

حتی بلغ فضاءً واسعا فرفع راسہ فرای شجرۃ عظیمۃ علی عین ماء احسن مایکون من الشجر واکثرہا فرعا وغصنا واحلاہا ثمرا وقد اجتمع الیہ من الطیر مالا یُعدّ کثرۃ فسرّ بذلک المنظر وفرح بہ وتقدم الیہ حتی دنی منہ وجعل یعبترہ ویفسرہ الشجرۃ بالبشری التی دعا الیہا وعین الماء بالحکمۃ والعلم والطیر بالناس الذین یجتمعون الیہ ویقبلون منہ الدین +

ترجمہ۔ یہانتک کہ وہ (حضرت یوز آسف) ایک وسیع میدان مین پہنچے اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتے ہین کہ ایک بڑا درخت ایک چشمہ کے کنارہ پر کھڑا ہے نہایت ہی خوبصورت۔ بہت شاخون اور ٹہنیون والا۔ نہایت میٹھے پھل والا۔ اور اس پہ بے شمار پرند جمع ہین۔ پس وہ اس نظارہ سے نہایت مسرور اور خوش ہوئے اور اس درخت کی طرف بڑھے یہانتک کہ اسکے پاس پہنچے اور درخت کی تعبیر اور تفسیر کرنے لگے۔ درخت کو انہون نے اس بشری

سے مشابہت دی جس کی طرف وہ لوگوں کو بلایا کرتے تھے اور چشمہ آب کو علم اور حکمت سے مشابہت دی اور پرندونکو ان لوگوں سے جو آپکے پاس جمع ہوتے اور آپ کا دین قبول کرتے + مذکورہ بالا بیان مین لفظ بشریٰ قابل توجہ ہے- اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یوز آسف حضرت یسوع مسیح ہی تھے عبرانی مین انجیل کو بشوریٰ کہتے ہین اور انگریزی مین گاسپل- اور تینوں لفظونکے معنے ایک ہی ہین یعنے خوشخبری- اصل عبرانی نام بشوریٰ ہے اور چونکہ عبرانی عربی سے پیدا ہوئی ہے اس لئے بشوریٰ وہی لفظ ہے جسکو عربی مین بشریٰ کہتے ہین پس معلوم ہوا کہ حضرت یوز آسف علیہ السلام انجیل کیطرف لوگون کو بلاتے تھے اور جو کتاب ان پر اتاری گئی تھی اس کا نام بشریٰ تھا جو انجیل کا عبرانی نام ہے- اس سے ثابت ہوا کہ حضرت یوز آسف حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کا ہی دوسرا نام ہے اور دونوں نام ایک ہی شخص کے ہین جس پر بشریٰ یعنی انجیل اتاری گئی تھی یہ کہنا صحیح نہین کہ یوز آسف علیہ السلام کوئی حواریون مین سے اور مسیح علیہ السلام کے شاگردون مین سے ہونگے کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردون مین سے کسی کا لقب شہزادہ نبی نہین تھا- مذکورہ بالا امثال مین جس طرح درخت اس رطوبت سے پُر تھا جو اس کو چشمہ سے ملتی تھی اسی طرح حضرت یوز آسف علیہ السلام کی کتاب بشریٰ اس علم و حکمت سے پُر تھی جو آپ کو خدا تعالےٰ کیطرف سے دیا گیا تھا اور جس طرح پرندون کے گروہ کے گروہ اس درخت پر جمع ہو کر پھل کھاتے تھے اسی طرح لوگونکے جوق کے جوق حضرت یوز آسف کے پاس جمع ہوتے اور آپ کی کتاب بشریٰ کی تعلیم پر عمل کر کے نجات کا پھل کھاتے +

کتاب اکمال الدین مین صرف یہی بیان نہین کیا گیا کہ حضرت یوز آسف علیہ السلام کی کتاب کا نام بشریٰ تھا بلکہ اس سے ہمین یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوز آسف کی تعلیم حضرت مسیح کی تعلیم کے مطابق تھی چنانچہ قصہ یوز آسف مین بعض ایسی مثالین درج ہین جو انجیل کی مثالون سے بالکل ملتی ہین مثلاً کتاب اکمال الدین صفحہ ۳۲۷ مین مندرجہ ذیل مثال لکھی ہے:-

ان الزارع خرج ببذره الطیب لیبذره فلما ملأ کفه وقع بعضه علی حافة الطریق فلم یلبث ان التقطه الطیر و وقع بعضه علی صفار و قد اصابها ندی وطین فمکث حتی اهتز فلما صارت عروقه الی یبس الصفات مات ویبس و وقع بعضه بارض ذات شوک فنبت حتی سنبل وکاد یثمر ثم غمره الشوک فابطله واما ما کان منه فی الارض الطیبة وان کان قلیلاً فانه سلم وطاب وزکا- فالزارع حامل الحکمة واما البذر فصوت الکلام واما ما وقع علی حافة الطریق فالتقطه الطیر فما لا یجاوز السمع منه حتی یمر صفحاً واما ما وقع علی صخرة فیبس حین بلغت عروقه الصفا

فما استحلاه صاحبه حتی سمعه بفراغ قلبه ولم یفقهه واما ما نبت منه فکاد یثمر فغمره الشوک فاهلکه فما دعاه صاحبه حتی اذا کان عند العمل به حفته الشهوات فاهلکته واما ما ذکی وطاب وسلم منه وانتفع به فما راٰه البصر ودعاه الحفظ وانفذه العزم بقمع الشهوات وتطهیر القلب من دنسها+

خلاصہ اس مثال کا اس طرح ہے کہ جب کسان بیج بوتا ہے تو کچھ دانے راستہ پر گرتے ہین جنکو پرندے چگ جاتے ہین کچھ پتھریلی زمین مین گرتے ہین اور جب ان کی جڑین پتھر کی سطح تک پہنچتی ہین تو وہ سوکھ جاتے ہین۔ بعض دانے کانٹون مین پڑتے ہین مگر جو دانے اچھی زمین مین پڑتے ہین وہ اُگتے ہین اور بڑھتے ہین اور پھل لاتے ہین۔ کسان سے مراد حکیم ہے اور بیج سے مراد اسکے **کلمات حکمت**۔ جو دانے راستے پر گرتے ہین ان کی مثال ان حکمت کی باتون کی طرح ہے جو ایک کان مین آتی ہین اور دوسرے سے نکل جاتی ہین جو دانے پتھریلی زمین مین گرتے ہین وہ وہ حکمت کی باتین ہین جو دل مین نہین بیٹھتین۔ جو دانے کانٹون مین گرتے ہین ان سے مراد وہ کلمات حکمت ہین جن پر عمل کرنے سے انسان کو اس کے شہوات روکتے ہین۔ جو دانے اچھی زمین مین گرتے ہین ان کی مثال ان **حکمت کے کلمون** کیطرح ہے جو دل مین جڑ پکڑتے ہین اور اپنا پھل لاتے ہین اور انسان ان پر عمل کرنے سے نیک چلن انسان بنتا ہے+ یہ مثال اس **کسان کی مثال** کے مطابق ہے جسکا ذکر متی باب ۱۳ آیت ۳۔ مرقس ۴ لوقا ۸ مین ہے۔

ایک طرف تو ہم دیکھتے ہین کہ حضرت یوز آسف علیہ السلام اپنی کتاب کا نام جوان پر اتاری گئی بشری رکھتے ہین جو انجیل کا عبرانی نام ہے اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہین کہ ان کے قصہ مین ایسی تعلیم اور مثالین درج ہین جو انجیلی تعلیم اور مثالونکے بالکل مطابق ہین۔ اس سے یقینی طور پر نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت یوز آسفؑ اور حضرت یسوع مسیحؑ دراصل ایک ہی ہین۔

پادری وائیٹ برکٹ کہتا ہے کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہین کہ **یوز آسف** اور **جوزافٹ** ایک ہی شخص ہے جسکا قصہ یورپ کی کل زبانون مین موجود ہے اور جس کے نام پر شہر پلیرمو مین گرجا بھی بنا ہوا ہے تعجب ہے کہ پادری صاحب اس قدر علم وفضل کے دعوے کے ساتھ ایسی بیہودہ بات اپنے منہ سے نکالین۔ کیا پادری صاحب کو معلوم نہین کہ جو قصہ **جوزافٹ** کے نام پر یورپ مین شائع ہے وہی قصہ ایشیا کی زبانون مین یوز آسف کے نام سے مشہور ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ ایشیا ہی سے یہ قصہ مغرب مین گیا ہے اس سے زیادہ کونسا ثبوت پادری صاحب اس امر کے لئے مانگتے ہین کہ یوز آسف ہی ہے جو یورپ مین **جوزافٹ** کے نام سے مشہور ہے اگر پادری صاحب یہ معلوم کرنا چاہین کہ یوز آسف کس طرح **جوزافٹ** ہو گیا تو وہ جوزیف جیکبس

کے مندرجہ ذیل الفاظ پڑھیں۔ جوزیف جیکبس اپنی تصنیف **قصہ جوزافٹ** میں لکھتے ہیں کہ "جوزافٹ رومی طریق تحریر ہے اصل میں یوزآفٹ تھا۔ یونانی طرز تحریر جوآسف ہے بائبل میں ایک نام **جے ہوسافٹ** ہے چونکہ یہ نام جوآسف سے کچھ مشابہ تھا اس لئے **جوآسف** اور **جے ہوسافٹ** کی گڑبڑ سے **جوزافٹ** کا نام پیدا ہوگیا۔ یونانی نام عربی سے لیا گیا ہے .... یعنے جوآسف اختصار ہے یوزآسف کا"

پادری صاحب لکھتے ہیں کہ **جوزافٹ** اور **بودی ستوا** ایک ہی ہیں اور **بودی ستوا**۔ گوتما بدھ کا ایک خطاب ہے اور اگر ہم مان لیں کہ یوزآسف اور **جوزافٹ** ایک ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یوزآسف اور **بودی ستوا** ایک ہیں۔ یعنے یوزآسف بھی گوتم بدھ کا ایک نام ہے" یہ امر ہم خوب جانتے ہیں کہ یورپ کے بعض مصنفوں نے **جوزافٹ** اور **گوتم بدھ** کو ایک ہی شخص ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اگر یوزآسف کی قبر نہ نکل آتی تو ممکن تھا کہ یہ رائے صحیح تسلیم کیجاتی۔ مگر اب جبکہ جوزافٹ یعنے یوزآسف کی قبر بھی نکل آئی ہے تو اب اس رائے پر قایم رہنا محض حماقت ہے کہ جوزافٹ یعنے یوزآسف اور گوتم بدھ دراصل ایک ہی ہیں۔ میکسمولر اور دوسرے مصنفین جو سب سے پہلے اس بات کی طرف گئے ہیں کہ جوزآفٹ اور **بودی ستوا** یعنے گوتم بدھ دراصل ایک ہی ہیں ان کو علم نہیں تھا کہ جوزافٹ کی قبر سرینگر کشمیر میں ہے۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے کہ **گوتم بدھ** کی تربت ایک اور جگہ سے نکلی ہے اور کوئی سمجھ دار خیال نہیں کرے گا کہ جو شخص محلہ خانیار میں مدفون ہے وہ گوتم بدھ ہے۔ اس امر میں شک نہیں ہو سکتا کہ یہ یوزآسف یا **جوزافٹ** کی ہی قبر ہے۔ لوگ بالاتفاق گواہی دیتے ہیں کہ یہ **نبی یوزآسف** کی قبر ہے تاریخ شہادت دیتی ہے کہ یوزآسف سرینگر میں مدفون ہے اور یہ شخص غیر ملک کا باشندہ تھا۔ اور ایک شہزادہ تھا۔ ہزار سال سے زیادہ کے لکھے ہوئے نوشتے بھی یہی گواہی دیتے ہیں۔ ان امور کے مقابل میں یہ کہنا محض بیہودہ ہے کہ یوزآسف اور گوتم بدھ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں جن صاحبوں نے پہلے یہ رائے قائم کی ان کو ان امور کا علم نہیں تھا ورنہ وہ یہ رائے ہرگز ظاہر نہ کرتے۔

اگر یوزآسف کے قصہ کے بعض واقعات گوتم کے حالات سے ملتے ہوں تو اس سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ دونوں ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ ممکن ہے کہ جس طرح **گوتم** کو بدھ (یعنے حکیم) کا خطاب دیا گیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی یہی خطاب دیا گیا ہو۔ بدھ صرف گوتم کا ہی نام نہیں گوتم سے پہلے بھی اور پیچھے بھی کئی بدھ ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح کے ہند میں آنے پر ممکن ہے کہ اہل ہند نے انکو بھی بدھ کا خطاب دیا ہو

اور اس طرح گوتم کی طرح حضرت مسیح بھی بدھ کے نام سے مشہور ہو گئے ہون اور اس طرح یوز آسف کا قصہ لکھنے والونکو مغالطہ ہو گیا ہو اور انہون نے گوتم بدھ کے حالات مسیح بدھ کے حالات مین درج کر دئے ہون پس صرف بعض حالات کی مشابہت سے ثابت نہین ہو سکتا کہ گوتم اور یوز آسف دونون ایک ہی آدمی کے نام ہین۔ یوز آسف کے نام کو **بودی ستوا** سے جو گوتم کا ایک خطاب ہے کوئی مشابہت نہین۔ اور یہ ہرگز ثابت نہین ہو سکتا۔ کہ **بودی ستوا** بگڑ کر یوز آسف ہو گیا اگر نامون کی مشابہت کی بنا پر فیصلہ کیا جاوے تو فیصلہ حضرت مسیح کے حق مین ہوتا ہے۔ یوز آسف صریحًا ایک مرکب لفظ ہے جسکے اجزاء **یوز** اور **آسف** ہین +

یوز یسوع کا بگڑا ہوا ہے **س ز** سے تبدیل ہو گیا اور آسف عبرانی لفظ ہے اور حضرت مسیح کے اسماء مین داخل ہے اور اسکے معنے عبرانی مین اکٹھا کرنے والا ہین۔ پس یوز آسف **یسوع آسف** کا بگڑا ہوا ہے اور حضرت مسیح کا یہ نام اختیار کرنا قرین قیاس بھی ہے۔ کیونکہ ہندوستان مین آپ بنی اسرائیل کے گم شدہ فرقون کی تلاش مین آئے تھے اور انکا یہ نام نہایت ہی موزون تھا۔ کیونکہ اسکے معنے ہین یسوع اکٹھا کرنے والا گم شدہ بھیڑون کا اور یہ نام ان کی حالت کے نہایت مناسب تھا۔ اب مین پادری صاحب سے پوچھتا ہون کہ کونسی بات قرین قیاس ہے یہ ماننا کہ یوز آسف **یسوع آسف** کا بگڑا ہوا ہے یا یہ کہ اسکی اصل **بودی ستوا** ہے اگر مشابہت اسماء پر فیصلہ کیا جاوے تو یہ فیصلہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حق مین ہوتا ہے نہ گوتم بدھ کے حق مین۔

علاوہ ازین ہم جانتے ہین کہ گوتم اور جگہ مدفون ہے مگر حضرت مسیح کی نسبت ثابت ہو کہ وہ قبر مین سے نکل آئے۔ لمبا سفر کیا۔ اپنے حواریون سے ملاقاتین کین۔ شہد اور مچھلی کھائی اور اپنے ایک حواری کی انگلی بھی اپنے زخمون مین ڈلوا کر اپنے خاکی جسم اور زندگی کا ثبوت دیا۔ یہ امور بھی اسی کے مؤید ہین کہ یوز آسف یسوع آسف ہی ہے گوتم بدھ نہین ہے کیونکہ ایک کا قبر سے نکلنا اور زندہ پھرنا ثابت ہے دوسرے کا خاک مین ملجانا ثابت ہے۔ پھر لوگون کی زبانی شہادت اور تاریخ کی گواہی کہ یوز آسف شہزادہ ایک غیر ملک کا نبی تھا جو کشمیر مین آکر فوت ہوا۔ یہ بھی اس بات کی تائید کرتے ہین کہ یوز آسف سوائے حضرت مسیح کے اور کوئی نہین۔ پھر ایک اور مؤید قرینہ یہ ہے کہ افغان اور کشمیری گم شدہ بنی اسرائیل کی نسل تسلیم کئے گئے ہین اور حضرت مسیح کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی قوم کے اس بڑے حصے کو بھی تبلیغ کرتے۔ کوئی وجہ نہین کہ وہ شام کی دو قومون کو وعظ کرتے اور باقی دس قومون کو بالکل محروم کرتے حالانکہ وہ کل بنی اسرائیل کے لئے نبی ہو کر آئے تھے۔ اس سے بھی اسی امر کی تائید ہوتی ہے کہ یوز آسف یسوع آسف ہی ہے جنہنے گم شدہ قومون کا

تلاش کرنیوالا۔ غرض ہر طرف سے اسی امر کا ثبوت ملتا ہے کہ یوز آسف حضرت مسیح ہی ہے گو تم بدھ نہیں ہے۔

پادری وائیٹ بریکٹ صاحب اپی فینی میں لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کا صلیب پر مرنا ایک ثابت شدہ تاریخی واقعہ ہے اور ریویو آف ریلیجنز میں جو بے سروپا باتیں لکھی گئی ہیں وہ ایسی بالبداہت لغو ہیں کہ ان کی بحث کرنا گویا مخاطبین کی عقل کی ہتک کرنا ہے ایک پادری کو عقل کا حوالہ دیتے ہوئے سننا ایک حیرت انگیز بات ہے۔ میں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ ماننا انسانی عقل کی ہتک نہیں ہے کہ غیر محدود خدا اسکڑ کر ایک بچہ بنا اور کسی نہ کسی طرح مریم صدیقہ کے رحم میں داخل ہوا۔ پھر کیا یہ اعتقاد رکھنا انسانی عقل کی ہتک نہیں کہ وہ بچہ جو بیت اللحم کی کھرلی میں پوتڑوں میں لپٹا ہوا پڑا تھا وہ ذوالجلال خدا تھا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا پھر میں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ اعتقاد رکھنا عقل انسانی کی ہتک نہیں کہ وہ غریب انسان جسکو یہودیوں نے پکڑا اور پیٹا اور پھانسی دیا وہ قادر مطلق خدا تھا جس نے ہر ایک چیز کو زندگی کا لباس پہنایا۔ در اصل بات یہ ہے کہ پادری صاحب ان دلائل کا جواب نہیں دے سکے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مرے اور اتنا کہہ کر اپنے آپ کو خوش کر لیا ہے کہ مسیحؑ کا صلیب پر مرنا ایک ثابت شدہ تاریخی واقعہ ہے اور وہ تمام بے سروپا باتیں ہیں جو ریویو آف ریلیجنز میں لکھی گئی ہیں + تمام واقعات جو اناجیل میں لکھے گئے ہیں ثابت کرتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مرے۔ حضرت مسیح کا اپنے واقعہ کو یونسؑ نبی کے واقعہ سے مشابہ بیان کرنا جو مچھلی کے پیٹ میں زندہ داخل ہوئے اور زندہ ہی نکلے۔ فرشتے کا پلاطوس کی بیوی کے پاس آنا۔ حضرت مسیح کا ساری رات دعا کرنا۔ انکا دو تین گھنٹہ کے بعد صلیب سے اتارا جانا۔ ہڈیوں کا نہ توڑنا۔ برچھی کے چبھونے پر خون کا نکلنا۔ ان کا قبر سے نکلنا اور جلیل کیطرف سفر کرنا اور کھانا کھانا اور اپنے زخموں میں انگلیاں ڈلوانا تمام یہ امور گواہی دے رہے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب سے زندہ اتر آئے مگر پادری صاحب پھر بھی کہے چلے جاتے ہیں کہ حضرت مسیح کا صلیب پر مرنا ایک تاریخی واقعہ ہے۔ آفرین پادری صاحب کی عقل و دانش پر۔ ایک بڑا قطعی اور یقینی ثبوت حضرت مسیح کے صلیب سے بچنے کا مرہم عیسے یا مرہم حواریین ہے۔ جسکا ذکر صد ہا طب کی کتابوں میں ہے کہ یہ مرہم حضرت عیسے کے زخموں پر حواریوں نے لگائی تھی۔ مگر پادری صاحب اسکا بھی انکار کرتے ہیں اور نہیں بتلاتے کہ کس دلیل پر وہ اس شہادت کو رد کرتے ہیں۔ گویا پادری صاحب کا زبان مبارک سے فرما دینا ہی ایک امر کی تصدیق یا تکذیب کے لئے کافی ہے پادری صاحب فرماتے ہیں کہ مرہم عیسے کو حضرت مرزا صاحب کا ایک مرید لاہور میں فروخت کیا کرتا ہے اور میگزین میں اس مرہم کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ اچھا کیا پھر اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ مرہم حضرت عیسے کے زخموں پر نہیں لگائی گئی۔ پادری صاحب مرہم عیسے کے بارے میں بھی ہی کیوں نہیں کہہ دیتے

اکر علم طب کے عالمون کو اس مرہم کا نام معلوم نہین تھا۔ مرزا صاحب کے شاگردون نے انکو یہ نام سکھایا ہے اور ان کے دل پر بٹھایا ہے۔ جیسا کہ پادری صاحب یوز آسف کے نام کی نسبت فرماتے ہین کہ مرزا صاحب کے حواریون نے اہل کشمیر کو یہ نام سکھایا اور ذہن نشین کیا ہے۔ اب مین پادری صاحب کو الوداع کہتا ہون *

آپ کا خادم **شیر علی** ۶۔ ستمبر ۱۹۰۳ء

انگریزی اخبارات اور حضرت مسیح موعود

اخبار گلاسگو ہیرلڈ مورخہ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء لکھتا ہے:۔ "پچھلے چند ہفتون مین ایک اشتہار بعنوان "پگٹ و ڈوئی کے متعلق مسیح موعود کی پیشگوئیان" ممالک یورپ و امریکہ مین مشتہری کی غرض سے قادیان ملک پنجاب سے شایع ہوا ہے۔ یہ ایک عجیب قابل ذکر تحریر جو چھ صفحہ حجم کا پرچہ ہے زبان انگریزی مین بمقام لاہور چھپی ہے۔ لیکن مسیح موعود ایشیا کا رہنے والا ہے کیونکہ اس پرچہ مین مترجم کا نوٹ درج ہے اور پیشگوئی کے نیچے مرزا غلام احمدؐ صاحب کے دستخط ثبت ہین۔

"**عیسائی مذہب کی غلطی**:۔ یہ امر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اس اشتہار کے مضمون کو خلاصۃً بغیر کسی قسم کی رائے زنی کے لکھا جاوے۔ دعوے پیش کردہ مین کسی قسم کے شک کی گنجایش نہین۔ مرزا غلام احمدؑ صاحب بڑی صفائی اور تفصیل سے ظاہر کرتے ہین کہ مین وہی مسیح موعود ہون جس نے آخری زمانہ مین آنا تھا۔ لیکن مسیح کے متعلق عام پورانے خیال کے عیسائیون کے خیال سے ان کا خیال مختلف ہے۔ وہ کہتے ہین کہ یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ انسان خدا بن جائے۔ ہان یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالے کے ساتھ شدید اور گہرا تعلق پیدا کرے اور اس طرح سے خدائے تعالے کا مظہر ہو جاوے۔ بعض اوقات ایسے انسان سے صفات الٰہی ظاہر ہو جاتے ہین کیونکہ اللہ تعالے کی صورت کا عکس اسکے شیشہ دل پر پڑتا ہے اور ساتھ ہی اس سے انسانی صفات بھی.... ظہور مین آتی ہین۔ کیونکہ فطرتاً وہ ایک بشر ہوتا ہے یہی باعث ہے کہ جن لوگونکو روحانیت مین کم دخل ہے وہ ایسے انسان کے بارہ مین دھوکہ کھا جاتے ہین کیونکہ ان کی ایک جانب نظر ہوتی ہے اور دوسری طرف سے بالکل اندھے ہوتے ہین ایک انسان مین صفات الٰہی کا انعکاس پاکر اس ظل کو اصل خیال کرنے لگ جاتے ہین اور ایسے شخص کو واقعی خدا تعالے سمجھتے ہین لیکن عیسائیون کا وہ فرقہ جنہون نے حضرت مسیح کو خدا بنایا ہے جس غلطی مین وہ پڑے ہوئے ہین اور جو دھوکا انکو لگا ہے وہ دیگر تمام مشرک قومون کی غلطی اور دھوکہ سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔

مرزا غلام احمد صاحب کے نزدیک جو بات عیسائی مذہب کے متعلق بہت مایوسی پیدا کرنے والی ہے وہ یہ ہے کہ جب عیسے کی خدائی کا جھوٹا عقیدہ موجودہ ترقی یافتہ زمانہ کی طبایع کے نزدیک قبول کرنے کے قابل نہ رہا تو ایک جھوٹے خیال کو قائم رکھنے کے لئے نئے نئے بیہودہ طریق پیش کئے جاتے ہیں اور ایک جھوٹے عقیدہ کو بحال رکھنے کے لئے نئے جھوٹے دعوے تراشے گئے ہیں۔

ڈاکٹر ڈوئی اور مسٹر پگیٹ:۔ مرزا غلام احمد صاحب کے نزدیک سخت قابل نفرت اور نہائیت بیہودہ دعاوی وہ ہیں جو ڈاکٹر ڈوئی اور مسٹر پگیٹ نے کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یورپ میں مسٹر پگیٹ مسیحیت و خدائی کا دعوے کرتا ہی اور اپنے آپ کو زمین و آسمان کا مالک قرار دیتا ہے۔

اور مغربی کرہ میں بمقام چیکاگو ڈاکٹر ڈوئی کھڑا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ میں الیاس ہوں جس نے یسوع مسیح سے پہلے آنا تھا۔ اور ۲۵ سال آیندہ کے اندر یسوع مسیح کی آمد کی پیشگوئی کرتا ہے۔ اس کام کے اختیار کرنے میں ان دو جھوٹے دعوے کرنے والوں نے جو دلیری کی ہے اس میں ایک خفیف سا فرق ہے۔ سکاٹ لینڈ کا مفتری یعنے ڈوئی کمزور دل معلوم ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ اسکا یہ دعوے ہے کہ وہ بحیثیت ایک نوکر کے اپنے مالک (مسیح) کے واسطے راستہ تیار کرنے آیا ہے لیکن الیاس ہونے کا دعوے کرنے میں بھی وہ بزدلی دکھلاتا ہے مسٹر پگٹ ڈوئی سے زیادہ دلیر ہے یعنی جھوٹا دعوے کے کرنے میں اس نے زیادہ دلیری اور جرأت دکھلائی ہی اور کہتا ہے کہ میں وہی مسیح ہوں جو پہلے آیا تھا۔ نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھکر وہ خود خدا ہونیکا دعویدار ہی یہ تمام اس کی لغویات اور کفر کی باتیں ہیں۔

صدہا نشانات آسمانی:۔ مرزا غلام احمد صاحب کہتے ہیں کہ اس لئے کہ زمین بدکاریوں اور جھوٹے عقیدوں اور جھوٹے دعووں سے آلودہ ہو گئی تھی سچا مسیح سرزمین پنجاب میں نازل کیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ خدائی کا دعوے نہیں کرتا۔ لیکن اس کا مسیحیت کا دعوے بھی اپنی طرف سے نہیں ہی بلکہ وہ کہتے ہیں کہ میری تائید میں جو سیکڑوں نشانات آسمانی ظاہر ہوئے ہیں انکے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ نے میری صداقت کی شہادت دی ہی۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے جو برکات و فضل مجھ پر نازل کئے ہیں وہ ان فضلوں سے بدرجہا بڑھکر ہیں جو اس مسیح پر نازل ہوئے تھے جو مجھ سے پہلے گذر چکا ہے۔ میرے وجود کے شیشہ میں اللہ تعالےٰ کے چہرہ کا عکس اس پہلے یسوع کی نسبت بہت زیادہ پڑا ہے۔ اگر یہ تمام میری اپنی ہی لاف و گزاف ہے جس کی اور کوئی سند نہیں تو میں جھوٹا ہوں۔ لیکن اگر اللہ تعالےٰ میری صداقت کی شہادت دیتا ہے تو کوئی نہیں جو مجھے جھٹلا سکے۔

دعوت مقابلہ:- خصوصاً ڈاکٹر ڈوئی اور مسٹر پگیٹ کی قسمت کا فیصلہ مسیح موعود کی صداقت کا ایک نشان ہوگا۔ مترجم کے نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ستمبر سال گذشتہ مین بذریعہ ایک ماہواری رسالہ اسمی ریویو آف ریلیجنز قادیان کے مسیح موعود کی جانب سے ڈاکٹر ڈوئی کو دعوت مقابلہ کیگیئی تھی۔ کیونکہ ڈاکٹر ڈوئی نے پیشگوئی کی تھی کہ تمام مسلمان ہلاک ہوجاوینگے اس لئے کہ وہ یسوع مسیح کو خدا اور ڈوئی کو الیاس نہین مانتے اس تحریک سے جو دعوت مقابلہ کی گئی اسکے الفاظ یہ ہین۔

"اس امر کا فیصلہ کہ مسلمانون کا خدا سچا خدا ہے یا ڈوئی کا خدا سچا ہے ان لاکھون جانون کو ضایع کرنیکے بغیر بھی ہوسکتا ہے جنکے ضایع ہونے کی ڈوئی پیشگوئی کرتا ہے وہ طریق فیصلہ یہ ہے کہ عام مسلمانون کو تباہی کی دھمکی دینے کی بجائے اسکو چاہیئے کہ وہ صرف مجھے حریف مقابل منتخب کرے اور اللہ تعالے سے دعا کرے کہ جو ہم دونون مین سے جھوٹا ہے وہ پہلے ہلاک ہوجاوے۔ اس تجویز کے قرار دینے مین مین نے خود بخود ابتدا نہین کی بلکہ ڈوئی کی جرأت کے سبب سے اللہ تعالے کی غیرت نے چاہا ہے کہ ایسا ہی ہو"

ایک پیشگوئی:- اس دعوت مقابلہ کا بظاہر کوئی نوٹس نہین لیا گیا۔ لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ دعوت مقابلہ خالی از نتیجہ بھی نہین رہی۔ کیونکہ ڈاکٹر ڈوئی نے اپنے فرقہ کے پرچہ نامی "لیوز آف ہیلنگ" کی گذشتہ اشاعت مین عیسائیون کو تثلیث کے عقیدہ کا الزام دیا ہے اور یہودیون اور مسلمانون کے ساتھ جو توحید الٰہی پر ایمان رکھتے ہین۔ ہمدردی کی ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب اپنی پیشگوئی مورخہ ۲۳۔ اگست گذشتہ مین ظاہر کرتے ہین کہ وہ اپنی دعوت مقابلہ کے جواب کا سات ماہ آیندہ تک انتظار کرینگے۔ اگر اس عرصہ مین ڈاکٹر ڈوئی نے اس مقابلہ کو منظور کر لیا اور اس کی شرایط کو پورا کیا تو تمام دنیا اس مقابلہ کا انجام دیکھ لے گی۔ میری عمر ستر سال کے قریب ہے حالانکہ ڈاکٹر ڈوئی صرف ۵۵ سال کی عمر کا ہے۔ لیکن چونکہ اس امر کا انفصال عمر پر نہین ہے۔ اسواسطے مین ان عمر کے سالون کی تفاوت کی کچھ پروا نہین کرتا۔ مرزا غلام احمد صاحب کہتے ہین کہ اگر اب بھی ڈوئی مقابلہ سے انکار کرے گا تو امریکہ کے پیغمبر کے دعاوی جھوٹ اور افترا ثابت ہوجاوینگے مسٹر پگیٹ کے بارہ مین مسیح موعود کی پیشگوئی ہے کہ وہ خدائی کا متکبر مدعی میری عین حیات مین تباہ ہوجاوے گا۔

ایک دلیری کا دعوے:- شاید اس امر کا لکھنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ مترجم اپنے نوٹ کے آخری فقرہ مین ماہ گذشتہ کے رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ایک آرٹیکل کیطرف توجہ دلاتا ہے جس مین درج ہے کہ یسوع صلیب پر نہین مرا بلکہ وہان سے اپنی جان بچا کر بھاگ آیا تھا اور بعد ازان بمقام سرینگر ملک کشمیر

وفات پائی جہان محلہ خانیار مین ابتک اس کی قبر موجود ہے" +

اخبار چرچ فیملی مورخہ ۲۸ - اگست ۱۹۰۳ء لکھتا ہے "یہ کوئی تعجب و حیرانگی کی بات نہین ہے کہ بائیبل کی اعلےٰ تنقید جو بائیبل کی عمارت کو گرا رہی ہے - عیسائیت کے برخلاف اپنے دلائل استعمال کرنے مین اہل اسلام وغیرہ کو ایک حربہ کا کام دے رہی ہے - وہ کہتے ہین کہ ان عیسائیون کو جو پادریون کو اس غرض سے باہر بھیجتے ہین کہ وہ ہم کو عیسائی بنائین خود اپنی بائیبل پر ہی ایمان نہین ہے وہ یہ بھی کہتے ہین کہ ان کے سرکردہ آدمیون نے بائیبل کو جھوٹا ثابت کیا ہے - انکو معجزات مندرجہ بائیبل و الوہیت یسوع مسیح اور اسکے دوبارہ جی اٹھنے وغیرہ سے بالکل انکار ہے - یہ ظاہر ہے کہ اس مشنری کام کو ان زیادہ مہذب و زیادہ تعلیمیافتہ قومون مین ضرور سخت صدمہ پہونچیگا - جہان غیر عیسائی معلم اور واعظ ظاہر کر سکتے ہین کہ خود ہمارے دار العلومون مین ایسے پروفیسر موجود ہین جن کی زندگی کا بڑا بھاری مقصد یہ ہو کہ وہ بائیبل کو پر از اغلاط ثابت کرین - تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے کہ کلکتہ مین مشنریون کی کانفرنس قائم ہوئی تھی اور اس مین اعلےٰ تنقید بائیبل کے مضمون پر بحث ہوئی تھی اس کانفرنس کی رپورٹ کو اہل اسلام کے مناظر مرزا غلام احمد صاحب نے غور سے ملاحظہ کیا ہے اور اپنے میگزین یعنی ریویو آف ریلیجنز مین ایک آرٹیکل لکھا ہے جس مین وہ بائیبل کی تنقید کے ان نتائج کو جو اعلےٰ محققین نے مانے ہین نقل کرتے ہین اور ان مہلک نکتہ چینیون کو بائیبل و عیسائیت کی تردید مین اپنا ہاتھ بٹانے والا اقرار دیتے ہین اور مشنریون کو الزام دیتے ہین کہ جو امر غلط ثابت ہو چکا ہے وہ اسی کی تعلیم دیتے ہین اور قرآن مجید کو ہی روئے زمین پر ایسی کتاب قرار دیتے ہین جسکا دعوےٰ ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کا سچا کلام اور تحریف سے مبرا ہے وہ یہ بھی ظاہر کرتے ہین کہ اعلےٰ تنقید کی سچائی اور بائیبل کی غلطیونکو تسلیم کر لینے کے بعد یہ بالکل مشکل نظر آتا ہے کہ عیسائی مذہب کسی طرح سے ایک لمحہ کے لئے بھی پابجا رہ سکے - بلکہ اس کی ساری عمارت سڑا گر جاتی ہے +

"مرزا صاحب اپنے بیان کے ثبوت مین انسکلوپیڈیا ببلیکا کو پیش کرتے ہین اور اس آرٹیکل کا حوالہ دیتے ہین جو تفسیر انجیل کے پروفیسر پال ڈبلیو شمیڈل نے انجیلون پر لکھا ہے کیونکہ سوئٹزرلینڈ اور انگلینڈ مین ایسے آدمی موجود ہین جو ایسی حیثیت و ذرایع آمدنی کے رکھتے ہین جو انکو صرف اس صورت مین حاصل ہو سکتے تھے جبکہ وہ اس بات پر ایمان لاتے جسکو اب وہ جھوٹا ثابت کر رہے ہین - ہمارے یہان تفسیر انجیل کا ایک پروفیسر ہے اسکو انجیلون مین کوئی ایسی بات کم ہی ملی ہے جو قابل اعتبار خیال کی جا سکے - وہ سخت نکتہ چینی کے چند کالم لکھنے کے بعد کہتا ہے کہ سابقہ فصلون کے معائنہ سے بعض اوقات یہ شک ہوتا ہو گا کہ شاید انجیلون مین

کوئی بات بھی قابل اعتبار نہین پائی جاتی - پھر اسکے بعد وہ لکھتا ہے کہ ہان چند فقرے قابل اعتبار ہین خیانچہ
وہ صرف پانچ ایسے فقرات کا ذکر کرتا ہے جن پر وہ چار اور اینزاد کرتا ہے - بیشک پروفیسر مذکور کے
خیال کے مطابق مسیح کا کوئی معجزہ بھی سچا نہین ہے - اسکا قول ہے کہ پانچہزار اور چار ہزار کو کھانا کھلانا - مُردونکو
زندہ کرنا - کوڑھیون کا اچھا کرنا - لنگڑون کا چلنا اور اندھون کا دیکھنا یہ تمام ہرگز تاریخی واقعات نہین ہین
یہ حالات جسمانی نہین بلکہ روحانی مُردون اندھون لنگڑون وغیرہ کے متعلق ہین اسی قسم کی اور بہت ساری
باتین ڈاکٹر کین کی انسکلوپیڈیا ببلیکا مین پائی جاتی ہین اور مرزا صاحب[1] کا اسکے ساتھ بالکل اتفاق رائے
ہے وہ اسکو اپنے مدعا کی تائید مین پیش کرتے ہین اور بائیبل کے ان پروفیسرون کی شہادت کو خوشی سے
قبول کرتے ہین جو بحیثیت ایک مسلمان ہونیکے انکے خیال کے مؤید ہے - چنانچہ اس بنا پر وہ اپنے ہم مذہبونکو
بڑے زور سے کہتے ہین کہ جس بائیبل کا مشنری لوگ وعظ کرتے ہین وہ کذب و دروغ کی کتاب ہے اور کہ
انکے اپنے پروفیسر اس امر کو صریحًا تسلیم کرتے ہین وہ کہتے ہین کہ تفاسیر عہدنامہ جدید کے پروفیسر شمیڈل مؤرخ
کے نزدیک یسوع کے متعلق انجیلون مین صرف پانچ فقرات خالص قابل اعتبار ہین اور ان کا وہ حوالہ دیتے
ہین - مرزا صاحب اس امر کے ثبوت مین کہ خود عیسائیون کو مسیح کی الوہیت پر ایمان نہین شمیڈل کے
ایک اور فقرہ کا حوالہ دیتے ہین - پروفیسر شمیڈل کہتا ہے کہ یسوع کے معاملہ مین ہمارا ایک خالص انسان کے
ساتھ تعلق پڑتا ہے اور اس انسان کے وجود مین اللہ تعالےٰ کی تلاش اس شکل و ہیئت مین ہو سکتی ہے
جس صورت و شکل خدا تعالےٰ کا ایک انسان مین پایا جانا ممکن ہو سکے - مرزا صاحب و نیز بائیبل و عیسائیت
کے دیگر تمام مخالفین و معاندین کے واسطے انسکلوپیڈیا ببلیکا معلومات کا ایک بھاری ذخیرہ ہے اور یہ لوگ
اس سوال کے دوسرے پہلو یعنی ان کفریات کے جنسے وہ خوش ہو رہے ہین علمی تردید کی کوئی پروا نہین کرتے +

”دو ہفتہ ہوئے ہم نے ریمارک کیا تھا کہ ایسی تعلیم سے جیسا کہ ہم نے انسکلوپیڈیا ببلیکا مین حوالہ
دیا ہے ایک نہایت مہلک خطرہ پیدا ہوتا ہے جس سے آج کل اللہ تعالےٰ کی صداقت پر حملہ ہو رہا ہے
انگلستان کے کلیسیا کا ایسی رائون سے اغماض کرنا نہ صرف اسپر ایک خطرناک دھبہ ہی ہے بلکہ رومن کیتھولک
مذہب اور اختلاف کرنے والے فرقون کے ہاتھ مین یہ ایک زبردست انجن ہے جس سے وہ اسکی وسعت
کو بے اعتبار کرتے اور اپنے نئے نئے مرید اس مین سے حاصل کرتے ہین لیکن اب ایک مسلمان کے ہاتھ سے جو تجربہ
ہم کو ہوا ہے اس کی بنا پر ہم یہ کہنے کے قابل بھی ہو گئے ہین کہ غیر عیسائی اقوام کے اندر انجیل کی اشاعت کے
واسطے یہ سب سے بڑھ کر روک ثابت ہو رہی ہے +

شمیدل

عصمتِ انبیاء پر پادری مانرو کے رسالے

سلسلہ کے لئے دیکھو ستمبر کا رسالہ

مسٹر مانرو نے اپنے دوسرے رسالہ مین جو عصمت انبیاء پر لکھا ہے حضرت مسیح موعود کو گالیان نکالی ہین۔ اور گستاخی۔ الحاد۔ جہالت اور عمداً لوگون کو دھوکا دینے وغیرہ وغیرہ کا الزام دیا ہے۔ غالباً پادری صاحب کی نظر اس انجیلی وعظ پر نہ تھی جس مین لکھا ہے کہ تو کسی کو بیوقوف مت کہہ ورنہ تجھے جہنم مین ڈالا جائیگا اور ان الفاظ مین انہون نے دنیا کو اپنی نیکی کا نمونہ دکھایا ہے۔ اگر مسیح موعود کیجانب سے اسکو کوئی ذاتی تکلیف و رنج پہنچتا تو اس حالت مین وہ ایسی دشنام ہائے ناہنجار کے دینے مین کسی حد تک معذور سمجھا جاتا لیکن مسیح موعود نے اپنے مضامین مین اسکا کوئی حوالہ نہین دیا ہے اور نہ ہی اسکا نام لیا ہے۔ فی الحال اس سے درگذر کر کے ہم دیکھتے ہین کہ اس نے اپنے اسی رسالہ کے پہلے صفحہ مین ایک عجیب بات لکھی ہے لیکن جہانتک ہم نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا ہے اور پڑھا ہے اس کی کسی آیت سے یہ امر مفہوم نہین ہوتا۔ وہ کہتا ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات ایسی ہین جو اس نے پہلے رسالے مین نقل کی ہین اور جن سے باستثنائے یسوع کے آنحضرۃ صلے اللہ علیہ وسلم اور باقی کل پیغمبر صریحاً گنہگار ثابت ہوتے ہین۔ کیا پادری صاحب کلام مجید کی ایک بھی ایسی آیت بتلا سکتے ہین جس مین گنہ گار یا بے گناہ ہونے کے بارہ مین یسوع کو دیگر پیغمبرون سے مستثنیٰ رکھا گیا ہو۔ وہ صریحاً قرآن مجید کی ایسی آیتون کا تذکرہ کرتا ہے جن مین باستثنائے یسوع کے باقی پیغمبرونکو صاف گنہ گار ثابت کیا گیا ہے اور بحیثیت ایک خطل مین ہونیکے اسکا فرض ہے کہ ان آیتون کا پتہ دیوے وہ آیت ”**ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل**“ کا حوالہ دیکر ظاہر کرتا ہے کہ تمام باتون مین یہ مقدس پیغمبر دیگر پیغمبرون جیسا ہے اور اگر وہ گنہ گار ہین تو یہ پیغمبر بھی اُن سے مستثنیٰ نہین ہے اور خود ہی اسکا یہ ترجمہ کرتا ہے کہ حضرت محمد صلعم ایک رسول سے بڑھکر نہین ہین اور اور رسول ان سے پہلے سب فوت ہو چکے ہین۔ لیکن جو اسی قسم کی آیت یسوع کی بابت ہے اسکو لکھنا بھول گیا ہے وہ یہ ہے ”**ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل**“۔ اس اور سابقہ آیت مین فرق صرف یہ ہے کہ اس مین بجائے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے المسیح ابن مریم لکھا ہے اور پادری مانرو کے ترجمہ کے مطابق اسکا یہ ترجمہ ہوگا کہ مسیح ابن مریم ایک رسول سے بڑھ کر نہین ہے اور اور رسول اس سے پہلے سب فوت ہو چکے ہین۔ پھر یسوع کی کہان استثناء ہے؟ جو پیغمبر اس سے پہلے گذر چکے ہین ان سے وہ کوئی الگ اعزاز

نہین رکھتا۔ اور اسی طرح پر تمام باتون مین دوسرے رسولون جیسا ہے جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔
مزید برآن یہ بھی قابل ذکر ہے کہ یسوع بھی دوسرے پیغمبرون کی طرح وفات پا گیا اور ہر دو آیت ہائے متذکرہ بالا
سے یہ امر صراحتاً ظاہر ہے۔ پہلی آیت مین تو حضرت عیسیٰ ان پیغمبرون مین شامل ہین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
پہلے فوت ہو چکے ہین۔ اور دوسری آیت مین بیان ہوا ہے کہ جو پیغمبر اس سے پہلے وفات پا چکے ہین اُن سے وہ کوئی
الگ نہین ہے۔ پادری مانرو کو جواب دینے مین شائد کوئی دھوکا نہ لگے اس لئے انکو پھر متنبہ و آگاہ کرنا ضروری ہے
کہ چونکہ صرف متعدد پیغمبرونکے نام قرآن مجید مین لئے گئے ہین اسواسطے یہ استثنائے یسوع کے باقی تمام پیغمبرون کو
گنہ گار ٹھہرانے کے واسطے یہ اسکا فرض ہوگا۔ کہ وہ مقدس کلام مجید سے کوئی آیت اس مضمون کی پیش کرے
جس سے وہ نتیجہ نکلے جسکو اس نے ایسی بیباکی سے پیش کیا ہے۔ اور نیز چونکہ اس نے کلام مجید کی آیتون کا تذکرہ
کیا ہے اس واسطے کوئی حدیث یا کسی تفسیر کا کوئی قول اس غرض کے لئے قابل تسلیم نہین ہوگا۔ پادری صاحب
نے اپنے پہلے رسالہ مین جسکا وہ فقرہ بالا مین حوالہ دیتے ہین صرف مفصلہ ذیل پیغمبرونکو گناہ کا الزام لگایا ہے
یعنی حضرت آدمؑ حضرت موسےؑ حضرت داؤدؑ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت ہارونؑ حضرت نوحؑ اور
ہمارے پیغمبر صلعم۔ کیا وہ کلام مجید کی کوئی ایسی آیت بتلا سکتا ہے۔ جس مین یوحنا جس کا شاگرد یسوع تھا۔
یا شعیبؑ یا اسحاقؑ یا اسمٰعیلؑ یا الیاسؑ یا کسی دیگر پیغمبر کے کسی گناہ کے فعل کا ذکر ہو یا کیا یہ تمام پیغمبر یسوعؑ
کی طرح مستثنے ہین پھر قرآن شریف صاف بیان کرتا ہے کہ اس مین صرف متعدد پیغمبرونکا نام لیا گیا ہے پادری
مانرو نے کس دلیل و ثبوت سے ان پیغمبرون کو جن کا نام قرآن مجید مین نہین تھا گنہ گار سمجھا ہے اسکا یہ بیان کہ
قرآن شریف مین ایسی آیات ہین جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام پیغمبر بہ استثنائے ابن مریم کے گنہ گار تھے بالکل
مردود ہے جب تک وہ ایسی آیت پیش نہ کرے جس سے یہ ثابت ہو۔ اصل بات تو یہ ہے کہ کسی پیغمبر کے
معصوم یا گنہ گار ٹھہرانے کے واسطے قرآن مجید سے یہ ثبوت پیش کرنا چاہیئے۔ یہ بات کہ قرآن مجید مین ایک بھی
آیت نہین ہے جو پیغمبرونکے گنہ گار ٹھہرانے کے لئے مثبت ہو۔ پادری مانرو نے اپنی خاموشی سے خود مان
لیا ہے کیونکہ اب تک وہ کوئی ایسی آیت پیش نہین کر سکا۔ دوسری جانب ایک مولوی صاحب نے چند
آیات عصمت انبیا کے اصول کی تائید و ثبوت مین اسکو بتلائی تھین لیکن ان پر اسکو بدین وجہ اعتراض تھا کہ
قرآن کریم مین ایسی آیات بھی ہین جن مین اسکے زعم مین بعض انبیاء کے گناہون کا ذکر ہے۔ ان سب آیات پر
ہم اسی سال کے جولائی اور اگست کے نمبر مین مفصل بحث کر کے دکھا چکے ہین کہ ان مین کسی نبی کے کسی گناہ
کا ذکر نہین اور پادری مانرو نے ابتک اس مضمون کی کوئی تردید بھی نہین کی اس لئے اب دو امر کا فیصلہ

ہوگیا ہے۔ اوّل یہ کہ قرآن مجید مین کوئی ایسی آیت مذکور نہین ہے جس سے عام طور پر سب پیغمبرون کی گنہگاری کا اثبات ہو۔ دوّم یہ کہ قرآن مجید مین کوئی فعل گناہ کا کسی پیغمبر کے حق مین منسوب نہین کیا گیا اب ہم دیکھین گے کہ آیا قرآن مجید مین کوئی ایسی آیتین بھی ہین جن سے عصمت انبیاء کے اصول کا ثبوت ملتا ہو۔ استغفار کے معانی پر بحث کرتے ہوئے پہلے اس آیت کا حوالہ دیا جا چکا ہے جو سورہ انبیاء مین ہے جسکا مدعا یہ ہے کہ جو کچھ انبیا کہتے یا کرتے ہین وہ سب باذن اللہ کہا جاتا ہو وہ آیت یہ ہے وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدا سبحانہ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وہم بامرہ یعملون یعلم ما بین ایدیہم وما خلفہم ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ وہم من خشیتہ مشفقون۔ اور کوئی پیغمبر تم سے پہلے ہم نے نہین بھیجا جس کی طرف ہم نے یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا اور کوئی خدا نہین اس لئے میری ہی عبادت کرو۔ تاہم وہ کہتے ہین کہ رحمٰن نے ایک بیٹا بنا لیا ہے اسکی ذات ایسے عیبون سے پاک ہو۔ پیغمبر صرف اسکے معزز بندے ہین وہ نہین بولتے جبتک وہ ان کو نہ کہے۔ اور اسی کے حکم کے نیچے وہ کام کرتے ہین۔ وہ انکو آگے اور پیچھے کی سب باتون کو جانتا ہے اور وہ صرف اسی کی خاطر جسپر وہ راضی ہو۔ شفاعت کرتے ہین اور وہ ہر وقت اللہ تعالےٰ کے خوف سے ڈرتے رہتے ہین۔ اس جگہ ہم نے علاوہ آیت محولہ کے جسکے ترجمہ پر لکیر کھینچ دی گئی ہے اس سے ماقبل اور مابعد کی آیتین بھی لکھ دی ہین تاکہ صاف معلوم ہو جائے کہ پیغمبرونکے سوائے ان آیات مین اور کسی کا ذکر نہین۔ یہان پیغمبرونکے بارے مین اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ وہ خدا کے اذن کے بغیر کوئی کلمہ منہ سے نہین نکالتے اور جبتک کسی کام کرنے کیلئے اللہ تعالےٰ انکو حکم نہ دیوے تب تک وہ کام نہین کرتے۔ درحقیقت یہان اللہ تعالےٰ پیغمبرونکے اقوال وافعال کو اپنے اقوال وافعال قرار دیتا ہو پیغمبرون کی عصمت کے بارہ مین اس سے بڑھکر اور کس ثبوت کی ضرورت ہو جو الفاظ پیغمبرونکے بارہ مین اس جگہ استعمال کئے ہین وہ بلحاظ مفہوم کے ان الفاظ سے ملتے ہین جو دوسری جگہ پر فرشتونکے حق مین بولے گئے ہین۔ یخافون ربہم من فوقہم ویفعلون ما یومرون۔ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہین جو انکے اوپر ہو اور جس بات کا انکو حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہین۔ بہرحال یہ تو ایک مسلم امر ہے کہ ملائکہ معصوم ہین اور قرآن مجید مین جن الفاظ مین ان کی تعریف کیگئی ہو انہین الفاظ مین پیغمبرون کی بھی تعریف کی گئی ہے اسواسطے مذکرہ بالا آیت مین عصمت انبیا کا بالکل صاف ثبوت ملتا ہے +

قرآن مجید کی اور بہت سی آیتون سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ سورہ فاطر کی انتیسوین آیت مین وارث کتاب یعنی مومن تین قسم پر تقسیم کئے گئے ہین (۱) وہ لوگ جو بدیون کے ارتکاب سے اپنی جانون پر ظلم کرتے ہین (۲) وہ لوگ جو میانہ روی اختیار کرتے ہین (۳) وہ لوگ جو سب سے بڑھکر نیکی کے کام کرتے ہین۔ اول الذکر جماعت کے لوگ بُرے افعال کے ساتھ ملے جلے ہوتے ہین۔ دوسری قسم کے لوگ معمولی نیکی کا کام بجالاتے ہین لیکن یہ نہین کہ بدی سے وہ بالکل محفوظ ہوگئے ہون اور اس لئے لغزش مین بھی مبتلا ہو سکتے ہین اگرچہ ان مین بری تحریک جلدی دب جاتی ہے۔ تیسری قسم کے وہ مومن ہین جو بدی سے بالکل محفوظ ہوتے ہین اور نیکیون ہی مین صرف اوقات کرتے ہین یہی جماعت پیغمبرون کی ہے۔ یہ امر کہ صادق مومنون کی ایک ایسی جماعت بھی ہے جو بدی کی مس سے بالکل مامون ہے۔ اس کی تائید قرآن مجید کی اور آیتون سے بھی ہوتی ہے۔ جب شیطان کو ابدی سزا کا حکم دیا گیا تو اس نے کہا **فبعزتک لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین** ترجمہ۔ مجھے تیری عزت کی قسم ہے کہ مین ان سب کو گمراہ کرونگا۔ سوائے انکے جو تیرے مخلص بندے ہین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے مخلص بندون کی بھی ایک جماعت ہے۔ جن پر شیطان کا کوئی تصرف نہین اور جنکو وہ صراط مستقیم سے نہین پھسلا سکتا۔ ایسا ہی اللہ تعالے فرماتا ہے **ان عبادی لیس لک علیہم سلطان**۔ یعنے شیطان کا عباد الرحمن پر کوئی تصرف نہین۔ اس جگہ لفظ عباد جو عبد کی جمع ہے تمام مخلوق کے واسطے مستعمل نہین ہوا بلکہ یہ صرف اللہ تعالے کے ایسے مخلص اور منتخب بندونکے واسطے ہے جیساکہ پیغمبر۔ اس سے بھی عصمت انبیا ثابت ہوتی ہے کیونکہ انسان کسی بدی کا مرتکب نہین ہوسکتا جبتک کہ شیطان اسپر قابو نہ پاوے۔ لیکن ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیا پر شیطان قابو نہین پا سکتا اسلئے انبیا بدی کے بھی مرتکب نہین ہوسکتے۔

علاوہ ازین یہ مسلم امر ہے کہ انبیا کا فرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ پس اگر وہ خود اپنے کہنے کے برخلاف عمل کریں تو وہ ان مین سے ہونگے جنکو قرآن مجید پیغمبر صلعم کی زبانی مفصلہ ذیل الفاظ مین ملامت کرتا ہے۔ **اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم**۔ ترجمہ کیا تم لوگونکو نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور اپنا آپ خود بھول جاتے ہو۔ یہ الفاظ قرآن مجید مین علمائے یہود کے حق مین بولے گئے ہین۔ جنہون نے پیغمبر صلعم سے انکار کیا اور انکو جھٹلایا۔ یہود کے علما یہ سمجھتے تھے کہ ہمین کسی پیغمبر کی ضرورت نہین ہے۔ کیونکہ خدا کا کلام ہمارے پاس موجود ہے اور ہم دوسرے لوگون کو اس کی تعلیم دیتے ہین لیکن خدا تعالے انکو ملزم قرار دیتا ہے کیونکہ جس بات کے کرنیکا وہ اورونکو حکم دیتے ہین وہ خود نہین کرتے اور فرماتا ہے کہ تمہین نجات نہین مل سکتی جبتک پیغمبر

پیروی نہ کرو۔ اگر پیغمبر بھی گنہ گار ہوتے ہین تو وہ صریحًا انہین الفاظ کے نیچے آتے ہین جو علمائے یہود کی نسبت یہان بیان کئے گئے ہین اور اس لئے اگر انبیاء اور علمائے یہود مین کوئی فرق نہین تھا تو علمائے یہود کو انبیاء سے انکار کرنے پر لعنت ملامت کیون کی گئی۔ وہ بھی نیکی کے کام کرنے کی تعلیم دیتے تھے لیکن خود اسپر عمل نہین کرتے تھے۔ اور پیغمبر بھی وہی کام کرتے تھے اس صورت مین تو انبیاء کی بعثت کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ نیکیون کی تعلیم دینے کے لئے علمائے یہود بکثرت موجود تھے لیکن اصل بات یہ ہے کہ صرف تعلیم بے اثر ہے جبتک کہ معلم نمونہ بن کر نہ دکھلاوے اور نہ ایسی تعلیم لوگونکو برائیون سے ہٹا سکتی ہے اور اسی لئے پیغمبرونکے آنیکی ضرورت ہوتی ہے اور وہ جو کچھ تعلیم دیتے ہین اسپر خود عمل کرتے ہین اور اس طرح نیکی کا ایک نمونہ قائم کرتے ہین +

یہ بات کہ جو شخص افعال بد کا مرتکب ہو۔ وہ پیغمبر نہین ہو سکتا۔ مفصلہ ذیل آیت سے ظاہر ہوتی ہے

واذ ابتلی ابراہیم ربہ بکلمت فاتمہن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عہدی الظالمین +

اس آیت مین اللہ تعالے اول ان احکامات کا ذکر کرتا ہے جو حضرت ابراہیم کو دئے گئے تھے جنکو انہون نے بالکل پورا کر دیا۔ اس کی راستبازی پر خوش ہو کر اللہ تعالے نے انکو امام بنایا۔ اسپر حضرت ابراہیم نے بارگاہ الہی مین عرض کی کہ میری ذریت مین سے بھی پیغمبر بنائے جائین تو جواب ملا کہ تمہاری ذریت سے صرف وہی لوگ پیغمبر بنائے جائینگے جو برے کام نہین کرینگے اور یہ کہ اس کے عہد سے بدکارونکو کوئی حصہ نہین ملیگا۔ اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ گنہگار شخص کو خدا کبھی پیغمبر نہین بناتا۔ اس مین پہلے ابراہیم ع کو نبوت ملنے کا ذکر ہے کیونکہ وہ راستباز تھا۔ اور پھر اسکو صاف اطلاع دیتا ہے کہ اگرچہ اس کی راستبازی کی وجہ سے اس کی ذریت سے پیغمبر بنائے جائینگے تاہم جو شخص ان مین سے برے کام کرے گا وہ ہرگز نبوت کے لئے منتخب نہین ہوگا دو نتائج ایسے ہین جو کسی طرح قابل انکار نہین (۱) تو یہ کہ خدائے قادر مطلق کبھی کسی بدکار یا گنہگار کو پیغمبر نہین بناتا۔ اور (۲) یہ کہ حضرت ابراہیم کی اولاد مین سے وہ تمام لوگ جو پیغمبر بنائے گئے معصوم تھے ایسے صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے انبیاء کو گنہ گار ٹھہرانا۔ کیا یہ حماقت نہین ہے۔ پھر سورہ انعام مین اللہ تعالے مختلف پیغمبرونکے نام لیکر فرماتا ہے۔ **ووہبنا لہ اسحاق ویعقوب کلا ہدینا ونوحا ہدینا من قبل ومن ذریتہ داؤد وسلیمن وایوب ویوسف وموسے وہرون وکذالک نجزی المحسنین وزکریا ویحیی وعیسے والیاس کل من الصالحین واسمعیل والیسع ویونس ولوطا وکلا فضلنا علے العالمین** + ترجمہ۔ اور ہم نے اسکو یعنی حضرت ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کیا۔ اور ان کو ہدایت

دی اور نوح علیہ السلام کو اس سے پہلے ہدایت دی تھی۔ اور اس کی اولاد سے داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف اور موسے و ہارون کو اور ہم راستبازون کو ایسے ہی اجر دیتے ہین اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس یہ تمام ہمارے نیک بندے تھے اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط۔ ان سب کو ہم نے باقی لوگون پر فضیلت دی۔ اس آیت کو پہلی آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جاوے تو صاف پایا جاتا ہے کہ یہ تمام پیغمبر جنکی بابت ذکر کیا گیا ہے کہ ان کو صراط مستقیم پر چلایا گیا تھا۔ اس وعدے کے مطابق پیغمبر بنائے گئے تھے۔ جو حضرت ابراہیم کو دیا گیا تھا کہ تیری ذریت مین سے پیغمبر بنائے جائینگے مگر صرف وہی لوگ جو بدی کا ارتکاب کرینگے یہ صرف چند آیات ہین جنسے عصمت انبیاء ثابت ہوتی ہے۔ قرآن مجید ایسی آیتون سے بھرا ہوا ہے لیکن ان سب کا یہان نقل کرنا ضروری نہین کیونکہ جسقدر اوپر تحریر کیجا چکی ہین ان سے قطعی طور پر ثابت ہو کہ گناہ پیغمبرون کی طرف منسوب نہین کیا جا سکتا۔ مندرجہ بالا آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ انبیاء کے اقوال و افعال تمام احکام الٰہی کے تابع ہوتے ہین اور یہ وہ لوگ ہوتے ہین جن کی نیکیان تمام خالص اور اعلے درجہ کی ہوتی ہین اور ان مین بدی کی ملاوٹ ایک ذرہ بھی نہین ہوتی اور شیطان کا ان پر کوئی تصرف نہین ہوتا اور وہ اوروں کو ان نیکیون کی تعلیم دیتے ہین جنپر وہ خود عمل کرتے ہین اور کوئی بدکار یا گنہگار پیغمبر نہین بنایا جا سکتا۔ اور یہ کہ ان سب کو صراط مستقیم پر چلایا گیا تھا جس سے وہ کبھی الگ نہین ہو سکتے تھے +

اب اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت دیکھا جاوے تو آپ کو بلحاظ عصمت کے سارے دوسرے انبیاء پر کئی وجوہ سے بہت بڑی فوقیت حاصل ہو کیونکہ اول تو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء سے افضل اور اعلے تھے اور اس لئے اپنی پاکیزگی اور عصمت کے لحاظ سے اور تمام پیغمبرون سے بڑھے ہوئے تھے (۲) ان کی عصمت نہ صرف اس لئے ثابت شدہ ہو کہ وہ ایک پیغمبر تھے۔ اور تمام پیغمبرون کو قرآن کریم نے معصوم قرار دیا ہے بلکہ بہت سی آیات مین خاص طور پر یہ عصمت صاف بیان کی گئی ہے ایک موقعہ پر قرآن مجید مین اللہ تعالے نے فرمایا ہے **ومن یعص اللہ و رسولہ فان لہ نار جہنم خالداً فیہا**۔ ترجمہ جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا اس کی سزا جہنم ہے اس جگہ اللہ تعالے اور اسکے رسول کی اطاعت کا ایک ہی کلمہ مین ذکر کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر کے اقوال و افعال بغیر حکم الٰہی نہ تھے ورنہ اس کی اطاعت اللہ تعالے کی اطاعت کے ساتھ کی جانی ضروری نہ تھی ایک اور موقعہ پر آتا ہے **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ**۔ جو کوئی رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ خود خدا کی اطاعت کرتا ہے جسکے یہ معنے ہین کہ رسول کی مرضی اللہ تعالی کی مرضی ہو کیونکہ اگر پیغمبر کی ایک کام کی مرضی ہو جو خدا تعالی کی

مرضی نہ ہو تو ایسی صورت مین پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت نہین ہو سکتی ان دو آیتون سے صاف ظاہر ہے
کہ پیغمبر کی خواہش خلاف منشا ایزدی نہین ہو سکتی اور اس لئے وہ گناہ کا مرتکب نہین ہو سکتا کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ
کی مرضی کے خلاف کام کرنا پایا جاتا ہے۔ مزید برآن چند آیات مثلاً قل ان صلوٰتی ونسکی و
محیای ومماتی للہ رب العالمین اور آیت ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ
ید اللہ فوق ایدیہم۔ اور آیت وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ اور آیت ما ضل
صاحبکم وما غوی وما ینطق عن الھوے ان ھو الا وحی یوحی پر پہلے اچھی طرح سے بحث
کی گئی ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ یہ تمام آیات رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عصمت کیلئے قطعی
دلیل ہین۔ اسی طرح آیت قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم
ترجمہ۔ کہہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میرے نقش قدم پر چلو پھر اللہ تعالےٰ تم سے محبت کریگا اور
تمہارے گناہ معاف کر دیگا۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی گناہ
نہین کیا ورنہ ایک شخص کے جس سے کبھی کبھی گناہ کا ارتکاب بھی ہو جاتا ہو۔ نقش قدم پر چلنے سے گناہ
کیونکر معاف ہو سکتے تھے یا اللہ تعالے کیونکر خوش ہو سکتا تھا۔ اس آیت پر مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے
ایک دیانت داری سے قرآن مجید کا مطالعہ کرنیوالا ایک لمحہ کے لئے بھی نہین کہہ سکتا کہ جس شخص کا
ان آیات مین ذکر ہے وہ گنہگار تھا۔ ان آیات کے علاوہ جنکے یہان دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہین قرآن مجید
مین اور بہت ساری آیات ہین جن مین ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا صاف صاف ذکر ہے چنانچہ ایک جگہ ہمارے
رسول اکرم کو نیکی کا نمونہ کہا گیا ہے اور تمام لوگونکو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کی پیروی اختیار کرین اور آپکے نقش
قدم پر چلین۔ اگر ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم ایک ممنوع جگہ پر پڑے ہوئے تھے تو آپکے ہر حالت مین
نمونہ پر چلنے کا حکم نہ ہوتا۔ قرآن مجید ہر ایک غلطی سے مبرا اور کافی ہدایت کا جامع تھا پس اگر پیغمبر صلعم غلطیون
سے پاک نہ تھے تو کیون انکو نمونہ قرار دیا گیا۔ پھر لکھا ہے کہ خود اللہ تعالےٰ اور اسکے فرشتے اس پر درود بھیجتے
ہین اے مسلمانون تم بھی اس پر درود بھیجو۔ یہان مومنونکو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا درود رحمت رسول اکرم
پر بھیجین اسلئے اور جو شخص انکو گنہگار سمجھتا ہے وہ خلاف منشا ایزدی کرتا ہے اللہ تعالےٰ کا رسول اکرم پر درود
بھیجنا ان کی عصمت کیوجہ سے ہے۔ اس سے اگلی آیت مین اور بھی زیادہ وضاحت سے یہی بیان کیا گیا ہے۔
ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ یعنی جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کو ایذا دیتے ہین اللہ تعالیٰ کی
ان پر لعنت ہے۔ اور آیت ان الذین یؤذون المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بہتانا و

اثماً مبینا- اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر کسی قصور کے ایذا دیتے ہیں وہ ایک بہتان اور صاف گناہ کے مرتکب ہیں دونوں آیتوں کا فرق ظاہر ہے پہلی آیت میں خدا کی لعنت اُس شخص پر ہوتی ہے جو خدا اور اسکے رسول کو ایذا دیتا ہے - اور دوسری آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ مومنوں کو بغیر ان کے کسی قصور کے ایذا دیں وہ بہتان کے مرتکب ہیں جن الفاظ پر خط کھینچا گیا ہے وہ پہلی آیت میں نہیں ہیں ان الفاظ کے نہ ہونے سے صاف پایا جاتا ہے کہ قصور کا امکان جو مومنوں کے بارہ میں ہے جسکے واسطے الفاظ "بغیر انکے کسی قصور کے" استعمال کرنے کی ضرورت ہوئی - ایسا امکان قصور کا پیغمبر کے بارہ میں نہیں ہے - یہ بات اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کا ایک ہی جگہ الگ ذکر کیا گیا ہے - اور مومنوں کا ذکر الگ کیا گیا ہے اسلئے چونکہ کوئی قصور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا ایسے ہی پیغمبر کی طرف بھی نہیں کیا جا سکتا - مزید برآں آنحضرت صلعم کو ایذا پہنچانیکو گناہ کہا گیا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص آنحضرت صلعم پر گناہ کا الزام لگاتا ہے یا آپکو گنہگار کہتا ہے وہ آپ کو ایذا پہنچاتا ہے اسواسطے قرآن کریم سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص آنحضرت صلعم کو گنہگار کہیگا وہ خود بڑے سخت گناہ کا مرتکب ہوگا کیونکہ پیغمبر صلعم کو آپ کی طرف کوئی گناہ منسوب کر کے ایذا پہنچانیوالے پر لعنت کیگئی ہے حالانکہ مومنین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کی برکات آنحضرت کیلئے طلب کریں کیا اب بھی پادری مانزو کو واقعی شک ہے کہ انبیاء معصوم نہیں ہوتے؟

آنحضرت صلعم کی زندگی ایسی پاکیزہ اور ہر ایک عیب و نقص سے ایسی مبرا ہے کہ آپکے ہمعصر دشمن آپ کی ساری زندگی میں ایک عیب بھی بیان نہ کر سکے جبکہ قرآن شریف نے یہ دعوے کیا **فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون** - میں اس سے پہلے تمہارے درمیان بہت مدت رہا ہوں (تم بتا سکتے ہو کہ میں نے کونسا برا کام کیا) پس تم کیوں نہیں سمجھتے (کہ جس شخص سے ساری عمر میں خفیف سے خفیف گناہ کا ارتکاب بھی نہیں ہوا وہ افترا علے اللہ جیسے بڑے گناہ کا مرتکب کیونکر ہو سکتا ہے) ایک ایسی زندگی کے ساتھ جو کہ اپنی پاکیزگی اور ہر ایک الزام سے بری ہو نہیں لگا سکتے ایسے سخت گناہ کو کہ وہی شخص خدا پر افترا کرتا اور بہتان باندھتا ہے - ہم کسی طرح مطابق نہیں کر سکتے - آنحضرت صلعم نے اپنے دعوے کی سچائی پر اپنی پہلی زندگی کی پاکیزگی اور بے عیبی کو بطور شہادت پیش کیا ہے جو کہ انکے مخالفوں میں بھی مسلم تھی - جو شخص عین جوانی میں نہ خدا کو نہ انسان کو ناراض کرتا ہے وہ کیونکر اپنے بڑھاپے میں اپنی نیک شہرت پر دھبہ لگانیکا مرتکب ہو سکتا ہے یہ دلیل آنحضرت صلعم کی سچائی کیلئے قرآن شریف نے استعمال کی ہے اور اسکی شوکت پادری مانزو صاحب کو اُسوقت اور بھی زیادہ معلوم ہوگی جب وہ آپکے ابتدائے چالیس سالہ واقعات کا ابسوع کی ابتدائے تیس سالہ زندگی

مقابلہ کریگا۔ یسوع کے ابتدائی حالات بالکل تاریکی مین پڑے ہوئے ہین اور وہ خود ایک لفظ تک کا بھی اشارہ اپنی وعظون مین ان حالات کیطرف نہین کرتا بلکہ اس کی سوانح نویسون کو بھی اس امر پر خاموش ہی رہنا پڑا ہے اور اسکے دشمنون نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس قسم کے قصص ہین جن مین سے ایک عشق کا قصہ ہے کہ اگر انکو صحیح مانا جاوے جیسا کہ یہودیون کی ساری تاریخ کو عیسائی صحیح مانتے ہین تو یسوع کی عصمت مین بھی شک پڑتا ہے لیکن صرف قرآن شریف کے روسے ہم انکو معصوم مانتے ہین۔ برخلاف اسکے آنحضرت صلعم کی زندگی کے حالات مفصل طور پر حدیثون مین بیان کئے گئے ہین اور آپ کی پاکیزگی و نیکی کا شہرہ اُسوقت بھی ایسا تھا کہ آپ عام طور پر الامین کے نام سے مشہور تھے۔ اس مطہر و مقدس زندگی کا حوالہ قرآن شریف نے نہایت ہی مختصر و خوبصورت الفاظ مین اس طرح پر دیا ہے کہ اسی کو آپکے دعوے کی سچائی پر دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اور دلیل صرف وہی چیز ہو سکتی ہے جو فریقین کے نزدیک مسلم ہو پس معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم کی پاکیزگی و بے عیبی کے کفار بھی اسی طرح قایل تھے جیسا کہ مسلمان +

(باقی آیندہ)

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۱

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا

چندہ سالانہ ۶ع

اعلان

(۱) سال سنہ ۱۹۰۳ء اب ختم ہوچکا ہے۔ لہذا جن خریداران کے ذمہ سال مذکورہ یا ماسبق سال کا کچھ بقایا ہے۔ وہ جملہ بقایا ذمگی خود بھیجکر جلدی بے باقی حساب کرین تاکہ خاص طور پر یاد دہانی یا وی پی بھیجنے کی ضرورت پیش نہ آوے جو جانبین کے لئے سراسر حرج اور ناحق کی زیر باری کا باعث ہے

(۲) میگزین کی مد کے متعلق جس قدر رقوم خواہ بذریعہ منی آرڈر یا دستی بھیجے جاوین ان کے ساتھ تفصیل آنی چاہئے کہ یہ روپیہ کس مد کا ہے آیا اعانت کا ہے یا خریداری کا یا خیراتی فنڈ میگزین کا۔ اور کس کس صاحب کیطرف سے ہے۔ عدم تفصیل کی وجہ سے اندراج رجسٹرہائے نامکمل رہتا ہے جس سے حساب مین مغالطہ کا اندیشہ ہے+

(۳) چونکہ بہ استثنائے وی پی کے باقی جسقدر رقوم متعلق میگزین بذریعہ منی آرڈر یا دستی وصول ہوتی ہین ان کی وصولی پر ساتھ ہی باضابطہ رسیدات دیجاتی ہین۔ اسواسطے اب آیندہ علیحدہ رسیدات رسالہ کے ساتھ شایع نہین ہوا کرین گی+

(۴) اکثر خریداران خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری نہین لکھتے۔ اس طرح بوجہ تعداد خریداری بہت بڑھ جانے کے تلاش نام مین بڑی دقت پیش آتی ہے جس سے ایک گونہ تضیع اوقات و طوالت کام کی ہوتی ہے۔ آیندہ نمبر خریداری نہ لکھنے کی صورت مین توقف جواب یا عدم تعمیل کی شکایت بیجا تصور ہو گی+ (۵) سنوات گذشتہ کے اکثر نمبر بوجہ کثرت خریداری ختم ہوگئے تھے جنکو دوبارہ چھپوایا گیا ہے۔ اب چند یوم ہی مین چھپکر تیار ہو جاوینگے جن خریداران کو ان نمبرون مین سے پہلے نہین ملے انکو جلدی بھیجے جاوینگے اور جو صاحبان یہ نمبر یا سالہائے گذشتہ کی مکمل جلد اکھٹی لینا چاہتے ہین انکے لئے موقع ہے کہ جلدی درخواستین بھیجین ورنہ بصورت توقف انکو تیسری ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔ (۶) جو کاغذ اب اُردو رسالہ کیواسطے منگایا گیا ہے وہ عمدہ قسم کا ہے اسواسطے آیندہ ولایتی کاغذ پر الگ رسالہ چھپوانیکی ضرورت نہین ہے جن صاحبان نے دو روپیہ سے زاید رقم دی ہے یا آیندہ دینگے وہ انکی خواہش کے مطابق یا تو آیندہ چندہ مین بطور پیشگی محسوب ہوگی یا مد اعانت اشاعت میگزین مین لگائی جاویگی۔ جو انکے لئے بھی باعث حصول ثواب عقبیٰ ہوگا+ والسلام۔ منیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

نماز کی حقیقت

خلاصہ تقریر حضرت مسیح موعود ؑ مورخہ ۱۸ جنوری ۱۸۹۹ء

نماز کیا ہے؟ یہ ایک خاص دعا ہے مگر افسوس ہے کہ لوگ اس کو بادشاہون کا ٹیکس سمجھتے ہین۔ نادان اتنا نہین جانتے کہ بھلا خدا تعالےٰ کو ان باتون کی کیا حاجت ہے؟ اس کی غناء ذاتی کو اس بات کی کیا حاجت ہے کہ انسان دعا اور تسبیح و تہلیل مین مصروف ہو بلکہ اس مین انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے کہ وہ اس طریق سے اپنے مطلب کو پہونچ جاتا ہے مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ آج کل عبادات اور تقوےٰ اور دینداری سے محبت نہین ہے اس کی وجہ ایک عام زہریلا اثر رسم کا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ کی محبت سرد ہو رہی ہے اور عبادت مین جس قسم کا مزا آنا چاہئے وہ مزا نہین آتا دنیا مین کوئی ایسی چیز نہین جس مین لذت اور ایک خاص حظ اللہ تعالےٰ نے رکھا نہ ہو۔ جس طرح پر ایک مریض ایک عمدہ سے عمدہ خوش ذائقہ چیز کا مزا نہین اٹھا سکتا اور وہ اُسے تلخ یا بالکل پھیکا سمجھتا ہے اسی طرح سے وہ لوگ جو عبادت الٰہی مین حظ اور لذت نہین پاتے ان کو اپنی بیماری کا فکر کرنا چاہئے کیونکہ جیسا مین نے ابھی کہا ہے دنیا مین کوئی ایسی چیز نہین ہے جس مین خدا تعالےٰ نے کوئی نہ کوئی لذت نہ رکھی ہو۔ اللہ تعالےٰ نے بنی نوع انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس عبادت مین اس کے لئے ایک لذت اور سرور نہ ہو؟ لذت اور سرور تو ہے مگر اس سے حظ اٹھانے والا بھی تو ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون**۔ اب انسان جبکہ عبادت ہی کے لئے پیدا ہوا ہے تو ضروری ہے

کہ عبادت مین لذت اور سرور بھی درجہ غایت کا رکھتا ہو۔ اس بات کو ہم اپنے روزمرہ کے مشاہدہ اور تجربہ سے خوب سمجھ سکتے ہین۔ مثلاً دیکھو اناج اور تمام خوردنی اور نوشیدنی اشیاء انسان کے لئے پیدا کی ہین تو کیا ان سے وہ ایک لذت اور حظ نہین پاتا ہے؟ کیا اس ذائقہ اور مزے کے احساس کے لئے اس کے منہ مین زبان موجود نہین؟ کیا وہ خوبصورت اشیاء کو دیکھ کر نباتات ہون یا جمادات حیوانات ہون یا انسان حظ نہین پاتا؟ کیا دل خوش کُن اور سریلی آوازون سے اس کے کان محظوظ نہین ہوتے؟ پھر کیا کوئی دلیل اور بھی اس امر کے اثبات کے لئے مطلوب ہے کہ عبادت مین لذت نہ ہو۔ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ ہم نے عورت اور مرد کو جوڑہ پیدا کیا اور مرد کو رغبت دی ہے اب اس مین زبردستی نہین کی بلکہ ایک لذت بھی رکھ دی ہے۔ اگر محض توالد و تناسل ہی مقصود بالذات ہوتا تو مطلب پورا نہ ہو سکتا۔ عورت اور مرد کی برہنگی کی حالت مین ان کی غیرت قبول نہ کرتی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعلق پیدا کرین مگر اس مین ان کے لئے ایک حظ ہے اور ایک لذت ہے۔ یہ حظ اور لذت اس درجہ تک پہونچی ہے کہ بعض کوتاہ اندیش انسان اولاد کی بھی پروا اور خیال نہین کرتے بلکہ ان کو صرف حظ ہی سے کام اور غرض ہے۔ خدا تعالے کی علّت غائی بندون کا پیدا کرنا تھا اور اس سبب کے لئے ایک تعلق عورت اور مرد مین قائم کیا اور ضمناً اس مین ایک حظ رکھدیا۔ جو اکثر نادانون کے لئے مقصود بالذات ہو گیا ہے۔ اسی طرح سے خوب سمجھ لو کہ عبادت بھی کوئی بوجھ اور ٹیکس نہین اس مین بھی ایک لذت اور سرور ہے اور یہ لذت اور سرور دنیا کی تمام لذتون اور تمام حظوظ نفس سے بالاتر ہے۔ جیسے عورت اور مرد کے باہم تعلقات مین ایک لذت ہے اور اس سے وہی بہرہ مند ہو سکتا ہے جو مرد ہے اور اپنے قوےٰ صحیحہ رکھتا ہے ایک نامرد اور مخنث وہ حظ نہین پا سکتا اور جیسے ایک مریض کسی عمدہ سے عمدہ خوش ذایقہ غذا کی لذت سے محروم ہے اسی طرح ہان ٹھیک ایسا ہی وہ کم بخت انسان ہے جو عبادت الٰہی سے لذت نہین پا سکتا۔ عورت اور مرد کا جوڑا تو باطل اور عارضی جوڑا ہے۔ مین کہتا ہون حقیقی۔ ابدی اور لذت مجسم جو جوڑا ہے وہ انسان اور خدا تعالے کا ہے۔ مجھے سخت اضطراب ہوتا اور کبھی کبھی یہ رنج میری جان کو کھانے لگتا ہے کہ ایکدن اگر کسی کو روٹی یا کھانے کا مزا نہ آئے طبیب کے پاس جاتا اور کیسی کیسی منتین اور خوشامدین کرتا اور روپیہ خرچ کرتا اور دکھ اٹھاتا ہے کہ وہ مزا حاصل ہو۔ وہ نامرد جو اپنی بیوی سے لذت حاصل نہین کر سکتا۔ بعض اوقات گھبرا گھبرا کر خودکشی کے ارادے تک پہونچ جاتا ہے اور اکثر موتین اس قسم کی ہو جاتی ہین۔ مگر آہ

وہ مریض دل وہ نامرد کیون کوشش نہین کرتا جس کو عبادت مین لذت نہین آتی اس کی جان کیون غم سے نڈھال نہین ہوجاتی؟ دنیا اور اس کی خوشیون کے لئے تو کیا کچھ کرتا ہے مگر ابدی اور حقیقی راحتون کی وہ پیاس اور تڑپ نہین پاتا کس قدر بے نصیب ہے! کیسا ہی محروم ہے! عارضی اور فانی لذتون کے علاج تلاش کرتا ہے اور پالیتا ہے۔ کیا ہوسکتا ہے کہ مستقل اور ابدی لذت کے علاج نہ ہون؟ ہین اور ضرور ہین مگر تلاش حق مین مستقل اور پویہ قدم درکار ہین۔ قرآن کریم مین ایک موقعہ پر اللہ تعالےٰ نے صالحین کی مثال عورتون سے دی ہے۔ اس مین بھی سِرّ اور بھید ہے۔ ایمان لانے والون کو مریم اور آسیہ سے مثال دی ہے۔ یعنے خدا تعالےٰ مشرکین مین سے مومنون کو پیدا کرتا ہے۔ بہرحال عورتون سے مثال دینے مین دراصل ایک لطیف راز کا اظہار ہے یعنے جس طرح عورت اور مرد کا باہم تعلق ہوتا ہے اسی طرح پر عبودیت اور ربوبیت کا رشتہ ہے۔ اگر عورت اور مرد کی باہم موافقت ہو اور وہ ایک دوسرے پر فریفتہ ہون تو وہ جوڑا مبارک اور مفید ہوتا ہے ورنہ نظام خانگی بگڑ جاتا ہے اور مقصود بالذات حاصل نہین ہوتا ہے۔ مرد ادھر جگہ خراب ہوکر صدہا قسم کی بیماریان لے آتے ہین۔ آتشک سے مجذوم ہوکر دنیا مین ہی محروم ہوجاتے ہین اور اگر اولاد ہو بھی جائے تو کئی پشت تک یہ سلسلہ چلا جاتا ہے اور ادھر عورت بیحیائی کرتی پھرتی ہے اور عزت و آبرو کو ڈبو کر بھی سچی راحت حاصل نہین کرسکتی۔ غرض اس جوڑے سے الگ ہوکر کس قدر نتائج اور فتنے پیدا ہوتے ہین۔ اسی طرح پر انسان روحانی جوڑے سے الگ ہوکر مجذوم اور مخذول ہوجاتا ہے۔ دنیاوی جوڑے سے زیادہ رنج و مصائب کا نشانہ بنتا ہے۔ جیسا کہ عورت اور مرد کے جوڑے سے ایک قسم کی بقا کے لئے حظ ہے اسی طرح پر عبودیت اور ربوبیت کے جوڑے مین ایک ابدی بقا کے لئے حظ موجود ہے۔ صوفی کہتے ہین کہ یہ حظ جس کو نصیب ہوجائے وہ دنیا اور مافیہا کے تمام حظوظ سے بڑھ کر ترجیح رکھتا ہے۔ اگر ساری عمر مین ایک بار بھی اسکو معلوم ہوجائے تو وہ اس مین ہی فنا ہوجائے۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ دنیا مین ایک بڑی تعداد ایسے لوگون کی ہے جنہون نے اس راز کو نہین سمجھا اور ان کی نمازین نری ٹکرین ہین اور اوپرے دل کے ساتھ ایک قسم کی قبض اور تنگی سے صرف نشست و برخاست کے طور پر ہوتی ہین مجھے اور بھی افسوس ہوتا ہے کہ جب مین یہ دیکھتا ہون کہ بعض لوگ صرف اس لئے نمازین پڑھتے ہین کہ وہ دنیا مین معتبر اور قابل عزت سمجھے جاوین اور پھر اس نماز سے یہ بات ان کو حاصل بھی ہوجاتی ہے یعنے وہ نمازی اور پرہیزگار کہلاتے ہین پھر کیون ان کو یہ

کہا جانے والا غم نہین لگتا کہ جب جھوٹ موٹ اور بیدلی کی نماز سے ان کو یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے تو کیون
ایک سچے عابد بننے سے ان کو عزت نہ ملے گی۔ غرض مین دیکھتا ہون کہ لوگ نمازون مین غافل اور سست
اسی لئے ہوتے ہین کہ ان کو اس لذت اور سرور سے اطلاع نہین جو اللہ تعالےٰ نے نماز کے اندر رکھا ہے
اور بڑی بھاری وجہ کسل کی یہی ہے۔ پھر شہرون اور گاؤن مین تو اور بھی سستی اور غفلت ہوتی ہے سو
پچاسوان حصہ بھی تو پوری مستعدی اور سچی محبت سے اپنے مولا حقیقی کے حضور سر نہین جھکاتے۔ پھر سوال
یہی ہوتا ہے کہ کیون؟ ان کو اس لذت کی اطلاع نہین اور نہ کبھی اس مزے کو انہون نے چکھا۔ کبھی ایسا
ہوتا ہے کہ وہ اپنے کامون مین مبتلا ہوتے ہین اور موذن اذان دیتا ہے۔ پھر وہ سننا بھی نہین چاہتے
گویا ان کے دل دکھتے ہین۔ یہ لوگ بہت ہی قابل رحم ہین۔ بعض لوگ یہان بھی ایسے ہین کہ ان کی دکانین
دیکھو تو مسجد کے نیچے ہین مگر کبھی جاکر کھڑے بھی تو نہین ہوتے۔ پس مین یہ کہنا چاہتا ہون کہ خدا تعالےٰ سے
نہایت سوز اور ایک جوش کے ساتھ یہ دعا مانگنی چاہئے کہ جس طرح اور پھلون اور اشیاء کی طرح طرح کی لذتین عطا
کی ہین نماز اور عبادت کا بھی ایک بار مزا چکھادے۔ کھایا ہوا یاد رہتا ہے۔ دیکھو اگر کوئی شخص کسی خوبصورت
کو ایک سرور کے ساتھ دیکھتا ہے تو وہ اسے خوب یاد رہتا ہے اور پھر اگر کسی بدشکل اور مکروہ ہیئت کو دیکھتا
ہے تو اس کی ساری حالت اسکے بالمقابل مجسم ہوکر سامنے آجاتی ہے۔ ہان اگر کوئی تعلق نہ ہو تو کچھ یاد
نہین رہتا۔ اسی طرح بے نمازون کے نزدیک نماز ایک تاوان ہے کہ ناحق صبح اٹھکر سردی مین وضو
کرکے خواب راحت چھوڑکر اور کئی قسم کی آسائشون کو چھوڑکر پڑھنی پڑتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اُسے
بیزاری ہے وہ اسکو سمجھ نہین سکتا۔ اس لذت اور راحت سے جو نماز مین ہے اس کو اطلاع نہین ہے۔
پھر نماز مین لذت کیونکر حاصل ہو؟ مین دیکھتا ہون کہ ایک شرابی اور نشہ باز انسان کو جب سرور نہین
آتا تو وہ پے درپے پیالے پیتا جاتا ہے یہان تک کہ اسکو ایک قسم کا نشہ آجاتا ہے۔ دانشمند اور زیرک انسان اس سے
فائدہ اٹھا سکتا ہے اور وہ یہ کہ نماز پر دوام کرے اور پڑھتا جاوے یہان تک کہ اس کو سرور آجائے
اور جیسے شرابی کے ذہن مین ایک لذت ہوتی ہے جس کا حاصل کرنا اسکا مقصود بالذات ہوتا ہے اسی طرح
سے ذہن مین اور ساری طاقتون کا رجحان نماز مین اسی سرور کو حاصل کرنا ہو اور پھر ایک خلوص اور جوش
کے ساتھ کم از کم اس نشہ باز کے اضطراب اور قلق و کرب کی مانند ہی ایک دعا پیدا ہو کہ وہ لذت حاصل ہو تو
مین کہتا ہون اور سچ کہتا ہون کہ یقیناً یقیناً وہ لذت حاصل ہو جائے گی۔ پھر نماز پڑھتے وقت ان مفاد کا

حاصل کرنا بھی ملحوظ ہو جو اس سے ہوتے ہین اور احسان پیش نظر رہے ان الحسنات یذہبن السیئات
نیکیان بدیون کو زائل کر دیتی ہین پس ان حسنات کو اور لذات کو دل مین رکھ کر دعا کرے کہ وہ نماز جو صدیقون
اور محسنون کی ہے وہ نصیب کرے۔ یہ جو فرمایا ہے کہ ان الحسنات یذہبن السیئات یعنے نیکیان یا
نماز بدیون کو دور کرتی ہے یا دوسرے مقام پہ فرمایا ہے کہ نماز فواحش اور برائیون سے بچاتی ہے
اور ہم دیکھتے ہین کہ بعض لوگ باوجود نماز پڑھنے کے پھر بدیان کرتے ہین اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نماز
پڑھتے ہین مگر نہ روح اور راستی کے ساتھ وہ صرف رسم اور عادت کے طور پہ ٹکرین مارتے ہین
ان کی روح مردہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کا نام حسنات نہین رکھا اور یہان جو حسنات کا لفظ رکھا اور
الصلوۃ کا لفظ نہین رکھا باوجودیکہ معنے وہی ہین اس کی وجہ یہ ہے کہ تا نماز کی خوبی اور حسن و جمال کیطرف
اشارہ کرے کہ وہ نماز بدیون کو دور کرتی ہے جو اپنے اندر ایک سچائی کی روح رکھتی ہے اور فیض کی تاثیر
اس مین موجود ہے۔ وہ نماز یقیناً یقیناً برائیون کو دور کر دیتی ہے۔ نماز نشست و برخاست کا نام نہین
نماز کا مغز اور روح وہ دعا ہے جو ایک لذت اور سرور اپنے اندر رکھتی ہے۔ ارکان نماز دراصل
روحانی نشست و برخاست کے اظلال ہین۔ انسان کو خدا تعالےٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ اور
قیام بھی آداب خدمتگاران مین سے ہے۔ رکوع جو دوسرا حصہ ہے بتلاتا ہے کہ گویا تیاری ہے۔ کہ وہ
تعمیل حکم کو کس قدر گردن جھکاتا ہے۔ اور سجدہ کمال ادب اور کمال تذلل اور نیستی کو جو عبادت کا مقصود
ہے ظاہر کرتا ہے۔ یہ آداب اور طرق ہین جو خدا تعالےٰ نے بطور یادداشت کے مقرر کر دئیے ہین اور جسم
کو باطنی طریق سے حصہ دینے کی خاطر ان کو مقرر کیا ہے علاوہ ازین باطنی طریق کے اثبات کی خاطر ایک
ظاہری طریق بھی رکھدیا ہے۔ اب ظاہری طریق مین (جو اندرونی اور باطنی طریق کا ایک عکس ہے)
صرف نقال کی طرح نقلین آتاری جائین اور اسے ایک بار گران سمجھ کر اتار پھینکنے کی کوشش کی جاوے
تو تم ہی بتلاؤ اس مین کیا لذت اور حظ آسکتا ہے اور جبتک لذت اور سرور نہ آئے اس کی حقیقت
کیونکر محقق ہوگی اور یہ اسوقت ہوگا جبکہ روح بھی ہمہ نیستی اور تذلل تام ہوکر آستانۂ الوہیت پر گرے
اور جو زبان بولتی ہے روح بھی بولے اس وقت ایک سرور اور نور اور تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔
مین اسکو اور کھول کر کہنا چاہتا ہون کہ انسان جسقدر مراتب طے کرکے انسان ہوتا ہے یعنے کہان نطفہ
بلکہ اس سے بھی پہلے نطفہ کے اجزا یعنے مختلف قسم کی اغذیہ اور ان کی ساخت اور بناوٹ پھر نطفہ کے

بعد مختلف مدارج کے بعد بچہ پھر جوان - بوڑھا - غرض ان تمام عالموں میں جو اس پر مختلف اوقات میں گذرے ہیں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا معترف ہوا اور وہ نقشہ ہر آن اُسکے ذہن میں کھچا رہے تو ہی وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ ربوبیت کے مد مقابل میں اپنی عبودیت کو ڈالدے - غرض مدعا یہ ہے کہ نماز میں لذت اور سرور بھی عبودیت اور ربوبیت کے ایک تعلق سے پیدا ہوتا ہے - جبتک اپنے آپ کو عدم محض یا مشابہ بالعدم قرار دیکر جو ربوبیت کا ذاتی تقاضا ہے نہ ڈالدے اس کا فیضان اور پرتو اسپر نہیں پڑتا اور اگر ایسا ہو تو پھر اعلےٰ درجہ کی لذت حاصل ہوتی ہے - جس سے بڑھکر کوئی حظ نہیں ہے اس مقام پر انسان کی روح جب ہمہ نیستی ہو جاتی ہے تو وہ خدا کی طرف ایک چشمہ کی طرح بہتی ہے اور ماسوی اللہ سے اُسے انقطاع ہو جاتا ہے اسوقت خدا تعالےٰ کی محبت اسپر گرتی ہے - اس اتصال کے وقت ان دو جوشوں سے جو اوپر کی طرف سے ربوبیت کا جوش اور نیچے کیطرف سے عبودیت کا جوش ہوتا ہے - ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اسکا نام صلوٰۃ ہے جو سیئات کو بھسم کر جاتی ہے اور اپنی جگہ ایک نور اور چمک چھوڑ دیتی ہے جو سالک کو راستہ کے خطرات اور مشکلات کے وقت ایک منور شمع کا کام دیتی ہے - اور ہر قسم کے خس و خاشاک اور ٹھوکر کے پتھروں اور خار و خس سے جو اس کی راہ میں ہوتے ہیں آگاہ کر کے بچاتی ہے اور یہی وہ حالت ہے جبکہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ کا اطلاق اسپر ہوتا ہے کیونکہ اس کے ہاتھ میں نہیں نہیں اس کے شمعدان دل میں ایک روشن چراغ رکھا ہوا ہوتا ہے اور یہ درجہ کامل تذلل کامل نیستی اور فروتنی اور پوری اطاعت سے حاصل ہوتا ہے - پھر گناہ کا خیال اُسے آ کیونکر سکتا ہے اور انکار اس میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا - فحشا کیطرف اس کی نظر اٹھ ہی نہیں سکتی - غرض اسے ایسی لذت ایسا سرور حاصل ہوتا ہے کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اسے کیونکر بیان کروں +

پھر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ نماز جو اپنے اصلی معنوں میں نماز ہے دعا سے حاصل ہوتی ہے - غیر اللہ سے سوال کرنا مومنانہ غیرت کے صریح اور سخت مخالف ہے کیونکہ یہ مرتبہ دعا کا اللہ ہی کے لئے ہے جبتک انسان پورے طور پر حنیف ہو کر اللہ تعالےٰ ہی سے سوال نہ کرے اور اسی سے نہ مانگے سچ سمجھو کہ حقیقی طور پر وہ سچا مسلمان اور سچا مومن کہلانے کا مستحق نہیں اسلام کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تمام طاقتیں اندرونی ہوں یا بیرونی سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کے

آستانہ پر گری ہوئی ہون جس طرح پر ایک بڑا انجن بہت سی کلون کو چلاتا ہے پس اسی طور پر جبتک
انسان اپنے ہر کام اور ہر حرکت وسکون تک کو اسی انجن کی طاقت عظلے کے ماتحت نہ کرلیوے وہ
کیونکر اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا قائل ہو سکتا ہے؟ اور کیونکر اپنے آپ کو انی وجّہت وجہی للذی
فطر السمٰوات والارض حنیفا۔ کہتے وقت واقعی حنیف کہہ سکتا ہے؟ جیسے منہ سے کہتا ہے دل
سے بھی ادھر کی طرف متوجہ ہو تو لاریب وہ مسلم ہے۔ وہ مومن اور حنیف ہے لیکن جو شخص اللہ تعالےٰ
کے سوا غیر اللہ سے سوال کرتا ہے اور ادھر بھی جھکتا ہے اور روح اور دل کی طاقتین (اس درخت
کی طرح جس کی شاخین ابتدائً ایک طرف کر دیجاتین اور پرورش پالیں) اُدھر ہی جھکتا ہے اور
خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک سختی اور تشدد اس کے دل مین پیدا ہو کر اسے منجمد اور پتھر بنا دیتا ہے۔
جیسے وہ شاخین پھر دوسری طرف مڑ نہین سکتین اسی طرح پر وہ دل اور روح دن بدن خدا تعالےٰ
سے دور ہوتی جاتی ہے پس یہ بڑی خطرناک اور دل کو کپکپا دینے والی بات ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ
کو چھوڑ کر دوسرے سے سوال کرے اسی لئے نماز کا التزام اور پابندی بڑی ضروری چیز ہے۔
تاکہ اولا وہ ایک عادت راسخہ کی طرح قائم ہو اور رجوع الی اللہ کا خیال ہو۔ پھر رفتہ رفتہ وہ وقت خود
آجاتا ہے کہ انقطاع کلی کی حالت مین انسان ایک نور اور ایک لذت کا وارث ہو جاتا ہے مین اس امر
کو پھر تاکید سے کہتا ہون افسوس ہے مجھے وہ لفظ نہین ملتے جس مین مین غیر اللہ کی طرف رجوع کرنے کی
برائیان بیان کر سکون۔ لوگون کے پاس جا کر منت وخوشامد کرتے ہین۔ یہ بات خدا تعالےٰ کی غیرت
کو جوش مین لاتی ہے (کیونکہ یہ تو لوگون کی نماز ہے) پس وہ اس سے ہٹتا اور اسے دور پھینکدیتا ہے
مین موٹے الفاظ مین اسکو بیان کرتا ہون۔ گو یہ امر اس طرح پر نہین ہے مگر سمجھ مین فوراً آسکتا ہے۔ کہ
جیسے ایک مرد غیور کی غیرت تقاضا نہین کرتی کہ وہ اپنی بیوی کو کسی غیر کے ساتھ تعلق پیدا کرتے
ہوئے دیکھ سکے اور جس طرح پر وہ مرد ایسی حالت مین اس نابکار عورت کو واجب القتل سمجھتا بلکہ بسا
اوقات ایسی وارداتین ہو جاتی ہین ایسا ہی جوش اور غیرت الوہیت کی ہے۔ جب عبودیت اور
دعا خاص اسی ذات کے مد مقابل ہین وہ پسند نہین کر سکتا کہ کسی اور کو معبود قرار دیا جاوے یا پکارا جائے
پس خوب یاد رکھو اور پھر یاد رکھو! کہ غیر اللہ کی طرف جھکنا خدا سے کاٹتا ہے۔ نماز اور توحید کچھ ہی
ہو کیونکہ توحید کے عملی اقرار کا نام ہی نماز ہے۔ اسیوقت بے برکت اور بے سود ہوتی ہے جب اس مین

نیستی اور تذلل کی روح اور حنیف دل نہ ہو۔ ! سنو! وہ دعا جس کے لئے ادعونی استجب لکم فرمایا ہے۔
اس کے لئے یہی سچی روح مطلوب ہے۔ اگر اس تضرع اور خشوع مین حقیقت کی روح نہین تو وہ ٹین ٹین
سے کم نہین ہے *

پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسباب کی رعایت ضروری نہین ہے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے شریعت نے
اسباب کو منع نہین کیا ہے اور سچ پوچھو تو کیا دعا اسباب نہین ؟ یا اسباب دعا نہین ؟ تلاش اسباب
بجائے خود ایک دعا ہے اور دعا بجائے خود عظیم الشان اسباب کا چشمہ انسان کی ظاہری بناوٹ اسکے
دو ہاتھ دو پاؤن کی ساخت ایکدوسرے کی امداد کا ایک قدرتی رہنما ہے۔ جب یہ نظارہ خود انسان
مین موجود ہے پھر کسقدر حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ وہ تعاونوا علے البر والتقوے کے معنے
سمجھنے مین مشکلات کو دیکھے۔ ہان مین یہ کہتا ہون کہ تلاش اسباب بھی بذریعہ دعا کرو۔ مین نہین سمجھتا کہ
جب مین تمہارے جسم کے اندر اللہ تعالے کا ایک قائم کردہ سلسلہ اور کامل رہنما سلسلہ دکھاتا ہون۔ تم
اس سے انکار کرو۔ اللہ تعالے نے اس بات کو اور بھی صاف کرنے اور وضاحت سے دنیا پر کھولنے
کے لئے انبیاء علیہم السلام کا ایک سلسلہ دنیا مین قائم کیا۔ اللہ تعالے اس بات پر قادر تھا اور قادر ہے
کہ اگر وہ چاہے تو کسی قسم کی امداد کی ضرورت ان رسولون کو باقی نہ رہنے دے مگر پھر بھی ایک وقت ان پر
آتا ہے کہ وہ من انصاری الی اللہ کہنے پر مجبور ہوتے ہین۔ کیا وہ ایک ٹکر گدا فقیر کی طرح بولتے ہین ؟
نہین من انصاری الی اللہ کہنے کی بھی ایک شان ہوتی ہے وہ دنیا کو ایک رعایت اسباب سکھانا
چاہتے ہین جو دعا کا ایک شعبہ ہے ورنہ اللہ تعالے پر ان کو کامل ایمان اس کے وعدون پر پورا یقین
ہوتا ہے وہ جانتے ہین کہ اللہ تعالے کا وعدہ کہ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوة الدنیا۔ ایک
یقینی اور حتمی وعدہ ہے۔ مین کہتا ہون کہ بھلا اگر خدا کسی کے دل مین مدد کا خیال نہ ڈالے تو کوئی کیونکر مدد
کر سکتا ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ حقیقی معاون و ناصر وہی پاک ذات ہے جس کی شان ہے نعم المولی
ونعم الوکیل ونعم النصیر۔ دنیا اور دنیا کی مددین ان لوگون کے سامنے کالمیت ہوتی ہین اور مردہ کیڑے
کے برابر بھی حقیقت نہین رکھتی ہین لیکن دنیا کو دعا کا ایک موٹا طریق بتلانے کے لئے وہ یہ راہ بھی اختیار
کرتے ہین وہ حقیقت مین اپنے کاروبار کا متولی خدا تعالے ہی کو جانتے ہین اور یہ بات بالکل سچ ہے
وھو یتولی الصالحین۔ اللہ تعالے ان کو مامور کر دیتا ہے کہ وہ اپنے کاروبار کو دوسرون کے ذریعے

ظاہر کرین۔ ہمارے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مختلف مقامات پر مدد کا وعظ کرتے تھے اسی لئے کہ وہ وقت نصرت الہی کا تھا اس کو تلاش کرتے تھے کہ وہ کس کے شامل حال ہوتی ہے۔ یہ ایک بڑی غور طلب بات ہے۔ دراصل ماموز من اللہ لوگون سے مدد نہین مانگتا بلکہ **من انصاری الی اللہ** کہکر وہ اس نصرت الہیہ کا استقبال کرنا چاہتا ہے اور ایک فرط شوق سے بیقرارون کی طرح اس کی تلاش مین ہوتا ہے۔ نادان اور کوتہ اندیش لوگ سمجھتے ہین کہ وہ لوگون سے مدد مانگتا ہے یہ سچ نہین ہو بلکہ اس طرح پر ان کا بلانا کسی دل کے لئے جو اس نصرت کا موجب ہوتا ہے ایک برکت اور رحمت کا موجب ہوتا ہے۔ پس ماموز من اللہ کی طلب امداد کا اصل سرّ اور راز یہی ہے جو قیامت تک اسی طرح پر رہے گا اشاعت دین مین ماموز من اللہ دوسرون سے امداد چاہتے ہین مگر کیون؟ اپنے ادائے فرض کے لئے تاکہ دلون مین خدا تعالے کی عظمت کو قائم کرین ورنہ یہ تو ایک ایسی بات ہے کہ قریب بہ کفر پہونچ جاتی ہے اگر غیر اللہ کو متولی قرار دین۔ اور ان نفوس قدسیہ سے ایسا امکان؟ یہ محال مطلق ہو۔ مین نے ابھی کہا ہے کہ توحید تب ہی پوری ہوتی ہے کہ کل مرادون کا معطی اور تمام امراض کا چارہ اور مداوا وہی ذات واحد ہو۔ لا الہ الا اللہ کے معنے یہی ہین صوفیون نے اس مین الہ کے لفظ سے محبوب۔ مقصود۔ معبود مراد لی ہے بیشک اصل اور سچ یونہی ہے جب تک انسان کامل طور پر توحید پر کاربند نہین ہوتا اس مین اسلام کی محبت اور عظمت قائم نہین ہوتی ❊

اور پھر مین اصلی ذکر کی طرف رجوع کرکے کہتا ہون کہ نماز کی لذت اور سرور اسے حاصل نہین ہو سکتا مدار اسی بات پر ہے کہ جب تک برے ارادے ناپاک اور گندے منصوبے بھسم نہ ہون انانیت اور شیخی دور ہو کر نیستی اور فروتنی نہ آئے خدا کا سچا بندہ نہین کہلا سکتا۔ اور عبودیت کاملہ کے سکھانے کے لئے بہترین معلم اور افضل ترین ذریعہ نماز ہی ہے۔ مین تمہین پھر بتلاتا ہون کہ اگر خدا تعالے سے سچا تعلق حقیقی ارتباط قائم کرنا چاہتے ہو تو نماز پر کاربند ہو جاؤ۔ اور ایسے کاربند ہو کہ نہ تمہارا جسم نہ تمہاری زبان بلکہ تمہاری روح تمہاری روح کے ارادے اور جذبے سب کے سب ہمہ تن نماز ہو جاوین۔ عصمت انبیاء کا یہی راز ہے یعنے نبی کیون معصوم ہوتے ہین؟ تو اس کا یہی جواب ہے کہ وہ استغراق محبت الہی کے باعث معصوم ہوتے ہین۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب مین ان قومون کو دیکھتا ہون جو شرک مین مبتلا ہین جیسے ہندو جو قسم قسم کے اصنام کی پرستش کرتے ہین یہانتک کہ انہون نے عورت اور مرد کے اعضاء مخصوص

تک کی پرستش بھی جائز کر رکھی ہے۔ اور ایسا ہی وہ لوگ جو ایک انسانی لاش یعنی یسوع مسیح کی پرستش کرتے ہین اس قسم کے لوگ مختلف صورتون سے حصول نجات یا مکتی کے قایل ہین۔ مثلاً اول الذکر یعنے ہند و گنگا اشنان اور تیرتھ یاترا اور ایسے ایسے کفارون سے گناہ سے موکش چاہتے ہین اور عیسے پرست عیسائی مسیح کے خون کو اپنے گناہون کا فدیہ قرار دیتے ہین۔ مگر مین کہتا ہون کہ جب تک نفس گناہ موجود ہے وہ بیرونی صفائی اور خارجی معتقدات سے راحت یا اطمینان کا ذریعہ کیونکر پا سکتے ہین جبتک اندر کی صفائی اور باطنی تطہیر نہین ہوتی۔ ناممکن ہے کہ انسان سچی پاکیزگی اور طہارت جو انسان کو نجات سے ملتی ہے پا سکے۔ ہان اس سے ایک سبق لو۔ جس طرح پر دیکھو بدن کی میل اور بدبو بدون صفائی کے دور نہین ہو سکتی اور جسم کو آنے والے خطرناک امراض سے بچا نہین سکتی اسی طرح پر روحانی کدورات اور میل جو دل پر ناپاکیون اور قسم قسم کی بے باکیون سے جم جاتی ہے دور نہین ہو سکتی جبتک توبہ کا مصفا اور پاک پانی اسکو نہ دھوڈالے جسمانی سلسلہ مین ایک فلسفہ جس طرح پر موجود ہے۔ اسی طرح پر روحانی سلسلہ مین ایک فلسفہ رکھا ہوا ہے۔ مبارک ہین وہ لوگ جو اسپر غور کرتے ہین اور سوچتے ہین۔

مین اس مقام پر یہ بات بھی بتلانا چاہتا ہون کہ گناہ کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب عام فہم الفاظ مین یہی ہے کہ جب غیر اللہ کی محبت انسانی دلپر مستولی ہوتی ہے۔ تو وہ اس مصفا آئینہ پر ایک قسم کا زنگ سا پیدا کرتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ بالکل تاریک ہو جاتا ہے اور غیریت اپنا گھر کرکے اسے خدا سے دور ڈالدیتی ہو اور یہی شرک کی جڑ ہے۔ لیکن جس قلب پر اللہ تعالےٰ اور صرف اللہ تعالےٰ کی محبت اپنا قبضہ کرتی ہے وہ غیریت کو جلاکر اسے صرف اپنے لئے منتخب کر لیتی ہے پھر اس مین ایک استقامت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اصل جگہ پر آجاتی ہے۔ عضو کے ٹوٹنے اور پھر چڑھنے مین جس طرح سے تکلیف ہوتی ہے لیکن ٹوٹا ہوا عضو اس سے کہین زیادہ تکلیف دیتا ہے جو اسے صرف مکرر چڑھنے سے عارضی طور پر ہوتی ہے اور پھر ایک راحت کا سامان ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ عضو اسی طرح پر ٹوٹا رہے تو ایک وقت آجاتا ہے کہ اسکو بالکل کاٹنا پڑتا ہے اسی طرح سے استقامت کے حصول کے لئے اولاً ابتدائی مدارج اور مراتب پر کسی قدر تکالیف اور مشکلات بھی پیش آتی ہین لیکن اسکے حاصل ہو جانے پر ایک دائمی راحت اور خوشی پیدا ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب یہ ارشاد ہوا فاستقم کما امرت تو لکھا ہے کہ آپ کے کوئی سفید بال نہ تھا پھر سفید بال آنے

لگے تو آپ نے فرمایا مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا۔ غرض یہ ہے کہ جب تک انسان موت احساس نہ کرے وہ نیکیون کی طرف جھک نہین سکتا مین نے بتلایا ہے کہ گناہ غیر اللہ کی محبت دل مین پیدا ہونے سے پیدا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ دل پر غلبہ کر لیتا ہے۔ پس گناہ سے بچنے او محفوظ رہنے کے لئے یہ بھی ایک ذریعہ ہے۔ کہ انسان موت کو یاد رکھے اور خدا تعالےٰ کے عجائبات قدرت مین غور کرتا رہے کیونکہ اس سے محبت الٰہی اور ایمان بڑھتا ہے اور جب خدا تعالےٰ کی محبت دل مین پیدا ہو جائے تو وہ گناہ کو خود جلا کر بھسم کر جاتی ہے +

دوسرا ذریعہ گناہ سے بچنے کا احساس موت ہے۔ اگر انسان موت کو اپنے سامنے رکھے تو وہ اُن بدکاریون اور کوتاہ اندیشیون سے باز آجائے اور خدا تعالےٰ پر اسے ایک نیا ایمان حاصل ہو اور اپنے سابقہ گناہون پر توبہ اور نادم ہونے کا موقع ملے۔ انسان عاجز کی ہستی کیا ہے؟ صرف ایک دم پر انحصار ہے۔ پھر کیون وہ آخرت کا فکر نہین کرتا اور موت سے نہین ڈرتا۔ اور نفسانی اور حیوانی جذبات کا مطیع اور غلام ہو کر عمر ضائع کر دیتا ہے۔ مین نے دیکھا ہے کہ ہندؤون کو بھی احساس موت ہوا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھو صرف اس ایک حکم نے کہ **فاستقم کما امرت** نے ہی بوڑھا کر دیا۔ کس قدر احساس موت ہے۔ آپ کی یہ حالت کیون ہوئی۔ صرف اس لئے کہ تا ہم اس سے سبق لین ورنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک اور مقدس زندگی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو ہادی کامل اور پھر قیامت تک کے لئے اور اسپر کل دنیا کے لئے مقرر فرمایا۔ مگر آپ کی زندگی کے کل واقعات ایک عملی تعلیمات کا مجموعہ ہین جس طرح پر قرآن کریم اللہ تعالےٰ کی قولی کتاب ہے اور قانون قدرت اس کی فعلی کتاب ہے اسی طرح پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھی ایک فعلی کتاب ہے جو گویا قرآن کریم کی شرح اور تفسیر ہے +

کل انسانون کے کمالات بہیئت مجموعی ہمارے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مین جمع ہین۔ اور اسی لئے آپ کل دنیا کے لئے نبی مبعوث ہوئے اور رحمۃ للعالمین کہلائے۔ **انک لعلی خلق عظیم** مین بھی اسی مجموعہ کمالات انسانی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی صورت مین عظمت اخلاق محمدی کی نسبت غور ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہی وجہ تھی کہ آپ پر نبوت کاملہ کے کمالات ختم ہوئے۔ یہ ایک مسلّم بات ہے کہ کسی چیز کا خاتمہ اس کی علت غائی کے اختتام پر ہوتا ہے۔ جیسے کتاب کے جب کل مطالب بیان ہو جاتے ہین تو

اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر رسالت اور نبوت کی علت غائی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی اور یہی ختم نبوت کے معنے ہین کیونکہ یہ ایک سلسلہ ہے جو چلا آیا ہے اور کامل انسان پر آکر اس کا خاتمہ ہو گیا +

مین یہ بھی تبلادینا چاہتا ہون کہ استقامت جس پر مین نے ذکر چھیڑا تھا وہی ہے جس کو صوفی لوگ اپنی اصطلاح مین فنا کہتے ہین اور اہدنا الصراط المستقیم کے معنے بھی فنا ہی کے کرتے ہین۔ یعنے روح۔ جوش اور ارادے سب کے سب اللہ تعالے کے لئے ہی ہو جاوین اور اپنے جذبات اور نفسانی خواہشین بالکل مرجائین۔ بعض انسان جو اللہ تعالے کی خواہش اور ارادے کو اپنے ارادون اور جوشون پر مقدم نہین کرتے وہ اکثر دفعہ دنیا ہی کے جوشون اور ارادون کی ناکامیون مین اس دنیا سے اٹھ جاتے ہین۔ بہت سے لوگ دیکھے ہین جو اپنے ارادون کو خدا پر مقدم کرتے ہین آخر کار اس تقدیم ہوائے نفس مین بھی وہ کامیاب نہین ہوتے اور بجائے فائدہ کے نقصان عظیم اٹھاتے ہین۔ اسلام پر غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ ناکامی صرف جھوٹے ہونے کی وجہ سے پیش آتی ہے۔ جب خدا تعالے کیطرف سے التفات کم ہو جاتی ہے تو اللہ تعالے کا قہر نازل ہوتا ہے جو اس کو نامراد اور ناکام بنادیتا ہے خصوصاً ان لوگون کو جو بصیرت رکھتے ہین جب وہ دنیا کے مقاصد کیطرف اپنے تمام جوش اور ارادے کے ساتھ جھک جاتے ہین تو اللہ تعالے ان کو نامراد کر دیتا ہے۔ لیکن سعیدون کو وہ پاک اصول پیش نظر رہتا ہے جو احساس موت کا اصول ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ جس طرح مان باپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ یا جس طرح برادر کوئی بزرگ خاندان فوت ہو گیا ہے اسی طرح پر مجھ کو ایک دن مرنا ہے۔ اور بعض اوقات اپنی عمر پر خیال کر کے کہ بڑھاپا آگیا اور موت کے دن قریب ہین خدا تعالے کی طرف رجوع کرتا ہے + غرض یہ بات خوب ذہن نشین رہنی چاہئے کہ آخر ایک ایکدن دنیا اور اس کی لذتون کو چھوڑنا ہے۔ تو پھر کیون انسان اسوقت سے پہلے ہی ان لذات کے ناجائز طریق حصول چھوڑ دے۔ موت نے بڑے بڑے راستبازون اور مقبولون کو نہین چھوڑا۔ اور وہ نوجوانون یا بڑے سے بڑے دولتمند اور بزرگ کی پروا نہین کرتی پھر تم کو کیون چھوڑنے لگی۔ پس دنیا اور اس کی راحتون کو زندگی کے منجملہ اسباب سمجھو اور خدا تعالے کی عبادت کا ذریعہ۔ سعدی نے اس مضمون کو یون ادا کیا ہے۔ ؎

خوردن برائے زیستن وذکر کردن است + تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

یہ نہ سمجھو کہ خدا ہم سے خواہ مخواہ خوش ہو جائے اور ہم اپنے احتطاظ مین رہین۔ مگر ایسے اندھون کو اگر خدا کی طرف سے بھی پروانہ آجائے تو وہ ان لذتون کو جو جسمانی خواہشون اور ارادونکی پیروی مین سمجھتے ہین نہ چھوڑینگے اور انکو اس لذت پر جو ایک مومن کو خدا مین ملتی ہے ترجیح دین گے۔ خدا تعالے کا پروانہ موجود ہے جسکا نام قرآن شریف ہے جو جنت اور ابدی آرام کا وعدہ دیتا ہے مگر اس کی نعمتون کے وعدہ پر چندان لحاظ نہین کیا جاتا اور عارضی اور خیالی خوشیون اور راحتون کی جستجو مین کس قدر تکلیفین غافل انسان اٹھاتا اور سختیان برداشت کرتا ہے مگر خدا تعالے کی راہ مین ذراسی مشکل کو دیکھ کر بھی گھبرا اٹھتا اور بدظنی شروع کر دیتا ہے۔ کاش وہ ان فانی لذتون کے مقابلے مین ان ابدی اور مستقل خوشیون کا اندازہ کر سکتا۔ ان مشکلات اور تکالیف پر فتح پانے کے لئے ایک کامل اور خطا نہ کرنے والا نسخہ موجود ہے جو کروڑہا راستبازون کا تجربہ کردہ ہے۔ وہ کیا؟ وہ وہی نسخہ ہے جسکو نماز کہتے ہین۔ نماز کیا ہے؟ ایک قسم کی دعا ہے جو انسان کو تمام برائیون اور فواحش سے محفوظ رکھ کر حسنات کا مستحق اور انعام الٰہیہ کا مورد بنا دیتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ اللہ اسم اعظم ہے۔ اللہ تعالے نے تمام صفات کو اسکے تابع رکھا ہے۔ اب ذرا غور کرو۔ نماز کی ابتدا اذان سے شروع ہوتی ہے۔ اذان اللہ اکبر سے شروع ہوتی ہے یعنی اللہ کے نام سے شروع ہو کر لا الٰہ الا اللہ یعنے اللہ ہی پر ختم ہوتی ہے۔ یہ فخر اسلامی عبادت ہی کو ہے کہ اس مین اول اور آخر مین اللہ تعالے ہی مقصود ہے نہ کچھ اور۔ مین دعوے سے کہتا ہون کہ اس قسم کی عبادت کسی قوم اور ملت مین نہین ہے۔ پس نماز جو دعا ہے اور جس مین اللہ کو جو خدا تعالے کا اسم اعظم ہے مقدم رکھا ہے۔ ایسا ہی انسان کا اسم اعظم استقامت ہے۔ اسم اعظم سے مراد یہ ہے کہ جس ذریعہ سے انسانیت کے کمالات حاصل ہون۔ اللہ تعالے نے اہدنا الصراط المستقیم مین اسکی طرف ہی اشارہ فرمایا ہے اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ الذین قالو ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا۔ یعنے جو لوگ اللہ تعالے کی ربوبیت کے نیچے آگئے اور اسکے اسم اعظم استقامت کے نیچے جب بقیہ بشریت رکھا گیا پھر اس مین اس قسم کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ ملائکہ کا نزول اسپر ہوتا ہے اور کسی قسم کا خوف وحزن ان کو نہین رہتا۔ مین نے کہا ہے کہ استقامت بڑی چیز ہے۔ استقامت سے کیا مراد ہے؟ ہر ایک چیز جب اپنے عین محل اور مقام پر ہو وہ حکمت اور استقامت سے تعبیر پاتی ہے۔ مثلاً دوربین کے اجزا کو اگر جدا جدا کر کے ان کو اصل مقامات سے

ہٹاکر دوسرے مقام پر رکھدین وہ کام نہ دے گی۔ غرض وضع الشی فی محلہ کا نام استقامت ہے یا دوسرے الفاظ مین یہ کہو کہ ہیئت طبعی کا نام استقامت ہے۔ پس جبتک انسانی بناوٹ کو ٹھیک اسی حالت پر نہ رہنے دین اور اسے مستقیم حالت مین نہ رکھین وہ اپنے اندر کمالات پیدا نہین کر سکتی۔ دعا کا طریق یہی ہے کہ دونون اسم اعظم جمع ہون اور یہ خدا کی طرف جاوے کسی غیر کی طرف رجوع نہ کرے خواہ وہ اس کی ہوا وہوس ہی کا بُت کیون نہ ہو؟ جب یہ حالت ہو جائے تو اس وقت ادعونی استجب لکم کا مزا آجاتا ہے +

پس مین چاہتا ہون کہ آپ استقامت کے حصول کے لئے مجاہدہ کرین اور ریاضت سے اسے پائین کیونکہ وہ انسان کو ایسی حالت پر پہونچا دیتی ہے جہان اس کی دعا قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہے۔ اس وقت بہت سے لوگ دنیا مین موجود ہین جو عدم قبولیت دعا کے شاکی ہین۔ لیکن مین کہتا ہون کہ افسوس تو یہ ہے کہ جب تک وہ استقامت پیدا نکرین۔ دعا کی قبولیت کی لذت کو کیونکر پا سکین گے۔ قبولیت دعا کے نشان ہم اسی دنیا مین پاتے ہین۔ استقامت کے بعد انسانی دل پر ایک برودت اور سکینت کے آثار پائے جاتے ہین کسی قسم کی بظاہر ناکامی اور نامرادی پر بھی دل نہین جلتا لیکن دعا کی حقیقت سے ناواقف رہنے کی صورت مین ذرا ذرا سی نامرادی بھی آتش جہنم کی ایک لپیٹ ہو کر دل پر مستولی ہو جاتی ہے اور گھبرا گھبرا کے بے قرار کئے دیتی ہے۔ اسی کی طرف ہی اشارہ ہے نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ۔

بلکہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ تپ بھی نار جہنم ہی کا ایک نمونہ ہے۔ اب یہان ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پا جانا تھا۔ اس لئے ظاہری طور پر ایک نمونہ اور رضا نمائی کا آلہ دنیا سے اٹھنا تھا اس کے لئے اللہ تعالےٰ نے ایک آسان راہ رکھدی کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔ کیونکہ محبوب اللہ مستقیم ہی ہوتا ہے۔ زیغ رکھنے والا کبھی محبوب نہین بن سکتا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کی ازدیاد اور تجدید کے لئے ہر نماز مین درود شریف کا پڑھنا ضروری ہوگیا۔ تاکہ اس دعا کی قبولیت کے لئے استقامت کا ایک ذریعہ ہاتھ آئے۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود ظلی طور پر قیامت تک رہتا ہے۔ صوفی کہتے ہین کہ مجدّدین کے اسماء آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے نام پر ہی ہوتے ہین۔ یعنے ظلی طور پر وہی نام ان کو کسی ایک رنگ مین دیا جاتا ہے۔ شیعہ لوگون کا یہ خیال کہ ولایت کا سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہوگیا محض غلط ہے۔ اللہ تعالے نے جو کمالات سلسلہ نبوت مین رکھے ہین مجموعی طور پر وہ ہادی کامل پر ختم ہو چکے۔ اب ظلی طور پر ہمیشہ کے لئے مجددین کے ذریعہ سے دنیا پر اپنا پرتو ڈالتے رہین گے۔ اللہ تعالے اس سلسلہ کو قیامت تک رکھے گا۔ مین پھر کہتا ہون کہ اسوقت بھی خدا تعالے نے دنیا کو محروم نہین چھوڑا اور ایک سلسلہ قائم کیا ہے۔ ہان اپنے ہاتھ سے اس نے ایک بندہ کو کھڑا کیا اور وہ وہی ہے جو تم مین بیٹھا ہوا بول رہا ہے۔ اب خدا تعالے کے نزول رحمت کا وقت ہے دعائین مانگو۔ استقامت چاہو اور درود شریف جو حصول استقامت کا ایک زبردست ذریعہ ہے بکثرت پڑھو۔ مگر نہ رسم اور عادت کے طور پر بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حسن اور احسان کو مدنظر رکھکر اور آپ کے مدارج اور مراتب کی ترقی کے لئے اور آپ کی کامیابیون کے واسطے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قبولیت دعا کا شیرین اور لذیذ پھل تم کو ملے گا۔ قبولیت دعا کے تین ہی ذریعے ہین۔ اول ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔ دوم یاایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ تیسرا موہبت الہی۔ اللہ تعالے کا یہ عام قانون ہے کہ وہ نفوس انبیاء کی طرح دنیا مین بہت سے نفوس قدسیہ ایسے پیدا کرتا ہے جو فطرتاً استقامت رکھتے ہین ٭

یہ بات بھی یاد رکھو کہ فطرتاً انسان تین قسم کے ہوتے ہین۔ ایک فطرتاً ظالم لنفسہ۔ دوسرے مقتصد یعنے کچھ نیکی سے بہرہ ور اور کچھ برائی سے آلودہ۔ سوم برے کامون سے متنفر اور سابق بالخیرات پس یہ آخری سلسلہ ایسا ہوتا ہے کہ اجتبٰی اور اصطفٰے کے مراتب پر پہونچتے ہین اور انبیاء علیہ السلام کا گروہ ایسے پاک سلسلہ مین سے ہوتا ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری ہے۔ دنیا ایسے لوگون سے خالی نہین ٭

انسان کی کتاب

تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ ہم نے اسی رسالہ مین اس امر کا ذکر کیا تھا کہ عیسائیون کی کتاب جو پہلے کلام الہی کہلاتی تھی اب تنقید اعلے اور محقق عیسائی فاضلون کی مہربانی سے اس کتاب کو کس قسمت کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ اس پر بعض عیسائی دینداروں پر غم وغصہ کے دورے گرنے لگے۔ اور انہون نے لمبی چوڑی

ہانک لگائی کہ اعلےٰ تنقید کا کیا ذکر ہے۔ اس کی علمی تردید تو انگلستان مین عام طور پر شایع ہو چکی ہے۔ ہمین اب تک معلوم نہین ہوا کہ مسٹر کورف کی اپیل کا کسی نے جواب بھی دیا ہے یا وہ بالکل عالم خموشان کی نذر ہو چکی ہے۔ بہرحال یہ امر یقینی ہے کہ یہ فرضی عالمانہ تردید در اصل کوئی وجود نہین رکھتی بلکہ بعض پرستاران بائبل کے دماغ کا اختراع ہے۔ بائبل دن بدن نیچے گرتی چلی جاتی ہے اور اس کو کلام انسان ماننے والون کی تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے۔ بائبل کے متعلق اس نئی رائے کی اشاعت ممالک یورپ و امریکہ تک ہی محدود نہین رہی بلکہ ان ممالک مین بھی کثرت سے شایع ہو رہی ہے جن کی طرف عیسائی مشنری ان مسایل کی تعلیم کے واسطے بھیجے گئے ہین۔ حالانکہ ان مسایل کو خود عیسائی ممالک مین اب دھکے دئے جا رہے ہین یہ راز اب پوشیدہ نہین رہا کہ بائبل دم واپسین لے چکی ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ بائبل کے اوراق مین الفاظ اور حروف سب موجود ہین پر وہ تقدس جو ان اوراق کیطرف انیس سو سال سے عیسائی لوگ منسوب کر رہے تھے اس کا نشان اب نہین ملتا۔ باوجود تمام فضول اور بیہودہ باتون کے پہلے تو یہ کتاب کلام الہی مانی جاتی تھی پر اب خود عیسائی ممالک مین مشتہر کیا جا رہا ہے کہ یہ کتاب غلطیون بد اخلاقیون اور بیہودہ گوئیون سے پر ہے یہ کوئی تعجب کی بات نہین کہ عیسائی دنیا کو یہ باتین بائبل مین نظر آگئین بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ اتنی مدت تک ان صریح غلطیون کے دیکھنے اور پہچاننے سے ان کی نظر قاصر رہی۔ لیکن یہ بھی نہین سمجھنا چاہئے کہ بائبل اسوقت تک برابر زندہ رہی ہے اور موت کا حادثہ اب ہی اُسپر واقع ہوا ہے۔ نہین بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ابتک بائبل عیسائیونکے درمیان بطور ایک قومی دیوتا کے دور سے ہی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی رہی ہے اور کسی نے کبھی اس کی اصلیت کی دریافت کرنے کے واسطے سعی نہین کی۔ ہزارون آدمیون نے اور علوم کی تحصیل کی مگر بائبل کو اندھا دُھند تسلیم کرتے رہے اور کبھی یہ سوال نہ اٹھایا کہ اس مین لکھا ہوا کیا ہے۔

ہندوستان مین اب تعلیم یافتہ گروہ مین بائبل کی یہ حالت عام طور پر تسلیم کی جا رہی ہے۔ اور یہان کا پادریون اور مشنریون کا حلقہ بھی بہت کچھ اس کی غلطیون سے آگاہ ہو رہا ہے۔ ہان بیچارے دیسی عیسائی ابتک اصل حقیقت سے بے خبر رکھے گئے ہین کیونکہ ان کو کبھی یہ اطلاع نہین دیجاتی کہ اب بائبل کے متعلق خود عیسائی لوگ کیا عقیدہ رکھتے ہین۔ برخلاف اسکے مذہبی مباحثات مین بے شرمی سے ابتک یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ بائبل خالص کلام الہی ہے اور اس مین انسانی ہاتھ کا کچھ دخل نہین ہے

کہا جاتا ہے کہ بائبل غلطیون سے پاک ہے حالانکہ بمشکل کوئی ایسا یوروپین یا امرکین تعلیم یافتہ عیسائی ملیگا جو دل سے ایسا عقیدہ رکھتا ہو۔ افسوس ہے کہ چند لوگون کو اپنے مذہب مین شامل کرنے کی نکمی خوشی کے واسطے ایسی غلط بیانیان کی جاتی ہین۔ اور جاہلون کے درمیان وہ غلط باتین صحیح سمجھائی جاتی ہین اس طرح مذہب نے ایک دھڑداری کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اب بائبل کا جادو ٹوٹ چکا ہے اور جس کو صداقتون کا خزانہ کہا جاتا تھا وہ بالآخر مخزن اغلاط ثابت ہو گیا ہے اور اب ان واقعات کو چھپانے کے لئے تم کتنی ہی محنت اٹھاؤ کوئی چیز ان پر پردہ ڈال نہین سکتی

ناظرین کو یاد ہوگا کہ سال گذشتہ مین اعلے تنقید کے مضمون کو بنگالہ کی عیسائی انجمن نے اختیار کیا تھا۔ جن پر ہم نے کچھ ریمارک اس رسالہ مین کئے تھے اور وہی ریمارک اس امر کا موجب ہوئے کہ مسٹر کورف نے ایک اپیل اکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیون کی خدمت مین تحریر کی۔ اُسی مضمون کو اب پنجاب کے پادریون کے جلسہ نے جو لاہور مین منعقد ہوا ہے لیا ہے اور اس جلسہ مین ۱۳۔ نومبر ۱۹۰۳ء کو جمعہ کے دن پادری جے ڈبلیو بیپ ورتھ نے اس مضمون پر اپنی تحریر پڑھکر سنائی ہے۔ ہمعصر اخبار سول ملٹری گزٹ لاہور نے ۱۷۔ نومبر ۱۹۰۳ء کے پرچہ مین اس تحریر کے بعض حصون کو بائبل کی اعلی تنقید کی سرخی کے نیچے شایع کیا ہے اور ساتھ ہی ایڈیٹر اخبار مذکور نے اپنی طرف سے ایک پُرمعنی ریمارک کیا ہے جس مین وہ لکھتا ہے کہ پادری بیپ ورتھ کی تحریر کا مضمون اعلے تنقید تھا اور اس مضمون مین اس نے (یعنی بیپ ورتھ نے) اعلے تنقید کے ان نتائج پر ریویو کیا ہے جو سمجھدار عیسائیون مین اب عام طور پر تسلیم کئے گئے ہین۔ ہم اس ریمارک پر سچے دل سے اتفاق کا اظہار کرتے ہین۔ لیکن اتنا افسوس ہے کہ پادری بیپ ورتھ نے اس مضمون کا پورا حق ادا نہین کیا۔ کیونکہ یسوع مسیح کی الوہیت اور جی اٹھنے کے متعلق اعلی تنقید کی رائے کو اس نے اپنے مضمون مین بیان نہین کیا۔ حالانکہ یہ دونون باتین بائبل کی بڑی بھاری غلطیون مین سے ہین اور اعلے تنقید نے ہردو کا انکار کیا ہے۔ ہم یہ تو نہین کہہ سکتے کہ پادری بیپ ورتھ ان امور کا اظہار عیسائی انجمن مین کرنے کی جرأت نہین رکھتا تھا۔ کیونکہ اس نے اور کئی ایک ایسی باتین اُسی مجلس مین کھلے طور پر بیان کی تھین جو ان امور سے زیادہ نہین تو انھی کی طرح ضرور عیسائیت کا ابطال کرتی تھین اور درحقیقت اگر یہ مان لیا جائے۔ جیسا کہ پادری بیپ ورتھ نے کہا تھا کہ پرانے

اور نئے عہدناموں میں انسانی دست اندازی ایک حد تک بکثرت پائی جاتی ہے تو یسوع کی الوہیت اور اسکا
بھی اٹھنا ہر دو مسائل خاک میں مل جاتے ہیں اور پادری صاحب کا ایک حد تک انسانی دخل کی قید لگانا ان
مسائل کی کچھ دستگیری نہیں کر سکتا۔ مسٹر ہیپ ورتھ کے بعض اقوال کو ہم اس جگہ نقل کرتے ہیں جو اس نے
اپنے لکچروں کے دوران میں کہے +

"آج سے پچاس سال پہلے لاکھوں تعلیم یافتہ عیسائی بائیبل کو غیر محققانہ نظر کے ساتھ دیکھکر اسے
ایک معجزہ سمجھتے تھے۔ اگرچہ یہ بات خود بائیبل کے بیان کردہ مضامین کے مخالف ثابت ہوئی ہے۔ اور نیز علوم
تاریخ۔ سائنس۔ مناظرہ۔ خواص الاشیاء۔ علوم مقابلہ مذاہب علم لسان وغیرہ تمام علوم کی تحقیقات کے بھی مخالف
ہے۔ الّا یہ مخالفتیں نہ بھی ہوتیں اور یہ سب باتیں اسی خیال کی تائید کرتیں تاہم اگر ان نتائج کو دیکھا جائے
جو اس سے پیدا ہوتے ہیں تو ان سے بھی ظاہر ہے کہ یہ خیالی بے قاعدہ اور بے ہنگم معجزہ بالکل بے فائدہ ثابت
ہوا ہے۔ لاکھوں عیسائی جو اس کتاب کو لفظ بلفظ اور حرف بحرف کلام الٰہی مانتے تھے ابتک اس کے صحیح اور
اصلی معنے کرنے کے قابل اپنے آپ کو ثابت نہیں کر سکے کیونکہ وہ اس سے نہ صرف متضاد اور مخالف معانی
نکالتے رہے بلکہ بسا اوقات ایسے معنے کرتے تھے جن سے نہایت ہی خراب اور ضرر رسان نتائج پیدا ہوتے
تھے۔ لیکن اعلےٰ تنقید کی روشنی میں بائیبل کے متعلق یہ رائے کہ وہ کلام الٰہی ہے بالکل غلط ثابت ہوئی ہے یہ ظاہر ہے کہ تاریخ اور
سائنس کے معاملات میں بائیبل کے بیانات غلطیوں کے امکان سے پاک نہیں ہیں اور بائیبل کا الہام تدریجی
تکمیل پاتا تھا۔ اور اس واسطے ابتدائی منازل میں بالکل ناکمل تھا اور انسانی اجزا اپنی محدود حد بندیوں
کے ساتھ اس میں بکثرت پائے جاتے ہیں...... مذہب میں یہ تبدیلی آہستگی کے ساتھ لیکن یقینی طور پر
اس وقت سے پوری ہو رہی ہے جب سے کہ مضامین اور ریویوز نے روشنی دیکھی ہے اور یہ وہ
تبدیلی ہے جس کی نسبت متوفی آرچ بشپ آف یارک نے بیان کیا تھا کہ اس زمانے کے نہایت عجیب
واقعات میں سے یہ ایک واقعہ ہے اور یہ اعلےٰ تنقید سے پیدا ہوا ہے"

کتب موسےٰ اور کتب یشوع کی تصنیف کے متعلق لکچرار نے بیان کیا کہ یہ امر بالکل ثابت شدہ ہے
کہ ان کتابوں کے بعض حصے کم از کم موجودہ شکل میں جلا وطنی سے واپسی کے زمانے کے اندر کے لکھے
ہوئے ہیں۔ پھر لکچرار کہتا ہے کہ اگر یہ سوال ہو کہ ابتک جو ہم عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ کتابیں حضرت موسیٰ
کی تصنیف ہیں اب اس عقیدہ کو کیا کریں تو اسکا جواب سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ اس عقیدہ کو تبتک چھوڑ دینا چاہئے

یہ کتابین کوئی ظاہر یا مخفی دعوے اس امر کے لئے نہین کرتین کہ ان کو حضرت موسےؑ نے تصنیف کیا تھا اس طرح تمام ابتدائی کتابین روائیتین اور افسانے ہین نہ کہ تاریخی واقعات - پھر مسٹر بیپ ورتھ نے بیان کیا کہ اس عقیدہ کے ماننے مین کہ ابتدائی الہامات کے وقت روح القدس تعلیم کے لئے روائیتون اور فسانون کا عام استعمال کرتی تھی ہم کوئی جلد بازی نہین کرتے اور نہ ہی اپنی طرف سے کوئی بات بناتے ہین کیونکہ پولوس اور پطرس اور یہودا نے اپنی ملہمانہ تعلیم کے درمیان یہودی روایات کو آزادی سے شامل کر لیا ہے نئے عہدنامے مین شامل ہو جانے سے یہ افسانے حقیقی واقعات نہین بن سکتے - ان مقدس کتب مین شامل ہو کر بھی وہ افسانے افسانے ہی ہین - ہان اتنا فائدہ ضرور دیتے ہین کہ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح سے افسانے ان الہامی کتب مین ملے ہوئے ہین اور یہی فائدہ ان سے کافی ہے" اب دیکھو مسٹر بیپ ورتھ ایک عیسائی واعظ ہے - عیسائی پادریون کی انجمن مین کھڑا ہو کر لکچر دیتا ہے اور بڑی فراخ دلی سے اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ پرانا اور نیا عہدنامہ ہر دو انسانی دخل سے بھرے ہوئے ہین ہان الوہیت یسوع کا فضول اعتقاد رکھنے والے اس بات کا انکار کرتے ہین - عیسائیون کے اخبار ایپی فینی کلکتہ کا نامہ نگار جس کا مضمون بعنوان **اسلام** اسی اخبار کے پرچہ ۱۲ - دسمبر ۱۹۱۰ء مین نکلا ہے - اپنے سوال کا جواب مسٹر بیپ ورتھ کے لکچر مین پڑھ سکتا ہے - اور چونکہ یہ لکچر ایک عیسائی کی طرف سے ہے اسواسطے ہم امید کرتے ہین کہ اسکو ان جوابات سے تشفی حاصل ہو جائے گی +

جو حال پرانے عہدنامہ کا ہوا ہے وہی نئے عہدنامے کا بھی ہوا ہے - اور اناجیل کے مضامین مختلف ماخذون سے لئے گئے ہوئے ثابت کئے گئے ہین جس سے اناجیل کی متضاد کہانیون کو کلام الٰہی ماننے والون پر ایک بڑی مصیبت وارد ہوئی ہے - پس بائیبل کا مجموعہ من اوله الی آخرہ انسانی تصانیف کا ایک انبار ثابت ہو گیا ہے - اس طرح بائیبل کی صداقت کے قصہ کو جڑ سے اکھیڑ کر لکچرار اسکے متعلق دعوے کو ایک نیا رنگ دینے کی تجویز کے درپے ہوا ہے - وہ کہتا ہے کہ "بالآخر اگر پہلے سوال ہو کہ اعلے تنقید کے یہ ناقابل تردید نتائج اس عزت پر کیا اثر رکھتے ہین جو کہ ہمین بائیبل کی کرنی چاہئے اور چاہئے مسئلہ الہام کی روایات کے متعلق کیا تبدیلیان پیدا کرتے ہین تو اس سوال کا جواب بیشک سنجیدگی سے دینا وہ لوگ جو بائیبل کو سب سے زیادہ پیار کرتے ہین - وہ لوگ جو اس کی پاک تعلیم سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہین ان کو نہایت ہی احتیاط کرنی چاہئے کہ بائیبل کے متعلق اندھا دھند جان بوجھکر کوئی ایسا عقیدہ نہ بنائین

جس کا دعوے خود بائبل نے نہ کیا ہو۔ انکے لئے لازم ہے کہ بائبل کی قدر حد سے زیادہ بڑھانے کے لئے ایسی باتیں اس کی طرف منسوب نہ کریں جو کہ ایک غور و فکر کرنے والے سنجیدہ خیال پرانے مقلد عیسائی کے نزدیک بھی بے ثبوت ہوں چہ جائیکہ لایق کثیر التعداد تعلیم یافتہ عیسائیوں کے نزدیک وہ باتیں کھلی غلطیاں اور جھوٹ کا رتبہ رکھتی ہوں۔ جو کتاب انسانی دست درازیوں اور انسانی حد بندیوں سے اس طرح پُر ہو اسکو سرتا پا کلام الہی سمجھنا (خواہ اسکا نام عشق بائبل رکھا جائے یا کچھ اور) دراصل یہ بات بالکل بُت پرستی ہے یہ مبالغہ آمیز افسانہ کہ ان کتابوں کے لکھنے والے نہ صرف کاتب روح القدس تھے بلکہ روح القدس کا خود قلم تھے۔ اور ان کی سب باتیں معصوم اور مقدس ہیں۔ ایسا کہنا مسیح اور حواریوں کی تعلیم کے بالکل مخالف ہی۔ یہ ایک ایسی سخت غلطی ہے کہ اس سے بہت سے تاریک توہمات اور جرم پیدا ہوئے ہیں۔ جو کہ نسل انسانی کے تنزل اور بیشمار تکالیف کا موجب واقع ہوئے ہیں۔ پادریانہ ظلم و تعدی کی بے ہنگم عمارتیں جو دنیا کی قوموں کے لئے ایک لعنت کا موجب ہوئی ہیں محرف و مبدل الہامی عبارتوں کی تنگ و کوتہ بنیاد پر اُلٹی مخروطی شکلوں میں بنائی گئی ہیں۔ ملے جلے انسانی کلام کے متعلق جس سے قدرے سبق ملتے تھے یہ فرض کر لینا کہ وہ خود از اول تا آخر کسی انسانی طاقت سے برتر ماخذ سے لئے گئے ہیں۔ ان بیہودہ تفاسیر کے طریقوں اور سلسلوں کے ایجاد کا موجب ہوا ہے جنہوں نے کئی صدیوں تک دنیا کو ایک عالم جہالت میں چھپائے رکھا۔ ایسے مسائل نے بہت سے مقامات پر کتاب الہی کے الفاظ کو بے معنی اور ناقابل حل چیستان بنا کر خراب کیا ہے ٭

اگر اس قسم کے الفاظ کسی مسلمان کے منہ سے نکلتے تو بہت سے جاہل عیسائی غصہ سے بھڑک اٹھتے۔ لیکن خوش قسمتی ہی کہ یہ ایک عیسائی پادری صاحب کا کلام ہے جو کہ انہوں نے ایک معزز عیسائیوں اور پادریوں کے بھرے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا اور اس رائے کی ایک معزز عیسائی اخبار نے نہ صرف تائید کی ہے بلکہ یہ بھی تحریر کیا ہے کہ کوئی سمجھدار عیسائی اس رائے کے ساتھ اختلاف نہیں رکھتا۔ اگر پادری بیپ ورتھ کی گفتگو میں کوئی بات تعجب انگیز ہے تو یہی ہے کہ یسوع کی الوہیت اور جی اٹھنے کے متعلق مفصل بیان کرنے سے وہ ضرور قاصر رہا ہے حالانکہ اسلئے

٭ دراصل دنیا میں صرف ایک ہی الہامی کتاب ہی جو دنیا کے آگے یہ دعوی کر رہی ہی کہ وہ خدا تعالے کا خالص کلام ہی۔ اور تمام غلطیوں سے پاک ہی۔ ورنہ اور کسی کتاب میں یہ دعوے نہیں پایا جاتا اور وہ کتاب قرآن شریف ہے +

تنقید کے فضلا نے اس مضمون پر کھول کر تحریرین شایع کی ہین۔ ہم امید کرتے ہین کہ جلد اس عقیدہ کو عام طور پر گرجون کے وعظون مین شایع کیا جائے گا۔ اور اس طرح عیسائیت کا خفیہ بھوت اپنی اصلی شکل کی طرف تنزل کر کے عیسائی دنیا کے اوقات قوتین اور روپے کو جھوٹ کی اشاعت پر خرچ ہونے اور فضول ضایع ہونے سے بچالے گا۔ اور اس وقت روپے اور قوت کو کسی مفید کام پر آیندہ صرف کیا جائے گا۔ بائبل کے متعلق عیسائیون کی یہ رائے ظاہر کرنے کے بعد ہم امید کرتے ہین کہ ہم اس سمجھدار عیسائی کی چھٹی کا جواب لکھنے سے سبکدوش ہوگئے ہین جو کہ عیسائیون کے پرچے ایپی فینی مین جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہین برابر ان بیہودہ اقوال کو دُھرائے چلا جاتا ہے جنکو اس سے پہلے اسکے ہم پیشہ بیان کیا کرتے تھے۔ بائبل کے اصلی اور مقدس ہونے کے متعلق جو دعوے اس نے کیا تھا اس کی تردید خود عیسائیون کی شہادت سے ہم دے چکے ہین اور اسواسطے اب اسکے متعلق زیادہ تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہین ہے۔ اب یہ بات باقی رہی کہ باوجود ان سب باتون کے جو بائبل کے متعلق مانی گئی ہین۔ بائبل کو کس دعوے کا حق پہونچتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ بائبل کو یہ عزت دیجاتی ہے کہ یہ ایک مجموعہ ہی جس مین کچھ تاریخی باتین ہین اور کچھ افسانے اور کچھ سچ ہے اور کچھ جھوٹ۔ معجزہ نمائی کی باتین جو کہ بائبل کی تین چوتھائی حصّہ مین بھری پڑی ہین اس تقسیم کے مطابق افسانون اور جھوٹ کی ذیل مین درج ہونگی اور پھر سوائے چند اخلاقی باتون کے جو تمام اخلاق کی کتابون مین پائی جاتی ہین باقی اور کچھ نہین رہتا۔ بلکہ ان غلطیونکے ڈھیر کیطرف نظر کر کے جن کے درمیان بعض سچائیان چھپی پڑی ہین وہ سچائیان بھی کچھ قابل اعتماد نہین رہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر بیپ ورتھ کی یہ رائے ہے کہ مذہبی مباحثات مین بھی بائبل قابل سند نہین۔ اگر پادری صاحب کی یہ بات صحیح ہے اور ہم اس معاملہ مین ان کی کوئی مخالفت نہین کرتے تو بائبل بالکل بے سود کتاب ہوجاتی ہے۔ اسکے ناقابل ذکر تھوڑے سے فائدے اسکے نقصانات سے بہت بڑھ کر ہین۔ بہرحال روحانی امور مین یہ کتاب ہرگز قابل اعتبار نہین اور نجات کے واسطے اسپر بھروسہ کرنا کسی دانا کا کام نہین ہے پادری بیپ ورتھ کے لکچر سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اگرچہ خود پادری صاحب نے اپنے بچاؤ کے واسطے یہ الفاظ بول دیئے ہین کہ نجات کے لئے تمام ضروری امور اسمین موجود ہین۔ لیکن جب معجزات کا انکار ہوا تو نہ صرف اناجیل کی تاریخی صحت پر حملہ ہوتا ہے بلکہ عیسائی مذہب کی ایک اکلوتی شہادت کا بھی ساتھ ہی خون ہوجاتا ہے۔ درحقیقت بائبل کی غلطیون کے

تسلیم کر لینے پر عیسائیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور پھر ایسے لوگون کی غلطی ہے کہ وہ اپنے آپ کو عیسائی کہین نہ وہ یسوع کی الوہیت کو مانتے ہین اور نہ اسکے مردون مین سے جی اٹھنے کی اقراری ہین اور اس طرح تثلیث وکفارہ ہر دو کو ترک کرنے کے بعد سوائے عیسائیت کے نام کے اور کیا باقی رہا۔ اور خدا نے چاہا تو ایک دن یہ نام بھی ان کو اتار کر پھینکنا ہی پڑے گا +

جب سے کہ بائبل کی صداقت پر ایسا خطرناک حملہ ہوا ہے اور بائبل کا الہامی کلام ہونیکا عقیدہ کچا ثابت ہوا ہے تب سے عیسائیت کی صداقت کے واسطے ایک نئی شہادت کا دعوے پیش کیا گیا ہے جس کو عیسائیت کا تجربہ کہتے ہین۔ مگر یہ ایسا ہی جیسا کہ ڈوبتا تنکے کا سہارا پکڑے۔ بائبل سے باہر عیسائیت کوئی شے نہین۔ اور عیسائیت کا تجربہ خود بائبل پر مبنی ہے۔ یسوع کی الوہیت۔ اسکا مردون مین سے جی اٹھنا اور آسمان پر چڑھ جانا یہی باتین عیسائیت کے بڑے اصول ہین اور کوئی دانا آدمی ان باتون کو محض عقل کی رو سے ٹھیک نہین مان سکتا۔ صرف بائبل کی کتاب ہی مین یہ باتین لکھی ہوئی ملتی ہین۔ اور بائبل کی صداقت تاریخی واقعات کے متعلق سخت مشکوک ہوئی ہے۔ لیکن اگر ان مسائل کا انکار کیا جائے اور مانا جائے جیسا کہ اعلے تنقید مین تسلیم کیا گیا ہے کہ یسوع ایک فانی انسان تھا اور معصوم نہ تھا اور اس نے کوئی معجزہ بھی نہین دکھایا اور مردون مین سے جی بھی نہین اٹھا اور آسمان پر نہین چڑھا تو پھر عیسائیت کا باقی کیا ان کے ہاتھ مین رہ جاتا ہے۔ مذہب عیسوی تو یسوع کی الوہیت اور جی اٹھنے کے مسائل کے ساتھ ہے اور اگر یہ باتین غلط ہین تو پھر یہ مذہب بھی جھوٹ ہی۔ دراصل عیسائیت کا تجربہ صرف ایک دھوکا ہے۔ اور ان لوگون کے دماغ کا اختراع ہے جو بائبل کی غلطیون سے تو آگاہ ہو چکے ہین مگر عیسائیت کے بوسیدہ جبہ کو اتار کر پھینکنے کی ہنوز جرأت نہین رکھتے +

ریویو

عہدنامہ جدید کی کہانیون کی تمسخرانہ تشریحات

اس کتاب کو "ٹروتھ سیکر کمپنی" نیویارک نے شایع کیا ہے اگرچہ مضمون کا طرز اداظریفانہ ہے

مگر بایں ہمہ اس سے ایک سچا اور اہم سبق ملتا ہے - ایک وقت تو وہ تھا کہ پرجوش دینداروں نے ایک مردہ انسان کو جامہ الوہیت پہنا دیا تھا اور اب یہ وقت ہے کہ وہی فرد بشر اس اوج عزت و منزلت سے نیچے گرایا جاکر بزمرہ فانی انسانون کے داخل کیا جارہا ہے - اس کتاب مین وہ پیرایہ اختیار کیا گیا ہے جس سے مدعا مندرجۃ الصدر ظاہر ہو سکے - جہانتک اسکے مضامین سے مدعا مذکرہ بالا حاصل ہو سکتا ہے اس حد تک یہ کتاب نہایت عجیب اور اسکے مضامین دلچسپ ہین اور عمدہ سبق ان سے حاصل ہوتا ہے اناجیل کے واقعات کے راویون کی بیہودگیون کو تمسخرانہ تمثیلات و تشریحات کے ساتھ ناظرین کے لئے طشت از بام کیا گیا ہے - اور ساتھ ہی تنقید کرکے مضحکانہ حاشیے چڑھائے گئے - یسوع کے معجزات مندرجۂ اناجیل مین سے جن بھوتون کا نکالنا اور مردون کا جلانا دو خاص بھاری عمل تھے جیسا کہ انجیلون مین ذکر ہے اس کتاب مین یسوع کے ان عملیات کی بہت ہی عمدہ تصویر کھینچی گئی ہے +

آسیب زدگی کی تاثیرات پر اُس زمانہ مین بڑا یقین تھا جس زمانہ مین اناجیل لکھی گئین - اور یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہین کہ مسیحی معجزات کی فہرست بعض اسی قسم کے عجیب عملیات سے پُر ہے - ایک موقعہ پر یسوع دو آسیب زدہ آدمیون سے ملاقی ہوتا ہے جو فوراً اسکو شناخت کرتے ہین کہ وہ خدا کا بیٹا ہے - (خدا کا بیٹا شناخت کرنے کے لئے اسی قسم کے آدمی چاہئے) - یسوع اپنی لاٹھی سے اُن چھپے ہوئے جنون پر حملہ کرتا ہے - اور بھوت اس طرح مجبور ہوکر اُن آدمیون سے باہر نکل آتے ہین اور ایک خنزیرونکے گلہ مین جانے کی اس سے اجازت مانگتے ہین - وہ بھوت ایک دوسرے کے بعد ان آدمیون مین سے پرواز کر جاتے ہین اور خنزیرون کی پشتون پر جاکر سوار ہو جاتے ہین - اور ساتھ ہی انکو سمندر مین ایک ڈھلوانی جگہ کیطرف نیچے ہانکتے ہین - بیشک ایسا نظارہ قابل دید ہے خدا کا بیٹا بھوتونکے پیچھے دوڑتا ہے اور وہ بھوت اُن خنزیرونکے پیچھے دوڑتے ہین جو تمام پانی مین غرق ہو جاتے ہین - ایسا ہی ایک اور عجیب نظارہ بیان ہوا ہے - انجیلون مین ذکر ہے کہ یسوع کی صلیب کشی کے وقت قبرین پھٹ گئین اور مردے زندہ ہو گئے لیکن دوبارہ زندہ ہونا اتوار کی صبح تک وقوع مین نہین آیا - کیونکہ بالفاظ مصنف کتاب خدا "مردے یسوع کے پہلے جی اٹھنے کی انتظار مین مودبانہ اپنی کھلی قبرون مین بیٹھے رہتے ہین" ایک بھوت کی سی شکل قبرون سے رینگکر نکلتی ہے اور ایک شہر کے آدمی سے ملتی ہے جو اس کی مہیب و مہیکل شکل کی وجہ سے اس سے نفرت کرتا ہے

پھر وہ اپنی بیوی سے ملتا ہے جو خوف زدہ ہوکر آگے آگے بھاگتی ہے اور وہ مردہ اسکے پیچھے دوڑتا ہے اور اسے یقین دلاتا ہے کہ وہ اس کا پیارا خاوند ہے۔ مگر وہ عورت نہین ٹھہرتی۔ بعد ازان وہ اپنے بچہ کے پاس آتا ہے لیکن وہ ننھی سی جان اس زرد رنگ بھوت شکل سے ڈر جاتی ہے اور باوجودیکہ وہ اسکو نرمی اور پیار سے تسلی دیتا ہے مگر وہ اسکو موت جیسی شکل خیال کرکے چیخین مار کر بھاگ جاتا ہے +

اس بھوتی واقعہ کی حماقت آخری نظارہ مین خوب بیان ہوئی ہے۔ جہان وہ بھوت خیال کرتا ہے کہ "یہ دنیا عبث ہے اور پھر ایک سمجھ دار میت کی طرح واپس اپنی قبر مین لوٹ جاتا ہے" یہ ان معجزات وکرامات کی بیہودگی کا حال ہے جو بیچ وخم دیکر فرضیہ طور پر یسوع کے سر تھوپی گئی ہین یہ کتاب شایع کنندگان سے بقیمت ایک ڈالر (تین روپے دو آنہ) کے مل سکتی ہے +

"اسلام کی فلاسفی"

مصنفہ "خواجہ خان۔ بی۔ اے" نام ایک نہایت عمدہ خوبصورت کتاب چھپی ہوئی ۱۴۲ صفحہ کی انگریزی کتاب ہے جو مضامین مصنف نے "مدراس ریویو" مین لکھے ہین ان مضامین کو اس کتاب کی شکل مین دوبارہ چھاپا گیا ہے۔ جن لوگون کو تصوف سے دلچسپی ہے انکے واسطے اس مین مفید معلومات کا ذخیرہ ہے اور اس مین مختلف صوفیون کے گروہونکے خیالات عالم کی پیدایش کے متعلق اور روحانی تصورات واخلاقی اصولون اور تاریخی ترقی کے متعلق بیان ہوئے ہین اور اخیر مین دکن کے صوفیون کے مختلف فرقون کا ذکر ہے کتاب کی قیمت ایک روپیہ ہے اور علی گڈھ ڈیوٹی شاپ سے مل سکتی ہے +

ایک پادری کے خیالات اسلام پر

مسلمانون کی تعلیم مین مشکلات کے عنوان کے نیچے "مشنری ریویو آف دی ورلڈ" (امریکہ) ایک خط چھاپتا ہے جسکے نیچے دستخط یہ ہین "ایک ایسا شخص جو انکے درمیان کام کرتا ہے" اور جسکو معلوم ہوتا ہے

انجیل کا وعظ کرنے میں سخت ناکامی ہوئی ہے اسلئے وہ مجبور تھا کہ اپنی ناکامی کی کوئی وجہ تلاش کرے تاکہ وہ واپس نہ بلا لیا جاوے۔ اس امر کو چھپانے کے لئے کہ اس کی یہ ناکامی تثلیث وکفارہ کے بیہودہ عقائد کی وجہ سے ہے۔ خصوصاً جب وہ اسلام کی سیدھی سادھی اور معقول موحدانہ تعلیم کے بالمقابل پیش ہو پادری صاحب نے اسلام کے متعلق غلط بیانیاں کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اس کے نزدیک اسلام کی تاریخی طبیعت سکندریہ کے کتب خانے کے جلانے سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ ایک عیسائی کا من گھڑت جھوٹ ہے جس نے پہلے اسے شایع کیا اور بعد کی نسلیں اس جھوٹ کو آجتک رائج رکھتی چلی آئی ہیں ابوالفرجیس نے اس قصّہ کو اپنی کتاب موسوم "بڈائی نیسٹز یعنی خاندان" کے ذریعہ پہلے پہل دنیا میں شایع کیا۔ وہ کہتا ہے کہ یوحنا نے جسکا لقب فلوپین ہے عمرو فاتح مصر سے التجا کی کہ سکندریہ کا کتب خانہ اسکو ملے لیکن سردار عرب اگرچہ خود وہ چاہتا تھا کہ اس صرف ونحو کے ماہر کی خواہش کو پورا کرے۔ خلیفہ عمرؓ کے حکم کی تعمیل میں اس کتب خانہ کو جلادیا۔ اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کتابوں کے کاغذ اور کپڑے شہر کے چار ہزار حماموں میں تقسیم کئے گئے تھے اور ان کاغذات کا اسقدر بے قیاس انبار تھا کہ اس قیمتی ایندھن کے جلا کر ختم کرنے کے واسطے بمشکل چھ ماہ مکتفی ہوئے۔ یہ ایک عجیب جھوٹ ہے۔ بہت اغلب اور قرین قیاس یہ ہے کہ جس وقت یہ گفتگو یوحنا کی فاتح کے ساتھ ہوتی ظاہر کی گئی ہے اسوقت یوحنا فلوپین زندہ نہ تھا۔ بلکہ وہ اس سے پہلے ہی مرچکا تھا۔ چنانچہ مشہور مورّخ گبن کی تاریخ کے حاشیہ میں مندرجہ ذیل نوٹ درج ہے۔

چونکہ تمام مصنفان اس معاملہ میں ساکت ہیں (یعنے فلوپین کی عمر کی ایسی درازی جو اس واقعہ کی صداقت کی موید ہو) اسلئے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ اس وقت سے بہت عرصہ پہلے فوت ہوچکا تھا جسوقت بیان کیا جاتا ہے کہ ابوالفرگیس نے یہ عجیب ملاقات فاتح عمرو کے ساتھ کی۔ گبن کہتا ہے کہ "اگر مجھ سے پوچھو تو میں تو بڑے زور کے ساتھ اس امر اور اسکے نتائج سے انکار کرتا ہوں۔ یہ امر واقعی عجیب ہے۔ اسی واقعہ کا مورخ خود کہتا ہے کہ پڑھو اور تعجب کرو۔ ایک اجنبی کی اکیلی تحریر کو جو اس نے چھٹی صدی کے اختتام پر فارس کی سرحد پر لکھی ہو کچھ وقعت نہیں دیجا سکتی جبکہ ہم اس سے بہت پہلے زمانہ کے دو واقعہ نگاروں کی خاموشی کو دیکھتے ہیں جو دونوں واقعہ نگار مذہب کے عیسائی اور خاص مصر ہی کے باشندے تھے۔ اور ان دونوں میں سے جو سب سے قدیمی ہے یعنی لاٹ پادری یوٹیکس اس نے سکندریہ کی فتح کا مفصل حال

لکھا ہے"۔ اس واقعہ کو جھوٹا ٹھہرانے کی وجوہات لکھنے کے بعد وہ طنز سے لکھتا ہے کہ "اگر واقعی آرین اور ماتو فرقہ (عیسائیون کے دو فرقے) بحث مباحثات کے انبار سکندریہ کے حمامون مین ہی جلائے گئے تھے تو بھی ایک فلاسفر خوشی سے اس بات کو تسلیم کرے گا اور کہے گا کہ آخر یہ تو دے بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے ہی استعمال ہوئے"۔ (اسکا مطلب یہ ہے کہ جبکہ کم از کم ان سے اتنا فائدہ تو ہوگیا کہ حمام گرم ہوگئے ورنہ ویسے یہ مباحثات کسی کام کے نہ تھے۔) عیسائیون کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر حضرت عمرؓ ایسا ہی سخت آدمی ہوتا جیساکہ اوپر ذکر کیا گیا ہے تو وہ عیسائیونکے ساتھ وہ نرمی نہ دکھلاتا جو اس نے یروشلم کے مقام پر دکھلائی جبکہ لاٹ پادری نے ان سے گرجا ہی مین نماز پڑھنے کی درخواست کی تو آپنے یہ درخواست نامنظور کی اور بعد ازان اس کی یہ وجہ بتلائی کہ "اگر مین تمہاری درخواست کو منظور کر لیتا تو بعد کے مسلمان میری مثال کی پیروی کے بہانے سے گرجا کو مسجد بنا لیتے اور معاہدہ کی شرط کو توڑ دیتے"۔ درحقیقت اس قصہ کے مصنف عیسائی نے کتب خانہ سکندریہ کی تباہی کے متعلق کہانی بیان کرنے مین ایک عیسائی کا قصور ایک مسلمان کے ذمہ لگایا ہے۔ اصل بات اس طرح پر ہے کہ جس کتب خانہ کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمانون نے اسکو جلایا۔ اسکو عمروؓ کے مصر پر حملہ کرنے سے دو سو پچاس برس پیشتر بشپ تھیوفیلس نے تباہ کیا تھا اور یہ بے بہا ذخیرہ کتب کا اس طرح تباہ ہونیکے بعد پھر کبھی اُس طرح سے مرتب نہین ہوا۔ گبن لکھتا ہے "مین اب دوبارہ اس بیان کو نہین چھیڑونگا کہ کیونکر سکندریہ کے کتب خانہ پر مصیبتین آئین اور کیونکر پہلے قیصر نے مجبوراً اپنے بچاؤ مین وہان شعلہ بھڑکایا اور پھر عیسائیون نے شرانگیز تعصب سے بت پرستی کی یادگارونکو تباہ کرنے کی کوشش مین کتب خانہ کو تباہ کیا"۔ اور پھر لکھتا ہے "سکندریہ کا بیش بہا کتب خانہ لوٹا گیا یا تباہ کیا گیا۔ اور تقریباً بیس سال بعد تک خالی الماریون کے دیکھنے سے ہر ایک دیکھنے والے کے دل کو رنج و غضب پیدا ہوجاتا تھا جسکا دل مذہبی تعصب سے بالکل سیاہ نہین ہوگیا ہوا تھا"۔ لیکن یہ کہانی عیسائیون کی طرف سے آج کے دن تک بڑی محنت سے شایع کی جارہی ہے۔ حالانکہ اسکا جھوٹ ظاہر ہوچکا ہے تاکہ ایک عیسائی کا قصور ایک مسلمان کے ذمہ ڈالا جاوے۔ کیا یسوع کا مذہب اس جھوٹ سے سرسبز ہوگا۔ یہی کورانہ ضد اور تعصب اسلام کے برخلاف دیگر اعتراضات مین بھی پایا جاتا ہے مثلاً ایک یہ اعتراض ہے کہ "کیا ایک مسلمان جو قطبی ممالک مین رہتا ہے وہ اپنی عبادت کے دنون اور گھنٹون کی شمسی بے انتظامی کی بابت اپنی مقدس کتاب پر اعتراض نہین کرے گا"۔

اب یہی سوال بعینہٖ عیسائیون پر ہو سکتا ہے کہ قطبی ممالک مین اتوار کے دن کا کس طرح سے التزام کیا جاویگا جو ایک "یقینی - ضروری اور دوامی حکم کے ذریعہ سے خدائی پرستش کا دن قرار دیا گیا ہے - اور جو کتاب مقدس مین خدا کے دن کے نام سے موسوم ہے اور جو اختتام دنیا تک عیسائی سبت کا دن رہیگا" (دیکھو اقرار ایمان) پادری صاحب کو اسلامی عبادت پر اعتراض کرنا تو سوجھ گیا ہے لیکن یہ نہین سوجھا کہ اتوار کے دن کی شکل کو کس طرح حل کیا جاویگا جسکا دنیا کے اختتام تک ہر ملک اور زمانہ کے آدمیون کو پابند رہنا ضروری ہے ایک مذہب جو اسلام سے چھ سو سال پیشتر دنیا مین آچکا تھا اسکا فرض تھا کہ قطبی ممالک کے متعلق اس مشکل کو حل کرتا - لیکن اگر وہ ناقابل ثابت ہوا ہے اور اس نے اسکو حل نہین کیا تو اسلام نے یقیناً اسکو عمدہ طور پر حل کر دیا ہے - پادری لوگ اسلام کے برخلاف اعتراضون کے جمع کرنے کی بے صبری مین اپنے عقائد اور اپنی دینی تعلیم کو فراموش کر دیتے ہین - اور اس وجہ سے وہ ایسے مشکلات مین مبتلا ہو جاتے ہین جن سے ان کی خلاصی نہین ہو سکتی - جب تک وہ اپنے اعتراضونکو واپس نہ لیوین - ایسے حالات مین نماز ادا کرنے کے بارہ مین احادیث مین صاف ہدایات ہین اور حکم ہے کہ معمولی دن اور رات کی مقدار کا اندازہ کر کے وقت کو جانچ لیا کرین - ایسا ہی روزون کے بارہ مین ہے - کیونکہ کلام مجید مین صاف حکم ہے - "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا" یعنے اللہ تعالےٰ کسی کی وسعت و طاقت سے بڑھکر اسپر بوجھ نہین ڈالتا چونکہ چھ ماہ کا روزہ انسان کی طاقت سے باہر ہے - اسواسطے یہ حالت آیت متذکرہ صدر کے زیر حکم ہے اور اس غرض کے واسطے معمولی دن کی تعداد کا اندازہ کر لینا چاہئے - خاص خاص صورتون مین عام آیات کی حکمت پر اڑنا بیوقوفی مین داخل ہے - خصوصاً جبکہ اس قسم کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے خود قرآن شریف نے پیش بندی کر کے ایک عام استثنائے کے نیچے حکم دیدیا ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا -

اس طرح پر قطبی ممالک کے واسطے بھی خدا تعالےٰ نے ہی ایک خاص حکم دیدیا ہے - حالانکہ یہ قطبی ممالک بمقابلہ دیگر وسیع آباد ممالک کے جہان ادائے صوم و صلوٰۃ مین کوئی مشکل پیش نہین آتی - قریباً قریباً غیر آباد ہین - لیکن جو مشکل اتوار کے متعلق پیش آتی ہے اس بارہ مین بائیبل مین کوئی حکم نہین ملتا - اور اس طرح عیسائی یا تو احکام اسلامی کی پیروی کرینگے یا ہمیشہ کے لئے اتوار کو الوداع کہدینگے اگر پادری صاحبان جو اورونکے قصور معلوم کرنیکے شایق ہین حد کے اندر ہی رہتے - اور ایسے اعتراضات کرنے سے اپنے آپ کو روکے رکھتے جن مین خود ان کے عقاید پر اعتراض آ سکتا ہے - تو ان کو خود بھی آرام رہتا - مگر یہ بالکل سچ ہے کہ پھر انکے ہاتھ مین کچھ بھی نہ رہتا -

کیونکہ انکے مذہب اور علمیت کا کل مایۂ اعتراض ہی ہین۔ عام احکام اور قوانین پر ایسی وجوہات سے اعتراض کرنا سراسر حماقت ہے۔ قرآن مجید مین عام قوانین واحکامات ہین اور خاص خاص حالتون مین ان کا استعمال بھی خصوصیتکے ساتھ ہوتا ہے۔ کیا ممالک قطبی مین گھنٹون کا اس طرح سے انتظام نہین ہو سکتا کہ معمولی اوقات کی مقدار و اندازہ پر انسان پانچ نمازین ادا کرے۔ وہان بھی آخر لوگون نے کام اور آرام کے لئے اوقات مقرر کئے ہوئے ہین۔ پس انہین کو دن اور رات سمجھکر نماز اور روزے کے فرایض ادا ہو سکتے ہین۔

اسلام کے برخلاف ایک اور اعتراض یہ ہے کہ اس کا کلام الہی قرآن مجید عربی مین ہے اسواسطے یہ عام یعنے ہر قسم کے لوگونکے لئے نہین ہو سکتا۔ پادری صاحب کی منطق دانی کے ادب کو ملحوظ رکھکر ہم یہ پوچھتے ہین کہ یہ ان کی دلیل کیا وزن رکھتی ہے۔ پادری صاحب نے یہ سوچے سمجھے یہ ایک لغویات کہہ دی ہے۔ اگر انجیلون کو عبرانی کی شکی روایات کی بنا پر یونانی مین ترجمہ کرکے ان کی عام طور پر منادی اور تبلیغ ہو سکتی ہے تو پھر قرآن مجید کی جو بزبان عربی وحی ہوا اور بڑی حفاظت سے ہم تک پہونچا اس کی کیون عام طور پر منادی نہین ہو سکتی بلکہ اور بھی دیکھنا چاہیئے کہ یسوع کے حکمونکو توڑکر انجیلون کی عام منادی کی جارہی ہے۔ کیونکہ یسوع کا حکم تھا کہ صرف میری اپنی قوم یہود مین ہی اس کی تبلیغ کیجاوے اور کسی کو نہ کیجاوے۔ حالانکہ مقدس قرآن مجید کی تبلیغ عام پر اعتراض اٹھایا جاتا ہے۔ باوجودیکہ اس کی عام تبلیغ کے بارہ مین صاف آیت ہے کہ یہ قرآن مجید تمام عالم کی ہدایت کے واسطے بھیجا گیا ہے۔ جب ایسے ایسے سمجھدار پادری جیسے کہ مشنری ریویو آف دی ورلڈ کا یہ نامہ نگار ہے انجیل کے وعظ کے واسطے باہر بھیجے جاتے ہین تو دانا آدمی یہ نتیجہ نکالیگا کہ اچھے پادری انہین ملتے۔ کیونکہ جو ہونہار آدمی ہین وہ دوسرے کامونمین جو محنت کے کام ہین لگ جاتے ہین لیکن ایک صفت ہے جس سے یہ پادری خصوصًا مسلمانون مین کام کرنے کے مناسب و لایق ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح اسکے متقدمین جھوٹ بول کر میدان مناظرہ و مباحثہ جیتا کرتے تھے اس فن کی اس کو پوری ماہیت اور واقفیت ہے اور اسکے واسطے راستہ نکل آیا ہے۔ مفصلہ ذیل ایک کہانی جو اسکے ہم پیشہ کی ہی گھڑی ہوئی ہے بیان کی گئی ہے۔ " ایک انگریز نے جو مسلمان ہو گیا تھا ستارہ بیت اللحم کے قصہ کی بنا پر عیسائیت کو جھوٹا ٹھہرا کر دعوت مقابلہ کی۔ اسکا دعوے یہ تھا کہ اس ستارہ کے قصہ کے سچ یا جھوٹ ہونے پر بائیبل کے سچے جھوٹے ہونیکا انحصار ہے۔ اور بائیبل کے سچا یا جھوٹا ہونے پر مذہب عیسائی کے سچا یا جھوٹا ہونیکا مدار ہے اور چونکہ ازروے علم طبیعات کے

اس ستارہ کا قصہ بالکل ناممکن ہی۔ اسواسطے تمام تانا بانا ٹوٹ جاتا ہے اور عیسائیت کی ساری عمارت گر جاتی ہے۔ اس دعوت کو ایک یونانی واعظ انجیل نے قبول کیا جس نے مسلمانوں کے ایک مشہور قصہ کو پیش کیا کہ کس طرح چاند ایک رات کو آسمان سے اتر کر دو ٹکڑے ہو کر پیغمبر صلعم کے لبادہ کی ایک آستین سے گذر کر دوسری آستین سے نکلگیا۔ اس عیسائی نے سوال کیا تھا کہ جس وقت چاند پیغمبر صلعم کے لبادہ کی آستینوں سے گذرا تو کس مقدار تک گھٹا گیا تھا۔ یا کس قدر ٹکڑوں مین منقسم ہو گیا تھا اس معاملہ مین کس قدر وقت صرف ہوا تھا اور کس ذریعہ سے اس طرح وقوع مین آیا" قصہ یہان ختم ہو جاتا ہے۔ اور جو اس انگریز نے جواب دیا وہ بیان نہین کیا گیا ہے۔ پادری صاحب شاید شرمندہ تو نہ ہونگے۔ جب انکو بتلایا جاوے کہ یہ "مشہور مسلمانون کا قصہ" قرآن مجید مین ہرگز نہین ہے۔ نہین بلکہ انکو اپنی جہالت اور ناواقفیت پر ناز ہوگا۔

بدی۔ جہالت۔ علم سے نفرت۔ مکر و فریب اور ہر ایک قسم کے عیب اسلام کیطرف منسوب کیئے گئے ہین۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک ایسا سلسلہ ہے جس کی غرض راستبازی نہین بلکہ اپنے آپ کو جھوٹے طور پر راستباز ظاہر کرتا ہے۔ ہر ایک نیکی یسوع کی انجیل کیواسطے رکھی گئی ہے۔ جسکو ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ نجات کی طرف لیجانیکے واسطے ایک خدائی طاقت ہے۔ مسیح کی پیروؤن کی شوخی ناقابل برداشت ہو رہی ہی۔ اور ان کا بار بار اپنی اخلاقی فضیلت کو بے دلیل پیش کرنا بہت رنجدہ ہو گیا ہے۔ انکو اپنے مخالفین کے عقاید کے خیالات کا ذرا تک بھی پاس نہین ہے۔ اور نہ ان کی یہ خواہش ہے کہ جس حد تک ایمانداری کے ساتھ تنقید اور سچائی اجازت دیتی ہی ان حدود کے اندر رہین۔

"کرۂ زمین کے دوسرے حصے کی ایک آواز"

بخدمت ایڈیٹر صاحب ریویو آف ریلیجنز۔ آپ کے نہایت بے نظیر میگزین کا ایک پرچہ مجھے ملا ہی جسکو مین نے نہایت دلچسپی سے پڑھا ہے کیونکہ وہ خیالات کا ایک بالکل نیا میدان ہمارے سامنے پیش کرتا ہی۔ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہین کہ اس میگزین کے بعض بیانات کا مین مفصل طور پر جواب لکھون۔

مین نہایت ہی خوش ہون کہ مشرق اور مغرب کے تعلقات قریب ہوتے چلے جاتے ہین۔ اور ہم خیالات کا تبادل بخوبی کر سکتے ہین۔ مین چاہتا ہون کہ تمام مذاہب کی سچائی خوبی اور نیکی کو پاؤن۔ کیونکہ ہر مذہب مین کچھ سچائی اور کچھ جھوٹ ہوتا ہے تاہم دنیا کے تمام مذاہب ایک ہی دائرہ کے نیم قطر ہین جس کا مرکز خدا ہے +

خدا سے میری مراد ایک ایسی ہستی سے ہے جو غیر محدود۔ ازلی۔ ہر جگہ موجود۔ تمام جانون اور تمام چیزون مین نافذ ہو۔ اسکا وجود ایسا قریب ہے کہ خود بخود ظاہر ہو رہا ہے +

ستمبر ۱۹۰۲ء کے ریویو مین ہمارے ملک کے ایک شخص ڈاکٹر ڈوئی کا بہت ذکر کیا گیا ہے مین نہین خیال کر سکتا کہ اس شخص کو کسی معزز محکمہ نے ڈاکٹر کا خطاب عطا کیا ہو۔ اس نے ڈاکٹر کا لقب آپ ہی اپنے نام کے ساتھ لگا دیا ہوگا۔ ہمارے ملک کے فہیم عالم اور مہذب لوگ اسکو ایک گنوار یا مسمریزم مین کسی قدر مشاق سمجھتے ہین۔ وہ اپنے سریع الاعتقاد اور جاہل مریدون پر اپنا اثر ڈالتا ہے تاہم اس مین شک نہین کہ مسمریزم کرنیوالا اگر اپنی طاقتون کو ٹھیک استعمال کرے تو بہت سے نیک کام دنیا مین کر سکتا ہے۔ ڈوئی نے اپنے مریدون مین میل کچیل بیہودہ دوائیون۔ شراب اور تمباکو کے استعمال کو دور کرنے اور کفایت شعاری اور محنت کا رواج دینے مین نیکی کا کام کیا ہے لیکن ایسے آدمی کا یسوع مسیح کا قائم مقام یا الیاس کا بروز کہنا ایک بیہودہ حرکت ہوگی۔ وہ ایسی موٹی گالیان اور لعن وطعن اپنی گفتگو مین استعمال کرتا ہے کہ کسی عیسائی واعظ کے منہ سے ایسی باتین نکل نہین سکتین لیکن وہ سب گالیان اوپر کیطرف کے تھوکنے کی طرح اس کے اپنے ہی منہ مین آپڑتی ہین۔ اس کی زندگی اور اسکے کام چند روزہ ہستی رکھتے ہین ایسے شخص کی نسبت یہ دعوے کرنا کہ وہ خدا کے ساتھ کوئی خاص تعلق رکھتا ہے ایک نہایت ہی محض بیہودگی ہوگی۔ اور یہی فقرہ ان سب کے متعلق بولا جا سکتا ہے جو آپ ہی نبی بن بیٹھتے ہین خواہ وہ کسی زمانے مین ہوئے ہون۔ اور خواہ ان کا نام عیسائیون کی بائیبل مین ہی درج ہو +

میری رائے مین ڈوئی اور نبی ہند کے درمیان دعا کا ڈول جو تجویز کیا گیا ہے اسکا نتیجہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ نقلی لڑائیون مین جو خالی کارتوسون کے ساتھ بندوقین چلائی جاتی ہین تو نتیجہ سوائے دھوان اڑنے کے اور کچھ نہین ہوتا۔ خدا تعالی دنیا کی حکومت غیر متبدل قوانین کے ساتھ کر رہا ہے دنیا مین ہر جگہ ہم تمام قدرت اور دل اور جگر مین یہی دیکھ رہے ہین کہ ایک طرف اسباب ہین اور دوسری طرف انکے نتائج۔ دعائین ان قوانین کو تبدیل منسوخ نہین کر سکتین۔ ان قوانین کے ماننے سے امن اور خوشی حاصل ہوتی ہے اور ان کی نافرمانی سے دکھ اور تکلیف

کوئی بتا نہین سکتا کہ آیندہ کیا ہوگا۔ سوائے اس کے کہ کوئی شخص سلسلہ علت و معلول پر توجہ کرکے یا علم مناسبات کو دیکھ کر کچھ نتیجہ نکالے۔ اس معاملہ مین کسی شخص کو نہ کبھی کوئی خاص حقوق حاصل ہوئے ہین اور نہ ہوسکتے ہین +

یہ کہنا کہ یسوع مسیح صلیب پر نہین مرا تھا بلکہ بیہوش ہوگیا تھا اور اچھا ہوکر ہندوستان کو بھاگ گیا تھا۔ ایک بیہودہ خیال ہے جس پر سنجیدہ اور تعلیم یافتہ عیسائی کچھ توجہ نہین کرسکتے۔ ایک ایسے افسانہ پر ملیقہ کرکے مین اپنے وقت اور طبیعت کو خراب کرنا نہین چاہتا۔ انہی اخلاق اور عادات کا کوئی اور شخص ہوگا کوئی اور ناصرہ کا رہنے والا ہوگا۔ ویسی ہی زندگی اور ویسی ہی طبیعت کا کوئی اور آدمی ہوگا۔ کوئی اور یسوع ہوگا جو ہندوستان کو گیا ہو۔ اور وہان رہا ہو۔ لیکن ممکن نہین کہ وہ ہمارا بہادر اور نڈر یسوع مسیح ہو۔ وہ ایسا بزدل نہین تھا کہ کسی ایک آدمی یا کئی آدمیون کے ادنے خوف سے اپنے ملک کو چھوڑ کر بیعزتی کا بھاگنا اختیار کرتا اگر وہ ایسا کرتا تو اسکا یہ فعل اس کے اقوال افعال اور تعلیم کے بالکل مخالف ہوتا۔ ایسا کرنا اسکی تمام زندگی کا الٹ اور اس کی روح کے برخلاف تھا بیشک اس نے اپنی کانشنس کے مقدس حقوق اور اپنی آزادانہ گفتگو کی حمایت مین صلیب پر بیخوف ہوکر جان دی۔ لیکن ہمین اس بات سے کچھ تعلق نہین کہ وہ کہان۔ کب یا کس طرح مرا لیکن دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ اس نے کس طرح سے زندگی بسر کی اور کیا کیا کام کئے اسکی زندگی تعلیم اور نمونہ لوگون کی نجات کا باعث ہوا نہ کہ اسکی موت اور نہ ہی اسکا خون +

کوئی پورا تعلیم یافتہ فاضل مہذب عیسائی واعظ اس بات کی تعلیم نہین دیتا کہ یسوع خدا تھا یا کسی معنے مین بھی خدا کا شریک تھا وہ صرف ایک مقدس انسان تھا جسکو شاندار اور اصلی ذہانت یعنی الہام حاصل تھا۔ میرے نزدیک ذہانت اور الہام ایک ہی چیز ہے۔ وہ خدا کی شکل مین بنایا گیا تھا۔ اور خدا کا ایک حصہ تھا۔ جیسا کہ تمام نیک انسان ہوا کرتے ہین مگر اس نے کبھی یہ دعوے بھی نہین کیا تھا کہ مین خدا ہون یا خدا کے برابر ہون بلکہ ہمیشہ یہی کہتا رہا کہ میرا باپ مجھ سے بڑا ہے۔ یسوع جیسے ہر ایک آدمی کو الوہیت کی صفات ثلاثہ مین سے حصہ دیا جاتا ہے اور وہ صفات اخلاقی۔ عقلی اور روحانی ہین جو کہ محدود دائرہ مین انسان کو حاصل ہوتی ہین۔

یسوع مسیح کامل نہ تھا اور نہ وہ معصوم تھا۔ اس نے غلطیان بھی کین بلحاظ اخلاق کے بھی وہ ہمیشہ حق پر نہ تھا۔ بشرطیکہ حواریون نے اسکے متعلق صحیح خبر بیان کی ہو لیکن یہ امر بھی نہایت ہی شکی ہے کہ حواریونکے بیانات صحیح ہون

بھلا جو آدمی انجیر کے درخت پر سے کھانیکے لئے کچھ پھل نہ پاکر بیجان درخت پر لعنت کرتا ہی۔ اگر اس کو ہم پاگل نہ سمجھین تو اور کیا کہین۔ صرافونکو کوڑے مار کر نکالنے کی کہانی جو انجیلون مین مذکور ہے کسی کا افترا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی باتین اسکی زندگی۔ روح اور اعمال کے بالکل مخالف ہین ایسی باتونکو ہم صحیح نہین تسلیم کرسکتی غالباً اس نے انکو اپنی زبان کے ساتھ کوڑے لگائے ہونگے اصل بات یہ ہی کہ بائیبل کے پُرانے اور نئے عہدنامہ مین بہت سے افسانہ جھوٹے قصے اور کہانیان پائی جاتی ہین جن کو کوئی پورا فاضل تعلیم یافتہ عیسائی لفظی معنون یا بالکل سچے اور صحیح تسلیم نہین کرسکتا۔ ایسا ہی یونس نبی اور مچھلی کا قصہ اور سورج کے کھڑا ہو جانیکی کہانی سب جھوٹے افسانہ ہین۔ باوجود اس کے پرانے عہدنامہ مین بعض بڑی بڑی صداقتین بھی موجود ہین +

مسیح کے جی اٹھنے کا قصہ ایک صاف جھوٹا افسانہ ہے جسکو بلاشبہ اس کی موت کے بعد کسی نے افترا کرلیا ہوگا۔ انسانی جسم کا اس طرح زندہ ہو جانا از روئے سائنس ایک ناممکن امر ہے اس مسئلے کے برخلاف اسقدر دلائل موجود ہین کہ یہ ہرگز قابل تسلیم نہین۔ اور اکثر عیسائیون نے اب اس عقیدہ کو ترک کردیا ہے آج جو شخص ایسا عقیدہ شایع کرے وہ جاہل سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی مردہ اس طرح جی اٹھے۔ تو یہ ایک بڑا بھاری معجزہ ہوگا لیکن ہم ان معجزات کو نہین مانتے ہان یہ جسم کسی پھل یا پھول یا سبزی مین پھر نمودار ہو سکتے ہین +

ہان یہ بات بالکل صحیح ہی کہ یسوع کی روح یا جان کا رفع ہوا تھا اور وہ ایتھر مین ایک جسم اختیار کرکے حواریون کو نمودار ہوا تھا۔ اس مین کوئی عجیب بات اور معجزہ نہین ہے کیونکہ ایسا رفع یسوع سے پہلے بھی اور اب بھی کروڑون دفعہ ہو رہا ہے۔ یسوع نے ہمین نمونہ دکھایا تھا کہ انسان کو کس طرح رہنا چاہئے وہ مرگیا ہے اور اس کی روح زندہ ہے اور ہمارے درمیان حرکت کر رہی ہے۔ مین اس مضمون کو انہین الفاظ کے ساتھ ختم کرتا ہون کہ وہ عیسائیت روحون کے رفع کا موجب ہو سکتی ہے۔ جو بیرونی رسومات کے پردون مین گھری ہوئی نہ ہو۔ تمام زمانے اس امر کو تسلیم کرینگے کہ انسان کے بیٹون مین سے کوئی یسوع سے بڑھکر نہین ہوا +

راقم او۔ ایل۔ ہاروے ساکن وسٹ لیفٹ انڈیانہ
ملک یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ ۔

ہم اس چٹھی کو بغیر کسی قسم کی رائے کے چھاپ دیتے۔ لیکن بعض اہم سوالات پر مسٹر ہاروے کی غلط راؤن نے مفصلہ ذیل مختصر ریمارک لکھنے کی ضرورت پیدا کی ہے۔

اپنی چٹھی کے آغاز ہی مین وہ فرض کرتا ہے کہ ہر ایک مذہب مین کچھ صداقت اور کچھ جھوٹ ہوتا ہی ہم اسکا نام امر مفروضہ یا خیالی رکھتے ہین کیونکہ یہ ایک بے دلیل خیال ہو اور اس کی تائید مین کوئی معقول بات پیش کرنے کی سعی نہین کی گئی ہے۔ یہ ہرگز قابل یقین نہین ہے کہ مسٹر ہاروے نے تمام مذاہب کی کتابون کا مطالعہ کیا ہے۔ یا کہ وہ اس حیثیت و قابلیت کا آدمی ہے کہ وہ ان جملہ مذاہب کے حسن و قبح (جھوٹ و راستی) مین امتیاز کر سکے۔ ہان ہم یہ تسلیم کرتے ہین کہ اس نے عیسائیت کی چھان بین کی ہو اور اسی سے اس نے دیگر جملہ مذاہب کے متعلق ایسا خیال کر لیا ہے۔ ہم اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہین کہ جو جھوٹ اسے عیسائیت مین ملا ہے اس جھوٹ کی اس نے صریحاً تردید کی ہے۔ لیکن ایک خاص مذہب کے متعلق خیال کو عام کر دینا ٹھیک نہین ہو۔ چاہیئے تھا کہ پہلے وہ صداقت کے پرکھنے کے لئے کوئی معیار مقرر کرتا۔ اور ہم اسکو دکھلاتے کہ اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے۔ کہ جو ایک طرف تو ہر ایک قسم کی غلطی و دروغ سے مبرا ہونے کا دعوے کرتا ہے اور دوسری طرف اپنے اس دعوے کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ روئے زمین پر اور کوئی ایسا مذہب نہین ہے جو ان ہر دو امور مین سے ایک کو بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔ مزید برآن مسٹر ہاروے کے اپنے بیان کے رو سے جو مذہب وہ اختیار کر رہا ہے غلطی سے خالی نہین ہو۔ اور کم از کم یہ بیان کہ "کوئی مذہب جھوٹ سے خالی نہین" خود غلط ہے۔ ہم امید کرتے ہین کہ غور کرنے پر اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس نے بے دلیل ایسی تھیوری کے قائم کرنے مین غلطی کھائی ہو اور وہ اس تحقیقات پر اپنا زیادہ وقت اور طاقت خرچ کریگا۔ کہ آیا روئے زمین پر کوئی ایسا مذہب بھی ہے جسکے اصول ہر ایک قسم کی خطا سے مبرا ہین۔ مختلف مذاہب جیسا کہ وہ کہتا ہو نصف قطر نہین ہین بلکہ وتر ہین جن مین سے صرف ایک ہی مذہب ہو جو مرکز مین سے گذرتا ہے اور اسلئے صرف ایک ہی سچا مذہب ہے اور ہر ایک متلاشی حق کا فرض ہو کہ اسی سچے مذہب کی تلاش کرے۔

پھر مسٹر ہاروے ذکر کرتا ہے کہ دعا کا مقابلہ ایک فضول چیز ہے جس سے کوئی نتیجہ پیدا نہین ہو سکتا۔ بالفعل ہم اسکے متعلق کچھ نہین کہتے لیکن مسٹر ہاروے کو یہ یقین دلاتے ہین کہ جیسا کہ اسکا خیال ہے اسکا نتیجہ ایک مصنوعی لڑائی کا دھوان نہین ہوگا بلکہ جلتی ہوئی آگ کا ایک شعلہ ہوگا جس مین

جھوٹا دغاباز جل جائے گا اور جو شخص راستباز اور خدا کے نزدیک مقبول ہو اس کی صداقت روز روشن کی طرح ظاہر ہو گی۔ اللہ تعالےٰ کے عجیب کام اور قدرتین ظاہر ہونگی جب وہ باتین ظاہر ہونگی جن کو کوئی انسانی آنکھ نہین دیکھ سکی۔ بلکہ خود اللہ تعالےٰ نے اپنی وحی کے ذریعہ اپنے بندے پر ظاہر کین۔ اسکے بعد مسٹر بارو ے کہتا ہے کہ قانون قدرت لاتبدیل اور اٹل ہو اور دعا سے نہ قانون بدل سکتا ہے نہ منسوخ ہو سکتا ہے۔ اس مین کچھ شک نہین ہے کہ یہ ان لوگون کا خیال ہے جن کو خدا تعالےٰ پر ایمان نہین۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کا دعا کو قبول فرمانا۔ اور اس کی تاثیر ہی صرف ایک راہ ہو جس سے اللہ تعالےٰ کی شناخت ہوتی ہے۔ جو لوگ اس ذریعہ سے اسکو نہین پاتے وہ واقعی تاریکی مین پڑے ہوئے ہین۔ وہ نہین جانتے کہ انکا خدا کیسا طاقت ور ہے۔ نہین ان کو تو اس کے وجود کا بھی یقین نہین ہے۔ صرف یہی دروازہ تھا جس دروازہ سے انبیاء نے اللہ تعالےٰ کو پایا ہو۔ مسٹر بارو ے کہتا ہے کہ یسوع کی تعلیم اور اس کا نمونہ انسان کو نجات دیتا ہے لیکن وہ یہ بھول گیا ہے کہ یسوع کی زندگی مین دعا کا کیسا نمونہ ملتا ہے اور کس طرح پر اپنے پیرؤون کو اس نے دعا کی تعلیم دی۔ جبتک اللہ تعالےٰ کو اس کی عظیم الشان طاقتون کے ساتھ جو قبولیت دعا سے ظاہر ہوتی ہین اور اسکے عجیب وسیع علم کے ساتھ جو پیشگوئیون کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے شناخت نہ کیا جاوے تب تک اللہ تعالےٰ پر ایمان کیا ہے ایک تمسخر و مضحکہ ہے۔ مادہ پرست انسان کی آنکھون پر ایک پردہ پڑا رہتا ہے۔ اور جب تک یہ پردہ اس کی آنکھون سے دور نہ ہو وہ اللہ تعالےٰ کو اس کی عظمت و شان و شوکت و جاہ و جلال کے ساتھ نہین دیکھ سکتا۔ لیکن اللہ تعالےٰ کی شناخت کی یہ راہ عیسائیت کے واسطے عرصہ سے بند ہو چکی ہے۔ اسواسطے عیسائی اللہ تعالےٰ کو نہین دیکھ سکتے۔ اسلام مین یہ راہ کھلی ہے۔ اور اسلام مین اس وقت وہ انسان کامل موجود ہے جو اس بات کا ثبوت دے رہا ہے کہ اللہ تعالےٰ دعاؤن کو سنتا ہے اور اپنے پیارے بندون مین سے جسکو چاہتا ہے اس پر اپنے عجیب الہام و وحی بھیجتا ہے۔ اب وقت ہو کہ اس خدا کے بھیجے ہوئے کی آواز پر کان دھرا جاوے کیونکہ صرف یہی راہ ہے جس سے اللہ تعالےٰ کے وجود کا پتہ لگتا ہے۔ اس لئے ہم مسٹر بارو ے کو نصیحت کرتے ہین کہ دعا و پیشگوئیون کے مضمون پر اسے بہت توجہ سے غور کرنا چاہیئے اور صرف چند مہمل الفاظ سے اسکو رد نہ کرنا چاہیئے۔ دعا کے مضمون پر کسی قدر

گذشتہ پرچون مین بھی بحث ہوچکی ہے۔ اور کسی مناسب موقعہ و وقت پر پھر بھی اس پر کچھ لکھا جاوے گا +

مسٹر باروے کی چٹھی کا نہایت ہی عجیب دلچسپ حصہ یسوع کے فرار کے متعلق ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فرض کر لو کہ یہ تمام واقعات ثابت شدہ ہین۔ مان لو کہ زمانہ بھی وہی تھا۔ مان لو کہ یہ شام کا ایک یہودی تھا جو ہندوستان کو آیا۔ مان لو کہ اسکا نام بھی یسوع تھا۔ یہ بھی مان لو کہ اس فرار شدہ کی زندگی اور چال چلن یسوع جیسے ہی تھے۔ لیکن اس پر بھی مسٹر باروے اسے وہ یسوع نہین سمجھتا جس کا حال ٹھیک یا شائد غلط طور پر انجیلون مین درج ہے۔ اور جب ہم ان ثابت شدہ واقعات پر باقی ثابت شدہ واقعات بھی ایزاد کر دین اور مان لین کہ یہ وہی یسوع ہے جس نے باغبان کے لباس مین بھیس بدلا۔ یہ وہی یسوع ہے جسکے زخمونکو حواریون نے دیکھا اور مس کیا۔ یہ وہی یسوع ہے جس کے زخمون پر مرہم عیسے جو مرہم حوارئین کے نام سے بھی مشہور ہے لگائی گئی تھی۔ یہ وہی یسوع (آسف) ہے جو بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑون کی تلاش مین نکلا تھا۔ یہ وہی یسوع ہے جو شاہزادہ نبی کے نام سے مشہور تھا۔ یہ وہی یسوع ہے جسنے بشارت انجیل کی منادی و وعظ کی کیونکہ وہ اپنی کتاب کا نام بشرے رکھتا ہے۔ تو اس کشمیری یسوع (یوز) کے متعلق سارے ثابت شدہ واقعات آ گئے۔ لیکن ہم نہین کہہ سکتے کہ مسٹر باروے کو ان سے بھی تسلی ہوتی ہے کہ نہین کہ "ہمارا جوانمرد یسوع" اور یہ یسوع ایک ہی شخص ہے۔ جو دلائل و وجوہات اس نے دئے ہین اس لئے خیال کیا ہے کہ ان دلائل کو کوئی شہادت خواہ کتنی ہی قابل اعتبار ہو نہین توڑ سکتی پہلے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ یسوع اسقدر بے خوف و خطر تھا کہ وہ دشمنون کے خوف سے کسی دوسرے ملک مین بھاگ کر نہین جا سکتا تھا۔ اور اسی ایک فرضی بات پر تمام وجوہات مخالف کو جھوٹ سمجھ لیا گیا ہے۔ اول تو ہم یہ نہین کہتے کہ صرف یہودیون کے خوف کی وجہ ہی سے یسوع مشرق کیطرف چلا گیا تھا۔ اسکو بجز بی علم تھا۔ کہ یہ اس کا فرض تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے دس گم شدہ فرقون کو انجیل کی منادی کرے۔ اس نے گم شدہ بھیڑونکا بار بار اپنے وعظون مین ذکر کیا تھا۔ اسواسطے اس کا افغانستان اور کشمیر کو جانا ایک پہلے ارادے کا پورا کرنا تھا۔ اسی طرح پر انجیل کے اور مقامات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملک کی طرف جانا چاہتا تھا اس نے یہ

کہا تھا کہ نبی بےعزت نہیں ہوتا۔ مگر اپنے وطن میں۔ اسکا ہندوستان کو آنا صرف شام کے یہودیوں کے خوف کیوجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ ان یہودیوں کی سخت دلی پر مایوسی اور حکم الٰہی کی تعمیل کی وجہ سے تھا ساتھ ہی اس بات سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ بہ تقاضائے بشریت اس نے یہودیوں سے بھی خوف کیا۔ اور اس لئے احتیاط مناسب کو عمل میں لایا۔ صرف ایک ہی موقعہ ایسا نہیں تھا جسپر اس نے ایسا خوف ظاہر کیا۔ بلکہ جب کبھی کسی پرجوش جماعت یا مجمع سے اسے جان کا خطرہ ہوتا تھا تو وہ بھاگ جایا کرتا تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف تو مسٹر ہاروے صاف لفظوں میں اقرار کرتا ہے کہ یسوع بے خطا نہیں تھا معصوم نہیں تھا۔ اور دوسرے نقصوں سے خالی نہیں تھا۔ بلکہ اسکو ایک معمولی انسان (ہاں نیک انسان) سمجھتا ہے۔ لیکن بے خوف اور نڈر ہونے کے معاملہ میں پھر وہ اس کو خدا بنا کر اس کی پرستش کرنا چاہتا ہے۔ کیا ڈرنا انسان کا خاصہ نہیں ہے یہ عجیب تماشہ ہے۔ اگر یسوع کامل الٰعیبوں سے خالی نہ تھا۔ اگر وہ ہر موقعہ پر اخلاقی نقصوں سے بچا ہوا تھا تو یہ کیونکر ناممکن تھا کہ وہ ڈر جائے۔ یہ اپنی طرف سے بے دلیل ایک خطِ امتیاز کا کھینچ دینا ہے۔ علاوہ ازیں انجیلوں سے تو کہیں یہ پتہ نہیں لگتا کہ وہ ایسا بےخوف تھا جیسا مسٹر ہاروے اسکو بناتا ہے اور پھر خود اناجیل کو بھی تو مسٹر ہاروے معتبر نہیں مانتا بلکہ اسکا یہ خیال ہے اور سچا خیال ہے کہ ان میں بہت سارے جھوٹے قصے اور مبالغہ آمیز کہانیاں درج ہیں پھر کیوں ممکن نہیں کہ اگر واقعی اناجیل میں یسوع کو بےخوف ہی ظاہر کیا گیا ہے۔ تو یہ بھی ان کتابوں کے دوسرے مبالغہ آمیز بیانوں کی طرح ایک مبالغہ آمیز بیان ہے کیونکہ یسوع کا ایک انسان ہونا مسلم امر ہے اور ڈرنا انسان کا خاصہ ہے۔ یہ پرلے درجہ کی حماقت ہے کہ اسقدر پر زور اور مضبوط شہادتوں کو اس بیہودہ بہانے پر رد کر دیا جاوے کہ یسوع ایسا بہادر تھا کہ وہ ڈر نہیں سکتا تھا۔

آگے چل کر مسٹر ہاروے کہتا ہے کہ سوال یہ نہیں کہ یسوع کہاں یا کس طرح مرا بلکہ یہ ہے کہ اس کی زندگی کیسی تھی۔ اور اس نے کام کیسے کئے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ یسوع کی زندگی اور اسکے کاموں کی کوئی صحیح تاریخ ہمارے ہاتھ میں نہیں اور مسٹر ہاروے خود ہی ہمیں یقین دلاتا ہے کہ اناجیل میں جھوٹے قصے بھرے ہوئے ہیں اور یہ کتابیں ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ لیکن چونکہ انجیلوں کے سوا اور کوئی غلط یا صحیح تاریخ ہمارے ہاتھ میں ہی نہیں تو بالآخر اناجیل کیطرف ہی رجوع کرنا پڑے گا اور چونکہ مسٹر ہاروے

کے خیال مین ہمین یسوع کے افعال کی پیروی کرنی چاہئے اسلئے ضروری ہوا کہ اس کی طرح ہم بھی جن اور بھوت نکالا کرین - پانی پر چلا کرین - پانی کی شراب بنایا کرین - اور اسی طرح کے سینکڑون اور کام کرین جن کو اب کھلے کھلے طور پر تاریکی کے زمانہ کے بیہودہ خیالات کہا جاتا ہے - اسلئے کم از کم یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ جو کام خصوصیت سے یسوع نے کئے وہ ہم نہین کر سکتے - یا یون کہو کہ وہ ہمین کرنے نہین چاہئے شاید مسٹر ہاروے کہے گا کہ اگرچہ ہمین اسکے سے افعال نہین چاہئے - مگر جو باتین اس نے کہی ہین ان کی پیروی کرنی چاہئے تو پھر ہم سنجیدگی سے اس سے یہ سوال کرتے ہین اور جواب کی امید رکھتے ہین کہ دنیا مین کس قدر ایسے عیسائی ہین اور کیا خود مسٹر ہاروے بھی ان مین سے ایک ہے جنکے جب دائین گال پر تھپڑ لگایا جائے تو وہ دوسرا آگے کر دیتے ہین - اور اگر کوئی ان کو ایک میل ساتھ جانیکے لئے مجبور کرے تو وہ دو میل چلے جاتے ہین - اور ان سے کوئی کوٹ چھین لے تو وہ چغہ بھی ساتھ اتار دیتے ہین - اور اگر انکے ہاتھون سے کوئی گناہ کا ارتکاب ہو تو وہ اپنے ہاتھون کو کاٹ دیتے ہین - اور ان کی آنکھ گناہ کرے تو اسے باہر نکال پھینکتے ہین - ہم یہ نہین کہتے کہ ایسا کوئی بھی آدمی دنیا مین موجود نہین ہوگا لیکن ہم ایسے عیسائیونکی ٹھیک تعداد معلوم کرنا چاہتے ہین اور اتنی بات ساتھ اور بھی معلوم کرنا چاہتے ہین کہ ایسے لوگ کہان رہتے ہین - آیا کسی پاگل خانے مین بند ہین یا باہر کھلے پھرتے ہین +

اصل بات یہ ہے کہ ایک طرف تو عیسائیون نے دیکھ لیا ہے کہ یسوع کے متعلق اناجیل مین بہت ساری فضولیات بھری ہوئی ہین اور دوسری طرف یسوع کی کورانہ عزت ان کے دلون سے محو نہین ہوتی خواہ وہ سوسائٹی کے ڈر سے ہو یا کسی اور وجہ سے جسکا معلوم کرنا ہمارے سے مشکل ہے - اب یسوع کو خدا تو نہین مانا جاتا لیکن ایک ولی کیطرح اس کی ایسی تعظیم کی جاتی ہے جو پرستش کی حد تک پہنچی ہوئی ہے کوئی فقرہ ایسا نہین جو بالخصوصیت یسوع ہی کے منہ سے نکلا ہو اور کوئی کام ایسا نہین جو بالخصوصیت یسوع ہی نے کیا ہو اور جس فقرہ یا کام کو آج عقلمندی کا فقرہ یا کام مانا جاتا ہو - لیکن چونکہ ایک بیہودہ عقیدہ دو ہزار سال سے عیسائی دنیا کے خون مین رچ گیا ہے - اسلئے انکے خیالات پر ابھی تک اس سحر کا دباؤ پڑا ہوا ہے اور باوجودیکہ ان عقائد کو ظاہر الفاظ مین جھوٹے کہا جاتا ہے پھر بھی کسی نہ کسی رنگ مین انکی تائید کیجاتی ہے +

جب یسوع کی بڑائی ثابت کرنیکے تمام دوسرے ذرائع مین ناکامی ہوتی ہے تو پھر یہ کہا جاتا ہے

کہ جس بہادری سے اس نے موت کو قبول کیا وہ دنیا کے لئے ایک نمونہ ہے۔ بفرض محال اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس نے بہادری سے موت کو قبول کیا تو یہ نتیجہ اس سے کیونکر پیدا ہو گیا کہ آدم کے بیٹوں میں ایک بھی ایسا نہیں جو اس سے بڑھ کر ہو۔ ابھی چند مہینے ہوئے ہیں کہ مولوی عبد اللطیف صاحب نے جو افغانستان کے ایک مشہور عالم تھے اور تقوے اور فضیلت میں سارے ملک میں شہرت رکھتے تھے صرف ایمان کی خاطر موت کو بڑی بہادری سے قبول کیا اور پھر ان واقعات کو بھی دیکھنا چاہیئے جنکے ماتحت یسوع مارا گیا۔ مختصر الفاظ میں اسکا قصہ یہ ہے کہ پہلے وہ بڑھئی کا کام کرتا تھا پھر بھوتوں کے نکالنے کا کام شروع کیا اور چند آدمی اسکے گرد جمع ہو گئے کچھ دھوبی اور کچھ مچھوے۔ لیکن با این ہمہ اسکے پاس اتنی جگہ نہ تھی جہاں وہ سر رکھ سکتا۔ نہ اسکا کوئی گھر تھا اور نہ ہی بال بچے اور بیوی تھی جنکا اسے فکر ہوتا یا جنہیں اسکا فکر ہوتا۔ اس بے سروسامانی کی حالت میں ایک مجمع کا اسکے گرد جمع ہو جانا حکام کی نظر میں فتنہ اور فساد کے اندیشہ سے خالی نہ تھا لیکن وہ ایک گمنام آدمی تھا اور اسکا گرفتار کرنا آسان نہ تھا۔ اس مشکل کو اسکے خاص الخاص حواری نے حل کر دیا اور تیس روپے لیکر اپنے آقا کو پکڑوا دیا۔ اور جب پکڑا گیا تو باقی کے حواری اور شاگرد بھی سب کے سب بھاگ گئے اور اسے تنہا چھوڑ گئے اب وہ حکام کے ہاتھ میں محض بیچارہ تھا۔ اور آخر یہودیوں کی شہادت پر قتل کا حکم دیا گیا۔ گرفتار ہونیسے پہلی رات وہ ساری رات دعا اور گریہ وزاری کرتا رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس تمام قصے میں کونسی بات ہے جو خصوصیت سے یسوع کی بہادری اور بیخوفی کو ظاہر کرتی ہے۔ اسکے مقابلہ میں مولوی عبد اللطیف صاحب نے جو مسلمان احمدی شہید ہیں بہت بڑھ کر جوانمردی دکھلائی۔ ان کی بہت بڑی جاگیر افغانستان اور برٹش انڈیا میں تھی۔ انکے شاگرد امیر کے بڑے بڑے عہدہ دار تھے۔ انکا گھر تھا اور بال بچے اور بیوی بھی تھی وہ اپنی پرہیزگاری اور علمیت کیوجہ سے سارے ملک میں شہرت رکھتے تھے اور جو بات سب سے بڑھکر انکی جوانمردی کو دکھلاتی ہے وہ یہ ہے کہ انکو بار بار موقعہ دیا جاتا تھا کہ اگر وہ توبہ کریں تو چھوڑ دئے جاوینگے اور ان کی ساری عزت اور جاگیر انکو واپس دیجاوے گی۔ بلکہ امیر نے خود بار بار ان سے یہ التجا کی کہ وہ مسیح موعود کے متعلق اپنے عقیدے سے توبہ کریں تو عزت اور احترام سے انکو رہا کیا جاوے گا مگر اس جوانمرد نے ایسی بہادری سے جس کی نظیر تلاش کرو تو ملنی مشکل ہو ایمان کو جسکے ساتھ ایک بیدردی کی موت تھی دنیاوی عزت وجاہ پر جسکے ساتھ ہر قسم کا امن اور آسایش تھی ترجیح دی۔ بات یہ ہے کہ یسوع کی بڑائی اسمین

نہین کہ اس نے بہادری سے موت کو قبول کر لیا۔ بلکہ اس بات مین ہے کہ اپنی قوم کی اصلاح کیخاطر
اس نے ایک لمبے اور دور دراز کے سفر کے مصائب اور شدائد بخوشی برداشت کئے اور افغانستان
اور کشمیر تک جا پہونچا۔ وہ یہودی جوان مشرقی ممالک مین آباد ہو گئے تھے۔ ان کو اپنے مغربی ہمقومون
سے جدا ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا تھا کہ اگر حضرت یسوع مین سچا قومی جوش نہ ہوتا اور انکو حکم الہی کی
فرمانبرداری منظور نہ ہوتی تو وہ ان کی طرف خیال بھی نہ کرتے۔ یسوع کی تمام زندگی مین ایک بھی
واقع ایسا نہین جو اسکے برابر نمونہ ٹھہر سکے کیونکہ اس نے ہر طرح کی مصیبت اور تکلیف کو اپنی قوم
کی بہبودی کیخاطر اپنے اوپر گوارا کیا۔ اور یہ دراصل سب انبیاء کا عظیم الشان خاصہ ہے وہ صرف
سچائی کی تعلیم ہی نہین دیتے بلکہ اپنی قوم کی خاطر ہر طرح کے دکھ اور مصیبت کے برداشت کرنیکو تیار
ہوتے ہین۔ اس خصوصیت مین بھی ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم باقی انبیاء پر فضیلت رکھتے تھے
کسی نبی نے اسقدر تکالیف اور مصائب برداشت نہین کئے جسقدر کہ آپنے برداشت کئے اور
نہ ہی کسی نے اسقدر صبر اور استقلال دکھونکے برداشت کرنے مین دکھایا ہے جسقدر کہ آپنے دکھایا
تیرہ برس تک برابر آپ بڑے بڑے ظلمون اور عظیم الشان مصائب کو صبر سے برداشت کرتے
رہے اور اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ اپنے لوگون کو دین حق کیطرف بلاتے تھے۔ ایک دفعہ قریش
نے اکٹھے ہو کر کہا کہ آپ ہمارے بادشاہ بن جائین اور ہمارے خزانون کے مالک ہو جائین لیکن یہ
وعظ چھوڑ دین تو آپنے ایسے استقلال کے ساتھ جس کی نظیر دنیا مین نہین ملتی ان کو یہ جواب دیا کہ
اگر سورج میرے دائین اور چاند میرے بائین رکھ دیا جاوے تو مین اس کام کو نہین چھوڑ سکتا۔
کیا یسوع کی زندگی مین کوئی نمونہ اس قسم کا پیش کیا جا سکتا ہے۔ جب اس طرح سے قریش مایوس
ہو گئے تو پھر انہون نے اپنی تمام کوشش اس مین لگا دی کہ اس نئے مذہب کا ابتدا مین ہی خاتمہ
کر دین۔ اور کوئی دقیقہ دکھ دینے کا نہ چھوڑا۔ لیکن آپنے اور آپ کے ساتھیون نے ہر ایک
دکھ اور تکلیف کو ایسے صبر اور تحمل سے اور ایسے استقلال سے برداشت کیا جس کی نظیر
کسی اور نبی یا اس کے پیروؤن مین تلاش کرنا عبث ہو۔ باوجود ان سب دکھون کے جو
اہل مکہ نے آپ کو پہونچائے۔ جب آپ نے مکہ فتح کیا اور وہی لوگ جنہون نے آپ کو دکھ
پہونچائے تھے سب کے سب آپ کے ایک لفظ سے اور اتفاقاً تہ تیغ ہو جاتے تو اسوقت

آپ نے وہ اولوالعزمی اور عفو کا نمونہ دکھایا جو ساری دنیا کی تاریخ مین ایک انسان مین بھی نہین ملتا۔ یعنے سب کے سب کو بخشدیا۔ یہ وہ انسان کامل ہے جس کی نسبت واقعی طور پر یہ کہہ سکتے ہین کہ آدم کے بیٹون مین سے ایک بھی نہین جو اس سے بڑا ہو۔ وہ مصائب اور تکالیف کے زمانے مین بھی بڑا تھا اور پھر خوشحالی اور فتح کے زمانے مین بھی بڑا تھا۔ یہ دونون باتین اور کس کو نصیب ہوئین۔ پس وہی قابل تقلید نمونہ ہے۔ جسکا ہر ایک فعل پیروی کے قابل ہے۔ اور جس کی پیروی سے انسان فرشتون مین داخل ہو سکتا ہے*

تازہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(جو ۴۔ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء کو ہوا)

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَہُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِہِمْ سَیَغْلِبُوْنَ*

"التماس ضروری"

حضرت اقدس کے اُس تاکیدی ارشاد کے بعد ہمین اس رسالہ کے اجرائی و شیوع کی اصل اغراض و مقاصد ظاہر کرکے اسلام کو جملہ مخالفین کے مہلک حملون کی باد صرصر سے بچانے اور اسکے قالب مردہ مین روح حیات ڈالنے اور اہل اسلام مین دوبارہ روحانیت پیدا کرنے اور عوام الناس کو ضلالت و جہالت کے خطرناک گڑھے مین گرنے اور مخالفین کے دام تزویر سے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا تھا اب اسکے قیام و استحکام کے بارہ مین اعانت اشاعت رسالہ کی تحریک کی غرض سے لمبے چوڑے الفاظ مین کچھ زیادہ قلم فرسائی کرنا ہمارے نزدیک غیر ضروری اور محض تحصیل حاصل ہے کیونکہ امام صادق علیہ السلام نے اپنی جماعت کو اپنے اس ارشاد مین جس قدر تاکید اکید فرمائی ہے اور حد سے بڑھے ہوئے پر زور الفاظ مین اپنے مخلصین کو اسکی خریداری کی جانب ملتفت کرنا چاہا ہے اس سے بڑھکر اور کوئی تاکید نہین ہو سکتی - کیا اپنی جماعت کے مخلص و پُر جوش با ہمت احباب کے لئے حضرت اقدس کی جانب سے یہ کچھ کم تاکیدی الفاظ تھے کہ "مین پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص افراد کو اسطرف توجہ دلاتا ہون کہ وہ اس رسالہ کی اعانت اور مالی امداد مین جہانتک اُن سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاوین جو کوئی میری موجودگی اور میری زندگی مین میری منشاء کے مطابق میری اغراض مین مدد دیگا مین امید رکھتا ہون کہ وہ قیامت مین بھی میرے ساتھ ہوگا" حضرت اقدس نے صرف انہی الفاظ پر ہی اکتفا نہین کی بلکہ اس رسالہ کی خریداری و مالی اعانت کے واسطے مکرر الفاظ ذیل مین تاکید فرمائی ہے کہ "تمہین معلوم نہین کہ اس وقت رحمت الٰہی اس دین کی تائید مین جوش مین ہے واقعی وہی شخص اس جماعت مین داخل سمجھا جاویگا کہ اپنے عزیز مال کو اس راہ مین خرچ کریگا مین بار بار کہتا ہون کہ اس خدمت مین جان توڑ کوشش کرو"

تو اس ارشاد حضرت اقدس مین سے چند کلمات بغرض آگاہی مخلص احباب کے نقل کئے جاتے ہین ورنہ ویسے تو اس ارشاد کا ہر ایک لفظ تاکید سے ہم دوش ہے اپنی جماعت کو اس رسالہ کی اعانت کے لئے سخت تاکید فرماتے ہوئے اُس ارشاد کی آخری سطور مین ظاہر فرمایا ہے کہ اگر بیعت کرنیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہکر اس بارہ مین کوشش کرین تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہین ہے بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے" اگرچہ حضرت اقدس کو اُس تاکیدی ارشاد کے نکلنے پر ابتدائی تازہ جوش مین اپنی جماعت کے [illegible]

اور اشاعت مین حتی الوسع بہت سعی فرمائی - اور اپنے اخلاص مندی ہمت کا ایک قابل تقلید نمونہ دکھلایا اور اسی کوشش کا ثمرہ ہے - کہ تعداد خریداری ۹ سو سے اٹھارہ سو یعنی دو چند تک پہونچگئی ہے - مگر ایام حال مین اپنے مخلص احباب کی اس اگلی پوری سبیل اللہ کی رفتار مین کسیقدر بہ نسبت اوایل کے نرمی سی دکھائی دی ہے حالانکہ ابھی رسالہ کی خریداری کو اس تعداد تک پہونچنے مین بہت کمی ہے جس تعداد تک پہنچانیکا امام صادق علیہ السلام نے اپنے ارشاد مبارک مین ارادہ ظاہر فرمایا ہے اس چھاپنے کا بجز اسکے کوئی اور باعث نہین کہ تا حال اپنی جماعت کے جملہ افراد کے کانون تک اس ارشاد حضرت اقدس کے پر زور تاکیدی الفاظ کی آواز نہین پہنچی ورنہ کہان اس پاک جماعت کے مخلص احباب کے پر جوش دل اور اپنے پیارے امام کے ارشاد پر قربان ہونیوالی روحین - اور کہان ایسے تاکیدی حکم کی تعمیل مین اسقدر کم التفاتی اس دو لاکھ سے بھی زیادہ احمدیہ جماعت کے احباب سے اگر پانچ فیصدی بھی ایسے مخلص نکل آوین جو کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنین تاہم تعداد خریداری دس ہزار سے بڑھ جاتی ہے +

حضرت اقدس کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل اور اس رسالہ کے مفاد اس امر کے مقتضی ہین کہ احمدیہ جماعت کا کوئی فرد خواہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اس رسالہ کی خریداری سے محروم نہ رہے - تمام ممالک غیر امریکہ و یورپ وغیرہ مین اس رسالہ کے مضامین نے ایک تہلکہ سا مچا دیا ہے جس سے مخالفون کے دلون مین بھی تلاش حق کی تحریکین پیدا ہوگئی ہین حال ہی مین اسٹریلیا سے ایک یوروپین کی چٹھی آئی ہے جس مین وہ اس رسالہ کے مضامین کی دلچسپی کو ایک عاشقانہ پیرایہ مین ظاہر کرکے کہتا ہے کہ اسکے پر حقایق دلچسپ مضامین متلاشی حق کیلئے صداقت کی ایک کھلی راہ ہے امید ہے کہ اسکی مقناطیسی اثر سے اور بھی بہت لوگ ضرور متاثر ہونگے کیون نہ ہو پیارے امام صادق کی تحریرات سے سعید فطرت و سعادت کیش روحین کبھی بھی بے اثر نہین رہ سکتین چہ جائیکہ اپنی جماعت کے مخلص احباب کے دلون مین احکام کی بجا آوری کا خیال و تحریک پیدا نہ ہو بشبہات پیدا کرنے مین جو کام ہوتا ہے اور جن اغراض کیلئے اسکا امور آیا ہے وہ سب ہو کر ہی رہینگے - یہ تو صرف ہمارے واسطے تو منفعت حاصل کرنیکا ایک موقعہ حسنہ ہے - مادرمن قال سے بہشت این اجر نصرت را دہندت اے اخی ورنہ قضائے آسمان است این بہر حالت شود حسنات دارین حاصل کرنے کا عین وقت ہے - اللہ تعالی ہمارے احباب کو اس کار خیر مین ہاتھ بٹانے کی توفیق بخشے تا کہ اپنے امام پاک کے احکام پر عمل کرکے سابق بالخیرات بنین - آمین - ثم آمین - والسلام —

مشتہر

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم فضل دین ... چھپا

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ✢ لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ — بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۰۴ء — نمبر ۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور ۲۰ فروری سنہ ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا

چندہ سالانہ اُردو پرچہ........ عہ

"ضروری عرض داشت"

"قابل توجہ جمیع مخلص و ذی ہمت احباب"

حضرت اقدس کے تاکیدی ارشاد کے پُرزور دل کو کپکپا دینے والے الفاظ جماعت احمدیہ کے اکثر حصہ احباب کے کانوں تک عرصہ سے پہنچ چکے ہین اور بدین خیال کہ پاک جماعت احمدیہ کا کوئی فرد بوجہ عدم اعلام اپنے پیارے امام صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کی بجا آوری سے قاصر رہکر ثواب دارین سے محروم نہ رہے۔ ہم نے پچھلے پرچہ ماہ جنوری ۱۹۱۰ء مین حضرت اقدس کے ان تاکیدی برکت مجسم الفاظ کا اعادہ کرکے اپنے جملہ برادران کو توجہ دلائی تھی کہ حتی الوسع سعی کما ینبغی کرکے پیارے امام عم کی اس ندا کو جملہ افراد جماعت احمدیہ کے کانون تک پہونچایا جاوے۔ جس سے جملہ بھائیونکو اپنے امام مطاع عم کی بجا آوری کا موقعہ ملے جو ان کے لئے باعث حصول حسنات دارین ہو۔

سو شکر ہے کہ حسب مخوائے "الاعمال بالنیات" ہماری یہ کوشش بے اثر و خالی از منفعت نہین گئی اور چونکہ محض نیک نیتی سے بغرض ثواب یہ آواز اپنے بھائیون کے کانون تک پہونچانیکا ارادہ کیا گیا تھا۔ اسواسطے اُسی محرک القلوب حقیقی کی تحریک سے امام صادق عم کے فرمان پر سر جھکا دینے والی پاک روحین اس ارشاد کی تعمیل کیطرف ملتفت ہونے لگی ہین۔ اور درخواستہائے خریداری کا آنا شروع ہوگیا ہے مگر ابھی اس رفتار مین وہ سُرعت پیدا نہین ہوئی جو تعداد خریداری کو حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد تک پہونچانیکے لئے مکتفی ہو اسواسطے اسکو سریع الرفتار کرنیکے لئے اپنی جماعت کے مخلص پُرجوش و باہمت احباب کی بہت زیادہ توجہ درکار ہے۔ اور امید واثق ہے کہ ایسے احباب اس کار خیر دینی مین جو مفاد دارین کا ایک سرچشمہ ہے خاص حصہ لیکر مامور و مرسل من اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت دینگے اور حسب استطاعت خود خریدار بنکر یا اور خریدار پیدا کرکے یا حسب توفیق اعانت اشاعت رسالہ مین ہاتھ بٹاکر ثواب عقبیٰ حاصل کرینگے۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین والسلام

مینیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

نماز کی حقیقت اور برکات

(از حضرت مسیح موعود)

دُعا کے متعلق یہ عموماً اعتراض کیا جاتا ہے کہ دعا اور تدبیر دو ایک دوسرے کے مخالف طریق ہین اور اس لئے چونکہ ہمارے کاروبار تدابیر سے چل رہے ہین دعا کی کوئی حاجت نہین اور اس اعتراض کے کرنیوالے نہ صرف وہی لوگ ہین جو اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر ہین بلکہ بعض ایسے لوگ بھی ہین جو مسلمان کہلاتے ہین سو ایسے صاحبون کو واضح ہو کہ قانون قدرت اور صحیفہ فطرت پر نظر ڈالنے سے ان تمام اوہام کا بڑی صفائی سے جواب ملتا ہے۔ خدا کا قانون قدرت جو ہماری نظر کے سامنے ہے ہمین بتلا رہا ہے کہ سلسلہ تدابیر اور معالجات کا طلب اور استدعا سے وابستہ ہے یعنے جب ہم فکر کے ذریعہ سے یا کسی اور طریق جستجو کے ذریعہ سے کسی تدبیر اور علاج کو طلب کرتے ہین۔ یا اگر ہم طلب کرنے مین احسن طریق کا ملکہ نہ رکھتے ہون یا اگر اس مین کامل نہ ہون تو مثلاً اس غور اور فکر کے لیئے کسی ڈاکٹر کو منتخب کرتے ہین اور وہ ہمارے لئے اپنی فکر اور غور کے وسیلہ سے کوئی احسن طریق ہماری شفا کا سوچتا ہے تب اُسکو قانون قدرت کی حد کے اندر کوئی طریق سوجھ جاتا ہے جو کسی درجہ تک ہمارے لئے مفید ہوتا ہے سو وہ طریق جو ذہن مین آتا ہے وہ درحقیقت اس خوض اور غور اور فکر اور توجہ کا نتیجہ ہوتا ہے جسکو ہم دوسرے لفظون مین دعا کہہ سکتے ہین کیونکہ فکر اور غور کے وقت جبکہ ہم ایک مخفی امر کی تلاش مین نہایت عمیق دریا مین اتر کر ہاتھ پیر مارتے ہین تو ہم ایسی حالت مین بزبان حال اس اعلےٰ طاقت سے فیض طلب کرتے ہین جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہین غرض جبکہ ہماری روح ایک چیز کے طلب کرنے مین بڑی سرگرمی اور سوز و گداز کے ساتھ مبدء فیض کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور اپنے تئین عاجز پاکر فکر کے ذریعہ سے کسی اور جگہ سے روشنی

ڈھونڈتی ہے تو درحقیقت ہماری وہ حالت بھی دعا کی ایک حالت ہوتی ہے۔اسی دعا کے ذریعہ سے دنیا کی کل حکمتین ظاہر ہوئی ہین۔اور ہر ایک بیت العلم کی کنجی دعا ہی ہے اور کوئی علم اور معرفت کا دقیقہ نہین جو بغیر اسکے ظہور مین آیا ہو۔ہمارا سوچنا ہمارا فکر کرنا اور ہمارا طلب امر مخفی کے لئے خیال کو دوڑانا یہ سب امور دعا ہی مین داخل ہین صرف فرق یہ ہے کہ عارفون کی دعا آداب معرفت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اور ان کی روح مبدء فیض کو شناخت کر کے بصیرت کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور محجوبون کی دعا صرف ایک سرگردانی ہے جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ مین ظاہر ہوتی ہے۔وہ لوگ جن کو خدا تعالے سے ربط معرفت نہین اور نہ اُسپر یقین ہے وہ بھی فکر اور غور کے وسیلہ سے یہی چاہتے ہین کہ غیب سے کوئی کامیابی کی بات ان کے دل مین پڑ جائے اور ایک عارف دعا کرنے والا بھی اپنے خدا سے یہی چاہتا ہے کہ کامیابی کی راہ اس پر کھلے۔ لیکن محجوب جو خدا تعالے سے ربط نہین رکھتا وہ مبدء فیض کو نہین جانتا اور عارف کیطرح اس کی طبیعت بھی سرگردانی کے وقت ایک اور جگہ سے مدد چاہتی ہے اور اسی مدد کے پانے کے لئے وہ فکر کرتا ہے۔مگر عارف اس مبدء کو دیکھتا ہے اور یہ تاریکی مین چلتا ہے اور نہین جانتا کہ جو کچھ فکر اور خوض کے بعد بھی دل مین پڑتا ہے وہ بھی خدا تعالی کی طرف سے ہوتا ہے۔اور خدا تعالے متفکر کے فکر کو بطور دعا قرار دیکر بطور قبول دعا اس علم کو فکر کرنے والے کے دلمین ڈالتا ہے۔غرض جو حکمت اور معرفت کا نکتہ فکر کے ذریعہ سے دلمین پڑتا ہے وہ بھی خدا سے ہی آتا ہے اور فکر کرنیوالا اگرچہ نہ سمجھے مگر خدا تعالے جانتا ہے کہ وہ مجھ سے ہی مانگ رہا ہے سو آخر وہ خدا سے اس مطلب کو پاتا ہے اور جیسا کہ مین نے ابھی بیان کیا ہے یہ طریق طلب روشنی اگر علی وجہ البصیرۃ اور ہادی حقیقی کی شناخت کے ساتھ ہو تو یہ عارفانہ دعا ہے اور اگر صرف فکر اور خوض کے ذریعہ سے یہ روشنی لامعلوم مبدء سے طلب کیجائے اور منور حقیقی کی ذات پر کامل نظر نہ ہو تو وہ محجوبانہ دعا ہے۔

اب اس تحقیق سے تو یہی ثابت ہوا کہ تدبیر کے پیدا ہونے سے پہلا مرتبہ دعا کا ہے جسکو قانون قدرت نے ہر ایک بشر کے لئے ایک امر لابدی اور ضروری ٹھہرا رکھا ہے اور ہر ایک طالب مقصود کو طبعاً اس پل پر سے گذرنا پڑتا ہے۔پھر جائے شرم ہے کہ کوئی ایسا خیال کرے کہ دعا اور تدبیر مین کوئی تناقض ہے۔ دعا کرنے سے کیا مطلب ہوتا ہے یہی تو ہوتا ہے کہ وہ عالم الغیب جسکو دقیق در دقیق تدبیرین معلوم ہین کوئی احسن تدبیر دلمین ڈالے یا بوجہ خالقیت اور قدرت اپنی طرف سے پیدا کرے پھر دعا اور تدابیر مین تناقض کیونکر ہوا؟ علاوہ اسکے جیسا کہ تدبیر اور دعا کا باہمی رشتہ قانون قدرت کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے ایسا ہی

صحیفہ فطرت کی گواہی سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ انسانی طبایع کسی مصیبت کے وقت جس طرح تدبیر اور علاج کیطرف مشغول ہوتی ہین ایسا ہی طبعی جوش سے دُعا اور صدقہ اور خیرات کیطرف جھکجاتی ہین۔ اگر دُنیا کی تمام قومون پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتک کسی قوم کا کانشنس اس متفق علیہا مسئلہ کے برخلاف ثابت نہین ہوا پس یہی ایک روحانی دلیل اس بات پر ہے کہ انسان کی شریعت باطنی نے بھی قدیم سے تمام قومون کو یہی فتوے دیا ہے کہ وہ دُعا کو اسباب اور تدابیر سے الگ نہ کرین بلکہ دعا کے ذریعہ سے تدابیر کو تلاش کرین۔

غرض دُعا اور تدبیر انسانی طبیعت کے دو طبعی تقاضے ہین کہ جو قدیم سے اور جب سے کہ انسان پیدا ہوا ہے دو حقیقی بھائیون کی طرح انسانی فطرت کے خادم چلے آئے ہین اور تدبیر دعا کے لئے بطور نتیجہ ضروریہ کے اور دعا تدبیر کے لئے بطور محرک اور جاذب کے ہے اور انسان کی سعادت اسی مین ہے کہ وہ تدبیر کرنے سے پہلے دعا کے ساتھ مبدء فیض سے مدد طلب کرے تا اُس چشمۂ لازوال سے روشنی پا کر عمدہ تدبیرین میسر آسکین۔

پھر جبکہ قانون قدرت ہی بتلا رہا ہے کہ علم طب ظنی ہے اور تمام تدابیر اور معالجات بھی ظنی تو اس صورت مین کس قدر بدنصیبی ہے کہ ایسے ظنیات پر بھروسہ کرکے مبدء فیض اور رحمت سے بذریعہ دعا طلب فضل نہ کیا جائے۔ دعا سے ہم کیا چاہتے ہین یہی تو چاہتے ہین کہ وہ عالم الغیب جسکو اصل حقیقت مرض کی بھی معلوم ہے اور دوا بھی معلوم ہے وہ ہماری دستگیری فرماوے اور چاہے تو وہ دوائین ہمارے لئے میسر کرے جو نافع ہون اور یا اپنے فضل اور کرم سے وہ دن ہی ہمکو نہ دکھلاوے کہ ہمین دواؤن اور طبیبون کی حاجت پڑے کیا اس مین شک ہے کہ ایک اعلےٰ ذات تمام طاقتون والی موجود ہے جسکے ارادہ اور حکم سے ہم جیتے اور مرتے ہین اور جس طرف اسکا ارادہ جھکتا ہے تمام نظام زمین اور آسمان کا اسی طرف جھک جاتا ہے۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ کسی ملک کی حالت صحت کسی وقت عمدہ ہو تو ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن سے پانی اس ملک کا ہر ایک عفونت سے محفوظ رہے اور ہوا مین کوئی تغیر غیر طبعی پیدا نہ ہو اور غذا صالحہ میسر آوے اور دوسرے تمام مخفی اسباب کیا ارضی اور کیا سماوی جو مضر صحت ہین ظہور اور بروز نہ کرین اور اگر وہ کسی ملک کیلئے وبا اور موت کو چاہتا ہے تو وبا کے پیدا کرنیوالے اسباب پیدا کر دیتا ہے کیونکہ ملکوت السموات والارض اسی کے ہاتھ مین ہے اور ہر ایک ذرّہ دوا اور غذا اور اجرام اور اجسام کا اُس کی آواز سنتا ہے یہ نہین کہ وہ دنیا کو پیدا کرکے معطل اور بے اختیار کی طرح الگ ہوکر بیٹھ گیا ہے بلکہ اب بھی وہ دنیا کا خالق ایسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا چند سال مین ہمارے جسم کے پہلے اجزا تحلیل پا جاتے ہین اور دوسرے اجزا ان کی جگہ آجاتے ہین سو یہ سلسلہ خلق اور آفرینش ہے۔

جو برابر جاری رہتا ہے ایک عالم فنا پذیر ہوتا ہے اور دوسرا عالم اس کی جگہ پکڑتا ہے۔ ایسا ہی ہمارا خدا قیوم العالم بھی ہے جسکے سہارے سے ہر ایک چیز کی بقا ہے یہ نہیں کہ اس نے کسی روح اور جسم کو پیدا نہیں کیا یا پیدا کر کے الگ ہو گیا بلکہ وہ فی الواقع ہر ایک جان کی جان ہے اور ہر ایک موجود محض اس سے فیض پا کر قائم رہ سکتا ہے اور فیض پا کر ابدی زندگی حاصل کرتا ہے جیسا کہ ہم بغیر اُسکے جی نہیں سکتے ایسا ہی بغیر اُسکے ہمارا وجود بھی پیدا نہیں ہوا پس جبکہ وہ ایسا خدا ہے کہ ہماری حیات اور زندگی اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کے حکم سے ہمارے وجود کے ذرات ملتے اور علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں تو پھر اسکے مقابل پر یہ کہنا کہ بغیر اس کی امداد اور فضل کے ہم محض اپنی تدبیروں پر بھروسہ کر کے جی سکتے ہیں کس قدر فاش غلطی ہے نہیں بلکہ ہماری تدبیریں بھی اسی کی طرف سے آتی ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں بھی روشنی پیدا ہوتی ہے جب وہ بخشتا ہے۔ پانی اور ہوا پر بھی ہمارا تصرف نہیں۔ بہتسے اسباب ہیں جو ہمارے اختیار سے باہر اور صرف قبضہ قدرت خدا تعالیٰ میں ہیں جو ہماری صحت یا عدم صحت پر بڑا اثر ڈالنے والے ہیں جیسا کہ اللہ جلشانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ **وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون**۔ یعنے ہواؤں اور بادلوں کو پھیرنا یہ خدا تعالےٰ کا ہی کام ہے اور اس میں عقلمندوں کو خدا تعالیٰ کی ہستی اور اسکے اختیار کامل کا پتہ لگتا ہے۔ اور یہ پھیرنا دو قسم پر ہے ایک ظاہری طور پر اور وہ یہ ہے کہ ہواؤں اور بادلوں کو ایک جہت سے دوسری جہت کیطرف اور ایک مقام سے دوسرے مقام کیطرف پھیرا جائے، دوسری قسم پھیرنے کی باطنی طور پر ہے اور وہ یہ کہ ہواؤں اور بادلوں میں ایک کیفیت تریاقی یا سمی پیدا کر دیجائے تا موجب امن و آسایش خلق ہوں یا امراض وبائیہ کا موجب ٹھہریں سو ان دونوں قسموں کے پھیرنے میں انسان کا دخل نہیں اور بکلی انسانی طاقت سے باہر ہیں اور با این ہمہ ایک یہ مشکل بھی پیش ہے کہ ہماری صحت یا عدم صحت کا مدار صرف ان ہی دو چیزوں پر نہیں بلکہ ہزار در ہزار اسباب ارضی و سماوی اور بھی ہیں جو دقیق در دقیق اور انسان کی فکر اور نظر سے مخفی ہیں اور کوئی نہیں سکتا کہ یہ تمام اسباب اس کی جدوجہد سے پیدا ہو سکتی ہیں پس اس میں کیا شک ہے کہ انسان کو اس خدا کیطرف رجوع کرنے کی حاجت ہے جسکے ہاتھ میں یہ تمام اسباب اور اسباب در اسباب ہیں اور جس طرح خدا تعالیٰ کی کتابوں میں نیک انسان اور بد انسان میں فرق کیا گیا ہے اور انکے جدا جدا مقام ٹھہرائے ہیں اسی طرح خدا تعالےٰ کے قانون قدرت میں ان دو انسانوں میں بھی فرق ہے جن میں سے ایک خدا تعالےٰ کو چشمہ فیض سمجھکر بذریعہ حالی اور قالی دعاؤں کے اُس سے قوت اور امداد

مانگتا اور دوسرا صرف اپنی تدبیر اور قوت پر بھروسہ کر کے دعا کو قابل مضحکہ سمجھتا ہے بلکہ خدا تعالےٰ سے بے نیاز اور متکبرانہ حالت مین رہتا ہے جو شخص مشکل اور مصیبت کیوقت خدا سے دعا کرتا اور اس سے حل مشکلات چاہتا ہے۔ وہ بشرطیکہ دعا کو کمال تک پہنچا وے۔ خدا تعالےٰ سے اطمینان اور حقیقی خوشحالی پاتا ہے اور اگر بالفرض وہ مطلب اسکو نہ ملے تب بھی کسی اور قسم کی تسلی اور سکینت خدا تعالےٰ کیطرف سے اسکو عنایت ہوتی ہے اور وہ ہرگز ہرگز نامراد نہین رہتا اور علاوہ کامیابی کے ایمانی قوت اس کی ترقی پکڑتی ہے اور یقین بڑھتا ہے لیکن جو شخص دعا کے ساتھ خدا تعالےٰ کیطرف منہ نہین کرتا وہ ہمیشہ اندھا رہتا اور اندھا مرتا ہے اور ہماری اس تقریر مین ان نادانون کا جواب کافی طور پر ہے جو اپنی نظر خطا کار کی وجہ سے یہ اعتراض کر بیٹھتے ہین کہ بہتیرے ایسے آدمی نظر آتے ہین کہ باوجودیکہ وہ اپنے حال اور قال سے دعا مین فنا ہوتے ہین پھر بھی اپنے مقاصد مین نامراد رہتے اور نامراد مرتے ہین اور بمقابل انکے ایک اور شخص ہوتا ہے کہ نہ دعا کا قائل نہ خدا کا قائل وہ ان پر فتح پاتا ہے اور بڑی بڑی کامیابیان اس کو حاصل ہوتی ہین سو جیسا کہ ابھی ہم نے اشارہ کیا ہے اصل مطلب دعا سے اطمینان اور تسلی اور حقیقی خوشحالی کا پانا ہے اور یہ ہرگز صحیح نہین کہ ہماری حقیقی خوشحالی صرف اسی امر مین میسر آسکتی ہے جسکو ہم بذریعہ دعا چاہتے ہین بلکہ وہ خدا جو جانتا ہے کہ ہماری حقیقی خوشحالی کس امر مین ہے وہ کامل دعا کے بعد ہمین عنایت کر دیتا ہے جو شخص روح کی سچائی سے دُعا کرتا ہے وہ ممکن نہین کہ حقیقی طور پر نامراد رہ سکے بلکہ وہ خوشحالی جو نہ صرف دولت سے مل سکتی ہے اور نہ حکومت سے اور نہ صحت سے بلکہ خدا کے ہاتھ مین ہے جس پیرایہ مین چاہے وہ عنایت کر سکتا ہے ہان وہ کامل دعاؤن سے عنایت کیجاتی ہے اگر خدا تعالےٰ چاہتا ہے تو ایک مخلص صادق کو عین مصیبت کیوقت مین دعا کے بعد وہ لذت حاصل ہو جاتی ہے جو ایک شہنشاہ کو تخت شاہی پر حاصل نہین ہو سکتی سو اسی کا نام حقیقی مرادیابی ہے جو آخر دعا کرنیوالونکو ملتی ہے اور اُن کی آفات کا خاتمہ بڑی خوشحالی کے ساتھ ہوتا ہے لیکن اگر اطمینان اور سچی خوشحالی حاصل نہین ہوئی تو ہماری کامیابی بھی ہمارے لئے ایک دُکھ ہے سو یہ اطمینان اور روح کی سچی خوشحالی تدابیر سے ہرگز نہین بلکہ محض دعا سے ملتی ہے۔ مگر جو لوگ خاتمہ پر نظر نہین رکھتے وہ ایک ظاہری مرادیابی یا نامرادی کو دیکھکر مدار فیصلہ اسی کو ٹھہرا دیتے ہین اور اصل بات یہ ہے کہ خاتمہ بالخیر ان ہی کا ہوتا ہے جو خدا سے ڈرتے اور دعا مین مشغول ہوتے ہین اور وہی بذریعہ حقیقی اور مبارک خوشحالی کے سچی مرادیابی کی دولت عظمےٰ پاتے ہین +

یہ بڑی بے انصافی اور سخت تاریکی کے نیچے دبا ہوا خیال ہے کہ اس فیض سے انکار کیا جائے جو محض

دعا کی نالی کے ذریعہ سے آتا ہی اور ان پاک نبیوں کی تعلیم کو بنظر استخفاف دیکھا جائے جسکا عملی طور پر نمونہ ان ہی کے زمانہ مین کھل گیا ہی۔ کیا یہ سچ نہین ہی کہ ان مقدسوں کی بددعا سے ہمیشہ وہ سرکش اور نافرمان ذلیل اور ہلاک ہوتے رہے ہین جنہون نے ان کا مقابلہ کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کا اثر دیکھو جسکے جوش سے پہاڑ بھی پانی کے نیچے آگئے تھے اور کروڑہا انسان ایکدم مین دار الفنا مین پہنچگئے پھر حضرت موسٰے علیہ السلام کی بددعا پر غور کرو جس نے فرعون کو اسکے تمام لشکروں کے ساتھ ہلاک کیا۔ پھر حضرت عیسے علیہ السلام کی قوت اور اثر کو سوچو جسکے ذریعہ سے یہودیون کا استیصال رومی سلطنت کے ہاتھ سے ہوا۔ پھر ہمارے سید و مولٰی کی بددعا مین ذرہ فکر کرو کہ کیونکر اس بددعا کے بعد شریر ظالمون کا انجام ہوا*

اب کیا یہ تسلی بخش ثبوت نہین ہی کہ قدیم سے خدا تعالٰے کا ایک روحانی قانون قدرت ہے کہ دعا پر حضرت احدیت کی توجہ جوش مارتی ہی اور سکنیت اور اطمینان اور حقیقی خوشحالی ملتی ہی۔ اگر ہم ایک مقصد کی طلب مین غلطی پر نہ ہون تو وہی مقصد ملجاتا ہی اور اگر ہم اس خطاکار بچہ کی طرح جو اپنی مان سے سانپ یا آگ کا ٹکڑہ مانگتا ہی اپنی دعا اور سوال مین غلطی پر ہون تو خدا تعالٰے وہ چیز جو ہمارے لئے بہتر ہو عطا کرتا ہے اور با این ہمہ دونون صورتون مین ہمارے ایمان کو بھی ترقی دیتا ہے کیونکہ ہم دعا کے ذریعہ سے پیش از وقت خدا تعالٰے سے علم پاتے ہین اور ایسا یقین بڑھتا ہے کہ گویا ہم اپنے خدا کو دیکھ لیتے ہین اور دعا اور استجابت مین ایک رشتہ ہی کہ ابتدا سے اور جب سے کہ انسان پیدا ہوا برابر چلا آتا ہے۔ جب خدا تعالٰے کا ارادہ کسی بات کے کرنیکے لئے توجہ فرماتا ہی تو سنت اللہ یہ ہے کہ اسکا کوئی مخلص بندہ اضطرار اور کرب اور قلق کے ساتھ دعا کرنے مین مشغول ہوجاتا ہی اور اپنی تمام ہمت اور تمام توجہ اُس امر کے ہوجانیکے لئے مصروف کرتا ہے تب اس مرد فانی کی دعائین فیوض الہی کو آسمان سے کھینچتی ہین اور خدا تعالٰے ایسے نئے اسباب پیدا کردیتا ہے جنسے کام بنجائے۔ یہ دعا اگرچہ بعالم ظاہر انسان کے ہاتھ سے ہوتی ہے مگر درحقیقت وہ انسان خدا مین فانی ہوتا ہے اور دعا کرنیکے وقت مین حضرت احدیت و جلال مین ایسے فنا کے قدم سے آتا ہے کہ اسوقت وہ ہاتھ اسکا ہاتھ نہین بلکہ خدا تعالٰے کا ہاتھ ہوتا ہی یہی دعا ہی جس سے خدا پہچانا جاتا ہے اور اس ذوالجلال کی ہستی کا پتہ لگتا ہی جو ہزارون پردون مین مخفی ہے۔ دعا کرنیوالونکے لئے آسمان زمین سے نزدیک آجاتا ہے اور دعا قبول ہوکر مشکل کشائی کے لئے نئے اسباب پیدا کئے جاتے ہین اور اُن کا علم پیش از وقت دیا جاتا ہے اور کم سے کم کیمیخ آہنی کی طرح قبولیت دعا کا یقین غیب سے دلمین بیٹھ جاتا ہے۔ سچ یہی ہی کہ یہ دعا نہ ہوتی تو کوئی انسان خداشناسی کے بارے مین حق الیقین تک نہ پہونچ سکتا۔ دعا سے الہام ملتا ہی۔ دعا سے ہم خدا تعالے

کے ساتھ کلام کرتے ہین۔ جب انسان اخلاص اور توحید اور محبت اور صدق اور صفا کے قدم سے دعا کرتا کرتا فنا
کیحالت تک پہنچ جاتا ہو تب وہ زندہ خدا اُسپر ظاہر ہوتا ہے جو لوگونسے پوشیدہ ہے۔ دعا کی ضرورت نہ صرف اسوجہ سے
ہے کہ ہم اپنے دینوی مطالب کو پا دین بلکہ کوئی انسان بغیر ان قدرتی نشانونکے ظاہر ہونیکے جو دعا کے بعد ظاہر
ہوتے ہین اس سچے ذوالجلال خدا کو پا ہی نہین سکتا جس سے بہتسے دل دور پڑے ہوئے ہین۔ نادان خیال
کرتا ہو کہ دعا ایک لغو اور بیہودہ امر ہے مگر اسے معلوم نہین کہ صرف ایک دعا ہی ہو جس سے خداوند ذوالجلال
ڈھونڈنے والونپر تجلی کرتا اور **انا القادر** کا الہام اُنکے دلونپر ڈالتا ہے۔ ہر ایک یقین کا بھوکا اور پیاسا یاد رکھے
کہ اس زندگی مین روحانی روشنی کے طالب کیلئے صرف دعا ہی ایک ذریعہ ہے جو خدا تعالی کی ہستی پر یقین بخشتا
اور تمام شکوک و شبہات کو دور کر دیتا ہے۔ کیونکہ جو مقاصد بغیر دعا کے کسی کو حاصل ہون وہ نہین جانتا کہ کیونکر
اور کہان سے اسکو حاصل ہوئے بلکہ صرف تدبیرون پر زور مارنیوالا اور دعا سے غافل رہنے والا یہ خیال
نہین کرسکتا کہ یقیناً و حقاً خدا تعالے کے ہاتھ نے اسکے مقاصد کو اسکے دامن مین ڈالا ہے یہی وجہ ہے کہ جو شخص
دعا کے ذریعہ سے خدا تعالے سے الہام پاکر کسی کامیابی کی بشارت دیا جاتا ہے وہ اس کام کے ہوجانے
پر خدا تعالے کی شناخت اور معرفت اور محبت مین آگے قدم بڑھاتا ہے اور اس قبولیت دعا کو اپنے حق مین
ایک عظیم الشان نشان دیکھتا ہے اور اسی طرح وقتاً فوقتاً یقین سے پر ہوکر جذبات نفسانی اور ہر ایک قسم
کے گناہ سے ایسا مجتنب ہوجاتا ہے کہ گویا صرف ایک روح رہ جاتا ہے لیکن جو شخص دعا کے ذریعہ سے خدا تعالی
کے رحمت آمیز نشانون کو نہین دیکھتا وہ باوجود تمام عمر کی کامیابیون اور بیشمار دولت اور مال اور اسباب تنعم کے
دولت حق الیقین سے بے بہرہ ہوتا ہے اور وہ کامیابیان اسکے دلپر کوئی نیک اثر نہین ڈالتین بلکہ جیسے جیسے
دولت اور اقبال پاتا ہے غرور اور تکبر مین بڑھتا جاتا ہے خدا تعالے پر اگر اسکو کچھ ایمان بھی ہو تو ایسا مردہ ایمان
ہوتا ہے جو اسکو نفسانی جذبات سے روک نہین سکتا۔ اور حقیقی پاکیزگی بخش نہین سکتا +

یہ بات یاد رہے کہ اگرچہ قضا و قدر مین سب کچھ مقرر ہوچکا ہو مگر قضا و قدر نے علوم کو ضائع نہین کیا سو
جیسا کہ باوجود تسلیم مسئلہ قضا و قدر کے ہر ایک کو علمی تجارب کے ذریعہ سے ماننا پڑتا ہے کہ بیشک دواؤن مین
خواص پوشیدہ ہین اور اگر مرض کے مناسب حال کوئی دوا استعمال ہو تو خدا تعالے کے فضل و کرم سے بیشک
مریض کو فائدہ ہوتا ہے سو ایسا ہی علمی تجارب کے ذریعہ سے ہر ایک عارف کو ماننا پڑا ہے کہ دعا کا قبولیت کے ساتھ
ایک رشتہ ہے۔ ہم اس راز کو معقولی طور پر دوسرونکے دلونمین بٹھا سکین یا نہ بٹھا سکین مگر کروڑہا راستبازونکے

تجارب نے اور خود ہمارے تجربہ نے اس مخفی حقیقت کو ہمیں دکھلا دیا ہے کہ ہمارا دعا کرنا ایک قوت مقناطیسی رکھتا ہے اور فضل اور رحمت الٰہی کو اپنی طرف کھینچتا ہے نماز کا مغز اور روح بھی دعا ہی ہے جو سورۂ فاتحہ میں ہمیں تعلیم دیگئی ہے جب ہم اھدنا الصراط المستقیم کہتے ہیں تو اس دعا کے ذریعہ سے اس نور کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں جو خدا تعالے سے اترتا اور دلوں کو یقین اور محبت سے منور کرتا ہے ✤

بعض لوگ جلدی سے کہدیتے ہیں کہ ہم دعا سے منع نہیں کرتے مگر دعا سے مطلب صرف عبادت ہے جس پر ثواب مترتب ہوتا ہے مگر افسوس کہ یہ لوگ نہیں سوچتے کہ ہر ایک عبادت جسکے اندر خدا تعالی کیطرف سے روحانیت پیدا نہیں ہوتی اور ہر ایک ثواب جس کی محض خیال کے طور پر کسی آئندہ زمانہ پر امید رکھی جاتی ہے وہ سب خیال باطل ہے حقیقی عبادت اور حقیقی ثواب وہی ہے جسکے اسی دنیا میں انوار اور برکات محسوس بھی ہوں ہماری پرستش کی قبولیت کے آثار یہی ہیں کہ ہم عین دعا کیوقت میں اپنے دل کی آنکھ سے مشاہدہ کریں کہ ایک تریاقی نور خدا سے اترتا اور ہمارے دل کے زہریلے مواد کو کھوتا اور ہماری پر ایک شعلہ کیطرح گرتا اور فی الفور ہمیں ایک پاک کیفیت انشراح صدر اور یقین اور محبت اور لذت اور انس اور ذوق سے پر کر دیتا ہے۔ اگر یہ امر نہیں ہے تو پھر دعا اور عبادت بھی ایک رسم اور عادت ہے ہر ایک دعا گو ہماری دنیوی مشکل کشائی کیلئے ہو۔ مگر ہماری ایمانی حالت اور عرفانی مرتبت پر گذر کر آتی ہے یعنی اول ہمیں ایمان اور عرفان میں ترقی بخشتی ہے اور ایک پاک سکینت اور انشراح صدر اور اطمینان اور حقیقی خوشحالی ہمیں عطا کر کے پھر ہماری دنیوی مکروہات پر اپنا اثر ڈالتی ہے اور جس پہلو سے مناسب ہے اس پہلو سے ہمارے غم کو دور کر دیتی ہے پس اس تمام تحقیقات سے ثابت ہے کہ دعا اسی حالت میں دعا کہلا سکتی ہے کہ جب درحقیقت اس میں ایک قوت کشش ہو اور واقعی طور پر دعا کرنے کے بعد آسمان سے ایک نور اترے جو ہماری گھبراہٹ کو دور کرے اور ہمیں انشراح صدر بخشے اور سکینت اور اطمینان عطا کرے۔ ہاں حکیم مطلق ہماری دعاؤں کے بعد دو طور سے نصرت اور امداد کو نازل کرتا ہے (۱) ایک یہ کہ اس بلا کو دور کر دیتا ہے جسکے نیچے ہم دبکر مرنے کو تیار ہیں (۲) دوسرے یہ کہ بلا کی برداشت کے لئے ہمیں فوق العادت قوت عنایت کرتا ہے۔ بلکہ اس میں لذت بخشتا ہے اور انشراح صدر عنایت فرماتا ہے۔ پس ان دونوں طریقوں سے ثابت ہے کہ دعا سے ضرور نصرت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اسکے رب میں ایک تعلق مجاذبہ ہے یعنی پہلے خدا تعالی کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالے اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچکر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے سو جسوقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالے کیطرف کامل یقین

اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اسکے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوت جذب جو اسکے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالی کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جلشانہ اس کام کے پورا کرنے کیطرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں مثلاً اگر بارش کیلئے دعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کیلئے ضروری ہوتے ہیں اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں اور اگر قحط کے لئے بددعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوت تکوین پیدا ہو جاتی ہے یعنی باذنہ تعالے وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے جو طرف موید مطلوب ہے۔ خدا تعالی کی پاک کتابوں میں اسکی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اعجاز کے بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابت دعا ہی ہے۔ اور جسقدر ہزاروں معجزات انبیا سے ظہور میں آئے یا جو کچھ کہ اولیائے کرام ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اسکا اصل اور منبع یہی دعا ہے اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرت قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الہی رنگ پکڑ گئے۔ اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے۔ اور گونگوں کی زبان پر الہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں یکدفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا۔ اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس امی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اللھم صل وسلم وبارک علیہ وآلہ بعدد ہمہ وغمہ وحزنہ لھذہ الامۃ وانزل علیہ انوار رحمتک الی الابد۔

اور میں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے بلکہ اسباب طبعیہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم التاثیر نہیں جیسی کہ دعا ہے اور اگر یہ شبہ ہو کہ بعض دعائیں خطا جاتی ہیں اور ان کا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا تو میں کہتا ہوں کہ یہی حال دواؤں کا بھی ہے۔ کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے؟ یا ان کا خطا جانا غیر ممکن ہے؟ مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی ان کی تاثیر سے انکار کر سکتا ہے؟

یہ سچ ہے کہ ہر ایک امر پر تقدیر محیط ہو رہی ہے۔ مگر تقدیر نے علوم کو ضائع اور بےحرمت نہین کیا اور نہ اسباب کو بے اعتبار کر کے دکھلایا۔ بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو یہ جسمانی اور روحانی اسباب بھی تقدیر سے باہر نہین ہین مثلاً اگر ایک بیمار کی تقدیر نیک ہو تو اسباب علاج پورے طور پر میسّر آجاتے ہین۔ اور جسم کی حالت بھی ایسے درجہ پر ہوتی ہے کہ وہ اُن سے نفع اٹھانیکے لئے مستعد ہوتا ہے تب دوا نشانہ کی طرح جاکر اثر کرتی ہی یہی قاعدہ دُعا کا بھی ہی۔ یعنے دعا کے لئے بھی تمام اسباب و شرائط قبولیّت اُسی جگہ جمع ہوتے ہین جہان ارادہ الٰہی اُس کے قبول کرنے کا ہے۔ خداتعالے نے اپنے نظام جسمانی اور روحانی کو ایک ہی سِلسلہ موثراتّ اور متاثراتّ مین باندھ رکھا ہے + پھر جب ہم اس بات کو بھی مانتے ہین کہ دار آخرت کی سعادتین اور نعمتین اور لذتین اور راحتین جن کی نجات سے تعبیر کی گئی ہے ایمان اور ایمانی دعاؤن کا نتیجہ ہین تو ماننا پڑا کہ بلاشبہ ایک مومن کی دعائین اپنے اندر اثر رکھتی ہین اور آفات کے دور ہونے اور مرادات کے حاصل ہونے کا موجب ہو جاتی ہین۔ کیونکہ اگر موجب نہین ہو سکتین تو پھر کیا وجہ کہ قیامت مین موجب ہو جائین گی۔ سوچو اور خوب سوچو کہ اگر درحقیقت دعا ایک بے تاثیر چیز ہے اور دنیا مین کسی آفت کے دور ہونے کا موجب نہین ہو سکتی تو کیا وجہ کہ قیامت کو موجب ہو جائے گی۔ یہ بات تو نہائت صاف ہے کہ اگر ہماری دعاؤن مین آفات سے بچنے کے لئے درحقیقت کوئی تاثیر ہے تو وہ تاثیر اس دنیا مین بھی ظاہر ہونی چاہئے تا ہمارا یقین بڑھے اور امید بڑھے اور تا آخرت کی نجات کے لیئے ہم زیادہ سرگرمی سے دعائین کرین۔ اور اگر درحقیقت دعا کچھ چیز نہین صرف پیشانی کا نوشتہ پیش آتا ہے تو جیسا دنیا کی آفات کے لئے دعا عبث ہے اسی طرح آخرت کے لئے بھی عبث ہوگی اور اس پر امید رکھنا طمع خام ہے +

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دعا جو خداتعالے کی پاک کلام نے مسلمانون پر فرض کی ہی اس کی فرضیت کے چار سبب ہین (۱) ایک یہ کہ تا ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت مین خداتعالی کیطرف رجوع ہو کر توحید پر پختگی حاصل ہو۔ کیونکہ خدا سے مانگنا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ مرادون کا دینے والا صرف خدا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ تا دعا کے قبول ہونے اور مراد کے ملنے پر ایمان قوی ہو۔ (۳) تیسرے یہ کہ اگر کسی اور رنگ مین عنایت الٰہی شامل حال ہو تو علم اور حکمت زیادت پکڑے۔ (۴) چوتھے یہ کہ اگر دعا کی قبولیت کا الہام اور رؤیا کے ساتھ وعدہ دیا جائے اور اسی طرح ظہور مین آوے تو معرفت الٰہی ترقی کرے اور معرفت سے یقین اور یقین سے محبّت اور محبت سے ہر ایک گناہ اور غیر اللہ سے انقطاع حاصل ہو جو حقیقی نجاۃ کا ثمرہ ہی لیکن اگر کسی کو بطور

خود مرادین ملتی جاتی ہیں اور خدا تعالے سے دوری اور مجبوبی ہو تو وہ تمام مرادین انجام کار حسرتین ہیں اور
وہ تمام مقاصد جن پر فخر کیا جاتا ہے آخر الامر جائے افسوس اور تاسف ہیں دنیا کے تمام عیش آخر رنج سے
بدل جائینگے اور تمام راحتین دکھ اور درد دکھائی دین گی مگر وہ بصیرت اور معرفت جو انسان کو دعا سے حاصل
ہوتی ہے اور وہ نعمت جو دعا کے وقت آسمانی خزانہ سے ملتی ہے وہ کبھی کم نہ ہو گی اور نہ اسپر زوال آئے گا بلکہ
روز بروز معرفت اور محبت الٰہی مین ترقی ہو کر انسان اس زینہ کے ذریعہ سے جو دعا ہے فردوس اعلیٰ کیطرف
چڑھتا جائے گا۔ خدا تعالے کی چار اعلیٰ درجہ کی صفتین ہیں جو ام الصفات ہین اور ہر ایک صفت ہماری بشریت
سے ایک امر مانگتی ہے اور وہ چار صفتین یہ ہین:۔ ربوبیّت۔ رحمانیّت۔ رحیمیّت۔ مالکیّت یوم الدین۔

(۱) ربوبیّت اپنے فیضان کے لئے عدم محض یا مشابہ بالعدم کو چاہتی ہے اور تمام انواع مخلوق کی جاندار ہون
یا غیر جاندار اسی سے پیرایۂ وجود پہنتے ہین۔

(۲) رحمانیّت اپنے فیضان کے لئے صرف عدم کو ہی چاہتی ہے یعنے اس عدم محض کو جسکے وقت مین وجود
کا کوئی اثر اور ظہور نہ ہوا اور صرف جانداروں سے تعلق رکھتی ہے اور چیزون سے نہین۔

(۳) رحیمیّت اپنے فیضان کیلئے موجود ذو العقل کے منہ سے نیستی اور عدم کا اقرار چاہتی ہے۔ اور صرف
نوع انسان سے تعلق رکھتی ہے۔

(۴) مالکیّت یوم الدین اپنے فیضان کیلئے فقیرانہ تضرع اور الحاح کو چاہتی ہے۔ اور صرف ان انسانون سے تعلق
رکھتی ہے جو گداؤن کی طرح حضرت احدیت کے آستانہ پر گرتے ہین اور فیض پانے کیلئے دامن افلاس پھیلاتے ہین۔ اور
سچ مچ اپنے تئین تہی دست پاکر خدا تعالیٰ کی مالکیّت پر ایمان لاتے ہین +

یہ چار الٰہی صفتین ہین جو دنیا مین کام کر رہی ہین اور ان مین سے جو رحیمیّت کی صفت ہے وہ دعا کی تحریک
کرتی ہے اور مالکیّت کی صفت خوف اور قلق کی آگ سے گداز کر کے سچا خشوع اور خضوع پیدا کرتی ہے کیونکہ اس
صفت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالے مالک جزا ہے کسی کا حق نہین جو دعوے سے کچھ طلب کرے اور مغفرت
اور نجات محض فضل پر ہے +

اب خلاصہ کلام یہ کہ خدا تعالیٰ کی یہ چار صفتین ہین جو قرآنی تعلیم اور تحقیق عقل سے ثابت ہوتی ہین۔ اور منجملہ
انکے رحیمیّت کی صفت ہے جو تقاضا کرتی ہے کہ کوئی انسان دعا کرے تا اس دعا پر فیوض الٰہی نازل ہون۔
ہم نے براہین احمدیہ اور کرامات الصادقین مین بھی یہ ذکر لکھا ہے کہ کیونکہ یہ چاروں صفتین لف ونشر مرتب کے طور پر

سورۂ فاتحہ مین بیان کی گئی ہین اور کیونکہ صحیفۂ فطرت پر نظر ڈالکر ثابت ہوتا ہے کہ اسی ترتیب سے جو سورۂ فاتحہ مین ہے۔
یہ چارون صفتین خدا کی فعلی کتاب قانون قدرت مین پائی جاتی ہین۔ اب دعا سے انکار کرنا یا اُسکو بے سود سمجھنا یا جذب
فیوض کیلئے اُسکو ایک محرک قرار نہ دینا گویا خدا تعالیٰ کی تیسری صفت سے جو رحیمیت ہے انکار کرنا ہے مگر یہ انکار درپردہ
دہریّت کیطرف ایک حرکت ہے کیونکہ رحیمیت ہی ایک ایسی صفت ہے جسکے ذریعہ سے باقی تمام صفات پر یقین بڑھتا اور
کمال تک پہنچتا ہے۔ وجہ یہ کہ جب ہم خدا تعالیٰ کی رحیمیت کے ذریعہ سے اپنی دعاؤن اور تضرعات پر الٰہی فیضون کو پاتے ہین۔
اور ہر ایک قسم کی مشکلات حل ہوتی ہین۔ تو ہمارا ایمان خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی قدرت اور رحمت اور دوسری صفات
کی نسبت بھی حق الیقین تک پہنچتا ہے اور ہمین چشم دید ماجرا کی طرح سمجھ آجاتا ہے کہ خدا تعالیٰ درحقیقت حمد اور شکر کا مستحق ہے
اور درحقیقت اس کی ربوبیت اور رحمانیت اور دوسری صفات سب درست اور صحیح ہین لیکن بغیر رحیمیت کے ثبوت کے
دوسری صفات بھی مشتبہ رہتی ہین +

ظاہر ہے کہ امر مقدم اور ایک بھاری مرحلہ جو ہمین طے کرنا چاہئے وہ خدا شناسی ہے اور اگر ہماری خدا شناسی
ہی ناقص اور مشتبہ اور دھندلی ہو تو ہمارا ایمان ہرگز منوّر اور چمکیلا نہین ہو سکتا۔ اور یہ خدا شناسی جبتک کہ
رحیمیت کی صفت کے ذریعہ سے ہمارا چشم دید واقعہ نہ بن جائے۔ تب تک ہم کسی طرح سے اپنے رب کریم کی حقیقی معرفت کے
چشمہ سے آب زلال نہین پی سکتے۔ اگر ہم اپنے تئین دھوکہ نہ دین تو ہمین اقرار کرنا پڑے گا کہ ہم تکمیل معرفت کیلئے
اس بات کے محتاج ہین کہ خدا تعالیٰ کی صفت رحیمیت کے ذریعہ سے تمام شکوک و شبہات ہمارے دور ہو جائین
اور خدا تعالیٰ کی رحمت اور فضل اور قدرت کی صفات تجربہ مین آکر ہمارے دل پر ایسا قوی اثر پڑے کہ ہمین ان نفسانی
جذبات سے چھوڑا دے جو محض کمزوری ایمان اور یقین کی وجہ سے ہمارے پر غالب آتے اور دوسری طرف رخ کر دیتے
ہین۔ کیا یہ سچ نہین کہ انسان اس چند روزہ دنیا مین اگر بوجہ اسکے کہ خدا شناسی کی پرزور کرنین اُسکے دل پر نہین
پڑتین ایک خوفناک تاریکی مین مبتلا ہو جاتا ہے اور جسقدر دنیا اور دنیا کی املاک اور دنیا کی ریاستین اور حکومتین
اور دولتین اس کو پیاری معلوم ہوتی ہیں اس قدر عالم معاد کی لذّات اور خوشحالی حقیقی کی جستجو اسکو نہین ہوتی اور
اگر کوئی نسخہ دنیا مین ہمیشہ رہنے کا نکلے تو اپنے منہ سے اس بات کے کہنے کے لئے تیار ہے کہ مین بہشت اور عالم
آخرت کی نعمتون کی خواہش سے باز آیا پس اس کا کیا سبب ہے یہی تو ہے کہ اللہ تعالےٰ کے وجود اور اس کی قدرت اور
رحمت اور وعدہ و عید پر حقیقی ایمان نہین پس حق کے طالب کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اس حقیقی ایمان کی تلاش مین
لگا رہے۔ اور اپنے تئین یہ دھوکہ نہ دے کہ مین مسلمان ہون اور خدا اور رسول پر ایمان لاتا ہون قرآن شریف

پڑھتا ہون۔ شرک سے بیزار ہون۔ نماز کا پابند ہون اور ناجائز اور بد باتون سے اجتناب کرتا ہون کیونکہ مرنیکے بعد کامل نجات اور سچی خوشحالی اور حقیقی سرور کا وہ شخص مالک ہوگا جس نے وہ زندہ اور حقیقی نور اِس دنیا مین حاصل کرلیا ہے جو انسان کے منہ کو اسکے تمام قوتون اور طاقتون اور ارادون کے ساتھ خدا تعالےٰ کیطرف پھیر دیتا ہے اور جس سے اس سفلی زندگی پر ایک موت طاری ہوکر انسانی روح مین ایک سچی تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ زندہ اور حقیقی نور کیا چیز ہے؟ وہی خداداد طاقت ہے جس کا نام یقین اور معرفت تامہ ہے یہ وہی طاقت ہے۔ جو اپنے زور آور ہاتھ سے ایک خوفناک اور تاریک گڑھے سے انسان کو باہر لاتی اور نہایت روشن اور پُرامن فضا مین بٹھا دیتی ہے۔ اور قبل اسکے جو یہ روشنی حاصل ہو تمام اعمال صالحہ رسم اور عادت کے رنگ مین ہوتے ہین اور اُس صورت مین ادنیٰ ادنیٰ ابتلاؤن کیوقت انسان ٹھوکر کھا سکتا ہے بجز اس مرتبہ یقین کے خدا سے معاملہ صافی کس کا ہوسکتا ہے؟ جسکو یقین دیا گیا ہے وہ پانی کی طرح خدا کیطرف بہتا ہے اور ہوا کی طرح اسکی طرف جاتا ہے اور آگ کی طرح غیر کو جلا دیتا ہے اور مصائب مین زمین کی طرح ثابت قدمی دکھلاتا ہے۔ خدا کی معرفت دیوانہ بنا دیتی ہے مگر لوگون کی نظر مین دیوانہ اور خدا کی نظر مین عقلمند اور فرزانہ۔ یہ شربت کیا ہی شیرین ہے کہ حلق سے اترتے ہی تمام بدن کو شیرین کر دیتا ہے اور یہ دودھ کیا ہی لذیذ ہے کہ ایکدم مین تمام نعمتون سے فارغ اور لاپرواکر دیتا ہے مگر ان دعاؤن سے حاصل ہوتا ہے جو جان کو ہتھیلی پر رکھکر کیجاتی ہین۔ اور کسی دوسرے کے خون سے نہین بلکہ اپنی سچی قربانی سے حاصل ہوتا ہے۔ کیسا مشکل کام ہے۔ آہ صد آہ ٭

مسیح کی بنیظیری

عیسائی اخبارات اور عیسائی لیکچرار اب عام طور پر اس بات کو تسلیم کر رہے ہین کہ جس رنگ مین انیس سو سال سے عیسائی دنیا مسیح کو نجات دہندہ اور شفیع مانتی آئی ہے اب فہیم عیسائیون کا یہ عقیدہ نہین رہا اور اس لئے پرانا عقیدہ کہ نجات مسیح کے صلیب پر ایمان لانے سے ملتی ہے علمی طور پر بالکل مرچکا ہے۔ چنانچہ ابھی ہاگ صاحب (یہ ایک پادری صاحب کا نام ہے) نے مدراس کے ایک عیسائی میگزین کے جنوری کے پرچے مین جس کا نام کرسچین کالج میگزین ہے ”عیسائیونکے نزدیک شفاعت کا مفہوم“

کے عنوان کے نیچے ایک مضمون لکھا ہے جس مین وہ یون لکھتا ہے:- "مسیح کو خدا اور انسانونکے درمیان ایک ہی شفیع ماننے کے خیال کو جس طرح عیسائی عقائد مین ادا کیا گیا ہے وہ ایک ایسا رنگ ہے جو ہندوستانی ادائے خیال کے پیرایون کے بالکل مخالف پڑا ہوا ہے۔ اور یہ قیاس بالکل صحیح ہے کہ اگر عیسائیت کو پہلے مستقل فتوحات بجائے یورپ کے ہندوستان مین حاصل ہوتین تو اسکے عقیدے بھی موجودہ عقائد سے بالکل نرالے رنگ کے ہوتے اور ان عقیدون کی اصطلاحین بھی کچھ اور ہی ہوتین .... اور اگر یہ قیاس صحیح ہے۔ کہ ہندوستان اگر پہلے عیسائی مذہب کو اختیار کرتا تو باوجود اسکے عیسائی ہونیکے اسکے دینی عقاید وہ ہرگز نہ ہوتے جو آج کل یورپ کے عیسائیون مین رائج ہین۔ تو کیا پھر یہ بھی بالکل سچ اور درست نہین کہ اگر گذشتہ باتین اور پرانے عقائد کسی طرح سے یک لخت دلون سے محو ہو جائین۔ اور مغرب کے عیسائی دنیا کو نئے سرے سے اپنے مذہبی عقائد تراشنے پڑین تو عیسائی متقدمین اور ابتدائی زمانے کے عیسائی بزرگون کو یہ عقائد بسبب بالکل نئے ہونیکے سخت گھبراہٹ مین ڈالنے والے ہون"۔ اور پھر آگے چل کر یون لکھتا ہے:- "اس نگاہ سے عیسائیت کے بڑے بڑے تاریخی عقائد کی نسبت یہ تو بیشک کہا جاسکتا ہے کہ وہ ان ملحدانہ عقائد کے انکار کے سبب سے جو یسوع کی اصلی بزرگی کو غلط معنے کرکے چھپانا چاہتے تھے بیش قیمت عقائد ہین لیکن یہ ان عقائد کی نسبت کسی صورت مین نہین کہا جاسکتا کہ وہ کامل اور قطعی ساخت کے عقائد ہین درحقیقت ایسے تمام اشخاص کا جو سمجھتے ہین کہ اس زمانے کیلئے یہ عقائد موزون نہین بلکہ بے معنی ہین اور ان پر کوئی حجت قائم نہین کرتے۔ یہ فرض لازم ہے کہ وہ انکے ادا کرنیکا کوئی زیادہ مؤثر پیرایہ تلاش کرین...... شاید بعض یہ خیال کرینگے کہ ان نئے معنون کے رو سے شفاعت کا مفہوم اس قدر بدل جاتا ہے کہ اسکا نام شفاعت رکھنا بالکل غلط اور بیجا ہوگا۔ ممکن ہے کہ یہ رائے ٹھیک ہی ہو"۔

ابتک تو یسوع کی شفاعت کا مغز اسکے خون کو سمجھا جاتا تھا۔ مگر اب اس دراز تجربہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ایک بالکل لغو اور باطل خیال تھا ہمین اس سے کوئی تعلق نہین کہ وہ کروڑون آدمی جو اپنی ساری عمر انہی غلط اور جھوٹے عقائد مین مبتلا رہ کر گذر گئے ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔ اور آیا اس غلطی مین مبتلا رہ کر بھی ان کو نجات ملی ہوگی یا نہین۔ البتہ پولوس کے متعلق یہ سوال کرنیکے لائق ہے کہ اگر ان خطوط کا لکھنے والا وہی ہے جو نئے عہد نامے کے مجموعہ مین اس کیطرف منسوب کئے گئے ہین تو وہ بھی اس غلط عقیدہ مین ہی پھنسا رہا۔ کیونکہ رومیون ۵ مین وہ کہتا ہے "سو اب کہ اسکے لہو کے سبب ہم راستباز ٹھہرے تو کتنا زیادہ

اسکے وسیلے فہر سے بچ رہینگے" آج کل کے علمائے مسیحی کے الفاظ پولوس کے الفاظ کی جو عیسائیت کا اصل بانی تھا۔ بالکل ضد پڑے ہوئے معلوم ہوتے ہین۔ عبرانیون ۹/۱۴ مین وہ کہتا ہے "تو کتنا زیادہ مسیح کا لہو جسنے بے عیب ہو کے ابدی روح کے وسیلے آپکو خدا کے سامنے قربانی گذرانا۔ تمہارے دلون کو مردہ کامون سے پاک کرے گا تاکہ تم زندہ خدا کی عبادت کرو" اور پھر رومیون ۳/۲۵ مین ہے "جسے خدانے آگے سے ایک کفارہ ٹھہرایا جو اسکے لہو پر ایمان لانیسے کام آوے" اور پھر عبرانیون ۱۲/۲۴ مین لکھتا ہے "اور یسوع کے جو نئے عہدنامہ کا درمیانی ہے اور اس چھڑکی گئی لہو کے جو ہابل کی نسبت سے بہتر باتین بولتا ہے" اور یہی وہ تعلیم ہے جو پولوس ساری عمر دیتا رہا۔ اب ان تمام آیات مین مسیح کے لہو کو اصل کفارہ گناہون کا ٹھہرایا گیا ہے۔ حالانکہ اس زمانے کے مسیحی علماء اس عقیدے کو غلط ٹھہرا کر ایک نیا عقیدہ گھڑ رہے ہین۔ لیکن خواہ کچھ ہی ہو عیسائی اس بات پر تُلے ہوئے ہین کہ پُرانے عقیدے کی عمارت کے گرجانے پر اب اسی جگہ ایک نئے عقیدے کی بنا رکھ دین۔ یہ زندگی کے لئے ایک آخری مایوسی کی کوشش ہے اور اسکا انجام جلدی ہی نظر آجائے گا۔ جب وہ عقیدے جو یسوع کے نام کے ساتھ وابستہ تھے تنقید کی روشنی کے نیچے آکر پارہ پارہ ہوگئے تو اب یہ کوشش کیجاتی ہے کہ کسی طرح سے یسوع کا نام نہ مٹ جائے۔ اور اب یسوع کی یکتائی کو عیسائی مذہب کے عقائد کی عمارت کا شہتیر کہا جاتا ہے۔ اسی مذہب مین جو یسوع کے نام پر چل رہا ہے۔ ایک تو بے شک معجزانہ طاقت ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسے جیسے اسکے پیشوائیوں کے حالات بدلتے رہتے ہین یہ بھی ایک نیا رنگ اختیار کرتا رہتا ہے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کی جو خاصیت اس مین ہے وہ دوسری جگہ مشکل سے نظر آئے گی۔

ہاگ صاحب کے بیان کے مطابق مسیح کی شفاعت کے عقیدے کا نیا پیرایہ یہ ہونا چاہئیے کہ یسوع کی یکتائی کا ظہور اس کی اس طاقت کے ذریعہ سے ہوتا ہے جسکا اثر وہ بیشمار انسانون پر ڈالکر یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ان کا خداوند مطلق اور آقا ہے اور وہ ایک برتر ہستی جو اب بھی زندہ اور حکم دے رہی ہے۔ اگرچہ وہ اب زمین پر نظر نہین آتی۔ نئے عیسائیون کے نزدیک شفاعت کا مفہوم بھی صرف یہی ہوگا۔ ممکن ہے کہ اس نئے عقیدے کے لئے یہ ایک بالکل غلط نام ہو۔ جیسا کہ ہاگ صاحب خود تسلیم کرتا ہے لیکن چونکہ اس سے عیسائیت کا نام زندہ رہتا ہے۔ اسلئے اسکو پُرانے لہو کے عقیدے کی ایک نئی تفہیم یا نیا پیرایہ قرار دینا ہی مصلحت سمجھا گیا ہے۔ اگر حقیقت کیطرف دیکھا جائے تو یہ دونون مسئلے یعنی یہ کہ نجات صرف یسوع

مسیح کے خون سے ملتی ہے اور یہ کہ یسوع کی بنیظیری عیسائیون کی زندگی پر اپنا اثر ڈالتی ہے ایکدوسرے سے کوسون دور پڑے ہوئے ہین اور ہاگ صاحب کو خود بھی ماننا پڑا ہے کہ ابتدائی عیسائی بزرگونکا تراشیدہ عقیدہ تو مسئلہ شفاعت کی ایک اول اور بجائے خود کافی صورت پیش کرتا ہے حالانکہ نئے متکلمین نے دیکھ اس مسئلے کو ان معنون مین لیا جا سکتا ہے کہ وہ مسئلہ شفاعت کی اسکے ظاہر اور قدرتی معنون مین بالکل نفی کرتا ہے۔ لیکن خواہ اسکو یون سمجھ لیا جاوے کہ اصول وہی ہین اور صرف علم کلام بدلا ہے اور خواہ یہ سمجھ لیا جاوے کہ اصول ہی بدل گئے ہین۔ معقول نگاہ سے دونون ایک ہی گری ہوئی حالت مین ہین۔ اور اگر پرانے عقیدے کے ازالہ کے لئے انیس سو سال لگ گئے ہین تو یہ نیا عقیدہ یقیناً ایک ... دو پشتون مین ہی گرتا ہوا نظر آجائیگا۔ اور اس کی وجوہات نہایت صاف ہین۔ اصل عیسائی عمارت تو گر چکی ہے لیکن چونکہ یسوع کی عظمت پشت در پشت اسکو خدا ماننے کی وجہ سے ان لوگونکے خون مین رچ گئی ہے اس لئے باوجود معقولی طور پر جھوٹا ثابت ہونیکے اس عظمت کو قائم رکھنے کیلئے نئے نئے حیلے تراشے جاتے ہین یہ نسل یا آیندہ نسل تو ان باتونکے لئے معذور ہے ہان اسکے بعد جو فہیم لوگ پیدا ہونگے ان کے دلون پر چونکہ اس خدائی کے عقیدے کا اثر گھٹتا گھٹتا بہت کم ہو گیا ہوگا کیونکہ اس مین ایک لحہ کے لئے بھی شک نہین ہو سکتا کہ یسوع کی عظمت اب دن بدن کم ہو رہی ہے اور اس کی خدائی کی عمارت دمبدم گر رہی ہے اس لئے وہ لوگ ان تراشے ہوئے عقیدون کی اصلیت کو سمجھ کر سب کے سب یک مرتبہ بیزار ہو جاوینگے۔

ہاگ صاحب کا خیال ہے کہ مسیح کی بنیظیری ..... اس کے اس اثر سے ظاہر ہے۔ جو بیشمار انسانون کے دلونپر پڑ رہا ہے۔ مگر یہ سخت غلط بیانی ہے۔ وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ اسکا اثر بیشمار عیسائیون کے دلون پر پڑتا ہے اگر اسوقت بھی اس کا یہ قول صحیح ثابت نہ ہوتا۔ کیا یہ سچ نہین ہے کہ یہ فرضی بنیظیری ان بیشمار یہودیون کے دلون پر اثر ڈالنے مین ناکام ثابت ہوئی ہے جو اسکو ہمیشہ سے برا کہتے اور کافر کافر کا خطاب دیتے رہے ہین اور اگرچہ ہاگ صاحب کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت بھی وہ پاکیزگی کی روح " انسانی بدکاریون کے درمیان پھر رہی ہے لیکن جن یہودیون کو اس زمانے مین جب وہ روح زندہ زمین پر موجود تھی اس سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا انہون نے کبھی اس کی ادعائی پاکیزگی کو محسوس نہین کیا۔ بلکہ وہ تو اسکو نعوذ باللہ ناپاکی کی طرف منسوب کرتے اور شیطانی روح کہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشمار یہودیون کے دلون پر یسوع کی فرضی بنیظیری نے کوئی اثر نہین کیا۔ ایسا ہی اس بنیظیری کا بیشمار

بدھ مذہب والون بیشمار آتش پرستون بیشمار ہندوؤن بیشمار بت پرستون اور بیشمار دوسرے انسانون پر ذرہ بھی اثر نہین ہوا- برخلاف اسکے ایک ہندو کے دلپر ایک بت کا ویسا ہی اثر ہوتا ہے یا اس سے بھی بڑھکر جو ہاگ صاحب جیسے عیسائیون پر یسوع کا ہوتا ہے یا اس سے بھی آگے چلین تو ایک فتیش (یعنی وحشی اقوام کے بت جو مختلف جانورون یا بیجان چیزون کی صورت پر بنائے گئے ہین) کے عابد پر ایک مرغ یا سانپ یا پتھر یا گھونگے کی شکل کا جو اثر ہوتا ہے وہ بھی اسی اثر کی مانند ہے جسکا دعوے ہاگ صاحب یسوع کے لئے کرتے ہین اور جیسا تمام بت پرست اور وحشی اقوام اپنے بتون اور فرضی معبودونکے اثر کو بیان نہین کر سکتے ایسا ہی ہاگ صاحب بھی تسلیم کرتا ہے کہ یسوع کے اس جادو کے سے اثر کو وہ بیان نہین کر سکتا اور نہ ہی اس کی کیفیت بتا سکتا ہے اسلئے یسوع کی بنیظیری عیسائیت کے اندر ہی محدود ہے جیسے کہ دوسرے اقوام کے اوتارون وغیرہ کی بنیظیری بھی انہین اقوام کے اندر محدود ہے کوئی خط امتیاز نہین کھینچا گیا- ہاگ صاحب جو امتیاز بتانے کی کوشش کرتے ہین وہ ان کی من گھڑت بات ہے اور اس کی اصلیت کچھ بھی نہین- اس نے اس بات کو فرض کر لیا ہے کہ دوسرے مذاہب مثلاً ہندو مذہب مین اوتار کے معنے یہ ہین کہ خدا نے اپنی ذات کو ایک گوشت کے پتلے مین چھپا لیا لیکن عیسائی مذہب مین اوتار کے معنے یہ ہین کہ بجائے اپنی اصلیت کو چھپانیکے خدائے تعالے نے ایک انسان اور ایک ابدی انسانی روح بن کر اپنے آپ کو ظاہر کیا- ایک عیسائی نے تو یہی کہنا ہوا لیکن ہندو جب بیان کرے گا تو وہ عیسائی مذہب پر وہی الزام دے گا جو ایک عیسائی نے ہندو مذہب پر دیا ہے اور اپنے مذہب مین اوتار کے معنون کو اسی طرح پر بیان کرے گا جیسے ہاگ صاحب نے بیان کیا ہے- کوئی خارجی واقعہ تو ایسا ہے ہی نہین جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ فلان مذہب مین خدا انسان کا جسم اختیار کرکے ظاہر ہو گیا اور فلان مین ایسا ہی جسم اختیار کرکے چھپ گیا اس مین تو شک نہین کہ کرشن کا مادی جسم کسی شفاف مادے کا بنا ہوا تھا جسکے اندر اگر بالفرض کوئی چھپا ہوا ہوتا تو باہر سے نظر آجاتا- مگر مشکل یہ ہے کہ یسوع کا جسم بھی اسی کثیف مادے کا تھا جسکا کرشن کا تھا- ہاگ صاحب یسوع کی تائید مین ایک دعوے کرتا ہے اور ایک دوسرا دعوے دوسرے مذاہب کے اوتارون کی تردید مین کرتا ہے لیکن ہر دو یکسان طور پر بے ثبوت ہین- پھر آخیر پر ہاگ صاحب اس فقرہ پر اس فرضی امتیاز کو ختم کرتا ہے کہ عیسائی لوگ "ایک شفیع اوتار کے سوا دوسرے کو تسلیم نہین کر سکتے جبتک کہ وہ عیسائیت کے خاص پیغام کو تباہ نہ کر دین"

اور اگر یہ کوئی دلیل یسوع کے خدا ہونے پر ہے تو ایک ہندو بھی کہہ سکتا ہے کہ ہندو مذہب کے خاص پیغام کو تباہ کرنیکے بغیر وہ عیسائیت کے اوتار کو نہین مان سکتا۔ اب ناظرین خود غور کر لین کہ ان دونون فرضی دلیلون مین سے زبردست کونسی ہے +

اب ہمین یہ دیکھنا باقی ہے کہ یسوع کی فرضی بنیظیری نے کہانتک خدا اور انسان مین تعلق قائم کرکے اپنے درمیانی یا شفیع ہونیکا ثبوت دیا ہے یا بالفاظ دیگر اس بے نظیری نے ان لوگونکی زندگیون مین کونسی پاک تبدیلی کی ہے جسکو بالفاظ ناگ صاحب اس نے ایک "عظیم الشان اثر طاقت اور حکومت اور اخلاقی فضیلت کا ڈالا ہے" یسوع کی اس بیجا تعریف کا ہمین افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ واقعات سے کچھ پتہ نہین ملتا۔ اگر عام عیسائیون کی موجودہ حالت پر نظر کیجاوے تو ایک سخت قابل افسوس نظارہ معلوم ہوتا ہے۔ اور خود عیسائی لیکچرار اور عیسائی واعظین اس گری ہوئی اخلاقی حالت کو ہمیشہ بیان کرتے ہین پس اگر یسوع کی بے نظیری کا ثبوت عام عیسائیون کی حالت سے لینا ضروری ہے کیونکہ راقم مضمون مانتا ہے کہ اس بے نظیری کا اثر بیشمار انسانون پر پڑ رہا ہے تو پھر ہمین افسوس سے کہنا پڑے گا کہ جس اعلی درجہ کی اخلاقی فضیلت کا دعوے کیا گیا تھا۔ اسکا شمہ بھی نہین پایا جاتا۔ اور اگر عیسائیت کی گذشتہ تاریخ پر نظر ڈالین تو یہ نظارہ اور بھی خوفناک ہے درمیانی زمانہ کی ڈراونی تاریکی اور خوفناک ناپاکیان قابل ذکر ہی نہین [illegible]س سے بھی پیچھے چلین تو پھر بھی کوئی خوبی ہماری آنکھ کے سامنے نہین آتی۔ عیسائیت کی دوسری صدی مین بھی اس کی سیاہ ر[illegible] موجود ہین اور پھر جب خود حواریون پر نظر ڈالتے ہین جس طرح انجیلون مین ان کا نقشہ کھینچا ہے اور جن کو خصوصیت سے مسیح نے اپنے لئے چن لیا تھا۔ تو ان کی حالت بھی قابل اطمینان نہین ہے اور مسیح کی بے نظیری کا وہان بھی کچھ کم ہی اثر دکھائی دیتا ہے۔ خود مسیح بار بار ان کی بے ایمانی اور دنیاوی خیالات کا شاکی ہے۔ اور اس سے بڑھکر یہ کہ بالآخر ایک تو دغا دے کر اپنے آقا کو پکڑوا دیتا ہے اور دوسرے بھی کم دغاباز ثابت نہین ہوتے کیونکہ مصیبت کے وقت سب کے سب اسکو اکیلا چھوڑکر بھاگ جاتے ہین۔ علاوہ ازین اناجیل مروجہ سے تو یہ بھی معلوم نہین ہوتا کہ وہ کونسی بڑی بڑی بدکاریان تھین جن مسیح نے اپنے ہم قومون کو چھڑایا یا کونسی اخلاقی فضیلت کی روح ان مین پھونک دی ہان صرف اتنا ذکر ہے کہ چند ماہی گیر اسکے ایسے کرتبون کے سبب سے جیسے کہ بھوتون کا نکالنا۔ یا پانی کا شراب بنانا یا علاج کرنا وغیرہ اسکے پیچھے ہولئے تھے اور یہ وہ انسان ہے جسے اسلئے آسمان پر چڑھایا جاتا ہے کہ اسکا

اخیر دلون پر بیجید تھا۔ ہاگ صاحب کو اسکے اندر ایک ایسا عفو نظر آتا ہے جو ہر قسم کی سختی کی آلایش سے پاک وصاف رہا۔ لیکن بیچارے یہودی ابتک اس کی گالیونکے شاکی ہین جو وہ ان کے مقدس علما اور بزرگونکو لکالاکرتا تھا اور اسلئے وہ اسکے اندر کینہ توزی کی صفت کو پاتے ہین۔ شائد ہاگ صاحب اسکا جواب یہ دے کہ اخلاقی فضیلت تو اسکے اندر موجود تھی لیکن اس نے اس ذخیرہ کو خرچ نہین کیا۔ کیونکہ دوسری جگہ وہ یسوع کی ظاہری ناکامیون اور نامرادیون کا جواب یہ دیتا ہے کہ "وہ ایک عظیم الشان طاقت رکھتا تھا لیکن اس نے اسے خرچ نہین کیا"۔ اسکو تو ایسا معلوم ہوتا ہے لیکن یہودیون کو اسکے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اور اس اپنی طاقت کو بھی وہ گاہے گاہے موقع پاکر خرچ ہی کرلیا کرتا تھا۔ مثلاً اناجیل مین یہ ایک بڑے جلال کا واقع بیان کیا گیا ہے جبکہ یسوع ایک گدھی یا گدھی کے بچہ یا دونون پر سوار ہوکر (بیشک انجیلون مین ہی پایا جاتا ہے) یروشلم مین جہلاء کی چیخون اور خوشی کے نعرون کے اندر بڑے جلال سے داخل ہوا۔ ایسا ہی ایک اور موقعہ پر اس نے ہیکل مین داخل ہوکر صرافون کے تختے اور کبوتر فروشون کی چوکیان الٹ دین اور ان کو کوڑے مار کر ہیکل سے باہر نکالدیا۔ سو معلوم ہوا کہ وہ اپنی طاقت کو موقعہ پاکر خرچ بھی کرلیا کرتا تھا۔ جیساکہ اور انسان بھی جب انکو موقعہ ملتا ہے خرچ کرہی لیتے ہین اور بے موقعہ طاقت کو برتنا تو بیوقوفی ہے۔ مثلاً ہیکل کے اندر سے تو کوڑے مار کر غریبونکو باہر نکالدیا۔ لیکن ہیکل کے اوپر سے گرنے سے انکار کیا کیونکہ جو اسکا انجام ہوتا وہ کسی سے پوشیدہ نہین +

اس لئے اب ہمین وہ علامات دیکھنی چاہئیین جن سے کسی انسان کی بےنظیری کا ثبوت ملسکے اگر کوئی شخص خیال کرے یا اپنے دل مین محسوس کرے کہ فلان واقعہ یون ہے تو محض خیال سے تو وہ واقعہ اس طرح نہین ہوجاتا۔ یہ تو بالآخر ایک خیال ہی ہے دلیل کوئی نہین ایک ہی امر کی نسبت مختلف آدمی مختلف طور سے خیال کرتے ہین۔ اور کوئی وجہ نہین کہ ایک عیسائی کے خیال کو صحیح سمجھ لیا جائے اور ایک یہودی کے خیال کو بے دلیل غلط مان لیا جائے اگر خدا واقعی محدود ہوکر زمین پر آگیا تھا اور یسوع کی شکل مین اس نے انسان کے خدا سے تقرب ڈھونڈنے مین درمیانی کا کام دیا تھا تو ایسے تقرب کے کوئی ظاہر نشان بھی ضرور ہونگے اور ہونے چاہئیے۔ کیونکہ صرف دعوون پر جن کی کوئی دلیل نہ ہو کسی امر کا فیصلہ نہین کیا جاسکتا اور ہاگ صاحب نے خود بھی تسلیم کرلیا ہے کہ شفاعت کے مدعی دوسرے لوگ بھی ہین کسی انسان کو اس امر کا احساس ہوجانا کہ فلان شخص شفیع اور بےنظیر ہے

کوئی معیار اس کی بے نظیری کو پرکھنے کا نہین ہے اور نہ یسوع نے کبھی یہ تعلیم ہی دی بلکہ وہ تو کہتا ہے کہ "اگر تم مین ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو تو تم اس پہاڑ کو کہو کہ یہان سے اٹھکر وہان چلا جا تو وہ چلا جائیگا اور تمہارے لئے کوئی بات ناممکن نہ ہوگی" متی ۱۷/۲۰۔ اور پھر کہتا ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے متی ۱۲/۳۳۔ خود عیسائی بھی یہ لاف زنی کرتے ہین کہ خدا ہماری دعاؤن کو سنتا اور ہمین ان دعاؤن کا جواب دیتا ہے اگرچہ یہ گفتگو گھر کے دائرہ کے اندر یا اسی حد تک محدود ہو جبتک سننے والے عیسائی ہون لیکن بالمقابل دوسرے مذاہب کے ایسے دعوے کی جرات ہرگز نہین کیجاتی کیونکہ وہ جانتے ہین کہ اگر واقعی اسی کو معیار قرار دیا جاوے تو وہ کامیاب نہین ہو سکتے۔ تجربہ ان کے لئے مہلک ہے۔ اب دعا کا اثر صرف اسی حالت مین معلوم ہو سکتا ہے کہ خدا سے خبر پاکر اسکے انجام کی پہلے اطلاع دیجاوے لیکن ایک بھی عیسائی ساری دنیا مین اسوقت ایسا موجود نہین ہے جو اس رنگ مین اپنی دعا کی قبولیت کا دعوے کر کے ثبوت دے سکے۔ کوئی عیسائی ایسی جرات نہین کر سکتا کیونکہ اللہ تعالے کے ہان کسی کو قرب حاصل نہین اگر یہ لوگ سچے دل سے یہ خواہش رکھتے کہ وہ سچے شفیع کو ثبوت کے ساتھ پالین تو دوسرے تمام مباحثے ختم ہو جاتے لیکن ان کی غرض سچائی کے اظہار سے نہین ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ ان کی دکانین چلتی رہین اور اسلئے اصل امر تنقیح طلب کو ہمیشہ ٹال کر اور بحثین چھیڑ دیجاتی ہین کسی نبی کی بے نظیری اور شفاعت اُس قرب الٰہی سے معلوم ہو سکتی ہے جو اسکے پیرؤون کو حاصل ہو اور جسکا وہ ثبوت دے سکین جس صورت مین ہم دوسرون کے بے دلیل دعوون کی تردید کر رہے ہین کیونکہ وہ انکے ساتھ کوئی دلیل پیش نہین کرتے تو ہم خود کبھی نہین کر سکتے کہ پھر خود ہی ایک دعوے بلا دلیل پیش کر دین اور نہ ہم یہ چاہتے ہین کہ بڑے بڑے الفاظ کے گرد و غبار مین اپنے مطلب کو چھپانے کی کوشش کرین۔ جیسے ہاگ صاحب نے کیا ہے۔ ہم واقعات کو پیش کرتے ہین اور ہر ایک شخص بجائے خود انکو پرکھ سکتا ہے۔ ہمارے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر اور آپ کا ہی خدا اور انسان کے درمیان سچا شفیع ہونا ایسے واقعات پر مبنی ہے جن کی سچائی سے انکار نہین ہو سکتا۔ آنحضرت صلعم کا اثر آپکے پیرؤون پر ایسا تھا کہ انہون نے صرف آپکی خاطر ہر ایک راحت اور آرام کو چھوڑ کر مصیبتین اختیار کین اور اپنے ملک و وطن کو اور اپنی جائیدادون کو چھوڑ دیا یہ آپکی ہی شفاعت کا نتیجہ تھا۔ کہ عرب جو شرک اور بت پرستی اور ہر قسم کی بدیونین تلے ہوئے تھے یکدفعہ ان سب کو چھوڑ کر نہ صرف توحید الٰہی کے قائل ہو گئے بلکہ اس طرح یہ توحید انکے دلونکے اندر رچ گئی کہ اسکے پھیلانے مین انہون نے

وہ ہمت دکھلائی جس کی نظیر دنیا مین ایک بھی نہین وہ ذلت کے انتہا گڑھو نسے نکلکر تہذیب اور راستبازی
کے اعلےٰ مقامون پر پہنچگئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا لفظ انپر جادو کا سا اثر کرتا تھا۔ مدینہ کا وہ نقشہ
جب شراب کی ممانعت کا حکم نازل ہوا بیشمار مثالون مین سے ایک مثال ہو۔ جب یہ اطلاع پہونچی کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے شراب کو منع کر دیا ہے تو اسی وقت شراب کے مٹکے تمام شہر کے اندر توڑ ڈالے گئے
اور شراب گلیون مین اس طرح بہ رہی تھی جیسے مینہ کا پانی۔ کوئی دنیا مین ایسی اور بھی نظیر ہے کہ ایک انسان
کی آواز مین ایسی کشش اور ایسی قوت ہو۔ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جو برکات اس امت
محمدیہ کو ملین وہ آپ کی دنیوی زندگی کے ساتھ منقطع نہین ہوئین بلکہ آپ کی شفاعت سے اس امت کو
غیر منقطع اور ابدی برکات عطا کی گئی ہین یہ آپ کی ہی شفاعت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ آپکے پیرو ؤن
سے ہمکلام ہوتا ہے اور اُن پر غیب کی خبرین کھولتا ہے۔ وہ ان کی دعاؤن کو سنتا اور قبل از وقت
اطلاع دیتا ہے۔ پھر یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی برکت ہے جو آپ کی امت مین مسیح موعود
پیدا کیا گیا ہے جو ان تمام برکات کا زندہ ثبوت موجود ہے اور نہ صرف بہت موقعون پر اسلام کے اندر
ان برکات کے موجود ہونے کا ثبوت دے چکا ہے بلکہ اب بھی حق کے طالبون کو ایسا ثبوت دینے کو تیار ہے۔
ہزارہا آسمانی نشان اس کی تائید مین ظاہر ہو چکے ہین اور لاکھون دعائین قبول ہو چکی ہین جن کی اکثر
پیش از وقت اطلاع دی گئی۔ ان نشانات اور ان دعاؤن کے قبول ہونیکے لاکھون زندہ رویت کے
گواہ موجود ہین لیکن اگر باوجود ان تمام شہادتون اور ثبوتونکے بھی کسی کو شک ہے تو وہ خدا کے تازہ نشانات
دیکھ سکتا ہے جو بارش کی طرح برس رہے ہین ہان یہان ایک انسان موجود ہے جو اپنے قرب
الٰہی کا ثبوت دیتا ہے۔ کوئی عیسائی ہے جو اس کی آواز کو سُنے؟۔

”رانا گھاٹ کا پادری“

پادری صاحب کو مباحثات کا شوق تو بہت ہے۔ لیکن ذاتی حملونکے بغیر مباحثہ کرنا اسکے لئے قریبًا
ناممکن ہے اور اسکے حملے بھی عمومًا بدزبانی اور گالیون کی نوبت تک پہونچے ہوتے ہین اسی پر بس نہین

بلکہ وہ بڑی جرأت سے ایسے لوگون پر بھی حملے کرتا ہے اور سخت درشت الفاظ مین ان کا ذکر کرتا ہے جو مباحثہ مین شامل نہ ہون اسکے ان افعال سے ثابت ہوتا ہے کہ انجیل کی اس آیت کی دھمکی جسکا وہ وعظ کرتا ہی اسکے خبث نفس کو دور نہین کر سکی جہان یہ لکھا ہے کہ جو کوئی اپنے بھائی کو بیوقوف کے خطاب سے بھی مخاطب کرے گا اسکی سزا جہنم ہے۔ متی ۵۔ ۱۶۔ جنوری ۱۹۰۵ء کے اخبار ایپی فینی مین اسکا ایک خط چھپا ہے جسمین وہ لکھتا ہے "جو طریق مرزا اختیار کرتا ہے وہ بڑا سیدھا طریق ہے لیکن وہ ایک انصاف پسند مباحث کا طریق نہین بلکہ ایک مکار اور فریبی کا طریق ہے۔ ان کی دو چالین ہین۔ پہلی چال جو ایک کمینہ کارروائی ہے وہ ایسی باتون کا دریافت کرنا ہوتا ہے جو بالکل بیہودہ اور بے اصل ہون۔ اور دوسری جو اس سے بھی زیادہ شرمناک کارروائی ہے وہ قرآن شریف اور دوسری کتابون کی عبارتون کے ظاہر معنی کو تحریف کرکے پیش کرنے کا حیلہ ہے جسسے وہ اپنی خیالی تحقیقاتون کی تائید مین پیش کرتے ہین" اسی دشنام آمیز اور طنز آمیز لہجہ مین اس کی ساری چٹھی لکھی ہوئی ہے اور گالیون کے علاوہ بار بار اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ "مرزا کو یہ شکست ہوئی وہ شکست ہوئی اور خود اسے اور اسکے حامیون کو یہ یہ فتوحات ہوئین۔

اگر مباحثہ مین ہم بھی اسی طریق کو اختیار کرتے تو ہمین پادری صاحب سے مباحثہ کرتے وقت نعوذ باللہ یسوع کو گالیان نکالنی چاہئین تھین کیونکہ ہم لوگ جو فرقہ احمدیہ کے مسلمان ہین حضرت میرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود مانتے ہین جیساکہ ڈاگلاس کا پادری یسوع کو مسیح مانتا ہے۔ جو مضمون ہمارے اس رسالے مین بعنوان "عصمت انبیاء پر پادری مانرو کے رسالے" چھپتا رہا ہے وہ حضرت مسیح موعودؑ کا یا کسی اور نامہ نگار کا لکھا ہوا نہ تھا جیساکہ خود اس امر سے ظاہر ہے کہ اسکے نیچے کسی کے دستخط نہ تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے صرف ایک مضمون عصمت انبیاء پر لکھا تھا جو ان کے نام سے مئی ۱۹۰۲ء مین چھپ چکا ہے لیکن ان کا وہ مضمون پادری مانرو کی کسی تحریر کے جواب مین نہ تھا اور نہ ہی سارے مضمون مین اسکو مخاطب کیا گیا یا اس کی طرف کوئی اشارہ کیا گیا تھا۔ اس امر کی اطلاع پہلے بھی ہم اسی دسمبر کے رسالے مین دے چکے ہین اور اسوقت بھی ہم نے ظاہر کیا تھا کہ اس شخص کی عادت ناحق حضرت مسیح موعودؑ کو گالیان نکالنے کی ہے۔ یہ بیہودہ درجہ کی شرارت ہے کہ اس مضمون کے بعد بھی ایک بڑے فرقہ کے مقدس سرگروہ کو اس طرح گالیان نکالی جاوین حالانکہ لکھنے والے کو علم ہو چکا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ یہ مباحثہ نہین کر رہے +

اب ہم اس کی چٹھی کے مضمون کو دیکھتے ہین ظاہر یہ کیا گیا ہے کہ یہ چٹھی ریویو آف ریلیجنز کے ان مضامین کی تردید مین ہے جو پادری مانرو کے رسالون پر ریویو کرتے ہوئے ہم نے عصمت انبیاء علیہم السلام کے متعلق لکھے تھے۔ اب اس نے ایک نیا طریق سوچا ہے جس سے بہت سارے مضبوط دلائل کی جن کی وہ مفصل تردید نہ کرسکتا ہو۔ ایک لفظ مین ہی تردید کردے۔ چنانچہ اپنی چٹھی کے آخری فقرہ مین وہ لکھتا ہے "یہی طریق نئی باتین نکالنے کا یا تحریف کا یا دونون کو ملا کر ریویو آف ریلیجنز کے ان سارے مضامین مین اختیار کیا گیا ہے جن مین آدم پر شرک کے الزام کے متعلق یا ابراہیم۔ موسےٰ۔ داؤد۔ یونس وغیرہ کے متعلق بحث کی گئی ہے"۔ کفارے کے مسئلہ کی طرح تمام مشکلات سے نجات پانیکا پادریصاحب کو یہ اچھا طریق سوجھا ہے اور اس عظیم الشان دریافت کا موجد رنا گھاٹ کا چالاک پادری ہے وہ اسی بات کو کافی سمجھتا ہے کہ اس نے بزعم خود ایک دلیل کو غلط ثابت کر دیا ہے اور اسی سے یہ سمجھ لیا ہے۔ کہ باقی دلائل بھی سب اسی قسم کے ہونے چاہئے اور جو لوگ اسکے دھوکہ مین آئے ہوئے ہین وہ اسکی بات کو صحیح مان لیتے ہین +

اب ہم دیکھتے ہین کہ حضرت آدم کے ممنوع پھل کھانے کے متعلق پادری مانرو کون کونسی باتین پیش کرتا ہے۔ سب سے پہلے اس نے یہ فرض کر لیا ہے کہ جو معنے ہم قرآن کریم کی آیات کے کر رہے ہین وہ بالکل نئے معنے ہین جو مسلمان علماء اور مفسرین کو معلوم بھی نہین اور اس لئے نہایت جرأت سے وہ یہ الزام دیتا ہے کہ یہ مرزا صاحب کی اپنی تراشیدہ بیہودہ باتین ہین۔ افسوس ہے کہ اپنی جہالت کیوجہ سے اس شخص نے ایسی گستاخی سے یہ الزام دوسرے پر لگایا ہے۔ اسے مطلق پروا نہین کہ جب اسکا پول کھلیگا تو لوگ کیا کہینگے اور مباحثات مین اس کی دیانتداری کی کہانتک قائل ہونگے بلکہ وہ بالکل بے سوچے سمجھے سر سے لیکر پیر تک جھوٹے بیان اخبارات مین دلیری سے شایع کرتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا عقیدہ ابتدائی زمانہ سے قریبًا قریبًا ساری اسلامی دنیا کا عقیدہ رہا ہے اور اسکے خلاف ماننے والے لوگ نسبتًا بہت ہی قلیل مقدار مین پائے جاتے ہین اور قرآن شریف کے الفاظ کے ہمیشہ وہی معنے سمجھے گئے ہین جو اس عقیدہ سے مطابقت رکھتے ہون یہ پرلے درجہ کی حماقت اور جہالت ہے کہ قرآن شریف کے الفاظ کے جو معنے کثرت سے مسلمان سمجھتے رہے ہین ان معنون کے بیان کرنے مین ہم پر نئی باتین تراشنے اور تحریف کا الزام دیا جاوے اور اس امر کو بھی کہ مسلمان ان آیات کے یہی معنے سمجھتے رہے ہین۔ ہم محض اس لئے پیش کرتے

ہین کہ یہ امر واقع ہے ورنہ الفاظ کے معنے عبارت پر منحصر ہین اور اگر پہلے کسی مسلمان نے ان الفاظ کے یہ معنے نہ بھی سمجھے ہوتے تاہم کوئی امر ان معنون کے کرنے سے ہمین مانع نہ تھا۔ اور پادری مانرو کو ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ تحریف تو اسی کا ورثہ ہے جو اُسکو اُسکے مقدّس بزرگون سے ملا ہے جنہین قرآن شریف صاف الفاظ مین تحریف کا الزام دیتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس طرح پر بار بار ہمین تحریف کا الزام دینا یا مسلمانون کو اس خیالی فتح مین شامل کرنے کے لئے جو اسے اپنے زعم مین حاصل ہوئی ہے۔ اس کی غرض صرف عوام کی جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے۔

پادری مانرو کا اعتراض صرف اسقدر ہے کہ آیت **ولقد عہدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما**۔ سے یہ نہین پایا جاتا کہ حضرت آدم کا ارادہ حکم الہی کو توڑنیکا نہین تھا۔ بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ اسنے حکم الہی کی تعمیل مین استقلال نہین دکھلایا اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ پہلے معنے ہماری اپنی من گھڑت ہین اور دوسرے معنے وہ ہین جن پر سب مفسّرین نے اتفاق کیا ہے یہ اس کی چِٹھی کا خلاصہ ہے (اگر اس کی گالیون کو الگ کر دیا جاوے) یہ بات ظاہر ہے کہ خواہ لفظ عزم کے کوئی معنے لئے جاوین حضرت آدم کی بیگناہی لفظ نسی سے جو ان کے حق مین یہان استعمال ہوا ہے کافی طور پر ثابت ہوتی ہے یہ لفظ صاف طور پر ارادہ کی نفی کر رہا ہے کیونکہ جہان کسی فعل یا ترک فعل مین نسیان ہے وہان ارادہ موجود نہین ہو سکتا شروع سے جب ہمنے گناہ کی تعریف کی ہے اس مین ارادہ کو جزو لازمی قرار دیا ہے لیکن اب جب پادری مانرو کو یہ نظر آیا کہ اس تعریف کے رو سے حضرت آدم کی بے گناہی ثابت ہوتی ہے تو جھٹ سے کہدیا کہ یہ تعریف گناہ کی مرزا صاحب کی اپنی رائے ہے جس کی سند انکے پاس کچھ نہین۔ ظاہر ہے کہ نسیان ایک فطرتی کمزوری ہے جو انسان کے اختیار سے باہر ہے اور خدائے تعالےٰ فرماتا ہے **لا یکلّف اللہ نفساً الا وسعہا** پس انسان نسیان کے بارہ مین کیونکر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ پر شریعت اسلامی مین یہ صاف حکم ہے کہ جو آدمی وقت مقررہ پر نماز ادا کرنی بھول جاوے تو اسکو چاہیئے کہ جب یاد آوے نماز ادا کر لے اور ایسا ہی روزے کے بارے مین حکم ہے کہ جو شخص بھول کر روزے مین کچھ کھالے یا پی لے تو اس سے اسکا روزہ فاسد نہین ہوتا یہ وہ موٹے موٹے قاعدے ہین جن سے تمام مسلمان آگاہ ہین اور اس لئے یہ مسئلہ کہ نسیان کی صورت مین اور ارادہ کی عدم موجودگی مین گناہ لازم نہین آتا۔ سچا مسئلہ اسلامی شریعت کا ہے نہ کہ ہمارا اپنا تجویز کردہ اور اگر اس سے پادری مانرو کی تسلی نہین ہوتی تو اسے چاہیئے کہ

صحیح بخاری کی پہلی ہی حدیث کو دیکھیے جہان لکھا ہے:۔انما الاعمال بالنیات۔ کہ ہر ایک عمل نیت اور ارادے سے ہوتا ہے۔ وانما لکل امرء مانوی۔ اور ہر ایک انسان کیلئے وہی ہے جو وہ نیت اور ارادہ کرے۔ یہ تمام وہ سندین ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت حقہ اسلام نے ارادہ کو جزو لازمی گناہ مین قرار دیا ہے۔ اور پادری مانرو کو یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ یسوع بھی یہی کہتا ہے کہ خدا ارادہ اور نیت کو دیکھتا ہے جس سے کوئی فعل کیا جاوے۔ اگر وہ اس امر کا انکار کرے گا تو ہم اسے حوالہ بھی دیدینگے۔

اب ہم لم نجد لہ عزما کے معنون پر غور کرتے ہین اس سے پہلے لفظ نسی واقع ہوا ہے جسکے معنون پر پادری مانرو نے کوئی اعتراض نہین کیا اور اس لفظ کے معنے یہی ہین کہ وہ بھول گیا۔ الفاظ زیر بحث کے لفظی معنے سوائے اسکے کچھ نہین کہ ہم نے اس مین ارادہ یا عزمیت نہین پائی اور اس سے دونون صورتین نکلسکتی ہین یعنی حکم الہی کو توڑنے کا ارادہ یا احکام الہی پر قائم رہنے کا ارادہ یا عزمیت۔ لیکن لفظ نسی جو پہلے واقع ہوا ہے وہ خود حکم الہی کے توڑنیکے ارادہ کی نفی کر رہا ہے۔ اور اسلئے ان الفاظ مین جو کسی ارادہ کی نفی کی گئی ہے وہ وہی ہے جو اس سے پہلے لفظ نسی مین نفی کی گئی ہے صرف یہی حکم حضرت آدم کو خدائے تعالے کیطرف سے ملا تھا اور اگرچہ یہ حکم ان سے پورا نہ ہوسکا مگر خود خدائے تعالے نے اس معاملہ مین ان کی بریت یہ کہکر کردی کہ آدم سے نسیان ہوا۔ اور کسی حکم کی خلاف ورزی حضرت آدم سے ثابت نہین ہے جس کی وجہ سے یہ کہا جاسکے کہ ان مین احکام الہی کی تعمیل مین عزمیت نہین پائی گئی۔ جس حکم الہی کی تعمیل نہین ہوئی اس مین خود خدا تعالے نے ان کا نسیان قرار دیکر ارادہ کی نفی کردی ہے پس ان تمام وجوہات سے ثابت ہے کہ ان الفاظ کے یہی معنے اس عبارت مین چسپان ہین جو ہم نے کئے ہین۔ اب ہم پادری مانرو سے یہ پوچھتے ہین کہ وہ ایمانداری سے اس بات کا جواب دے کہ یہ تحریف اور نئے معنے تراش لینے کا الزام جو اس نے ہم پر لگایا ہے سب تفسیرون اور دوسری مستند کتابون کو دیکھکر لگایا تھا اور یہ اطمینان کرکے لگایا تھا کہ واقعی ایسے معنے نہ کسی لغت کی کتاب مین اور نہ کسی تفسیر یا ترجمہ مین پائے جاتے ہین اور نہ ہی آج تک کسی مسلمان کو یہ معنے سوجھے ہین لیکن چونکہ ان واعظین انجیل سے یہ امید رکھنی فضول ہے کہ وہ صاف طور پر اپنی بیہودگی کا اقرار کرین اسلئے ہم ذیل مین دکھاتے ہین کہ یہی معنے جو ہم نے اس آیت کے کئے ہین پہلے بھی بڑے بڑے مستند مفسرین اور اہل لغت نے کئے ہین۔ تفاسیر کو ہم صرف اس غرض کے لئے پیش کرتے ہین کہ پادری مانرو کا صریح جھوٹ کھولا جائے ورنہ اور کوئی ضرورت نہین۔ تفسیر کبیر مین امام فخر الدین رازی حضرت آدم کی عصمت کے

متعلق اس آیت سے استدلال پکڑ کر لکھتے ہین ولانہ تعالے وصفہ، بالنسیان فی قولہ فنسی ولم نجدلہ عزما وذلک ینافی العمدیۃ۔ ترجمہ۔ اور اس وجہ سے بھی کہ خدا کے تعالے نے اسے اپنے قول فنسی ولم نجدلہ عزما۔ مین نسیان کہا ہے اور اس سے ارادہ کی نفی ہوتی ہے۔ پھر اس آیت کے نیچے لکھا ہے ولم نجدلہ عزما علے المقام علے المعصیۃ یعنی معصیت پر قائم ہونے مین ہم نے اسکا عزم یعنی ارادہ نہین پایا۔ ایسا ہی ابو السعود کی تفسیر مین لکھا ہے عزما علے الذنب فانہ اخطاء، ولم یعتمد۔ یعنی عزم سے مراد گناہ کرنیکا ارادہ ہے کیونکہ حضرت آدم سے چُوک ہو گئی اور انہون نے ارادہ نہین کیا۔ لسان العرب مین عزم کے معنے اس طرح کئے ہین۔ عزم علے الامر...ارادفعلہ۔ یعنی جب کوئی کسی فعل کا ارادہ کرے تو اسوقت کہا جائیگا کہ اس نے فلان امر پر عزم کیا اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ عزم کے نہ ہونے سے منشاء یہی کہ اس نے اس کام کا ارادہ نہین کیا ہمین اس بات سے انکار نہین کہ تفسیرون مین دوسرے معنے بھی کئے ہین لیکن کسی تفسیر مین ان معنون کے پلے جانیسے نتیجہ نہین نکلتا کہ پادری مانزو نے جس تفسیر سے لیا ہو وہ درست ہے اور جن مستند تفسیرون اور لغت کی کتابونکے حوالے ہم نے پیش کئے ہین ان کا وجود اور عدم بھی برابر ہے +

اسی مضمون مین ہم نے لسان العرب کا ایک حوالہ دیا تھا اسکے متعلق بھی بڑی جرأت سے پادری مانزو تحریف کا الزام دیتا ہو لیکن یہ نہین بتایا کہ ہم نے اصل عبارت کو بدل ڈالا ہو یا معنے صحیح نہین کئے۔ جو لوگ لسان العرب کو دیکھ سکتے ہین وہ اس کی جلد ۱۹ صفحہ ۳۰۸ سطر ۶ و ۷ کو دیکھین جہان لکھا ہو:۔ غوی الرجل خاب......وقولہ عزوجل فعصی آدم ربہ فغوی ای فسد علیہ عیشہ۔ یعنی غوی کا استعمال کسی آدمی کے متعلق یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ناکام رہا۔ اور اللہ تعالے کا فرمانا کہ عصی آدم ربہ فغوی اس سے مراد یہ ہو کہ فسد علیہ عیشہ، یعنی اس کی زندگی کے امن مین فساد آگیا۔ یہ تو حوالہ لسان العرب کا ہو اور اب اسکے ساتھ ہم لین صاحب کی عربی انگریزی ڈکشنری کا حوالہ بھی پیش کرتے ہین دیکھو جلد ۶ صفحہ ۲۳۰۴ جو غوی کے مختلف معنون مین ایک یہ معنی بھی لکھتا ہو کہ مایوس ہوا یا اپنی خواہش کو حاصل نہ کر سکا اور پھر لکھتا ہو کہ قرآن شریف کی بیسوین سورت کی آیت ۱۱۹ مین ایک یہ قرات بھی آئی ہو۔ فَغَوِیَ.....اور اسکے معنے کرکے پھر لکھتا ہو کہ اس سے بہتر وہ معنی ہین جو راغب نے اختیار کئے ہین جس مین قرات فَغَوٰی ہے۔ اور اسکے معنے یہ ہین کہ اس کی زندگی اسکے لئے مشکل ہو گئی یا یہ کہ وہ مایوس ہوا یا یہ کہ اس نے لاعلمی سے ایک کام کیا۔ یا بعضے دوسرے معنے جو مفسرین نے اختیار کئے ہین انتہی۔ اگر پادری مانزو ان تمام امور پر غور کرکے

ان سے فایدہ اٹھائے تو اسکے حق مین بہت بہتر ہے ٭

پادری مانرو کو اپنے جھوٹ کے کھلجانیکا ڈر کبھی نہین ہوتا۔ وہ یہ نہین سوچتا کہ مین کیا کہنے لگا ہون بلکہ بغیر سوچے کے اپنی فینی کیطرف بھاگ اٹھتا ہے کیونکہ وہان اسکو جگہ ملجاتی ہے اور اسکے ایڈیٹر کی مہربانی سے وہ بڑے بڑے کام کر سکتا ہے۔ یہ وہ اخبار ہے کہ جب مباحثہ ہوتا ہے تو فریق مخالف کے لئے جھٹ یہ اعلان کر دیتا ہے کہ اب مباحثہ بند ہوگیا ہے۔ لیکن اپنے فریق کے لئے اسکے کالمن مین غیر محدود گنجایش ہوتی ہے خصوصًا پادری مانرو کی لافونکے لئے۔ چنانچہ جو بحث عصمت انبیاء کے متعلق اس پرچہ مین کچھ دن رہی تھی اسکے متعلق ۱۷۔ جنوری سنہ ۱۹۰۳ء کو یہ اعلان کیا گیا تھا کہ آیندہ یہ بحث بند کیگئی ہے لیکن مانرو کے مضمون ۶ اجنوری سنہ ۱۹۰۴ء بلکہ ۲۳ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء تک اس مین نکل رہے ہین اور اسی مضمون کے متعلق۔ خیر یہ ایک عیسائی پرچہ ہے اور اسکا اختیار ہے جو چاہے سو کرے۔ لفظ ظلم کے جو معنے ہم نے جولائی سنہ ۱۹۰۳ء کے مضمون مین کئے تھے انکو پادری مانرو اپنے پیشہ کی معمولی نرمی کے ساتھ "اشتقاقی جھل بل" کہتا ہے۔ اور ایسا ہی لفظ فارقلیط کے معنے کو خیال کرتا ہے۔ لفظ ظلم کے معنے وسیع ہین جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہین لیکن جو معنے ہمنے دیئے ہین وہ بھی عربی لغت کی کتابون مین موجود ہین۔ اس جگہ ہم صرف ایک کتاب پیش کرتے ہین یعنی لین صاحب کی عربی انگریزی ڈکشنری جس کی جلد ۵ صفحہ ۱۹۲۰ مین لکھا ہے کہ ظلم کے ابتدائی معنے بعض کے نزدیک النقص کے ہین یعنے کسی قسم کا نقصان یا حرج اٹھانا۔ اور پھر لکھا ہے کہ ظلمہ کے یہ معنے ہین کہ اس نے اسپر کوئی ایسا بوجھ ڈالا جو اس کی طاقت یا قابلیت سے بڑھ کر تھا۔ پادری مانرو اگر ان معانی کو مد نظر رکھکر ہمارے مضمون کو پڑھیگا تو اسے کوئی دقت ظلم کے معنے سمجھنے مین نہ آئیگی ان معنونکو خیالی یا وہمی قرار دینا محض اس کی جہالت کے سبب سے ہی جو عربی زبان سے اسکو ہے۔

فارقلیط کے مضمون پر ہم نے جولائی سنہ ۱۹۰۲ء مین بحث کی تھی اور اس سارے مضمون کو یہان دوبارہ نقل کرنے کی ضرورت نہین۔ لفظ کے معنونکے متعلق ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ ایک عربی لفظ ہے جو دو اجزاء یعنی فارق اور لیط سے مرکب ہے اور اسکے معنے بلحاظ ان اجزا کے عربی ترکیب کی رو سے باطل کو دور کرنیوالا یا حق و باطل مین امتیاز کرنیوالا ہین ہم نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ یونانی لفظ پیراکلیٹ لفظ فارقلیط سے ہی بگڑا ہوا ہے اور اس کی وجوہات صاف ہین کیونکہ جس شخص کے منہ سے یہ لفظ نکلا وہ عبرانی آدمی تھا۔ اور عبرانی بولی بولتا تھا۔ جو عربی سے بہت ملتی جلتی ہے

ان واقعات کو پادری مانر وچالاکیان کہتا ہے اگر یہی سچ ہے تو پھر لغت کی سب کتابین مانر وسکے نزدیک ایسی ہی ہونی چاہئین۔ فارقلیط اور پیراکلیٹ اس قدر ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہین کہ اس امر کو مدنظر رکھکر کہ ایک ہی شخص کیلئے یہ دونون لفظ دو مختلف زبانون مین بولے گئے ہین۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان مین سے ایک ضرور دوسرے سے بگڑا ہوا ہے اور جب اس امر کو بھی مدنظر رکھا جاوے کہ جس شخص نے یہ لفظ بولے وہ اور اس کے سامعین عبرانی بولنے اور سمجھنے والے تھے اور اس ملک مین یہی بولی عام طور پر بولی جاتی تھی۔ تو یقینی اور قطعی نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اصل لفظ عبرانی یا عربی ہے اور یونانی لفظ اسی کا بگاڑ ہے فارق عبرانی زبان مین توڑنے یا کچل ڈالنے کو کہتے ہین اور لوط کے معنے پردہ و غلاف سحر وغیرہ ہین۔ اس کی سند کے لئے پادری مانر وجیس عبرانی ڈکشنری کو چاہے دیکھ سکتا ہے لفظ لوط مختلف صورتون مین بائیبل کے مفصلہ ذیل مقامون پر انہین معنون مین استعمال ہوا ہے جو اوپر بیان کئے گئے ہین۔ دیکھو خروج $\frac{۷}{۲۲}$ و $\frac{۸}{۱۴ و ۳}$۔ یسعیا $\frac{۲۵}{۷}$۔ اسموئیل $\frac{۱۸}{۲۲}$ و $\frac{۲۴}{۵}$۔ ہم کئی دفعہ پہلے ثابت کر چکے ہین کہ عربی زبان سے جہالت کے سبب پادری مانر واکثر ایسی باتین منہ سے نکال دیتا ہے کہ اگر اسکو کچھ واقفیت ہو تو خود ہی شرمندہ ہو۔ فارقلیط خالص عربی لفظ ہے اور لسان العرب جلد ۱۲ صفحہ ۱۸۲ پر فرق کے مادہ کے نیچے اس لفظ کے متعلق یہ لکھا ہے وفی الحدیث فی صفتہ علیہ السلام ان اسمہ فی الکتب السالفتہ فارق لیطا ای یفرق بین الحق والباطل۔ اور ایسا ہی مجمع بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۳۰ پر لکھا ہے۔ ان اسمہ فی الکتب السالفتہ فارق لیطا ای یفرق بین الحق والباطل۔ دونون عبارتون کا مآل ایک ہی ہے یعنی یہ کہ حدیث مین آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام پہلی کتابون مین فارق لیط آیا ہے یعنی وہ جو حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنے والا ہے دو باتین خصوصیت سے دیکھنے کے قابل ہین۔ اول یہ کہ ان ہر دو لغت کی کتابون مین لفظ فارق لیط کو مادہ فرق کے نیچے دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ عربی ہے اور اس کا اشتقاق فرق سے ہے۔ کیونکہ مادون کے نیچے صرف وہی الفاظ دیئے جاتے ہین جو ان سے مشتق ہون۔ دوئم لفظ فارقلیط کو دونون جگہ فارق لیطا لکھا ہے اور اس طرح نہ صرف اسکے اجزا الگ الگ کرکے دکھا دیئے گئے ہین بلکہ ترکیب بھی بتلا رہی ہے کہ یہ ایک خالص عربی ترکیب ہے جسکے لفظی معنے حق اور باطل مین امتیاز کرنیوالا ہین اور اسلئے یہ لفظ کسی اجنبی زبان کا لفظ نہین ہو سکتا۔ ایسا ہی جو پیشگوئی فارقلیط کے متعلق انجیل مین ہے اسکے الفاظ سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ فارقلیط کے معنے یہی ہونے چاہئے جو عربی ترکیب مین

اسکے معنے ہین اس پر مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے جسکا اعادہ ضروری نہین ہے اس طرح پر ایک زبان کے الفاظ کا دوسری زبان مین جاکر خلط ملط ہو جانا اور دوسری زبان کی شکل اختیار کر لینا کوئی عجیبات نہین ہے۔ ایسا ہی اس صورت مین ہوا یعنی انجیل کے یونانی کاتبون نے لفظ فارقلیط کو جو پیشگوئی مین تھا یونانی لفظ پیراکلیٹ کے بالکل مشابہ پاکر اور یا تو اسکے ٹھیک ٹھیک معنے نہ سمجھ کر یا دونون الفاظ کے معنونکو قریب قریب خیال کرکے یونانی نسخہ مین لفظ پیراکلیٹ بجائے فارقلیط کے درج کر دیا لیکن ہم پادری مانرو سے یہ امید نہین رکھ سکتے کہ وہ ان تمام باتون پر غور کرکے اپنی کسی بیہودگی سے رجوع کریگا۔ ہان انصاف پسند ناظرین سمجھ سکتے ہین کہ اس مباحثہ مین پادری مانرو نے کہانتک ایمانداری سے کام لیا ہے اور باوجود اسکے گالیون اور استہزا مین کہانتک نوبت پہونچا گئی ہے +

"نوٹ اور ریویو"

ہوس آف لارڈس کے ایک مسلمان ممبر کی وفات

یہ امر کہ مرحوم ہنری ایڈورڈ جان سٹینلی جو ایلڈرلی کا نبسرا بیرن سٹینلی کے نام کا تھا صدق دل اور خلوص سے اسلام پر ایمان رکھتا تھا بہت کم لوگونکو معلوم تھا۔ لیکن صفوۃ الاعتبار کے پڑھنے والون پر (جو شیخ محمد بیرم خامس ساکن ٹونس کا سیاحت نامہ ہے) یہ امر پوشیدہ نہین کہ لارڈ سٹینلی مدت سے سچا مسلمان تھا۔ لیکن اس کا ایمان صرف زبانی اقرار تک ہی نہ تھا بلکہ ان واقعات سے جنکا ذکر صفوۃ الاعتبار کے مصنف نے کیا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی صداقت اسکے دل کے اندر رچی ہوئی تھی وہ نہ صرف پانچون وقت کی نماز کا ہی پابند تھا بلکہ تہجد کا بھی خاص طور سے التزام کرتا تھا اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اسکی نمازون مین وہ گریہ و بکا اور سچا خضوع خشوع تھا جو بہت کم پیدائشی مسلمانون کی نمازون مین پایا جاتا ہے۔ اس کی گفتگو مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کمال درجہ کی محبت اور ادب پایا جاتا تھا۔ مذہب اسلام سے بڑی وسیع واقفیت رکھتا تھا۔ یہ ۱۸۸۶ء کا ذکر ہے۔ یہ کب خیال ہو سکتا تھا کہ لنڈن جیسے شہر کی لاکھون انسان پرست مخلوق کے اندر ایک سچے اور زندہ خدا کا پرستار

بھی موجود ہے۔ لارڈ سٹینلی ۱۲۔ رمضان المبارک جمعہ کے دن (مطابق ۱۱۔ دسمبر ۱۹۰۳ء) فوت ہوئے ان کا اسلامی نام عبدالرحمن تھا۔ اخبار کریسنٹ نے ان کی تجہیز و تکفین کے واقعات کو اس طرح بیان کیا ہے "۲۵ رمضان منگل کے دن (مطابق ۱۵ دسمبر) ان کی لاش ایلڈرلی پارک مین جہان ان کا آبائی گھر تھا ایک الگ جگہ مین دفن کیگئی۔ تجہیز و تکفین بالکل اسلامی طرز پر ہوئی کیونکہ اسی مقدس اور لاتبدیل مذہب مین وہ زندہ رہے اور اسی پر مرے۔ الحمد للہ۔ لاش ایک لکڑی کے سادہ صندوق مین رکھی گئی اور جو لوگ پارک مین کام کرتے تھے وہی محل سے اٹھا کر قبر تک لیگئے اسکے ساتھ ساتھ پیادہ پا ان کا وارث (لائیلف سٹینلی) اس کی بیوی ان کے دو بیٹے اور دوسرے رشتہ دار تھے۔ اور متوفی کی خاص ہدایت کے مطابق حامد بے رومی سفارت کا چیف سکرٹری ماتم کرنیکے لئے موجود تھا۔ اور نماز جنازہ ترکی سفارت کے امام نے پڑہائی۔ لورپول مین بھی ان کا جنازہ شیخ عبداللہ کوئلم نے پڑہایا"۔ اخبار فری تھنکر جس نے ان واقعات کی تائید کی ہے لکھتا ہے کہ اس سے عیسائیونکو سخت صدمہ ہوا ہوگا خدا تعالےٰ متوفی کو بہشت نصیب کرے۔ اور عیسائیون کی آنکھین کھولے کہ اس آفتاب صداقت کی روشنی اُنکے دلون مین داخل ہو +

یسوع کے نام مین دعا اسی رسالہ مین دوسری جگہ ہم نے لکھا ہے کہ کس طرح پر عیسائی لوگ ایکطرف تو یہ دعویٰ کرتے ہین کہ ہماری دعائین یسوع کے واسطہ سے قبول ہوتی ہین اور ہمین جواب ملتے ہین اور پھر مقابلہ اور امتحان کے وقت گریز کرتے ہین۔ اسکا ثبوت ایپی فینی مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۰۴ء سے ملتا ہے جسے رام پور سے سید ضیاء الحق نے ایک چھٹی اس اخبار کو لکھی ہے جس مین انہون نے اسکو اسکے اس دعوے کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس نے پہلی اشاعت مین کیا تھا کہ عیسائیون کی دعائین یسوع مسیح کے ذریعہ سے قبول ہوتی ہین اور انکے جواب ملتے ہین اور پھر فرقہ احمدیہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعاوی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ وہ مسیح موعود ہونیکا اور تمام دنیا سے زیادہ اپنی دعاؤنکے قبول ہونیکا دعوے کرتے ہین اور کہ اگر کوئی شخص دعا مین انکے ساتھ مقابلہ کرے تو یقیناً انکی دعا قبول اور انکے مخالف کی دعا مردود ہوگی اسکے بعد ڈاکٹر ڈوئی کا ذکر کیا ہے کہ اسکو انہون نے دعا مین مقابلہ کیواسطے بلایا تھا۔ مگر اس نے خاموشی اختیار کی اسکے بعد پھر یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ اپنے قول کو پورا کرنیکے لئے کسی پادری کو چاہیئے کہ وہ مرزا صاحب کے بالمقابل آئے اور دعا مین انکا مقابلہ کرے لیکن جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہین دعا کی قبولیت کا دعوے صرف عیسائیون کے دکھانیکے دانت ہین اور اگر کسی بات کا انکو یقین ہے تو وہ اس بات کا ہے کہ تجربہ اور عملی ثبوت انکے لئے مہلک ہین۔ چنانچہ مذکورہ بالا چھٹی کا جواب ایپی فینی

کے ایڈیٹر نے یہ دیا ہو کہ "چونکہ مرزا صاحب مسیح ہونیکا دعوے کرتے ہین ہم انکو چیلنج کرتے ہین کہ وہ اپنے دعوے کو تین طرح سے سچا ثابت کر کے دکھائین اول اپنے آپکو غیر فانی ثابت کر کے دوسرا اسلام اور عیسائیت کو جبراً اپنے تابع کر کے اور تیسرے آسمان سے آگ برسا کر اپنے سارے دشمنونکو ہمارے سمیت ہلاک کر کے اور ہم بھی دعا کرینگے کہ جب وہ خود فوت ہو جائین تو انکا فریب بھی ساتھ ہی ہلاک ہو جائے اور ہمارا نامہ نگار نتیجہ کا منتظر رہے"۔ اس قسم کے ثبوت انبیاء سے ہمیشہ مانگے گئے ہین۔ خود یسوع کو بھی ایک عمدہ موقعہ پیش آیا تھا۔ کہ اگر وہ ہیکل کے منارہ سے گر کر ثابت کر دیتا کہ خدا کے فرشتے اسکے ساتھ ہین تو شیطان بھی اسکا مرید ہو جاتا اگر یسوع یہ چھوٹا سا کرتب دکھاتا اور اس طرح اپنی مسیحیت ثابت کر دیتا تو شیطان بھی مغلوب ہو جاتا اور شاید صلیب کی تکلیف سے بھی یسوع بچ جاتا۔ اب ایڈیٹر ایپی فینی کی درخواست کہ مرزا صاحب اپنے آپکو غیر فانی ثابت کر کے مسیحیت کا ثبوت دین اسی قسم کی درخواست ہے جیسے پہلے مسیح سے کیگئی اسکی علاوہ دو اور ثبوت مانگے گئے ہین یعنی عیسائیت اور اسلام کو مغلوب کرنا اور آسمان سے آگ برسا کر تمام مخالفین کو مع اکسفورڈ مشن کے ممبرونکے ہلاک کرنا۔ واعظین انجیل کو مناسب ہے کہ ساری بائیبل نہین تو کم از کم انجیلونکو ذرا زیادہ غور سے مطالعہ کیا کرین۔ کیا یہ یاد ہو کہ جب یسوع سے نشان مانگا گیا تو اس نے کیا جواب دیا۔ متی کہتا ہے کہ اس نے یہ جواب دیا تھا کہ "اس زمانہ کے بد اور حرام کار لوگ نشان مانگتے ہین مگر انہین کوئی نشان نہین دیا جاویگا سوا یونس نبی کے نشان کے" متی ۱۲/۳۹۔ مرقس کہتا ہو کہ اس نے ایک سرد آہ کھینچی اور جواب دیا "اس زمانے کے لوگ کیون نشان طلب کرتے ہین انہین کوئی نشان نہین دیا جاویگا" مرقس ۸/۱۲۔ لوقا متی سے اتفاق کرتا ہو لیکن اسکی نسبت زیادہ شایستہ ہے کیونکہ وہ لوگونکو بدکار تو کہتا ہے لیکن حرامکار نہین کہتا۔ یوحنا کو معلوم نہین کہ کوئی ایسا واقعہ ہوا یا نہین۔ یہ ہمنے اسلئے بیان کیا ہو کہ تا معلوم ہو کہ اس پہلے مسیح کو جو آج خدا سمجھ کر پوجا جاتا ہو یہودیوں کے ساتھ کیا کیا مشکلات پیش آئے تھے۔ لیکن مسیح موعود تو ہر طرح کا ثبوت پیش کر رہا ہے۔ اب ایپی فینی کا ایڈیٹر اُن سے غیر فانی ہونیکا ثبوت طلب کرتا ہے لیکن یہ محض بیہودگی ہو۔ خدا کے مرسل روحانی طور پر تو غیر فانی ہوتے ہین لیکن جن معنون مین وہ غیر فانی ہونیکا ثبوت طلب کرتا ہو ان معنون مین کوئی انسان غیر فانی نہین بلکہ اسکے اپنے اعتقاد کے رو سے تو اسکا خدا بھی غیر فانی ثابت نہین ہوا۔ مذہبی مباحثات سے اُسیوقت کوئی فائدہ ہو سکتا ہو جب انصاف اور سچائی انمین مدنظر ہو۔ اگر پادری صاحبان اس طریق پر چلتے تو ایسی باتین انکے منہ سے نہ نکل سکتین۔ کیا یسوع نے وہ نشان دکھائے تھے جو یہودی اس سے

اسکے دعوے کے ثبوت مین طلب کرتے تھے؟ کیا اس نے یہودیونکے نزدیک اپنا غیر فانی ہونا ثابت کر دیا؟ کیا وہ صرف اکیلی قوم یہود کو اپنے مطیع کر سکا؟ کیا اس نے آگ برسا کر اپنے دشمنونکو ہلاک کر دیا؟ لیکن اگر باوجود مسیح ہونیکے بلکہ عیسائی اعتقاد کے موجب پورا پورا خدا ہونیکے ان کامون مین سے ایک بھی نہین کر سکا تو کیا عیسائیونکو یہ ثبوت مسیح موعود سے مانگتے ہوئے شرم نہین آتی +

لیکن اسکے باوجود بھی یہ دیکھنا چاہیے کہ یسوع کے بالمقابل مسیح موعود کو کسقدر عظیم الشان کامیابی ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ عیسائیت کی اصل عمارت تو مسیح کی قبر کے دریافت ہو جانیسے اور دوسرے زبردست دلائل سے جو زمانہ مین پیدا ہو گئے ہین گر چکی ہے۔ ابھی سے عیسائیونکو یہ فکر پڑی ہوئی ہے کہ پرانے عقیدون کی بجائے نئے عقیدے قائم کرنے چاہیئے کیونکہ سب سے بڑا عقیدہ خون مسیح کا جس پہ عیسائیت کا دار و مدار تھا وہی سب سے بڑا جھوٹ ثابت ہو کر چھوڑا جا رہا ہے۔ باقی رہا اسلام سو مسیح موعود کا ظہور اسکو قائم کرنے کیلئے اور اس مین دوبارہ جان ڈالنے کے لئے ہے اور جیسا جیسا عیسائیت کے عقیدے مرتے جاتے ہین اسلامی عقائد مین جان پڑتی جاتی ہے مسیح موعود کی جماعت اسوقت قریب دو لاکھ کے ہے۔ کیا کوئی پادری صاحب بتا سکتے ہین کہ یسوع کے مرید اس کی زندگی مین کتنے تھے۔ وہ آسمانی آگ جس مین ایڈیٹر صاحب اپنی قینچی چلنے کے خواہشمند ہین آسمان سے برس رہی ہے اور ملک مین ایک قیامت کا نمونہ ہو رہا ہے۔ کیا طاعون کی تباہی کسی کی آنکھونسے چھپی ہوئی ہے اور کیا یہ سچ نہین کہ نبیون نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ طاعون مسیح موعود کے ظہور کی نشانی ہے اور خود حضرت مسیح موعود نے اپنی کتاب براہین احمدیہ مین کئی سال اس سے پیشتر جو طاعون کا نام و نشان کہین ہو یہ پیشگوئی کی تھی اس بات کے ثبوت مین کہ یہی وہ آگ ہے جو آسمان سے برس رہی ہے۔ ایڈیٹر صاحب کشتی نوح کو پڑھین +

یہ تو ایڈیٹر صاحب کی درخواستین تھین۔ مگر اب ہم اُنسے التجا کرتے ہین کہ جیسا سید ضیاء الحق نے ہمین لکھا ہے اگر وہ اپنی دعا کی قبولیت کے دعوے پر جو اخبار مین چھپا یا تھا قائم ہین تو انکا فرض ہے کہ اسوقت بہانے بنا کر پیچھے نہ ہٹین اگر وہ یقیناً جانتے ہین کہ ان کی دعا قبول ہو گی اور انکے بالمقابل ایک ایسے شخص کی دعا قبول نہین ہو سکتی جسکو وہ "مفتری" کے نام سے پکارتے ہین تو کوئی وجہ نہین کہ وہ سید ضیاء الحق صاحب کی درخواست کو ٹالدین عیسائیت اور اسلام کے مذہبی اصولونکا جھگڑا انکے تھوڑا سا حوصلہ کرنیسے طے ہو سکتا ہے +

کلیسیا کے بڑے بڑے عہدے دارونکو کچھ کرنا چاہئے

ولایت کا اخبار ٹیبلٹ ۳۔ اکتوبر سنہ ۱۹ء کے اخبار مین لکھتا ہے کہ کلیسیا کے بڑے بڑے عہدے دارونکو کچھ کرنا چاہئے چنانچہ ذیل مین ہم اس کی عبارت کا ترجمہ دیتے ہین:۔ "مرزا غلام احمد صاحب نے انسکلوپیڈیا ببلیکا (بائیبل کا دائرۃ المعارف) پڑھا ہے اور چونکہ یہ مشہور و معروف کتاب انگریزی کلیسیا کے ایک عظیم الشان عہدے دار کی تصنیف ہے مرزا صاحب عیسائیت کی تردید مین اسکا حوالہ دیتے ہین اور شائد ایسا کرنے مین وہ معذور ہین۔ ہندوستان کے اخبار ریویو آف ریلیجنز مین یہ صاحب لکھتے ہین کہ "سب سے زیادہ معتبر کتاب جس مین اعلے درجہ کے عیسائی محققین کے خیالات کا اظہار ہے اور جسکے لکھنے والے ایسے اشخاص ہین جو عیسائی کہلاتے ہین انسکلوپیڈیا ببلیکا ہے جس کی دوسری جلد مین لکھا ہے کہ تمام انجیلون مین یسوع کے متعلق صرف پانچ ایسے فقرے ہین جو قابل اعتبار ہین پروفیسر شمیڈل جو زیوریچ کی یونیورسٹی مین اناجیل کی تفسیر کا پروفیسر ہے (کیونکہ یہ عظیم الشان عہدے دار اس مضمون کے لکھنے والا ہے) آگے لکھتا ہے کہ یہ فقرات جو یسوع کی علمی زندگی کے بنیادی پتھر کہے جاسکتے ہین قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت کرتے ہین کہ یسوع کی زندگی مین ہم ایک خالص انسان دیکھتے ہین اور الوہیت کا اگر کوئی شائبہ اس مین ہے تو صرف اسیقدر ہے جیسا اور انسانون مین ہوسکتا ہے۔ ہم امید کرتے ہین کہ پادری صاحبان ان صداقتون کا صاف اقرار کرینگے اور یسوع کی الوہیت کے فاسد عقیدے پر آیندہ کے لئے لعنت بھیجین گے۔" اخبار گارڈین کا ایک نامہ نگار مرزا صاحب کے اس فقرہ پر بحث کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "یہ تو کوئی تعجب کی بات نہین ہے کہ ایک مسلمان قرآن شریف کی وحی اور صداقت کے لئے اس سے بڑھ کر دعوے کرے جو عیسائی بائیبل کی نسبت کر رہے ہین لیکن یہ امر کہ وہ اس بات کی تائید پر ایک ایسی کتاب پیش کرے جسکا بہت حصہ انگریزی کلیسیا کے ایک عہدہ دار اور پادری اور آکسفورڈ جیسی یونیورسٹی کے پروفیسر کا لکھا ہوا اور مرتب کیا ہوا ہے ہمارے لئے ایک ایسی شرم کی بات ہے کہ اسکا نشانہ ہمین نہین ہونا چاہئے۔ اپنی پرائیویٹ حیثیت مین پروفیسر کین کو اختیار ہے جس طرح چاہے رائے لگادے اور جو چاہے لکھے لیکن جب وہ اپنی پبلک حیثیت اور اثر کو ایسے عقیدونکو پھیلانے مین استعمال کرتا ہے جو عیسائیت کے بنیادی اصولون کو خاک مین ملا رہے ہین تو وہ اس سارے کلیسیا کو جسکا وہ ممبر ہے اپنے ساتھ ملزم کرتا ہے اور اس مذہب پر ایک مہلک حملہ کرتا ہے جسکو کلیسیا پھیلانیکی کوشش کر رہی ہے۔ اسی مضمون پر ایک اپیل اعتراض کی صورت مین آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیونکے چانسلرون کی خدمت

مین پیش کی گئی ہی۔ لیکن جو نامہ نگار اخبار گارڈین کو لکھتا ہی اس کی رائے ہے کہ کلیسیا کے لاٹ پادریونکو بھی اس معاملہ مین کچھ کرنا چاہیئے وہ انکو وہ حلفی اقرار نامہ یاد دلاتا ہی جیسپر سب چھوٹے اور بڑے پادری ہان کر چکے ہین کہ "کیا تم پوری دیانتداری اور ہوشیاری کے ساتھ تمام غلط اور نئے اصولونکو جو خدا کے کلام کے خلاف ہین۔ دور کرنے اور رد کرنے کے لئے تیار رہوگے"۔ اور پھر کہتا ہے کہ "ہمارے خداوند کی الوہیت کا انکار کوئی نیا اور عجیب عقیدہ تو نہین لیکن کم سے کم ہمارا یہ ایمان ہی کہ غلط اور خدا کے کلام کے خلاف ہے"۔ لیکن اگر کلیسیا کے عہدے دار ہر ایک جھوٹے عقیدے کو بُرا کہنے لگین اور رد کرنے لگین تو انگریزی کلیسیا کی وسعت کہان جائیگی"۔

مگر ہم کہتے ہین کہ کلیسیا کے عہدے دار اس کتاب کو ہاتھ مین لیکر کیا کر سکتے ہین جس کو کلام الٰہی ماننا جھوٹ ثابت ہو چکا ہے۔ ہان ہم بھی ان اپیلونکے نتائج کے منتظر ضرور رہین +

متعلمین بائیبل کا اتحاد اور اعلےٰ تنقید۔ اس عنوان کے نیچے ریکارڈ اور راک ولایت کے دو اخبارون نے ۳۰۔ اکتوبر کو کورف صاحب کی ایک چھٹی چھاپی ہے یہ وہی صاحب ہین۔ جنہون نے اکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیونکے چانسلرون کے پاس ایک اپیل بھیجی تھی کہ اعلے تنقید کے نتائج عیسائی عمارت کو گرانے والے ہین وہ لکھتا ہے:۔

جناب من! ممالک غیر مین انجیل کی اشاعت کنندہ مجلس نے اپنے سہ ماہی رسالے مین ایک مضمون بعنوان "اعلےٰ تنقید مشنری کام کو مدد دینے والی ہے" درج کر کے گویا ایک چیلنج دیا ہے اور یہ بھی ایسے وقت مین جبکہ ہندوستان سے یہ خطرناک اطلاع پہونچی ہے کہ اعلےٰ تنقید کے اصولون پر اس جگہ اب کھلے طور پر بائیبل کو قرآن شریف کی طرح مانا جاتا ہے۔ چرچ مشنری سوسائٹی کے ہائی سکول کا پرنسپل کرشن نگر (بنگال) سے اخبار ریکارڈ کو لکھتا ہے کہ پنجاب کا ریویو آف ریلیجنز سب سے نئی اور اعلے درجہ کی تنقید کی بنا پر کہتا ہے کہ بائیبل کی وہی قدر وقیمت ہے جو قرآن شریف اسے دیتا ہے اور اس طرح پر مشنریونکو رد کر دیتا ہے۔ کہ وہ بائیبل کی تعلیم کو خیر باد کہین جو اس طرح پر باطل ثابت ہو چکی ہی۔ اور وہ اس امر کو تسلیم کرلین کہ یسوع کی برائے نام الوہیت دوسرے انسانون سے کچھ بھی زیادہ نہین اُس طریقہ پر جدید تنقید کی زبردست رَدّ کے سامنے بائیبل ایک تنکے کی طرح بہ گئی ہے" اور یہی اس کی قسمت مین تھا۔ دنیا بھر مین عیسائیت کی یہ شرمناک اور انجام بد کی دھمکی دینے والی حالت اس فوری اپیل کا

موجب ہوئی۔ جو اس ملک مین کیمبرج اور اکسفورڈ کی یونیورسٹیونکے چانسلرونکے پاس کی گئی۔ لہذا ان اسباب کی موجودگی مین مجلس اشاعت انجیل کی یہ تحدّی اگر اسکا فوری جواب نہ دیا گیا تمام ممالک غیر کے مشنری کام کو متزلزل کئے بغیر نہ رہے گی اسلئے اسکا جواب ضرور ہونا چاہئے۔ پھر انجمن ترقی تعلیم عیسوی نے حال مین ایک کتاب شائع کی ہے جس مین مندرجہ ذیل فقرات درج ہین "میری رائے مین تمام تاریخ عالم مین بدھ کی شخصیت یقیناً مسیح سے دوسرے درجہ پر ہے اگرچہ کہنے مین ہم اسکو موسےؑ سے افضل قرار دیتے ہین۔ اس طرح پر مندرجہ بالا الفاظ مین (جو اسقف اعظم ولسن نے لکھے ہین۔ اور بعنوان ایس۔ پی۔ سی کے طبع ہوئے ہین) ابراہیمؑ۔ الیاسؑ۔ داؤدؑ۔ یسعیاؑ۔ انجیل نویسون اور حواریون کنواری مریم اور پولوس رسول کا درجہ بدھ سے کم تر درجہ پر قرار دیا گیا ہے" مزید برآن برسٹل چرچ کانگرس مین ایک بشپ نے جسکو کینن ڈرایور اور کینن کی طرح سالہا سال تک ایک اعلے درجہ کا انگریز محقق ہونیکا فخر حاصل رہا ہے۔ انہین قیاسات کا اعادہ کیا ہے جن کی بنا پر بائبل کیصورت وصداقت کا انکار ہندوستان آسٹریلیا اور دیگر حصص دنیا مین ہوتی ہے ایسی تمام تحدیونکے جوابات خواہ وہ کسی کیطرف سے دئے گئے ہون پہلے سے موجود ہین کیونکہ گذشتہ چند سال کے اندر ایک کافی ذخیرہ ایسی کتابون کا موجود ہو گیا ہی جو انگلستان اور جرمن کے پروفیسرون کی ماہرانہ تصنیفات ہین نیز ان لوگون کی تصنیفات ہین جو بائبل کی جدید تنقید کے ہر شعبہ کے ماہر ہین۔ ان کتابون مین منقولی طور پر اعلے درجہ کے محققون کی نکتہ چینیون کی تردید کی گئی ہی اور اس طرح پر پاک نوشتون کی صداقتون کو مکرر قائم کیا ہی۔ مجلس متعلمین بائبل حال ہی مین انگلستان اور سکاٹلینڈ مین قائم کی گئی ہے۔ جسکا خصوصیت کے ساتھ یہ مدعا ہے کہ وہ اس ملک اور غیر ممالک مین بائبل پر حملون کی مدافعت کے علم کی اشاعت کرے اور اس طرح پر ہر شخص کی وسعت کے موافق بائبل کی معقول حفاظت کے اوزار اور مصالح کو بہم پہونچائے۔ اگر اس ملک کو عیسائی رکھنا ہی تو بائبل کی کامل مدافعت یا حفاظت اس ملک کی قومی زندگی کا ایک ضروری جزو ہو گیا ہے اور ان زبردست کوششونکو جو بچونکو مدرسون مین اور بائبل کی جماعتون مین اعلے تنقید کے اصول سکھا کر انکو ان اصولونپر قائم کرنیکے لئے کی جاتی ہین ملحوظ رکھکر یہ اور بھی زیادہ ضروری معلوم ہوتا ہی۔ بالآخر سب سے آخری تدبیر جو ان برباد کن محققون نے پارہ پارہ شدہ بائبل کے معاوضہ مین پیش کی ہے یعنے "مسیح بذات خود اور اس کی تعلیم" ہے۔ اور یہ دونون کنیوسس سکول اور انسکلوپیڈیا ببلیکا کی متحد کوششونسے برباد ہو گئی ہین کیونکہ انہون نے مسیح کو ایک ایسا معلم قرار دیا ہی جس سے صدور خطا ہوتا رہا۔

اور اسکو ایک معمولی انسان کے درجہ پر تنزل کیا ہے۔ اس طرح پر کچھ بھی باقی نہین رہا۔ ہان بجز اس گرد و غبار کے جو کونے کے پتھر کے گر کر چور چور ہونے سے پیدا ہو کچھ بھی نہین رہا۔ ہان ٹھیک اسی طرح جیسے پہلے کہا گیا تھا مجلس متعلمین بائیبل مین چند مشہور علماء عصر بھی شریک ہین"

اس اقتباس کو پڑھکر جو ریکارڈ جیسے مشہور اخبار سے کیا گیا ہے اور جو ایک زبردست عیسائی کی قلم سے نکلا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ عیسائیونکو عیسائی رکھنے کے لئے نہین بلکہ یون کہو کہ یا کم از کم انگلستان کو عیسائی رکھنے کے واسطے بہت بڑی کوششون کی ضرورت خود عیسائیونکو محسوس ہوئی ہے۔ مگر ہم کہے دیتے ہین جیسا کہ اس اقتباس کے آخری فقرے بتا رہے ہین کہ اب ایوان عیسویت کی بنیادین ہل چکی ہین۔ اور تنزلزل در ایوان عیسے فتاد کا مضمون صادق آرہا ہے۔ یورپ ہی عیسائیت کی موت کو مشاہدہ کر چکا ہے۔ اور اب جنازہ مسیحیت پر نوحہ خوانی کر رہا ہے لیکن ہندوستان مین ہمارے مخالف نہین نہین حق و حکمت کے مخالف۔ صداقت و راستی کے دشمن چیخ رہے ہین کہ مسیح موعودؑ نے آکر کیا کیا۔ نادانو! آنکھین کھولو۔ اور یورپ و امریکہ کے اخبارات کو پڑھو۔ اور دیکھو کہ عیسویت کا جنازہ کس طرح اٹھ رہا ہے۔ عیسائیونکے اپنے گھر مین محض مسیح موعود کے انفاس قدسیہ کے طفیل آزاد خیال لوگ پیدا ہو رہے ہین جو عیسویت کے خیالی ڈھکوسلونکو مان نہین سکتے۔ اور عیسائیون کے ملک اور عیسائیونکے گھرون مین رہکر اب وہ پکار اٹھے ہین کہ مسیح معمولی انسان سے بڑھکر کوئی حیثیت نہین رکھتا۔ یہ نور اور تجدید کا ظہور محض ایک پاک وجود کے ذریعہ اس وقت چمکا ہے جو مسیح موعودؑ کے نام سے آیا ہے جسکی پاک شعاعونکو ریویو آف ریلیجنز مغربی دنیا مین پھیلا رہا ہے اور وہ وقت آتا ہے کہ مغربی قومین بڑی نیازمندی کے ساتھ اسلام کیطرف رجوع کرین اور آفتاب مغرب سے طلوع ہو ٭

اعلان

(۱) بہت عرصہ سے توجہ دلائی جارہی ہے کہ جن خریداران کے ذمہ سنوات گذشتہ کا کچھ چندہ باقی ہے وہ سن رواں کی پیشگی زرچندہ کے ساتھ بقایا ذمگی ادا کر کے بیباقی حساب کریں لیکن بجز معدودے چند احباب کے باقی خریداران کیجانب سے اس تاکیدی عرضداشت پر بہت ہی کم توجہ کی گئی ہے۔ لہذا ایسے جملہ خریداران کو ایک دفعہ پھر یاددہانی کا موقعہ دیا جاتا ہے کہ یا تو وہ براہ مہربانی جلدی بیباقی حساب کریں ورنہ کم از کم اطلاع بخشیں کہ کب تک ان کی جانب سے رقم ادا ہوگی یا کس ماہ میں انکی نام وی پی بھیجا جاوے۔ بصورت عدم ترسیل رقم واجب الوصول یا عدم اطلاع کے اگلا پرچہ وی پی ارسال ہوگا۔ (۲) باوجود متواتر توجہ دلانے کے اکثر خریداران خط کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری نہیں لکھتے۔ تعداد خریداری دو ہزار سے بڑھ گئی ہے اور بفضلہ تعالےٰ روز بروز روبہ ترقی ہے۔ بدون پتہ نمبر کے تلاش نام میں علاوہ حرج کام کے بڑی مشکل و دقت پیش آتی ہے۔ لہذا اب نمبر خریداری نہ لکھنے کی صورت میں شکائت عدم تعمیل بیجا تصور ہوگی۔

(۳) میگزین فنڈ کا جملہ روپیہ خواہ خیراتی ہو یا امدادی یا مد خریداری کا ہو یا متفرق۔ بنام مینیجر ریویو آف ریلیجنز قادیان آنا چاہئے۔ اور روپیہ بھیجتے وقت اس امر کی تفصیل ہونی چاہئے کہ ان متذکرہ بالا مدات میں سے کس مد کا یہ روپیہ ہے اور کس کس سال کی بابت اور کس کس صاحب کی جانب سے ہے۔ عدم تفصیل کیحالت میں اندراج رجسٹر نامکمل رہتا ہے جس سے مغالطہ حساب کا اندیشہ ہے۔

(۴) سالہائے گذشتہ کے ختم شدہ پرچجات جو دوبارہ زیر طبع تھے ان میں سے چند نمبروں کی تکمیل چھپائی میں چند یوم کا توقف ہے۔ مکمل چھپ چکنے پر جن خریداروں کو جو جو نمبر پہلے نہیں ملے۔ وہ انکی یاددہانی کے بغیر خود بخود ان کی خدمت میں ارسال ہونگے ہاں جدید خریدار جلدی درخواستیں بھیجیں ورنہ بصورت توقف پھر دوسری ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا +

(۵) انڈکس یعنی فہرست مضامین پرچہ جات میگزین سال سنہ ۱۹۰۳ء اب تیار ہو کر چھپوائی جاوگی اور پرچہ ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۴ء کے ساتھ جملہ خریداران کیخدمت میں ارسال ہوگی۔ بہتر ہے کہ خریداران اس فہرست کے پہونچنے پر سال سنہ ۱۹۰۳ء کے پرچہ جات کی جلد بندی کرادیں۔ — **مینیجر**

"ضروری استدعا"

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہین اور اپنے مقامی اسٹیشن مین کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونے کے باعث انہین کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑین وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانٹیر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائین یہ دوکان میرے متعلق ہے انہین کوئی نقصان نہین اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے +

المشتہر۔ خواجہ کمال الدین وکیل پشاور

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم مولوی فضلدین صاحب طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ — بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۴ء — نمبر ۳

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا + چندہ سالانہ اردو پرچہ .... عہ

"حضرت اقدس کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل کیلئے پھر یاددہانی"

رسالہ میگزین کی کثرت اشاعت و اعانت کے متعلق جس قدر حد سے بڑھے ہوئے پرزور الفاظ میں حضرت اقدس ع نے اپنی جماعت کے پرجوش باہمت و مخلص احباب کو تاکید اکید فرمائی ہے وہ اس امر کی متقضی تھی کہ اپنی جماعت کا کوئی فرد اس رسالہ کی خریداری سے محروم نہ رہتا۔ لیکن موجودہ تعداد خریداری ظاہر کر رہی ہے کہ حضرت اقدس ع کے یہ دل کو ہلا دینے والے تاکیدی پرزور الفاظ ابھی اپنی جماعت کے جملہ مخلص احباب کے کانوں تک نہیں پہونچے ورنہ اپنے مخلص احباب کی باہمت اور پرجوش روحیں جب تک رسالہ کی خریداری کو حضرت اقدس ع کی فرمائی ہوئی دس ہزار تعداد تک نہ پہونچا دیتیں اپنے پیارے مطاع امام علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم کی بجاآوری میں اپنے من تن دھن کسی قسم کی خدمت و اعانت سے فرق نہ رکھتیں۔

بلا ریب نسبتاً اب درخواست ہائے خریداری کا بڑھنا شروع ہوگیا ہے مگر الحال ہمیں وہ روزافزوں ترقی نظر نہیں آتی جو جلد تر تعداد خریداری کو حضرت اقدس ع کی فرمائی ہوئی تعداد تک پہونچانے کے لئے درکار ہے۔ لہذا ایک دفعہ پھر اپنے مخلص احباب و برادران کو حضرت حضرت اقدس ع کے ارشاد کی تعمیل کیطرف توجہ دلائی جاتی ہے تاکہ وہ تعداد خریداری کو بڑھانے کی کوشش کے علاوہ حضرت اقدس علیہ السلام کے ارشاد کے ان تاکیدی الفاظ کو اپنے دیگر برادران کے کانوں تک پہونچانے کی بھی سعی فرماویں تاکہ اپنی جماعت کا ہر ایک مخلص بھائی خواہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اپنے پیارے امام صادق علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد سے مطلع ہوکر رسالہ کی اشاعت و اعانت میں حسب استطاعت و حسب توفیق خود حصہ لیکر سابق بالخیرات بنے جو اسکے لئے باعث حصول ثواب عقبے ہو حسنات دارین حاصل کرنے کا عین موقعہ ہے۔ کاش! کوئی وقت پہچاننے کی قدر کرنے والا ہو۔ درگاہ رب العزت سے تہ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالے محض اپنے فضل و کرم و رحمت غیر متناہی سے اپنی جماعت کے جمیع مخلص احباب کے دلوں کو ایسے کار ہائے خیر میں سبقت لیجانے کی توفیق بخشے جس سے ثمرات حسنہ اخروی حاصل کر سکیں۔ آمین ثم آمین۔

منیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام کی حقیقت

(از حضرت مسیح موعودؑ)

واضح ہو کہ لغت عرب مین اسلام اس کو کہتے ہین کہ بطور پیشگی ایک چیز کا مول دیا جائے اور یا یہ کہ کسی کو اپنا کام سونپین اور یا یہ کہ صلح کے طالب ہون اور یا یہ کہ کسی امر یا خصومت کو چھوڑ دین +

اور اصطلاحی معنے اسلام کے وہ ہین جو اس آیت کریمہ مین اس کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کہ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ + یعنی مسلمان وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ مین اپنے تمام وجود کو سونپ دیوے یعنی اپنے وجود کو اللہ تعالے کے لئے اور اسکے ارادون کی پیروی کیلئے اور اس کی خوشنودی کے حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیوے اور پھر نیک کامون پر خدا تعالے کیلئے قایم ہو جائے اور اپنے وجود کی تمام عملی طاقتین اس کی راہ مین لگا دیوے مطلب یہ ہے کہ اعتقادی اور عملی طور پر محض خدا تعالیٰ کا ہو جاوے۔ "اعتقادی" طور پر اس طرح سے کہ اپنے تمام وجود کو درحقیقت ایک ایسی چیز سمجھ لے جو خدا تعالے کی شناخت اور اس کی اطاعت اور اسکے عشق اور محبت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ اور "عملی" طور پر اس طرح سے کہ خالصاً لِلّٰہ حقیقی نیکیان جو ہر ایک قوت سے متعلق اور ہر ایک خداداد توفیق سے وابستہ ہین بجالاوے مگر ایسے ذوق و شوق و حضور سے کہ گویا وہ اپنی فرمانبرداری کے آئینہ مین اپنے معبود حقیقی کے چہرہ کو دیکھ رہا ہے +

پھر بقیہ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ جس کی اعتقادی و عملی صفائی ایسی محبت ذاتی پر مبنی ہو اور ایسے طبعی جوش سے اعمال حسنہ اُس سے صادر ہون وہی ہے جو عند اللہ مستحق اجر ہے اور ایسے لوگون پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ کچھ غم رکھتے ہین یعنی ایسے لوگون کے لئے نجات نقد موجود ہے کیونکہ جب انسان کو اللہ تعالے کی ذات اور صفات پر ایمان لاکر اس سے موافقت تامہ ہو گئی اور ارادہ اس کا خدا تعالے کے ارادہ سے ہمرنگ

ہوگیا- اور تمام لذت اس کی فرمانبرداری مین ٹھہرگئی اور جمیع اعمال صالحہ نہ مشقت کی راہ سے بلکہ تلذذ اور
احتظاظ کی کشش سے صادر ہونے لگے تو یہی وہ کیفیت ہے جسکو فلاح اور نجات اور رستگاری سے موسوم
کرنا چاہیئے اور عالم آخرت مین جو کچھ نجات کے متعلق مشہود و محسوس ہوگا وہ درحقیقت اسی کیفیت راسخہ
کے اظلال و آثار ہین جو اس جہان مین جسمانی طور پر ظاہر ہو جائینگے- مطلب یہ ہے کہ بہشتی زندگی اسی جہان
سے شروع ہو جاتی ہے اور جہنمی عذاب کی جڑھ بھی اسی جہان کی گندی اور کورانہ زیست ہے +

اب آیات ممدوحہ بالا پر ایک نظر غور ڈالنے سے ہر یک سلیم العقل سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کی حقیقت
تب کسی مین متحقق ہو سکتی ہے کہ جب اسکا وجود معہ اپنی تمام باطنی و ظاہری قوے کے محض خدا تعالے کیلئے
اور اس کی راہ مین وقف ہو جاوے اور جو امانتین اس کو خدا تعالی کی طرف سے ملی ہین پھر اسی معطی حقیقی کو
واپس دیجائین اور نہ صرف اعتقادی طور پر بلکہ عمل کے آئینہ مین بھی اپنے اسلام اور اس کی حقیقت کاملہ کی
ساری شکل دکھلائی جاوے یعنی شخص مدعی اسلام یہ بات ثابت کردیوے کہ اُسکے ہاتھ اور پیر اور دل اور دماغ
اور اس کی عقل اور اس کا فہم اور اس کا غضب اور اسکا رحم اور اسکا علم اور اسکا حلم اور اس کی تمام روحانی
اور جسمانی قوتین اور اس کی عزت اور اس کا مال اور اس کا آرام اور سرور اور جو کچھ اس کا سر کے بالون سے
پیرون کے ناخنون تک باعتبار ظاہر و باطن کے ہے یہانتک کہ اس کی نیات اور اس کے دل کے خطرات
اور اسکے نفس کے جذبات سب خدا تعالے کے ایسے تابع ہو گئے ہین کہ جیسے ایک شخص کے اعضا اس شخص
کے تابع ہوتے ہین- غرض یہ ثابت ہو جائے کہ صدق قدم اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ جو کچھ اسکا ہے وہ اسکا
نہین بلکہ خدا تعالے کا ہو گیا ہے اور تمام اعضا اور قوےٰ الہی خدمت مین ایسے لگ گئے ہین کہ گویا وہ جوارح الحق ہین

اور ان آیات پر غور کرنے سے یہ بات بھی صاف اور بدیہی طور پر ظاہر ہو رہی ہے کہ خدا تعالے کی راہ مین
زندگی کا وقف کرنا جو حقیقت اسلام ہے دو قسم پر ہے- ایک یہ کہ خدا تعالے کو ہی اپنا معبود اور مقصود
اور محبوب ٹھہرایا جاوے اور اس کی عبادت اور محبت اور خوف اور رجا مین کوئی دوسرا شریک باقی نہ رہے اور اُسکی
تقدیس اور تسبیح اور عبادت اور تمام عبودیت کے آداب اور احکام اور اوامر اور حدود اور آسمانی قضا و قدر کے
امور بدل و جان قبول کئے جائین اور نہایت نیستی اور تذلل سے ان سب حکمون اور حدون اور قانونون اور
تقدیرون کو بارادت تام سر پر اٹھا لیا جاوے اور نیز وہ تمام پاک صداقتین اور پاک معارف جو اس کی وسیع
قدرتون کے معرفت کا ذریعہ اور اس کی ملکوت اور سلطنت کے علو مرتبہ کو معلوم کرنیکے لئے ایک واسطہ اور
اسکے آلاء اور نعماء کے پہچاننے کے لئے ایک قوی رہبر ہین بخوبی معلوم کرلیجائین- دوسری قسم اللہ تعالے
کی راہ مین زندگی وقف کرنے کی یہ ہے کہ اسکے بندون کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور بار برداری
اور سچی غمخواری مین اپنی زندگی وقف کر دیجاوے دوسرونکو آرام پہونچانے کے لئے دکھ اٹھاوین اور دوسرون
کی راحت کے لئے اپنے پر رنج گوارا کرلین +

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اسلام کی حقیقت نہایت ہی اعلےٰ ہے اور کوئی انسان کبھی اس شریف لقب اہل اسلام سے حقیقی طور پر ملقب نہیں ہو سکتا جبتک کہ وہ اپنا سارا وجود معہ اسکے تمام قوتوں اور خواہشوں اور ارادوں کے حوالہ بخدا نہ کر دیوے اور اپنی انانیت سے مع اس کے جمیع لوازم کے ہاتھ اٹھا کر اسی کی راہ میں نہ لگ جاوے۔ پس حقیقی طور پر اسی وقت کسی کو مسلمان کہا جائیگا کہ جب اس کی غافلانہ زندگی پر ایک سخت انقلاب وارد ہو کر اسکے نفس امارہ کا نقش ہستی مع اس کے تمام جذبات کے یکدفعہ مٹ جائے اور پھر اس موت کے بعد محسن للہ ہونیکی نئی زندگی اس میں پیدا ہو جائے اور وہ ایسی پاک زندگی ہو جو اس میں بجز طاعت خالق اور ہمدردی مخلوق کے اور کچھ بھی نہ ہو۔ خالق کی طاعت اس طرح سے کہ اس کی عزت و جلال اور یگانگت ظاہر کرنے کیلئے بےعزتی اور ذلت قبول کرنیکے لئے مستعد ہو اور اس کی وحدانیت کا نام زندہ کرنیکے لئے ہزاروں موتوں کے قبول کرنیکے لئے تیار ہو۔ اور اس کی فرمانبرداری میں ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو بخوشی خاطر کاٹ سکے اور اس کے احکام کی عظمت کا پیار اور اس کی رضا جوئی کی پیاس گناہ سے ایسی نفرت دلادے کہ گویا وہ کھا جانیوالی ایک آگ ہے یا ہلاک کرنیوالی ایک زہر ہے یا بھسم کر دینے والی ایک بجلی ہے جس سے اپنی تمام قوتوں کے ساتھ بھاگنا چاہیئے غرض اس کی مرضی ماننے کے لئے اپنے نفس کی سب مرضیات چھوڑ دے اور اسکے پیوند کے لئے جانکاہ زخموں سے مجروح ہونا قبول کرے اور اس سے تعلق کا ثبوت دینے کے لئے سب نفسانی تعلقات توڑ دے +

اور خلق اللہ کی خدمت اس طرح سے کہ جس قدر خلقت کی حاجات ہیں اور جسقدر مختلف وجوہ اور طرق کی راہ سے قسّام ازل نے بعض کو بعض کا محتاج کر رکھا ہے ان تمام امور میں محض للہ اپنی حقیقی اور بیغرضانہ اور سچی ہمدردی سے جو اپنے وجود سے صادر ہو سکتی ہے ان کو نفع پہنچاوے اور ہر ایک مدد کے محتاج کو اپنی خداداد قوت سے مدد دے اور ان کی دنیا و آخرت دونوں کی اصلاح کے لئے زور لگاوے +

مگر یہ للّہی وقف محض اس صورت میں اسم بامسمّی ہوگی کہ جب تمام اعضاء للّہی اطاعت کے رنگ میں ایسے رنگ پذیر ہو جائیں کہ گویا وہ ایک الٰہی آلہ ہیں جن کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً افعال الٰہیہ ظہور پذیر ہوتے ہیں یا ایک مصفا آئینہ ہیں جس میں تمام مرضیات الٰہیہ بصفا تمام عکسی طور پر ظہور پکڑتی رہتی ہیں۔ اور جب اس درجہ کاملہ للّہی طاعات و خدمات پہنچ جائیں تو اس صبغۃ اللہ کی برکت سے اس وصف کے انسان کی قوے اور جوارح کی نسبت وحدت شہودی کے طور پر یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ مثلاً یہ آنکھیں خدا تعالے کی آنکھیں اور یہ زبان خدا تعالے کی زبان اور یہ ہاتھ خدا تعالے کے ہاتھ اور یہ کان خدا تعالے کے کان اور یہ پاؤں خدا تعالے کے پاؤں ہیں۔ کیونکہ وہ تمام اعضاء اور قوتیں للّہی راہوں میں خدا تعالے کے ارادوں سے پُر ہو کر اور اس کی خواہشوں کی تصویر بنکر اس لایق ہو جاتے ہیں کہ ان کو اسی کا روپ کہا جاوے وجہ یہ کہ جیسے ایک شخص کے اعضاء پورے طور پر اس کی مرضی اور ارادہ کے تابع ہوتے ہیں ایسا ہی کامل انسان اس درجہ پر پہنچکر خدا تعالےٰ کی وحدانیت اور مالکیت اور معبودیت اور اس کی ہر ایک مرضی اور خواہش کی بات ایسی ہو اسکو پیاری معلوم ہوتی ہو کہ جیسی خود خدا تعالیٰ کو سو یہ

مرضیات و ارادات سے موافقت اسمیت اسکو اپنی رضا اور رضاء اتباع کی عظمت اور

عظیم الشان للہی طاعت وخدمت جو پیار اور محبت سے ملی ہوئی اور خلوص اور حنفیت سے بھری ہوئی ہے یہی اسلام
اور اسلام کی حقیقت اور اسلام کا لب لباب ہے جو نفس اور خلق اور ہوا اور ارادہ سے موت حاصل کرنیکے بعد ملتا ہے
اس جگہ یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ آیت موصوفہ بالا یعنے بلی من اسلم وجہہ للّٰہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ
ولاخوف علیھم ولاھم یحزنون + سعادت تامہ کے تینوں ضروری درجوں یعنی فنا اور بقا اور لقا کیطرف
اشارت کرتی ہے کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں اسلم وجہہ للّٰہ کا فقرہ یہ تعلیم کر رہا ہے کہ تمام قوےٰ اور
اعضا اور جو کچھ اپنا ہے خدا تعالےٰ کو سونپ دینا چاہئے اور اس کی راہ میں وقف کر دینا چاہئے اور یہ وہی کیفیت
ہے جسکا نام دوسرے لفظوں میں فنا ہے وجہ یہ کہ جب انسان نے حسب مفہوم اس آیت ممدوحہ کے اپنا تمام
وجود معہ اس کی تمام قوتوں کے خدا تعالےٰ کو سونپ دیا اور اس کی راہ میں وقف کر دیا اور اپنی نفسانی
جنبشوں اور سکونوں سے بکلی باز آگیا۔ تو بلا شبہ ایک قسم کی موت اُسپر طاری ہو گئی اور اسی موت کو اہل
تصوف فنا کے نام سے موسوم کرتے ہیں +

پھر بعد اسکے وھو محسن کا فقرہ مرتبہ بقا کیطرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ جب انسان بعد فنا اکمل و اتم
وسلب جذبات نفسانی۔ الٰہی جذبہ اور تحریک سے پھر جنبش میں آیا اور بعد منقطع ہو جانے تمام نفسانی حرکات
کے پھر ربانی تحریکوں سے پُر ہو کر حرکت کرنے لگا تو یہ وہ حیات ثانی ہے جسکا نام بقا رکھنا چاہئے +

پھر بعد اسکے یہ فقرات "فلہ اجرہ عند ربہ ولاخوف علیھم ولاھم یحزنون" + جو اثبات و ایجاب اجر و نفی
وسلب خوف وحزن پر دلالت کرتی ہیں یہ حالت لقا کیطرف اشارہ ہے کیونکہ جسوقت انسان کی عرفان اور
یقین اور توکل اور محبت میں ایسا مرتبہ عالیہ پیدا ہو جائے کہ اسکے خلوص اور ایمان اور وفا کا اجر اس کی
نظر میں وہمی اور خیالی اور ظنی نہ رہے بلکہ ایسا یقینی اور قطعی اور مشہود اور مرئی اور محسوس ہو کہ گویا وہ اسکو مل چکا
ہے اور خدا تعالےٰ کے وجود پر ایسا یقین ہو جائے کہ گویا وہ اسکو دیکھ رہا ہے اور ہر ایک آیندہ کا خوف اسکی
نظر سے اٹھ جاوے اور ہر ایک گذشتہ اور موجودہ غم کا نام و نشان نہ رہے اور ہر ایک روحانی تنعم موجود الوقت
نظر آوے تو یہی حالت جو ہر ایک قبض اور کدورت سے پاک اور ہر ایک دغدغہ اور شک سے محفوظ اور ہر ایک
درد انتظار سے منزہ ہے۔ لقا کے نام سے موسوم ہے اور اس مرتبہ لقا پر محسن کا لفظ جو آیت میں موجود ہے
نہایت صراحت سے دلالت کر رہا ہے کیونکہ احسان حسب تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت کا نام ہے کہ جب
انسان اپنی پرستش کی حالت میں خدا تعالےٰ سے ایسا تعلق پیدا کرے کہ گویا اسکو دیکھ رہا ہے +

اور یہ لقا کا مرتبہ تب سالک کیلئے کامل طور پر متحقق ہوتا ہے کہ جب ربانی رنگ بشریت کے رنگ و بو کو
بتمام و کمال اپنے رنگ کے نیچے متواری اور پوشیدہ کر دیوے جس طرح آگ لوہے کے رنگ کو اپنے نیچے
ایسا چھپا لیتی ہے کہ نظر ظاہر میں بجز آگ کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا یہ وہی مقام ہے جسپر پہنچکر بعض سالکین نے
لغزشیں کھائی ہیں اور شہودی پیوند کو وجودی پیوند کے رنگ میں سمجھ لیا ہے۔ اس مقام میں جو اولیاء اللہ

پہنچے ہین یا جن کو اس مین سے کوئی گھونٹ میسر آگیا ہے۔ بعض اہل تصوف نے انکا نام اطفال اللہ رکھدیا ہے اس مناسبت سے کہ وہ لوگ صفات الٰہی کے کنار عاطفت مین بکلی جا پڑے ہین اور جیسے ایک شخص کا لڑکا اپنے حلیہ اور خط وخال مین کچھ اپنے باپ سے مناسبت رکھتا ہے ویسا ہی انکو بھی ظلی طور پر بوجہ تخلق باخلاق اللہ خدا تعالیٰ کی صفات جمیلہ سے کچھ مناسبت پیدا ہوگئی ہے ایسے نام اگرچہ کھلے کھلے طور پر بزبان شرع مستعمل نہیں ہین مگر درحقیقت عارفون نے قرآن کریم سے ہی اسکو استنباط کیا ہے کیونکہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے فاذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم او اشد ذکرا۔ یعنے اللہ تعالےٰ کو ایسا یاد کرو کہ جیسے تم اپنے باپون کو یاد کرتے ہو اور ظاہر ہے کہ اگر مجازی طور پر ان الفاظ کا بولنا منہیات شرع سے ہوتا تو خدا تعالےٰ ایسی طرز سے اپنے کلام کو منزہ رکھتا جس سے اس اطلاق کا جواز مستنبط ہو سکتا ہے +

اور اس درجہ لقا مین بعض اوقات انسان سے ایسے امور صادر ہوتے ہین کہ جو بشریت کی طاقتون سے بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہین اور الٰہی طاقت کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہین جیسے ہمارے سید و مولیٰ سید الرسل خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر مین ایک سنگریزون کی مٹھی کفار پر چلائی اور وہ مٹھی کسی دعا کے ذریعہ سے نہین بلکہ خود اپنی روحانی طاقت سے چلائی مگر اس مٹھی نے خدائی طاقت دکھلائی اور مخالف کی فوج پر ایسا خارق عادت اسکا اثر پڑا کہ کوئی اُن مین سے ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ پر اسکا اثر نہ پہنچا ہو اور وہ سب اندھون کی طرح ہوگئے اور ایسی سراسیمگی اور پریشانی ان مین پیدا ہوگئی کہ مدہوشون کی طرح بھاگنا شروع کیا۔ اسی معجزہ کیطرف اللہ جلشانہ اس آیت مین اشارہ فرماتا ہے۔ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ط۔ یعنی جب تو نے اس مٹھی کو پھینکا وہ تو نے نہین پھینکا بلکہ خدا تعالےٰ نے پھینکا یعنی درپردہ الٰہی طاقت کام کر گئی انسانی طاقت کا یہ کام نہ تھا +

اور ایسا ہی دوسرا معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو شق القمر ہے اسی الٰہی طاقت سے ظہور مین آیا تھا۔ کوئی دعا اُسکے ساتھ شامل نہ تھی کیونکہ وہ صرف انگلی کے اشارہ سے جو الٰہی طاقت سے بھری ہوئی تھی وقوع مین آگیا تھا اور اس قسم کے اور بھی بہت سے معجزات ہین جو صرف ذاتی اقتدار کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھلائے جنکے ساتھ کوئی دعا نہ تھی۔ کئی دفعہ تھوڑے سے پانی کو جو صرف ایک پیالہ مین تھا اپنی انگلیون کو اس پانی کے اندر داخل کرنے سے اسقدر زیادہ کر دیا کہ تمام لشکر اور اونٹون اور گھوڑون نے وہ پانی پیا اور پھر بھی وہ پانی ویسا ہی اپنی مقدار پر موجود تھا۔ اور کئی دفعہ دو چار روٹیون پر ہاتھ رکھنے سے ہزارہا بھوکون پیاسون کا ان سے شکم سیر کر دیا اور بعض اوقات تھوڑے دودھ کو اپنی لبون سے برکت دیکر ایک جماعت کا پیٹ اس سے بھر دیا۔ اور بعض اوقات شور آب کنوئین مین اپنے منہ کا لعاب ڈال کر اسکو نہایت شیرین کر دیا۔ اور بعض اوقات سخت مجروحون پر اپنا ہاتھ رکھ کر ان کو اچھا کر دیا۔ اور بعض اوقات آنکھون کو جنکے ڈیلے لڑائی کے کسی صدمہ سے باہر جا پڑے تھے اپنے ہاتھ کی برکت سے

پھر درست کر دیا۔ ایسا ہی اور بھی بہت سے کام اپنے ذاتی اقتدار سے کئے جنکے ساتھ ایک چھپی ہوئی طاقت الٰہی مخلوط تھی
حال کے برہمو اور فلسفی اور نیچری اگر ان معجزات سے انکار کریں تو وہ معذور ہیں کیونکہ وہ اس مرتبہ کو شناخت نہیں کر سکتے جس میں ظلی طور پر الٰہی طاقت انسان کو ملتی ہے۔ پس اگر وہ ایسی باتوں پر ہنستے ہیں تو وہ اپنے ہنسنے میں بھی معذور ہیں کیونکہ انہوں نے بجز طفلانہ حالت کے اور کسی درجہ روحانی بلوغ کو طے نہیں کیا۔ اور نہ صرف اپنی حالت ناقص رکھتے ہیں بلکہ اس بات پر خوش ہیں کہ اسی حالت ناقصہ میں مریں بھی*

مگر زیادہ تر افسوس ان عیسائیوں پر ہے جو بعض خوارق اسی کے مشابہ مگر ان سے ادنیٰ حضرت مسیح میں سن سنا کر ان کی الوہیت کی دلیل ٹھہرا بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کا مردوں کا زندہ کرنا اور مفلوجوں اور مجذوموں کا اچھا کرنا اپنے اقتدار سے تھا کسی دعا سے نہیں تھا اور یہ دلیل اس بات پر ہے کہ وہ حقیقی طور پر ابن اللہ بلکہ خدا تھا لیکن افسوس کہ ان بیچاروں کو خبر نہیں کہ اگر انہیں باتوں سے انسان خدا بنجاتا ہے تو اس خدائی کا زیادہ تر استحقاق ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کیونکہ اس قسم کے اقتداری خوارق جسقدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھلائے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام ہرگز دکھلا نہیں سکے اور ہمارے ہادی و مقتدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ اقتداری خوارق نہ صرف آپ ہی دکھلائے بلکہ ان خوارق کا ایک لمبا سلسلہ روز قیامت تک اپنی امت میں چھوڑ دیا جو ہمیشہ اور ہر زمانہ میں حسب ضرورت زمانہ ظہور میں آتا ہے اور اس دنیا کے آخری دنوں تک اسی طرح ظاہر ہوتا رہیگا اور الٰہی طاقت کا پرتو جس قدر اس امت کی مقدس روحوں پر پڑا ہے اس کی نظیر دوسری امتوں میں ملنی مشکل ہے پھر کس قدر بیوقوفی ہے کہ ان خارق عادت امور کی وجہ سے کسی کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا جائے اگر ایسے ہی خوارق سے انسان خدا بن سکتا ہے تو پھر خداؤں کا کچھ انتہا بھی ہے؟

لیکن یہ بات اس جگہ یاد رکھنے کے لایق ہے کہ اس قسم کے اقتداری خوارق گو خدا تعالیٰ کیطرف سے ہی ہوتے ہیں مگر پھر بھی خدا تعالیٰ کے ان خاص افعال سے جو بلا توسط ارادہ غیر کے ظہور میں آتے ہیں کسی طور سے برابری نہیں کر سکتے اور نہ برابر ہونا انکا مناسب ہے۔ اسیوجہ سے جب کوئی نبی یا ولی اقتداری طور پر بغیر توسط کسی دعا کے کوئی ایسا امر خارق عادت دکھلاوے جو انسان کو کسی حیلہ اور تدبیر اور علاج سے اسکی قوت نہیں دیگئی تو نبی کا وہ فعل خدا تعالیٰ کے ان افعال سے کم رتبہ پر رہیگا جو خود خدا تعالیٰ علانیہ اور بالجہر اپنی قوت کاملہ سے ظہور میں لاتا ہے یعنی ایسا اقتداری معجزہ بہ نسبت دوسرے الٰہی کاموں کے جو بلا واسطہ اللہ جلشانہ سے ظہور میں آتے ہیں ضرور کچھ نقص اور کمزوری اپنے اندر موجود رکھتا ہوگا تا سرسری نگاہ والوں کی نظر میں تشابہ فی الخلق واقع نہ ہو۔ اسیوجہ سے حضرت موسیٰ ؑ کا عصا باوجود اسکے کہ کئی دفعہ سانپ بنا لیکن آخر عصا کا عصا ہی رہا۔ اور حضرت مسیح کی چڑیاں باوجودیکہ معجزہ کے طور پر انکا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے مگر پھر بھی مٹی کے مٹی ہی تھیں اور کہیں خدا تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ وہ زندہ بھی ہو گئیں۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتداری خوارق میں چونکہ طاقت الٰہی سب سے زیادہ بھری ہوئی تھی کیونکہ وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تجلیات الٰہیہ کے لئے اتم و اعلیٰ و ارفع و اکمل نمونہ تھا اسلئے

ہماری نظر مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتداری خوارق کو کسی درجہ بشریت پر مقرر کرنے سے قاصر ہین مگر تاہم ہمارا اس پر ایمان ہی کہ اس جگہ بھی اللہ جلشانہ اور اس کے رسول کریم کے فعل مین مخفی طور پر کچھ فرق ضرور ہوگا۔ اب ان تحریرات سے ہماری غرض اس قدر ہے کہ بقا کا مرتبہ جب کسی انسان کو میسر آتا ہی تو اس مرتبہ کی توجہ کے اوقات مین الٰہی کام ضرور اس سے صادر ہوتے ہین اور ایسے شخص کی گہری صحبت مین جو شخص ایک حصہ عمر کا بسر کرے تو ضرور کچھ نہ کچھ یہ اقتداری خوارق مشاہدہ کریگا کیونکہ اس توجہ کی حالتمین کچھ الٰہی صفات کا رنگ ظلی طور پر انسان مین آجاتا ہے یہانتک کہ اس کا رحم خدا تعالے کا رحم اور اس کا غضب خدا تعالیٰ کا غضب ہوجاتا ہے۔ اور بسا اوقات وہ بغیر کسی دعا کے کہتا ہی کہ فلان چیز پیدا ہوجائے تو وہ پیدا ہوجاتی ہی اور کسی پر غضب کی نظر سے دیکھتا ہی تو اسپر کوئی وبال نازل ہوجاتا ہے اور کسی کو رحمت کی نظر سے دیکھتا ہی تو وہ خدا تعالے کے نزدیک مورد رحم ہوجاتا ہے اور جیسا کہ خدا تعالے کا کُن دائمی طور پر نتیجہ مقصودہ کو بلا تخلف پیدا کرتا ہی ایسا ہی اسکا کُن بھی اس توجہ اور مدّ کی حالتمین خطا نہین جاتا اور جیسا کہ مین بیان کرچکا ہون ان اقتداری خوارق کی اصل وجہ یہی ہوتی ہی کہ یہ شخص شدت اتصال کیوجہ سے خدائے عزّوجلّ کے رنگ سے ظلّی طور پر رنگین ہوجاتا ہی اور تجلیات الٰہیہ اسپر دائمی قبضہ کرلیتے ہین اور محبوب حقیقی حجب حائلہ کو درمیان سے اٹھا کر نہایت شدید قرب کیوجہ سے ہم آغوش ہوجاتا ہے اور جیسا کہ وہ خود مبارک ہی ایسا ہی اسکے اقوال و افعال و حرکات اور سکنات اور خوراک اور پوشاک اور مکان اور زمان اور اس کے جمیع لوازم مین برکت رکھ دیتا ہی تب ہر ایک چیز جو اس سے مس کرتی ہی بغیر اسکے جو یہ دعا کرے برکت پاتی ہی اس کے مکان مین برکت ہوتی ہی اس کے دروازون کے آستانے برکت سے بھرے ہوتے ہین اس کے گھر کے دروازون پر برکت برستی ہی جو ہر دم اسکو مشاہدہ ہوتی ہی اور اس کی خوشبو اسکو آتی ہی جب یہ سفر کرے تو خدا تعالے معہ اپنی تمام برکتون کے اسکے ساتھ ہوتا ہے جس کی کنہ بجز خدا تعالے کے اور کوئی نہین جانتا۴
اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ فنا فی اللہ کے درجہ کی تحقیق کے بعد یعنے اس درجہ کے بعد جو اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کے مفہوم کو لازم ہے جسکو صوفی فنا کے نام سے اور قرآن کریم استقامت کے اسم سے موسوم کرتا ہی۔ درجہ بقا اور لقا کا بلا توقف پیچھے آنیوالا ہے یعنی جبکہ انسان خلق اور ہوا اور ارادہ سے بکلی خالی ہوکر فنا کی حالت کو پہنچ گیا تو اس حالت کے راسخ ہونیکے ساتھ ہی بقا کا درجہ شروع ہوجاتا ہی مگر جبتک یہ حالت راسخ نہ ہوا ور خدا تعالیٰ کی طرف بکلی جھک جانا ایک طبعی امر نہ ٹھہر جائے تب تک مرتبہ بقا کا پیدا نہین ہوسکتا بلکہ وہ مرتبہ صرف اسیوقت پیدا ہوگا کہ جب ہر ایک طاعت کا تصنع درمیان سے اٹھ جائے اور ایک طبعی روئیدگی کی طرح فرمانبرداری کی سرسبز اور لہراتی ہوئی شاخین دل سے جوش مار کر نکلین اور واقعی طور پر سب کچھ جو اپنا سمجھا جاتا ہی خدا تعالے کا ہوجائے اور جیسے دوسرے لوگ ہوا پرستی مین لذت اٹھاتے ہین اس شخص کی تمام کامل لذتین پرستش اور یاد الٰہی مین ہون۔ اور بجائے نفسانی ارادون کے خدا تعالیٰ کی مرضیات جگہ پکڑ لین ٭
پھر جب یہ بقا کی حالت بخوبی استحکام پکڑ جائے اور سالک کے رگ و ریشہ مین داخل ہوجائے اور اسکا جزو وجود بن جائے

۴ اور جب یہ گھر مین آوے تو ایک دریا نور کا ساتھ لاتا ہی غرض عجیب انسان ہوتا ہی

اور ایک نور آسمان سے اترتا ہوا دکھائی دے جسکے نازل ہونیکے ساتھ ہی تمام پردے دور ہو جائیں اور نہایت لطیف اور شیرین اور حلاوت سے ملی ہوئی ایک محبت دل میں پیدا ہو جو پہلے نہیں تھی اور ایک ایسی خنکی اور طمینان اور سکینت اور سرور دل کو محسوس ہو کہ جیسے ایک نہایت پیارے دوست مدت کے بچھڑے ہوئے کے یکدفعہ ملنے اور بغلگیر ہونیسے محسوس ہوتی ہے اور خدا تعالے کے روشن اور لذیذ اور مبارک اور سرور بخش اور فصیح اور معطر اور مبشرانہ کلمات اٹھتے اور بیٹھتے اور سوتے اور جاگتے اس طرح پر نازل ہونے شروع ہو جائیں کہ جیسے ایک ٹھنڈی اور دلکش اور پر خوشبو ہوا ایک گلزار پر گذر کر آتی اور صبح کے وقت چلنی شروع ہوتی اور اپنے ساتھ ایک سکر اور سرور لاتی ہے۔ اور انسان خدا تعالی کی طرف ایسا کھینچا جائے کہ بغیر اس کی محبت اور عاشقانہ تصور کے جی نہ سکے اور نہ یہ کہ مال اور جان اور عزت اور اولاد اور جو کچھ اسکا ہے قربان کرنیکے لئے تیار ہو بلکہ اپنے دل میں قربان کر ہی چکا ہو اور ایسی ایک زبردست کشش سے کھینچا گیا ہو جو نہیں جانتا کہ اسے کیا ہو گیا۔ اور نورانیت کا بشدت اپنے اندر انتشار پاوے جیسا کہ دن چڑھا ہوا ہوتا ہے اور صدق اور محبت اور وفا کی نہریں بڑے زور سے چلتی ہوئی اپنے اندر مشاہدہ کرے اور لحہ لحہ البسا وہ احساس کرتا ہو کہ گویا خدا تعالی اسکے قلب پر اترا ہوا ہے جب یہ حالت اپنی تمام علامتوں کے ساتھ محسوس ہو تب خوشی کرو اور محبوب حقیقی کا شکر بجا لاؤ کہ یہی وہ انتہائی مقام ہے جسکا نام لقا رکھا گیا ہے +

اس آخری مقام میں انسان ایسا احساس کرتا ہے کہ گویا بہت سے پاک پانیوں سے اسکو دھو کر اور نفسانیت کا بکلی رگ و ریشہ اس سے الگ کر کے نئے سرے اسکو پیدا کیا گیا اور پھر رب العالمین کا تخت اسکے اندر بچھایا گیا اور خدائے پاک و قدوس کا چمکتا ہوا چہرہ اپنے تمام دلکش حسن و جمال کے ساتھ ہمیشہ کیلئے اسکے لئے موجود ہو گیا ہے مگر ساتھ اسکے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ دونوں آخری درجہ بقا اور لقا کے کسبی نہیں ہیں بلکہ وہبی ہیں اور کسب اور جد و جہد کی حد صرف فنا کے درجہ تک ہے اور اسی حد تک تمام راستباز سالکوں کا سیر و سلوک ختم ہوتا ہے اور دائرہ کمالات انسانیہ کا اپنے استدرات تامہ کو پہنچتا ہے اور جب اس درجہ فنا کو پاک باطن لوگ جیسا کہ چاہیئے طے کر چکتے ہیں تو عادت الٰہیہ اسی طرح پر جاری ہے کہ یکدفعہ عنایت الٰہی کی نسیم چلکر بقا اور لقا کے درجہ تک انہیں پہنچا دیتی ہے

اب اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ اس سفر کی تمام صعوبتیں اور مشقتیں فنا کی حد تک ہی ہیں اور پھر اس سے آگے گذر کر انسان کی سعی اور کوشش اور مشقت اور محنت کو دخل نہیں بلکہ وہ محبت صافیہ جو فنا کی حالت میں خداوند کریم و جلیل سے پیدا ہوتی ہے الٰہی محبت کا خود بخود ان پر ایک نمایاں شعلہ پڑتا ہے جسکو مرتبہ بقا اور لقا سے تعبیر کرتے ہیں اور جب محبت الٰہی بندہ کی محبت پر نازل ہوتی ہے تب دونوں محبتوں کے ملنے سے روح القدس کا ایک روشن اور کامل سایہ انسان کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے اور لقا کے مرتبہ پر اس روح القدس کی روشنی نہایت ہی نمایاں ہوتی ہے اور اقتداری خوارق جنکا ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں اسیوجہ سے ایسے لوگوں سے صادر ہوتے ہیں کہ یہ روح القدس کی روشنی ہر وقت اور ہر حال میں انکے شامل حال ہوتی ہے اور انکے اندر سکونت رکھتی ہے۔ اور وہ اس روشنی سے کبھی اور کسی حال میں جدا نہیں ہوتے اور نہ وہ روشنی ان سے جدا ہوتی ہے وہ روشنی ہر دم

ان کے تنفس کے ساتھ نکلتی ہے اور ان کی نظر کے ساتھ ہر ایک چیز پر پڑتی ہے اور ان کی کلام کے ساتھ اپنی نورانیت لوگوں کو دکھلاتی ہے اسی روشنی کا نام روح القدس ہے مگر یہ حقیقی روح القدس نہیں حقیقی روح القدس وہ ہے جو آسمان پر ہے یہ روح القدس اس کا ظل ہے جو پاک سینوں اور دلوں اور دماغوں میں ہمیشہ کے لئے آباد ہو جاتا ہے اور ایک طرفۃ العین کیلئے بھی ان سے جدا نہیں ہوتا اور جو شخص تجویز کرتا ہے کہ یہ روح القدس کسی وقت اپنی تمام تاثیرات کے ساتھ ان سے جدا ہو جاتا ہے وہ شخص سراسر باطل پر ہے اور اپنے پُرظلمت خیال سے خدا تعالےٰ کے مقدس برگزیدوں کی توہین کرتا ہے ہاں یہ سچ ہے کہ حقیقی روح القدس تو اپنے مقام پر ہی رہتا ہے لیکن روح القدس کا سایہ جسکا نام مجازاً روح القدس ہی رکھا جاتا ہے ان سینوں اور دلوں اور دماغوں اور تمام اعضاء میں داخل ہوتا ہے جو مرتبہ بقا اور لقا کا پاکر اس لائق ٹھہر جاتے ہیں کہ ان کی نہایت اصفیٰ اور اجلیٰ محبت پر خدا تعالیٰ کی کامل محبت اپنی برکات کے ساتھ نازل ہو۔ اور جب وہ روح القدس نازل ہوتا ہے تو اس انسان کے وجود سے ایسا تعلق پکڑ جاتا ہے کہ جیسے جان کا تعلق جسم سے ہوتا ہے وہ قوت بینائی بنکر آنکھوں میں کام دیتا ہے اور قوت شنوائی کا جامہ پہن کر کانوں کو روحانی حس بخشتا ہے وہ زبان کی گویائی اور دل کے تقوے اور دماغ کی ہشیاری بنجاتا ہے اور ہاتھوں میں بھی سرایت کرتا ہے اور پیروں میں بھی اپنا اثر پہنچاتا ہے۔ غرض تمام ظلمت کو وجود میں سے اٹھا دیتا ہے اور سر کے بالوں سے لیکر پیروں کے ناخنوں تک منور کر دیتا ہے اور اگر ایک طرفۃ العین کیلئے بھی علیحدہ ہو جائے تو فی الفور اس کی جگہ ظلمت آجاتی ہے مگر وہ کاملوں کو ایسا نعم القرین عطا کیا گیا ہے کہ ایک دم کے لئے بھی ان سے علیحدہ نہیں ہوتا اور یہ گمان کرنا کہ ان سے علیحدہ بھی ہو جاتا ہے یہ دوسرے لفظوں میں اس بات کا اقرار ہے کہ وہ بعد اسکے جو روشنی میں آگئے پھر تاریکی میں پڑ جاتے ہیں اور بعد اسکے جو معصوم یا محفوظ کئے گئے پھر نفس امارہ ان کی طرف عود کرتا ہے اور بعد اسکے جو روحانی حواس اُن پر کھولے گئے پھر وہ تمام حواس بیکار اور معطل کئے جاتے ہیں سو اے وے لوگو جو اس صداقت سے منکر اور اس نکتہ معرفت سے انکاری ہو مجھ سے جلدی مت کرو اور اپنے ہی نور قلب سے گواہی طلب کرو کہ کیا یہ امر واقعی ہے کہ برگزیدوں کی روشنی کسی وقت بتمام وکمال ان سے دور بھی ہو جاتی ہے کیا یہ درست ہے کہ وہ تمام نورانی نشان کامل مومنوں سے کمال ایمان کی حالت میں کبھی گم بھی ہو جاتے ہیں۔

"سلسلہ احمدیہ کے ملکی تعلقات"

کچھ عرصہ ہوا کہ اخبار پاینیر میں ایک مضمون نکلا تھا جس میں بے سوچے سمجھے بعض علما اسلام کے اس فرقے پر کئے گئے تھے جسکے بانی حضرت میرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان ہیں جو مسیح موعود اور مہدی ہونیکا

دعوے کرتے ہین اور اب پھر وہی مضمون ایک نئے رنگ مین اخبار ٹائمز آف انڈیا مین نکلا ہے۔ ان مضامین مین خواہ وہ ایک ہی ہاتھ کے لکھے ہوئے ہین یا الگ الگ ہاتھون کے۔ دعوے تو یہ کیا گیا ہے کہ وہ بے رو رعایت لکھے گئے ہین لیکن جب مسیح موعودؑ کی تعلیم کو غور اور تحقیق کی نظر سے دیکھا جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والا مذہبی عناد سے لکھ رہا ہے اور اس فرقہ کے خلاف اسے خصوصیت سے تعصب ہے۔ ان دونون مضمونون کی بنا پادری گرسولڈ کے رسالے پر رکھی گئی ہے جسکا بحیثیت پادری ہونیکے فرض منصبی تھا کہ اس شخص کی نسبت جسے مسیح موعود ہونیکا دعوے ہے دل کھول کر غلط بیانی کرے۔ اسلئے مضمون کے لکھنے والون نے پہلا قدم ہی غلط اٹھایا ہے۔ شروع مین نبیون اور اُن کی پیش گوئیون کی مذمت کی ہے اور اس حصے کے ساتھ تو شاید پادری گرسولڈ صاحب کو بھی اتفاق نہ ہو جنکے رسالہ پر یہ ریویو ہے۔ کیونکہ حضرت عیسٰے بھی ایک نبی تھے اور بعض عیسائیون کا خیال ہے کہ جس نبی کے متعلق موسٰے نے پیشگوئی کی ہے وہ یسوع ہی ہے غالباً خود راقم مضمون کو بھی اس کے ساتھ اتفاق نہ ہو یا کم از کم اس قدر جرأت نہ ہو کہ جس طرح اس نے ہندوستان کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ہندوستان کو اسوقت کسی اور نبی کی ضرورت نہ تھی اسی طرح یہ بھی کسی اخبار مین شائع کرے کہ اس سے انیس سو سال پہلے ملک شام کو کسی اور نبی کی ضرورت نہ تھی۔ جہان ان لوگون کی یہ غرض ہوتی ہے کہ کسی غیر عیسائی سلسلہ کی تردید کی جاوے تو ایسی باتین آسانی سے لکھ دی جاتی ہین لیکن عیسائی مذہب یا یسوع مسیح کے متعلق یہی بات کبھی نہین کہی جاتی +۔

اس وقت ہم ان مضامین پر بتمام وکمال بحث کرنا نہین چاہتے بلکہ ان کے صرف اس حصہ کی تردید اسجگہ کیجاوے گی جس مین اس سلسلہ پر پولٹیکل رنگ مین حملے کئے گئے ہین لیکن یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ ان مضامین کے اس رنگ مین لکھے جانے کی اصلی وجہ مذہبی عناد اور تعصب کے سوائے اور کچھ نہین۔ اگرچہ ان مین جابجا یہ کوشش کی گئی ہے کہ مذہبی رنگ کو چھپا کر کسی اور رنگ مین حملہ کیا جاوے مگر تاہم بعض جگہ مضمون نویس کا مذہبی عناد پردہ کو پھاڑ کر باہر نکل آیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھا ہے "مرزا صاحب مدت سے عیسائی مذہب پر سخت حملے کر رہے ہین اسلئے اگر انکے ساتھ اب عیسائیون کیطرف سے سختی سے سلوک کیا جائے تو انہین گلہ نہین کرنا چاہئے وہ بہت مدت سے شہرت کے خواہان ہین اور اب انکو شہرت ملتی ہے کئی سالون تک تو پادری متامل رہے کہ آیا یہ مدعی جو سب سے بڑا مرتد ہے اسی قابل ہے کہ اسکا پول کھولا جاوے اور اسپر حملہ کیا جاوے یہانتک کہ آخر کار ڈاکٹر گرسولڈ نے یہ کام اختیار کیا" اور ایک اور جگہ پر لکھا ہے "مرزا غلام احمد صاحب کے بہت سارے پرجوش کلام مین سے ہم مندرجہ ذیل عبارت نقل کرتے ہین وہ لکھتے ہین کہ مریم کے بیٹے مین وہ کونسی خصوصیات ہین جنسے وہ خدا بنتا ہے" وغیرہ۔ یہ امر قابل غور ہے کہ سختی سے حملے کرنے مین مسلمانون کی طرف سے یا مرزا صاحب کیطرف سے ابتدا نہین ہوئی بلکہ اس مین پہل کرنے والے یسوع کی بھیڑین تھین جنہون نے راستبازون اور مقدس بزرگون کو گالیان نکالنا ہی نیکی کا کام تصور کیا۔ ان کی تحریرین اس قدر سخت کلامی سے پُر ہین کہ

مسلمانون نے جو کچھ سختی بالمقابل کی ہو وہ مقابلتہً کچھ بھی نہین۔ چند سال کا ہی ذکر ہے کہ ایک عیسائی کی کتاب نے جس مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات پر سخت ناپاک حملے کئے گئے تھے مسلمانون مین ایک شور برپا کر دیا تھا اور اسوقت بڑی بڑی انجمنون نے اس جوش کی تحریک سے گورنمنٹ سے درخواست کی تھی کہ اس کے مصنف سے باز پرس کیجاوے۔ اگرچہ مرزا صاحب اس بات مین ان کے ساتھ متفق نہین تھے تاہم اندازہ ہو سکتا ہے کہ حملون کی سختی کس کی طرف سے ہے جس کی شکایت کیجاتی ہو۔ مرزا صاحب کے جو کوئی حملے ہین وہ عیسائی مذہب کے اصولون پر ہین اور ان کا بدلا اس طرح لینا کہ مرزا صاحب کے سلسلہ کے متعلق اخبارون مین غلط بیانیان شایع کی جاوین طریق انصاف نہین ہو۔ اگر مرزا صاحب یہ کہتے ہین کہ مسیح مین کوئی خصوصیت ایسی نہین جسکے باعث اسکو خدا کہا جاوے تو اس کے بُرا منانے کی کوئی وجہ نہین ہو خصوصًا اس حالت مین جبکہ خود عیسائی اور کلیسیا کے بڑے بڑے عہدے دار اسی قسم کی رائے کا اظہار صاف لفظون مین کر رہے ہین۔

یہ توہمین یقین کامل ہو کہ گورنمنٹ کو اس فرقے کے اصول خوب معلوم ہین اور وہ جانتی ہو کہ اس فرقے کی وفاداری کس قدر ایک ثابت شدہ امر ہے اور اسلئے اس قسم کے اظہار خیالات سے جیسا ان اخبارات مین کیا گیا ہے گورنمنٹ دھوکا نہین کھا سکتی لیکن اس مین شک نہین کہ اس سے پبلک ضرور دھوکہ مین پڑ سکتی ہے اور بالخصوص پبلک کا وہ حصہ جو بغیر کامل تحقیقات کے ایک امر مین اپنی رائے قائم کرے قبل اس کے جو اصل سوال پر بحث کیجاوے یہ ضروری ہے کہ دکھایا جاوے کہ کیونکر دو ایسے معزز پرچون مین جیسے اخبار پایونیر اور ٹائمز آف انڈیا ہین محض غلط بیان شایع ہو کر لوگون کو دھوکہ مین ڈالا جاتا ہے مثلاً یہ لکھا گیا ہو کہ "دوائیون کی تجارت مرزا صاحب کے خاندان مین نسلاً بعد نسل چلی آئی ہو اور وہ خود بھی جبتک کہ گورنمنٹ نے انکو روکا نہین طاعون کی ہل چل مین شامل تھے اور اپنے رسالون اور جھوٹی دوائیون کے ساتھ اس جوش مین جو اس وقت پھیلا ہوا تھا حصہ لیتے رہے" یہ بیان محض غلط ہے اور اس مین ایک ذرہ بھر بھی سچائی نہین ہے۔ نہ مرزا صاحب اور نہ ہی انکے آبا و اجداد مین سے کسی نے کبھی دوا فروشی کی اور نہ ہی انکو ایسی حاجت تھی۔ ان کے اجداد سکھون کے زمانے تک ایک خود مختار ریاست کے حکمران تھے اور اسکے بعد انگریزی سلطنت کے نیچے ان کے والد صاحب میرزا غلام مرتضیٰ صاحب ایک معزز اور مقتدر رئیس تھے چنانچہ بغاوت کے زمانے مین مرزا صاحب موصوف نے گورنمنٹ کو پچاس سوار مع انکے ساتھ مدد دی تھی جسکا ذکر سرکاری بیہ دانون مین موجود ہو۔ ایسا ہی گورنمنٹ نے کبھی کوئی حکم نہین دیا کہ مرزا صاحب کوئی دوائی نہ بیچین (اور ایسا حکم ہو ہی کیونکر سکتا تھا جبکہ انہون نے کبھی کوئی دوائی فروخت ہی نہین کی) اور نہ ہی گورنمنٹ نے کبھی یہ حکم دیا ہو کہ مرزا صاحب کوئی رسالہ شایع نہ کرین اور اگر پایونیر کا نامہ نگار یا وہ شخص جس نے اسے یہ اطلاع دی ہو گورنمنٹ کے کسی ایسے حکم کی نقل پیش کر سکتا ہو تو پھر بیشک ثابت ہو جائیگا کہ اس نے مرزا صاحب کے متعلق راست بیانی کی ہو۔ یہ امر بھی اسجگہ ذکر کرنیکے قابل ہو کہ جسوقت

گورنمنٹ کے قواعد طاعون کے متعلق ملک مین ایک شور اور جوش پھیلا ہوا تھا اور جگہ جگہ فساد اور ہنگامے ہو رہے تھے اسوقت مرزا صاحب نے بجائے اسکے کہ اس شور اور ان فسادون مین جیسا کہ کہا گیا ہے کوئی حصہ لیتے اپنے مریدونکا ایک جلسہ خاص قادیان مین منعقد کرکے خود اس مین ایک لکچر دیا جس مین یہ بیان کیا کہ گورنمنٹ نے جو قواعد تجویز کئے ہین ان کی بنا محض نیک نیتی پر ہے اور ان مین سراسر رعایا کی بہبودی اور بہتری مدنظر ہے اور یہ بھی بیان کیا کہ یہ قواعد شریعت کے خلاف نہین بلکہ عین اسکے منشاء کے مطابق ہین اس جلسہ کی ایک رپورٹ شیخ رحمت اللہ صاحب نے تیار کی چنانچہ پنجاب گورنمنٹ کیطرف سے شیخصاحب موصوف کو ایک چٹھی بھی پہنچی جس مین ممبران جلسہ کا شکریہ ادا کیا گیا تھا کہ انہونے گورنمنٹ کی تجاویز کی تائید کی ہے یہ اسوقت تھا جبکہ ان قواعد کے سبب سے ملک مین سخت جوش پھیلا ہوا تھا اور کئی موقعونپر فساد بھی ہو چکے تھے۔ پایونیر کا نامہ نگار نہ صرف ان تمام صحیح صحیح واقعات کو ہی نظر انداز کرتا ہے بلکہ انکے خلاف خود ایک کہانی گھڑتا ہے تاکہ کسی نہ کسی طرح اس سلسلہ کو بدنام کرے افسوس ہے کہ پبلک سے صحیح واقعات کو چھپا کر اسکو ان کی بجائے غلط واقعات سے دھوکا دیا جاتا ہے اور پھر پبلک اخبارو کے ذریعہ سے ان باتون کو دنیا مین شہرت دیکر یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ سلسلہ احمدیہ کے متعلق صحیح واقعات ہین

ایک اور بات جو ہمیشہ پادریون اور ان کے متبعین کی تحریرون مین جو اس سلسلہ کے متعلق ہون پائی جاتی ہے یہ ہے کہ وہ ہمیشہ حضرت مرزا صاحب کے ذکر کے ساتھ امام الدین کا ذکر بھی ضرور کر دیتے ہین کہ وہ چوہڑون کا گرو بنا تھا اور ہر دو اخبارات مین یہ کہا گیا ہے کہ ابتک قادیان مین چوہڑونکا سالانہ میلہ ہوتا ہے جہان پنجاب کے سارے چوہڑے اکٹھے ہوتے ہین۔ مرزا امام الدین نے جو پچھلے سال مر بھی چکا ہے چوہڑون کا گرو بننے کی شہرت حاصل کرنی چاہی تھی اور اسکو کامیابی کی امید بھی بظاہر اس سے بہت ہو گئی تھی کیونکہ چوہڑے اکثر عیسائی مذہب کیطرف جا کر پادریون کی رپورٹون مین نو مریدون کی تعداد بڑھا رہے تھے اور اس نے خیال کیا کہ وہ لوگ اسکو خوشی سے گرو قبول کرلینگے۔ ممکن ہو کہ اسکا واقعی یہ خیال ہو کہ ان لوگونکو پادریونکے پھندون سے بچانے کی کوئی تجویز نکالے۔ بہرحال اس کی ایک بات ضرور ان عیسائیونکے لئے قابل غور ہے۔ جو یسوع کو خدا کا بیٹا مانتے ہین وہ کہا کرتا تھا کہ یسوع بیٹا تو ضرور ہے مگر لال بیگ (جس کی چوہڑے پرستش کرتے ہین) خدا کا بھائی ہے اور بھائی کے ہوتے ہوئے بیٹے کو پرستش کا حق نہین پہونچتا۔ افسوس ہے کہ ہمین یہ ناگوار باتین لکھنی پڑی ہین۔ مگر یہ قصور ان لوگون کا ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور انکے سلسلہ کے ساتھ یہ بے تعلق ذکر ضرور کر دیتے ہین کہ امام الدین نے چوہڑونکا گرو ہونیکا دعوے کیا تھا۔ اگر ایک آدمی ایک جھوٹا دعوے کرے تو اس سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ دوسرا شخص بھی مفتری ہے ان بے تعلق طعنون سے معلوم نہین ایک امر کی اصلیت دریافت کرنے مین کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے یسوع کے بھائی یسوع کو نعوذ باللہ پاگل سمجھتے تھے کیا اس سے اسکے مشن کی سچائی مین کوئی فرق آگیا تھا

ایسا ہی جب حضرت مسیح ؑ نے دعوے کیا تو اور کئی لوگون نے بھی مسیح ہونیکا دعوے کیا تھا۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ حضرت مسیح بھی اپنے دعوے مین جھوٹے تھے۔

الغرض امام الدین کی یہ غرض تھی کہ کسی طرح سے خاکروب عیسائیت کیطرف نہ جاوین بلکہ اسکے پیچھے لگ جاوین لیکن اس مین اس کو کامیابی نہ ہوئی کیونکہ ظاہر بڑے بڑے فواید ان کو عیسائیت مین ہی نظر آتے تھے جہان نہ صرف ذلت اور بیگار سے چھوٹ کر دنیوی معاش کی صورت اچھی ہو جاتی تھی بلکہ پہلی یا دوسری پشت تک کوٹ پتلون پہن کر پورے صاحب لوگ بن جاتے تھے میلہ جسکی بابت نامہ نگار یا اسکے مخبر کو ایسا یقین ہے کہ گویا ان کا چشمدید واقع ہے کئی سال گذشتہ سے اسکا ذکر تک بھی نہین سنا گیا۔ اور بیچارے خاکروب بھی اسجگہ اس تعداد سے کچھ زیادہ نہین ہین جس قدر کہ اپنے کام خاکروبی کے واسطے مثل دیگر دیہات و شہر دنکے ان کی احتیاج ہے۔ جب ایک ایسے اخبار مین جو ہندوستان بھر مین ایک اہم پرچہ ہے اور جس کی بڑی وسیع اشاعت ہو ایسے ریمارک دیکھے جاتے ہین تو دلمین ایک رنج پیدا ہوتا ہے اور ایسی بودی اور بے بنیاد خبرون کی بنا پر جناب مسیح موعود ؑ کے مشن پر اس طرح سے حملہ کیا جاتا ہے جس سے پولیٹیکل لحاظ سے اس مشن کو نقصان پہونچے اور اس ناواقفیت کے ساتھ اپنی رائے کے بیجا طاہر ہونے پر وہ یقین ہے جو پوپ کو بھی شرمندہ کر رہا ہے +

ان ہر دو امور متذکرہ بالا سے (ایسے ہی اور بھی بہت امور ہین) ظاہر ہوگا کہ پایونیر کے نامہ نگار کو احمدیہ فرقہ کے بارہ مین غلط خبر ملی ہے اس خبر کا غلط ہونا خود اس بات سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وہ اس فرقہ احمدیہ کو وہابی فرقہ سے مشابہت دے رہا ہے۔ علم تاریخ کا جو بالکل مبتدی ہو اسکے منہ سے بھی ایسے کلمات نہین نکل سکتے کیونکہ ان ہر دو فرقہ کے اصولون پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی صاف عیان ہو جاتا ہے کہ یہ دونون فرقہ ایک دوسرے کے بالکل متضاد ہین اور اسلام کے دائرہ کے اندر جسقدر بھی بعد کا امکان ہو سکتا ہے اس سے بھی بڑھکر انکو ایکدوسرے سے دوری ہے یہ دیکھکر افسوس آتا ہے کہ لوگ ایسی بے بنیاد خبرونکو پبلک اخبارون مین شایع کراتے ہین اور بغیر ان کی صحت کرنیکے اپنے مفسدانہ خیالات کو پھیلاتے ہین +

وہابی فرقہ خاص طور پر اسلئے مشہور ہے کہ اسکا جہاد کیطرف میلان ہے۔ حالانکہ فرقہ احمدیہ کی کل تعلیم جہاد کی مخالفت مین ہے کیا اس عظیم الشان اختلاف سے مشابہت باقی رہ جاتی ہے۔ پھر وہابی فرقہ تو یقین کئے بیٹھا ہے کہ ایک مہدی آنیوالا ہے جو کافرونسے جنگ کرکے میدان کارزار گرم کریگا اور کافرون کے خون سے زمین کو بھر دیگا لیکن احمدیہ فرقہ ان خونی عقائد اور اصولون کو جھوٹے سمجھتا ہے اور اسکا اُس مہدی کے نزول پر یقین ہے جو بڑے امن اور صلح سے کلام الہی کی تبلیغ و وعظ کر رہا ہے اور اشاعت اسلام کے لئے جہاد کی تلوار کو ممنوع اور حرام سمجھتا ہے وہابیون کی کتابون مین خصوصاً "اقترب الساعۃ" مین اس قسم کے مضمون لکھے گئے تھے جن مین بیان کیا گیا تھا۔ کہ جب مہدی آویگا تو ہندوستان کا بادشاہ جو حسب بیان مصنف کتاب کے انگریز

شہنشاہ ہوگا۔ پابزنجیر ہوکر مہدی کے روبرو..... لایا جاویگا اور اسکو حکم دیا جاویگا کہ یا اسلام قبول کرے ورنہ تہ تیغ کیا جاوے۔ برعکس اس کے بانی فرقہ احمدیہ نے پچاس یا اس سے بھی زیادہ کتابیں پبلک میں شایع کی ہیں جن تمام میں یا ان میں سے بہت سی کتابوں میں اس نے جہاد کے قطعاً حرام ہونے اور خونی مہدی کے عقائد کے جھوٹا ہونے پر زور دیا ہے۔ اگر کوئی خاص اصول احمدیہ فرقہ کا سب سے بڑا قرار دیا جا سکتا ہے تو وہ دو متذکرہ بالا خطرناک اصولوں کی جو تیرہ صدیوں سے مسلمانوں میں چلے آتے تھے بیخ کنی کرنا اور اسکے برعکس اس امر کی اشاعت کرنا ہے کہ مہدی دلائل اور براہین اور نشانات آسمانی کے ساتھ آیا ہے۔ اس اصول اور مدعا میں وہابی فرقہ اس احمدیہ فرقہ کے بالکل برخلاف ہے اس امر کو پنجاب کی مردم شماری کی رپورٹ میں بھی کھلے طور پر تسلیم کیا گیا ہے چنانچہ رپورٹ کہتا ہے "یہ فرقہ بڑے زور سے اس عقیدہ کو رد کرتا ہے۔ کہ اسلام کا مہدی خونی ہوگا۔ اور اس تردید کی بنا صحیح بخاری کو ٹھہراتا ہے جو حدیث کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے جس میں لکھا ہے کہ یضع الحرب یعنی مسیح موعود لڑائی کو موقوف کریگا۔ ایسی ضخیم تصنیفات میں مرزا صاحب نے جہاد کی تعلیم کے خلاف زور سے دلائل پیش کئے ہیں اور راستبازی میں یہ فرقہ اہلحدیث کے جو افراط کیطرف چلا گیا ہے بالکل مخالف ہے" اور باوجود اس عظیم الشان اور اصولی اختلاف کے بغیر کسی ثبوت کے یہ کہدیا گیا ہے کہ "احمدیہ فرقہ اب سے چالیس سال پیشتر کے وہابیوں سے بالکل غیر مشابہ بھی نہیں ہے" بیشک اگر ان ہر دو فرقوں کے "ایکدوسرے سے بالکل غیر مشابہ نہونے" کے لغوی معنے لیتے ہیں اور صرف اتنی بات بھی مشابہت کے پایہ کو پہونچ جاتی ہے کہ وہ بھی ایک سلسلہ تھا اور یہ بھی ایک سلسلہ ہے اگرچہ انکے اغراض ایکدوسرے کے مخالف ہی ہوں۔ تو ہمیں اس فقرہ پر کچھ اعتراض نہیں ہے لیکن اگر انہیں باتوں سے مشابہت یا عدم مشابہت پیدا ہوتی ہے تو دنیا میں کوئی دو چیزیں "ایکدوسری کے بالکل غیر مشابہ" نہ ہونگی پس یہ تشبیہ گو مہمل و بے معنی ہے مگر سرکار کی وفادار رعایا کے ایک بڑے حصہ کو اس سے نقصان اور ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے کیونکہ لکھنے والے کا منشاء صاف طور پر فرقہ احمدیہ پر حملہ کرنیکا ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان اخباروں میں جو سلسلہ احمدیہ سے پولیٹکل خطرات کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے اس کی اصلیت کہانتک ہے۔ پنجاب گورنمنٹ کو جو ۱۸۹۸ء میں حضرت مرزا صاحب نے ایک میموریل بھیجا تھا۔ اسکے ایک فقرہ کو پکڑکر پادری گرسولڈ اور اسکے رسالے کے ریویو کرنیوالوں نے بہت کچھ لکھا ہے اس میموریل میں فرقہ احمدیہ کے اعتقادات کو بیان کرتے ہوئے ایک فقرہ یہ لکھا ہے کہ "دلایل اور آسمانی نشانوں کے ساتھ اسلامی سچائیوں کو پھیلانا اور غزا یا جہاد کو موجودہ حالات کے ماتحت ممنوع سمجھنا" پادری گرسولڈ اسکا مقابلہ ملکہ الزبتھ کے رومن کیتھولک رعایا کی حالت کے ساتھ کرتا ہے جنکو پوپ نے یہ حکم دیا تھا کہ "اس کی یعنی ملکہ کی فرمانبرداری کرتے رہیں جبتک کہ اسقدر طاقت ان کی ہو جائے کہ وہ کھلی کھلی بغاوت کر سکیں" اسکو ڈاکٹر گرسولڈ دوسرے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے کہ "پوپ گریگری کے حکم کا منشاء یہ تھا کہ پوپ کیطرف سے

ملکہ الزبتھ کے خلاف جہاد موجودہ حالات کے ماتحت محال اور ممنوع ہے" اور پھر کہتا ہے کہ "اگر یہ فقرہ "موجودہ حالات کے ماتحت" جو مرزا صاحب نے استعمال کیا ہے کوئی معنے رکھتا ہے تو اسکے یہی معنے یا ایسے ہی کوئی معنے ہونے چاہئے"! اور انہین باتونکو پاونیر اور ٹائمز آف انڈیا مین ایسے مزہ سے نقل کیا ہے کہ گویا وہ الہامی کلام ہے اگر اس فقرے کے وہی معنے ہوتے جو ڈاکٹر گرسولڈ یا اسکے پیرؤن کے نزدیک ہونے چاہئے تو کم سے کم یہ بات تو آسانی سے سمجھ مین آسکتی ہے کہ پھر یہ فقرہ ایسی تحریر مین نہ نکلتا جو گورنمنٹ مین بھیجنے کیلئے لکھی گئی تھی اور گورنمنٹ مین بھیجی گئی تھی اور مزید بران یہ کہ اس زبان مین ہے جو زبان عام لوگون کی نہین بلکہ گورنمنٹ کی زبان ہے - اب کیا یہ قیاس ہوسکتا ہے اور کوئی عقلمند آدمی اس بات کو تسلیم کریگا کہ جو تحریرین مرزا صاحب اپنے پیرؤن اور عام مسلمانون کیلئے بزبان اردو فارسی اور عربی مین لکھتے رہے ان مین تو انہون نے کبھی انکو یہ نہ بتایا کہ وہ جہاد کو صرف اسوقت تک ممنوع کہتے ہین جبتک بالفاظ پادری گرسولڈ ان کو اسقدر طاقت حاصل ہوجاوے کہ وہ کھلی کھلی بغاوت کرسکین لیکن جب گورنمنٹ کو جھوٹے الزامون سے بری ٹھہرانے کیلئے اور اپنے اصول سے آگاہ کرنیکیلئے ایک تحریر انگریزی زبان مین لکھی تو گورنمنٹ کو گویا یہ نوٹس دیدیا کہ وہ صرف مناسب موقعہ کی تاک مین ہین اور کہ اگرچہ وہ کھلی کھلی بغاوت تو نہین کرسکتے لیکن درپردہ گورنمنٹ کے باغی ہین ایسا قیاس کرنا پرلے درجہ کی بیہودگی ہے - تاہم پادری گرسولڈ صاحب اپنی وسیع علمیت اور اس صاف علم کے باوجود جو اپنے رسالے مین انہون نے ظاہر کیا ہے کہ "یہ فقرہ اور کسی جگہ مسیح موعودؑ کی تحریرون مین واقع نہین ہوا" یہی قیاس کرتا ہے کہ اس فقرہ کے یہی معنے ہین - اس امر پر کہ اس فقرہ کے وہ معنے نہین ہوسکتے جنکے ثابت کرنیکے لئے پادری صاحب نے اپنی علمیت کو خرچ کیا ہے اور بھی دلایل ہین جن مین سے ایک یہ ہے کہ ہندوستان مین عام طور مسلمانون کے اعتقاد کا اظہار اس طرح پر کیا جاتا ہے (جس سے فرقہ احمدیہ مستثنیٰ ہے) کہ اس وقت انگریزونکے ساتھ جہاد جایز نہین مگر مہدی کے آنے پر یہ حالات بدل جائینگے اور اسوقت تمام مسلمانون کا یہ فرض ہوگا کہ کفار کے ساتھ جہاد کرنیمین شامل ہون یہ بھی مسلمانون کا عقیدہ ہندوستان کے اندر ہے مگر ہندوستان سے باہر جہاد کو اب بھی جایز سمجھا جاتا ہے اب جبتک کہ حضرت مرزا صاحب نے کھلے کھلے طور پر خونی مہدی کے عقیدے کی تردید شایع نہین کی اسوقت تک مسلمانون نے انکو برا نہین سمجھا اور انکے تمام دعاوی کو کہ وہ خدا سے الہام پاتے ہین اور چودھوین صدی کے سر پر حسب وعدہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مجدد دین ہوکر آئے ہین اور مثیل مسیح ہین ان لوگون نے بھی تسلیم کیا جو آج ان کے سخت ترین دشمنون مین سے ہین - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل وجہ ان لوگون کے عناد کی یہ نہین ہے کہ وہ پیشگوئیان کرتے ہین یا ملہم من اللہ ہونیکا دعوے کرتے ہین اور یا روحانی طور پر وہ مسیح کے رنگ مین ہوکر اسلام کو اسکے اصلی پاکیزہ اصولونپر قائم کرنیکے لئے آئے ہین کیونکہ یہی سب دعوے پہلے تسلیم کئے جاچکے تھے اور ان کا عموماً انکار نہین کیا گیا جبتک کہ ان کی زندگی میز

ایک خاص واقع پیدا نہین ہوا - اور وہ یہ ہے کہ جیساکہ ان لوگون کی (جو اس وقت مرزا صاحب کے سخت ترین دشمن ہین) اس زمانے کی تحریرون سے ثابت ہے مرزا صاحب کو ہر طرح سے مقدس اور بزرگ اور مجدد زمانہ تسلیم کیا گیا تھا جبتک کہ انہون نے کھلے لفظون مین یہ بیان نہین کیا کہ ایسا کوئی مہدی نہین آئیگا جسکے آنیسے عام مسلمانون کے اعتقاد کے بموجب جہاد جایز یا فرض ہو جاویگا اور نہ ہی کوئی ایسا مسیح آسمان سے اترے گا جو مہدی کو خونریزی مین مدد دیگا - خود پادری گرسولڈ نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مرزا صاحب کا یہ اصول کہ مہدی صلح اور امن کے ساتھ آئیگا اور لڑائیان نہین کریگا - عام مسلمانونکے نزدیک کفر کا عقیدہ ہے ان امور سے یہ واضح ہے کہ مرزا صاحب کو قبول نہ کرنے اور برا سمجھنے اور گالیان دینے کی وجہ صرف انکا اس عقیدے سے انکار ہے کہ آیندہ کبھی جہاد ضروری یا جائز ہوگا اسلئے انکے ان الفاظ کے کہ موجودہ حالات کے ماتحت جہاد ممنوع ہے یہ معنے ہرگز نہین ہوسکتے کہ وہ آیندہ کبھی جہاد کو روا رکھتے ہین کیونکہ جس عقیدے کی تردید کرکے انہون نے یہ سب دکھ اٹھائے ہین اسی کی تعلیم پھر وہ خود کیونکر دے سکتے ہین +

علاوہ ازین یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ مرزا صاحب کا یہ منشا تھا کہ وہ کسی آیندہ زمانہ مین جہاد کو جائز رکھین تو یہ عقیدہ ان کی کسی ایسی تحریر مین ہونا چاہیئے تھا جو بلا واسطہ ان کی اپنی تحریر ہو پادری گرسولڈ صاحب کا مقصد اگر مسیح موعود کے متعلق اصلی اور صحیح واقعات کے اظہار کا ہوتا تو وہ اپنے ان معنون کی بیہودگی کو جنکے لئے وہ اسقدر زور لگا رہا ہے اسی بات سے سمجھ سکتا تھا کہ مسیح موعود کی اپنی کسی تحریر سے جو اردو یا فارسی یا عربی مین ہین یہ نتیجہ نہین نکلتا - بلکہ اگر ان الفاظ زیر بحث کے معنے کوئی بھی ایسے نہ ہوسکتے جو مرزا صاحب کے اپنے شائع کردہ اصول کے مطابق ہوتے تو بھی پادری صاحب کو یہ چاہیئے تھا کہ اسے مترجم کے خیال کی غلطی سمجھتے کیونکہ یہ تو ناممکن تھا کہ پچاس ساٹھ کتابون مین سے صرف اسی تحریر مین یہ فقرہ لکھا جاتا جو گورنمنٹ مین بھیجی جاتی تھی - اور باقی تحریرون مین کہین اس کا نام و نشان بھی نہ ہوتا +

اصل بات یہ ہے کہ جن الفاظ کے نیچے پادری صاحب گہرے معنے تلاش کر رہے ہین انکے معنے نہایت صاف ہین جیسا کہ اسی مسئلہ جہاد پر حضرت مرزا صاحب کی دوسری تحریرون سے ہی پتہ ملتا ہے - جن حالات کے ماتحت مذہب اسلام پیدا ہوا اسکے سبب سے یہ ضروری ہوگیا تھا کہ مسلمان اپنی حفاظت مین تلوار اٹھاتے - تیرہ سال تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ کو طرح طرح کے دکھ دئے گئے اور ایذائین پہونچائی گئین اور آخر جب یہ تکالیف کمال کو پہونچ گئین تو مسلمانونکو اپنا اصلی گھر وغیرہ چھوڑ کر ایکدوسرے شہر مین پناہ لینی پڑی لیکن اسلام کے دشمن اسکو نیست و نابود کرنے پر ہی تلے ہوئے تھے اور اسلئے وہان بھی انہون نے مسلمانونکا پیچھا نہ چھوڑا - ان حالات کے نیچے اہل اسلام کو یہ اجازت دیگئی کہ وہ اپنی حفاظت مین تلوار اٹھائین

چنانچہ مندرجہ ذیل آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ (الحج) جس کا مطلب یہ ہے کہ اجازت دیجاتی ہے ان لوگو جن کے ساتھ جنگ کیا جاتا ہے (کہ وہ بھی اپنی حفاظت میں تلوار اٹھائیں) کیونکہ ان پر طرح طرح کے ظلم ہوئے ہین اور بیشک اللہ تعالےٰ ان کی مدد پر قادر ہے وہ لوگ جو اپنے گھرون سے ناحق نکالے گئے سوائے اسکے کہ وہ اللہ تعالےٰ کو اپنا پروردگار کہتے تھے۔ یہ سب سے پہلی اجازت جہاد کی تھی جو اس آیت کے ذریعہ ملی لیکن جیسا کہ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے یہ اجازت خاص حالات کے ماتحت دی گئی تھی۔ سب سے پہلے یہی الفاظ کہ ان لوگون کو اجازت دیجاتی ہے جن کے ساتھ جنگ کیا جاتا ہے صاف بتاتے ہین کہ یہ اجازت ہمیشہ کے لئے اسلام مین نہ دی گئی تھی کہ وہ لڑائیان کرین۔ بلکہ صرف اسیوقت تک محدود تھے جبتک کہ نومسلمون کو بیرحمی سے قتل کیا جاتا تھا اور انکو طرح طرح کے دکھ دئے جاتے تھے اور امن سے وہ زندگی بسر نہ کر سکتے تھے اور اجازت کے دینے کی وجہ اللہ تعالےٰ نے صرف یہ قرار دی ہے کہ مسلمانون کو طرح طرح کے دکھ پہونچائے گئے اور ان کو اپنے گھرون سے نکالا گیا۔ یہ وہ حالات تھے جنکے ماتحت جہاد کی اجازت دی گئی اور جہاد کی بنا اصل مین اسی آیت پر ہے لیکن بعد مین طرح طرح کی غلطیان پڑکر اصل عقیدہ بدل گیا اور ان حالات کیطرف جنکے نیچے جہاد کی اجازت دی گئی تھی کوئی توجہ نہ کیگئی۔ اسلئے ان الفاظ کے جو حضرت مرزا صاحب نے لکھے ہین کہ جہاد کو موجودہ حالات کے نیچے حرام سمجھنا صاف اور سیدھے معنے یہی ہین کہ اسلام کے ابتدا مین خاص حالات کے ماتحت جہاد کی اجازت دیگئی تھی لیکن چونکہ وہ حالات اس زمانے مین نہ پائے جاتے تھے اسواسطے جہاد بھی ممنوع ہوگیا۔ اجازت شرطیہ تھی اور جب شرط فوت ہوگئی تو اجازت بھی اٹھ گئی۔ اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض جگہ مرزا صاحب نے بغیر حالات کے ذکر کے جہاد کے اصول کو ہی برا کہا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ ایسے مقامات پر تعلیم جہاد سے مراد حضرت مرزا صاحب کی وہ تعلیم جہاد کی ہی جو غلطیون کیوجہ سے خود غرض لوگون نے خود گھڑلی اور جسکا مؤید قرآن شریف نہین ہی یہ وہ موقع ہی جہان پادری گرسولڈ نے پورا زور لگا کر مرزا صاحب کے متعلق غلط بیانی کی ہے اور عجیب وغریب منطق کو استعمال کر کے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہی کہ چونکہ پوپ نے ملکہ الزبتھ کی رومن کیتھولک رعایا کو خفیہ طور پر یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس کی فرمانبرداری کرتے رہین جبتک کہ انکو کھلی کھلی بغاوت کرنیکے لئے کافی طاقت حاصل ہو جائے اور چونکہ مرزا صاحب گورنمنٹ کو درخواست لکھتے وقت یہ جتلاتے ہین کہ وہ موجودہ حالات کے نیچے جہاد کو حرام سمجھتے ہین اسلئے مرزا صاحب کے فقرے کے معنے وہی ہونے چاہئے جو پوپ کے تھے یا اس جیسے ہی کوئی اور معنے (یہ آخری فقرہ پادری صاحب نے اپنی عیسائیانہ فیاضی سے بڑھا دیا ہے)

پایونیر اور ٹائمز آف انڈیا کے نامہ نگارون نے مسیح موعودؑ سے اسلئے بھی خطرہ ظاہر کیا ہی کہ انہین مہدی ہونیکا دعوے ہے اور اسلام کی گذشتہ تاریخ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جہان کہین مہدی پیدا ہوا ہے۔

جہاد یا مذہبی لڑائی بھی ضرور ساتھ واقع ہوئی ہو" یہ سچ ہوگا لیکن اگر مرزا صاحب نے مہدی ہونیکا دعوے کیا ہے تو ساتھ ہی کھلے اور پرزور الفاظ مین جہاد کو رد کیا ہے۔ پھر ان خطرات کی بنیاد کیا ہو اگر خود مہدی ہی جہاد کا مخالف ہو۔ جو جہاد مہدی کے نام کے ساتھ وابستہ ہے اس کی طرف بلانے والا بھی تو خود مہدی ہوگا لیکن اگر وہ خود ہی جہاد کا انکار کرے تو پھر جہاد کا خطرہ محض لغویات ہو۔ مرزا صاحب نے صاف الفاظ مین یہ کہدیا ہے کہ مجھکو مسیح موعود اور مہدی ماننا ہی جہاد کی تعلیم سے انکار کرنا ہے اسلئے کوئی شخص مرزا صاحب کے ساتھ نہین ہو سکتا یا انکے مریدون مین شامل نہین ہو سکتا جبتک کہ پہلے جہاد کے عقیدے کو نہ چھوڑ دے۔ وہ اصول جسپر حضرت مرزا صاحب لوگون کو اکٹھا کر رہے ہین جہاد کا انکار ہو اور یہ فرض کر لینا کہ بعد مین کسی وقت مرزا صاحب جہاد جایز کر دینگے بالکل بیہودہ ہے اور ان احمقون کی سی بات ہو جو یہ کہدیتے ہین کہ گورنمنٹ نے طاعون کا ٹیکا اسواسطے شروع کیا تا لوگون مین کثرت سے طاعون پھیلا کر ان کو ہلاک کر دیا جاوے۔ اگر اس قسم کے خطرات کسی معقولیت کی بنا پر ہین تو ہر ایک فائدے کی بات مین بجائے فائدہ کے نقصان کا خطرہ ہونا چاہئیے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی ایک آدھی تحریر نہین جس مین جہاد کی ممانعت کا ذکر ہو بلکہ گذشتہ بائیس سال سے وہ جہاد کے خلاف لکھ رہے ہین علاوہ دیگر تحریرونکے ایک فتوے بھی ممانعت جہاد مین ان کی طرف سے شایع ہو چکا ہے اسقدر عرصہ دراز سے جہاد کے خلاف مستقل طور پر لکھنا یقینی اور قطعی ثبوت اس بات کا ہو کہ وہ دل سے اس اصول کو برا جانتے ہین اور پھر جہاد کی ممانعت انہون نے صرف اپنی اردو تحریرون مین ہی نہین کی بلکہ اسی زور سے انہون نے عربی اور فارسی کی کتابون مین جہاد کی مخالفت پر لکھا ہے۔ اور پھر ان کتابونکو ان اسلامی بلاد مین تقسیم کیا ہو جہان عربی یا فارسی بولی یا سمجھی جاتی ہے خود یہی ایک امر پادری گرسولڈ صاحب کے من گھڑت خیال کی تردید کے لئے کافی ہو۔ اگر گورنمنٹ کی وفاداری اور جہاد کی ممانعت پر اظہار خیالات صرف گورنمنٹ کے خوش کرنیکے لئے ہوتا تو پھر عربی اور فارسی تحریرون مین یہ باتین ہرگز نہ پائی جاتین +

علاوہ ازین یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ حضرت مرزا صاحب آج کل کے عام مسلمانون کے عقیدے کے مطابق مہدی ہونیکا دعوے نہین کرتے۔ بلکہ برعکس اس کے وہ ان تمام حدیثونکو جن مین ایسے مہدی کے آنیکا ذکر ہے جو لڑائیان کریگا موضوع کہتے ہین۔ مرزا صاحب کے دعوے کی بنا قرآن شریف پر ہو۔ اللہ تعالے نے اپنے کلام پاک مین یہ وعدہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل کے خلیفون کی مانند اس امت مین خلیفے پیدا کئے جاوینگے اس وعدے مین ایک مسیح کے آنیکی پیش گوئی ہو جو اس مسیح کی مانند ہو جو حضرت موسےؑ کی امت مین بھیجا گیا۔ مرزا صاحب کا یہ دعوے ہو کہ مین اس وعدے کے مطابق آیا ہون چونکہ یہ وعدہ صرف ایک ایسے آنیوالے کیلئے ہو جو مسیح کی مانند ہو اور حضرت مسیح نے (یہ امر مسلمات مین سے ہو) کوئی لڑائی نہین کی اس لئے ایسی حدیثین جن مین ایک ایسے آنیوالے کا ذکر ہے جو آکر لڑائیان کریگا۔ قرآن شریف سے مخالف پڑی ہوئی ہونیکی وجہ سے

صحیح نہیں مانی جاسکتین۔ اس لئے حضرت مسیح موعود حدیثونکے خونی مہدی سے قطعی انکار کرتے ہین اور ان حدیثوں کو بھی رد کرتے ہین جن مین اس کی آمد کا ذکر ہے اور خود ان کا مہدی ہونیکا دعوے اس حدیث کے رو سے ہی جس مین لکھا ہی کہ مسیح کے سوا اور کوئی مہدی آنیوالا نہین۔ لا مہدی الا عیسےٰ۔ یہ حدیث قرآن کریم کے وعدے کے مطابق ہے حالانکہ خونی مہدی کی حدیثین قرآن کریم کے مفہوم اور الفاظ کے خلاف پڑی ہوئی ہین۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جن حدیثون مین خونی مہدی کے آنیکا ذکر ہے ان مین سے بخاری نے ایک حدیث کو بھی قبول نہین کیا اور بخاری کی صحت خاص و عام کے نزدیک مسلّم ہے اسلئے اگرچہ مرزا صاحب اپنے آپ کو مہدی کہتے ہین لیکن جن حالات کے نیچے وہ مہدی ہونے کا دعوے کرتے ہین وہ حالات ہی بالکل بدلے ہوئے ہین اور یہ کہنا کہ "چونکہ جہاد یا مذہبی لڑائیان مہدی کے نام کے ساتھ ملی ہوئی ہین اس لئے اگرچہ حضرت مرزا صاحب کی ساری کی ساری تعلیم جہاد کے مخالف ہی ہو اور وہ ان حدیثونکو بھی رد کرتے ہون جن مین خونی مہدی کے آنیکا ذکر ہو تاہم باوجود ان باتون کے مرزا صاحب پر بھی اعتبار نہین کیا جاسکتا" تمام واقعات حقہ سے انکار کرنا ہی اور یہ اس بات پر اصرار ہی کہ ایک غلطی بنی نوع کے حق مین سخت مضر ثابت ہوئی ہے اس کی اب اصلاح نہ کیجاوے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ بے بنیاد حملے جو اخبارات مین سلسلہ احمدیہ پر کئے جاتے ہین ان کی اصل غرض صرف پادریون کو خوش کرنا ہی ورنہ کوئی خیرخواہ سلطنت انگریزی ایسا نہین جو فرقہ احمدیہ کے ان اصولون کی تائید نہ کرے۔ کون شخص اس بات سے بے خبر ہی کہ آئے دن جنگی مہدیون کے پیدا ہونیسے کیا کیا تکالیف با امن گورنمنٹونکو ہوتی ہین۔ اسپر آسانی سے یہ قیاس ہو سکتا ہی کہ اگر خدانخواستہ ملک ہندوستان مین کوئی اسی قسم کا مہدی ہونیکا دعوے کر دے جیسا کہ عوام کا اعتقاد ہے تو پھر اس ملک کی کیا حالت ہوگی جو لوگ دل سے ہندوستان کی خیرخواہی چاہتے ہین ان کا یہ فرض ہی کہ ہر ایک تجویز کی جو خونی مہدی کے آنے کی تعلیم کو جڑ سے اکھاڑتی ہو تائید کرین۔ سلسلہ احمدیہ یقیناً ان سب تجویزون مین سے اعلےٰ درجہ کی تجویز ہی اور اسے خدا کیطرفسے ایک نعمت عظمےٰ سمجھنا چاہئے۔

جس آدمی کے دل مین گورنمنٹ انڈیا کی خیرخواہی کا بیج بویا گیا ہے وہ قیصر ہند کی رعایا کے ایک نمک حلال اور وفادار فرقہ کے حق مین ایسے جھوٹے اور حقارت آمیز کلمات استعمال نہین کر سکتا اور پھر فرقہ بھی وہ کہ وفاداری مین سب سے بڑھ کر قدم مار رہا ہے۔ ان الفاظ سے کہ اس فرقہ مین "پولیٹکل خطرات کے بیج سے بڑھکر" موجود ہین۔ لکھنے والے کا مطلب صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ کبھی اس فرقہ نے سرکشی کے خیالات کا اظہار کیا ہی یا کسی باغیانہ فعل کا ارتکاب کیا ہی ایسا سخت حملہ کرتے وقت اسکا یہ فرض تھا کہ اس فرقہ کی کسی ایسی تحریر کا حوالہ دیتا یا کسی ایسے فعل کا ذکر کرتا جو اسکے بیان کا مؤید ہوتا۔ اگر کوئی شخص ان ہزارہا اوراق کو جو اس فرقہ کے بانی اور دیگر سرکردہ ممبران فرقہ احمدیہ نے لکھے ہین تلاش کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ ایک فقرہ بالفظ تک بھی ایسا نہین نکلسکتا جسمین صاف یا کنایتاً بغاوت یا سرکشی کی ترغیب یا اظہار پایا جاتا ہو۔ اور پندرہ سال یا اس سے

کم و بیش مین جب سے اس فرقہ کی ابتدا ہوئی ہے کوئی ایک موقعہ بھی ایسا پیش نہین کیا جا سکتا جسپر اس
فرقہ نے بہ ہیئت مجموعی یا اسکے کسی فرد واحد نے کسی پولیٹیکل معاملہ مین گورنمنٹ کے خلاف حصہ لیا ہو۔ نہ صرف
یہی بلکہ اس فرقہ کے صدر مقام سے کوئی ایسی تحریر نہین نکلتی جس مین گورنمنٹ کی وفاداری کا اظہار نہو
اور کوئی ایسا موقعہ اظہار وفاداری کا پیش نہین آیا جسپر اس فرقہ کی وفاداری نے ایک عملی شکل اختیار نہ کی
ہو۔ اور اپنے اخلاص کا ثبوت نہ دیا ہو چنانچہ جنوبی افریقہ کی جنگ کیوقت جب سلطنت انگریزی کو بہت سے
صدمات پہونچے اور مجروحون کے لئے چندہ کی تجویز کیگئی تو احمدیہ فرقہ نے بھی شراکت چندہ مین حصہ لیا۔
اور پانچسو روپیہ چندہ کرکے اس غرض کے لئے بھیجا۔ ایسا ہی ہر ایک موقعہ پر گورنمنٹ کے ساتھ یہ فرقہ اظہار
ہمدردی کرتا رہا ہے۔ پھر کوئی ایک موقعہ بھی ایسا بیان نہین کیا جا سکتا جسپر فرقہ احمدیہ یا اسکے کسی سربرآوردہ
ممبر نے گورنمنٹ کے برخلاف کسی پولیٹیکل تحریک و حرکت مین کوئی حصہ لیا ہو حالانکہ آج کل چھوٹی چھوٹی
جماعتون نے بھی یہ اپنا وتیرہ بنا رکھا ہے کہ ملکی معاملات مین طرح طرح کی تحریکین کرتی رہتی ہین۔ اسپر بھی
پایونیر جیسے پبلک اخبار مین یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ اس فرقہ مین پولیٹیکل خطرات کے بیج مخفی ہین۔ اس
فرقہ کے ساتھ اس سے بڑھکر کوئی بے انصافی کا سلوک نہین ہو سکتا۔ طاعون کے پھوٹ پڑنیکے وقت
جبکہ گورنمنٹ نے کچھ قواعد تجویز کئے تو بہت لوگ فساد پر آمادہ تھے اور کئی جگہ مفسدہ ہو بھی گئے تھے۔ ایسے
وقت مین جبکہ قواعد طاعون کے متعلق لوگون مین ایک عام جوش تھا مسیح موعودؑ نے اپنے پیروؤن کو ایک
اشتہار دیکر ایک خاص جلسہ مین جو اسی غرض کیلئے منعقد ہوا تھا بلا کر یہ وعظ کیا کہ وہ ان قواعد مین احکام
و تجاویز گورنمنٹ کی پوری پیروی کرین اور پورا دلی یقین رکھین کہ گورنمنٹ کو اس مین خیر خواہی رعایا مدنظر
ہے اور ذرا بھر بھی ان تجاویز و احکام کی بجا آوری مین تخلف نہ کرین۔ کیا یہی جماعت ہے جس سے گورنمنٹ
کو پولیٹیکل خطرہ ہے۔ سخت افسوس ہے ایسے ظالمانہ بیان پر اور پھر اسکے اخبارون مین شایع کرنے پر۔
پایونیر مین یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جو تعلیمات مسیح موعودؑ نے دی ہین وہ تعصب کی قیدون اور روکونکو
ہلکا کرتی ہین اور مذہبی جوش کے شعلون کو بھڑکاتی ہین۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس جگہ بھی نامہ نگار اپنی بات کو
تو معتبر بنا کر پیش کرتا ہے لیکن اس خاص تعلیم کا حوالہ نہین دیتا جسکا حسب بیان اسکے یہ نتیجہ نکلتا ہے
وہ چاہتا ہے کہ پبلک اس کی بات کو بغیر کسی عذر کے اس طرح تسلیم کرے جیسے خدا کا کلام ہوتا ہے۔ بجائے
اسکے کہ ایسے امور پیش کرے جنسے پبلک کوئی رائے لگا سکے وہ خود ایک رائے گھڑکر پیش کرتا ہے اور اصل
بات کو مخفی رکھتا ہے۔ شاید وہ عمداً ایسا کرتا ہے تاکہ اسکا نقص پکڑا نہ جاوے۔ احمدیہ فرقہ نہ تو فری میسن
گروہ ہے اور نہ ہی ان کی تعلیمات مخفی ہین جو شخص جناب مسیح موعودؑ کی تالیفات کے مطالعہ کی تکلیف
گوارا کرے گا اسے ان کتابون مین یہ تعلیمات مل سکتی ہین اگر ان کی بابت یہ خیال کیا گیا ہے کہ ان کی یہ تاثیر
ہے جو اس آرٹیکل کے لکھنے والے نے بیان کی ہے تو پھر دنیا مین ایسے الفاظ کا ملنا محال ہے جنسے اتفاق و

اتحاد و صلح کی تعلیم دیجا سکے - یہ تعلیم کئی دفعہ انگریزی زبان مین بھی ترجمہ کی گئی ہے - اور ابھی ایک سال ہوا پھر کشتی نوح مین لکھی گئی ہے اس امر کے ظاہر کرنے کے واسطے صرف چند فقرات کا لکھنا ہی کافی ہوگا کہ پاینیر کے مضمون نویس نے کس طرح بدنیتی سے غلط بیانی کی ہے اور اس سلسلہ کی سچی تعلیم کا اخفا کرنے اور اسکا الٹا اثر بیان کرنے مین کس قدر ظلم سے کام لیا ہے - اور کس طرح پبلک کو دھوکا دیا ہے - زیر عنوان "میری تعلیم" کے جناب مسیح موعودؑ نے اپنی کتاب کشتی نوح مین لکھا ہے :-

"اور اسکے بندون پر رحم کرو اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کیلئے کوشش کرتے رہو اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو - غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بنجاؤ تا قبول کئے جاؤ - بہت ہین جو حلم ظاہر کرتے ہین مگر وہ اندر سے بھیڑئیے ہین بہت ہین جو اوپر سے صاف ہین مگر اندر سے سانپ ہین سو تم اس کی جناب مین قبول نہین ہو سکتے جبتک ظاہر و باطن ایک نہ ہو بڑے ہو کر چھوٹون پر رحم کرو اور نہ ان کی تحقیر اور عالم ہو کر نادانون کو نصیحت کرو نہ خودنمائی سے ان کی تذلیل اور امیر ہو کر غریبون کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے ان پر تکبر - ہلاکت کی راہون سے ڈرو - خدا سے ڈرتے رہو اور تقوے اختیار کرو اور مخلوق کی پرستش نہ کرو اور اپنے مولے کیطرف منقطع ہو جاؤ اور دنیا سے دل برداشتہ رہو اور اسی کے ہو جاؤ اور اسی کے لئے زندگی بسر کرو - اور اسکے لئے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو کیونکہ وہ پاک ہے چاہیئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقوے سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا - تم آپس مین جلد صلح کرو اور اپنے بھائیون کے گناہ بخشو کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہین وہ کاٹا جائیگا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو تا تم بخشے جاؤ - نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کیلئے تم بلائے گئے ہو اسمین سے ایک فربہ انسان داخل نہین ہو سکتا - کیا ہی بدقسمت وہ شخص ہے جو ان باتون کو نہین مانتا جو خدا کے منہ سے نکلین اور مین نے بیان کین تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ مین سے دو بھائی - تم مین سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہین بخشتا سو اسکا مجھ مین حصہ نہین"

یہ حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم ہے اور ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ پاؤنیر کے ریمارکون کے یہ بالکل الٹ ہے اگر یہ الفاظ بھی بدیہی دیوانگی کے شعلون کو بھڑکانیوالے ہین تو دنیا مین وہ کونسے الفاظ ہین جن سے ایسے شعلے فرو ہو سکین الغ تمام خطرناک اور دھوکہ دینے والون حملون کی جو اس سلسلہ پر کئے گئے ہین اصل وجہ صرف یہ ہے کہ مرزا صاحب ایک مذہبی پیشوا ہین اور انہون نے عیسائیت کی تردید کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے صرف یہی نہین کہ مرزا صاحب کی تعلیم مین کوئی بات جوش دینے والی نہین بلکہ اس تعلیم مین نرمی اور تحمل پر اس قدر زور دیا گیا ہے جو خود یسوع

کی تعلیم مین بھی اس قدر زور نہین پایا جاتا اور یہ بھی نہین کہا جا سکتا کہ یہ الفاظ حضرت مرزا صاحب کے جن مین وہ بار بار سید باری کی تاکید کرتے ہین بے اثر ہین کیونکہ جن لوگون کو ان الفاظ مین خطاب ہی وہ انہین اللہ تعالے کے الفاظ سمجھتے ہین۔ یہ فرقہ احمدیہ کی تعلیم ہی جو صلح کی بنیاد ڈالتی ہی لیکن سب سے بڑا صلح کا پیغام جو اس سلسلہ نے دنیا کو پہنچایا ہے وہ جہاد کی خطرناک تعلیم اور خونی مہدی کے آنیکا انکار ہی اسلئے اس سلسلہ پر کسی قسم کا شک کرنا ایک قابل قدر نعمت کو رد کرنا ہے۔ جہاد کا عقیدہ اسقدر مضبوطی سے عوام کے دلون مین گڑا ہوا تھا کہ اسکا نکلنا قریباً محالات مین سے تھا جبتک کہ خود مذہبی عقائد پر بھی پانی نہ پھر جاتا۔ اور ساری اسلامی دنیا مین صرف ایک ہی مسلمانون کا ایسا فرقہ ہی جسکے مذہبی عقائد مین جہاد کا انکار داخل ہی اس فرقہ کا زور و شور سے ترقی کرتے جانا اس بات کی علامت ہی کہ یہ عقیدے جہاد اور خونی مہدی کے دنیا سے جلدی نابود ہو جاوینگے۔ ہر ایک شخص جو حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہے وہ ساتھ ہی جہاد کے عقیدے سے بھی توبہ کرتا ہی کیونکہ جہاد کے انکار پر ہی مرزا صاحب کا دعوے مسیح موعود اور مہدی ہونیکا مبنی ہی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو نشان مسیح موعود کے لئے مقرر کیا تھا وہ یہی تھا کہ وہ مذہبی لڑائیون کو بند کر دیگا۔ جیساکہ بخاری کی حدیث **یضع الحرب** سے ظاہر ہے یہ خوشی کی بات ہے کہ جس طرح پر جہاد کا عقیدہ غلطیونکے سبب سے اسلامی دنیا کے عقائد کا جزو ہو گیا تھا ایسا ہی اب جہاد کے انکار کا عقیدہ فرقہ احمدیہ کے عقائد کی جزو ہو گیا ہے۔ مسلمانون مین ایسے آدمی بکثرت ہوتے رہے اور اب بھی ہین جنہون نے جہاد کے عقیدے پر ایمان رکھکر غیر مسلمون کے قتل کرنے مین اپنی جانون کی بھی پروا نہین کی لیکن احمدی ہین کہ اب جہاد کے انکار کے سبب سے قتل کئے جا رہے ہین سلسلہ احمدیہ کا مضبوطی کے ساتھ جہاد کے انکار پر قائم ہونا افغانستان کے دو بڑے معزز باشندون کی مثال نے جو اس پاک سلسلہ مین داخل تھے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کیونکہ انہون نے یہ پسند نہ کیا کہ جہاد کے عقیدہ کیطرف لوٹ آئین اور بجائے اسکے بیرحمی کی موت کو قبول کیا۔ صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب اور ان کے شاگرد شیخ عبد الرحمٰن صاحب نے سلسلہ احمدیہ کے انکار جہاد پر صدق دل اور خلوص نیت سے قائم ہونے پر اپنے خون سے مہر لگا دی ہے ؂

بڑے بڑے افسران ملکی اور مدبرون نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہی جس سے پایونیر کے جلد باز نامہ نگار کی غلط رائے کی تردید ہوتی ہے۔ آنریبل سر فریڈرک کننگہم صاحب کمشنر و سپرنٹنڈنٹ پشاور ڈویژن نے ۱۸۸۰ء مین اپنی رائے کو اس طرح ظاہر فرمایا تھا "جہانتک مین غور کرتا ہون مجھے یہ اسلام کی تعلیم کی نہایت ہی منصفانہ اور عالمانہ تشریح معلوم ہوتی ہی اور آپ جیسے عالم اور صائب الرائے آدمی کے لئے قابل تعریف ہی مین یقین کرتا ہون کہ آپ جیسے مشہور معلم کے قلم سے اپنے مذہب کی بریت مین ان الفاظ کا نکلنا تمام مسلمان اپنے لئے نعمت سمجھینگے اور اس بات کا ثبوت اسے تصور کرینگے کہ جو قبیح افعال جاہل اور شریر لوگ مذہب کی آڑ کے نیچے کر رہے ہین اسلام ان کی ہرگز تائید نہین کرتا۔ مین بڑا خوش ہونگا کہ آپ کا رسالہ اور مشتہر (حمایت جہاد)

کثرت سے سرحدی اضلاع مین شایع ہوئے" اگر مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرین واقعی مذہبی دیوانگی کے شعلونکو بھڑکانیوالی ہین جیسے کہ پایونیر کا نامہ نگار خیال کرتا ہے تو آنریبل مرفریڈرک کننگہم صاحب نے کیون اس بات کو پسند کیا کہ سرحدی اضلاع مین جہان بڑی دیوانگی پہلے ہی زور پر ہے ان تحریرون کو کثرت سے شایع کیا جاوے کیا یہ ان کی پولیٹیکل غلطی تھی کہ ان تحریرات کو ایسے اضلاع مین شایع کرنا پسند کیا جنکے امن مین پہلے سے مذہبی دیوانگی کے سبب سے خلل آرہا تھا۔ ہرگز نہین۔ وہ تو یہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرین صلح کو پھیلاتی اور دیوانگی کے جوشونکو دباتی ہین اور اسلئے انہون نے افغانون مین ان کی اشاعت بکثرت چاہی۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ ان کی رائے بڑی بھاری پولیٹیکل دوراندیشی کا نتیجہ تھی۔ نہ صرف احمدیون نے اپنے چال چلن سے ہی یہ شہرت سرحدی اضلاع مین حاصل کی ہے کہ وہ صلح جو اور امن پسند قوم ہین بلکہ تجربہ نے اس بات کو روشن کر دیا ہے کہ وہ جہاد کی تعلیم کے خطرناک دشمن ہین اور اسکے انکار پر اپنی جانین دینے کو بھی تیار ہین پایونیر کا نامہ نگار ہمین یقین دلاتا ہے کہ اسلام مین اگر بسزا ارتداد قتل نہ کرنیکا اصول نہ ہوتا اور اس مین مذہبی دیوانگی کی طرف میلان نہ ہوتا تو بیشک یہ ایک نہایت عمدہ اور قابل قدر مذہب ہوتا۔ لیکن پھر اسی سلسلہ کو جس نے مسلمانونکو اسلام کی سچی اور پاکیزہ تعلیم پر قائم کرکے مذہبی دیوانگی کے جوش کو دور کیا ہے اور ان مین برداشت کا مادہ پیدا کیا ہے جیسا کہ ایک بڑے اور ذمہ دار گورنمنٹ افسر کی شہادت سے جسکو خاص طور پر مذہبی دیوانون سے کام پڑتا تھا ثابت ہے وہی نامہ نگار برا کہنے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کرتا۔ اس سلسلہ کو جس نے جہاد کو موقوف کیا۔ خونی مہدی کے آنے اور خونی مسیح کے نازل ہونیکے عقیدونکو رد کیا اور مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے اور آسمان پر چڑھ جانیکے عقائد کو نقلی اور عقلی دلائل سے غلط ثابت کیا۔ دیوانہ اور خلاف عقل سلسلہ کہا جاتا ہے۔ اس سلسلہ کو جس نے معجزات کو زندہ کرکے تحقیق کا دروازہ کھولکر تمام امور مذہبی پر روشنی ڈالی ہے ایک تاریک سلسلہ کہا جاتا ہے! افسوس!!

"عیسائی مناظرین کی غلط بیانیان"

"اور اصل مقصد سے انحراف"

ایک کتاب بنام رسالہ ابطال مرزا (صاحب) پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کیطرف سے شائع ہوئی ہے جس مین ہمارے رسالہ کے بعض مضامین متعلق عصمت انبیاء و عصمت موت و بعثت و قبر مسیح کے جواب دینے

کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت کا کیسا اثر بد ہندوستان پر پڑا ہے۔ اس کتاب کا لکھنے والا حضرت مرزا صاحب کی نسبت پرلے درجہ کے تحقیر آمیز اور طنز آمیز کلمات استعمال کرتا ہے اور پھر اس تحقیر سے اپنی بڑائی سمجھتا ہے۔ بڑے بڑے اہم مذہبی مسایل کو لیکر ان پر ایسے ایک پیرائے مین بحث کی ہے جو سنجیدگی سے بالکل بعید ہے۔ بات بات مین ٹھٹھے اور طنز کا طریق جو اس کتاب کے مصنف نے اختیار کیا ہے سچی دلی پاکیزگی سے جو مذہب کا اصل منشا ہے بالکل دور پڑا ہوا ہے اور اس کی کتاب کا اصل منشا بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ہنسی کی باتون سے حضرت مرزا صاحب کے خلاف طنزین کر کے اپنے ناظرین کو خوش کرے بجائے اسکے کہ سنجیدگی سے اپنے دلائل پیش کر کے ان کو ان اہم مسائل پر پورے غور سے رائے زنی کی طرف مائل کرے اور باوجود اس تمام توہین اور تحقیر کے جو اس کتاب مین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کیگئی ہے اور جو ہنسی اور ٹھٹھا اس مین کیا گیا ہے مصنف نے ایک دیباچہ بھی لکھا ہے جس مین شائد وہ ان تمام بیہودہ باتون کے ازالہ کی خاطر پبلک کو یہ یقین دلاتا ہے کہ اس نے کتاب بڑی نرمی سے لکھی ہے مگر پبلک خود بھی دیکھ سکتی ہے کہ جس صورت مین اس نے گالیوں اور سخت زبانیون مین کوئی دقیقہ باقی نہین چھوڑا اسکی معذرت جو دیباچہ مین کرتا ہے کیا وقعت رکھتی ہے اور ان سب باتون پر طرفہ یہ کہ نہایت جرات سے دیباچہ مین حضرت مرزا صاحب کو سخت کلامی کا اتہام لگاتا ہے اور اس کی تائید مین بجائے اسکے کہ جن مضامین پر اس نے بحث کی ہے ان مین سے کوئی لفظ پیش کرتا سات سال کی ایک ایسی کتاب کی ورق گردانی کر کے دو چار لفظ پیش کرتا ہے جو ایسے وقت مین لکھی گئی تھی جب آتھم والی پیشگوئی کے متعلق عیسائی اخبارات اور تحریرات مین حضرت مرزا صاحب کی نسبت سخت بدزبانی ہو رہی تھی باوجود اسکے اس تحریر مین بھی کوئی لفظ ایسا نہین جس پر حسب بیان عیسائی مصنف کے گالی کے لفظ کا اطلاق ہو سکے اور جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ سب جھوٹ ہے چنانچہ وہ کتاب کے دیباچہ مین پہلے صفحہ پر لکھتا ہے "جن لوگون کو ضرورتاً مرزا جی کی تصنیفات پڑھنے کا ناگوار اتفاق ہوا ہوگا وہ خوب جانتے ہین کہ مناظرہ مین فحش بیانی سخت بیانی بدزبانی بلکہ گالی کوسنے کا مرزا جی نے گویا سرکار سے ٹھیکہ لے لیا" اور پھر مثال کے طور پر حاشیہ مین لکھتا ہے۔ کہ "اس زبان درازی کی انتہا" کا ایک نمونہ یہ ہے کہ "مریم صدیقہ کو پانی پی کر کوسنا ہے" اور اشتہار یوحی اللہ القہار مورخہ ۱۴- جنوری ۱۸۹۷ء کا حوالہ دیتا ہے۔ اسکی اشتہار کو پڑھ کر ہر ایک انسان دیکھ سکتا ہے کہ مریم صدیقہ کو کوسنے کا الزام محض افترا ہے جو کچھ مریم صدیقہ کے متعلق اس اشتہار مین لکھا ہے وہ صرف فقرات ذیل ہین "اس سے بڑھ کر اور کونسا دلی درد کا مقام ہوگا۔ کہ ایک عاجز انسان کو خدا بنایا گیا ہے اور ایک مشت خاک کو رب العالمین سمجھا گیا ہے مین کبھی کا اس غم سے فنا ہو جاتا اگر میرا مولے اور میرا قادر توانا مجھے تسلی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے۔ غیر معبود ہلاک ہونگے۔ اور جھوٹے خدا اپنی خدائی کے وجود سے منقطع کئے جاوینگے۔ مریم کی معبودانہ زندگی

پر موت آئے گی۔ اور نیز اس کا بیٹا اب ضرور مریگا۔ خدا قادر فرماتا ہے کہ اگر مین چاہون تو مریم اور اس کے بیٹے عیسے اور تمام زمین کے باشندون کو ہلاک کر دون سو اب اس نے چاہا ہے کہ ان دونون کی جھوٹی معبودانہ زندگی کو موت کا مزہ چکھاوے سو اب دونون مرینگے کوئی ان کو بچا نہین سکتا۔" ان فقرون کے سوا اور کسی جگہ اس اشتہار مین مریم کا ذکر نہین۔ اب کوئی خداترس عیسائی ہمین بتائے کہ اس عبارت مین وہ کونسا لفظ ہے جس مین مریم کو "پانی پی کر کوسا" گیا ہے یا جو بالفاظ عیسائی مصنف "فحش بیانی سخت کلامی بدزبانی بلکہ گالی کوسنے" کی انتہا ہے۔ جو کچھ حضرت مرزا صاحب نے کہا ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ مریم کی معبودانہ زندگی پر موت آئیگی۔ اور یہ بھی انہون نے قرآن کریم کی آیت کے حوالے سے کہا ہے اب اگر عیسائی مصنف رومن کیتھولک مذہب کا نہین اور گو وہ مریم کے بیٹے کو خدا ہی مانتا ہے مگر خود مریم کو خدا نہین مانتا اور غالباً یہی ٹھیک ہے تو پھر کیا وہ پسند کرتا ہے کہ مریم کی معبودانہ زندگی اتنی زیادہ پھیلے اور کیا توحید سے اسکو بیزاری ہے۔ وہ تو اس بات کا قائل ہی نہین۔ پھر اس بات کو گالی کہنا یا فحش بیانی اور بدزبانی بیان کرنا کونسی راستی کا طریق ہے۔ یا مثلاً اگر یہ کہا کہ "اسکا بیٹا اب ضرور مریگا" اور ان کی معبودانہ زندگی پر موت آئیگی تو اس مین کونسی سختی ہے۔ ایک مسلمان اور کیا کہے گا۔ اس سخت کلامی کی ایک اور مثال یہ دیگئی ہے کہ مرزا صاحب نے پولوس کو شریر اللسان اور رئیس المفترین کہا ہے لیکن یہ صرف ایک امر واقع کا بیان ہے اور اسکو گالی کہنا لکھنے والے کی حماقت ہے مسلمانون کے اعتقاد مین تمام انبیاء دنیا کی ابتدا سے خداتعالے کی توحید کی تعلیم دیتے آئے ہین اور یہود کی کتب مقدسہ اور ان کی شہادت اسی کی سچائی پر گواہی دیتے ہین۔ اب جو شخص یہ دعوے کرے کہ اسے تثلیث کا جھوٹا عقیدہ پھیلانیکے لئے خدا کیطرف سے حکم ہوا ہے اسکو مسلمان سوائے مفتری کے اور کیا کہہ سکتے ہین اور کیا ایسا شخص جو خود خدا کی ذات کے متعلق ایک جھوٹ کی تعلیم دیتا ہے۔ سب سے بڑا مفتری نہین اور جو شریعت کو پس پشت پھینکتا اور اس کی تنسیخ پر حکم دیتا ہے کیا وہ شریر نہین حالانکہ خود مسیح نے بھی شریعت کو منسوخ نہین کیا۔ مسلمانون کے نزدیک ایسے شخص کا افترا اور شرارت ہے افسوس تو یہ ہے کہ خود عیسائی لاکھون دفعہ اسلام کے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو مفتری کہین حالانکہ آپ کی صداقت دن کی طرح روشن ہے اور جب واقعی ایک مفتری کو مفتری کہا جاوے تو اسکو گالیان اور فحش زبانی قرار دین اگر انکے نزدیک تثلیث پولوس کا افترا نہین تو انکا فرض ہے کہ یہود کی کتب مین ہے اور انبیاء کی تعلیم مین سے تثلیث کا کوئی ثبوت پیش کرین۔ ہر ایک سمجھدار آدمی پولوس سے اسکے اس مشرکانہ تعلیم کے پھیلانے کی وجہ سے سخت بیزاری ظاہر کرے گا کیونکہ اس نے ایک ایسا عقیدہ دنیا مین پھیلایا جو عقل اور تجربہ اور خدا کے کلام کے خلاف ہے اس عقیدہ کے شر اور فتنہ کو قرآن کریم ان کپکپا دینے والے الفاظ مین بیان کرتا ہے "قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ جائین اور زمین ریزہ ریزہ ہو جائے اور پہاڑ چور چور ہو کر گر پڑین۔" قرآن کریم کے نزدیک شرک سے بڑھکر کوئی گناہ دنیا مین نہین۔ اور تاریخ سے یہ صاف شہادت ملتی ہے کہ ان لوگون نے عقیدون کا جو آج عیسائیت کی شہتیر

ہو رہے ہین بانی اصل مین پولوس ہی تھا۔ اب جیسا کوئی لفظ عین موقعہ پر چسپان ہو تو اسکو گالی یا
بدزبانی یا فحش کہنا حماقت ہے اور اگر محل اور موقعہ کے الفاظ بھی گالیون کی تعریف کے اندر ہی آجاتے
ہین تو دنیا مین کوئی انسان گالیون کے الزام سے بچ نہین سکتا۔ اس کے ثبوت کے لئے ہمین
دور جانے کی ضرورت نہین۔ کیا یسوع اپنے مخالفون کو بیوقوف جاہل منافق اور ہر طرح کی بدیون
سے بھرے ہوئے نہین کہتا تھا۔ اور پھر کنائتہً ان کو گدھے بھی کہا اور کتون اور خنزیرون سے مشابہت
دی۔ پھر ان کو سانپون کے بیٹے کہا اور بالآخر بدکار اور حرامکار تک بھی کہدیا اور جن لوگون کو وہ
اسطرح خطاب کرتا تھا ان مین یہود کے بزرگ اور معزز علما اور کاہن اور فقیہہ اور فریسی بھی موجود تھے اور
انہین مین سے وہ لوگ بھی تھے جن کو خود یسوع کی استادی کا فخر حاصل تھا۔ اگر عیسائی مصنف کو
حضرت مرزا صاحب کے الفاظ مین ایسی ہی سختی نظر آتی ہو تو وہ اپنے دل مین ہی سمجھ چھوڑے کہ یہ
مسیح سے مماثلت کیوجہ سے ہے +

اس سے بھی بڑھکر اس مناظر نے حضرت مرزا صاحب پر جھوٹے الزام لگائے ہین مثلاً وہ
کہتا ہو کہ "حق یہ ہے کہ آپ ہی کی انشاپردازی کی بدولت گبر و مسلمان کا چلن بگڑا" اور پھر لکھتا ہے
کہ "آپ اس فن کے جگت استاد مانے جاتے ہین" اگر اس شخص کو اپنی کتاب ہی دوبارہ پڑھنے کا
اتفاق ہوتا تو ضرور اسے کچھ شرم آجاتی اور شاید وہ ان باتون کو خود ہی کاٹ دیتا۔ دیباچہ تو لکھنا ہی
تھا۔ اس نے یہ سمجھ لیا کہ جو کچھ مرزا صاحب کو برا بھلا کہہ لیا جائے یا جو کچھ الزام ان پر تھوپ لئے جاوین
یہ سب نیکی کا کام ہے یا یہی خیال کیا ہو گا کہ اگر بدی بھی ہے تو یسوع کا خون کافی کفارہ ان سب باتونکا
ہو چکا ہے۔ اب عیسائی جو چاہین کرین اور کہین۔ بہت مدت اس سے پہلے کہ حضرت مرزا صاحب نے
قلم ہاتھ مین لی ہو۔ عیسائی پادریون کی طرف سے جنہون نے بدقسمتی سے یہ وتیرہ بنا رکھا ہو کہ جن لوگون کو تعلیم دینے
کیلئے جاتے ہین سب سے پہلے انکے بزرگان دین کو کوسنا شروع کرتے ہین ایسی تحریرین شائع ہو چکی تھین۔
جن مین ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت پرلے درجہ کی توہین آمیز اور فحش کلمات لکھے ہوئے تھے اور آپ کو
ڈاکو۔ قاتل وغیرہ اور ان سے بھی بڑھکر گندے اور ناپاک الفاظ مین بیان کیا گیا تھا۔ ان تحریرون کے خلاف
مسلمانون مین اکثر جوش پیدا ہوتا رہا۔ اسی طرح پر آریہ سماج کے بانی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش مین حضرت
مرزا صاحب کی تحریرون سے پہلے اسلام پر اسی رنگ کے حملے کئے جیسے پادری صاحبان کر رہے تھے اسی لئے مناظرت
مین اس علم کلام کے اگر مخالف کے مقدس بزرگون کو گالیان دیجائین ایجاد کا فخر پادری صاحبان کو ہی ہو اور انکے
پیچھے قدم اٹھانیوالے آریہ صاحبان ہین اگر مصنف کتاب ان واقعات کی تردید کر سکتا ہو تو ہم بڑی خوشی سے
اپنی رائے کو واپس لینے کو تیار ہین۔ غرضیکہ جب مرزا صاحب نے قلم اٹھائی تو انکے سامنے جواب کیلئے جو تحریرین تھین
وہ وہی تھین جن کا ذکر اوپر ہوا جنسے مسلمانون کے دلونکو بڑے بڑے دکھ پہنچ چکے تھے۔ باین ہمہ صبر اور ضبط سے حضرت مرزا صاحب نے

ان حالات کے ماتحت عیسائی نوشتون کی تردید کی اور کوئی آدمی نہ کر سکتا تھا۔ آپنے عیسائیت کے اصول اور عقائد پر بحث کی اور عیسائیون کی طرح ذاتی حملے نہین کئے لیکن ساتھ ہی اسکے یہ کسقدر مشکل تھی کہ صداقت پر جو پردے ڈالدئے گئے تھے ان سب کو اٹھا کر صداقت کا اظہار کیا جاتا لہذا یہ ضروری تھا کہ ایک غلط عقیدے کے ہر ایک نقص کو کھول کھولکر بیان کیا جاوے اور اس انسان کی ہر ایک کمزوری اور عیب کو واضح طور پر بیان کیا جاوے جسے خدا بنایا جاتا تھا۔ یہ باتین ہین جن کو عیسائی مصنف کتاب فحش بیانیان اور بد زبانیان بتاتا ہے لیکن ان کے بیان کرنیکے بغیر سچائی کا اظہار نہین ہو سکتا تھا۔ صداقت کو لوگونکے سامنے پیش کرنا کوئی آسان کام نہین ہے کیونکہ اسکے لئے ضروری ہوتا ہے کہ بطلان کا ہر ایک پہلو کھولکر دکھلایا جاوے صداقت مین کچھ نہ کچھ مرارت ضرور ہوتی ہے اور ہر ایک بڑے آدمی کی زندگی سے اسکا ثبوت ملتا ہے حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرون مین کوئی سختی واقعات کو صحیح صحیح رنگ مین پیش کرنے سے بڑھ کر نہین ہے اور اگر عیسائی مصنف کتاب ان الفاظ کا یسوع کے الفاظ سے مقابلہ کرتا تو وہ اس یقینی نتیجہ پر پہنچ جاتا کہ مرزا صاحب مسیح موعود ہونیکی حیثیت سے خواہ کسی رنگ مین مسیح اول سے فضیلت کے مدعی ہون لیکن اگر مسیح موعودؑ کی تحریرین جیساکہ وہ پبلک کو یقین دلاتا ہے واقعی فحش بیانی کے معنون کے اندر آتی ہین تو پھر فحش بیانی مین انہین مسیح اول سے کوئی نسبت نہین اور اس بارہ مین یسوع کو مرزا صاحب پر یقینی فضیلت حاصل ہے سخت الفاظ مین جواب دینا اگرچہ مرزا صاحب نے اسکو بہت کم استعمال کیا اور وہ بھی اسوقت جب واقعات ایسے الفاظ کی تائید کرتے ہون تاہم بعض وقت ان کی ضرورت اسلئے بھی پڑ جاتی ہے کہ مخالف کو یہ احساس ہو جائے کہ انکے حملون سے اور زبان درازی سے جو وہ بے سوچے سمجھے کر رہا ہے فریق ثانی کو کس قدر دکھ پہنچتا ہے۔ مثلاً ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے وقت عیسائی معمولی بول چال مین ہی آپکو مفتری کہنے مین تامل نہین کرتے اور ان کی خاص تحریرین تو نہایت ہلکی توہین اور گندے الفاظ سے بھری ہوئی ہین لیکن جب حضرت مرزا صاحب نے پولوس کو مفتری کہا تو وہ غصے سے بھر کر اسکو مرزا صاحب کی فحش بیانی قرار دیتے ہین اگر وہ چاہین تو اس سے انکو سبق حاصل ہو سکتا ہے کہ جب انکو خود انکی ایک ہم مذہب کے مفتری کہا جانے پر اسقدر رنج پہنچتا ہے تو ان توہین آمیز اور تحقیر کے کلمات سے جو لفظ مفتری سے کہین بڑھکر ہین جو عیسائی ہمارے سید و مولی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کرتے ہین مسلمانون کے دلونکو اس سے کس قدر دکھ پہنچتا ہے +

یہان ہم کتاب مذکور کی مفصل تردید نہین کرنا چاہتے ایک یا دو موٹی باتونکو لیکر ہم اسلام اور عیسائیت کی صداقت کا موازنہ کرنا چاہتے ہین۔ اور باقی باتونکو جو چھوٹے چھوٹے اعتراض اٹھائے گئے ہین پھر فرصت کے وقت ان پر کچھ لکھینگے جو یا تو الگ کتاب کیصورت مین ہوگا یا اسی رسالہ مین متواتر مضامین مین شایع ہو جائیگا۔ ہم اپنے عیسائی ناظرین سے عموماً اور پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی سے خصوصاً سچے دل سے یہ خواہش کرتے ہین کہ وہ ان باتون پر غور کرین اور انکو پہلے کیطرح ٹال نہ دین۔ عبداللہ آتھم کے ساتھ جو امرتسر مین حضرت مرزا صاحب کا مباحثہ ہوا تھا اسمین آپنے ایک شرط تجویز کی تھی کہ ہر ایک فریق اپنے تمام دعاوی و دلائل اس کتاب سے پیش کرے جسکے لئے وہ خدا کیطرف سے ہونیکا مدعی ہے خواہ اسکا مقصود اپنے مخالف کے

اصولوں پر اعتراض کرنیکا ہو یا اپنے اوپر سے کسی حملہ کے دفعیہ کا۔ اس شرط کو عیسائی مناظر بغیر کوئی معقول وجہ پیش کرنیکے پورا نہ کر سکے حالانکہ مرزا صاحب نے تمام مباحثہ میں اسی اصول کو مدنظر رکھا جیسا کہ مباحثہ کی رپورٹ سے عیاں ہے۔ اب یہ اصول جو اسوقت مرزا صاحب نے تجویز کیا مباحثہ کا ایک نہایت ضروری اصول ہے۔ اور اس پر چلنے سے بہت ساری لمبی لمبی بحثیں مختصر الفاظ میں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور اس امر سے کہ ایک آسمانی کتاب میں اپنی صداقت اور اپنے اصول کے مخالف اصول کے بطلان کے تمام دعاوی و دلائل ہونے چاہئیں کوئی سمجھدار آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر ایک کتاب خود اپنے لئے کچھ نہیں کہہ سکتی اور اپنی صداقت کے دعاوی و دلائل سے خالی ہے تو اسکے مؤیدین کی یہ محض حماقت ہے کہ اسکے لئے خدائی کتاب ہونیکا دعوے اپنی طرف سے پیش کریں کوئی شخص اس سے بھی انکار نہیں کر سکتا کہ سچے اصول پر ان کی سچائی کے علم کے ساتھ مضبوطی سے قائم ہونا۔ اور باطل اصول کے بطلان کو قطعی یقین کے ساتھ معلوم کر لینا انسان کی اعلیٰ درجہ کی روحانی ضروریات میں سے ہیں اور اسلئے جو کتاب انسان کی روحانی ضرورت کو پورا کرنیکا دعویٰ کرتی ہے یا پورا کرنیوالی سمجھی جاتی ہے اسکے ذریعہ یہ ضروریات بھی پوری ہونی چاہئیں اگر یہ ان ضروریات کو پورا نہیں کرتی تو باقی روحانی امور میں بھی اعتبار کے لائق نہیں ٹھہر سکتی۔ درحقیقت یہ ایک ایسی صاف بات ہے کہ اس کی معقولیت سے کوئی عقلمند انسان انکار نہیں کر سکتا کہ جن مذہبی عقائد کی کوئی کتاب تعلیم دیتی ہے ان کی صداقت کے اسی میں دعاوی و دلائل موجود ہونے چاہئیں۔ اب ہم تو کہتے ہیں کہ سوائے قرآن شریف کے اور کوئی کتاب ایسی نہیں جس کے لئے آسمانی کتاب ہونیکا دعوے ہو۔ اور اس معیار کے رو سے سچی ٹھہر سکے قرآن شریف مضبوط دلائل اور یقینی ثبوتوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہستی۔ توحید۔ وحی الٰہی کی ضرورت انبیاء کی بعثت کی ضرورت۔ فرشتوں کا وجود۔ اور دوسرے تمام امور مثلاً بہشت دوزخ وغیرہ اور عالم آخرت کے متعلق جتنے امور ہیں ان سب کی سچائی کے دلائل اپنے اندر رکھتا ہے اور ایسا ہی تمام جھوٹے عقائد کو دلائل سے رد کرتا ہے۔ مثلاً عیسائیت۔ بدھ مذہب۔ برہمو مذہب۔ آریہ سماج یا کسی اور مذہب یا فرقہ کے جتنے جھوٹے عقائد ان امور کے متعلق ہیں ان سب کا دلائل سے جواب دیتا ہے۔ ایسا وسیع علم اور اتنی بڑی ذمہ داری صرف الٰہی علم اور الٰہی طاقت ہی سے ہو سکتے ہیں۔ باقی تمام کتابیں جن کی نسبت آسمانی کتب ہونیکا دعویٰ کیا جاتا ہے اگر اس معیار کے رو سے انکو جانچا جائے تو اس دعوے میں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں اور اس طرح یہ صرف قرآن کریم کے خدا کیطرف سے ہونیکے دعوے کو اپنی ناکامی سے ثابت کرتی ہیں اگر عیسائی واقعی سچائی کے محبت رکھتے ہیں اور عیسائی مذہب کو محض ایک تجارتی پیشہ کیطور پر نہیں چلانا چاہتے تو اسلام اور عیسائیت کے موازنہ کے لئے اس سے عمدہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے +

ایسا ہی عصمت انبیاء کا سوال ایک نہایت ہی آسان اور مختصر طریق سے حل ہو سکتا ہے عیسائی یہ کہتے ہیں کہ سوائے یسوع مسیح کے باقی تمام نبی گنہگار ہیں۔ اور مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ جتنے انبیاء ہیں وہ سب معصوم ہیں۔ ہم نے قرآن شریف سے ایسی آیات شریفہ کی کثرت سے جسے ثابت ہوتا تھا کہ قرآن شریف انبیاء کو عام طور پر بیگناہ

سمجھتا ہے اور عیسائیون سے یہ درخواست کی کہ اگر وہ قرآن شریف سے نبیون کی گنہ گاری کو ثابت
کرنا چاہتے ہین تو کوئی ایسی آیت پیش کرین جس مین عمومیت سے انبیاء کے گنہ گار ہونیکا ذکر ہو۔ اسکا جواب
ابتک کوئی نہین دیا گیا۔ اگرچہ ڈیڑھ سو صفحے سے زائد کی کتاب ہمارے مضامین کی تردید مین لکھی گئی ہے یہ
بحث اب اسقدر مختلف شاخون مین پھیل گئی ہے کہ چالاک مناظر بظاہر ہمارے دلائل کی تردید کرتے ہوئے
بھی جسقدر ضروری اور اہم سوالات کو چاہین ٹال سکتے ہین اس مضمون مین جو مئی ۱۹۰۲ء مین عصمت انبیاء
پر حضرت مسیح موعود کیطرف سے نکلا تھا۔ آپنے اسوقت بھی ایک نہایت مختصر طریق اس مسئلہ کے فیصلہ کیلئے
پیش کیا تھا جسکو عیسائی آج تک اس لئے ٹال رہے ہین کہ اس سے عیسائیت کا کچھ باقی نہین رہتا اسلئے
ہم اب پھر اسے عیسائی ناظرین کے غور کے لئے پیش کرتے ہین۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی نبی کے معصوم ہونے پر زور
صرف اسلئے دیا جاتا ہے کہ تا یہ ثابت ہو جائے کہ وہ گنہ گارون کی خدا کے ہان شفاعت کر سکتا ہے۔ عصمت کے علاوہ
شفاعت کے لئے اور بھی بہت سی ضروریات ہین جو عصمت سے بھی بڑھ کر ہین تاہم اگر کسی نبی کی شفاعت یقینی
طور پر ثابت ہو جائے تو اس کی عصمت خود بطور نتیجہ ثابت ہو جائیگی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے اپنے مضمون کے
اخیر پر یہ لکھا تھا: "ان سب باتون کے بعد ہم یہ بھی دیکھتے ہین کہ آخرت کا شفیع وہ ثابت ہو سکتا ہے جس نے
دنیا مین شفاعت کا کوئی نمونہ دکھلایا ہو سو اس معیار کو آگے رکھکر جب ہم موسٰے پر نظر ڈالتے ہین تو وہ بھی
شفیع ثابت ہوتا ہے کیونکہ بارہا اس نے اترا ہوا عذاب دعا سے ٹالدیا۔ اسی طرح جب ہم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم
پر نظر ڈالتے ہین تو آپکا شفیع ہونا اجلی بدیہات سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپ کی شفاعت کا ہی اثر تھا کہ
آپنے غریب صحابہ کو تخت پر بٹھا دیا اور آپ کی شفاعت کا ہی اثر تھا کہ وہ لوگ باوجودیکہ بت پرستی اور شرک
مین نشوونما پایا تھا ایسے موحد ہو گئے کہ جسکی نظیر کسی زمانہ مین نہین ملتی۔ اور پھر آپ کی شفاعت کا اثر ہے کہ
ابتک آپ کی پیروی کرنیوالے خدا کا سچا الہام پاتے ہین۔ خدا ان سے ہمکلام ہوتا ہے۔ مگر مسیح ابن مریم
مین یہ تمام ثبوت کیونکر اور کہان مل سکتے ہین ہمارے سید و مولے محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت
پر اس سے بڑھکر اور زبردست شہادت کیا ہوگی کہ ہم اس جناب کے واسطے سے جو کچھ خدا سے پاتے ہین ہمارے
دشمن وہ نہین پا سکتے۔ اگر ہمارے مخالف اس امتحان کی طرف آئین تو چند روز مین ہی فیصلہ ہو سکتا ہے۔
مگر وہ فیصلہ کے خواہان نہین ہین"۔

اب ہم اگرچہ حضرت مسیح کو انبیاء مین شامل سمجھکر ان کو معصوم سمجھتے ہین لیکن عیسائیون کا یہ فرض ہے
کہ جب وہ اسکے لئے دیگر انبیاء سے الگ عصمت قائم کرنا چاہتے ہین تو اس کی شفاعت کی مثالین مشہود
و محسوس ہون بتائین۔ ہم امید کرتے ہین کہ کوئی عیسائی اس اصول کے ذریعہ حضرت مسیح کی شفاعت
ثابت کرنیکا بیڑا اٹھائیگا +

یہ اصول کہ جو شخص آیندہ زندگی مین شفیع ہونیکا مدعی ہو۔ اسکی شفاعت کے نمونے اس دنیا مین ہی

بطور آیندہ کے ثبوت کے موجود ہونے چاہئین قرآن شریف سے ہی لیا گیا ہے اور اس کی معقولیت بھی
ظاہر ہے کیونکہ اگر اس اصول کو معیار قرار نہ دیا جائے تو ہر ایک مفتری جسے خدا تعالےٰ سے کوئی تعلق نہین
آیندہ زندگی مین شفاعت کا دعویدار ہو سکتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ شفاعت کا کوئی نمونہ اس زندگی مین
نہین ہو سکتا اور شفاعت صرف بعد از موت ہی ہو گی تو یہ درحقیقت شفاعت کا ثبوت دینے سے انکار کرنا
ہے۔ اور طالبان حق ایسے دعویدار کی صداقت کو کبھی تسلیم نہین کر سکتے۔ قرآن شریف کے وعدے اور وعید
ہمیشہ دوہرے ہوتے ہین اور کسی وعدہ یا وعید کا اس دنیا مین پورا ہو جانا اسکے اس حصے کیلئے جو
آخرت کے متعلق ہو بطور قطعی اور یقینی ثبوت کے ٹھہر سکتا ہے مثلاً قرآن شریف فرماتا ہے۔ انا لننصر رسلنا
والذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا و یوم یقوم الاشہاد۔ یعنے ہم اپنے رسولون کو اور مومنون کو دنیا کی
زندگی مین بھی مدد دیتے ہین اور قیامت مین بھی دین گے یہ ظاہر ہے کہ اگر اس زندگی مین کوئی مدد نہ دیجائے تو
آخرت کی مدد کا وعدہ بھی سچا نہین مانا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ خدا کے مرسل ابتدا مین بالکل بیکس اور تنہا ہوتے
ہین اور پھر آخرکار خدا تعالےٰ اسکے دشمنون پر انکو فتح دیتا اور اپنی مدد بھیجتا ہے تاکہ ان کے پیروؤن کو یقین کامل ہو جائے
کہ دوسرے دنیا کے متعلق جو وعدے نبی کرتے ہین وہ سب سچے ہین مثلاً جب اسرائیلی مصر سے بھاگے اور آگے
بحیرہ قلزم اور پیچھے فرعون کے لشکرونکو دیکھا تو انہون نے یقین کر لیا کہ کوئی زمینی اسباب انکے بچاؤ کے باقی
نہین رہے اور وہ بالکل دشمن کے ہاتھ مین آچکے ہین عین اس وقت خدا تعالیٰ کی مدد نے انکا ہاتھ پکڑا اور
ان کو سمندر مین سے امن سے گذار دیا اور انکے دشمنونکو ہلاک کر دیا تب اسرائیلون نے یقینی طور پر سمجھ لیا کہ
بے شک موسیٰؑ خدا کا رسول اور برگزیدہ ہے اور جو کچھ اس نے آخرت کے متعلق وعدے کئے ہین وہ بھی سب سچے
ہین۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس سے بھی بڑھکر تائید الٰہی کے نمونے پیش کرتی ہے اور یہی وجہ تھی
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو آپ پر اسقدر کامل اور مضبوط درجے کا ایمان تھا کیونکہ ان تمام وعدونکو
جو اس دنیا کے متعلق انکے ساتھ کئے گئے تھے پورا ہوتے دیکھکر انہون نے یقینی اور قطعی طور پر سمجھ لیا کہ آخرۃ
کے وعدے بھی سچے ہین اور خدا تعالےٰ کو گویا اپنی آنکھون سے دیکھ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہین اور اس
بات پر ایمان رکھتے ہین کہ چونکہ مسیحؑ بھی اللہ تعالےٰ کے بھیجے ہوئے تھے اس لئے تائید الٰہی نے انکو جب وہ گویا
موت کے جبڑون مین پہنچ چکے تھے بچا لیا اور صلیب کی لعنتی موت سے انکو نجات دی۔ اگر ہم یہ مانین کہ انکو
اسوقت خدا کیطرف سے مدد نہین آئی۔ تو ہم کو پھر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ آخرت مین بھی انکو خدا کی مدد نہین مل سکتی
اس طرح پر انکی شفاعت بالکل جھوٹ ثابت ہو گی۔ الغرض اگر عیسائی یسوع کی شفاعت کے مسئلے کو ٹھیک
طور پر حل کرنا چاہتے ہین جس سے عصمت خود بخود ثابت ہو جائے گی تو انکا فرض ہے کہ اس زندگی مین یسوع کی
شفاعت کے نمونے ثابت کرین اور چونکہ وہ دوسرے انبیاء کو گنہ گار سمجھتے ہین اس لئے انکا یہ بھی فرض ہے کہ دوسرے انبیاء کی شفاعت
کے جو یہ صادق اور صحیح نمونے ہم نے پیش کئے ہین ان کی کوئی معقول توجیہ کر کے دکھلائین +

اسی طرح پر ایک اور عملی معیار اسلام یا عیسائیت کی صداقت معلوم کرنیکے لئے یہ ہے کہ عیسائی یہ دعوے کرتے ہین اور ملک مین اشتہار بھی دیتے ہین کہ خدا ان کی دعاؤنکو قبول کرتا اور انکا جواب دیتا ہو لیکن جب اسکا جواب مانگا جاتا ہو تو کچھ پیش نہین کر سکتے دنیا کو کس طرح معلوم ہو کہ وہ اس دعوے مین سچے ہین جبتک کہ وہ یا ان مین سے کوئی قبل از وقت یہ شائع نہ کرے کہ کسی خاص امر کے متعلق دعا کرنے پر خدا تعالی کی طرف سے اسکو یہ جواب ملا ہے اور پھر جب وہ امر اسی کے مطابق ہوگا تو دنیا خو سمجھ لے گی کہ واقعی خدا کیطرف سے یہ جواب ملا تھا اور اگر اسکے مطابق نہ ہوا تو یہ روشن ہو جائیگا کہ یہ لوگ اپنے دعوون مین جھوٹے ہین اس کے علاوہ مسیح موعود کا یہ دعوے ہے کہ دنیا مین خدا تعالے میری دعا کو سب سے بڑھکر قبول کرتا ہے اور میری دعاؤن کا جواب دیتا ہے اور ان امور کو کئی دفعہ شائع کرچکے ہین اور اسکے ثبوت مین وہ بہت دفعہ ایسا بھی کر چکے ہین کہ ایک خاص امر پر خدا تعالے سے دعا کر کے اسکے جواب کو قبل از وقت شایع کیا اور پھر جس طرح شایع کیا گیا تھا عین اسی طرح وقوع مین آیا لیکن عیسائی دنیا مین سے کسی شخص نے بھی ایک بھی ایسا نمونہ نہین دکھایا۔ مسیح موعود کا یہ سچا دعوے ہو کہ دعا کے مقابلہ مین اس کی دعا خدا تعالے یقیناً قبول کریگا اور اسکے مخالف کی دعا کو رد کریگا۔ خواہ ساری دنیا اس کی مخالفت پر اکٹھی ہو اس رنگ مین بھی کوئی عیسائی اسکے مقابلہ کی جرأت نہین رکھتا یہ کسقدر افسوس کی بات ہو کہ جب کبھی کسی متنازع فیہ مسئلے کے فیصلہ کیلئے کوئی آسان راہ پیش کیجاتی ہو تو عیسائی صاحبان اسے ٹال دیتے ہین لیکن کسی مذہب کے مقدس پیشواؤن کے متعلق نکتہ چینی اور عیب شماری کرنے مین سب سے بڑھکر قدم رکھتے ہین۔ صرف یہی نہین کہ وہ یہ نہ چاہتے ہون کہ صداقت ظاہر ہو بلکہ جہانتک ان سے ہو سکتا ہو وہ اسپر پردے ڈالنے کی بھی کوشش کرتے ہین۔ اور سچائی کو عمداً چھپاتے ہین +

"ترک اسلام کا جواب"

ایک نام کے مسلمان جنڈل مین نے کچھ عرصہ ہوا آریہ سماج کا مذہب اختیار کر کے ملک مین ایک شور ڈالا تھا۔ اس کی مذہبی تحقیقات کی صرف اس قدر شہادت ملتی ہو کہ اس نے شاید محنت کے ساتھ مختلف تحریرون سے ایک سو سولہ اعتراض اسلام کے خلاف جمع کئے ہین ان اعتراضونسے ہم صرف اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہین کہ اگرچہ اسکا نام ایک اسلامی نام تھا لیکن اس نے اسلام کے اصولونکو کبھی مطالع نہین کیا اور قرآن شریف کا اسے سطحی علم بھی نہین اس کتاب کے جسکا نام ترک اسلام ہی چھپنے کے کچھ مدت بعد حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کے بعض دوستون نے ان سے التجا کی کہ وہ اس کتاب کا جواب

لکھین چنانچہ انہون نے ان کی اس التجا کو قبول کرکے کتاب شروع کردی جو ۲۷ فروری گذشتہ کو مطبع سے نکلی ہے جیسا کہ اسکے مصنف کی شہرت سے امید کیجا سکتی تھی یہ کتاب واقعی علم اور محنت کی ایک قابل قدر یادگار ہے۔ اس کتاب کا نام بھی اس کتاب کے مصنف کیطرح اسم بامسمے نورالدین ہے اور تین سو سے زائد صفحہ پر لکھی گئی ہے۔ مصنف کتاب نے بڑی محنت کے ساتھ ہندو مذہب کی کتب مقدسہ کو پڑھا ہے۔ اور جستہ جستہ مقامات پر اسقدر ذخیرہ معلومات کا ان کتابون مین سے پیش کیا ہے جس سے آریہ سماج کے اصولون اور تعلیم پر اسکا پڑھنے والا نہایت عمدگی سے رائے لگا سکتا ہے انہون نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ترک اسلام کا مصنف دھرم پال اس مذہب سے بھی محض جاہل اور بے بہرہ ہے جو اس نے اب قبول کیا ہے کیونکہ اسکے اکثر اعتراض جو اس نے محض نادانی سے اسلام پر کئے ہین خود سماج کی تعلیم پر بڑے زور سے پڑتے ہین اگرچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دھرم پال کو چونکہ اس نئے مذہب سے کوئی واقفیت نہ تھی اس لئے وہ ایسے اعتراضونکے کرنے مین معذور تھا۔ لیکن کم از کم آریہ سماج کو ایسی کتاب شایع کرتے وقت شرم آنی چاہئے تھی۔ ہم نہین سمجھہ سکتے کہ وہ کس قسم کے معترض ہین جو مذہبی جوش اور عداوت مین تمام حدود سے باہر نکل جاتے ہین اور تعصب سے اندھے ہوکر اپنے مذہب کے اصولون کو بھی بھول جاتے ہین وہ اندھیرے مین پتھر مارتے ہین اور ان مین سے بہت سارے اپنے ہی شیشے کے گھرونکو جا توڑتے ہین اسی طرح عیسائی پادریونکا بھی حال ہے اگر یہ لوگ اعتراض کرنے مین کسیقدر غور سے کام لیتے اور دوسرے مذاہب کی ایسی باتون پر ہاتھ ڈالتے جنسے وہ اپنے مذہب کو بری سمجھتے ہین تو بیشک کچھہ فائدہ بھی حاصل ہو سکتا تھا۔ ہم یہ بھی یقین رکھتے ہین کہ اگر پادری اور آریہ سماجی اسلام پر اعتراض کرنے مین اس قاعدے کی پابندی اختیار کرلین تو وہ اسلام کے خلاف کوئی بڑا اعتراض نہین کر سکتے۔ ہان اس مین شک نہین کہ انکے اعتراضون سے بھی آخر اسلامی اصولون کی سچائی اور خوبی ہی اور بھی زیادہ چمک کے ساتھ نمایان ہوتی ہے۔ جہان کہین دشمن نے اسلام پر اعتراض کرکے زد کرنی چاہی ہے۔ وہین صداقتونکا ایک چھپا ہوا خزانہ ظاہر ہوا ہے اور نورالدین نے یہ ثابت کردیا ہے کہ درحقیقت جس جگہ تارک اسلام کی متعصب آنکھ کو کوئی بدصورتی معلوم ہوئی ہے وہ درحقیقت خوبصورتی کی شاندار روشنی ہے ❊

کتاب کے شروع مین ایک دیباچہ ہے جس مین بارہ فقرات ہین جنمین اور بہت سارے مضامین کے علاوہ مصنف کتاب نے ایسے چند اعتراضونکا جواب دیا ہے جو اصلی اعتراضونکے اندر نہین آئے اور اسلئے اصل کتاب مین ان پر بحث نہین آئی اور اسکے علاوہ آریہ سماج کی کتب مقدسہ اور قرآن شریف سے احکام جنگ اور عورتونکے حقوق کا مقابلہ کرکے دکھلایا ہے اور اخیر پر تارک اسلام کی گندہ زبانی دریدہ دہانی کو اس کی اپنی کتاب سے ثابت کرکے دکھلایا ہے۔ سب سے پہلا فقرہ مذہب اسلام کی خصوصیت کو بیان کرتا ہے اسلام کا اصلی اور حقیقی سرچشمہ خود خدا تعالے ہے جسکا نام اسلام قرآن شریف کی اس آیت مین آیا ہے

هُوَ اللّٰہُ الَّذِی لَا اِلٰہَ هُوَ الْمَلِکُ الْقُدُّوسُ السَّلَام (پارہ ۲۸ حشر) یعنی وہی اللہ ہی جو کوئی معبود اور کاملہ صفات سے موصوف اُسکے سوا نہین - وہ حقیقی بادشاہ ہر ایک نقص سے منزہ اور بے عیب اور سلامتی ہے اسلئے اسلام کے جتنے بڑے بڑے ارکان ہین ان سب مین یہی حفاظت اور سلامتی پائی جاتی ہے سچا مسلمان گناہ اور شیطان سے محفوظ کیا جاتا ہے اور وہ دل کی سچی طمانیت اور سلامتی رکھتا ہے اسلئے اسلام کا ثمرہ سلامتی اور حفاظت ہے اسلام کی اخیری منزل دارالسلام ہے جہان ہر طرف سلامتی اور امن کی آرزو ہے جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے وَ تَحِیَّتُهُمْ فِیهَا سَلَام - (پارہ - ۱۱ یونس) اسلام کے ظہور کے دو شہر مقدس تھے - ان مین سے اول جو اسلام کا مرکز ہے اور جہان سے اسلام کا جلال دنیا مین پھیلا وہ مکہ شریف ہے جسکے متعلق قرآن شریف مین ایسی زبردست پیشگوئی ہے جو بڑے سے بڑے دہریہ کو بھی خدا تعالے کے علم اور طاقت کا قائل کرتی ہے چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے - اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِی بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا وَّ هُدًی لِّلْعَالَمِینَ ؛ فِیهِ آیَاتٌ بَیِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِیمَ وَمَن دَخَلَهُ کَانَ آمِنًا (پارہ - ۴ - آل عمران) یقیناً وہ پہلا گھر جو لوگون کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو بکہ مین ہے مبارک اور ساری دنیا کیلئے ہدایت - اس مین ظاہر نشان ہین مقام ابراہیم اور جو شخص اس مین داخل ہوا وہ امن پا گیا ؛ یہان اسلام کے مرکز کیلئے امن کا وعدہ ہے جہان خدا تعالیٰ کا گھر بنایا گیا - سب سے بڑا فتنہ جس سے امن کی ضرورت تھی وہ دجال کا فتنہ تھا جسکے متعلق یہودی اور عیسائی نوشتون مین پیش گوئیان ہین - لفظ دجال کے معنے مفتری یا جھوٹ کے پھیلانیوالے کے ہین اور ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ اس سے بڑھ کر جھوٹ اور افترا اور کیا ہوگا کہ ایک عورت کے بیٹے کو خدا کہا جائے - اور پھر اس جھوٹ کے پھیلانے کیلئے روپیہ پانی کی طرح بہایا جائے - دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہین جو اس جھوٹے عقیدے کے پھیلانیوالون سے محفوظ رہا ہو لیکن خدا تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے اس پیش گوئی کے مطابق جو پہلے سے کر رکھی تھی یہی چاہا ہے کہ مکہ کا مقدس شہر اس عظیم الشان فتنہ سے محفوظ رہے - یہ انسان کی طاقت نہین کہ وہ اس قسم کی پیشگوئی کرے کہ کوئی خاص جگہ دنیا مین ہمیشہ کیلئے معزز رہے گی اور فتنون سے امن مین رہے گی - بہت سے مذاہب مین جن کے متبرک مقامات یا تو بالکل تباہ ہو چکے ہین اور یا غیرون کے قبضے مین ہین مکہ کا امن مین رہنا ایک نہایت عظیم الشان پیش گوئی ہے جسکا پورا ہونا ساری دنیا اپنی آنکھون سے دیکھ رہی ہے پھر مکہ کو مبارک کہا گیا ہے اور ساری دنیا کے لئے ہدایت کہا گیا ہے - ایک ایسے وقت مین جبکہ مذہب اسلام ابھی ایک شہر مین بھی قائم نہین ہوا تھا - بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ آج مٹا یا کل مٹا - قرآن شریف نے مکہ کو ساری دنیا کے لئے ہدایت کہکر یہ پیش گوئی کر دی کہ یہ پاک مذہب ساری دنیا مین پھیلیگا اور پھر ایک دوسری عظیم الشان پیشگوئی ہے - کون انسان اسوقت یہ کہہ سکتا تھا کہ وہ مذہب جو پاؤن کے نیچے روندا جا رہا ہے کسیوقت دنیا کے بڑے بڑے بڑے عظموں اور ملکون کا مذہب ہو جائیگا - ہان یہ طاقت ور خدا کا کام تھا - اور اسی طاقت سے اس نے اسکو پورا کر کے دکھایا ہے - کسقدر شاندار یہ پیشگوئی ہے - لیکن ان لوگون کیلئے جو آنکھین رکھتے ہین

لفظ مبارک جو مکے کیلئے استعمال کیا گیا ہے اس طاقتور پیشگوئی کا موید ہے اور اسکا مفہوم یہ ہے کہ اسکا پاک شہر ہمیشہ دنیا میں بڑھتا رہیگا اور دنیا کے مختلف حصوں سے لوگ ہمیشہ وہاں جمع ہوتے رہیں گے۔ دوسری جگہ جو اسلام کے لئے بطور مظہر کے قرار دی گئی ہے مدینہ ہے اور اسکے لئے بھی اسی طرح حفاظت کا وعدہ ہے جیسا کہ مکہ کے لیئے +

اسلام کی پاک کتاب قرآن شریف ہے اور اسکے متعلق خدا تعالےٰ فرماتا ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون - یعنے ہم ہی نے اس ذکر کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرینگے اس طرح پر خدا تعالےٰ خود اس پاک کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہے اور یہ پیشگوئی کرتا ہے کہ یہ ہمیشہ تغیر و تبدل سے محفوظ رہے گی اگر اس کی حفاظت بھی انسانوں کے سپرد کیجاتی تو اس میں بھی اسی طرح تغیر و تبدل ہو جاتے جس طرح کہ دوسرے مذاہب کی کتب مقدسہ میں ہوئے ہیں لیکن قرآن شریف ہمارے ہاتھوں میں آج اپنی عبارت کے لحاظ سے اپنے الفاظ کے لحاظ سے اپنی ترتیب کے لحاظ سے بالکل وہی ہے جس طرح یہ نازل ہوا تھا اور ایک شوشے یا نقطے تک بھی اسمیں کچھ تغیر نہیں ہوا - یہ اسلام کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے جسکے ماننے سے اسلام کے دشمنوں کو بھی انکار نہیں ہو سکتا - نہ صرف خود قرآن شریف ہی اس حیرت انگیز طریق سے محفوظ چلا آیا ہے بلکہ قرآن شریف کی زبان بھی تیرہ سو سال سے وہی زبان ہے اور اسی طرح پر محفوظ چلی آئی ہے اور اس زمانہ میں بھی خالص اور علمی عربی اسی زبان کو مانا جاتا ہے۔

ایسا ہی حفاظت کا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بانی اسلام کی ذات پاک کی نسبت دیا گیا ہے عرب میں آپکے ظہور کیوقت کسی آدمی کو مار ڈالنا ایک معمولی بات تھی بلکہ اسلام کے بعد بھی جبکہ ملک میں امن و حکومت کا اسلامی خلیفوں کے ماتحت پورا انتظام تھا - حضرت عمر - عثمان اور علی رضی اللہ عنہم جو عظیم الشان بادشاہ ہو کے حاکم تھے بڑی آسانی سے قتل کر دیئے گئے - عرب کا تمام ملک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو گیا تھا - کیونکہ آپ خدا تعالےٰ کی توحید کا وعظ کرتے تھے لیکن خدا تعالےٰ نے یہ وعدہ دیا تھا واللہ یعصمک من الناس یعنے اللہ تجھے لوگوں سے بچا ویگا - اس عظیم الشان پیش گوئی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے دشمنوں سے بچایا گیا - آپ کے قتل کیلئے بارہا منصوبے کئے گئے اور آپکے قاتلوں کے لئے بڑے بڑے انعام مقرر کئے گئے اور بت پرست یہودی اور عیسائی آپ کو ہلاک کرنے کیلئے سب ایک ہو گئے اور وہ اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ کسی طرح ہو آپ کو نیست و نابود کر دیا جائے لیکن خدا تعالےٰ نے اپنے طاقتور ہاتھ سے آپ کی زندگی کی حفاظت کی بڑی پیشگوئی کو پورا کر کے دکھایا - اور آپکے تمام دشمنوں کو ناکام کیا - آپ کا کوئی محافظ سوائے خدا کی ذات کے نہ تھا لیکن چونکہ خدا آپکا محافظ تھا اور اسکا وعدہ تھا کہ میں بچاؤں گا اسلئے اس نے دشمنوں کے تمام منصوبے خاک میں ملا دئے - اور اس جگہ ہم اتنا اور کہنا چاہتے ہیں کہ یہی وعدہ حفاظت کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا آپ کے آخری خلیفہ کو بھی جو اسلام

مسیح ہو گیا ہے جیسا کہ کل دنیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو گئی تھی اسی طرح مسیح موعودؑ کے بھی خلاف ہو گئی ہے اور بعض پر جوش ملاؤں نے آپکے قتل کے فتوے بھی دیدیئے ہیں۔ لیکن خدا تعالے نے بہت مدت اس سے پہلے جو دنیا آپ کے خلاف ہو گئی آپ کو وعدہ دیا تھا کہ میں تمہیں تمہارے دشمنوں کے ہاتھ سے بچاؤنگا۔ اگرچہ وہ لوگ تجھے قتل کرنا چاہیں گے اور تیرے مار ڈالنے کے لئے منصوبے کرینگے۔ یہ سب وعدے اسی طرح پورے ہوئے ہیں جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت پورے ہوئے اس میں شک نہیں کہ ہم انگریزی گورنمنٹ کے ماتحت رہتے ہیں جہاں امن قائم ہے اور جہاں اُس جنگ جو عرب کی سی حالت نہیں۔ جہاں کہ درحقیقت کوئی گورنمنٹ ہی نہ تھی۔ لیکن گورنمنٹ انگریزی کے پُرامن زمانہ میں بھی ہر روز ہندوستان میں قتل کے واقعات ہوتے ہیں۔ خود آریہ سماج کا بانی کہا جاتا ہے کہ کسی دشمن کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ اور پھر آریہ سماج کا دوسرا بڑا لیڈر لیکھرام عین دن کے وقت لاہور کے ایک آباد اور پر رونق محلے میں قتل کیا گیا۔ یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ پر امن اور مہذب ممالک میں ایسی آسانی سے قتل ہو سکتا ہے جیسا کہ جنگ جو اور وحشی اقوام میں۔ اب اسوقت سے جبکہ مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونیکا دعوے کیا ہی ہر ایک مذہبی فرقہ کھلے طور پر آپ کا دشمن ہو گیا ہے پادریوں نے آپکے خلاف اعانت قتل کا ایک مقدمہ کھڑا کیا جس میں آریوں اور مسلمانوں نے ان کو مدد دی لیکن خدا تعالے نے انکے منصوبوں کو نامراد کیا۔ اور آخر یہ ثابت ہوا کہ یہ مقدمہ جھوٹا کھڑا کیا ہے جب لیکھرام قتل ہوا تو آریوں میں مسیح موعودؑ کے خلاف سارے ملک میں ایک جوش پھیلا ہوا تھا۔ کیونکہ اس کا قتل سارے واقعات میں عین اس پیش گوئی کے مطابق ہوا جو پانچ سال پہلے مسیح موعودؑ کی طرف سے شائع ہو چکی تھی۔ چنانچہ اسی لئے آپکے گھر کی تلاشی بھی لی گئی لیکن دشمن کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مولویوں کا جوش آپکے خلاف اسوقت بہت بڑھا ہوا تھا جبکہ آپنے مسیح موعود ہونیکا دعوے کیا اور غازی مہدی کے آنیکے عقیدے کو کھلے طور پر رد کیا۔ اور ان میں سے بعضوں نے جو اپنے جوش میں دیوانگی کی حد تک پہنچے ہوئے تھے یہ فتوے بھی دئے کہ آپکے اور آپکے پیروؤں کے مال و متاع لوٹ لینا اور آپ کو قتل کر دینا درست ہے۔ لیکن خدا تعالے نے ہر موقعہ پر آپ کو بچایا کیونکہ ان واقعات سے بیس سال پہلے وہ خود ان تمام واقعات کی اور آپکے ان تمام منصوبوں سے بچائے جانے کی خبر دے چکا تھا۔ یوں ایک اور عظیم الشان پیش گوئی حفاظت اسلام کے متعلق پوری ہوئی

الغرض نور الدین نے یہ دکھایا ہے کہ خدا تعالے نے اسلام کے متعلق ہر ایک ضروری امر میں شفاعت اور سلامتی کا وعدہ فرمایا ہے اور اسی لئے سچا مسلمان بھی محفوظ ہے۔

ترک اسلام میں اکیسو سوالہ اعتراض ہیں۔ اور نور الدین نے ترتیب کے ساتھ ہر ایک کا مفصل جواب دیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ترک اسلام کے مصنف کے پاس یا تو اسقدر وقت نہ تھا اور یا اسقدر قابلیت

نہ تھی کہ وہ اپنے اعتراضونکو کسی ترتیب سے پیش کرتا۔ بعض جگہ ایک ہی اعتراض کو کئی دفعہ پیش کیا گیا ہے۔ اور بعض اعتراض جو ایک جگہ اکھٹے ہونے چاہیئے تھے ساری کتاب مین بکھرے ہوئے ہین+ بعض وقت ایک ہی اعتراض کے اندر بہت سارے اعتراض بھر دئے ہین مثلاً اخیری اعتراض مین چالیس مختلف اعتراض ہین جن مین سے اکثر پہلے بھی آچکے ہین۔ نورالدین کے فاضل مصنف نے ان اعتراضات کا جواب دینے مین تعجب انگیز استقلال اور علمیت دکھلائی ہے اور اکثر اوقات ایک ہی اعتراض کے بار بار آنے سے جوابون مین مختلف پیرائے اختیار کئے ہین اور نئے نئے رنگ کے جواب دئے ہین اگرچہ غیر ضروری طوالت کے روکنے کیلئے بعض جگہ پہلے جوابون کے حوالے بھی دیدیئے گئے ہین۔ یہ کتاب صرف اعتراضونکے جواب ہی نہین دیتی بلکہ پڑھنے والیکے سامنے اسلام کی سچائیون اور خوبیون کا ایک وسیع علمی ذخیرہ پیش کرتی ہے۔

سب سے پہلا اعتراض لفظ مکر کے متعلق ہے جو خدا تعالیٰ کی نسبت آیت ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین+ مین استعمال ہوا ہے اور اسی قسم کے اعتراض نمبر ۲و۔ چار[۴] اور تیرہ[۱۳] الفاظ کید بأس اور استہزا کے متعلق ہین۔ وہ فاضلانہ اور وسیع جواب ان اعتراضونکے جو کتاب مین دئے گئے ہین۔ انکو ہم اس جگہ پورے نقل نہین کر سکتے کیونکہ اسقدر جگہ کی وسعت ہمارے پاس نہین۔ لیکن ایک مختصر خلاصہ کے طور پر مندرجہ ذیل دلایل سے جوابون کی کیفیت کا ایک نامکمل سا نقشہ ناظرین کے لئے پیش کرتے ہین۔ دھرم پال نے بڑی بدزبانی کے ساتھ مسلمانون کے خدا کے متعلق یہ کفر کے کلمات لکھے ہین کہ وہ مکار۔ فریبی۔ مکاروں کا مکار۔ فریبیونکا فریبی۔ دھوکے باز۔ لڑاکا۔ مسخرا۔ مخولیا۔ ٹھٹول۔ بھنگڑ ہے نعوذ باللہ من ذالک۔

پہلے یہ دکھایا گیا ہے کہ ان ناپاک اور گندے الفاظ مین سے کوئی لفظ بھی قرآن شریف مین نہین آیا اور نہ اس پاک کتاب سے بطور نتیجے کے ہی کوئی ایسا نام خدا کا پیدا کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کبھی کسی مسلمان نے قرآن کریم کے کسی لفظ کے ایسے معنے سمجھے ہین۔ اسکے بعد پھر یہ دکھایا گیا ہے کہ جو معنے الفاظ مکر۔ کید۔ وغیرہ کے عربی زبان مین آتے ہین۔ ان کو معترض نے عمداً اور بدنیتی سے چھوڑ کر ایک نئے اور بگڑے ہوئے معنے جو کہ ان الفاظ کے ہندوستان مین لئے جاتے ہین اُن پر لگائے ہین اسکے بعد وہ اصول قائم کیا گیا ہے جو الفاظ کے معنے کرنے مین برتنا چاہیئے۔ یہ دکھایا گیا ہے کہ قرآن کریم خدا تعالےٰ کے متعلق اعلےٰ درجہ کے صفات اور اسمائے حسنےٰ بیان کرتا ہے۔ قرآن شریف مین اللہ تعالےٰ کو ہر ایک کمال ہر ایک خوبصورتی۔ ہر ایک فوقیت۔ ہر ایک نیکی اور ہر ایک خوبی کا جو قیاس مین آ سکتی ہو مالک بیان کیا گیا ہے۔ اور اسکو ہر ایک نقص سے اور ہر ایک عیب اور کمزوری سے پاک اور منزہ بتایا گیا ہے۔ اسکو کسی چیز کی مثل نہین کہا جا سکتا کیونکہ قرآن شریف فرماتا ہے لیس کمثلہ شئ اور پھر

بار بار قرآن شریف مین یہ تاکید کیگئی ہے کہ تم خدا تعالے کے نام کی تسبیح و تقدیس کرو........
اور اس کی پاکی بیان کرو اور اسکے اچھے نامون سے اسے پکارو۔ قرآن شریف فرماتا ہے۔
واللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا۔ اللہ کے اچھے نام ہین ان نامون سے اسے پکارا کرو۔ اس سے
صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف ایسے آدمی کو ناپاک سمجھتا ہے جو اسکے لئے گندے اور برے
نام تجویز کرے ان صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ خدا تعالے مین وہ تمام صفات بھی بھرے
ہوئے دکھائے گئے ہین جو کسی ادنی سے ادنی آدمی مین پائے جاتے ہین محض حماقت یا شرارت
ہے۔ اگر عرب ان الفاظ کے وہ معنے سمجھتے جو تعصب سے اندھا معترض ان پر لگانا چاہتا ہے تو وہ اسلام
کی تعلیم کو کیون کر قبول کرتے۔ علاوہ ازین یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ خود آریہ سماج کے بانی نے الفاظ کے
معنے کرنے مین ایسے قاعدے تجویز کئے ہین جو انہی اصولون کے مطابق ہین جن کو اسکا بنا مرید بڑی
جرأت سے قرآن شریف کے معنے کرتے وقت رد کرتا ہے۔ بالآخر ان مختلف الفاظ کے معانی
مستند اور معتبر لغت کی کتابون سے جیسے راغب۔ ابن الاثیر۔ اور لسان العرب دکھائے گئے ہین
الفاظ مکر اور کید کے معنے باریک اور مخفی تدابیر کے ہین۔ (یا جیسا کہ لین پول کی عربی انگریزی ڈکشنری
مین جو آٹھ جلدون مین ہے یہ معنے ہین کسی کام کے کرنے یا کسی انتظام مین ہنر یا تدبیر کو اعلی
درجے کے غور اور سوچنے کے بعد کام مین لانا وغیرہ۔) معترض کی حماقت یہ ہے کہ وہ مناسب
معنون کو مناسب موقعون پر نہین لگاتا۔ یہ الفاظ اچھے معنون مین بھی لئے جاتے ہین اور برے معنون
مین بھی لئے جاتے ہین لیکن ظاہر ہے کہ جب انکا استعمال خدا تعالے کے لئے ہوگا جسکے متعلق قرآن شریف
مین یہ صاف اور صریح الفاظ ہین کہ اسکے سب نام اچھے اور خوبی کے ہین اور کہ وہ ہر ایک کمال
اور ہر ایک خوبی کو اپنے اندر رکھتا ہے اور ہر ایک نقص اور عیب سے پاک اور منزہ ہے تو اچھے
معنون کے سوائے دوسرے معنے ہرگز نہین لئے جا سکتے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے
واقعات کو بیان کر کے دکھایا گیا ہے کہ کیونکر یہ معنے ان واقعات کے عین مطابق ہین لفظ بأس
کے معنے آیت واللہ اشد بأسا مین انہین لعنتون کی بنا پر عذاب کے ثابت کئے گئے ہین اور ایسا
ہی لفظ استہزا کے معنے آیت اللہ یستہزئ بہم مین استخفاف اور اہانت کے دکھائے گئے ہین افسوس
ہے کہ گنجایش کے نہ ہونیکی وجہ سے پورے جواب ہم نقل نہین کر سکتے یہ چند سطرین بارہ صفحون سے
زائد کا خلاصہ ہین۔ اور اسلئے اصل کی وسعت اور دلچسپی کا بڑا حصہ ان مین مفقود ہے۔
اگر گنجایش کافی ہوتی تو ہمارا دل چاہتا تھا کہ کسیقدر اور جوابات کے خلاصے درج کرتے۔
اگر ضرورت ہوئی اور خدا نے چاہا تو پھر کسیوقت دیکھا جاویگا۔ ایک بات ترک اسلام مین غور کے
قابل ہے کہ جس صورت مین تارک نے ترک اسلام کے صحیح یا غلط وجوہ پیش کئے تھے اور ۱۱۶۔ اعتراض

جمع کرنیکا اس کو موقعہ مل گیا تھا۔ تو اس نے وہ وجوہات کیوں چھپائے ہیں جن کے سبب سے اُس نے
آریہ سماج کے مذہب کو اختیار کیا یا جن پر وہ آریہ سماج کو دیگر مذاہب پر فوقیت دیتا ہے تارک نے
یہ نہیں بتایا کہ اسے یہ اطمینان کیونکر ہو گیا کہ ہزارہا سال تک ہندو ویدوں کے معنے کرنے میں غلطی میں
پڑے رہے اور جہاں تک تاریخ سے پتہ لگ سکتا ہے کسی کو صحیح معنوں پر اطلاع نہ ہوئی لیکن خوش
قسمتی سے یا بدقسمتی سے سوامی دیانند کو ان معنوں پر اطلاع ہو گئی اور نہ ہی اس نے یہ بتایا؟
کہ کیوں اس نے پنڈت دیانند کے خدا کو جس کے قدیم سے دو ہمسر مادہ اور روح چلے آتے ہیں۔
جس نے کوئی چیز پیدا نہیں کی اور جس کا علم اور طاقت بھی ناقص ہیں۔ مسلمانوں کے قادر اور علیم خدا
پر جو ہر شے کا خالق ہے ترجیح دی۔ اور تارک نے یہ بھی بیان نہیں کیا کہ کیوں اس نے نیوگ
کے ناپاک عقیدہ کو جو معمولی سمجھ کے لحاظ سے اور ایک عدالت کے فیصلہ کے لحاظ سے زنا کے ہم معنے
قرار پا چکا ہے۔ اسلام کی اس پاک تعلیم پر ترجیح دی جس کے رو سے یہ حکم ہے کہ تم بیگانہ عورت
کی طرف آنکھیں اٹھا کر بھی نہ دیکھو اور ایک اور بات بھی جو تارک کو بیان کرنی چاہیئے تھی وہ بھی
اس نے بیان نہیں کی کہ کیوں اس نے آریہ سماج کی عارضی مکتی کو جو بندر اور سؤر بننے کے بعد ملتی ہے
اسلام کی دائمی نجات پر ترجیح دی جس کی نسبت لکھا ہے کہ وما ہم منہا بمخرجین کہ وہ کبھی
اس سے نکالے نہیں جاوینگے۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ ایک ایسے مقابلہ کو پبلک زیادہ پسند کرتی
بجائے اندھا دھند اعتراضوں کے جو تارک نے بغیر اسلام کے اصول کو مطالعہ کرنیکے کر دئے ہیں +

کتاب نور الدین جو ایک بڑی ضخیم کتاب ۳۲۰ سے زائد بڑے صفحوں پر ہے۔ مولوی حکیم
فضل الدین صاحب مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان ضلع گورداسپور سے صرف ۸ کو مل سکتی
ہے (محصولڈاک ۲ر) قیمت کم اسلئے رکھی گئی ہے تا سب مسلمان اسے پڑھکر فائدہ حاصل کر سکیں +

اعلان

(۱) باوجود کئی ماہ کی متواتر یاددہانی کے بقایا زر چندہ کی ادائیگی کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ حالانکہ اب سال رواں کو بھی تین ماہ گذر چکے ہین۔ لہذا مکرر تاکیدی عرض ہے کہ اب جن جن خریداران کے ذمہ جس قدر بقایا ہے وہ جلد تر بھیجکر بیباقی حساب کرین۔ ورنہ کم از کم اطلاع دیوین کہ کب تک ان کی جانب سے بقایا واجب الوصول ادا ہوسکیگا یا کب انکے نام وی پی بھیجا جاوے۔

(۲) جملہ خریداران خط وکتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھا کرین۔ نمبر خریداری نہ لکھنے کیصورت مین توقف یا عدم تعمیل کی شکایت بیجا تصور ہوگی۔

(۳) جملہ روپیہ خواہ مد خیراتی کا ہو یا اعانت کا یا خریداری کا بنام منیجر میگزین آنا چاہیے اور روپیہ بھیجتے وقت اس امر کی تشریح ہونی چاہیے کہ آیا مدات بالا مین سے کس مد کا روپیہ اور کس سال کی بابت ہے +

(۴) سابقہ سالہا کے ختم شدہ پرچہ جات دوبارہ چھپائے گئے ہین کام طبع ثانی قریب الختم ہے جدید خریداران جلدی درخواست ہائے بھیجین ورنہ بصورت توقف دوسری ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔ جن خریداران کو بعض سابقہ نمبر نہین ملے وہ بغیر یاددہانی ان کی خدمت مین ارسال ہونگے + منیجر۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

"ضروری استدعا"

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہیں اور اپنے مقامی اسٹیشن میں کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونے کے باعث انہیں کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑیں وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانٹیر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائیں ۔ یہ دکان میرے متعلق ہے ۔ انہیں کوئی نقصان نہیں اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے ۔ .... المشتہر ۔ خواجہ کمال الدین وکیل پشاور

ضیاء الاسلام پریس قادیان میں باہتمام حکیم مولوی فضل دین صاحب طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۴

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا۔ چندہ سالانہ اردو پرچہ .... عہ

تفسیر سورہ جمعہ:- ۸۰ صفحہ پر اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر چھپی ہو اور اسکی چھپائی مین حکیم محمد حسین صاحب قریشی نے بڑی کوشش سے اہتمام کیا ہو کہ جیسا اسکے مضامین عالی ہین ویسی ہی چھپائی بھی اعلیٰ درجہ کی ہو۔ یہ تفسیر حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کی بیان کردہ ہو۔ معلوم ہوتا ہو کہ یہ آپ کی ایک تقریر تھی جو پہلے اخبار الحکم کے مختلف نمبرون مین ٹکڑے ٹکڑے ہوکر شائع ہوئی تھی حکیم صاحب نے اسکو ایک جگہ اکٹھا کرکے ایک رسالہ کی صورت مین شایع کیا ہو تفسیر کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہو کہ یہ نورالدین کے مصنف کی تفسیر ہو جسے قرآن کریم سے سچا عشق اور جنکی روح کی یہ کلام پاک غذا ہو۔ چار آنہ قیمت پر حکیم محمد حسین صاحب قریشی پروپرائیٹر رفیق الصحت حویلی کابلی مل لاہور سے مل سکتی ہو زیادہ جلدونکے خریدارونکے لئے رعایت بھی رکھی گئی ہو +

سر الشہادتین:- مصنفہ مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی جسمین مولوی صاحب موصوف نے حضرت مولوی عبداللطیف صاحب شہید مرحوم اور انکے شاگرد میان عبدالرحمن صاحب شہید مرحوم کی شہادت کے متعلق قرآن کریم سے لطیف اشارون کا استنباط کیا ہو ایک آنہ قیمت دفتر البدر قادیان سے ملسکتی ہو

ریویو آف ریلیجنز کے سابقہ نمبر:- سال سنہ ۱۹۰۲ء اور سال سنہ ۱۹۰۳ء کے دوبارہ چھپ گئے ہین۔ جو صاحبان اسی سال سے یا سال گذشتہ کے اخیر سے خریدار ہین ان کو چاہیئے کہ گذشتہ پرچے منگوا لیوین ان مین نہایت عجیب عجیب اور بالکل نئے مضامین حضرت اقدس کے قلم سے نکلے ہوئے ہین جو اور کسی طرح دستیاب نہین ہو سکتے علاوہ اسکے حضرت اقدس کا ارشاد بھی ہو کہ ہر ایک بیعت کنندہ میگزین کی اعانت مین پوری کوشش کرے اور اس کی اعانت کی سب سے عمدہ سبیل یہی ہو کہ اسکی خریداری بڑھائی جاوے۔ تا مضامین کی اشاعت بھی کثرت سے ہو سنہ ۱۹۰۲ء اور سنہ ۱۹۰۳ء کے رسالونکو ہم الگ الگ جلدون مین بھی عنقریب بندھوانے والے ہین تاکہ جو صاحب پسند کرین وہ مجلد جلد ہر سال کی منگوا سکین اس مین خاص طور پر رعایت کیجاوے گی یعنی جلد نہایت عمدہ بندھوائی جاوے گی اور لاگت صرف ۸ر لیجاویگی اسطرح پر صرف عہ کے خرچ سے ایک بیش بہا ذخیرہ مضامین کا ہاتھ مین آسکتا ہو محصولڈاک بھی اسی قیمت مین شامل ہوگا جن خریدارون سے سابقہ نمبر گم ہو چکے ہون یا پرانے ہوکر خراب ہو گئے ہون۔ ان کے لئے پوری جلد کا خریدنا نہایت مفید ہوگا۔ جو صاحب اس طرح پر مجلد سنہ ۱۹۰۲ء و سنہ ۱۹۰۳ء کی جلدین منگوانا چاہتے ہون وہ ہمین ابھی اطلاع دیدین تاکہ کافی مقدار جلدون کی ہم تیار کرا دین +

اعلان بعض احباب کیطرف ابھی تک سال گذشتہ کا بقایا چلا جاتا ہے ان کی خدمت مین التماس ہے کہ جلدی ادا کرکے حساب بیباق کرین اور اس سال کا چندہ بھی پیشگی آنا چاہیئے جو صاحب خود بذریعہ منی آرڈر اپنی رقوم ارسال کردین یا خود وی پی کی اجازت دیدین وہ دفتر کو بہت سی خط وکتابت سے بچا سکتے ہین امید ہے کہ تمام بہی خواہان سلسلہ اس طریق کو اختیار کرکے اپنی اپنی رقوم دفتر مین بھیجدینگے +

مینیجر ریویو آف ریلیجنز قادیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اسلام کی برکات

(از حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام)

اس جگہ ہم کسی قدر اس بات کو ظاہر کرنا چاہتے ہین کہ اسلام کے ثمرات کیا ہین سو واضح ہو کہ جب کوئی اپنے مولےٰ کا سچا طالب کامل طور پر اسلام پر قایم ہو جائے اور نہ کسی تکلف اور بناوٹ سے بلکہ طبعی طور پر خدا تعالیٰ کی راہون مین ہر ایک قوت اُسکے کام مین لگ جائے تو آخری نتیجہ اُس کی اس حالت کا یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہدایت کے اعلےٰ تجلیات تمام حُجب سے مبرّا ہو کر اس کی طرف رُخ کرتے ہین اور طرح طرح کے برکات اُس پر نازل ہوتے ہین اور وہ احکام اور وہ عقاید جو محض ایمان اور سماع کے طور پر قبول کئے گئے تھے اب بذریعہ مکاشفات صحیحہ اور الہامات یقینیہ قطعیہ مشہود اور محسوس طور پر کھولے جاتے ہین- اور مغلقات شرع اور دین کے اور اسرار سربستہ ملت حنیفیہ کے اُس پر منکشف ہو جاتے ہین اور ملکوت الٰہی کا اس کو سیر کرایا جاتا ہے تا وہ یقین اور معرفت مین مرتبہ کامل حاصل کرے اور اُس کی زبان اور اُس کے بیان اور تمام افعال اور اقوال اور حرکات سکنات مین ایک برکت رکھی جاتی ہے اور ایک فوق العادت شجاعت اور استقامت اور ہمت اس کو عطا کیجاتی ہے اور شرح صدر کا ایک اعلےٰ مقام اس کو عنایت کیا جاتا ہے اور بشریت کے حجابون کی تنگ دلی اور خست اور بخل اور بار بار کی لغزش اور تنگ چشمی اور شہوات اور رداءت اخلاق اور ہر ایک قسم کی نفسانی تاریکی بکلی اُس سے دور کر کے اُس کی جگہ ربانی اخلاق کا نور بھر دیا جاتا ہے تب وہ بکلی مبدّل ہو کر ایک نئی پیدایش کا پیرایہ پہن لیتا ہے اور خدا تعالےٰ سے سُنتا اور خدا تعالےٰ سے دیکھتا اور خدا تعالےٰ کے ساتھ حرکت کرتا اور خدا تعالےٰ کے ساتھ ٹھہرتا ہے اسکا غضب خدا تعالیٰ کا غضب اور اس کا رحم خدا تعالےٰ کا رحم ہو جاتا ہے اور اس درجہ مین اس کی دعائین بطور اصطفاء کے منظور ہوتی ہین نہ بطور ابتلا کے اور وہ زمین پر حجت اللہ اور امان اللہ ہوتا ہے- اور آسمان پر اُسکے وجود سے خوشی کیجاتی ہے اور اعلےٰ سے اعلےٰ عطیہ جو اس کو عطا ہوتا ہے مکالمات الٰہیہ

اور مخاطبات حضرت یزدانی ہین جو بغیر شک اور شبہ اور کسی غبار کے چاند کے نور کی طرح اس کے دل پر نازل ہوتے رہتے ہین اور ایک شدید الاثر لذت اپنے ساتھ رکھتے ہین اور طمانینت اور تسلی اور سکینت بخشتے ہین اور اس کلام اور الہام مین فرق یہ ہی کہ الہام کا چشمہ تو گویا ہر وقت مقرب لوگون مین بہتا ہے اور وہ روح القدس کے بُلائے بولتے اور روح القدس کے دکھائے دیکھتے اور روح القدس کے سُنائے سُنتے اور ان کے تمام ارادے روح القدس کے نفخ سے ہی پیدا ہوتے ہین اور یہ بات سچ اور بالکل سچ ہی کہ وہ ظلّی طور پر اس آیت کا مصداق ہوتے ہین وما ینطق عن الہوٰی ان ہو الا وحی یوحی لیکن مکالمہ الٰہیہ ایک الگ امر ہے اور وہ یہ ہے کہ وحی متلو کی طرح خدا تعالے کا کلام اُن پر نازل ہوتا ہے اور وہ اپنے سوالات کا خدا تعالے سے ایسا جواب پاتے ہین کہ جیسا ایک دوست دوست کو جواب دیتا ہے اور اس کلام کی اگر ہم تعریف کرین تو صرف اس قدر کر سکتے ہین کہ وہ اللہ جلّ شانہ کی ایک تجلی خاص کا نام ہے جو بذریعہ اسکے مقرب فرشتہ کے ظہور مین آتی ہی۔ اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ تا دعا کے قبول ہونیسے اطلاع دیجائے یا کوئی نئی اور مخفی بات بتائی جائے یا آیندہ کی خبرون پر آگاہی دیجائے یا کسی امر مین خدا تعالی کی مرضی اور عدم مرضی پر مطلع کیا جائے یا کسی اور قسم کے واقعات مین یقین اور معرفت کے مرتبہ تک پہنچایا جائے بہرحال یہ وحی ایک الٰہی آواز ہی جو معرفت اور اطمینان سے رنگین کرنیکے لئے منجانب اللہ پیرایہ مکالمہ و مخاطبہ مین ظہور پذیر ہوتی ہے اور اس سے بڑھکر اس کی کیفیت بیان کرنا غیر ممکن ہی کہ وہ صرف الٰہی تحریک اور ربّانی نفخ سے بغیر کسی قسم کے فکر اور تدبر اور خوض اور غور اور اپنے نفس کے دخل کی خدا تعالی کی طرفسے ایک قدرتی ندا ہے جو لذیذ اور پر برکت الفاظ مین محسوس ہوتی اور اپنے اندر ایک ربّانی تجلی اور الٰہی صولت رکھتی ہے ٭

اس جگہ ہر ایک سچے طالب کے دل مین بالطبع یہ سوال پیدا ہوگا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے کہ تا یہ مرتبہ عالیہ مکالمہ الٰہیہ حاصل کر سکون پس اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک نئی ہستی ہی جس مین نئی قوتین نئی طاقتین نئی زندگی عطا کیجاتی ہی اور نئی ہستی پہلی ہستی کے فنا کے بغیر حاصل نہین ہو سکتی۔ اور جب پہلی ہستی ایک سچی اور حقیقی قربانی کے ذریعہ سے جو فدائے نفس اور فدائے عزت و مال و دیگر لوازم نفسانیہ سے مراد ہی بکلی جاتی رہے تو یہ دوسری ہستی فی الفور اس کی جگہ لے لیتی ہی اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ پہلی ہستی کے دور ہونے کے نشان کیا ہین تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب پہلے خواص اور جذبات دور ہو کر نئے خواص اور نئے جذبات پیدا ہوت اور اپنی فطرت مین ایک انقلاب عظیم نظر آوے اور تمام حالتین کیا اخلاقی اور کیا ایمانی اور کیا تعبدی ایسی صاف بدلی ہوئی نظر آوین کہ گویا ان پر اب رنگ ہی اور ہے غرض جب اپنے نفس پر نظر ڈالے تو اپنے تئین ایک نیا آدمی پاوے اور ایسا ہی خدا تعالی بھی نیا ہی دکھائی دے اور شکر اور صبر اور یاد الٰہی مین نئی لذتین پیدا ہو جائین جن کی پہلے کچھ بھی خبر نہین تھی اور بدیہی طور پر محسوس ہو کہ اب اپنا نفس اپنے ربّ پر بکلّی متوکل اور غیر سے بکلّی لاپروا ہے اور تصور وجود حضرت باریتعالی اس قدر اُسکے دل پر استیلا پکڑ گیا ہی کہ اب اُس کی نظر شہود مین وجود

غیر بکلّی معدوم ہے اور تمام اسباب ہیچ اور ذلیل اور بیقدر نظر آتے ہین اور صدق اور وفا کا مادّہ اسقدر جوش
مین آگیا ہے کہ ہر ایک مصیبت کا تصور کرنے سے وہ مصیبت آسان معلوم ہوتی ہے اور نہ صرف تصور بلکہ
مصائب کے وارد ہونیسے بھی ہر ایک درد برنگ لذت نظر آتا ہے تو جب یہ تمام علامات پیدا ہو جائین
تو سمجھنا چاہیئے کہ اب پہلی ہستی پر موت آگئی ✢

اس موت کے پیدا ہو جانیسے عجیب طور کی قوتین خدا تعالی کی راہ مین پیدا ہو جاتی ہین وہ باتین
جو دوسرے کہتے ہین پر کرتے نہین اور وہ راہین جو دوسرے دیکھتے ہین پر چلتے نہین اور وہ بوجھ جو
دوسرے جانچتے ہین پر اٹھاتے نہین ان سب امور شاقہ کی اس کو توفیق دیجاتی ہے کیونکہ وہ اپنی
قوت سے نہین بلکہ ایک زبردست الٰہی طاقت اس کی اعانت اور امداد مین ہوتی ہے جو پہاڑون سے
زیادہ اسکو استحکام کی روسے کر دیتی ہے اور ایک وفادار دل اس کو بخشتی ہے تب خدا تعالے کے جلال کے
لیئے وہ کام اس سے صادر ہوتے ہین اور وہ صدق کی باتین ظہور مین آتی ہین کہ انسان کیا چیز ہے اور
آدم زاد کیا حقیقت ہے کہ خود بخود ان کو انجام دیسکے وہ بکلّی غیر سے منقطع ہو جاتا ہے اور ما سوا اللہ سے دونون
ہاتھ اٹھا لیتا ہے اور سب تفاوتون اور فرقون کو درمیان سے دور کر دیتا ہے اور وہ آزمایا جاتا اور دکھ
دیا جاتا ہے اور طرح طرح کے امتحانات اسکو پیش آتے ہین اور ایسے مصائب اور تکالیف اس پر پڑتی ہین کہ اگر وہ
پہاڑون پر پڑتین تو انہین نابود کر دیتین اور اگر وہ آفتاب اور ماہتاب پر وارد ہوتین تو وہ بھی تاریک
ہو جاتے لیکن وہ ثابت قدم رہتا ہے اور وہ تمام سختیونکو بڑی انشراح صدر سے برداشت کر لیتا ہے
اور اگر وہ ہاون حوادث مین پیسا بھی جائے اور غبار سا کیا جائے تب بھی بغیر انّی مع اللہ کے اور کوئی آواز
اسکے اندر سے نہین آتی۔ جب کسی کی حالت اس نوبت تک پہنچ جائے تو اسکا معاملہ اس عالم سے وراء الوراء
ہو جاتا ہے اور ان تمام ہدایتون اور مقامات عالیہ کو ظلّی طور پر پا لیتا ہے جو اس سے پہلے نبیون اور رسولون
کو ملے تھے اور انبیاء اور رسل کا وارث اور نائب ہو جاتا ہے وہ حقیقت جو انبیاء مین معجزہ کے نام سے موسوم
ہوتی ہے وہ اس مین کرامت کے نام سے ظاہر ہو جاتی ہے اور وہی حقیقت جو انبیاء مین عصمت کے نام سے نامزد
کیجاتی ہے اس مین محفوظیت کے نام سے پکاری جاتی ہے اور وہی حقیقت جو انبیاء مین نبوّت کے نام سے
بولی جاتی ہے اس مین محدثیت کے پیرایہ مین ظہور پکڑتی ہے حقیقت ایک ہی ہے لیکن باعث شدّت اور
ضعف رنگ کے مختلف نام رکھے جاتے ہین اسی لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ملفوظات مبارکہ اشارت
فرما رہے ہین کہ محدّث نبی بالقوہ ہوتا ہے اور اگر باب نبوّت مسدود نہ ہوتا تو ہر ایک محدث اپنے وجود مین قوّت
اور استعداد نبی ہو جانے کی رکھتا تھا اور اسی قوت اور استعداد کے لحاظ سے محدّث کا حمل نبی پر جائز ہے یعنے
کہہ سکتے ہین کہ المحدّث نبی جیسا کہ کہہ سکتے ہین کہ العنب خمر نظراً علی القوۃ والاستعداد و مثل ہذا الحمل
شائع متعارف فی عبارات القوم وقد جرت المحاورات علی ذالک کما لا یخفی علی کل ذکی

عالم مطلع علی کتب الادب والکلام والتصوّف۔ اور اسی حمل کی طرف اشارہ ہے جو اللہ جلّشانہ نے اس قرأت کو جو وما ارسلنا من رسول ولا نبی ولا محدث ہے مختصر کر کے قرأت ثانی میں صرف یہ الفاظ کافی قرار دیئے کہ وما ارسلنا من رسول ولا نبی۔

اور اس سوال کا جواب کہ جس شخص کو شرف مکالمہ الٰہیہ کا نصیب ہو وہ کب اور کن حالات میں اکثر کلام الٰہی کا زیادہ تر مستحق ہوتا ہے۔ یہ ہے کہ اکثر شدائد اور مصائب کے نزول کے وقت اولیاء اللہ پر کلام الٰہی نازل ہوتا ہے تا ان کی تسلی اور تقویت کا موجب ہو جب وہ نزول آفات اور حوادث فوق الطاقت سے نہایت شکستہ اور دردمند اور کوفتہ ہو جاتے ہیں اور حزن اور قلق انتہا کو پہنچ جاتا ہے تب خدا تعالے کی صفت کلام اُن کے دلپر متجلی ہوتی ہے اور کلمات طیبہ الٰہیہ سے ان کو سکینت اور تشفی بخشی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملہم کی انکساری حالت الہامی آگ کے افروختہ ہونیکے لئے بہت ہی دخل رکھتی ہے جب ایک شرف یاب مکالمہ الٰہی کمال دردمند اور مضطر ہوتا ہے اور اس کی توجہ درد اور حزن سے ملی ہوئی ایک تار بندھ جانے کی حالت تک پہنچ جاتی ہے اور وفاداری اور تضرع اور صدق کے ساتھ ربوبیت کی شعاع نکلے نیچے جا پڑتی ہے تو یکدفعہ ربوبیت کی ایک شعاع اپنی ربوبیت کی تجلی کے ساتھ اس پر گرتی ہے اور اس کو روشن کر دیتی ہے اور وہ روشنی کبھی کلام کی صورت میں اور کبھی کشف کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور رجوع کرنیوالے دل کو اس فتیلہ کی طرح جو آگ کے نزدیک پہنچ جاتا ہے اپنے ربانی نور سے منور کر دیتی ہے کیا یہ بدیہی طور پر محسوس نہیں ہوتا جو ایک فتیلہ جو پاکیزہ تیل اپنے اندر رکھتا ہے جب آگ کے نزدیک کیا جاتا ہے تو وہ فی الفور صورت بدل لیتا ہے اور آگ کی صحبت سے واپس آتے وقت ایک چمکتا ہوا شعلہ اپنے ساتھ لاتا ہے پس ایک عارف اور کامل انسان اس وقت مکالمہ الٰہیہ کے لئے نہایت ہی استعداد قریبہ رکھتا ہے جب وہ دردمند ہو کر آستانہ الٰہی پر گرتا ہے اور ہر ایک طرف سے منقطع ہو کر اُس موافقت اور مصادقت کو جو اسکے رگ و ریشہ میں رچی ہوئی ہے ایک تازہ اور نیا جوش دیتا ہے اور دردناک روح کے ساتھ خدا تعالیٰ کی مدد کے لئے التجا کرتا ہے تب خدا تعالے اس کی سنتا ہے اور اسے نودد اور محبت کے ساتھ جواب دیتا ہے اور اُسپر رحم کرتا ہے اور اُسکی دعاؤں کو اکثر قبول فرما لیتا ہے آج کل کے بعض ملحدانہ خیال والے جو یورپ کے فلسفہ اور نیچر کے تابع ہو گئے ہیں اور اجابت اور قبولیت دُعا سے منکر ہیں اُن کے یہ خیالات سراسر باطل ہیں کہ قبولیت دعا کچھ چیز نہیں اور تحصیل مرادات کے لئے دعا کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ مومن پر خدا تعالے کے فضلوں میں سے یہ ایک بڑا بھاری فضل ہوتا ہے جو اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اس کی درخواستیں گو کیسے ہی مشکل کاموں کے متعلق ہوں اکثر بہ پایۂ اجابت پہنچتے ہیں اور در اصل ولایت کی حقیقت یہی ہے جو ایسا قرب اور وجاہت حاصل ہو جائے جو یہ نسبت اور وں کے بہت دعائیں قبول ہوں کیونکہ ولی خدا تعالے کا دوست ہوتا ہے اور خالص دوستی کی یہی نشانی ہے کہ اکثر درخواستیں اس کی قبول کیجائیں پس جو شخص کہتا ہے کہ دعا قبول ہونیکے اس سے زیادہ

اور کچھ معنے نہین کہ خدا تعالی تک اس کی آواز پہنچ جاتی ہے اور خدا تعالی جان لیتا ہے کہ اس نے دعا کی ہے ایسا شخص مسخرہ ہے اور خدا تعالی کی کتاب اور اسکے دین سے محض بیگانہ ہے اگر صرف دعا کا سن لینا اجابت مین داخل ہے اور اس سے زیادہ کوئی بات نہین تو یہ ہر ایک کہہ سکتا ہے کہ میری دعا رد نہین ہوئی کیونکہ اگر اجابت سے مطلب صرف اطلاع بر دعا ہے تو پھر کون شخص ہے جس کی دعا سے خدا تعالے بے خبر رہتا ہے ظاہر ہے کہ اللہ جلشانہ بباعث اپنی صفت علیم اور خبیر اور سمیع ہونیکے ہر ایک بات کو سنتا ہے اور ہر ایک شخص کی آواز اس تک پہنچ جاتی ہے پھر ایسے سننے مین مومن اور غیر مومن کی دعا مین فرق کیا ہے اور یہ کہنا کہ مومن کو لبیک کہتا ہے اور دوسرے کو نہین یہ کیونکر ثابت ہو جبکہ اصل محرومی مین مومن اور غیر مومن دونون مساوی ہین تو ایک کافر بھی کہہ سکتا ہے کہ میری دعا پر لبیک کہا گیا ہے تو اب اسکا کون فیصلہ کرے کہ نہین کہا گیا اور ایسی بمعنی لبیک کا فایدہ کیا بلکہ مومن کی دعا ضرور قبول کیجاتی ہے اور اگر قبول کرنا مومن کے حق مین بہتر نہ ہو تو کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ مومن کو نرمی اور محبت کی راہ سے بذریعہ محبانہ مکالمہ کے اسپر اطلاع دیجاتی ہے خدا تعالے جو تمام رحمتون کا سرچشمہ ہے سب سے زیادہ رحمت مومن پر ہی کرتا ہے اور ہر ایک مصیبت کے وقت اسے سنبھالتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے اور اگر تمام دنیا ایک طرف ہو اور مومن ایک طرف تو فتح مومن ہی کو دیتا ہے اور اس کی عمر اور عافیت کے دن بڑھاتا ہے دشمن کہتا ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے اور ناپدید ہو جائے پر وہ دشمن کو ہی ہلاک کرتا ہے اور اس کی بد دعائین اسی کے سر پر مارتا ہے پر مومن کی دعا کو قبول کر لیتا ہے اور اس کی دعاؤنکو قبول کرکے وہ خوارق دکھلاتا ہے جنسے دنیا حیران ہو جاتی ہے کرامت کیا چیز ہے ؟ مومن کی دعا جو قبول ہو کر ایک نہایت مشکل اور بعید از عقل کام کو پورا کر دیتی ہے اور تمام خلقت کو ایک حیرت مین ڈالتی ہے پھر کیونکر کہا جائے کہ دعا قبول نہین ہوتی نادان ہے وہ شخص جو ایسا خیال کرتا ہے بیوقوف ہے وہ فلسفی جو ایسا سمجھتا ہے یہ دعوے بے دلیل نہین اسپر میرے پاس کھلے کھلے دلائل اور نہایت روشن براہین ہین پر جو اپنی آنکھونپر پٹی باندھتا ہے تا آفتاب نظر نہ آوے وہ کیونکر روشنی کو دیکھ سکتا ہے ٭

اب یہ بھی یاد رہے کہ وہ اسلام جس کی خوبیان ہم بیان کر چکے ہین وہ ایسی چیز نہین ہے جسکے ثبوت کیلئے ہم صرف گذشتہ کا حوالہ دین اور محض قبرونکے نشان دکھلائین اسلام مردہ مذہب نہین تا یہ کہا جائے کہ اسکی سب برکات پیچھے رہ گئی ہین اور آگے خاتمہ ہے اسلام مین بڑی خوبی ہی ہے کہ اس کی برکات ہمیشہ اسکے ساتھ ہین اور وہ صرف گذشتہ قصونکا سبق نہین دیتا بلکہ موجودہ برکات پیش کرتا ہے دنیا کو برکات اور آسمانی نشانون کی ہمیشہ ضرورت ہے یہ نہین کہ پہلے تھی اور اب نہین۔ ضعیف اور عاجز انسان جو اندھے کی طرح پیدا ہوتا ہے ہمیشہ اس بات کا محتاج ہے کہ آسمانی بادشاہت کا اسکو کچھ پتہ لگے اور وہ خدا جسکے وجود پر ایمان ہے اسکی ہستی اور قدرت کے کچھ آثار بھی ظاہر ہون پہلے زمانہ کے نشان دوسرے زمانہ کیلئے کافی نہین ہو سکتے کیونکہ خبر معائنہ کی مانند نہین ہو سکتی اور امتداد زمانہ

سے خبرین ایک قصہ کے رنگ مین ہو جاتی ہین ہر ایک نئی صدی جو آتی ہے تو گویا ایک نئی دنیا شروع ہوتی ہے
اسلئے اسلام کا خدا جو سچا خدا ہے ہر ایک نئی دنیا کیلئے نئے نشان دکھلاتا ہے اور ہر ایک صدی کے سر پر اور
خاصکر ایسی صدی کے سر پر جو ایمان اور دیانت سے دور پڑ گئی ہو اور بہت سی تاریکیاں اپنے اندر رکھتی ہے
ایک قایم مقام نبی کا پیدا کر دیتا ہے جسکے آئینہ فطرت مین نبی کی شکل ظاہر ہوتی ہے اور وہ قائم مقام
نبی متبوع کے کمالات کو اپنے وجود کے توسط سے لوگون کو دکھلاتا ہے اور تمام مخالفونکو سچائی اور
حقیقت نمائی اور پردہ دری کے رو سے ملزم کرتا ہے۔ سچائی کے رو سے اس طرح کہ وہ سچے نبی پر
ایمان نہ لائے۔ پس وہ دکھلاتا ہے کہ وہ نبی سچا تھا اور اس کی سچائی پر آسمانی نشان یہ ہین اور حقیقت
نمائی کی رو سے اس طرح کہ اُس نبی متبوع کے تمام مغلقات دین کا حل کر کے دکھلا دیتا ہو اور تمام
شبہات اور اعتراضات کا استیصال کر دیتا ہے۔ اور پردہ دری کے رو سے اس طرح کہ وہ مخالفونکے
تمام پردے پھاڑ دیتا ہے اور دنیا کو دکھلا دیتا ہے کہ وہ کیسے بیوقوف اور معارف دین نہ سمجھنے والے
اور غفلت اور جہالت اور تاریکی مین گرنیوالے اور جناب الہی سے دور و مہجور رہین۔ اس کمال کا آدمی
ہمیشہ مکالمہ الٰہیہ کا خلعت پاکر آتا ہے اور زکی اور مبارک اور مستجاب الدعوات ہوتا ہو اور نہایت
صفائی سے ان باتونکو ثابت کر کے دکھلا دیتا ہے کہ خدا ہے اور وہ قادر اور بصیر اور سمیع اور علیم اور
مدبّر بالارادہ ہے اور در حقیقت دعائین قبول ہوتی ہین اور اہل اللہ سے خوارق ظاہر ہوتے ہین
پس صرف اتنا ہی نہین کہ وہ آپ ہی معرفت الٰہیہ سے مالامال ہے بلکہ اسکے زمانہ مین دنیا کا
ایمان عام طور پر دوسرا رنگ پکڑ لیتا ہے اور وہ تمام خوارق جن سے دنیا کے لوگ منکر تھے اور اُنپر
ہنستے تھے اور اُنکو خلاف فلسفہ اور نیچر سمجھتے تھے یا اگر بہت نرمی کرتے تھے تو بطور ایک قصہ اور
کہانی کے انکو مانتے تھے اب اُسکے آنیسے اور اُسکے عجائبات ظاہر ہونیسے نہ صرف قبول ہی کرتے
ہین بلکہ اپنی پہلی حالت پر روتے اور تاسف کرتے ہین کہ وہ کیسی نادانی تھی جسکو ہم عقلمندی سمجھتے تھے
اور کیسی بیوقوفی تھی جس کو ہم علم اور حکمت اور قانون قدرت خیال کرتے تھے غرض وہ خلق اللہ
پر ایک شعلہ کیطرح گرتا ہے اور سب کو کم و بیش حسب استعدادات مختلفہ اپنے رنگ مین لے آتا ہے
اگرچہ وہ اوایل مین آزمایا جاتا اور تکالیف مین ڈالا جاتا ہو اور لوگ طرح طرح کے دکھ اسکو دیتے اور
طرح طرح کی باتین اسکے حق مین کہتے ہین اور انواع اقسام کے طریقونسے اُسکو ستاتے اور اسکی ذلت ثابت کرنا
چاہتے ہین لیکن چونکہ وہ برہان حق اپنے ساتھ رکھتا ہو اسلئے آخران سب پر غالب آتا ہے اور اس کی
سچائی کی کرنین بڑے زور سے دنیا مین پھیلتی ہین اور جب خدا تعالے دیکھتا ہو کہ زمین اس کی صداقت پر
گواہی نہین دیتی تب آسمان والونکو حکم کرتا ہو کہ وہ گواہی دین سو اسکے لئے ایک روشن گواہی خوارق کے
رنگ مین دعاؤنکے قبول ہونیکے رنگ مین اور حقایق و معارف کے رنگ مین آسمان سے اترتی ہو اور وہ گواہی

بہرون اور گونگون اور اندھون تک پہنچتی ہے اور بہتیرے ہین جو اسوقت حق اور سچائی کی طرف کھینچے جاتے ہین مگر مبارک وہ جو پہلے سے قبول کر لیتے ہین کیونکہ انکو بوجہ نیک ظن اور قوت ایمان کے صدیقونکی شان کا ایک حصہ ملتا ہے اور یہ اُسکا فضل ہے جس پر چاہے کرے۔

اب اتمام حجت کیلئے مین یہ ظاہر کرنا چاہتا ہون کہ اسی کے موافق جو ابھی مین نے ذکر کیا ہے خدا تعالےٰ نے اس زمانہ کو تاریک پاکر اور دنیا کو غفلت اور کفر اور شرک مین غرق دیکھ کر اور ایمان اور صدق اور تقوے اور راستبازی کو زایل ہوتے ہوئے مشاہدہ کرکے مجھے بھیجا ہے کہ تا وہ دوبارہ دنیا مین علمی اور عملی اور اخلاقی اور ایمانی سچائی کو قائم کرے اور تا اسلام کو ان لوگونکے حملہ سے بچاوے جو فلسفیت اور نیچریت اور اباحت اور شرک اور دہریت کے لباس مین اس الٰہی باغ کو کچھ نقصان پہنچانا چاہتے ہین سو لے حق کے طالبو سوچکر دیکھو کیا یہ وقت وہی وقت نہین ہے جس مین اسلام کے لئے آسمانی مدد کی ضرورت تھی کیا ابھی تک تمپر یہ ثابت نہین ہوا کہ گذشتہ صدی مین جو تیرھوین صدی تھی کیا کیا صدمات اسلام پر پہنچگئے اور ضلالت کے پھیلنے سے کیا کیا ناقابل برداشت زخم ہمین اٹھانے پڑے کیا ابھی تک تمنے معلوم نہین کیا کہ کن کن آفات نے اسلام کو گھیرا ہوا ہے۔ کیا اسوقت تم کو یہ خبر نہین ملی کہ کسقدر لوگ اسلام سے نکل گئے کسقدر عیسائیون مین جا ملے کسقدر دہریہ اور طبعیہ ہوگئے اور کسقدر شرک اور بدعت نے توحید اور سنت کی جگہ لے لی اور کسقدر اسلام کے ردّ کیلئے کتابین لکھی گئین اور دنیا مین شایع کی گئین۔ سو تم اب سوچکر کہو کہ کیا اب ضرور نہ تھا کہ خدا تعالےٰ کیطرف سے اس صدی پر کوئی ایسا شخص بھیجا جاتا جو بیرونی حملونکا مقابلہ کرتا اگر ضرور تھا تو تم دانستہ الٰہی نعمت کو ردّ مت کرو اور اس شخص سے منحرف مت ہو جاؤ جسکا آنا اس صدی پر اس صدی کے مناسب حال ضروری تھا اور جس کی ابتدا سے نبی کریم نے خبر دی تھی اور اہل اللہ نے اپنے الہامات اور مکاشفات سے اس کی نسبت لکھا تھا ذرہ نظر اٹھاکر دیکھو کہ اسلام کو کس درجہ پر بلاؤن نے مجبور کر لیا ہے اور کیسے چارو نطرف سے اسلام پر مخالفونکے تیر چھوٹ رہے ہین اور کیسے کروڑہا نفوس پر اس زہر نے اثر کر دیا ہے یہ علمی طوفان یہ عقلی طوفان یہ فلسفی طوفان یہ مکر اور منصوبونکا طوفان یہ فسق اور فجور کا طوفان یہ اباحت اور دہریت کا طوفان یہ شرک اور بدعت کا طوفان جو ہے ان سب طوفانون کو ذرہ آنکھین کھولکر دیکھو اور اگر طاقت ہے تو ان مجموعہ طوفانات کی کوئی پہلے زمانہ مین نظیر بیان کرو اور ایمانا کہو کہ حضرت آدمؑ سے لیکر تا این دم اسکی کوئی نظیر بھی ہے اور اگر نظیر نہین تو خدا تعالےٰ سے ڈرو اور حدیثونکو وہ معنے کرو جو ہو سکتے ہین واقعات موجودہ کو نظر انداز مت کرو تا تمپر کھلجائے کہ یہ تمام ضلالت وہی سخت دجالیت ہے جس سے ہر ایک نبی ڈراتا آیا ہے جسکی بنیاد اس دُنیا مین عیسائی مذہب اور عیسائی قوم نے ڈالی جسکے لئے ضرور تھا کہ مجدد وقت مسیح کے نام پر آوے کیونکہ بنیاد فساد مسیح کی ہی امت سے ہے اور میرے پر کشفاً یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ زہرناک ہوا جو عیسائی قوم سے دنیا مین پھیل گئی حضرت عیسیٰؑ کو اُسکی خبر دیگئی تب انکی روح روحانی نزول کیلئے حرکت مین آئی اور اُسنے جوش مین

آکر اور اپنی اُمّت کو ہلاکت کا مفسدہ پرداز پا کر زمین پر اپنا قائمقام او رشبیہ چاہا جو اسکا ایسا ہم طبع ہو کہ گویا وہی ہو سو اُسکو خدا تعالیٰ نے وعدہ کے موافق ایک شبیہ عطا کی اور اس مین مسیح کی ہمت اور سیرت اور روحانیت نازل ہوئی اور اس مین اور مسیح مین بشدت اتصال کیا گیا گویا وہ ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے بنائے گئے اور مسیح کی توجہات نے اسکے دل کو اپنا قرارگاہ بنایا اور اس مین ہو کر اپنا تقاضا پورا کرنا چاہا پس ان معنوں سے اُسکا وجود مسیح کا وجود ٹھہرا اور مسیح کی جوش ارادات اس مین نازل ہوئے جن کا نزول الہامی استعارات مین مسیح کا نزول قرار دیا گیا یاد رہے کہ یہ ایک عرفانی بھید ہے کہ بعض گذشتہ کاملون کا اُن بعض پر جو زمین پر زندہ موجود ہون عکس توجہ پڑ کر اور اتحاد خیالات ہو کر ایسا تعلق ہو جاتا ہے کہ وہ اُنکے ظہور کو اپنا ظہور سمجھ لیتے ہین اور اُنکے ارادات جیسے آسمان پر اُن کے دل مین پیدا ہوتے ہین ویسا ہی باذنہ تعالیٰ اسکے دل مین جو زمین پر ہے پیدا ہو جاتے ہین اور ایسی روح جسکی حقیقت کو اُس آدمی سے جو زمین پر ہے متحد کیا جاتا ہے ایک ایسا بلکہ رکھتی ہے کہ جب چاہے پورے طور پر اپنے ارادات اس مین ڈالتی رہے اور اُن ارادات کو خدا تعالیٰ اُس دل سے اِس دل مین رکھ دیتا ہے غرض یہ سنت اللہ ہے کہ کبھی گذشتہ انبیاء و اولیاء اس طور سے نزول فرماتے ہین اور ایلیا نبی نے یحییٰ نبی مین ہو کر اسی طور سے نزول کیا تھا۔ سو مسیح کے نزول کی سچی حقیقت یہی ہے

احیاے موتے

مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ

یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے جو قدیم سے اسی طرح چلی آتی ہے کہ وہ انبیاء اور مامورین کو ایسے وقت مین مبعوث فرماتا ہے جب دنیا مین گناہ اور غفلت اور شرک اور کفر کی موت واقع ہو چکی ہوتی ہے اور پھر وہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ مردوں کو روحانی زندگی عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ مروجہ انجیلون مین بعض فقرات ایسے پائے جاتے ہین جن سے حضرت مسیح کیطرف اسی قسم کے موتے کے احیاء کا دعوے منسوب کیا گیا ہے اور قرآن کریم تو بار بار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض اسی امر کو ٹھہراتا ہے کہ تا آپکے ذریعہ سے مردوں کو ہمیشہ کی زندگی دیجاوے بلکہ اسی امر کو آنحضرت کی صداقت اور فضیلت کی ایک دلیل ٹھہراتا ہے کہ آپ ایسے وقت مین آئے جب تمام زمین مر چکی تھی اور ایسے وقت مین بلائے گئے جب کامل طور پر اپنے پیروؤں کو وہ زندگی عطا فرما چکے تھے۔

یوحنا کی انجیل مین حضرت مسیح کا یہ قول لکھا ہے کہ قیامت اور زندگی مین ہی ہون جو مجھ پر ایمان لاوے

اگرچہ وہ مرگیا ہو توبھی جئے گا۔ یوحنا ۲۵/۱۱ جسکا مطلب یہ ہے کہ ایسا آدمی گناہ اور غفلت اور کفر اور شرک کی موت سے نجات پاکر اطاعت الہی کی روحانی زندگی حاصل کرلیگا۔ عیسائی صاحبان کا یہ خیال ہے کہ سوائے مسیح کے اور کسی شخص نے آج تک دنیا مین ایسا دعوے نہین کیا اور اگر کوئی کرتا بھی تو اس کے مطابق ثابت کردینا غیر ممکن ہوتا جس سے غالبًا ان کی مراد یہ ہے کہ حضرت مسیح کا ایسا دعوے کرنا اور پھر بین طور پر اُسکو پورا کر کے دکھا دینا دونون امر ثابت شدہ ہین حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونون باتین جھوٹ ہین اور دونون کا کھلا کھلا اور فلسفی ثبوت صرف ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین ہی مل سکتا ہے۔ امر اول کی متعلق تو اتنا کہدینا کافی ہے کہ انجیلین حضرت مسیح سے زمانہ دراز بعد لکھی گیئن اور انکے لکھنے والونکا کچھ پتہ نہین کہ وہ کون تھے۔ حضرت مسیح کی انجیل تو ان مین کوئی ہے ہی نہین۔ چار انجیلین ہین جن کے نام یہ ہین کہ متی کے مطابق انجیل۔ لوقا کے مطابق انجیل۔ مرقس کے مطابق انجیل اور یوحنا کے مطابق انجیل۔ اب اول تو یہی معلوم نہین کہ یہ متی مرقس لوقا اور یوحنا جنکے مطابق یہ انجیلین لکھی گیئین کون لوگ تھے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ان مین سے کوئی حواری بھی تھا تو انجیل اس کی لکھی ہوئی نہین بلکہ اس کی روایت کے مطابق بعد مین کسی نے لکھی اور وہ روایت کے لکھنے والے تک کس ذریعہ سے پہنچی یہ بھی بتایا نہین گیا خود اناجیل کے تناقض دکھلاتے ہین کہ ان مین بہت تھوڑے سچ کے ساتھ بڑا حصہ جھوٹ کا ملا ہوا ہے۔ کاش اگر ان اناجیل کے مصنف روایت کا سلسلہ بنا دیتے تو ان متناقض بیانون مین سے بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ ہمارے ہاتھ مین ہوتی۔ الغرض انجیلون کے متعلق یہ کہین سے ثابت نہین ہوتا کہ ان مین یسوع کے کلمات صحیح طور پر لکھے گئے ہین۔ اور اسلئے یہ کہنا کہ فلان فقرہ جو کسی انجیل مین پایا جاتا ہے واقعی وہ مسیح کے منہ سے نکلا تھا دعوے بے دلیل ہے کیونکہ خود عیسائی محققین کے نزدیک سب انجیلین اور خصوصًا یوحنا کی انجیل پایہ اعتبار سے بالکل ساقط ہین اس لئے امر اول کا ثبوت عیسائی صاحبان کے ہاتھ مین ہیچ ہے کہ واقعی مسیح ع نے یہ کلمات منہ سے نکالے تھے*

اب دوسرا امر یہ ہے کہ اگر بفرض محال اسے مسیح کا دعوے ہی تسلیم کرلیا جاوے تو آیا فی الواقع اس نے جہانتک انجیلون سے یا واقعات مسلمہ سے ثابت ہوتا ہے کوئی ایسا کام بھی کرکے دکھایا جو اسکے اس دعوے پر دلیل ٹھہر سکے سو ہم افسوس سے ظاہر کرتے ہین کہ ان دونون ذریعون سے ایک ذرہ بھر بھی شہادت ہمین نہین ملتی جو ایسے دعوے کی موید ہوسکے۔ جسقدر حصہ مسیح کی زندگی کا اناجیل مین بیان کیا گیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کی تعلیم خود ان کے شاگردون کی پست خیالی اور کم فہمی اور دنیا طلبی کو دور نہین کر سکے اور مسیح کی گرفتاری کے وقت جو کچھ انہون نے اپنی بزدلی اور بد اعتقادی اور بیوفائی دکھلائی بلکہ بعض کی زبان پر بھی جو کچھ اس آخری وقت مین لعن طعن کے الفاظ حضرت مسیح کی نسبت جاری ہوئے یہ ایک ایسی بات ہے کہ بڑے بڑے اور اعلےٰ درجہ کے فاضل مسیحیون نے حواریون کی ان

بیجا حرکات کو مسیحیوں کے لئے سخت قابل شرم قرار دیا ہی پھر یہ خیال کرنا کہ حضرت مسیح روحانی قیامت تھے اور ان مین داخل ہوکر روحانی مُردے زندہ ہوگئے کسقدر دور از صداقت ہے جو کچھ حضرت مسیح ع کے پیروؤن نے آپ کی زندگی کیوقت اپنی استقامت اور ایمانداری کا نمونہ دکھلایا وہ تو ایک ایسا نمونہ ہے کہ ضرور اُن مسیحیون پر جو بعد مین اب تک دُنیا مین آتے گئے اُسکا بد اثر پڑا ہوگا کیونکہ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر حضرت مسیح ع سے درحقیقت معجزات ظہور مین آتے اور اعلےٰ درجہ کے عجائب کام اُن سے ظاہر ہوتے تو اُنکے حواریون کا جو ایمان لاچکے تھے ایسا بد انجام ہرگز نہ ہوتا کہ بعض چند درم رشوت لیکر اُنکو گرفتار کراتے اور بعض ان کو گرفتار ہوتے دیکھ کر بھاگ جاتے اور بعض ان کے روبرو اُنپر لعنت بھیجتے جنکے دلون مین ایمان رچ جاتا ہے اور جنکو نئی زندگی حاصل ہوتی ہے کیا اُن کے یہی آثار ہوا کرتے ہین اور کیا وہ اپنے مخدوم اپنے آقا اپنے رہبر سے ایسی وفاداریان کیا کرتے ہین اور حضرت مسیح کے الفاظ بھی جو انجیلون مین درج ہین دلالت کر رہے ہین کہ آپکے حواری اور آپکے دنبالہ کے دوست اور رفیق اور ہم پیالہ اور ہم نوالہ بکلی روحانیت سے خالی تھے اسی وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام نے بعض کو ان مین سے سست اعتقاد کے لفظ سے پکارا ہے اور بعض کو شیطان کے لفظ سے یاد کیا ہے اگر ہم حواریونکو الگ رکھکر اُن عیسائیون کے حالات پر نظر ڈالین جو بعد انکے وقتاً فوقتاً آج تک پیدا ہوتے رہے ہین تو ہمین ایک بھی ان مین سے نظر نہین آتا جو دُنیا اور نفس کی قبر سے نکلکر نئی زندگی کی قیامت مین برانگیختہ ہوگیا ہو بلکہ وہ تمام نفسانیت کی تنگ وتاریک قبرون مین مرے ہوئے اور سڑے ہوئے نظر آرہے ہین اور روحانی حیات کی ہوا اُنکو چھو بھی نہین گئی و نتے بھی نہین کہ خدا کون ہے اور اس کی عظمت اور قدرت کیا شے ہے اور کیونکر وہ پاک دلونکو پاک زندگی بخشتا اور ان سے قریب ہو جاتا ہے وہ تو ایک عاجز انسان کو خدا قرار دیکر اور بیوجہ اُسپر دوسرونکے گناہون کا بوجھ لادکر خوش ہو رہے ہین جاننا چاہئیے کہ موت چار قسم کی ہوتی ہے غفلت کی موت گناہ کی موت شرک کی موت کفر کی موت سو یہ چارون قسمون کی موت عیسائی مذہب مین موجود ہے غفلت کی موت اسلئے کہ ان کی تمام قوتین دنیا کی آرایشون اور جمعیتون کے لئے خرچ ہورہے ہین اور خدا تعالے مین اور ان مین جو حجاب ہین ان کے دور کرنیکے لئے ایک ذرہ بھی انہین فکر نہین اور گناہ کی موت اگر دیکھنی ہو تو یورپ کی سیر کرو اور دیکھو کہ ان لوگون مین عفت اور پرہیزگاری اور پاکدامنی کسقدر باقی رہ گئی ہے اور شرک کی موت خود دیکھتے ہو کہ انسان کو خدا بنا دیا اور خدا تعالے کو بھلا دیا اور اور کفر کی موت یہ کہ سچے رسول سے منکر ہوگئے اب اس تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کی نسبت یہ گمان کرنا کہ انہون نے روحانی مردون کے زندہ کرنے مین قیامت کا نمونہ دکھلایا سراسر خیال محال اور دعوے بے دلیل ہے +

اس کے بالمقابل جب ہم دوسری طرف دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا نمونہ روحانی حیات کے بخشنے مین اس ذات کامل الصفات نے دکھایا جسکا مقدّس نام محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے سارا قرآن اول سے آخر تک یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہ رسول اسوقت بھیجا گیا کہ جب تمام قومین دنیا کی روح مین مرچکی تھین اور فساد روحانی نے برّ و بحر کو ہلاک کر دیا تھا تب اس رسول پاک نے آکر نئے سرے سے دنیا کو زندہ کیا اور زمین پر توحید کا دریا جاری کر دیا۔ یسوع کا جو کچھ دعوے انجیل یوحنا مین مذکور ہی قطع نظر اس بات سے کہ بے ثبوت ہونیکی وجہ سے وہ سخت تاریکی مین پڑا ہوا ہے ویسے بھی اسکے بالمقابل قرآن کریم کا دعوے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک نہایت باعظمت اور پرشوکت دعوے ہے اور روشن دلائل اور براہین قاطعہ سے چمک رہا ہے۔ آپ کی ذات بابرکات کی نسبت قرآن کریم سورہ انفال مین فرماتا ہے۔ اذا دعاكم لما يحييكم۔ کہ یہ رسول تم کو بلاتا ہے کہ تمہین زندگی عطا کرے۔ یعنی شرک اور کفر اور گناہ کی موت سے نکالکر روحانی زندگی عطا فرماوے اور پھر بار بار فرماتا ہے کہ دنیا سب مرچکی تھی اور خداتعالے نے اپنے نبی خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیجکر دنیا کو از سر نو زندہ کیا جیساکہ فرمایا اعلموا ان الله يحيي الارض بعد موتها۔ یعنی اس بات کو سن رکھو کہ زمین کو اسکے مرنیکے بعد خداتعالے زندہ کرتا ہے اور اسی کیطرف وہ حدیث بھی اشارہ کرتی ہی جس مین آپ فرماتے ہین کہ انا الحاشر الذي يحشر الناس على قدمي۔ یعنی مین وہ مردونکو اٹھانیوالا ہون جس کے قدمونپر لوگ اٹھائے جاتے ہین ایسا ہی دوسری جگہ قرآن کریم مین فرمایا قل یا عبادی الذین اسرفوا علے انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا۔ الجزد ۲۴۔ سورہ زمر۔ یعنی کہہ اے میرے غلامو جنہون نے اپنے نفسونپر زیادتی کی ہے تم رحمت الہی سے ناامید مت ہو خداتعالے سارے گناہ بخشدیگا (اور تمہین ایک نئی زندگی جو گناہ سے پاک ہے عطا فرمائے گا۔) اس جگہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ بجائے یہ کہنے کے کہ قل یعبا داللہ۔ یعنی کہہ اے خدا کے بندو۔ یہ فرمایا کہ قل یا عبادی۔ یعنی کہہ اے میرے غلامو۔ یہ آیت اسلئے نازل ہوئی کہ تا خدائے تعالے بیشمار رحمتون کی بشارت دیوے اور جو لوگ کثرت گناہون سے روحانی طور پر مرچکے تھے انکو نئی اور پاک زندگی کی بشارت دیوے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے اور آپ کی پیروی سے حاصل ہوسکتی تھی۔ اسی لئے لفظ یا عبادی کا بھی استعمال فرمایا کہ جو شخص نئی زندگی کا خواہان ہے اسے چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورے طور پر غلام ہوجائے یعنی آپ کی اطاعت مین ایسا محو ہو جائے کہ گویا غلام ہے تب گناہ کی موت کو اس سے دور کرکے پاک زندگی جو ہر ایک خوف و حزن سے خالی ہے اسے عطا کیجاوے گی اور اس جگہ اپنی رحمتون کا ایک نمونہ بھی پیش کیا ہی اور دکھلایا ہے کہ خداتعالے کہانتک اپنے وفادار بندون کو انعامات خاصہ سے مشرف کرتا ہے۔ سو اس نے قل یا عبادی کے لفظ سے یہ ظاہر کیا کہ دیکھو یہ میرا پیارا رسول دیکھو یہ میرا برگزیدہ بندہ کہ

کمال طاعت سے کس درجہ تک پہونچا کہ اب جو کچھ میرا ہے وہ اسکا ہے جو شخص نجات اور روحانی زندگی کا خواہان ہے وہ اسکا غلام ہوجائے اور اسی کے موافق یہ دوسری آیت قرآن شریف کی ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم جسکا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی سے انسان خدا کا محبوب بن جاتا ہے اور اسکے گناہ بخشدیئے جاتے ہین دونون آیتین از روئے مفہوم ایک ہی ہین کیونکہ کمال اتباع اس محویت اور اطاعت تامہ کو مستلزم ہے جو عبد کے مفہوم مین پائی جاتی ہے +

ماحصل ان آیتونکا یہ ہے کہ جو لوگ دل وجان سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام بنتے اور آپ کی پیروی اختیار کرتے ہین ان کو وہ نور ایمان اور محبت اور عشق بخشا جائیگا کہ جو ان کو غیر اللہ سے رہائی دیدیگا اور وہ گناہون سے نجات پاجائینگے اور اسی دنیا مین ایک نئی زندگی اور پاک زندگی ان کو عطا کیجائے گی اور نفسانی جذبات کی تنگ وتاریک قبرونسے وہ نکالے جاوینگے پھر اسی کے مطابق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق مین فرماتا ہے۔ وایدہم بروح منہ یعنے انکو روح القدس کے ساتھ مدد دی اور روح القدس کی مدد یہ ہے کہ دلونکو زندہ کرتا ہے اور روحانی موت سے نجات بخشتا ہے اور پاکیزہ قوتین اور پاکیزہ حواس اور پاک علم عطا فرماتا ہے اور علوم یقینیہ اور براہین قطعیہ سے خدا تعالیٰ کے مقام قرب تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ اسکے مقرب وہی ہین جو یقینی طور پر جانتے ہین کہ وہ ہے اور یقینی طور پر جانتے ہین کہ اس کی قدرتین اور اس کی رحمتین اور اس کی عقوبتین اور اسکی عدالتین سب سچ ہین اور وہ جمیع فیوض کا مبدا اور تمام نظام عالم کا سرچشمہ اور تمام سلسلہ موثرات اور متاثرات کا علت العلل ہے مگر متصرف بالارادہ جسکے ہاتھ مین کل ملکوت السموات والارض ہے اور یہ علوم جو مدار نجات ہین یقینی اور قطعی طور پر بجز اس حیات کے حاصل نہین ہوسکتے جو بتوسط روح القدس انسان کو ملتی ہے اور قرآن کریم کا بڑے زور شور سے یہ دعوے ہے کہ وہ حیات روحانی صرف متابعت اس رسول کریم سے ملتی ہے اور تمام وہ لوگ جو اس نبی کریم کی متابعت سے سرکش ہین وہ مُردے ہین جن مین اس حیات کی روح نہین ہے اور حیات روحانی سے مراد انسان کے وہ علمی اور عملی قوےٰ ہین جو روح القدس کی تائید سے زندہ ہوجاتے ہین اور قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ جن احکام پر اللہ جلشانہ انسان کو قائم کرنا چاہتا ہے وہ چھ سو ہین ایسا ہی اس کے مقابل پر جبرائیل ع کے پر بھی چھ سو ہین اور بیضہ بشریت جبتک چھ سو حکم کو سر پر رکھ کر جبرائیل کے پرونکے نیچے نہ آوے اس مین فنا فی اللہ ہونیکا بچہ پیدا نہین ہوتا اور انسانی حقیقت اپنے اندر چھ سو بیضہ کی استعداد رکھتی ہے پس جس شخص کا چھ سو بیضہ استعداد جبرائیل کے چھ سو پر کے نیچے آگیا وہ انسان کامل اور یہ تولد اسکا تولد کامل اور یہ حیات حیات کامل ہے اور غور کی نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ بیضہ بشریت کے روحانی بچے جو روح القدس کی معرفت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی برکت سے پیدا ہوئے وہ اپنی کمیت اور کیفیت اور صورت اور نوع اور حالت مین تمام انبیا کے

بچون سے اتم اور اکمل ہین اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ جلشانہ فرماتا ہے کنتم خیر امۃ اُخرجت للناس یعنے تم سب امتون سے بہتر ہو جو لوگون کی اصلاح کے لئے پیدا کئے گئے ہو اور درحقیقت جس قدر قرآنی تعلیم کے کمالات خاص ہین وہ اس امت مرحومہ کے استعدادی کمالات پر شاہد ہین کیونکہ اللہ جلشانہ کی کتابین ہمیشہ اسی قدر نازل ہوتی ہین جس قدر اس امت مین جو تعمیل کتاب کی مکلف ہے استعداد ہوتی ہے مثلاً انجیل کی نسبت تمام محققین کی یہ رائے ہے کہ اس کی تعلیم کامل نہین ہے اور وہ ایک ہی پہلو پر چلی جاتی ہے اور دوسرے پہلو کو بکلی چھوڑ رہی ہے لیکن دراصل یہ قصور ان استعدادون کا ہے جنکے لئے انجیل نازل ہوئی تھی چونکہ خداتعالے نے انسانی استعدادونکو تدریجاً ترقی دی ہے اس لئے اوائل زمانون مین اکثر ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہین کہ جو غبی اور پلید اور کم عقل اور کم فہم اور کم دل اور کم ہمت اور کم یقین اور پست خیال اور دنیا کے لالچون مین پھنسے ہوئے تھے اور دماغی اور دلی قوتین ان کی نہایت ہی کمزور تھین مگر ان زمانونکے بعد ہمارے سید و مولے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ زمانہ آیا جسمین رفتہ رفتہ استعدادین ترقی کر گئین گویا دنیا نے اپنے فطرتی قوے مین ایک اور ہی صورت بدل لی تب ان کی کامل استعدادون کے موافق کامل تعلیم نے نزول فرمایا +

اب اگر عملی طور پر اسکا ثبوت چاہو تو صرف اتنا سوچنا کافی ہے کہ جزیرہ عرب کے لوگ اول کیا تھے اور پھر اس رسول کی پیروی کے بعد کیا ہو گئے اور کیسی ان کی وحشیانہ حالت اعلے درجہ کی انسانیت تک پہنچ گئی اور کس صدق و صفا سے انہون نے اپنے ایمان کو اپنے خونون کے بہانے سے اور اپنی جانونکے فدا کرنے اور اپنے عزیزونکے چھوڑنے اور اپنے مالون اور عزتون اور آرامون کو خداتعالے کے راہ مین لگانے سے ثابت کر دکھلایا تو بلاشبہ ان کی ثابت قدمی اور انکا صدق اور اپنے پیارے رسول کی راہ مین انکی جانفشانی ایک اعلے درجہ کی کرامت کے رنگ مین اس کو نظر آئیگی وہ پاک نظر ان کے وجودون پر کچھ ایسا کام کر گئی کہ وہ اپنے آپ سے کھوئے گئے اور انہون نے فنافی اللہ ہو کر صدق اور راستبازی کے وہ کام دکھلائے جسکی نظیر کسی قوم مین ملنا مشکل ہے اور جو کچھ انہون نے عقائد کے طور پر حاصل کیا تھا وہ یہ تعلیم نہ تھی کہ کسی عاجز انسان کو خدا مانا جائے یا خداتعالے کو بچونکا محتاج ٹھہرایا جاوے بلکہ انہون نے حقیقی ذوالجلال کو جو ہمیشہ سے غیر متبدل اور حی قیوم اور ابن اور اب ہونے کی حاجات سے منزہ اور موت اور پیدایش سے پاک ہے بذریعہ اپنے رسول کریم کے شناخت کر لیا تھا اور وہ لوگ سچ مچ موت کے گڑھے سے نکلکر پاک حیات کے بلند مینار پر کھڑے ہو گئے تھے اور ہریک نے ایک تازہ زندگی پالی تھی اور اپنے ایمانون مین ستارون کی طرح چمک اٹھے تھے سو درحقیقت ایک ہی کامل انسان دنیا مین آیا جس نے ایسے اتم اور اکمل طور پر یہ روحانی قیامت دکھلائی اور ایک زمانہ دراز کے مردون اور ہزارون برسون کے عظم رمیم کو زندہ کر دکھلایا اسکے آنیسے قبرین کھل گئین اور بوسیدہ ہڈیون مین

جان پڑ گئی اور اس نے ثابت کر دکھلایا کہ وہی حاشر اور وہی روحانی قیامت ہے جسکے قدمون پر ایک عالم قبرون مین سے نکل آیا اور بشارت ورئیت النّاس یدخلون فی دین اللہ افواجا تمام جزیرہ عرب پر اثر انداز ہو گئی اور پھر اس قیامت کا نمونہ صحابہ تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اس خداوند قادر قدیر نے جس نے ہر قوم اور ہر زمانہ اور ہر ملک کے لئے اس بشیر و نذیر کو مبعوث کیا تھا ہمیشہ کے لئے جاودانی برکتین اُس کے سچے تابعدارون مین رکھدین اور وعدہ کیا کہ وہ نور اور وہ روح القدس جو اس کامل انسانؐ کے صحابہ کو دیا گیا تھا آئندہ آنیوالے متبعین اور صادق الاخلاص ... لوگون کو بھی ملیگا جیسا کہ اس نے فرمایا ہو الّذی بعث فی الامیّین رسولاً منہم یتلوا علیہم آیاتہ ویزکّیہم ویعلّمہم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین وآخرین منہم لما یلحقوا بہم وہو العزیز الحکیم یعنے وہ رحیم خدا وہ خدا ہے جس نے امیّون مین انہین مین سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتین پڑھتا ہے اور انہین پاک کرتا ہے اور انہین کتاب اور حکمت سکھلاتا ہے اگرچہ وہ پہلے اس سے صریح گمراہ تھے اور ایسا ہی وہ رسول جو ان کی تربیت کر رہا ہے ایک دوسرے گروہ کی بھی تربیت کریگا جو انہین مین سے ہو جائینگے اور انہین کے کمالات پیدا کر لین گے مگر ابھی وہ اِن سے ملے نہین اور خدا غالب ہے اور حکمت والا اس جگہ یہ نکتہ یاد رہے کہ آیت وآخرین منہم مین آخرین کا لفظ مفعول کے محل پر واقع ہے گویا تمام آیت معہ اپنے الفاظ مقدرہ کے یون ہے ہو الّذی بعث فی الامیّین رسولاً منہم یتلوا علیہم آیاتہ ویزکّیہم ویعلّمہم الکتاب والحکمۃ ویعلّم الآخرین منہم لما یلحقوا بہم یعنے ہمارے خالص اور کامل بندے بجز صحابہ رضی اللہ عنہم کے اَور بھی ہین جن کا گروہ کثیر آخری زمانہ مین پیدا ہو گا اور جیسے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت فرمائی ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس گروہ کی بھی باطنی طور پر تربیت فرمائینگے یعنے وہ لوگ ایسے زمانہ مین آئینگے کہ جس زمانہ مین ظاہری افادہ اور استفادہ کا سلسلہ منقطع ہو جائیگا اور مذہب اسلام بہت سی غلطیون اور بدعتون سے پُر ہو جائیگا اور فقرا کے دلوں سے بھی باطنی روشنی جاتی رہیگی تب خداتعالےٰ کسی نفس سعید کو بغیر وسیلہ ظاہری سلسلون اور طریقون کے صرف ... نبی کریم کی روحانیت کی تربیت سے کمال روحانی تک پہنچاویگا اور اسکو ایک گروہ بنائیگا اور وہ گروہ صحابہ کے گروہ سے نہایت شدید مشابہت پیدا کریگا کیونکہ وہ تمام و کمال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہی زراعت ہو گی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فیضان انہین جابجا دساری ہو گا اور صحابہ سے وہ ملینگے یعنے اپنے کمالات کے رو سے انکی مشابہ ہو جائینگے اور ان کو خداتعالےٰ کے فضل و کرم سے وہی موقعہ ثواب حاصل کرنیکے حاصل ہو جائینگے جو صحابہ کو حاصل ہوئے تھے اور بباعث تنہائی اور بیکسی اور پھر ثابت قدمی کے اسی طرح خداتعالےٰ کے نزدیک صادق سمجھی جائیگی کہ جس طرح صحابہ سمجھے گئے تھے کیونکہ یہ زمانہ بہت سی آفتوں اور فتنون اور بے ایمانی

کے پھیلنے کا زمانہ ہوگا اور راستبازون کو وہی مشکلات پیش آجائینگی جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو پیش آئی تھین اس لئے وہ ثابت قدمی دکھلانیکے بعد صحابہ کے مرتبہ پر شمار ہونگے لیکن درمیانی زمانہ فیج اعوج ہے جسمین بباعث رعب اور شوکت اسلام اور کثرت اسباب تنعم صحابہ کے قدم پر قدم رکھنے والے اور انکے مراتب کو ظلی طور پر حاصل کرنے والے بہت ہی کم تھے مگر آخری زمانہ اول زمانہ کے مشابہ ہوگا کیونکہ اس زمانہ کے لوگون پر غربت طاری ہوجائے گی اور بجز ایمانی قوت کے اور کوئی سہارا بلاؤنکے مقابلہ پر انکے لئے نہ ہوگا ✣

اب اس تمام تقریر کو مختصر کرکے ہم پھر کہتے ہین کہ اگر اس فقرہ کو صحیح بھی سمجھا جائے کہ حضرت مسیح نے ضرور یہ دعوے کیا تھا کہ قیامت اور زندگی مین ہون تو اس سے کچھ حاصل نہین کیونکہ ایسا دعوے جو اپنے ساتھ اپنا ثبوت نہین رکھتا کسی کے لئے موجب فضیلت نہین ہوسکتا اگر ایک انسان ایک امر کی نسبت دعوے تو نہ کرے مگر وہ امر کر دکھائے تو اس دوسرے انسان سے بدرجہا بہتر ہے۔ کہ دعوے تو کرے مگر اثبات دعوے سے عاجز رہے انجیل خود شہادت دے رہی ہے کہ حضرت مسیح کا دعوے اورون کی نسبت تو کیا خود حواریون کیحالت پر نظر ڈالنے سے ایک معترض کی نظر مین سخت قابل اعتراض ٹھہرتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح اپنے حواریون کو بھی نفسانی قبرون مین ہی چھوڑ گئے اور جب ہم حضرت مسیح کے اس دعوے کو حضرت خاتم الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم کے دعوے سے مقابلہ کرتے ہین تو اس دعوے اور اس دعوے مین ظلمت اور نور کا فرق دکھائی دیتا ہے حضرت مسیح کا دعوے عدم ثبوت کے ایک تنگ و تاریک گڑھے مین گرا ہوا ہے اور کوئی نور اپنے ساتھ نہین رکھتا لیکن ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا دعوے آفتاب کی طرح چمک رہا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جاودانی زندگی پر یہ بھی بڑی ایک بھاری دلیل ہے کہ حضرت ممدوح کا فیض جاودانی جاری ہے اور جو شخص اس زمانہ مین بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے وہ بلاشبہ قبر مین سے اٹھایا جاتا ہے اور ایک روحانی زندگی اسکو بخشی جاتی ہے نہ صرف خیالی طور پر بلکہ آثار صحیحہ صادقہ اسکے ظاہر ہوتے ہین اور آسمانی مددین اور سماوی برکتین اور روح القدس کی خارق عادت تائیدین اسکے شامل حال ہوجاتی ہین اور وہ تمام دنیا کے انسانون مین سے ایک منفرد انسان ہوجاتا ہے یہانتک کہ خدا تعالے اس سے ہمکلام ہوتا ہے اور اپنے اسرار خاصہ اُسپر ظاہر کرتا ہے۔ اور اپنے حقایق و معارف کھولتا ہے اور اپنی محبت اور عنایت کے چمکتے ہوئے علامات اس مین نمودار کر دیتا ہے اور اپنی نصرتین اس پر اتارتا ہے اور اپنی برکات اس مین رکھدیتا ہے اور اپنی ربوبیت کا آئینہ اُسکو بنا دیتا ہے اس کی زبان پر حکمت جاری ہوتی ہے اور اسکے دل سے نکات لطیفہ کے چشمے نکلتے ہین اور پوشیدہ بھید اسپر آشکار کئے جاتے ہین اور خدا تعالے ایک عظیم الشان تجلّی

اس پر فرماتا ہے اور اس سے نہایت قریب ہو جاتا ہے اور وہ اپنی استجابت دعاؤن مین اور اپنی قبولیتون مین اور فتح ابواب معرفت مین اور انکشاف اسرار غیبیہ مین اور نزول برکات مین سب سے اوپر اور سب پر غالب رہتا ہے۔ چنانچہ ہمارے اس زمانے مین بھی خدا تعالے نے اسلام مین ایک انسان ایسا پیدا کیا ہے جو ان تمام صفتون سے موصوف ہے اور جو ہزارون دفعہ تمام مخالفین پر اتمام حجت کر چکے ہین کہ اگر کسی کا یہ دعوے ہو کہ روحانی حیات بجز اتباع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی اور ذریعہ سے بھی مل سکتی ہے وہ اس کا مقابلہ کرے یا طالب حق بن کر اسلام کی برکات اور آیات اور نشانون کے مشاہدہ کے لئے آوے لیکن کسی نے صدق اور نیک نیتی سے اسطرف رخ نہ کیا اور اپنی کنارہ کشی سے ثابت کر دیا کہ وہ سب تاریکی مین گرے ہوئے ہین +

اور یہ اعتراض سراسر حماقت ہے کہ یہ کہا جائے کہ مسلمانون مین بھی ایسے لوگ موجود ہین جو گناہون مین غرق ہین ان کے روحانی امراض کیون دور نہ ہوئے اور یہ لوگ کیون قبرون مین سے نہ نکلے کیونکہ اگر کوئی آفتاب کیطرف سے اپنے گھر کے کواڑ بند کر کے ایک تاریک گوشہ مین بیٹھ جائے تو اگر اس تک آفتاب کی روشنی نہ پہنچے تو یہ آفتاب کا قصور نہین بلکہ خود اس شخص کا قصور ہے جسنے ایسا کیا ماسوا اسکے اگرچہ یہ لوگ کیسے ہی محجوب اور دور از حقیقت ہین مگر پھر بھی علانیہ توحید کے قائل ہین کسی انسان کو خدا نہین بناتے اور یہ برکت توحید اپنے اندر ایک نور بھی رکھتے ہین اور کسی قدر زندگی کی حرارت انمین موجود ہے۔ اسلئے ہم انہین کہہ سکتے ہین کہ وہ بالکل مر گئے اگرچہ خطرناک حالت مین ہین اگر کوئی عیسائی یا ہندو ہماریطرف سے منہ پھیر کر ایسی نکتہ چینی کرے تو وہ سخت متعصب یا سخت نادان ہے باغ مین کانٹو نکا ہونا بھی ضروری ہے جہان پھول ہین کانٹے بھی ہونگے مگر فرقہ مخالفہ مین تو سراسر کانٹو نکا ہی انبار نظر آتا ہے عیسائیون کی یہ سراسر بیہودہ باتین ہین کہ مسیح روحانی قیامت تھا اور مسیح مین ہو کر ہم جی اٹھے حضرات عیسائی خوب یاد رکھین کہ مسیح ؑ کا نمونہ قیامت ہونا سرمو ثابت نہین اور نہ عیسائی جی اٹھے بلکہ مردہ اور سب مردون سے اول درجہ پر اور تنگ و تاریک قبرون مین پڑے ہوئے اور شرک کے گڑھے مین گرے ہوئے ہین نہ ایمانی روح ان مین ہے نہ ایمانی روح کی برکت بلکہ ادنے سے ادنے درجہ توحید کا جو مخلوق پرستی سے پرہیز کرنا چاہئے وہ بھی انکو نصیب نہین ہوا اور ایک اپنے جیسے عاجز اور ناتوان کو خالق سمجھ کر اس کی پرستش کر رہے ہین۔ یاد رہے کہ توحید کے تین درجے ہین سب سے ادنے درجہ یہ ہے کہ اپنے جیسی مخلوق کی پرستش نہ کرین نہ پتھر کی نہ آگ کی نہ آدمی کی نہ کسی ستارہ کی دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسباب پر بھی ایسے نہ گرین کہ گویا ایک قسم کا انکو ربوبیت کے کارخانہ مین مستقل دخیل قرار دین بلکہ ہمیشہ مسبب پر نظر رہے نہ اسباب پر تیسرا درجہ توحید کا یہ ہے کہ تجلیات الہیہ کا کامل مشاہدہ کر کے ہر ایک غیر کے وجود کو کالعدم قرار دین اور ایسا ہی اپنے وجود کو بھی غرض ہر ایک چیز نظر مین فانی دکھائی دے بجز اللہ تعالے کی ذات کامل الصفات کے یہی روحانی زندگی ہے کہ یہ مراتب ثلثہ

توحید کے حاصل ہوجائیں اب غور کر کے دیکھ لو کہ روحانی زندگی کے تمام جاودانی چشمے بحضرت حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل دنیا میں آئے ہیں ہی امت ہے کہ اگرچہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کی مانند خداتعالے سے ہمکلام ہوجاتے ہیں اور اگرچہ رسول نہیں مگر رسولوں کی مانند خداتعالے کے روشن نشان انکے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں اور روحانی زندگی کے دریا اس میں بہتے ہیں اور کوئی نہیں کہ انکا مقابلہ کر سکے

ایلسن اور الف میم کے مضامین عصمت انبیا پر

عصمت انبیا کے مضمون پر مفصل بحث ہم اس پرچہ کے مختلف نمبروں میں کر چکے ہیں لیکن خواہ کسیقدر دلائل دئے جاویں عیسائی مناظرین کے نزدیک وہ کبھی کافی نہیں ہوسکتے اس سے پہلے ہم فروری گذشتہ کے پرچے میں پادری مانرو کے اعتراضوں کا جو اس نے حضرت آدم کے ممنوع درخت سے کھا لینے کے متعلق کئے تھے جواب دے چکے ہیں لیکن اس وقت دو مضمون اور دو مختلف آدمیوں کیطرف سے اسی مضمون پر شایع ہوکر ہمارے پاس پہونچے ہیں یعنی ایک پادری ایلسن کا مضمون حضرت آدم اور داؤد پر اور دوسرا ایک شخص الف میم کا مضمون مسئلہ عصمت پر عموماً اور حضرت آدم پر خصوصاً معلوم ہوتا ہے کہ پادری ایلسن نے ہمارے اصل مضامین کو نہیں پڑھا ورنہ وہ یہ بات نہ لکھتا کہ مرزا صاحب قادیانی نے بڑی جرأت سے یہ لکھا ہے کہ اس مضمون کے متعلق معتبر اور مستند کتابیں صرف امام رازی کی تفسیر اور لسان العرب جو دس جلدوں میں (۹) عربی لغت کی کتاب ہے ہیں" چونکہ مسٹر ایلسن پادری کا کام کرتے ہیں اس لئے اگر انہوں نے بغیر اصل مضمون کے پڑھنے کے ہی اس کی تردید بھی لکھدی ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہم نے (نہ مرزا صاحب نے کیونکہ مضامین زیر بحث حضرت مرزا صاحب کے لکھے ہوئے نہیں) یہ صاف طور پر لکھا تھا کہ ہم صرف قرآن کریم کو ہی سند مانتے ہیں اور تفسیروں کو کوئی مسلمان بھی کلام الہی یا وحی الہی نہیں مانتا اور امام رازی کا حوالہ بعض جگہ صرف ان بیہودہ قصوں کی تردید کیلئے دیا تھا جو عیسائی مناظرین اس رنگ میں پیش کیا کرتے ہیں کہ گویا وہ معتبر اور محقق مفسرین کے نزدیک صحیح اور مسلم ہیں اور لسان العرب کا حوالہ صرف بعض الفاظ کے معانی کے لئے دیا گیا لیکن یہ ہم نے کہیں نہیں لکھا کہ اسکے سوائے باقی کل کتابیں ناقابل اعتبار ہیں ۔

الف میم ابتدائے مضمون میں اس جرأت کے ساتھ جو صرف پادری صاحبان سے ہی مخصوص ہو لکھتا ہے کہ "عیسائی اپنی کتب مقدسہ کی بنیاد پر ہمیشہ اس بات کے قائل ہیں کہ بجز مسیح کلمۃ اللہ کے جو پاک بے ریا بے عیب گنہگاروں سے جدا اور آسمانوں سے بلند ہے (عبرانی ۷ ۲۶) ہر انسان نبی ہو یا

دلی کبھی نہ کبھی اپنے خدا کی حکم عدولی کر کے گنہ گار اور عاصی ہوگیا" اور آگے چلکر امام رازی کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ مسلمانون کے بعض فرقون یا بعض مسلمان متکلمین نے عصمت انبیاء کا انکار کیا ہے اور یہی لوگ اسکے نزدیک "محققین ہین" لیکن ان محققین نے حضرت عیسے کو بھی مستثنے نہین کیا۔ اور جیسا وہ دوسرے انبیاء کو معصوم نہین مانتے ویسا ہی مسیح کو بھی معصوم نہین مانتے۔ اس لئے ان فرضی "محققین" کی رائے اگر ہمارے خلاف ہے تو الف میم کی بھی اس سے تائید نہین ہوتی کیونکہ اس نے اپنی کتاب کا ایک باب اس امر کے ثابت کرنیکے لئے مخصوص کیا ہے کہ قرآن شریف کے رو سے مسیح معصوم ہے لیکن اس حصہ مضمون پر بالفعل ہم کچھ گفتگو کرنا نہین چاہتے ہم نے کبھی اس امر سے انکار نہین کیا بلکہ "عصمت انبیاء پر پادری مانرو کے رسالے" کے عنوان کے نیچے جو مضمون لکھا تھا اسکے ابتدا ہین ہی صاف طور پر لکھدیا تھا کہ مسلمانون مین ایسے لوگ بھی ہوئے ہین جنہون نے عصمت انبیاء سے انکار کیا ہے لیکن تاہم ابتدائے اسلام سے اسلامی دنیا کے اکثر حصے کا مذہب عصمت انبیاء ہی رہا ہے لیکن اگر مسلمانونکے اندر کسی فرقہ یا متکلم نے عصمت انبیاء سے انکار کیا ہے (جن مین حضرت مسیح بھی شامل ہین) تو عیسائیت بھی ایسے فرقون اور متکلمین سے خالی نہین جنہون نے یا تو یسوع کی عصمت کا انکار کیا ہے اور یا یسوع کی طرح دوسرے انبیاء اور صلحاء کو معصوم مانا ہے۔ الف میم اس واقعہ کو چھپانا چاہتا ہے (شاید مسیح کے خون نے ان باتون کو اسکے لئے جائز کر دیا ہے) اور اس لئے جب المسیح کی عصمت کے متعلق وہ عیسائیون کے عقیدہ کو بیان کرتا ہے تو ایسے الفاظ مین لکھتا ہے جنسے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام عیسائی فرقے بلا اختلاف اس بات پر متفق رہے ہین کہ یسوع بیگناہ تھا اور دوسرے تمام نبی گنہ گار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اسکی اس خلاف بیانی کی تردید ضروری سمجھتے ہین +

عیسائی مذہب کا فرقہ بیلاٹد یسوع کی عصمت کا منکر رہا ہے اور وہ اسکو گناہ سے پاک نہ سمجھتے تھے ایک اور فرقہ ابیونایٹ کا اعتقاد یہ تھا کہ عیسائی مذہب کا بانی حضرت موسٰے اور دوسرے انبیاء یا دوسرے مذاہب کے بانیون کی مانند ہی تھا اور کوئی خاص امتیاز اسے حاصل نہ تھا یہ کوئی معمولی چھوٹا سا فرقہ نہ تھا بلکہ ابتدائے عیسویت سے اکثر یہودی جو عیسائی مذہب کو اختیار کرتے رہے وہ اس فرقہ کے ممبر تھے اور ایک مدت تک اس فرقہ کا غلبہ رہا۔ ابیلارڈ کا خیال تھا کہ یسوع مین انسانی کمزوری کے اصل نقص موجود تھے جو معنے اسکے جا ہوکر و سفر قہ پلیگین اس بات کا انکار کرتا تھا کہ آدم کا گناہ بطور ورثہ کے آگیا اور پلیگیس کی یہ تعلیم تھی کہ جو انسان دنیا مین آتا ہے وہ پاک ہوتا ہے اور گناہ صرف ایک عارضہ ہے اور اس اعتقاد کی بھی وہ تعلیم دیتا تھا کہ دنیا مین بہت انسان ایسے ہوچکے ہین جو اپنی اخیر زندگی تک گناہ سے پاک رہے چنانچہ پولوس کے خط بنام عبرانیون کی تفسیر کرتے ہوئے وہ مثال کے طور پر ہابیل۔ اسحاق اور یعقوب کے نام لیتا ہے کہ یہ معصوم تھے۔ اسکے بعد عیسائیت کے فرقہ رومن کیتھولک پر غور کرو جو کئی صدیون تک

عیسائی دنیا کا مذہب رہا ہے اور جس مین اب بھی قریبًا نصف عیسائی دنیا شامل ہی۔ اس فرقہ کے اعتقاد کے رو سے مریم بھی بیگناہ پیدا ہوئی اور یسوع کی طرح پیدایشی اور حقیقی گناہ سے پاک تھی۔ پھر رومن کیتھولک اس امر کے قائل ہین کہ پوپ بہ سبب پطرس کے جایز جانشین ہونیکے خطا سے محفوظ ہین بلکہ بعض نے پطرس کو شفیع بھی مانا ہے اگرچہ یسوع نے اسکو باوجود اسکے کہ وہ اسکے دعوے مسیح موعود کو تسلیم کرتا تھا شیطان ہی کہا ہے۔ پھر عیسائیت کا فرقہ موحدین لو جنکے عقائد اصل عیسائیت سے بہت ملتے جلتے ہین ان کی یہ تعلیم ہے کہ یسوع امتحانون او غلطیون سے بتدریج پاک ہوا اور ایسا ہی یہ بھی کہ سب صادق انسان دنیا کی سب سے بڑی امیدون کو پورا کرنے کے باعث مسیح ہی ہوتے ہین اور کمال کیطرف جو دنیا کی کوشش ہے اس کے مؤید ہونیکے سبب سے وہ شفیع بھی ہوتے ہین۔ الف میم کو چاہئیے کہ غور کرے کہ عیسائیت کے اس عظیم الشان اختلاف کے بالمقابل چند یک اسلامی فرقون کا عقیدہ عصمت کو نہ ماننا کیا وقعت رکھتا ہے۔ ہان ان سب سے الف میم یہ کہکر پیچھا چھوڑا سکتا ہے کہ انکے نزدیک ایسے عقیدے والے لوگ سب مرتد تھے اور اسلئے اب ہم اس امر ان لوگون کی شہادت پیش کرتے ہین جن پر کفر کا فتوے دیتے وقت الف میم کو ذرا احتیاط سے کام لینا پڑے ان مین سے اول پولوس ہی جو یسوع سے بھی بڑھ چڑھ کر ایک آدمی کو پیش کرتا ہے عبرانیون ۲۰/۶ مین وہ لکھتا ہے کہ یسوع ملک صدق کے طور پر کاہن بنایا گیا ہے اور پھر لکھتا ہی کہ "یہ ملک صدیق سلیم کا بادشاہ خدا تعالے کا کاہن تھا جس نے ابراہام کا جب وہ بادشاہون کو مار کے پھر آتا تھا استقبال کیا اور اسکے لئے برکت چاہی۔ جسکو ابراہیم نے سب چیزون کی دہیکی دی۔ وہ پہلے اپنے نام کے معنونکے موافق راستی کا بادشاہ ہے اور پھر شاہ سالیم یعنی سلامتی کا بادشاہ یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ جسکے نہ دنون کا شروع نہ زندگی کا آخر مگر خدا کے بیٹے سے مشابہ ٹھہر کے ہمیشہ کاہن رہتا ہے" (عبرانیون ۳/۷) یہ آدمی یقینًا یسوع سے بھی بڑھکر ہے یسوع کو تو مان کیطرف سے کچھ نہ کچھ گناہ کا حصہ ملا ہوگا مگر ملک صدق کا نہ باپ تھا اور نہ مان اور اسی لئے وہ راستی کا بادشاہ اور سلامتی کا بادشاہ اور گناہ سے بالکل پاک ٹھہرا۔ پھر وہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور موت کا اسپر قابو نہین اسلئے حقیقی یا موروثی گناہ بھی اس کی طرف منسوب نہین ہوسکتا کیونکہ گناہ ہوتا تو موت بھی ضرور آتی۔ حالانکہ یسوع پر موت بھی واقع ہوئی اور یسوع کو یہ فخر حاصل ہی کہ وہ ملک صدق کے طور پر کاہن بنایا گیا۔ اسکے بعد لوقا کی شہادت کو جو وہ ذکریا اور اس کی عورت کے حق مین دیتا ہے "وے دونون خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سارے حکمون اور قانونون پر بے عیب چلنے والے تھے" (لوقا ۶/۱) یہ آیت اُن عیسائیون کو جھوٹا ٹھہراتی ہے جو کہا کرتے ہین کہ کوئی شخص خدا کے سارے حکمون اور قانونون پر نہین چل سکتا اور کہ سوائے یسوع مسیح کے کوئی بے عیب نہین۔ پھر یہی مصنف (جو عیسائیونکے نزدیک الہامی مورخ ہے) ان دونون راستبازون کے بیٹے کی نسبت لکھتا ہوا کہتا ہے "وہ خداوند کے حضور بزرگ ہوگا

اور نمے اور نہ کوئی نشہ ہی پیئے گا اور اپنی مان کے پیٹ سے ہی روح القدس سے بھر جائیگا اور بنی اسرائیل مین سے بہتون کو ان کے خداوند کیطرف پھیرے گا" لوقا ۱۵-۱۶/۱ عجیب بات یہ ہے کہ یسوع بھی ان لوگون مین سے تھا جنہین یوحنا نے انکے خداوند کیطرف پھیرا۔ اب غور کرو کہ یسوع پر تو تیس سال کی عمر مین روح القدس نازل ہوتا ہے اور اسی لئے اس کی عصمت کو اگر مانا جائے تو اسی وقت سے مانی جا سکتی ہے لیکن یوحنا پر روح القدس انکے پیٹ مین ہی اترا اسلئے تمام سچے عیسائیون کو چاہئے کہ اسے ابتدا سے ہی معصوم مانین لیکن اناجیل کے ان بیانات کے عین برعکس۔ الف میم یہ بے بنیاد دعوے کرتا ہے کہ یسوع مادر زاد نبی تھا۔ روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے وہ کیونکر نبی ہو گیا کیونکہ روح القدس کے نازل ہونیکے بغیر نبوت نہین مل سکتی۔ اور اسلئے "مادر زاد نبی" کا خطاب یسوع پر تو کسی حالت مین چسپان ہو ہی نہین سکتا اسکا مستحق اگر ہے تو یوحنا ہے جسنے یسوع کو بپتسمہ دیا اور جسپر مان کے پیٹ مین ہی انجیلون کی شہادت کے مطابق روح القدس نازل ہوا۔ مرقس بھی یوحنا کی شہادت دیتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ "ہیرودیس یوحنا کو بڑا راستباز اور مقدس جانکر اس سے ڈرتا تھا" (مرقس ۶/۲۰) یہان بھی یوحنا کے بیگناہ ہونیکا صاف طور پر اقرار ہے اور چارون انجیلون مین ایک بھی آیت ایسی نہین جس سے اسکے برخلاف کوئی نتیجہ نکل سکے بلکہ جب اس واقعہ پر غور کیا جاوے کہ یوحنا نے بہت سارے یہودیونکو جن مین یسوع بھی شامل تھا بپتسمہ دیکر برکت دی تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت مین سب سے بڑا راستباز تھا۔ اور یسوع سے بھی افضل درجہ پر اسی کی عصمت تھی۔ یہ سب کچھ صرف انجیلون کی بنیاد پر ہے +

پولوس لوقا اور مرقس تو یہ شہادت دیتے ہین لیکن اسکولیس پشت ڈالکر الف میم جرأت سے یہ بیان کرتا ہے کہ یسوع ناصری کے سوا باقی کل کے کل دنیا کو عیسائی گنہ گار مانتے ہین بلکہ وہ یہ دعوے بھی کرتا ہے کہ یہودی بھی یہی اعتقاد رکھتے ہین کیونکہ وہ لکھتا ہے "جسطرح اہل کتاب نے اپنی کتب آسمانی کی بنیاد پر عصمت انبیاء سے عموماً انکار کیا اسی طرح اہل اسلام کے درمیان بھی محققین گذر چکے" وغیرہ۔ اہل کتاب مین یہود اور نصاریٰ دونون شامل ہین اور اگر مصنف کا اس عبارت سے یہ منشا نہ بھی ہو تاہم اس امر کا دیکھنا نہایت ضروری ہے کہ یہود کا عقیدہ کیا تھا کیونکہ اصل عقیدہ وہی ہے اور عیسائیون نے صرف یسوع کو خدا بنانیکے لئے یہ عقیدے گھڑے ہین اور اسی واسطے ان عقیدون کی ان کی اپنی مسلم کتابون مین تردید پائی جاتی ہے اسلئے اب بڑے حصہ عیسائی دنیا کے مذہب اور ان کی کتب مقدسہ پر غور کرنیکے بعد ہم یہودیون کا اعتقاد دیکھتے ہین۔ یہ امر قابل غور ہے کہ یہودی ایک ایسے مسیح کے منتظر تھے جو ان کے گذشتہ انبیاء کی مانند ہو۔ اسکا آنا موسوی شریعت کے خادم کے رنگ مین تھا اور اس لئے وہ خادم ہونیکی حیثیت مین اپنے آقا بنی اسرائیل کے عظیم الشان شارع اور نجات دہندہ سے بڑھ کر نہین ہو سکتا تھا۔

اور ایسی فضیلت اسکو دینا کوئی یہودی روا نہ رکھ سکتا تھا۔ یہود کے اعتقاد مین حضرت موسے سے مسیح کا کم درجہ پر ہونا اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ اسکے آنیکا بڑا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو دوسرے لوگونکی غلامی سے نجات دے۔ اگرچہ یسوع نے اتنا بھی نہ کر دکھایا لیکن حضرت موسے نہ صرف انکے نجات دہندہ تھے بلکہ انکے شارع بھی تھے جنکے پیچھے ہر پیغمبر چلتا تھا اور جنکی شریعت کے مضلات کو وہ حل کرتا تھا۔ اب جب عیسائیونکا یہ دعوے ہے کہ جو پیشگوئیان مسیح کے متعلق ہین وہ مسیح کو معصوم قرار دیتی ہین تو اسکا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ دوسرے انبیا بھی یہود کے نزدیک معصوم تھے ابتدائی عیسائیون کی شہادت سے جو مسیح کے متعلق صحیح عقیدے پر قائم تھے جیساکہ وہ یہودیون کے درمیان چلا آتا تھا۔ اور ان فرقون کی شہادت سے جو ابتدائی عیسائیون کے عقائد کے مطابق قائم ہوئے اس نتیجہ کی جو اوپر بیان کیا گیا ہے کھلی کھلی تائید ہوتی ہے اور اسکے متعلق حوالجات ہم اوپر دے چکے ہین ان امور کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یہودی ایک لمحہ کیلئے بھی یہ خیال روا نہ رکھ سکتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور موسے اور انکے دوسرے بڑے بڑے انبیا گنہگاری کیحالت مین اس دنیا سے گذر جائین اور انکو گناہونسے پاک کرنیکے لئے مسیح انکے پیچھے آوے بلکہ مسیح کے آنیکی امید بھی صاف صاف الفاظ مین حضرت موسے کے بہت مدت بعد یہودیونکو دی گئی جبکہ وہ مصائب کے نیچے پیسے جا رہے تھے اور ایسے وقت مین پیشگوئیان کی گئین کہ ایک ایسا نبی آوے گا جو انکو غیر قومون کی غلامی اور حکومت سے نجات دیگا کوئی سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہین کر سکتا کہ شیث نوح ابراہیم اسحاق یعقوب موسے اور دوسرے مقدس نبی جنہون نے مسیح کے آنے کی کبھی کوئی پیشگوئی نہین کی اور نہ کبھی اپنی امتونکو یہ تعلیم دی کہ خدا انسان بن کر آسمان سے اتریگا وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کی نجات ایک شخص کی پھانسی سے ہوگی جو ہزارہا سال بعد آنیوالا ہے۔ جو پیغمبر آتا رہا وہ خدا کا حکم لوگونکو پہونچاتا رہا اور یہی تعلیم انکو دیتا رہا کہ نجات اور گناہ کی غلامی سے آزادی صرف احکام الٰہی پر چلنے سے مل سکتی ہے اور سچی پاک زندگی ان بنیون کے طریقونپر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے جو خدا تعالے نے انکے ذریعہ ظاہر کئے ہین۔ ایک بھی فقرہ صحف انبیا مین ایسا نہین بتایا جا سکتا جس مین کسی نبی نے اپنی امت کو یہ بھی کہا ہو کہ خواہ وہ شریعت کے سارے حکمونکو پورا کرین اور اللہ تعالے کی پوری پوری اطاعت اختیار کرین تاہم ایک حصہ انکے گناہون کا ایک انسان یسوع کی خاطر باقی رکھ لیا جاوے گا اور اس لئے نفس کی کامل پاکیزگی سے انہین بالکل مایوس رہنا چاہئے جبتک کہ وہ انسان دنیا مین ظاہر نہ ہو۔ نہ ہی کبھی کسی نبی نے یہ کہا کہ خدا کے احکام کے پورا کرنے کی انسان کو طاقت نہین دیگئی بلکہ برعکس اس کے اللہ تعالے اسرائیلیونکو یون فرماتا ہے "تاکہ تم میرے سب حکمون کو یاد کرو اور انکو عمل مین لاؤ اور اپنے خدا کے لئے مقدس ہو" (گنتی ۱۵/۴۰) جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ سب حکمونپر عمل کر سکتے اور خدا کے نزدیک مقدس ٹھہر سکتے تھے اسلئے

اگر انبیاء علیہم السلام نے یہ تعلیم دی جیسا کہ واقعی انہوں نے دی کہ سچی پاکیزگی صرف ان احکام کی پورے طور سے پیروی کرنے سے ملسکتی تھی جو اللہ تعالے نے انکے ذریعہ لوگوں کو دئے تھے تو مسیح کی بےنظیر عصمت تاکہ وہ دنیا کے گناہوں کو جو ایک پاک اور الٰہی شریعت سے دور نہ ہو سکے اٹھالے ایک سراسر لغو اور باطل خیال ٹھہرتا ہے اگر انبیاء علیہم السلام یہ جانتے تھے کہ بڑے سے بڑا کام جو وہ کر سکتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کو نیم فرشتے اور نیم شیطان بنادیں تو وہ اپنی امتوں کو بھی تو ایسا لکھدیتے اور پھر ایسی حالت میں جب کوئی انسان بھی بدکاری سے خالی نہیں تھا تو مومن اور غیر مومن میں خدا نے یہ فرقان کیوں قائم کیا کہ ایک فریق کو تو آسمان سے مدد بھیجی اور اپنی نصرتیں ان کے شامل حال کیں اور دوسرے فریق کو سزاؤں میں مبتلا کیا اور اسی دنیا میں ان کو ذلیل و خوار کیا۔

پھر ایک اور پہلو اس سوال کا ہے۔ یوحنا ۹/۱۶ میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ "کیونکر ہو سکتا ہے کہ گنہگار انسان ایسے معجزے دکھائے" اور پھر آگے چلکر اسی مباحثہ کی اثنا میں یہ کہا گیا ہے کہ "ہم جانتے ہیں کہ خدا گنہگاروں کی نہیں سنتا پر اگر کوئی خدا پرست ہو اور اس کی مرضی پر چلے تو اس کی وہ سنتا ہے"۔ یوحنا ۹/۳۱۔ ان آیات سے یہود کے اعتقاد کا واضح طور پر پتہ ملتا ہے۔ کوئی گنہگار معجزے نہیں دکھا سکتا اور نہ اللہ تعالے کسی کی سنتا ہے جبتک وہ اس کی مرضی کی راہوں پر نہ چلے اگر یہود اپنے انبیاء کو گنہگار سمجھتے تو وہ ان کی طرف معجزات کو منسوب نہ کرتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء کے صحایف زبردست معجزات سے بھرے پڑے ہیں جو انہوں نے دکھلائے اس نتیجہ کو کہ گنہگار معجزات نہیں دکھا سکتا عیسائیوں کو بھی ماننا پڑیگا کیونکہ جس آدمی کا یوحنا نویں باب میں ذکر ہے اس نے مسیح کے دعوے کو اسی دلیل پر تسلیم کیا تھا کہ وہ معجزات دکھاتا ہے اور گنہگار معجزات نہیں دکھا سکتا۔ اگر اس نے اس دلیل پر یسوع کا دعوے تسلیم کرنے میں غلطی کی تو دوسرے لوگ جنہوں نے مسیح کے دعوے کو تسلیم کیا انہوں نے بھی ایسی ایسی غلطیوں سے ہی تسلیم ..... کیا ہوگا۔ اور اس طرح پر یہ ماننا پڑے گا کہ مسیح کو جن لوگوں نے قبول کیا وہ سب کسی نہ کسی غلطی میں پڑکر گمراہ ہو گئے تھے اور نہ ہی اس دلیل پر کہ معجزات جھوٹے نبی بھی دکھا سکتے ہیں اور شیطان کے توسّل سے بھی معجزات دکھائے جاسکتے ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انبیا کا بیگناہ ہونا معجزات سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جن انبیا کے معجزات کا بائیبل میں ذکر ہے وہ جھوٹے نبی نہ تھے اور نہ ہی شیطان کی طاقت سے وہ معجزات دکھاتے تھے۔ یہ امر یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک مسلم ہے۔

علاوہ ازیں جن الفاظ یا فقرات سے یسوع کی عصمت کی دلیل نکالی جاتی ہے وہی اور ویسے ہی الفاظ اور فقرات دوسرے انبیاء کی نسبت بھی بائیبل میں استعمال ہوئے ہیں اور اس لئے یا تو یسوع بھی معصوم نہیں یا دوسرے انبیاء بھی اس کی طرح معصوم ہیں۔ حضرت نوح کے متعلق بائیبل میں یہ الفاظ ہیں کہ "نوح اپنے قرنوں میں صادق اور کامل تھا اور نوح خدا کے ساتھ چلتا تھا"۔ (پیدایش ۶/۹)

ابراہیم کو خداوند نے مخاطب کرکے فرمایا "مین خدائے قادر ہون تو میرے حضور مین چل اور کامل ہو" (پیدائش ۱۷/۱)۔ حضرت موسے کو اللہ تعالے نے فرمایا "تو خداوند اپنے خدا کے آگے کامل ہوگا" اور پھر "موسی بہت ہی حلیم تھا روے زمین کے سب لوگون سے بڑھکر" (استثنا ۱۸/۱۳)۔ پھر زبور مین حضرت داؤد خداوند کے مقدس لوگو نکا یون ذکر کرتے ہین "مبارک وے جو راہ مین کامل رفتار ہین اور خداوند کی شرع پر چلنے والے ہین۔ مبارک وے جو اس کی شہادتونکو یاد رکھتے ہین اور اپنے سارے دل سے اسے ڈھونڈتے ہین وے بدی بھی نہین کرتے وے اس کی راہو نپر چلتے ہین" (زبور ۱۱۹/۱-۳) اور پھر "صادق کا منہ دانائی کی بات کہتا ہے اس کی زبان سے عدالت کا کلمہ نکلتا ہے اسکے خدا کی شریعت اسکے دل مین ہے اسکا پاؤن کبھی نہ پھسلیگا" (زبور ۳۷/۳۰-۳۱) لاوی کے متعلق خداوند تعالے یون فرماتا ہے "سچائی کی شریعت اسکے منہ مین تھی اور اسکے لبون مین کوئی شرارت پائی نگئی وہ میرے ساتھ سلامتی اور راستی سے چلتا رہا اور اس نے بہتونکو بدی کی راہ سے پھیرا" (ملاکی ۲/۶) لوقا کے الفاظ ذکریا کے متعلق کہ وہ خداوند کے تمام احکام پر چلتا اور بے عیب تھا اور مرقس کے الفاظ یوحنا کے متعلق کہ وہ راستباز اور مقدس تھا پہلے نقل کئے جا چکے ہین۔ اس قسم کے حوالے بائبل سے بکثرت دئے جا سکتے ہین لیکن بالفعل اسی قدر کافی ہونگے ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بائبل مین اگر یسوع کو بے عیب اور حلیم اور بدی نہ کرنے والا اور راستباز کہا گیا ہے تو یہی کلمات اور ان سے بھی بڑھکر دوسرون کی نسبت موجود ہین اور اسلئے عیسائیونکا یہ عقیدہ کہ یسوع کے سوا باقی سب گنہگار ہین اور اکیلا یسوع ہی بیگناہ ہے محض یسوع کی خدائی کی تائید کے لئے گھڑ لیا گیا ہے اور اب بھی عیسائیون کی ایک کثیر تعداد یسوع کی طرح کسی اور انسان کو بھی بیگناہ مانتی ہے خواہ وہ مریم ہو جو عیسائیون کے محاورہ مین "خدا کی مان" ہے یا کوئی اور ہو کیونکہ اگر یسوع کے سوا ایک بھی اور انسان بیگناہ ٹھہر جائے تو پھر مسیح کی یکتائی اور اسکے کفارہ کی ضرورت اور سارا ڈھیر پانی پھر جاتا ہے۔ رومن کیتھولک مریم کی عصمت کے لئے جو دلیل دیتے ہین وہ نہایت سیدھی سادی دلیل ہے۔ اگر اصلی گناہ موروثی ہے تو ضرور ہے کہ یسوع کو بھی اپنی مان کے ذریعہ اسکا کچھ نہ کچھ حصہ ورثہ مین ملا ہو جبتک کہ یہ نہ مان لیا جاوے کہ مریم بھی بیگناہ تھی اسلئے مریم کی عصمت یسوع کی عصمت کیلئے نہایت ضروری ہے ہان یہ سوال ہو سکتا ہے کہ پھر مریم کے والدین بھی معصوم ہونے چاہیئے کیونکہ انکے بغیر مریم معصوم نہین ہو سکتی اور اسی طرح آدم تک سارا سلسلہ بیگناہ اشخاص کا ہونا چاہیئے اگر اس زنجیر کی ایک کڑی بھی ٹوٹ جاوے تو ساری زنجیر نکمی ٹھہرتی ہے پس موروثی گناہ کو مانکر اکیلے یسوع کو معصوم ماننے والون اور یسوع کے ساتھ مریم کو بھی معصوم ماننے والون مین یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کون زیادہ بیہودگی کا مرتکب ہے ہان دونون فریق مین سے ہر ایک اپنی بات کو بالمقابل زیادہ معقول کہہ سکتا ہے*

اس کے بعد الف میم نے کیفیت عصمت پر کچھ بحث کی ہے جسے وہ ہماری عصمت کی تعریف قرار دیتا ہے وہ انبیاء کی حالت کا ایک نقشہ تھا کہ انکے اقوال و افعال سب الہی سرچشمہ سے ہوتے ہین اور ان کے اپنے نفس کی خواہشات کا نتیجہ نہین ہوتے کچھ تعجب نہین اگر یہ بات الف میم کی سمجھ مین نہ آسکے اور وہ اسپر اعتراض کرے - روحانیت کا وہ اعلے مقام جسپر اسلام انسان کو پہونچاتا ہے عیسائیون کی سمجھ سے برتر ہے کیونکہ ان کے روحانی قوے ایک انسان کی خدائی کے جھوٹے عقیدہ اور اسکے خون پر جھوٹے بھروسہ کے باعث مرچکے ہین وہ نہ صرف اعمال مین ہی مردہ ہین بلکہ ایمان مین بھی مردہ ہین اور اس لئے روح القدس کی روشنی ان کے اندر سے بجھ چکی ہے - قرآن شریف مین بکثرت ایسی آیات موجود ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے برگزیدہ نبی ایسے اس کی محبت مین کھوئے ہوئے ہوتے ہین کہ خدا کے سوائے ہر ایک چیز بلکہ ان کی اپنی ہستی بھی ان کی نظر مین کالعدم ہوتی ہے ان کی اپنی خواہشات اور نفسانی جذبات پر ایک موت وارد ہو چکی ہوتی ہے اور اس لئے جب وہ بولتے یا کوئی کام کرتے ہین تو اپنی خواہش یا نفسانی جذبہ سے نہین کرتے یہ روحانیت کا سب سے اعلے مقام ہے اور اس مقام مین روح القدس کی روشنی سے بھر کر انکا ہر ایک قول و فعل روح القدس کی ہدایت سے ہوتا ہے - نیکی ان کی فطرت ہو جاتی ہے اور انکے ارادے ایسے کامل طور پر خدا کے تصرف مین اور اس کی مرضی کے تابع ہوتے ہین کہ جو کچھ وہ کہتے یا کرتے ہین وہ سب الہی تصرف سے اور اسکی مرضی سے کرتے ہین - قرآن کریم مین اس اعلے مقام کی شہادت بکثرت موجود ہے - مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے - وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی - یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کوئی بات منہ سے نہین نکالتے بلکہ جو کچھ بولتے ہین خدا کے بلائے بولتے ہین اور پھر فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی یعنی جو کچھ فعل وہ کرتے ہین وہ ان کا فعل نہین بلکہ خدا کا فعل ہے - ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال انسانی خواہش کا نتیجہ نہین تھے بلکہ الہی سرچشمہ سے نکلتے تھے پھر قرآن کریم صاف الفاظ مین انسان کی تین حالتین بیان کرتا ہے سب سے پہلی حالت نفسانی خواہشات کے غلبہ کی ہے جسکو قرآن کریم مین نفس امارہ کے نام سے موسوم کیا ہے اسکے بعد دوسری حالت وہ ہے جب انسان کی نیک خواہشات اس کی بد خواہشات کا مقابلہ کرکے ان پر غالب آتی ہین چونکہ یہ حالت ایک کشمکش کی حالت ہوتی ہے اسلئے اس مین انسان کبھی ٹھوکر بھی کھاتا ہے مگر جلدی سنبھل جاتا ہے لیکن یہ روحانی ترقی کا آخیری مقام نہین ہے - جو انسان اسی حالت پر مطمئن ہو جاتا ہے اور اسی مقام کو مجاہدات کا انجام خیال کرتا ہے وہ سخت دھوکے مین پڑا ہوا ہے - ابھی روح القدس کی روشنی نے پورے طور پر اسکو روشن نہین کیا ہوتا اور نہ شیطان

اس سے پورے طور پر مایوس ہوتا ہے۔ اس کے ارادے اور خواہشیں ابھی پورے طور پر خدا تعالے کے تابع نہیں ہوئے اور نہ ہی اسکے نفسانی جذبات پر کلی موت وارد ہوئی ہے جو لوگ سچے خدا کو نہیں پہچانتے اور اسلئے اس کی طاقت اور جلال کے سامنے اس طرح نہیں جھک سکتے جس طرح انہیں جھکنا چاہیئے اس ناقص اخلاقی حالت پر مطمئن ہو جائیں تو ہو جائیں لیکن خدا تعالے کیساتھ سچا تعلق جو مذہب کا اصل مقصد اور غرض ہو وہ ابھی بہت دور پڑا ہوا ہے۔ جب ایک انسان روحانی ترقی کے اعلےٰ مدارج پر پہونچتا ہے تو بدی کی تمام کششیں مغلوب ہو جاتی ہیں اور الہی نور سے انسان بھر جاتا اور روح القدس اسکا دائمی رفیق ہو جاتا ہے اسکے ارادے خدا تعالے کی مرضی کے پورے طور پر تابع ہو جاتے ہیں اور اسلئے ایسے مقام پر اس کی نسبت یہ کہنا غلط نہیں ہوتا کہ وہ اس طرح خدا کے تصرف تام میں ہوتا ہے جس طرح ایک کل انسان کے تصرف میں ہوتی ہے۔ یہ ایک عجیب اعتراض ہے (ہاں اگر ایک عیسائی کے منہ سے نکلے تو کچھ تعجب بھی نہیں) کہ اگر انسان کے ارادے خدا کے کامل طور پر تابع ہو جاویں اور خدا کی مرضی سے اسے موافقت تامہ حاصل ہو جاوے تو پھر وہ فاعل ذی اختیار نہ رہا ایسے اعتراض سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ معترض نہیں سمجھ سکتا کہ روح القدس کیونکر انسان کے اندر کام کرتا ہے اور انسان کا روحانی کمال کیا ہے۔ اسلام وہ پاک مذہب ہو کہ ایک لفظ میں ہی اپنے نام کے اندر اس نے ساری حقیقت کو ظاہر کر دیا ہے کاش عیسائی دیکھ سکتے کہ وہ کن غلطیوں میں مبتلا ہیں اور وہ سچائیاں کیسی مبارک ہیں جو اسلام سکھاتا ہے۔ ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ انکو نجات مل گئی ہے جبکہ نجات کی اصلی حالت سے جو اسی دنیا میں انسان کو ملتی ہو وہ اسقدر ناواقف اور بے بہرہ ہیں کہ اسپر اعتراض کرتے ہیں کیونکہ حقیقی نجات کیا چیز ہے وہ کامل اطمینان اور سکینت کی حالت ہے۔ جب انسان بدی کی طاقت سے چھٹ کر پورے طور پر تابع ہوکر اور اسکے ارادہ سے موافقت تامہ حاصل کر کے کامل خوشحالی اور سچی خوشی حاصل کرے لیکن عیسائی اس حالت سے ایسے ہی بیخبر ہیں جیسے کہ وہ سچے خدا سے بیخبر ہیں اور ان کا اعتراض کرنا کچھ تعجب کی جگہ نہیں ان کی عقلیں اس بات کو تو سمجھ سکتی ہیں کہ ایک آدمی کیونکر ساری دنیا کے گناہ اٹھا کر سب کو آزاد کر گیا اور کس طرح باوجود اسکے کہ وہ گناہ کرتے ہیں اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں ان کو نجات مل گئی ہے لیکن سچی نجات جو گناہ سے آزادی اور روح کی پاکیزگی کا نام ہے وہ ان کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ الفت بیم کی اس تحدی کا جواب کہ قرآن شریف کی وہ آیتیں بتلائی جاویں جس میں انسان کے اس اعلےٰ مقام پر پہونچ جانے کا ذکر ہو۔ صرف اسقدر کافی ہو کہ اگر اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی نیک نیتی ہوتی تو وہ یہ تحدی نہ کرتا کیونکہ جہاں سے اس نے عبارت نقل کی ہے عمداً آیت کے اور قرآن شریف کے ذکر کو چھوڑ کر باقی عبارت نقل کی ہے

چنانچہ وہ لکھتا ہے " انہون نے عصمت کی تعریف یہ بتلائی ہے.... الخ" حالانکہ جہان یہ مضمون ہو وہ عبارت
اس طرح پر چلتی ہو (جلد ۲ صفحہ ۷) " قرآن شریف مین بکثرت ایسی آیات موجود ہین جنسے صاف معلوم ہوتا
ہے کہ انبیاء کی اپنی ہستی کچھ نہین ہوتی بلکہ وہ اس طرح بلکلی خدا کے تصرف مین ہوتے ہین جس طرح ایک
کل انسان کے تصرف مین ہوتی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ حکم دیتا ہے۔ قل ان
صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین.... الخ" اب یہ کیسی ایمانداری ہو کہ آیت
کو اور قرآن شریف کے ذکر کو بالکل اور عمداً ترک کرکے تحدی یہ کی ہے کہ کوئی آیت پیش نہین کی ایسا ہی
اسی مضمون کے جو استغفار پر لکھا گیا ہے صفحہ ۷، ۲۱۷ پر اور عصمت کی بحث مین دوسرے اکثر مقامات
پر ان آیات کا حوالہ دیا گیا ہے جنسے پایا جاتا ہے کہ انبیاء کے اقوال وافعال سب الہی سرچشمہ سے
ہوتے ہین اور بار بار ان آیتوں کا نقل کرنا صرف موجب طوالت ہے اس جگہ اتنا بیان کر دینا
بھی ضروری ہے کہ یہ حالت انبیاء کی استغفار کے کسی طرح منافی نہین بلکہ حقیقت یہ ہو کہ یہ حالت
دائمی استغفار کی حالت ہوتی ہے یعنی حفاظت الہی طلب کرنیکی۔ جب انسان اپنے آپ کو خدا تعالےٰ
کے ارادہ اور مرضی کے تابع کر دیتا ہے تو وہ یہ سمجھ کرتا ہو کہ وہ اپنی طاقت سے کوئی نیکی کا کام نہین
کرسکتا۔ اور اسلئے اپنے آپ کو الہی آستانہ پر گرا دیتا ہے اور سب طاقت اس طاقتون والے خدا سے
طلب کرتا ہے اسلئے اس کو اس طاقت کے سرچشمہ سے استغفار کے ذریعہ سے غذا ملتی ہو۔ اور پھر جو
طاقت اسکے اندر کام کرتی ہو وہ اس کی اپنی طاقت نہین ہوتی بلکہ خدا کی طاقت ہوتی ہو۔

اس کے بعد ہم کسیقدر اس اصول پر بحث کرینگے جو قرآن کریم کے معنے کرنے مین ملحوظ رکھنا چاہئے
جولائی کے پرچہ مین جو کچھ اسکے متعلق ہمنے لکھا تھا اسکو الف میم نے اپنے مطلب کے لئے بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنالیا
ہے۔ ہمنے کبھی یہ نہین لکھا کہ قرآن شریف مین جب ایک لفظ ایک ہی معنی دیگا تو ضروری ہی ہر موقعہ پر اسکے وہی معنے
لینے چاہئے ہمنے یہ لکھا تھا جیسا کہ الف میم نے اپنی کتاب مین نقل بھی کیا ہو کہ " قرآن شریف خود
اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اسکے بعض حصے دوسرونپر روشنی ڈالتے ہین۔ جواب دیتے وقت ہم صرف
قرآن کریم کے الفاظ کو ہی پیش کرینگے اور معنے کرنے مین انہین معنون کو صحیح سمجھین گے جو قرآن شریف
کے دوسرے حصونکے مخالف نہون اور جنکا مؤید خود قرآن شریف ہو" یہ وہ اصول ہو جسے خود قرآن شریف
نے بیان کیا ہو اس سچے اور صحیح اصول کو الف میم بگاڑ کر یون بناتا ہو کہ جب قرآن شریف مین کسی موقعہ
پر ایک لفظ ایک خاص معنی مین استعمال ہوا ہو تو دوسری جگہ بھی اس لفظ کے وہی معنے لئے جاوینگے۔
حالانکہ جب کوئی لفظ مختلف معانی برداشت کرسکتا ہو تو اسوقت اسکے معنے کسی خاص عبارت مین
کرنیکے لئے خاص امور پر غور کرنا ہوگا۔ مثلاً قرآن کریم مین آیا ہو کہ شیطان کہتا ہو لاغوینہم اجمعین الا عبادک
منہم المخلصین۔ مین ان سب کو گمراہ کرونگا سوائے تیرے مخلص عباد کے یہان جو لفظ گمراہ کرنیکے

لئے استعمال کیا گیا ہے وہ "غوے" ہے جسکے معنے ہین غلطی کرنا یا سیدھے راہ سے انحراف کرنا اور
مایوس ہونا یا اپنی خواہش کو حاصل نہ کرسکنا وغیرہ وغیرہ اور اغوا کے معنے گمراہی مین ڈالنا وغیرہ وغیرہ
انہی معنون سے لئے ہوئے ہین - اسلئے لفظ اغوینہم کے معنے گمراہی یا غلطی مین ڈالنے کے ہوئے -
لیکن ان لوگون مین سے جنکو شیطان گمراہی مین ڈال سکتا ہے ایک خاص گروہ مستثنیٰ کیا گیا ہے اور وہ
گروہ خدا کے ان خاص بندونکا ہے جنکو مخلصین کے نام سے یاد کیا گیا ہے جس لفظ کے معنے لین کی
ڈکشنری مین اس طرح پر کئے ہین کہ خدا کے وہ برگزیدے جو ہر ایک آلایش سے پاک ہین اسلئے یہ جماعت
ایسی ہے جنکو شیطان گمراہ نہین کرسکتا - چنانچہ اللہ تعالےٰ بھی اسجگہ فرماتا ہے ہذا صراط علی مستقیم
ان عبادی لیس لک علیہم سلطان - گویا خداوند تعالےٰ شیطان کو فرماتا ہے جو میرا ہوگیا اسکو تو نہین
بہکا سکتا اور نہ تو اسپر قابو پا سکتا ہے اسلئے یہ صفائی سے ثابت ہوگیا کہ قرآن کریم خدا کے برگزیدہ
بندون کی ایسی جماعت بیان کرتا ہے جو ہر آلایش سے پاک ہین جن پر شیطان کا کوئی قابو نہین
چل سکتا - اور جنہین وہ صراط مستقیم سے ایک بال کے برابر بھی نہین پھیر سکتا یہ امر ظاہر ہے اور اسپر بحث
کرنے کی کوئی ضرورت نہین کہ اس ممتاز جماعت مین سب سے پہلے انبیاء کا گروہ ہی شامل ہے - اب قرآن شریف
نے ایک اور جگہ فرمایا ہے ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحاً الخ کہ خدا نے اپنے بندے آدم اور نوح ....
کو چن لیا اور برگزیدہ کیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ آدم کو بھی برگزیدون مین سے قرار دیتا
ہے اور پہلی آیت سے ظاہر ہے کہ شیطان برگزیدونکو بہکا نہین سکتا - یہ نتائج ایسے روشن ہین جس طرح
سورج اور ان الفاظ کے سوائے ان معنونکے اور کوئی معنے بھی نہین ہوسکتے اسلئے یہ آیت محکمات مین
سے ہے - متشابہات کے معنے کرنے مین اس آیت کو مدنظر رکھنا ہوگا یعنی جہان کسی آیت کے معنے دو طرح
سے ہوسکتے ہون تو وہ معنے اختیار کرنے ہونگے جو اس آیت کے معنون سے مطابقت رکھتے ہون -
چنانچہ اس اصول کو مدنظر رکھکر اب ہم آیت عصیٰ آدم ربہ فغوی کے معنے کرتے ہین یہان اگر لفظ غوی
کے معنے وہی لئے جاوین جو آیت مذکورہ بالا مین لئے ہین تو صاف ظاہر ہے کہ دونون آیتین ایکدوسرے
کی نقیض ہون گی اس لئے ایسے معنے کرنے یہ کہنے کے برابر ہین کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے کو
رد کرتا ہے حالانکہ جو اصول قرآن شریف ہمین بتاتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے کا مؤید ہے
اور قرآن شریف مین اختلاف جایز نہین جیسا کہ فرمایا لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً
گویا قرآن کریم نے الف میم جیسون کی بیہودہ حرکات اور نکتہ چینی کا جواب پہلے سے یون دے رکھا ہے کہ مجھے
تو دعوے ہے خدا کیطرف سے ہونیکا پس مجھ مین اختلاف کیون تجویز کرتے ہو - مین خدا کیطرف سے ہون اور
مجھ مین کوئی اختلاف نہین - اب پہلی آیت سے یہ تو قطعی فیصلہ ہوگیا کہ اس آیت متنازعہ فیہا مین لفظ غوی
کے معنے گمراہ ہوجانیکے نہین ہوسکتے کوئی اور معنے ہونے چاہئیے یہ ممکن ہی نہین کہ پہلے تو خدا تعالےٰ کہے -

کہ میرے برگزیدہ بندوں کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا اور پھر کہے کہ آدم کو جو میرا برگزیدہ بندہ تھا شیطان نے گمراہ کر دیا۔ لیکن لفظ غوی کے اور معنے بھی ہیں چنانچہ لسان العرب کے علاوہ اب ہم لین صاحب کی ڈکشنری پیش کرتے ہیں جس میں غوی کے یہ معنے بھی لکھے ہیں کہ اس کی زندگی مصیبت میں پڑ گئی (یعنے اسکے آرام میں خلل آگیا) یا وہ مایوس ہو گیا اسلئے دوسری آیت میں ان معنوں میں سے کوئی معنے لفظ غوی کے ہم کر سکتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ گمراہ ہونیکا مفہوم قطعاً ان معنوں سے خارج ہے کیونکہ یہ مفہوم پہلی آیت کے مضمون کے خلاف ہے یہ معنے ہیں اس فقرہ کے کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے پر روشنی ڈالتا ہے اب یہ ایک ایسی دلیل ہے کہ ہزار مفسر کی رائے بھی اسکے خلاف کچھ نہیں کیونکہ مفسروں کی رائیں وحی الہی نہیں ہیں اور قرآن شریف کی صریح آیت کی تکذیب کرنا یا اس میں اختلاف ڈالنا اس طریق کو کوئی مسلمان اختیار نہیں کر سکتا۔ چونکہ الف میم اسوقت قرآن شریف پر اعتراض اسکی سچائی کو مانکر کر رہا ہے اسلئے اسے انہیں باتوں کا پابند ہونا ضروری ہے جنکا پابند ایک مسلمان ہوگا +

آیت لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین سے اور بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں یہ قطعی طور پر اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ خدا کے برگزیدوں کو شیطان راہ راست سے کبھی نہیں پھیر سکتا۔ اگر قرآن شریف میں اور کوئی آیت ایسی نہ بھی ہوتی جس سے انبیاء علیہم السلام کی عصمت ثابت ہوتی تاہم یہ ایک ہی آیت ان سارے نتائج کی تردید کے لئے کافی تھی جو اسکے خلاف لگائے جاتے ہیں کسی نبی کے متعلق قرآن کریم نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں انکے معنے کرنے میں ہمیں صرف اس حد تک آزادی ہے کہ کوئی ایسے معنے انکے نہیں ہو سکتے جنسے کسی نبی کیطرف گناہ کا ارتکاب منسوب کرنا پڑے کیونکہ اس آیت کے معنے تو سوائے اسکے کچھ اور ہو ہی نہیں سکتے کہ اللہ تعالے نے اپنے بندوں کی ایک خاص جماعت کو شیطان کے قابو سے باہر نکالکر خالص اپنے لئے بنا لیا ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ دو لفظ ہیں جنسے اس جماعت کو بیان کیا گیا ہے یعنی عبادک اور المخلصین۔ عبادک سے مراد خدا کے عبد ہیں اور عبد کے معنے پوری فروتنی اور عاجزی سے اطاعت کرنیکے ہیں اسلئے عبد کے معنوں میں عاجزی سے پوری پوری اطاعت کا مفہوم لازمی ہے اور عبد کے معنے ہیں غلام جو آقا کے ہر ایک حکم کو مانتا اور اس کی پوری فرمانبرداری اختیار کرتا ہے۔ لہذا عبادک سے مراد وہ بندے ہوئے جو پوری عاجزی اور فروتنی سے خدا کے ہر ایک حکم کو مانتے ہیں اور اسکے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے (لفظ عباد صیغہ جمع ہے۔ یہ ہم اس ڈر سے بیان کرتے ہیں کہ مبادا الف میم کہدے کہ اسجگہ مراد صرف عیسےٰ ؑ سے ہے) اگر شیطان نے یہ لفظ نہ بھی کہے ہوتے کہ خدایا تیرے مخلص عباد پر مجھے کوئی قابو نہیں تاہم لفظ عباد ہی اس بات کو بتا رہا ہے کہ وہ خدا کے پورے پورے فرمانبردار ہیں اور اسلئے شیطان کے فرمانبردار نہیں ہو سکتے۔ شیطان کی فرمانبرداری کرنیوالوں کو قرآن شریف میں عبد الطاغوت کہا گیا ہے جس طرح پر عبد الطاغوت شیطان کی فرمانبرداری

کرتے اور خدا کے حکمون کی خلاف ورزی کرتے ہین اسی طرح یہ عباد اللہ صرف خدا کے احکام کو مانتے
ہین اور شیطان کا انمین کوئی حصہ نہین ہوتا اسلئے وہ انکو گمراہ بھی نہین کرسکتا۔ لفظ المخلصین کا
استعمال جو عبادک کی تعریف مین ہوا ہے اس مضمون پر اور بھی روشنی ڈالتا ہے اسکا مادہ خلص ہے
جسکے معنے صاف ہونا پاک ہونا ہر ایک ملاوٹ سے یا کھوٹ سے پاک ہوتا امن یا حفاظت مین ہونا یا
آزاد ہونا ہین اس لئے مخلصین وہ لوگ ہین جو ہر ایک میل کچیل سے اور کھوٹ سے پاک کئے گئے
ہون اور شیطان سے جو ہلاک کرنیوالا ہے محفوظ کئے گئے ہون۔ چنانچہ اخلص للہ العمل کے معنی ہین
کہ اسکا عمل جو خدا کے لئے اس نے کیا ہر ایک کھوٹ اور ملاوٹ سے پاک تھا اور خالص خدا کیلئے
ہی تھا اور اخلصناہم بخالصة ذکری الدار جو قرآن شریف مین آیا ہے اسکے بھی یہی معنے ہین کہ ہمنے
انکو ایک نہایت پاک صفت سے پاک کردیا ہے اور وہ کیا ہے دار آخرت کا یاد رکھنا۔ اسلئے لفظ مخلصین
کا عبادک کی صفت مین لانا صاف اس بات کو بتا رہا ہے کہ اللہ تعالے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اطاعت
کا جو مفہوم عبادک مین پایا جاتا ہے وہ ایسی اطاعت نہین جس مین غیر کی اطاعت بھی ملی ہوی ہو
بلکہ وہ اطاعت خالص خدا کی اطاعت ہے اور اس مین کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہین مخلص
جسکی جمع مخلصین ہے اسکے معنے جو لین نے اپنی ڈکشنری مین کئے ہین وہ ہم پہلے دیکھ چکے ہین کہ اسکے
معنے ہین وہ جسے خدا نے چن لیا اور جو ہر ایک قسم کی آلایش سے پاک ہے اور یہ بھی اسکے معنے ہین کہ جو
وہ کہے یا کرے اپنے قول وفعل مین خالص اور بالکل پاک ہو۔ اب یہ بات نہایت آسانی سے سمجھ
مین آسکتی ہے کہ شیطان کا قابو ان لوگون پر نہین چل سکتا جو خدا کے ہاتھ سے پاک اور محفوظ کئے گئے
ہون اور جنکو فطرتاً ایک پاکیزگی نفس کی عطا کی گئی ہو جو ان سے جدا نہین ہوسکتی اور جنکے دلونکو
ہر قسم کی بدی کے خیال سے محفوظ کیا گیا ہو۔ ایسے لوگون پر شیطان کا کوئی تصرف نہین ہوسکتا
اور وہ پیدایش سے ہی پاک اور معصوم ہوتے ہین اس تمام بحث کا یقینی نتیجہ ہے کہ ان لوگون کیطرف
گناہ ہرگز منسوب نہین ہوسکتا جنکو عباد اللہ اور مخلصین کہا گیا ہے خصوصاً اس حالت مین جب کھولکر
یہ بھی بیان کردیا گیا ہے کہ شیطان کا انپر کوئی تصرف نہین اور وہ کبھی شیطان کی اطاعت نہین کرتے +

جو کچھ ہمنے اوپر لکھا ہے اس سے نہ صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ غوی جہان حضرت
آدم کیلئے استعمال ہوا ہے اسکے معنے وہان گمراہ ہو جانیکے نہین بلکہ اس سے صاف طور پر یہ بھی ثابت
ہوتا ہے کہ انبیاء جو سب سے پہلے مخلصین مین شامل ہین بالکل معصوم ہین۔ اور اس لئے قرآن شریف
کی بہت سی آیتونکے معنے کرنے مین ہمین اس اصول کو مدنظر رکھنا ہوگا جو قرآن کریم نے ایک جگہ بیان
کردیا ہے اور ایسے صاف الفاظ مین بیان کیا ہے جنکے معنونمین کسی تاویل یا شبہ کی گنجایش باقی نہین
رہی یہی ہماری مراد تھی جب ہمنے کہا تھا کہ قرآن شریف بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے۔ مگر الف میم

نے اسکو توڑ مروڑ کر کچھ کا کچھ بنانا چاہا ہے اور وہ اس سے مراد یہ سمجھتا ہے کہ جب قرآن شریف مین ایک جگہ ایک لفظ کسی خاص معنے مین مستعمل ہو جائے تو پھر ہر جگہ اس لفظ کے وہی معنے لینے ہونگے لیکن یہ اصول ہمارا بیان کردہ نہین نہ کوئی سمجھدار آدمی اس سے متفق ہو سکتا ہے کیونکہ ہر جگہ لفظ کے معنے کرنے مین مختلف باتون پر غور کرنا ہوگا یہ نہین کہ ایک جگہ ایک معنے آگئے تو اب اندھا دھند ہر جگہ وہی معنے لگاتے چلے جائین ہم اس کی اور بہت سی مثالین دیسکتے ہین لیکن بالفعل صرف ایک مثال اور دیکر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہین۔

یہ مثال لفظ ظالم کے متعلق ہے۔ قرآن شریف کی سورہ بقرہ مین اللہ تعالے فرماتا ہے واذا ابتلی ابراہیم ربہ بکلمات فاتمہن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عہدی الظالمین۔ ترجمہ۔ اور جب ابراہیم کو اسکے رب نے احکام بھیجکر آزمایا تو ابراہیم نے ان سب احکام کو پورا کیا اللہ تعالے نے فرمایا کہ مین تجھے لوگونکے لئے امام بناؤنگا۔ ابراہیم نے عرض کیا اور میری ذریت مین سے بھی فرمایا ظالمونکو میرا عہد نہین پہنچتا۔ چونکہ لفظ ظالم مختلف معنون مین آیا ہے اسلئے سب سے پہلا امر قابل غور آیت مذکورہ بالا مین یہ ہے کہ لفظ ظالم سے یہان کیا مراد لی گئی ہے مضمون آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم کو اللہ تعالے نے جب دیکھ لیا کہ وہ اسکے پورے طور پر فرمانبردار ہین اور احکام الٰہی کی بجاآوری مین ان کی طرف سے کوئی کوتاہی نہ دیکھی تو عنایت الٰہی نے انکو اس قابل دیکھکر امامت یعنی نبوت کا منصب عطا فرمایا۔ پھر جب حضرت ابراہیم نے دعا کی کہ میری اولاد مین سے بھی نبی مبعوث فرمائے جاوین تو خدا تعالے نے فرمایا کہ ہان مین نبی تو بناؤنگا لیکن انکو نہین جو ظالم ہون اس لفظ کے اسجگہ معنونکا فیصلہ کرنیکے لئے ہمین دیکھنا ہے کہ حضرت ابراہیم نے کیا کام کیا تھا جو انکو نبوت عطا ہوئی تھی کیونکہ لفظ ظالم مین اسکا خلاف ہونا چاہیئے وہ کام احکام الٰہی کی کامل طور پر فرمانبرداری تھی جسکا اسی آیت مین ذکر ہے اسلئے لفظ ظالم سے مراد لامحالہ اسجگہ یہی ہوئے کہ جس سے احکام الٰہی کی کامل فرمانبرداری مین کوئی نقص ہو۔ اب لغت کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ظالم کے ایک معنے یہی ہین جو اس آیت سے ثابت ہوتے ہین پس اس مین کوئی شک نہین کہ ظالمین سے اس جگہ وہ لوگ مراد ہین جو کسی حکم الٰہی کی عمداً خلاف ورزی کرتے ہین اب اس لفظ کے معنونکا فیصلہ ہو جانیسے ایک نہایت ضروری اور یقینی اصول ہمارے ہاتھ مین آجاتا ہے۔ ابراہیم کو حکم ہوتا ہے کہ تیری اولاد مین سے اسی کو نبی بناؤنگا جو میرے حکمونکا کامل طور پر فرمانبردار ہو۔ لیکن اللہ تعالے نے اسکو ایک عام رنگ مین بیان کیا ہے کہ لاینال عہدی الظالمین جسکے معنے یہ ہوئے کہ میرا عہد ظالمونکو کبھی نہین پہنچتا۔ اسکے یہ معنے تو ہو ہی نہین سکتے کہ اس سے پہلے خدا تعالے ظالمونکو نبی بنادیا کرتا تھا مگر اب آئندہ کے لئے اس نے ایک نیا اصول بنادیا ہے خدا تعالے کا قانون اٹل اور لاتبدیل ہے خود حضرت ابراہیم کو جنکی

اولاد کے ساتھ یہ وعدہ ہوتا ہے اسیوقت نبوت عطا ہوئی جب انہون نے احکام الہی مین کامل فرمانبرداری کھائی چنانچہ اُنکے متعلق لفظ ہین فاتمہن یعنی سب کے سب احکام کو پورا کیا اور خدا کے حکم کے خلاف کچھ نہین کیا اسلئے خداتعالے نے یہان اپنی ایک سنت بیان کی ہے کہ مین ظالمونکو کبھی نبی نہین بناتا۔ اب اگر ہم اسی کلام مین جس نے خود یہ اصول بیان کیا ہے کسی نبی کے متعلق لفظ ظلم کا استعمال پاوین تو ہم اسکے معنے حکم الہی کی خلاف ورزی نہین کر سکتے کیونکہ ایسے معنے قرآن شریف کے اپنے بیان کردہ اصول کے نقیض ہونگے۔ بلکہ ایسے موقعہ پر لفظ ظلم کے اور کوئی معنے کرینگے کیونکہ یہ لفظ ایسا ہے کہ اسکے مختلف معنے ہوسکتے ہین اس آیت سے ہمین صرف یہی پتہ نہین لگتا کہ قرآن شریف مین اگر کسی نبی کے متعلق لفظ ظلم کا استعمال ہوا ہے تو اسکے کیا معنے ہونے چاہیئے بلکہ یہ ایک قطعی شہادت انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر ہے اور اسلئے ہم اس سے ان تمام آیتون کے معنے کرنے مین فائدہ اٹھا سکتے ہین جنسے ہمارے مخالف انبیا کے گنہ گار ہونیکا استدلال کرتے ہین۔ اب جو کوئی کہے کہ معنے کرنے مین یہ اصول مدنظر نہین رکھنا چاہیئے بلکہ اگر لفظ ظلم ایک جگہ ایک معنے مین استعمال ہوا ہے تو ہر جگہ قرآن شریف مین اس کے وہی معنے مراد لینے چاہیئے تو یہ محض حماقت ہے ہمارا فرض ہے کہ قرآن شریف کے معنے کرنے مین اس امر کو مدنظر رکھین کہ ایک آیت کا مضمون دوسرے کے خلاف نہ ہو۔ اگر اس اصول کو مدنظر رکھکر قرآن شریف کے الفاظ کے معنے کئے جاوین تو وہ تمام آیتین جنسے انبیاء کے گنہ گار ہونیکا استدلال کیا جاتا ہے بالکل صاف ہو جاتی ہین۔ سچا اصول یہی ہے کہ قرآن شریف کا کوئی حصہ دوسرے کے مخالف نہین اور اسلئے جب اسمین ایک دفعہ اللہ تعالے نے یہ فرمادیا کہ انبیاء ہر قسم کی آلائش سے پاک ہوتے ہین اور شیطان ان کو راہ راست سے پھیر نہین سکتا اور کوئی خدا کے حکم کی نافرمانی کرنیوالا کبھی نبی نہین ہو سکتا تو پھر کسی لفظ یا آیت سے اسکے خلاف نتیجہ نہین نکالا جا سکتا اگر معترضین اس اصول کو مدنظر رکھکر اعتراض کرتے تو اپنے سارے اعتراضون کا جواب انکو خود قرآن شریف سے ہی ملجاتا۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی زبان کے الفاظ کا مختلف معانی کے لئے استعمال ہونا زبان کی بڑی خوبی ہے لیکن اسی بات پر معترض ٹھوکر کھا رہے ہین۔ عربی زبان اس بارے مین ہر ایک زبان پر فوقیت رکھتی ہے اور معترضین بھی اس سے بے خبر نہین ہین لیکن اپنے پیشہ کی خاطر انکو یہ سب کام کرنے پڑتے ہین۔ وہ اپنی کتابون مین یہ لکھا ہوا پڑھتے ہین کہ خود مسیح نے پطرس حواری کو شیطان کہا لیکن اس مین انکو کوئی اعتراض پیدا نہین ہوتا مگر جب حضرت آدم کے متعلق لفظ ظلم انکو ملجاتا ہے تو اسکو بڑی فتح سمجھتے ہین کہ اب آدم گنہ گار ہو گیا حالانکہ خود قرآن شریف ایسے صریح اور صاف الفاظ مین جن کے اور کوئی معنے ہو ہی نہین سکتے یہ فرماتا ہے کہ خدا کے نبی کبھی خدا کے حکم کے خلاف نہین چلتے اور لفظ ظلم کے ایسے معنے لغت کی کتابون مین موجود ہین جو قرآن شریف کے بیان کردہ اصولونکے بالکل مطابق ہین یون یا د رکھیا جیان مچھر چھانٹتے پر اونٹ نگل جاتے ہین +

یہ دلائل الف میم اور السین کے اعتراضوں کی تردید کے لئے کافی ہیں لیکن اس مضمون کو پورا کرنیکے لئے انکے چھوٹے چھوٹے اعتراضوں کا جواب بھی مختصر طور پر اب ہم دیتے ہیں السین اپنے اعتراضونکے شروع میں لکھتا ہے کہ (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت انبیاء کے بیخطا ہونے پر موقوف ہے اور لکھتا ہے کہ یہ امر سکے نزدیک مسلم ہے گذشتہ پرچے میں الف میم کے دیباچہ کا جواب دیتے وقت ہم نے یہ واضح طور پر بیان کیا تھا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ایک ثابت شدہ امر ہے اور اسلئے آپ کی عصمت پر ہمیں اور کوئی دلیل دینے کی ضرورت نہیں اصل میں اس بحث کے ختم کرنے کی ایک نزدیک راہ ہے مگر اسیوجہ سے کہ وہ نزدیک راہ ہے عیسائی اسکو اختیار کرنا پسند نہیں کرتے۔ عصمت شفاعت کا جزو ہے اور اسلئے اگر شفاعت کا ثبوت قطعی ہاتھ میں آجائے تو عصمت خود ثابت ہو جاتی ہے برعکس اسکے محض عصمت شفاعت کے لئے کافی نہیں ہے کم از کم مسلمانونکے نزدیک۔ کیونکہ ہر ایک معصوم شفیع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہمنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے نمونے جو اس دنیا میں آپنے دکھائے پیش کئے تھے۔ اور عیسائی صاحبان سے یہ سوال کیا تھا کہ یسوع کی شفاعت کا بھی کوئی ایسا صاف نمونہ پیش کریں لیکن عیسائیوں نے اسکے برعکس طریق اختیار کیا ہے اور اسلئے ہم بھی اسی طریق پر اب انکے اعتراضونکا جواب دیتے ہیں۔ اسکے بعد السین آدمؑ اور داؤدؑ کے تذکرہ کو لیتا ہے اور ان ہی دو مثالونسے عصمت کے کل سوال کا فیصلہ کرتا ہے "اگر آدمؑ اور داؤدؑ گنہ گار ہوں تو گنہ گار کو چاہیئے کہ وہ نجات کے لئے کوئی اور ذریعہ تلاش کرے" معلوم ہوتا ہے پادری صاحب نے اس مسئلہ پر اچھی طرح غور نہیں کیا۔ اگر یسوع کے علاوہ ایک شخص بھی ایسا ثابت ہو جائے جسکی عصمت پر عیسائی حملہ نہ کر سکیں تو انکے ہاتھ میں خاک بھی نہیں رہتی اور تعجب یہ ہے کہ یسوع کی عصمت کو ثابت نہیں کر سکتے جس صورت میں ہم قرآن شریف سے یہ دکھاتے ہیں کہ شیطان کا انبیاء علیہم السلام پر تصرف نہیں ہوتا اور خدا ظالم کو نبی نہیں بناتا جس سے انبیاء علیہم السلام کی بالعموم عصمت ثابت ہوتی ہے تو اسکی تردید ایک یا دو نبیونکو لیکر نہیں ہو سکتی بلکہ یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ قرآن شریف میں ایسی آیات ہیں جن میں عام طور پر انبیاء علیہم السلام کو گنہ گاروں کی جماعت کہا گیا ہو یا یہ نہ ہو تو کم از کم انکا فرض ہے کہ جسقدر انبیاء کے قرآن شریف میں نام آئے ہیں ان سب کو گنہ گار کہا گیا ہے لیکن ان دونوں باتوں میں سے وہ کسی کو بھی ثابت نہیں کر سکتے تعجب ہے کہ کبھی ان لوگونکے دلمیں یہ خیال نہیں آتا کہ قرآن شریف تو کھلے لفظونمیں انبیاء کی نسبت بار بار فرماتا ہے کہ وہ خدا کے حکمونکے خلاف نہیں چلتے اور اعلیٰ درجہ کی تعریف کے الفاظ میں انکی تعریف کرتا ہے اور انکے اقوال اور افعال کو الہی سرچشمہ سے نکلے ہوئے بیان کرتا ہے اور اسکے برعکس ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں اسی عمومیت سے انبیاء کو گنہ گار کہا گیا ہو یا خدا کے حکمونکو نہ ماننے والے کہا گیا ہو۔ اور جب یہ صورت ہے تو ہر طالب حق اور بے تعصب محقق

کا فرض ہے کہ جہان کسی خاص نبی کے خاص فعل کا ذکر ہے اسکے معنے کرنے مین اس طریق کو اختیار کرے جو انبیاء کی عام تعریف کے مطابق ہو۔ اسلئے ہم بار بار اس بات پر زور دیتے ہین کہ پادری صاحبان قرآن شریف سے ایک ہی ایسی آیت پیش کرین جس مین انبیاء کو عمومیت کے ساتھ گنہگارون کی جماعت کہا گیا ہو اور جبتک وہ ایسی آیت پیش نہین کر سکتے تو ایسے الفاظ کی بناپر جنکے مختلف معنے ہو سکتے ہون کسی خاص نبی پر حملہ کرنا اصول مناظرہ کے خلاف اور مباحثہ کی ایک سب سے اہم اور ضروری تنقیح کو ٹالنا ہی تعجب ہے کہ اگرچہ ہمنے بار بار اس امر کیطرف توجہ دلائی ہے اور ان ہمارے مضامین کی تردید بھی مخالفین نے لکھی ہے لیکن اس ضروری بات کو وہ ایسے ٹال جاتے ہین کہ گویا پیش ہی نہین ہوئی۔

اب ہم ان اعتراضونکو لیتے ہین جو پادری الیسن نے حضرت آدم کی عصمت پر کئے ہین اور چونکہ الیسن اور الف میم کے اعتراض قریباً قریباً ایک ہی ہین اور ان مین سے یا ایسے ہی بعض اعتراضات کا جواب پادری بانڈ کو ہم دیچکے ہین اس لئے ہم ان اعتراضون کا جواب دیتے وقت الف میم کو مخاطب کرنیکی ضرورت نہین سمجھتے ہان اگر کوئی ضروری امر ایسا ہوگا جو الیسن صاحب نے پیش نہ کیا ہو تو اسوقت ہم الف میم کو جواب دینگے پادری الیسن سب سے پہلے آیت ولقد عہدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما۔ کو لیتا ہے اسکے معنے کرنے مین وہ امام رازی کی سند پیش کرتا ہے لیکن جہانسے وہ رازی اور کشاف کا حوالہ لیتا ہے وہان نسیان کے دو معنے لکھے ہین یعنی اول ماہو نقیض الذکر (بھول جانا) اور دوسرا ترک (چھوڑ دینا) اور دونون نے اول الذکر معنونکو پہلے بیان کرکے یہ ظاہر کر دیا ہی کہ انکے نزدیک ترجیح اول معنی کو ہی یعنی بھول جانا۔ امام رازی انہین معنونکے نیچے حسن رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہین کہ خدا کی قسم ہی آدم نے خلاف ورزی حکم الہی کی نہین کی مگر بھول جانیکے باعث۔ اگر یہ ترجیح نہ بھی پائی جاتی تو بھی ہمارا فرض ہی کہ ہم ایسے معنی کرین جو ان آیتونکے مخالف نہ ہون جن مین انبیاء کو معصوم کہا گیا ہی اور علاوہ ازین جب وہ نسیان کے معنی ترک کر دیتے ہین تو انکی یہ مراد نہین ہوتی کہ حضرت آدم نے گنہگارونکی طرح حکم الہی کی نافرمانی کی بلکہ اسوقت وہ اسے اجتہادی غلطی قرار دیتے ہین اب الیسن صاحب ان معنی کو جسکو ترجیح دی گئی ہی ترک کرکے صرف دوسرے معنی کو پیش کرتے ہین اور وہ بھی الٹے رنگ مین اور اس طرح پر ناظرین کو دھوکا دیتے ہین۔ علاوہ ازین جہان امام رازی نسیان کے یہ دو معنے دیتے ہین وہ صرف مختصر طور پر دو مختلف راؤن کا جو علما کے درمیان رہی ہین اظہار کرتے ہین اور مفصل بحث کے لئے سورہ بقرہ کا حوالہ دیتے ہین اسجگہ انہون نے ان دونون راؤن پر مفصل بحث کی ہی پہلے وہ اس صورت پر بحث کرتے ہین کہ حضرت آدم بھول گئے اور اس صائم کی مثال دیتے ہین جو روزہ رکھتا ہی مگر بھول کر کھا پی لیتا ہی ایسی صورت مین کبھی یہ نہین کہا جاتا کہ اس نے گناہ کیا اسکے بعد وہ دو اعتراض بیان کرتے ہین جو ان معنوپر کئے گئے ہین اور دونوکی تردید کرکے دکھاتے ہین کہ یہ اعتراض صحیح نہین ہین اس سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ وہ انہین معنون کو ترجیح دیتے ہین یہ ہم صرف اسلئے لکھتے ہین تا الیسن

صاحب کی غلط بیانی کو ظاہر کریں ورنہ اگر امام رازی اس معنی کو ترجیح نہ بھی دیتے تاہم اس معنی کی تائید مین دلایل اس قدر زبردست موجود ہین کہ کوئی انصاف پسند طبیعت ان کو رد نہین کرے گی۔ مذکورہ بالا دو اعتراضون مین سے پہلے اعتراض کا جواب دیتے وقت امام رازی لکھتے ہین "ہم اس بات کو تسلیم نہین کرتے کہ آدم اور حوا نے ابلیس کی بات کو مان لیا نہ ہی یہ کہ انہون نے اسکو صادق سمجھا..... آیت مین کوئی ایسا لفظ نہین جس سے یہ معلوم ہو کہ آدمؑ اور حوا نے یہ کام اسیوقت کیا جب ابلیس کے لفظ سنے یا بعد مین اور اس بات کا ثبوت کہ آدم جانتا تھا کہ ابلیس اس کا دشمن ہے قرآن شریف کی یہ آیت ہے ان ہذا عدو لک"۔ اسکے بعد امام رازی اس پہلو پر بحث کرتا ہے کہ حضرت آدم کا یہ فعل عمداً تھا اس صورت مین نسیان کے معنے ترک کے لئے جاوینگے پھر اسمین چار مذہب بیان کئے گئے ہین اور ان دو کو جو آدم کیطرف گناہ عاید کرتے ہین رد کیا گیا ہے +

افسوس ہے کہ اسقدر مضمون ایک غیر ضروری بحث کیلئے ہمین لکھنا پڑا لیکن پادری صاحبان کی غلط بیانی نے ہمین اس طریق کے اختیار کرنیکے لئے مجبور کیا ہے۔ کیونکہ اگر ان کی غلطی کو ظاہر نہ کیا جاوے تو پھر ان کی باتین سچی سمجھ لی جاوینگی اسکے بعد عزم کے معنو پر اعتراض کیا گیا ہے اسکا مفصل جواب پادری مانرو والے مضمون مین ہم دیچکے ہین اور اسلئے اسکا دہرانا ضروری نہین۔ فروری کے پرچہ مین ہم سند مین پیش کرچکے ہین کہ کیون ہمنے وہ معنے لئے ہین جو وہان بیان کئے گئے ہین۔ ہان اسجگہ الف میم کا ایک اعتراض قابل غور ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم اولوالعزم انبیا مین سے نہ تھے یہ اسی قسم کی ایک غلط فہمی معانی الفاظ کے متعلق ہے جیسے ہم اوپر بیان کرچکے ہین کیونکہ لفظ عزم دونون جگہ ایک ہی معنون مین نہین آیا اس آیت کے متعلق کہ فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل مفسرین کی دو رائین ہین بعض کہتے ہین کہ اس سے مراد کل انبیاء ہین اور من تبیین کے لئے ہے نہ تبعیض کیلئے۔ یہ رائے دوسری رائے پر ترجیح رکھتی ہے جسکے رو سے بعض انبیاء اولوالعزم ہین اور بعض نہین اور اسکے کئی وجوہات ہین اول تو یہ کہ قرآن شریف کل نبیون کا نام نہین تا کوئی یہ کہہ سکے کہ فلان فلان نبی اولوالعزم ہین اور فلان نہین۔ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ منہم من قصصنا علیک ومنہم من لم نقصص علیک۔ یعنی بعض نبیونکا ہمنے ذکر بھی نہین کیا۔ دوم بعض انبیاء کو اولوالعزم کی تعریف مین داخل نہ سمجھنا ان آیات کے خلاف ہے جنمین کل انبیاء کی عصمت کا ذکر ہے سوم مختلف نام اولوالعزم انبیاء کے تجویز کئے جاتے ہین اور اس امر پر کبھی اتفاق نہین ہو سکتا کہ فلان فلان نبی ضرور اولوالعزم اور دوسرے ضرور ہی اس تعریف سے خارج ہین اسلئے احسن طریق یہی ہے کہ سب انبیاء کو اولوالعزم سمجھا جاوے بلکہ عیسائیونکے لئے تو ایک اور مشکل بھی ہے یعنی یہ کہ کم سے کم نام انبیاء کے جو اولوالعزم کی فہرست مین داخل سمجھے گئے ہین ان مین حضرت مسیح شامل نہین ہین اس لئے وہ بھی حضرت آدم کیطرح انہین مین سے سمجھے گئے ہین جنمین عزم نہین پایا گیا یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنیکا ان مین عزم نہین تھا چنانچہ صرف چار انبیاء اس طرح اولوالعزم سمجھے گئے ہین جو بعض کے نزدیک حضرت نوح۔ ابراہیمؑ۔ موسےٰؑ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہین اور بعض کے نزدیک حضرت موسیٰ کی

بجائے انمین حضرت ہود شامل ہین لیکن دونو نمین حضرت مسیح شامل نہین ہین حالانکہ الف میم صاحب کے عجیب استدلال کے روسے صرف وہی ایک شخص تھا جو قرآن شریف اور حدیث کے روسے معصوم تھا گویا بعض مسلمانون نے حضرت مسیح کو اولوالعزم مین بھی داخل نہین سمجھا اور اسلئے اگر حضرت آدم مین الف میم کے معنونمین عزم نہین پایا گیا تو حضرت مسیح بھی اس عزم سے خالی ہین الف میم کی اس بحث سے ایک اور نتیجہ خیز بات پیدا ہوتی ہی اسکے نزدیک حضرت آدم نے حکم الہی کی نافرمانی کی اور اسلئے وہ اولوالعزم انبیاء مین سے نہ سمجھا گیا اسکا صاف نتیجہ یہ ہی کہ اولوالعزم وہی نبی ہین جنہون نے کبھی حکم الہی کی نافرمانی نہین کی لیکن چونکہ قرآن کریم صاف الفاظ مین اولوالعزم انبیاء کا ذکر کرتا ہی اسلئے اگر الف میم کی بات کو بھی مان لیا جاوے تو بھی بعض انبیاء تو قرآن کریم کے نزدیک ضرور معصوم ٹھہرے لیکن چونکہ رسولونمین اس قسم کی تفریق کو قرآن شریف نے جائز نہین رکھا اسلئے اگر بعض انبیاء معصوم ہین تو کل معصوم ہین اور یہ نتیجہ الف میم کی اپنی بحث کا ہے۔

اسکے بعد الیسن صاحب آیت عصے آدم ربہ فغوی کے معنونپر بحث کرتے ہین ہم نے کبھی اس سے انکار نہین کیا کہ عصیان کے معنے نافرمانی ہین ہمنے تو یہ لکھا تھا کہ جہان ایک طرف اللہ تعالی نے آدم کے اس فعل کا نام عصیان رکھا ہی خود ہی یہ بھی کہدیا کہ وہ بھول گئے تھے قرآن شریف مین جو کھانیکی چیزون کے متعلق ممانعت کا حکم ہے اسمین اور دوسری نواہی مین خدا تعالے نے ایک خاص امتیاز رکھا ہی انکی ممانعت کا حکم قرآن کریم مین چار جگہ ہی دو جگہ حکم کو بیان کرکے اسکے بعد یہ استثناء دیا گیا ہی فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان اللہ غفور رحیم۔ (دوسری جگہ ہی فان ربک غفور رحیم) یعنی جو کوئی مضطر ہوجائے لیکن حکم کو توڑنیکی خواہش نہ رکھتا ہو اور نہ حد سے گذرنیوالا ہو تو اللہ غفور رحیم ہی۔ تیسری جگہ جہان یہ استثناء بیان کی گئی ہے وہان یہ لفظ ساتھ اور بڑہا دئے گئے ہین فلا اثم علیہ کہ اسپر کوئی گناہ نہین۔ اس استثناء مین یہ امر غور طلب ہے کہ قرآن شریف فرماتا ہی کہ ایسے شخص کا گناہ کوئی نہین اور اللہ غفور ہی۔ اب اگر لفظ غفر کے معنے جیسا کہ کہا جاتا ہے گناہون کی معافی کے سوائے اور کچھ نہین تو غفور کے معنے بھی صرف یہی ہوسکتے ہین کہ جو گناہ سرزد ہوچکے ہین انکا معاف کرنیوالا لیکن ان معنونکے روسے لفظ غفور یہان استعمال نہین ہوسکتا کیونکہ خدا تعالی خود فرماتا ہے کہ ایسے شخص کا کوئی گناہ نہین اور جب گناہ نہین تو معاف کیا چیز ہوگی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ لفظ غفر کے معنے صرف گناہ کی معافی کے نہین بلکہ انسانی فطرتی کمزوری جس سے انسان گناہ مین پڑتا ہی اس سے بچانیکے بھی ہین ورنہ اسکے کیا معنے کہ خدا اس شخص کیلئے غفور ہی جس نے کوئی گناہ نہین کیا۔ اس سے استغفار کے معنون پر روشنی پڑتی ہی لیکن اسجگہ یہ بحث ہمارا مقصود نہین ہی۔ چوتھی جگہ اسی استثناء کو ان لفظونمین بیان کیا گیا ہی فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم۔ جو کوئی مضطر ہوجائے بھوک سے لیکن گناہ کیطرف جھکنے والا نہو تو اللہ غفور رحیم ہی اس سے بھی استغفار کے معنونکے متعلق وہی نتیجہ پیدا ہوتا ہی جو اوپر بیان ہوا۔ ان استثناؤنکو ہمنے اسلئے بیان کیا ہی کہ قرآن شریف مین جہان جہان کھانیکی چیزون

کی ممانعت کا ذکر ہے وہاں ضرور اس استثناء کو بھی بیان کیا ہے لیکن دوسری نواہی کے ساتھ اس استثناء کو ہرگز بیان نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانیکی چیزوں کے متعلق خدا تعالے نے انسانی کمزوری کو مدنظر رکھکر ایک اجازت دی ہے جو دوسری نواہی کے متعلق نہیں دی۔ اب حضرت آدم کو جو حکم تھا وہ بھی کھانیکے متعلق ہی تھا کہ فلاں درخت کا پھل نہ کھانا لیکن ایسی صورت میں خدا تعالے نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص مجبوری کی حالت میں کھاتا ہے وہ گناہ کا مرتکب نہیں اگرچہ یہ بیان ہے کہ خدا تعالی کی نہی کی خلاف ورزی تو اس سے ہوگئی اب بھول جانا اگر اضطرار کی حالت سے بڑھکر نہیں تو کم از کم اس جیسا عذر تو ضرور ہے اور اسلئے حضرت آدم کا فعل گناہ نہیں کہلا سکتا۔ حضرت آدم کے متعلق یہ لفظ کہ وہ ایسا کرتے ہیں باغ یا عاد تھا یعنی حکم الہی کو توڑنیکی خواہش رکھنیوالا یا حد سے گذرنیوالا کہیں نہیں آئے۔ حضرت آدم کی دعا کے الفاظ بھی اللہ تعالے کی ان صفات کے مطابق ہیں۔ جو استثناء مذکورہ بالا کے بعد بیان ہوئے یعنی غفور اور رحیم۔ کیونکہ حضرت آدم بھی یہی دعا کرتے ہیں کہ ان لم تغفر لنا و ترحمنا اور اس طرح اللہ تعالے کی صفات غفر اور رحم سے ہی پناہ مانگتے ہیں اور یہی وہ صفات ہیں جو اس شخص کیلئے حرکت میں آتی ہیں جو مضطر ہوکر ممنوع کھانیکی اشیاء میں سے کوئی چیز کھا بیٹھے اس تمام تحقیقات سے ظاہر ہے کہ حضرت آدم کا فعل گناہ ہرگز نہیں کہلا سکتا۔

اعتراض کا دوسرا حصہ لفظ غوی کے معنوں کے متعلق ہے اور ہمیں پھر یہی کہنا پڑتا ہے کہ اسکی تردید بھی فروری کے پرچہ میں ہو چکی ہے۔ ایلسن صاحب کا یہ بھی خیال ہے کہ لسان العرب میں جو غوی کے معنے فسد علیہ عیشہ لکھے ہیں انکے معنے ہمنے ٹھیک نہیں کئے اسمیں شک نہیں کہ فساد کے معنے وہ بھی ہیں جو ایلسن صاحب نے لکھے ہیں لیکن اس لفظ کے معنے کسی قسم کا خلل واقع ہونا بھی آتے ہیں جسکے لئے کم از کم لین کی ڈکشنری کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ایلسن کے نزدیک اس فقرہ کے صحیح معنے یہ ہیں کہ اسکی زندگی پاکیزگی کی حالت سے بگڑ گئی یعنی وہ ناپاک زندگی بسر کرنے لگا ایسے خیال پر قرآن شریف لعنت بھیجتا ہے اور ایلسن کے الفاظ سے اسکے سوائے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلسکتا اب ہم ان وجوہات کو بیان کرتے ہیں جنکی بنا پر ہمنے اس فقرہ کے یہ معنے کئے تھے کہ اسکی امن میں خلل آگیا جس جنت میں حضرت آدم رکھے گئے تھے اسکے متعلق اللہ تعالی فرماتا ہے ان لک الا تجوع فیہا و لا تعری و انک لا تظمؤا فیہا و لا تضحی۔ اس جنت میں ہم تجھ کو یہ آرام دیتے ہیں کہ یہاں نہ تو بھوکا ہوگا نہ ننگا اور نہ تجھے پیاس لگیگی نہ دھوپ۔ یہ آدم کی زندگی کا نقشہ ہے جو اسے جنت میں حاصل تھی اور اسے ہم امن کی زندگی نہ کہیں تو اور کیا کہیں اسی امن کی حالتمیں جو حضرت آدم کو میسر تھی ممنوع درخت کے کھانیسے خلل آیا اور اسکو روح کی پاکیزگی یا پلیدی سے کچھ تعلق نہیں بلکہ یہ زندگی کی ایک خاص حالت کا نقشہ ہے جو بعد میں جب حضرت آدم کو وہ جنت چھوڑنا پڑا بدل گیا کیونکہ اس جنت سے باہر یہ آرام اسکو نہ مل سکتے تھے کہ نہ بھوک لگے نہ پیاس نہ دھوپ چنانچہ جہاں خدا تعالے نے حضرت آدم کے دانہ کھانیکا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ ہی اسکا یہ فوری نتیجہ لکھا ہے کہ فبدت لہما سوآتہما یعنی انکا ننگا ہونا ان پر ظاہر ہوگیا اسی کے مطابق اللہ تعالی حضرت آدم کو فرماتا ہے فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقی ۔۔۔ نکلتا ہے کہ جہاں حضرت آدم کو اس جنت میں حاصل تھا ممنوع پھل کھانیسے اسمیں خلل آگیا ✦ (باقی آیندہ)

حضرت اقدس کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل کے لئے پھر یاد دہانی

رسالہ میگزین کی کثرت اشاعت و اعانت کے متعلق جسقدر حد سے بڑھے ہوئے پُرزور الفاظ مین حضرت اقدس ع نے اپنی جماعت کے پرجوش باہمت و مخلص احباب کو تاکید اکید فرمائی ہے وہ اس امر کی مقتضی تھی کہ اپنی جماعت کا کوئی فرد اس رسالہ کی خریداری سے محروم نہ رہتا لیکن موجودہ تعداد خریداری ظاہر کر رہی ہے کہ حضرت اقدس ع کے یہ دل کو ہلا دینے والے تاکیدی پُرزور الفاظ ابھی اپنی جماعت کے جملہ مخلص احباب کے کانون تک نہین پہونچے ورنہ اپنے مخلص احباب کا باہمت دل اور پرجوش روحین جب تک رسالہ کی خریداری کو حضرت اقدس ع کی فرمائی ہوئی دس ہزار تعداد تک نہ پہونچا دیتین اپنے پیارے مطاع امام علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم کی بجا آوری مین اپنے من تن دھن کسی قسم کی خدمت و اعانت سے فرق نہ رکھتین +

بلا ریب نسبتًا اب درخواست ہائے خریداری کا بڑھنا شروع ہو گیا ہے مگر الحال اس مین وہ روز افزون ترقی نظر نہین آتی جو جلد تر تعداد خریداری کو حضرت اقدس ع کی فرمائی ہوئی تعداد تک پہنچانے کے لئے درکار ہے لہذا ایک دفعہ پھر اپنے مخلص احباب و برادران کو حضرت اقدس ع کے ارشاد کی تعمیل کیطرف توجہ دلائی جاتی ہے تاکہ وہ تعداد خریداری کو بڑھانے کی کوشش کے علاوہ حضرت اقدس علیہ السلام کے ارشاد کے ان تاکیدی الفاظ کو اپنے دیگر برادران کے کانون تک پہنچانے کی بھی سعی فرماوین تاکہ اپنی جماعت کا ہر ایک مخلص بھائی خواہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اپنے پیارے امام صادق علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد سے مطلع ہو کر رسالہ کی اشاعت و اعانت مین حسب استطاعت و حسب توفیق خود حصہ لیکر سابق بالخیرات بنے جو اسکے لئے باعث حصول ثواب عقبے ہو حسنات دارین حاصل کرنیکا عین موقعہ ہے کاش اکوئی وقت پر اس کی قدر کرنے والا ہو۔ درگاہ رب العزت سے تہ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالے محض اپنے فضل و کرم و رحمت غیر متناہی سے اپنی جماعت کے جمیع مخلص احباب کے دلونکو ایسے کارہائے خیر مین سبقت لیجانیکی توفیق بخشے جس سے ثمرات حسنہ اخروی حاصل کرسکین

آمین۔ ثم آمین

(نوٹ) جملہ خریداران خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھا کرین۔ نمبر خریداری نہ لکھنے کیصورت مین توقف یا عدم تعمیل کی شکایت بیجا تصور ہوگی +

مینیجر

ہنسنے والا چہرہ :- عمدہ صحت کا ایک اچھا نشان ہے- اگر آپ چاہتے ہین کہ صحت اچھی رہے اور دماغی قلبی طاقت درست رہے تو **حبوب جواہر عنبری** کا استعمال فرمائیے جو **یاقوت- مرجان مشک- عنبر- زمرد- مروارید- زعفران** وغیرہ قیمتی مقوی دواؤن سے خالص تیار ہوتی ہین جن کے کھانے سے طبیعت بشاش رہتی اور خیالات خوش پیدا ہوتے ہین- غم وحزن بھولے سے بھی پاس نہین آنے پاتے- انسان کی زندگی تندرستی اور طاقت کے لئے ان سے بہتر کوئی دوا نہین- تقویت اعضائے رئیسہ کے لئے بے مثل ہین ناتوانائی کی بیماریان ان کے استعمال سے دور ہوتی ہین معدہ کو درست اور خون کو زہریلے مواد سے صاف اور تمام جسم کے اعصاب کو قوی اور مضبوط بناتی ہین- وبائی بیماریونکو روکدیتی ہین- انسانی روح اور قلب سے خاص مناسبت رکھتی ہین عقل ہوش وحواس- حافظہ- ذہن وذکا کو ترقی دیتی ہین کسل اور تکان کو زائل کرتی ہین- ضعف دل کو نفع پہونچاتی ہین **قیمت ڈبیہ للعہ**

عجیب وغریب مرہم المعروف بہ مرہم عیسیٰ- اگر آپ دنیا بھر مین سب سے اچھا پُر تاثیر تیر بہدف ہر قسم کے زخمون جراحتون چوٹون گلٹیون خنازیر- سرطان- طاعون اور ہر قسم کے خبیث زہریلے پھوڑون پھنسیون ناسورون- گنج- خارش- بواسیر اور طرح طرح کی جلد کی بیماریون- ہاتھون کے سردی سے پھٹ جانے جانورون کے کاٹ لینے- جل جانے اور عورتونکی خطرناک امراض- سرطان رحم وغیرہ کیلئے ہزارہا سال کا مجرب مقدس ہر طبقہ کے حکماء کا متفقہ بابرکت علاج چاہتے ہین تو یہ مبارک مرہم اس کارخانہ سے منگائیے جو اسکو خالص اجزاء سے تیار کرنیکا ذمہ وار ہے طبی جہان اسکی کامیاب تاثیرات کا ممنون ہے یہ مشہور آفاق مرہم سوائے کارخانہ مرہم عیسیٰ کے دنیا بھر مین اور کہین نہین بنتا- مرہم کیا ہے سچ مچ کا معجزہ ہے جسنے تمام جہان کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے- قیمت ڈبیہ ۱۲ ار ۴ عہ

پاکٹ کیس ادویات- اکثر جانین طبیب اور علاج کے بروقت نہ پہنچنے سے سخت تکلیف برداشت کرتی اور بعض وقت بحسرت ہلاک ہو جاتی ہین اس دردناک حالت کو دیکھکر ہمنے یہ پاکٹ کیس تیار کیا ہے اور اس مین مختلف پچاس ساٹھ کثیر الوقوع مرضونکے علاج کیلئے وہ زود اثر نشانہ بیخطا کیطرح عمل کرنیوالی دوائین رکھی ہین جنسے بڑھکر ڈاکٹری و یونانی طب اسوقت تک کچھ ثابت نہین کرسکی یہ پاکٹ کیس ایسا بنایا گیا ہے کہ جیب مین بھی رہ سکے اور دوائیون کی مقدار اسمین اسقدر ہے کہ دو ڈھائی سو آدمیون کیلئے کفایت کرسکین ایک کتاب اسکے ہمراہ ہے اور ہر طرح سے ایسی آسانی کیگئی ہے کہ نہ بد بر جاننے والا انسان بھی اسکو سمجھ کر خود طبیب کا کام دے سکتا ہے اور ادویہ کے استعمال بروقت سے جان مریض کو خطرات معلقہ سے بچا سکتا ہے اسلئے اس پاکٹ کیس کا ہر انسان کے پاس ہونا ضروری ہے گھر مین سفر مین جنگل مین

عمدۃ التقویم ۱۹۱۴ء مفت فہرست ادویات مفت	حکیم محمد حسین اینڈ برادرز مالکان کارخانہ مرہم عیسیٰ نولکھا لاہور سے طلب کرو	رسالہ آئینہ صحت مفت

”ضروری استدعا“

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہین اور اپنے مقامی سٹیشن مین کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونے کے باعث انہین کسی اور شہر سے ادویات منگوانی ہوں

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم مولوی فضل دین صاحب طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۵

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور ۲۰ مئی سنہ ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا - چندہ سالانہ اردو پرچہ .... عہ

"تفسیر سورۂ جمعہ"

نورِ فرقان ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا ✤ پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے ✤ جو ضروری تھا وہ سب اسمیں مہیا نکلا
سب جہان چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں ✤ مئے عرفان کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ ✤ وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

اعلان

مجھے اس رسالہ کے متعلق کچھ کہنے کی خصوصًا احمدی جماعت کو ترغیب خریداری کے لئے مطلق ضرورت نہیں کیونکہ وہ محض بفضل خداوندکریم وبطفیل سیّدنا جناب حضرت مسیح موعودنورٌ من اللہ الاحد والصمد قرآن کریم کی عظمت اور اسکو سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت اور فائدے کو ایک حد تک بخوبی سمجھنے لگی ہے مجھے انکی خدمتمیں صرف اتنا ہی عرض کردینا ہے کہ اول تو یہ کلام پاک حضرت خداوند احدیت ہے۔ دوم اسکا مفسر اپنے پایہ کا وہ بینظیر شخص ہے جسکی علمی قابلیت عملی خصوصیت۔ احمدی جماعت کے علاوہ مخالف ہندوستان میں بلکہ اکثر بلاد غیر میں بھی مسلم ہے۔ سوم یہ سورۃ پاک جسکی تفسیر کا اعلان آپکے روبرو ہے۔ کلام خداوندکریم۔ الرحمٰن۔ الرحیم کا وہ عجیب وغریب حصہ ہے جسکا پڑھنا۔ سمجھنا۔ سمجھانا ہر ایک مومن کی زندگی کا پہلا فرض معلوم ہوتا ہے خود مفسر موصوف (خدا کی لاکھ لاکھ رحمتیں انکے شامل حال ہوں) نے اس سورۃ مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے بڑے دردِ دل سے جو کچھ فرمایا ہے وہ آپ تفسیر میں ہی ملاحظہ فرماوینگے۔ اسکے بعد خداتعالےٰ کے فضل سے اگر آپکا دل رقت اور جوش سے گواہی دے اٹھے اور اس بات کی ضرورت محسوس ہو کہ اسکی اشاعت کی ملک میں بیحد ضرورت ہے تو آپکا یہ سب سے اہم فرض ہونا چاہیے کہ جسطرح آپسے ہوسکے خواہ خود خرید کر خواہ ترغیب دیکر خواہ اعلان کرکے اپنے تمام دوستوں ملاقاتیوں۔ رشتہ داروں۔ عزیزوں وغیرہ کے ہاتھ اسکی ایک ایک کاپی پہنچاویں۔ والسلام۔ وما علینا الا البلاغ۔

قیمت بلحاظ تعداد حسب ذیل ہے

ایک جلد ۴ر ...... ایک جلد کے خریدار کو بمعہ محصولڈاک وغیرہ ۔ ۵ ٹکٹوں کے ذریعہ لفافہ میں بند کرکے بھیجنی چاہئیں۔
پانچ جلد عہ ذریعہ ویلیو پے ایبل پارسل روانہ ہونگی۔
دس جلد عا ۔ " " " "
پچیس جلد للعہ " " " "

درخواستیں پتہ ذیل پر آنی چاہئیں

حکیم محمد حسین قریشی۔ کارخانہ رفیق الصحت حویلی کابلی مل لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

نجات کیلئے کس قسم کی قربانی کی ضرورت ہے

اس عنوان کے ماتحت ہم یہ بحث کرین گے کہ اسلام انسان کی نجات کے لئے اُس سے کس قسم کی قربانی چاہتا ہے۔ اور آیا اسکے سوائے کسی اور مذہب نے بھی کوئی ایسی قربانی پیش کی ہے جو ذریعہ نجات ہو سکے۔ ظاہری قربانیان جو اسلام مین کی جاتی ہین وہ خدا تعالے کے حکم کی فرمانبرداری ہین اور اس کا قرب حاصل کرنیکے لئے کی جاتی ہین۔ اسلام کی قربانی حضرت ابراہیمؑ کی اس عظیم الشان قربانی کی یادگار ہے جو اس نے حکم الٰہی کی فرمانبرداری مین کر کے دکھائی اور قربانی کرنیوالے کے عمل کا اصل منشار یہ ہے کہ وہ خدا تعالے کے احکام کی فرمانبرداری مین ہر ایک چیز کو ابراہیم کی طرح قربان کرنیکو تیار ہے اور بکلی اللہ تعالے کی رضا کے نیچے ہو کر چلتا ہے چنانچہ قرآن شریف مین قربانیون کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ان کا گوشت پوست یا خون خدا کو نہین پہنچتا بلکہ اصل چیز جو اللہ تعالی کی نظر مین منظور ہے۔ وہ تمہارا تقوے ہے۔ قربانی کے لئے جو الفاظ عربی زبان مین استعمال کئے جاتے ہین وہ خود اس امر پر بطور دلیل کے ہین کہ قربانی کا مفہوم اسلام مین دوہرا ہے۔ یعنی ایک تو وہ قربانی جو بطور خدا تعالی کی عبادت کے کیجاتی ہے اور دوسرا روح کی سچی فرمانبرداری جو قربانی کا اصل منشا ہے۔ چنانچہ لفظ قربان قرب سے مشتق ہے جسکا منشا یہ ہے کہ جو انسان قربانی کو اخلاص اور خدا پرستی اور ایمانداری سے کرتا ہے اسکے لئے قربانی خدا تعالے کے قرب اور ملاقات کا موجب ہوتی ہے اسی طرح پر قربانی کو نسیکہ بھی کہا گیا ہے جو نسک سے مشتق ہے جسکے اصل معنے عربی زبان مین طاعت اور عبادت ہین پس یہ اشتراک معنی کہ قربانی کے الفاظ کا لغوی مفہوم طاعت اور عبادت اور قرب الٰہی ہے قطعی طور پر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سچا عابد فی الحقیقت وہ ہے جو اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے اور اس کی راہ مین اپنے نفس کو اپنے تمام محبوبات کو اور اپنی خواہشات کو قربان کر دیتا ہے۔ اور جس کی

نفسانی خواہشین ایسی مرجاتی ہین کہ گویا بالکل نیست و نابود ہوجاتی ہین جو شخص ان دو مشترک مفہومون پر غور اور تدبر کریگا وہ آسانی سے اس بات کو معلوم کرلیگا کہ اسلام مین قربانی کا مغز اللہ تعالے کی عبادت اور اطاعت ہے اور حقیقی عبادت ایک قربانی چاہتی ہے یعنی نفس امارہ کا ذبح کرنا انسان کو خدا سے دور کرتا ہے اور خدا تعالے کے تعلق کے سوا باقی تمام تعلقات کا توڑ ڈالنا۔ اور خدا کی راہ مین ہر طرح کے مصائب و شدائد برداشت کرنا۔ جبتک انسان قربانی نہین کرتا وہ خدا کا حقیقی عابد نہین کہلا سکتا اور اسوقت تک غفلت کی موت سے نجات نہین پاتا یہی لفظ اسلام کا مفہوم بھی ہے یعنی خدا تعالے کی مرضی کے پورے طور پر تابع ہوجانا جسکے لئے ضرورت ہے خدا کے ماسوا کی قربانی کی حقیقی مسلم وہ ہے جو کامل طور پر خدا کے تابع ہوکر چلتا ہے اور جسکے شہوات اور خواہشات پر موت وارد ہوچکتی ہے۔ حاصل کلام اسلام مین قربانی نفس کی قربانی کا ایک ظاہری نشان ہے اور اس مقصود کے لئے بطور یاددہانی کے ہے اور اس مقام کے حاصل کرنیکے لئے بطور ترغیب کے ہے اور اس حقیقت کے لئے جو سلوک تمام کے بعد حاصل ہوتی ہے ایک ارہاص ہے +

یہ وہ قربانی ہے جو اسلام انسان سے اُس کی نجات کے لئے چاہتا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہم سچی پاکیزگی حاصل کرنیکے لئے اپنے وجود کی پاک قربانی پیش کرین جو اخلاص کے پانیون سے دھوئی ہوئی اور صدق اور صبر کی آگ سے صاف کی ہوئی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ بلٰی من اسلم وجہہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون + یعنی جو شخص اپنے وجود کو خدا کے آگے رکھدے اور اپنی زندگی اس کی راہون مین وقف کرے اور نیکی کرنے مین سرگرم ہو سو وہ سرچشمہ قرب الٰہی سے اپنا اجر پائیگا۔ اور ان لوگون پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم یعنی جو شخص اپنے تمام قوے کو خدا کی راہ مین لگادے اور خالص خدا کے لئے اسکا قول اور فعل اور حرکت اور سکون اور تمام زندگی ہوجائے۔ اور حقیقی نیکی کے بجالانے مین سرگرم رہے سو اسکو خدا اپنے پاس سے اجر دیگا اور خوف و حزن سے نجات بخشیگا۔ یاد رہے کہ یہی اسلام کا لفظ اسجگہ بیان ہوا ہے دوسرے لفظون مین قرآن شریف مین اس کا نام استقامت رکھا ہے جیسا کہ وہ یہ دعا سکھلاتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم یعنی ہمین استقامت کی راہ پر قائم کر ان لوگون کی راہ جنہون نے تجھ سے انعام پایا اور جن پر آسمانی دروازے کھلے۔ واضح رہے کہ ہر ایک چیز کی وضع استقامت اس کی علت غائی پر نظر کرکے سمجھی جاتی ہے۔ اور انسان کے وجود کی علت غائی یہ ہے کہ نوع انسان خدا کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ پس انسانی وضع استقامت یہ ہے کہ جیسا کہ وہ اطاعت ابدی کے لئے پیدا کیا گیا ہے ایسا ہی درحقیقت خدا کے لئے ہوجائے اور جب وہ تمام اپنے قوے سے خدا کے لئے ہوجائیگا تو بلا شبہ اسپر انعام نازل ہوگا جسکو دوسرے لفظون مین پاک زندگی کہہ

سکتے ہین - جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ جب آفتاب کیطرف کی کھڑکی کھول جلئے تو آفتاب کی شعاعین ضرور کھڑکی کے اندر آجاتی ہین ایسا ہی جب انسان خدا تعالی کی طرف بالکل سیدھا ہو جاتے اور اس مین اور خدا تعالی مین کچھ حجاب نہ رہے تب فی الفور ایک نورانی شعلہ اسپر نازل ہوتا ہے اور اسکو منور کر دیتا ہے اور اس کی تمام اندرونی غلاظت دھو دیتا ہے تب وہ ایک نیا انسان ہو جاتا ہے اور ایک بھاری تبدیلی اسکے اندر پیدا ہوتی ہے تب کہا جاتا ہے کہ اس شخص کو پاک زندگی حاصل ہوئی - اس پاک زندگی کے پانے کا مقام یہی دنیا ہے اسی کی طرف اللہ جلشانہ اس آیت مین اشارہ فرماتا ہے ـ مَن کانَ فی ہٰذہٖ اعمٰی فہو فی الآخرۃ اعمٰی واضلّ سبیلا + یعنے جو شخص اس جہان مین اندھا رہا اور خدا کے دیکھنے کا اسکو نور نہ ملا وہ اُس جہان مین بھی اندھا ہی ہوگا - غرض خدا کے دیکھنے کے لئے انسان اسی دنیا سے حواس لیجاتا ہے - جسکو اس دنیا مین یہ حواس حاصل نہین ہوئے اور اسکا ایمان محض قصون اور کہانیون تک محدود رہا - وہ ہمیشہ کی تاریکی مین پڑے گا - غرض خدا تعالے نے پاک زندگی اور حقیقی نجات حاصل کرنیکے لئے ہمین سکھلایا ہے کہ ہم بالکل خدا کے ہو جائین اور سچی وفاداری کے ساتھ اسکے آستانہ پر گرین اور اس بدذاتی سے اپنے تئین الگ رکھین کہ مخلوق کو خدا ٹھہرا لین اگرچہ مارے جائین ٹکڑے ٹکڑے کئے جائین آگ مین جلائے جائین اور خدا کی ہستی پر اپنے خون سے مہر لگا دین اسی وجہ سے خدا نے ہمارے دین کا نام اسلام رکھا تا یہ اشارہ ہو کہ ہمنے خدا کے آگے سر رکھدیا ہے -

اس تمام تحقیق سے یہ معلوم ہو گیا کہ قرآن کریم نجات کے لئے انسان سے کس قسم کی قربانی چاہتا ہے اسکے خلاف عیسائی ایک اور قسم کی قربانی پیش کرتے ہین جسے وہ انسان کی نجات کے لئے ضروری سمجھتے ہین - عیسائی عقیدہ کے مطابق انسان کی نجات اس امر پر موقوف نہین ہے - کہ وہ اپنی ہی قربانی کرے یا دوسرے لفظون مین پورے طور پر اللہ تعالی کی مرضی کے تابع ہو کر . . اُس کی راہون مین چلے بلکہ انکے عقیدہ کی رو سے انسانون کی نجات یسوع کی قربانی سے ہوئی جسکے متعلق وہ یہ فرض کرتے ہین کہ وہ تمام دنیا کے گناہ اٹھا کرلے گیا گویا خدا نے اپنا اکلوتا بیٹا گنہ گارون کی قربان کردیا اور اس قربانی کی قدر انکے نزدیک اور بھی بڑھ جاتی ہے جب اس امر کو مدنظر رکھا جائے کہ خدا کے ہان یہ ایک ہی بیٹا تھا - عیسائی عقیدہ مین خدا کی محبت کی جو اسے انسان سے ہے یہ اعلے سے اعلے تجلّی ہو کہ اپنے بیٹے کو قربان کرکے گنہ گارون کو نجات دیدی اور صرف یہی ایک ذریعہ نجات کا ہے - اسلئے اب ہمین ان دونون قسم کی قربانیون کا مقابلہ کرکے یہ دیکھنا ہے کہ ان مین سے واقعی اور سچی قربانی جسکا لازمی اور قدرتی نتیجہ نجات ہو کونسی ہے - اسلئے ہم پہلے یہ دیکھین گے کہ گناہ کیا چیز ہے اور اسکا علاج کیا ہے یعنی کیونکر انسان ایک پاکیزہ زندگی حاصل کر سکتا ہے جسے انسان کی نجات سمجھنا چاہئے - گناہ درحقیقت ایک ایک ایسا زہر ہے جو اسوقت پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان خدا کی اطاعت اور پرجوش محبت اور محبانہ یاد

الٰہی سے محروم اور بے نصیب ہو اور جیسا کہ ایک درخت جب زمین سے اکھڑ جائے اور پانی چوسنے کے قابل نہ رہے تو وہ دن بدن خشک ہونے لگتا ہے اور اس کی تمام سرسبزی برباد ہو جاتی ہے یہی حال اُس انسان کا ہوتا ہے جسکا دل خدا کی محبت سے اکھڑا ہوا ہوتا ہے پس خشکی کی طرح گناہ اُسپر غلبہ کرتا ہے سو اس خشکی کا علاج خدا کے قانون قدرت میں تین طور سے ہے (۱) ایک محبت (۲) استغفار جسکے معنے ہیں دبانے اور ڈھانکنے کی خواہش کیونکہ جب تک مٹی میں درخت کی جڑ جمی رہے تب تک وہ سرسبزی کا امیدوار ہوتا ہے (۳) تیسرا علاج توبہ ہے یعنے زندگی کا پانی کھینچنے کے لئے تذلّل کے ساتھ خدا کیطرف پھرنا اور اس سے اپنے تئیں نزدیک کرنا۔ اور معصیت کے حجاب سے اعمال صالح کے ساتھ اپنے تئیں باہر نکالنا۔ اور توبہ صرف زبان سے نہیں ہے بلکہ توبہ کا کمال اعمال صالح کے ساتھ ہے تمام نیکیاں توبہ کی تکمیل کے لئے ہیں کیونکہ سب سے مطلب یہ ہے کہ ہم خدا سے نزدیک ہو جائیں۔ دعا بھی توبہ ہے کیونکہ اس سے بھی ہم خدا کا قرب ڈھونڈتے ہیں اس لئے خدا نے انسان کی جان کو پیدا کر کے اسکا نام روح رکھا کیونکہ اسکی حقیقی راحت اور آرام خدا کے اقرار اور اس کی محبت اور اسکی اطاعت میں ہے اور اسکا نام نفس* رکھا کیونکہ وہ خدا سے اتحاد پیدا کرنیوالا ہے۔ خدا سے دل لگانا ایسا ہوتا ہے جیسا کہ باغ میں وہ درخت ہوتا ہے جو باغ کی زمین سے خوب پیوستہ ہوتا ہے یہی انسان کا جنت ہے۔ اور جس طرح درخت زمین کے پانی کو چوستا اور اپنے اندر کھینچتا اور اس سے اپنے زہریلے بخارات باہر نکالتا ہے اسی طرح انسان کے دل کی حالت ہوتی ہے کہ وہ خدا کی محبت کا پانی چوسکر زہریلے مواد کے نکالنے پر قوت پاتا ہے اور بڑی آسانی سے ان مواد کو دفع کرتا ہے اور خدا میں ہو کر پاک نشو و نما پاتا جاتا ہے اور بہت پھیلتا اور خوشنما سرسبزی دکھلاتا اور اچھے پھل لاتا ہے مگر جو خدا میں پیوستہ نہیں وہ نشو و نما دینے والے پانی کو چوس نہیں سکتا اسلئے دمبدم خشک ہوتا چلا جاتا ہے آخر پتے بھی گر جاتے ہیں اور خشک اور بدشکل ٹہنیاں رہجاتی ہیں۔ پس چونکہ گناہ کی خشکی بے تعلقی سے پیدا ہوتی ہے اسلئے اس خشکی کے دور کرنے کے لئے سیدھا علاج مستحکم تعلق ہے جسپر قانون قدرت گواہی دیتا ہے اس کی طرف اللہ جلّشانہ اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ یَا اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ یعنے اے وہ نفس جو خدا سے آرام یافتہ ہے اپنے رب کیطرف واپس چلا آ۔ وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی۔ پس میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میرے بہشت کے اندر آ +

غرض گناہ کے دور کرنیکا علاج صرف خدا کی محبت اور عشق ہے۔ لہٰذا وہ تمام اعمال صالحہ جو محبت اور عشق کے سرچشمہ سے نکلتے ہیں گناہ کی آگ پر پانی چھڑکتے ہیں۔ کیونکہ انسان خدا کے لئے نیک کام کر کے اپنی محبت پر مہر لگاتا ہے۔ یہ ہنسی کی بات ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے سردرد پر رحم کر کے اپنے سر پر پتھر مارے یا دوسرے کے بچانے کے خیال سے خودکشی کرے۔ دنیا میں کوئی ایسا دانا نہیں ہوگا کہ ایسی

* نفس لغت میں ہمیں شئے کے معنے رکھتا ہے۔ منہ۔

خودکشی کو انسانی ہمدردی مین خیال کرسکے۔ اگر بالفرض ایسا شخص ہمدردی کے خیال سے بھی ایسا فعل کرتا ہے تو اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر دوسرے کے بچانے کی طاقت نہین پاتا اور اسلئے مایوس ہوکر اپنی زندگی کا بھی خاتمہ کردیتا ہے۔ بیشک انسانی ہمدردی عمدہ چیز ہے اور دوسروں کے بچانیکے لئے تکلیف اٹھانا بڑے بہادرون کا کام ہے۔ مگر کیا ان تکلیفوں کے اٹھانے کی یہی راہ ہے۔ جو یسوع کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کاش اگر یسوع خودکشی سے اپنے تئین بچاتا اور دوسرونکے آرام کے لئے معقول طور پر عقلمندون کی طرح تکلیفین اٹھاتا تو اس کی ذات سے دنیا کو فایدہ پہنچ سکتا تھا۔ مثلاً اگر ایک غریب آدمی گھر کا محتاج ہے اور معمار لگانے کی طاقت نہین رکھتا تو اس صورت مین اگر ایک معمار اسپر رحم کرکے اسکا گھر بنانے مین مشغول ہوجائے اور بغیر لینے اجرت کے چند روز سخت مشقت اٹھاکر اسکا گھر بنادیوے تو بیشک یہ معمار تعریف کے قابل ہوگا اور بیشک اس نے ایک مسکین پر احسان بھی کیا ہے جسکا گھر بنادیا لیکن اگر وہ اس شخص پر رحم کرکے اپنے سر پر پتھر مارلے تو اس غریب کو اس سے کیا فایدہ پہنچے گا۔ افسوس دنیا مین بہت تھوڑے لوگ ہین جو نیکی اور رحم کرنیکے معقول طریقون پر چلتے ہین اگر یہ سچ ہے کہ یسوع نے اس خیال سے کہ میرے مرنے سے لوگ نجات پاجائینگے درحقیقت خودکشی کی ہے تو یسوع کیحالت نہایت ہی لایق رحم ہے اور یہ واقعہ پیش کرنے کے لایق نہین بلکہ چھپانے کے لایق ہے۔

اور اگر ہم عیسائیونکے اس اصول کو لغت کے مفہوم کے رو سے جانچین جو مسیح کی نسبت تجویز کی گئی ہے تو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس اصول کو قائم کرکے عیسائیون نے یسوع مسیح کی وہ بے ادبی کی ہے جو دنیا کی کسی قوم نے اپنے رسول یا نبی کی نہین کی ہوگی کیونکہ یسوع کا لعنتی ہوجانا گو وہ تین دن کے لئے ہی سہی عیسائیونکے عقیدہ مین داخل ہوا اور اگر یسوع کو لعنتی نہ بنایا جائے تو مسیحی عقیدہ کے رو سے کفارہ اور قربانی وغیرہ سب باطل ہوجاتے ہین۔ گویا اس تمام عقیدہ کا شہتیر لعنت ہی ہے ٭

اور یہ باتین جو یسوع نوع انسان کی محبت کیلئے دنیا مین بھیجا گیا اور نوع انسان کی خاطر اس نے اپنے تئین قربان کیا۔ یہ تمام کارروائی عیسائیون کے خیال مین اس شرط سے مفید ہے کہ جب یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یسوع اول دنیا کے گناہون کے باعث ملعون ہوا۔ اور لعنت کی لکڑی پر لٹکایا گیا اس لئے یسوع مسیح کی قربانی لعنتی قربانی ہے گناہ سے لعنت آئی اور لعنت سے صلیب ہوئی اب تنقیح طلب یہ امر ہے کہ لعنت کا مفہوم کسی راستباز کیطرف منسوب کرسکتے ہین؟ سو واضح ہو کہ عیسائیون نے یہ بڑی غلطی کی ہے کہ یسوع کی نسبت لعنت کا اطلاق جائز رکھا گو وہ تین دن تک ہی ہو یا اس سے بھی کم کیونکہ لعنت ایک ایسا مفہوم ہے جو شخص ملعون کے دل سے تعلق رکھتا ہے

اور کسی شخص کو اسوقت لعنتی کہا جاتا ہے جبکہ اسکا دل خدا سے بالکل برگشتہ اور اسکا دشمن ہو جائے اسلئے لعین شیطان کا نام ہے اور اس بات کو کون نہیں جانتا کہ لعنت قرب کے مقام سے رد کرنیکو کہتے ہیں اور یہ لفظ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جسکا دل خدا کی محبت اور اطاعت سے دور جا پڑے اور در حقیقت وہ خدا کا دشمن ہو جائے لفظ لعنت کے یہی معنے ہیں جسپر تمام اہل لغت نے اتفاق کیا ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر در حقیقت یسوع مسیح پر لعنت پڑ گئی تھی تو اس سے لازم آتا ہے کہ در حقیقت وہ مورد غضب الٰہی ہو گیا تھا اور وہ خدا کا دشمن ہو گیا تھا اور خدا اس سے بیزار اور وہ خدا سے بیزار ہو گیا تھا جیسا کہ لعنت کا مفہوم ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ لعنت کے دنوں میں در حقیقت کافر اور خدا سے برگشتہ اور خدا کا دشمن اور شیطان کا حصہ اپنے اندر رکھتا تھا پس یسوع کی نسبت ایسا اعتقاد کرنا گویا نعوذ باللہ اسکو شیطان کا بھائی بنانا ہے ایک راستباز نبی کی نسبت ایسی بے باکی کوئی خدا ترس نہیں کریگا بجز اس شخص کے جو خبیث طبع اور ناپاک طبع ہو +

پس جبکہ یہ بات باطل ہوئی کہ حقیقی طور پر یسوع مسیح کا دل مورد لعنت ہو گیا تھا پس ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ایسی لعنتی قربانی بھی باطل اور نادان لوگوں کا اپنا منصوبہ ہے۔ اگر نجات اسی طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ اول یسوع کو شیطان اور خدا سے برگشتہ اور خدا سے بیزار ٹھیرایا جاوے تو لعنت ہے ایسی نجات پر!! اس سے بہتر تھا کہ عیسائی اپنے لئے دوزخ قبول کر لیتے لیکن خدا کے ایک مقرب کو شیطان کا لقب نہ دیتے افسوس کہ ان لوگوں نے کیسی بیہودہ اور ناپاک باتوں پر بھروسہ کر رکھا ہے ایک طرف تو خدا کا بیٹا اور خدا سے نکلا ہوا اور خدا سے ملا ہوا فرض کرتے ہیں اور دوسری طرف شیطان کا لقب اسکو دیتے ہیں کیونکہ لعنت شیطان سے مخصوص ہے اور لعین شیطان کا نام ہے اور لعنتی وہ ہوتا ہے جو شیطان سے نکلا اور شیطان سے ملا ہوا اور خود شیطان ہے۔ پس عیسائیوں کے عقیدہ کے رو سے یسوع میں دو قسم کی تثلیث پائی گئی۔ ایک رحمانی اور ایک شیطانی اور نعوذ باللہ یسوع نے شیطان میں ہو کر شیطان کے ساتھ اپنا وجود ملایا اور لعنت کے ذریعہ سے شیطانی خواص اپنے اندر لئے۔ یعنے یہ کہ خدا کا نافرمان ہوا خدا سے بیزار ہوا خدا کا دشمن ہوا۔ اب ناظرین انصاف فرماویں کہ کیا یہ مشن جو مسیح کیطرف منسوب کیا جاتا ہے کوئی روحانی یا معقولی پاکیزگی اپنے اندر رکھتا ہے؟ کیا دنیا میں اس سے بدتر کوئی اور عقیدہ بھی ہو گا کہ ایک راستباز کو اپنی نجات کیلئے خدا کا دشمن اور خدا کا نافرمان اور شیطان قرار دیا جائے؟ خدا کو جو قادر مطلق اور رحیم کریم تھا اس لعنتی قربانی کی کیا ضرورت پڑی؟۔

پھر جب اس اصول کو اس پہلو سے دیکھا جائے کہ کیا اس لعنتی قربانی کی تعلیم یہودیوں کو بھی دیگئی ہے یا نہیں تو اور بھی اسکے کذب کی حقیقت کھلتی ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر خدا تعالےٰ کے

ہاتھ مین انسانون کی نجات کے لئے صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ اسکا ایک بیٹا ہوا اور وہ تمام گنہ گارونکی لعنت کو اپنے ذمہ لے اور پھر لعنتی قربانی بنکر صلیب پر کھینچا جائے تو یہ امر ضروری تھا کہ یہودیونکو لئے توریت اور دوسری کتابون مین جو یہودیونکے ہاتھ مین ہین اس لعنتی قربانی کا ذکر کیا جاتا۔ کیونکہ کوئی عقلمند اس بات کو باور نہین کرسکتا کہ خدا کا وہ ازلی ابدی قانون جو انسانون کی نجات کے لئے اس نے مقرر کر رکھا ہے ہمیشہ بدلتا رہے اور توریت کے زمانہ مین کوئی اور ہو اور انجیل کے زمانہ مین کوئی اور قرآن کے زمانہ مین کوئی اور ہو۔ اب ہم جب تحقیق اور تفتیش کی نظر سے دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ توریت اور یہودیون کی تمام کتابون مین اس لعنتی قربانی کی تعلیم نہین ہے۔ نجات کے بارہ مین توریت کی تعلیم بالکل قرآن کے مطابق ہے یعنے خدا کی طرف سچا رجوع کرنا اور گناہون کی معافی چاہنا اور جذبات نفسانیہ سے دور ہوکر خدا کی رضا کے لئے نیک اعمال بجالانا اور اسکے حدود اور قوانین اور احکام اور وصیتون کو بڑے زور اور سختی کے ساتھ بجالانا ہی ذریعہ نجات ہے جو بار بار توریت مین ذکر کیا گیا جسپر ہمیشہ خدا کے مقدس نبی پابندی کراتے چلے آئے ہین اور جسکے چھوڑنے پر عذاب بھی نازل ہوتے رہے ہین۔

اب ہم مختصر طور پر یہ دکھانا چاہتے ہین کہ یسوع کی قربانی کے متعلق عیسائیونکے درمیان یہ خیال کیونکر پیدا ہوا۔ ایک ہی امر پر غور کرنیسے یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ عیسائیون نے یہ عقیدہ کس طرح بنایا۔ مسیح سے پہلے جو نبی گزرے ہین ان کے متعلق تو ہم دکھا چکے ہین کہ انہون نے عیسائیون والے طریق نجات کی کبھی تعلیم نہین دی لیکن عجیب بات یہ ہے کہ خود یسوع نے بھی اس عقیدہ کی تعلیم اپنی ساری عمر مین نہین دی اور وہ اپنی پیدائش سے لیکر موت تک یہودی عقیدہ کا پابند رہا۔ اسکی شہادت اناجیل سے ملتی ہے۔ یسوع کی ماں کا بچہ جننے کے بعد موسوی شریعت کے مطابق قربانی کرنا۔ یسوع کا اپنا مع والدین کے یروشلم کو عید فسح کے موقعہ پر جانا اور پھر صلیب سے پہلی رات اپنے تمام شاگردون سمیت عید فسح کا منانا یہ تمام امور ۔ ۔ ۔ جو اناجیل مین مذکور ہین ظاہر کر رہے ہین بلکہ قطعی طور سے اس امر کو ثابت کر رہے ہین کہ پیدائش سے لیکر موت تک یسوع موسوی شریعت پر عمل کرتا رہا۔ اور اسکو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا رہا اور خود کوئی نیا عقیدہ اپنی قربانی کا اس نے نہین سکھلایا یہی نہین کہ یسوع خود ہی موسوی شریعت کے احکام کے مطابق اسی معمولی قربانی کا پابند رہا ہے بلکہ وہ تعلیم بھی اسی قربانی کی دیتا رہا اور ایک لفظ تک اناجیل مین نہین پایا جاتا جس سے معلوم ہو کہ یسوع یہ سمجھتا تھا کہ اسکی قربانی سے پہلی قربانیونکا قانون منسوخ ہو چکا ہے انجیلونکے قصے کے مطابق اس نے جب ایک مجذوم کو اچھا کیا تو اسے کہا کہ کاہن کے پاس جا اور موسےٰ کی شریعت کے مطابق قربانی گذران (مرقس $\frac{1}{۴۴}$)۔ ظاہر ہے کہ جس آدمی پر ایسا بڑا معجزہ یسوع نے دکھایا یا وہ اسپر ایمان

بھی رکھتا ہوگا لیکن باوجود ایمان کے یسوع نے اسے شریعت کے مطابق قربانی کرنیکا حکم دیا۔ اور پھر اپنی پہاڑی وعظ مین جس پر عیسائیون کو بہت بڑا فخر ہے۔ یسوع کہتا ہے "پس اگر تو قربانگاہ مین اپنی نذر لیجاوے اور وہان تجھے یاد آوے کہ تیرا بھائی تجھ سے کچھ مخالفت رکھتا ہے تو وہان اپنی نذر قربانگاہ کے سامنے چھوڑکے چلا جا۔ پہلے اپنے بھائی سے میل کر تب آکے اپنی نذر گذران" (متی ۵ باب ۲۳-۲۴) یہ یسوع کی صاف صاف تعلیم ہے۔ علاوہ ازین اس کی اس تعلیم مین جو اناجیل مین موجود ہے ایک لفظ بھی ایسا نہین ملتا جس سے یہی سمجھا جاوے کہ یہودیون مین قربانی کے اصول پر اس نے کوئی نئی روشنی ڈالی ہو یا اسکا بنی اسرائیل کے پیغمبرون کی نسبت کوئی عمدہ فلسفہ بیان کیا ہو۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ یہود کے اندر قربانی کا مسئلہ ایک سطحی مسئلہ یا روحانیت سے خالی تھا۔ بلکہ انبیا نے قربانی کی اصل حقیقت کو ان پر خدا تعالے سے الہام پاکر منکشف کردیا تھا۔ بعنوان "روحانیت مسئلہ قربانی" جیوش انسکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۲۷۶- پر لکھا ہے "موسوی شریعت مین قربانی کا خون گرانیکا یہ مطلب تھا کہ خدا تعالی سے دوبارہ تعلق قائم کیا جاوے اور روح اور اسکے خالق کے درمیان بُعد کو دور کرکے پھر صلح پیدا ہو اسلئے اس قسم کی قربانی کے ساتھ گناہونکا اقرار بھی لازمی تھا جن گناہونکے کفارہ کے طور پر یہ قربانی دیجاتی تھی۔ ...... یا جیسا کہ فائلو کہتا ہے "یہ غرض بغیر توبہ کے خلوص کے حاصل نہین ہوسکتی یعنی صرف الفاظ سے نہین بلکہ اعمال سے اور ایسی تسلیم سے جو اسے بیماری سے شفا دے اور اسکی صحت کو قائم کرے" اور پھر لکھا ہے "درآنحالیکہ قربانی کی رسومات صرف لوگون کے دلونپر اللہ تعالے کی تقدیس اور انسان کی گنہگاری کے خطرناک نتائج کا اثر پیدا کرنیوالی تھین گناہونکے کفارہ کا خیال انبیا کی زندگی اور تعلیم مین ایک بڑے گہرے اور روحانی معنے حاصل کرچکا تھا ہوسیع۔ عاموس۔ میکہ اور فرقی ایل نے توبہ کے سوا کوئی ذریعہ اللہ تعالے سے صلح کا اور گناہ کے بُعد کو دور کرنیکا نہین تسلیم کیا" چنانچہ ہوسیع باب ۱۴ مین ہے۔ اے اسرائیل تو خداوند اپنے خدا کیطرف پھر کیونکہ تو اپنی بدکاری کے سبب گر گیا۔ تم کلمہ ساتھ لے کے خداوند کیطرف پھرو۔ اور اسے کہو کہ ساری بدکاری کو دور کر اور ہمین عنایت سے قبول کر۔ تب ہم اپنے ہونٹھون کے بچھڑے نذر گذرانینگے (ہوسیع ۱۴/۱-۲) اور ایسا ہی میکہ نبی کہتا ہے۔ مین کیا لیکے خداوند کے حضور مین آؤن اور خدا تعالے کے آگے کیونکر سجدہ کرون کیا سوختنی قربانیون اور ایک سالہ بچھڑون کو لیکر اسکے آگے آؤنگا۔ کیا خداوند ہزارون مینڈھون سے یا تیل کی دس ہزار نہرون سے خوش ہوگا کیا مین اپنے پلوٹھے کو اپنے گناہ کے عوض اپنے پیٹ کے پھل کو اپنی جان کی خطا کے بدلے مین دیڈالونگا۔ اے انسان اس نے تجھے وہ دکھایا ہے جو کچھ کہ بھلا ہے اور خداوند تجھ سے اور کیا چاہتا ہے مگر یہ کہ تو انصاف کرے اور رحمدلی کو پیار کرے اور اپنے خدا کے ساتھ فروتنی سے چلے۔ (میکہ ۶ باب ۶-۸) ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہودیونکا اصل عقیدہ کیا تھا اور یسوع نے

نہ اس سے کچھ کم کیا اور نہ اسپر کچھ بڑھایا بلکہ اسیکا پابند رہا۔ ابتدائی زمانہ کے عیسائی بھی اپنے استاد کے
قدم بقدم چلتے رہے اور ہیکل مین عبادت کرتے اور قربانیان گذرانتے رہے جیساکہ یہودی کرتے تھے
بلکہ پولوس بھی جس نے آخر کار شریعت کے احکام کو چھوڑ کر نیا دین بنایا ابتدائے زمانہ مین جب
اس نے عیسائی واعظ کا کام شروع کیا اسی عقیدے کا پابند تھا چنانچہ فیلکس کے سامنے اس نے یہی اظہار
دیا کہ مین موسوی شریعت کے مطابق عبادت کرتا اور نذر چڑھاتا اور شریعت کے سب احکام پر یقین رکھتا
ہون۔ (اعمال باب ۲۴)۔

ان تمام باتون پر غور کرکے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کی صلیب سے کچھ عرصہ بعد تک عیسائیون نے ہرگز کوئی
نیا عقیدہ نجات کا نہین گھڑا اور نہ ہی پچھلے عقیدہ کو منسوخ سمجھا۔ بلکہ یہ بھی نہین کہ صلیب کے مابعد ان کا
عقیدہ بدل گیا ہو۔ اور یہ سمجھ لیا گیا ہو کہ یسوع کی قربانی نجات کے لئے ایسی کافی ہے کہ نجات کا طریقہ جو انبیا
نے سکھایا تھا وہ اس سے منسوخ ہوگیا۔ اگر یسوع اپنی موت کا واقعی کوئی ایسا اثر سمجھتا تو سب سے پہلے
وہ اپنے حواریون کو یہ تعلیم دیتا کہ میری موت سے موسٰے کی شریعت منسوخ ہو جائیگی اور عیسائیونکا
ابتدا ہی سے یہی عقیدہ ہوتا لیکن امر واقع یہ ہے کہ یہ عقیدہ بتدریج پیدا ہوا اور بڑھتا گیا جیساکہ نئے
نئے مشکلات پیش آتے گئے پہلے یسوع کی قربانی کو محض استعارہ کے رنگ مین بیان کیا گیا اور پھر آہستہ
آہستہ اسکے لفظی معنے لئے گئے۔ یسوع کی ظاہری موت اس کی رسالت سے اسقدر تھوڑا عرصہ بعد اسقدر
مشکلات کا سبب نہ تھی۔ جیسے کہ اس موت کا طریق۔ موسٰے کی شریعت نے یہ فتوے دیا تھا کہ جو صلیب
پر مرے گا وہ خدا کی لعنت کے نیچے ہوگا یہی وجہ تھی کہ یہودیون نے سازش کی کہ مسیح کو صلیب مارا جائے
تاکہ عوام کی یہ بات ذہن نشین ہو جائے کہ یسوع بہ سبب ہونیکے (نعوذ باللہ) خدا کی لعنت کے نیچے
ہے اور اسلیئے وہ سچا نبی بلکہ ایک راستباز انسان بھی نہین ہو سکتا۔ بظاہر اس مدعا مین یہودی کامیاب
بھی ہوگئے۔ اور اسواسطے جب وہ عیسائیونکو بار بار یہ طعنے دینے لگے کہ تمہارا مرشد خدا کی لعنت کے
نیچے ہے۔ تو عیسائی مجبور ہوئے کہ اس کی صلیب کے لئے کوئی توجیہ پیدا کرین یعنی یہ توجیہ انکو سوجھی
کہ یسوع لوگون کی خاطر قربان ہوا اور انہی کی خاطر ملعون ہوا۔ اور جب ایک دفعہ یہ توجیہ کارگر معلوم
ہوئی تو پھر دن بدن اسکا اثر زیادہ پھیلنا شروع ہوگیا۔ یہ خیال بھی توریت سے ہی لیا گیا جہان انبیا
کی اپنی امتون کیخاطر طرح طرح کے مصائب برداشت کرنیکا ذکر ہے۔ انبیا بھی اپنی امتون کے گناہونکے
لئے معافی چاہتے تھے مگر نہ خودکشی کرکے بلکہ روزے اور عبادت اور دعا اور شفاعت کے ذریعہ چنانچہ
جب حضرت موسٰے کی قوم نے بچھڑون کی عبادت کی تو اللہ تعالے انپر سخت ناراض ہوا اور انکو ہلاک
کرنیکا ارادہ کیا تب موسٰے خدا کے آگے روئے اور تضرع کیا اور دعا کی کہ اس عذاب کو اس کی قوم
کے سر سے ٹال دیا جائے اور ان کا گناہ معاف کر دیا جائے۔ تب حضرت موسٰے کی شفاعت اللہ تعالے

نے قبول کر کے بنی اسرائیل کے گناہ کو معاف کیا (خروج ۳۲ باب ۳۲) یہ معنے تھے راستبازون کے گنہ گارون کی خاطر مصایب برداشت کرنیکے اور ہر ایک عقلمند انسان آسانی سے اسکو سمجھ سکتا ہے لیکن عیسائیون کو جب سخت مشکلات کا سامنا ہوا تو انہون نے اسی خیال سے ایک پرلے درجہ کا بیہودہ عقیدہ بنا لیا کہ ایک انسان باقی دنیا کے لئے خودکشی کر کے انکو نجات دے سکتا ہے اور خود ان کی ساری لعنتین اٹھا لیتا ہے اور جو نتایج سزا اور عذاب کے گنہ گارون نے بھگتنے تھے وہ خود بھگت سکتا ہے یعنی خدا سے بیگانہ ہو جاتا ہے بیزار ہو جاتا ہے اسکا دشمن ہو جاتا ہے اور شیطان کا بھائی بن جاتا ہے +

پھر جب اس عقیدہ کو اس پہلو سے دیکھا جائے کہ باوجودیکہ توریت کی متوارث اور قدیم تعلیم کی مخالفت کی گئی اور ایک کا گناہ دوسرے پر ڈالا گیا اور ایک راستباز کے دل کو لعنتی اور خدا سے دور اور مہجور اور شیطان کا ہم خیال ٹھہرایا گیا پھر ان سب خرابیوں کے ساتھ اس لعنتی قربانی کو قبول کرنیوالون کے لئے فائدہ کیا ہوا۔ کیا وہ گناہ سے باز آ گئے یا ان کے گناہ بخشے گئے تو ادھر بھی اس عقیدہ کی لغویت ثابت ہوتی ہے کیونکہ گناہ سے باز آنا اور سچی پاکیزگی حاصل کرنا تو بداہت خلاف واقعہ ہے کیونکہ یسوع کے حواریون سے بھی ایمان لانے کے بعد قابل شرم گناہ سرزد ہوئے اور یورپ مین جو آج کل شرابخواری اور زناکاری کا طوفان برپا ہے اسکے لکھنے کی حاجت نہین۔

اب دوسرا شق یہ ہے کہ اگر گناہ رک نہین سکتے تو کیا اس لعنتی قربانی سے ہمیشہ گناہ بخشے جاتے ہین۔ گویا یہ ایک نسخہ ہے کہ ایک طرف ایک بدمعاش ناحق کا خون کر کے یا چوری کر کے یا جھوٹی گواہی سے کسی کے مال یا جان یا آبرو کو نقصان پہنچا کر اور یا کسی کے مال کو غبن کیطور پر دبا کر اور پھر اس لعنتی قربانی پر ایمان لا کر خدا کے بندون کے حقوق کو ہضم کر سکتا ہے اور ایسا ہی زناکاری کی ناپاک حالت مین ہمیشہ رہ کر صرف لعنتی قربانی کا اقرار کر کے خدا تعالے کے قہری مواخذہ سے بچ سکتا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ایسا ہرگز نہین کیونکہ اس سے تو کوئی گناہ گناہ نہین رہتا اور مذہب کی آڑ مین ہر قسم کی بدمعاشی جائز ہو جاتی ہے علاوہ ازین کفارے کے عقیدے کو ان ہر دو نتایج سے کوئی تعلق بھی نہین یہ ایک لغو خیال ہے کہ جب ایک انسان یہ خیال کرے کہ یسوع اس کی خاطر مر گیا ہے تو وہ گناہ سے بچ جاتا ہے یا گناہ کرے تو اسکے گناہ معاف ہو جاتے ہین ہم پہلے دکھا چکے ہین کہ گناہ کیا چیز ہے اور اسکا علاج کیا ہے۔

غرضیکہ اس امر کا کوئی ثبوت نہین کہ یسوع کی قربانی نجات کا ذریعہ ہو سکتی ہے یا انسان کو پاک زندگی عطا کر سکتی ہے بلکہ سچا عقیدہ یہی ہے کہ انسان کے اپنے نفس اور خواہشات کی قربانی ہی اسے اللہ تعالے کا مقرب بنا سکتی ہے ہم یہ نہین کہتے کہ عیسائیون مین اچھے لوگ بالکل نہین بلکہ ہمارا منشا یہ ہے کہ جو لوگ ان مین سے نیکی پر قائم ہین وہ ایک کم درجہ کی نیکی انکی فطرتی سعادت

کے سبب سے ہے نہ کفارے سے۔ لیکن مذہب کے اثر کے رو سے کسی قوم کا اچھا ٹھہرانا کسی مذہب کو کسی قوم کی شائستگی کا اصل موجب قرار دینا اسوقت ثابت ہوگا کہ اس مذہب کے بعض کامل پیرو ؤن مین اس قسم کے روحانی کمال پائے جائین جو دوسرے مذہب مین ان کی نظیر نہ مل سکے سو ہم زور سے کہتے ہین کہ یہ خاصہ اسلام مین ہے اسلام نے ہزارون لوگون کو اس درجہ کی پاک زندگی تک پہنچایا ہے جسمین کہہ سکتے ہین کہ گویا خدا کی روح ان کے اندر سکونت رکھتی ہے قبولیت کی روشنی انکے اندر ایسی پیدا ہوگئی ہے کہ گویا وہ خدا کی تجلیات کے مظہر ہین۔ یہ لوگ ہر ایک صدی مین ہوتے رہے ہین اور ان کی پاک زندگی بے ثبوت نہین اور نرا اپنے منہ کا دعوے نہین بلکہ خدا گواہی دیتا رہا ہے کہ ان کی پاک زندگی ہے۔ یاد رہے کہ خدا تعالے نے قرآن شریف مین اعلے درجہ کی پاک زندگی کی یہ علامت بیان فرمائی ہے کہ ایسے شخص سے خوارق ظاہر ہوتے ہین اور خدا تعالے ایسے شخصون کی دعا سنتا ہے اور ان سے ہم کلام ہوتا ہے اور پیش از وقت انکو غیب کی خبرین بتلاتا ہے اور انکی تائید کرتا ہے سو ہم دیکھتے ہین کہ ہزارون اسلام مین ایسے ہوتے آئے ہین چنانچہ اس زمانہ مین یہ نمونہ دکھلانیکے لئے حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی مسعود ہین جن پر یہ تمام برکات اکمل اور اتم طور پر نازل ہو رہی ہین۔ مگر عیسائیون مین یہ لوگ کہان اور کس ملک مین رہتے ہین جو انجیل کے قرارداد نشانیون کے موافق اپنا حقیقی ایمان اور پاک زندگی ثابت کر سکتے ہین؟ ہر ایک چیز اپنی نشانیون سے پہچانی جاتی ہے جیسا کہ ہر ایک درخت اپنے پھلون سے پہچانا جاتا ہے۔ اور اگر پاک زندگی کا صرف دعوے ہی ہو اور کتابونکے مقرر کردہ نشان اس دعوے پر گواہی نہین دیتے تو یہ دعوے باطل ہے کیا انجیل نے سچے اور واقعی ایمان کی کوئی نشانی نہین لکھی؟ کیا اس نے ان نشانونکو فوق العادت کے رنگ مین بیان نہین کیا؟ پس اگر انجیلون مین سچے ایماندارونکے نشان لکھے ہین تو ہر ایک عیسائی پاک زندگی کے مدعی کو انجیل کے نشانونکے موافق آزمانا چاہیئے۔ ایک بڑے بزرگ پادری کا ایک غریب سے غریب مسلمان کے ساتھ روحانی روشنی اور قبولیت مین مقابلہ کر کے دیکھ لو تو معلوم ہوگا کہ حقیقی ایمان اور واقعی پاک زندگی جو آسمانی روشنی سے حاصل ہو بجز اسلام کے کسی طرح مل نہین سکتی۔ یہ پاک زندگی جو اہل اسلام کو ملی ہے۔ یہ صرف منہ کی لاف و گزاف نہین اسپر آسمانی گواہیان ہین کوئی پاک زندگی بجز آسمانی گواہی کے ثابت نہین ہو سکتی۔ اور کسی کے چھپے ہوئے نفاق اور بے ایمانی پر ہم اطلاع نہین پا سکتے تا ان جب آسمانی گواہی والے پاک دل لوگ کسی قوم مین پائے جائین تو باقی تمام قوم کے لوگ بظاہر پاک زندگی نما بھی پاک زندگی والے سمجھے جائینگے کیونکہ قوم ایک وجود کے حکم مین ہے اور ایک ہی نمونہ سے ثابت ہو سکتا ہے کہ اس قوم کو آسمانی پاک زندگی مل سکتی ہے +

الیسن اور اکبر مسیح کے مضامین عصمت انبیاء پر

گذشتہ اشاعت سے آگے

حضرت آدم علیہ السلام کے ممنوع پھل کھانیکے متعلق ہم کُل بحث رسالہ کے پچھلے نمبر میں کر چکے ہیں۔ اور انکے باقی اعتراضوں کا جواب جو حضرت آدمؑ کے متعلق یا جید مسیح حضرت داؤد کے متعلق ہیں اب دیتے ہیں۔ ان الزامات کا مفصل جواب ہم سال گذشتہ میں جولائی اور اگست کے پرچوں میں دے چکے ہیں۔ اور الیسن یا الف میم دونوں میں سے کسی نے ہماری ایک دلیل کا بھی جواب نہیں دیا اور نہ جواب دینے کی کوشش کی ہے مثلاً ہم نے دس دلایل اس دعوے کے اثبات میں دئے تھے کہ سورہ اعراف کی آیت زیر بحث میں آدم اور حوا کا ذکر نہیں ہے لیکن ہر دو معترضین نے جنکا دعوے یہ ہے کہ وہ ہمارے مضمون کی تردید کر چکے ہیں ایک دلیل پر بحث نہیں کی۔ شاید ہم یہ کہنے میں غلطی پر نہیں کہ اس طریق بحث سے یہ لوگ پبلک کو دھوکا دے رہے ہیں یعنی اس امر کو جانکر کہ انہوں نے تردید کوئی نہیں کی۔ کتابوں میں اور اخباروں میں مضمون اس رنگ میں لکھ رہے ہیں کہ گویا ہمارے دلائل کی تردید کر چکے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ اگر مباحثہ اسی صورت میں چلا جائے تو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ چونکہ بے ضرورت ان مضامین کو طوالت دینا فضول ہے اسلئے جو دلایل ہم پہلے دے چکے ہیں اور جنکا ابتک کوئی جواب نہیں دیا گیا انکو ہم اسجگہ نہیں دہرائینگے ناظرین کو چاہیئے کہ مضمون کو پورے طور پر سمجھنے کیلئے پہلے مضامین کو ساتھ پڑھیں۔

الف میم روحانی امور میں قدم قدم پر ٹھوکر کھاتا ہے۔ اسکے طریق مناظرہ سے یہی سمجھ آتا ہے کہ وہ کسی اور کام کے لئے بنایا گیا ہے اسکے نزدیک یہ ناممکن ہے کہ انسان خدا تعالے کی رضا کی راہوں میں چل سکے اور اسکے نزدیک صالحین کبھی گناہ سے محفوظ نہیں ہو سکتے بلکہ ہر ایک آدمی جو دنیا میں پیدا ہوا شیطان کے قابو میں چلا آیا ہے اور اسلئے اسے اس بات سے بہت تعجب ہوا ہے کہ ہم صالحین کے متعلق بھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالے انکو گناہ سے محفوظ کر دیتا ہے صرف اگر وہ صالح کے معنے ہی کسی لغت کی کتاب میں دیکھ لیتا تو ایسا اعتراض جس کی وجہ صرف ناواقفیت ہے نہ کرتا۔ صالح کے معنے ہیں ایسا انسان جو نیک ہو۔ کسی قسم کا فساد اپنے اندر نہ رکھتا ہو۔ راستباز ہو۔ پاک ہو اور نیک کام کرنیوالا ہو۔ قرآن شریف انبیاء کو صالحین میں سے قرار دیتا ہے اور نہ ہی جیسا کہ پادریوں کا خیال ہے حضرت مسیح کو مستثنی کرتا ہے کہ وہ صالحین میں سے ایک نہ تھے بلکہ انکو خصوصیت سے من الصالحین کہا ہے یعنی وہ بھی صالحین میں سے ایک تھے اور یہ کلمہ تعریف کے موقعہ پر استعمال کرتا ہے۔ تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ حضرت

مسیح کو تو صالحین مین سے ہونیکا فخر ہو اور ان کے جھوٹے پیرو ون کو آج شرم آتی ہو کہ انہین صالحین
مین سے ایک سمجھین۔ اور اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ جب صالح کے معنے ہی یہ ہین کہ وہ راستبازی
اور نیکی کی راہون مین چلنے والا اور فساد سے خالی ہو تو اسکو معصوم کہنے پر اعتراض کیسا۔ ہان
پادری صاحب لغت پر یہ اعتراض کرین کہ کیون اسکے یہ معنے دئیے لیکن اگر الف میم صرف عیسائیون
کے متعلق یہ کہتا کہ ان مین سے کوئی بھی گناہ سے محفوظ نہین ہو سکتا اور کبھی کوئی عیسائی اس اعلے
مرتبہ تک نہین پہونچ سکتا تو ہمین اس سے کچھ سروکار نہ تھا بلکہ ہم اسکو تسلیم کرتے ہین کہ واقعی یہ سچ
ہے اور دراصل یہی فخر تو اسلام کو ہے کہ اسکے اندر ایسے راستباز ہر زمانے مین پائے جاتے ہین کیونکہ
وہ زندہ مذہب ہے اور اس کی برکات قیامت تک اپنا دامن پھیلائے ہوئے ہین حالانکہ دوسرے
کسی مذہب مین ایسے کامل افراد نہین پائے جاتے۔ یہی نہین بلکہ عیسائی تو اس مقتدر اور زندہ
خدا سے بہ سبب اپنی مردہ پرستی کے اسقدر دور جا پڑے ہین کہ انکے فہم اس بات کے سمجھنے سے بھی قاصر
ہین کہ کیونکر ایک انسان گناہ کی نجاستون سے نکل کر نیکی کے اس مضبوط چٹان پر قائم ہو جاتا ہے
جہان شیطان اسپر تصرف نہین پا سکتا۔ وہ انسان کو ایک نہایت حقیر ہستی سمجھتے اور اس کی
اخلاقی حالت کو اسقدر گرا ہوا سمجھتے ہین کہ وہ اس خیال کو بھی پسند نہین کرتے کہ انسان کبھی شیطان
کے قابو سے نکلے۔ انسان جس کمال کو پہونچ سکتا ہے محض اس کی ناواقفیت کیوجہ سے الف میم
اس بات کو نہین سمجھتا کہ انبیا کے علاوہ اور افراد بھی جن کو وہ "امتی راستباز" کہتا ہے۔ عصمت کے
بلند مقام پر پہونچ سکتے ہین۔ اگر یہ سچ نہین تو پھر مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ اگر مذہب
کی غرض صرف یہی ہے کہ انسان کسی قدر نیک ہو جاوے اور ایک ناقص اخلاقی حالت تک
پہونچ جاوے تو وہ غرض تو اسکے بغیر بھی پوری ہو رہی ہے۔ الف میم انکار کرے تو اسکا اختیار ہے
مگر کوئی سمجھدار آدمی اس بات سے انکار نہین کر سکتا کہ دہریون اور بت پرستون کو نیک صفات سے
خالی نہین کہا جا سکتا۔ مذہب کی غرض اس سے بہت بڑھکر ہے کیونکہ وہ انسان کو کمال کے
اوج پر پہونچاتا ہے اور اگر کوئی مذہب اس غرض کو پورا نہین کرتا تو یقیناً وہ مذہب نابود ہو جائیگا
خواہ جلدی ہو خواہ دیر سے ہو۔ شاید الف میم اس بات کو جانتا ہے اور اسے یقین ہے کہ عیسائی
مذہب انسان کو اس کمال پر نہین پہونچا سکتا اور ہم بھی جانتے ہین کہ یہ بالکل صحیح ہے اور یقین
رکھتے ہین کہ یہ سچ ہے لیکن ساتھ ہی ہم اسکو یہ خوشخبری دیتے ہین کاش وہ دل رکھتا ہو کہ اس
بلند مقام پر انسان اسلام کے پاک مذہب کے ذریعہ پہونچ سکتا ہے اس نے عیسائی مذہب کو آزما کر
اور تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے (جیسا کہ اسکے اس تعجب سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیا کے علاوہ اور افراد
انسانی بھی عصمت کے مرتبہ پر پہونچ سکتے ہین) کہ یہ مذہب اُس غرض کو پورا کرنے سے قاصر ہے

جو سچے مذہب سے ہو سکتی ہے اور اصل مین اس بات کو تو وہ پہلے بھی سمجھ سکتا تھا اگر خدا تعالےٰ اسے سمجھ دیتا کیونکہ وہ دیکھ سکتا تھا کہ جو نشان انجیل راستبازوں کے لئے مقرر کرتی ہے وہ کسی عیسائی مین نہین پائے جاتے اور اسلام کے متعلق جو ہم نے دعوے کیا ہے وہ بے دلیل نہین۔ ابتدا سے اسلام نے یہی تعلیم دی ہے کہ وہ انسان کو کمال کے بلند مقام تک پہونچا سکتا ہے بلکہ اسکا نام ہی ظاہر کر رہا ہے کہ وہ اس مقصد عالی کو پورا کرتا ہے۔ جو راستہ اسلام انسان کو بتاتا ہے اسکا ذکر اس آیت شریف مین ہے۔ بلی من اسلم وجہہ للّٰہ و ہو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون یعنے جو شخص اپنے سارے قوے کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی رضا کی پورے طور پر تابع ہو جاتا ہے اور نیک کام پر قائم ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالےٰ سے نیک اجر پاتا ہے اور یہی وہ لوگ ہین جنپر نہ کوئی خوف ہے اور نہ انہین کوئی حزن ہوگا۔ لفظ اسلم جو یہان استعمال کیا گیا ہے اسکے معنے یہ بھی ہین کہ کامل طور پر اللہ تعالےٰ کی مرضی کے نیچے چلنے والا ہو۔ اور یہ معنے بھی ہین کہ مذہب اسلام کو اختیار کرے اس اشتراک معنے سے یہ صاف سمجھ مین آتا ہے کہ سچے طور پر وہی شخص مذہب اسلام کو اختیار کرتا ہے جو پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرے۔ اب الف میم ہمین بتادے کہ اس مرتبہ سے کہ انسان اپنے وجود کو اپنے سارے قوے کے ساتھ خدا تعالےٰ کو سونپ دے اور ہر ایک امر مین اسی کی مرضی کو دیکھے اور اسی کی فرمانبرداری کرے جو اسلام کا مفہوم ہے اس مرتبہ سے بڑھ کر کون سا مرتبہ کمال کا ہے جسکے حاصل کرنے کی انسان کو خواہش کرنی چاہئے عصمت کا مفہوم کیا ہے یہی تو ہے کہ انسان خدا کی رضا کے خلاف نہ چلے۔ جو شخص پورے طور پر اللہ تعالےٰ کی رضا کے مطابق چلتا ہے وہ عصمت کے مرتبہ پر پہونچا ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین۔ جب اسکے رب نے اسے حکم دیا کہ میرا فرمانبردار ہو تو اس نے کہا مین سارے جہانون کے خداوند کا فرمانبردار ہون یہ فرمانبرداری حضرت ابراہیم کی دوسرے رنگ مین قرآن شریف مین یون مذکور ہے واذ ابتلی ابراہیم ربہ بکلمات فاتمہن۔ جسکا منشا یہ ہے کہ جو احکام اللہ تعالےٰ نے ابراہیم کو دیئے تھے ان سب کو ...... اس نے پورا کیا۔ اور پھر اسی مقام کیطرف اشارہ کر کے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وابراہیم الذی وفی۔ یعنے حضرت ابراہیم نے احکام الٰہی کی فرمانبرداری مین اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ تعلق مین پوری وفاداری دکھلائی۔ ان تمام باتون سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی رضا کے پورے طور پر تابع ہو جانا ہی وہ اعلےٰ مقام ہے جسپر پہونچنے کی انسان کو کوشش کرنی چاہئے اور جب وہ اس مقام پر پہنچ جاوے تو پھر وہ ہر طرح سے اللہ تعالےٰ کے احکام کے نیچے ہو کر چلتا ہے اور نافرمانی اس سے صادر نہین ہو سکتی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلام انسان کو

اس اعلی مقام پر پہونچاتا ہے - اس مقام کے کمال کے متعلق خود قرآن شریف فرماتا ہی - ومن احسن دینا ممن اسلم وجہہ للہ وہو محسن واتبع ملۃ ابراہیم حنیفا واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا + یعنی فرمانبرداری مین اس سے اچھا کون ہے جو اپنے آپ کو پورے طور پر اللہ کو سونپ دے اور اسی کی رضا کے تابع ہو جاوے - اور نیک کامون پر قائم ہو جاوے اور ابراہیمی طریقہ کو اختیار کرے جو فرمانبرداری الہی مین خالص اور یکرنگ تھا اور اللہ تعالے نے ابراہیم کو دوست بنایا -

ہم نہین کہہ سکتے کہ ان تمام امور سے الف ہیم جیسے عیسائی کی تسلی ہو سکتی ہی یا نہین لیکن کوئی سمجھدار آدمی اس نتیجہ کے سوا اور کسی نتیجہ پر نہین پہنچ سکتا کہ اسلام انسان کو کامل فرمانبرداری کے مرتبہ پر پہونچا سکتا ہے - اس مرتبہ پر جس کی تعریف حضرت ابراہیم کے بارہ مین کیگئی ہی اور جسکے سبب سے اللہ تعالے نے اسے دوست کے نام سے یاد فرمایا - یہ وہ مرتبہ ہے جسپر سچا مسلمان پہونچتا ہی لیکن یہ راستہ ان لوگونکے لئے بند ہے جو اسلام پر نہین چلتے - قرآن شریف سب مسلمانونکو یہی ہدایت فرماتا ہے کہ وہ اس راستے کو ڈھونڈین اور اسپر چلین - چنانچہ سورۂ فاتحہ مین جو ہر مسلمان کو پانچ وقت نماز مین پڑھنی پڑتی ہے - یہ دعا سکھائی گئی ہے - اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم - ہمین استقامت کے راستے پر چلا ان لوگونکے راستے پر جنپر تیرے انعام نازل ہوتے رہے + یہ صاف طور پر سمجھ مین آتا ہی کہ یہ راستہ انبیاء اور برگزیدونکا راستہ ہے کیونکہ اللہ تعالے کے انعام سب سے بڑھکر الہی لوگونپر نازل ہوئے - جب خدا تعالے ہمین خود یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہمین وہی نعمتین طلب کرنی چاہئین جو پہلے برگزیدون اور انبیاء کو عطا ہوئین تو اسکا صاف اور سیدھا نتیجہ یہ ہی کہ جسکو وہ اس قابل پاتا ہے انکو وہ نعمتین کامل طور پر بھی عطا فرماتا ہے اگر اللہ تعالے کا یہ منشا ہوتا کہ جو انعامات انبیاء پر نازل ہوئے وہ اور کسی فرد کو نہ دئے جاوین تو کیون یہ دعا سکھائی جاتی جسکے ذریعہ سے ہمین وہ نعمتین طلب کرنی چاہئین اور کیون اس دعا کو ہر ایک مسلمان پر فرض کیا جاتا - نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہی کہ ان انعامات سے مراد وہ انعامات ہین جو نبیو نپر نازل ہوئے کیونکہ دنیوی نعمتین اس جگہ کسی صورت مین مراد نہین ہو سکتین - علاوہ ازین اس دعا کے بعد جو الفاظ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین واقع ہوئے ہین وہ اور بھی اس امر پر روشنی ڈالتے ہین کیونکہ ان الفاظ سے جن مین غضب الہی اور غلطیون والے راہ کی نفی کیگئی ہی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمین وہ راہ طلب کرنی چاہیئے جو ہر قسم کی غلطیونسے پاک ہو اسلئے ہمکو محض اس بات پر مطمئن نہین ہو جانا چاہیئے کہ ہم اگرچہ کسی قدر غلطیونمین پڑے ہوئے ہین لیکن کسیقدر رخنے پر بھی ہین - جو راہ ہمین بتائی گئی ہی وہ راہ کامل راستبازونکی راہ ہی - وہ راہ جسپر چلکر ہم غضب الہی کے محرک نہون - وہ راہ جو ہر قسم کی غلطی سے پاک ہو اگر یہ راہ ہمین شیطان کے قابو سے نہین نکال سکتی اور گناہ سے محفوظ نہین کر سکتی تو پھر کیا یہ غرض

اس راہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہو جو عیسائی ہمین بتاتے ہین کہ گناہ کرو اور یسوع کے خون پر بھروسہ رکھو۔ الف میم کو یہ دوسرا راہ آسان تو ضرور نظر آتا ہو گا مگر یہ ہلاکت کا راہ ہے امن اور حفاظت کا راہ صرف ایک ہی ہے جو قرآن کریم نے بنادیا جسکا جی چاہے اسپر چلکر دیکھ لے۔

ایک اور امر جسکا ہم نے ذکر کیا تھا۔ الف میم کی سمجھ سے بالاتر معلوم ہوتا ہو ہم نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ چونکہ سزا گناہ کا لازمی نتیجہ ہو اور چونکہ انبیاء کو اللہ تعالے ہمیشہ کے لئے سزا سے بری قرار دیتا ہے اس لئے انبیاء کو گنہگار کہنا غلطی ہے۔ الف میم اسکا جواب یہ دیتا ہے کہ اس سے تو صرف یہ معلوم ہوا کہ وہ سزا سے محفوظ تھے اور یہ ثابت نہین ہوتا کہ گناہ سے بھی محفوظ تھے۔ یاد رہے کہ قرآن شریف جس اصول کو سزا کے بارہ مین عام طور پر بیان کرتا ہے وہ یہ ہے من یعمل سوء یجز بہ جو کوئی بدی کریگا اسکا پاداش اسکو ملکر رہیگا لیکن ایک خاص گروہ کی نسبت وہ ہمین یہ اطلاع دیتا ہے کہ انکے خالص نیک اجر اور سزا سے بریت کا وعدہ اللہ تعالے کیطرف سے پہلے سے ہو چکا ہے جیساکہ ان الذین سبقت لھم منا الحسنٰی سے ظاہر ہے۔ اگر انکے لئے اللہ تعالے کی نافرمانی اور گناہ کا امکان ہوتا تو ایسا وعدہ انکے لئے نہ ہو سکتا۔ اسلئے چونکہ انکی صورت مین سزا کا امکان نہین اور سزا گناہ کے لئے لازمی جزو ہے اسلئے گناہ کا امکان بھی نہ ہوا۔ امکان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالے کے علم مین وہ ایسے ہین۔ پھر غور کرو کہ اللہ تعالے فرماتا ہے واللہ لا یحب الظالمین۔ اللہ ظالموں سے محبت نہین رکھتا اور فرماتا ہے وما للظالمین من انصار۔ ظالم کو نصرت نہین ملتی۔ اور پھر فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کہہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تا خدا تمسے محبت کرے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پورے طور پر فرمانبرداری کرتا ہو وہ محبوب الہی بن جاتا ہے۔ لیکن ظالم محبوب الہی نہین ہو سکتا۔ اسلئے ایسا شخص ظالم نہین ہو سکتا۔ اسلئے اگر آپ کے ایک سچے تابعدار کو یہ مرتبہ حاصل ہو کہ وہ ظالم نہین تو اس امر کے ثابت کرنیکے لئے کہ متبوع بھی ہر عیب سے پاک ہر خطا سے مبرا اور ہر ظلم سے خالی ہے کسی اور دلیل کی حاجت نہین۔ پھر ایسا ہی قرآن کریم یہ بھی فرماتا ہے۔ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا یعنی ہم رسولونکو اور مومنونکو دنیا کی زندگی مین نصرت بھیجتے ہین۔ لیکن قرآن شریف سے یہ بھی ثابت ہے کہ ظالمونکو نصرت نہین دیجاتی اسلئے رسول اور سچے مومن ظالمون مین شامل نہین ہو سکتے۔ کیونکہ انکے لئے صاف صاف وعدہ نصرت الہی کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی نبی کی نسبت لفظ ظلم قرآن شریف مین استعمال بھی ہوا ہے تو بھی وہ نبی ان معنون مین ظالم نہین جن معنون مین انبیاء کے مخالفین کو ظالم کہا گیا ہے۔ یعنی خدا کی

نافرمانی کے معنے مین ظالم نہین ہوگا۔ جو لفظ ظلم کا موٹا مفہوم ہے بلکہ جیسا اسکا خدا کے ساتھ تعلق دنیا سے نرالے رنگ کا ہوتا ہے ویسا ہی اسکا ظلم بھی دنیا سے الگ رنگ کا ہوگا اسکو ہم واضح الفاظ مین پھر بیان کرتے ہین ✣

قرآن شریف مین اللہ تعالے کافرونکے اس اعتراض کے جواب مین کہ ہم ایمان نہین لائینگے جبتک ہم پر بھی رسول کی طرح وحی نازل نہ ہو فرماتا ہے۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسلتہ۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ رسالت کے منصب کے کون قابل ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالے جسکو رسول بنانا چاہتا ہے اسے خاص طور پر چنتا ہے اور وہ کوئی معمولی انسان نہین ہوتا بلکہ اللہ تعالے دیکھ لیتا ہے کہ اسکے قوے اس قابل ہین کہ وہ رسالت کے فرائض کی بوجھ کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور اس منصب کے قابل ہے۔ جسوقت وہ دنیا مین بھیجا جاتا ہے اسوقت کی دنیا ان عقائد کو جن کی وہ تعلیم دیتا ہے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور جن عقائد سے دنیا پیار کرتی ہے اُنکو وہ برا کہتا اور ان کی برائیان بیان کرتا ہے۔ اسلئے دنیا اس کی دشمن ہو جاتی ہے اور اسکے دوست اور پیارے اقربا اسکو چھوڑ دیتے ہین اس کی مخالفت کیجاتی ہے اور اسکو طرح طرح کے دکھ اور ایذائین پہونچائی جاتی ہین۔ دنیا کی تمام طاقتین اس کی اور اس کی تعلیم کی بیخ کنی کے لئے جمع ہو جاتی ہین لیکن وہ ساری دنیا کی کچھ پروا نہین کرتا۔ اور اس کی دھمکیون اور تدابیر کو جو اسکے استیصال کے لئے کی جاتی ہین ہیچ سمجھتا ہے ایک طرف اسکے تمام فوائد اور منافع اور انسانی خواہشات اور خون اور محبت کے گہرے تعلقات اور آرام اور آسایش کی کششین ہوتی ہین اور اسکے بالمقابل دوسری طرف صرف خدا کی فرمانبرداری ہوتی ہے لیکن وہ اللہ تعالی کی رضا کے لئے تمام منافع اور خواہشات کو قربان کر دیتا ہے خوشی سے ساری دنیا کی عداوت اور دشمنی کو قبول کرتا ہے ہر ایک قسم کے تعلق کو توڑ دیتا ہے۔ ہر ایک آرام اور آسایش کو چھوڑ دیتا ہے۔ ہر ایک تکلیف کو اٹھاتا ہے۔ تمام ایذاؤن اور تکالیف کی برداشت کرتا ہے بلکہ موت کو قبول کر لیتا ہے لیکن اسکے دل مین ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہین آتا کہ وہ خدا کی فرمانبرداری کو چھوڑ دے اسکے دل کا تعلق اللہ تعالے کے ساتھ اسقدر مضبوط ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہین سکتی۔ پھر یہ کیسا قابل شرم جھوٹ ہے کہ وہ شخص جو ان تمام امتحانون سے کامیابی کے ساتھ ہو گذرتا ہے تمام تکلیفون اور ایذاؤن کو برداشت کر لیتا ہے تمام منافع کو قربان کر دیتا ہے۔ ہر ایک دنیا کی آسایش کو ہیچ سمجھتا ہے اور دنیا کے تمام تعلقات کو قطع کر دیتا ہے لیکن اللہ تعالے کی فرمانبرداری سے ایک بال برابر انحراف نہین کرتا۔ وہی شخص کسی چھوٹی سی نفسانی غرض کے لئے عمداً خدا کے احکام کو توڑتا اور اسکے

خلاف چلنا ہے کیا وہ تمام خواہشات اور منافع اور آسایشون کو قربان کرکے اور تمام تعلقات کو قطع کرکے دنیا پر یہ ثابت نہین کرچکا کہ خدا تعالے کے احکام کے بالمقابل یہ سب چیزین اسپر کوئی اثر نہین کرسکتین۔ اگر اسکے دل مین کوئی کمزوری ہوتی جو بڑی سے بڑی خواہش کے وقت اسکو خدا کی فرمانبرداری سے الگ کرسکتی تو وہ اسوقت ظاہر ہونی چاہیئے تھی جب تمام دنیا اسکی مخالفت مین کھڑی ہوگئی تھی جب دکھون تکلیفون کا کوئی انتہا نہ تھا اور جبکہ اپنے اغراض کے پیچھے چلنے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنیسے عملی طور پر اسے یہ فائدہ پہونچ سکتا تھا کہ تمام مخالفتین فرو ہوجاتین اور تمام تکلیفون سے نجات ہوجاتی۔ مگر نہین وہ امتحانون کے چلتے ہوئے تنور مین ڈالا جاتا ہے اور مصایب و شدائد کی کٹھالی مین ڈالکر پاک کیا جاتا ہے اور اس طرح پر یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اسکے دل مین کوئی کمزوری نہین اور خدا کی فرمانبرداری سے کوئی چیز اسے منحرف نہین کرسکتی اگر خدا کی اطاعت کے لئے اس مین اسقدر فوق الطاقت استقامت اور وفاداری نہ ہوتی تو وہ رسالت کے منصب کے لائق نہ ہوتا اور اللہ تعالے ایسے شخص کو نبی نہ بناتا جسکو وہ ایسا کمزور سمجھتا کہ خدائے تعالے کے احکام کی فرمانبرداری کو چھوڑکر اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کریگا۔ ایسا آدمی ایک لحہ کیلئے بھی دنیا کی مخالفت کی برداشت نہین کرسکتا اور نہ ان دکھون اور تکلیفونکو اٹھا سکتا ہے جو انبیاء کو اٹھانے پڑتے ہین۔ اس تمام تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کی نسبت یہ خیال کرنا کسی طرح جائز نہین کہ وہ خدا کی اطاعت سے پھرجاتے یا اپنی نفسانی خواہشونکے لئے گناہونکے مرتکب ہوتے ہین +

اب ہم حضرت آدم کے متعلق شرک کے الزام کو لیتے ہین پادری ایسن اپنے دعوی کی تائید مین کشاف اور امام رازی کی تفسیر کو پیش کرتا ہے دونون تفسیرون مین سے ایک دو قول نقل کرکے وہ لکھتا ہے "اس طرح ہم دیکھتے ہین کہ بڑے بڑے مسلمان مفسرین نے ہماری بات کی تائید کرکے اپنے مقدمہ کو ہار دیا ہے" ہمین بارہا اس مباحثہ کے اثنا مین عیسائی مناظرین کی غلط بیانی کی شکایت کرنیکا موقعہ ہوا ہے مگر تعجب ہے کہ پھر بھی پادری صاحبان اس امر کی طرف کچھ توجہ نہین کرتے۔ پادری ایسن غلط بیانی کو اختیار کرکے کشاف کے الفاظ سے اپنے مطلب کے موافق ایک نتیجہ نکالتا ہے حالانکہ جو کچھ کشاف نے آگے چلکر لکھا ہے وہ پادری صاحب کے قول کی تردید کرتا ہے۔ کشاف نے پہلے ان معنونکا ذکر کیا ہے جنکے رو سے نفس واحدہ سے حضرت آدم مراد لئے گئے ہین اور جب وہ ان الفاظ کی تفسیر پر پہونچتا ہے۔ لئن اتیتنا صالحاً لنکونن من الشاکرین فلما اتٰہما صالحاً جعلا لہ شرکاء فیما اتٰہما۔ تو لکھتا ہے "اتیتنا اور لنکونن مین ضمیر کا مرجع وہ دونون اور ان کی اولاد ہے..... جعلا لہ شرکاء یعنی ان کی اولاد نے خدا تعالے کے شریک ٹھہرائے۔ مضاف حذف کرکے اور مضاف الیہ کو اسکے قایمقام کرکے اور ایسا ہی

فیما اتیہما مین یعنی جو کچھ انکی اولاد کو دیا اور اسپر خدائے تعالے کے یہ الفاظ فتعالی اللہ عما یشرکون دلالت کرتے ہین کیونکہ یہان ضمیر جمع لائی گئی ہے اور آدمؑ اور حواؑ شرک سے بری ہین…… ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس آیت مین خطاب قریش کو ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل تھے اور وہ قصی کی اولاد ہے…… اسصورت مین معنے یہ ہونگے کہ خدا وہ ہے جس نے تمام ایک نفس یعنی قصی سے پیدا کیا اور اسی جنس کی اس کی بیوی بھی بنائی یعنی عربیہ قرشیہ۔ لیسکن الیہا۔ لیکن جب خدا تعالے نے انکو جو مانگتے تھے ایک صحیح سالم بچہ دیا تو پھر وہ اسکے شریک ٹھہرانے لگے کیونکہ انہون نے اپنے چارون بیٹونکے نام عبد مناف۔ عبد العزی۔ عبد قصی۔ اور عبد الدار رکھے اور یشرکون ضمیر ان دونون کیطرف پھرتی ہے اور نیز ان کی اولاد کیطرف جو انکے نقش قدم پر چلے۔ اور یہ نہایت عمدہ تفسیر ہے جس مین کسی قسم کی مشکل نہین"۔ اخیری الفاظ پر پادری الیسن کو خاص طور پر غور کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہئے کہ کہین اسکے نتیجہ کے عین خلاف بڑے بڑے مسلمان مفسرین نے ان معنونکو پسند تو نہین کیا جو ہم نے اختیار کئے تھے اور جو نتیجہ وہ نکالتا ہے اس کی صاف الفاظ مین یہ کہکر تردید تو نہین کی کہ آدمؑ اور حواؑ شرک سے بری ہین۔ امام رازی صاحب اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے الیسن کے قول کو قول فاسد کہکر اس کی تردید کرتے ہین اور اسکے وجوہات دیتے ہین ان غلط بیانیون کے بعد پادری الیسن بڑی جرات کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کو "شریر مشرکین" مین داخل کرتا ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ تعجب ہے کہ ایک شخص کو جو خود مشرک ہے اور ایک یہودی کو خدا سمجھ رہا ہے اسقدر دلیری ہو کہ خدا کے ایک برگزیدہ نبی کو شریر مشرک کہے اسی نبی کو جس کی نسبت اللہ تعالے فرماتا ہے ثم اجتبٰہ ربہ فتاب علیہ وہدیٰ۔ خدا نے اسے برگزیدہ بنایا اور اسپر رجوع برحمت کیا اور اسکو سیدھے راہ پر چلایا۔

اب ہم الف میم کے بعض اعتراضات پر غور کرتے ہین وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ ان الفاظ ہو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجہا کی صورت ہی ایسی ہے کہ ان سے سوائے آدمؑ کے اور کچھ مراد نہین ہوسکتی اور اس کی تائید مین سورہ نساء کی اس آیت کو پیش کرتا ہے۔ ہو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا جس سے مفسرین نے عموماً حضرت آدم کو ہی مراد لیا ہے۔ اسکے علاوہ وہ ایک حدیث پیش کرتا ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ حواؑ حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئین اور ایک اور حدیث کو پیش کرتا ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ آدمؑ نے اپنے لڑکے کا نام عبد الحارث رکھا تھا۔ اور جلالین کے مصنف کی رائے کو بھی پیش کرتا ہے۔ جہانتک مفسرین کی رائے ہے اول تو ہم اسکے پابند نہین اور دوسرا کوئی مفسر حضرت آدم کو اس طرح مشرک نہین سمجھتا جس طرح کہ الیسن اور الف میم پبلک کو یقین دلانا چاہتے ہین۔ باقی رہین حدیثین سو آج تک اہل اسلام نے قران شریف

برابر انکو نہین مانا اور اسلئے جو حدیث قرآن کریم کے مخالف ہوگی وہ ردّ کیجاویگی۔ اسلئے صرف قرآن شریف کے الفاظ ہی زیر بحث ہین اس سے پہلے ہم مفصل بیان کر چکے ہین کہ قرآن کریم کے الفاظ کے معنے کرنے مین کس اصول کو مدنظر رکھنا چاہئیے۔ اگر ایک جگہ ایک لفظ یا فقرہ استعمال کر کے ایک معنی مراد لئے گئے ہین تو یہ اس امر کی دلیل نہین کہ دوسری جگہ جہان اس لفظ یا فقرہ کا استعمال ہوا ہو وہان بھی وہی معنے مراد لئے جاوینگے جس اصول کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئیے وہ یہ ہے کہ ایسے معنے قرآن شریف کے الفاظ کے کئے جاوین۔ جس سے مختلف حصو نمین اختلاف واقع نہ ہو۔ الفاظ اور فقرات اکثر اوقات مختلف معانی کے متحمل ہوتے ہین اور اس بات کا فیصلہ کرنیکے لئے کہ ہمین کسی خاص موقعہ پر کونسے معنے لینے چاہئیں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان معنوںسے قرآن شریف کے کسی اور حصہ کی تردید نہ ہوتی ہو نہ یہ کہ انہین الفاظ کے کسی اور جگہ جو معنے لئے گئے ہون انکے علاوہ دوسرے معنے ہی نہ لئے جاوین۔ موخر الذکر قاعدہ کی پابندی کرنا نہ صرف زبان کی وسعت معنی کا انکار کرنا ہے بلکہ قرآن کریم کے بعض حصو نمین بعض سے اختلاف ڈالنا ہے اسلئے سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ آیا قرآن شریف ہمین یہ اجازت دیتا ہے کہ ایک نبی کیطرف شرک منسوب کرین مفصلہ ذیل آیات پر غور کرو۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔ (خدا شرک کو نہین بخشتا) ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلالا بعیدا۔ (جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ سخت گمراہی مین پڑجاتا ہے) انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماویہ النار وما للظالمین من انصار (جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالے اسپر جنت کو حرام کردیتا ہے اور اسکا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالمونکا کوئی مددگار نہین) ومن یشرک باللہ فقد افتری اثما عظیما (جو شخص اللہ سے شرک کرتا ہے وہ گناہ عظیم کا افترا کرتا ہے) ہم عیسائی صاحبان سے درخواست کرتے ہین کہ وہ اس امر پہ غور کرین اور ایک سچے طالب حق کیطرح اور خدا کے خوف کو دل مین جگہ دیکر غور کرین کہ ان آیات کے وعید انبیاء علیہم السلام کے لئے ہو سکتے ہین افسوس ہے کہ ان لوگون نے انبیاء کی حقیقت کو کچھ بھی نہین سمجھا اور کیونکر سمجھ سکتے ہین جب وہ روحانیت سے اسقدر دور جا پڑے ہین کہ مردہ پرستی مین گرفتار ہوگئے ہین۔ ان آیات کے مطابق مشرک مفتری ہے جسپر جنت حرام اور جسکا گناہ معاف نہین ہو سکتا۔ کیا ایک پیغمبر کو خود خدا تعالے مفتری ٹھہراتا اور دوزخ اسکی جگہ قرار دیتا ہے؟ نعوذ باللہ من ذلک۔ یہی وجہ ہے کہ خواہ مفسرین نے الفاظ زیر بحث کے کوئی معنے اختیار کئے ہون۔ انہون نے حضرت آدم کو شرک سے بری سمجھا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عیسائی اپنے ایمان کی کمزوری کے سبب سے جسکی بنا قصون اور کہانیون پر ہے اور سچے ایمان کے نشانون سے بالکل خالی ہے۔ یہ سمجھ ہی نہین سکتے کہ انبیاء کا ایمان اللہ تعالے پر کسقدر مضبوط اور زندہ ایمان ہوتا ہے اور انکا تعلق اللہ تعالے کے ساتھ کیسا گہرا اور طاقتور ہوتا ہے۔ ہمین بعض اوقات یہی خیال گذرتا ہے۔

کہ انبیاء علیہم السلام کو ان لوگون کا برا بھلا کہنا اسقدر کینہ کے سبب سے نہین جتنا جہالت کے باعث ہے۔ کیونکہ انہون نے اس شخص کو بھی باہر نہین چھوڑا جسکو وہ خدا بنا رہے ہین۔ عجیب مسئلہ نجات کا ایجاد کیا ہے کہ اس کی خاطر نہ صرف تمام انبیاء کو ہی گنہ گار ٹھہرانا پڑا بلکہ یہ بھی جزو ایمان ٹھہرانا پڑا کہ یسوع نعوذ باللہ ملعون ہوا اور تین دن تک خدا کی لعنت کے نیچے رہ کر خدا سے بیگانہ بلکہ خدا سے بیزار اور خدا کا دشمن رہا۔ انکو معلوم نہین کہ انبیاء کے دلونکا خدا سے کیا تعلق ہوتا ہے اور اس لئے ناواقفیت کے سبب جو منہ پر آتا ہے کہدیتے ہین۔ اگر انکو اس گہرے تعلق کی کچھ بھی خبر ہوتی جو انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالے سے ہوتا ہے۔ اور جو تعلق ہر ایک انسان کو پیدا کرنیکی کوشش کرنی چاہئے تو کبھی یہ جرأت نہ کرتے کہ اس قسم کی بیباکی اور گستاخی کے الفاظ منہ سے نکالتے اصل مین جن لوگون نے انبیاء کے بعض افعال کے متعلق ٹھوکر کھائی ہے اپنی بے علمی اور اللہ تعالے سے بعد کے باعث ہی کھائی ہے جن لوگون کو اللہ تعالے سے کچھ بھی تعلق ہے وہ خوب سمجھتے ہین کہ ان انبیاء کو جن کی برکت سے انہین وہ تعلق حاصل ہوا ہے کسقدر اعلے درجہ کا اور گہرا تعلق اللہ تعالے سے ہوتا ہے جب ایک شخص خود اپنے نفس پر اس واقعہ کا مشاہدہ کرتا ہے کہ ایک مقدس اور برگزیدہ نبی کی پیروی اور اسکی برکات سے وہ اس اعلے درجہ کے روحانی مقام پر پہونچ جاتا ہے جہان وہ شیطان کی طاقت سے آزاد اور محض اللہ تعالے کے تصرف مین ہو جاتا ہے تو اس مشاہدہ کے بعد وہ کیونکر یہ وہم بھی کر سکتا ہے کہ وہ برگزیدہ انسان جس کی برکات سے ایک تھوڑا سا حصہ پاکر وہ اس اعلے مقام روحانیت پر پہونچ گیا ہو شیطان کے تصرف مین رہا اور نفسانی جذبات کے ماتحت ہوکر خدا کے حکمون کی خلاف ورزی کرتا رہا۔ اور پھر وہ بھی قرآن شریف کے صریح اور صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے جو فرماتا ہے "ان عبادی لیس لک علیہم سلطان"۔ جو گناہ حضرت آدم کیطرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ اس قسم کا ایک قبیح فعل ہو کہ کوئی معمولی مسلمان بھی جسکو اللہ تعالے کی ہستی پر کچھ بھی یقین حاصل ہو اسکا مرتکب نہین ہو سکتا چہ جائیکہ ایک برگزیدہ نبی کیطرف اسے منسوب کیا جاوے جو توحید کے وعظ اور تعلیم کے لئے دنیا مین بھیجا جاتا ہو اور جسکا تعلق خدا تعالی سے ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہین سکتی۔ ہر ایک نبی کا سب سے پہلا اور اہم فرض دنیا مین آنیکا توحید الہی کا پھیلانا اور شرک کی بیخ کنی کرنا ہی رہا ہے۔ کیونکہ شرک ایک ایسی بری چیز ہے جسپر سب سے بڑھکر اللہ تعالی کا غضب ہے اور یہ عیسائیونکا ہی خیال ہو کہ کسی نبی کو بھی شرک کا مرتکب سمجھین کیونکہ وہ اپنے نبی کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہین کہ اس نے خدا سے برابری کا دعوے کیا اور دوسرے نہین تو اپنے آپکو خدا کا شریک بنایا۔ قرآن کریم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے کہ ہر ایک نبی کا سب سے پہلا پیغام

دنیا مین خدا کی توحید ہی رہا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ یٰقوم اعبدوا اللّٰہ مالکم من الٰہ غیرہ (اے میری قوم خدا کی عبادت کرو۔ اسکے سوا اور کوئی معبود تمہارا نہین) لا تشرکوا باللّٰہ (اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ)۔ ءالٰہ مع اللہ (کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہو سکتا ہے) ایسا ہی کثرت سے اور آیات موجود ہین اور قوم کیا جواب دیتی ہے اجئتنا لنعبد اللہ وحدہ ونذر ما کان یعبد آباؤنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین۔ کیا تو اسلئے آیا ہے کہ ہم اکیلے خدا کی پرستش کرین اور ان اپنے معبودونکو چھوڑدین جنکی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کرتے چلے آئے ہین اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب لا جسکا تو وعدہ کرتا ہے اب اگر خود نبی ہی خدا کے ساتھ اورونکو معبود بناتے تھے تو پادری صاحبان بتائین کہ یہ عذاب کس پر آنا چاہیئے آیا نبی اور اسکے ساتھیون پر۔ یا انکے مخالفین پر یا ہر دو پر۔ اگر اب بھی یہ لوگ اپنی غلطی کو نہین سمجھ سکتے۔ تو پھر کوئی ذریعہ نہین کہ ہم انکو سمجھا سکین +

الفاظ "خلقکم من نفس واحدہ وجعل منہا زوجہا" اور انکے قریب قریب الفاظ جو سورہ نساء مین واقع ہوئے ہین انکے متعلق الف مبیم مانتا ہے کہ دونون جگہ مین آدمؑ کا نام نہین اور ہم تسلیم کرتے ہین کہ سورہ نساء مین مفسرین کی رائے کا رجحان اسی طرف ہے کہ ان الفاظ سے مراد حضرت آدم ہی ہین لیکن بعض لوگون نے یہ بھی خیال کیا ہے کہ النّاس سے جو ان الفاظ کے پہلے واقع ہوا ہے مراد صرف اہل مکہ ہی ہین اور اسپر آیت کا آخری حصہ واتقوا اللّٰہ الذی تساءلون بہ والارحام شاہد ہے کیونکہ عرب مین ہی خصوصیت سے یہ محاورہ بولا جاتا ہے "انشدک اللّٰہ والرحم" مین تجھے خدا کی اور رحم (قرابت) کی قسم دیتا ہون۔ لیکن ہمین اس بحث سے کچھ سروکار نہین۔ ہم کہتے ہین کہ یہ الفاظ عام ہین اور ان سے مراد حضرت آدم یا کوئی اور ہو سکتا ہے جسپر ان لفظونکا اطلاق ہو سکے۔ خالی الفاظ سے پورے یقین سے کوئی تعیین نہین ہو سکتی اور اس امر کے فیصلہ کے لئے بہت سارے دوسرے وجوہات پر غور کرنا ضروری ہے چنانچہ بڑی وجہ جسکے سبب سے سورہ نساء مین مراد حضرت آدم لئے گئے ہین یہ ہے کہ اسجگہ خطاب یہ ہے یاایہا الناس اتقوا ربکم۔ اے لوگو اپنے خدا سے ڈرو۔ اور یہ خطاب عام سب دنیا کے لئے ہے۔ اسلئے الناس سے مراد صرف اہل مکہ نہین ہو سکتے بلکہ کل دنیا مراد ہے۔ برخلاف اسکے سورہ اعراف کے ان الفاظ مین جو زیر بحث ہین یہ وجہ موجود نہین اور نہ صرف یہی بلکہ صاف الفاظ مین الفاظ زیر بحث کے پہلے اور پیچھے مشرکین عرب کو خطاب کیا گیا ہے چنانچہ اس سے پہلا رکوع اس طرح شروع ہوتا ہے۔ والذین کذبوا بایٰتنا سنستدرجہم من حیث لا یعلمون جن لوگون نے ہماری آیتون کی تکذیب کی ہے انپر بتدریج ہم اپنا عذاب ایسی راہ سے لائین گے جسکو وہ نہین جانتے واملی لہم ان کیدی متین۔ اور مین ان کو ڈھیل دے رہا ہون میری تدبیر بڑی مضبوط ہے یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰہا یعنی اس عذاب کی گھڑی کا وقت پوچھتے ہین کہ وہ کب آئے گی جواب

ملتا ہو کہ کبھی آئیگی ضرور مگر اسکا علم اللہ تعالےٰ کو ہی ہے کہ کب آئے گی۔ جب آئے گی تو ناگہان ہی آئے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ سب خطاب مخالفین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہو۔ پھر اسی خطاب کے اثنا مین فرماتا ہے۔ ہوالذی خلقکم الخ۔ جو آیات متنازعہ فیہا ہین جن کا ترجمہ یہ ہے۔ وہی خدا ہے جس نے تمہین ایک نفس سے پیدا کیا۔ اور اسکی جنس سے اسکی بیوی بنائی۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔ لیکن جب خدا نے انکو صالح بچہ دیا تو وہ اسکے ساتھ شریک ٹھہرانے لگے۔ اس چیز مین جو انکو دی مگر بلند تر ہے خدا اس سے جو یہ لوگ اسکے ساتھ شریک ٹھہراتے ہین انکو جو کچھ پیدا نہین کرسکتے اور خود پیدا کئے گئے ہین۔ اور نہ اپنے پرستارون کی مدد کرسکتے ہین اور نہ اپنی مدد کرسکتے ہین اور اگر تم ان لوگونکو ہدایت کیطرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے نہین چلتے برابر ہے تمہارے لئے کہ تم انکو بلاؤ یا خاموش رہو۔ یقیناً وہ جنکو تم خدا کے سوا بلاتے ہو تمہاری طرح مخلوق ہین۔ پس ان کو بلاؤ اگر تم سچے ہو تو چاہئے کہ وہ تمکو جواب دین۔۔۔۔۔ کہو بلاؤ ان اپنی شرکا کو پھر جب تدابیر کرلو اور مجھے کچھ مہلت بھی نہ دو یقیناً میرا کارساز خدا ہے جس نے مجھپر وحی نازل کی ہو۔ اور وہی اپنے صالح بندون کا متولی ہوتا ہو اور وہ جنہین تم اسکے سوا بلاتے ہو نہ وہ تمہاری کچھ مدد کرسکتے ہین اور نہ اپنی ہی مدد کرسکتے ہین۔

جو شخص ان آیات کو غور سے پڑھیگا اسپر واضح ہو جائیگا کہ انمین ایک ہی مضمون پر بحث کی گئی ہے اور وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا شرک اور اسکی سزا ہو اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ بت جنکو وہ خدا کے شریک ٹھہراتے ہین وہ نہ خود تباہی سے بچینگے اور نہ اپنے پرستارونکو بچا سکینگے۔ بفرض محال اگر حضرت آدم شرک کے مرتکب ہوئے بھی ہون تو کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین مین داخل تھے جو انکا ذکر اس مضمون مین کیا گیا۔ قرآن کریم دو جماعتون کا ذکر کرتا ہے ایک انبیاء علیہم السلام اور ایک انکے مخالفین۔ انبیاء علیہم السلام خدا کی توحید اور راستبازی کا پیغام لاتے ہین اور انکے مخالفین انکا مقابلہ کرتے ہین اور انکے انذار کی کچھ پروا نہین کرتے اسلئے جب انبیاء علیہم السلام کو بہت تکلیفین اور دکھ دئے جاتے ہین اور انکے کام مین طرح طرح کی روکین ڈالکر اسکو بند کرنے کی کوشش کیجاتی ہے تو وہ عذاب الٰہی جسکا پہلے سے وعدہ ہو چکا ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام کے مخالفین پر نازل کیا جاتا ہو اور نصرت الٰہی انبیاء علیہم السلام کے شامل حال ہوتی ہے۔ ہر ایک پیغمبر کا ذکر جو قرآن کریم مین ہوا ہے وہ اس عام اصول کی ایک تشریح ہے۔ اور ان آیات مین جو آیات زیر بحث کے پہلے اور پیچھے ہین ایسا ہی عذاب کا ایک وعدہ دیا گیا ہے۔ یہ دراصل پیش گوئی ہو کہ تمام بت ہلاک کئے جائینگے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آخر کار اپنے مخالفین پر فتحیاب ہونگے اور آپ کے مخالفین ذلیل وخوار ہونگے اور اسکے اندر حضرت آدم کے ذکر کو داخل سمجھنا محض حماقت ہو۔ الف میم نے یہ بھی لکھا ہو کہ امام رازی نے دوسری جگہ

جہان مخالفین کے اعتراضونکا ڈر نہین تھا سچی بات کا بھی اعتراف کرلیا ہے ہم پوچھتے ہین کہ کیا
رازی نے کہین اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ حضرت آدم شرک کے مرتکب ہوئے ہرگز نہین بلکہ ایک اور
بحث کرتے ہوئے اتفاقاً انہون نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ آیت ہو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل
منہا زوجہا سے آدمؑ اور حواؑ مراد ہین لیکن وہان انہون نے نہ ان معنون پر کوئی بحث کی ہے اور نہ اسکی
تائید نہ اسکے خلاف دلایل پر غور کیا ہے لیکن جب اس آیت کی تفسیر پر پہنچے ہین اور ان دلایل
پر غور کیا ہے جو مختلف معنون کی تائید مین یا انکے خلاف پیش ہوسکتی ہین تو انہون نے اسی معنے
کو اختیار کیا ہے جو ہم نے بیان کئے ہین۔ علاوہ ازین بعض مفسرین نے نفس واحدہ سے حضرت
آدم کو بھی مراد لیا ہے لیکن وہ آیت کے اخیری حصے کی جہان شرک کا ذکر ہے اور تفسیر کرتے ہین جیسا
کہ ہم نے کشاف کے حوالے سے اوپر لکھا ہے یہ کوئی تعجب کی بات نہین کہ ان الفاظ کے معنون کے متعلق
مختلف رائین ہون بلکہ ہم اوپر یہ بھی دکھلا چکے ہین کہ سورہ نساء مین ایسے ہی الفاظ جہان آتے
ہین انکے متعلق بھی مفسرین مین اختلاف رائے ہے +

اسکے بعد الف ہیم ایک حدیث پیش کرتا ہے لیکن ہم لکھ چکے ہین کہ کوئی حدیث جو قرآن کی
مخالف ہوگی ہم اسکو نہین مانتے۔ قرآن شریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے۔
قل یا ایہا الکافرون لا اعبد ما تعبدون۔ یعنے اے کافرو مین ہرگز اس چیز کی عبادت نہین
کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو ان الفاظ مین قرآن شریف نے گویا ہر نبی کی فطرت کا نقشہ کھینچ
دیا ہے اور یہ الفاظ جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر چسپان ہین ویسے حضرت آدم پر بھی چسپان
ہین ایسا ہی حضرت یوسفؑ قیدیونکو مخاطب کرکے فرماتے ہین ماکان لنا ان نشرک باللہ
من شیئٍ۔ یعنے یہ کب ہوسکتا ہے کہ ہم یعنی گروہ انبیاء اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرین۔ تمام
نبی ایک جماعت کے حکم مین ہین اور جو نقشہ قرآن شریف کسی ایک نبی کا کھینچتا ہے وہ ساری
جماعت کا نقشہ ہے۔ ایسا ہی جہان قرآن شریف عباد الرحمٰن کے صفات بیان کرتا ہے۔ تو ایک
صفت ان کی یہ بیان فرماتا ہے۔ والذین لا یدعون مع اللہ الٰہا آخر۔ اور وہ لوگ جو اللہ کے
ساتھ کسی دوسرے کو نہین پکارتے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ انبیاء سب سے پہلے عباد الرحمٰن مین
شامل ہین اور اسلئے جب حضرت آدم نبی ہین ثابت ہوا کہ انہون نے شرک نہین کیا ہم خیال
نہین کرتے کہ کون سمجھ دار آدمی قرآن شریف کے ان صاف اور صریح الفاظ کے بالمقابل
اب بھی حضرت آدم کو شرک کا مرتکب سمجھیگا +

"حضرت مسیح کی قبر سرینگر مین"

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ-

آپ کے نومبر اور دسمبر کے پرچہ مین بندہ نے لاہور کے ایک پادری وائیٹ برکٹ کی قبر مسیح کی نسبت چند غلط بیانیونکو ظاہر کیا تھا- اس نے حضرت مسیح کی قبر کے لئے ایک نیا نام تجویز کرکے لوگونکو دھوکہ دینا چاہا تھا پہلے تو اس نے لکھا کہ اس مقبرہ مین دو قبرین ہین- بڑی جو شمالی طرف ہے نبی یوز آسف کی قبر بیان کیجاتی ہے اور چھوٹی قبر سید نصیر الدین کی قبر کے نام سے مشہور ہے- مگر دوسری چٹھی مین اس نے اپنا پہلو بدل لیا اور کہا کہ یوز آسف کا نام مرزا صاحب کے مریدون نے لوگونکو سکھایا ہے- لوگون کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سید نصیر الدین کی قبر ہے یہ پادری صاحب کیطرف سے ایک غلط بیانی تھی اور عمداً انہون نے اسکا ارتکاب کیا- انہون نے دیکھا کہ یہ مصلحت نہین کہ اس قبر کو نبی یوز آسف کی قبر تسلیم کیا جاوے- کیونکہ اول تو یہ نام ہی عبرانی معلوم ہوتا ہے- دوسرا اس نبی یوز آسف کی نسبت ایسے امور بیان کئے جاتے ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح ہی تھے جو کشمیر مین یوز آسف کے نام سے مشہور ہین اس لئے انہون نے یہ مناسب دیکھا کہ اس قبر کو ایک اسلامی قبر ثابت کیا جاوے اور ایک اسلامی نام اس قبر والے کیلئے تجویز کیا جاوے- مگر ایسا ثابت کرنا کوئی آسان بات نہ تھی- لیکن یکایک انکے دلمین یہ خیال آیا کہ نبی یوز آسف کی قبر کے پاس ہی سید نصیر الدین کی قبر ہے اگر یہی نام چھوٹی قبر والے سے منتقل کرکے بڑی قبر والے کو دیدیا جاوے اسمین کوئی بڑا حرج نہین صرف ذراسی بددیانتی کا ارتکاب کرنا پڑے گا مگر کیا ہے مین یہ کام اپنے نفس کیلئے نہین کرتا- خداوند یسوع کا جلال ظاہر کرنے کے لئے کرتا ہون اور ہمارے بزرگ بھی ایسا کرتے رہے ہین خداوند یسوع کا خون یقیناً اس گناہ کو دھو دیگا- اگر یہ بات بن گئی تو بڑی کامیابی ہے- جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہ قبر جسکی نسبت اتنا جھگڑا ہے یہ یوز آسف کی قبر نہین بلکہ سید نصیر الدین کی قبر ہے تو یہ خیال کرنیکی گنجایش نہ رہے گی کہ حضرت مسیح علیہ السلام یہان مدفون ہین- آخر پادری صاحب نے جرأت کرکے یہ ظاہر کیا کہ یہ تو سید نصیر الدین کی قبر ہے- وہان کے لوگون نے یہی شہادت دی پس میرے نزدیک اس بزرگ کا نام غالباً سید نصیر الدین تھا- بڑے افسوس کی بات ہے کہ انجیل کی مناوی کرنیوالے اس قسم کی غلط بیانیونکو مرتکب ہون پادری صاحب سرینگر کے لوگون نے تو آپکو یہ نہین کہا تھا کہ اس بزرگ کا نام جسکی نسبت جھگڑا ہے سید نصیر الدین ہے انہون نے تو آپکو صاف بتلایا تھا کہ اس بزرگ کا نام نبی یوز آسف ہے اور سید نصیر الدین اس دوسرے شخص کا نام ہے جو پاس کی چھوٹی قبر مین مدفون ہے آپ انکی شہادت کو کیون عمداً بگاڑتے ہین آپ جانتے ہین کہ ہماری بحث تو بڑی قبر کی نسبت ہے جسکو لوگون نے نبی یوز آسف کی قبر بیان کیا- نومبر اور دسمبر کے پرچہ مین مین نے پادری صاحب

سے دریافت کیا کہ انہون نے کیون لوگون کی شہادت کو بگاڑا اور کیون جان بوجھکر قبر یوز آسف کے لئے ایک غلط نام تجویز کیا۔ میری چھٹی کا انہون نے اپنی فتنی مین جواب الجواب تو چھپوایا ہے مگر اس معاملہ مین بالکل خاموشی اختیار کی ہے۔ میرے اس سوال کا کہ کیون انہون نے لوگون کی شہادت کو بگاڑا۔ اور عمداً ایک غلط نام بڑی قبر والے کو دیا کوئی جواب نہین دیا اور نہ کوئی اس امر کا جواب ہو سکتا تھا کیونکہ یہ الزام بڑی صفائی کے ساتھ ان پر عائد ہوتا تھا + مگر پادریصاحب کو اس جواب الجواب مین ایک اور مشکل امر پیش آگیا۔ آپکو اپنی چھٹی کے عنوان مین قبر کا نام لکھنا پڑا۔ چھٹی کے اندر تو وہ بغیر صراحتہً نام لینے کے بھی کام چلا سکتے تھے۔ مگر عنوان مین قبر کا نام لکھنے سے اُن کو چارہ نہ تھا۔ اس سے پہلی چھٹی کا عنوان یہ تھا "سید نصیر الدین کی قبر واقع سرینگر"۔ اگر وہ اس دفعہ کوئی اور نام عنوان خط مین لکھتے تو یہ سمجھا جاتا کہ آپنے اپنی غلط بیانی کا اقرار کر لیا ہے اسی لئے اب نام بھی بدلا لیا ہے اس طرح آپ کو دوہری ذلت پیش آتی۔ ایک تو صریح غلط بیانی کا ارتکاب دوسرا اپنے قصور کا اقرار۔ اسلئے اگرچہ پادریصاحب سے کچھ جواب بن نہین پڑا کہ کیون انہون نے غلط نام عمداً اختیار کیا اور اگرچہ چھٹی کے اندر انہون نے ایکدفعہ بھی اس قبر کو سید نصیر الدین کی قبر نہین کہا مگر پھر بھی دوہری ذلت سے بچنے کے لئے اپنی آخری چھٹی کے عنوان مین سید نصیر الدین کا نام لکھ ہی دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ غلط بیانی کی عادت پادری صاحبان کی طبیعت مین ایسی رچی ہوئی ہے کہ انکو کتنی ہی ملامت کرو وہ اس عادت کو چھوڑ نہین سکتے۔ اس پادری نے اول تو عمداً ایک غلط نام اختیار کیا اور جب اسکی اس چالاکی کو دکھلایا گیا اور اس سے جواب طلب کیا گیا کہ کیون تمنے عمداً اس غلط بیانی کا ارتکاب کیا تو اس نے سکوت اختیار کیا اور لاجواب رہ کر اپنے قصوروار ہونیکا ثبوت بھی دیدیا۔ مگر با اینہمہ چھٹی کے عنوان مین سید نصیر الدین کا نام لکھنے سے باز نہ آیا۔ آیندہ مین امید کرتا ہون کہ پادری صاحب اس نام سے بالکل اجتناب کرینگے اور چھٹیونکے عنوان مین بھی اس نام کے لکھنے سے باز آجائینگے۔ یا اگر لکھینگے تو ساتھ وجہ بھی بیان کرینگے کہ کیون انہون نے یہ نام اختیار کیا اور کیون دھینگا دھانگی سے چھوٹی قبر والیکا نام بڑی قبر والے کو دیدیا۔ اور یہ بھی بتائینگے کہ کیون انہون نے اہل سرینگر کی شہادت کو بگاڑا۔ انہون نے کب کہا تھا کہ بڑی قبر والے کا نام سید نصیر الدین ہے +

اب مین پادری صاحب کی چھٹی کے عنوان کو چھوڑ کر ان کی چھٹی کے اصل مضمون کیطرف آتا ہون وہ اپنی چھٹی مین دو باتون پر بحث کرتے ہین۔ اول یہ کہ اگر یوز آسف بُشری یعنی انجیل کا وعظ کرتے تھے اور انجیلی تعلیم لوگونکو دیتے تھے۔ اور انجیلی مثالین لوگونکو سناتے تھے تو صرف اتنی بات سے کسطرح ثابت ہو گیا کہ وہ حضرت مسیح خود تھے۔ ممکن ہے کہ انکا کوئی شاگرد ہو۔ دوم وہ یوز آسف اور بدھ ایک ہی شخص ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہین وہ بیان کرتے ہین کہ سینٹ جوزافٹ (یوز آسف) کا جو قصہ یورپ مین مروج ہے اسمین بہت سے واقعات بدھ کے حالات سے ملتے جلتے ہین اسلئے یوز آسف اصل مین بدھ ہی تھا اور یوز آسف لفظ بودی ستوا کا بگڑا ہوا ہے جو بدھ کا

ایک خطاب ہے۔ مین پادریصاحب کی دوسری بات کو اوّل لیتا ہون + جن لوگون نے یہ خیال کیا ہی کہ یوز آسف اصل مین بدھ ہی کا نام ہے اور یہ لفظ بودی سنوا سے بگڑ کر بنا ہے انکو یوز آسف کی نسبت اتنا ہی علم تھا۔ جتنا کہ انکو سینٹ جوز افٹ کے قصہ سے معلوم ہوا اس سے بڑھکر کوئی علم نہ تھا اور جب انہون نے دیکھا کہ اسکے قصّہ کے بعض واقعات بدھ کے قصہ سے کچھ مشابہت رکھتے ہین تو انکو یہ خیال پیدا ہوا کہ یوز آسف اور بدھ ایک ہی آدمی کے دو نام ہین انہون نے اس امر کی کچھ پروا نہ کی کہ یوز آسف اور گوتم بدھ ان دونونکے نامون مین کچھ بھی مشابہت نہین اور خیال کر لیا کہ یوز آسف بودی سنوا کا بگڑا ہوا ہوگا اگر انکو معلوم ہوتا کہ یوز آسف ایک الگ شخص کا نام ہی جو اپنا مستقل وجود رکھتا ہے تو وہ یہ کبھی خیال نہ کرتے کہ یوز آسف بدھ کا ہی دوسرا نام ہے + اب ایسے نئے امور پیدا ہو گئے ہین جنسے ثابت ہو گیا ہے کہ یوز آسف خود ایک الگ آدمی بنا ہین گذرا ہے۔ اب ہمارا انحصار صرف سینٹ جوز آفٹ کے قصون پر نہین ہو بلکہ الگ اور نئی راہون سے ثابت ہو گیا کہ در حقیقت کشمیر مین ایک شخص مغرب کیطرف سے آیا تھا جس نے اپنا نام یوز آسف ظاہر کیا اور جو انبیاء بنی اسرائیل مین سے ایک نبی تھا۔ حضرت مرزا صاحب کو سینٹ جوز آفٹ کے قصہ کی کچھ بھی خبر نہین تھی کہ انکو خبر ملی کہ سرینگر کے محلہ خان یار مین ایک نبی یوز آسف کی قبر ہے۔ نبی کے لفظ نے انکی توجہ کو اس قبر کیطرف کھینچا کیونکہ یہ لفظ صاف بتلا رہا تھا کہ یہ کوئی اسرائیلی نبی ہے۔ مزید تحقیقات پر معلوم ہوا کہ در حقیقت یہ نبی ملک شام کیطرف سے اس ملک مین آیا۔ اور اسکو آئے قریباً انیس سو برس ہو گئے ہین۔ پھر معلوم ہوا کہ یہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل ہین۔ دوسری طرف جب نظر اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ انیس سو برس ہوئے کہ ملک شام مین حضرت مسیح کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جسکی وجہ سے انکو ملک شام سے ہجرت کرنی پڑی۔ ان سب امور کو جب یکجائی نظر سے دیکھا تو فوراً ہماری طبیعتین اسطرف جھک گئین کہ یہ شہزادہ نبی جنکا محلہ خانیار مین مزار ہے وہی حضرت مسیح ہین جو ملک شام سے ہجرت کر آئے تھے۔ اور حضرت داؤد کی نسل سے ہونیکی وجہ سے اپنے تئین شہزادہ کہا کرتے تھے۔ غرض میری اس بیان سے یہ یہ ہے کہ یوز آسف کا پتہ سینٹ جوز آفٹ کے قصہ سے نہین ملا بلکہ ایک الگ راہ سے ہم نے انکا کھوج لگایا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہی کہ یوز آسف اور بدھ دو الگ الگ آدمیون کے نام ہین ایک ہی آدمی کے دو نام نہین ہین۔ اب پادریصاحب اور میرے درمیان امر تنقیح طلب یہ ہو کہ آیا سرینگر کی قبر در حقیقت یوز آسف کی قبر ہی یا نہین اگر یہ یوز آسف کی قبر ہے تو یوز آسف اور گوتم بدھ دو الگ الگ آدمی ہین اور اگر یہ قبر یوز آسف کی قبر نہین ہو تو پادریصاحب کا اختیار ہی کہ یوز آسف اور بدھ کو ایک ہی شخص کے دو نام مان لین۔ اس امر کا صریح ثبوت ہمارے پاس موجود ہی کہ یہ نبی یوز آسف کی قبر ہے + پادریصاحب قبول کرتے ہین کہ اس قبر کے مجاورنے اور دوسرے لوگون نے بیان کیا کہ یہ نبی یوز آسف کی قبر ہی ہمارے پاس پانچسو پچیس خواندہ اور قابل اعتبار آدمیونکی تحریری گواہیان موجود ہین اور ناخواندہ آدمیونکا تو کوئی شمار ہی نہین جو شہادت دیتے ہین کہ یہ شہزادہ نبی یوز آسف کی قبر ہے

کشمیر کی تاریخون مین بھی اس قبر کا ذکر ہے۔ اور ان مین لکھا ہی کہ اس شہزادہ نبی کا نام یوز آسف تھا مین نے اپنی پچھلی چٹھی مین تاریخ اعظمی کشمیر کا حوالہ دیا تھا۔ پادری صاحب اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہین کہ اگر تاریخ اعظمی کشمیر کا مصنف یوز آسف کا نام لکھتا ہے تو یہ مرزا صاحب کے کچھ مفید مطلب نہین کیونکہ وہ یہ نہین لکھتا کہ اس قبر والے کا نام یوز آسف ہی + مین کہتا ہون کہ پادریصاحب نے محض دھوکہ دہی کے راہ سے یہ لکھا ہی کیونکہ مین نے تاریخ اعظمی کی عبارت کا ترجمہ نقل کیا تھا جسمین بالصراحت درج تھا کہ یوز آسف اس نبی کا نام ہی جو سید نصیر الدین کی قبر کے متصل مدفون ہی مین وہ الفاظ دوبارہ ناظرین کے ملاحظہ کے لئے درج کرتا ہون تا ان پر پادری صاحب کا جھوٹ اچھی طرح روشن ہوجائے۔ تاریخ اعظمی کی اصل عبارت فارسی مین ہی اسکا اردو ترجمہ حسب ذیل ہی۔ سید نصیر الدین کے مزار کے پاس جو دوسری قبر ہے عام خیال ہی کہ یہ ایک پیغمبر کی قبر ہے ...... ایک شہزادہ کسی اور ملک سے آیا تھا اور زہد اور تقوے اور ریاضت اور عبادت مین وہ کامل درجہ پر تھا وہی خدا کیطرف سے نبی ہوا اور کشمیر مین آکر کشمیریون کی دعوت مین مشغول ہوا۔ ان کا نام یوز آسف ہی اور اکثر صاحب کشف خصوصاً ملا عنایت اللہ جو راقم کا مرشد ہی فرما گئے ہین کہ اس قبر سے برکات نبوت ظاہر ہو رہے ہین +

پادریصاحب چار غلط بیانیون کے مرتکب ہوئے ہین۔ اول اہل سرینگر کی گواہی کو بگاڑ کر پیش کیا۔ دوم۔ اپنے پہلے بیان کی خود تردید کی پہلے کہا کہ بڑی قبر والے کا نام یوز آسف ہے اور چھوٹی قبر والے کا نام سید نصیر الدین۔ دوسرے بیان مین کہا کہ بڑی قبر والے کا نام سید نصیر الدین ہی۔ سویم جب انکی یہ غلط بیانیان ظاہر کی گیئن۔ اور ان سے جواب طلب کیا گیا تو جواب نہ بن پڑا مگر پھر بھی عنوان مین سید نصیر الدین کا نام لکھنے سے باز نہ آئے۔ چہارم تاریخ اعظمی کشمیر نے صاف قبر کا حوالہ دیا ہی اور مین نے تاریخ اعظمی کی عبارت بھی پیش کی مگر پھر بھی پادریصاحب نے اخبار ایپی فینی کے پڑھنے والونکو یہ کہکر دھوکہ دینا چاہا کہ تاریخ اعظمی مین یوز آسف کا نام تو ہی مگر اس قبر کا ذکر نہین کیا پادریصاحب ان چار الزامون سے اپنے تئین بری ثابت کر سکتے ہین۔ غرض صرف اہل کشمیر کی زبانی شہادت سے ہی معلوم نہین ہوتا کہ اس قبر و نام یوز آسف ہی بلکہ کشمیر کی تواریخ مین بھی اس قبر والیکا یہی نام درج ہی اور تاریخ اعظمی جسکا مین نے دیا ہی قریباً دو سو برس کی کتاب ہی۔ اسی پر بس نہین ایسی کتابون مین بھی اس قبر کا صریح ذکر پایا جاتا ہ جنکو لکھے ہوئے ہزار برس کے قریب گذر گیا ہی۔ مین نے اپنی پچھلی چٹھی مین کتاب اکمال الدین کی اصل عربی عبارت درج کی تھی جسمین لکھا ہی کہ حضرت یوز آسف کشمیر مین آئے اور اسجگہ وفات پائی اور اپنے شاگرد کو وصیت کی کہ میرے لئے ایک مقبرہ تیار کرنا۔ معلوم ہوتا ہی کہ انہون نے مقبرہ کے لئے بالخصوص اسلئے وصیت کی تا انکا مقبرہ ایک زمانہ تک قایم رہے اور آنے والی نسلون کیلئے ایک عظیم الشان راز کے کھلنے کا ذریعہ ہو کیونکہ معمولی قبرین تو جلد زمین کے ساتھ ملجاتی ہین اور مقبرونکی عموماً حفاظت کیجاتی ہے

اور وہ ایک زمانہ تک قائم رہتے ہین چنانچہ آخر حضرت مسیح کے کشمیر مین آنیکا پتہ اول اول اسی مقبرہ کے ذریعہ سے ملا تعجب کی بات ہی کہ سینٹ جوزآفٹ کے قصہ مین بھی حضرت یوزآسف کے کشمیر مین آنے اور اسی جگہ وفات پانیکا صریح ذکر ہی + چنانچہ مسٹر جوزف جیکبس اپنی کتاب "جوزآفٹ اور برلام" کے صفحہ ۱۰۵ پر پرانے نسخون کے حوالے سے بیان کرتا ہی کہ یوزآسف آخر کشمیر پہنچتا ہی جہانکہ وہ اپنا سر مغرب کیطرف کرتا ہے اور اپنے پاؤن مشرق کیطرف کرتا ہی اور اپنے شاگرد کو برکت دینے کے بعد مرجاتا ہی + غرض نہ صرف موجودہ زمانہ کے لوگ بالاتفاق شہادت دیتے ہین کہ یہ شہزادہ نبی یوزآسف کی قبر ہی بلکہ کشمیر کی تاریخین بھی یہی شہادت دیتی ہین اور یوزآسف کے قدیم قصے بھی یوزآسف کے کشمیر مین آنے اور یہان انکا مقبرہ بنائے جانیکا ذکر کرتے ہین۔ اس سے بڑھکر اب پادری وائیٹ برکٹ صاحب اس امر کا کیا ثبوت مانگتے ہین کہ یہ نبی یوزآسف کی قبر ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ درحقیقت یہ نبی یوزآسف کی قبر ہے تو یہ خیال باطل ہوگیا کہ یوزآسف اور گوتم بدھ ایک ہی ہین اگر پادری صاحب ثابت کرنا چاہتے ہین کہ یوزآسف اور ساکی منی ایک ہی شخص کے دو نام ہین تو انکو چاہیئے کہ پہلے یہ ثابت کرین کہ یہ قبر نبی یوزآسف کی قبر نہین ہے۔ علاوہ ازین جن امور کی بنا پر یوزآسف اور بدھ کو ایک ہی شخص خیال کیا جاتا ہی ان کی تردید ان نئے امور سے ہوتی ہی جو اب یوزآسف کی نسبت معلوم ہوگئے ہین یعنی یہ کہ وہ ایک نبی تھا جو مغرب کیطرف سے آیا اور اسکو آئے قریبًا ۱۹۰۰ برس ہوئے ہین پس جن امور کی بنا پر یوزآسف اور بدھ کو ایک ہی شخص مانا گیا تھا جب ان امور کی دوسرے پہلو سے تردید ہوگئی تو انکا اعتبار جاتا رہا اور غیر معتبر واقعات کی بنا پر کوئی نتیجہ نکالنا عقلمندی سے بعید ہی جس طریق سے یہ ثابت کیا گیا ہی کہ یوزآسف لفظ .... بودی ستوا سے بگڑکر بنا ہی اسکی نسبت بھی کچھ کہنا چاہتا ہون۔ اس امر سے بعض لوگون نے بہت تعجب ظاہر کیا ہی کہ قصہ تو ہندکا ہی اور اس مین نام اسرائیلی ہین اسلئے بعض نے اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہی کہ یہ نام بھی ہندی نامون سے بگڑکر بنے ہوئے ہین اس امر کیلئے انکو عربی اور فارسی حروف کی شکلون نے بہت مدد دی ہے۔ عربی ابجد کے اکثر حروف ایک دوسرے سے بہت مشابہت رکھتے ہین حرف نقطونکے ذریعہ سے ایسے حروف مین تمیز کیجاتی ہی مین مثال کیطور پر لفظ یوزآسف کا ہی پہلا حرف لیتا ہون اگر اسکے نقطونکو نظرانداز کیا جاوے تو ہم اس حرف کو عربی مین - با - تا - ثا - لام نون - یا - چھ مختلف طریق سے پڑھ سکتے ہین اور فارسی مین آٹھ طریق پر - یعنی علاوہ مندرجہ بالا حروف کے پ یا ٹ بھی پڑھ سکتے ہین یہی حال قریبًا کل حروف کا ہی انمین بھی صرف نقطونکے ذریعہ سے تمیز کیجاتی ہی ان حروف کی مشابہت نے ان لوگونکو بہت مدد دی ہے جنہون نے قصہ یوزآسف کے عبرانی نامونکو ہندی بناکر دکھانا چاہا ہے اسی طریق سے انہون نے یوزآسف کو

بودی ستوا بنا کر دکھایا ہے۔ حروف علت کو چھوڑ کر ان دو لفظوں مین صرف ایک ہی حرف مشترک ہے یعنے س۔ اور یہ دونون لفظ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہین مگر ایک نرالے رنگ سے ان دونون لفظونکو ایک ثابت کیا ہے۔ اوّل تو یاء کے ایک نقطہ کو اڑا دیا پھر ذال کا نقطہ اڑا کر اسکو دال بنا لیا۔ اور آخری فاء کی جگہ واؤ رکھدیا پھر پادری وائیٹ برکٹ صاحبنے ایک اور کمال کیا ہے انہون نے آخری حرف سے پہلے ایک تاء اپنی جیب خاص سے نکال کر رکھدی ہے اور ایسے ہی کچھ اور تغیر کرکے یوذ آسف کو بودی ستوا بنا لیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ جب حروف کی تمیز کا مدار ہی نقطوں پر ہے تو کیا ہم اپنی مرضی سے نقطونکو اڑا سکتے ہین۔ اگر پادری صاحب سمجھتے ہین کہ کاتبون نے غلطی سے نقطے بڑھا دئیے ہین تو انکو کوئی صحیح نسخہ بھی پیش کرنا چاہئے جسمین صحیح نام لکھا ہوا موجود ہو۔ اگر کاتبون کی طرفسے کوئی غلطی ہوتی تو وہ نقطہ نہ دینے مین ہونی چاہئے تھی نہ کہ زائد نقطے ڈالنے مین کیونکہ ایسا اتفاق کم ہوتا ہے۔ کہ کاتب اپنی طرفسے لفظ یا حرف یا نقطے بڑھا دیوے۔ اگر وہ غلطی کرتا ہے تو وہ عموماً یہ ہوتی ہے کہ وہ کوئی لفظ یا حرف چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اگر کاتبنے غلطی کی تھی تو ایک حرف مین کرتا یہ کس طرح ہو گیا کہ یوذ آسف مین تین حرف نقطہ دار ہین اور تینون پر ہی نقطہ ڈالنے مین اس نے غلطی کی۔ پھر اگر ایک دفعہ غلطی کر چکا تھا تو ساری کتاب مین وہ کس طرح غلطی کرتا گیا اور اپنی غلطی پر متنبہ نہ ہوا۔ ہان ایک صورت ہے جس سے یہ ماننے مین آسکتا ہے کہ صحیح نام بودی ستوا ہی ہو اور غلطی سے یوذ آسف لکھا گیا ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ یوذ آسف کے قصے جو عربی وغیرہ زبانون مین موجود ہین یہ سب تراجم ہین پادری صاحب کے نزدیک اصل قصہ کسی ہند کی زبان سنسکرت یا پالی وغیرہ مین تھا۔ اگر وہ ثابت کرنا چاہتے ہین کہ صحیح لفظ بودی ستوا ہے مترجم نے غلطی سے بودی ستوا کی جگہ یوذ آسف لکھ دیا تو وہ یہ دکھائین کہ سنسکرت یا پالی مین بودی ستوا کا لفظ اس طرز سے لکھا جاتا ہے کہ اسکو آدمی بودی ستوا بھی پڑھ سکتا ہے اور یوذ آسف بھی پڑھ سکتا ہے تب ہم قبول کرینگے کہ مترجم نے لفظ بودی ستوا کے پڑھنے مین غلطی کی ہوگی اور اسکی جگہ یوذ آسف لکھدیا ہوگا۔ جب مین نے کہا کہ یوذ آسف اصل یسوع آسف ہے تو پادری صاحب اعتراض کرتے ہین کہ یوز یسوع کا بگڑا ہوا نہین ہو سکتا کیونکہ لفظ یوز مین ع نہین جو یسوع مین ہے اور آپ یوذ آسف کو بودی ستوا سے بگڑا ہوا قرار دیتے ہین اور یہ نہین دیکھتے کہ ان دونون لفظون مین حروف علت کو چھوڑ کر سوائے ایک حرف کے کوئی اور حرف مشترک نہین۔ پہلے پادری صاحب ذرا خود عین بول کر دکھائین پھر ہندیونکو ملامت کرین کہ وہ یسوع کا آخری عین کیون کھا گئے یہ بھی تو آپ کے بھائی ہی ہین۔ اب بھی آپکے انجیلی مناد اگرچہ لکھنے مین تو دیکھا دیکھی یسوع لکھتے ہونگے مگر بولنے مین تو یسو یسو ہی پکارا کرتے ہین تو کیا ہم خیال کرلین کہ یہ شخص اس یسوع کی منادی نہین کرتے ہین جسکے نام مین ع ہے کسی اور شخص یسو نامی کا وعظ کرتے ہین۔

پادری صاحب کو معلوم ہوگا کہ انگریزی میں تو عین کے مقابل کوئی حرف ہی نہیں اگر یسوع کو انگریزی
حروف میں لکھنا ہو تو یسو ہی لکھینگے یسوع نہیں لکھ سکتے۔ پادری صاحب بھی اپنی انگریزی چھٹی میں
یسو ہی لکھتے ہیں۔ پادری صاحب یسوع کے یوز بن جانے پر تعجب کرتے ہیں ہند کے مشہور شاعر فیضی کا
مصرع پڑھیں۔ سہ اے نام تو یوژ و کرستو۔ اس نے تو یوز بھی نہ رہنے دیا۔ یوژ و بنا دیا۔ پھر میں لفظ
یوز آسف اور بودی ستوا کی طرف عود کر کے کہتا ہوں کہ صحیح نام یوز آسف ہی ہے اہل کشمیر نے بھی ہمکو یوز آسف
ہی نام بتایا عربی ترجموں اور دوسرے نسخوں میں بھی ہم نے یوز آسف ہی لکھا ہوا پایا۔ جدھر سے یہ نام
نکلتا ہے یوز آسف کی ہی شکل میں نکلتا ہے پھر ہم کس طرح پادری صاحب کے کہنے سے مان لیں کہ یہ لفظ اصل
میں بودی ستوا ہے۔ بلکہ عام ناخواندہ لوگ تو یوس آسف ہی بولتے ہیں جس سے اس امر کی تائید ہوتی
ہے کہ یہ نام اصل میں یسوع آسف ہی ہے۔

اب میں پادری صاحب کے دوسرے سوال کو لیتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ اگر یوز آسف انجیل کا وعظ
کرتے تھے اور انجیلی مثالیں سناتے تھے تو کس طرح ثابت ہوگیا کہ وہ خود حضرت مسیح ہی تھے ممکن ہے کہ آپکا
کوئی شاگرد ہو۔ اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب کے واقعہ کے بعد بھی اس زمین میں زندہ
پھرتے رہے اسمیں تو شک نہیں کہ انکو ایک قبر میں رکھا گیا۔ جو ایک چھوٹے سے کمرے کے مشابہ تھی اور
انکے ایک شاگرد یوسف کے باغ میں واقع تھی اور اسقدر وسیع تھی کہ چند آدمی اسمیں سما سکتے تھے۔ مگر تیسرے
دن دیکھا گیا کہ پتھر جو اس قبر کے منہ پر تھا وہ ہٹا ہوا ہے اور حضرت مسیح قبر میں نہیں ہیں۔ پھر مسیحؑ اس
باغ میں دیکھے گئے کہ انہوں نے ایک باغبان کا بھیس بدلا ہوا ہے اور انکے کفن کے کپڑے قبر ہی میں
پڑے پائے گئے۔ اسمیں شک نہیں کہ انکے شاگرد یوسف کے مالیوں نے آپکو کپڑے بھیس بدلنے کیلئے دئیے ہونگے
پھر آپ نے اسی بھیس میں اپنے وطن کی طرف سفر کیا اور راستے میں کچھ فاصلہ تک اپنے دو شاگردوں کی ہمراہی میں
چلتے گئے مگر اپنا چہرہ لپیٹ کر اور شام کے قریب انکو پتہ دیا کہ میں مسیح ہی ہوں جو قبر سے زندہ نکلکر آیا ہوں
اپنے دوسرے شاگردوں سے بھی ملے مگر خلوت میں اور انکو یقین دلایا کہ میں زندہ ہوں۔ انجیل میں لکھا ہے
کہ شاگرد انکو دیکھ کر ڈر گئے اور سمجھا کہ ہم بھوت کو دیکھ رہے ہیں اور حضرت مسیح نے انکو کہا کہ کیوں تم گھبراتے ہو
اور کیوں تمہارے دلوں میں شک پیدا ہوتے ہیں میرے ہاتھوں اور میرے پاؤں کو دیکھو کہ میں خود ہی ہوں
مجھے ہاتھ لگا کر دیکھو روح پر گوشت اور ہڈیاں نہیں ہوتیں اور یہ کہکر انہوں نے اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھلائے
اور جب پھر بھی شاگردوں نے تعجب کیا اور حیران ہوئے تو انہوں نے فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کی چیز ہے
اور شاگردوں نے انکو ایک بھونی ہوئی مچھلی کا ٹکڑا دیا۔ انہوں نے لیا اور انکے سامنے کھایا۔ اس سے ظاہر ہوتا
ہے کہ حضرت مسیح اسی عنصری جسم کے ساتھ قبر سے زندہ نکلے۔ اب ہمیں ان حالات پر نظر کرنی چاہئے جو انپر
قبر میں رکھا جانے سے پہلے گذرے اور دیکھنا چاہئے کہ پہلے واقعات سے کیا ظاہر ہوتا ہے آیا یہ کہ وہ یقینی طور پر

مردہ تھے جب وہ قبر میں رکھے گئے یا ان کی موت ظنی تھی مگر جب واقعات پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کو موت سمجھا گیا وہ ایک ظنی موت تھی یقینی موت نہ تھی۔ مثلاً اول تو وہ صلیب پر صرف تین گھنٹہ لٹکے رہے جس سے موت واقع نہیں ہو سکتی تھی اور جو دو شخص انکے ساتھ لٹکائے گئے تھے وہ بالکل زندہ پورے ہوش و حواس کے ساتھ صلیب سے انکے ساتھ اترے۔ پھر ان چوروں کی ہڈیاں توڑی گئیں اور حضرۃ مسیح کی ہڈیاں بھی کسی نے نہ توڑیں اور جب پلاطوس نے سنا کہ مسیح مر گیا ہے تو اس نے سخت تعجب کیا کہ وہ ایسی جلدی کس طرح مر گئے اور تاریخ سے ثابت ہے کہ کئی کئی دن تک بھی آدمی صلیب پر نہیں مرتے تھے ان واقعات سے ایک با انصاف انسان ضرور یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ اسکی موت یقینی نہیں تھی بلکہ ایک شکی امر تھا۔ پھر برچھی چبھونے سے خون بھی نکل آیا۔ ایکطرف تو ہم یہ واقعات دیکھتے ہیں اور دوسریطرف ہم دیکھتے ہیں کہ یہی شخص پھر اپنی قبر سے نکل بھی گیا اور اپنی زندگی کا لوگوں کو یقین دلایا۔ اب ہم ان واقعات سے سوائے اسکے کیا نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ زندہ تھا جب وہ قبر میں رکھا گیا اور زندہ ہی نکل آیا۔ میں پادریصاحب سے پوچھتا ہوں کہ یہی واقعات کسی اور شخص کے پیش آویں تو وہ کیا نتیجہ نکالینگے ایسا بارہا اتفاق ہوتا ہے کہ وہ لوگ ایک شخص کو مردہ یقین کر لیتے ہیں اور جب پھر اسمیں زندگی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو وہ اپنے پہلے خیال کو غلط قرار دیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ جس چیز کو انہوں نے موت سمجھا تھا وہ حقیقی نہیں تھی۔ مگر حضرت مسیح کا معاملہ تو بڑا صاف ہے ایکطرف انکی موت کا قطعی ثبوت نہیں بلکہ ان کی زندگی کے دلایل نہایت قوی ہیں اور لوگوں کا اظہار تعجب موجود ہے دوسریطرف انکا زندہ پیر پھرنا ثابت ہے پھر ہم کیونکر سمجھ لیں کہ مر تو گئے تھے مگر پھر جی اٹھے۔ کیا پادری صاحب انکی قبر میں موجود تھے اور انکو دیکھ رہے تھے جب انکے جسم میں دوبارہ روح داخل ہوئی تھی لوقا۔ باب ۲۴۔ آیت ۲۲ و ۲۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی حضرت مسیح قبر میں ہی تھے اور عیسائیوں کی کج فہمی کے بموجب مردہ پڑے تھے کہ بعض عورتوں کو فرشتہ نے خواب میں آکر کہا کہ وہ زندہ ہیں حضرۃ مسیح عیسائیوں کے خیال کے بموجب تیسرے دن صبح تڑکے جی اٹھے اور رات کو فرشتہ نے آکر کہا کہ وہ زندہ ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبر میں زندہ ہی تھے کیونکہ فرشتوں نے اسوقت کہا کہ وہ زندہ ہیں جبکہ وہ ابھی قبر میں پڑے تھے اور ابھی قبر سے خروج نہیں کیا تھا۔ علاوہ ازیں جب کسی شخص کی نسبت کہا جاوے کہ وہ زندہ ہے اسکے یہی معنی ہوتے ہیں کہ اس نے ابھی تک موت کا پیالہ نہیں پیا۔ اسی طرح فرشتہ کے الفاظ کے بھی یہی معنے کرنے چاہئے۔ کہ حضرت مسیح نے ابھی تک موت کا مزہ نہیں چکھا تھا چند سال ہوئے کہ خود پادری صاحب نے اخبار پیپ فینی میں ایک شخص رفیع الدین احمد کے بیان کی تردید میں لکھا کہ ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب امرتسری زندہ ہے اسوقت پادریصاحب کا کیا مطلب تھا کیا یہ کہ وہ مر گیا تھا اور پھر زندہ ہو گیا یا یہ کہ ابھی تک نہیں مرا۔ ایسا ہی فرشتہ نے عورتوں کے خیال کی تردید میں کہ حضرت مسیح مر گئے ہیں یہ کہا کہ وہ زندہ ہے۔ پادری صاحب آپ ہی

فرماوین کہ فرشتے کے الفاظ کے کیا معنے کرنے چاہئے - پھر لکھا ہی کہ جب عورتین قبر پر گئین تو انکو کہا گیا کہ تم کسکو ڈھونڈتی ہو تو انہون نے کہا کہ مسیح کو تو انکو جواب ملا کہ تم زندہ کو مردون مین کیون ڈھونڈتی ہو - اسکے بھی یہی معنے ہین کہ مسیح مرے نہین تھے - بلکہ زندہ تھے -

عیسائی یہ کہکر کہ حضرت مسیح مردہ تھے جب قبر مین رکھے گئے صرف ایک غیر معقول اور بے بنیاد بات ہی نہین کرتے بلکہ ایسا کہکر حضرت مسیح کے ایک معجزہ کا بھی انکار کرتے ہین - حضرت مسیح نے فرمایا کہ حرامکار لوگ مجھ سے نشان مانگتے ہین ان کو کوئی نشان نہین دکھلایا جاویگا سوائے حضرت یونس نبی کے نشان کے - مگر حضرت یونس تو زندہ تھے - جب مچھلی کے پیٹ مین داخل ہوئے اور زندہ ہی اسکے اندر رہے - اور زندہ ہی مچھلی کے منہ سے نکلے - اب مشابہت چاہتی ہے کہ اسی طرح حضرت مسیح بھی زندہ ہی قبر مین رکھے گئے ہون - قبر کے اندر بھی زندہ ہی رہے ہون اور زندہ ہی باہر نکلے ہون - جب پلاطوس کے آگے حضرت مسیح کا مقدمہ پیش تھا تو اس کی بیوی کو ایک فرشتہ نے آکر کہا ایسا نہ ہو کہ تیرا خاوند حضرت مسیح کو قتل کرے - اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا ارادہ حضرت مسیح کو بچا لینے کا تھا ورنہ فرشتہ کے بھیجنے کے کیا معنے - اور خود بائبل سے ثابت ہی کہ جس غرض کے لئے خدا تعالے فرشتہ بھیجتا ہے وہ غرض پوری ہی ہو کر رہتی ہے اور بے شک حضرت مسیح کا صلیب پر چڑھکر اور دشمنون کے پنجہ مین آکر پھر بچ نکلنا انکا ایک نشان تھا اور خدا تعالی کی باریک تدبیر و نکا ایک نمونہ - حضرت مسیح صلیب سے اسی طرح بچے جیسے حضرت ابراہیم آگ سے محفوظ رہے اور جیسا بڑے بڑے انبیا کو ایک ہجرت کرنی پڑی ایسا ہی حضرۃ مسیح کو بھی شام سے ہجرت کرنی پڑی اور بھی کئی امور ہین جو اس امر کی تائید کرتے ہین کہ حضرۃ مسیح صلیب سے بچ نکلے مثلاً پلاطوس کی خواہش کہ حضرت مسیح قتل نہ کئے جاوین اور نہایت قرین قیاس ہی کہ اس نے اپنے افسرون کو پوشیدہ ہدایتین دی ہون - چنانچہ جب اتارے گئے تو سپاہیون نے دوسرے چورون کی ہڈیان تو توڑ دین مگر عمداً حضرت مسیح کی ہڈیان نہ توڑین - آج کل تو عیسائی یہودیون کی طرح افسوس کرتے ہونگے کہ کاش کہ حضرت مسیح کی اسوقت ہڈیان توڑ دیجاتین تا یہ جھگڑا پیدا نہ ہوتا - اندر اندر سپاہیون اور پلاطوس کو کوستے کہ کیون انہون نے حضرۃ مسیح کے بچانے کی کوشش کی - اور ہمکو مصیبت مین ڈالا - اسی وقت فیصلہ کیون نہ کر دیا - پھر پلاطوس نے حضرت مسیح کا جسم انکے ایک دولتمند شاگرد کے حوالہ کر دیا اور یہودیون کے سپرد نہ کیا - پھر مسیح کا مالی کے کپڑے پہننا بھی گواہی دیتا ہے کہ انکے بچانے کے لئے ایک پوشیدہ سازش تھی - کیونکہ یہ کپڑے انکو ضرور مالیون سے ملے ہونگے - اگر حضرت مسیح کا جسم اسی خاک کا تھا - تو اس مین بھی شک نہین کہ یہ کپڑے بھی کھدڑ کے تھے اگر حضرت مسیح مر کر جی اٹھے تھے - تو چاہئے تھا کہ بڑی

شان و شوکت کے ساتھ اٹھتے اور زرق برق آسمانی لباس مین دشمن و دوست کے سامنے
آسمان کیطرف صعود فرماتے - یہ کیا وجہ کہ مالیونکا بھیس بدلا - اپنے چہرے کو لپیٹ کر پھرتے رہے اور
آسمان پر بھی چڑھے تو خفیہ ہی چڑھ گئے انجیل نویسون کے سوا کوئی گواہی نہین دیتا کہ مین نے ایک
شخص آسمان پر چڑھتے ہوئے دیکھا - جس پہاڑ سے آسمان پر چڑھے تھے اگر وہان کا کوئی گڈریا
ہی گواہی دیدیتا کہ مین نے ایک شخص کو اوپر چڑھتے ہوئے دیکھا تو بھی ہم قبول کر لیتے تعجب ہے
کہ ایک پتنگ کو تو ہزارون آدمی دیکھ لیتے ہین مگر ایک انسان کو کسی نے نہ دیکھا مین پادری صاحب
سے پوچھتا ہون کہ اگر مسیح کا کوئی آسمان پر جانا نہ مانے تو اسکا کیا قصور پھر تم کیون کہتے ہو کہ جو شخص
حضرت مسیح کے آسمانی پرواز کو نہ مانے گا وہ دوزخ کا ایندھن ہوگا +

غرض عیسائیونکا اس امر کو قبول کر لینا کہ حضرت مسیح اسی خاکی جسم کے ساتھ قبر سے نکلے اور
اپنے شاگردونکو ملے - اور ۴۰ دن تک ملک شام مین پھرتے رہے اور کباب شراب کھاتے پیتے
رہے انکے اعتقاد کے لئے بڑا مضر ہے کیونکہ اب کوئی نہین مان سکتا کہ وہ اسی خاکی جسم کے ساتھ
آسمان پر چڑھ گئے - گوشت اور ہڈیان آسمان کیطرف چڑھ نہین سکتین خواہ وہ خدا کی ہی ہڈیان
اور گوشت کیون نہ ہون - اب عیسائیونکو چاہیئے کہ انکے لئے کوئی اسی زمین پر جگہ تلاش کرین
اگر ہمین نہ بھی پتہ ملتا کہ اسکے بعد حضرت مسیح کدھر گئے اور کہاں انہون نے باقی دن کاٹے تو بھی
ہم یہ تو قبول نہین کر سکتے تھے کہ وہ آسمان کیطرف اڑ گئے کیونکہ آسمان پر گوشت اور پوست کیلئے کوئی
جگہ نہین - باپ کے تخت پر بھی ہڈیون اور چمڑے کے لئے کوئی جگہ نہین نہ اسکے دائین ہاتھ کوئی جگہ
ہے نہ بائین ہاتھ - ضرور وہ خاکی جسم اسی زمین مین رہا ہوگا اور کسی نے اسی مٹی مین گاڑا ہوگا - کسی کا
مفقود الخبر ہو جانا اس امر کی دلیل نہین کہ وہ آسمان پر چڑھ گیا - مگر عیسائیون کی بدقسمتی سے اب یہ
بھی پتہ لگ گیا ہے کہ وہ کس طرف گئے + حضرت مسیح اپنے واقعہ کو حضرت یونس کے واقعہ سے مشابہت دیتے ہین اور
حضرت یونس کو جب مچھلی نے اگل کر نکالدیا تو خدا نے انکو حکم دیا کہ اٹھ اور اس بڑے شہر نینوہ کیطرف جا اور میرے
حکم کے مطابق انکو تبلیغ کر - اسلئے مشابہت چاہتی ہے کہ حضرت مسیح بھی حضرت یونس کیطرح قبر سے نکلکر کسی قوم
کیطرف بھیجے گئے ہون - وہ کل قوم بنی اسرائیل کیلئے نبی ہوکر آئے تھے - نہ کہ کسی خاص فرقہ بنی اسرائیل کیلئے مگر شام
مین صرف دو فرقے موجود تھے - اور باقی دس قومین جلاوطن ہوکر مشرق مین آباد ہو گئی تھین اور یہ ثابت شدہ امر ہے کہ افغان
اور کشمیری اسرائیلی ہین - اور حضرت مسیح کا فرض تھا کہ انکو بھی وعظ کرتے - کشمیر کے لوگ بالاتفاق یہ گواہی دیتے ہین کہ جو شخص سرینگر
محلہ خانیار کے مزار مین مدفون ہے وہ ایک شہزادہ نبی تھا جو مغرب کیطرف سے آیا اور یہین وفات پائی اور یہ بھی شہادت ملی ہے کہ اسکو آئے قریباً
۱۹۰۰ برس ہوگئے کشمیر کی تاریخی کتابین بھی یہی گواہی دیتی ہین - یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ اسکی کتاب کا نام بُشری تھا جو انجیل کا عبرانی
نام ہے اور وہ انجیلی تعلیم اور انجیلی مثالین بھی سنایا کرتا تھا چنانچہ یوز آسف کے قصہ مین کسان کی مثال بھی درج ہے جو انجیل کی

کرتا تھا اور اپنی تعلیم کا نام انجیل رکھتا تھا + والسلام علی من اتبع الہدیٰ + آپکا تابعدار شبیر علی از قادیان +

"حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تاکیدی ارشاد کا اعادہ"

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن پرزور تاکیدی الفاظ مین ایک نور عرفان سی بھرے ہوئے لب ولہجہ سے اپنی احمدی جماعت کے پرجوش ومخلص جوانمردونکو کثرت اشاعت رسالہ میگزین کیطرف ملتفت کرنا چاہا تھا وہ برکت مجسم وپرشوکت الفاظ تو خوابیدگان خواب غفلت کے بیدار کرنے کے لئے کافی تھے چہ جائیکہ اپنی جماعت کے باخبر۔ باہمت واخلاص مند احباب اپنے پیارے امام صادق ومامور برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی بجاآوری مین تساہل وتکاہل سے کام لیتے۔ خدا تعالے کے فرستادہ کی زبان دُر فشان سے ان سراپا برکت خیز وتبشیر وتنذیر آمیز الفاظ کا نکلنا کہ "مین پورے زور کے ساتھ اپنے مخلص جوانمردونکو اسطرف توجہ دلاتا ہون کہ وہ اس رسالہ کی اشاعت واعانت مین جہانتک اُنسے ممکن ہو ہمت دکھلاوین" کیا کچھ کم توجہ طلب و کم وزن دار تھے اور سعادت کیش احباب کے دلونکو اپنی تعمیل کیطرف کھینچنے کے لئے کچھ کم اثر مقناطیسی رکھتے تھے حضرت اقدس نے اس تاکیدی ارشاد مین کھول کھولکر زور سے توجہ دلاکر فرمایا ہے کہ "اے جماعت کے سچے مخلصو! تم اس رسالہ کی اعانت کے لئے ہمت کرو مین بار بار کہتا ہون کہ اس خدمت مین جان توڑ کوشش کرو یہی وقت خدمت گذاری کا ہے" پھر ساتھ ہی بشارت دی ہے کہ "جو کوئی میری موجودگی مین میری اس غرض مین مدد دیگا وہ قیامت مین بھی میرے ساتھ ہوگا اسکے مال مین برکت ہوگی اور عمر مین زیادہ ہوگی" انسان اس دار الابتلا مین اپنے حسن خدمات وحسن کردار کا اس سے بڑھکر اور کیا صلہ حاصل کرسکتا ہے؟ اگرچہ اس تاکید اکید کے بعد کسی دیگر بیرونی تحریک یا تاکید یا یاددہانی کی ضرورت نہ تھی اور نہ ہونی چاہئے مگر پھر بھی ہمنے بدین خیال کہ کوئی بھائی اس خیر حکم کی بجاآوری سے قاصر رہکر ثواب ومفاد دارین سے محروم نہ رہے حتی الوسع پہلے بھی اس ارشاد حضرت اقدس کو جملہ برادران کے کانون تک پہونچانیکی بڑی جدوجہد کی ہے اور اب بھی الاعمال بالنیات کے اصول پر وہی سعی کیجاتی ہے اب وقت ہے کہ اپنے پیارے امام صادق کے فرمان پر جان قربان کر دینے والے دل اس خاص خدمت کی وقت پر قدر کرکے سابق بالخیرات بنین اور حسنات دارین کی وراثت سے حصہ لیکر اس چندروزہ قیام گاہ سے فائز المرام رخصت ہون۔ اور تخلیق انسانی کی اصل غرض کو پورا کرین۔ اللہ کرے جملہ سعید الفطرت رحمین مامور ومرسل برحق کے اس تاکیدی فرمان پر اپنا روح وروان نثار کرتے ہوئے اس یگانہ ذات مقتدر رب الافواج کے آستانہ کی حقیقی وبلیغ بشکر دین ودنیا وما فیہا کی نعمت غیر مترقبہ سے بہرہ اندوز ہون آمین ثم آمین۔

مینیجر

"تعلیم الاسلام کالج قادیان"

یکم جون ۱۹۰۶ء سے ہر دو کلاس ایف اے کی جماعت بندی ہوکر تعلیم شروع ہوجاویگی ہر مذہب وہر فرقہ کے طلباء تعلیم پاسکتے ہین بسر رشتہ ایکسال کیلئے فیس معاف رہیگی۔ انگریزی وریاضی کے علاوہ دینیات وعربی وفارسی وفلاسفی وہسٹری کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے اس خاص رعایت سے مستفید ہونیکے خواہشمند طلباء خصوصاً جنہون نے حال ہی مین انٹرنس پاس کیا ہے جلدی کالج مین پہونچنے کی سعی کرین بصورت توقف ہرج تعلیم کا خطرہ ہے۔ والسلام۔ مولوی شیر علی پرنسپل تعلیم الاسلام کالج قادیان

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

ضروری استدعاء

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹینٹ یا غیر پیٹینٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہیں اور اپنے مقامی اسٹیشن میں کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونیکے باعث انہیں کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑیں وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانٹیر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائیں - یہ دکان میرے متعلق ہے انہیں نقصان نہیں اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے +

المشتہر خواجہ کمال الدین وکیل پشاور

اطلاع :- جناب ابو سعید صاحب عرب احمدی بحکم الحمد دار الامان میں پہنچ گئے ہیں - انکے جملہ احباب خصوصاً رنگون کے دوست انکے نام خط کتابت قادیان ضلع گورداسپور کے پتہ پر کریں +

ضیاء الاسلام پریس قادیان میں باہتمام حکیم مولوی فضل دین صاحب طبع ہوا +

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ÷ لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابت ماہ جون سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۶

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- جون سنہ ۱۹۰۴ء کو شایع ہوا ۔ چندہ سالانہ اردو پرچہ ...... عہ

"تفسیر سورۃ جمعہ"

نور فرقان ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا ✣ پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
یا الٰہی تیرا فرقان ہے کہ اک عالم ہے ✣ جو ضروری تھا وہ اس میں مہیا نکلا
سب جہان چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں ✣ مئے عرفان کا یہی ایک شیشہ نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ ✣ وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

"اعلان"

مجھے اس رسالے کے متعلق کچھ کہنے کی خصوصاً احمدی جماعت کو ترغیب خریداری کے لئے مطلق ضرورت نہیں کیونکہ وہ محض بفضل خداوندکریم و بطفیل سیدنا جناب حضرت مسیح موعود نورٌ من اللہ الاحد والصمد قرآن کریم کی عظمت اور اسکو سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت اور فائدے کو ایک حد تک بخوبی سمجھنے لگی ہے تاہم بھی انکی خدمت میں صرف اتنا ہی عرض کر دینا ہے کہ اول تو یہ کلام پاک حضرت خداوند احدیت ہے۔ دوم اسکا مفسر اپنی پایہ کا وہ بے نظیر شخص ہے جسکی علمی قابلیت علمی خصوصیت۔ احمدی جماعت کے علاوہ مخالف ہندوستان میں بلکہ اکثر بلاد غیروں میں بھی مسلم ہے۔ سوئم یہ سورۂ پاک جسکی تفسیر کا اعلان آپکے روبرو ہے۔ کلام خداوندکریم الرحمٰن الرحیم کا وہ عجیب و غریب حصہ ہے جسکا پڑھنا سمجھنا۔ سمجھانا ہر ایک مومن کی زندگی کا پہلا فرض معلوم ہوتا ہے خود مفسر موصوف (خدا کی لاکھ لاکھ رحمتیں انکے شامل حال ہوں) نے اس سورہ مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے بڑے درد دل سے جو کچھ فرمایا ہے وہ آپ تفسیر ہی میں ملاحظہ فرماوینگے اسکے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے اگر آپکا دل رقت اور جوش سے گواہی دے اٹھے اور اس بات کی ضرورت محسوس ہو کہ اسکی اشاعت کی ملک میں بیحد ضرورت ہے تو آپکا یہ سب سے اہم فرض ہونا چاہئے کہ جس قدر آپ سے ہو سکے خواہ خود خرید کر خواہ ترغیب دیکر خواہ اعلان کر کے اپنے تمام دوستوں ملاقاتیوں۔ رشتہ داروں۔ عزیزوں وغیرہ کے ہاتھ اسکی ایک ایک کاپی پہنچا دیں۔ والسلام۔ وما علینا الا البلاغ۔

قیمت بلحاظ تعداد حسب ذیل ہے

ایک جلد ۴ر ...... ایک جلد کے خریدار کو معہ محصولڈاک وغیرہ۔ ۵ر ٹکٹوں کے ذریعہ لفافہ میں بند کرکے بھیجنا چاہئیں
پانچ جلد ۱۲ر بذریعہ ویلیو پے ایبل پارسل روانہ ہونگی۔
دس جلد ۲؎ " " " "
پچیس جلد ۵؎ " " " "

درخواستیں پتہ ذیل پر آنی چاہئیں

حکیم محمد حسین قریشی۔ کارخانہ رفیق الصحت حویلی کابلی مل لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بے عیب نبی اور زندہ نبی

اس مین ہم یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ اس نبی نے خود کیا دعوے کیا اس کی قوم نے اس کی نسبت کیا شہادت دی ... اس نے کارروائی کیا کی کیسے وقت مین وہ آیا اور کس حالت مین اس دنیا سے گیا۔ اس نے اپنی دائمی زندگی کا ثبوت اور نشان کیا چھوڑا۔ یہ پانچ باتین ہین جن پر ہم مختصراً لکھنا چاہتے ہین **والموفق ہو اللہ سبحانہ وتعالےٰ۔**

پہلی شق مین ہم دو طرح پر نظر کرتے ہین۔ اول یہ کہ وہ کس طرح فوق العادت قوت اور دلیری سے اپنے وجود اور اسکے متعلقات کو سوسائیٹی کے عرف اور مسلم قوانین کے معیار کے آگے پیش کرتا ہے۔ دوم یہ کہ اخلاق اور روحانیت اور عقائد کے میدان مین کس طرح اپنے تئین اپنی صداقت اور حقیقت کے دلی احساس اور بصیرت کے تصور سے جلوہ گر کرتا ہے پہلی بات کے ثبوت کیلئے یہ آیت **وقد لبثت فیکم عمرًا من قبلہ افلا تعقلون** ایسی لانظیر دلیل ہے کہ کسی مصلح اور مامور کی لائف مین کسی ملت ومذہب کا کیون نہ ہو اسکی مثل تلاش کرنا پوری ناکامی اور نامرادی کے ساتھ تھک کر رہ جانا ہے۔

ایک شخص ایک غیور اور جنگی قوم اور تکبر کے خمیر سے تیار شدہ قوم کے معروف ومسلم عقائد اور صدیون کی مالوف رسمون اور انکے قابل عزت معبودون کی اہانت اور بیخ کنی کرتا اور اس اثنا مین انہین اشتعال پر اشتعال دلاتا ہے کہ ہر قسم کے عرفی پہلوؤن سے اسکا مقابلہ کرین اور اسکے مغلوب کرنیکے لئے متفق اور منفرد کوششون اور منصوبون کو جمع کرین۔ اور مخاطبین بھی رات دن اسی تھک کوشش مین ہین کہ اسکے قلعہ پر حملہ کرنیکے لئے کوئی ایک سوراخ کہین سے انہین ملجائے ایسی حالت مین یہ دعوے کرنا کہ مین عمر کا بڑا حصہ یعنی چالیس سال تک اس عظیم الشان دعوے سے پہلے تم مین گذار چکا ہون **افلا تعقلون** یعنی اس پر بھی تم اپنی عقلون کی طرف رجوع نہین کرتے کیا تمہاری دانشین اور زمانہ کے عرف سے واقف عقلین اس نتیجہ پر پہونچ نہین سکتین کہ اتنے دراز عرصہ تک اور ایسی عمر مین جو جذبات جوانی اور جوشون کے کمال کا وقت ہوتا ہے کوئی جھوٹ اور افترا اور بددیانتی اور بدچلنی کا کوئی الزام جس شخص کے ذمہ عائد نہ ہوسکتا ہو کیا وہ اب ہی کذب اور افترا کا مرتکب ہوگا۔ اس آیت مین عجیب بات یہ ہے کہ مدعی

دعوے کے بعد اپنی صداقت اور حقیّت کے ثبوت اور ذہن نشین کرنیکے لئے عقول سلیمہ کے آگے اپیل کرتا ہے اس اپیل سے ایک شخص جو دل کے انفعالات اور کیفیات کا علم رکھتا ہے یقینی طور پر اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ مدعی کے دلمین کس زندہ احساس اور ناقابل تردد شعور سے یہ یقین اور عرفان بھرا ہوا ہے کہ وہ بے عیب ہے اور وہ یقین رکھتا ہے کہ اس کی زندگی کی کتاب کے اوراق ایسے جلی اور بے داغ ہین کہ اس کی راستی پر ایمان لانیکے لئے اسکا ایک دفعہ مطالعہ کرنا کافی معلّم اور رہنما ہوگا +

ہم بالفعل اس ہیبت انگیز دعوے کو مذاہب کے حامیونکے آگے پیش کرتے اور کشادہ دلی سے درخواست کرتے ہین کہ دلایل سے قطع نظر کرکے وہ اپنی کتابون سے اپنے مسلّم مقتداؤن کے مونہونسے اس دعوے کی مثل دکھائین مین نے بارہا اس مین غور کی ہے کہ خدا تعالی کی مبارک اور زندہ کتاب مین جس نے الٰہیات کے علوم کے احیا اور ابقا کا ذمہ لیا ہوا ہے اس دعوے کو محفوظ اور مکتوب رکھنے سے کیا مدعا ہے اور اسکا تعلق اثبات نبوت سے کیا ہے۔ ان امور مین غور کرنیکے بعد مین ہمیشہ لذت اور بصیرت سے اس نتیجہ پر پہنچا ہون کہ ایک مدعی کی راستی کو پرکھنے اور اسپر ایمان لانیکے لئے اس معیار سے بڑھکر کوئی معیار نہین۔ انسان کی فطرت مین علی السواء یہ مادہ رکھا گیا ہے کہ قول کو سننے کے بعد معًا اسکے دل مین یہ گدگدی پیدا ہوتی ہے کہ اسکے قائل کی زندگی کس طرح کی ہے خصوصًا ایسے شخص کی بات سن کر جو کھلے میدان مین دعوے کرتا ہے کہ مین امین ہون مین پرلے درجہ کا دیانت دار ہون لوگونکو چاہئے کہ اپنی گرامی قدر امانتین جو کسی طرح محفوظ نہ رہ سکتی اور چورون اور ڈاکوؤن کے دستبرد کے خطرہ سے مامون نہ ہون وہ میرے پاس رکھا کرین۔ مین عند الطلب صحیح و سالم دینے سے دریغ نہین کرونگا اور اتنی بڑی خدمت کے مقابلہ مین کوئی اجرت اور معاوضہ کسی سے نہین لونگا ظاہر ہے کہ انسان کی عادت اور الف مین یہ ہرگز داخل نہین کہ ایسے دعوے کو سنے اور بلا تردد ان بلند الفاظ پر سچا ایمان لے آئے۔ بلکہ امانت کی قدر و قیمت کا احساس اسے مجبور کریگا کہ مدعی کے گذشتہ اور معروف چال چلن کی حد سے زیادہ چھان بین کرے۔ ہم عرف مین روزمرہ مشاہدہ کرتے ہین کہ ایک قرض خواہ کو قرض کا ملنا دشوار ہوتا ہے جبتک قرض دہندہ کو اسکی سیرت کی پاکیزگی کی نسبت پورا اطمینان نہ ہو جائے اس کو جیسے عرف کے باہر نکلکر دیکھو اور غور کرو کہ ایک شخص یہ دعوے کرتا ہے کہ دین و ایمان کی امانتین میرے سپرد کرو۔ اپنی عقلون اور دانشون اور علمون اور تجربون اور ارادون اور خواہشون کو میری باتون کی تسلیم کے مقابل قربان کردو۔ اس خود مختار مرضی اور نیک و بد کی ممیز قوت کو جو تمہاری مایہ ناز طاقت ہے میرے حکم کے آگے تیز چھری سے ذبح کردو۔ جیساکہ خدا تعالی کی کتاب کی یہ آیت تعلیم دیتی ہے **فلا وربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجًا مما قضیت ویسلموا تسلیما** ۔ مجھے تیری ربوبیت کی قسم جس نے اپنے بڑے مقاصد اور اغراض کے اتمام کے لئے تیری

تربیت کی اور تجھے کامل معلّم اور کامل نمونہ بنایا ہے لوگ ایمان میں کامل نہیں ہونگے جبتک اپنے اختلاف
اور جھگڑے کی باتوں میں تجھے حَکَم نہیں بنائینگے پھر ایسا ہو کہ تیرے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی اور
گھبراہٹ محسوس نہ کریں اور سرِتسلیم جھکا کر اس پر عملدرآمد کریں۔ بظاہر یہ آیت آزاد۔ بیباک اور ممیز مرضی
اور اختیار کا خون کرتی ہے اور کس جبر اور حکومت سے ہزاروں مختلف دانشوں اور عقلوں اور بے شمار
ذہین جوانوں اور تجربہ کار بوڑھوں کی طبع آزمایاں اور فہم و فراست کے نچوڑوں کو ایک انسان کی گفتار
پر قربان کرتی ہے یہ ایسی بات ہے کہ انسان کی غیرت مند طبیعت آسانی سے اسکو اختیار اور قبول نہیں
کرتی۔ مشورت اور صلاح کاریوں کے ہوشوں میں رات دن اس اختلاف رائے کی شورا شوریوں کے نظارے
دیکھے جاتے ہیں جو مسلم اہل الرائے اور مدبران ملکی کی تقریروں کے خلاف برپا کیجاتی ہیں لیکن ان
سب کے خلاف ہم دیکھتے ہیں کہ گرم ملک اور پاک آب ہوا والے میدان کے غیر مفتوح اور آزاد جبلی طبیعت
کے نوجوانوں اور تجربہ کار بوڑھوں نے سچا نمونہ اُس انقیاد اور اطاعت کا دکھایا جو اس آیت سے سمجھی جاتی ہے
غرض دین و ایمان کی امانت بہت زیادہ قدر و قیمت رکھتی ہے۔ پتھروں کی امانت سے جسکے سپرد
کرنے سے پیشتر امین و مؤتمن کے حالات کی نسبت تا بمقدور تفحص اور تجسس از بس ضروری سمجھا جاتا ہے یہ آواز **وقد لبثت
فیکم عمراً من قبلہ** کیسی قابل قدر اور ضروری ہے اسکے ثبوت کے لئے ہمارے پاس ہمارے زمانہ میں
ایک نمونہ موجود ہے۔ ہمارے آقا و مولے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت بھی مدتوں اس سے پہلے
براہین احمدیہ میں یہ وحی موجود ہے۔ **وقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ**۔ ہم نے عملی زندگی میں اپنے مشاہدہ
میں اس دعوے کا اتنا بڑا فائدہ دیکھا ہے کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آسکتا۔ سنہ ۱۸۹۲ء اور سنہ ۱۸۹۳ء میں
اجتماع کے موقعہ پر سیکڑوں آدمیوں کے دلوں میں بے اختیار یہ بات گذری کہ قادیان کے لوگوں سے حضرت
مسیح موعودؑ کی گذشتہ اور ان کی نگاہوں سے پوشیدہ زندگی کی نسبت دریافت کریں۔ بہت سے تیز طبع زندہ دل
نوجوان چاروں طرف اس تلاش اور دُھن میں پھیل گئے۔ کسی نے گاؤں کے سادہ بے شر سناتن دھرم بوڑھوں
سے۔ کسی نے مسلمان بوڑھوں سے کسی نے اِدھر اُدھر کے کھیتوں میں کام کرنیوالے بوڑھوں سے بعض نے
یہاں کے مسلّم مخالفوں اور ڈاہ اور حسد کے مریض ہم عمروں سے پوچھا سب نے بے اختیار اور بالاتفاق یہی
جواب دیا کہ اس شخص کی زندگی میں ہم نے کوئی عیب نہیں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ اتنے متضاد اور مختلف مونہوں سے
ایک ہی یکساں بات کے سننے سے طالبان حق کو یہ فائدہ ہوا کہ ان کے دل حضرت مامور موعود کے دعوے کے قبول
کرنے کے لئے شرح صدر اور نور سے لبریز ہو گئے۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں مجھے اس سلسلہ کے مسلّم اور مشہور مخالف اور
حضرت موعود کے بہت نزدیکی ہمسایہ مولوی محمد حسین صاحب کے مکان میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا اسوقت
قادیان سے موعودیت کی آواز باہر نکل چکی تھی مگر ہنوز صاف اور منفصل نہیں تھی۔ اثنائے گفتگو میں
مولویصاحب مذکور نے مجھ سے پوچھا اور میں دیکھتا تھا کہ مولویصاحب پر سراسیمگی اور اضطراب غالب ہو رہے

کہ یہ کیسی آواز قادیان سے آئی ہے۔ مین سمجھ نہین سکا کہ لفظ موعود سے آپ کی صاف صاف کیا مراد ہے مجھے یہ فکر لگ رہی ہے کہ کہین مرزا صاحب کی مراد اس سے یہ نہ ہو کہ وہ وہی مسیح موعود ہین جسکا وعدہ احادیث مین دیا گیا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو دنیا مین ایک انقلاب اور قیامت قائم ہونیوالی ہے اور اگر کوئی اور مراد ہے تو مضایقہ نہین" اس بات کو سن کر پہلا سوال جو بلا تکلف میرے دل مین پیدا ہوا اور جسے مین فطرت انسانی کی اضطراری کیفیت سے تعبیر کرتا ہون۔ یہ تھا کہ مولوی صاحب سے مین نے پوچھا۔ مولویصاحب فرمائے آپ مرزا صاحب کی نسبت ان کی گذشتہ لائف کے مطالعہ کے بعد کیا رائے رکھتے ہین مولوی صاحب نے بڑے جوش اور اخلاص سے جواب دیا کہ مین مرزا صاحب کا ہم عمر اور ہم مکتب اور پھر ہمسایہ ہون اور علاوہ بر آن ابتک ان سے میرے تعلقات ہے ہین مجھ سے زیادہ کوئی شخص ان کے حالات سے واقف نہین مین گواہی دیتا ہون کہ وہ بے عیب۔ پرلے درجہ کے متقی اور خدا اور رسول کے عاشق اور اسلام کے شیدا ہین۔ اگرچہ مین خود ملہم نہین مگر مرزا صاحب کی سچائی پر مجھے اسقدر یقین اور وثوق ہے کہ مین ان کے دعوے الہام کو کلی تسلیم کرتا ہون۔ مین نے سن کر کہا بہت خوب مرزا صاحب کی عمر کا جو حصہ ہم سے پوشیدہ تھا اس کی پاکیزگی اور تقدس کی آپنے گواہی دیدی آیندہ عمر کے حالات ہم خود دیکھ لینگے۔ اسی طرح ہماری جماعت کے برگزیدہ رکن جناب حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب نے مرزا امام الدین کو جو حضرت موعود کا سخت دشمن تھا اور راتدن آپ کی ایذا رسانی کی تجویزون مین لگا رہتا اور اپنی تنہا کوشش سے تھک کر گاؤن کے بہت سے سانہون اور بھیڑیون کو ہمیشہ اپنی مدد مین بلاتا دو تین دفعہ کہا کہ اگر تم ہمارے مرزا صاحب مین کوئی عیب نکالدو تو مین اتنے ہزار روپیہ نقد تمہین دونگا۔ وہ مولویصاحب کی وجاہت اور متانت کو خوب جانتا اور یقین رکھتا تھا کہ مولویصاحب اپنی بات مین سنجیدہ اور صادق ہین مگر وہ مبہوت اور خاموش رہا۔ اور لاطائل باتون سے وقت کو ٹالدیا۔

غرض سلیم فطرتون کی اس شہادت سے ثابت ہوا کہ ایک منجانب اللہ مامور کے لئے از بس ضروری ہے۔ کہ اس کی لائف کی کتاب پبلک لائبریری مین رکھی ہوئی ہو اور ہر ایک شائق اور پڑھ سکنے والا اسے پکڑنے اور پڑھنے سے اپنے ہاتھ کو تاہ نہ سمجھے۔ اسلئے کہ ایک مستورالحال شخص کی زندگی کی نسبت کوئی نقاد اور صاحب نظر کیا نکتہ چینی کر سکتا اور بالآخر کس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اس خصوص کے لحاظ سے ہم دیکھتے ہین کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے سوا کسی مامور و مرسل کی زندگی پبلک کی تنقید اور نظر کے لئے واضح اور کشادہ نہین۔ گذشتہ زندگی نبوت کے دعوے سے پہلے ہمین اسی آیۃ **وقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ** نے اس کی تلاش اور تجسس سے پوری طرح فارغ کر دیا ہے۔ جبکہ ہمعصرون اور نہایت قریبی رشتہ دارون اور آپ سے سابقہ پڑنے والون کی گواہیان آپکے **امین** اور مامون ہونے کی نسبت ہماری سیرت کی کتابون مین موجود ہین اور یہ ایسے وقتون کی گواہیان ہین کہ جب آپ

بیس پچیس برس کے نوجوان تھے - اور اسوقت بھی قوم میں نہایت راست باز اور امین مشہور تھے تو با این ہمہ ایک پاکیزہ دل اور سلیم فطرت اور نیک گمان نقاد کے نزدیک اس دعوے کے ہوتے اور تاریخ کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے - ایک اہل دل ہی اس بردِ یقین اور شرح صدر کا اندازہ کر سکتا ہے جو اس دعوے کو سن کر ایک طالب حق کو ملنا ممکن ہوتا ہے ؛

لیکن کیا ہم امید کر سکتے ہیں کہ یسوع مسیح کی لائف اور سوانح میں کوئی اسکے مقابل دلیرانہ دعوے ہمیں ملے - کیا کوئی دکھا سکتا ہے کہ یسوع نے قوم سے خطاب کر کے کبھی ایسا دعوے کیا ہو اور اپنی موجودہ زندگی کی راستی کے ثبوت میں اپنے گذشتہ چال چلن اپنے حسب و نسب کے بے داغ ہونیکو بطور گواہ کے پیش کیا ہو - ہم ابھی یہ ذکر کرنا نہیں چاہتے اگر یسوع ایسا دعوے کرتا تو اس کی قوم اسکے جواب میں کہتی اسے تسلیم کرتی یا ناگفتنی اور ناشنیدنی جوابوں سے اسکا بخیہ ادھیڑ ڈالتی بالفعل ہم اتنا ہی پوچھتے ہیں کہ ان کتابوں میں جو یسوع کی سہ سالہ زندگی کی ناتمام سوانح ہیں یسوع کے منہ میں اس قسم کا دعوے دیا گیا ہے - میں امید کرتا ہوں کہ یہ ایسی بات ہے کہ خدا ترس اور طالب حق دلوں کو اس سے بہت فائدہ اٹھانا چاہئے ؛

دوسرا پہلو اس دعوے کا بحث کے نیچے لانیکے لئے ہم اس خوبصورت اور قیمتی متاع کو دیکھتے ہیں جو کس قوت اور دلیری سے پانچ دفعہ ہر رات اور دن میں تمام دنیا کے آگے کھول کر رکھی جاتی ہے وہ ہے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ✤ - اس میں غور طلب امر یہ ہے کہ ان دو فقروں میں یا اللہ اور محمد کے نام میں کیا مناسبت اور ملابست ہے پہلے فقرہ یعنی آلہہ کی نفی اور اللہ کے اثبات سے یہ مقصود ہے کہ الہیت اور معبودیت کا استحقاق اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں اس لئے کہ وہ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے اور اسکے سوا سب کو نقص اور ضعف اور عجز کا داغ لگا ہوا ہے انسانی طبیعتوں نے اشتراک اور اتفاق سے اس قاعدہ کو مانا ہے کہ مرئیات اور معلومات سے مجہولات اور نظریات کا علم حاصل کیا جاتا ہے لیکن اس مقام میں یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا تمام الاہوں کی نفی اور اللہ کے لئے استحقاق الہیت کے اثبات کی نسبت دعوے کیا جا سکتا ہے کہ اس نفی اور اثبات میں دعوے اور دلیل کا تلازم ہے دوسرے لفظوں میں اسے یوں ادا کر سکتے ہیں کہ کیا آلہہ کی نفی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ ہے - اس میں شک نہیں کہ اللہ کے لئے اثبات الہیت دعوے ہے اور بڑا بھاری دعوے ہے - اگر ہم ان دونوں کو دعوے اور دلیل مان کر ان میں کوئی باریک اور نازک تعلق قائم کرنا چاہیں تو وہ اس سے زیادہ نہ ہوگا جو مصنوعات اور صانع میں ہوتا ہے یعنی اگر کوئی بلند نظر صافی الفطرت تمام مخلوق معبودوں اور انسانی تخیلات کے تراشیدہ بتوں کی ہستیوں میں غور کر کے اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ سب ناتوان اور ناقص اور داغ حدوث سے داغدار ہیں اور پھر پیاس اور تلاش اسے سچی زندگی کے پانی کیطرف دوڑنے کیلئے کسی اور طرف رہبری کرے تو وہ اس سے زیادہ کسی اور نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا کہ ان مٹی اور پتھر کی بدنما مورتوں

✤ اسکا مطلب یہ ہے کہ اذان میں ان ہی کلمات کی گواہی بلند آواز سے پانچ دفعہ دی جاتی ہے - منہ

یا عورت کے پیٹ سے نکلے ہوئے نکمے نالایق معبودون سے بالاتر ایک کامل اور اعلے ہستی ہونی چاہیے اس شخص کا وہی حال ہوگا جو مصنوعات سے صانع کا سراغ لگانیوالے کا حال ہوتا ہے۔ یہ مختصی ڈھونڈنے والا مدت دراز تک ٹکرین مار مار کر اسکے سوا جھولی مین کچھ نہین لائیگا کہ ان مصنوعات کا ایک صانع ہونا چاہیئے۔ اس بات کو اور زیادہ صاف لفظون مین یون سمجھو لو کہ یسوع مسیح ایک جھوٹا الہ اور باطل کا ایک چیدہ اور برگزیدہ نمونہ ہے الا اللہ کے اثبات کی ضرب اور لا الہ کی نفی کا تبر اُسکے سر پر بھی ویسا ہی پڑتا ہے جیسا کہ زمین کے اور معبودون پر جو اسکے بخارات کی ترکیب سے متولد ہوئے ہین یورپ کے ذہین اور رشید طالبان حق بڑی غورون اور تنقیدونکے بعد جو آزادی اور کشادہ دلی سے اس ناقص اور ادھورے آدمزاد اور جعلی خدا کی نسبت کرتے رہے ہین اس تراشیدہ بُت مین ہزارون نقص اور داغ دیکھکر بے اختیار اس نتیجہ پر اور سچے نتیجہ پر تو ضرور پہنچے ہین کہ یسوع مسیح کو خدا ماننا انسانی عقل پر شرمناک داغ لگانا ہے مگر با این ہمہ وہ سچا کامل ہمہ علم ہمہ قدرت متصرف حی وقیوم خدا اور اسکا لذیذ عرفان ان کی فہم کی رسائی سے ہنوز بالاتر ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ ہے اور ہونا چاہیئے مین بڑا فرق ہے۔ ایک عاشق کی پیاس جو اس مچھلی کی طرح بیقرار ہو جو پانی کے سوا کسی اور چیز سے خواہ کیسی ہی عجیب اور لذیذ ہو قرار نہین پکڑ سکتی کیونکر بجھ سکتی ہے جبتک وہ زندگی کا شیرین چشمہ یقینی طور پر اُسے نہ ملے۔ فطرت انسانی خیالی تصویرون اور بے جان مورتون اور اپنے ایجاد کردہ تصورات سے کب سیر ہو سکتی ہے محبت مین ایک جوش ڈالا گیا ہے جو کسی طرح اس کی آگ بجھ نہین سکتی جبتک محبوب کا کلام اُس مین زندگی کی روح نہ پھونکے۔ یہ فطرتی تقاضا صاف بتاتا ہے کہ فاطر فطرت نے عمداً اس مین یہ جوش اور تقاضا خمیر کیا ہے۔ درحقیقت اسکے سوا اور کوئی راہ ہے ہی نہین کہ کامل قادر حی قیوم خدا خود اپنی آواز سے اپنے تئین شناخت کرائے اور اپنی پر قوت اور پر ہیبت اور پر لذت آواز سے اپنی ہستی کا آپ ثبوت دے اسی دقیقہ معرفت کے ثابت کرنیکے لئے قرآن کریم مین آلہہ باطلہ کی تردید مین بارہا اللہ جلشانہ فرماتا ہے کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے اور اسکا جواب دیتے ہین جب تم انہین پکارتے ہو چنانچہ گوسالہ سامری کی پرستش کے احمقانہ فعل پر بنی اسرائیل کی نسبت فرماتا ہے **افلا یرون الا یرجع الیھم قولاً ولا یملک لھم ضرا ولا نفعا**۔ کیا وہ سوچتے نہین کہ وہ ان کی بات کا کچھ جواب نہین دیتا اور انکا ضرر اور نفع کچھ بھی اسکے اختیار مین نہین۔ اس آیت اور اس قسم کی اور بہت سی آیتون سے ثابت ہوتا ہے کہ باریتعالے کی ہستی کے ثبوت کے لئے اعلے اور اکمل اور ابین ذریعہ نسی ایک یہ ہے کہ وہ اپنے کلام اور تکلیم سے اپنے وجود کا آپ ثبوت دے۔ دوسرا بڑا بھاری اور نہایت ہی مرد آزما مرحلہ اس راہ مین یہ پیش آتا ہے کہ مصنوعات کی ابلغ اور محکم ترکیب اور نظام شمسی کی ہندسی ترتیب مین غور و فکر سے اگرچہ سلیم اور مصفا فطرتین پہلی ہونا چاہیئے کی پست حالت سے ترقی کر کے اس نتیجہ پر بھی پہونچ گئی ہین کہ خدا تعالے ہے مگر عبودیت

اور الوہیت مین رابطہ اور تعلق پیدا ہونے کے لئے اتنا اعتقاد کافی نہین کہ خدا ہے۔ بڑا بھاری طلسم
اور گنبد بے در جسکے توڑنے اور کھولنے مین ہزارون مادی دانشمند اور یورپ و یونان کی ارضی فراستین سرگشتہ
ہو کر راہ بھول گئی ہین صفات الٰہیہ کا مسئلہ ہے۔ فلسفیون کی راہ مین بڑا بھاری مسئلہ یہی پڑا اور مدتون
سے پڑا ہے کہ خدا اور انسان مین کیا تعلق ہونا چاہئے بہت سے لوگون کی ہمت اتنی ہی بات پر قناعت
کر جاتی ہے کہ اسقدر ماننا کافی ہے کہ خدا ہے وہ اپنے دل مین اس بات کی تڑپ محسوس ہی نہین کرتے
کہ اسکا ہم سے اور ہمارا اس سے کیا تعلق ہے۔ یہ کمزوری اور حجاب اسوجہ سے پیدا ہوا کہ خدا تعالے کو ایک
معطل طاقت مانا گیا جسکا نظام عالم سے کوئی تعلق نہین اور جو کبھی تعلق تھا تو اس معمار سے زیادہ نہ تھا جو
ایک عمارت کے پورا کرنیکے بعد اس سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ ذرات کائنات پر متصرف اور ہر آن اور
شان مین جلالی اور جمالی تجلیات کے دکھانے پر قادر یعنی اپنی مشیت اور ارادہ کو ہر وقت نافذ اور جاری
کرنے کی قدرت رکھنے والا اور ہر ایک ذرہ موجودات کو اپنے منشا کے پورا کرنیکے لئے کٹھ پتلی کی طرح
نچانے والا ہمیشہ کلام کرنیوالا۔ دعاؤن کا سننے والا صریح اور صاف آواز سے جواب دینے والا ہر زمانہ
مین لاتبدیل طور پر وحی اور الہام اور رویا کے سلسلہ کو جاری رکھ کر ان امور کو اپنے وجود کا گواہ اور زندہ
گواہ ٹھہرانیوالا۔ اپنے ایک ارادہ اور مقصد کے پورا کرنیکے لئے اپنی مصلحت کے اقتضا سے اچھی ہوا کو
بری اور بری کو اچھی کر سکنے والا۔ غرض اس قسم کا قادر قاہر حی قیوم اسے مانا نہین گیا اور ظاہر ہے کہ
جب تک اسپر ایسا ایمان پیدا نہ ہو انسان کی فطرت مین اس سے تعلق لگانیکے لئے جوش پیدا نہین
ہو سکتا۔ ایسے گہرے تعلق کے پیدا کرنیکے لئے انسان کی فطرت مین ایک جوش بخشا گیا ہے جو زندگی
کے انقلابات کی مختلف گھڑیون مین تحریک مین آتا۔ اور ہر طرف سے انسان کی ساری امید و نکو کاٹ کر
بیچارگی اور ناتوانی سے اسکے منہ کو اوپر کیطرف متوجہ کرتا ہے اور اسکے دل مین القا کرتا ہے کہ اسوقت
زمین کی ساری طاقتین تیری کار برآری مین سراسر عجز اور ناتوانی ۔۔۔۔ ہین۔ لیکن بڑی مشکل یہ ہے
کہ اس غرض کے حاصل ہونیکے لئے کہ دعا جذر قلب سے نکلے اور استبعاد کی کوئی آلایش اسکے ساتھ نہ
ملی ہوئی ہو سب سے بڑا شہتیر جسپر داعی کے ایمان کی چھت کو قائم ہونا ضروری ہے یہ ہے کہ خدا تعالی کی صفات پر
ذوق اور بصیرت سے یقین ہو اور دل اس عرفان سے مسرور اور لبریز ہو کہ اس کی قدرت اور علم اور
قاہر ارادہ کی راہ مین کوئی روک نہین۔ عام تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ مادی تعلیمون اور ملمع صنعت
کاریون اور دنیا کی چند روزہ کامیابیون اور تعیشات کے ورطہ مین مستغرق ہو جانے کے باعث دلونسے
دعا کی تاثیر اور نافع ہونیکا اعتقاد اٹھ گیا ہے اور دعا کو من جملہ اسباب موثرہ اور علل کے یقین کرنا
بیہودہ خیال اور توہم کی جنس سے سمجھا جاتا ہے۔ طبائع کی ساری توجہ اسباب کی جو بوی کی پرستش
مین مصروف ہے اور ان لاانتہا بے ثمر دن کی پوجا سے دلونکو خالق اسباب کیطرف ایک لحظہ

بھی توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ تمام قوموں عیسائی۔ آریہ۔ برہمو اور عام مسلمانوں میں دعا کا رواج تو ہے مگر وہ خشک بے اثر الفاظ سے زیادہ نہیں۔ ہر ایک کو ان میں سے استبعاد کا جذام لگا ہوا ہے جس سے دل کے سارے اعضا گل سڑ کر گرنیکے قریب ہو گئے ہیں۔ ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے ہوئے ہیں اور دل اس دغدغہ اور خلجان سے ناکوں ناک بھرا ہوا ہے کہ یہ بات تو ہونے والی نہیں یہ تو ٹل امر ہے۔ ایک شخص جس امر کو اپنے نزدیک ناممکن سمجھ لیتا اور چاروں طرف نظر دوڑا کر اپنے زعم میں اسباب کو مفقود پاتا ہے خدا تعالے کو بھی اسکے سرانجام دینے یا ناگہاں غیر مترقب اسباب کے پیدا کرنیسے عاجز اور قاصر یقین کر لیتا ہے اسکا دل اسکو اسوقت یہ اطمینان نہیں دلا سکتا کہ اگرچہ یہ آگ جس میں عنقریب ڈالا جائے گا بڑے طاقتور ہاتھوں کی جلائی ہوئی ہے مگر ان سب ہاتھوں پر ایک اور ہاتھ ہے جو ہر قسم کے توقع اور انتظار کے خلاف اسکے بجھا دینے اور گلزار کر دینے پر قادر ہے +

غرض ان دونوں فقروں لا الہ الا اللہ میں اللہ اور محمدؐ میں یہ رابطہ اور یہ مناسبت ہے کہ لا الہ الا اللہ دعوے اور محمد رسول اللہ اس کی دلیل ہے اسلئے کہ تمام آلہہ باطلہ کی نفی کے بعد لفظ اللہ کے معنے اور مفہوم میں یہ داخل ہے اور اسکا اثبات کیا گیا ہے کہ وہ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے یعنی اس میں وہ تمام صفات کامل طور پر موجود ہیں جو اس عالم کے ذرہ ذرہ سے تعلق رکھنے اور اسپر قاہر اور قادر حکمرانی کرنیکے لئے ضروری ہیں تمام جہان اور اسکے ذرات کی کوششیں اور اجتماع اسکے غالب امر اور قاہر مشیت اور نافذ ارادہ کو کسی طرح بھی روک نہیں سکتے با ایں ہمہ یہ دعوے اور مجرد دعوے ہے اور ایسی ذات کی نسبت دعوے ہے کہ جسکے وجود کی نسبت بڑی مشکل سے یقین نے ہوش سنبھالنا شروع کیا ہے چہ جائیکہ اس کی صفات کاملہ کی نسبت وہ ایمان اور یقین پیدا ہو جو اوپر مذکور ہوا ہے لیکن محمدؐ نے ان تمام مشکلات کو بڑی قوت سے رفع کر دیا ہے۔ اسلئے کہ اس انسانِ کامل کا وجود ایک معلوم اور مثبت حقیقت اور حسی مدرک ہونے کے سبب سے اس غیر مرئی۔ غیر مدرک اور مجہول الکنہ ذات کے اثبات اور دکھا دینے کے لئے دلیل راہ ٹھہرا ہے۔ اس دعوے اور دلیل میں بالفظ دیگر اللہ اور محمدؐ میں کمال رابطہ اور مناسبت یہ ہے کہ دونوں لفظ اپنی ترکیب اور مفہوم کے رو سے کمال تام پر دلالت کرتے ہیں یعنی جس طرح لفظ اللہ کے یہ معنے ہیں کہ وہ ایسی پاک ذات ہے۔ کہ جس میں تمام کامل صفتیں جمع ہیں اور اس میں کسی قسم کا نقص اور کمزوری نہیں اسی طرح لفظ محمد بھی اپنی بین اور واضح ترکیب سے ایسے وجود پر دلالت کرتا ہے جو جامع ہے۔ ان تمام صفات کاملہ کا جو نشاء بشریت اور عالم انسانیت کے لئے ممکن ہو سکتی ہیں اور من کل الوجوہ بری ہے ان تمام نقصوں اور کمزوریوں سے جو گری ہوئی بشریت اور ذلیل انسانیت کے چہرہ پر بدنما داغ کی طرح لگی ہوئی ہیں۔ اسلئے کہ محمدؐ کے معنے ہیں بہت حمد کیا گیا یا ایسا انسان کہ جسکی حمد اور ستائش سے زمین اور آسمان بھر جائیں اور یہ مرتبہ کسی انسان کو مل نہیں سکتا جبتک وہ ہر قسم کے کامل صفات سے موصوف اور عیوب اور نقائص سے منزہ نہ ہو۔

ہے کوئی معرفت الٰہی کا بھوکا اور پیاسا جسے ذوق سلیم اور ذہن مستقیم بخشا گیا ہے۔ جو ان اسماء کی مناسبت اور رابطہ مین غور کرے کیا یہ کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اپنے احسن نظام اور ابلغ ترکیب سے ایک عظیم الشان اور لانظیر صداقت اور صداقت کا ثبوت نہین۔ کیسا خوبصورت اور دلکش دعوے ہی کہ اللہ ہے اور اسکے سوا کوئی معبود اور الٰہ نہین اور اس دعوے کی اسی کی مانند کیسی خوبصورت اور دلکش دلیل ہی کہ محمد اسکا رسول ہی یعنی ایسا کامل انسان جس کے افعال و اعمال محمودہ نے اس جہان مین ہر قسم کی حمد و ستایش کا استحقاق پیدا کیا ہے جب ایسا کامل اور بے عیب فرد اسکا ایلچی اور اسکا پتہ دینے والا ہے تو اس مین شک نہین کہ اللہ ہے اور لاریب تمام کاملہ صفات کا جامع ہے۔

دنیا کے عرف اور رسم مین یہ بات داخل ہی کہ ہر دولت اور قوت کا سفیر اسکا قائممقام اور اس کی شوکت اور قدرت کا غیر سلطنت کے دلون پر نقش اور سکہ جمانیوالا اور اپنی دولت کے سچے منشا کو ظاہر کرنیوالا ہوتا ہے اسلیے ہر سلطنت کو اپنے جلال اور شوکت کے اندازہ پر ایک قابل اور لائق سفیر انتخاب کرنا پڑتا ہے کسقدر خفت اور تحقیر اس سلطنت کو نصیب ہوگی جسکا سفیر محض کھلونا اور سفیہ اور ابلہ ثابت ہو۔ ایسے موقعہ مین جہان سفرائے دول اپنی اپنی سلطنت کے منافع اور مقاصد کے لئے جمع ہوئے ہون اس قوی اور مسلم اصل کو مدنظر رکھ کر غور کرنا چاہیئے کہ کیا ایسے شہنشاہ کے لئے جسکا نام اللہ ہے کوئی اور سفیر بجز اس شخص کے جسکا نام محمدؐ ہے تجویز ہو سکتا ہی بلکہ اس سے بڑھ کر مین دعوے کرتا ہون اور بصیرت سے دعوے کرتا ہون کہ اللہ کے معنے اور مفہوم اور اسکے تمام مقاصد کو دل مین رکھ کر اور کوئی نام بجز اسم مبارک محمدؐ کے موزون اور برمحل ہی نہین +

میرا دل اس امید سے بھرا ہوا ہے کہ سلیم الفطرت ناظرین جو مذہب سے دلچسپی رکھتے ہین یا کم از کم ندرت پسند طبیعت رکھنے والے اس امر مین غور کرینگے کہ مذہب اسلام کی یہ زرین اصل کیا بڑے بڑے مقاصد کیطرف رہنما نہین۔ کیا یہ اتفاقی اور ناندیشیدہ ترکیب سے چوبے جوڑ اور مہمل لفظون سے مرکب ہے یا اسکے ایک ایک لفظ مین ایسی صداقت بھری ہوئی ہے کہ جس کی نظیر دنیا کے قدیم وجدید مذاہب مین پائی نہین جاتی مین فراخ دلی اور کشادہ پیشانی سے مذاہب موجودہ کے حامیونکو اجازت دیتا ہون کہ دلائل سے قطع نظر کر کے بالفعل دعوے کا مقابلہ دعوے سے کرین اس کے بعد دلایل کا دلایل سے موازنہ کرین۔ ایک شخص اپنی سچائی اور کاملیت اور سچی عصمت اور قدوسیت کا کسقدر یقین اور احساس رکھتا ہے جبکہ اللہ کے نام کے ساتھ اپنے نام کو شامل کرتا اور اجازت دیتا ہے کہ دن اور رات مین پانچ مرتبہ بلند جگہون پر اللہ تعالے کے نام کے ساتھ اسکے نام کی ندا کیجائے۔ اُس احساس اور ذوق کا کوئی اندازہ کر سکتا ہی جیسے وہ اور اسکے پیرو دلون مین محسوس کرتے ہین جبکہ وہ اس مناسبت اور ربط کا تصور کرتے ہین جو اللہ اور محمدؐ مین واقع ہے اس ترکیب کے کامل اور ابلغ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ

جیسے اللہ کے اسم کے سوا یہ اشتہار کسی اور نام کیطرف سے موزون نہین ہوسکتا اسی طرح اسم محمد کے سوا بھی کوئی اور مشتہر اسکا موزون نہین ہوسکتا اس لئے کہ عرف اور لغت مین ایسے اور ان کی مانند کوئی اور الفاظ موجود ہی نہین جو ان اغراض اور مقاصد کا آلہ اور واسطہ بن سکین جو ان لفظون سے مقصود ہین اسے بلفظ دیگر یون سمجھنا چاہئے کہ جیسے ضروری ہے کہ خدا تعالےٰ کا ایسا وجود ہو جو ہر قسم کے کاملہ صفات سے موصوف اور تمام نقصون اور عیبون سے مبرا اور منزہ ہو ویسا ہی ضروری ہے کہ اس کی خبر دینے والا اور اسکا خلیفہ بھی اپنی جنس کے دائرہ مین ہر قسم کے حسن کا جامع اور ہر قسم کے قبح سے پاک ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے اور بڑی عظیم الشان اور نازک اور دقیق حکمت ہے ہم چاہتے ہین کہ اس کے اظہار کے لئے الفاظ کا قالب پیدا کرین اور مفرد لفظون کے ذریعہ ہزارہا معارف اور حقائق کو ایک ہی لحظہ مین دلون پر نازل اور القا کر سکین اور بڑی مفصل تقریرون اور مطول ثبوتون سے طرفۃ العین مین بے نیاز ہو جائین۔ ہم دعوے سے کہتے ہین کہ اسکو لئے بجز ان دونامون اللہ اور محمدؐ کے اور کوئی لفظ ہمین مل ہی نہین سکتے۔ اور اگر کوئی اور ثبوت اسلام کے پاس اپنی حقیقت اور صداقت کا نہ بھی ہوتا جب بھی یہ کلمہ اسکے منجانب اللہ ہونیکا کافی اور وافی ثبوت تھا۔ فالحمد للہ رب العالمین ثم الحمد للہ الذی ہدانا لہذا ما کنا لنہتدی لولا ان ہدانا اللہ۔

دوسرے سوال کی نسبت بڑا صاف اور مختصر جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم دعوے نبوت سے پہلے اپنی قوم مین **الامین** اور **المامون** کے نام سے مشہور تھے یہ مسلم اور مشہور روایت ہے کہ قریش ان برگزیدہ اور قیمتی امانتو کو جن کی نسبت کسی جگہ سپرد کرنے پر ان کے دل مطمئن اور امین نہین ہوتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سپرد کرتے تھے۔ اس طرح پر آپ خدا تعالےٰ کے خاص ارادہ اور حکمت سے اس بڑے دعوے سے پہلے ہی **الامین** مشہور ہو چکے تھے۔ بنو ہاشم کی عظمت اور وقعت تمام قریش اور سائر عرب کے دلون مین ایسی جاگزین تھی کہ کوئی فرد بشر آپکی ذات اور خاندان کی وجاہت اور طہارت کی نسبت کوئی عیب نکال نہین سکتا اور داغ لگا نہین سکتا تھا۔ کس قدر شوکت اور دلی شعور سے بھرا ہوا یہ آپ کا دعوے ہی جو اپنی سوسائیٹی مین آپنے کیا کہ ہماری تمام نسل مین آدم تک کوئی سفاح (زنا) واقع نہین ہوا۔ اس دعوے کی تکذیب کی کسی کو بھی جرأت نہ ہوئی۔ اس دعوے کی عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب اس قوم کیحالت سے واقفیت حاصل ہو جسکے سامنے یہ دعوے کیا گیا۔ یہ مسلم امر ہے کہ عرب عموماً اور قریش خصوصاً زندگی کا فرض اور مایۂ ناز کام اس امر کو سمجھتے تھے کہ ہر ایک قابل شخص اور میدان مین نکل سکنے والا آدمی اپنے باپ دادون اور حریفو کے باپ دادون کے کارنامون کو پشت در پشت بیسیون پشتون تک یاد رکھتا۔ وہ اپنے آبا کے محاسن اور حریف قبیلہ کے آبا کے مثالب کو مقابلہ کے بازارون مین ہزارون ناظرین کے روبرو بیان

کرنا قابل فخر کارنامہ سمجھتے تھے ان مین ہزارون آدمی ایسے تھے جنہین صدیون کے واقعات اور ایام اور
ان کی جزئیات کے متعلق لاکھون اشعار زبانی یاد تھے۔ ان کی اس لانظیر قوت حافظہ کو یورپ کے
نامی علما نے بھی تسلیم کیا ہے۔ با این ہمہ ایسی مشاق شمار قوم ایسے وقت مین جبکہ مخالفت کا جوش
انہین ہر طرف دوڑاتا ہے کہ کسی طرح دعوے کرنیوالے کے مُنہ پر مہر سکوت لگائین اس دعوے کے
مقابل سر تسلیم جھکا دے۔ اس سے زیادہ ثبوت ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی۔ بے عیب اور
معصوم زندگی کا اور کیا ہو سکتا ہے +

سیرۃ ابن ہشام مین جو بہت پرانی اور نہایت معتبر سیرۃ کی کتاب ہے لکھا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کی عادت تھی کہ ہر سال موسم پر یعنی میلہ پر تشریف لے جاتے اور لوگون پر اسلام پیش کرتے۔
ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک موسم مین بنو عامر آئے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول انہیں
تبلیغ کی مگر انہون نے سرکشی سے انکار کیا۔ اس قوم بنو عامر مین ایک بہت بوڑھا اور معتمد علیہ بزرگ
تھا جو کبر سنی کی وجہ سے میلہ مین حاضر ہونے سے قاصر ہو گیا تھا قوم کے نوجوانون نے یہ التزام کر رکھا
تھا کہ میلہ سے واپس ہوتے ہوئے جو کچھ دیکھا سنا ہوتا اسے سناتے جاتے۔ اب کی دفعہ انہون نے
یہ نیا واقعہ بھی اُسے سنایا۔ ابن ہشام کہتے ہین۔ فوضع الشیخ یدیہ علی رأسہ ثم قال یا بنی عامر والذی
نفس فلان بیدہ ما تقولہا اسمٰعیلی قط انہا الحق یعنی ان کی سرکشی اور انکار کی باتین سن کر اس
بزرگ نے اپنے دونون ہاتھ سر پر رکھے اور کہا اے بنی عامر مجھے خدا کی قسم کسی اسمٰعیلی نے ایسا دعوے
کر کے خدا تعالےٰ پر افترا نہین کیا اور یہ دعوے سچا ہے۔ پھر اسی سیرۃ مین لکھا ہے کہ حضرت حمزہ
علیہ السلام کے اسلام لانیکے بعد عتبہ بن ربیعہ نے ایک دن قوم سے کہا جبکہ وہ لوگ تعجب اور رنج سے
دیکھ رہے تھے کہ اسلام دن بدن بڑھتا چلا جاتا ہے یا معشر قریش الا اقوم الی محمد فاکلمہ واعرض علیہ
امورا لعلہ یقبل بعضہا فنعطیہ ایہا شاء ویکف عنا فقالوا بلی یا ابا الولید قم الیہ فکلمہ فقام الیہ عتبۃ حتی جلس الی
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال یا ابن اخی انک منا حیث قد علمت من السطۃ فی العشیرۃ والمکان
فی النسب الخ۔ اے قوم قریش اگر تم پسند کرو تو مین محمد سے بات چیت کرون اور کچھ باتین پیش کرون ممکن
ہے کہ وہ کسی امر کو قبول کر لے۔ اور جس بات کو وہ قبول کرے ہم بھی اسپر راضی ہو جائین اور اس طرح وہ ہمارا
پیچھا چھوڑ دے۔ انہون نے کہا بہت بہتر آپ ان سے کلام کرین۔ پھر عتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی خدمت مین گیا اور آپ سے مخاطب ہو کر کہا اے برادر زادے تجھے خوب علم ہے کہ ہم تجھے قبیلہ مین
کسقدر اکرم اور برگزیدہ اور صاحب مجد و رفعت مانتے اور بلحاظ نسب کے تجھے اعلے درجہ کا یقین
کرتے ہین۔ پھر اسی کتاب مین لکھا ہو کہ کعبہ کو نئے سرے سے تعمیر کرنیکے وقت جب قریش مین نزاع کھڑی ہوگئی
کہ رکن اسود کو کون نصب کرے اور قریب تھا کہ فتنہ کی آگ مشتعل ہو کر بہت سے خاندانون کو راکھ کر دیتی

ابو امیہ بن مغیرہ نے جو سب مین بڑا تھا کہا۔ اجعلوا بینکم فیما تختلفون اول من یدخل من باب ہذا المسجد یقضی بینکم ففعلوا فکان اول داخل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلما راوہ قالوا ہذا الامین رضینا ہذا محمد۔ تم اس اختلاف اور نزاع کے معاملہ مین ایسے شخص کو حکم مان لو جو اس مسجد کے دروازہ سے سب سے پہلے داخل ہو ان سب نے منظور کیا۔ پھر ایسا ہوا کہ سب سے اول داخل ہونیوالا شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھے لوگ آپکو دیکھکر پکار اٹھے۔ یہ **الامین** ہے ہم اسپر راضی ہین یہ محمدؐ ہے۔ اسکے آگے ابن ہشام لکھتے ہین۔ وکانت قریش تسمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قبل ان ینزل علیہ الوحی الامین یعنی قریش نزول وحی سے پہلے ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو الامین کہا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک موقعہ پر حضرت ابن ہشام نے اس محبت اور عاشقانہ ادا سے لکھتے اور امر واقع کی گواہی دیتے ہین۔ فشب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واللہ تعالے یکلوہ ویحفظہ ویحوطہ من اقذار الجاہلیۃ لما یرید بہ من کرامتہ ورسالتہ حتی بلغ ان کان رجلا افضل قومہ مروۃ واحسنہم خلقا واکرمہم حسبا واحسنہم جوارا واعظمہم حلما واصدقہم حدیثا واعظمہم امانۃ وابعدہم من الفحش والاخلاق التی تدنس الرجال تنزہا وتکرما حتی ما اسمہ فی قومہ الا الامین لما جمع اللہ فیہ من الامور الصالحۃ۔ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بڑھتے اور پھولتے اور اللہ تعالے آپ کی پاسبانی اور حفاظت فرماتا اور آپکو جاہلیت کے تمام عیبون اور گندون سے بچاتا اس لئے کہ آپکو اپنا رسول اور مورد فضل وکرم بنانا تھا تا آنکہ آپ سن بلوغ کو پہنچکر ایسے مرد نکلے کہ ساری قوم سے مروت مین افضل خلق مین احسن۔ حسب مین اکرم۔ ہمسایون سے حسن سلوک مین احسن حلم مین اعظم۔ بات مین اصدق۔ امانت مین اعظم اور ان تمام اخلاق سے جو مردون کے دامن کو آلودہ اور چرکین کردیتی ہین اور ہر قسم کی بدگفتاری اور بدکرداری سے پاک تھے چنانچہ ان سب امور کے لحاظ سے قوم مین آپ الامین کے نام سے مشہور ہو گئے +

غرض یہ سب شہادتین ہین ایسی قوم کے منہ سے جنکے نزدیک کسی کی تعریف کرنا سرخ موت کے اختیار کرنے سے زیادہ گران تھا اور یہ ایسے وقتون کی گواہیان ہین کہ جب آپ زندگی کے اس چبوترہ پر جلوہ فرما ہوئے تھے جہان بیٹھکر عرف اور عادت کے نزدیک بہت ہی تھوڑے بے عیب ثابت ہوئے ہین۔ یہ درحقیقت خدا تعالے کے فضل اور بڑے شکر کی بات ہے کہ اسلام کی وہ ساری کتابین جو کتب سیر کے نام سے مشہور ہین اور احادیث کی کتابین جو تاریخی اور تنقیدی لحاظ سے بھی تمام دنیا کی مذہبی اور مقدس کتابون سے بڑھی ہوئی ہین اور وہ دواوین اشعار جو جاہلیت کیطرف منسوب ہین یہ ساری کتابین بالاتفاق گواہی دیتی ہین کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل اور بعد دونون زمانون مین قوم کے عرف اور رسم اور عادت اور الف کے لحاظ سے مسلّم پاک اور بے داغ مانے گئے۔ کوئی تاریخ گواہی نہین دے سکتی کہ کسی مامور مصلح کی زندگی کی کتاب ایسی صاف اور خوشخط لکھی ہوئی موجود ہو اور پھر ایسی صحیح اور بلیغ ہو کہ جلدون کی جلدین پڑھ کر بھی عدو کو نکتہ چینی کے لئے ایک حرف پر بھی ٹھہرنے کا موقع نہ مل سکے۔

ہین بڑی دلیری اور بصیرۃ سے دعوے کرتا ہون کہ پہلے اور پچھلے زمانون مین ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک شخص ہین جو **انسان تاریخ** ہین اس لیئے کہ آپنے وہ کام کیئے اور وہ نشان چھوڑے ہین جنہین تاریخ فخر و ناز سے اپنے صحیفون مین جگہ دیتی ہو اور آپ ایک ہی بے داغ اور بے عیب انسان ہین کہ جن کی پیدایش اور طفولیت اور جوانی اور بڑھاپے اور انجام کی زندگی کے اوراق کے پبلک کی آنکھونکے آگے کھولکر رکھ دینے سے تاریخ کبھی شرمندہ نہین ہوتی اور تاریخ بھی آپ ہی کے اسم گرامی کیطرف مضاف ہوکر واقعی اور معنی خیز ترکیب بن سکتی ہو یا اسے یون تعبیر کرو کہ آپ ہی ایک گرامی اور مسلم اور واقعی شخص ہین کہ جن کی سوانح زندگی ابتدا سے آخر تک دنیا مین محفوظ ہین اور اس خصوص مین مصلحان عالم کے گروہ سے کوئی بھی آپ کا شریک نہین۔ غرض صرف ایک ہی شخص کے لحاظ سے ہسٹری آف محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور محمد آف ہسٹری دونون ترکیبین درست اور واقعی ہین ÷ (باقی دارد)

عبدالکریم

*حضرت مسیح موعودؑ کی ایک تقریر کا خلاصہ

آپ نے جو مجھ سے آج تعلق بیعت کیا ہو تو مین چاہتا ہون کہ کچھ بطور نصیحت چند الفاظ کہین کہون۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کی زندگی کا کچھ اعتبار نہین۔ اگر کوئی شخص خدا پر ایمان رکھے اور پھر قرآن کریم پر غور کرے کہ خدا تعالیٰ نے کیا کچھ قرآن مین فرمایا ہے تو وہ شخص دیوانہ وار دنیا کو چھوڑ خدا کا ہو جاوے۔ یہ بالکل سچ کہا گیا ہے کہ دنیا روزے چند عاقبت با خداوند۔ اب خدا کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص خدا کیطرف آنا چاہتا ہے اور فی الواقعہ اسکا دل ایسا نہین کہ اُس نے دین کو دنیا پر مقدم کیا ہو تو وہ خدا کے نزدیک قابل سزا ٹھہرتا ہے۔ ہم اس دنیا مین دیکھتے ہین کہ اسکے مقاصد حاصل کرنیکے لئے جبتک کافی حصہ اپنا ان کی طلب مین خرچ نہ کردین وہ مقاصد حاصل ہونے ناممکن ہین۔ مثلاً اگر طبیب ایک دوائی اور اس کی ایک مقدار مقرر کردے اور ایک بیمار وہ مقدار دوائی کی تو نہین کھاتا بلکہ تھوڑا حصہ اس دوائی کا استعمال کرتا ہو تو اسکو کیا فایدہ اس سے ہوگا۔ ایک شخص سخت پیاسا ہے تو ممکن نہین کہ ایک قطرہ سے اس کی پیاس دور ہو سکے۔ اسی طرح جو شخص بھوکا ہے وہ ایک لقمہ سے سیر نہین ہو سکتا اسی طرح خدا تعالے یا اسکے رسولؐ پر زبانی ایمان لے آنا یا ایک ظاہر رسم کے طور پر بیعت کر لینا بالکل بے سود ہے۔ جبتک انسان پوری طاقت سے خدا تعالیٰ کی راہ مین نہ لگ جاوے۔ نفس کی خیر خواہی اسی مین ہے کہ انسان پورے طور پر وہ حصہ لے جو روحانی زندگی کیلئے ضروری ہے۔ صرف یہ خیال کہ مین مسلمان ہون کافی نہین۔ مین نصیحت کرتا ہون کہ آپنے جو تعلق مجھ سے پیدا کیا ہو (خدا تعالے اس مین برکت ڈالے) اسکو بڑھانے اور مضبوط کرنیکی فکر مین ہر وقت

* یہ تقریر حضرت اقدسؑ نے بمقام گورداسپور ۲۰ مئی سنہ ۱۹۰۴ء کو بعد از نماز عصر کی تھی۔ تحریک کا باعث چند احباب حیدرآباد دکن کے نفوذ ہوا ان دونون صاحبون نے حضور علیہ السلام سے شرف بیعت حاصل کیا تھا +

لگے رہیں لیکن یاد رہے کہ صرف اقرار ہی کافی نہیں جبتک عملی رنگ سے اپنے آپ کو رنگین نہ کیا جاوے۔ خدا تعالٰے فرماتا ہے **احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وہم لایفتنون** الخ یعنی کیا انسانوں نے گمان کر لیا ہے کہ ہم صرف آمنا کہکر ہی چھٹکارا پا لینگے اور کیا وہ آزمائش میں ڈالے نہ جاوینگے سو اصل مطلب یہ ہے کہ یہ آزمائش اسی لئے ہے کہ خدا تعالٰے دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا ایمان لانیوالے نے دین کو ابھی دنیا پر مقدم کیا ہے یا نہیں آج کل اس زمانہ میں جب لوگ خدا کی راہ کو اپنے مصالح کے برخلاف پاتے ہیں یا بعض جگہ حکام سے انکو کچھ خطرہ ہوتا ہے تو وہ خدا کے راہ سے انکار کر بیٹھتے ہیں ایسے لوگ بے ایمان ہیں وہ نہیں جانتے کہ فی الواقعہ خدا ہی احکم الحاکمین ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خدا کی راہ بہت دشوار گذار ہے اور یہ بالکل سچ ہے۔ کہ جبتک انسان خدا کی راہ میں اپنی کھال اپنے ہاتھ سے نہ اتار لے تب تک وہ خدا کی نگاہ میں مقبول نہیں ہوتا ہمارے نزدیک بھی ایک بیوفا نوکر کسی قدر و منزلت کے قابل نہیں جو نوکر صدق و وفا نہیں دکھلاتا وہ قبولیت نہیں پاتا۔ اسی طرح جناب الٰہی میں وہ شخص پرلے درجہ کا بے ادب ہے جو چند روزہ دنیوی منافع پر نگاہ رکھکر خدا کو چھوڑتا ہے۔ بیعت سے مراد خدا تعالےٰ کو جان سپرد کرنا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنی جان آج خدا کے ہاتھ بیچدی۔ یہ بالکل غلط ہے کہ خدا کی راہ میں چلکر انجام کار کوئی شخص نقصان اٹھاوے۔ صادق کبھی نقصان نہیں اٹھا سکتا۔ نقصان اسی کا ہے جو کاذب ہے جو دنیا کے لئے بیعت کو اور عہد کو جو اللہ تعالےٰ سے اس نے کیا ہے توڑ رہا ہے وہ شخص جو محض دنیا کے خوف سے ایسے امور کا مرتکب ہو رہا ہے وہ یاد رکھے کہ بوقت موت کوئی حاکم یا بادشاہ اسے نہ چھوڑا سکے گا اس نے احکم الحاکمین کے پاس جانا ہے جو اس سے دریافت کریگا کہ تونے میرا پاس کیوں نہ کیا اسلئے ہر مومن کے لئے ضروری ہے کہ خدا جو مالک السموات والارض ہے اس پر ایمان لاوے اور سچی توبہ کرے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ امر بھی یونہی حاصل نہیں ہوتا ہے خدا ہی یہ امر دلمیں بٹھا تو بیٹھ سکتا ہے سو اسکے لئے دعا بکار ہے+

جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدق سے قدم اٹھاتا ہے اسکو ایک عظیم الشان طاقت اور خارق عادت قوت دیجاتی ہے مومن کے دل میں ایک جذب ہوتا ہے کہ جس قوت جاذبہ کے ذریعہ وہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ اگر تم میں جذب محبت خدا کی راہ میں کافی ہو۔ تو پھر کیوں لوگ تمہاری طرف نہ کھینچے آویں اور کیوں تم میں ایک مقناطیسی طاقت پیدا نہ ہو جاوے۔ دیکھو قرآن میں سورۃ یوسف میں آیا ہے۔ "**ولقد ہمت بہ وہم بہا لولا ان را برہان ربہ**" یعنے جب زلیخا نے یوسف کا قصد کیا یوسف بھی زلیخا کا قصد کرتا اگر ہم حائل نہ ہوتے۔ ایکطرف تو یوسف جیسا متقی نبی۔ اور اسکے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی زلیخا کیطرف مائل ہو ہی چکا تھا۔ اگر ہم نہ روکتے۔ اسمیں سر یہ ہے کہ انسان میں ایک کشش محبت ہوتی ہے۔ زلیخا کی کشش محبت اسقدر

غالب آئی تھی کہ اس کشش نے ایک متنفی کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا۔ سو جائے شرم ہے کہ ایک عورت مین جذب اور کشش اسقدر ہو کہ اسکا اثر ایک مضبوط دلیر ہو جاوے اور ایک شخص جو مومن ہونیکا دعویٰ کرتا ہے اس مین جذب محبت الٰہی اس قدر نہ ہو کہ لوگ اس کی طرف کھینچے چلے آوین۔ یہ عذر قابل پذیرائی نہین کہ زبان مین یا وعظ مین اثر نہین۔ اصلی نقص قوت جاذبہ مین ہے جبتک وہ کامل نہیں تب تک زبانی خالی باتونسے کچھ حاصل نہین ہوتا۔

اور ہمارے مسائل سو وہ بھی بالکل صاف ہین۔ مثلاً قرآن کی یہ آیت **فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم**۔ اس مین ایک سوال جواب ہے خدا تعالےٰ مسیح علیہ السلام سے پوچھیگا کہ کیا تو نے لوگونکو ایسی تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لینا تو وہ جواب مین عرض کرینگے کہ بارخدایا جبتک مین زندہ رہا اور ان مین رہا مینے تو ان کو ایسی تعلیم نہین دی۔ البتہ جب تو نے مجھکو ماردیا تو پھر تو ہی انکا نگران حال تھا۔ مجھے کوئی علم نہین کہ میرے پیچھے انہون نے کیا کیا۔ یہ کیسی موٹی بات ہے کہ خود مسیحؑ اپنی وفات کا اقرار کرتے ہین وہ کہتے ہین کہ عیسائی اگر بگڑے تو میری وفات کے بعد بگڑے۔ جبتک مین ان مین زندہ رہا تب تک وہ صحیح عقیدے پر قائم تھے۔ اب اگر عیسائی بگڑ گئے ہین تو بالضرور مسیح مر چکا ہے۔ اور اگر مسیح آج تک نہین مرا تو پھر عیسائی بھی نہین بگڑے۔ اور اگر عیسائی نہین بگڑے تو بالضرور عقیدہ الوہیت مسیح بھی درست ہے۔ پھر مسیحؑ کا یہ کہدینا کہ مجھے تو انکے بگڑنیکا علم نہین جیسے کہ اسی آیت سے پایا جاتا ہے کیا یہ جواب ان کا جھوٹا نہین ہوگا۔ اگر ان کا دوبارہ دنیا مین آنا درست ہے کیونکہ یہ سوال و جواب تو قیامت کو ہوگا۔ اور اگر انہون نے دوبارہ دنیا مین آکر چالیس سال رہنا ہے۔ اور عیسائیون اور کفارہ کو قتل کرکے اسلام کو پھیلانا ہے۔ تو بالضرور انہون نے عیسائیون کی بگڑی ہوئی حالت کو دیکھ لیا ہے اور اس بگڑی ہوئی حالت کو دیکھکر وہ دوبارہ اس دنیا سے تشریف لے جاوینگے تو پھر جناب مسیحؑ کا یہ جواب دینا خدا کے حضور مین دروغ بیانی ہے کیا وہ احکم الحاکمین نہ کہیگا کہ تو تو دوبارہ دنیا مین گیا اور تو نے دیکھ لیا کہ میری امت بگڑ چکی تھی۔ ایک مجازی حاکم کے آگے غلط بیانی دروغ حلفی کے جرم کا خطرناک ارتکاب ہے۔ چہ جائیکہ ایک عالم الغیب حاکم کی جناب مین ایسی دروغ بیانی کیجا[ئے]

تو گویا اس آیت نے بڑی صفائی کے ساتھ ایک طرف مسیح کی وفات کو ثابت کر دیا اور دوسری طرف انکے دوبارہ دنیا مین تشریف لانیکا ابطال کر دیا اسکے مقابل جب ہم حدیثون پر غور کرتے ہین تو وہان سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ حضرت رسالتمآب نے فرمایا اور یہ متفق علیہ حدیث ہے کہ مین نے جناب مسیحؑ کو حضرت یحییٰ کے ساتھ دیکھا۔ حضرت یحییٰ کا مر جانا اور ان کا اس جماعت مین داخل ہونا جن کی قبض روح ہو چکی ہے ثابت شدہ امر ہے۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسیحؑ بلا قبض روح و انتقال کرنیکے ایک ایسے شخص کا جلیس ہو جو دنیا سے مر چکا ہے اب ایکطرف قول خدا اور دوسری طرف رویت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہے وفات

مسیح اور ان کا دوبارہ دنیا مین واپس نہ آنا قطعی ثابت ہوگیا - اب بھی یہ لوگ اگر عقیدہ حیات مسیح سے باز نہ آوین تو یہی سمجھا جاویگا کہ سچی ہدایت اور سعادت صرف خدا کیطرف سے ہے انکے حال پر تو پھر سعدی کا یہ قول صادق آتا ہے ؎ آنکس کہ بقرآن و خبر زو نہ رہی + اینست جوابش کہ جوابش ندہی + رہا یہ کہ آنیوالا کون ہے اسکا فیصلہ بھی قرآن و حدیث نے کر دیا ہے سورہ نور نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ رسول اکرم ؐ کے خلفاء اس امت میں سے ہونگے - بخاری اور مسلم کا بھی یہی مذہب ہے کہ آنیوالا مسیح اس امت مین سے ہوگا - اب ایک طرف قرآن و حدیث بنی اسرائیلی مسیح کی موت اور اسکے دوبارہ نہ آنیکو بیان کرتے ہین دوسری طرف یہی قرآن و حدیث آنیوالے مسیح کو اسی امت مین سے ٹھہراتے ہین تو پھر اب انتظار کس بات کا ہے - اب علامات کو بھی دیکھ لیا جاوے - صدی کے سر پر مجدد کا آنا سب نے تسلیم کیا ہے اور یہ بھی مانا ہے کہ مسیح بھی بطور مجدد صدی کے سر پر آویگا صدی مین سے بائیس سال گذر گئے اور اسوقت تک مجدد نظر نہین آیا آخر اس صدی کے سر پر جس مجدد نے آنا تھا وہ کہان ہے - مہدی کا نشان کسوف و خسوف تھا جو رمضان مین ہوتا تھا - اس کسوف و خسوف پر بھی آٹھ سال گذر گئے مہدی نہ آیا - اگر یہ کہا جاوے کہ نشان تو ہوگیا لیکن صاحب نشان بعد مین آویگا تو یہ عقیدہ بڑا فاسد ہے اور قسم قسم کے فسادات کی بنا ہے - اگر ایک زمانہ کے بعد کئی ملبس الشان مہدویت کے مدعی ہو جاوین تو پھر ان مین کون فیصلہ کریگا ضرور ہے کہ صاحب نشان نشان کے ساتھ ہو - یہ لوگ ممبرون پر چڑھکر صدی کے سرے کو اور کسوف و خسوف کو یاد کیا کرتے اور روتے تھے لیکن جب وہ وقت آیا تو یہی لوگ دشمن بنگئے - حدیث کے مطابق تمام نشان واقع ہوگئے لیکن یہ لوگ اپنی ضد سے باز نہین آتے کسوف خسوف کا عظیم الشان نشان ظاہر ہوگیا لیکن خدا کے اس نشان کی قدر نہ کی گئی اسی طرح کل انبیاء کی کتب سابقہ اور قرآن و حدیث مین ایک اور بلا کیطرف اشارہ تھا جو کسوف خسوف کے آسمانی نشان کے بعد آنیوالا تھا اور وہ طاعون ہے جو وہ بھی مسیح کے زمانہ سے وابستہ تھی یہ ایک خطرناک مصیبت ہے جس کی طرف ہر ایک اولو العزم نبی نے بالتصریح یا بالاجمال اشارہ کیا ہے طاعون آگئی - لاکھون انسان تباہ ہوگئے اور نہ معلوم کب تک اسکی تباہی چلتی رہیگی لیکن جس موعود کے زمانہ کی شناخت کا یہ نشان ہے اسے ابتک ان لوگون نے نہ پہچانا - اسی طرح زمین اور آسمان نے شہادت دی لیکن ان شہادتون کو ردی سمجھا گیا - خدا غیور ہے اور وہ اپنی غیرت دکھلائیگا ایک مجازی حاکم عدول حکمی پسند نہین کرتا تو وہ احکم الحاکمین غیور خدا کب اس عدول حکمی کو بلا سزا چھوڑیگا ایک اور نشان اس زمانہ کا وہ **نئی سواری** تھی جس نے اونٹونکو بیکار کر دینا تھا - قرآن نے **اذا العشار عطلت** - (جب اونٹنیان بیکار ہو جاوین گی) کہکر اس زمانہ کا پتہ بتلایا - حدیث نے مسیح کے نشان مین یون کہا "لیترکن القلاص فلا یسعی علیہا" پھر یہ نشان کیا پورا نہ ہوا حتے کہ اس سرزمین مین بھی جہان آج تک اونٹنی کی سواری تھی اور بغیر اونٹونکے گذارہ نہ تھا - وہان بھی اس سواری کا انتظام ہو گیا

اور چند سالوں میں اونٹوں کی سواری کا نام نشان نہیں ملیگا۔ اونٹنیاں بیکار ہوگئیں۔ مقرر کردہ نشان پورے ہوگئے۔ لیکن جس کا یہ نشان تھا وہ پہچانا نہ گیا۔ یہ امور بھی میرے اختیار میں تھے کہ ایک طرف تو میں دعوے کروں۔ اور دوسری طرف یہ نشان پورے ہوتے جادیں۔ کیا آسمانی نظام پر بھی میرا دخل ہے جو کسوف و خسوف موعود کو پیدا کر لیتا۔ یا میرے ہاتھ میں کوئی ایسے مواد ہیں جن سے زمین پر موعود طاعون پیدا ہوگئی۔ یا حج کا رکنا جو بھی مسیح کا نشان تھا۔ کیا یہ بھی میرے اشارہ سے ہوا۔ اسی طرح بیسیوں نشان زمانہ مسیح کے ساتھ وابستہ تھے وہ سب پورے ہوگئے۔ خدا تعالیٰ نے کونسی حجت کو ان پر پورا نہیں کیا لیکن ان کا انکار ابھی اسی طرح ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ زمانہ میں دہریت پھیلی ہوئی ہے جو خفیہ خفیہ سب دلوں پر اثر کر رہی ہے۔ خشیت الٰہی دن بدن مفقود ہو رہی ہے۔ کان رکھتے ہیں پر سن نہیں سکتے۔ آنکھیں رکھتے ہیں پر نہیں دیکھتے۔ دل رکھتے ہیں پر نہیں سمجھتے یہی وجہ ہے کہ انکار ہو۔ ورنہ معاملہ تو بہت ہی صاف تھا۔ میری کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کسقدر اتمام حجت کیگئی ہو اب انکے پاس کوئی جواب نہیں خدا نے قوی دلائل سے انکا رگ و ریشہ کاٹ دیا ہے لیکن یہ نہیں دیکھتے۔

ایک مامور کی شناخت کے تین طریق ہیں۔ نقل۔ عقل۔ تائیدات سماوی۔ اب دیکھنا چاہئیے کہ یہ تینوں امور اس سلسلہ کے مؤید ہیں۔ دانیال اور دیگر انبیائ نے تو اسکے آنیکا زمانہ مقرر کردیا ہے حتی کہ صدی اور سال بھی مقرر کر دیا ہے۔ تمام عیسائیوں میں ایک قسم کی گھبراہٹ پیدا ہوئی ہے کیونکہ کتب سابقہ کے مطابق مسیح کی آمد کا وقت آچکا ہے اور مسیح ابھی تک آیا نہیں۔ اسلئے بعض علما آخر مجبور ہو کر اسطرف گئے ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی سے مراد کلیسیا کی ترقی ہے جو ہو چکی ہے۔ اسی طرح ہماری کتب کے مطابق بھی بعثت مسیح کا یہی زمانہ ہے حجج الکرامہ والے نے لکھا ہے کہ کل اہل کشوف اسی طرف گئے ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی کے لئے چودھویں صدی مقرر ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اسی زمانہ کے لئے اسے چراغ دین کہا ہے۔ غرضیکہ ہر ایک بزرگ نے جو زمانہ مقرر کیا ہے۔ وہ چودھویں صدی سے آگے نہیں گیا اگرچہ ان میں کچھ اختلاف ہو۔ چودھویں صدی میں لطیف اشارہ اس طرف تھا کہ دین اسلام چودھویں رات کے چاند کی طرح اس زمانہ میں چمک اٹھیگا جس طرح چاند کا کمال چودھویں رات کو ہوتا ہے اسی طرح اسلام کا کمال کل دنیا میں چودھویں صدی میں ظاہر ہوگا۔ تیرھویں صدی کی تاریکی ان لوگوں میں ضرب المثل ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اس صدی کے علماء سے بھیڑیوں نے بھی نجات مانگی تھی۔ یہ لوگ چودھویں صدی کے لئے منتظر تھے۔ لیکن جب صدی آگئی تو اپنی بدبختی کے باعث انکار کر گئے اسی طرح قرآن میں ذکر ہے۔

"ولما جاءھم کتب من عند اللہ مصدق لما معھم وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ" اہل کتاب منتظر تھے کہ پیغمبر کے آنے پر وہ اسکے ساتھ ملکر کفار سے جنگ کرینگے۔ لیکن جب پیغمبر آیا تو انکار پر آمادہ ہوگئے۔

عقل کے نزدیک بھی زمانہ مسیح کا یہی معلوم ہوتا ہے اسلام اسقدر کمزور ہو گیا ہے کہ ایک وقت ایک شخص کے مرتد ہو جانے پر اسلام میں شور پڑ جاتا تھا۔ لیکن اب لاکھوں مرتد ہو گئے رات دن مخالفت اسلام میں کتب تصنیف ہو رہی ہیں۔ اسلام کی بیخ کنی کے واسطے طرح طرح کی تجاویز ہو رہی ہیں۔ عقل پسند نہیں کرتی کہ جس خدا نے "انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون" کا وعدہ دیا ہے وہ اسوقت اسلام کی حفاظت نہ کرے اور خاموش رہے یہ زمانہ کس قسم کی مصیبت کا اسلام پر ہے کہ شرفا کی اولاد دشمن اسلام ہو کر عیسائیوں میں چلے گئے اور کھلے طور پر رسول اکرمؐ کی توہین ہو رہی ہے ہر ایک قسم کی گالی اور سب و شتم میں آنحضرتؐ یاد کیا جاتا ہے۔ ان تمام امور کو بہیئت مجموعی اگر دیکھا جائے تو عقل کہتی ہے کہ یہی وقت خدا کی تائید کا ہے اور میں تم کو سچ کہتا ہوں کہ اگر یہ سلسلہ قائم نہ ہوتا تو اسلام برباد ہو چکا تھا۔ سو خدا کے وجود کا یہ بھی ایک نشان ہے کہ عین ضرورت کے وقت خدا تعالےٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا اور عین مصیبت کے وقت اسلام کو سنبھالا +

تائیدات سماوی بھی اگر دیکھی جاویں تو یہاں بھی ایک بڑا خزانہ ہے۔ خدا تعالےٰ نے اپنے فضل سے ہزارہا نشان میرے ہاتھ پر ظاہر کئے اگر میں ان تمام نشانوں کو جمع کروں جو ہر روز میں اور میرے ساتھ رہنے والے دیکھتے ہیں تو ان کی تعداد لاکھ کے قریب ہو جاتی ہے۔ قطع نظر اسکے صرف براہین احمدیہ کے بعض الہامات کو دیکھا جاوے جو بیس برس ہوئے کہ یہ کتاب تصنیف ہوئی جو اسوقت مکہ مدینہ مصر بخارا۔ لنڈن اور ایسا ہی ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں پہنچ گئی۔ کئی ایک پادریوں اور دیگر مخالفین اسلام کے گھروں میں اسوقت پہنچ گئی۔ اب اس کتاب میں مثلاً لکھا ہے کہ خدا کیطرف سے مجھے ارشاد ہے کہ اسوقت تو اکیلا ہے اور تیرے ساتھ کوئی نہیں لیکن ایک وقت آویگا کہ لوگ تیرے پاس دور دور سے آوینگے (یاتون من کل فج عمیق) تو لوگوں میں پہچانا جاویگا اور تیری شہرت کیجاوے گی۔ تیری امداد اور تائید کو دور دور سے لوگ آوینگے۔ پھر کہا کہ لوگ کثرت سے آوینگے اور تو ان سے نرمی اور اخلاق سے پیش آنا۔ ان کی ملاقات سے مت گھبرانا (ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس) پھر آخرکار فرمایا اذا جاء نصر اللہ و الفتح و انتہی امر الزمان الینا۔ الیس ہذا بالحق۔ یعنے جب خدا کی فتح اور نصرت آویگی۔ اور زمانہ کا امر ہماری طرف منتہی ہوگا تو اسوقت کہا جائیگا کہ کیا یہ سلسلہ حق نہیں۔ اب لاہور اور امرتسر کے لوگ اور ایسا ہی پنجاب کے اکثر لوگ اسبات سے واقف ہیں کہ براہین کی اشاعت کیوقت مجھے کوئی جانتا نہیں تھا حتے کہ قادیان میں بھی بہت کم لوگ ہونگے جو مجھے پہچانتے ہونگے۔ پھر یہ امور کس طرح پورے ہو رہے ہیں۔ اگرچہ یہ پیشگوئیاں بدرجہ اتم ابھی پوری نہیں ہوئیں لیکن جسقدر ان الہامات کا ظہور ہو رہا ہے وہ طالب حق کے لئے کافی ہے۔ اب کیا یہ میری بناوٹ ہے کیا ایک انسان

آج سے چوبیس سال پہلے آج کل کے واقعات کا نقشہ کھینچ سکتا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ ہزارہا مخلوق کا مرجع ہوگا خصوصاً جبکہ ایک مدت تک ان امور کا ظہور نہ ہوا جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ امور کسی فراست کا نتیجہ نہیں ہو سکتے۔ ان امور کو دیکھ کر میں کہہ سکتا ہون کہ جسقدر نشانات خدا تعالےٰ نے میری تائید مین ظاہر کئے وہ اپنی تعداد اور شوکت مین ایسے ہین کہ بجز حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کل انبیاء و مرسلین سے ایسے ثابت نہین ہوئے لیکن اس مین میرا کیا فخر ہے۔ یہ سب کچھ تو اس پاک نبی کی فضیلت ہے جسکی امت مین ہونیکا مجھے فخر حاصل ہے۔ پھر مین کہتا ہون کہ آج کل کے پیرزادون اور سجادہ نشینون کو آزما لو کسی پادری یا کسی مذہب کے سرگروہ کو میرے مقابل مین لاؤ خدا تعالےٰ نشان نمائی مین بالضرور اسکو میرے مقابل شرمندہ اور ذلیل کریگا۔ یہان تو نشانون کا دریا بہ رہا ہے۔ میرے دوست اس الہام سے خوب واقف ہین جو دس بارہ سال ہوئے خدا تعالےٰ نے مجھے فرمایا **انی مهین من اراد اهانتک وانی معین من اراد اعانتک**۔ اس ایک الہام کو کسقدر مختلف مواقع اور محل پر میرے دوستون نے پورا ہوتے دیکھا کس طرح لوگون نے میری اہانت اور تذلیل کے لئے بیڑے اٹھائے اور کس طرح وہ خود ہی ذلیل اور خوار ہو گئے اسکی ایک مثال نہین بلکہ کئی ایک مثالین ہین ہان یہ ضرور ہے کہ ان نشانات کو دیکھ کر بھی لوگ ابھی گمراہ ہین سو بات یہ ہے کہ دنیا مین ہمیشہ سے دو گروہ چلے آئے ہین ایک سعید دوسرا شقی۔ ابو جہل نے ہزارون نشان دیکھے لیکن وہ کافر ہی رہا۔ سو اس صورت مین مومن کے لئے ضرور ہے کہ وہ دعا مین لگا رہے۔

آپ نے جو آج مجھ سے بیعت کی ہے یہ تخم ریزی کی طرح ہے۔ چاہیئے کہ آپ مجھ سے اکثر ملاقات کرین اور اس تعلق کو مضبوط کرین جو آج قایم ہوا ہے۔ جس شاخ کا تعلق درخت سے نہین رہتا وہ آخرکار خشک ہو کر گر جاتی ہے جو شخص زندہ ایمان رکھتا ہے وہ دنیا کی پروا نہین رکھتا دنیا ہر طرح ملجاتی ہے۔ دنیا پر دین کو مقدم رکھنے والا ہی مبارک ہے لیکن جو دنیا کو دین پر مقدم رکھتا ہے وہ ایک مردار کی طرح ہے۔ جو کبھی سچی نصرت کا منہ نہین دیکھتا۔ یہ بیعت اسوقت کام آسکتی ہے جب دین کو مقدم کر لیا جاوے۔ اور اس مین ترقی کرنیکی کوشش ہو۔ بیعت ایک بیج ہے جو آج بویا گیا اب اگر کوئی کسان صرف زمین مین تخم ریزی پر ہی قناعت کرے اور پھل حاصل کرنیکے جو جو فرائض ہین ان مین سے کوئی ادا نہ کرے نہ زمین کو درست کرے اور نہ آبیاری کرے اور نہ موقعہ بموقعہ مناسب کھاد زمین مین ڈالے نہ کافی حفاظت کرے تو کیا وہ کسان کسی پھل کی امید کر سکتا ہے۔ ہرگز نہین اسکا کھیت بالضرور تباہ اور خراب ہوگا کھیت اسی کا ہریگا جو پورا زمیندار بنیگا۔ سو ایک طرح کی تخم ریزی آپ نے بھی آج کی ہے۔ خدا جانتا ہے کہ کس کے مقدر مین کیا ہے لیکن خوش قسمت وہ ہے جو اس تخم کو محفوظ رکھے اور اپنے طور پر ترقی کے لئے دعا کرتا رہے۔ مثلاً نماز دن مین ایک

قسم کی تبدیلی ہونی چاہیئے مین دیکھتا ہون کہ آج کل لوگ جس طرح نماز پڑھتے ہین وہ محض ٹکرین مارنا
ہے ان کی نماز مین اس قدر بھی رقت اور لذت نہین ہوتی جس قدر نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مین
ظاہر کرتے ہین۔ کاش یہ لوگ اپنی دعائین نماز مین ہی کرتے شائید ان کی نمازون مین حضور اور لذت
پیدا ہو جاتا اسلئے مین حکماً آپکو کہتا ہون کہ سردست آپ بالکل نماز کے بعد دعا نہ کرین اور وہ لذت
اور حضور جو دعا کے لئے رکھا ہے دعاؤنکو نمازون مین کر کے پیدا کرین میرا مطلب یہ نہین کہ نماز
کے بعد دعا کرنی منع ہے لیکن مین چاہتا ہون کہ جبتک نماز مین کافی لذت و حضور پیدا نہو نماز کے
بعد دعا کرنے مین نماز کی لذت کو مت گنواؤ۔ ہان جب یہ حضور پیدا ہو جائے تو کوئی ہرج نہین
سو بہتر ہے کہ نماز مین دعائین اپنی زبان مین مانگو جو طبعی جوش کسی کی مادری زبان مین ہوتا ہے
وہ ہرگز غیر زبان مین پیدا نہین ہو سکتا سو نمازون مین قرآن اور ماثورہ دعاؤنکے بعد اپنی ضرورتون
کو بر نگ دعا اپنی زبان مین خدا تعالے کے آگے پیش کر و تاکہ آہستہ آہستہ تمکو حلاوت پیدا ہو جائے سب سے
عمدہ دعا یہ ہے کہ خدا کی رضامندی اور گناہ سے نجات حاصل ہو کیونکہ گناہ ہونسے ہی دل سخت ہو جاتا
اور انسان دنیا کا کیڑا بنجاتا ہے۔ ہماری دعا یہ ہونی چاہیئے کہ خدا تعالے ہم سے گناہونکو جو دل کو سخت
کر دیتے ہین دور کر دے اور اپنی رضامندی کی راہ دکھلائے۔ دنیا مین مومن کی مثال اس سوار کی
ہے کہ جو جنگل مین جا رہا ہے اور راہ مین بسبب گرمی اور تکان سفر کے ایک درخت کے نیچے سستانے
کے لئے ٹھہر جاتا ہے لیکن ابھی گھوڑے پر سوار ہے اور کھڑا کھڑا گھوڑے پر ہی کچھ آرام لیکر آگے اپنے
سفر کو جاری رکھتا ہے لیکن جو شخص اس جنگل مین گھر بنا لے وہ ضرور درندون کا شکار ہوگا مومن
دنیا کو گھر نہین بناتا اور جو ایسا نہین خدا اس کی پروا نہین کرتا۔ نہ خدا کے نزدیک دنیا کو گھر بنانیوالے
کی عزت ہے۔ خدا مومن کی عزت کرتا ہے حدیث مین آیا ہے کہ مومن نوافل کے ساتھ خدا کا قرب
حاصل کر لیتا ہے۔ نوافل سے مراد یہ ہے کہ خدمت مقرر کردہ مین زیادتی کیجاوے۔ ہر ایک خیر کے کام
مین دنیا کا بندہ تھوڑا سا کرکے سست ہو جاتا ہے لیکن مومن زیادتی کرتا ہے۔ نوافل صرف نماز
سے ہی مختص نہین بلکہ ہر ایک حسنات مین زیادتی کرنا نوافل ادا کرنا ہے۔ مومن محض خدا کی خوشنودی
کیلئے ان نوافل کی فکر مین لگا رہتا ہے اسکے دل مین ایک درد ہے جو اسے بے چین کرتا ہے اور وہ
دن بدن نوافل و حسنات مین ترقی کرتا جاتا ہے اور بالمقابل خدا بھی اسکے قریب ہوتا جاتا ہے۔ حتی کہ
مومن اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کے سایہ تلے آجاتا ہے۔ پھر اس کی آنکھ خدا کی آنکھ اسکے کان خدا کے
کان ہو جاتے ہین۔ کیونکہ وہ کبھی معاملہ مین خدا کی مخالفت نہین کرتا۔ ایک روایت مین یہ بھی ہے کہ اسکی زبان
خدا کی زبان اور اسکا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہو جاتا ہے پھر خدا تعالے فرماتا ہے کہ مجھے کسی بات مین اسقدر
تردد نہین ہوتا جسقدر مومن کی جان لینے مین تردد ہوتا ہے۔ یون تو خدا کی ذات سب

تردّدات سے پاک ہے لیکن یہ فقرہ جو فرمایا تو مومن کے اکرام کے لئے فرمایا۔ اب دوسرے لوگ کیڑے مکوڑون کی طرح مرجاتے ہین لیکن مومن کا معاملہ دگرگون ہے مجھے یہ سمجھ آتی ہے کہ جو صلحاء اور انبیاء کی زندگی آئے دن طرح طرح کی بیماریون مین مبتلا رہتی ہے اور بعض وقت ان کو خوفناک امراض لاحق ہو جاتے ہین جیسے کہ ہمارے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت تھی۔ یہ اس تردّد کا اظہار ہے جسکا اوپر ذکر ہوا ہے گویا اللہ تعالے اس سے معاملہ ایسا کرتا ہے جیسا کہ ایک انسان تردّد کی حالت مین کرتا ہے۔ اور خوفناک بیماریون سے اسے نجات دیکر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ اسے معمولی انسانون کی طرح ضایع نہین کرتا۔ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کہ مومن کی ہر ایک چیز با برکت ہو جاتی ہے جہان وہ بیٹھتا ہے وہ جگہ دوسرونکے لئے موجب برکت ہوتی ہے اسکا پس خوردہ اورونکے لئے شفا ہے حدیث مین آیا ہے کہ ایک گنہ گار خدا تعالے کے سامنے لایا جاویگا خدا تعالے اس سے پوچھیگا کہ تونے کوئی نیک کام کیا۔ وہ کہیگا کہ نہین۔ پھر خدا تعالے اسکو کہیگا کہ فلان مومن کو تو ملا وہ کہیگا۔ خداوندا مین ارادتاً تو کبھی نہین ملا وہ خود ہی ایک دن مجھے راستہ مین ملگیا۔ خدا تعالے اسے بخشدیگا۔ پھر ایک اور موقع پر حدیث مین آیا ہے کہ خدا تعالے فرشتون سے دریافت کریگا کہ میرا ذکر کہان پر ہو رہا ہے وہ کہینگے کہ ایک حلقہ مومنین کا تھا جہان دنیا کے ذکر کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ البتہ ذکر الہی آٹھون پہر ہو رہا ہے۔ ان مین یہ ایک دنیا پرست شخص تھا۔ اللہ تعالے فرماویگا کہ مین نے اس دنیا دار کو اس ہم نشینی کے باعث بخشدیا۔ انہم قوم لا یشقی جلیسہم۔ بعض حدیثون مین آیا ہے کہ جہان ایک مومن امام ہو۔ اسکے مقتدی پیش از ین کہ وہ سجدہ سے سر اٹھاوے بخشدئے جاتے ہین۔

مومن وہ ہے کہ جسکے دلمین محبت الہی نے عشق کے رنگ مین جڑ پکڑ لی ہو۔ اس نے فیصلہ کر لیا ہو کہ وہ ہر ایک تکلیف اور ذلت مین بھی خدا کا ساتھ نہ چھوڑیگا اب جس نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کب کسیکا کانشنس کہتا ہے کہ وہ ضایع ہوگا۔ کیا کوئی رسول ضایع ہوا۔ دنیا ناخنون تک انکو ضایع کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ ضایع نہین ہوتے۔ جو خدا کے لئے ذلیل ہوا وہی انجام کار عزت و جلال کا تخت نشین ہوا۔ ایک ابوبکرؓ کو ہی دیکھو جس نے سب سے پہلے ذلت قبول کی اور سب سے پہلے تخت نشین ہوا۔ اس مین شک نہین کہ پہلے کچھ نہ کچھ دکھ اٹھانا پڑتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

؎ عشق اول سرکش و خونی بود + تا گریزد ہر کہ بیرونی بود + عشق الہی بیشک اول سرکش و خونی ہوتا ہے تاکہ نا اہل دور ہو جاوے۔ عاشقان خدا تکالیف مین ڈالے جاتے ہین قسم قسم کے مالی اور جسمانی مصائب اٹھاتے ہین اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ انکے دل پہچانے جاوین۔ خدا تعالے نے یہ امر مقرر کر دیا ہے کہ جبتک کوئی پہلے دوزخ پر راضی نہ ہو جاوے بہشت مین نہین جاتا

بہشت دیکھنا اسی کو نصیب ہوتا ہے جو پہلے دوزخ دیکھنے کو تیار ہوتا ہے دوزخ سے مراد آیندہ دوزخ نہین بلکہ اس دنیا مین مصائب شدائد کا نظارہ مراد ہے۔ اسی طرح ایک حدیث مین آیا ہے کہ کافر کے لئے دوزخ بہشت کے رنگ مین اور مومن کے لئے بہشت دوزخ کے رنگ مین متمثل کیا جاتا ہے۔ کافر جو دنیا کا طالب ہو دنیا مین منہمک ہوکر سگِ دنیا ہو جاتا ہے۔ مومن ایک عاشق ہے جو دنیا کو طلاق دیکر ہر ایک تکلیف سہنے کو تیار ہوتا ہے۔ اور فی الواقع یہ عشق ہی ہے جو اسے ہر قسم کی تکلیف سہنے کے لئے آمادہ کر دیتا ہے۔ مومن کا رنگ عاشق کا رنگ ہوتا ہے اور وہ اپنے عشق مین صادق ہوتا ہے۔ اور اپنے معشوق یعنے خدا کے لئے کامل اخلاص اور محبت اور جان فدا کرنیوالا جوش اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور تضرع اور ابتہال اور ثابت قدمی سے اسکے حضور مین قائم ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی لذت اسکیلئے لذت نہین ہوتی۔ اس کی روح اسی عشق مین پرورش پاتی ہے۔ معشوق کیطرف سے استغنا دیکھکر وہ گھبراتا نہین۔ اس طرف سے خاموشی اور بے التفاتی بھی معلوم کرکے وہ کبھی ہمت نہین ہارتا۔ بلکہ ہمیشہ قدم آگے ہی رکھتا ہے۔ اور درد دل زیادہ سے زیادہ پیدا کرتا جاتا ہے۔ ان دو چیزونکا ہونا ضروری ہے کہ مومن عاشق کیطرف سے محبت الٰہی مین پورا استغراق ہو۔ عشق کمال ہو۔ محبت مین سچا جوش اور عہد عشق مین ثابت قدمی ایسی کوٹ کوٹ کے بھری ہو کہ کوئی صدمہ جنبش مین لا نہ سکے۔ اور معشوق کیطرف سے کبھی کبھی بے پرواہی اور خاموشی ہو۔ درد دو قسم کی موجود ہو۔ ایک تو وہ جو اللہ تعالےٰ کی محبت کا درد ہو۔ دوسرا وہ جو کسی کی مصیبت پر دل مین درد اٹھے اور خیر خواہی کے لئے اضطراب پیدا ہو اور اس کی اعانت کے لئے بیچینی پیدا ہو۔ خدا تعالےٰ کی محبت کے لئے جو اخلاص اور درد ہوتا ہے اور ثابت قدمی اسکے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ انسان کو بشریت سے الگ کرکے الوہیت کے سایہ مین لا ڈالتا ہے جب تک اس حد تک درد اور عشق نہ پہونچ جائے کہ جس مین غیر اللہ سے محویت حاصل ہو جائے اسوقت تک انسان خطرات مین پڑا رہتا ہے۔ ان خطرات کا استیصال بغیر اس امر کے مشکل ہوتا ہے کہ انسان غیر اللہ سے بکلی منقطع ہوکر اسی کا ہو جائے اور اس کی رضا مین داخل ہونا بھی محال ہوتا ہے اور اسکی مخلوق کے لئے ایسا درد ہونا چاہیئے جس طرح ایک نہایت ہی مہربان والدہ اپنے ناتوان پیارے بچے کے لئے دل مین سچا جوش محبت رکھتی ہے۔ خدا تعالےٰ ایک تعلق چاہتا ہے اور اسکے حضور مین دعا کرانیکے لئے تعلق کی ضرورت ہے بغیر تعلق کے دعا نہین ہو سکتی۔ پہلے بزرگون کی بھی اسی قسم کی باتین چلی آتی ہین کہ جن سے دعا کرانیوالونکو دعا کرانے سے پہلے تعلق ثابت کرنے کی تاکید کی۔ خواہ نخواہ بازار مین چلتے ہوئے کسی بے تعلق کو کوئی نہین کہہ سکتا کہ تو میرا دوست ہے اور نہ ہی اسکے لئے درد دل ہی ہوتا

ہے اور نہ ہی جوش دعا پیدا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے تعلق اس طرح نہین ہو سکتا کہ انسان غفلت کاریون مین مبتلا بھی رہے اور صرف منہ سے دم بھر رہا ہے کہ مین نے خدا سے تعلق پیدا کر لیا ہے۔ اکیلے بیعت کا اقرار اور سلسلہ مین نام لکھا لینا ہی خدا سے تعلق پر کوئی دلیل نہین ہو سکتی۔ اللہ تعالےٰ سے تعلق کیلئے ایک محویت کی ضرورت ہے ہم بار بار اپنی جماعت کو اس بات پر قائم ہونیکے لئے کہتے ہین کیونکہ جبتک دنیا کیطرف سے انقطاع اور اسکی محبت دلوں سے ٹھنڈی ہو کر اللہ تعالےٰ کیلئے فطرتون مین طبعی جوش اور محویت پیدا نہین ہوتی اسوقت تک ثبات میسر نہین آسکتا۔ بعض صوفیون نے لکھا ہے کہ صحابہ جب نمازین پڑھا کرتے تھے تو انہین ایسی محویت ہوتی تھی کہ جب فارغ ہوتے تو ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ سکتے تھے۔ جب انسان کسی اور جگہ سے آتا ہے تو شریعت نے حکم دیا ہے کہ وہ آکر السلام علیکم کہے۔ نماز سے فارغ ہوتے وقت السلام علیکم و رحمۃ اللہ کے کہنے کی حقیقت یہی ہے کہ جب ایک شخص نے نماز کا عقد باندھا اور اللہ اکبر کہا تو وہ گویا اس عالم سے نکل گیا اور ایک نئے جہان مین جا داخل ہوا گویا ایک مقام محویت مین جا پہونچا پھر جب وہان سے واپس آیا تو السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہکر آن ملا۔ لیکن صرف ظاہری صورت کافی نہین ہو سکتی۔ جبتک دل مین اسکا اثر نہ ہو۔ چھلکون سے کیا فائدہ آسکتا ہے۔ محض صورت کا ہونا کافی نہین۔ حال ہونا چاہئیے۔ علت غائی حال ہی ہے۔ مطلق قال اور صورت جسکے ساتھ حال نہین ہوتا وہ تو الٹی ہلاکت کی راہین ہین۔ انسان جب حال پیدا کر لیتا ہے اور اپنے حقیقی خالق و مالک سے ایسی سچی محبت اور اخلاص پیدا کر لیتا ہے کہ بے اختیار اس کی طرف پروازکرنے لگتا ہے اور ایک حقیقی محویت کا عالم اسپر طاری ہو جاتا ہے تو اسوقت اس کیفیت سے انسان گویا سلطان بن جاتا ہے۔ اور ذرہ ذرہ اسکا خادم بنجاتا ہے۔

مجھے تو اللہ تعالےٰ کی محبت نے ایسی محویت دی تھی کہ تمام دنیا سے الگ ہو بیٹھا تھا۔ تمام چیزین سوائے اسکے مجھے ہرگز بھاتی نہ تھین مین ہرگز ہرگز حجرہ سے باہر قدم رکھنا نہین چاہتا تھا۔ مین نے ایک لمحہ کے لئے بھی شہرت کو پسند نہین کیا۔ مین بالکل تنہائی مین تھا اور تنہائی ہی مجھکو بھاتی تھی۔ شہرت اور جماعت کو جس نفرت سے مین دیکھتا تھا۔ اسکو خدا ہی جانتا ہے مین تو طبعاً گمنامی کو چاہتا تھا۔ اور یہی میری آرزو تھی۔ خدا نے مجھ پر جبر کر کے اس سے مجھے باہر نکالا۔ میری ہرگز مرضی نہ تھی۔ مگر اس نے میرے خلاف مرضی کیا۔ کیونکہ وہ ایک کام لینا چاہتا تھا۔ اس کام کے لئے اس نے مجھے پسند کیا اور اپنے فضل سے مجھکو اس عہدہ جلیلہ پر مامور فرمایا۔ یہ اسی کا اپنا انتخاب اور کام ہے میرا اس میں کچھ دخل نہین۔ مین تو دیکھتا ہون کہ میری طبیعت اس طرح واقعہ ہوئی ہے کہ شہرت اور جماعت کو سون بھاگتی ہے اور مجھے سمجھ مین نہین

آ آ کہ لوگ کس طرح شہرت کی آرزو رکھتے ہین۔ میری طبیعت اور طرف جاتی تھی لیکن خدا مجھے اور طرف لیجاتا تھا مین نے بار بار دعائین کین کہ مجھے گوشہ ہی مین رہنے دیا جائے مجھے میری خلوت کے حجرے مین چھوڑ دیا جائے لیکن بار بار یہی حکم ہوا کہ اس سے نکلو اور دین کا کام جو اسوقت سخت مصیبت کیحالت مین تھا اسکو سنوارو۔ انبیاء کی طبیعت اسی طرح واقعہ ہوتی ہے کہ وہ شہرت کی خواہش نہین کیا کرتے کسی نبی نے شہرت کی کبھی خواہش نہین کی۔ ہمارے نبی صلعم بھی خلوت اور تنہائی کو ہی پسند کرتے تھے آپ عبادت کرنیکے لئے لوگون سے دور تنہائی کی غار مین جو غار حرا تھی چلے جاتے تھے۔ یہ غار اسقدر خوفناک تھی کہ کوئی انسان اس مین جانے کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ لیکن آپنے اسکو اسلئے پسند کیا ہوا تھا کہ وہان کوئی ڈر کے مارے بھی نہ پہونچیگا۔ آپ بالکل تنہائی کو چاہتے تھے شہرت کو ہرگز پسند نہین کرتے تھے مگر خدا کا حکم ہوا یاایہا المدثر قم فانذر۔ اس حکم مین ایک جبر معلوم ہوتا ہے اور اسی لئے جبر سے حکم دیا گیا کہ آپ تنہائی کو جو آپ کو بہت پسند تھی اب چھوڑ دین۔ بعض لوگ بیوقوفی اور حماقت سے یہی خیال کرتے ہین کہ گویا مین شہرت پسند ہون۔ مین بار بار کہہ چکا ہون کہ مین ہرگز شہرت پسند نہین خدا نے جبر سے مجھکو مامور کیا ہے میرا اس مین کیا قصور ہے اس نے مجھے مامور کیا ہے اور وہی گواہ ہے کہ مین شہرت پسند نہین ہون۔ مین تو دنیا سے ہزارون کوسون بھاگتا تھا حاسد لوگون کی نظر چونکہ زمین اور اس کی اشیا تک ہی محدود ہوتی ہے اور وہ دنیا کے کیڑے ہین اور شہرت پسند ہوتے ہین انکو اس خلوت گزینی اور بے تعلقی کی کیفیت ہی معلوم نہین ہو سکتی۔ ہم تو دنیا کو نہین چاہتے اگر وہ چاہین اور اسپر قدرت رکھتے ہین تو سب دنیا لیجائین ہمین ان پر کوئی گلہ نہین۔ ہمارا ایمان تو ہمارے دلمین ہے نہ دنیا کے ساتھ۔ ہماری خلوت کی ایک ساعت ایسی قیمتی ہے کہ ساری دنیا اس ایک ساعت پر قربان کرنا چاہیئے اس طبیعت اور کیفیت کو سوائے خدا کے کوئی نہین جانتا مگر ہم نے خدا کے امر پر جان و مال و آبرو کو قربان کردیا ہے۔ جب اللہ تعالے کسی کے دلمین تجلی کرتا ہے تو پھر وہ پوشیدہ نہین رہتا۔ عاشق اپنے عشق کو خواہ کیسے ہی پوشیدہ کرے مگر بھید پانیوالے اور تاڑنے والے قرائن اور آثار اور حالات سے پہچان ہی جاتے ہین۔ عاشق پر وحشت کی حالت نازل ہو جاتی ہے اور اسی اسکے سارے وجود پر چھاجاتی ہے۔ الگ قسم کے خیالات اور حالات اسکے ظاہر ہو جاتے ہین وہ اگر ہزارون پردون مین چھپے اور اپنے آپ کو چھپالے مگر چھپا نہین رہتا۔ سچ کہا ہے۔ ؎ عشق و مشک را نتوان نہفتن۔ جن لوگونکو محبت الہی ہوتی ہے وہ اس محبت کو چھپاتے ہین جس سے انکے دل لبریز ہوتے ہین بلکہ اسکے افشا پر وہ شرمندہ ہوتے ہین کیونکہ محبت اور عشق ایک راز ہے جو خدا اور اسکے بندہ کے درمیان ہوتا ہے اور ہمیشہ راز کا فاش ہونا شرمندگی کا موجب ہوتا ہے کوئی رسول نہین آیا جسکا خدا سے راز نہین ہوتا۔ اسی راز کو چھپانیکی خواہش اسکے اندر ہوتی ہے مگر معشوق خود اسکو فاش کرنے پر جبر کرتا ہے۔ اور جس بات کو وہ نہین چاہتے

وہی انکو ملتی ہے- جو چاہتے ہین ان کو ملتا ہے نہین اور جو نہین چاہتے ان کو جبراً ملتا ہے -

جب تک انسان ادنٰے حالت مین ہوتا ہے اسکے خیالات بھی ادنے ہی ہوتے ہین اور جسقدر معرفت مین گرا ہوا ہوتا ہے اسی قدر محبت مین کمی ہوتی ہے معرفت سے حسن ظن پیدا ہوتا ہے- ہر شخص مین محبت اپنے ظن کی نسبت سے ہوتی ہے **انا عند ظن عبدی بی** سے یہی تعلیم ملتی ہے- صادق عاشق جو ہوتا ہے وہ اللہ تعالے پر حسن ظن رکھتا ہے کہ وہ اسکو کبھی نہین چھوڑیگا- خدا تو وفاداری کرنا پسند کرتا ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان صدق دکھلاوے اور اسپر ظن نیک رکھے کہ تا وہ بھی وفا دکھلائے- مگر یہ لوگ کب اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہین- یہ تو اپنی ہوا و ہوس کے بتون کے آگے جھکے رہتے ہین اور ان کی نظر دنیا تک ہی ہوتی ہے- اللہ تعالے کو کریم و رحیم نہین سمجھتے اسکے وعدون پر ذرہ ایمان نہین رکھتے اگر اللہ تعالے کے وعدون پر ایمان رکھتے کہ وہ رحیم و کریم ہے تو ابھی ان پر رحمت اور وفا کے ثبوت نازل کرتا- ؎ گر وزیر از خدا بترسیدے ہمچنان کز ملک ملک بودے + شر بدظنی سے پیدا ہوتا ہے- قرآن شریف کو اول سے آخر تک پڑھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سے بدظنی مت کرو- اللہ کا ساتھ نہ چھوڑو- اسی سے مدد مانگو- اللہ تعالے ہر میدان مین مومن کی مدد کرتا ہوا اور کہتا ہے کہ میدان مین مین تیرے ساتھ ہون- وہ اسکے لئے ایک فرقان پیدا کر دیتا ہے جو اسکے وعدون پر بھروسہ نہین کرتا وہ بدظنی کرتا ہے جو شخص خدا سے نیک ظن کرتا ہے وہ اسکی طرف رجوع کرتا ہے اور جو اللہ تعالے سے بدظنی کرتا ہے وہ مجبور ہوتا ہے کہ اپنے لئے کوئی دوسرا معبود بنائے اور شرک مین مبتلا ہو جاتا ہے- جب انسان اس بات کو سمجھتا ہے کہ خدا کریم و رحیم ہے اور اس بات پر ایمان صدق دل سے آتا ہے- کہ اسکے وعدے ٹلنے کے نہین تو وہ اسپر جان فدا کرتا ہے اور در پردہ خدا سے عشق رکھتا ہے- ایسا انسان خدا کا چہرہ اسی دنیا مین دیکھ لیتا ہے- طرح طرح سے اس کی مدد کرتا ہے اور اپنے انعامات اسپر نازل کرتا ہے اور اسکو تسلی بخشتا ہے اور محبت اور وفا کا چہرہ دکھاتا ہے لیکن بیوفا خدا سے ہمیشہ محروم رہتا ہے

"افغانون اور کشمیریون کی اصل"

(ترجمہ از سول ملٹری گزٹ لاہور)

جناب ایڈیٹر صاحب

اس مضمون پر پہلے بہت کچھ قلم فرسائی کی جا چکی ہے- اور مشہور و سربرآوردہ محققین

کی تحقیقاتیں اس نتیجے پر پہنچی ہیں کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل ہیں۔ امید کیجاتی ہو کہ میری یہ چند سطور بھی خالی از دلچسپی نہ ہونگی۔ یہ ایک مشہور تاریخی واقعہ ہو کہ بنی اسرائیل کی بارہ قوموں سے دس قومیں گرفتار ہو کر ملک فارس میں آباد کی گئیں۔ موجودہ یہودی جو دنیا کے ایک بڑے حصے پر منتشر ہوئی ہوئی ہیں یہ بنی اسرائیل کی ان دو قوموں کی اولاد ہیں جو کہ جلاوطنی سے بچ گئی تھیں۔ یہ امر بہت زمانہ زیر بحث چلا آیا ہے کہ باقی دس قومیں کدہر گئیں اور اب مسئلہ قطعی طور پر حل ہو گیا ہے کہ اہل افغانستان وکشمیر انہیں دس قوموں کی اولاد ہیں جو جلاوطن کی گئی تھیں۔ افغانوں اور کشمیریوں کے بنی اسرائیل ہونے کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں اور بعض ان میں سے ایسی قطعی ہیں کہ ان میں سے ایک ایک بھی بجائے خود۔ ان قوموں کے بنی اسرائیل ہونیکا کافی ثبوت ہے۔ وہ شہادتیں مختصراً حسب ذیل ہیں۔

(۱) قومی روایت کی شہادت۔

افغان بالاتفاق گواہی دیتے ہیں کہ ہم بنی اسرائیل ہیں۔ انکے مشہور خاندانوں کے پاس شجرے اور نسب نامے ہیں جن سے انکا بنی اسرائیل ہونا ثابت ہوتا ہے ایک قوم کی متفق علیہ شہادت ایک ایسا زبردست ثبوت ہے جسکو ہم لاپرواہی سے نظر انداز نہیں کر سکتے انکا دعوے ضرور سچائی پر مبنی ہے۔ صرف موجودہ نسل ہی بنی اسرائیل ہونیکا دعوے نہیں کرتی بلکہ نسلاً بعد نسلاً افغان یہی دعوے پیش کرتے رہے ہیں۔ انکے نسب نامے انکے دعوے کی تائید کرتے ہیں پس ان کا یہ دعوے بے بنیاد نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ بنی اسرائیل نہیں ہیں تو کیا وجہ ہے کہ یہ قوم قدیم سے بالاتفاق بنی اسرائیل ہونیکا دعوے کرتی چلی آتی ہے۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ روئے زمین پر کوئی اور ایسی قوم موجود نہیں ہے جو کہ گم شدہ اسرائیل قبیلوں کی اولاد ہونیکا دعوے کرتی ہو تو یہ امر افغانوں کے دعوے کو اور بھی تقویت پہنچاتا ہے۔ اگر ہم افغانوں کو دعوے کو رد کر دیں تو ہمیں کوئی اور قوم بتلانی چاہئے جو کہ گم شدہ اسرائیلیوں کی نسل میں ہونیکا دعوے کرتی ہو۔ اسرائیل قومیں فارس میں قید ہو کر آئی تھیں اور افغانستان فارس کی سرحد پر واقعہ ہے۔ یہ بہت قرین قیاس ہے کہ وہ مشرق کیطرف بڑھی ہوں اور افغانستان اور کشمیر میں آباد ہو گئی ہوں + بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہان فارس ان سے بہت بدسلوکی کرتے تھے۔ ضرور وہ انکے ظلم سے بچنے کے واسطے مشرقی بلاد میں آکر آباد ہو گئی۔ انکی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ پس انکے واسطے ضرور تھا کہ وہ اپنے رہنے کے لئے اور گھر تلاش کریں۔

(۲) ظاہری خط وخال کی شہادت۔

ایک طرف تو افغان اپنی زبان سے بنی اسرائیل ہونیکا دعوے کرتے ہین دوسریطرف انکے خط و خال بزبان حال بیان کر رہے ہین کہ ہم بنی اسرائیل ہین اور کشمیریونکے خط و خال افغانون کی نسبت اور بھی زیادہ یہودیونسے ملتے جلتے ہین ان کے پڑوس مین چینی اور ہندو ہین۔ مگر انکے خط و خال افغانون اور یہودیونسے نہین ملتے ایک یہودی ایک پٹھان اور کشمیری کو ایک صف مین کھڑا کر دو تو تم ضرور بول اٹھوگے کہ یہ اپنی ظاہری شکل و شباہت مین بالکل باہم مشابہ ہین۔

(۳) **لباس کی شہادت**:۔ افغانون اور کشمیریون کا لباس بھی اس نتیجہ کیطرف رہنمائی کرتا ہے کہ یہ قومین بنی اسرائیل ہین۔ یہ برخلاف ہندوؤن اور چینیونکے لمبے اور کھلے چغے پہنتے ہین جسکا رواج بنی اسرائیل مین تھا جیسا کہ اناجیل سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

(۴) **رسم و رواج کی شہادت**:۔ ان کی بہت سی رسومات یہودیون کی رسومات سے مشابہ ہین۔ مثلاً افغان منگنی اور شادی مین کوئی فرق نہین کرتے اور شادی سے پہلے اکثر لڑکے اور لڑکی مین بے تکلفی رہتی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے عورتین حاملہ بھی ہوجاتی ہین۔

(۵) **اخلاق و اطوار کی شہادت**:۔ یہودیونکی طرح افغان بھی زود رنج خود غرض سرکش۔ کند ذہن۔ جاہل۔ تند مزاج۔ خونخوار۔ سخت دل۔ کج رو۔ وغیرہ وغیرہ ہوتے ہین +

(۶) **اسماء کی شہادت**:۔ افغان صرف بنی اسرائیل ہونیکا دعوے ہی نہین کرتے۔ بلکہ انکے قبائل انکے پہاڑون۔ اور انکے دریاؤنکے نام بھی۔ بزرگان اسرائیل کے نام پر رکھے گئے ہین۔ مثلاً موسے خیل۔ تخت سلیمان۔ کوہ مری۔ کوہ سلیمان۔ زئی۔ داؤدزئی۔ یوسف زئی درۂ خیبر وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ ازین اینک افغانون اور کشمیریون مین اسرائیلی نامونکا بہت رواج پایا جاتا ہے۔

(۷) **شہرونکے نامونکی شہادت**:۔ گو یہ شہادت نمبر ۶ کے نیچے آسکتی تھی۔ مگر چونکہ یہ نہایت ضروری ہے اور خاصکر نرالے طرز کی ہے اس لئے مین نے اسکو ایک نئے عنوان کے نیچے رکھا ہے۔ افغانستان اور کشمیر مین بہت سے ایسے شہر ہین جن کے نام شام کے قدیمی شہرون کے نامونپر رکھے گئے ہین جب ایک ملک کے لوگ کسی دوسرے ملک مین جاکر آباد ہوتے ہین تو وہ اپنے نئے قرارگاہ مین ایک مصنوعی وطن بنا لیتے ہین۔ اپنے وطن کے خیال کو اپنے دماغ مین تازہ رکھنے کے واسطے وہ اپنے نئے شہرون اور دیہات کے نام اپنے اوطان مالوفہ کے نامونپر رکھتے ہین جن مین کہ وہ پہلے آباد تھے اور جنکی یاد کو وہ اپنے صفحۂ دل سے محو کرنا نہین چاہتے انکے نئے ملک کے مقامات کے نام بتلاتے ہین کہ وہ کس ملک سے نکل کر آئے۔ اسکی ایک عمدہ مثال امریکہ

کی آبادیون مین ملتی ہے - جہان اہل فرنگستان جاکر آباد ہوئے ہین - یہ لوگ اپنے عزیز شہرونکے نام بھی اپنے ساتھ لے گئے - اور اپنے نئے گھرونکے وہی نام رکھے جو انکے قدیمی گھرونکے نام تھے اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حُبّ الوطنی ایک ایسی چیز ہے کہ جہان کہین آدمی جائے اپنے ملک کے نام بھی وہین ساتھ لے جاتا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ ان دس بنی اسرائیلی قومون نے بھی اسی حب الوطنی کا ثبوت دیا ہے - افغانستان اور کشمیر مین بہت سے شہر اور اضلاع ایسے ہین جن کے نام ملک شام کے قدیمی شہرونکے نامونسے ملتے ہین - مین نیچے ایسے نامون کی ایک فہرست دیتا ہون - اور امید کہ اگر اس امر کیطرف زیادہ توجہ کیجائے تو اور بھی ایسے بہت سے نام نکل آوینگے +

افغانستان کشمیر وغیرہ کی جگہونکے نام	کہان واقع ہین		قدیمی شام مین انکے ہم نام مقام	قدیمی شام کے نقشوں مین کہان کہان واقع ہین -		بائیبل مین کہان ذکر ہے
	عرض البلد	طول البلد		عرض البلد	طول البلد	
	شمال	مشرق		شمال	مشرق	
کابل	۳۴/۲۹	۶۹/۵	کابل	۳۲/۵۱	۳۵/۱۲	سلاطین اول ۹ باب ۱۳ مین ذکر ہے
پونچھ	۳۳/۵۲	۷۴/۱۳	فونیشیا	۳۳/۳۰	۳۵/۲۵	
زیدا	سرحد پر		زائیدن اور اکثر زائیدا	۳۳/۴۴	۳۵/۲۴	۱۸ باب ۲۸ آیت قاضیون
حمس	لداخ کے نزدیک		حمسا	۳۵/۱	۳۵/۱۳	
			حمت	۳۲/۴۷	۳۵/۳۵	
			حمس	۳۴/۵۰	۳۶/۳۹	
گلگت	۳۶/۰	۷۴/۱۲	گلگوتھا	۳۱/۴۷	۳۵/۱۷	متی ۲۷ باب ۳۵
			گلگال	۳۲/۹	۳۴/۵۹	یشوع ۱۴ باب ۱۹ و ۱۵ باب ۷
			گلگال	۳۱/۵۰	۳۵/۳۰	قاضیون ۲ باب ۱ و ۸ اور دوسری جگہون
تبت	۳۴/۰	۸۹/۵	تبتھ			۱۸ باب ۸ - تواریخ
لاسہ	۲۹/۳۰	۹۱/۱	لاشا - لیشن	۳۳/۱۷	۳۵/۴۰	۱۸ باب ۲۷ و ۲۹ قاضیون
لداخ	۳۴/۰	۷۷/۳۰	لادج			۴ باب ۲۱ تواریخ
ییع	۳۴/۱۳	۷۷/۳۹	یعنی ایک شہر			۴ باب ۱۹ و ۱۵ باب ۹ قاضیون
سورو	۳۴/۱۰	۷۶/۰	شور	۳۰/۵۵	۳۳/۵	۱۶ باب ۷ و ۲۰ باب ۱ و ۲۵ باب ۱۸ پیدائش
شگیت	۳۲/۲۰	۷۷/۰	سکوت شہر رجال سکوت	۳۲/۵۱	۳۵/۳۶	پیدائش ۳۳ باب ۱۷ اور اور دوسری جگہ

(۸) **اناجیلی شہادت:**۔ اس بات کی اناجیل بھی تائید کرتی ہین کہ افغان کشمیری گم شدہ اسرائیلی قبیلون کی اولاد ہین کیونکہ اناجیل مین لکھا ہے کہ جب حضرت مسیح پیدا ہوئے۔ تو مشرق کے چند حکمار ایک ستارے کی رہنمائی سے ملک شام کو حضرت مسیح کی زیارت کرنیکے لئے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق مین ایسے لوگ موجود تھے جنکو حضرت مسیح کے آنیکا انتظار تھا۔ اور انہون نے انکے ظہور کے لئے بعض نشان بھی مقرر کئے تھے۔ سوائے بنی اسرائیل کے کسی قوم کو مسیح کے آنیکا وعدہ نہین دیا گیا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حکمار بھی بنی اسرائیل مین سے تھے۔ جو ایک ستارہ دیکھکر ملک شام کو مسیح کی زیارت کے لئے گئے۔ جب انہون نے ستارے کو دیکھا تو انہون نے نتیجہ نکالا کہ وہ مسیح جسکے ظہور کا یہ ستارہ نشان ہے۔ ملک شام مین پیدا ہوگیا ہے جو کہ بنی اسرائیل کا اصل وطن ہے اسلئے وہ لمبا فاصلہ طے کرکے مسیح کی زیارت کو آگئے +

(۸) **قبر کی شہادت:**۔ سرینگر مین ایک قبر ہے جو کہ نبی صاحب کی قبر کے نام سے مشہور ہے یہ قبر بھی میرے نزدیک انکے بنی اسرائیل ہونے کی ایک دلیل ہے۔ لفظ نبی قابل غور ہے۔ اگر یہ شخص ہندوستان کا رہنے والا ہوتا تو بدھ یا اوتار یا رکھی وغیرہ نامون سے مشہور ہونا چاہئے تھا نہ کہ نبی کے نام سے۔ لفظ نبی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نبی اسرائیل قوم کا نبی تھا۔ چونکہ نبی کا لفظ اسرائیلی نبی پر ہی بولا جاتا ہے مسلمان بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی کہتے ہین مگر یہان ہمین مسلمانون سے تعلق نہین کیونکہ کشمیر کا نبی مسلمانونکا پیغمبر نہین ہوسکتا کیونکہ مسلمانونکا ایک ہی نبی ہے جو کہ عرب ہی مین پیدا ہوا اور عرب ہی مین وفات پائی پس سرینگر کا نبی ضرور ایک اسرائیلی نبی تھا اور کشمیر کے دارالخلافہ مین ایک نبی کی قبر کا ہونا اس امر کی قطعی شہادت ہے کہ اہالیان کشمیر بنی اسرائیل ہین اور اس امر پر تعجب نہین کرنا چاہئے کہ کیونکر کشمیر مین ایک نبی آیا۔ بنی اسرائیل خدا کی ایک برگزیدہ قوم تھی اور خدا تعالے ہمیشہ انکی طرف نبی بھیجتا رہا۔ اور سرینگر کی قبر بتلاتی ہے۔ کہ جسطرح خدا تعالی ان باقی ماندہ اسرائیلی قومون کیطرف جو کہ ملک شام مین رہ گئی تھین نبی بھیجتا رہا۔ اسی طرح اس نے گم شدہ اسرائیلی قومون کیطرف نبی بھیجا۔ اگر یہ قومین غیر ملک مین رہتی تھین تو اس سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ وہ اپنے قومی حقوق کھو بیٹھی تھین اب بھی یہ قومین ایسی بنی اسرائیل تھین جیساکہ وہ پہلی تھین۔ جبکہ بنی اسرائیل غلامون کی طرح ملک مصر مین رہتے تھے تو اسوقت خدا تعالے نے حضرت موسے علیہ السلام کو نبی بناکر ان کی طرف بھیجا۔ ایسا ہی جب یہ قومین جلا وطن ہوکر مشرق مین رہتی تھین تو خدا تعالے نے ان کی طرف ایک نبی بھیجا جسکا مزار محلہ خانیار سرینگر مین ابتک موجود ہے +

انجیل مین جو چند حکمار کا مشرق کیطرف سے ملک شام مین جانیکا ذکر ہے۔ اس سے

صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی لوگ ایک نبی کے ظہور کا انتظار کر رہے تھے اور سرینگر کی قبر ہمین
بتلاتی ہے کہ خدا تعالےٰ نے ان کی امیدون کو پورا کیا۔ حق تو یہ ہے کہ مشرقی اسرائیلی قومین شام
کے بنی اسرائیل کی نسبت اس بات کی نسبت زیادہ مستحق تھین کہ ان کی طرف ایک نبی بھیجا
جاوے۔ کیونکہ شام مین صرف دو قومین رہتی تھین اور مشرق مین دس قومین آباد تھین
اگر خدا تعالےٰ نے شام کی دو قومون کیطرف ایک مسیح بھیجکر اپنے وعدہ کو پورا کیا تو کیون اس نے
مشرقی دس قومونکو اس نعمت سے محروم کیا۔ سرینگر کی قبر شہزادہ نبی یوز آسف کی قبر کہلاتی
ہے۔ کشمیر کے لوگ اور کشمیر کی تاریخ بالاتفاق یہ شہادت دیتے ہین کہ یہ نبی قریباً انیس سو برس
ہوئے کہ شام کیطرف سے اس ملک مین آیا اور کچھ مدت وعظ کرتا رہا آخر اس جگہ وفات پائی
اور محلہ خانیار مین مدفون ہوا +

(۱۰) **مشہور محققین کی شہادت** :۔ مین اخیر مین چند محققین کی رائے درج کرتا ہون
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل ہین۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور مورخہ
۲۳۔ نومبر ۱۸۹۸ء مین ایک مضمون سواتیون اور فریدیون کی بابت شایع ہوا تھا جسکو ایڈیٹر نے
نہایت ہی قیمتی اور دلچسپ مضمون بیان کیا ہے۔ اس مضمون کا لکھنے والا مسٹر ٹامس ہولڈچ
اس طرح پر لکھتا ہے۔ " افغان اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہین اگر اس قوم کا بنی اسرائیل
کے ساتھ قدیمی تعلق نہ مانا جاوے تو پھر یہ بیان کرنا مشکل ہوگا کہ ان مین عام طور پر بنی اسرائیلی
نام رائج ہین۔ ان کا قول کسی سچی بنیاد پر قائم نہین ہے تو کیا وجہ ہے کہ ان مین بعض یہودیون
کی رسومات پائی جاتی ہین۔ مثلاً عید فسح کا منانا وغیرہ۔ افغانون مین جو نہایت ہی تعلیم یافتہ
ہین۔ وہ اپنا بنی اسرائیل ہونا بڑے اصرار سے بیان کرتے ہین۔ میرے نزدیک افغانونکا
مسئلہ صحیح طور پر اس طرح حل ہوتا ہے۔ اگر یہ مانا جاوے کہ یہ بنی اسرائیل ہین جو قدیمی راجپوتون
مین مل جل گئے ہین "

ایچ ڈبلیو بلیو۔ سی ایس آئی۔ اپنی تصنیف اقوام افغانستان کے صفحہ ۱۵ پر لکھتے
ہین " ان لوگون کی روایت ہے کہ ہمارا اصل وطن ملک شام ہے جہان سے بخت نصر ہمین قید
کر کے لے آیا اور فارس اور آمیدیہ کے مختلف حصون مین آباد کیا ان مقامون سے انہون نے
مشرق کی طرف نقل مکان کیا۔ اور غور کے پہاڑی علاقون مین آباد ہو گئے۔ اس کی تائید
مین بنی اسدراس کی بھی شہادت ہے۔ جو کہتا ہے کہ اسرائیل کی دس قومون نے آزرت کے
ملک مین پناہ لی۔ یہ خیال کیا گیا ہے کہ آزرت وہ علاقہ ہے جسکو آج کل ہزارہ کہتے ہین۔ یہ
بھی بیان کیا گیا ہے کہ سمساہی خاندان کے زمانہ مین افغانستان مین ایک قوم رہتی تھی جنکو

بنی اسرائیل کہتے تھے اور ان مین بعض ارد گرد کے ممالک کے ساتھ تجارت بھی کیا کرتے تھے"
کرنیل جی بی فیلسن سی ایس آئی - اپنی کتاب تاریخ افغانستان مین اس طرح پر لکھتا ہے -
عبد اللہ خان اور دوسرے افغان مصنفون کی پیروی کر کے فیریر صاحب کی یہ رائے ہے - کہ
افغان دس گم شدہ اسرائیلی فرقون کی اولاد ہین - اور بھی کئی محققین اس رائے کے ساتھ
اتفاق کرتے ہین چنانچہ سر ولیم جونز جیسا عظیم الشان آدمی بھی یہی عقیدہ رکھتا ہے -
اے کے جونسٹن افغانون کی مندرجہ ذیل روایت بیان کرتا ہے "جب نادر شاہ پشاور مین
پہونچا - یوسف زئی قوم کے سردارون نے ایک بائیبل اسکے آگے پیش کی جو کہ عبرانی مین لکھی
ہوئی تھی اور کئی اور چیزین بھی پیش کین جو کہ وہ اپنی قدیمی عبادت مین استعمال کیا کرتے تھے
جنکو انہون نے حفاظت سے رکھا ہوا تھا جو یہودی لشکر کے ساتھ تھے انہون نے ان چیزونکو
فوراً پہچان لیا" ای بلفور - ایل آر مصنف ان سکلوپیڈیا آف انڈیا - لکھتا ہے "افغانون
کی شکل یہودیونسے ملتی ہے - ایک رسم مین افغان یہودیون کی پیروی کرتے ہین اور وہ
یہ ہے کہ چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کی بیوہ سے شادی کر لیتا ہے - ڈاکٹر میسن بعض
رسومات کا ذکر کرتا ہے - جو یہودیون کی رسومات سے ملتی ہین جو کہ درہ خیبر کے کونون مین
پائی جاتی ہین ان کے بال مشرقی یہودیون کی طرح ہوتے ہین"
جینس بائی - ایم - اے - ایف جی ایس - اپنی کتاب ان سکلوپیڈیا آف جاگریفی مین لکھتا ہے -
"تمام سیاح اس بات پر متفق ہین کہ افغانون مین اور گرد نواحی قومون مین بڑا فرق ہے - اور سب
نان ایک ہی نسل کے معلوم ہوتے ہین یہ اپنی شکل اور خط و خال مین یہودیونسے بہت ملتے جلتے ہین"
مصنف اہل کابل کی نسبت ذکر کرتا ہوا کہتا ہے کہ یہ لوگ دراز قد ہوتے ہین سیاہ آنکھون
نمایان خط و خال والے اور انکے چہرے بالکل یہودیون کی طرح ہین -
تی بی - انسکلوپیڈیا برطانیہ مین افغانستان پر لکھتا ہوا کہتا ہے کہ اس ملک کی عورتین
ہودیون جیسی خوبصورت خط و خال رکھتی ہین اور یہی بات مردون مین بھی پائی جاتی ہے -
ے - کے جیمسٹن اپنی کتاب ڈکشنری آف جاگریفی مین کشمیر کی عورتونکا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے -
پورے قد کی اور خوبصورت ہوتی ہین - ان کی ناک ترچھی اور خط و خال بالکل یہودیونکے سے ہوتے ہین
نبس برنیبس اپنے سفرنامے مین لکھتا ہے کہ جب مین ملک کشمیر مین داخل ہوا اور پیر پنچال سے آگے
و یہ دیکھکر مین بہت حیران ہوا کہ دیہات کے باشندے بالکل یہودیون سے مشابہ تھے انکے خط و خال
ار اور وہ ناقابل بیان خصوصیت جسکے ذریعہ سے سیاح مختلف قومون مین تمیز کر سکتے ہین
تمام اس بات کی شہادت دیتے تھے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل ہین اور اسے صرف میرا ہی نہین خیال

کرنا چاہئے بلکہ ان لوگوں کا یہودیوں سے شکل میں مشابہ ہونا ہمارے فرقہ جزوایٹ کے پادری اور کئی اور اہل فرنگ نے بھی میرے یہاں آنے سے بہت پہلے بیان کیا ہے۔ آرچیبلڈ کانسٹبل صاحب نے برنیر کے سفرنامے کو فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے صفحہ ۴۳۰ پر لکھتا ہے۔ وہ بہت سے اہل کشمیر کا اپنے خط وخال میں یہودیوں سے مشابہ ہونا زمانہ حال کے بہت سے سیاحوں نے بیان کیا ہے۔" والسلام

"یسوع کی صلیبی موت پر علمی نظر"

عیسائیوں کے اخبار ایپی فینی مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۰۴ء میں ایک صاحب ڈاکٹر ایم بی صاحب لکھتے ہیں کہ یسوع کی موت انشقاق القلب (دل کا خود بخود بغیر بیرونی صدمہ کے پھٹ جانا) سے واقع ہوئی اور اپنے بیان کی تائید میں ڈاکٹر سمپسن اور بعض دیگر صاحبان کی سند پیش کی ہے مگر اس بیان کی تصدیق یسوع کی کہانی کے واقعات سے نہیں ہوتی۔ ہر ایک متعصب ڈاکٹر جو ایک لمحہ کیلئے اس مضمون پر غور کرے گا فوراً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ تین یا چار گھنٹے صلیب پر لٹکا رہنے سے انشقاق القلب سے موت واقع نہیں ہو سکتی۔

انجیل میں یسوع کا قصہ پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ واقعہ صلیب کے دنوں وہ ایک پورا تندرست صحیح القوی موٹا تازہ تیس برس کا جوان تھا جو باغوں اور عمدہ آب وہوا کی جگہوں میں سیر کیا کرتا کھانے پینے اور پند ونصیحت میں رہا کرتا تھا۔ دلیرانہ تقریریں کرنے میں اپنی زندگی بسر کرتا تھا۔ اس واقعہ سے پہلے وہ کسی مصیبت میں نہیں پڑا تھا۔ فی الحقیقت اناجیل سے اسکا مثلاً وجع المفاصل اور دل کی بیماریاں وغیرہ میں مبتلا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ صلیب کے وقت بہادری سے مقدمہ کی پیروی کرتا رہا اور جب موت کا حکم سنایا گیا تو اسکو کچھ غش نہیں آیا۔ یوحنا لکھتا ہے کہ وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے گلگتا (مقتل) میں پہنچا جس سے ظاہر ہے کہ وہ اسوقت بھی بوجھ اٹھا کر دور تک چلنے کی طاقت رکھتا تھا۔ برعکس اسکے انشقاق القلب ہمیشہ آدمیوں کو جنکے دل پہلے ہی سے بیمار اور کمزور ہوتے ہیں واقع ہوتی ہے (ملاحظہ کرو برسٹو کی طب صفحہ ۶۰۸ ٹیلر صفحہ نمبر ۵۳۰۔ رابرٹس صفحہ ۱۰۶۱ اور پیپر جلد دوم صفحہ نمبر ۳۶۳)

علامات۔ اب ان علامات کا جو انشقاق القلب میں واقع ہوتی ہیں یسوع کی صلیبی علامات سے مقابلہ کرتے ہیں۔ انشقاق القلب میں دل کے مقام پر بہت سخت درد ہوتا ہے تنفس میں سخت دقت پیدا ہوتی ہے

کامل بیہوشی ہوتی ہے پسینہ کثرت سے آتا ہے - گلا گھٹتا ہے اور سخت درد سر کے بعد کچھ گھنٹوں مین مر جاتا ہے (برسٹو صفحہ ۵۳۹) بعض دفعہ دفعتہً مر جاتا ہے برعکس اسکے یسوع جب صلیب پر باندھا گیا تو اپنی والدہ اور حواریون اور دو چورون سے بخوبی باتین کرتا رہا - بالآخر اس نے کہا کہ مجھے پیاس لگی ہے چنانچہ اسکو سرکہ پلایا گیا - پھر اس نے کہا کہ اب وقت آگیا ہے اور سر جھکا کر جان دیدی (یوحنا) "یسوع چلا کر بولا اور پھر جان دیدی" - (متی) "اور یسوع جب بلند آواز سے چلا چکا تو اس نے کہا کہ باپ اپنی روح تیرے ہاتھ دیتا ہون - اور یہ کہکر جان دی" (لوقا) اس سے ظاہر ہے کہ یسوع کو نہ تنفس مین دقت معلوم ہوئی اور نہ سینہ مین درد ہوا اور نہ بیچینی ہوئی اور نہ کامل بیہوشی ہوئی جیسا کہ کتب طب مین انشقاق القلب کے علامات مین لکھا ہے -

علامات بعد الموت - مسٹر ام بی نے اپنے خیال کی تائید مین خون اور پانی پر جو یسوع کی پسلی سے نکلا تھا بہت زور دیا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ انشقاق القلب کا بڑا بھاری ثبوت ہے اسکا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ جب دل پھٹ گیا تو خون دل کے غلاف مین اکٹھا ہو کر جمگیا اور بعد مین خون کا لوتھڑا اور پانی دو حصّون مین تقسیم ہو کر باہر نکل آیا - یہ امر بالکل ناممکن ہے - کہ یسوع کے بظاہر جان دینے اور سپاہی کے بھالا چبھونے کے درمیانی وقفہ مین جو بہت کم ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ نہ تھا ایسی جلدی منجمد ہو گیا ہو - ٹیلر اپنی مڈیکل جورسپروڈنس جلد اول صفحہ ۱۷۵ مین لکھتا ہے - کہ خون مردہ جسم مین بنسبت بیرونی ہوا کے دیر مین جمتا ہے - چنانچہ ۴ سے ۸ گھنٹہ تک سیال حالت مین رہتا ہے - بکسرڈان صاحب لکھتے ہین کہ بارہ گھنٹہ تک نہین جمتا - اور ۴ گھنٹہ سے کم مین کسی صورت مین نہین جم سکتا - کارپنٹر صاحب اپنی فزیالوجی صفحہ ۱۸۷ - اور ۱۸۹ مین لکھتے ہین کہ بعض حالتون مین مردہ جسم مین خون بالکل نہین جمتا اگر جمتا ہے تو پورا نہین جمتا - اس سے ظاہر ہوا کہ مسیح کے جسم مین جان نکلنے کے بعد ایسی جلدی خون نہین جما تھا - برسٹو صفحہ ۵۳۹ مین لکھتا ہے کہ دل کا غلاف بعد از موت خون سے پُر پایا جاتا ہے یعنے کچھ تو پانی اور کچھ خون جما ہوا ایک تھیلی کی شکل مین دل کے گرد ہوتا ہے اگر فرض بھی کرلین کہ دل پھٹ گیا تھا - اور خون کے بھی دو حصّے ہو گئے تھے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جمے ہوئے خون کی وہ تھیلی جو دل پر لپٹی ہوئی ہے وہ سپاہی کے برچھے کے چھوٹے سے سوراخ سے فوراً باہر نکل آئے - ڈاکٹر ام - بی صاحب مہربانی فرماکر اس معمّا کو حل کرین - یوحنا کہتا ہے "ایک سپاہی نے برچھے سے اس کی ایک جانب چھیدی اور فوراً وہان سے خون اور پانی نکل آیا" اس مین لفظ "جانب" اور "فوراً" کا قابل غور ہے - ڈاکٹر ام - بی بلاوجہ جانب سے مراد بائین جانب لیتا ہے اور خصوصاً دل کا مقام - گویا کہ سپاہی علم ڈاکٹری مین خوب ماہر تھے

اور جانتے تھے کہ موت کا باعث کہان واقع ہے اور اسلئے انہون نے ٹھیک دل پر برچھا مارا۔ ہم کیون نہ جانب سے دائین جانب مراد لین یا پیٹ اور بغل مراد لین۔ لفظ "فوراً" سے ظاہر ہے کہ برچھا چبھتے ہی معاً خون اور پانی باہر نکل آیا اور جمے ہوئے خون کی تھیلی کا اتنی جلدی ایسے چھوٹے سوراخ سے باہر نکل آنا غیر ممکن ہے۔ مزید بر آن اگر خون جم ہی گیا تھا تو پہلے پانی نکلنا چاہیئے تھا نہ کہ خون کیونکہ ایسی حالتون مین ہمیشہ پانی پہلے نکلتا ہے اور خون کا لوتھڑا پیچھے۔ لیکن انجیل مین خون پہلے ہے اور پانی پیچھے۔ مذکورہ بالا بیان سے صاف ظاہر ہے کہ سائنس کی تحقیقات کے بموجب یسوع کا دل نہین پھٹا تھا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ یسوع کو حقیقت مین صلیب کے وقت کیا صدمہ پہونچا۔ باوجودیکہ صلیب کے واقع سے پیشتر یسوع تندرست طاقتور اور جوان تھا۔ مگر انجیل سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس موقعہ پر اسکے مخالفون نے اسکو کسیقدر جسمانی تکلیفین دین۔ اسکو بید لگوائے کھانیکو کچھ نہ دیا اور اس کی صلیب اس سے اٹھوائی اسکے ہاتھونکو لکڑی پر میخ سے ٹھونکدیا۔ جس سے اسکو درد بھی ہوا ہوگا اور تکلیف بھی پہونچی ہوگی اور کچھ خون بھی نکلا ہوگا یہانتک کہ وہ چلا اٹھا۔ کہ "ایلی ایلی لما سبقتانی" یعنے اے میرے خدا مجھکو کیون چھوڑ دیا۔ پھر اسکو پیاس لگی اور سرکہ یا شراب پلائی گئی۔ پھر سر جھکایا اور غشی آگئی۔ اسکے دوست کھڑے تھے۔ اور سیاہی۔ تاریکی اور زلزلہ سے ڈر گئے تھے اور اسکو نیک خیال کرتے تھے۔ چنانچہ انکے داروغہ نے خدا کی حمد کے بعد یہ کہا کہ یہ ایک راستباز مرد تھا (لوقا) انکو یہ بھی معلوم تھا کہ حاکم یسوع کی جان بچانا چاہتا ہے۔ ایسے وقت مین یسوع کے دوستونکو موقع ملا اور اس کی جان بچانے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور فوراً کارروائی شروع کردی یعنے جھٹ پٹ میخین نکالکر اسکو سولی سے اتار لیا اور اسکو ایک کھلے مقبرہ مین لے گئے اسکے زخمون پر مرہم پٹی لگائی گئی۔ اور مقوی دل ادویہ اور خوشبوئین اسکے پاس بچھادین تاکہ اس کی غشی دور ہو اور جب اسکو ذرا اٹھنے کی طاقت ہوگئی تو پیشتر اسکے کہ یہودی جو اپنا سبت منا رہے تھے خبردار ہوکر مقبرہ کی حفاظت کرتے کسی دور کے گاؤن مین اسکو لے گئے وہان جب اسکو آرام ہوا تو وہ ان حواریون سے ملا جو اس راز مین شریک نہ تھے تاکہ انکو یقین دلائے کہ صلیب کی لعنتی موت سے وہ معجزانہ طور سے بچگیا اور انکو اپنے زخمی ہاتھ دکھائے مچھلی وغیرہ کھائی اور زندہ آدمیون کی طرح کاروبار مین مشغول ہوا۔

مذکورہ بالا بیان کا علمی ثبوت حسب ذیل ہے۔

اول - تاریخ سے ثابت ہے کہ یسوع کے وقت مین صلیب سے موت بہت دیر مین واقع ہوتی تھی کئی دنون تک مصلوب بھوک پیاس اور درد اور ضعف وغیرہ مین مبتلا ہوکر مرجاتا تھا۔ مزید برآن ایسے واقعات بھی پیش آتے تھے کہ دو تین روز مصلوب رہنے کے بعد بھی بچ جاتا تھا ایسی

حالتون مین کیسے ممکن ہو سکتا ہو کہ یسوع تین چار گھنٹے سولی پر چڑھے رہنے سے یک بیک مر گیا حالانکہ نہ کوئی عضو رئیسہ بیمار یا مضروب تھا اور نہ اس کی ٹانگین توڑی گئی تھین۔ بات یہ ہو کہ جان دینے سے مطلب غشی کا ہونا ہے اور اپنے دشمنون سے بچنے کے واسطے ہوش مین آکر بھی وہ چپ چاپ پڑا رہا ہو یا ممکن ہو کہ آخری وقت مین جب اسکو سرکہ پلایا گیا تو اس مین کوئی مسکر شے مثلاً افیون وغیرہ جس سے وہ بیہوش ہو جائے دیا گیا ہو کیونکہ یوحنا لکھتا ہے کہ سرکہ پینے کے بعد فوراً اس نے جان دیدی۔ یقین ہو کہ اسکے دولتمند مرید یوسف نے جو آرمتیبا کا رہنے والا تھا کوئی ایسی تجویز اپنے مرشد کے بچانیکے لئے کی ہوگی۔

دوم۔ لیکن ایک سپاہی نے اس کی جانب مین برچھا چبھویا اور فوراً خون اور پانی نکل آیا۔ (یوحنا ۱۹ ۳۴) اس کلام مین فوراً کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ زندہ خون جو قلب کی حرکت سے جلد مین دوران کر رہا تھا اسکے جسم سے فوارے کی طرح فوراً چھوٹ پڑا۔ جیساکہ زندہ جسم مین ہمیشہ ہوتا ہے۔ جب خون نکل چکا اور برچھا کچھ اور اندر گھسا تو پانی نکلا یا اغلباً مثانہ یا گردہ سے یا کسی رسولی وغیرہ سے نکلا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ معدہ سے آیا ہو کیونکہ یسوع نے اسی وقت سرکہ پیا تھا۔ اور معدہ کے زخمون سے ہمیشہ موت واقع نہین ہوتی۔

سوم۔ یوحنا کی بیسوین فصل سے صاف ظاہر ہے کہ دو دن کے بعد اسکا جسم مقبرہ مین نہین پایا گیا کفن اور رومال موجود تھا لیکن جسم نہین تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کوئی شخص یسوع کو بھیس بدلوا کر لے گیا۔ "مین ابھی باپ کے پاس نہین چڑھا"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکا جسم زمین پر زندہ موجود تھا اور جیسے ہم پہلے کہہ چکے ہین کہ جسم مقبرہ مین نہین تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر کسی جگہ تھا۔ "اُس نے ان کو اپنے ہاتھ اور اپنا پہلو دکھایا"۔ جس سے ظاہر ہے کہ وہ جسم عنصری کی صورت مین جس پر زخمون کے نشان موجود تھے دکھائی دیا نہ کہ روحانی صورت مین۔ "اس نے اُن پر پھونکا"۔ جس سے ظاہر ہے کہ وہ سانس لیتا تھا اور اسکے پھیپھڑے اور دل باقاعدہ کام کرتے تھے "اس نے انکو کہا"۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بول سکتا تھا۔ اور اسکا دماغ صحیح کام کر رہا تھا۔ پھر اس نے توما سے کہا کہ اپنی انگلی لاؤ اور میرے ہاتھونکے نشان دیکھ اور ہاتھ ادھر کر اور میرے پہلو کو دیکھ بھال اور بے ایمان مت بن بلکہ یقین کر کہ مین وہی ہون"۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ جسم اور روح صلیب کے واقع کے بعد موجود تھے نہ کہ صرف روح +

چہارم۔ یوحنا کی اکیسوین فصل مین لکھا ہے کہ ان باتون کے بعد یسوع پھر اپنے حواریونکے روبرو دیگر ٹبری[ا] پر ظاہر ہوا۔ اور یسوع نے انکو کہا کہ بچو کچھ گوشت ہے۔ .... یسوع پھر

آیا اور کھانا کھایا اور انگلو دیا اور اسی طرح مچھلی بھی تقسیم کی"۔ مجھے یقین ہے کہ یہ خواب نہین تھا۔ اور یسوع کھانا اور مچھلی کا کباب نوش کر رہے ہین جس سے اسکے معدہ کی قوت اور بھوک کی شدت عیان ہے۔ اور بیچارے سادہ لوح عیسائی ابتک اس خیال مین ہین کہ وہ مردون سے جی اٹھا تھا۔ افسوس ہے کہ بیسوین صدی جیسے علم و حکمت کے زمانہ مین بھی لوگ ایسا عقیدہ رکھتے ہین

اسی ایپی فینی کے دوسرے مقام مین اڈیٹر صاحب کو مسیح کی صلیب کی موت مین شک پیدا ہوا ہے۔ اور اسیوجہ سے انہون نے ایک نئی تھیوری مسیح کی موت کی نسبت قائم کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان مصالح جات اور ادویات کے بوجھ سے جو قبر مین رکھی گئی تھین سانس رک کر موت واقع ہوئی۔ یوحنا کی بیسوین فصل سے ظاہر ہے کہ قبر اسقدر کشادہ تھی کہ آدمی اندر داخل ہو کر دیکھ بھال سکتا تھا۔ جیساکہ پطرس نے کہا۔ مین پوچھتا ہون کیا یہ ناممکن ہے۔ کہ سو پونڈ مر( ) ایک ایسے بڑے کمرے مین پھیلا دئے گئے ہین اور کسی ایک آدمی کا بھی دم نہ گھٹے جو وہان لیٹے ہوئے ہون اور نہ میری رائے مین ان پٹیون سے جو اسکے سر اور ہاتھ پاؤن پر بندھی تھین اسے کچھ تکلیف ہوئی۔ بلکہ میرے خیال مین مرہم پٹی سے یسوع کے زخمون کو آرام ملا۔ اور اس کی غشی بھی مصالح جات سے دور ہو گئی۔ + راقم ایل۔ ایم۔ ایس

"ضروری عرضداشت و شکریہ معاونین"

کثرت اشاعت و اعانت میگزین کے متعلق جس قدر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تاکید تاکید فرمائی ہے اس تاکیدی ارشاد کے پُرزور الفاظ کا اعادہ بغرض آگاہی جملہ احباب و برادران گذشتہ بیسیوں پرچہ جات میں متواتر کیا جاتا رہا ہے اور جن پُرجوش باہمت و مخلص احباب نے اس کار خیر میں محض بغرض ابتغاء لمرضات اللہ خاص حصہ لیکر الگ الگ معتدبہ رقوم سے اعانت فرمائی ہے ان کی ایسی امداد کا تذکرہ بھی خاص شکریہ کے ساتھ پچھلے پرچہ جات میں ہوتا رہا ہے بعض برادران کی تازہ خدمات و امداد نے از سر نو انکے شکریہ کا تازہ موقعہ دیا ہے۔ جناب منشی عبد العزیز صاحب عرف محمد وزیر خان صاحب ملک برھما نے حال ہی میں ایکسو پچاس روپیہ بطور امداد بھیجا ہے۔ یہ صاحب پہلے حضرت اقدس کے ارشاد کی تعمیل میں کئی سو روپیہ کی امداد میگزین میں دے چکے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس چودھری سرفراز خان و کرم الٰہی صاحبان بدو ملّی ضلع سیالکوٹ بھی خاص شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے ایک یکمشت [illegible] کی امداد فرمائی ہے۔ اصل میں چودھری صاحبان تین سو پچاس روپیہ امداد میگزین کیلئے لائے تھے۔ مگر لنگر کی ضروریات موجودہ کو دیکھکر دو سو روپیہ امداد لنگر میں دیدیا۔ اور ایکسو پچاس روپیہ امداد میگزین کے حصہ میں آیا۔ ہر سہ برادران نے ہمدردی و اخلاص مندی کا ایک تازہ قابل تقلید نمونہ دکھلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس امداد فی سبیل اللہ کی جزائے خیر دیوے اور دیگر جملہ برادران کو انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور انکی روح و روان کو ایسے جوش اور ہمدردی سے بھر دے کہ وہ پیارے امام صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان پر اپنا مال و جان نثار کرتے ہوئے اس کار خیر میں وہ ہمت دکھلاویں کہ حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد تک رسالہ کے جلدی پہونچنے میں کوئی دقت پیش نہ آوے۔

حضرت اقدس کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل اور اس رسالہ کی کثرت اشاعت کی ضرورت اس امر کی مقتضی ہیں کہ جملہ احباب اس قابل قدر نمونہ کی تقلید کرکے حضرت اقدس کے ارشاد کو ہر وقت تازہ ارشاد سمجھکر اوس کی تعمیل میں ہر وقت کوشاں رہیں ان کی یہ تگاپو فی سبیل اللہ انکے لئے حسنات دارین حاصل کرنیکا ذریعہ ہوگی + توشۂ عقبیٰ حاصل کرنیکا عین موقعہ ہے اس خدمت کی بجا آوری کا اس سے عمدہ موقعہ حسنہ نہیں مل سکتا۔ اب وقت کی قدر کرکے سابق بالخیر بننا چاہئیں اور جن اغراض کیلئے یہ سلسلہ من اللہ مامور ہو کر آیا ہے ان اغراض و مقاصد میں اسکی امداد کرکے معیت صادقین کی اعلیٰ منزل کو طے کریں جو حقیقی کامیابی و فائز المرامی کا اصلی زینہ ہے۔

اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین والسلام۔

منیجر

کبریت احمر یا جیون بوٹی کے استعمال سے ایک ہفتہ مین تین سیر خون صالح تازہ بدن انسان مین پیدا ہوتا ہے جوانی کی طاقت مدت العمر قایم رہتی ہے - استعمال کرنیسے پہلے اور بعد بدن کو وزن کرو اور آزماؤ اس سے بڑھکر یہی - مولد خون صالح مشتہی بدن کو مضبوط اور طاقتور خوش رنگ بنانے اور چہرے کی سرخی اصلی طاقت و توانائی و تازگی پیدا کرنے والی آج تک ایجاد نہین ہوئی - اس کا اثر ان اعضا پر جن پر نسل انسان کی پیدائش کا انحصار ہے بالخصوص نہایت قوی ہوتا ہے - وہ خوشی جو عورت و مرد کی معاشرت سے وابستہ ہے اس سے فی الفور حاصل ہوتی ہے کبریت احمر اسکا نام اسی لئے رکھا گیا ہے کہ یہ دوا اعضائے تولید کے پژمردہ قوی کو از سر نو بحال کرنیکے ساتھ زندگی کو کیمیا بنا دیتی ہے - قیمت فی شیشی ...

روغن درد گردہ - درد گردہ کے دورے اور تکلیفین ایسی سخت ہوتی ہین کہ الامان عجیب و غریب روغن درد گردہ مین خاصکر جب درد کنکری کیوجہ سے ہو اکسیر کا کام دیتا ہے چھوٹے چھوٹے سنگریزون کو توڑکر اور ریزہ ریزہ کرکے نہایت سہولت سے خارج کر دیتا ہے - تمام کنکری اور ریت نکلکر درد گردہ کی نوبت پھر نہین ہوتی - قیمت فی شیشی ...

عجیب غریب مرہم المعروف مرہم عیسے - اگر آپ دنیا بھر مین سب سے اچھا پر تاثیر بیحد فائدہ مند ہر قسم کے زخمون - جراحتون چوٹون - گلیٹون - خنازیر سرطان طاعون اور ہر قسم کے خبیث زہریلے پھوڑے پھنسیون ناسورون گنج خارش بواسیر اور طرح طرح کی جلدی بیماریون ہاتھون کے سردی سے پھٹ جانے جانورون کے کاٹ لینے جل جانے اور عورتون کے خطرناک امراض سرطان رحم وغیرہ کے لئے ہزارہا سال کا مجرب مقدس ہر طبقہ اور ہر زمانہ کے حکما کا متفقہ بابرکت علاج چاہتے ہین تو یہ مبارک مرہم اس کارخانہ سے منگائیے جو اسکو خالص اجزا سے تیار کرنیکا ذمہ دار ہے جہان اسکی کامیاب تاثیرات کا ممنون ہے یہ مشہور و معروف مرہم سوا کارخانہ مرہم عیسے کے دنیا بھر مین اور کہین نہین بنتا - **قیمت فی ڈبیہ خورد ۶ ر - ۱۲ ر فی ڈبیہ کلان ...**

رسالہ آئینہ صحت مفت	**حکیم محمد حسین اینڈ برادرز مالکان کارخانہ مرہم عیسے نولکھا لاہور**	عمدۃ التقویم ... مفت

"ضروری استدعا"

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہین اور اپنے مقامی اسٹیشن مین کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونیکے باعث انہین کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑین وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فراہم ... سے منگوائین - یہ دکان میرے متعلق ہے انہین نقصان نہین اور دکان کا فایدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے **المشتہر خواجہ ...**

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم مولوی فضلدین صاحب طبع ہوا -

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۷

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۰۴ء کو شایع ہوا ٭ چندہ سالانہ اردو پرچہ........ عہ/

"تفسیر سُورۂ جُمعہ"

نور فرقان ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا + پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
یا الٰہی تیرا فرقان ہے کہ اک عالم ہے + جو ضروری تھا وہ سب اسمیں مہیا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں + مئے عرفان کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ + وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

"اعلان"

مجھے اس رسالہ کے متعلق کچھ کہنے کی خصوصًا احمدی جماعت کو ترغیب خریداری کیلئے مطلق ضرورت نہین کیونکہ وہ محض بفضل خداوندکریم وبطفیل سیدنا جناب حضرت مسیح موعود نور فاھمن اللہ الاحد الصمد قرآن کریم کی عظمت اور اسکو سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت اور فائدے کو ایک حدتک بخوبی سمجھنے لگی ہے مجھے انکی خدمتمین صرف اتنا ہی عرض کردینا ہے کہ اول تو یہ کلام پاک حضرت خداوند احدیت ہے دوم اسکا مفسر اپنے پایہ کا وہ بے نظیر شخص ہے جسکی علمی قابلیت علمی خصوصیت۔ احمدی جماعت کے علاوہ مخالف ہندوستان مین بلکہ اکثر بلاد غیر مین بھی مسلم ہے۔ سوئم یہ سورۂ پاک جسکی تفسیر کا اعلان آپکے روبرو ہے کلام خداوندکریم۔ الرحمن۔ الرحیم کا وہ عجیب و غریب حصہ ہے جسکا پڑھنا سمجھنا سیکھنا ہر ایک مومن کی زندگی کا پہلا فرض معلوم ہوتا ہے خود مفسر موصوف (خدا کی لاکھ لاکھ رحمتین انکے شامل حال ہون) نے اس سورۂ مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے بڑے دردِ دل سے جو کچھ فرمایا ہے وہ آپ تفسیر ہی مین ملاحظہ فرماوینگے اسکے بعد خدا تعالے کے فضل سے اگر آپکا دل رقت اور جوش سے گواہی دے اٹھے اور اس بات کی ضرورت محسوس ہو کہ اس کی اشاعت کی ملک مین بیحد ضرورت ہے تو آپکا یہ سب سے اہم فرض ہونا چاہیے کہ جسقدر آپ سے ہوسکے خواہ خود خرید کر خواہ ترغیب دیکر خواہ اعلان کر کے اپنے تمام دوستون ملاقاتیون رشتہ دارون عزیزون وغیرہ کے ہاتھ اسکی ایک ایک کاپی پہنچاوین۔ والسلام۔ وما علینا الا البلاغ +

قیمت بلحاظ تعداد حسب ذیل ہے

ایک جلد ۱۴ر..... ایک جلد کے خریدار کو معہ محصول ڈاک وغیرہ۔ ۵ ٹکٹوں کو ذریعہ لفافہ مین بند کرکے بھیجنے چاہئین۔
پانچ جلد عہ ۴ر بذریعہ ویلیو پے ایبل پارسل روانہ ہونگی۔
دس جلد عہ ۸ر " " " "
پچیس جلد للعہ " " " "

درخواستین پتہ ذیل پر آنی چاہئین

حکیم محمد حسین قریشی۔ کارخانہ رفیق الصحت حویلی کابلی مل لاہور

رسالہ ابطال الوہیت مسیح مصنفہ مولوی نورالدین صاحب شائع ہوا ...... اس رسالہ میں ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جواب دئے گئے ہیں جو صاحب ممدوح نے دیے ہیں۔ قیمت ۴ر درخواستیں حکیم فضلدین صاحب کے نام آنی چاہئیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

روح القدس

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس مقربین الٰہی مین ہمیشہ رہتا ہے اور ان سے کبھی جدا نہین ہوتا سارا قرآن کریم ان تصریحات اور اشارات سے بھرا پڑا ہے بلکہ وہ ہر ایک مومن کو روح القدس ملنے کا وعدہ دیتا ہے چنانچہ منجملہ اُن آیات کے جو اس بارہ مین کھلے کھلے بیان سے ناطق ہین۔ سورۃ الطارق کی پہلی دو آیتین ہین اور وہ یہ ہین۔ والسماءِ والطارق وما ادرٰیک ما الطارق النجم الثاقب ان کل نفس لما علیہا حافظ یہ آخری آیت یعنی اِن کُلُّ نفسٍ لَمَّا علیہا حافظ جسکے یہ معنی ہین کہ ہر ایک نفس پر ایک فرشتہ نگہبان ہے یہ صاف دلالت کر رہی ہے کہ جیسا کہ انسان کے ظاہر وجود کے لئے فرشتہ مقرر ہے جو اُس سے جدا نہین ہوتا ویسا ہی اس کی باطن کے حفاظت کے لئے بھی مقرر ہے جو باطن کو شیطان سے روکتا ہے اور گمراہی کی ظلمت سے بچاتا ہے اور وہ روح القدس ہے جو خدا تعالے کے خاص بندون پر شیطان کا تسلط ہونے نہین دیتا اور اسی کی طرف یہ آیت بھی اشارہ کرتی ہے کہ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان۔ اب دیکھو کہ یہ آیت کیسی صحیح طور پر بتلا رہی ہے کہ خدا تعالے کا فرشتہ انسان کی حفاظت کیلئے ہمیشہ اور ہر دم اسکے ساتھ رہتا ہے اور ایکدم بھی اس سے جدا نہین ہوتا۔ کیا اس جگہ یہ خیال آسکتا ہے کہ انسان کی ظاہر کی نگہبانی کے لئے تو دائمی طور پر فرشتہ مقرر ہے لیکن اس کی باطن کی نگہبانی کے لئے کوئی فرشتہ دائمی طور پر مقرر نہین بلکہ متعصب سے متعصب انسان سمجھ سکتا ہے کہ باطن کی حفاظت اور روح کی نگہبانی جسم کی حفاظت سے بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ جسم کی آفت تو اسی جہان کا ایک دُکھ ہے لیکن روح اور نفس کی آفت جہنم ابدی مین ڈالنے والی چیز ہے سو جس خدائے رحیم وکریم کو انسان کے اس جسم پر بھی رحم ہے جو آج ہے اور کل خاک ہو جائیگا اس کی نسبت کیونکر گمان کر سکتے ہین کہ اس کو انسان کی روح پر رحم نہین۔ پس اس نص قطعی اور یقینی سے ثابت ہے کہ روح القدس یا یون کہو کہ اندرونی نگہبانی کا فرشتہ ہمیشہ نیک انسان کے ساتھ ایسا ہی رہتا ہے جیسا کہ اس کی بیرونی حفاظت کے لئے رہتا ہے ✣

اس آیت کے ہم مضمون قرآن کریم مین اور بہت سی آیتین ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی تربیت اور حفاظت ظاہری و باطنی کے لئے اور نیز اسکے اعمال کے لکھنے کے لئے ایسے فرشتے مقرر ہین کہ جو دائمی طور پر انسانون کے پاس رہتے ہین چنانچہ منجملہ ان کے یہ آیات ہین۔ وان علیکم لحافظین۔ یرسل علیکم حفظۃ۔ لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللّٰہ ط ترجمہ ان آیات کا یہ ہے کہ تم پر حفاظت کرنیوالے مقرر ہین خدا تعالے ان کو بھیجتا ہے۔ اور خدا تعالی کی طرف سے چوکیدار مقرر ہین جو اسکے بندونکے ہر طرف سے یعنے کیا ظاہری طور پر اور کیا باطنی طور پر حفاظت کرتے ہین اس مقام مین صاحب معالم نے یہ حدیث لکھی ہے کہ ہر یک بندہ کے لئے ایک فرشتہ موکل ہے جو اسکے ساتھ ہی رہتا ہے اور اسکی نیند اور بیداری مین شیاطین اور دوسری بلاؤن سے اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے اور اسی مضمون کی ایک اور حدیث کعب الاحبار سے بیان کی ہے اور ابن جریر اس آیت کی تائید مین یہ حدیث لکھتا ہے۔ ان معکم من لا یفارقکم الا عند الخلاء و عند الجماع فاستحیوہم واکرموہم۔ یعنی تمہارے ساتھ وہ فرشتے ہین کہ بجز جماع اور پاخانہ کی حاجت کے تمسے جدا نہین ہوتے سو تم ان سے شرم کرو اور ان کی تعظیم کرو اور اسی جگہ عکرمہ سے یہ حدیث لکھی ہے کہ ملائکہ ہر ایک شر سے بچانیکے لئے انسان کے ساتھ رہتے ہین اور جب تقدیر مبرم نازل ہو تو الگ ہو جاتے ہین اور مجاہد سے نقل کیا ہے کہ کوئی ایسا انسان نہین جس کی حفاظت کیلئے دائمی طور پر ایک فرشتہ مقرر نہ ہو۔ پھر ایک اور حدیث عثمان بن عفان سے لکھی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ بیس فرشتے مختلف خدمات کے بجا لانیکے لئے انسان کے ساتھ رہتے ہین اور دن کو ابلیس اور رات کو ابلیس کے بچے ضرر رسانی کی غرض سے ہر دم گھات مین لگے رہتے ہین اور پھر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حدیث مندرجہ ذیل لکھی ہے ؂

حدثنا۔ اسود بن عامر حدثنا سفیان حدثنی منصور عن سالم بن ابی الجعد عن ابیہ عن عبد اللّٰہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن و قرینہ من الملائکۃ قالوا وایاک یا رسول اللّٰہ قال وایای ولکن اللّٰہ اعاننی علیہ فلا یامرنی الا بخیر انفرد باخراجہ مسلم۔ صفحہ ۲۴۲

یعنی بتوسط اسود وغیرہ عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی تم مین سے ایسا نہین کہ جسکے ساتھ ایک قرین جنّ کی نوع مین سے اور ایک قرین فرشتون مین سے موکل نہ ہو۔ صحابی نے عرض کی کہ کیا آپ بھی یا رسول اللہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم فرمایا کہ ہان مین بھی پر خدا نے میرے جن کو میری تابع کر دیا۔ سو وہ بجز خیر اور نیکی کے اور کچھ بھی مجھے نہین کہتا۔ اسکے اخراج مین مسلم منفرد ہے۔ اس حدیث سے صاف اور کھلے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جیسے ایک داعی شر انسان کیلئے مقرر ہے جو ہمیشہ اسکے ساتھ رہتا ہے ایسا ہی ایک داعی خیر بھی ہر ایک بشر کے لئے موکل ہے جو کبھی اس سے جدا نہین ہوتا اور ہمیشہ اسکا قرین اور رفیق ہے مگر خدا تعالے فقط ایک داعی الی الشر ہی انسان کیلئے

مقرر کرتا اور داعی الی الخیر مقرر نہ کرتا تو خدا تعالے کے عدل اور رحم پر دھبّہ لگتا کہ اس نے شر انگیزی اور وسوسہ اندازی کی غرض سے ایسے ضعیف اور کمزور انسان کو فتنہ مین ڈالنے کے لئے کہ جو پہلے نفس امارہ ساتھ رکھتا ہے شیطان کو ہمیشہ کا قرین اور رفیق اس کا ٹھہرا دیا جو اس کے خون مین بھی سرایت کر جاتا ہے اور دل مین داخل ہو کر ظلمت کی نجاست اس مین چھوڑ دیتا ہے مگر نیکی کی طرف بلانے والا کوئی ایسا رفیق مقرر نہ کیا تا وہ بھی دل مین داخل ہوتا اور خون مین سرایت کرتا اور تا میزان کے دونون پلے برابر رہتے۔

اس جگہ اگر یہ اعتراض کیا جاوے کہ جب روح القدس صرف مقربین الٰہی کو ملتا ہے تو پھر ہر ایک کا نگہبان کیونکر ہو سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ روح القدس کا کامل طور پر نزول مقربون پر ہی ہوتا ہے مگر اس کی فی الجملہ تائید حسب مراتب محبت واخلاص دوسرونکو بھی ہوتی ہے۔ ہماری تقریر مندرجہ بالا کا صرف یہ مطلب ہے کہ روح القدس کی اعلیٰ تجلی کی یہ کیفیت ہے کہ جب بقا اور لقا کے مرتبہ پر محبت الٰہی ہو انسان کی محبت پر نازل ہوتی ہے تو یہ اعلیٰ تجلی روح القدس کی اُن دونون محبّتون کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے جسکے مقابل پر دوسری تجلیات کالعدم ہین مگر یہ تو نہین کہ دوسری تجلیات کا وجود ہی نہین خدا تعالے ایک ذرہ محبت خالصہ کو بھی ضائع نہین کرتا انسان کی محبت پر اس کی محبت نازل ہوتی ہے اور اسی مقدار پر روح القدس کی چمک پیدا ہوتی ہے یہ خدا تعالے کا ایک بندھا ہوا قانون ہے کہ ہر ایک محبت کے اندازہ پر الٰہی محبت نزول کرتی رہتی ہے اور جب انسانی محبت کا ایک دریا بہ نکلتا ہے تو اُس طرف سے بھی ایک دریا نازل ہوتا ہے اور جب وہ دونون دریا ملتے ہین تو ایک عظیم الشان نوران مین سے پیدا ہوتا ہے جو ہمارے اصطلاح مین روح القدس سے موسوم ہے لیکن جیسے تم دیکھتے ہو کہ اگر بیس سیر پانی مین ایک ماشہ مصری ڈالدیجائے تو کچھ بھی مصری کا ذائقہ معلوم نہین ہوگا اور پانی پھیکے کا پھیکا ہی ہوگا مگر یہ نہین کہہ سکتے کہ مصری اس مین نہین ڈالی گئی اور نہ یہ کہہ سکتے ہین کہ پانی میٹھا ہے یہی حال اُس روح القدس کا ہے جو ناقص طور پر ناقص لوگون پر اترتا ہے اسکے اترنے مین تو شک نہین ہو سکتا کیونکہ ادنےٰ سے ادنےٰ آدمی کو بھی نیکی کا خیال روح القدس سے پیدا ہوتا ہے کبھی فاسق اور فاجر اور بدکار بھی سچی خواب دیکھ لیتا ہے اور یہ سب روح القدس کا اثر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ نبویہ سے ثابت ہے مگر وہ تعلق عظیم جو مقدسون اور مقربون کے ساتھ ہے اسکے مقابل پر یہ کچھ چیز نہین گویا کالعدم ہے

ایک یہ سوال ہے کہ جس حالت مین روح القدس انسان کو بدیونسے روکنے کے لئے مقرر ہے تو پھر اس سے گناہ کیون سرزد ہوتا ہے اور انسان کفر اور فسق اور فجور مین کیون مبتلا ہو جاتا ہے اسکا یہ جواب ہے۔ کہ خدا تعالے نے انسان کے لئے ابتلا کے طور پر دو روحانی داعی مقرر کر رکھی ہین۔ ایک داعی خیر جسکا نام روح القدس ہے اور ایک داعی شر جسکا نام ابلیس اور شیطان ہے۔ یہ دونون داعی صرف خیر یا شر کی طرف بلاتے رہتے ہین مگر کسی بات پر جبر نہین کرتے جیسا کہ اس آیت کریمہ مین اسی امر کی

طرف اشارہ ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا یعنی خدا بدی کا بھی الہام کرتا ہے اور نیکی کا بھی۔ بدی کے الہام کا ذریعہ شیطان ہے جو شرارت کے خیالات دلون مین ڈالتا ہے اور نیکی کے الہام کا ذریعہ روح القدس ہے جو پاک خیالات دل مین ڈالتا ہے اور چونکہ خدا تعالےٰ علت العلل ہے اسلئے یہ دونون الہام خدا تعالےٰ نے اپنی طرف منسوب کرلیئے کیونکہ اسی کی طرف سے یہ سارا انتظام ہے ورنہ شیطان کیا حقیقت رکھتا ہے جو کسی کے دل مین وسوسہ ڈالے اور روح القدس کیا چیز جو کسی کو تقوے کی راہون کی ہدایت کرے۔

ہمارے مخالف آریہ اور برہمو اور عیسائی اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے قرآن کریم کی تعلیم پر یہ اعتراض کیا کرتے ہین کہ اس تعلیم کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے دانستہ انسان کے پیچھے شیطان کو لگا رکھا ہے گویا اسکو آپ ہی خلق اللہ کا گمراہ کرنا منظور ہے مگر یہ ہمارے نشتاب یاز مخالفون کی غلطی ہے اُن کو معلوم کرنا چاہیئے کہ قرآن کریم کی یہ تعلیم نہین ہے کہ شیطان گمراہ کرنیکے لئے جبر کرسکتا ہے اور نہ یہ تعلیم ہے کہ صرف بدی کی طرف بلانیکے لئے شیطان کو مقرر کر رکھا ہے بلکہ یہ تعلیم ہے کہ آزمایش* اور امتحان کی غرض سے لمہ ملک اور لمہ ابلیس برابر طور پر انسان کو دئے گئے ہین یعنی ایک داعی خیر اور ایک داعی شر تا انسان اس ابتلا مین پڑکر مستحق ثواب یا عقاب کا ٹھہر سکے کیونکہ اگر اسکے لئے ایک ہی طور کے اسباب پیدا کیئے جاتے مثلاً اگر اسکے بیرونی اور اندرونی اسباب جذبات فقط نیکی کی طرف ہی اسکو کھینچتے یا اس کی فطرت ہی ایسی واقعہ ہوتی کہ وہ بجز نیکی کے کامون کے اور کچھ کر ہی نہ سکتا تو کوئی وجہ نہین تھی کہ نیک کامون کے کرنے سے اسکو کوئی مرتبہ قرب کامل سکے کیونکہ اسکے لئے تو تمام اسباب وجذبات نیک کام کرنیکے ہی موجود ہین یا یہ کہ بدی کی خواہش تو ابتدا سے ہی اس کی فطرت سے مسلوب ہے تو پھر بدی سے بچنے کا اسکو ثواب کس استحقاق سے ہے مثلاً ایک شخص ابتدا سے ہی نامرد ہے جو عورت کی کچھ خواہش نہین رکھتا اب اگر وہ ایک مجلس مین یہ بیان کرے کہ مین فلان وقت جوان عورتون کے ایک گروہ مین رہا جو خوبصورت بھی تھین مگر مین ایسا پرہیزگار ہون کہ مین نے ان کو شہوت کی نظر سے ایکدفعہ بھی نہین دیکھا اور خدا تعالےٰ سے ڈرتا رہا تو کچھ شک نہین کہ سب لوگ اسکے اس بیان پر ہنسین گے اور طنز سے کہین گے کہ اے نادان کب اور کسوقت تجھ مین یہ قوت موجود تھی تا اسکے روکنے پر تو فخر کرسکتا یا کسی ثواب کی امید رکھتا۔ جاننا چاہیئے کہ سالک کو اپنی ابتدائی اور درمیانی حالات مین تمام امیدین ثواب کی مخالفانہ جذبات سے پیدا ہوتی ہین اور ان منازل سلوک

*فٹ نوٹ۔ اس جگہ آزمایش کے لفظ سے کوئی دھوکہ نہ کھاوے کہ خدا کو عالم الغیب کو امتحان اور آزمایش کی کیا ضرورت ہے کیونکہ بلاشبہ اسکو کوئی ضرورت نہین لیکن چونکہ اصل مقصد امتحان سے اظہار حقایق مخفیہ ہوتا ہے اسلیئے یہ لفظ خدا تعالیٰ کی کتابون مین پایا جاتا ہے وہ امتحان مین اسلیئے نہین ڈالتا کہ اسکو معلوم نہین بلکہ اسلیئے کہ تا شخص زیر امتحان پر اسکی حقیقت ظاہر کرے کہ اس مین یہ فساد یا صلاحیت ہے اور نیز دوسرون پر بھی اسکا جوہر کھول دیوے۔ منہ۔

مین جن امور مین فطرت ہی سالک کی ایسی واقع ہو کہ اس قسم کی بدی وہ کر ہی نہین سکتا تو اس قسم کے ثواب کا بھی وہ مستحق نہین ہو سکتا مثلاً ہم بچھو اور سانپ کی طرح اپنے وجود مین ایک ایسی زہر نہین پاتے جسکے ذریعہ سے ہم کسی کو اس قسم کی ایذا پہنچا سکین جو کہ سانپ اور بچھو پہنچاتے ہین۔ سو ہم اس قسم کی ترک بدی مین عنداللہ کسی ثواب کے مستحق بھی نہین۔

اب اس تحقیق سے ظاہر ہوا کہ مخالفانہ جذبات جو انسان مین پیدا ہو کر انسان کو بدی کی طرف کھینچتے ہین درحقیقت وہی انسان کے ثواب کا بھی موجب ہین کیونکہ جب وہ خدا تعالےٰ سے ڈر کر اُن مخالفانہ جذبات کو چھوڑ دیتا ہے تو عنداللہ بلاشبہ تعریف کے لایق ٹھہر جاتا ہے اور اپنے رب کو راضی کر لیتا ہے لیکن جو شخص انتہائی مقام کو پہنچ گیا ہے اس مین مخالفانہ جذبات نہین رہتے گویا اسکا جن مسلمان ہو جاتا ہے مگر ثواب باقی رہ جاتا ہے کیونکہ وہ ابتلا کے منازل کو بڑی مردانگی کے ساتھ طے کر چکا ہے جیسے ایک صالح آدمی جسنے بڑے بڑے نیک کام اپنی جوانی مین کئے ہین اپنی پیرانہ سالی مین بھی ان کا ثواب پاتا ہے

اب جبکہ قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہو گیا کہ جیسی بدی کی دعوت کے لئے خدا تعالےٰ نے ہمیشہ کا قرین شیطان کو مقرر کر رکھا ہے۔ ایسا ہی دوسری طرف نیکی کی دعوت کرنیکے لئے روح القدس کو اس رحیم و کریم نے دائمی قرین انسان کا مقرر کر دیا ہے اور نہ صرف اسقدر بلکہ بقا اور لقا کی حالت مین اثر شیطان کا کالعدم ہو جاتا ہے گویا وہ اسلام قبول کر لیتا ہے اور روح القدس کا نور انتہائی درجہ پر چمک اٹھتا ہے تو اسوقت اس پاک اور اعلےٰ درجہ کی تعلیم پر کون اعتراض کر سکتا ہے بجز اس نادان اور اندھے کے جو صرف حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتا ہے اور پاک تعلیم کی نور سے کچھ بھی حصہ نہین رکھتا بلکہ سچ اور واقعی امر تو یہ ہے کہ قرآن کریم کی یہ تعلیم بھی منجملہ معجزات کے ایک معجزہ ہے۔ کیونکہ جس خوبی اور اعتدال اور حکیمانہ شان سے اس تعلیم نے اس عقدہ کو حل کر دیا کہ کیون انسان مین نہایت قوی جذبات خیر یا شر پائے جاتے ہین یہانتک کہ عالم رویا مین بھی انکے انوار یا ظلمتین صاف اور صریح طور پر محسوس ہوتی ہین۔ اس طرز محکم اور حقانی سے کسی اور کتاب نے بیان نہین کیا اور زیادہ تر اعجاز کیصورت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ بجز اس طریق کے ماننے کے اور کوئی بھی طریق بن نہین پڑتا اور اسقدر اعتراض وارد ہوتے ہین کہ ہرگز ممکن نہین کہ ان سے مخلصی حاصل ہو کیونکہ خدا تعالےٰ کا عام قانون قدرت ہم پر ثابت کر رہا ہے کہ جسقدر ہمارے نفوس و قوےٰ و اجسام کو اُس ذات مبدء فیض سے فایدہ پہنچتا ہے وہ بعض اور چیزون کی توسط سے پہنچتا ہے مثلاً اگرچہ ہماری آنکھون کو وہی روشنی بخشتا ہے مگر وہ روشنی آفتاب کی توسط سے ہمکو ملتی ہے اور ایسا ہی رات کی ظلمت جو ہمارے نفوس کو آرام پہنچاتی ہے اور ہم نفس کے حقوق اس مین ادا کر لیتے ہین وہ بھی درحقیقت اسی کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ درحقیقت ہر ایک پیدا شوندہ کی علت العلل وہی ہے۔ پھر جبکہ

ہم دیکھتے ہین کہ یہ ایک بندھا ہوا قانون قدیم سے ہمارے افاضہ کے لیئے چلا آتا ہے کہ ہم کسی دوسرے کی توسط سے ہر ایک فیض خدا تعالے کا پاتے ہین ہان اس فیض کے قبول کرنیکے لیئے اپنے اندر قوے بھی رکھتے ہین جیسی ہماری آنکھ روشنی کے قبول کرنے کے لیئے ایک قسم کی روشنی اپنے اندر رکھتی ہے اور ہمارے کان بھی اُن اصوات کے قبول کرنیکے لیئے جو ہوا پہنچاتی ہے ایک قسم کی حس اپنے اعصاب مین موجود رکھتے ہین لیکن یہ تو نہین کہ ہمارے قوے ایسی مستقل اور کامل طور پر بناوٹ رکھتے ہین کہ خارجی معینات اور معاونات کی کچھ بھی ضرورت اور حاجت نہین ہم کبھی نہین دیکھتے کہ کوئی ہماری جسمانی قوت صرف اپنے ملکہ موجودہ سے کام چلا سکے اور خارجی ممد و معاون کے محتاج نہ ہو۔ مثلاً اگرچہ ہماری آنکھین کیسی ہی تیز بین ہون مگر پھر بھی ہم آفتاب کی روشنی کے محتاج ہین اور ہمارے کان کیسے ہی شنوا ہون مگر پھر بھی ہم اس ہوا کے حاجتمند ہین جو آواز کو اپنے اندر لپیٹ کر ہمارے کانون تک پہنچا دیتی ہے اس سے ثابت ہے کہ صرف ہمارے قوے ہماری انسانیت کی کل چلانیکے لیئے کافی نہین ہین۔ ضرور ہین خارجی ممدون اور معاونون کی حاجت ہے مگر قانون قدرت ہمین بتلا رہا ہے کہ وہ خارجی ممد و معاون اگرچہ بلحاظ علت العلل ہونیکے خدا تعالے ہی ہے مگر اسکا یہ انتظام ہرگز نہین ہے کہ وہ بلا توسط ہمارے قوے اور اجسام پر اثر ڈالتا ہے بلکہ جہان تک ہم نظر اٹھا کر دیکھتے ہین اور جس قدر ہم اپنے فکر اور ذہن اور سوچ سے کام لیتے ہین صریح اور صاف اور بدیہی طور پر ہمین نظر آتا ہے کہ ہر ایک فیضان کے لیئے ہم مین اور ہمارے خداوند کریم مین علل متوسط ہین جن کے توسط سے ہر ایک قوت اپنی حاجت کے موافق فیضان پاتی ہے پس اسی دلیل سے ملایک اور جنات کا وجود بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ ہم نے صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ خیر اور شر کے اکتساب مین صرف ہمارے ہی قوے کافی نہین بلکہ خارجی ممدات اور معاونات کی ضرورت ہے جو خارق عادت اثر رکھتے ہون مگر وہ ممد اور معاون خدا تعالے بیراہ راست اور بلا توسط نہین بلکہ بتوسط بعض اسباب ہے سو قانون قدرت کے ملاحظہ نے قطعی اور یقینی طور پر ہم پر کھولدیا کہ وہ ممدات اور معاونات خارج مین موجود ہین گو ان کی کنہ اور کیفیت ہم کو معلوم ہو یا نہ ہو مگر یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ وہ نہ بلاواسطہ خدا تعالے ہے اور نہ ہماری ہی قوتین اور ہماری ہی ملکے ہین بلکہ وہ ان دونون قسمون سے الگ ایسی مخلوق چیزین ہین جو ایک مستقل وجود اپنا رکھتی ہین اور جب ہم ان مین سے کسی کا نام داعی الی الخیر رکھین گے تو اسی کو ہم روح القدس یا جبرائیل کہین گے اور جب ہم ان مین سے کسی کا نام داعی الی الشر رکھین گے تو اسی کو ہم شیطان اور ابلیس کے نام سے بھی موسوم کرینگے۔ یہ ضرور نہین کہ ہم روح القدس یا شیطان ہر ایک تاریک دل کو دکھلا دین اگرچہ عارف انکو دیکھ بھی لیتے ہین اور کشفی مشاہدات سے وہ دونون نظر بھی آجاتی ہین مگر محجوب کے لئے جو ابھی نہ شیطان کو دیکھ سکتا ہے نہ روح القدس کو یہ ثبوت کافی ہے

کیونکہ تاثر کے وجود سے موثر کا وجود ثابت ہوتا ہے اور اگر یہ قاعدہ صحیح نہیں ہے تو پھر خدا تعالے کے وجود کا بھی کیونکر پتہ لگ سکتا ہے کیا کوئی دکھلا سکتا ہے کہ خدا تعالے کہاں ہے صرف متاثرات کیطرف دیکھ کر جو اس کی قدرت کے نمونے ہین اس موثر حقیقی کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے ہان عارف اپنے انتہائی مقام پر روحانی آنکھون سے اُسکو دیکھتے ہین اور اس کی باتونکو بھی سنتے ہین مگر محجوب کے لئے بجز اسکے اور استدلال کا طریق کیا ہے کہ متاثرات کو دیکھ کر اس موثر حقیقی کے وجود پر ایمان لاوے سو اسی طریق سے روح القدس اور شیاطین کا وجود ثابت ہوتا ہے اور نہ صرف ثابت ہوتا ہے بلکہ عین صفائی سے نظر آجاتا ہے افسوس ان لوگون کی حالت پر جو فلسفہ باطلہ کی ظلمت سے متاثر ہوکر ملایک اور شیاطین کے وجود سے انکار کر بیٹھے ہین اور بینات اور نصوص صریحہ قرآن کریم سے انکار کر دیا اور نادانی سے بھرے ہوئے الحاد کے گڑھے مین گر پڑے اور اس جگہ واضح رہے کہ یہ مسئلہ ان مسائل مین سے ہے جنکے اثبات کے لئے خدا تعالے نے قرآن کریم کی استنباط حقایق مین اس عاجز کو منفرد کیا ہے۔ فالحمد للہ علے ذالک۔

روح القدس کے بارہ مین جو قرآن کریم مین آیات ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ کیلئے کامل مومنون کو روح القدس دیا جاتا ہے منجملہ انکے ایک یہ آیت ہے۔ یاایہا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا ویجعل لکم نورا تمشون بہ۔ یعنی اے وے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم تقوے اختیار کرو اور اللہ جلشانہ سے ڈرتے رہو تو خدا تعالے تمہین وہ چیز عطا کرے گا یعنے روح القدس جسکے ساتھ تم غیرون سے امتیاز کلی پیدا کر لوگے اور تمہارے لئے ایک نور مقرر کر دیگا (یعنی روح القدس) جو تمہارے ساتھ چلے گا قرآن کریم مین روح القدس کا نام نور ہے۔ پھر ایک دوسرے مقام مین فرماتا ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاءکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ۔ یعنی جو لوگ کہتے ہین کہ ہمارا رب اللہ جلشانہ ہے پھر اپنی ثابت قدمی دکھلاتے ہین کہ کسی مصیبت اور آفت اور زلزلہ اور امتحان سے انکے صدق مین ذرہ فرق نہین آتا انپر فرشتے اترتے ہین یہ کہتے ہوئے کہ تم ذرہ خوف نہ کرو اور نہ غمگین ہو اور اس بہشت کے تصور سے شادان اور فرحان ہو جسکا تمہین وعدہ دیا گیا ہے ہم تمہارے متولی اور تمہارے پاس ہر وقت حاضر اور قریب ہین کیا دنیا مین اور کیا آخرت مین۔ پھر ایک دوسرے مقام مین فرماتا ہے اومن کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منہا وما یستوی الاحیاء والاموات۔ یعنی کیا وہ شخص جو مردہ تھا اور ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اسکو ایک نور عطا کیا جسکے ساتھ وہ لوگون مین چلتا یعنی اس نور کے برکات لوگون کو معلوم ہوتی ہین۔ کیا ایسا آدمی اس آدمی کی مانند ہو سکتا ہے جو سراسر تاریکی مین اسیر ہے اور اس سے نکل نہین سکتا

نور اور حیات سے مراد روح القدس ہے کیونکہ اس سے ظلمت دور ہوتی ہے اور وہ دلون کو زندہ کرتا ہے۔ اسی لئے اسکا نام روح القدس ہے یعنی پاکی کی روح جس کے داخل ہونے سے ایک پاک زندگی حاصل ہوتی ہے ٭

اور منجملہ ان آیات قرآنی کے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روح القدس ہمیشہ کے لئے خدا تعالے کے ملہم بندون کے ساتھ رہتا ہے اور انہیں علم اور حکمت اور پاکیزگی کی تعلیم کرتا ہے یہ آیت کریمہ ہے اولٓئک کتب فی قلوبہم الایمان وایدہم بروح منہ۔ سورۃ المجادلہ یعنی ان مومنون کے دلوں مین خدا تعالے نے ایمان کو لکھدیا اور روح القدس سے انکو مدد دی۔ دل مین ایمان کے لکھنے سے یہ مطلب ہے کہ ایمان فطرتی اور طبعی ارادون مین داخل ہوگیا اور جزو طبیعت بن گیا اور کوئی تکلف اور تصنع درمیان نرہا اور یہ مرتبہ کہ ایمان دل کے رگ و ریشہ مین داخل ہو جائے اسوقت انسان کو ملتا ہے کہ جب انسان روح القدس سے موید ہو کر ایک نئی زندگی پاوے اور جس طرح جان ہر وقت جسم کی محافظت کے لئے جسم کے اندر رہتی ہے اور اپنی روشنی اُسپر ڈالتی رہتی ایسا ہی اس نئی زندگی کی روح القدس بھی اندر آباد ہو جائے اور دلپر ہر وقت اور ہر لحظہ اپنی روشنی ڈالتی رہے اور جیسے جسم جان کے ساتھ ہر وقت زندہ ہے دل اور تمام روحانی قوے روح القدس کے ساتھ زندہ ہون اسیوجہ سے خدا تعالے نے بعد بیان کرنے اس بات کے کہ ہم نے ان کے دلون مین ایمان کو لکھدیا۔ یہ بھی بیان فرمایا کہ روح القدس سے ہمنے ان کو تائید دی کیونکہ جبکہ ایمان دلون مین لکھا گیا اور فطرتی حروف مین داخل ہوگیا تو ایک نئی پیدائش انسان کو حاصل ہوگئی اور یہ نئی پیدائش بجز تائید روح القدس کے ہرگز نہین ملسکتی روح القدس کا نام اسی لئے روح القدس ہے کہ اسکے داخل ہونیسے ایک پاک روح انسان کو ملجاتی ہے۔ قرآن کریم روحانی حیات کے ذکر سے بھرا پڑا ہے اور جا بجا کامل مومنون کا نام احیاء یعنی زندے اور کفار کا نام اموات یعنی مردے رکھتا ہے یہ اسی بات کیطرف اشارہ ہے کہ کامل مومنونکو روح القدس کے دخول سے ایک جان ملجاتی ہے اور کفار گو جسمانی طور پر حیات رکھتے ہین مگر اس حیات سے بے نصیب ہین جو دل اور دماغ کو ایمانی زندگی بخشتی ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت صحابہ کا بلا شبہ یہ اعتقاد تھا کہ آنجناب کا کوئی فعل اور کوئی قول وحی کی آمیزش سے خالی نہین گو وحی مجمل ہو یا مفصل خفی ہو یا جلی بیّن ہو یا مشتبہ یہانتک کہ جو کچھ آنحضرت صلعم کے خاص معاملات و مکالمات خلوت اور سرّ مین بیویونسے تھے یا جسقدر اکل اور شرب اور لباس کے متعلق اور معاشرت کی ضروریات مین روزمرہ کے خانگی امور تھے سب اسی خیال سے احادیث مین داخل کئے گئے کہ وہ تمام کام اور کلام روح القدس کی روشنی سے ہین چنانچہ ابوداؤد وغیرہ مین یہ حدیث موجود ہے اور امام احمد بچند وسائط عبد اللہ ابن عمر سے روایت کرتے ہین

کہ عبد اللہ نے کہا کہ مین جو کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا لکھ لیتا تھا تا مین اسکو حفظ کرلون
پس بعض نے مجھکو منع کیا کہ ایسا مت کر کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بشر ہین کبھی غضب سے بھی کلام
کرتے ہین تو مین یہ بات سن کر لکھنے سے دست کش ہو گیا اور اس بات کا رسول اللہ صلعم کے پاس ذکر کیا
تو آپنے فرمایا کہ اس ذات کی مجھکو قسم ہے جسکے ہاتھ مین میری جان ہے کہ جو مجھ سے صادر ہوتا ہے خواہ
قول ہو یا فعل وہ سب خدا تعالے کیطرف سے ہے اگر یہ کہا جائے کہ انہین احادیث کی کتابون مین بعض امور
مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اجتہادی غلطی کا بھی ذکر ہے اگر کل قول و فعل آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم کا وحی سے تھا۔ تو پھر وہ غلطی کیون ہوئی گو آنحضرت اسپر قائم نہین رکھے گئے تو اسکا یہ جواب ہے
کہ وہ اجتہادی غلطی بھی وحی کی روشنی سے دور نہین تھی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالے
کے قبضہ سے ایکدم جدا نہین ہوتے تھے پس اس اجتہادی غلطی کی ایسی ہی مثال ہے جیسی آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز مین چند دفعہ سہو واقع ہوا تا اس سے دین کے مسائل پیدا ہون سو اسی
طرح بعض اوقات اجتہادی غلطی ہوئی تا اس سے بھی تکمیل دین ہو۔ اور بعض باریک مسائل اُسکے
ذریعہ سے پیدا ہون اور وہ سہو بشریت بھی تمام لوگون کی طرح سہو نہ تھا بلکہ دراصل ہمرنگ وحی تھا
کیونکہ خدا تعالے کیطرف سے ایک خاص تصرف تھا جو نبی کے وجود پر حاوی ہو کر اسکو کبھی ایسی طرف
مائل کر دیتا تھا جس مین خدا تعالے کے بہت مصالح تھے سو ہم اس اجتہادی غلطی کو بھی وحی سے
علیحدہ نہین سمجھتے کیونکہ وہ ایک معمولی بات نہ تھی بلکہ خدا تعالے اسوقت اپنے نبی کو اپنے قبضہ مین لیکر
مصالح عام کے لئے ایک نور کو سہو کی صورت مین یا غلط اجتہاد کے پیرایہ مین ظاہر کر دیتا تھا
اور پھر ساتھ ہی وحی اپنے جوش مین آجاتی تھی جیسی ایک چلنے والی نہر کا ایک مصلحت کے لئے
پانی روکدین اور پھر چھوڑ دین پس اس جگہ کوئی عقلمند نہین کہہ سکتا کہ نہر سے پانی خشک ہو گیا
یا اس مین سے اٹھا لیا گیا یہی حال انبیاء کی اجتہادی غلطی کا ہے کہ روح القدس تو کبھی اُنسے علیحدہ نہین
ہوتا۔ مگر بعض اوقات خدا تعالی بعض مصالح کیلئے انبیاء کی فہم اور ادراک کو اپنے قبضہ مین لے لیتا ہے تب کوئی قول
یا فعل سہو یا غلطی کی شکل پر ان سے صادر ہوتا ہے اور وہ حکمت جو ارادہ کی گئی ہے ظاہر ہو جاتی ہے تب پھر وحی
کا دریا زور سے چلنے لگتا ہے اور غلطی کو درمیان سے اٹھا دیا جاتا ہے گویا اسکا کبھی وجود نہین تھا حضرت مسیح ایک انجیر
کیطرف دوڑے گئے کہ تا اسکا پھل کھائین اور روح القدس ساتھ ہی تھا مگر روح القدس نے یہ اطلاع نہ دی کہ اسوقت
انجیر پر کوئی پھل نہین با این ہمہ یہ سب لوگ جانتے ہین کہ شاذ و نادر معدوم کے حکم مین ہوتا ہے پس جس حالت مین ہمارے سید و مولی محمد مصطفے
صلی اللہ علیہ وسلم کے دس لاکھ کے قریب قول و فعل مین سراسر خدائی کا ہی جلوہ نظر آتا ہے اور ہر بات مین حرکات مین سکنات مین
اقوال مین افعال مین روح القدس کے چمکتے ہوئے انوار نظر آتے ہین تو پھر اگر ایک آدھ بات مین بشریت کی بھی بو آوے تو اس سے
کیا نقصان بلکہ ضرور تھا کہ بشریت کی تحقق کیلئے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تا لوگ شرک کی بلا مین مبتلا نہ ہو جائین ❊

"خدا کی ہستی"

والدین کا ایک عزیز بچہ ہے جو نہایت ناز و نعم سے انکے کنار تربیت مین پلا ہے اسکے کچھ سوتیلے بھائی ہین جو برداشت نہین کر سکتے کہ والدین کا التفات اور نظر شفقت اس کیطرف ان سے زیادہ مبذول ہو۔ وہ آپس مین مشورہ کرتے ہین کہ اسے ایسی دور جگہ پھینکدین تا جہان وہ بغیر کسی متکفل اور ولی کے ہلاک ہو جائے اور اسکے بعد اسکا وجود ان کی رقابت اور رشک کی آگ کو اشتعال دینے والا نہ رہے اور والدین کی محبت سمٹ کر انہین کیطرف مائل ہو جائے۔ آخر کار بہ لطائف الحیل سے وہ اس معصوم لڑکے کو جنگل مین دور لیجا کر ایک کنوئین مین پھینکتے ہین۔ اسوقت یہ نظارہ قابل دید ہے کہ ایک معصوم لڑکا جس کی نظر بجز اپنے والدین کی گود کے یا ارد گرد کی چند محدود چیزون کے اور کسی وسیع چراگاہ مین کبھی چرنے کیلئے چھوڑی نہین گئی اور اس صغر سنی کے ساتھ وہ زمانہ کے نشیب و فراز سے بھی بہت ناواقف اور سادہ بچہ ہے عام مادی نگاہ کیا توقع کر سکتی ہے کہ اس تاریک کنوئین مین اسے کس حالت مین دیکھے ظاہر ہے کہ اگر وہ ایک معمولی بچہ ہے تو اسے بہت جلد تڑپ تڑپ کر اور سسک سسک کر جان دیدینی چاہیئے لیکن خدا کی کتاب جسے ہم خدا کی کتاب نہ صرف تحکم سے کہتے ہین بلکہ اسلئے کہ وہ ایسے حکیمانہ واقعات کو اپنے اندر رکھتی ہے اور ان سے اپنے عظیم الشان لانیوالے کے ثبوت نبوت کیلئے نشان پیدا کرتی ہے۔ اس کتاب مین لکھا ہے کہ اس بھیانک اور خوفناک منظر مین اسے ایک آواز آئی لتنبئنہم بامرہم ہذا وہم لا یشعرون۔ مین تجھے قسم کھا کر یقین دلاتا ہون کہ تجھ پر ایک وقت آنیوالا ہے کہ تیری پوزیشن اس وقعت اور اس پایہ کی ہوگی کہ تو اپنی شان و شوکت اور جلال مین ان لوگونکو جنہون نے تجھ سے یہ مفسدانہ کارروائی کی ہے ان کی اس شرارت اور مفسدہ کی خبر دیگا اور وہ اپنی پست اور ذلیل حالت اور تیری شوکت اور جلالت کے سبب سے تجھے نہین پہچانتے ہونگے۔

اب یہان ہر ایک سلیم الفطرت کو غور کرنی چاہیئے کہ یہ کیسی آواز ہے اس مین دو طرح سے فکر کرنی چاہیئے۔ اول یہ کہ آیا اس معصوم بچہ کے توہمات اور تخیلات یا تجارب اور فراست کا سرجوش تھے دوم یہ کہ آیا یہ بالفظ پورے ہوئے یا ایک فضول گپ کی طرح ہوا مین مل گئی۔ خدا کی کتاب نے اس ترکیب مین اپنی الوہیت کا ہم علم اور ہم قدرت ہونا ثابت کرنیکے لئے لغت عربی کے لحاظ سے وہ عظیم الشان حرف یعنی لام تاکید اور نون ثقیلہ اسلئے رکھے ہین کہ اس پر علم تو قطعی اور یقینی اور قسم کے افعال اور شکوک سے بری سمجھا جائے یہ ترکیب خود اپنی ذات بہت ذرا سے تامل کے ساتھ اسطرف رہنمائی کرتی ہے کہ یہ آواز اس بچہ کے اندر سے پھوٹی ہوئی نہین اسلئے کہ اس کا منشا ریہ ہے کہ یقیناً او

قطعاً ایساوقت آنیوالا ہے اور کوئی چیز اسکو ٹال نہین سکتی کہ تو کامیاب ہوگا اور تیرے یہ بدسگال دشمن تیری آنکھوں کے سامنے خراب ہونگے ہمارے پاس اس بات کا تصور کرنیکے لئے کوئی وجہ نہین اور نہ عقل سلیم ایک لحظہ کے لئے بھی اس تصور کو گوارا کر سکتی ہے کہ ہم اس آواز کو اس بچہ کا توہم یا اسکے کسی تجربہ اور فراست کا نتیجہ قرار دین - واقعات نے ہمین ثابت کرکے دکھادیا ہے کہ یہ آواز اس ہستی کیطرف سے اُس ناتوان بے علم بچہ کے کان مین آئی جو عالم کی تصریف اور تصرف پر قادر ہے اس پیشن گوئی کے پورا کرنیکے لئے ہمین آیندہ دیکھنا چاہیئے کہ اس قادر مطلق آواز نے اس عالم کون و فساد مین واقعات کو کس طرح اپنے منشاء کے مطابق ترتیب دیا - اصل مقصود تو یہ تھا کہ اس مہجور مخذول بچہ پر ایک زمانہ ایسا لایا جائے کہ یہ کامیابی کے تخت پر تاج عزت پہن کر بیٹھا ہوا ور اسکے دشمن اسکے سریر شوکت کے آگے دست بستہ کھڑے ہون اس غرض کے سرانجام دینے کے لئے جسقدر انقلاب اور تغیرات ظہور مین آئے وہ صاف طور پر ہمین یقین دلاتے ہین کہ یہ تمام کارروائی اس ہمہ علم اور ہمہ قدرت پاک ذات کی ہے جو اپنے منشاء کے مطابق عالم کی تغییر اور تبدیل پر ہر آن اور ہر شان مین قادر ہے یہ خاندان جس کا ممبر یہ ایک معصوم بچہ ہے اور اسکے وہ بداندیش دشمن بھی کنعان کا رہنے والا ہے - ان کے گردو پیش اسوقت ایک ہی ملک تھا جو ہر قسم کی امید اور بیم کا مرجع تھا - یہ لوگ اپنے پاس کسی قسم کی حکومت اور شوکت نہین رکھتے تھے لیکن اس پیشین گوئی کے موافق ضروری تھا کہ یہ بچہ کسی زبردست حاکمانہ رنگ مین جلوہ گر ہو اسکے لئے بجز اسکے اور کوئی تدبیر نہین ہوسکتی تھی کہ مصر کی عظیم الشان سلطنت مین اسے اقتدار اور جلال حاصل ہو -

اب ہم دیکھتے ہین کہ واقعات اس غرض کے پورا کرنے کے لئے کس طرح اپنی ایچا پیچی اور لمبائی سے سکڑ کر ایک ایسے مرکز پر آکر ٹھہرتے ہین کہ جس سے یہ غرض بخوبی حاصل ہو جائے - مصر کا ایک قافلہ جو کسی غرض کے لئے دور دراز سفر کو نکلا ہوا ہے اس کنوئین کے پاس فروکش ہوتا ہے جہان یہ بیکس بچہ پڑا ہے ان کا ایک فرد پانی کی تلاش مین اس کنوئین پر آتا ہے لیکن بجائے اسکے کہ وہ صرف حقیر اور ہیچمیز پانی کو پاتا اور پی کر بہت جلد اسے بھول جاتا ایک ایسی گران بہا دولت اسے ملتی ہے کہ جس کے احساس سے وہ چیخ اٹھتا ہے کہ یابشریٰ ہذا غلام - اللہ اللہ یہاں تو ایک خوبصورت لڑکا ہے - خلاصہ یہ کہ وہ قافلہ اس لڑکے کو مصر مین پہونچاتا ہے اور آخر کار بعد بہت سے انقلابات کے مصر کی گورنمنٹ مین نہایت ہی ممتاز اور اعلےٰ عہدہ پر منصوب کیا جاتا ہے دوسری طرف ہم دیکھتے ہین کہ کنعان مین غلہ کی مصیبت اس سختی سے واقع ہوئی کہ کنعانیون کو بجز اسکے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ زندگی کی بقا کے لئے مصر کیطرف رجوع کرین - اگرچہ ان دنون مین مصر اُن

ملکون کے لئے تجارت غلہ کی ایک بڑی مشہور منڈی تھی اور کنعان اور اسکے نواح کے لوگ غلات کے لئے وہین آیا کرتے تھے۔ مگر یہ تازہ پروردہ اسرائیلی خاندان بہت کم اس سفر کیلئے مجبور ہوتا تھا۔ الحاصل حضرت اسرائیل کے گیارہ ان بیٹے اپنے باپ سے رخصت لیکر غلہ کی تجارت کے لئے مصر مین آتے ہین اس وقت تک ان کو کوئی علم نہین حالانکہ اس سیاہ کارروائی سے جو انکے ہاتھ سے اپنے بھائی سے متعلق سرزد ہوئی ابتک ایک لمبا عرصہ منقضی ہوچکا ہے وہ اپنے زعم مین اس امید سے لبریز ہین کہ وہ مصر مین اپنی غرض کے حاصل کرنیکے لئے جاتے ہین اور پھر بہت جلد دامن مقصود گوہر مراد سے بھر کر اپنے والد کی حضور مین حاضر ہونگے۔ مگر وہان ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو انکی امیدون اور گمانون مین کبھی آ نہین سکتا تھا۔ خدائے تعالے کا حکیمانہ ارادہ چند واقعات کے واقع ہونیکے بعد انہین ایک ایسے عظیم الشان شخص کے سامنے لاکر کھڑا کرتا ہے۔ جسے وہ تو نہین پہچانتے مگر وہ انہین جانتا ہے اسوقت کی کیفیت اور نظارے کو دل کی کیفیات اور قدرت تو نسے بھری ہوئی کتاب کا مطالعہ کرنیوالا ہی بہتر سمجھ سکتا ہے جبکہ اس موجودہ وقت کے باجلال کمشنر یوسف ابن یعقوب نے اور اس پرانے وقت کے کنوئین مین پھینکے ہوئے ناتوان بیکس معصوم بچے نے جسکے کان مین وہ دلربا آواز آئی تھی لتنبئنھم بامرھم ھذا اس موجودہ وقت کے عاجز مگر کسی پرانے وقت کے مغرور ناعاقبت اندیش گروہ کو کہا انا یوسف وھذا اخی قد من اللہ علینا انہ من یتق و یصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ ہان مین یوسف ہون اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر احسان کیا اور اس رتبہ پر ہمین پہونچایا۔ اللہ کا یہ دائمی قانون قدرت ہے کہ وہ متقی اور صابر کو کبھی ضایع نہین کرتا۔

ان واقعات مین اس رنگ اور اس پہلو سے غور کرنی چاہیئے کہ انسان کی منصوبہ بازی اور تدبیر کیا مقاصد اپنے سامنے رکھتی ہے اور ان مقاصد کے بہم پہونچانیکے لئے ایسے سامان اور مواد پیدا کرتی ہے کہ جنپر اس مقصود پیش نہاد کے حاصل ہوجانیکے لئے قطعی کارگر ہونیکا حکم لگایا جاسکتا ہے یا بلفظ دیگر یون کہو کہ ایک مدبر یا سیاست عام تجربہ اور استقرار کی بنا پر علت و معلول کے صحیح سلسلہ کو مد نظر رکھکر وہ اسباب اور مواد بہم پہونچاتا ہے کہ جن کی نسبت اسکا پورانا تجربہ اسکے ہمیشہ مفید ہونیکا یقین دلاچکا ہے لیکن یا ایں ہمہ ایسے علل اور اسباب پیش آجاتے ہین جو اسکے تمام ساختہ پرداختہ کو خاک مین ملادیتے ہین۔ یہان اس واقعہ مین اسرائیل کے فرزند اپنے سوتیلے بھائی یوسف کے استیصال کے لئے وہ تمام تدبیرین کرچکے ہین۔ جو ادنی انسان کرسکتے ہین اور فی الحقیقت ایسی ہی تدبیرین کسی مخالف کے ہلاک کرنیکے لئے دنیا مین ہوا کرتی ہین اور ہزارون واقعات مین ان تدبیرونکے کارگر اور مفید ہونیکے ثبوت بھی دئے ہین مگر وہ کیا بات

ہے جو ان تمام منصوبون اور کارروائیون کا تار و پود ادھیڑ دیتی ہے اس مین شک نہین کہ تمام واقعات قانون قدرت مین ایسی باتون کی نظیرین بہت ملتی ہین اور اگرچہ ایسی ہزارون نظیرین ہمارے اصل منشا کو مضر نہین۔کیونکہ ہم ان سب باتون مین بڑی حکومت اور پورے زور سے یہ دعوے کرتے ہین کہ ایک قادر ہمہ علم ہستی ہے جو اجازت نہین دیتی اس کی غیرت اس بات کو روا نہین رکھتی کہ انسان ذرات کون وفساد پر متصرف ہوکر ہمہ قدرت اور ہمہ ہستی بن جائے۔مگر اس جگہ ایک اور بڑی عظیم الشان بات ہے جو علوم نظریہ کی طرح دقیق اور حیرت انگیز نہین بلکہ ایک بدیہی امر ہے اور وہ ہے قبل از وقت ایک پیش گوئی اور دعوے کا موجود ہونا ایسے وقت مین جبکہ دنیا کی کوئی فراست کوئی حدس کوئی تخمین کوئی استقرا کوئی تجربہ یہ حکم نہین لگا سکتا کہ واقعات عالم اس مدعی کے آگے پاؤن چومینگے جس طرح اسکے دعوے کے لفظون سے ظاہر ہوتا ہے۔اس ساری کارروائی مین بڑی دلچسپ بات جو خدا تعالی کی ہستی کی بین دلیل ہے۔یہی ہو کہ زمین کے فرزندون نے ایک منصوبہ کیا اور اس مین اپنے زعم کے موافق جو جلالی پیش گوئی سے بھری ہوئی تھی اور ایک ناتوان اور بے سامان بچہ کے منہ سے نکلی تھی وہ نامراد اور ناکام ہوئے+

قرآن شریف مین یہ واقعہ بطور پیش گوئی کے لکھا گیا ہو۔اس قصہ یوسف سے یہ غرض ہو کہ حامل قرآن علیہ الصلوات الرحمان بھی یوسف کی طرح ایسے ہی واقعات مین مبتلا ہوگا یعنی اسکا آغاز و انجام بلاتفاوت یوسف کی طرح ہوگا۔یہ قصہ ایک پیشگوئی کرنیوالے پر ایسے وقت مین وحی کیا جاتا ہے۔یا یون کہو کہ ایسے وقت مین اس پیرایہ مین وہ اپنے حال کی نسبت پیشگوئی کرتا ہے جبکہ وہ بچہ یوسف کی طرح اپنی قوم اور بھائیونکے ہاتھ سے ناگفتنی ظلمون اور بیداد گریون کے اندھے کنوئین مین پھینکا گیا تھا اور اس کنوئین سے نکلنے کے لئے اسکے ہاتھون مین کوئی زمینی سامان اور مادہ نہ تھا اسکے بالمقابل اسکے حریف یوسف کے ظالم بھائیون سے بدرجہا زیادہ قوی بدرجہا زیادہ باسامان تھے مگر کیسے جلال اور پرشوکت پیرایہ مین یہ آواز اسکے منہ سے اسکے مخالفونکے کانون مین پڑتی ہے "لقد کان فی یوسف واخوتہ آیات للسائلین" یوسف اور اسکے بھائیونکے واقعات مین نشان مین ان لوگونکے لیے جو اس شخص کے آغاز اور انجام اور واقعات زندگی کی نسبت دریافت کرتے ہین۔اس بات کے ثابت کرنیکے لئے کہ قرآن شریف کی یہ پیشگوئیان جو یوسف کے قصے کے پیرایہ مین بیان کی گئی ہین اسی قادر اور قاہر اور ہمہ علم خدا کیطرف سے ہین جو ہمیشہ اپنے راستبازبندون پر ظہور فرماتا رہا ہے اور جسکا ثبوت ابھی ہم یوسف کے قصہ مین دیکھ چکے ہین ہمین زیادہ کوشش کرنیکی ضرورت نہین پڑتی اسلئے کہ اس عظیم الشان نبی کے واقعات زندگی ایسے صاف اور واضح ہین کہ کسی اور دعوے کرنیوالے کی زندگی مین انکی نظیر نہین مگر ہم مختصراً دکھاتے ہین کہ کس طرح

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمنون نے آپ کے استیصال کے لئے منصوبے کئے۔ مکہ مین تیرہ برس تک وہ دکھ دیئے جو ایک معمولی انسان کے تباہ کرنیکے لئے بہت کافی تھے۔ آخرکار مکے سے آپ کو نکلنے پر مجبور کیا اور اپنے وطن سے بہت دور ایک بیگانہ سرزمین مین آپ پناہ گزین ہوئے۔ مکہ کے ان قوی دشمنون نے اس مسافر پر اس اوپری بستی مین بار بار حملے کئے یہانتک کہ آخرکار مدینہ کی ان طاقتور قومون کو جو اسرائیل کے باقی فرزندون سے وہان سکونت پذیر تھین اور دولت اور ثروت اور طاقت مین اپنی آس پاس کی قومون مین ممتاز تھین اس مہجور خویش و بیگانہ کی تباہی کے لئے اپنے ساتھ ملایا۔ غرض ایک شخص کے ہلاک کرنیکے لئے جسقدر منصوبے زمینی عقل تجویز کر سکتی ہے۔ عرب کی متفقہ قومون نے اس نبی کے استیصال کے لئے کئے۔ مگر جیسا کہ قبل از وقت پر تحدی پیشگوئی نے خبر دی تھی وہ کامیاب ہوا اور ایسا کامیاب ہوا کہ اسکی کامیابی کی کوئی نظیر دنیا مین نہین۔ وہی شخص جو ناقابل بیان ظلمون کا نشانہ بنکر ننگے پاؤن ننگے سر صرف ایک رفیق طریق کے ساتھ مرد آزما بیابان مین رستونکو کاٹتا ہوا اور پگھڈنڈیون سے کتراتا ہوا بہت دنونکے بعد مدینہ مین پہونچا تھا۔ آخر دس ہزار جان نثارونکے ساتھ اس زمین مین داخل ہوتا ہے جہان سے اسکے دشمن اسے نکالکر اپنے آپ کو بڑے کامیاب اور بامراد سمجھتے اور اسکے بھاگ جانے کی خوشی پر اس زمین کے پہاڑون کی چوٹیون پر چراغان کی روشنی کرتے ہین آج وہ ان کی تمام سرزمینون اور املاک پر اور سب سے زیادہ انکے مقدس معبد پر متصرف ہوکر اسکے دروازے مین کھڑا ہوتا اور انکے تمام معبودون کو جن کی تاثیر اور ضرر اور نفع پر وہ تمام مادی لوگ بھروسہ کرتے اور انہین متصرف عالم مانتے تھے توڑنیکا حکم دیتا ہے اور اسکے سامنے وہ بڑے بڑے صناوید اور جبل او رعمائد اسی طرح کھڑے ہوتے ہین جس طرح یعقوب کے فرزند مصری یوسف کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوئے تھے یہ وہ لوگ ہین کہ جو عرف اور شریعت اور عقل کے نزدیک اپنے ناجائز افعال کے ذریعہ سے واجب القتل ٹھہر چکے ہوئے تھے اور وہ خود بھی اس بات کو محسوس کرتے ہین کہ وہ اب کسی طرح قابل عفو نہین۔ وہ کامیاب انسان ان سے پوچھتا ہے کہ تم میری نسبت اب کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہو وہ کہتے ہین کہ تو کریم ابن کریم ہے۔ اسلئے ہم تجھ سے توقع کرم اور رحم کی رکھتے ہین وہ انکے جواب مین لاتثریب علیکم الیوم یرحم اللہ لکم وھو ارحم الراحمین کہکر ثابت کرتا ہے کہ تمام سورہ یوسف درحقیقت اسی کے واقعات زندگی کی نسبت پیشگوئی تھی۔

اب ہم ایک طالب حق کو اسطرف متوجہ کرتے ہین کہ وہ ان پیشگوئیون مین اس نگاہ سے غور کرے کہ کیسے وقتون اور کیسے حالات کے ماتحت ہوکر ایک شخص زلزلہ ڈالنے والی تحدی اور

دعوے سے ایک بات منہ سے نکالتا ہے اور وہ آخرکار حرفاً پوری ہو جاتی ہے اس سے زیادہ
اس بات کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ وہ تمام پیشگوئیاں ایک قادر علیم حکیم کیطرف
سے ہوتی اور اسکے وجود پر ایک بین دلیل کا کام دیتی ہین۔

اسی طرح قرآن شریف مین خدا تعالےٰ کی ہستی کے ثبوت مین بنی اسرائیل کے عظیم الشان
ہادی حضرت موسےٰؑ کا واقعہ بیان کیا ہے جبکہ وہ فرعون مصر کیطرف گئے اور اسکے تخت کے
سامنے کھڑے ہوکر باوجود ایک ناتوان اور ضعیف اور بے سامان انسان ہونیکے کس شوکت
اور قوت سے اس متکبر بادشاہ کو کہا قد جئناک بآیۃ من ربک والسلام علی من اتبع الھدےٰ
ہم تیرے پاس اپنی سچائی کا نشان لائے ہین اور وہ یہ ہے کہ جو حق پر ہے وہ سلامت رہیگا۔
اور اسکا مخالف ہلاک ہو جائیگا۔ یہان یہ بات غور طلب ہے کہ بظاہر کامیابی اور نجات کے
سامان کس شخص کے پاس ہین اور غریب مسکین کون شخص ہے کیا کوئی مادی عقل کوئی مادی فراست
اسوقت عین اس حالت مین جبکہ بنی اسرائیل کے منجی نے ایک بادشاہ کو بظاہر گستاخانہ لہجے مین
یہ دھمکی دی۔ یہ حکم لگا سکتی تھی کہ ان دونون مین جو کمزور ہے وہ غالب رہیگا اور جو قوی ہے۔ وہ
نیست و نابود ہو جائیگا۔ اور کیا یہ دعوے ایسے ناتوان انسان کے منہ سے اگر حرفاً پورا ہو جائے
کھلا ثبوت ایک قادر مطلق ہمہ علم ہستی کا نہین۔ یہان یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا اس متکلم اور
اس مخاطب کو کچھ بھی واقفیت اور شعور تھا کہ وہ کس طرح کامیاب ہوگا اور وہ کیونکر ہلاک ہوگا
لیکن آخرکار قابل دید یہ امر ہے کہ ایک شخص کے لئے نجات کا اور دوسرے کیلئے ہلاکت کا سامان
اسطور سے نمودار ہوا جو نہ توان مین سے کسی کی قدرت مین تھا اور نہ وہم و گمان مین آسکتا تھا
ایک عرصہ کے بعد حضرت موسےٰؑ اپنی کثیر التعداد جماعت کو لیکر مصر سے بھاگتے ہین۔ کچھ راستہ
طے کرنیکے بعد ایک ایسی خوفناک روک سامنے نظر آتی ہے جسکو دفعہ کرنا ان کی انسانی طاقت
مین نہین۔ دریا اپنی پوری طغیانی کے ساتھ راہ مین حائل ہے کوئی پل نہین کوئی کشتی نہین
بھاگنے والے تردد اور اضطراب مین دریا کیطرف دیکھ رہے ہین۔ اتنے مین ایک شدید آندھی اور
غبار سے نمودار ہونے اور پھٹنے کے بعد فرعون اور اسکا جرار لشکر تعاقب کرتا ہوا نمودار ہوتا ہے
مظلوم بنی اسرائیل ان دشمنون کو دیکھکر اپنے نجات دہندہ سے کہتے ہین "یا موسے انا لمدرکون"
یعنی اے موسے اب اسمین کوئی شک نہین اور یہ قطعی بات ہے کہ اب ہم پکڑے گئے اور ہماری لئے
کوئی نجات کی راہ اور مفر نہین۔ مگر موسےٰؑ انکے جواب مین کہتے ہین "کلا ان معی ربی سیھدین"
یعنی ایسا ہرگز ہرگز نہین ہوگا جیسا تم گمان کرتے ہو اسلئے کہ میرا رب یقیناً میرے ساتھ ہے
اور وہ ضرور مجھے کامیابی اور نجات کی راہ دکھائیگا اس مقام مین یہ امر غور طلب ہے کہ جبکہ ہزارون

آدمی مشاہدہ اور تجربہ سے ایک نتیجہ پر پہونچکر پورے یقین سے کہتے ہین کہ حسب عادت اور عرف کے
اب کوئی نجات اور فرار کی راہ نہین - ایک شخص کس بل پر اُن سے بڑھکر یقین اور قوت کے
لفظون مین دعوے کرتا ہے کہ ان معنی تی میہین کہ میرا پروردگار جس نے مجھے تمہاری نجات کے لئے
پالا اور پرورش کیا ہے اور بڑے بھاری کام مجھ سے لینے ہین وہ مجھے ضایع نہین کریگا اور یقینًا
مجھے کامیاب کریگا - صاف ظاہر ہے کہ یہ الفاظ اسکے علم اور اس کی قوت کا نتیجہ نہین بلکہ یہ الفاظ اسکے
منہ مین اس قادر ہستی کے ڈالے ہوئے ہین جس کا دست تصرف اس عالم کے ذرہ ذرہ پر کھلے
طور پر حکمران ہے +

غرض خدا تعالے کی ہستی کے ثبوت مین قادرانہ پیشگوئیون اور تحدیون سے بڑھکر اس عالم
مین اور کوئی ذریعہ نہین - اور قرآن شریف کی بڑی بھاری خصوصیت اور اسی کتاب کے ساتھ یہ
صفت مخصوص ہے کہ اس مین نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ثبوت نبوت مین اور ثبوت ہستی
باریتعالے مین ایسی علمی نشانونکو جو ابد الآباد تک زندہ رہنے والے ہین اور کسی سائنس اور مادی علم
کی طاقت نہین کہ انکا مقابلہ کرسکے دائمی اور ابدی معجزہ قرار دیا ہے - فالحمد للہ علے ذالک +

ہم ثابت کر چکے ہین کہ قرآن شریف ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے اپنے منجانب اللہ ہونے
اور اپنے لانیوالے کی صداقت نبوت اور ثبوت ہستی باریتعالے کو غیبی مقتدر پیشگوئیون پر موقوف
رکھا ہے اور درحقیقت یہی ایک علمی معجزہ ہے جو قرآن کریم کے دعوون اور دلائل کے درخت کو
ہر زمانہ مین علوم جدیدہ کے سموم اور صرصر کے مقابلہ مین بے برگ و بے ثمر ہونے سے بچاتا ہے
لیکن اس لئے کہ اسکا یہ دعوے جو اس نے اپنی نسبت کیا ہے کہ مین مبارک کتاب ہون - یعنی
میرے برکات اور ثمرات ہمیشہ زندہ رہینگے خدا تعالے نے اس مین یہ خوبی رکھی ہے کہ وہ دعوے
یا پیشگوئیاں یا خدا سے مکالمات جو اس نے ان انبیاء کی نسبت بیان کی ہین جن کا ذکر اس کتاب
مین آیا ہے اسکے حقیقی پیروؤن مین وہ علامتین ہمیشہ پائی جاتی ہین - چنانچہ ہر زمانہ مین قرآن شریف
کی برکات سے نور حاصل کرنیوالون نے اس زمانہ کے موافق ان باتونکے ثبوت دیئے ہین
لیکن اسوقت ہم گذشتہ داستانونکو چھوڑکر حال کے زمانہ کے ایک خادم قرآن کا ذکر کرتے
ہین جس نے اس علمی اور عقلی زمانہ مین بڑی قوت اور دلیری سے یہ دعوے کیا ہے کہ اسکو وہ تمام
معجزات اور طاقتین اور صفتین دی گئی ہین جو تمام انبیاء کی نسبت قرآن شریف مین مذکور ہوئی
ہین ہم قطع نظر ان تمام بلند اور عجیب اور واقعی دعوون کے جو اس انسان کامل نے کئے ہین اور
معاندین کے بین ثبوت دئے ہین اس مضمون کے موضوع کے لحاظ سے صرف انہی پیشگوئیون پر
اکتفا کرتے ہین جن کے مقتدرانہ غیب پر مشتمل ہونیکے سبب سے خدا تعالے کی ہستی کا بین ثبوت

ملتا ہے۔ منجملہ اس کے ایک وہ پیش گوئی ہے جو اس زمانہ سے چوبیس پچیس برس پیشتر براہین احمدیہ مین لکھی گئی ہو اور یہ ایسی کتاب ہے کہ جو دنیا کے مختلف ملکون مین مختلف قومون اور مذہبونکے ہاتھون مین موجود ہے اور وہ پیش گوئی یہ ہے "یاتون من کل فج عمیق ۔ یاتیک من کل فج عمیق" یعنی لوگ تیرے پاس زمین کے اطراف اکناف سے جوق جوق آئینگے تیرے پاس زمین کی ہر طرف سے تحایف اور ہدیئے آئینگے۔ یہ ایک پیش گوئی ہے قریب ہے کہ کوئی شخص محدود اور سرسری نگاہ سے اس کی طرف التفات نہ کرے مگر جب اُس زمانہ کے واقعات اور لوازم پیش نظر رکھے جائین جب مدعی کے منہ سے یہ پرزور لفظ نکلے تو بے اختیار اقرار کرنا پڑیگا کہ یہ عالم الغیب متصرف عالم خدا کے الفاظ ہین جن دنون مین یہ وحی یا غیب کی بات اس کتاب مین لکھی گئی۔ مصنف ایسے گمنامی کے گوشے مین زندگی بسر کرتا تھا کہ قرب وجوار کے بہت سے لوگ بھی اسے نہ جانتے تھے۔ نہ وہ ان دنون مین گوشہ تنہائی کی لذت اور الفت کے سبب سے کسی کو دیکھنا پسند کرتا تھا اور نہ اس نے اپنے گرد وپیش کوئی ایسا دلچسپی کا سامان جمع کر رکھا تھا کہ کسی کے دل مین اسکے دیکھنے کی کشش یا خواہش پیدا ہوتی لیکن بتدریج اس پر ایسا وقت آیا کہ جس نے اس اخبار غیب کو حرفاً پورا کیا اور آج ایک عالم اپنی آنکھون سے اس کی سچائی کا بے اختیار اعتراف کرتا ہے۔ اس کے مطابق اور موید اسی کتاب مین ایک دوسری وحی ہے۔ جو یہ ہے لاتصعر لخلق اللہ ولاتسئم من الناس۔ یعنی خدا کی مخلوق سے تکبر اور تحقیر سے پیش نہ آنا۔ اور خلقت کی کثرت اور ہجوم سے ملول اور دلگیر نہ ہونا۔ اس نادر اور عجیب آواز پر جبکہ اس آواز کا سننے والا اسی وقت حیران ہوتا اور اپنے پاس اس آواز کا مصداق کسی طرح کا موجود نہ پاتا تھا یہ وحی صاف بتاتی تھی کہ یہ شخص ایک وقت مین خلق اللہ کا مرجع ومآب ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اب اس خبر غیب کی سچائی کے اتنے گواہ ہین کہ جن کا گننا نہایت مشکل ہو۔ پھر اسی زمانہ مین اس کتاب مین ایک اور وحی درج ہوئی جس نے بڑی صفائی اور قوت کے ساتھ ان تمام انقلابات اور فتن کی خبر دی جو مدتون سے عجیب ترتیب سے اس شخص کی زندگی مین واقع ہوئی۔

اسی طرح امرتسر کے مقام مین عیسویت کے ایک بڑے نامی زعیم اور وکیل کے ساتھ مباحثہ کرنیکے بعد جبکہ علمی رنگ مین اسلام کی سچائی کے دلائل کے بیان کرنیسے فارغ ہو چکا۔ یہ پیشگوئی کی کہ خدائے عالم الغیب اور قادر نے مجھے اطلاع دی ہے کہ سچا مذہب ہونے اور بانی اسلام کے منجانب اللہ ہونے اور خدائے اسلام کے حیّ قیوم قادر مطلق خدا ہونیکا ثبوت اور عیسویت کے مردہ مذہب اور بے برکت ہونے اور یسوع مسیح کے ایک ضعیف اور بیکس انسان ہونے اور

خدائی کے صفات مین سے اسکے قطعاً حصہ دار نہ ہونیکا ثبوت یہ ہے کہ میرا حریف مقابل پندرہ مہینے کے
عرصے مین بشرطیکہ اس اثنا مین حق کی طرف رجوع نہ کرے اس جہان سے رخصت ہو جائیگا
یہ بڑی دلیری اور قوت کی بات ہے جو مسلمان اور عیسائیونکے ایک بڑے مجمع مین روز روشن مین
کی گئی۔ اسوقت ان الفاظ کی عظمت اور ہیبت جو سامعین کے قلوب پر طاری ہوئی اس کا
صحیح اندازہ حاضرین کے سوا دوسرا شخص کم کرسکتا ہے اگرچہ اسوقت بھی بعض ایسے دل تھے
جو ان الفاظ کی قوت اور متکلم کی جمعیت باطن اور متانت ظاہری اور وجاہت کو مطالعہ کرکے
یقین کر اٹھے کہ یہ الفاظ ایک ضعیف بعلم اور محدود الطاقت انسان کے نہین ہوسکتے۔ مگر آخرکار
ہر ایک موٹی اور باریک نظر کے سامنے بدیہی طور پر اس پیش گوئی کا نظارہ واقع ہوا۔ اس پیش گوئی
مین اصل مغز اور سِرّ اور مقصود ایک شخص کی موت تھی جو انسانی علم اور قیاس اور حدس سے
بالاتر پیش گوئی تھی لیکن محدود اور کم اندیش عقلون کے نزدیک پھر بھی اس دعوے مین
ایک التباس ممکن تھا کہ کوئی شخص یہ قیاس کرتا کہ پیش گوئی کرنیوالا ایک حاذق طبیب ہے۔ اور
حریف مقابل گو بالفعل چست و چالاک ہے مگر بوڑھا ہے اسلئے نہایت قرین قیاس ہے کہ بعض
آثار اور قراین سے جو کسی علم کی بنا پر پیشگوئی کرنیوالے کے نزدیک بین ہون۔ اور دوسرون کے
نزدیک مخفی یہ دعوے کیا گیا ہو۔ مگر اس دوسرے شق نے جو ایک الگ اور ایسی ہی زبردست
پیشگوئی تھی یہ ثابت کردیا کہ یہ ساری باتین خدائے عالم الغیب کیطرف سے تھین۔ ایک شخص کی
نسبت جو ایک مذہب کا مسلم وکیل اور ساری عمر اسکی طرف سے غیر قومونکے ساتھ بحث کرنیوالا
اور اپنی قوم مین دیانت امانت اور اتباع مذہب مین مشہور تھا۔ اسکی نسبت یہ دعوے کرنا کہ
ہلاکت تو بہرحال اسکے لئے مقدر ہے اور وہ ضرور مریگا۔ مگر ایک وقت اس اثنا مین اس کی
زندگی مین ایسا بھی آئیگا کہ اس سچائی کا جو اسکے مقابل مدعی نے اپنے پرزور پُر تحدی الفاظ مین
اسکے سامنے پیش کی ہے اسپر رعب پڑیگا اور وہ برخلاف اپنے عقیدے کے اپنے ایمان مین
متزلزل اور متردد ہوکر ایک خام شکی کی طرح بزدل ہو جائیگا اور اس انسان خدا پر جسے وہ الفا
اور میگا کہتا تھا اس کا ایمان نہ رہیگا۔ اسلئے وہ چند دن کے لئے اس سزائے موت سے بچ
رہیگا۔ چنانچہ آخرکار اس لمبی دوڑ مین جو عجیب نظارونکے ساتھ واقع ہوئی۔ یہ ثابت ہوگیا کہ اسنے
اس استقامت اور استقلال سے جو عیسوی مذہب پر ایمان اور انسان خدا پر توکل کرنیکے
سبب سے اسے چاہئے تھی۔ اپنے تئین بالکل بے بہرہ ثابت کردیا۔ اس نے دوست دشمن پر اپنی
سرگردانیون اور پریشانیون اور شہر بشہر نقل مکان کرنے اور کسی طرح بھی کسی اپنے حامی و ناصر سے
تسلی نہ پانے سے ثابت کردیا کہ اسکے دل پر اس پیش گوئی کی سچائی نے بڑے زور سے پنجہ مارا تھا

آخر کار چونکہ وہ اصل سچائی کے اختیار کرنے سے جو اس طرح پر دائمی اور مستقل اور برہنہ طور پر ایمان لانا تھا محروم رہا۔ خدا کی پیش گوئی کی سچائی پر دشمنون نے پردہ ڈالنے کے لئے بہت کوشش کی۔ جبکہ انہون نے اپنے ضمیرون اور واقعات کے خلاف یہ مشتہر کیا کہ اس نے حق کیطرف رجوع نہین کیا یعنی وہ عیسویت پر ایمان اور توکل مین مستقیم الحال رہا۔ مگر پیشگوئی کرنیوالے نے جو غیبی طاقتون سے معمور تھا۔ ان بے دلیل دعوون کے مقابل مین سکوت اختیار نہ کیا۔ اس نے پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ یکے بعد دیگرے چار اشتہار دئے جن مین ایک ہزار سے چار ہزار تک روپے کا انعامی وعدہ تھا۔ اس شرط پر کہ عبد اللہ آتھم جو اس پیشگوئی کا نشانہ تھا ایک مجمع مین کھڑا ہوکر قسم کہدے کہ اس نے حق کیطرف رجوع نہین کیا۔ اس سے دو باتین حاصل ہون گی ایک یہ کہ پیشگوئی کرنیوالے کی مسلم اور مشہور وجاہت اور اسکے تمام دعاوی ہمیشہ کے لئے خاک مین ملجائینگے اور معًا اسے زر کثیر کے نقصان کا متحمل ہونا پڑیگا لیکن عبد اللہ آتھم جو اپنی بساط اور کائنات سے پورا واقف تھا۔ قسم کھانے اور میدان مین نکلنے کی جرات نہ کرسکا اور یون ان تمام الفاظ کی سچائی پر اور خدا کی ہستی کے ثبوت پر ابدی مہر لگادی +

ایک اور واقع جو ملک پنجاب اور ہندوستان مین باوجود سات برس کے گذر چکنے اتبک ہزارہا کانون مین زندہ اور تازہ گونج رہا ہے۔ یہ ہے کہ آریہ قوم مین ایک شخص لیکھرام نے جو اسلام کے خلاف بڑی تیز زبانی اور بیباکی سے بولتا تھا اس خدا کے نبی سے درخواست کی کہ اگر اسکا دعوے سچا ہے اور وہ خدا سے ہمکلام ہوتا ہے اور اسلام سچا مذہب ہے تو اسے بھی دکھایا جائے۔ میرزا غلام احمد نبی اللہ نے عالم الغیب قادر مطلق خدا کیطرف توجہ کی۔ خدا نے فرمایا کہ یہ شخص چھ برس کے عرصہ مین عذاب اور سختی کے ساتھ ہلاک ہوجائیگا۔ یہ ممکن تھا کہ کوئی رحمت اور فضل کا نشان اسی موقعہ پر دیا جاتا جو اس شخص کے لئے حق کیطرف ہدایت کا موجب ہوتا۔ مگر اس شخص کی ثابت شدہ سنگدلی اور بدزبانی اور دلآزاری جزائے مطابق کی سنت کے طور پر تقاضا کرتی تھی کہ اسکے وجود کے ذریعہ سے ایک ایسا نشان ظاہر ہو جو طبایع پر ایک زلزلہ اور رعب ڈالدے آخر جبکہ مقررہ میعاد کے گذرنے مین بہت تھوڑا عرصہ باقی رہگیا تھا۔ آریہ سماج کا مشہور قومی مضبوط الجثہ اور تیس برس سے کچھ اوپر عمر کا نوجوان لیکھرام لاہور مین ٹھیک اسی طرح پر مارا گیا جس طرح پیش گوئی کے حرف دعوے کرتے تھے۔ جاننے والے اس بات کو خوب جانتے ہین کہ خدا کے کلام مین جو اس شخص کی نسبت نازل ہوا۔ اس کی بھیانک موت وقت موت اور طرز موت کا ایک عرصہ پہلے دہی نظارہ دکھایا گیا تھا جسے وقوعہ کے وقت حاضر اور ناظر لوگون نے مشاہدہ کیا۔ چنانچہ پیشگوئی کے ان اشعار مین جو ذیل مین درج کئے جاتے ہین سہ الا اے دشمن نادان و بیراہ + بترس از تیغ بران محمد

الا اے منکر از شان محمدؐ + ہم از نور نمایان محمدؐ + کرامت گرچہ بے نام و نشان است + بیا بنگر ز غلمان محمدؐ - بترس از تیغ بران محمدؐ مین ایک ہاتھ کی تصویر دی گئی ہے جس کی انگشت سبابہ اشارہ کرتی ہے اس عنوان کیطرف ”لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک پیش گوئی“ اس شخص کی موت نے آریہ سماج کے گھرون مین وہ ماتم اور شیون برپا کیا جس کا بیان کرنا مشکل ہے تمام پنجاب مین اس طرف سے .... اُس طرف تک ایک شور پڑ گیا اس لئے نہین کہ وہ ایک آریہ سماج کا ممبر تھا بلکہ اس لئے کہ وہ آریہ سماج کے جدید مذہب اور تازہ جوشون اور ... دعوون کا لانظیر حامی اور مؤید اور مجسم تصویر تھا آریہ سماج کو اس بات کے احساس نے بہت تکلیف دی کہ ان کے مذہب کے مخالف غلام احمد نبی اللہ کی پیش گوئی کے مطابق لیکھرام کا مرنا ان کے مذہب کی خوفناک ذلت اور کمزوری کا باعث تھا اسلئے انہون نے اسکے قتل کے بعد قاتل کی تلاش مین ان تمام انسانی زورون اور ذریعون کو استعمال کیا جو ایک طاقتور اور نو دولت قوم ایسے موقعہ پر کر سکتی ہے- اسکے علاوہ رحمدل اور فیاض گورنمنٹ نے بھی ان کی مدد مین کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا- مگر تعجب کی بات ہے کہ قاتل کا کوئی سراغ نہ لگا- اگرچہ گورنمنٹ اور پھر انگلش گورنمنٹ جو رعایا کے حالات کے جاننے مین تمام دنیا کی گورنمنٹون سے زیادہ باخبر اور تیز بین ہے اور گورنمنٹ خوب جانتی تھی اور جانتی ہے اور اس بات کے لئے اسکے پاس کافی ذریعے ہین کہ میرزا غلام احمد علاوہ اسکے کہ ایک مسلم پاک زندگی بسر کرنیوالا بے شر انسان تھا جس کا دعوے اور بنیاد دعوے یہ تھا کہ وہ عالم مین باکیزگی امن اور صلح اور خدا سے سچا تعلق اور بنی آدم سے پاک محبت پھیلانیکے لئے مامور ہوا ہے اس کا خاندان یعنی اسکا باپ اور بھائی گورنمنٹ کے نزدیک وفادار ... اور جان نثاری مین مسلم تھے اور اس لئے گورنمنٹ کو اس خوفناک قتل کے متعلق شبہ کرنے کی کوئی گنجایش نہ تھی کہ اسکا بانی مرزا غلام احمد صاحب ہو سکتے ہین لیکن ظاہری قانون کی پابندی یا ایک حکام کے استغاثہ کی تائید نے گورنمنٹ کو مرزا غلام احمد صاحب کی خانہ تلاشی کیطرف متوجہ کیا- ناگہان ایکدن ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس مع اپنے ماتحت افسرونکے قادیان مین آیا اور مرزا صاحب کے تمام کاغذات اور کتابین جہان جہان پڑی تھین بڑی محنت سے ان کی پڑتال کی جس سے غرض یہ تھی کہ شائد اس قتل کے متعلق کوئی پہلی تجویز کردہ خط و کتابت یا سوچے ہوئے منصوبے کی اطلاع ملجائے مگر سچائی نے ان افسرون کو بڑی صفائی سے اپنا پلہ پاک کرکے دکھایا- ممکن ہے کہ کسی ناواقف اور غور نہ کر سکنے والے دل مین یہ شبہ گذرے یا ابتک قائم ہو کہ یہ خفیہ قتل مرزا صاحب کے اشارے سے ہوا ہو اور جیسا کہ کبھی کبھی ہوتا ہے اسباب تحقیق و تفتیش کی عدم تکمیل کے سبب سے اس امر کی پردہ برانداز ی نہ ہو سکی ہو- لیکن یہ ملاحظہ اس شبہ کو بڑی صفائی سے رد کرتا ہے جب دیکھا جائے کہ مرزا صاحب کے گرد و پیش کون لوگ رہتے ہین ان کے تمام امور

مین خواہ جلوت کے متعلق ہون خواہ خلوت کے اگر کچھ مداخلت اور مشاورت ممکن ہو سکتی ہے تو کن لوگون کی ہے ایک گروہ ایسا ہے کہ جو زمانہ کا پورا مزاج شناس خوب سرد و گرم سے واقف نئی تعلیم کی معراج پر پہونچا ہوا گہری نگاہ سے دیکھنے والون ہر ایک امر کو تنقید اور تحقیق کی محک پر کسنے بی - اے ایم - اے تک ڈگری یافتون نوجوانون کا ہے - ایک گروہ بوڑھے سن رسیدہ خدا کے دئے یا سچائی کے لئے سچائی کے سیکھنے اور سچائی کی حمایت کے لئے دولت جاہ اور دنیوی وجاہت کو چھوڑ کر نہایت عزت اور خاکساری مین زندگی بسر کرنیوالون کا ہے انکے چال چلن دوست اور دشمن مین بے داغ بے عیب اور معروف ہین ان کے علم اور فعل اور تقوے اور دیانتداری اور راستبازی کو بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے - سچ کے لئے جان اور مال اور آبرو کا دینا انہین آسان سے آسان ہے اور باطل اور جھوٹ انکے نزدیک ہر مکروہ شے سے زیادہ مکروہ ہے رات دن قرآن شریف کی تعلیم اور اشاعت مین سرگرم ہین - ایسا ہی مختلف جنسون اور ذاتون کے لوگ جن کا درحقیقت ایک ہی مقصد سچائی کو دیکھنا اور سچائی کو حاصل کرنا ہے اس جگہ بیٹھے ہین - ان مختلف طبقون کے لوگون کو بڑے وثوق سے یہ یقین ہے کہ انپر مدعی نبوت کی زندگی کا پبلک اور پرائیویٹ حصہ روز روشن کی طرح عیان ہے انہین بصیرت سے یہ یقین ہے کہ ان کے سوا مرزا صاحب کی تدبیرون اور تجویزون کو عملدرآمد مین لانیکا اگر کوئی ممکن آلہ ہو سکتا ہے تو وہی ہین با این ہمہ یہ سب لوگ اپنی عزت اپنی جان اپنے مال اپنے خدا کے لئے اس ذوق اور ایمان سے بھرے ہوئے ہین اور ہر وقت اور موقع مین شہادت دینے اور دینے کو تیار ہین کہ لیکھرام کی موت کی پیش گوئی حضرت مرزا صاحب کے منہ مین عالم الغیب قادر مطلق خدا نے دی اور وہ آخر کار اسی طرح پوری ہوئی جس طرح تمام راستباز نبیون کی باتین پوری ہوا کرتی ہین وہ اسبات پر بلا تذبذب ایمان رکھتے - اور دلائل اور قراین سے اپنے ایمان کی پختگی اور صحت پر ناز کرتے ہین کہ ان کی احمدی قوم مین سے کوئی فرد اس قتل کا مرتکب نہین ہوا - اگر پیش گوئی کی طرف سے اسکے الفاظ سے صراحت سے یا کنایت سے یا اسکے اعمال و افعال سے کسی قسم کی بو اس کارروائی کے متعلق انہین محسوس ہوتی تو سب سے پہلے اس سلسلہ اور اسکے بانی کو سخت نفرت سے چھوڑنے والے وہی ہوتے اسلئے کہ اس انسان کو انہون نے راستبازی اور سچ کی خاطر قبول کیا تھا اور اس راہ مین جو قربانیان ممکن ہو سکتی تھین انہون نے اپنے ہاتھون سے دی تھین +

غرض خدا کی ہستی کے ثبوت کے لئے اخبار غیب کی پیش گوئیون سے بڑھکر اور کوئی دلیل نہین اور یہ عزت اور فخر صرف قرآن کو حاصل ہے کہ جیسا شروع مین اسکے لانیوالے نے اپنے منجانب اللہ ہونیکے لئے ان علمی اور بین ثبوتون پر اپنا مدار کار رکھا تھا ابتک بھی وہی بابرکت سلسلہ زندہ موجود ہے

منجملہ خدا کی ہستی کے ثبوتوں کے ایک یہ بات ہے جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے بڑی قوت اور تحدی سے
دنیا مین شایع کی ہے کہ قریب نوّے برس تک اس کی عمر ہوگی اور اس اثنا مین اس کی آنکھین اور
اسکے مفاصل ان ناتوانیون اور تباہیون سے محفوظ رہینگے جو عادتاً ایسے اوقات مین بوڑھون پر نازل
ہوا کرتی ہین۔ یہ دعوے متفرق کتابون مین صاف صاف لفظون مین مشتہر کیا گیا ہے بڑی خوبصورتی
اس پیش گوئی کی اس وقت معلوم ہوتی ہے جبکہ یہ دیکھا جاوے کہ مدعی کی جسمانی حالت دعوے کے وقت مادی
نگاہ مین کس قسم کی ہے یہ بات تمام واقفون پر روشن ہے کہ دو بیماریان اس شخص کے ساتھ ہمیشہ
لازم رہتی ہین ایک بیماری جسم کے اوپر کے حصہ یعنی سر سے تعلق رکھتی ہے جسکے شدید جوش کیوقت
سرد اطراف کا دورہ غلبہ ہوتا ہے کہ گرم کیا ہوا لوہا بھی جسم پر لگانیسے بے اثر ثابت ہوتا ہے دوسری بیماری
جسم کے حصہ زیرین سے تعلق رکھتی ہے وہ ہے پیشاب کی کثرت اور ہضم کا اپنے اعتدال پر نہ رہنا
یہ دو مرضین اس قسم کی ہین کہ عام انسان ان مین مبتلا ہوکر بہت تھوڑی زندگی پاتے ہین لیکن
بااین ہمہ ایک شخص بڑی قوت سے یہ دعوے کرتا ہے کہ خدا نے مجھکو کہا ہے کہ مین تجھے حیات طیبہ
کا شرف بخشونگا اور تو اتنی لمبی عمر مین ارذل عمر کے نشانون مین سے کوئی نشان نہ دیکھے گا۔ یہ دعوے
بلا تکلف ثابت کرتا ہے کہ وہ اس توانا ہستی کیطرف سے ہے جس کی حکومت کا جوا طوعاً و کرہاً ہر ایک
ذرہ عالم نے گردن پر اٹھا رکھا ہے۔ ورنہ اگر عرفاً اور عادتاً مین ایسا دعوے کرنے کی کسی عام
منہ کو جرأت ہو سکتی ہے تو اس کی نظیر بتاؤ۔ ایک اور بڑی دلیل ثبوت ہستی باریتعالے پر یہ ہے
کہ کوئی مامور مرسل جذام برص صرع نابینائی۔ فالج۔ اور ایسے خبیث امراض و اسقام مین مبتلا نہیں
ہوا جو عرف مین لوگون کے تنفر اور کراہت کا باعث ہوتی ہین۔ اسلئے کہ اگر یہ لوگ ایسے گھنونے
امراض مین مبتلا ہوتے تو وہ اصلاح عالم کا کام جسکے لئے وہ آتے ہین کبھی پورا نہ ہو سکتا اور یہ
امراض ہی ان کی تکذیب کے لئے کافی دلیل ہو جاتے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ان امراض ص

"عیسوی مذہب کی اشاعت مین رکاوٹین"

ایک عیسائی پرچہ "ہارویسٹ فیلڈ" کے تازہ نمبرون مین ۲ مختلف مضمون عنوان بالا کے متعلق چھپے
ہین حسب معمول ان مضامین کے لکھنے والون نے جو جو قیاس ممکن تھا کیا ہے لیکن صحیح نتیجہ پر ایک
شخص بھی نہین پہنچا بعض کا خیال ہے کہ پادریون کی فوج کی کافی تعداد ابھی تک دنیا مین نہین پھیلی

ص کے ذرات یا کیٹرون مین نقل اور تمیز کا مادہ ہے کہ جسکی وساطت سے وہ افراد انسانی پر حملہ کرنیکے وقت ...

جس سے شاید ان کا یہ منشا رہے کہ جبتک ایک ایک غیر عیسائی انسان کے لئے ایک ایک پادری واعظ موجود نہ ہو تب تک وہ پادریون کی تعداد کو کافی نہین سمجھتے۔ اس کی تردید خود ایکدوسرے مضمون نویس نے کر دی ہے کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ پادریون کی تعداد اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ خود یہ تعداد ہی عیسائیت کے پھیلنے مین ایک عظیم الشان روک ہو گئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کوئی مذہب دنیا مین ایسا نہین ہوا نہ ایسا موجود ہے جس کی اشاعت کے لئے اسقدر تنخواہ یاب واعظین کا سلسلہ اور اتنے بڑے ذرائع موجود ہوئے ہون جو کہ عیسائی مذہب کو میسر ہین اور باوجود اسکے کبھی ایسی ناکامی ایسے ذرائع کے ہوتے ہوئے کسی مذہب کو نہین ہوئی جیسی کہ عیسائی مذہب کو ہوئی ہے پادری لوگ بیرونی ملکون مین نکلکر اپنے دلونکو ان باتون سے خوش کر رہے ہین کہ اتنے سو نئے آدمی عیسائی مذہب مین داخل ہو گئے ہین مگر تعجب ہے کہ اس بات کا افسوس ان کو کیون نہین کہ عیسائی ملکو نمین ہزارون نہین لاکھون آدمی عیسائی مذہب سے نکلے جا رہے ہین انہین مین ایک مضمون نویس یہ لکھتا ہے کہ تعلیمی مشنون کا وسیع سلسلہ خدا کی سلطنت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ ہم بھی اس رائے سے اتفاق کرتے ہین بشرطیکہ خدا کی سلطنت کے صحیح معنے لئے جائین۔ اور اس پر اتنا اور بڑھاتے ہین کہ تمام مشنین خواہ تعلیمی ہون یا غیر تعلیمی خدا کی سلطنت کی سخت ترین دشمن ہین کیونکہ وہ ایک عاجز ضعیف بیچارے انسان کو خدائے ذوالجلال کا مرتبہ دے رہے ہین۔ لیکن ان بگڑے ہوئے معنون مین جن مین خدا کی سلطنت سے عیسائیت مراد لی جاتی ہے۔ یہ رائے کسی صورت مین درست نہین کیونکہ تعلیمی مشن بھی دوسرون کی طرح دن رات اپنے مذہب کی تائید اور اشاعت مین مصروف ہین ساتھ ہی ہم اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہین کہ وہ اس قدر کامیاب نہین ہو سکتے جیسا کہ دوسرے مشن۔ کیونکہ جسقدر زیادہ تعلیم یافتہ لوگ ہونگے اسی قدر کم وہ ایک انسان کی الوہیت کے مسئلہ کو ماننے کے لئے تیار ہونگے۔ جسکو اب سب دانشمند آدمی ترک کر رہے ہین حتی کہ وہ لوگ بھی جو خود عیسائی کہلاتے ہین تعلیم اور عیسائیت ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہین اور تعلیم کے پھیلنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عیسائی مذہب نیست و نابود ہو جائے یہ امر کہ عیسائی مذہب اس وقت زوال کیطرف جا رہا ہے اور تعلیم یافتہ دلون سے اسکا اثر کم ہو رہا ہے اس قدر بین ہے کہ اس کا ثبوت دینے کی کوئی ضرورت نہین۔

اخبار مذکور کا ایک اور نامہ نگار یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ سب سے بڑی مخالفانہ طاقتون مین سے جنکا عیسائیت کو سامنا ہے ایک دوسرے توحیدی مذہب یعنے اسلام کا وجود ہے جو کہ آہستہ آہستہ تمام مستعد طبائع کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور پھر انکو عیسائی مذہب کا اسقدر سخت اور پکا دشمن بنا دیتا ہے کہ ان سے عیسائی مذہب کو بالکل مایوس ہوتا جاتا ہے۔ یہ رائے بیشک صحیح ہے

یہ ایک مسلم امر ہے اور عیسائی خود ہمیشہ سے اسکو تسلیم کرتے رہے ہین کہ جہان اسلام اور عیسائیت
کو اشاعت کا موقعہ ملا ہے باوجود اسکے کہ اسلام کے پاس عیسائی مذہب کی نسبت بہت کم ذرائع
اشاعت کے تھے اور باقاعدہ مشن اور تنخواہ یاب واعظ بالکل موجود نہ تھے پھر بھی اسلام نے عیسائیت
کی نسبت کئی گنا زیادہ ترقی کی ہے - افریقہ ایک ایسا میدان ہے جہان اسلام اور عیسائیت پہلو
بہ پہلو اشاعت کا کام کر رہے ہین اور باوجود اُن تمام نقصون اور روکون کے جو اسلام کی اشاعت
مین درپیش ہین اور پادریون اور مشنون کی کثیر تعداد کے جو عیسائیت کے پاس ہین عیسائیت نے
بمقابلہ اسلام سخت زک اٹھائی ہے اور ناکام ثابت ہوئی ہے ہندوستان مین بھی بعینہ یہی نقشہ
واقعات کا ہماری آنکھون کے سامنے ہے - چنانچہ گذشتہ مردم شماری کی رپورٹ سے بھی یہی ظاہر
ہوتا ہے - اس کی وجہ یہی ہے کہ اسلام کی تعلیم ایسی سیدھی سادھی اور فطرت انسان کے
ایسی مطابق ہے اور برعکس اسکے عیسائیت کا عقیدہ یسوع کی الوہیت اور کفارہ کا ایسا بیہودہ
اور انسانی عقل سے اسقدر دور پڑا ہوا ہے کہ جس شخص نے ایک دفعہ اسلام کے پاک اصولون کو
سمجھ لیا ہے وہ کبھی عیسائیت کا رُخ نہین کر سکتا - اور نہ ہی جب یہ دونون تعلیمین اکٹھی پیش ہون
کسی کو اس امر کے سمجھنے مین کوئی دقت پیش آتی ہے کہ ان دونون مین سے کونسا سچا اور کونسا
جھوٹا مذہب ہے - وہی نامہ نگار یہ بھی لکھتا ہے کہ انگریزی سلطنت درپردہ عیسائی مذہب
کی اشاعت مین بڑی بھاری روک ہے اور اسکے دو وجوہ بتاتا ہے - اول یہ کہ عیسائی مذہب
ہندوستان کے اعلےٰ حکام کا مذہب ہے - ہم نہین سمجھ سکتے کہ یہ کیونکر عیسائی مذہب کی اشاعت
مین روک کا باعث ہے بلکہ برخلاف اسکے یہ امر عیسائی مذہب کا موید ہے کیونکہ حکام کے مذہب
کیطرف خود بخود میلان ہوتا ہے جسکے وجوہ زیادہ تر اغراض دنیوی ہوتے ہین اور یہی ایک بڑا
آلہ ہے جس سے عیسائی مذہب دنیا مین پھیلا ہے - دوسری دلیل جو اس امر کے متعلق راقم
مضمون نے دی ہے وہ گورنمنٹ کا ہر ایک مذہبی فرقہ سے بے رورعایت تعلق ہے جسکو راقم
ان الفاظ مین ظاہر کرتا ہے کہ گورنمنٹ کی اس پالیسی نے اس قوت کو جو حکومت کے ذریعے
عیسائی مذہب کو حاصل ہو سکتی تھی قطعی طور پر زائل کر کے نقصان پہنچایا ہے - راقم مضمون کو
شاید کنستیس اور شارلیمین کے زمانے یاد آگئے ہین جب حکومت کے دباؤ سے لوگ عیسائی مذہب
مین داخل ہوتے اور وہ اس روشنی کے زمانہ مین گورنمنٹ کی بے رورعایت پالیسی کو ایک
ضرر رسان پالیسی بتاتا ہے حالانکہ ہندوستان مین سلطنت انگریزی کی بڑی بھاری برکتون
مین سے یہ ایک برکت ہے اس سے معلوم ہوا کہ عیسائی مذہب بغیر اسکے ترقی نہین کر سکتا کہ
یا تو دنیوی حکومت اسکے ساتھ ہو اور یا کم از کم دنیوی حکام کیطرف سے اسکو ناجائز مدد ملے اور کھلے

اور صاف میدان مین یہ مذہب کسی ترقی کے قابل نہین تعجب آتا ہے کہ پادری لوگ بعض مسلمان بادشاہون کی شکایت کیا کرتے ہین کہ انہون نے اسلام کے پھیلانے مین کسی قدر دنیوی طاقت سے کام لیا۔ اور خود اب تک اس امر کے خواہشمند ہین کہ عیسائیت کے پھیلانے کے لئے ناجایز ذرایع سے فایدہ اٹھایا جائے+

اس تمام بحث سے اخبار ہارسٹ فیلڈ نے دو باتین چن لی ہین جو اسکے نزدیک مسیح کی سلطنت کے لئے بڑی رکاوٹین ہین اول تو یہ کہ کیا ہندو اور کیا مسلمان اپنا گنہ گار ہونا پورے طور پر محسوس نہین کرتے۔ اور دوسرا یہ کہ اخلاقی جرأت سے وہ بالکل بے بہرہ ہین۔ ان دونون باتون کو عیسائی مذہب کے ہندوستان مین پھیلنے کے لئے واقعی رکاوٹین قرار دیا گیا ہے۔ اور اسکا علاج یہ بتایا گیا ہے کہ ہندوستان مین واعظ کے لئے ضروری ہے کہ جیسے وہ خوشخبری دینے والا ہے ایسے ہی وہ نبی بھی ہو۔ اور جیسے وہ ایمان کیطرف لوگون کو بلاتا ہے ویسے توبہ کیطرف بھی دعوت کرے۔ لیکن یہ حالت اگر واقعی ہندوستان مین موجود ہے تو اس ملک سے مخصوص نہین بلکہ تمام دنیا مین یہی حال ہے بلکہ گناہ کا احساس ناکافی ہونے کی جو شکایت کیگئی ہے اس کا ظہور سب سے زیادہ یورپ مین ہو رہا ہے جو بدکاریان یہان چھپ کر کیجاتی ہین وہان لوگ کھلم کھلا انکے مرتکب ہوتے ہین۔ شراب خوری جو تمام بدیون کی جڑھ ہے اور جس سے تمام بدکاریان پیدا ہوتی ہین وہ یورپ مین اس کثرت سے پھیل رہی ہے کہ ہندوستان مین اسکا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے اور ایسا ہی بہت سی اور بدکاریان ہین جن مین خود عیسائی تسلیم کر چکے ہین کہ عیسائیت سب گذشتہ اور موجودہ قومون سے بڑھ گئی ہے۔ پھر اخلاقی جرأت کے نہ ہونے کی شکایت بھی بے جا ہے کیونکہ اگر یہ امر واقعی عیسائیت کے پھیلنے مین کسی رکاوٹ کا باعث ہے تو ایسا ہی اسلام کی ترقی کے لئے بھی رکاوٹ کا باعث ہے اور نہ صرف ہندوستان مین بلکہ یورپ مین بھی۔ کون نہین جانتا کہ لورپول کے معدودے چند مسلمانونکے ساتھ اس زمانہ کے مہذب عیسائیون نے کیا کیا وحشیانہ سلوک کئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم کے افراد پوری آزادی اور جرأت سے اپنے خیالات کو ظاہر کرنیسے رک گئے مرحوم لارڈ سٹینلے کے عظیم الشان رتبہ کا ایک آدمی جو اپنی دنیوی حیثیت کے لحاظ سے کسی کا خوف نہ رکھتا تھا ساری عمر مسلمان رہا۔ لیکن مرتے دم تک اپنے اسلام کا علی الاعلان اظہار نہ کر سکا۔ کیا یہ واقعات صاف نہین بتاتے کہ ہندوستان کے لوگون کی نسبت انگریز لوگ مذہبی معاملات مین اخلاقی جرأت کا بہت کم حصہ رکھتے ہین اور حق کیخاطر ہم اس امر کے بیان کرنیسے بھی رک نہین سکتے کہ پادری لوگ جو ہندوستان مین بھیجے جاتے ہین ان مین بھی کمزوری اور نقص ویسا ہی پایا جاتا ہے جیسا کہ انکے دوسرے ہم وطنون مین۔ وہ نہین جانتے کہ سچائی کیا چیز ہے اور نہ انکے

جاننے کی پرواہی کرتے ہین۔ عقائد کا ایک خاص مجموعہ ہے جس کی تعلیم کے لئے وہ نوکر رکھے گئے ہین اور ان عقائد سے ایک بال کے برابر اِدھر اُدھر ہونا منصبی فرایض مین سخت خیانت تصور کیجاتی ہے لاہور کے لاٹ پادری جیسے ایک عہدہ دار کو جس نے تھوڑا عرصہ ہوا ہندوستان کی اخلاقی حالت پر سخت حملے کئے تھے اسقدر اخلاقی جرات نہ ہوسکی کہ مسیح موعودؑ کے مقابلہ مین جو اسلام کی سچائی ظاہر کرنیکے لئے میدان مین کھڑا ہو کر پادری صاحب کو للکار رہا تھا عیسائی مذہب کی سچائی کا کوئی ثبوت پیش کرسکے بلکہ نہایت بزدلی سے بیساختہ سے انکاری ہو کر طرح طرح کے بودے اور کمزور حیلے اور عذر تراش کر فرار اختیار کیا اور عموماً ہر ایک پادری کے سامنے جب صداقت پیش کیجاتی ہے یا ان سے اپنی صداقت کا ثبوت طلب کیا جاتا ہے تو وہ گریز ہی اختیار کرتا ہے۔ دوسرے مذاہب کے مقدس پیشرؤں کو گالیاں دینے مین سب سے بڑھ کر یہ لوگ قدم مارتے ہین لیکن کسی دوسرے مذہب کی سچائی اور خوبصورتی جب انکے سامنے پیش کیجاتی ہے تو آنکھین بند کر کے علیحدہ ہوجاتے ہین۔ سخت تعجب آتا ہے جب ہم دیکھتے ہین کہ یہ لوگ ہندوستان مین گنہ کا احساس یا اخلاقی جرات کے نہ ہونے کی شکایت کرتے ہین اور ان لوگون کے سامنے جنسے وہ تنخواہین پاتے ہین یہ جھوٹے عذر پیش کرتے ہین کہ عیسائیت کی راہ مین ایسی ایسی رکاوٹین ہین +

اب ہم اس امر پر غور کرتے ہین کہ گنہ کا سچا احساس پیدا کرنیکے لئے ہاوسٹ فیلڈ کیا علاج پیش کرتا ہے اور وہ کہانتک درست ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ ہندوستان مین واعظ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نبی بھی ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واعظ اپنی مرضی سے یا اپنی کوشش سے نبی بن سکتے ہین نبی کا کام جیسا کہ اس اخبار مین لکھا ہے صرف یہ نہین ہے کہ وہ گنہ پر لوگون کو سخت ملامت کرے اور خدا کے وعید سنے ڈراوے اگر واقعی نبی کا کام اس سے بڑھ کر کچھ نہین تو ہمین اس امر کے تسلیم کرنے مین کوئی عذر نہین کہ پادری صاحبان نبی بن سکتے ہین لیکن یہ ایک بڑی بھاری غلطی ہے بڑے سے بڑا گنہگار جو خدا کی ہستی کو مانتا ہے اس امر سے انکار نہین کرتا کہ گنہ کی سزا ہوگی تو پھر کیا وجہ ہے کہ باوجود اس علم کے کہ گناہ کے لئے سزا ہے گنہ دنیا مین اس کثرت سے پھیلا ہوا ہے۔ اسکا اصلی اور واقعی سبب یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر اور نیک و بد کی جزا ء سزا پر درحقیقت لوگون کو یقین نہین ہے۔ باتین تو بہت کر لیتے ہین کہ ہم خدا کو مانتے ہین اور جزاء سزا پر ایمان رکھتے ہین لیکن یہ ان کے نفس کو ایک دھوکا لگا ہوا ہے۔ کوئی شخص جان بوجھکر آگ مین نہین کودتا جبکہ اسکو یہ علم ہو کہ آگ جلا دیگی اور نہ ایک خونخوار شیر کے سامنے آتا ہے جبکہ اسکو یہ علم ہو کہ وہ اسکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا۔ اور نہ

ایک زہریلے سانپ کے سوراخ مین ہاتھ ڈالتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اسے ڈسیگا۔ پھر کیونکر وہ گنہ کرنے کی جرأت کر سکتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ خدا موجود ہے اور وہ اسکو اس گنہ کی سزا دیگا۔ سچ بات یہ ہے کہ اکثر لوگ دعوے ایمان کا کرتے ہین مگر انکے دلون مین ایمان نہین۔ خدا اور اس کی جزا و سزا کے متعلق ایسا یقین انکے دلون مین نہین ہی جیساکہ مادی چیزونکے متعلق ہے جن کو وہ اپنی آنکھونسے دیکھتے ہین جیساکہ وہ یقین رکھتے ہین کہ آگ اس چیز کو جلا دیتی ہے جو اس مین ڈالی جاتی ہے اگر ایسا ہی یقین انکو اس امر کے متعلق بھی ہوتا کہ خدا ضرور ہے اور وہ انکو ان کی بدکاریون کی ضرور سزا دیگا تو وہ یقیناً آگ سے بھی زیادہ گنہ سے بچتے اور ڈرتے۔ کیونکہ آگ کا ضرر تو چند روزہ ہے لیکن گناہ کا ضرر ہمیشہ کے لئے ہے اس لئے بیشک ایک نبی کی ضرورت ہے مگر نہ اس امر کے لئے کہ وہ لوگون کو انکے گناہونپر ملامت کرے اور خدا کے وعید سے ڈراوے جیساکہ بارو سٹ فیلڈ لکھتا ہے بلکہ جیساکہ وجوہات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے اس امر کے لئے کہ وہ خدا کی ہستی اور اس کی جزا و سزا کی نسبت انکے دلون مین یقین واثق پیدا کرے وہ نبی جو ایسا یقین پیدا نہین کر سکتا اور گنہ گارونکو انکے گناہونپر لعنت کرنیکے سوا اور کوئی کام نہین کر سکتا وہ اس منصب کے لئے شایان نہین اور ایک ہزار ایسے نبی (بلکہ انکو خالی واعظ کہنا چاہئے کیونکہ ان پیر نبی کے نام کا اطلاق کرنا غلطی ہے) دنیا کو کوئی فایدہ نہین پہونچا سکتے۔ خدا کی ہستی پر وہ یقین جس سے لوگ گنہ سے بچ سکین محض دھمکیون اور ڈراوون سے پیدا نہین ہو سکتا۔ جسکا نام اصطلاح مین توبہ کی طرف دعوت کرنا رکھا ہوا ہے۔ مشکل تو یہ ہے کہ مادی راحتین اور فوائد ایسی چیزین ہین جن کو انسان صاف صاف دیکھتا اور محسوس کرتا ہے لیکن نیک و بد کی جزا و سزا بڑی حد تک انسانی مادی آنکھ سے پوشیدہ ہے یہی وجہ ہے کہ لوگ گناہ کرنے مین اسقدر دلیر ہین۔ حالانکہ مادی سائنسدانون کے لئے جو ان کو مل سکتین وہ ہر طرح کے حیلے کرتے ہین اس لئے خدا تعالے اپنے نبیونکو بھیجتا ہے تا وہ خدا کی ہستی کو آسمانی نشانون سے ثابت کرکے انکے دلونمین نیک و بد کی جزا و سزا کے متعلق یقین پیدا کرین سوائے آسمانی نشانون کے جنسے صاف اور صریح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک ایسی ہستی موجود ہے جو علم اور طاقت مین انسانون سے بڑھکر ہے یہ یقین کبھی پیدا نہین ہو سکتا بلکہ ایسا یقین اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جبکہ انسان یقیناً یہ جان لے کہ ایک ایسا خدا موجود ہے جو اسکے دل کے خفیہ رازونکو جانتا ہے اور جسکو کہ بدیون کی سزا دینے پر پوری طاقت حاصل ہے اور ایسا یقین پیدا ہونیکے بعد انسان گناہ سے ایسا بچتا ہے جیساکہ وہ جلتی ہوئی آگ سے بچتا ہے اور بدی سے وہ ایسی نفرت کرتا ہے جیساکہ دنیا

مین بُری سے بُری چیز سے نفرت کرتا ہے۔ مثلاً شرابخواری ایک ایسی بدی ہے بلکہ بدیون کی
مان ہے جو انسانیت کے لئے ایک سخت دھبہ ہے ہزارہا لوگ یہ کوشش کر چکے ہین کہ اس
بدی کو دنیا سے دور کرین لیکن ان کی کوششین ناکام ثابت ہوئی ہین اور ہزارون اب بھی
اس کی فکر مین ہین لیکن کچھ نہین کر سکتے۔ یہ بدی جزیرہ نما عرب مین عین اسوقت مین پورے
زور مین تھی۔ جب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ دس ہزار لیکچرار وہ پاک تبدیلی پیدا
نہ کر سکتے تھے جو آنحضرت کے پاک الفاظ نے پیدا کی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ مدینہ مین شہر کے
ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک یہ خبر مشہور ہوگئی کہ مسلمانون کے لئے شراب آئندہ حرام
ہے اور کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شراب پینا منع کر دیا ہے اس کا اثر چند ہی منٹون مین یہ ہوا
کہ شراب کے تمام مٹکے اور برتن توڑ ڈالے گئے۔ اور مدینہ کی گلیون مین شراب پانی کی طرح بہ نکلی۔
اس آواز مین یہ جادو بھرا اثر کہان سے آیا۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ لوگ یقیناً اس بات کو جان
گئے کہ شراب پینے مین اس خدا کی نارضامندی ہے۔ جسکا پیغامبر وہ آنحضرت صلعم کو جانتے تھے اس
قسم کے نبی کی واقعی دنیا کو ضرورت ہے۔ نہ اس پادری نبی کی۔ جسکو سوائے خدا کے برگزیدون اور
پاک مذہبی اصولونکو برا بھلا کہنے کے اور کچھ نہین آتا۔ ایسا ہی ایک نبی اس وقت بھی خدا تعالے
نے مبعوث فرمایا ہے لیکن لوگون نے اُسی طرح اس کا انکار کیا جیسا کہ پہلے نبیون کا۔ کاش کہ
یہ لوگ اس وقت غور کرتے اور سوچتے کہ کیا وہ نشان ان کو نہین دکھلائے گئے جو کوئی انسان
نہین دکھلا سکتا۔ اور کیا وہ اُسی طرح پر گناہ سے نجات نہین دیتا جس طرح پہلے نبیون نے دی اور
ایک ہمہ علم اور ہمہ طاقت ہستی کے متعلق وہی یقین ان کے دلون مین نہین پیدا کرتا جو پہلی امتون
مین پیدا کیا گیا۔ ایسا نبی میرزا غلام احمد قادیانی ہین جو مسیح موعود ہونیکا دعوے کرتے ہین۔ جو
ہزارون نشان اپنی تصدیق مین دکھلا چکے ہین۔ اور جن کے پیرو اس وقت دو لاکھ سے اوپر ہین
جو لوگ اپنی روح کے لئے آرام چاہتے ہین وہ اس کے پاس آوین کیونکہ وہ تھکے ماندون کو
آرام دیتا ہے۔ وہ عین اُس وقت پر آیا ہے جو پیشگوئیون کے مطابق اُس کی آمد کا وقت
تھا۔ اور جبکہ تمام دنیا سخت انتظار مین لگی ہوئی تھی تمام نشان پورے ہو چکے ہین اور اسکی
صداقت آفتاب نصف النہار کی طرح چمکتی ہے لیکن اس کے لئے جو آنکھین کھولے۔ وہ گناہ کا
سچا علاج لایا ہے اور اگر پادری صاحبان کو اپنے گناہون کا احساس ہے اور اپنی بیماری کو وہ جانتے
ہین تو انہین چاہیئے کہ وہ طبیب کے پاس آوین۔ بجائے اسکے کہ لوگون کو گمراہ کرتے پھرین۔
تاکہ وہ ان کو شفا دیوے۔ اور اس سے شفا حاصل کرنے کے بعد وہ لوگون کو نیکی کی طرف
بلا سکتے ہین +

یہ بات تو اب صاف ہو گئی ہے کہ جن رکاوٹون کا ذکر کیا گیا ہے واقعی طور پر مذہب عیسوی کے پھیلنے مین وہ سدِّ راہ نہین - اس مذہب کا غیر عیسائی ملکون مین کم ترقی کرنیکا سبب انہین واقعات مین سے تلاش کرنا چاہئے جو اسکے عیسائی ممالک مین زوال کا موجب ہو رہے ہین - ایک ہی سبب ہے جو دونون صورتون مین عمل کر رہا ہے یعنی ایک جگہ تو اس مذہب کی ترقی کو روکنے کا کام کر رہا ہے اور دوسری جگہ اس کے زوال کا موجب ہو رہا ہے - اس مذہب کی اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ اس مین ضروریات زمانہ کو پورا کرنیکے قابل جوہر نہین رہے اور اس کی اندرونی قوت دن بدن زایل ہوتی چلی جاتی ہے - جو لوگ فہم صحیح اور عقل سلیم اور دیانت کے اوصاف سے قدرتاً آراستہ ہین وہ عیسائی مذہب کے مسایل کو انسانی عقل کے موافق ہونا محال اور ناممکن سمجھکر اس کو خیر باد کہہ رہے ہین اور جو لوگ ابھی تک اس سے چمٹے ہوئے ہین وہ اسکے کسی صداقت پر سچا ایمان لاکر اس کے مقلد نہین بلکہ محض رسم اور عادت کے طور پر اور سوسائیٹی کے تعلقات مین پھنسے پھنسائے عیسائی چلے آتے ہین - عیسائی عقائد اسوقت تباہی کی حالت مین ہین اور اب ایسی حالتین جبکہ اس مذہب کی اپنے ہی گھر مین گانٹھین ڈھیلی ہو رہی ہین تو اس سے یہ امید کرنا کہ باہر دنیا مین مذہبی فتوحات حاصل کر سکیگا خیال محال ہے - عیسائی مذہب کی صداقت کے مسئلہ کی بنیاد ایک ناتوان ضعیف انسان کی الوہیت پر ہے اور اب وہ زمانہ نہین رہا کہ ایسے بیہودہ عقائد معقولی دنیا مین قوت پکڑ سکین ❊

اس بات کی صداقت اس امر سے اور بھی واضح ہوتی ہے کہ عیسائی مذہب کو قبول کرنیوالے عموماً ناکارہ اور ذلیل اور جاہل لوگ ہوتے ہین اور خصوصاً قحط کے ایام مین ایسے بہت سے موقع ان مشنری لوگون کو ملجاتے ہین جن مین بہت سے مفلوک الحال بدبخت آفت رسیدہ جاہل بیکار لوگون کو قحط اور فاقہ کشی کی موت سے بچ جانے کی طمع حلقہ عیسویت مین لے جاتی ہے - ان لوگون کا یسوع کے خون پر کوئی ایمان نہین ہوتا ان کا ایمان صرف پادریون کی روٹی ہوتی ہے جو انہین قحط کے دکھون سے نجات دیتی ہے -

ہر ایک ذی فہم انسان کے دل مین یہ سوال اکثر پیدا ہوتا ہے کہ ابن مریم کو خدا بننے کے لئے کیا خصوصیت حاصل ہے - پھر جن لوگون نے اس امر مین نہایت غور اور تدبّر کیا ہے وہ اس نتیجہ پر پہونچ گئے ہین کہ یسوع صرف ایک انسان ہی تھا اور معمولی انسانی سطح سے اوپر ہرگز نہ تھا - اور اس مین الوہیت اگر تھی تو صرف اسیقدر موجود تھی جس قدر عام طور پر نوع انسانون مین پائی جاتی ہے - ایک مدت تک یہ خیال کیا گیا تھا کہ یسوع کی اخلاقی تعلیم جو اناجیل مین اُسکی طرف منسوب کیجاتی ہے وہ ایسی اعلے ہے کہ جس سے وہ معمولی انسانون سے بالاتر نظر آتا ہے -

اور اس کو بھی یسوع کی الوہیت پر ایک بڑی بھاری دلیل سمجھا گیا ہے۔ لیکن اب یہ ثبوت قطعیت کو پہونچ گیا ہے کہ یہ تعلیم نہ صرف ایسی ہی ہے کہ جس پر عمل کرنا انسان کے واسطے محال ہے جیسا کہ خود اس امر سے ظاہر ہے کہ کوئی عیسائی قوم یا جماعت ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جو اس تعلیم پر پورے طور سے عامل ثابت ہوئی ہو بلکہ وہ امر جو ان بلند دعاوی کا اور بھی قلع قمع کرتا ہے جو مسیح کے لئے بیہودہ طور پر وضع کر لئے گئے ہیں اور جن کی بنیاد پر اسکو خدا بنایا گیا ہے یہ ہے کہ یہ تعلیم یہودی معلموں اور طالمود سے اخذ کی گئی ہے یہانتک کہ بعض جگہ لفظ بلفظ یہودیوں کی کتابوں سے نقل کی گئی ہے۔ مسیح کے معجزات میں بھی کوئی خصوصیت اور فوقیت نہیں پائی جاتی۔ اول تو اسی بات میں شک ہے کہ اس سے کبھی کوئی معجزہ صادر بھی ہوا ہو کیونکہ جب یہودیوں نے پہلے نبیوں کی طرح اس سے بھی معجزہ مانگا تا وہ اس کو خدا کا سچا مرسل پہچان سکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ وہ جھوٹا مسیح نہیں کیونکہ ان دنوں بہت جھوٹے مسیح پیدا ہو گئے تھے تو مسیح نے اس وقت صرف یہی خشک جواب دیا کہ ان کو کوئی معجزہ نہیں دکھایا جاویگا۔ انجیل کے پڑھنے سے ایک منصف مزاج انسان اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ اگر معجزات کی روایات میں جن کا انجیل میں ذکر ہے کچھ سچائی موجود بھی ہے تو وہ غالباً روحانی واقعات تھے اسی خیال کو انسیکلوپیڈیا ببلیکا میں بھی لیا گیا ہے اسی طرح گویا بھوکوں کو کھانا کھلانے سے مراد وہ روحانی غذا تھی جو مسیح کے وعظوں سے ان لوگوں کو ملی جو روحانی صداقتوں کے بھوکے تھے اور بیماروں کو چنگا کرنے سے مراد روحانی اور اخلاقی بیماریوں کا علاج کرنا تھا اور مردوں کو زندہ کرنے سے مراد ان لوگوں کو روحانی زندگی عطا کرنا تھا جو گناہوں کی موت میں مبتلا تھے۔ لیکن بفرض محال اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جاوے کہ یہ اعجازی واقعات جنکا بائیبل میں ذکر ہے۔ فی الحقیقت مسیح سے صادر ہوئے تھے تو بھی ان کی وجہ سے مسیح کے لئے پہلے نبیوں کی نسبت کوئی ایسی فوقیت پائی نہیں جاتی۔ سب سے بڑا التعجب خیز معجزہ مردوں کے زندہ کرنیکا مسیح سے ظاہر ہوا لکھا ہے لیکن اسی قسم کے معجزات ایلیا اور الیشع سے بھی ظاہر ہو چکے ہیں اس لئے ان کی اگر مسیح پر کوئی فوقیت نہ بھی مانی جائے لیکن وہ کسی طرح اسکے ہم پلہ ہونے سے کم نہیں ہو سکتے بلکہ یہ فوقیت ان کو حاصل ہے کہ اول ایسے عظیم الشان معجزے انہوں نے دکھائے۔ درحقیقت مسیح کی زندگی اور موت کی ساری کہانی میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس کی وجہ سے اس میں معمولی فانی انسانوں سے کچھ بھی فوقیت اور بڑائی مانی جا سکے۔ جن کمزوریوں اور ناکامیوں کا اس کو سامنا پڑا اور اس کی کوششیں جس طرح بے ثمر رہیں اور جس طرح وہ لوگوں سے ڈرتا تھا یہ تمام امور اس بات کو اور بھی واضح کرتے ہیں کہ وہ معمولی انسانوں سے کچھ بھی فوقیت نہ رکھتا تھا۔ انہیں وجوہ پر

غور کرنے سے عیسائی ملکونکے فہیم اور عقلمند لوگ مسیح کی الوہیت کے مسئلہ کی بیہودگی سمجھ کر اسے ترک کر رہے ہین۔ مشنریون کا لوگونکو اب ایسے مسئلہ کیطرف دعوت کرنا جس کی خود عیسائی ملکون مین کھلے طور پر تردید ہو رہی ہے سراسر دھوکا دہی کی کارروائی ہے۔ ایک ناتوان بشر کو خدا بنانیکے اعتقاد کا مسئلہ انسانی عقل اور کانشنس کے ایسا متضاد اور ناموافق ہے اور ایسا نفرت انگیز..... اور حقارت خیز ہے کہ اب طبیعت فوراً یہ اہم سوال کرنے پر آمادہ ہوجاتی ہے کہ کیونکر عیسائیت کو اسقدر عمر نصیب ہوئی اور کیون مدتہائے دراز سے اسکا خاتمہ نہین ہوچکا۔

ریویو اور نوٹ

بائیبل مین تحریف اور غلطیان

"زمانہ حال کی تنقید بائیبل کے یقینی نتائج" کے عنوان سے مسٹر راکوس کے قلم کا لکھا ہوا ایک مضمون جون ۱۹۰۹ء کے ہارویسٹ فیلڈ مین شائع ہوا ہے صاحب مضمون اپنی تحریر مین اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہندوستانی کلیسیا کو اس نئی عالمانہ تحقیقات کے یقینی نتائج سے بیخبر نہین رکھنا چاہئیے۔ غالباً یہ وہی صاحب ہین جنہون نے اپنی اس رائے کو ایک عیسائی مجمع مین پچھلے سال بیان کیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی پادری اس پر عمل کرنے سے کتراتے ہین۔ ہم تعجب کرتے ہین کہ یہ لوگ کیوان اُن تغیرات سے جو عیسائی مذہب کے عقائد مین آج کل واقعہ ہو رہے ہین لوگون کو اطلاع دینے سے عموماً اعراض کرتے ہین اور کیون یہ باتین ان لوگون سے اتنی احتیاط سے مخفی رکھی جاتی ہین جن کو عیسائی مذہب کی دعوت کرتے ہین۔ ملک ہندوستان مین پادری لوگ ایک ایسی بائیبل کی منادی کرتے ہین جس کی نسبت وہ یہ دعوے کرتے ہین کہ وہ از سرتا پا خدا کا کلام ہے اور جس کو ہر قسم کی غلطی اور نقص سے پاک بیان کرتے ہین اور اس بات پر بھی لوگون کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہین کہ اسکی تمام قصص صحیح ہین۔ ان عقائد کو پادری لوگ بڑے زور شور سے پیش کرتے ہین اور انہی کی بنیاد پر قرآن کریم جیسی پاک اور بے عیب کتاب پر نکتہ چینی کرتے اور اسپر اعتراض کرنے کی جرأت کرتے ہین صرف اس وجہ پر کہ وہ بائیبل کے متعلق یہ بیان کرتا ہے کہ اسمین انسانی ہاتھون سے غلطیان ملی ہوئی ہین اور اسکو ایک محرف کتاب بتاتا ہے اور بعض ایسے قصے بیان کرتا ہے جو بائیبل کے بیان کردہ قصص سے بعض مواقع پر اختلاف

رکھتے ہین لیکن اب دو ہزار سال کے بعد آخر کار اس روشنی کے زمانہ مین تحقیقات کرنیسے
خود عیسائی لوگ اس نتیجہ پر پہونچ گئے ہین کہ جو بات قرآن کریم نے آج سے تیرہ سو برس
پہلے اس بائیبل کے متعلق کہی تھی جو یہودیون اور عیسائیون کے ہاتھون مین ہے -
درحقیقت وہی ٹھیک ہے - اگرچہ عیسائی لوگ اس حقیقت سے ان لوگونکو آگاہ کرنیسے
خوف کرتے ہین جن مین منادی کرنیکے لئے پادری بھیجے جاتے ہین لیکن وہ خود اس
بات پر سب کے سب متفق ہین کہ بائیبل ہین صرف خدا کا کلام ہی نہین بلکہ اس مین بہت
کچھ انسانی کلام داخل ہے - نہ ہی وہ عیوب اور غلطیون سے پاک ہے اور نہ ہی اسکے
قصص تاریخی طور پر بالکل صحیح ہین - راؤس صاحب اگرچہ اعلےٰ تنقید کے باقی نتائج سے
اتفاق کرنے مین ابھی تک متامل ہین لیکن ان کی یہ رائے ہے کہ ان مذکورہ بالا نتائج کو کو
ہندوستان مین نہایت صفائی سے کھولکر بیان کر دینا ضروری ہے - چنانچہ وہ اپنی
چیٹھی مین تحریر کرتے ہین کہ آپ کے ناظرین میرے ساتھ اس بیان مین اتفاق کرین گے
کہ "ہمارا یہ فرض ہے کہ بائیبل مین الہی الہام کی مکمل سکیم کو ہندوستانی کلیسیا کے سامنے
پیش کر دین اور اس زمانہ کی عالمانہ تحقیقات کے یقینی نتائج سے ان کو پورے طور پر
آگاہ کر دین - یہ بات بھی ہمارے فرائض مین داخل ہے کہ وہ تمام سچائی جو خداوند تعالےٰ
کیطرف سے ہمین عطا ہوئی ہے اس کلیسیا کو بھی پورا حصہ دین - خدا کی سچائی اپنی حفاظت
آپ کر سکتی ہے اور اس کو کسی انسانی جد و جہد کے پشتہ کی محتاجی نہین"

ہم نہین جانتے کہ راؤس صاحب نے کیون اس کا نام خدا کی سچائی رکھا ہے - اور
کیون اس کو انسانی خطاؤن کا مجموعہ نہین کہا جاتا جبکہ اسکا اکثر حصہ صرف انسانی انشا پردازی
سے بھرا ہوا ہے اور دوسری کتابون کی طرح ہر قسم کی غلطیون اور نقایص سے مملو ہے - تو اس کا
خدائی الہام کی سکیم نام رکھنا سراسر باطل ہے اس طرح حق اور باطل کو ملا کر خدا کی سچائی اسکا نام
دھرنا عیسائی صاحبان کے طرز بیان کا خاصہ ہے لیکن اسپر کوئی تعجب نہین کیونکہ یہ ان کی عادت
کا مقتضا ہے ورنہ اصل اعتقاد یہی ہے کہ بائیبل مین انسانی آمیزش بہت ہے - راؤس صاحب لکھتے
ہین کہ حق اپنی حفاظت خود کر سکتا ہے یہ تو سچ ہے لیکن بائیبل مین حق اور باطل دونون مخلوط ہین
اس لئے بائیبل کو پادریون کے آسرے کی ضرورت ہے -

اعلیٰ تنقید کے نتائج گو دنیا مین بہت وسیع قبولیت حاصل بھی کرلین مگر راؤس صاحب انہین
ماننے کے لئے تیار نہین معلوم ہوتے کیونکہ وہ لکھتے ہین کہ "کسی عقیدہ کا دنیا مین کثرت سے مقبول
ہو جانا اسکے سچا ہونے کی کافی دلیل نہین ٹھہر سکتی - تیس گذشتہ پچاس سالون کی تحقیقات اور

تنقید سے بعض ایسے یقینی نتائج پیدا ہو گئے ہین جن پر سب کو اتفاق ہے یا کم از کم جن سے بہت بڑے حصے کو اتفاق ہے" اور چونکہ جمہور نے ان پر اجماع کر لیا ہے اس لئے ہندوستانی کلیسیا ئین انہین عیسائی دین کی جزو سمجھکر داخل ایمان کرنا چاہیئے کیونکہ یہ نتائج عیسائی دنیا مین ہر جگہ مقبول ہو چکے ہین پھر راؤس صاحب ذیل کے امور کو ایسے یقینی نتائج سمجھتے ہین جو اب عیسائی دین کے عقائد کا جزو ہونے چاہیئے اور ان کے مطابق پرانے عقائد مین ترمیم ہونی چاہیئے"

"۱- بائیبل کا مطالعہ کرنے مین سب سے پہلا سوال یہ ہونا چاہیئے کہ اسکے مصنف کی اس سے مراد کیا تھی؟ اس زمانہ سے پہلے پہلے بائیبل کے سارا الہامی ہونے پر اس قدر زور دیا جاتا تھا کہ جو آمیزش اس مین انسانی کلام کی ہے اس کو بالکل نظرانداز کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اب یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ یہ غلطی رفع ہوکر بائیبل مین انسانی کلام کی آمیزش کو عام طور پر مان لیا گیا ہے ...... یہی کیفیت مسیح کے وجود کے متعلق بیان کی جا سکتی ہے پہلے زمانہ مین اسکی الوہیت کے عقیدے پر اسقدر زور دیا جاتا تھا کہ اس کی انسانیت اس عقیدے کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ مگر گذشتہ پچاس سالون کی تحقیقات ہمین بتاتی ہے کہ یسوع مسیح کی انسانیت کو واجب طور پر شہرت دینی ضروری ہے۔

"۲- نبی کا اصلی اور خاص منصب پیش گوئی کرنا نہین بلکہ جرأت کے ساتھ سچائی کو لوگون کے سامنے بیان کر دینا ہوتا ہے"۔

"۳- جس ٹیلے پر ہم قائم ہونا چاہتے ہین وہ مسیح ہے نہ کہ بائیبل (یعنی ہمارے عقیدہ کی بنیاد بائیبل نہین بلکہ یسوع مسیح ہے) یہ بات سچ ہے کہ مسیح کے حالات بائیبل کے پڑھنے سے معلوم ہوتے ہین۔ مگر بائیبل کے پڑھنے سے خواہ اس مین کسیقدر غلطیان ہون اسقدر علم ضرور حاصل ہو جاتا ہے جو مسیح کے نجات دہندہ ہونے پر ایمان لانے کیلئے کافی ہے" +

یہ صداقت کو آدھا تسلیم کرنا ہے

دو ہزار سال تک تو عیسائیونکو بائیبل پر پورا بھروسہ رہا۔ مگر اب ان کی آنکھین کھلی ہین اور انہین معلوم ہو گیا ہے کہ وہ اس بھروسہ کرنے مین غلطی پر تھے۔ یہ بائیبل تو بھروسہ کرنیکے لائق نہین۔ کیونکہ اس مین انسانی کلام اور غلطیون کو بہت دخل ہے لیکن راؤس صاحب کے بیان سے ہمین یقین ہوتا ہے کہ مسیح کی انسانیت جو دو ہزار سال تک قعر فراموشی اور سہو مین پڑی رہی اب ممتاز طور پر نمایان ہو گئی ہے۔ اب یہ تغیر یسوع مسیح کے بےخطا ہونیکے عقیدہ مین بھی ایک تبدیلی پیدا کر دیگا اور یون مسیح بھی انجیل کی طرح اعتبار اور بھروسہ کے پایہ سے گر جائے گا۔ علاوہ ازین جبکہ مسیح کی نسبت پورے علم حاصل کرنے کا انحصار صرف بائیبل پر ہی ہے اور یہ

بات مسلم قرار پا چکی ہے کہ بائبل غلطیون سے بھری ہوئی ہے تو اس کا نتیجہ طبعًا یہی ہوتا ہے کہ جس مسیح کا علم ایسی کتاب سے حاصل ہوتا ہے وہ اصلی مسیح نہین بلکہ جھوٹا مسیح ہے۔اور اسکے متعلق جو حالات انجیل مین درج ہین وہ بھی غلط اور جھوٹے ہین اس لئے جس مسیح کو انجیلی تعلیم پیش کرتی ہے لازمی طور پر انجیل کی تباہی کے ساتھ اسپر بھی موت وارد ہوجاتی ہے اور اسکے بے خطا سمجھنے کی غلطی انجیل کو غلطیون سے منزّہ سمجھنے کی غلطی سے بھی بہت جلد منکشف ہوجائے گی۔ بائبل پر نظر تنقید سے غور کرنے نے مسیح کے حالات کو اسی نظر سے پرکھنے کے لئے راہ کھولدی ہے اور اب کھوڑے ہی عرصہ مین ان کا اصلی رنگ نظر آجائیگا۔ بہرحال راؤس صاحب کی اس تحریر سے یہ ثابت ہے کہ انجیل مسیح کے حالات کا سچا نقشہ نہین کھینچتی کیونکہ وہ خود غلطیون سے پُر ہے۔ اس سے تیرہ سو سال پہلے قرآن کریم نے یہی فرمایا کہ انجیل سچے مسیح کو پیش نہین کرتی۔ سبحان اللہ یہ کیسا عظیم الشان قرآنی معجزہ ہے کہ اس نے جس اصلی حیثیت مین مسیح اور بائبل کا نقشہ کھینچکر دکھلایا تھا۔ اب تیرہ سو برس مخالفت رہنے کے بعد جب عیسائیون نے تنقید اور تحقیق کی نظر ڈالی تو خود یہی امر انہین بھی تسلیم کرنا پڑا کہ مسیح اور انجیل کی حقیقت کا وہی نقشہ صحیح ہے جو قرآن شریف نے ثابت کیا۔ اس کے یقین واثق پیدا ہوتا ہے کہ وہ زمانہ بہت قریب آرہا ہے کہ جب رسم و رواج کے تعلقات کو قطع کرکے اور قوم و سوسائیٹی کے رشتونکو توڑ تاڑ کر عقلمند عیسائی قرآنی صداقتوں کے انوار سے فیضیاب ہوکر اسلام کے مقدس دائرہ مین داخل ہونگے۔

"۴- بائبل مین انسانی آمیزش کے پہلو کو مدنظر رکھکر اسکا ترجمہ کرنے مین وہی اصول مدنظر رکھنے پڑینگے جو دوسری انسانی کتابون کے معنے کرنے مین ملحوظ رکھے جاتے ہین۔ ......اور یہ ہمارا فرض ہے کہ انسانی کلام اور الٰہی الہام کے درمیان تمیز کرین"

[خدا معلوم ایسی انجیل کی قسمت مین اب کیا لکھا ہے جس کی چارون کتابون مین بمشکل کوئی خدائی الہام کا کلام ہوگا)

"۵- انجیل کی غرض صرف مذہبی تعلیم دینا ہے۔ علمی تواریخی تعلیم دینا اسکا مقصود نہین تو پھر اس بات پر بحث کرنا کہ علمی اور تواریخی اصول کے لحاظ سے انجیل غلطیون سے پاک ہے کیا معنے رکھ سکتا ہے"

"۶- مذہبی تعلیم ایسے قصونکے ذریعہ سے بھی دی جاسکتی ہے جو تواریخی طور پر صحیح نہ ہون"

یہ مذکورہ بالا وہ تغیرات ہین جن کو عیسائی لوگ دو ہزار برس کے بعد اب عیسائی عقائد

مین داخل کرنیکے درپے ہورہے ہین یا دوسرے لفظون مین یہ وہ ترمیمین ہین جو پادریون نے
عیسائی عقیدہ کے لئے تجویز کی ہین کسی نے ہم کو آج تک یہ نہین بتایا کہ جن لوگون کی زندگی انہین
غلط عقائد پر ختم ہوئی انکا کیا حشر ہوگا۔ اب ہم یہ سوال کرتے ہین کہ کیا ایسا مذہب جو ہمیشہ اور
ہر زمانہ مین انسانی ہاتھون کی ترمیم اور اصلاح کا محتاج رہتا ہے۔ الہی دین ہونیکا دعوے
کر سکتا ہے۔ یہ تو اسی تبدیلیان بیان ہوئی ہین جو عام طور پر مسلم ہوچکی ہین لیکن ان کے
علاوہ بہت سی اور تبدیلیان بھی ہین جو گو بہت وسیع قبولیت حاصل کر چکی ہین لیکن ابھی تک انہین
عالمگیر قبولیت نصیب نہین ہوئی اور ابھی ان کی نسبت اختلاف الرائے ہے کیونکہ ان سے عیسائی
دین کی عمارت بالکل مسمار ہو جاتی ہے اب تو یہی بات معلوم ہوئی کہ عیسائی لوگ ایک ایسے پیچیدہ
مرحلہ پر آن پہنچے ہین جہانپر عنقریب یا تو وہ اپنے موجودہ عیسوی مذہب کو خیرباد کہنے پر مجبور
ہو جائینگے اور یا صاف طور پر انہین اقرار کرنا پڑے گا کہ انکے اعتقاد انسانی عقل کے خلاف ہین

کیا یسوع یہودیون سے نہین ڈرتا تھا

کچھ عرصہ گذرا ہے کہ ہم نے لکھا تھا کہ صلیب پر سے اتارے جانیکے بعد مسیح بہت دفعہ مختلف مقامات مین لوگونکو نظر آیا۔ اور یہ بھی لکھا تھا کہ یسوع نے خود ایک باغبان کا بھیس اسلئے بدل لیا تھا کہ اسے کسی دوسرے ملک کیطرف بھاگ جانیمین آسانی ہو اور کوئی اسکو شناخت نہ کرسکے اور اس طرح سے پھر دوبارہ یہودیونکے ہاتھ مین پڑ جانیسے بچا رہے۔ اسپر ایک عیسائی صاحب نے بڑے جوش مین آکر ہمین ایک چٹھی لکھی اور مسیح کیطرف خوف کو منسوب کرنیکی وجہ سے ہمکو سخت ناانصافی کے الزام کا مرتکب قرار دیا۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت مین کہ خود انجیلون سے یہ بات ثابت ہے کہ یسوع یہودیونکے خوف سے چھپتا پھرا۔ ہم جون سنہ ۱۹۰۸ء کے عیسائی ماہواری رسالہ ترقی کی ذیل مین عبارت نقل کرتے ہین جو زیر عنوان حیات المسیح شائع ہوئی ہے وہ لکھتا ہے "مگر مسیح نے ابھی اس دعوے (یعنے دعوے مسیح موعود) پر بہت زور دینا شروع نہین کیا تھا البتہ کبھی کبھی اشارۃً جتا دیا کرتا تھا کہ مین ہی وہ مسیح موعود ہون جسکی راہ تم دیکھ رہے ہو۔ جیسا کہ اس نے ناصرت کے عبادتخانے مین کیا۔ مگر متواتر یا پے درپے اس دعوے کو پیش نہین کرتا تھا اور اسکی وجہ یہ تھی کہ گلیل کے لوگ جلد متاثر ہوکر جوش مین آجانیوالے تھے اور وہ مسیح کی بادشاہت کی دنیوی شان و شوکت کے نہایت دلدادہ تھے۔
پس اگر انکے سامنے یہ دعوے بار بار رکھا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ رومی طاقت کا مقابلہ کرنیکے لئے بغاوت پر آمادہ ہو جاتے اور اس نامناسب حرکت کا یہ نتیجہ ہوتا کہ لوگونکے دل مسیح سے منحرف ہو جاتے اور وہ رومی تلوار کا شکار بنجاتا۔ اور اگر یہ دعوے یروشلم مین کیا جاتا تو وہان بھی یہ خطرہ تھا کہ یہودی اسکے برخلاف اٹھکر اسکا کام تمام کر ڈالتے۔ پس ہر طرح کی خلل اندازی سے بچنے کے لئے اس نے یہی بہتر سمجھا کہ اس کی ذات اور عہدے کی حقیقت کچھ عرصہ کے لئے منکشف نہ کیجائے"

اب اس جگہ اس بات کو بہت صاف لفظوں میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ موت کے خوف سے یسوع دعویٰ مسیحیت کو پیش کرنے سے ڈرتا رہا۔ خواہ اسے رومی سلطنت کی تلوار کا خوف تھا اور خواہ یہودیوں کی سختیوں کا ڈر لاحق تھا۔ اگر یہ بات سچی ہے تو اسکو ہم نہایت بزدلانہ خوف کہنے سے رک نہیں سکتے کیونکہ ایسی بزدلی انبیاء کی شان کے بالکل مخالف ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جسنے مخلوق کو خدا کا پیغام پہنچانے میں جان کو عزیز رکھا اور سمجھا ہو۔ علاوہ ازیں مسیح کی نسبت تو یہ بہت سی ضدوں کا تعجب انگیز مجموعہ نظر آتا ہے کیونکہ ایک طرف تو ہمیں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ خدا ہے اور دوسری طرف یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ وہ دعوے مسیحیت کو پیش کرنے میں لوگوں سے پرلے درجہ کی کم حوصلگی سے خوف کھاتا پھرا کہ مبادا اسکا دعوے سنکر لوگ اسے ہلاک نہ کر دیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جبکہ وہ خدا تھا تو خدا کا مخلوق سے ایسی نامردی سے ڈرتے پھرنے کے کیا معنے ہوئے۔ خدا سے ڈرنیوالے یہودیوں کا ذکر تو ہم سنتے اور پڑھتے رہے ہیں لیکن یہودیوں سے ڈرنیوالا خدا کبھی نہیں سنا تھا اور یہ خالص عیسائی ایجاد ہے جس سے دوسری دنیا محروم ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے جسے سوائے عیسائیوں کے اور کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا کہ ایکطرف تو اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ یسوع کی آمد سے صرف یہی غرض تھی کہ وہ گنہگاروں کے لئے موت قبول کرے جس سے وہ ایسا ایثار کرنیوالا اور مخلوق کا فدائی بہادر ظاہر کیا جاتا ہے کہ گویا لوگوں کے لئے فرضی سولی پر اپنی جان تک دینے کیلئے آمادہ ہے اور دوسری طرف یہ کہا جاتا ہے کہ وہ معمولی جرأت اور سچی اخلاقی دلیری سے ایسا گرا ہوا اور ایسا بزدل تھا کہ خوف سے جان بچانے کے لئے وہ اس پیغام کی تبلیغ سے احتراز کرتا رہا جسکے پہنچانے کے لئے وہ مامور کیا گیا تھا (یعنی مسیح موعود ہونیکا دعوے) یہ بات ہماری بحث سے خارج ہے ہمیں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اگر انجیلی مسیح ایسے بزدلانہ طور پر خوف کھانیکا مرتکب ہوا ہے جو اخبار ترقی سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر ہمارے دعوے پر کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا وہ واقعہ صلیب کے بعد خوف کے مارے باغبان کا بھیس بدل تن تنہا دور دراز ملک کو اس خیال سے بھاگ گئے تھے کہ مبادا پھر یہودیوں کے ہاتھ میں پڑ جائیں اور یہ خوف نہایت اعلےٰ اغراض پر مبنی تھا کیونکہ اس سے غرض یہ تھی کہ وہ خدا کا کلام بنی اسرائیل کی ان قوموں کو جا کر سنا دیں جو دوسرے ملکوں میں آباد ہو گئی تھیں اور یہ سچی بات ہے کہ انہوں نے اس کام کو پورا کیا۔ مشنری پرستاروں کے خلاف ہم تو اسکی اتنی عزت کرتے ہیں اور اس بات کو مانتے ہیں کہ اس موقعہ پر مسیح نے واقعی طور پر خوف نہیں کھایا بلکہ جیسا کہ ہر ایک نیک آدمی کا فرض ہے کہ وہ اپنی قیمتی جان کی حفاظت کا خیال رکھے اسی طرح اس نے بھی اس موقعہ پر ایک اعلےٰ درجہ کی احتیاط سے کام لیکر صلیب کے بعد اس ملک سے بھاگ نکلنے کی کوشش میں کامیابی حاصل کی +

"ضروری عرضداشت وشکریہ معاونین"

کثرت اشاعت و اعانت میگزین کے متعلق جس قدر حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام نے تاکید اکید فرمائی ہے اس تاکیدی ارشاد کے پرزور الفاظ کا اعادہ بغرض آگاہی جملہ احباب و برادران گذشتہ پیوستہ پرچہ جات مین متواتر کیا جاتا رہا ہے۔ اور جن پرجوش باہمت و مخلص احباب نے اس کارخیر مین محض بغرض ابتغائے لمرضاۃ اللہ خاص حصہ لیکر الگ الگ معتد بہ رقوم سے اعانت فرمائی ہے انکی ایسی امداد کا تذکرہ بھی خاص شکریہ کے ساتھ پچھلے پرچہ جات مین ہوتا رہا ہے بعض برادران کی تازہ خدمات و امداد نے از سر نو انکے شکریہ کا تازہ موقعہ دیا ہے۔ جناب منشی عبد العزیز صاحب عرف محمد وزیر صاحب ملک برھانے حال ہی مین ایکسو پچاس روپیہ بطور امداد بھیجا ہے یہ صاحب پہلے حضرت اقدس کے ارشاد کی تعمیل مین کئی سو روپیہ کی امداد میگزین مین دے چکے ہین۔ علی ہذا القیاس چودہری سرفراز خان و کرم الہی صاحبان بدوملی ضلع سیالکوٹ بھی خاص شکریہ کے مستحق ہین جنہون نے اب یکمشت ایکسو پچاس روپیہ کی امداد فرمائی ہے۔ اصل مین چودھری صاحبان تین سو پچاس روپیہ امداد میگزین کیلئے لائے تھے مگر لنگر کی ضروریات موجودہ کو دیکھکر دو سو روپیہ امداد لنگر مین دیدیا اور ایکسو پچاس روپیہ امداد میگزین کے حصہ مین آیا۔ ہر سہ برادران نے ہمدردی و اخلاص مندی کا ایک تازہ قابل تقلید نمونہ دکھلایا ہے اللہ تعالے انکو اس امداد فی سبیل اللہ کی جزائے خیر دیوے اور دیگر جملہ برادران کو انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور ان کی روح و روان کو ایسے جوش اور ہمدردی سے بھر دے کہ وہ پیارے امام صادق علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمان پر اپنا مال و جان نثار کرتے ہوئے اس کارخیر مین وہ ہمت دکھلاوین کہ حضرۃ اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد تک رسالہ کے جلدی پہونچنے مین کوئی دقت پیش نہ آوے +

حضرت اقدس کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل اور اس رسالہ کی کثرت اشاعت کیضرورت اس امر کے مقتضی ہین کہ جملہ احباب اس قابل قدر نمونہ کی تقلید کرکے حضرت اقدس کے ارشاد کو ہر وقت تازہ ارشاد سمجھکر اسکی تعمیل مین ہر وقت کوشان رہین ان کی یہ لگا یو فی سبیل اللہ انکے لئے حسنات دارین حاصل کرنیکا ذریعہ ہوگی + توشہ عقبے حاصل کرنیکا عین موقعہ ہے اس خدمت کی بجا آوری کا اس سے عمدہ موقعہ حسنہ نہین ملسکتا۔ اب وقت کی قدر کرکے سابق بالخیرات بنین اور جن اغراض کیلئے یہ مرسل من اللہ مامور ہو کر آیا ہے ان اغراض و مقاصد مین اسکی امداد کرکے معیت صادقین کی اعلی منزل کو طے کرین جو حقیقی کامیابی و فایز المرامی کا اصلی زینہ ہے اللہ کرے ایسا ہی ہو آمین ثم آمین والسلام علیکم

"ضروری استدعاء"

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہین اور اپنے مقامی اسٹیشن مین کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونیکی باعث نہین کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑین وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانٹیر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائین - یہ دکان میرے متعلق ہے انہین نقصان نہین اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے +

المشتہر - خواجہ کمال الدین وکیل پشاور

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم مولوی فضلدین صاحب طبع ہوا +

تصحیح - پرچہ ہذا کے صفحہ ۲۳۳ کی سطر ۱۴ مین بجائے لفظ غیرت کے غیریت اور صفحہ ۲۳۶ سطر ۱۲ میں بجائے فالحمدللہ کے فالحمداللہ غلطی سے لکھا گیا۔

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابتہ ماہ اگست ۱۹۰۴ء نمبر ۸

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - اگست سنہ ۱۹۰۴ء کو شایع ہوا ✤ چندہ سالانہ اردو پرچہ - عکم

التماس ضروری

اُس تاکید مجسم ارشاد حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس مین اس رسالہ کے اجرائے وشیوع کے اصل اغراض و مقاصد ظاہر کر کے اسلام کو جملہ مخالفین کے مہلک حملون کی باد صرصر سے بچانے اور اسکے قالب مردہ مین روح حیات ڈالنے اور اہل اسلام میں دوبارہ روحانیت پیدا کرنے اور عوام الناس کو ضلالت اور جہالت کے خطرناک گڑھے مین گرنے اور مخالفین کے دام تزویر سے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا تھا۔ اسکے قیام واستحکام کے بارہ مین اعانت اشاعت رسالہ کی تحریک کیغرض سے اب بار بار لمبے چوڑے الفاظ مین کچھ زیادہ قلم فرسائی کرتے رہنا ہمارے نزدیک غیر ضروری اور محض تحصیل حاصل ہے کیونکہ امام صادق علیہ السلام نے اپنی جماعت کو اپنے اس ارشاد مین جس قدر تاکید اکید فرمائی ہے اور حد سے بڑھے ہوئے پر زور الفاظ مین اپنے پُرجوش مخلصین کو اس کی خریداری کیجانب ملتفت کرنا چاہا ہے اس سے بڑھکر اور کوئی پرہیبت اور پرشوکت تاکیدی الفاظ نہین ملسکتے جو اپنی جماعت کے بیدار کرنے کیلئے معرض تحریر مین لائے جاوین۔ کیا اپنی جماعت کے مخلص و پرجوش باہمت احباب کے لئے حضرت اقدس کی جانب سے یہ کچھ کم تاکیدی الفاظ تھے کہ "مین پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردونکو اس طرف توجہ دلاتا ہون کہ وہ اس رسالہ کی اعانت اور مالی امداد مین جہانتک ان سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاوین۔ جو کوئی میری موجودگی اور میری زندگی مین میری منشاء کے مطابق میری اغراض مین مدد دیگا مین امید رکھتا ہون کہ وہ قیامت مین بھی میرے ساتھ ہوگا" حضرت اقدس نے صرف انہی الفاظ پر ہی اکتفا نہین کی بلکہ اس رسالہ کی خریداری و مالی اعانت کے واسطے مکرر الفاظ ذیل مین تاکید فرمائی ہے۔ کہ "تمہین معلوم نہین کہ اسوقت رحمت الٰہی اس دین کی تائید مین جوش مین ہے۔ واقعی وہی شخص اس جماعت مین داخل سمجھا جاویگا کہ اپنے عزیز مال کو اس راہ مین خرچ کریگا۔ مین بار بار کہتا ہون کہ اس خدمت مین جان توڑ کوشش کرو"

اپنی جماعت کو اس رسالہ کی اعانت کے لئے سخت تاکید فرماتے ہوئے اس ارشاد کی آخری سطور مین ظاہر فرمایا ہے کہ "اگر بیعت کرنیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہکر اس بارہ مین کوشش کرین تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہین ہے بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہوگا" اگرچہ حضرت اقدس کے اُس تاکیدی ارشاد کے نکلنے پر ابتدائی تازہ جوش مین اپنی جماعت کے ہر طبقہ کے احباب نے حسب استطاعت اسکی مالی امداد اور اشاعت مین حتی الوسع بہت کچھ سعی فرمائی۔ اور اپنے اخلاص مندی و ہمت کا ایک قابل تقلید نمونہ دکھلایا اور اسی کوشش کا ثمرہ ہے۔ کہ تعداد خریداری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وحی الہٰی کی ضرورت

ہندوستان مین برہمو سماج ایک ایسا فرقہ ہے اور اس کے امثال یورپ اور دیگر عیسائی ممالک مین بکثرت موجود ہین جن کے نزدیک الہام الہٰی خدا تعالیٰ کی شناخت اور نجات کے لئے ضروری نہین اور نہ ہی انسانون کی ہدایت کے لئے کسی الہامی کتاب کی ضرورت ہے بلکہ ان لوگون کے نزدیک انسانی عقل ہی ان سب باتون کے لئے کافی ہے۔ اصل مین اس فرقہ کے انکار ضرورت الہام کی وجہ یہی ہوئی ہے کہ بائیبل اور ویدون مین جس الہام کو انہون نے دیکھا ہے اسے ناقص پایا ہے۔ اور اس نقص کو دیکھکر آہستہ آہستہ انکار الہام ہی کر دیا ہے اس کی نظیر عیسائی مذہب مین ایک اور بھی پائی جاتی ہے کہ جب عقلمند اور فہیم لوگون نے یسوع کے نقصون اور کمزوریون پر غور کیا تو اس کے خدا سے انہین مجبوراً انکار کرنا پڑا۔ لیکن چونکہ عیسائی عقیدہ نے یسوع کو ہی خدا بنا کر ان کے سامنے پیش کیا تھا اس لئے یسوع کی خدائی کے انکار کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بھی منکر ہو گئے پس جیسے جیسے اور زندہ خدا کے وجود سے بے علمی کے باعث عیسائی لوگ دہریہ ہو گئے ایسے ہی اکثر ان کے اور ہندوؤن کا ایک فرقہ جیسے اور کامل الہام اور زندہ الہامی کتاب یعنی قرآن کریم سے ناواقفی کے سبب سے اور زندہ سرچشمہ الہام سے محرومی کی وجہ سے ضرورت اور وجود الہام کا انکار کر بیٹھے ہین۔ حضرت مسیح موعود نے جو خدا کی زندہ وحی کا مورد اور اس کے زندہ مکالمہ سے مشرف ہے اس فرقہ کا رد اور ان کے اعتراضون کا استیصال قطعی اور یقینی دلایل سے اپنی مشہور و معروف تصنیف براہین احمدیہ مین کیا ہے اور ذیل مین ہم اس بے نظیر کتاب سے بعض مقامات نقل کرتے ہین تا کہ طالب حق کو معلوم ہو کہ یہ فرقہ کس قدر سخت غلطی اور گمراہی مین مبتلا ہے۔

اس مین کچھ شک نہین کہ بلا۔ عند النسان کا ایسا نیک خاتمہ ہو جانا جسپر بالیقین نجات کی امید

اس بات پر موقوف ہے کہ اس کو صانع حقیقی کے وجود اور اسکے قادر مطلق ہونے کی نسبت اور اس کے وعدہ جزا سزا کی بابت یقین کامل کا مرتبہ حاصل ہو جائے اور یہ امر صرف ملاحظہ مخلوقات سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ اس مرتبہ یقین تک پہنچانے کے لئے ایک ایسی الہامی کتاب کی ضرورت ہے جسکی مثل بنانا انسانی طاقتوں سے باہر ہو۔ اب اس تقریر کو اچھی طرح سمجھانیکے لئے دو باتوں کا بیان کرنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ یقینی طور پر نجات کی امید یقین کامل سے کیوں وابستہ ہے دوم یہ کہ وہ یقین کامل ملاحظہ مخلوقات سے کیوں حاصل نہیں ہو سکتا۔ سو پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ یقین کامل اس اعتقاد صحیح جازم کا نام ہے جس میں کوئی احتمال شک کا باقی نہ رہے اور امر مقصود التحقیق کی نسبت پوری پوری تسلی اور تشفی دلکو حاصل ہو جائے اور ہر ایک اعتقاد جو اس حد سے متنزل اور فروتر ہو وہ مرتبہ یقین کامل پر نہیں ہے بلکہ شک یا غایت کار ظن غالب ہے اور یقینی طور پر نجات کی امید یقین کامل پر اس لئے موقوف ہے کہ مدار نجات کا اس بات پر ہے کہ انسان اپنے مولے کریم کی جانب کو تمام دنیا اور اسکے عیش وعشرت اور اسکے مال ومتاع اور اسکے تمام تعلقات پر یہانتک کہ اپنے نفس پر بھی مقدم سمجھے اور کوئی محبت خدا کی محبت پر غالب ہونے نہ پاوے۔ لیکن انسان پر یہ بلا وارد ہے کہ وہ برخلاف اس طریقے جس پر اس کی نجات موقوف ہے ایسی چیزوں سے دل لگا رہا ہے جنسے دل لگانا خدا سے دل ہٹانے کو مستلزم ہے اور دل بھی ایسا لگایا ہوا ہے کہ یقینی طور پر سمجھ رہا ہے کہ تمام راحت اور آرام میرا انہیں تعلقات مین ہے اور نہ صرف سمجھ رہا ہے بلکہ وہ لذات بہ یقین کامل اس کے لئے مشہود اور محسوس ہین جن کے وجود مین اس کو ایک ذرا سا شک نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ جب تک انسان کو خدائے تعالے کے وجود اور اس کی لذت وصال اور اس کی جزا سزا اور اس کی آلاء نعماء کی نسبت ایسا یقین کامل نہ ہو جیسا اس کو اپنے گھر کی دولت پر اور اپنے صندوق کے گنے ہوئے روپیوں پر اور اپنے ہاتھ کے لگائے ہوئے باغوں پر اور اپنی زرخرید یا موروثی جایداد پر اور اپنی آزمودہ اور چشیدہ لذتوں پر اور اپنے دلارام دوستوں پر حاصل ہے تب تک خدا کیطرف دلی جوش سے رجوع لانا محال ہے کیونکہ کمزور خیال زبردست خیال پر غالب نہیں آسکتا اور بلاشبہ یہ بات سچ ہے کہ جب ایسا آدمی جسکا یقین بہ نسبت امور آخرت کے دنیا پر زیادہ ہے اس مسافرخانے سے کوچ کرنے لگے اور وہ نازک وقت جسکو جان کندن کہتے ہین یکایک اسکے سر پر نمودار ہوکر اسکو ان یقینی لذات سے دور ڈالنا چاہے جو دنیا مین اس کو حاصل ہین اور اسکو ان پیاروں سے علیحدہ کرنا چاہے جنکو وہ یقیناً بچشم خود ہر روز دیکھتا ہے اور ان مالوں اور ملکوں اور دولتوں سے اس کو جدا کرنے لگے جن کو وہ بلاشبہ اپنی ملکیت سمجھتا ہے تو ایسی حالت مین ممکن نہیں کہ اسکا خیال خدا تعالے کی طرف قایم رہے مگر صرف اسی صورت مین کہ جب اس یقین کامل کے مقابل پر خدائے تعالے کے وجود اور اس کی لذت وصال اور اسکے وعدہ جزا سزا

پر بھی ایسا ہی یقین کامل بلکہ اس سے زیادہ ہو اور اگر اس آخری وقت مین اس درجہ کا یقین جو
خیالات دنیوی کی مدافعت کر سکے اسکو حاصل نہ ہو تو یہ امر غالباً اس کے لئے بدخاتمہ کا موجب ہوگا۔
اور یہ بات کہ صرف ملاحظہ مخلوقات سے یقین کامل حاصل نہین ہو سکتا۔ اس طرح پر ثابت ہے۔ کہ
مخلوقات کوئی ایسا صحیفہ نہین ہے کہ جس پر نظر ڈالکر انسان یہ لکھا ہوا پڑھ لے کہ ہان اس مخلوق کو
خدا نے پیدا کیا ہے اور واقعی خدا موجود ہے اور اسی کی لذت وصال راحت حقیقی ہے اور وہی مطیعونکو
جزا اور نافرمانون کو سزا دیگا۔ بلکہ مخلوقات کو دیکھکر اور اس عالم کو ایک ترتیب احسن اور ابلغ پر مرتب پاکر
فقط قیاسی طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مخلوقات کا کوئی خالق ہونا چاہئے اور لفظ ہونا چاہئے۔ اور
ہے کے مصداق مین بڑا فرق ہے مفہوم "ہونا چاہئے" اس یقین جازم تک نہین پہونچا سکتا جس تک
مفہوم "ہے" کا پہنچاتا ہے بلکہ اس مین کسی قدر رگ شک باقی رہ جاتی ہے اور جو شخص کسی امر کی نسبت
بطور قیاسی ہونا چاہئے کہتا ہے اسکے قول کا صرف اسقدر خلاصہ ہے کہ میرے قیاس مین تو ہونا
لازم ہے اور آگے مجھے خبر نہین کہ واقعہ مین ہے بھی یا نہین۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ فقط مخلوقات پر
نظر کرنے والے گذرے ہین وہ نتیجہ نکالنے مین کبھی متفق نہین ہوئے اور نہ اب ہین اور نہ آیندہ ہونا
ممکن ہے ہان اگر آسمان کے کسی گوشہ پر موٹی جلی قلم سے یہ لکھا ہوا ہوتا کہ مین بے مثل و مانند خدا
ہون جس نے ان چیزونکو بنایا ہے اور جو نیکون اور بدون کو ان کی نیکی اور بدی کا عوض دے گا
تو پھر بلاشبہ ملاحظہ مخلوقات سے خدا کے وجود پر اور اس کی جزا سزا پر یقین کامل ہو جایا کرتا اور ایسی
حالت مین کچھ ضرور نہ تھا کہ خدائے تعالے کوئی اور ذریعہ یقین کامل تک پہونچانے کا پیدا کرتا لیکن
اب تو وہ بات نہین ہے اور خواہ تم کیسی ہی غور سے زمین آسمان پر نظر ڈالو کہین اس تحریر کا پتہ
نہین ملیگا صرف اپنا قیاس ہے اور بس۔ اسی جہت سے تمام حکما اس بات کے قایل ہین کہ زمین
آسمان پر نظر ڈالنے سے وجود باری کی نسبت شہادت واقعہ حاصل نہین ہوتی۔ صرف ایک
شہادت قیاسی حاصل ہوتی ہے جسکا مفہوم فقط اس قدر ہے کہ ایک صانع کا وجود چاہئے اور
وہ بھی اس کی نظر مین کہ جو وجود ان چیزون کا خود بخود ہونا محال سمجھتا ہو۔ لیکن دہریہ کی نظر مین
وہ شہادت درست نہین کیونکہ وہ قدامت عالم کا قایل ہے۔ اسی بنا پر اس کی یہ تقریر ہے کہ اگر
کوئی وجود بے موجد جایز نہین تو پھر خدا کا وجود بے موجد کیون جایز ہے۔ اگر جایز ہے تو پھر انہین
چیزونکا وجود جنکو کسی نے بنتے ہوئے بچشم خود نہین دیکھا بے موجد کیون نہ مانا جائے۔ اب ہم
کہتے ہین کہ وجود قدیم حضرت باری مین تب ہی دہریہ کو ایک قیاس پرست کے ساتھ نزاع
کرنے کی گنجایش ہے کہ مخلوقات پر نظر کرنے سے واقعی شہادت صانع عالم پر پیدا نہین
ہوتی۔ یعنی یہ ظاہر نہین ہوتا کہ فی الحقیقت ایک صانع عالم موجود ہے بلکہ صرف اسقدر ظاہر ہوتا

ہے کہ ہونا چاہئے اور اسی وجہ سے امر معرفت صانع عالم کا صرف قیاسی طور سے دہریہ مشتبہ ہو جاتا ہے۔ عقل صرف موجود ہونے کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے۔ خود موجود ہونا ثابت نہیں کر سکتی اور کسی وجود کی ضرورت کا ثابت ہونا شے دیگر ہے اور خود اس وجود ہی کا ثابت ہو جانا یہ اور بات ہے پس جس کے نزدیک معرفت الٰہی صرف مخلوقات کے ملاحظہ تک ہی ختم ہے اسکے پاس اقرار کرنے کا کوئی سامان موجود نہیں کہ خدا فی الواقع موجود ہے بلکہ اسکے علم کا اندازہ صرف اسقدر ہے کہ ہونا چاہئے اور وہ بھی تب کہ جب دہریہ مذہب کی طرف نہ جھک جائے یہی وجہ ہے کہ جو لوگ انکا ہمیں سے محض قیاسی دلائل کے پابند رہے انہوں نے بڑی بڑی غلطیاں کیں۔ وہ اٹکلوں پر اپنا کام چلاتے رہے اور خدا کو موجود فی الحقیقت یقین کرنا انہیں نصیب نہ ہوا بلکہ ان کی عقل نے اگر بہت ہی ٹھیک ٹھیک دوڑ کی تو فقط اسقدر کہ ایک صانع کے موجود ہونے کی ضرورت ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس ادنے خیال میں بھی ہریوں کی طرح ان کو شکوک اور شبہات ہی پڑتے رہے۔ اور طریقہ حقہ پر ان کا قدم نہیں پڑا۔ بعض خدا کے مدبر بالارادہ ہونے سے انکاری رہے۔ بعض اسکے ساتھ شریک بنا بیٹھے۔ بعض نے جمیع ارواح کو خدا کی طرح قدیم ٹھہرایا جنکے وارث اب تک آریہ سماج والے چلے آتے ہیں۔ بعض نے ارواح انسانیہ کی بقا کو اور جزا و سزا کو تسلیم نہ کیا۔ بعض نے زمانہ کو ہی خدا کی طرح موثر حقیقی قرار دیدیا۔ بعض نے خدا کے عالم بالجزئیات ہونے سے منہ پھیر لیا۔ بعض بتوں پر ہی قربانیاں چڑھاتے رہے اور بعض دیوتاؤں کے آگے ہی ہاتھ جوڑتے رہے اور بہتیرے بڑے بڑے حکیم خداوند تعالےٰ کے وجود سے ہی منکر رہے۔ اور کوئی ان میں ایسا نہ ہوا کہ ان تمام مفاسد سے بچ جاتا۔ پس مجرد ملاحظہ مخلوقات سے ہرگز یقین کامل حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ کبھی کسی کو ہوا ہے بلکہ جسقدر حاصل ہو سکتا ہے اور شاید بعضوں کو ہوا ہو وہ اسی قدر ہے جو ہونا چاہئے کا مصداق ہے اور یہ بھی وجود صانع عالم کی بابت ہے اور جزا سزا وغیرہ میں تو اتنا بھی نہیں۔ اور جبکہ مخلوقات پر نظر ڈالنے سے یقین کامل حاصل نہ ہو سکا تو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی پڑی۔ یا تو یہ کہ خدا نے یقین کامل تک پہونچانے کا ارادہ بھی نہیں کیا اور یا یہ کہ ضرور اس نے یقین کامل تک پہونچانے کے لئے کوئی ذریعہ رکھا ہے۔ لیکن امر اول الذکر تو بدیہی البطلان ہے اور کسی عاقل کو اسکے باطل ہونے میں کلام نہیں۔ امر دویم کے قرار دینے کی حالت میں یعنے اس صورت میں کہ جب ہم تسلیم کریں کہ خدا نے مخلوقات کی نجات کے لئے ضرور کوئی کامل ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ بجز اس بات کے ماننے کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ کامل ذریعہ وحی الٰہی ہے اور عقل نہیں۔ کیونکہ جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے بذریعہ قیاسات عقلیہ کے جو کچھ خدا اور امور آخرت

کے بارہ مین سوچا جاتا ہے یا فکر کیا جاتا ہے اس سے نہ یقین کامل حاصل ہوتا ہے نہ معرفت کامل
اور جو جو وساوس قیاس پرستون کے دل مین کھٹکتے رہتے ہین ان کا تدارک بجز الہام کے ہو ہی
نہین سکتا۔ اگر نیچر سے اسقدر سمجھا بھی گیا کہ عالم کا ایک صانع ضرور چاہیئے۔ لیکن اسکا بیان
کرنے والا کون ہے کہ وہ صانع ہے بھی۔ ہان یہ سچ ہے کہ عمارت کو دیکھ کر معمار پر یقین آسکتا ہے
پر وہ یقین عادی طور پر ہم کو حاصل ہے کیونکہ جیسے ہم عمارتون کو دیکھتے ہین ویسے ہی معمارون کو بھی دیکھتے ہین لیکن زمین آسمان کے
بنانے والے کو کون دکھاوے۔ اس کا تو تب ہی پورا پورا یقین آوے کہ جب معمارون کی طرح اس کا
بھی کچھ پتہ لگے۔ اگر عقل نے گواہی بھی دی کہ کوئی اس عالم کا بنانیوالا چاہیئے تو وہی عقل پھر
آپ ہی حیرت کے دریا مین ڈوبے گی۔ اگر یہ خیال سچا ہے تو پھر اس صانع کا آجتک کوئی پتہ
بھی تو لگا ہوتا۔ پس اگر عقل نے صانع کے وجود کیطرف کسیقدر رہبری بھی کی تو پھر دیکھنا چاہیئے
کہ رہزن بھی تو وہی عقل ہوئی۔ کسی کو دہریہ بنایا کسی کو طبعیہ۔ کوئی کسیطرف جھکا اور کوئی کسی طرف
بھلا فقط عقلی خیال سے کہ جس کی تصدیق کبھی نہین ہوئی اور نہ آیندہ کبھی ہوگی۔ یقین کیونکہ
آوے۔ اگر عقل نے قیاس بھی دوڑایا کہ بنانیوالا ضرور چاہیئے۔ تو اب کون ہے کہ ہمین پوری
پوری تسلی دے کہ اس قیاس مین کچھ دھوکا نہین۔ اور اس سے زیادہ اگر ہم غور بھی کرین
تو کیا کرین اگر عقل سے ہی پورا پورا کام نکلتا ہے تو پھر کیون عقل ہمین راستے مین چھوڑ کر آگے
چلنے سے انکار کرتی ہے۔ کیا مرتبہ اعلےٰ ہماری معرفت اور خدا شناسی کا یہی ہے کہ ہم صرف اتنے
پر ہی کفایت کرین۔ کہ کوئی بنانیوالا چاہیئے کیا ایسے اٹکل پچو خیال سے ہم اس خوشحالی دائمی کے
وارث ہو سکتے ہین کہ جو کامل الیقین اور کامل المعرفت لوگون کے لئے تیار کیگئی ہے۔ جس یقین کامل
کے لئے ہماری روح تڑپتی ہے اگر وہ صرف عقل سے ہم کو ملجاتا تو پھر یہ قول بھی ہمارا اچھا ہوتا
کہ اب ہمین الہام کی کچھ حاجت نہین۔ ہم اپنے مطلب کو پہونچگئے۔ لیکن جب بیمار ہو کر پھر بھی
علاج کے متلاشی نہ ہون اور صحت کامل کے وسائل طلب نہ کرین تو یہ ہماری بدبختی کی نشانی ہے
خوب سوچ کر دیکھ لو کہ الہام کے بغیر نہ یقین کامل ممکن ہے نہ غلطی سے بچنا ممکن۔ نہ توحید
خالص پر قائم ہونا ممکن ہے۔ نہ جذبات نفسانیہ پر غالب آنا جیز امکان مین داخل ہے۔ وہ
الہام ہی ہے جسکے ذریعہ سے خدا کی نسبت ہے کی دھوم مچی ہوئی ہے اور تمام دنیا ہست
ہست کرتی اسکو پکار رہی ہے۔ وہ الہام ہی ہے جو ابتدا سے دلون مین جوش ڈالتا آیا کہ خدا
موجود ہے۔ وہ الہام ہی ہے جس سے پرستارونکو پرستش کی لذت آتی ہے اور ایماندارونکو
خدا کے وجود اور عالم آخرت پر تسلی ملتی ہے۔ وہی ہے جس سے کروڑہا عارفون نے بڑی
استقامت اور جوش محبت الٰہیہ سے اس مسافرخانہ کو چھوڑا۔ وہی ہے جس کی صداقت پر

ہزارہا شہیدون نے خون سے مہرین کردین۔ ہان وہی ہے جس کی قوت جاذبہ سے بادشاہون نے فقر کا جامہ پہن لیا۔ بڑے بڑے مالدارون نے دولتمندی پر درویشی اختیار کر لی۔ اسی کی برکت سے لاکھون اُمی اور ناخواندہ اور بوڑھی عورتون نے بڑے پرجوش ایمان سے کوچ کیا۔ وہی ایک کشتی ہے جسنے بارہا یہ کام کر دکھایا کہ بیشمار لوگونکو ورطہ مخلوق پرستی اور بدگمانی سے نکالکر ساحل توحید اور یقین کامل تک پہنچا دیا۔ وہی آخری دم کا یار اور نازک وقت کا مددگار ہے۔ لیکن فقط عقل کے پردہ سے جسقدر دنیا کو ضرر پہنچا وہ پوشیدہ نہین۔ کس نے افلاطون اور اسکے توابع کو خدا کی خالقیت سے منکر بنایا۔ کس نے جالینوس کو روحون کے باقی رہنے اور جزا سزا کے بارہ مین شک مین ڈالدیا۔ کس نے تمام حکیمون کو خدا کے عالم بالجزئیات ہونے سے انکاری کیا۔ کس نے بڑے بڑے فلاسفرون سے بت پرستی کرائی۔ کیا یہی عقل نہین تھی جس کے ساتھ الہام نہ تھا۔ یہ شبہ پیش کرنا کہ بہت سے لوگ الہام کے تابع ہوکر بھی مشرک بن گئے۔ نئے نئے خدا بنا لئے درست نہین۔ کیونکہ یہ خدا کے سچے الہام کا قصور نہین بلکہ ان لوگون کا قصور ہے جنہون نے سچ کے ساتھ جھوٹ ملا دیا اور خدا پرستی پر ہوا پرستی کو اختیار کر لیا۔ پھر بھی الہام الٰہی ان کے تدارک سے غافل نہین رہا۔ اور ان کو فراموش نہین کیا۔ بلکہ جن جن باتون مین وہ حق سے دور پڑ گئے دوسرے الہام نے ان کی اصلاح کی اور اگر یہ کہا جائے کہ عقل کا بگاڑ بھی نیم عاقلون کا قصور ہے نہ عقل کامل کا قصور۔ تو یہ قول صحیح نہین۔ ظاہر ہے کہ عقل اپنے اطلاق اور کلیت کے مرتبہ مین تو کوئی کارروائی نہین کر سکتی۔ کیونکہ اس مرتبہ مین وہ ایک کلی ہے۔ اور کلی کا وجود بجز وجود افراد متحقق نہین ہو سکتا۔ بلکہ کیفیت اس کی بذریعہ افراد کے معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ایسا فرد کامل کون دکھا سکتا ہے جسنے فقط عقل کا تابع ہوکر اپنے خود تراشیدہ عقائد مین غلطی نہین کی۔ الٰہیات کے بیان مین کبھی ٹھوکر نہین کھائی۔ ایسا عاقل کہان ہے جسکا یقین وجود صانع عالم اور جزا سزا وغیرہ امور معاد پر ہستے کے مرتبہ پر پہنچ گیا ہو جس کی توحید مین شرک کی کوئی رگ باقی نہ رہی ہو۔ جسکے جذبات نفسانیہ پر رجوع الی اللہ غالب آگیا ہو بلکہ خود حکما کا اقرار ہے کہ انسان مجرد عقل کے ذریعہ سے الٰہیات کے مسائل مین مرتبہ یقین کامل تک نہین پہنچ سکتا بلکہ صرف ایک مشتبہ اور مظنون رائے کا مالک ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک کسی کا علم مشتبہ اور مظنون ہے اور مرتبہ یقین سے متنزل اور فروتر۔ تب تک غلطی کرنیسے اسکو امن حاصل نہین جیسے اندھے کو راستہ بھولنے سے۔ اور یہ خیال کرنا کہ مجرد عقل سے غلطیان تو ہو جاتی ہین۔ پر وہ مکرر سہ کرر نظر سے رفع بھی ہو جاتی ہین یہ بھی غلطی ہے کیونکہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہین کہ عقل انسانی سے امور ماوراء المحسوسات مین بوجہ نقصان مرتبہ بصیرت کامل کبھی نہ کبھی اور کہین نہ کہین غلطی ہو جانا

ایک امر لازمی ہے جس سے کسی عاقل کو انکار نہین لیکن ہر ایک غلطی پر متنبہ ہو جانا اور اس کی اصلاح کر لینا لازمی امر نہین۔ پس ظاہر ہے کہ لازمی کا تدارک غیر لازمی سے ہمیشہ اور ہر حال مین ممکن نہین بلکہ غلطی لازمی کی اصلاح وہی شے کر سکتی ہے جس کو بمقابلہ اسکے صحت و راستی لازم ہو۔ جس مین ذٰلک الکتاب لاریب فیہ کی صفت پائی جائے +

اور یہ بات کہ کیون توحید خالص الہام الہی کے بغیر حاصل نہین ہو سکتی اور کیون الہام کا فکر شرک کی آلودگی سے پاک نہین ہوتا۔ خود توحید کی حقیقت پر نظر کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے کیونکہ توحید اس بات کا نام ہے کہ خدا کی ذات اور صفات کو شرکت بالغیر سے منزہ سمجھین اور جو کام اس کی طاقت اور قوت سے ہونا چاہیئے وہ کام دوسرون کی طاقت سے انجام پذیر ہوتا روا نہ رکھین۔ اسی توحید کے چھوڑنے سے آتش پرست بت پرست وغیرہ وغیرہ مشرک کہلاتے ہین۔ کیونکہ وہ اپنے بتون اور دیوتاؤن سے ایسی ایسی مرادین مانگتے ہین جنکا عطا کرنا صرف خدا کے ہاتھ مین ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو لوگ الہام سے انکاری ہین وہ بھی بت پرستون کی طرح خدا کی صفتون سے مخلوق کا متصف ہونا اعتقاد رکھتے ہین۔ اور اس قادر مطلق کی طاقتون کا بندون مین پایا جانا مانتے ہین۔ کیونکہ انکا یہ خیال ہے کہ ہم نے اپنی عقل ہی کے زور سے خدا کا پتہ لگایا ہے اور ہمین انسانونکو ابتدا مین یہ خیال آیا تھا کہ کوئی خدا مقرر کرنا چاہیئے۔ اور ہماری ہی کوششون سے وہ گوشہ گمنامی سے باہر نکلا۔ شناخت کیا گیا۔ معبود خلایق ہوا۔ قابل پرستش ٹھہرا۔ ورنہ پہلے اسے کون جانتا تھا۔ اسکے وجود کی کسے خبر تھی۔ کیا یہ اعتقاد بت پرستونکے اعتقاد سے کچھ کم ہے ؟ ہرگز نہین! اگر کچھ فرق ہے تو صرف اتنا کہ بت پرست لوگ اَور اَور چیزونکو اپنا منعم اور محسن قرار دیتے ہین اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر اپنی ہی عقل کو اپنا ہادی اور محسن قرار دیتے ہین۔ بلکہ اگر غور کرین تو بت پرستون سے بھی ان کا پلہ کچھ بھاری معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگرچہ بت پرست اس بات کے تو قایل ہین کہ خدا نے ہمارے دیوتاؤن کو بڑی بڑی طاقتین دے رکھی ہین اور وہ کچھ نذر نیاز لیکر اپنے پوجاریون کو مرادین دیدیا کرتے ہین لیکن ابتک انہون نے یہ رائے ظاہر نہین کی کہ خدا کا پتہ انہین دیوتاؤن نے لگایا ہے اور یہ نعمت عظمے وجود حضرت باری کی انہین کے زور بازو سے معلوم ہوئی ہو مگر یہ بات منکرین الہام کو ہی سوجھی کہ انہون نے خدا کی ہستی کا کھوج اپنی عقل ہی سے لگایا۔ گویا خدا کا احسان تو ان پر کیا ہونا تھا ایک طور پر انہین کا احسان خدا پر ہے۔ کہ اس بات کی پختہ خبر ملنے کے بغیر کہ خدا ہے اور اس امر کا یقین کامل ہونیکے بدون کہ اس کی نافرمانی سے ایسا ایسا عذاب اور اسکی فرمانبرداری سے ایسا ایسا انعام مل رہے گا۔ یونہی اس موہوم خدا کی فرمانبرداری کا طوق اپنے گلے مین ڈال لیا۔ انکے نزدیک خدا ایسا کمزور اور ضعیف تھا کہ اس سے اتنا بھی

نہ ہوسکا کہ اپنے وجود کی خبر آپ دین اور اپنے دعدون کے بارہ مین آپ کچھ تسلی بخشین۔ بلکہ وہ چھپا ہوا تھا انہون نے اس کو ظاہر کیا۔ وہ گمنام تھا انہون نے شہرت دی۔ وہ چپ تھا انہون نے اسکا کام آپ کیا گویا وہ تھوڑی ہی مدت سے اپنی خدائی مین مشہور ہوا ہے اور وہ بھی ان کی کوششون سے۔ ہر ایک عاقل جانتا ہے کہ یہ قول بت پرستون سے بھی بڑھکر ہے کیونکہ بت پرست لوگ اپنے دیوتاؤن کو صرف اپنی نسبت منعم اور محسن قرار دیتے ہین۔ لیکن منکرین الہام کے نزدیک ان کی دیوی کا کہ عقل ہے نہ فقط لوگون پر بلکہ خدا پر بھی احسان ہے۔ جبکہ انکے بقول ان کے خدا نے شہرت پائی اسصورت مین نہایت روشن ہے کہ الہام کے انکاری ہونے سے صرف ان مین یہی فساد نہین کہ خدا کے وجود پر مشتبہ اور مظنون طور پر ایمان لاتے ہین اور طرح طرح کی غلطیون مین مبتلا ہین بلکہ یہ فساد بھی ہے کہ توحید کامل سے بھی محروم اور بے نصیب ہین اور شرک سے آلودہ ہین۔ کیونکہ شرک اور کیا ہوتا ہے یہی تو شرک ہے کہ خدا کے احسانات اور انعامات کو دوسرے کیطرف سمجھا جاوے +

اس جگہ شاید برہمو سماج والے اور انکے ہم عقیدہ یہ جواب دین کہ ہم اپنی عقل کو بھی خدا کیطرف سے سمجھتے ہین۔ اور اسکے تفضل و احسان کے قایل ہین۔ لیکن یاد رہے کہ یہ جواب ان کا دھوکا ہے انسان کی فطرت مین یہ بات داخل ہے کہ جس چیز پر اپنے نفس کو قادر سمجھتا ہے یا جس بات کو اپنی محنت سے پیدا کرتا ہے اسکو اپنے ہی نفس کیطرف منسوب کرتا ہے۔ دنیا مین جس قدر حقوق پیدا ہوتے ہین صرف اسی خیال سے پیدا ہوتے ہین کہ ہر ایک شخص جس چیز کو اپنی سعی سے حاصل کرتا ہے اسکو اپنی ملک اور اپنا مال سمجھتا ہے صاحب خانہ اگر یہ سمجھے کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ خدا کا ہے اس مین میرا حق نہین ہے تو پھر چور کو کیون پکڑے۔ اپنے مقروضون سے قرض کا مطالبہ کیون کرے۔ بلاشبہ انسان جو کچھ اپنی قوتون سے کرتا ہے اس کو اپنی ہی طرف نسبت دیتا ہے۔ خدا نے بھی دنیا کے انتظام کے لئے یہی قانون قدرت رکھا ہے۔ اسی پر ہر ایک فطرت مائل ہے۔ مزدور مزدوری کرکے اجرت پانیکا دعوے کرتا ہے نوکر نوکری بجا لاکر اپنی تنخواہ مانگتا ہے۔ ایک کا دخل بھی دوسرے کے حق پر جرم ٹھہرا دیتا ہے غرض یہ بات ہرگز ممکن نہین کہ مثلاً کوئی شخص تمام رات جاگکر ایک آیت... مجھکو اپنی آنکھون سے نکالکر جنگل مین بہکا پیا سا ہوکر شدت سردی کی تکلیف اٹھاکر اپنے کھیت مین آبپاشی کرے اور صبح خدا کا شکر ایسا ہی بجا لاوے جیسا اس حالت مین بجا لاتا کہ وہ ساری رات گھر مین آرام سے سویا رہتا۔ علی الصباح کھیت

مین جاکر اسے معلوم ہوتا کہ رات بادل آیا اور خوب بارش ہوکر جس قدر ضرورت تھی اسکے کھیت کو بھر دیا۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص اس بات کا قایل نہین کہ خدانے انسان کو عاجز و کمزور اور ناقص اور بے علم اور مغلوب النفس دیکھکر اور سہو ونسیان مین مبتلا پاکر اس پر آپ رحمت کرکے الہام کے ذریعے سے سیدھا راستہ دکھلایا ہے بلکہ یہ خیال کرتا ہے کہ ہم نے آپ ہی محنت اور جانفشانی سے سارا کام خدا کے پتہ لگانے اور اسکے پہچاننے کا کیا ہے وہ ہرگز ہرگز خدا کی شکر گذاری مین اس شخص کے برابر نہین ہوسکتا جو یقین دلی سے اعتقاد رکھتا ہے کہ خدانے سراسر لطف و احسان سے میری کسی محنت اور کوشش کے بغیر مجھکو اپنی کلام سے سیدھے راستہ کی ہدایت کی ہے۔ مین سویا ہوا تھا خدانے ہی مجھے جگایا۔ مین مرا ہوا تھا خدانے ہی مجھے جلایا۔ مین نالایق تھا۔ خدانے ہی میری دستگیری کی۔ پس اس تمام تقریر سے ثابت ہے کہ منکرین الہام کامل توحید سے بے نصیب ہین۔ ہرگز ممکن نہین کہ ان کی روح مین سے سچے ایمانداروں کی طرح یہ آواز نکل سکے **الحمد للہ الذی ہدانا لہذا وما کنا لنہتدی لولا ان ہدانا اللہ**۔ سب تعریفین خدا کو ہین جسنے جنت کیطرف ہم کو آپ رہبری کی اور ہم کیا چیز تھے کہ خود بخود منزل مقصود تک پہونچ جاتے۔ اگر خدا رہبری نہ کرتا۔ ان لوگون نے خدا تعالے کی قدرشناسی خوب کی کہ جو صفتین اس کی طرف منسوب کرنی واجب تہین وہ اپنی عقل کیطرف منسوب کردین اور جو جلال اس کا ظاہر کرنا چاہیے تھا۔ وہ اپنے نفس کا ظاہر کیا۔ اور جو جو طاقتین اس کے لئے خاص تھین ان سب کے آپ مالک بنگئے۔ اسکے حق مین خداوند کریم نے سچ فرمایا ہے **وما قدروا اللہ حق قدرہ۔ اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شئ**۔ یعنے الہام کے منکرون نے اللہ تعالے کی ذات بابرکات کا کچھ قدر شناخت نہین کیا۔ اور اس کی رحمت کو جو بندون کی ہر ایک حاجت کیوقت جوش مارتی ہے نہین پہچانا۔ تب ہی انہون نے کہا خدانے کوئی کتاب کسی بشر پر نازل نہین کی۔

مین جداً وقطعاً کہتا ہون کہ الہام کے بغیر مجرد عقل کی پیروی مین صرف ایک نقصان نہین بلکہ یہ وہ آفت ہے کہ کئی آفات اس سے پیدا ہوتے ہین۔ خداوند کریم نے جیسا ہر ایک چیز کا جوڑ باندھ دیا ہے ایسا ہی الہام اور عقل کا باہم جوڑ کیا ہے اس حکیم مطلق کا عام طور پر یہی قانون قدرت پایا جاتا ہے کہ جب تک ایک چیز اپنے جوڑ سے الگ ہے تب تک اسکے جوہر چھپے رہتے ہین بلکہ اکثر اوقات نفع کی جگہ ضرر ہوتا ہے ایسا ہی عقل کا حال ہے کہ علم دین مین اسکے نیک آثار تب مرتب ہوتے ہین جب اس کا جوڑ یعنے الہام اسکے ساتھ شامل ہوجاوے اس اکیلی عقل کے ذریعہ سے کونسی ایسی دینی صداقتین پیدا ہوئی ہین جو پہلے سے قرآن شریف مین موجود نہین۔ اگر مجرد عقل سے ایسے حقایق عالیہ نکلتے جنکا قرآن شریف مین کچھ

ذکر نہ ہوتا تب بھی ایک بات تھی - اور اس صورت مین کہا جا سکتا تھا کہ عقل کے ذریعے ایسی صداقتین نکلی ہین جو الہامی کتابون مین موجود نہین - اور اس بات سے دھوکا نہ لگے کہ عقل ایک عمدہ چیز ہے - ہم ہر ایک تحقیق عقل ہی کے ذریعے سے کرتے ہین - بلا شبہ عقل عمدہ چیز ہے لیکن اسکا جوہر تب ہی ظاہر ہوتا ہے جب وہ اپنے جوڑ کے ساتھ ظاہر ہو - ورنہ وہ دھوکا دینے مین دشمنون سے بدتر ہے - خوب سوچ بن جوڑ کسی بات کی بھی گت نہین - خدا نے جوڑ بھی ایک عجیب چیز بنا دی ہے - جہان دیکھو جوڑ ہی سے کام نکلتا ہے - ہم تم سب آنکھون ہی سے دیکھتے ہین پر آفتاب کی بھی ضرورت ہے - کانون ہی سے سنتے ہین پر ہوا کی بھی حاجت ہے - جس زراعت کو پانی چھو بھی نہین گیا اس کو کیونکر پھل لگے گا - یہ باتین ایسی نہین کہ تمہاری سمجھ سے دور ہون یہ وہی قانون قدرت ہے - جس پر عمل کرنے کا تمکو دعوے ہے +

اگر یہ کہا جائے کہ اگر مجرد عقل کے ذریعہ سے معرفت تام و یقین کامل میسر نہ ہو تب بھی کسی قدر معرفت تو حاصل ہوتی ہے اور وہی نجات کے لئے کافی ہے تو یہ بھی ٹھیک نہین - ہم پہلے لکھ چکے ہین کہ کسی دغدغہ کے بغیر خاتمہ نیک ہو جانا یقین کامل پر موقوف ہے اور یقین کامل خدا کی وحی کے بدون حاصل نہین ہو سکتا - ایسا ہی غلطیون سے بچے رہنا بجز معرفت کامل ممکن نہین - اور معرفت کامل بھی الہام کامل کے بغیر غیر ممکن ہے - پھر مجرد عقل ناقص کیونکر نجات کے لئے کافی ہو سکتی ہے - بالخصوص وہ طریقہ خدا شناسی جس کو برہمو سماج والون کی عقل عجیب نے بہ تبعیت بعض یورپ کے فلاسفرون کے پسند کیا ہے - ایسا خراب اور تردد انگیز ہے کہ اس سے کوئی معرفت کا مرتبہ حاصل ہونا تو کیا امید کیجائے - خود وہ انسان کو طرح طرح کے شکوک و شبہات مین ڈالتا ہے کیونکہ انہون نے خدا وند تعالے کو ایک ایسا پتلا بیجان فرض کر لیا ہے جس سے ساری عزت اور بزرگی اس کی دور ہوتی ہے اس سے ماننا پڑتا ہے کہ اول اول جب بنی آدم پیدا ہوئے محض بے عقل اور وحشیون کی طرح تھے خدا نے اپنے وجود سے کسی کو خبر نہین دی تھی - پھر رفتہ رفتہ لوگونکو آپ ہی خیال آیا کہ کوئی معبود مقرر کرین - اول پہاڑ اور درخت اور دریا وغیرہ جو آس پاس اور ارد گرد کی چیزین تھیں اپنا خدا ٹھہرایا - اور پھر کچھ ذرا اوپر چڑھے تو ہوا طوفان وغیرہ کو قادر مطلق خیال کیا - پھر اور بھی آگے قدم بڑھا کر سورج چاند ستارونکو اپنا رب سمجھ بیٹھے اسی طرح آہستہ آہستہ غور کرتے کرتے خدا تعالیٰ کیطرف رجوع لے آئے - اب اس تقریر سے خدا تعالے کی ہستی پر کسقدر شک پڑتا ہے اور اسکے حی و قیوم اور مدبر بالارادہ ہونے کی نسبت کیا کیا بدگمانیان پیدا ہوتی ہین کہ نعوذ باللہ یہ ماننا پڑتا ہے کہ خدا نے اپنے وجود کی آپ اطلاع

نہین دی جیساکہ ایک ذاتِ موجود عالم الغیب اور قادر مطلق کا خاصہ ہونا چاہیئے بلکہ یہ سارا منصوبہ
انسان ہی کا ... ہے۔ اسی کے دلمین خود بخود بیٹھے بٹھائے یہ بات گدگدائی کہ خدا مقرر کرین
چنانچہ اس نے کبھی پانی کو خدا بنایا۔ کبھی درختونکو۔ کبھی پتھرونکو۔ آخر آپ ہی دلمین یہ خیال
جمالیا کہ یہ چیزین خدا نہین ہین۔ خدا کوئی اور ہوگا جو ہمین نظر نہین آتا۔ کیا یہ اعتقاد انسان کو اس
وہم مین نہین ڈالیگا؟ کہ اگر واقعی طور پر اس خدائے مفروض کا کچھ وجود بھی ہوتا تو وہ کبھی تو ان
لوگون کی طرح جو زندہ اور موجود ہوتے ہین اپنے وجود سے اطلاع دیتا۔ بالخصوص جب اس خیال
کا پابند دیکھے گا کہ خدا تعالے کو ادھورا اور ناقص یا گونگا تجویز کرنا ٹھیک نہین بیٹھتا۔ بلکہ جیسے اسکے
لئے دیکھنا۔ سننا۔ جاننا وغیرہ صفات کاملہ ضروری ہین۔ ایسا ہی اس مین قدرت تکلم بھی پائی
جانی ضروری معلوم ہوتی ہے تو پھر اس حیرت مین پڑے گا کہ اگر کلام کرنے کی قدرت بھی اسمین
پائی جاتی ہے تو اسکا ثبوت کہان ہے۔ اور اگر نہین پائی جاتی تو پھر وہ کامل کیونکر ہوا۔ اور
اگر کامل نہین تو پھر خدا بننے کے کیونکر لایق ٹھہرا۔ اور اگر اسکا بہرہ گونگا ہونا جائز ہے تو پھر
کیا وجہ کہ بہرا ہونا یا اندھا ہونا جائز نہین۔ پس وہ ان شبہات سے صرف الہام پر ایمان لاکر
نجات پائیگا۔ ورنہ جیسے ہزارہا فلاسفر دہریہ پن کے گڑھے مین گر کر مر گئے ایسا ہی وہ بھی گر کر مریگا۔
اب ہر ایک منصف آپ ہی انصاف کرے کہ کیا یہ اعتقاد خدا سے انکار کرانے کی بیڑی جمانیوالا
ہے یا نہین۔ کیا جس شخص کی نظر مین خدا ایسا کمزور ہے کہ اگر منطقی لوگ پیدا نہ ہوتے تو وہ ہاتھ
ہی سے گیا تھا اسکے ایمان کا بھی کچھ ٹھکانہ ہے۔ نادان لوگ نہین سمجھتے کہ خدا تو اپنی تمام
صفتونکے ساتھ بندونکا پروردہ ہے۔ نہ بعض صفتونکے ساتھ۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ بعض
صفات کاملہ اسکے بندونکے کسی کام نہ آوین۔ کیا اس سے زیادہ تر کوئی اور کفر ہوگا کہ یہ کہا
جاوے کہ وہ پورا رب العالمین نہین ہے بلکہ آدھا یا تیسرا حصہ ہے + (باقی آیندہ)

مذہب عیسوی مین تزلزل

عیسائی عقائد کی ترمیم کے سوال پر عرصہ سے عیسائی دنیا توجہ کر رہی ہے اور مذہب
عیسوی کے بڑے بڑے حامیون کو اس کی فکر لگی ہوئی ہے۔ کثرت رائے اسی طرف ہے
کہ عیسائی عقائد مین تبدیلی ہونی چاہیئے اگرچہ اسقدر اخلاقی جرأت ابھی کم پائی جاتی ہے

کہ مردانہ ہمت سے پرانے عقائد کے پھٹے ہوئے کپڑون کو اتار کر بلا خوف لومۃ لائم پھینک دیا جاوے اور برعکس اس کے ابھی تک وہ لوگ بھی پادریون مین موجود ہین جن کی رائے کا رجحان اسی طرف ہے کہ خواہ انکے باپ دادونکے عقاید کیسے ہی لغو اور بھدے ثابت کرکے کیون نہ دکھائے جاوین وہ انہی پر جمے رہین گے۔ عیسائی عقائد مین یہ تنزلزل جو ان کی تباہی کی یقینی علامت ہے۔ صرف عیسائی ممالک سے ہی مختص نہین بلکہ ہمارے ملک ہندوستان مین بھی اب کھلے طور پر اس مضمون پر بحث ہو رہی ہے اور بعض صاف گو عیسائی صریحًا اس ضرورت کو محسوس کر رہے ہین کہ پرانے عقاید مین بڑی بھاری ترمیم ہونی چاہئے ہم وقتاً فوقتاً ایسے مباحثات کی کیفیت اِس رسالے مین ہدیہ ناظرین کرتے رہے ہین اور اسکے نتائج سے بھی ان کو مطلع کرتے رہے ہین کہ کیونکر پرانے عقاید بتدریج مٹتے جاتے اور ان کی بجائے نوساختہ عقاید داخل ہوتے جاتے ہین اور اس طرح پر عیسائی مذہب مین ایک انقلاب عظیم واقع ہو رہا ہے۔ ایک نئی روک جو عیسائی مذہب کی ترقی مین اس وقت پیش آئی ہے یہ ہے کہ باوجود ہر طرح کے حیلون اور کروڑون روپیہ کے خرچ کے عیسائی مذہب کوئی معتد بہ ترقی کرتا نظر نہین آتا ہے بلکہ بمقابلہ ابتدائی کوششون کے دن بدن ناکامی کی تصویر زیادہ نمایان ہوتی جاتی ہے اور جو کوئی نئے بپتسمہ پانے والے ہوتے بھی ہین وہ عمومًا اس ملک کے باشندون کے ادنےٰ ترین طبقات مین سے ہوتے ہین کچھ مدت تک تو پادری صاحبان یہ کہکر اہل ملک کو خوش رکھتے رہے کہ ان کی کوششین یکمرتبہ ہی بارآور ہوکر عیسائی مذہب عالمگیر مذہب ہو جائے گا مگر آخر کار یہ راز طشت از بام ہو گیا ہے۔ اور اب حامیان مذہب عیسوی ان اسباب کی تلاش مین ہمہ تن مصروف ہین جو اس کی اس عدم قبولیت کے وجوہ قرار دئے جا سکتے ہین۔ گذشتہ اشاعت مین بھی ہم نے بعض ایسے پیش کردہ اسباب پر بحث کرکے یہ دکھایا تھا کہ اصلی اور حقیقی سبب عیسائی مذہب کی عدم قبولیت کا وہی ہے جو خود عیسائی ممالک مین اس کے زوال کا باعث ہو رہا ہے یعنے خود عیسائی عقائد کی کمزوری اور بودا پن۔ عملی طور پر اسی رائے کی تائید پادری پی لوکاس صاحب کا وہ لیکچر کرتا ہے جو انہون نے بمقام ڈائیکنال ایس۔ آئی۔ ایم۔ اے کانفرنس کے موقعہ پر اس مضمون پر دیا ہے کہ کیونکر مغربی عیسائیت ہندوستان کے مناسب حال کی جا سکتی ہے۔ پادری صاحب نے ایسے صاف الفاظ مین جس سے زیادہ صاف الفاظ کی ایک پادری سے امید نہین ہو سکتی اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ جس صورت مین مذہب عیسوی مغربی ممالک مین رائج ہے وہ ہندوستان کے ہرگز مناسب حال نہین چنانچہ لیکچرار کہتا ہے ”ہندوستان کو ہمارے مغربی

مسائل کی ضرورت نہین ہے بلکہ ان مشرقی واقعات کی ضرورت ہے جن کی بنیاد پر ہم نے مسائل بنائے ہین۔ مین خوب جانتا ہون کہ مسائل مین اور ان واقعات مین جن کی بنیاد پر وہ مسایل تراشے گئے ہین۔ تفریق کرنا اور پھر ساتھ ہی انجیل کا واعظ بھی رہنا ایک سخت مشکل امر ہے"۔ اور پھر آگے چلکر یون بیان کرتا ہے" وہ چیز جو انسان کی گناہ کے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی روح کو آرام اور تسکین دینے والی ہے وہ نہ تو ہمارے دقیق اور بڑی محنت سے بنائے گئے ہوئے کفارے کے مسائل ہین اور نہ ہماری بڑی احتیاط سے گھڑی ہوئی نجات کی تجاویز ہین بلکہ وہ خدائی محبت ہے جو مسیح کے مرتے ہوئے چہرے سے ظاہر ہوتی ہے جس..... تمثیل مین مسائل ہمارے پاس موجود ہین ہمین یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ عیسائی مذہب کے واقعات ان مسائل کی نسبت جو انہین کی بنیاد پر بنائے گئے ہین بہت زیادہ ضروری ہین۔ اور اس لئے ہمین کھلے دل سے تیار ہونا چاہیئے کہ ہندؤون کو ہم اس معاملہ مین پوری پوری آزادی دین کہ وہ اپنے لئے خود مسایل تجویز کرین اور اپنا علم الہی خود ہی بنالین"

ان عبارتون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کفارہ اور عیسائی مذہب کے مطابق نجات کا مسئلہ محض انسانون کے تجویز کردہ مسایل ہین جن کو گو مغربی دنیا نے ایک مدت تک قبول کر رکھا تھا۔ لیکن اگر عیسائی مذہب ہندوستان مین رایج ہو سکتا ہے تو ان مسایل کو جو عیسایئت کے شہتیر سمجھے جاتے ہین خیرباد کہکر ان کی بجائے کوئی اور مسایل قایم کرنے پڑینگے گویا مذہب عیسائی کی بنیادون کو جڑ سے اکھاڑ کر اور اسکو ان تمام مسایل سے الگ کرکے جو اسکے اصل اصول اور شہتیر سمجھے جاتے ہین یعنے کفارہ اور نجات ~~پھربھی عیسائی مذہب ویسے کا ویسا ہی قایم رہ سکتا ہے~~ اس سے بڑھکر حیرت مین ڈالنے والا امر انسان کے لئے کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن پادری لوکا س ہمین یقین دلاتا ہے کہ عیسائیت باوجود اس بربادی کے پھربھی عیسائیت ہے اور اپنے اس قول کو ہی اس دعوے کے لئے کافی دلیل سمجھتا ہے۔

عیسائی عقائد پر یہ بے اطمینانی کی حالت کسی خاص ملک یا قوم سے مخصوص نہین بلکہ تمام عیسائی دنیا مین ایک کھلبلی مچ رہی ہے اور ایک عام شور اٹھا ہوا ہے۔ مغربی دنیا مین یہ نئے عقائد کھلے طور پر ممبرون پر چڑھ کر بیان کئے جاتے ہین اور مشرق مین جہان انجیل کے واعظ عیسائیت کی منادی کے لئے بھیجے جاتے ہین خود ان واعظون کو کھلے طور پر یہ کہدینے مین کچھ تامل نہین ہے کہ مشرق اپنے لئے عیسائیت کی ایک نئی

صورت قائم کر سکتا ہے جس کا مغربی عیسائیت کے ساتھ سوائے نام کے اور کچھ اشتراک نہ ہو نہیں بلکہ اس امر کی کھلے لفظون مین ترغیب دیجاتی ہے کہ عیسائی عقاید کو رد کر کے عیسائی نام کو قبول کر لیا جاوے ہم اس بات پر اعتراض نہین کرتے کہ کیون گرگٹ کی طرح عیسائی مذہب رنگ بدل رہا ہے کیونکہ جب عقائد کے ایک خاص مجموعہ پر جنکو حضرت عیسے سے کچھ تعلق نہین اس نام کا اطلاق ہو سکتا ہے تو کسی اور مجموعہ عقاید پر بھی ایسا اطلاق ناجایز نہین۔ بلکہ اس سے بھی بڑھکر ہم اس کی سخت ضرورت کو تسلیم کرتے ہین جو مختلف ممالک اور مختلف زمانون مین اپنے اصول کو تبدیل کرنیکے لئے اسے پیش آتی ہے کیونکہ جیساکہ عیسائی خود تسلیم کر چکے ہین اسکے اصول کا بڑا اور اصلی حصہ جسکو ساری عمارت کی بنیاد کہنا چاہئیے ایک روحانیت سے بے بہرہ اور روحانی طور پر تاریک زمانے کے انسانی خیالات۔ انسانی ذہانت اور انسانی تجربہ کا نتیجہ ہے۔ جیساکہ پادری لوکاس بھی کہتا ہے "ہماری مغربی عیسائیت کیسی نادار اور حقیر ہوتی اگر اسکی زندگی اور خیال کے صحیح ترجمہ کیلئے روم۔ اور یونان اور جرمنی کے علوم کے سرچشمو نسے مالامال کر دینے والی مدد نہ ملتی۔ اس مضمون پر کسی طویل بحث کی ضرورت نہین کیونکہ ہر ایک تاریخدان اس امر سے بخوبی واقف ہے۔ مین صرف اسکو اس امر واقع کے زیادہ موکد کرنیکے لئے بیان کرتا ہون کہ ہماری مغربی عیسائیت مذہب عیسوی کی ایک خاص صورت ہے جس نے اپنا موجودہ رنگ اور شکل اپنے گرد و نواح کے حالات سے حاصل کئے ہین اور نیز اس امر پر زور دینے کیلئے بھی بیان کرتا ہون کہ جو کچھ مغرب مین واقع ہوا ہے اسی کے مشرق مین واقع ہونیکی بھی امید رکھنی چاہئیے"۔ اور پھر کہتا ہے "مسیح کی ذات ایک چیز ہے اور ہمارا اسکے متعلق ناقص اور ادھورا بیان الگ شئے ہے۔۔۔۔ جب ہم اسکے لئے اپنے چھوٹے چھوٹے سلسلون مین ایک جگہ تجویز کر چکتے ہین اور اسکی زندگی اور افعال کو اپنے خام تعلیمو نمین بیان کر چکتے ہین تو کتنی جلدی ہمین پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ ہمارے عقاید کے سلسلے قبرین ہین اور ہماری تعلیمین کفن کے سڑے ہوئے کپڑے جب ایک نیئے دن کی روشنی پھوٹتی ہے تو یہ ہمارے پاس ان لوگون کی خبر پہونچاتی ہے جنہون نے سویرے سویرے ہی جاکر اس قبر کو دیکھا ہے کہ خداوند تو وہان نہین (یعنی ان ہمارے عقائد کی قبر مین خدا کا پتہ نہین ملسکتا۔) اور ہمارے عقاید کے سلسلون کی اصلی محرومیت اور ہمارا عقاید کے پھٹے ہوئے کپڑونکو احتیاط سے الگ کر دینا اس اطلاع کی صداقت پر مہر لگا دیتے ہین۔ یہی وجہ ہے کہ مین اس بات پر زور دے رہا ہون کہ ہمارا کام صرف مسیح کا وعظ کرنا اور مسیح مصلوب کو پیش کرنا ہو اس سے آگے ہم کچھ نہین کہتے بلکہ خود ہندوستان پر ہی چھوڑتے ہین کہ جس قسم کا علم الہی وہ ان واقعات کی بناء پر بنانا چاہے بنائے"۔ پادری لوکاس کی تقریر کے اس حصہ سے جو اوپر نقل کیا گیا ہے صاف پایا جاتا ہے کہ عیسائی

مذہب کے وہ تمام اہم اور بنیادی عقاید جیسے تثلیث۔ کفارہ۔ دوبارہ جی اٹھنا۔ آسمان پر چڑھنا وغیرہ
جو ابتک عیسائی مذہب کا مغز اور اسکے بنیادی پتھر سمجھے جاتے تھے وہ سب کے سب انسانونکے تجویز
کردہ مسایل ہین جنکے بنانے مین یونانی اور رومی فلسفہ سے بڑی بھاری مدد لیگئی ہے اور اسلئے ایک آدمی
جو ان تمام عقاید کو انسانی بدعات سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے اور صرف اسقدر تسلیم کرتا ہے کہ مسیح تھا اور وہ
مصلوب ہوا نہ صرف عیسائی کہلا سکتا ہے بلکہ اس عیسائی سے بدرجہا بہتر ہے جو عیسائیت کو ان عقاید
کے تسلیم کرنیکے ساتھ محدود کرتا ہے۔ یہ تمام عقاید خدا کیطرف سے نہین اور نہ ہی ہمیشہ کیلئے قایم رہ سکتے
ہین۔ جو چیز انسان کی بناوٹ ہے اسکیلئے ضروری ہے کہ وہ حالات کے بدلنے کے ساتھ بدلے
یہ ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہے اور عیسائیت کی بعینہ یہی حالت ہے۔

پس جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے ہمارا اعتراض اس وقت ان تبدیلیون پر نہین خواہ وہ
کیسا ہی انقلاب عظیم پیدا کرنے والی ہون۔ جو عیسائیت مین ہو رہی ہین کیونکہ زمانہ چاہتا ہے
کہ عیسائیت کے یہ اصول قایم نہ رہین۔ اعتراض یہ ہے کہ باوجود ان عظیم انقلابات اور
تغیرات کے جو آئے دن اس مذہب مین ہوتے ہین اسے خدا کی طرف سے کہنا اور الٰہی
سرچشمہ سے نکلا ہوا قرار دینا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ اسکے عقاید انسانی خیالات
کے سرچشمہ سے نکلے ہوئے ہین اور اسلئے ان خیالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ عقاید مین
تبدیلی ہونی لازمی ہے اور یہی حال عیسائیت کا ہو رہا ہے۔ عیسائی مذہب اس مفہوم کے
لحاظ سے جو ابتک اس سے سمجھا جاتا رہا ہے۔ یعنی چند عقاید کا مجموعہ جو مسیح کے نام پر بنائے
گئے ہین۔ اور جن مین سب سے بڑے عقاید تثلیث اور کفارہ ہین عیسائی مذہب کی غذا جس سے
اسکا تنہ اور شاخین پرورش پاتی رہی ہین یونانی اور رومی فلسفہ رہا ہے اور جو کچھ
اس نے حاصل کیا ہے انہین ذرایع سے حاصل کیا ہے ان انسانی ذرایع سے سب سے
پہلے پولوس نے فایدہ اٹھایا تاکہ یہودیونکے ایک خاص فرقہ (یعنی عیسائیت) کے عقاید کو
رومی لوگون کی ضرورتون کے مطابق کیا جاوے اور ایسا وسیع کیا جاوے کہ یہود کے سوا اور
لوگ بھی اس مین داخل ہو سکین۔ اس تجویز مین جو عیسائی مذہب کے اصل عقاید کو جڑ
سے اکھیڑنے والی تھی۔ مسیح کے حواریون نے پولوس کی سخت مخالفت کی اسجگہ یہ امر بھی
بیان کرنیکے قابل ہے کہ وہ عیسائیت جس کی مسیح تعلیم دیتا تھا۔ بلکہ اسے یہودیت ہی کہنا
چاہئے۔ کیونکہ یسوع نے جس فرقہ کی بنیاد رکھی تھی وہ اصولاً یہودی مذہب کی ایک شاخ تھا اور
کبھی الگ مذہب کی حیثیت مین نہین مانا گیا تھا بلکہ ہمیشہ یہودیون کا ایک فرقہ مثل دوسرے
فرقونکے سمجھا گیا۔ اصلی عیسائی مذہب کی یہی تعلیم تھی کہ اسکے پیرو حضرت موسے کی شریعت کی

پورے طور پر تابعداری اختیار کریں۔ صرف مسیح کے اقوال ہی اس امر کے مؤید نہیں ہیں جہاں وہ کہتا ہے کہ وہ شریعت کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہے اور کہ ایک شوشہ بھی شریعت کا ٹل نہیں سکتا۔ بلکہ خود حضرت مسیح اور اس کے حواریوں کے عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ تمام حواری شریعت کی پیروی میں بہت محتاط تھے۔ اور شریعت کے ہر ایک حکم اور ہر ایک قانون کو قابل عمل سمجھتے تھے۔ اور یہی تعلیم کہ شریعت کے احکام کو پورا کیا جاوے وہ ان لوگوں کو دیتے تھے جو اس فرقہ میں داخل ہوتے۔ وہ یروشلم میں ہی بند رہے۔ کیونکہ یہودیوں کی تمام کارروائیوں کا یہی مرکز تھا۔ اور اسی جگہ اپنے فرقہ کی تعلیم صرف یہودیوں کو دیتے رہے کیونکہ اپنے اوستاد کی طرح نہیں چاہتے تھے۔ کہ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالی جاوے۔ وہ صحیح معنوں میں اسرائیلی تھے۔ اور ان کی تمام امیدیں اسی ایک امر پر موقوف تھیں کہ یہودی مذہب آخرکار ان تمام موعود فتوحات کو اس مسیح کے ذریعہ سے جسے انہوں نے سچا تسلیم کر لیا تھا حاصل کریگا اور اس لئے ان کی تمام کوششیں اسی ایک غرض کے حاصل کرنے کے لئے تھیں۔ درحقیقت یہودیت کے انجام کار غالب ہونے پر انہیں اس قدر پختہ یقین تھا کہ مسیح کو قبول کرنا بھی اسی ایک غرض سے تھا کیونکہ ان کو یہی یقین دلایا گیا تھا کہ مسیح کے آنے سے یہودی مذہب کل دنیا پر غالب آئیگا اور یہ ان کی زندگی کی بڑی آرزو اور ان کی بڑی بڑی امیدوں کے لئے جولانگاہ تھا۔ ان حالات کے ماتحت اور جب تک کہ عیسائی مذہب یہودیوں کے دائرہ سے نکلکر کوئی فتوحات حاصل کرنا ممکن معلوم ہوتا تھا۔ ایک انسان اٹھا جو حواریوں میں سے نہ تھا مگر اس نے ظاہر یہ کیا کہ گویا وہ مسیح سے بذریعہ ایک مکاشفہ کے حواری مقرر کیا گیا ہے اس کی بلند ہمت اور محنت پسند طبیعت عیسائیت کی اس تدریجی ترقی سے جو یہودیوں کے درمیان اسے حاصل ہو رہی تھی خوش نہ ہو سکتی تھی اس کے ذہن و دماغ کو وہ بات سوجھی جو مسیح کو بھی نہ سوجھی تھی یعنی یہ کہ غیر یہودی اقوام کو عیسائی مذہب میں داخل کیا جاوے اسی ذہین اور رسا طبیعت سے اس نے یہ بھی دیکھ لیا کہ غیر یہودی اقوام کے اندر عیسائیت صرف اسی صورت میں مفید ہو سکتی ہے کہ ان اصولوں میں جن کی تعلیم مسیح نے دی تھی اور جن پر اسکے حواری قائم تھے ترمیم و تنسیخ کیا جاوے یہ دیکھ کر کہ شریعت موسیٰ کے احکام و قوانین پر غیر یہودی اقوام عمل نہیں کر سکتے تھے۔ اور یہ خیال کر کے کہ میری غرض نیک ہے اور خواہ وہ کسی ذریعہ سے پوری ہو سکے پوری کرنی چاہئے (یہ موقعہ نہیں کہ ہم اس کی نیک نیتی پر کوئی اعتراض کریں) اس نے

ایک ایسے عیسائی مذہب کی تعلیم دینی شروع کی جو کبھی حضرت مسیح کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا یعنی شریعت اور اس کے تمام احکام اور پابندیوں کو منسوخ کر کے عیسائیت کی کایا پلٹ دی اور شریعت کے بجائے ایسے عقائد تجویز کئے جو اس کے اپنی ذہین طبیعت کی ایجاد تھے اور جو رومی اور یونانی فلسفہ کے مطابق تھے۔ عیسائیت کے اصل عقائد اور بنیادی اصول پر یہ تباہی افگن حملہ حضرت مسیح کے حواری خاموشی سے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ وہ بہت ڈر گئے اور یروشلم سے چند ایلچی پولوس کے پاس بھیجے جنہوں نے جاتے ہی عیسائیت کے نومریدوں کو یہ سمجھایا کہ عیسائی مذہب میں داخل ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے تمام احکام کی پیروی کی جاوے اور بغیر شریعت پڑھنے کے نجات کا ملنا محال تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ حضرت مسیحؑ کے حواریوں اور پولوس میں اس امر کے متعلق سخت فساد ہو گیا اور ایک پُرجوش مباحثہ شروع ہوا۔ حواریوں نے اس بات سے انکار کیا کہ پولوس کو اپنے آپ کو حواری کہنے کا کوئی حق ہے یا یہ کہ وہ عیسائی مذہب کے اصولی عقائد میں کوئی ترمیم و تنسیخ کر سکتا ہے۔ پولوس کا بالمقابل یہ جواب تھا کہ مسیحؑ نے خود اُسے حواری مقرر کیا ہے اور غیر یہودی اقوام کو وعظ کرنے کا اور اُنہیں عیسوی مذہب میں داخل کرنے کا اُسے حکم دیا ہے۔ اس وقت تک پولوس بڑی بھاری کامیابی حاصل کر چکا تھا اور حواریوں نے سمجھ لیا کہ اُس کی ترقی کو روکنا قریباً ناممکن ہے برعکس اس کے اس فرقہ کی ترقی یہودیوں کے درمیان بہت ہی کم تھی اور مرورِ زمانہ سے مسیح کے متعلق اُن کی رہی سہی امیدیں بھی کہ میں جلدی واپس آؤں گا اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا اور بنی اسرائیل کے باراں تخت قائم کروں گا۔ بالکل ٹوٹ گئیں اور اُنہوں نے سمجھ لیا کہ یسوع کے ذریعہ یہودیوں کا کامیاب ہونا ناممکن تھا اس لئے وہ اس کو مسیح بھی نہ مان سکتے تھے۔ آخرکار دونوں فریق نے اس شرط پر صلح کر لی کہ پولوس صرف غیر یہودی اقوام کا رسول رہے اور موسوی شریعت کے احکام کے وہ مکلف نہ ہوں اور دوسرے حواری یہودیوں کے رسول ہیں اور شریعت پر پورا پورا عمل کرنے والے ہوں۔ مگر پولوس ایسا آدمی نہ تھا جو کسی شرط سے مقید ہو سکے چنانچہ اس صلحنامہ کے بعد پھر اُس نے شریعت کی قطعی منسوخی کا اعلان کیا کیا یہودیوں کے لئے اور کیا غیر یہودیوں کے لئے اور شریعت کی بجائے یہ امر قائم کیا کہ نجات مسیح کے خون سے حاصل ہوتی ہے۔

یہ آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے کہ عیسائی مذہب کے اصل اور بنیادی عقائد کو اس طرح پر ترک کرنے میں پولوس کو خدا کی طرف سے کوئی سند نہیں ملی تھی بلکہ اُس نے ایک ضرورت سمجھ کر اپنی ہی ذہانت سے یہ عقیدہ گھڑ لیا تا غیر یہودی اقوام کثرت سے اس نئے مذہب میں داخل ہوں اور صرف اسی غرض کے لئے اصل مذہب سے ارتداد کیا۔ آہستہ آہستہ یہ نیا مذہب جس کا

قبول کرنا نہایت آسان تھا کیونکہ ایک لفظ کے کہنے سے ہی نجات ملتی تھی دن بدن زیادہ غلبہ حاصل کرتا گیا۔ اور آخر کار اصل عقاید کا نام و نشان مٹ کر صرف یہی مذہب رہ گیا جسکو عام طور پر عیسائی مذہب کہا جاتا ہے مگر جو درحقیقت پولوسی مذہب ہے۔

پولوس کی یہ کارروائی موجودہ زمانہ کے عیسائیوں کو یہ جرأت دلاتی ہے کہ وہ بھی عیسائی مذہب کی ترقی کو رکتا دیکھکر پولوسی عقاید کی بجائے نئے عقاید عیسائی مذہب کے قایم کریں۔ مسیح نے یہ تعلیم دی تھی کہ شریعت پر چلو اور حضرت موسیٰؑ کے احکام کی پیروی کرو اور اس کے مخلص حواری اسی وصیت کے پابند رہے۔ لیکن پولوس نے دیکھا کہ ایسا مذہب کوئی بڑی ترقی نہیں کر سکتا۔ اور اس لئے عیسائیت کے نام کو رکھکر اس کی حقیقت کو بالکل بدل دیا اور اُن اصولوں کی بجائے جو مسیح نے سکھائے تھے یہ عقیدہ قایم کیا کہ مسیح کے خون پر ایمان لانے سے دنیا کے سب گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ بظاہر اس تدبیر سے بہت فایدہ حاصل ہوا لیکن درحقیقت یہ انسان کے لئے بڑے بڑے نقصان اور ضرر رسانی کا باعث ہوئی ہے۔ کئی صدیوں تک عیسائی دنیا نے اس عقیدہ پر قایم رہ کر آخر کار دیکھ لیا ہے کہ معقول پسند آدمی مسیح کے خون کے عقیدہ کو تسلیم نہیں کر سکتا اور باوجود بڑی بڑی کوششوں کے اب اس مذہب کی ترقی دوسرے ممالک میں اس قدر کم ہے کہ بمقابلہ کوششوں کے اسکو ناکامی ہی کہنا چاہیئے۔ یہ تو ہوا لیکن پولوس کی روح اب بھی عیسائیوں میں باقی ہے اور عیسائی دنیا عیسائیت کا نام زندہ رکھنے کے لئے اب ایک اور تجربہ کرنے والی ہے۔ ایک نئی تجویز پیش کی جاتی ہے جس کی مختصر سی کیفیت مذکورہ بالا اقوال سے معلوم ہو سکتی ہے جو ایک پادری کے لکچر سے نقل کئے گئے ہیں۔ اس لکچر میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ اس وقت عیسائی دنیا میں عام ہو رہے ہیں۔ ایک اور مثال کافی ہوگی۔ ڈاکٹر کتھبرٹ ہال جن کے لکچر تھوڑا عرصہ ہوا ہندوستان کے اکثر مقامات میں ہوئے تھے ہندوستان کے سفر میں جو جو نقش ان کے دل پر ہوئے اُن کو مختصر الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں۔ "اگر صرف انجیلی عیسائیت کا مغز اور روح مشرقی لوگوں کے سامنے پیش کیا جاوے اور ان تمام حدود اور روکوں کو اُٹھا دیا جاوے جو مغربی مباحثا ضابطوں اور رسوم سے پیدا ہو گئی ہیں تو یقیناً خداوند کا وہ وعدہ پورا ہو جاوے گا کہ اگر میں اٹھایا جاؤں تو سب انسانوں کو اپنی طرف کھینچ لوں گا۔" وہ تمام اصول اور عقائد جو مسیح کے نام پر لوگوں میں مشہور کئے جاتے تھے مگر جو درحقیقت انسانی اختراع تھے اب اُن کی وقعت دلوں سے مٹ گئی ہے اور اب عیسائیت کا تجربہ سب سے بڑا ثبوت اس کی صداقت کا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہم نے تو اس سے بڑھکر عیسائیت کا کوئی تجربہ نہیں دیکھا کہ عیسائی عقیدہ انسانوں کی مرضی پر تبدیل ہو جاتا ہے اور باوجود اس کے اسکو خدائی مذہب کہا جاتا ہے۔

نام اس کا مستقل ہے حالانکہ اصل حقیقت مذہب کی بدلتی جاتی ہے اور اس لئے اسکے پیرؤوں کو
اختیار ہے کہ جب ضرورت پیش آوے مذہب کی صورت کو بدل لیں۔

اس امر کی تائید میں کہ عیسائی مذہب کو ہر زمانہ اور ہر ملک میں ایک نیا بہروپ بدلنا چاہیئے
عجیب عجیب عذر بیان کئے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ "چونکہ یسوع مسیح کا مذہب اپنی وضع میں ایک
عالمگیر مذہب ہے اس لئے کامل طور پر سمجھا جانیکے لئے اسے ہر ایک قوم کی مدد کی ضرورت ہے"
یا "ہندوستان میں مذہب عیسوی کی کامیابی کے یہ معنے ہیں کہ عیسائی مذہب ایک مشرقی صورت
اختیار کرے جس میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے ہندو خیالات اور عمدہ سے عمدہ ہندو زندگی کا نمونہ
عیسائی مذہب کی نئی صورت پیدا کرنے والی طاقتیں ہوں" اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے
کہ آیا انسانی خیالات الٰہی صداقتوں کو سانچے میں ڈھالا کرتے ہیں یا الٰہی صداقت ایسی ہونی چاہیئے
کہ وہ انسانی خیالات کو ایک خاص صورت اور رنگ میں لانے کی طاقت رکھتی ہو۔ عیسائیت
کے حامی ذرا اس امر پر غور کریں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں بھلا اگر الٰہی صداقت ایسی ہی کمزور اور
نکمی چیز ہے کہ وہ انسانی خیالات کے تابع ہے اور اُس کے پیچھے ہو کر چلتی ہے تو ایسی
صداقت کی حقیقت ہی کیا ہے یہ تو محض ایک عبث اور لغو چیز ہے اس کا نام الٰہی صداقت
کیونکر ہوا کیا خدا کی طاقت اتنی ہے کہ اُسے انسانوں کے تابع ہو کر چلنا پڑتا ہے عیسائیوں کا خدا
ایسا کمزور ہو تو ہو اور درحقیقت بات بھی یہی ہے کیونکہ اگر یسوع خدا ہے تو جسطرح وہ اپنی زندگی
میں یہودیوں سے مغلوب رہا اسی طرح اس کی سکھائی ہوئی صداقتیں انسانی خیالات سے مغلوب
ہونی چاہئیں۔ لیکن ہمارا خدا وہ زندہ اور طاقتور خدا ہے کہ جس کی طاقتوں کے مقابلہ میں
انسانی طاقت ہیچ ہے اور جس کی تعلیم کی ہوئی صداقتیں جب انسان کے روح کے اندر ایکدفعہ
داخل ہو جاتی ہیں تو پھر سارے انسان کو ایک نئے رنگ سے رنگین کر دیتی ہیں اُس کے سارے
قویٰ اور اس کی ساری طاقتیں اور اُس کی ساری خواہشیں اس کے سارے خیالات اس طرح پر
اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مطیع ہو کر ملتی ہیں کہ گویا اس کی کوئی اپنی ہستی نہیں بلکہ وہ پورے طور پر
تصرف الٰہی میں ہوتا ہے۔ اور اپنے تمام ارادوں اور خواہشوں اور خیالات میں اُسی کے
تابع ہو کر چلتا ہے۔ الٰہی صداقت اپنے اندر وہ طاقت رکھتی ہے کہ اگر کل جہان بھی اس کے
مقابل پہ ہو تو اُسی کا غلبہ ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کی سکھائی ہوئی صداقتوں میں یہ
طاقت نہ ہوتی تو اُس کو قبول کرنے سے کیا خوشی ہو سکتی تھی؟ پس اگر عیسائی مذہب میں
کوئی الٰہی صداقت موجود ہے تو یہ ایک بے معنی بات ہے کہ وہ وہ صورت اختیار کرتا ہے جو انسانی
خیالات اسکو دیں اور اگر واقعی یہ مذہب ایسا ہی ہے کہ جو صورت اُسے انسانی خیالات دیں

وہی صورت اختیار کرلیتا ہے اور انسانی خیالات کے ماتحت ہوکر چلتا ہے تو پھر یقیناً اس میں کوئی الٰہی صداقت نہیں۔ فلسفہ کے مختلف طریقے جو دنیا میں موجود ہیں وہ بیشک انسانی خیالات کا نتیجہ ہیں لیکن کبھی کسی سے یہ بیہودگی سرزد نہیں ہوئی کہ اُنکو انسانی خیالات کا نتیجہ مان کر پھر بھی اُنکو الٰہی چشمہ سے نکلا ہوا کہے۔ گویا عیسائی عقاید کا نظام فلسفی طریقوں کے رنگ پر ہے۔ جیسا فلسفہ انسانی خیالات اور انسانی قوےٰ ذہنی کی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا گیا ہے ایسا ہی عیسائی مذہب بھی۔ جیسا فلسفہ کے مختلف طریق اختلاف زمانہ اور ملک سے بدلتے رہتے ہیں ایسا ہی عیسائیت کی مختلف صورتیں بھی انہی اسباب سے متاثر ہوکر بدلتی رہتی ہیں۔ جو عیسائی مذہب یورپ میں رائج ہے وہ ہندوستان کے لئے موزون نہیں پھر اس کو خدا کی طرف سے کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ یہ تو صحیح اور اصلی معنوں میں انسانی۔ انسان کا بنایا ہوا اور انسان کے خیالات کا نتیجہ ہے۔ مسیح ایک رنگ کی عیسائیت کا وعظ کرتا رہا اور اُس کے حواری اُس کے نقش قدم پر چلے۔ پولوس نے دیکھا کہ مسیح کی سکھائی ہوئی عیسائیت غیر یہودی اقوام کے لئے موزون نہیں پس اُس نے ایک اور طرح کی عیسائیت کی تعلیم دینی شروع کی۔ اور اب انسانی ترقی کی ۱۸ صدیوں کے گذر جانے کے بعد یہ راز کھلتا ہے کہ پولوس کی سکھائی ہوئی عیسائیت اس مہذب زمانہ کے موزون حال نہیں ہے۔ اور نہ ہی دوسرے ممالک مثلاً ہندوستان یا چین کے لئے موزون ہے۔ جیسا کہ پولوس نے ایک نیا عیسائی مذہب یونان اور روما کے لئے گھڑ لیا تھا ایسا ہی اب ہندوستان اور چین کو چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے لئے نئے عیسائی مذہب گھڑ لیں۔ پھر اگر صورت یہی ہے جیسا کہ عیسائی صاحبان تسلیم کرتے ہیں تو ہمیں یہ بتایا جائے کہ عیسائیت میں خدا کا حصہ کیا ہے۔ اگر مذہب عیسوی کا یہ سب سے پہلا مسئلہ کہ یسوع کے خون سے انسان نجات پاتا ہے عیسائی مذہب سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ تو پھر باقی تمام مسائل جو اسکی شاخیں ہیں اور جن کے مجموعہ کا نام عیسائیت ہے وہ بھی ایک ایک ہوکر الگ ہو سکتے ہیں اور عیسائی مذہب ان معنوں میں جن معنوں میں یہ مذہب سمجھا جاتا رہا ہے بالکل معدوم ہو جائیگا ہاں ایک فلسفی طریقہ کی صورت پر اس کا نام باقی رہ سکتا ہے وہ بھی اُس وقت تک جب تک دو متضاد مجموعہ مسایل کے لئے وہی ایک نام قایم رکھنا پسند کیا جاے۔ لیکن بحیثیت مذہب ہونے کے اس کی زندگی کا اسیوقت خاتمہ ہو جاتا ہے جب پرانے عقاید کو ترک کرکے اُن کی بجائے نئے عقائد بنائے جاویں۔ یہ کہنا کہ باوجود اس انقلاب عظیم کے صداقت وہی ہے اور صرف اس کی ظاہری صورتیں بدلتی ہیں اصل حقیقت کو چھپانا اور سچائی پر پردہ ڈالنا ہے۔ ہم اپنے سوال کو صاف اور سیدھی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ کہ کیا یسوع کا خون واقعی گناہوں کو دور کرنے کا اثر رکھتا ہے اور اس کا جواب بھی خواہ مثبت ہو خواہ نفی صاف الفاظ

میں ہونا چاہیئے اگر اس کا جواب ہاں ہے تو پھر اس عقیدہ کو الگ کر کے عیسائیت کچھ چیز نہیں ہے اور پھر ایک ہندو کے سامنے عیسائیت کا ذکر کرنا جسکو اعلیٰ درجہ کے ہندو خیالات اور سب سے عمدہ ہندو زندگی کا نمونہ ایک نئی صورت دینے والے ہوں لغو اور مہمل بات ہے۔ اور اگر سوال کا جواب نفی میں ہے تو موجودہ عیسائیت سب سے خطرناک غلطی ہے جو کبھی دنیا میں رائج ہوئی ہو۔ جو کچھ پادری لوکاس نے بیان کیا ہے اس سے شق ثانی ہی درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ مذہب عیسوی کا مغز اور روح نہ تو کفارہ کی دقیق بحثیں اور نہ احتیاط سے تیار کی ہوئی نجات کی تجویزیں ہیں بلکہ یہ مسیح کے مرتے ہوئے چہرہ میں جو خدا کی محبت نظر آتی ہے وہی گناہ کے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی روح کو اطمینان اور تسکین دیتی ہے۔ اگر ان بڑے بڑے الفاظ کے پیچھے سے صحیح معنے تلاش کئے جاویں تو کل عبارت کا مطلب صرف یہ ہوگا کہ ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یسوع کی موت کسی ناقابل بیان طریق سے انسانی گناہوں کو اٹھالے گئی بلکہ اس کی موت کو خدا کی محبت کے لئے اپنے نفس کی قربانی کا ایک عمدہ نمونہ سمجھنا چاہیئے۔ لیکن مذہب عیسوی کو بلحاظ عقیدہ کے ایسے خیال سے کیا تعلق ہے۔

اگر عیسائی مذہب کے اصول کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سند ہوتی تو یہ کبھی خیال نہ کیا جاتا کہ ان کو بدلنا انسان کے اختیار میں ہے۔ جو مذہب خدا کی طرف سے ہو اس کی تبدیلی انسان کے اختیار میں نہیں ہو سکتی۔ مذہب اسلام کے پاک اور متبرک اصولوں کو دیکھو اور پھر غور کرو کہ وہ کس طرح پر ایسے وضع کئے گئے ہیں کہ کبھی بدلتے نہیں۔ اس کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا اصول اللہ تعالیٰ کی توحید کا ہے جو آخیر دنیا تک ایک ہی ہے اور ایک ہی رہے گا بلکہ خود عیسائیوں کو اپنی فرضی تثلیث میں بھی توحید ماننی پڑی ہے اسکا ہمیشہ لاتبدیل رہنا اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ یہ انسانی فطرت اور خدا کے قانون قدرت کے مطابق ہے پس نہ انسانی فطرت بدل سکتی ہے نہ خدا کا قانون قدرت ٹل سکتا ہے اور نہ ہی مسئلہ توحید بدل سکتا ہے۔ پھر کفارہ کے بالمقابل اسلام نے جو دوسرا بڑا اصول سکھایا ہے وہ یہ ہے کہ نجات کسی انسان کے خون سے نہیں ملتی بلکہ ایک پاکیزہ زندگی کے اختیار کرنے بدی کی راہوں سے بچنے اور نیکی کی راہوں پر چلنے سے ملتی ہے۔ اس اصول کی معقولیت کسی زمانہ اور کسی ملک میں زیر بحث نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے بلکہ جوں جوں دنیا علوم و تہذیب میں ترقی کرے گی ان اصول کی صداقت اور اس کے بالمقابل اصولوں کا بطلان زیادہ زیادہ واضح ہوتا جاوے گا پھر ایک اور بڑا اصول اسلام کا وحی الٰہی کے متعلق ہے اسلام دوسرے مذاہب کی طرح یہ تعلیم نہیں دیتا ہے کہ وحی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اور اب خدا اپنے آپ کو اپنے بندوں پر ظاہر نہیں کرتا یا اب اپنی ہستی

طاقت اور علم کے زبردست نشان نہیں دکھاتا بلکہ اس کی تعلیم یہ ہے کہ وہی زندہ خدا جو موسیٰؑ عیسےٰؑ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام پر ظاہر ہوا اب بھی اپنے ان پاک بندوں پر ظاہر ہوتا ہے جو اس کو ڈھونڈھتے ہیں تاکہ اس کی ہستی اور قدرت پر یقین تام حاصل کر کے وہ گناہ سے بچیں اور خدا کی نارضامندی کے ہر ایک راہ سے اجتناب کر کے اس کی رضا کی راہوں میں چلیں۔ یہ صرف یہی تعلیم نہیں دیتا کہ خدائے تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا ہے بلکہ وہ اپنے راستبازوں کو ان کی دعاؤں کی قبولیت سے قبل از وقت اطلاع بھی دیتا ہے۔ اسلام نشانوں اور معجزات کو گذشتہ قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں بیان نہیں کرتا بلکہ ان لوگوں کے ذریعہ سے جو کامل طور پر اس کے فرمانبردار ہو کر چلتے ہیں وہ اب بھی نشانوں کا وعدہ دیتا ہے۔
اسلام زندہ مذہب ہے اور اس کے برکات بھی زندہ ہیں۔ اس کے پاک اصول کسی زمانہ یا کسی ملک میں ترمیم کے محتاج نہیں ہیں۔ اگر کسی وقت جہالت سے اس کے کسی اصول پر اعتراض کیا گیا ہو تو خود ہی زمانہ نے اس امر کا ثبوت دیدیا ہے کہ سچا اصول وہی ہے جو اسلام نے سکھایا ہے اور معترض نے سخت غلطی کھائی ہے۔ مثلاً ایک طلاق کے مسئلہ پر ہی غور کرو اسلام اجازت دیتا ہے کہ سوائے زنا کے دوسرے ایسے وجوہات پر جن سے تعلقات زناشوی قایم نہ رہ سکتے ہوں طلاق واقع ہوسکتی ہے اس اصول کی صداقت کو اب کل مہذب ممالک نے تسلیم کر لیا ہے اور اکثر عیسائی ممالک میں طلاق ایسے وجوہ پر واقع ہوسکتی ہے جن کے لئے انجیل میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ درحقیقت اسلام کے اصول چونکہ وہ ایک غیر متبدّل حیّ و قیوم خدا ہمہ طاقت اور ہمہ علم ہستی کی طرف سے ہیں ایسے عالمگیر اور مستقل ہیں کہ مختلف زمانوں اور مختلف ممالک میں ان کو صورت بدلنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ انسانی خیالات کا نتیجہ نہیں بلکہ خدائے تعالےٰ کی طرف سے ہیں ان کے نیچے بڑے بڑے خزانے صداقتوں کے مدفون ہیں مگر یہ صداقتیں عیسائیت کے اصول کی طرح کسی قوم کی مدد سے اسلام کو نہیں ملیں بلکہ اس دانا اور حکیم ہستی نے جس نے وہ اصول سکھائے ان کے نیچے ان صداقتوں کو بھی کہیں تاکہ اسکو خدا کیطرف سے ہونیکے پر دلیل ٹھہریں علم تاریخ کا ایک بتندی بھی اس امر سے ناواقف نہیں کہ بجائے اسکے کہ انسانی خیالات کا اسلام کے اصول پر کچھ اثر ہو۔ ان اصولوں نے جہاں وہ قبول کئے گئے ہیں انسانی خیالات میں ایک حیرت انگیز ترقی پیدا کی اور ان کی صورت بدل دی ہے۔ اور بجائے اس کے کہ انسانی ذرائع سے ان کو کوئی مدد پہونچے انہوں نے انسانی خیالات کو مالامال کر دیا ہے جیسے خدا کا علم انسان کے علم سے بہت ہی برتر ہے ایسے ہی اسلام کے

اصول جو دنیا کے تمام مذاہب پر ہر ایک کمال میں فوقیت رکھتا ہے اپنے نیچے ایسی مخفی صداقتوں کے خزانے رکھتے ہیں جن کو معلوم کرنا انسان کی طاقت سے بالکل باہر ہے۔

مذہب عیسوی کے اس بے اطمینانی کی حالت کا ایک اور پہلو بھی ہے جو وہ بھی عیسائی عقائد کے تنزل کی طرح اس مذہب کے زوال کی ایک بیّن علامت ہے۔ یہ ہے مسیح کی آمد ثانی کی مضبوط امیدیں بلکہ ان امیدوں کی انجام کار ناکامی۔ ابتدائے عیسائیت سے مسیح کی آمد ثانی کی سخت انتظار لگی رہی ہے۔ لیکن یہ امید ایسی مضبوط اور ایسی عالمگیر کبھی نہیں ہوئی جیسے کہ اس موجودہ زمانہ میں۔ آمد کے وقت کے نہایت ہی قریب ہونے کا یہ خیال صرف ان تحقیقاتوں پر ہی مبنی نہیں ہے جو بائبل کے علماء نے اس کی پیش گوئیوں کی بنا پر اندازے لگائے ہیں بلکہ یہ ایک عام خیال ہے جو کُل جہان میں اس وقت پھیلا ہوا ہے۔ تمام عیسائی دنیا اس وقت چیخ اُٹھی ہے کہ مسیح کی آمد کا یہی وقت ہے بلکہ یہاں تک آوازیں آرہی ہیں کہ مسیح تو دروازے پر کھڑا اور اس کو کھٹکھٹا رہا ہے۔ کیا وقت کا حساب اور کیا یہ تمام احساس دونوں ایک آواز سے اس بات پر متفق ہیں کہ یہی وقت مسیح کی آمد کا ہے اور تمام اس بات پر متفق ہو رہے ہیں کہ اگر اس وقت میں مسیح نہ آیا تو پھر اور کوئی اس کے آنے کا وقت نہیں کیونکہ اس کے آنے کے سب نشانات بھی پورے ہو چکے ہیں۔ اس صورت میں جتنی امیدیں اس کے جلدی آنے کی لگی ہوئی ہیں وہ سب درحقیقت عیسائی عقیدے کو جڑ سے اُکھیڑنے والی طاقتیں ہیں۔ کچھ زمانہ تو ان امیدوں میں آگے گذر چکا ہے اور کچھ وقت اور گذر جانے کے بعد یہ صاف معلوم ہو جائے گا کہ جو لوگ سخت انتظار میں بادلوں کی طرف دیکھتے رہے ہیں وہ سب دھوکہ میں پڑے رہے اگر یہ ممکن ہے کہ مسیح کی ذاتی آمد ثانی کی امید کبھی پوری ہو تو پگٹ کے وجود میں وہ پوری ہو چکی ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ میں وہی یسوع مسیح زمین و آسمان کا خدا ہوں جو پہلے آیا تھا۔ لیکن لوگ اس کی بات کو نہیں مانتے اگرچہ وہ دیکھتے ہیں کہ اگر یسوع خدا ہو سکتا تھا تو پگٹ کے دعوے میں کوئی نرالی بات نہیں ہے۔ لیکن اس بیچارے پر ہنسا جاتا ہے حالانکہ ہنسنے کے قابل بات مسیح کی ذاتی آمد ثانی کا عقیدہ ہے۔

یہ مشکل بھی آخر مذہب اسلام ہی حل کرتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ صاف بتا دیا

گیا ہے کہ یسوع مسیح خود واپس نہیں آئے گا بلکہ اس کا مثیل آئے گا علاوہ ازیں اسلام نے وہ علامتیں مقرر کر دی ہیں جو اُس کے آنے کے نشانات ہیں۔ انہیں سے ایک نشان ایسا ہے جس کو ہر ایک انسان اپنی آنکھ سے دیکھ سکتا تھا اور وہ ایسا صریح اور بیّن ہے کہ موٹی سے موٹی عقل والا آدمی بھی اس سے سچے آنے والے کو بغیر شک اور شبہ کے پہچان سکتا ہے۔ یہ نشان سورج اور چاند کے خاص مہینہ میں خاص اجتماع کے متعلق ہے اور قریباً دس سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ یہ نشان بعینہٖ اسی طرز میں وقوع میں آچکا جیسے تیرہ سو سال پہلے بتایا گیا تھا۔ علاوہ ازیں بہت سے اور نشانات جن کا وعدہ تھا ظاہر ہو چکے ہیں اور اُن کے دیکھنے والے کو اس قسم کے شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی جیسا ان نشانات کے دیکھنے والے کو رہ سکتی ہے جو انجیل میں بیان کئے گئے ہیں مثلاً زلزلوں کا آنا۔ لڑائیوں کا ہونا وغیرہ وغیرہ۔ خدائے تعالیٰ کے پرانے وعدوں کے مطابق اور ان سب نشانات کو پورا کر کے سچا مسیح موعود دنیا میں عین اس وقت میں ظاہر ہو چکا ہے جب تمام آنکھیں سخت انتظاری کی حالت میں اسکی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ہاں اگر وہ اس وقت ظاہر نہ ہوتا تو کل دنیا خدا کے وعدوں کے پورا ہونے سے مایوس ہو جاتی وہ ٹھیک وقت پر اور صحیح طریق میں آیا ہے اور ظاہر ہو چکا ہے۔ خود عیسائی عقائد میں اس تنزل کا واقع ہونا جو اُنکو صفحہ ہستی سے مٹا رہا ہے اس امر کی مضبوط شہادت ہے کہ آنے والا آچکا ہے کیونکہ تیرہ سو سال پہلے ایسا ہی بتایا گیا تھا۔ زمین اور آسمان دونوں اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ خدا کے وعدے پورے ہو چکے۔ خدائے تعالےٰ نے ہزارہا آسمانی نشان اپنے مسیح کی تائید میں ظاہر کئے ہیں اور ہر ایک وہ ثبوت اُس کی سچائی کا دیا ہے جو وہ پہلے انبیاء کی سچائی کے لئے دیتا رہا ہے۔ گناہ سے جسکو نجات کہنا چاہیئے اس کے پیچھے چلنے سے ملتی ہے کیونکہ اُسی کی وساطت سے اُس زندہ خدا کا چہرہ نظر آسکتا ہے جس کی خواہش بہتوں کو ہے لیکن تھوڑی ہیں جن کی خواہش پوری ہوتی ہے۔ اُسی کی وساطت سے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے علم و طاقت پر وہ زندہ ایمان اور کامل یقین حاصل ہوتا ہے جو انسان کو گناہ کی راہ سے بچا سکتا ہے۔ اُسی کی پیچھے چلنے سے وہ دائمی خوشحالی اور روحانی برکات حاصل ہوتی ہیں جو پہلے راستبازوں کو ملتی رہیں۔

یہ امر بھی یاد رکھنے کے لایق ہے کہ یسوع کا اناجیل مین یہ وعدہ کہ وہ خود دوبارہ آئیگا اسکے مثیل کی آمد سے پورا ہو چکا ہے۔ اول تو یہ امر بھی ناممکن نہین کہ مسیح کو اپنی آمد ثانی کے معنے سمجھنے مین پہلے غلطی لگی ہو اور بجائے روحانی آمد سمجھنے کے اس نے جسمانی آمد اس سے سمجھ لی ہو۔ اجتہاد مین ایسی غلطی اسکے مسیح ہونیکے دعوے کی کسی طرح منافی نہین اور اسکی مثالین خود اناجیل مین موجود ہین اگرچہ وہ غلطی قایم نہین رہی بلکہ خدا تعالے اسکو بعد مین رفع کر دیتا ہے مثلاً معلوم ہوتا ہے کہ داؤد کی سلطنت دوبارہ قایم کرنیکے معنون مین بھی حضرت مسیح کے اجتہاد نے غلطی کی اور اس سے اس نے دنیوی سلطنت کا قایم ہونا سمجھ لیا اور اسیوجہ پر یہ مشورہ بھی اپنے مریدونکو دیا کہ کپڑے بیچکر تلوارین خرید لو۔ مگر جلدی ہی اس کو اس غلطی کا پتہ لگ گیا اور اس نے کہدیا کہ سلطنت سے مراد آسمانی سلطنت ہے نہ زمینی سلطنت۔ ایسا ہی ممکن ہو کہ اس نے پہلے آمد ثانی کے معنے غلط سمجھے ہون لیکن بعد مین اس خیال کی اصلاح ہو گئی ہو۔ چنانچہ اس قسم کے فقرات کہ جس طرح ایلیا نے دکھ اٹھایا (یعنی آمد ثانی مین) اسی طرح ابن آدم بھی اٹھائیگا اور کہ میرا آنا چور کیطرح ہوگا اسکے مؤید ہین۔ ثانیاً۔ سب جانتے ہین کہ یہودی اپنی آسمانی کتب کی بنیاد پر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ سچے مسیح کی آمد کی سب سے زیادہ یقینی علامت ایلیا کا اس سے پہلے دوبارہ دنیا مین آنا ہی اور اسلئے وہ ہر ایک دعویدار کو اسی نشان کے موجود نہونیسے جھوٹا سمجھ لیتے تھے جب یسوع نے مسیحیت کا دعوے کیا تو وہی اعتراض اسکے بھی سامنے پیش کیا گیا کہ الیاس ابھی دوبارہ نہین آیا اسکا جواب حضرت مسیح نے یہ دیا کہ الیاس کے دوبارہ آنیکا وعدہ اسکے مثیل کے آنیسے پورا ہو چکا کیونکہ یوحنا الیاس کی روح اور طاقت مین ہو کر آیا ہے ایک موقعہ پر جب اسکے شاگردون نے کہا کہ الیاس کہان ہے تو اسنے یوحنا کی طرف اشارہ کیا جس سے اسکا مطلب یہ تھا کہ وہ وہی ایلیا تھا جسکے وہ انتظار مین تھے اب بائیبل مین ایسی مثال تو ایک بھی موجود نہین ہے کہ ایک شخص ایکدفعہ اس دنیا سے جاکر دوبارہ خود ہی بہمان جسد عنصری واپس آ گیا ہو بلکہ برخلاف اسکے جو مثال آمد ثانی کی ہمین پائی جاتی ہے اسکے معنے خود حضرت مسیح نے یہ کر دئے ہین کہ اس سے مراد صرف اسکے مثیل کی آمد ہے نہ کچھ اور۔ اسلئے جب اسنے اپنی آمد ثانی کا ذکر کیا۔ تو اسکی مراد سوائے اسکے اور کچھ نہ ہو سکتی تھی جو اسنے ایلیا کی آمد ثانی کے معنے کئے تھے لہذا اسمین ذرہ شک کی گنجایش باقی نہین ہو کہ مسیح کی آمد ثانی کا وعدہ جو اناجیل مین مذکور ہے وہ اسکے مثیل کے آنیسے پورا ہو چکا۔ قرآن کریم نے اس امر کو اور بھی کھول کر اور پوری وضاحت سے بیان کر دیا ہی جبکہ اسنے یہ فرمایا کہ مسیح نہین بلکہ اسکا مثیل دنیا مین آویگا۔ اگر باوجود اس صاف صاف اور یقینی شہادت کے اور باوجود ان تمام ثبوتونکے جو مسیح موعود اپنی صداقت پر دے رہا ہے اب بھی لوگ یسوع کی جسمانی آمد کے انتظار مین لگے رہین گے تو انکا انجام وہی ہوگا جو ان یہودیونکا ہوا جو باوجود مسیح کے سمجھانیکے ایلیا کی

دوبارہ آمد کے منتظر رہے اور اس طرح سچے مسیح کے پہچاننے سے ہمیشہ کیلئے محروم رہے یہ کوئی چھوٹی سی بات نہین بلکہ صرف اسی ایک امر پر غور کرنیسے مسیح کی آمد ثانی کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ کوئی عیسائی ہے جو اسکی کوئی وجہ بتا سکے کہ اگر ایلیاس کی آمد ثانی کا وعدہ اسکے مثیل کے آنیسے پورا ہو سکتا تھا تو کیون مسیح کی آمد ثانی کا وعدہ بھی اسی طرح پورا نہین ہو سکتا۔ کوئی عیسائی ہے جو بیان کر سکے کہ اگر وہ یہودی جو ایلیاس کی جسمانی آمد ثانی کے منتظر رہے حالانکہ انکو صاف الفاظ مین وعدہ بھی یہی دیا گیا تھا کہ ایلیاس خود دوبارہ آئیگا غلطی پر تھے تو کیون وہ لوگ جو مسیح کی آمد ثانی کے منتظر ہین غلطی پر نہین باوجودیکہ مسیح کے اقوال مین اس قسم کے الفاظ بھی پائے جاتے ہین کہ میرا آنا چور کیطرح ہوگا یعنے بھیس بدلکر۔ ہان اگر یہودی یسوع مسیح کے انکار مین حق پر تھے تو پھر یہ لوگ بھی مسیح موعود کے انکار مین حق پر ہین اور اگر وہ غلطی پر تھے تو یہ بھی غلطی پر ہین اور یہ نتیجہ ایسا ہے کہ کسی طرح اس سے عیسائی انکار نہین کر سکتے ؎

"لیکھرام کی موت"

ایک عظیم الشان نشان کا پورا ہونا

لاہور کا اخبار آریہ پترکا لکھتا ہے کہ آریہ پرتی ندی سبھا کے سکرٹری نے ایک اشتہار پنجاب کے کل آریہ سماجون کے نام شائع کیا ہے جس مین اطلاع دی گئی ہے کہ لالہ کیشب دیو کو سبھا مذکور نے اس غرض کے لئے مقرر کیا ہے کہ پنڈت لیکھرام آریہ مسافر کی سوانح لکھنے کیلئے سامان اکٹھا کرین اور اس اشتہار مین آریہ سماجون سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ جب وہ ان سے مدد مانگے تو جہانتک ان کی طاقت مین ہے اسے مدد دین .... اب چونکہ لالہ منشی رام نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا ہے۔ کہ اس طرح جو سامان اکٹھا ہو اس سے لیکھرام کی سوانح تیار کرین امید ہے کہ سماج اور سماجی اسے اپنا فرض سمجھین گے کہ سامان بہم پہنچانے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔ ہم اس اشتہار کو اور اسپر ہمعصر مذکور کے نوٹ کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے ہین کیونکہ نتیجہ اسکا یہ ہوگا کہ ایک ہیبت ناک الہی

نشان جو سات سال ہوئے دنیا نے دیکھا تھا اب پھر از سر نو پبلک کے سامنے پیش ہوگا۔ پنڈت لیکھرام کی موت۔ اسکا ٹھیک وقت اور طریق اس واقعہ سے چار سال پہلے حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے خدا سے الہام پاکر مشتہر کردیا تھا۔ اس پیشگوئی کا تمام تفصیلات کے ساتھ اس طرح اسقدر پہلے بیان کیا جانا اور پھر بعینہ اسی طرح ظہور مین آنا۔ آریہ سماج کے مذہبی عقاید کی غلطی پر قطعی اور یقینی دلیل تھی جسکو دیکھ کر سماج کا فرض تھا کہ فایدہ اٹھاتا۔ لیکن ایک عظیم الشان مذہبی سرگروہ کی موت کے صدمہ نے اسقدر جوش طبیعتون مین پیدا کردیا کہ انہون نے اس معاہدہ کی بھی کچھ پروا نہ کی جو انکا قومی شہید کرچکا تھا۔ اسکی موت سماج کیلئے ایک تنبیہ تھی کہ وہ اپنے عقائد مین غلطی پر ہے کیونکہ لیکھرام نے بحیثیت سماج کا لیڈر اور وکیل ہونیکے یہ معاہدہ کیا تھا کہ یہ پیشگوئی جو حضرت مرزا صاحب اسکے متعلق شایع کرینگے اگر پوری ہوجائے تو اس امر کا قطعی اور یقینی ثبوت ہوگی کہ مذہب اسلام سچا اور آریہ سماج جھوٹا مذہب ہے اور اگر پوری نہ ہو تو ایسا ہی قطعی ثبوت آریہ سماج کی سچائی کا ہوگی۔ چونکہ ہمین اندیشہ ہے کہ لالہ کیشب دیو جو سوانح کیلئے سامان مہیا کرنا چاہتے ہین یا لالہ منشی رام جو سوانح نویس ہونگے اس مضبوط معاہدہ اور اسکے بعد کے واقعات کو جو پیشگوئی کی اشاعت اور پورا ہونیکے متعلق ہین شایع کرنا پسند نہ کرین اور چونکہ یہ بھی اندیشہ ہے کہ سماج بھی اس واقعہ کو پوشیدہ رکھنا ہی مصلحت خیال کرتا ہو۔ کیونکہ یہ لیکھرام کے سوانح کا سامان آریہ سماج کے معدوم کرنیکا سامان ہے اسلیئے ہم ذیل مین اختصار کے طور پر ان تمام واقعات کو بالترتیب بیان کرتے ہین۔ اور امید کرتے ہین کہ اب جبکہ جوش کا وقت گذر چکا ہے آریہ سماجی ٹھنڈے دل سے انپر غور کرینگے اور سوچینگے کہ کیا آیندہ کے ایسے گہرے راز اسقدر عرصہ پہلے بیان کردینا انسانی طاقت کا کام ہوسکتا ہے ہمین آریہ سماج سے کوئی ذاتی خصومت نہین اور ہم ان واقعات کو جو سماج کے سامنے اسکے ایک بڑے سرگروہ کی موت کا نقشہ پیش کرتے ہین۔ بیان بھی نہ کرتے لیکن چونکہ یہ واقعات اللہ تعالے کے جلال اس کی عظیم الشان طاقتون اور غیب در غیب کے علم کو ظاہر کرتے ہین اور اس دہریت اور مادہ پرستی کے زمانہ مین اس کی ہستی کے متعلق ایک قطعی یقین پیدا کرتے ہین اس لیئے انکے اخفا کو ہم سخت گناہ سمجھتے ہین ان واقعات کو پیش کرکے ہم آریہ سماج کے نامور لیڈر لالہ منشی رام سے امید رکھتے ہین کہ وہ پنڈت کی سوانح لکھتے وقت ان واقعات کو خاص طور پر مد نظر رکھینگے اور پنڈت کی سوانح کا انہین ایک بڑا ضروری حصہ سمجھینگے کیونکہ انکے ذریعہ سے سچے مذہب کی تائید مین ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہوا ہے۔ آریہ سماج جو انکا یہ خیال ہے کہ پنڈت لیکھرام نے اپنی زندگی سچے مذہب کی حمایت اور تایید مین صرف کی لیکن امر واقع یہ ہے کہ اصل مین پنڈت کی موت سے اور پیشگوئی کے مطابق موت سے حق کی عظیم الشان

تائید ہوئی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی زندگی بہ سبب اس کی پرجوش وعظوں کے ہمیشہ کیلئے مشہور رہیگی مگر ہماری رائے مین اس کی موت اس کی زندگی سے بدرجہا بڑھکر ایک قابل یادگار واقع ہے کیونکہ اس کی موت خاموشی کی زبان سے ہمیشہ آنیوالی نسلونکو یہ وعظ کرتی رہے گی کہ اسلام کا خدا وہ زندہ اور طاقتور خدا ہے جو اس عالم کے ذرہ ذرہ پر تصرف رکھتا ہے اور اپنی منشاء اور ارادہ کے مطابق اسے جس طرح چاہے چلاتا ہے اور کہ اسلام ہی صرف ایک اور ایک ایسا سچا مذہب ہے جسکے حقیقی پیروؤن کو آسمانی نشان اور آسمانی برکتین دیجاتی ہین اور اسکے سوائے دوسرے کسی مذہب کو یہ فخر حاصل نہین۔ اس مختصر تمہید کے بعد ذیل مین ہم وہ واقعات درج کرتے ہین جو لیکھرام کی موت کی پیشگوئی کے متعلق وقوع مین آئے۔

سنہ ۱۸۸۴ عیسوی مین حضرت میرزا صاحب کی مشہور تصنیف براہین احمدیہ کا چوتھا حصہ شایع ہوا۔ اس مین علاوہ ان زبردست دلایل کے جو غیر مذاہب کی تردید مین جن مین آریہ سماج بھی شامل تھا اور مذہب حقہ اسلام کی تائید مین دئے گئے تھے۔ چند آسمانی نشانات کا بھی ذکر ہے جو کتاب کے مصنف کے ہاتھ پر اللہ تعالے نے ظاہر کئے تھے اور انہین مین ایک نشان آریہ سماج کے بانی کے متعلق بھی تھا جو اس کی موت کی پیشگوئی پر مشتمل تھا۔ اسکے علاوہ مصنف کتاب کیطرف سے یہ دعوے بھی اس کتاب مین کیا گیا تھا کہ اگر مخالفین اسکے پاس آئین تو وہ ان کو بھی آسمانی نشان دکھا سکتا ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرنا چاہین تو پھر انہین کے مطابق اپنے مذاہب مین آسمانی نشانون کا وجود دکھاوین۔ کچھ عرصہ بعد پنڈت لیکھرام جو آریہ سماج کا ایک مشہور واعظ اور سرگروہ ممبر تھا قادیان مین آیا اور یہ ۱۸۸۵ء کے اخیر دن تھے اور اس نے حضرت میرزا صاحب سے مباحثہ بھی کرنا چاہا اور آسمانی نشان دیکھنے کا بھی طالب ہوا۔ وہ قریباً ایکماہ یہان ٹھہرا لیکن مباحثہ کی شرایط منظور کرنے سے گریز کیا۔ مگر آسمانی نشان وہ بڑے اصرار سے مانگتا رہا اور نہایت تحقیر آمیز کلمات مین حضرت میرزا صاحب کے وعدے اور خدا کی طاقت پر کہ وہ اسی دنیا مین سزا دینے پر قادر ہے استہزا کرتا رہا۔ آخر چند دن کی خط وکتابت کے بعد ایک معاہدہ فریقین کے درمیان ہوا جسکے روسے یہ قرار پایا کہ میرزا صاحب اپنے مخالف کے حق مین کوئی پیشگوئی شایع کرین۔ شرط یہ تھی کہ اگر پیشگوئی سچی نکلے تو وہ آریہ سماج کے باطل ہونیکا قطعی ثبوت ہوگی اور اگر جھوٹی نکلے تو اسلام کے سچا نہ ہونے پر دلیل ٹھہریگی۔ اسکے بعد ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کو ایک دوسرا اشتہار حضرت میرزا صاحب کیطرف سے نکلا جس مین انہون نے لیکھرام کو مخاطب کرکے اس پیشگوئی کا ذکر کیا جو وہ طلب کرتا تھا اور لکھا کہ اگر پیشگوئی کی اشاعت سے اسے کوئی رنج پہونچے تو وہ اس پیشگوئی کو شایع نہ کرین اگرچہ پہلے معاہدہ کی روسے ہی

انہین پوراحق حاصل تھا کہ لیکھرام کے متعلق جو پیش گوئی چاہین شایع کرین مگر مزید احتیاط کے لئے کہ مبادا اسکے دلکو دکھ پہنچے دوبارہ اس کی اجازت چاہی اس اشتہار کا جواب پنڈت لیکھرام نے حسب معمول گستاخانہ جرأت سے یہ دیا کہ میری طرف سے اجازت ہے جو پیش گوئی چاہو شایع کرو مین تمہاری پیش گوئی کو واہیات سمجھتا ہون اور اس سے ڈرتا نہین اس کے بعد بھی حضرت مرزا صاحب نے مدت تک پیشگوئی کے اظہار مین توقف کیا کہ شاید وہ اپنی اصلاح کرلے لیکن پنڈت کا کینہ اسلام کے ساتھ اور اسکے حملونکی سختی اس مقدس مذہب پر دن بدن بڑھتی گئی بنو بالآخر ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء کو پہلا اشتہار شایع ہوا جس مین اس کی موت کی پیش گوئی تھی۔ اسکے ابتدا مین چند فارسی اشعار تھے۔ جن مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بے نظیر فضایل اور غیر منقطع اور دایمی برکات بیان کیئے گئے ہین آخری چند اشعار مین صاف طور پر لیکھرام کی موت کا اور اس امر کا کہ کس طرز پر وہ واقع ہوگی ذکر ہے۔ وہ اشعار یہ ہین ؎ الا اے دشمن نادان و بے راہ ✢ بترس از تیغ برّان محمدؐ ✢ رہِ مولیٰ کہ گم کردند مردم ✢ بجو در آل و اعوان محمدؐ ✢ الا اے منکر از شان محمدؐ ✢ ہم از نور نمایان محمدؐ ✢ کرامت گرچہ بے نام و نشان است ✢ بیا بنگر ز غلمان محمدؐ ✢ ان اشعار کے نیچے یہ سرخی ہے ”لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک پیشگوئی“ اور الفاظ تیغ برّان محمدؐ سے ایک ہاتھ کی تصویر کھینچی گئی ہے جسکی انگلی کا اشارہ اسی سرخی کے درمیان ہو۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہو کہ اگرچہ موت کی پیشگوئی بالتصریح اسی اشتہار مین آگے چلکر بیان کیگئی ہے لیکن جو شخص ان اشعار پر اور پھر تیغ برّان کے لیکھرام کیطرف اشارہ پر ذرہ بھی غور کرے گا وہ آسانی سے سمجھ لیگا کہ اس جگہ لیکھرام کے قتل کیطرف صاف اشارہ ہے۔ تیغ بُرّان اس کی زندگی کا خاتمہ کرنیوالی اور اسی تیغ بُرّان کے ذریعہ خداے تعالے کا غضب اسپر نازل ہونیوالا تھا کیونکہ اس نے تمام مقدسون کے سرتاج آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سخت گالیان نکالکر اور توہین کر کے خدا کے غضب کی آگ کو بھڑکایا تھا۔ اور اسی واسطے اسکو کہا گیا کہ دیکھ تو تو نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہتا اور گالیان نکالتا اور انکے معجزات کا منکر ہے مگر اسوقت بھی جبکہ دنیا مین معجزہ اور کرامت کا نام و نشان مفقود ہو رہا ہے اسی نبی عربی کا ایک غلام (حضرت میرزا غلام احمدؐ) تجھے ایک نشان دکھاتا ہے۔ اے کاش کہ وہ دل رکھتا اور آنیوالے غضب سے ڈرکر اصلاح کرتا۔ بعد ان اشعار کے اصل پیش گوئی اس اشتہار مین ان الفاظ مین بیان کی گئی ہے کہ ”اس کی نسبت جب توجہ کیگئی تو اللہ جلشانہ کیطرف سے یہ الہام ہوا عجل جسد لہٗ خوار۔ لہٗ نصب و عذاب۔ یعنی یہ صرف ایک بیجان گوسالہ ہے جسکے اندر سے ایک مکروہ آواز نکل رہی ہے اور اسکے لیئے ان گستاخیون اور بدزبانیونکے عوض مین سزا اور رنج اور عذاب مقدر ہے جو ضرور اسکو مل رہے گا اور اسکے بعد آج جو ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء

روز دوشنبہ ہے۔اس عذاب کا وقت معلوم کرنیکے لیئے توجہ کیگئی تو خداوند کریم نے مجھ پر ظاہر کیا کہ آج کی تاریخ سے جو ۲۰-فروری سنہ ۱۸۹۳ء ہے چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بدزبانیون کی سزا مین یعنی ان بے ادبیون کی سزا مین جو اس شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حق مین کی ہین عذاب شدید مین مبتلا ہو جائیگا" اسکے نیچے حاشیہ پر یہ الفاظ لکھے ہین کہ "اب آریونکو چاہیئے کہ سب ملکر دعا کرین کہ یہ عذاب اُنکے اس وکیل سے ٹلجائے" یہ اشتہار بڑی کثرت سے تمام قومونکے درمیان شایع کیا گیا-اور اخبارات مین بھی اسکے متعلق مضامین نکلتے رہے بعض اخبارات کے اس اعتراض پر کہ اس اشتہار کا مفہوم صاف نہین دوبارہ اس کی تشریح قریبًا دو ماہ بعد کیگئی۔ان دنون مین سرسید احمد خان نے ایک رسالہ دعا پر لکھا تھا جس مین انہون نے قبولیت دعا سے انکار کیا تھا اسکا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھ رہے تھے جب یہ اعتراض پیش ہوئے اس رسالہ کا نام جس مین سید احمد خان کے خیالات کی تردید کی گئی "برکات الدعا" تھا-اسکے اخیر مین چند فارسی اشعار قبولیت دعا کے متعلق تھے جن مین سید احمد خان خاص طور پر مخاطب تھے-اخیری دو شعر اسکے یہ ہین:- ؎

اے کہ گوئی گر دعا ہارا اثر بودے کجاست | سوئے من بشتاب بنمایم ترا چون آفتاب
ہان مکن انکار زین اسرار قدرتہائے حق | قصہ کوتہ کن ببین از ما دعائے مستجاب

اور اخیری مصرعہ کے نیچے یہ الفاظ ہین دیکھو برکات الدعا سرورق صفحہ ۲ و ۳ و ۴-ان اشعار اور نوٹ کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ قبولیت دعا سے انکار مت کرو بلکہ میری طرف آؤ تا مین تمہین آفتاب کیطرح روشن کرکے دکھاؤن کہ دعا قبول ہوتی ہے مختصر بات یہ ہے کہ مین تمہین دعائے مستجاب دکھاتا ہون جس کی تفصیل سرورق کے صفحات ۲ و ۳ و ۴ مین ہے-جب ہم ان صفحات کو دیکھتے ہین تو وہان یہ سرخی ہے "نمونہ دعائے مستجاب" اور اسکے نیچے لیکھرام کی موت کی پیشگوئی کی تفصیل اور بعض ان اعتراضات کا جواب ہے جو اخبارات مین اس پیشگوئی پر کیئے گئے تھے-اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سرسید احمد خان کو جو دعائے مستجاب دکھانیکا وعدہ برکات الدعا کے اخیر پر کیا گیا تھا-وہ اسی پیشگوئی کے متعلق دعا تھی اور یہی ایک نمونہ قبولیت دعا کے ثبوت کیلیئے معیار ٹھہرایا گیا تھا-مذکورہ بالا عنوان کے نیچے یہ عبارت درج ہے "مین اقرار کرتا ہون کہ اگر جیسا کہ معترضون نے خیال فرمایا ہے پیشگوئی کا ماحصل آخر کار یہی نکلا کہ کوئی معمولی تپ آیا یا معمولی طور پر کوئی درد ہوا یا ہیضہ ہوا اور پھر اصلی حالت صحت کی قایم ہوگئی تو وہ پیشگوئی متصور نہین ہوگی اور بلاشبہ ایک مکر اور فریب ہوگا.....
.....پس اس صورت مین بلاشبہ مین اس سزا کے لایق ٹھہرونگا جسکا ذکر مین نے کیا ہے لیکن اگر پیشگوئی

کاظہور اس طور سے ہوا کہ جس مین قہر الہی کے نشان صاف صاف اور کھلے طور پر دکھائی دین تو پھر سمجھو کہ خدا تعالے کیطرف سے ہے...... مجھکو ذاتی طور پر کسی سے بھی عداوت نہین بلکہ اس شخص نے سچائی سے دشمنی کی اور ایک ایسے کامل اور مقدس کو جو تمام سچائیون کا چشمہ تھا توہین سے یاد کیا اس لیئے خدا تعالے نے چاہا کہ اپنے ایک پیارے کی دنیا مین عزت ظاہر کرے"

اسی کتاب برکات الدعا کے اخیر پر ایک اور پیشگوئی حاشیہ پر درج ہے جس سے اور بھی وضاحت ہوتی ہے - اسکا عنوان ہے "لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک اور خبر" - اور آگے لکھا ہے "آج جو ۲ - اپریل سنہ ۱۸۹۳ء مطابق ۱۴ ماہ رمضان سنہ ۱۳۱۰ھ ہے صبح کے وقت تھوڑی سی غنودگی کیحالت مین مین نے دیکھا کہ مین ایک وسیع مکان مین بیٹھا ہوا ہون اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہین اتنے مین ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اسکے چہرہ پر سے خون ٹپکتا ہے میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا مین نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمایل کا شخص ہے گویا انسان نہین ملایک شداد غلاظ مین سے ہے اور اس کی ہیبت دلون پر طاری تھی اور مین اسے دیکھتا ہی تھا کہ اس نے مجھ سے پوچھا کہ لیکھرام کہان ہے اور ایک اور شخص کا نام لیا کہ وہ کہان ہے تب مین نے اسوقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام اور اس دوسرے شخص کی سزادہی کے لیئے مامور کیا گیا ہے مگر مجھے معلوم نہین رہا کہ وہ دوسرا شخص کون ہے -

ہان یہ یقینی طور پر یاد ہے کہ وہ دوسرا شخص انہین چند آدمیون سے تھا جنکی نسبت مین اشتہار دیچکا ہون اور یہ یکشنبہ کا دن اور چار بجے صبح کا وقت تھا" یہ کتاب جس مین یہ پیشگوئیان شایع کی گیئین - پہلے اشتہار سے قریبًا دو ماہ بعد شایع ہوئی - یہ تمام پیشگوئیان بلند آواز سے پکار رہی ہین کہ لیکھرام کے لئے چھ سال کے عرصہ کے اندر موت مقدر تھی اور موت کا ذریعہ قتل تھا - تیغ بران کا ذکر معمولی بیماری نہ تھی بلکہ سزا کا ہیبت ناک ہونا اور ایک ہیبت ناک فرشتہ کا خونخوار چہرہ کے ساتھ نمودار ہونا صاف طور پر اس واقعہ کا نقشہ کھینچ رہی ہین جو چند سال بعد واقعہ ہونیوالا تھا اور لیکھرام کے خوفناک انجام کی خبر دے رہی ہین - سنہ ۱۸۹۴ء مین ایک اور کتاب کرامات الصادقین شایع ہوئی - جسکے اخیری صفحہ پر لیکھرام کی موت کا عربی عبارت مین ذکر ہے جسکا ترجمہ یہ ہے "اور میرے نشانون مین سے ہے جو میرے خدا نے میرے ساتھ وعدہ کیا اور ایک مفسد آدمی خدا اور رسول کے دشمن مسمی لیکھرام پشاوری کے متعلق میری دعا قبول کی اور میرے رب نے مجھے خبر دی کہ وہ ہلاک ہونیوالون مین ہے کیونکہ وہ آنحضرت صلعم کو گالیان نکالتا ہے اور آپ کی شان مین گندے کلمات بولتا ہے -

پس مین نے اس پر بد دعا کی اور میرے رب نے اس کی موت کی چھ سال کے اندر اندر خبر دی
بیشک اس مین حق کے طالبونکے لئے نشان ہے۔ پھر اس کی موت کے وقت کے متعلق اس
کتاب مین یہ عربی شعر ہے ؎ فبشرنی ربی وقال مبشرا ؂ ستعرف یوم العید والعید اقرب
جسکا ترجمہ یہ ہے اور میرے رب نے مجھے خوشخبری دیکر فرمایا کہ عنقریب تو خوشی کے دن کو دیکھیگا
اور وہ عید کے دن کے ساتھ ملا ہوا ہوگا۔ یہان یہ بتایا گیا ہے کہ لیکھرام کی موت کا دن عید سے
ملا ہوا ہوگا۔ یہ تمام واقعات وقوعہ سے بہت مدت پہلے ہندوؤن اور مسلمانون کے درمیان اچھی
طرح مشہور ہو چکے تھے چنانچہ آریون کو بخوبی معلوم تھا کہ پیشگوئی مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ
لیکھرام کی موت چھ سال کے اندر اندر بذریعہ قتل ایسے دن مین واقعہ ہوگی جو عید کے دن سے
ملا ہوا ہوگا چنانچہ پنجاب سماچار اپنے ضمیمہ مورخہ ۸۔ مارچ سنہ ۱۸۹۷ء مین جو لیکھرام کی موت کے
تین دن بعد لکھا گیا۔ لکھتا ہے کہ "کہا کرتے تھے کہ پنڈت کو مار ڈالینگے اور اس عرصہ مین اور
فلان دن (یعنے عید کے دوسرے دن مین) ایک دردناک حالت مین مریگا" اخبار مذکور کا
یہ لکھنا کہ کہا کرتے تھے کہ مار ڈالینگے محض افترا ہے کیونکہ پیشگوئیون کی اشاعت کے علاوہ اور
کچھ نہین لکھا گیا اور وہ بھی پنڈت مقتول کے اصرار اور مطالبہ پر۔ یہ صرف ایک ہی پیشگوئی
نہین تھی بلکہ ایک ہی واقعہ کے متعلق متعدد پیشگوئیان جو یکے بعد دیگرے شایع کی گئین اور
اور ہر ایک مین پہلی سے زیادہ تفصیل کی گئی ؂

اب اس امر پر غور کرنی چاہیے کہ کیونکر یہ پیشگوئیان پوری ہوئین۔ ۶۔ مارچ سنہ ۱۸۹۷ء
کو یعنی پیشگوئی کے پہلے اشتہار کی تاریخ سے قریبًا چار سال بعد اور مقررہ میعاد کے اندر روز
روشن مین لیکھرام ایک قاتل کی خنجر کا شکار ہوا۔ اور اس سے ایک دن پہلے یعنی ۵ مارچ
کو عید کا دن تھا۔ ۴ بجے شام کا وقت تھا جب اسے چھری لگی۔ اور اسکے چند گھنٹہ بعد
وہ زندہ رہا۔ اور آخر کار ایک دردناک حالت مین آدھی رات کے قریب مرگیا اس طرح یہ
ایک عظیم الشان پیش گوئی جسکا ثبوت دن سے بھی زیادہ روشن ہے پوری ہوئی....
یہ کسی گذشتہ مدت کا قصہ نہین بلکہ ہزارہا ایسے لوگ جنہون نے پیشگوئی کی اشاعت کو اور
پھر اسے پورا ہوتے اپنی آنکھون سے دیکھا ہے اب تک زندہ موجود ہین اور سینکڑون
ہندوؤن اور مسلمانون نے جن کو حضرت مسیح موعودؑ سے کوئی تعلق بیعت وغیرہ کا نہین
اپنی تحریری شہادت اس امر کے متعلق دی کہ واقعی لیکھرام کی موت عین پیشگوئی کے
مطابق ہوئی اور اسکا وقوع انسان کی طاقت سے باہر اور صرف اللہ تعالے کی طرف
سے ہے ؂

نوسو سے پچیس تک یعنے سہ چند کے قریب پہنچگئی ہے مگر کچھ عرصہ سے اپنے مخلص احباب کی اس تگاپو فی سبیل اللہ کی رفتار مین کسیقدر بہ نسبت اوایل کے نرمی سے دکھائی دینے لگی ہے حالانکہ ابھی رسالہ کی خریداری کے اس تعداد تک پہونچنے مین بہت کمی ہے جس تعداد تک پہنچا نیکا امام صادق علیہ السلام نے اپنے ارشاد مبارک مین ارادہ ظاہر فرمایا ہے اس دھیما پن کا بجز اسکے اور کیا باعث قرار دیا جاوے کہ اپنی جماعت کے جملہ افراد کے اعصاب حمیت واعانت مین ابھی پوری جنبش پیدا نہین ہوا - ورنہ کہان اس پاک جماعت کے مخلص احباب کے پرجوش دل اور اپنے پیارے امام کے ارشاد پر قربان ہونیوالی روحین - اور کہان ایسے تاکیدی حکم کی تعمیل مین اسقدر تکاہل وتساہل - حضرت اقدس نے تاکیدی ارشاد کی تعمیل اور اس رسالہ کے مفاد تو اس امر کے مقتضی تھے کہ احمدیہ جماعت کا کوئی فرد خواہ خواندہ ہو یا نخواندہ اس رسالہ کی خریداری سے محروم نہ رہتا - اس دو لاکھ سے بھی زیادہ احمدیہ جماعت کے احباب سے اگر پانچ فیصدی بھی ایسے مخلص نکل آوین جو کم ازکم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنین تاہم تعداد خریداری دس ہزار سے بڑھ جاتی ہے + تمام ممالک غیر امریکہ ویورپ وغیرہ مین اس رسالہ کے مضامین نے ایک تہلکہ مچا دیا ہے جس سے مخالفون کے دلونمین بھی تلاش حق کی تحریکین پیدا ہوگئی ہین - پچھلے ایام مین اسٹریلیا سے ایک یورپین کی چٹھی آئی ہے جسمین وہ اس رسالہ کے مضامین کی دلچسپی کو ایک عاشقانہ پیرایہ مین ظاہر کرکے کہتا ہے کہ " ایسے پرحقایق دلچسپ مضامین مین متلاشی حق کیلئے صداقت کی ایک کھلی راہ ہے امید ہے کہ اسکے مقناطیسی اثر سے اور بھی بہت لوگ ضرور متاثر ہونگے " کیون نہ ہو - پیارے امام صادق کی تحریرات سے سعید فطرت وسعادت کیش روحین کبھی بھی بے اثر نہین رہسکتین چہ جائیکہ اپنی جماعت کے مخلص احباب کے دلونمین اسکے احکام کی بجا آوری کا خیال وتحریک پیدا نہ ہو - مشیت ایزدی مین جو کام ہونا ہے اور جن اغراض کے لئے اسکا مامور آیا ہے وہ سب ہوکر ہی رہین گی - یہ تو صرف ہمارے واسطے توشہ عقبے حاصل کرنیکا ایک موقعہ حسنہ ہے ماورمن قال سہ منت ابن اجر نصرت را دہندت اے اخی ورنہ + قضائے آسمان است این بہر حالت شود پیدا + حسنات دارین حاصل کرنیکا عین وقت ہے - اللہ تعالے جملہ احباب کو اس کار خیر مین ہاتھ بٹانیکی توفیق بخشے تا کہ اپنے امام پاک کے احکام پر عمل کرکے سابق بالخیرات بنین - آمین ثم آمین - والسلام -

منیجر

معذرت

بعض مقدمات مین مصروفیت کیوجہ سے ایڈیٹر رسالہ کو پوری فرصت نہین ملتی رہی ہے اسوا سطے گذشتہ دو نمبر بابتہ ماہ رسالہ توقف سے نکلتا رہا ہے نیز پرچہ ہذا کے چند صفحے کم ہین - اسکی وجہ بھی وہی عدم فراغت ہے - انشاء اللہ تعالے فراغت پانے پر یہ شکایات رفع ہوجاوینگی اور کمی بھی پوری کی جاویگی +

منیجر

"ضروری استدعاء"

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہیں اور اپنے مقامی اسٹیشن میں کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونیکے باعث نہیں کسی اور شہر سے ادویات منگوائی پڑتی ہیں تو بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات وانیٹر میڈیکل ہوسٹن پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائیں یہ دکان میرے متعلق ہے نہیں نقصان نہیں اور دکان کا فایدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے

المشتہر خواجہ کمال الدین وکیل پشاور۔

ضیاء الاسلام پریس قادیان میں باہتمام حکیم مولوی فضلدینصاحب طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابتہ ماہ ستمبر ۱۹۰۴ء نمبر ۹

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ ستمبر ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا۔ چندہ سالانہ اردو پرچہ عہ ۴ر

التماس ضروری

بغرض تعمیل ارشاد حضرت اقدس ؑ

اُس تاکید مجسم ارشاد حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد جسمین اس رسالہ کو اجرائی وتشریح کے اصل اغراض ومقاصد ظاہر کرکے اسلام کو جملہ مخالفین کے مہلک حملوں کی باد صرصر سے بچانے اور اسکے قالب مردہ مین روح حیات ڈالنے اور اہل اسلام مین دوبارہ روحانیت پیدا کرنے اور عوام الناس کو ضلالت اور جہالت کے خطرناک گڑھے مین گرنے اور مخالفین کی دام تزویر سے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا تھا۔ اسکے قیام واستحکام کے بارہ مین اعانت اشاعت رسالہ کی تحریک کیغرض سے اب بار بار لمبے چوڑے الفاظ مین کچھ زیادہ قلم فرسائی کرتے رہنا ہمارے نزدیک غیر ضروری اور محض تحصیل حاصل ہے کیونکہ امام صادق علیہ السلام نے اپنی جماعت کو اپنے اس ارشاد مین جسقدر تاکید اکید فرمائی ہے اور حد سے بڑھے ہوئے پرزور الفاظ مین اپنے پرجوش مخلصین کو اسکی خریداری کیجانب ملتفت کرنا چاہا ہے اس سے بڑھکر اور کوئی پرہیبت اور پرشوکت تاکیدی الفاظ نہین ملسکتے جو اپنی جماعت کے بیدار کرنیکیلیے معرض تحریر مین لائے جاوین۔ کیا اپنی جماعت کے مخلص پرجوش باہمت احباب کے لئے حضرت اقدس کیجانب سے یہ کچھ کم تاکیدی الفاظ تھے کہ "مین پورے زور کیساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردونکو اسطرف توجہ دلاتا ہون کہ وہ اس رسالہ کی اعانت اور مالی امداد مین جہانتک انسے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاوین۔ جو کوئی میری موجودگی اور میری زندگی مین میری منشاء کے مطابق میری اغراض مین مدد دیگا مین امید رکھتا ہون کہ وہ قیامت مین بھی میرے ساتھ ہوگا۔" حضرت اقدس نے صرف انہی الفاظ پر ہی اکتفا نہین کی بلکہ امر رسالہ کی خریداری ومالی اعانت کیواسطے مکرر الفاظ ذیل مین تاکید فرمائی ہے کہ "تمہین معلوم نہین کہ اسوقت رحمت الٰہی اسدین کی تائید مین جوش مین ہے واقعی وہی شخص اس جماعت مین داخل سمجھا جاویگا کہ جو اپنے عزیز مال کو اس راہ مین خرچ کریگا۔ مین بار بار کہتا ہون کہ خدمتمین جان توڑ کوشش کرو۔"

اپنی جماعت کو اس رسالہ کی اعانت کیلیے سخت تاکید فرماتے ہوئے اس ارشاد کی آخری سطور مین ظاہر فرمایا ہے کہ "اگر بیعت کرنیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہکر اس بارہ مین کوشش کرین تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہین ہے بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کی لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے۔" اگرچہ حضرت اقدس کے اس تاکیدی ارشاد کے نکلنے پر ابتدائی تازہ جوش مین اپنی جماعت کے ہر طبقہ کے احباب نے حسب استطاعت اسکی مالی امداد اور اشاعت مین حتی الوسع بہت کچھ سعی فرمائی اور اپنے اخلاص مندی وہمت کا ایک قابل تقلید نمونہ دکھلایا اور اسی کوشش کا ثمرہ ہے کہ تعداد خریداری نوسو ۹۰۰ پچیس ستونک یعنے سہ چند کے قریب ہو چکی ہے مگر کچھ عرصہ سے اپنے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام اور اس ملک کے دوسرے مذاہب

پر

حضرت مجدد الوقت امام الزمان مسیح موعود علیہ السلام کا لیکچر*

اوّل مین اُس خُدا کا شکر کرتا ہون جس نے ایسی پُرامن گورنمنٹ کے سایہ مین ہمین جگہ دی ہے جو ہمین اپنی مذہبی اشاعت سے نہین روکتی اور اپنے عدل اور دادگستری سے ہر ایک کانٹا ہماری راہ سے دور کرتی ہے سو ہم خدا کے شکر کے ساتھ اس گورنمنٹ کا بھی شکر کرتے ہین۔

بعد اسکے اے معزز سامعین اسوقت مین اُن مذہبون کی نسبت جو اس ملک مین پائے جاتے ہین کچھ بیان کرنا چاہتا ہون اور جہانتک مجھے طاقت ہے مین تہذیب کی رعایت سے بات کرونگا تاہم مین جانتا ہون کہ طبعًا بعض انسانون کو اُن سچائیون کا سننا ناگوار معلوم ہوتا ہے جو انکے عقیدہ اور مذہب کے مخالف ہون سو یہ امر میرے اختیار سے باہر ہے کہ اس فطرتی نفرت کو دور کر سکون بہرحال مین سچائی کے بیان مین بھی ہر ایک صاحب سے معافی چاہتا ہون۔

اے معزز صاحبان مجھے بہت سے غور کے بعد اور نیز خدا کی متواتر وحی کے بعد معلوم ہوا ہے کہ اگرچہ اس ملک مین مختلف فرقے بکثرت پائے جاتے ہین اور مذہبی اختلافات ایک سیلاب کی طرح حرکت کر رہے ہین تاہم وہ امر جو اس کثرت اختلافات کا موجب ہے وہ درحقیقت ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اکثر انسانون کی اندر سے قوت روحانیت اور خدا ترسی کی کم ہوگئی ہے اور وہ آسمانی نور جسکے ذریعہ سے انسان حق اور باطل مین فرق کر سکتا ہے وہ قریبًا بہت سے دلون مین سے جاتا

* یہ لیکچر ۳ ستمبر ۱۹۰۴ء کو ہر مذہب و ملت و ہر طبقہ کے مجمع کثیر مین بمقام لاہور ایک عظیم الشان جلسہ مین پڑھا گیا بحوالہ اخبار عام و پیسہ و فولاد وغیرہ کے حاضرین جلسہ کی تعداد دس بارہ ہزار سے بھی بڑھکر تھی۔ حدود جلسہ سے باہر کی استادہ ناظرین مخلوق اس تخمینہ کے علاوہ تھی۔

رہا ہے اور دنیا ایک دہریت کا رنگ پکڑتی جاتی ہے یعنے زبانون پر تو خدا اور پیغمبر ہے اور دلون مین ناستک مت کے خیالات بڑھتے جاتے ہین اس بات پر یہ امر گواہ ہے کہ عملی حالتین جیسا کہ چاہیئے درست نہین ہین۔ سب کچھ زبان سے کہا جاتا ہے مگر عمل کے رنگ مین دکھلایا نہین جاتا۔ اگر کوئی پوشیدہ راستباز ہے تو مین اس پر کوئی حملہ نہین کرتا مگر عام حالتین جو ثابت ہو رہی ہین وہ یہی ہین کہ جس غرض کے لئے مذہب کو انسان کے لازم حال کیا گیا ہے وہ غرض مفقود ہے دل کی حقیقی پاکیزگی اور خدا تعالےٰ کی سچی محبت اور اس کی مخلوق کی سچی ہمدردی اور علم اور رحم اور انصاف اور فروتنی اور دوسرے تمام پاک اخلاق اور تقوے اور طہارت اور راستی جو ایک روح مذہب کی ہے اس کیطرف اکثر انسانون کو توجہ نہین۔ مقام افسوس ہے کہ دنیا مین مذہبی رنگ مین تو جنگ وجدل روز بروز بڑھتے جاتے ہین مگر روحانیت کم ہوتی جاتی ہے۔ مذہب کی اصلی غرض اس سچے خدا کا پہچاننا ہے جس نے اس تمام عالم کو پیدا کیا ہے اور اس کی محبت مین اس مقام تک پہونچنا ہے جو غیر کی محبت کو جلا دیتا ہے اور اس کی مخلوق سے ہمدردی کرنا ہے۔ اور حقیقی پاکیزگی کا جامہ پہننا ہے لیکن مین دیکھتا ہون کہ یہ غرض اس زمانہ مین بالائے طاق ہے اور اکثر لوگ دہریہ مذہب کی کسی شاخ کو اپنے ہاتھ مین لئے بیٹھے ہین اور خدا تعالےٰ کی شناخت بہت کم ہو گئی ہے اسی وجہ سے زمین پر دن بدن گناہ کرنے کی دلیری بڑھتی جاتی ہے کیونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ جس چیز کی شناخت نہ ہو نہ اس کا قدر دل مین ہوتا ہے اور نہ اسکی محبت ہوتی ہے اور نہ اسکا خوف ہوتا ہے تمام اقسام خوف اور محبت اور قدر دانی کے شناخت کے بعد پیدا ہوتی ہین۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ آج کل دنیا مین گناہ کی کثرت بوجہ کمی معرفت ہے اور سچے مذہب کی نشانیون مین سے یہ ایک عظیم الشان نشانی ہے کہ خدا تعالےٰ کی معرفت اور اسکے پہچان کے وسایل بہت سے اس مین موجود ہون تا انسان گناہ سے رک سکے اور تا وہ خدا تعالےٰ کے حسن وجمال پر اطلاع پاکر کامل محبت اور عشق کا حصہ لیوے اور تا وہ قطع تعلق کی حالت کو جہنم سے زیادہ سمجھے۔ یہ سچی بات ہے کہ گناہ سے بچنا اور خدا تعالیٰ کی محبت مین محو ہو جانا انسان کے لئے ایک عظیم الشان مقصود ہے اور یہی وہ راحت حقیقی ہے جس کو ہم بہشتی زندگی سے تعبیر کر سکتے ہین۔ تمام خواہشین جو خدا کی رضامندی کے مخالف ہین دوزخ کی آگ ہین اور ان خواہشون کی پیروی مین عمر بسر کرنا ایک جہنمی زندگی ہے مگر اس جگہ سوال یہ ہے کہ اس جہنمی زندگی سے نجات کیونکر حاصل ہو۔ اسکے جواب مین جو علم خدا نے مجھے دیا ہے وہ یہی ہے کہ اس آتش خانہ سے نجات ایسی معرفت الٰہی پر موقوف ہے جو حقیقی اور کامل ہو کیونکہ نفسانی جذبات جو اپنی طرف کھینچ رہے ہین وہ ایک کامل درجہ کا سیلاب ہے جو ایمان کو تباہ کرنیکے

لئے بڑے زور سے بہ رہا ہے اور کامل کا تدارک بجز کامل کے غیر ممکن ہے پس اسی وجہ سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک کامل معرفت کی ضرورت ہے کیونکہ مثل مشہور ہے کہ لوہے کو لوہے کے ساتھ ہی توڑ سکتے ہین یہ امر زیادہ دلایل کا محتاج نہین کہ قدر دانی اور محبت اور خوف یہ سب امور معرفت یعنے پہچاننے سے ہی پیدا ہوتے ہین اگر ایک بچہ کے ہاتھ مین مثلاً ایک ایسا ٹکڑا ہیرے کا دیا جائے جسکی کئی کروڑ روپیہ قیمت ہوسکتی ہے تو وہ صرف اس کی اسی حد تک قدر کریگا جیسا کہ ایک کھلونے کی قدر کرتا ہے اور اگر ایک شخص کو اس کی لاعلمی کی حالت مین شہد مین زہر ملا کر دیا جائے تو وہ اسے شوق سے کھائیگا اور یہ نہین سمجھے گا کہ اس مین میری موت ہے کیونکہ اسکو ایسے شہد کی معرفت نہین لیکن تم دانستہ ایک سانپ کے سوراخ مین ہاتھ ڈال نہین سکتے کیونکہ تمہین معلوم ہے کہ ایسے کام سے مرنے کا اندیشہ ہے ایسا ہی تم ایک ہلاہل زہر کو دیدہ و دانستہ کھا نہین سکتے کیونکہ تمہین یہ معرفت حاصل ہے کہ اس زہر کے کھانے سے تم مر جاؤگے۔ پھر کیا سبب ہے کہ اُس موت کی تم کچھ بھی پروا نہین کرتے کہ جو خدا کے حکمون کے توڑنے سے تم پر وارد ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اسکا یہی سبب ہے کہ اس جگہ تمہین ایسی معرفت بھی حاصل نہین جیسا کہ تمہین سانپ اور زہر کی معرفت حاصل ہے یعنے ان چیزون کی پہچان ہے یہ بالکل یقینی ہے اور کوئی منطق اس حکم کو توڑ نہین سکتی کہ معرفت تامہ انسان کو ان تمام کامون سے روکتی ہے جن مین انسان کے جان یا مال کا نقصان ہو اور ایسے رُکنے مین انسان کسی کفارہ کا محتاج نہین۔ کیا یہ سچ نہین کہ بدمعاش لوگ بھی جو جرایم کے عادی ہوتے ہین ہزارون ایسے نفسانی جذبات سے دست کش ہو جاتے ہین جن مین وہ یقیناً جانتے ہین کہ دست بدست پکڑے جائینگے اور سخت سزائین دیجائین گی اور تم دیکھتے ہو کہ وہ لوگ روز روشن مین ایسے دکانون کے لوٹنے کے لئے حملہ نہین کر سکتے جن مین ہزارہا روپے کھلے پڑے ہین اور اُنکے رستہ پر بیسیون پولیس کے سپاہی ہتھیارونکے ساتھ دورہ کر رہے ہین پس کیا وہ لوگ چوری یا استحصال بالجبر سے اسلئے رکتے ہین۔ کہ کسی کفارہ پر اُن کو پختہ ایمان ہے یا کسی صلیبی عقیدہ کا انکے دلون پر رعب ہے۔ نہین بلکہ محض اسلئے کہ وہ پولیس کی کالی کالی وردیون کو پہچانتے ہین اور انکی تلوارون کی چمک سے اُنکے دلون پر لرزہ پڑتا ہے اور اُنکو اس بات کی معرفت تامہ حاصل ہے کہ وہ دست درازی سے ماخوذ ہو کر معاً جیلخانہ مین بھیجے جائینگے اور اس اصول پر صرف انسان ہی نہین بلکہ حیوانات بھی پابند ہین۔ ایک حملہ کرنے والا شیر جلتی ہوئی آگ مین اپنے تئین نہین ڈال سکتا گو کہ اسکے دوسری طرف ایک شکار بھی موجود ہو اور ایک بھیڑیا ایسی بکری پر حملہ نہین کر سکتا جسکے سر پہ مالک اسکا معہ ایک بھری ہوئی بندوق اور برچھی ہوگی

تلوار کے کھڑا ہے۔ پس لے پیارو! یہ نہایت سچا اور آزمودہ فلسفہ ہے کہ انسان گناہ سے بچنے کے لئے معرفت تامہ کا محتاج ہے نہ کسی کفارہ کا۔ مین سچ سچ کہتا ہون کہ اگر نوحؑ کی قوم کو وہ معرفت تامہ حاصل ہوتی جو کامل خوف کو پیدا کرتی ہے تو وہ کبھی غرق نہ ہوتی اور اگر لوط کی قوم کو وہ پہچان بخشی جاتی تو اُن پر پتھر نہ برستے۔ اور اگر اس ملک کو ذات الٰہی کی وہ شناخت عطا کیجاتی جو بدن پر خوف سے لرزہ ڈالتی ہے تو اُس پر طاعون سے وہ تباہی نہ آتی جو آگئی۔ مگر ناقص معرفت کوئی فایدہ پہنچا نہین سکتی۔ اور نہ اسکا نتیجہ جو خوف اور محبت ہے کامل ہو سکتا ہے۔ ایمان جو کامل نہین وہ بے سود ہے اور محبت جو کامل نہین وہ بے سود ہے اور خوف جو کامل نہین وہ بے سود ہے اور معرفت جو کامل نہین وہ بے سود ہے۔ اور ہر ایک غذا اور شربت جو کامل نہین وہ بے سود ہے۔ کیا تم بھوک کی حالت مین صرف ایک دانہ سے سیر ہو سکتے ہو؟ پس اے سست ہمتو! اور طلب حق مین کاہلو! تم تھوڑی معرفت سے اور تھوڑی محبت سے اور تھوڑے خوف سے کیونکر خدا کے بڑے فضل کے امیدوار ہو سکتے ہو۔ گناہ سے پاک کرنا خدا کا کام ہے اور اپنی محبت سے دل کو پُر کر دینا اسی قادر و توانا کا فعل ہے اور اپنی عظمت کا خوف کسی دل مین قائم کرنا اُسی جناب کے ارادہ سے وابستہ ہے اور قانون قدرت قدیم سے ایسا ہی ہے کہ یہ سب کچھ معرفت کاملہ کے بعد ملتا ہے خوف اور محبت اور قدردانی کی جڑھ معرفت کاملہ ہے۔ پس جسکو معرفت کاملہ دیگئی اُسکو خوف اور محبت بھی کامل دیگئی اور جسکو خوف اور محبت کامل دیگئی اسکو ہر ایک گناہ سے جو بیباکی سے پیدا ہوتا ہے نجات دیگئی۔ پس ہم اس نجات کے لئے نہ کسی خون کے محتاج ہین اور نہ کسی صلیب کے حاجتمند اور نہ کسی کفارہ کی ہمین ضرورت ہے بلکہ ہم صرف ایک قربانی کے محتاج ہین جو اپنے نفس کی قربانی ہے جس کی ضرورت کو ہماری فطرت محسوس کر رہی ہے۔ ایسی قربانی کا دوسرے لفظون مین نام اسلام ہے۔ اسلام کے معنے ہین ذبح ہونیکے لئے گردن آگے رکھ دینا یعنی کامل رضا کے ساتھ.......... اپنی روح کو خدا کے آستانہ پر رکھ دینا۔ یہ پیارا نام تمام شریعت کی روح اور تمام احکام کی جان ہے۔ ذبح ہونیکے لئے اپنی دلی خوشی اور رضا سے گردن آگے رکھدینا کامل محبت اور کامل عشق کو چاہتا ہے اور کامل محبت کامل معرفت کو چاہتی ہے پس اسلام کا لفظ اسی بات کیطرف اشارہ کرتا ہے کہ حقیقی قربانی کے لئے کامل معرفت اور کامل محبت کی ضرورت ہے نہ کسی اور چیز کی ضرورت۔ اسی کیطرف خدا تعالےٰ قرآن شریف مین اشارہ فرماتا ہے۔ لن ینال اللّٰہ لحومہا ولا دماءہا ولکن ینالہ التقوےٰ منکم۔ یعنی تمہاری (قربانیون) کے نہ تو گوشت میرے تک پہنچ سکتے ہین اور نہ خون بلکہ صرف یہ

قربانی میرے تک پہونچتی ہے کہ تم مجھ سے ڈرو اور میرے لئے تقوے اختیار کرو +
اب جاننا چاہئے کہ مذہب اسلام کے تمام احکام کی اصل غرض یہی ہے کہ جو حقیقت لفظ اسلام مین مخفی ہے (۱) کو اُس تک پہونچایا جائے اسی غرض کے لحاظ سے قرآن شریف مین ایسی تعلیمین ہین کہ جو خدا کو پیارا بنانے کے لئے کوشش کر رہی ہین۔ کہین اس کے حسن وجمال کو دکھاتی ہین اور کہین اسکے احسانون کو یاد دلاتی ہین کیونکہ کسی کی محبت یا تو حسن کے ذریعہ سے دل مین بیٹھتی ہے اور یا احسان کے ذریعہ سے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ خدا اپنی تمام خوبیون کے لحاظ سے واحد لاشریک ہے کوئی بھی اس مین نقص نہین۔ وہ مجمع ہے تمام صفات کاملہ کا اور مظہر ہے تمام پاک قدرتون کا اور مبدأ ہے تمام مخلوق کا اور سرچشمہ ہے تمام فیضونکا اور مالک ہے تمام جزا سزا کا۔ اور مرجع ہے تمام امور کا۔ اور نزدیک ہے باوجود دُوری کے اور دُور ہے باوجود نزدیکی کے۔ وہ سب سے اوپر ہے مگر نہین کہہ سکتے کہ اسکے نیچے کوئی اور بھی ہے اور وہ سب چیزون سے زیادہ پوشیدہ ہے۔ مگر نہین کہہ سکتے کہ اس سے کوئی زیادہ ظاہر ہے وہ زندہ ہے اپنی ذات سے اور ہر ایک چیز اسکے ساتھ زندہ ہے۔ وہ قایم ہے اپنی ذات سے اور ہر ایک چیز اسکے ساتھ قایم ہے۔ اس نے ہر ایک چیز کو اٹھا رکھا ہے اور کوئی چیز نہین جس نے اس کو اٹھا رکھا ہو۔ کوئی چیز نہین جو اسکے بغیر خود بخود پیدا ہوئی ہے یا اسکے بغیر خود بخود جی سکتی ہے وہ ہر ایک چیز پر محیط ہے مگر نہین کہہ سکتے کہ کیسا احاطہ ہے وہ آسمان اور زمین کی ہر ایک چیز کا نور ہے اور ہر ایک نور اسی کے ہاتھ سے چمکا اور اسی کی ذات کا پرتوہ ہے۔ وہ تمام عالمون کا پروردگار ہے۔ کوئی روح نہین جو اس سے پرورش نہ پاتی ہو اور خود بخود ہو۔ کسی روح کی کوئی قوت نہین۔ جو اس سے نہ ملی ہو اور خود بخود ہو اور اس کی رحمتین دو قسم کی ہین (۱) ایک وہ جو بغیر سبقت عمل کسی عامل کے قدیم سے ظہور پذیر ہین۔ جیساکہ زمین اور آسمان اور سورج اور چاند اور ستارے اور پانی اور آگ اور ہوا اور تمام ذرات اِس عالم کے جو ہمارے آرام کے لئے بنائے گئے۔ ایسا ہی جن جن چیزون کی ہمین ضرورت تھی وہ تمام چیزین ہماری پیدایش سے پہلے ہی ہمارے لئے مہیا کی گئین اور یہ سب اسوقت کیا گیا جبکہ ہم خود موجود نہ تھے نہ ہمارا کوئی عمل تھا کون کہہ سکتا ہے کہ سورج میرے عمل کی وجہ سے پیدا کیا گیا یا زمین میرے کسی شدہ کرم کے سبب سے بنائی گئی۔ غرض یہ وہ رحمت ہے جو انسان اور اسکے عملون سے پہلے ظاہر ہوچکی

ہے جو کسی کے عمل کا نتیجہ نہین (۲) دوسری رحمت وہ ہے جو اعمال پر مترتب ہوتی ہے اور اس کی تصریح کی کچھ ضرورت نہین۔ ایسا ہی قرآن شریف مین وارد ہے کہ خدا کی ذات ہر ایک عیب سے پاک ہے اور ہر ایک نقصان سے مبرّا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ انسان بھی اس کی تعلیم کی پیروی کرکے عیبون سے پاک ہو اور وہ فرماتا ہے من کان فی ہذہ اعمی فہو فی الآخرۃ اعمی یعنے جو شخص اس دنیا مین اندھا رہیگا اور اس ذات بیچون کا اس کو دیدار نہین ہوگا وہ مرنے کے بعد بھی اندھا ہی ہوگا اور تاریکی اُس سے جدا نہین ہوگی کیونکہ خدا کے دیکھنے کے لئے اسی دنیا مین حواس ملتے ہین اور جو شخص ان حواس کو دنیا سے ساتھ نہین لے جائیگا وہ آخرت مین بھی خدا کو دیکھ نہین سکیگا اس آیت مین خدا تعالے نے صاف سمجھا دیا ہے کہ وہ انسان سے کس ترقی کا طالب ہے اور انسان اس کی تعلیم کی پیروی سے کہانتک پہنچ سکتا ہے پھر اسکے بعد وہ قرآن شریف مین اس تعلیم کو پیش کرتا ہے جسکے ذریعہ سے اور جس پر عمل کرنے سے اسی دنیا مین دیدار الٰہی میسر آسکتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے من کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا یعنے جو شخص چاہتا ہے کہ اسی دنیا مین اُس خدا کا دیدار نصیب ہو جائے جو حقیقی خدا اور پیدا کنندہ ہے پس چاہیئے کہ وہ ایسے نیک عمل کرے جن مین کسی قسم کا فساد نہ ہو یعنے عمل اسکے نہ لوگوں کے دکھلانے کے لئے ہون نہ ان کی وجہ سے دل مین تکبّر پیدا ہو کہ مین ایسا ہون اور ایسا ہون اور نہ وہ عمل ناقص اور ناتمام ہون اور نہ ان مین کوئی ایسی بدبو ہو جو محبت ذاتی کے برخلاف ہو بلکہ چاہیئے کہ صدق اور وفاداری سے بھرے ہوئے ہون اور ساتھ اسکے یہ بھی چاہیئے کہ ہر ایک قسم کے شرک سے پرہیز ہو نہ سورج نہ چاند نہ آسمان کے ستارے نہ ہوا نہ آگ نہ پانی نہ کوئی اور زمین کی چیز معبود ٹھہرائی جائے اور نہ دنیا کے اسباب کو ایسی عزت دیجائے اور ایسا ان پر بھروسہ کیا جائے کہ گویا وہ خدا کے شریک ہین اور نہ اپنی ہمت اور کوشش کو کچھ چیز سمجھا جائے کہ یہ بھی شرک کے قسمون مین سے ایک قسم ہے بلکہ سب کچھ کرکے یہ سمجھا جائے کہ ہم نے کچھ نہین کیا اور نہ اپنے علم پر کوئی غرور کیا جائے اور نہ اپنے عمل پر کوئی ناز۔ بلکہ اپنے تئین فی الحقیقت جاہل سمجھین اور کاہل سمجھین۔ اور خدا تعالے کے آستانہ پر ہر ایک وقت روح گری رہے اور دعاؤں کے ساتھ اس کے فیض کو اپنی طرف کھینچا جائے اور اُس شخص کی طرح ہو جائین کہ جو سخت پیاسا اور بے دست و پا بھی ہے اور اسکے سامنے ایک چشمہ نمودار ہوا ہے نہایت صافی اور شیرین پس اُس نے

افتان وخیزان بہر حال اپنے تیئں اس چشمہ تک پہونچا دیا اور اپنی لبوں کو اُس چشمہ پر رکھدیا
اور علیحدہ نہ ہوا جب تک سیراب نہ ہوا اور پھر قرآن مین ہمارا خدا اپنی خوبیوں کے بارے
مین فرماتا ہے۔ قُل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد۔ یعنے
تمہارا خدا وہ خدا ہے جو اپنے ذات اور صفات مین واحد ہے نہ کوئی ذات اس کی ذات جیسی
ازلی اور ابدی یعنے انادی اور اکال ہے نہ کسی چیز کے صفات اس کی صفات کے مانند مین
انسان کا علم کسی معلم کا محتاج ہے اور پھر محدود ہے مگر اسکا علم کسی معلم کا محتاج نہین اور باانہمہ
غیر محدود ہے۔ انسان کی شنوائی ہوا کی محتاج ہے اور محدود ہے۔ مگر خدا کی شنوائی ذاتی
طاقت سے ہے اور محدود نہین۔ اور انسان کی بینائی سورج یا کسی دوسری روشنی کی محتاج
ہے اور پھر محدود ہے مگر خدا کی بینائی ذاتی روشنی سے ہے اور غیر محدود ہے ایسا ہی انسان
کی پیدا کرنے کی قدرت کسی مادہ کی محتاج ہے اور نیز وقت کی محتاج اور پھر محدود ہے لیکن
خدا کی پیدا کرنے کی قدرت نہ کسی مادہ کی محتاج ہے نہ کسی وقت کی محتاج اور غیر محدود ہے
کیونکہ اس کی تمام صفات بے مثل و مانند ہین اور جیسے کہ اس کی کوئی مثل نہین اس کی
صفات کی بھی کوئی مثل نہین۔ اگر ایک صفت مین وہ ناقص ہو تو پھر تمام صفات مین ناقص
ہوگا۔ اسلئے اس کی توحید قائم نہین ہو سکتی۔ جبتک کہ وہ اپنی ذات کی طرح اپنے تمام
صفات مین بے مثل و مانند نہ ہو پھر اس سے آگے آیت ممدوحہ بالا کے یہ معنے ہین کہ
خدا نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کوئی اسکا بیٹا ہے کیونکہ وہ غنی بالذات ہے اسکو نہ باپ کی حاجت
ہے اور نہ بیٹے کی۔ یہ توحید ہے جو قرآن شریف نے سکھلائی ہے جو مدار ایمان ہے اور
اعمال کے متعلق یہ آیت جامع قرآن شریف مین ہے۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان
وایتاء ذی القربے وینہی عن الفحشاء والمنکر والبغی۔ یعنے خدا تمہین حکم دیتا
ہے کہ انصاف کرو اور عدل پہ قایم ہو جاؤ اور اگر اس سے زیادہ کامل بننا چاہو تو پھر احسان
کرو۔ یعنے ایسے لوگوں سے سلوک اور نیکی کرو جنہوں نے تمسے کوئی نیکی نہین کی اور اگر
اس سے بھی زیادہ کامل بننا چاہو تو محض ذاتی ہمدردی سے اور محض طبعی جوش سے
بغیر نیت کسی شکر یا ممنون منت کرنے کے بنی نوع سے نیکی کرو جیسا کہ ماں اپنے بچہ سے
فقط اپنے طبعی جوش سے نیکی کرتی ہے اور فرمایا کہ خدا تمہین اس سے منع کرتا ہے کہ کوئی
زیادتی کرو یا احسان جتلاؤ یا سچی ہمدردی کرنے والے کے کافر نعمت بنو اور اسی آیت
کی تشریح مین ایک اور مقام مین فرماتا ہے۔ ویطعمون الطعام علے حبہ مسکیناً ویتیماً و
اسیراً۔ انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاءً ولا شکوراً۔ یعنے کامل راستباز جب غریبوں

اور یتیموں اور اسیروں کو کھانا دیتے ہین تو محض خدا کی محبت سے دیتے ہین نہ کسی اور غرض سے دیتے ہین۔ اور وہ انہین مخاطب کرکے کہتے ہین کہ یہ خدمت خاص خدا کے لئے ہے اس کا ہم کوئی بدلہ نہین چاہتے۔ اور نہ ہم یہ چاہتے ہین کہ ہمارا شکر کرو۔ اور پھر سزا جزا کے بارے مین فرمایا۔ جزٰٓؤُا سیئۃٍ سیئۃٌ مثلہا فمن عفٰی واصلح فاجرہ علے اللہ۔ یعنے بدی کا بدلہ اسیقدر بدی ہے۔ دانت کے عوض دانت اور آنکھ کے عوض آنکھ اور گالی کے عوض گالی۔ اور جو شخص معاف کردے مگر ایسا معاف کرنا جسکا نتیجہ کوئی اصلاح ہو نہ کوئی خرابی یعنے جسکو معاف کیا گیا ہے وہ کچھ سُدھر جائے اور بدی سے باز آجائے تو اس شرط سے معاف کرنا انتقام سے بہتر ہوگا اور معاف کرنے والے کو اسکا بدلہ ملےگا یہ نہین کہ ہر ایک محل بے محل مین ایک گال پر طمانچہ کھاکر دوسری بھی پھیر دیجائے۔ یہ تو دور از حکمت ہے اور بعض اوقات بدون سے نیکی کرنا ایسا مضر ہوجاتا ہے کہ گویا نیکو نسے بدی کی ہے اور پھر فرمایا ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہٗ عداوۃ کانّہٗ ولیٌّ حمیم یعنے اگر کوئی تجھ سے نیکی کرے تو تو اس سے زیادہ نیکی کر اور اگر تو ایسا کریگا تو باہین تمہاری اگر کوئی عداوت بھی ہوگی تو وہ ایسی دوستی سے بدل جائےگی کہ گویا وہ شخص ایک دوست بھی ہے اور رشتہ دار بھی۔ اور فرمایا۔ ولا یغتب بعضکم بعضًا ایحبّ احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتًا۔ ولا یسخر قومٌ من قومٍ عسٰے ان یکونوا خیرًا منہم انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور۔ وقولوا قولًا سدیدًا واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا + یعنے چاہیئے کہ ایک تمہارا دوسرے کا گلہ مت کرے کیا تم پسند کرتے ہو کہ مردے بھائی کا گوشت کھاؤ اور چاہیئے کہ ایک قوم دوسری قوم پر ہنسی نہ کرے کہ ہماری اونچی ذات اور ان کی کم ہے ممکن ہے کہ وہ تم سے بہتر ہون اور خدا کے نزدیک تو زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ نیکی اور پرہیزگاری سے حصہ لیتا ہے۔ قومون کا تفرقہ کچھ چیز نہین ہے اور تم برے نامون سے جن سے لوگ چڑتے ہین یا اپنی ہتک سمجھتے ہین ان کو مت پکارو ورنہ خدا کے نزدیک تمہارا نام بدکار ہوگا اور بتون سے اور جھوٹ سے پرہیز کرو کہ یہ دونون ناپاک ہین اور جب بات کرو تو حکمت اور معقولیت سے کرو اور لغو گوئی سے بچو اور چاہیئے کہ

تمہارے تمام اعضاء اور تمام قوتین خدا کی تابع ہون اور تم سب ایک ہو کر اس کی اطاعت مین لگو
اور پھر ایک مقام مین فرمایا اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا
سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ـ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ثُمَّ
لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ـ یعنے اے وے لوگو جو خدا سے غافل ہو دنیا طلبی نے تمہین غافل
کیا یہانتک کہ تم قبرون مین داخل ہوجاتے ہو اور غفلت سے باز نہین آتے یہ تمہاری غلطی ہی اور عنقریب
تمہین معلوم ہوجائیگا ۔ پھر مین کہتا ہون کہ عنقریب تمہین معلوم ہوجائیگا اگر تمہین یقینی علم حاصل
ہوجائے تو تم علم کے ذریعہ سے سوچ کرکے اپنے جہنم کو دیکھ لو اور تمہین معلوم ہوجائے کہ تمہاری
زندگی جہنمی ہے پھر اگر اس سے بڑھ کر تمہین معرفت ہوجائے تو تم یقین کامل کی آنکھ سے دیکھلو کہ
تمہاری زندگی جہنمی ہے پھر وقت بھی آتا ہے کہ تم جہنم مین ڈالے جاؤگے اور ہر ایک عیاشی اور
بے اعتدالی سے پوچھے جاؤگے یعنے عذاب مین ماخوذ ہوکر حق الیقین تک پہونچ جاؤگے ۔ ان
آیات مین اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ یقین تین قسم کا ہوتا ہے ایک یہ کہ محض علم اور قیاس
سے حاصل ہوتا ہی جیسا کہ کوئی دور سے دھوان دیکھے اور قیاس اور عقل کو دخل دیکر سمجھ لے
کہ اسجگہ ضرور آگ ہوگی ۔ اور پھر دوسری قسم یقین کی یہ ہے کہ اس آگ کو اپنی آنکھون سے دیکھ لے
پھر تیسری قسم یقین کی یہ ہے کہ مثلاً اس آگ مین ہاتھ ڈالدے اور اسکی قوت احتراق سے مزہ
چکھ لے ۔ پس یہ تین قسمین ہوئین ۔ علم الیقین ۔ عین الیقین ۔ حق الیقین ۔ اس آیت مین خدا تعالے
نے سمجھایا کہ تمام راحت انسان کی خدا تعالے کے قرب اور محبت مین ہے اور جب اس سے
علاقہ توڑ کر دنیا کیطرف جھکے تو یہ جہنمی زندگی ہے اور اس جہنمی زندگی پر آخر کار ہر ایک شخص
اطلاع پالیتا ہے اور اگر چہ اس وقت اطلاع پاوے جبکہ یکدفعہ مال و متاع اور دنیا کے
تعلقات کو چھوڑ کر مرنے لگے ۔ اور پھر دوسری جگہ اللہ تعالے قرآن شریف مین فرماتا ہے ۔
وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۔ یعنے جو شخص خدا تعالے کے مقام اور عزت کا پاس کرکے
اور اس بات سے ڈر کر کہ ایک دن خدا کے حضور مین پوچھا جائیگا ۔ گناہ کو چھوڑتا ہے اسکو دو بہشت
عطا ہونگے ۔ (۱) اول اسی دنیا مین بہشتی زندگی اسکو عطا کیجاویگی اور ایک پاک تبدیلی اس مین
پیدا ہوجائے گی اور خدا اسکا متولی اور متکفل ہوگا ۔ دوسرے مرنیکے بعد جاودانی بہشت اسکو
عطا کیا جائے گا ۔ یہ اس لئے کہ وہ خدا سے ڈرا اور اسکو دنیا پر اور نفسانی جذبات پر
مقدم کر لیا ۔ پھر ایک اور جگہ قرآن شریف مین فرماتا ہے :-

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکَافِرِیْنَ سَلَاسِلَا وَ اَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُھَا کَافُوْرًا۔ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا عِبَادُ اللّٰہِ یُفَجِّرُوْنَھَا تَفْجِیْرًا۔ وَیُسْقَوْنَ فِیْھَا کَاْسًا کَانَ مِزَاجُھَا زَنْجَبِیْلًا عَیْنًا فِیْھَا تُسَمّٰی سَلْسَبِیْلًا۔ یعنے ہم نے کافرون کے لئے جو ہماری محبت دل مین نہین رکھتے اور دنیا کیطرف جھکے ہوئے ہین۔ زنجیر اور طوق گردن اور دل کے جلنے کے سامان تیار کر رکھے ہین۔ اور دنیا کی محبت کی انکے پیرون مین زنجیرین ہین اور گردنون مین ترکِ خدا کا ایک طوق ہے جس سے سر اٹھا کر اوپر کو نہین دیکھ سکتے۔ اور دنیا کیطرف جھکے جاتے ہین اور دنیا کی خواہشون کی ہر وقت انکے دلون مین ایک جلن ہے۔ مگر وہ جو نیکوکار ہین۔ وہ اسی دنیا مین ایسا کافوری شربت پی رہے ہین جس نے انکے دلون مین سے دنیا کی محبت ٹھنڈی کر دی ہے اور دنیا طلبی کی پیاس بجھا دی ہے کافوری شربت کا ایک چشمہ ہے جو انکو عطا کیا جاتا ہے۔ اور وہ اس چشمہ کو پھاڑ پھاڑ کر نہر کی صورت پر کر دیتے ہین تا وہ نزدیک اور دور کے پیاسون کو اس مین شریک کر دین۔ اور جب وہ چشمہ نہر کی صورت پر آجاتا ہے اور قوت ایمانی بڑھ جاتی ہے اور محبت الٰہی نشو و نما پانے لگتی ہے تب انکو ایک اور شربت پلایا جاتا ہے۔ جو زنجبیلی شربت کہلاتا ہے یعنے پہلے تو وہ کافوری شربت پیتے ہین۔ جسکا کام صرف اسقدر ہے کہ دنیا کی محبت انکے دلون سے ٹھنڈی کر دے۔ لیکن بعد اسکے وہ ایک گرم شربت کے بھی محتاج ہین۔ تا خدا کی محبت کی گرمی ان مین بھڑکے کیونکہ صرف بدی کا ترک کرنا کمال نہین ہے پس اسی کا نام زنجبیلی شربت ہے اور اس چشمہ کا نام سلسبیل ہے جسکے معنے ہین خدا کی راہ پوچھ۔ اور پھر ایک مقام مین فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا۔ یعنے نفسانی گرفتاریون سے وہ شخص نجات پا گیا اور بہشتی زندگی کا مالک ہو گیا۔ جس نے اپنے نفس کو پاک بنا لیا۔ اور نا کام اور نامراد رہا وہ شخص جسنے اپنے نفس کو زمین مین دھنسایا اور آسمان کیطرف رخ نہ کیا اور چونکہ یہ مقامات صرف انسانی سعی سے حاصل نہین ہو سکتے اسلئے جا بجا قرآن شریف مین دعا کی ترغیب دی ہے اور مجاہدہ کی طرف رغبت دلائی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنے دعا کرو مین تمہاری دعا قبول کرونگا۔ اور پھر فرماتا ہے۔ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ۔ یعنے اگر میرے بندے میرے وجود سے سوال کرین کہ کیونکر اسکی ہستی

ثابت ہے اور کیونکر سمجھا جائے کہ خدا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مین بہت ہی نزدیک ہون مین اپنے پکارنیوالے کو جواب دیتا ہون اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو مین اسکی آواز سنتا ہون اور اس سے ہمکلام ہوتا ہون۔ پس چاہئے کہ اپنے تئین ایسے بناوین کہ مین انسے ہمکلام ہو سکون اور مجھ پر کامل ایمان لاوین تا ان کو میری راہ ملے اور پھر فرماتا ہے:۔ والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا یعنے جو لوگ ہماری راہ مین اور ہماری طلب کے لئے طرح طرح کی کوششین اور محنتین کرتے ہین۔ ہم انکو اپنی راہ دکھلا دیتے ہین۔ اور پھر فرماتا ہے وکونوا مع الصادقین۔ یعنے اگر خدا سے ملنا چاہتے ہو تو دعا بھی کرو۔ اور کوشش بھی کرو اور صادقون کی صحبت مین بھی رہو۔ کیونکہ اس راہ مین صحبت بھی شرط ہے یہ تمام احکام وہ ہین جو انسان کو اسلام کی حقیقت تک پہونچاتے ہین کیونکہ جیسا کہ مین بیان کر چکا ہون۔ اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی گردن خدا کے آگے قربانی کے بکرے کی طرح رکھدینا اور اپنے تمام ارادونسے کھوئے جانا اور خدا کے ارادہ اور رضا مین محو ہو جانا اور خدا مین گم ہو کر ایک موت اپنے پر وارد کر لینا اور اس کی محبت ذاتی سے پورا رنگ حاصل کر کے محض محبت کے جوش سے اس کی اطاعت کرنا نہ کسی اور بنا پر۔ اور ایسی آنکھین حاصل کرنا جو محض اسکے ساتھ دیکھتی ہون اور ایسے کان حاصل کرنا جو محض اسکے ساتھ سنتے ہون۔ اور ایسا دل پیدا کرنا جو سراسر اس کی طرف جھکا ہوا ہو اور ایسی زبان حاصل کرنا جو اسکے بلائے بولتی ہو۔ یہ وہ مقام ہے جسپر تمام سلوک ختم ہو جاتے ہین۔ اور انسانی قوے اپنے ذمہ کا تمام کام کر چکتے ہین اور پورے طور پر انسان کی نفسانیت پر موت وارد ہو جاتی ہے۔ تب خدا تعالی کی رحمت اپنے زندہ کلام اور چمکتے ہوئے نورونکے ساتھ دوبارہ اسکو زندگی بخشتی ہے۔ اور وہ خدا کے لذیذ کلام سے مشرف ہوتا ہے۔ اور وہ دقیق در دقیق نور جسکو عقلین دریافت نہین کر سکتین اور آنکھین اس کنہ تک نہین پہونچتین۔ وہ خود انسان کے دل سے نزدیک ہو جاتا ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ یعنے ہم اسکی شاہ رگ سے بھی زیادہ اس سے نزدیک ہین پس ایسا ہی وہ اپنے قرب سے فانی انسان کو مشرف کرتا ہے۔ تب وہ وقت آتا ہے کہ نابینائی دور ہو کر معرفت کی آنکھین روشن ہو جاتی ہین اور انسان اپنے خدا کو ان نئی آنکھونسے دیکھتا ہے اور اسکی آواز سنتا ہے اور اسکی نور کی چادر کے اندر اپنے تئین لپٹا ہوا پاتا ہے تب مذہب کی غرض ختم ہو جاتی ہے۔ اور انسان اپنے خدا کے مشاہدہ سے سفلی زندگی کا گندہ چولہ اپنے وجود پر سے پھینکدیتا ہے اور ایک نور کا پیراہن پہن لیتا ہے۔ اور نہ صرف وعدہ کے طور پر اور نہ فقط آخرت کے انتظار مین خدا کے دیدار اور بہشت کا منتظر رہتا ہے بلکہ اسی جگہ

اور اسی دنیا مین دیدار و گفتار الٰہی اور جنت کی نعمتون کو پالینا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے
ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ یعنے جو لوگ یہ کہتے ہین کہ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو جامع صفات کاملہ ہے جس کی ذات اور صفات مین اور کوئی شریک نہین۔ اور یہ کہکر پھر وہ استقامت اختیار کرتے ہین اور کتنے ہی زلزلے آوین اور بلائین نازل ہون۔ اور موت کا سامنا ہو۔ انکے ایمان اور صدق مین فرق نہین آتا۔ انپر فرشتے اترتے ہین اور خدا ان سے ہمکلام ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ تم بلاؤن سے اور خوفناک دشمنون سے مت ڈرو اور نہ گذشتہ مصیبتون سے غمگین ہو۔ مین تمہارے ساتھ ہون اور مین اسی دنیا مین تمہین بہشت دیتا ہون جسکا تمہین وعدہ دیا گیا تھا پس تم اس سے خوش ہو۔ اب واضح ہو کہ یہ باتین بغیر شہادت کے نہین اور یہ ایسے وعدے نہین کہ جو پورے نہین ہوئے بلکہ ہزارون اہل دل مذہب اسلام مین اس روحانی بہشت کا مزہ چکھ چکے ہین۔ درحقیقت اسلام وہ مذہب ہے جسکے سچے پیروؤن کو خدا تعالےٰ نے تمام گذشتہ راستبازون کا وارث ٹھہرایا ہے اور ان کی متفرق نعمتین اس امت مرحومہ کو عطا کر دی ہین اور اس نے اس دعا کو قبول کر لیا ہے جو قرآن شریف مین آپ سکھلائی تھی اور وہ یہ ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ ہمین وہ راہ دکھلا۔ جو ان راستبازون کی راہ ہے جن پر تو نے ہر ایک انعام و اکرام کیا ہے۔ یعنے جنہون نے تجھ سے ہر ایک قسم کی برکتین پائی ہین اور تیرے مکالمہ مخاطبہ سے مشرف ہوئے ہین اور تجھ سے دعاؤن کی قبولیتین حاصل کی ہین اور تیری نصرت اور مدد اور راہ نمائی ان کے شامل حال ہوئی ہے اور ان لوگون کی راہون سے ہمین بچا۔ جنپر تیرا غضب ہے اور جو تیری راہ کو چھوڑ کر اور راہون کی طرف چلے گئے ہین۔ یہ وہ دعا ہے جو نماز مین پانچ وقت پڑھی جاتی ہے اور یہ بتلا رہی ہے کہ اندھا ہونے کی حالت مین دنیا کی زندگی بھی ایک جہنم ہے اور پھر مرنا بھی ایک جہنم ہے اور درحقیقت خدا کا سچا تابع اور واقعی نجات پانیوالا وہی ہو سکتا ہے جو خدا کو پہچان لے اور اس کی ہستی پر کامل ایمان لے آوے اور وہی ہے جو گناہ کو چھوڑ سکتا ہے۔ اور خدا کی محبت مین محو ہو سکتا ہے۔ پس جس دل مین یہ خواہش اور یہ طلب نہین کہ خدا کا مکالمہ اور مخاطبہ یقینی طور پر اسکو نصیب ہو وہ ایک مردہ دل ہے اور جس دین مین یہ قوت نہین کہ اس کمال تک پہونچا دے اور اپنے سچے پیروؤن کو خدا کا ہمکلام بنا دے وہ دین منجانب اللہ نہین اور

اس مین راستی کی روح نہین۔ ایساہی جب کسی نبی نے اس راہ کیطرف لوگونکو نہین چلایا۔ کہ خدا
کے مکالمہ اور مخاطبہ کے طالب ہون اور کامل معرفت کے خواہان ہون۔ وہ نبی بھی خدا کی
طرف سے نہین ہے اور وہ خدا پر افترا کرتا ہے کیونکہ انسان کا عظیم الشان مقصود جس سے
وہ گناہون سے نجات پا سکتا ہے یہی ہے کہ خدا کی ہستی اور اسکی سزا جزا پر اسکو پورا یقین
آوے مگر اس غیب الغیب خدا پر کیونکر یقین حاصل ہو۔ جبتک اسکی طرف سے انا الموجود
کی آواز نہ سنی جاوے اور جبتک کہ انسان اس کیطرف سے کھلے کھلے نشان مشاہدہ نکرے
کیونکر اس کی ہستی پر یقین کامل آوے عقلی دلایل سے خدا کے وجود کا پتہ لگانا صرف اس حد
تک ہے کہ عقل سلیم زمین اور آسمان اور انکی ترتیب ابلغ اور محکم کو دیکھ کر یہ تجویز کرتی ہے
کہ ان مصنوعاتِ پُر حکمت کا کوئی صانع ہونا چاہئے۔ مگر یہ دکھلا نہین سکتے کہ فی الحقیقت
صانع ہی بھی اور ظاہر ہے کہ ہونا چاہئے۔ صرف ایک خیال ہے اور "ہے" ایک امر واقعہ کا ثبوت
ہے اور دونون مین فرق کھلا کھلا ہے۔ یعنے پہلی صورت مین صرف ضرورت صانع بتلائی گئی
ہے اور دوسری صورت مین اسکے فی الواقع موجود ہونے کی شہادت دیجاتی ہے غرض
اس زمانہ مین کہ مذاہب کی باہمی کشاکش کا ایک تند و تیز سیلاب چل رہا ہے طالب حق
کو اس اصل مقصود کو فراموش نہین کرنا چاہئے کہ مذہب وہی سچا ہے جو یقین کامل کے ذریعہ
سے خدا کو دکھلا سکتا ہے اور درجہ مکالمہ مخاطبہ الہیہ تک پہونچا سکتا ہے اور خدا کی ہمکلامی
کا شرف بخش سکتا ہے اور اس طرح اپنی روحانی قوت اور روح پرور خاصیت سے
دلونکو گناہ کی تاریکی سے چھڑا سکتا ہے اور اسکے سوا سب دھوکا دینے والے ہین۔
اب ہم اس ملک کے چند مذاہب پر نظر کرتے ہیں۔ کہ کیا وہ خدا تعالے کی معرفت کے بارے
مین یقین کامل تک پہنچا سکتے ہین اور کیا ان کی کتابون مین یہ وعدہ موجود ہے کہ وہ خدا
کے یقینی مکالمہ سے شرف حاصل کرا سکتے ہین اور اگر موجود ہے تو کیا اس زمانہ مین انکے ذریعہ
سے کوئی اس کا مصداق پایا بھی جاتا ہے یا نہین۔ سو سب سے پہلے قابل ذکر وہ مذہب ہے جو مسیحی مذہب
کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ پس واضح ہو کہ اس مذہب کے بارے مین ہمین زیادہ لکھنے کی
ضرورت نہین کیونکہ مسیحی صاحبونکا اسپر اتفاق ہو چکا ہے کہ مسیح کے زمانہ کے بعد الہام
اور وحی پر مہر لگ گئی ہے اور اب یہ نعمت آگے نہین بلکہ پیچھے رہ گئی ہے اور اب اسکے
پانے کی کوئی بھی راہ نہین۔ اور قیامت تک نومیدی ہے۔ اور فیض کا دروازہ بند ہے
اور شاید یہی وجہ ہوگی کہ نجات پانے کے لئے ایک نئی تجویز نکالی گئی ہے اور ایک نیا
نسخہ تجویز کیا گیا ہے جو تمام جہان کے اصول سے نرالا اور سراسر عقل اور انصاف

اور رحم کے مخالف ہے اور وہ یہ ہے کہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے تمام جہان کے گناہ اپنے ذمہ لیکر صلیب پر مرنا منظور کیا تا ان کی اس موت سے دوسرون کی رہائی ہو۔ اور خدا نے اپنے بے گناہ بیٹے کو مارا تا گنہ گارونکو بچاوے لیکن ہمین کچھ سمجھ مین نہین آتا کہ اس قسم کی مظلومانہ موت سے دوسرونکے دل گناہ کی پلید خصلت سے کیونکر صاف اور پاک ہو سکتے ہین اور کیونکر ایک بے گناہ کے قتل ہونے سے دوسرونکو گذشتہ گناہونکی معافی کی سند مل سکتی ہے بلکہ اس طریق مین انصاف اور رحم دونونکا خون ہے کیونکہ گنہ گار کے عوض مین بیگناہ کو پکڑنا خلاف انصاف ہے اور نیز بیٹے کو اس طرح ناحق سخت دلی سے قتل کرنا خلاف رحم ہے اور اس حرکت سے فائدہ خاک نہین اور ابھی ہم لکھ چکے ہین کہ اصل سبب گناہ کے سیلاب کا قلّت معرفت ہے پس جبتک ایک علّت موجود ہے تب تک معلول کی نفی کیونکر ہو سکتی ہے۔ ہمیشہ علت کا وجود معلول کے وجود کو چاہتا ہے اب جائے حیرت ہے کہ یہ کیسا فلسفہ ہے۔ کہ گناہ کرنے کی علت جو قلّت معرفت باریتعالے ہے وہ تو سر پر موجود کھڑی ہے مگر معلول اسکا جو ارتکاب گناہ کی حالت ہے وہ معدوم ہو گئی ہے تجربہ ہزارون گواہ پیش کرتا ہے کہ بجز معرفت کامل کے نہ کسی چیز کی محبت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ کسی چیز کا خوف پیدا ہوتا ہے اور نہ اس کی قدر دانی ہوتی ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کسی فعل یا ترک فعل کو یا تو خوف کیوجہ سے کرتا ہے اور یا محبت کیوجہ سے۔ اور خوف اور محبت دونون معرفت سے پیدا ہوتی ہین پس جب معرفت نہین تو نہ خوف ہے اور نہ محبت ہے۔ اے عزیزو۔ اور پیارو اس جگہ راستی کی حمایت اس بیان کے لیئے ہمین مجبور کرتی ہے کہ خدا تعالی کی معرفت کے بارے مین حضرات مسیحیون کے ہاتھ مین کوئی امر صاف نہین ہے وحی کے سلسلہ پر تو پہلے سے مہر لگ چکی ہے اور مسیح اور حواریون کے بعد معجزات بھی بند ہو گئے ہین۔ رہا عقلی طریق۔ سو آدمزاد کو خدا بنانے مین وہ طریق بھی ہاتھ سے گیا۔ اور اگر گذشتہ معجزات جواب محض قصونکے رنگ مین ہین پیش کئے جائین۔ تو اول تو ہر ایک منکر کہہ سکتا ہے کہ خدا جانے ان کی اصل حقیقت کیا ہے اور کسقدر مبالغہ ہے کیونکہ کچھ شک نہین کہ مبالغہ کرنا انجیل نویسون کی عادت مین داخل تھا چنانچہ ایک انجیل مین یہ فقرہ موجود ہے کہ مسیح نے اتنے کام کئے کہ اگر وہ لکھے جاتے تو دنیا مین سما نہ سکتے۔ اب دیکھو کہ وہ کام بغیر لکھنے کے تو دنیا مین سما گئے لیکن لکھنے کیحالت مین وہ دنیا مین نہین سمائینگے۔ یہ کس قسم کا فلسفہ اور کس قسم کی منطق ہے کیا کوئی سمجھ سکتا ہے ماسوا اسکے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات حضرة موسے نبی کے معجزات سے کچھ

بڑھ کر نہیں ہیں اور ایلیا نبی علیہ السلام کے نشانوں کا جب مسیح علیہ السلام کے نشانوں سے مقابلہ کریں تو ایلیا کے معجزات کا پلہ بھاری معلوم ہوتا ہے۔ پس اگر معجزات سے کوئی خدا بن سکتا ہے تو یہ سب بزرگ خدائی کے مستحق ہیں۔ اور یہ بات کہ مسیح نے اپنے تئیں خدا کا بیٹا کہا ہے یا کسی اور کتاب مین اسکو بیٹا کہا گیا ہے۔ ایسی تحریرون سے اسکی خدائی نکالنا درست نہیں +

بائبل مین بہت سے لوگون کو خدا کے بیٹے کہا گیا ہے بلکہ بعض کو خدا بھی۔ پھر مسیح علیہ السلام کی تخصیص بے وجہ ہے اور اگر ایسا ہوتا بھی کہ کسی دوسرے کو ان کتابون مین بجز مسیح کے خدا یا خدا کے بیٹے کا لقب نہ دیا جاتا تب بھی ایسی تحریرونکو حقیقت پر حمل کرنا نادانی تھا۔ کیونکہ خدا کے کلام مین ایسے استعارات بکثرت پائے جاتے ہین۔ مگر جس حالت مین بائبل کے رو سے خدا کا بیٹا کہلانے مین اور بھی مسیح علیہ السلام کے شریک ہین تو دوسرے شرکا کو کیون اس فضیلت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ غرض نجات کے لئے اس منصوبہ پر بھروسہ کرنا صحیح نہین ہے اور گناہ سے باز رہنے کو اس منصوبہ سے کوئی بھی تعلق نہین پایا جاتا بلکہ دوسرے کی نجات کے لئے خودکشی کرنا خود گناہ ہے اور مین خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہون کہ ہرگز مسیح نے اپنی رضامندی سے صلیب کو منظور نہین کیا۔ بلکہ شریر یہودیون نے جو چاہا اس سے کیا اور مسیح نے صلیبی موت سے بچنے کے لئے باغ مین ساری رات دعا کی اور اسکے آنسو جاری ہو گئے۔ تب خدا نے باعث اسکے تقوے کے اس کی دعا قبول کی اور اسکو صلیبی موت سے بچا لیا۔ جیسا کہ خود انجیل مین بھی لکھا ہے۔ پس یہ کیسی تہمت ہے کہ مسیح نے اپنی رضامندی سے خودکشی کی۔ ماسوا اسکے عقل تجویز نہین کر سکتی کہ زید اپنے سر پر پتھر مارے اور بکر کی اس سے درد سر جاتی رہے۔ ہان ہم قبول کرتے ہین کہ حضرت مسیح علیہ السلام نبی تھے۔ اور ان کامل بندون مین سے تھے جنکو خدا نے اپنے ہاتھ سے صاف کیا ہے لیکن وہ الفاظ جو انکی نسبت یا دوسرے نبیونکی نسبت کتابون مین وارد ہین۔ ان سے نہ انکو اور نہ کسی اور بھی کو ہم خدا بنا سکتے ہین مین ان امور مین خود صاحب تجربہ ہون۔ اور میری نسبت خدا تعالےٰ کی پاک وحی مین وہ اعزاز اور اکرام کے لفظ موجود ہین کہ مین نے کسی انجیل مین حضرت مسیح کے بارے مین نہین دیکھے۔ اب مین کیا یہ کہہ سکتا ہون کہ مین حقیقت مین خدا ہون یا خدا کا بیٹا ہون۔ رہی انجیل کی تعلیم سو میری رائے یہ ہے۔ کہ تعلیم کامل وہ ہوتی ہے جو تمام انسانی قوے کی پرورش کرے۔ نہ صرف یہ کہ محض ایک پہلو پر اپنا تمام زور ڈالدے۔ مین سچ سچ کہتا ہون کہ یہ کامل تعلیم مین نے قرآن شریف مین ہی پائی ہے وہ ہر ایک امر مین حق اور حکمت کی رعایت رکھتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً انجیل مین کہا گیا ہے کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری بھی پھیر دے۔ مگر قرآن شریف ہمین تعلیم دیتا ہے

کہ یہ حکم ہر حال اور ہر محل مین نہین بلکہ موقع اور محل دیکھنا چاہیئے کہ کیا وہ صبر کو چاہتا ہے۔ یا انتقام کو اور عفو کو چاہتا ہے یا سزا کو۔ اب ظاہر ہے کہ یہی قرآنی تعلیم کامل ہے اور بغیر اسکی پابندی کے انسانی سلسلہ تباہ ہو جاتا ہے اور نظام دنیا بگڑ جاتا ہے۔ ایسا ہی انجیل مین... کہا گیا ہے کہ تو شہوت کی نظر سے بیگانہ عورت کیطرف مت دیکھ مگر قرآن شریف مین ہے کہ نہ تو شہوت کی نظر سے اور نہ بغیر شہوت کے بیگانہ عورتون کو دیکھنے کی عادت کر۔ کہ یہ سب تیرے لئے ٹھوکر کی جگہ ہے۔ چاہیئے کہ ضرورتون کے موقعہ پر تیری آنکھ بند کے قریب ہو اور دھندلی سی ہو اور کھلی کھلی نظر ڈالنے سے پرہیز کر کہ یہی طریق پاک دلی کے محفوظ رکھنے کا ہے۔ اس زمانہ کے مخالف فرقے شاید اس حکم سے مخالفت کرینگے۔ کیونکہ آزادی کا نیا نیا شوق ہے مگر تجربہ صاف بتلا رہا ہے کہ یہی حکم صحیح ہے۔ دوستوا کھلی کھلی بے تکلفی اور نظر بازی کے کبھی نتیجے اچھے نہین نکلتے۔ مثلاً کبس حالت مین ابھی ایک مرد نفسانی جذبات سے پاک نہین اور نہ جوان عورت نفسانی جذبات سے پاک ہے تو ان دونون کو ملاقات اور نظر بازی اور آزادی کا موقعہ دینا گویا انکو اپنے ہاتھ سے گڑھے مین ڈالنا ہے۔ ایسا ہی انجیل مین کہا گیا ہے کہ بغیر زنا کے طلاق درست نہین۔ مگر قرآن شریف جایز رکھتا ہے کہ جہان مثلاً خاوند اور عورت دونون باہم جانی دشمن ہو جائین اور ایک کی جان دوسرے سے خطرہ مین ہو اور یا عورت نے زنا تو نہین کیا مگر زنا کے لوازم پیدا کر لئے ہین اور یا اسکو کوئی ایسی مرض ہو گئی ہے جس سے تعلق قایم رکھنے کی حالت مین خاوند کی ہلاکت ہے یا ایسا ہی کوئی اور سبب پیدا ہو گیا ہے جو خاوند کی نظر مین طلاق کا موجب ہے۔ تو ان سب صورتون مین طلاق دینے مین خاوند پر کوئی اعتراض نہین۔ اب پھر ہم اصل مقصود کیطرف عود کر کے کہتے ہین کہ یقیناً یاد رکھو کہ حضرات مسیحیون کے پاس نجات اور گناہ سے رکنے کا کوئی حقیقی ذریعہ موجود نہین کیونکہ نجات کے بجز اسکے کوئی اور معنے نہین کہ انسان کی ایسی حالت ہو جائے کہ گناہ ہونکے ارتکاب پر دلیری نہ کر سکے اور خدا تعالیٰ کی محبت اسقدر ترقی کرے کہ نفسانی محبتین اسپر غالب نہ آسکین۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حالت بجز معرفت تامہ کے پیدا نہین ہو سکتی۔ اب جب ہم قرآن شریف کو دیکھتے ہین تو ہم اس مین کھلے طور پر وہ وسایل پاتے ہین جن سے خدا تعالیٰ کی معرفت تامہ حاصل ہو سکے اور پھر خوف غالب ہو کر گناہون سے رک سکین۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ اس کی پیروی سے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ نصیب ہو جاتا ہے اور آسمانی نشان ظاہر ہوتے ہین اور انسان خدا سے علم غیب پاتا ہے اور محکم تعلق اُس سے پیدا ہو جاتا ہے اور دل خدا کے وصال کے لئے جوش

مارتا ہے اور اسکو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتا ہے اور دعائیں قبول ہو کر اطلاع دیجاتی ہے اور ایک دریا معرفت کا جاری ہو جاتا ہے جو گناہ سے روکتا ہے اور پھر جب ہم انجیل کیطرف آتے ہین تو گناہ سے بچنے کے لئے صرف اس مین ایک غیر معقول طریق پاتے ہین جسکو ازالہ گناہ سے کچھ بھی تعلق نہین۔ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے انسانیت کی کمزوریان تو بہت دکھلائین اور خدائی کی کوئی خاص قوت ظاہر نہ ہوئی جو غیر سے انکو امتیاز دیتی تاہم وہ مسیحیون کی نظر مین خدا کر کے مانے گئے ✤

آریہ مذہب

اب ہم آریہ مذہب پر مختصر طور سے نظر کرتے ہین کہ گناہ سے بچنے کے لئے اُنکے مذہب مین کیا سامان پیش کیا گیا ہے۔ پس واضح ہو کہ آریہ صاحبون کے وید مقدس نے سرے سے آیندہ زمانہ کے لئے خدا تعالےٰ کے مکالمہ اور مخاطبہ اور آسمانی نشانون سے انکار کر دیا ہے۔ پس وید مین سے اس کامل تسلی کو ڈھونڈنا کہ کسی کو خدا کے انا الموجود ہونیکی آواز آوے اور خدا دعاؤن کو سن کر ان کا جواب دیوے اور نشانون کے ذریعہ سے اپنا چہرہ دکھاوے ایک عبث کوشش اور لاحاصل تلاش ہے بلکہ انکے نزدیک یہ تمام امر محالات مین سے ہین۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ کسی چیز کا خوف یا محبت بغیر اس کی رویت اور کامل معرفت کے ممکن ہی نہین۔ اور صرف مصنوعات پر نظر ڈالنے سے کامل معرفت ہو نہین سکتی۔ اسی وجہ سے محض عقل کے پیروؤن مین ہزارہا دہریہ اور ناستک مت والے بھی موجود ہین بلکہ جو لوگ فلسفہ کے پورے کمال تک پہونچتے ہین وہی ہین جن کو پورے دہریہ کہنا چاہئے اور ابھی ہم بیان کر چکے ہین کہ عقل سلیم زیادہ سے زیادہ صرف اس حد تک کام دے سکتی ہے کہ مصنوعات پر نظر ڈالنے سے بشرطیکہ دہریہ پن کا رنگ اپنے اندر نہ رکھتی ہو یہ تجویز کر سکتی ہے کہ ان چیزون کا کوئی خالق ہونا چاہئے نہ یہ کہ وہ خالق فی الواقعہ موجود بھی ہے اور پھر عقل ہی اس وہم مین گرفتار ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے کہ یہ سب کارخانہ خود بخود چلا آتا ہو۔ اور طبعی طور پر بعض چیزین بعض کی خالق ہون۔ پس عقل اس یقین کامل تک نہین پہونچا سکتی جسکا نام معرفت تامہ ہے جو قائمقام دیدار الہی ہے اور جس سے کامل طور پر خوف اور محبت پیدا ہوتے ہین اور پھر خوف اور محبت کی آگ سے ہر یک قسم کا گناہ جل جاتا ہے اور نفسانی جذبات پر موت آجاتی ہے اور ایک نورانی تبدیلی پیدا ہو کر تمام اندرونی کمزوریان اور گناہ کی غلاظتین دور ہو جاتی ہین۔ لیکن چونکہ اکثر انسانون کو اس کامل پاکیزگی کی پرواہ نہین ہے جو گناہ کے داغ سے بالکل مبرا کرتی ہے اسلئے اکثر لوگ اس ضرورت کو محسوس کر کے اس کی تلاش مین نہین لگ جاتے بلکہ اُلٹے

تعصب سے پُر ہو کر مخالفت ظاہر کرتے ہین اور لڑنے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہین اور آریہ صاحبونکا مسلک تو بہت ہی قابل افسوس ہے کہ وہ معرفت تامہ کے حقیقی وسیلہ سے تو قطعاً نومید ہین اور عقلی وسایل بھی انکے ہاتھ مین نہین رہے کیونکہ جب کہ اُنکے نزدیک ذرہ ذرہ عالم کا انادی ہے جو خود بخود ہے اور کسی کے ہاتھ سے وجود پذیر نہین ہوا اور تمام ارواح بھی مع اپنی تمام قوتون کے انادی ہین جنکا کوئی پیدا کرنے والا نہین تو انکے ہاتھ مین پرمیشر کی ہستی پر کونسی دلیل باقی رہی اور اگر کہین کہ ذرات عالم کا باہم جوڑنا اور روحونکا ان مین داخل کرنا یہ پرمیشر کا کام ہے اور یہی اس کی ہستی پر دلیل ہے تو یہ خیال نادرست ہوگا کیونکہ جس حالت مین ارواح اور ذرات خود بخود ایسے شکتی مان ہین کہ قدیم سے اپنے وجود کو آپ سنبھالے ہوئے ہین اور اپنے وجود کے آپ ہی خدا ہین تو کیا وہ خود بخود باہم اتصال یا انفصال نہین کر سکتے۔ اس بات کو کوئی قبول نہین کریگا کہ باوجود اسکے کہ تمام ذرات یعنے پرمانو اپنی ہستی اور وجود مین کسی دوسرے کو محتاج نہین اور باوجود اسکے کہ تمام ارواح یعنی جیو اپنی ہستی اور وجود مین اور اپنے تمام قوے مین کسی دوسرے کے محتاج نہین مگر پھر بھی اپنے اتصال اور انفصال مین کسی دوسرے کے محتاج ہین یہ ایک ایسا عقیدہ ہے کہ جو ناستک مت والونکے لئے ایک مفت کا شکار ہے اور اس سے ایک آریہ بہت جلد ناستک مت مین داخل ہو سکتا ہے اور ایک چالاک دہریہ ہنسی ہنسی مین اسکو اپنے پیچ مین لا سکتا ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے اور رحم بھی آتا ہے کہ آریہ صاحبون نے شریعت کے دونون پہلوؤن مین سخت غلطی کھائی ہے یعنی پرمیشر کی نسبت یہ عقیدہ قائم کیا ہے کہ وہ مبدء تمام مخلوق کا نہین اور نہ سرچشمہ تمام فیوض کا ہے بلکہ ذرات اور ح ان کی فطرتین اسکے فیوض سے محروم ہین پھر خود سوچ لین کہ پرمیشر کی کیا ضرورت ہے۔ اور کیون وہ مستحق پرستش ہے اور کس وجہ سے وہ سرب شکتی مان کہلاتا ہے اور کس راہ سے اور کس طریق سے وہ شناخت کیا گیا ہے کیا کوئی اسکا جواب دیسکتا ہے کاش ہماری ہمدردی کسی دل مین اثر کرے۔ کاش کوئی شخص گوشہ تنہائی مین بیٹھے اور ان باتون مین فکر کرے۔ اے قادر خدا اس قوم پر بھی رحم کر جو ہمارے پُرانے ہمسایہ ہین۔ ان مین سے بہت سے دل حق کیطرف پھیر دے کہ تجھے سب قدرت ہے آمین + یہ پہلو تو پرمیشر کے متعلق ہے جس مین اس قدر اس خالق بے چون کی حق تلفی ہے اور دوسرا پہلو جو آریہ مت مخلوق کے متعلق پیش کرتا ہے ان مین سے ایک تو تناسخ ہے یعنی بار بار روحون کا طرح طرح کی جونون مین پڑکر دنیا مین آنا۔ اس عقیدہ مین سب سے پہلے یہ امر عجیب اور حیرت انگیز

ہے کہ باوجود دعوے عقل کے یہ خیال کیا گیا ہے کہ پرمیشر اس قدر سخت دل ہے کہ ایک گناہ کے عوض مین کروڑہا برس تک بلکہ کروڑہا اربون تک سزا دئے جاتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ یہ اسکے پیدا کردہ نہین ہین اور اُنپر اسکا کوئی بھی حق نہین ہے بجز اسکے کہ بار بار جونوں کے چکر مین ڈالکر دُکھ مین ڈالے۔ پھر کیون انسانی گورنمنٹ کی طرح صرف چند سال کی سزا نہین دیتا ظاہر ہے کہ لمبی سزا کے لئے یہ شرط ہے کہ سزا یافتون پر کوئی لمبا حق بھی ہو۔ مگر جس حالت مین تمام ذرّات اور ارواح خود بخود ہین کچھ بھی اُسکا ان پر احسان نہین بجز اسکے کہ سزا کی غرض سے طرح طرح کی جونون مین انکو ڈالے۔ پھر وہ کس حق پر لمبی سزا دیتا ہے۔ دیکھو اسلام مین باوجودیکہ خدا فرماتا ہے کہ ہر ایک ذرّہ اور ہر ایک روح کا مین ہی خالق ہون اور تمام قوتین ان کی میرے ہی فیض سے ہین اور میرے ہی ہاتھ سے پیدا ہوئے ہین اور میرے ہی سہارے سے جیتے ہین۔ پھر بھی وہ قرآن شریف مین فرماتا ہے اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّکَ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ یعنے دوزخی دوزخ مین ہمیشہ رہینگے لیکن وہ ہمیشگی جو خدا کو ہے بلکہ دور دراز مدت کے لحاظ سے۔ پھر خدا کی رحمت دستگیر ہوگی کیونکہ وہ قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور اس آیت کی تصریح مین ہمارے سید و مولے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی ہے اور وہ یہ ہے:۔ "یاتی علے جہنم زمان لیس فیہا احد ونسیم الصبا تحرک ابوابہا" یعنے جہنم پر ایک وہ زمانہ آئیگا کہ اس مین کوئی بھی نہ ہوگا اور نسیم صبا اسکے کواڑ ونکو ہلائیگی لیکن افسوس کہ یہ قومین خدا تعالے کو ایک ایسا چڑچڑا اور کینہ ور قرار دیتی ہین کہ کبھی بھی اسکا غصہ فرو نہین ہوتا اور بیشمار اربون تک جونون مین ڈالکر پھر بھی گناہ معاف نہین کرتا۔ اور یہ اعتراض صرف آریہ صاحبون پر نہین۔ حضرات مسیحیون کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ وہ ایک گناہ کے لئے ابدی جہنم تجویز کرتے ہین جس کا کبھی انتہا نہین اور ساتھ ہی یہ بھی عقیدہ ہے کہ خدا ہر ایک چیز کا خالق ہے پھر جس حالت مین خدا تعالے ارواح انسانی اور ان کی تمام قوتون کا خود خالق ہے اور اس نے آپ ہی بعض طبائع مین ایسی کمزوریان رکھ دی ہین کہ وہ مرتکب گناہ کی ہو جاتی ہین اور ایک گھڑی کیطرح صرف اس حد تک چلتی ہین جو اس حقیقی گھڑی ساز نے اُنکے لئے مقرر کر دی ہے تو پھر وہ ضرور کسیقدر رحم کے لائق ہین کیونکہ انکے قصور اور کمزوریان فقط اپنی طرف سے نہین بلکہ اس خالق کا بھی ان مین بہت سا دخل ہے جسنے انکو کمزور بنایا اور یہ کیسا انصاف ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کو سزا دینے کے لئے صرف تین دن مقرر کئے مگر دوسرے لوگون کی سزا کا حکم ابدی ٹھہرایا جسکا کبھی بھی انتہا

نہین اور چاہاکہ وہ ہمیشہ اور ابد تک دوزخ کے تنور مین جلتے رہین کیا رحیم کریم خدا کو ایسا کرنا مناسب تھا بلکہ چاہئے تو یہ تھا کہ اپنے بیٹے کو زیادہ سزا دیتا کیونکہ وہ بوجہ خدائی قوتون کے زیادہ سزا کا متحمل ہو سکتا تھا۔ خدا کا بیٹا جو ہوا۔ اس کی طاقت کے ساتھ دوسرون کی طاقت کب برابر ہو سکتی ہے۔ جو غریب اور عاجز مخلوق ہین غرض حضرات عیسائی اور آریہ صاحبان اس ایک ہی اعتراض کے دام مین ہین اور انکے ساتھ بعض نادان مسلمان بھی۔ لیکن مسلمانونکے دھوکہ کھانے مین خدا کے کلام کا قصور نہین خدانے تو کھولکر فرمادیا کہ یہ ان کا اپنا قصور ہے اور یہ اسی طرحکا قصور ہے جیساکہ وہ ابتک حضرت عیسے علیہ السلام کو زندہ قرار دیتے ہین اور دوسرے آسمان پر بیٹھا رہے ہین اور خدا کے کلام قرآن شریف مین صاف لکھاہے کہ مدت ہوئی کہ حضرت عیسے فوت ہو چکے ہین اور گذشتہ روحون مین داخل ہو گئی ہین مگر یہ لوگ کتاب اللہ کے برخلاف ان کی آمد ثانی کا انتظار کر رہے ہین پھر ہم اصل کلام کیطرف متوجہ ہو کر کہتے ہین کہ دوسرا پہلو تناسخ کے بطلان کا یہ ہے کہ وہ حقیقی پاکیزگی کے برخلاف ہے کیونکہ جب ہم ہر روز دیکھتے ہین کہ کسی کی ماں فوت ہو جاتی ہے اور کسی کی ہمشیرہ اور کسی کی پوتی تو پھر اسپر کیا دلیل ہے کہ اس عقیدہ کے قایل اس غلطی مین مبتلا نہ ہو جایئن کہ ایسی جگہ نکاح کرلین جہان نکاح کرنا وید کی روسے حرام ہے۔ ہان اگر ہر ایک بچہ کے ساتھ اسکے پیدا ہونے کے وقت مین ایک لکھی ہوئی فہرست بھی ہمراہ ہو جس مین بیان کیا گیا ہو کہ وہ پہلی جون مین فلان شخص کا بچہ تھا تو اس صورت مین ناجایز نکاح سے بچ سکتے تھے۔ مگر پرمیشر نے ایسا نہ کیا گویا ناجایز طریق کو خود پھیلانا چاہا۔ پھر ماسوا اسکے ہمین سمجھ نہین آتا کہ اسقدر جونونکے چکر مین ڈالنے سے فایدہ کیا ہی اور جبکہ تمام مدار نجات اور مکتی کا گیان یعنے معرفت الٰہی پر ہے تو یون چاہئے تھا کہ ہر ایک بچہ جو دوبارہ جنم لیتا پہلا ذخیرہ اسکے گیان اور معرفت کا ضایع نہ ہوتا لیکن ظاہر ہے کہ ہر ایک بچہ جو پیدا ہوتا ہے۔ خالی کا خالی دنیا مین آجاتا ہے اور ایک آوارہ اور فضول خرچ انسان کی طرح تمام پہلا اندوختہ برباد کرکے مفلس نادار کیطرح منہ دکھاتا ہے اور گو ہزار مرتبہ اس نے وید مقدس کو پڑھا ہو۔ ایک ورق بھی وید کا یاد نہین رہتا پس اس صورت مین جونونکے چکر کے روسے نجات کی کوئی صورت نظر نہین آتی۔ کیونکہ ذخیرہ گیان اور علم کا جو ہزار مصیبت سے ہر ایک جون سے جمع کیا جاتا ہے وہ ساتھ ساتھ برباد ہوتا رہتا ہے نہ کبھی محفوظ رہیگا اور نہ نجات ہوگی۔ اول تو حضرات آریہ کے اصولونکے روسے نجات ہی ایک محدود میعاد تھی پھر اسپر یہ مصیبت کہ سرمایہ نجات

کا یعنے گیان جمع ہونے نہین پاتا یہ بدقسمتی روحونکی ہے نہین تو اور کیا ہے۔

دوسرا امر جو مخلوق کی پاکیزگی کے مخالف آریہ صاحبون کے عقاید مین داخل ہے وہ نیوگ کا مسئلہ ہے مین اس مسئلہ کو وید مقدس کیطرف منسوب نہین کرتا بلکہ اس خیال سے میرا دل کانپتا ہے کہ مین اس قسم کی باتون کو وید کیطرف منسوب کرون جہانتک میرا علم اور کانشنس ہے مین یقین کرتا ہون کہ انسانی فطرت ہرگز قبول نہین کریگی کہ ایک شخص اپنی پاکدامن بیوی کو جو خاندان اور عزت رکھتی ہے محض بچہ لینے کی خاطر سے دوسرے سے ہمبستر کراوے۔ حالانکہ اس بیوی کا تعلق زوجہ ہونے کا اپنے شوہر سے قائم ہے اور وہ اس کی بیوی کہلاتی ہے اور نہ مین اس بات کو پسند کرتا ہون کہ خود بیوی ایسی حرکت پر خود آمادہ ہو۔ حالانکہ اسکا خاوند زندہ موجود ہے انسان تو انسان ہے۔ یہ غیرت تو بعض حیوانون مین بھی پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے مادہ کی نسبت ایسا روا نہین رکھتے۔ مین اس جگہ کوئی بحث نہین کرنا چاہتا۔ سراسر ادب اور منت سے آریہ صاحبونکی خدمت مین عرض کرتا ہون کہ اگر اس عقیدہ کو چھوڑ دین تو بہت بہتر ہوگا۔ پہلے سے ہی یہ ملک حقیقی پاکیزگی کے مقام سے بہت متنزل ہے پھر اگر عورتون اور مردون مین ایسی ایسی باتین بھی رواج پاگئین تو معلوم نہین کہ اس ملک کا کیا انجام ہوگا۔ ساتھ ہی مین ایک اور عرض کے لئے جراءت کرتا ہون کہ گو آریہ صاحبونکو اس زمانہ مین مسلمانون سے کیسی ہی نفرت ہے اور اسلام کے عقائد سے کیسی ہی بیزاری ہے مگر برائے خدا وہ پردہ کی رسم کو بکلی الوداع نہ کہدین کہ اس مین بہت سی خرابیان ہین جو بعد مین معلوم ہونگی یہ بات ہر ایک فہیم انسان سمجھ سکتا ہے کہ بہت سا حصہ انسانون کا نفس امارہ کے ماتحت چل رہا ہے اور وہ اپنے نفس کے ایسے قابو نہین کہ اسکے جوشونکے وقت کچھ بھی خدا تعالےٰ کی سزا کا دھیان نہین رکھتے جوان اور خوبصورت عورتونکو دیکھ کر بدنظری سے باز نہین آتے اور ایسے ہی بہت سی عورتین ہین کہ خراب دلی سے بیگانہ مردونکی طرف نگاہین کرتی ہین اور جب فریقین کو باوجود انکی اس خراب حالت مین ہونے کے پوری آزادی دیجائے تو یقیناً انکا وہی انجام ہوگا جیسا کہ یورپ کے بعض حصون سے ظاہر ہے۔ ہان جب یہ لوگ درحقیقت پاکدل ہوجائینگے اور ان کی امارگی جاتی رہیگی اور شیطانی روح نکل جائیگی اور ان کی آنکھون مین خدا کا خوف پیدا ہوجائیگا اور انکے دلون مین خدا کی عظمت قائم ہوجائے گی اور وہ ایک پاک تبدیلی کرلینگے اور خدا ترسی کا ایک پاک چولا پہن لینگے تب جو چاہین سو کرین کیونکہ اسوقت وہ خدا کے ہاتھ کے کوجے ہونگے گویا وہ مرد نہین ہین اور ان کی آنکھین اس بات سے اندھی ہونگی

کہ نامحرم عورت کو بدنظری سے دیکھ سکیں۔ یا ایسا بدخیال دل میں لاسکیں۔ مگر اے پیارو خدا آپ تمہارے دلوں میں الہام کرے۔ ابھی وہ وقت نہیں کہ تم ایسا کرو اور اگر ایسا کروگے تو ایک زہرناک بیج قوم میں پھیلاؤگے یہ زمانہ ایک ایسا نازک زمانہ ہے کہ اگر کسی زمانہ میں پردہ کی رسم نہ ہوتی تو اس زمانہ میں ضرور ہونی چاہیئے تھی کیونکہ کلجگ ہے اور زمین پر بدی اور فسق و فجور اور شراب خواری کا زور ہے اور دلوں میں دہریہ پن کے خیالات پھیل رہے ہیں اور خدا تعالے کے احکام کی دلوں میں سے عظمت اٹھ گئی ہے زبانوں پر سب کچھ ہے اور لیکچر بھی منطق اور فلسفہ سے بھرے ہوئے ہیں مگر دل روحانیت سے خالی ہیں۔ ایسے وقت میں کب مناسب ہے کہ اپنی غریب بکریوں کو بھیڑیوں کے بنوں میں چھوڑ دیا جائے ؀

اے دوستو! اب طاعون سر پر ہے اور جہاں تک مجھے خدا تعالے سے علم دیا گیا ہے ابھی بہت سا حصہ اسکا باقی ہے بہت خطرناک دن ہیں۔ معلوم نہیں کہ آیندہ مئی تک کون زندہ ہوگا اور کون مر جائیگا اور کس گھر پر بلا آئے گی اور کس کو بچا یا جائیگا۔ پس اٹھو اور توبہ کرو اور اپنے مالک کو نیک کاموں سے راضی کرو اور یاد رکھو کہ اعتقادی غلطیوں کی سزا تو مرنے کے بعد ہے اور ہندو یا عیسائی یا مسلمان ہونے کا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا۔ لیکن جو شخص ظلم اور تعدی اور فسق و فجور میں حد سے بڑھتا ہے اسکو اسی جگہ سزا دیجاتی ہے تب وہ خدا کی سزا سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتا سو اپنے خدا کو جلد راضی کرلو اور قبل اسکے کہ وہ دن آوے جو خوفناک دن ہے۔ یعنے طاعون کے زور کا دن جس کی نبیوں نے خبر دی ہے۔ تم خدا سے صلح کرلو وہ نہایت کریم ہے ایکدم کے گداز کرنیوالی توبہ سے ستر برس کے گناہ بخش سکتا ہے اور یہ مت کہو کہ توبہ منظور نہیں ہوتی یاد رکھو کہ تم اپنے اعمال سے کبھی بچ نہیں سکتے ہمیشہ فضل بچاتا ہے نہ اعمال۔ اے خدائے کریم و رحیم ہم سب پر فضل کر کہ ہم تیرے بندے اور تیرے آستانہ پر گرے ہیں۔ آمین

حصہ دوم تقریر

اے معزز سامعین اب میں اپنے ایک دعوے کی نسبت جو میں نے اس ملک میں

شایع کیا ہے آپ کیخدمت مین کچھ بیان کرونگا۔ یہ بات عقل اور نقل سے ثابت ہے کہ جب دنیا مین گناہ کی تاریکی غالب ہوجاتی ہے اور زمین پر ہر ایک قسم کی بدی اور بدکاری پھیل جاتی ہے اور روحانیت کم ہوجاتی ہے اور گناہون سے زمین ناپاک ہوکر اور خدا تعالے کی محبت ٹھنڈی ہوکر ایک زہریلی ہوا چلنے لگتی ہے تو اسوقت رحمت الہی تقاضا فرماتی ہے کہ زمین کو دوبارہ زندہ کرے جس طرح جسمانی موسمونکو دیکھتے ہو کہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہین۔ ایک زمانہ خزان کا ہوتا ہے کہ اس مین درختون کے پھولون اور پھلون اور پتونپر بلا آتی ہے اور درخت ایسے بدنما ہوجاتے ہین جیسے کوئی مرض دق سے نہایت درجہ دبلا ہوجاتا ہے اور اس مین خون کا نشان نہین رہتا اور چہرہ پر مردہ پن کے آثار ظاہر ہوجاتے ہین یا جیسے کسی جذامی کا جذام انتہا درجہ تک پہونچکر اعضا گرنے لگ جاتے ہین پھر دوسرا زمانہ درختون پر وہ آتا ہے جسکو موسم بہار کہتے ہین اس موسم مین درختون کی صورتین ایک دوسرا رنگ پکڑ لیتی ہین اور پھل اور پھول اور خوشنما اور سرسبز پتے ظاہر ہوجاتے ہین یہی حالت نوع انسان کی ہے کہ تاریکی اور روشنی نوبت بہ نوبت اُنپر وارد ہوتی رہتی ہے کسی صدی مین وہ خزان کے موسم کیطرح انسانی کمال کے حسن سے بے بہرہ ہوجاتے ہین اور کسی وقت آسمان سے ان پر ایسی ہوا چلتی ہے کہ انکے دلون مین موسم بہار پیدا ہونے لگتی ہے جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے یہی دونون موسم انسانونکے لازم حال رہے ہین۔ سو یہ زمانہ بھی جسمین ہم ہین بہار کی ابتدا کا زمانہ ہے پنجاب پر خزان کا زمانہ اسوقت زور مین تھا جسوقت اس ملک پر خالصہ قوم حکمران تھی۔ کیونکہ سوقت علم نہین رہا تھا اور ملک مین جہالت بہت پھیل گئی تھی اور دینی کتابین ایسی گم ہوگئی تھین کہ شائد کسی بڑے خاندان مین دستیاب ہوسکتی ہونگی بعد اسکے گورنمنٹ انگریزی کا زمانہ آیا یہ زمانہ نہایت پُرامن ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر ہم خالصہ قوم کی عملداری کے دنون کو امن عامہ اور آسائیش کے لحاظ سے انگریزی عملداری کی راتون سے بھی برابر قرار دین تو یہ بھی ایک ظلم اور خلاف واقعہ ہوگا۔ یہ زمانہ روحانی اور جسمانی برکات کا مجموعہ ہے۔ اور آنے والی برکتین اسکی ابتدائی بہار سے ظاہر ہین۔ ہان یہ زمانہ ایک عجیب جانور کی طرح کئی منہ رکھتا ہے۔ بعض منہ تو حقیقی خدا شناسی اور راستبازی کے برخلاف ہونے کیوجہ سے خوفناک ہین اور بعض منہ بہت بابرکت اور راستبازی کے موید ہین مگر اس مین کچھ شک نہین کہ انگریزی حکومت نے انواع و اقسام کے علوم کو اس

ملک مین بہت ترقی دی ہے - اور کتابونکے چھاپنے اور شایع کرنے کے لئے ایسے سہل اور آسان طریق نکل آئے ہین کہ زمانہ گذشتہ مین ان کی کہین نظیر نہین ملتی - اور جو ہزارہا مخفی کتب خانے اس ملک مین تھے وہ بھی ظاہر ہوگئے اور تھوڑے ہی دنون مین علمی رنگ مین زمانہ ایسا بدل گیا کہ گویا ایک نئی قوم پیدا ہوگئی - یہ سب کچھ ہوا مگر عملی حالتین دن بدن کالعدم ہوتی گئین اور اندر ہی اندر دہریت کا پودا بڑھنے لگا - گورنمنٹ انگریزی کے احسان مین کچھہ شک نہین - اسقدر اپنی رعایا کو آرام پہنچایا - اور معدلت گستری کی اور جابجا امن قائم کیا کہ اس کی نظیر دوسری گورنمنٹون مین تلاش کرنا عبث ہے مگر وہ آزادی جو امن کا دائرہ پورا وسیع کرنے کے لئے رعایا کو دیگئی - وہ اکثر لوگون کو ہضم نہین ہوسکی اور اسکے عوض مین جو خدا اور اس گورنمنٹ کا شکر بجالانا چاہئے تھا بجائے اس شکر کے اکثر دلونمین اسقدر غفلت اور دنیا پرستی اور دنیا طلبی اور لاپروائی بڑھگئی کہ گویا یہ سمجھا گیا کہ دنیا ہی ہمارے لئے ہمیشہ رہنے کا مقام ہے اور گویا کہ ہمپر کسی کا بھی احسان نہین اور نہ کسی کی حکومت ہے اور جیسا کہ دستور ہے کہ اکثر گناہ امن کی حالت مین ہی پیدا ہوتے ہین - اسی قانون قدرت کے رو سے گناہون کی تعداد بھی بڑھتی گئی - چنانچہ بباعث سخت دلی اور غفلت کے موجودہ حالت اس ملک کی نہایت خطرناک ہوگئی ہے جاہل اور شریر لوگ جو وحشیون کیطرح ہین وہ قابل شرم جرایم مثلاً نقب زنی اور زناکاری اور قتل ناحق وغیرہ سنگین جرایم کے ارتکاب مین مشغول ہین اور دوسرے لوگ اپنی اپنی طبیعت اور جوش نفس کے موافق طرح طرح کے دوسرے گناہون کے مرتکب ہو رہے ہین - چنانچہ شرابخانے دوسری دکانونسے زیادہ آباد معلوم ہوتے ہین اور دوسرے فسق و فجور کے پیشے بھی دن بدن ترقی مین ہین - عبادتخانے محض رسم ادا کرنے کے لئے ٹھیر گئے ہین - غرض زمین پر گناہونکا ایک سخت خطرناک جوش ہے اور اکثر لوگونکے نفسانی شہوات بوجہ پورے امن اور کامل آسایش کے اسقدر جوش مین آگئے ہین کہ جیسے جب ایک پرزور دریا کا بند ٹوٹ جائے تو وہ ایک رات مین ہی اردگرد کے تمام دیہات کو تباہ کر دیتا ہے اور کچھ شک نہین کہ دنیا مین ایک نہایت درجہ پر تاریکی پیدا ہوگئی ہے اور ایسا وقت آگیا ہے کہ یا تو خدا دنیا مین کوئی روشنی پیدا کرے اور یا دنیا کو ہلاک کردیوے - مگر ابھی اس دنیا کے ہلاک ہونےمین ایکہزار برس باقی ہے اور دنیا کی زینت اور آرام اور آسایش کے لئے جو نئی نئی صنعتین زمین پر پیدا ہوئی ہین یہ تغیر بھی صاف طور پر دلالت کر رہا ہے کہ جیسے خداتعالے نے جسمانی

طور پر اصلاح فرمائی ہے وہ روحانی طور پر بھی بنی نوع کی اصلاح اور ترقی چاہتا ہے۔ کیونکہ روحانی حالت انسانوں کی جسمانی حالت سے زیادہ گر گئی ہے۔ اور ایسی خطرناک منزل پر آپہونچی ہے۔ کہ جہاں نوع انسان غضب الٰہی کا نشانہ بن سکتی ہے۔ ہر ایک گناہ کا جوش نہایت ترقی پر پایا جاتا ہے۔ اور روحانی طاقتیں نہایت کمزور ہو گئی ہیں۔ اور ایمانی انوار بجھ گئے ہیں۔ اور اب عقل سلیم بیداہت اس بات کی ضرورت کو تسلیم کرتی ہے۔ کہ اس تاریکی کے غلبہ پر آسمان سے کوئی روشنی پیدا ہونی چاہیئے کیونکہ جیسے جسمانی طور پر زمین کی تاریکی کا دور ہونا قدیم سے اس بات سے وابستہ ہے کہ آسمانی روشنی زمین پر پڑے۔ ایسا ہی روحانی طور پر بھی یہ روشنی صرف آسمان سے ہی اُترتی اور دلوں کو منور کرتی ہے جب سے کہ خدا نے انسان کو بنایا ہے اس کا قانون قدرت یہی مشاہدہ کیا گیا ہے کہ وہ نوع انسان میں ایک وحدت نوعی پیدا کرنے کے لئے ان میں سے ایک شخص پر ضرورت کے وقت میں اپنی معرفت تامہ کا نور ڈالتا ہے اور اس کو اپنے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف کرتا ہے اور اپنی کامل محبت کا جام اس کو پلاتا ہے اور اس کو اپنی پسندیدہ راہ کی پوری بصیرت بخشتا ہے اور اس کے دل میں جوش ڈالتا ہے کہ تا وہ دوسروں کو بھی اس نور اور بصیرت اور محبت کی طرف کھینچے جو اس کو عطا کی گئی ہے اور اس طرح پر باقی لوگ اس سے تعلق پیدا کر کے اور اسی کے وجود میں شمار ہو کر اور اس کی معرفت سے حصہ لے کر گناہوں سے بچتے اور تقویٰ طہارت میں ترقی کرتے ہیں اسی قانون قدیم کے لحاظ سے خدا نے اپنے پاک نبیوں کی معرفت یہ خبر دی ہے کہ جب آدمؑ کے وقت سے چھ ہزار برس قریب الاختتام ہو جائیں گے تو زمین پر بڑی تاریکی پھیل جائے گی اور گناہوں کا سیلاب بڑے زور سے بہنے لگے گا اور خدا کی محبت دلوں میں بہت کم اور کالعدم ہو جائے گی تب خدا محض آسمان سے بغیر زمینی اسباب کے آدمؑ کی طرح اپنی طرف سے روحانی طور پر ایک شخص میں سچائی اور محبت اور معرفت کی روح پھونکے گا اور وہ مسیح بھی کہلائے گا۔ کیونکہ خدا اپنے ہاتھ سے اس کی روح پر اپنی ذاتی محبت کا عطر ملے گا اور وہ وعدہ کا مسیح جس کو دوسرے لفظوں میں خدا کی کتابوں میں مسیح موعود بھی کہا گیا ہے شیطان کے مقابل پر کھڑا کیا جائے گا اور شیطانی لشکر اور مسیح میں یہ آخری جنگ ہو گا اور شیطان اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اور تمام ذرّیت کے ساتھ اور تمام تدبیروں کے ساتھ اُس دن اس روحانی جنگ کے لئے تیار ہو کر آئیگا۔ اور دنیا میں شرّ اور خیر میں کبھی ایسی لڑائی نہیں ہوئی ہو گی جیسے کہ اُس دن ہو گی کیونکہ اُس دن شیطان کے مکاید اور شیطانی علوم انتہا تک پہونچ جائیں گے اور جن تمام

طریقوں سے شیطان گمراہ کر سکتا ہے وہ تمام طریق اُس دن مہیا ہو جائیں گے۔ تب سخت لڑائی کے بعد جو ایک روحانی لڑائی ہے۔ خدا کے مسیح کو فتح ہوگی اور شیطانی قوتیں ہلاک ہو جائیں گے اور ایک مدت تک خدا کا جلال اور عظمت اور پاکیزگی اور توحید زمین پر پھیلتی جائے گی اور وہ مدت پورا ہزار برس ہے جو ساتواں دن کہلاتا ہے بعد اس کے دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا سو وہ مسیح میں ہوں اگر کوئی چاہے تو قبول کرے۔ اس جگہ بعض فرقے جو شیطان کے وجود سے منکر ہیں وہ تعجب کریں گے کہ شیطان کیا چیز ہے پس ان کو یاد رہے کہ انسان کے دل کے ساتھ دو کششیں ہر وقت نوبت بہ نوبت لگی رہتی ہیں ایک کشش خیر کی اور ایک کشش شر کی پس جو خیر کی کشش ہے شریعت اسلام اُس کو فرشتہ کیطرف منسوب کرتی ہے اور جو شر کی کشش ہے اُس کو شریعت اسلام شیطان کیطرف منسوب کرتی ہے اور مدعا صرف اسقدر ہے کہ انسانی سرشت میں دو کششیں موجود ہیں کبھی انسان نیکی کی طرف جھکتا ہے اور کبھی بدی کی طرف۔ میرے خیال میں ہے کہ اس جلسہ میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہوں گے جو میرے اس بیان کو کہ میں مسیح موعود ہوں اور خدا سے شرف مکالمہ اور مخاطبہ رکھتا ہوں انکار کی نظر سے دیکھیں گے اور تحقیر کی بھری ہوئی نگاہ سے میری طرف نظر کریں گے۔ لیکن میں انہیں معذور سمجھتا ہوں کیونکہ ابتدا سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے کہ پہلے خدا کے ماموروں اور مرسلوں کو دل آزار باتیں سُننی پڑتی ہیں۔ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے ابتدائی زمانہ میں۔ وہ نبی اور رسول اور صاحب کتاب اور صاحب شریعت جس کی اُمت کہلانے کا ہم سب کو فخر ہے اور جس کی شریعت پر سب شریعتوں کا خاتمہ ہے اُس کی سوانح کی طرف نگاہ کرو۔ کہ کس طرح تیرہ برس تک اُسنے مکہ میں تنہائی اور غربت اور بے کسی کے عالم میں منکروں کے ہاتھ سے تکلیفیں اٹھائیں اور کیونکر تحقیر اور ہنسی اور ٹھٹھے کا نشانہ بنے رہے اور آخر مکہ سے بڑے ظلم اور تعدی سے نکالے گئے کس کو خبر تھی کہ آخر وہ کروڑہا انسانوں کا امام اور پیشوا بنایا جاوے گا سو یہی سنت الٰہی ہے کہ خدا کے منتخب لوگ اول اول حقیر اور ذلیل سمجھے جاتے ہیں اور ایسے لوگ تھوڑے ہیں کہ ابتدا میں خدا کے فرستادوں کی شناخت کر سکتے ہیں اور ضرور ہے کہ وہ جاہل لوگوں کے ہاتھوں سے دُکھ اُٹھاویں اور طرح طرح کی باتیں اُن کے حق میں کہی جاویں اور ہنسی اور ٹھٹھا کیا جاوے اور گالیاں دی جاویں جب تک کہ وہ وقت آ دے کہ اُنکے قبول کرنے کے لئے خدا دلوں کو کھول دے۔ یہ تو میرا دعوٰے ہے کہ جو مینے بیان کیا لیکن وہ کام جس کے لئے خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے

وہ یہ ہے کہ خدا میں اور اس کی مخلوق کے رشتہ میں جو کدورت واقعہ ہو گئی ہے اُس کو دور کر کے محبت اور اخلاص کے تعلق کو دوبارہ قائم کروں اور سچائی کے اظہار سے مذہبی جنگوں کا خاتمہ کر کے صلح کی بنیاد ڈالوں اور وہ دینی سچائیاں جو دنیا کی آنکھ سے مخفی ہو گئی ہیں ان کو ظاہر کر دوں اور وہ روحانیت جو نفسانی تاریکیوں کے نیچے دب گئی ہے اُس کا نمونہ دکھاؤں اور خدا کی طاقتیں جو انسان کے اندر داخل ہو کر توجہ یا دعا کے ذریعہ سے نمودار ہوتی ہیں حال کے ذریعہ سے نہ محض مقال سے ان کی کیفیت بیان کروں اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ خالص اور چمکتی ہوئی توحید جو ہر ایک قسم کی شرک کی آمیزش سے خالی ہے جو اب نابود ہو چکی ہے اُس کا دوبارہ قوم میں دائمی پودہ لگا دوں اور یہ سب کچھ میری قوت سے نہیں ہو گا بلکہ اُس خدا کی طاقت سے ہو گا جو آسمان اور زمین کا خدا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک طرف تو خدا نے اپنے ہاتھ سے میری تربیت فرما کر اور مجھے اپنی وحی سے شرف بخش کر میرے دل کو یہ جوش بخشا ہے کہ میں اس قسم کی اصلاحوں کے لئے کھڑا ہو جاؤں اور دوسری طرف اُس نے دل بھی تیار کر دئے ہیں جو میری باتوں کے ماننے کے لئے مستعد ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جب سے خدا نے مجھے دنیا میں مامور کر کے بھیجا ہے اُسی وقت سے دنیا میں ایک انقلاب عظیم ہو رہا ہے یورپ اور امریکہ میں جو لوگ حضرت عیسیٰؑ کی خدائی کے دلدادہ تھے اب اُن کے محقق خود بخود اس عقیدہ سے علیحدہ ہوتے جاتے ہیں اور وہ قوم جو باپ دادوں سے بتوں اور دیوتوں پر فریفتہ تھی بہتوں کو ان میں سے یہ بات سمجھ آ گئی ہے کہ بُت کچھ چیز نہیں ہیں اور گو وہ لوگ ابھی روحانیت سے بے خبر ہیں اور صرف چند الفاظ کو رسمی طور پر لئے بیٹھے ہیں لیکن کچھ شک نہیں کہ ہزارہا بیہودہ رسوم اور بدعات اور شرک کی رسیاں انہوں نے اپنے گلے پر سے اُتار دی ہیں اور توحید کی ڈیوڑھی کے قریب کھڑے ہو گئے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ کچھ تھوڑے زمانہ کے بعد عنایت الٰہی ان میں سے بہتوں کو اپنے ایک خاص ہاتھ سے دھکا دے کر سچی اور کامل توحید کے اُس دار الامان میں داخل کر دے گی جس کے ساتھ کامل محبت اور کامل خوف اور کامل معرفت عطا کی جاتی ہے یہ امید میری محض خیالی نہیں ہے بلکہ خدا کی پاک وحی سے یہ بشارت مجھے ملی ہے اِس ملک میں خدا کی حکمت نے یہ کام کیا ہے تا جلد تر

متفرق قوموں کو ایک قوم بنا دے اور صلح اور آشتی کا دن لاوے ہر ایک کو اِس ہوا کی خوشبو آرہی ہے کہ یہ تمام متفرق قومیں کسی دن ایک قوم بننے والی ہیں چنانچہ حضرات مسیحی یہ خیالات شائع کر رہے ہیں کہ عنقریب تمام دنیا کا یہی مذہب ہو جائے گا۔ کہ حضرت عیسے علیہ السلام کو خدا کر کے مان لیں گے اور یہودی جو بنی اسرائیل کہلاتے ہیں اِن کو بھی اِن دنوں میں نیا جوش پیدا ہو گیا ہے کہ ان کا ایک خاص مسیح جو ان کو تمام زمین کا وارث بنا دے گا انہی دنوں میں آنے والا ہے ایسا ہی اسلام کی پیشگوئیاں بھی جو ایک مسیح کا وعدہ دیتی ہیں ان کے وعدہ کا دن بھی ہجرت کی چودھویں صدی تک ہی ختم ہوتا ہے اور عام مسلمانوں کا بھی خیال ہے کہ ایسا زمانہ قریب ہے کہ جب تمام زمین پر اسلام پھیل جائے گا اور بعض سناتن دھرم کے پنڈتوں سے بھی سنا ہے کہ وہ بھی اپنے ایک اوتار کے ظاہر ہونے کا زمانہ اسی زمانہ کو قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ آخری اوتار ہے جس سے تمام زمین پر دھرم پھیل جائے گا اور آریہ صاحبان اگرچہ کسی پیش گوئی کے قایل تو نہیں تاہم اس ہوا کی تاثیر سے جو چل رہی ہے وہ بھی ہمت اور کوشش کر رہے ہیں کہ ایشیا اور یورپ اور امریکہ اور جاپان وغیرہ ممالک میں انہی کا مذہب پھیل جائے اور عجیب تر یہ کہ بُدھ مذہب والوں میں بھی نئے سرے سے یہی جوش پیدا ہو گیا ہے اور زیادہ تر ہنسی کی بات یہ ہے کہ اس ملک کے چوہڑے یعنے بھنگی بھی اِس فکر میں پڑ گئے ہیں کہ کسی طرح وہ دوسری قوموں کی زد اور دست بُرد سے بچیں اور ان کو بھی کم سے کم اپنے مذہب کی حفاظت کی ایک طاقت حاصل ہو جائے غرض اس زمانہ میں ایک ایسی ہوا چل پڑی ہے کہ ہر ایک فرقہ اپنی قوم اور اپنے مذہب کی ترقی کا بڑے جوش سے خواہاں ہے اور چاہتے ہیں کہ دوسری قوموں کا نام و نشان نہ رہے جو کچھ ہوں وہی ہوں اور جس طرح سمندر کے تلاطم کے وقت ایک موج دوسری موج پر پڑتی ہے اسی طرح مختلف مذاہب ایک دوسرے پر حملہ کر رہے ہیں بہرحال ان تحریکوں سے محسوس ہو رہا ہے کہ یہ زمانہ وہی زمانہ ہے جس میں خدا تعالےٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ مختلف فرقوں کو ایک قوم بنا دے اور ان مذہبی جھگڑوں کو ختم کر کے

آخر ایک ہی مذہب میں سب کو جمع کر دے اور اسی زمانہ کی نسبت جو تلاطم امواج کا زمانہ ہے خدا تعالٰے نے قرآن شریف میں فرمایا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا اس آیت کو پہلی آیتوں کے ساتھ ملا کر یہ معنے ہیں کہ جس زمانہ میں دنیا کے مذاہب کا بہت شور اُٹھے گا اور ایک مذہب دوسرے مذہب پر ایسا پڑے گا جیسا کہ ایک موج دوسری موج پر پڑتی ہے اور ایک دوسرے کو ہلاک کرنا چاہیں گے تب آسمان و زمین کا خدا اس تلاطم امواج کے زمانہ میں اپنے ہاتھوں سے بغیر دُنیوی اسباب کے ایک نیا سلسلہ پیدا کرے گا اور اس میں اُن سب کو جمع کرے گا۔ جو استعداد اور مناسبت رکھتے ہیں۔ تب وہ سمجھیں گے کہ مذہب کیا چیز ہے اور اُن میں زندگی اور حقیقی راستبازی کی روح پھونکی جائے گی اور خدا کی معرفت کا ان کو جام پلایا جائے گا۔ اور ضرور ہے کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو۔ جب تک کہ یہ پیش گوئی جو آج سے تیرہ سو برس پہلے قرآن شریف نے دُنیا میں شائع کی ہے پُوری نہ ہو جائے۔ اور خدا نے اس آخری زمانہ کے بارہ میں جس میں تمام قومیں ایک ہی مذہب پر جمع کی جائیں گے۔ صرف ایک ہی نشان بیان نہیں فرمایا۔ بلکہ قرآن شریف میں اور بھی کئی نشان لکھے ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ کہ اُس زمانہ میں دریاؤں میں سے بہت سی نہریں نکلیں گی۔ اور ایک یہ کہ زمین کی پوشیدہ کانیں یعنے معدنیں بہت سی نکل آویں گی۔ اور زمینی علوم بہت سے ظاہر ہو جائیں گے۔ اور ایک یہ کہ ایسے اسباب پیدا ہو جائیں گے جن کے ذریعہ سے کتابیں بکثرت ہو جائیں گی (یہ چھاپنے کے آلات کی طرف اشارہ ہے) اور ایک یہ کہ اُن دنوں میں ایک ایسی سواری پیدا ہو جائے گی کہ اونٹوں کو بیکار کر دے گی اور اس کے ذریعہ سے ملاقاتوں کے طریق سہل ہو جائیں گے اور ایک یہ کہ دنیا کے باہمی تعلقات آسان ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کو باسانی خبریں پہونچا سکیں گے اور ایک یہ کہ ان دنوں میں آسمان پر

ایک ہی مہینہ میں چاند اور سورج کو گرہن لگے گا اور ایک یہ کہ اس کے بعد زمین پر سخت طاعون پھیلے گی یہاں تک کہ کوئی شہر اور کوئی گاؤں خالی نہ رہے گا جو طاعون سے آلودہ نہ ہو اور دنیا میں بہت موت پڑے گی اور دنیا ویران ہو جائے گی بعض بستیاں تو بالکل تباہ ہو جائیں گی اور ان کا نام ونشان نہ رہے گا اور بعض بستیاں ایک حد تک عذاب میں گرفتار ہو کر پھر ان کو بچایا جائے گا یہ دن خدا کے سخت غضب کے دن ہوں گے۔ اس لئے کہ لوگوں نے خدا کے نشانوں کو جو اس کے فرستادہ کے لئے اس زمانہ میں ظاہر ہوئے قبول نہ کیا اور خدا کے نبی کو جو اصلاح خلق کے لئے آیا رد کر دیا اور اس کو جھوٹا قرار دیا یہ سب علامتیں اس زمانہ میں جس میں ہم ہیں پوری ہو گئیں عقلمند کے لئے یہ صاف اور روشن راہ ہے کہ ایسے وقت میں خدا نے مجھے مبعوث فرمایا جب کہ قرآن شریف کی لکھی ہوئی تمام علامتیں میرے ظہور کے لئے ظاہر ہو چکی ہیں یہ تمام علامتیں جو مسیح موعود کے زمانہ کے بارہ میں ہیں اگرچہ حدیثوں میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن اس جگہ میں نے صرف قرآن شریف کو پیش کیا ہے اور ایک علامت قرآن شریف نے مسیح موعود کے زمانہ کے لئے قرار دی ہے کہ ایک جگہ فرماتا ہے اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ یعنے ایک دن خدا کا ایسا ہے جیسا تمہارا ہزار برس ہے پس چونکہ دن سات ہیں اس لئے اس آیت میں دنیا کی عمر سات ہزار برس قرار دی گئی ہے۔ لیکن یہ عمر اس آدم کے زمانہ سے ہے جس کی ہم اولاد ہیں خدا کی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی دنیا تھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ لوگ کون تھے۔ اور کس قسم کے تھے معلوم ہوتا ہے کہ سات ہزار برس میں دنیا کا ایک دور ختم ہوتا ہے اسی وجہ سے اور اسی امر پر نشان قرار دینے کے لئے دنیا میں سات دن مقرر کئے گئے۔ تا ہر ایک دن ایک ہزار برس پر دلالت کرے ہمیں معلوم نہیں کہ دنیا پر اس طرح سے کتنے دَور گذر چکے ہیں اور کتنے آدم اپنے اپنے وقت میں آچکے ہیں۔ چونکہ خدا قدیم سے خالق ہے اس لئے ہم مانتے اور ایمان لاتے ہیں کہ دنیا اپنی نوع کے اعتبار سے

قدیم ہے لیکن اپنے شخص کے اعتبار سے قدیم نہیں ہے۔ افسوس کہ حضرات عیسائیاں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صرف چھ ہزار برس ہوئے کہ جب خدا نے دنیا کو پیدا کیا اور زمین و آسمان بنائے اور اس سے پہلے خدا ہمیشہ کے لئے معطل اور بیکار تھا اور ازلی طور پر معطل چلا آتا تھا۔ یہ ایسا عقیدہ ہے کہ کوئی صاحب عقل اس کو قبول نہیں کریگا مگر ہمارا عقیدہ جو قرآن شریف نے ہمیں سکھلایا ہے یہ ہے کہ خدا ہمیشہ سے خالق ہے اگر چاہے تو کروڑوں مرتبہ زمین و آسمان کو فنا کر کے پھر ایسے ہی بنا دے اور اس نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ آدم جو پہلی اُمتوں کے بعد آیا جو ہم سب کا باپ تھا اس کے دنیا میں آنے کے وقت سے یہ سلسلہ انسانی شروع ہوا ہے اور اس سلسلہ کی عمر کا پورا دَور سات ہزار برس تک ہے یہ سات ہزار خدا کے نزدیک ایسے ہیں جیسے انسانوں کے سات دن۔ یاد رہے کہ قانون الٰہی نے مقرر کیا ہے کہ ہر ایک امت کے لئے سات ہزار برس کا دَور ہوتا ہے اسی دَور کی طرف اشارہ کرنے کے لئے انسانوں میں سات دن مقرر کئے گئے ہیں غرض بنی آدم کی عمر کا دَور سات ہزار برس مقرر ہے اور اس میں سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پانچہزار برس کے قریب گذر چکا تھا یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہو کہ خدا کے دنوں میں سے پانچ دن کے قریب گذر چکے تھے جیسا کہ سورۃ والعصر میں یعنے اس کے عدد میں ابجد کے لحاظ سے قرآن شریف میں اشارہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جب وہ سورۃ نازل ہوئی تب آدم کے زمانہ پر اسی قدر مدّت گذر چکی تھی جو سورۃ موصوفہ کے عددوں سے ظاہر ہے اس حساب سے انسانی نوع کی عمر میں سے اب اس زمانہ میں چھ ہزار برس گذر چکے ہیں اور ایک ہزار برس باقی ہیں قرآن شریف میں بلکہ اکثر پہلی کتابوں میں بھی یہ نوشتہ موجود ہے کہ وہ آخری مرسل جو آدم کی صورت پر آئے گا اور مسیح کے نام سے پکارا جائے گا ضرور ہے کہ وہ چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہو جیسا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں پیدا ہوا۔ یہ تمام نشان ایسے ہیں کہ تدبّر کرنے والے کے لئے کافی ہیں اور ان سات ہزار برس کی قرآن شریف اور دوسری خدا کی کتابوں کے رُو سے تقسیم یہ ہے کہ پہلا ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا زمانہ ہے اور دوسرا ہزار شیطان کے تسلّط کا زمانہ ہے اور پھر تیسرا ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا اور چوتھا ہزار شیطان کے تسلّط کا اور پھر پانچواں ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا (یہی وہ ہزار ہے جس میں ہمارے سیّد و مولیٰ ختمی پناہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے اور شیطان قید کیا گیا)۔ اور پھر چھٹا ہزار شیطان کے کھلنے

اور مسلط ہونے کا زمانہ ہے جو قرون ثلٰثہ کے بعد شروع ہوتا اور چودھویں صدی کے سر پر ختم ہو جاتا ہے اور پھر ساتواں ہزار خدا اور اس کے مسیح کا اور ہر ایک خیر و برکت اور ایمان اور صلاح اور تقویٰ اور توحید اور خدا پرستی اور ہر ایک قسم کی نیکی اور ہدایت کا زمانہ ہے اب ہم ساتویں ہزار کے سر پر ہیں اس کے بعد کسی دوسرے مسیح کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔ کیونکہ زمانے سات ہی ہیں جو نیکی اور بدی میں تقسیم کئے گئے ہیں اس تقسیم کو تمام انبیا نے بیان کیا ہے کسی نے اجمال کے طور پر اور کسی نے مفصل طور پر اور یہ تفصیل قرآن شریف میں موجود ہے جس سے مسیح موعود کی نسبت قرآن شریف میں سے صاف طور پر پیشگوئی نکلتی ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ تمام انبیا اپنی کتابوں میں مسیح کے زمانہ کی کسی نہ کسی پیرایہ میں خبر دیتے ہیں اور نیز دجّالی فتنہ کو بھی بیان کرتے ہیں اور دنیا میں کوئی پیشگوئی اس قوت اور تواتر کی نہیں ہوگی جیسا کہ تمام نبیوں نے آخری مسیح کے بارہ میں کی ہے۔ تاہم ایسے لوگ بھی اس زمانہ میں پائے جاتے ہیں جو اس پیشگوئی کی صحت سے بھی منکر ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ قرآن شریف سے اس پیشگوئی کو ثابت کرو۔ مگر افسوس کہ اگر وہ قرآن شریف کو سوچتے یا اس میں غور کرتے تو انہیں اقرار کرنا پڑتا کہ یہ پیشگوئی قرآن شریف میں نہایت صراحت سے موجود ہے اور اس قدر صراحت سے موجود ہے کہ دانا کے لئے اس سے بڑھ کر تفصیل کی حاجت نہیں سورہ تحریم میں اشارہ کیا گیا ہے کہ بعض افراد اس امت کے ابن مریم کہلائیں گے کیونکہ اول مریم سے ان کو تشبیہ دے کر پھر مریم کی طرح نفخ روح ان میں بیان کیا گیا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اول وہ مریمی وجود لے کر اور اس سے ترقی کر کے پھر ابن مریم بن جائیں گے جیسا کہ براہین احمدیہ میں خدا تعالیٰ نے اپنی وحی میں اول میرا نام مریم رکھا اور فرمایا یامریم اسکن انت و زوجك الجنة یعنے اے مریم تو اور تیرے دوست بہشت میں داخل ہو جاؤ اور پھر فرمایا یامریم نفخت فیك من روح الصدق یعنے اے مریم میں نے صدق کی روح تجھ میں پھونک دی۔ (گویا استعارہ کے رنگ میں مریم صدق سے حاملہ ہو گئی) اور پھر آخر میں فرمایا یاعیسٰے انی متوفیك و رافعك الیّ یعنے اے عیسیٰ میں تجھے وفات دونگا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا پس اس جگہ مریمی مقام سے مجھے منتقل کر کے میرا نام عیسیٰ رکھا گیا اور اس طرح پر ابن مریم مجھے ٹھہرایا گیا تا وہ وعدہ جو سورہ تحریم میں کیا گیا تھا پورا ہو۔ ایسا ہی سورۂ نور میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام خلیفے اسی امت میں سے پیدا ہوں گے اور قرآن شریف

سے مستنبط ہوتا ہے کہ اس امت پر دو زمانے بہت خوفناک آئینگے ایک وہ زمانہ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آیا اور دوسرا وہ زمانہ جو دجالی فتنہ کا زمانہ ہے جو مسیح کے عہد مین آنیوالا تھا جس سے پناہ مانگنے کیلئے اس آیت مین اشارہ ہے۔ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین اور اسی زمانہ کیلئے یہ پیشگوئی سورہ نور مین موجود ہے ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا۔ اس آیت کے معنے پہلی آیت کے ساتھ ملا کر یہ ہین کہ خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دین پر آخری زمانہ مین ایک زلزلہ آئیگا اور خوف پیدا ہو جائیگا کہ یہ دین ساری زمین پر سے گم نہ ہو جائے تب خداتعالے دوبارہ اس دین کو روئے زمین پر تمکن کر دیگا اور خوف کے بعد امن بخشدیگا جیسا کہ دوسری آیت مین فرماتا ہے ہو الذی ارسل رسولہ بالہدے ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ یعنے خدا وہ خدا ہے جسنے اپنے رسول کو اسلئے بھیجا کہ تا دین اسلام کو سب دینون پر غالب کرے یہ بھی مسیح موعود کے زمانہ کیطرف اشارہ ہے اور پھر یہ آیت کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون یہ بھی مسیح موعود کے زمانہ کیطرف اشارہ ہے۔ اور قرآن شریف کی رو سے مسیح موعود کے زمانہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مشابہت ہے عقلمندونکے لئے جو تدبر کرتے ہین یہ ثبوت قرآنی تسلی بخش ہے۔ اور اگر کسی نادان کی نظر مین یہ کافی نہین...... تو پھر اسکو اقرار کرنا چاہیے کہ توراۃ مین نہ حضرت عیسے علیہ السلام کی نسبت کوئی پیشگوئی ہے نہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت کوئی پیش خبری ہے کیونکہ وہ الفاظ بھی محض محل ہین اور اسیوجہ سے یہودیونکو ٹھوکر لگی اور قبول نہ کیا۔ مثلاً اگر صاف لفظونمین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ پیشگوئی کیجاتی کہ مکہ مین پیدا ہونگے اور آپکا اسم مبارک محمد ہوگا۔ اور آپکے باپ کا نام عبداللہ اور دادا کا نام عبدالمطلب ہوگا اور آپ بنی اسمٰعیل کے خاندان مین سے ہونگے اور مدینہ مین ہجرت کرینگے اور موسے ۴ سے اتنی مدت بعد پیدا ہونگے تو ان نشانونکے ساتھ کوئی یہودی انکار نہین کر سکتا تھا اور حضرت مسیح کی پیشگوئی کی نسبت تو اور بھی مشکلات یہودیون پر پڑین جنسے وہ اپنے تئین واقعی معذور خیال کرتے ہین کیونکہ حضرت مسیح کی نسبت یہ پیشگوئی ہے کہ وہ مسیح ظاہر نہین ہوگا جبتک کہ الیاس ۴ دوبارہ دنیا مین نہ آوے۔ مگر الیاس تو ابتک نہ آیا اور خدا کی کتاب مین یہ شرط تھی کہ وہ سچا مسیح جو خدا کیطرف سے آئیگا ضرور ہے کہ پہلے اس سے الیاس دوبارہ دنیا مین آجاوے حضرت مسیح کیطرف سے یہ جواب تھا کہ اس فقرے سے مراد مثیل الیاس ہے نہ کہ اصل الیاس مگر یہودی کہتے ہین کہ یہ خدا کے کلام کی تحریف ہے ہمین تو اصل الیاس کے دوبارہ آنے کی خبر دیگئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیا کی نسبت جو پیشگوئیان ہوتی ہین وہ ہمیشہ باریک ہوتی ہین تا شقی اور سعید مین فرق ظاہر ہو جاوے ❊

پھر ماسوا اسکے یہ بات ظاہر ہے کہ جو دعوے راستی پر مبنی ہوتا ہے وہ اپنے ساتھ ایک ہی
قسم کا ثبوت نہین رکھتا بلکہ اس ہیرے کی طرح جس کے ہر ایک پہلو مین چمک نمودار ہوتی
ہے وہ دعوی بھی ہر ایک پہلو سے چمکتا ہے سو مین زور سے کہتا ہون کہ میرا مسیح موعود ہونیکا
دعوے اسی شان کا ہے کہ ہر ایک پہلو سے چمک رہا ہے اول اس پہلو کو دیکھو کہ میرا دعوے
منجانب اللہ ہونیکا اور نیز مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہونیکا قریباً ستائیس برس سے ہے
یعنے اس زمانہ سے بھی بہت پہلے کا ہے کہ جب براہین احمدیہ ابھی تالیف نہین ہوئی تھی اور پھر
براہین احمدیہ کے وقت مین وہ دعوے اسی کتاب مین لکھ کر شائع کیا گیا جسکو چوبیس برس کے
قریب گذر چکے ہین اب دانا آدمی سمجھ سکتا ہے کہ جھوٹ کا سلسلہ اسقدر لمبا نہین ہو سکتا اور خواہ
کوئی شخص کیسا ہی کذاب ہو وہ ایسی بدذاتی کا اسقدر دور دراز مدت تک جس مین ایک بچہ
پیدا ہو کر صاحب اولاد ہو سکتا ہے طبعاً مرتکب نہین ہو سکتا ماسوائے اسکے اس بات کو
کوئی عقلمند قبول نہین کریگا کہ ایک شخص قریباً ستائیس برس سے خداتعالےٰ پر افترا کرتا ہے اور ہر ایک
صبح اپنی طرف سے الہام بنا کر اور محض اپنی طرف سے پیشگوئیان تراش کر کے خداتعالی کیطرف منسوب
کرتا ہے اور ہر ایک دن یہ دعوے کرتا ہے کہ خداتعالےٰ نے مجھے یہ الہام کیا ہے اور خداتعالی کا یہ
کلام ہے جو میرے پر نازل ہوا ہے حالانکہ خدا جانتا ہے کہ وہ اس بات مین جھوٹا ہے نہ اسکو کبھی
الہام ہوا اور نہ خداتعالےٰ اس سے ہمکلام ہوا اور اسکو ایک لعنتی انسان سمجھتا ہے مگر پھر بھی اس کی
مدد کرتا ہے اور اسکی جماعت کو ترقی دیتا ہے اور ان تمام منصوبون اور بلاؤن سے اسے بچاتا ہے
جو دشمن اسکے لئے تجویز کرتے ہین۔ پھر ایک اور دلیل ہے جس سے میری سچائی روز روشن کیطرح
ظاہر ہوتی ہے اور میرا منجانب اللہ ہونا بپایہ ثبوت پہنچتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس زمانہ مین جبکہ
مجھے کوئی بھی نہین جانتا تھا یعنے براہین احمدیہ کے زمانہ مین جبکہ مین ایک گوشہ تنہائی مین اس
کتاب کو تالیف کر رہا تھا اور بجز اس خدا کے جو عالم الغیب ہے کوئی میری حالت سے واقف نہ تھا۔
تب اس زمانہ مین خدا نے مجھے مخاطب کر کے چند پیشگوئیان فرمائین جو اسی تنہائی اور غربت کے زمانہ
مین براہین احمدیہ مین چھپکر تمام ملک مین شائع ہوگئین اور وہ یہ ہین۔ یا احمدی انت مرادی
ومعی سرک سری۔ انت منی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی فحان ان تعان وتعرف
بین الناس۔ انت منی بمنزلۃ لا یعلمہا الخلق ینصرک اللہ فی مواطن۔ انت وجیہ فی
حضرتی اخترتک لنفسی۔ وانی جاعلک للناس اماما ینصرک رجال نوحی الیہم من السماء۔
یاتیک من کل فج عمیق۔ یاتون من کل فج عمیق۔ ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من
الناس وقل رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین۔ اصحاب الصفۃ وما ادراک

ما اصحاب الصُفّہ۔ ترٰی اعینہم تفیض من الدمع ربّنا اننا سمعنا منادیًا ینادی
للایمان۔ اِنّی جاعلک فی الارض خلیفہ۔ یقولون انّی لک ھذا۔ قل اللّٰہ عجیبٌ لا یسئل
عما یفعل وھم یسئلون۔ ویقولون اِن ھذا الّا اختلاق قل اللّٰہ ثمّ ذرھم فی
خوضھم یلعبون۔ ھوالّذی ارسل رسولہ بالھدٰی ودین الحق لیظھرہ علی الدّین کلّہ۔
یریدون ان یطفئوا نوراللّٰہ واللّٰہ مُتِمّ نورہ ولو کرہ الکافرون۔ یعصمک اللّٰہ
ولو لم یعصمک الناس۔ انک باعیننا سمیتک المتوکل۔ وما کان اللّٰہ لیترکک
حتی یمیز الخبیث من الطیّب۔ شانان تذبحان وکل من علیھا فان۔ وعسٰی
ان تکرھوا شیئًا وھو خیر لکم وعسٰی ان تحبوا شیئًا وھو شر لکم واللّٰہ یعلم وانتم لا
تعلمون۔ ترجمہ۔ خدا مجھے مخاطب کرکے فرماتا ہے اے میرے احمد تو میری مراد ہے اور میرے ساتھ
ہے۔ تیرا بھید میرا بھید ہے تو مجھ سے ایسا ہے جیسے میری توحید اور تفرید ہیں وہ وقت قریب ہے
جو تیری مدد کے لئے لوگ تیار کئے جائینگے اور تجھ کو لوگوں میں مشہور کیا جائیگا۔ تو مجھ سے وہ مرتبہ
اور مقام رکھتا ہے جسکو دنیا نہیں جانتی۔ خدا ہر ایک میدان میں تجھے مدد دیگا تو میری جناب میں عزت
رکھتا ہے۔ میں نے تجھے اپنے لئے چُنا۔ میں بہت سے لوگ تیری تابع اور پیرو کرونگا اور تو انکا امام
کیا جائیگا۔ میں لوگوں کے دلوں میں الہام کرونگا تا وہ اپنے مال سے تیری مدد کریں۔ دور دراز اور
عمیق راہوں سے تجھے مالی مدد میں پہنچیں گی۔ لوگ تیری خدمت میں دور دور کے راہوں سے آئینگے پس
تجھے لازم ہے کہ اُنسے بدخلقی نہ کرے اور انکی کثرت اور انبوہ اور فوج در فوج آنیسے تھک نہ جائے۔ اور
یہ دعا کیا کر کہ اے میرے خدا مجھے اکیلا مت چھوڑ اور تجھسے بہتر اور کوئی وارث نہیں۔ خدا اصحاب الصفہ
تیرے لئے مہیا کریگا اور تو کیا جانتا ہے کہ کیا چیز اصحاب الصفہ ہیں تو دیکھے گا کہ انکے آنسو جاری
ہونگے۔ اور وہ کہینگے کہ اے ہمارے خدا ہمنے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی جو لوگوں کو ایمان کیطرف
بلاتا ہے۔ میں تجھے زمین میں خلیفہ بناؤنگا لوگ تحقیر کی راہ سے کہتے ہیں کہ تجھے یہ مرتبہ کیسے حاصل
ہو سکتا ہے انکو کہدے کہ وہ خدا عجیب قدرتوں والا خدا ہے جو کام وہ کرتا ہے کوئی پوچھ نہیں سکتا
کہ تونے ایسا کیوں کیا اور وہ ہر ایک کے قول سے مواخذہ کریگا کہ تمنے ایسا کیوں کہا اور کہتے ہیں کہ
یہ تو صرف بناوٹ ہے انکو جواب دے کہ خدا اس کاروبار کا بانی ہے۔ پھر انکو انکی لہو ولعب میں چھوڑدے
خدا وہ خدا ہے جسنے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کیساتھ بھیجا تا اس دین کو سب دینوں پر غالب کرکے
دکھاوے۔ یہ لوگ ارادہ کرینگے کہ جس نور کو خدا دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے اسکو بجھاویں مگر خدا اس نور کو پورا
کریگا یعنی تمام مستعد دلوں تک پہنچائیگا۔ اگرچہ کافر لوگ کراہت بھی کریں۔ خدا تمہیں انکی شرارت سے بچائیگا اگرچہ
لوگ بچانہ سکیں۔ تو میری آنکھوں کے سامنے ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے اور خدا ایسا نہیں ہے کہ تجھے چھوڑدے

جبتک کہ وہ پاک اور پلید میں فرق کرکے نہ دکھلاوے۔ دو بکریاں ذبح کیجائینگی۔ اور ہر ایک جو زمین پر ہے آخر اُسنے مرنا ہی ہے۔ قریب ہے کہ ایک چیز کو تم بُرا سمجھو اور وہ چیز اصل میں تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور ممکن ہے کہ ایک چیز کو تم اچھا سمجھو اور وہ چیز تمہارے لئے بُری ہو۔ اور خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ کونسی چیز تمہارے لئے بہتر ہے اور تم نہیں جانتے۔

اب جاننا چاہئے کہ ان الہامات میں چار عظیم الشان پیشگوئیوں کا ذکر ہے (۱) ایک یہ کہ خدا تعالیٰ ایسے وقت میں جبکہ میں اکیلا تھا اور کوئی میرے ساتھ نہ تھا اس زمانہ میں جسکو اب قریباً تیئس سال گذر چکے ہیں مجھے خوشخبری دیتا ہے کہ تو اکیلا نہیں رہیگا اور وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ تیرے ساتھ فوج در فوج لوگ ہو جائینگے اور وہ دُور دُور راہوں سے تیرے پاس آئینگے۔ اور اسقدر کثرت سے آئینگے کہ قریب ہے کہ تو اُنسے تھک جائے یا بد اخلاقی کرے مگر تو ایسا نہ کر (۲) دوسری یہ پیشگوئی ہے کہ اُن لوگوں سے بہت سی مالی مدد ملیگی۔ ان پیشگوئیوں کے بارہ میں ایک دُنیا گواہ ہے کہ جب یہ پیشگوئیاں براہین احمدیہ میں لکھی گئیں تب میں ایک تنہا آدمی گمنامی کی حالت میں قادیان میں جو ایک ویران گاؤں ہے پڑا تھا مگر بعد اسکے ابھی دس برس گذرنے نہیں پائے تھے کہ خدا تعالےٰ کے الہام کے موافق لوگوں کا رجوع ہو گیا اور اپنے مالوں کے ذریعہ سے لوگ مدد بھی کرنے لگے۔ یہانتک کہ اب دو لاکھ سے زیادہ ایسے انسان ہیں جو میری بیعت میں داخل ہیں اور انہیں الہامات میں ایک تیسری پیشگوئی یہ ہے کہ لوگ کوشش کرینگے کہ اس سلسلہ کو معدوم کردیں اور اس نور کو بجھا دیں۔ مگر وہ اس کوشش میں نامراد رہینگے۔ اب اگر کوئی شخص صریح بے ایمانی اختیار کرے تو اسکو کون روک سکتا ہے ورنہ یہ تینوں پیشگوئیاں آفتاب کیطرح چمک رہی ہیں ظاہر ہے کہ ایسے زمانہ میں جبکہ ایک شخص گمنامی کیحالت میں پڑا ہے اور تنہا اور بیکس ہے اور کوئی ایسی علامت موجود نہیں ہے کہ وہ لاکھوں انسانوں کا سردار بنایا جائے اور نہ کوئی یہ علامت موجود ہے کہ لوگ ہزارہا روپے اسکی خدمتمیں پیش کریں پھر ایسی حالت میں ایسے شخص کی نسبت اسقدر اقبال اور نصرت الٰہی کی پیشگوئی اگر صرف عقل اور اٹکل کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے تو منکر کو چاہئے کہ نام لیکر اس کی نظیر پیش کرے بالخصوص جبکہ ان دونوں پیشگوئیوں کو اس تیسری پیشگوئی کیساتھ ملا کر دیکھا جائے جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ بہت کوشش کرینگے کہ یہ پیشگوئیاں پوری نہوں لیکن خدا پوری کریگا تو بالضرورت ان تینوں پیشگوئیوں کو یکجائی نظر کے ساتھ دیکھنے سے ماننا پڑیگا کہ یہ انسان کا کام نہیں ہے۔ انسان تو یہ بھی دعوےٰ نہیں کرسکتا کہ اتنی مدت تک زندہ بھی رہ سکے پھر چوتھی پیشگوئی ان الہامات میں یہ ہے کہ ان دونوں میں اس سلسلہ کے دو مرید شہید کئے جائینگے چنانچہ شیخ عبد الرحمان امیر عبد الرحمن والئ کابل کے حکم سے اور مولوی صاحبزادہ عبد اللطیف خانصاحب امیر حبیب اللہ کے ذریعہ سے کابل میں شہید کئے گئے +

اسکے سوا اور صدہا پیشگوئیاں ہیں جو اپنے وقتوں پر پوری ہوگئیں چنانچہ ایک دفعہ مولوی

ضمیمہ +

حکیم نورالدین صاحب کو قبل از وقت خبر دیگئی کہ انکے گھر مین ایک بیٹا پیدا ہوگا اور اسکے بدن پر کئی
پھوڑے ہونگے چنانچہ ایسا ہی ظہور مین آیا اور وہ بیٹا پیدا ہوا اور اسکے بدن پر پھوڑے تھے
مولویصاحب موصوف اس جلسہ مین موجود ہونگے انسے ہر ایک شخص حلفاً دریافت
کرسکتا ہے کہ یہ بات سچ ہے یا نہین۔ پھر سردار محمد علیخانصاحب رئیس مالیر کوٹلہ کا لڑکا
عبدالرحیم نام بیمار ہوا اور آثار نا امیدی ظاہر ہوگئے اور مجھے الہام کے ذریعہ خدا نے خبر دی
کہ تیری شفاعت سے یہ لڑکا اچھا ہوسکتا ہے چنانچہ مین نے ایک شفیق ناصح کے رنگ مین اسکے
لئے بہت دعا کی اور وہ لڑکا اچھا ہوگیا۔ گویا مردہ زندہ ہوا۔ پھر ایسا ہی انکا دوسرا لڑکا...
عبداللہ خان بیمار ہوا وہ بھی خوفناک بیماری مین پڑکر موت تک پہونچگیا اس کی شفا کی نسبت
بھی مجھے خبر دیگئی اور وہ بھی میری دعا سے اچھا ہوگیا۔ اسی طرح اور بہت سے نشان ہین اگر
وہ سب لکھے جائین تو ممکن نہین کہ وہ مضمون دس دن مین بھی ختم ہوسکے۔ ان نشانونکے گواہ
ایکدو نہین بلکہ کئی لاکھ انسان گواہ ہین یعنی مین نے ان نشانونمین سے ڈیڑھ سو نشان اپنی
کتاب نزول المسیح نام مین درج کیا ہے جو عنقریب شایع ہونیوالی ہے وہ تمام نشان کئی
قسم کے ہین۔ بعض آسمان مین ظاہر ہوئے بعض زمین مین بعض دوستونکے متعلق ہین
بعض دشمنونکے متعلق جو پورے ہوچکے بعض میری ذات کے متعلق ہین بعض میری اولاد کے
متعلق اور بعض ایسے نشان بھی ہین کہ وہ محض کسی دشمن کے ذریعہ سے بغیر دخل میری ذات
کے ظہور مین آگئے ہین۔ جیسا کہ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری نے اپنی کتاب موسومہ
فتح رحمانی مین اپنے طور پر میرے ساتھ مباہلہ کیا اور یہ دعا کی کہ دونون مین سے جو جھوٹا ہے خدا
اسکو ہلاک کردے چنانچہ اس دعا کے بعد صرف چند دن گذرنے پائے تھے کہ مولویصاحب
مذکور آپ فوت ہوگئے اور اپنی موت سے میرے سچا ہونیکی گواہی دے گئے اور ہزارہا ایسے لوگ
ہین کہ محض خوابونکے ذریعہ سے خدا تعالے نے میرا سچا ہونا انپر ظاہر کردیا۔ غرض یہ نشان
اسقدر کھلے کھلے ہین کہ اگر انکو یکجائی نظر سے دیکھا جائے تو انسان کو بجز ماننے کے بن نہین
پڑتا۔ اس زمانہ کے بعض مخالف یہ بھی کہتے ہین کہ اگر قرآن شریف سے یہ ثبوت ملے تو ہم مان
لینگے۔ مین انکے جواب مین کہتا ہون کہ قرآن شریف مین میرے مسیح ہونیکے بارہ مین کافی ثبوت
ہی جیسا کہ مین کسیقدر لکھ بھی چکا ہون۔ ماسوا اسکے اس شرط کو پیش کرنا بھی صریح زبردستی اور
حکومت ہے کسی شخص کے سچا ماننے کیلئے یہ ضروری نہین۔ کہ اسکی کھلی کھلی خبر کسی آسمانی کتاب
مین بھی موجود ہو۔ اگر یہ شرط ضروری ہی تو کسی نبی کی نبوت ثابت نہین ہوگی اصل حقیقت یہ
ہے کہ کسی شخص کے دعوے نبوت پر سب سے پہلے زمانہ کی ضرورت دیکھی جاتی ہے پھر یہ

بھی دیکھا جاتا ہو کہ وہ نبیوں کے مقرر کردہ وقت پر آیا ہے یا نہیں۔ پھر یہ بھی سوچا جاتا ہے کہ خدا نے اسکی تائید کی ہے یا نہیں پھر یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ دشمنوں نے جو اعتراض اٹھائے ہیں ان اعتراضات کا پورا پورا جواب دیا گیا یا نہیں۔ جب یہ تمام باتیں پوری ہو جائیں تو مان لیا جائیگا کہ وہ انسان سچا ہے ورنہ نہیں۔ اب صاف ظاہر ہے کہ زمانہ اپنی زبان حال سے فریاد کر رہا ہو کہ اسوقت اسلامی تفرقہ کے دور کرنیکے لئے اور بیرونی حملوں سے اسلام کو بچانیکے لئے اور دنیا مین گمشدہ روحانیت کو دوبارہ قائم کرنیکے لئے بلاشبہ ایک آسمانی مصلح کی ضرورت ہی جو دوبارہ یقین بخشکر ایمان کی جڑھوں کو پانی دیوے اور اسطرح بدی اور گناہ سے چھوڑا کر نیکی اور راستی کی طرف رجوع دلاوے۔ سو عین ضرورت کیوقت مین میرا آنا ایسا ظاہر ہے کہ مین خیال نہین کر سکتا کہ بجز سخت متعصب کے کوئی اس سے انکار کر سکے اور دوسری شرط یعنے یہ دیکھنا کہ نبیوں کے مقرر کردہ وقت پر آیا ہے یا نہیں۔ یہ شرط بھی میرے آنے پر پوری ہو گئی ہے کیونکہ نبیوں نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ جب چھٹا ہزار ختم ہونیکو ہوگا تب وہ مسیح موعود ظاہر ہوگا۔ سو قمری حساب کے رو سے چھٹا ہزار جو حضرت آدمؑ کے ظہور کیوقت سے لیا جاتا ہے مدت ہوئی جو ختم ہو چکا ہے اور شمسی حساب کے رو سے چھٹا ہزار ختم ہونیکو ہی۔ ماسوا اسکے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ ہر ایک صدی کے سر پر ایک مجدد آئیگا جو دین کو تازہ کریگا اور اب اس چودھوین صدی مین سے اکیس سال گذر بھی چکے ہیں اور بائیسواں گذر رہا ہے اب کیا یہ اس بات کا نشان نہین کہ وہ مجدد آگیا۔ اور تیسری شرط یہ تھی کہ کیا خدا نے اسکی تائید بھی کی ہے یا نہین سو اس شرط کا مجھ مین پایا جانا بھی ظاہر ہے کیونکہ اس ملک کی ہر ایک قوم کے بعض دشمنوں نے مجھے نابود کرنا چاہا اور ناخنوں تک زور لگایا اور بہت کوششین کین لیکن وہ اپنی تمام کوششوں مین نامراد رہے کسی قوم کو یہ فخر نصیب نہ ہوا کہ وہ کہہ سکے کہ ہم مین سے کسی نے اس شخص کے تباہ کرنیکیلئے کسی قسم کی کوشش نہین کی اور انکی کوششوں کے برخلاف خدا نے مجھے عزت دی اور ہزارہا لوگوں کو میری تابع کر دیا۔ پس اگر یہ خدا کی تائید نہین تھی تو اور کیا تھا کسکو معلوم نہین کہ سب قوموں نے اپنے اپنے طور پر زور لگائے کہ تا مجھے نابود کر دیں مگر مین انکی کوششوں سے نابود نہ ہو سکا بلکہ مین دن بدن بڑھتا گیا یہانتک کہ دو لاکھ سے زیادہ میری جماعت ہو گئی پس اگر خدا کا ایک پوشیدہ ہاتھ میرے ساتھ نہ ہوتا اور اگر میرا کاروبار محض انسانی منصوبہ ہوتا تو ان مختلف تیروں مین سے کسی تیر کا مین ضرور نشانہ بنجاتا اور کبھی کا تباہ ہوا ہوتا اور آج میری قبر کا بھی نشان نہ ہوتا کیونکہ جو خدا پر جھوٹ باندھتا ہی اسکے مارنیکے لئے کئی راہیں نکل آتی ہیں وجہ یہ کہ خدا خود اسکا دشمن ہوتا ہی مگر خدا نے ان لوگوں کے تمام منصوبوں سے مجھے بچا لیا جیسا کہ اس نے چوبیس برس پہلے خبر دی تھی۔ ماسوا اسکے کیسی کھلی کھلی تائید ہے کہ خدا نے میری تنہائی اور گمنامی کے زمانہ مین کھلے لفظوں مین براہین احمدیہ مین مجھے خبر دیدی کہ مین تجھے مدد دونگا اور کثیر جماعت تیرے ساتھ کر دونگا اور مزاحمت کرنیوالوں کو

نامراد رکھونگا پس ایک صاف دل لیکر سوچو کہ یہ کسقدر نمایاں تائید ہی اور کیسا کھلا کھلا نشان ہی کیا آسمان کے نیچے ایسی قدرت کسی انسان کو ہی یا کسی شیطان کو۔ کہ ایک گمنامی کیوقت مین ایسی خبر دے اور وہ پوری ہو جاوے اور ہزارون دشمن اٹھین مگر کوئی اس خبر کو روک نہ سکے پھر جو یہ بھی شرط تھی کہ مخالفون نے جو اعتراض اٹھائے ان اعتراضات کا پورا پورا جواب دیا گیا یا نہین یہ شرط بھی صفائی سے طے ہو چکی کیونکہ مخالفونکا ایک بڑا اعتراض یہ تھا کہ مسیح موعود حضرت عیسےٰؑ ہین وہی دوبارہ دنیا مین آئینگے پس انکو جواب دیا گیا کہ قرآن شریف سے ثابت ہی کہ حضرت عیسےٰؑ فوت ہو چکے ہین اور پھر دوبارہ دنیا مین ہرگز نہین آئینگے جیسا کہ الله تعالیٰ انہین کی زبان سے فرماتا ہے۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم۔ پہلی آیتونکو ساتھ ملاکر ترجمہ یہ ہی کہ خدا تعالیٰ قیامت کو حضرت عیسےٰؑ سے پوچھیگا کہ کیا تو نے ہی یہ تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری مان کو خدا کرکے ماننا اور ہماری پرستش کرنا۔ وہ جواب دینگے کہ اے میرے خدا اگر مینے ایسا کہا ہے تو تجھے معلوم ہوگا کیونکہ تو عالم الغیب ہی۔ مینے تو وہی باتین انکو کہین جو تو نے مجھے فرمائین یعنی یہ کہ خدا کو وحدہٗ لاشریک اور مجھے اسکا رسول مانو۔ مین اسوقت تک انکے حالات کا علم رکھتا تھا جبتک کہ مین انمین تھا پھر جب تو نے مجھے وفات دیدی تو تو ہی نگران تھا مجھے کیا خبر ہے کہ میرے بعد انہون نے کیا کیا۔ اب ان آیات سے ظاہر ہی کہ حضرت عیسےٰؑ یہ جواب دینگے کہ جبتک مین زندہ تھا عیسائی لوگ بگڑے نہین تھے اور جب مین مرگیا تو مجھے خبر نہین کہ انکا کیا حال ہوا پس اگر مان لیا جائے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام ابتک زندہ ہین تو ساتھ ہی ماننا پڑیگا کہ عیسائی بھی ابتک بگڑے نہین اور سچے مذہب پر قائم ہین پھر ماسوا اسکے اس آیت مین حضرت عیسےٰؑ اپنی وفات کے بعد اپنی بیخبری ظاہر کرتے ہین اور کہتے ہین کہ اے میرے خدا جب تو نے مجھے وفات دیدی اسوقت سے مجھے اپنی امت کا کچھ حال معلوم نہین۔ پس اگر یہ بات صحیح مانی جائے کہ وہ قیامت سے پہلے دنیا مین آئینگے اور مہدی کے ساتھ ملکر کافرون سے لڑائیان کرینگے۔ تو نعوذ بالله قرآن شریف کی یہ آیت غلط ٹھہرتی ہے اور یا یہ ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام قیامت کے دن خدا تعالے کے سامنے جھوٹ بولینگے اور اس بات کو چھپائینگے کہ وہ دوبارہ دنیا مین آئے تھے اور چالیس برس تک رہے تھے اور مہدی کے ساتھ ملکر عیسائیون سے لڑائیان کی تھین پس اگر کوئی قرآن شریف پر ایمان لانیوالا ہو تو فقط اس ایک ہی آیت سے تمام وہ منصوبہ باطل ثابت ہوتا ہے جسمین یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مہدی خونی پیدا ہوگا اور عیسےٰ اسکی مدد کے لئے آسمان سے آئیگا بلاشبہ وہ شخص قرآن شریف کو چھوڑتا ہے جو ایسا اعتقاد رکھتا ہے پھر جب ہمارے مخالف ہر ایک بات مین مغلوب ہو جاتے ہین تو آخر کار یہ کہتے ہین کہ بعض پیشگوئیان پوری نہین ہوئین جیسے کہ آتھم کی پیشگوئی۔ مین کہتا ہون کہ اب آتھم کہان ہے اس پیشگوئی کا تو ماحصل یہ تھا کہ جو شخص جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی مین ہی وفات پا جائیگا سو آتھم وفات پا گیا اور مین ابتک زندہ ہون

اور وہ پیش گوئی شرطی تھی یعنی میعاد اس کی شرط سے وابستہ تھی پس جس حالت مین آتھم پیشگوئی
کو سن کر ڈرتا رہا تو اُس نے اُس شرط کو پورا کر دیا۔ اسلئے چند مہینہ اُورمہلت اسکو دیگئی۔ افسوس
کہ ایسے اعتراض کرنیوالے اس بات کو نہین سوچتے کہ جو یونس نبی نے پیشگوئی کی تھی اسکے
ساتھ تو کوئی شرط نہ تھی جیساکہ یونہ نبی کی کتاب مین لکھا ہے تاہم وہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔ اصل
بات یہ ہے کہ وعید کی پیشگوئیان یعنی وہ پیشگوئیان جن مین کسی پر عذاب نازل ہونیکا وعدہ ہو
وہ خدا کے نزدیک ہمیشہ توبہ کی شرط سے یا صدقہ خیرات کی شرط سے مشروط ہوتی ہین یا خوف کی
شرط سے مشروط ہوتی ہین اور توبہ اور استغفار اور صدقہ خیرات اور خدا تعالے سے ڈرنیکے ساتھ
ان پیشگوئیون مین تاخیر ہوسکتی ہے یا بالکل ٹل سکتی ہین۔ ورنہ یونسؑ نبی نبی نہین ٹھہرتا کیونکہ
اس کی قطعی پیشگوئی خطا گئی۔ خدا کے عذاب کے ارادے جو کسی مجرم کی نسبت ہوتے ہین صدقات
خیرات دعا سے بھی ٹل سکتے ہین اور مجرم کے خوف سے بھی ٹل سکتے ہین۔ پس جو پیشگوئی عذاب پر
مشتمل ہو اسکا ماحصل صرف اسقدر ہے کہ خدا تعالے نے کسی شخص کی نسبت عذاب دینے کا
ارادہ فرمایا ہے۔ جس ارادہ کو کسی نبی پر اس نے ظاہر بھی کر دیا ہے۔ پس کیا وجہ کہ وہ ارادہ اُس
حالت مین تو صدقہ خیرات اور دعا سے ٹل سکتا ہے۔ کہ جب کسی نبی پر ظاہر نہ کیا گیا۔ لیکن جب
ظاہر کیا گیا ہو تو پھر ٹل نہین سکتا۔ یہ خیال سراسر بیوقوفی ہے اور اس مین تمام انبیاء کی صریح
مخالفت ہے۔ ماسوا اسکے بعض پیشگوئیان مجمل بھی ہوتی ہین اور بعض متشابہ ہوتی ہین جو بعد
مین ان کی حقیقت کھلتی ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ بعض وقت کسی پیش گوئی کے معنے کرنے
مین ایک نبی کا اجتہاد بھی خطا ہو سکتا ہے جس سے کچھ ضرر نہین۔ نبی کے ساتھ بھی بشریت
ہے۔ حضرت عیسے علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بارہ حواری بہشت مین بارہ تختون پر بیٹھینگے
مگر یہ بات صحیح نہ ہوئی بلکہ ایک حواری مرتد ہو کر جہنم کے لایق ہو گیا۔ اور آپنے فرمایا تھا کہ ابھی
اس زمانہ کے لوگ زندہ ہونگے کہ مین دوبارہ آجاؤنگا۔ یہ بات بھی صحیح نہ نکلی اور کئی اور پیشگوئیان
حضرت عیسے علیہ السلام کی باعث اجتہادی غلطی کے پوری نہین ہوسکین غرض یہ اجتہادی
غلطیان تھین۔ اور میری پیشگوئیو نکا یہ حال ہو کہ اگر کوئی صبر اور صدق سے سننے والا ہو تو ایک لاکھ
سے بھی زیادہ پیشگوئیان اور نشان میری تائید مین ظاہر کئے گئے ہین پس سخت کمینگی ہو کہ ہزارون
پیشگوئیون سے جو پوری ہو چکین کچھ فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ اگر ایک سمجھ نہ آسکے تو اسکو نشانہ اعتراض کا
بنادیا جائے اور شور ڈالدیا جائے اور اسی پر تمام فیصلہ کر دیا جائے مین امید رکھتا ہون اور یقین کامل
سے کہتا ہون کہ اگر کوئی شخص چالیس روز بھی میرے پاس رہے تو کوئی نشان دیکھ لیگا۔ اب مین ختم کرتا ہون
اور یقین رکھتا ہون کہ اسقدر طالب حق کے لئے بس ہو۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ الراقم میرزا غلام احمد

مخلص احباب کی اس لگاپو فی سبیل اللہ کی رفتار مین کسیقدر بنسبت اوایل کے نرمی سے دکھائی دیتی لگی ہی حالانکہ ابھی رسالہ کی خریداری کے اُس تعداد تک پہونچنے مین بہت کمی ہی جس تعداد تک پہنچانیکا امام صادق علیہ السلام نے اپنے ارشاد مبارک مین ارادہ ظاہر فرمایا ہی اس دھیما پن کا بجز اسکے اور کیا باعث قرار دیا جاوے کہ اپنی جماعت کے جملہ افراد کے اعضا حمیت و اعانت مین ابھی پورا جوش پیدا نہین ہوا ورنہ کہان اس پاک جماعت کے مخلص احباب کے پرجوش دل اور اپنے پیارے امام کے ارشاد پر قربان ہونیوالی روحین - اور کہان ایسے تاکیدی حکم کی تعمیل مین اسقدر تکاہل و تساہل حضرت اقدس کی تاکیدی ارشاد کی تعمیل اور اس رسالہ کی مفاد تو اس امر کے مقتضی تھے کہ احمدیہ جماعت کا کوئی فرد خواہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اس رسالہ کی خریداری سی محروم نہ رہتا اس دولاکھ سی بھی زیادہ احمدیہ جماعت کی احباب سے اگر پانچ فیصدی بھی ایسے مخلص نکل آدین جو کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کی خریدار بنین تاہم تعداد خریداری دس ہزار سے بڑھ جاتی ہے +

تمام ممالک غیر امریکہ و یورپ وغیرہ مین اس رسالہ کے مضامین نے ایک تہلکہ سا مچا دیا ہی جس سے مخالفونکی دلونمین بھی تلاش حق کی تحریکین پیدا ہو گئی ہین پچھلے ایام مین اسٹریلیا سے ایک یورپین کی چٹھی آئی تھی جسمین وہ اس رسالہ کی مضامین کی دلچسپی کو ایک عاشقانہ پیرایہ مین ظاہر کرکے کہتا ہی کہ "اسکے پُرحقایق دلچسپ مضامین مین متلاشی حق کیلیے صداقت کی ایک کھلی راہ ہی امید ہی کہ اسکے مقناطیسی اثر سے اور بھی بہت لوگ ضرور متاثر ہونگے" کیون نہو پیارے امام صادق کی تحریرات سے سعید فطرت و سعادت کیش روحین کبھی بھی بے اثر نہین رہ سکتین چہ جائیکہ اپنی جماعت کی مخلص احباب کے دلونمین اسکی احکام کی بجا آوری کا خیال و تحریک پیدا نہو مشیت ایزدی مین جو کام ہونا ہی اور جن اغراض کیلیے اسکا مامور آیا ہی وہ سب ہو کر ہی رہین گی - یہ تو صرف ہمارے واسطے توشہ عقبے حاصل کرنیکا ایک موقعہ حسنہ ہی - ما درّ من قال - ؎ بمفت این اجر نصرت را دہندت ای اخی ورنہ + قضائی آسمان است این بہر حالت شود پیدا حسنات دارین حاصل کرنیکا عین وقت ہی اللہ تعالے جملہ احباب کو اس کار خیر مین ہاتھ بٹانیکی توفیق بخشی تاکہ اپنے امام پاک کے احکام پر عمل کرکے سابق بالخیرات بنین - آمین - ثم آمین - والسلام - منیجر

اطلاع ضروری

مقدمات سے عدیم الفرصتی کی وجہ سے ماہ ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء کا انگریزی میگزین وقت پر شایع نہین ہو سکتا اگلے مہینہ کے ساتھ اکٹھا شایع ہوگا +

خریداران بوجہ مجبوری معذور فرماوین - والسلام

منیجر

"ضروری استدعا"

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہین اور اپنے مقامی اسٹیشن مین کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہونیکے باعث انہین کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑین تو بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانٹیر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائین یہ دکان میرے متعلق ہے انہین نقصان نہین اور دکان کا فائدہ اور بھائی سے ایک بھائی کی مدد + المشتہر خواجہ کمال الدین وکیل پشاور

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم مولوی فضلدین صاحب طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہین نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہین طورِ تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ ابتہ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۱۰

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء کو شایع ہوا۔ چندہ سالانہ ۱ روپیہ ۸ آنہ

اطلاع ضروری

حضرت اقدس کے مبارک ارشاد پر فدا ہوجانے والی پُرجوش روحون کی احتیاج

ایک سال کے قریب عرصہ گذرتا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کی اشد ضرورت کو محسوس کرکے جملہ احباب و مخلصین کی توجہ کو اس رسالہ میگزین کی اعانت و امداد کی طرف مبذول کرکے پرزور تاکیدی الفاظ مین ظاہر فرمایا تھا کہ اس کی تعداد اشاعت کسی صورت مین دس ہزار سے کم نہین ہونی چاہئے۔ چنانچہ اُس تاکیدی ارشاد مین حضرت اقدس علیہ السلام کا ایما تھا اور سخت تاکیدی حکم تھا کہ۔

"اگر بیعت کرنے والے **اپنی بیعت کی حقیقت** پر قایم رہکر اس بارہ مین کوشش کرین تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہین ہے بلکہ جماعت موجودہ کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے"

اور ساتھ ہی فرمایا اور حد سے بڑھکر تاکیدی الفاظ مین فرمایا کہ۔

"مین پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردون کو اس طرف توجہ دلاتا ہون کہ وہ اس رسالہ کی اعانت و مالی امداد مین جہانتک اُن سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلادین اور اس خدمت مین **جان توڑ کوشش کرین**"۔

حضرت اقدسؑ کے اس حد سے بڑھے ہوئے تاکیدی حکم کی تعمیل مین ابتدائی تازہ جوش مین اکثر مقامات کے باہمت احباب و مخلصین نے پوری جوانمردی و اخلاص مندی کا بین نمونہ دکھلایا اور اس سعی کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ قلیل عرصہ مین تعداد خریداری اڑھائی ہزار تک پہنچ گئی ہے لیکن خاص زمانہ سے خاص وقت کے لئے ان جوش ہائے اعانت کا اُبھر کر جھٹ دھیما پڑ جانا ظاہر کرتا ہے کہ اس حکم کو مخصوص یا مختص الزمان قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ حکم جملہ افراد جماعت احمدیہ کے لئے ہمیشہ کیلئے واجب العمل تھا۔ اور کم از کم جبتک تعداد خریداری دس ہزار تک نہ پہنچ جاتی! اپنے باہمت احباب کو اس کی اعانت مین کوئی پہلو کوشش کا فروگذاشت نہین کرنا چاہئے تھا۔ بلکہ قدم ہمت آگے ہی بڑھانا مناسب و شایان تھا۔

چونکہ حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد تک رسالہ کے پہنچنے مین ابھی بہت کمی ہے اسواسطے جملہ برادران و احباب کی خاص توجہ و ہمت درکار ہے۔ علاوہ مالی اعانت کے اگر اپنی ہماری جماعت احمدیہ مین سے پانچ فیصدی بھی ایسے باہمت مخلص احباب نکل آوین جو کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنین تو تعداد خریداری کہین دسہزار سے بھی بڑھجاتی ہے۔ امید ہے کہ اب جملہ برادران حضرت اقدسؑ کے اس تاکیدی ارشاد کو ہمیشہ تازہ ارشاد سمجھ کر رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کے لئے اپنے من تن دھن غرضکہ کسی قسم کی امداد سے دریغ نہ رکھینگے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ تمام سعادتمند روحونکو امام صادق علیہ السلام کے حکم کی بجاآوری کیلئے ایک تازہ جوش سے پُر کردے اور مامور و مرسل من اللہ کے دہن مبارک سے نکلی ہوئی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

کیا اصول اسلام حقیقی تہذیب کے موافق نہیں؟

گزشتہ مہینے کے اخبار آبزرور کے چند متواتر نمبروں میں مسٹر دلاور حسین احمد سابق انسپکٹر جنرل محکمہ رجسٹریشن بنگال کے قلم سے نکلا ہؤا ایک مضمون شائع ہؤا ہے جس میں راقم مضمون نے اسلام جیسے پاک اور اعلےٰ اصول رکھنے والے مذہب کو ایسے خطرناک اور سخت عیوب کا متہم کیا ہے جو آجتک کسی تنقید کرنے والے کے قلم و زبان سے نہیں نکلے۔ راقم مضمون یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کو از سر نو ترتیب دی جاوے اور مدنی سورتوں کو ناقابل عمل سمجھ کر خارج کر دیا جائے۔ اس طریق اصلاح کو پیش کرنے کی غرض وہ بظاہر یہی بیان کرتے ہیں کہ اس کے اختیار کرنے سے مسلمانوں میں سے وہ نقص اور قباحتیں دور ہو جائیں گے۔ جو کثرت ازدواجی اور طلاق اور پردہ اور قوانین وراثت وغیرہ کیوجہ سے انمیں پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن دراصل ہمکو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان ٹیٹوں کی آڑ میں وہ اور ہی شکار کھیلا چاہتے ہیں۔ اُن کے طرز سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُنکی مجوزہ اصلاحوں کا واقعی نشانہ یہی چند مسائل اور امور نہیں اُنکی دلی تمنا جو گوشہ دل میں چھپی ہوئی اپنا مطلب نکالنا چاہتی ہے۔ اُنکے طرز سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہو رہی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ کاش پاک اسلام کی شریعت ہی دنیا سے مٹ جائے۔ اور خصوصاً نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ حج کے فرائض کا بوجھ دین اسلام سے دور کر دیا جائے۔ اور کھانے اور پینے اور دوسرے امور کیلئے جو حریت کی روکاوٹیں قرآن کریم نے لگائی ہوئی ہیں۔ اُنکو اٹھا دیا جاوے۔ کیونکہ اس قسم کے احکام اکثر مدنی سورتوں میں ہی بھرے ہوئے ہیں۔ اور مدنی سورتونکو خارج کرنیکی تجویز پیش کرنے سے مراد اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ اگر انکی منشاء صرف انہیں چند امور کے اصلاح تک ہی محدود ہوتی۔ تو وہ اس راہ کو کبھی اختیار نہ کرتے۔ اور نہ ہی یہ وہ راہ تھی جس سے وہ اس مقصود کو حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر یہاں تو تمام مدنی سورتوں کو جو اسلامی شریعت کی روح رواں ہیں۔ اور جنمیں کثیر حصہ تمدنی مضامین کا بھرا ہؤا ہے۔ انہیں کو جڑھ سے کاٹنے کی تجویزیں پیش کیجاتی ہیں جس سے مسلمانوں کے کندھوں سے شریعت کا جوا ہی اتار دینا مقصود ہے۔ بنگال بھی ایک عجیب ملک ہے۔ جہاں کوئی نہ کوئی اسلام کا ایسا خیرخواہ پیدا ہوتا رہتا ہے جو اسلام کے سرسبز گلستان کے پیڑوں کو کسی نہ کسی رنگ میں اکھاڑنے کی صلاحیں دیتے رہتے ہیں۔ مگر نہ ہے۔ جو اپنے جسم

اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کے مطابق دین اسلام کی حفاظت کر رہا ہے۔ اور اُن لوگوں کو اپنی ایسی کوششوں میں نامراد ہی رکھتا ہے۔ ابھی دو سال ہوئے ہیں۔ کہ اسی ملک بنگال میں ایک محمد سرفراز خاں صاحب نکلے تھے جنہوں نے اسلامی اصلاح کا بیڑا اٹھا کر یہ کوشش کی تھی۔ کہ اس پائدار محل کے ستون نماز۔ روزہ وغیرہ ہی نیچے سے کھینچ لئے جاویں۔ سرفراز خاں صاحب نے بنگال کے ایک اسلامی پرچہ میں اپنی اصلاحوں کی تمہیدیوں شروع کی تھی کہ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج کے احکام جو حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام والتحیات نے قائم فرمائے تھے۔ وہ موجودہ صدی کے مسلمانوں کے مناسب حال نہیں۔ بلکہ اُن میں ہمارے زمانہ کے تعلیم یافتہ اور مہذب جنٹلمینوں کے لئے حسب ذیل اصلاح ہونی چاہیئے۔ مثلاً خدائے ذوالجلال والاکرام کے حضور میں نماز کے وقت سربسجود ہو کر ناصیہ نیاز کو بہزار خشوع زمین پر رکھنے کی رسم کو بالکل اڑا دیا جائے۔ اور اسکی بجائے صرف اس قدر جائز رکھا جائے۔ کہ کرسیوں پر بیٹھکر کچھ دعا کر لی جاوے۔ اور جو نمازیوں کا امام آگے کھڑا ہو کر فاتحہ اور دوسری قرآنی سورتیں پڑھتا ہے۔ وہ صرف یہی کرلے۔ کہ مقتدیوں کو پادریوں کیطرح لیکچر سنانے پر کفایت کر لیا کرے۔ اور روزے میں کھانے اور پینے کے روک کو دور کر دیا جاوے۔ اور بجائے اسکے ہلکے قسم کے ناشتے دن کے مختلف اوقات میں کھانیکی اجازت دی جاوے۔ اسیطرح زکوٰۃ کے مبارک اصول کی بیخ کاٹکر علیگڑھ کالج کو چندے دیئے جایا کریں۔ اور بجائے بیت اللہ شریف کے حج کے ایجوکیشنل کانفرنس کے سالیانہ اجلاسوں میں شریک ہونیکو کافی سمجھ لیا جائے۔ اور حج کو ترک کر دیا جائے۔ مسٹر دلاور حسین صاحب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ "اسلام کا زمانہ تو گزر چکا ہے۔ اور اُسکی زندگی کے دن ختم ہو چکے ہیں۔ ہاں اگر اسلامی احکام اور شریعت میں ترمیم اور اصلاح کرنا اب سے ہی شروع کر دیا جائیگا۔ تو ہم پر خود بخود واضح ہو جائیگا۔ کہ واقعی طور پر زمانہ اسلام کی حیات کا بادہ لبریز نہیں ہو چکا" اسلئے سب سے پہلے ہمارا یہ فرض ہے۔ کہ اس بات پر غور کریں۔ اور اُسکی اچھی طرح سے جانچ پرتال کریں۔ کہ ان مجوزہ اصلاحوں اور ترمیموں کا مذہب اسلام پر کیا اثر ہوگا؟ کیا اصلاحوں اور ترمیموں کے بعد جو مذہب قرار پاتا ہے۔ وہ وہی اسلام ہو سکتا ہے۔ جو حضرت سرور کائنات فخر عرب و عجم نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم کیا تھا؟ مسٹر دلاور حسین مکی اور مدنی سورتوں میں ایک فرق تجویز کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ "حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) اپنی مکی زندگی میں جب اللہ تعالےٰ کی توحید اُسکی قدرت وطاقت اور اُسکی محبت کی تعلیم دی۔ تو اسوقت آپکی حیثیت ایک ایسے نبی کی تھی۔ جو تمام اہل جہان کی روحانی اصلاح اور ترقیات کیلئے نازل ہوا تھا۔ لیکن جب آپ نے مدینہ میں شرعی اور قانونی احکام نافذ فرمائے۔ تو اسوقت آپکی حیثیت ایک بادشاہ کی تھی۔ جسکی غرض صرف مدینہ کی شورہ پشت قوموں میں امن قائم رکھنا۔ اور ملک کو بیرونی دشمنوں کے حملوں سے بچائے رکھنا تھی۔ مکی زندگی میں آنحضرت نے ؑ ایسے مذہبی اور اخلاقی علوم کے حقائق و معارف کی تعلیم کی۔ جو ہر جا یکساں ہیں۔ اور جو کبھی بدلانیکے قابل نہیں۔ مدینہ میں جاکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو

ان لوگوں کے جو وہاں موجود تھے ۔ مناسب حال سلوک کرنا پڑا"۔
لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے ۔ کہ آیا اس فرق کی تمیز ہمارے لائق دوست مسٹر دلاور حسین ہی کے ایسے ذہن رسا اور دماغ نکتہ سنج کی تراش ہے ۔ اور خود حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس سے بیخبر اور ناواقف تھے ؟ یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع فیوض و برکات نے انتہا نے خود بھی کسی ایسے فرق کو بیان فرمایا ہے ؟ مسٹر موصوف کی یہ رائے معلوم ہوتی ہے ۔ کہ درحقیقت یہ فرق پہلے موجود تھا ۔ لیکن انکے نزدیک یہ قصور خلفائے راشدین کا ہے ۔ کہ انہوں نے مکی اور مدنی سورتوں کو ملا کر گڑ بڑ مچا دی ۔ بقول مسٹر موصوف قرآنی سورتوں کی یہ اتفاقی ترتیب ہی اس امر کا موجب ہوئی ہے ۔ کہ وہ احکام جو صرف مدینہ طیبہ کے وحشی اور جاہل اور بہائم خصلت ناشائستہ اقوام کے مناسب حال تھے عام ہو گئے (؟) کاش اگر اسوقت رسول کریم صلعم زندہ ہوتے ۔ تو نہ تو خود ہی ایسی حرکت کرتے اور نہ ہی صحابہ کو کرنے دیتے ۔ اور پھر وہ لکھتے ہیں ۔ کہ "خلفائے راشدین کے افعال اور اقوال وہ تعظیم اور تکریم پانیکا حق نہیں رکھتے جو انکے یعنے رسول خدا صلعم کے اپنے افعال اور اقوال پانیکا حق رکھتے ہیں"۔ غرض اب اس سارے مسئلہ کا مدار اسبات پر آن ٹھیرتا ہے ۔ کہ خود رسول کریم صلعم مدنی سورتوں کو (جنمیں وہ قانونی احکام اور شریعت ہیں جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی) مکی سورتوں سے کم رتبہ سمجھتے تھے ۔ یا دونوں قسم کی سورتوں کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام یکساں عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ اگر ہمارے لائق دوست مسٹر دلاور حسن صاحب بیدار مغزی سے کام لیتے تو ایسے امر پر جو سوسایٹی کے مسلم اصول کو تہ و بالا کرنیوالا ہے ۔ لب کشائی کی جراءت کرنیسے پہلے انکا فرض تھا ۔ کہ اس مسئلہ پر ہر ایک نشیب و فراز کے پہلو سے غور کرتے ہمیں تو تعجب آتا ہے کہ مسٹر دلاور حسین جیسے فاضل انسان جو اتنی بڑی اہم قومی اصلاح کا بیڑہ اٹھانیکے لئے ایسی جراءت کرتے ہیں ۔ ایسے نازک مسئلہ پر جسکا اثر قرآن کریم پر پڑتا ہے ۔ بحث کرتے وقت اسقدر جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی سے کام لیتے ہیں ۔ انہوں نے ایسا بعید القیاس پہلو اختیار کیا ہے جسے دیکھکر نہ صرف ہم بلکہ جو شخص قرآن کریم کو پڑھے گا تعجب کریگا جس حی و قدیر خدا نے مکی سورتوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی فرمایا تھا ۔ اُسی عالم الغیب قادر و توانا خدا نے اسی طرح مدنی سورتوں کو وحی کے ذریعہ سے آنحضرت صلعم پر نازل فرمایا ۔ اور سارے قرآن میں ایک حرف بھی ایسا نہیں ملیگا ۔ جس سے کوئی با سمجھ انسان یہ نتیجہ نکال سکے ۔ کہ مدنی سورتوں کے احکام مکی سورتوں کے احکام سے الگ اور نرالے رنگ کے ہیں ۔ اور نہ ہی اسبات کا قطعاً کوئی اشارہ پایا جاتا ہے کہ مدنی احکام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر وحی آلہی کے اپنی طرف سے ہی دیدیئے تھے ۔ غور کی بات ہے ۔ کہ ذیل کی آیۃ شریفہ ایک مدنی صورت میں ہی نازل ہوئی ہے ۔ جس سے یہ امر حتمی طور پر ثابت ہوتا ہے ۔ کہ سارے کا سارا قرآن شریف کیا وہ حصہ جو مکہ میں نازل ہوا تھا ۔ اور کیا وہ جو مدینہ منورہ میں نازل ہوا تھا ۔ بلا کسی تفاوت اور فرق کے اللہ تعالے کی طرف سے یکساں الہام ہے ۔ وہ آیۃ یہ ہے ۔ افلا یتدبرون

(حاشیہ:) ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے درمیان پڑ کر انکی تباہی کا موجب ہوئے ۔

القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافًا کثیرًا ۔ یعنے کیا پھر وہ قرآن کو سوچ اور بچار سے نہیں پڑھتے ہ۔ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا۔ تو انہیں بہت سے اختلاف یقینًا مل جاتے "۔

اب ناظرین خود ہی غور فرماویں۔ کہ جبکہ ایک مدنی سورۃ میں یہ آیۃ موجود ہے جو بلا تفاوت سارے قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر قاطع اور ساطع دلیل ہے۔ تو اسکے مقابل میں مسٹر ولاور حسین صاحب کی یہ باتیں کس وقعت کے قابل ہیں۔ کہ مدنی سورتوں میں جو احکام درج ہیں۔ وہ خدا کی وحی کے بغیر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے صرف اُن وحشی لوگوں پر سیاست اور حکومت کی غرض سے درج کئے ہیں۔ اسکے ماسواء ایک اور مدنی سورۃ میں ذیل کی آیۃ ہے۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین ۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یعنے "جو کچھ ہمنے اپنے بندے (حضرت سرور کائنات) کیطرف نازل کیا ہے۔ اگر اسمیں تمہیں کچھ شک ہے۔ تو تم کوئی ایسی سورۃ لا دکھاؤ۔ اور خدا کے سوا اپنے گواہوں کو طلب کرو۔ اگر تم سچے ہو۔ لیکن اگر تم نکرو۔ اور کسی طرح ویسی سورۃ نہیں لا سکو گے "۔

جہانتک ہم قیاس کر سکتے ہیں اتنی آیات ہی مسٹر دلاور حسن صاحب کو یہ یقین دلانیکے لئے کافی ہونگی۔ کہ انہوں نے ایک غلط پہلو اختیار کیا ہے۔ اور انکو صاف ثابت ہو جائیگا۔ کہ مدنی سورتیں بھی اسی علام الغیوب کی وحی ہے جس نے اپنی کامل قدرت سے مکہ معظمہ میں اپنے پیارے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر غیر متغیر اخلاقی دینی معارف و حقائق کو بذریعہ وحی کے نازل فرمایا تھا۔ یہ بات اس حد تک تو صاف اور کھلی ہے۔ کہ مدنی احکام اور فرائض آنحضرت صلعم نے کسی مصلحت اور ضرورت کیلئے نہیں بنائے تھے۔ بلکہ جو کچھ وہ اللہ تعالے سے پاتے وہی آگے پہونچاتے تھے۔ مسٹر دلاور حسین اگر قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونیکے قائل ہوں۔ تو شاید یہ اعتراض کریں۔ کہ اگرچہ یہ احکام اللہ تعالے ہی کیطرف سے وحی ہوئے تھے لیکن اس سے یہ مراد نہیں تھی۔ کہ ہمیشہ کیلئے یہ احکام دئے گئے ہیں۔ اور تمام جہان پر فرض کئے گئے ہیں بلکہ وہ خاص حالات کے ماتحت خاص خاص اقوام کو دیئے گئے تھے۔ اس صورت میں مدنی احکام کے ساتھ ایسے الفاظ دکھلانیکا بار ثبوت اُنکے ذمے ہے۔ کہ جن سے یہ بات صریح طور پر ظاہر ہو۔ کہ یہ مدنی احکام محدود القوم اور محدود الوقت تھے۔ اور یہ دکھلانا بھی انہیں کا ذمہ ہے۔ کہ مکی سورتوں کے ساتھ ایسے الفاظ نہیں۔ اس بات کو ماننے کے لئے ہم طیار ہیں۔ کہ اگر آنحضرت صلعم صرف عربوں ہی کیلئے رسول بنکر آئے ہوتے تو یہ قوانین اور احکام شاید دوامی ہونے کا دعوی کرنیکے حقدار نہوتے۔ لیکن آپکی ذات مبارک تو رحمۃ للعلمین ہے۔ اور آپ تمام جہان کی ہدایت کے لئے زندہ نبی ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالے فرماتا ہے۔ قل

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا یعنے تُو کہہ کہ اے دنیا کے لوگو میں تم سب کیطرف رسول ہو کر آیا ہوں۔ اسلئے آپکی تمام وحی بالاستقلال آیندہ کے لئے ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے۔ کہ جو شریعت آنحضرت صلعم کو بذریعہ وحی عطا ہوئی ہے۔ وہ آخری شریعت ہے۔ اور کوئی نئی شریعت اسکے بعد نہیں آسکتی۔ اور نہ ہی اسکو منسوخ کر سکتی ہے۔ اسلئے تمام قوانین اور قانونی احکام جو اسمیں درج ہیں۔ خواہ دینی حقائق اور معارف ہوں۔ اور خواہ وہ تمدن و معاشرت کے متعلق ہوں۔ وہ سب مدامی اور مستقل ہیں۔ اور جس شخص کو آنحضرت صلعم کی رسالت پر ایمان ہے۔ وہ ہر وقت ان احکام کو واجب التعمیل مانیگا۔

اسکے علاوہ ایک اور پہلو سے اس مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پردہ۔ کثرت ازدواج طلاق اور وراثت کے احکام دوسرے سینکڑوں دینی احکام اور فرائض سے جدا نہیں ہو سکتے جن کا مجموعہ شریعت اسلامی ہے۔ بلکہ اُن تعلیموں سے بھی الگ نہیں ہو سکتے ہیں جنکا منشاء یہ ہے۔ کہ ہم اپنے نوع جنس پر شفقت اور لطف کریں۔ اور اسطرح خدا کی رضاجوئی کریں۔ اور اسکی حمد اور شکر بجا لائیں۔ اور اسکے لاانتہا رحم اور فضل و کرم کا شکریہ ادا کریں۔ اور مؤخر الذکر تعلیمات وہ تعلیمات ہیں جنہیں مسٹر ولاور حسین خود مانتے ہیں۔ کہ یہ غیر متغیر اور مدامی تعلیم ہے۔ پس اگر مدنی سورتوں کو رد کر دیا جائے۔ تو انکے ساتھ بہت سے ایسے حقایق اور احکام کو رد کرنا پڑیگا۔ جو غیر متبدل اور مدامی ہیں۔ اور جنکی اس تہذیب کے زمانے میں واجب التعمیل ہونے پر خود مسٹر ولاور حسین کو بھی کوئی اعتراض نہیں۔ اور ان تمام صداقتوں کا بیش قیمت خزانہ صرف اُن تین یا چار یا تو انکو دور کرنیکی خاطر رد کرنا پڑے گا جنہیں وہ قبیح اور مضر خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ جن مسائل کو انہوں نے قبیح اور مضر قرار دیا ہے۔ وہ ایسے مسائل ہیں جو صحیح طور پر اعلےٰ درجہ کے علمی اصول اور حقائق پر مبنی ہیں اور جنکو اس زمانہ اور اس ملک میں اُن سے بڑھکر فاضل اور یا کم از کم مساوی درجہ کے آزاد خیال والے لوگوں نے انہیں مسائل کو دنیا کے لئے مفید اور نوع انسان کی بہتری کا باعث قرار دیا ہے الحق مُر مشہور قول ہے۔ مگر سچی بات کا نہ کہنا بھی ایمانداری نہیں۔ مسٹر ولاور حسین کو حقیقی اسلام کی برکتوں کی لذت سے بہرہ نصیب نہیں ہؤا۔ اور نہ اسکے حسن تیان ربا کے کرشموں سے کچھ خبر ہی ملی ہے۔ کاش انہیں اس لذت سے کچھ حصہ نصیب ہوتا۔ اور وہ اس مہر منور کے حسن سے کچھ خبر پاتے تا اس بے خبری اور کوری میں ان احکام پر ایسا فتویٰ صادر نہ کرتے۔ اور اسمیں وہ ایک حد تک معذور بھی ہیں۔ کیونکہ جو حال انکا ہے۔ اسمیں وہ اکیلے ہی مبتلا نہیں۔ بلکہ اس ملک کے بہت دولکا یہی حال ہو رہا ہے۔ پھر ایک اور دلیل اس امر پر کہ شریعت اسلام کے احکام تمام دہر زمانہ کے لئے ہیں۔ یہ ہے کہ اسلام کی برکات دائمی برکات ہیں عیسائیت اور دوسرے مخالف

مذہبوں کی طرح اسلام ایسا مذہب نہیں۔ کہ جسمیں وہ برکات نہ رہی ہوں جنکا اسکے ماننے والوں کو وعدہ دیا گیا تھا۔ بلکہ یہ وہ پاک دین ہے۔ جو سدا بہار سے بھرے باغ کی طرح ہے۔ کہ جسکی سرسبزی میں کبھی فرق آتا ہی نہیں۔ اور جسمیں ثمرات کبھی ختم ہوتے ہی نہیں۔ اب بھی ایک مومن مسلمان قرآن کریم پر عمل کرنے سے انہیں برکتوں کا وارث ہو جاتا ہے جنکا اس پاک کتاب میں وعدہ درج ہے۔ ایک انسان پرست عیسائی یہ کہیگا۔ کہ پہاڑوں کو جگہ سے ٹلانے اور زہر ہلاہل کو کھا جانے۔ اور اس سے کچھ نقصان نہ پانیکی خرق العادت طاقت جو مومنوں کے لئے انجیل میں وعدہ دیگئی ہے۔ اسکا خاتمہ صرف مسیح کی حواریوں ہو چکا۔ لیکن ہم مسلمانوں کا خدا کے فضل سے آجتک یہ دعویٰ ہے۔ کہ خدا کے کلام پر صدق دل سے عمل کرنیکی برکت سے دعا کی قبولیت اور خدا سے مکالمہ کا شرف ہر وقت حاصل ہو سکتا ہے۔

پس جب اسلام کی برکتیں کبھی ختم نہ ہونگی۔ تو اسکے احکام بھی کبھی بیکار نہ ہونگے۔ اگر ایک شخص ان برکات کو حاصل کرنے سے محروم ہے۔ یا ان احکام شریعت کو ہمیشہ کے لئے قابل عمل نہیں سمجھتا۔ تو یہ اُسکے فہم کا قصور ہے۔

؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

اب دیکھنا یہ امر ہے۔ کہ ان مدنی احکام کو قرآن کریم کس طرح پیش کرتا ہے ؟

آیۃ شریفہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ایک مدنی سورۃ میں وارد ہے۔ اس آیۃ میں اللہ تعالے فرماتا ہے۔ کہ آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا ہے۔ اور اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کر دیا ہے۔ جس سورۃ میں یہ آیۃ ہے۔ یہ وہ سورۃ مبارکہ ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے آخر حصہ زندگی میں مدینہ میں نازل ہوئی۔ اسسے صاف ظاہر ہے۔ کہ دین اسلام کی تکمیل اور اتمام نعمت جنکی طرف اس آیۃ کا اشارہ ہے۔ وہ مدنی احکام کے بغیر کیسے ہو سکتی ہے ؟ اگر مدنی اور مکی سورتوں میں اسی قسم کا فرق ہوتا جو مسٹر ولاوحسین صاحب بیان کرتے ہیں۔ تو تکمیل دین اور اتمام نعمت کے متعلق اس مضمون کی آیۃ مکی سورتوں کا تتمہ ہونا چاہئے تھی۔ نہ کہ مدنی سورتوں کا۔ لیکن یہاں تو مدنی حصہ قرآن کو شامل کرکے ایک سورۃ میں یہ تمامی اور اتمامی کلام نازل ہوا ہے۔ اور ماسوا اس کے اس آیۃ شریفہ میں کنایۃ یا صراحت سے کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے مکی اور مدنی سورتوں کے درمیان کوئی فرق یا امتیاز ظاہر ہو سکے۔ یہ آیۃ مکی اور مدنی سورتوں پر مساوی طور پر حاوی ہے نہ تو خود قرآن کریم نے ہی مانا ہے۔ کہ مکی سورتیں ہی اتمام اور تکمیل دین کے لئے بس ہیں۔ اور نہ ہی دین اسلام مدنی سورتوں کے بغیر اتم اور اکمل ہو سکتا ہے۔ پس ظاہر ہے۔ کہ دین اسلام کے لئے مکی سورتوں کی طرح مدنی سورتیں بھی نہایت ضروری اور جزو لاینفک ہیں۔ ورنہ انکے بغیر اسلام ناقص اور غیر مکمل رہتا ہے۔ اور اسکا دعویٰ اتمام اور تکمیل عبث ٹھہرتا ہے۔ اب رہا سورتوں کی ترتیب کا معاملہ

سو چونکہ یہ ایک علیحدہ مضمون ہے۔ اسلئے ہم کسی وقت اسپر علیحدہ بحث کرینگے۔ سردست اسجگہ ہم ناظرین کو اسبات سے آگاہ کر دینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ یہ بات سچی نہیں ہے۔ کہ قرآنی سورتوں کی ترتیب محض اتفاقی واقعہ ہوئی ہے۔ اور نہ یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ترتیب کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ بلکہ صرف خلفائے راشدین نے اپنی مرضی سے جس طرح چاہا سورتوں کو ترتیب دے لیا۔ خود قرآن کریم تو یہ دعوےٰ کرتا ہے۔ کہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون اس وعدہ میں اللہ تعالے نے صاف فرمایا ہے۔ کہ ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا۔ اور ہم خود ہی اسکے نگاہبان ہونگے۔ اب جو شخص خدا کی ہستی اور اسکے اوصاف پر ایمان رکھتا ہے۔ خوب سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس قرآن کے متعلق انسانی ہاتھوں سے کسی طرح کی دستکاری کو۔ کیا بلحاظ اسکی ترتیب وغیرہ کے دخل پانا ممکن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدائی وعدہ انسانی دستکاری کا مانع ہے۔ اور یہ صحیح یقینی اور ثابت شدہ واقعہ ہے۔ کہ خداوند ذوالجلال والاکرام نے قرآن کریم کو انسان کے ہاتھوں سے ہر طرح محفوظ رکھا ہے۔ اور کسی کو جراءت نہیں ہوئی۔ کہ ایک نقطہ یا شوشہ تک قرآن کریم میں تحریف کر سکے۔ آج صفحہ دنیا پر ایک ہی پاک اور بے عیب کتاب قرآن کریم ہی ہے۔ جو تمام سماوی کتابوں کے میدان میں خم ٹھوک کر باآواز بلند کہنے کا حق رکھتا ہے۔ کہ ان سب میں سے صرف میں ہی ہوں جس کو ہر طرح خدا محفوظ رکھتا ہے۔ اور جس میں کوئی انسان کسی طرح کا تصرف نہیں کر سکتا۔ اور نہ کر ہی سکتا ہے۔ اور اس وقت تک وہی قرآن محفوظ ہوں۔ جو فخر کائنات محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہؤا تھا۔ اسجگہ پر اس مضمون پر ہم بہ تفصیل بحث نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ خود ایک مستقل مضمون ہے۔ ہم انشاء اللہ تعالے مسٹر ولا ور حسین کے جوابی مضامین کے سلسلہ میں ہی الگ مضمون میں اس پر مفصل بحث کرینگے۔ کیونکہ یہ خیالات مسٹر دلاور حسین ہی کے نہیں۔ بلکہ عیسائی۔ پادری بھی نادانی سے بعض وقت یہ اعتراض پیش کیا کرتے ہیں۔

ہمیں یہ بات دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے۔ کہ مسٹر دلاور حسین نے ان مسائل پر ٹھنڈے دل سے بحث نہیں کی۔ مغربی تہذیب کی مدح سرائی اور ہر ایک اسلامی مسئلہ کی تخفیف کرتے ہیں۔ اپنے کلام میں علمی یا تواریخی طرز تنقید اختیار نہیں کرتے۔ بلکہ جن امور کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ان پر رنگ چڑھانے کے لئے ہر ایک قسم کے خیالات پیش کرتے ہیں۔ خواہ وہ کیسے ہی بیہودہ ہوں اور کمزور کیوں نہ ہوں۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ پردہ کی رسم اسلامی قوموں کی ترقی

کے لئے سد راہ ہوئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ مجھے نہایت افسوس سے اس امر کا اظہار کرنا
پڑتا ہے۔ کہ تاریخ عرب کے مطالعہ سے میں مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ تہذیب کے زمانہ میں مسلمانوں کی
عورتوں کی حالت بہت پستی میں گر گئی اور عرب کے صحرانشینوں میں جو عورتوں کی حمایت کی سچی روح پائی جاتی تھی۔
جس کی وجہ سے زمانہ جاہلیت کی نظم ہمارے دلونکو فریفتہ کرتی ہے۔ وہ بتدریج مردہ ہوگئی
اور اس کی بجائے گھروں میں لونڈیاں رکھنا رواج پا گیا۔ اور لونڈیوں کی تجارت ایک
مستقل صورت اختیار کر گئی۔ اور میدان کارزار میں جو مدد عورتیں دیا کرتی تھیں۔
اس کی رسم بھی بالکل جاتی رہی۔ اس بیان کی تائید میں وہ کوئی دلیل پیش نہیں
کرتے۔ انکے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یا تو انہوں نے تاریخ عرب پڑھی ہی نہیں
اور یا انکی منشا ہے۔ کہ مسلمان پھر اسی ذلت اور جہالت اور وحشت کے قعر میں غرق ہوں
جس میں ایام جاہلیت کے عرب غرق تھے۔ وہ جاہلیت کا زمانہ جس کی طرف وہ اشارہ
کرتے ہیں۔ وہ تو ایسا زمانہ تھا۔ جب عورت ایک نہایت ہی ذلیل حالت میں تھی۔
وہ خاوند کی جائیداد شمار ہوتی تھی۔ اور باپ کے ترکہ کے تقسیم میں بیٹے کو ورثہ میں
ملتی تھی۔ اور معصوم لڑکی پیدا ہوتے ہی ہلاک کیجاتی تھی۔ اور مرد بلا تعداد اور
بلا قید عورتوں کو گھروں میں رکھا کرتے تھے۔ اور فسق و فجور حد سے بڑھا ہوا تھا۔ ابنائے
وشت کی روح حمایت کو بھی تبھی پا سکتے ہیں۔ کہ یہ زمانہ واپس آ جاوے۔
کیا پردہ کی رسم کو دور کرنے کی خوشی حاصل کرنے کے لئے مسٹر دلاور حسین
صاحب اُن تمام بدکاریوں اور بدرسموں کو جنکو اسلام جڑ سے اکھاڑ چکا ہے۔
از سر نو رواج دینگے۔ کیا یہی وہ طرز اصلاح ہے جس کو اسلامی سوسائٹی میں
رواج دینے کے وہ درپے ہو رہے ہیں؟ کیا پردہ ایسی بُری چیز ہے۔ کہ ایام جہالت
کے عرب کی وہ ساری سیاہ کاریاں بھی اس سے کم درجہ پر ہیں۔ اور انکے مقابل میں
پردہ زیادہ نقصان رساں ہے۔ کیا کوئی عقلمند انسان باور کر سکتا ہے۔ کہ یہ باتیں صحیح ہیں؟
کیا یہی وہ نیا اسلام ہے جسکی طرف ایسے صاحبان ہمیں لیجانا چاہتے ہیں؟ اسلام کے دشمن
بھی اس بات کے معترف ہیں۔ کہ اسلام نے دنیا میں عورت کی منزلت کو بڑھا دیا ہے۔ اور اسے
بہت سے ضروری حقوق سے متمتع کیا ہے جن پر آج وہ ناز کر سکتی ہے۔ یعنی اسے حق بخشتا ہے۔ کہ وہ
علم حاصل کرے۔ اسے حق دیا ہے۔ کہ وہ خاوند سے علحدہ اپنی جائیداد کی وارث ہو اور اسپر قابض ہو
لیکن مسٹر دلاور حسین ہر ایک اسلامی بات کو تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ
اسلام نے عورتوں کی حالت زمانہ جاہلیت سے بھی بہت نیچے گرا دی ہے۔ حالانکہ اسوقت گو وہ پردہ میں

نہ ہوں مگر یہاں تک وہ انسانیت سے خارج سمجھا گیا تھا کہ لڑکی کو مار ڈالنا اچھا کام سمجھا جاتا تھا۔

علاوہ اس کے مذکورہ بالا فقرہ میں بعض نہایت ظالمانہ غلط بیانیاں کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ بیان کیا گیا ہے کہ لونڈیوں کے گھروں میں رکھنے کے اسلام نے ہی بنیاد ڈالی۔ اور اسلام نے ہی غلامی کی تجارت کو رواج دیا۔ حالانکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں عربی سوسائٹی میں زمانۂ جاہلیت میں مروج اور موجود تھیں۔ اور نہایت بدترین حالت میں موجود تھیں اسلام نے جو کیا وہ صرف یہ تھا کہ ان ہر دو امور میں عمدہ سے عمدہ اصلاح جو ممکن تھی۔ کر دکھائی۔ نہ ہی صراحت یا کنایتہ سے اسلام نے عورتوں کا جنگو نہیں جا کر مدد دینا مسدود کیا۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمان سعادت اوان میں مسلمان خواتین معرکہ ہائے کارزار میں پہنچ کر امداد کرتی تھیں۔ اور یہ دستور نہ صرف اس وقت تک ہی جاری رہا جب تک کہ پردہ کا حکم صادر نہوا بلکہ پردہ کے حکم والی آیات نازل ہو جانے کے بعد بھی برابر مسلمان عورتیں اسی طرح میدانوں میں مدد کے لئے آتیں اور مدد دیتیں۔ اصل بات یہ ہے کہ رسم پردہ پر جو اسلام کے دشمن اور دوست اعتراضات کرتے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے اصلی اور حقیقی اسلامی پردہ اسی کو سمجھ رکھا ہے جو موجودہ بگڑی ہوئی صورت میں عام طور پر مسلمانوں کے رواجوں میں پایا جاتا ہے۔ معترض یہ نہیں دیکھتے کہ اسلام نے کہاں تک پردہ کو ضروری قرار دیا ہے اور آیا وہ انسانوں کی اصلاح کے لئے ضروری تھا کہ نہیں اور ضروری ہے کہ نہیں۔

جس نہج سے مسٹر دلاور حسین عربی علم ادب کی تعلیم کو فضول اور نکما سمجھتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نکتہ چینی منصفانہ طور پر نہیں۔ ان کی رائے میں عربی تعلیم مسلمان سوسائٹی کی ترقی کی کے لئے نہایت مضر ہے۔ وہ قرار دیتے ہیں کہ عربی علم ادب سے تحقیقات کی روح پیدا نہیں ہوتی۔ اگر عربی علم ادب کا سیکھنا واقعہ میں ایسا ہی بے ثمر تھا اور اسی قسم کی سریع الاعتقادی اور سادہ لوحی اور باطل پرستی سکھلانے والا ہی تھا جیسا وہ اسے بیان کرتے ہیں تو کیونکر عربی ہی کی تعلیم سے مسلمان تہذیب کے معراج پر پہنچ گئے تھے۔ اور کس طرح وہ دوسرے ملکوں میں چراغ علم کے روشن کرنے کا موجب ہوئے۔ اور علم ریاضی و نجوم و تواریخ و جغرافیہ وغیرہ علوم میں تمام جہان کے استاد بن گئے؟ کیا پھر یہ بات کہ عربی تعلیم سے مادہ تحقیقات پیدا نہیں ہوتا صحیح اور منصفانہ ہے؟ اب ناظرین اس عجیب طریق کو بھی ملاحظہ فرمائیں جس سے صاحب موصوف اپنے اس بیان کی تائید کرتے ہیں "کیا پڑھنے والے اس بات کی امید کرتے ہیں کہ ابن حجر کی کتاب غبطۃ النظر پڑھنے سے تحقیقات کا مادہ پیدا ہوگا" یہ کتاب حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی سوانح عمری ہے۔ اور مسٹر دلاور حسین صاحب کو اس کے مطالعہ کرنے پر اس لئے اعتراض ہے کہ اس میں حضرت شیخ مرحوم علیہ السلام کی بعض کرامات کا ذکر ہے۔ مثلاً اس میں لکھا ہے کہ آپ نے دریائے دجلہ کو طغیانی سے روک دیا۔ اور کہیں بارش ہونے سے منع کر دی۔ اور آسمان تک سیدھا اڑ گئے اور والدہ کی موت کا وقت بتا دیا۔

اور شیر خواری کی حالت میں رمضان میں والدہ کا دودھ پینا چھوڑ دیا وغیرہ وغیرہ۔ ان کرامات کو بیان کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ "کیا ان لغو اور باطل کہانیوں کے پھیلانے سے تحقیقات کی عادت کو ترغیب ملنے کی کوئی امید ہوسکتی ہے؟ یا تم امید نہیں کرتے کہ ایسی شرمناک جھوٹی کہانیوں کی اشاعت جو پادریوں اور پروہتوں نے محض بے حیائی سے ایجاد کی ہوئی ہیں تدبیر اور تحقیق کے مادہ کا گلا گھونٹ دیگی؛ عربی تعلیم ہمیں ایسے جھوٹے اور غیر ممکن قصے اور کہانیاں سکھلائیگی۔ اور ہمیں سریع الاعتقادی میں ڈوبے رکھیگی۔ جو جہالت میں گرنے کی ایک اور راہ ہے"۔ مسٹر دلاور حسن کی منطقی نکتہ سنجی اور باریک بینی کی پوری تعظیم کرکے ہم ان سے ہی بہ ادب پوچھتے ہیں کہ کیا انکے نزدیک استدلال کرنے کا یہی صحیح طریق ہے؛ تمام قدیم اور جدید اور دینی اور دنیاوی عربی لٹریچر کو صرف اسی ایک بات کے قصور میں ملزم ٹھیراتے ہیں کہ اس میں ایک ایسی کتاب لکھی ہوئی ہے جس میں ایک ولی اللہ کی بعض ایسی کرامات درج ہیں جنہیں وہ نہیں مان سکتے۔ کیا یہ کتاب غنیۃ الطالبین جس سے ان کا غصہ اس قدر بھڑکا ہے ایک ہی کتاب اس زبان میں ہے یا کیا یہی سب سے بہتر کتاب مسلم ہوچکی ہے یا کیا یہی کتاب عربی زباندانی کے لئے بطور معیار کے ہے؟ کیا انگریزی زبان میں سنٹوں کی سوانح عمری میں ان سے ہزارہا درجے بڑھ کر بیہودہ کہانیاں پائی نہیں جاتیں؟ کیا مسٹر دلاور حسین نے انہیں کبھی نہیں دیکھا؟ یا کیا اسی بنا پر انگریزی زبان کی تعلیم کی مخالفت کرنے کے لئے بھی وہ اسی طرح طیار ہیں؟ اس زمانے میں جو کہ ہر شاخ علم میں لغات کا زمانہ ہے انہیں ایسی کتابوں کے تلاش کرنے کی تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ ہم انہیں ایک آسان راہ بتاتے ہیں کہ وہ صرف **ڈکشنری آف میریکلز** یعنے فرہنگ کرامات کا مطالعہ فرمائیں اور دیکھیں کہ انگریزی زبان میں کیسی بیہودہ کہانیاں درج ہیں جن کے سامنے بیہودگی خود نادم ہوتی ہے *

انگریزی علم ادب بھی ان عیوب اور نقائص سے پاک نہیں جو ہم نہیں عربی لٹریچر میں نظر آتے ہیں۔ اگر ان کا یہ خیال ہو کہ ایسے قصے آجکل انگریزی میں پڑھے نہیں جاتے اور اس لئے ان کا انگریزی زباندانی پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ تو یہی بات ہم غنیۃ الطالبین کے متعلق بھی کہہ سکتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر دلاور حسین اس بات سے ناواقف ہیں کہ اس زمانے میں عربی نے کس قدر بڑی ترقی کی ہے۔ اور تمام علمی تحقیقاتوں اور جدید معلومات کا مخزن اور مرجع ہوگئی ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں جو معلومات پائی جاسکتی ہیں وہ سب عربی زبان میں مل سکتی ہیں۔ ہم خیال کرتے ہیں۔ کہ مسٹر دلاور حسین کو ہمارے ساتھ اس بات میں اتفاق ہوگا کہ انگریزی زبان میں بائیبل ایک اعلےٰ درجہ کی زباندانی کی کتاب مانی گئی ہے اور اسے پڑھے بغیر انگریزی زبان کی تعلیم ہی ناقص سمجھی جاتی ہے *

اب اس بائیبل میں کیا ہے؟ یہ تو اسی قسم کی کہانیوں اور قصوں سے بھری ہوئی ہے جن کو خود مسٹر دلاور حسین جیسے فاضل اور منطقی انسان جھوٹے اور لغو قصے بیان کرتے

ہیں جو اُن کے خیال میں پادریوں اور پروہتوں وغیرہ نے محض بیحیائی سے ایجاد کئے ہوئے ہیں
ان لوگوں کی نظروں میں یہ ایسے لغو قصے ہیں جن کے مقابلہ میں غنیتہ النظر کی حکایات ہزاروں
درجے کم لغو نظر آتی ہیں۔ اور جو بقول مسٹر دلاور حسین قوم کو سخت ضعیف الاعتقادی اور
باطل پرستی کے گڑھے میں غرق رکھتی ہیں اُنہیں کی کلام ٥ اُنہیں پر اُلٹا کر معارضہ کرنیوالے
کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اُن کی خدمتمیں یہ عرض کرے کہ "انگریزی زبان کی تعلیم خواہ کتنی وسیع اور
عمیق کی جاوے تو بھی اُس سے تفکر اور تحقیقات کی روح پیدا نہیں ہوسکیگی۔ کیا کوئی پڑھنے والا
امید کرسکتا ہے۔ کہ بائیبل جیسی کتاب کے پڑھنے سے تفحص اور تحقیقات کے مادے کو تحریک پیدا
ہوسکیگی؟ اس کتاب میں لکھا ہے کہ ایک عورت کے ہاں خدا پیدا ہوا۔ اور اُس بچے کو لوگ ہزاروں کوسوں سے
چل کر یروشلم میں دیکھنے آئے۔ اور اُنکے آگے آگے ایک ستارہ چل رہا تھا جو اُس جگہ پر آکر ٹھیر گیا جہاں وہ بچہ تھا
یہ بھی اُسی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ آدمی جس کا نام یسوع تھا سمندروں پر چلتا اور دیوں کو نکالتا تھا۔ اور چھوٹے
ہر قسم کی بیماریوں کو چنگا کرتا تھا۔ اور کئی دنوں کے مردونکو قبروں میں سے زندہ کر کے نکالتا تھا۔ اُس نے کئی ہزار
آدمیوں کو ایک ہی روٹی سے سیر کردیا۔ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ موسےٰ اور ایلیا جو کئی صدیوں سے گذر چکے تھے اُس کو
ایک پہاڑ پر ملے تھے۔ اور خود مرنے کے تین روز بعد وہ قبر سے جی اُٹھا۔ اور آسمان پر چڑھ گیا۔ اور اُسکے
مرنے پر صدیوں کے مردہ لوگ پھر زندہ ہو کر شہر یروشلم میں چلے گئے۔ یہ بھی اسی کتاب میں لکھا ہے کہ یسوع نے
اپنے شاگردونکو مردہ زندہ کرنے اور دیو نکالنے اور اندھونکو اچھا کرنے اور سانپوں پر پاؤں رکھ کر چلنے اور زہر نگلنے
اور پہاڑ ٹلانیکی طاقت بخشی۔ کیا آپ امید کرسکتے ہیں۔ کہ ایسے غلط اور بیہودہ قصوں کا پھیلنا عادت تحقیق کو
تحریک کریگا؟ یا کیا آپ کو امید ہوسکتی ہے کہ ایسے قصوں کی اشاعت سے جو مذہبی لوگوں اور پادریوں نے بیحیائی اور
شوخ چشمی سے ایجاد کئے ہوئے ہیں قوۃ تدبر اور تحقیق دب کر مُردہ نہیں ہو جائیگی؟ انگریزی
تعلیم ہمیں اسی قسم کے باطل اور ناممکن قصے سکھائیگی اور ہمیں ضعیف الاعتقادی کے ورطہ
میں غرق رکھیگی جو جہالت میں گرنے کی ایک اور راہ ہے"۔ ہماری یہ غرض نہیں کہ اس جگہ اس بات
پر بحث کریں کہ فلاں معجزہ ممکن الوقوع ہے۔ اور فلاں معجزہ کو ہم نہیں مانتے۔ ہم صرف مسٹر
دلاور حسین صاحب کو دکھانا چاہتے ہیں کہ اُن کے دلائل عربی تعلیم کے برخلاف بالکل بیہودہ اور
ضعیف ہیں۔ ہم نے اوپر اُن کی عبارت کو حرف بحرف نقل کیا ہے سوائے اس کے کہ عربی کے بجائے
انگریزی اور غنیتہ النظر کی بجائے بائبل اور شیخ عبدالقادر کی کرامات کی بجائے یسوع مسیح کی کرامات لکھ دی ہیں۔
ناظرین اب خود ہی قیاس کرسکتے ہیں کہ مسٹر دلاور حسین نے کس نیت اور کس منشاء سے اپنا مضمون لکھا۔
اُنہوں نے اس نہایت ضروری مسئلہ پر کیسی جلدی اور بلا تحقیق بحث کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے مسلمان بھائی جو
قومی ترقی میں ناموری پانے کی آرزو رکھتے ہیں وہ ان ضروری سوالات پر جنہیں وہ خود حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں گہری نظر

سے توجہ فرمائیں۔ اور علمی اصول پر تحقیق کو اختیار کریں۔ اگر اُن کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانوں میں تحقیقات کی روح پھونکیں تو اُن کا پہلا فرض ہے کہ وہ خود اس راہ کو اختیار کریں۔ اور پبلک پر ثابت کریں کہ وہ یوروپین تہذیب کے ایسے دلدادہ نہیں کہ صرف اُس کی حمایت کے لئے نہ حق جوئی اور تحقیق کی راہ سے دین اسلام کے اصول پر عیب لگاتے ہیں۔ اُنہیں چاہئے کہ جو مسائل اُن کے دلوں میں کھٹک رہے ہیں۔ اُن پر نہایت متانت اور انصاف سے بحث کریں۔ اور نہایت مطمئن اور ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ جب تک کہ کسی امر کی تائید میں یا اُس کے برخلاف مضبوط اور قطعی دلائل نہ مل جائیں اُس وقت تک کسی بات پر عیب نہ لگائیں اور نہ ہی کسی بات کی مدح سرائی کریں۔ اگر یورپ کے لوگوں میں فے الواقعہ کوئی اچھی باتیں ہیں تو ہمیں سب سے پہلے اُنہیں اختیار کرنا چاہئے۔ اور اگر اُن میں کچھ نقصان دہ امور ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ اُنہیں بُرا کہنے اور ترک کرنے میں تامل نہ کریں +

ہم نے اس مضمون کے شروع شروع میں ہی اپنی پوزیشن کا بیان کر دینا ضروری سمجھا اور اور یہ ظاہر کر دینا لازمی خیال کیا کہ ہمارا عقیدہ کیا ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ مسائل کو حکیمانہ طور پر تحقیق کرنے کے وقت اعتقادات کو الگ رکھ دینا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ہمارا مخاطب ہمارا ہم عقیدہ نہ ہو۔ لیکن افسوس ہے تو اس بات کا ہے۔ کہ مسٹر دلاور حسین نے بھی جوش میں آکر محض اپنے ہی اعتقادات ظاہر کر دیئے۔ اور حکیمانہ طرز بحث اختیار نہ کی۔ انہوں نے یوروپین اور اسلامی سوسایٹی کو مقابل میں رکھ کر ان رواجوں کو چن لیا ہے۔ جن کا وجود اسلامی سوسایٹی میں ہے اور دوسری سوسایٹی میں نہیں اور پھر وہ فی الفور اس نتیجہ پر آگئے کہ اسلامی سوسائٹی کے تخریب کا باعث ان امور کا وجود اور یوروپین تہذیب کا سبب ان کا نہ ہونا ہے۔

اب اگر یہی طریق درست ہے تو پھر ان کو مناسب تھا کہ وہ یوروپین اور اسلامی سوسایٹی کا پورا مقابلہ کرکے اور ایسے خط وخال بھی دیکھتے جو ایک میں موجود ہیں اور دوسرے میں نہیں۔ اور چونکہ یورپ اس وقت کمال تہذیب پر پہونچ چکا ہے۔ اس لئے اس کے ایک خط وخال کو قبول کرلیں۔ مثلاً یوروپین تمدن کے ماتحت ایک عورت بالغ منکوحہ کو کامل آزادی ہے کہ وہ جہاں چاہے جاوے۔ وہ خاوند بیشک بہت ہی نالایق اور حاسد خاوند ہے اور اس میں بدبختی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے جو اس بات کی ٹوہ میں لگا ہوا ہے کہ اس کی عورت باہر جاکر کس کو ملی کس کے مکان میں گئی۔ شریف اور عقلمند خاوند وہ ہے کہ جو اس بات کی پرسش نہ کرے اور ایسا ہی جب ڈاک والہ چٹھیاں لاوے تو ان خطوط کو ہاتھ تک بھی نہ لگائے جو ان کی بیگم صاحبہ کے نام آئی ہیں ممکن ہے کہ ان خطوط میں سے کسی خط کا راقم ان کی بیوی صاحبہ کے حسن خداداد کا سچا مداح ہو اور ایسے خط

کو پڑھ کر خاوند صاحب میں وہ نالائق اور ردی جذبہ جوش زن ہو جاوے جسکا نام حسد اور رقابت ہے آخر حسن خدا ہی کا عطیہ ہے۔ خاوند کا پیدا کردہ نہیں اور اگر کوئی اس کی تعریف کرتا ہے۔ تو محض خدا کی تعریف کر رہا ہے۔ کیوں ہم اپنی رقیبانہ مزاج سے خدا کی اس تجید و تحمید کو جو وہ کر رہا ہے روکیں۔

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند۔ تمدن انسانی میل جول کو چاہتا ہے اور ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے کی خوشی اور راحت کو بڑھائے۔ تجربہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورت اور مرد کا ایک جلسہ میں جمع ہونا اور ان کا شریک ہو کر کوئی کام کرنا بہت ہی خوشی اور سرور کا موجب ہوتا ہے تو پھر اگر کوئی حسینہ جمیلہ عورت کسی کے نکاح میں اتفاق حسنہ سے آگئی کہ جس کو دیکھ کر ہر ایک انسان کی روح میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ تو کیوں ایک حاسد مزاج خاوند ایسے غزال رعنا کو پردہ کے پنجے میں بند کر کے خلق خدا کو سچی راحت سے روک رہا ہے وہ انسانی سوسائیٹی کا دشمن ہے اور انسانی راحت کو گھٹا رہا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی عورت کو کم از کم ایسے لوگوں میں لیجاوے جو اس کو دیکھکر خوش ہوں جو اس کے حسن کی اور اسکے لباس کی تعریف کریں جس لباس نے اس کے حسن کو بڑھا دیا اور وہ تعریف کرنے کی اجازت دے۔ اور ایسی تعریف سے خوش ہو۔ اور اس موقعہ پر ان لوگوں کا شکریہ بھی ادا کرے کہ جن حسن پرستوں نے آپکی بیوی صاحبہ کی تعریف کی تھی۔ اس سے بڑھکر ایک انسان کے لئے سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ کسی کی راحت کا موجب ہو سکے۔ مثلاً اگر بال میں جاکر کسی کی خوبصورت بیوی کسی غیر کے ساتھ ناچ کر دیکھنے والوں کو اور خاصکر ناچنے والے کے جذبات کو طمانینت دے رہی ہو تو یہ ایک خدمت انسانی ہے یہ ناچنے والا کا تھوڑا احسان ہے کہ اس نے اس مرد کی بیوی کو سینکڑوں موجود بیویوں میں سے انتخاب کر کے خاوند کو عزت دی۔

میں سٹر ولادر حسین سے پوچھتا ہوں کہ آخر اس تمام تہذیب کی غایت کیا ہے جس کا اسقدر رونا ہے۔ جب تک اس کی علت وغایت ہم قایم نہ کریں تب تک اس کے نہ ہونے کا رنج نہیں اور اس کے ہونے کی خوشی نہیں۔ آخر اس تہذیب کا آل کیا ہے وہ میرے ساتھ یہ کہنے میں متفق ہوں گے کہ دولت روپیہ پیسہ اس کا مآل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بھی ذریعہ اس غایت کے حصول کا ہیں۔ تہذیب کی نہایت عقلائے روزگار کے نزدیک یہ ہے کہ انسانی محنت و تکلیف کم ہو اور اس کی فلاحت و راحت زیادہ ہو۔ وہ کم سے کم محنت کر کے زیادہ سے زیادہ راحت حاصل کر سکے۔ یورپین تہذیب جو مسٹر ولادر حسین کا معراج ہے اس نے بیشک محنت کو دن بدن کم کر کے زیادہ سے زیادہ معاوضہ حاصل کر لیا ہے اور اس معاوضہ کو روپیہ کی شکل میں بدلکر روپیہ کے ذریعہ تمام راحتوں کے سامان بہم پہونچائے ہیں اور بڑی سے بڑی راحتوں میں جو ہمارے یورپین دوست مہیا کرتے ہیں اس کی ایک شکل اوپر

ذکر کر دی گئی ہے۔ اور یہ ایک ایسا یورپین سوسایٹی کا فیچر ہے جو اسلامی سوسایٹی میں مطلق نہیں۔ جب مسٹر دلاور حسین کا طریق تحقیق بھی ہے کہ اس نے دو سوسایٹیوں کے مقابلہ پر جو یورپین سوسائٹی میں بالامتیاز دیکھا اس کو وجہ تہذیب ٹھہرا دیا تو اس لئے مجھے مذکورہ بالا سطور لکھنے کی ضرورت پیدا ہوئی۔ والا میرے نزدیک تو یہ ایک جملہ معترضہ ہے جس سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ کسی قوم کے تنزل یا ترقی کے اسباب دریافت کرنے کا وہ طریق نہیں جو مسٹر دلاور حسین نے اختیار کیا ہے وہ اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ اسلام نے شروع میں فوق العادت ترقی کی۔ اسلام نے ہی اول اول یورپ میں علم وفضل کی روشنی پھیلائی اور یورپ کو قعر جہالت سے نکالکر ترقی کی صراط مستقیم دکھلائی۔ جس قدر سرعت کے ساتھ اسلام نے تہذیب کے منازل طے کئے وہ اپنے اندر ایک اعجاز کا رنگ رکھتے ہیں یورپ کو جو کمال حاصل کرنے میں اسی سو برس سے زیادہ عرصہ خرچ کرنا پڑا اور لاکھوں جانیں تلف کرنی پڑیں وہ اسلام نے نصف صدی سے کم عرصہ میں بلاخون کے ضایع ہونے کے حاصل کر دکھایا۔ اس کے ماسوا ہر ایک واقف تاریخ تہذیب کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ یورپ چودھویں صدی تک خطرناک جہالت میں گرفتار تھا۔ اس کی اقوام میں ایسے تعصبات اور نقص موجود تھے کہ ان کی نظیر اس وقت بھی اسلام کی موجودہ پست حالت میں نہیں۔ جیسے روم ایک دن میں روم نہیں بنا تھا۔ اسیطرح فرنگستان نے بھی بہت ہی آہستگی کے ساتھ ترقی کی۔ پندرھویں صدی میں ظلمت جہالت اور روشنی علم کا جنگ شروع ہوا اور بہت آہستگی اور مشکلات کے ساتھ آخر کار روشنی علوم نے فتح پاکر یورپ کے سر پر موجودہ تہذیب کا تاج پہنایا۔ اب اگر اسلامی سوسایٹی میں آج ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو اسلام کے عروج کے وقت بھی موجود تھیں بلکہ قبل از عروج سے لیکر ایام عروج میں بھی موجود تھیں۔ تو انہیں تنزل اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح اگر بعض ایسی باتیں جو اس وقت یورپ میں نہیں پائی جاتیں وہ یورپین ایام جہالت میں بھی یورپین سوسایٹی میں نہیں پائی جاتی تھیں تو پھر ان کے وجود یا عدم کو یورپین تہذیب سے کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا۔ مثلاً مسٹر دلاور حسین نے یورپین اور اسلامی تنزل کے اسباب۔ یورپ میں پردہ۔ کثیر الازدواجی طلاق۔ غلامی وغیرہ وغیرہ امور کا نہ ہونا اور اسلامی اقوام میں ان امور کا ہونا بیان کی ہیں۔ لیکن میں ان سے بادب پوچھتا ہوں کہ یہ باتیں تو ابتداً کبھی یورپ میں نہ تھیں۔ پھر کیوں یورپ مدت العمر تک جہالت میں ڈوبا رہا اور تہذیب کے ادنے درجے تک باہر نہ نکل سکا اور بالمقابل اگر ان امور کا وجود ہی اسلام کے لئے باعث تخریب ہوا تو پھر یہ امور تو اس وقت تسلیم کئے گئے تھے جب اسلام ابھی ابتدائی حالت میں تھا پھر ان کی موجودگی میں بھی اسلام نے معجزنما ترقی کی۔ معترض کی پوزیشن بیشک مضبوط ہو جاتی اگر وہ دکھلا سکتے کہ یورپ میں ابتداً کثیر الازدواجی پردہ۔ طلاق وغیرہ باتیں بکثرت تھیں۔ اور

اسلام میں بالکل نہ تھیں۔ اس لئے یورپ مدت العمر تک تہذیب سے دور رہا اور اسلام فوق العادت ترقی تہذیب میں کرتا رہا۔ لیکن جب مسلمانی اقوام نے بہت سی فتوحات پیدا کرلیں اور ان کے پاس کثرت سے مال و دولت جمع ہوگئے تو پھر اسلامی سوسائٹی میں مذکورہ بالا باتیں پیدا ہوگئیں اور بالمقابل جب صدیوں تک یورپ نے جہالت کو نہ چھوڑا۔ تو پھر ناچار یورپین اقوام نے مذکورہ بالا امور کو ترک کیا۔ اس طرح ہر دو اقوام کے حالات میں تبدیلی واقع ہوئی۔ لہذا اسلام نے ترقی چھوڑ کر تنزل اختیار کیا اور یورپین سوسائٹی میں دن بدن بہتری نظر آنے لگی۔ لیکن تاریخ اور واقعات ایسے نتائج اخذ کرنے کے برخلاف ہیں۔ ایک محقق کسی قوم کی ترقی یا عدم ترقی کے اسباب تلاش کرنے کے وقت اس قوم کا نقطہ انقلاب تلاش کرے گا۔ پھر دیکھے گا کہ اُس وقت خاص میں کونسے امور اُس قوم میں موجود یا غیر موجود تھے اور پھر اس وقت خاص کے بعد کونسی باتیں اس قوم نے ترک یا اختیار کیں۔ اب اس نقطہ انقلاب کے بعد اگر اس قوم نے ترقی کی ہے تو اس کی ترقی کا باعث وہ امور ہوں گے جو اس قوم نے انقلاب کے بعد اختیار کئے اور اس کے موجب پستی وہ باتیں ہوں گی جن کو انقلاب کے بعد اس قوم نے ترک کر دیا لیکن اس سے پہلے اُس میں وہ باتیں موجود تھیں۔ اسی طرح اگر اس قوم نے ترقی کرتے کرتے پھر تنزل کی طرف رخ کیا تو پھر بھی وہی نقطہ انقلاب فیصلہ کن ہوگا اور ان باتوں کی تلاش کرنی ہوگی جو اس وقت کے بعد قوم نے ترک کر دیں یا اختیار کرلیں۔ ترک کردہ امور کو اسباب ترقی سمجھا جاوے گا۔ اور اختیار کردہ باتوں کو موانع ترقیات۔ اب اس معیار کے ساتھ اگر ہم مسٹر دلاور حسین کی تھیوری کا امتحان کریں تو ان کی پوزیشن قایم رہتی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ جن امور کے نہ ہونے نے یورپ کو ان کے خیال میں معراج تہذیب تک پہونچایا وہ ابتدا سے ہی یورپین سوسائٹی میں نہ تھیں لیکن پھر بھی یورپ مدت العمر تک تہذیب کو چھو تک نہ گیا اور جن باتوں کے وجود نے بخیال ان کے اسلام کو تنزل دکھایا۔ وہ اس کی ترقی سے پہلے اور دوران ترقی میں بھی موجود تھیں۔ علاوہ ازیں مسٹر دلاور حسین نے یورپین سوسائٹی کی ترقی تہذیب میں جن جن اسباب کا حوالہ دیا ہے ان کا بھی ایک ہی پہلو پبلک کے سامنے پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک فیوڈل سسٹم بہت کچھ یورپین طریق سلطنت کی اصلاح کا باعث ہوا۔ اسکے رو سے ہر ایک حصہ فرنگستان میں بادشاہ کے نیچے امرا ہوتے تھے اور ان امرا کے ماتحت جو رعایا تھی وہی ان کی فوج تھی جو اپنے امرا کے جان نثار تھے اور جو ان کے کہنے کے مطابق بادشاہ کی اطاعت یا مخالفت پر آمادہ ہو سکتے تھے اس طرح کل ملک کے امرا بحیثیت مجموعی ایک مطلق العنان بادشاہ کی ظالمانہ کارروائیوں کے لئے ایک طاقتور روک تھی۔ جو معترض کو اسلامی ممالک میں بہ سبب تقسیم وراثت جایداد زرعی نظر نہیں آتے وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں جان بادشاہ انگلستان کا

زمانہ اور امرا کا جمع ہوکر ظالم بادشاہ سے مگنا چارٹا حاصل کرنا پیش کرتے ہیں یہ ایک حد تک درست ہے
لیکن اس ایک فایدہ کے مقابل کیا ان کو وہ طوایف الملوکی اور اس کے بدنتایج بھول گئے ہیں
جو یورپ صدیوں تک اس فیوڈل سسٹم کے طفیل بھوگتا رہا۔ کیا امرا کی آپس کی خانہ جنگیوں نے
اکثر ملک کے ملک تباہ نہیں کئے کیا ایک امیر دوسرے امیر پر آئے دن حملہ آور نہ ہوتا تھا۔ کیا یہی امرا
بعض وقت کسی محض ذاتی تعزز اور ذاتی مفاد کے لئے کسی ظالم بادشاہ کے ساتھ ملکر دوسرے مخالف
امرا کی تباہی کا باعث نہیں ہوتے تھے۔ کیا ایک امیر کی رعایا کو دوسرے امیر زبردستی پکڑ نہ لیتے تھے۔
اور طرح طرح کے ظلموں کا اسے شکار نہ کرتے تھے۔ کیا یہی بیرن اور لارڈ اپنی رعایا کے بل پر قزاقوں
اور ڈاکوؤں کا کام نہیں کرتے تھے اور غریب زمینداروں کی محنت کا کمایا ہوا روپیہ ان امرا کی عیاشیوں
کے سامان بہم پہونچانے میں خرچ نہ ہوتا تھا۔ انگلستان میں تو فیوڈل سسٹم نے مگنا چارٹا حاصل کردیا
لیکن یہ فیوڈل سسٹم تو یورپ کے اور ممالک میں بھی تھا وہاں ملکی اور سیاسی فواید اس سسٹم سے کیا
اور کس وقت حاصل ہوئے۔ پھر جب فیوڈل سسٹم رفتہ رفتہ یورپ سے نکل چکا تو اس کی ایک اور
صورت سکاٹلنڈ کے پہاڑی اقوام اور ان کے امرا میں رہی۔ یہی پہاڑی اقوام مدت تک انگلستان
کے امن میں کانٹے کی طرح چبھتے رہے اور آخر ایک مدبر سلطنت کو ان پہاڑی اقوام کو ایک
نیشنل ملیشیا میں بدلکر فیوڈل سسٹم کی پرانی لعنت کا خاتمہ کرنا پڑا۔ اسی طرح جس عدم تقسیم وراثت
کی مسٹر دلاور حسین تعریف کرتے ہیں۔ کیا اسی عدم تقسیم وراثت کے بدنتایج خود ایڈلین وغیرہ مصنفین
انگلستان ظاہر نہیں کر چکے اس میں شک نہیں کہ اس سے جایداد تقسیم نہیں ہوئی اور کل کی کل بڑے
بیٹے کے ہاتھ لگ گئی۔ لیکن کیا اس طریق نے یورپین لارڈوں کو اپاہج عیاش کاروبار سے متنفر نہیں
بنایا دوسری طرف اس طریق وراثت نے امرا کے چھوٹے بچوں کو آوارہ گرد روٹی کے محتاج اور دربدر
کیا۔ انہوں نے باپ کی زندگی میں تو کسی دستکاری یا کسی حرفہ یا تجارت کی زندگی کا اختیار کرنا اپنی
حیثیت کے برخلاف سمجھا اور پھر جب باپ مرگیا تو قوت لایموت کے لئے انہیں اپنے بڑے بھائی کے
میر اصطبل یا میر شکار بنکر پیٹ پالنا پڑا اور اپنی بھاوج کی بیجا نازبرداریاں کرنی پڑیں یا اپنے بھتیجوں
کی اتالیقی کرنی پڑی۔ یورپین طریق وراثت نے بیشک خاندانی ثروت اور وجاہت کو تو قایم رکھا۔
لیکن خاندان کے دیگر افراد کو خستہ اور تباہ حال کردیا۔

اسی طرح مسٹر دلاور حسین نے پوپ کی مذہبی طاقت کو یورپین تہذیب کی ایک بھاری جزو
تسلیم کیا ہے اس میں شک نہیں کہ پوپ کی طاقت بعض وقت ظالم فرمانرواؤں کے ظلم سے رعایا
کو بچاتی رہی۔ لیکن کیا یہ پوپ کی طاقت خود طرح طرح کے مظالم کی بنیاد نہیں ہوئی۔ کیا یہی طاقت
رومن فادرس کی خطرناک سیہ کاریوں کی پردہ پوش نہیں ہوئی۔ کیا اسی طاقت کے بھروسہ پر مریم

سفاکی نے انگلستان میں معصوم خون کے دریا نہیں بہائے ۔ کیا اسی طاقت کے بھروسہ پر اہل سپین نے بکیس اور بے دست و پا امریکہ کے قدیم باشندگان کو تہ تیغ نہیں کیا۔ اسیطرح مسٹر دلاور حسین پردہ کے متعلق لکھتے لکھتے عرب کی ایام جاہلیت کے عورت مردوں کو یاد کر کے وہ زمانہ پھر دیکھنا چاہتے ہیں ۔جب عورتیں جنگوں میں مردوں کے ہمراہ جاتی تھیں ۔اور عرب مرد بھی حمایت ان عورتوں کی ظاہر کرتے تھے ۔لیکن میرے دوست کو عرب دوں اور عورتوں کی اسیہ کاریاں شاید عربی اشعار اور دیوانوں میں نظر نہیں پڑیں کہ جن سیہ کاریوں میں عرب کا نمبر کل دنیا سے بڑھ چکا تھا ۔میری غرض ان باتوں کے مختصر ذکر کر دینے سے یہ ہے ۔کہ ایک ٹھنڈے دِل کے ساتھ تحقیق کرنے والا انسان کسی انسٹیٹیوشن کا کوئی چمکتا ہوا پہلو دیکھ کر شیدا نہیں ہوسکتا ۔اور ایسا ہی اگر اس انسٹیٹیوشن نے ملکی تہذیب کے قائم رکھنے میں یا اُس کے ترقی دینے میں کوئی حصہ لیا ہو ۔ لیکن اُس کی قباحتیں تعداد میں خوائد سے زیادہ ہیں تو وہ انسٹیٹیوشن چنداں قابل التفات نہیں ہوتی ۔جب تک اُس کی قباحتوں کے انسداد کا انتظام بھی ساتھ نہ کیا گیا ہو۔ اسیطرح کوئی بھی چیز بذات خود باستثنا خاص خاص امور کے نہ اچھی اور نہ بُری ہے اُس چیز کا ایک استعمال اُسے انسان کے لئے باعث رحمت کر دیتا ہے ۔اور دوسرا استعمال اُسے انسانی تباہی کا موجب بنا دیتا ہے پھر ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہی چیز تہذیب یا عدم تہذیب کا باعث ہوگئی +

مسٹر دلاور حسین کا فرض تھا کہ وہ ہر ایک انسٹیٹیوشن کے متعلق جذبات سے خالی ہوکر بحث کرتے جو ان کے زیر حملہ تھی ۔ وہ دیکھتے آیا انسانی سوسائٹی کی آسائش کے لئے اُس انسٹیٹیوشن کا ہونا ضروری ہے یا نہیں ۔اور اگر ضروری ہے تو وہ انسٹیٹیوشن چونکہ اُن کے نزدیک بہت سی قباحتوں کا موجب ہے اُس کا مابدل بھی کوئی دوسری سوسائٹی میں موجود ہے یا قیاس میں آسکتا ہے یا نہیں ۔ اگر تو ایسا تھا تو پھر وہ انسٹیٹیوشن بیشک قابل ترک تھی ۔ لیکن اگر وہ انسٹیٹیوشن انسانی تمدن اور انسانی ضروریات کے لئے ازبس ضروری تھی ۔ اور اُس کا بدل انسانی دماغ تجویز کر ہی نہیں سکتا ۔ تو پھر اُن کو یہ دیکھنا چاہئے تھا۔ کہ آیا اس انسٹیٹیوشن کے وجود سے جو جو قباحتیں متصور ہیں ان کا کوئی انسداد بھی کیا گیا ہے یا نہیں ۔ اگر وہ اس طریق پر اسلامی تعلیمات کا امتحان کرتے تو مَیں اُن کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ اسلامی تعلیم میں ایک خاص امتیاز دیکھتے ۔ اُن کو نظر آجاتا کہ قرآن نے انسانی تمدن اور انسانی معاشرت کو قائم رکھنے اور اُس کو ترقی دینے کے لئے کیسے حکیمانہ اصول استعمال کئے ہیں ۔ وہ دیکھ لیتے کہ اسلام نے اول تو اُن تمام امور کو ترک کر دیا ہے ۔ کہ جنہیں

انسان کے لئے کوئی فائدہ نہیں پھر تمام ایسی باتیں جن سے خیر و شر دونوں متصور تھیں لیکن اُن کا ایک نعم البدل امر بھی ممکن تھا کہ جس سے شر پیدا نہ ہو سکتے تھے ایسی حالت میں اُس امر کو بھی ترک کر کے اُس کی جگہ نعم البدل تجویز کر دیا۔ اور آخر کار ایسے امور کے اختیار کرنے ہیں کہ جو انسانی آسائش کے لئے ازبس ضروری ہیں۔ اور جن کا بدل بھی ہو نہیں سکتا تھا لیکن ساتھ ہی اُن کی بد استعمالی بہت کچھ خرابیوں کا موجب ہو سکتی تھی۔ ایسی حالت میں اُن باتوں کو تو اختیار کیا لیکن اُن کی بد استعمالی کا سدباب کیا۔ اسی آخری قسم میں میں طلاق۔ کثیر الازدواجی وغیرہ کو سمجھتا ہوں۔ یہی مذہب اور یہی اصول سوسائٹی کے حکیمانہ قرار دئیے جا سکتے ہیں۔ جس میں انسان کی ہر ایک ضرورت اور اُس کی ہر ایک قوت کی نشو و نما کرنے کے سامان مہیا کئے گئے ہوں۔ اب اگر قوم خدا تعالےٰ اور خدا کے رسول کی وصایا کو بھول جاوے۔ اور اپنی گمرہی کے باعث کسی خاص انسٹیٹیوشن کو بُرے طور سے استعمال کرے تو کیا یہ اُس انسٹیٹیوشن کا قصور ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کے فعل نے خطرناک امراض کے دفعیہ کے لئے نہایت ہی مفید دوائی افیون کی شکل میں پیدا کی ہے۔ اور چین نے اُسے بُرے طور پر استعمال کر کے اُس نعمت الٰہی کو اپنے لئے لعنت بنا لیا ہے تو کیا یہ اعتراض خدا کے اُس فعل پر ہو سکتا ہے۔ اسیطرح اگر انسانی سوسائٹی کے خاص خاص امراض کا خاص خاص وقتوں میں علاج خدا کے کلام نے طلاق اور کثیر الازدواجی کے رنگ میں بتلایا ہے۔ اور ایک قوم نے اُسے بد استعمالی سے قوم کے لئے موجب فساد کر دیا ہے تو کیا جس طرح افیون کے پیدائش میں خدا کا فعل قابل اعتراض نہیں اُسی طرح طلاق اور کثیر الازدواجی کے تجویز کرنے میں خدا کا قول قابل اعتراض ہو سکتا ہے؟+

مسٹر والاور حسین کا دوسرا طریق بحث یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ خود تہذیب کی تحقیق اور تعیین کرتے وہ پبلک پر اولاً ظاہر کرتے کہ حقیقی تہذیب کیا ہے انسان کن کن قوائے کے نشو و نما پانے پر مہذب اور کن کن نقصوں کے باعث غیر مہذب کہلاتا ہے۔ وہ ہمارے سامنے یورپین سوسائٹی کے خط و خال پیش کر کے اسی معیار پر اسلامی تعلیم کو آزمارہے ہیں۔ اُن کا پہلا فرض یہ ہے کہ پہلے وہ ہم کو یقین دلادیں کہ یورپین معاشرت و تمدن کا ہی دوسرا نام حقیقی تہذیب ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے طیار ہیں کہ یورپ نے بعض حالات میں تہذیب حاصل کر لی ہے۔ لیکن ہم اس بات کو بھی دیکھ رہے ہیں کہ اخلاق و آداب کے لحاظ سے یورپ ابھی تہذیب میں ناکمل ہے۔ دولت اور روپیہ

کا جمع ہو جانا۔ تھوڑے وقت کا زیادہ معاوضہ ملنا۔ تھوڑی محنت کے مقابل میں زیادہ آسائش ہونا۔ پولیٹیکل اکانمی کے رو سے عین تہذیب ہے اور ہم کو اس لحاظ سے یورپین تہذیب کا قائل ہونا ہوگا۔ لیکن یہ تہذیب محض جسمانیات تک محدود ہے ابھی اخلاقی تہذیب اور روحانی تہذیب باقی ہے۔ کیونکہ انسانی سوسائٹی کا کمال نہ صرف جسمانیات تک ہی محدود ہے۔ بلکہ اخلاقی اور رُوحانی ترقیات بھی انسانی تہذیب کے لئے ضروری ہیں۔ ہم جسمانیات میں یورپین تہذیب کے ایک حد تک قائل ہیں ہم اخلاقی اور رُوحانی حالات کے لحاظ سے کسی صورت میں بھی یُورپین تہذیب کے مداح نہیں ہو سکتے۔ بہرحال اگر مادی تہذیب کو ہی مدنظر رکھ کر تحقیق کی جائے۔ تو معترض کو اس کے اسباب تلاش کرنے ضروری تھے اور ان اسباب کی تلاش میں اُنہیں تجدید علوم کے زمانہ کی طرف دیکھنا چاہئے تھا۔ کیونکہ وہی وقت یورپین تہذیب کا جائے انقلاب تھا۔ اس تحقیق میں اُن کو ایسی باتیں دریافت کرنی تھیں جو تجدید علوم سے پہلے تو یورپ میں نہ تھیں اور بعد میں پیدا ہو گئیں۔ کیونکہ وہی باتیں اس تہذیب کا حقیقی باعث تھیں۔ نہ کثیر الازدواجی وغیرہ کا عدم وجود۔ اس تحقیق کے بعد جب وہ اِس یُورپین مادی تہذیب کے اسباب دریافت کر لیتے تو پھر ان اسباب کی تعلیم وہ انہیں مدنی سورتوں میں دیکھتے جنکو وہ قرآن سے خارج کرنا چاہتے ہیں اگر اُن کو ان اسباب بلکہ ان اسباب سے احسن اسباب پیدا کرنے کی تعلیم قرآن میں ملجاتی تو پھر اُن کو قرآنی تعلیم کی حقیقت معلوم ہو جاتی کہ یہ تعلیم اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کے تہذیب یافتہ سوسائٹی کے موزون حال ہے۔ البتہ اگر قرآن ایسے تعلیمات سے خالی ثابت ہوتا تو پھر بیشک اُن کا حق تھا کہ وہ قرآن کے تمدن اور معاشرت کے قوانین کو عربی صحرانشینوں کے ہی موزون حال قرار دیتے اور پھر ہم بھی اُن کے ساتھ ہم آواز ہو جاتے۔ سو اصلی اور ضروری سوال یہ ہے کہ تہذیب کیا ہے +

خواجہ کمال الدین بی۔ اے پلیڈر لاہور

نوٹ ۔ مسٹر دلاور حسین کے بڑے بڑے اعتراض مفصلہ ذیل امور کے متعلق ہیں۔ پردہ۔ تعدد ازدواج۔ طلاق۔ تقسیم وراثت۔ غلام اور لونڈیوں کی خرید و فروخت۔ تجارتی سود کی ممانعت۔ اور ان چھ امور کے ساتھ ساتواں اعتراض سورتوں کی ترتیب کے متعلق ہے ہم ان ساتوں امور پر الگ الگ مضمون انشاء اللہ آئندہ شایع کریں گے +

مصلح کا پہلا فرض کیا ہے

خلاصہ تقریر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو لیکچر کے خاتمہ پر جو دوسری جگہ چھپ چکا ہے آپ نے خود اپنی زبان مبارک سے فرمائی

میں آپ سب صاحبوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے نہایت صبر اور خاموشی کے ساتھ میرے لیکچر کو سنا۔ میں اس شہر میں ایک مسافر آدمی ہوں اور کل صبح انشاء اللہ چلا جاؤنگا۔ لیکن میں اس شکر اور خوشی کو اپنے ساتھ لیجاؤنگا کہ باوجود اختلاف اعتقاد کے آپ لوگوں نے میرے لیکچر کو نہایت تحمل اور خاموشی سے سنا۔ اکثر آدمی اپنے اعتقاد کے خلاف سنکر جوش میں آجاتے ہیں۔ لیکن مجھے یہ خوشی ہے کہ اس مجمع میں جس میں ہر مذہب ملت کے آدمی موجود ہیں۔ آپ صاحبان نے میری باتوں کو ٹھنڈے دل سے سنا ہے میں یہ جانتا ہوں اور اچھی طرح محسوس کرتا ہوں کہ مدت کے خیالات اور اعتقادات کو چھوڑنا آسان نہیں ہوتا خواہ وہ کیسے ہی غلط اور نقصان رساں کیوں نہ ہوں۔ یہ محض اللہ تعالےٰ کے فضل پر موقوف ہے کہ انسان اپنے اندر علمی یا عملی تبدیلی کر سکے +

یہ مختلف مذہبی خیالات کے تعلیم یافتہ اصحاب کا مجمع اس بات کی علامت ہے کہ وہ وقت بھی عنقریب اس ملک پر آنے والا ہے کہ جیسے اب یہ جسمانی طور پر ایک اجتماع ہوا ہے ایسا ہی دلوں میں اتحاد اور اجتماع بھی ہو اور میں خدائے تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ وقت جلدی لاوے جب ہم اس رُوحانی اجتماع کو بھی دیکھیں۔ تفرقہ نے اس ملک کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ لیکن یہ صورت تفرقہ کی ہمیشہ نہیں رہی ہے ایک زمانہ وہ تھا کہ اس ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں بہت بڑا اتحاد اور اتفاق تھا اور باوجود اختلاف مذاہب بھی ان میں قابل قدر میل ملاپ تھا لیکن اب وہ حالت نہیں رہی اور اس باہمی محبت کے تعلقات میں بہت فرق آگیا ہے۔ خدا کرے کہ یہ تفرقہ دور ہو کر وہ وقت جلدی آوے جب پھر باہمی برادرانہ محبت کے ساتھ یہ دونوں قومیں ایک ہو جائیں +

یاد رکھو یہ بڑی تنگ دلی اور تنگ ظرفی کا نشان ہے کہ انسان اختلاف رائے یا اختلاف مذہب کی وجہ سے عمدہ اخلاق کو بھی چھوڑ دے۔ اختلاف رائے اور چیز ہے اور اخلاق اور چیز۔ بلکہ اُس انسان کو با اخلاق نہیں کہا جا سکتا جس کے اخلاق محض اپنے ہم مشربوں تک ہی محدود ہیں۔ انسانی اخلاق کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ باوجود اختلاف رائے کے عمدہ

اخلاق سے پیش آوے اور اظہار اختلاف کے وقت کوئی اخلاقی کمزوری نہ دکھاوے۔ آج کا جلسہ مجھے تازہ امید دلاتا ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ اپنا فضل کرے تو یہ میل جول دن بدن ترقی کریگا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ جب تک طبیعت میں یہ استعداد نہیں ہوتی۔ کہ کوئی شخص صبر اور خوش خلقی سے ایک مخالف رائے کو سن سکے تو وہ ایسی رائے کو سن کر چپ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے آج اس مختلف اجزاء کے کثیر مجمع کے خاموشی اور صبر مجھے امید دلاتے ہیں کہ اچھے نتیجے پیدا ہونگے +

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان جب مخالف رائے کو سنے تو فوراً جواب دینے کو تیار نہ ہو جاوے کیونکہ مباحثہ کی اصل غرض اظہار صداقت ہونی چاہیئے نہ کہ ہار جیت کی خواہش۔ بیشک وہ آدمی قابل قدر ہے جو مخالف بات کو سن کر اس پر غور اور فکر کرتا ہے اور فی الفور بول نہیں اُٹھتا۔ کیونکہ انسان کسی رائے کے صحیح نتیجہ پر یا کسی امر کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک اس پر صبر سے غور و فکر نہ کرے۔ اسی راہ پر چلنے سے علم و حکمت پیدا ہوتی ہے اور علم و حکمت ایک ایسا خزانہ ہے جو دنیا کی تمام دولتوں سے اشرف ہے دنیا کی تمام دولتوں کو فنا ہے لیکن علم و حکمت کو فنا نہیں ہے۔ پس جو آدمی جلدی نہیں کرتا بلکہ جو امر اس کے سامنے آوے۔ اس پر فکر کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ اگر میں غلطی پر ہوں تو تُو مجھے سیدھا راہ دکھا اور بصیرت اور معرفت عطا کر۔ ایسا آدمی علم اور حکمت کے خزانہ کو پالیتا ہے۔ اور اُس خزانہ کو محفوظ رکھتا ہے میری یہ سچی خواہش ہے کہ آپ صاحبان اس خزانہ کے حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کریں اور اس لئے میں آپ سب صاحبوں کی خدمت میں ادب عجز اور تواضع سے عرض کرتا ہوں کہ جو کچھ آج آپ کو سنایا گیا ہے آپ اس پر پوری توجہ سے غور و فکر کریں تاکہ میری محنت بھی ضایع نہ ہو۔ جو کچھ میری قلم سے نکلا ہے اور میرے دوست مولوی عبدالکریم صاحب نے پڑھا ہے میں اللہ تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ میں نے کسی کی دل آزاری یا استخفاف مذہب کی نیّت سے نہیں لکھا۔ بلکہ خدا گواہ ہے اور اس سے بہتر گواہ کون ہو سکتا ہے کہ میں نے بہت غور و فکر کے بعد سچے دل سے لکھا ہے اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لئے لکھا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس کا کسی نہ کسی دل پر ضرور اثر ہوگا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل۔ یہ لکچر چھپوا بھی دیا گیا ہے ممکن ہے کہ بعض صاحبوں نے پورا نہ سنا ہو۔ وہ چھپا ہوا لیکچر پڑھ سکتے ہیں۔ پس اس کو پڑھ کر توجہ کریں +

اس وقت فرصت کم ہے اور زیادہ بیان کرنے کی گنجائش نہیں مگر میں مکرر سب صاحبان کی خدمت

میں عرض کرتا ہوں کہ مذہبی مخالفت کو عام مخالفت کا ذریعہ نہ بنا دیں۔ اور اعتقادی اختلافات کو دشمنی کا رنگ نہ دیں۔ مذہب انسان کو کیا سکھاتا ہے؟ مذہب تو اس لئے ہوتا ہے کہ انسان کے اخلاق وسیع ہوں اور وہ اعلےٰ درجہ کا بااخلاق بنے۔ مذہب یہی تعلیم دیتا ہے۔ کہ انسان اپنے اخلاق کو خدا کے اخلاق کی طرح کرے۔ پس دیکھ لو کہ خدا کے اخلاق کیسے وسیع ہیں۔ کوئی ہزاروں گالیاں اُسے دے وہ نے الفور اس پر پتھر برسا کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کر ڈالتا۔ اسی طرح حقیقی مذہبی انسان بہت تحمل اور برداشت والا ہوتا ہے۔ اور تنگ ظرف نہیں ہوتا۔ تنگ ظرف انسان خواہ ہندو ہو یا مسلمان یا عیسائی وہ اپنے بزرگوں کو بھی بدنام کرتا ہے۔ میں اس سے منع نہیں کرتا کہ اختلاف مذہب کا اظہار نہ کرو یا غلطیوں پر جائز نکتہ چینی نہ کرو۔ لیکن جو ایسا کرتے ہیں۔ ان کو چاہئیے کہ نیک نیتی سے ایسا کریں اور تعصب اور کینہ کا رنگ اپنے خیالات کو نہ دیں۔ ورنہ بجائے فائدہ کے اس طریق سے نقصان متصور ہوگا۔ چاہئیے کہ تمہارے الفاظ سے تمہارے پرانے تعلقات کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ کیونکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات صرف دو چار سال سے نہیں بلکہ صدہا سال سے چلے آتے ہیں۔ خدا کرے کہ بہت سے دلوں میں جوش ڈال دے کہ ان تعلقات کو دور نہ ہونے دیں +

یہ بھی یاد رکھو کہ مذہب صرف قیل وقال کا نام نہیں۔ جب تک عملی حالتیں درست نہ ہوں محض قیل وقال کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ یاد رکھو کہ خدا خالی باتوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور بہت باتیں کرنے والے کی جس کی عملی حالت ٹھیک نہ ہو اُس کے حضور کوئی عزت نہیں۔ جس قدر بزرگ اسلام میں یا ہندوؤں میں اوتار وغیرہ گزرے ہیں اُن کے حالات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس مرتبہ پر نہیں پہنچے جب تک انہوں نے اپنی عملی حالت کو درست نہیں کیا۔ اُنہوں نے دوسروں کی اصلاح کا بیڑا نہیں اُٹھایا جب تک پہلے اپنی اصلاح نہیں کر لی۔ جن جن سچائیوں کا وہ وعظ کرتے تھے پہلے اُنہوں نے اپنے عمل سے اُن سچائیوں کو ثابت کر دکھایا۔ قرآن شریف بھی یہی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ یا ایہا الذین امنوا علیکم انفسکم۔ یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو پہلے اپنے نفسوں کی اصلاح کرو پھر تم دوسروں کی اصلاح کے قابل ہو گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ پہلے اپنے آپ کو درست کیا جاوے۔ جب تک ہم خود اپنے اعمال سے خدا کو راضی نہیں کرتے دوسروں کو خدا کی رضا کی طرف بلانا عبث ہے۔ جس شخص کے اندر خود روشنی اور نور نہیں وہ

دوسروں کو کیا روشنی دے سکتا ہے۔ اور جو آپ ٹھوکریں کھا رہا ہے وہ دوسروں کو کیا سہارا دے سکتا ہے۔ جو خود پاک نہیں وہ دوسروں کو کیا پاک کر سکتا ہے۔ جو شخص محض زبان سے کام لیتا ہے وہ مذہب کو بچوں کا کھیل بناتا ہے۔ ایسے مصلحوں سے بجائے اس کے کہ کوئی فائدہ پہنچے ملک کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ ان کی زبان پر تو منطق اور فلسفہ جاری ہے مگر اندر خالی رہتا ہے۔ اپنی زبان سے وہ بڑے بڑے لیکچر دیتے ہیں۔ مگر دل دیکھو تو بالکل خالی ہیں۔ خدا تعالے جانتا ہے کہ میں یہ باتیں نہایت خیر خواہی اور ہمدردی کی خاطر کہہ رہا ہوں کسی کو اختیار ہے کہ خواہ ان کو نیک ظنی پر محمول کرے یا بدظنی پر۔ مگر میں کہونگا کہ جو شخص مصلح بننا چاہتا ہے اُسے چاہئیے کہ پہلے خود اپنی اصلاح کرے۔ پہلے اپنے اندر روشنی پیدا کرے تو پھر دوسروں کو بھی اُس سے روشنی پہنچ سکتی ہے۔ سورج کو دیکھ لو کہ پہلے خود روشنی حاصل کر کے روشن ہوا تو پھر دوسروں کو روشنی پہنچانے کے قابل ہوا۔ ایسا ہی چاند پہلے خود سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے پھر دوسروں کو روشنی پہنچاتا ہے +

میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ ہر ایک قوم کے مصلح اور ہر ایک مذہب کے بانی نے یہی تعلیم دی ہے۔ لیکن افسوس کہ اس پر عمل نہیں ہوتا۔ اب دوسرے کو لاٹھی مارنا تو آسان ہے۔ لیکن اپنے نفس کی قربانی دینا مشکل ہے۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ وہ اپنی قوم کی اصلاح کرے اور خیر خواہی کرے۔ وہ اپنی اصلاح سے شروع کرے۔ قدیم زمانہ کے رشی اور اوتار جنگلوں اور بنوں میں جاکر اپنی اصلاح کیوں کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ جب تک وہ پہلے اپنے نفسوں کی اصلاح نہ کر لیں گے دوسروں کی کیا اصلاح کریں گے۔ وہ آج کل کے لکچراروں کی طرح زبان نہ کھولتے تھے جب تک خود عمل نہ کر لیتے تھے۔ یہی خدا تعالے کے قرب اور محبت کی راہ ہے۔ لیکن اب حالت دگرگوں ہے۔ دوسروں کی اصلاح کا ہر کس و ناکس بیڑا اُٹھا رہا ہے۔ مگر اپنی اصلاح کا کسی کو فکر نہیں۔ کہتے بہت ہیں مگر کرتے کچھ نہیں۔ جو شخص دل میں کچھ نہیں رکھتا اور محض زبان سے ہی کام لیتا ہے اُس کا بیان کرنا پرنالہ کے پانی کی طرح ہے جو جھگڑے پیدا کرتا ہے۔ لیکن جو شخص نور اور معرفت اور عمل سے بھر کر بولتا ہے وہ اس آسمانی بارش کی طرح ہے جو رحمت الٰہی سمجھی جاتی ہے۔ اس وقت میری نصیحت آپ یاد رکھیں کیونکہ میں نے جو کچھ کہا ہے سچے دل سے اور خیر خواہی سے کہا ہے۔ آپ نے مجھے

آج کے بعد یہاں نہ دیکھیں گے۔ اور میں نہیں جانتا کہ پھر اس طرح اکٹھے ہونے کا موقعہ ہو یا نہ ہو۔ اس لئے میں پھر بھی کہتا ہوں کہ ان تفرقوں کو مٹانے کی کوشش کرو۔ میری نسبت خواہ آپ لوگوں کا کچھ ہی خیال ہو۔ لیکن یہ سمجھ کر کہ ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش + ور نوشت است پند بر دیوار

میری نصیحت پر عمل کرو۔ یاد رکھو کہ جو شخص خود زہر کھا چکا ہے وہ دوسروں کی زہر کا کیا علاج کریگا۔ اگر علاج کرتا ہے تو خود بھی مریگا اور دوسروں کو بھی ہلاک کریگا۔ خود اس لئے مریگا کہ زہر تو اس میں اثر کر چکا ہے اور اپنے علاج کی طرف وہ متوجہ نہیں۔ اور دوسروں کو اس لئے ہلاک کریگا کہ زہر کے اثر سے اس کے حواس قائم نہیں رہے۔ اس لئے اس کا علاج بجائے مفید ہونے کے مضر ہوگا۔ غرض جس قدر تفرقہ بڑھتا جاتا ہے۔ اس کا باعث وہی لوگ ہیں۔ جنہوں نے زبانوں کو تیز کرنا ہی سیکھا ہے۔ اور اصل حقیقت مذہب سے ناواقف ہیں۔

اس وقت میں ایک اور امر کا بیان کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ اسلام کے سوائے باقی سب مذاہب کی بنیاد ہی جھوٹ پر رکھی گئی ہے میرا یہ ایمان ہے کہ وہ خدا جو تمام مخلوق کا خدا ہے وہ سب پر نظر رکھتا ہے اور جیسا وہ سب کی جسمانی ضروریات کو پورا کر رہا ہے ایسا ہی رُوحانی ضروریات کو بھی پورا کرتا ہے یہ سچ نہیں کہ دُنیا کی ابتدا سے اُس نے صرف ایک قوم کو ہی چُن لیا ہے اور دوسروں کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ ہاں یہ سچ ہے کہ کبھی کسی قوم پر وہ وقت آ جاتا ہے اور کبھی کسی پر۔ میں یہ باتیں کسی کو خوش کرنے کے لئے نہیں کہتا بلکہ خدائے تعالےٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ راجہ رام چندر اور کرشن جی وغیرہ بھی خدا کے راستباز بندے تھے اور اس سے سچا تعلق رکھتے تھے میں اُس شخص سے بیزار ہوں جو ان کی نندیا یا توہین کرتا ہے۔ اس کی مثال کنوئیں کے مینڈک کی سی ہے جو سمندر کی وسعت سے ناواقف ہے۔ جہاں تک ان لوگوں کے صحیح سوانح معلوم ہوتے ہیں۔ ان سے پایا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے خدا کی راہ میں بڑے بڑے مجاہدات کئے اور کوشش کی کہ اسی راہ کو پائیں جو خدائے تعالےٰ تک پہنچنے کی حقیقی راہ ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ راستباز نہ تھے وہ قرآن شریف کے خلاف کہتا ہے کیونکہ اس میں فرمایا ہے ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ یعنی کوئی قوم اور امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو۔ پس اس میں شک نہیں کہ ابتدا میں ان تمام مذاہب کی بنیاد حق اور راستی پر تھی۔ مگر مرور زمانہ سے ان میں طرح طرح کی غلطیاں داخل ہو گئیں۔ یہاں تک کہ اصل حقیقت اُنہیں غلطیوں کے نیچے چھپ گئی۔ میں باوا نانک صاحب کو بھی خدا پرست سمجھتا ہوں۔ اور

کبھی پسند نہیں کرتا کہ ان کو برا کہا جائے۔ میں ان کو ان لوگوں میں سے سمجھتا ہوں جن کے دل میں خدائے تعالے اپنی محبت آپ بٹھا دیتا ہے۔ پس ان لوگوں کی پیروی کرو اور اپنے دلوں کو روشن کرو۔ پہلے اپنی اصلاح کرو پھر دوسروں کی اصلاح کے لئے زبان کھولو۔ اس ملک کی شائستگی اور خوش قسمتی کا زمانہ تب آئیگا جب شری زبان نہ ہوگی بلکہ دل پر دارومدار ہوگا۔ پس اپنے تعلقات خدائے تعالے سے زیادہ کرو۔ یہی تعلیم سب نبیوں نے دی ہے اور یہی میری نصیحت ہے۔ اگر در خانہ کس است حرفے بس است۔

ریویو

یوگی اور اسکا پیغام

اس نام کا ایک رسالہ انگریزی زبان میں لکھا ہوا مصنفہ سوامی دھرمانند مہا درتی صاحب ہمارے پاس ریویو کے لئے پہنچا ہے۔ اس رسالہ میں دو لیکچر درج ہیں جو سوامی صاحب نے یو۔پی مشن چرچ اجمیر اور اکسفورڈ مشن ہوسٹل ہال کلکتہ میں دیئے تھے ان دونوں لیکچروں میں سے ایک کا عنوان "عیسے مسیح عجیب وغریب یوگی" اور دوسرے کا عنوان "انجیل مقدس پیغام یوگی" ہے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ سوامی صاحب یوگی سے کیا مراد سمجھتے ہیں۔ ہم انہیں کے اپنے الفاظ سے اقتباس کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یوگی وہ ہوتا ہے جو جتنی دفعہ چاہے مرے۔ موت اس کے قبضے میں ہوتی ہے" پھر وہ کہتے ہیں کہ یوگ کی قوت سے تمہیں مفصلہ ذیل باتیں حاصل ہو سکتی ہیں "گذشتہ واقعات کا تمہیں علم ہو سکتا ہے۔ موجودہ اور آئندہ کی تمہیں خبر ہو سکتی ہے۔ تمام بدیوں سے تم بچ سکتے ہو۔ دوسرے لوگوں کے خیالات تم پڑھ سکتے ہو۔ پانی میں ڈوبنے کے بغیر رہ سکتے ہو۔ اور آگ میں جلنے کے بغیر ٹھہر سکتے ہو۔ زہر کو تریاق بنا سکتے ہو۔ تم اتنے مضبوط ہو سکتے ہو کہ تم پر کوئی فتح نہیں پا سکتا۔ تم اپنا جسم چھوڑ کر دوسرے کے جسم میں داخل ہو سکتے ہو۔ اپنی مرضی سے جب چاہو مر سکتے ہو۔ تم دیوتاؤں کی طرح کھیل کود کر سکتے ہو۔ جو کچھ تم چاہو حاصل کر سکتے ہو۔ تمہارے کاموں کو کوئی بات روک نہیں سکتی۔ جو صورت تم چاہو اختیار کر سکتے ہو۔ ہوا کی طرح تیز چل سکتے ہو۔ تم اپنے کشفی جسم سے ہر جگہ جا سکتے ہو تم دور سے سن سکتے ہو۔ بغیر پانی کے زندہ رہ سکتے ہو۔ تم کو دور دراز کی چیزیں نظر آ سکتی ہیں۔ تم عورتوں اور مردوں کے دلوں پر حکمرانی کر سکتے ہو" ان دعاوی کو سنکر ناظرین منتظر ہوں گے کہ انکا ثبوت کیا ہے اور کونسی دلیل ان کی تائید میں دیجا سکتی ہے۔ مگر سوامی صاحب کی کتاب اس سے بالکل خالی

ہے۔ اور یہ سب دعاوی نرے دعاوی ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ "اس قسم کے یوگی اس وقت تک کوہ ہمالہ اور تبت میں پائے جاتے ہیں۔ اور مسلمانوں میں بھی بڑے بڑے باکمال یوگی موجود ہیں"۔ بقول سوامی صاحب ان کی تعداد ۱۵۰ مرد اور ۳۱ عورتیں ہے۔ لیکن ان کے نام اور پتے سوامی صاحب کسی مصلحت کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتے شاید اس لئے کہ حقیقت معلوم نہ ہو جائے۔ سوامی صاحب لکھتے ہیں کہ وہ ایک ایسے یوگی کو جانتے ہیں جس کی عمر ۲۶۵ سال کی ہے۔ اور ایک یوگن انہوں نے دیکھی ہے جس کی عمر ۵۰۰ برس بیان کرتے ہیں۔ یہ کہانیاں بچوں کے خوش کرنے کے لئے تو خوب ہیں۔ لیکن ان فضول دعاوی کو ایک ایسے ہی دعوے کے ثبوت میں پیش کرنا۔ یہ سوامی صاحب کا ہی کام تھا۔ ان باتوں سے اُن کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یوگیوں میں ایسی طاقتیں پائی جاتی ہیں۔ اسلئے یسوع مسیح بھی ایک یوگی تھا کیونکہ اُس کی نسبت بھی اسی قسم کی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن تعجب ہے پھر تو وہ انسان ثابت ہُوا۔ خدا یا ابن خدا جو سوامی صاحب اُسے بنانا چاہتے ہیں کیونکر ہُوا۔ یا اُنہیں یہ کہنا پڑیگا کہ ہر ایک یوگی خدا یا خدا کا بیٹا ہوتا ہے +

الغرض یسوع مسیح بھی انکے نزدیک اسی قسم کا یوگی تھا جسکی سوامی صاحب نہایت مبالغہ آمیز تعریف اور مدح کرتے ہیں اور جسکی فضول ثنا خوانی کرتے ہیں۔ اس یوگی پر وہ ایسے فریفتہ ہیں۔ کہ اُس کی تعریف کرتے وقت اُنہوں نے واقعات کو نظر انداز کر کے اپنے ولولوں اور جوشوں کو زبردست الفاظ میں بیان کیا ہے ہم مسیح کو بنظر تعظیم دیکھتے ہیں اور اُن کو خدا کا سچا نبی جانتے ہیں لیکن ہم اس بات سے انکار نہیں کرسکتے اور نہ ہی کوئی عیسائی اس سے کبھی انکار کرسکتا ہے۔ کہ دوسرے نبیوں کی طرح یسوع مسیح کو بھی اُسکے زمانہ کے لوگوں نے گالیاں دیں اور ذلیل کیا اور حقارت سے دیکھا اور بہت تھوڑے لوگ تھے جنھوں نے اُسے ابتداے دعوے میں سچا مسیح شناخت کیا۔ مگر اس کے متعلق مصنف کتاب زیر ریویو فرماتے ہیں کہ "ایشیا کے سخت مزاج لوگ سب کے سب روحانی غفلت سے بیدار ہو گئے اور پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے؟ عرب اور سکندریہ اور ترکستان اور تاتار اور شام اور یونان اور ایران نے بیچین ہو کر سوال کیا کہ یہ عجیب نوجوان کون ہے؟ یونانیوں اور رومیوں نے اپنی عالمانہ تحقیقاتیں اسی مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لئے جمع کیں کہ یہ بینظیر انسان کون ہو سکتا ہے بادشاہ اور زمیندار حیرت زدہ ہو کر ٹھٹھر گئے بہادران نبرد آزما اُس کی باتوں کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ فلاسفر اور سائنس دان تحیر میں پڑ گئے دیو اور شیاطین اُسکے حکم کے آگے کانپتے تھے۔ بڑے طغیانی کرنے والے سمندر اور سخت تیز چلنے والی ہوائیں اُسکے حکم کی پوری تعمیل کرتی تھیں مردے قبروں میں سے نئی زندگی لیکر اُٹھے۔ قانون دان اور منطقی لوگ اُس کے وعظوں پر فدا ہو گئے۔ اسکی آسمانی فصاحت کے سامنے پنڈتوں اور حکماء کی شہرت مٹ گئی رمالوں اور رمالوں نے اپنی قیمتی کتابیں پرے پھینکدیں۔ مجوسیوں اور جادوگروں نے پیشگوئیاں کرنی چھوڑ دیں۔ اور ربیوں اور سردار کاہنوں نے شرم کے مارے اسکے سامنے چہرونکو چھپالیا"۔ لیکن واقعات کیا ہیں؟ جب یسوع نے اپنا دعوےٰ مسیحیت کیا تو ساری یہودی قوم نے اُسکی سخت مخالفت کی جھوٹا اور فریبی کہا مفتری اور

کذاب قرار دیا گالیاں دیں۔ اور ہر طرح سے اُس کے دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی۔ صرف چند ماہی گیر اور چھوٹی ذات کے مرد اور کچھ عورتیں تھیں جو اُسکے ساتھی ہوئے۔ بنی اسرائیل نے اُسے اپنا نجات دہندہ نہ مانا۔ یونانیوں اور رومیوں نے اُسکے صادق یا کاذب ہونیکے سوال کو ایک لمحہ کے لئے بھی ضروری نہیں سمجھا اور نہ اُسے کچھ وقعت ہی دی۔ اور آخرکار اُسے مفسدہ پرداز خیال کرکے اور یہودیوں کو حکومت کے مقابلہ میں سرکشی کی ترغیب دینے کے جرم میں رومی گورنمنٹ نے اُسکو گرفتار کرلیا۔ سرزمین شام سے باہر اُسے کوئی نہ جانتا تھا۔ اور عرب اور ترکستان اور تاتار اور یونان اور ایران اور روم وغیرہ اُسکی ہستی سے بھی بالکل بیخبر تھے۔ ربی اور بردار کاہن اُسے مفتری اور کذاب سمجھتے تھے۔ اور اُسکو اور اُسکی والدہ کو (ان دونوں پر سلام ہو) سخت عیوب سے متہم کرتے تھے۔ رومی سپاہیوں نے اُسے گرفتار کیا۔ حراست میں رکھا۔ مقدمہ چلایا۔ مجرم اُسکے ذمہ ثابت پایا۔ اور صلیب پر سزا دینے کیلئے چڑھا دیا۔ سوامی صاحب کے بہادران نبرد آزما جو اُسکی باتوں کے آگے سرنگوں ہو گئے صرف وہ نہایت کمزور دل حواری ثابت ہوئے جنہوں نے آخری وقت میں اُس سے بیوفائی کرکے اُس کا ساتھ ترک کر دیا۔ ابتداء میں تو اُس کا استقبال اسی الٰہی قانون کے مطابق ہوا جو قرآن کریم میں درج ہے۔ یا حسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزؤن۔ یعنے لوگوں پر افسوس ہے! کوئی رسول اُن پاس نہ آیا جس سے اُنہوں نے ٹھٹھا نہ اُڑایا"۔

معلوم ہوتا ہے کہ سوامی صاحب اسبات کی احتیاط نہیں کرتے کہ جو بات وہ منہ سے بیان کر رہے ہیں کہاں تک صداقت رکھتی ہے۔ مثلاً سوامی صاحب اپنے لیکچر میں بیان فرماتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی یسوع مسیح کو تمام نبیوں سے افضل اور تمام انبیاء کا سردار بیان کیا ہے۔ اور قرآن کریم نبیوں کا شاہزادہ اُس کا نام رکھتا ہے۔ اور اسکو تمام کاہنوں سے مقدس اور بلند رتبہ لکھتا ہے۔ یہ بڑی سخت غلط بیانی ہے۔ اسی سے دوسری کتابوں وید وغیرہ کے حوالجات کی صحت یا عدم صحت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سوامی صاحب اسلام سے بالکل ناواقف ہیں۔ ایک اور جگہ وہ فرماتے ہیں۔ کہ "قرآن تمہیں یہ نہیں بتاتا کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ حالانکہ قرآن صاف الفاظ میں فرماتا ہے کہ وما صلبوہ یعنے وہ (یہودی) بذریعہ صلیب کے بھی اُسے مار ڈالنے پر قادر نہ ہوسکے"۔ اسکے دلائل صاف ہیں۔ قرآن کریم مسیح کو خدا کا سچا نبی بیان کرتا ہے۔ اور بقول حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر وہ صلیب پر مر گئے تو پھر سچے نبی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ پرانے عہدنامہ میں لکھا ہے کہ جو شخص کاٹھ یعنے صلیب پر مرجاتا ہے وہ لعنتی ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا سے مردود ہوجاتا ہے۔ اور وہ خدا سے بیزار اور خدا اُس سے بیزار ہوتا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ مسیح کو یہودیوں نے صلیب پر کھینچا لیکن وہ وہاں مرا نہیں۔ کیونکہ کلام خدا میں لکھا ہے ولکن شبہ لھم وہ (یہود) شک میں پڑ گئے"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اُنہوں نے اُسکو مردہ خیال کرلیا۔ حالانکہ وہ درحقیقت مردہ نہ تھا۔ مجھے یہ بات دیکھ کر سخت رنج ہوا ہے کہ سوامی دھرمانند مہاورتی جیسے مشہور و معروف انسان اسلام جیسے عظیم الشان مذہب سے ایسے ناواقف ہوں جو ہندوستان کے پانچویں حصہ سے زیادہ کا مذہب ہے +

بعض امور اس رسالہ میں ایسے ہیں جو واقعی قابل تعریف بھی ہیں۔ اول یہ کہ مسیح کے ہندوستان میں آنے کی تائید کی گئی ہے۔ دوسرے مسیحی مذہب کے ماننے والوں پر اس مذہب کے جو اثر ہوئے ہیں ان کو بہت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ ذیل کی عبارت خاص توجہ کے لایق ہے "مجھے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت کے اچھے دن اب گذر چکے ہیں۔ آجکل اس مذہب میں یار یہ۔ چنڈال چمار چوہڑے گوالے۔ اور اسی قسم کے نیچ اور خبیث لوگ داخل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ملک کے لئے وبال جان ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ اختلاط سے اعلے سوسایٹی کی ذلت ہوتی ہے۔ یہ بیہودہ نالایق شرابی بدمعاش بھوکے مرتے شریر لوگ اب ہندوستانی نوعیسائی لوگوں میں لاکھوں میں شمار ہوسکتے ہیں۔ اور اعلے قوموں کے لوگ ابھی تک عیسائیت کے اثر سے بالکل بچے ہوئے ہیں۔ ان نیچ ذاتوں کے بہت سے لوگوں کو بجائے اچھی حالت میں کرنے کے عیسائیت نے اور بھی پست حال کر دیا ہے۔ کثرت سے ایسے لوگوں کی حالت بالکل خراب ہوگئی ہے اور ان کے اخلاق گر گئے ہیں اور پہلے کی نسبت وہ بدچلنی میں اور بھی بڑھ گئے ہیں۔ دیسی عیسائیوں میں سے ۹۹ فیصدی ایسے ہیں جن کے اخلاق بہت پستی میں گرے ہوئے ہیں۔ ذہنی قوائے کے لحاظ سے ہندوؤں سے دس ہزار درجہ کم ہیں۔ اور روحانی حالت انکی ایسی ہے کہ گویا وہ ہندوستانی عیسائیت کی کتاب حساب میں اس قدر صفر ہیں"۔

نوعیسائیوں کی یہ تصویر عیسائی مذہب کے ایک دشمن نے نہیں بلکہ ایک نہایت دلدادہ عاشق نے کھینچی ہے۔ اور یہ ایسی سچی باتیں ہیں کہ ان کی صداقت بہت دفعہ خود عیسائی صاحبان نے تسلیم کی ہے۔ اگر یہ مسئلہ صحیح ہے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے تو عیسائی مذہب سے اسکے حامیوں کو ہاتھ دھو لینے چاہئے۔ جسطرح ہندوستان میں عیسویت نے لوگوں کو قعر ذلت میں ڈالدیا ہے اُسی طرح افریقہ میں بھی اس نے لوگوں کے اخلاق پر برا اثر ڈالا اور ان کو اور بھی نیچے گرا دیا ہے۔ برعکس اسکے اگر اسلام کے پاک اثر کو جو افریقہ کے نومسلموں کی حالت سے ثابت ہوتا ہے اور جسے خود عیسائی صاحبان نے تسلیم کیا ہے دیکھا جائے تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور ان تمام باتوں سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ عیسائی مذہب کے دن اب پورے ہوچکے ہیں۔

یسوع مسیح اور اسکے مذہب اور بائیبل کی کوئی کتنی ہی تعریف کیوں نہ کرے اگر عیسائی مذہب کا اثر وہی ہے جس کو سوامی صاحب تسلیم کرتے ہیں تو یہ ساری تعریف عبث ہے کیونکہ واقعات اسکو جھوٹا ٹھیرا رہے ہیں یہ رسالہ ۶۴ صفحوں پر چھوٹی تقطیع پر چھپا ہے اور گو سوامی ججے بھارتی صاحب نے کلکتہ سے شایع کیا ہے۔

اعجاز القرآن

ان تمام کتابوں میں سے جو دنیا کے کسی مذہب کے نزدیک آسمانی اور الہامی مانی گئی ہیں صرف قرآن کریم کو ہی یہ فخر حاصل ہے کہ جن امور پر ایمان لانیکے لئے وہ بلاتا ہے اُنکے لئے نہایت صاف اور سادہ طریق سے جسمیں شک کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے ثبوت پیش کرتا ہے اس دعوے کی صداقت ابتدائے اسلام سے لیکر آجتک ہر ایک زمانہ میں ظاہر ہوتی رہی ہے اور مشاہدہ کی جاتی رہی ہے اور خود آج اس زمانہ میں بھی نہایت اجلی اور بدیہی طور پر یہ صداقت ظاہر ہو رہی ہے۔ عام طور پر کوئی شخص خواہ معجزات کا انکار کرتا ہو یا اقرار اُسے ماننا پڑے گا کہ علم غیب انسان کا خاصہ نہیں ہے اور کوئی پیشگوئی جو آیندہ کے ایسے گہرے رازوں کو بتانیوالی ہو جن تک اعلے سے اعلے انسانی فراست کے لئے پہونچنا بھی محال ہے اس امر کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے کہ وہ انسان سے کسی اعلے طاقت کی طرف سے ہے اور ایسی ہستی کیطرف سے ہے جس کا علم تمام ذرات عالم پر محیط ہے اور جس کی قدرت اور طاقت سے کوئی چیز باہر نہیں سچ تو یہ ہے کہ جو پیشگوئی صفائی سے ثابت ہو جاوے اس سے بڑھکر اللہ تعالےٰ کی ہستی پر اور کوئی قطعی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اب تمام معجزات میں سے قرآن کریم نے پیشگوئی کو خاص طور پر امتیاز دیا ہے اور شروع سے اخیر تک اس کتاب مقدس میں عجیب اور عظیم الشان پیشگوئیاں بھری پڑی ہیں جن کا اظہار ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے سب سے پہلے لفظ جو بذریعہ وحی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہوئے وہ خود اپنے اندر ایک عظیم الشان پیشگوئی آپ کی آیندہ کامیابیوں کی رکھتے ہیں اور قرآن کریم ایسی آیتوں سے بھرا پڑا ہے جن میں قبل از وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کیا گیا ہے کہ آپ کی راہ میں کیا کیا مشکلات پیش آنیوالی ہیں کن کن مخالفتوں کا آپ کو مقابلہ کرنے پڑے گا۔ آپ کے دشمن آپ کو ہلاک کرنے کے لئے کیا کیا منصوبے بنائیں گے اور اسلام کو دنیا سے اکھاڑنے کے لئے کیا کیا کوششیں کرینگے کیا کیا اذیتیں اور تکلیفیں پہونچائیں گے۔ کیونکر مکہ سے آپ کو نکلنا پڑے گا اور پھر کیونکر آخر کار آپ غالب آویں گے۔ دشمنوں کے تمام منصوبے کیونکر خاک میں ملا دیئے جاویں گے کسطرح پر آخر کار ان کو مغلوب ہونا پڑے گا۔ اور کیونکر آپ مکہ میں کامیابی اور فتح کے ساتھ واپس آویں گے۔ کیونکر قومیں اسلام کے آگے سرنگوں ہو جاویں گی۔ اور گروہ در گروہ دین اسلام میں داخل ہو جاویں گے۔ کیونکر سلطنت اسلام قایم ہوگی اور آپکے خلیفے ہی امت سے ہونگے۔ پھر کسی زمانہ میں عیسائیت کا کیونکر غلبہ ہوگا اور مسیح موعود کا آنا اور اس کے نشان کیا ہونگے اور پھر بالآخر دین اسلام کس طرح دنیا میں پھیل جاوے گا۔ اور تمام دینوں پر غالب آجاوے گا۔ اس طرح پر اسلام کی پیدایش سے لیکر انجام دنیا تک۔ قرآن کریم نے ان تمام اہم امور کو بطور پیشین گوئی بیان کر دیا ہے جو اسلام میں واقع ہونے والے تھے۔ یہ مضمون اسقدر

وسیع ہے کہ اس پر جلدوں کی جلدیں کتابوں کی لکھی جا سکتی ہیں۔ مگر یہ موقعہ اس بحث کے لئے موزون نہیں ہم صرف ایک دو مثالیں اس کی پیش کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن کریم کی ابتدائے نازل شدہ سورتوں میں سے ایک سورت میں جو مکہ میں نازل ہوئی عین اُس وقت جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف مخالفت کا جھنڈا بلند ہو رہا تھا جب آپ کے معدودے چند پیرو قریش کی طرف سے سخت اذیتوں اور تکلیفوں کے نشانہ ہو رہے تھے۔ گھروں سے نکالے گئے تھے۔ اور بعض بیرحمی سے قتل کئے جاتے تھے۔ جب خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مار ڈالنے کے لئے منصوبے باندھے جاتے تھے۔ غرضیکہ اس وقت جبکہ تمام عرب دین اسلام کو جڑھ سے اکھاڑ ڈالنے پر آمادہ ہوا ہوا تھا اور بظاہر کوئی امید نہ تھی کہ ان کے حملوں سے دین اسلام جانبر ہو سکے۔ عین اس بیکسی اور ناامیدی کے وقت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر یہ کلام نازل فرمایا ام یقولون نحن جمیع منتصر۔ سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر۔ یعنی اے نبی کیا یہ کفار کہتے ہیں کہ ہم بڑی بڑی جماعتیں اور بڑی طاقت والے ہیں۔ عنقریب ان کی تمام جماعتیں شکست کھائیں گی اور مسلمانوں کے مقابلہ میں پیٹھ پھیر کر بھاگیں گی۔ ہاں اس کے لئے ہم نے ایک گھڑی مقرر کی ہوئی ہے اور وہ گھڑی ان کے لئے بڑی سخت اور تلخ ہوگی۔ (سورہ قمر) اب ایک نکتہ چین کو اختیار ہے کہ سخت سے سخت مخالفت کا پہلو جو وہ اختیار کر سکتا ہے اختیار کرے لیکن اس پیشگوئی کی قطعیت میں شک ڈالنے کے لئے وہ کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیا یہ الفاظ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے لفظ ہو سکتے تھے جن کو بہ تقاضائے بشریت کوئی امید نہ ہو سکتی تھی کہ وہ اس قدر بیشمار دشمنوں کے پنجے سے بچ جاویں گے؟ کیا ایک انسان کی جس کے ساتھ چالیس یا پچاس آدمی ہوں یہ طاقت ہے کہ وہ بہادر جنگجوؤں کی ایک قوم کی قوم کو چیلنج کرے کہ میں تم سب پر غالب آؤں گا کیا کوئی شخص کوئی ایک بھی ایسا واقعہ بتا سکتا ہے جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بطور فراست معلوم کر سکتے تھے کہ وہ آخر کار کامیاب اور ان کے دشمن پامال ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اس کے علاوہ خود ان الفاظ کی قطعیت کو دیکھو۔ ان کا بولنے والا ان کی صحت کا قطعی اور یقینی علم ظاہر کرتا ہے وہ یہ نہیں کہتا۔ جس طرح ایک انسان فراست سے کہہ سکتا ہے کہ مجھے امید ہے کہ میں غالب آجاؤں گا یا اغلب ہے کہ دشمن مغلوب ہو جاویں بلکہ وہ کہتا ہے کہ یہ بات ہونیوالی ہے اور یقینی اور قطعی ہے اور کوئی اُسے ٹال نہیں سکتا۔ جو قوت اور جو یقین ان الفاظ میں پایا جاتا ہے اور جو طاقت ان سے ظاہر ہوتی ہے۔ ہر ایک عقلمند انسان کو ماننا پڑے گا کہ وہ انسانی علم اور انسانی طاقت سے بہت بالا تر ہے یہ صاف طور پر ایک ایسی ہستی کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ جس کو نہ صرف آیندہ کے تمام واقعات کی

تفصیلی اور یقینی خبر ہے بلکہ جسکے ہاتھ میں وہ فوق الفوق طاقت بھی ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ تمام انسانی کوششوں کو خاک میں ملا سکتا ہے اور جو کچھ کہا ہے اس کو پورا کر کے دکھا سکتا ہے۔

اس جگہ ہم نے صرف ایک ہی موقعہ کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو انجام کار کامیابی کا وعدہ دیا گیا ہے۔ لیکن اس قسم کی آیات مکی سورتوں میں بکثرت موجود ہیں اور ایسے وقت میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ جب سخت مخالفت آنحضرت کی ہو رہی تھی۔ کئی سال تک مخالفت کا جوش اور بھی بڑھتا گیا اور بظاہر واقعات سے ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ معدودے چند مسلمان سخت اذیتیں کفار کے ہاتھ سے اٹھا رہے تھے اور دو دفعہ گھروں اور جایدادوں کو چھوڑ کر انہوں نے غیر ملک میں پناہ لی۔ آخر کار آنحضرت اور صرف ایک صحابی مکہ میں رہ گئے اور ادھر دشمنان دین نے آپ کی ہلاکت کے لئے منصوبے کئے ہوئے تھے۔ ایسی نازک حالت میں دشمن ان وعدوں پر کس قدر ہنستے ہونگے مگر اللہ تعالےٰ کے وعدے پورے ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ ایک سال بعد بدر کا مقام فریقین کے جنگ کا میدان بنا جس میں مسلمانوں کی طرف سے تین سو کے قریب آدمی تھے۔ اکثر نوعمر اور ناتجربہ کار تھے اور سامان جنگ بھی کوئی نہ تھا۔ اور قریش کی طرف ایک ہزار سے زیادہ مضبوط تجربہ کار نبرد آزما جوان تھے۔ جو ہر طرح پر مسلح تھے۔ یہی وہ مقررہ میدان تھا جہاں مسلمانوں کو غلبہ کا وعدہ دیا گیا تھا۔ اور باوجودیکہ اسلام کی طاقت کفر کے بالمقابل کچھ بھی نہ تھی لیکن جس یقینی فتح کا وعدہ دیا گیا تھا وہ وعدہ پورا ہوا۔ کفار کے بڑے بڑے آدمی میدان جنگ میں مارے گئے اور کچھ قید ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔ اس طرح پر یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ جو سالہا سال پہلے ایسے وقت میں کی گئی تھی کہ جب اسلام سخت مغلوبی کی حالت میں تھا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نہیں دکھا سکتا کہ ایسی پرشوکت پیشگوئی ایسے صاف طور پر پوری ہوئی ہو جو اپنے ساتھ ایسا قطعی اور یقینی ثبوت رکھتی ہو۔

یہاں ہم نے صرف ایک پیشگوئی کا ذکر کیا ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کے متعلق ہے درحقیقت آپ کی زندگی کے ہر ایک واقعہ کا قرآن کریم نے پیشگوئیوں میں نقشہ کھینچا ہے۔ مثلاً آپ کی ہجرت کا واقعہ دیکھو کہ کس طرح قرآن شریف نے اسے قبل از وقت بیان کیا اور پھر آپ کا مکہ میں واپس آنا بھی بتایا۔ چنانچہ سورہ قصص میں جو مکہ میں ہی نازل ہوئی فرمایا۔ ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد۔ یقیناً یقیناً وہ خدا جس نے تجھ پر قرآن اتارا ہے اور اس کے احکام کو تجھ پر فرض کیا ہے وہی طاقتور ہستی تجھے تیرے اس گھر میں واپس

پہونچائے گی۔ جس سے تو نکالا جاوے گا۔ لفظ رد کا صاف دلالت کرتا ہے کہ پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس گھر سے نکالے جاویں گے اور پھر اللہ تعالے ان کو واپس لاوے گا۔ کیونکہ رد کے معنے ہیں لوٹ کر آنے یا واپس آنے کے۔ پس اس ایک ہی آیت میں جو مکہ میں نازل ہوئی یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ آپ کو ہجرت کرنی پڑے گی اور یہ بھی بتادیا گیا ہے۔ کہ پھر اللہ تعالے آپ کو کامیاب کرکے واپس لاوے گا۔ وہ لوگ جنہوں نے اس پیغمبر عربی کو ایسی بیکسی اور غربت کی حالت میں مکہ سے بھاگتے دیکھا تھا ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں گذر سکتا تھا کہ یہی شخص آخرکار ان پر غالب ہوکر اسی شہر میں جاہ وجلال کے ساتھ واپس آوے گا۔ لیکن خدا ے تعالے کا یہ وعدہ تھا اور اللہ کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔ کفار مکہ بھی ان تمام پیشگوئیوں سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن وہ ان باتوں کو ہنسی میں اڑاتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک تو یہ بالکل ناممکن امر تھا۔ جس طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی الہی کے زریعہ اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ اسی طرح دوسری طرف کفار کو واقعات کے رو سے ان وعدوں کے پورا نہ ہونے کا یقین کامل تھا۔ لیکن جب آخرکار انہیں لوگوں نے ان تمام وعدوں کو حرف بحرف پورا ہوتے دیکھا اور ان امور کو حسب وعدہ الہی واقع ہوتے دیکھا۔ جو ان کے نزدیک ناممکن تھے تو انہوں نے صریح طور پر خدائی ہاتھ کو آنحضرت کی تائید میں دیکھ لیا اور جب آپ مکہ میں حسب وعدہ الہی بحیثیت ایک کامیاب حکمران کے داخل ہوئے تو مکہ والوں کی گردنیں اس خداے ذوالجلال کے آگے جھک گئیں۔ جس کی ہستی کو وہ ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے سے صاف صاف دیکھ چکے تھے اور جس کی طاقت کو وہ محسوس کر چلے تھے۔ اور انہوں نے انشراح صدر سے آپ کی رسالت کو قبول کیا اور اللہ تعالے پر ایمان لائے۔

اسی طرح پر قرآن کریم میں ایسی پیشگوئیاں بھی موجود ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کے متعلق ہیں۔ لیکن یہ ان کی بحث کا وقت نہیں۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کیونکر آنحضرت کی وفات کے بعد اسلام پر ایک ایسا خطرہ کا وقت آوے گا۔ کہ جس سے اس کے مٹ جانے کا بھی اندیشہ ہوگا اور کیونکر خدا اس خوف کو امن سے بدل دے گا اور دین اسلام کو مضبوطی سے قایم کردے گا۔ اور مومنوں کی جماعت میں سے خلیفے بنائے گا۔ جو زمین کے مالک ہوں گے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو تختوں کو وعدے دیے اُسی طرح انجیل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح نے بھی اپنے حواریوں کو بار بار تختوں کے وعدے دیئے تھے۔ مگر ہمارے نبی

کے وعدے تو صحابہ نے اپنی زندگی میں پورے ہوتے دیکھ لئے۔ لیکن حواریوں کے تختوں والے وعدے آجتک پورے نہیں ہوئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان تمام وعدوں کو جو اللہ تعالےٰ نے ان کے ساتھ کئے تھے۔ اپنی زندگی میں پورے ہوتے دیکھ لیا۔ اور اس طرح پر ان کا ایمان اللہ تعالےٰ پر یقین کے اعلےٰ سے اعلےٰ مرتبہ تک پہنچ گیا۔ جو وعدے ان کے ساتھ اس دنیا کے متعلق کئے گئے تھے ان کو پورے ہوتے دیکھ کر انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ تعالےٰ کی آخرت کے وعدے بھی اسی طرح پر سچے ہیں۔ اس طرح پر ان کا ایمان خدا پر مضبوط ہوا اور ہر ایک شک اور نقص سے پاک رہا اور درحقیقت مضبوطی ایمان کے لئے یہی ایک راہ ہے قرآن کی ان پیشگوئیوں کے متعلق جو بعد کے زمانہ کے لئے ہیں ہم بالفعل صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ ناظرین کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لاہور کے لیکچر کے دوسرے حصہ کی طرف توجہ دلاویں۔ جو ستمبر کے مہینہ میں چھپ چکا ہے۔

ان چند سطروں کا لکھنا کتاب اعجاز القرآن کے ریویو کے لئے ضروری تھا یہ رسالہ مولوی ابوالحسن صاحب صدیقی رجسٹرار ہائی کورٹ حیدر آباد دکن کی تصنیف ہے اور حال ہی میں اردو سے انگریزی میں ترجمہ ہوا ہے۔ اس رسالے کے بڑے حصے میں قرآنی پیشگوئیوں کا ہی ذکر ہے اور یہ مضمون اس کے دوسرے تیسرے چوتھے اور پانچویں آرٹیکل میں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مصنف نے بعض الفاظ قرآن کریم کو حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اور شاہان امیہ اور عباسی بادشاہوں پر چسپاں کرنے میں بڑی ذہانت دکھائی ہے لیکن ہم انکے ساتھ ان اٹکل بازیوں میں اتفاق نہیں کرتے وہ بہت کھینچ تان کر الفاظ کو کچھ کے کچھ معنے دیتے ہیں اور اگر ان کے طرز کو صحیح مانا جاوے تو پھر ہر لفظ سے جو چاہے کوئی مراد لے سکتا ہے۔ ان کی طرز کے سمجھنے کے لئے ایک مثال کافی ہوگی۔ سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتوں میں ان کے نزدیک ھدی للمتقین سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ الذین یومنون بالغیب سے خلافت حضرت ابوبکر۔ ویقیمون الصلوٰۃ سے حضرت عمر۔ ومما رزقنھم ینفقون سے مراد حضرت عثمان۔ والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک سے خلافت حضرت علی۔ وبالآخرۃ ھم یوقنون سے حضرت امام حسن۔ ایسا ہی سورۃ شوریٰ کے الفاظ۔ انما السبیل علے الذین یظلمون الناس۔ ویبغون فی الارض بغیر الحق سے مراد حضرت معاویہ۔ اور ان الخسرین الذین خسروا انفسھم واھلیھم یوم القیامۃ سے مراد بنی مروان کے خلفا اور اس سے آگے کی آیتوں سے مراد بنی عباس کے خلفا لیتے ہیں۔

ہمارے خیال میں یہ قرآن کریم کے الفاظ کے ساتھ ایک کھیل ہے یہ طریق عیسائیوں نے بھی

یسوع کی الوہیت ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا ہوا ہے اور شیعہ بھی حضرت علی کی خلافت بلا فصل کے لئے ایسی ہی دلیلیں پیش کیا کرتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ آخر پیش گوئی کے بیان کرنے سے کوئی غرض بھی ہوتی ہے۔ پیشگوئیاں اللہ تعالےٰ اس لئے بیان فرماتا ہے کہ انہیں پورا ہوتا دیکھ کر لوگوں کے ایمان میں ترقی ہو۔ لیکن اس قسم کی پیشگوئیاں جو مصنف کتاب پیش کرتے ہیں ایسا فایدہ نہیں دے سکتیں کیونکہ ان کے پورا ہونے کو ان لوگوں نے تو سمجھا نہیں جنکی آنکھوں کے سامنے وہ پورے ہوئیں اور اب ایک ہزار یا تیرہ سو سال بعد ایک شخص کی سمجھ میں یہ بات آئی جو واقعات سے بھی بالکل بے خبر ہے۔ جو آیت ظالموں کے سزا کے لئے ہے اُسے معاویہ پر لگا دیا۔ کیونکہ آپ معاویہ کو اچھا نہیں سمجھتے لیکن کیا ان کو یقین ہے کہ حضرت معاویہ اس آیت کے واقعی مصداق تھے۔ ایک خدا ترس مسلمان اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ پھر کیا انکو یقین ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے تمام خلفاء سب کے سب دوزخی تھے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک اس قسم کے خیالات سے مسلمانوں میں سچا علم نہیں پھیل سکتا۔ پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پیشگوئیاں ہمیشہ اسی قسم کے اشاروں میں ہوتی ہیں جیسے انھوں نے بیان کئے ہیں۔ ان کی تردید کے لئے وہ پیشگوئیاں کافی ہیں جو ہم نے ابتدائے مضمون میں بیان کی ہیں یہ وقت ہے کہ مسلمان سمجھیں کہ ان کا فرض قرآن کریم نے متعلق کیا ہے اور افراط و تفریط کے پہلوؤں کو چھوڑیں ۔

باتین (جو مشیت ایزدی سے نکلی ہین اور ضرور پوری ہو کر رہین گی) پوری ہوں۔ اور معاونین اپنی اس سعی فی سبیل اللہ کے صلہ مین حسنات و ثواب دارین کے مستحق بنین۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین۔

منیجر میگزین

امداد مدرسہ تعلیم الاسلام

جمیع برادران احمدی کو توجہ دلائی جاتی ہے اور یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ ماہواری چندہ مدرسہ جو حضرت نے سب احمدی برادران پر فرض کیا ہوا ہے اپنے اپنے شہر سے جمع کر کے ماہوار ارسال فرمایا کرین اور عطیہ یکمشت کے طور پر بھی کچھ ارسال فرماوین کیونکہ مدرسہ کی مالی حالت نازک ہو رہی ہے۔ اور یہ روپیہ کسی خاص شخص یا حضرت صاحب کے نام نہین آنا چاہیئے بلکہ علیحدہ منی آرڈر بنام مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان۔۔۔ ارسال کرنا چاہیئے۔ والسلام۔

محمد صادق عفی اللہ عنہ سپرنٹنڈنٹ مدرسہ تعلیم الاسلام

"اعلان"

(۱) جن خریداران کے ذمہ سنوات گذشتہ کا بقایا یا سال رواں کا زرچندہ قابل وصول ہو وہ جملہ رقوم تاریخ الوصول جلد تر بنام منیجر صاحب میگزین بھیجکر بیباقی حساب فرماوین۔ ترسیل مطالبہ کیلئے جملہ باقیداران کے نام خاص طور پر کارڈ یاد دہانی بھیجے جاچکے ہین۔ عدم اتفاقی یا عدم جواب کیصورت مین اگلا پرچہ وی پی ارسال ہوگا۔

(۲) ہر قسم کی خط کتابت و ترسیل جملہ رقوم متعلقہ میگزین کا معاملہ براہ راست بنام منیجر صاحب میگزین ہونا چاہیئے نہ کسی خاص شخص یا حضرت اقدسؑ یا کسی دیگر مالک مطبع کے نام۔ کیونکہ اس طرح کرنیسے علاوہ طوالت وحرج کام کے حساب کے مغالطہ کا اندیشہ ہے۔ اور حضرت اقدسؑ کو بھی اسمین تکلیف ہوتی ہے۔

(۳) ترسیل روپیہ یا خط کتابت کرتے وقت نمبر خریداری نہ لکھنے کیصورت مین شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بیجا تصور ہوگی۔

(۴) تاریخ اجرائے یعنے ابتدائے جنوری سنہ ۱۹۰۲ء لغایت اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء جملہ پرچہ جات میگزین اردو و انگریزی (باستثنائے انگریزی میگزین نمبر ا سال سنہ ۱۹۰۲ء کے) اسوقت دفتر ہذا مین فروخت کیلئے موجود ہین خواستگاران جلدی درخواستین بھیجین۔ بصورت توقف تیسری ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔ والسلام۔ **منیجر میگزین**

اطلاع بے نظیر لکچر حضرت اقدسؑ جو ۳ ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء کو بمقام لاہور ایک عظیم الشان جلسہ مین پڑھا گیا تھا۔ پرچہ میگزین ماہ ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء مین مکمل شائع ہو چکا ہے یہ پرچہ منیجر صاحب میگزین قادیان سے درخواست کرنے پر ملسکتا ہے۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

ضروری استدعا

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہین اور اپنے مقامی اسٹیشن مین کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونیکے باعث نہین کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑین وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانٹیر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائین یہ دکان میرے متعلق ہے نہین نقصان نہین اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے المشتہر خواجہ کمال الدین وکیل پشاور -

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم فضل الدین صاحب طبع ہوا +

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابتہ ماہ نومبر سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۱۱

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰۔ نومبر سنہ ۱۹۰۴ء کو شایع ہوا۔ چندہ سالانہ اردو پرچہ عہ ۔ انگریزی پرچہ للعہ

"حضرت اقدسؑ کے مبارک ارشاد پر فدا ہوجانیوالی پُرجوش روحون کی احتیاج"

ایک سال کے قریب عرصہ گذرتا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کی اشد ضرورت کو محسوس کر کے جملہ احباب و مخلصین کی توجہ کو اس رسالہ میگزین کی اعانت و امداد کی طرف مبذول کر کے پُر زور تاکیدی الفاظ مین ظاہر فرمایا تھا کہ اس کی تعداد اشاعت کسی صورت مین دس ہزار سے کم نہین ہونی چاہیئے چنانچہ اس تاکیدی ارشاد مین حضرت اقدس علیہ السلام کا ایما تھا اور سخت تاکیدی حکم تھا کہ۔

"اگر بیعت کرنے والے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہکر اس بارہ مین کوشش کرین تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہین ہے بلکہ جماعت موجودہ کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے"

اور ساتھ ہی فرمایا اور حد سے بڑھکر تاکیدی الفاظ مین فرمایا کہ۔

"مین پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردون کو اس طرف توجہ دلاتا ہون کہ وہ اس رسالہ کی اعانت و مالی امداد مین جہانتک اُن سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاوین اور اس خدمت مین جان توڑ کوشش کرین۔"

حضرت اقدسؑ کے اس حد سے بڑھے ہوئے تاکیدی حکم کی تعمیل مین ابتدائی تازہ جوش مین اکثر مقامات کے باہمت احباب و مخلصین نے پوری جوانمردی و اخلاص مندی کا بین نمونہ دکھلایا اور اس سعی کا ہی نتیجہ ہے کہ قلیل عرصہ مین تعداد خریداری اڑھائی ہزار تک پہنچ گئی ہے لیکن خاص خاص مقامات سے خاص وقت کے لئے ان جوش ہائے اعانت کا اُبھر کر جھٹ دھیما پڑ جانا ظاہر کرتا ہے کہ اس حکم کو مختص المقام یا مختص الزمان قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ حکم جملہ افراد جماعت احمدیہ کے لئے ہمیشہ کے لئے واجب العمل تھا۔ اور کم از کم جبتک تعداد خریداری دس ہزار تک نہ پہنچ جاتی۔ اپنے باہمت احباب کو اس کی اعانت مین کوئی پہلو کوشش کا فروگذاشت نہین کرنا چاہیئے تھا۔ بلکہ قدم ہمت آگے ہی بڑھانا مناسب وشایان تھا۔ جو اُن کے لئے موجب تحصیل حسنات دارین ہوتا۔

چونکہ حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد تک رسالہ کے پہونچنے مین ابھی بہت کمی ہے اسواسطے جملہ برادران و احباب کی خاص توجہ و ہمت درکار ہے۔ علاوہ مالی اعانت کے اپنی بھاری جماعت احمدیہ مین سے پانچ فیصدی بھی ایسے باہمت مخلص احباب نکل آوین جو کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنین تو تعداد خریداری کہین دس ہزار سے بھی بڑھ جاتی ہے امید ہے کہ اب جملہ برادران حضرت اقدسؑ کے اس تاکیدی ارشاد کو ہمیشہ تازہ ارشاد سمجھ کر رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کے لئے اپنے من تن دھن غرضکہ کسی قسم کی امداد سے دریغ نہ کرینگے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ تمام سعادتمند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام*

دنیا کے مذاہب پر اگر نظر کیجائے تو معلوم ہوگا۔ کہ بجز اسلام ہر ایک مذہب اپنے اندر کوئی نہ کوئی غلطی رکھتا ہے۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ درحقیقت وہ تمام مذاہب ابتدا سے جھوٹے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ اسلام کے ظہور کے بعد خدا نے اُن مذاہب کی تائید چھوڑ دی۔ اور وہ ایسے باغ کی طرح ہو گئے۔ جس کا کوئی باغبان نہیں۔ اور جس کی آبپاشی اور صفائی کے لئے کوئی انتظام نہیں۔ اس لئے رفتہ رفتہ اُن میں خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ تمام پھلدار درخت خشک ہو گئے۔ اور اُن کی جگہ کانٹے اور خراب بوٹیاں پھیل گئیں۔ اور روحانیت جو مذہب کی جڑھ ہوتی ہے وہ بالکل جاتی رہی۔ اور صرف خشک الفاظ ہاتھ میں رہ گئے۔ مگر خدا نے اسلام کے ساتھ ایسا نہ کیا۔ اور چونکہ وہ چاہتا تھا۔ کہ یہ باغ ہمیشہ سرسبز رہے۔ اس لئے اُس نے ہر ایک صدی پر اس باغ کی نئے سرے آبپاشی کی۔ اور اُس کو خشک ہونے سے بچایا۔ اگرچہ ہر صدی کے سر پر جب کبھی کوئی بندہ خدا اصلاح کے لئے قائم ہوا جاہل لوگ اُس کا مقابلہ کرتے رہے اور اُن کو سخت ناگوار گذرا۔ کہ کسی ایسی غلطی کی اصلاح ہو جو اُن کی رسم اور عادت میں داخل ہو چکی ہے۔ لیکن خدا تعالےٰ نے اپنی سُنّت کو نہ چھوڑا۔ یہانتک کہ اس آخری زمانہ میں جو ہدایت اور ضلالت کا آخری جنگ ہے

* حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک لکچر جو ۲ نومبر ۱۹۰۴ء کو بمقام سیالکوٹ پڑھا گیا۔

خدا نے چودھویں صدی اور الف آخر کے سر پر مسلمانوں کو غفلت میں پاکر پھر اپنے عہد کو یاد کیا۔ اور دینِ اسلام کی تجدید فرمائی مگر دوسرے دینوں کو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ تجدید کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ اس لئے وہ سب مذہب مر گئے۔ ان میں روحانیت باقی نہ رہی۔ اور بہت سی غلطیاں اُن میں ایسی جم گئیں کہ جیسے بہت مستعمل کپڑہ پر جو کبھی دھویا نہ جائے میل جم جاتی ہے۔ اور ایسے انسانوں نے جن کو روحانیت سے کچھ بہرہ نہ تھا۔ اور جن کے نفس امارہ سفلی زندگی کی آلائشوں سے پاک نہ تھے اپنی نفسانی خواہشوں کے مطابق ان مذاہب کے اندر بیجا دخل دے کر ایسی صورت اُن کی بگاڑ دی کہ اب وہ کچھ اور ہی چیز ہیں مثلاً عیسائیت کے مذہب کو دیکھو کہ وہ ابتدا میں کیسے پاک اُصول پر مبنی تھا۔ اور جس تعلیم کو حضرت مسیح علیہ السلام نے پیش کیا تھا۔ اگرچہ وہ تعلیم قرآنی تعلیم کے مقابل پر ناقص تھی۔ کیونکہ ابھی کامل تعلیم کا وقت نہیں آیا تھا۔ اور کمزور استعدادیں اس لائق بھی نہ تھیں تاہم وہ تعلیم اپنے وقت کے مناسب حال نہایت عمدہ تعلیم تھی۔ وہ اُسی خدا کی طرف رہنمائی کرتی تھی جس کی طرف توریت نے رہنمائی کی۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد مسیحیوں کا خدا ایک اور خدا ہو گیا۔ جس کا توریت کی تعلیم میں کچھ بھی ذکر نہیں۔ اور نہ بنی اسرائیل کو اُس کی کچھ بھی خبر ہے۔ اس نئے خدا پر ایمان لانے سے تمام سلسلہ توریت کا اُلٹ گیا۔ اور گناہوں سے حقیقی نجات اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے جو ہدائتیں توریت میں تھیں وہ سب درہم برہم ہو گئیں۔ اور تمام مدار گناہ سے پاک ہونے کا اس اقرار پر آگیا کہ حضرت مسیحؑ نے دنیا کو نجات دینے کے لئے خود صلیب قبول کی اور وہ خدا ہی تھے۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ توریت کے اور کئی ابدی احکام توڑ دیئے گئے۔ اور عیسائی مذہب میں ایک ایسی تبدیلی واقعہ ہوئی کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام خود بھی دوبارہ تشریف لے آویں تو وہ اس مذہب کو شناخت نہ کر سکیں۔ نہایت حیرت کا مقام ہے۔ کہ جن لوگوں کو توریت کی پابندی کی سخت تاکید تھی۔ اُنہوں نے یک لخت توریت کے احکام کو چھوڑ دیا مثلاً انجیل میں کہیں حکم نہیں۔ کہ توریت میں تو سور حرام ہے اور میں تم پر حلال کرتا ہوں۔ اور توریت میں تو ختنہ کی تاکید ہے اور میں ختنہ کا حکم منسوخ کرتا ہوں پھر کب جائز تھا

کہ جو باتیں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے مُنہ سے نہیں نکلیں۔ وہ مذہب کے اندر داخل کردی جائیں۔ لیکن چونکہ ضرور تھا۔ کہ خدا ایک عالمگیر مذہب یعنی اسلام دنیا میں قائم کرے اس لئے عیسائیت کا بگڑنا اسلام کے ظہور کے لئے بطور ایک علامت کے تھا۔ یہ بات بھی ثابت شدہ ہے۔ کہ اسلام کے ظہور کے پہلے ہندو مذہب بھی بگڑ چکا تھا۔ اور تمام ہندوستان میں عام طور پر بُت پرستی رائج ہو چکی تھی اور اسی بگاڑ نے یہ آثار باقیہ ہیں۔ کہ وہ خدا جو اپنی صفات کے استعمال میں کسی مادہ کا محتاج نہیں۔ اب آریہ صاحبوں کی نظر میں وہ پیدایش مخلوقات میں ضرور مادہ کا محتاج ہے۔ اس فاسد عقیدہ سے ان کو ایک دوسرا فاسد عقیدہ بھی جو شرک سے بھرا ہوا ہے قبول کرنا پڑا۔ یعنی یہ کہ تمام ذرات عالم اور تمام ارواح قدیم اور انادی ہیں مگر افسوس کہ اگر وہ ایک نظر غائر خدا کی صفات پر ڈالتے تو ایسا کبھی نہ کہہ سکتے۔ کیونکہ اگر خدا پیدا کرنے کی صفت میں جو اُس کی ذات میں قدیم سے ہے انسان کی طرح کسی مادہ کا محتاج ہے نہیں۔ انسان بغیر توسط ہوا کے کچھ سُن نہیں سکتا۔ اور بغیر توسط روشنی کے کچھ دیکھ نہیں سکتا۔ پس کیا پرمیشر بھی ایسی کمزوری اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور وہ بھی سُننے اور دیکھنے کیلئے ہوا اور روشنی کا محتاج ہے۔ پس اگر وہ ہوا اور روشنی کا محتاج نہیں تو یقیناً سمجھو کہ وہ صفت پیدا کرنے میں بھی کسی مادہ کا محتاج نہیں۔ یہ منطق سراسر جھوٹ ہے کہ خدا اپنی صفات کے اظہار میں کسی مادہ کا محتاج ہے۔ انسانی صفات کا خدا پر قیاس کرنا۔ کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی۔ اور انسانی کمزوریوں کو خدا پر جمانا بڑی غلطی ہے۔ انسان کی ہستی محدود اور خدا کی ہستی غیر محدود ہے پس وہ اپنی ہستی کی قوت سے ایک اور ہستی پیدا کر لیتا ہے یہی تو خدائی ہے۔ اور وہ اپنی کسی صفت میں مادہ کا محتاج نہیں ہے۔ ورنہ وہ خدا نہ ہو۔ کیا اُسکے کاموں میں کوئی روک ہو سکتی ہے؟ اور اگر وہ مثلاً چاہے کہ ایک دم میں زمین و آسمان پیدا کر دے۔ تو کیا وہ پیدا نہیں کر سکتا۔ ہندوؤں میں جو لوگ علم کے ساتھ روحانیت کا بھی حصہ رکھتے تھے اور نری خشک منطق میں گرفتار نہ تھے۔ کبھی اُن کا یہ عقیدہ نہیں ہوا جو آجکل پرمیشر کی نسبت آریہ صاحبان نے پیش کیا ہے۔ یہ سراسر عدم روحانیت کا نتیجہ ہے۔

غرض یہ تمام بگاڑ ان مذاہب میں پیدا ہو گئے۔ جن میں سے بعض ذکر کے بھی قابل

نہیں۔ اور جو انسانی پاکیزگی کے بھی مخالف ہیں۔ یہ تمام علامتیں ضرورت اسلام کے لئے تھیں۔ ایک عقلمند کو اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ اسلام سے کچھ دن پہلے تمام مذاہب بگڑ چکے تھے۔ اور روحانیت کو کھو چکے تھے۔ اور بالکل مُردہ ہو چکے تھے۔ پس ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اظہار سچائی کے لئے ایک مُجدد اعظم تھے۔ جو گم گشتہ سچائی کو دوبارہ دُنیا میں لائے۔ اس فخر میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی بھی نبی شریک نہیں۔ کہ آپ نے تمام دُنیا کو ایک تاریکی میں پایا۔ اور پھر آپ کے ظہور سے وہ تاریکی نور سے بدل گئی۔ جس قوم میں آپ ظاہر ہوئے آپ فوت نہوئے جب تک کہ اس تمام قوم نے شرک کا چولہ اُتار کر توحید کا جامہ نہ پہن لیا۔ اور نہ صرف اس قدر بلکہ وہ لوگ اعلےٰ مراتب ایمان کو پُہنچ گئے۔ اور وہ کام صدق اور وفا اور یقین کے اُن سے ظاہر ہوئے کہ جس کی نظیر دنیا کے کسی حصہ میں پائی نہیں جاتی۔ یہ کامیابی اور اسقدر کامیابی کسی نبی کو بجز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نصیب نہیں ہوئی۔ یہی ایک بڑی دلیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ہے کہ آپ ایک ایسے زمانہ میں مبعوث اور تشریف فرما ہوے جبکہ زمانہ نہایت درجہ کی ظلمت میں پڑا ہوا تھا۔ اور طبعاً ایک عظیم الشان مصلح کا خواستگار تھا۔ اور پھر آپ نے ایسے وقت میں دُنیا سے انتقال فرمایا۔ جبکہ لاکھوں انسان شرک اور بت پرستی کو چھوڑ کر توحید اور راہ راست اختیار کر چکے تھے۔ اور درحقیقت یہ کامل اصلاح آپ ہی سے مخصوص تھی۔ کہ آپ نے ایک قوم وحشی سیرت اور بہائم خصلت کو انسانی عادات سکھلائے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ بہائم کو انسان بنایا۔ اور پھر انسانوں سے تعلیم یافتہ انسان بنایا اور پھر تعلیم یافتہ انسانوں سے با خدا انسان بنایا اور روحانیت کی کیفیت اُنمیں پھونکدی۔ اور سچے خدا کے ساتھ اُن کا تعلق پیدا کردیا۔ وہ خدا کی راہ میں بکریوں کیطرح ذبح کئے گئے۔ اور چیونٹیوں کیطرح پیروں میں کچلے گئے۔ مگر ایمان کو ہاتھ سے نہ دیا۔ بلکہ ہر ایک مصیبت میں آگے قدم بڑھایا۔ پس ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم روحانیت قائم کرنے کے لحاظ سے آدم ثانی تھے۔ بلکہ حقیقی آدم وہی تھے جنکے ذریعہ اور طفیل سے تمام انسانی فضائل کمال کو پہنچے اور تمام نیک قوتیں اپنے اپنے کام میں لگ گئیں۔ اور کوئی شاخ فطرت انسانی کی

بے بار و بر نہ رہی۔ اور ختم نبوت آپ پر نہ صرف زمانہ کی تاخر کی وجہ سے ہُوا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ تمام کمالات نبوّت آپ پر ختم ہو گئے۔ اور چونکہ آپ صفات الٰہیہ کے مظہر اتم تھے اسلئے آپ کی شریعت صفات جلالیہ وجمالیہ دونوں کی حامل تھی۔ اور آپ کے دو نام محمدؐ اور احمد صلے اللہ علیہ وسلم اسی غرض سے ہیں۔ اور آپ کی نبوّت عامہ میں کوئی حصہ بُخل کا نہیں۔ بلکہ وہ ابتدا سے تمام دُنیا کے لئے ہے +

اور ایک اَور دلیل آپکے ثبوت نبوت پر یہ ہے۔ کہ تمام نبیوں کی کتابوں سے اور ایسا ہی قرآن شریف سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے آدم سے لیکر اخیر تک دنیا کی عمر سات ہزار برس لکھی ہے۔ اور ہدایت اور گمراہی کے لئے ہزار ہزار سال کے دَور مقرر کئے ہیں۔ یعنی ایک وہ دَور جسمیں ہدایت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور دوسرا وہ دَور ہے جسمیں ضلالت اور گمراہی کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ مَیں نے بیان کیا خدا تعالےٰ کی کتابوںمیں یہ دونوں دَور ہزار ہزار برس پر تقسیم کئے گئے ہیں۔ اول دَور ہدایت کے غلبہ کا تھا۔ اس میں بُت پرستی کا نام ونشان نہ تھا۔ جب یہ ہزار سال ختم ہوا تب دوسرے دَور میں جو ہزار سال کا تھا طرح طرح کی بُت پرستیاں دُنیا میں شروع ہوگئیں۔ اور شرک کا بازار گرم ہو گیا۔ اور ہر ایک مُلک میں بُت پرستی نے جگہ لے لی۔ پھر تیسرا دَور جو ہزار سال کا تھا۔ اسمیں توحید کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور جسقدر خدا نے چاہا دُنیا میں توحید پھیل گئی۔ پھر ہزار چہارم کے دَور میں ضلالت نمودار ہوئی۔ اور اسی ہزار چہارم میں سخت درجہ پر بنی اسرائیل بگڑ گئے۔ اس کے بعد عیسائی مذہب تخم ریزی کے ساتھ ہی خشک ہو گیا۔ اور اُسکا پیدا ہونا اور مرنا گویا ایک ہی وقت میں ہُوا۔ پھر ہزار پنجم کا دَور آیا جو ہدایت کا دَور تھا۔ یہ وہ ہزار ہے جسمیں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اور خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر توحید کو دوبارہ دنیا میں قائم کیا۔ پس آپؐ کے منجانب اللہ ہونے پر یہی ایک نہایت زبردست دلیل ہے کہ آپ کا ظہور اُس ہزار کے اندر ہوا جو روز ازل سے ہدایت کیلئے مقرر تھا۔ اور یہ مَیں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ خدا تعالےٰ کی تمام کتابوں سے یہی نکلتا ہے۔ اور اسی دلیل سے میرا دعوےٰ مسیح موعود ہونے کا بھی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس تقسیم کی رُو سے ہزار ششم ضلالت کا ہزار ہے۔ اور وہ ہزار ہجرت کی تیسری صدی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور چودھویں صدی کے سر تک ختم ہوتا ہے اس

ششم ہزار کے لوگوں کا نام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج رکھا ہے۔ اور ساتواں ہزار ہدایت کا ہے جس میں ہم موجود ہیں۔ چونکہ یہ آخری ہزار ہے اسلئے ضرور تھا کہ امام آخر الزمان اُسکے سر پر پیدا ہو اور اُسکے بعد کوئی امام نہیں۔ اور نہ کوئی مسیح۔ مگر وہ جو اُسکے لئے بطور ظل کے ہو کیونکہ اس ہزار میں اب دُنیا کی عمر کا خاتمہ ہے جیسا کہ تمام نبیوں نے شہادت دی ہے۔ اور یہ امام جو خدا تعالےٰ کی طرف سے مسیح موعود کہلاتا ہے وہ مجدد صدی بھی ہے اور مجدد الف آخر بھی ؂

اس بات میں نصاریٰ اور یہود کو بھی اختلاف نہیں کہ آدم سے یہ زمانہ ساتواں ہزار ہے۔ اور خدا نے جو سورہ والعصر کے اعداد سے تاریخ آدم مجھ پر ظاہر کی ہے اس سے بھی یہ زمانہ جس میں ہم ہیں ساتواں ہزار ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور نبیوں کا اس پر اتفاق تھا کہ مسیح موعود ساتویں ہزار کے سر پر ظاہر ہوگا اور چھٹے ہزار کے اخیر میں پیدا ہوگا۔ کیونکہ وہ سب سے آخر ہے جیسا کہ آدم سب سے اول تھا۔ اور آدم چھٹے دن جمعہ کی اخیر ساعت میں پیدا ہوا۔ اور چونکہ خدا کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہے اس مشابہت سے خدا نے مسیح موعود کو ششم ہزار کے اخیر میں پیدا کیا۔ گویا وہ چھٹے دن کی آخری گھڑی ہے۔ اور چونکہ اول اور آخر میں ایک نسبت ہوتی ہے۔ اسلئے مسیح موعود کو خدا نے آدم کے رنگ میں پیدا کیا۔ آدم جوڑا پیدا ہوا تھا اور بروز جمعہ پیدا ہوا تھا۔ اسیطرح یہ عاجز بھی جو مسیح موعود ہے جوڑا پیدا ہوا اور بروز جمعہ پیدا ہوا اور اس طرح پیدائش تھی کہ پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئی پھر اُس کے عقب میں یہ عاجز پیدا ہوا۔ اس طرح کی پیدائش ختم ولایت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ غرض یہ تمام نبیوں کی متفق علیہ تعلیم ہے۔ کہ مسیح موعود ہزار ہفتم کے سر پر آئیگا اسی وجہ سے گذشتہ سالوں میں عیسائی صاحبوں میں بہت شور اُٹھا تھا اور امریکہ میں اس مضمون پر کئی رسالے شائع ہوئے تھے۔ کہ مسیح موعود کے اسی زمانہ میں ظاہر ہونا تھا۔ کیا وجہ کہ وہ ظاہر نہ ہوا۔ بعض نے ماتمی رنگ میں یہ جواب دیا تھا۔ کہ اب وقت گذر گیا۔ کلیسیا کو ہی اس کے قائم مقام سمجھ لو۔ القصہ میری سچائی پر یہ ایک دلیل ہے۔ کہ میں نبیوں کے مقرر کردہ ہزار میں ظاہر ہوا ہوں۔ اور اگر اَور کوئی بھی دلیل نہ ہوتی تو یہی ایک دلیل روشن تھی جو طالب حق کے لئے کافی تھی۔ کیونکہ اگر اس کو رد کر دیا جائے تو خدا تعالےٰ کی تمام کتابیں باطل ہوتی ہیں۔ جن کو الٰہی کتابوں کا علم ہے۔ اور جو انہیں غور کرتے ہیں۔ ان کے لئے یہ ایک ایسی دلیل ہے۔ جیسا کہ ایک روز روشن۔ اس دلیل کے رد کرنے سے تمام نبوتیں رد ہوتی ہیں۔ اور تمام حساب درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور الٰہی تقسیم کا شیرازہ بگڑ جاتا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے جو بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ قیامت کا کسی کو علم نہیں پھر آدم سے

اخیر تک سات ہزار سال کیونکر گذرتے جائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی خدا تعالےٰ کی کتابوں میں صحیح طور پر فکر نہیں کیا۔ ہیں سنو آج یہ حساب بنظر نہیں کیا۔ یہ تو قدیم سے محققین اہل کتاب میں مسلم چلا آیا ہے۔ یہانتک کہ یہودی فاضل بھی اُسکے قائل رہے ہیں۔ اور قرآن شریف سے بھی صاف طور پر یہی نکلتا ہے کہ آدم سے اخیر تک عمر بنی آدم کی سات ہزار سال ہے۔ اور ایسا ہی پہلی کتابیں بھی باتفاق یہی کہتی ہیں۔ اور آیت اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ سے بھی یہی نکلتا ہے۔ اور تمام نبی واضح طور پر یہی خبر دیتے آئے ہیں۔ اور جیساکہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں سورۃ والعصر کے اعداد سے بھی یہی صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آدم سے الف پنجم میں ظاہر ہوئے تھے۔ اور اُس حساب سے یہ زمانہ جسمیں ہم ہیں ہزار ہفتم ہے۔ جس بات کو خدا نے اپنی وحی سے ہم پر ظاہر کیا اس سے ہم انکار نہیں کر سکتے اور نہ کوئی وجہ دیکھتے ہیں۔ کہ خدا کے پاک نبیوں کے متفق علیہ کلمہ سے انکار کریں۔ پھر جبکہ اس قدر ثبوت موجود ہے۔ اور بلاشبہ احادیث اور قرآن شریف کے رو سے یہ آخری زمانہ ہے۔ پھر آخری ہزار ہونے میں کیا شک رہا اور آخری ہزار کے سر پر مسیح موعود کا آنا ضروری ہے۔ اور یہ جو کہا گیا کہ قیامت کی گھڑی کا کسی کو علم نہیں۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ کسی وجہ سے بھی علم نہیں۔ اگر یہی بات ہے تو پھر آثار قیامت جو قرآن شریف اور حدیث صحیح میں لکھے گئے ہیں۔ وہ بھی قابل قبول نہیں ہونگے۔ کیونکہ اُن کے ذریعہ سے بھی قرب قیامت کا ایک علم حاصل ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں لکھا تھا کہ آخری زمانہ میں زمین پر بکثرت نہریں جاری ہونگی۔ کتابیں بہت شائع ہونگی جنمیں اخبار بھی شامل ہیں۔ اور اونٹ بیکار ہو جائینگے۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں ہمارے زمانہ میں پوری ہو گئیں۔ اور اونٹوں کی بجائے ریل کے ذریعہ سے تجارت شروع ہو گئی۔ سو ہم نے سمجھ لیا کہ قیامت قریب ہے۔ اور خود مدت ہوئی کہ خدا نے آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ اور دوسری آیتوں میں قرب قیامت کی ہمیں خبر دے رکھی ہے۔ سو شریعت کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت کا وقوع ہر ایک پہلو سے پوشیدہ ہے۔ بلکہ تمام نبی آخری زمانہ کی علامتیں لکھتے آئے ہیں۔ اور انجیل میں بھی لکھی ہیں۔ پس مطلب یہ ہے کہ اُس خاص گھڑی کی کسی کو خبر نہیں۔ خدا قادر ہے کہ ہزار سال گذرنے کے بعد چند صدیاں اور بھی زیادہ کر دے۔ کیونکہ کسر شمار میں نہیں آتی۔ جیساکہ حمل کے دن بعض وقت کچھ زیادہ ہو جاتے ہیں۔ دیکھو اکثر بچے جو دنیا میں پیدا ہوتے ہیں وہ اکثر نو مہینے اور

دس دن کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی کہا جاتا ہے۔ کہ اُس گھڑی کی کسی کو خبر نہیں جب کہ درد زہ شروع ہوگا۔ اسی طرح دنیا کے خاتمے پر گو اب ہزار سال باقی ہے لیکن اُس گھڑی کی خبر نہیں جب قیامت قائم ہو جائے گی۔ جن دلائل کو خدا نے امامت اور نبوت کے ثبوت کے لئے پیش کیا ہے اُن کو ضائع کرنا گویا اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے +

ظاہر ہے کہ قرب قیامت پر تمام علامتیں بھی جمع ہو گئی ہیں۔ اور زمانہ میں ایک انقلاب عظیم مشہود ہو رہا ہے۔ اور وہ علامتیں جو قرب قیامت کے لئے خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں بیان فرمائی ہیں اکثر اُن میں سے ظاہر ہو چکی ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرب قیامت کے زمانہ میں زمین پر اکثر نہریں جاری ہو جائینگی۔ اور بکثرت کتابیں شائع ہونگی۔ پہاڑ اُڑا دیئے جائینگے۔ دریا خشک کر دیئے جائینگے۔ اور زراعت کے لئے زمین بہت آباد ہو جائیگی۔ اور ملاقاتوں کے لئے راہیں کھل جائینگی۔ اور قوموں میں مذہبی شور و غوغا بہت پیدا ہوگا۔ اور ایک قوم دوسری قوم کے مذہب پر ایک موج کی طرح ٹوٹ پڑیگی۔ تا اُن کو بالکل نیست و نابود کر دے۔ اُنہیں دنوں میں آسمانی کرنا اپنا کام دکھلائے گی۔ اور تمام قومیں ایک ہی مذہب پر جمع کی جائینگی۔ بجز اُن ردی طبیعتوں کے جو آسمانی دعوت کے لائق نہیں۔ یہ خبر جو قرآن شریف میں لکھی ہے مسیح موعود کے ظہور کی طرف اشارہ ہے۔ اور اسی وجہ سے یاجوج ماجوج کے تذکرہ کے نیچے اُس کو لکھا ہے۔ اور یاجوج ماجوج دو قومیں ہیں جن کا پہلی کتابوں میں ذکر ہے۔ اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ وہ اجیج سے یعنے آگ سے بہت کام لینگی۔ اور زمین پر اُن کا بہت غلبہ ہو جائیگا۔ اور ہر ایک بلندی کی مالک ہو جائیں گی۔ تب اُسی زمانہ میں آسمان سے ایک بڑی تبدیلی کا انتظام ہوگا۔ اور صلح اور آشتی کے دن ظاہر ہونگے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں لکھا ہے کہ اُن دنوں میں زمین سے بہت سی کانیں اور مخفی چیزیں نکلینگی۔ اور اُن دنوں میں آسمان پر کسوف و خسوف ہوگا۔ اور زمین پر طاعون بہت پھیل جائیگی اور اونٹ بیکار ہو جائینگے یعنے ایک اور سواری نکلیگی۔ جو اونٹوں کو بیکار کر دیگی۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ تمام کاروبار تجارتی جو کہ پہلے اونٹوں کے ذریعہ سے چلتے تھے۔ اب ریل کے ذریعہ سے چلتے ہیں۔ اور وہ وقت قریب ہے کہ حج کرنے والے بھی ریل کی سواری میں مدینہ منورہ

کی طرف سفر کرینگے۔ اور اُس روز اس حدیث کو پورا کر دینگے جس میں لکھا ہے کہ لیترکن القلاص فلا یُسعی علیہا۔ پس جبکہ آخری دنوں کے لئے یہ علامتیں ہیں جو پورے طور پر ظاہر ہو چکی ہیں۔ تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ دُنیا کے دَوروں میں سے یہ آخری دَور ہے۔ اور جیسا کہ خدا نے سات دن پیدا کئے ہیں۔ اور ہر ایک دن کو ایکہزار سال سے تشبیہ دی ہے۔ اس تشبیہ سے دُنیا کی عمر سات ہزار سال ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور نیز خدا وتر ہے اور وتر کو دوست رکھتا ہے۔ اور اُس نے جیسا کہ سات دن وتر پیدا کئے ہیں۔ ایسا ہی سات ہزار بھی وتر ہیں۔ ان تمام وجوہات سے سمجھ آسکتا ہے کہ یہی آخری زمانہ اور دُنیا کا آخری دَور ہے۔ جس کے سر پر مسیح موعود کا ظاہر ہونا کتب الٰہیہ سے ثابت ہوتا ہے۔ اور نواب صدیق حسن خاں اپنی کتاب حجج الکرامہ میں گواہی دیتے ہیں۔ کہ اسلام میں جس قدر اہل کشف گذرے ہیں۔ کوئی اُن میں سے مسیح موعود کا زمانہ مقرر کرنے میں چودھویں صدی کے سر سے آگے نہیں گذرا +

اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ مسیح موعود کو اس اُمت میں سے پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں وعدہ فرمایا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ نبوت کے اول اور آخر کے لحاظ سے حضرت موسےٰ سے متشابہ ہونگے۔ پس وہ مشابہت ایک تو اول زمانہ میں تھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا۔ اور ایک آخری زمانہ میں۔ سو اول مشابہت یہ ثابت ہوئی کہ جس طرح حضرت موسےٰ علیہ السلام کو خدا نے آخر کار فرعون اور اُس کے لشکر پر فتح دی تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو آخر کار ابو جہل پر جو اُس زمانہ کا فرعون تھا اور اس کے لشکر پر فتح دی اور ان سب کو ہلاک کر کے اسلام کو جزیرہ عرب میں قائم کر دیا۔ اور اس نصرت الٰہی سے یہ پیشینگوئی پوری ہوئی کہ انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدًا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ اور آخری زمانہ میں یہ مشابہت ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے ملت موسوی کے آخری زمانہ میں ایک مسیحا نبی مبعوث فرمایا جو جہاد کا مخالف تھا۔ اور دینی لڑائیوں سے اُسے کچھ سروکار نہ تھا بلکہ عفو اور

درگذر اُس کی تعلیم تھی۔ اور وہ ایسے وقت میں آیا تھا جبکہ بنی اسرائیل کی اخلاقی حالتیں بہت بگڑ چکی تھیں۔ اور ان کے چال چلن میں بہت فتور واقع ہوگیا تھا۔ اور ان کی سلطنت جاتی رہی تھی۔ اور وہ رومی سلطنت کے ماتحت تھے۔ اور وہ حضرت موسٰے سے ٹھیک ٹھیک چودھویں صدی پر ظاہر ہوا تھا۔ اور اس پر سلسلہ اسرائیلی نبوت کا ختم ہوگیا تھا۔ اور وہ اسرائیلی نبوت کی آخری اینٹ تھی۔ ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں مسیح ابن مریم کے رنگ اور صفت میں اس راقم کو مبعوث فرمایا اور میرے زمانہ میں رسم جہاد کو اُٹھا دیا۔ جیسا کہ پہلے سے خبر دیگئی تھی کہ مسیح موعود کے زمانہ میں جہاد کو موقوف کر دیا جائیگا۔ اور اُسی طرح مجھے عفو اور درگذر کی تعلیم دیگئی۔ اور میں ایسے وقت میں آیا جبکہ اندرونی حالت اکثر مسلمانوں کی یہودیوں کی طرح خراب ہو چکی تھی۔ اور روحانیت خراب ہو کر صرف رسوم اور رسم پرستی ان میں باقی رہ گئی تھی۔ اور قرآن شریف میں ان امور کی طرف پہلے سے اشارہ کیا گیا تھا جیسا کہ ایک جگہ مسلمانوں کے آخری زمانہ کے لئے قرآن شریف نے وہ لفظ استعمال کیا ہے جو یہود کے لئے استعمال کیا تھا۔ یعنی فرمایا لننظر کیف تعملون (یونس - ۱۴) جس کے یہ معنے ہیں کہ تم کو خلافت اور سلطنت دیجائیگی۔ مگر آخری زمانہ میں تمہاری بداعمالی کی وجہ سے وہ سلطنت تم سے چھین لیجائیگی۔ جیسا کہ یہودیوں سے چھین لی گئی تھی۔ اور پھر سورہ نور میں صریح اشارہ فرماتا ہے۔ کہ ہر ایک رنگ میں جیسے بنی اسرائیل میں خلیفے گذرے ہیں۔ وہ تمام رنگ اس امت کے خلیفوں میں بھی ہونگے۔ چنانچہ اسرائیلی خلیفوں میں سے حضرت عیسٰے ایسے خلیفے تھے جنہوں نے نہ تلوار اُٹھائی اور نہ جہاد کیا۔ سو اس امت کو بھی اسی رنگ کا مسیح موعود دیا گیا۔ دیکھو آیت وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً یعبدوننی لا یشرکون بی شیئًا ومن کفر بعد ذٰلک فاولٰئک ھم الفاسقون (النور - ۵۵) اس آیت میں فقرہ کما استخلف الذین من قبلھم قابل غور ہے۔ کیونکہ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ محمدی خلافت کا سلسلہ

موسوی خلافت کے سلسلہ سے مشابہ ہے۔ اور چونکہ **موسوی** خلافت کا انجام ایسے نبی پر ہوا یعنے حضرت عیسےٰ پر جو حضرت موسےٰ سے چودھویں صدی کے سر پر آیا۔ اور نیز کوئی جنگ اور جہاد نہیں کیا۔ اس لئے ضروری تھا کہ آخری خلیفہ سلسلہ محمدی کا بھی اُسی شان کا ہو +

اسی طرح احادیث صحیحہ میں بھی ذکر تھا۔ کہ آخری زمانہ میں اکثر حصہ مسلمانوں کا یہودیوں سے مشابہت پیدا کر لیگا۔ اور سورۃ فاتحہ میں بھی اسی کی طرف اشارہ تھا۔ کیونکہ اس میں یہ دعا سکھلائی گئی ہے۔ کہ اے خدا ہمیں ایسے یہودی بننے سے محفوظ رکھ جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے وقت میں تھے۔ اور ان کے مخالف تھے جن پر خدا تعالےٰ کا غضب اسی دنیا میں نازل ہوا تھا۔ اور یہ عادت اللہ ہے۔ کہ جب خدا تعالےٰ کسی قوم کو کوئی حکم دیتا ہے۔ یا اُن کو کوئی دعا سکھلاتا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے۔ کہ بعض لوگ اِن میں سے اس گناہ کے مرتکب ہونگے جس سے اُن کو منع کیا گیا ہے۔ پس چونکہ آیت غیر المغضوب علیہم سے مراد وہ یہودی ہیں جو ملت موسوی کے آخری زمانہ میں یعنی حضرت مسیح کے وقت میں بباعث نہ قبول کرنے حضرت مسیح کے مورد غضب الٰہی ہوئے تھے۔ اس لئے اس آیت میں سُنت مذکورہ کے لحاظ سے یہ پیشگوئی ہے۔ کہ اُمت محمدیہ کے آخری زمانہ میں بھی اسی امت میں سے مسیح موعود ظاہر ہوگا اور بعض اس کی مخالفت کر کے ان یہودیوں سے مشابہت پیدا کر لینگے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھے۔ یہ بات جائے اعتراض نہیں کہ آنے والا مسیح اگر اسی امت میں سے تھا تو اس کا نام احادیث میں عیسےٰ کیوں رکھا گیا کیونکہ عادت اللہ اسی طرح واقعہ ہے۔ کہ بعض کو بعض کا نام دیا جاتا ہے جیسا کہ احادیث میں ابوجہل کا نام فرعون اور حضرت نوح کا نام آدم ثانی رکھا گیا۔ اور یوحنّا کا نام ایلیا رکھا گیا۔ یہ وہ عادت الٰہی ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں +

اور خدا تعالےٰ نے آنے والے مسیح کو پہلے مسیح سے یہ بھی ایک مشابہت دی ہے۔ کہ پہلا مسیح یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام حضرت موسےٰ سے چودھویں صدی پر ظاہر ہوا تھا۔ اور ایسا ہی آخری مسیح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے

چودھویں صدی پر ظاہر ہوا۔ ایسے وقت میں جبکہ ہندوستان سے سلطنت اسلامی جاتی رہی تھی۔ اور انگریزی سلطنت کا دَور تھا جیسا کہ حضرت مسیح بھی ایسے ہی وقت میں ظاہر ہوئے تھے جبکہ اسرائیلی سلطنت زوال پذیر ہو کر یہودی لوگ رومی سلطنت کے ماتحت ہو چکے تھے۔ اور اس اُمت کے مسیح موعود کے لئے ایک اور مشابہت حضرت عیسٰے سے ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام پورے طور پر بنی اسرائیل میں سے نہ تھے۔ بلکہ صرف ماں کی وجہ سے اسرائیلی کہلاتے تھے۔ ایسا ہی اس عاجز کی بعض دادیاں سادات میں سے ہیں۔ گو باپ سادات میں سے نہیں۔ اور حضرت عیسٰے کے لئے خدا نے جو یہ پسند کیا۔ کہ کوئی اسرائیلی حضرت مسیح کا باپ نہ تھا۔ اس میں یہ بھید تھا۔ کہ خدا تعالےٰ بنی اسرائیل کی کثرت گناہوں کی وجہ سے ان پر سخت ناراض تھا۔ پس اس لئے تنبیہ کے طور پر ان کو یہ نشان دکھلایا۔ کہ ان میں سے ایک بچہ صرف ماں سے بغیر شراکت باپ کے پیدا کیا۔ گویا اسرائیلی وجود کے دو حصوں میں سے صرف ایک حصہ حضرت مسیح کے پاس رہ گیا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا۔ کہ آنے والے نبی میں یہ بھی نہیں ہوگا۔ پس چونکہ دنیا ختم ہونے پر ہے۔ اس لئے میری اس پیدائش میں بھی ایک اشارہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قیامت قریب ہے۔ اور وہی قریش کی خلافت کے وعدوں کو ختم کر دیگی۔ غرض موسوی اور محمدی مماثلت کو پورا کرنے کے لئے ایسے مسیح موعود کی ضرورت تھی۔ جو ان تمام لوازم کے ساتھ ظاہر ہوتا اور جیسا کہ سلسلہ اسلامیہ مثیل موسیٰ سے شروع ہوا۔ ایسا ہی وہ مثیل عیسٰے پر ختم ہو جائے تا آخر کو اول سے مشابہت ہو۔ پس یہ بھی میری سچائی کے لئے ایک ثبوت ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لئے جو خدا ترسی سے غور کرتے ہیں +

خدا اس زمانہ کے مسلمانوں پر رحم کرے کہ اکثر ان کے اعتقادی اُمور میں ظلم اور ناانصافی میں حد سے گذر گئے ہیں۔ قرآن شریف میں پڑھتے ہیں۔ کہ حضرت عیسٰے فوت ہو گئے۔ اور پھر ان کو زندہ سمجھتے ہیں۔ ایسا ہی قرآن شریف

ہیں سورہ نور میں پڑھتے ہیں۔ کہ تمام خلیفے آنے والے اسی اُمت میں سے ہونگے۔ اور پھر حضرت عیسےٰ کو آسمان سے اُتار رہے ہیں۔ اور صحیح بخاری اور مسلم میں پڑھتے ہیں۔ کہ وہ عیسےٰ جو اس اُمت کے لئے آئیگا وہ اسی اُمت میں سے ہوگا۔ پھر اسرائیلی عیسےٰ کے منتظر ہیں۔ اور قرآن شریف میں پڑھتے ہیں۔ کہ عیسےٰ دوبارہ دُنیا میں نہیں آئیگا۔ اور باوجود اس علم کے پھر اس کو دوبارہ دُنیا میں لانا چاہتے ہیں۔ اور باایں‌ہمہ دعوے اسلام بھی ہے اور کہتے ہیں۔ کہ حضرت عیسےٰ آسمان پر زندہ معہ جسم عنصری اُٹھائے گئے۔ مگر اس کا جواب نہیں دیتے۔ کہ کیوں اُٹھائے گئے۔ یہود کا جھگڑا تو صرف رفع روحانی کے بارہ میں تھا۔ اور ان کا خیال تھا۔ کہ ایمانداروں کی طرح حضرت عیسےٰ کی رُوح آسمان پر نہیں اُٹھائی گئی۔ کیونکہ وہ صلیب دیئے گئے تھے۔ اور جو صلیب دیا جائے وہ لعنتی ہے۔ یعنی آسمان پر خدا کی طرف اُس کی رُوح نہیں اُٹھائی جاتی۔ اور قرآن شریف نے صرف اُسی جھگڑے کو فیصلہ کرنا تھا جیسا کہ قرآن شریف کا دعوےٰ ہے۔ کہ وہ یہود و نصاریٰ کی غلطیوں کو ظاہر کرتا ہے اور اُن کے تنازعات کا فیصلہ کرتا ہے۔ پس یہود کا جھگڑا تو یہ تھا کہ عیسےٰ مسیح ایماندار لوگوں میں سے نہیں ہے۔ اور اُس کی نجات نہیں ہوئی۔ اور اُس کی روح کا رفع خدا تعالےٰ کی طرف نہیں ہُوا۔ اور فیصلہ طلب یہ امر تھا۔ کہ عیسےٰ مسیح ایماندار اور خدا کا سچا نبی ہے یا نہیں۔ اور اُسکی روح کا رفع مومنوں کی طرح خدا تعالےٰ کی طرف ہوا یا نہیں۔ یہی قرآن شریف نے فیصلہ کرنا تھا۔ پس اگر آیت بل رفعہ اللہ الیہ سے یہ مطلب ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے حضرت عیسےٰ کو مع جسم عنصری دوسرے آسمان پر اُٹھا لیا۔ تو اس کارروائی سے متنازعہ فیہ امر کا کیا فیصلہ ہُوا۔ گویا خدا نے امر متنازعہ فیہ کو سمجھا ہی نہیں۔ اور وہ فیصلہ دیا جو یہودیوں کے دعوے سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتا۔ پھر آیت میں تو یہ صاف لکھا ہے۔ کہ عیسےٰ کا رفع خدا کی طرف ہوا۔ یہ تو نہیں لکھا۔ کہ دوسرے آسمان کی طرف رفع ہُوا۔ کیا خدائے عزّ و جلّ دوسرے آسمان پر بیٹھا ہُوا ہے۔ یا نجات اور ایمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جسم بھی ساتھ ہی اُٹھایا جائے۔

اور عجب بات یہ ہے۔ کہ آیت بل رفعہ اللہ الیہ میں آسمان کا ذکر بھی نہیں
بلکہ اس آیت کے تو صرف یہ معنے ہیں۔ کہ خدا نے اپنی طرف مسیح کو اُٹھا لیا۔ اب
بتلاؤ۔ کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیلؑ۔ حضرت اسحاقؑ حضرت
یعقوبؑ۔ حضرت موسےٰؑ۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ کسی اور طرف
اُٹھائے گئے تھے۔ خدا کی طرف نہیں۔ مَیں اس جگہ زور سے کہتا ہوں۔ کہ اس
آیت کی حضرت مسیح سے تخصیص سمجھنا یعنی رفع الی اللہ اُنھیں کے ساتھ
خاص کرنا۔ اور دوسرے نبیوں کو اس سے باہر رکھنا۔ یہ کلمہ کفر ہے۔ اس سے
بڑھ کر اور کوئی کفر نہ ہوگا۔ کیونکہ ایسے معنوں سے باستثناء حضرت عیسےٰ تمام انبیاء
کو رفع سے جواب دیا گیا ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلعم نے معراج سے آکر اُنکے رفع
کی گواہی بھی دی +

یاد رہے۔ کہ حضرت عیسےٰ کے رفع کا ذکر صرف یہودیوں کی تنبیہ اور دفع اعتراض
کے لئے تھا۔ ورنہ یہ رفع تمام انبیاء اور رسل اور مومنوں میں عام ہے۔ مرنے
کے بعد ہر ایک مومن کا رفع ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت ھذا ذکر و ان
للمتقین لحسن ماب ۵ جنات عدن مفتحۃ لھم الابواب (ص - ۵۰)
میں اس رفع کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن کافر کا رفع نہیں ہوتا۔ چنانچہ آیت
لا تفتح لھم ابواب السماء (اعراف - ۴۰) اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے
ہاں جن لوگوں نے مجھ سے پہلے اس بارے میں غلطی کی ہے۔ اُن کو وہ غلطی
معاف ہے۔ کیونکہ اُن کو یاد نہیں دلایا گیا تھا۔ ان کو حقیقی معنے خدا کے کلام کے
سمجھائے نہیں گئے تھے۔ پر مَیں نے تم کو یاد دلا دیا۔ اور صحیح صحیح معنے سمجھا دیئے۔
اگر میں نہ آیا ہوتا۔ تو غلطی کے لئے رسمی تقلید کا ایک عذر تھا۔ لیکن اب کوئی
عذر باقی نہیں +

میرے لئے آسمان نے گواہی دی۔ اور زمین نے بھی۔ اور اس اُمت کے
بعض اولیاء نے میرا نام اور میرے مسکن کا نام لیکر گواہی دی۔ کہ وہی مسیح موعود ہے
اور بعض گواہی دینے والے میرے ظہور سے تیس برس پہلے دُنیا سے گذر چکے۔
جیسا کہ اُن کی شہادتیں میں شائع کر چکا ہوں۔ اور اسی زمانہ میں بعض بزرگان دین

نے جن کے لاکھوں انسان پیرو تھے ۔ خدا سے الہام پاکر اور آنحضرت ؐ سے رویا میں سُنکر میری تصدیق کی ۔ اور اب تک ہزارہا نشان مجھ سے ظاہر ہو چکے ہیں ۔ اور خدا کے پاک نبیوں نے میرے وقت اور زمانہ کو مقرر کیا ۔ اور اگر تم سوچو تو تمہارے ہاتھ پیر اور تمہارے دل بھی میرے لئے گواہی دیتے ہیں ۔ کیونکہ کمزوریاں حد سے گذر گئیں اور اکثر لوگ ایمان کی حلاوت کو بھی بھول گئے ۔ جس ضعف اور کمزوری اور غلطی اور بے راہی اور دُنیا پرستی اور تاریکی میں یہ قوم گرفتار ہو رہی ہے ۔ یہ حالت بالطبع تقاضا کر رہی ہے ۔ کہ کوئی اُٹھے اور اُن کی دستگیری کرے ۔ باانیہمہ اب تک میرا نام دجّال رکھا جاتا ہے ۔ وہ قوم کیسی بدنصیب ہے ۔ کہ ان کی ایسی نازک حالت کے وقت ان کے لئے دجّال بھیجا جائے ۔ وہ قوم کیسی بدبخت ہے کہ اُن کی اندرونی تباہی کے وقت ایک اور تباہی آسمان سے دی جائے ۔ اور کہتے ہیں کہ یہ شخص لعنتی ہے ۔ نے ایمان ہے ۔ یہی لفظ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بھی کہے گئے تھے ۔ اور ناپاک یہودی اب تک کہتے ہیں ۔ مگر قیامت کو جو لوگ جہنم کا مزہ چکھینگے وہ کہیں گے ومالنا لا نرٰی رجالا کُنّا نعدھم من الاشرار یعنی ہمیں کیا ہو گیا ۔ کہ دوزخ میں ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ہم شریر سمجھتے تھے ۔ دُنیا نے ہمیشہ خدا کے ماموروں سے دشمنی کی کیونکہ دُنیا سے پیار کرنا ۔ اور خدا کے مرسلوں سے پیار کرنا ہرگز ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتا ۔ اور تم دُنیا سے پیار نہ کرتے تو مجھے دیکھ لیتے ۔ لیکن اب تم مجھے دیکھ نہیں سکتے +

پھر ماسوائے اسکے اگر یہ بات صحیح ہے ۔ کہ آیت بل رفعه الله الیه کے یہی معنے ہیں ۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان دوم کی طرف اُٹھائے گئے ۔ تو پھر پیش کرنا چاہئیے کہ اصل متنازعہ فیہ امر کا فیصلہ کس آیت میں تبلایا گیا ہے ۔ یہودی جواب تک زندہ اور موجود ہیں ۔ وہ تو حضرت مسیح کے رفع کے اِنہیں معنوں سے مُنکر ہیں ۔ کہ وہ نعوذ باللہ مومن اور صادق نہ تھے ۔ اور اُنکی روح کا خدا کی طرف رفع نہیں ہوا ۔ اور شک ہو تو یہودیوں کے علماء سے جاکر پوچھ لو ۔ کہ وہ صلیبی موت سے یہ نتیجہ نہیں نکالتے کہ اس موت سے رُوح معہ جسم آسمان پر نہیں جاتی ۔ بلکہ وہ بالاتفاق یہ کہتے ہیں ۔ کہ جو شخص صلیب کے ذریعہ سے مارا جائے ۔ وہ ملعون ہے ۔ اُس کا خدا کی طرف رفع نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے

قرآن شریف میں حضرت عیسےٰ کی صلیبی موت سے انکار کیا۔ اور فرمایا۔ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم۔ اور صلبوہ کے ساتھ آیتہ میں قتلوہ کا لفظ بڑھا دیا تا اس بات پر دلالت کرے۔ کہ صرف صلیب پر چڑھایا جانا موجب لعنت نہیں۔ بلکہ شرط یہ ہے۔ کہ صلیب پر چڑھایا بھی جاوے۔ اور بہ نیت قتل اُس کی ٹانگیں بھی توڑ دی جائیں۔ اور اس کو مار ا بھی جاوے۔ تب وہ موت ملعون کی موت کہلائیگی۔ مگر خدا نے حضرت عیسےٰ کو اس موت سے بچا لیا۔ وہ صلیب پر چڑھائے گئے۔ مگر صلیب کے ذریعہ سے اُن کی موت نہیں ہوئی۔ ہاں یہود کے دلوں میں یہ شبہ ڈال دیا کہ گویا وہ صلیب پر مر گئے ہیں۔ اور یہی دھوکا نصاریٰ کو بھی لگ گیا۔ ہاں انہوں نے خیال کیا کہ وہ مرنے کے بعد زندہ ہو گئے ہیں۔ لیکن اصل بات صرف اتنی تھی۔ کہ اس صلیب کے صدمہ سے بیہوش ہو گئے تھے۔ اور یہی معنے شبہ لھم کے ہیں۔ اس واقعہ پر مرھم عیسیٰ کا نسخہ ایک عجیب شہادت ہے جو صدہا سال سے عبرانیوں اور رومیوں اور یونانیوں اور اہل اسلام کی قرابا دینوں میں مندرج ہوتا چلا آیا ہے۔ جس کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عیسےٰ کے واسطے یہ نسخہ بنایا گیا تھا۔

غرض یہ خیالات نہایت قابل شرم ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ حضرت مسیح کو معہ جسم آسمان پر اُٹھا لے گیا تھا۔ گویا یہودیوں سے ڈرتا تھا۔ کہ کہیں پکڑ نہ لیں۔ جن لوگوں کو اصل تنازعہ کی خبر نہ تھی۔ اُنھوں نے ایسے خیالات پھیلائے ہیں۔ اور ایسے خیالات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجو ہے۔ کیونکہ آپ سے قریش نے بتمام تر اصرار یہ معجزہ طلب کیا تھا۔ کہ آپ ہمارے روبرو آسمان پر چڑھ جائیں۔ اور کتاب لیکر آسمان سے اُتریں تو ہم سب ایمان لے آویںگے۔ اور اُن کو یہ جواب ملا تھا۔ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا۔ یعنی میں ایک بشر ہوں اور خدا تعالےٰ اس سے پاک ہے۔ کہ وعدہ کے برخلاف کسی بشر کو آسمان پر چڑھائے۔ حالانکہ وہ وعدہ کر چکا ہے۔ کہ تمام بشر زمین پر ہی اپنی زندگی بسر کرینگے۔ لیکن حضرت مسیح کو خدا نے آسمان پر معہ جسم چڑھا دیا۔ اور اس وعدہ کا کچھ پاس نہ کیا۔ جیسا کہ فرمایا تھا فیھا تحیون وفیھا تموتون ومنھا تخرجون +

بعض کا یہ خیال ہے۔ کہ ہمیں کسی مسیح موعود کے ماننے کی ضرورت نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ گو ہم نے قبول کیا۔ کہ حضرت عیسےٰ فوت ہو گئے ہیں۔ لیکن جبکہ ہم مسلمان ہیں اور

نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں۔ اور احکام اسلام کی پیروی کرتے ہیں تو پھر ہمیں کسی دوسرے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس خیال کے لوگ سخت غلطی میں ہیں اول تو وہ مسلمان ہونے کا دعوے کیونکر کر سکتے ہیں۔ جبکہ وہ خدا اور رسول کے حکم کو نہیں مانتے حکم تو یہ تھا کہ جب وہ امام موعود ظاہر ہو۔ تو تم بلا توقف اس کی طرف دوڑو۔ اور اگر برف پر گھٹنوں کے بل بھی چلنا پڑے تب بھی اپنے تئیں اُس تک پہنچاؤ۔ لیکن اس کے برخلاف اب لاپروائی ظاہر کیجاتی ہے۔ کیا یہی اسلام ہے۔ اور یہی مسلمانی ہے۔ اور نہ صرف اس قدر بلکہ سخت سخت گالیاں دی جاتی ہیں۔ اور کافر کہا جاتا ہے۔ اور نام دجّال رکھا جاتا ہے۔ اور جو شخص مجھے دُکھ دیتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے۔ کہ اُس نے بڑا ثواب کا کام کیا ہے۔ اور جو مجھے کاذب کہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں نے خدا کو خوش کر دیا۔ اے وے لوگو! جن کو صبر اور تقوے کی تعلیم دیگئی تھی۔ تمہیں جلد بازی اور بدظنی کس نے سکھلائی۔ کونسا نشان ہے جو خدا نے ظاہر نہ کیا۔ اور کونسی دلیل ہے۔ جو خدا نے پیش نہ کی مگر تم نے قبول نہ کیا۔ اور خدا کے حکموں کو دلیری سے ٹال دیا ہیں اس زمانہ کے حیلہ گر لوگوں کو کس سے تشبیہ دوں۔ وہ اس مکار سے مشابہ ہیں کہ روز روشن میں آنکھیں بند کر کے کہتا ہے۔ کہ سورج کہاں ہے۔ اے اپنے نفس کے دھوکہ دینے والے! اول اپنی آنکھ کھول پھر تجھے سورج دکھائی دیگا۔ خدا کے مرسل کو کافر کہنا سہل ہے۔ مگر ایمان کی باریک راہوں میں اس کی پیروی کرنا مشکل ہے۔ خدا کے فرستادہ کو دجّال کہنا بہت آسان ہے۔ مگر اُس کی تعلیم کے موافق تنگ دروازہ میں سے داخل ہونا دشوار امر ہے۔ ہر ایک جو کہتا ہے کہ مجھے مسیح موعود کی پروا نہیں ہے اُس کو ایمان کی پروا نہیں ہے۔ ایسے لوگ حقیقی ایمان اور نجات اور سچی پاکیزگی سے لاپروا ہیں۔ اگر وہ ذرہ انصاف سے کام لیں اور اپنے اندرونی حالات پر نظر ڈالیں تو اُنہیں معلوم ہوگا کہ بغیر اس تازہ یقین کے جو خدا کے مرسلوں اور نبیوں کے ذریعہ سے آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ اُنکی نمازیں صرف رسم اور عادت ہیں اور اُن کے روزے صرف فاقہ کشی ہیں ؛

اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان نہ تو واقعی طور پر گناہ سے نجات پا سکتا ہے۔ اور نہ سچے طور پر خدا سے محبّت کر سکتا ہے۔ اور نہ جیسا کہ حق ہے اس سے ڈر سکتا ہے جبتک کہ اُسی کے

فضل اور کرم سے اسکی معرفت حاصل نہ ہو۔ اور اس سے طاقت نہ ملے۔ اور یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ ہر ایک خوف اور محبت معرفت سے ہی حاصل ہوتی ہے دُنیا کی تمام چیزیں جن سے انسان دل لگاتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے یا ان سے ڈرتا ہے اور دور بھاگتا ہے۔ یہ سب حالات انسان کے دل کے اندر معرفت کے بعد ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ معرفت حاصل نہیں ہوسکتی جب تک خدا تعالےٰ کا فضل نہ ہو۔ اور نہ مفید ہوسکتی ہے جب تک خدا تعالےٰ کا فضل نہ ہو۔ اور فضل کے ذریعہ سے معرفت آتی ہے تب معرفت کے ذریعہ سے حق بینی اور حق جوئی کا ایک دروازہ کُھلتا ہے۔ اور پھر بار بار دور فضل سے ہی وہ دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اور بند نہیں ہوتا۔ غرض معرفت فضل کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اور پھر فضل کے ذریعہ سے ہی باقی رہتی ہے۔ فضل معرفت کو نہایت مصفّٰے اور روشن کر دیتا ہے۔ اور حجابوں کو درمیان سے اُٹھا دیتا ہے۔ اور نفس امّارہ کی گرد و غُبار کو دور کر دیتا ہے۔ اور روح کو قوت اور زندگی بخشتا ہے۔ اور نفس امّارہ کو امّارگی کی زندان سے نکالتا ہے۔ اور بد خواہشوں کی پلیدی سے پاک کرتا ہے۔ اور نفسانی جذبات کی تند سیلاب سے باہر لاتا ہے۔ تب انسان میں ایک تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ ایسی گندی زندگی سے طبعاً بیزار ہو جاتا ہے کہ بعد اس کے پھر گناہ کی طرف رُخ کرے پہلی حرکت جو فضل کے ذریعہ سے روح میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ دُعا ہے۔ یہ خیال مت کرو۔ کہ ہم بھی ہر روز دُعا کرتے ہیں۔ اور تمام نماز دُعا ہی ہے۔ جو ہم پڑھتے ہیں۔ کیونکہ وہ دُعا جو معرفت کے بعد اور فضل کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ اور رنگ اور کیفیت رکھتی ہے۔ وہ فنا کرنے والی چیز ہے وہ گداز کرنیوالی آگ ہے۔ وہ رحمت کو کھینچنے والی ایک مقناطیسی کشش ہے۔ وہ موت ہے۔ پر آخر کو زندہ کرتی ہے۔ وہ ایک تند سیل ہے۔ پر آخر کو کشتی بن جاتی ہے۔ ہر ایک بگڑی ہوئی بات اس سے بن جاتی ہے۔ اور ہر ایک زہر آخر اس سے تریاق ہو جاتا ہے +

مبارک وہ قیدی جو دعا کرتے ہوئے تھکتے نہیں کیونکہ وہ ایک دن رہائی پائینگے۔

مبارک وہ اندھے جو دعاؤں میں سُست نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ ایک دن دیکھنے لگینگے۔

مبارک وہ جو قبروں میں پڑے ہوئے دعاؤں کے ساتھ خدا کی مدد چاہتے ہیں کیونکہ وہ ایک دن قبروں سے باہر نکالے جائینگے +

مبارک تم جبکہ تم دعا کرنےمیں کبھی ماندہ نہیں ہوتے اور تمہاری روح دعا کے لئے پگھلتی اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے۔ اور تمہیں تنہائی کا ذوق اٹھانے کیلئے اندھیری کوٹھڑیوں اور سنسان جنگلوں میں لیجاتی ہے۔ اور تمہیں بے تاب اور دیوانہ اور ازخود رفتہ بنا دیتی ہے کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جاویگا۔ وہ خدا جس کی طرف ہم بلاتے ہیں نہایت کریم و رحیم حیا والا۔ صادق وفادار عاجزوں پر رحم کرنیوالا ہے پس تم بھی وفادار بن جاؤ۔ اور پورے صدق اور وفا سے دعا کرو۔ کہ وہ تم پر رحم فرمائیگا۔ دنیا کے شور و غوغا سے الگ ہو جاؤ۔ اور نفسانی جھگڑوں کا دین کو رنگ مت دو خدا کیلئے ہار اختیار کر لو اور شکست کو قبول کر لو۔ تا بڑی بڑی فتحوں کے تم وارث بن جاؤ۔ دعا کرنیوالوں کو خدا معجزہ دکھائیگا۔ اور مانگنے والوں کو ایک خارق عادت نعمت دیجائیگی۔ دعا خدا سے آتی ہے۔ اور خدا کی طرف ہی جاتی ہے دعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تمہاری جان تم سے نزدیک ہے دعا کی پہلی نعمت یہ ہے۔ کہ انسان میں پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے پھر اس تبدیلی سے خدا بھی اپنے صفات میں تبدیلی کرتا ہے۔ اس کے صفات تو غیر متبدل ہیں۔ مگر تبدیلی یافتہ کے لئے اُس کی ایک الگ تجلی ہے جسکو دنیا نہیں جانتی۔ گویا وہ اور خدا ہے۔ حالانکہ اور کوئی خدا نہیں مگر نئی تجلی نئے رنگ میں اُسکو ظاہر کرتی ہے۔ تب اُس خاص تجلی کی شان میں اس تبدیل یافتہ کے لئے وہ کام کرتا ہے جو دوسروں کے لئے نہیں کرتا۔ یہی خوارق ہیں +

غرض دعا وہ اکسیر ہے جو ایک مشت خاک کو کیمیا کر دیتی ہے۔ اور وہ ایک پانی ہے جو اندرونی غلاظتوں کو دھو دیتا ہے۔ اس دعا کے ساتھ روح پگھلتی ہے۔ اور پانی کیطرح بہ کر آستانہ حضرت احدیت پر گرتی ہے۔ وہ خدا کے حضور میں کھڑی بھی ہوتی ہے۔ اور رکوع بھی کرتی ہے اور سجدہ بھی کرتی ہے۔ اور اُسی کی ظل وہ نماز ہے جو اسلام نے سکھائی ہے۔ اور روح کا کھڑا ہونا یہ ہے۔ کہ وہ خدا کے لئے ہر ایک مصیبت کی برداشت اور حکم ماننے کے بارے میں مستعدی ظاہر کرتی ہے۔ اور اُس کا رکوع یعنی جھکنا یہ ہے کہ وہ تمام محبتوں اور تعلقوں کو چھوڑ کر خدا کی طرف جھک آتی ہے۔ اور خدا کے لئے ہو جاتی ہے۔ اور اُس کا سجدہ یہ ہے کہ وہ خدا کے آستانہ پر گر کر اپنے تئیں بکلی کھو دیتی ہے۔ اور اپنے نقش وجود کو مٹا دیتی ہے یہی نماز ہے جو خدا کو ملاتی ہے۔ اور شریعت اسلامی نے اسکی تصویر معمولی نماز میں کھینچ کر دکھلائی ہے تا وہ جسمانی نماز روحانی نماز کی طرف محرک ہو کیونکہ خدا تعالےٰ نے انسان کے وجود کی ایسی بناوٹ پیدا کی ہے کہ روح کا اثر جسم پر اور جسم کا اثر روح پر ضرور ہوتا ہے۔ جب تمہاری روح غمگین ہو تو آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو جاتے ہیں

اور جب روح میں خوشی پیدا ہو۔ تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہو جاتی ہے یہاں تک کہ انسان بسا اوقات ہنسنے لگتا ہے ایسا ہی جب جسم کو کوئی تکلیف اور درد پہنچے تو اس درد میں روح بھی شریک ہوتی ہے۔ اور جب جسم کسی ٹھنڈی ہوا سے خوش ہو۔ تو روح بھی اس سے کچھ حصہ لیتی ہے۔ پس جسمانی عبادات کی غرض یہ ہے۔ کہ روح اور جسم کے باہمی تعلقات کی وجہ سے روح میں حضرت احدیت کی طرف حرکت پیدا ہو اور وہ روحانی قیام اور رکوع اور سجود میں مشغول ہو جائے۔ کیونکہ انسان ترقیات کے لئے مجاہدات کا محتاج ہے۔ اور یہ بھی ایک قسم مجاہدہ کی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جب دو چیزیں باہم پیوست ہوں تو جب ہم انمیں سے ایک چیز کو اٹھائینگے۔ تو اس اٹھانے سے دوسری چیز کو بھی جو اس سے ملحق ہے کچھ حرکت پیدا ہوگی لیکن صرف جسمانی قیام اور رکوع اور سجود میں کچھ فائدہ نہیں ہے۔ جبتک کہ اسکے ساتھ یہ کوشش شامل نہ ہو۔ کہ روح بھی اپنے طور سے قیام اور رکوع اور سجود سے کچھ حصہ لے اور یہ حصہ لینا معرفت پر موقوف ہے۔ اور معرفت فضل پر موقوف ✦

خدا نے قدیم سے جب سے کہ انسان کو پیدا کیا ہے یہ سنت جاری کی ہے کہ وہ پہلے اپنے فضل عظیم سے جسکو چاہتا ہے اس پر روح القدس ڈالتا ہے۔ اور پھر روح القدس کی مدد سے اسکے اندر اپنی محبت پیدا کرتا ہے اور صدق و ثبات بخشتا ہے۔ اور بہت سے نشانوں سے اسکی معرفت کو قوی کر دیتا ہے۔ اور اُسکی کمزوریوں کو دور کر دیتا ہے۔ یہانتک کہ وہ سچ مچ اسکی راہ میں جان دینے کو تیار ہوتا ہے۔ اور اس کا اس ذات قدیم سے کچھ ایسا غیر منفک تعلق ہو جاتا ہے۔ کہ وہ تعلق کسی مصیبت سے دور نہیں ہو سکتا اور کوئی تلوار اس علاقہ کو قطع نہیں کر سکتی۔ اور اس محبت کا کوئی عارضی سہارا نہیں ہوتا۔ نہ بہشت کی خواہش۔ نہ دوزخ کا خوف۔ نہ دنیا کا آرام اور نہ کوئی مال و دولت بلکہ ایک لامعلوم تعلق ہے جسکو خدا ہی جانتا ہے۔ اور عجیب تر یہ کہ یہ گرفتار محبت بھی اس تعلق کی کُنہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ کہ کیوں ہے، اور کس خواہش اور کس طرح سے ہے۔ کیونکہ وہ ازل سے تعلق ہوتا ہے۔ وہ تعلق معرفت کے ذریعہ سے نہیں۔ بلکہ معرفت بعد میں آتی ہے۔ جو اُس تعلق کو روشن کر دیتی ہے۔ جیسا کہ پتھر میں آگ تو پہلے سے ہے۔ لیکن چقماق سے آگ کے شعلے نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے شخص میں ایک طرف تو خدا تعالے کی ذاتی محبت ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف بنی نوع کی ہمدردی اور اصلاح کا بھی ایک عشق ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک طرف تو خدا کے ساتھ اُسکا ایسا ربط ہوتا ہے۔ کہ اُس کی طرف ہر وقت کھینچا چلا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف نوع انسان کے ساتھ بھی اُسکو ایسا تعلق ہوتا ہے جو اُنکی مستعد طبائع کو اپنی طرف کھینچتا ہے جیسا کہ آفتاب زمین کے تمام طبقات کو اپنی طرف کھینچ رہا

ہے۔ اور خود بھی ایک طرف کھینچا جارہا ہے۔ یہی حالت اُس شخص کی ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اصطلاح اسلام میں **نبی** اور **رسول** اور **محدّث** کہتے ہیں۔ اور وہ خدا کے پاک مکالمات اور مخاطبات سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور خوارق ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اکثر دعائیں اُن کی قبول ہوتی ہیں۔ اور اپنی دعاؤں میں خدا تعالےٰ سے بکثرت جواب پاتے ہیں۔ بعض جاہل اس جگہ یہ کہا کرتے ہیں کہ ہمیں بھی سچی خوابیں آجاتی ہیں کبھی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے کبھی الہام بھی ہو جاتا ہے۔ پس ہم میں اور رسول میں کیا فرق ہے۔ پس اُنکے نزدیک خدا کے نبی مکّار یا دھوکا خوردہ ہیں۔ جو ایک معمولی بات پر فخر کر رہے ہیں۔ اور اُن میں اور اُن کے غیر میں کچھ بھی فرق نہیں یہ ایک ایسا مغرورانہ خیال ہے۔ جس سے اس زمانہ میں بہت سے لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ لیکن طالب حق کیلئے ان اوہام کا صاف جواب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بلاشبہ یہ بات سچ ہے کہ خدا نے ایک گروہ کو اپنے خاص **فضل** اور عنایت کے ساتھ برگزیدہ کر کے اپنی روحانی نعمتوں کا بہت سا حصہ اُن کو دیا ہے اسلئے باوجود اسکے کہ ایسے معاند اور اندھے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام سے منکر رہے ہیں تاہم خدا کے نبی ان پر غالب آتے رہے ہیں۔ اور ان کا خارق عادت نور ہمیشہ ایسے طور سے ظاہر ہوتا رہا ہے۔ آخر عقلمندوں کو ماننا پڑا ہے۔ کہ اُن میں اور اُنکے غیروں میں ایک عظیم الشان امتیاز ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ ایک مفلس گدائی پیشہ کے پاس بھی چند درہم ہوتے ہیں۔ اور ایک شہنشاہ کے خزانے بھی دراہم سے پُر ہوتے ہیں۔ مگر وہ مفلس نہیں کہہ سکتا کہ میں اس بادشاہ کے برابر ہوں۔ یا مثلاً ایک کیڑے میں روشنی ہوتی ہے جو رات کو چمکتا ہے۔ اور آفتاب میں بھی روشنی ہے۔ مگر کیڑا نہیں کہہ سکتا کہ میں آفتاب کے برابر ہوں۔ اور خدا نے جو عام لوگوں کے نفوس میں رویا اور کشف اور الہام کی کچھ کچھ تخم ریزی کی ہے وہ محض اسلئے ہے کہ وہ لوگ اپنے ذاتی تجربہ سے انبیاء علیہم السّلام کو شناخت کر سکیں۔ اور اس راہ سے بھی ان پر حجّت پوری ہو اور کوئی عذر باقی نہ رہے ✦

اور پھر ایک خصوصیت خدا کے برگزیدہ بندوں میں یہ ہے۔ کہ وہ اہل تاثیر اور اہل جذب ہوتے ہیں اور وہ دُنیا میں روحانی سلسلوں کے قائم کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ اور چونکہ وہ علیٰ وجہ البصیرت رہنمائی کرتے ہیں۔ اور مخلوق کے ظلماتی پردوں کو درمیان سے اُٹھاتے ہیں اسلئے سچی معرفت الٰہی اور سچی محبت الٰہی اور سچا زہد و تقوےٰ اور ذوق اور حلاوت اُنھیں کے ذریعہ سے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور اُن سے تعلق توڑنا ایسا ہوتا ہے کہ جیسا کہ ایک شاخ اپنے درخت سے تعلق توڑ دے۔ اور اُن تعلقات میں کچھ ایسی خاصیت ہے۔ کہ تعلق کرنے کے ساتھ ہی بشرط مناسبت روحانیت

کا نشو ونما شروع ہو جاتا ہے۔ اور تعلق توڑنے کے ساتھ ہی ایمانی حالت پر گرد و غبار آنا شروع ہو جاتا ہے پس یہ نہایت مغرورانہ خیال ہے کہ کوئی یہ کہے کہ مجھے خدا کے نبیوں اور رسولوں کی ضرورت نہیں۔ اور نہ کچھ حاجت۔ یہ سلب ایمان کی نشانی ہے۔ اور ایسے خیال والا انسان اپنے تئیں دھوکہ دیتا ہے جبکہ وہ کہتا ہے۔ کہ کیا میں نماز نہیں پڑھتا یا روزہ نہیں رکھتا یا کلمہ گو نہیں ہوں۔ چونکہ وہ سچے ایمان اور سچے ذوق وشوق سے بیخبر ہے۔ اسلئے ایسا کہتا ہے۔ اُس کو سوچنا چاہئیے کہ گو انسان کو خدا ہی پیدا کرتا ہے۔ مگر کس طرح اس نے ایک انسان کو دوسرے انسان کی پیدائش کا سبب بنا دیا ہے۔ پس جس طرح جسمانی سلسلہ میں جسمانی باپ ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ ایسا ہی روحانی سلسلہ میں روحانی باپ بھی ہیں جن سے روحانی پیدائش ہے ہوشیار رہو اور اپنے تئیں صرف ظاہری صورت اسلام سے دھوکہ مت دو اور خدا کے کلام کو غور سے پڑھو کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے۔ وہ وہی چاہتا ہے جس کے بارہ میں سورہ فاتحہ میں تمہیں دُعا سکھلائی گئی ہے یعنے یہ دعا کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم۔ پس جبکہ خدا تمہیں یہ تاکید کرتا ہے کہ پنج وقت یہ دعا کرو کہ وہ نعمتیں جو نبیوں اور رسولوں کے پاس ہیں وہ تمہیں بھی ملیں۔ تو پھر تم بغیر نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ کے وہ نعمتیں کیونکر پا سکتے ہو۔ لہذا ضرور ہوا کہ تمہیں یقین اور محبت کے مرتبہ پر پہنچانے کیلئے خدا کے انبیا وقتاً بعد وقت آتے رہیں جن سے تم وہ نعمتیں پاؤ۔ اب کیا تم خدا تعالےٰ کا مقابلہ کروگے اور اُسکے قدیم قانون کو توڑ دوگے۔ کیا نطفہ کہہ سکتا ہے کہ میں باپ کے ذریعہ سے پیدا ہونا نہیں چاہتا کیا کان کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہم ہوا کے ذریعہ سے آواز کو سننا نہیں چاہتے۔ اس سے بڑھکر اور کیا نادانی ہوگی کہ خدا تعالےٰ کے قانون قدیم پر حملہ ہو +

اخیر پر یہ بھی واضح ہو۔ کہ میرا اس زمانہ میں خدا تعالےٰ کیطرف سے آنا محض مسلمانوں کی اصلاح کیلئے ہی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں اور عیسائیوں تینوں قوموں کی اصلاح منظور ہے۔ اور جیسا کہ خدا نے مجھے مسلمانوں اور عیسائیوں کیلئے مسیح موعود کر کے بھیجا ہے ایسا ہی میں ہندوؤں کے لئے بطور اوتار کے ہوں۔ اور میں عرصہ بیس برس سے یا کچھ زیادہ برسوں سے اس بات کو شہرت دے رہا ہوں۔ کہ میں ان گناہوں کے دور کرنے کیلئے جن سے زمین پُر ہو گئی ہے جیسا کہ مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہوں ایسا ہی راجہ کرشن کے رنگ میں بھی ہوں۔ جو ہندو مذہب کے تمام اوتاروں میں سے ایک بڑا اوتار تھا۔ یا یوں کہنا چاہئیے۔ کہ روحانی حقیقت کے رو سے میں وہی ہوں۔ یہ میرے خیال اور قیاس سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا خدا ہے

اُس نے یہ میرے پر ظاہر کیا ہے۔ اور نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مجھے بتلایا ہے کہ تو ہندوؤں کیلئے کرشن
اور مسلمانوں اور عیسائیوں کیلئے مسیح موعود ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ جاہل مسلمان اسکو سن کر
فی الفور یہ کہینگے کہ ایک کافر کا نام اپنے پر لیکر کفر کو صریح طور پر قبول کیا ہے لیکن یہ خدا کی وحی ہے جسکے
اظہار کے بغیر میں رہ نہیں سکتا۔ اور **آج یہ پہلا دن ہے**۔ کہ ایسے بڑے مجمع میں اس بات کو
میں پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ جو لوگ خدا کیطرف سے ہوتے ہیں۔ وہ کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہیں
ڈرتے۔ اب واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ درحقیقت ایک ایسا کامل انسان
تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی۔ اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی
تھا جس پر خدا کی طرف سے روح القدس اُترتا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے فتحمند اور بااقبال تھا جس نے
آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا۔ جس کی تعلیم کو پیچھے
سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا۔ وہ خدا کی محبت سے پُر تھا۔ اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا
تھا۔ خدا کا وعدہ تھا۔ کہ آخری زمانہ میں اس کا بروز یعنے اوتار پیدا کرے سو یہ وعدہ میرے ظہور سے
پورا ہوا۔ مجھے منجملہ اور الہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا تھا۔ کہ **ہے کرشن رودّر
گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے**۔ سو میں کرشن سے محبت کرتا ہوں
کیونکہ میں اس کا مظہر ہوں۔ اور اس جگہ ایک اور راز درمیان میں ہے۔ کہ جو صفات کرشن
کی طرف منسوب کئے گئے ہیں (یعنے پاپ کا نشٹ کرنے والا اور غریبوں کی دلجوئی کرنے والا اور اُن کو
پالنے والا) یہی صفات مسیح موعود کے ہیں پس گویا روحانیت کے رُو سے کرشن اور مسیح موعود
ایک ہی ہیں صرف قومی اصطلاح میں تغائر ہے +

اب میں بحیثیت کرشن ہونے کے آریہ صاحبوں کو ان کی چند غلطیوں پر تنبیہ کرتا ہوں انہیں
سے ایک تو وہی ہے۔ جس کا ذکر میں پہلے بھی کر آیا ہوں۔ کہ یہ طریق اور یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے کہ
روحوں اور ذرات عالم کو جن کو پرکرتی یا پرمانو بھی کہتے ہیں۔ غیر مخلوق اور
انادی سمجھا جائے۔ غیر مخلوق بجز اُس پرمیشر کے کوئی بھی نہیں جو کسی دوسرے کے
سہارے سے زندہ نہیں۔ لیکن وہ چیزیں جو کسی دوسرے کے سہارے سے زندہ
ہیں۔ وہ غیر مخلوق نہیں ہو سکتیں۔ کیا روحوں کے گُن خود بخود ہیں؟ اُن کا پیدا کرنیوالا
کوئی نہیں؟ اگر یہی صحیح ہے تو روحوں کا جسموں میں داخل ہونا بھی خود بخود ہو سکتا ہے
اور ذرات کا اکٹھے ہونا اور متفرق ہونا بھی خود بخود ہو سکتا ہے۔ اس طریق سے پرمیشر

کا وجود ماننے کے لئے کوئی عقلی دلیل آپ کے ہاتھ میں نہیں رہیگی۔ کیونکہ اگر عقل اس بات کو قبول کرسکتی ہے۔ کہ تمام ارواح معہ اپنے تمام گُنوں کے جو اُن کے اندر پائے جاتے ہیں خود بخود ہیں۔ تو اس دوسری بات کو بھی بہت خوشی سے قبول کرلے گی کہ روحوں اور اجسام کا باہم اتصال یا انفصال بھی خود بخود ہے۔ اور جبکہ خود بخود ہونے کی بھی راہ کھُلی ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک جگہ وہ راہ کھلی رکھی جاوے اور دوسری جگہ بند کیجاوے۔ یہ طریق کسی منطق سے ریندھ نہیں ہوسکتا +

پھر اس غلطی نے ایک اور غلطی میں آریہ صاحبوں کو پھنسا دیا ہے جس میں اُن کا خود نقصان ہے۔ جیساکہ پہلی غلطی میں پرمیشر کا نقصان ہے۔ اور وہ یہ کہ آریہ صاحبوں نے مکتی کو میعادی ٹھیرا دیا ہے۔ اور تناسخ ہمیشہ کے لئے گلے کا ہار قرار دیا گیا ہے۔ جس سے کبھی نجات نہیں۔ کیا یہ بخل اور تنگ دلی خدائے رحیم و کریم کی طرف منسوب کرنا عقل سلیم تجویز کرسکتی ہے۔ جس حالت میں پرمیشر کو ابدی نجات دینے کی قدرت تھی۔ اور وہ سرب شکتیمان تھا تو کچھ سمجھ نہیں آتا کہ ایسا بخل اُس نے کیوں کیا۔ کہ اپنی قدرت کے فیض سے بندوں کو محروم رکھا۔ اور پھر یہ اعتراض اور بھی مضبوط ہوتا ہے۔ جبکہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ جن روحوں کو ایک طول طویل عذاب میں ڈالا ہے۔ اور ہمیشہ کے لئے جُونیں بھگتنے کی مصیبت اُن کی قسمت میں لکھ دی ہے وہ سب روحیں پرمیشر کی مخلوق بھی نہیں ہیں۔ اس کا جواب آریہ صاحبان کی طرف سے یہ سنایا گیا ہے۔ کہ پرمیشور ہمیشہ کی مکتی دینے پر قادر تو تھا۔ سرب شکتیمان جو ہوا۔ لیکن میعادی مکتی اس وجہ سے تجویز کی گئی کہ تا سلسلہ تناسخ کا ٹوٹ نہ جائے۔ کیونکہ جس حالت میں روحیں ایک تعداد مقررہ کے اندر ہیں۔ اور اس سے زیادہ نہیں ہوسکتیں پس ایسی صورت میں اگر دائمی مکتی ہوتی تو جونوں کا سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ کیونکہ جو روح نجات ابدی پاکر مکتی خانہ میں گئی۔ وہ تو گویا پرمیشور کے ہاتھ سے گئی۔ اور اس روزمرہ کے خرچ کا آخری نتیجہ ضرور یہ ہونا تھا کہ ایک دن ایک روح بھی جونوں میں ڈالنے کے لئے پرمیشور کے ہاتھ میں نہ رہتی۔ اور کسی دن یہ شغل تمام ہوکر پرمیشور معطل ہوکر بیٹھ جاتا۔ پس ان مجبوریوں کی وجہ سے پرمیشور نے یہ انتظام کیا کہ مکتی کو ایک حد تک

محدود رکھا۔ اور پھر اسی جگہ ایک اور اعتراض ہوتا تھا کہ پرمیشور نے گناہوں کو جو ایکدفعہ مکتی پا چکے اور گناہوں سے صاف ہو چکے۔ پھر مکتی خانہ سے کیوں بار بار نکالتا ہے۔ اس اعتراض کو پرمیشر نے اس طرح دفع کیا کہ ہر ایک شخص جس کو مکتی خانہ میں داخل کیا ایک گناہ اس کے ذمہ رکھ لیا۔ اسی گناہ کی سزا میں آخر کار ہر ایک روح مکتی خانہ سے نکالی جاتی ہے۔

یہ ہیں اصول آریہ صاحبوں کے۔ اب انصاف کرنا چاہئے کہ جو شخص ان مجبوریوں میں پھنسا ہوا ہے۔ اس کو پرمیشر کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ بڑا افسوس ہے کہ آریہ صاحبوں نے ایک صاف مسئلہ خالقیت باری تعالےٰ سے انکار کر کے اپنے تئیں بڑی مشکلات میں ڈال لیا۔ اور پرمیشر کے کاموں کو اپنے نفس کے کاموں پر قیاس کر کے اس کی توہین بھی کی۔ اور یہ نہ سوچا کہ خدا ہر ایک صفت میں مخلوق سے الگ ہے۔ اور مخلوق کے پیمانہ صفات سے خدا کو ناپنا یہ ایک ایسی غلطی ہے۔ جس کو اہل مناظرہ قیاس مع الفارق کہتے ہیں۔ اور یہ کہنا کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی یہ تو مخلوق کے کاموں کی نسبت عقل کا ایک ناقص تجربہ ہے۔ پس اسی قاعدہ کے نیچے خدا کی صفات کو بھی داخل کرنا اگر ناسمجھی نہیں تو اور کیا ہے۔ خدا بغیر جسمانی زبان کے بولتا ہے۔ اور بغیر جسمانی کانوں کے سنتا ہے۔ اور بغیر جسمانی آنکھوں کے دیکھتا ہے۔ اسی طرح وہ بغیر جسمانی لوازم کے پیدا بھی کرتا ہے۔ اس کو مادہ کے لئے مجبور کرنا گویا خدائی صفات سے معطل کرنا ہے۔ اور پھر اس عقیدہ میں ایک اور بھاری فساد ہے۔ کہ یہ عقیدہ انادی ہونے کی صفت میں ذرہ ذرہ کو خدا تعالےٰ کا شریک ٹھہراتا ہے۔ اور بت پرست تو چند بتوں کو ہی خدا کے شریک قرار دیتے تھے۔ مگر اس عقیدہ کے رو سے تمام دنیا ہی خدا کی شریک ہے۔ کیونکہ ہر ایک ذرہ اپنے وجود کا آپ ہی خدا ہے۔ خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ میں یہ باتیں کسی بغض اور عداوت سے نہیں کہتا بلکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ وید کی اصل تعلیم یہ ہرگز نہیں ہو گی۔ مجھے معلوم ہے کہ خود رو فلسفیوں کے ایسے عقیدے تھے جن میں سے بہت سے لوگ آخر کار دہریہ ہو گئے۔ اور مجھے خوف ہے۔ کہ اگر آریہ صاحبوں نے اس عقیدہ سے دست کشی نہ کی تو ان کا انجام بھی یہی ہو گا اور اس عقیدہ کی شاخ جو تناسخ ہے وہ بھی خدا کے رحم اور فضل پر سخت دھبہ لگاتی ہے۔ کیونکہ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دو تین بالشت کے جگہ میں مثلاً

چیونٹیاں اتنی ہوتی ہیں کہ کئی ارب سے زاید ہو جاتی ہیں۔ اور ہر ایک قطرہ پانی میں کئی ہزار کیڑا ہوتا ہے۔ اور دریا اور سمندر اور جنگل طرح طرح کے حیوانات اور کیڑوں سے بھرے ہوئے ہیں جن کی طرف ہم انسانی تعداد کو کچھ بھی نسبت نہیں دے سکتے۔ اس صورت میں خیال آتا ہے کہ اگر بفرض محال تناسخ صحیح ہے تو اب تک پرمیشر نے بنایا کیا؟ اور کس کو مکتی دی اور آیندہ کیا امید رکھی جائے؟ ۔

ماسوا اس کے یہ قانون بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ سزا تو دی جائے۔ مگر سزا یافتہ شخص کو جرم پر اطلاع نہ دیجائے۔ اور پھر ایک نہایت مصیبت کی جگہ یہ ہے۔ کہ مکتی تو گیان پر موقوف ہے اور گیان ساتھ ساتھ برباد ہوتا رہتا ہے۔ اور کوئی کسی جون میں آنے والا خواہ کیسا ہی پنڈت کیوں نہ ہو۔ کوئی حصہ وید کا یاد نہیں رکھتا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جونوں کے ذریعہ سے مکتی پانا ہی محال ہے اور جو جونوں کے چکر میں پڑ کر مرد اور عورتیں دنیا میں آتے ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی ایسی فہرست نہیں آتی جس سے ان کے رشتوں کا حال معلوم ہو۔ تا کوئی بیچارہ کسی ایسی نوزاد کو اپنی شادی میں نہ لائے جو در اصل اس کی ہمشیرہ یا ماں ہے۔

اور نیوگ کا مسئلہ جو آجکل آریہ صاحبوں میں رائج ہے۔ اس کی نسبت تو ہم بار بار یہی نصیحت کرتے ہیں کہ اس کو جہاں تک ممکن ہو ترک کر دینا چاہئے۔ انسانی سرشت ہرگز قبول نہ کرے گی کہ ایک شخص اپنی عزت دار عورت کو جس پر اس کے تمام ننگ و ناموس کا مدار ہے باوجود اپنے جایز خاوند ہونے کے اور باوجود اس علاقہ کے قایم ہونے کے جو زن و شوہر میں ہوتا ہے۔ پھر اپنی پاک دامن بیوی کو اولاد کی خواہش سے دوسروں سے ہمبستر کراوے۔ اس بارہ میں ہم زیادہ لکھنا نہیں چاہتے۔ صرف شریف انسانوں کے کانشنس پر چھوڑتے ہیں۔ ہاں ہم آریا صاحبان اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے اس مذہب کی دعوت کریں۔ سو ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک عقلمند سچائی کے قبول کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے مگر یہ سچائی نہیں ہے۔ کہ اس خدا کو جس نے اپنی بزرگ قدرتوں سے اپنی ہستی کو ظاہر فرمایا ہے۔ خالقیت سے جواب دیا جاوے۔ اور اس کو تمام فیضوں کا مظہر نہ سمجھا جائے ایسا پرمیشور ہرگز پرمیشور نہیں ہو سکتا۔ انسان نے خدا کو اس کی قدرتوں سے شناخت کیا ہے۔ جب کوئی قدرت اس میں نہیں رہی۔ اور وہ بھی ہماری طرح اسباب کا محتاج ہے

تو پھر اس کی شناخت کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ پھر ماسوا اس کے خدا تعالےٰ اپنے احسانات کی وجہ سے قابل عبادت ہے۔ مگر جبکہ اس نے روحوں کو پیدا ہی نہیں کیا اور نہ اس میں بغیر عمل کسی عامل کے فضل اور احسان کرنے کی صفت موجود ہے۔ تو ایسا پرمیشر کس وجہ سے قابل عبادت ٹھہرے گا۔ جہاں تک ہم غور کرتے ہیں ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ آریہ صاحبوں نے اپنے مذہب کا اچھا نمونہ پیش نہیں کیا۔ پرمیشر کو ایسا کمزور اور کینہ ور ٹھہرایا۔ کہ وہ کروڑہا ارب سزا دیکر پھر بھی دائمی مکتی نہیں دیتا۔ اور غصہ اس کا کبھی فرو نہیں ہوتا اور آریہ صاحبوں نے قومی تہذیب پر نیوگ کا ایک سیاہ داغ لگا دیا ہے۔ اور اس طرح پر انہوں نے غریب عورتوں کی عزت پر بھی حملہ کیا۔ اور دونو پہلو حق اللہ اور حق العباد میں قابل شرم فساد ڈال دیا۔ یہ مذہب پرمیشر کو معطل کرنے کے لحاظ سے دہریوں سے بہت قریب ہے اور نیوگ کے لحاظ سے تو سخت ہی قابل اعتراض ہے۔

اس جگہ مجھے بہت دردِ دل سے یہ کہنے کی بھی ضرورت پڑی ہے کہ یوں تو اکثر حضرات آریہ صاحبان اور مسیحی صاحبوں کو اسلام کے سچے اور کامل اصولوں پر بیجا حملہ کرنے کی بہت عادت ہے۔ مگر وہ اپنے مذہب میں روحانیت پیدا کرنے سے بہت غافل ہیں۔ مذہب اس بات کا نام نہیں ہے کہ انسان دنیا کے تمام اکابر اور نبیوں اور رسولوں کو بدگوئی سے یاد کرے۔ ایسا کرنا تو مذہب کی اصل غرض سے مخالف ہے۔ بلکہ مذہب سے غرض یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو ہر ایک بدی سے پاک کر کے اس لایق بنا دے۔ کہ اس کی روح ہر وقت خدا تعالےٰ کے آستانہ پر گری رہے۔ اور یقین اور محبت اور معرفت اور صدق اور وفا سے بھر جائے۔ اور اس میں ایک خالص تبدیلی پیدا ہو جائے۔ تا کہ اسی دنیا میں بہشتی زندگی اُس کو حاصل ہو۔ لیکن ایسے عقیدوں سے حقیقی نیکی کب اور کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ جس میں انسانوں کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ صرف خون مسیح پر ایمان لاؤ۔ اور پھر اپنے دلوں میں سمجھ لو۔ کہ گناہوں سے پاک ہو گئے۔ یہ کس قسم کا پاک ہونا ہے جس میں تزکیہ نفس کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔ بلکہ حقیقی پاکی تب حاصل ہوتی ہے۔ جب انسان گندی زندگی سے توبہ کر کے ایک پاک زندگی کا خواہاں ہو۔ اور اس کے حصول کے لئے صرف تین باتیں ضروری ہیں۔ ایک تدبیر اور مجاہدہ کہ جہاں تک ممکن ہو گندی زندگی سے باہر آنے کے لئے کوشش کرے۔ اور دوسری دعا کہ ہر وقت جناب الٰہی میں نالاں رہے۔ تا کہ وہ گندی زندگی

سے اپنے ہاتھ سے اس کو باہر نکالے۔ اور ایک ایسی آگ اس میں پیدا کرے۔ جو بدی کے خس و خاشاک کو بھسم کردے اور ایک ایسی قوت عنایت کرے جو نفسانی جذبات پر غالب آجاوے۔ اور چاہئے کہ اسی طرح دعا میں لگا رہے جب تک کہ وہ وقت آجاوے کہ ایک الٰہی نور اُس کے دل پر نازل ہو۔ اور ایک ایسی چمکتی ہوئی شعاع اُس کے نفس پر گرے۔ کہ تمام تاریکیوں کو دور کردے۔ اور اس کی کمزوریاں دور فرمائے۔ اور اس میں پاک تبدیلی پیدا کرے۔ کیونکہ دعاؤں میں بلاشبہ تاثیر ہے۔ اگر مردے زندہ ہوسکتے ہیں تو دعاؤں سے اور اگر اسیر رہائی پاسکتے ہیں۔ تو دعاؤں سے۔ اور اگر گندے پاک ہوسکتے ہیں تو دعاؤں سے۔ مگر دعا کرنا اور مرنا قریب قریب ہے۔ تیسرا طریق صحبت کاملین اور صالحین ہے۔ کیونکہ ایک چراغ کے ذریعہ سے دوسرا چراغ روشن ہوسکتا ہے۔ غرض یہ تین طریق ہی گناہوں سے نجات پانے کے ہیں۔ جن کے اجتماع سے آخر کار فضل شامل حال ہوجاتا ہے۔ نہ یہ کہ خون مسیح کا عقیدہ قبول کرکے آپ ہی اپنے دل میں سمجھ لیں۔ کہ ہم گناہوں سے نجات پاگئے۔ یہ تو اپنے تئیں آپ دھوکا دینا ہے انسان ایک بڑے مطلب کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس کا کمال صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ گناہوں کو چھوڑ دے۔ بہت سے جانور کچھ بھی گناہ نہیں کرتے۔ تو کیا وہ کامل کہلا سکتے ہیں۔ اور کیا ہم کسی سے اس طرح پر کوئی انعام حاصل کرسکتے ہیں۔ کہ ہم نے تیرا کوئی گناہ نہیں کیا۔ بلکہ مخلصانہ خدمات سے انعام حاصل ہوتے ہیں اور وہ خدمت خدا کی راہ میں یہ ہے۔ کہ انسان صرف اُسی کا ہوجائے۔ اور اس کی محبت سے تمام محبتوں کو توڑ دے۔ اور اس کی رضا کے لئے اپنی رضا چھوڑ دے۔ اس جگہ قرآن شریف نے خوب مثال دی ہے اور وہ یہ کہ کوئی مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک وہ دو شربت نہ پی لے۔ پہلا شربت گناہ کی محبت ٹھنڈی ہونے کا جس کا نام قرآن شریف نے شربت کافوری رکھا ہے اور دوسرا شربت خدا کی محبت دل میں بھرنے کا۔ جس کا نام قرآن شریف نے شربت زنجبیلی رکھا ہے۔ لیکن افسوس کہ عیسائی صاحبوں اور آریہ صاحبوں نے اس راہ کو اختیار نہ کیا۔ آریہ صاحبان تو اس طرف جھک گئے ہیں کہ گناہ بہرحالت خواہ توبہ ہو یا نہ ہو قابل سزا ہے۔ جس سے بیشمار جونیں بھگتنی پڑیں گی۔ اور عیسائی صاحبان گناہ سے نجات پانے کی وہ راہ بیان فرماتے ہیں۔ جو ابھی میں ذکر کرچکا ہوں۔ دونو فریق اصل

مطلب سے دور پڑ گئے ہیں۔ اور جس دروازہ سے داخل ہونا تھا۔ اس کو چھوڑ کر دور دور جنگلوں میں سرگردان ہیں۔

یہ تو میں نے آریہ صاحبوں کی خدمت میں گذارش کی ہے۔ اور مسیحی صاحبان جو بڑی کوشش سے اپنے مذہب کی دنیا میں اشاعت کر رہے ہیں۔ ان کی حالت آریہ صاحبوں سے زیادہ قابل افسوس ہے۔ آریہ صاحبان تو اس زمانہ میں یہ کوشش کر رہے ہیں۔ کہ کسی طرح اپنے پرانے مذہب مخلوق پرستی سے نکلیں۔ اور عیسائی صاحبان اس کوشش میں ہیں۔ کہ مخلوق پرستی میں نہ صرف آپ بلکہ تمام دنیا کو داخل کر دیں۔ محض زبردستی اور تحکم کے طور پر حضرت مسیح کو خدا بنایا جاتا ہے۔ ان میں کوئی بھی ایک ایسی خاص طاقت ثابت نہیں ہوئی جو دوسرے نبیوں میں پائی نہ جائے۔ بلکہ بعض دوسرے نبی معجزہ نمائی میں اُن سے بڑھ کر تھے۔ اور ان کی کمزوریاں گواہی دے رہی ہیں۔ کہ وہ محض انسان تھے۔ انہوں نے اپنی نسبت کوئی ایسا دعوےٰ نہیں کیا جس سے وہ خدائی کے مدعی ثابت ہوں اور جس قدر ان کے کلمات ہیں جن سے اُن کی خدائی سمجھی جاتی ہے اُن سے ایسا سمجھنا غلطی ہے۔ اس رنگ کے ہزاروں کلمات اللہ خدا کے نبیوں کے حق میں بطور استعارہ اور مجاز کے ہوتے ہیں اُن سے خدائی نکالنا کسی عقلمند کا کام نہیں۔ بلکہ انہیں کا کام ہے جو خواہ نخواہ انسان کو خدا بنانے کا شوق رکھتے ہیں۔ اور میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں۔ کہ میری وحی اور الہام میں اُن سے بڑھ کر کلمات ہیں۔ پس اگر ان کلمات سے حضرت مسیح کی خدائی ثابت ہوتی ہے تو پھر مجھے بھی نعوذ باللہ حق حاصل ہے کہ یہی دعوےٰ میں بھی کروں سو یاد رکھو کہ خدائی کی حضرت مسیح پر سراسر تہمت ہے۔ انہوں نے ہرگز ایسا دعوےٰ نہیں کیا۔ جو کچھ انہوں نے اپنی نسبت فرمایا ہے وہ الفاظ شفاعت کی حد سے بڑھتے نہیں۔ سو نبیوں کی شفاعت سے کس کو انکار ہے۔ حضرت موسےٰ کی شفاعت سے کئی مرتبہ بنی اسرائیل بھڑکتے ہوئے عذاب سے نجات پا گئے۔ اور میں خود اس میں صاحب تجربہ ہوں۔ اور میری جماعت کے اکثر معزز خوب جانتے ہیں کہ میری شفاعت سے بعض مصائب اور امراض کے مبتلا اپنے دکھوں سے رہائی پا گئے۔ اور یہ خبریں اُن کو پہلے سے دی گئی تھیں اور مسیح کا اپنی امت کی نجات کے لئے مصلوب ہونا۔ اور امت کا گناہ ان پر ڈالے جانا۔ ایک ایسا محض عقیدہ

ہے۔ جو عقل سے ہزاروں کوس دور ہے۔ خدا کی صفات عدل اور انصاف سے یہ بہت بعید ہے کہ گناہ کوئی کرے۔ اور سزا کسی دوسرے کو دیجائے۔ غرض یہ عقیدہ غلطیوں کا ایک مجموعہ ہے۔ خدائے واحد لاشریک کو چھوڑنا۔ اور مخلوق کی پرستش کرنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔ اور تین مستقل اور کامل اقنوم قرار دینا۔ جو سب جلال اور قوت میں برابر ہیں اور پھر ان تینوں کی ترکیب سے ایک کامل خدا بنانا۔ یہ ایک ایسی منطق ہے جو دنیا میں مسیحیوں کے ساتھ ہی خاص ہے۔ پھر جائے افسوس تو یہ ہے کہ جس غرض کے لئے یہ نیا منصوبہ بنایا گیا تھا یعنی گناہ سے نجات پانا۔ اور دنیا کی گندی زندگی سے رہائی حاصل کرنا۔ وہ غرض بھی تو حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ کفارہ سے پہلے جیسے حواریوں کی صاف حالت تھی۔ اور وہ دنیا اور دنیا کے درم و دینار سے کچھ غرض نہ رکھتے تھے۔ اور دنیا کے گندوں میں پھنسے ہوئے نہ تھے۔ اور ان کی کوشش دنیا کی کمانے کے لئے نہیں تھی۔ اس قسم کے دل بعد کے لوگوں کے کفارہ کے بعد کہاں رہے۔ خاص کر اس زمانہ میں جس قدر کفارہ اور خون مسیح پر زور دیا جاتا ہے۔ اسی قدر عیسائیوں میں دنیا کی گرفتاری بڑھتی جاتی ہے اور اکثر ان کے ایک مزدور کی طرح سراسر دن رات دنیا کے شغل میں لگے رہتے ہیں۔ اور اس جگہ دوسرے گناہوں کا ذکر کرنا۔ جو یورپ میں پھیل رہے ہیں۔ خاص کر شراب خوری اور بدکاری اس ذکر کی کچھ حاجت نہیں۔

اب میں عام سامعین کی خدمت میں اپنے دعوے کے ثبوت میں کچھ بیان کر کے اس تقریر کو ختم کروں گا۔ اے معزز سامعین! خدا تعالیٰ حق کے قبول کرنے کے لئے آپ صاحبوں کے سینوں کو کھولے اور آپ کو حق فہمی کا الہام کرے۔ یہ بات آپ کو معلوم ہوگی کہ ہر ایک نبی اور رسول اور خدا تعالیٰ کا فرستادہ جو لوگوں کی اصلاح کے لئے آتا ہے۔ اگرچہ اس کی اطاعت کرنے کے لئے عقل کی رو سے اس قدر کافی ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے۔ وہ حق حق ہو۔ اس میں کسی قسم کا دھوکہ اور فریب کی بات نہ ہو۔ کیونکہ عقل سلیم حق کے قبول کرنے کے لئے کسی معجزہ کی ضرورت نہیں سمجھتی۔ لیکن چونکہ انسانی فطرت میں ایک قوت واہمہ بھی ہے کہ باوجود اس بات کے کہ ایک امر فی الواقع صحیح اور سچا اور حق ہو پھر بھی انسان کو وہم اٹھتا ہے۔ کہ شاید بیان کرنے والے کی کوئی خاص غرض نہ ہو۔ یا اس نے دھوکہ نہ کھایا ہو۔ یا دھوکہ نہ دیا ہو۔ اور کبھی بوجہ اس کے معمولی انسان ہونے کے

اس کی بات کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی۔ اور اس کو حقیر اور ذلیل سمجھا جاتا ہے اور کبھی شہوات نفس امارہ کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ گو سمجھ بھی آجاوے کہ جو فرمایا گیا ہے وہ سب سچ ہے۔ تاہم نفس اپنے ناپاک جذبات کا ایسا مغلوب ہوتا ہے کہ وہ اس راہ پر چل ہی نہیں سکتا جس پر واعظ ناصح چلانا چاہتا ہے۔ اور یا فطرتی کمزوری قدم اٹھانے سے روک دیتی ہے۔ پس اس لئے حکمت الٰہی نے تقاضا فرمایا۔ کہ جو لوگ اس کی طرف سے مخصوص ہو کر آتے ہیں۔ اُن کے ساتھ کچھ نصرت الٰہی کے نشان بھی ہوں۔ جو کبھی رحمت کے رنگ میں اور کبھی عذاب کے رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگ انہیں نشانوں کی وجہ سے خدا کی طرف سے بشیر اور نذیر کہلاتے ہیں۔ مگر رحمت کے نشانوں سے وہ مومن حصہ لیتے ہیں۔ جو خدا کے حکموں کے مقابل پر تکبر نہیں کرتے اور خدا کے فرستادہ لوگوں کو تحقیر اور توہین سے نہیں دیکھتے۔ اور اپنی فراست خداداد سے ان کو پہچان لیتے ہیں۔ اور تقویٰ کی راہ کو محکم پکڑ کر بہت ضد نہیں کرتے۔ اور نہ دنیا داری کے تکبر اور جھوٹی وجاہتوں کی وجہ سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ بلکہ جب دیکھتے ہیں کہ سنت انبیاء کے موافق ایک شخص اپنے وقت پر اٹھتا ہے۔ جو خدا کی طرف بلاتا ہے اور اس کی باتیں ایسی ہیں کہ اُن کی صحت ملنے کے لئے ایک راہ موجود ہے۔ اور اس میں نصرت الٰہی اور تقویٰ اور دیانت کے نشان پائے جاتے ہیں۔ اور سنن انبیاء علیہم السلام کے پیمانہ کے رو سے اُس کے قول یا فعل پر کوئی اعتراض نہیں آتا۔ تو ایسے انسان کو قبول کر لیتے ہیں۔ بلکہ بعض سعید ایسے بھی ہیں۔ کہ چہرہ دیکھ کر پہچان جاتے ہیں۔ کہ یہ کذاب اور مکار کا چہرہ نہیں پس ایسے لوگوں کے لئے رحمت کے نشان ظاہر ہوتے ہیں اور وہ دمبدم ایک صادق کی صحبت سے ایمانی قوت پا کر اور پاک تبدیلیوں کا مشاہدہ کر کے تازہ بتازہ نشانوں کو دیکھتے رہتے ہیں۔ اور تمام حقایق اور معارف اور تمام نصرتیں اور تمام تائیدیں اور تمام قسم کے اعلام غیب ان کے حق میں نشان ہی ہوتے ہیں۔ اور وہ لطافت ذہن کی وجہ سے خدا تعالےٰ کی دقیق در دقیق نصرتوں کو اس فرستادہ کی نسبت محسوس کر کے ہر ایک باریک نشان پر بھی اطلاع پا لیتے ہیں۔ لیکن ان کے مقابل پر وہ لوگ بھی ہیں جنکو رحمت کے نشانوں میں سے حصہ لینا نصیب نہیں جیسا کہ نوح کی قوم نے بجز غرق کرنے کے معجزہ کے اور کسی نوع کے معجزہ سے حصہ نہ لیا۔ اور لوط کی قوم نے بجز اس

معجزہ کے جواں کی زمین زیر وزبر کی گئی۔ اور ان پر پتھر برسائے گئے اور کسی معجزہ سے فایدہ نہ اٹھایا۔ ایسا ہی اس زمانہ میں خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے۔

میں دیکھتا ہوں۔ کہ اس زمانہ کے اکثر لوگوں کی طبیعتیں نوح کی قوم سے ملتی ہیں۔ کئی سال گذرے ہیں کہ میرے لئے آسمان پر دو نشان ظاہر ہوئے تھے کہ جو خاندان نبوت کی روایت سے ایک پیشگوئی تھی اور وہ یہ کہ جب امام آخر الزمان دنیا میں ظاہر ہوگا تو اس کے لئے دو نشان ظاہر ہوں گے۔ جو کبھی کسی کے لئے ظاہر نہیں ہوئے یعنی یہ کہ آسمان پر رمضان کے مہینہ میں چاند گرہن ہوگا۔ اور وہ گرہن چاند گرہن کی معمولی راتوں میں سے پہلی رات میں ہوگا۔ اور ان دنوں میں رمضان ہی میں سورج گرہن بھی ہوگا۔ اور وہ گرہن کے معمولی دنوں میں سے بیچ کے دن میں ہوگا۔ اور یہ پیش گوئی سنیوں اور شیعوں میں متفق علیہ تھی اور لکھا تھا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے۔ کبھی ایسا ظہور میں نہیں آیا۔ کہ مدعی امامت موجود ہو۔ اور اس کے عہد میں یہ دونوں واقعہ انہیں تاریخوں میں ظہور پذیر ہوئے ہوں۔ لیکن امام آخر الزمان کے عہد میں ایسا ہی ہوگا۔ اور یہ نشان اسی سے خاص ہوگا۔ اور یہ پیشگوئی ان کتابوں میں لکھی گئی تھی۔ جو آج سے ہزار برس پہلے دنیا میں شایع ہو چکی ہیں۔ لیکن جب یہ پیشگوئی میرے دعوےٰ امامت کے وقت میں ظاہر ہوئی۔ تو کسی نے اس کو قبول نہ کیا۔ اور ایک شخص نے بھی اس عظیم الشان پیشگوئی کو دیکھ کر میری بیعت نہ کی۔ بلکہ گالیاں دینے اور ٹھٹھا کرنے میں اور بھی بڑھ گئے۔ میرا نام دجال اور کافر اور کذاب وغیرہ رکھا۔ یہ اسلئے ہوا کہ یہ پیشگوئی بطور عذاب نہ تھی۔ بلکہ رحمت الٰہی نے قبل از وقت ایک نشان دیا تھا۔ لیکن لوگوں نے اس نشان سے کچھ بھی فایدہ نہ اٹھایا۔ اور کچھ بھی ان کے دلوں کو میری طرف توجہ نہ ہوئی۔ گویا وہ نشان ہی نہیں تھا۔ ایک لغو پیشگوئی تھی۔ جو کی گئی تھی۔ پھر بعد اس کے جب منکروں کی شوخی حد سے بڑھ گئی۔ تو خدا نے ایک عذاب کا نشان زمین پر دکھلایا۔ جیسا کہ ابتدا سے نبیوں کی کتابوں میں لکھا گیا تھا۔ اور وہ عذاب کا نشان طاعون ہے۔ جو چند سال سے اس ملک کو کھا رہی ہے۔ اور کوئی انسانی تدبیر اس کے آگے چل نہیں سکتی۔ اس طاعون کی خبر قرآن شریف میں صریح

لفظوں میں موجود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان من قریۃ الا نحن مھلکوھا قبل یوم القیامۃ او معذبوھا عذابا شدیدا۔ یعنی قیامت سے کچھ دن پہلے بہت سخت مری پڑے گی۔ اور اس سے بعض دیہات تو بالکل نابود ہو جاویں گے اور بعض ایک حد تک عذاب اٹھا کر بچ رہیں گے۔ اور ایسا ہی ایک دوسری آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب قرب قیامت ہوگا ہم زمین میں سے ایک کیڑا نکالیں گے۔ جو لوگوں کو کاٹے گا۔ اس لئے کہ انہوں نے ہمارے نشانوں کو قبول نہیں کیا۔ یہ دونوں آیتیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اور یہ صریح طور پر طاعون کی نسبت پیشگوئی ہے۔ کیونکہ طاعون بھی ایک کیڑا ہے۔ اگرچہ پہلے طبیبوں نے اس کیڑے پر اطلاع نہیں پائی۔ لیکن خدا جو عالم الغیب ہے وہ جانتا تھا کہ طاعون کی جڑھ اصل میں کیڑا ہی ہے جو زمین میں سے نکلتا ہے۔ اس لئے اس کا نام اس نے دابۃ الارض رکھا۔ یعنی زمین کا کیڑا۔ غرض جب نشان عذاب ظاہر ہوا اور ہزاروں جانیں پنجاب میں تلف ہو گئیں۔ اور اس ملک میں ایک ہولناک زلزلہ پڑا۔ تب بعض لوگوں کو ہوش آئی اور چند عرصہ میں دو لاکھ کے قریب لوگوں نے بیعت کر لی اور ابھی زور سے بیعت ہو رہی ہے۔ کیونکہ طاعون نے بھی ابھی اپنا حملہ نہیں چھوڑا اور چونکہ وہ بطور نشان کے ہے۔ اس لئے جب تک اکثر لوگ اپنے اندر کچھ تبدیلی پیدا نہیں کریں گے تب تک امید نہیں کہ یہ مرض اس ملک سے دور ہو سکے۔ غرض یہ سرزمین نوح کے زمانہ کی سرزمین سے بہت مشابہ ہے کہ آسمان کے نشانوں کو دیکھ کر تو کوئی ایمان نہ لایا اور عذاب کے نشان کو دیکھ کر ہزاروں بیعت میں داخل ہوئے۔ اور پہلے نبیوں نے بھی اس نشان کا ذکر کیا ہے۔ انجیل میں بھی مسیح موعود کے وقت میں مری پڑنے کا ذکر ہے۔ اور لڑائیوں کا بھی ذکر ہے۔ جو اب ہو رہی ہیں۔ پس اے مسلمانو تو بہ کرو تم دیکھتے ہو کہ ہر سال تمہارے عزیزوں کو یہ طاعون تم سے جدا کر رہی ہے۔ خدا کی طرف جھکو تا کہ وہ بھی تمہاری طرف جھکے اور ابھی معلوم نہیں کہ کہاں تک طاعون کا دور ہے۔ اور کیا ہونے والا ہے۔

میرے دعوے کی نسبت اگر شبہ ہو اور حق جوئی بھی ہو تو اس شبہ کا دور ہونا بہت سہل ہے کیونکہ ہر ایک نبی کی سچائی تین طریقوں سے پہچانی جاتی ہے **اول** عقل سے یعنے

دیکھنا چاہئے کہ جس وقت وہ نبی یا رسول آیا ہے عقل سلیم گواہی دیتی ہے یا نہیں کہ اس وقت اس کے آنے کی ضرورت بھی تھی یا نہیں اور انسانوں کی حالت موجودہ چاہتی تھی یا نہیں کہ ایسے وقت میں کوئی مصلح پیدا ہو؟ دوسرے پہلے نبیوں کی پیش گوئی یعنے دیکھنا چاہئے کہ پہلے کسی نبی نے اس کے حق میں یا اس کے زمانہ میں کسی کے ظاہر ہونے کی پیشگوئی کی ہے۔ یا نہیں؟ تیسرے نصرت الٰہی اور تائید آسمانی یعنے دیکھنا چاہئے کہ اس کے شامل حال کوئی تائید آسمانی بھی ہے یا نہیں؟۔ یہ تین علامتیں سچے مامور من اللہ کی شناخت کے لئے قدیم سے مقرر ہیں۔ اب اے دوستو خدا نے تم پر رحم کر کے یہ تینوں علامتیں میری تصدیق کے لئے ایک ہی جگہ جمع کر دی ہیں۔ اب چاہو تم قبول کرو یا نہ کرو۔ اگر عقل کی رو سے نظر کرو تو عقل سلیم فریاد کر رہی ہے اور رو رہی ہے کہ مسلمانوں کو اس وقت ایک آسمانی مصلح کی ضرورت ہے۔ اندرونی اور بیرونی حالتیں دونو خوفناک ہیں اور مسلمان گویا ایک گڑھے کے قریب کھڑے ہیں۔ یا ایک تند سیل کی زد پر آپڑے ہیں۔ اگر پہلی پیشگوئیوں کو تلاش کرو تو دانیال نبی نے بھی میری نسبت اور میرے اس زمانہ کی نسبت پیشگوئی کی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ اسی امت میں سے مسیح موعود پیدا ہوگا۔ اگر کسی کو معلوم نہ ہو تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو دیکھ لے اور صدی کے سر پر مجدد آنے کی پیشگوئی بھی پڑھ لے اور اگر میری نسبت نصرت الٰہی کو تلاش کرنا چاہے تو یاد رہے کہ اب تک ہزارہا نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔

منجملہ ان کے وہ نشان ہے جو آج سے چوبیس برس پہلے براہین احمدیہ میں لکھا گیا اور اس وقت لکھا گیا جبکہ ایک فرد بشر بھی مجھ سے تعلق بیعت نہیں رکھتا تھا اور نہ میرے پاس سفر کر کے کوئی آتا تھا۔ اور وہ نشان یہ ہے کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ یاتیک من کل فج عمیق یاتون من کل فج عمیق ۔ یعنے وہ وقت آتا ہے کہ مالی تائیدیں ہر ایک طرف سے تجھے پہونچیں گی۔ اور ہزارہا مخلوق تیرے پاس آئے گی۔ اور پھر فرماتا ہے۔ ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس یعنے اس قدر مخلوق آئے گی کہ تو ان کی کثرت سے حیران ہو جائے گا۔ پس چاہئے کہ تو ان سے بداخلاقی نہ کرے۔ اور نہ ان کی ملاقاتوں سے تھکے پس اے عزیزو اگرچہ آپ کو یہ تو خبر نہیں کہ قادیاں میں میرے پاس کس قدر لوگ

آئے اور کیسی وضاحت سے وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ لیکن اسی شہر میں آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ میرے آنے پر میرے دیکھنے کے لئے ہزارہا مخلوقات اس شہر کی ہی اسٹیشن پر جمع ہوگئی تھی۔ اور صدہا مردوں اور عورتوں نے اسی شہر میں بیعت کی۔ اور میں وہی شخص ہوں جو براہین احمدیہ کے زمانہ سے تخمیناً سات آٹھ سال پہلے اسی شہر میں قریباً سات برس رہ چکا تھا۔ اور کسی کو مجھ سے تعلق نہ تھا۔ اور نہ کوئی میرے حال سے واقف تھا۔ پس اب سوچو اور غور کرو کہ میری کتاب براہین احمدیہ میں اس شہرت اور رجوع خلایق سے چوبیس سال پہلے میری نسبت ایسے وقت میں پیشگوئی کی گئی ہے۔ کہ جبکہ میں لوگوں کی نظر میں کسی حساب میں نہ تھا۔ اگرچہ میں جیسا کہ میں نے بیان کیا۔ براہین کی تالیف کے زمانہ کے قریب اسی شہر میں قریباً سات سال رہ چکا ہوں تاہم آپ صاحبوں میں ایسے لوگ کم ہوں گے۔ جو مجھ سے واقفیت رکھتے ہوں۔ کیونکہ میں اسوقت ایک گمنام آدمی تھا۔ اور احدمن الناس تھا۔ اور میری کوئی عظمت اور عزت لوگوں کی نگاہ میں نہ تھی۔ مگر وہ زمانہ میرے لئے نہایت شیریں تھا۔ کہ انجمن میں خلوت تھی اور کثرت میں وحدت تھی۔ اور شہر میں میں ایسا رہتا تھا۔ جیسا کہ ایک شخص جنگل میں۔ مجھے اس زمین سے ایسی ہی محبت ہے۔ جیسا کہ قادیاں سے کیونکہ میں اپنے اوایل زمانہ کی عمر میں سے ایک حصہ اس میں گذار چکا ہوں۔ اور اس شہر کی گلیوں میں بہت سا پھر چکا ہوں۔ میرے اس زمانہ کے دوست اور مخلص اس شہر میں ایک بزرگ ہیں یعنی حکیم حسام الدین صاحب جن کو اس وقت بھی مجھ سے بہت محبت ہے وہ شہادت دے سکتے ہیں۔ کہ وہ کیسا زمانہ تھا۔ اور کیسی گمنامی کے گڑھے میں میرا وجود تھا۔ اب میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ ایسے زمانہ میں ایسی عظیم الشان پیشگوئی کرنا کہ ایسے گمنام کا آخر کار یہ عروج ہوگا۔ کہ لاکھوں لوگ۔ اس کی تابع اور مرید ہوجاویں گے۔ اور فوج در فوج لوگ بیعت کریں گے۔ اور باوجود دشمنوں کی سخت مخالفت کے رجوع خلایق میں فرق نہیں آئے گا۔ بلکہ اس قدر لوگوں کی کثرت ہوگی کہ قریب ہوگا کہ وہ لوگ تھکادیں۔ کیا یہ انسان کے اختیار میں ہے اور کیا ایسی پیش گوئی کوئی مکار کر سکتا ہے کہ چوبیس سال پہلے تنہائی اور بیکسی کے زمانہ میں اس عروج اور مرجع خلایق ہونیکی خبر دے؟ کتاب براہین احمدیہ جس میں یہ پیش گوئی ہے کوئی گمنام کتاب نہیں۔ بلکہ

وہ اس ملک میں مسلمانوں عیسائیوں اور آریہ صاحبوں کے پاس بھی موجود ہے۔ اور گورنمنٹ میں بھی موجود ہے۔ اگر کوئی اس عظیم الشان نشان میں شک کرے تو اس کو دنیا میں اس کی نظیر دکھلانا چاہیئے۔

اس کے سوا اور بہت سے نشان ہیں جن سے اس ملک کو اطلاع ہے۔ بعض نادان جن کو حق کا قبول کرنا مسعر ہی نہیں وہ ثابت شدہ نشانوں سے کچھ بھی فایدہ نہیں اٹھاتے اور بیہودہ نکتہ چینیوں سے گریز کی راہ ڈھونڈھتے ہیں۔ اور ایک دو پیش گوئیوں پر اعتراض کر کے باقی ہزارہا پیش گوئیوں اور کھلے کھلے نشانوں پر خاک ڈالتے ہیں۔ افسوس کہ وہ جھوٹ بولتے وقت ایک ذرہ خدا تعالےٰ سے نہیں ڈرتے اور افترا کے وقت آخرت کے مواخذہ کو یاد نہیں کرتے۔ مجھے ضرورت نہیں کہ ان کے افتراؤں کی تفصیل بیان کر کے سامعین کو ان کے سب حالات سناؤں۔ اگر ان میں تقوےٰ ہوتا۔ اگر ان کو ایک ذرہ خدا تعالےٰ کا خوف ہوتا۔ تو خدا کے نشانوں کی تکذیب میں جلدی نہ کرتے۔ اور اگر بفرض محال کوئی نشان ان کو سمجھ میں نہ آتا تو انسانیت اور نرمی سے اس کی حقیقت مجھ سے پوچھ لیتے۔ ایک بڑا اعتراض ان کا یہ ہے کہ آتھم میعاد کے اندر نہیں مرا۔ اور احمد بیگ اگرچہ پیش گوئی کے مطابق مر گیا مگر داماد اس کا جو اسی پیشگوئی میں داخل تھا۔ نہ مرا۔ یہ ان لوگوں کا تقوےٰ ہے۔ کہ ہزارہا ثابت شدہ نشانوں کا تو ذکر تک منہ پر نہیں لاتے۔ اور ایک دو پیش گوئیاں جو ان کی سمجھ میں نہ آئیں۔ بار بار ان کو ذکر کرتے ہیں۔ اور ہر ایک مجمع میں شور ڈالتے ہیں۔ اگر خدا کا خوف ہوتا۔ تو ثابت شدہ نشانوں اور پیش گوئیوں سے فایدہ اٹھاتے۔ یہ طریق راستباز انسانوں کا نہیں ہے کہ کھلے کھلے معجزات سے منہ پھیریں۔ اور اگر کوئی دقیق امر ہو۔ تو اس پر اعتراض کر دیں۔ اس طرح پر تو تمام انبیاء پر اعتراضات کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور آخر اس طبیعت کے لوگوں کو سب سے دست بردار ہونا پڑیگا مثلاً حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے صاحب معجزات ہونے میں کیا کلام ہے۔ مگر ایک شریر مخالف کہہ سکتا ہے کہ ان کی بعض پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں۔ جیسا کہ اب تک یہودی کہتے ہیں کہ یسوع مسیح کی کوئی بھی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی۔ اس نے کہا تھا۔ کہ میرے بارہ حواری بارہ تختوں پر بہشت میں بیٹھیں گے۔ مگر وہ بارہ کے گیارہ رہ گئے

اور ایک مرتد ہو گیا۔ اور ایسا ہی اس نے کہا تھا کہ اس زمانہ کے لوگ نہیں مریں گے۔ جب تک کہ میں واپس آجاؤں۔ حالانکہ وہ زمانہ گیا اٹھارہ صدیوں کے لوگ قبروں میں جا پڑے اور وہ اب تک نہیں آیا۔ اور اسی زمانہ میں اس کی پیش گوئی جھوٹی نکلی۔ اور اس نے کہا تھا کہ میں یہودیوں کا بادشاہ ہوں۔ مگر کوئی بادشاہت اس کو نہ ملی۔ ایسے ہی اور بہت اعتراض ہیں۔ ایسا ہی اس زمانہ میں بعض ناپاک طبع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعض پیش گوئیوں پر اعتراض کر کے کل پیش گوئیوں سے انکار کرتے ہیں۔ اور بعض حدیبیہ کے قصہ کو پیش کرتے ہیں۔ اب اگر ایسے اعتراض تسلیم کے لایق ہیں۔ تو مجھے ان لوگوں پر کیا افسوس۔ مگر یہ خوف ہے کہ اس طریق کو اختیار کر کے کہیں اسلام کو ہی الوداع نہ کہدیں۔

تمام نبیوں کی پیش گوئیوں میں ایسا ہی میری پیش گوئیوں میں بعض اجتہادی دخل بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حدیبیہ کے سفر میں بھی اجتہادی دخل تھا۔ تب ہی تو آپ نے سفر کیا تھا۔ مگر وہ اجتہاد صحیح نہ نکلا۔ نبی کی شان اور جلالت اور عزت میں اس سے کچھ فرق نہیں آتا۔ کہ کبھی اس کے اجتہاد میں غلطی بھی ہو۔ اگر کہو کہ اس سے امان اٹھ جاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کثرت کا پہلو اس امان کو محفوظ رکھتا ہے۔ کبھی نبی کی وحی خبر واحد کی طرح ہوتی ہے۔ اور معذالک مجمل ہوتی ہے۔ اور کبھی وحی ایک امر میں کثرت سے اور واضح ہوتی ہے۔ پس اگر مجمل وحی میں اجتہاد کے رنگ میں کوئی غلطی بھی ہو جائے۔ تو بینات محکمات کو اس سے کچھ صدمہ نہیں پہونچتا۔ پس میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ کبھی میری وحی بھی خبر واحد کی طرح ہو اور مجمل ہو اور اس کے سمجھنے میں اجتہادی رنگ کی غلطی ہو۔ اس بات میں تمام انبیا شریک ہیں۔ لعنت اللہ علے الکاذبین اور ساتھ اس کے یہ بھی ہے کہ وعید کی پیشگوئیوں میں خدا پر فرض نہیں ہے کہ ان کو ظہور میں لاوے۔ یونس کی پیشگوئی اس پر شاہد ہے۔ اس پر تمام انبیا کا اتفاق ہے۔ کہ خدا کے ارادے جو وعید کے رنگ میں ہوں۔ صدقہ اور دعا سے ٹل سکتے ہیں۔ پس اگر وعید کی پیش گوئی ٹل نہیں سکتی۔ تو صدقہ اور دعا لا حاصل ہے۔

اب ہم اس تقریر کو ختم کرتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کا شکر کرتے ہیں جس نے باوجود علالت اور ضعف جسمانی کے اس کے لکھنے کی ہمیں توفیق دی۔ اور ہم جناب الٰہی میں دعا کرتے ہیں کہ اس تقریر کو بہتوں کے لئے موجب ہدایت کرے اور جیسا کہ اس مجمع میں ظاہری اجتماع نظر آرہا ہے۔ ایسا ہی تمام دلوں میں ہدایت کے سلسلہ میں باہم ربط اور محبت پیدا کردے اور ہر ایک طرف ہدایت کی ہوا چلاوے بغیر آسمانی روشنی کے آنکھیں کچھ نہیں دیکھ سکتیں۔ سو خدا آسمان سے روحانی روشنی کو نازل کرے۔ تاکہ آنکھیں دیکھ سکیں۔ اور غیب سے ہوا پیدا کردے۔ تاکہ کان سنیں۔ کون ہے جو ہماری طرف آسکتا ہے۔ مگر وہی جس کو خدا ہماری طرف کھینچے وہ بہتوں کو کھینچ رہا ہے۔ اور کھینچے گا۔ اور کئی قفل توڑے گا۔ ہمارے دعوےٰ کی جڑھ حضرت عیسےٰ کی وفات ہے۔ اس جڑھ کو خدا اپنے ہاتھ سے پانی دیتا ہے اور رسول اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ خدا نے قول سے اور اس کے رسول نے فعل سے یعنے اپنی چشم دید اور رویت سے گواہی دی ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور آپ نے معراج کی رات میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو فوت شدہ ارواح میں دیکھ لیا ہے۔ مگر افسوس کہ پھر بھی لوگ ان کو زندہ سمجھتے ہیں۔ اور ان کو ایسی خصوصیت دیتے ہیں۔ جو کسی نبی کو خصوصیت نہیں دی گئی۔ یہ امور ہیں جن سے حضرت مسیح کی الوہیت کو عیسائیوں کے زعم میں قوت پہونچتی ہے۔ اور بہت سے کچے آدمی ایسے عقاید سے ٹھوکر کھاتے ہیں ہم گواہ ہیں کہ خدا نے ہمیں خبر دی ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اب ان کے زندہ کرنے میں دین کی ہلاکت ہے اور اس خیال میں لگنا خواہ مخواہ کی خاک بیزی ہے۔ اسلام میں اجماع یہی تھا کہ کوئی نبی گذشتہ نبیوں میں سے زندہ نہیں ہے جیسا کہ آیت ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل سے ثابت ہے۔ خدا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بہت بہت اجر دے جو اس اجماع کے موجب ہوئے اور منبر پر چڑھ کر اس آیت کو پڑھ سنایا۔

اخیر پر ہم اس گورنمنٹ انگریزی کا سچے دل سے شکر کرتے ہیں۔ جس نے اپنی کشادہ دلی سے ہمیں مذہبی آزادی عطا فرمائی ہے۔ یہ آزادی جس کی وجہ سے ہم نہایت ضروری دینی علوم کو لوگوں تک پہونچاتے ہیں۔ یہ ایسی نعمت نہیں ہے جس کی وجہ سے معمولی طور پر ہم اس گورنمنٹ کا شکر کریں۔ بلکہ تہ دل سے شکر کرنا

چاہیے۔ اگر یہ گورنمنٹ عالیہ ہمیں کئی لاکھ کی جاگیر دیتی۔ مگر یہ آزادی نہ دیتی۔ تو ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ وہ جاگیر اس کے برابر نہ تھی۔ کیونکہ دنیا کا مال فانی ہے۔ مگر یہ وہ مال ہے جس کو فنا نہیں۔ ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ اس محسن گورنمنٹ کے سچے دل سے شکر گذار رہیں۔ کیونکہ جو انسان کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا بھی نہیں کرتا۔ نیک انسان وہی ہے کہ جیسے خدا تعالےٰ کا شکر کرتا ہے۔ اس انسان کا بھی شکر کرے۔ جس کے ذریعہ اس منعم حقیقی کی کوئی نعمت اس کو پہونچی ہے۔ والسلام علےٰ من اتبع الہدےٰ +

الراقم میرزا غلام احمد قادیانی

یکم نومبر ۱۹۰۴ء روز شنبہ

سیالکوٹ

حکم است ز آسماں بزمیں مے رسانمش
گر بشنوم نگویمش آنرا کجا برم

ماموروم و مرا چہ دریں کار اختیار
رو ایں سخن بگو بخداوند آمرم

اے حسرت ایں گروہ عزیزاں مراندید
وقتے بہ بینندم کہ ازیں خاک بگذرم

ہر شب ہزار غم بمن آید ز درد قوم
یارب نجات بخش ازیں روز پر شرم

بعد از رہم ہر آنچہ پسندند ہیچ نیست
بدقسمت آنکہ در نظرش ہیچ محترم

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

جانم گداخت از غم ایمانت اے عزیز
ویں طرفہ تر کہ من نگہبان تو کافرم

یارب آب چشم من ایں کسل شاں بشو
کامروز تر شدست ازیں درد بسترم

جانم فدا شود برہ دین مصطفٰےؐ
این است کام دل اگر آید میسرم

کیا ہم ایمان رکھتے ہیں؟

انگلستان میں آجکل ایک نہایت دلچسپ بحث چھڑی ہوئی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ آیا ہم لوگ واقعی ایمان رکھتے ہیں۔ یا ہمارا دعوےٰ ایمان صرف ایک مونہہ کی بات ہے۔ یہ سوال معلوم ہوتا ہے بہت سے دلوں میں کھٹک رہا تھا۔ لیکن عام طور پر اس کو پوچھنے یا اس کا صحیح اور صاف صاف جواب دینے کی جرات کسی کو نہ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اخبار ڈیلی ٹیلیگراف میں ایک نامہ نگار نے یہ سوال چھیڑ دیا اور اس کے جواب میں ہر طرف سے چٹھیاں آنی شروع ہوئیں۔ جو اخبار مذکور میں چھپتی رہیں۔ اور اس سوال کے ہر پہلو پر مبسوط بحث ہوئی ہے۔ جس میں سب سے پہلے نامہ نگار کے خیالات کی تائید اور تردید میں بکثرت مضامین چھپے ہیں۔ اس جگہ ہم اس کل بحث میں سے ۱۱ اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء کے اخبار ڈیلی ٹیلیگراف سے دو چٹھیاں نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اس سوال کے نفی اور اثبات میں کیسے کیسے دلائل دیئے گئے ہیں۔ پہلی چٹھی کا مضمون حسب ذیل ہے۔

"جناب من ہم ایمان لاتے ہیں اگرچہ ان دنوں میں جب دنیا میں مختلف عقاید اور بہت سارے غلط عقیدے پھیلے ہوئے ہیں۔ ایماندار لوگ جیسا کہ نجات دہندہ نے کہا تھا۔ ایک بہت چھوٹا گلہ ہیں۔ بیشک ہم ایمان لاتے ہیں جبکہ ہر خداوند کے دن ہم عبادت میں مشغول ہو کر اس کی پرستش کرتے ہیں اور صرف اسکی حمد ہی نہیں کرتے جو ہماری نئی قوم کا سرا ہے یعنی انسان یسوع مسیح بلکہ اس بڑی بھاری جماعت کیلئے دعا بھی کرتے ہیں جنکی اس برتر ہستی سے دوری اور علیحدگی کی زندگیاں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ ایمان نہیں لاتے ایسے آدمی جو شراب خانوں کو عبادت خانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ عورتیں جو کہ کام میں اسقدر مشغول ہوتی ہیں کہ وہ اسی چیز کو بھول جاتی ہیں۔ جو سب سے زیادہ ضروری ہے دشمن جو کہ الحاد اور کفر کو ایمان پر اور تفرقہ کو وحدت پر ترجیح دیتے ہیں وہ جنکی روح اعلےٰ زندگی سے لاپرواہ ہے جو اس سفلی زندگی پر جو خاک سے بنی ہوئی ہے حد سے زیادہ گرے ہوئے ہیں اور آخر اسی خاک میں واپس ہو جاتے ہیں۔ جناب من میں کہتا ہوں کہ بیشک ہم ایمان لاتے ہیں جبکہ ہم منتظر ہیں کہ آسمانی کشش سے ایسی روحیں ہماری طرف آخر کار آجائیں گی۔ جو کہ بحث مباحثہ سے جیتی نہیں جا سکتیں اور اگرچہ وہ خداوند کے حضور سے یونس کی طرح بھاگ گئی ہیں تاکہ وہ اپنے خواہشات کے راہوں میں چلیں اور اپنی چڑچڑی طبیعتوں

کے مطابق کام کریں۔ تاہم وہ واپس لائی جائینگی۔ جناب من ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ جوں جوں ہم مجاہدہ اور کوشش کرتے ہیں۔ نہ صرف ہمارے باپ دادوں کا ایمان۔ ایمان اور دعا۔ ہمارے ملک کو مسیح کی طرف واپس لاوینگے بلکہ وہ خوشی کی جھلکیں جو ایسا کرنے میں ہمیں دکھائی دیتی ہیں۔ داؤد کے اس قول کی تائید کرتی ہیں۔ کہ ہم اپنے خداوند کی موجودگی کو راستبازی میں دیکھتے ہیں۔ اور کہ جب ہم اُس کی شکل و صورت میں جاگ اُٹھینگے تو ہم کو پھر ایمان کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھینگے۔ اور اسطرح تسلی پائینگے۔ مَیں ہوں آپ کا تابعدار شمالی پہاڑیوں میں ایک پادری" +

ایک اور چٹھی کا مضمون حسب ذیل ہے:۔

جناب من۔ میں آپ کی اجازت سے یہ سوال اُٹھانا چاہتا ہوں۔ کہ آیا ایمان اور عقائد کے زوال کے ساتھ کوئی ایسی علامات بھی ظاہر ہوئی ہیں جن سے معلوم ہو کہ سخاوت اور عام انسانی ہمدردی اور وسعت خیالات کے معاملہ میں ہم نے تنزل کی طرف رُخ کیا ہے۔ اور کہ آیا جس قدر آبادی میں ترقی ہوئی ہے اُس سے نسبتاً جرائم کی ترقی زیادہ ہوئی ہے یا نہیں۔ اس امر کا کہ اس زمانہ میں کفر کی ایک رو ساری دنیا پر پھر گئی ہے خصوصاً عیسائی عقاید کے انکار کی رو۔ کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا جب تک کہ ہٹ سے اپنی آنکھیں بند نہ کرلے۔ اس کے نشان ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ اخبارات اور رسالوں میں اور بڑی بڑی مشہور تصنیفوں میں جنمیں سے بعض کسی دن زمانہ کی یادگار سمجھی جائینگی۔ جیساکہ رینن کی سوانح یسوع مسیح۔ دوسری طرف یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا جرائم بڑھ گئے ہیں۔ اور عملی نیکیاں جیسے سخاوت اور انسان کی ترقی کے لئے ایک عام کوشش کیا ان میں کوئی کمی ظاہر ہوئی ہے۔ میرے پاس کوئی ایسا نقشہ موجود نہیں جس سے کوئی نتیجہ نکال سکوں۔ البتہ میں اپنے پچاس برس کے ذاتی تجربہ اور تاریخ کے مطالعہ سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ حالت اس کے بالکل برعکس ہے۔ دُنیا کی آبادی اس قدر بڑھ گئی ہے۔ کہ ایسا مقابلہ کرنا اور بھی مشکل ہو گیا ہے۔ لیکن اس قدر شہادت تو صاف ملتی ہے۔ کہ جیسے جیسے عیسائی مذہبی عقیدہ تنزل اور زوال کی طرف جارہا ہے۔ اُسی قدر دُنیا ترقی کر رہی ہے۔ ہاں یہ امر فیصلہ شدہ نہیں کہ آیا یہ صرف ایک اتفاقی واقعہ ہے یا اس میں سبب اور نتیجہ کا رشتہ ہے۔ مثلاً اس زمانہ کے حالات

کو عیسائیت کے درمیانی زمانہ کے حالات سے مقابلہ کرو جبکہ مذہب کی حکومت تھی۔ اور چھوٹے چھوٹے مذہبی مسائل پر جنگ تک نوبت پہنچتی تھی۔ درحقیقت یہ سوال پوچھا جانے کے قابل ہے۔ کہ آیا یہ بالکل صاف بات ہے کہ بعض عیسائی عقاید خواہ وہ پرانے ہوں اور خواہ پراٹسٹنٹ کے ہوں اخلاقی ترقی کو تنزل کی طرف لانے والے نہیں؟ اگر مجھ سے پوچھتے ہیں تو جھوٹی تسلی جو آپ کے بعض نامہ نگاروں نے دی ہے خصوصاً آپ کے دوشنبہ کے پرچہ میں ایک نامہ نگار نے یا وہ تقریریں جو ممبروں پر چڑھ کر کی جاتی ہیں میرے غصّہ کو بھڑکاتی ہیں۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ بہت سارے غور کرنیوالے اور سنجیدہ آدمی اسی قسم کے اور بھی ہیں۔ اور اُن کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔ میرا مطلب آپ کے اُس نامہ نگار سے ہے جس نے ایک ایماندار عیسائی کے اطمینان قلب کے متعلق لکھا تھا کہ اُسکو ایسا یقین ہوتا ہے جیسا یقین ممکن طور پر کسی امر کے متعلق ہو سکتا ہے کہ ہر ایک ان کوڑوں میں سے جو اُسکے نجات دہندہ کی پیٹھ پر لگے تھے وہ اسکی اپنی بدچلنیوں کی سزا بطور کفارہ تھے کیسا سیاہ جھوٹ ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے عام آدمی جن کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے۔ اور بلاشک بہت سارے مذہبی سرگروہ ایسی باتوں پر ہرگز ایمان نہیں لاتے۔ اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ایسا ایمان ہمارا نہیں۔ کیونکہ اس جھوٹے اعتقاد کے دور ہونے پر ہماری اخلاقی ترقی منحصر ہے۔ آپ کا تابعدار ایک طالب حق بلیگیو۔ ۵۔ اکتوبر" +

یہ سوال جو یہاں پوچھا گیا ہے۔ دو الگ الگ سوالوں پر منقسم ہوتا ہے یعنی اول یہ سوال کہ کس قدر ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو ایمان کا اقرار کرتے ہوں۔ اور دوسرا یہ کہ ان لوگوں میں سے جو مُنہ سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں کتنے ایسے ہیں جو واقعی ایماندار ہیں۔ جزاول تو چند لفظوں میں ہی طے ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جن لوگوں کا عیسائی عقاید پر ایمان نہیں وہ صاف طور پر اسکو تسلیم کرتے ہیں۔ باقی رہا یہ کہ انکی تعداد روز بروز ترقی کر رہی ہے سو اس سے نہ کوئی انکار ہی کر سکتا ہے۔ اور نہ کسی ثبوت کی ضرورت ہے۔ بہت سارے نوجوان ایسے پائے جاتے ہیں۔ خواہ وہ عامی لوگوں میں سے ہوں۔ اور خواہ مذہبی پیشواؤں میں سے جو اس امر کے منکر ہیں۔ کہ یسوع مسیح نے صلیب کی لعنتی موت اُن کے گناہوں کی خاطر اُٹھائی۔ اور وہ ایسی تجویز کو خدا کی طرف سے نجات کی تجویز ہرگز نہیں سمجھتے۔ اور نہ ہی یسوع کے جی اُٹھنے یا آسمان پر چڑھ جانے پر ایمان لاتے

ہیں۔ باقی رہی دوسری جماعت جسمیں وہ لوگ شامل ہیں جو منہ سے ایماندار ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ سو اُن کے متعلق سب سے زیادہ ضروری سوال حل کرنے کے قابل یہ ہے۔ کہ آیا جن باتوں پر ایمان لانیکا اقرار وہ مُنہ سے کرتے ہیں واقعی بھی اُن کو مانتے ہیں کہ نہیں۔ یہ اس زمانے میں ایک نہایت ضروری سوال ہے۔ اور اس سوال کا سچا جواب صرف عیسائیوں سے ہی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ ہر ایک اہل مذہب کے متعلق اس سوال کا وہی جواب ہوگا + اس سے کوئی انکار نہیں ہوسکتا کہ ہر ایک سچے مذہب کی غرض اسکی پیدائش کے وقت یہ نہ تھی کہ وہ عقاید کا ایک مجموعہ تیار کرے۔ بلکہ بڑی غرض اسکی یہ تھی کہ اللہ تعالےٰ کی ہستی کے متعلق انسانوں کے دلوں میں یقین کامل پیدا کرے اور اُن کو گناہوں کی زندگی سے چھڑائے اور اعلےٰ درجہ کے اخلاق سکھا کر انسان میں اور اللہ تعالےٰ میں سچا تعلق پیدا کرے اور عقاید اس غرض کے حصول کا ذریعہ تھے۔ اگر ہم بڑے بڑے مذاہب کے بانیوں اور ان کے سب سے پہلے پیروؤں کی زندگیوں پر غور کریں۔ تو معلوم ہوگا کہ ان کی زندگیاں اُن کے ایمان کا ہی نقشہ تھیں اگر یہی سوال اُن کے متعلق پوچھا جائے جو آج دنیا میں پوچھا جا رہا ہے۔ تو ہمیں اس کا جواب دینے میں کوئی تامل کرنا ہی نہیں پڑتا کیونکہ اُن کا ایمان اُن کے اعمال سے ظاہر تھا۔ ان کا ایمان خالی منہ سے اقرار کا نام نہ تھا۔ بلکہ دل میں رچا ہوا تھا اور اس لئے اُن کے اعمال میں صاف طور پر پایا جاتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کا ایمان یقین کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ مگر اس زمانے میں ایمان اسی کا نام رکھا جاتا ہے جو منہ سے کوئی بات کہدے۔ خواہ عمل میں دکھائے یا نہ دکھائے۔ عیسائیت کے اس عقیدہ کو کہ مسیح کی موت دنیا کے گناہوں کو اٹھا لے گئی جو ایک نہایت ہی بے معنی اور مہمل بات ہے بالفعل الگ چھوڑ کر اہم اور ضروری سوال ہمارے سامنے یہ ہے کہ خدا پر ایمان لانے کی کوئی غرض بھی ہے۔ کیا ایمان صرف اسی حد تک محدود ہے کہ ایک شخص منہ سے کسی بات کا اقرار کرے یا اس کا اثر اس کی زندگی پر بھی ہونا چاہئے۔ اگر یہ خالی منہ کی بات ہی ہے تو پھر ایسے ایمان کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور ایسے خشک ایمان سے حاصل ہی کیا ہے جو انسان کی عملی حالت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ ہمارے خیال میں کوئی شخص خواہ وہ کسی مذہب کا پابند ہو ایمان کو ایک ایسی نکمی اور فضول چیز قرار نہ دیگا۔ اس لئے ضرور ہے کہ کوئی اہم غرض ایسی ہے جس کا حصول خدا پر ایمان لانے کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ پہلا سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایمان کا مفہوم کیا ہے خدا پر ایمان لانا اس امر کے ماننے کا نام ہے کہ ایک اعلےٰ ہستی ہے جس نے دنیا کو پیدا

کیا اور جسکے سبب سے یہ دنیا قائم ہے۔ اور اسی اعلےٰ ہستی کے ارادے اور منشاء کے مطابق اس دنیا کے کاروبار کا کل سلسلہ چل رہا ہے۔ انسان خدا پر ایمان لاکر دل سے اسبات کو تسلیم کرتا ہے کہ اسکا ایک ایسا مالک اور آقا ہے جس کا علم اور جسکی طاقت اس عالم کے ایک ایک ذرہ پر محیط ہے جسکی آنکھ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ اور جسکی حکومت سے کوئی باہر نہیں۔ پھر ایمان لاکر انسان اس امر کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ کہ خدا کامل اور بے عیب اور تمام نقصوں سے بری ہے۔ وہ پاک ہے۔ اور پاکیزگی سے محبت کرتا اور بدی سے نفرت کرتا ہے پس خدا پر ایمان لاکر انسان ان سب باتوں کو دل سے سچا مانتا ہے۔ اور اسی لئے ایک سچے ایماندار کا مقصد یہ ہونا چاہئیے کہ پاکیزگی کے حاصل کرنے اور بدی سے دور رہنے کیلئے ہر وقت مجاہدہ میں لگا رہے۔ خدا کے حضور عاجزی اور فروتنی اختیار کرے انسانی کمزوریوں کے دور ہونے کیلئے اس سے مدد مانگے۔ اور یہ بات اسکے دل میں رچ جاے کہ خدا تعالےٰ اسکے دل کے بھیدوں اور اُسکے مخفی در مخفی ارادوں سے آگاہ ہے۔ اور وہ نیک کاموں کا نیک بدلہ اور بُرے کاموں کی سزا دینے والا ہے پس دوسرا سوال اس جگہ یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایک شخص جو ایمان کا دعوے کرتا ہے وہ درحقیقت خدا پر ایمان بھی رکھتا ہے۔ انسان کا ایمان اور اسکی عملی زندگی دو مختلف راہ اختیار نہیں کرسکتی کیونکہ جب ایمان دل سے ایک بات کو یقینی اور قطعی طور پر سچا مان لینے کا نام ہے۔ تو اس کا اثر انسان کی عملی زندگی پر ایسا ہی ہونا چاہئیے جیسا کہ صحیح قطعی اور یقینی علم کا۔ اب دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک چیز کے متعلق انسان کا عمل اسکے علم کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ مثلاً جس شخص کو علم ہے۔ کہ آگ جلا دینے والی چیز ہے۔ وہ جلتی ہوئی آگ میں اپنا ہاتھ کبھی نہیں ڈالیگا۔ کیونکہ وہ یقیناً جانتا ہے کہ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُسکا ہاتھ جل جائیگا۔ اور وہ ایسا فعل نہیں کریگا کیونکہ اس میں اسکی ہلاکت ہے ایسا ہی جس شخص کو علم ہے۔ کہ ایک کوٹھے کی چھت گر رہی ہے۔ وہ اسکے نیچے کبھی نہیں جائیگا۔ خواہ اس کا قیمتی اسباب بھی اسکے نیچے ضائع ہو رہا ہو۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایسا کرنے سے اسکی جان جائیگی۔ اب جائے غور ہے۔ کہ دنیوی امور میں ہمارا عمل کیسا ہمارے علم سے مطابق ہے پس جیسا ہم کو یہ علم ہے۔ کہ آگ جلاتی ہے۔ اور پانی میں انسان ڈوب جاتا ہے۔ اگر ایسے ہی یقین کے ساتھ ہم یہ بھی جانتے ہوں۔ کہ خدا ہے اور اسے ہمارے ہر ایک فعل کا علم ہے۔ اور وہ بدی کو بُرا جانتا اور اسکی سزا دیتا ہے۔ اور نیکی سے پیار کرتا اور اُسکا نیک بدلہ دیتا ہے۔ اور اسکے غضب کی آگ اس شخص کو کھا جانیکو تیار ہے جو اُسکی مرضی کے خلاف چلتا ہے تو پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ

ہم اُس کی مرضی کے خلاف چلیں یا کوئی ایسا فعل کریں جس میں اُسکی ناراضگی ہو پھر تو ہمیں گناہ سے ایسا ہی بچنا چاہئے جیسا ہم آگ سے بچتے ہیں یا اپنی ہلاکت کی راہوں سے ڈر کر بھاگتے ہیں ایسا ہی ہم یہ کہنے کو تیار ہیں۔ کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کی مرضی کے خلاف چلتا ہے اور ایسے افعال کرتا ہے جو خدا کی نظر میں پسندیدہ نہیں۔ اُسکو خدا پر یقینی ایمان ہرگز حاصل نہیں شاید یہ کہا جائیگا کہ اگر ہم مدعیان ایمان میں سے اس بڑے حصہ کو خارج بھی کر دیں جن کا ایمان محض باتوں تک ہی محدود ہوتا ہے تاہم ایسے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں۔ خواہ انکی تعداد تھوڑی ہی ہو جو سچے دل سے خدا پر ایمان لاتے ہیں مگر پھر بھی اس بات پر قادر نہیں۔ کہ گناہ سے ایسے بچ سکیں جیسے آگ سے بچتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جس فعل کا نتیجہ یقینی سزا یا ہلاکت ہو اُس فعل کو انسان کبھی بھی اختیار نہیں کرتا۔ دنیاوی حکومتوں کے ماتحت جو جرائم ہوتے ہیں اُن کا رنگ الگ ہوتا ہے۔ کیونکہ مثلاً جب چور چوری کرتا ہے۔ تو اُس کو غالب یقین یہی ہوتا ہے کہ وہ پکڑا نہیں جائیگا پس سزا بھی یقینی نہیں ہوتی۔ اگر اُسے علم ہو کہ صاحب خانہ جاگ رہا ہے۔ تو ممکن نہیں کہ وہ نقب لگانے کی جُرات کر سکے۔ لیکن جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے وہ تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ شاید میری یہ بدی خدا سے چھپی ہی رہے۔ وہ یقینی طور پر جانتا ہے۔ کہ جو کچھ وہ کریگا ضرور ضرور اگر وہ بُرا کام ہے تو اُسکی سزا بھی بھگتیگا۔ ایسے یقین کے ساتھ وہ کبھی خدا کے منشاء کے خلاف نہیں چل سکتا۔ اور اگر کوئی شخص خدا کے منشاء کے خلاف چلتا ہے تو ضرور ہے کہ اُسکو ایسا یقین حاصل نہیں۔ یہ دونوں امور لازم ملزوم ہیں۔ جو ایمان وہ ظاہر کرتا ہے ضرور ہے کہ اسکے نیچے یہ چھپا ہوا خیال موجود ہو کہ باریتعالےٰ کی ہستی پر کوئی قطعی اور یقینی ثبوت نہیں اور نہ ہی نیک و بد کی جزا و سزا پر کوئی ایسی قاطع دلیل موجود ہے چور کیطرح گناہ کا مرتکب یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میرا فعل خدا کے علم میں نہیں آئیگا یا اُسکی طاقت مجھے پکڑ نہ سکیگی پس اگرچہ وہ اپنے دل کو یہ تسلی دے کہ اُسے خدا پر ایمان ہے۔ لیکن یہ جھوٹی تسلی ہوگی۔ اور اگر اُس کے دل کی تہ کے مخفی در مخفی خیالات کو الگ الگ کر کے روشنی میں رکھنا ممکن ہو تو معلوم ہو جائیگا کہ اُس وقت جب اُس نے گناہ کا ارتکاب کیا ضرور اسکے دل میں یہ چھپا ہوا خیال موجود تھا کہ خدا کی ہستی اور جزا و سزا کوئی یقینی امور نہیں ہیں۔ اگرچہ ممکن ہے کہ وہ خود بھی اس خیال کو معلوم نہ کر سکے اور اسی دھوکہ میں پڑا رہے کہ وہ واقعی اور سچا مومن ہے۔ اور خدا کی ہستی پر یقینی ایمان رکھتا ہے +

پس معلوم ہوا کہ خدا پر ایمان لانے کی اصلی غرض یہی ہے کہ انسان گناہ سے بچ سکے اس طرح پر اس سوال کا جواب کہ کیا ہم ایمان رکھتے ہیں آسانی سے دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں بہت ہی کم ایسے

لوگ ہونگے جو اس کا جواب اثبات میں دے سکیں۔ ہر ایک انسان بجائے خود سوچ سکتا ہے کہ اگر اس سے یہ سوال پوچھا جائے تو وہ اس کا کیا جواب دیگا۔ اگر وہ جانتا ہے کہ تنہائی کے گوشہ میں جب وہ تمام دنیا کی نظروں سے چھپا ہوا ہو اور بڑے جوشوں کے وقت میں بھی وہ اپنے آپکو خدا تعالیٰ کے حضور میں ہی دیکھتا ہے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ اسکا ایمان اللہ تعالیٰ پر ویسا ہی پکا اور یقینی ہے جیساکہ وہ لوگوں کے سامنے ظاہر کرتا ہے لیکن اگر وہ کسی وقت اور کوئی سے حالات کے ماتحت جذباتِ نفس کا تابع اپنے آپ کو پاتا ہے یا بدخواہشوں کو روک نہیں سکتا تو اُسے یقینی طور پر یہ جان لینا چاہئے کہ اس کا ایمان بالکل ناقص اور شکوک میں پھنسا ہوا ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو کیسا ہی پکا ایماندار سمجھتا ہو۔ اس لئے اس سوال کا جواب کہ کیا ہم ایمان رکھتے ہیں باستثناء ان لوگوں کے جنھوں نے خدا کی ہستی کو یقینی اور قطعی طور پر دیکھ لیا ہے یہی ہوگا۔ کہ ہم اپنی زبانوں سے ایمان لاتے ہیں لیکن دلوں سے نہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ وہ کون لوگ ہیں جنھوں نے خدا کی ہستی کا اس طور پر مشاہدہ کرلیا ہے۔ سو وہ ہم نیچے ظاہر کرتے ہیں +

اگر یہ سوال اُٹھایا جاوے کہ آیا انسان کے لئے یہ ممکن بھی ہے کہ وہ ایسا یقینی اور قطعی ایمان حاصل کرسکے جو اُس کو گناہوں سے روک سکے تو اُس کا جواب یہی ہونا چاہئے کہ بیشک یہ ممکن ہے کیونکہ یہ تو کسی صورت میں مانا نہیں جاسکتا کہ خدائے تعالےٰ کی یہ منشاء ہے کہ انسان اس کی ہستی کا قطعی اور یقینی طور پر کبھی پتہ لگا ہی نہ سکے البتہ ضروری سوال یہ ہے کہ ایسا ایمان کیونکر حاصل ہوسکتا ہے سو اس کا جواب بھی آسان ہے کہ اس کی حاصل کرنے کی وہی راہیں ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام نے بتائی ہیں۔ حضرت مسیح کے وقت کے یہودی اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں یہودی اور عیسائی بھی تو اپنے آپ کو ایماندار ہی ظاہر کرتے تھے جیساکہ آج کل لوگ اس بات کا کہدینا نہایت آسان سمجھتے ہیں کہ ہاں ہم بھی ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اُن لوگوں کا ایمان اس زمانہ کی طرح مردہ ایمان ہوچکا تھا۔ اور اسی واسطے وہ طرح طرح کے فسق وفجور میں باوجود دعوئے ایمان کے مبتلا تھے۔ جس فسق وفجور سے انبیاء نے اُنہیں باہر نکالا۔ جو راہ انبیاء نے اختیار کی تھی وہ یہی تھی کہ آسمانی نشانوں کے ذریعے سے خدائے تعالےٰ کی ہستی کا یقینی پتہ لوگوں کو دیں اور وہ خدا کی طرف سے ایسے نشان دکھاتے تھے جن سے ایک برتر اور مقتدر ہستی کا وجود روز روشن سے بھی زیادہ چمک اُٹھتا تھا۔ پس جب خدا پر ان لوگوں کو یقینی ایمان نصیب ہوگیا تو اُنہوں نے بھی ہر ایک قسم کی بدی چھوڑ کر پاکیزگی کی راہوں کو اختیار کیا۔ لیکن مرور زمانہ سے ہر ایک نبی کے

بعد پھر ایک ایسا وقت آجاتا تھا۔ کہ وہ نشانات صرف بطور قصہ کہانی کے رہ جاتے اور اس لئے اصل غرض کو بھی پورا نہ کرسکتے تھے۔ اور پھر ایمانی حالتیں تنزل کی طرف رخ کرتیں۔ ایسے وقتوں میں اللہ تعالے اور نبی بھیجکر از سر نو آسمانی نشان دکھاتا رہا اور اس طرح پر دوبارہ ایمان کو دُنیا میں قائم کرتا رہا پس صرف آسمانی نشان جو ایک زندہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوں۔ صرف وہی ایک ایسی چیز ہیں جو ایمان کو دلوں کے اندر ایسی مضبوطی سے قائم کرسکتے ہیں جس ایمان کو حاصل کرکے انسان گناہوں سے رُک سکتا ہے اور اخیر پر طالبان حق کو ہم یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ ایسا ایک نشان خدا اللہ تعالے نے اس زمانے میں بھی مبعوث فرمایا ہے جیسا کہ اُس کا قدیم سے وعدہ تھا۔ ہاں اس کے پیچھے لگکر جو دنیا میں مسیح موعود ہوکر ظاہر ہوا ہے۔ ہم اس کامل اور یقینی ایمان کو پھر حاصل کرسکتے ہیں۔ جو ہمارے دلوں کو اللہ تعالے کی ہستی کے یقین کے ساتھ بھردے اسی کی پیروی سے اس وقت دنیا گناہوں سے نجات پاسکتی ہے۔ کیونکہ وہ خدا کے وجود کا پتہ دیتا ہے۔ پس ہمارا اخیری جواب اس سوال کا کہ آیا ہم ایمان رکھتے ہیں یہ ہے کہ ہم اسیوقت ایمان کا دعوے کرسکتے ہیں جبکہ ہم ان آسمانی نشانوں کو دیکھکر جو اللہ تعالے نے اپنے مامور کی وساطت سے اس زمانہ میں ظاہر فرمائے ہیں۔ خدائے تعالے کی ہستی پر کامل یقین رکھتے ہوں۔ اگر یہ نہیں تو پھر ہمارا ایمان ہمارے منہ کی ایک بات ہے جو محض لاف ہی لاف ہے اور جس کی اصلیت کچھ نہیں ہ

نوٹ اور رائیں

حضرت مسیح اور کرشن علیہما السلام

اس رسالہ میں کسی اور جگہ ہم ایک لیکچر درج کرتے ہیں جو کچھ دن ہوئے حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بمقام سیالکوٹ دیا۔ اس لیکچر میں اُنھوں نے یہ اعلان کیا ہے۔ کہ میں نہ صرف مسیح موعود ہی ہوں بلکہ راجہ کرشن جی مہاراج کا بروز یعنے اوتار بھی ہوں۔ شائد ہمارے بعض ناظرین اس دعوے کو دیکھکر تعجب سے چونک پڑیں۔ لیکن اُنہیں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ اور اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ جس طرح عیسائی اور مسلمان آخری زمانہ میں مسیح کے نزول کے قائل ہیں اسی طرح ہندو صاحبان بھی آخری زمانہ میں ایک اوتار کے منتظر ہیں جو نازل ہوکر ہندو مذہب کے اُن عیبوں اور غلطیوں کو دور کریگا جو اس میں داخل ہوگئی ہیں اور خوش قسمتی سے جیسے مسلمان اور

عیسائی صاحبوں کا اس بات پر اتفاق ہو گیا ہے کہ مسیح موعود جس کی اُن کو انتظار لگی ہوئی ہے اُس
کے نزول کا یہی زمانہ ہے ویسے ہی ہندو صاحبان بھی اسی زمانہ کو اپنے موعود اوتار کے نزول اور
ظہور کا زمانہ قرار دیتے ہیں حضرت میرزا صاحب کا یہ دعوےٰ کہ میں موعود اوتار حضرت کرشن مہاراج علیہ السلام
کے رنگ و روپ میں آیا ہوں اگرچہ واضح الفاظ میں پبلک کے جلسہ میں اب کے ہی پیش کیا گیا ہے لیکن
جو لوگ اُن کی تصانیف کو غور اور تعمق کی نظر سے مطالعہ کرتے ہیں اُن پر یہ بات بہت عرصہ سے روشن
ہو چکی تھی۔ یہ دعوےٰ حضرت میرزا صاحب نے از خود نہیں کیا بلکہ خدا تعالےٰ نے اُن کو اس عہدہ پر ممتاز فرما کر
اس کے اظہار کا حکم دیا۔ اس کے متعلق اُن کو ابتدائی زمانہ میں ہی الہام ہوا تھا جس کو اُنہوں نے
کتاب میں لکھکر شائع بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ الہام یہ ہے "**ہے کرشن رودر گوپال تیری
مہما گیتا میں لکھی گئی ہے**" یعنے اے کرشن بدیوں کے دور کرنیوالے اور نیکیوں کے قائم کرنے
والے تیری تعریف گیتا میں لکھی گئی ہے حضرت کرشن ع کے دو لقب جو اس الہام میں مذکور ہیں ان کا
ماحصل ٹھیک وہی ہے جو مسیح موعود کے دو اوصاف نذیر و بشیر میں موجود ہے کیونکہ نذیر سے مراد
وہ ہے جو بدکاروں کو ہلاکت اور تباہی سے متنبہ کرے اور بشیر سے مراد وہ ہے جو راستبازوں کو انجام کار
کامیابی اور شادمانی کی خوشخبری سنائے۔ بدنصیبی سے مسیح اور کرشن جی کی نسبت ایک ہی طرح کی
غلط فہمیاں لوگوں میں پھیل رہی ہیں۔ دونوں کو اُن کے ماننے والوں نے خدا سمجھ رکھا ہے اور
اُن کے دشمنوں نے دونوں پر ہی سنگین تہمتیں لگائی ہوئی ہیں۔ لیکن اب ان دونوں بزرگوں کی
نسبت خدا تعالےٰ نے حقیقت کو آشکارا کر دیا ہے۔ اور اُن کا بروز ایک ہی شخص مامور کیا ہے جس کو
اُن کے روحانی رنگ اور روپ میں نازل کیا ہے۔ جو دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوا ہے۔
تین عظیم الشان قوموں کی امیدوں کا ایک ہی شخص کے ظہور میں پورا ہونا نہایت مبارک نشان
ہے کہ اب دنیا کی یہ تین قومیں یعنے ہندو مسلمان عیسائی باہم ملجاوینگے حقیقت میں یہ اعلان
اُس مقرر اور موعود گھڑی کے پہنچ جانیکی خوشخبری دیتا ہے جبکہ باہم جھگڑنے والے فرقے ایک ہی
سچے مذہب کو اختیار کرینگے۔ سردست حضرت میرزا صاحب کے اس دعوے کرنے سے کہ وہ نہ
صرف مسیح موعود ہی کے رنگ میں آئے ہیں بلکہ حضرت کرشن مہاراج کے بروز بھی ہیں یہ فائدہ
اب سے ہی شروع ہو گیا ہے کہ اُن کے لاکھوں مریدوں کے دلوں میں نبی ہند حضرت کرشن علیہ السلام
کی عظمت اور عزت اور صداقت بیٹھ گئی ہے۔ اور وہ اپنے ہندو بھائیوں کو پہلے کی نسبت زیادہ
محبت اور عزت اور شفقت کی نگہ سے دیکھنے لگے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان دونوں قوموں

کے اتفاق کا یہ ابتدائی مرحلہ ہے۔ اور جب ہندو صاحبان بھی عیسائی صاحبان کی طرح ایک عاجز انسان کو خدا بنانے کے عقیدہ کی غلطی پر مطلع ہو جاوینگے تو وہ اسلام کے دروازے کے بہت قریب آجائینگے اور خدا کی سچی اور کامل توحید کی معرفت حاصل کر لینگے۔ ہم خدا تعالےٰ سے دُعا کرتے ہیں۔ کہ جلد وہ زمانہ آوے کہ جب ہمارے ہندو بھائیوں کے دلوں پر سے پردے اُٹھ جائیں۔ اور اُن کو اپنی مذہبی غلطیوں پر بصیرت اور معرفت حاصل ہو جائے۔ اور اُن کے سینے اُس سچائی کے قبول کرنے کے لئے کُھل جاویں۔ جو دین اسلام تعلیم کرتا ہے۔ ہم اِس بات کو مانتے ہیں۔ کہ آخری زمانہ میں ایک اوتار کے ظہور کے متعلق جو وعدہ اُنہیں دیا گیا تھا وہ خدا کی طرف سے تھا۔ اور اُس کو ہندوستان کے مقدس نبی **میرزا غلام احمد قادیانی** کے وجود میں خدا تعالےٰ نے پورا کر دکھایا ہے۔

عیسائی مذہب اس تعریف کا حقدار نہیں

اخبار بائبل ریکارڈ کی بنا پر اخبار پیٹریٹ مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۰۴ء میں ایک نوٹ چھپا ہے جس کا عنوان "عیسائیت کی حیات بخش طاقت" ہے عیسائی مذہب کی بلند کرنے والی طاقت کے ثبوت میں چند امور کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے۔ کہ ایکدفعہ لارڈ سالسبری نے بیان کیا تھا کہ دُنیا دو برابر حصوں میں منقسم ہے یعنے آدھی دُنیا تو زندہ اقوام کی ہے اور آدھی دُنیا مردہ اقوام کی ہے زندہ اقوام میں صرف وہ لوگ داخل ہیں جو عیسائی مذہب کے معتقد ہیں۔ اور مردہ اقوام میں وہ لوگ شامل ہیں جو اس مذہب کو نہیں مانتے۔ یہ عیسائی مذہب کی حیات بخش طاقت کا ایک ثبوت ہے۔ اور دوسرا ثبوت یہ ہے کہ پروفیسر لوکس نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ نہ ہندو مذہب نہ بُدھ مذہب۔ نہ کانفیوشش کے مذہب۔ اور نہ اسلام میں بلکہ صرف عیسائی مذہب میں حریت اور اعلےٰ تمدنی زندگی اور تہذیب اور ترقی کی کوششوں کے لئے دروازہ کھلا ہے۔ جن کے ذریعہ سے دُنیا ترقی کر رہی ہے۔ پھر ایک اور ثبوت اُنہوں نے یہ لکھا ہے کہ ایک صاحب فلپس نامی نے لکھا ہے۔ کہ مڈغاسکر کے لوگوں نے عیسائی پادریوں کی طفیل اس قدر ترقی کی ہے کہ پرانی بُت پرستی کی وحشیانہ حالت کو چھوڑ کر عیسائی مذہب کی تہذیب اختیار کر لی ہے۔ کیا کوئی ہے جو ایسے ثبوتوں کے موجود ہوتے ہوئے عیسائی کفارہ کی تردید کر سکے؟ ہمیں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ان ثبوتوں کی ذیل میں کیوں زید بکر عمر اور اسی قسم کے ہزاروں تنخواہوں کی اس قسم کی لایعنی رائیں درج نہیں کر لی گئیں۔ اور تعجب کی تو یہ بات ہے کہ

صاحب مضمون کو یہ بات کسی طرح سے معلوم نہیں ہو سکی کہ جس تہذیب کا اب عیسائی یورپ کو فخر ہے وہ عیسائیت کے زوال کے ساتھ شروع ہوئی ہے۔ وہ اس بات کو بیان کرنا ہی بھول گئے ہیں ہیں۔ کہ جن دنوں عیسائی مذہب کا یورپ پر پورا تسلط تھا وہ ایسا زمانہ تھا کہ یہ براعظم جہالت اور وحشت کے گڑھے میں گرا ہوا تھا۔ گو کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ اتفاقی معاملہ تھا۔ لیکن اُس کا تسلی بخش جواب ہونا ضروری ہے۔ لیکن افسوس کہ عیسائی صاحبان اپنے مطلب کی بات یاد رکھتے ہیں۔ اور باقی بھول جاتے ہیں۔ بعض عیسائی بزرگوار جو مسٹر جانسن کے پیش کردہ گواہوں سے کم رتبہ کے عیسائی نہیں ہیں ہمیں یہ بات بتلاتے ہیں کہ مذہبی حیثیت سے اسلام کی حیات بخش طاقت عیسائی مذہب کی نسبت ہزارہا درجہ زیادہ ثابت ہو رہی ہے اور لوگوں کو وحشت اور جہالت کے گڑھے سے نکالنے اور اُن کو تہذیب کے معراج پر پہنچانے میں اس نے بڑے حیرت انگیز کرشمے دکھائے ہیں جو عیسائی مذہب کو کبھی نصیب نہیں ہوئے۔ یورپ نے جو ترقی حاصل کی ہے۔ وہ مادہ پرستی کے زمانہ میں حاصل کی ہے۔ اور یہ صریح ظلم ہے کہ مادہ پرستی کے زمانہ کی ترقیات کو عیسائی مذہب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور انکی عزت عیسائیت کے سر پر رکھی جاتی ہے۔ کیونکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ترقیات عیسائیت کے زوال کے ساتھ شروع ہوئیں۔ اگر یہ عیسائیت جو یورپ میں رائج ہے اپنے اندر کوئی ذاتی طاقت مردہ قوموں کو زندگی بخشنے کی رکھتی تھی۔ تو اتنی صدیاں پہلے سے جو یہ مذہب موجود تھا تو اُس وقت اسکی ایسی طاقت کہاں چھپی ہوئی تھی؟ اور کیوں اسکی حیات بخش طاقت ہندوستان میں کوئی اثر نہیں دکھاتی۔ جہاں خود عیسائی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ عیسائیت کا اثر تنزل اور ہلاکت ہوا ہے۔ یہی ایک بات ہے جس پر خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ یوروپ کی اصلی ترقی صرف اُس وقت سے شروع ہوئی جب عیسائی مذہب کا زوال اور مادہ پرستی کا عروج شروع ہوا۔ اور اب اس ترقی کے معراج پر عیسائی عقائد کی یہ حالت ہے کہ غیروں کو تو کہا جاتا ہے۔ کہ انگلستان وغیرہ عیسائی ملک ہیں۔ لیکن انگریزوں اور عیسائیوں میں کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو عیسائی مذہب سے منکر ہیں۔ اور اسکے مسائل کو تمسخر میں اڑاتے ہیں۔

رو جنکو امام صادق علیہ السلام کے حکم کی بجا آوری کے لیئے ایک تازہ جوش سے پُر کردے اور مامور و مرسل من اللہ کے دہن مبارک سے نکلی ہوئی باتین (جو مشیت ایزدی سے نکلی ہین اور ضرور پوری ہو کر رہنگی-) پوری ہون- اور معاونین اپنی اس سعی فی سبیل اللہ کے صلہ مین حسنات و ثواب دارین کے مستحق بنین- اللہ کرے ایسا ہی ہو- آمین ثم آمین ؂

مینیجر میگزین

امداد مدرسہ تعلیم الاسلام

جمیع برادران احمدی کو توجہ دلائی جاتی ہے اور یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ ماہواری چندہ مدرسہ جو حضرت نے سب احمدی برادران پر فرض کیا ہوا ہے اپنے اپنے شہر سے جمع کر کے ماہوار ارسال فرمایا کریں اور عطیہ یکمشت کے طور پر بھی کچھ ارسال فرماوین کیونکہ مدرسہ کی مالی حالت نازک ہو رہی ہے اور یہ روپیہ کسی خاص شخص یا حضرت صاحب کے نام نہین آنا چاہیئے بلکہ علیحدہ منی آرڈر بنام مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام... قادیان ارسال کرنا چاہیئے- والسلام-

محمد صادق عفی اللہ عنہ سپرنٹنڈنٹ مدرسہ تعلیم الاسلام

"اعلان"

(۱) جن خریداران کے ذمہ سنوات گذشتہ کا بقایا یا سال روان کا زر چندہ قابل وصول ہو وہ جملہ رقوم واجب الوصول جلد تر بنام مینیجر صاحب میگزین بھیج کر بیباقی حساب فرماوین- ترسیل مطالبہ کیلئے جملہ باقیداران کے نام خاص طور پر کارڈ یاد دہانی بھیجے جا چکے ہین- عدم التفاتی یا عدم جواب کیصورت مین اگلا پرچہ وی پی ارسال ہوگا۔

(۲) ہر قسم کی خط کتابت اور ترسیل جملہ رقوم متعلقہ میگزین کا معاملہ براہ راست بنام مینیجر صاحب میگزین ہونا چاہیئے نہ کسی خاص شخص یا حضرت اقدس یا کسی دیگر مالک مطبع کے نام- کیونکہ اس طرح کرنیسے علاوہ طوالت و حرج کام کے حساب کے مغالطہ کا اندیشہ ہے اور حضرت اقدس کو بھی اس مین تکلیف ہوتی ہے-

(۳) ترسیل روپیہ یا خط کتابت کرتے وقت نمبر خریداری نہ لکھنے کی صورت مین شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بیجا تصور ہوگی- بجز پتہ نمبر خریداری تلاش نام مین بڑی دقت پیش آتی ہے-

(۴) تاریخ اجرائے یعنے ابتدائے جنوری سنہ ۱۹۰۲ء لغایت اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء جملہ پرچہ جات میگزین اردو و انگریزی (باستثنائے انگریزی میگزین نمبر ۱ سال سنہ ۱۹۰۲ء) اسوقت دفتر ہذا مین فروخت کیلئے موجود ہین خواستگاران جلدی درخواستین بھیجین- بصورت توقف تیسری ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا والسلام-

مینیجر میگزین

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

"ضروری استدعا"

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہیں اور اپنے مقامی اسٹیشن میں کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہونیکی یا نہیں کسی اور شہر سے دوا منگواتی پڑتی ہیں وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے دوا یا فرانسیس میڈیکل ہال پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائیں یہ دکان ہمیر متعلق ہے انہیں نقصان نہیں اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے المشتہر خواجہ کمال الدین

ضیاء الاسلام پریس قادیان میں باہتمام حکیم فضلدین صاحب مالک مطبع طبع ہوا۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۱۲

فہرست مضامین

کارخانہ پیسہ اخبار کے خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں منشی محمد عبد العزیز مینجر کے اہتمام سے چھپا
قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ دسمبر ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا چندہ سالانہ اردو پرچہ عہ انگریزی پرچہ للعہ

حضرت اقدس کے مبارک ارشاد پر فدا ہو جانے والی پرجوش روحوں کی احتیاج

ایک سال کے قریب عرصہ گذرتا ہے کہ حضرت اقدس نے رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کی اشد ضرورت کو محسوس کر کے جملہ احباب و مخلصین کی توجہ کو اس رسالہ میگزین کی اعانت و امداد کی طرف مبذول کر کے پُرزور تاکیدی الفاظ میں ظاہر فرمایا تھا کہ اس کی تعداد اشاعت کسی صورت میں دس ہزار سے کم نہیں ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اس تاکیدی ارشاد میں حضرت اقدس علیہ السلام کا ایما تھا اور سخت تاکیدی حکم تھا کہ:۔

"اگر بیعت کرنے والے اپنی بیعت کی حقیقت پر قایم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے بلکہ جماعت موجودہ کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے اور ساتھ ہی فرمایا اور حد سے بڑھ کر تاکیدی الفاظ میں فرمایا کہ۔

میں پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت و مالی امداد میں جہانتک اُن سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاویں۔ اور اس خدمت میں جان توڑ کوشش کریں"۔

حضرت اقدس کے اس حد سے بڑھے ہوئے تاکیدی حکم کی تعمیل میں ابتدائی تازہ جوش میں اکثر مقامات کے باہمت احباب و مخلصین نے پوری جوانمردی و اخلاص مندی کا بین نمونہ دکھلایا اور اس سعی کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ قلیل عرصہ میں تعداد خریداری اڑھائی ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ لیکن خاص مقامات سے خاص وقت کے لئے ان جوش ہائے اعانت کا اُبھر کر جھٹ دھیما پڑ جانا ظاہر کرتا ہے۔ کہ اس حکم کو مختص المقام یا مختص الزمان قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ حکم جملہ افراد جماعت احمدیہ کیلئے ہمیشہ کیلئے واجب العمل تھا۔ اور کم از کم جبتک تعداد خریداری دس ہزار تک نہ پہنچ جاتی۔ اپنے باہمت احباب کو اس کی اعانت میں کوئی پہلو کوشش کا فروگذاشت نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ بلکہ قدم ہمت آگے ہی بڑھانا مناسب و شایاں تھا۔ جو اُن کے لئے موجب تحصیل حسنات دارین ہوتا۔

چونکہ حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد تک رسالہ کے پہنچنے میں ابھی بہت کمی ہے۔ اس واسطے جملہ برادران و احباب کی خاص توجہ و ہمت درکار ہے۔ علاوہ مالی اعانت کے اپنی بھاری جماعت احمدیہ میں سے پانچ فیصدی بھی ایسے باہمت مخلص احباب نکل آویں۔ جو کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنیں تو تعداد خریداری کہیں دس ہزار سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ امید ہے کہ اب جملہ برادران حضرت اقدس کے اس تاکیدی ارشاد کو ہمیشہ تازہ ارشاد سمجھ کر رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کے لئے اپنے تن من دھن غرض کہ کسی قسم کی امداد سے دریغ نہ رکھینگے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ تمام سعادتمند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

قرآن کریم سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کا ثبوت

تمام مذاہب میں سے جنہوں نے دنیا کے کثیر حصہ پر اپنا اثر ڈالا ہے کسی بانی کی زندگی کے واقعات ایسے محفوظ نہیں جیسے بانی اسلام کے۔ یہ ایک ایسا دعوے نہیں جو کسی دلیل کا محتاج ہو یا جس پر کسی مخالف نکتہ چین کو لانسلم کہنے کی گنجائش ہو۔ کیونکہ مخالف سے مخالف منقد جس نے مذاہب کی تاریخ پر غور کیا ہے۔ اس امر کو تسلیم کرتا ہے۔ کہ جہاں دوسرے بڑے بڑے بانیان مذاہب کی زندگی کے واقعات دُھندلاپن اور تاریکی کے نیچے ایسے دبے ہوئے ہیں۔ کہ اُن کی صحت کا پتہ لگانا قریباً محال ہے۔ وہاں پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تاریخ کی ایسی صاف اور کھلی روشنی کے نیچے ہے۔ کہ اس کا کوئی واقعہ بھی ہماری آنکھوں سے چھپا ہوا نہیں دوسری طرف یہ امر بھی محتاج ثبوت نہیں۔ کہ کسی مذہب کے پیرووں نے اپنے مقدس پیشوا کی زندگی کے واقعات کی اس تحقیق اور تدقیق سے چھان بین نہیں کی جیسی کہ مسلمانوں نے۔ ایک ایک روایت کی صحت کے پرکھنے کے لئے وہ وہ صعوبتیں محدثین نے اُٹھائی ہیں۔ کہ جن کا ہم اس وقت کسی طرح صحیح اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ موقعہ ان تفصیلات کا نہیں۔ ہماری غرض اس جگہ اس امر کے بیان کرنے سے یہ ہے۔ کہ جسقدر مجموعہ روایات کا محتاط محققین نے پوری چھان بین کے بعد صحیح سمجھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسمیں بہت کم غلطی کا احتمال ہے۔ لیکن اس قسم کا احتمال ہمیں یہ اجازت نہیں دیتا کہ اس سارے کے سارے مجموعہ کو ہی ہم رد کر دیں۔ کیونکہ اس طرح پر کسی تاریخی واقعہ کی شہادت پایۂ اعتبار

نوٹ:۔ اس مضمون کے بعض حصے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک مضمون سے لئے گئے ہیں۔ (ایڈیٹر)

تک نہیں پہنچ سکیگی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اسی زمانہ میں باوجود تاروں اور ریلوں اور مطابع کے اس قدر وسیع انتظاموں کے ایک ایک حد تک ہر ایک واقعہ کی تفصیلات میں غلطیاں داخل ہوجاتی ہیں لیکن ان سے خود اس واقعہ کا بطلان نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ امر در اصل اُس واقعہ کی صداقت اور صحت کا موید ہوتا ہے +

اس بیان سے ہمارا یہ مقصود ہے۔ کہ اگرچہ ہمیں قرآن کریم سے صریح اور بین ثبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ملتا ہے لیکن تاہم جن معجزات کا ظہور اس قسم کے مضبوط سلسلہ روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ ان کو ہم کسی طرح نظرانداز نہیں کرسکتے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح کے متعلق روایات کو قبول یا رد کرتے وقت ایک ایسا طریق اختیار کیا جس پر ایک عقلمند انسان ہنسیگا۔ اور بہت ساری اناجیل میں سے جن کے جھوٹھ اور سچ میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں تھا۔ بعض کو بلا وجہ صحیح اور بعض کو بلا وجہ جھوٹی قرار دیدیا۔ اور وہ بھی ایک ایسے زمانے میں جب ان روایات کی صحت یا عدم صحت کے پتہ لگانے کا کوئی ذریعہ نہیں رہ گیا تھا یعنی تین سو سال گذر جانے کے بعد۔ ایسی صورت میں کوئی محقق ان معجزات کو جو ان روایات میں درج ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اناجیل کی شہادت پر قبول نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ کسی اور طرح پر ان کا ثبوت بہم نہ پہنچے۔ لیکن اس کے برخلاف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کے متعلق ایک ایک روایت کے متعلق الگ الگ حیرت انگیز تحقیقات کیگئی ہے۔ اور وہ بھی ایک نہایت قریب زمانے میں جب کہ پوری تحقیق کے ساتھ ایسی روایتوں کی صحت یا عدم صحت کا پتہ لگالینا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ اور کسی روایت کو صحت کے پورے درجہ پر قبول نہیں کیا گیا۔ جب تک کہ اُسکی شہادت تواتر کے ساتھ اور مختلف ذرائع سے ہاتھ نہیں آگئی۔ الغرض ان احادیث میں جن کو محققین نے کامل تحقیق کے بعد صحیح مانا ہے جو معجزات درج ہیں۔ وہ اپنے ساتھ ایک قطعی اور یقینی ثبوت رکھتے ہیں۔ اور کسی دوسرے ثبوت کے محتاج نہیں۔ لیکن اس مضمون میں ہم صرف قرآن کریم سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کا ثبوت دیکھنا چاہتے ہیں +

سب سے اول یہ امر غور طلب ہے۔ کہ قرآن کریم کی ایک ایک آیت جیسے جیسے نازل ہوتی رہی وہ ایسی طرح پر مخالفین و موافقین کے درمیان شائع ہوتی رہی کہ جسکی کوئی نظیر موجود نہیں۔ اس کتاب پاک کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو اپنے نزول کے وقت مسلمانوں اور کفار کے درمیان میں

پورے طور پر شہرت نہ پا گیا ہو وہ لوگ جنہوں نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھا کر اور تمام تعلقات کو قطع کر کے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ اختیار کیا تھا۔ اُنکی غذا ہی وہ کلام آلٰہی تھی جو اُنکے محبوب پر وقتاً فوقتاً نازل
ہوتی رہتی تھی۔ وحی کا ہر ایک لفظ اُنکی تسکین اور اطمینان کا باعث ہوتا تھا اور اس واسطے طرح طرح
کی مصائب کے درمیان وہ تشنہ لبوں کی طرح سرچشمہ وحی کی آواز کے منتظر رہتے تھے۔ یہانتک کہ جو لوگ
اُن میں سے اپنے کاروبار بھی کرتے تھے اُنہوں نے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ دو دو آدمی ملکر ایک ایک
روز اپنے مولے و آقا کی خدمت میں حاضر رہتا اور کوئی نیا کلام جو نازل ہوتا وہ اپنے ساتھی کو شام کو
پُہنچا دیتا۔ اور پھر دوسرے دن دوسرا رفیق اپنی باری پوری کرتا۔ اور بہت سارے تو اُن میں ایسے
تھے جو کسی وقت بھی پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ اس وجہ سے ہر ایک
آیت کلام آلٰہی کی فی الفور تشہیر پا جاتی تھی۔ علاوہ اسکے کفار کو دین اسلام کی طرف بلانے کا سلسلہ
دن رات جاری تھا۔ اور اسلیئے ہر ایک نئی آیت اُنکے کانوں تک اسی وقت پہنچ جاتی تھی۔ بلکہ
ہر ایک مسلمان اپنا فرض سمجھتا تھا کہ جو کچھ نیا کلام آلٰہی اُس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے
اُسے فی الفور دوسرے لوگوں تک پُہنچاوے خواہ وہ مخالف ہوں یا موافق۔ پھر علاوہ اس کے نماز
میں جو کم از کم دن رات میں پانچ وقت پڑھی جاتی تھی قرآن کریم کا پڑھنا لازمی تھا۔ اور جس وقت امام
بآواز بلند قرات پڑھتا ہوگا تو ممکن نہیں کہ کفار اس سے بیخبر رہتے ہوں۔ کاش مخالفین اسلام
سوچتے تو اُن کو یہی ایک امر اسکی صداقت کا یقین دلا سکتا تھا کہ کیسی جرأت سے اُسنے تمام اُن امور کو
بآواز بلند ابتدا سے ہی دُنیا میں مشتہر کیا ہے۔ اس نے اپنی کسی بات کو مخفی نہیں رکھا۔ بلکہ اپنے متاع
کو کھول کھول کر پیش کیا ہے تا جو کوئی نکتہ چینی اس پر ہو سکتی ہے کیجاوے۔ ایک طرف تو ہماری
آنکھوں کے سامنے یہ نقشہ ہے۔ کہ ایک شخص جسے آج خدا بنایا جاتا ہے ایک بات اپنے چیدہ دوستوں کو
کہکر جھٹ ساتھ یہ حکم لگا دیتا ہے۔ کہ دیکھو یہ بات کسی کو کہنا نہیں۔ اور دوسری طرف ایک انسان جو رسول
ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے نہ صرف اپنے دعوے کو ہی بآواز بلند بیان کرتا ہے۔ بلکہ ایک ایک لفظ کو جسے
وہ خدا کی طرف سے سمجھتا ہے اس جرأت اور قوت اور شجاعت سے بیان کرتا ہے۔ کہ گویا اُسے پورا شعور
حاصل ہے۔ اور وہ قطعی اور یقینی طور پر اس نتیجہ پر پُہنچا ہوا ہے۔ کہ وہ صادق ہے۔ اور کوئی شخص
یہ طاقت نہیں رکھتا۔ کہ اُسکی صداقت پر کسی قسم کی نکتہ چینی کر سکے۔ غرضیکہ قرآن کریم کی ہر ایک آیت کا
بروقت نزول مخالفین اور موافقین کے درمیان شہرت پا جانا اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ اُن کے
مضامین کے متعلق مخالفین کو کسی طرح پر اعتراض کی گنجائش نہ تھی۔ اور موافقین بھی پوری بصیرت

سے اس کے صدق کے قایل تھے +

اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ قرآن کریم صاف طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے معجزات کے ظہور کو بیان کرتا ہے۔ بلکہ اسیوجہ پر کفار کو ملزم گردانتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم نے لفظ معجزہ کو کہیں استعمال نہیں کیا بلکہ ان خارق عادت امور کو جن کو عام اصطلاح میں معجزات کہا جاتا ہے لفظ آیات یا بینات یا آیات بینات سے تعبیر کیا ہے۔ ان الفاظ کا لفظی ترجمہ نشان یا کھلی دلیل ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالے کی ہستی اور مامورین اللہ کی سچائی پر نشان اور کھلی دلیلیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالے کی ہستی چونکہ غیب الغیب ہے اسلئے وہ امور جن کو ہر ایک انسان عادت کے طور پر دنیا میں واقع ہوتے دیکھتا ہے اُسکی ہستی کے لئے نشان یا دلیل کا کام نہیں دے سکتے۔ اور ایسا پتہ صرف خارق عادت امور سے ہی لگتا ہے۔ اسی لئے اُسکو معجزہ بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسا امر ہوتا ہے جس کے کرنے سے انسانی طاقت عاجز ہوتی ہے۔ اور جسکی کنہ کو انسان کا فہم پہنچ نہیں سکتا۔ قرآن کریم سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کفار کو نشانیاں دکھائیں۔ مگر اُنہوں نے تمسخر اور تکذیب سے کام لیا۔ اور ان معجزات کو جادو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جادوگر کہا۔ اور نئے نئے نشانات اور اقتراحی معجزات مانگے یہ امر قرآن کریم کی مفصلہ ذیل آیات سے ثابت ہے۔ واذا جاءتھم اٰیۃ قالوا لن نؤمن حتی نؤتی مثل ما اوتی رسل اللہ (الانعام - ۱۲۵) اور جب کوئی نشان پاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم کبھی نہیں مانینگے جب تک ہمیں خود ہی وہ باتیں حاصل نہ ہوں جو رسولونکو ملتی ہیں + اس آیت سے ثابت ہے۔ کہ کفار کو معجزات دکھائے گئے۔ لیکن بجائے اسکے کہ ان معجزات کو دیکھکر وہ ایمان لاتے اُنہوں نے یہ کہا کہ جبتک ہمکو خود یہ طاقتیں حاصل نہ ہوں ہم ایمان نہیں لاتے۔ ایسا ہی ایک جگہ فرماتا ہے۔ قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا (الانعام - ۱۰۵) خدا نے میری رسالت پر روشن نشان تمہیں دیئے ہیں سو جو اُنکو شناخت کرے اُس نے اپنے ہی نفس کو فائدہ پہنچایا۔ اور جو اندھا ہو جائے اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ ایسا ہی سورہ قمر کے ابتدا میں اللہ تعالے فرماتا ہے۔ وان یروا اٰیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر (قمر - ۲) جب وہ نشان دیکھتے ہیں تو منہ پھیر تے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ بھی ایک جادو ہے جو ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلے انبیاء کے نشانوں کو دیکھکر اُنکے منکرین ان نشانات کو جادو کہتے رہے ایسا ہی یہ کافر بھی کرتے ہیں۔ گویا ان کی نا انصافی کا ذکر کرکے اس طور کا اقرار ان کا درج کیا ہے۔ کہ وہ نشانوں کو دیکھکر کہتے ہیں۔ کہ وہ جادو ہے جیسا پہلے انبیاء کے نشان جادو تھے۔

واذا ذکروا لایذکرون ۔ واذا راؤا آیۃ یستسخرون وقالوا ان ھٰذا الا سحر مبین (والصّٰفّٰت ۱۳-۱۴-۱۵) جس وقت نصیحت دیجاتی ہے تو قبول نہیں کرتے ۔ اور جب نشان دیکھتے ہیں تو ٹھٹھا کرتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ یہ صریح جادو ہے ۔ اس آیت سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کو معجزات دکھائے مگر اُنھوں نے ان نشانات کو ہنسی میں اڑایا اور جادو کہا ۔ پھر ایک جگہ فرماتا ہے ۔ کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق و جاءھم البینٰت (آل عمران ۔ ۸۵) وہ لوگ کیونکر ایمان لا سکتے ہیں جنہوں نے ایمان کے بعد انکار کیا ۔ اور وہ اقرار کر چکے تھے کہ یہ رسول برحق ہے ۔ اور کھلے کھلے نشان اسکی صداقت کے بھی دیکھ چکے تھے ۔ پھر سورہ بقرہ آیت ۹۹ میں فرماتا ہے ۔ ولقد انزلنا الیک آیات بینٰت وما یکفر بھا الا الفاسقون ۔ یعنی ہم نے تجھ پر کھلی کھلی نشانیاں اُتاری ہیں ۔ پس جو ان کھلے نشانوں کا انکار کرتا ہے وہ فاسق ہے ۔ اس جگہ بھی صفائی سے یہی ثابت ہوتا ہے ۔ کہ آنحضرتؐ نے کھلے کھلے معجزات کفار کو دکھائے مگر وہ تکذیب ہی کرتے گئے ۔ جیسے پہلے انبیاؑ کی تکذیب کی ؛

اب ان تمام آیات سے بداہت ثابت ہے ۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفار عرب نے معجزات دیکھے مگر انکو جھٹلایا اور ہنسی کی اور جادو کہا اور نئی نئی شرطیں پیش کیں ۔ ان صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ قرآن کریم نے آنحضرت کے معجزات سے انکار کیا ہے کس قدر بیہودہ بات ہے ۔ باقی رہی یہ بات کہ ان معجزات کی تصریح قرآن کریم نے کیوں نہیں کی ۔ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی ۔ یہ معجزات بہ تفصیل معتبر روایات میں درج ہیں ۔ اور قریباً تین ہزار معجزہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادتوں سے ثابت ہے ۔ اور ایسا ہی آپ کی ہزاروں پیشگوئیاں احادیث سے ثابت ہیں جو اپنے وقتوں پر پوری ہوئیں یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جس صورت میں قرآن کریم خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کا مثبت ہے ۔ تو پھر بعض جگہ انکار معجزات سے کیا مطلب ہے اس جگہ بطور اعتراض دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں ۔ اول سورہ عنکبوت کی آیت وقالوا لولا انزل علیہ آیات من ربہ قل انما الآیات عند اللہ وانما انا نذیر مبین ۝ اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتٰب یتلیٰ علیھم ان فی ذالک لرحمۃ وذکریٰ لقوم یومنون ۔ ۔ ۔ ۔ ویستعجلونک بالعذاب ولولا اجل مسمی لجاءھم العذاب ولیاتینھم بغتۃ وھم لا یشعرون (العنکبوت ۔ ۵۰ ۔ ۵۳) جو لوگ اس سے انکار معجزات نکالنا چاہتے ہیں وہ پہلے حصہ کو تو پیش کرتے ہیں ۔ اور باقی آیات کو نہیں پڑھتے ۔ ہم کہتے ہیں کہ صرف پہلے حصہ سے بھی انکار معجزات ہرگز نہیں نکلتا ۔ جس صورت میں قرآن شریف بار بار جیسا کہ اوپر دکھایا جا چکا ہے کفار کو

ملزم کرتا ہے کہ وہ نشان دیکھ کر کیوں ایمان نہیں لاتے۔ اور ان کو نشانوں کے انکار کے سبب سے کافر اور ظالم اور فاسق قرار دیتا ہے۔ اور ایسی آیتوں سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ تو کفار کے اس قول کے معنے کہ نشان کیوں نہیں اُتارے جاتے سوا اس کے کیا ہو سکتے ہیں کہ جو نشان وہ دیکھ چکے تھے ان پر ہنسی کرتے تھے یا اُن کو سحر کہتے تھے۔ اور اسلئے نئے سے نئے نشان طلب کرتے تھے۔ اس آیت کے معنے ہمارے اس زمانے میں اور بھی وضاحت سے کھلتے ہیں۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہزارہا نشان دیکھنے کے باوجود پھر بھی مکذبین یہی کہے جاتے ہیں۔ کہ کوئی نشان نہیں دکھایا گیا۔ ایسا ہی ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے۔ لیکن آیت کے سیاق وسباق پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس جگہ کفار عام طور پر نشانات کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ ایک خاص قسم کے نشان کے طالب تھے۔ اور اُسی کا جواب ان ایات میں مذکور ہے۔ چنانچہ سورہ عنکبوت کو جس میں یہ آیات واقع ہوئی ہیں۔ ابتدا سے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ کفار عرب کو اللہ تعالےٰ پہلی قوموں کیحالت سے عبرت پکڑنے کیلئے نصیحت فرماتا ہے۔ اور اسی غرض کے لئے بیان فرماتا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام کے معجزوں کا انکار کیا گیا تو پھر ہم نے ان قوموں کو ہلاک کر دیا حضرت نوحؑ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کی قوموں اور ایسا ہی عاد اور ثمود اور قارون اور فرعون اور ہامان پر عذاب کے نازل ہونیکا ذکر فرماتا ہے۔ چنانچہ ان سب کے واقعات کو بیان کرکے فرماتا ہے۔ فکلا اخذنا بذنبہ فمنھم من ارسلنا علیہ حاصبا ومنھم من اخذتہ الصیحۃ ومنھم من خسفنا بہ الارض ومنھم من اغرقنا وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون ..... وتلک الامثال نضربھا للناس (العنکبوت ۴۰ و ۴۳) ہم نے ان سب کو جن کا ذکر اوپر ہوا ان کے گناہ کے سبب سے پکڑ لیا۔ چنانچہ ان میں سے بعض تو وہ تھے جن پر ہم نے پتھر برسائے۔ اور بعض ان میں سے وہ تھے جن کو بڑے زور کی آواز نے آدبایا۔ اور بعض ان میں سے وہ تھے جن کو ہم نے زمین میں دھسا دیا۔ اور بعض ان میں سے وہ تھے جنکو ہمنے غرق کر دیا۔ اور خدا نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ اُنھوں نے خود خدا کے نشانوں کی تکذیب کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا...... اور یہ مثالیں ہم اسلئے بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ سمجھ جاویں۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کفار کو یہ سمجھایا گیا تھا کہ جس طرح پر پہلی قوموں پر نشانات الٰہی کی تکذیب کے سبب سے عذاب نازل ہوا اُسی طرح تم پر بھی نازل ہوگا۔ کیونکہ تم ان نشانات کی تکذیب کر رہے ہو۔ جو ہم اس نبی پر اُتار رہے ہیں۔ اسکے جواب میں کفار کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے۔ لولا انزل علیہ ایات من ربہ۔ کہ اگر یہ بات حق ہے تو پھر وہ عذاب کی نشانیاں ہم پر کیوں نہیں اُترتیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ اسی کی تصریح ہے۔ واذ قالوا اللھم ان کان ھذا

هو الحق من عندك فامطر علينا حجارة من السماء او ائتنا بعذاب اليم (الانفال۔ ۳۲)

جب ان کافروں نے دعائیں مانگیں۔ کہ یا اللہ اگر یہ دین حق ہے اور جو معجزات اسکی تائید میں دکھائے جاتے ہیں وہ تیری ہی طرف سے ہیں تو پس چونکہ ہم انکی تکذیب کر رہے ہیں۔ اسلئے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب نازل کر۔ یہ سوالات کفار کے دل میں اس وقت پیدا ہوئے جب بار بار ان کو نشانات دکھائے گئے۔ اور قرآن شریف نے اُنہیں ملزم کیا کہ تم خدا کے نشانوں کو جھٹلا رہے ہو۔ اور باوجود نشان دیکھنے کے ایمان نہیں لاتے جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا ہے۔

الغرض یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ سورہ عنکبوت کی اس آیت متنازعہ میں کفار کا سوال یہ تھا کہ جب ہم نشانوں کو جھٹلا رہے ہیں۔ تو پھر خدا کی طرف سے وہ عذاب کا نشان کیوں نازل نہیں ہوتا جس سے بار بار ڈرایا جاتا ہے۔ اب ہم ان آیات کا ترجمہ کر کے دکھاتے ہیں۔ کہ مابعد کی آیتوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ کفار کا سوال صرف عذاب والے نشانوں کے متعلق تھا۔ کیونکہ قرآن کریم میں جب کبھی کسی قوم کی ہلاکت کا ذکر کیا جاتا تھا تو ساتھ ہی کفار کو یہ کہا جاتا تھا کہ اس میں تمہارے لئے بھی ایک نشان ہے ترجمہ آیات کا جو اوپر نقل کیگئی ہیں یہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کیوں نہ اتریں اس پر نشانیاں۔ ان کو کہدے کہ وہ نشانیاں جو تم مانگتے ہو یعنی عذاب کی نشانیاں وہ خدا تعالےٰ کے پاس موجود ہیں۔ اور اسی عذاب سے میں تمہیں ڈرانیوالا ہوں۔ کیا ان لوگوں کے لئے جو عذاب کی نشانی مانگتے ہیں یہ رحمت کی نشانی کافی نہیں ہے۔ کہ ہم نے تجھ پر باوجود تیرے اُمّی ہونیکے وہ کتاب جو جامع کمالات ہے نازل کی جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ یعنی قرآن شریف جو ایک رحمت کا نشان ہے۔ اور اس میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں نصیحت ہے ---- مگر یہ قوم تو جلدی سے عذاب ہی مانگتی ہے۔ اور رحمت کے نشانوں سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتی۔ ان کو کہدے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اس عذاب کا اللہ تعالےٰ نے ایک وقت مقرر کر دیا ہوتا تو یہ عذاب کی نشانیاں جو تم مانگتے ہو کب کی نازل ہو گئی ہوتیں اور یہ عذاب تو یقیناً یقیناً ان پر وارد ہو کر رہیگا۔ اسوقت کہ انکو خبر بھی نہیں ہوگی۔ آخری آیت نے پہلی آیات کے معنوں کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ اور یہ بتا دیا ہے کہ یہ عذاب کے نشان کا ہی مطالبہ تھا جو تکذیب معجزات پر نازل ہونیوالا تھا نہ معمولی نشان کا کیونکہ اخیر میں کھول کر بیان کر دیا ہے۔ کہ وہ عذاب کے نشان کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ لیکن اس کا ہم نے ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ اور وہ ضرور نازل ہو کر رہیگا۔ اس وقت کی طرف سورہ انفال کی اس آیت میں بھی اشارہ ہے جو مطالبہ عذاب کے بعد ہے۔ جہاں اُن کو کہا گیا ہے۔ کہ خدا اس لئے اُن پر عذاب نہیں بھیجتا کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

ان کے درمیان ہیں۔ اور ایسا ہی ایک اَور جگہ فرمایا ہے کہ یہ عذاب آنحضرت کے مکّہ سے ہجرت کے ایک سال بعد ان پر نازل ہوگا۔ پس یہی وہ نشان تھا جس کا کفار مطالبہ کرتے تھے۔ اور جس کے لئے اُن کو کہا گیا تھا کہ اُس کا وقت ابھی نہیں آیا۔ ہاں اللہ کے نزدیک وہ نشان موجود ضرور ہے اور ضرور تم پروارد ہوکر رہیگا +

اس جگہ اللہ تعالےٰ نے کفار کو یہ بھی سمجھایا ہے۔ کہ جس صورت میں رحمت کے نشان اللہ تعالےٰ کی ہستی پر اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر ان کو دکھائے گئے اور دکھائے جارہے ہیں تو کیوں وہ عذاب کے نشان کے طالب ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مدعا تو رحمت کے نشانوں سے بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ کفار کی غرض عذاب کا نشان مانگنے سے یہ تھی۔ کہ تا وہ ان پر وارد ہوکر حق الیقین تک پہنچا وے اور صرف دیکھنے کی چیز نہ ہے۔ کیونکہ مجرد رویت کے نشانوں میں اُن کو یہ احتمال تھا کہ ممکن ہے انہیں دھوکا ہی لگا ہو۔ اور یا یہ جادو یا چشم بندی کی قسم ہو جیسا کہ بار بار اُن کا پہلے نشانوں کو سحر کہنا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ اسی وہم اور اضطراب کے دور کرنے کیلئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ایسا ہی نشان چاہتے ہو جو تمہارے وجودوں پر وارد ہوجاوے تو پھر عذاب کے نشان کی کیا حاجت ہے۔ کیا اسی مدعا کے حاصل کرنے کیلئے رحمت کا نشان کافی نہیں۔ یعنی قرآن شریف جو تمہاری آنکھوں کو اپنی پرنور اور تیز شعاعوں سے خیرہ کر رہا ہے۔ اور اپنی ذاتی خوبیاں اور اپنے حقائق اور معارف اور اپنے فوق العادت خواص اس قدر دکھلا رہا ہے جس کے مقابلہ و معارضہ سے تم عاجز رہ گئے ہو اور وہ تم پر اور تمہاری قوم پر ایک خارق عادت اثر ڈال رہا ہے۔ اور دلوں پر وارد ہوکر عجیب در عجیب تبدیلیاں دکھلا رہا ہے۔ مدتہا ے دراز کے مردے اس سے زندہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور مادرزاد اندھے جو بیشمار پشتوں سے اندھے ہی چلے آتے تھے آنکھیں کھول رہے ہیں۔ اور کفر اور الحاد کی طرح طرح کی بیماریاں اس سے اچھی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور تعصب کے سخت جذامی اس سے صاف ہوتے جاتے ہیں۔ اس سے نور ملتا ہے اور ظلمت دور ہوتی ہے۔ اور وصل الٰہی میسر آتا ہے +

اب انصاف سے دیکھو کہ اس آیت میں کہاں معجزات کا انکار پایا جاتا ہے۔ یہ آیتیں تو باواز بلند پکار رہی ہیں۔ کہ کفار نے ہلاکت اور عذاب کا نشان مانگا تھا۔ سو اول انہیں کہا گیا کہ دیکھو تم میں زندگی بخش نشان موجود ہے۔ یعنی قرآن جو تم پر وارد ہوکر تمہیں ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ ہمیشہ کی حیات بخشتا ہے۔ مگر جب عذاب کا نشان تم پر وارد ہو تو وہ تمہیں ہلاک کریگا۔ پس کیوں تم ناحق اپنا مرنا ہی چاہتے ہو۔ اور اگر تم عذاب ہی مانگتے ہو تو یاد رکھو کہ وہ بھی جلد آئیگا۔ پس اللہ جلشانہ نے

ان آیات میں عذاب کے نشان کا وعدہ دیا۔ اور قرآن شریف میں جو رحمت کے نشان ہیں۔ اور دلوں وارد ہو کر اپنا خارق عادت اثر ان پر ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی طرف توجہ دلائی۔ معترض کا یہ کہنا کہ اس آیت سے کل معجزات کی نفی لازم آتی ہے۔ محض ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ مکہ کے متعصب بُت پرست کبھی تمام معجزات کا انکار نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ نہ صرف آخرکار انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور آنجناب کے معجزات کو تسلیم کر کے مان لیا بلکہ کفر کے زمانہ میں بھی وہ قطعاً انکار نہیں کر سکتے تھے۔ اور روم اور ایران میں جا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متعجبانہ خیال سے ساحر مشہور کرتے تھے۔ اور گو پیرایوں میں ہی سہی مگر نشانوں کا اقرار کر لیا کرتے تھے اور انکے یا اقرار قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اگر ان کو ایسا ہی معجزات محمدیہ سے قطعی انکار ہوتا تو وہ بالآخر نہایت درجہ کے یقین سے جو انہوں نے اپنے خونوں کے بہانے اور اپنی جانوں کے فدا کرنے سے ثابت کر دیا تھا مشرف باسلام کیوں ہو جاتے۔ اور کفر کے ایام میں جو ان کے بار بار کلمات قرآن شریف میں درج ہیں وہ یہی ہیں کہ وہ اپنی کم فہمی کے وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ساحر رکھتے تھے۔ جیسا کہ قال الکافرون ھٰذا ساحر کذاب۔ اب ظاہر ہے کہ جبکہ وہ نشانوں کو دیکھ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر کہتے تھے۔ اور پھر اس کے بعد انہیں نشانوں کو معجزہ کر کے مان بھی لیا۔ اور جزیرہ کا جزیرہ مسلمان ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس معجزات کا ہمیشہ کیلئے سچے دل سے گواہ بن گیا۔ تو پھر ایسے لوگوں سے کیونکر ممکن ہے کہ وہ قطعاً نشانوں سے منکر ہو جاتے۔ بلکہ قرائن سے آفتاب کی طرح ظاہر ہے۔ کہ جس جس جگہ پر قرآن شریف میں کفار کی طرف سے یہ اعتراض لکھا گیا ہے۔ کہ کیوں اس پیغمبر پر کوئی نشانی نہیں اُترتی ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا گیا ہے۔ کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ جو نشان ہم مانگتے ہیں انہیں سے کوئی نشان کیوں نہیں اُترتا +

دوسری آیت جس سے انکار معجزات نکالا جاتا ہے سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیت ہے۔ وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھا الاولون۔ اس آیت کے معنے سمجھنے کے لئے اس کے سیاق وسباق کو دیکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ جب اعتراض کیا جاتا ہے تو آگے پیچھے کو کاٹ کر صرف ایک ٹکڑے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ ان آیات کا باہمی تعلق یوں ہے۔ وان من قریۃ الا نحن مھلکوھا قبل یوم القیامۃ او معذبوھا عذابا شدیدا۔ کان ذالک فی الکتاب مسطورا۔ وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھا الاولون واٰتینا

ثمود الناقۃ مبصرۃ فظلموا بھا وما نرسل بالایات الا تخویفا ۔۔۔۔ ونخوفھم فما یزیدھم الا طغیانا کبیرا (بنی اسرائیل ۵۸-۶۰) یہ ہمارا ایک قہری نشان ہے کہ قیامت سے پہلے ہر ایک بستی پر یا ہلاکت اور یا عذاب شدید ہم نازل کرینگے یہی کتاب میں لکھا جا چکا ہے مگر اس وقت ہم بعض ان گذشتہ قہری نشانوں کو اسلئے نہیں بھیجتے کہ پہلی امت کے لوگ اُن کی تکذیب کر چکے ہیں چنانچہ ہم نے ثمود کو بطور نشان کے جو مقدمہ عذاب کا تھا ناقہ دیا جو حق نما نشان تھا جس پر انہوں نے ظلم کیا۔ اور قہری نشانوں کے نازل کرنے سے ہماری غرض یہی ہوتی ہے کہ لوگ اُن سے ڈریں پس ایسے قہری نشانوں کے طلب کرنے سے کیا فائدہ جنہیں پہلی امتوں نے دیکھ کر جھٹلا دیا اور اُن کے دیکھنے سے کچھ بھی خائف و ہراسان نہ ہوئے *

اس جگہ واضح ہو کہ نشان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اول نشان تخویف و تعذیب جن کو قہری نشان بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوم نشان تبشیر و تسکین جن کو نشان رحمت سے بھی موسوم کر سکتے ہیں تخویف کے نشان سخت کافروں اور کج دلوں نافرمانوں کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ تا وہ ڈریں اور خدا تعالےٰ کی قہری اور جلالی ہیبت ان کے دلوں پر طاری ہو۔ اور تبشیر کے نشان اُن حق کے طالبوں اور مخلص مومنوں اور سچائی کے متلاشیوں کے لئے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جو دل کی غربت اور فروتنی سے کامل یقین اور زیادت ایمان کے طلبگار ہیں۔ اور تبشیر کے نشانوں سے ڈرانا اور دھمکانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنے ان مطیع بندوں کو مطمئن کرنا اور ایمانی اور یقینی حالات میں ترقی دینا اور اُنکے مضطرب سینہ پر دستِ شفقت و تسلی رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ سو مومن قرآن شریف کے وسیلہ سے ہمیشہ تبشیر کے نشان پاتا ہے۔ اور ایمان اور یقین میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ تبشیر کے نشانوں سے مومن کو تسلی ملتی ہے۔ اور وہ اضطراب جو فطرتاً انسان میں ہے جاتا رہتا ہے۔ اور سکینت دل پر نازل ہوتی ہے۔ مومن بہرکت اتباع کتاب اللہ اپنی عمر کے آخری دن تک تبشیر کے نشانوں کو پاتا رہتا ہے۔ اور تسکین اور آرام بخشنے والے نشان اُس پر نازل ہوتے رہتے ہیں۔ تا وہ یقین اور معرفت میں بے نہایت ترقیاں کرتا جاوے اور حق الیقین تک پہنچتا جاوے اور تبشیر کے نشانوں میں ایک لطف یہ ہوتا ہے۔ کہ جیسے مومن ان کے نزول سے یقین اور معرفت اور قوت ایمانی میں ترقی کرتا ہے۔ ایسا ہی وہ بوجہ مشاہدہ نعماء الٰہی و احسانات ظاہرہ و باطنہ و جلیہ و خفیہ حضرت باری عزّ اسمہٗ جو تبشیر کے نشانوں میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں محبت و عشق میں بھی دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔ سو حقیقت میں عظیم الشان اور قوی الاثر اور مبارک اور موصل الی المقصود تبشیر کے نشان ہی ہوتے ہیں۔ جو سالک کو معرفت کاملہ اور محبت ذاتیہ کے اس مقام تک پہنچا دیتے ہیں

جو اولیاء اللہ کے لئے منتہی المقامات ہے۔ اور قرآن شریف میں تبشیر کے نشانوں کا بہت کچھ ذکر ہے یہانتک کہ اس نے ان نشانوں کو محدود نہیں رکھا بلکہ ایک دائمی وعدہ دیدیا ہے۔ کہ قرآن شریف کے سچے متبع ہمیشہ ان نشانوں کو پاتے رہینگے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاخرۃ لا تبدیل لکلمٰت اللّٰہ ذالک ھو الفوز العظیم (یونس ۶۴) یعنی ایماندار لوگ دنیوی زندگی اور آخرت میں بھی تبشیر کے نشان پاتے رہینگے جن کے ذریعہ سے وہ دنیا اور آخرت میں معرفت اور محبت کے میدانوں میں ناپیداکنار ترقیاں کرتے جائینگے۔ یہ خدا کی باتیں ہیں جو کبھی نہیں ٹلینگی۔ اور تبشیر کے نشانوں کو پالینا یہی فوز عظیم ہے یعنی یہی ایک امر ہے جو محبت اور معرفت کے منتہے مقام تک پہنچا دیتا ہے ؛

اب جاننا چاہیئے۔ کہ خداتعالےٰ نے اس آیت میں صرف تخویف کے نشانوں کا ذکر کیا ہے جیسا کہ آیت وما نرسل بالایات الا تخویفا سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کیونکہ اگر خداتعالےٰ کے کل نشانوں کو قہری نشانوں میں ہی محصور سمجھ کر اس آیت کے یہ معنے کئے جاویں۔ کہ ہم تمام نشانوں کو محض تخویف کی غرض سے ہی بھیجا کرتے ہیں۔ اور کوئی دوسری غرض نہیں ہوتی۔ تو یہ معنے بداہت باطل ہیں۔ جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ نشان دو غرضوں سے بھیجے جاتے ہیں۔ یا تخویف کی غرض سے یا تبشیر کی غرض سے۔ انہیں دو قسموں کو قرآن شریف جابجا ظاہر کر رہا ہے پس جب نشان دو قسم کے ہوئے تو آیت ممدوحہ بالا میں جو لفظ الایات ہے جس کے معنے وہ نشانات ہیں بہرحال اسی تاویل پر بصحت منطبق ہوگا کہ نشانوں سے قہری نشان مراد ہیں۔ کیونکہ اگر یہ معنے نہ لئے جاویں۔ تو پھر اس سے یہ لازم آتا ہے۔ کہ تمام نشانات جو تحت قدرت الٰہی داخل ہیں تخویف کی قسم میں ہی محصور ہیں۔ حالانکہ فقط تخویف کی قسم میں ہی سارے نشانوں کا حصر سمجھنا سراسر خلاف واقعہ ہے۔ کہ جو نہ کتاب اللہ کی رو سے نہ عقل کی رو سے۔ اور نہ کسی پاک دل کے کانشنس کی رو سے درست ہو سکتا ہے۔ اب جب یہ معلوم ہو گیا کہ نشانوں کے دو قسموں میں سے صرف تخویف کے نشانوں کا آیت موصوفہ بالا میں ذکر ہے۔ تو دوسرا امر تنقیح طلب یہ باقی رہا کہ کیا اس آیت کے (جو ما منعنا الخ ہے) یہ معنے سمجھنے چاہئیں۔ کہ تخویف کا کوئی نشان خداتعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر نہیں کیا۔ یا یہ کہ تخویف کے نشانوں میں سے وہ نشان ظاہر نہیں کئے گئے جو پہلی اُمتوں کو دکھلائے گئے تھے۔ اور یا یہ تیسرے معنے قابل اعتبار ہیں۔ کہ دونوں قسم کے تخویف کے نشان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے رہے ہیں بجز اُن خاص قسم کے بعض نشانوں کے جن کو پہلی اُمتوں نے دیکھ کر جھٹلایا تھا۔ اور ان کو معجزہ نہیں سمجھا تھا۔ سو واضح ہو کہ آیات متنازعہ فیہا پر نظر ڈالنے سے بتمامتر صفائی کُھل جاتا ہے۔ کہ پہلے اور دوسرے معنے کسیطرح درست نہیں کیونکہ آیت ممدوحہ بالا

یہ مراد سمجھ لینا کہ تمام انواع و اقسام کے وہ تخویفی نشان جو ہم بھیج سکتے ہیں۔ اور تمام وہ وراء الورا تعذیبی نشان جن کے بھیجنے پر ہم قادر ہیں۔ اور وہ غیر محدود ہیں۔ اسلئے ہمنے نہیں بھیجے کہ پہلی اُمتیں اُن سب کی تکذیب کر چکی ہیں یہ معنی سراسر باطل ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ پہلی اُمتوں نے تو صرف اُنہیں نشانوں کی تکذیب کی جو اُنہوں نے دیکھے تھے۔ وجہ یہ کہ تکذیب کے لئے یہ ضرور ہے۔ کہ جس چیز کی تکذیب کی جائے اول اُس کا مشاہدہ بھی ہو جائے جس نشان کو ابھی دیکھا ہی نہیں اُس کی تکذیب کیسی حالانکہ نادیدہ نشانوں میں سے ایسے اعلےٰ درجہ کے نشان بھی تحت قدرت باریتعالےٰ ہیں جن کی کوئی انسان تکذیب نہ کر سکے۔ اور سب گردنیں اُنکی طرف جُھک جائیں کیونکہ خدا تعالےٰ ہر ایک رنگ کا نشان دکھانے پر قادر ہے۔ اور پھر چونکہ نشانہائے قدرت باری غیر محدود اور غیر متناہی ہیں۔ تو پھر یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ کہ محدود زمانہ میں وہ سب دیکھے بھی گئے اور انکی تکذیب بھی ہو گئی۔ وقت محدود میں تو وہی چیز دیکھی جائیگی جو محدود ہو گی۔ بہرحال اس آیت کے یہی معنے صحیح ہونگے کہ جو بعض نشانات پہلے کفار دیکھ چکے تھے۔ اور اُن کی تکذیب کر چکے تھے اُنکا دوبارہ بھیجنا عبث سمجھا گیا جیسا کہ قرینہ بھی انہی معنوں پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اس جگہ پر جو ناقہ ثمود کا خدا تعالےٰ نے ذکر کیا۔ وہ ذکر ایک بھاری قرینہ اس بات پر ہے۔ کہ اس جگہ گذشتہ اور رد کردہ نشانات کا ذکر ہے۔ جو تخویف کے نشانوں میں سے تھے۔ اور یہی معنے صحیح اور درست ہیں۔

غرض جس پہلو سے چاہو غور کرو یہ صداقت ثابت ہوتا ہے کہ اس جگہ نفی کا حرف صرف نشانوں کی ایک خاص قسم کی نفی کے لئے آیا ہے جس کا دوسرے مقام پر کچھ اثر نہیں بلکہ اس سے ان کا متحقق الوجود ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ اور ان آیات میں نہایت صفائی سے اللہ جلشانہٗ بتا رہا ہے۔ کہ اسوقت تخویفی نشان جن کی یہ لوگ درخواست کرتے ہیں صرف اس وجہ سے نہیں بھیجے گئے۔ کہ پہلی اُمتیں انکی تکذیب کر چکی ہیں سو جو نشان پہلے رد کئے گئے اب بار بار اُنہیں کو نازل کرنا کمزوری کی نشانی ہے اور غیر محدود قدرتوں والے کی شان سے بعید ہے۔ ان آیات میں یہ صاف اشارہ ہے۔ کہ عذاب کے نشان ضرور نازل ہونگے مگر اور رنگوں میں۔ یہ کیا ضرورت ہے کہ وہی نشان حضرت موسیٰ یا حضرت نوح کے یا قوم لوط اور عاد اور ثمود کے ظاہر کئے جاویں۔ بلکہ الآیات میں عموم لینے سے اور بھی ایک دقت پڑتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس قاعدہ کے رو سے جب ایک دفعہ کسی ایک نشان کی تکذیب ہو جائے تو پھر کوئی نشان بھی نہ دکھایا جاتا۔ خدا تعالےٰ ایک سے زیادہ نشان دُنیا میں ظاہر نہ کرتا کیونکہ وہ جو سُنت قائم کرتا ہے اُس کے مطابق چلتا ہے۔ پس جب پہلا نشان دنیا میں ایسا ظاہر ہوا

جسکی تکذیب کی گئی تو اس کے بعد اس قاعدہ کے مطابق اللہ تعالےٰ اور کوئی نشان دنیا میں نازل نہ کرتا جو بالبداہت غلط ہے۔ علاوہ ازیں خود قرآن کریم نے یہ بھی بتا دیا ہے۔ کہ کسی قوم پر کوئی عذاب اتارا گیا کسی پر کوئی اُتارا گیا۔ اور ایک ہی عذاب سب پر نہیں اُتارا گیا۔ پس ایسا ہی آنحضرتؐ کے مخالفین کیلئے ایک الگ قسم کے عذاب کا وعدہ تھا۔ غرضیکہ اس آیت میں عذاب کا تو وعدہ ہے۔ لیکن اُس قسم کا عذاب بھیجنے سے انکار کیا گیا ہے جسکی پہلے تکذیب ہو چکی ہو۔ اسکی تفصیل دوسری آیات میں موجود ہے چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے۔ ویستعجلونک بالعذاب ولن یخلف اللہ وعدہ (الحج - ۴۷) قل ھو القادر علیٰ ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض (الانعام - ۶۵) وقل الحمد للہ سیریکم آیاتہ فتعرفونھا (النمل - ۹۳) قل لکم میعاد یوم لا تستاخرون عنہ ساعۃ ولا تستقدمون (السبا ۲۹) ویستنبئونک احق ھو قل ای وربی انہ لحق وما انتم بمعجزین (یونس ۵۳) سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق (حم السجدہ - ۵۳) سأریکم آیاتی فلا تستعجلون (الانبیاء - ۳۷) ترجمہ - اور کفار تجھ سے عذاب کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ اور اللہ اپنے وعدہ کو جو عذاب کے متعلق کیا ہے ہرگز خلاف نہیں کریگا۔ تو ان کو کہدے کہ خدا ہی اس بات پر قادر ہے۔ کہ آسمان یا زمین سے کوئی عذاب تم پر نازل کرے۔ اور چاہے تو تمہیں دو فریق بنا کر ایک فریق کی لڑائی کا دوسرے کو مزہ چکھاوے۔ اور کہہ کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہی ہیں۔ وہ تمہیں ایسے نشان دکھائیگا جنہیں تم شناخت کر لوگے۔ اور کہدے کہ اس عذاب کے واسطے تمہارے لئے ٹھیک ایک برس کی میعاد ہے۔ اس سے نہ ایک گھڑی آگے ہوگا اور نہ پیچھے۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا یہ سچ بات ہے کہہ ہاں مجھے اپنے رب کی قسم ہے۔ کہ یہ سچ ہے اور تم خدائے تعالےٰ کو اسکے وعدوں سے روک نہیں سکتے ہم عنقریب انکو اپنے نشان دکھائینگے۔ ان کے ملک کے اردگرد میں اور خود ان میں بھی یہانتک کہ ان پر کھل جائیگا کہ یہ نبی سچا ہے۔ میں عنقریب تمہیں اپنے نشان دکھاؤنگا۔ سو تم مجھ سے جلدی نہ کرو۔

غرض ان آیات سے اور اسی قسم کی اور بہت ساری آیات سے جو قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں نہایت صفائی سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ عذاب ضرور آنیوالا تھا۔ اور یہی وہ نشان خاص تھا جسے کفار بار بار طلب کرتے تھے۔ اور ان کو کہا جاتا تھا کہ جلدی مت کرو۔ اور ہم نے سورہ بنی اسرائیل کی آیت متنازعہ (وما منعنا الخ) کے مابعد کی آیتوں سے یہ دکھایا ہے کہ اس جگہ صرف تخویفی اور قہری نشان مراد ہیں کیونکہ خود ان الآیات کو خدائے تعالےٰ نے یوں محدود کر دیا ہے۔ وما نرسل بالآیات الا تخویفا۔

یعنی اس قسم کی آیات صرف تخویف کے لئے ہوا کرتی ہیں۔اور باقی رہے تبشیر کے نشان سو اُن کے متعلق
تو قرآن کریم نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے بھی آگے گذر کر ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو اُنکے
وعدے دیتا ہے جیسا کہ آیت لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا سے ظاہر ہے۔پس ایسے نشانات کی
نفی نکالنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔اب جبکہ ہم آیت متنازعہ کے ماقبل کی آیت پر غور کرتے ہیں تو اُس سے
بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔کہ آیت متنازعہ میں کل قسم کے نشان مراد نہیں بلکہ بعض خاص قسم کے قہری نشان
مراد ہیں۔چنانچہ اس آیت میں بھی خدا تعالےٰ کے ایک قہری نشان کا بیان ہے جو قیامت سے پہلے واقع ہونیوالا
ہے یعنی قرب قیامت میں یا بالفاظ دیگر مسیح موعود کے زمانے میں۔اور وہ یہ کہ ہر ایک بستی یا ہلاک کی جائیگی اور یا سخت
عذاب میں گرفتار کی جائیگی۔سو اس کو ہم بچشم خود مشاہدہ کر رہے ہیں کیونکہ اس ملک میں جہاں اس زمانے میں خدا کا
مامور نازل ہوا ہے۔اور جہاں اسکے نشانات کی تکذیب کیگئی آخر خدا نے اپنا قہری نشان طاعون کی شکل میں نمودار
کیا جیسا کہ صاف الفاظ میں پہلی کتابوں میں وعدہ تھا جس کی خبر دیتے کوئی بستی محفوظ نہیں رہی۔اور ابھی خدا کو علم ہے
کہ آگے کیا ہوگا۔ہماری غرض اس جگہ صرف یہ ہے کہ آیت ماقبل میں بھی ایک قہری نشان کا ذکر ہے جو آخری زمانہ میں قیامت سے
پہلے واقع ہونیوالا تھا۔اور آیت مابعد بھی قہری نشانوں کا ہی ذکر کرتی ہے۔پس آیت ما منعنا الخ میں وہ
خاص قہری نشان مراد ہیں جنکی پہلوں نے تکذیب کی۔اور اس سے نشانات کی نفی ہرگز نہیں نکلتی بلکہ صاف وعدہ اور
قسم کے قہری نشانوں کا قرآن میں بکثرت پایا جاتا ہے۔اور اسیطرح رحمت کے نشانوں اور تبشیر کے نشانوں کا بھی +

قرآن کریم نے ایک اور طرز سے بھی کفار کو ملزم کیا ہے یعنی اپنے پہلے نشانوں کا حوالہ دے کر ان کو جھوٹا
کیا ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا
ان الرسول حق وجاءھم البینٰت (آل عمران - ۸۵) اس آیت سے صاف ثابت ہوتا ہے۔کہ کفار نے
پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزات دیکھے یہانتک کہ اُن کے دل مان گئے کہ واقعی آنحضرت
رسول برحق ہیں۔لیکن پھر اُنہوں نے انکار کر دیا۔اسلئے اللہ تعالےٰ نے ان کے دل پھیر دیئے۔کیونکہ
خود اُنہوں نے اُس نور کو قبول نہ کیا جس کی روشنی وہ دیکھ چکے تھے۔اور ظلمت میں ہی رہنا پسند کیا
غرض اس آیت سے یہ ثابت ہے۔کہ اللہ تعالےٰ کفار کو یوں ملزم کرتا ہے۔کہ جب تمہیں پہلے نشان
دکھائے گئے۔اور تم اُن کو مان بھی گئے۔اور پھر بعد میں منکر ہو گئے تو اب کسی معجزہ کو دیکھ کر تم کیا فائدہ
اُٹھا سکتے ہو۔اسی طرح ایک اور موقع پر قرآن شریف یوں بیان فرماتا ہے۔واقسموا باللہ جھد
ایمانھم لئن جاءتھم آیۃ لیؤمنن بھا قل انما الآیات عند اللہ وما یشعرکم انھا
اذا جاءت لا یؤمنون (الانعام - ۱۱۰) اور کفار نے اللہ کی بڑی سخت قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں

سے کہتے ہیں۔ کہ اگر ان کے کہنے کے مطابق کوئی معجزہ ان کے سامنے آئے تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آوینگے۔ کہہ نشان تو اللہ کے پاس بہت ہیں۔ اور وہ ضرور بھیجیگا لیکن تم کیا جانتے ہو کہ جب وہ نشان آجائیگا (جیسا کہ خدا وعدہ کر چکا ہے) تو پھر بھی وہ ایمان نہیں لائینگے۔ اور پھر اس سے آگے فرماتا ہے۔ و نقلب افئدتھم وابصارھم کما لم یومنوا بہ اول مرۃ۔ اور ہم ان کے دلوں اور اُن کی آنکھوں کو اُلٹ دینگے۔ اور یہ اس معجزہ کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائینگے۔ کیونکہ پہلی دفعہ جب ہمارے رسول نے ان کو معجزات دکھائے تو وہ اُن پر ایمان نہیں لائے۔ اس آیت میں بھی صاف طور پر کفار کو ملزم کیا گیا ہے۔ کہ اُن کا معجزات طلب کرنا بھی ہنسی اور تمسخر کی راہ سے ہے۔ جو وہ معجزہ عذاب کا طلب کرتے ہیں وہ تو ضرور اُن کو دکھایا جاویگا مگر یہ اس وقت بھی ایمان نہیں لاوینگے جیسا کہ پہلے معجزات کو دیکھ کر ایمان نہیں لائے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جب یہ آیات بار بار کفار کو سنائی جاتی تھیں اور ہر ایک مسلمان ان کو پڑھتا تھا تو بفرض محال اگر کوئی معجزہ دکھایا نہیں گیا تو مسلمانوں کا ایمان کیونکر قائم رہ سکتا تھا۔ وہ نہ کہتے ہونگے کہ یہ کتاب جو خدا کی طرف سے ہونیکا دعوے کرتی ہے۔ یہ کہہ رہی ہے، کہ معجزات دکھائے گئے ہیں۔ حالانکہ کوئی معجزہ نہیں دکھایا گیا۔ یہ کیونکر سچی ہو سکتی ہے جو مشاہدہ کے خلاف ایک امر کو بیان کر رہی ہے۔ اور دوسری طرف کفار کا منہ کس نے بند کر دیا تھا کہ انہوں نے یہ اعتراض کبھی نہ کیا کہ یہ کیسا جھوٹ ہے۔ کہ ہم کو معجزات دکھائے گئے ہمنے تو سرے سے کوئی معجزہ دیکھا ہی نہیں۔ اگر معجزہ دیکھیں تو پھر یہ غور بھی کریں کہ آیا یہ خدا کی طرف سے ہے۔ یا ساحر کا کام ہے۔ انہوں نے یہ کیوں کہا کہ یہ پیغمبر ساحر ہے۔ اور جو نشان دکھاتا ہے وہ سحر کی قسم ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں۔ کہ قرآن کریم بآواز بلند پکار پکار کر کہہ رہا ہے [illegible] مسلمانوں اور کفار کی مجلسوں میں سنایا جاتا ہے کہ معجزات دکھائے گئے۔ مگر ان لوگوں نے نہیں [illegible] اور ان کو سحر قرار دیا۔ حالانکہ در اصل نہ کوئی معجزہ دکھایا گیا۔ نہ کفار نے نبی کو ساحر یا معجزہ کو سحر کہا۔ اور قرآن کریم کی آیات سے کوئی مخالف یا موافق بیخبر تو تھا نہیں کیونکہ ہر ایک نئی آیت کی مسلمانوں اور کفار کے درمیان زور سے منادی کی جاتی تھی اور پھر انہی کفار کا آخر کار اسی قرآن شریف پر ایمان لے آنا کیا اور بھی عجیب بات نہیں۔ اگر کوئی معجزہ نہیں دکھایا گیا تھا تو کفار کے لئے تو قرآن کریم کے جھوٹا ہونیکی یہی کافی دلیل تھی کہ وہ ایک صریح امر خلاف واقع بیان کر رہا ہے۔ یہ تو الگ بات تھی کہ جن امور کو پہلے انہوں نے سحر سمجھا اور کہا آخر کار وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر انہیں کے اللہ تعالےٰ کی طرف سے معجزات [illegible] کے اقراری ہو گئے۔ مگر یہ کون عقلمند کہہ سکتا ہے۔ کہ پہلے نہ تو انہوں نے کوئی نشان دیکھا نہ جھٹلایا نہ کسی کو سحر کہا۔ مگر آخر کار

اُنھوں نے ان سب باتوں کو تسلیم کرلیا۔ کیونکہ قرآن کریم پر ایمان لانے سے یہ سب باتیں اُن کو ماننی پڑیں کہ پہلے ہم نے معجزات بھی دیکھے تھے۔ ان کو سحر بھی کہا تھا اور جھٹلایا بھی تھا۔ غرضیکہ کسی پہلو سے سوچا جاوے قرآن کریم باواز بلند پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کفار کو معجزات دکھائے۔ اور قرآن کی طرف معجزات کا انکار منسوب کرنا سراسر غلطی ہے *

ہمنے اوپر ذکر کیا ہے کہ نشان دو قسم کے ہوتے ہیں ایک رحمت کے نشان اور خوشخبری کے نشان دوسرے عذاب کے نشان اور تخویف کے نشان۔ قرآن کریم کو پڑھنے سے یہ تقسیم صاف معلوم ہوتی ہے چنانچہ نبی کا نام بشیر اور نذیر رکھنا بھی اسی امر پر شاہد ہے۔ یعنی وہ خوشخبری بھی دیتا ہے۔ اور ڈراتا بھی ہے۔ اب واضح ہو کہ نبی کا خوشخبری دینا اور ڈرانا محض آخرت تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ اس کے آثار ابھی دنیا سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ تا آخرت کے وعدوں کی نسبت حق الیقین حاصل ہو جائے دنیا میں ایک گروہ کو جو نشانات آلہی کا مصدق ہو جاتا ہے کامیابی اور خوشحالی کے وعدے ہوتے ہیں۔ اور دوسرے گروہ کو جو ان نشانات کی تکذیب کرتا ہے ہلاکت اور ناکامی اور نامرادی سے ڈرایا جاتا ہے پس جب یہ ہر دو گروہ ان ہر دو وعدوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ لیتے ہیں تو ان کے ایمان آخرت کے وعدوں اور وعیدوں پر حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں اور وہ پوری بصیرت سے دیکھ لیتے ہیں۔ کہ ایسا بشیر اور نذیر اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ اُسی خدا کا بلایا بول رہا ہے۔ جو کامل علم اور کامل طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب کفار نے ناکامی پر ناکامی دیکھ کر آخر خدا کے بڑے وعدے کو فتح مکہ پر پورا ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو انھوں نے یقین کر لیا کہ جن معجزات کو وہ جھٹلاتے تھے یا جن پر وہ ہنسی کرتے اور ان کو سحر کہتے تھے وہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہی تھا۔ اس میں شک نہیں کہ معجزات کے ساتھ ایک باریک رنگ اخفا کا لگا ہوا ہوتا ہے۔ اور بعض وقت ان میں دھوکے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے۔ کہ ایک چالاک آدمی محض اپنی چالاکی سے معجزہ کے رنگ کا کوئی کرتب کر دکھاوے۔ اسلئے کامل تسلی اور کامل یقین اُسی نشان سے حاصل ہوتا ہے جو خود انسان کے اوپر وارد ہو۔ سو مومن پر یہ نشان رحمت آلہی کے رنگ میں وارد ہوتا ہے۔ اور کافر پر عذاب کی صورت میں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان معجزات کی تفصیلوں کو بیان کرنا غیر ضروری سمجھا ہے جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے رہے۔ اور اس ایک نشان کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم الشان کامیابیوں اور فتوحات کے متعلق تھا۔ اور کافروں کی ناکامی اور ذلت کے متعلق بوضاحت تمام

بار بار بیان فرمایا ہے۔ اور اسی ایک نشان کے ظاہر ہونے پر سارے کے سارے عرب نے اسلام کی صداقت کے آگے گردن جھکا دی۔ اور وہ قوم جس نے کبھی کسی حکومت کا جُوا نہ اُٹھایا تھا شرح صدر سے اُس نے اسلام کی حکومت کو اپنے سر پر قبول کیا بلکہ اسی کو اپنا عین فخر سمجھا۔ لاکھ لاکھ سلام اور صلوٰت ہوں اُس ذات اطہر پر جس کے وجود مبارک سے یہ عظیم الشان تبدیلی ظہور میں آئی +

یہ بھی جاننا چاہیئے کہ کفار مکہ تین قسم کے نشانات آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طلب کیا کرتے تھے۔ اور یہ امر قرآن شریف کے متفرق مقامات کو یکجائی نظر سے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے اول وہ نشان جو عذاب کی صورت میں فقط اپنے اقتراح سے کفار مکہ نے طلب کئے تھے۔ دوسرے وہ نشان جو عذاب کی صورت میں یا مقدمہ عذاب کی صورت میں پہلی امتوں پر وارد کئے گئے تھے۔ تیسرے وہ نشان جن سے پردہ غیبی بالکل اُٹھ جائے جس کا اُٹھ جانا ایمان بالغیب کے بکلی برخلاف ہے۔ قسم اول کے متعلق بکثرت آیات قرآن شریف سے پیش کی جا چکی ہیں۔ اور اس بارے میں کفار کو یہی جواب دیا گیا۔ کہ وہ عذاب ضرور نازل ہوگا خواہ آسمان سے ہو خواہ زمین سے۔ اور خواہ آپس میں لڑائی کے ذریعہ سے۔ اور یہ آخری وعدہ بذریعہ غزوات کے پورا ہوا۔ قسم دویم کے متعلق بھی بکثرت آیات قرآن کریم میں موجود ہیں۔ جیسا کہ اوپر دکھایا بھی جا چکا ہے۔ اور جیسا کہ اس آیت سے بھی ظاہر ہے فلیاتنا بایۃ کما ارسل الاولون۔ اور جس کا جواب ملتا ہے۔ ما آمنت قبلھم من قریۃ اھلکنھا افھم یومنون (الانبیاء - ۵ و ۶) یعنی کفار نے کہا کہ یہ نشان جو یہ نبی دکھاتا ہے یہ تو جادو ہیں (جیسا کہ ماقبل کی آیت افتاتون السحر وانتم تبصرون سے ظاہر ہے یعنی کیا تم دیدہ و دانستہ جادو کو مان لوگے) پس اگر یہ سچا ہے تو اس قسم کا نشان لاوے جیسے پہلی امتوں پر بھیجے گئے جس سے مطلب اُن کا اسی طرح کا عذاب کا نشان تھا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ اس کا جواب یہ دیتا ہے۔ کہ ہم نے پہلی امتوں پر ہلاکت کے نشان تو بھیجے مگر کیا جن بستیوں پر یہ ہلاکت کے نشان بھیجے گئے تھے وہ ایمان لے آئے تھے۔ اور جب وہ ایمان نہیں لائے تو اسی قسم کے نشان کو دیکھ کر یہ کیونکر ایمان لائیں گے۔ اس آیت سے بھی وما منعنا ان نرسل بالایات الا ان کذب بھا الاولون کا مطلب حل ہوتا ہے۔ کیونکہ بالفاظ دیگر دونوں آیتوں کا ماحصل ایک ہی ہے۔ وہاں بھی پہلوں کی تکذیب اس امر کے لئے وجہ قرار دیگئی ہے۔ کہ وہی نشان دوبارہ کیوں نہیں بھیجے جاتے اور یہاں بھی غرض ان آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ کفار آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی قسم کے ہلاکت کے نشان مانگتے تھے۔ جیسے پہلی اُمتوں پر نازل ہوئے۔ اور اللہ تعالےٰ نے اُن کو سمجھایا کہ تم ان

ہلاکت کے نشانوں سے کیا فائدہ اُٹھاؤ گے۔ چنانچہ جو نشان ہلاکت اور نامرادی کا اللہ تعالےٰ نے کفارِ مکہ کے لئے تجویز کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے چند کس کے جن کی شقاوت نے اُنہیں رحمت آلٰہی سے حصہ نہ لینے دیا۔ سارے کا سارا عرب مسلمان ہو گیا۔ یہ تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا ثبوت کہ باوجودیکہ ہلاکت کا نشان آپ کے مخالفوں پر نازل بھی کیا گیا مگر رحمت آلٰہی نے پہلی امتوں کی طرح اُنہیں بالکل ہلاک نہیں کیا۔ بلکہ اسلام میں داخل کر کے از سرِ نو زندگی بخشی۔ یہ تھی حکمت آلٰہی پہلے نشانوں کے دوبارہ نہ بھیجنے میں۔ کیونکہ اگر وہی نشان دوبارہ بھیجے جاتے تو کفار مکہ سب ہلاک کئے جاتے۔ لیکن مصلحت آلٰہی نے یہ نہ چاہا۔ یہ ہیں معنے آیت وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھا الاولون کے۔ تیسرا مطالبہ کفار کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسے نشانوں کے متعلق تھا۔ جن سے ایمان بالغیب بالکل اُٹھ جاوے سو ایسے نشان کے دکھانے سے بکلی انکار کیا گیا ہے۔ اور خود ظاہر ہے کہ ایسے سوال کا جواب انکار ہی تھا۔ قرآن کریم کی ذیل کی آیات اس مطالبہ کی شاہد ہیں۔ وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا ۝ او تکون لک جنۃ من نخیل وعنب فتفجر الانھار خلٰلھا تفجیرا ۝ او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی باللہ والملٰئکۃ قبیلا ۝ او یکون لک بیت من زخرف او ترقیٰ فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتبا نقرؤہ ۝ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا ۝ (بنی اسرائیل ۹۰-۹۴)
اور کفار نے کہا کہ ہم اس وقت تک تجھ پر ایمان نہیں لاوینگے جب تک کہ تو زمین سے ہمارے لئے چشمے نہ نکالے۔ یا انگوروں اور کھجوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ بیچ میں تم بہت سی نہریں جاری کر دکھاؤ یا جیسا تم سمجھتے ہو کہ ہم پر عذاب نازل ہوگا۔ آسمان کے ٹکڑے ہم پر لا گراؤ یا خدا اور فرشتوں کو ہم اپنے سامنے دیکھ لیں۔ یا تمہارا کوئی سونے کا گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے آسمان پر چڑھنے پر باور نہیں کرینگے جب تک ایک کتاب نہ اُتارو جسے ہم پڑھ لیں۔ اے پیغمبر تو ان سب مطالبوں کا یہ جواب دے۔ کہ میرا خدا پاک ہے میں تو محض ایک بشر رسول ہوں۔ یہ تھے تختہ خود تراشیدہ نشان جو وہ مانگتے تھے سو چشم والے کیلئے ایسی درخواستیں ہمارے سید و مولےٰ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ظاہرہ و آیات بینہ پر صاف اور کھلے کھلے دلائل ہیں۔ خدا جانے ان دلوں کے اندر تو ہمارے سید و مولےٰ و آقا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار صداقت نے کس درجہ تنگ اور عاجز کر رکھا تھا۔ اور کیا کچھ آسمانی تائیدات اور برکات کی بارشیں ہو رہی تھیں۔ کہ جن سے

خیرہ ہوکر اور جن کی ہیبت سے منہ پھیر کر سر اسر ٹالنے اور بھاگنے کی غرض سے ایسی دور از صواب خواہشیں پیش کرتے تھے ۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے معجزات کا دکھلانا ایمان بالغیب کی حد سے باہر ہے یوں تو اللہ جلشانہ قادر ہے ۔ کہ اس قسم کے سب عجائبات ظاہر کر کے دنیا میں ہی وہ انکشاف تام کردے ۔ جو آخرت میں ہونے والا ہے ۔ اور اخفا کے تمام پردے دور کردے ۔ مگر ابتدا سے اسکی یہی سنت رہی ہے کہ ایمان بالغیب کی رعایت سے معجزات دکھلاتا رہا ہے ۔ کبھی کسی نبی نے ایسا نہیں کیا کہ ایک شہر کا شہر زندہ کر کے ان سے اپنی نبوت کی گواہی دلاوے ۔ ہاں انجیلوں میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح کے مرنے پر صدیوں کے مرے زندہ ہوکر شہر میں آگئے تھے ۔ لیکن اگر یہ امر واقع میں ہوا تھا اور جیسا کہ ہم پہلے کسی نمبر میں بیان کرچکے ہیں یہ خواب نہ تھا تو پھر ان مردوں کی گواہی بھی خلاف ہی ہوگی ۔ کیونکہ اس کا اثر الٹا ہوا ۔ اور بجائے ماننے کے لوگ اور بھی مخالف ہوگئے +

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ جو لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خود تراشیدہ نشان مانگا کرتے تھے ۔ اُن میں سے اکثر آخر کار آنحضرتؐ کے نشانوں کے گواہ بن گئے تھے ۔ کیونکہ آخر وہی لوگ تو تھے جنھوں نے مشرف باسلام ہوکر دین اسلام کو مشارق و مغارب میں پھیلایا ۔ اور نیز معجزات اور پیشگوئیوں کے بارے میں کتب احادیث میں اپنی رویت کی شہادتیں قلمبند کرائیں پس اگر بالفرض ان لوگوں نے ابتدا میں معجزات سے انکار بھی کیا تو یہ انکار اُن کا کیا وزن رکھتا ہے جب آخر کار وہ اس انکار سے خود دستکش اور تائب بھی ہوگئے ۔ اس صورت میں قابل تسلیم تو اُن کی وہ شہادت ہے جو راہ راست پر آنے کے بعد اُنھوں نے دی ۔ کیونکہ اپنے پہلے خیالات کو اُنھوں نے خود غلط سمجھا +

یاد رہے کہ قرآن شریف بجائے خود ایک عظیم الشان معجزہ ہے ۔ اور یہ ایسا معجزہ نہیں جس کو ایک ہی زمانہ کے لوگوں نے دیکھا ہو اور پھر وہ قصہ کہانی کے رنگ میں ہوگیا ہو ۔ بلکہ ایک زندہ معجزہ ہے جو ہر وقت اور ہر آن میں ظاہر ہے ۔ قرآن کریم کا عذابی نشان کا معجزہ جو اس وقت کے کفار کو دکھلایا گیا یہ ہمارے لئے بھی فی الحقیقت ایسا ہی نشان ہے جس کو جمشید کہنا چاہئے وجہ یہ کہ یہ نہایت یقینی مقدمات کا ایک لازمی نتیجہ ہے ۔ جس سے کوئی مخالف بھی کسی صورت سے انکار نہیں کرسکتا اول یہ مقدمہ جو بطور بنیاد معجزہ کے ہے نہایت بدیہی اور مُسلّم الثبوت ہے ۔ کہ یہ عذابی نشان اس وقت مانگا گیا تھا کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور چند رفیق آنجناب کے مکہ میں دعوت حق کی وجہ سے خود صد ہا تکالیف اور دکھوں اور دردوں میں مبتلا تھے ۔ اور وہ ایام دین اسلام کے ایسے

ضعف اور کمزوری کے تھے کہ خود کفار مکہ ہنسی اور ٹھٹھے کی راہ سے مسلمانوں کو کہا کرتے تھے کہ اگر تم حق پر ہو تو اس قدر عذاب اور مصیبت اور دکھ اور درد ہمارے ہاتھوں سے کیوں پہنچ رہا ہے اور وہ خدا جس پر تم بھروسہ کرتے ہو وہ کیوں تمہاری مدد نہیں کرتا۔ اور کیوں تم ایک قدر قلیل جماعت ہو جو عنقریب نابود ہونیوالی ہے۔ اور اگر تم سچے ہو تو کیوں ہم پر عذاب نازل نہیں ہوتا۔ جو کچھ کفار کو قرآن شریف کے متفرق مقامات میں ایسے زمانہ تنگی و تکلیف میں کہا گیا۔ وہ دوسرا مقدمہ اس پیشگوئی کی عظمت شان کے سمجھنے کے لئے ہے۔ کیونکہ وہ زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت پر ایسا نازک زمانہ تھا۔ کہ ہر وقت اپنی جان کا اندیشہ تھا اور چاروں طرف ناکامی منہ دکھلا رہی تھی سو ایسے زمانہ میں کفار کو ان کے عذابی نشان کے مانگنے کے وقت صاف صاف طور پر یہ کہا گیا تھا کہ عنقریب تمہیں اسلام کی فتحمندی اور تمہارے سزایاب ہونے کا نشان دکھلایا جائیگا۔ اور اسلام جو اب ایک تخم کی طرح نظر آتا ہے کسی دن ایک بزرگ درخت کی مانند اپنے تئیں ظاہر کریگا۔ اور وہ جو اسلام کا نشان مانگتے ہیں۔ وہ تلوار کی دھار سے قتل کئے جاوینگے۔ اور تمام جزیرہ نمائے عرب کفر اور کافروں سے صاف کیا جاویگا۔ اور تمام عرب کی حکومت مومنوں کے ہاتھ میں آجائیگی۔ اور خدائے تعالےٰ دین اسلام کو ملک عرب میں ایسے طور سے جما دیگا۔ کہ پھر بت پرستی کبھی پیدا نہیں ہوگی اور حالت موجودہ جو خوف کی حالت ہے بکلی امن کے ساتھ بدل جائیگی۔ اور اسلام قوت پکڑیگا۔ اور غالب ہوتا چلا جائیگا۔ یہانتک کہ دوسرے ملکوں پر اپنی فتح و نصرت کا سایہ ڈالیگا۔ اور دُور دُور تک اس کی فتوحات پھیل جائینگی۔ اور ایک بڑی بادشاہت قائم ہوجائیگی۔ جس کا اخیر دنیا تک زوال نہیں ہوگا۔ اب جو شخص پہلے ان دونوں مقدمات پر نظر ڈال کر سمجھ لیوے کہ وہ زمانہ جسمیں یہ پیشگوئی کیگئی تھی اسلام کیلئے کیسی تنگی اور ناکامی اور مصیبت کا زمانہ تھا۔ اور جو پیشگوئی کی گئی تھی وہ کس قدر حالت موجودہ سے مخالف اور خیال اور قیاس سے نہایت بعید بلکہ صریح محالات عادیہ سے نظر آتی تھی پھر بعد اسکے اسلام کی تاریخ پر جو دشمنوں اور دوستوں کے ہاتھ میں موجود ہے ایک منصفانہ نظر ڈالے کہ کیسی صفائی سے یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ اور کس قدر دلوں پر ہیبتناک اثر اس کا پڑا۔ اور کیسے مشارق اور مغارب میں تمام تر قوت اور طاقت کے ساتھ ظہور اس کا ہوا تو اس پیشگوئی کو یقینی اور قطعی طور پر چشمدید معجزہ قرار دیگا۔ جس میں اس کو ایک ذرہ بھی شک و شبہ نہ ہوگا +

دوسرا معجزہ قرآن شریف کا جو ہمارے لئے حکم مشہود و محسوس کا رکھتا ہے وہ عجیب و غریب تبدیلیاں ہیں جو اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ببرکت پیروی قرآن شریف وا ثر

صحبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور میں آئیں۔ جب ہم اسبات کو دیکھتے ہیں۔ کہ وہ لوگ مشرف باسلام ہونے سے پہلے کیسے اور کس عادت اور طریق کے آدمی تھے۔ اور پھر بعد شرف صحبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم واتباع قرآن شریف کس رنگ میں آگئے۔ اور کیسے اخلاق میں عقاید میں چلن میں گفتار میں رفتار میں کردار میں اور اپنی جمیع عادات میں خبث کیحالت سے منتقل ہو کر نہایت طیب اور پاک حالت میں داخل کئے گئے تو ہمیں اس تاثیر عظیم کو دیکھ کر جس نے ان کے زنگ خوردہ وجودوں کو ایک عجیب تازگی اور روشنی اور چمک بخش دہی تھی اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ یہ تصرف ایک خارق عادت تصرف تھا جو خاص خدا تعالیٰ کے ہاتھ نے کیا۔ قرآن شریف میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ میں نے ان کو مردہ پایا اور زندہ کیا اور جہنم کے گڑھے میں گرتے دیکھا اور اس ہولناک حالت سے چھڑایا بیمار پایا اور انہیں اچھا کیا۔ اندھیرے میں پایا اور روشنی بخشی اور خدائے تعالیٰ نے اس اعجاز کے دکھلانے کے لئے ایک طرف قرآن شریف میں عرب کے لوگوں کی وہ خراب حالتیں لکھی ہیں جو اسلام سے پہلے تھیں۔ اور دوسری طرف اُن کے وہ پاک حالات بیان فرمائے ہیں جو اسلام لانے کے بعد ان میں پیدا ہو گئے۔ کہ تا جو شخص ان دونوں حالات کو دیکھے وہ یقین کامل سے یہ سمجھ لیوے کہ یہ تبدیلی ایک خارق عادت تبدیلی ہے جسے معجزہ کہنا چاہئے +

پھر تیسرا معجزہ قرآن شریف کا۔ جو ہماری نظروں کے سامنے موجود ہے۔ اس کے حقائق ومعارف ولطائف ونکات ہیں۔ جو اس کی بلیغ وفصیح عبارات میں بھرے ہوئے ہیں۔ اس معجزہ کو قرآن شریف میں بڑے شدومد سے بیان کیا گیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اگر کل دُنیا اکٹھی ہو کر اسکی نظیر بنانا چاہے تو بھی ممکن نہیں۔ یہ معجزہ اس دلیل سے ثابت اور متحقق الوجود ہے۔ کہ اس زمانہ تک کہ تیرہ سو برس گذر چکا ہے باوجودیکہ قرآن شریف کی منادی دنیا کے تمام حصوں میں ہو رہی ہے۔ اور بڑے زور سے ھل من معارض کا نقارہ بجایا جاتا ہے۔ مگر کبھی کسی طرف سے آواز نہیں آئی۔ پس اس سے اسبات کا صریح ثبوت ملتا ہے۔ کہ تمام انسانی قوتیں قرآن شریف کے مقابلہ ومعارضہ سے عاجز ہیں۔ بلکہ اگر قرآن شریف کی صدہا خوبیوں میں سے ایک خوبی کو پیش کر کے اسکی نظیر مانگی جائے تو انسان ضعیف البنیان سے یہ بھی ناممکن ہے۔ مثلاً قرآن شریف کی ایک یہ بھی خوبی ہے۔ کہ وہ تمام معارف دینیہ پر مشتمل ہے۔ اور کوئی دینی سچائی جو حق اور حکمت سے تعلق رکھتی ہے ایسی نہیں ہے جو قرآن شریف میں نہ پائی جاتی ہو۔ مگر ایسا شخص کون ہے کہ کوئی دوسری کتاب ایسی دکھلائے جسمیں یہ صفت موجود ہو +

پھر چوتھا زندہ معجزہ قرآن شریف کا اسکی روحانی تاثیرات ہیں جو ہمیشہ اس میں محفوظ چلی آتی ہیں یعنی یہ کہ اسکی پیروی کرنے والے قبولیت الٰہی کے مراتب کو پہنچتے ہیں۔ اور مکالمات الٰہیہ سے مشرف

کئے جاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ اُن کی دعاؤں کو سنتا اور انہیں محبت کی راہ سے جواب دیتا ہے۔ اور بعض اسرار غیبیہ پر نبیوں کی طرح ان کو مطلع فرماتا ہے۔ اور اپنی تائید اور نصرت کے نشانوں سے دوسری مخلوقات سے انہیں ممتاز کرتا ہے۔ یہ بھی ایسا نشان ہے۔ جو قیامت تک اُمت محمدیہ میں رہیگا۔ اور ہمیشہ ظاہر ہوتا چلا آیا ہے۔ اور اب بھی موجود اور متحقق الوجود ہے مسلمانوں میں ایسے لوگ اب بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ کہ جن کو اللہ جلشانہ اپنی تائیدات خاصہ سے موید فرما کر الہامات صحیحہ و رویاے صادقہ اور مبشرات اور مکاشفات غیبیہ سے سرفراز فرماتا ہے۔ غرض ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات نہ صرف عرب نے ہی دیکھے۔ بلکہ ہر ایک زمانہ اُن کو دیکھتا ہے۔ اور اس وقت بھی ان کا ظہور ہو رہا ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ سوا اس کے جس کی آنکھوں پر تعصب یا جہالت کی پٹی بندھی ہوئی ہو +

کرشن کی تعلیم

قدیم ہندوستان میں کرشن ایک عظیم الشان انسان بلکہ ہندوستان کے سب رشیوں سے بزرگتر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اسکی اصل تعلیم میں بہت ساری غلطیاں بھر گئی ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ہماری موجودہ تحقیقات اسکی اصل تعلیم کے متعلق اصل سنسکرت زبان کی کتابوں پر مبنی نہیں بلکہ صرف انگریزی اور اردو تراجم ہی اس کا ماخذ ہیں۔ لیکن ان تراجم کی موجودگی میں غلطی کا کوئی بڑا احتمال نہیں کیونکہ دونوں قسم کے تراجم ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ایک ان لوگوں کے جنہوں نے کرشن کو مسیح کیطرح واقعی خدا سمجھا ہے۔ اور دوسری طرف یوروپ کے محققین کے ترجمے ہیں۔ جنہوں نے بڑی محنت اور قابلیت سے علوم سنسکرت میں مہارت حاصل کی ہے۔ اور اُسکے وسیع خزانوں کو تلاش کرکے کرشن کی اصلیت معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ سو جہانتک ہماری موجودہ تحقیقات کا دائرہ ہے ہم سمجھتے ہیں کہ دونوں قسم کے ترجموں کی موجودگی میں ہم اصلیت تک پہنچ سکتے ہیں۔ ہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب پبلک ان تراجم کی مدد سے کرشن کی تعلیم کو سمجھتی ہے۔ تو ہمیں لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ سو اسکے متعلق ہم یہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ اگرچہ ان دونوں فریقوں کے درمیان جنمیں سے ایک تو ان تمام قصص کو جو کرشن کی زندگی اور تعلیم پر سنسکرت زبان میں پائے جاتے ہیں لفظ بلفظ وحی سمجھ کر اس پر ایمان لاتا ہے۔ اور کرشن کو واقعی زمین و آسمان کا مالک سمجھتا ہے۔ اور دوسرا ان تمام واقعات کو محض قصہ

اور کہانی سمجھتا ہے۔ اور کرشن کو ایک خیالی انسان تصور کرتا ہے۔ ایسے محققین کا ایک تیسرا گروہ بھی پیدا ہوگیا ہے۔ جو اس امر کی اصلیت کو سمجھ کر کرشن کو واقعی انسان اور قدیم ہندوستان کا مصلح سمجھتے ہیں اور جو اس امر کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ جو کچھ کرشن کے حالات کے متعلق لکھا ہوا ہے۔ اس میں تھوڑی سی اصلیت کے ساتھ بہت سارے جھوٹے قصے ملائے گئے ہیں۔ لیکن باوجود اس امر کے اس عظیم الشان انسان کی اصل تعلیم اب تک نہیں سمجھی گئی۔ اور ابھی تک کسی نے اسکو ان غلطیوں سے پاک کرنے کی کوشش نہیں کی جو بعد میں اس میں داخل ہوگئی ہیں۔ کرشن کی اصل تعلیم کی اس حقیقت کو ہم اس جگہ ظاہر کرنے کی کوشش کرینگے۔ وما توفیقی الا باللہ

کرشن کی تعلیم بھگوت گیتا میں ہے جو مہابھارت میں ایک درمیانی قصہ کے طور پر ہے۔ اس سوال سے ہمیں بالفعل کوئی تعلق نہیں ہے۔ کہ یہ کس زمانہ کی کتاب ہے۔ ممکن ہے کہ جیسا دہرندرناتھ پال نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ پندرہ صدی قبل از مسیح کی لکھی ہوئی ہو۔ یا جیسا کہ جان ڈویز ثابت کرتا ہے تیسری صدی عیسوی کی یہ کتاب ہو۔ البتہ یہ امر یقینی ہے۔ اور سب کے نزدیک مسلم ہے۔ کہ کرشن کے زمانہ کے بہت دیر بعد یہ لکھی گئی ہے۔ اور دوسری طرف یہ امر بھی ثابت شدہ ہے۔ کہ اسمیں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں اور زیادتیاں ہوتی رہی ہیں۔ خود پال جو کرشن کا بڑا مداح ہے اپنی کتاب لائف اینڈ ٹیچنگز آف کرشن کے دیباچہ میں لکھتا ہے:۔ "موجودہ مہابھارت خود اس امر کا اقرار کرتی ہے۔ کہ بیاس نے اصل مہابھارت کو درمیانی قصص چھوڑ کر چوبیس ہزار شلوکوں میں لکھا تھا لیکن موجودہ مہابھارت میں چوبیس ہزار شلوک کی بجائے ایک لاکھ سات ہزار تین سو نوے شلوک ہیں اس کے مضامین کی فہرست میں بجائے اسکے اصلی ایک سو پچاس شلوکوں کے دو سو اڑسٹھ شلوک ہیں یہ اس امر کا صاف ثبوت ہے۔ کہ اصل مہابھارت میں چند ہزار سال کے اندر کئی ہزار شلوک بڑھ گئے ہیں۔ اور پھر لکھا ہے۔ کہ جسوقت اگرسروتے اسکو نیمش کی بیابان میں پڑھا تھا۔ اسوقت بھی اس میں بہت ساری تبدیلیاں اور ازدیاد ہوچکے تھے۔ اور اسوقت بھی اسکی مختلف قراتوں کے متعلق بہت سا اختلاف رائے تھا"۔ ان حوالجات سے ظاہر ہے۔ کہ ان تغیرات کو الگ چھوڑ کر جو کرشن کی تعلیم میں اس وقت واقع ہوچکے تھے۔ جب وہ ابھی ضبط تحریر میں نہیں لائی گئی تھی۔ خود بھگوت گیتا میں بھی مہابھارت کے ساتھ بہت سے تغیرات واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے اگر ہمارے پاس گیتا کے کسی اصول کو کرشن کی تعلیم نہ ماننے کے لئے کافی وجوہات ہوں تو پھر گیتا کے اس حصہ کو کرشن کے بعد کی غلطی سمجھنے میں ہم حق پر ہونگے +

جو شخص ہندو مذہب کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے وہ گیتا کی تعلیم کو دیکھ کر ضرور حیران ہوتا ہے ایک طرف اس ملک کے عام بت پرستی کے خیالات ہیں۔ اور دوسری طرف کرشن کی اعلےٰ درجہ کی موحدانہ تعلیم ہے جسکو دیکھ کر ہر ایک منصف کو مجبوراً اقرار کرنا پڑیگا۔ کہ اس تعلیم کا ماخذ کسی طرح سے کرشن کی اپنی قوم یا وقت کی مروجہ تعلیم نہیں ہے۔ ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ ہندوؤں کو کبھی کرشن سے پہلے توحید کی تعلیم نہیں دیگئی۔ یا مثلاً ویدوں میں ان کو ایسی تعلیم نہیں دیگئی تھی۔ لیکن کرشن کے وقت میں توحید کی یہ تعلیم عناصر پرستی اور دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش کے نیچے ایسی دبی ہوئی تھی۔ کہ گویا مٹ ہی چکی تھی۔ جیسا کہ ویدوں کی موجودہ صورت سے بھی ظاہر ہے۔ اور علاوہ اس کے یہ لوگ طرح طرح کی فلسفیانہ غلطیوں میں مبتلا ہو کر اصل توحید اور صفات الٰہی کی شناخت سے بہت دور جا پڑے تھے۔ ہندو لوگ صرف اسی غلطی میں مبتلا نہ تھے کہ مردہ رسوم کی پیروی سے اصل حقیقت کو بھول گئے تھے۔ بلکہ وہ اقرار توحید سے بھی دور جا پڑے تھے۔ اور چھوٹے دیوتا اور دیویاں اپنے لئے ایسے تراش لئے تھے جنکی طرف وہ مختلف قسم کے کام اور مختلف درجہ کی طاقتیں منسوب کرتے تھے۔ ہندو اس تاریکی اور جہالت میں مبتلا تھے جبکہ ان کے درمیان ایک برگزیدہ انسان کرشن ظاہر ہوا۔ گیتا سے ہمیں ہندوؤں کی اس روحانی موت کی شہادت صاف طور پر ملتی ہے۔ جیسا کہ اسکے چوتھے باب سے ظاہر ہے جہاں لکھا ہے "اے ارجن جب دھرم کی ہانی ہوتی ہے اور ادھرم بڑھ جاتا ہے۔ تب میں پرماتما اوتار لیتا ہوں۔ میں نیک لوگوں کی رکھیا کرتا ہوں۔ اور پاپیوں کا ناس کر کے بار بار اوتار دھار کے دھرم کو قایم کرتا ہوں" (۴/۸)
چونکہ خدا کے نبی اسی ذات برتر کے مظہر ہوتے ہیں۔ اس واسطے انکے ظہور کو خدا کا ظہور قرار دیا گیا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دو عہد سے جو کرشن نے اس جگہ اپنی طرف منسوب کئے ہیں۔ وہ نیک لوگوں کی حفاظت کرنا اور بدکاروں کو تباہ کرنا ہیں۔ اور ایسا ہی کرشن کے آخری ظہور کے متعلق جو کلجگ کے اخیر پر ہوگا یہی لکھا گیا ہے کہ وہ آکر بدکاروں کو ہلاک کریگا اور نیکوں کی رکھیا کریگا۔ انہی دو عہدوں کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ دو خطاب یعنی رودر اور گوپال اشارہ کرتے ہیں۔ جن ناموں سے آپ عرصہ پہلے وحی الٰہی میں بحیثیت کرشن ہونے کے پکارے گئے ہیں۔ اور یوں گیتا کی اس عبارت سے اس پاک کلام کی تصدیق ہوتی ہے۔ جو مدت پہلے آپ پر نازل ہوا تھا۔ کہ ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔

الغرض حضرت کرشن علیہ السلام کے ظہور کے وقت ہندو سخت عملی اور اعتقادی غلطیوں میں

بتلاتھے۔اور کرشن نے ان دونوں قسم کی غلطیوں کی اصلاح کی اور اس ملک کے لوگوں کو حق کیطرف ہدایت کی۔ اپنی تعلیم میں اُنھوں نے توحید الٰہی پر بہت زور دیا ہے۔اور خدا کے سوا تمام دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش سے منع کیا ہے۔چنانچہ ڈیویز صاحب اپنے گیتا کے ترجمہ کی تمہید میں لکھتے ہیں" اسکے یعنی کرشن کے نزدیک اعلٰے ہستی ایک ہے جس کا کوئی ہمسر یا شریک نہیں۔اور جسکی طرف اس قسم کے صفات منسوب نہیں کئے گئے جو عام ہندوؤں کے خیالات کے مطابق دیوتاؤں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔اور جو جذبات اور بدیاں دیوتاؤں میں ہندوؤں نے سمجھ رکھی تھیں۔ان سب سے اللہ تعالےٰ اسکے نزدیک پاک تھا"۔ چنانچہ یہ امر گیتا کی مندرجہ ذیل عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے"۔ان میں سے دانا آدمی جو صرف ایک کی پرستش کرتا ہے سب سے افضل ہے" (۷/۱) جن کا گیان کسی قسم کی شہوات سے ضائع ہو جاتا ہے۔وہ دوسرے دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔اور طرح طرح کی رسوم کے پیچھے چلتے ہیں" (۷/۲۰)"جو خالص میری پرستش کرتے ہیں۔اور دوسرے دیوتاؤں کی پناہ نہیں ڈھونڈتے جو میرے ساتھ پورا تعلق رکھتے ہیں انکو میں اپنی برکات سے پورا پورا حصّہ دیتا ہوں" (۹/۲۲)"دیوتا کے اوپاسک دیوتا کے لوگ اور پتروں کے اوپاسک پتروں کے لوگ اور بھوتوں کے اوپاسک بھوتوں کے لوگ ہوتے ہیں۔اور اُنہیں کے پاس جاتے ہیں لیکن جو میری پرستش کرتے ہیں صرف وہی ہیں جو میرے پاس آتے ہیں" (۹/۲۵) اس سے ظاہر ہے۔کہ کرشن کی توحید کی تعلیم سطحی اور موٹی تعلیم نہیں بلکہ روحانی امور میں اسکی نظر بہت باریک معلوم ہوتی ہے۔اور کسیطرح پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسی باریک توحید کی تعلیم اس کے اپنے دل سے نکلی ہوئی تھی یا یہ کہ دوسرے انسانی ذرائع اس کا ماخذ تھے۔وہ دریائے توحید کی تہ میں ایسا غوطہ لگاتا ہے۔اور روحانی بلندیوں پر اس طرح پرواز کرتا ہے۔کہ صاف معلوم ہوتا ہے۔کہ اسکی تعلیم سرچشمہ وحی الٰہی سے نکلی ہوئی ہے۔کیونکہ وہ اپنے زمانہ اور اپنی قوم کے خیالات سے بہت بالا ہے۔مثلاً اس تعلیم پر غور کرو"۔جو کچھ تو کام کرے۔جو کچھ تو کھائے جو کچھ تو قربانی دیوے جو کچھ تو دان کرے اور جو کچھ تو عبادت کرے۔اس سب کو خالص میرے لئے کر" (۹/۲۷) ایسی ایسی تعلیمات سے صاف معلوم ہوتا ہے۔کہ اسکی تعلیم کسی انسانی چشمہ سے نہیں لیگئی تھی بلکہ انسان سے بلند تر کسی ہستی کیطرف سے تھی جب ہم اس زمانہ کی جہالت اور تاریکی پر جو روحانی امور میں کرشن کے وقت میں پھیلی ہوئی تھی غور کرتے ہیں اور پھر کرشن کی اس اعلےٰ درجہ کی تعلیم کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اقرار کرنا پڑتا ہے۔کہ اس نے جو کچھ کہا خدا کی طرف سے الہام پاکر کہا۔ایسی اعلےٰ درجہ کی روحانی تعلیم کا ایسے انسان سے جس کا خدا کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ہونا ہرگز ممکن نہیں ✦

کرشن کی تعلیم کی یہ بلند پروازی صرف توحید الٰہی کے متعلق ہی نہیں ہے۔ بلکہ خدا کی ذات اور صفات کے تمام پہلوؤں پر اس کی تعلیم ایسی ہی اعلےٰ درجہ کی ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کو سب پاکوں سے پاک اور ابدی خالق مانتا ہے۔ اسکی تعلیم میں "اللہ تعالےٰ تمام عالم کا سرچشمہ ہے تمام موجودات کا سرچشمہ ہے۔ اور اسی سے یہ کل عالم نکلا ہے وہ سب سے اعلےٰ ہستی ہے سب سے اعلےٰ مقام۔ سب سے زیادہ پاک ہمیشہ کا خالق۔ سب دیوتاؤں سے اول۔ غیر مخلوق سب کا خداوند ہے۔ سب چیزوں کا پیدا کرنے والا۔ سب کا مالک سب دیوتاؤں کا خدا تمام عالم کا حاکم ہے۔ اس پر کبھی زوال نہیں آتا۔ وہ غیب الغیب ہے۔ اس کا ظہور کسی چیز سے نہیں ہوسکتا۔ وہ سب پر محیط پر اس کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ وہ عرش پر غیر متبدل لازوال اور ابدی ہے" کرشن کا اللہ تعالےٰ کو خالق اشیاء اور خالق عالم ماننا بھی صاف اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے کہتا تھا جو کچھ کہ کہتا تھا۔ کیونکہ ہندوؤں کے کل فلسفی طریقوں میں جیسا کہ آج کل آریہ سماج میں بھی یہی مانا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ خالق نہیں۔ اگرچہ کرشن کی تعلیم میں بہت ساری غلطیاں ملا دی گئی ہیں۔ لیکن جو کچھ کہ ہم تک پہنچا ہے اس سے بھی یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ وہ خدائے تعالےٰ کو خالق مانتا تھا ۔

البتہ گیتا میں بعض بعض جگہ ایسی تعلیم بھی پائی جاتی ہے کہ خدا نے مجسّم ہو کر انسانی صورت اختیار کی۔ اور خود کرشن نے ہی انسان کی شکل میں خدا ہونے کا دعوےٰ کیا۔ اس تعلیم کو ہم کسی صورت میں کرشن کی طرف منسوب نہیں کرسکتے۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ صاف معلوم ہوگا۔ کہ کسی انسان نے جس کے حواس میں فتور نہ آگیا ہو کبھی خدا ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا۔ بلکہ جو لوگ خدا بنائے گئے ہیں۔ وہ ہمیشہ موت کے بعد ہی خدا بنے ہیں کسی انسان کو خدا بنانے کا خیال اُس وقت تقویت پکڑتا ہے جب اس پر ایک مدت گذر رہنے کے بعد اسکی اصل حقیقت آنکھوں سے چھپ جاتی ہے۔ اور جیسے جیسے زمانہ گذرتا چلا جاتا ہے۔ اور تاریخ کے دھندلا پن میں اُسکی شکل بڑی نظر آنے لگتی ہے اُسکی نسبت خدائی کا خیال پیدا ہونے لگتا ہے ورنہ بیچارہ انسان کیا چیز ہے جو دنیا کی رنج و راحت میں شریک ہوتا ہوا اور دنیوی زندگی کی ضروریات کا محتاج ہوتا ہوا یہ دعوےٰ کرسکے کہ میں ہی زمین و آسمان کا خدا ! اور میں ہی پرستش کے لائق ہوں۔ اور میں اپنے پرستاروں کو کامیاب اور بامراد کرسکتا ہوں اور اُن کے دشمنوں کو ناکام اور نامراد کر کے صفحۂ دنیا سے ان کا نام مٹا سکتا ہوں۔ حالانکہ خود وہ طرح طرح کی ناکامیوں کا نشانہ ہو رہا ہو۔ کرشن جی کی زندگی کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ معمولی انسانوں کی طرح زمین پر رہتے تھے۔ اُن کے دشمن بھی تھے۔ جو ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے

تھے وہ تمام ضروریات میں انسانوں کی طرح محتاج تھے پس اُن کے متعلق خدائی کا خیال بھی اسیطرح پیدا ہوگیا جس طرح حضرت مسیح کے متعلق حالانکہ یہ دونو بزرگ بالکل اس سے پاک ہیں۔ کہ اُنھوں نے کبھی ایسا کلمہ کفر کا منہ سے نکالا ہو کہ ہم واقعی خدا ہیں۔ اور زمین و آسمان کی سب طاقتیں ہمارے ہی ہاتھ میں ہیں مسیح کا زمانہ کرشن کی نسبت نزدیک ہونے کی وجہ سے مسیح کی خدائی کی تاریخ کا پتہ تو صاف ملتا ہے۔ لیکن اس امر کی بھی کافی شہادت ملتی ہے۔ کہ کرشن کی خدائی کا خیال بھی بتدریج ہی ترقی پذیر ہُوا ہے۔ چنانچہ ڈویز صاحب لکھتے ہیں۔ کہ وشنووں نے اس دعوے کو ترقی دی لیکن بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو اس بات کے قائل تھے کہ وہ واقعی انسان تھا۔ کیونکہ بھشماپرون میں یہ لکھا گیا ہے۔ کہ جو کوئی یہ کہے کہ وہ یعنی کرشن محض انسان تھا وہ موٹی سمجھ کا آدمی ہے۔ اگر بعض ایسے فقرات ہیں جن میں اُسے سب چیزوں کا اصل اور منبع بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ فقرات بہت تھوڑے ہیں تو وہ اس مضمون کی نظم کے عام پیرایہ کے اس قدر مخالف ہیں۔ کہ ہم ڈاکٹر میور کے ساتھ اُن کو پچھلے زمانہ کی ملائی ہوئی عبارتیں اور تحریفیں کہنے کیلئے مجبور ہیں۔ اصل میں تو پرانوں کے زمانہ میں ہی آکر اُسکو پورا پورا خدا بنایا گیا ہے۔ اور سب سے پہلا پران یعنی وایو پران تمام محققین کے اتفاق رائے سے چھٹی صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں ہے۔ اسکے علاوہ مہابھارت کے دوسرے مقامات سے یہ پتہ لگتا ہے۔ کہ خود کرشن مہادیو یعنی اعلےٰ ہستی کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اسیطرح ایک اور کتاب میں یہ ذکر ہے۔ کہ کرشن اور ارجن نے اللہ تعالےٰ کے سامنے زمین پر ماتھا ٹیکا۔ دیکھو ترجمہ گیتا ڈویز صاحب صفحہ ۱۹۰*

ہندوؤں کی تو طبیعت میں ہی بُت پرستی اوائل زمانہ سے ہی بہت غالب رہی ہے لیکن اس بات کو چھوڑ کر بھی ایک موٹی سمجھ کا انسان ایک نبی کے الفاظ کے متعلق جو خدا کی طرف سے ہو کر بولتا ہے آسانی سے غلطی کھا سکتا ہے۔ مثلاً قرآن شریف میں اصل متکلم تو اللہ تعالےٰ ہے۔ مگر جس انسان کے مُنہ سے وہ کلام نکلکر دوسرے انسانوں تک پہنچا ہے وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب بعض جگہ جو صفات ضمیر متکلم میں اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف منسوب کی ہیں۔ اُن صفات الٰہی اور طاقتوں کو نبی کریم کے متعلق خیال کر لینا سخت غلطی ہے۔ اسی قسم کی غلطی کرشن کے متعلق بھی واقع ہوسکتی ہے مثلاً جب ہم گیتا میں کرشن کے مُنہ سے نکلا ہوا یہ کلام پڑھتے ہیں کہ مَیں ہی تمام چیزوں کا منبع ہوں۔ اور تمام عالم اور تمام مخلوق میرے ہی ہاتھوں سے نکلی ہے۔ تو اس سے یہ سمجھ لینا کہ یہ لفظ کرشن اپنے متعلق بول رہا ہے سخت غلطی ہے۔ وہ تو خدا کیطرف سے

ہوکر بول رہا ہے۔ اور مَیں سے مراد اللہ تعالےٰ ہے نہ کہ کرشن علاوہ ازیں کرشن جی بڑے پرزور الفاظ میں شرک سے روکتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کے سوا کسی دوسرے دیوتا کے آگے جھکنے سے بار بار منع کرتے ہیں اب انہیں دوسرے دیوتاؤں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنکو اُسوقت کے یا پہلے لوگوں نے خدا سمجھ رکھا تھا۔ پس یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ کرشن جی دوسرے انسانوں کی پرستش سے تو پرزور الفاظ میں لوگوں کو منع کرتے۔ اور پھر خود انسان ہوکر آپ پرستش کے حقدار بن بیٹھتے۔ ایک سمجھ دار انسان ہرگز ایسا خیال نہیں کر سکتا۔ اگر انسان خدا ہو سکتا ہے یا خدا آدمی بن سکتا ہے۔ جو دونوں ملتے جلتے اعتقاد ہیں۔ تو پھر ایک انسان پر کیا منحصر ہے۔ کیوں دوسرے خدائی کے دعویدار جھوٹے ہوئے اور ایک ہی ان میں سے سچا رہا۔ حالانکہ کوئی مابہ الامتیاز گیتا میں تجویز نہیں کیا گیا۔ جس شخص کی یہ تعلیم ہو کہ "جن لوگوں میں نفسانی خواہشات علم پر غالب آگئی ہیں وہی لوگ ہیں جو خدا کے سوائے دوسرے معبودوں کیطرف جاتے ہیں"۔ اور پھر یہ کہ "میرے پاس صرف وہی لوگ آوینگے جو خالص میری پرستش کرتے ہیں" ایسا توحید کا معلّم یہ کیونکر کہہ سکتا ہے۔ کہ اب مجھے معبود بناؤ۔ ناظرین کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ گیتا واقعی اس غلط تعلیم سے خالی ہے۔ ہاں ہم اسبات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ مروجہ گیتا میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔ ہمارا منشا صرف یہ ہے کہ ان تعلیموں کو کرشن جی کی طرف منسوب کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ خود گیتا سے یہ شہادت ملتی ہے۔ کہ یہ تعلیم کرشن کی دوسری تعلیم کے بالکل مخالف ہے۔ اور اسلئے ضرور ہے کہ کرشن کے وقت سے بعد اُنکی کلام میں درج ہوئی ہو۔ یہ ایک ایسی غلطی ہے جس سے کرشن جی کا دامن پاک ہونا چاہئے۔ درحقیقت اُس شخص کے مقصد کے جو نبی ہوکر دنیا کی اصلاح کیلئے آتا ہے۔ یہ امر بالکل برخلاف ہے۔ کہ وہ ایسی تعلیم انسانوں کو دے کہ خدا بھی انسان بن جایا کرتا ہے۔ ایسے ایسے خیالات ان لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو نبوت کے زمانہ سے بعد آتے ہیں۔ اور روحانیت سے بالکل بے بہرہ ہونیکے سبب تمام روحانی امور کو جسمانی سمجھ لیتے ہیں۔ اور اس طرح پر خدا تعالےٰ کیلئے بھی جسم تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ مذاہب کے مطالعہ سے کھلا کھلا ثبوت ملتا ہے۔ کہ جہاں کوئی انسان خدا بنایا گیا ہے۔ ہمیشہ پیچھے آنے والے لوگوں کی تجویزوں سے ہی ایسا ہوا ہے۔ خود گیتا میں خدا کے جسم اختیار کرنے کا انکار موجود ہے۔ جیسا کہ اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ "بیوقوف سمجھتے ہیں کہ میں جو جسمانی رنگ میں ظاہر نہیں ہوتا جسم رکھتا ہوں"۔

ایک اور قابل اعتراض امر گیتا کی تعلیم میں جو کرشن جی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مسئلہ تناسخ ہے۔ لیکن غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ یہ مسئلہ بھی کسی طرح کرشن کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دوسری جگہ

اسی مسئلہ کی تردید موجود ہے۔ اور جن اہم مسائل پر اسکی بنا ہے وہ کرشن کی تعلیم کے بالکل مخالف ہیں۔ تناسخ کا مسئلہ ایک طرف تو یہ چاہتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ خالق ارواح نہ ہو بلکہ روح بھی خدا کی طرح قدیم اور خود بخود ہو۔ اور دوسری طرف تناسخ مان کر یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ نجات ابدی نہ ہو بلکہ چند روزہ ہو جس سے ارواح کو پھر محروم کر کے پھر اُنکو تناسخ کے چکر میں ڈالا جاوے۔ تاکہ نظام عالم چلتا رہے۔ ان دونوں امور کا تعلق مسئلہ تناسخ کے ساتھ کئی مرتبہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اس لئے اس کے دوبارہ یہاں جتانے کی یا اس بحث میں پڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔ اب کرشن کی تعلیم کو غور کے ساتھ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس کے نزدیک یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں۔ نہ روح کا قدیم اور خود بخود ہونا اور نہ نجات کا ایک عارضی اور چند روزہ متاع ہونا۔ اور یہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ کرشن سچے دل سے اس امر کو مانتا اور اسی کی تعلیم دیتا تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے خالق اشیاء اور تمام موجودات کا سرچشمہ ہے۔ اور اسی کے ہاتھ سے ہر ایک چیز نکلی ہوئی ہے۔ اس تعلیم میں کسی قسم کا ابہام یا شک وشبہ نہیں۔ بلکہ بار بار اور کھول کھول کر اسے بیان کیا گیا ہے۔ اور نہایت واضح الفاظ میں خدا کی خالقیت کو کرشن نے تسلیم کیا ہے۔ اور یہ اقرار گیتا میں بار بار پایا جاتا ہے۔ اسلئے اگر کوئی عقیدہ ایسا پیش کیا جاوے جو اس تعلیم کے مخالف ہو تو اُسے کرشن کی طرف منسوب کرنا پرلے درجہ کی بے انصافی ہوگی۔ پھر جس صورت میں گیتا خدا کی خالقیت کے اقرار سے پُر ہے تو ایک آدھ جگہ کسی ایسے فقرہ کا پایا جانا کہ روح ہمیشہ سے چلی آئی ہے۔ اگر اسکے یہ معنے نہ کئے جاویں۔ کہ خدا ہمیشہ سے خالق ارواح رہا ہے اور ہمیشہ سے ہی اسکی مخلوق چلی آئی ہے تو مجبوراً اسے تحریف کہنا پڑیگا۔ کیونکہ اس سے کرشن کی ایک کھلی کھلی اور نہایت معقول تعلیم کا انکار لازم آتا ہے۔ اسیطرح پر حقیقی نجات بھی کرشن کے نزدیک ابدی نجات ہے۔ جس سے پھر روح کو محروم نہیں کیا جاویگا۔ چنانچہ گیتا میں یہ تعلیم موجود ہے کہ "وہ جس کی روح تمام دنیاوی اور خارجی تعلقات کو قطع کر چکی ہے۔ وہ سچی خوشحالی کو پالیتا ہے۔ اسکی روح خدا تعالےٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا کر کے ہمیشہ کی خوشحالی اور ابدی برکات کی وارث ہو جاتی ہے کیونکہ وہ خوشیاں جو دنیاوی تعلقات سے حاصل ہوتی ہیں وہ دُکھ کو پیدا کرنیوالی ہیں۔ وہ آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں۔ اسلئے دانا آدمی اُن میں کوئی خوشی نہیں پاتا" ($\frac{5}{21-22}$) کیونکہ اعلےٰ درجہ کی سچی خوشحالی اس یوگی کو نصیب ہوتی ہے۔ جس کا دل اطمینان پاچکا ہے جس کے جذبات بھی ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔ جس کا تعلق خدا کے ساتھ یگانگت کا تعلق ہو چکا ہے۔ اور جو گناہ سے پاک ہو چکا ہے۔ جو یوگی اس طرح پر خدا تعالےٰ کے ساتھ اپنی روح کا تعلق پیدا کرتا ہے

اور جو گناہ سے رک چکا ہے وہ خدا تعالےٰ کے ساتھ تعلق کی بے انتہا خوشیوں کو پاتا ہے" (۶/۲۷-۲۸) بعض لوگوں کا یہ خیال ہے۔ کہ کرشن کے نزدیک دو قسم کی نجات ہے۔ ایک عارضی نجات اور ایک ابدی نجات۔ مگر ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے اس بات کے تسلیم کرنے میں کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ نجات گناہ سے رہائی پانے اور خدا تعالےٰ کے ساتھ سچا تعلق قائم کرنے کا نام ہے۔ گیتا میں بھی نجات انہیں معنوں میں لیگئی ہے۔ اسلئے عارضی نجات کے اگر کچھ معنے ہوں تو یہی معنے ہونگے کہ وہ گناہ سے عارضی رہائی پانے اور خدا تعالےٰ کے ساتھ عارضی تعلق قائم کرنے کا نام ہے۔ لیکن کرشن اس قسم کی نجات کا قائل نہیں۔ اُسکے نزدیک اللہ تعالےٰ سے تعلق ایک ایسا تعلق ہے جو ہمیشہ کیلئے رہتا ہے۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ وہ ایک اور قسم کی خوشی کا ذکر بھی کرتا ہے یعنی ان لوگوں کی خوشی جو خدا کی بجائے دوسرے دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ اور جس خوشی سے وہ جلد ہی محروم کئے جاتے ہیں۔ گیتا میں اُن کا نام بھی بہشتی خوشیاں رکھا گیا ہے لیکن حقیقی بہشت کی خوشیاں اُن کو نہیں کہا گیا۔ بلکہ ایک سفلی بہشت قرار دیا گیا ہے۔ جو اندر اور دوسرے دیوتاؤں کا بہشت کہلاتا ہے جنکی پرستش سے کرشن پُرزور الفاظ میں روکتا ہے۔ اسلئے یہ خوشی سچی بہشتی خوشی نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسکو نجات کہا جا سکتا ہے۔ اس قسم کی عارضی خوشیوں کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے لئے ہم پھر گیتا کی طرف رجوع کرتے ہیں "تین مقدس کتابوں (یعنی ویدوں) کے پیچھے چل کر اور نفسانی اغراض کی خواہش رکھ کر وہ اس چیز کو حاصل کرتے ہیں جو آتی ہے۔ اور چلی جاتی ہے۔ لیکن اپنی یقینی برکات میں صرف اُنہیں کو دیتا ہوں۔ جو خالص میری ہی پرستش کرتے ہیں۔ اور کسی دوسرے معبود کی پناہ نہیں ڈھونڈتے۔ جو عبادت سے ہمیشہ میرے ساتھ پورا تعلق رکھتے ہیں" (۹/۲۲-۲۱) اس جگہ اُن عارضی خوشیوں کی پوری کیفیت بیان کیگئی ہے۔ اگرچہ ایسے لوگ مقدس کتابوں کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ نفسانی خواہشات اور جذبات کے مطیع ہوتے ہیں وہ خدا کی پرستش نہیں کرتے۔ بلکہ دوسرے دیوتاؤں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس لئے وہ گناہوں سے پاک نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ہی خدا کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہو سکتا ہے پس وہ اس حقیقی نجات تک بھی نہیں پہنچتے جو انسان کا اصلی مقصد ہے۔ انکی خوشی ایسی ہے جو آتی ہے۔ اور چلی جاتی ہے۔ اور اسلئے اسے اس آسمانی خوشی سے کوئی تعلق نہیں جو اللہ تعالےٰ کے پرستار کو اسکے پاک تعلق سے ملتی ہے۔ اسلئے یہ خوشی ایک جھوٹی تسلی ہے۔ جو جھوٹے معبودوں کے پرستاروں کو ایک وقت کے لئے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جس سے وہ جلد ہی محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ جن معبودوں پر وہ تکیہ کرتے ہیں۔ وہ خود ناچیز ہیں۔ پس اُن کی خوشیاں بھی ناچیز ہیں

پھر آگے چل کر لکھا ہے:-

"لیکن ایسے لوگ درحقیقت مجھے نہیں جانتے اور اس لئے وہ گر جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو دیوتاؤں کا اُپدیشک کرتے ہیں۔ وہ دیوتاؤں کی طرف جاتے ہیں . . . اور وہ جو خالص میری عبادت کرتے ہیں وہی ہیں جو میرے پاس آتے ہیں"۔ اور دوسری جگہ لکھا ہے۔ کہ "جو لوگ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہی دیوتاؤں کیطرف جاتے ہیں"۔ اسلئے ایسے لوگوں کی حالت جو ابھی تک اپنی خواہشات کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں نجات کبھی نہیں کہلا سکتی۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ ایک دھوکہ میں پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جس چیز کو وہ بہشت سمجھ بیٹھتے ہیں۔ وہ اصل میں دوزخ ہوتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ صریح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ "وہ خوشیاں جو ان تعلقات سے پیدا ہوتی ہیں انہیں سے تمام دُکھ پیدا ہوتے ہیں"۔

اس سے صفائی سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ کرشن کی تعلیم میں عارضی نجات ہرگز نہیں پائی جاتی۔ اس کے نزدیک نجات کے حصول کا طریق سچا اسلامی طریقہ ہے۔ ایک گنہگار آدمی بھی اپنا تزکیہ نفس کر کے نجات پا سکتا ہے۔ اور یہ ایسی تعلیم ہے جو عام ہندو عقیدہ کے جو تناسخ سے پیدا ہوتا ہے سخت مخالف ہے۔ اور اس طرح پر عقیدہ تناسخ کو جڑ سے اکھاڑنے والی ہے۔ چنانچہ گیتا میں لکھا ہے "اگر ایک بدکار بھی بدکاری کو چھوڑ کر خالص میری ہی عبادت کرتا ہے۔ تو اُسکو نیک آدمی سمجھنا چاہئے کیونکہ اُس نے حقیقت کو سمجھ لیا ہے بہت جلدی وہ راستباز انسان بن جاتا ہے۔ اور ابدی آرام کو پا لیتا ہے۔ یقیناً جان لو کہ جو شخص میری عبادت کرتا ہے۔ وہ کبھی ہلاک نہیں ہوتا۔ وہ جو مجھے اپنی پناہ بناتے ہیں۔ اگرچہ وہ گناہوں میں ہی پیدا ہوئے ہوں۔ عورتیں۔ ویش اور شودر۔ یہ سب لوگ اُس اعلےٰ مقام تک پہنچ سکتے ہیں" (ب ۹ ۳۰-۳۲) اب یہ تعلیم اصول تناسخ کو جڑوں سے کاٹتی ہے۔ کیونکہ اس کے بموجب ایک گناہگار بغیر جونوں کے چکر میں پڑنے کے نجات پا سکتا ہے۔ حالانکہ تناسخ کے رو سے یہ قاعدہ صحیح نہیں۔ اور نہ ہی عورت نجات پا سکتی ہے۔

درحقیقت ایک شخص کو جو غور سے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم پر غور کرے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کی تعلیم کا مآل اور اس کے حصول کا طریق ایک ہی ہے۔ جہانتک خدا تعالےٰ کی وحی کا سلسلہ چلتا ہے اسکی طرف سے حصول نجات کا صرف ایک ہی طریق انسانوں کو بتایا گیا ہے یعنی تزکیہ نفس اور اس کے سوائے جو کچھ طریقے لوگوں نے ایجاد کئے ہیں۔ وہ ہرگز حصول نجات کے طریقے نہیں ہر ایک نبی نے تزکیہ نفس پر ہی زور دیا ہے۔ اور اگر دنیا کی بہتری ہو سکتی ہے تو تزکیہ نفس سے ہی

ہو سکتی ہے۔ یہ عجیب اتحاد ان تمام لوگوں کی تعلیم میں جو مختلف ممالک میں اور مختلف زمانوں میں مختلف قوموں کی ہدایت کیلئے پیدا ہوئے ہیں۔ اس امر پر شاہد ہے کہ وہ ایک ہی سرچشمہ سے نکلی ہوئی ہے۔ اور وہ ایسا سرچشمہ ہے۔ جو تمام انسانی ذرائع سے بلند تر ہے۔ بعض لوگوں نے ایسی ایسی مشابہتوں سے غلط نتیجے پیدا کئے ہیں مثلاً پادری صاحبان اس کوشش میں ہیں۔ کہ یہ ثابت کریں کہ چونکہ کرشن اور مسیح کی تعلیم بعض جگہ ملتی جلتی ہے۔ اسلئے ضرور ہے۔ کہ کرشن کی تعلیم مسیح کی تعلیم سے لیگئی ہو۔ گویا ان لوگوں کے نزدیک خدا کی طاقت ایسی محدود ہے۔ کہ اپنی مرضی سوائے اسرائیلیوں کے دوسروں پر ظاہر ہی نہ کر سکتا تھا اور پھر اس اظہار کا ذریعہ سوائے یسوع مسیح کے اور کسی کو بنا ہی نہ سکتا تھا۔ لیکن اگر یہ استدلال صحیح ہے۔ تو پھر کوئی کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ مسیح کی تعلیم کرشن سے لی گئی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے ہر ایک قوم کے پاس ہدایت بھیجی اور ہر ایک قوم کو وہ راہ دکھایا جو اسکی کامیابی اور خوشحالی کا راہ تھا۔ کیونکہ اگر اللہ تعالےٰ خود اُن کو یہ راہ نہ بتاتا تو وہ کبھی وحشت کیحالت سے نکل ہی نہ سکتے۔ اسی الٰہی قانون کے مطابق کرشن ہندوؤں کی طرف مبعوث ہوئے۔ اور اُنہوں نے اُن لوگوں کو وہی تعلیم دی۔ جو دوسرے انبیاء نے اپنی اپنی قوموں کو دی۔ یعنی اللہ تعالےٰ کی مرضی اور ارادے کے کامل طور پر نیچے ہو کر چلنا۔ نفسانی خواہشات اور جذبات کو دبانا اور تزکیہ نفس کرنا۔ یہی تعلیم کرشن کی گیتا میں موجود ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اس تعلیم میں مرور زمانہ سے غلطیاں ملگئی ہیں۔ اور ضروری بھی تھا کہ ایسا ہوتا۔ کیونکہ یہ قبل از وقت بتایا گیا تھا۔ کہ جب اس سچی تعلیم کو لوگ بھول جاوینگے۔ اور اَور اَور راہیں اختیار کرلینگے تو کرشن کا بروز پھر آخری زمانہ میں ان غلطیوں کی اصلاح کیلئے ظاہر ہوگا۔ سو خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا ہے۔ مبارک وہ جو اسکو پہچان کر سچی راہ کو اختیار کریں۔ اور دائمی خوشحالی کے وارث ہوں +

بعض مسلمان بھی جلد بازی سے عیسائیوں کیطرح اس امر سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ کہ کرشن نبی تھا یا ہندوؤں میں بھی کوئی نبی آیا ہو۔ حالانکہ قرآن شریف میں صریح الفاظ میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہم ہر ایک امت میں نذیر بھیج چکے ہیں۔ اور یہ بھی قرآن کریم نے صاف فرما دیا ہے۔ کہ ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں نہیں۔ اب جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ایک قریب کے زمانے میں کس طرح عیسائیوں نے مسیح کی تعلیم کو بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنا دیا۔ یہانتک کہ اُس تعلیم کے رو سے وہ نعوذ باللہ خدا کے سچے نبی بھی نہیں ٹھیر سکتے تو پھر یہ کونسی بعید از قیاس بات ہے کہ کرشن کی تعلیم میں بعض غلطیاں پیچھے سے ملا دی گئیں۔ اور جہلا نے اُسے خدا سمجھ لیا۔ کیونکہ جب ہم انکی تعلیم

کے بڑے حصہ کو جو نجات کے متعلق ہے دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ تعلیم خدا کی طرف سے ہے
جس قدر فقرات اس تعلیم کے اوپر نقل کئے گئے ہیں ان سے بخوبی یہ بات ثابت ہوتی ہے اور
اگر ضرورت ہوئی تو آئندہ پھر ہم اس مضمون پر لکھینگے ۔

مسلمانوں کی مہذب پارٹی

اس مضمون کا عنوان کسی قدر مغالطہ میں ضرور ڈالتا ہے۔ مگر چونکہ اس سے بہتر نام تجویز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ہم اسی نام کو اختیار کرتے ہیں۔ جو ہمارے بعض مہذب بھائیوں نے اپنے لئے پسند کیا ہے۔ اس جگہ مسلمانوں کی مہذب پارٹی سے ہماری مراد ملک کے کل تعلیم یافتہ مسلمان نہیں۔ اور نہ ہی اس جماعت کا بڑا حصہ مراد ہے۔ بلکہ وہ معدودے چند تعلیم یافتہ اصحاب ہیں جو انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ اور جو موجودہ مسلمانوں سے الگ ہوکر اپنے لئے ایک نیا فرقہ بنانیکی تجویز کرتے ہیں۔ اس نئے فرقہ کے بنانے میں ان اصول کی پابندی مدنظر رکھی گئی ہے جو غلطی سے موجودہ مغربی تہذیب کے اصول اور بڑے بواعث سمجھ لئے گئے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ اصل وجہ اس علیحدگی کی زمانہ حال کے اکثر مسلمانوں کی جہالت اور توہم پرستی ہے جس سے خود بخود طبیعتیں متنفر ہونے لگی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی سے مذہبی دائرے پر اس نئی تحریک کے حملے بیجے اور صحیح اصول پر مبنی نہیں ہیں۔ جن کا اصل باعث کسیقدر تو مذہبی اصول سے ناواقفیت ہے۔ اور کسیقدر جھوٹے مذہبی پیشواؤں کی قابل نفرت حالت۔ مذہب کی آڑ میں جو سیاہ کام کئے جاتے ہیں انہوں نے بعض طبیعتوں پر اتنا اثر کیا ہے۔ کہ ان کو مذہب کے نام سے متنفر کردیا ہے۔ اور اس طرح پر توسط کو چھوڑ کر وہ ایک حد سے دوسری حد پر پہنچ گئے ہیں جھوٹے فلسفیانہ خیالات نے ایمان کو برباد کردیا ہے۔ اور اگرچہ اب تک بظاہر منہ سے عقاید اسلام کو مانا جاتا ہے۔ لیکن عملی حالت اس اقرار کو جھوٹا ثابت کررہی ہے۔

اس نئی تحریک کے لئے ابھی کوئی خاص بڑی تجویز نہیں ہوئی۔ ایک شخص تو یہ تجویز کرتا ہے کہ مسلمانوں کے بعض تمدنی امور میں جو مذہبی عقاید میں داخل ہیں اصلاح ہونی چاہئے۔ اور ان میں سے زیادہ زور تعدد ازدواج اور پردہ پر ہے۔ ایک اور شخص یہ تجویز پیش کرتا ہے۔ کہ مذہبی فرائض میں کسیقدر اصلاح چاہئے اور انکی ادائیگی کے طریق میں موجودہ زمانے کے مطابق کسی قدر تبدیلی کی جائے

گویا نماز روزہ اور حج کی شکل مل جانی چاہئے۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر ایک اور مجوز نے چند ہی روز ہوئے ہیں یہ تجویز پیش کی ہے۔ کہ قرآن کریم کا وہ حصہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مدینہ منورہ میں نازل ہوا تھا منسوخ سمجھنا چاہئے۔ اس نئی تجویز کے مطابق قریباً کل کی کل اسلامی شریعت کو جواب ملتا ہے۔ یہ سب ابھی تک فرداً فرداً تجاویز ہو رہی ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ عام مسلمانوں کے نزدیک یہ سب تجاویز مکروہ اور قابل نفرت ہیں۔ انہیں میں سے بعض اصول کی بنا پر ایک نیا فرقہ بنانے کی تجویز بھی خالی ایک ہی آدمی کی تجویز ہے۔ اور جہانتک ہمیں علم ہے اس صدا کا کسی طرف سے ان میں جواب نہیں ملا۔ ان سب تجاویز کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں میں اصلاح کر کے ان کو تہذیب کے معراج پر پہنچایا جاوے۔ ہمارے خیال میں ان تجاویز کے پیش کرنے والوں کو سخت غلطی لگی ہے اس تحریک میں سب سے بڑی حیرت انگیز بات یہ ہے۔ کہ جو لوگ ان تجاویز کو پیش کرتے ہیں جن کو وہ مسلمانوں کی تہذیب کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں۔ وہ خود ان تجاویز پر عمل کرنے سے قاصر ہیں اور اس طرح پر وہ چیز جس کی ایک قوم کی اصلاح کے لئے سب سے بڑی ضرورت ہے۔ یعنی عملی حالت کا علمی حالت کے مطابق ہونا وہی مفقود ہے۔ اور مہذب پارٹی کا یہ خاصہ ہی ہمیں شروع میں ہی مایوس کر دیتا ہے۔ کہ انکی پیش کردہ تجاویز سے کبھی مسلمانوں کی اصلاح ہو سکے۔ ممکن ہے کہ ہمارے اس ریمارک سے ہمارے دوست ناراض ہو جاویں۔ لیکن اگر وہ غور سے اپنی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو ان کو معلوم ہو گا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس کے کرنے میں کہانتک قاصر ہیں۔ اس جگہ تفصیل کی حاجت نہیں۔ اور تفصیل سے شاید وہ رنجیدہ بھی ہوں۔ اسلئے ہم صرف ان تجاویز کو لیتے ہیں جن پر آجکل بہت زور دیا جا رہا ہے۔ انمیں سب سے پہلی تجویز یہ ہے۔ کہ نماز ایسی زبان میں ادا کیجاوے جس سے نماز پڑھنے والا واقف ہو۔ اور اسکو مہذب سوسائٹی کے لئے نہایت ضروری اصول قرار دیا جاتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آیا اس اصول پر عمل بھی ہوتا ہے۔ آیا وہ لوگ جو اس اصول کو پیش کرتے ہیں نماز سے سچی محبت رکھتے ہیں۔ اور اسکی پوری عزت کرتے ہیں۔ لیکن وہ صرف اتنی بات کو ہی پسند نہیں کرتے کہ نماز ایک ایسی زبان میں پڑھی جاوے جس سے ہم واقف نہیں۔ اس سوال کو ہم اور بھی کھول کر پیش کرتے ہیں۔ کیا مہذب پارٹی کے ممبر واقعی نمازیں پڑھتے ہیں عربی میں نہ سہی انگریزی یا اردو ہی میں سہی؟ حقیقت یہ ہے اور ہم امید کرتے ہیں۔ کہ ہمارے مہذب بھائی اسکے بیان کرنے میں ہمیں مجبور سمجھینگے کہ ان کو کسی خاص زبان سے نفرت نہیں جسمیں نماز ادا کیجاوے بلکہ خود نماز سے ہی نفرت ہے۔ کیونکہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ اعلےٰ تعلیم کے ایسے پُر جوش

حامی ہوں وہ یہ پسند کریں کہ مسلمان بالخصوص عربی زبان سے ناواقف رکھے جاویں۔ کیا کوئی خاص وجہ بتلائی جاسکتی ہے۔ کہ جس صورت میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ہمیں اپنی تمام زندگی انگریزی تعلیم کے حصول میں وقف کر دینی چاہئے۔ کیوں عربی کو بالخصوص ہمارے تعلیمی کورس میں سے قطعی طور پر الگ کر دینا چاہئے ہم یہ نہیں کہتے کہ انگریزی تعلیم نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ ضرورت یہ ہے۔ کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ عربی زبان اور علم ادب میں بھی مسلمانوں کو ترقی کرنی چاہئے۔ اور جس طرح پر انگریزی اُن کے واسطے لازمی سمجھی جاتی ہے اسیطرح عربی بھی لازمی سمجھی جانی چاہئے۔ اگر انگریزی زبان میں علوم کے خزانے ہیں تو اُن سے بھی زیادہ وسیع خزانے عربی زبان میں موجود ہیں۔ جنکو دریافت کرنا اور جن سے فائدہ اٹھانا ہمارا فرض ہے +

لیکن اصل مضمون سے ہم دور چلے گئے ہیں۔ اصل غرض ہماری یہ ہے۔ کہ ان تجاویز کے موید وں کو پہلے خود ان تجاویز پر عمل کر کے دکھلانا چاہئے۔ انہیں ہم پر یہ ثابت کر دینا چاہئے۔ کہ وہ نماز سے واقعی اور سچی محبت رکھتے ہیں۔ اور صرف اسیقدر چاہتے ہیں۔ کہ نماز اُس زبان میں ادا کی جاوے جس کو وہ جانتے ہیں۔ اسی طرح پر پردہ کے دور کرنے کے لئے بہت شور ڈالا گیا ہے۔ لیکن کیا کوئی ایسا بہادر بھی ہے۔ جس نے اس پر عمل کر کے دکھلایا ہو۔ یہ ہم اسلئے نہیں کہتے کہ ایسی مثالوں کی قائم ہونے سے مسلمانوں کی کسی بہتری کی امید ہو سکتی ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ پردہ کے دور کرنے سے جس سے ہماری مراد وہ پردہ ہے جو اسلامی شریعت نے تجویز کیا ہے نہ اُس کا موجودہ تشدد۔ مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچیگا جیسا کہ آجکل کی تہذیب کے معراج پر پہنچی ہوئی ایک قوم کو اسی وجہ سے سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اگر یہ سمجھا جاوے کہ ہماری رائے اس معاملہ میں متعصبانہ ہے۔ یا واقعات پر مبنی نہیں تو کسی عیسائی مصنف کو دیکھ لیا جاوے۔ اور وہ اس بیان کی تائید کریگا کہ اگر پاکدامنی کے معاملہ میں یوروپ کی سوسائٹی سب سے نیچے نہیں تو کم از کم وہ اوپر تو ضرور نہیں۔ بوسانقٹ نے چند سال ہوئے فنسبری میں ایک لکچر عیسائی تہذیب پر دیا تھا۔ جس میں اُس نے اسی حقیقت کو جس کا سوائے اندھے متعصبوں کے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ "میں پرہیزگاری اور پاکدامنی کے مقابلہ کو اس وقت نہیں لیتا۔ کیونکہ اگر ان لوگوں میں سے جو عیسائیت کے منکر ہیں کوئی ایسی قوم ہے جو ان دو معاملوں میں ہم سے بھی بُری ہے تو وہ درحقیقت بہت ہی بری قوم ہونی چاہئے"۔ اسی طرح عیسائی مذہب کا ایک ایسا بڑا عہدہ دار جیسا کہ کنٹربری کا لاٹ پادری جو درحقیقت سب سے بڑا عہدہ دار ہے اقرار کرتا ہے۔ کہ لنڈن کے بازار نوجوانوں اور ناتجربہ کاروں کے

اُنہوں نے ان سب باتوں کو تسلیم کر لیا۔ کیونکہ قرآن کریم پر ایمان لانے سے یہ سب باتیں اُن کو ماننی پڑیں کہ پہلے ہم نے معجزات بھی دیکھے تھے۔ ان کو سحر بھی کہا تھا اور جھٹلایا بھی تھا۔ غرضیکہ کسی پہلو سے سوچا جاوے قرآن کریم بآواز بلند پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کفار کو معجزات دکھائے۔ اور قرآن کی طرف معجزات کا انکار منسوب کرنا سراسر غلطی ہے *

ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ نشان دو قسم کے ہوتے ہیں ایک رحمت کے نشان اور خوشخبری کے نشان دوسرے عذاب کے نشان اور تخویف کے نشان۔ قرآن کریم کو پڑھنے سے یہ تقسیم صاف معلوم ہوتی ہے چنانچہ نبی کا نام بشیر اور نذیر رکھنا بھی اسی امر پر شاہد ہے۔ یعنی وہ خوشخبری بھی دیتا ہے۔ اور ڈراتا بھی ہے۔ اب واضح ہو کہ نبی کا خوشخبری دینا اور ڈرانا محض آخرت تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ اس کے آثار ابھی دنیا سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ تا آخرت کے وعدوں کی نسبت حق الیقین حاصل ہو جائے۔ دنیا میں ایک گروہ کو جو نشانات الٰہی کا مصدق ہو جاتا ہے کامیابی اور خوشحالی کے وعدے ہوتے ہیں۔ اور دوسرے گروہ کو جو ان نشانات کی تکذیب کرتا ہے ہلاکت اور ناکامی اور نامرادی سے ڈرایا جاتا ہے۔ پس جب یہ ہر دو گروہ ان ہر دو وعدوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ لیتے ہیں تو ان کے ایمان آخرت کے وعدوں اور وعیدوں پر حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں اور وہ پوری بصیرت سے دیکھ لیتے ہیں۔ کہ ایسا بشیر اور نذیر اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ اُسی خدا کا بلایا بول رہا ہے۔ جو کامل علم اور کامل طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب کفار نے ناکامی پر ناکامی دیکھ کر آخر خدا کے بڑے وعدے کو فتح مکہ پر پورا ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو اُنہوں نے یقین کر لیا کہ جن معجزات کو وہ جھٹلاتے تھے یا جن پر وہ ہنسی کرتے اور ان کو سحر کہتے تھے وہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہی تھا۔ اس میں شک نہیں کہ معجزات کے ساتھ ایک باریک رنگ اخفا کا لگا ہوا ہوتا ہے۔ اور بعض وقت ان میں دھوکے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے۔ کہ ایک چالاک آدمی محض اپنی چالاکی سے معجزہ کے رنگ کا کوئی کرتب کر دکھاوے۔ اسلئے کامل تسلی اور کامل یقین اُسی نشان سے حاصل ہوتا ہے جو خود انسان کے اوپر وارد ہو۔ سو مومن پر یہ نشان رحمت الٰہی کے رنگ میں وارد ہوتا ہے۔ اور کافر پر عذاب کی صورت میں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان معجزات کی تفصیلوں کو بیان کرنا غیر ضروری سمجھا ہے جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے رہے۔ اور اس ایک نشان کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم الشان کامیابیوں اور فتوحات کے متعلق تھا۔ اور کافروں کی ناکامی اور ذلت کے متعلق بوضاحت تمام

جس کو ان کا نتیجہ کہا جاتا ہے تعلق کیا ہے ثابت تو یہ کرنا چاہئے تھا کہ ایسے امور مثلاً تعدد ازدواج پردہ اور طلاق تمام زمانوں میں اور ہر ایک قسم کے حالات کے ماتحت ان لوگوں کے زوال کا موجب ہیں جن کے درمیان وہ رائج رہے ہیں یا اور ایسا ہی ہر زمانہ میں انکی عدم موجودگی تہذیب کی ترقی اور علوم وفنون کی ترقی کا موجب ہوتی رہی ہے یہ بھی ثابت کرنا چاہئے تھا کہ جہاں کہیں دو قومیں ہوں تعدد ازدواج اور پردہ کی رسوم کے باقی سب معاملات میں ایک ہی حالات کے ماتحت تھیں تو ان امور کے ہونے نے ایک قوم کی ترقی کو روکا اور انکی نہ ہونے کے سبب سے دوسری قوم واقعی ترقی کے معراج پر پہنچ گئی۔ اس قسم کی مثالیں اور اس قسم کے واقعات اگر کوئی ہے تو پہلے اکٹھے کئے جاتے اور پھر انکی بنیاد پر ایسا نتیجہ نکالا جاتا۔ جو ایسے بغیر تحقیق کے نکالا گیا ہے۔ اگر ایسی کوشش کیجاتی تو معلوم ہو جاتا کہ یہ امور کسی طرح پر مسلمانوں کے موجودہ زوال کا موجب نہیں۔ اور یہ بڑی بھاری غلطی ہے کہ ان کے ہونے کو مسلمانوں کے زوال کا موجب اور ان کے نہ ہونے کو عیسائی قوموں کی ترقی کا موجب قرار دیا جائے۔ کیونکہ یہ طریق اختیار کرنے سے ترقی کے اصل وجوہات الگ کے الگ رہ جاتے ہیں اور ایسے حالات سے الزام قرار دیا جاتا ہے جن کے ساتھ اُسے قطعاً کچھ تعلق نہیں۔ یہ خیال جو ہمارے مہذب دوستوں کو سوجھا ہے ان یورپین مصنفوں کو کبھی نہیں سوجھا جنہوں نے مغربی تہذیب پر بڑی تحقیق سے ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ بعض یا مثلاً انکی ساری ترقی تعدد ازدواج اور طلاق کے نہ ہونے کے سبب سے ہوئی ہے۔ اگر واقعی یہ خیالات ایک ترقی یافتہ قوم کے خیالات میں تو یورپ ضرور اب تک جہالت کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ یہ ایک الگ امر ہے کہ یورپین لوگوں کو اسلام میں تعدد ازدواج کے جائز ہونے پر اعتراض ہے لیکن کسی نے کبھی ایسا خیال نہیں کیا کہ تعدد ازدواج کے نہ ہونے کے سبب سے ہی یورپ نے مادی دنیا میں یہ عظیم الشان ترقی کی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر اس دلیل کو صحیح مان لیا جاوے۔ کہ اسلام کے زوال کا موجب تعدد ازدواج وغیرہ ہی ہیں تو پھر اس بیان کو بھی صحیح ماننا پڑیگا۔ کہ خنزیر اور شراب اور جوا کی مخالفت سے اور خدا کے انسان ہو جانے کے عقیدہ کو رد کرنے سے ہی مسلمانوں پر یہ تنزل آیا ہے۔ اور ان امور کا جواز اور ایسا ہی ایک انسان کے خدا ہونے کا عقیدہ مغربی تہذیب کے معراج پر پہنچنے کے باعث ہوئے ہیں۔ اور پھر ہمارے تہذیب یافتہ بھائی مسلمانوں کے آگے یہ تجویز پیش کرنے کیلئے تیار ہونگے۔ کہ ان غیر ضروری روکوں کو دور کرنا چاہئے جیسا کہ اب وہ یہ تجویز پیش کرتے ہیں۔ کہ تعدد ازدواج اور طلاق کی غیر ضروری اجازت کو دور کرنا چاہئے ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے مہذب بھائیوں کی دانشمندی نے کیسا غلط پہلو اختیار کیا ہے ؛

اگر کوئی شخص اسلام اور عیسائیت کی تاریخ کو مطالعہ کریگا۔ تو اِن دونوں مذہبوں کی ترقی میں ایک امر بالخصوص اُس کو حیرت میں ڈالیگا۔ یہ ایک ثابت شدہ امر ہے۔ کہ عیسائی مذہب اُس وقت پیدا ہُوا جب رومیوں کی تہذیب جو اُس وقت کی تہذیبوں میں سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ اپنے معراج پر تھی اور ایسا ہی یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ انہی رومیوں کے درمیان ہی عیسائیت کو اپنی پہلی فتوحات حاصل ہوئیں۔ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ عیسائی عقیدہ کے بڑھنے اور پھیلنے کے ساتھ رومی تہذیب میں آہستہ آہستہ زوال آنا شروع ہُوا۔ دوسری طرف اسلام اُن لوگوں کے درمیان پیدا ہُوا جو اُس وقت تک ایک وحشیانہ حالت میں تھے۔ اور نہ صرف اسیقدر بلکہ دُنیا کی دوسری قومیں بھی اُس وقت جہالت اور تاریکی میں غرق تھیں۔ اور قدیم دُنیا کی ہر ایک تہذیب زوال پذیر ہو چکی تھی۔ اور اس امر کے ماننے سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلام کی ترقی کے ساتھ تہذیب کا ایک نیا دن دنیا پر چڑھا۔ اس کا پاک اثر نہ صرف عربوں پر ہی پڑا بلکہ اُس نے اُن تمام قوموں کی حالت کو بھی بدل دیا جن کے درمیان یہ قائم ہُوا۔ اس طرح پر ایک عجیب فرق ان دو مذہبوں کی ترقی میں معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح پر اُن دونوں نے الگ الگ اثر اُن قوموں پر ڈالا جنہوں نے اُن کو اختیار کیا۔ ایسا ہی ایک اور ضروری سلسلہ واقعات کا بھی نظر آتا ہے۔ یعنی یہ کہ جبتک عیسائی عقاید عروج پر رہے عیسائی قومیں وحشت کی ظلمت میں ڈوبی رہیں۔ لیکن جب اس مذہب کے خاص عقائد کا رعب دلوں پر سے جاتا رہا۔ اور اُن میں زوال آنا شروع ہُوا تو پھر عیسائی قوموں نے تہذیب کی روشنی سے حصہ لیا۔ اگر غور سے دیکھا جاوے تو عیسائی دنیا نے جو پُرانی تہذیبوں پر ترقی دکھلائی ہے۔ وہ گذشتہ صدی میں ہی اُن کو حاصل ہوئی ہے۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جبکے اندر عیسائی عقاید کو سخت صدمات پہنچے ہیں۔ اور عیسائی مذہب کا زوال شروع ہوا ہے۔ اب اِن واقعات کے بالمقابل یہ امر غور طلب ہے کہ مسلمانوں کی تہذیب میں ٹھیک اس وقت زوال شروع ہوا جب مسلمانوں نے اسلام کے اصول کو چھوڑ دیا۔ اور یہ واقعہ ہم اُن تمام ممالک میں دیکھتے ہیں جہاں مذہب اسلام کو غلبہ حاصل رہا تھا۔ اور جن ممالک کو اسلام نے ترقی کے معراج پر پہنچایا تھا +

اب یہ بالمقابل واقعات کا سلسلہ ایسے امور پر مبنی ہے جن سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اس مقابلہ سے وہ اصلی اور ضروری فرق ظاہر ہوتا ہے جو اسلامی اور عیسائی تہذیبوں میں ہے۔ یہ ایک اتفاقی امر نہیں کہ عیسائیت کی ترقی کے ساتھ تہذیب کا زوال شروع ہوا یا یہ کہ عیسائیت کے زوال کے ساتھ تہذیب کی ترقی شروع ہوئی۔ اور نہ ہی یہ واقعہ نظر انداز کرنے کے قابل ہے۔

کہ اسلام کی ترقی کے ساتھ تہذیب نے ترقی کی۔ اور اس کے اصول کا اثر کم ہونے کے ساتھ تہذیب میں زوال شروع ہوا۔ یہ کہنا کہ مسلمانوں کی تہذیب اپنی رفتار میں ایک خاص مقام پر پہنچ کر اسلئے ٹھیر گئی کہ اسلام کے اصول کے اندر ہی کچھ نقص تھا بالکل جھوٹ ہے مسلمانوں کی تہذیب کا ایک خاص مقام پر ٹھیر جانا یا اُس میں زوال کا شروع ہو جانا ہرگز اس سبب سے نہیں ہوا کہ اسلام کے اصول کے اندر یا اُسکے قائم کردہ رواجوں کے اندر کچھ نقص تھا۔ بلکہ اصل سبب اس زوال کا جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے۔ کہ اُن اصولوں پر جو اسلام نے سکھلائے تھے عمل چھوڑ دیا گیا۔ اور اُن رواجوں کو جو اُس نے قایم کئے تھے بُرے طور پر استعمال کیا گیا۔ اور اس طرح پر وہ تحریکیں جو ابتدا میں تہذیب کی ترقی کا باعث ہوئی تھیں مسلمانوں کے درمیان سے اُٹھ گئیں۔ الغرض یہ فرق جو اِن دو مذہبوں کے اصولوں کی ترقی و تنزل میں پایا جاتا ہے اس وجہ سے ہے۔ کہ ان اصولوں کا انسانی حرکت و انسانی تہذیب کے بواعث پر ایک خاص اثر ہے۔ غور کی نظر سے معلوم ہوگا کہ ان دو مذہبوں کے اہم اصولوں میں بڑا فرق یہ ہے۔ کہ موجودہ عیسائی عقاید نے جو معلوم ہوتا ہے کہ یسوع مسیح کی موت کے کچھ وقت بعد تجویز کئے گئے عیسائی قوموں کو توہم پرست زُود اعتقاد علم سے متنفر سُست اور ناقابل ترقی بنا دیا۔ اور اسلام کے اصولوں نے جیسا کہ اُس کے مُقدّس بانی نے سکھائے تھے اُس کے پیرووں میں کام کرنے اور ترقی کرنے کے لئے ایک تحریک پیدا کی۔ اور تحقیق کی رُوح اُن میں پھونکی اور علوم کے ساتھ محبت پیدا کی۔ ان دعاوی کی تائید اِن دونوں قوموں کی تاریخ سے کافی طور سے ہوتی ہے۔ اور ہماری سمجھ میں یہی اُنکی سچائی کا کافی ثبوت ہے۔ لیکن اب ہم ان عقاید اور اصول کو پیش کرکے یہ بھی دکھاتے ہیں۔ کہ اُن سے ان لوگوں کے درمیان جو ان کے پیچھے چلیں کس قسم کی روح کے پیدا ہونے کی توقع ہو سکتی ہے +

عیسائیت کا سب سے بڑا عقیدہ یا یوں کہنا چاہئے کہ مذہب عیسائیت کی بُنیاد مگر نہ اُس عیسائی مذہب کی جو مسیح نے سکھایا بلکہ پولوس نے تجویز کیا اور جو آجکل سکھلایا جاتا ہے اس مذہب کی جڑھ کفارہ ہے جس کو خواہ کسی رنگ میں بیان کیا جاوے۔ اور کسی طرح سے ہیر پھیر کرکے اسکی تشریح کیجائے اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ عام عیسائیوں کے نزدیک اس سے بڑھکر کوئی معنے نہیں رکھتا۔ کہ اُن کا بوجھ کسی دوسرے نے اٹھا لیا ہے۔ یہ کفارہ جس کے رو سے ایک کے فرائض کی ادائیگی دوسرے پر جا پڑتی ہے ضرور تھا کہ انسانی حرکت پر جو ترقی کیطرف

ہونی چاہئے ایک مُردگی کا اثر پیدا کرتا کیونکہ اس کے رو سے انسان کو یہ ضرورت باقی نہیں رہتی کہ وہ خود کوئی کام کرے۔ اور جو جو فرائض اُسکے متعلق تھے ان سب کے متعلق یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ دوسرے نے ادا کر دیئے۔ اس عقیدہ پر ایمان رکھ کر ایک آدمی خیال نہیں کرتا کہ اس کا یہ فرض ہے کہ اپنی یا اپنی قوم کی بہتری کے لئے کچھ کام کرے۔ بلکہ اس کے نزدیک جو کچھ انسانی بہتری کے لئے ہوسکتا تھا وہ سب یسوع مسیح کر چکا ہے۔ اس طرح پر کفارہ نے انسانی ترقی کی حرکت کو بالکل ٹھہرا دیا اور تمام انسانی قوٰے کو کُند کر دیا۔ ایسا ہی تثلیث کی راز نے جس پر عیسائی عقیدہ کے موافق ایمان لانا ضروری تھا علوم کے دروازہ کو بند کر دیا۔ کیونکہ کوئی شخص اس راز کے نزدیک نہ جا سکتا تھا اور ہر ایک عیسائی کا فرض تھا کہ وہ بن سمجھے دور سے ہی اس کی تعظیم کرے۔ اس طرح پر دلائل کا دروازہ بند کیا گیا۔ اور تنقید کے قوٰے کو اپنے کام سے رکنا پڑا۔ کیونکہ ان کے استعمال سے کفر تک نوبت پہنچتی تھی۔ عیسائیت کے سیدھے سادے اور معقول اصول کی تعلیم نہیں دی بلکہ اس کے یسوع کی خدائی اور تثلیث اور کفارہ کے عقائد نے عقل کو سر سے جواب دیا اور ایک ایسی علمی تاریکی میں عیسائی قوموں کو غرق کر دیا جس سے وہ کئی صدیوں کے بعد اس وقت باہر نکلیں جب علم کی روشنی اسلام کے منارہ پر بلند ہوئی۔ علاوہ ازیں انجیلی تعلیم کا فلسفہ خواہ وہ ایک خاص قوم اور اس میں بھی ایک خاص زمانہ کیلئے کیسا ہی موزون کیوں نہ ہو کسی مہذب سوسائٹی کی بنیاد نہیں ہوسکتا تھا۔ درحقیقت اگر کوئی سوسائٹی انجیلی تعلیم کے اصول پر عمل کرے تو وہ یقیناً برباد ہو جائیگی۔ اور نہ ہی انسانی افراد اس تعلیم پر عمل کر کے سوسائٹی کے مفید ممبر ہو سکتے ہیں "شر کا مقابلہ مت کرو"۔ ایک مفید اصلاح ہوسکتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تمام حالتوں کے ماتحت اس پر عمل کرنا چاہئے۔ مثلاً کیا ایک آدمی کو چاہئے کہ جب کوئی اُسکی عورت پر حملہ کرے یا اُسکے دوست کو قتل کر رہا ہو یا اُس کے مال کو چرا رہا ہو تو وہ خاموشی سے دیکھتا رہے اور کچھ نہ کرے۔ پس اس قسم کے اصول خواہ وہ اخلاقی طور پر کیسے ہی اعلے درجہ کے معلوم ہوں کسی قوم کو تہذیب کے معراج پر نہیں پہنچا سکتے۔

ایک طرف تو کفارہ کا انسانی ترقی کی حرکت پر یہ اثر ہوا کہ اس نے اس حرکت کو بالکل روک دیا اور دوسری طرف جو کچھ اس کے حامیوں کی پولیٹیکل حالت یا ذہانت تھی اُس کو اس طرف لگا دیا کہ بیفائدہ طور پر یسوع مسیح کی اس کام کے لئے حد سے زیادہ تعریفیں شروع کر دیں۔ جس نے فرضی طور پر اپنی موت کے ساتھ انسانی نسل کو نجات دی تھی۔ یہی ایک مضمون تھا جو

اس زمانہ میں عیسائی سوسائٹی کی تمام توجہ کو مبذول کر رہا تھا۔ ایک شخص کے دل میں اس خیال کے آنے کا کہ یسوع مسیح میرے گناہ لیگیا ہے۔ خواہ وہ دراصل پہلے سے بھی بڑھ کر موجود ہوں یہ اثر ہوتا تھا کہ اس اطمینان کے سبب سے اُسکے خیالات میں ایک سکون کی حالت پیدا ہو جاتی۔ اور ان بیہودہ طرح سرائیوں سے کہ ایک شخص کے ایک ہی فعل سے دُنیا کے تمام گناہ مٹ گئے ہیں ترقی کی حرکت کی بجائے ایک اس قسم کا خیال پیدا ہو گیا جس نے کام سے روک دیا۔ اور اس طرح پر عیسائی سوسائٹی کو بے حرکت اور کاہل بنا دیا یہی وجہ تھی کہ جبھی کہ عیسائیت نے رومی سلطنت میں قوت حاصل کی۔ تو اُن لوگوں کی تہذیب میں زوال شروع ہو گیا۔ یہانتک کہ آخرکار روشنی بجھ کر تمام یوروپ جہالت اور کام سے بے اعتنائی کی تاریکی میں غرق ہو گیا۔ جس میں سے آہستہ آہستہ اُس نے اُسی وقت نکلنا شروع کیا جب اسلامی تہذیب نے دُنیا میں ایک نئی روشنی جلادی تھی۔ اور آخرکار جب اُس کفارہ کو جو پولوس نے سکھایا تھا عیسائی اقوام نے خیرباد کہدیا۔ تو ان اقوام کی کل طاقت جو اب قید سے آزاد ہو گئی حرکت میں آئی۔ اور وہ حیرت انگیز ترقی پیدا کی جو ہم آج دیکھتے ہیں +

اسلام کی ترقی نے دنیا میں الگ قسم کے حالات پیدا کئے۔ اسکی پیدائش کے وقت کل دنیا کیا بلحاظ تمدن کے اور کیا بلحاظ اخلاق کے جہالت اور وحشت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور اس کے ظہور کے ساتھ علم اور تہذیب کی مشعل پھر روشن ہوئی جو دنیا کو اپنی روشنی اس وقت تک پہنچاتی رہی جبتک کہ اسلام کے سچے اصول کی پیروی ہوتی رہی۔ اور جب وہ بھلا دئے گئے اور کام اور حرکت کی بجائے پھر سُستی اور بیحرکتی پیدا ہو گئی تو اُس روشنی میں بھی تاریکی آنی شروع ہوئی۔ حقیقت میں اسلام کا سب سے زیادہ ضروری اور سب سے پہلا اصول وہ ہے جو کفارہ کی جڑھ کاٹتا اور اس طرح پر سستی اور غفلت کو دنیا سے دور کرتا ہے اور وہ ہے کام۔ یہ امر صرف اُس حیرت انگیز ترقی ہی سے ثابت نہیں جو پہلے مسلمانوں نے کی۔ بلکہ اسلام کی تعلیم پر غور کرنے سے بڑی صفائی سے یہ کھُل جاتا ہے۔ کہ اُن اصول میں کام کرنا روح ہے یہی ابتدائی اسلامی دنیا میں ترقی کو حرکت دینے والا تھا۔ قرآن کریم نے صاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ انسان کی بہتری اور سوسائٹی کی بہتری اسی میں ہے کہ انسان خود کچھ کرے۔ چنانچہ ایک طرف تو وہ یسوع کی موت سے کفارہ کے عقیدہ کو ان الفاظ میں جڑھ سے کاٹتا ہے کہ "لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ"۔ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اور اس طرح پر ہر ایک شخص کو یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ وہ اپنی نجات کے لئے خود ہی کام کرے۔ اور اُن کو کام کی ترغیب دے کر کاہلی اور بیکاری کی جڑھ کاٹتا ہے۔ اور دوسری طرف پر ان الفاظ میں ہر ایک انسان کو خود سعی کرنے کا

یوں حکم فرماتا ہے۔" ان لیس للانسان الا ما سعی وان سعیہ سوف یری[1]"۔ یعنے انسان کو کوئی چیز فائدہ نہیں دے سکتی ہے مگر وہی جو وہ خود کوشش کرے۔ اور جو خود کوشش کریگا۔ وہ اپنی محنت کا پھل بھی پالیگا۔ ایسا ہی جہاں جہاں قرآن شریف میں ایمان کا ذکر ہے وہاں اعمال کی ساتھ شرط ہے۔ اس طرح پر نہایت صاف الفاظ میں حکم دیکر مسلمانوں کو کام پر لگایا گیا۔ اور جب تک اسلامی دُنیا ان لفظوں پر کاربند رہی وہ تمام قوموں میں سب سے اوپر شمار ہوتی رہی۔ اور اُن کے لئے بطور ایک ہادی اور رہنما کے کام کرتی رہی۔ مگر جب مرور زمانہ سے یہ الفاظ بُھلا دئیے گئے۔ اور مسلمان کچھ سُستی اور بیکاری میں ڈوب گئے تو اُنہوں نے اپنی جگہ کھودی اور قرآن کریم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ترقی کے معراج سے گر گئے +

یہ سُستی آج تک اسلام میں چلی جاتی ہے۔ اور زیادہ تر افسوس کی بات یہ ہے۔ کہ یہ اُن لوگوں سے بھی دُور نہیں ہوئی جو تہذیب یافتہ ہونے کے مدعی ہیں۔ یہ ایک لمبی نیند تھی جس میں اسلامی دُنیا اس وقت پڑ گئی جبکہ اُس نے اسلام کے پاک اصول پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور بدقسمتی سے وہ لوگ جو سب سے پہلے اس نیند سے جاگے مغربی تہذیب کی ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر اُن کی آنکھیں چُندھیا گئیں۔ اور وہ اصل حقیقت کو نہ دیکھ سکے۔ اور اس تہذیب کے غلط وجوہات قرار دیکر ایک نئی غلطی میں مُبتلا ہو گئے۔ اگر وہ آہستہ سے اور ٹھنڈے دل سے ان باتوں پر غور کرتے تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ اسلام کی ترقی کا بیج اسلام کے اصولوں میں ہے۔ اور یہ کہ عیسائی اقوام نے بھی کوئی ترقی نہیں کی جب تک کہ انہوں نے اسلام کے اُن اصولوں پر عمل کرنا شروع نہیں کیا جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ یہی وجہ گذشتہ زمانوں میں مسلمانوں کی حیرت انگیز ترقی کی اور موجودہ زمانہ میں عیسائیوں کی اعلےٰ ترقی کی ہے۔ اگر عیسائی اقوام کو آج یہ کہا جاوے کہ وہ عیسائیت کے اصول پر چلیں تو وہ بہت جلد پھر وحشت کی حالت میں گر جاوینگی۔ اور اگر مسلمانوں کو پھر آج یہ امر نصیب ہو جائے کہ وہ اسلام کے سچے اصول پر چلیں تو وہ پھر بہت جلدی تمام دنیا کی اقوام سے فوقیت لے جائینگے۔ یہ محض دل خوش کُن لفظ نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم نے واقعات کی بنا پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کے اصول ترقی کے اصول ہیں۔ اور عیسائی مذہب کے اصول تنزل کے اصول ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو ان دو مذہبوں کی رفتار میں یہ دو الگ الگ قسم کے حالات نظر نہ آتے یعنی اسلام کی حیرت انگیز ترقی اور عیسائیت کا قابل افسوس جہالت میں پڑے رہنا۔ اسلام کا دُنیا کو علوم کیطرف

متوجہ کرنا بھی اسی مذہب سے مخصوص امر ہے عیسائیت کیطرح اس نے کسی ایسے راز کی تعلیم نہیں دی جس کے نزدیک جانا ممکن نہ ہو۔ بلکہ بار بار انسانی عقل اور فکر کو متوجہ کیا۔ اور اس طرح پر ان قوے کو کام میں لگایا۔ اسلام نے سب چیزوں کی اصلیت پر غور کیا ہے۔ اور باریک بینی سے ہر ایک چیز کی تہ کو پہنچا ہے۔ کوئی بھی چیز جو درحقیقت مضر تھی اپنی ظاہری خوبصورتی کی وجہ سے اُسکو اپنی طرف نہیں کھینچ سکی۔ اور نہ ہی اُس نے کسی چیز کو جو درحقیقت مفید تھی کسی ایسے امر کے سبب سے جو بظاہر نقص معلوم ہوتا ہو چھوڑا ہے۔ ایک شخص کہہ سکتا ہے۔ کہ شراب سے طبیعت میں ایک خوشی اور روح میں ایک فرحت پیدا ہوتی ہے۔ یا یہ کہ قمار بازی کی مختلف صورتیں بہلاوٹ کا عمدہ ذریعہ ہیں لیکن اسلام ان ظاہری خوبصورتیوں سے اُن کی مفید ہونے کا قایل نہ ہوسکتا تھا۔ اُس نے انکے بُرے نتائج کو دیکھا جو آخر کار اُن سے پیدا ہونے والے تھے۔ اور یہ کہہ کر کہ " اثمہما اکبر من نفعہما " یعنے اُن کی بدی اُن کی منفعت سے بہت بڑھ کر ہے۔ ان دونوں سے منع کر دیا۔ طلاق اُن لوگوں کو اپنے غلط خیال کی وجہ سے بُری معلوم ہوسکتی ہے۔ جو نکاح کو ایک ایسا عہد سمجھتے ہیں جو کبھی توڑا نہیں جاسکتا۔ لیکن اسلام نے دیکھا کہ انسانوں کے لئے طلاق ایک نہایت ضروری چیز ہے۔ اور کہ بعض حالات کے ماتحت انسانی افراد اور انسانی سوسائٹی کے لئے یہ نہایت ہی مفید ہے۔ اور اس لئے اسکی اجازت دی۔ ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ایک خاص قوم کے خیال میں جو صدیوں سے بالکل الگ حالات کے ماتحت چلی آئی ہے بُری معلوم ہو تو ہو۔ لیکن اسلام اسبات کی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ اس کے واسطے ساری دُنیا کے منافع اور اغراض کو مدنظر رکھنا ضروری تھا نہ کہ ایک خاص قوم کے خیالات کو۔ پس جب اسلام نے دیکھا کہ تعدد ازدواج بعض بیماریوں کا ضروری علاج ہے۔ تو اُس نے بطور علاج کے اسکی اجازت دینے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ یہ بالکل غلط خیال ہے کہ اسلام میں تعدد ازدواجی قاعدہ کے طور پر ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے۔ کہ اس اجازت سے صرف خاص حالات کے ماتحت فائدہ اُٹھایا جاتا ہے +

الغرض اسلام کے اصول پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں کا تنزل ان اصول میں کسی نقص کے ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ برخلاف اس کے وہ ان اصول کو چھوڑنے کی وجہ سے ہے۔ اور بعض اُن امور کی بد استعمالی کی وجہ سے جو اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ عیسائیت کے عقیدوں کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ جہالت اور وحشیانہ حالت کا

ترقی کرنا ایک واقعہ ہے اسلام کے اصول کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ علم اور تہذیب کا ترقی کرنا ایک دوسرا واقعہ ہے عیسائیت میں ترقی کا اور تہذیب کا اس وقت سے شروع ہونا جب سے عیسائی عقاید میں تنزل شروع ہوا ایک تیسرا واقعہ ہے۔ اور ان تینوں واقعات کے ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اور جب اس امر پر غور کیا جاتا ہے۔ کہ اسلام اور عیسائیت کے اصل اصول جو ان قوموں کے لئے بطور رہنما کے تھے ایک دوسرے سے بالکل مخالف پڑے ہوئے ہیں۔ تو پھر تینوں متذکرہ بالا واقعات سے یہ چوتھا واقعہ بطور لازمی نتیجہ کے پیدا ہوتا ہے۔ کہ اسلام کی ترقی اور اس کے تہذیب کے معراج پر پہنچنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسلام کے اصول دوبارہ زندہ ہوں۔ اور مسلمان دوبارہ اُن پر قائم ہو جاویں۔ اور اس امر کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے۔ بلکہ ایک ہی وہ چیز جس کی ضرورت ہے یہ ہے کہ ایک ایسے ہادی کا ہاتھ ہو جو اس کے مقدس بانی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکے اور اُن کے اندر ایک نئی حرکت پیدا کرے۔ اور اسی کے نقش قدم پر چل کر دوبارہ ایک اُسی قسم کی قوم تیار کرے جیسی آنحضرتؐ نے کی تھی +

روحونکو امام صادق علیہ السلام کے حکم کی بجاآوری کے لئے ایک تازہ جوش سے پُر کردے اور مامور و مرسل من اللہ کے دہن مبارک سے نکلی ہوئی باتیں (جو مشیتِ ایزدی سے نکلی ہیں اور ضرور پوری ہو کر رہینگی) پوری ہوں۔ اور معاونین اپنی اس سعی فی سبیل اللہ کے صلہ میں حسنات و ثواب دارین کے مستحق بنیں۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین +

مینجر میگزین

امداد مدرسہ تعلیم الاسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم۔ برادرم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ عیدین کے مبارک ایام کے چندہ عید فنڈ کے لئے بر موقعہ یاد دلایا جاتا ہے کہ محض بغرض حصول ثواب و حسنات دارین کے یہ چندہ عید فنڈ ایک روپیہ فی کس احمدی ممبر اور صدقۂ فطر مدرسہ کے یتامےٰ اور مساکین کے واسطے اپنا اور اپنے شہر کی جماعت کا جمع کر کے جس قدر جلد ہو سکے بنام مہتمم مدرسہ ارسال فرماویں بسبب کالج بننے اور مدرسہ کے سرکاری منظور ہو جانے کے عمارت اور سامان اور ملازمین مدرسہ اور وظائف غُربا اور کتب خانہ وغیرہ امور کے واسطے بہت سے فنڈ کی ضرورت ہے۔ جس کا جمع ہونا آپ صاحبان کی توجہ کو چاہتا ہے۔ والسلام +

مفتی **محمد صادق** عفی اللہ عنہ قائم مقام ڈائرکٹر مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان

"اِعلان"

(۱) جن خریداران کے ذمہ سنوات گذشتہ یا سال رواں کا بقایا تھا اُن جملہ باقی داروں کو ترسیل مطالبہ و تصفیہ حساب کیواسطے علاوہ متواتر یاددہانی ہائے مندرجہ اعلان میگزین کے خاص طور پر کارڈ یاددہانی بھیجے جا چکے ہیں لیکن بااینہمہ بیباقی حساب کی طرف کم التفاتی پائی جاتی ہے۔ جن باقیداران کے ذمہ سابقہ پورانا بقایا چلا آتا تھا اور باوجود یاددہانی کچھ توجہ ادائیگی مطالبہ کیطرف نہیں ہوتی تھی انکے نام پرچہ نومبر سنہ ۱۹۰۷ء حسب اطلاع سابقہ وی پی بھیجا گیا ہے تاکہ اسقدر کارروائی کے بعد بھی جن صاحبان کی جانب سے بقیہ حساب کی بیباقی نہ ہووے تو اُن سے خط و کتابت کر کے آخری فیصلہ کیا جاوے کہ سابقہ مطالبہ کی وصولی کے بعد آیندہ انکے نام پرچہ بند کیا جاوے چونکہ سال رواں بھی اب قریب الختم ہے اسواسطے جنکے ذمہ صرف سال حال کا مطالبہ ہے وہ بھی زرچندہ ذمگی خود جلدی ارسال کر کے بیباقی حساب کریں +

(۲) ہر قسم کی خط و کتابت و ترسیل جملہ رقوم زرچندہ وغیرہ متعلقہ میگزین کا معاملہ براہ راست بنام مینجر میگزین ہونا چاہئے نہ کسی دیگر شخص یا مالک مطبع کے نام۔ کیونکہ اس طرح علاوہ طوالت و ہرج کام کے حساب میں مغالطہ کا اندیشہ ہے +

(۳) ترسیل روپیہ یا خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری نہ لکھنے کی صورت میں شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بیجا تصور ہوگی +

مینجر

کبریت احمر یا جیون بوٹی کے استعمال سے ایک مہینے میں تین سیر خون صالح تازہ بدن انسان میں پیدا ہوتا ہے جو انی کی طاقت مدت العمر قائم رہتی ہے استعمال کرنے سے پہلے اور بعد بدن کو وزن کرو اور آزماؤ اس سے بڑھ کر بھی مولد خون صالح مشتہی بدن کو مضبوط اور خوشرنگ بنانے اور چہرے کی سرخی اصلی طاقت و توانائی و تازگی پیدا کرنیوالی دوائی ایسی آج تک ایجاد نہیں ہوئی - اس کا اثر ان اعضاء پر جن پر نسل انسان کی پیدائش کا انحصار ہے بالخصوص نہایت قوی ہوتا ہے - وہ خوشی جو عورت و مرد کی معاشرت سے وابستہ ہے اس سے فی الفور حاصل ہوتی ہے **کبریت احمر** اس کا نام اسی لئے رکھا گیا ہے - کہ یہ دوا اعضاے تولید کے پژمردہ قوے کو از سر نو بحال کر کے ساتھ زندگی کو کیمیا بنا دیتی ہے - قیمت فی شیشی تین روپے ؎ ر

روغن درد گردہ درد گردہ کے دورے اور تکلیفیں ایسی سخت ہوتی ہیں کہ الامان یہ عجیب غریب روغن درد گردہ میں خاص کر جب درد کنکری کی وجہ سے ہو اکسیر کا کام دیتا ہے چھوٹے چھوٹے سنگریزوں کو توڑ کر اور ریزہ ریزہ کر کے نہایت سہولت سے خارج کر دیتا ہے تمام کنکری اور ریت نکلکر درد گردہ کی نوبت پھر نہیں ہوتی - قیمت فی شیشی ۱۲؎ ر

عجیب غریب مرہم المعروف مرہم عیسے - اگر آپ دنیا بھر میں سب سے اچھا پر تاثیر بر ہدف ہر قسم کے زخموں جراحتوں چوٹوں گلٹیوں خنازیر - سرطان طاعون اور ہر قسم کے خبیث زہریلے پھوڑوں پھنسیوں ناسوروں - گنج خارش بواسیر اور طرح طرح کی جلد کی بیماریوں ہاتھوں کے سردی سے پھٹ جانے جانوروں کے کاٹ لینے جل جانے اور عورتوں کے خطرناک امراض سرطان رحم وغیرہ کیلئے ہزار ہا سال کا مجرب مقدس ہر طبقہ اور ہر زمانہ کے حکما کا متفقہ بابرکت علاج چاہتے ہیں - تو یہ مبارک مرہم اس کارخانہ سے منگائیے جو اس کو خالص اجزا سے تیار کرنے کا ذمہ وار ہے طبی جہان اسکی کامیاب تاثیرات کا ممنون ہے - یہ مشہور آفاق مرہم سوائے کارخانہ مرہم عیسے کے دنیا بھر میں اور کہیں نہیں بنتا - قیمت فی ڈبیہ خورد ۶ ر ۱۲۰ ر فی ڈبیہ کلان ۱۲؎ ر

عمدۃ التقویم ۱۹۰۲ء مفت	**حکیم محمد حسین اینڈ برادرز مالکان کارخانہ مرہم عیسے نولکھا لاہور سے طلب کرو**	رسالہ آئینہ صحت نما مفت

”ضروری استدعا“

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پٹینٹ یا غیر پٹینٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہیں - اور اپنے مقامی اسٹیشن میں کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونے کے باعث انہیں کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑیں وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فرانٹیر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائیں یہ دکان میرے متعلق ہے انہیں نقصان نہیں اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے المشتہر خواجہ کمال الدین وکیل

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

اے لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ بابت ماہ جنوری ۱۹۰۵ء نمبر ۱

فہرست مضامین

چندہ سالانہ .... عکا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

مذاہبِ عالم پر نظر

جلد ۴

از جنوری ۱۹۰۵ء لغایت دسمبر ۱۹۰۵ء

ایڈیٹر .... محمد علی

مقام اشاعت - دارالامان قادیان ضلع گورداسپور

قیمت عہ - باہتمام چودھری اللہ داد میگزین پریس مینیجر میگزین کیلئے طبع ہوا

فہرست مضامین ریویو آف ریلیجنز جلد ۱۴

متفرق مضامین

اعلان

وقت کی قدر و قیمت یا تو وہ دنیا دار کر سکتے ہیں جن کو بعض امور وقت مقررہ پر کرنے پڑتے ہیں یا دیندار جو
نماز کی پابندی کی قدر کرتے اور سمجھتے ہیں کہ نماز موقت فرض کی گئی ہے عبادالرحمن کے دل شناخت وقت نماز میں
اور تہجد خوان کو تعین وقت آخری شب میں اور مریض شب بیدار کو رات کی درازی و کوتاہی غیر معلوم ہونے میں اور ریلوے
مسافر کو ریلوے ٹائم سے بچھڑنے میں اور مدرس و کلرک کو سکول و دفتر کے وقت سے پیچھے رہ جانے میں بسا اوقات
سخت دقتیں پیش آتی ہیں۔ آجکل خدا تعالے نے محض اپنے فضل و امتنان سے گھڑی کا ایجاد انسانی ہاتھوں
سے کرا کر ان ساری دقتوں کو رفع کر دیا ہے۔ اگر توفیق رفیق ہو تو گھڑی جیسا رفیق مومن کیلئے خداداد نعمتوں سے
کوئی نہیں ہے۔ ہم نے اس غرض سے ایک عمدہ ولایتی کارخانہ کے معتبر ایجنٹ کے ذریعہ عمدہ و پائدار گھڑیاں منگوائی
ہیں۔ جس کو مضبوط و پائدار گھڑی کی ضرورت ہو ہم سے بذریعہ وی پی منگوا لے ہر گھڑی کے ہمراہ شیشہ و کمانی زائد
اور گارنٹی ملیگی۔ محصول ہمارے ذمہ ہے۔ گھڑیوں کی فہرست بطور اختصار حسب ذیل ہے درخواست بحوالہ نمبر گھڑی آنی چاہئے

گھڑی نمبر (۱) نئی وضع مضبوط پرزے پختہ گارنٹی ۴ سال وقت صحیح بتاتی ہے۔ قیمت ۸ روپیہ ۸ آنہ
گھڑی نمبر (۲) ریلوے ریگولیٹر رنگدار ڈائل خوبصورت گارنٹی ۵ سال۔ قیمت ۱۰ روپیہ ۸ آنہ
گھڑی نمبر (۳) خوشنما پرزے پختہ نیا فیشن قابل دید ہے گارنٹی ۶ سال قیمت ۱۵ روپیہ
گھڑی نمبر (۴) تمام چاندی کی جنیوا اوپن خوبصورت گارنٹی ۶ سال قیمت ۱۶ روپیہ

جملہ درخواستیں گھڑی کے متعلق بنام **محمد فضل خان** چنگوی احمدی بمقام **قادیان** ضلع گورداسپور آنی چاہئیں

ضروری اطلاع

رسالہ نور الدین جسمیں فاضل مصنف نے بعد نظر ثانی کسیقدر اضافہ کیا ہے خوشخط و عمدہ کاغذ
پر چھپ کر تیار ہے قیمت علاوہ محصولڈاک ۸ / روپے۔ درخواستیں اس پتہ پر ہوں*
سیٹھ عبدالاحد ہدایت اللہ جنرل مرچنٹ و کمیشن ایجنٹ کٹڑہ جیمل سنگھ امرتسر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پردہ

اسلامی پردہ کے حدود

پردہ کا سوال اس وقت ہر طرف پوچھا جا رہا ہے۔ لیکن جہاں تک ہم نے غور کیا ہے اس مضمون پر باوجود کثرت مباحثات کے پوری روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ اور نہ ہی مذہبی پہلو سے اس پر سیر کن بحث اب تک ہوئی ہے۔ جیسا کہ ہم نے گذشتہ نمبر میں ذکر کیا تھا ہندوستان میں ایک طرف تو وہ مسلمان موجود ہیں جو خیال کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کی دُنیوی ترقی اُنکی عورتوں کی بے پردگی کے ساتھ بطور لازم ملزوم کے وابستہ ہے۔ لیکن ہم ابھی تک اس تعلق کے ثبوت کے منتظر ہیں۔ اور وہ دلائل سننا چاہتے ہیں جن پر یہ دعوے مبنی ہے۔ دوسری طرف اہل اسلام کا وہ فریق ہے جن کے خیال میں ہندوستان کا مروجہ پردہ صحیح اور اسلامی پردہ ہے۔ اور اُن کے نزدیک ایک سرمو کے برابر بھی اس سے انحراف کرنا دائرہ اسلام سے خارج ہونا ہے گویا فریق اول تو اسی امر پر مصر ہے۔ کہ جس آزادی اور بیقیدی سے یوروپ کی عورتیں غیر محرم مردوں کے سامنے آتی جاتی اور اُن سے ملتی جلتی ہیں ویسی ہی آزادی ہندوستان میں مسلمان عورتوں کو بھی دینی چاہئیے اور فریق ثانی اس بات کا خواہاں ہے۔ کہ عملی طور پر عورتوں کو باہر نکلنے سے یا کاروبار کرنے سے قطعاً ممانعت ہونی چاہئیے۔ سچی بات یہ ہے کہ عورتوں کی تعلیم اور ترقی کو اُن کے غیر محرموں کے ساتھ میل جول رکھنے اور بیقیدی سے باہر پھرنے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انگلستان اور یوروپ کے بہت سارے دوسرے ملکوں میں عورتیں کبھی مستور نہیں رہیں لیکن اس کا یہ نتیجہ نہیں ہوا کہ ابتدا سے ہی ان ممالک کی عورتوں نے علوم میں ترقی حاصل کر لی ہو۔ بلکہ اُن کے درمیان تعلیم کا رواج بہت تھوڑے عرصہ سے شروع ہوا ہے اگر ہندوستان کی مسلمان اقوام کو ہی دیکھا جاوے تو اُن میں ۸۰ فیصدی ایسے لوگ ہونگے جو پردہ کے پابند نہیں لیکن کیا یہ سچ ہے کہ ان قوموں نے جن میں پردہ کا رواج نہیں پردہ کی پابند اقوام کی

نسبت علوم اور تہذیب میں بڑھ کر ترقی حاصل کر لی ہے ہرگز نہیں بلکہ برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اگر کچھ ترقی ہندوستان کے مسلمانوں نے کی ہے تو صرف اُنہیں لوگوں نے جو پردہ کے پابند ہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ پردہ کا رواج مسلمانان ہند کے اعلےٰ طبقات میں ہی پایا جاتا ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے نئی تہذیب اور تعلیم کی روشنی سے زیادہ فائدہ اُٹھایا ہے۔ پردہ کی منسوخی کے مجوزوں کے دلائل اُس وقت دلکش معلوم ہو سکتے تھے جبکہ ہندوستان کے اندر موجودہ حالت سے برعکس حالت نظر آتی یعنی پردہ کی پابند اقوام تنزل کی حالت میں ہوتیں۔ اور وہ جنمیں پردہ کا رواج نہیں تہذیب اور تعلیم میں ان سے فوقیت لیجاتیں موجودہ صورت میں اگر کوئی نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہوگا کہ جبتک اُن اقوام کو جن میں پردہ کا رواج نہیں ہے اُسی قسم کے تحت پردے کے نیچے نہ لایا جاویگا جیسا کہ اعلےٰ طبقہ کے مسلمانوں میں مروج ہے وہ کوئی ترقی نہیں کر سکینگی لیکن ان واقعات سے ایسا نتیجہ نکالنا ایسی ہی حماقت ہے جیسا کہ بعض آزاد خیال مسلمانوں کا اقوام یوروپ کو دیکھکر یہ خیال دل میں جمالینا کہ ہم اس ترقی کے معراج پر کبھی نہیں پہنچ سکتے جہاں یوروپ پہنچا ہؤا ہے جبتک کہ اپنی مستورات کو یوروپ کی عورتوں کی طرز پر بیقیدی اور بے پردگی کی راہوں میں نہ چلاوینگے ہماری سمجھ میں یہ دونوں نتیجے ایک ہی غلطی کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اول الذکر نتیجہ اس لحاظ سے زیادہ قابل وقعت ہے کہ اسمیں ایک ہی ملک کے رہنے والے اور ایک ہی مذہب کے پیرو دو ایسے فریقوں کا مقابلہ ہے جن میں صرف رواج پردہ کے لحاظ سے ہی بڑا بھاری اختلاف ہے۔ اور باقی حالات قریباً یکساں ہیں۔ اور دوسرے نتیجہ میں جو ہمارے آزاد خیال دوستوں کی جودت طبع کا نتیجہ ہے ایسی دو اقوام کا مقابلہ ہے جن میں رواج پردہ کا اختلاف بمقابل دوسرے اختلافات کے۔ جو مُلکی حالات وغیرہ سے پیدا ہوتے ہیں بہت چھوٹی سی چیز ہے۔ پھر اگر اُن اقوام کی حالت پر غور کیا جاوے جو مسلمانوں کے ساتھ اسی مُلک ہند میں رہتی ہیں تو یہ اور بھی صفائی سے نظر آتا ہے۔ کہ مسلمانوں کا اعلےٰ تعلیم میں پیچھے رہ جانا کسی صورت میں رواج پردہ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ وہ پردہ جو ہندوستان میں مروج ہے اس قابل ہے کہ ہم اُسکی ہر پہلو سے تائید کریں۔ اور اُسی کو دیگر ممالک میں بطور ایک مفید اور ضروری قانون کے پیش کریں۔ کیونکہ قرآن شریف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں پردہ کے معاملہ میں حد سے بڑھکر سختی ہو رہی ہے۔ اور جہانتک اسلام کا منشاء پردہ سے ہے اس سے مسلمانان ہندوستان بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ منسوخی پردہ کے مجوز دلائل سے بالکل خالی ہاتھ ہیں۔ اور اسلامی پردہ کو زوال کا باعث قرار دینے میں صرف یوروپ کے رُعب سے متاثر ہو رہے ہیں نہ حق اور حقیقت سے۔ اس صورت میں جبکہ پردہ کا سوال

ہر طرف چھڑ گیا ہے۔ یہ از حد ضروری ہے کہ اہل اسلام اس امر پر غور کریں کہ اسلامی پردہ کیا ہے۔ اور اسی پر کاربند ہوں۔ اور جھوٹھی قومی غیرتوں کو چھوڑ کر اس راہ پر چلیں جو اسلام نے سکھائی ہے۔ اور جو حقیقی تہذیب اور شائستگی کی راہ ہے +

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ پردہ کی حد کہاں تک ہے۔ اور اس کے متعلق ہم قرآن کریم کی وہ آیات پیش کرتے ہیں۔ جن میں پردہ کا حکم نازل ہوا ہے۔ سورہ نور میں خداوند تعالےٰ فرماتا ہے۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم ط ذٰلک ازکیٰ لھم ط وقل للمؤمنٰت یغضضن من ابصارھن و یحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او اٰباءھن او اٰباء بعولتھن او ابناءھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نساءھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علیٰ عورات النساء ص ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن ط وتوبوا الی اللہ جمیعا ایہ المؤمنون لعلکم تفلحون۔ (النور ۳۰-۳۱) ان آیات کا ترجمہ ذیل میں درج ہے " مسلمان مردوں کو کہدو کہ وہ اپنی آنکھیں نیچے رکھیں۔ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ اصول اُن کے لئے بہت پاکیزہ ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے خوب خبردار ہے۔ اور مسلمان عورتوں کو کہدے کہ وہ اپنی آنکھیں نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت لوگوں کو نہ دکھاویں مگر وہ حصہ جو (عادتاً اور ضرورتاً) اس میں سے ظاہر ہے۔ اور چاہئے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈال لیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر واسطے اپنے خاوندوں کے یا اپنے باپوں کے یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے یا اپنی عورتوں کے یا جن کے مالک ہوئے داہنے ہاتھ اُن کے یا مرد و نہیں سے ایسے لوگ جو ساتھ رہتے ہیں۔ اور عورتوں کی حاجت نہیں رکھتے یا لڑکوں کے جو عورتوں کی چھپی باتوں پر واقف نہیں۔ اور چاہئے کہ (راستوں میں چلتے وقت) اپنے پاؤں کو زمین پر ایسے طور سے نہ ماریں کہ اُن کی چھپی ہوئی زینت ظاہر ہو جاوے۔ اور مسلمانو تم سب کے سب اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم خوشحالی کو پالو" +

یہ ہیں کلام الٰہی کے الفاظ پردہ کے متعلق اور انھیں آیات میں مسلمانوں کے لئے پردہ کا حکم فرمایا گیا ہے

اس جگہ ایک تو یہ امتیاز کیا گیا ہے۔ کہ غیر محرم مردوں کے سامنے عورتیں اور طرح پر نکلا کریں۔ اور اپنے کُنبہ کے لوگوں اور قریبی رشتہ داروں کے سامنے جن کی تفصیل آیات ممدوحہ بالا میں دیگئی ہے بے تکلفی سے پھر لیا کریں۔ پھر اسی پردہ کے متعلق دو الگ الگ حکم موجود ہیں یعنی ایک تو آنکھوں یعنی نگاہوں کو نیچے رکھنے کا حکم جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ اور دوسرے زینت کو ایک محدود دائرے سے باہر چھپانے کا حکم جو صرف عورتوں سے مخصوص ہے۔ سب سے پہلے ہمیں لفظ زینت کے معنے دیکھنے ضروری ہیں زینت ہر ایک ایسی شے کا نام ہے جس سے زیبائش یا آرائش کیجاوے یا جو خوبصورتی کو نمایاں کرنیوالی ہو۔ زینت کے مفہوم کے متعلق دو مذہب ہیں۔ اول یہ کہ زینت میں خلقت یعنی جسم کی خوبصورتی بھی شامل ہے دوسرے یہ کہ زینت میں خلقت شامل نہیں ہے۔ جو مفسرین دوسرے پہلو کی طرف گئے ہیں۔ اُن کے نزدیک زینت تین قسم کی ہے۔ ۱ اول اصباغ جیسے مہندی لگانا یا آنکھوں میں سرمہ ڈالنا ۲ زیورات سونا چاندی جواہرات کی قسم سے ۳۔ لباس تیسرے معنوں میں اور جگہ بھی یہ لفظ زینت قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ خذوا زینتکم عند کل مسجد سے ظاہر ہے جہاں زینت سے صریح لباس مراد ہے۔ یہ تقسیم تفاسیر سے معلوم ہوتی ہے۔ اور جو شخص دیکھنا چاہے تفسیر کبیر اور ابن جریر کی تفسیر کو دیکھ سکتا ہے۔ اب عورتوں کے پردہ کے متعلق جو حکم یہاں وارد ہوا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ لا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ یعنی عورتوں کو اپنی زینت ظاہر نہ کرنی چاہئے سوائے ایسی زینت کے جو خود ظاہر ہی ہوتی ہے پس یہاں دو قسم کی زینت کا ذکر ہے۔ جیسا کہ مفسرین کا اتفاق ہے۔ ما خفی وما ظھر۔ یعنی ایک وہ زینت جو چھپائی جا سکتی ہے۔ اور جس کے چھپانے کا حکم ہے اور دوسری وہ زینت ہے جو ظاہر ہے۔ اور جو چھپائی نہیں جا سکتی پس قرآن کریم جس پردہ کا حکم دیتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ عورتیں اُس زینت کو جو چھپائی جا سکتی ہے اجنبی مردوں یعنی غیر محرموں کے سامنے ظاہر نہ کریں۔ کیونکہ اس کا اظہار نہ تو معمولی حالات کے ماتحت ضروری ہی ہے۔ اور نہ ہی کسی صورت میں پسندیدہ ہے ۔

اس قدر بحث کے بعد اب اصل سوال ایک مختصر سی صورت اختیار کر لیتا ہے کیونکہ اب بحث طلب امر صرف یہ باقی رہ جاتا ہے۔ کہ وہ کونسی خاص قسم زینت کی ہے جس کی عورت کو چھپانے کی ضرورت نہیں خواہ اُسے اجنبیوں کے سامنے یا باہر ہی نکلنا پڑے جیسا کہ آیت شریفہ سے جو اوپر نقل کیگئی ہے ظاہر ہے یہ زینت الا ما ظھر منھا میں آتی ہے۔ اسلئے ان الفاظ کے معنوں پر غور کرنا ضروری ہے مفسرین نے عموماً اس کے معنے وہی لئے ہیں جو قفال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ ای ما یظھرہ

الانسان فی العادۃ الجاریۃ وذلک فی النساء الوجہ والکفین یعنی ماظہر منہا سے مراد یہ ہے۔ کہ جسے انسان عادت جاریہ میں ظاہر کرتا ہے۔ اور عورتوں میں یہ چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں عام مفسرین کے نزدیک یہی رائے مقبول ہے۔ کہ چہرہ اور ہاتھ عورت اپنی ضروریات کے لئے کھلے رکھ سکتی ہے مثلاً جب اُسے باہر نکلنا پڑے لیکن شریعت اسلام کے رو سے ان کے سوا جسم کا اور کوئی حصہ وہ کھلا نہیں رکھ سکتی۔ اور نہ ہی اپنی زینت کو خواہ از قسم زیورات ہو۔ اور خواہ لباس ہو ظاہر کرسکتی ہے پس شریعت اسلام صرف اسی قدر چاہتی ہے۔ کہ چہرہ اور ہاتھوں کے سوا باقی تمام جسم مستور رہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے۔ کہ چہرہ سے ہماری مراد صرف چہرہ کا وہ حصہ ہے جس کا کھلا رکھنا معمولی حالات کے نیچے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور جس میں آنکھیں ناک اور مُنہ شامل ہیں۔ کیونکہ ان کے کھلا رکھنے کے بغیر انسان آزادی سے نہ دیکھ سکتا ہے۔ نہ سانس لے سکتا ہے اور نہ بول سکتا ہے لیکن اس سے زیادہ کی قرآن شریف اجازت نہیں دیتا یہ صرف ان حصوں کے کھلا رکھنے کی اجازت دیتا ہے جن کا کھلا رکھنا زندگی کے روزمرّہ حالات کے نیچے انسان کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اور جس کے بغیر معمولی کاروبار کے کرنے میں دِقت پیش آتی ہے۔ سر کا کپڑا ایسے طور پر اوڑھا جاسکتا ہے کہ جس سے پیشانی کا کچھ حصہ اور آنکھیں اور ناک اور مُنہ کھلے رہیں اور باقی حصہ چہرہ کا چھُپا رہے۔ اس مضمون میں ہماری مراد چہرہ سے چہرہ کا صرف اسی قدر حصہ ہوگی پاؤں کے کھلا رکھنے کے متعلق اختلاف ہے لیکن ہمارے نزدیک پاؤں کا کھلا رکھنا یا نہ رکھنا انسان کے ذرائع پر منحصر ہے۔ آواز کو بہ اتفاق سب نے پردے سے باہر رکھا ہے۔ اس قسم کی زینتیں جیسے انگوٹھیاں یا حنا یا سُرمہ ضرورتاً ظاہر رہینگی جبکہ ہاتھ اور چہرہ کھلے ہونگے۔ اور اس لئے یہ تمام چیزیں اسی استثنا میں آتی ہیں۔ جس کو قرآن شریف نے لفظ الا ماظہر منہا میں بیان فرمایا ہے۔ خود لفظ عورت سے بھی یہی شہادت ملتی ہے۔ کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھ ان اجزا میں داخل نہیں جن کا چھپانا ضروری ہے۔ چنانچہ لفظ عورت کا ترجمہ عربی لغتوں میں اس طرح پر دیا ہے عورت جسم کا وہ حصہ یا حصے ہیں جن کا کھلا رکھنا ناشائستہ سمجھا جاتا ہے۔ اور مردوں میں اس سے مراد ناف اور زانوں کے درمیان کا حصہ ہے۔ اور آزاد عورتوں میں تمام جسم سوائے چہرے کے اور ہاتھوں کے۔ اور پاؤں کے متعلق اختلاف ہے لونڈیوں میں وہی حصہ عورت میں داخل ہے جو مردوں میں ہے۔ اور ان کے جسم کے وہ حصے جو خدمت کے وقت کھلے رہتے ہیں جیسے سر اور گردن وغیرہ۔ یہ عورت میں شامل نہیں یہی تشریح امام رازی نے بھی لفظ عورت کی کی ہے۔ اور پھر وہ پردہ کی ضرورت کو اور اس کے حدود کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ فامروا بستر مالا تودی الضرورۃ الی کشفہ ورخص لھم فی کشف ما اعتید کشفہ وادت الضرورۃ الی اظہارہ

اذ کانت شرائع الاسلام حنیفیۃ سہلۃ سمحۃ ولما کان ظہور الوجہ والکفین کالضروری لاجرم اتفقوا علی انہما لیسا بعورۃ ۔ ترجمہ ۔ پس حکم دیا گیا ہے چھپانے کا ان چیزوں کے جن کے کھلا رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی ۔ اور اجازت دی گئی ہے اُن چیزوں کے کھُلا رکھنے کی جو عادتاً کھلی رہتی ہیں اور جن کے اظہار کی ضرورت پڑتی ہے ۔ کیونکہ شریعت اسلام انسان پر بوجھ نہیں ڈالتی بلکہ آسان شریعت ہے ۔ اور چونکہ چہرہ اور ہاتھوں کا کھلا رکھنا ضروری ہوتا ہے ۔ اس لئے اس امر پر اتفاق ہے ۔ کہ یہ دونوں چیزیں عورت میں داخل نہیں +

تفسیر ابن جریر اور تفسیر کبیر میں وہ تمام روائتیں جمع کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ زینت ظاہر سے جس کے کھلا رکھنے کی عورتوں کو اجازت ہے چہرہ اور ہاتھ مراد ہیں ۔ چنانچہ ابن عباس ۔ سعید ابن جبیر ۔ عطا ۔ اوزاعی ضحاک حسن وغیرہ کے اقوال بہ تفسیر الا ما ظہر منہا نقل کئے گئے ہیں کہ ان الفاظ سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں ۔ ایسا ہی قتادہ کی روائت پر یہ حدیث بھی بیان کی گئی ہے ۔ ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح ان یری منہا الا وجہہا ویداہا ۔ یعنی عورت جب بالغ ہو جائے تو پھر جائز نہیں ۔ کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ سوائے چہرہ اور ہاتھوں کے دیکھا جاسکے ۔ یہ امر بھی مسلم ہے ۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں مسجدوں میں جماعت کے ساتھ جہاں مرد بھی موجود ہوتے تھے اسی شکل میں نمازیں ادا کیا کرتی تھیں ۔ کیونکہ چہرہ اور ہاتھ کھلے ہوتے تھے ۔ مروجہ پردہ کے حامی یہ کہتے ہیں ۔ کہ نمازوں میں اس طرح حاضر ہونے کی خاص اجازت تھی ۔ لیکن یہ خالی دعوے ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ۔ قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ نمازوں میں تو عورتوں کو چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھ کر حاضر ہونے کی اجازت ہو ۔ اور اپنے کاروبار یا ضرورتوں کے وقت ان کو یہ ممانعت ہو کہ وہ کھُلے چہرہ یا ہاتھوں سے باہر نکلیں ۔ جب دونوں صورتوں میں بات ایک ہی تھی یعنی غیر محرم مردوں کے سامنے نکلنا پڑتا تھا ۔ تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ نماز میں اور نماز سے باہر ایسا امتیاز رکھا جاتا اور یہ بات خود ظاہر ہے ۔ کہ جب مسجد میں وہ چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھ سکتی تھیں ۔ تو گھروں سے مسجد کو جاتے ہوئے ۔ اور مسجد سے واپس جاتے ہوئے بھی اسی طرح جاتی ہوں ۔ کیونکہ یہ بات بہت بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے ۔ کہ مسجد کو آنے یا مسجد سے جاتے وقت تو ان کو یہ حکم ہو کہ وہ چہرہ کو بالکل چھپا کر چلیں اور مسجد میں داخل ہو کر چہرہ کو کھول دیں ۔ حالانکہ کوئی نئی ضرورت اس امر کی مسجد میں داخل ہو جانے سے پیش نہیں آتی تھی ۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ باہر آنے جانے کے لئے عورتوں کو چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھنے کی اجازت تھی +

یہانتک ہم نے صرف الفاظ الا ماظہر منہا کے معنوں پر غور کیا ہے۔ اور انہیں الفاظ سے پردے کے حدود کو قائم کیا ہے۔ درحقیقت اس سے تو کسی کو انکار نہیں۔ کہ ان الفاظ میں چہرہ کا کھلا رکھنا آجاتا ہے ہاں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ استثنا صرف نماز کے لئے تھی۔ لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور ہم نے اوپر یہ دکھا بھی دیا ہے۔ کہ نماز اور غیر نماز میں ایسی تفریق کا ہونا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اب جب ہم قرآن کریم کے الفاظ پر غور کرتے ہیں۔ تو اس سے بھی اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ چہرہ اور ہاتھ مستور نہیں کئے جاتے تھے۔ چنانچہ جس جگہ قرآن شریف نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے۔ کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں تو ساتھ ہی وہ مردوں اور عورتوں کو ایک اور حکم بھی دیتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں۔ اب صاف سمجھ میں آتا ہے۔ کہ مردوں کو یہ حکم دینے سے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا تھا۔ کہ وہ دوسرے آدمیوں کی طرف نہ دیکھیں۔ یا جب اپنے کاروبار میں مشغول ہوں۔ تو کسی چیز کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھیں۔ اس حکم کی ضرورت صرف اسی صورت میں ہو سکتی تھی۔ جبکہ اُن کی آنکھوں کے سامنے کوئی ایسا نظارہ ہو جس کی طرف دیکھنے سے ان کو روکنا ضروری ہو۔ پس اگر پردے سے یہ سمجھ لیا جائے کہ عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی یا اگر شاذ و نادر کوئی ضرورتاً باہر نکلے تو وہ سر سے پاؤں تک کپڑے میں لپٹی ہوئی ہو۔ اور کوئی حصہ اسکے جسم کا ظاہر نہ ہو۔ تو آدمیوں کو یہ حکم دینا۔ کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں بالکل بےمعنی اور فضول ہو جاتا ہے کیونکہ پھر تو کوئی ایسی چیز ہی نہیں رہتی جس کی طرف وہ دیکھ سکتے تھے۔ خالی راستوں میں جہاں عورت ہی نظر نہ آتی ہو۔ یا اگر کوئی عورت ہو تو وہ سر سے پاؤں تک کپڑوں میں لپٹی ہوئی ہو نظر اُٹھا کر دیکھنے سے روکنا یا اس کو جرم قرار دینا ایسا ہی ہے جیسا سفید کپڑوں یا دوسری اشیاء کی طرف دیکھنے سے روکنا یا اس قسم کی نظر کو جرم قرار دینا۔ کیا خدا تعالےٰ مردوں کو اس بات سے منع کرتا ہے کہ جب آنکھ سفید کپڑے حرکت کرتے ہوئے نظر آویں۔ تو وہ اُن کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھیں؟ یہ کیسی تعجب کی بات ہے۔ کہ اس قدر پر زور الفاظ میں ممانعت کی جاوے۔ حالانکہ کوئی ایسی چیز ہی موجود نہیں جس کی طرف نظر اٹھا کر مرد کچھ دیکھ بھی سکے۔ پس غض بصر کا یہ حکم جو مردوں کو دیا گیا ہے قطعی اور یقینی شہادت اس امر کی ہے۔ کہ کپڑوں کے علاوہ کوئی حصہ عورت کا ایسا ضرور نظر آسکتا تھا جسکی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کو قرآن شریف نے خلاف تقوےٰ سمجھا۔ اور اُس سے روکا ہے۔ یہ کونسی چیز تھی جس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے قرآن کریم نے منع کیا ہے۔ یہ خود عورت تھی یا یوں کہو کہ عورت کا چہرہ۔ اور اُسکی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے سے خدا تعالےٰ کی حکیم کتاب نے اسلئے منع کیا تاکہ انسان

کامل تقوے کی راہ پر چل کر ہر ایک لغزش سے بچ سکے۔ اور کسی فتنہ میں نہ پڑے ✦

غض بصر کے اس حکم کو جس سے صریح شہادت عورت کے چہرہ کے کھلا رہنے کی ملتی ہے۔ ان لوگوں نے جو پردہ کو شریعت کے اصل منشاء سے زیادہ سخت کر کے پیش کرتے ہیں کئی طرح سے ٹالنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن وہ کوئی توجیہ ایسی بیان نہیں کر سکتے جس سے یہ ثابت ہو جاوے کہ عورتوں کے چہرہ کے چھپا رہنے کی صورت میں مردوں کو غض بصر کا یعنی نگاہ کے نیچے رکھنے کا حکم دینے کی کوئی ضرورت باقی تھی۔ اگر پردہ کے حکم کے بعد عورت بالکل غائب ہو جاتی یعنی یا تو وہ قطعاً باہر ہی نہ نکلتی یا باہر نکلتی تو ایسی صورت میں کہ وہ نظر ہی نہ آسکتی۔ تو مردوں کو یہ حکم دینا کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں بالکل فضول تھا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ غض بصر کا حکم اُن صورتوں کے لئے تھا جب مرد کو عورت کی طرف دیکھنے کی کوئی جائز ضرورت پیش آئے۔ مثلاً شادی کے لئے یا معالجہ کے لئے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ان جائز ضرورتوں کے وقت غض بصر کا حکم ہے۔ تو پھر یہ ضرورتیں پوری کیونکر ہونگی۔ یہ تو خود اپنے قول کی آپ تردید کرنا ہے۔ کہ ایک طرف تو ایک امر کو جائز ضرورت قرار دیکر عورت کی طرف دیکھنے کی اجازت دیجاوے اور پھر ساتھ ہی غض بصر کا حکم دیا جاوے۔ جس کے یہ معنے ہوے کہ دیکھ بھی لو اور دیکھو بھی نہیں۔ علاوہ ازیں مختلف روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں کو یہ حکم دیا کہ راستہ کے کنارے پر مجلس لگا کر نہ بیٹھا کریں۔ اور اگر یہ لابد ہی ہو تو ضروری ہے کہ سلام کا جواب دیں۔ اور نگاہوں کو نیچی رکھیں جیسا کہ ابن عباس کی اس حدیث سے ظاہر ہے قال لا تجلسوا فی المجالس فان کنتم لابد فاعلین فردوا السلام وغضوا الابصار الخ اور ایسا ہی ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ راستہ کے کنارے پر بیٹھو تو حق الطریق ادا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ حق الطریق کیا ہے۔ فرمایا۔ غض البصر وکف الاذی الخ۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ عورتیں راستوں میں کھلے مُنہ گذرتی تھیں جس کی وجہ سے یہ حکم ضروری ہُوا کہ اول تو مرد راستہ پر مجلس لگا کر نہ بیٹھیں۔ اور اگر کوئی ضرورت ہو تو پھر غض بصر اختیار کریں۔ یعنی راہ چلتی عورتوں کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھیں ✦

پس قرآن کریم کے یہ دو حکم یعنی عورتوں کو یہ حکم کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس حصہ کے جو ضرورتاً اور عادتاً ظاہر رہتا ہے۔ اور مردوں کو یہ حکم کہ وہ عورتوں کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھا کریں شرعی پردہ کے صحیح حدود کو قائم کرتے ہیں۔ اور ان دونوں احکام کے ایک ہی ساتھ نازل فرمانے سے یہ قطعی اور یقینی شہادت پیدا ہوتی ہے۔ کہ عورتیں اپنی ضرورتوں کے لئے باہر نکلتی تھیں

لیکن اس صورت میں کہ اُن کا کُل جسم اور کل لباس اور ہر ایک زینت کا مقام سوائے چہرہ اور ہاتھوں کے ایک کپڑے سے ڈھکا ہوا ہوتا تھا۔ اور یہ ایک ایسا معقول اور پسندیدہ حکم ہے۔ کہ ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی سمجھ دار آدمی اس کو کسی سوسائٹی کے لئے پسند نہ کریگا یا ضروری نہ سمجھیگا۔ کیونکہ اسمیں عورتوں کو باہر نکلنے یا کاروبار کرنے سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ صرف یہی حکم دیا گیا ہے۔ کہ وہ اپنی زینت کو ایک سادہ لباس سے چھپالیویں۔ اور دوسری طرف فتنوں کے روکنے کیلئے مردوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ بغیر کسی جائز ضرورت کے کسی عورت کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھیں۔ بعض دوسری حدیثوں سے اور بھی شہادت اس امر کی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ صحابہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نظر الفجاءۃ کے متعلق سوال کیا ہے۔ اور منجملہ اُن کے حضرت علی بھی ہیں۔ اب ایسا سوال ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا تھا جبتک کہ عورتیں کھلے چہروں سے باہر نہ جاتی ہوں۔ کیونکہ سوال یہ تھا۔ کہ ہمیں تو حکم یہ ہے۔ کہ کسی عورت کے چہرہ کی طرف نہ دیکھیں لیکن جب بغیر ارادے کے اور اچانک کسی عورت کے چہرہ پر نظر جا پڑے تو پھر ہم کیا کریں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ صورت واقع نہ ہو سکتی تھی۔ جبتک عورتیں کھلے چہرہ سے باہر نہ نکلتی ہوں۔ اور پھر سوال کا رنگ ایسا ہے۔ کہ وہ ایک ایسے واقع کو بیان کرتا ہے جو اکثر پیش آتا تھا۔ کیونکہ سوال میں عمومیت کا رنگ ہے۔ کہ ایسے اوقات میں جب اچانک نظر جا پڑے تو ہم کیا کریں۔ اور اس کا جواب جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیا وہ بھی قابل غور ہے۔ اس کا جواب یہ نہیں دیا کہ پھر عورتیں باہر ہی نہ نکلیں یا یہ کہ باہر نکلیں تو چہروں کو بالکل چھپا کر نکلیں۔ بلکہ یہی فرمایا کہ ایسی نظر جو بغیر ارادے کے اور اچانک جا پڑے وہ معاف ہے۔ ہاں پھر دوسری دفعہ اور ارادتاً نظر اُٹھا کر دیکھنا گناہ میں داخل ہے +

زینت کا ہر ایک مقام ڈھانکنے کا حکم دینے کے بعد قرآن شریف نے خود ہی بیان فرما دیا ہے کہ کسطرح سے زینت چھپانی چاہئے۔ اس پر آیت ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن شاہد ہے یعنی چاہئے کہ عورتیں اپنے سروں کی اوڑھنیاں ایسے طور پر اوڑھیں کہ وہ اُن کے گریبانوں کو بھی ڈھانک لیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں اس موقع پر لکھا ہے۔ قال المفسرون ان نساء الجاھلیۃ کن یسدلن خمرھن من خلفھن وان جیوبھن کانت من قدام فکان ینکشف نحورھن وقلائدھن فامرن ان یضربن مقانعھن علی الجیوب لیتغطی بذلک اعناقھن ونحورھن وما یحیط بہ من شعر وزینۃ من الحلی فی الاذن والنحر وموضع العقدۃ منہا۔ یعنی مفسر کہتے ہیں۔ کہ ایام جاہلیت میں عورتیں اپنی اوڑھنیاں پچھلی طرف یعنی پیٹھ کی طرف ڈال لیا کرتی

تھیں۔ اور اُن کے گریبان اگلی طرف ہوتے تھے۔ اس وجہ سے اُنکے سینے اور قلائد نظر آتے تھے اسلئے
یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالا کریں۔ تاکہ اس طرح سے اُنکی گردنیں اور
سینے اور بال اور زینت از قسم زیورات جو کانوں میں یا سینوں پر ہوں۔ اور گھنڈی کا موقع یہ سب اوڑھنی
کے نیچے چھپ جاویں"۔ اور ابن جریر انہی الفاظ کی تفسیر میں لکھتا ہے لیسترن بذلک شعورھن
واعناقھن وقرطھن یعنی تاکہ اس طرح سے اُن کے بال اور گردنیں اور بالیاں چھپ جاویں۔ پس
ان شہادتوں سے بھی وہی بات ثابت ہوتی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ اور پردہ کے وہی حدود
قائم ہوتے ہیں یعنی سارا چہرہ چھپایا نہ جاتا تھا۔ اگر مفسرین کی رائے کو قطعی ثبوت نہ بھی کہا جائے۔ تو بھی
خود الفاظ سے سوائے اس کے اور کچھ مطلب نہیں نکلتا جو مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اور خود قرآن شریف کا
حکم غض بصر کا اسبات کا قطعی فیصلہ کرتا ہے۔ کہ چہرے کا ایک ایسا حصہ ضرور کھلا رہتا تھا جس کی طرف
دیکھ کر مرد ابتلا میں پڑسکتا تھا۔ اور اس لئے غض بصر کا حکم دیا گیا +

اسی مضمون کے متعلق ایک اور آیت سورۂ احزاب میں ہے۔ یاایھا النبی قل لازواجک
وبناتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلک ادنی ان یعرفن ولا
یوذین۔ اے نبی اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مومنوں کی عورتوں کو کہدو کہ وہ اپنی
چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیں۔ اس سے یہ پہچان لیجاوینگی۔ اور کوئی اُن کو ایذا نہ دیگا۔ اس آیت
کو بعض وقت اس امر کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔ کہ پردے کیلئے ضروری ہے کہ تمام
جسم کو معہ چہرے کے ڈھانپ لیا جاوے۔ خود آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے معلوم
ہو کہ آیا کوئی حصہ کھلا بھی چھوڑا جاسکتا ہے یا نہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر سارے چہرے کو
ہی چھپایا جاوے تو اس حالت میں عورت کے لئے باہر نکلنا ناممکن ہے۔ کیونکہ اس سے آنکھیں
بھی بند ہو جاوینگی۔ حالانکہ آیت کا مفہوم صاف بتا رہا ہے۔ کہ عورتیں اپنی ضرورتوں کے لئے
باہر نکلا کریں۔ یعنی یہ حکم نہیں دیا گیا کہ اگر لوگ ایذا پہنچائیں تو عورتیں باہر نکلنے سے قطعی طور پر
رُک جاویں۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے۔ کہ باہر نکلا تو کریں مگر اوڑھنی اوڑھ لیا کریں تاکہ وہ پہچان لیجاویں
اصل مُدعا صرف اس قدر تھا۔ کہ شریف عورتوں اور لونڈیوں میں تمیز ہو۔ یعنی اُن کا لباس ہی
ایسا ہو جس سے معلوم ہو جاوے۔ کہ وہ شریف عورتیں ہیں۔ تا وہ اس طرح ایذا سے بچ جاویں۔ اور
ظاہر ہے کہ اس مُدعا کے حصول کے لئے سارے چہرے کو چھپانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں
تھی۔ علاوہ ازیں سورۂ نور میں جو پردہ کا حکم آیا ہے۔ وہ اس کے بعد کا ہے۔ کیونکہ سورۂ نور سورۂ

احزاب سے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور اس حکم میں ساتھ ہی مردوں کو یہ ارشاد فرماکر کہ وہ عورتوں کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھا کریں۔ اور اسی طرح الاما ظہر منھا کا استثنا بیان فرماکر یہ کھولکر بیان کردیا ہے کہ عورتوں کو سارا چہرہ چھپانا لازمی نہیں ہے۔ اگر سورہ احزاب کی اس آیت کے مطابق عورتوں کیلئے یہ ضروری ہوجاتا کہ وہ سارے چہرہ کو چھپاکر باہر نکلیں تو سورہ نور میں مردوں کو یہ حکم دینے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ کہ اگر غیر عورت سامنے آجائے تو وہ غض بصر اختیار کریں پس غض بصر کا حکم جہاں ایک طرف سوسائٹی میں سے سخت نقصان دہ بدیوں کے دُور کرنیکا ذریعہ ہے دوسری طرف اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ عورتیں جب اپنی ضرورتوں کے لئے باہر نکلیں تو اُن کو سارے چہرہ کے چھپانے کی ضرورت نہیں غرض اس آیت میں "یدنین علیھن من جلابیبھن" سے وہی مراد ہے۔ جو سورہ نور کے الفاظ "ولیضربن بخمرھن علےٰ جیوبھن" کا مفہوم ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض لوگ اس طرف بھی گئے ہیں۔ کہ جلباب کو اس طرح پر اوڑھنا ضروری ہے۔ کہ سوائے ایک آنکھ کے اور کوئی حصہ کھلا نہ ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے۔ اس سے غض بصر کا حکم عبث ٹھیرتا ہے۔ علاوہ ازیں شریعت اسلام کا یہ منشاء نہیں کہ انسانوں پر اُن کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈالے بلکہ جہاں اس کا مقصود اصلاح ہے وہاں یہ بھی مدنظر رکھ لیا گیا ہے۔ کہ اس کے احکام عام انسانوں کی برداشت کے قابل ہوں۔ اب ظاہر ہے کہ عوام الناس کی حالت میں عورت مجبور ہے۔ کہ اپنی ضروریات کے لئے ہاتھوں اور چہرہ کو کھلا رکھے۔ یہ قرین قیاس نہیں کہ صحابہ کی عورتیں جو اپنے خاوندوں کے کاروبار میں اُن کی ہر طرح سے مدد کرتی تھیں یہانتک کہ زراعت وغیرہ میں بھی مدد دیتی تھیں۔ اور اپنی ضروریات کے لئے باہر نکلتی تھیں۔ یہ سب کام وہ اس صورت میں کرسکتی ہوں جبکہ ان کے ہاتھ اور چہرہ وغیرہ سب کچھ کپڑوں میں لپٹے ہوئے ہوں۔

پھر ایک اور آیت سورہ احزاب کی پیش کی جاتی ہے۔ وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ"۔ اور اپنے گھروں میں ٹھیری رہو۔ اور اگلے زمانہ جاہلیت کے سے بناؤ سنگار دکھلاتی نہ پھرو۔ یہ ایک حکم ہے جو اولاً آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات کو دیا گیا ہے لیکن ہم اس کو اُنہی تک محدود نہیں سمجھتے۔ کیونکہ قرآن شریف میں بہت سارے ایسے احکام ہیں جنہیں مخاطب صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لیکن وہ حکم تمام مسلمانوں کے لئے ہیں۔ .... ایسا ہی اس جگہ ایک حکم آنحضرت صلعم کی بیویوں کو دیا گیا ہے جو مسلمان عورتوں کے لئے بطور ایک نمونہ کے ہیں۔ اور اس لئے اس حکم میں تمام مومن

عورتیں شامل ہیں۔ لیکن اس آیت سے یہ معنے نکالنا کہ عورتیں کبھی اپنے گھر سے باہر نہ نکلیں صریح غلطی ہے
اس آیت کا یہ منشا کبھی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ انہی معنوں کو خود قرآن کریم دوسرے الفاظ میں یوں ظاہر
کرتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگار ست دکھاتی پھرو۔ یہی مطلب "قرن فی بیوتکن" سے
ہے۔ اور اسی مفہوم کو سورہ نور میں "لا یبدین زینتھن" سے ظاہر کیا ہے۔ اگر گھروں میں
ٹھیرنے کا حکم دینے سے قرآن شریف کا یہی منشاء ہوتا کہ عورتیں واقعی کبھی اپنے گھروں سے باہر
نہ نکلیں تو پھر یہ دوسرا حکم دینا کہ ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی۔ بالکل مہمل ہوجاتا ہے
کیونکہ اگر وہ گھروں سے باہر ہی نہ نکل سکتی تھیں۔ تو پھر یہ کہنے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہتی تھی کہ وہ
اپنا بناؤ سنگار لوگوں کو نہ دکھلاتی پھریں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت میں جیسا کہ اس آیت
سے معلوم ہوتا ہے عورتیں بلا ضرورت بناؤ سنگار کرکے گھروں سے باہر پھرا کرتی تھیں جس کی
غرض سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ وہ اپنے عمدہ لباس اور زینتیں لوگوں کو دکھلائیں۔ اور غیر مردوں
کا غیر عورتوں کے ساتھ کھلا میل جول ہوتا تھا۔ یہ حالت ایسی تھی کہ اس کے ہوتے ہوئے سچی
پاکیزگی اور طہارت دلوں میں پیدا نہ ہوسکتی تھی۔ اور اسلام کی اصل غرض یہی تھی کہ ان برائیوں کو
دور کیا جاوے۔ نہ یہ کہ عورتوں کو کام کاج کرنے سے روکا جاوے۔ یا اُن کو گھروں کی چاردیواری کے
اندر بند کیا جاوے۔ اور اگر اس حکم کا ایسا ہی سخت منشاء ہوتا تو کم از کم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی بیویاں جو اولاً مخاطب تھیں آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد اس پر ضرور عمل
کرتیں۔ مگر تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جنگوں میں اور حج
میں اپنی بیویوں کو ساتھ لیجاتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اس حکم کے یہ معنے نہیں سمجھے
کہ عورتوں کو قطعی طور پر گھر سے نہیں نکلنا چاہئیے۔ علاوہ ازیں آپ کی وفات کے بعد حضرت عائشہ
باہر نکلتی رہیں۔ جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض لڑائیوں میں خود جا کر لڑیں۔ کیا اُن کو یہ حکم معلوم
نہیں تھا یا کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے۔ کہ اُنھوں نے ..... قرآن کریم کے حکم کی خلاف ورزی کی +

پس قرآن شریف کی کوئی آیت پردہ کے متعلق ایسی نہیں جو سورہ نور کی مذکورہ بالا آیات سے
بڑھ کر پردہ کا حکم دیتی ہو۔ اور پردہ کا مضمون مفصل انہی آیات میں مذکور ہے۔ اب جیسا کہ ہم نے
پہلے توجہ دلائی تھی۔ ان آیات میں دو علیحدہ علیحدہ حکم دیئے گئے ہیں۔ یعنے پہلا حکم غض بصر کے
متعلق ہے جسمیں عورتیں اور مرد دونوں شامل ہیں۔ اور دوسرا حکم زینت کے چھپانے کے متعلق ہے
جس میں صرف عورتیں مخاطب ہیں۔ اس لئے کامل پردہ یہی چاہتا ہے۔ کہ ان دونوں احکام کی

تعمیل کی جائے نہ صرف ایک کی۔ قرآن شریف کا منشاء ایک بدی کو دور کرنے کا تھا۔ اور اس کے لئے وہ ایک دوہرا علاج تجویز کرتا ہے۔ عورت کو تو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ وہ اپنی زینت کے مقامات کو چھپا کر نکلے تاکہ بلا ضرورت مردوں کی نظریں اُس کی طرف نہ اُٹھیں۔ اور ساتھ ہی مردوں کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں۔ اور عورتوں کی طرف نہ دیکھیں۔ اگر سارا بوجھ ایک ہی فریق پر ڈالا جاتا مثلاً جیسا کہ کہا جاتا ہے عورتوں کو واقعی یہ حکم دیا جاتا کہ وہ کبھی بھی مردوں کے سامنے نہ نکلیں تو یہ ناانصافی ہوتی۔ مگر قرآن کریم اس ناانصافی کا مرتکب نہیں۔ وہ دونوں فریقوں کو برابر رکھتا ہے۔ اور دونوں سے یہ چاہتا ہے۔ کہ وہ ایسی طرز اختیار کریں جس سے ایک بڑی بھاری بدی اُن کے درمیان سے دور ہو جاوے۔ عورت کو یہ چاہیئے کہ وہ مردوں کے سامنے دلربائی کا کوئی سامان ظاہر نہ کرے۔ اور ایک سیدھا سادہ لباس اوڑھ کر اور زینت کے مقامات کو ڈھانک کر باہر نکلے۔ یہ گویا عورت کا فرض ہے اور ساتھ اس کے مردوں پر یہ لازم کیا گیا ہے۔ کہ جب عورتوں کو ضرورتاً اُن کے سامنے باہر نکلنا پڑے تو وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں۔ اور ان کی طرف مت دیکھیں۔ یہ کیسا سیدھا سادہ اور معقول حکم ہے اور ہر ایک قسم کے حالات کے ماتحت اس پر کیسی آسانی سے عملدرآمد ہو سکتا ہے۔ یہی وہ دوہرا علاج ہے جو قرآن شریف نے بتلایا ہے۔ اور جو لوگ اس قسم کے پردہ کے خواہاں ہیں جس میں عورت کا چہرہ اور ہاتھ بھی ظاہر نہ ہوں وہ گویا غض بصر کے حکم کو جس کی تعمیل ان پر فرض ہے ٹالنا چاہتے ہیں ایسا ہی عورتوں کو بھی یہ حکم ہے۔ کہ وہ بھی جب غیر مردوں کے سامنے باہر نکلیں تو غض بصر کا طریق اختیار کریں۔ اسلامی پردہ عورتوں کو یا مردوں کو کام کرنے سے نہیں روکتا۔ اور صرف اسی قدر اُن سے چاہتا ہے جو اُن کی طاقت کے اندر ہے۔ یعنی یہ کہ عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں۔ اور دونوں فریق غض بصر کا طریق اختیار کریں +

انہی آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اپنے گھروں کے اندر عورتیں کیا طرز اختیار کریں۔ بعض قریبی رشتہ دار یا کنبہ کے لوگ تو ایسے قرار دیئے گئے ہیں جن کے سامنے عورت اپنی زینت بھی ظاہر کر سکتی ہے لیکن اُن کے علاوہ باقی تمام لوگ جن میں رشتہ داروں کی بھی ایک بڑی جماعت شامل ہے ایک ہی حکم کے نیچے رکھے ہیں۔ یعنی یہ کہ اُن کے سامنے عورت اپنی زینت ظاہر نہیں کر سکتی۔ لیکن جیسا کہ باہر نکلنے کے لئے عورت کو اجازت ہے۔ کہ وہ اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو کھلا رکھے۔ ایسا ہی ان لوگوں کے سامنے بھی اسی حالت میں ظاہر ہو سکتی ہے۔ ابن عباسؓ کا ایک قول اس پر شاہد ہے۔ "الزینۃ الظاھرۃ الوجہ وکحل العین وخضاب الکف والخاتم فھذا تظھر فی بیتھا لمن دخل من الناس علیھا"۔

یعنے زینت ظاہر سے مراد چہرہ اور آنکھوں کا سرمہ اور ہاتھوں کی مہندی اور انگھوٹھی ہے پس یہ چیزیں ایسی ہیں۔ کہ عورت اپنے گھر میں اُن لوگوں کے لئے جو گھر میں آویں ظاہر کر سکتی ہے۔ بچوں کے لئے جو بلوغت تک نہ پہنچے ہوں۔ ایسا ہی اُن لوگوں کے لئے جو عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں وہی حکم ہے۔ جو باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لئے ہے جن کا ذکر آیت شریف مذکورہ بالا میں ہے غلاموں کے لئے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ یہی حکم ہے۔ یعنی ان سے زینت کو چھپانے کی ضرورت نہیں لیکن ان تمام حالات میں یہ ضروری ہے۔ کہ عورت کے جسم کا کوئی حصہ سوائے چہرہ اور ہاتھوں اور شاید پاؤں کے ننگا نہ ہو +

ایک امر قابل غور یہ بھی ہے۔ کہ آیا عورت غیر محرم مرد سے بول سکتی ہے؟ کیونکہ ہندوستان میں جو پردہ مُروج ہے وہ بعض صورتوں میں ایسی سختی کی حد تک پہنچا ہُوا ہے۔ کہ عورت کی آواز کا غیر محرم مرد کے کان میں پہنچنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ قرآن شریف ایسی تعلیم ہرگز نہیں دیتا۔ ہاں آواز کے متعلق یہ آیت قرآن کریم میں ہے۔ یانساء النبی لستنّ کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فے قلبہٖ مرض وقلن قولاً معروفا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے پیغمبر کی بیویو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو سو پرہیزگاری کا طریق یہی ہے کہ دبی زبان سے کسی کے ساتھ بات نہ کیا کرو کیونکہ ایسا کروگی تو جس کے دل میں کسی قسم کا کھوٹ ہے وہ (شاید) طمع کرے۔ پس یہی ٹھیک ہے کہ بات کرو تو معروف طور پر بات کرو (یعنی دبی آواز سے بات نہ کرو بلکہ مردانہ طور پر بات منہ سے نکالو) اس آیت میں آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات کو اجنبی مردوں سے بات کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔ اور خود تاریخ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی بیویاں ضرورت کے وقت غیر مردوں سے گفتگو کرنے سے پرہیز نہ کرتی تھیں اور ایسا ہی صحابہ کی بیویاں بھی۔ اب اگر حدیث کے سلسلہ روایت پر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جن میں مرد عورتوں سے اور عورتیں مردوں سے روایت لیتے ہیں۔ حالانکہ پردہ کے لحاظ سے ایسے مرد اور عورتیں بالکل اجنبی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابتدائی اسلامی سوسائٹی میں عورتوں کی کیا پوزیشن تھی۔ اگر آج کل کا سا پردہ اس وقت بھی مروج ہوتا تو بہت ساری حدیثیں جن کے سلسلہ روایت میں کہیں نہ کہیں کوئی عورت راوی آگئی ہے بالکل مفقود ہو جاتیں۔ امام بخاری کے چار بڑے شاگردوں میں بھی ایک عورت ہے جس کی نسبت یہ امر مسلم ہے۔ کہ بڑے بڑے عالم اور فاضل اس سے حدیث کی روایت کو لیتے ہیں۔ اور وہ بڑے بڑے مجمعوں میں حدیثیں بیان کرتی تھیں۔

غرض کہ یہ ایک بڑی بھاری غلط فہمی ہے۔ کہ پردہ اختیار کرنے سے عورت کالعدم ہو جاتی ہے۔ اور انسانی کاروبار میں اُس کا کوئی حصہ نہیں رہتا۔ اور اس غلط فہمی کا الزام خود مسلمانوں پر ہی ہے۔

جنہوں نے پردہ میں اس قدر تشدد کیا کہ اس کو کچھ کا کچھ بنا دیا +

انہی بے اعتدالیوں کی وجہ سے پردہ بجائے اس کے کہ ایک دلکش اور پسندیدہ چیز معلوم ہوتی بعض لوگوں کو ڈراونا معلوم ہوتا ہے۔ اس تشدد سے اور ان بے اعتدالیوں سے ابتدائی اسلامی سوسائٹی بالکل بری تھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے مقدس جانشینوں کے زمانے میں عورتیں لڑائیوں میں ساتھ جایا کرتی تھیں۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ تمام معتبر تاریخ کی کتابوں سے جیسے ابن ہشام وغیرہ یہ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنگوں میں عورتوں کا یہ فرض تھا کہ وہ زخمیوں کے مونہوں میں پانی ڈالتی تھیں۔ اور ان کے زخموں پر مرہم پٹی کرتی تھیں۔ کیا یہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ جس قسم کا پردہ اس زمانے میں ہندوستان کے مسلمان شرفاء کے گھروں میں پایا جاتا ہے۔ اس طرح کے پردہ سے ایسے فرائض بھی پورے ہو سکتے تھے۔ پھر یہ امر بھی تاریخ کے مطالعہ کرنے والے پر پوشیدہ نہیں کہ صحابہ کی عورتیں زراعت وغیرہ کے کاموں میں اپنے خاوندوں کو مدد دیتی اور انکی محنتوں میں شریک ہوتی تھیں۔ جنگ کے میدان میں اُن کے الگ فرائض تھے جن کو وہ پوری مستعدی سے ادا کرتی تھیں۔ پھر جب مرد لڑائیوں میں جاتے تھے تو پیچھے عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے چند آدمی مقرر ہوا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ خاوندوں کی غیر حاضری میں انہیں آدمیوں سے عورتوں کو واسطہ پڑتا تھا ایسی صورتوں میں ہرگز ممکن نہیں کہ اسی قسم کے سخت پردہ کی پابندی ہو سکتی ہو جو آجکل اس ملک میں مروج ہے۔ پھر یہ امر بھی حدیثوں سے ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جہاں سینکڑوں مرد ہوتے تھے عورتیں آتی تھیں۔ اور مسائل دریافت کرتی تھیں۔ اور بعض وقت اپنے ہی خاوندوں یا والدین کے خلاف استغاثے دائر کرتی تھیں۔ پھر یہ امر بھی ثابت ہے۔ کہ عورتیں لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھتی تھیں اور جانتی تھیں پھر سلسلہ روایت حدیث میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ایک مرد کسی عورت سے اور ایک عورت کسی مرد سے روایت کرتی ہے۔ ان تمام امور سے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی پردہ عورت کو بے دست و پا کرنے والا نہ تھا +

علاوہ ان تمام امور کے قیاس یہ چاہتا ہے۔ کہ پردہ میں تشدد اسلام کے غلبہ کے ساتھ پیدا ہوا ہے ابتدائی حالت مسلمانوں کی غریبانہ اور سادگی کی حالت تھی۔ اور اکثر ان میں ایسے تھے جو خود محنتیں کر کے معاش حاصل کرتے تھے لیکن جوں جوں اسلام قوت و شوکت میں ترقی کرتا گیا اور روپیہ کی کثرت ہوتی گئی سوسائٹی کا نقشہ بھی بتدریج بدلتا گیا۔ اب منجملہ اور اغراض کے پردہ کی ایک یہ بھی غرض تھی۔ کہ اس سے شریف یعنی آزاد عورتوں اور لونڈیوں میں ایک امتیاز ہو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو گھرانے صاحب دولت و

ثروت ہوتے گئے اُن میں پردہ بھی بتدریج تشدد کی طرف ترقی کرتا گیا۔ اُدھر دولت کے بڑھنے سے عورتوں کے کاروبار میں مدد دینے کی ضرورت کم ہوتی گئی۔ اور اس لئے اُن کا باہر نکلنا بھی آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔ کیونکہ ہر قسم کی ضرورتیں روپیہ کی کثرت کی وجہ سے گھروں میں ہی پوری ہونے لگ گئیں۔ ان نئے حالات زندگی کا تقاضا یہ ہوا کہ پردہ میں تدریجاً ترقی ہوتی گئی یعنی سختی بڑھتی گئی۔ اور پردہ کا تشدد وجاہت اور حیثیت کا معیار ہونے لگا۔ ہندوستان میں بھی چونکہ مسلمان بطور ایک فاتح قوم کے آئے اور ہر قسم کے امیرانہ سامان ان کے ساتھ تھے اس لئے مسلمان سوسائٹی کے اعلےٰ طبقوں میں پردہ کا تشدد اور بھی ترقی کر کے ایک ایسی حالت میں مروج ہو گیا جو آجکل دیکھا جاتا ہے +

اس مضمون پر اس قدر بحث کے بعد اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اسلامی پردہ کیا چاہتا ہے۔ اور اس کے حدود کیا ہیں شریعت اسلام عورتوں کو یہ حکم دیتی ہے۔ کہ وہ بلا ضرورت اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں اور غیر محرم مردوں سے کھلا میل جول نہ کریں۔ اور نہ صرف اپنا بناؤ سنگار دکھانے کے لئے باہر پھریں۔ اور ضرورت کے لئے نکلنے کے وقت بھی اپنی ہر ایک زینت کو سوائے چہرہ اور ہاتھوں کے چھپا لیں۔ اور اپنے عمدہ لباسوں کو بھی ایک سادہ کپڑے سے چھپا کر نکلیں۔ مگر پردہ کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ عورتیں اپنے کاروبار کے لئے باہر نہ نکلیں یا علوم و فنون میں ترقی نہ کریں۔ یا اپنے گھر کے اندر کے فرائض کو ادا نہ کریں یا قیام صحت کے لئے ہوا خوری کے لئے باہر نہ نکلیں۔ نہ پردہ اسبات سے عورتوں کو روکتا ہے۔ کہ وہ اپنے لئے کوئی جائداد یا روپیہ یا کوئی سبیل معاش پیدا کریں۔ غرضیکہ جس چیز کا نام آزادی ہے۔ اس سے پردہ عورت کو ہرگز نہیں روکتا۔ ہاں ان باتوں سے روکتا ہے جن سے کسی قسم کی بدی یا ضرر کے پیدا ہونیکا اندیشہ ہے۔ اور اصل غرض پردہ کی بھی صرف یہی ہے جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔ یہ ہم بخوبی جانتے ہیں۔ کہ پردہ کے معاملہ میں جو اس وقت دو فریق ہو رہے ہیں۔ وہ دونوں اپنی اپنی باتوں پر قائم رہ کر ہماری اس تحقیقات سے خوش نہیں ہو سکتے لیکن طالبان حق اس سے ضرور فائدہ اُٹھا سکتے ہیں ہم نے اس سوال کے دونو پہلوؤں پر غور کیا ہے۔ اور ہم اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ نہ تو قرآن کریم کا یہ منشاء ہے۔ اور نہ ہی انسانوں کی حالت برداشت کر سکتی ہے۔ کہ جو سخت پردہ ہندوستان کے اعلےٰ طبقے کے مسلمانوں میں مُروج ہے وہی پردہ ساری دنیا کے لئے ضروری ہے۔ ایک آدمی جس کے پاس سامان زندگی بافراغت موجود ہیں اسبات کی ضرورت نہ سمجھے تو نہ سمجھے کہ عورتوں کو باہر نکلنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے بشرطیکہ اُس کو اپنی عورت کی صحت کی بھی کچھ پروا نہ ہو۔ لیکن دُنیا کا کثیر حصہ ایسا نہیں جو اس ضرورت کو محسوس نہ کرے۔ ہر ایک سوسائٹی میں ۷۵ فیصدی یا اس سے بھی زیادہ آبادی ایسی ہوتی ہے

جنہیں محنت سے کما کر گذارہ کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ تمام آبادی مطلقاً ایسے پردہ کی برداشت نہیں کر سکتی جیسا کہ آج کل مروج ہے۔ کثرت سے لوگ ایسے ہی ہیں جن کے لئے یہ محض ناممکن ہے۔ کہ وہ عورتوں کو گھروں سے باہر نہ نکلنے دیں۔ اور پھر اکثر اوقات عورتوں کو ایسے ہی فرائض ادا کرنے پڑتے ہیں جن کیلئے چہرہ کا اور ہاتھوں کا کھلا رہنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر اعلےٰ طبقہ کے پردہ کو عام سوسائٹی میں جبراً رواج بھی دیا جاوے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ لوگ بھوکے مرنے لگیں گے۔ اور خود عورتوں کی صحت کی حالت آخر کار خراب ہو جائیگی۔ دوسری طرف جن عورتوں کو کاروبار سے سبکدوشی حاصل ہے۔ ان کو بھی گاہے گاہے قیام صحت کے لئے یہ ضرورت ضرور محسوس ہوتی ہے کہ وہ باہر کی کھلی ہوا میں نکلیں۔ اور جبتک وہ چہرہ کو بالکل بند رکھنے پر مجبور ہیں۔ ان کے لئے باہر کی ہوا بھی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ چونکہ اسلام کی شریعت چند امیر آدمیوں کے لئے نہیں ہے بلکہ غربا کی حالت کو بھی مدنظر رکھتی ہے اسلئے اسلام کا منشاء یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ پردہ میں وہ تشدد کیا جاوے۔ جو آجکل کے مروجہ پردے میں کیا جاتا ہے +

مزید احتیاط کے لئے یہ سوال امام الزمان حضرت **مسیح موعود** علیہ السلام کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا جس کا تحریری جواب حسب ذیل آپ کی طرف سے پہنچا۔ جو بعینہٖ درج کیا جاتا ہے:۔ "شرعی پردہ یہ ہے کہ چادر کو حلقہ کے طور پر کر کے اپنے سر کے بالوں کو کچھ حصہ پیشانی اور زنخدان کے ساتھ بالکل ڈھانک لیں۔ اور ہر ایک زینت کا مقام ڈھانک لیں مثلاً منہ پر اردگرد اس طرح پر چادر ہو (اس جگہ انسان کے چہرہ کی شکل دکھا کر جن مقامات پر پردہ نہیں ہے اُن کو کھلا رکھ کر باقی پردہ کے نیچے دکھایا گیا ہے) اس قسم کے پردہ کو انگلستان کی عورتیں آسانی سے برداشت کر سکتی ہیں۔ اور اس طرح پر سیر کرنے میں کچھ حرج نہیں آنکھیں کھلی رہتی ہیں" +

اب یہ مسئلہ ہمارے احمدی بھائیوں کے لئے تو کم از کم حل ہو گیا ہے۔ اور امید ہے کہ دوسرے لوگ بھی آہستہ آہستہ دیکھ لیں گے کہ یہی پردہ سچا اسلامی پردہ ہے۔ اور اس کے اختیار کرنے سے دُنیا بہت سی بدیوں سے نجات پا سکتی ہے +

۲۔ پردہ پر بعض اعتراضوں کا جواب

شرعی پردہ کے حدود کو بیان کرنے کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض اُن اعتراضوں کی تردید

کی جاوے جو پردہ کے خلاف کئے جاتے ہیں انہیں سب سے اول وہ اعتراض غور طلب ہے جو خود حامیان پردہ کی طرف سے ہی ہوگا۔ کہ اس قسم کا پردہ جیسا ہم نے بیان کیا ہے عورت کو یہ آزادی دیتا ہے کہ وہ ضرورت کے لئے چہرہ کا کچھ حصہ کھلا رکھ کر باہر نکل سکتی ہے۔ اور اس سے بعض مضرات کا احتمال ہے۔ اس کا جواب تو ہماری طرف سے پہلے گذر چکا ہے۔ کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن شریف نے ان مضرات کا جن کا احتمال مروجہ پردہ کے حامیان کو اندیشہ میں ڈالتا ہے صرف ایک ہی علاج تجویز نہیں کیا۔ کہ عورت اپنی زینت کو چھپا کر نکلے بلکہ دوسرا علاج بھی خود ہی تجویز فرمادیا ہے۔ کہ مرد اور عورت دونوں غض بصر کا طریق اختیار کریں۔ اور کتنا ہی سوچ کر دیکھ لو۔ ان سے بہتر علاج اُن مضرات کا دُنیا میں اور کوئی تجویز ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ پُر حکمت علاج اُس کی طرف سے ہے جس نے فطرت انسان کو بنایا ہے۔ اسلئے ایسے اعتراض کا پیدا ہونا سوائے اس کے کوئی اور وجہ نہیں رکھتا کہ قرآن کریم کے پُر حکمت احکام پر غور نہیں کیا جاتا۔ ہاں اس کے بعد اب ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ غض بصر کا حکم مرد اور عورتیں آسانی سے توڑ سکتے ہیں۔ اور اس لئے ایسے حکم کی بجائے کیوں یہ حکم نہ دیا گیا کہ عورتیں باہر ہی نہ نکلیں یا مجبوراً نکلنا پڑے تو کوئی حصہ اُن کے کپڑوں کا یا جسم کا کھلا نہ رہے۔ ایسا اعتراض انسانی تمدنی ضروریات سے ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ عملی طور پر یہ ممکن ہی نہیں کہ دُنیا کے کثیر حصہ کی عورتیں یا کسی قوم کی عورتوں کا بڑا حصہ اس پردہ کا پابند ہو سکے یہ فرض کر کے ہم نے اپنا دل تو اتنی بات سے خوش کر لیا کہ اسلام ایک ایسے پردہ کا حکم دیتا ہے جس میں اس قسم کا نظارہ ہی نہیں جو موجب ابتلا ہو سکے۔ اگرچہ ہم آگے چل کر دکھا دینگے۔ کہ انسانی سوسائٹی میں ایسا ہونا ممکن ہی نہیں۔ پر اب سوال یہ ہے کہ اس پر عمل کون کریگا۔ کیا یہ حکم ان انسانوں کی حالتوں کے مطابق ہوگا جو دُنیا میں چلتے پھرتے اور اپنی روزی کماتے ہیں۔ اسلام تو اپنے قوانین عام لوگوں کی حالتوں کے مطابق تجویز کرتا ہے۔ نہ دو یا چار منتخب آدمیوں کے لئے جو خوش قسمتی سے اس قدر روپیہ کے مالک ہیں۔ کہ گھر بیٹھے اپنی تمام ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ عملی طور پر دیکھ لو۔ اور پھر غور کر کے دیکھ لو کہ ہر قوم میں ۹۰ فیصدی یا اس سے بھی زیادہ آبادی ایسی ہی ہوتی ہے۔ جو کسی صورت میں اس قاعدہ کی پابند ہی نہیں ہو سکتی۔ کہ اُن کی عورتیں اپنے کاموں کے لئے باہر نہ نکلیں۔ کیا یہ سب لوگ دائرہ انسانیت سے خارج ہیں۔ یا کہ انسانوں کے لئے ایسے قواعد تجویز کئے جاتے ہیں جن کے وہ پابند ہی نہیں ہو سکتے۔ یا اگر دائرہ انسانیت سے باہر نہیں تو کیا اُن کو دائرہ اسلام سے خارج کر دو گے۔ کہ اسلام کا ایک اصول ایسا تجویز کرتے ہو جو اُن کی حالتوں کے بالکل مخالف

پڑا ہوا ہے۔ اس درمیانی طبقہ کے لوگوں میں اور اُس اعلیٰ طبقے میں جو اپنے آپ کو ان سے برتر سمجھتا ہے اور تو کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ ان کے پاس روپیہ زیادہ ہے۔ اور یہ لوگ صرف اسی پر گذارہ کرتے ہیں جو اپنی محنتوں سے کماتے ہیں۔ کیا اسی فرق کے سبب سے یہ لوگ اسلام سے خارج ہو جاوینگے۔ حالانکہ اُن کے درمیان احکام الٰہی کے زیادہ پابند اور شریعت اسلام کی بہت تابعداری کرنے والے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبت رکھنے والے موجود ہیں۔ کیا اسلام امیروں کے لئے بنا تھا جو اس پر عمل ہی نہیں کرتے اِلّا شاذ و نادر۔ یا عام لوگوں کے لئے۔ ہاں اعلےٰ طبقہ کے لوگ یہ تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ اسلام نے یہ اصول عام لوگوں کی حالتوں کے مطابق تجویز کیا ہے اور ہم اپنے لئے اس سے بہتر اصول تجویز کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا اُن کا حق نہیں ہے۔ کہ مذہب اسلام کا یہ اصول خاص ہمارے لئے بنا تھا جو پانچ یا دس فیصدی آدمی ہیں۔ اور جو باقی احکام اسلام کی پیروی نہیں کرتے ...... اور جو لوگ باقی احکام پر عمل کرتے ہیں وہ مجبور ہیں۔ کہ اسلام کے اس اصول کی خلاف ورزی کریں پس ہم کہتے ہیں کہ اصول وہ تجویز کرنا چاہئے جو عام لوگوں کی حالتوں کے مطابق ہو۔ نہ کہ معدودے چند زیادہ روپیہ والے لوگوں کے لئے۔ اسلام تو غُربا کے لئے ہی آیا ہے۔ اور اُس کے اصول بھی اُنہیں کی حالتوں کو مدنظر رکھکر تجویز کئے گئے ہیں۔ پس جو شخص دل کا غریب ہے اور مسلمان کہلاتا ہے اُسے نہیں چاہئے کہ محض زیادہ روپیہ رکھنے کی وجہ سے اس تکبّر کو دل میں جگہ دے کہ اسلام میرے لئے ہی بنا ہے اور دوسرے لوگ محض وحشی اور جاہل ہیں۔ اُن کی حالتیں ہی خدا نے ایسی بنائی ہیں۔ کہ وہ اس پر چل نہیں سکتے۔ بعض لوگوں نے اس موقعہ پر یہ بھی جواب دیا ہے۔ کہ عام لوگوں کی یہ حالت اضطراری ہے۔ کہ اُنکی عورتوں کو کام کرنے کے لئے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہی اضطراری حالت صحابہ میں بھی موجود تھی رضی اللہ عنہم۔ اور یہی اضطراری حالت ہر زمانہ میں ہر قوم میں نوّے فیصدی لوگوں میں موجود رہتی ہے۔ پس کیا اسلام نے ایسا اصول تجویز کر دیا ہے جو نہ تو اول زمانہ کے لوگوں کی حالتوں کے مطابق تھا اور نہ بعد میں ہی۔ اور سب کے سب کو مضطر ہو کر اُس اصول کو توڑنا پڑا۔ کیا کوئی اور ایسا اصول بھی اسلام نے تجویز کیا ہے جسے مضطر ہو کر قریباً تمام دُنیا کو توڑنا پڑے +

یہ تو ایک پہلو ہُوا اب دوسرے پہلو پر غور کرتے ہیں۔ تو وہ بھی خالی از مشکلات نظر نہیں آتا۔ جب ہم اس بات کو تجویز کر چکے کہ پردہ واقعی ایسا ہی سخت ہونا چاہئے جیسا آجکل مروج ہے۔ تو اب سوال

یہ ہے کہ اس پردہ کی سختی سوائے ان لوگوں کے جن کے نام قرآن شریف میں لئے گئے ہیں سب سے یکساں ہونی چاہیئے۔ اب ان لوگوں میں جن سے پردہ ہے خاوند کے تمام رشتہ دار سوائے باپ اور بیٹوں کے اور عورت کے اپنے بعض رشتہ دار جیسے انکے چچوں اور پھوپھیوں کے بیٹے وغیرہ بھی شامل ہیں پس موجب حکم قرآن ان تمام سے اسی قسم کا پردہ ہونا چاہیئے جیسا اجنبیوں سے مگر سوائے شاذ و نادر مستثنےٰ حالتوں کے ایک بھی گھر ایسا نہیں جہاں اس اصول کو مدنظر رکھا جاتا ہو اور بہت سارے رشتہ دار جن کو قرآن کریم نے غیر محرموں میں رکھا ہے محرموں کی طرح گھروں میں آتے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ عورتیں شرعی پردہ کر کے ان لوگوں کے سامنے آویں وہ بغیر اپنی زینتوں کو چھپانے کے اُن کے سامنے آتی جاتی ہیں۔ اور اس طرح پر قرآن شریف کے حکم کی صریح خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ اب نئے قاعدوں کا تجویز کر لینا تو آسان ہے۔ مگر اُن پر عملدرآمد نہیں جس سے یہ معلوم ہوا کہ انسانی حالات کے مطابق وہ نہیں۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں ہر ایک شخص بجائے خود غور کرے کہ آیا اس قسم کے پردہ کی برداشت جیسا الفاظ میں تجویز کیا جاتا ہے تمدنی انسانوں کی طاقت کے اندر ہے۔ اگر پردہ کے معاملہ میں اعتدال کو مدنظر رکھا جاتا تو قرآن شریف کے احکام کی پوری فرمانبرداری ہو سکتی تھی۔ الغرض وہ لوگ جو اپنی عورتوں کے مطلق باہر نکلنے کو یا ایسی صورت میں باہر نکلنے کو کہ اُن کے چہرہ کا کوئی حصہ یا اُن کے ہاتھ ظاہر ہوں اپنے لئے ذلت سمجھتے ہیں وہی لوگ اس بات سے کچھ مضائقہ نہیں کرتے کہ اُن کی عورتیں ہر طرح کی زینت کے ساتھ ایسے لوگوں کے سامنے نکلیں بلکہ بے تکلفی کے ساتھ اُن سے ملیں جُلیں جنہیں قرآن شریف پردہ کے معاملہ میں ایسا ہی اجنبی سمجھتا ہے جیسے دوسرے لوگوں کو جن کا تعلق رشتہ داری وغیرہ کا کوئی نہیں۔ ان تمام واقعات سے ہم ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ یعنی یہ کہ اُن مختلف حالات کے نیچے جو تمدنی زندگی میں انسانوں کو پیش آتے ہیں یہ ممکن نہیں کہ اس قدر سخت پردہ کی پابندی ہو سکے جیسا بعض لوگ تجویز کرتے ہیں +

پھر ایک تیسرا پہلو اس سوال کا یہ ہے۔ کہ اس طریق سے بھی فتنہ کا دروازہ بند تو نہیں ہوتا کیونکہ آخر عورتوں کو مجبوراً باہر نکلنا ہی پڑیگا پس اگر اُن کے چہرے بالکل بند بھی کر دیئے جاویں تو آنکھیں تو بند نہیں کی جا سکتیں۔ پس کم از کم اُن کو تو یہ موقعہ حاصل ہے کہ وہ مردوں کو بخوبی دیکھ سکیں۔ نہ اسلئے کہ اسلام نے واقعی اُن کو ایسی اجازت دی ہے۔ بلکہ اسلئے کہ غض بصر کا طریق جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے ناکافی سمجھا جاتا ہے۔ اسلئے اسی طریق پر چلنے سے یہ بھی ضروری ہوگا

کہ مردوں کے چہرے بھی چھپائے جاویں۔ کیونکہ اس کے بغیر فتنہ کا دروازہ تو بہر حال کھلا ہی رہا پھر ایک اور مشکل یہ ہوگی۔ کہ امرد کے لئے کیا حکم ہوگا کیا اُن کے لئے بھی یہ ضروری ہوگا کہ عورتوں کی طرح چہرہ چھپا کر باہر نکلیں۔ کیونکہ جیسا عورت کے چہرہ کی طرف دیکھ کر ایک مرد فتنہ میں پڑ سکتا ہے ایسا ہی امرد کے چہرہ کی طرف بھی دیکھ کر فتنہ میں پڑ سکتا ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ امرد کے لئے فقہاء نے کیا تجویز کیا ہے۔ کیونکہ جس رنگ میں انسان اُس کے فتنہ سے بچ سکتا ہے۔ اسی رنگ میں دوسرے فتنہ سے بھی بچ سکتا ہے۔ اس جگہ فقہاء نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے۔ کہ امرد کیلئے چہرے کو چھپانا ضروری نہیں بلکہ غض بصر کے طریق کو اختیار کرنا چاہئے۔ پس کسی پہلو پر غور کرو۔ یہی معلوم ہوگا کہ سوائے اس کے کہ قرآن کریم کے حکیمانہ اصول غض بصر کو مدنظر رکھا جائے انسانوں کا تجویز کردہ کوئی قاعدہ چل نہیں سکتا اور نہ ہی مشکلات اور مضرات کو دور کر سکتا ہے۔

دوسرا اعتراض پردہ پر یہ کیا جاتا ہے۔ کہ پردہ سے جہالت پیدا ہوتی اور علوم کی ترقی رُکتی ہے اس اعتراض کی جڑ شرعی پردہ کی غلط فہمی ہے۔ اور اسلام کے دامن پر یہ اعتراض کسی صورت میں عاید نہیں ہوتا۔ کہ جس پردہ کی تعلیم اس نے دی ہے۔ وہ عورتوں کی ضروری تعلیم کو روکتا ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ گری ہوئی حالت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اُسکی وجہ عورتوں کو پردہ میں رکھنا ہے بالکل بے بنیاد امر اور بلا دلیل دعوے ہے۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں۔ کہ انگلستان میں پردہ کبھی مروج نہیں ہوا۔ تاہم جیسا کہ انسکلوپیڈیا کی نئی جلدوں میں تسلیم کیا گیا ہے۔ ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی سے پہلے انگلستان کی عورتوں میں باقاعدہ تعلیم کبھی مروج نہیں ہوئی۔ دوسری طرف مسلمانوں کے درمیان باوجود پردہ کے اعلےٰ درجہ کی عالم اور فاضل عورتیں گذری ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہزاروں شعر عربی یاد تھے۔ اور معانی الفاظ کے اختلاف کے وقت وہ سند میں شعر پیش کیا کرتی تھیں۔ اور اُن کا عالم و فاضل ہونا سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی پڑھی ہوئی تھیں۔ اور کتابت بھی جانتی تھیں جیسا کہ اصابہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُنہوں نے فن کتابت بھی سیکھا تھا۔ ایسا ہی صحابہ میں بہت ساری عورتیں تھیں۔ جو علم اور فضل کے سبب سے شہرت رکھتی تھیں۔ چنانچہ شفا بنت عبداللہ کی بہت ساری تعریف کر کے اصابہ میں لکھا ہے۔ وکان عمر یقدمھا فی الرای ویرعاھا ویفضلھا وربما ولاھا شیئا من امر السوق یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اُن کی رائے کو مقدم رکھتے تھے (جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن سے اہم معاملات میں مشورہ بھی لیا جاتا تھا) اور اُن کی رعایت

کرتے تھے۔ اور انہیں فضیلت دیتے تھے۔ اور اکثر اوقات سوق کے معاملات میں سے بعض معاملے اُن کے سپرد کرتے تھے۔ اسی طرح اسلام کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں میں کئی عورتیں عالم و فاضل اور ادیب اور شاعر گذری ہیں۔ اس امر کو زیادہ طول دینا ضروری نہیں کیونکہ یہ واقعات ایسے ہیں جن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ بعض لوگ ایک وضعی حدیث کو اس بات کی تائید میں پیش کیا کرتے ہیں۔ کہ عورت کو کتابت سکھانا جائز نہیں۔ مگر واقعات مندرجہ بالا کے سامنے اس حدیث کا جھوٹا ہونا اظہر من الشمس ہے غرضیکہ پردہ اس الزام سے بری ہے۔ کہ اس سے عورتوں کی تعلیم میں نقص واقع ہوتا ہے۔ بلکہ برعکس اس کے پردہ ایسی چیز ہے۔ کہ اس سے عورت کو تعلیم کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ مثلاً ایک ایسی سوسائٹی میں جہاں پردہ نہیں ہے عورتوں کا بہت سارا وقت اس طرح پر ضائع ہوتا ہے۔ کہ وہ طرح طرح کے لباس پہن کر اور آرائشیں کر کے لوگوں کو دکھانے کے لئے اور لوگوں کی توجہ کھینچنے کے لئے باہر نکلتی ہیں۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے جس کو انگلستان کی مصنف عورتوں نے تسلیم کیا ہے۔ اور اس طرح پر وہ قیمتی وقت جو علمی ترقی میں یا گھر کا کاروبار کرنے میں صرف ہو سکتا ہے فضول باتوں میں ضائع کیا جاتا ہے۔ لیکن پردہ چونکہ ایسی باتوں کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلئے وہ عورتوں کے قیمتی اوقات کو بچا کر مفید کاموں میں لگا سکتا ہے۔ اور ضرورت کے وقت عورت باہر بھی نکل سکتی ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت سے عورتوں کے متعلق کوئی نتیجہ نکالنا۔ اور پردہ کو ان کے لئے باعث زوال قرار دینا محض حماقت ہے ؛

پھر ایک اور پہلو سے اس سوال پر غور ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ غور کیا جائے کہ عام طور پر اسلام نے عورت کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ اگر باقی امور میں بھی اسلام نے عورت کے ساتھ سختی کی ہے۔ تو یہ ایک وجہ یقین کرنے کی ہوگی۔ کہ پردہ کو رواج دینے سے بھی اسلام کا منشاء یہی تھا کہ عورتکی قدرتی آزادی قطعی طور پر روک دی جاوے اور ان کو کام کرنے کے بالکل ناقابل کر دیا جاوے۔ اور حصول علوم میں اُنکی راہ میں روک ڈال دی جاوے۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو کہ اسلام کا سارا سلوک عورت کے ساتھ پرلے درجہ کی نرمی کا ہے اور اسلام نے عورت کو وہ حقوق دیئے ہیں جو بار بار کے مطالبوں کے باوجود بھی تہذیب یافتہ یوروپ نے پورے طور پر اسکو نہیں دیئے۔ تو پھر یہ یقین کرنیکے لئے ایک معقول وجہ ہوگی کہ پردہ کا حکم بھی عورت کی اور سوسائٹی کی بہتری کے لئے ہی دیا گیا ہے۔ اور اس کا منشاء سوسائٹی میں سے بعض بدیوں کا دور کرنا ہے سب سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ اسلام نے عورت کی راہ میں محض جنس عورت ہونے کی وجہ سے کوئی روک نہیں ڈالی۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ فلاں کام کرنا یا فلاں پیشہ میں دسترس حاصل کرنا عورتوں کو منع کیا جاتا ہے۔ ہمارا اس سے یہ مقصود نہیں کہ عورت عورت ہو کر یعنی وہ مقام اختیار کر کے جو قدرت نے

مرد و عورت کے تعلق میں اُس کے لئے تجویز کیا ہے ہر ایک کام کر سکتی ہے یا ہر ایک پیشہ میں دسترسی حاصل کر سکتی ہے۔ ہمارا منشاء یہ ہے۔ کہ اگر عورت کے اپنے حالات اس کو کسی کام کے کرنے کی اجازت دیں اور اس میں اُس کام کے کرنے کی قابلیت بھی ہو تو اسلام اس کو یہ نہیں کہتا کہ میں تمہیں اس کام کے کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس طرح پر خالی جنسیت کی روک کو دور کر کے اسلام نے عورت کی ترقی کی راہ سے ایک بڑی رُکاوٹ کو دُور کر دیا ہے۔ جس کی پوری قدر وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے یورپ میں عورت کی تدریجی ترقی کو مطالعہ کیا ہے۔ کہ کن کن مصیبتوں سے ایک ایک روک اس کی راہ سے دُور ہوئی ہے۔ اور کس طرح پر صدیوں تک عورتوں کی راہ میں وہ رکاوٹیں پڑی رہی ہیں۔ جو مسلمان عورتوں نے کبھی سنی بھی نہیں۔ اسلامی شریعت کے ماتحت عورت کو ابتدا سے یہ حق حاصل رہا ہے۔ کہ فوجداری یا دیوانی میں وہ مدعی یا مدعا علیہ بنے۔ حدیثوں کے پڑھنے سے بہت سارے ایسے واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ کہ عورتیں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت میں حاضر ہوتیں۔ اور اپنے استغاثے پیش کرتیں جو بعض اوقات اُن کے اپنے خاوندوں یا باپوں کے خلاف ہوتے۔ یہی حال آنحضرت صلعم کے خلیفوں کے زمانے میں بھی رہا۔ اس سے بڑھ کر اور کونسی مثال ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے اسلام میں ایک بڑا بھاری فرقہ شیعہ مذہب کا پیدا ہو گیا جو آج تک چلا جاتا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا خود حضرت ابو بکر خلیفہ اول کے سامنے تشریف لے گئیں۔ حالانکہ حضرت علی بھی موجود تھے جو اُن کی طرف سے یہ استغاثہ پیش کر سکتے تھے۔ اور حضرت صدیق کے انصاف کو بھی دیکھئے کہ کس طرح بغیر رو رعایت کے بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف فیصلہ کرنا کچھ دشوار نہ سمجھا اور جو حق سمجھا وہی کیا۔ غرضیکہ حضرت فاطمہ کا یہ استغاثہ مضبوط شہادت اس امر کی ہے کہ اسلام نے عورت کی راہ میں عورت ہونے کی وجہ سے کوئی روک نہیں رکھی۔ اسی طرح پر اسلام مانع نہیں ہوا کہ کوئی عورت کسی ذمہ واری کے عہدہ پر ہو یا اہم معاملات میں مشورہ دے سکے۔ شفاء بنت عبداللہ کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ کہ کیونکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم الشان مُدبّر بھی اُس سے مشورہ لیا کرتے اور اُسکی رائے کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ اور پھر اُسی دانشمند عورت کو وہ بڑے بڑے ذمہ واری کے عہدوں پر ممتاز فرماتے رہے۔ شاید اس امر کے تسلیم کرنے سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ سب سے زیادہ مشکل عورت کے لئے جنگوں میں حصہ لینا ہے۔ مگر اسلام تو اس نظیر سے بھی خالی نہیں رہا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی مُقدس اور راستباز عورت اور اس پایہ کی عورت علاوہ علمی مشاغل کے جنگوں میں بھی حصہ لیتی رہیں۔ یہاں تک کہ خود فوج میں شامل ہو کر میدان جنگ میں لڑیں۔ یہ واقعات ہیں اور

ہم نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں کے پاس جنہوں نے اسبات کا بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ اسلام کی خوبیوں کو بھی بُرا ہی کر کے دکھا دیں۔ ان واقعات کا کیا جواب ہے۔ علاوہ ازیں جائداد کے حاصل کرنے میں اسلام نے مرد اور عورت کو برابر حقوق دئیے ہیں ہر ایک عورت خواہ بیاہی ہوئی ہو یا بن بیاہی صاحب جائداد ہو سکتی ہے۔ اور جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کی مالک ہو سکتی ہے۔ پھر ایسی جائداد کے متعلق تمام قسم کے حقوق اور ذمہ واریاں پیدا کر سکتی ہے اور قرضہ وغیرہ لے سکتی ہے۔ پھر اُس کو جائداد کے انتقال یا ہبہ یا وصیّت کے وہی حقوق حاصل ہیں جو مرد کو حاصل ہیں۔ پھر بہ موجودگی مرد وارثوں کے اُن کے ساتھ وارث جائداد ہو سکتی ہے۔ غرضیکہ ان تمام معاملات میں عورت پر کوئی روک نہیں ڈالی گئی۔ ان لوگوں کی جہالت پر سخت افسوس آتا ہے۔ جو ان تمام فواید کو کالعدم سمجھتے ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ اسلام نے پردہ کا حکم کیوں دیا۔ ہمارے خیال میں تو ایسا آدمی مجہول مطلق ہے جو اسلامی پردہ کو اس قدر مضرت رساں سمجھتا ہے۔ کہ یہ تمام فواید اس کے مقابل اس کو ہیچ نظر آتے ہیں۔ کیا وہ اس موٹی بات کو نہیں سمجھ سکتے کہ جب بعینہ مردوں کی طرح وسیع حقوق عورتوں کو جایداد پیدا کرنے کے لئے اسلام نے دئیے ہیں۔ تو پھر وہ اس امر سے کیونکر مانع ہو سکتا ہے کہ پیدا کردہ جایداد کو عورتیں ترقی دیں۔ اور اس لئے اُن تمام وسائل اور ذرائع کو اختیار کریں جن سے جائدادیں بڑھ سکتی ہیں۔ جس طرح پر حصول جائداد کے معاملہ میں اسلام نے جنسیت عورت کو روک نہیں بنایا۔ اسی طرح حصول علم میں بھی وہ عورت کو منع نہیں کرتا۔ اور نہ اُس کی راہ میں کوئی خاص روک ڈالتا ہے۔ بلکہ جس طرح پر اسلام مردوں کو علوم کے حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے ویسے ہی عورتوں کو بھی ترغیب دیتا ہے اور خود قیاس بھی اس خیال کو دھکے دیتا ہے۔ کہ ایک مذہب جو عورت کی اس قدر رعایت کرتا ہے اس کے لئے حصول علم سے مانع ہو۔ اور اسلامی تاریخ بڑے زور سے اس خیال کی تردید کرتی ہے غرضیکہ پردہ عورتوں کی تعلیم میں کوئی روک نہیں جیسا کہ بے پردگی بطور خود اُن کے لئے حصول علوم کی ترغیب دینے والی نہیں +

اس سوال پر بحث کرتے ہوئے کہ پردہ عورت کو علم حاصل کرنے سے مانع نہیں ہم نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے۔ کہ پردہ عورت کو کسی قسم کا ضروری کاروبار کرنے سے مانع نہیں ہے۔ اب ایک اور اعتراض پر ہم بحث کرتے ہیں۔ جس کے اول پیش کرنے والے پادری صاحبان ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ پردہ اسبات کی شہادت ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں۔ اور عورتوں کو باہر نکلنے سے اس لئے روکا جاتا ہے۔ کہ اُن کی نیک چلنی پر پورا پورا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ سب سے

پہلے تو یہ ایک غلط بیانی ہے۔ کہ اسلام عورتوں کو باہر نکلنے سے قطعی طور پر روکتا ہے۔ ہاں اسلام اس امر سے قطعی طور پر روکتا ہے۔ اور اس امر سے منع کرتا ہے۔ کہ بلا ضرورت عورتیں باہر پھرا کریں۔ اور بناؤ سنگار کر کے اسلئے پھریں کہ لوگوں کی توجہ اُن کی زینتوں کی طرف ہو۔ لیکن اس جواب کے بعد سوال کیا جاویگا۔ کہ اسلام اتنی بات سے بھی کیوں عورتوں کو روکتا ہے۔ کیوں وہ اس امر کو پسند نہیں کرتا کہ عورتیں اپنے بناؤ سنگار غیر مردوں کو دکھاتی پھریں۔ کیا اس کا یہی سبب ہے کہ اسلام کو عورتوں کی پاکدامنی پر بھروسہ نہیں؟ ہماری سمجھ میں پادری صاحبان نے بھروسہ کا لفظ ایک مہمل سا لفظ چن لیا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا عورت کی پاکدامنی پر بھروسہ کرنے کے یہی معنے ہیں۔ کہ اُسے ہر ایک خطرہ کی راہ میں ڈالا جاوے اور ہر ایک لغزش کی جگہ پر جہاں پاؤں پھسلنے کا احتمال ہے اُسے چلایا جاوے۔ کیا بغیر اس کے جو خود ہم عورت کی پاکدامنی کو خطرہ کی حالت میں ڈالیں ہم اس پر بھروسہ کرنے والے نہیں ہو سکتے۔ اس بھروسہ کے تو یہ معنے ہوئے کہ اپنے ہاتھوں سے گڑھا کھود کر اس میں عورت کو دھکیلا جاوے اور پھر کہا جاوے۔ کہ یہ ہم اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں عورت کی طاقت پر بھروسہ ہے۔ یہ معنے بھروسہ کے عیسائی صاحبان کے نزدیک صحیح ہونگے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک خدا کے رحم پر بھروسہ بھی تب ہی ہوتا ہے جب انسان صرف اس امر کو مان لے کہ اس کے گناہوں کے لئے خدا کا بیٹا کفارہ ہو گیا۔ اور خود اُسکے رحم کا جاذب بننے کے لئے اپنے تزکیہ نفس کی کوئی کوشش نہ کرے۔ اسلام اور رنگ کا بھروسہ سکھاتا ہے۔ اس کی تعلیم یہ ہے۔ ع برتوکل زانوے اُشتر بہ بند۔ یعنی جہانتک خود طاقت ہے۔ ایک کام کو کرو۔ اور پھر نتیجہ کے لئے خدا پر بھروسہ کرو۔ جن معنوں میں اسلام خدا پر بھروسہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے انہیں عام فہم معنوں میں دوسرے انسانوں پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے۔ خدائے تعالےٰ کی حکیم کتاب قرآن کریم پہلے وہ تمام راہیں بتاتی ہے جن پر چلنے سے عورتوں اور مردوں کی پاکدامنی محفوظ رہ سکتی ہے۔ اور انسان کو ان طریقوں پر عمل کرنا سکھانے کے بعد یہ تعلیم دیتی ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے کی پاکدامنی پر بھروسہ کریں۔ لیکن اسلام اس قسم کا بھروسہ ہمیں نہیں سکھاتا جیسا ہمارے عیسائی دوست تجویز کرتے ہیں۔ کہ غیر محرم مردوں اور عورتوں کو کھلے چھوڑ دیا جاوے۔ اور ہر ایک موقعہ ان کو پاکدامنی کے دور کرنے کا دیا جاوے۔ اور ہر ایک مقام پر جہاں اُن کا قدم پھسل سکتا ہے اُن کو چلایا جاوے۔ اور یہ سب باتیں اس لئے کی جاویں تا یہ ثابت ہو کہ ہم اپنے ہمجنسوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہاں اگر ایک شخص یہ کہنے کا حق رکھتا ہے۔ کہ پردہ سے بھروسہ کا نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ تو دوسرا شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اپنے مال و دولت کی حفاظت کرنے سے بھی بھروسہ کا نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ گویا جب ہم اپنے مال کی

حفاظت کرتے ہیں۔ تو دوسرے لوگوں کی دیانتداری پر ہمیں کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایسا خیال کرنا محض حماقت ہے۔ جب یہ لوگ اپنے گھروں میں نقدی کے صندوقوں کو متقفل کر کے اُن کی کنجیاں بڑی حفاظت سے اپنے پاس رکھتے ہیں تو کیوں اُس وقت اُن کو یہ خیال نہیں آتا کہ اس طرح پر متقفل کرنے سے وہ اپنی عورتوں پر یا دوستوں پر بھروسہ نہ کرنے کے جرم کے مرتکب ہیں۔ نہ ہی کسی پادری صاحب کے نزدیک ایسا فعل قابل اعتراض ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک شخص محض اپنے دوستوں پر بھروسہ جتانے کے لئے اپنے روپیہ کو کھلا چھوڑتا ہے۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ بالآخر اُسے اُن لوگوں کی دیانت پر شبہ کرنا پڑیگا جو واقعی دیانتدار ہیں۔ کیا گورنمنٹ اپنے خزانوں کی حفاظت اسلیئے کرتی ہے۔ کہ اسے رعایا میں سے کسی فرد کی دیانت پر بھی بھروسہ نہیں؟ بلکہ اس لئے کہ بد دیانتوں سے تو کوئی قوم خالی نہیں۔ پس کیوں اپنے مال کی حفاظت نہ کی جاوے۔ لیکن اگر اس پہلو کو چھوڑ کر اُس بھروسہ پر غور کریں جس کا عیسائی صاحبان کو ناز ہے تو اور بھی اس کی حقیقت کھلتی ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ دوستی کے رنگ میں کیسی کیسی بڑی بے ایمانیاں کی جاتی ہیں۔ گذشتہ جنگ ٹرنسوال کے بعد جب فوج میدان جنگ سے واپس آئی تو بہت سارے مقدمات طلاق کے ایسے ہوئے جنمیں ظاہرا دوستوں کی غداری ثابت ہوئی۔ اور ججوں نے بہت افسوس سے اس امر کا اظہار کیا کہ کس طرح اُن لوگوں سے جو ملک اور قوم کی خاطر اپنی جانیں دے رہے تھے خود اُن لوگوں نے ہی بیوفائی کی جو دوستی کا دم بھرتے تھے۔ اور اُن کی غیر حاضری میں اُن کی عورتوں سے ناجائز تعلق پیدا کئے۔ اور پھر یہ جو سینکڑوں مقدمات طلاق کے زناکاری کی بنا پر انگلستان میں ہوتے ہیں۔ کیا ان میں وہی لوگ مجرم ثابت نہیں ہوتے جن پر بھروسہ کر کے اپنی عورتوں کی عزت اور عفت اُن کی سپرد کر دی جاتی ہے۔ کیا ان تمام واقعات کا باعث یہ ہے۔ کہ انگریزی سوسائٹی میں اور سوسائٹیوں کی نسبت زیادہ بدکار موجود ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا سبب یہی ہے کہ بدکاری کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ اور غیر محرم مردوں اور عورتوں کو ناجائز آزادی دے کر خود یہ موقع دیا جاتا ہے۔ کہ وہ بدیوں میں مبتلا ہوں۔ یہ عجیب بھروسہ ہے کہ دو غیر محرم جوان ایک امرد اور عورت جو جذبات جوانی کے نیچے دبے ہوئے ہیں جہاں جی چاہے چلے جاویں۔ اور اُن کے والدین مطمئن رہیں۔ کہ کوئی ناپاک خیال اُن کے دلوں کے پاس پھٹک نہیں سکتا۔ کیا کوئی عیسائی ہے جو سچے دل سے اس بات کا قائل ہے۔ کہ اس قسم کے واقعات سے بدکاری اور زناکاری کی تحریک نہیں ہوتی۔ کیا ایک بڑے عیسائی عہدہ دار کے الفاظ میں اس طرح پر نوجوانوں اور ناتجربہ کاروں کے سامنے کھلے کھلے بدکاری کے سامان پیش نہیں کئے جاتے۔ پھر جب اسی کا علاج اسلام پیش کرتا ہے تو شور

مچایا جاتا ہے۔ کہ عورتوں کی پاکدامنی پر بھروسہ نہیں کیا جاتا۔ اسلام کی غرض اور اس کا مقصد تو صرف یہی ہے۔ کہ انسانوں کے دلوں کو ہر قسم کی بدی اور بدی کے خیالات سے پاک کرے۔ اور کوئی آدمی جو صرف بحث میں جیت ہار مقصود نہیں اس امر سے انکار نہیں کرسکتا کہ غیر محرم مردوں اور عورتوں کا بناؤ سنگار کرکے کھلے طور پر ملنا۔ اور پھر دو نامحرموں کا جو جذبات سے خالی نہیں تخلیہ اختیار کرنا ایسے امور ہیں جن سے بدخیالات کو دل کے اندر داخل ہونے کی ایک راہ ملتی ہے۔ تعلیم نہ اس کا انسداد کرسکی اور نہ کرسکتی ہے علمی پہلو میں بڑے بڑے فاضل آدمی ایسے ہی ٹھوکر کھاسکتے ہیں جیسے جاہل۔ کیونکہ کسی شخص کے کسی زبان میں یا علم کی کسی شاخ میں مہارت حاصل کرلینے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ وہ نفسانی جذبات یا اخلاقی کمزوریوں سے خالی ہوگیا ہے۔ ہاں کوئی راہ ایسی ہونی چاہئیے۔ کہ ٹھوکر کا احتمال کم ہوجاوے اور بدکاری کے سامان حتے الوسع دُور کئے جاویں۔ اور یہی قرآن شریف کے حکم پردہ کا منشاء ہے کیونکہ اول تو قرآن شریف عورت کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ وہ اپنی ہر ایک قسم کی زینت کو چھپا کر رکھے۔ اور پھر مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول سے منع کرتا ہے۔ اور بلا ضرورت عورتوں کو باہر پھرنے سے روکتا ہے اور پھر سب سے آخر یہ تجویز کرتا ہے۔ کہ جب عورت غیر محرم مرد کے سامنے آجاوے۔ تو دونوں کو لازم ہے کہ آنکھیں نیچی کرلیویں۔ اس جگہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے۔ کہ عورت کو یہ حکم دینے سے کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کرے۔ یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عورت پر بھروسہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ زینت کے چھپانے کی اصل غرض اُن لوگوں کو ٹھوکر سے بچانا ہے جن کے سامنے عورت کو نکلنا پڑتا ہے۔ اور اس طرح پر بھروسہ بھی انہیں لوگوں پر نہیں کیا گیا کیونکہ اُنمیں ہر قسم کے آدمی شامل ہوتے ہیں۔ اور احتیاط کرنا عین انسانیت اور عقلمندی ہے۔ ممکن ہے کہ عورت بناؤ سنگار کرکے باہر نکلنے سے کسی مرد کے دل میں شہوانی خیالات کے اُبھارنے کا باعث ہوجاوے۔ حالانکہ خُود اُسے علم بھی نہ ہو کہ وہ کسی کے لئے ٹھوکر کا باعث ہوگئی ہے۔ عورت کی عفت اور پاکدامنی پر بھروسہ کرنے کے یہ معنے نہیں ہوسکتے۔ کہ اُن تمام لوگوں پر بھی جن میں ہر قسم کے آدمی شامل ہوتے ہیں بھروسہ کرکے یہ سمجھ لیا جاوے۔ کہ وہ بھی سب پاک دل کے ہیں۔ اور نفسانی جذبات سے خالی ہیں۔ اسی لئے عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ جب اُسے ضرورتاً غیر مردوں کے سامنے باہر نکلنا پڑے۔ تو جس قدر ممکن ہو ان چیزوں کو چھپا کر نکلے۔ جو مرد کے لئے باعث کشش ہوسکتی ہیں تاکہ وہ لوگ جو دل کے کمزور ہیں۔ اور جن میں نفسانی جذبات ٹھنڈے نہیں ہوچکے (اور ہر ایک شخص شہادت دے سکتا ہے۔ کہ دُنیا میں اکثر لوگوں کی یہی حالت ہے) ان کے سامنے ٹھوکر یا ابتلا کا سامان پیش نہ ہو +

شاید یہ کہا جاوے۔ کہ اگرچہ پردہ نے تو عورتوں کو تعلیم اور ترقی سے نہیں روکا لیکن اسلام کے دائرہ کے اندر مشہور عورتوں کا بہت تھوڑی تعداد میں ہونا اسبات کی دلیل ہے۔ کہ پردہ کا نتیجہ یہ ہوا۔ خواہ اُس کا منشاء یہ ہو یا نہ ہو کہ مسلمان عورتیں عموماً تعلیم سے دُور رہ گئیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات بھی صحیح نہیں اور اس کے کئی وجوہات ہیں۔ اولاً اگر ابتدائی زمانہ کی مسلمان عورتوں کا اُسی زمانہ کی دیگر اقوام کی عورتوں سے مقابلہ کیا جاوے یا اُس سے پہلے کی کسی مہذب قوم کی عورتوں سے مقابلہ کیا جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمان عورتیں دیگر تمام اقوام کی عورتوں پر بہت فوقیت رکھتی ہیں پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے۔ کہ پردہ دار عورت غیر پردہ دار عورت کی طرح خواہ مخواہ لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچنا نہیں چاہتی۔ اور نہ ہی یہ چاہتی ہے۔ کہ لوگ اُس کی تعریفیں کریں۔ اس لئے یہ قدرتی حیا اس امر کا مانع ہے۔ کہ خواہ کوئی عورت کیسی ہی قابل قدر ہو اس کی شہرت بھی عام ہو جاوے سوائے ایسی صورتوں کے جب کوئی عورت علوم میں اعلےٰ درجہ کی ترقی کر کے بحیثیت ایک عالم و فاضل ہونے کے خود بخود بلا اپنی خواہش کے شہرت پا جاوے۔ اور اس بات کے ماننے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ عورت کی فضیلت خالی اس امر میں نہیں کہ وہ بڑے بڑے ناول لکھ سکے۔ بلکہ اُس کی بزرگی اُن امور کے احسن طریق پر نباہنے میں ہے۔ جن کا علم سوائے چند ایک متعلقین کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ تیسرا یہ امر ہے۔ کہ تعلیم کے جو ذرائع اور وسائل آجکل پیدا ہو گئے ہیں۔ اُن کا اُس زمانہ میں تو کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ اور اُس وقت تو مردوں میں بھی کسی شخص کا علم و فضیلت میں شہرت پا جانا بہت کم ہوتا تھا چہ جائیکہ عورتیں اپنے خانگی فرائض اور قدرتی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ عام طور پر ایسی شہرت کے حاصل کرنے کا کوئی موقعہ رکھتیں۔ اور اسلئے عورتوں کی اُس حالت کا اس حالت سے مقابلہ کرنا جب تعلیم کے وسائل ایسے وسیع ہو گئے ہیں۔ کہ خواہ مخواہ ہر گھر میں تعلیم کو پہنچا رہے ہیں ٹھیک نہیں۔ چوتھا یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ اس زمانہ کی مہذب عورتیں اُن خانگی فرائض کو تصوّر میں بھی نہیں لا سکتیں جو گذشتہ زمانہ میں عورت کی اصل فضیلت کا باعث تھے۔ کیونکہ آجکل کسی قدر تو طرح طرح کی کلوں نے عورتوں کو اُن کے فرائض کے ایک حصہ سے سبکدوش کر دیا ہے۔ اور جو کچھ فرائض اب بھی باقی ہیں۔ اُن کی پروا نہیں کی جاتی۔ درحقیقت گھروں کے اندر بہت سے چھوٹے چھوٹے ایسے کام ہیں جن کی طرف توجہ کر کے اور جنہیں پورا کر کے عورت گھر کو ایک جنت بنا سکتی ہے۔ اگرچہ اُن فرائض کی ادائیگی سے وہ ان لوگوں کے دائرے میں شہرت نہیں پا سکتی جو بڑے کہلاتے ہیں۔ اصل سوال تو یہ ہے کہ عملی طور پر عورت کن کاموں کو کر کے اپنے وجود کو نافع اور مفید ثابت کر سکتی ہے۔ ہمارے خیال میں تو یہ اس کے گھر کے اندر کے فرائض ہیں۔ وہ

فرائض جو گھر کے اندر تو اہم سے اہم فرائض ہیں۔ جن سے کسی گھرانے کی خوشحالی وابستہ ہے۔ لیکن باہر کے لوگوں کی نظر میں اُنکی وقعت ایسی نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ نہ سمجھ لیا جاوے کہ سوسائٹی گھروں سے ہی بنتی ہے۔ اور اسلئے گھر کی خوشحالی ہی سوسائٹی کی خوشحالی کی بُنیاد ہے +

اِسموقعہ پر پُہنچکر ایک اَور اعتراض پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو پردہ کے برخلاف کیا جاتا ہے اور جس پر سب سے زیادہ مسٹر دلاور حسین نے زور دیا ہے۔ جنکے نزدیک لفظ پردہ سے عورتوں کے مستور ہونے کا مفہوم کافی طور پر ادا نہیں ہوتا بلکہ اس کی رائے میں سب سے بڑا نقص عورتوں کے مستور رکھنے میں یہ ہے کہ "اس سے دونوں جنسیں یعنی مرد اور عورتیں ایک بڑی خوشی سے محروم رہ جاتی ہیں۔ اور عورتیں تبادلِ خیالات سے اور مردوں کے علوم میں حصہ لینے سے محروم رہتی ہیں"۔ یہ لفظ ایک ایسے انسان کے مُنہ سے نکلے ہوئے ہیں۔ جس کو مغربی طریق تمدن سے نہ صرف پرجوش محبت ہی ہے۔ بلکہ اندھا تعصب بھی ہے۔ اور اس کے نزدیک پردہ پر یہ دو اعتراض ایسے ہیں جن سے پردہ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ یعنی پردہ سے ایک تو وہ خوشی جاتی رہتی ہے۔ جو مردوں کو غیر عورتوں سے مل کر اور اُن سے باتیں کرکے حاصل ہوتی ہے جس حال میں دونوں فریق ایک دوسرے کے شہوانی خیالات کو اُبھارنیکے لئے پوری کوشش کر رہے ہوں۔ اور دوسرا عورتیں مردوں کے علوم میں حصہ لینے سے محروم رہجاتی ہیں۔ مسٹر دلاور حسین پر مبالغہ ختم ہے۔ اگر پردہ کا سخت سے سخت حامی بھی اُس کے ریمارکوں کو پڑھیگا تو وہ حیران ہوگا۔ کہ آیا وہ کسی خیالی سوسائٹی کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ جس کا وجود اُن کے ذہن سے باہر ہے ہی نہیں۔ یا واقعی دنیا میں کوئی ایسے انسان بھی ہیں جن کے حالات مسٹر دلاور حسین کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔ اور یا اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی ٹھیک نہیں تو پھر یہ معلوم ہوگا کہ وہ اپنے بیانات کی تائید واقعات سے نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کے لئے اُن کو مبالغہ اور غیر حقیقی امور بیان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اعتراض کرتے وقت وہ ایک ایسی سوسائٹی کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ جس میں کسی مرد کو کسی عورت سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ گویا نہ باپ کو بیٹی سے کوئی تعلق ہے۔ نہ خاوند کو عورت سے نہ بیٹے کو ماں سے۔ اور نہ بھائی کو بہن سے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: "ہر ایک ہندوستانی گھر کے اندر مرد اور عورت بالکل الگ الگ رہتے ہیں۔ الگ الگ بیٹھتے ہیں۔ الگ الگ باتیں کرتے ہیں۔ الگ الگ کام کرتے ہیں۔ الگ الگ کھانا کھاتے ہیں۔ الگ الگ ملاقاتیں کرتے ہیں"۔ یہ کس قدر کھلا جھوٹ ہے۔ پردہ کا حکم تو گھر سے باہر کے لوگوں کے متعلق ہے۔ نہ گھر کے اندر کے لوگوں کیلئے۔ گھر کے اندر جو مرد اور عورتیں ہیں وہ اکٹھے رہتے ہیں۔ اکٹھے بیٹھتے ہیں۔ اکٹھے باتیں کرتے ہیں۔ اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔ ہاں

کام بیشک الگ کرتے ہیں۔ پردہ تو صرف اُن لوگوں سے ہے جو گھر کے اندر نہیں یعنی اجنبیوں سے اور غیر محرموں سے جن کا عورت سے رشتہ داری کا تعلق دور کا تعلق ہے پس مسٹر دلاور حسین کا بیان ہندوستان کے سخت سے سخت پردہ پر بھی صادق نہیں آتا۔ بلکہ ایسا بیان صرف پردہ کو بُرا کرکے دکھانے کے لئے کیا گیا ہے۔ پردہ مردوں کو عورتوں سے الگ نہیں کرتا۔ بلکہ اُس دائرے کو خاص حدود کے اندر رکھتا ہے جس دائرے کے اندر مرد اور عورتیں مل جل سکتے ہیں پس اگر مسٹر دلاور حسین کی کوئی خواہش ہے تو وہ صرف یہ ہے۔ کہ جب ایک مرد اپنی عورت کی صحبت اور گفتگو سے خوش نہ ہوسکے تو اُسے یہ آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ کہ اَور عورتوں کی صحبت اور گفتگو سے لطف حاصل کرسکے۔ اس لطف کے حاصل کرنے کو کس حد تک وہ محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ مسٹر دلاور حسین نے بیان نہیں کیا۔ ایسا ہی وہ یہ بھی چاہتے ہیں۔ کہ جب ایک عورت کو اپنے خاوند سے خوشی حاصل نہ ہوسکے تو وہ اور نوجوانوں کے ساتھ مل جل کر لطف حاصل کرلیا کرے۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اسلام اس آزادی کی اجازت نہیں دیتا۔ لطف اور خوشی حاصل کرنے کے تو دنیا میں بہت سارے ذریعے ہیں۔ لیکن ہر حالت میں سوال یہ ہوگا۔ کہ اس طرح پر خوشی یا لطف کا حاصل کرنا جائز ہے۔ اسلئے اہم سوال یہ نہیں کہ لطف اور خوشی کیونکر حاصل کرسکتے ہیں۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ انسان کے لئے جائز ذریعے لطف اور خوشی حاصل کرنے کے کونسے ہیں۔ ایک شخص جو دوسرے کی عورت سے زنا کرتا ہے۔ یا جو کسی عورت کو نکال لیجاتا ہے وہ بھی تو یہی عذر کرتا ہے کہ میں نے لطف اُٹھانے یا خوشی حاصل کرنے کے لئے ایسا کیا۔ پس اُسکو مسٹر دلاور حسین کیا جواب دینگے۔ جو لُطف اور خوشی وہ اجنبی عورتوں کی صحبت سے حاصل کرنے کا عذر پیش کرکے پردہ کو منسوخ کرنا چاہتے ہیں۔ یہی عذر تو ہر ایک زانی بھی کرسکتا ہے۔ ایسا ہی چور اور ڈاکو بھی یہی عُذر کرسکتے ہیں کہ ہم نے مال کے حصول سے خوشی اُٹھانے کے لئے چوری کی یا ڈاکہ مارا۔ کیا مسٹر دلاور حسین نے یہ غور کرلیا ہے۔ کہ یہ سب عُذر صحیح ہیں۔ اور ان سے بھی انسانوں کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ عُذرات صحیح نہیں تو وہ اپنی پوزیشن پر پھر غور کریں۔ اور سوچیں کہ کسی ذریعہ سے لطف اور خوشی حاصل کرنا اسی وقت تک صحیح ہوگا جب وہی کسی دوسرے کے دُکھ اور رنج کا ذریعہ نہ بن جاوے۔ یا ایسا بننا ممکن نہ ہووے یہ اصول ہر ایک سوسائٹی میں مسلم ہے۔ ہاں جو چیز ہماری اپنی ہے اُس کے متعلق ہمیں پورا حق حاصل ہے۔ کہ اُس سے پوری پوری خوشی حاصل کریں۔ اب مسٹر دلاور حسین وہ درمیانی خط کھینچ کر دکھاویں۔ کہ کس حد تک ہمیں غیروں کی چیزوں سے لطف اور خوشی حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ شاید وہ آسانی سے یہی جواب دینگے کہ اسلام نے جو حدود قائم کئے ہیں۔ وہ بہت تنگ ہیں

اور اُن کو اُس حد تک وسیع کرنا چاہیئے جس حد تک مغربی لوگوں نے وسیع کیا ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ وہ کوئی وجوہات ایسے بیان کر سکتے ہیں جن کی بنا پر ایسی توسیع ضروری ہو بلکہ اس لئے کہ اُن کو اسلام کے ہر ایک قائم کردہ اصول سے نفرت اور مغربی تہذیب کے ہر ایک اصول سے پیار ہے لیکن اُن کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یورپ کے لوگ اس ناجائز آزادی کے نقصان کو خود محسوس کرنے لگے ہیں بہت دن نہیں ہوئے کہ کیکسٹن ہال میں ایک جلسہ میں جسمیں پردہ کے مضمون پر بحث ہو رہی تھی میجر جنرل ڈکسن نے بیان کیا۔ کہ کسی قدر ترمیم کے ساتھ مَیں مشرقی پردہ کو اچھا سمجھتا ہوں۔ اور مسز تھیوڈور بیک نے (جو مسٹر بیک پرنسپل علیگڈھ کالج کی بیوہ ہے) اس بات پر زور دیا۔ کہ وہ پرلے درجہ کی آزادی جیسے ساتھ مغربی عورتیں نامحرم مردوں کے ساتھ میل جول کر سکتی ہیں بہت ناپسندیدہ ہے (دیکھو اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ)۔

ہمارے ہندوستانی دوست جو پردہ کے موہوم مضرات کے خلاف شور مچا رہے ہیں۔ ایک لمحہ کیلئے اس ناجائز آزادی پر غور نہیں کرتے جو مغرب میں عورتوں کے میل جول میں برتی جاتی ہے۔ وہ خوشی جو مردوں کو مختلف قسم کی عورتوں کے ساتھ ملنے جلنے اور بات چیت کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے وہ حاصل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ اس کے بد نتائج یورپ ضرور بھگت رہا ہے۔ اور اس ناجائز میل جول نے بہت سے گھروں کی سچی خوشی پر پانی پھیر دیا ہے۔ یہ کبھی غور نہیں کیا جاتا کہ وہ کونسی بات ہے جس نے بہت سارے گھرانوں کی خوشی کو تباہ کر دیا ہے۔ اور جہاں خوشی ہی خوشی ہونی چاہیئے تھی وہاں ماتم کا لباس پہنا دیا ہے۔ ان تمام ضرروں کا منبع ایک ہی ہے۔ یعنی عورتوں کے غیر محرم مردوں کے ساتھ کھلے تعلقات۔ یہ ضرر انسانی تمدن میں ایسا خلل انداز ہے۔ کہ اگر ایک عورت یا خاوند ناجائز تعلقات پیدا کر کے گھر کی خوشی اور امن میں مخل ہؤا ہے۔ تو جو فائدہ ہزاروں آدمیوں کو ایسے مرد یا عورت کی صحبت اور گفتگو سے حاصل ہوا ہو وہ اس نقصان کے مقابل میں ہیچ ہے۔ اگر ایک امیر آدمی کو لوٹ کر دس ہزار بھوکوں کو کھانا کھلایا جاوے تو کوئی مدنی انسان اس فعل کو جائز نہیں سمجھیگا۔ خاوند کی محبت عورت کی ملکیت ہے۔ اور عورت کی محبت خاوند کی ملکیت۔ اور وہ قوم بہت ہی بد قسمت ہے جو انسانوں کے پیسوں کی تو حفاظت کرتی ہے۔ لیکن اس محبت کی حفاظت کے لئے کچھ نہیں کرتی۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ہر ایک محبت جو ایسے دو اشخاص میں پیدا ہوتی ہے وہ ناجائز نہیں۔ تاہم جب ایک دفعہ حد کو توڑ ڈالا جاویگا تو پھر اس حد کا قائم کرنا مشکل ہوگا۔ کیا اس ناجائز آزادی کا کہ عورت یا خاوند میں سے کوئی کسی تیسرے سے

تعلق پیدا کرسکتا ہے۔ یہ لازمی نتیجہ نہیں ہوگا کہ جب ایک عورت اپنے خاوند کو کسی وجہ سے خوش کرنے کے قابل نہیں رہیگی تو وہ اُور کسی جگہ تعلق پیدا کریگا۔ اور ایسا ہی جب عورت مرد سے خوش نہ ہوگی۔ تو وہ بھی ناجائز تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کریگی۔ یہ محض ایک دعوےٰ ہی نہیں۔ بلکہ امر واقع ہے کہ ان ممالک میں جہاں ایسی آزادیاں ہیں اس قسم کے واقعات بکثرت پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور جو شخص اطمینان کرنا چاہے وہ محکمہ طلاق کی کارروائیوں کو پڑھ کر دیکھ لے۔ ہاں اسی بدی کا علاج اسلام پردہ سے کرتا ہے۔ کیونکہ ان ناجائز اور کھُلے تعلقات کو بند کر کے وہ بدکاری کے سامان یا ٹھوکر کھانے کے ذرائع کو کم کرتا ہے +

ہم پھر پردہ کی منسوخی کے مجوزوں کو توجہ دلاتے ہیں۔ کہ یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ امتیازی خط کھینچا جاوے۔ جہاں غیر محرم مردوں اور عورتوں کے تعلقات ختم ہونے چاہئیں۔ کیونکہ ہم خیال نہیں کرتے کہ کسی مہذب انسان کا یہ خیال ہو کہ جس حد تک اور جس قسم کا تعلق کوئی مرد چاہے کسی ایسی عورت سے پیدا کرسکتا ہے جو اُس کی بیوی نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اب یوروپ کے اکثر ملکوں میں زنا جیسی بدکاری قانونی جرم نہیں رہی۔ اور اس سیاہ کاری کو سوسائٹی کے امن میں مخل نہیں سمجھا جاتا۔ تاہم ابھی یہاں تک نوبت تو نہیں پہنچی کہ اسے اخلاقی جرم بھی نہ سمجھا جاوے۔ ہم لوگ تو مغربی تہذیب کے اصول سے ناواقف ہیں۔ اور اس لئے ہمیں یہ تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں کہ کیوں ان ممالک میں ایک شلنگ کے چرانے کو تو جرم سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسی خفیف حرکت سے سوسائٹی کے امن میں کوئی ایسا بڑا خلل بھی نہیں آتا۔ اور نہ ہی اُس فرد کی خوشی کو کوئی عظیم الشان صدمہ اس سے پہنچتا ہے لیکن اُس آدمی کے فعل کو مجرمانہ نہیں سمجھا جاتا جو ایک آدمی کی عورت سے زنا کر کے یا اُسکی لڑکی کو نکال کر سارے گھر پر تباہی لاتا اور انکی ساری خوشی کو خاک میں ملاتا ہے۔ ممکن ہے کہ ہماری مشرقی سمجھیں ابھی اس عقدہ کو سمجھنے کے قابل نہ ہوئی ہوں۔ مگر اس قدر تو معلوم ہوتا ہے کہ مشرق یا مغرب کی کسی مہذب قوم نے اب تک زنا کو جائز فعل یا حمیدہ فعل نہیں سمجھا۔ اس کے بعد دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زنا کے علاوہ دوسرے افعال جو مرد اور عورت کے ناجائز تعلقات سے پیدا ہوتے ہیں اُن کی نسبت کیا فیصلہ ہے۔ اس معاملہ میں بیشک اختلاف رائے ہے مسلمانوں میں جو عصمت اور اخلاق کے معنے سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کی رو سے تو غیر عورت کی طرف دیکھنا بھی درست نہیں۔ اور پھر نظر بد سے دیکھنا آنکھ کا زنا کہلاتا ہے۔ اور ایسا ہی شہوانی خیالات سے اس کے ساتھ گفتگو کرنا یا اُسکی طرف چل کر جانا یا اُسے ہاتھ لگانا یہ سب باتیں ایک طرح پر زنا ہی سمجھی جاتی ہیں۔ اور ان امور کو مبادی زنا

مانا گیا ہے۔ لیکن مغربی تہذیب میں اِن باتوں کو ایسا بُرا نہیں سمجھا گیا۔ حالانکہ اسلام میں وہ زنا کی طرح ہی خطرناک بدیاں سمجھی گئی ہیں۔ اور ان سب باتوں سے ویسا ہی بچنا چاہئیے جیسا زنا سے۔ انہیں امور کی روک کے لئے پردہ کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ تا ابتدا میں ہی ان باتوں کی جڑ کٹ جاوے۔ اور وہ امور ہی پیدا نہ ہوں جیسے غیر محرم مرد اور عورت کا تخلیہ یا عورت کا زیب وزینت کر کے غیر محرم مردوں کے سامنے نکلنا وغیرہ جن سے زنا کی ابتدا شروع ہوتی ہے۔ اور اگر ان تمام امور سے بچنے کی تجاویز کرنا مسٹر دلاور حسین کے نزدیک بے سود ہے تو اُسے قایل کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ اُن لوگوں کے درمیان جن میں زنا یا عورت کو نکال کرلے جانا جرائم نہیں سمجھے جاتے۔ یا کم از کم سخت جرائم نہیں سمجھے جاتے ایسے امور کو جن سے زنا وغیرہ کی ابتدا ہوتی ہے سخت نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاویگا۔ لیکن ایک مسلمان کے نزدیک ایسے سب افعال سخت درجہ کی سیہ کاری میں داخل ہیں۔ پس ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر زناکاری یا اغوا ایسے بُرے افعال سمجھے جاویں جن سے ہر ایک انسان کو نفرت کرنی چاہئیے اور کوسوں بھاگنا چاہئیے تو پھر یہ ضروری ہوگا۔ کہ ان تمام افعال کے جو غیر مردوں اور عورتوں کے تعلقات کا نتیجہ ہیں انسداد کی تدبیر کرنا ضروری سمجھا جاوے اور وہ تمام افعال جو خواہ زنا یا اغوا کی حد تک تو نہ پہنچیں لیکن ان بدیوں کے محرک ہوں اور انسان کو اس طرف لے جانے والے ہوں سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھے جانے چاہئیں اور یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کا انسداد ہرگز نہیں ہوسکتا جب تک غیر محرم مردوں اور عورتوں کا کھلا میل جول جائز سمجھا جاویگا۔ اور جوان مردوں اور عورتوں کو جو ایک دوسرے کے محرم نہیں تنہائی میں اکٹھے ہونیکا موقعہ دیا جاویگا۔ پس اصل انسداد ان دونوں باتوں کا چاہئیے اور یہی پردہ کرتا ہے۔ اسلام کا مقدس مذہب اس ناقص اخلاقی حالت پر خوش نہیں ہوتا جس میں زنا اور اُس کے مبادی کو خطرناک جرائم اور ڈراونی چیزیں نہیں سمجھا جاتا۔ اور چاہتا ہے کہ انسان کا دل ایسا پاکیزہ ہو جس کے اندر کوئی بدخیال داخل نہ ہوسکے مغربی قوموں کی پرلے درجہ کی بیقیدی اور آزادی کے ساتھ دل کی ایسی پاکیزگی جیسی اسلام چاہتا ہے جمع نہیں ہوسکتی۔ اور مسٹر دلاور حسین کو اختیار ہے۔ کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہے اپنے لئے بطور نمونہ پسند کرے +

الغرض اس اعتراض کو غور کی نظر سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ محض دھوکا ہے معترض کا یہ خیال ہے۔ کہ عورتوں کو غیر محرم مردوں کی صحبت سے دور رکھ کر اسلام بہت ساری انسانی خوشی کے ضائع کرنیکا موجب ہے۔ مگر یہ ٹھیک نہیں پردہ انسانی خوشی کو ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا محافظ ہے۔ اور ان راہوں کو بند کرتا ہے جن راہوں سے سچی انسانی خوشحالی دُور ہوسکتی ہے۔ انسان کو سچی خوشی غیر عورتوں

کے ساتھ ملنے جلنے سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ سچی خوشی کا ذریعہ مرد و عورت کا جائز تعلق ہے۔ اور اسی سچی خوشی کا جو انسان کو اپنے گھر میں حاصل ہوتی ہے پردہ محافظ ہے۔ وہ جھوٹی خوشی جس کی مسٹر دلاور حسین خواہش ظاہر کرتے ہیں سچی انسانی خوشی کی دشمن ہے۔ اور سوسائٹی میں بجائے خوشی کے غم اور رنج کو لاتی ہے۔ جو لوگ کسی امر میں قوم کے مصلح بن بیٹھتے ہیں ان کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ ہر ایک امر کے دونوں پہلوؤں پر غور کرلیں جسے وہ انسانوں کی بہتری کے لئے تجویز کرنا چاہتے ہیں انسان کا سچا ہمدرد وہی ہے جو کسی ظاہری کشش کا ایسا دلدادہ نہیں ہو جاتا کہ ایک اصول کے نقصانوں اور مضرتوں کو بالکل فراموش کر دے۔ مسٹر دلاور حسین پر ہمیں بار بار یہ تعجب آتا ہے۔ کہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہوئے بھی نہیں جھجھکتے کہ دوسری عورت سے نکاح کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ انسان کے دل کے سارے خیالات شہوانی جذبات کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری طرف اس امر پر زور دے رہے ہیں۔ کہ عورتوں کو زیب و زینت کرکے غیر محرم مردوں کے ساتھ کھلے طور پر ملنا جلنا چاہئیے اور ایک دوسرے کی صحبت سے لطف حاصل کرنا چاہئے۔ کیا عجیب بات ہے۔ شہوانی جذبات بھی عجیب قسم کے جذبات ہیں۔ کہ مرد و عورت کے جائز تعلق سے تو پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن جہاں ناجائز طور پر مرد و عورت کا اجتماع ہو وہاں پیدا نہیں ہوتے۔ اصل میں یہ سوال بہت پیچیدہ نہیں۔ اور ایک ہی بات سے اس کا آسانی سے فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اگر پردہ عورتوں کی تعلیم میں مخل نہیں اور اُن کو کاروبار کرنے سے نہیں روکتا۔ اور ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ وہ ان دونوں باتوں سے منع نہیں کرتا۔ تو پردہ کے دور کرنے سے سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہیں۔ اور بے پردگی سوائے گھروں کے سچی خوشی کے دُور کرنے اور غم اور رنج پیدا کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی بعض وقت یہ کہا جاتا ہے کہ پردہ کی بجائے تعلیم کو مروج کرنا چاہئے۔ گویا پردہ اور تعلیم کوئی دو متضاد امور ہیں حالانکہ یہ سچ نہیں اور پردہ میں رہ کر بھی عمدہ سے عمدہ تعلیم حاصل ہو سکتی ہے۔ اور پھر اس امر پر غور نہیں کیا جاتا کہ اکیلی تعلیم تو یہ نتیجہ حاصل کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے۔ اگر خالی تعلیم سے کوئی ایسا نتیجہ پیدا ہوا ہے تو اُسے پیش کیوں نہیں کیا جاتا۔ کیوں اس سیدھے طریق کو اختیار نہیں کیا جاتا کہ جس قدر تعلیم سے نقص رفع ہو سکتے ہیں۔ اور جو کچھ اس سے انسان کے چال چلن اور سمجھ میں مضبوطی پیدا ہو سکتی ہے وہ بھی ہونے دیجاوے۔ اور یوں تعلیم کا فائدہ اُٹھایا جاوے۔ اور پھر ساتھ اس کے باقی نقصوں کو دور کرنے کیلئے جن کیلئے تعلیم ہرگز روک نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اب تک ہوئی ہے۔ پردہ کے مفید اصول کو قائم کرکے دُنیا سے ایک بھاری بدی کو دور کیا جاوے۔

یہ امر طے ہو جانے کے بعد کہ جو خوشی غیر محرم عورتوں کی صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے وہ بھی انسانی
خوشحالی کے تباہ کرنے کا موجب ہے۔ اب ہم مسٹر دلاور حسین کے دوسرے اعتراض پر غور کرتے ہیں جس کا
ماحصل یہ ہے کہ جس صورت میں غیر محرم مرد اور عورتیں اکٹھے مل جل کر بیٹھ نہیں سکتے اور گفتگو کر نہیں سکتے
تو نتیجہ یہ ہوگا کہ خیالات کے تبادلہ سے عورتیں محروم رہ جاویں گی۔ اور جو علوم مردوں کے ذریعہ دُنیا میں
آوینگے اُن میں وہ شریک نہیں ہو سکینگی۔ اور اُن سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکینگی۔ پردہ کی منسوخی کے مجوز
اور سخت مروجہ پردہ کے حامی دونوں ایک ہی غلطی کے مرتکب ہیں۔ وہ عام لوگوں کی حالت پر غور نہیں کرتے اور
اور انسانوں کی بڑی بھاری تعداد کے فواید کو چھوڑ کر اور صرف چند لوگوں کو مدنظر رکھ کر وہ نتائج پیدا کرتے ہیں
جن کا اثر کل انسانوں پر پڑتا ہے حالانکہ ایسے قواعد تجویز کرنے کے لئے ضروری یہ ہے کہ بڑے حصہ کی حالت
کو دیکھا جاوے۔ اور جو چند کس ان عوام سے الگ ہیں اُن کو بطور مستثنٰی کے سمجھا جاوے۔ اصل سوال
اس جگہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ عورت کے کام کا اصل دائرہ کیا ہے۔ عورت سے مراد ہماری وہ عورتیں نہیں۔ جو
علمی اشغال رکھتی ہیں۔ کیونکہ وہ تو شاذ و نادر کے طور پر پائی جاتی ہیں بلکہ عورت سے مراد کام کرنیوالی عورتیں
ہیں۔ اور اسی جماعت میں دُنیا کی بڑی کثیر تعداد آتی ہے پس دیکھنا یہ ہے کہ عورت عملی طور پر کس حالت میں مفید
ہو سکتی ہے۔ اور اسی سوال سے ساری بات طے ہو جاتی ہے۔ اگر ہم کوئی ایسی سوسائٹی فرض کرلیں جس میں
عورتوں کو سوائے علمی اشغال کے اَور کوئی شغل نہ رہے یا کم از کم علمی اشغال ہی ان کے سب سے بڑھ کر ضروری
اور اہم اشغال ہوں۔ تو بیشک مسٹر دلاور حسین کے اعتراض کو وقعت کی نظر سے دیکھنا ضروری ہوگا لیکن
کیا ایسی حالت کا فی الواقع ہونا بھی ممکن ہے۔ کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ وقت بھی آجاویگا جب
انسانوں کی ایک کثیر تعداد ہر ایک قسم کی محنت اور کاروبار سے فارغ ہو جاویگی۔ اور علمی مشاغل کے سوائے اَور
کوئی مشغلہ اُن کا نہ رہ جاویگا بظاہر ایک بھی ایسا واقعہ نہیں جو اس کی تائید کرتا ہو۔ مغربی تہذیب کے پھیلنے
کا اگر دنیا میں کوئی اثر ہُوا ہے تو یہ ہوا ہے کہ کاروبار کے مشغلے اور بھی بڑھ گئے ہیں۔ اگرچہ اس میں
شک نہیں کہ بہت ساری سہولتیں بھی پیدا ہو گئی ہیں۔ مگر تاہم اس سے انسانی محنت اور کاروبار میں کسی
قسم کی تخفیف نہیں ہوئی۔ بلکہ بہت سارے نئے نئے میدان انسانی محنت کے لئے پیدا ہو گئے ہیں اس لئے
جہانتک ہمارے موجودہ ذرائع علم کے ہیں ہم اسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ آدمیوں اور عورتوں کی کثیر
تعداد کاروبار اور محنت سے کبھی فارغ نہیں ہو سکتی۔ اور علمی مشاغل ایک تنگ دائرہ تک ہی محدود
رہ سکتے ہیں۔ اصل غلطی جو پردہ کے متعلق ہر دو فریق کر رہے ہیں۔ وہ یہی ہے کہ وہ عوام کی حالت پر غور
نہیں کرتے۔ بلکہ چند ایک ممتاز انسانوں کو سامنے رکھ کر نتیجہ وہ نکالتے ہیں جس کا اثر عوام پر پڑتا ہے

اور اس لئے ہر دو کے نتائج غلط وجوہات پر مبنی ہیں +

جو لوگ اپنے آپ کو عورتوں کا ہمدرد ظاہر کرتے ہیں وہ شاید یہ سن کر خوش نہ ہوں کہ عام انسانوں کی حالت پر وسیع نظر کر کے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ عورت کے اصلی اور اہم فرائض گھر کے اندر کے فرائض ہیں۔ کیونکہ عورت کی اصلی حیثیت زوجہ اور ماں ہونیکی حیثیت ہے۔ اور اس حیثیت سے ہم اُس وقت تک عورت کو الگ نہیں کر سکتے جبتک کہ دنیا کا اور اُس کے ساتھ تمام تہذیبوں کا خاتمہ فرض نہ کر لیں پس کوئی تہذیب بھی اس قانون قدرت کو ٹال نہیں سکتی جس کے رو سے قدرت نے بچے جننے اور اُن کی پرورش کرنے کا بوجھ عورت کے ذمے ڈالا ہے اور نہ ہی کسی مہذب قوم کی عورتوں نے اب تک اس بوجھ سے آزادی حاصل کر لی ہے۔ ہاں اگر ہمارے مسلمان بھائیوں پر یہ ثابت ہو جاتا کہ بچہ جننے کا بوجھ مغربی تہذیب نے عورت سے ہٹا دیا ہے۔ تو البتہ عورتوں کے ساتھ اُن کی ہمدردی کا اُس وقت یہ تقاضا تھا کہ وہ کہتے کہ ہماری عورتیں بھی اس بوجھ سے آزاد ہونی چاہئیں۔ مگر جس صورت میں ابھی تک تہذیب اس سے قاصر ہے۔ اور آئندہ بھی کوئی صورت اس قانون قدرت کے ٹل جانے کی نظر نہیں آتی تو ضرور ہے۔ کہ ہر ایک سوسائٹی میں عورت کے خانگی فرائض اور گھر کے اندر کے کاروبار کو اُس کے اصلی فرائض قرار دیا جاوے۔ لفظ کہدینا تو آسان بات ہے جیسے مسٹر دلاور حسین کہتے ہیں کہ عورت زمین پر اپنی اُس آسمانی اور فرشتوں والی خصلت کو ظاہر کرنے کیلئے پیدا ہوئی ہے جو محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر اُنھوں نے یہ نہیں سوچا کہ عورت کی یہ خصلت کیونکر کب اور کہاں ظاہر ہو سکتی ہے۔ کیا اس کا ظہور بڑے بڑے علمی لکچروں کے سننے یا پولیٹیکل جھگڑوں میں وقت ضائع کرنے یا عام مجمعوں میں مباحثات کرنے سے ہوگا۔ یا اُن چھوٹے چھوٹے کاموں کے ذریعہ سے عورت کی یہ محبت ظاہر ہوتی ہے جو غیروں کی نظر میں تو چھوٹے چھوٹے ہیں مگر جو درحقیقت بڑے مفید اور قیمتی کام ہیں گھر کے اندر کے کام جیسے خاوند کے ساتھ اعلےٰ درجہ کی محبت اور نیکی کا سلوک اور خاوند بیٹوں اور بھائیوں کے ساتھ اس محبت کا اظہار اور اُنکی خدمت گذاری بچوں کی پرورش اور نیک تربیت اپنے گھر میں بوڑھوں اور کمزوروں اور بیماروں کی خبرگیری میں اَن تھک محنت اور صبر اور استقلال سے کام لینا اور پھر سخاوت اور فیاضی کے وہ کام جنمیں عام انسانوں کی ہمدردی پائی جاوے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ یہی موخر الذکر کام ہی وہ کام ہیں جنمیں عورت کی سچی محبت کا اظہار ہو سکتا ہے مسٹر دلاور حسین کو اختیار ہے کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ عورت کی یہ خصلت جس کا اظہار اُنکو ایسا پسندیدہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ لکچروں کے سُننے اور ملکی امور میں جھگڑے کرنے سے ہی ظاہر ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ گھر کے اندر اُن کو ایسے اظہار کے دیکھنے کا موقعہ نہ ملا ہو۔ مگر دنیا نہ یہ سمجھتی ہے اور نہ ہی سمجھ سکتی ہے۔ کیونکہ تمام دُنیا کے نزدیک عورت کے اعلےٰ درجے کے صفات

گھر کے اندر ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جس اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کے کام کے لئے اُس کو قدرت نے بنایا ہے وہ گھر کے اندر کا ہی کام ہے۔ مگر صرف ذہنی قوےٰ کی تیزی سے عورت کے ان صفات کے اظہار میں کچھ مدد نہیں ملتی۔ اور اس لئے عورت کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز وہ نہیں جس پر مسٹر دلاورحسین زور دیتے ہیں۔ کہ اُسکی گفتگو کے دائرے کو وسیع کیا جاوے اور اُسے موقع دیا جاوے کہ ہر روز ایک نئے اجنبیوں کے دائرے میں فضول باتیں کر کے اُن کو خوش کر آیا کرے یا اُن سے خوش ہو آیا کرے یہ ایک ضروری اور کام کی گفتگو کے لئے اُسے اپنے گھر کے اندر بھی بہت سارا موقعہ ملتا ہے بلکہ یہی محبت کی گفتگو جو عورت کو گھر کے اندر نصیب ہوتی ہے وہ گفتگو ہے جو انسان کی خوشی کو بڑھاتی ہے اور اُس کے لئے تسکین کا موجب ہوتی ہے +

اس اعتراض میں ایک اور غلط فہمی بھی ہے جس کا ازالہ ضروری ہے کسی شخص کے علوم سے فائدہ اُٹھانے کے لئے اُس سے مل کر گفتگو کرنا لازمی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر ایک بڑے آدمی کے علم سے کل کی کل دُنیا سوائے اُن معدودے چند اشخاص کے جنکو اُن کے ساتھ گفتگو کا موقعہ ملتا بکلی محروم رہ جاتی اور یوں علم کے سارے ذخیرے ہمیشہ کے لئے برباد جاتے۔ بلکہ خدائے تعالےٰ نے ایسے سامان پیدا کر دئیے ہیں۔ کہ تنہائی کے گوشہ میں بیٹھ کر بھی ہم ہر ایک زمانے کے بڑے بڑے آدمیوں کی باتوں کو سن سکتے ہیں۔ اور ان کے علوم سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ آج کل جو گفتگو کا جنون ہو رہا ہے۔ اس میں عورتوں کو بھی شامل کیا جاوے۔ یہ ہماری سمجھ میں بالکل فضول بلکہ نقصان دہ امر ہے۔ ان گفتگوؤں کا ماحصل کیا ہوتا ہے؟ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہر ایک شخص یہ چاہتا ہے۔ کہ مَیں کچھ باتیں کر کے اور لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف پھیر کر بڑا آدمی بن جاؤں۔ اور گفتگو کسی غرض سے نہیں کی جاتی سوائے اس کے کہ اُسوقت سامعین پر اس کا اثر پیدا ہو اور وہ گفتگو کرنے والے کو بڑا آدمی سمجھ لیں۔ یہ بیماری اس وقت مغربی سوسائٹی کو لگی ہوئی ہے۔ اور بجائے اس کے کہ ان کی گفتگوئیں قدرتی طور پر ہوں۔ اور اخلاص کی باتوں سے اصل غرض کسی کو فائدہ پہنچانا ہو ہر جگہ یہ مقابلہ لگا ہوا ہے کہ ہر ایک شخص یہی چاہتا ہے کہ مَیں ہی چند باتیں کر کے بڑا آدمی بن جاؤں۔ اور وہ باتیں صرف موقعہ کے لحاظ سے کی جاتی ہیں نہ نتیجہ کے لحاظ سے۔ پس سچی اور حقیقی طور پر مفید گفتگو وہی ہے جو یا تو سچے اور مخلص دوستوں کے درمیان ہو سکتی ہے اور یا گھر کے اندر۔ مگر جہاں ہر ایک شخص کا یہی خیال ہو کہ میں ہی گفتگو کر کے سامعین کے اندر شہرت پا جاؤں۔ ایسی گفتگو سے احتراز ہی لازم ہے۔ اور ہر ایک انسانوں کے بہی خواہ کا فرض ہے۔ کہ وہ اس قسم کی جھوٹی اور بناوٹی گفتگوؤں سے جن کی غرض نہ کسی امر کا احقاق ہوتی ہے۔ اور نہ ہی کوئی واقعی اور حقیقی فائدہ۔ خود بچے اور دوسروں کو بھی اس سے

بچانیکی کوشش کرے کیسی سوسائٹی کی اندھا دھند تقلید کرنے سے انسان کامیاب نہیں ہو سکتا ہاں اگر کوئی حکمت کی بات ہمیں مغربی سوسائٹی میں بھی نظر آجاوے تو ہمارا فرض ہے کہ اُسکو حاصل کرنیکی کوشش کریں +

(باقی آئندہ)

نوٹ اور ریویو

نیوگ: نیوگ کے مسئلہ پر جیسے آریہ سماج میں اسکی تعلیم دیجاتی ہے کئی دفعہ ہم اسی رسالے میں بحث کر چکے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ آریہ سماج کو یہ توجہ دلائی گئی تھی۔ کہ اگر وہ واقعی نیوگ کو ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور اُسے اخلاق فاضلہ سے گرا ہوا خیال نہیں کرتے تو وہ ایسے مردوں اور عورتوں کی صحیح صحیح فہرست شائع کریں جنہوں نے واقعی نیوگ کیا اور کرایا اور پھر ایسے تعلقات سے جو اولاد پیدا ہوئی ہو اُسکی بھی فہرست شائع کریں۔ تاکہ پبلک کو یہ یقین آجاوے کہ واقعی سماج اس اصول پر جسکی تعلیم خود سماج کے بانی نے دی ہے کاربند ہے۔ اور ایک ایسے فعل کے کرنے میں سماج کو کچھ عار نہیں جو تمام دنیا کے نزدیک شنیع سمجھا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ آریہ سماج اس قدر اخلاقی جرأت نہ دکھا سکا کہ اس درخواست کے مطابق وہ ایک فہرست شائع کر دیتا لیکن اب ہمیں اس کے پورا ہونیکی کسی قدر امید معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو آریہ سماج کے بڑے معزز اور مقتدر ممبروں نے پبلک میں نیوگ کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ آریہ اخبارات عام پبلک کے سامنے اس تعلیم کے فلسفہ کو پیش کرکے ضرور اُن کا اطمینان کرنے کی کوشش کرینگے۔ اور فہرستوں والے مطالبہ کو بھی پورا کئے بغیر نہ چھوڑینگے۔ کیونکہ مباحثہ میں صحت نیت شرط ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک جائز مطالبہ کو پورا کیا جاوے۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس مباحثہ کا فریق ثانی یعنی برھمو سماج بھی یہی مطالبہ آریہ سماج سے کر رہا ہے۔ چنانچہ برھمو سماج کا انگریزی اخبار یونیٹی اینڈ منسٹر جو کلکتہ سے نکلتا ہے۔ لکھتا ہے۔ "**آریہ سماج کے اصول اخلاق** جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ آریہ سماج ایک طرف تو دیگر معاملات میں تہذیب یافتہ ہے۔ اور ملک کی حالت کو بہتر کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اور دوسری طرف اخلاق کے پہلے اصول کو بھی نہیں سمجھ سکتا تو یہی سمجھ آتا ہے کہ انسانی فطرت کے اندر ہی ایسا تضاد موجود ہے ہم اس جوش کو دیکھ کر حیران ہیں۔ جس جوش سے یہ لوگ نیوگ (جس کا لفظی ترجمہ اُس لحاظ سے جو یہ لفظ یہاں لکھا گیا ہے خلاف مناکحت ہے) کی تائید اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ جس سے مراد یہ ہے کہ اپنی زوجہ کے سوا دوسری عورت سے تعلق پیدا کرنا اس غرض سے کہ اولاد پیدا کی جاوے۔ ایک آریہ سماج کے لیڈر نے ایک لکچر کے اثنا میں جو

اُس نے ایک سماج کے جلسہ میں دیا۔ اس بدکاری کی رسم کی جس کی کسی طرح پر حمایت نہیں کی جا سکتی تائید اور حمایت میں بہت کچھ کہا۔ ایک آریہ اخبار نے اس خطرناک سیکاری کو تمام بدیوں کا تریاق بیان کیا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ جن لوگوں کے اخلاقی معیار میں یہ بدرسم ہے وہ قابل رحم لوگ ہیں جن کی قسمت میں جہالت کے اندر غرق رہ کر تباہ ہونا لکھا ہے۔ کیا کوئی انسان ایسا اندھا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جب مذہبی تعصب اور طرفداری کسی شخص کو اندھا کر دیتی ہے تو اُسے اُسکی غلطی کا قائل کرنا قریباً ایک محال امر ہو جاتا ہے۔ اگر سچ سچ کہا جاوے تو بڑے نرم الفاظ میں ہم یہ کہینگے کہ یہ رسم ساتویں حکم کی خلاف ورزی ہے (یعنی توریت کے دس احکام میں سے ساتویں حکم کی) کیا ہمارے آریہ دوست ان اشخاص کی ایک فہرست شائع کر سکتے ہیں یعنی اُن مردوں اور عورتوں کی فہرست اُن کے صحیح صحیح نام اور مفصل پتے دے کر جنہوں نے درحقیقت اس قسم کے تعلقات پیدا کیئے ہیں؟؟

اخبار مذکور کے اخیری الفاظ کو ہم اس جگہ نقل نہیں کرتے کیونکہ اخبار آریہ پترکا اُن کی سختی کا شاکی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس سختی کے بہانے سے اس معقول درخواست کا جواب دینے سے ہی انکار کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی سختی اخبار مذکور نے کی بھی ہو تو یہ اس کا قصور نہیں بلکہ خود نیوگ کی تعلیم ہی انسان کے اخلاقی احساسات کو اس قدر صدمہ پہنچانیوالی ہے کہ حقیقت نیوگ کو کھولکر دکھانا ان لوگوں کیلئے جن کے مذہب کی روح رواں ہی نیوگ ہے اشتعال اور رنج کا باعث ہو جاتا ہے بلکہ یہ تو ایک الگ امر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب کبھی کوئی انسان کسی عقیدہ کو غلط یقین کر کے یا کسی رسم کو نقصان دہ سمجھ کر اس پر حملہ کرتا ہے تو اُس کو لازماً ایسے لفظ استعمال کرنے پڑتے ہیں جو کسی قدر دُرشت ہوتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر احقاق حق اور ابطال باطل نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ نیوگ کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ کہ اس کو نہایت نرم الفاظ میں بیان کرنا بلکہ اُن الفاظ میں بیان کرنا جن الفاظ میں آریوں کی کتاب مقدس یعنی ستیارتھ پرکاش میں یہ بیان کیا گیا ہے مباحثہ کی تہذیب پر کسی قدر اثر ضرور ڈالتا ہے۔ ہاں جب ایک شخص کو مجبوراً حق اور باطل میں فرق کر کے دکھانا پڑتا ہے۔ تو اس کو یہ ناگوار کام بھی کرنا پڑتا ہے یعنی اصول نیوگ کو بیان کرنا پڑتا ہے۔ پس مخالف مباحث اُس وقت تک بالکل معذور ہے جب تک وہ کسی مذہب کے اصول پر موافق یا مخالف لکھتا ہے ہاں اگر وہ ذاتیات پر حملہ کرے تو بیشک قابل مواخذہ ہے لیکن اگر ناپاک رسموں کو مذہبی عقاید میں داخل کر دیا جاوے تو پھر کسی منتقد کا اس میں کیا قصور ہے۔ اسی وجہ ہم مسٹر ہردیال ایم۔ اے کو بھی اس ریزولیوشن کی تحریک کرنے میں حق پر سمجھتے ہیں۔ کہ "لاہور کے باشندوں کا یہ جلسہ یہ ریزولیوشن پاس کرتا ہے۔ کہ نیوگ کا اثر ہماری سوسائٹی کی اخلاقی حالت کے لئے سخت خطرناک اور نقصان رساں ہے"۔ اگر آریہ سماج یہ بات چاہتا ہے کہ نیوگ کو بھی

دوسرے مذہبی اعتقادوں کی طرح پبلک کو یہ اطمینان دلاوے کہ اس رسم میں واقعی کوئی بات خلاف تہذیب نہیں اور یہ بھی ثابت کرے کہ آریہ اخباروں میں اس قسم کے اشتہارات کا نکلنا کہ فلاں شخص نیوگ کے لئے تیار ہے پس جو عورت نیوگ کرانے کی خواہشمند ہے۔ وہ اُس سے نیوگ کرا لے فحش کی حد تک نہیں پہنچتا +

وہ کیا چیز ہے جو عیسائیوں کو اسلام میں نظر نہیں آتی:۔ ایک لیکچر میں جو بمقام برسٹل کلیسیا کے ایک مجمع میں "عیسائیت اور دوسرے مذاہب" پر دیا گیا۔ پادری ایچ جی گرے نے جو اس سے پہلے پنجاب میں پادری رہ چکے ہیں اور اب وکلف ہال اکسفورڈ کے پرنسپل ہیں مذہب عیسوی کا اسلام کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ اسلام کی پاک کتاب یعنی قرآن شریف "گناہ کی حقیقت بیان کرنے یا گناہ سے...... چھڑانے کے لئے کوئی نئی چیز نہیں لایا جو معمولی قانون قدرت سے باہر ہو۔ اور اس میں مسیح مصلوب یا مسیح مبعوث ....

جیسی کوئی چیز نہیں ہے"۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو ہر ایک مسلمان فخر سے بیان کر سکتا ہے کہ اسلام کا پاک مذہب واقعی کوئی ایسی بیہودگی جیسے کفارہ یا تثلیث ہے نہیں سکھاتا بلکہ وہ طریق بتاتا ہے جو عقل اور قانون قدرت کے مطابق ہے۔ جیسا کہ یہ امر یقینی ہے کہ خدا موجود ہے جس نے دنیا کو پیدا کیا اور پھر جیسا کہ یہ امر یقینی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسانوں کو وہ طریق سکھایا ہے جس پر چل کر وہ گناہوں سے نجات پا سکتے ہیں۔ ایسی ہی قطعی اور یقینی یہ بات ہے کہ کفارہ انسانوں کا اپنا اختراع ہے۔ اور گناہ کا تریاق نہیں بلکہ ایک زہر ہے جو جو چنگے بھلوں کو ہلاک کر دینے والا ہے۔ کیا عیسائیوں کو کبھی یہ خیال نہیں آتا حالانکہ وہ توریت اور دیگر صحف انبیاء کے الہامی ہونے پر یقین رکھنے کا دعوے کرتے ہیں۔ کہ ہزارہا سال تک خدا تعالےٰ گناہ سے نجات کا ایک طریقہ بذریعہ وحی کے اپنے خاص بندوں کی معرفت بتاتا رہا حالانکہ بموجب اعتقاد عیسائیوں کے وہ غلط طریقہ تھا گویا خدا خود ہی اپنے کلام سے انسانوں کو غلطی میں ڈالتا رہا۔ اگر وہ طریق جو اسلام گناہ سے نجات کے لئے پیش کرتا ہے صحیح نہیں ہے تو عیسائیوں کو یہ ماننا پڑیگا کہ اللہ تعالےٰ نے خود ہی ہزارہا انسانی نسلوں کو یہ طریقہ سکھا کر غلطی میں مبتلا کیا۔ کیونکہ یہی وہ طریقہ ہے جو انبیاء بنی اسرائیل کو سکھایا گیا جو بموجب اعتقاد عیسائی صاحبان سچے نبی اور خدا کی طرف سے تھے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی اندھیر ہو سکتا ہے۔ اور پھر تعجب پر تعجب یہ کہ یہ علاج جو ہزارہا سال کے بعد خدا کو بموجب اعتقاد عیسائیاں سوجھا وہ ایسا نکما نکلا کہ سترہ یا اٹھارہ سو سال کے عرصہ کے اندر اندر اس کا پول ظاہر ہو کر تمام عقلمند انسانوں کو اس سے برگشتہ ہونا پڑا اور عیسائی کہلا کر بھی یہ اعتقاد چھوڑنا پڑا بلکہ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ اس وقت کل عیسائی دُنیا باستثنائے اُن لوگوں کے جن کو تعصب حق

جو سمجھا جاوے تو اُس کا فرض ہے کہ

دیکھنے نہیں دیتا اس کفارہ کے عقیدہ سے بیزار ہو چکی ہے۔ اور اس امر کو تسلیم کر چکی ہے کہ کفارہ گناہ کا علاج نہیں اور مسیح کا جی اُٹھنا ایک کہانی ہے۔ بلکہ کلیسیا کے بڑے بڑے عہدہ دار سب اسی بات پر متفق ہیں۔ اور انسکلوپیڈیا ببلیکا اس پر شاہد ہے۔ کہ مسیح کے صلیب کے واقعات جو انجیلوں میں مذکور ہیں۔ ان میں نہایت صریح متضاد بیانات پائے جاتے ہیں۔ کیا انہیں ناقابل اعتبار اور ردی بیانات کی بنا پر جو ایکدوسرے کو جھٹلا رہے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ عیسائی مذہب میں مسیح مصلوب گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ حالانکہ ایک بھی قابل اعتبار گواہ صلیب پر مرنے اور جی اُٹھنے کا نہیں ہے۔ اس لئے آج کل کے عیسائی لیڈروں کی نظروں میں مسیح مصلوب اور دوبارہ جی اُٹھا ہوا مسیح بالکل بے حقیقت اور محض لغو باتیں ہیں۔ اور اس کے ذریعہ سے گناہ سے نجات پا جانا ایک دھوکا تھا جو اٹھارہ سو سال عیسائی دنیا کو لگا رہا۔ اور اس قدر عرصہ کے گذرنے کے بعد اب اُس کی حقیقت بھی طشت ازبام ہو گئی ہے۔ پس اگر عیسائی صاحبان کے ہاتھ میں کوئی قطعی اور یقینی ثبوت ان واقعات کا ہے۔ تو انکو سوائے اسکے اور کچھ کہنے کا حق حاصل نہیں کہ اسلام کو وہ ایک بڑی بیہودگی پا دیکھتے ہیں۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر بیہودگی کیا ہو سکتی ہے۔ کہ ایک آدمی مر گیا جو اُس کے ساتھ ہی کل دُنیا یا کل عیسائی دنیا میں سے خدا کی نافرمانی کی روح ہی مر گئی۔ حالانکہ یہ نافرمانی کی روح عیسائی دُنیا کے اندر پرورش پا کر ایسی موٹی تازی ہو رہی ہے۔ کہ جس کی نظیر اور کہیں تلاش کرنا عبث ہے۔ لیکن اگر اتنی بات کا کہ مسیح مصلوب ہؤا اور جی اُٹھا عیسائیوں کے ہاتھ میں کچھ بھی ثبوت نہیں تو پھر اُن کو چاہیئے کہ بہت جلدی اس دھوکے سے باہر نکلنے کی کوشش کریں جس میں وہ پھنسے ہوئے ہیں۔ ہم مانتے ہیں۔ کہ اسلام گناہوں سے نجات کا وہ طریق سکھاتا ہے جو عقل کے مطابق ہے۔ اور جس کا موید خدا کا قانون قدرت بھی ہے۔ اور جو عیسائیوں کے عقائد کے بموجب خود خدا تعالےٰ نے بذریعہ اپنی وحی کے سینکڑوں انسانی نسلوں کو سکھایا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ذوی العقول کہلا کر پھر اُس طریق پر حملہ کیا جاوے جو عقل کے مطابق ہے ✝

یہودیوں میں دہریت: جس پختگی اور مضبوطی سے یہودی لوگ باوجود مختلف ممالک میں تتر بتر ہونے کے اپنی مذہبی رسوم اور عقاید پر جمے رہے ہیں اُس کی نظیر کم دیکھی جاویگی۔ مگر زمانے میں دہریت کی ہوا اس قدر تیز چل رہی ہے۔ کہ نیویارک ایسٹ سائیڈ میں دس ہزار یہودیوں نے کھلے طور پر دہریت کو اختیار کر لیا ہے۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ کئی ہزار یہودی دل میں مذہبی عقاید سے بیزار ہیں۔ لیکن بظاہر اُن کو خانگی جھگڑوں کی وجہ سے یا نوکری کے کھوئے جانے کے اندیشہ

سے نہیں چھوڑتے۔ کیا پہلے بھی کسی زمانہ میں دہریت کی ہوا اس قدر تیز ہوئی ہے جبکہ آسمان سے کوئی مصلح پیدا نہ ہوا ہو۔ پھر اس وقت سے بڑھ کر اور کونسا ضرورت کا وقت ہوگا جبکہ خدا تعالےٰ خود آسمان سے انسانوں کی دستگیری فرماوے۔ اور اپنے کسی مرسل کے ہاتھ پر آسمانی نشان ظاہر فرماکر دوبارہ ایمان کو دلوں میں قائم کرے لیکن عیسائی صاحبان باوجود ہستی باریتعالےٰ کے انکار کی ان تیز و تند ہواؤں کے یہی کہے چلے جاتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح اور ان کے حواریوں کے زمانے کے بعد آسمانی نشانوں کی ضرورت ہی نہیں۔ اس زمانہ سے بڑھ کر اور کونسا زمانہ اس امر کا محتاج ہے کہ ایک شخص خدا تعالےٰ کی طرف سے مبعوث ہو اور اس کی ہستی کے طاقتور نشان ظاہر کرکے دلوں میں یقین اور عرفان کی قوت پیدا کرے ہاں عین اسی وقت پر خدا تعالےٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے بندے **مرزا غلام احمد** کو مسیح کے رنگ میں ظاہر کیا۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالےٰ کی ہستی کے متعلق شکوک اور شبہات پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کو چاہئیے کہ وہ اس کے پاس آویں اور اپنے ایمان کو مضبوط کریں۔ گذشتہ نشانات کے قصص اس وقت کام نہیں دے سکتے۔ بلکہ ایمان اور یقین کے پیدا ہونے کے لئے خدا تعالےٰ کی وحی کے تازہ پانی کی ضرورت ہے +

چند روزہ نکاحوں کی تجویز۔ یہ کسقدر تعجب کی بات ہے کہ عیسائی ممالک آہستہ آہستہ تمام اسلامی اصولوں کی طرف چلے آتے ہیں۔ اور بااینہمہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام مغرب کی تہذیب یافتہ قوموں کے مناسب حال نہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک نکاح کا فسخ کرنا قریباً قریباً ہمیشہ محالات سے سمجھا جاتا رہا ہے۔ لیکن عملی طور پر یہ تجویز سوسائٹی کے امن میں سخت مخل ثابت ہوئی ہے۔ جیسا کہ اخبار ٹرو تھ سیکر لکھتا ہے "کہ ہزارہا مرد و عورت کے جوڑے جو اس عیسائی خیال کے منکر ہیں اور نکاح کو انسانی انتظام سمجھتے ہیں یعنی ایسا انتظام جو ضرورت کے وقت توڑا جا سکتا ہے وہ تو موت کے وقت تک خوشی سے اکٹھے رہتے ہیں۔ اور ایسے ہی ہزارہا جوڑے جو نکاح کے معاہدہ کو ناقابل انفساخ سمجھتے ہیں وہ تمام امور میں سوائے کھانے اور سونے کے اور بعض اوقات ان امور میں بھی الگ الگ رہتے ہیں۔ اور ایسی زندگیاں بسر کرتے ہیں جو دنیا میں وحشی اور حیوانات بسر کرتے ہیں"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی عقاید کو آخر کار کیسی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسانی حالات اور تقاضائے فطرت انسانی کے مطابق نہیں ہیں +

مسٹر جارج میریڈیتھ ولایت کا مشہور ناولسٹ نکاح میں ایک ترمیم کی تجویز پیش کرتا ہے۔ اور وہ

کہتا ہے کہ نکاح کچھ عرصہ کے بعد مثلاً دس سال کے بعد خود بخود فسخ ہو جانا چاہیئے۔ تاکہ فریقین از سر نو زیادہ خوشحالی کا انتظام کر سکیں۔ ایسی ایسی تجویزیں جو آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔ اس بات پر شاہد ہیں کہ عیسائیت کے قایم کردہ رواجوں پر لوگ بالکل غیر مطمئن ہو رہے ہیں۔ اگر اس تجویز کی اصل غرض کو ٹٹولا جاوے۔ تو وہ صرف اسیقدر معلوم ہوگی کہ نکاح زیادہ آسانی سے فسخ ہونیکے قابل ہونا چاہیئے کیونکہ انسانی فطرت عیسائی تشدد کی برداشت نہیں کر سکتی۔ اسلئے اگر طلاق کے معاملہ میں عدالتوں کا دخل نہ رہے۔ تو وہی مطلب زیادہ آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور سوسائٹی اس صورت میں عارضی نکاحوں کے نقصانوں سے بچ رہیگی۔ اگر طلاق کے معاملہ میں عیسائی دنیا صرف اسلامی عقیدہ پر قایم ہو جاوے تو اسکی ساری مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ لیکن اگر خود بخود وہ ان پاک اصولوں کو اختیار نہ کرینگے۔ تو زمانہ مجبوراً اُن کو انہی اصولوں کی طرف لاویگا اور عیسائی اصولوں کے تشدد کے خلاف اس قسم کی تجویزوں کا پیش ہونا صحیح علامت اس بات کی ہے کہ وہ دن قریب ہے۔ جب اسلامی مسئلے عیسائی دنیا میں عام طور پر مقبول ہو جاوینگے +

ماسٹر عبدالرحمن صاحب مدرس تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان نے جنھوں نے کچھ عرصہ ہوا مذہب اسلام کو قبول کیا تھا۔ ایک کتاب بنام اختیار الاسلام تین حصوں میں لکھی ہے۔ جس میں آریہ سماج کے اعتقادات پر مفصل بحث کی گئی ہے اور نیز یہ دکھایا گیا ہے کہ باوا نانک اصل میں سچے مسلمان تھے۔ کتاب واقعی عمدہ ہے اور طالبان حق کے لئے انشاء اللہ تعالےٰ مفید ثابت ہوگی۔ تینوں حصے کوئی چار سو صفحے کے قریب ہیں اور قیمت ...... عہ رکھی گئی ہے مصنف سے ملسکتی ہے +

اسلامیہ کالج ماہوار میگزین زبان انگریزی میں اسلامیہ کالج لاہور کی طرف سے نکلنا شروع ہُؤا ہے۔ اس کے ایڈیٹر کالج کے پرنسپل مسٹر عبدالغنی صاحب بی۔ اے ہیں۔ امید کیجاتی ہے کہ اُن سوالوں پر روشنی ڈالکر جو آج کل تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دلوں میں کھٹک رہے ہیں۔ اس میگزین کو طلباء کے لئے مفید بنایا جاویگا۔ اس کا حجم ۱۸ صفحے ہے اور چندہ سالانہ عا؍ طلباء سے عہ

ضیاء الاسلام ایک ہفتہ وار اسلامی مذہبی پرچہ ہے جو امرتسر سے شایع ہوتا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اندرونی جھگڑوں کے لئے یہ اخبار علیحدہ رکھا گیا ہے چندہ سالانہ...

صرف عہ ہے +

اگرچہ گھر کے اندر تو بائیبل کی اب کوئی قدر نہیں رہی۔ لیکن دنیا میں اب بھی اس کا بہت شور ہے بائیبل اِن دی ورلڈ (یعنی دنیا میں بائیبل) ایک نیا ماہوار میگزین ہے۔ جو بائیبل سوسائیٹی لنڈن کی طرف سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اور جس کے یہ اغراض بیان کئے گئے ہیں کہ "یہ رسالہ ماہ بماہ بائیبل سوسائیٹی کی کارروائیوں کی اطلاع دیتا رہیگا۔ جیسا جیسا کہ سوسائیٹی بغیر کسی تشریح یا نوٹ کے خدا کی کتاب کو تمام قوموں اور تمام زبانوں میں شایع کرتی جاتی ہے"۔ اسمیں شک نہیں کہ بائیبل سوسائیٹی کے پاس اس قسم کے رسالوں کے چلانے کے کافی ذرایع موجود ہیں۔ لیکن دو سوال ہیں۔ جن کا جواب امید ہے سوسائیٹی کا کوئی نہ کوئی ممبر ضرور دیگا۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ کیا کلیسیا کے بڑے بڑے عہدہ دار اور عیسائیوں میں سے بڑے بڑے لوگ بائیبل کو خدا کی کتاب سمجھتے ہیں۔ اگر تنقید کے اصولوں پر چلکر عیسائی صاحبان نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بائیبل انسانوں کی تصنیف ہے۔ اُن صاحب وحی انسانوں کی نہیں جن کی طرف وہ منسوب ہے۔ بلکہ اُس سے پچھلے زمانہ کے آنیوالے دوسرے لوگوں کی اور اگر اس کے مضامین میں اصلی اور تاریخی واقعات کی نسبت قصہ کہانیوں کی زیادہ آمیزش ہے۔ تو کیا دوسرے لوگوں کو یہ کہنا کہ بائیبل خدا کی کلام ہے صریح دھوکہ نہیں ہے۔ بائیبل کو خدا کا کلام ثابت کرنے کے لئے بائیبل سوسائیٹی نے کونسا کام کیا ہے اگر بائیبل سوسائیٹی کا وہی اعتقاد ہے۔ جو آج کل کے بڑے بڑے عیسائی فاضلوں اور پروفیسروں کا اعتقاد ہے یعنی یہ کہ بائیبل غلطیوں سے پُر ہے۔ تو بائیبل سوسائیٹی کو سوچنا چاہئے کہ ان غلطیوں کو وہ دوسرے ملکوں میں کیوں پھیلا رہی ہے اور اگر ضروری ہی ہے تو پھر اسکا فرض ہے کہ پہلے سچائیوں کو غلطیوں سے الگ کرے اور صرف صداقتوں کی اشاعت کرے اور غلطیوں سے دنیا کو ہلاک نہ کرے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہم بائیبل پر کوئی حاشیہ یا نوٹ نہیں چڑھاتے اس کا کیا فائدہ۔ اصل الہامی کلام تو بائیبل سوسائیٹی کے ہاتھ میں نہیں اور جو کچھ وہ شایع کر رہی ہے وہ صرف مترجموں کا خیال ہے نہ خدا کے الفاظ۔ کیا بائیبل سوسائیٹی کے سینکڑوں بائیبلوں میں کوئی بائیبل ایسی بھی ہے جو خدا کا کلام کہلانے کی مستحق ہو؟ +

عظیم الشان خوشخبری	حضرت مرزا صاحب کی اپیل منظور ہوکر مقدمات کا خاتمہ اُس پیش گوئی کے مطابق ہوگیا جو جولائی سنہ ۱۹۰۳ء کے رسالہ میں شائع

نقل فیصلہ عدالت اپیل بمقدمہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب

مجسٹریٹ صاحب نے واقعات مقدمہ بخوبی طور پر اپنے فیصلہ مین ظاہر کئے ہین اور ان کے مکرر بیان کرنے کی ضرورت نہین ہے۔ انہون نے مرزا غلام احمد ملزم پر اثبات جرم زیر دفعہ ۵۰۰ و حکیم فضلدین ملزم پر زیر دفعات ۵۰۱ و ۵۰۲ تعزیرات ہند قایم کیا ہے۔ انہون نے علیحدہ علیحدہ اپیل نمبر ۴۲۶ و نمبر ۴۲۵ داخل کی ہین اور ان کا فیصلہ یکجا ہو سکتا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہین کہ صفحات نمبر ۱۲۹ و ۱۳۰ کتاب مواہب الرحمان کے جسکو ملزم نمبر ۱ نے تصنیف کیا اور ملزم نمبر ۲ نے شایع کیا فی نفسہ مزیل حیثیت عرفی ہین اور ہم اس امر کو بھی تسلیم کرتے ہین کہ الفاظ لئیم اور بہتان اور کذاب جن کی بابت استغاثہ کیا گیا ہے بُرے معنون مین استعمال کئے گئے ہین اور ان سے بڑی.... بھاری اخلاقی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ہم یہ خیال کرتے ہین کہ ملزمان مستحق بریت کے تھے۔ ملزمان کا اہم عذر یہ تھا کہ مستغیث ان ملامت آمیز الفاظ کا بوجہ مضمون مندرجہ سراج الاخبار مورخہ ۶ و ۱۳۔ اکتوبر کے مستحق تھا۔ مجسٹریٹ صاحب نے یہ ثابت کرنے کے لیے بہت کوشش کی ہے کہ ہتک آمیز مضمون کا ان آرٹیکلو ںسے کوئی تعلق نہین۔ اِسبارہ مین ہم مجسٹریٹ صاحب کے نتیجہ کو تسلیم کرنے کی کوئی وجہہ نہین دیکھتے۔ مستغیث نے بیان کیا ہے کہ اس کی ازالہ حیثیت عرفی کی گئی ہے۔ ملزمان کے پاس ایسی شہادت موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستغیث کی کوئی ایسی حیثیت نہین ہے جسکا ازالہ ہوا۔ ہمکو اس شہادت کا رد کرنا بالکل ناممکن معلوم ہوتا ہے جیساکہ مجسٹریٹ صاحب نے کیا ہے کیونکہ بظاہر اس سے جرم بہت خفیف ہو جاتا ہے خواہ ملزمان یہ ثابت نہ کر سکتے کہ انہون نے یہ کارروائی نیک نیتی سے کی یا کہ اتہام افادۂ عام کے واسطے لگایا گیا تھا۔ ہم یہانتک بھی کہنے کو تیار ہین کہ اگر ملزمان کو اس وقت جبکہ انہون نے اتہام لگایا اس ثبوت کا علم نہ بھی ہوتا کہ وہ اتہام صحیح تھا اور بعد ازآن ان کو اُس امر کا علم ہوا ہو تو بھی وہ اپنے جرم کو خفیف بنانے کے واسطے اُس ثبوت کو پیش کرنے کے مجاز تھے۔ مقدمہ ہذا مین ہم نہین کہہ سکتے کہ سراج الاخبار کے مضمون کا

ملزمان کی کتاب سے کوئی تعلق نہین ہے - کتاب مذکور کے صفحات نمبر ۱۲۹ و ۱۳۰ پر کسی جگہ کوئی
ایسا نہین ہے کہ مستغیث بدین وجہ دروغ گو اور بہتان باندھنے والا اور کمینہ شخص ہے - کہ
اس نے فوجداری استغاثہ کیا یا وہ کرے گا - بلکہ یہ مذکور ہے کہ ایک کمینہ شخص اور بہتان
باندھنے والے شخص کے وجود کی بذریعہ الہام اطلاع ہوئی ہے اور کہ وہ چاہتا ہے وغیرہ
وغیرہ - اگر مستغیث محض نالش فوجداری کرنے کی وجہ سے کمینہ وغیرہ خیال کیا گیا ہوتا
تو الفاظ مثلاً جھوٹے استغاثہ کرنے والا - اپنی قسم کو توڑنیوالا یا جھوٹے گواہان پیش کرنیوالا
کی ہر ایک کو توقع ہو سکتی تھی اور جو صرف متعلق جوڈیشل کارروائی کے سمجھے جا سکتے
بے شک اگر ملزمان نے ایسے الفاظ استعمال کئے ہوتے تو ان کی طرف سے اپنے طریق
عمل کے جواز کے لیے دیگر اقسام کی اخلاقی لغزشوں کا پیش کرنا کافی نہ ہوتا مگر چونکہ صفحات
نمبر ۱۲۹ و ۱۳۰ پر الفاظ محض عام معنوں مین استعمال کئے گئے ہین اسواسطے ملزمان کا
پورا پورا حق ہے کہ ان الفاظ کی تشریح کے لیئے وہ مضمون سراج الاخبار کیطرف توجہ دلائین
اسمین کچھ شک نہین کہ فوجداری نالش ہونے کی وجہ سے ملزمان کو اپنا دبا ہوا غصہ مستغیث
پر نکالنے کا موقع ملا - تاہم یہ ضروری نہین ہے کہ ملامت آمیز الفاظ آرٹیکلو نکے باقاعدہ
جواب مین استعمال کئے جانے چاہیئے تھے بلکہ یہی کافی ہے اگر عدالت مین گھسیٹے جانے
پر ہر دو ملزمان کو اپنا غصہ نکالنے کے وقت پر اپنے حریف کو ان ہتک آمیز الفاظ سے
جو کہ استعمال کئے گئے ہین نامزد کرنے کی کافی وجہ تھی - ہماری دانست مین اس پر یقین
کرنا ناممکن تھا کہ ملزم نمبر ۱ کو مستغیث کا عمل جو کہ سخت ردّ و بدل سے ظاہر ہوا مدنظر نہ تھا -
خطوط جو تین ماہ یا کچھ عرصہ پیشتر شائع کئے گئے جنمے مرزا کے دعاوی کا مضحکہ اُڑایا گیا -
ایک نہایت ہی رنج دہ اور شدید حملہ تھے جو کہ کبھی مستغیث کی طرف سے پہلے نہین ہوا تھا
اور چونکہ آرٹیکلوں کی تردید نہین کی گئی ہے اور وہ مستغیث کے نام سے تھے اسلیئے عوام الناس
اور ہر دو ملزمان نے طبعاً مستغیث کے آرٹیکل خیال کیئے - پس ہم مجسٹریٹ صاحب سے
بالکل اختلاف کرتے ہین اور قرار دیتے ہین کہ ہر دو ملزمان ان الفاظ کے جواز ثابت
کرنے کیلئے جو ان کی کتاب کے صفحات نمبر ۱۲۹ و نمبر ۱۳۰ پر استعمال کئے گئے ہین ۶ - و
۱۳ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ ء کے آرٹیکلو نکے حوالہ دینے کے سراسر مستحق ہین - آرٹیکلو نکی بابت
یہ کہدینا کافی ہے کہ ان سے ایک دانستہ منصوبہ چال بازی اور خلاف بیانی اور جعلسازی

کا ظاہر ہوتا ہے جن پر بے حیائی سے ایک عام اخبار کی سطرون مین دُنیا کے سامنے فخر
کیا گیا ہے - ہم خیال نہین کرتے ہین کہ ان آرٹیکلونکا نویسندہ عدالتون سے کسی مدد
حاصل کرنے کا مستحق ہے اگر ان اشخاص نے جنکا ان خطوط سے مضحکہ اڑایا گیا
رنج اور غصہ مین الفاظ لئیم (کمینہ) یا بہتان یا کذاب (بڑا دروغگو) استعمال کئے ہین ہم
اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہین کہ کس طرح صاحب مجسٹریٹ نے یہ قرار دینے کے
بعد کہ مستغیث نے ہی یہ آرٹیکل لکھے اور فی الواقعہ اسی بنا پر اسپر ایک اَور مقدمہ مین
اثبات جرم قایم کیا - آرٹیکلون کی طرز تحریر پر غور نہین کی جنسے بہت ادنے درجہ
کے اخلاق ظاہر ہوتے ہین - خواہ ملزمان اسوقت باقاعدہ طور پر آرٹیکلونکا جواب دے
رہے تھے یا نہ دے رہے تھے تاہم حیثیت مستغیث کا موازنہ کرنے مین آرٹیکلونکو نظر انداز کرنا
ناممکن ہے اور ہمارے خیال مین ہتک آمیز الفاظ کا استعمال یہانتک درست تھا کہ ہم
مستغیث کی مدد نہ کرتے اگر الفاظ مذکور کسی قدر اس سے بڑھکر بھی ہوتے - جبکہ بقول
صاحب مجسٹریٹ فریقین ایکدوسرے کے جانی دشمن تھے تو اس صورت مین الفاظ
کی باریک کمی بیشی کے درپے نہین ہونا چاہئے - دوسرا امر یہ ہے کہ کیا مستغیث نے
آرٹیکل لکھے - مجسٹریٹ صاحب نے قرار دیا ہے کہ اسی نے لکھے تھے - مستغیث پر اثبات
جرم آرٹیکل لکھنے کی بنا پر قایم کیا گیا ہے اور اُسنے ابتک اثبات جرم کی تنسیخ کے
لئے (جسکو قریبًا سہ ماہ گذر چکے ہین) کوئی کارروائی نہین کی - آرٹیکلو نپر ملزم کا نام
بطور نویسندہ درج ہے - اُسنے تسلیم کیا ہے کہ مین اکثر اوقات سراج الاخبار مین
نامہ نگاری کرتا رہا ہون - آرٹیکل ایڈیٹر نے شایع کئے تھے اور اُسنے اُنکو مستغیث کے
آرٹیکل باور کئے تھے - مستغیث نے انکی تردید کے بارہ مین یا انکے نویسندہ ہونیسے انکار
کرنیکی بابت کبھی کوئی تحریر اخبار مین نہین بھیجی - اندرونی شہادت سے دلالت
ہوتی ہے کہ سوائے مستغیث کے کسی اور نے ان آرٹیکلونکو تحریر نہین کیا - بیشک
مرزا کا کوئی مرید ایسا کام نہین کر سکتا - نویسندہ اپنی چالاکی پر نہایت خوش معلوم
ہوتا ہے اور غالبًا اس کارروائی کی عزت کسی اور کو دینا پسند نہین کرتا - مستغیث نے
اس تحریر کو جو اسکی بیان کیجاتی ہے شناخت کرنے مین اسقدر ٹال مٹول کیا ہے
کہ ہم اسپر کوئی اعتبار نہین رکھ سکتے - وہ ۱۶ - جولائی سنہ ۱۹۰۳ء کو رائے چندولعل

کے روبرو یقینًا بیان نہین کرسکا کہ آیا آرٹیکل مورخہ ۶- اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء اس نے لکھا تھا
اور دیگر دستاویزات کی بابت بھی یہی بیان کیا- سوالات جرح مین اس نے ۱۳- نومبر سنہ ۱۹۰۳ء
کو تسلیم کیا تھا کہ فضلدین نے اس سے کتب مانگی تھین اور اس نے اسکے کہنے کی تعمیل
کردی تھی اور وہ اسکے قبضہ مین تھین- فی الحقیقت اس امر پر شک کرنا قریبًا ناممکن ہے کہ
واقعات مندرجہ آرٹیکل مورخہ ۶ و ۱۳- اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء سے مستغیث کا تعلق ظاہر
ہوتا ہے- اسواسطے ہمارا اتفاق دیگر عدالتہاے کی راے سے ہے کہ مستغیث ہی ۶ و
۱۳- اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء کے آرٹیکلون مندرجہ سراج الاخبار کا نویسندہ ہے ہمارے
خیال مین آخیر لیسین کچھ شک نہین ہو سکتا کہ یہ قرار دیا جاوے کہ ملزمان نے نیک نیتی سے
کارروائی کی +مرزا کے مذہبی دعاوی کا سوال ایک پبلک دلچسپی کا سوال تھا- ہر ایک
شخص کو مرزا کی حیثیت کا اندازہ مرزا کے اپنے خیال کے مطابق لگانا چاہیئے- بیشک
وہ اپنے آپ کو ایک طرحسے ملہم باور کرتا ہے اور اپنے مریدون اور عوام الناس کے
واسطے وہ ان اتہامات کی تردید کرنا جو خود اسکے اور اس کی مذہبی حیثیت اور اعتقادات
کے برخلاف لگائے جاوین اپنا فرض سمجھتا ہے- اگر کسی شخص کو ایسے مذہبی مباحثون
مین بہت کم دلچسپی ہو تو بھی ہر ایک کو خیال کرنا چاہیئے کہ ان اشخاص کے نزدیک جو ان
اصولونکے پیرو ہین- وہ بہت وقعت رکھتے ہین- ہم قرار دیتے ہین کہ ملزم نمبر ا جہانتک
اس معاملہ کا اس کی ذات سے تعلق تھا اسکے جواب مین اس امر کا بالکل مستحق تھا کہ وہ
مستغیث پر ایسا اتہام لگاتا جسکو ہم نے الواقعہ راست قرار دیتے ہین اور جو کہ مستغیث کے
خود اپنے عمل سے بھی ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے تاکہ عوام الناس اس امر کا اندازہ لگا
سکین کہ مستغیث کے فعل اور قول کی کیا وقعت ہونی چاہیئے- اگر ملزم مستغیث کے
سراج الاخبار کے مضامین کو تسلیم کر لیتا تو اس کی مذہبی حیثیت خطرہ مین پڑجاتی اور
اگرچہ جہلم مین مقدمات قانونی ہونیکے موقعہ پر مستغیث پر حملہ کرنیکی نسبت کوئی اور بہتر
اور زیادہ تر معقول طریق مضامین کی تردید کرنیکا ملزم کو ملسکتا تھا مگر پھر بھی ملزم کسی
خاص طریقہ یا وقت یا جگہ کا پابند نہین کیا جا سکتا- اور بیشک وہ علانیہ بمقام جہلم حملہ
کرنیمین جسجگہ کھلے طور پر اسکا مضحکہ اڑایا گیا تھا درستی پر تھا- یہ دیکھکر کہ کس طرحسے ...
عدالتہاے نے بالاتفاق قرار دیا ہو کہ مستغیث نے ہی وہ آرٹیکل لکھے تھے- یہ اغلب نہین ہے کہ

المرقوم ۷- جنوری سنہ ۱۹۰۵ء- دستخط مسٹر اے- ای- ہری صاحب بہادر سیشن جج قسمت امرتسر بحروف انگریزی +

حضرت اقدسؑ کا مبارک ارشاد

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس رسالہ میگزین کی کثرت اشاعت کی یہانتک تاکید فرمائی تھی کہ اس کی رو سے کوئی ایک بھی جماعت احمدیہ کا بھائی خواہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اور خواہ کسی حیثیت کا ہو تا اس کی خریداری سے محروم نہ رہنا۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ کے مبارک ارشاد کے بجنسہ تاکیدی الفاظ یہ تھے "میں **پورے** زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت مالی امداد میں جہانتک ان سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاویں اور اس خدمت میں جان توڑ کوشش کریں"۔ اس پر ہی اکتفا نہیں فرمائی۔ بلکہ ساتھ ہی ظاہر فرمایا کہ "اگر بیعت کرنے والے اپنی **بیعت کی حقیقت** پر قائم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں تو **دس ہزار خریدار** کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے بلکہ جماعت موجودہ کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے"۔ اور واقعی بات بھی بہت صاف تھی۔ کیونکہ اپنی دو لاکھ سے بڑھی ہوئی جماعت احمدیہ میں سے پانچ فیصدی احباب بھی کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنتے تو تعداد خریداری کہیں دس ہزار سے بھی بڑھ جاتی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اپنے جملہ بھائیوں کے کانوں تک حضرت اقدسؑ کے مبارک ارشاد کے یہ تاکیدی الفاظ نہیں پہنچے۔ چونکہ حضرت اقدسؑ کی فرمائی ہوئی تعداد تک رسالہ کی تعداد خریداری کا پہنچنے میں ابھی بہت کمی ہے اسواسطے ہر ایک بھائی کا فرض ہونا چاہئے کہ اس حکم کے مطابق [illegible] خود فوراً خریدار رسالہ بنے اور دیگر بھائیوں تک اس حکم کے پہنچانے اور دیگر خریدار پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اور [illegible] صاحب توفیق احباب علاوہ خریداری کے مالی اعانت بھی حسب توفیق [illegible] فرما کر ثواب عقبیٰ [illegible] اپنے جملہ برادران کے دل حضرت اقدسؑ کے حکم کی **فوری تعمیل** کے لئے جوش سے بھر جاویں +

مینیجر میگزین

اطلاع ضروری

(۱) بموجب **قواعد** رسالہ میگزین کا زر چندہ ماسوائے بجز کسی خاص حالات کے پیشگی وصول ہونا چاہئے۔ اس قاعدہ پر عمل کرنے کی صورت میں خریداران و دفتر ہذا کے مابین حساب بالکل صاف رہتا ہے حساب میں کسی قسم کی پیچیدگی واقع نہیں ہوتی۔ اور پیشگی وصولی میں ایک گونہ کارخانہ ہذا کو بھی امداد ہے اسواسطے جملہ خریداران بقایا جات حساب میں ہماری مدد کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔ سابقہ بقایا کی رقوم کو جلد تر بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماویں۔ ورنہ وی۔ پی کے پہنچنے پر رقوم کی ادائیگی و تعمیل [illegible]

(۲) ترسیل روپیہ یا خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری [illegible] شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بیجا تصور ہوگی +

(۳) جملہ خط و کتابت متعلق میگزین بنام مینیجر صاحب میگزین ہونی چاہئے نہ کسی مالک یا مینیجر مطبع یا کسی دیگر صاحب کے نام کیونکہ اس سے حرج و التوائے کام کا احتمال ہے +

مینیجر میگزین

مدرسہ تعلیم الاسلام

برادران السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عید الضحے کا مبارک دن قریب آتا ہے اس واسطے چندہ عید فنڈ اور کھال قربانی اور رقم زکوٰۃ و خیرات برائے مساکین و یتامے و جنرل فنڈ مدرسہ کے واسطے بر موقعہ یاد دلایا جاتا ہے کہ تمام احباب اپنے اپنے گھر سے رقوم جمع کر کے جسقدر جلد ممکن ہو سکے بنام مہتمم مدرسہ ارسال فرماویں۔ کالج بننے اور مدرسہ کے سرکاری منظور ہو جانے کی وجہ سے عمارت اور سامان اور ملازمین مدرسہ اور وظائف غربا اور کتب خانہ وغیرہ امور کے لئے بہت سے فنڈ کی ضرورت ہے جس کا جمع ہونا آپ صاحبان کی توجہ کو چاہتا ہے +

مفتی محمد صادق سپرنٹنڈنٹ و قائمقام ڈائرکٹر کالج و سکول تعلیم الاسلام قادیان

[illegible] نے اپنے مطبع انوار الاسلام میں [illegible] کے لئے چھاپا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ بابت ماہ فروری ۱۹۰۵ء نمبر ۲

فہرست مضامین

سالانہ چندہ ...

"اختیار الاسلام"

اس کتاب پر ایک بہت مختصر سا ریویو بسبب کمی گنجایش کے گزشتہ اشاعت مین لکھا گیا تھا۔ اس زمانہ مین مذہبی مباحثات ایسے عام ہوگئے ہین کہ قریبًا قریبًا ہر ایک خواندہ آدمی کیلیے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ وہ مختلف مذاہب کے اصولون سے واقفیت حاصل کرے۔ ہمارے مخالف مذاہب نے یہ عجیب طریق اختیار کر رکھا ہے کہ مذہب اسلام کی برکات کی طرف جو مذہب کی اصل روح ہے توجہ نہین کرتے اور نہ ہی ان برکات کے بالمقابل اپنے مذاہب مین کوئی خوبی دکھا سکتے ہین صرف اعتراضون پر زور ہے پس ایسی حالتین ہر ایک مسلمان کیلیے ضروری ہے کہ وہ آریہ وغیرہ مذاہب کے اصول اور ان اصولون پر جو زد واقع ہوتی ہے اس سے پوری پوری واقفیت حاصل کرے اس غرض کیلیے کتاب... **اختیار الاسلام** جو ماسٹر عبد الرحمن صاحب نے نہایت محنت اور جانفشانی سے تالیف کی ہے اور جس مین آریہ مذہب کے اصول کی غلطیان دکھائی گئی ہین نہایت مفید ہے امید ہے ہمارے دوست اسکی اشاعت مین پوری کوشش کرینگے۔ ایڈیٹر

جہانتک میرے مولے کریم نے مجھے فہم عطا فرمایا ہے مین دلیری سے اس کہنے کی جرأت کرتا ہون کہ حق کے طالب ایک طرف ترک اسلام اور دوسری طرف "مین مسلمان ہوگیا" پڑھین غالبًا ناظرین کو یقین ہوگا حق کیا چیز اور حق کی پیاس کیا چیز ہے اور اسکے نتائج کیا ہین

نورالدین از قادیان

کتاب اختیار الاسلام علی الجملہ فی الجملہ بہت عمدہ اور لطیف ہے اور ہماری امیدون سے بڑھ کر مفید تالیف کی گئی ہے یہ کتاب نہایت دردمندی اور جانگداز محنت سے تالیف ہوئی ہے

بہتون کی ہدایت کا موجب ہوگی انشاء اللہ تعالے

عبد الکریم از قادیان

(نوٹ) تمام درخواستین ماسٹر عبد الرحمن صاحب مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کے نام آنی چاہئین۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

پردہ

۳- پردہ کی ضرورت

گزشتہ اشاعت مین اسلامی پردہ کے حدود بیان کرنیکے بعد ہم نے پردہ پر بعض اعتراضوں کا جواب دیا تھا اور یہ دکھایا تھا کہ یہ سب اعتراض صرف ناسمجھی کیوجہ سے ہین ورنہ پردہ عورتونکو ضروری تعلیم کے حاصل کرنے اور ضروری کاروبار کے کرنیسے نہین روکتا۔ اب تیسرا سوال پردہ کے متعلق یہ پیدا ہوتا ہے کہ پردہ کی ضرورت کیا ہے۔ قبل اس کے کہ عام طور پر اس سوال پر بحث کی جاوے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً کسیقدر ذکر ان تحریکون اور تجویزون کا کیا جاوے جو آج کل ہندوستان مین بعض تعلیم یافتہ مسلمان پردہ کے دور کرنیکے لئے کر رہے ہین۔ سب سے پہلے یہ بات بیان کرنیکے لایق ہے کہ قرآن شریف سے پردہ کی منسوخی کے دلایل تلاش کرنا جیسا کہ بعض نو تعلیم یافتہ جنٹل مین کر رہے ہین ایک عبث کوشش ہے ان مخالفین پردہ کا اگر یہ منشاء ہوتا کہ پردہ کی موجودہ صورت مین کسی قدر تغیر کرکے اس کے بیجا تشدد کو دور کیا جاوے تو اور بات تھی مگر یہ لوگ تو اس امر کے درپے ہین کہ جس بیباکانہ آزادی سے یورپ کی عورتین غیر محرم مردون کے ساتھ ملتی جلتی ہین اسی طرح مسلمان عورتون کو بھی ملنا جلنا چاہئے۔ مگر قرآن شریف اس کی تائید نہین کرتا اور آیتون کے معنون پر اس وقت بحث کو چھوڑ کر ہمارے نزدیک وہی دو آیتین جن مین عورتون کو زینت کے چھپانے کا اور مردون اور عورتون کو غض بصر اختیار کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ مغربی عورتون کی صد درجہ کی آزادی کی اس قدر صاف اور کھلی تردید کرتی ہین کہ جس سے مہذب پارٹی کو بھی انکار نہین ہو سکتا۔ اسلامی عورتون کا یہ حیادار طریق یعنی اپنی زینت کو چھپا کر باہر نکلنا اور وہ بھی صرف ضرورت کے لیئے۔ اور پھر مردون اور عورتون کا ایک

دوسرے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے پرہیز کرنا جس کا حکم قرآن کریم دیتا ہے۔ یورپ جیسی سوسایٹی مین کس طرح قایم رہ سکتا ہے۔ جہان ہر شخص اس بات کو اپنے لیے باعث فخر و عزت سمجھتا ہے کہ کسی مشہور خوبصورت عورت کے پاس بیٹھنے یا اس سے ہاتھ ملانے یا گفتگو کرنے یا ناچ کی مجلسو نمین اس کے ہاتھ کو ہاتھ مین لے کر ناچنے کا موقعہ اُسے ملے۔ اور یہ اس غرض سے نہین کیا جا کہ ان باتون سے مرد یا عورت کے علم مین کوئی ترقی ہوتی ہے جیساکہ مسٹر دلاور حسین خیال کرتے ہین بلکہ محض اُن جذبات کے تقاضا کو پورا کرنیکے لیے جو خوبصورت عورتون کو دیکھ کر جوش مین آتے ہین۔ پھر جس طرح بناؤ سنگار کرکے مغربی عورتین باہر نکلتی اور غیر محرم مردون کے ساتھ ملتی جلتی ہین وہ بھی قابل غور ہے۔ انیسوین صدی کی ایک عورت۔۔۔۔ مصنف ان الفاظ مین ان عورتون کی تصویر کھینچتی ہے۔ "دور سے جب ایک عورت کی شکل نمودار ہوتی ہے تو اس کے لباس کی بھڑک چلنے والون کو خودبخود اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور اس کے قسم قسم کے چمکتے ہوئے رنگ اور جواہرات اور چمکیلا لباس۔ اُس پر طرح طرح کے پھول سب کے اوپر خوبصورتی کا تاج رکھا ہوا اور زیب و زینت کے عجیب و غریب ہلکے پھلکے سامان اور آرایش کو بڑھانے کے لیے نازک سفید تاگون پر پر لگائے ہوئے جو سورج کی ہر شعاع کے ساتھ اور ہوا کی ہر حرکت کے ساتھ چمکتے اور ہلتے اور کانپتے ہین۔ یہ سب باتین دیکھنے والے کو امید دلاتی ہین کہ ان چمکیلے لباسون کے نیچے فلورا کا خوبصورت اور دلکش چہرہ چمکتا ہوا دکھائی دیگا۔ اور جب وہ قریب آتی ہے تو سب آنکھین اُس کی طرف ایسی متوجہ ہوتی ہین کہ گویا باد صبا بھی اُس کی خوبصورتی کی ایک جھلک لینے کے لیے ٹھہر جاتی ہے"۔ اب ایک طرف اس تصویر کو رکھ لو اور دوسری طرف قرآن شریف کے اس پُر حکمت حکم پر غور کرو کہ عورتین اپنی زینت کو چھپا کر باہر نکلین اور پھر بتاؤ کہ کیا قرآن شریف ان عورتون کی پیروی کی تعلیم دے سکتا ہے۔ جو باہر نکلنے سے پہلے کئی گھنٹے صرف بناؤ سنگار اور لباس کی آرایش پر صرف کر دیتی ہین۔ صرف اِس غرض سے کہ جب وہ باہر نکلین تو غیر محرم مردان کی شکلونکو دیکھکر حظ اُٹھائین اور ان کے لباسون کی اور اُن کی خوبصورتی کی تعریف کرین۔ کیا وہ لوگ جو پردہ کی منسوخی کے درپے ہو رہے ہین اس بات کو پسند کرتے ہین کہ ان کی مائین اور بیویان اور لڑکیان اور بہنین اسی طرح باہر نکلین اور غیر محرم مردون کے ساتھ جدھر جی چاہے چلی جاوین۔ اگر یہی ان کی خواہش ہے تو کس چیز نے ابتک اُن کو روکا ہوا ہے۔۔۔

مخالفین پردہ نے پردہ کے ابتدا کی تاریخ بھی اپنے ذہن سے ہی گھڑلی ہے۔ محمد ابراہیم قریشی اخبار مسلم ریفارمر مین جو برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق ہے لکھتا ہے کہ اسلامی دُنیا مین پردہ بنی اُمیہ کے عہد سلطنت مین رایج ہوا اور اس سے پہلے مسلمان پردہ یا حجاب کے نام سے بھی واقف نہ تھے نئے اسباب راقم مضمون کے نزدیک یہ پیدا ہو گئے کہ "خلفاے بنی امیہ کی اوباشانہ بدکاری اور کھلا کھلا فسق وفجور" اس حد تک پہونچ گیا تھا کہ "وہ شرفا کے گھرون مین زبردستی داخل ہوکر بدکاری کے مرتکب ہونے لگے"۔ ہم یہ کہنے پر مجبور ہین کہ یہ ایک سیاہ اور کھلا کھلا جھوٹ ہے اور راقم مضمون سوائے اپنے بدخیالات کے اور کوئی شہادت اس بیان کی تائید مین پیش نہین کر سکتا۔ پس چونکہ یہ اس نے خود بخود ایک بات گھڑلی ہے اور تاریخی شہادت اس کی ایک ذرہ بھی نہین۔ اس لیے اسکے متعلق اسیقدر کہنا کافی ہے۔ برخلاف اسکے تاریخ سے یہ صاف اور صریح شہادت ملتی ہے جس سے انکار کرنا محض حماقت ہے کہ پردہ کا حکم قرآن شریف مین آنحضرۃ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور آپ نے اور آپ کے صحابہ نے اسپر عمل کیا۔ محدثین بالاتفاق یہ بیان کرتی ہین کہ آیت حجاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ پس اگر پردہ کوئی شے ہی نہ تھا اور بنی اُمیہ کے وقت تک لوگون کو پردہ کے نام سے بھی واقفیت نہ تھی تو حجاب کا مفہوم کیا تھا۔ اصل مین راقم مضمون نے آریہ سماج کی نقل کی ہے جو کہا کرتے ہین کہ ان کے درمیان پردہ مسلمان بادشاہون کی جابرانہ کارروائیون کے سبب سے جاری ہوا کیونکہ وہ لوگ ان کی لڑکیونکو زبردستی پکڑ کر لیجاتے تھے ان سب بیہودگیونکا صرف ایک ہی جواب ہے کہ اگر ان خود تراشیدہ باتون کا کوئی تاریخی ثبوت پیش نہین کیا جاسکتا تو یہی ایک بات دنیا پر ان کا جھوٹ ثابت کرنیکے لیے کافی ہے کیونکہ ان باتون کی غرض سوائے اسکے کچھ نہین کہ محض عناد کی وجہ سے بعض اشخاص کو بدنام کیا جاتا ہے۔ البتہ مسلمان بادشاہون کی "اوباشانہ بدکاریون" کے جو وجوہات راقم مضمون نے بیان کیئے ہین وہ قابل توجہ ہین وہ کہتا ہے کہ "شرابخوری ان کا سب سے بھاری عیب تھا اور شرابخوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوسایٹی کے قواعد کی کوئی پروا نہ کرکے ان کو کھلے طور پر توڑا گیا"۔ اب ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ شرابخوری مسلمانون پر کبھی غالب نہین ہوئی۔ اگرچہ خوف ہے کہ اب یہ ان لوگون کی تباہی کا موجب نہ ہو جاوے جو ہر ایک مغربی رواج کے ایسے دلدادہ ہوئے ہین کہ

ان کی کھلی کھلی بدیون کو بھی مفید سمجھ کر آنکھیں بند کرکے ان کے پیچھے لگے ہوئے ہین۔ ہم تسلیم کرتے ہین اور قرآن شریف بھی یہی تعلیم دیتا ہے کہ شرابخوری دنیا کی بہت ساری بدکاریونکی جڑ ہے۔ لیکن شرابخوری ہمیشہ سے عیسائی قومون کے اندر لعنت کا موجب رہی اور اب بھی ہے اس مقدس اور مطہر نبی نے جسکو خدا نے اپنے ہاتھ سے ہر ایک عیب سے پاک رکھا اور ہر ایک بدی کے بدنتایج پر اطلاع دی۔ اسلام کے بابرکت اصولون مین ممانعت شراب کا ایسا مقدس اصول جاری کیا کہ اس کی قوت قدسی کے سبب سے جو اُسکے پیروؤن مین مقناطیس کی طرح اثر کر گئی آج تک شراب سے ایسی نفرت چلی جاتی ہے جیسے خنزیر سے۔ اور اگرچہ اور بہت سارے اخلاقی حالات مین مسلمان اس اعلےٰ مقام سے گر گئے ہین جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہین قایم کیا تھا۔ مگر شراب سے وہ اب بھی بہت ہی بچے ہوئے ہین۔ اگرچہ اب یہ بدی ان لوگون کے درمیان رواج پاتی جاتی ہے جو بزعم خود مغربی تہذیب کے پیچھے لگ کر مہذب بن گئے ہین یا بن رہے ہین۔ پس اگر شرابخوری ان قواعد کو توڑنیوالی ہے جو تمدن انسانی مین مرد وعورت کے میل جول مین ملحوظ رکھے جانے ضروری ہین اور تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ بیشک شرابخوری کا مرض کل دنیا سے بڑھکر پھیلا ہوا ہے۔ اور سخت طاعون کی طرح نفوس کو ہلاک کر رہا ہے۔ بیشک یورپ ایسی جگہ ہے جہان ضرور ہے کہ انسانی تمدن اور انسانی اخلاق کے ان قواعد کو توڑا گیا ہو اور ان سے لاپرواہی دکھائی گئی ہو۔ پس حقیقی معلم کا یہ فرض ہے کہ وہ مغرب کے تمدنی رواجون کو جو کثرت شرابخوری کے سبب سے نقصون سے خالی نہین ہو سکتے غور سے دیکھے اور امتحان کرے اور ان کی ظاہری کششون کا دلدادہ ہو کر دھوکہ مین نہ آجاوے۔

ان امور کو مدنظر رکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ مخالفین پردہ کی یہ کوشش کہ منسوخی پردہ کو ایک مذہبی فرض سمجھ لیا جاوے مضحکہ آمیز کوشش ہے۔ اور اگرچہ ہم نہین کہہ سکتے کہ محض انسانی کمزوری کی وجہ سے کسی مذہبی اصول پر کاربند نہ ہونیکا نتیجہ کسی شخص کے حق مین کیا ہوگا۔ مگر اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ جو شخص اسلام کے مذہبی اصولون کو جڑ سے اکھاڑنا چاہتا ہے اور کھلم کھلا ان کی تردید کرتا ہے اس کا مسلمان ہونیکا دعوے باطل ہے۔ لیکن اصل سوال سے اسکا کچھ تعلق نہین کیونکہ پردہ کے سوال کو ہم اسی حد تک محدود نہین رکھنا چاہتے کہ اسلام نے پردہ کا حکم دیا ہے بلکہ ہم پردہ کی ضرورت کو عقلی طور پر دیکھنا چاہتے ہین۔ سو سب سے اول سوال

یہ ہے کہ اس وقت کونسی ایسی تمدنی ضروریات اس امر کی مقتضی ہورہی ہین کہ پردہ کو دور کیا جاوے۔ اس کے جواب مین مخالفین پردہ یا مخالفین اسلام کی طرف سے یہ جواب دیا جاویگا کہ سب سے اول ضرورت رواج پردہ کو منسوخ کرنے کی یہ ہے کہ تا عورتین تعلیم حاصل کرسکین اس کے متعلق ہم مضمون کے پہلے حصہ مین اعتراضون کا جواب دیتے ہوئے بیان کرچکے ہین۔ کہ عمدہ سے عمدہ تعلیم جس کی اس وقت ضرورت ہے پردہ کے ساتھ بھی دیجا سکتی ہے اور تعلیم کے لیے عورتون کی بے پردگی ضروری نہین ہے۔ سن بلوغ تک لڑکیان نہایت عمدہ تعلیم حاصل کرسکتی ہین اور اس وقت تک ان کو پردہ کرنے کی ضرورت نہین ہے اور اسکے بعد بھی اگر کوئی عورت اپنی تعلیم کو جاری رکھنا چاہے تو اس کے لیے نہایت آسانی سے عمدہ سے عمدہ انتظام ہو سکتا ہے۔ مگر ہم پوچھتے ہین کہ اگر پردہ اٹھا دیا جاوے تو کیا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان کی کل عورتین تعلیم حاصل کرنیکے قابل ہو جاوین گی اس سوال کا جواب دینے سے پہلے مخالفین پردہ مردون کی حالت پر غور کرلین کہ ان مین سے کتنے فیصدی تعلیم یافتہ ہین اور پھر کتنے فیصدی اعلے تعلیم یافتہ ہین۔ اگرچہ یہ دستور ہوگیا ہے کہ مردون اور عورتون کے مقابلہ کے وقت مردون کو طرح طرح کے برُے نامون سے یاد کیا جاتا ہے کہ انہون نے ظلم اور غصب کرکے عورتونکو عمداً ترقی سے روکا ہے اور اس کی غرض محض اسیقدر ہوتی ہے کہ عورتونکو خوش کیا جاوے۔ لیکن اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ دنیا کی تمام قومون کی ترقی کی تاریخون مین مرد ہمیشہ سے عورتون پر فوقیت رکھتے رہے ہین اور کیا علوم مین اور کیا انسانی ترقی کی دوسری شاخون مین ہمیشہ سے عورتونسے بہت ہی آگے بڑھے رہے ہین۔ پس قدرتی طریق ترقی کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ اول مرد ترقی کرین اور پھر عورتین۔ اس لیئے جہان ہم اس امر سے انکار نہین کرسکتے کہ عورتونکو تعلیم دینا ضروری ہے۔ ساتھ ہی یہ جتا دینا بھی ضروری سمجھتے ہین کہ ابھی ہندوستان کی یہ حالت ہے کہ نسبتاً ہمین مردونکی تعلیم پر زیادہ زور دینا چاہئے۔ کیونکہ جیسے جیسے مرد ترقی کرتے جائینگے۔ عورتین بھی ترقی کرتی جاوین گی اور ان کی تعلیم لازمی طور پر مردون کی تعلیم کے ساتھ ساتھ چلے گی۔ پھر دوسری وجہ منسوخی پردہ کی یہ بتائی جاتی ہے کہ عورت کو پردہ مین رکھکر اسکی کام کرنے کی آزادی چھین لی جاتی ہے۔ مگر یہ بھی جیسا کہ پہلے دکھایا جاچکا ہے صحیح نہین ہر شرعی پردہ عورتونکو کسی قسم کا کام کرنے یا تجارت کرنے یا ملازمت کرنے سے نہین روکتا۔

اور یہ اعتراض محض غلط فہمی کیوجہ سے کیا جاتا ہے - یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انگلستان مین
جو عورتونکے لیے ملازمت اور اشتغال تجارت اور پیشہ وری کی زیادہ ضرورت محسوس کیگئی
ہے اس کی خاص وجوہات ہین جو ہندوستان مین موجود نہین ہین - سب سے بڑی وجہ اس
ضرورت کے پیدا کرنے والی انگلستان کی آبادی مین مردون کی نسبت عورتون کی تعداد
کا زیادہ ہونا ہے - پس بموجب قاعدہ انگلستان کے سب عورتون کے لیئے مرد مہیا نہین
ہو سکتے یعنے ایسے مرد جو اُن کو بیاہ سکین - اور اسلئے جو عورتین زاید ہین وہ اپنے گذارہ کے
لیئے مجبور ہین کہ نوکری یا تجارت کا پیشہ یا کوئی اور کام اختیار کرین - اسیطرحپر انگلستان مین
جو عورتونکے پولٹیکل حقوق کا شور اٹھا ہوا ہے اس کی بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ عورتونکو
مردون کی طرح تجارت وغیرہ مین پورے حقوق نہین دیئے جاتے اور نہ ہی مزدوری کے
وسیع میدان مین ان کو مردونکے برابر رکھا جاتا ہے - اگر انگلستان مین عورت کی راہ سے
وہ روک اٹھا دیجاوے جو محض جنس عورت ہونے کی وجہ سے اسکے راہ مین ڈالی گئی ہے
تو عورتونکو بھی اپنے پولٹیکل حقوق پر زور دینے کی کوئی ضرورت باقی نہین رہتی - لیکن
انگلستان مین خواہ یہ کسی رنگ کا سوال ہو کسی سمجھ دار آدمی کی آج تک یہ رائے نہین ہوئی
کہ ہندوستان مین بھی عورتون کو پولٹیکل حقوق دینے چاہئین پس کیون بیوجہ ہم یورپ
کی تقلید کر کے اپنے آپ کو مصیبتون مین ڈالین - عورتین تو ایک طرف رہین ابھی تو ہندوستان
کے مرد بھی اس قابل نہین سمجھے جاتے ہان جب کانگریس اپنی کوششون مین جو وہ مردونکے
لیئے کر رہا ہے کامیاب ہو جاوے گا تو پھر عورتون کے حقوق کا بھی ایک کانگریس
کھڑا کر دیا جاوے -

الغرض اس وقت صرف اسیقدر ضرورت ہے کہ مروجہ پردہ کے تشدد کو دور
کر کے اُسے اسلامی شرعی پردہ کے مطابق کیا جاوے - یہی امر فایدہ مند بھی ہوگا اور اسی
کی ضرورت بھی ہے اور اس سے بڑھکر کسی بات کی لوگ برداشت بھی نہین کر سکتے
اور یہی آخر کار قوم کی فلاح اور خوشحالی کا موجب بھی ہوگا - مخالفین پردہ کی تجاویز جو
ہندوستان مین یورپ کی عورتون کا نقشہ دیکھنا چاہتے ہین مسلمانون کی حالت کے
بالکل مطابق نہین ہین کیونکہ ایسے امور مین تو اگر کوئی تبدیلی ضروری بھی ہو تو وہ تدریجی
ہی ہونی چاہیئے لیکن اس قسم کی تبدیلی کہ عورتونکو ان کی موجودہ حالت سے نکال کر

جس مین وہ بالکل بندہین وہ پرلے درجہ کی آزادی دیجاوے جو بدقسمتی سے یورپ مین مروج ہورہی ہے کوئی عقلمند انسان قوم کے لیے مفید خیال نہین کریگا۔ ہم کہتے ہین کہ جایز اور ناجایز کے سوال کو چھوڑکر عورتون کی حالت مین یکایک ایسی تبدیلی کردینا قوم اور ملک کے لیے سوائے تباہی کے اور کوئی نتیجہ پیدا نہین کرسکتا۔ پس اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کرلیا جاوے کہ بے پردگی ہی ترقی کا معراج ہے تاہم اُس بے پردگی کا یہ وقت نہین ہے اور مخالفین پردہ کی ایسی تجاویز اسوقت محض جوش جذبات اور کوتہ بینی پر مبنی ہین بلکہ ان کی اپنی دلایل بھی انکی تجاویز کو باطل کررہی ہین۔ مثلاً مسٹر دلاور حسین کہتے ہین کہ عورتون کی تعلیم معمولی پردہ کی بجائے ایک اور مضبوط بناوٹ کا پردہ پیدا کردیگی اور انکے چال چلن اور سمجھ مین ایک ایسی مضبوطی پیدا کردے گی جو ظاہری پردہ سے بڑھکر ان کی عصمت کی محافظ رہے گی۔ اب اس دلیل کے مطابق اول تعلیم کا ہونا ضروری ہے اور جب وہ اعلے درجہ کی تعلیم عورتین حاصل کرلین جس کے متعلق تجربہ سے یہ ثابت ہوجاوے کہ اُسنے یہ نتایج پیدا کردیئے ہین تو پھر پَردہ کو دور کرنا چاہیے۔ لیکن اگر اس مضبوط بناوٹ کے پردہ کے پیدا ہونیسے پہلے جو عورتونکو تعلیم سے حاصل ہوگا پردہ کو دور کردیا جاوے تو مسٹر دلاور حسین ہی فرماوین کہ اسکا نتیجہ سوائے رسوائی کے اور کیا ہوگا۔ اسلیئے مخالفین پردہ کے اپنے دلایل کے مطابق بھی یہ وقت منسوخی پردہ کا نہین ہے۔ جب اعلے تعلیم حاصل کرکے عورتونکے اندر وہ چال چلن اور سمجھ کی مضبوطی پیدا ہوجاوے جوافسوس ہے ابتک مردونکے اندر باوجود اعلے تعلیم کے پیدا نہین ہوئی جو ان کی عصمت کی پوری پوری حفاظت کرسکے تو بیشک اسوقت یہ سوال غور طلب ہوگا کہ کیون پردہ کو دور نہ کیا جاوے۔ کیونکہ اس قدر تو مخالفین کو بھی تسلیم کرنیسے چارہ نہین ہے کہ محض پردہ کے دور کرنے سے ایک ایسے ملک مین جہان مردون کا کثیر حصہ ابھی تک ناخواندہ ہو کل عورتین تعلیم یافتہ نہین ہوسکتین اور جو تعلیم حاصل کرسکتی ہین وہ پردہ کے نیچے رہ کر بھی حاصل کرسکتی ہین بشرطیکہ دوسرے حالات مانع نہ ہون جو مردون کو مانع ہورہے ہین یہ صرف مخالفین پردہ کو اُنکے اپنے دلایل سے قایل کرنیکے لیے ہمنے لکھا ہے۔ ورنہ ہم اس امر کو تسلیم نہین کرتے کہ تعلیم سے ضرور سمجھ کی مضبوطی پیدا ہوجاتی ہے اور بغیر تعلیم کے مضبوطی نہین ہوسکتی جیسا مسٹر دلاور حسین کا دعوے ہے۔ اس دعوے کا ماحصل تو یہ ہوگا کہ آج سے

تین چار صدیان پہلے انگلستان کے مرد یا ایک صدی پہلی انگلستان کی عورتین بہ سبب تعلیم کے نہونیکے بہت بد چال چلن تھے یا آج سے پچاس سال پیشتر ہندوستان کے مرد اور عورتین زیادہ فسق و فجور مین مبتلا تھین اور ان کی اخلاقی حالتین بہت گری ہوئی تھین۔ یہ بالکل لغویات ہے۔ انگلستان مین بہت عرصہ تک تعلیم صرف کلیسیا کے پادریون تک ہی محدود تھی مگر اس سبب سے کہ اُنکو تجرد پر مجبور کیا جاتا تھا۔ ان لوگون مین عوام کی نسبت بہت بڑھکر فسق و فجور پھیلا ہوا تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور آپ کے حواری یا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آج کل کے کتابی علوم پڑھے ہوئے نہ تھے لیکن کوئی عیسائی یا مسلمان یہ نہین کہہ سکتا کہ ان ایبون کی نسبت اس کے چال چلن کی مضبوطی اور تقدس بڑھکر ہین اس لیئے نہ تو اکیلی تعلیم مضبوطی کی شہادت ہے اور نہ تعلیم کا نہ ہونا کمزوری کا ثبوت ہے۔ مگر مسٹر دلاور حسین کے اپنے اقرار کے بموجب ہندوستان کے مردون اور عورتون کے چال چلن مین ابھی تک وہ مضبوطی پیدا نہین ہوئی جو انگلستان کے مردون اور عورتون مین ہے کیونکہ یہان بمقابلہ انگلستان کی تعلیم ابھی ابتدائی حالت مین ہے اور اِس لیئے اِس دلیل کے مطابق بھی وہ آزادی جس سے یورپ مین عورتین غیر محرم مردون کے ساتھ ملتی ہین۔ ہندوستان مین مروج نہین ہونی چاہیئے یا کیا مسٹر دلاور حسین کا یہ منشاء ہے کہ جو کوئی موہوم فایدہ عورتون کو تعلیم سے حاصل ہوگا اسکے حاصل کرنیکے لیے اگر زنا کاری پھیل بھی جائے تو کوئی ہرج نہین ہے۔ وہ غور کر کے دیکھین کہ ان کی دلایل ان دونون نتایج مین سے ایک نتیجہ پر ضرور پہنچاتی ہین۔ انگلستان نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ تدریجی ترقی سے حاصل کیا ہے۔ اور ان تمام فواید کو جو ایک قوم نے صدیون کی ترقی مین حاصل کیے ہین چند دنون یا سالون مین حاصل کرنے کی کوشش کرنا عبث ہے۔ یہ محض جلد بازی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کے تمام تمدنی اصول زیر و زبر ہو کر ابتری کی حالت پیدا ہو جاوے گی۔ پس کسی طرح پر بھی اس وقت پردہ کی منسوخی کی تجویز قابل تائید نہین۔ نہ اسلامی تعلیم کی رو سے نہ عقل اور تجربہ کے رو سے ہان اگر بجائے ان فضول تحریکون کے یہ کوشش متفق ہو کر کیجاوے کہ جہان تک شرعی پردہ سے بڑھ کر ہندوستان کے مروجہ پردہ مین تشدد ہے اس کو دور کیا جاوے تو یہ ایک ایسی کوشش ہوگی جس مین سارے سچے بہی خواہان قوم مدد اور ہمدردی کے لیے تیار ہونگے۔

اس کے بعد اب ہم عام دنیا کی حالت کو دیکھ کر پردہ کی ضرورت پر مختصراً کچھ بیان کرینگے۔

اور یہ بھی دیکھین گے کہ آیا مغربی سوسایٹی مین اس کا رواج اُن قومون کی نقصون اور غلطیون کے دور کرنے کا ذریعہ ہو سکتا ہے یا نہین۔ اس مضمون کے لیے بطور تمہید حضرت مرزا صاحب کی وہ نصیحت جو انہون نے بمقام لاہور آریہ سماجیون کو کی۔ نہایت ضروری ہے اور اگرچہ وہ سال گذشتہ مین آپ کے لاہور والے لیکچر کے اثناء مین چھپ چکی ہے لیکن اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کا پھر ذکر کرنا ضروری ہے۔ آریہ سماج کو نیوگ کی غلطی پر آگاہ کرنیکے بعد آپنے اِن الفاظ مین سماج کو خطاب کیا:۔

"ساتھ ہی مین ایک اور عرض کے لیے جرأت کرتا ہون کہ گو آریہ صاحبون کو اس زمانہ مین مسلمانون سے کیسی ہی نفرت ہے اور اسلام کے عقاید سے کیسی ہی بیزاری ہے مگر برائے خدا وہ پردہ کی رسم کو بکلی الوداع نہ کہدین کہ اس مین بہت سی خرابیان ہین جو بعد مین معلوم ہون گی۔ یہ بات ہر ایک فہیم انسان سمجھ سکتا ہے کہ بہت ساحصہ انسانون کا نفس امّارہ کے ماتحت چل رہا ہے اور وہ اپنے نفس کے ایسے قابو مین ہین کہ اس کے جوشون کے وقت کچھ بھی خدا تعالی کی سزا کا دھیان نہین رکھتے۔ بہت سے مرد جوان اور خوبصورت عورتون کو دیکھکر بدنظری سے باز نہین آتے اور ایسے ہی بہت سی عورتین ہین کہ خراب دلی سے بیگانہ مرد کی طرف نگاہین کرتی ہین۔ اور جب فریقین کو باوجود ان کی اس خراب حالت مین ہونے کے پوری آزادی دیجاوے تو یقیناً ان کا وہی انجام ہوگا جیسا کہ یورپ کے بعض حصون سے ظاہر ہے۔ ہان جب یہ لوگ درحقیقت پاک دل ہو جاینگے۔ اور ان کی امارگی جاتی رہیگی اور شیطانی روح نکل جائے گی اور ان کی آنکھون مین خدا کا خوف پیدا ہو جائیگا اور ان کے دلون مین خدا کی عظمت قایم ہوجائے گی اور وہ ایک پاک تبدیلی کر لینگے۔ اور خدا ترسی کا ایک پاک چولا پہن لین گے تب جو چاہین سو کرین کیونکہ اس وقت وہ خدا کے ہاتھ کے خوجے ہونگے گویا وہ مرد نہین اور ان کی آنکھین اس بات سے اندھی ہونگی کہ نامحرم عورت کو بدنظری سے دیکھ سکین یا ایسا بدخیال دل مین لا سکین۔ مگر اے پیارو خدا آپ تمہارے دلون مین الہام کرے ابھی وہ وقت نہین کہ تم ایسا کرو اور اگر ایسا کروگے تو ایک زہرناک بیج قوم مین پھیلاؤ گے یہ زمانہ ایک ایسا نازک زمانہ ہے کہ اگر کسی زمانہ مین پردہ کی رسم نہ بھی ہوتی تو بھی اس زمانہ مین ضرور ہونی چاہیے تھی۔ کیونکہ کلجگ ہے اور زمین پر بدی اور فسق و فجور اور شرابخوری کا زور ہے اور دلون مین دہریہ پن کے خیالات پھیل رہے ہین اور خدا تعالے کے احکام

کی دلون مین سے عظمت اٹھ گئی ہے زبانون پر سب کچھ ہے اور لیکچر بھی منطق اور فلسفہ سے بھرے ہوئے ہین مگر دل روحانیت سے خالی ہین ایسے وقت مین کب مناسب ہے کہ اپنی غریب بکریون کو بھیڑیون کے بنون مین چھوڑ دیا جاوے " یہ ہے پردہ کی سچی ضرورت اور اس کا صحیح فلسفہ۔ کیونکہ کوئی شخص اس سے انکار نہین کر سکتا کہ اگر ایک عورت اور ایک مرد نفسانی جذبات سے پاک نہین تو ان کو یہ موقعہ دینا کہ وہ آپس مین بے تکلف ملین جلین گویا خود ان کو بدکاری کی ترغیب دینا اور ان کے شہوات کو بھڑکانا ہے۔ پس جو سوسائٹی ایسے لوگوں سے خالی نہین ہے اسکے لیے پردہ ایک نعمت ہے۔ اور جبتک لوگون مین ناپاک خیالات موجود ہین تب تک انکے ساتھ اس قسم کے مواقع دیدینا جیسا کہ بے پردگی اور مردون اور عورتون کا کھلا میل جول یقیناً مہیا کرتا ہے خود ان ناپاک خیالات کو عملی صورت مین لاکر بدکاری کے پھیلانیکا ذریعہ بنتا ہے۔ پس جبتک پہلے کوئی ایسی سوسائٹی نہ دکھائی جاوے جسکے تمام افراد ہر ایک قسم کے نفسانی جذبات اور شہوانی خیالات سے بالکل پاک ہو چکے ہون۔ اس وقت تک پردہ کے اٹھانے پر زور دینا بدکاری کی اشاعت کی تجویز کرنا ہے۔ درآنحالیکہ یہ بھی ہم دکھا چکے ہین کہ پردہ عورت کو تعلیم حاصل کرنے اور کاروبار کرنیسے نہین روکتا ہے۔ پس پردہ کا وجود تو ایک ایسا عجیب و نافع وجود ہے کہ جس مین سراسر فایدہ ہی فایدہ ہے اور کوئی پہلو نقصان کا نہین۔ حالانکہ سوسائٹی کی اخلاقی حالت کی بہتری کے لیے اس کا فایدہ ایسا عظیم الشان ہے کہ اگر اسکے اختیار کرنے مین کوئی چھوٹا موٹا نقصان ہوتا تو بھی اُسے چھوڑنا نہین چاہیے تھا۔ اسی اصول پر قرآن کریم پردہ کا حکم دیتا ہے اور جو لوگ اسوقت پردہ کی مخالفت کر رہے ہین کوئی ان مین سے یہ نہین دکھا سکتا کہ اسوقت اس ملک کے کُل نہ سہی اکثر لوگون کی ہی یہ حالت ہے کہ وہ نفسانی جذبات سے بالکل پاک ہین اور انکے سامنے عورتین زیب و زینت کرکے نکلین تو انکے دلون مین کوئی ناپاکی کا خیال بھی نہین گذرے گا۔ یہ ایک ایسا سوال نہین کہ محض مباحثہ کی جیت کے خیال سے یا ہار کے ڈر سے جو جواب دل مین آوے دیدیا جاوے۔ کیونکہ اسکا اثر صرف مباحثہ کرنے والے فریقین پر ہی نہین پڑتا ہے بلکہ ایک عظیم الشان قوم کے فوایدکو مدنظر رکھکر اسکا جواب دینا چاہیئے اور فواید بھی وہ جنکے مقابل مین مالی فواید ہیچ ہین۔ ایسے مباحثہ مین سچائی اور اخلاص سے کام لینا چاہیئے ہان ہم چاہتے ہین کہ مخالفین پردہ مین سے ایمانداری سے کوئی ہمین یہ بتاوے کہ کسی خاص سوسائٹی کے ساتھ اندرونی اور گہرے تعلقات کے سبب سے وہ یقینی اور قطعی علم سے یہ دعوے کر سکتا ہے کہ وہ سوسائٹی بدخیالات سے بالکل پاک ہے اور نفسانی جذبات اسکے مردہ ہو چکے ہین اور بڑے سے بڑے امتحان کے موقعہ پر جہان انسان کو لغزش

کا احتمال ہو سکتا ہے اسکے افراد ٹھوکر کھانے سے بچے رہین گے - انگریزی سوسائیٹی کی کیرکٹر کے بہت سے ایسے پہلو ہین جو واقعی قابل تعریف ہین اور ہندوستانیون سے بدرجہا بڑھکر ہین لیکن ہم یہ کہنے کے لیے تیار نہین کہ جذبات اور خواہشات نفسانی کے معاملہ مین یہ سوسائیٹی اس اعلی مقام پر پہونچ چکی ہے - کہ جہان کوئی ناپاکی کا خیال اس کے دل مین نہ آوے اور اسلیئے ہر ایک معاملہ مین اور پھر مرد اور عورت کے کھلے میل جول کے معاملہ مین اس کی اندھا دھند تقلید کرنا عقلمند انسان کا کام نہین بلکہ حق یہ ہے کہ پہلے ہم اطمینان کرلین کہ اس کے کسی رواج کو اختیار کرنیسے ہماری قوم کی تمدنی زندگی پر اس کا کیا اثر ہوگا -

ہم نے یہ دعوے کیا ہے کہ انگریزی سوسائیٹی بھی ان نقصون سے خالی نہین جو بے پردگی کا نتیجہ ہوتے ہین اور یورپ کی تمدنی زندگی سب سے زیادہ اس امر کی محتاج ہے کہ وہان پردہ کو رواج دیا جاوے اور اس دعوے کے دلایل ہمارے پاس موجود ہین شاید اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا - کہ شراب اور مسکرات کا استعمال یا کم از کم ان کا حد اعتدال سے بڑھکر استعمال حیا اور شایستگی کے خیال کو تباہ کرنے والا ہے اور نفسانی جذبات کی آگ پر تیل کا کام دیتا ہے اسلیے انگریزی سوسائیٹی کے پرکھنے کے لیے پہلی محک ہم شرابخوری کو ہی قرار دیتے ہین کیونکہ یہ ایک ایسی محک ہے جس سے مخالفین پردہ بھی انکار نہین کر سکتے - پس ہم یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ آیا کثرت شرابخوری کی وجہ سے اس قوم کے متعلق ہمارا یہ کہنا کہ وہ نفسانی جذبات اور اُن بدیون سے خالی نہین جو نفسانی جذبات کے بھڑکنے کا نتیجہ ہوتی ہین صحیح ہے یا نہین - شرابخوری کے معاملہ مین ان لوگون کی رائے کو ہم کئی دفعہ بیان کر چکے ہین جو بعض وجوہات کے سبب سے انگریزی سوسائیٹی مین کسی عیب کے تسلیم کرنے مین سب سے پیچھے ہونے چاہئین مگر ان لوگون نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ کثرت شرابخوری مین قماربازی مین اور زناکاری مین عیسائی قومین دنیا کی تمام قومونسے اول نمبر پر ہین لیکن اِسوقت یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے اور ساتھ ہی بطور دلیل اس کا اثر بھی زیادہ ہوگا کہ ہم واقعات اور فہرستونکو پیش کرین جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف انگلستان کثرت شرابخوری مین ہی مبتلا ہے بلکہ دن بدن اس مین ترقی ہو رہی ہے اور کوئی کوشش اُسکو کم نہین کر سکی - مندرجہ ذیل اندازے انسکلوپیڈیا برٹینیکا سے لیے گئے ہین - انگلستان اور ویلز مین جہان دوسرے جرایم روبہ کمی ہین کثرت شرابخوری کا جرم ۱۸۶۵ء سے ۱۵ فیصدی بڑھ گیا ہے - ۱۸۷۸ء سے ۱۸۸۱ء تک بحساب اوسط ۱۰۷ اموتین سالانہ محض شرابخوری سے ہوتی تھین اور حالانکہ یہ تعداد بھی ایک اجنبی کو چونکا دینے والی ہے کیونکہ جہان

اس قدر موتین محض شرابخوری سے اور بلا شرکت کسی دوسرے سبب کے واقع ہون وہان شرابخوری اندرونی طور پر معلوم نہین کیا کیا تباہیان پیدا کر رہی ہوگی لیکن ۱۸۹۹ء کی تعداد کو دیکھکر انسان اور بھی حیران ہوتا ہے کیونکہ اس سال موت کے اسباب مین سے خالی شرابخوری کی وجہ سے ۲۸۱ا موتین واقع ہوئین گویا بیس سال کے عرصہ مین تگنی موتین ہوگئین۔ کیا شرابخوری کی اس ترقی سے مغربی تہذیب کے حامیون کے بدن پر کبھی رونگٹے کھڑے نہین ہوتے۔ یا کیا ہم یہ فرض کر لین کہ یہ سوسائیٹی ضرور نفسانی جذبات سے خالی ہوگی جہان اسقدر شراب پی جاتی ہے کہ تین ہزار آدمی ہر سال محض شراب زیادہ پینے کیوجہ سے مرجاتے ہین اور ہر ہزار مین سے سات پر فوجداری مقدمے اسوجہ سے ہوتے ہین کہ وہ کثرت میخوری کر کے سوسائیٹی کے امن مین خلل ڈالتے ہین پھر جہان ۱۸۷۰ء مین بحساب اوسط انگلستان مین ہر ایک فرد ایکسال مین ۲۸٫۵۹ گیلن* بیر (جو کی شراب)۔ ۰٫۹۷ گیلن خالص سپرٹ یعنی روح شراب اور ۲۵ء گیلن شراب پیتا تھا۔ سنہ ۱۹۰۰ء مین ان مسکرات کا خرچ اور بھی بڑھ گیا اور اس سال مین بحساب اوسط ہر ایک فرد نے ۳۱٫۷ گیلن بیر (جو کی شراب) ۱٫۱۲ گیلن روح شراب اور ۳۹ء گیلن شراب پی۔ سپرٹ سے مراد شراب کا روح ہے جو شراب مین صرف ۲/۳ حصہ ہوتا ہے اور جو کی شراب مین ۱/۱۰۔ اسی طرح پر ۱۸۷۰ء مین ہر ایک باشندہ انگلستان شرابخوری پر بحساب اوسط ۲ پونڈ ۱۸ شلنگ ۔ ۱ پنس یعنی ۴۴ روپے ۲ آنے سالانہ خرچ کرتا تھا مگر سنہ ۱۹۰۰ء مین ہر فرد کا خرچ شراب پر تین پونڈ ۱۸ شلنگ ۸ پنس ہوتا تھا یعنی ۵۹ روپے سالانہ یا پانچ روپے ماہوار جو ایک غریب مزدور ہندوستان مین سارا دن ٹوکری اٹھا کر کماتا اور اس سے اپنے سارے کنبے کو پالتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اوسط کے نکالنے مین چھوٹے بچے اور ہر قسم کے لوگ شامل کر لیے جاتے ہین اور اگر ایسے افراد نکال دیئے جاوین تو...... خطرناک خرچ شراب کا اس مہذب ملک مین نظر آتا ہے۔ ان اعداد کو دینے کے بعد انسکلو پیڈیا برٹینیکا لکھتا ہے کہ "اس شراب کے خرچ مین بڑا حصہ وہ ہے جو حد اعتدال سے گذرا ہوا ہے اور اس بات کا کبھی کسی نے انکار نہین کیا۔ مسٹر ڈڈلے ۱۸۶۹ء کے اعداد کو حساب لگا کر یون تقسیم کرتا ہے کہ خالص شراب مین سے ۳۸ فیصدی اور جو کی شراب مین سے ۳۲ فیصدی اس سال کثرت شرابخوری پر ضایع ہوا۔ اسلیے اگر اسوقت ہم یہ خیال کر کے کہ روپیہ عام طور پر زیادہ ہوگیا ہے اور اسلیے اعتدال سے شراب پینے والے زیادہ ہونگے (حالانکہ یہ محض خوش فہمی کا نتیجہ ہے) ان نسبتونکو اسقدر کم کر دین کہ کثرت شرابخوری مین اسوقت خالص شراب مین سے تیس فیصدی اور جو کی شراب مین سے ۲۵ فیصدی پی جاتی ہے تو معلوم ہوگا کہ

* ایک گیلن قریباً پانچ سیر پختہ کا ہوتا ہے

سنہ۱۹۰۹ء مین تین کروڑ نو لاکھ پونڈ یعنی ساڑھے اٹھاون کروڑ روپیہ صرف اس قسم کی شرابخوری مین ضایع ہوا جس کو حد اعتدال سے گذری ہوئی کہا جاتا ہے"۔ شراب کی دُکانون کی تعداد کا اندازہ کسی قدر اس سے لگ سکتا ہے کہ باوجود شرابخوری کی ترقی کے دس ہزار شراب کی دُکان سنہ۱۸۷۶ء سے سنہ۱۸۹۶ء تک بیس سال کے عرصہ مین نابود ہوگئی ہے۔ لیکن ان دس ہزار دکانون کے کم ہونیکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ باقیماندہ شراب کی دُکانین جن کی کثیر تعداد کا اندازہ اسی سے لگ سکتا ہے بہت وسیع ہو کر عظیم الشان شراب کے محل بنگئے ہین

اب یہ ان لوگون کی تمدنی زندگی مین جو اپنے تمدنی حالات پر فخر کر رہے ہین ایک افسوسناک واقع ہے۔ اور یہ کافی نہین ہے کہ اپنی بڑائیون کا ذکر کرتے ہوئے اسکا نام تک بھی نہ لین۔ شرابخوری کی یہ کثرت سوسائیٹی کو تباہ کر رہی ہے اور اس سے بڑھکر اور کیا حماقت ہو سکتی ہے کہ یہ سمجھ لیا جاوے کہ اس شراب سے تباہ شدہ سوسائیٹی مین غیر محرم مردون اور عورتون کا کھلا میل جول اور ایک دوسرے کے ساتھ بلا تکلف چلنا پھرنا کچھ بد نتایج پیدا نہین کرتا۔ ایک چھوٹا سا نتیجہ اس کا تو یہ بھی ہے کہ عورتین بھی کثرت شرابخوری مین مبتلا ہو رہی ہین۔ مسلمان ملکون مین جہان پردہ کا رواج ہے یہ ایک حیرتناک بات معلوم ہوگی لیکن انگلستان مین مرد اور عورت شرابخوری مین یکسان ہین اور عورتین شرابخوری مین دن بدن مردون کی نسبت بھی زیادہ ترقی کر رہی ہین۔ سنہ۱۸۸۱ء مین ان اموات مین جو شرابخوری سے واقع ہوئین ۶۹ فیصدی مرد تھے اور ۳۱ فیصدی عورتین تھین لیکن سنہ۱۸۹۹ء مین جہان ایکطرف کل اموات کی تعداد قریباً تگنی ہوگئی۔ عورتون کی نسبت اموات مردون کی نسبت ترقی کر گئی۔ چنانچہ اس سال مین کل اموات مین سے ساٹھ فیصدی مرد رہ گئے اور عورتین بجائے ۳۱ کے چالیس فیصدی ہوگئین۔ عورتونکا شرابخوری مین مبتلا ہونا اور پھر تہذیب کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ ترقی کرنا ڈرا دینے والی بات ہے مگر مداحان مغربی تہذیب ہین کہ خوشی سے ان باتون مین بھی مغرب کی نقل کر کے مسلمان سوسائیٹی کو تباہ کرنا چاہتے ہین اگر اموات شرابخوری مین ہر ایک جنس کی اموات کی دس لاکھ زندون سے نسبت لیجاوے تو جہان مردون مین شرابخوری کی اموات بحساب ستاسی فیصدی گذشتہ بیس سال مین بڑھ گئی ہین۔ عورتون مین ان اموات کی ترقی ۱۸۰ فیصدی نظر آتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرابخوری کی اس لعنت مین عورتین مردون کی نسبت بھی تیزی سے مبتلا ہو رہی ہین۔ اور یہ آگ ایسی حیرت انگیز ترقی کر رہی ہے کہ ایک دن اس کا بجھانا سخت ترین مشکلات مین سے ہو جاویگا۔ پردہ کے مخالفین پردہ کو بدی تو قرار دیتے ہین مگر یہ بدی ہی اچھی ہے جو ہزارہا برکات کا موجب ہو رہی ہے اور بہت ساری لعنتون سے قوم کو آزاد رکھتی ہے اور ایک چھوٹی سی برکت اس کی یہی ہے کہ جہان عورتین پردہ مین ہین وہ شراب

کی شکل تک سے بھی واقف نہین ہین اور پردہ مین رہکر وہ اس ابتلا مین پڑنیسے بالکل محفوظ ہین افسوس ہے ان لوگون پر جو عورتون کے حامی بن کر بےپردگی کی بیہودہ تجویز کو پیش کرتے ہین مگر یہ بزرگ قومونکو یہ نہین بتا سکتے کہ شراب خوری کی لعنت کو عورتون کے اندر سے دور کرنے کا کیا ذریعہ ہے۔ کیا اُن کا دل کبھی نہین دکھتا کہ یہ ۱۲۰۰ عورتین جو ہر سال انگلستان مین صرف شراب خوری کی وجہ سے مرتی ہین اُنکے ساتھ کوئی بھی ہمدردی کرنی چاہیئے اور جہان اس قدر عورتین محض شراب خوری سے ہلاک ہو رہی ہین آسانی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کتنی عورتین ایسی ہونگی جن کی زندگی کو شراب نے اندرونی طور پر تباہ کر دیا ہے۔ ہائے افسوس کہ اسیکا نام عورتون کی آزادی رکھا جاتا ہے کیا آزادی کا یہی مفہوم ہے کہ انکو ہر قسم کی بدیون کی قید مین پھنسایا جاوے اور تعجب یہ ہے کہ جہان اصلاح کا اسقدر شور ہو رہا ہے یہ کبھی خیال نہین کیا جاتا کہ اس تمدنی لعنت یعنی شراب خوری اور پھر عورتون کی شراب خوری کی اصلاح کن ذریعون سے ہو سکتی ہے جو تہذیب کو کیڑے کی طرح لگی ہوئی ہے اور اس کی بنیادون کو کھوکھلی کر رہی ہے۔ بیشک سوسائیٹی کی بنیاد مین یہ وہ نظرون سے چھپا ہوا عیب ہے جس کا اگر علاج نہ کیا گیا تو ایک دن سوسائیٹی کی تمام عمارت کو تہ و بالا کر دے گا۔ عورتون کی شراب خوری ان کی حد درجے کی آزادی کا کھلا کھلا نتیجہ ہے اور اس بدی کے انگلستان مین اس کثرت سے پھیلے ہوئے ہونیکے ساتھ یہ دعوے کہ انگریزی سوسائیٹی ان بدخیالات سے پاک ہے جو غیر محرم مردون اور عورتون کے کھلے میل جول سے پیدا ہوتے اور پھر ایک خطرناک عملی صورت اختیار کرتے ہین۔ ایسا دعوے اگر دیوانہ کی بڑ نہین تو اور کیا ہے کیونکہ واقعات تو صاف کہہ رہے ہین کہ انگریزی سوسائیٹی مین اور اسی طرح یورپ کی ہر ایک مہذب سوسائیٹی مین وہ اسباب موجود ہین جو مرد و عورت کی شہوتون کو ابھارنے اور نفسانی جذبات کو جوش مین لانے کا ذریعہ اور نہایت خطرناک ذریعہ ہو سکتے ہین پس ان بدخیالات اور نفسانی جذبات کا موجود ہونا جس پر شراب خوری ایک مضبوط گواہ ہے یہ چاہتا ہے کہ عورتون کو غیر محرم مردون کے ساتھ اس آزادی سے ملنے جلنے کی اجازت نہین ہونی چاہیئے کیونکہ اگر وہ ملین گے تو یہ جذبات اور بھی جوش مین آوین گے اور اس طرح اخلاقی حالتین کبھی کمال تک نہین پہنچ سکتین۔

جو لوگ ان نقصانات کو محسوس کر رہے ہین جو کثرت شراب خوری کی وجہ سے یورپ مین پیدا ہو رہے ہین وہ اس مغالطہ مین پڑے ہوئے ہین کہ اس بدی کا علاج ٹمپرنس سوسائیٹیونکے قایم کرنے سے ہو سکتا ہے یعنے ایسے مجالس کے قایم کرنیسے جو حد اعتدال تک شراب پینے کو جایز رکھین اور حد اعتدال سے گذرنیوالون کو روکین لیکن امر واقع یہ ہے کہ ایک طرف ٹمپرنس سوسائیٹیان برساتی....

کیڑون کی طرح پیدا ہو رہی ہین اور دوسری طرف شراب خوری دن بدن زیادہ ہولناک صورت اختیار کرتی جاتی ہے اور بتدریج ترقی کی طرف چلی جا رہی ہے۔ کیا اس سے ٹمپرنس سوسائیٹیونکی ناکامی کافی طور پر ثابت نہین ہوتی۔ کاش کہ یہ ٹمپرنس سوسائیٹیان اس بدی کے کم کرنے مین اور خصوصًا عورتونمین کم کرنے مین کچھ اثر دکھاتین۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب اصل اسباب کثرت شراب خوری کی طرف توجہ نہین کی جاتی محض مضمون لکھنے اور لیکچر دینے سے کچھ نہین ہوتا بلکہ اصل اسباب تلاش کر کے ان کو جڑ سے کاٹنا چاہئے۔ خواہ جو کچھ ہم کہین اسکو اچھا سمجھا جاوے یا بُرا سمجھا جاوے ہم حق بات کہنے پر مجبور ہین اور اگر مغربی قومین اور بھر مغربی تہذیب کے دلدادہ اس وقت اسکو نہین سمجھینگے تو زمانہ اور تجربہ خود ان کو سمجھا دیگا کہ مردون اور عورتون کا کھلا میل جول جو یورپ کی ہر سوسائیٹی مین ہو رہا ہے کثرت شراب خوری کا بڑا محرک ہے کیونکہ اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ شراب نفسانی جذبات کے ابھارنے والی ہے اور مردون اور عورتون کا کھلا میل جول اس امر کا مقتضی ہے کہ شہوات نفسانی ان پر غالب رہین اور اس کا ایک ذریعہ بلکہ سب سے بڑا ذریعہ شراب خوری ہے پس عورتون کی بے پردگی اور شراب خوری ایک دوسرے کے ساتھ بطور لازم ملزوم کے وابستہ ہین اور ایک کی ترقی دوسرے کی ترقی کو چاہتی ہے کیونکہ نتیجہ دونون کا ایک ہے۔ یہی حکمت تھی کہ قرآن کریم نے جب شراب خوری سے روکا تو ساتھ یہ حکم بھی دیدیا کہ عورتین پردہ کیا کرین۔ کیونکہ اگر ان دونون طریق مین سے ایک کھلا رہیگا تو دوسرا خود بخود کھل جائیگا پس شراب خوری سے انسان کبھی رک سکتے تھے جب تک کہ مردون اور عورتونکے کھلے میل جول کو بند نہ کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ شراب خوری مسلمانون کے درمیان ہمیشہ بہت ہی نادر رہی ہے۔ عیسائی صاحبان کو کافی تجربہ اسبات کا ہو چکا ہے کہ یہ دونون بدیان یعنی شراب خوری اور بے پردگی ایک ساتھ ترقی کرتی ہین اور جبتک کہ مردون اور عورتون کے بیجا میل جول کو نہ روکا جاویگا شراب خوری کی برائیون پر وعظ کرنے کا کچھ اثر نہین ہو سکتا۔ پس جبتک بے پردگی کا علاج نہ کیا جاوے گا شراب خوری کا بھی کوئی علاج نہین ہو سکتا اور اس وقت تک ہرگز دلونمین وہ پاکیزگی نہین آسکتی جسکے بغیر انسان جذبات نفسانی کا مطیع اور غلام ہو کر رہتا ہے۔

پردہ کے نہ ہونے سے ایک اور بدی جو پیدا ہوتی ہے وہ زناکاری کی کثرت ہے۔ اس بات سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ اگر زنا کے دوسرے موجبات ایک ہی جیسے موجود یا غیر موجود ہون تو جسقدر زیادہ مواقع اس بدی کے پیدا ہونیکے دیئے جاوین گے اتنی ہی اس کی کثرت بھی ہوگی۔ اس لیے خواہ کوئی سوسائیٹی کیسی ہی تعلیم یافتہ ہو پردہ کا یہ فایدہ ضرور ہوگا کہ زناکاری کا موقعہ بہت ہی کم

ہو جائیگا اور اس طرح پر زناکاری بھی کم ہوگی۔ یورپ کی سوسائیٹی مین اور علی ہذا القیاس انگریزی سوسائیٹی مین اس بدی کا بہت زور ہے جس سے پردہ کی ضرورت صاف صاف ثابت ہو رہی ہے اس جگہ شراب خوری کی طرح فہرستین تو ہاتھ نہین لگ سکتین لیکن جس قدر ولد الحرام بچے یورپ مین پیدا ہوتے ہین اس سے اسکا کسیقدر اندازہ لگ سکتا ہے مگر یہان ایک اور مشکل ہے انگلستان یا یورپ کے قانون کے روسے خواہ کوئی عورت مرد و عورت کے ناجایز تعلق سے ہی حاملہ ہو مگر اگر وہ بچہ کے پیدا ہونے سے پہلے پہلے شادی کر لے تو بچہ ولد الحرام نہین کہلائے گا۔ بلکہ یورپ کے بعض ملکون اور سکاٹلینڈ کے قانون کے روسے تو اگر کسیوقت بھی خواہ پیدائش سے پہلے اور خواہ پیچھے مرد و عورت نکاح کر لین تو انکے ناجایز...... تعلق سے جسقدر اولاد پیدا ہوئی تھی وہ سب کی سب جایز سمجھی جاوے گی اور اسپر ولد الحرام کا اطلاق نہین ہوگا۔ اس طرح بہت سے بچے جو ہماری اصطلاح مین ولد الحرام کہلائین گے۔ یورپ مین ان کو جایز اولاد تصور کیا جائیگا لیکن ولد الحرام کے ان عجیب معنونکے ساتھ بھی یورپ کی ہر ایک سوسائیٹی مین ایک خاصی تعداد ایسے بچون کی ہوتی ہے انگلستان مین اندازہ کیا گیا ہے کہ ۶ء۱ فیصدی پیدائشین ناجایز طریق سے ہوتی ہین یعنی ہر ہزار مین سے ۶۵ بچے ولد الحرام ہوتے ہین دوسرے ممالک یورپ کی فہرستین حسب ذیل ہین:۔ فنلینڈ۔ بلجیم۔ سسلی۔ فرانس مین ۸ر۷ فیصدی۔ پرشیا مین ۷ سے ۸ فیصدی۔ اسٹریا ناروے۔ سکاٹلینڈ ۹ فیصدی۔ ڈنمارک سویڈن۔ ہنوور۔ آیس لینڈ۔ سیکسنی مین ۱۵ فیصدی۔ ورٹم برگ اور بویریا مین ۲۰ فیصدی یا پانچوان حصہ۔ یورپ کے بڑے بڑے شہرونمین ایسی ناجایز پیدائشون کی نسبت خطرناک طور پر بڑھی ہوئی ہے ۱۸۵۱ء مین شہر پیرس مین جو تہذیب کا بڑا مرکز ہے ۲۶ر۵ فیصدی پیدائشین ناجایز طریق سے ہوئین یعنی ایک چوتھائی سے زیادہ۔ وائینا مین جو آسٹریا کا دار الخلافہ ہے ۱۵ر۷ فیصدی بچے زنا سے پیدا ہوئے یعنی نصف سے بھی زیادہ میلان مین ۴۳ر۷ فیصدی اور پراگ مین ۴۶ر۷ فیصدی پیدائشین اسی طریق سے ہوئین۔ یہ اعداد انسکلوپیڈیا برٹینیکا سے لیے گئے ہین اور جو یورپ کی سوسائیٹی کی خطرناک حالت انسے معلوم ہوتی ہے وہ محتاج بیان نہین ہے اور جس بلند آواز سے وہ پردہ کی ضرورت کو بتلا رہی ہے، خود ظاہر ہے۔ ہم خیال نہین کرتے کہ جو لوگ انسانی ہمدردی کا دعوے کرتے ہین وہ آنکھین بند کر کے ایسے رواجون کی تائید کرینگے جو سوسائیٹی کو تباہ کر رہے ہین اور ان باتونکو جو سوسائیٹی کیلیے مفید ہین محض اس لیے رد کر دین گے کہ عام لوگونکے دلونمین انکا تعصب ہے۔ یہ سچ ہے کہ اگر تعصب کے

رنگ دار شیشون مین سے دیکھا جاوے تو پردہ ایک برائی معلوم ہوتا ہے لیکن اگر تعصب کے دھندلا پن کو دور کرکے پردہ کی حقیقت پر غور کیا جاوے تو اس سے بڑھکر سوسائیٹی کے لیے اور کوئی مفید امر ثابت نہ ہوگا۔ پردہ کی عدم ضرورت ثابت کرنیکے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ تعلیم چال چلن مین وہ قوت پیدا کرنیکے لیے کافی ہے جس سے انسان ہر ایک برائی سے بچ سکتا ہے لیکن جسقدر نتایج تعلیم سے پیدا ہو چکے ہین اُنپر غور نہین کیا جاتا۔ مغرب کی اعلے سے اعلے تہذیب نے جہان تعلیم بھی عام ہے ابتک کونسا کام کیا ہے یہی کہ تہذیب کے بڑے بڑے مرکزون مین چوتھائی یا تہائی یا نصف بلکہ اس سے بھی زیادہ بچے ولد الزنا پیدا ہوتے ہین۔ اب انہین اعداد سے جو شرابخوری کے متعلق اور ولد الزنا بچون کی پیدایش کے متعلق یورپ کی اپنی تیار کردہ کتابون سے نقل کئے گئے ہین۔ ایک انسان اس خطرناک سیاہ کاری اور شرابخوری کی تصویر کو ذہن مین لاسکتا ہے جو یورپ کے سب سے زیادہ مہذب شہرون یعنی دار الخلافون مین ہونی چاہئے۔ اور اب ہمارے بہی خواہ ہونیکے دعویدار ہمین یہ مشورہ دیتے ہین کہ ہم بھی آنکھین بند کرکے اس جہنم مین کود پڑین اور اسیکو جنت سمجھ لین +

ایک اور اثر پردہ کی عدم موجودگی کا انگلستان مین یہ ہوا ہے کہ زنا کاری کو ایسی خطرناک بدکاری نہین سمجھا جاتا جیسا کہ اسلامی ملکون مین۔ وہان اس کو فوجداری جرم یعنی سوسائیٹی کے برخلاف نہین سمجھا گیا۔ اول تو دو غیر شادی شدہ مرد و عورت کا ناجایز تعلق زنا کی تعریف مین ہی داخل نہین کیا گیا لیکن اگر زانی اور زانیہ مین سے ایک بیاہا ہوا ہو تو اُسکا خاوند یا عورت ہرجانہ کے دعوے کیلیے زانی پر دیوانی نالش کرسکتا ہے۔ مگر زنا کیلیے قانون نے سزا کوئی تجویز نہین کی۔ سکاٹلینڈ مین نام کو تو زنا کو جرم رکھا گیا ہے مگر عملی طور پر زنا کے مقدمات مین فوجداری کارروائی نہین کی جاتی۔ امریکہ کی ریاستہائے متحدہ مین بہت ساری ریاستین ایسی ہین جہان زنا کیلیے صرف ہرجانہ کا دعوے ہوسکتا ہے اور سزا کوئی نہین اس طرح پر بہت سے ممالک مین جو یورپ کی تہذیب کے اثر کے نیچے ہین۔ زنا ایک معمولی بات ہوگئی ہے اور اس مین صرف زانی یا زانیہ کے عورت یا خاوند کی حق تلفی ہی سمجھی جاتی ہے جسکے لیے وہ ہرجانہ کا دعوے کرسکتا ہے ورنہ سوسائیٹی کا گناہ اسے خیال نہین کیا جاتا۔ اب ایسی خطرناک بدکاری کو جس سے سوائے قتل کے اور کوئی بڑا جرم نہین اتنا ہلکا سمجھ لینا اس کی کثرت کا نتیجہ ہے۔ اور اس جرم کا خفیف ہونا بجائے خود یہ نتیجہ پیدا کریگا کہ زنا کاری کی کثرت اور بھی بڑھے گی کیونکہ جسقدر اس جرم کو ہلکا اور معمولی سمجھا جاوے گا اسیقدر سوسائیٹی کی وہ اخلاقی طاقت بھی کم ہو جائے گی جو اسکے بہت سے افراد کو ان کامون سے روکتی ہے جو سوسائیٹی کو نقصان پہنچانیوالے ہین اور اسلیے زناکاری کی جرأت بھی اس تبدیل خیال کے ساتھ زیادہ ہو جاوے گی کیا ایسی سوسائیٹی مین پردہ کی کوئی ضرورت نہین

بے پردگی یعنی مردون اور عورتون کے کھلے میل جول کا ایک اثر یہ بھی ہوا ہے کہ نکاح کے متعلق بھی خیالات مین تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ شادی کو پہلے ہر مرد و عورت کیلیے ضروریات مین سے سمجھا جاتا تھا مگر اب اسکو ضروری خیال نہین کیا جاتا بلکہ اس سے بھی قدم آگے بڑھا کر شادی سے مرد اور خصوصاً عورتین نفرت کرنے لگی ہین ایک مصنف نکاح کے خیال کو ان الفاظ مین ادا کرتا ہے کہ گویا لڑکیون کو اسلیے پالا جاتا ہے کہ وہ خاوندون کی تلاش مین بیقرار پھرین۔" ایسی تحریرون کا اثر یہ ہوگا اور ہوا ہے کہ تعلیم یافتہ لڑکیان اب چندان اس امر کی خواہشمند نہین رہین کہ وہ محصنت مین داخل ہو کر گھر و نمین بسین اور گھرون کی قیدون مین پڑین۔ افسوس ہے کہ نکاح جیسے اہم معاملہ کو اسقدر بے وقری کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ ایکدن مین تو معلوم نہین ہو سکتا لیکن آہستہ آہستہ پتہ لگ جائیگا اور اسکے خطرناک نقصانون کی برداشت کرنی پڑے گی۔ کیا تقاضائے فطرت انسانی کو بھی تہذیب روکدیگی۔ اگرچہ اسوقت گھرون کی قید سے آزاد رہنا بڑا دلکش معلوم ہوتا ہے لیکن عنقریب وہ وقت بھی آتا ہے جب اسکے بد نتایج بھگتنے پڑینگے۔

یہ کہا جائیگا کہ یہ اختیاری تجرد ہے مگر جو کچھ اس سے پہلے کلیسیا کے عہدہ دارون کو تجرد پر مجبور کرنے کا نتیجہ ہوا تھا وہی نتیجہ یقیناً اب بھی اس تجرد کو اختیار کرنے سے پیدا ہونیوالا ہے۔ مندرجہ ذیل الفاظ جو ایک انگریزی کتاب (من ان انگلش لایف) سے لیے گئے ہین۔ پادریونکے تجرد کے خطرناک نتائج کو بیان کرتے ہین "اس تجرد کا سب سے برا نتیجہ سولھوین صدی مین ظاہر ہوا۔ سارے ملک مین بدکاری پھیل گئی۔ ایک لاکھ عورتونکو صرف پادریون نے تباہ کیا جنکے لیے بدکاری کا ارتکاب کرنیکیلیے گھر رکھے جاتے تھے لیکن اڈورڈ ششم کے عہد سلطنت مین ایک اجازت کا بل پاس ہوا جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہو کہ ان قوانین کی وجہ سے جو تجرد پر مجبور کرتے اور نکاح سے روکتے ہین بڑی بدکاری پھیل گئی ہے۔"

انگلستان اور دوسرے ممالک یورپ کی تمدنی زندگی مین یہ دردناک واقعات ہین جنکا حوالہ دیتے وقت بھی تکلیف معلوم ہوتی ہے لیکن انکے کھولکر بیان کرنے کی ضرورت اسلیے پیش آئی کہ یورپ کی تہذیب کے بعض نادان دوستون نے پردہ جیسی مفید رسم پر ظالمانہ اور جھوٹے حملے کیے۔ ہم نہین سمجھتے کہ ہندوستان کے ان مسلمانون نے جو پردہ کے دور کرنے پر زور دے رہے ہین کبھی یہ بھی غور کیا ہے کہ اس بے پردگی کے خطرناک نتایج جو کچھ یورپ مین ظاہر ہو رہے ہین آخر ان کی تمدنی زندگی مین بھی پیدا ہو کر رہین گے اسلیے وہ اچھی طرح سے سوچ سمجھ لین کہ آیا وہ ان تمام نتایج کو بے پردگی کی برکات سمجھکر قبول کرنیکے لیے تیار ہین ہم نہین کہتے کہ مسلمانونکا موجودہ طریق زندگی ... اصلاح کا محتاج نہین یا ہر ایک نقص سے خالی ہے نہ ہم یہ دعوے کرتے ہین کہ پردہ ان لوگونکے لیے بھی روک ہو سکتا ہے جن کی طبیعت مین ہی بدی کیطرف جانیکا

مادہ پایا جاتا ہے۔ لیکن اس مین کچھ شک نہین کہ باوجود اپنی تنزل کیحالت اور باوجود سب نقصونکے مسلمان ان بدیون سے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یورُپ کی سوسائیٹی کی نسبت بہت ہی بری ہین اور انہین بھی شک نہین کہ ابتک مغربی تہذیب کو ان بدیون کے دور کرنیکا کوئی علاج نہین ملا جو بے پردگی سے انہین پیدا ہوگئی ہین۔ پردہ کے پورے پورے فواید صرف اسی حالت مین ظاہر ہوسکتے ہین جب پورے طور پہ پردہ کی ہدایات پر عمل کیا جاوے اور غض بصر کے طریق کو جو ان بدیون کو جڑسے کاٹنے والا ہے مردون اور عورتون کے درمیان پورے طور پر ملحوظ رکھا جاوے۔

ہر ایک مذہب کی اصلی غرض یہی رہی ہے کہ اپنے پیروؤن کے دلونمین پاکیزگی اور طہارت پیدا کرے یہی وجہ ہے کہ ہر ایک مذہب نے زنا کو ایک خطرناک جرم قرار دیا ہے اور اس سے بچنے کی تدبیرین بتائی ہین۔ مگر وہ تدابیر جو قرآن کریم نے پیش کی ہین سب سے اعلےٰ اور سب سے آسانی کے ساتھ عمل مین آسکتی ہین اور وہ اس خطرناک بدی کو جڑسے اکھاڑنیوالی ہین مثلاً انجیل صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کرتی ہے کہ عورتون کی طرف شہوت کی نظر سے نہین دیکھنا چاہئے لیکن اس حکم مین انسانی فطرت کا گہرا مطالعہ نہین پایا جاتا۔ اور نہ ہی بدی کو اسکے منبع پر روکنے کی کوشش کی گئی ہے جہان اسکا روکنا آسان تر ہے یہ کام قرآن شریف نے کیا ہے اور اسلئے جہان ایک طرف وہ عورتونکو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی زینتونکو اجنبی مردونکے سامنے ظاہر نہ کرین کیونکہ عورت کا بناؤ سنگار ہی مرد کے لیے بڑی کشش کا باعث ہے ساتھ ہی یہ دوسرا حکم بھی دیتا ہے کہ جب مرد اور عورت ایکدوسرے کے سامنے آوین تو ان کو چاہئے کہ وہ اپنی آنکھین نیچی کرلین اور ایک دوسرے کی طرف ارادتاً نظر اٹھا کر نہ دیکھین۔ اسلیے قرآن کریم صرف شہوت کی نظر کے ساتھ دیکھنے سے ہی منع نہین کرتا بلکہ بلا ضرورت بیگانہ عورتون کی طرف دیکھنے سے قطعاً روکتا ہے اس کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان کمزور ہے اور بدی کے مواقع پر پوری ہمت سے بچ رہنا کسی کسی جوانمرد کا کام ہے اسلیے اگر اجنبی مردون اور عورتون کو کھلے طور پر ایک دوسرے کے ساتھ ملنے اور ایکدوسرے کی طرف دیکھنے کی اجازت دیجاوے تو بدخیال کو دل سے دور رکھنا آسان امر نہین ہے۔ ایک آدمی کو پہلے یہ کہنا کہ وہ خوبصورت عورتون کی طرف دیکھ لیا کرے اور پھر کہنا کہ بدخیال کو دل مین آنے نہ دے خود اسے مشکلات مین ڈالنا ہے۔ مثلاً جہان سوسائیٹی اس امر کو بُرا نہین سمجھتی کہ آدمی مشہور خوبصورت عورتونکے گرد جمع ہون جن کی غرض سوائے اسکے کچھ نہ ہو کہ انکو دیکھکر اور اُنسے باتین کرکے حظ اوٹھاوین اور پھر اس سے بڑھکر شراب سے بدمست بھی ہون تو کون عقلمند انسان کہیگا کہ وہ پاک نظروںسے عورتونکو دیکھ رہے ہین جیسا کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ایک شراب نوش کسوقت حد اعتدال سے گذر کر

کثرت شراب نوشی کا مرتکب ہو جاتا ہے ایسا ہی یہ فیصلہ کرنا بھی آسان نہیں کہ ایک نظر جس کی غرض سوائے ایک عورت کو دیکھنے کے اور کچھ نہیں کس وقت شہوت کی نظر ہو جاتی ہے۔ پس جیسا کہ کثرت میخوری سے بچنے کیلیے یہ ضروری ہے کہ شراب کے استعمال کو قطعًا روکا جاوے ایسا ہی شہوت کی نظر کو روکنے کیلیے یہ ضروری ہے کہ عورتون کی طرف بلا ضرورت دیکھنے سے قطعًا روکا جاوے۔ پس قرآن کریم فطرت انسانی کے اندرون کو دیکھکر وہ علاج تجویز کرتا ہے جو اس بدی کو عین اس جگہ روکتا ہے جہان سے یہ پھوٹ کر نکلتی ہے۔ اور اس سوراخ کو بند کرتا ہے جہان سے ابتدا اس بدی کی ہوتی ہے۔ پس یہ حکم دینا کہ تم شہوت کی نظر سے اجنبی عورتون کی طرف مت دیکھو محض ایک حکم ہے جسکے ساتھ کوئی علاج نہین اور کوئی تدبیر نہین بتائی گئی کہ کیونکر انسان نظر بد سے بچ سکتا ہے۔ ہان زنا سے بچنے اور نظر بد سے بچنے کیلیے تدبیر وہ ہے جو قرآن شریف نے بتائی ہے کہ وہ اجنبی عورتون کی طرف ہرگز نہ دیکھے۔ پس پردہ رسم ہی جو زناکاری جیسی خطرناک بدی کو جڑ سے اکھاڑتی ہے اور کوئی علاج نہین جس سے یہی مقصد حاصل ہو سکے۔

"مسلم ریفارمر" کے نماز پر حملون کا جواب

اللہ تعالےٰ سورہ مریم مین اپنے برگزیدہ اور صادق اور مخلص بندون حضرت ذکریا یحییٰ عیسےٰ ابراہیم اسحٰق یعقوب اسمٰعیل موسےٰ اور ادریس علیہم السلام کا ذکر کرکے فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ۔ (مریم۔ ۵۸-۵۹) یہ برگزیدہ انبیاء وہ لوگ ہین جن پر اللہ نے اپنے انعام نازل فرمائے۔ آدم کی نسل سے اور ان مین سے جنکو ہمنے نوح کے ساتھ سوار کیا۔ اور ابراہیم اور اسرائیل کی نسل سے اور انہین سے جنکو ہمنے راہ راست پر قایم رکھا اور منتخب فرمایا جب خدائے رحمٰن کی آیتین انپر پڑھی جاتین تو وہ سجدہ مین گر پڑتے اور روتے۔ پھر انکے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے **جنھون نے نمازون کو ضایع کیا**۔ اور نفسانی خواہشون کے پیچھے ہو لیے۔ قرآن کریم مین جسقدر قصص اولین مذکور ہوئے ہین وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور

آپکے متبعین یا مخالفین کے حق مین بطور پیش گوئی کے وارد ہوئے ہین جہان یہ ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح ہمنے
اُن مجرمین کو عذاب سے ہلاک کیا جنہون نے پہلے انبیار کی تکذیب اور مخالفت کی وہان دراصل آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالفین اور مکذبین کو آنیوالے عذاب سے ڈرایا ہے اور جہان پہلے انبیاء اور رسل کی اپنے
مخالفین پر انجام کار فتح و غلبہ پانیکا اور ان کی کامیابی کا ذکر کیا ہے۔ وہان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
اور آپکے اتباع کی فتح اور غلبہ اور کامیابی کا ذکر مقصود ہے۔ اسی طرز کے مطابق آیات مذکورہ صدر مین
اللہ تعالے جہان ایک طرف انبیائے سابقین کے سچے اخلاص اور محبت اور اطاعت الٰہی مین گداز ہونیکا
ذکر کرنیکے بعد انکے پیچھے آنیوالی امتون کو نمازون کے ضایع کرنیوالے اور نفسانی خواہشات کی پیروی
کرنیوالے قرار دیتا ہے۔ دوسری طرف یہ مقصود بھی اس کلام الٰہی کا ہے کہ وہ سب نعمتین اور فضل جو ہمنے
اولین پر نازل فرمائے اسوقت ان سب کے مورد محمد رسول اللہ صلعم کی ذات بابرکت ہے اور ایسا ہی آپکے
صحابہ بھی۔ لیکن ساتھ ہی پیشگوئی کے رنگ مین یہ بیان فرمادیا ہے کہ اس نبی کے بعد آنیوالی نسلون مین
بھی وہ لوگ پیدا ہونگے جو نمازونکو ضایع کرینگے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ جاوینگے۔ سو مسلمانونکو
متنبہ کیا ہے اور ڈرایا ہے کہ اگر وہ ایسا کرینگے تو انپر بھی وہی تباہی آویگی جو پہلے لوگونپر آئی جو اپنے آپکو
متبعین انبیاء سمجھتے تھے مگر وہ اسوجہ سے مستحق انعامات الٰہی نہ رہے کہ انہون نے نماز جیسی ضروری چیز کو
جسکے بغیر انسان خدا کو پا ہی نہین سکتا چھوڑ دیا۔ ان آیات مین دو گروہونکا بیان کیا گیا ہے اور ہر ایک گروہ
کے امتیازی نشان بیان فرمادیے ہین ایک طرف تو خدا تعالے کے برگزیدہ بندے ہین جو خدا کے آگے ایسی
خشیت اور خوف سے گرے رہتے ہین کہ انکو سجدے سے سر اٹھانا مشکل ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ ناخلفونکا
گروہ ہے جن کا سب سے بڑا نشان یہی ہے کہ وہ نمازونکو ضایع کرتے اور دنیوی خواہشات کو انپر مقدم رکھکر
انہین کے پیچھے ہو لیتے ہین۔ اس آیت مین لفظ خلف بسکون لام واقع ہوا ہے جسکے معنے بدکار نسل کے ہین
اور خلف بفتح لام اچھی نسل کو کہتے ہین۔

مسلم ریفارم مسلمانون کی اُس پارٹی کا ایک اخبار ہے جو اتباع یورپ مین اپنے مذہب کو بھی خیرباد
کہنا چاہتے ہین۔ اس کی تازہ اشاعت مین نماز کو ایک ایسی بے حقیقت چیز قرار دیا گیا ہے کہ اس اخبار
کے نزدیک جب کوئی آدمی اپنے کسی دنیوی کام مین مصروف ہو تو اسکے لیے یہ ضروری نہین ہے کہ وہ
اس کام کو چھوڑ کر نماز کی طرف متوجہ ہو چنانچہ وہ لکھتا ہے "پس اگر مسلمان بیرونی دنیا سے جس کا
شغل کاروبار دنیوی بہت بڑھا ہوا ہے اپنے تعلقات کا لحاظ رکھکر نمازون کی پوری تعداد کو کاٹ کر صرف
دو نمازین رکھ لین مثلاً صبح اور شام تو وہ دایرہ اسلام سے خارج نہین سمجھے جاوینگے کیونکہ اسلام ایک

زمانہ یا ایک ملک کے لیئے نہین بلکہ تمام نسل انسانی کیلیئے ہے اور دنیا کے اخیر تک قایم رہیگا۔ اسوقت سے جب
کہا جاتا ہے کہ پہلے نمازوں کے وقت مقرر ہوئے ہم تیرہ سو سال پیچھے دنیا مین آئے ہین۔ زمانہ اسوقت سے
بالکل بدلگیا ہے۔ دنیا کے اشغال بہت بڑھگئے ہین اور پہلے کی نسبت کم از کم تیرہ گنا ہوگئے ہین تو پھر کیا
ہم ترقی کرنیوالی دنیا کی ضروریات سے اپنی آنکھین بند کرلین اور اپنے آپ کو آج سے تیرہ صدیان پہلے
کے خیالات مین مُردوں کی طرح گاڑ دین؟ مسلم ریفارم کا یہ خیال ہے کہ جب پہلے پانچ نمازین مقرر کیگئی
تھین اسوقت کی نسبت ہم تیرہ صدیان آگے گذر آئے ہین اور اُسوقت دنیا کے کاروبار تھوڑے
تھے اب زیادہ ہوگئے ہین لیکن تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپنے ایک قدم بھی آگے نہین اٹھایا
کیونکہ جو کچھ آپ کو اب سوجھا ہے یہ عین اُسوقت بھی عرب کے (آپکے الفاظ مین) بعض "جاہل" لوگونکو سوجھا
تھا جنہون نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آکر یہ درخواست کی کہ ہمارے اشغال بہت ہین اسلیئے
ہمارے لیے نمازین کم کردیجاوین۔ ہمنے اوپر کہا ہے کہ مسلم ریفارم یا اپنے خیال مین اس مہذب فرقہ
نے اُن تیرہ صدیان پہلے کے جاہل بدوؤں سے ایک قدم بھی آگے نہین اٹھایا جہانتک کثرت اشغال
کی وجہ پر ترک صلوۃ کا سوال ہے ہان شاید اب وہ ایک قدم آگے اٹھاوینگے جو اُن عربون نے نہ
اٹھایا تھا اور اس قدم کے اٹھانیسے وہ اس گڑھے مین اپنے آپ کو پاوینگے جسکے کنارے پر وہ اسوقت
کھڑے ہین۔ ان کا اختیار ہے اسکا نام ترقی رکھ لیوین۔

مسلم ریفارم نے اصل مقصد کو الفاظ کے نیچے چھپانے کی بھی کوشش کی ہے مگر اسکا مطلب
خود بخود لفظوں سے ظاہر ہو رہا ہے وہ اسبات کو تو مانتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیشک
پانچ اوقات نماز کے مقرر کیئے مگر اس صدی کے مسلمان جس سے شاید اُسکی مراد اُن مسلمانوں سے ہے
جو یورپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہے ہین۔ اس امر کے پابند نہین کہ وہ بھی پانچوقت کی نماز کو برابر
ادا کرین بلکہ اگر عین نماز کے وقت کوئی اور شغل پیش آجائے تو اُس شغل کو چھوڑکر نماز کیطرف آنا
خلاف تہذیب ہے۔ کیا وہ سچ مچ یہ خیال کرتا ہے کہ جب پہلے نماز کے اوقات مقرر کیئے گئے تھے تو مسلمانوں کے
سامنے کوئی دنیوی اشغال نہ تھے یا یہ کہ نماز کے اوقات وہ مقرر کیئے گئے تھے جو فرصت کے اوقات تھے اور
اُسوقت کوئی دنیوی شغل ممکن طور پر راہ مین پڑہی نہ سکتا تھا۔ کوئی سمجھدار آدمی اسبات کو تسلیم نہین
کرسکتا۔ دنیا اپنے کاروبار مین اُسوقت بھی اسی طرح مصروف تھی جیسے اب ہے۔ کوئی نہین کہہ سکتا کہ وہ مزدور
جو چار پیسے کمانیکے لیئے صبح سے لیکر شام تک ٹوکرا سر پر اٹھاتا ہے یا وہ زمیندار جو شدت گرمی اور
سخت کڑکڑاتے جاڑے مین ایک ہی دنیرہ پر اپنے کام مین مصروف ہے اور عین دوپہر کیوقت اور آدھی

رات کو بھی آرام نہین کرنا اُسے اُس مہذب جنٹلمین سے زیادہ فرصت ہے جو ہر روز ڈاڑھی مونڈوانے اور کپڑونکی درستگی اور فضول بات چیت مین کئی گھنٹے ضایع کر سکتا ہے۔ پس تہذیب نے یہ نئے شغل تو بیشک نکالدیئے ہین جن کو آج نماز پڑھنے پر ترجیح دیجاتی ہے۔ مگر مفید اور قیمتی کامون مین دنیا کی مصروفیت ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ نماز و نکا حکم ایسے وقت مین دیا گیا تھا جب اسی طرح سے دینوی اشغال موجود تھے البتہ آج کل کے فضول اشغال اور عیش و عشرت کے سامان نہ تھے۔ اور مسلم ریفارم کے اس بیان کی تاریخ تردید کرتی ہے کہ دنیا کے اشغال تیرہ گنا بڑھ گئے ہین پس کام کی زیادتی کا عذر جھوٹا ہے اور اصل غرض سوائے اسکے کچھ نہین کہ مطلق نماز پڑھنے سے ہی آزادی ہو جائے اسکے لیے اول یہ تجویز کی گئی ہے کہ نماز کے دو اوقات یعنی صبح اور شام مقرر کیئے جاوین لیکن تھوڑے دنون ہی ہم یہ سن لینگے کہ کوئی مہذب جنٹلمین ایسی بیوقوفی کا مرتکب نہین ہو سکتا کہ سورج کے چڑھنے سے پہلے ہی بستر سے اٹھ کھڑا ہو بلکہ اندھیرے اندھیرے کپڑے پہن کر نماز کیلیئے تیار ہو جاوے کیونکہ یورپ کی تقلید یہ چاہتی ہے کہ نو بجے سے پیشتر خواب راحت سے نہ اٹھا جائے۔ اس طرح صبح کی نماز کا فیصلہ ہو باقی رہی شام کی نماز سو اسکا عذر اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ وہ جنٹلمینو نکے سیر یا دوستون سے ملنے کا یا ناچ کی مجلس مین شریک ہونے یا تھیٹر مین تماشا دیکھنے کا ایک ہی موزون وقت ہے پس ان اشغال کو چھوڑ کر وہ نماز کی طرف کہان متوجہ ہو سکتے ہین۔ دراصل عدم ضرورت نماز کیلیئے جو طرز استدلال مسلم ریفارم نے اختیار کی ہے اسپر چلکر تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ دن اور رات کے چوبیس گھنٹو نمین ایک منٹ بھی ایسی فراغت کا نہین جو خدائے ذوالجلال کے آگے سر جھکانیکی مہلت دیسکے۔ ایک سچے دہریہ اور مہذب جنٹلمینون مین اگر فرق ہے تو یہ ہے کہ دہریہ تو اپنے دل کے خیالات کا صاف صاف اظہار کر دیتا ہے اور یہ لوگ اسقدر اخلاقی جرأت نہین رکھتے کہ جو خیال دل مین آئے اُسکا صحیح صحیح اظہار بھی کر دین اور باوجود اصل اسلامی عقاید سے کوسون دور پڑے ہوئے ہونیکے ہی چاہتے ہین کہ وہ مسلمان سمجھے جاوین۔

شاید اس تحریر پر یہ اعتراض کیا جاویگا کہ جو لوگ خود دایرہ اسلام مین رہنا چاہتے ہین ہم انکے متعلق ایسے الفاظ کیون استعمال کرتے ہین جن سے وہ اس دایرہ سے خارج سمجھے جاوین اور اسطرح ہم دایرہ اسلام کے تنگ کرنیکے جرم کا مرتکب قرار دیا جاویگا۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہین کہ ایسے مقام پر جہان غفلت سے ایک انسان مذہبی فرائض کی ادائیگی سے قاصر ہے ہم خاموشی اختیار کر کے اسکا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہین۔ مگر جب اصول اسلام پر حمایت کے لباس مین حملے کیئے

جاوین اوران کو پبلک مین شایع کیا جاوے تو ان کی قلعی کھولکر دکھانا ہر مسلمان کا فرض ہے مسلم ریفارم اسلام کے مقدس اصول کو جڑھ سے اکھاڑنا چاہتا ہے اور اسلیئے اس کی غلطی کو پبلک پر ظاہر کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ لوگ اس دھوکہ مین پھنسکر اس کی ابلہ فریب باتون مین نہ آجاوین کہ وہ واقعی حامی اسلام ہے۔ ہم ابھی تک اس بات کو نہین سمجھ سکے اور ہر ایک عقلمند انسان ہمارے ساتھ اتفاق کریگا کہ وہ کونسی ایسی شدید ضرورت درپیش ہے جو بغیر نمازون کی تعداد کم کرنیکے رفع نہین ہو سکتی ان باتون کا تو صاف مفہوم یہی ہے کہ مسلمانون کی اصلاح کیلیئے ترک صلوۃ ضروری ہے۔ بالفاظ دیگر مسلم ریفارم کا منشاء یہ ہے کہ جسقدر مسلمان نمازون کی طرف کم متوجہ ہونگے اسیقدر وہ زیادہ مہذب ہوتے جاوینگے اور اس اخبار کے الفاظ سے یہ نتیجہ نکالنے مین کوئی منصف ہمین ناانصافی کا مرتکب قرار نہین دیسکتا۔ پس اگر تہذیب کیطرف پہلا قدم اٹھانیکے لیے یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ نمازون کی تعداد کم کیجاوے تو ہر ایک شخص آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ دوسرا قدم کامل تہذیب کے حاصل کرنیکے لیے جس سے مراد یورپ کی پوری پوری تقلید ہے یہ ہوگا کہ نماز ونکو سرے سے ہی خیرباد کہا جاوے۔ افسوس ہے کہ جہان اس قدر شور ظاہری یا جسمانی تہذیب کے لیے کیا جاتا ہے۔ دل کی تہذیب کے لیے جس سے مراد خیالات کی پاکیزگی ہے جو حقیقی تہذیب ہے کوئی کوشش نہین کیجاتی بلکہ اس کی تو پروا بھی نہین کیجاتی جبکہ صلوۃ خمسہ کے پابند ہونیسے اپنے آپ کو تیرہ صدی پیشتر کے خیالات کی قبر مین دفن کرنا اور ترقی کرنے والے دُنیا کی ضروریات سے آنکھین بند کرنا کہا جاتا ہے تو اس سے بڑھکر نماز کی اور کیا بےادبی ہو سکتی ہے۔ مسلم ریفارم کے نزدیک مسلمانونکا ترقی کرنا ناممکن ہے جبتک کہ وہ نماز ونکو نہ چھوڑ دین۔ یہ بہتر ہے کہ ایسے شخص کو کھلے الفاظ مین یہ کہدیا جاوے کہ اسلام کے رکن اعظم کے متعلق ایسے الفاظ بولکر آپ مسلمان نہین کہلا سکتے تاکہ دوسرے لوگ اسکے دھوکہ سے بچے رہین۔ بیشک اسلام کا دایرہ وسیع ہے لیکن اس وسعت کے یہ معنے نہین کہ جو شخص مخالف اسلام جو اعتقاد چاہے رکھے اور جس طرح چاہے اسلام کے قایم کردہ اصولون کی بےادبی چاہے کرے وہ مسلمان ہی سمجھا جاویگا۔ وہ تہذیب کے مدعی جو آج یہ کہتے ہین۔ کہ نماز ونکو وحشیانہ اور جاہلانہ رسوم سمجھ کر بھی ہم مسلمان رہ سکتے یا کہلا سکتے ہین آج نہین تو کل یہ کہنے کی بھی جرأت کرسکینگے کہ خدا کو ماننا تہذیب کے خلاف ہے مگر تاہم ہم اچھے خاصے مسلمان ہین اور یہ کوئی بعید بات نہین بلکہ اُنکے موجودہ عقاید کا لازمی نتیجہ یہی ہے جو اب بھی انکے دلون مین چھپا ہوا موجود ہے کہ خدا کوئی نہین۔ اور یہ کسی سوچ یا سمجھ کا نتیجہ نہین بلکہ اندھا دھند اور بلا دیکھے ایک مادہ پرست اور دہریہ قوم کے پیچھے چلنے کا نتیجہ ہے۔

ہم اوپر لکھ چکے ہین کہ یہ عذر محض جھوٹ ہے کہ آج کل مسلمانون کو پہلے زمانے کی نسبت زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔کوئی ایسا انسان نہین جو چوبیس گھنٹے ہی کام مین لگا رہتا ہو یا زیادہ سے زیادہ سونے کے چھ گھنٹے فضول گفتگوؤن اور دوستون کی ملاقات اور لباس کی آراستگی مین صرف ہو جاتے ہین اگر وقت نہین ملتا تو نماز کیلیے ہی نہین ملتا۔بات یہ ہے کہ انکے دل خدا کی محبت اور خدا کے خوف سے بالکل خالی ہین ورنہ ایسی بات کب منہ سے نکل سکتی ہے کہ خدا کے آگے جھکنے کے لیے ہمین وقت کوئی نہین ملتا۔اور اگر بالفرض یہی سچ ہو کہ نماز کے وقت پر کوئی شغل دنیوی ہی درپیش ہو تو کیا نماز پڑھنے کیلیے ایسا عذر کرنا یہ نہین بتاتا کہ نماز کی ایسے شخص کے دل مین کیا وقعت ہے اسکا مطلب تو یہ ہوگا کہ نماز سو دفعہ جاتی رہے مگر پیسہ ہاتھ سے نہ جائے یعنی پیسہ کی قدر ایمان سے بہت زیادہ ہے پس جون جون مذہب کا کوئی اصول پیسہ کمانیکی راہ مین مخل معلوم ہوگا اسکو ترک کیا جاویگا۔گویا ایمان ایک ایسی حقیر چیز ہے اور خدا کے آگے سر جھکانا ایک ایسی لغو بات ہے کہ ایک پیسہ کو بھی اسپر ترجیح ہے۔پھر ایمان کہان اور خدا اور خدا پرستی کہان۔ہم نہین جانتے کہ دہریے کے سر مین کونسے سینگ ہوتے ہین جو ان یا تو ہمین موجود نہین۔آہ عجب حالت ہے ایک طرف تو یہ لوگ ہین جو اس بات پر زور دے رہے ہین کہ مذہبی فرایض کی ادائگی کو پیسہ کمانیکے لیے بالکل ترک کر دینا چاہیئے اور دوسری طرف خدا کا وہ برگزیدہ رسول ہے جو اس شخص کو اپنے ساتھیون مین نہین سمجھتا جو دین کو دنیا پر مقدم نہین رکھتا۔

ان تمام امور سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نئی پارٹی جو نماز دنکے ترک کرنے اور دنیا کے کاروبار مین منہمک ہو جانے پر زور دے رہی ہے آیت مذکورہ صدر کے لفظ خلف کی مصداق ہے جس کی تعریف مین قرآن کریم نے اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فرمایا ہے۔جو لوگ اس اصول کو رواج دینا چاہتے ہین کہ جہان نماز کسی شغل دنیوی مین مخل ہو اسکو ترک کر دیا جاوے خود دیکھ سکتے ہین کہ وہ نماز کو ضایع کرنے کی تجویز مین لگے ہوئے ہین اور اپنی خواہشات کو مقدم رکھکر انہین کی پیروی کرنا چاہتے ہین لیکن چونکہ ہم انکے دعوے اسلام کو یونہی رد نہین کرنا چاہتے بلکہ ہر پہلو سے اسپر مکمل بحث کرنیکا ارادہ رکھتے ہین اس لیے اب ہم یہ دیکھینگے کہ انکے خیالات کہانتک ان انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے مواقف یا مخالف ہین جن کا ذکر قرآن شریف کی اسی آیت مین موجود ہے جو صلوۃ کو ضایع کرنیوالے خلف کے ذکر سے پہلے وارد ہوئی ہے۔ہر ایک آسمانی کتاب اور ہر ایک خدا کے مرسل کا اصل مدعا اور مقصد اعلے یہی رہا ہے اور قرآن کریم اسپر شاہد ہے کہ انسان اللہ تعالے کی پوری معرفت حاصل کرے اور بصیرت سے اس غیب الغیب ہستی پر ایمان لاوے اور اس سے ایسا تعلق پیدا کرے جسکے سامنے دنیا کے تمام تعلقات

پہنچ ہوں اور اس عالم کو چند روزہ سمجھکر آخرت کو اپنا اصلی اور دائمی گھر سمجھے۔ نماز روزہ اور ہر ایک عبادت کا یہی منشاء ہے کہ وہ انسان کو اس اصلی مقصد تک پہنچاوے اور اس غرض کے حاصل کرنے مین اسکی مدد کرے۔ نماز روحانی بیماریون کا علاج ہے اور اس نسخہ کو ایک مقدس طبیب نے تجویز کیا ہے کہ اسکے ذریعہ سے بیمار انسان صحت یاب ہوسکتے ہین۔ اب یہ جو بار بار زور دیا جاتا ہے کہ تیرہ سو سال مین ہمنے اسقدر ترقی کی ہے یہ بالکل بےمعنی بات ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ نمازون کی ضرورت اب بھی ویسی ہے یا نہین؟ اور اسکے لیے مادی ترقی کو دلیل پیش کرنا اگر عمداً اصل بات سے اعراض کرنا نہین تو نادانی ضرور ہے اگر شارع علیہ السلام نے نمازون کو مادی ترقی کا ذریعہ تجویز کیا تھا تو بیشک مسلم ریفارم کا حق ہی کہ یہ سوال کرے کہ موجودہ مادی ترقی کے بعد بھی نماز کی ضرورت مسلمانون کو باقی ہے کہ نہین؟ لیکن اگر جیسا کہ صاف ظاہر ہے نماز روحانی ترقی کیلئے ایک ذریعہ تھی اور ہے تو نماز کی ضرورت اور عدم ضرورت کے سوال مین کوئی روحانی ترقی پیش کرنی چاہئے اگر واقعی آج کل کے مسلمان خدا کی معرفت مین ایسے کامل ہوگئے ہین جیسے آنحضرت صلعم کا منشاء تھا کہ وہ ہوجاوین اگر انکے تعلقات اللہ تعالے کے ساتھ ایسے مضبوط ہوگئے ہین جن کو کوئی امتحان اور کوئی بلا جدا نہین کرسکتی اگر انہون نے عالم آخرت کو اپنے لیے جاودانی مقام سمجھ کر اس دنیا کے ہیچ اور ناچیز ہونیکو یقین کر لیا ہے اگر اللہ تعالے کا خوف اور اس پاک ذات کی محبت انکے دلون مین کوٹ کوٹ کر بھر چکی ہے۔ غرضیکہ وہ اس اعلے مقام پر پہونچ چکے ہین کہ اسی دنیا مین بہشتی زندگی انکی شروع ہوگئی ہے تو پھر یہ سوال اٹھانا بھی کوئی معنے رکھتا ہے۔ اگرچہ جو انسان ایسی حالت پر پہنچ جائیگا وہ خودبخود دیکھ لیگا کہ صرف نماز ہی خدا تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے اور تارک الصلوۃ ہونا گویا اللہ تعالے سے جدائی اختیار کرنا اور دوزخ کے گڑھے مین گرنا ہے لیکن اگر روحانی طور پر وہ اپنی حالت کو گرا ہوا پاتے ہین اگر خدا تعالے کے ساتھ انکے تعلقات اعلے درجہ کی محبت کے نہین اگر وہ تمام دنیاوی خواہشات کو اللہ تعالے کے ساتھ تعلق قایم رکھنے کیلیے چھوڑنیکے واسطے تیار نہین اگر دنیاوی منافع اُن کی دینی راہ مین روک ہو رہے ہین تو پھر نماز کو چھوڑنا یقیناً ہلاکت تک پہنچا دیگا کیونکہ انہی باتونکا علاج نماز کو قرار دیا گیا ہے۔ اس سے بڑھکر انسان اپنے آپ کو کیا دھوکہ دیسکتا ہے کہ جس صورت مین وہ اللہ تعالے سے جدا ہوکر نفسانی زندگی بسر کر رہا ہو تو یہ سمجھ بیٹھے کہ اب اسے کسی علاج کی ضرورت نہین اور کوئی تریاق اسے درکار نہین جو دنیا کی محبت کے زہر کے اثر کو دور کرے مسلم ریفارم کے دیکھنے سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ مسلمانونکو وہ اسقدر جیفۂ دنیا پر جھکے ہوے اور اشغال دنیوی مین منہمک دیکھنا چاہتا ہے کہ لحہ کیلیے بھی انکے خیالات مین یہ نہ آوے کہ خدا بھی ہے یا کہ وہ پرستش کے لایق ہے۔ اسکی رائے مین دنیا اسقدر کاروبار مین مصروف ہے اور اسکے اشغال اسقدر کثرت سے ہین کہ وہ خدا کے ہر جگہ موجود ہونیکا خیال بھی دل

مین نہین لانا چاہتی اور اس کی خواہش صرف اسیقدر ہے کہ مسلمان یورپ کے اُن مادہ پرست اور دہریوں کے نقش قدم پر چلین جنہون نے کفارہ کے غلط عقیدہ سے بیزار ہو کر دنیوی آرام اور دنیوی راحت کو ہی اپنی خوشحالی کا مقصد اعلےٰ سمجھ رکھا ہے اور سوائے خدا تعالیٰ کی ہستی کے انکار کے اور کوئی پناہ ہی اُنکو نہین ملی۔

اس سے یہ ظاہر ہے کہ اگر اسی دنیاوی راحت کو اس زندگی کی غایت سمجھ لیا جاوے اور عالم عاقبت کی نسبت کبھی خیال بھی ہمارے دل مین نہین آنا چاہئے تو پھر یہ نئے مسلمان نمازونکی تعداد کو کم کرنے مین بیشک حق پر ہونگے! ور اس سے اگلا قدم یعنی نمازون کو سرے سے منسوخ ہی کر دینا اور بھی مفید ثابت ہوگا اور جتنی جلدی یہ کام کیا جاوے اتنا ہی فایدہ زیادہ ہوگا۔ لیکن اگر خدا ہے اور اس دنیا کے بعد کوئی اور عالم بھی ہے جسکے لیے ہماری اس دنیا کی زندگی صرف ایک قسم کی تیاری ہے جیساکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ایسا ہی ہر ایک نبی نے تعلیم دی ہے تو پھر ہر ایک تجویز جو اس مقصد کے حاصل کرنیکے لیے روک ہوسکتی ہو اور خدا تعالےٰ سے ہمین دور رکھتی ہے وہ بے برکت تجویز اور شیطانی وسوسہ ہے جیساکہ یہ نمازونکے کم کرنیکا یا بالکل ترک کر دینے کا خیال۔ کیونکہ ہم نمازین اللہ تعالیٰ کی ہستی کو دیکھتے اور محسوس کرتے ہین کیا کوئی سمجھدار آدمی ترک نماز کیلیے اس عذر کو جایز قرار دیسکتا ہے کہ ہم دنیوی کاروبار مین اسقدر مصروف ہین کہ ایسے غیر ضروری امر کیطرف متوجہ نہین ہوسکتے کیا نمازین اسلیے مقرر کیگئی تھین کہ مسلمانون کی بیکاریکا وقت اسی حیلہ سے ٹل جائے اگر یہ سچ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دیکھکر نماز کا حکم دیا تھا کہ صحابہ بیکار بیٹھے رہتے تھے تو پھر کسی اور مفید کام مین وقت صرف کرنا بیشک بہتری کا باعث ہوسکتا ہے۔ لیکن ہم مسلم ریفارم اور اسکے حامیوں سے یہ پوچھنا چاہتے ہین کہ آیا نماز کے متعلق انکا یہی عقیدہ ہے۔ ساتھ ہی ہم یہ بھی دریافت کرنا چاہتے ہین کہ دنیوی اشغال یعنی مالی فواید کو مذہبی فرایض پر ترجیح دینا اس دنیا کی وہ محبت تو نہین جس سے خدا تعالےٰ منع کرتا اور جسکے بد نتایج سے بار بار قرآن کریم مین ڈراتا ہے جیساکہ اس آیت مین وَمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَیْلًا طَوِیْلًا ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا ۝ (الدہر ۲۶-۲۷) "اور رات کے بڑے حصہ مین نمازین پڑھو اور خدا کی تسبیح و تقدیس کرو یہ لوگ تو صرف دنیا سے ہی محبت رکھتے ہین اور قیامت کے روز سخت کو پس پشت ڈال رکھا ہے یعنی اسکے لیے کچھ بھی تیاری نہین کرتے" یہان ایک طرف تو حکم دیا گیا ہے کہ رات کے بڑے حصہ مین نمازین پڑھا کرو۔ اور پھر اسکے مخالف طریق کو حُبّ دنیا بیان کیا گیا ہے۔ اور مسلم ریفارم کا یہ فرض ہے کہ وہ دکھا دے کہ جن لوگونکے متعلق اس جگہ یحبون العاجلۃ بیان کیا گیا ہے وہ کسطرح سے ان مین شامل نہین۔

پس نماز کا حکم تو قرآن کریم اسلیے دیتا ہے تاکہ دنیا کی محبت کم ہو اور اللہ تعالےٰ سے تعلق مضبوط ہو

اور جو شخص حُبِّ دنیا مین مستغرق اور خدا تعالے سے دور پڑا ہوا ہے اسکا یہ کہنا کہ مجھے نماز کی ضرورت نہین یا پانچ نمازون کی ضرورت نہین بڑی نا سمجھی ہے۔ اس کی حالت اس بیمار کی سی ہے جسکی بیماری خطرناک ہے اور بیماری کے عوارض سب موجود ہین لیکن وکہتا ہے کہ جو نسخہ طبیب تجویز کرتا ہے اسکو مین استعمال نہین کرتا۔ اس دنیا کی پرلے درجہ کی محبت اور اس دنیا کے اشتغال مین غرق رہنا جس کی خاطر نئی روشنی کے تعلیم یافتہ جنٹلمین نمازون سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہین یہی وہ علامتین ہین جو ان کی خطرناک حالت بیماری کو ظاہر کر رہی ہین اور جنکے لیے نماز کا نسخہ تجویز ہو چکا ہے اور جس نسخہ کا مجوزہ وہ طبیب حاذق ہے جس کی فراست روحانی امور مین کبھی خطا نہین کرتی۔ یہ اس بیمار کی خطرناک حالت ہے جو مرض کو اچھا سمجھتا اور دوائی سے نفرت کرتا ہے۔ ایسا مریض کیونکر صحت یاب ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم تو یہ چاہتا ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ سے ایسا گہرا تعلق پیدا کرے کہ اسی دنیا مین اس کی بہشتی زندگی شروع ہو جاوے پس سوال یہ ہے کہ کیا یہ بہشتی زندگی ان لوگون کو میسر آچکی ہے؟ اور کیا وہ جذبات اور خواہشات نفسانی سے نجات پاچکے اور گناہ کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہین؟ کیا اللہ تعالے سے انکا وہ پاک تعلق ہے جسکے لیے وہ دنیا کے سب فوائد اور تعلقات کو چھوڑنیکے لیے تیار ہین؟ یہ وہ سوال ہین جن کا ہم صاف صاف جواب ان سے چاہتے ہین۔ جو کچھ انکے چال چلن اور ان کی تجویز دنسے معلوم ہوتا ہے وہ تو یہی ہے کہ وہ ادنے دنیوی منفعت کی خاطر نمازون کو چھوڑنے کو تیار بیٹھے ہین بلکہ چھوڑ چکے ہین اور اس سے صرف اسیقدر ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی محبت ان لوگونکے دلون مین غالب ہے اور آخرت سے وہ بالکل لاپروا ہین زبان سے یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ ہم خدا کو مانتے ہین لیکن دل کو ٹٹولا جاوے تو وہان خالص۔۔۔ دہریت کے سوا اور کچھ نظر نہین آتا۔

بوجوہات مذکورہ بالا کوئی شہادت اس امر کی نہین کہ جو لوگ نماز کی منسوخی کے درپے ہین وہ نہین معنون مین مسلم ہین جن معنون مین آنحضرت صلعم کا منشا مبارک تھا کہ آپکے متبعین مسلم ہون۔ نماز اسلام کا اتنا بڑا رکن اعظم اور ضروری اصول ہے کہ بیماری کے بستر پر لیٹے ہوئے بیمار کو بھی یہ حکم ہے کہ وہ نماز ادا کرے اور میدان جنگ مین بھی جہان دشمن سر پر تلوارین لیے کھڑے ہوتے تھے نماز کبھی ترک نہین کیگئی نماز ہی مومن کا معراج ہے۔ اور نماز کو چھوڑ کر مذہب اسلام کچھ بھی نہین۔ نماز ہی ایک ایسا ضروری اصول ہے جو انسان کو اس اعلےٰ مقام تک پہونچاتا ہے جسکے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ پس اتنے اہم بلکہ سب سے اہم اصول کو اس فضول عذر پر ترک کرنا کہ اب دنیا کے کاروبار بڑھگئے ہین پرلے درجہ کی حماقت ہے ہان قرآن کریم مین ایک یہ آیت بیشک آئی ہے کہ لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکاریٰ۔ یعنی جس حالت مین

تم شراب سے بدمست ہو جاؤ تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ۔ لیکن نو تعلیم یافتہ پارٹی مین ہمارے خیال مین ایسے آدمی بہت ہی کم ہین جو اس آیت سے فایدہ اٹھا کر تارک نماز ہو سکتے ہین کیونکہ ابھی تک بڑی بھاری تعداد اس پارٹی کی بھی کثرت شرابخوری سے بچی ہوئی ہے اور اغلباً استعمال شراب کو برا سمجھا جاتا ہے ہان ایسے بیہودہ عذر تلاش کرنے کی بجائے کہ اشتغال دنیا کی کثرت کے سبب سے ہم خدا کا خیال بھی دل مین نہین لا سکتے یہ بہتر ہے کہ اگر نماز کو ترک ہی کرنا ہے تو ان لوگون کے لیے جنہون نے یورپ سے شرابخوری کی علت کو لے لیا ہے اس آیت کو ترک صلوٰۃ کی دلیل سمجھ لیا جاوے۔

ممکن ہے کہ ہمارے متعلق کسی کو ان باتون سے یہ غلط فہمی ہو کہ ہم اسلام کو ایسا مذہب قرار دیتے ہین جو انسانون کو دنیا کے کاروبار کرنے سے روکتا ہے۔ ہرگز نہین اسلام کام سے منع نہین کرتا اسلام مین رہبانیت نہین ہے بلکہ ایک حدیث کا مضمون یہ ہے کہ اسلام کی رہبانیت یہی ہے کہ انسان اپنی پوری طاقت کو خرچ کر کے کوشش کرے صحابہ رضی اللہ عنہم اور انکے اتباع اور تمام باِدل مسلمان.. علاوہ پانچ فرض نمازونکے رات کا بڑا حصہ بھی نمازون مین گذارتے تھے۔ مگر تاہم یہ لوگ دنیا مین بیکار یا سست نہ تھے اور نہ ہی گھرون کی یا سوسائیٹی کی ضروریات سے غافل تھے اور نہ ہی علوم مین ترقی سے لاپرواہ تھے وہ دنیا کے فاتح بھی تھے اور علوم مین بھی سب سے فوقیت لیگئے تھے۔ وہ نمازونکو بھی قوتوں ادا کرتے اور اپنے دوسرے فرایض اور حقوق کو بھی ایسی طرح ادا کرتے تھے جو ادا کرنے کا حق ہے۔ لیکن اللہ تعالے کی ہستی انکے لیے یقین تام کا حکم رکھتی تھی اور اسلیے نماز مین اللہ تعالے کے حضور حاضر ہونے سے کوئی بات یا کوئی دنیا کا کام انکو روک نہ سکتا تھا۔ یہ وہ مسلم تھے جو جانتے تھے اور بصیرت سے اس امر سے واقف تھے کہ سچی خوشحالی صرف خدا کی اطاعت مین ہے ان راستبازونکے طریق کی آج کل کے مدعیان تہذیب مخالفت کر رہے ہین کیونکہ وہ نہین چاہتے کہ ایک لمحہ کیلیے بھی ان کی سرکش گردنین خدا کے آگے جھکین مگر اللہ تعالے کا ہاتھ بڑا زبردست اور طاقتور ہے اور وہ ہر ایک سرکش کی گردن کو اپنے آگے جھکا لیتا ہے۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ دنیاوی امور کیلیے نمازونکو مختصر کرنے کی تجویزین تو سوچتے ہین مگر یہ خیال انکے دل مین کبھی نہین آتا کہ نمازون کی خاطر دنیا کے کامونکو ہی مختصر کر دیا جاوے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انکا ایمان عالم آخرت پر کچھ بھی نہین اور وہ اسی دنیا کو ہمیشگی کا گھر سمجھے بیٹھے ہین اصل بات یہ ہے کہ اس مادہ پرستی کے زمانہ مین لوگ اللہ تعالے سے اسقدر دور جا پڑے ہین کہ وہ اس سچی خوشحالی سے بالکل بیخبر ہین اور اس راحت سے ناواقف ہین جو نماز مین حاصل ہوتی ہے کیونکہ نماز ہی انسان کا تعلق اللہ تعالے کے ساتھ قایم کرتی ہے مگر افسوس ہے کہ آج کل نماز کو ایک بوجھ سمجھا جاتا ہے

اور ادائیگی نماز کو محض ایک فرض سے سبکدوشی خیال کیا جاتا ہے لیکن اللہ تعالے کا یہ منشا نہین کہ نماز مین انسان ٹکرین مار کر اپنا وقت ضایع کرے۔ نماز آدمی کو اللہ تعالے کے حضور پہونچاتی ہے اور نماز سے جو تعلق انسان کا اپنے آقا و مولے سے پیدا ہوتا ہے وہ اسکے اندر ایک اعلے درجہ کی لذت اور راحت پیدا کرتا ہے اور اسی دنیا مین اُسے ایک بہشتی زندگی عطا کرتا ہے اسکی لذت وہ اعلے درجہ کی لذت ہے جسکا مقابلہ کوئی دنیا کی لذت نہین کر سکتی۔ اگر کسیکو یہ لذت نصیب ہو جاوے تو وہ دنیا کی تمام لذتونکو بھول جاوے اور نماز کو ہی اپنی روح کی غذا سمجھے۔ سب دل اللہ تعالے کے ہی ہاتھ مین ہین جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اگر ضرورت ہوئی تو ہم پھر اس مضمون پر کچھ اور لکھینگے۔ بالفعل اس مضمون کو جناب مولوی عبدالکریم صاحب کے ایک نوٹ کے ساتھ ختم کیا جاتا ہے کہ آیا "مسلم ریفارم" اس نام کا استحقاق بھی رکھتا ہے۔ وہ نوٹ حسب ذیل ہے:۔

کیا یہ نام "مسلم ریفارم" اس اصلاح کیلیے جو مصلحان جدید نے تجویز کی ہے مناسب ہے۔؟

یہ لفظ مسلم قرآن شریف مین جس معنے اور مفہوم کے ساتھ برتا گیا ہے وہ قطعی فیصلہ ہوگا۔ اس نزاع مین جو ان نئے ہمدردون مین پیدا ہونیوالی ہے قرآن شریف مین جہان خدا تعالے بڑا احسان جتاتا ہے۔ فرماتا ہے۔ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (الحج - ۷۷) یعنی ابراہیم نے تمہارا نام مسلم رکھا اور آج اس رسول کی زبان سے بھی تمہارا یہی نام رکھا جاتا ہے مسلمان ہونیکے معنے یہ ہین یا یون کہو کہ مسلمان ہونیکا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ رسول تم پر گواہ ہوگا اور تم دنیا پر گواہ ہوگے۔ اسکے معنے یہ ہین کہ جس طرح خود یہ رسول مسلمان بن کر تمہارے لیے ایک نمونہ ٹھہرا ہے اسی طرح تم بھی مسلمان بن کر کل دنیا کیلیے نمونے ٹھہروگے۔ (لیکن از بسکہ مسلمان ہونا بڑی بھاری بات ہے اسلیے اس خدا کے فضل کو کھینچنے والی اور اسکی طرف سے توفیق دینے والی تدبیر یہ ہے کہ) تم نماز کو قایم کرو اور زکوٰۃ دو (یعنی حقوق اللہ و حقوق عباد کی پوری رعایت کرو۔) اور اللہ تعالے پر خوب مضبوط ایمان پیدا کرو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہارا آقا بنجائیگا۔ اس لفظ کا فلسفہ یہ ہے کہ تم دنیا کی گردنون اور سلطنتونکے مالک ہو جاؤگے اور خدا سے بڑھکر اور کون دوست اور مددگار ہو سکتا ہے۔ پھر ایک موقعہ پر خدا تعالے نے ابراہیم کا ذکر کیا ہے اور نمونہ کے طور پر اسکا وہ فعل بیان کیا ہے جو ہمیشہ کے لیے مومنین مین ابراہیم کی یادگار رہیگا۔ چنانچہ فرمایا اِذْ قَالَ

لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - (البقرۃ ۱۳۱) یعنی جب حضرت ابراہیم کو اللہ تعالےٰ نے کہا کہ خالص ہماری ہی فرمانبرداری کر (مسلم ہو جا) تو جواب میں عرض کیا کہ میں سارے جہانوں کے پروردگار کا فرمانبردار ہوا - پھر ایک موقعہ پر جہاں ذکر کیا ہے کہ کس طرح حضرت ابراہیم نے ایک رویا کی بنا پر اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کرنا چاہا - اسی لفظ اسلام کو اس طرح پر مذکور فرمایا ہے - فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۚ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۔ (والصّٰفّٰت ۱۰۳-۱۰۵) پس جب دونوں یعنی ابراہیم اور اسمعیل تعمیل حکم پر آمادہ ہوئے اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا تو (ہمیں ان کی فرمانبرداری نہایت ہی پسند آئی) اور ہم نے اس سے پکار کر کہا کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا (اب ہم تم کو بڑے مراتب دینگے) اور نیک بندوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں -

ان مقامات میں غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام بہت بڑا لفظ ہے اور مسلم وہ عظیم الشان انسان ہے جو اسلام کو اپنے اندر رکھتا ہے - اس لفظ کی تفسیر کیلئے اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ قرآن شریف میں خدا تعالےٰ نے اپنی تمام رضامندیوں اور انعاموں اور فضلوں اور برکتوں کا جالب اسی اسم کو ٹھہرایا ہے جیسا کہ ایک موقعہ پر کہا ہے - بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ - (البقرۃ - ۱۱۲) یعنے مسلم وہ ہے جو خدا تعالےٰ کی راہ میں اپنے تمام وجود کو سونپ دیوے یعنے اپنے وجود کو اللہ تعالےٰ کیلیے اور اسکے ارادوں کی پیروی کیلیے اور اسکی خوشنودی کے حاصل کرنیکے لیے وقف کر دیوے جو شخص ایسا کریگا اور پھر نیک کاموں پر خدا تعالےٰ کیلیے قائم ہو جاویگا وہی ہے جو عنداللہ مستحق اجر ہے اور ایسے لوگوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ کچھ غم رکھتے ہیں -

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن شریف نے یہودیوں اور نصرانیوں سے مباحثہ کرتے ہوئے اور رسول کریم صلعم کی نبوت کے ثبوت میں دلایل قاطع دیتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل نبی خصوصاً موسویوں اور عیسویوں کے مورث اعلےٰ حضرت ابراہیم مسلم تھے اور وہ عظیم الشان نبی جسکا نام اسرائیل تھا اور بنی اسرائیل کا قابل فخر باپ تھا - وہ بھی مسلم تھا اور اپنی اولاد کو بھی مسلم بننے کی وصیت کر کے مرا - اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی مسلم تھے -

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ اسلام اور مسلمان ہونا کیا کیفیت اور حقیقت رکھتا ہے جس پر خدا تعالےٰ کے اسقدر انعامات اور برکات نازل ہوتے ہیں لیکن اس تفتیش میں بھی کچھ تکلف کی ہمیں ضرورت نہیں پڑتی خود ان مسلموں کی طرز زندگی اسکی کافی تفسیر ہے - اب ان لوگوں کی طرز زندگی دیکھنے کیلیے کہ خدا اور خلق کے ساتھ انکا معاملہ کیسا تھا ہمیں پھر قرآن کریم کیطرف ہی رجوع کرنا چاہیے - قرآن شریف نے جو کچھ ان کی نسبت

کہا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اعلےٰ درجہ کے راستباز تھے متقی تھے خدا تعالےٰ کے ساتھ سچا تعلق رکھنے والے تھے مخلوقات
کے ساتھ سچی ہمدردی کرنیوالے اور بڑے درجہ کے نیکوکار تھے۔ ان لوگوں کی زندگیوں اور کارروائیوں کا صاف
صاف طور پر دکھانیوالا اور خدا تعالےٰ کی برکات کا مجموعہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تھے جنکے ایمان
اعتقاد اور اعمال کی نسبت قرآن شریف مین یہ دعوے کیا گیا ہے کہ کل انبیاء کا یہی ایمان اور اعتقاد اور
طرزِ عمل تھا۔ اب یہ کوئی مخفی بات نہین کہ یہ مسلمان یا اول المسلمین حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نمازین
پڑھتے تھے اور اسیطرح کی پانچ نمازین پڑھتے تھے جو تعامل کے طور پر تیرہ سو برس سے ابتک بلا تغیر قایم
ہین روزے رکھتے تھے زکوٰۃ دیتے تھے حج کرتے تھے ان تمام امور کو بجالاتے تھے جو قرآن شریف مین مذکور
ہین اور اسی طرح اُن تمام نہیون سے بچتے تھے جو خدا کی کتاب مین مسطور ہین۔ اور نہ صرف اس اول المسلمین
محمد احمد صلے اللہ علیہ وسلم نے خود خدا کے اُن امرون اور نہیون کی تعمیل کی ہے بلکہ قیامت تک مسلمونکے یہی نشان
قایم کیئے ہین اور اپنے دعوے اور طرزِ عمل اور عمل کے نتیجون سے یہ ثابت کر کے دکھایا ہے کہ خدا تعالیٰ کی
خوشنودی اور خدا تعالےٰ سے تعلق کی یہی ایک راہ ہے۔ دراصل یہ بہت گہری بات ہے کہ خدا کیا ہے اور اسکی
خوشنودی کیا ہے۔ اور ایک انسان اس خوشنودی کو کیونکر حاصل کر سکتا ہے۔ اگرچہ کل نبیون اور راستباز
فلاسفرونکا اصل منشا اور غایت اسی راز کا کھولنا رہا ہے مگر قرآن شریف نے بے نظیر طریق سے اس مسئلے کو
صاف کیا ہے۔ اس طرح پر کہ یہ دعوے کیا ہے کہ خدا ہے اور اسکی ایک مرضی ہے اور اس کی مرضی کے بجالانے
پر اسی دنیا مین انعامات اور برکات مترتب ہوتے ہین اور اسکی خلاف مرضی کے ارتکاب پر اسی دنیا
مین لعنت اور عقوبت وارد ہوتی ہے۔ وہ خدا کی مرضی اسلام اور اسکے شعایر ہین۔ اور اس راہ پر چلنے والا
اور اس مرضی کو بجالانیوالا سچا مسلم اسوقت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور وہ لوگ جو اس کی
مخالفت کرتے ہین یا اسلامی اصطلاح مین یون کہو کہ اسکا کفر کرتے ہین وہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے بخلاف
اپنی تراشیدہ راہون پر چلتے ہین یعنی مسلم نہین ہین۔ اب دونون گروہونکا یعنے مسلمون اور غیر مسلمون یا...
کافرونکا خوفناک مقابلہ ہوتا ہے۔ اس مقابلہ کی نسبت خدا کی زندہ کتاب مین برسون اس سے پہلے کہ
مقابلہ کا کوئی وجود اور نشان بھی نہ تھا بڑے پر زور اور بلند اور پر شوکت الفاظ مین جابجا یہ دعوے کیا
گیا ہے کہ ازبسکہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے پیرو متقین ہین یعنی مسلمین ہین یا یون کہو کہ خدا تعالےٰ کی
رضا کی راہون پر چلنے والے ہین اسلیئے وہ مظفر اور منصور ہونگے۔ اور اپنے مخالفونکے شہرون اور گھرون
اور اموال و املاک پر قابض و متصرف ہو جاینگے اور انکے دشمن سخت ذلتون اور تباہیون مین گرفتار ہونگے
اسیطرح جیسے ابتدائے آفرینش سے خدا تعالےٰ کی سنت بدکارونکے لیے جاری ہے۔ رسول کریم صلعم

کی اس کامیابی اور آپ کی دعوت کی اس سچی کامیابی نے یہ ثابت کردیا کہ وہی راہ خدا تعالیٰ کی مرضی اور خدا کی معرفت کی راہ ہے جس راہ پر آپ چلے ہین اور اسکے خلاف ضلالت اور ہلاکت کی راہ ہے اور معًا یہ بھی ثابت کردیا کہ ایک قادر قاہر متصرف مدبر بالارادہ یحکم ما یرید و یفعل ما یشاء ہستی ہے جسکے بلائے سے وہ قبل از وقت بولے اور ایسے پر تحدی الفاظ مین دعوے کیے کہ جن کی نظیر دنیا کی تاریخ مین پائی نہین جاتی۔

اب جبکہ بڑی صفائی سے یہ بات طے ہوگئی کہ اسلام کیا شے ہے اور مسلم کن لوگون کا نام ہے اور اُن کے اعمال و افعال کے نتایج کیا ہین تو سوال یہ ہے کہ آیا مسلم ریفارم انہی راہون پر چلانا چاہتا ہے۔ مگر افسوس ہے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس کی راہ وہ راہ نہین جو اِن مذکور الصدر مسلمانون کی راہ ہے تو پھر ہماری سمجھ مین نہین آتا کہ یہ نام کیون تجویز کیا گیا ہے۔ ہم اس سے نہین روکتے کہ کوئی ریفارمیشن کا خیال دل مین نہ لاوے جتنے ریفارمر ہون ہون۔ مگر ہمین صرف یہ دیکھنا اور دکھانا تھا کہ آیا یہ نام اس کارروائی کے ساتھ جو اس پرچہ نے اختیار کی ہے کچھ بھی مناسبت رکھتا ہے۔

عیسائیت کے فرقہ مارمن کے اعتقاد

سب سے بڑا فرقہ جو گذشتہ صدی مین عیسائی مذہب کے اندر پیدا ہوا ہے اور جس کی عمر اسوقت پچھتر سال کی ہے مارمنون کا فرقہ ہے۔ اور اسوقت اسکے پیرو پانچ لاکھ بتائے جاتے ہین جن کا بڑا جتھا ریاست یوٹا مین رہتا ہے اور باقی دیگر عیسائی ممالک مین پھیلے ہوئے ہین۔ اس فرقہ کا بانی ایک شخص جوزف سمتھ نام تھا جو ۱۸۰۵ء مین پیدا ہوا اور ابھی چالیس سال کی عمر تک نہ پہونچا تھا کہ جیلخانہ مین ہی عیسائیونکے ایک مخالف گروہ نے اسکا کام تمام کردیا۔ اس مضمون مین ہمین اس امر پر بحث کرنیکی ضرورت نہین کہ آیا مارمن فرقہ کا بانی نیک آدمی تھا یا مفتری اور کذاب۔ اور آیا اسکا چال چلن بالکل پاکیزہ تھا یا داغدار۔ ہماری غرض صرف ان عقاید کا دیکھنا ہے جن مین مارمن فرقہ کا مروجہ عیسائی مذہب سے اختلاف ہے۔ اور پھر یہ غور کرنا ہے کہ آیا یہ عقاید مروجہ عقاید پر ترجیح دینے کے قابل ہین یا نہین۔ سب سے اول یہ امر قابل ذکر ہے کہ مارمن لوگ بائبل کو مانتے ہین لیکن عام عیسائیونکے برخلاف وہ اسکے نقصونکو نقص سمجھتے ہین چنانچہ ایک مباحثہ مین جو فرقہ مارمن مین اور عام عیسائیون مین ہوا تھا مارمن مباحث نے بائبل کے متعلق اپنے اعتقاد کو ان الفاظ مین بیان کیا

"مین اس مباحثہ مین اُس بائیبل کو جو بادشاہ جیمس کی ترجمہ کے نام سے مشہور ہے تسلیم کرتا ہون مین اس بائیبل کو جو اصلی عبرانی زبان مین ہے اگر وہ مل سکے تسلیم کرتا ہون عبرانی کی بائیبلین تو بیشک اس زمانے مین ہمارے پاس موجود ہین میرے ہاتھ مین بھی عبرانی زبان کی ایک بائیبل اس وقت موجود ہے۔ مگر اصلی بائیبل دنیا مین کہین نہین ملتی بلکہ اصل کی پہلی نقل کا بھی کوئی پتہ نہین ملتا۔ بلکہ مین تو سمجھتا ہون کہ اصلی بائیبل کی سوین نقل بھی اسوقت ہمین نہین ملتی مثلاً حضرت موسے کی شریعت کا اصل نسخہ جو الواح پر لکھا ہوا تھا وہ کہین دستیاب نہین ہوتا۔ بلکہ جہانتک ہمین علم ہے گذشتہ اٹھارہ سو سال سے ایسے الواح اور شریعت موسوی کے اصل نسخہ کا کوئی پتہ نہین چلتا۔ ہم ان کا حوالہ نہین دیسکتے بلکہ ان کی نقلون کا حوالہ بھی نہین دیسکتے۔ صرف اُنہین بائیبلون کا حوالہ دے سکتے ہین جو حال کے زمانے مین شایع ہوئی ہین اور چونکہ یہ نسخے ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہین۔ یہانتک کہ کہا جاتا ہے کہ مختلف نسخون مین تیس ہزار مختلف قرائتین ہین۔ یہ کون فیصلہ کر سکتا ہے کہ عبرانی بائیبل جو ہمین نسخون مین سے کسی ایک سے ترجمہ کی گئی ہے اصلی نسخہ سے ترجمہ ہوئی ہے یا نہین"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مارمن لوگ بائیبل کو ایک حد تک مانتے ہین اسکے علاوہ انکا اعتقاد ہے کہ نیا عہد نامہ کمل نہین بلکہ اسکا تتمہ وہ اس کتاب کو قرار دیتے ہین جسے وہ مارمن کی کتاب یا مغربی برّاعظم کی بائیبل کہتے ہین۔

دوسرا اختلاف جو مارمنون اور عام عیسائیونکے درمیان ہے وہ انقطاع وحی الہی کے متعلق ہے عام عیسائیون کا یہ اعتقاد ہے کہ مکاشفات کی کتاب کے بعد سلسلہ وحی الہی بالکل منقطع ہو گیا اور آیندہ خدا نے اپنا کلام بندون پر نازل کرنیکا دروازہ بند کر دیا۔ اس اعتقاد کے سبب سے لوگونکو باریتعالی کی ہستی پر بھی شکوک پیدا ہوئے ہین۔ مندرجہ ذیل الفاظ جنکا لکھنے والا ایک طالب حق ہے ہر ایک دل پر جسے تعصب نے اندھا نہ کر دیا ہو اثر کرتے ہین۔

"اسوقت ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو انسانونکے اندر ایسے ایمان کو پیدا کرے کہ واقعی خدا زندہ خدا ہے اور وہ ہمارا باپ ہے اور وہی اپنی تائید سے ہمین گذشتہ کے مردہ قصون سے اوپر اٹھنے کی طاقت دیتا ہے وہ ہمارا مولے ہے اور کہ وہ مکاشفات کی کتاب کو پورا کرنیکے بعد مر نہین گیا اور کہ ہم اب بھی اس سے **الہام پا سکتے ہین**۔ ہم کو ایسے مذہب کی سخت ضرورت ہے کیونکہ دنیا اس طرح زندگی بسر کر رہی ہے کہ گویا اسکے نزدیک خدا مر چکا ہے یا سویا ہوا ہے اور دنیا کے لوگ یہ سمجھ رہے ہین کہ جس طرح ہم ایکدوسرے کو دھوکا دے لیتے ہین اسی طرح خدا بھی ہمارے دھوکے مین آسکتا ہے اس غفلت و لاپروائی اور نفاق سے دنیا پر ایک روحانی موت وارد ہو گئی ہے۔ سب سے بڑھکر فسق و فجور ان ملکون مین پھیل رہا ہے جنکو سب سے بڑھکر عیسائی

تہذیب پر ناز ہے۔ ہر جگہ ہم دیکھتے ہین کہ لڑکے اور لڑکیان جوان مرد اور جوان عورتین بیاہے ہوئے مرد اور بیاہی ہوئی عورتین پرلے درجہ کی بدکاریون مین مبتلا ہو رہے ہین'' (دیکھو عیسائیون اور مارمنون کے اصول مصنفہ چارلس ایلس صاحب) اُن لوگونکو جنکے دلون مین زندہ خدا اور اسکے کلام کیلیئے تڑپ ہے ہم یہ خوشخبری دیتے ہین کہ اس حی و قیوم قادر مطلق خدا نے عین اپنے وعدونکے مطابق اور عین اسوقت پر جب سب آنکھین انتظار مین لگی ہوئی تھین اپنا آخری سلسلہ قایم کیا ہے اور عین ضرورت کے وقت اپنے مسیح موعود کو نازل فرمایا ہے کہ تا پیاسونکی تسکین ہو اور تھکے ماندے آرام پاوین۔ اس زمانے مین اللہ تعالے نے اپنی زندہ وحی کے چشمہ کو جاری کیا ہے کہ حق کے پیاسے سیراب ہو وین اور اس کی ہستی پر یقین کامل کے درجہ تک پہونچکر گناہ کی قید سے رہائی پاوین کیونکہ قدیم سے سنت الٰہی یہی رہی ہے کہ جب کبھی دنیا پر روحانی موت آئی ہے اللہ تعالے نے اپنی وحی کے ذریعہ سے اپنے کسی خاص بندے کو مامور فرما کر از سر نو وحی کا چشمہ جاری کیا ہے کیونکہ بغیر اسکے اللہ تعالے پر زندہ ایمان پیدا ہو ہی نہین سکتا۔ القصہ ایک ہی سبیل خدا کی ہستی پر یقین تام کے پیدا ہونیکی ہے اور وہ ہے وحی الٰہی پس وحی الٰہی کے جاری ہونے سے انکار کرنا گویا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالے نے یہ پسند نہین کیا کہ اس زمانے کے گم گشتہ لوگ بھی اسکی سچی راہ کو پا سکین یا اس کی سچی معرفت حاصل کر سکین۔ مگر عیسائی مذہب یہی تعلیم دیتا ہے لیکن فرقہ مارمن اسکے برخلاف یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ خدا تعالے اپنے برگزیدہ بندونکے ساتھ ہر زمانے مین ہمکلام ہوتا ہے اور اسکا چشمہ وحی ہر زمانے مین جاری ہے۔ اسی عقیدہ کی بنا پر مارمن لوگ یسوع کو باقی انبیاء سے بڑھ کر کوئی الگ قسم کی فضیلت نہین دیتے۔ اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کا راستباز نبی اور برگزیدہ انسان مانتے ہین۔ یہ بات تو ظاہر ہی ہے کہ انکے نزدیک بانی فرقہ یعنی جوزف سمتھ بھی صاحب وحی تھا۔

تیسرا اہم اصول جس مین مارمنون کا عام عیسائیونکے ساتھ اختلاف ہے موروثی گناہ کا مسئلہ ہے یعنے حضرت آدمؑ کے سبب سے تمام آنیوالی نسلون کا ہمیشہ کیلیئے مورد غضب اور لعنتی ٹھہر جانا۔ اگرچہ اس عقیدہ کا ہر ایک پہلو قابل نفرت ہے مگر سب سے زیادہ بیزار کرنیوالا اسکا یہ پہلو ہے کہ چھوٹے بچے بھی ہمیشہ کیلیئے جہنم مین رہین گے یہ عقیدہ موروثی گناہ کے عقیدہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور وہی مصنف جسکا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اس مضمون پر ان الفاظ مین بحث کرتا ہے ''یا تو یہ عقیدہ کہ آدم پرلے درجہ کی بدکاری مین پڑ گیا تھا اور پھر وہی بدکاری اس کی تمام نسل کے حصہ مین آئی بالکل لغو اور جھوٹا عقیدہ ہے۔ یا اگر یہ سچا ہے تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام چھوٹے بچے اور تمام بالغ انسان سوائے چند برگزیدہ لوگونکے کل کے کل ابدی جہنم کے وارث ٹھہرتے ہین یعنی اگر آدم کا گناہ ان معنون مین موروثی ہے کہ اس کے پیچھے آنیوالی نسلین بھی اس مین شامل ہین۔ تو جو بچے اب پیدا ہوتے ہین وہ ایسے ہی لعنت کے نیچے اور راہ راست سے جدا ہین جیسا کہ آدم اور حوا کے بچے تھے۔

اور اگر برعکس اس کے یہ تسلیم کیا جاوے کہ جو بچے آج کل پیدا ہوتے ہیں وہ لعنت کے نیچے نہیں اور بدکاری انکو ورثہ میں نہیں ملتی یعنی اگر وہ بغیر بپتسمہ لینے کے مرجائیں تو ہمیشہ کے جہنم میں نہیں گرائے جائینگے۔ تو بھی لازم آوے گا کہ آدم کے گناہ نے اگلی نسلوں میں کوئی اثر نہیں کیا اور نہ ہی ابنائے آدم موروثی طور پر گنہ گار ہیں اور اسلیے مسیح کا کفارہ جو آدم کے گناہ کیلئے کہا جاتا ہے بالکل بے اثر ہوگا "اصل میں آج کل کے علوم کی روشنی کے نیچے عیسائی صاحبان اس کوشش میں ہیں کہ تمام بچوں کا پیدا ہوتے ہی مورد غضب الٰہی ہونے اور ابدی جہنم کے وارث ہونیکا عقیدہ دور کیا جاوے لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ اس وحشیانہ عقیدہ سے اُسوقت تک عیسائیت کا دامن پاک نہیں ہوسکتا جبتک پہلے موروثی گناہ اور پھر کفارہ کے عقیدہ کو ہی سرے سے الوداع نہ کہی جاوے۔ جیسے جیسے زمانہ جہالت سے نکلکر علوم میں ترقی کرتا جاتا ہے عیسائی مذہب کو بھی اپنی بیہودگیوں اور غلطیوں پر نادم ہونا پڑا ہے ورنہ پہلے یہی عقیدے تھے جنکو بڑے فخر سے ممبر و منبر پر چڑھکر بیان کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی کتاب میں ایک پادری صاحب کا ذکر لکھا ہے کہ اسکا قول ہے کہ "میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ چھوٹے چھوٹے بچے جو ابھی ایک بالشت کے بھی نہیں ہوئے دوزخ کے فرش پر رینگتے پھرتے ہیں" پہلی صدی عیسوی سے لیکر نویں صدی تک ایک بھی ایسا شخص بیان نہیں کیا جاتا جس نے بچوں کو بپتسمہ دینے کی ضرورت نہ سمجھی ہو یا دوسرے لفظوں میں یہ عقیدہ نہ رکھا ہو کہ جو بچے بغیر بپتسمہ لینے کے مرجاتے ہیں وہ سب کے سب ابدی جہنم میں جلائے جائینگے۔ صرف ایک شخص ایسا بیان کیا جاتا ہے مگر اس نے بھی بعد میں اس عقیدے سے توبہ کی۔ امریکہ میں ایک واعظ کا ذکر ہے کہ اس نے بیان کیا کہ "شیرخوار بچے جو بغیر بپتسمہ لینے کے مردود ازلی ہیں زہریلے سانپوں کی مانند ہیں جن کو خدا اپنے غضب کے چمٹے سے پکڑ کر جہنم کی آگ پر جلائے گا" سبحان اللہ جھوٹ اور سچ میں کیسا زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک طرف تو عیسائیت کا یہ وحشیانہ اور گھنونا عقیدہ ہے اور دوسری طرف اسلام کا یہ پاک اور خوبصورت اصول کہ نہ صرف تمام بچے فطرت اسلام پر پیدا ہوتے ہیں اور وہ کسی طرح سے قابل مواخذہ نہیں بلکہ یہ بھی کہ جو چھوٹے بچے فوت ہوجاتے ہیں وہ اپنے ماں اور باپ کے لیے شفیع ہوتے ہیں اور خود جنت میں جانیکے علاوہ اپنے والدین کو بھی جنت میں لیجانیکا ذریعہ بنتے ہیں۔ سوچنے والے دل کیلیے یہ چھوٹی سی بات نہیں جس سے اسلام کی صداقت چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ خیر یہ نفرت انگیز عقیدہ عیسائی مذہب نے دُنیا میں پھیلایا مگر مارمن فرقہ کے لوگ اس سے سچے دل سے بیزار ہیں اور وہ موروثی گناہ کے عقیدہ کو باطل قرار دیتے ہیں چنانچہ حضرت آدم کے متعلق وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ "ان دونوں کو یعنی آدم اور حوّا کو ابدی بہشت سے نکالکر خدا تعالےٰ نے اس زمین پر اسلیے بھیجا کہ تا وہ اس دنیا کے انسانوں کے مورث اعلےٰ اور انسانی نسل کے بانی ٹھہریں لیکن چونکہ ان کو خدا تعالےٰ نے

غیر فانی بنایا تھا اسلیئے جبتک وہ خود فانی نہ بنتے۔ ایک فانی انسانی نسل کے بانی نہ ہوسکتے تھے پس انکے بہشت سے نکالے جانیسے یہی مراد تھی یعنی غیر فانی ہونیسے فانی ہونے کی طرف انتقال کرنا۔ اور یہ غلط ہے کہ بہشت سے نکلنے پر انکی فطرت بدکاری کی فطرت ہوگئی تھی۔ بلکہ ایک وقت کیلیے ان سے غیر فانی ہونا لے لیا گیا تاکہ اس بقا کو وہ پھر (روحانی) بعث کے ذریعہ سے حاصل کریں" اس طرح پر مارمنوں نے موروثی گناہ کو ہمیشہ کیلیے رخصت کرکے اس طریق نجات سے آزادی حاصل کی جس مین ایک کی بجائے تین خدا ماننے پڑتے تھے۔

لیکن ان سب سے بڑھ کر ایک اور بات ہے جس نے مارمنوں کو ہر طرح کی تکلیفوں اور دکھوں کا نشانہ بنایا ہے اور وہ ہے انکا اعتقاد کہ تعدد ازدواج کا مسئلہ سچا مسئلہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جوزف سمتھ کو اس مسئلے کی تعلیم صرف اپنی بعض بدچلنیوں کی پردہ پوشی کیلیئے دینی پڑی۔ مگر ان بدچلنیوں کے بیان کرنیوالے وہ عیسائی صاحبان ہین جو مذہب کیخاطر جھوٹ کو بھی درست سمجھتے ہین۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہین کہ جوزف سمتھ کی تعلیم کا شروع سے ہی یہ منشاء تھا کہ تعدد ازدواج کا مسئلہ صحیح اور سچا مسئلہ ہے کیونکہ اول تو خود بائبل اور بائبل کے برگزیدہ نبی جو انسانوں کیلیے نمونہ بن کر آئے تعدد ازدواج کی تعلیم دیتے تھے اور اسلیئے جبتک کوئی عیسائی تعصب کی پٹی آنکھوں پر نہ باندھے وہ اس مسئلہ کی صداقت سے انکار نہین کرسکتا۔ علاوہ ازین جیسا کہ ہمنے پہلے کہا ہے جوزف سمتھ کی تعلیم مین شروع سے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا نبی اور خدا کیطرف سے مانا گیا تھا اور اسلیئے بھی ضروری تھا کہ جوزف سمتھ ابتدا سے ہی تعدد ازدواج کے مسئلہ کا قایل ہوتا۔ اور یہ سوال کہ جوزف سمتھ کی غرض اس مسئلہ کی تعلیم دینے سے کیا تھی ہماری راہ ۔۔۔ جب تک کہ ملکی قانون کے رو سے مارمن مجبور نہین ہوگئے وہ کھلے طور پر تعدد ازدواج کے مسئلے پر عمل کرتے رہے۔ مگر اسلام کی طرح انہون نے کوئی حد قایم نہین کی کیونکہ نہ صرف ...... پانچ پانچ عورتوں والے مارمنوں کا ذکر ہی سنا جاتا ہے بلکہ مارمن چرچ کے پریزیڈنٹ ینگ کے متعلق لکھا ہے کہ جب وہ ۱۸۷۷ء مین مرا تو ۱۷ عورتین اور ۵۶ لڑکے لڑکیان چھوڑ کر مرا۔ مارمنوں کی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ تعدد ازدواج کا مسئلہ رہا ہے۔ اور اس زمانے مین امریکہ جیسے مہذب ملک مین اس تعدد ازدواج پر عمل کرنیوالے فرقہ کا نمایان ترقی کرنا ایسی ترقی جو دوسرے عیسائیوں کو حیرت مین ڈال رہی ہے ان لوگوں کو جھوٹا ثابت کرتا ہے جو یورپ کی تقلید مین یہ کہہ رہے ہین کہ "تعدد ازدواج جسم اور دل کو کمزور کرنے کا ذریعہ ہے اور اس سے ابتداً قوم کے افراد تباہ ہو کر آخر کار قوم کی قوم ہی تباہ ہو جاتی ہے"۔ اب اس تعدد ازدواج پر عمل کرنیوالی قوم کا حال سنیئے کہ جب ایک ہی عورت سے شادی کرنیوالے

ظالمون نے انکو اپنے گھرون سے نکالدیا تو انہون نے سنہ ۱۸۴۷ء مین ایک نیا شہر سالٹ لیک سٹی آباد کیا انکے حد درجہ کی محنتی قوم ہونے پر ایک عیسائی مورخ اس طرح شہادت دیتا ہے کہ "زمین کے بڑے بڑے قطعات کو فی الفور زراعت کے نیچے لے آئے ایک بڑا شہر اتنی جلدی آباد ہوگیا کہ گویا جادو سے پیدا ہوگیا اور ان پر لیسیونکی نہ تھکنے والی محنت اور ہمت اور جوش نے ایک بیابان کو ایک سرسبز اور لہلہاتا باغ بنا دیا"۔

تعدد ازدواج پر ایک یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اس سے عورت مرد کے ہاتھ مین ایک مردہ کی طرح ہوجاتی ہے اور مرد جب چاہے ایک کو چھوڑ کر دوسری عورت کر سکتا ہے لیکن یہ سب بے بنیاد باتین اور جھوٹے حملے ہین۔ مارمنون کو جسقدر اپنی عورتون سے محبت ہے اسپر دوسری عورتون نے جو مارمن نہین رشک کیا ہے چنانچہ اخبار ٹروتھ سیکر ۲۴ اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء کی اشاعت مین لکھتا ہے:۔ "عورتون کی ایک انجمن نے جسکا نام "نیویارک سوسائیٹی فار پولیٹیکل سٹڈی" ہے اپنے ایک جلسہ مین مارمنون کی اپنی عورتون سے اعلےٰ درجہ کی محبت کی تعریف کی۔ ایک لیڈی نے کہا کہ ایک مارمن کی محبت پر غور کرو جب وہ اسبات کو پسند کرتا ہے کہ مار ڈالا جاوے یا جیلخانہ مین ڈالا جاوے مگر اپنی پانچ عورتون مین سے کسی کو نہین چھوڑ سکتا" اور پھر اسکے بعد ہی عورت خواہش ظاہر کرتی ہے کہ کاش ہمارے خاوندونکو بھی ایسی محبت ہو۔ اس نوٹ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مارمنون پر تعدد ازدواج کی وجہ سے کیا کیا ظلم ہو رہے ہین۔

مارمنونکے تعدد ازدواج کے خلاف عیسائیونکا یہ جنگ اُسیوقت سے شروع ہے جبکہ سنہ ۱۸۴۳ء مین پہلے پہل بانی فرقہ نے کھلے طور پر اس اصول کو تسلیم کیا۔ سب سے پہلے مارمنون نے گورنمنٹ سے سند حاصل کرکے عیسائیونکے ظلم سے بچنے کیلئے ایک شہر ناوو آباد کیا تھا مگر ملکی قانون نے یہ سند دو سال بعد منسوخ کردی اور اس منسوخی سے مارمنونکی حالت ایسی نازک ہوگئی کہ انکو فی الفور جلاوطن ہونا پڑا۔ اور جنہون نے جلاوطنی اختیار نہ کی انہون نے اسکا نتیجہ بھگتا کیونکہ آخر شہر پر گولہ باری کرکے زبردستی انکو نکالا گیا۔ یہانسے بھاگ کر ان لوگون نے ایک نیا شہر آباد کیا جسکا ذکر اوپر آچکا ہے۔ مارمن دنیا کے مختلف مقامات سے جلاوطن ہوکر یہان آباد ہوتے گئے یہانتک کہ ممالک یورپ کے مارمنون نے بھی اسی جگہ پناہ لی۔ سنہ ۱۸۵۰ء مین ریاستہائے متحدہ کے پریزیڈنٹ فلی مور نے مارمنونکے علاقہ کو باقاعدہ صوبہ بناکر مارمنونکے پریزیڈنٹ ینگ کو وہانکا حاکم بنا دیا۔ لیکن یہ لوگ امن سے گذارہ نہ کرسکے اور ملک کی گورنمنٹ اور مارمنونکے درمیان اندرونی فساد شروع ہوگئے۔ بعض وقت بڑی بہادری سے انہون نے ملکی فوجونکو پسپا بھی کیا۔ مگر آخرکار انہون نے اطاعت اختیار کی۔ سنہ ۱۸۶۲ء مین تعدد ازدواج کو فوجداری جرم قرار دیا گیا۔ اور مارمن پریزیڈنٹ کو قید کیا گیا۔ مگر باوجود اسکے مارمن لوگ تعدد ازدواج پر عمل کرتے رہے۔

سنہ۱۸۷۳ء مین ایک اوربل تعدد ازدواج کے خلاف پیش ہوا جسکے روسے مارمنونکی عورتونکو یہ اختیار دیاگیا کہ وہ طلاق کیلیے دعوے کرسکتی ہین۔ سنہ۱۸۷۴ء مین ایک اوربل پیش ہوا جس نے تعدد ازدواج کو منسوخ کرکے یوٹاکو جو مارمنونکا علاقہ تھا ایک معمولی صوبہ قراردیا۔ وقتاً فوقتاً اور قانون تعدد ازواج کے خلاف بنتے رہے مگر باوجود جیلخانون مین ڈالے جانیکے مارمنون نے اس اصول پر عمل نہ چھوڑا۔ سنہ۱۸۸۷ء مین ایک قانون جس کو ایڈمنڈٹکرس ایکٹ کہا ہے پاس ہوا۔ اسکے روسے یہ حکم دیا گیا کہ کوئی شخص ایک عورت کے علاوہ دوسری عورت سے نکاح کرکے اسکو بطور بیوی کے گھر مین نہ رکھے حالانکہ ایسا ایکٹ کبھی کوئی پاس نہین ہوا جس نے یہ ممانعت کی ہو کہ ایک چھوڑ سو عورت کو کوئی شخص بلانکاح گھر مین رکھکر ان سے زنا نہ کرے۔ پھر اسی ایکٹ کے روسے ان تمام لوگونسے رائے دینے کے حقوق چھین لیے گئے جو قسم اٹھاکر یہ بیان نہ کرین کہ وہ تعدد ازدواج کا ارتکاب نہین کرتے۔ عورتونکے حقوق کل کی کل ریاست یوٹا سے چھین لیے گئے۔ مارمن چرچ اور جلاوطنونکی مدد کیلیئے کمیٹی کو توڑ ڈالا گیا۔ اور انکی تمام جایداد ضبط کی گئی۔ دس لاکھ ڈالر یا پینتالیس لاکھ روپے کی جایداد اس طرح پر ضبط ہوئی اور بارہ سو آدمی کو تعدد ازدواج کی وجہ سے جیلخانو مین ڈالاگیا اور بارہ ہزار کے حقوق چھین لیے گئے۔ جب یہانتک ظلم کی نوبت پہونچی تو مارمنونکے پریزیڈنٹ وڈرف نے مصلحت وقت دیکھکر یہ اشتہار شایع کیا کہ "چونکہ کانگریس نے تعدد ازواج کو قانوناً منع کردیا ہے اسلیئے مین اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنا یہ ارادہ ظاہر کرتا ہون کہ ان قوانین ملکی کی اطاعت اختیار کیجاوے اور ان کلیسیا کے ممبرونکو جو میرے زیر اثر ہین یہی صلاح دیتا ہون کہ وہ بھی ایسا ہی کرین۔ اور مین عام طور پر شایع کرتا ہون کہ میرا مشورہ تمام مارمنونکو یہی ہے کہ وہ اس قسم کا نکاح نہ کرین جس کی ملکی قانون اجازت نہین دیتے۔" اس اشتہار کے مضمون کو مارمن چرچ کے جنرل کانفرنس نے بھی منظور کیا۔ اسپر فوجداری کارروائیان بند ہوگئین اور عام طور پر مارمن لوگ تعدد ازدواج کے مسئلہ پر عمل کرنیسے رک گئے۔ اگرچہ خفیہ طور پر اسکے بعد بھی کہین کہین ایسی شادیونکا رواج باقی رہ گیا ہے۔ لیکن اس عملی منسوخی سے اصول تعدد ازواج کو مارمن لوگون نے ہرگز نہین چھوڑا بلکہ وہ اب بھی اسپر ویسے ہی قایم ہین۔

یہ ایک قابل غور امر ہے کہ تعدد ازواج کی منسوخی کیلیے باقاعدہ اور پرزور کوششین ملک کی گورنمنٹ کی طرف سے اسوقت تک نہین ہوئین جبتک کہ مارمنون اور دوسرے عیسائیونمین اس مسئلہ پر ایک بحث ہوکر مارمن دلایل مین غالب ثابت نہین ہوگئے۔ یہ مباحثہ سنہ۱۸۷۰ء مین ہوا اور اسکے بعد ہی طرح طرح کے بل اور ایکٹ تجویز اور پاس ہونے لگے۔ مباحثہ مین زک اٹھاکر اور دلایل مین اپنے آپ کو کمزور دیکھکر آخرکار عیسائی گورنمنٹ کو وہی ہتھیار استعمال کرنا پڑا جو ہمیشہ سے عیسائی مذہب کرتا چلا آیا ہے۔ اس مباحثہ مین عام عیسائیون کی طرف سے مباحث ڈاکٹر نیومین تھا جو سرکاری چیلین تھا اور جس نے وعظ کرتے ہوئے بلاسوچے سمجھے

یہ کہدیا کہ تعدد ازواج کو بائیبل گناہ ٹھہراتی ہے۔ وہی بائیبل جس مین یہ لکھا ہے کہ "خداوند اسرائیل کے خدا نے یون فرمایا ہے کہ مین نے تجھے مسیح کیا تاکہ تو اسرائیلیون پر سلطنت کرے اور مین نے تجھے ساؤل کے ہاتھ سے چھڑایا اور مین نے تیرے آقا کا گھر تجھے دیا اور تیرے آقا کی جورؤون کو تیری گود مین دیا" (۲ سموائیل باب ۱۲ آیت ۷، ۸)۔ تعجب ہے کہ وہی خدا جو بہت سی بیویان خود بطور نعمت اور برکت کے ایک شخص کو دے۔ پھر ایک سے زیادہ بیویان لینے کو گناہ بھی کہے لیکن جب ڈاکٹر ینومین نے دیکھا کہ تعدد ازواج کو بائیبل سے گناہ ثابت کرکے دکھانا تو اس کی طاقت مین نہین تو پھر اس نے پہلو بدلکر مباحثہ کیلئے یہ مضمون پیش کیا کہ کیا بائیبل تعدد ازواج کی اجازت دیتی ہے۔ مارمنون نے اس تغیر کو بھی منظور کیا اور مارمن مباحث نے بائیبل کے مختلف مواقع سے دو امور پیش کئے۔ ایک یہ کہ بائیبل سے تعدد ازواج کی اجازت ثابت ہوتی ہے اور دوم یہ کہ ایک لفظ بھی بائیبل مین ایسا نہین نہ نئے عہد نامے مین اور نہ پرانے مین جہان تعدد ازواج کو منع کیا گیا ہو۔ ڈاکٹر ینومین نے بالکل بودے اور کمزور جواب دئے۔ درحقیقت یہ امر کسی عقلمند انسان کی سمجھ مین نہین آسکتا کہ اگر اللہ تعالے کے نزدیک تعدد ازواج بھی زنا کی مانند ایک سیاہ جرم کا ارتکاب تھا اور عیسائی تو زنا سے بھی بڑھکر اسے سمجھ رہے ہین تو پھر جب خدا تعالے بار بار بائیبل مین زنا سے روکتا ہے تو ایک مرتبہ بھی یہ کیون نہین کہتا کہ تعدد ازواج بھی بری شے ہے۔ کیون خدا تعالے نے اپنے برگزیدہ نبیون کو جنکو اس نے اصلاح خلق کیلئے بھیجا۔ جیسے ابراہیم اسحق۔ یعقوب۔ موسے علیہم السلام ایکمرتبہ بھی یہ نہ کہا کہ تم زنا سے تو بچے ہوئے ہو مگر زنا سے بدتر تعدد ازواج ہے تم اسمین کیون پڑتے ہو اور کبھی انکو اطلاع نہ دی کہ وہ خدا کی نظر مین تعدد ازواج کی وجہ سے گنہگار ہین اور پھر حضرت مسیح نے بھی کیون ایک آدھ لفظ مین تعدد ازواج کو زنا قرار نہ دیا حالانکہ بدنظری کو زنا قرار دیا۔ مارمن مباحث نے استثنا رباب ۲۵ کا حوالہ دیا جہان لکھا ہے کہ "اگر کئی بھائی اکٹھے رہتے ہون اور ایک انمین سے بےاولاد مرجائے تو اس مرحوم کی جورو کا بیاہ کسی اجنبی سے نہ کیا جاوے بلکہ اسکے شوہر کا بھائی اس سے خلوت کرے اور اسے اپنی جورو کرلے"۔ استدلال یہ تھا کہ یہان بھائی کو حکم ہے کہ وہ اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کرے اور قانون عام ہے یعنی یہ نہین کہا گیا کہ اگر وہ بھائی پہلے شادی شدہ نہ ہو تو بھاوج سے نکاح کرے ورنہ نہ کرے۔ پس نتیجہ اسکا صاف یہ ہے کہ خواہ وہ پہلے شادی شدہ ہو یا نہ وہ بیوہ بھاوج کو نکاح مین لاسکتا ہے اور اس سے تعدد ازواج کی اجازت ثابت ہوتی ہے اسیطرح اور بہت سے مواقع پیش کئے گئے جنسے تعدد ازواج کی اجازت ثابت ہوتی تھی مثلاً استثنا رباب ۲۱ آیت ۱۰ و ۱۱ جہان لکھا ہے کہ اگر کوئی مرد جنگ کے اسیروں مین "خوبصورت عورت دیکھے اور تیرا جی اسے چاہے کہ تو اسے اپنی جورو بناؤ

تو اجازت ہے۔ اس قانون کے رو سے بھی خواہ مرد پہلے جورو رکھتا ہو اگر اسکو اسیر دشمن سے کوئی عورت پسند آجاوے تو وہ شریعت کے رو سے اُسے بھی بیاہ سکتا ہے۔ اسی اصول پر خروج باب ۲۲۔ آیت ۱۶ سے دو اگر کوئی ایک لڑکی کو جو اس کی منگیتر نہین دم دیکے اس سے مباشرت کرے وہ البتہ اسے مہر دیکے اس سے نکاح کرے" اور استثنا ء باب ۲۲۔ آیت ۲۶ سے جہان جبر زنا کرنیوالے کو حکم ہے کہ وہ اس لڑکی سے اگر پہلے اسکی منگنی نہ ہو چکی ہو نکاح کرے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تعدد ازواج کی بائیبل کھلی کھلی اجازت دیتی ہے۔ اب عیسائی بائیبل کو موتہہ سے تو خدا کا کلام کہتے ہین لیکن اگر یہی عقیدہ دل مین بھی ہو تو تعدد ازواج کو زنا نہ کہین۔

ایک سوال ہے جو ہمیشہ ہمین حیرت مین ڈالتا ہے اور چونکہ یہی ایک موقعہ اسکے پوچھنے کا ہے اسلیے ہم امید کرتے ہین کہ عیسائی صاحبان ضرور اسکا جواب دینگے اور وہ لوگ بھی جو تعدد ازواج کو برا سمجھتے ہین۔ تعدد ازواج کو دور کرنیکے لیے بڑے سے بڑے ظالمانہ فعل کیئے گئے یعنے جایدادین ضبط کی گئین لوگ جیلخانون مین ڈالے گئے ان سے تمام حقوق چھین لیئے گئے اور اُن سے قسمین لی گئین کہ وہ تعدد ازواج کے اصول پر عمل نہین کرتے ہم یہ ماننے کیلیئے تیار ہوتے کہ واقعی عیسائی صاحبونکی یہ سب کوششین جائز تھین کیونکہ ایک رواج کو بدکاری سمجھکر وہ دور کرنا چاہتے تھے۔ مگر اُسوقت جب یہ بھی ثبوت مل جاتا کہ اسی قسم کی کوششین نہین ممالک مین زنا کی بیخکنی کیلیئے بھی کی گئی ہین۔ کیا کبھی کوئی ایسا قانون بھی نافذ ہوا ہے کہ جو شخص قسم اٹھا کر یہ بیان نہ کر سکے کہ اس نے زنا نہین کیا اس سے حقوق چھین لیئے جاوین۔ کیا جب کبھی عام مجلسونکے ممبر منتخب ہوتے ہین تو کبھی کسی ممبر کے متعلق یہ تحقیق کیا جاتا ہے کہ وہ کبھی زنا کا مرتکب تو نہین ہوا جیسا کہ ایک مارمن ممبر کے متعلق قانوناً یہ تحقیق کی گئی تھی کہ وہ تعدد ازواج کا مرتکب تو نہین ہوا۔ بلکہ اس سے بھی تنزل کر کے ہم یہ پوچھتے ہین کہ کسی جج یا گورنر سے یہ قسم لیجاتی ہے کہ اس نے کبھی زنا نہین کیا۔ اتنا دور جانے کی بھی ضرورت نہین یہی ثابت کر دیا جاوے کہ جب ایک شخص عدالت مین مرتکب زنا ثابت ہو جاتا ہے تو اس سے تمام حقوق چھین لیئے جاتے ہین یا وہ ممبری کے لائق نہین رہتا یا کسی عہدہ سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ یہ صاف صاف سوال ہین اور ہم امید کرتے ہین کہ کوئی صاف گو ضرور انکا صاف صاف جواب ہمین دیکر مطمئن کریگا۔ اور ایسا جواب دینے مین اپنی کوئی ہتک نہین سمجھے گا۔ اگر انکا جواب نفی مین ہے تو پھر ہم پوچھتے ہین کہ تعدد ازواج سے اسقدر سخت نفرت اور زنا کی اسقدر بے غیرتی سے برداشت کیون کیجاتی ہے کیا یہ محض اتفاقی امر ہے اور تعجب یہ ہے کہ زنا کی اولاد کو تو ولد الحلال قرار دینے کی راہین تراشی گئی ہین۔ مگر تعدد ازواج سے جو اولاد پیدا ہو وہ قانوناً ولد الحرام ہے۔ کیا درحقیقت تعدد ازواج زنا سے بھی بڑی بدکاری ہے۔ اگر ایک شخص دو بدکار عورتونکو گھر مین رکھکر کسی جرم کا ارتکاب نہین کرتا بلکہ سوسائیٹی مین معزز بھی سمجھا جاتا ہے تو جو شخص دو نیکبخت

عورتونسے نکاح کرتا ہے وہ کیون جیلخانہ مین جاتا ہے اور کیون اس کے حقوق ضایع ہو جاتے ہین تعجب ہے کہ عیسائی صاحبان مارمنونکے اس دعوے پر بھی ناراض ہین کہ حضرت مسیح کی تین بیویان تھین۔ ایک شخص مارمنون اور عیسائیونمین حَکَم ہوکر لکھتا ہے "پھر اس بات پر بہت ناراضگی ظاہر کیگئی ہے کہ مارمن کہتے ہین کہ وہ تین عورتین جو ہر وقت یسوع کے ساتھ رہتی تھین وہ اسکی بیویان تھین لیکن اگر وہ اسکی بیویان نہ تھین تو پھر جو اعتراض پیدا ہوتا ہے اسپر مطلق غور نہین کیا جاتا۔ تعدد ازدواج ان دنونمین ایک معمولی بات تھی اور دنیا کے نجات دہندہ کے متعلق افضل یہ ہے کہ یہی کہا جاوے کہ وہ تین عورتین اسکی بیویان تھین۔ اور اور کوئی ناجایز تعلق ان سے نہ تھا۔ مگر عیسائیت نئے خیال سے ایک پشہ پر ٹھوکر کھاتی ہے گو پرانے خیال کے اونٹ کو بھی نگلجاتی تیار ہے"

یہ بھی ایک امر واقعہ ہے اور اسپر غور کرنا نہایت ضروری ہے کہ تعدد ازدواج پر عمل کر کے مارمن سوسائیٹی بہت ساری بدکاریونسے بچی ہوی ہے۔ چنانچہ اسی مصنف کی تحریر سے جسکو فریقین مین سے کسی کی رعایت نہین یہ ثابت ہوتا ہے کہ "۱۸۷۶ء مین تیرہ علاقے یوٹا مین ایسے تھے جنمین نہ کوئی شراب کی دکان تھی نہ چکلہ نہ جوا خانہ ۱۸۸۱-۸۲ء کے سرما مین یوٹا کے قیدخانہ مین ۱۵ قیدی تھے جنمین صرف پانچ مارمن تھے۔ حالانکہ مارمنون کی آبادی غیر مارمنونسے پانچسو فیصدی بڑھی ہوئی تھی اسی سال مین شہر مین ۲۶ شرابخانے تھے جنمین سے ۶۰ غیر مارمنونکے تھے۔ ۱۵ بلیرڈ کے کمرے اور سات قمارخانے تھے جن مین سے ایک بھی مارمنونکا نہین تھا چھ چکلے تھے جن مین سب غیر مارمن ہی جاتے تھے۔ اور ۳۵ بدکار عورتین ان چکلونمین تھین مگر مارمن ایک بھی نہین تھی" پھر وہی مصنف اس امر کی بھی شہادت دیتا ہے کہ "تعدد ازدواج کا رواج جیساکہ مارمنونکے دشمن کہتے ہین۔ شہوات نفسانی کے پورا کرنیکے لیے قایم نہین کیا گیا بلکہ یہ ایک سچی کوشش اس غرض کیلئے تھی کہ تا کثرت اولاد سے انسانی ترقی ہو" اور پھر لکھتا ہے کہ "افسوس ہے کہ اس کوشش کو جاہلانہ تعصب نے دبا دیا ہے۔ مگر جلدی نہین تو دیر سے دنیا دیکھ لے گی کہ بچونکی پیدایش مین ترقی کرنیکے کتنے فواید اور حکمتین ہین اور پھر یہ سمجھ مین آئیگا کہ ہمارے شادی کے قوانین مین ترمیم ہونی چاہیئے۔ مارمنونکا تعدد ازدواج کا رواج وحشیانہ طریق نہین جیساکہ ایک زانیونکی قوم نے اسے کہا" الغرض مارمنونکے اس رواج کو شہوات نفسانی کی وجہ قرار دینا لغو بات ہے۔ اگر وہ نفسانی شہوات کے ایسے ہی دلدادہ ہوتے تو شراب کی ممانعت انکے اصولونکے رو سے۔ کیون ہوتی کیونکہ شراب سے بڑھکر شہوات نفسانی کو جوش مین لانیوالی کوئی چیز نہین ہے۔ تعدد ازدواج کو مٹانے کی کوشش محض جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر اس مین کوئی سچی انسانی ہمدردی کا تقاضا بھی ہے تو پھر زنا کی بیخ کنی کی طرف کیون توجہ نہین ہوتی۔ اور شرابخوری اور زنا سے بچنے کی کیون کوئی تدبیر نہین کیجاتی۔

کیا قرآن شریف تاریخ کے برخلاف کہتا ہے

انکوایرر ایک عیسائیونکا پرچہ یہ دعوے کرتا ہے کہ قرآن کریم تاریخ کے خلاف کہتا ہے۔ اور اسلیئے قابل اعتبار نہین۔ سب سے پہلا سوال ہر ایک عقلمند یہی کریگا کہ تاریخ سے مراد کیا ہے واقعی جہالت سے یا تجاہل سے انکوایرر بائبل کے قصونکو تاریخ فرض کرتا ہے۔ ان پادریونمین ایک بات ہے چاہے اسے خوبی کہہ لو یا نقص کہ جو کچھ دنیا مین ہو رہا ہے اس سے انہین کچھ سروکار نہین اور نہ ہی اسکی پرواکرتے ہین ہم یہ کہنے کیلیئے تیار ہین کہ ایک بھی سمجھدار عیسائی ایسا نہین جو آج کل کی تنقید سے واقف ہونیکے باوجود یہ دعوے کرے کہ بائبل تاریخی غلطیونسے پاک ہے اور یہ محض جاہلونکو دھوکا دینے کیلیئے ہے جو پادری صاحبان یہ کہدیتے ہین کہ فلان واقعہ ٹھیک نہین کیونکہ بائبل مین اسکے خلاف لکھا ہے۔ ان لوگونکے دلونمین نہ خدا کی کوئی عظمت اور نہ مسیح کی کوئی پرواہ ہے۔ مذہب کو ایک پیشہ بنا رکھا ہے۔ اور جس طرح دکاندار کہتا ہے کہ میری چیز سے بڑھکر دوسری چیز نہین اور یہی سب نقصونسے پاک اور دوسرے کی ہمہ عیب ہے یہی حال ہے

اس اخبار مین تین تاریخی غلطیان قرآن شریف کی بتائی گئی ہین۔ اول یہ کہ سورہ ہود مین اسحق کو یعقوب علیہما السلام کا بھائی کہا گیا ہے۔ حالانکہ وہ اسکا باپ تھا۔ تعجب ہے کہ قرآن کریم مین صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے بلا سوچے سمجھے پادری صاحبان اعتراض کر دیتے ہین۔ سورہ بقرہ مین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَمْ کُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا..... وَّاحِدًا (البقرۃ-۱۳۳) یعنی۔ (یہود کو مخاطب فرما کر) بھلا کیا تم اسوقت موجود تھے جب یعقوب ع بستر مرگ پر تھے جب انہون نے اپنے بیٹون سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے انہون نے کہا کہ آپکے معبود اور آپکے آباء ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحق کے معبود کی جو ایک ہی معبود ہے۔ اب اس آیت مین صاف طور پر حضرت اسحق کو حضرت یعقوب علیہما السلام کے آباء مین بیان کیا گیا ہے پھر اس سے بڑھکر کیا حماقت ہے کہ یہ کہا جاوے کہ قرآن شریف انکو یعقوب ع کا بھائی کہتا ہے۔ اب سورہ ہود کے حوالہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہان صرف یہ الفاظ ہین کہ فبشرنٰھا باسحٰق ومن وراء اسحٰق یعقوب (ھود-۷۱) یعنے ہمنے ابراہیم کی بیوی کو اسحق کی خوشخبری دی اور من وراء

اسحق یعقوب کی خوشخبری دی۔ اب بھائی کا رشتہ قایم کرنیکے لیے ضروری ہے کہ پادریصاحب یا تو یہ دکھاوین کہ ایک کو دوسرے کا بھائی کہا گیا ہے۔ یا دونوںکو ایک ہی ماں یا باپ کے بیٹے کہا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونون صورتون مین سے کوئی بھی موجود نہین۔ یہان لفظ مِنْ وراء کا استعمال ہوا ہے جسکے معنے مفسرین نے (دیکھو تفسیر کبیر) اور لغت والون نے (دیکھو لسان العرب) دو طرح پر کیئے ہین۔ ایک بعد اور ایک پوتا۔ لیکن ان دونون صورتون مین سے بھائی کسی صورت مین بھی نہین بنتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اول الذکر معنے لیکر یہ امکان ہے کہ حضرت یعقوب کو اسحق کا بھائی فرض کر لیا جاوے۔ مگر ممکن طور پر ایسے معنے ہونیسے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ یہی معنے ہین۔ اور قرآن کریم نے سورہ بقرہ مین ذکر فرما کر ایسے امکان کو بھی دور کر دیا ہے۔ خوشخبری صرف نسل کی تھی۔ سو اول بیٹے کی خوشخبری دی اور پھر بیٹے کے بیٹے کی۔ یا یون کہو کہ یہ خوشخبری دی کہ تمہارے ہان ایک بیٹا پیدا ہوگا اور ایسا ہوگا کہ وہ خود بھی صاحب اولاد اور انبیاء کے ایک سلسلہ کا باپ ہوگا۔

دوسری غلطی یہ بیان کیجاتی ہے کہ "قرآن شریف مین لکھا ہے کہ فرعون کی عورت نے موسیٰ کو متبنے کیا۔ حالانکہ فرعون کی لڑکی نے متبنے کیا تھا"۔ یہ غلط ہے قرآن کریم نے کہین نہین لکھا کہ حضرت موسیٰ کو واقعی کسی نے متبنے کیا۔ قرآن شریف کے الفاظ یہ ہین۔ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا (القصص ۹) یعنی اسے قتل مت کرو شاید وہ ہمین نفع دیوے یا ہم اسکو بیٹا بنا لین۔ اور پھر اس سے پہلی آیت مین فرمایا ہے فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ۔ اب ان دونون آیتونکو اکھٹا پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم تصریح نہین کرتا کہ فرعون کی عورت اسکو اپنا بیٹا بنانا چاہتی تھی یا اپنی بیٹی کا۔ لفظ ولد سے جیسے بیٹا مراد لیا جا سکتا ہے ویسے ہی بیٹے کا بیٹا بھی۔ ممکن ہے کہ اسکا منشاء یہ ہو کہ اسکی لڑکی اسکو بیٹا بنالے یا خود بنانیکا منشاء ہو اور بعد مین وہ منشاء بدل گیا ہو۔ قرآن کریم ایسی باتونکی تفصیل مین نہین پڑتا۔ اور یہ کہین نہین کہتا کہ کس نے متبنے کیا۔ اسکی غرض کسی گذشتہ قصہ کے بیان کرنیسے محض ان باتونکا بتانا مقصود نہین ہوتا بلکہ یہ باتین بھی وہ ایک پیشگوئی کے رنگ مین بیان کرتا ہے۔ اسی اصل غرض کو مدنظر رکھکر یہ کتاب پاک کسی ضروری امر کو بیان کر دیتی ہے اور زوائد کو چھوڑ جاتی ہے۔ قرآن کریم کے قصص بیان کرنے اور بائبل کے بیان کرنے مین یہ عظیم الشان امتیاز ہے۔ حضرت موسے کا اس فوق العادت طریق سے اپنے دشمن کے ہاتھونسے بچ رہنے کو بیان کرنا قرآن کریم کی اصل غرض ہے تا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیلیئے مکی زندگی کے ابتلاؤن اور تکلیفونکے اندر یہ موجب تسکین ہو۔ اور دوسیطرف آپکے اپنے خطرناک دشمنونکے ہاتھ سے بچ رہنے کی یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہو۔ اور معلوم ہو کہ وہی طاقتور خدا جس نے حضرت موسے کو جبکہ وہ کوئی طاقت اور قدرت نہ رکھتے تھے انکے سخت ترین دشمن کے ہاتھ سے بچا لیا۔ وہی زندہ اور مقتدر خدا جو تمام طاقتون پر

تعالےٰ ہے اب بھی اپنے پیارے رسول اور برگزیدہ نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ کے خطرناک دشمنوں کے ہاتھ سے بچائیگا اور جس طرح بالآخر حضرت موسیٰ کو کامیاب کیا اور فرعون کو ہلاک کیا اسی طرح اب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیاب اور آپکے اعدا کو ہلاک اور ذلیل کریگا پس جہاں یہ باتیں بائیبل میں محض قصص کے طور پر مذکور ہیں۔ قرآن کریم میں وہ پیشگوئیاں ہیں اور آنحضرت صلعم کیلئے تکالیف کے اندر موجب تسلی ہیں۔ یہ وعدے اور پیشگوئیاں اسوقت کی گئیں جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہر طرف سے تکالیف کا نشانہ ہو رہے تھے اور ایک پہ سے بھی بڑھکر بیکسی کیحالت میں تھے اس بیکسی اور غربت کیحالت میں آپکو یہ وعدے دیئے گئے اور آخر ان وعدوں کے پورا ہونے نے یہ بھی ثابت کردیا کہ جو کچھ قرآن کریم گذشتہ انبیاء کے متعلق بیان کرتا ہے وہ بھی حق ہے۔ کیونکہ وہ طاقتور ہستی جو آیندہ کے واقعات کو دیکھ سکتی تھی۔ وہ گذشتہ کے بیان میں کیونکر غلطی کھا سکتی تھی اس طرح پر قرآن کریم کے قصص کی تصدیق تو خود خدا نے اپنے وعدوں کو جو قرآن میں ہی مذکور ہیں اور انہیں قصص میں پیشگوئیوں کے رنگ میں بیان کیے گئے ہیں پورا کرکے کردی۔ مگر بائیبل کے قصص کی تصدیق کس نے کی۔

تیسری غلطی جو اس اخبار میں بیان کی گئی ہے اور جسکو سب سے بڑی غلطی کہا گیا ہے یہ ہے کہ اس اخبار کے نزدیک قرآن کریم حضرت مسیح کی موت کی نفی کرتا ہے یہ محض ناواقفیت ہے۔ قرآن کریم موت کی نفی نہیں کرتا بلکہ جس طریق سے موت کا واقع ہونا بیان کیا جاتا ہے اسکی نفی کرتا ہے یعنی آپکے صلیب پر مرنے سے انکار کرتا ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے مسیح کی موت کی نفی ثابت ہو باقی رہا صلیب کا قصہ۔ سو یہود تو کہتے تھے کہ... مسیح مصلوب ہو کر ملعون ہوا اسلیئے وہ خدا کا راستباز نبی نہیں بلکہ نعوذ باللہ مفتری تھا۔ اور عیسائیوں نے یہ عقیدہ اپنے لیئے تجویز کیا کہ مسیح مصلوب ہو کر ملعون تو بیشک ہوا مگر وہ مفتری نہ تھا۔ گویا واقعات کو تسلیم کرکے اُنکے لازمی نتیجہ سے انکار کرتے تھے اسپر قرآن کریم نے یہ فرمایا ہے۔ کہ یہود اور عیسائی دونوں جھوٹے ہیں کیونکہ حضرت مسیح صلیب پر مرے ہی نہیں اور اسواسطے ملعون بھی نہیں بلکہ خدا کے سچے نبی ہیں۔ عیسائی صاحبان کا اختیار ہے کہ چاہے یہود کو سچا مانیں چاہے قرآن کریم کو لیکن اول صورت میں حضرت مسیح کی نبوت سے انکار لازم آتا ہے۔ باقی رہی موت سو پادری صاحب اسکی فکر نہ کریں قرآن کریم نے صریح الفاظ میں فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم میں حضرت مسیح کی موت کا ذکر کر دیا ہے بلکہ اس آیت سے انکے دوبارہ آنے کی راہ کو بھی بند کر دیا ہے۔ ہاں مسیح کی موت عیسائیت کی موت ہے اور جی اٹھنا محض ایک قصہ ہے جو اَب بھی انشاء اللہ قصہ ہی رہیگا اور اگر مسیح کی موت کا اور ثبوت پادری صاحب کو درکار ہو تو محلہ خانیار سرینگر کشمیر میں وہ اُس انسان کو سویا ہوا پائینگے جسے وہ خدا سمجھ رہے ہیں*

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام +

۶- جنوری - اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا الشِّفَاءَ مِّنْ مِّثْلِهٖ
(فرمایا کہ رات کو مولوی نورالدین صاحب کے لیئے دعا کر رہا تھا - انہیں کے متعلق معلوم ہوتا ہے)

۱۹- جنوری - رؤیا میں کسی نے کچھ پیسے ہاتھ میں دیئے ہیں (یہ خواب نماز فجر کے وقت کا ہے) بعد میں الہام ہوا
اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ

تھوڑی دیر بعد رؤیا دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں دو لفافے سر بستہ ہیں - اور معلوم ہوتا ہے کہ مضمون دونوں کے اندر ایک ہی ہے - ان میں سے ایک لفافہ اس شخص نے مجھے دیا ہے اور ساتھ ہی طبیعت الہام کی طرف منتقل ہو کر الہام ہوا - **چونکا دینے والی خبر**

۲۷- جنوری - نزلہ کے سبب سے حضرت اقدس کے دائیں رخسارہ پر کسیقدر ورم ہو کر تیز بخار ہو گیا اسی حالت میں الہام ہوا بِسْمِ اللّٰهِ الْكَافِيْ - بِسْمِ اللّٰهِ الشَّافِيْ - بِسْمِ اللّٰهِ الْغَفُوْرِ الرَّحِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الْبَرِّ الْكَرِيْمِ - يَا حَفِيْظُ يَا عَزِيْزُ يَا رَفِيْقُ يَا وَلِيُّ اِشْفِنِيْ

+ میں نے یہ التزام کرنیکا ارادہ کیا ہے وباللہ التوفیق کہ ہر ماہ کے رسالہ میں گذشتہ ماہ کے الہامات اور رؤیا بقید تاریخ درج ہوں - اور جس قدر اسی ماہ کے الہام ہوں جس میں رسالہ نکلا ہے - وہ ٹائیٹل پیج پر دیدیئے جایا کریں اور اگلے مہینے پھر انکو دوبارہ میگزین کے اندر چھاپ دیا جاوے +
(ایڈیٹر)

رویا و الہامات حضرت مسیح موعود (علیہ السلام)

یکم فروری (۱) اِنِّیْ مَعَ الرُّوْحِ مَعَكَ وَمَعَ اَهْلِكَ۔

(۲) اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ۔

(۳) ایک رویا دیکھی کہ ایک کاغذ ہے جسکے اوپر کی دو تین سطرین فارسی خط مین ہین باقی سب انگریزی ہے۔ اسکا مطلب یہ سمجھ مین آیا کہ گویا کوئی میرا نام لیکر کہتا ہے کہ دو سو پچاس روپیہ نہین دیا جاوے۔

اطلاع ضروری

(۱) بروئے **قواعد** رسالہ میگزین کا زر چندہ جنتے الوسع بجز کسی خاص حالات کے پیشگی وصول ہونا چاہیے اس قاعدہ پر عمل کرنیکی صورتین خریداران وو فتر ہذا کے بابین حساب بالکل صاف رہتا ہے۔ حساب مین کسی قسم کی پیچیدگی واقع نہین ہوتی۔ اور پیشگی وصولی مین ایک گونہ کارخانہ ہذا کو بھی امداد ہے اسواسطے جملہ خریداران **بقایا** مین ہماری مدد کرکے عنداللہ ماجور ہون۔ سابقہ بقایا کی رقوم کو جلد تر بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماوین ورنہ وی پی کے پہنچنے پر رقوم کی ادائیگی کو تعویق مین نہ ڈالین +

(۲) ترسیل روپیہ یا خط کتابت کرتے وقت نمبر خریداری نہ لکھنے کی صورتمین شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب ناجائز تصور ہوگی

(۳) جملہ خطوط و کتابت متعلق میگزین بنام منیجر میگزین ہونی چاہیئے نہ کسی مالک یا منیجر مطبع یا دیگر صاحب کے نام۔ کیونکہ اس سے حرج و طوالت کام کا احتمال ہے +

منیجر میگزین

مدرسہ تعلیم الاسلام

مدرسہ کے اخراجات بہت بڑھے ہوئے ہین سب احباب کو چاہیے کہ مستقل اور یکمشت چندونسے فنڈ کی اعانت کرین۔ مدرسہ کے متعلق تمام رقوم بنام **امین مدرسہ** تعلیم الاسلام آنی چاہیئین۔ رسیدین اخبار مین طبع ہوا کرینگی +

نورالدین امین مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان

ضروری اطلاع

رسالہ نور الدین حسین فاضل مصنف نے بعد نظر ثانی کسیقدر اضافہ کیا ہے نسخہ عمدہ خوشخط کاغذ پر چھپکر تیار ہے قیمت علاوہ محصولڈاک ۲/ ہے درخواستین اس پتہ پر ہون +

سیٹھ عبد الاحد ہدایت اللہ جنرل مرچنٹ و کمیشن ایجنٹ کٹرہ جیمل سنگھ امرتسر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

احمدی بھائیون کی خدمتمین ایک ضروری التماس

برادران - السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہٗ -

گذشتہ سے پیوستہ سال مین امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت احمدیہ کے نام میگزین کی اعانت کے متعلق ایک واجب التعمیل ارشاد صادر فرمایا تھا جس مین اس دینی رسالہ کی مدد کیلیے بڑے پُرزور الفاظ مین تاکید فرمائی تھی جسپر اکثر احباب نے پوری جوانمردی سے بلکہ بعض نے تو اپنی ہمت اور ہماری توقع سے بڑھکر واقعی جان توڑ کر اعانت رسالہ مین کوشش کرکے کئی کئی سو روپے کے ساتھ مدد کی - اس ہمت کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف رسالہ قریبًا قریبًا اپنے ضروری مصارف برداشت کرنیکے قابل ہوگیا بلکہ کئی سو روپیہ تجارتی حصص کا بھی واپس ہوگیا - علاوہ ازین گذشتہ سال مین قریبًا ڈ۲ سو یا اس سے زاید رسالہ مُفت بلاد یورپ و امریکہ و اسٹریلیا وغیرہ مین جاتا رہا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض مستعد اور سعید الفطرت دلون نے اس رسالہ کو نعمت الٰہی خیال کرکے اپنا ایمان اسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ظاہر کیا -

خیر یہ تو گذشتہ کا قصہ ہے - مین اس وقت اپنی قوم کے سامنے ایک نئی تجویز پیش کرنا چاہتا ہون اور امید رکھتا ہون کہ قوم اسپر پوری توجہ کریگی - مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہین کہ آج کل انگریزی زبان مین ایک ایسے اسلامی رسالہ کی کس قدر ضرورت ہے - ناظرین رسالہ اسکے مضامین کو پڑھکر خوب جانتے ہین کہ اسلام پر کس کس طرح کے اندرونی اور بیرونی حملے ہو رہے ہین اور انکی تردید کسقدر ضروری ہے یہ تو ضرورت رسالہ کا ایک پہلو تھا - مگر اس سے زیادہ ضروری تبلیغ اسلام کا پہلو ہے - تبلیغ اسلام ہر ایک مسلمان کا فرض ہے تاکہ وہ لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ کا مصداق بنے - اور اسوقت سب سے بڑھکر ضرورت تبلیغ بلاد یورپ و امریکہ مین ہی جہان کل کے کل سمجھدار آدمی کفارہ مسیح اور الوہیت مسیح کے عقیدہ سے بیزار ہوکر اسوقت زبان حال سے پکار رہے ہین کہ ہمین کوئی اور پاک مذہب اور زندہ مذہب درکار ہے اسی رسالہ مین مین نے ایک آزاد خیال مگر دانشمند انسان کا ایک قول نقل کیا ہے جو کہتا ہے کہ اسوقت ہمین ایسے زندہ مذہب کی ضرورت ہے -

جس بات خدا ہماری تائید و نصرت کرکے اور اپنے الہام اور کلام سے ہمین مشرف کرکے اپنی ہستی کا یقین تام ہمین بخشنے سو برادران مین آپکو خوشخبری دیتا ہون اور سچے دل سے مبارکباد کہتا ہون کہ وہ پاک سلسلہ ہی آپ کا ہی مذہب احمدی ہے۔ یہی ایک سچا مذہب ہے جس کی دنیا آج پیاسی ہے مگر ان تشنہ لبون تک اس زندہ اور جاری چشمہ کو پہنچانیکے لیے ہمّت درکار ہے۔ یون تو خدا نے اپنے وعدونکے مطابق یہ کام کرنا ہی ہے اور اگر ہم کم ہمّتی دکھاوینگے (خدا نکرے کہ ایسا ہو) تو وہ اور قوم کو اس کام کیلیئے پیدا کردیگا کیونکہ اسکے وعدے ہم اپنی آنکھونسے روز روشن کی طرح پورے ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہین پس یہ وعدہ کہ مین اس سلسلہ کو دنیا کے کنارون تک پہنچاؤنگا۔ اور مسیح موعود کے ذریعہ سے دین کو دوبارہ زندہ کرونگا جس کا بہت کچھ ظہور ہو بھی چکا ہے کیونکر پورا نہ ہوگا۔ ہان ضرور پورا ہوگا۔ مگر مین کہتا ہون کہ ہمّت درکار ہے خدا ہمین سب کو ہمّت دے دنیا کی زندگی کے بہت دن نہین ایسا نہ ہو کہ وہ وقت یونہی آپہنچے اور ہم غافل ہی ہون۔ یہ جماعت ایک مبارک جماعت ہے جسنے خدا کے زندہ نشانونکو دیکھکر زندہ ایمان حاصل کیا ہے مگر اس کی ذمہ واریان بھی بہت ہین۔ "دین کو دنیا پر مقدم رکھونگا"۔ برادران یہ ایک ایسا فقرہ ہے جو آپ سب کی زبان پر جاری ہوا ہے اور اس مبارک وقت مین جاری ہوا ہے جبکہ آپنے ایک گندی زندگی سے نجات حاصل کرکے (مین اپنے تمام گناہون سے توبہ کرتا ہون) ایک نئی زندگی اور نیا ایمان حاصل کیا۔ اس فقرہ کو کسیوقت بھی بھولین نہین کیونکہ اسی پر نجات کا مدار ہے۔ جبتک دین کو دنیا پر ترجیح نہ دیجاوے گی۔ نجات کا حاصل ہونا ناممکن ہے۔ تمہارے پیارے امام ؑ نے خدا تعالیٰ کی لاکھون لاکھ برکتین اور درود اسپر ہون اس فتنون اور فسادونکے زمانے مین تمہین اس مبارک راہ پر چلا دیا ہے۔ جسپر چلکر تم دونون عالم کی راحت حاصل کر سکتے ہو پس ہر وقت اس کوشش مین لگے رہو تا خدا کے پیارے اور برگزیدہ کی دعائین تمہارے شامل حال ہو کر تم منزل مقصود تک پہنچ جاؤ۔

اب مین اصل مقصد کیطرف رجوع کرتا ہون میری غرض یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ مین اسلام کی تبلیغ کیلیئے بہت بڑی ہمّت درکار ہے اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی کہتا ہون کہ خدا تعالےٰ نے احمدی جماعت ہی کو اسوقت اس کام کیلیئے منتخب فرمایا ہے۔ اب تبلیغ دین کیلیئے اسوقت ہمارے ہاتھ مین ایک ہی ذریعہ ہے اور اگرچہ وہ وقت بھی قریب آرہا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہزارون ذریعے پیدا کردیگا اور اگرچہ اسوقت بھی اللہ تعالےٰ کے ملائک ہی کام کر رہے ہین مگر بظاہر میگزین اسوقت ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے ہم یہ مبارک پیغام کہ خدا زندہ ہے اور دعائین قبول کرتا ہے اور اس زمانے مین بھی اپنے کلام سے اپنے پیارون کو ممتاز فرماکر اپنی قدرت کے وہ نشان ظاہر فرماتا ہے جو پہلے انبیاء کیوقت مین ظاہر فرمائے اور اسی طرح سے اب بھی وہ راہ کھلی ہے جو ہمیشہ سے کھلی چلی آئی ہے جسپر چلکر اسکی ہستی کا یقین تام پیدا ہو کر انسان کو شیطان کے تسلط سے نجات ملتی ہے۔ غرضیکہ یہ مبارک پیغام ہم اسوقت اس رسالہ کے ذریعہ سے جو انگریزی زبان مین

شائع ہوتا ہے خدا کے احسان سے گھر بیٹھے ہی دور دور تک پہنچا سکتے ہین اور اسکا پہنچانا ہمارا فرض بھی ہے۔ یہ خدا کا
احسان ہے ورنہ اس سے پہلے اسی مقدس پیغام کے پہنچانے کے لیے ہزارون مقدس جانین تلف ہو چکی ہین پس
سوال یہ ہے کہ کونسا راہ ہمین اختیار کرنا چاہئے کہ یہ پیغام بہت لوگونکے کانون تک پہنچ جاوے۔ ۱۹۰۲ء مین جب
حضرت امام علیہ السلام نے اس رسالہ کی اعانت کیلیے تحریک کی تو مختلف صورتو مین آپکے جان نثارون نے
آپکے اس حکم کی تعمیل کی بعض نے یکمشت رقمین بھیجین اور بڑی بڑی رقمین بھیجین بعض نے شب و روز اپنی ہمت
کو اس کام مین صرف کیا کہ رسالہ کیلیے خریدار پیدا کرین بعض نے خود رسالہ کی خریداری اختیار کی اور مین یہ بھی جانتا
ہون کہ اکثرون نے اسکے لیے دعائین بھی کی ہونگی۔ مگر مین دیکھتا ہون کہ وہ ابتدائی جوش اب نہین ہے۔ مین
اسوقت ایک ایسی تجویز پیش کرتا ہون کہ جس سے غریب سے غریب آدمی بھی اس دین الہی کی تبلیغ کے کام مین معاون
ہو سکے مین نے اس خط مین کسی مخلص کا نام لیکر ذکر نہین کیا کیونکہ خط لمبا ہوتا تھا۔ اور جب اخلاص کیطرف دیکھا
جاتا ہے تو ایکدوسرے سے بڑھکر نظر آتا ہے اور اس سے پہلے وقتاً فوقتاً ایسے احباب کا ذکر مین کرتا بھی رہا ہون مگر
مین خاص طور پر اپنے مکرم سید محمد حسین صاحب اسسٹنٹ سرجن کا ذکر کرنا چاہتا ہون۔ ڈاکٹر صاحب نے حضرت
اقدسؑ کی تحریک پر رسالہ کے خریدار پیدا کرنیکے لیے جو کوشش کی وہ نہایت قابل تعریف ہے مگر اسکا ذکر کرنا اسجگہ میرا
مقصود نہین ہے اسکے علاوہ اسوقت سے انہون نے اپنے ذمہ یہ بھی فرض کر لیا ہے کہ پانچ روپیہ ماہوار باقاعدہ
میگزین کی اعانت کے لیے بھیجتے رہتے ہین اور اسطرح انکی طرف سے ہم تیرہ یا چودہ رسالے ہر وقت ولایت مین مفت
بھیج سکتے ہین اور بھیجتے رہتے ہین۔ میری تجویز یہ ہے کہ اسطریق کو توسیع دیجاوے اور ہر شخص بقدر ہمت ایک رقم ماہوار
اپنے ذمے مقرر کر لے۔ ایک غریب آدمی بھی ایک پیسہ روز آسانی سے پس انداز کر کے اسیطرح سے ہر ماہ مین آٹھ آنہ یا سال بھر
مین چھ روپے تبلیغ دین مین صرف کر سکتا ہے۔ اور یہ کوئی مشکل امر بھی نہین ۸ نہ سہی جو شخص ۶ ماہوار بھی اس اعانت مین
دے سکتا ہے اسکی طرف سے بھی ایک رسالہ انگریزی مفت جاری ہو سکتا ہے۔ اور مین دیکھتا ہون کہ اگر تھوڑی سی توجہ بھی کیجاوے
تو یہ امر چندان مشکل نہین۔ ایک بچہ بھی ایک پیسہ روز لیجاتا ہے اور اپنے مصارف کیلیے تو انسان ایک پیسہ چھوڑ کئی پیسے روز
صرف کر دیتا ہے۔ مگر اس ایک پیسہ کے روز الگ کرنیسے ایک عظیم الشان سلسلہ تبلیغ کا قایم ہو سکتا ہے۔ جب ایک جھوٹے عقیدہ کی اشاعت
کیلیئے ہزارون مشن قایم ہین اور کوئی عیسائی ایسا نہین جو کچھ نہ کچھ مشن کی اعانت نکرتا ہو تو نہایت افسوس ہوگا اگر اس
دین حق اور سلسلہ حقہ کی تبلیغ کیلیئے ایک غریب زمیندار بھی ایک پیسہ روز الگ نہ کرے اور پھر حسب حیثیت جو لوگ زیادہ پس انداز
کر سکتے ہین وہ ایک آنہ یا دو آنہ روز الگ کر کے پانچ پانچ دس دس رسالے ولایت مین مفت بھجوا سکتے ہین اگر اس جماعت مین سے
دس ہزار آدمی بھی ایسا پیدا ہو جاوے جو بحساب اوسط کوئی کم کوئی زیادہ دیکر ایک ایک رسالہ باہر بھجوا سکے تو اسوقت
بہت دور دور تک اس تبلیغ کے کام کی توسیع ہو سکتی ہے۔ مین بڑے بڑے شہرونکی جماعتونکے کارکن ممبرونسے بالخصوص

یہ استدعا کرتا ہون کہ وہ اس تجویز کو توسیع دین اور غربت غریب ... کو بھی جو ایک پیسہ یا ایک آنہ ماہوار دیسکتا ہو اس کار خیر مین شامل کرین - اور اسطرح اس دین حق کو ممالک غیر مین پہنچا کر ناصران دین الہی ہون - ہر قوم ... سالانہ بھیجنے کے اگر ماہوار پہونچتی رہین تو دینے والونکو زیادہ سہولت ہوسکتی ہے پس مین احمدی جماعت کے ہر ایک فرد سے پھر یہ درخواست کرتا ہون کہ وہ اس معاملہ مین سستی نہ کرین - ہم نہین جانتے کہ کتنے دن ہماری زندگی کے باقی ہین - اگر ہماری کوشش سے ایک ...آدمی بھی دین حق کو قبول کرلے تو بیشک ہم کامیاب ہوگئے - مگر اسوقت ایک متفقہ کوشش درکار ہے - ایک ایک آدمی کی الگ الگ کوشش کچھ نہین کر سکتی مین امید کرتا ہون کہ جو احباب میری اس تجویز سے متفق ہونگے وہ اپنی پوری کوشش اسکے کامیاب کرنے مین صرف کرینگے اور اس خط کو مین حضرت اقدس مسیح موعود کے چند الفاظ پر ختم کرتا ہون +

" چونکہ ہماری تمام جماعت کو معلوم ہوگا کہ اصل غرض خدا تعالی کی میرے بھیجنے سے یہی ہے کہ جو جو غلطیان اور گمراہیان عیسائی مذہب نے پھیلائی ہین انکو دور کرکے دنیا کے عام لوگونکو اسلام کیطرف مایل کیا جاوے اور اس غرض مذکورہ بالا کو جس کو دوسرے لفظون مین احادیث صحیحہ مین کسر صلیب کے نام سے یاد کیا گیا ہے پورا کیا جائے اسلیئے اور انہین اغراض کے پورا کرنیکے لیے رسالہ انگریزی جاری کیا گیا ہے ..... اسلیے مین پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردونکو اسطرف توجہ دلاتا ہون کہ وہ اس رسالہ کی اعانت اور مالی امداد مین جہانتک اُنسے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاوین ..... جو کوئی میری موجودگی اور زندگی مین میری منشاء کے مطابق میری اغراض مین مدد دیگا مین امید رکھتا ہون کہ قیامت مین بھی میرے ساتھ ہوگا .... بعد اسکے وہ وقت آتا ہے کہ ایک سونے کا پہاڑ بھی اس راہ مین خرچ کرین تو اسوقت کے پیسے کے برابر نہین ہوگا ...... اور اگر کوئی تم مین سے خدا سے محبت کرکے اسکی راہ مین مال خرچ کریگا تو مین یقین رکھتا ہون کہ اسکے مال مین بھی دوسرون کی نسبت زیادہ برکت دیجائیگی ..... اور مین سچ سچ کہتا ہون کہ اگر تم سب کے سب مجھے چھوڑدو اور خدمت اور امداد سے پہلوتہی کرو تو وہ ایک قوم پیدا کر دیگا کہ اسکی خدمت بجا لائیگی - ..... اور وہ وقت چلا آتا ہے کہ تم پھر مجھے نہین دیکھو گے اور بہتونکو حسرت ہوگی کہ کاش ہمنے نظر کے سامنے کوئی قابل قدر کام کیا ہوتا ..... اور اگر تم اسقدر خدمت بجا لاؤ کہ اپنی غیر منقولہ جائیداد انکو اس راہ مین بیچ دو پھر بھی ادب سے دور ہوگا کہ تم خیال کرو کہ ہمنے کوئی خدمت کی ہے ...... مین یہ بھی کہتا ہون کہ اس خدمت کے ساتھ دوسری خدمات مین بھی سُست مت ہو "

آخر مین میری یہ استدعا ہے کہ جس صاحب کو یہ اشتہار پہونچے وہ کوشش کرے کہ دوسرون تک بھی اسے پہنچا دے -

الراقم - خاکسار محمد علی مینجر ریویو آف ریلیجنز قادیان ضلع گورداسپور

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے + لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ بابت مارچ ۱۹۰۵ء نمبر ۳

فہرست مضامین

"نہایت ضروری عرض"

اگرچہ بروئے قواعد رسالہ میگزین کا زرچندہ بجز خاص حالات کے پیشگی وصول ہوجانا چاہئیے لیکن بچند وجوہ اس قاعدہ پر ابتک پورا عمل نہین ہوسکا جسکا نتیجہ یہ ہے کہ تاحال سنوات گذشتہ کا بہت بقایا قابل وصول چلا آتا ہے۔ باوجود ہر طرح کے تقاضون اور یاددہانیون کے وصول ہوتا نظر نہین آتا۔ یہانتک کہ بعض باقیداران کو بعد اطلاع ضابطہ کے وی پی بھیجے گئے تو عدم وصول واپس آئے۔ اس قسم کی کارروائی سے اول طوالت کام دوئم بیقاعدہ زیر باری خرچ متصور ہے! اور جانبین کیلیے ناحق کی مالی وجانی تکلیف ہے! اندرین حالات پیشگی وصولی کے قاعدہ کی پوری پابندی کی سخت ضرورت پیش آئی ہے اور واقعی اسکا عملدرآمد بڑا مفید ہے کیونکہ اس قاعدہ پر عمل کرنیکی صورت مین خریداران ودفتر ہذا کے مابین حساب بالکل صاف رہتا ہے اول حساب مین کسی قسم کی پیچیدگی واقع نہین ہوتی دوئم اس طرح کی پیشگی وصولی سے کارخانہ ہذا کو بروقت امداد ملجاتی ہے، سوئم باربار کی خط کتابت۔ تقاضاؤن ویاددہانیونکے بارعظیم سے سبکدوشی ہوجاتی ہے۔ چہارم وی پی وخط کتابت وغیرہ کی زیرباری سے بچنے کے علاوہ طوالت کام کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے۔ جس مین خریداران کو بھی ایک گونہ سہولت ہے۔

لہذا سنوات گذشتہ کے مطالبہ کی بیباقی اور سال روان کے زرچندہ کی پیشگی وصولی کی یہ تجویز کی گئی ہے کہ جن خریداران کے ذمہ سنوات گذشتہ کا بقایا یا جن سے سال روان کا پیشگی چندہ ۱۰۔ اپریل تک قابل وصول رہ جاوے گا۔ اُن سے چندہ بذریعہ وی پی وصول کیا جاوے گا۔ جملہ باقیداران کو بروقت اطلاع دیجاتی ہے کہ تاریخ مذکورہ سے پیشتر جسقدر رقوم زرچندہ قابل وصول ہین وہ جلدتر بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماکر بیباقی حساب مین کارخانہ کی مدد فرمادین اور عنداللہ ماجور ہون۔ والسلام۔

مینیجر ریویو آف ریلیجنز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

تعدد ازدواج

تعدد ازدواج کا لفظ ہی یورپ کو ایسا ناگوار معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی آواز کو بھی سننا پسند نہیں کرتے اور ان سے یہ امید رکھنا کہ وہ ٹھنڈے دل سے اس مضمون پر بحث سنیں یا اسکے فواید پر غور کریں اور اسکی ضرورت کے وجوہات پر فکر کریں ایک ایسا خیال ہے جسکا پورا ہونا قریبًا قریبًا ناممکن ہے۔ اس سخت تعصب کیوجہ سے وہ لوگ جنکو ابتدا سے ہی یہی تعلیم ملتی چلی آئی ہے کہ تعدد ازدواج جیسی بری بات دنیا مین کوئی نہین کبھی اس امر کے متعلق صحیح نتیجہ پر نہین پہنچ سکتے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جو زنا جیسی سیاہ کاری کو معمولی نگاہ سے دیکھتے اور ایک تہذیب یافتہ سوسائیٹی مین ایسے واقعات کو معمولی واقعات سمجھتے ہین وہی تعدد ازدواج کو پہلے درجہ کی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہین۔ اور پھر جون جون زنا کے خفیف سمجھنے مین ترقی ہے ویسے ہی تعدد ازدواج کے خلاف سختی روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ چنانچہ جہان ایک طرف ہلکی سے ہلکی سزا کو بھی زنا کے لیے پسند نہین کیا جاتا۔ تعدد ازدواج کیلیے بڑی سے بڑی سزا کو بھی خفیف سمجھا جاتا ہے اور اس کی بیخکنی کیلیے جرمانہ قید۔ جلاوطنی بلکہ قتل کو بھی روا رکھا جاتا ہے۔ تعدد ازدواج کو خواہ کیسا ہی برا کہا جاوے مگر کوئی شخص یہ جرأت نہین کریگا کہ اسکو زنا سے بھی بدتر یا زنا جیسی بدکاری قرار دے لیکن باوجود اسکے عملی طور پر اسے زنا سے زیادہ خطرناک اور اس کی بیخکنی کو زنا کی بیخکنی سے زیادہ ضروری قرار دیا جاتا ہے اسکی وجہ انہین لوگونکو بیان کرنی چاہیئے جو تعدد ازدواج کے مخالف ہین۔ اگر ہمسے پوچھا جاوے تو ہم یہی کہین گے کہ تعدد ازدواج کے خلاف جو سختی کی گئی ہے اسی نے زنا کو زیادہ قابل برداشت بنا دیا ہے کیونکہ جس صورت مین فطرت انسانی کے تقاضونکو روکنا انسان کی طاقت سے باہر ہے تو اسکے جایز ذرایع کو اختیار کرنے سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طبیعتین ناجایز ذرایع کے اختیار کرنے کی طرف مایل ہونگی اسی طرح حق کی مخالفت آہستہ آہستہ انسان کو ناحق کا حامی اور ناراستی سے پیار کرنیوالا بنا دیتی ہے۔

پس جہاں ہم اپنی طاقت کے مطابق تعدد ازواج کی ضرورت اور اسکے جواز پر بحث کرینگے ہم یہ امید رکھتے ہین کہ تعدد ازواج کے مخالف خواہ وہ یورپ کے مہذب لوگ ہون یا یورپ کی تہذیب کے ایشیائی فدائی ہون وہ وجوہات بیان کرینگے جنکے باعث تعدد ازواج کو زنا سے زیادہ خطرناک گناہ سمجھا جاتا ہے۔ آسانی کیلیے ہم اس مضمون کو تین حصون پر تقسیم کرتے ہین یعنی اول انسانی سوسائیٹی مین تعدد ازواج کی ضرورت۔ دوم اسلام نے کہانتک اور کن اغراض کیلیے تعدد ازواج کو جایز رکھا ہے اور بالآخران اعتراضوں کا جواب دینگے جو تعدد ازواج پر کیئے جاتے ہین۔

۱۔ تعدد ازواج کی ضرورت

تعدد ازواج یا ایک مرد کا ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا انسانی سوسائیٹی کی ایسی ہی ضروریات مین سے ہے جیسا کہ خود نکاح۔ اگرچہ اسکا دایرہ نکاح کی طرح وسیع نہین ہے گویا ایک بیوی سے نکاح کرنا ایک قاعدہ ہے اور تعدد ازواج اس قاعدہ کیلیے ایسی ضروری استثناء ہے جسکا دور کرنا انسانی سوسائیٹی کیلیے ایسا ہی نقصان رسان ہے جیسا کہ خود نکاح کے قاعدہ کا دور کرنا کیونکہ نکاح کی اصل غرض یہ ہے کہ تا انسانون کو اس سے بعض ایسے فواید حاصل ہون جو اسکے سوائے اور کسی طریق سے حاصل نہین ہو سکتے مثال کے طور پر نکاح کے فواید مین سے ایک یہ ہے کہ تا سلسلہ نسل انسانی کا اس طریق سے جاری رہے جس سے تعیین والدین بھی ہو سکے اور تا وہ خوشی جو مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے قایم رکھی جاوے اور تا انسان پاک دل ہون اور بدخیالات سے بچے رہین۔ اور جیسا عام طور پر ان فواید کا حاصل ہونا نکاح پر موقوف ہے ایسا ہی خاص حالات مین یہ فواید سوائے تعدد ازواج کے حاصل نہین ہو سکتے ان مین سب سے زیادہ ضروری اس غرض کا حاصل ہونا ہے جسکا ذکر سب سے اخیر کیا گیا ہے اور اسلیے ہم پہلے اسی پر غور کرینگے۔

نکاح کی اغراض

جو خواہش مرد کے دل مین عورت کے لیے یا عورت کے دل مین مرد کیلیے ہے وہ تقاضائے فطرت انسانی ہے اور اس خواہش کا جایز ذریعہ یعنی نکاح کے ذریعہ سے پورا کرنا انسان کے دل مین سچی محبت اور پاکیزگی کے خیالات کو پیدا کرتا ہے اور اسیکا ناجایز تعلقات سے پورا کرنا انسان کو ناپاکی کیطرف لیجاتا اور اسکے دل مین بدخیالات پیدا کرتا ہے پس نکاح انسان کو پاکیزگی کیطرف لیجانے اور اُسے ناپاکی سے دور رکھنے کا ایک ذریعہ ہے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ فطری خواہش جو مرد اور عورت کے دلمین ایکدوسرے کیلیے موجود ہے اسے گندی یا ناپاک خواہش کے نام سے منسوب کرنا سخت غلطی ہے کیونکہ اس خواہش کو فطرت انسان مین پیدا کرنیوالا خود.... خدا تعالے ہے اور اسی نے اپنی حکمت اور مصلحت سے بعض اغراض کیلیے اس خواہش کو انسان کے نفس مین

انسانی فطرت کا طبعی اقتضا

مرکوز فرمایا ہے ہاں اس کا برا استعمال یعنی ناجایز طریقوں سے اسکا پورا کرنا بیشک انسان کو ناپاکی اور بدی کی طرف لیجانیوالا ہے
ابتدا مین عیسائیونکو اس فطری خواہش انسانی کے متعلق سخت غلطی لگی رہی اور یہی وجہ تھی کہ نکاح کے متعلق ان کے
درمیان غلط خیال پیدا ہو گئے۔ بہت مدت تک عیسائیونکا یہ خیال رہا کہ یہ فطری خواہش ناپاکی کی خواہش ہے اور
اسلیے وہ نکاح کو برا سمجھتے رہے اور تجرد کو ترجیح دیتے رہے یہانتک کہ تجرد کو ہی انسانی کمال سمجھ لیا گیا حالانکہ انسانی
کمال اس بات سے حاصل نہین ہوتا کہ فطری خواہشون کو دبایا جاوے بلکہ انسان کی فضیلت اس امر سے ہے کہ اُن ..
خواہشات کے پورا کرنے مین جایز ذرایع کا استعمال کرے اور ناجایز طریقون اور راہون سے بچے کیونکہ کوئی قوت جو
خداتعالے نے انسان کو دی ہے بذاتہ بُری نہین بلکہ اسکا برا استعمال بدی کیطرف لیجانیوالا ہے اور یہی حال اس
فطری خواہش کا ہے جسکا ذکر ہم اس جگہ کر رہے ہین۔

اس تقاضا کو پورا کرنیکا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے

پس اولاً نکاح مرد و عورت کی اس فطری خواہش کے تقاضا کو پورا کرنیکا جایز طریق ہے اور اس مباحثہ مین
سب سے مقدم یہ امر ہے کہ دیکھا جاوے کہ وہ کونسے ذرائع ہین جنسے جایز طور پر انسان اس خواہش کو پورا کر سکتا ہے
یا دوسرے الفاظ مین یہ معلوم کیا جاوے کہ نکاح کی بہترین صورتین کون کونسی ہین یعنی ایسی صورتین جو اس خواہش
کے تقاضا کو ہر پہلو سے پورا کرنیکا راہ اسے دکھاتی ہین اور اسکو ہر ایک ایسی راہ سے بچاتی ہین جو ناجایز یعنی ہلاکت
کی طرف لیجانیوالا ہے اگر اس بات کو مدنظر رکھکر غور کیا جاوے تو جیسا عام طور پر انسان کے لیے ایک بیوی سے
نکاح کرنا ضروری ہے ایسا ہی خاص حالات کے ماتحت۔ ایک سے زیادہ بیویونکا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے ایسے واقعات
ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہین اور پیدا ہوتے رہین گے کہ ایک مرد ایک سے زیادہ بیویونکی ضرورت محسوس کرے اور اگر کسی
قانون مین نکاح کی ایسی صورتین ملحوظ نہ رکھی جاوین جو ان ضروری استثناؤن کو مدنظر رکھین خواہ وہ کسی وقت اور کسی
جگہ پیدا ہونیوالی ہون تو ایسا قانون ناقص ہوگا۔ اور ایسے استثناؤنکا وجود اسقدر کم بھی نہین کہ اسکو النادر ....
کالمعدوم سمجھ لین بلکہ ایسے حالات دنیا مین ہر زمانہ اور ہر ملک مین پیدا ہوتے رہتے ہین۔ نہ ہی یورپ کے مہذب ممالک
انسے خالی ہین بلکہ ایسی ضرورتین جیسے ان ممالک مین محسوس ہوتی ہین جہان تعدد ازدواج کا رواج ہے ویسے ہی
ان ممالک مین بھی پیدا ہوتی رہتی ہین جہان تعدد ازدواج کو ناجایز قرار دیا گیا ہے۔ ہان یہ ضرورتین الگ الگ رنگون
مین پوری ہوتی رہتی ہین یعنی اول الذکر ممالک مین تو بذریعہ تعدد ازدواج پوری ہوتی ہین اور مؤخر الذکر مین بذریعہ زنا
اور بدکاری کے۔ چنانچہ عیسائی ممالک مین تعدد ازدواج کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے اور اسی ضرورت کے احساس
نے ہی ان ممالک مین بہت سے لوگونکو تعدد ازدواج کی حمایت مین کھڑا کر دیا ہے چنانچہ ڈیون پورٹ صاحب اپنی کتاب
موسومہ بہ "تایید" مین لکھتے ہین "تعدد ازدواج کی حمایت مین بہت ساری کتابین شایع ہوئی ہین اور وہ ایسے لوگونکی
تصنیف ہین جو عیسائی ہین۔ برنرڈ اوکنس نے سولھوین صدی کے نصف مین تعدد ازدواج کی تایید مین سوال و

جواب کی صورت مین ایک کتاب شائع کی۔ اور اسیوقت کے قریب ایک اور رسالہ بھی ایک سے زیادہ بیویان رکھنے کے جواز پر شائع ہوا جسکے مصنف کا اصل نام لسارس تھا۔ ایسا ہی سیلڈن اپنی کتاب "اکسیر سیبریکا" مین ثابت کرتا ہے کہ تعدد ازواج کی رسم صرف یہودیونکے درمیان ہی تسلیم نہین کی گئی تھی بلکہ دوسری قومونکے درمیان بھی لیکن تعدد ازواج کا سب سے مشہور حامی انگلستان کا مشہور و معروف شاعر جان ملٹن تھا"

حفاظت تقوے اب ہم بعض وہ وجوہات بیان کرتے ہین جو تعدد ازواج کی ضرورت کو ثابت کرتی ہین ان مین سب سے مقدم تقوے یعنی پرہیزگاری یا بدی سے بچنا ہے۔ تقوے ایک ایسی پیاری چیز ہے کہ اسکا خیال ہر انسان کو باقی سب باتون سے مقدم رکھنا چاہیئے۔ قدرت نے بعض آدمیون کو معمولی آدمیون کی نسبت زیادہ قوی الشہوت بنایا ہے اور ایسے آدمیونکے لیے ایک عورت کافی نہین ہوسکتی۔ اور اگر انکو جایز طور پر دوسرا یا تیسرا نکاح کرنیسے روکا جاویگا تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تقوے کو چھوڑ کر بدکاری مین مبتلا ہوجاوینگے زنا ایک ایسی بدکاری ہے جو انسان کے دل سے ہر ایک پاکیزگی اور طہارت کا خیال دور کر دیتی ہے اور اس مین ایک خطرناک زہر پیدا کر دیتی ہے اسلیئے ان لوگونکے لیے جو قوی الشہوت ہین ضرور کوئی ایسا علاج ہونا چاہیئے جس سے وہ زنا جیسی سیاہ کاری مین پڑنیسے بچے رہین۔ باقی رہا یہ امر کہ قوی الشہوت آدمیونکو ایک سے زیادہ عورت کی حاجت پڑے گی یہ اظہر من الشمس ہے۔ عورت ہر وقت اس قابل نہین ہوتی کہ خاوند اس سے تعلقات زناشوی پیدا کر سکے کیونکہ اول تو لازمی طور پر ہر ایک عورت پر ایک مہینہ مین سات دن ایسے آتے ہین یعنی ایام حیض جنمین مرد کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے لیکن مرد مین ایسا نقص پیدا نہین ہوتا۔ پھر علاوہ اس نقص کے جو ہر عورت کو لگا ہوا ہے ایام حمل عورت کے لیے ایسے ہوتے ہین خصوصاً اسکے پچھلے مہینے جنمین عورت کو اپنی اور اپنے بچہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرد کی صحبت سے پرہیز کرے۔ اور یہ صورت کئی ماہ تک رہتی ہے۔ پھر اسکے بعد جب وضع حمل ہوتا ہے تو پھر بھی کچھ مدت تک عورت کو مرد کی صحبت سے پرہیز کرنا لازمی ہے۔ اب ان تمام اوقات مین جب عورت کے لیے یہ قدرتی روکین واقع ہوجاتی ہین۔ خاوند کیلیئے کوئی امر مانع نہین ہوتا ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہین کہ کثرت سے مرد ایسے ہین جو ان وقفون مین دوسری عورت کرنیکے بغیر تقوے کو قایم رکھ سکتے ہین لیکن ساتھ ہی ہم یہ کہنے کو تیار ہین اور کوئی عقلمند اس سے انکار نہین کر سکتا کہ دنیا مین ایسے قوی الشہوت آدمی بھی موجود ہین اور اس قوت کا زیادہ ہونا کسی صورت مین انکے لیے باعث الزام نہین ہے جنکو اگر ان یا اس قسم کے اور وقفونکے اندر دوسری عورت سے نکاح کی اجازت نہ دیجاوے تو پھر اس خواہش کے تقاضا کو پورا کرنیکے لیے وہ ناجایز ذرایع استعمال کرینگے۔ جو لوگ تعدد ازواج کی مخالفت کرتے ہین وہ ان صورتونمین قوی الشہوت مردونکے لیے کوئی اور راہ نکالدین۔ تو ہم خوشی سے تعدد ازواج کی عدم ضرورت کو مان لینگے لیکن جبتک

فطرت انسانی قایم ہے اور جبتک اسمین اس قسم کے واقعات جنکا اوپر ذکر ہوا پیدا ہوتے رہین گے تب تک سوسائٹی کا اور انسانون کا ہر ایک ہی خواہ تعدد ازدواج کی ضرورت کو ضرور تسلیم کریگا کیونکہ تعدد ازدواج کی ممانعت کی صورت مین دوسرا راہ جو ایسے لوگون کیلیے کھلا ہے زنا ہے جس کی برائی عام طور پر مسلم ہے اگر یہ کہا جائے کہ ایسے لوگون کو ایک ہی عورت پر قناعت کرنے پر مجبور کرنا چاہیئے تو ہم کہتے ہین کہ فطری خواہش کے تقاضے تو کبھی رُک نہین سکتے پس اس جبر کا نتیجہ یہ ہوگا اور یورپ مین یہی نتیجہ ہوا ہے کہ ایسے لوگ زنا کی بلا مین گرفتار ہو جاینگے جب خدا تعالے کے قانون قدرت نے بعض لوگونکو دوسرے کی نسبت زیادہ قوے دیئے ہین تو اسکا یہ منشا کبھی نہین ہوسکتا کہ وہ ان قوے کو جایز طور پر استعمال نہ کرین ۔ایک قوی الشہوت آدمی کو جبکا تقوے بغیر دوسری عورت کے قایم نہین رہ سکتا یہ کہنا کہ وہ ایک ہی عورت پر قناعت کرے اور اسی امر پر اسکو مجبور کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک نامرد کو جسے قدرت نے ان قوے سے خالی پیدا کیا ہے اس بات پر مجبور کیا جاوے کہ وہ ایک بیوی کو نکاح مین لاکر اسکے سارے حقوق ادا کرے جو ایک خاوند کو ادا کرنے چاہیئے پس جس طرح پر اللہ تعالے کی مخلوق مین نامرد موجود ہین اسی طرح وہ لوگ بھی موجود ہین جن کے قوائے شہوانی کے لیے ایک عورت کافی نہین پس خدا کی طرف سے صرف وہی قانون ہوسکتا ہے جو ہر قسم کے لوگون کی ضروریات کو مدنظر رکھکر ایسی راہ انسانونکو بتاتا ہے جسپر سب چل سکین ۔خواہ ایسے لوگ کتنے ہی تھوڑے ہون مگر انکے وجود سے انکار نہین کیا جا سکتا اور جبتک ایسے لوگ دنیا مین موجود ہین تب تک تعدد ازدواج کے مسئلہ سے انکار کرنا سراسر حماقت ہے پس تقوے کا قایم رکھنا سب سے اول امر ہے جو تعدد ازدواج کی ضرورت کو ثابت کرتا ہے۔

ممانعت کے نتایج اور راستبازون کی شہادت

جو کچھ ہم نے یہان لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج جیسا کہ کہا جاتا ہے بدی نہین بلکہ بدیونسے روکنے کا ایک ذریعہ ہے ہماری سمجھ مین تعدد ازدواج کیلیے یہ سب سے بڑی ضرورت ہے اس دلیل کی صداقت اور طرح پر بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اول تو یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ان ممالک مین جہان تعدد ازدواج کو ناجایز سمجھا جاتا ہے ۔زنا بہت ہی بڑھا ہوا ہے اور خطرناک طور پر وہان یہ بدی پھیلی ہوئی ہے یہ ایک ایسا امر ہے جس سے عیسائی صاحبان کو بھی انکار کی گنجایش نہین ۔اور عیسائیون نے خود تسلیم کیا ہے کہ پاکدامنی کے معاملہ مین اسلامی ممالک عیسائی ممالک سے بہت اچھے ہین ۔بلکہ خود عیسائی ممالک مین ایک ایسے فرقہ کے پیدا ہوجانیسے جو تعدد ازدواج پر عمل کرنیوالا تھا ۔یہ امر اور بھی واضح طور پر ثابت ہوگیا ہے کیونکہ جیسا کہ ہم گذشتہ اشاعت مین دکھا چکے ہین خود عیسائیون نے تسلیم کیا ہے کہ جبتک مارمن لوگ تعدد ازدواج پر عمل کرتے تھے انکے درمیان بمقابلہ

دوسری ریاستوں کے زنا بہت ہی کم تھا۔ ایسا ہی ولد الزنا بچوں کی پیدایش کے متعلق گذشتہ اشاعت مین اعداد نقل کر کے ہم نے یہ دکھایا تھا کہ زنا نے یورپ مین کیسی خطرناک صورت اختیار کی ہوئی ہے۔ علاوہ اسکے جب ہم بڑے بڑے صالح لوگون کی زندگیون پر غور کرتے ہین تو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہون نے تعدد ازدواج کو تقوے کے لیے ضروری سمجھا! ور یہ امر کسی خاص قوم یا خاص ملک تک محدود نہین بلکہ اس کی نظیرین تمام دنیا مین پائی جاتی ہین۔ ایک طرف تو بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام مین سے اکثر نے خود اس مقدس مسئلہ پر عمل کر کے اسکے جواز کو ثابت کیا ہے! اور دوسری طرف ہم ہندوستان مین بھی دیکھتے ہین کہ بڑے بڑے رشیون نے ایک سے زیادہ عورتون سے نکاح کرنیکو جایز سمجھا اور اسپر عمل کیا۔ اب وہ لوگ جنہون نے خود اس مسئلہ پر عمل کیا دنیا کے وہ مقدس رہنما ہین جنہون نے دنیا مین اخلاق کے نہایت پاکیزہ اور اعلے درجہ کے اصولون کی تعلیم دی! ور جنہون نے اپنے پیروئونکو یہی سکھایا کہ وہ ہر قسم کی بدی اور بد خیال سے پرہیز کرین۔ ان لوگون نے خدا سے ایسی محبت کی اور سچائی اور پرہیز گاری کو ایسا مقدم رکھا کہ انکی خاطر ہر قسم کی تکالیف کو گوارا کیا اور انسانون کی بہتری کیخاطر اپنے تمام آرامون اور فوائد کو ہیچ سمجھا۔ دل کی پاکیزگی اور تقوے کا اختیار کرنا ہی وہ امور تھے جنپر انہون نے بار بار زور دیا۔ زنا سے انہون نے ایسی نفرت کی کہ اسکو سب بدیونسے برا سمجھا اور اس سے بچنے کیلیے راہین بتائین۔ یہ تقوی اور طہارت کے معلم جو مختلف ممالک اور مختلف زمانون مین پیدا ہوئے۔ سب کے سب ایک ہی بات پر متفق ہوئے یعنی یہ کہ زنا ایک خطرناک بدی ہے جسکا خیال بھی دل مین لانیسے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور کہ تعدد ازدواج کا مسئلہ سچا اور پاکیزگی کیطرف لے جانیوالا اور زنا سے انسان کو بچانیوالا ہے۔ اگر یہی امر حق نہ ہوتا تو ان مقدسونکا اسپر اتفاق نہ ہوتا جو مختلف ممالک اور مختلف زمانون مین پیدا ہوئے۔ غرضیکہ تمام راستبازون کی متفقہ شہادت بآواز بلند پکار کر بیان کر رہی ہے کہ تعدد ازدواج ایک پاک اصول ہے۔ جو سوسائٹی کو زنا جیسی بدکاری سے محفوظ رکھنے کیلئے بے نظیر علاج ہے۔

عورت اور مرد کی عمرون کا اختلاف

ڈیون پورٹ صاحب اپنی کتاب مین ایک اور پہلو سے تعدد ازدواج کی ضرورت کو ثابت کرتے ہین۔ یہان اسکے الفاظ کا ترجمہ ہم ناظرین کیلیے درج کرتے ہین۔ "تعدد ازدواج کی ضرورت کے طبعی وجوہات کے متعلق ہم یہ کہنا چاہتے ہین کہ مشہور مانٹسکیو نے یہ لکھا ہے کہ گرم ملکونمین عورتین آٹھ نو یا دس سال کی عمر مین شادی کے قابل ہو جاتی ہین اس لیے ان ممالک مین شادی کا زمانہ عمر کے لحاظ سے بچپن کا زمانہ ہوتا ہے۔ بیس سال کی عمر مین وہ بوڑھی ہو جاتی ہین اسلیے عقل اور خوبصورتی دونون ایک وقت انکے اندر جمع نہین ہوتے۔ جب خوبصورتی کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ عورت

حکومت کرے۔ اسوقت عقل اور تجربہ کا نہونا اس دعوے کا مانع ہوتا ہے لیکن جب عقل اور تجربہ حاصل ہوتا ہے تو....
خوبصورتی نہین رہتی اسلیے عورتونکو لازمی طور پر ایک محکومی کیحالت مین رہنا پڑتا ہے کیونکہ عقل اور تجربہ بڑھاپے
کے وقت وہ حکومت پیدا نہین کر سکتے جو جوانی اور خوبصورتی بھی نہ کر سکے تھے اسلیے یہ ایک بالکل قدرتی امر ہے
کہ ان ممالک مین تعدد ازدواج کا رواج ہو" اس حق جو منقد کے الفاظ سے صفائی سے ثابت ہوتا ہے کہ علاوہ
ان وجوہ کے جو ہر سوسائیٹی مین تعدد ازدواج کی ضرورت کو ثابت کرتی ہین۔ گرم آب و ہوا والے ممالک مین خاص
ضرورت تعدد ازدواج کی پیدا ہو جاتی ہے اس سے علاوہ یہ امر بھی ظاہر ہے کہ ہر ملک مین مردون کی نسبت
عورتونکے قوے بڑھاپے سے جلدی متاثر ہوتے ہین بس جہان مرد کے قوے بالکل محفوظ ہون جیسا کہ وہ
اکثر حالات مین ہوتے ہین اور عورت بوڑھی ہو چکی ہو دوسری عورت سے نکاح کرنا بعض حالات مین مرد کیلیے ایسا
ہی ضروری ہوگا جیسا کہ پہلے کسیوقت پہلی عورت سے نکاح کرنا ضروری تھا پس جو قانون تعدد ازدواج سے
روکتا ہے وہ ان مردونکو جنکے قوے خوش قسمتی سے بڑھاپے کی عمر تک محفوظ رہین یہ راہ بتاتا ہے کہ وہ ان
قوے کے تقاضا کو زنا کے ذریعہ سے پورا کرین۔ ایسا قانون عام انسانون کی حالتون کے مطابق کیونکر ہو سکتا ہے

عورتون کی تعداد مین مردون کی نسبت زیادتی کے اسباب۔

یہ تو مردون کی ضروریات ہین مگر خود عورتونکو بعض وقت ایسی مجبوریان
آپڑتی ہین کہ اگر انکے لیے یہ راہ کھلی نہ رکھی جاوے کہ وہ ایسے مردونسے نکاح
کرلین جنکے گھر مین پہلے عورتین موجود ہین تو اسکا نتیجہ بدکاری ہوگا
ایک ہی امر پر غور کرو کہ کس طرح ہر سال مین دنیا کے کسی نہ کسی حصہ مین لاکھون مردون کی جانین لڑائیون مین
تلف ہو جاتی ہین حالانکہ عورتین بالکل محفوظ رہتی ہین اگر پرانی مثالون کیطرف نہ بھی جائین تو نیتازہ دو مثالین
ہی اس دلیل کی صداقت کا کافی ثبوت ہین یعنی انگلستان کی لڑائی بوئرونکے ساتھ جو جنوبی افریقہ مین ہوئی
اور روسیون اور جاپانیون کی لڑائی جو آج کل ہو رہی ہے۔ اب دیکھلو کہ کس طرح ان لڑائیونمین لاکھون مرد
تلف ہوئے اور ہو رہے ہین۔ اب ایسے واقعات یعنی جنگونمین مردونکی جانون کا تلف ہونا ہمیشہ ہوتے رہتے ہین اور جبتک
دنیا مین مختلف قومین موجود ہین ایسے واقعات ہمیشہ پیدا ہوتے رہینگے اور ہمیشہ انسے مردونکی تعداد مین کمی ہو کر
عورتونکی تعداد کا بڑھ جانا ایک لازمی امر ہے اگر یہ فرض بھی کرلین کہ عورتونکی تعداد کی یہ زیادتی کسی قوم مین ہمیشہ
کیلیے نہین رہتی تاہم اس سے تو انکار نہین ہو سکتا کہ ایک مدت تک مردونکی اس کمی کا اثر ضرور رہیگا جو اس طرح پر پیدا
ہوگی۔ اب یہ عورتین جو مردون کی تعداد سے زیادہ ہونگی انکے لیے کیا سوچا گیا ہے۔ تعدد ازدواج کی ممانعت کی
صورت مین ان کا کیا حال ہوگا کیا ان سب کو یہی جواب نہین ملیگا کہ جسکے دلین مرد کیلیے وہ خواہش پیدا ہو جو قدرت نے
فطرت انسانی مین رکھی ہے وہ ناجائز طریقونسے اسے پورا کرلے۔ سوچکر دیکھلو کہ تعدد ازدواج کی راہ کو بند کرکے ان

لاکھون عورتون کو جو اس طرح پر لڑائیون کے سبب سے بیوہ ہوگئین یا جنکے لیے نکاح کے ذرائع نہین ہے یہی جواب دینا پڑیگا۔ افسوس ہے کہ ایک غلط اصول کی حمایت مین انسانی ضروریات پر ایک لمحہ کیلیے بھی غور نہین کیا جاتا تعدد ازواج کے سوائے اور کوئی ایسی راہ نہین جو ان ضروریات کو پورا کر سکے۔

یورپ مین عورتون کی تعداد مردون کی نسبت بہت زیادہ ہے

اسکے ساتھ ہی ہم اس امر کیطرف بھی توجہ دلاتے ہین کہ یورپ مین جسکو سب ممالک سے بڑھکر تعدد ازدواج کی ضرورت سے برتر سمجھا جاتا ہے۔ عورتون کی تعداد مردونسے کسقدر زیادہ ہے۔ یورپ کے کل ممالک کے متعلق ہمین اعداد نہین مل سکے لیکن جس قدر ملے ہین اس سے عورتون کی تعداد کی زیادتی کا کسی قدر اندازہ لگ سکتا ہے۔ سنہ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے روسے انگلستان مین مردون کی بنسبت عورتون کی تعداد دس لاکھ بیاسی ہزار چھ سو انیس زیادہ تھی (گویا ہر ہزار مرد کیلیے ایکہزار اٹھتر عورتین تھین) اور سکاٹلینڈ مین ایک لاکھ پچیس ہزار چھ سو اٹھانوے عورتین زیادہ تھین۔ آیرلینڈ مین اکسٹھ ہزار اٹھاسٹھ۔ گویا برطانیہ کلان مین بوئرون کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ اٹھتر ہزار تین سو پچاسی عورتین ایسی تھین جنکے لیے ایک ایک بیوی والے قاعدہ کے روسے کوئی مرد مہیا نہین ہو سکتا تھا۔ فرانس مین سنہ۱۸۹۶ء کی مردم شماری مین عورتونکی تعداد مردونسے چار لاکھ تیئس ہزار سات سو نو زیادہ تھی۔ جرمنی مین سنہ۱۹۰۰ء کی مردم شماری مین ہزار مرد کیلیے ایک ہزار بتیس عورتین موجود تھین۔ گویا کل آبادی مین آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس عورتین ایسی تھین جن سے شادی کرنیوالا کوئی مرد نہ تھا۔ سویڈن مین سنہ۱۹۰۱ء کی مردم شماری مین ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سو ستر عورتین اور سپانیہ مین سنہ۱۸۹۰ء مین چار لاکھ ستاون ہزار دو سو باسٹھ عورتین۔ اور اسٹریا مین سنہ۱۸۹۰ء مین چھ لاکھ چوالیس ہزار سات سو چھیانوے عورتین مردونسے زیادہ تھین۔ اب ہم سوال کرتے ہین کہ اس بات پر فخر کر لینا تو آسان ہے کہ ہم تعدد ازواج کو برا سمجھتے ہین مگر یہ بتایا جاوے کہ ان کم ازکم چالیس لاکھ عورتونکے لیے یورپ نے کونسا قانون تجویز کیا ہے۔ کیونکہ ایک ایک بیوی کے قاعدہ کے روسے انکو یورپ مین تو خاوند نہین مل سکتے۔ سوال یہ ہے کہ جو قوانین انسانونکی ضروریات کیلیے تجویز کیے جاتے ہین وہ انسانون کی ضروریات کے مطابق بھی ہونے چاہیئین یا نہین۔ وہ قانون جو تعدد ازدواج کی ممانعت کرتا ہے ان چالیس لاکھ عورتونکو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چلین اور انکے دلونمین مرد کے لیے کبھی خواہش پیدا نہ ہو لیکن یہ تو ناممکن امر ہے جیسا خود تجربہ ثابت کر رہا ہے پس نتیجہ یہ ہوگا کہ جایز طریق سے روکے جانے کے باعث وہ ناجایز طریق اختیار کرینگی۔ اور اس طرح پر ان ممالک مین زنا کی کثرت ہوگی۔ یہ تعدد ازدواج کی مخالفت کا نتیجہ ہے اور یہ امر کہ زنا اس ذریعہ سے زیادہ پھیلیگا خیال ہی خیال نہین بلکہ امر واقعہ ہے جیسا کہ ولد الحرام بچون کی تعداد سے ثابت ہو رہا ہے۔

تعدد ازدواج کی ضرورت کے اور اسباب

پھر نکاح کی اغراض مین سے ایک یہ بھی ہے کہ مرد و عورت ایک دوسرے کے لیے بطور رفیق کے ہون پس اگر کوئی وجہ ایسی پیدا ہو جاوے کہ جس کے سبب سے عورت مرد کیلیے بطور رفیق کے نہ رہے یا اس سے اسکو وہ خوشی حاصل نہ ہو سکے جو ایسے رفیق سے ہونی چاہیئے تو ان صورتون مین بھی مرد کو دوسرا نکاح کرنیکی اجازت ہونی چاہیئے۔ مثلاً اگر عورت کو کوئی ایسی بیماری لاحق ہو جاوے جو اسکو ہمیشہ کیلیے یا بڑے بڑے وقفونکے لیے ناقابل کردیوے یعنی اس امر کے قابل نہ رہنے دے کہ خاوند اُس سے تعلقات زناشوی رکھ سکے تو کوئی وجہ نہین کہ کیون نکاح کی اصل غرض کو مرد دوسرے نکاح کے ذریعہ سے پورا نہ کرے جیسے انسانی زندگی کے حالات کا دایرہ وسیع ہے ویسا ہی ان ضروریات کا دایرہ بھی وسیع ہے جو بعض وقت مرد کو دوسرا نکاح کرنیکے لیے مجبور کر دیتی ہین۔ ہم مانتے ہین کہ ایسی ضروریات اکثر پیدا نہین ہوتین مگر جب واقعی وہ ضرورتین پیدا ہو جاوین اور یہ ضروری ہے کہ ہر انسانی سوسائیٹی مین وہ کم وبیش پیدا ہوتی رہین تو سوائے تعدد ازدواج کے اور کوئی ذریعہ انکے پورا ہونیکا نہین پس اس علاج کو رد کرنا بیماریونکو بڑھانا ہے ایسا ہی تعدد ازدواج اکثر حالات مین طلاقون کی کمی کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ قدرت نے عورت کو وہ سامان دیئے ہین جو مرد کیلیے باعث کشش ہین اور مرد و عورت کے تعلق مین ان فریفتگی اور کشش کے موجبات کی موجودگی ایک نہایت ضروری امر ہے اور صرف اسی صورتمین نکاح بابرکت ہو سکتا ہے کہ ایسے سامانِ کشش عورت مین موجود ہون اور اگر عورت مین ایسے سامان موجود نہ ہون یا کسی طرح سے جاتے رہین تو مرد کا عورت سے وہ تعلق نہین ہو سکتا پس ایسی صورتمین اگر خاوند کو دوسری شادی کی اجازت نہ دیجاوے تو یا تو وہ کوشش کریگا کہ کسی طرح اس عورت سے نجات حاصل کرے اور یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو بدکاری مین مبتلا ہوگا اور ناجایز تعلقات پیدا کرے گا کیونکہ جب عورت کی رفاقت سے اسے وہ خوشی حاصل نہ ہو سکے جسکا حصول فطرت انسانی چاہتی ہے تو ناچار اس خوشی کے حصول کیلیے وہ اَور ذریعے تلاش کریگا۔ ان صورتونکے لیے تعدد ازدواج ہی ایک علاج ہے اور اسی ذریعہ سے ایک گھرانا خوشحال ہو سکتا ہے۔

نسل انسانی کا قیام

تعدد ازدواج کی روک سے بعض وقت نکاح کی تیسری غرض یعنی بقائے نسل انسانی حاصل نہین ہو سکتی۔ مثلاً اگر ایک عورت بانجھ ہو اور اسکا عقم ناقابل علاج ہو تو تعدد ازدواج کی ممانعت کیصورتمین قطع نسل لازم آئیگا۔ یہ بیماری عورتون مین بہت پائی جاتی ہے اور سوائے تعدد ازدواج کے اور کوئی راہ نہین جس سے یہ کمی پوری ہو سکے ایسی صورتمین عورت کو طلاق دینے کی کوئی وجہ موجود نہین اور ممکن ہے کہ عورت اور مرد مین ایسی محبت بھی ہو کہ وہ ایکدوسرے سے جدا نہ ہو سکتے ہون پس بقائے نسل کا ذریعہ صرف یہی ہے کہ ایسی صورتونمین مرد کو نکاح ثانی کی اجازت دیجاوے۔ ان وجوہات کے علاوہ جنکا ذکر ہمنے

اوپر کیا ہے اور بھی کئی قسم کے وجوہات ہیں جو تعدد ازدواج کی ضرورت کو ثابت کرتے ہیں۔ مگر ان سب کا تفصیل سے بیان کرنا ممکن ہے۔ مثلاً بعض وقت کسی عورت کی حالت پر ترحم یا کسی پولیٹیکل یا سوشل تعلق کا قایم کرنا اس امر کی ضرورت پیدا کر دیتا ہے کہ مرد ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرے ایسا ہی ہزاروں قسم کی ضرورتیں ہوتی ہیں جن کا رنگ ہر انسان کیلیے جداگانہ ہوتا ہے۔

تعدد ازدواج کی ممانعت کے نقصان

جو نقصان تعدد ازدواج کی ممانعت سے پیدا ہوتے ہیں ان سب کو ہم اس جگہ بیان نہیں کر سکتے۔ ان ممالک میں جہاں تعدد ازدواج کی قانوناً ممانعت کی گئی ہے کثرت زناکاری محتاج بیان نہیں۔ علاوہ اسکے تعدد ازدواج کی روک سے اکثر اوقات انسانی جانیں تلف ہوئی ہیں۔ بہت سارے واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں جہاں خاوند بہ سبب اس خوشی کے حاصل ہونیکے جو نکاح کی اصل غرض ہے پہلی عورت کو قتل کر کے دوسرا نکاح کرتا ہے۔ انگلستان کا بادشاہ ہنری ہشتم ایک موٹی مثال ہے۔ غرضیکہ اگر تاریخ پر نظر ڈالی جاوے اور عام لوگوں کی ضروریات پر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ تعدد ازدواج ایک ایسی ضروری چیز ہے جس کی ممانعت بہت ساری بدکاریوں کے پیدا کرنے اور مصیبتوں کو لانیکا ذریعہ ہے۔ تعدد ازدواج دل کی پاکیزگی کیلیے اور انسان کی ترقی کیلیے ایک ضروری امر ہے۔ مہذب ممالک میں ہزاروں ہزار عورتیں اس قسم کی پائی جاتی ہیں جو زناکاری اور بدکاری کے سبب سے انسانیت کی حالت سے گری ہوئی سمجھی جاتی ہیں۔ اور انکو چار پایوں سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ ان بیچاری عورتوں کا کیا قصور ہے۔ نقص تو اس قانون کا ہے جو انکو جایز طور پر معزز بیویاں اور مائیں بننے سے روکتا ہے اور انکو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی فطری خواہشوں کو گندے اور ناپاک تعلقات کے ذریعہ سے پورا کریں اس قانون کو دور کر دو اور یہی عورتیں ویسی ہی معزز اور نیک ہو جائیں گی جیسے بہت ساری نیک بیویاں ہیں سوائے چند ایسی عورتوں کے جو فطرتاً ہی بدکاری کی طرف مایل ہوں۔ تعدد ازدواج زناکاری کے خلاف بڑی روک ہے۔ تعدد ازدواج پر عمل کر کے مرد اور عورتیں دونوں نیک راہوں پر چل سکتے ہیں لیکن تعدد ازدواج کی ممانعت ایک بہت بڑی تعداد کو مجبور کرتی ہیں کہ وحشیوں کی طرح ایکدوسرے سے زناکاری کریں۔

ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونیکو تعدد ازدواج سے کوئی مناسبت نہیں

تعدد ازدواج کی ضرورت کے ان وجوہات کو ناقابل تردید پاکر بعض لوگ بلا سوچے سمجھے یہ کہدیا کرتے ہیں کہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض وقت ایک عورت کو ایک سے زیادہ خاوند رکھنے کی اجازت ہونی چاہئیے یہ درست نہیں سب سے بڑی وجہ جو تعدد ازدواج کی ضرورت پر ہمنے بیان کی ہے وہی ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونیکی تردید کرتی ہے۔ ہمنے بیان کیا تھا کہ تعدد ازدواج کی سب سے بڑی

ضرورت یہ ہے کہ عورت کو بعض عوارض ایسے لگے ہوئے ہین کہ وہ بعض وقت ایک بڑے لمبے عرصہ تک اس قابل نہین ہوتی کہ ان تمام فرایض کو جو بحیثیت بیوی ہونیکے اسے ادا کرنا چاہیئے پورے طور پر ادا کر سکے مثلاً ایام حیض یا ایام حمل یا وہ ایام جو وضع حمل کے بعد آتے ہین۔ اس صورت مین جو مرد قوی الشہوت ہین وہ مجبور ہوتے ہین کہ نکاح ثانی کرین یا اگر قانون اس کا مانع ہوگا تو وہ زناکاری مین مبتلا ہونگے۔ ایسے عوارض جہان کل کے کل عورتکے ساتھ لگے ہوئے ہین مرد انمین سے کسیکا حصہ دار نہین پس جس مساوات پر زور دیا جاتا ہے وہ خود قدرتنے ہی نہین رکھی اور نہ ہی ابتک یورپ کی تہذیبنے ان عوارض مین سے بعض مرد کے فرتے ڈالکر اس فرضی مساوات کو عملی کر دکھایا ہے۔ ہان اگر ایسا ہو جائے کہ ان عوارض مین سے بعض مرد کو لگ جاوین اور بعض عورتکے شامل حال رہین تو البتہ تعدد ازدواج اور ایک عورتکے ایک سے زیادہ خاوند رکھنے کا مسئلہ ایک ہی سطح پر آجاوین لیکن جبتک یہ صورت نہین ہوتی اور قانون قدرت اسبارے مین مرد اور عورت مین مساوات نہین رکھتا تو خود قانون قدرت ہی تعدد ازدواج کا مؤید ہے۔ اور اس دوسرے خیال کی کہ کیون ایک عورتکے ایک سے زیادہ خاوند ہون تردید کرتا ہے۔

بقائے سلسلہ نسل انسانی سے بھی یہی شہادت پیدا ہوتی ہے

پھر تعدد ازدواج کی ضرورت پر ایک اور بڑی بھاری وجہ یہ بیان کی گئی تھی کہ تا اس سے بقائے سلسلہ نسل انسانی مین مدد ملے۔ اب ایک مرد دو یا تین بیویان رکھکر مختلف بیویونسے مختلف اولاد پیدا کر سکتا ہے مگر کیا ایک ہی عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونیسے یہ غرض حاصل ہو سکتی ہے۔ کیا ایک عورت جسکے خاوند زیادہ ہون وہ ایک خاوند والی عورتسے زیادہ بچے پیدا کر سکے گی۔ پس عورت اور مرد کے درمیان یہ ایک دوسرا بھاری امتیاز ہے جو خود قدرتنے ہی رکھا ہے۔ اور یہ امتیاز تعدد ازدواج کی ضرورت کو ثابت کرتا اور اس دوسرے ناپاک خیال کی جو تعدد ازدواج کے بالمقابل پیش کیا جاتا ہے تردید کرتا ہے۔ تاریخ مین ایسی مثالین تو بہت موجود ہین کہ ایک مرد جسنے دو یا تین بیویان کین اسکے ہان دو یا تین درجن یا اس سے بھی زیادہ اولاد پیدا ہوئی ہو۔ مگر کاش کہ کسی عورت کی بھی ایسی مثال پیش کیجاتی جو ایکسے زیادہ خاوند کر کے معمولی سے دگنے یا تگنے بچے پیدا کر سکی ہو۔ بلکہ برخلاف اسکے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایکسے زیادہ خاوندونسے عورت کی معمولی طاقت بچے پیدا کرنے کی بھی ضایع ہو جاتی ہے۔ اور اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا پس جس صورتمین تعدد ازدواج نسل انسانی کے بڑہانے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ دوسری رسم جو بعض وحشی قومونکے درمیان رائج رہی ہے نسل انسانی کو کم کرنیکا ذریعہ ہے۔ اور اسطرح اول الذکر رسم ممد اغراض نکاح ہو کر ضروری ٹھہر جاتی ہے۔ اور مؤخر الذکر مخالف اغراض نکاح ثابت ہو کر رد کرنیکے قابل ہے۔ علاوہ ازین تعدد ازدواج کی صورتمین ہر بچہ ماں

اور باپ معین ہوتے ہین اسی طرح پر جیسے ایک بیوی کی صورت مین ان کی تعیین ہو سکتی ہے! ور اس طرح پر والدین کی صحیح صحیح تعیین کے ساتھ نسل انسانی کا قیام رہ سکتا ہے لیکن جہان ایک عورت کے زیادہ خاوند ہون گے وہان یہ غرض بھی مفقود ہو گی اور والد کا پتہ ملنا محال ہوگا! اس طرح پر تعیین نسل ہرگز نہین ہو سکے گی۔ اب نکاح کے تین بڑے اغراض ہمنے قرار دیئے تھے یعنی تقوے کا قایم رکھنا نسل انسانی کے سلسلہ کا جاری رکھنا اور تعیین والدین۔ اور ہمنے یہ دکھا دیا ہے کہ ان تینون اغراض کے پورے کرنیکے لیے بعض وقت تعدد ازواج ضروری ٹھہر جاتا ہے۔ اور یون ممد اغراض نکاح ہونیکے سبب سے نکاح کی طرح تعدد ازواج بھی انسانی سوسائیٹی کیلیے ضروری ہے لیکن ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونیسے تینون اغراض کا حصول ناممکن ہو جاتا ہے! ور اسیلیے مخالف اغراض نکاح ہونیکے سبب سے یہ رسم ردّ کرنیکے قابل ہے۔

ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونیکی رسم ایک ناپاک اور وحشیانہ رسم ہے

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا کی کسی مہذب قوم یا دنیا کے کسی مقدس بانی مذہب نے اس رسم کو جایز نہین رکھا کہ ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہون بلکہ اگر کبھی اسپر عمل ہوا ہے تو وحشی اقوام کے اندر ہی ہوا ہے جو ہنوز تمدن انسانی سے واقف نہین ہوئی تھین علاوہ ازین جس صورت مین یہ رسم مروج رہی ہے اس سے بھی یہی شہادت پیدا ہوتی ہے کہ یہ رسم تعدد ازواج کی طرح کسی ضرورت کے لیے رایج نہین ہوئی بلکہ نکاح کا صحیح خیال مفقود ہونیکے باعث مروج رہی ہے۔ عام طور پر جہان اس کا رواج رہا ہے صرف اسی صورت مین رہا ہے کہ ایک عورت تمام بھائیونکی مشترکہ عورت سمجھی گئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان وحشی اقوام کے اندر عورت کو بھیڑون بیلون اور زمینون کی طرح تمام بھائیون کی جایداد مشترکہ سمجھا گیا تھا اور اسکو کوئی حقوق نہین دیئے گئے۔ اس رسم کا اصل محرک کوئی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف یہ ابتدائی وحشیانہ خیال کہ عورتین بھی جایداد کا ایک حصہ ہین اور اسی لیے ایک بھی مہذب قوم ایسی پیش نہین کیجا سکتی جس نے اس رسم کو انسانی سوسائیٹی کی بہتری کا ذریعہ سمجھ کر اسپر عمل کیا ہو۔ پس اس وحشیانہ رسم کو تعدد ازواج کے مقابلہ پر پیش کرنا محض حماقت ہے۔

تعدد ازواج کا مسئلہ نکاح کے صحیح خیال کے پیدا ہونیکے بعد پیدا ہوتا ہے اور اسکی ضرورت اسیلیے محسوس ہوتی ہے کہ وہ انہین اغراض کا معاون ہے جو مہذب سوسائیٹی نے نکاح کے اغراض قرار دیئے ہین بلکہ بعض صورتون مین بغیر اسکے وہ اغراض حاصل بھی نہین ہو سکتے گویا انسانی ضروریات کے وسیع دایرہ مین تعدد ازواج ایک بیوی سے نکاح کے نقصونکو دور کرنیوالا ہے! ور جب نکاح کی اصلی غرض ایک بیوی سے حاصل نہ ہو سکے تو دوسری بیوی سے نکاح جایز سمجھا جاتا ہے۔ مذہب اسلام مین تعدد ازواج کے مسئلہ کا یہی منشا ہے جیسا کہ ہم اس مضمون کے دوسرے حصہ مین چل کر بیان کرینگے۔

اس قدرتی امتیاز سے کیا شہادت پیدا ہوتی ہے

اب غور کرنا چاہئے کہ یہ امتیاز جو خود قدرت نے پیدا کیا ہے اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے خدا تعالے نے مرد اور عورت کو اس طرح پر پیدا کیا ہے کہ ایک مرد ایک سے زیادہ عورتوں سے فایدہ اٹھا سکتا ہے لیکن ایک عورت کا ایک سے زیادہ مردون سے تعلق رکھنا کسی فایدہ کا موجب نہین ہوسکتا بلکہ الٹا نقصان کا باعث ہے یہ امتیاز مرد اور عورت کے درمیان جو خود خدا کے ہاتھ نے تجویز کیا ہے صاف ظاہر کرتا ہے کہ قدرت نے اس امر کو تو جایز رکھا ہے کہ ایک مرد ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرے لیکن اسے جایز نہین رکھا کہ ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہون۔ اگر یہ دونون باتین یکسان طور پر قابل اعتراض ہوتین تو قانون قدرت الٰہی انکے درمیان ایسا فرق تجویز نہ کرتا بلکہ دونون جنسونکو یکسان حالت مین رکھتا تا ان دونون امور کے متعلق ایک ہی شہادت پیدا ہو اور اگر جایز ہون تو دونون ہون ورنہ دونون قابل رد ہون لیکن قانون قدرت نے ایسا نہین چاہا اور جو شخص ان دونون باتون مین وہ پہلو اختیار نہین کرتا جسکی شہادت قانون قدرت سے ملتی ہے وہ خدا کے قانون قدرت

انبیاء علیہم السلام کا کیا طریق رہا

یہی وجہ ہے کہ ہر ایک نبی نے وحی الٰہی کی روشنی سے اسبات کو دیکھ لیا کہ تعدد ازدواج انسانی سوسائٹی کی ضروریات مین سے ہے اور اسکا دروازہ کبھی انسانونکے لیے بند نہین ہونا چاہئے۔ مگر اس دوسری وحشیانہ رسم کو یعنی ایک عورت کے زیادہ خاوند ہونیکو کسی نبی نے جایز نہین رکھا اگر تعدد ازدواج کا مسئلہ بھی اس دوسری رسم کیطرح نکاح کے اصلی اغراض کی ناسمجھی کے باعث ہوتا تو کوئی وجہ نہین تھی کہ وہی نبی جنہون نے تعدد ازدواج کو جایز رکھا دوسری رسم کو جایز نہ رکھتے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہون نے نکاح کی اغراض کو مد نظر رکھکر ہی تعدد ازدواج کی اجازت دی اور دوسری وحشیانہ رسم کی بیخکنی کی بعض وقت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اور نبیون نے تو تعدد ازدواج کو جایز رکھا مگر حضرت مسیح ؑ نے اسکو جایز نہین رکھا۔ یہ سخت غلطی ہے جسقدر مسیح ؑ کے اقوال چار انجیلون مین مذکور ہین انمین ایک لفظ بھی ایسا نہین جو تعدد ازدواج کا مانع ہو۔ اگر حضرت مسیح ؑ کے نزدیک تعدد ازدواج بدکاری ہوتی تو ممکن نہین کہ وہ اسکے خلاف ایک لفظ بھی نہ بولتے حالانکہ انکے وقت مین اسکا کثرت سے رواج تھا۔ اور اب تو ایک عیسائی فرقہ اسبات کا قایل بھی پیدا ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح ؑ کی تین بیویان تھین۔ علاوہ ازین یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم بھی یوسف کی دوسری بیوی ہی تھین دو ہی باتین ہوسکتی ہین کہ یا تو وہ تعدد ازدواج کو جایز نکاح سمجھتے ہون اور یا نعوذ باللہ زناکاری خیال کرتے ہون لیکن ان کی خاموشی سے ظاہر ہے کہ انہون نے تعدد ازدواج کو ہرگز زنا نہین سمجھا کیونکہ ممکن نہین تھا کہ اپنے چارون طرف اسکی کثرت کو دیکھکر بلکہ خود اپنے گھر مین اس فعل کو ہوتا ہوا دیکھکر وہ چپ رہتے حالانکہ انکے نزدیک یہ فعل سخت ممنوع تھا پس سوائے اسکے کہ کوئی نتیجہ نہین نکلتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی تعدد ازدواج کو جایز نکاح سمجھتے تھے اور اس سے ہمارے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ ہر ایک نبی نے تعدد ازدواج کو جایز سمجھا ہے۔ تمام نبیونکی متفقہ شہادت تعدد ازدواج کے متعلق قطعی طور پر اسکے جواز کو ثابت کرتی ہے اور یہ کوئی چھوٹی سی بات نہین کہ تمام انبیاء کا اس بات پر

اتفاق ہو۔ اگر اس مین کوئی بھی نقص ہوتا تو تمام صاحب وحی معلم اس نقص سے ناآشنا نہ رہ سکتے تھے۔ اس مضمون کے باقی دو حصوں پر اگلی اشاعت مین بحث کرینگے +

(باقی آیندہ)

آریہ سماج کی سخت زبانی

یہ امر بہت ہی رنجدہ ہے کہ آریہ سماج اپنی مذہبی تحریرات سے جنمین سخت بدزبانی اور دل آزاری سے کام لیا جاتا ہے۔ عداوت اور دشمنی کا ایسا بیج بو رہا ہے جسکا نتیجہ کسی صورت مین اچھا نہین ہوسکتا۔ ان لوگون کی تیز زبانی اور دریدہ دہنی ایسی حد سے گذر گئی ہے کہ ملک کے مختلف حصون مین غریب اور امن جو قومون کو عدالتون مین چارہ جوئی کرنی پڑی ہے تا کہ اگر اور کسی طرح سے یہ لوگ نہین رک سکتے تو قانون کے ڈر سے ہی رُکے رہین مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان لوگون کو اس بات کی بھی کچھ پروا نہین اور باوجودیکہ ان مذہبی مقدمات مین آریہ سماجیونکو سزائین مل رہی ہین مگر پھر بھی اس بات سے نہین رُکے جس سے روکنے کیلیے یہ سزائین دیگئی ہین۔ بلکہ بجائے نرم پیرایہ اختیار کرنیکے اور بھی گالیان دینے اور غیر مہذبانہ حملے کرنیمین ترقی کی ہے جیسا کہ بعض تازہ تحریرین اس امر پر گواہ ہین اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانیت سے خالی ہونیکے سبب سے اس فرقہ کو اور کوئی راہ مذہبی مباحثات کی نظر نہین آتی سوائے اسکے کہ نہایت گندے اور ناپاک اور فحش الفاظ مین ان مقدسون کا ذکر کرین جن کو کروڑہا لوگ اپنا ہادی اور رہبر سمجھتے ہین۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یا تو آریہ سماج کے بڑے بڑے لیڈران دل آزار تحریر دینسے اتفاق رکھتے ہین اور یا اگر وہ دراصل انہین ناپسند کرتے ہین تو ان کا اس قوم پر اتنا اثر نہین کہ ایک بیجا طریقہ سے جس سے اندیشہ ہے کہ ملک کے امن مین فساد پیدا ہو۔ ان پرجوش نوجوانون کو روکین جو حد سے گذر رہے ہین۔

مذہبی مباحثات آریہ سماج کی مذہبی تحریرین دراصل ایک نمونہ ہین اس قابل افسوس طرز کا جس طرز مین بہت سارے مذہبی مباحثات ہندوستان مین ہو رہے ہین اگرچہ بلحاظ بدزبانی کے کسی تحریر کو ان لوگون کی تحریر دینسے کوئی نسبت نہین ان مباحثات مین جو اس ملک کے اندر مذہبی رنگ مین ہو رہے ہین اکثر کو پڑھکر مباحث کی نیک نیتی اور حق جوئی نہین پائی جاتی بلکہ اس کی نوک نکتہ چینی صرف اسی نتیجہ تک پہنچاتی ہے کہ لکھنے والے کے دل مین نہ دین کی عظمت اور نہ خدا کا خوف ہے۔ آریہ سماج کے مباحثات کے کئی ہزارون ورق کو پڑھ جاؤ یہ نہین معلوم ہو گا کہ ان لوگون کو دل کی پاکیزگی سے جو مذہب کی حقیقی روح ہے مس تک بھی ہے اصل اور

اہم سوال جنسے کسی مذہب کی صداقت کا فیصلہ ہوسکتا ہے چھوئے بھی نہین جاتے اور عمداً ان سے گریز کیجاتی ہے صرف اسلیے کہ اسکا کوئی معقول جواب انکے مذہب مین موجود نہین ہے! اور ان مصنفونکی تمام علمیت اسی مین خرچ ہوجاتی ہے کہ بدزبانی کے نئے نئے پیرائے ایجاد کرکے گالیون کی لغت کے دایرہ کو وسیع کیاجاوے اس قسم کے مباحثات جاہلونکو تھوڑی دیر کیلیے خوش کردیتے ہین اور ان کی غرض ہوتی بھی اسیقدر ہے لیکن ان کا اثر سوائے اسکے کہ دو قومون مین کینہ بڑھے اور کچھ نہین ہوتا نہین معلوم ان مباحثات سے آریہ سماج کو کونسا فایدہ حاصل ہوتا ہے جو اس طریق کی اصلاح نہین کیجاتی۔ حالانکہ ان کا نقصان اب کھلا کھلا یہ ظاہر ہورہا ہے کہ عدالتون تک نوبت پہنچ گئی ہے اور سویا ہوا کینہ پھر جاگ اٹھا ہے۔ ہم یہ نہین کہتے کہ مذہبی مباحثات کا دروازہ بند کیاجاوے کیونکہ یہ مذہبی آزادی جو اس گورنمنٹ کے نیچے ہمکو حاصل ہے یہ خدا کی ایک نعمت ہے مگر اس نعمت کا ہمین شکریہ ادا کرنا چاہیئے اور اسکو جایز طور پر استعمال کرکے یہ دکھانا چاہیئے کہ ہم اسکی قدر کرتے ہین نہ یہ کہ اس سے ناجایز فایدہ اٹھاکر فتنے اور فساد برپا کیے جاوین۔

خالی اعتراض کرنے اور نکتہ چینی سے کچھ حاصل نہین

ہمارے خیال مین مذہبونکے اس جنگ مین جو اسوقت شروع ہے اصلی سوال جو اس جھگڑے کا فیصلہ کرسکتا ہے بہت پیچیدہ نہین مگر اس سوال کا جواب دینے سے وہ لوگ جو حق پر نہین عمداً اعراض کررہے ہین کیونکہ اسکا کوئی معقول جواب انکے پاس موجود نہین نتیجہ یہ ہے کہ مباحثین کا کل زور اسی بات پر ہے کہ دوسرے مذاہب پر اعتراض کیے جاوین اور اسی مین ان کی کل کوشش خرچ ہوتی ہے یون ہر ایک غیر ضروری بات بحث کے نیچے آرہی ہے اور مباحثات سے کوئی بات صفائی سے حل نہین ہوتی بلکہ ضروری اور غیر ضروری اعتراضات کا گڑبڑ مچا ہوا ہے۔ چھوٹے چھوٹے مباحثین کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی ہے جسکے وجود سے ملک کو اور خلق کو نفع بہت کم اور ضرر بہت زیادہ پہنچ رہا ہے۔ جو دن رات اس ان تھک کوشش مین لگے ہوئے ہین کہ کتابون کی ورق گردانی کرکے ہر لفظ یا ہر خیال پر کچھ نہ کچھ اعتراض پیدا کرلین اس طریق سے کس مدعا کا حصول انہون نے مدنظر رکھا ہے اسکا جواب ہم کچھ نہین دیسکتے اگر ایک مذہب اپنی خوبی سوائے اسکے کچھ نہین دکھاسکتا کہ دوسرے مذاہب پر اعتراض کرنے مین وہ بڑا مشتاق ہے تو اس سے اسکی صداقت کا پتہ نہین ملیگا اور نہ ہی جسپر اعتراض کیے گئے ہین اسکا باطل ہونا یقینی اور قطعی ہوجائیگا۔ سوائے اسکے کہ کسی مذہب کے اصل اصول پر اعتراض کیے جاوین جو ان مباحثات مین معدوم نہین تو نادر ضرور ہورہا ہے معمولی طور پر یہ ہر ایک فریق ان اعتراضونکو جو دوسرے مذاہب پر کیے جاوین سچے سمجھ لیتا ہے اور جو اعتراض خود اسپر ہون انکو جھوٹے تصور کرلیتا ہے اور اگر ایک دہریہ ہے تو وہ کل اعتراضون کو صحیح سمجھ لیتا ہے پھر اس طریق سے کیا حاصل۔ ہم یہ بھی کہتے ہین کہ اگر بالفرض کسی مذہب نے یہ بھی ثابت کردیا کہ اسکے برخلاف

جس قدر اعتراض کیے جاتے ہین اسکے پاس انکو غلط سمجھنے کے وجوہات کافی ہین تو پھر بھی یہ امر اس مذہب کی صداقت کا ثبوت قطعی نہین ہو سکتا۔ مذہب کی اصل غرض صرف اسیقدر نہین کہ بعض ناقابل اعتراض باتین بیان کر دے اور جو مذہب صرف اسیقدر کام کرتا ہے اور اس سے آگے کچھ نہین کر سکتا وہ خدا کیطرف سے نہین ہو سکتا۔ مذہب کی اصل اور اہم غرض تو یہ ہے کہ وہ اپنے معتقدین کی زندگیون مین کوئی نمایان اثر پیدا کر کے دکھاوے اور انکی ناپاک زندگیونکو پاک حالتون سے بدلدے۔ دنیا مین بہت ساری سچی باتین ہین جن کو بیان کرنیسے ہماری زندگیون پر انکا کوئی نیک اثر نہین پڑ سکتا پس صرف اسیقدر کو مذہب کی غرض ٹھہرالینا غلطی ہے۔

مذہب کا پہلا فرض ہستی باریتعالی پر یقین تام پیدا کرنا ہے۔

مذہب کی اصل غرض اور اہم مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالے سے تعلق اور یگانگت پیدا کر کے انسان ہر ایک قسم کے گند اور ناپاکی سے نجات پاوے اسکے لیے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالے کی سچی معرفت حاصل ہو اور اس کی ہستی پر بصیرت کے ساتھ یقینی اور قطعی علم حاصل ہو کیونکہ اگر اللہ تعالے کی ہستی پر ہی یقینی ایمان نہین تو انسان اس سے تعلق کیا پیدا کر سکتا ہے! اب اللہ تعالے کی ہستی پر جسقدر دلایل عقل سے یا ملاحظہ مخلوقات سے ملتی ہین اول تو انسے قطعی اور یقینی شہادت اس امر کی پیدا نہین ہوتی کہ واقعی اللہ تعالی موجود ہے ہان صرف ضرورت صانع کی ثابت ہوتی ہے اور علاوہ ازین یہ دلایل کسی خاص مذہب سے تو حاصل نہین ہوئے پھر کسی مذہب کو ان دلایل سے کیا تعلق کیونکہ اگر کوئی مذہب نہ بھی ہوتا تو بھی یہ دلایل تو موجود ہوتے۔ پس جو مذہب ان عقلی دلایل کے سوا اور کوئی دلائل ہستی باریتعالے پر پیش نہین کر سکتا ایسے دلایل جو اپنے اندر قطعیت کا رنگ رکھتے ہون اسکا خدا کیطرف سے ہونیکا دعوے اسی جگہ باطل ثابت ہو جاویگا اور اسکی طرف سے دوسرے مذاہب پر یا خود ایسے مذہب پر لمبے چوڑے اعتراضونکی ضرورت نہین رہتی! اور خواہ اسکے عقاید کیسے ہی ناقابل اعتراض ہین مگر محض اسوجہ سے کہ اس مین کوئی قابل اعتراض بات نہین وہ خدا کیطرف سے ہونیکا دعوے نہین کر سکتا کیونکہ ایسا مذہب کوئی نیا علم ہمین نہین دیتا سوائے اسکے جو خود عقل انسانی نے دریافت کیا ہے۔ علاوہ ازین جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہین خالی عقل کی شہادت قطعی شہادت خدا کے موجود ہونے پر نہین بلکہ صرف اسکی ضرورت کی شہادت ہے اسلیے جو مذہب عقلی شہادت کے سوائے اور کوئی شہادت وجود باریتعالے پر پیش نہین کر سکتا اسکا منبع بھی عقل ناقص ہی ہوگی نہ خدا جو کامل ہے اسلیے کسی مذہب کی صداقت پرکھنے کیلیے سب سے پہلے ہمین اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ اس نے باریتعالے کی ہستی پر یقین پیدا کرنیکے لیے کونسی راہ بتائی ہے پس اس جنگ مذاہب مین ہر ایک مذہب کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ وہ راہ دکھاوے جس راہ پر چلکر انسانونکو ہستی باریتعالے کے متعلق یقین تام پیدا ہو سکتا ہے۔

مذہب کا اثر انسان کی زندگی پر

اگر مباحثات میں اس امر کو مدنظر رکھا جاوے جسکا ذکر اوپر کیا گیا ہے تو بہت سلے مباحثات کا اسی جگہ خاتمہ ہوجاتا ہے ہان کچھ دعویدار باقی رہ جائینگے جنکے درمیان فیصلہ کرنیکے لیے ہمین یہ دیکھنا ہوگا کہ اس دعوے کی دلیل انکے ہاتھ مین کیا ہے یعنی آیا اس دعوے کا کہ فلان مذہب مین اللہ تعالےٰ نے اپنی ہستی پر یقین تام پیدا کرنیکا راہ بتایا ہے عملی رنگ مین اس کے پیروؤن پر کوئی اثر بھی ہے یا نہین کیونکہ اس سے کسیکو انکار نہین ہوسکتا کہ اگر ایک شخص پورے یقین کے ساتھ خدا کی ہستی پر یقین رکھتا ہے تو اسکا قدم ایک لمحہ کیلیے بھی خدا کی مخالفت مین نہین اٹھ سکتا جس دل پر اس یقین نے پورا تسلط کرلیا ہے کہ ایک برتر ہستی موجود ہے جو انسان کے دل کے اندرونی خیالات سے بھی واقف ہے اور جو مخالفت کرنیوالونکو ایک دم مین ہلاک کرسکتی ہے تو ممکن نہین کہ پھر اسی دل مین کوئی گندہ اور ناپاک خیال یا اللہ تعالےٰ کی مرضی کے خلاف کوئی خیال قایم رہ سکے اسلیے مذہبی مباحثات کے اندر دوسرا اہم امر یہ ہے کہ دیکھا جاوے کہ کسی مذہب کا اپنے پیروؤن کی زندگی پر یہ اثر ہے کہ نہین کہ وہ انکو ہرایک قسم کی ناپاکی سے نجات دیکر ایک پاک تبدیلی انکے اندر پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص بھی ایسا نہین جو ایسے مذہب مین چلکر شیطان کے وسوسونسے بالکل محفوظ ہے تو ثابت ہوگا کہ ایسا مذہب اللہ تعالےٰ کے ساتھ تعلق پیدا نہین کرتا اسلیے اس مذہب سے وہ راہ بھی نہین مل سکتی جسپر چلکر انسان کو ہستی باریتعالےٰ پر یقین تام حاصل ہوسکے بحث کے اس مرحلہ پر اور بہت سارے دعویدار الگ ہوجاوینگے۔

مذہب کی سچائی کا امتیازی نشان

مگر یہان بھی اس بحث کا پورے طور پر خاتمہ نہین ہوتا کیونکہ پاکیزگی کے کئی ایک دعویدار پیدا ہوجاوینگے۔ اور یہ مشکل ہے کہ ہرایک دعویدار کے دعوے کو مثالین دیکر توڑ سکین کیونکہ ایک انسان کسی دوسرے شخص کی نسبت کیا کہہ سکتا ہے۔ کہ اس کی زندگی کیسی ہے۔ علاوہ اسکے بہت سے ایسے افعال ہین جن کے متعلق سب کا اتفاق نہین ہوسکتا کہ آیا وہ گناہ مین شامل ہین یا نہین اسلیے کوئی ایسا امتیازی نشان ہونا چاہیے جس سے اس دعوے کو آسانی سے پرکھا جاسکے یا یون کہو کہ کوئی ایسا نشان ہونا چاہیے جو قطعی طور پر فارق بین الحق والباطل ہو۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ خدا تعالےٰ نے انسانونکو تاریکی مین ہی رکھنا چاہا ہو اور سچے مذہب کا کوئی ایسا نشان نہ رکھا ہو جسکے ذریعہ سے ہرایک بجائے خود اسے پرکھ کر اختیار کرسکے۔ یہ نہین ہوسکتا کہ حق اور باطل کے درمیان خدا تعالےٰ نے کوئی امتیازی نشان نہ رکھا ہو اگر اللہ تعالیٰ انسانونسے یہ چاہتا ہے کہ وہ اسکی رضا کے تابع ہوکر چلین اور اسکی مخالفت کی راہونمین قدم نہ رکھین تو ضرور ہے کہ اس نے اس راہ کی کوئی ایسی علامت رکھی ہو جس سے جھوٹی راہین خالی ہون پس اس امر سے کسی صورت مین انکار نہین ہوسکتا کہ کوئی ایسا امتیازی نشان ضرور ہونا چاہیے جس سے طالب حق جھوٹے اور سچے مذہب کے درمیان فرق کرسکے اور یہی امتیازی نشان ہی ایک ایسا ذریعہ ہوسکتا ہے جو بالآخر

اس عظیم الشان مذہبی جنگ مین حَکَم کا کام دیکر اس جنگ کو ختم کر سکتا ہے! ور ایک اور ایک ہی مذہب کو سچا ثابت کرکے باقی سب کے...... بطلان کو بدیہی طور پر دکھا سکتا ہے پس ضروری اور اہم سوال کل مباحثات مین یہی ہونا چاہیئے کہ وہ امتیازی نشان جو حق اور باطل مین فرق کر سکتا ہے کیا ہے! ور وہ نشان کس مذہب مین پایا جاتا ہے اور کونسے مذاہب اس سے خالی ہین صرف اسیقدر امر کا فیصلہ ہونیسے ہم ان مباحثات کے دل آزار طریق سے نجات پا سکتے ہین۔

وہ امتیازی نشان کیا ہے اور کہان پایا جاتا ہے

سچے مذہب کا امتیازی نشان یہ ہے کہ اسے خدا تعالی کی طرفسے ہر وقت یہ تائید ملتی ہے کہ وہ آسمانی نشان دکھا سکتا ہے۔ کیونکہ اس امر سے کسی کو انکار نہین کہ ہر ایک مذہب نے ابتدا مین یہی دعوے کیا تھا اور اسی امتیازی نشان سے اسوقت کے موجودہ مذاہب پر فتح پائی تھی پس اگر ایسا امتیازی نشان حق اور باطل مین فرق کرنیکے لیلے ابتدا مین ضروری تھا تو کوئی وجہ نہین کہ آنیوالی نسلونکو وہی امتیازی نشان نہ دیا جاوے بلکہ انکو تاریکی مین رکھا جاوے پس اسی امتیازی نشان کے ذریعہ سے ہم ان لوگونکے دعاوی کو پرکھین گے جو پاکیزگی کے مدعی ہین اور یہی امتیازی نشان جو ایک طرح پر سب مذاہب کے نزدیک مسلم ہے اس جنگ مذاہب مین فیصلہ کن امر ہوگا۔ یہ امر کہ واقعی یہی وہ امتیازی نشان ہے جو اللہ تعالے نے حق اور باطل کے درمیان فرق کرنیکے لیے رکھا ہے۔ صرف اسی سے ثابت نہین کہ ہر ایک مذہب کی ابتدا مین یعنی جب وہ مذہب انسانی غلطیونسے پاک تھا یہ نشان ضرور پایا جاتا تھا بلکہ غور کرنیسے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہی امتیازی نشان حق اور باطل مین فرق کرنیکے لئے ہونا چاہیئے کیونکہ صرف آسمانی نشان ہی ایک ذریعہ ہے جس سے اللہ تعالی کی ہستی پر یقین تام اور ذات باری کی معرفت تامہ پیدا ہو سکتی ہے اور یہ ہر مذہب کی مسلمہ غرض ہے۔ اس مین کچھ شک نہین کہ بدی سے بچنے کیلیے غیر معمولی ایمانی قوت درکار ہے اور غیر معمولی طاقت نہین پیدا ہو سکتی جب تک انسان ہستی باریتعالی پر خارق عادت نشان نہ دیکھ لے۔ پس اصلی سوال جو کل مباحثات کو طے کر سکتا ہے۔ ایک نہایت ہی مختصر اور سیدھا سوال ہے جسکے حل کرنیکے لیے کوئی ایسی بات درکار نہین۔ جو معمولی انسانونکی قوت سے باہر ہو۔ طالب حق کو صرف اسقدر دیکھنا چاہیئے کہ وہ کونسا مذہب ہے جسمین اللہ تعالے خارق عادت آسمانی نشان ظاہر فرماتا ہے! اس مرحلہ پر پہونچکر ہم دیکھتے ہین کہ صرف ایک ہی مدعی اس میدان مین ہے اور اسکے سوائے کسیکو جرائت نہین جو اس میدان مین آسکے یا اسکے مقابلہ پر کمر ہمت باندھ سکے۔ یہ مدعی ہے اسلام کا پاک مذہب مگر نہ وہ اسلام جس مین انسانون نے غلطیان ملادی ہین۔ بلکہ اصلی اسلام جسکی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا! ور جسکو آج اس ذات اطہر کا نایب حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام پیش کر رہے ہین کوئی شخص ایسا نہین جس نے اس امتیازی نشان مین اس حامی اسلام کا مقابلہ کرنے کی جرائت

کی ہو اور جس نے جرأت کی نیچا دیکھا۔ خود آریہ سماج نے بھی اپنے ایک لیڈر کی موت مین ایسا امتیازی نشان دیکھا مگر افسوس کہ پھر بھی گندہ زبانی سے کام لیا۔

دھرم پال کی گندی تحریرین

آریہ سماج اس امر کا ثبوت تو دینے سے رہا کہ اسمین سچے مذہب کا امتیازی نشان پایا جاتا ہے اسلیے اب اس نے یہ طریق اختیار کیا ہے کہ جسقدر ممکن ہو دوسرے مذاہب کی نسبت سخت زبانی کیجاوے۔ کوئی دن ایسا نہ گذرتا ہوگا جس دن کوئی آدمی کسی ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار نہ کرتا ہو مگر آریہ سماج مین کسی شخص کا داخل ہونا سماج کیلیے ایک ایسی عجیب اور نئی بات ہے کہ ہر کس و ناکس کے ارتداد پر دنیا مین ایک شور برپا کیا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ گذرتا ہے کہ ایک شخص نے جسکا نام اسکے والدین نے غلطی سے عبدالغفور رکھا تھا آریہ سماج مین داخل ہوکر دھرمپال اپنا نام تجویز کیا۔ بتبدیلی مذہب کے وجوہات دینے کی بجائے اس نے ایک کتاب ترک اسلام شایع کی جس مین اسلام پر حسب معمول آریہ سماج کچھ اعتراض اکھٹے کیے گئے اس کتاب کا جواب کئی مسلمان مناظرین کی طرف سے شایع ہوا جسپر دھرمپال صاحب کو اسقدر جوش آیا ہے کہ انہون نے ایک کتاب تہذیب الاسلام کے نام سے شایع کر کے اسمین دل کھولکر مسلمانو نکے خدا اور پیغمبر کو گالیان دی ہین۔ طرز تحریر ایسا ہے کہ متانت مس بھی کر گئی نہین معلوم ہوتی۔ اس کتاب مین اسقدر تیز زبانی اور رذیلا پن سے کام لیا گیا ہے کہ پڑھنے والا ایک لمحہ کیلیے بھی مصنف کے متعلق اچھی رائے قایم نہین کر سکتا۔ اللہ تعالے کے متعلق اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے حقارت آمیز کلمات کو بار بار دھرایا ہے جس سے ایک مسلمان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ کتاب کو شروع ان الفاظ سے کیا گیا ہے کہ دنیا مین سب سے بڑا فریبی کون ہے اور بہت سے تمسخر اور استہزا کے بعد اسکا جواب یہ دیا ہے کہ ٹھگون اور چورون اور کسبیہ بردن غرضیکہ دنیا کے ہر ایک بدمعاش اور لچے سے بڑھکر فریبی (نعوذ باللہ) مسلمانو نکا خدا ہے اور پھر اس جواب پر سفیہانہ ہنسی کی ہے اسکے بعد کوتہ اندیش مصنف اسی استہزا کے رنگ مین اسی قسم کے حقارت آمیز اور گندے کلمات کو دھراتا ہے اور اللہ تعالے کے متعلق یہ بیباکانہ اور گندہ طرز تحریر اختیار کرتا ہے کہ نعوذ باللہ من ذالک کیا وہ چورونکا سردار ہے۔ کیا رہزنو نکا سرغنہ ہے کیا لوٹیرو نکا پیشرو ہے کیا رندو نکا سرگروہ ہے۔ کیا ٹھگو نکا گورو ہے کیا مٹی ہے پتھر ہے اینٹ ہے روڑا ہے اونٹ ہے ہاتھی ہے اسی قسم کے ہفوات سے صفحہ بعد صفحہ بھرا ہوا ہے۔ (دیکھو تہذیب الاسلام صفحہ ۵) لیکن نہین کہ اس گند کے بعد پھر کوئی نرمی ہو بلکہ اس سے بھی بڑھکر گند آگے چلا جاتا ہے۔ ہم نہین چاہتے کہ ناظرین کے دل کو دکھایا جاوے اسیلیے ہم اسکی عبارتین بھی نقل نہین کرتے مثال کے طور پر یہ چند لفظ ہمنے لکھدیے ہین۔ لکھنے والیکو نہ ملک کے قانون کی کچھ پروا ہے اور نہ ہی شائستگی کا پاس ہے۔

اور نہ ہی یہ خیال ہے کہ آخر یہ چھ کروڑ لوگ جنکے دل وہ اس جرأت سے دکھا رہا ہے اسی گورنمنٹ کی رعایا ہیں مذہبی آزادی دینے سے قانون کا یہ منشا کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ایسی بدزبانی اور دریدہ دہنی کی اجازت دیجاوے۔ جو موصل الی الشر ہے۔ اگر ان دو قوموں کے درمیان جو باہمی صلح اور امن سے ایک دوسرے کے پہلو میں گذارہ کر رہی ہیں کبھی کوئی فتنہ یا فساد ہو تو اسی قسم کے مصنفوں کی تحریریں اسکی ذمہ دار ہونگی۔ کاش کہ کوئی آریہ سماج کا خیرخواہ سماج کو یہ سمجھا دے کہ ایک شخص اپنی کوتہ اندیشی سے وہ دشمنی کا بیج بو رہا ہے جسکا پھل کسی صورت میں نیک نہیں ہو سکتا۔ ہندو اور مسلمانوں کے تعلقات بجائے بڑھنے کے ایسی تحریروں سے اور بھی کشیدہ ہونگے جسقدر سختی اس نے ان لوگوں پر کی ہے جنہوں نے اسکی کتاب کا جواب لکھا تھا اسکو ہم نظرانداز کر سکتے ہیں کیونکہ جوش کیوقت بعض وقت انسان حد سے گذر جاتا ہے معذور ہوتا ہے۔ مگر یہ بیوجہ کوسنا اور تحقیر کرنا عمداً دکھ دینے کیلیے کیا گیا ہے اور مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کیا گیا ہے۔ کونسا مسلمان ہے جسکا دل اس قسم کے فقروں کو سنکر ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو جاتا جیسے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک شان میں بیوجہ لکھے گئے ہیں۔ مثلاً صفحہ ۳۰۹ پر نعوذ باللہ آنحضرت کی نسبت معلم الملکوت کا لفظ۔

آریہ سماج کے لیڈرون کا فرض

ہم نہیں سمجھتے کہ اس سخت کلامی سے آریہ سماج کو کیا حاصل ہوگا بلکہ اور مضرات کے علاوہ خود پبلک کے دل پر ایسی تحریروں سے آریہ سماج کے متعلق کوئی اچھی رائے پیدا نہیں ہو سکتی کیا وہ لوگ جو دوسرے مذاہب اختیار کرتے ہیں ان کا بھی یہی طریق ہے ابتدا میں بعض عیسائیوں نے یہ غلط راہ اختیار کی تھی مگر آریہ سماج کی تحریروں کے بالمقابل وہ تحریریں گویا کچھ بھی نہیں۔ ہزاروں آدمی اسلام میں داخل ہوتے ہیں مگر کون اس طرح ان بزرگوں کو گالیاں دیتا ہے جنکے مذہب میں وہ پہلے تھا بہت عرصہ نہیں ہوا کہ ڈاکٹر لشی کنت چٹوپدھیا پرنسپل حیدرآباد کالج نے مذہب اسلام اختیار کیا اور اسکے وجوہات ولیکچروں میں بیان کیے جو اسوقت رسالوں کی صورتوں میں چھپے ہوئے ہیں انکو شروع سے اخیر تک پڑھ جاؤ مگر ایک لفظ بھی اس قسم کا نہیں ہوگا جس سے کسیکو ناحق رنج پہونچانیکا ارادہ کیا گیا ہو۔ مذہب میں تو صرف اصول دیکھنے ضروری ہیں اور ذاتیات پر حملے کرنا نادانی ہے۔ آریہ سماج کے لیڈروں کا یہ فرض ہے کہ کم ازکم وہ ایسی تحریروں میں حصہ لینے سے اپنی بریت ظاہر کریں تا جو دکھ اس کتاب سے پہنچا ہے وہ ایک فرد واحد تک محدود رہے اور ایک قوم کیطرف سے نہ سمجھا جاوے ہم امید کرتے ہیں کہ آریہ سماج کے لیڈر اگر ان جوشیلے کوتہ اندیشوں کو روک نہیں سکتے تو اس طریق کو وہ ضرور اختیار کرینگے کیونکہ یہ ازبس ضروری ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں کسی قسم کی رنجش پیدا نہ ہو۔

ہم دوبارہ اس بات کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ہم کبھی اس کتاب کے ایک لفظ کی بھی پرواہ نہ کرتے اگر ہمیں صرف مباحثہ میں کسیقدر سختی کا پہلو اختیار کر لیا گیا ہوتا۔ مباحثہ میں سختی کا ہو جانا ایک معمولی امر ہے اور جوش میں بعض وقت طرفین کے منہ سے ایسے کلمات نکل جاتے ہیں جنکے معنوں میں کمی بیشی کا اندازہ کرنا ٹھیک نہیں ہوتا مگر اس کتاب میں

بجائے سختی کے فحش گالیون سے کام لیا گیا ہے ایک شخص جو صرف اس کتاب کی فہرست مضامین کو ہی پڑھ لے وہ دیکھ لیگا کہ اس کتاب کا مصنف معقول مباحثہ کو چھوڑ کر سخت مباحثہ کی حد سے بھی کہین آگے گذر گیا ہے مثلاً ایسے ہذلیات اور توہین آمیز پیرایے جیسے خدا کا کیڑون مکوڑون (ص ۲۹) شیطان (ص ۱۳۸) بھنگیون یعنے چوہڑون (ص ۲۱۰) سے مقابلہ کرنا۔ اسلامی بہشت کو چکلے سے بدتر کہنا (ص ۲۱۸) ایک باعصمت عورت (حضرت مریم صدیقہ) پر وہ حملے کرنا جو یہودی بھی کرتا ہوا شرما جاوے (ص ۳۰۶) یہ اگر عمداً مسلمانون کے دلونکو دکھ پہونچانیکے لیے نہین کیا گیا تو کیا ہے۔ ہم تو یہ بھی کہنے کو تیار ہین کہ کوئی معقول آریہ سماجی بھی اس کتاب کے دو تین صفحے پڑھے تو ضرور اس کی گندہ زبانی سے کانپ اٹھیگا +

یہودیون اور عیسائیون کا اتحاد

مروّج اور غیر مروّج انجیلین

ڈاکٹر کراس نے جو اسوقت ہنگری کے ایک کالج مین پروفیسر ہے یہودیونکے ایک میگزین مین ایک مضمون لکھا ہے جسمین کسیوقت یہودیون اور عیسائیونکے اتحاد کے امکان کو دکھایا گیا ہے اس مضمون مین یسوع کی زندگی کے واقعات درج کیے گئے ہین اور اس لحاظ سے کہ وہ ایک یہودی کے قلم سے نکلے ہین خاص دلچسپی رکھتے ہین کوشش یہ کیگئی ہے کہ یہودیونکو اس الزام سے بری ثابت کیا جاوے کہ انہون نے دانستہ حضرت مسیح علیہ السلام کو کوئی تکلیف پہنچائی تھی پہلے وہ ذرائع بیان کیے گئے ہین جنسے مسیح کی زندگی کے واقعات کا پتہ ملسکتا ہے اور اس امر پر اظہار افسوس کیا گیا ہے کہ تاریخی طور پر مسیح علیہ السلام کی زندگی کے واقعات دریافت کرنیکے ذرائع بہت ہی کم ہین۔ چار مروجہ انجیلونکے متعلق مصنف مضمون کی وہی رائے ہے جو آج کل عیسائیونمین مسلم ہے یعنی یہ کہ وہ ایک نامکمل اور ناقص روایت کی بنا پر لکھی گئی ہین گویا تاریخ کے رنگ مین نہین بلکہ قصونکے رنگ مین ہین اسکے ساتھ ہی تاریخی طور پران چالیس یا چالیس سے زیادہ انجیلونکو جو عیسائیونکے نزدیک جعلی ہین اسی حد تک معتبر قرار دیا گیا ہے۔ اور اسکی وجہ یہ بیان کیگئی ہے کہ "جبتک مروجہ چار انجیلونکو کافی شاہد تصور کیا جاتا تھا غیر مروج انجیلونکو کوئی وقعت نہین دیجاتی تھی۔ مگر اب جبکہ مروجہ انجیلین قصص اور ناقابل اعتبار ثابت ہوگئی ہین تو کوئی ایسا امتیازی نشان نہین جس سے ہم ان دونون قسم کی انجیلونمین کوئی فرق کر سکین۔ دو یا تین سال ہوئے ہونگے کہ جرمنی کے فاضل کا تریڈی نے ایک مشہور تصنیف مین یہ ثابت کیا تھا کہ طفولیت کی انجیلین نہایت قیمتی تاریخی ذرائع ہین اور انپر پورا غور ہونا چاہیے

جسقدر غیر مروج انجیلوں کی وقعت تاریخی نگاہ میں بڑھتی جاویگی اسیقدر مروجہ اناجیل کی وقعت کم ہوتی جاویگی ان امور کو مدنظر رکھکر یسوع کی زندگی میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں جسکی صحت پر اعتراض نہ ہو سکتا ہو"......

عیسائیوں کی ان تحریروں کے علاوہ یہودی ذرایع کو بھی لیا گیا ہے اگرچہ وہ ان سے بھی بہت کم ہیں۔

مسیح کی ولادت پر حملے

یہودیوں کی نفرت حضرت مسیح سے ایک مشہور امر ہے۔ لیکن ڈاکٹر کراس اگرچہ بکلی اس نفرت سے پاک نہیں مگر بہت حد تک اس موروثی نفرت کے خیال کو دل سے دور کر چکا ہے تاہم اسکی تحریر بالکل اس خیال سے پاک نہیں۔ ابتدا میں وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ "یسوع ایک بزرگ اور متقی انسان ہمارے درمیان پیدا ہوا" اور پھر لکھتا ہے "اگر کلیسیا ہر ایک امر کو جو یسوع کے متعلق ہے بگاڑ کر کچھ کا کچھ نہ بنا دیتی تو اسکا نام آج یہودیوں کے درمیان نفرت نہیں بلکہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ اگر کلیسیا انہیں مسایل کو رواج دیتی جنکی تعلیم واقعی حضرت مسیح نے دی تھی۔ تو اسرائیلی انبیاء اور خود یسوع کے اصل منشاء کے مطابق ہوتا کیونکہ وہ ہم میں سے تھا وہ اس امر کو محسوس کرتا تھا کہ وہ ہماری طرف بھیجا گیا ہے وہ ہمیں تعلیم دینی چاہتا تھا اور ہماری خوشحالی اسکا مقصد تھا" ان الفاظ میں حضرت مسیح کا بنی اسرائیل کیطرف رسول ہونا جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے صاف الفاظ میں تسلیم کر لیا گیا ہے مگر باوجود اس اقرار کے ان جھوٹے قصوں کو جو حضرت مسیح کی پیدایش کے متعلق یہودیوں میں چلے آتے ہیں اس مضمون میں بہت وقعت دیگئی ہے۔ یہ سچ ہے کہ تاریخی طور پر انکو صحیح تسلیم نہیں کر لیا گیا بلکہ یہ بھی مانا ہے کہ حضرت مسیح کی ولادت کو ناجایز قرار دینے سے اصل غرض یہود کی صرف یہی تھی کہ تا انکے دعوے کی تردید کریں اور تا کہ ان کی نسبت ایسی باتیں مشہور کیجاویں جو انکو بدنام کرنیوالی ہوں مگر پھر بھی مصنف مضمون کا دل یہ نہیں چاہتا کہ ان قصوں کو قطعی طور پر جھوٹے قرار دے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "جہاں ایک بے تعصب محقق اسبات کا افسوس کریگا کہ مذہبی جوش نے کہانتک نوبت پہنچائی ہے ساتھ ہی اسکے سامنے یہ سوال بھی آئیگا کہ کوئی واقعہ جسکے ذریعہ سے اظہار دشمنی کیا جاوے لازمی نہیں کہ وہ ضرور ہی جھوٹا ہو کیا ممکن نہیں کہ انجیلوں کا قصہ ہی جسپر اور بھی کئی طرح کے شبہات وارد ہوتے ہیں جعلی ہو؟ اور اگر کلیسیا کو جو یسوع کی الوہیت یا اسکے بن باپ پیدا ہونیکا کوئی ثبوت نہیں دے سکتی اسی امکان کا مقابلہ کرنا پڑے کہ یسوع کی ولادت کے متعلق وہی قصص صحیح ہیں جو حواریوں کے علاوہ دوسرے لوگوں (یعنی یہودیوں) نے لکھے ہیں تو پھر کیا ہوگا۔ کیا اس سے یسوع کی تعلیم کی قیمت کم ہو جاویگی۔ اور کیا پھر وہ اس قابل نہ رہیگی کہ ایک عظیم الشان کلیسیا کی بنیاد اسپر رکھی جاوے" یہ خیالات مصنف کی اپنی رائے کی تردید کر رہے ہیں۔ جو اس مضمون کے پہلے حصہ میں حضرت مسیح کے سچا نبی ہونیکے متعلق اسنے بیان کی ہے کیونکہ اگر واقعی حضرت

مسیح خدا کیطرف سے تھے اور راستباز تھے۔ توان قصص کو لازماً جھوٹا ماننا پڑیگا۔ راقم مضمون کو جو ایک یہودی ہے توریت کے وہ الفاظ ضرور معلوم ہونگے جنمین حرامی بچونکے متعلق لکھا ہے کہ "حرامی بچہ خداوند کی جماعت مین داخل نہووے اسکی دسوین پشت تک وہ خداوند کی جماعت مین شامل نہو" (استثنا ۲۳-۲) پس وہ شخص جسکو اللہ تعالے اس قابل بھی نہین سمجھتا کہ وہ اسکی جماعت مین داخل ہووے ایسے شخص کو وہ نبوت کا ممتاز عہدہ کیونکر دیسکتا ہے۔ اس حوالہ کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودیون کی اصل غرض ان قصونکے گھڑنے مین سوائے اسکے کچھ نہین تھی کہ اس سے حضرت مسیح کے دعوے نبوت کو صدمہ پہنچے۔ یہ سچ ہے کہ کسی آدمی کی بڑائی اس بات پر منحصر نہین کہ اسکی ولادت یا نسل کیسی ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ امر بھی حق ہے کہ وہ لوگ جنکو اللہ تعالی اپنے لیے چنتا ہے اور جنکو وہ دنیا کیطرف رسول کرکے بھیجتا ہے اس قسم کے نقصونسے اور ایسے عیبونسے پاک ہوتے ہین۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جھوٹے قصونپر جن مین حضرت مسیح کی ولادت پر حملے کیے گئے ہین۔ یہودیونکا کیسا پکا اعتقاد ہے مگر انکو سچا ماننے کیلیے یہ ضروری ہے کہ پہلے ان قصون کو جھوٹا سمجھا جاوے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کو حضرت مسیح کے متعلق روح منہ کہنا پڑا جس سے یہ سمجھایا گیا کہ جس بات پر یہودی جمے بیٹھے ہین کہ آپکی ولادت مین نعوذ باللہ ناپاکی کو دخل ہے یہ بالکل جھوٹ بات ہے بلکہ وہ ایک پاک روح ہے جو خدا کیطرف سے ہے نہ کہ شیطانی اور ناپاک روح۔ اگر یہودیونکے اسقدر سخت اعتراض آپ کی ولادت پر نہ ہوتے تو خدا کے پاک کلام کو ان الفاظ کے بیان کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

تیس سالہ زندگی حضرت مسیح کی تیس سال کی زندگی کا کوئی حال معلوم نہین اور اس امر سے عیسائیونکو بھی انکار نہین مروجہ اناجیل مین صرف ایک دو واقعات کا ذکر ہے طالمود مین بھی ایک دو اشارے پائے جاتے ہین مگر انکی صحت پر یقین نہین کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر کراس ایک واقعہ کو جسکا ذکر طالمود نے کیا ہے یون بیان کرتا ہے۔ "ایسا ہی بیان طالمود مین بھی موجود ہے۔ یہان یسوع بحیثیت ربی یشوع بن پراحیا کے شاگرد کے پیش کیا گیا ہے جسکے ساتھ وہ مصر مین بھاگ گیا کیونکہ بادشاہ ربیونکو تکلیف دیتا تھا۔ بعد مین جب دونون فلسطین کو واپس آئے تو یسوع کا کسی عورت کی خوبصورتی پر فریفتہ ہوجانا دیکھکر ربی نے اسے عاق کردیا یہی سبب تھا کہ یسوع نے اسرائیلی مذہب سے ارتداد کیطرف لوگونکو بلایا" اس قصہ کے آخری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ ایسے وقت مین گھڑا گیا جب عیسائیت کا رنگ پلٹ چکا تھا یعنی ...... حضرت مسیح سے بہت مدت بعد۔ عجیب بات ہے کہ اور نبیونپر بھی انکے دشمنون نے اسی قسم کے الزام لگائے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام خبیث فطرتین ایک ہی وضع کی ہوتی ہین۔

مسیح کی تعلیم مگر سب سے زیادہ ضروری امر جو یہودیون اور عیسائیون کے اتحاد کے سوال کو آخر کار حل کرسکتا ہے

مسیح کی تعلیم کا سوال ہے۔ اس بارے مین ڈاکٹر کراس سب سے پہلے یہ سوال پوچھتا ہے کہ کیا حضرت مسیح نے واقعی کسی نئے مذہب کے بانی ہونیکا دعوےٰ بھی کیا تھا؟ اور اسکا جواب یہ دیتا ہے کہ "باوجودیکہ اناجیل اسوقت لکھی گئین جب عیسائیت مین کسی قدر تغیر آچکا تھا تاہم وہ بھی کھلے طور پر یہ دعوے کرنیکی جرأت نہین کرتین کہ یسوع نے شریعت موسوی کو منسوخ کر دیا تھا اور تفسیر کو تاریکی مین رہنے دیا کہ حواری اسکے متعلق ٹھیک رائے قایم کرین۔ ایک معقول پسند منقد اناجیل سے صرف اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ خواہ انکی مذہبی تعلیم کچھ ہی ہو اسمین کچھ شک نہین کہ یسوع دوسرے یہودیونکی طرح ایک یہودی تھا بلکہ ربیونکی طرح وہ ایک ربی تھا۔ اور کہ اس نے صرف اسیقدر دعوے کیا اور اس سے بڑھکر اور کوئی دعوے نہین کیا" دراصل حضرت مسیح کے اقوال ہین جو اناجیل مین مذکور ہین ایک لفظ بھی ایسا نہین جس سے یہ ثابت ہو کہ آپنے شریعت موسوی کو منسوخ کر دیا تھا یا آپ کا ارادہ منسوخ کرنیکا تھا۔ متی آپکے اس قول کو نقل کرتا ہے "یہ خیال مت کرو کہ مین توریت یا نبیون کی کتاب کو منسوخ کرنے آیا ہون مین منسوخ کرنیکو نہین بلکہ پوری کرنیکو آیا ہون" (متی ۵/۱۷)۔ طالمود اسی قول کو نقل کرتے ہوئے اسکو اور بھی واضح کر دیتی ہے چنانچہ اسکے الفاظ یہ ہین "مین اس لیے نہین آیا کہ موسیٰؑ کی شریعت سے کچھ گھٹاؤن نہ اسلیئے آیا ہون کہ اس شریعت پر کچھ ایزاد کرون"۔ شریعت کو پورا کرنیسے آپ کا یہی مطلب تھا۔ پھر جب ایک دولتمند نے آپسے آکر کہا کہ مین کونسا نیک کام کرون جس سے ہمیشہ کی زندگی پاؤن تو آپ کا جواب عبرانیون کی انجیل مین یون نقل کیا گیا ہے کہ "توریت اور نبیون کی کتابونکو پورا کرو" یعنے انکے احکام کی فرمانبرداری کرو۔ یہ مثالین یہودی فاضل نے یہ ثابت کرنیکے لیے لکھی ہین کہ حضرت عیسےٰ صرف شریعت موسوی کے خادم ہو کر آئے تھے اور خود کوئی نئی شریعت نہین لائے اور نہ آپنے کبھی شریعت سے انحراف کیا۔ عملی طور بھی وہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے مطابق ہی چلتے رہے آپ کی زندگی مین صرف دو ایسے واقعے پیش کیے جاتے ہین جن کو حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے خلاف ورزی کہا جاتا ہے اور پھر اس سے منسوخی شریعت کا نتیجہ نکالا جاتا ہے مگر یہ محض تنکے کا پہاڑ بنانا ہے۔ ڈاکٹر کراس نے یہ ثابت کیا ہے کہ اول تو ممکن ہے کہ سہواً یہ افعال آپسے سرزد ہوئے ہون یعنی ایک سبت کے دن خوشوں کے توڑنیکی اجازت دینا اور دوسرا کھانیسے پہلے ہاتھ نہ دھونا اور پھر یہ دکھایا گیا ہے کہ یہ ضروریات شریعت موسیٰؑ کی نہ تھین بلکہ ربیونکے بنائے ہوئے قواعد کے مطابق انکی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔

یہودی الزام سے بری نہین ہو سکتے

یسوع کے عدالتمین گھسیٹا جانے اور صلیب پر کھینچا جانے کے معاملہ مین ڈاکٹر کراس یہودیونکو بالکل بیگناہ سمجھتا ہے اور اسکا سارا گناہ پیلاطوس کے ذمے ڈالتا ہے جو رومیون کیطرف سے حاکم تھا۔ اس امر کو چھوڑ کر کہ جسقدر شہادت ملتی ہے

وہ اس کے خلاف ہے یا غالب بھی نہیں کہ یہودیوں نے حضرت مسیح کو دکھ دینے میں کوئی حصہ نہ لیا ہو۔ مصنف مضمون لکھتا ہے کہ "اس قسم کے اور بہت سے خیالی پلاؤ پکائے گئے" جس سے اس کی مراد مسیحیت کے جھوٹے دعویدار ہیں۔ اسوقت سے پہلے اور پیچھے رومیوں نے اسی طرح مار ڈالے تھے مگر اس سے بھی یہ قرینہ پیدا نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح بھی اسی طرح مارے گئے ہوں۔ اسوقت کے یہودیوں کے دلوں میں مسیح کی وہ عزت نہ تھی جو آج کل کے بعض مہذب یہودیوں کے دلوں میں ہے بلکہ وہ انکو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت مسیح کی مخالفت کرنیمیں ان کے ہاتھ میں کوئی بھی عذر نہیں تھا انکو ٹھوکر ملاکی کی پیشگوئی پر لگی جس میں لکھا تھا کہ سچے مسیح کے آنیسے پہلے ضرور ہے کہ ایلیا نبی آسمان سے اترے پس یہودیوں کے نزدیک مسیحیت کا ہر ایک دعویدار جھوٹا تھا جبتک ایلیا نبی آکر اسکی شہادت نہ دیتا اسی بنا پر انہوں نے حضرت عیسے علیہ السلام کے دعوے کو بھی جھوٹا سمجھ لیا۔ ایلیا کی دوبارہ آمد کی تشریح جو حضرت مسیح نے کی وہ یہ تھی کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا ہی ایلیا ہے یعنی ایلیا کی دوبارہ آمد سے مراد یوحنا بپتسمہ دینے والے کا آنا تھا جو ایلیا کی روحانی خاصیتوں کو لیکر آیا ہے۔ لیکن یہودیوں نے اس امر کو قبول نہ کیا اور وہی غلطی کی جو خود اس زمانے میں وہ لوگ کر رہے ہیں جو اس انتظار میں ہیں کہ مسیح خود آسمان سے اترے حالانکہ مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئی اسکے مثیل کی آمد سے جو اسی کے رنگ میں اور اسی کی روحانی قوتوں کے ساتھ آیا ہے پوری ہو چکی ہے غرضیکہ اس موٹی بات کو ہاتھ میں لیکر کہ چونکہ ایلیا نہیں آیا اسلیئے مدعی مسیحیت صادق نہیں ہو سکتا۔ یہودیوں نے ہر قسم کے دلایل کے سننے سے اعراض کیا۔ اب وہ حالت نہیں کیونکہ ایلیا کے آنیسے یہودی مایوس ہو چکے ہیں جیسا کہ کسی دن مسیح کے واپس آنیسے اسکے قایل مایوس ہو کر آخر حق کیطرف رجوع کرینگے پس اب وہ حضرت مسیح کو راستباز نبی ماننے کیلیئے بھی تیار ہیں مگر اسوقت چونکہ یہودی یقینی طور پر یہی سمجھے بیٹھے تھے کہ حضرت عیسٰے دعوے مسیحیت میں نعوذ باللہ مفتری ہیں اور اسی لیے انہوں نے آپ پر اور آپکی والدہ صدیقہ پر نہایت ناپاک الزام بھی لگائے تھے اسلیئے انہوں نے طرح طرح کے دکھ بھی انہیں دیئے اسیطرح جیسا جیسا ہر نبی کو دکھ دیا گیا۔ صلیب پر کھینچنے سے انکا منشا یہی تھا کہ اس سے حضرت مسیح کا دعوے باطل ہو جاویگا۔

اتحاد کیونکر ہو سکتا ہے

اب ہمنے یہ دیکھنا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا اتحاد کیونکر ہو سکتا ہے۔ اکثر کراس اسکے متعلق اپنے مضمون کے اخیر میں یہ تجویز کرتا ہے "اگر ہم یہودی جنکی تعداد بہت تھوڑی سی ہے عیسائی کلیسیا سے یہ درخواست کریں کہ وہ ہماری خاطر اپنی بعض باتوں کو چھوڑ دے تو یہ شاید ہماری گستاخی سمجھی جاوے گی لیکن اگر یہ صورت ہو جاوے تو پھر ہم دونوں قومیں اس عظیم الشان انسان یسوع میں اپنی خوشی کو پالینگی۔ ہم بڑے فخر سے اسے اپنا تسلیم کر لینگے اور اسے اسرائیل کا سب سے بڑا فرزند مان لینگے۔ چونکہ اب وہ خدا تو ہو نہیں سکتا پس اسے انسان ہی بننے دیا جاوے لیکن

ایسا انسان جو معمولی انسانوں سے نرالا ہے اور انپر فوقیت رکھتا ہے چند سال کا ذکر ہے کہ راقم اور دیگر یہودی مصنفوں کو امریکہ سے چند سوال پہنچے تھے جن مین ہماری رائے یسوع کے متعلق دریافت کیگئی تھی اور یہودی مذہب کے اتحاد کے متعلق اشارہ کیا گیا تھا۔ ہم یہودی اگر اس بات کو مان لین تو گویا اپنی تمام خصوصیات یعنی اپنی قومیت اور اپنی زندگی اور اپنے مذہب سے دست بردار ہو جائینگے ہان اگر عیسائی مذہب اپنی خصوصیات کو چھوڑ دے تو ہم اپنی خصوصیتین چھوڑ دینگے تب ہم بائیبل کے الفاظ مین ایک قوم ہو جائینگے یہ میرا جواب اس اتحاد کے سوال کے متعلق ہے جو امریکہ سے پوچھا گیا تھا" اس تجویز سے یہ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ راقم کا منشاء عیسائیت کی خصوصیات سے کیا ہے۔ یہی تثلیث اور مسیح کی الوہیت اور کفارہ یعنی عیسائی مذہب کے وہ اصول جن پر اسکی بنیاد رکھی گئی ہے اور جنکے سبب سے یہ مذہب یہودی مذہب سے الگ ہوا لیکن یہ ٹھیک معلوم نہین ہوتا کہ یہودی مذہب کی خصوصیتوں سے کیا مراد ہے غالباً اسکا منشاء یہودیونکی شریعت ہے۔ دراصل یہ اتحاد کی تجویز ان دونون قومونکے موجودہ میلان کا نقشہ کھینچ رہی ہے کیونکہ عیسائی مذہب کا میلان تو اسوقت یہ ہے کہ کفارہ اور تثلیث اور الوہیت مسیح کے عقاید کو دور کیا جاوے اور یہودی مذہب کا میلان یہ ہے کہ یہودی شریعت اسوقت قابل عمل نہین ہے اور یہودی شریعت تھی بھی دراصل ایک خاص قوم اور خاص وقت کے لیے۔ لیکن اگر دونون مذہبونکی خصوصیتونکو الگ کر دیا جاوے جیسا کہ زمانہ باواز بلند پکار رہا ہے کہ انہین آخر چھوڑنا پڑے گا۔ تو باقی صرف اسلام کے اصول ہی رہ جاتے ہین یا یون کہو کہ ان دونون مذہبونکا خاتمہ ہو کر باقی صرف اسلام کا مذہب ہی رہجاتا ہے کیونکہ اسلام نے جہان ایک طرف تثلیث اور کفارہ کی تردید کی دوسری طرف یہودی شریعت کو منسوخ کر کے دنیا کو ایک ایسا پاک مذہب عطا کیا جو سب قسم کی غلطیوں سے پاک ہے اسلیے یہودون اور عیسائیونکا مجوزہ اتحاد ہمین ایک قسم کی خوشی بھی دیتا ہے کیونکہ یہ قبولیت اسلام کیطرف پہلا قدم ہے۔

ان غلطیون کی اصلاح سب سے پہلے کس نے کی

اگر یہ تجویز یہودیون اور عیسائیونکے اتحاد کی تکمیل کو پہنچ جاوے تو دنیا اس انسان کو اپنا عظیم الشان محسن سمجھے گی جسکے ذریعہ سے ایسی اصلاح ہوگی اسوقت بیشک ہر ایک آدمی کا خیال ایسا ہی ہوگا۔ لیکن جب وہ فقات کیطرف دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اوقات دنیا اپنے سچے محسنوں سے دشمنی ہی کرتی رہی ہے اور احسان فراموشی کر کے انہین کی مخالفت کرتی رہی ہے جنہون نے اسے فایدہ پہنچانا چاہا۔ ایک ایسا محسن بلکہ دنیا کا سب سے بڑا محسن عرب کے بیابانو نمین اٹھا اور سب سے پہلے اسنے یہودیون اور عیسائیون دونونکو اپنی غلطیون پر مطلع کیا۔ مگر اسکی بات کسی نے نہ سنا۔ اسنے یہودیونکو باواز بلند پکار کر سنایا کہ دیکھو تم مسیح کو جھوٹا کہنے مین اور انپر اور انکی والدہ پر الزام لگانے مین غلطی کر رہے ہو اور یہ بھی سنایا کہ حضرت موسےٰ کی شریعت قانون مختص القوم اور مختص الزمان تھا۔ اسنے

عیسائیونکو بار بار کہا کہ مسیح کو خدا مت کہو۔ وہ نہ خدا ہے نہ خدا کا بیٹا ہے ہان انسانون مین سے ایک انسان مگر ساتھ ہی خدا کا ایک برگزیدہ نبی بھی ہے۔ اس نے دونون قومون پر الزام قایم کیا کہ ایک قوم تفریط کیطرف جا رہی ہے اور دوسری افراط کیطرف اور فرمایا کہ یا اهل الکتٰب لا تغلوا فی دینکم اے اہل کتاب مسیح کے بارےمین غلو مت کرو نہ اسکو حد سے بڑھا کر خدا بناؤ نہ اتنا گھٹاؤ کہ مفتری اور کیا کچھ قرار دو۔ اسی طرح یہودیون کے الزام کو بہتان عظیم کہہ کر ان تمام قصونکو جھوٹے قرار دیا جنکو مشہور کرکے یہودی مسیح کی ولادت پر ناپاک حملے کرتے تھے

آنحضرت کا ان غلطیون پر مطلع ہونا ایک خارق عادت امر تھا

حضرت عیسے علیہ السلام کے متعلق جو کچھ قرآن شریف مین بیان کیا گیا ہے اسمین اعجازی امر یہ ہے کہ ان باتونکا کہنے والا بظاہر ایک اُمّی آدمی تھا جسکو کتابی علوم کا مطلق کچھ پتہ نہ تھا۔ آج کا نہین بلکہ تیرہ سَو سال کا یہ ذکر ہے جسوقت نہ وہ تنقید موجود تھی جس سے آج یہ نتیجے نکالے جاتے ہین۔ نہ تنقید کے اصول اور نہ ہی وہ سامان جسکے ذریعہ ایک منقد صحیح نتیجہ پر پہونچ سکے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی تحقیق نہین کی کہ یہودیون نے یہ کہانیان کیون اور کس طرح بنائین اور آیا وہ اصلی ہین یا جعلی۔ اور نہ ہی عیسائیونکے اصول مذہب کے متعلق کبھی تحقیقات کی کہ پہلے کیا تھے پھر کیا ہوئے۔ غرضیکہ ان عادی راہونمین سے کوئی راہ اختیار نہین کی جنپر چلکر دنیا مین انسان بعض امور سے بعض نتایج پر پہنچتے ہین اور پھر وہ نتایج بھی ضروری طور پر صحیح نہین ہوتے۔ مگر ان طریقونمین سے کسی طریق کو نہ اختیار کرکے بھی آپ ایک ایسے عجیب اور صحیح اور مضبوط نتیجہ پر پہنچے جو آج ایک دنیا کو حیرت مین ڈالنے والا ہے۔ جس زمانہ مین آپکا ظہور ہوا ہے حضرت مسیح کے متعلق صحیح عقیدہ کہین بھی نہ تھا۔ یا تو افراط کا پہلو یعنی خدا اور خدا کا بیٹا اور یا تفریط کا وہ پہلو جو اور کسی نبی کے متعلق کبھی مخالفین نے اختیار نہین کیا یعنی ولادت پر یہ حملے کہ وہ نعوذ باللہ ناجایز طور پر پیدا ہوئے اور موت پر یہ حملے کہ وہ نعوذ باللہ لعنتیونکی موت تھی۔ مگر ان سب تاریکیونکے ہوتے ہوئے آپ ایک ایسے روشن نتیجہ پر پہونچے جسکے سامنے آخر یار بیک باریک اصول تنقید کو سر جھکانا پڑا ہے یہی باتین جو آج دو ہزار برس کے بعد عیسائیون کو معلوم ہوئی ہین آپنے انکو کہین کہ دیکھو مسیح خدا نہین بلکہ خدا کا بندہ ہے اور رسول ہے۔ اسکے سوا اور کس نے کہا۔ ولا تقولوا ثلثة انتهوا خيرا لكم تین خدا مت کہو اس سے باز آجاؤ کہ یہی تمہارے لیے بہتر ہے مگر اس مشفق ناصح کے الفاظ کی پروانہ کی گئی۔ پھر کس نے یہودیونکو اس پر شوکت آواز سے کہا وقولهم على مريم بهتانا عظيما۔ تم اسلیے ملعون ٹھہرے کہ تمنے مریم صدیقہ پر بہتان عظیم باندھا۔ افسوس ہے اُن عیسائیون پر جنہون نے یہودیونکے قصے سنتے سنتے آخر کار یہ پتھر یعنی اس رومی سپاہی کو جسکے ساتھ یہودی اپنے خبث کیوجہ سے حضرت مریم صدیقہ پر جھوٹا الزام لگاتے تھے حضرت عیسے کے آبا کی فہرست مین شامل کر دیا

اس نے کہا کہ دیکھو تم مسیح کو جھوٹا مت کہو مگر اسوقت اس ہمدرد کے الفاظ پر بہت تھوڑون نے غور کیا اب ہم پوچھتے ہین کہ وہ کون تھا جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس اصلی اور حقیقی راز پر آگاہ کر دیا اور غلطیوں کے عظیم الشان ڈھیر کے نیچے سے نکالکر اصل حقیقت کو صحیح صحیح دکھا دیا۔ وہ حقیقت جو آخر کئی نسلوں کی محنتوں سے بھی جزوی طور پر ہی دریافت ہوئی ہے اسکا اطلاع دینے والا سوا اس عالم الغیب ہستی کے اور کون ہو سکتا تھا۔ جو دلونکے اسرار سے بھی واقف ہے اسی نے یہ صداقت بھی آپ پر منکشف کی ورنہ اس زمانہ مین اس صداقت کو پالینا انسانی طاقت سے باہر تھا کیا یہ بین ثبوت اس امر کا نہین کہ آپ وحی الہی کے سرچشمہ سے بولتے تھے نہ اپنی خواہش یا ارادے سے؟ یہ ایک نہایت صاف اور واضح دلیل ہے کیونکہ ایک انسان ان پڑھ بیابان مین بیٹھا ہوا اور بیرونی دنیا سے کوئی تعلق نہ رکھنے والا خود بخود اس نتیجہ پر کیونکر پہنچ سکتا تھا۔ اگر حضرت عیسےٰ کے متعلق یہ اعتقاد خالی انسانی خیال ہوتا تو اغلب یہی تھا کہ آپ ایکطرف کو جھک جاتے۔ مسلمانونکے لیے کیسی خوشی کا مقام ہے کہ حضرت عیسےٰ کے متعلق صحیح تنقید سے آخر وہی عقیدہ صحیح ثابت ہوا جو انکے ہادی اور رہبر نے سکھایا تھا اور خود یہودیون اور عیسائیونکو اپنے غلط عقاید چھوڑکر آخر یہی پاک عقیدہ تسلیم کرنا پڑا کیسا عجیب رہنما یہ انسان تھا۔ اور کیونکر اسکی ہر ایک بات قابل وثوق ثابت ہو رہی ہے اسی کی آنکھ نے آسمان سے روشنی پاکر غلطیونکے تاریک بادلونکے نیچے سے اصل حقیقت کو پالیا۔

کیا یہودی اور عیسائی اس نبی کا احسان مانین گے

چند اور لفظون پر اسکو ختم کرتے ہین جس صورت مین یہودی اور عیسائی دونون قومین اپنی اپنی غلطیونکو تسلیم کر رہی ہین کیا وہ اس امر کے لیے تیار ہین کہ اس عظیم الشان محسن کے احسان کا اقرار کرین جسنے سب سے پہلے یہ حقیقت دنیا کو کھولکر دکھائی۔ وہ تعصب جو ان لوگونکو اس مقدس انسان کے خلاف پیدا ہو گیا ہے انکو اس بات کی اجازت ندیگا اور گو اسلام کے اصول کی صداقت کو ایک ایک کرکے تسلیم کرتے جاوین مگر آنحضرت کی صداقت کو تسلیم کرنا انکو موت کے برابر نظر آتا ہے مگر آخر یہ تعصب کا پردہ بھی ضرور ایک دن اٹھ جائیگا اور صداقت کی چمکدار شعاعین غلطیونکی تاریکی کو پاش پاش کرکے سب دلونکو منور کر دینگی کیونکہ آخر غلبہ حق کا ہی ہے دنیا مین بہت سے بڑے بڑے انسان گذرے ہین مگر اس عجیب انسان کی عظمت کے مقابل سب ہیچ ہین اسکے آگے جیسا ایک فلاسفر اور اخلاقی تعلیم دینے والے کو سر جھکانا پڑتا ہے اسی طرح ایک منقد اور سائینسدان کو بھی آخر اس کی بات کو ماننا پڑتا ہے +

ایک عیسائی گورنمنٹ اور مسلمان

صحابہ کی تکالیف اور ایک عیسائی گورنمنٹ

ایک واقعہ گذشتہ کے اسی قسم کے واقعات کو یاد دلا دیتا ہے اور اسی واقعہ کا ذکر کرتے وقت جس کا ذکر بیان کرنا ہمارا مقصود ہے انتقال ذہن تیرہ سو سال پہلے کے واقعات کیطرف ہمین لیجاتا ہے۔ ان لوگون کو جو اب تک جہادکے قائل ہین یا ایسے مہدی کے منتظر ہین جو تلوار لیکر آئیگا اور زمین کو کافرون کے خون سے بھر دیگا۔ وہ واقعات جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اشاعت تبلیغ حق مین پیش آئے اپنے عقیدہ سے کسی قدر مخالف ضرور معلوم ہونے چاہئیے ایک دراز عرصہ تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کفار کے ہاتھ سے سخت اذیتین اور تکلیفین اٹھاتے رہے ولیم میور جیسا آدمی جو حتی الوسع ہر ایک شہادت کو اسلام کے خلاف ہی لینا چاہتا ہے اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ ابتدائی مسلمانون مین سے وہ لوگ جو غریب تھے پکڑ کر قید کر دیئے جاتے یا انکو کھلے میدانون مین جلتے ہوئے سنگریزون پر دوپہر کی سخت تیز دھوپ مین ڈالدیا جاتا تھا۔ اور جب وہ پیاس سے بیتاب ہوتے تھے تو انکی حالت بالکل بیہوشی کی ہو کر وہ نہین جانتے تھے کہ کیا کہہ رہے ہین۔ اور پھر ذکر کرتا ہے کہ حضرت بلال کو جب اس طرح سے ناقابل برداشت تکلیف پہنچائی جاتی تھی تو اسوقت بھی ان کے منہ سے سوائے اسکے کوئی کلمہ نکلتا تھا کہ "احد احد یعنی ایک ہی خدا ہے"۔ گویا اس تکلیف کیحالت مین خدا انکو نظر آتا تھا۔ انکے حیرت انگیز استقلال اور قوی ایمان کو دیکھکر کفار کا غضب اور بھی ابھر بھڑکتا اور پہلے سے بھی دوچند تکلیفین پہنچائی جاتین۔ جب یہ مصایب حد سے گذر گئین تو مسلمانونکو سوائے اسکے کوئی راہ نظر نہ آئی کہ اپنے املاک اور اپنے گھر بار کو چھوڑ کر محض اپنے خدا کے لیے جلاوطنی اختیار کرین اور کسی دوسرے ملک مین جا کر پناہ لین چنانچہ انکے پیارے آقا نے مغرب کیطرف اشارہ کر کے انہین کہا کہ "ادھر ایک زمین ہے جہان کسی پر ظلم نہین ہوتا وہ انصاف کی زمین ہے پس وہان چلے جاؤ جبتک اللہ کوئی اور سبیل نکالے"۔ یہ انصاف کی سرزمین جہان ان غریب مسلمانونکو بھی پناہ کی امید ملسکتی تھی کونسی سرزمین تھی۔ یہ حبش کا ملک تھا جہان کا حاکم اسوقت عیسائی تھا۔ نجاشی نام۔ چنانچہ یہ جلاوطنونکا چھوٹا سا گروہ قریبًا پندرہ شخص گھر بار کو چھوڑ کر اور اپنے رشتہ دارون کے سخت ظلمو نسے تنگ آکر اس ایک عیسائی گورنمنٹ کے سایۂ عاطفت مین پناہ گزین ہوئے۔ یہ عیسائی بادشاہ ان سے نہایت مہربانی سے پیش آیا اور انکو انکے مذہبی فرایض کی ادائیگی مین اس نے پوری آزادی دیکر ثابت کر دیا کہ وہ عیسائی گورنمنٹ واقعی ایسی ہی تھی جہان کسی پر ظلم نہ ہوتا تھا چنانچہ چند ماہ بعد بہت سارے مسلمان جن کی تعداد سو کے قریب پہنچی ہوئی تھی اسی

عیسائی گورنمنٹ کے نیچے پناہ گزین ہوئے۔

جہاد اور غازی مہدی کا عقیدہ

ایسا ہی ایک اور تاریخی واقعہ اسوقت ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے جسمین صرف نامونکے تغیر کے ساتھ وہی واقعات دُہرائے جاتے ہین پہلی عیسائی گورنمنٹ کیطرح ایک اور عیسائی گورنمنٹ ہے اور اُسی قسم کے مظلومونکا ایک اور گروہ اسکی پناہ ڈھونڈ رہا بلکہ اسکی پناہ مین آرہا ہے۔ ان جلاوطنونکی تعداد بھی حبش کے پہلے جلاوطنونکیطرح ابھی بہت تھوڑی ہے مفصل کیفیت اس کی یہ ہے کہ خوست علاقہ کابل مین ایک مشہور بزرگ تھے اخوندزادہ مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم۔ جو اپنے تقدس باطنی اور علوم ظاہری کے لحاظ سے سارے ملک افغانستان اور خاص دربار کابل مین بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے پچاس ہزار سے زیادہ انکے مرید تھے چند سال کا عرصہ گذرتا ہی کہ اس پاک باطن شخص کے پاس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض شایع کردہ کتابین اور رسایل پہونچے اور انہوں نے فی الفور اپنی پاکیزہ فراست سے مسیح موعود کے دعوی کی صداقت کو تسلیم کرلیا اور اسیوقت سے اپنے احباب اور مریدین سے وقتاً فوقتاً اسکا تذکرہ شروع کردیا کچھ مدت کے بعد وہ قادیان مین حضرت مسیح موعود کی خدمت مین حاضر ہوئے اور کچھ عرصہ یہان اقامت کر کے جب اپنے ملک مین واپس پہنچے۔ تو بڑے بڑے عمایدِ کابل کو اس پاک سلسلہ کی تبلیغ شروع کی۔ اب ان عقاید مین سے جو سلسلہ احمدیہ کی خصوصیات مین سے ہین۔ سب سے ضروری عقیدہ ...خونی مہدی اور جہاد کا انکار ہے۔ بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کی یہی بنیاد ہے امیر افغانستان کو مروجہ عقیدہ جہاد سے یہ علیحدگی باعث خطرہ معلوم ہوئی...

افغانستان مین قومی وحدت زیادہ تر تسلیم مسئلہ جہاد کی بنا پر ہے اور یہی وجہ تھی کہ خونی مہدی کے عقیدہ کو معمولی مذہبی اختلاف سے نرالا اور اپنی گورنمنٹ کے لیے مضر خیال کرکے امیر نے صاحبزادہ مرحوم کے خلاف وہ کارروائی کی جو مذہبی اختلاف کیصورت مین کبھی نہین کیجاتی تھی۔ باوجود انکی عزت و اکرام کے انکو جیلخانہ مین ڈالا گیا جہان سے آخر کار انکو سنگسار کرنیکے لیے نکالا گیا اور اس حکم کی معافی مین مبدل ہونیکی صرف ایک ہی شرط رکھی گئی یعنی یہ کہ وہ خونی مہدی اور جہاد کے عقیدہ کی صحت کو تسلیم کرلین اور اس شخص سے قطع تعلق کرلین جس نے اس عقیدہ کا انکار دنیا مین پھیلایا تھا۔ مگر شہید مرحوم نے بصد خوشی اس بات کو پسند کیا کہ انکو پتھروں سے ہلاک کیا جاوے مگر ایک لحہ کیلیے بھی اس امر کو گوارا نہ کیا کہ حق سے انکار کرین۔ اور اسوقت بھی جب چارون طرف سے پتھرونکی بوچھاڑ ان پر شروع ہوگئی تو انکے منہ سے وہی کلمات نکلتے تھے جو ان کی مضبوطی ایمان کو ظاہر کر رہے تھے اور اس طرح پر ناظرین کے سامنے وہ نقشہ دوبارہ آگیا جب غریب صحابہ کو بکریونکی طرح خدا کی راہ مین ذبح کیا جاتا اور وہ خوشی سے اپنی جانونکو سچائی کیخاطر فدا کرتے تھے +

ایک اور مظلوم قوم اور ایک اور عادل گورنمنٹ

وہ مرد پاک اس مضبوطی سے صداقت کی شہادت دیکر اس جہان فانی سے گذر گیا مگر وہ صداقت کی تخم ریزی کر چکا تھا۔ راستی گو بظاہر ایک وقت دنیوی طاقتونکے نیچے دب گئی ہوئی معلوم ہو مگر آخر کار فتح راستی کی ہی ہوتی ہے۔ بلکہ سچائی کے دبانیکے لیے جو کوششین کیجاتی ہین ان کا اثر بھی بسا اوقات مستعد دلونپر نیک ہی پڑتا ہے اور انکو راستی کی حمایت مین اور بھی مضبوط کر دیتا ہے۔ چنانچہ جو ظلم شہید مرحوم پر کیا گیا اسکا یہی اثر ہوا۔ مولوی عبد اللطیف صاحب نے سلسلہ احمدیہ کی سچی تعلیم کو اپنے شاگردون اور پیرؤنکے کانون تک اچھی طرح پہنچادیا تھا۔ اب جب ان لوگون نے شہید مرحوم سے یہ بے نظیر استقامت اور ایسا صدق اور وفا کا نمونہ دیکھا تو انکے دل بھی اس سلسلہ کی صداقت پر ویسے ہی مضبوط ہو گئے مگر وہ جانتے تھے کہ امیر کے ملک مین رہ کر ان خیالات کا اظہار کرنیسے انکے ساتھ بھی سلوک ہو گا جو شہید مرحوم کے ساتھ ہوا۔ چنانچہ ان مین سے چند ایک آدمیون نے اس خطرہ کو محسوس کرکے بالآخر اپنے مالوف وطنونسے ہجرت اختیار کی اور راستی کیخاطر اپنے عزیز و اقارب اور اپنی جایدادون اور اپنے وطنونکو خیر باد کہا۔ انہین سے بعض تو قادیان مین آگئے اور بعض اسی جگہ امیر کے علاقہ سے نکلکر انگریزی سلطنت کی پر امن حکومت کے نیچے آبسے کیونکہ وہان قریب ہی صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف مرحوم کی بہت ساری جایداد بھی تھی۔ یہ ایک نہایت مختصر سی جماعت ان جلاوطنونکی ہے جنکو انکی اپنی قوم کیطرفسے ان ابتدائی مسلمانونکی طرح دردناک موت کی دھمکیان اور اذیتین پہنچنے کے باعث اپنا ملک چھوڑنا پڑا اور ایک ایسی گورنمنٹ کے نیچے آکر پناہ گزین ہوئے جہان مذہب کیخاطر "کسی پر ظلم نہین ہوتا" اور جو عین اسی گورنمنٹ کی طرح منصف اور عادل گورنمنٹ ہے جسکی ہمارے ہادی اور رہبر نے صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم تیرہ سو سال پہلے انہین الفاظ مین تعریف کی تھی۔

انکار جہاد کچھ عرصہ گذرتا ہے کہ ایک اخبار نے صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب مرحوم کی شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ ذکر کیا تھا کہ یہ کبھی ممکن ہی نہین کہ صرف مذہبی اختلاف کیخاطر امیر افغانستان نے ایسی کارروائی کی ہو۔ یہ بالکل سچ ہے کہ امیر کے ملک مین ہندو عیسائی اور یہودی وغیرہ مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہین اور کسی کے ساتھ اختلاف مذہب کیخاطر ایسا سلوک نہین کیا جاتا۔ مگر صاحبزادہ مرحوم کا اس ظالمانہ طریق سے مارا جانا بھی ایک بالکل سچا واقع ہے اور اسکی وجہ ہمنے اوپر ظاہر بھی کی ہے۔ اگر امیر افغانستان یہی سمجھتا کہ یہ صرف ایک مذہبی اختلاف ہے اور احمدی مسلمانونکے عقاید مین اور کوئی ایسا امر نہین جو اسکے لیے باعث تشویش ہو تو وہ ایک ایسے معزز اور مقتدر انسان کو اور پھر ایسے مشہور عالم اور مسلم استاد کو جسکی شاگردی کا فخر ریاست کے بعض بڑے بڑے عہدہ دارونکو بھی تھا اس بیرحمی سے قتل کرنیکی ہرگز جرأت

نہ کرتا اسے اس بات سے کیا غرض تھی کہ کوئی شخص ایک پیر کا مرید ہے یا دوسرے کا یا مثلاً اسقدر چھوٹے سے مذہبی اختلاف پر کیونکر جوش آسکتا تھا کہ یہ لوگ حضرت عیسے علیہ السلام کو زمین مین مدفون مانتے ہین جب اسکا اپنا یہ اعتقاد ہے کہ باقی تمام انبیاء اور فخر ولد آدم حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم بھی زمین مین ہی مدفون ہین حالانکہ اس سے بہت بڑے بڑے اختلاف پہلے سے مسلمان فرقون کے اندر موجود ہین اور کوئی سلطنت ان اختلافات کیخاطر اپنی رعایا پر ایسے ظلم نہین کرتی اصل مین امیر کو ان مذہبی اختلافات سے کوئی غرض نہ تھی اصلی بات جسکے لیے اس نے یہ ساری کارروائی کی وہ مسئلہ انکار جہاد اور غازی مہدی کا انکار تھا کیونکہ غازی مہدی کا انکار ہمیشہ کیلیے مسلمانون کے درمیان سے جہاد کے خیال کو دور کرنیوالا ہے حالانکہ اگر یہ عقیدہ رکھا جاوے کہ اسلام مین ایک ایسا مہدی آنیوالا ہے جو آتے ہی تمام کافرونکو قتل کرنا شروع کردیگا تو اس سے یہ اصول کہ کسی غیر مسلمان کو محض اختلاف مذہب کیوجہ سے قتل کردینا نیکی کا کام ہے زندہ رہتا ہے بلکہ طاقت حاصل کرتا ہے۔ اور یہ خیال کبھی دل سے دور نہین ہوسکتا کہ اگر مہدی کیوقت مین کفار کو قتل کرنا نیکی مین داخل ہے تو اب کیون نہین اسی خیال پر تو آج کل کے جہاد کی بنا ہے کہ مذہب کیخاطر کسی کو مار ڈالنا عین ثواب کا کام ہے اور قاتل کو جنت کا مستحق کردیتا ہے پس جب غازی مہدی کی آمد کا عقیدہ رکھکر اس خیال کو صحیح تسلیم کرلیا جاوے تو جہاد کی بیخکنی کیونکر ہوسکتی ہے غرضیکہ جبتک غازی مہدی کی آمد کی جھوٹی امید کی جڑ نہ کاٹی جاوے جہاد کے خیال کا دور ہونا ناممکن ہے اور دوسری طرف خونی مہدی کا انکار جو سلسلہ احمدیہ کو تمام مسلمان فرقون سے ممتاز کرتا ہے ایسا ہی مستلزم ہے کہ جہاد سے اسوقت اور آیندہ کیلیے انکار کیا جاوے۔ یہ وجہ تھی کہ کیون امیر نے مولوی عبد اللطیف مرحوم پر اسقدر سختی کی۔ اور بے رحمی سے قتل کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جو سلسلہ احمدیہ مین داخل ہوتے ہین۔ کیون امیر کے ماتحت اپنے آپ کو محفوظ نہین سمجھتے۔

اسلام کو لڑائیون کی کیون ضرورت پڑی

اسموقعہ پر چند لفظ اور بڑھا دینے نامناسب ہونگے کہ اسلام یہ تعلیم نہین دیتا جو جاہل لوگ اسکی طرف منسوب کرتے ہین یعنی یہ کہ ایک ایسا مہدی آئیگا جو مذہب کو قتل عام کے ذریعہ سے پھیلائیگا خدا تعالی نبیون اور مصلحون کو اسلیے بھیجتا ہے کہ تا وہ لوگونکو حق کیطرف بلاوین اور یہ غرض ظاہر ہے کہ تلوار کے ذریعہ سے پوری نہین ہوسکتی یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تلوار کے ذریعہ سے اسلام کو پھیلایا بہتان ہے جو تکلیفین مسلمانون نے حق کے پھیلانے اور حق کے قبول کرنے مین برداشت کین انکی شہادت تو مخالفین اسلام کو بھی ادا کرنی پڑی ہے پھر افسوس ہے کہ مسلمان ہوکر ایسی بات منہ سے نکالیجاوے ان تکلیفون اور مصیبتون کے اندر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنا

مین مکہ مین برداشت کرنی پڑین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو کیا وصیّت کی۔ کیا کبھی یہ بھی کہا تھا کہ تم تلوارین خریدلو نہین بلکہ یہی حکم دیتے رہے کہ صبر سے برداشت کرو۔ پھر جب یہ تکلیفین حد سے بڑھ گئین تو پھر بھی یہی کہا کہ تم اپنے گھرون اور جایدادونکو چھوڑکر کسی اور ملک مین چلے جاؤ۔ ان باتونکے ہوتے ہوئے یہ الزام دینا کہ اسلام تلوار کے ذریعہ سے پھیلایا کیسی بے انصافی ہے۔ پھر یہ سوال ہوگا کہ اسلام نے تلوار اٹھائی کیون۔ اسکا جواب یہ ہے کہ تلوار مجبور ہوکر اپنی حفاظت کے لیئے اٹھائی گئی۔ کفار کے ظلم حد سے گذر گئے اور انھون نے باوجود وطن چھوڑ جانیکے بھی مسلمانونکو آرام نہ لینے دیا۔ چنانچہ قرآن کریم کی وہ آیت جسمین سب سے پہلے تلوار اٹھانیکی اجازت دیگئی۔ خود اسکی وجہ بھی بیان کرتی ہے۔ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ۔ (سورہ الحج - ۳۹) ان لوگونکو جنسے جنگ کیجاتی ہے اب اجازت دیجاتی ہے (کہ وہ بھی جنگ کرین) کیونکہ انپر ظلم کیے گئے اور اللہ انکی مدد پر قادر ہے۔ ان لوگونکو ناحق اپنے گھرون سے نکالا گیا صرف اسلیئے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جن کفار کے بالمقابل مسلمانونکو لڑنے کی اجازت دیگئی تھی وہ نہ صرف مسلمانونکو طرح طرح کی اذیتین اور تکلیفین ہی پہنچا چکے تھے اور انکو انکے گھرونسے نکال چکے تھے بلکہ اب انھون نے مسلمانونکے خلاف تلوار بھی اٹھالی تھی۔ پس ایسی صورتین چپ رہنے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ تمام مسلمان مار ڈالے جاتے۔ مصایب کی برداشت تو حیرت انگیز طریق پر وہ کرتے رہے لیکن جب انکے لیے اور کوئی راہ نہ چھوڑا گیا یعنی انکو کاٹ ڈالنے کیلیے تلوارین ہاتھونمین پکڑلی گئین۔ تو اسوقت مسلمانون کو یہ اجازت دیگئی کہ اب اپنی جانونکی حفاظت کے لیے یہ ضرور ہے کہ تم بھی تلوارین ہاتھ مین لو۔ یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اسوقت مسلمانونکی تعداد کتنی تھی کل تین سو تیراں مرد باراں سال سے اوپر عمر کے تھے اور انکے بالمقابل عرب کی تمام بہادر اور جنگجو قومین انکی بیخکنی کیلیے اکھٹی ہوئی ہوئی تھین اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف اپنی جان بچانیکے لیے مجبوری کی جنگ تھی نہ اسلام پھیلانیکے لیے کیونکہ اس چھوٹی سی تعداد کے ساتھ کس انسان کے وہم وگمان مین بھی یہ بات گذر سکتی تھی کہ عرب کی تمام بت پرست قومونکو مغلوب کرکے وہ سب کو اپنا دین منوا لینگے۔ یہ واقعات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر ایک معقول پسند آدمی کو یہ یقین دلانیکے لیے کافی ہین کہ ایسے مہدی کے آنیکا عقیدہ جو اسلام نہ قبول کرنیکے سبب سے لوگونکو قتل کرنا شروع کردیگا ایک جھوٹا عقیدہ ہے جو اسلام کیطرف منسوب نہین ہوسکتا۔

سرحدی غازی | افغانستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ کے حصونمین اس قسم کے قتل کے واقعات ہوتے رہتے ہین جن کو جہاد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ابھی تازہ ہے۔ ۰۰

افسوسناک واقعات ایسے ہوگئے ہین ایک سپاہی نے لفٹنٹ کرنیل ہرمن صاحب کو جب وہ افسرونکے کھانا کھانیکے کمرے مین تھے گھسکر مارڈالا مگر قاتل اسی جگہ گرفتار کرلیا گیا۔ یہ ۱۱ فروری گذشتہ کا واقعہ ہے۔ ایساہی کپتان براؤن کو بھی ایک وحشی افغان نے مارڈالا۔ یہ تازہ مثالین ہین اور آئے دن ایسے قتل کے واقعات ہوتے رہتے ہین گورنمنٹ کو چاہئیے کہ ان اسباب کی پوری پوری تحقیقات کرے جنسے یہ قتل کے واقعات خصوصاً اس حصہ مین جو افغان کی سرحد پر ہے ہوتے رہتے ہین رنج تو اس قسم کے واقعات سے ہرایک انسان کو ہوتا ہے مگر مسلمانونکا سب سے بڑھکر یہ فرض ہے کہ وہ ایسے واقعات سے پرزور الفاظ مین اپنی بیزاری ظاہر کرین جو انسانیت کو بدنام کرنیکے علاوہ اسلام کو خصوصاً بدنام کررہے ہین ساتھ ہی اسبات کو صاف طور پر بیان کردینا بھی اپنا فرض سمجھتے ہین کہ ایسے واقعات کی بیخکنی اُسوقت تک کبھی نہین ہوسکتی جبتک اس اصول کے بطلان کو تسلیم نہ کرلیا جاوے جسپر غازی مہدی کی آمد کے عقیدہ کا انحصار رکھا گیا ہے۔ جو اصلاح اسبارے مین ہمارے امام اور پیشوا حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے کی ہے وہ نہایت قابل قدر ہے مگر افسوس ہے کہ بعض وقت اسکی ایسی کم قدری کیجاتی ہے کہ گویا یہ کوئی اصلاح ہی نہین۔ جن لوگونکا ایساخیال ہے انکے نزدیک گویا انسانی زندگی کی کچھ بھی قیمت نہین۔ قانون کے تشدد نے ابتک ان واقعات مین کوئی بڑی کمی نہین دکھائی پس تشدد کی ایسی تجویزین جیسی مثلاً اب کیگئی ہے کہ مجرم کے علاوہ اسکے قریبی رشتہ دارونکو بھی سزائین دیجاوین صرف یہی ظاہر کررہی ہین کہ سزائین تشدد اس جرم کے کم کرنیکے لیے مفید ثابت نہین ہوا۔

اصلی علاج غازیونکی اصلاح کا صرف ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ ہے کہ ان لوگونکو یقین ہوجاوے کہ وہ کتاب مقدس جسکی طرف وہ اس تعلیم کو منسوب کرتے ہین ایسے عقیدہ پر لعنت بھیجتی ہے کہ ناحق کافرونکو قتل کیا جاوے صرف اسلیے کہ وہ مذہب اسلام نہین رکھتے! اور یہ کہ جہاد اور غازی مہدی کی آمد کے عقیدہ کو اسلام کیطرف منسوب کرنا سخت غلطی ہے جبتک ان دوامور کے متعلق ان لوگونکا مذہبی عقیدہ نہ بدل جاویگا تب تک سزا کی سختی سے کوئی فایدہ حاصل نہین ہوسکتا۔ تعجب ہے کہ ہماری دانشمند گورنمنٹ کو کیون کبھی اسطرف خیال نہین ہوتا اور اسکے ذمہ دار افسر کیون ان تجویزونکو عملدرآمد مین لانیکی کوئی کوشش نہین کرتے جو ایسے واقعات کو روک سکتی ہین اس قسم کی تجویزین سلسلہ احمدیہ کے امام حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کئی دفعہ پیش کرچکے ہین اگر یہ سچ ہے کہ یہ قتل کے واقعات ان لوگونکے مذہبی عقیدہ کیوجہ سے ہوتے ہین تو پھر اس دوسری بات مین بھی کسی اور شک کی گنجایش نہین کہ اس مذہبی عقیدہ کی اصلاح ہی انکے دور کرنیکا ذریعہ ہوسکتی ہے اور اگر یہ خیال ہو کہ اس تجویز سے

کامیابی ہونیکی امید نہین اور شاید لوگ اپنے عقیدہ کی غلطی پر مطلع ہوکر بھی اسکی اصلاح نہ کرین تو یہ صحیح نہین عملی طور پر ہم دیکھ چکے ہین کہ یہ علاج بہت موثر ثابت ہوا ہے۔ انہین لوگونمین سے مولوی صاحبزادہ عبداللطیف مرحوم بھی تھے جنھون نے ایکدفعہ غازی مہدی کے آنے اور جہاد کے عقیدہ کی غلطی کو دیکھ لیا تو موت کو قبول کیا۔ مگر راستی کو نہ چھوڑا اور انہین مین سے وہ لوگ بھی ہین جو اپنے گھر بار کو چھوڑ رہے ہین مگر اس حق اور راستی کو نہین چھوڑ سکتے کہ غازی مہدی کے آنیکا عقیدہ غلط ہے۔ یہ واقعات ہین اور گورنمنٹ بطور خود تحقیقات کر کے انکی تصدیق کر سکتی ہے۔ اگر یہ ثابت ہو کہ حضرت مسیح موعود کی تعلیم سے واقعی بعض لوگون پر یہ اثر ہوا ہے تو کوئی وجہ نہین کہ باقی کے متعلق یہ امید نہ رکھی جاوے اگر گورنمنٹ اس تجویز کو عمل مین لاوے جو بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے اس میموریل مین پیش کی تھی جو گورنمنٹ آف انڈیا کو جلسہ دربار تاجپوشی ملک معظم کے موقعہ پر دیا گیا تھا اور جو اس میگزین مین بھی جنوری ۱۹۰۳ء مین چھپ چکا ہے اور یا اس سلسلہ کی پر زور تحریرین کے جو جہاد اور غازی مہدی کے عقیدہ کے خلاف ہین سرحدی ممالک مین کثرت سے شایع کرنے مین مدد دے تو یقین ہے کہ بہت جلدی وہ لوگ اپنے انگریزی حکمرانون کو اور نظر سے دیکھنے لگین گے۔ ہم خصوصیت سے اس سلسلہ کی تحریرونکا ذکر کرتے ہین کیونکہ یہ تحریرین اپنا مقناطیسی اثر انہین تو مونین سے ایک پر ثابت کر چکی ہین۔ ہماری یہ بھی رائے ہے کہ اور تحریرین کبھی اس مقصد کے حل کرنے مین کامیاب نہین ہو سکتین کیونکہ جو تحریرین غازی مہدی کی آمد کے عقیدہ کو شایع کرتی ہین وہ اس اصول کی ممد ہین جس اصول پر یہ قتل کے واقعات ہو رہے ہین اور اسلیے وہ جہاد کے اصول کی پوری پوری معاون ہین یا زیادہ سے زیادہ ایک حد تک تو ضرور معاون ہین۔ پس ایسے لوگونکے درمیان جن کو ایک عقیدہ نے پہلے ہی مذہبی دیوانے بنا رکھا ہے اس قسم کی تحریرون کی اشاعت سے کسی بہتری کی امید نہین ہو سکتی۔ ایسی تحریرون کا انکے درمیان شایع کرنا انکو یہ کہنے کے برابر ہے کہ اصول تو یہ ٹھیک ہے کہ کفار کو قتل کر دینا چاہیئے کیونکہ وہ عظیم الشان امام مہدی جب آئیگا تو وہ بھی قتل ہی کریگا۔ مگر مصلحت وقت کے لحاظ سے اسوقت ایسے قتل کے واقعات کا ہونا مناسب نہین۔ کیا ایسی وعظ سے وہ لوگ ایسے واقعات کے کرنیسے رک جاوینگے۔ ہرگز نہین۔ یہ وقت ہے کہ انگریزی افسرونکی قیمتی زندگیونکی حفاظت کے لیے گورنمنٹ اس تجویز پر غور کرے۔ اخیر مین ہم یہ بھی کہین گے کہ دلاکھ آدمیون کا سلسلہ احمدیہ مین داخل ہو کر جہاد اور غازی مہدی کے عقیدہ سے اپنی بیزاری ظاہر کرنا اس پہلو سے گورنمنٹ کے لیے ایک مفید امر ثابت ہوا ہے اور انشاء اللہ تعالے اس سلسلہ کی ترقی اس فایدہ کو اور بھی نمایان کر کے دکھلاوے گی +

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

"الوصیّت"

قالَ اللہُ عزّوجل۔ قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّی لَوْلَا دُعَاؤُکُمْ

یعنی ان کو کہدے کہ میرا خدا تمہاری پروا کیا رکھتا ہے اگر تم بندگی نکرو اور دعا مین مشغول نہو

دوستو! خدا تعالے آپ لوگونکے حال پر رحم کرے آپ صاحبونکو معلوم ہوگا کہ مین نے آج سے قریباً نو ماہ پہلے الحکم اور البدر مین جو قادیان سے اخبارین نکلتی ہین خدا تعالی کی طرف سے اطلاع پاکر یہ وحی الٰہی شایع کرائی تھی کہ:۔ **عفت الدیار محلہا ومقامہا** یعنی یہ ملک عذاب الٰہی سے مٹ جانیکو ہے نہ مستقل سکونت امن کی جگہ رہیگی اور نہ عارضی امن کی جگہ یعنی طاعون کی وبا ہر یک جگہ عام طور پر پڑیگی اور سخت پڑیگی۔ دیکھو اخبار الحکم پرچہ مورخہ ۳۱ مئی سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۱۸- جلد ۸ کالم ۳- اور اخبار البدر نمبر ۲۰ و ۲۱ صفحہ ۱۵- مورخہ ۲۴ مئی و یکم جون سنہ ۱۹۰۴ء

اب مین دیکھتا ہون کہ وہ وقت قریب آگیا ہے۔ مین نے اسوقت جو آدھی رات کے بعد چار بج چکے ہین بطور کشف دیکھا ہے کہ دردناک موتوں سے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے میرے منہ پر یہ الہام الٰہی تھا کہ **موتا موتی** لگ رہی ہے کہ مین بیدار ہوگیا اور اسیوقت جو ابھی کچھ حصہ رات کا باقی ہے مین نے یہ اشتہار لکھنا شروع کیا۔ دوستو! اٹھو اور ہوشیار ہوجاؤ کہ اس زمانہ کی نسل کیلیے نہایت مصیبت کا وقت آگیا ہے اب اس دریا سے پار ہونیکے لیے بجز تقوے کے اور کوئی کشتی نہین مومن خوف کے وقت خدا کیطرف جھکتا ہے کہ بغیر اسکے کوئی امن نہین۔ اب دکھ اٹھا کر اور سوز وگداز اختیار کرکے اپنا کفارہ آپ دو اور راستی مین محو ہوکر اپنی قربانی آپ ادا کرو اور تقویٰ کی راہ مین پورے زور سے کام لیکر اپنا بوجھ آپ اٹھاؤ کہ ہمارا خدا بڑا رحیم وکریم ہے کہ رونے والوں پر اسکا غصہ تھم جاتا ہے مگر وہی جو قبل از وقت روتے ہین نہ مردونکی لاشون کو دیکھکر۔ وہ خوف کرنیوالونکے سر پر سے عذاب کی پیشگوئی ٹال سکتا ہے جاہل کہتا ہے کہ پیشگوئی کیون ٹل گئی لیکن اگر خدا مین یہ عادت نہوتی کہ دعا اور صدقہ اور خیرات اور گریہ اور بکا سے اُن بلاؤنکو دور کردیتا جنکا اس نے ارادہ کیا ہے یا جن بلاؤن اور عذابونکو نبیون کی معرفت ظاہر کرچکا ہے تو دنیا کبھی کی ہلاک ہوجاتی۔ سو نیکی کرو اور خدا کے رحم کے امیدوار ہوجاؤ۔ خدا کیطرف پوری قوت کے ساتھ حرکت کرو اور اگر یہ نہین تو بیمار کی طرح افتان خیزان اس کی رضا کے دروازہ تک اپنے تئین پہنچاؤ اور اگر یہ بھی نہین تو مردہ کی طرح اپنے اٹھائے جانیکا ذریعہ صدقہ خیرات کے راہ سے پیدا کرو نہایت تنگی کے دن ہین اور آسمان پر خدا کا غضب بھڑک رہا ہے آج محض زبانی لاف وگزاف سے تم پار نہین ہوسکتے ایسی حالت بناؤ اور ایسی تبدیلی اپنے اندر پیدا کرو اور ایسے تقوی کی راہ پر قدم مارو کہ وہ

* ۲۶-۲۷ فروری کی شب درمیانی مراد ہے۔

رحیم وکریم خوش ہوجائے اپنی خلوتونکا ہونکو ذکر الہی کی جگہ بناؤ اپنے دلونپر سے ناپاکیونکے زنگ دور کرو۔ بیجا کینون اور بخلون اور بدزبانیون سے پرہیز کرو اور قبل اسکے کہ وہ وقت آوے کہ انسانونکو دیوانہ سا بنادے بیقراری کی دعاؤنسے خود دیوانے بنجاؤ۔ عجیب بدبخت وہ لوگ ہین کہ جو مذہب صرف اسبات کا نام رکھتے ہین کہ محض زبان کی چالاکیونپر سارا دار و مدار ہو اور دل سیاہ اور ناپاک اور دنیا کا کیڑا ہو پس اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو تو ایسے مت بنو۔ عجیب بدقسمت وہ شخص ہے کہ جو اپنے نفس امّارہ کیطرف ایک نظر بھی اٹھا کر نہین دیکھتا اور بدبودار تعصّب سے دوسرونکو بدزبانی سے پکارتا ہے پس ایسے شخص پر ہلاکت کی راہ کھلی ہے سو تقوے سے پورا حصّہ لو اور خدا ترسی کا کامل وزن اختیار کرو اور دعاؤن مین لگے رہو تا تم پر رحم ہو تم مین سے کون ہے کہ جو بھوک کے وقت صرف روٹی کے نام سے سیر ہوسکتا ہے یا صرف ایک دانہ سے پیٹ بھر سکتا ہے ایسا ہی تم خدا کو راضی نہین کر سکتے جبتک پورے طور پر متقی نہ بنجاؤ۔ اپنے دشمنونکے نفسانی جوشونکا مقابلہ مت کرو تا تم بھی ایسے ہی نہ ہوجاؤ کیونکہ جاہل کا مقابلہ صرف جہالت کے ذریعہ سے ہی ہوسکتا ہے۔ پس اگر وہ تمہین ستاوین اور دکھ دین یا تمہین جوش دلانیکے لیے میری نسبت سب و شتم اور دشنام دہی اور ہنسی کا طریق اختیار کرین تو تم صبر کرو اور چپ رہو تا وہ خدا جو تمہارے دلون اور انکے دلونکو آسمان پر دیکھتا ہے تمہین بدلہ دے یقیناً سمجھو کہ یہ وہ دن آرہے ہین کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ایسی سختی کے دن کبھی عام طور پر دنیا پر نہین آئے ایسا ہوا تا وہ پیشگوئیان پوری ہوجاوین جو ابتدا سے نبیون نے کی تھین۔ خدا نے آج سے پچیس برس پہلے طاعون کی خبر مجھکو دی تھی جو براہین احمدیہ مین شایع ہوچکی تھی۔ پھر اسوقت خبر دی جب یہ ملک اس بیماری سے پاک تھا وہ خبر بھی شایع ہوچکی اور پھر طاعون کے اس سخت حملہ کی خبر جو عنقریب ہونیوالا ہے۔ یہ اسلیے ہوئی کہ تا لوگ متنبہ ہوجاوین ان چالاک لوگونکی پیروی مت کرو جنکے دل گندے اور نجاست سے بھرے ہین جو دوسرونکو خدا کیطرف بلاتے اور آپ اس سے دور ہین۔ خدا ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کس کی زندگی لعنتی اور کسکی زندگی پاک ہے پس تم ایسے دردناک دعاؤن مین لگ جاؤ کہ گویا مر ہی جاؤ تا دوسری موت سے خدا تمہین بچاوے دنیا کیلیے بڑی گھبراہٹ کے دن ہین مگر دنیا نہین سمجھتی لیکن کسی دن سمجھے گی دیکھو مین اسوقت اپنا فرض ادا کر چکا ہون اور قبل اسکے کہ تنگی کے دن آوین مین نے اطلاع دیدی ہے۔ اب مین ختم کرتا ہون۔

مکرر یہ کہ گذشتہ بالا نصایح اور ہدایات سے ایسا نہین سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا یہ منشاء ہے کہ طاعون کے غلبہ کے دنون مین اپنے گھرونسے باہر نہین نکلنا چاہیئے بلکہ برعایت قواعد طبیہ بہتر ہوگا کہ جس گاؤن یا کسی شہر کے محلہ مین یہ مرض پھیلتی معلوم ہو فی الفور اس گاؤن یا محلہ کو چھوڑ دیا جائے اور اسی شہر یا گاؤن کے باہر آبادی سے کچھ کچھ فاصلہ پر معہ اہل و عیال نکلکر کسی جھونپڑی مین گذارہ کر لینا چاہیئے ہان کسی دوسرے شہر یا گاؤن کیطرف

بھاگ کر نہین جانا چاہئے کیونکہ یہ ان لوگون پر ظلم ہے جن کی بستی ہنوز طاعون سے پاک تھی اور اندیشہ ہے کہ بباعث ان لوگون کے جو کسی آلودہ شہر یا گاؤن سے آتے ہین اس جگہ مین بھی طاعون پھوٹ پڑے پس جو شخص اپنی ہمدردی کرتا ہے چاہئے کہ وہ دوسرون کی ہمدردی کا بھی خیال رکھے۔

خاکسار میرزا غلام احمد قادیانی ۲۷ فروری ۱۹۰۵ء

ریویو

ہمارے پاس دو انگریزی رسالے "مین نے کیون اسلام قبول کیا" اور "پیغمبر اسلام" صلے اللہ علیہ وسلم بغرض ریویو پہنچے ہین جو ڈاکٹر لنشی کنت چٹوپادھیا مولوی محمد عزیز الدین پرنسپل حیدر آباد کالج کی تصنیف ہین ہمین یہ دیکھکر خوشی ہوئی ہے کہ ان رسالون کا مصنف وسعت علمی کے لحاظ سے معمولی آدمی نہین انہون نے بہت مدت تک مختلف ممالک مین پھر کر مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا اور آخر کامل تحقیقات اور غور کے بعد سب پر اسلام کو ترجیح دی ہے! اول اول یورپ مین جاکر وہ فلاسفر ونکے اس سکول کے مداح رہے جسکا قایمقام ہندوستان مین برہمو سماج ہے۔ بعد ازان جرمنی مین جاکر بدھ مذہب کا مطالعہ شروع کیا جسکی اعلےٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم نے مدت تک انکو اپنی طرف کھینچے رکھا مگر آخر کار وہ اس صحیح نتیجہ پر پہنچے کہ یہ تعلیم عملی رنگ مین دنیا کیلیے مفید نہین بلکہ فطرت انسانی کے تقاضاؤنکے خلاف ہے۔ پھر وہ پیرس مین اور وہانسے سینٹ پیٹرزبرگ مین چلے گئے۔ فرانسیسی زبان کو سیکھنے کے بعد وہ رینن کے مداح ہوئے اور اسی اثر کے نیچے شامی زبانون اور شامی مذہبونکے مطالعہ کیطرف انکی طبیعت متوجہ ہوئی چنانچہ کچھ مدت تک وہ مختلف مذاہب کی خوبیونپر ایک کو دوسرے کے بالمقابل رکھکر غور کرتے رہے یعنی ایک طرف یہودیون برہمنون اور زردشت کے مذہب پر اور دوسری طرف اسلام عیسائیت اور بدھ مذہب پر۔ عیسائیت مین انہون نے رومن کیتھولک مذہب کو باقی فرقون پر ترجیح دی۔ مگر ایک طرف عیسائیت کے کفارہ اور ابدی جہنم کا عقیدہ اور دوسری طرف رومن کیتھولک فرقہ کا عقیدہ پوپونکی عصمت کے متعلق انکو اسبات کی اجازت نہ دیتا تھا۔ کہ وہ عیسائی مذہب مین شامل ہون اسی تذبذب کیحالت مین وہ ہندوستان کو واپس آئے جہان پہلے عرصہ تک تھیوصوفی کا مطالعہ کرتے رہے اور بعد ازان زردشت کے مذہب اور اسلام کیطرف خاص توجہ کی کیونکہ

انپر ابھی تک انہون نے کافی طور پر غور نہین کیا تھا۔ اسلام کے اصول پر غور کر کے وہ بہت مدت سے اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے مگر بعض خارجی واقعات کے سبب سے اس عقیدہ کا اعلان کرنے مین کئی سال انکو گذر گئے آخر ۲۶ اگست ۱۹۰۴ء کو انہون نے ایک مجلس مین عام طور پر یہ اعلان کر دیا اور اس جگہ ایک لیکچر کے اثنائے مین اپنے اسلام قبول کرنیکے وجوہات بھی بیان کیے یہی لیکچر اسوقت رسالہ کی صورت مین چھپا ہوا موجود ہے۔

قبولیت اسلام کی بڑی وجوہات تین بیان کیگئی ہین جو مختصر طور پر یہ ہین کہ اسلام ایک تاریخی معقول اور عملی مذہب ہے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مخالفین اسلام بھی اسلام کی اس خوبی سے انکار نہین کر سکتے۔ پروفیسر باسورتھ سمتھ کا قول بھی نقل کیا گیا ہے جسنے اثنائے لیکچر مین کہا "مسیح کی زندگی کے ایک چھوٹے سے حصے کے بعض واقعات کی ہمین بیشک خبر ہے مگر اس تیس سالہ زندگی کا پردہ کون اٹھا سکتا ہے جو دراصل تین سال کی زندگی کیلیے بطور تیاری کے تھے۔ مگر اسلام مین یہ صورت نہین۔ یہان بجائے قصون اور کہانیون اور تاریکی کے ہمین روشنی اور تاریخی واقعات نظر آتے ہین۔ یہان یعنی مذہب اسلام مین نہ کوئی شخص اپنے نفس کے دھوکہ مین آسکتا ہے اور نہ دوسرونکے دھوکے مین۔ بلکہ ہر ایک واقعہ پر دن کی روشنی ایسی صاف صاف پڑتی ہے جیسا ممکن ہے"۔ اسکے بعد اسلام کے معقول مذہب ہونے پر بحث کیگئی ہے۔ اسلام کے دو ہی اصول ہین یعنی اللہ تعالے کی ہستی اور توحید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت۔ توحید ایک ایسی اعلے درجہ کی سچائی اور حقیقت ہے جو فطرت انسانی مین منقوش ہے اور جس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا۔ یہان نہ تثلیث کے داخل ہونیکے لیے کوئی جگہ ہے اور نہ تیس کروڑ دیوتاؤنکے لیے۔ باقی رہا رسالت کا مسئلہ سو وہ بھی ہر ایک عقلمند انسان کو ماننا پڑتا ہے کہ جب کبھی وہ اصل اصول جنپر ہماری اخلاقی اور مذہبی زندگی کی بنیاد ہے تاریکی کے نیچے دب جاتے ہین یا دلونسے بھول جاتے ہین جب کبھی انسان بکلی دنیا پر جھک پڑتے ہین اور دنیا کی حرص کی قید مین پھنس جاتے ہین جب کبھی دنیا مین گناہ کا زور اور سیلاب آتا ہے اور دنیا دہریت کیطرف چلی جاتی ہے ایسے اوقات مین قومون کی زندگی مین ایسے انسان پیدا ہوتے ہین جو اپنی پیدایش سے ہی ایسے محفوظ رہتے ہین کہ گویا وہ دنیا کے نہین ہوتے بلکہ خدا کے رسول و نبی کہلانے چاہئین جنکا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ انسانونکو وہ باتین یاد دلاوین جو وہ بھول گئے ہین اور ان باتونکو تازہ کرین جو گم ہو چکی ہین"۔ اور اسلام کی حقانیت کے ان دو زور آور دلایل کے تیسری دلیل یہ دیگئی ہے کہ یہی ایک مذہب ہے جو انسان کی عملی زندگی کے مطابق اور عملی طور پر اسکا رہنما ہو سکتا ہے۔ بدھ اور مسیح کی تعلیم کو بعض وقت کامل کہا جاتا ہے مگر یہ کمال ایسا ہے جو محض خیال ہی خیال ہے۔ ان لوگونکے لیے جنہین تمدنی صورت مین رہنا چاہیے اور دنیا کے دھندے کرنے پڑتے ہین بعیاً کمال یہ ہے کہ وہ اصول انکی عملی زندگی کے مطابق حال ہون انسانی ضروریات پر غور کر کے جو اصول سب سے

زیادہ ان ضروریات کے مطابق حال اور عملی طور پر مفید ہوں وہی ہمارے نزدیک کامل ہونگے اس معیار کے رو سے صرف مذہب اسلام کے اصول ہی کامل ہونیکے دعویدار ہو سکتے ہیں اسیوجہ پر اسلام نے تعدد ازدواج کو بھی جایز رکھا ہے۔ نکاح کے قانون جو اسلام نے تجویز کیے ہیں وہی ایسے قانون ہیں جو انسانی ضروریات کو مدنظر رکھکر انسانوں کی تمدنی روحانی اور اخلاقی بہتری کا ذریعہ ہو سکتے ہیں اور ایسا ہی اسلام کی ہر ایک اخلاقی تعلیم میں یہی خوبی ہے جسکی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں پائی جاتی۔

دوسرا رسالہ "پیغمبر اسلام" مختصر طور پر بیان کرتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کیسی عظیم الشان تبدیلی کر دکھائی اور اخیر پر بعض اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے جو لوگ انگریزی پڑھ سکتے ہیں وہ ان دونوں رسالوں سے ضرور فایدہ اٹھاویں پہلے کی قیمت ۴؍ اور دوسرے کی ۸؍ ہے۔ اور چادر گھاٹ حیدرآباد دکن سے ملسکتے ہیں ؞

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یکم۔ فروری ۱۹۰۵ء (۱) اِنِّیْ مَعَ الرُّوْحِ مَعَكَ وَمَعَ اَهْلِكَ۔

(۲) انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون۔

(۳) ایک رؤیا دیکھی کہ ایک کاغذ ہے جسکے اوپر کی دو تین سطر فارسی خط میں ہیں باقی سب انگریزی ہے اسکا مطلب یہ سمجھ میں آیا کہ گویا کوئی میرا نام لیکر کہتا ہے کہ دو سو پچاس روپیہ انہیں دیا جاوے

---

۲۰ فروری شنبہ (۱) حضور کی طبیعت ناساز تھی حالت کشفی میں ایک شیشی دکھائی گئی جسپر لکھا ہوا تھا خاکسار پیپرمنٹ

(۲) انما امرك اذا اردت شیئًا ان تقول له کن فیکون۔

۲۷۔ فروری ۱۹۰۵ء۔ رؤیا میں دیکھا کہ دردناک موتوں سے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے اور ساتھ ہی یہ الہام ہوا۔ موتا موتی لگ رہی ہے۔

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۳۔ مارچ ۱۹۰۵ء۔ کوئی شخص ہے اس سے مین کہتا ہون کہ تم حساب کرلو مگر وہ نہین کرتا۔ اتنے مین ایک شخص آیا اور اسنے ایک مٹھی بھر کر روپے مجھے دیئے ہین اس کے بعد ایک اور شخص آیا جو الٰہی بخش کی طرح ہے مگر انسان نہین بلکہ فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے دونون ہاتھ روپیونکے بھر کر میری جھولی مین ڈالدیئے ہین تو وہ اسقدر ہوگئے ہین کہ مین انکو گن نہین سکتا۔ پھر مین نے اسکا نام پوچھا تو اسنے کہا میرا کوئی نام نہین دوبارہ دریافت کرنے پر کہا کہ میرا نام ہے ٹیچی ٹیچی۔ مینے بہت سا مال دیکھکر دل مین کہا کہ فلان حاجتمند کو کچھ دیدونگا۔ اور ایک حاجتمند دکھایا گیا خستہ حال قابل رحم۔

۶۔ مارچ ۱۹۰۵ء۔ تھوڑی سی غنودگی ہوئی تو دیکھتا ہون کہ یہ مکان جواب بن رہا ہے۔ (جسکا اشتہار کشتی نوح مین دیا تھا) سامنے آگیا ہے اسپر ایک معمار بیٹھا ہے۔ اس نے کہا مبارک۔ مین نے کہا خیر مبارک۔

اطلاع

(۱) ترسیل روپیہ یا خط کتابت کرتے وقت نمبر خریداری نہ لکھنے کی صورت مین شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بیجا تصور ہوگی۔

(۲) جملہ خط وکتابت متعلق میگزین بنام مینیجر میگزین ہونی چاہیئے نہ کسی مالک یا مینیجر مطبع یا دیگر صاحب کے نام۔ کیونکہ اس سے حرج و طوالت کام کا احتمال ہے + **مینیجر میگزین**

مدرسہ تعلیم الاسلام

مدرسہ کے اخراجات بہت بڑھے ہوئے ہین سب احباب کو چاہیئے کہ مستقل اور ہمیشہ چندونسے مدرسہ کی اعانت کرین۔ مدرسہ کے متعلق تمام رقوم بنام امین مدرسہ تعلیم الاسلام آنی چاہئین۔ رسیدین اخبار مین طبع ہوا کرین گی + **نورالدین** ۔ امین مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان۔

کبریت احمر یا جیون بوٹی کے استعمال سے ایک مہینے مین تین سیر خون صالح تازہ بدن انسان مین پیدا ہوتا ہے جوانی کی طاقت مدت العمر قایم رہتی ہے استعمال کرنیسے پہلے اور بعد بدن کو وزن کرو اور آزماؤ اس سے علاوہ مقوی مولد خون صالح مشتہی۔ بدن کو مضبوط اور خوشرنگ بنانے اور چہرے کی سرخی اصلی طاقت و توانائی و تازگی پیدا کرنیوالی دوائی ایسی آجتک ایجاد نہین ہوئی اسکا اثر ان اعضا پر جن پر نسل انسان کی پیدائش کا انحصار ہے۔ بالخصوص نہایت قوی ہوتا ہے۔ وہ خوشی جو عورت و مرد کی معاشرت سے وابستہ ہے اس سے فی الفور حاصل ہوتی ہے کبریت احمر اسکا نام اسی لیے رکھا گیا ہے کہ یہ دوا اعضائے تولید کے پژمردہ قوے کو از سر نو بحال کرنیکے ساتھ زندگی کو کیمیا بنا دیتی ہے۔ **قیمت فی شیشی سے ہہ**

روغن درد گردہ۔ درد گردہ کے دورے اور تکلیفین ایسی سخت ہوتی ہین کہ الامان یہ عجیب و غریب روغن درد گردہ مین خاصکر جب درد کنکری کیوجہ سے ہو اکسیر کا کام دیتا ہے چھوٹے چھوٹے سنگریزونکو توڑکر اور ریزہ ریزہ کرکے نہایت سہولت سے خارج کر دیتا ہے۔ تمام کنکری اور ریت نکلکر درد گردہ کی نوبت پھر نہین ہوتی۔ **قیمت فی شیشی عہ۔ سے ۳ ۱۲ ۱**

عجیب و غریب مرہم المعروف مرہم عیسے۔ اگر آپ دنیا بھر مین سب سے اچھا پر تاثیر بے بدل ہر قسم کے زخمون جراحتون۔ چوٹون۔ گلٹیون۔ خنازیر۔ سرطان طاعون اور ہر قسم کے خبیث زہریلے پھوڑون پھنسیون ناسورون نیچ۔ خارش بواسیر اور طرح طرحکی جلد کی بیماریون ہاتھونکے سردی سے پھٹ جانے جانورونکے کاٹ لینے جلجانے اور عورتونکے خطرناک امراض سرطان رحم وغیرہ کیلیے ہزارہا سال کا مجرب۔ مقدس ہر طبقہ اور ہر زمانہ کے حکما کا متفقہ بابرکت علاج چاہتے ہین۔ تو یہ مبارک مرہم اس کارخانہ سے منگائیے جو اسکو خالص اجزا سے تیار کرنیکا ذمہ وار ہے طبی جہان اسکی کامیاب تاثیرات کا ممنون ہے یہ مشہور آفاق مرہم سوائے کارخانہ مرہم عیسے کے دنیا بھر مین اور کہین نہین بنتا۔ قیمت فی ڈبیہ خورد ۶؍ ۱۲ ار۔ فی ڈبیہ کلان عہ ر

رسالہ آئینہ صحت نما مفت	**حکیم محمد حسین اینڈ برادرز مالکان کارخانہ مرہم عیسے** نولکھا ملک بیرون	عمدۃ التقویم سنہ ۱۹۰۵ء مفت

ضروری اطلاع

رسالہ نور الدین جس مین فاضل مصنف نے بعد نظر ثانی کسیقدر اضافہ کیا ہے خوشخط و عمدہ کاغذ پر چھپکر تیار ہے قیمت علاوہ محصولڈاک ۸؍ ہے۔ درخواستین اس پتہ پر ہون ؎
سیٹھ عبدالاحد ہدایت اللہ جنرل مرچنٹ و کمیشن ایجنٹ کٹرہ جیمل سنگھ امرتسر

منشی محمد افضل صاحب نے اپنے مطبع انوار الاسلام مین منیجر صاحب میگزین کیلیے چھپایا

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ❖ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ — بابت ماہ اپریل ۱۹۰۵ء — نمبر ۴

فہرست مضامین

بدر

منشی محمد افضل صاحب مرحوم کی وفات کا ذکر ہمنے دوسری جگہ سلسلہ الہامات حضرت مسیح موعود مین کردیا ہے۔ انکی وفات کے بعد میان معراج الدین عمر صاحب نے جو اخبار البدر کے پروپرائیٹر ہین اس سلسلہ کو بہت سا رانقصان برداشت کرکے بھی جاری رکھا ہے اللہ تعالے انکی ہمت مین برکت دے اور اس کار خیر کو انکی دینی اور دنیوی منفعت کا ذریعہ بناوے۔ سب احمدی بھائیون کا فرض ہے کہ اخبار کی اشاعت بڑھانے مین انکی مدد کرین۔ ایک اور امر قابل تذکرہ یہ بھی ہے کہ اخبار بدر (بجائے البدر کے اس اخبار کا نام آیندہ بدر تجویز کیا گیا ہے) کی ایڈیٹری کے لیے میان معراج الدین عمر صاحب نے بڑی فراخ حوصلگی سے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو اس جماعت کے منتخب افراد مین سے ہین اور جنکے نام نامی سے ساری احمدی جماعت پہلے ہی واقف ہے یعنی مفتی محمد صادق صاحب سابق ہیڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام باوجودیکہ حضرت اقدس کو اخبارون سے کبھی کچھ تعلق نہین ہوا مگر پھر بھی مفتی صاحب کے تقرر پر آپ نے خاص طور پر اظہار خوشی فرمایا ہے وہ الفاظ ہم نیچے درج کرتے ہین اور امید ہے کہ ہمارے سب بھائی اخبار کے خریدار پیدا کر کے میان معراج الدین عمر صاحب کا ہاتھ بٹائینگے۔ حضرت اقدس کے الفاظ یہ ہین:-

اطلاع } "مین بڑی خوشی سے یہ چند سطرین تحریر کرتا ہون کہ اگرچہ منشی محمد افضل مرحوم ایڈیٹر اخبار البدر قضائے الٰہی سے فوت ہوگئے ہین مگر خدا تعالیٰ کے شکر اور فضل سے انکا نعم البدل اخبار کو ہاتھ آگیا ہے یعنے ہمارے سلسلہ کے ایک برگزیدہ رکن جوان صالح اور ہر ایک طور سے لایق جن کی خوبیون کے بیان کرنیکے لیے میرے پاس الفاظ نہین ہین یعنی مفتی محمد صادق صاحب بھیروی قائمقام محمد افضل مرحوم ہوگئے ہین۔ میری دانست مین خدا تعالے کے فضل اور رحم سے اس اخبار کی قسمت جاگ اٹھی ہے کہ اسکو ایسا لایق اور صالح ایڈیٹر ہاتھ آیا۔ خدا تعالے یہ کام انکے لیے مبارک کرے اور انکے کاروبار مین برکت ڈالے۔ آمین ثم آمین۔ خاکسار **مرزا غلام احمد**"

شکریہ معاونین } حضرت اقدس کے حکم کی تعمیل مین چودھری رستم علی صاحب نے پانچ روپیہ ماہوار اعانت میگزین کیلیے بھیجنے شروع کردیے ہین۔ دلاور خان صاحب کلرک دفتر سول سرجن پشاور نے انتیس ۲۹ روپیہ و مولوی غلام امام صاحب منی پور آسام نے للعہ روپیہ و سید نادر علی شاہ صاحب جیلر اچکوال نے بیہ و منشی نذیر الدین صاحب بھامون نے عہ بطور اعانت بھیجے ہین اور آیندہ کیلیے بھی اسی طرح سے وعدہ امداد ہے اسکے علاوہ بعض دیگر مخلصین نے بھی حسب استطاعت چار چار پانچ پانچ روپیہ تک کشت اعانت بھیجکر اپنی خلوص مندی کا ثبوت دیا ہے انشاء اللہ تعالے اگلے پرچہ مین جملہ احباب کے نام معہ تعداد رقم عطیہ شکریہ کے ساتھ شایع کیے جاوینگے منشی مہر اکبر صاحب اہلمد پولیس مردان اور منشی تاج الدین صاحب کلرک لاہور اور منشی محمد حسین صاحب قانونگوی ظفر وال نے ایک روپیہ ماہوار بطور اعانت دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور منشی محمد حسین صاحب ظفر وال نے تو علاوہ خریدار جدید پیدا کرنیکے یہ ایک روپیہ ماہوار بھیجنا شروع کردیا ہے علی ہذا القیاس منشی غلام سرور صاحب قانونگوے و سید محمد علی شاہ صاحب مدرس ایسر ورد بابو برکت علی صاحب کلرک

پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین والسلام۔ مینیجر میگزین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تعدد ازدواج

۲- اسلام مین تعدد ازدواج کی اجازت

عام دلایل گذشتہ پرچے مین ہمنے مختصر طور پر وہ وجوہات بیان کیے تھے جنسے خاص حالات کے ماتحت تعدد ازدواج کی ضرورت ثابت ہوتی ہے اور انہین وجوہات سے اسلام مین تعدد ازدواج کی اجازت کے اصول کا سچا ہونا کافی طور سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب عام دلایل سے تعدد ازدواج کی ضرورت ثابت ہوگئی تو کسی خاص مذہب مین تعدد ازدواج کی اجازت کیلیے الگ وجوہات کی ضرورت نہین بلکہ اگر کسی مذہب نے اس ضرورت کو سمجھ کر پہلے سے ہی اسکی اجازت دیدی ہے تو اس سے یہ شہادت پیدا ہوتی ہے کہ اس مذہب نے فطرت انسانی کی تہ تک پہنچکر اور عام انسانی ضروریات کو مدنظر رکھکر اپنے اصول کو قایم کیا ہے اور کسی اصول کو جو عام حالات انسانی کے مطابق نہین صرف اسکی ظاہری کشش کیخاطر قبول نہین کیا۔ اسلام کا مذہب وہ مذہب ہے جس نے ابتدا سے ہی تمام دنیا کیلیے ایک عام مذہب ہونیکا دعوے کیا اور یہ فخر دنیا کے مذاہب مین سے اور کسی مذہب کو حاصل نہین چنانچہ قرآن شریف مین اللہ تعالے فرماتا ہی قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا اس آیت مین اللہ تعالے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تو یہ اعلان کرے کہ اے دنیا کے لوگو مین تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوکر آیا ہون۔ مزید برآن اسلام ایک عملی مذہب ہے پس اس عملی مذہب کے لیے جو تمام دنیا کیلیے ہوکر آیا۔ یہ ضروری تھا کہ ایسے وسیع اصول پیش کرے جنمین مختلف زمانون اور ممالک کے مختلف لوگونکی عملی ضروریات کو مدنظر رکھا گیا ہو۔ اسی غرض اور انہین ضروریات کیلیے اسلام مین تعدد ازدواج کی اجازت دیگئی ہے۔

اسلام کی تعلیم کی اصلی غرض اسلام کے متعصب دشمن عموماً اسلام پر یہ الزام لگایا کرتے ہین کہ

اسلام ایک آسان اور نفسانی مذہب ہے اور اس کی غرض یہ نہیں کہ لوگوں کو بدی سے نجات دے بلکہ ان کی نفسانی خواہشون کے پورا کرنیکا ایک ذریعہ ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب اس قسم کی باتونکو جاہل عیسائی انجیل کی طرح سچی سمجھتے تھے اور ہر ایک عیسائی بغیر قرآن شریف کو پڑھنے کے یہ وعظ کرتا اور کہتا تھا کہ قرآن شریف کی تعلیم انسانون کو خدا سے دور ڈالتی اور نعوذ باللہ انکا شیطان سے تعلق پیدا کرتی ہے لیکن کچھ عرصہ سے مختلف مذاہب کے مطالعہ کرنیوالے کسیقدر تحقیق سے اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہین کہ یہ باتین متعصب پادریون نے جاہلونکو دھوکا دینے کیلیے بنا رکھی تھین اسلام پر نفسانی مذہب ہونیکا اعتراض ایسا صریح جھوٹ ہے کہ خود انہی معترضین کے منہ سے اسکا جھوٹ ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ جہان ایک طرف اسلام پر نفسانی مذہب ہونیکا اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام کی پنج وقتہ نماز اور روزے بیجا تشدد ہین اور اس ریاضت کو مشقت قرار دیا جاتا ہے تعجب ہے کہ اس مذہب کو جو کفارہ کا عقیدہ سکھا کر تمام بدکاریون اور بدیون کا دروازہ کھولتا ہے تقدس اور پاکیزگی* حاصل کرنیکے بغیر کسی انسان کو قبول نہین کرتا اور ہر ایک بدی سے بچنے کے لیے راہ بتاتا ہے اسے نفسانی مذہب کہا جاتا ہے۔ مذہب اسلام ایک طرف تو صاف الفاظ مین یہ فرماتا ہے کہ قد افلح من زکّٰھا یعنی وہی نجات یافتہ ہے جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اور بار بار تقوے اور تزکیہ نفس پر زور دیتا ہے اور دوسری طرف ایسے عملی فرایض بجا لانیکے لیے حکم دیتا ہے جو نفسانی خواہشونکو جڑ سے اکھاڑنیوالے ہین کیا اس مذہب کو نفسانی یا آسان کہا جا سکتا ہے جو دن مین ایک دفعہ نہین بلکہ پانچ دفعہ نماز کو ضروری قرار دیتا ہے اور پھر اسی پر قناعت نہین کرتا بلکہ یہ بھی حکم دیتا ہے کہ رات کا بڑا حصہ بھی جاگتے اور عبادت مین گذارا جاوے اور ایسے اوقات نماز کے مقرر کرتا ہے جب ایک نفسانی آدمی کسی شرابخانہ مین یا چکلہ مین شراب سے بدمست پڑا ہو۔ پھر نماز کے علاوہ روزہ دن کا حکم دیتا ہے اور سال مین ایک پورے مہینے کے روزے ہر مسلمان کیلیے فرض قرار دیتا ہے۔ کیا یہ ایک نفسانی اور آسان مذہب کی علامتین ہین۔ سچ تو یہ ہے کہ بہت سارے لوگونکے اسلام قبول کرنے مین بڑی روک انہی اسلامی فرایض کی بجا آوری ہے اور دوسرے مذاہب مین ایسے فرایض سے آزادی ملجانا ہی تو لوگونکے لیے ان مذاہب کو اختیار کرنیکے لیے ایک کشش ہے اور حق یا سچ یہ ہے کہ بغیر ان مشقتون اور ریاضتونکے تزکیہ نفس ممکن ہی نہین۔

یہ احکام نماز اور روزے کے اسلام نے صرف اس غرض سے دیئے ہین کہ تا انسان بدی سے بچے جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے کہ ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر۔ یعنی نماز اسلیے فرض نہین کی گئی کہ کوئی ناحق کا بوجھ انسانون پر ہو بلکہ اسکی اصل غرض یہ ہے کہ تا نماز کے ذریعہ انسان بدی اور برائی سے بچا رہے اور پھر اسکے ساتھ ہی فرماتا ہے کہ بیشک اللہ تعالےٰ کو یاد رکھنا جیسا کہ نماز مین ہوتا ہے ایک بڑا بھاری

*کا مذہب قرار دیا جاتا ہے اور جو مذہب دل کی سچی پاکیزگی

فرض ہے اسی طرح پر روزے اسلیے فرض کیے گئے ہین کہ تا انسان کو ایک عملی طریق برائیون سے بچنے کا بتایا جائے۔ کیونکہ جب ایک انسان کو اسقدر طاقت اپنی خواہشات پر حاصل ہو جاوے کہ وہ ایک حکم کی پیروی مین اپنی تمام خواہشات کو چھوڑ سکتا ہے گو ایسی خواہشات عام حالات کے ماتحت ناجایز بھی نہ ہون تو پھر اسکے لیے ناجایز خواہشات پر قابو پانا اور انکو دفع کرنا نہایت آسان امر ہو جاتا ہے یہ وہ عملی طریق ہے جسپر چلکر انسان بہت سی بدیونسے بچ سکتا ہے اور یہ اسلام کی ہی خصوصیت ہے کہ اس پاک مذہب مین خیالی طور پر ہی نیکی کی تعلیم نہین دیگئی بلکہ وہ عملی طریق بھی بتائے گئے ہین جن پر چلکر انسان بدی سے نجات پا سکتا ہے اور نیکیوں پر قایم ہو سکتا ہے۔ یہ خصوصیت اسلام کی منجملہ ان خصوصیات کے ہے جو اسکو دوسرے تمام مذاہب سے ممتاز کرتی اور اسکا خدا کیطرف سے ہونا بتاتی ہین چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے

واستعینوا بالصبر والصلوۃ وانها لکبیرۃ الا علی الخشعین الذین یظنون انهم ملقوا ربهم وانهم الیه راجعون (البقرۃ ۴۵-۴۶)

ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ بدیونسے بچنے کیلیے صبر (روزے) اور نماز کا سہارا پکڑو اور یہ فرض شاق ہے مگر انپر نہین جو فرمانبرداری اختیار کرتے ہین اور یہ یقین رکھتے ہین کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے اور اسی کے حضور لوٹ کر جانیوالے ہین گویا نماز ہی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان اللہ تعالے سے حقیقی تعلق پیدا کر سکتا ہے اور بدخواہشات اور بدیو پر غالب آ سکتا ہے بس اسلام کی تعلیم کا اصل مدعا اور غرض ان فرایض کے قایم کرنیسے صرف یہی ہے کہ انسان نفسانی زندگی سے پاک ہو کر حقیقی پاکیزگی حاصل کرے اور ایسے مذہب کو نفسانی مذہب کہنا جاہلانہ تعصب ہے۔

ممانعت شراب سے کیا شہادت پیدا ہوتی ہے

ان عام وجوہات کے علاوہ جنکا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور جنسے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے اصول اور فرایض انسان کو نفسانی زندگی سے نکالتے اور اس مین حقیقی پاکیزگی سچی فروتنی اور راستبازی کی روح پھونکتے اور اسکو بدیون پر غالب آنے کی طاقت بخشتے ہین اور بھی وجوہات ایسی ہین جنسے بالخصوص یہی شہادت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً اسلام مین مسکرات کی ممانعت صاف طور پر بتاتی ہے کہ اس پاک مذہب کو شہوانیت سے کسقدر نفرت ہے۔ ہم اس جگہ یہ سوال نہین کرتے کہ اگر موجودہ عیسائی مذہب نفسانیت کی راہ نہین بتاتا تو کیون اس مین شراب جیسی بری چیز کی کوئی ممانعت نہین کیونکہ یہ مضمون اسوقت زیر بحث نہین۔ مگر ہم یہ پوچھتے ہین کہ اگر شراب شہوانی خیالات کو ابھارنے والی ہے جیسا کہ کل دنیا تسلیم کر رہی ہے تو کیا کسی مذہب کا شراب سے منع کرنا اور شراب خوری کو قطعاً روک دینا

اس امر کی یقینی اور قطعی شہادت نہین کہ وہ شہوانی خیالات سے چھڑانیوالا اور راستبازی اور روح اور دل کی پاکیزگی کیطرف بلانیوالا ہے۔ اگر اسلام ایک نفسانی مذہب تھا اور اسکی غرض یہی تھی کہ شہوانی خواہشات کو پورا کرنیکے ذریعے بتاوے اور ان کی راہ کھول دیوے تو پھر اس نے شراب کو کیون منع کیا اور شرابخوری کو کیون جڑ سے کاٹا ہمین اور بھی تعجب ہوتا ہے۔ جب ہم بعض نام کے مسلمانونکو یہ کہتے ہوئے سنتے ہین کہ اسلام کے اصول ایک ابتدائی سوسائیٹی کے لیے تجویز کیے گئے تھے جسکا مطلب دوسرے لفظون مین یہ ہے کہ گویا یہ اصول ایک وحشی قوم کیلیے تجویز کیے گئے تھے اور آج کل کی مہذب اقوام کیلیے وہ موزون نہین۔ بہرحال ان مہذبون سے جو آج شرابخوری سے تباہ ہورہے ہین یہ وحشی قوم ہی اچھی رہی افسوس ہے کہ یہ لوگ واقعات کی بنا پر نتایج پیدا نہین کرتے بلکہ جو ایک خیال دل مین بیٹھ گیا ہے اسی کی پیروی کرتے ہین۔ کوئی پاکیزگی اس پاکیزگی کے برابر نہین جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے مگر اس حقیقی... پاکیزگی کو نفسانیت کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اس شہوانیت کو جس کی طرف شرابخوری انسانونکو لے جارہی ہے۔ پاکیزگی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ شراب ہی وہ چیز ہے جو انسان کے نفسانی جذبات کو جوش مین لاتی ہے۔ اور شرابخوری کی علت کو جڑ سے کاٹ کر اسلام نے انسان کو حیوانی جذبات سے آزاد کردیا ہے۔ ابھی تک دنیا اس حقیقی پاکیزگی کے نور سے بیخبر ہے مگر وہ زمانہ بہت قریب آتا جاتا ہے جب دنیا کی آنکھین اس نور کے دیکھنے کیلیے کھولی جاینگی اور جب اسلام کے اصل اصول دنیا کو معلوم ہونگے تب اسے سمجھ آیگا کہ وہ پاکیزگی ان لوگونکے وہم وگمان سے بھی برتر ہے جو اسلام سکھاتا ہے۔

تعدد ازواج کی اجازت کے متعلق دو رائین

اس زمانہ مین جبکہ مختلف مذاہب کے مطالعہ کرنیوالون نے کسیقدر روشنی اسلام کی تعلیم پر ڈالی ہے اور پرانے بیہودہ خیالات دلونسے بہت کچھ دور کردیے ہین مغربی دنیا مین اسلام کے اندر تعدد ازواج کی اجازت کے متعلق دو رائین ہین جن کے رو سے تعدد ازواج کو ایک برائی قرار دیا جاتا ہے۔ عام اور زیادہ مقبول رائے یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تعدد ازواج کو برا تو سمجھتے تھے لیکن اسوقت جب انسانی سوسائیٹی ہنوز ابتدائی حالت مین تھی۔ تعدد ازواج کو دور کرنا آپکے لیے ناممکن تھا۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود ایسے زمانہ مین پیدا ہونیکے سبب تعدد ازواج کی برائیو نپر مطلع نہین ہوسکتے تھے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ترقی کے مدعی مسلمانونکے اندر بھی بعض لوگون نے ایک حد تک ان دونون رائون سے اتفاق کیا ہے کیونکہ ان لوگون کے نزدیک مغربی خیالات کی اندھا دھند پیروی کرنا عین تہذیب ہے۔ اور وہ کبھی اس بات کی پروا نہین کرتے اور نہ غور کرتے ہین۔

کہ جن رواجونکو وہ منسوخ کرنا چاہتے ہین انکے اندر کیا کیا فواید ہین یا جن باتونکو وہ مروج کرنا چاہتے ہین انمین کیا کیا نقص ہین مسٹر امیر علی تعدد ازدواج کو انصاف کے خلاف قرار دیتے ہین اور ان کی رائے مین تعدد ازدواج کی اجازت اسلیے دیگئی کہ انسانی تہذیب کے اس مرحلہ پر اسکا منسوخ کرنا ناممکن تھا۔ یہ رائے انہون نے مغربی لوگونکے نقش قدم پر چلکر قایم کی ہے۔ اب ہم یہ ثابت کرکے دکھائینگے کہ یہ دونون رائین ویسی ہی غلط ہین جیسی کہ وہ پہلی رائے جس کی تردید اب خود عقلمند عیسائی کرتے ہین یا کہ اسلام مین تعدد ازدواج کی اجازت اسلیے ہے کہ یہ ایک نفسانی مذہب ہے اور ہر قسم کے حیوانی جذبات کو پورا کرنے کی راہ اس مین کھلی ہے۔

تعدد ازدواج کے رواج کی حد

پہلی رائے یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طاقت مین یہ نہ تھا کہ تہذیب کے اس مرحلہ پر تعدد ازدواج کے رواج کو منسوخ کر سکتے سب سے پہلے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ تعدد ازدواج استثنا کے طور پر نہ تھا جیسا کہ اب ہے بلکہ اسوقت ہر ایک انسان تعدد ازدواج کا پابند تھا ورنہ اور کوئی مشکل نہین کیونکہ جس رواج کے جاری رہنے سے صرف معدودے چند آدمی فایدہ اٹھا سکتے تھے جنکی تعداد دوسرے لوگونکے مقابل کچھ بھی نہ تھی اس رواج کے منسوخ کرنے مین بڑے مشکلات کا سامنا نہین ہو سکتا تھا خصوصاً ان رواجونکے بالمقابل جو سوسائٹی مین عام طور پر مروج تھے۔ اب یہ ایک امر واقعہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت مین بھی تعدد ازدواج کی رسم اسی طرح استثنائی رنگ مین ہی مروج تھی جیسے اب ہے۔ اگرچہ ہمین شک نہین کہ خانہ جنگیونکی کثرت کی وجہ سے مردونکی تعداد عورتونسے بڑھ جانیکے باعث اسکا رواج بہ نسبت موجودہ کے کسیقدر زیادہ ہوگا۔ مگر تاہم ایک ایسی سوسائٹی مین جس مین نکاح کو ضروری سمجھا جاتا تھا یہ ممکن ہی نہین کہ عورتونکی تعداد اسقدر زیادہ ہو کہ تمام مرد ایک سے زیادہ بیویان رکھ سکین پس یہ کہنا کہ ایک ایسی رسم کو جسکا پابند آبادی کا ایک بہت تھوڑا سا حصہ تھا دور کرنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طاقت سے باہر تھا اور اسلیے اگرچہ آپ اسکو برا تو سمجھتے تھے مگر یہ طاقت نہ رکھتے تھے کہ کھلے طور پر اسکی مخالفت کرین کیونکہ سوسائٹی سے ڈرتے تھے پرلے درجہ کی حماقت ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اگر آپ تعدد ازدواج کو برا سمجھتے تو اسکو دور کرنے مین کوئی مشکل ہی نہ تھی۔

اسلام نے کسقدر بدیون کو دور کیا

اب ہم اسی سوال پر ایک اور پہلو سے نظر کرتے ہین یہ کہا جاتا ہے کہ تعدد ازدواج کی رسم عرب مین اسقدر دیرینہ اور مضبوط تھی کہ کوئی مصلح صرف چند باتونسے اسکو دور نہ کر سکتا تھا ایک حد تک تو یہ بات سچ ہے یعنی وہ مصلح جو خود مصلح بن بیٹھتے ہین اس آسمانی کشش سے خالی ہوتے ہین جو انبیاء علیہم السلام کو دیجاتی ہے اور جو سب سے بڑھکر

ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیگئی اور اسلیے دیرینہ بدرسوم کو جو طبیعتونکے اندر راسخ ہوگئی ہین دور کرنا اُن کا کام نہین لیکن خدا کے برگزیدہ نبیونکو اللہ تعالے کیطرف سے وہ خارق عادت طاقت دیجاتی ہے جسکے ساتھ وہ ایک ہی لفظ سے ان بدیونکو دور کردیتے ہین جو مدتون سے کسی قوم مین جڑ پکڑ چکی ہوئی ہوتی ہین اور یہ ایک امتیازی نشان ان مین اور انکے غیر و نمین ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس طاقتور ہستی کے بھیجے ہوئے ہین جسکے رسول ہونیکا وہ دعوے کرتے ہین اگر ہم پہلے عرب کی اس وحشتناک حالت کو بیان کرین جو اسلام سے پہلے یعنی ایام جاہلیت مین تھی اور پھر اس حالت کا مقابلہ اس بدلے ہوئے نقشہ سے کرین جب اسلام اپنا کام کرچکا تھا تو ایک الگ مجلد ضخیم تیار ہوتا ہے۔ تاریخ کے پڑھنے والے پر پوشیدہ نہین کہ عربون مین کسقدر بدیان تھین اور وہ کسقدر گہری جڑ پکڑ چکی تھین۔ مگر صرف ایک تئیس سال کے عرصہ مین کیونکر سب کی سب نیست و نابود ہوگئین ایسی مکمل اور وسیع تبدیلی کی جو ایک عظیم الشان قوم کی زندگی مین واقع ہوئی ہو نظیر تلاش کرنا عبث ہے اور سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے ایسا نظارہ اور کسی مصلح یا نبی کی زندگی مین نظر نہین آتا۔ ایک بت پرستی کو ہی لے لو۔ بت پرستی نے عربونکے اندر اسقدر گہری جڑ پکڑی ہوئی تھی کہ اسکا اثر انکے ہر ایک رواج اور ہر ایک فعل پر تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف بعض تمدنی اصلاحین کرنا ہی ہوتا تو ان مشکلات مین سے جو آپکو نبوت کے زمانے مین پیش آئین کوئی مشکل بھی پیش نہ آتی۔ جن غیر لوگون نے اسلام پر قلم اٹھائی ہے انہون نے غلطی سے یہ خیال کیا ہے کہ بت پرستی کے دور کرنے مین کئی طرح سے آپکو خارجی مدد پہنچ چکی تھی اور اگر آپکو اس خارجی امداد کا بھروسہ نہ ہوتا تو آپ نعوذ باللہ بت پرستی کے دور کرنیکا لفظ ہی منہ سے نہ نکالتے۔ یہ محض نافہمی کی بات ہے۔ یہ سچ ہے کہ عرب ایک اعلے ہستی کے قایل تھے اور اسی کے نیچے اپنے بتونکو چھوٹے چھوٹے خدا سمجھتے تھے اور عربونپر کیا منحصر ہے دنیا کی قریبا تمام بت پرست قومونکا یہی حال ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے کی ہستی اور توحید کے مسایل من گھڑت نہین بلکہ ابتدا سے ہی فطرت انسانی مین منقش چلے آتے ہین اور یہ بھی سچ ہے کہ اسیوقت کے قریب بعض اور لوگونکے دلون مین بھی بت پرستی سے بیزاری اور اسکی بیخکنی کا خیال پیدا ہوا تھا اور یہ اس انتشار روحانیت کا ثبوت ہے جو رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک سے دنیا مین پیدا ہوا۔ مگر ان دونو باتونسے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہی خارجی معاون بت پرستی کی بیخ کنی کے ہوگئے تھے سخت غلطی ہے۔ بت پرستونکے نزدیک خدا کو مانکر بھی بت معبود تھے۔ پس ان کا اعلے ہستی کو ماننا بت پرستی کے دور کرنے مین کسی طرح مدد نہ دے سکتا تھا اور باقی رہا چند آدمیونکے دل مین شرک سے بیزاری کا خیال پیدا ہونا یہ بجائے خود ایک بالکل بے حقیقت

بات تھی اور دو یا چار آدمیونکے وجود سے قوم کے خیال مین کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی۔ ہان اگر یہ خارجی معاون
واقعی کچھ حقیقت رکھتے تو وہی لوگ جو حنیف کہلاتے تھے کامیاب ہوکر کیون توحید کے قایم کرنیوالے
نہ ہوجاتے۔ مگر ایک طرف انکا ناکام رہنا اور دوسری طرف بت پرستی کی جڑ کاٹنے مین آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم کا وہ مصایب اور شداید اٹھانا جنکی نظیر کوئی نہین۔ اور چوتھائی صدی تک اس مقابلہ کا جاری رہنا
کھلی کھلی شہادتین اس بات کی ہین کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی کسی خارجی اعانت کا خیال
کیا اور نہ ہی عملی طور پر ان خیالی خارجی معاونات نے بت پرستی کے دور کرنے مین کوئی حصہ لیا۔ بت پرستی
ہی وہ بات تھی جسکی خاطر آپنے سخت ترین مصایب اٹھائے۔ اور یہانتک تکلیفین آپکو دیگئین کہ
مارنے مین بھی کوئی کسر باقی نہ رکھی گئی۔ اور آپکے صحابہ کو ظلم سے بھیڑون بکریونکی طرح ذبح کیا گیا اور گھرونسے
نکالا گیا۔ اور کسی بدی کے دور کرنیمین ان مصایب اور تکالیف کا سامنا آپکو نہین ہوا جو بت پرستی
کے دور کرنے اور اللہ تعالے کی توحید کے قایم کرنے مین ہوا۔ مگر آپنے کبھی کسی تکلیف کی پروا نہین
کی اور نہ ہی اپنی زندگی کی پروا کی۔ اور شروع سے اخیر تک ایک ہی بلند ہمتی سے توحید کا وعظ کرتے
رہے یہانتک کہ جزیرہ نمائے عرب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ
کی آواز گونج اٹھی۔ کیا یہ اولوالعزم انسان ڈر سکتا تھا کہ مین تعدد ازدواج کے دور کرنیمین کامیاب نہین
ہوسکونگا۔ کونسی اصلاح ہے جو آپنے کرنی چاہی اور جسکی اسوجہ سے تکمیل نہین ہوئی کہ لوگون نے آپ کا
مقابلہ کیا۔ اگر کوئی بدی ایسی تھی جسکا دور کرنا بمقابلہ دوسری بدیونکے زیادہ مشکل تھا تو یہ بت پرستی تھی مگر آپنے
ایک لحظہ کیلیے بھی ان مشکلات کا خیال نہین کیا جو آپکو پیش آنیوالی تھین۔ کوئی مقابلہ اور کوئی مشکل آپکو
کسی کام سے نہین روک سکی۔ کیا تعدد ازدواج کی اصلاح کرنا بت پرستی کی اصلاح سے بھی زیادہ مشکل کام
تھا۔ یا خونخوار اور خاندانی دشمنیون مین وحدت پیدا کرنیسے زیادہ دشوار تھا۔ یا دختر کشی قمار بازی اور شراب خوری
کے بالمقابل بھی اسکی کچھ حقیقت تھی۔ غور کا مقام ہے کہ تعدد ازدواج مین اصلاح کرنا اس عظیم الشان انسان
کے لیے مشکل کام بتایا جاتا ہے۔ جس نے چند ہی سال کے عرصہ مین ایک وحشی قوم کو تہذیب کے
معراج پر پہونچا دیا۔

دوسری رائے

مذکرہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تعدد ازدواج
کو بدی نہین سمجھا اور اگر وہ اسکو برا سمجھتے تو اسی طرح اسکو دور کرسکتے تھے جیسے اور ہزارون بدیون کو دور
کیا۔ نہ ہی یہ کہنا درست ہے کہ آپنے اس مسئلہ پر غور نہین کیا کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اس وقت کے مروج رسم
مین آپنے بہت سی اصلاحین کین جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپنے اسپر غور کیا اور ضرورت سمجھکر

اسکی اجازت دی اور ساتھ ہی اسکی بد استعمالی کو جہانتک ممکن تھا روکا۔ اب ہم دوسرے اعتراض پر بحث کرتے ہین جسکا یہ منشاء ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا علم نعوذ باللہ ایسا ناقص تھا کہ آپ تعدد ازدواج کی برائیون پر مطلع نہ ہو سکے۔ مفصل بحث اس مضمون پر تیسرے حصہ مضمون مین ہوگی جہان تعدد ازدواج پر اعتراضونکا جواب دیا جاویگا۔ اس حصہ مین ہم یہ ثابت کرکے دکھاوینگے۔ کہ تعدد ازدواج کی برائیان اصل مین کوئی وجود نہین رکھتین بلکہ انکا وجود صرف ان لوگونکے خیال تک ہی محدود ہے جنکے خون مین اسکی مخالفت رچی ہوئی ہے اور یا ان لوگونکے جو اندھا دھند انکی پیروی کر رہے ہین اور یون بلاوجہ ایک مقدس اور پاکیزہ رواج سے بیزار ہو رہے ہین یہان دو اور پہلوؤنکے لحاظ سے ہم مختصراً کچھ بیان کرینگے۔

حیوانی جذبات کے محرکات اور اسلام مین ان کا علاج

تعدد ازدواج کے خلاف سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس سے حیوانی جذبات کو تحریک ہوتی اور شہوانی خیالات بڑھتے ہین یہان اس اعتراض کا جواب دینا ہمارا مقصود نہین بلکہ صرف یہ دیکھنا ہے کہ آیا یہ ممکن تھا کہ اگر واقعی تعدد ازدواج کا ایسا برا اثر ہوتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس سے بے خبر رہ سکتے تھے اس مین کسی کو شک نہین ہو سکتا کہ جہان مختلف مذاہب مین نجات کے لیے مختلف حیلے تجویز کیے گئے ہین۔ اسلام مین نجات کو صرف پاکیزہ زندگی سے وابستہ کیا گیا ہے۔ جیساکہ آیت قرآنی قد افلح من زکٰھا اسپر شاہد ہے۔ اسلام نے اس قسم کے باطل خیالونکو ایک لحہ کیلیے بھی قبول نہین کیا۔ کہ ایک شخص گناہون مین غرق ہو کر کسی کے خون کے کفارہ سے بھی نجات پا سکتا ہے پس چونکہ مذہب اسلام کی بنیاد جیساکہ اسکے نام سے ظاہر ہے (جسکا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالے کی رضا پر چلنا اور ہر ایک نفسانی خواہش کو ترک کرنا) نفس کی حقیقی پاکیزگی پر رکھی گئی ہے اور اسکے سوائے کوئی ذریعہ نجات کا تجویز نہین کیا گیا۔ اسلیے اس پاکیزہ مذہب کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ تمام تجاویز پیش کرتا جو حیوانی جذبات اور نفسانی خواہشات کو دبانے والی ہو سکتی ہین۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ہر ایک سوراخ جسکے ذریعہ بدخواہش انسان کے دل کے اندر گھس سکتی تھی بند کیا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی اور مذہب نے عملی طور پر اتنے طریق حقیقی پاکیزگی کے حاصل کرنے اور بدخواہشات سے بچنے کے نہین بتائے جسقدر اسلام نے بتائے ہین۔ یہ دعوے بلا دلیل نہین لیکن اسپر مفصل بحث اس مختصر مضمون مین نہین ہو سکتی اسپر روشنی ڈالنے کیلیے ہم دو محرکات جذبات حیوانی کو لیکر دکھائینگے کہ کس طرح اسلام نے حیوانی جذبات کو دور کرنے کیلیے انسانی فطرت کے مختلف شعبون پر غور کیا ہے یہ دو محرکات مثلاً نظر کی

اور مردون اور عورتونکا کھلا میل جول ہین خصوصاً کھیل تماشوں اور عیش و عشرت کے موقع پر جب حیوانی جذبات خود ہی تحریک مین ہوتے ہین امر اول تو ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ کوئی عقلمند آدمی آج اس بات سے انکار نہین کر سکتا کہ شرابخوری نسل انسانی کی سخت ترین دشمن اور جذبات حیوانی کی خطرناک محرک ہے سوائے اسلام کے وہ کون مذہب ہے جس نے اس بدی کو جسکے دور کرنیکے لیے آج تمام انسانی کوششین ناکام ثابت ہو رہی ہین ایک ہی لفظ سے نابود کر دیا اور ان لوگونکو جنکی گھٹی مین شراب پڑی ہوئی تھی ایک دم مین شراب سے ایسا متنفر کر دیا کہ ہمیشہ کیلیے وہ اسکے سخت ترین دشمن ہو گئے۔ ایک ہی لفظ پر کہ اسلام مین شراب منع ہے کیونکہ وہ انسان کی دشمن ہے شراب کے مٹکے اور پیالے اس طرح پر توڑ ڈالے گئے جیسے کسی چیز سے سخت نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیا کوئی انسانی کوشش آج تک یہ کام کر سکی ہے اور باوجود اسکے اس انسان اور اسکے ان رفیقون کو نفسانی جذبات کے پیرو کہا جاتا ہے۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مین یہ طاقت نہ تھی کہ اپنے صحابہ کے نفسانی جذبات کو روک سکتے اسلیے تعدد ازدواج کو جایز رکھا گیا۔ اس سے بڑھکر دنیا مین کونسا ظلم ہو سکتا ہے۔ کوئی انصاف سے اس بات کا جواب ہمین دے کہ تعدد ازدواج کا روکنا زیادہ مشکل امر تھا یا شرابخوری کا۔ اور جواب دینے سے پہلے اس بات پر بھی غور کرے کہ تعدد ازدواج کی ممانعت سے یورپ مین کیسی خطرناک زناکاری پھیلی ہے! اور یہ بھی سوچ لے کہ شراب کی ممانعت انسان کو کس حقیقی پاکیزگی کی طرف لیجاتی ہے۔ جن لوگونمین تعدد ازدواج کے مسئلہ کو صحیح تسلیم کیا گیا ہے انمین دس فیصدی سے زیادہ لوگ اسپر عمل کرنیوالے نہین پائے جاینگے۔ یہ نسبت مارمنونکی ہے۔ جنکے درمیان تعدد ازدواج صرف جایز ہی نہین بلکہ ضروری اور فرض کی طرح ہے۔ مگر ان لوگونکے درمیان جنکے اندر اسلام کی طرح تعدد ازدواج صرف ضرورت کیلیے جایز رکھا گیا ہے۔ تعدد ازدواج پر عمل کرنیوالونکی نسبت بہت ہی کم ہوتی ہے۔ پس تعدد ازدواج کو روکنا کوئی مشکل امر نہین اور ہر ایک گورنمنٹ آسانی سے تعدد ازدواج سے لوگونکو روک سکتی ہے لیکن کوئی انسانی گورنمنٹ کوئی واعظ کوئی لیکچرار شرابخوری کے دور کرنے مین کامیاب نہین ہو سکا۔ ساری دنیا کی تاریخ کی ورق گردانی کر لو۔ صرف ایک ہی مثال ملے گی۔ جہان اس بدی کو جڑ سے کاٹا گیا ہے اور وہ ہے اسلام کا مقدس مذہب جو صرف لفظونسے خوش نہین ہوتا بلکہ انسان سے حقیقی پاکیزگی چاہتا ہے دوسری بڑی بھاری روک جو اسلام نے حیوانی جذبات کو دبانے کیلئے تجویز کی ہے۔ وہ مردون اور عورتونکے کھلے میل جول کو بند کرنا ہے جسکو دوسرے لفظونمین پردہ کہا جاتا ہے۔ اب چاہو تو پردہ کو غلطی کہہ لو مگر اتنا تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ غلطی بھی حقیقی پاکیزگی کی

طرف لیجانیوالی ہے اور حیوانی جذبات کو روکنے والی ہے۔ پھر ایک یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ پردہ سے عدم اعتبار ثابت ہوتا ہے ہم مانتے ہین مگر عدم اعتبار کس امر کا ہے۔ عام انسانون کے حیوانی جذبات اور نفسانی جوشون پر عدم اعتبار ہے۔ اور اس عدم اعتبار پر سوائے اس شخص کے کوئی اعتراض نہین کریگا۔ جو فطرت انسانی سے ناواقف ہے۔ پردہ جو کچھ ہے مگر یہ بات تو یقینی ہے کہ حقیقی پاکیزگی تک پہونچنے کیلیے پردہ کا حکم دیا گیا ہے اور پردہ کا اثر عورتون کی تعلیم اور ترقی پر جو کچھ ہو سو ہو پر اس بات سے انکار نہین ہو سکتا کہ نفسانی جذبات اور حیوانی خواہشات کو روکنے کیلیے پردہ ہی ایک علاج اور پردہ ہی ایک راہ ہے پس بہر حال یہ تو ثابت ہے کہ اسلام نے اسقدر کوشش انسانونکو پاکیزگی تک پہونچانے کے لیے کی ہے جو کسی دوسرے مذہب نے نہین کی اور ہر پہلو سے اصلاح کا ارادہ کیا ہے ایک شخص جسکے نزدیک اس حقیقی پاکیزگی کی کچھ قدر و قیمت نہین یہ الزام اگر اسلام پر دے کہ پاکیزگی کو پیدا کرنے کیلیے اسلام بہت دور چلا گیا ہے تو اسکا الزام بجا ہے کیونکہ وہ حیوانی جذبات سے الگ نہین ہوا اور معذور ہے۔ علاوہ ازین پردہ کے مضمون مین مفصل بحث کر کے ہمنے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پردہ کا حکم انسانی فطرت کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہے اور مردون اور عورتونکے کھلے میل جول سے کبھی دل کی وہ پاکیزگی حاصل نہین ہو سکتی جو اسلام کا اصل مقصد اور منشاء ہے۔ پس جس مذہب کی نگاہ ایسی باریک ہے اور جس نے جذبات کے روکنے کیلیے جسقدر ممکن اصلاحین تھین کین اسکی نسبت یہ کہنا کہ وہ تعدد ازواج کی فرضی برائیوں پر مطلع نہین ہو سکا محض حماقت ہے حقیقی پاکیزگی تک پہنچنے کیلیے اسلام نے جسقدر راہین تجویز کی ہین وہ عین صواب ہین۔ حق بات یہ ہے کہ اگر اسلام تعدد ازواج کو روکتا تو جیسا کہ اس مضمون کے پہلے حصہ مین دکھایا جا چکا ہے وہ حقیقی پاکیزگی تک پہنچنے کی ایک ضروری راہ کو بند کرنیوالا ہوتا۔ کیونکہ جس صورتمین خاص حالات کے ماتحت تعدد ازواج ایک انسانی ضرورت ہو جاتی ہے تو اسکی ممانعت کا نتیجہ سوائے کثرت زناکاری کے اور کیا ہو سکتا ہے اور اسکی شہادت ان عیسائی ممالک سے ملتی ہے جہان تعدد ازواج کی ممانعت کیگئی ہے چنانچہ کئی دفعہ عیسائیون کی شہادت ان صفحات مین ہم نقل کر چکے ہین اور اس موقعہ پر کلیسیا کے ایک عظیم الشان عہدیدار کی شہادت اور نقل کرتے ہین پادری اسک ٹیلر نے کلیسیا کے ایک مجمع مین لیکچر دیتے وقت کہا" تعدد ازواج کی وجہ سے اسلامی بلاد پیشہ ور زانیہ عورتون سے پاک ہین اور یہ واقعہ عیسائی مذہب کے لیے بہت بڑھکر شرم کا موجب ہے بہ نسبت اسکے جو تعدد ازواج اسلام کے لیئے ہے مسلمانونکے درمیان تعدد ازواج کا رواج جو مقید بہ شرائط ہے عورتونکے لیے نہایت ہی کم باعث ذلت اور مردونکے لیے نہایت ہی کم باعث نقصان ہے اس زناکاری کی حالت سے جس مین ایک

عورت کئی کئی خاوند رکھتی ہے۔ (یعنی خاوند کے علاوہ آشنا رکھتی ہے) جو عیسائی بلاد کیلیے باعث لعنت ہے اور جس سے اسلام بالکل پاک ہے۔ وہ انگریز جو کئی کئی ایک ایک عورت سے زنا کرتے ہین یہ حق نہین رکھتے کہ ان مسلمانون پر جو تعدد ازواج کے پابند ہین کوئی الزام لگاوین ہمین چاہیئے کہ اپنے بھائی کی آنکھ کے تل کو کچھ نہ کہین جبتک کہ پہلے اپنی آنکھ کا شہتیر نہ نکال لین"۔ ہم بڑی خوشی سے اس بات کو تسلیم کرینگے کہ اسلام ناقص تہذیب کے سبب سے تعدد ازواج کے نقصون پر آگاہ نہین ہوسکا۔ اگر یہ ثابت کردیا جاوے کہ اس ترقی تہذیب کے زمانے مین تعدد ازواج کی ممانعت زناکاری کو زیادہ نہین بلکہ کم کرنیوالی ہے۔ لیکن واقعات پر غور کرنیسے نتیجہ اس سے برعکس پیدا ہوتا ہے جو تعدد ازواج کے دشمن فرض کررہے ہین۔

عورتون کے حقوق

دوسرا بڑا اعتراض تعدد ازواج کے خلاف یہ ہے کہ اسمین عورت کی حق تلفی ہے اس اعتراض کا بھی اس جگہ ہم جواب نہین دینا چاہتے بلکہ اس پہلو سے اسپر غور کرینگے کہ آیا اسلام کا عام میلان عورت کی حالت کے متعلق کیا تھا یعنی اسلام کے اصول عورت کو اسکے حقوق دینے اور اسکی حالت کی اصلاح کرنیوالے تھے یا اسکی حق تلفی کرنیوالے کیونکہ تمام اصول کا منشا انجام کار ایک ہی ہونا چاہیئے یہ ایک مسلم امر ہے کہ اسلام سے پہلے عورت سخت ذلت کیحالت مین تھی۔ وہ انسانی... سوسائیٹی کا ایک ممبر نہ سمجھی جاتی تھی بلکہ جایداد او رمال کی طرح ایک چیز سمجھی جاتی تھی چنانچہ کسی شخص کے مرنیکے بعد اسکی بیویان اسکے بیٹے کے ورثہ مین آتی تھین اور یون ایک ناپاک رسم کی بنیاد پڑ گئی تھی جسے قرآن شریف نے حرمت علیکم امہاتکم کہکر دور کیا۔ لیکن اسلام کے ساتھ ہی ایک حیرت انگیز تبدیلی عورت کی حالتمین ہمین نظر آتی ہے دختر کشی کی رسم جڑ سے اکھاڑ ڈالی گئی اور عورت ورثائے متوفی کے قبضہ مین آنا موقوف ہوا۔ جنسیت کے فرق کو اس طرح دور کیا گیا کہ نیک اعمال سے عورت وہی مقام حاصل کرسکتی ہے جو مرد کرسکتا ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھکر اسلام نے عورت کیحالتمین یہ اصلاح کی کہ یا تو وہ مال اور جایداد کی طرح خود ورثہ مین جاتی تھی اور یا اب مردوار ثونکی طرح اور انکے ساتھ وہ بھی وارث ٹھہرائی گئی اور اسکو تمام وہ اختیارات جایداد کے متعلق دیے گئے جو مردونکو حاصل تھے۔ غرضیکہ اسلام نے عورت کو وہ حقوق دیئے ہین جو اسوقت کے اعلے درجہ کی تہذیب کے نیچے بھی اسکو نہین ملے۔ بچے کا بوجھ اٹھانے اور جننے اور پالنے کی جسقدر تکالیف عورت کو برداشت کرنی پڑتی ہین انکی وہ قدر کیگئی ہے جو اور کسی نے نہین کی چنانچہ ایک حدیث مین آیا ہے ان للحامل منکن اجر الصایم القایم فاذا ضربھا الطلق لم یدر احد مالھا من الاجر فاذا ارضعت کان لھا بکل مصۃ اجر احیاء نفس یعنی حاملہ عورت کیلیے وہ اجر ہے جو اس آدمی کیلیے ہے جو دن کو روزہ رکھتا اور رات کو عبادت مین کھڑا ہوتا ہے

پھر جب عورت کو درد زہ لگتی ہے تو کوئی نہیں جانتا کہ اسکا اجر کتنا بڑا ہے پھر جب وہ بچہ کو دودھ پلاتی ہے تو ہر ایک گھونٹ کے عوض جو بچہ چوستا ہے اسکے لیے ایسا اجر ہوتا ہے جیسے ایک نفس کو زندہ کرنیکا کیا ان سب امور سے یہ صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ اسلام نے عورت کی اصل جگہ اور اسکی اصل قدر و منزلت کو پورے طور پر پہچانا ہے۔ ایکطرف یہ عورت کو اسکے سارے حقوق دیتا ہے اور یوں سوسائٹی میں اسے اسکی اصلی جگہ دیتا ہے اور دوسریطرف گھر کے اندر اسکے حقوق کی پوری نگہداشت کرتا ہے اور یہ امر واقع ہے کہ ایک خاوند کی دو عورتیں ہونیسے کسی طرح انکی حق تلفی نہیں ہوتی بلکہ انکے حقوق وہی رہتے ہیں جو ایک بیوی کے ہوتے ہیں۔ دوسری عورت ہونیسے اسکی کوئی کم قدری نہیں ہوتی بلکہ اگر غور کیا جاوے تو تعدد ازدواج کی اجازت عورت کے قدر کو بڑھانیوالی ہے وہ لاکھوں عورتیں جو مہذب ممالک میں اوٹ کاسٹ (مردود) کے نام سے مشہور ہیں تعدد ازدواج سے نیک بیبیاں اور قابل قدر مائیں بن سکتی ہیں پس وہ طریق جس سے لاکھوں عورتوں کے حالات کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اسپر تو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اسمیں عورت کی حق تلفی اور کم قدری ہے اور ان ہزار ہا زانیہ عورتوں کے وجود کو جنکے سبب سے ایک بڑا حصہ نسل انسانی کا چارپایوں کی حالت سے بھی نیچے گرا ہوا ہے انسانی سوسائٹی کی بہتری کا موجب سمجھا جاتا ہے۔ مگر اسلام عورتوں کو اس وحشیانہ حالت میں ناپاک زندگیاں بسر کرنیسے روکتا ہے اور جس طرح سے ہو انکو انسانی دایرہ کے اندر لاتا ہے خواہ یہ غرض تعدد ازدواج کی مدد سے حاصل ہو اور خواہ بغیر اسکے۔

قرآن شریف نے تعدد ازدواج کی بنا کیا رکھی ہے

اس مختصر بحث کے بعد اب ہم اصل سوال کیطرف آتے ہیں یعنی قرآن کریم نے تعدد ازدواج کی اجازت کس بنا پر دی ہے اس سوال کے جواب کے لیے ضروری ہے کہ اس آیت پر غور کیا جاوے جس میں یہ اجازت دیگئی ہے یہ آیت سورہ النساء کی تیسری آیت ہے اور سورہ شریف ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے

یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا (النساء) اے لوگو تقوے اختیار کرو اپنے پروردگار کا جس نے تمھیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اسکی بی بی کو پیدا کیا اور پھر ان دو (میاں بی بی) سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیے۔ اور تقوے اختیار کرو اس خدا کا جسکے نام سے تم سوال کرتے ہو اور رحموں کا (پاس ملحوظ رکھو) بیشک اللہ تعالے تمپر نگہبان ہے" سورہ شریف کو اس آیت سے شروع کرنے میں قرآن کریم

کی ایک خاص غرض معلوم ہوتی ہے! اس آیت مین دو دفعہ تقوے اللہ کی تاکید کی گئی ہے یعنی ایک تو ابتدا مین اور پھر درمیان مین اسی نصیحت کا اعادہ کیا ہے اور اخیر پر فرمایا کہ اللہ تمپر نگہبان ہے یعنی تمہارے پوشیدہ کامون سے اور تمہارے دل کی باتون سے بھی وہ واقف ہے پس تم ایسے کام نہ کرو کہ لوگونکی نظر و نمین تو اچھے رہو اور اللہ تعالے کے نزدیک تمہارا دل پاک نہو۔ نیز اس آیت مین یہ بیان فرمایا ہے کہ میان بی بی کا تعلق اللہ تعالے نے اسلیے کیا ہے کہ تا ان دو نون سے نسل انسانی کا سلسلہ زمین پر بڑھے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے نے تعدد ازدواج کی علت غائی کو ان الفاظ مین بیان فرمایا ہے پس اس حکم کی بنیاد دوسرے تمام احکام کی طرح تقوے ہی ہے اور تعدد ازدواج کی اجازت تقوے کی غرض سے ہی دیگئی ہے انسان کی زندگی کا بڑا مقصد اللہ تعالے سے تعلق پیدا کرنا ہے اور یہ پاک تعلق حاصل نہین ہو سکتا جبتک انسان اس اعلے درجہ کی پاکیزگی کے مقام پر نہ پہنچ جائے جہان کوئی بدخیال اسکے دل کیطرف راہ نہ پاسکے اسی مقام کے حصول کے لیے یہ اجازت دیگئی ہے کہ انسان دو تین یا چار بیویان حسب ضرورت کرے مگر تمام بدخیالات اور نفسانی شہوات سے اپنے دل کو پاک رکھے۔

نکاح کی اصل غرض تقوے ہے

قرآن شریف کی اور بہت آیات سے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ بڑی غرض نکاح کی اسلام مین تقوے ہے چنانچہ سورہ نور مین اللہ تعالے فرماتا ہے ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتیٰ یغنیہم اللہ من فضلہ (النور-۳۳) اور جو لوگ نکاح کرنیکا مقدور نہین رکھتے انکو چاہئے کہ (اور ذرائع سے) عفت طلب کرین یہانتک کہ اللہ تعالے اپنے فضل سے انکو غنی کر دے! اس آیت کے معنونکی تشریح ایک حدیث شریف سے ہوتی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فان الصوم لہ وجاء اما الذی لا تتوق نفسہ الی النکاح فان کان ذلک لعلۃ بہ من کبر او مرض او عجز یکرہ لہ ان ینکح لانہ یلتزم ما لا یمکن القیام بحقہ۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جوانونکے گروہ جو شخص تم مین سے نکاح کی طاقت رکھتا ہے اُسے چاہئے کہ نکاح کرے کیونکہ نکاح انسان کی نگاہ کو بہت نیچے رکھنے والا اور اسکی شرمگاہ کو بہت محفوظ رکھنے والا ہے اور جس شخص کے پاس نکاح کے ذرائع نہ ہون تو اسکو چاہیئے کہ روزے رکھے کیونکہ روزے اسکے قواے شہوانی کو دبانے والے ہونگے۔ اور وہ شخص جسکا نفس نکاح کی

طرف مائل نہین ہوتا اور یہ کسی سبب کیوجہ سے ہو مثلاً بڑھاپے کے سبب سے یا بیماری کے سبب سے یا کمزوری کے سبب سے تو اسکے لیے نکاح کرنا اچھا نہین کیونکہ اگر وہ نکاح کرے گا تو اپنے ذمے ایک ایسی چیز ڈال لیگا۔ جسکے حقوق وہ ادا نہین کرسکتا۔ اب اس آیت اور حدیث سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام مین نکاح کی بھاری اور اصلی غرض خواہ ایک بیوی سے ہو یا ایک سے زیادہ کے ساتھ تقوے اور پرہیزگاری کا قایم رکھنا اور شہوانی خیالات اور حیوانی جذبات سے بچنا ہے مثلاً قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ کوئی مرد غیر عورت کیطرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے کیونکہ اس سے آخر کار بدی پیدا ہونیکا اندیشہ ہے اور مذہب اسلام انسان سے ایسی عفت چاہتا ہے کہ شہوانی خیالات کو مطلقاً انکے دلونکی طرف راہ نہ ملے۔ پاکیزگی کے اس اعلے مرتبہ کے حاصل کرنیکے لیے ضروری ہو کہ مختلف حالات کے ماتحت مختلف انسانون کو مختلف ذرایع میسر آسکین مثلاً عام انسانون کیلیے تو صرف یہی نصیحت ہے کہ وہ نکاح کرلین پھر جو لوگ قوے تو پورے رکھتے ہین۔ مگر نکاح کی استطاعت نہین رکھتے انکو حکم دیتا ہے کہ وہ روزے رکھین اور جو لوگ بوڑھے ہوچکے ہین یا قدرتی طور پر یا بیماری سے انکے قوے قایم نہین انکو نکاح سے منع کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ایک ایسی جماعت ہے جسکو تعدد ازدواج کی اجازت دیگئی ہے۔ یعنی انکے لیے ایک بیوی کو ناکافی سمجھکر ایک سے زیادہ نکاح کرنیکی اجازت ہے اب اس تقسیم سے جو اسلام نے کی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس اخیری جماعت مین وہ لوگ شامل ہین جنکے قوے جیسا کہ مضمون کے پہلے حصہ مین ثابت کیا جاچکا ہے۔ ایک ہی عورت پر جسکے ساتھ طرح طرحکے قدرتی عوارض لگے ہوئے ہین۔ صبر نہین کرسکتے کیونکہ جیسا کہ اللہ تعالے کی مخلوق ہین وہ انسان موجود ہین جنکو ایسے قوے سے محروم کیا گیا ہے اور جنکو مذہب اسلام نے نکاح کرنیسے منع کیا ہے ایسا ہی دوسری طرف قوی الشہوت لوگ بھی موجود ہین جنکے لیے ایک عورت کافی نہین اور اسلیے ضروری تھا کہ انسان کو ایک سے زیادہ نکاح کرنیکی اجازت دیجاتی۔ کیونکہ مذہب نے انسانی ضروریات کے پورا کرنیکا راہ بتانا ہے نہ یہ کہ ان ضروریات کا گلا گھونٹ کر یہ کہا جاوے کہ خواہ ضرورت ہو یا نہ ضرورت ہو اس سے آگے کوئی راہ کھلی نہین جسکا نتیجہ آخر یہ ہوگا کہ وہ لوگ جایز طریقون سے روکے جاکر ناجایز طریقونکی طرف رجوع کرینگے قرآن کریم یہ چاہتا ہے کہ ہر ایک انسان ایسا پاک نفس ہو کہ اسکے دل مین کبھی یہ خیال بھی پیدا نہ ہو کہ غیر عورتون کی طرف محض انکی خوبصورتی کیوجہ سے انکو دیکھے کیونکہ جو خوشی انسان کو اس طرح سے حاصل ہوتی ہے وہ دراصل ایک گندی اور شہوانی خوشی ہے خواہ مہذب سوسائیٹی مین کوئی نام اسکا تجویز کرلیا جاوے پس اس قسم کے تمام ناپاک خیالات کی جڑ کاٹنے کیلیے یہ امر ضروری تھا کہ تعدد ازدواج کی اجازت دیجاتی۔

ہاں اگر اس اعلے درجہ کی پاکیزگی کی کچھ پروا نہ کیجاوے ۔ تو بیشک تعدد ازدواج کا دروازہ بند ہوسکتا ہے اور
ان دو دروازوں میں سے ایک کا کھلا رہنا ضروری ہے یعنی تعدد ازدواج کا دروازہ یا بدکاری کا دروازہ ۔
یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام انسان کو صرف زنا سے ہی منع نہیں کرتا ۔ بلکہ اسقدر کو بھی کافی نہیں سمجھتا کہ
شہوانی خیالات سے غیر عورتوں کی طرف نہ دیکھے اور یہ چاہتا ہے کہ بلاکسی ضرورت کے انسان قطعاً غیر عورت
کی طرف نظر اٹھاکر دیکھے اور وہ راستہ اختیار کرے جو سوسائیٹی کے لیے اول درجہ کا مامون اور دل کی
پاکیزگی کے لیے اول درجہ کا محافظ ہے پھر دوسری بات یہ ہے کہ اسلام ایک عملی مذہب ہے اور وہ یہ نہیں
چاہتا کہ سب لوگ راہبانہ زندگی اختیار کرلیں یا فطرت پر جبر کریں اور ان پر کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالتا
جسکی وہ برداشت نہ کرسکتے ہوں بلکہ ایک ایسی راہ بتاتا ہے جسپر دنیا کے کاروبار کرنیوالے انسان آسانی
سے چل سکتے ہیں ۔ مذہب اسلام کو یہ ایسی فوقیت حاصل ہے کہ تمام دوسرے مذاہب اس سے
خالی ہیں یعنی ایک طرف تو یہ مذہب اعلے درجہ کی حقیقی پاکیزگی پر پہونچنے کی تعلیم دیتا ہے اور دوسری
طرف ایسے عملی طریق بتاتا ہے جن پر چلکر انسان اس حقیقی پاکیزگی کو پاسکتا ہے ۔ بدیوں سے بچنے کا
اسکا عام اصول دوسرے مذاہب پر ایک فوقیت رکھتا ہے ۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے ۔
من حام حول الحمی یوشك ان یقع فیہ ۔ یعنی جو شخص محرمات الٰہی کے گرد پھرتا ہے قریب ہے کہ
وہ انکے بیچ پڑجاوے ۔ پس اسلام صرف یہی نہیں کہتا کہ تم فلاں فعل بد مت کرو بلکہ اس فعل بد کے قریب
آنے سے بھی روکتا ہے اور ان تمام راہوں کو بند کرتا ہے جن پر چلکر انسان کی بدکاری کا مرتکب ہونیکا
اندیشہ ہو ۔ گویا جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں بدی کو اس جگہ روکتا ہے جو روکنے کی جگہ ہے یعنی اسکے
منبع پر کیونکہ اگر بدی کو اسکے پھوٹ نکلنے کی جگہ پر نہ روکا جاوے گا تو وہ پھر گو اور غیر محسوس سا خیال
آہستہ آہستہ بڑا ہوتا ہوتا جذبات کا وہ تند و تیز سیلاب ہو جاویگا جسکا روکنا نہایت ہی مشکل ہو جاویگا
چنانچہ زنا کے متعلق قرآن کریم یہ فرماتا ہے کہ لا تقربوا الزنا ۔ یعنی زنا کے قریب بھی نہ جاؤ ۔ پس اسلام
نہ صرف زناکاری سے روکتا ہے بلکہ ان تمام افعال سے بھی روکتا ہے جنکا نتیجہ یہ فعل بد ہو ۔ یہ ایک ایسا
پختہ اور مضبوط اصول بدکاری سے بچنے کا ہے کہ اسلام کے اندھے دشمنوں کے سوا خواہ وہ مسلمان کہلاویں ۔
یا غیر مسلمان کوئی منصف اس سے انکار نہیں کرسکتا ۔ اور جبتک زنا اور اسکی تمہیدات کو ایسی نفرت کی
نگاہ سے دیکھا جاوے تب تک تعدد ازدواج کا دروازہ بند نہیں ہوسکتا ۔ جو شخص خدا کی ہستی کو مانتا ہے
وہ غور کرے کہ آیا وہ اعلے درجہ کی حقیقی پاکیزگی جسکی تعلیم اسلام دیتا ہے ۔ اللہ تعالے سے سچا تعلق پیدا کرنیکے لیے
ضروری نہیں اور جو شخص ہستی باریتعالے کا منکر ہے وہ بھی سوچے کہ آیا انسانی ترقی اس پاکیزگی سے وابستہ نہیں؟

سلسلہ النسل انسانی کے بقا کی ضرورت

اب مذکورہ بالا بیان سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ اسلامی شریعت نے تقوے اور پاکیزگی کیلیے تعدد ازواج کو جایز رکھا ہے ان دلایل کے علاوہ جو اوپر دیگئی ہین یہ امر قرآن کریم کے پڑھنے والے پر پوشیدہ نہین کہ قرآن کریم کس طرح بار بار تقوے پر زور دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ تقوے کا حصول محض ایک خیالی امر ہی رہتا جبتک تعدد ازواج کی اجازت نہ دیجاتی۔ اگر قرآن کریم کا منشاء اناجیل کی طرح یہ ہوتا کہ چند دل خوش کن فقروں سے لوگونکو خوش کرے۔ جیسے مثلاً ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری بھیر دینا جسپر عمل کرنیوالا کوئی عیسائی دنیا مین آج تک پیدا نہین ہوا۔ تو ایک آسان امر تھا کہ تعدد ازواج کے دروازے کو بند کر دیا جاتا مگر مذہب اسلام کی غرض انسان کو واقعی ایک اعلے مقام پر پہنچانا تھا اور اس لیے جہان ایکطرف اس مقدس مذہب مین یہ زور دیا گیا کہ تم تقوے اختیار کرو اور نفسانی خیالات اور حیوانی جذبات کو مغلوب کرو اور ہر ایک قسم کی بد خواہش یا بد نظری سے اپنے آپ کو پاک رکھو دوسریطرف یہ امر بھی ملحوظ رکھا گیا کہ فطرت انسانی کے تقاضے کیا کیا ہین اور وہ کس طرح سے احسن طریق سے پورے ہو سکتے ہین اسلیے جہان ہر ایک بدی کو جڑ سے کاٹا گیا۔ تعدد ازواج کو قطعاً منع نہین کیا گیا اور جیسا کہ سورہ نسار کی اس آیت سے ظاہر ہے جو تعدد ازواج کی اجازت سے ایک آیت پہلے مذکور ہے تقوے کی خاطر یہ اجازت دیگئی ہے ساتھ ہی اسکے اشارۃ النص کے طور پر قرآن کریم نے یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ چونکہ مرد اور عورت کا جوڑ نسل انسانی کے پھیلانے کا ذریعہ ہے پس اگر کبھی خاص حالات کے ماتحت ایک بیوی سے اولاد پیدا نہ ہو تو اور نکاح کرنیکی بھی اجازت ہے تا وہ غرض مفقود نہ ہو جائے۔ جو نکاح کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے اس آیت کے علاوہ قرآن شریف کے دیگر مقامات سے بھی سلسلہ اولاد کیلیے تعدد ازواج کی اجازت اشارۃ النص کے طور پر معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً قرآن کریم یہ دعا سکھاتا ہے۔ ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین و اجعلنا للمتقین اماما (الفرقان-۴۷) اے ہمارے پروردگار ہمکو ہماری بیبیوں سے اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما اور ہمکو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔ ایسا ہی حضرت ذکریا کی یہ دعا قرآن شریف مین بیان فرمائی گئی ہے۔ رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ۔ اے میرے پروردگار مجھے اپنی جناب سے صالح اولاد عطا فرما۔ ان آیات سے جنمین اولاد صالح کے پیدا ہونیکی ترغیب دیگئی ہے صفائی سے ثابت ہوتا ہے کہ نیک اولاد کیخاطر بھی قرآن شریف نے تعدد ازواج کو جایز رکھا ہے اب جیسا کہ مضمون کے پہلے حصہ مین ہمنے دکھایا تھا۔ تقوے اور اولاد کا پیدا ہونا ہی تعدد ازواج کی ضرورت کو ثابت کرنیوالی دو بڑی باتین ہین اور انکا ذکر قرآن شریف نے کھولکر کر دیا ہے اور چونکہ مختلف واقعات جو انسانونکو تعدد ازواج کی ضرورت کیلیے مختلف حالات کے نیچے پیش آتے ہین ان سب کا بیان کرنا ناممکن امر ہے

اسلیے قرآن شریف نے اس اجازت تعدد ازواج کو دو یا چار باتونکے ساتھ محدود نہین کیا کیونکہ اگر ایسا کیا
جاتا تو اصلی غرض پھر مفقود ہوجاتی بلکہ خود ہر انسان کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی ضروریات کو دیکھکر اور
تقوے اللہ کو مدنظر رکھکر تعدد ازواج کی اجازت سے فایدہ اٹھا سکتا ہے۔

آیت کے معنے

اب ہم اصل آیت کے معنوں پر غور کرتے ہین جس مین تعدد ازواج کی اجازت دیگئی ہے
وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمٰی فانکحوا ما طاب لکم من النساء
مثنٰی وثلٰث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملکت ایمانکم
ذٰلک ادنٰی الا تعولوا (النساء - ۳) اور اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیون کے بارے
مین انصاف قایم نہ رکھ سکوگے۔ تو دوسری عورتون مین سے جو تم کو پسند ہون۔ دو دو تین تین
چار چار عورتون سے نکاح کرلو لیکن اگر تمکو اس بات کا اندیشہ ہو کہ انصاف قایم نہ رکھ سکوگے
تو ایک ہی بی بی پر کفایت کرو یا وہ چیز جسکے تمہارے دہنے ہاتھ مالک ہوئے۔ یہ تدبیر نامنصفانہ برتاؤ
سے بچنے کے لیے انسب ہے اس آیت کے پہلے حصہ مین جو یتامی کا ذکر ہے اس سے مراد یتیم لڑکیان ہین
جیساکہ اس سورۃ کی ایک اگلی آیت سے ظاہر ہے۔ ویستفتونک فی النساء
قل اللہ یفتیکم فیہن وما یتلی علیکم فی الکتٰب فی یتٰمی النساء التی لا تؤتونہن
ما کتب لہن وترغبون ان تنکحوہن (النساء - ۱۲۷) اور پوچھتے ہین تم سے یتیم عورتونکے
ساتھ نکاح کرنیکے بارہ مین۔ کہدے اللہ تم کو انکے بارہ مین اجازت دیتا ہے اور پہلے قرآن مین جو حکم تمکو سنایا
جاچکا ہے۔ سو وہ ان یتیم عورتونکے بارہ مین ہے جنکو تم ان کا حق جو انکے لیے ٹھہرایا گیا ہے نہین دیتے اور
باوجود اسکے انکے ساتھ نکاح کرنے کی طرف راغب ہو۔ یہان جس پہلے حکم کا ذکر ہے کہ یتیم لڑکیونکے
بارہ مین دیا گیا ہے وہ اسی آیت سورہ نساء کیطرف اشارہ ہے جس مین تعدد ازواج کا بھی ذکر ہے ان
آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ ان یتیم لڑکیونکو جو انکے سپرد ہوتی تھین نکاح مین تو لے آتے
تھے مگر چونکہ انکے کوئی رشتہ دار ایسے نہ ہوتے تھے جو انکے حقوق کا مطالبہ کرسکین اسلیے ان پر اکثر ظلم
ہوتا تھا۔ ان آیات مین اور خصوصاً اول الذکر آیت مین اس بدی کی اصلاح مطلوب تھی کیونکہ جہان یتامی
پر اور ظلم دور کیے گئے وہان اسکا دور کرنا بھی ضروری تھا اور جب یتیم لڑکیونکے ولی خود انسے نکاح کرتے
تو اس قسم کے ظلم کا خطرہ باقی نہ تھا کیونکہ پھر وہی ولی خود انکے حقوق کے محافظ ہوجاتے۔

تعدد ازواج کس وقت جایز ہے

یہان اس بات کا بیان کردینا بھی ضروری ہے کہ تعدد ازواج سے
اگر کوئی خطرہ پیدا ہوسکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ دوسری شادی

کرنیسے پہلی عورت کی حق تلفی نہ ہوجاوے اسکے علاوہ باقی تمام نقصانات محض خیالی ہین اوراس خطرہ کو قرآن شریف نے خود محسوس کیا ہے کیونکہ تعدد ازدواج کی اجازت کے ساتھ ہی پھر یہ لفظ بڑھا دیئے ہین فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ۔ لیکن اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ عدل نہ کرسکوگے تو پھر ایک ہی بی بی پر کفایت کرو۔ اب اس آیت مین دو باتون کا ذکر ہے یعنی ایک یتیم لڑکیونسے نکاح کرنیکا اور دوسرا ایک سے زیادہ بیبیان کرنیکا اوران دونون باتونمین سے مسلمانونکو کسی سے قطعی طور پر روکا نہین گیا مگر ایسے الفاظ ضرور ہین کہ جنسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ضرورت کے ان دونون باتونسے بچنا چاہئے کیونکہ دونون مین ناانصافی کا خطرہ ساتھ لگا ہوا ہے جو اللہ تعالے کے نزدیک بڑا گناہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی اجازت صرف ضرورت کی حالتونمین ہے کیونکہ سوائے ضرورت کے انسان کو ایسی بات مین پڑنا ہرگز جایز نہین جس مین گناہ کا اندیشہ ہو۔ ہان ضرورت کے وقت یا جب کسی اور گناہ مین پڑنیکا اندیشہ ہو ایسا فعل ضروری ہو جاتا ہے۔ اب قابل غور یہ امر ہے کہ ان دونون باتونکے متعلق ایک ہی قسم کے الفاظ استعمال کیے گئے ہین۔ وان خفتم الا تقسطوا یعنی اگر تمکو اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کرسکوگے تو ان یتیم لڑکیونسے جو تمہاری زیر نگرانی ہین نکاح مت کرو بلکہ اور عورتونسے نکاح کرو۔ اور تعدد ازدواج کے متعلق بھی قریباً قریباً یہی لفظ ہین فان خفتم الا تعدلوا یعنی اگر تمکو یہ اندیشہ ہے کہ عدل نہ کرسکوگے تو ایک سے زیادہ بی بی مت کرو بلکہ ایک ہی پر کفایت کرو۔ ممانعت دونون صورتون مین نہین مگر سفارش یہی کی گئی ہے کہ حتے الوسع نہ یتیم لڑکیونسے نکاح کیا جاوے اور نہ ایک سے زیادہ بیبیان کیجاوین ہان ضرورت کے وقت دونون باتین جایز ہین کیونکہ فی نفسہٖ یہ امور گناہ نہین اگر ضرورت ہو اور ایک آدمی دیکھتا ہے کہ مین ایک یتیم لڑکی کو نکاح مین لاکر اسکے حقوق کو اسی طرح ادا کرونگا جیسے اور کسی عورت کے حقوق کو تو وہ اس سے نکاح کرسکتا ہے اور اگر ضرورت ہو اور ایک آدمی دیکھتا ہے کہ مین اس بات پر قادر ہون کہ پہلی عورت کے حقوق کو فراموش نہین کرونگا اور سب بیبیونمین عدل قایم رکھ سکونگا تو اسکو اجازت ہے کہ وہ دوسرا نکاح کرے۔ یہ ایک بالکل صاف امر ہے جس مین کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجایش نہین۔

بلا ضرورت تعدد ازدواج جایز نہین ہمنے اوپر یہ بیان کیا ہے کہ اگرچہ قرآن شریف تعدد ازدواج کی اجازت دیتا ہے مگر اسکا یہ منشا نہین کہ بلا ضرورت تعدد ازواج جایز رکھا جاوے جیساکہ سورہ نساء کی اس آیت سے ثابت کیا گیا ہے جس مین تعدد ازواج کی اجازت دیگئی ہے اسی آیت کے آخری الفاظ سے اور بھی اس بات کی تصریح ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ کہنے کے بعد

کہ اگر تمھین یہ اندیشہ ہو کہ عدل نہین کرسکو گے تو ایک ہی بی بی پر کفایت کرو اللہ تعالے فرماتا ہے ذالک ادنی الا تعولوا یعنی یہ تدبیر (کہ ایک ہی بی بی پر کفایت کیجاوے) نامنصفانہ برتاؤ سے بچنے کے لیے بہتر ہے اصل بات یہ ہے کہ تعدد ازدواج کے مسئلہ مین بہت ساری مشکلات ہین ایکطرف تو انسانی ضروریات ہین جن کو کوئی سچا مصلح یونہی رد نہین کرسکتا اور دوسری طرف وہ خطرات ہین جو تعدد ازدواج کے متعلق کوئی روک نہ ہونیسے پیدا ہوسکتے ہین ان مشکلات کے درمیان اسلام نے وسط کا راہ اختیار کیا ہے یعنی تعدد ازدواج کو بند تو نہین کیا مگر چونکہ اس سے عورتونکے ساتھ نامنصفانہ برتاؤ کا اندیشہ تھا۔ اسلیئے ساتھ یہ قید لگادی ہے کہ جس شخص کو اندیشہ ہو کہ وہ عدل نہ کرسکیگا۔ وہ تعدد ازدواج نہ کرے بلکہ ایک ہی بی بی پر کفایت کرے۔ اور پھر آیت کے اخیر پر یہ کہا ہے کہ بہتر اور انسب تجویز یہی ہے کہ سوائے اسکے جو کسی شخص کو ضرورت ہو وہ تعدد ازدواج کی اجازت سے فایدہ نہ اٹھاوے اسی مضمون کے متعلق آگے چلکر اسی سورہ شریفہ مین اللہ تعالے فرماتا ہے۔ ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقة ؕ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفورا رحیما۔ (النساء - ۱۲۹) جسکا مطلب یہ ہے کہ تم ایسی طاقت نہین رکھتے کہ عورتونکے درمیان پورے پورے عدل پر قادر ہو خواہ تمھارا دل بھی چاہتا ہو پس اگر دوسری بی بی کی ضرورت آبھی پڑی ہے تو ایسا نہ کرنا کہ بالکل ایک ہی طرف کو جھک جاؤ اور دوسری کو اس طرح چھوڑ بیٹھو کہ نہ وہ خاوند والیوں مین داخل ہو اور نہ ایمین جنکے خاوند نہین اور اگر موافقت کرو اور تقوے اختیار کرو تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس آیت کے الفاظ بہت قابل غور ہین کیونکہ اسمین تعدد ازدواج کے دونون پہلوؤن پر غور کیا گیا ہے۔ اس سے ایک ایسی حالت معلوم ہوتی ہے کہ گویا تعدد ازدواج کی ضرورت اور اس عدل کے قایم رکھنے مین جو قرآن شریف چاہتا ہے ایک جھگڑا ہے یعنی ایک طرف ضرورت اجازت کو چاہتی ہے اور دوسری طرف پورا عدل قایم رکھنے کے مشکلات ہین اس جھگڑے مین یہ آیت بطور فیصلہ کے ہے۔ عدل کے بارہ مین یہ آیت کہتی ہے کہ تمام انسان یہ طاقت تو رکھ نہین سکتے کہ پورا عدل کرنے پر قادر ہوں پھر کیا تعدد ازدواج کی ممانعت کی گئی۔ نہین بلکہ ضرورت کو بھی تسلیم کیا گیا اور ساتھ یہ شرط لگادی کہ ایسا نہ ہو کہ پھر ایک ہی طرف کو جھک پڑو بلکہ جہانتک انسانی طاقت مین ہے عدل کیا جاوے پھر جو نقص رہ جاویگا اللہ تعالے اسکو بخشدیگا بشرطیکہ آدمی تقوے اختیار کرے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج کو معمولی بات نہین سمجھا گیا کہ جو چاہے اسے اختیار کرلے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر عدل کی شرط کو اسطرح پیرایہ نرم نہ کیا جاتا بلکہ ضرور تھا کہ اس صورت مین یہ کہا جاتا کہ جب تم اپنی خواہش سے ایک کام

کہتے ہو نکسی ضرورت کے سبب یا مجبور ہو کر اور تم شرط کو پورا نہین کر سکتے تو پھر اس کام کو کیون کرتے ہو۔ ہمنے تو عدل کی شرط لگائی ہے پس جو شخص عدل کرنے پر قادر ہے خواہ اسے ضرورت ہو یا نہ ہو وہ ایک سے زیادہ بیبیان کر سکتا ہے مگر کلام الٰہی یہان اسطرح پر واقع ہوا ہے کہ گویا انسان .... کسی مجبوری مین پھنسا ہوا ہے اسلیے اللہ تعالےٰ بھی اس سے نرم سلوک کرتا ہے یعنی جبکہ اسے واقعی تعدد ازدواج کی ضرورت پیش آئی ہے اور اسنے اپنے آپ کو پورا قادر عدل کرنے پر نہین پایا ہے تو چونکہ وہ ضرورتاً ایک کام کو کرتا ہے جسکی اجازت خدا نے دی ہے پس اللہ تعالےٰ بھی اس سے نرم سلوک کرتا ہے اور جو کوئی نقص بتقاضائے فطرت انسانی واقع ہوا ہے اللہ تعالےٰ معاف کر دے گا ساتھ ہی اسی جگہ تقوے کی شرط بھی لگا دیگئی ہے۔ کیونکہ اگر ایک شخص نے تقوے کی ضرورت کو مدنظر رکھکر ہی نکاح ثانی کیا ہے تو اسپر چھوٹی چھوٹی باتونکی جو اسکی طاقت سے باہر ہین کوئی گرفت نہین انسان تقوے اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ بھی اسکے ساتھ مہربانی سے پیش آتا ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ غفران الٰہی کا مستحق بھی وہی شخص ہے جو کسی طرح سے قابل معافی ہو اور تعدد ازدواج کی صورتمین انسان اس وقت بیشک قابل معافی ہے جب وہ ضرورت کیلیے تعدد ازدواج کرتا ہے۔ اس آیت سے یہ صاف شہادت ملتی ہے کہ تعدد ازدواج کی اجازت قرآن شریف صرف ضرورت کیلیے ہی دیتا ہے۔ قرآن شریف کے اور کئی موقعونسے بھی یہی بات ثابت ہے جیسا کہ آیت والذین ھم عن اللغو معرضون سے ظاہر ہے کیونکہ بلا ضرورت کسی فعل کا کرنا لغو مین داخل ہے اور لغو سے اللہ تعالےٰ منع فرماتا ہے۔ پس ہر ایک پہلو سے غور کرنیسے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف عام طور پر یہی چاہتا ہے کہ ایک ہی بی بی سے نکاح کیا جاوے ہان ایسی انسانی ضرورتونکے لیے جنسے انکار نہین ہو سکتا تعدد ازواج کو جایز رکھتا ہے اور ایسے خاص حالات مین اسکی اجازت دیتا ہے۔

او ما ملکت ایمانکم ان الفاظ پر غور کرنا ابھی باقی ہے۔ خود قرآن کریم اسکی تشریح ان الفاظ مین کرتا ہے۔ ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنٰت المؤمنٰت فمن ما ملکت ایمانکم من فتیٰتکم المؤمنٰت واللہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض..... ذٰلک لمن خشی العنت منکم وان تصبروا خیر لکم واللہ غفور رحیم (النساء - ۲۵) اور تم مین سے جسکو مسلمان بیبیونسے نکاح کرنیکا مقدور نہ ہو تو وہ ان مسلمان لونڈیونسے نکاح کر سکتا ہے جو تمہارے قبضہ مین آچکی ہین (یعنی کفار کے ساتھ جنگ مین بطور اسیر ونکے تمہارے ہاتھ لگی ہین اسی لیے ملکت ایمانکم کے الفاظ استعمال کیے ہین

یعنی جنکے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے ہیں۔) اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے تم ایک دوسرے کی جنس سے ہو۔۔۔۔ یہ اجازت اسکے لیے ہے جسے بدکاری میں پڑنیکا اندیشہ ہو اور اگر تم صبر کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے" اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ جب ایک شخص اسقدر مقدرت نہ رکھتا ہو کہ مسلمان آزاد عورت کے ساتھ نکاح کر سکے۔ تو اس صورت میں اسے مسلمان لونڈی کے ساتھ نکاح کرنیکی اجازت ہے۔ اگر اسکو یہ اندیشہ ہو کہ شادی نہ کرنیکی صورت میں وہ بدکاری میں مبتلا ہو جاوے گا۔ دوم اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کی بڑی ضرورت قرآن کریم کے نزدیک یہ بھی ہے کہ تا انسان زنا میں یا اور بدکاریوں میں مبتلا نہ ہوں پس جو ضرورت نکاح کی ہے وہی ضرورت بدرجہ اولے تعدد ازدواج کی ہے۔ پس جب لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے میں بظاہر کوئی ہرج بھی معلوم نہیں ہوتا اور قرآن کریم نے خود بھی اسکے متعلق یہی کہا ہے کہ بعضکم من بعض یعنی تم ایک دوسرے کی جنس سے ہو پس کیا مضایقہ ہے کہ لونڈی کے ساتھ ہی نکاح کر لیا جاوے تاہم اسکی اجازت صرف اس صورت میں دی ہے جب کسی کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ زنا میں مبتلا ہو گا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج کی اجازت بھی اسی لیے دی گئی ہے کہ تا انسان کسی بدکاری میں مبتلا نہ ہو۔

قرآن شریف عورتوں کے حقوق کی کس قدر نگہداشت کرتا ہے

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ تعدد ازدواج کی اجازت کے متعلق جو آیت واقع ہوئی ہے وہ سورہ نسا میں واقع ہوئی ہے اور یہی سورت ہے جس میں عورتوں کے حقوق وراثت کی نگہداشت قرآن شریف کرتا ہے اور انہیں جایداد کے پیدا کرنے یا وصیت کرنے یا خرید و فروخت کرنے کے وہی اختیار دیتا ہے۔ جو مردوں کو حاصل تھے۔ اور یوں تعدد ازدواج کی اجازت دینے کے ساتھ ہی عورتوں کو وہ حقوق دیتا ہے جو اسوقت تک دنیا کی کسی قوم نے نہیں دیئے تھے اور جو اب بھی کلی طور پر عورتوں کو حاصل نہیں ہوے اس ترتیب آیات سے بھی یہی شہادت پیدا ہوتی ہے کہ اسلام میں تعدد ازدواج کا منشا، سوسائیٹی کی اصلاح اور عورتوں کی حالت کو بہتر کرنا تھا۔ ایک اور پہلو سے غور کرنیسے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت میں اور خصوصاً اس موقعہ پر قرآن کریم کا منشا یہی ہے کہ عورتوں کے حقوق کی پوری پوری نگہداشت کیجاوے چنانچہ اس سورت کی سب سے پہلی آیت کو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں جس میں اللہ تعالے بار بار تقوے کی تاکید فرما کر یہ سمجھاتا ہے کہ اسکے احکام اور اجازتیں صرف اسی غرض سے ہیں کہ تا انسان سچے تقوے پر قایم رہے اور یہی غرض تعدد ازدواج کی اجازت دینے میں بھی

ہے مگر اس آیت مین ایک اور لفظ قابل غور ہے۔ کیونکہ جہان یہ حکم دیا گیا ہے کہ واتقوا اللہ یعنی اللہ سے
ڈرو اسکے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ رحمونکا پاس بھی ملحوظ رکھو ان دونون باتونکو ایک ہی جگہ جمع کرنے سے
ظاہر ہوتا ہے کہ رحمونکے تعلقات کو قرآن شریف کسقدر عظمت دینی چاہتا ہے کہ اسکا ذکر بھی تقوے
کے ساتھ ہی کیا ہے گویا یہ بھی سچے تقوے کی ایک بڑی بھاری علامت ہے کہ انسان رحم کے تعلقات
کو پورے طور پر قایم رکھے۔ ایک اور موقعہ پر بھی اسی طرح قرآن شریف نے اللہ تعالے کی فرمانبرداری کو
والدین کی فرمانبرداری کے ساتھ ملحق کیا ہے اور اس جگہ بھی ان دونون باتونکو اکٹھا کرنے سے مقصد
یہی ہے کہ تا والدین کے حقوق کی عظمت کو انسان سمجھین اسی عظمت کو اس جگہ بھی بیان کیا
گیا ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتونکے حقوق کے ادا کرنے پر قرآن شریف کسقدر زور
دیتا ہے اور یون بیوی اور والدہ کے ذریعہ سے جو تعلقات پیدا ہوتے ہین کہانتک انکی پاس خاطر کا
حکم دیتا ہے۔ اسکے متعلق ایک واقعہ یاد آگیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مطہر قلب پر جسپر یہ وحی نازل
ہوئی ان احکام کی کسقدر عظمت تھی اور اسکے پاک اخلاق کا دایرہ کسقدر وسیع تھا۔ جب حضرت عمر کے
عہد مین اسلامی فوجون نے مصر کو فتح کیا تو انکو حکم تھا کہ مصریونکے ساتھ خاص طور سے نرمی سے سلوک
کرین۔ جب سکندریہ کے بڑے پادری نے اسکی وجہ دریافت کی تو اسکو یہ جواب دیا گیا کہ نبی کریم
صلے اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مصر کے فتح ہونیکی بشارت دی تھی تو ساتھ یہ بھی تاکید فرمائی تھی کہ مصریون
کے ساتھ بہت نرمی کیجاوے کیونکہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالے عنہا مصر سے آئی تھین اور وہ
حضرت اسمعیل علیہ السلام کی والدہ ہونیکے سبب سے کل عرب کی مان تھین جسپر پادری نے اقرار کیا کہ ایسے
اخلاق سوائے سچے پیغمبر کے اور کسی کے نہین ہو سکتے۔ غرضیکہ تعدد ازواج کی اجازت سے پہلے اور پیچھے
عورتونکے حقوق پر بہت زور دیا گیا ہے علاوہ ازین اس حکم کا کہ رحمونکا پاس ملحوظ رکھو۔ یہ منشا بھی ہے
کہ عورت کے رشتہ دارونکو کسی طرح دکھ نہ دیا جاوے اور چونکہ بلا ضرورت دوسرا نکاح کرنے مین ان لوگونکو
بھی دکھ پہونچیگا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازواج کی اجازت خاص ضرورتونکے لیے ہے جبتک
انسان یہ سمجھے کہ اسکا نہ کرنا اسکے لیے باعث گناہ ہوگا۔

تعدد ازواج کے مسئلہ سے بیجا فایدہ اٹھانے کو روکنے والی کیا چیز ہے

اب اس جگہ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی چیز ہے جو بلا ضرورت تعدد ازدواج کو روک سکتی ہے۔ ایک شخص یہ سوال کرے گا کہ کیون تعدد ازواج کی اجازت کو مثلاً اس شرط سے وابستہ نہ کر دیا گیا کہ
جس شخص کو ایسی ضرورت محسوس ہو وہ قاضی یا ایک عدالت کے سامنے اپنی ضرورت بیان کرے عدالت سے

اجازت حاصل کرنیکے بعد دوسرا نکاح کرے ایسی تجویزین دل خوش کرنیکے لیے تو اچھی ہین مگر سوال یہ ہے
کہ عملی طور پر یہ کبھی چل بھی سکتی ہین اگر یہ ممکن ہے کہ خیالی قوانین عملی ضروریات کو پورا کر سکین تو ایسے
سوالات کے اٹھانیسے بھی کوئی فایدہ ہو سکتا ہے۔ اگر ایک بی بی سے نکاح کرنا کسی عدالت یا گورنمنٹ
کی اجازت پر منحصر نہین تو یہ فیصلہ کہ آیا وہ واقعات پیدا ہو گئے ہین یا نہین جنسے کسی خاص آدمی کو تعدد
ازدواج کی ضرورت پیدا ہو گئی ہے وہی آدمی کر سکتا ہے جسکو ایسے واقعات پیش آ وین اور دوسرے
کسی شخص کی طاقت مین نہین کہ اسکا اندازہ کر سکے خواہ قاضی ہو...... اور خواہ عدالت ہو کیونکہ ان
واقعات کا ہر مرد کی اندرونی زندگی سے اسقدر تعلق ہے کہ دوسرا آدمی کبھی پورے طور پر نہ اینپر مطلع
ہو سکتا ہے اور نہ انکو سمجھ ہی سکتا ہے۔ پھر ایک اور امر قابل غور ہے کہ جب کوئی حکومت اس بات
مین دخل نہین دیتی کہ کوئی مرد نکاح کرے یا نہ کرے تو کیا وجہ ہے کہ اس بات مین وہ دخل دے
کہ وہ تعدد ازدواج کرے یا نہ کرے کیون دونون صورتون مین ایک سے ہی حقوق اسکو نہ دیئے
جاوین جس صورت مین تسلیم کیا جاتا ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کا جوڑ ضروری امر ہے اور تجرد
باعث نقصان ہے تو جو شخص تجرد اختیار کرتا ہے اسکو کیون مجبور نہین کیا جاتا کہ وہ ضرور نکاح کرے
حالانکہ جو شخص نکاح نہین کرتا اس سے اسوجہ سے کہ وہ کسی فعل بد کا مرتکب ہو سوسائیٹی کو بہت
زیادہ نقصان پہنچنے کا احتمال ہے بہ نسبت اسکے جو کوئی شخص بلا ضرورت تعدد ازدواج اختیار کرے
پس اگر پہلی صورت مین حکومت کا کسی شخص کو مجبور کرنا کہ وہ ضرور نکاح کرے داخل ناانصافی ہے
تو پھر کسی شخص کو اسبات پر مجبور کرنا کہ وہ تعدد ازدواج نہ کرے اس سے بھی بڑھکر ناانصافی ہے لیکن یہانپر
اس سوال پر ہم عام طور پر بحث کرنا نہین چاہتے کیونکہ سوال کے اس حصہ پر بحث کی اصلی جگہ اس مضمون
کا تیسرا حصہ ہے اس جگہ ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ قرآن شریف نے تعدد ازدواج کو مشروط بہ ضرورت
کرنیکے لیے کیا تجویز کی ہے۔ سب سے پہلے مالی حالات کا لحاظ ضروری ہے۔ شریعت اسلامی نے خاوند
پر بعض ایسی مالی مجبوریان ڈالی ہین کہ اسکے لیے اس بارہ مین حد سے بڑھنا سخت مشکل کام ہے مثلاً
مرد کے لیے ضروری ہے کہ عورت کا حق مہر ادا کرے اور نیز اسکو نان ونفقہ دے اسلامی شریعت کا یہ
منصفانہ اور دور اندیشی کا اصول عورت کو محنت اور تکلیف سے بچاتا ہے اور اسکے قدرتی فرایض کو جو
بچہ جننے اور پالنے کے متعلق ہین ایک اعلے درجہ کی خدمت تصور کر کے انکا ایک معاوضہ نان ونفقہ کی
صورت مین دیتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی کو عورت کے حقوق کی کسقدر رعایت
ہے کیونکہ خاوند کیلیے اسبات کو لازمی قرار دینے سے کہ وہ عورت کو گذارہ دے شریعت نے عورت کو سخت محنت

اور مزدوری کے کامون سے نجات دیدی ہے جنکے لیے اسے قدرت نے بنایا بھی نہین - مہر اور نان ونفقہ کی ادائیگی ایک ایسا ضروری امر ہے کہ قرآن شریف نے صاف الفاظ مین ان لوگونکو جو ایسی استطاعت نہین رکھتے نکاح کرنیسے منع کیا ہے اور تقوے قایم رکھنے کیلیے انکو روزے رکھنے کی نصیحت فرمائی ہے - اب ظاہر ہے کہ معمولی حالات کے نیچے عام آدمیونکو اسقدر وسعت ہرگز نہین ہوتی کہ وہ دو دو بیبیونکے اخراجات کو برداشت کرسکین - پس یہ بوجھ جو خاوند پر ڈالا گیا ہے اسکی راہ مین ایک ایسی روک ہے کہ بلاضرورت وہ دوسرا نکاح نہین کریگا - بعض مفسرین نے جنمین امام شافعی بھی داخل ہین - ذلک ادنی الا تعولوا کے معنے بھی اسی کے مطابق کیئے ہین وہ اسکے معنے کرتے ہین کہ ایک ہی نکاح تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم بہت عیالدار نہ ہوجاؤ اور اس طرح پر تمہاری مالی مشکلات نہ بڑھ جاوین - اب سوچ کر دیکھ لینا چاہیئے کہ جس حالت مین تعدد ازواج کے لیے شریعت نے یہ ذمہ داریاں رکھ دی ہین تو ایک شخص جسکی غرض محض شہوت رانی ہے کب اسقدر بوجھ کو اٹھا سکتا ہے ایسے لوگونکے لیے تو آسان طریق زناکاری ہے جس مین نہ کوئی مہر نہ نان ونفقہ نہ بچونکی پرورش کی ذمہ داری - پھر شریعت اسلامی یہ بھی چاہتی ہے کہ جو شخص دوسرا نکاح کرے وہ دونون بیویونمین پورا عدل قایم رکھے اور اس شرط کو بھی ایسا ضروری ٹھہرایا گیا ہے کہ صاف الفاظ مین یہ کہدیا گیا ہے کہ جسکو یہ اندیشہ بھی ہے کہ مین عدل کو قایم نہین رکھ سکونگا اسکو نہین چاہیئے کہ وہ تعدد ازواج اختیار کرے - پس یہ ایک دوسری روک ہے کہ کوئی شخص بلاضرورت تعدد ازواج نہ کرے - علاوہ ازین قرآن کریم صاف الفاظ مین یہ بھی فرماتا ہے کہ ان لوگونکی خاطر کو جنکے آدمی کے ساتھ رحم کے تعلقات ہین اچھی طرح مدنظر رکھا جاوے اور کوئی ایسا فعل بلاوجہ اور ضرورت نہ کیا جاوے جو انکو دکھ دینے کا موجب ہے - یہ ایک تیسری روک ہے ایسا ہی مختلف انسانونکو مختلف حالات کے نیچے ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہین جو انکو بلاضرورت تعدد ازواج کیطرف مایل ہونیسے روکتے ہین اور ان سب کی تصریح اسجگہ ضروری نہین -

کیا ابتدائی اسلامی سوسائیٹی مین بلاضرورت تعدد ازواج جایز تھا؟

مذکورہ بالا دلایل سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ تعدد ازواج کے مسئلہ سے صرف خاص حالتونمین اور ضرورت کیوقت ہی فایدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تعدد ازواج کی اجازت جذبات شہوانی کی محرک نہین بلکہ بسبب اپنی کثیر ذمہ داریون کے جذبات شہوانی کو بہت حد تک دبانیوالی ہے - بعض یہ خیال کیا کرتے ہین کہ ابتدائی اسلامی سوسائیٹی مین تعدد ازواج کی اجازت سے

بلا ضرورت فایدہ اٹھایا جاتا تھا مگر یہ ایک غلطی ہے جو اصلی واقعات کی لاعلمی سے پیدا ہوتی ہے یہ مسلم امر ہے کہ عرب کی مختلف اقوام کثرت سے خانہ جنگیوں مین گرفتار تھین اور دو افراد مین جو دو مختلف قومونکے ہون ایک معمولی جھگڑے کا یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ ہزار ہا جانین ضایع ہو جاتی تھین یہی وجہ تھی کہ باوجود دختر کشی کی رسم کے عورتون کی تعداد مردونسے بہت بڑھی ہوئی تھی جیسا کہ اسوقت مین تعدد ازدواج کی رسم سے صاف ظاہر ہوتا ہے اسلام کی پیدایش کے ساتھ کچھ اور مشکلات بھی پیدا ہو گئین اول اول تو اسکے دشمنون نے طرح طرح کی ایذا رسانیونسے یہ کوشش کی کہ اسلام کو نیست و نابود کیا جاوے مگر جب یہ کوششین کارگر نہ ہوئین اور مسلمانون کی تعداد دن بدن بڑھنے لگی تو وہ آخر جنگ پر اتر آئے اور نئے مذہب کو تلوار سے نیست و نابود کرنا چاہا۔ ان مشکلات کے اندر اسلام کو بھی اپنی حفاظت کے لیے تلوار اٹھانی پڑی تا کہ ان لوگونکو جنھون نے تلوار سے حق کو نیست و نابود کرنا چاہا تھا تلوار سے ہی سزا دیجاوے۔ اس جنگونکے سلسلہ مین جو اس طرح شروع ہوا سینکڑون بلکہ ہزارون جانین تلف ہوئین اور اس طرحسے مردونکی تعداد اور بھی کم ہو گئی اور عورتون کی تعداد بڑھ گئی اسکا علاج سوائے تعدد ازدواج کے اور کچھ نہین ہو سکتا تھا کیونکہ مسلمانونکے تمام تعلقات اپنے رشتہ دارونسے کٹ چکے تھے اور یہ ممکن نہ تھا کہ مسلمانون اور کافرونکے درمیان شادیان ہو سکین ان واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی اسلامی سوسائٹی مین تعدد ازدواج کی ایک بڑی بھاری ضرورت پیدا ہو گئی تھی اور یہی وجہ تھی کہ ان پہلے مسلمانون مین تعدد ازدواج کا رواج کسیقدر زیادہ تھا۔ ان واقعات کو نہ صرف ان مصنفین نے ہی نظرانداز کیا ہے جنھون نے امیر علی اور دلاور حسین کی طرح تعدد ازدواج کو برا۔ کہا ہے بلکہ اس الزام کے نیچے وہ لوگ بھی ہین جو بظاہر تعدد ازدواج کے حامی ہین اور اسکو انسانی سوسائٹی کیلیے ضروری ٹھہراتے ہین۔ جیسے سر سید احمد خان مرحوم مگر ساتھ ہی اس بات پر اظہار خوشی کرتے ہین کہ تعدد ازدواج اب اس کثرت سے مروج نہین جس کثرت سے اسلام کے ابتدائی دنون مین تھا جس سے صاف یہ منشاء انکا معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت گویا تعدد ازدواج بلا ضرورت ہی کیا جاتا تھا۔ حالانکہ حق بات یہ ہے کہ ابتدائی اسلامی سوسائٹی باقی عرب سے کٹ کر ایسی الگ ہو چکی تھی کہ ناطہ وغیرہ کے تمام تعلقات منقطع ہو چکے تھے اور مسلمان عورتونکا کافرونکے ساتھ نکاح کرنا ناممکن ہو گیا تھا یہ ایسی باتین ہین جن کی بنا مسلم الثبوت واقعات پر ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غرض تعدد ازواج مین کیا تھی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاحونکے متعلق بڑی غلط فہمی ہوئی ہے آپکے نکاح جن کی اصل غرض یا تو محض ہمدردی اور ترحم تھا اور یا مختلف قومونکو ایک کرنا اور جنمین علاوہ انکے اور کئی

ملکی مصالح اور نیک دینی اغراض تھیں۔ انکی بنا نفسانی خواہشات بتائی جاتی ہیں یہ امر مسلم ہے کہ جسوقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ۲۵ برس کی عمر میں نکاح کیا تو آپ عفت اور پرہیزگاری میں تمام عرب میں مشہور تھے پھر اسکے بعد پچیس سال تک یعنی جبتک حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالے عنہا زندہ رہیں آپنے دوسری بی بی سے نکاح نہیں کیا۔ حالانکہ عرب میں تعدد ازدواج کی رسم بلا قید کسی شرط کے مروج تھی ان لوگوں کا جو ناحق نیک افعال میں بد اغراض تلاش کرتے ہیں۔ یہ فرض ہے کہ وہ اسکا سبب بھی تلاش کریں کہ کیوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پچپن سال کی عمر تک یعنی اس عمر تک جب آپ بوڑھے ہو چکے تھے۔ ایک سے زیادہ بی بی سے نکاح نہ کیا۔ اگر نفسانی خواہشات کسیوقت ایک شخص کے دل پر غلبہ پا سکتی ہیں تو وہ جوانی کا وقت ہوتا ہے جب جذبات جوانی جوش میں ہوتے ہیں مگر اس جوانی کے وقت میں آپنے ایک بی بی پر ایسا اکتفا کیا کہ جسوقت قریش نے جمع ہو کر آپ کو یہ کہا کہ آپ بت پرستی کو برا کہنا چھوڑ دیں۔ تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور خوبصورت سے خوبصورت عورتیں آپکے نکاح کرنیکے لیے حاضر کرتے ہیں تو آپنے کچھ بھی پروانہ کی بلکہ یہی کہا کہ اگر سورج کو میرے داہنے اور چاند کو بائیں ہاتھ رکھدیا جاوے تو بھی میں اس تبلیغ کو نہیں چھوڑ سکتا جسپر اللہ تعالے نے مجھے مامور کیا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ نفسانی خواہشات کے غلبہ کا وقت جوانی کا وقت ہے اور چونکہ آپکے اس زمانہ کی نسبت آپکے سخت ترین دشمنوں کو بھی اقرار ہے کہ آپ اسوقت طہارت، پاکیزگی اور عفت کا نمونہ تھے اسلیے یہ الزام کہ نفسانی خواہشات کو پورا کرنیکے لیے آپنے شادیاں کیں آپ کی ذات عصمت مآب پر سخت بہتان ہے۔

ان نکاحوں میں آپ کی اغراض کیا تھیں

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانے اور آخری زمانے کے حالات میں بڑا بھاری تغیر واقع ہو چکا تھا ابتدائی سالوں میں جب مکہ میں آپنے تبلیغ شروع کی تو اگرچہ کفار کیطرف سے مسلمانوں کو طرح طرح کے دکھ اور اذیتیں پہنچتی تھیں مگر رشتہ داری کے تعلق بکلی منقطع نہیں ہو چکے تھے۔ خصوصاً ایسے لوگ جو ذی وجاہت تھے وہ نسبتاً کفار کے حملوں سے محفوظ تھے اور ان سے تعلقات بھی رکھتے تھے چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لڑکی ایک کافر سے بیاہی ہوئی تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ کی لڑکی عایشہ کی منگنی بھی ایک کافر کے لڑکے جبیر ابن مطعم سے ہوئی ہوئی تھی۔ مگر مطعم نے بدینوجہ انکار کیا کہ اس تعلق سے خوف ہے کہ لڑکا نئے دین میں چلا جاے گا اسکے بعد ہی حضرت عایشہ رضی اللہ تعالے عنہا کا نکاح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ اگرچہ ابتدا میں ایسے تعلقات تھے مگر آہستہ آہستہ یہ تعلقات بالکل

منقطع ہوچکے تھے اور کسی مسلمان عورت کا کفار کے ہاتھ مین پڑجانا اسکے لیے ہلاکت کا موجب تھا پھر آپ کی ہجرت سے رہے سہے تعلقات بھی کٹ گئے پس مسلمان لڑکیون یا بیوہ عورتون کیلیے ضروری تھا کہ مسلمان خاوند ہی ہون۔ان واقعات کو مدنظر رکھکر ہمنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاحونکو دیکھنا ہے۔اس سے کسی کو انکار نہین کہ سوائے حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا کے آپ کی ساری بیویان بیوہ عورتین تھین۔انکو ہم۔۔ الگ الگ جماعتون پر تقسیم کرتے ہین اول وہ عورتین جنہون نے اپنے خاوندونکے ساتھ حبش یا مدینہ کیطرف ہجرت کی تھی اور دوسری وہ عورتین جو کسی قوم کے سردار کی لڑکیان یا بیوہ تھین اور جنکے خاوند لڑائیون مین مارے گئے ان کا ذکر ہم اس ترتیب سے کرتے ہین جس ترتیب سے انکے نکاح ہوئے۔ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالے عنہا کی وفات کے بعد سب سے پہلے آپنے ام المومنین سودہ رضی اللہ تعالے عنہا سے نکاح کیا۔سودہ اور اسکا خاوند ابتدا مین ہی ہجرت کرکے حبش کو چلے گئے تھے اور اسی جگہ وہ بیوہ ہوگئین۔واپس آنے پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ سے نکاح کیا اسکے بعد ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالے عنہا سے آپکا نکاح ہوا۔یہ حضرت عمر کی لڑکی تھین انہون نے بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کی۔جب آپ بیوہ ہوگئین تو حضرت عمر نے پہلے حضرت عثمان کو اور پھر حضرت ابوبکر کو آپ سے نکاح کرنیکے لیے کہا مگر ان دونون نے انکار کیا اسکے بعد آپ کا نکاح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔حضرت عمر کا خود حضرت عثمان اور ابوبکر کو کہنا صاف بتاتا ہے کہ مسلمانونکو کسقدر مشکلات تھین۔اسکے بعد ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالے عنہا ہین۔وہ بھی اپنے خاوند کیساتھ اس پہلے گروہ مین شامل تھین جو سب سے اول کفار کے ظلم سے تنگ آکر حبش کو ہجرت کر گیا۔ام سلمہ کے خاوند کی موت کا موجب ایک زخم ہوا جو انکو ایک لڑائی مین لگا تھا۔ام سلمہ کے بعد ام حبیبہ سے آپنے نکاح کیا۔یہ قریش کے مشہور سردار ابوسفیان کی لڑکی تھین۔آپ مع اپنے خاوند کے اس دوسرے گروہ مین شامل تھین جو ہجرت کرکے حبش کو چلا گیا تھا۔وہان انکا خاوند عیسائی ہوگیا اور تھوڑی دیر بعد مرگیا لیکن وہ اسلام پر قایم رہین اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاح مین آئین اس کے بعد آپکا نکاح ام المومنین زینب بنت جحش سے ہوا اسپر ہم اخیر مین غور کرینگے۔اسکے بعد ام المومنین زینب سے نکاح ہوا جو ام المساکین کے نام سے مشہور ہین آپ کا خاوند احد کی جنگ مین شہید ہوگیا تھا۔آپ خود بھی نکاح سے دو تین ماہ بعد ہی فوت ہوگئین۔ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالے عنہا بھی مہاجرات مین سے تھین اور بیوہ ہونیکے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاح مین آئین۔اب اس فہرست سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسقدر عورتین آپکے ازواج مطہرات مین شامل ہوئین

وہ سب کی سب ایسی تھین جو ابتدا مین ہی مسلمان ہوئی تھین اور آخر کفار کے ہاتھ سے طرح طرح کے دکھ اٹھا کر جلاوطنی اختیار کرکے دوسرے ملکو مین انہون نے پناہ لی۔ وہ سب کی سب قریش کے شریف خاندانو سے تھین ایک طرف تو وہ اپنے گھر بار کو چھوڑ چکی تھین اور اپنی جایداد آسایش کو قربان کرکے صرف دین کیخاطر جلاوطنی قبول کی تھی۔ اب دوسری مصیبت یہ آپڑی کہ انکے خاوند جو محنت مشقت کرکے انکو کھلاتے تھے وہ بھی یا مر گئے یا جنگون مین شہید ہوگئے اس بیکسی کی حالت مین ان کی تکالیف کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ کیا جایز تھا کہ ان عورتون کو کفار کیطرف واپس بھیجدیا جاتا تاکہ وہ طرح طرح کے دکھ دیکر انکو مار ڈالتے یا کیا یہ درست تھا کہ انکو بغیر خبر گیری کے چھوڑ دیا جاتا تا خود وہ خستہ حال ہوکر تباہ ہوجاتین نہین نہین اسلام یہ نہین چاہتا تھا کہ ان لوگونکو جنہون نے مذہب اور دین کی خاطر طرح طرح کے دکھ اٹھائے تھے یون ذلت اور کس مپرسی کیحالت مین تباہ ہونیکے لیے چھوڑا جاتا یا خود اپنے ہاتھون اپنے دشمنو کے حوالے کردیا جاتا کہ جو ظلم چاہین ان پر کرین۔ ان کی اس بیکسی کی حالت پر رحم کھا کر ہی اس رسول کریم نے انکو اپنے ازواج مطہرات ہونیکا شرف بخشا تا جس عزت کو انہون نے گھر بار چھوڑکر دین کیخاطر چھوڑا تھا اس سے بھی دہ چند عزت انکو اس دنیا مین دیجاوے۔ یاد رہے کہ اس جگہ ہمنے اس سوال کے کہ آنحضرت کی اغراض ان نکاحون مین کیا تھین صرف ایک پہلو پر غور کیا ہے کیونکہ مضمون اسقدر وسیع ہے کہ بجائے خود ایک رسالہ کا محتاج ہے اور مفصل بحث اسجگہ اسپر نہین ہوسکتی۔

ملکی تعلقات اور وحدت کا قایم کرنا

ام المومنین جویریہ اور ام المومنین صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما ان عورتون مین سے ہین جو قوم کے سردارونکی لڑکیان تھین اور جنگون مین گرفتار ہوکر مسلمانونکے قبضہ مین آئین۔ ان مین سے اول الذکر ایک کافر کی بیوہ تھین جو لڑائی مین مارا گیا۔ مال غنیمت مین وہ ثابت بن قیس کے حصہ مین آئین ثابت نے بہت سا روپیہ رہا کرنیکے معاوضہ مین ان سے مانگا جسے وہ دے نہ سکتی تھین چنانچہ آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئین اور سارا قصہ آنحضرت کے روبرو بیان کیا اور یہ بھی بیان کیا کہ مین اپنی قوم کے سردار کی لڑکی ہون۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مناسب نہ سمجھا کہ وہ اپنی قوم مین واپس جاوے تاکوئی اور فساد نہ ہو اور خود روپیہ دیکر آپ اس سے نکاح کرلیا کیونکہ عربونکی غیرت یہ برداشت نہ کرسکتی تھی کہ ایک رئیس کی لڑکی ہوکر کسی کم درجہ کے آدمی کے نکاح مین جاوے۔ ام المومنین صفیہ خیبر کی لڑائی مین ہاتھ آئی تھین پہلے دحیہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قیدی عورتون مین سے ایک مجھے دیجاوے جسپر آپنے اسکو کہا کہ جسے چاہو لو۔ اس نے صفیہ کو چنا مگر لوگون نے آنحضرت صلے اللہ

علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ ایک سردار کی لڑکی ہے اور مناسب نہین کہ آپکے سوا کسی دوسرے کے قبضہ مین وہ آئے یا نکاح کرے اسپر آپنے اس سے نکاح کیا۔ ان دونون نکاحونسے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غرض یہ تھی کہ تا اس ایک تعلق سے وہ کل کی کل قوم فساد سے رک جاوے اور اس طرح پر وہ قومین جن کی عمرین جنگون مین گذرتی تھین ایک ہو جاوین۔ یہ امر کہ اس ذریعہ سے آپنے پوری کامیابی حاصل کی ایسا بدیہی اور صاف ہے کہ جسکے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہین۔

ام المومنین زینب بنت جحش کا نکاح

اب اس مضمون کو زینب بنت جحش رضی اللہ تعالے عنہا کے ذکر سے ختم کرتے ہین۔ زینب پہلے زید کے نکاح مین تھین اور نہ صرف اسوجہ سے قابل رحم تھین کہ آپنے ابتدا ہی مین اسلام لاکر طرح طرح کی تکالیف برداشت کین اور ہجرت کی بلکہ اسوجہ سے بھی کہ آپ کا نکاح زید کے ساتھ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہی کرایا تھا لہذا ان کی طلاق اور بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رحم اور شفقت کے بڑھانیکی وجہ ہوگئی اسکے علاوہ آپ کا بہت قریبی تعلق رشتہ داری کا بھی آنحضرت سے تھا اسکے متعلق مفصل مضمون ہمنے اس رسالہ کی کسی گذشتہ اشاعت مین لکھا ہے۔ ناظرین وہان سے دیکھ لین اس جگہ ہم ایک عیسائی کے الفاظ اسکے متعلق نقل کرتے ہین۔ باسورتھ سمتھ اپنے لکچر ومین جو اس نے اسلام اور بانی اسلام پر دیئے ہین کہتا ہے "مگر اس واقعہ کے تمام حالات پر پورا پورا تدبر کرنیکے بعد مین اطمینان سے اس نتیجہ پر پہنچتا ہون کہ جس رنگ مین عیسائی اسکو پیش کرتے ہین وہ صحیح نہین ہے ایام جہالت کے عربون مین اس نکاح نے شور ضرور پیدا کیا۔ مگر نہ اسلیے کہ کبھی انکو یہ شک ہوا ہو کہ آپنے سازش کر کے زینب کو طلاق دلوائی ہے بلکہ اس لیے کہ وہ متبنی کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھتے تھے اور اسلیے اس نکاح کے متعلق ان کا یہ خیال تھا کہ وہ ایک ایسی عورت سے ہوا ہے جو آدمی کیلیے حرام ہین اس حدبندی کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے بیوجہ سمجھا اور اپنے نکاح سے اسکو ہمیشہ کیلیے دور کر دیا نہ صرف اپنے فایدہ کے لیے بلکہ تمام عرب کے فایدے کیلیے"۔ پھر حاشیہ مین ہی مصنف لکھتا ہے "یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاحونکی وجہ جہان کوئی اور غرض بھی ہو سکتی ہے اس کی ایک تشریح یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان عورتونکی بیکسی کی حالت پر ترحم کر کے آپ انکو نکاح مین لائے۔ وہ قریبًا سب کی سب بیوہ تھین جو نہ اپنی خوبصورتی کیلیے اور نہ ہی مالدار ہونیکی وجہ سے مشہور تھین بلکہ انکی حالت اس سے برعکس تھی۔ جب ہم اس بات کو مدنظر رکھین اور ساتھ ہی یہ بھی غور کرین کہ کس طرح آپنے ایک مدت تک ایک بیوی سے تجاوز نہین کیا یہانتک کہ آپ پچاس سال کی عمر تک پہنچ گئے تو اس سے اور بھی

تائید اس بات کی ہوتی ہے کہ زینب کے قصے مین یا آپکے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے یا آپ پر بہتان لگایا گیا ہے۔ بہر حال یہ ایک یقینی امر ہے کہ اگر زید کو وہی شک ہوتا جو عیسائی کرتے ہین یعنی یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اسکی بیوی کی محبت کو اس سے توڑا ہے تو وہ جس صبر اور استقلال سے ایک پرجوش اور مخلص مرید کی طرح مرتے دم تک آپکی خدمت کرتا رہا یہ ہرگز نہ ہوتا۔" (باقی آئندہ)

بنی اسرائیل کی گمشدہ اقوام

اس عنوان کے نیچے ایک دلچسپ مضمون نیویارک ایک یہودی میگزین کے فروری کے پرچہ مین نکلا ہے۔ راقم مضمون نے بڑی قابلیت سے اس سوال پر یہودیون اور غیر یہودیونکی رائے پر بحث کی ہے وہ لکھتا ہے کہ "وقتاً فوقتاً ان گمشدہ اقوام کی کبھی دنیا کے کسی کونے مین پائے جانے اور کبھی کسی کونے مین پائے جانیکے متعلق خبرین سنی جاتی ہین مشکل سے کوئی سال ایسا گذرتا ہے کہ جب کوئی نہ کوئی سیاح جسکا وہم اسکی قوت فیصلہ پر غالب آجاتا ہے یہ کہانی لیکر مہذب ممالک مین پر نہین آتا کہ کس طرح اس نے گمشدہ اقوام اسرائیل کو کسی عجیب و غریب دنیا کے کونے مین دریافت کیا اور جب کبھی کوئی غیر مشہور جگہ خاص طور پر پبلک کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے تو سب سے پہلی کہانی جو اسکے متعلق سنائی جاتی ہے وہ یہی ہوتی ہے کہ اسکے باشندے بنی اسرائیل کے خاندان سے ہین چنانچہ گذشتہ چند ماہ کے اندر قریباً ایک درجن ریاستون مین یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ جاپانی لوگ بنی اسرائیل مین سے ہین۔ پھر اسکے بعد یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملک تبت مین بھی بنی اسرائیل ہی جاکر آباد ہوئے ہین چند سال کا عرصہ ہوا جب دنیا کی آنکھین جنوبی افریقہ کی طرف لگی ہوئی تھین تو اسوقت یہودیون اور ہاٹن ٹاٹ اقوام کے درمیان مشابہت پر زور دیا جاتا تھا۔ سترھوین صدی عیسوی کے نصف مین انگریزی پبلک مین دو فریق ہوگئے تھے جن مین اس امر کی تائید اور تردید مین مباحثات کا زور شور تھا کہ آیا براعظم امریکہ کے اصلی باشندے اسرائیلی نسل سے ہین یا نہین چین۔ افغانستان اور صحرا مین بنی اسرائیل کے آباد ہونیکے قطعی اور یقینی ثبوت بہم پہونچائے گئے ہین۔ بعض لوگون نے یہ بھی یقین دلانا چاہا ہے کہ انگریز یا بریٹنڈ کے باشندے اور بعض دوسری یورپین اقوام اسرائیل کی نسل سے ہین۔"

یہودی قصوں اور روایتوں پر بحث کرنے کے بعد راقم مضمون اس رائے پر غور کرتا ہے کہ افغان بنی اسرائیل کی گم شدہ اقوام ہیں اور اس رائے کو دوسری سب راؤں پر ترجیح دیتا ہے اس حصۂ مضمون پر مکمل بحث نہیں کیگئی مگر راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ رائے صحیح اور مضبوط واقعات پر مبنی ہے اور جو روایات اسکے متعلق ہیں وہ بھی دوسری روایات سے زیادہ قابل اعتبار ہیں سب سے بڑی شہادت اس رائے کی صحت کی یہ ہے کہ بہت سارے مقامات کے نام جو افغانستان کشمیر اور تبت میں واقع ہیں قدیم فلسطین کے ناموں سے بہت ہی ملتے جلتے ہیں جسپر مفصل بحث اس رسالہ میں گذشتہ سال میں کیگئی تھی۔ مگر راقم مضمون اسکے بجز معلوم ہوتا ہے وہ لکھتا ہے۔ "بہت ساری اور رایوں میں سے جو بنی اسرائیل کو مختلف اقوام کے ساتھ ملاتی ہیں میں صرف دو پر بحث کرنا چاہتا ہوں جن میں افغانوں اور نسطوری فرقہ کے عیسائیوں کو بنی اسرائیل کی نسل سے کہا گیا ہے۔ یہ دونوں رائیں یقیناً اور سب رایوں سے زیادہ معقول اور مدلل ہیں اور جن روایتوں پر انکی بنا رکھی گئی ہے وہ بہت کچھ قابل وقعت ہیں۔ افغانونکا اپنا یہ بیان ہے کہ وہ ملک سالوت یعنی بادشاہ ساؤل کی نسل سے ہیں انمیں یہ روایت چلی آتی ہے کہ اسرائیل اور امالیق کے مابین ایک جنگ تھا جس میں موخر الذکر غالب آئے لوٹ کے مال میں فاتحین کو تابوت بھی ہاتھ لگ گیا جسکو امالیق نے برباد کرنیکی کوشش کی۔ ...... شاہ ساؤل اسوقت ایک گلہ بان تھا اور جو گائیں اسکے سپرد تھیں انمیں سے ایک اس سے گم ہوگئی اسکی تلاش کیلیے اسنے سموئیل سے مدد طلب کی اور اس نبی نے اسکے قد و قامت کو دیکھکر اسے اسرائیل کا بادشاہ مقرر کیا۔ کچھ عرصہ سلطنت کرنیکے بعد ساؤل دشمنونکی جنگ میں مارا گیا اور داؤد اسکا جانشین ہوا ساؤل کے دو بیٹوں برخیا اور ارمیا نے داؤد کی ملازمت قبول کی اور داؤد علیہ السلام بھی ان سے محبت رکھتے تھے۔ برخیا کا ایک بیٹا تھا جسکا نام افغان تھا اور وہ خصوصاً اپنی شہ زوری میں یگانہ زمان تھا وہ اکثر کوہستان میں حملے کیا کرتا تھا جہاں اسکی اولاد اسکے مرنیکے بعد آباد ہوگئی اور قلعے بنا لیے اور زمین کے مالک ہوگئے۔

یہ بھی ایک روایت ہے کہ یہودی حکومت کی تباہی کے بعد بخت النصر نے اسرائیلیوں کو شہر غور میں جلاوطن کر دیا تھا جو بامیان کے نزدیک واقع ہے۔ افغان نام افغانہ سے لیا گیا ہے جو انکا ایک سردار تھا اور برخیا کا پوتا تھا۔ افغان یہوواہ کے پرستار رہے یہانتک کہ اسلام کے آنے پر خالد یا خلیفہ نے انکو کفار کے برخلاف جنگ کرنیکیلیے بلایا۔ آج کل کے افغان اپنے آپکو بنی اسرائیل کہتے ہیں اگرچہ یہودیوں سے وہ سخت نفرت رکھتے ہیں اور یہ قرین قیاس نہیں کہ باوجود اس نفرت کے وہ اپنا تعلق یہودیوں سے بلاوجہ بتلاتے

ہون۔ وہ یہودیون سے بہت امور مین مناسبت رکھتے ہین اور موسوی شریعت کے مطابق بڑے بھائی کی موت پر چھوٹا بھائی اسکی بیوہ کو نکاح مین لاتا ہے۔ افغانستان کے ایک بڑے حصہ کے نام اور اس نام مین مطابقت معلوم ہوتی ہے جہان اسدراس کے قول کے مطابق یہ گم شدہ اقوام آکر آباد ہوئی تھین۔ علاوہ ازین ہمین کچھ شک معلوم نہین ہوتا کہ خواہ ان اقوام کے ایک حصہ کا کچھ ہی حال ہوا ہو ایک حصہ ضرور اسجگہ کے قریب ہی رہا ہوگا۔ جہان وہ قید کیے گئے تھے اور اس طرح پر افغانستان کے ایک بڑے حصہ مین آباد ہو گیا ہوگا۔"

کیا حضرت مسیح بیوی رکھتے تھے

ایک زمانہ وہ تھا جب یہ کہنا کہ حضرت مسیح کے اور بھی بھائی اور بہنین تھین انکی شان کی ہتک سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس بات کو ناممکن سمجھا جاتا تھا کہ خدا کی مان نے فانی بچے جنے۔ مگر اب یہ صورت نہین کیونکہ عیسائی صاحبان نے اب تسلیم کر لیا ہے کہ حضرت مریم صدیقہ کی سوائے مسیح کے اور اولاد بھی تھی لڑکے بھی اور لڑکیان بھی۔ مگر اس امر کو کہ حضرت مسیح بیوی رکھتے تھے ابتک بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس بات کو انکی شان الوہیت کے خلاف سمجھا جاتا ہے کہ خدا ہو کر وہ بیوی بھی رکھتے ہون اور حقوق زوجیت کو بھی ادا کرتے ہون حالانکہ شان الوہیت کو صدمہ پہنچانیوالی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح کو بھوک بھی لگتی تھی اور کھانا بھی کھاتے تھے۔ بلکہ انجیل مین تو لکھا ہے کہ جی اٹھنے کے بعد بھی آپکو بھوک لگتی تھی اور آپ کھانا کھاتے رہے اور ایسا ہی جب آپکو پیاس لگتی تو آپ پانی پیتے تھے پس جس شخص کو یہ دو بشری تقاضے لگے ہوئے تھے وہ باقی بشریت کے تقاضوں سے خالی نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ قرآن شریف نے نہایت خوبصورت اور مختصر الفاظ مین انکی الوہیت کے بطلان مین صرف اسیقدر فرمایا ہے اور اسکو پھیلاؤ تو کئی جلدین دلایل کی تیار ہو سکتی ہین کہ کانا یاکلن الطعام یعنی حضرت مسیح اور انکی والدہ دونون کھانا کھاتے تھے پس جو شخص دو یا تین وقت روٹی کھا کر بھی خدا رہ سکتا ہے بیوی رکھنے سے اسکی کسر شان ہو سکتی ہے۔ مگر کلیسیا نے حضرت مسیح کے نکاح کے انکار پر اصرار کو ہی مفید سمجھا ہے۔ اور یہ کبھی خیال نہین کیا کہ اس انکار کا نتیجہ تو یہ ہے کہ کمال انسانی تجرد مین ہے نہ نکاح اور ادائیگی حقوق زوجیت مین۔ علاوہ ازین اگر مسیح نے نکاح نہین کیا تو ہر ایک سچے

عیسائی کا فرض ہے کہ وہ بھی اپنے آقا اور مرشد کے نقش قدم پر چلے اور نہین تو یہ فایدہ تو اسکا ضرور ہوگا کہ اس طرق سے دنیا اس جھوٹے عقیدہ والونسے خالی ہوکر ایک غلط عقیدہ سے نجات پا جائیگی۔ ہان عیسائیونمین فرقہ مارمن ایسا پیدا ہوا ہے کہ اسکی تعلیم عیسائیونکے اس خیال پر پانی پھیرتی ہے۔

اخبار اگناسٹک جرنل ۱۸ مارچ کے پرچہ مین ایک مضمون مارمنون پر لکھتا ہے جسکے اثنائے مین یہ دکھایا گیا ہے کہ حضرت مسیح نے صرف نکاح ہی نہیں کیا بلکہ ایک ہی وقت مین کم از کم انکی تین بیبیان ضرور تھین۔ عیسائی اس بات کا منہ پر لانا بہت برا سمجھتے ہین مگر برا ماننے کی اسمین کیا بات ہے حضرت مسیح کے وقت مین تعدد ازدواج کا عام رواج تھا۔ اور آپنے کبھی صراحتًا یا کنایتًا ایک لفظ بھی نہین کہا جس مین تعدد ازدواج کی مخالفت پائی جاتی ہو پس اگر وہ اسکے مخالف نہ تھے تو لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ تعدد ازدواج کے حامی تھے۔ پھر اسپر عمل کرنا کونسی تعجب کی بات ہوسکتی ہے۔ مارمنون کے پریزیڈنٹ ارسن ہائیڈ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ اسنے اپنے وعظ مین جو ایک عام جلسہ مین ۱۸۵۴ء مین بیان کیا یہ کہا تھا "مریم اور مارتھا۔ اور دوسری عورتونکے متعلق جو مسیح کے ساتھ ساتھ رہتی تھین کیا کہنا چاہیئے پہلے زمانے مین اور یہ رواج آجتک چلا جاتا ہے۔ عورتین اپنے خاوندونکو لارڈ (آقا) کے نام سے پکارتی تھین جیسا کہ سایرہ کی مثال سے ظاہر ہے۔ لفظ لارڈ (آقا) بعض زبانونمین لفظ ہسبنڈ (خاوند) کا مترادف ہے۔ اور ماسٹر (مالک) لارڈ (آقا) اور ہسبنڈ (خاوند) کے ایک ہی معنے ہین۔ جب مریم ہفتہ کے پہلے دن قبر پر آئی تو بجائے یسوع کے اس نے دو فرشتونکو سفید کپڑونمین دیکھا اور انہون نے اسے کہا کہ اے عورت تو کیون روتی ہے اس نے جواب دیا اسلیے کہ وہ میرے آقا (یعنی خاوند) کو لیگئے ہین اور مین نہین جانتی کہ انہون نے اسے کہان رکھدیا ہے اور جب وہ یہ کہہ چکی ... تو اسنے پھر کر دیکھا کہ یسوع کھڑا ہے مگر اس نے اسے پہچانا نہین۔ یسوع نے اسے کہا کہ اے عورت تو کیون روتی ہے اور کسے تلاش کرتی ہے اس نے اسے باغبان سمجھ کر کہا کہ اگر تونے اسے یہانسے اٹھایا ہے تو مجھے بتا کہ تونے اسے کہان رکھا ہے اور مین اسے لیجاؤنگی۔ یسوع نے اسے کہا مریم۔ اس نے پھر کر دیکھا اور کہا ربونی یعنی اے میرے مالک۔ کیا یہ الفاظ اس محبت کو ظاہر نہین کرتے جو بیوی کو خاوند سے ہوتی ہے ضرور کرتے ہین اور صاف طور پر ان یگانگت اور ہمدردی کے تعلقات کو ظاہر کرتے ہین جو شوہر اور بی بی مین ہوتے ہین۔ محض اشتراک مذہب کی بنا پر ایسی محبت (ایک عورت اور مرد کے درمیان) ہرگز نہین ہوسکتی۔

اسکے بعد اور ثبوت حضرت مسیح کے نکاح کرنیکا اوراق انجیل سے ہی دیا گیا ہے اور اسکے لیے

انجیل یوحنا کے دوسرے باب کی ابتدائی آیتوں کا حوالہ دیا گیا ہے جہان ایک دعوت کا ذکر ہے جو کسی شادی کی تقریب پر ہوئی تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس دعوت مین ایکطرف تو حضرت مسیح اور آپکی مان شریک ہین اور دوسری طرف آپکے حواری بھی اسمین شامل ہین دولہا کا نام تو نہین دیا گیا مگر ان قراین سے اسکے نام کی تعیین ایک حد تک ضرور ہو سکتی ہے وہ کون شخص ہو سکتا ہے جسکی خاطر ایک طرف تو حضرت مسیح کی مان شامل دعوت ہو اور دوسری طرف وہ لوگ بھی شامل ہون جنہون نے مذہبی طور پر آپسے تعلق پیدا کیا تھا یعنی آپکے حواری۔ ان دو فریقونکے لیے ایک ہی جگہ جمع ہونیکے لیے باعث کشش سوائے حضرت مسیح کے اور کوئی نہ ہو سکتا تھا اسکے علاوہ وہ وجوہات ہین جو مارمن پریزیڈنٹ نے اپنے وعظ مین بیان کیے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ انجیل مین یہ لکھا ہے کہ "جب انکو شراب کی ضرورت ہوئی تو یسوع کی مان نے کہا کہ شراب نہین رہی" اگر یسوع کی مان معمولی مہمانونکی طرح اس دعوت مین آئی تھی تو اسکو شراب کے ختم ہو جانے پر کیون تشویش ہوئی اور کیون اس انتظام کی فکر پڑی کہ اور شراب مہیا ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہمانداری کا انتظام اسی کی طرف سے تھا۔ اور حضرت مسیح کو خطاب کرکے کہنے سے یہ پتہ بھی لگتا ہے کہ یہ انہین کی شادی کی تقریب تھی وہ یسوع نے اسے کہا کہ اے عورت میرا تجھ سے کچھ کام نہین میرا وقت ابھی نہین آیا۔ اسکی مان نے نوکرونکو حکم دیا کہ جو کچھ یہ یعنی یسوع تمسے کہے تم وہی کرو" اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نوکر مریم کے ہی تھے جنکو یہ حکم دیا گیا کیونکہ اگر وہ کسی اور کے نوکر ہوتے تو مریم کو یہ کہنے کا حق کیا تھا۔ علاوہ ازین یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انکو بیٹے کا یہ جواب پسند نہین آیا اور اسلیے انہون نے نوکرونکو کہا کہ جو یسوع کہتا ہے وہی کرو۔ گویا انکا منشاء یہ تھا کہ مین اب دخل نہین دیتی تم جس طرح چاہو انتظام کرو۔ اور وہان چھ پتھر کے مٹکے تھے جو یہودیونکی رسم کے مطابق رکھے گئے تھے اور انمین سے ہر ایک مین دو یا تین مشکین پانی کی تھین اور یسوع نے انکو کہا کہ ان مٹکونکو پانی سے بھر دو۔ اور انہون نے انکو لبالب بھر دیا۔ پھر اس نے انکو کہا کہ اب نکال لو اور دعوت کے منتظم کے پاس لیجاؤ۔ اور جب اس منتظم نے پانی کو جو شراب بنا دیا گیا تھا چکھا۔ اور اسکو معلوم نہین تھا کہ یہ کہان سے آیا ہے (مگر نوکرونکو جنہون نے پانی نکالا تھا علم تھا) تو دعوت کے منتظم نے دولہا کو بلایا اور اسکو کہا کہ ہر ایک آدمی شروع مین اچھی شراب دیتا ہے اور جب لوگ اچھی طرح سے پی لین تو پھر وہ جو ناقص ہوتی ہے مگر تو نے ابتک عمدہ شراب رکھی ہے صاحبان انجیل کی اس عبارت کی صفائی سے پتہ لگتا ہے کہ اس موقعہ پر برات کا دولہا خود مسیح ہی تھا کیونکہ شراب کا مہیا کرنا دولہا کا کام تھا جیسا کہ یہان سے معلوم ہوتا ہے اور اس موقعہ پر شراب کا مہیا کرنیوالا خود یسوع تھا پس جسقدر کھلے لفظونمین اناجیل کے مترجم اور کونسلین اس مطلب کو ادا کر سکتی تھین انہون نے ادا کر دیا ہے اور اصل راز بتا دیا ہے مین اسبات کو برا نہین سمجھتا کہ ابراہیم کا بیٹا کہلاؤن یا اپنی نجات دہندہ کا بیٹا یا بھائی یا اسکی نسل سے کہلاؤن اگرچہ مریم اور مارتھا اور بہت ساری اور عورتین اسکی بیویان تھین اور اگرچہ اسنے انہین مین سے ایک مین سے سات شیطان بھی نکالے تھے میرے نزدیک یہ سب برابر ہے"

پردہ کے نہ ہونے کا ایک نقصان

لنڈن کے ایک رسالہ گرینڈ میگزین مین ایک مضمون "ہمارے ہسپتالونمین خطرناک امور" کے عنوان کے نیچے نکلا ہے جسکا ایک حصہ ہم نیچے نقل کرتے ہین۔ یہ مضمون ایک ایسے شخص کا لکھا ہوا ہے جو بحیثیت ایک میڈیکل پریکٹیشنر ہونیکے اس معاملہ مین ذاتی تجربہ رکھتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

"ہر ایک ہسپتال مین جس مین طبی کونسل نے تعلیم کا دیا جانا منظور کیا ہے۔ بیمارون کا علاج اصلی غرض نہین رہی بلکہ اس اصلی غرض کو طالب علمونکی تعلیم کے ماتحت کیا گیا ہے۔ اگر کوئی عورت پچیس یا تیس نوجوانون کے سامنے کپڑے اتارنے سے انکار کرے تو اسے فی الفور ہسپتال سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ یہ کہنا بالکل حق ہے کہ ان ہسپتالونمین نوجوان لڑکیون اور عورتونکا جسمانی علاج سے فایدہ اٹھانا تو ایک شکی امر ہے مگر اس شکی فایدہ کیلیے انکی روحونکی ہلاکت یقینی ہے مین پوچھتا ہون کہ ایک نوجوان باحیا لڑکی کے اخلاق پر اس بات کا کیا اثر ہوگا جو ہسپتال مین کسی چھوٹی سی بیماری کے علاج کیلیے جاتی ہے مگر جب وہان پہنچتی ہے تو اسے یہ کہا جاتا ہے کہ کمر تک ننگی ہو کر کئی درجن نوجوانونکے سامنے کھڑی ہووے۔ تاکہ وہ اسکو اچھی طرحسے دیکھین اور اسپر جس طرح چاہین ہاتھ ڈالین اور جبتک انکے دلی جذبات نہ نکل لین اسکو نہ چھوڑین۔ یہ مطلق پروا نہین کیجاتی کہ آیا اسکو سینہ کی کوئی شکایت بھی ہے یا واقعی اسکے سینے مین کوئی آفت بھی ہے وہ اپنی ایسی ہی دوسری بدبخت بہنونکے ساتھ طالب علمونکی تعلیم کیلیے ایک عمدہ سامان سمجھ لیجاتی ہے اور پھر اگر ذرہ شکایت یا انکار اسکی طرفسے ہو تو فوراً اخراج کا حکم صادر ہو جاتا ہے۔ چند مہینونکا ذکر ہے جب مین ایک بڑے ہسپتال مین ان امور پر غور کر رہا تھا تو ایک نوجوان اندر آیا اور ڈاکٹر سے جو اسوقت بیمارون کو دیکھ رہا تھا کہا کہ وہ بعض دلونکا معاینہ کرنا چاہتا ہے اسپر اس ڈاکٹر نے جسکے متعلق سمجھا جاتا ہے۔ کہ وہ ہر ہفتہ مین تین دفعہ غربا کیخدمت کیلیئے آتا ہے۔ جواب دیا کہ ہان مین ہر طرح سے تیار ہون مگر مین ڈرتا ہون کہ کوئی عمدہ بیمار نہین ہے مگر تم دیکھ سکتے ہو۔ اسپر ہر ایک لڑکی اور عورت کو جو اس بات کی منتظر تھی کہ اسکا امتحان ہو حکم دیا گیا کہ وہ پردہ کے پیچھے چلی جائے۔ اور کمر تک سب کپڑے اتار کر ننگی ہو جاوے۔ ایک موقعہ پر مین نے چودہ نوجوان عورتونکو جنکی عمر بارہ سے پچیس سال کے اندر اندر تھی اسطرح پر ننگے کھڑے دیکھا۔ ایک لڑکی نے جسکی عمر ۱۸ سال کی تھی مجھے یہ کہا کہ وہ تین سال سے زیادہ باقاعدہ مہینہ مین دو دفعہ ہسپتال مین آتی رہی ہے غور کرنیکا مقام ہے کہ برابر کئی سال سینکڑون نوجوان طالب علمونکے سامنے اسطرح اپنی عورت کو ننگا کرنیسے ہمین کسقدر حیا

باقی رہ گیا ہوگا صحت یا بہتری کی کچھ بھی امید اسقدر عرصہ مین نہین ہوئی اور اسکو محض اسلیئے ننگا کیا جاتا تھا کہ وہ ایک دلچسپ مریض ہے۔ مریضونکے لحاظ مین یہ ایک معمولی بات ہے کہ سرجن یا ڈاکٹر جب آتا ہے تو لحاف یا اوڑھنی کو مریض کے اوپر اٹھا دیتا ہے اور نیچے ایک عورت سر سے پاؤن تک ننگی نظر آتی ہے مین نے بچشم خود یہ سینکڑون دفعہ ہوتے دیکھا ہے"

جو لوگ بلا سوچے سمجھے اسلامی اصولونکی بیخکنی کے درپے ہو جاتے ہین وہ غور کرین کہ یہ افسوسناک حالت ایک مہذب ملک کی کسقدر صراحت سے اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ پردہ کے نہ ہونیسے سخت اخلاقی نقصان پہنچ رہا ہے۔ ان ممالک مین جہان عورتونکو آزاد خیال کیا جاتا ہے۔ محض اسوجہ سے کہ وہان پردہ کی پابندی نہین۔ وہان عورتین ہر وقت مردونکے حیوانی جذبات کا شکار ہوتی رہتی ہین اور اس اس قسم کی بے حیائی کی باتین عورتونسے کھلے طور سے کیجاتی ہین جن کا پردہ دار ممالک مین نام و نشان بھی نہین۔ اگر غور سے دیکھا جاوے کہ پردہ کی منسوخی پر اسقدر زور کیون دیا جاتا ہے تو اسکی وجہ سوائے اسکے کچھ معلوم نہین ہوتی۔ کہ عورتون اور مردون کے کھیل تماشون اور خوشی کے موقعونپر ملنے جلنے کو روکنے سے حیوانی خوشی کو روکا جاتا ہے۔ اس خوشی کا رونا تو بہت ہے مگر یہ نہین سوچا جاتا کہ اس خوشی کا حصول سوائے اسکے نہین ہو سکتا کہ اخلاقی حالتین تباہ ہو جائین۔ جیسا کہ انگلستان کے ہسپتالونکے اس نقشہ سے ظاہر ہے۔ پھر یہ بھی اکثر کہا جاتا ہے بلکہ مخالفین پردہ کا بڑا زور اسی بات پر ہے کہ تعلیم پردہ سے اچھا کام کر سکتی ہے مگر کیا وہ یہی تعلیم ہے جسکا نقشہ اس مضمون مین ایک صاحب تجربہ نے کھینچا ہے یا کوئی اور تعلیم ہے جسکا ابھی تک دنیا کو علم نہین۔ وہ نوجوان جو ایک دو سال کی اور تعلیم کے بعد ڈاکٹری جیسے نازک اور ذمہ داری کے عہدہ پر پہونچنے والے ہین انکی یہ حالت ہے کہ عورتونکو محض حیوانی جذبات کے تقاضا سے ننگا کرتے اور ناشایستہ حرکات کے مرتکب ہوتے ہین کیا یہی لوگ وہ پاک نظر ہین جنکے لیئے عورتونکو پردہ کرنے کی ضرورت نہین اور کیا آزاد خیال مسلمان انہین لوگونکے نقش قدم پر چلینگے افسوس کا مقام ہے کہ اندھا دھند ایک پاک اصول کی تردید اور ایک ناپاکی کی تقلید کیجاتی ہے۔ ہمارے خیال مین تو بہت ہی کم جاہل ایسے ہونگے جو ان مہذب تعلیم یافتہ نوجوانونکی ان ناشایستہ حرکات پر جنکا نقشہ اوپر کھینچا گیا ہے کانپ نہ اٹھینگے۔ مگر انکا بھی کیا قصور ہے نقص تو اس رواج کا ہے جو عورتون اور مردونکا اس طرح کھلا میل جول جایز رکھتا ہے بلکہ اسپر زور دیتا ہے۔ یہ میل جول قدرتی طور پر حیوانی جذبات کا..... محرک ہے +

الدّعوت

چونکہ میرا کام دعوت اور تبلیغ ہے اسلیے مین ظاہر کرتا ہون اور مین قسم حضرت احدیت جلشانہ کی کھاکر کہتا ہون کہ میرے پر خدا نے اپنی وحی کے ذریعہ سے ظاہر فرمایا ہے کہ میرا غضب زمین پر بھڑکا ہے کیونکہ اس زمانہ مین اکثر لوگ معصیت اور دنیا پرستی مین ایسے غرق ہوگئے ہین کہ خدا تعالے پر بھی ایمان نہین رہا اور وہ جو اسکی طرف سے اصلاح خلق کیلیے بھیجا گیا ہے اُس سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے اور ٹھٹھا اور لعن طعن حد سے گذر گیا ہے پس خدا فرماتا ہے کہ مین ان سے جنگ کرون گا اور میرے وہ حملے ان پر ہونگے جو انکے خیال و گمان مین نہین کیونکہ انہون نے جھوٹ سے اسقدر دوستی کی کہ سچائی کو اپنے پاؤن کے نیچے پامال کرنا چاہا پس خدا فرماتا ہے کہ مین نے اب ارادہ کیا ہے کہ اپنے غریب گروہ کو ان درندوں کے حملون سے بچاؤن اور سچائی کی حمایت مین کئی نشان ظاہر کرون اور وہ فرماتا ہے کہ دنیا مین ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملون سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا پس تم سوچکر دیکھو کہ یہ دن کیسے ہین جو تم دیکھ رہے ہو سچ کہو کہ کیا کبھی تمہارے باپ دادون نے سنا تھا کہ جس زور سے اب ملک کو طاعون کھا رہی ہے کبھی پہلے بھی ایسا زور ہوا تھا اور جس طرح ابھی ۴ اپریل ۱۹۰۵ء کو ایک شدید زلزلہ نے تمہارے دلونکو ہلا دیا اور عام نقصان پہنچایا اور لوگون کو دیوانہ سا کر دیا کبھی پہلے بھی تمنے یا تمہارے بزرگون نے اس ملک مین دیکھا تھا؟ اور یاد رکھو کہ یہ تمام آفات صرف تکلف اور بناوٹ سے پیشگوئیان قرار نہین دیئے گئے بلکہ سالہا سال انکے وجود سے پہلے براہین احمدیہ مین خبر دیگئی تھی اور ایسا ہی دوسری کتابون مین جو میری تالیف ہین یہ خبرین شایع ہو چکی ہین اور یہ تو پرانی باتین ہین ممکن ہے کہ اکثر لوگونکو بھول گئی ہونگی کیونکہ غفلت اور عداوت اور بدظنی یہ تینون جس جگہ اکٹھی ہو جائین وہان حافظہ کب درست رہ سکتا ہے خدا کے وعدے بھی ایمانداری سے ہی یاد رہتے ہین ورنہ جس شخص کا دل ایمان سے خالی ہو وہ ہزار نشانونکو بھی آنکھون سے دیکھکر ایسا دل سے اتار دیتا ہے جیسا کہ ایک تنکا توڑ کر پھینک دیا جائے۔ غرض مین اسوقت پرانی پیشگوئیون پر اکتفا نہین کرتا بلکہ مین ان پیشگوئیونکو پیش کرتا ہون جن کے شایع کیے جانے پر قریبًا ایک مہینہ گذرا ہے دیکھو میرا اشتہار الوصیت جسکو مین نے ۲۷۔ فروری ۱۹۰۵ء کو شایع کیا تھا یہی اشتہار الحکم نمبر ۷ جلد ۹ کے صفحہ ۱۱ پر ۲۸۔ فروری ۱۹۰۵ء کو شایع ہوا اور پھر دوبارہ الحکم مورخہ ۲۴۔ مارچ ۱۹۰۵ء کے صفحہ ۲ کالم ۲ مین وہی الہام شایع ہوا ہے ان پیشگوئیون مین سے ایک خبر کے الفاظ یہ ہین کہ ۲۶۔ فروری ۱۹۰۵ء کی رات کو جسکی صبح کو ۲۷۔ فروری ۱۹۰۵ء تھی مین نے بطور کشف دیکھا کہ دردناک موتون سے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے میرے منہ پر یہ الہام الٰہی تھا کہ موتا موتی لگ رہی ہے اور مجھے دکھایا گیا کہ تمام ملک عذاب الٰہی سے سٹ جانیکو ہے نہ مستقل سکونت امن کی جگہ رہے گی نہ عارضی سکونت بمقامون اور

عارضی سکونت گاہوں پر آفت آئیگی اور پھر مارچ کے مہینہ مین خدا تعالیٰ نے اپنی پاک وحی سے یہ خبر ظاہر کیا کہ مکذبوں کو ایک نشان دکھایا جائیگا اور یہ پیش گوئی بھی اسی الحکم ۲۴ - مارچ مین شایع ہو چکی ہے - اب اے عزیزو! سوچ لو کہ کیا یہ زلزلہ جو ۴ - اپریل ۱۹۰۵ء کی صبح کو اس ملک مین ظاہر ہوا وہی نشان نہین ہے جسکی خدا نے پہلے سے خبر دی ہے دیکھو کتابون مین لکھا گیا تھا کہ مہدی موعود کے زمانہ مین رمضان مین کسوف خسوف ہوگا اور مسیح موعود کی نسبت خود عیسائی صاحبونکی انجیل مین ہے کہ مسیح کے وقت مین مری پڑیگی یعنی طاعون - اور ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر چڑھائی کریگا اور سخت زلزلے آئینگے پس تمنے ان تمام علامتونکو اپنی آنکھونسے دیکھ لیا پھر جبکہ تمام نشان ظاہر ہو چکے ہین اور ان دونون منصبونکا مدعی مین ہون جو تم مین اسوقت پچیس سال سے موجود ہون پس میرے بعد کس کا انتظار کروگے؟ ان تمام علامتونکا مصداق تو وہ ہے جو ان نشانونکے ظہور کیوقت موجود ہے نہ وہ کہ جبتک ابھی دنیا مین تمام و نشان نہین یہ عجب سخت دلی ہے جو سمجھ مین نہین آتی جبکہ میرے دعوے کے ساتھ سب نشان ظاہر ہو چکے اور میری مخالفت مین کوششین بھی ہو کر انہین نامرادی اور ناکامی رہی مگر پھر بھی انتظار کسی اور کی ہے؟ ہان یہ سچ ہے کہ مین نہ جسمانی طور پر آسمان سے اترا ہون اور نہ مین دنیا مین جنگ اور خونریزی کرنیکے لیے آیا ہون بلکہ صلح کیلیے آیا ہون مگر مین خدا کی طرف سے ہون مین یہ پیشگوئی کرتا ہون کہ میرے بعد قیامت تک کوئی ایسا مہدی نہین آئیگا جو جنگ اور خونریزی سے دنیا مین ہنگامہ برپا کرے اور خدا کیطرف سے ہو اور نہ کوئی ایسا مسیح آئیگا جو کسی وقت آسمان سے اتریگا ان دونون سے ہاتھ دھو لو یہ سب حسرتین ہین جو اس زمانہ کے تمام لوگ قبر مین لیجائینگے نہ کوئی مسیح اتریگا اور نہ کوئی خونی مہدی ظاہر ہوگا جو شخص آنا تھا وہ آچکا وہ مین ہی ہون جس سے خدا کا وعدہ پورا ہوا جو شخص مجھے قبول نہین کرتا وہ خدا سے لڑتا ہے کہ تو نے کیون ایسا کیا حالانکہ ایسی غلطیان یہود سے بھی ہوتی رہی ہین اور انکے علما بھی پیشگوئیونکے سمجھنے مین ٹھوکر کھاتے رہے ہین کہ سمجھا کچھ اور آخر ظاہر ہو گیا کچھ عزیزو!! شرم اور حیا کرو کہ خدا کے دن آگئے اور آسمان تمہین وہ کرشمے دکھا رہا ہے جنکی تمہارے آباؤ اجداد کو خبر نہ تھی مبارک وہ جو میرے بارے مین ٹھوکر نہ کھاوین - والسلام علےٰ من اتبع الھدےٰ - **المشتہر خاکسار مرزا غلام احمد** ۵ - اپریل ۱۹۰۵ء -

---

الانذار

غور سے پڑھو کہ یہ خدا تعالیٰ کی وحی ہے

آج رات تین بجے کے قریب خدا تعالیٰ کی پاک وحی مجھ پر نازل ہوئی جو ذیل مین لکھی جاتی ہے تازہ نشان تازہ

نشان کا دھکہ ۔ زَلْزَلَةُ السَّاعَةِ ۔ قُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْاَبْرَارِ ۔ دَنٰی مِنْكَ الْفَضْلُ ۔ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۔ ترجمہ مع شرح یعنی خدا ایک تازہ نشان دکھائیگا مخلوق کو اس نشان کا ایک دھکہ لگے گا وہ قیامت کا زلزلہ ہوگا مجھے علم نہین دیا گیا کہ زلزلہ سے مراد زلزلہ ہے یا کوئی اور شدید آفت ہے جو دنیا پر آئیگی جس کو قیامت کہہ سکینگے اور مجھے علم نہین دیا گیا کہ ایسا حادثہ کب آئیگا اور مجھے علم نہین کہ وہ چند دن یا چند ہفتون تک ظاہر ہوگا یا خدا تعالی اس کو چند مہینون یا چند سال کے بعد ظاہر فرمائیگا بہر حال وہ حادثہ زلزلہ ہو یا کچھ اور ہو قریب ہو یا بعید ہو پہلے سے بہت خطرناک ہے سخت خطرناک ہے اگر ہمدردی مخلوق مجھے مجبور نہ کرتی تو مین بیان نہ کرتا وہ پہلی پیشگوئی جو مین نے الحکم اور البدر مین حادثہ سے پانچ ماہ پہلے ملک مین شایع کرکے خبر دی تھی کہ ملک مین بڑی تباہی پیدا ہوگی اور شور قیامت برپا ہوگا اور یکدفعہ **موتا موتی** ظہور مین آجائیگی دیکھو وہ نشان کیسا پورا ہوا اور جیسا کہ مین نے ابھی لکھا ہے یہ پیشگوئی مذکورہ اخبار الحکم اور البدر مین اس زلزلہ سے قریباً پانچ ماہ پہلے شایع کردیگئی تھی اور پیشگوئی مذکور یہ ہے عَفَتِ الدِّيَارُ مَحَلُّهَا وَمُقَامُهَا یعنی بہت سی مخلوق کو مٹا دینے والی تباہی آئیگی جس سے مکانات بے نشان ہو جائینگے اُن مکانون اور گھرون کا پتہ نہ ملیگا کہ کہان تھے ۔ دیکھو کیسی صفائی سے یہ باتین پوری ہوگئین اگر تم عربی دان نہین ہو تو عربی دانون سے پوچھ لو کہ اس وحی الہی کے کیا معنے ہین ؟ کہ عفت الدیار محلها و مقامها ۔ اے عزیزو ! اسکے یہی معنے ہین کہ محلون اور مقامون کا نام و نشان نہین رہیگا ۔ طاعون تو صرف صاحب خانہ کو لیتی ہے مگر جس حادثہ کی اس وحی الہی مین خبر دیگئی تھی اسکے تو یہ معنے ہین کہ نہ خانہ رہیگا نہ صاحب خانہ ۔ سو خدا تعالی کا فرمودہ جسطور سے اور جس صفائی سے پورا ہوگیا آپ صاحبونکو معلوم ہے اسکی نسبت اشتہار الوصیت مین بھی خبر دیگئی تھی وہ تو جو ہوا سو ہوا ۔ مگر اسکے بعد جو آنیوالا حادثہ ہے وہ بہت بڑھکر ہے ۔ خدا تعالی لوگون پر رحم کرے انکو تقوے اور نیک اعمال کا خیال آجاوے) + **بقیہ ترجمہ** عربی وحی کا یہ ہے کہ خدا تعالے فرماتا ہے کہ نیکی کرکے اپنے تئین بچالو قبل اسکے جو وہ ہولناک دن آوے جو ایکدم مین تباہ کردیگا ۔ اور فرماتا ہے کہ خدا انکے ساتھ ہے جو نیکی کرتے ہین اور بدی سے بچتے ہین اور پھر اس نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ میرا فضل تیرے نزدیک آگیا کہ تو کامل طور پر شناخت کیا جاوے حق آگیا اور باطل بھاگ گیا

حاصل مطلب یہ ہے کہ جو کچھ نشان ظاہر ہوا اور ہوگا اس سے یہ غرض ہے کہ لوگ بدی سے باز آوین اور اس خدا کے فرستادہ کو جو انکے درمیان ہے شناخت کرلین پس اے عزیزو ! جلد ہر ایک بدی سے پرہیز کرو کہ پکڑے جانیکا دن نزدیک ہے ہر ایک جو شرک کو نہین چھوڑتا وہ پکڑا جائیگا ۔ ہر ایک جو فسق و فجور مین مبتلا ہے وہ پکڑا جاویگا ہر ایک جو دنیا پرستی مین حد سے گذر گیا ہے اور دنیا کے غمون مین مبتلا ہے وہ پکڑا جائیگا ہر ایک جو خدا کے وجود سے منکر ہے وہ پکڑا جائیگا ہر ایک جو خدا کے مقدس نبیون اور رسولون اور مرسلونکو بدزبانی سے یاد کرتا ہے اور باز نہین آتا وہ پکڑا جائیگا ۔ دیکھو آج مینے بتلا دیا زمین بھی سنتی ہے اور آسمان بھی کہ ہر ایک جو راستی کو چھوڑکر شرارت پر آمادہ ہوگا اور ہر ایک جو زمین کو اپنی بدیوں سے ناپاک کریگا

نوٹ ۔ یہ خبر زلزلہ کی براہین احمدیہ مین بھی مینے دی تھی جسکو شایع ہوئے قریباً پچیس برس گذر گئے جیسا کہ اسی وحی الہی مین خبر ہے ۔ واصنع الفلك باعيننا ووحينا ولا تخاطبني في الذين ظلموا ......

انّھم مغرقون ۔ اور ایک وحی الہی جو اخبارون مین اس ہولناک زلزلہ کی نسبت شایع ہو چکی ہے یہ ہے جو نکال دینے والی خبر ہے

وہ بگڑ جائیگا۔ خدا فرماتا ہے کہ قریب ہے جو میرا قہر زمین پر اترے کیونکہ زمین پاپ اور گناہ سے بھر گئی ہے پس اٹھو اور ہوشیار ہو جاؤ کہ وہ آخری وقت قریب ہے جسکی پہلے نبیوں نے بھی خبر دی تھی۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جسنے مجھے بھیجا کہ یہ سب باتیں اسکی طرف سے ہیں میری طرف سے نہیں ہیں کاش یہ باتیں نیک ظنی سے دیکھی جادیں کاش ہیں انکی نظر میں کاذب ٹھیرتا تا دنیا ہلاکت سے بچ جاتی یہ میری تحریر معمولی تحریر نہیں دلی ہمدردی سے بھرے ہوئے نعرے ہیں اگر اپنے اندر تبدیلی کروگے اور ہر ایک بدی سے اپنے تئیں بچا لوگے تو بچ جاؤگے کیونکہ خدا حلیم ہے جیسا کہ وہ قہار بھی ہے اور تمسے اگر ایک حصّہ بھی اصلاح پذیر ہوگا۔ تب بھی رحم کیا جائیگا ورنہ وہ دن آتا ہے کہ انسانوں کو دیوانہ کر دیگا نادان بدقسمت کہیگا کہ یہ باتیں جھوٹ ہیں ہائے وہ کیوں اسقدر سوتا ہے آفتاب تو نکلنے کو ہے جب خدا تعالیٰ اس وحی کے الفاظ میرے پر نازل کر چکا تو ایک روح کی آواز میرے کان میں پڑی جو کوئی ناپاک روح تھی اور میں نے اسکو یہ کہتے سُنا کہ میں سوتے سوتے جہنّم میں پڑ گیا انسان کا کیا حرج ہے کہ اگر وہ فسق و فجور کو چھوڑ دے کونسا اسمیں اسکا نقصان ہے اگر وہ مخلوق پرستی نکرے آگ لگ چکی ہے اٹھو اور اس آگ کو اپنے آنسوؤں سے بجھاؤ۔ بنی اسرائیل میں جو شخص گناہ کرتا تھا اسکو حکم ہوتا تھا کہ اپنے تئیں قتل کر دے پس گو یہ حکم تمہارے لیے نہیں ہے مگر یہ تو ضرور چاہیئے کہ اسقدر توبہ استغفار کرو کہ گویا مر ہی جاؤ تا وہ حلیم خدا تمپر رحم کرے۔ آمین۔

والسلام علے من اتبع الہدیٰ۔ راقم خاکسار **مرزا غلام احمد قادیانی** ۸۔ اپریل ۱۹۰۵ء

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۳۔ مارچ ۱۹۰۵ء۔ کوئی شخص ہے اس سے میں کہتا ہوں کہ تم حساب کرلو مگر وہ نہیں کرتا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اسنے ایک مٹھی بھر کر روپے مجھے دیئے ہیں اسکے بعد ایک اور شخص آیا جو الٰہی بخش کیطرح ہے مگر انسان نہیں بلکہ فرشتہ معلوم ہوتا ہے اسنے دونوں ہاتھ روپیوں سے بھر کر میری جھولی میں ڈالدیئے ہیں تو وہ اسقدر ہو گئے ہیں کہ میں انکو گن نہیں سکتا۔ پھر میں نے اسکا نام پوچھا تو اسنے کہا میرا کوئی نام نہیں دوبارہ دریافت کرنے پر کہا کہ میرا نام ہے ٹیچی۔ مینے بہت سا مال دیکھکر دل میں کہا کہ فلاں حاجتمند کو کچھ دیدونگا! اور ایک حاجتمند کھایا گیا جسنے حال ...

۶۔ مارچ ۱۹۰۵ء۔ تھوڑی سی غنودگی ہوئی تو دیکھتا ہوں کہ یہ مکان جواب بن رہا ہے (جسکا اشتہار کشتی نوح میں دیا تھا) سامنے آگیا ہے اسپر ایک معمار بیٹھا ہے اُسنے کہا مبارک۔ میں نے کہا خیر مبارک +

۱۹۔ مارچ بوقت شب (۱) سُنتا ہے اور دیکھتا ہے (۲) لا تیئسوا من روح اللّٰہ (۳) ایک عربی الہام تھا جسکا مفہوم یہ تھا کہ خدا مکذبوں کو ایک نشان دکھائیگا + ۲۰ مارچ بعد دوپہر* **شکار مرگ**۔

۲۶۔ مارچ ۱۹۰۵ء۔ **چودھری رستم علی** + ۲۹۔ مارچ۔ **سلاماً سلاماً**۔

*اس سے ایک روز پہلے سے حضرت اقدس مرض حرقت بول سے سخت بیمار تھے اسی تکلیف کی حالت میں یہ الہامات ہوئے تھے ۲۰۔ مارچ کو میں نے منشی محمد افضل صاحب مرحوم کی بیماری کا حال حضرت اقدس کی خدمت میں لکھا تھا اسکے تھوڑی دیر بعد حضرت اقدس کا ایک رقعہ میرے پاس پہونچا جسکے آخری الفاظ یہ تھے "خدا تعالے بہتر جانتا ہے مگر جس وقت یہ الہام ہوا کہ شکار مرگ تو پہلے ......

یکم اپریل سحق نا نار جہنم

۳- اپریل - **موت دروازے پر کھڑی ہے -**

" رؤیا[1] دیکھا کہ مرزا نظام الدین کے مکان پر مرزا سلطان احمد کھڑا ہے اور اس کا سب لباس سر تا پا سیاہ ہے - ایسی گاڑھی سیاہی کہ دیکھا نہیں جاتا - اسیوقت معلوم ہوا کہ یہ ایک فرشتہ ہے - جو سلطان احمد کا لباس پہنکر کھڑا ہے - اسوقت مین نے گھر مین مخاطب ہوکر کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے - تب دو فرشتے اور ظاہر ہوگئے اور تین کرسیان معلوم ہوئین اور تینون پر وہ تین فرشتے بیٹھ گئے اور بہت تیز قلم سے کچھ لکھنا شروع کیا جس کی تیز آواز سنائی دیتی تھی انکے اس طرز کے لکھنے مین ایک رعب تھا مین پاس کھڑا ہون - کہ بیداری ہوگئی +

۵- اپریل [2] - کففت عن بنی اسرائیل

۶- اپریل [3] - کوئی روح کہتی ہے کہ " **ہمنے وہ جہان چھوڑ دیا ہے "**

۸- اپریل [4] - تازہ نشان - تازہ نشان کا دھکا - زلزلۃ الساعۃ قوا انفسکم ان اللہ مع الابرار وانی معک الفضل - جاء الحق وزھق الباطل -

" ایک روح کی یہ آواز میرے کان مین پڑی کہ " **مین سوتے سوتے جہنم مین پڑ گیا "**

۹- اپریل بوقت نصف شب - **بخورانچہ ترا بخورانم** لک درجۃ فی السماء و فی الذین ھم یبصرون - نزلت لک - لک نری ایت ونھدم مایعمرون - قل عندی شھادۃ من اللہ فھل انتم مومنون - کففت عن بنی اسرائیل

۱۰- اپریل [5] - ان فرعون وھامان وجنودھما کانوا خاطئین -

۱۴- اپریل - رویا - قادیان کے بازار مین ایک گاڑی مین چلے جاتے ہین کہ معلوم ہوا کہ زلزلہ آیا ہے مگر ہمنے اسکا کوئی نقصان کہیں نہیں دیکھا - ۱۵- اپریل - آفاق معالجات اتباعات بغتۃ -

---

[1] اس رؤیا کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ سلطان احمد سے مراد ایسے دلایل اور براہین ہین جو دلون پر تسلط کرتے اور دلونکو پکڑ لیتے ہین - اور نظام الدین سے مراد ایسا نشان ہے جس سے دین اسلام کی صلاحیت ہوگی اور اسکا نظام درست ہو جائیگا - سیاہ کپڑونسے مراد ڈرانے والا نشان ہے یہ جو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ یہ ہماری دعاؤنکا نتیجہ ہے کیونکہ بچہ کو بھی نتیجہ کہتے ہین ۴ اپریل کے زلزلہ کی طرح -

[2] بنی اسرائیل سے مراد وہ قوم ہے جسپر اس قسم کے واقعات تکلیف وارد ہوگئے ہون جیسے کہ بنی اسرائیل پر ہماری جماعت بنی اسرائیل سے مشابہ ہے مراد یہ ہے کہ ایسے نشان ظاہر ہونگے کہ وہ لوگ جو ہماری جماعت پر بیجا حملے کرتے ہین رک جائینگے اور ایسے نشان ظاہر ہونگے کہ انکی باتون کا -

[3] فرمایا یہ میرے ساتھ عادت اللہ ہے کہ کشف مین اس دنیا کو وہ جہان کے نام سے پکارا جاتا ہے -

[4] اسکے متعلق مفصل دیکھو اشتہار الانذار جو دوسری جگہ درج ہو چکا ہے -

[5] فرمایا یہ الہام ۹- اپریل والے الہام کا متمم ہے اسکے معنے یہ سمجھائے گئے کہ یہ لوگ کہتے ہین کہ ہم پر تباہی آئیگی - مگر غلطی پر یہ لوگ خود ہین نہ ہم +

منہ بند کرنے والے ہونگے

ضروری اطلاع

رسالہ نور الدین جس مین فاضل مصنف نے بعد نظر ثانی کسیقدر اضافہ کیا ہے خوشخط
وعمدہ کاغذ پر چھپکر تیار ہے قیمت علاوہ محصول ڈاک ۸ر مد خواستین اس پتہ پر ہون +
سیٹھ عبد الاحد ہدایت اللہ جنرل مرچنٹ وکمیشن ایجنٹ کٹرہ جیمل سنگھ امرتسر +

لاہور ... فی پرچہ ... خالص عرق + خاکسار نے ... اویشنا ... تیار کرایا ہے ...

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے — لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی
دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ — بابت ماہ مئی ۱۹۰۵ء — نمبر ۵

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مئی ۱۹۰۵ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا - چندہ سالانہ [illegible]

تعلیم الاسلام کالج

دو سال گذر چکے ہین جب اس کالج کی بنیاد پہلے رکھی گئی تھی۔ اور ابھی تک یہ باب کو اس کی تعلیمی حالت کا صحیح اندازہ لگانے کا موقعہ نہ ملا تھا مگر گذشتہ ۱۹۰۵ء کے امتحان یونیورسٹی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ علاوہ دینی تعلیم اور تعلیم قرآن شریف کے جو اس کالج کے خاص اغراض مین سے ہے یہان کی معمولی تعلیم بھی اعلٰے درجہ کی ہے اور کالج کا سٹاف خصوصًا قابل تعریف ہے۔ اس سال اس کالج سے چار طالب علم امتحان ایف اے مین شامل ہوئے تھے جن مین سے تین کامیاب ہوئے جہان عام طور پر ایف اے کے امتحان مین ۳۸ فیصدی طالب علم پاس ہوئے ہین اور بڑے بڑے مشہور کالجون مین بھی نصف کے قریب قریب ہی تعداد پاس شدگان کی ہے۔ ہمارے کالج کا نتیجہ ۷۵ فیصدی کامیاب بنتا ہے +

نئی فسٹ ایئر کلاس ۱۵ مئی سے کھل گئی ہے اس لیے عام طور پر اطلاع دیجاتی ہے کہ جو طالب علم داخل ہونا چاہین وہ پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج قادیان سے خط و کتابت کرکے پراسپکٹس منگوا سکتے ہین۔ **زمانہ کی زہرناک ہواؤن کے اثر سے بچنے کے لیے یہ جگہ خدا کے فضل سے نہایت عمدہ ہے** +

عمارت کے سلسلہ کو بھی وسیع کرنا پڑا ہے اور مدرسہ اور بورڈنگ ہوس کے لیے کمرے بنوانے پڑے ہین اسلیے سب دوستون کی خدمت مین التماس ہے کہ فراہمی چندہ مین خاص طور پر کوشش کرین۔

ماہوار چندون مین بہت تساہل ہو رہا ہے سب احباب اپنے اپنے بقایا کو جلدی ادا کرنے کی کوشش کرین چندہ بھیجتے وقت یہ اطلاع ساتھ دیا کرین کہ کس کس ماہ کا چندہ ہے۔ ترسیل زر بنام ایڈیٹر صاحب مدرسہ تعلیم الاسلام ہونی

مسکین فنڈ اور یتیم فنڈ کیطرف جماعت کی بہت بڑی توجہ درکار ہے۔ اگر ان مدات مین خیرات صدقات زکوٰۃ وغیرہ کا روپیہ سب احباب کیطرف سے آنا شروع ہو جاوے تو بہت سے مستحق فایدہ اٹھا سکتے ہین ابتک یہ فنڈ بہت کمزوری کیحالت مین ہین۔ اور خاص توجہ کل جماعت کی چاہتے ہین۔

ضرورت ہے ایک جونیئر ٹرینڈ ٹیچر کی جو ایف اے پاس ہو۔ ایک ورزش ماسٹر کی جو سند یافتہ ہو۔ خط و کتابت بنام ہیڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام ہونی چاہیئے +

خاکسار محمد علی سکرٹری منیجنگ کمیٹی مدرسہ تعلیم الاسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تعدد ازواج

۳- تعدد ازواج پر اعتراضوں کا جواب

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مارچ کے رسالہ مین جو تعدد ازواج کی ضرورت پر ایک مضمون لکھا گیا تھا اسکے متعلق بعض لوگون کو ایک غلط فہمی ہوئی ہے اور قبل اسکے کہ اور اعتراضونکا جواب دون پہلے مین اسی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کرونگا۔ رسالہ کے معزز ناظرین مین سے ایک صاحب نے جو اس مضامین کے سلسلہ کو جو پردہ سے شروع ہوا ہے بڑی دلچسپی سے پڑھتے رہے ہین مجھے ایک خط لکھا ہے جس مین تعدد ازواج کی ضرورت کے مضمون کو "نہایت مدلل" مان کر وہ لکھتے ہین "لیکن مین یہ کہتا ہون کہ آپ کی اپنی تحریر کے بموجب عام قاعدہ یہی رہیگا کہ ہر شخص ایک ہی بی بی سے نکاح کرے۔ اسکے بعد مین آپ کو قانون کے اُس مسلم اصول کی طرف توجہ دلاتا ہون جو بینتھم صاحب نے اپنے مسئلہ وضع قوانین مین لکھا ہے کہ سب سے عمدہ قاعدہ وہ ہے جسکا مقصد بڑی سے بڑی تعداد کو بڑے سے بڑا فایدہ پہنچانا ہے۔ خود قدرت کا بھی یہی منشا معلوم ہوتا ہے کہ عام قاعدہ ایک بی بی سے نکاح کرنیکا ہی ہے کیونکہ قدرت نے مردون اور عورتون کی تعداد مین عورتون کی تعداد کو مردون کی تعداد سے تھوڑا ہی زیادہ رکھا ہے۔" مجھے سمجھ نہین آتا کہ یہ غلط فہمی کیونکر پیدا ہوئی ہے۔ مین نے کبھی یہ نہین لکھا کہ تعدد ازواج عام قاعدہ ہونا چاہیئے یا ہو سکتا ہے۔ بلکہ برخلاف اسکے مین نے صاف الفاظ مین اپنے مضمون مین لکھدیا تھا کہ .... عام قاعدہ واحد زوج کا ہی رہیگا اور تعدد ازواج اس قاعدہ کے لیے بطور استثناء کے رہیگا اور اسی دعوی کی تائید مین میرے تمام دلایل تھے ایسا ہی دوسرے مضمون مین جس کا عنوان اسلام مین تعدد ازواج تھا۔ یہ وضاحت سے بیان کردیا گیا ہے کہ قرآن کریم تعدد ازواج کی اجازت دیتا ہے اور اسکو

فرض نہین ٹھہرتا۔ اب جب تک یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ کوئی وجہ ایسی نہین جس کی بنا پر تعدد ازدواج کو ایک استثناء کے رنگ مین رکھا جاوے یا جو دلایل دیے گئے ہین وہ صحیح نہین مجھے کسی بات کا جواب دینے کی ضرورت نہین امر تنقیح طلب یہ نہین کہ تعدد ازدواج یا واحد زوج کے قاعدہ مین سے کس کو عام قاعدہ بنایا جاوے کیونکہ یہ بحث کبھی کسی نے نہین کی کہ تعدد ازدواج دنیا کے لیے عام قاعدہ ہو سکتا ہے امر فیصلہ طلب یہ ہے کہ جس صورت مین واحد زوج کے قاعدہ کو دنیا کے لیے عام قاعدہ تسلیم کیا جاتا ہے آیا کافی وجوہات اس امر کے موجود نہین کہ تعدد ازدواج ایک ضروری استثناء کے طور پر ہے۔ مین اس سوال کا جواب دے چکا ہون اور منتظر ہون کہ تعدد ازدواج کے مخالف اسکا کیا جواب دیتے ہین ساتھ ہی مین اپنے اس دوست کی خدمت مین جس کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے یہ عرض کرتا ہون کہ جس صورت مین وہ یہ تسلیم کرتے ہین کہ عورتون کی تعداد مردون کی تعداد سے کسی قدر زیادہ ہے تو تعدد ازدواج کو استثناء کے رنگ مین خود انھون نے مان لیا ہے +

تعدد ازدواج فرض نہین

یہ غلطی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے تعدد ازدواج کے تمام مخالفین نے کی ہے وہ تعدد ازدواج کو استثناء سمجھ کر اسپر اعتراض نہین کرتے بلکہ اسکو ایک عام قاعدہ فرض کر کے ناحق اعتراض اٹھاتے ہین اسلام نے یہ نہین کیا کہ زوج واحد کے قاعدہ کو منسوخ کر کے تعدد ازدواج کے قاعدہ کو رواج دیا ہو۔ بلکہ صرف ان نقصون کی اصلاح کے لیے تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے جو بعض اوقات زوج واحد کے قاعدہ سے پیدا ہوتے ہین۔ عرصہ نہین ہوا کہ مسٹر دلاور حسین نے بڑے زور شور سے تعدد ازدواج پر حملے کیے مگر اسلامی مسایل سے ان کی واقفیت کا یہ حال ہے کہ انکے نزدیک تعدد ازدواج کو اسلام نے ایسا ضروری قرار دیا ہے جسپر عمل کرنا ہر زمانہ اور ہر ملک کے مسلمانون کا فرض ہے۔ حالانکہ جیسا مفصل گذشتہ اشاعت مین دکھایا جا چکا ہے اسلام صرف یہ اجازت دیتا ہے کہ ضرورت کے وقت تعدد ازدواج جایز ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہر ایک قاعدہ جو سوسائٹی کے لیے تجویز کیا جاوے وہ ایسا ہونا چاہیے جس سے بڑی سے بڑی تعداد کا بڑے سے بڑا فایدہ منصور ہو لیکن استثناء کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ جن نقصون کی اصلاح قاعدہ سے نہین ہو سکتی ان کو دور کیا جاوے۔ اس اصول کے مطابق جہان زوج واحد کے قاعدہ سے اغراض نکاح حاصل نہین ہو سکتے۔ وہان تعدد ازدواج کا مسئلہ ضرورتون کو پورا کرنے والا ہوتا ہے۔ پس یہ ایک قسم کا علاج ہے اور اسکے متعلق ہمنے صرف اسیقدر دیکھنا ہے کہ آیا جن بیمار یونکے لیے یہ علاج تجویز کیا گیا ہے ان مین یہ مفید بھی ہے یا نہین۔ ہان اگر قرآن شریف تعدد ازدواج کو ہر مسلمان

پر فرض کر دیتا تو اسوقت یہ سوال اٹھایا جا سکتا تھا کہ آیا زوج واحد کے قاعدہ سے زیادہ فایدہ متصور ہے یا تعدد ازدواج کے قاعدہ سے۔ اور ان دونون مین کونسا وہ طریق ہے جو سوسائیٹی کے لیے زیادہ امن اور فایدہ کا باعث ہو سکتا ہے مگر موجودہ حالات کے ماتحت سوال اس قدر پیدا ہوتا ہے کہ آیا کوئی ایسے واقعات انسانی سوسائیٹی مین پیدا ہو سکتے ہین جو تعدد ازدواج کو ضروری ٹھہراتے ہون اور آیا یہ علاج ٹھیک ہے یا نہین اور انہی سوالون کا جواب اس مضمون کے پہلے حصون مین دینے کی کوشش

زوج واحد کے قاعدہ کی عمومیت

تعدد ازدواج کے مسئلہ کو کیون ناجایز قرار دیا جاتا ہے یہ ایک ایسا سوال ہے جسکا جواب آج تک نہین ملا۔ بڑا زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ زوج واحد کا قاعدہ ایسا وسیع اور عام ہے جسکو توڑنا کسی صورت مین جایز نہین مگر یہ جواب اسیوقت تک ہے جبتک تعدد ازدواج کی مذمت مقصود ہو۔ اگر کوئی قوم یا کوئی حکومت دنیا پر ایسی ہوتی جو زوج واحد کے قاعدہ کی ایسی توسیع اور عمومیت کی قایل ہوتی کہ اسکو کسی صورت مین توڑنا جایز نہ سمجھتی تو ایسی قوم یا حکومت تعدد ازدواج کی ممانعت کرنے مین معذور ہوتی مگر ایسا ہرگز نہین۔ زوج واحد کے قاعدہ کو مین بھی عام قاعدہ مانتا ہون مگر دوسرے قواعد کی طرح یہ بھی استثناؤنکا محتاج ہے اور بغیر استثناء کے ہرگز درست نہین ٹھہرتا مثلاً دنیا مین کسی قوم یا کسی گورنمنٹ نے تجرد کو جرم قرار نہین دیا حالانکہ تجرد بھی زوج واحد کے قاعدہ کے لیے بطور استثناء کے ہی ہے کیونکہ زوج واحد کا قاعدہ یہ چاہتا ہے کہ ہر ایک مرد کا ایک عورت کے پیوند نکاح ہو۔ مگر جو شخص تجرد اختیار کرتا ہے وہ اس قاعدہ کو توڑتا ہے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جو بد نتایج تجرد سے پیدا ہونے کا احتمال ہے وہ تعدد ازدواج کے موہوم ضرر سے کہین بڑھکر ہین۔ جو شخص باوجود قوائے رجولیت کے شادی نہین کرتا اس سے یہ اندیشہ ہے کہ کسی بدکاری مین مبتلا ہو کر سوسائیٹی کو سخت نقصان پہنچاوے مگر باوجود اسکے دنیا کا کوئی قانون اسے مجبور نہین کرتا کہ وہ ضرور نکاح کرے اور اپنا ایک بی بی رکھے۔ اگر کسی امر کے روکنے کی ضرورت صرف یہی ہوتی ہے کہ اس سے سوسائیٹی کو مضرت کا احتمال ہے اور جسقدر زیادہ نقصان کا اندیشہ ہو۔ اسیقدر یہ ضرورت بھی زیادہ ہوتی ہے تو پھر مقدم ممانعت تجرد کی ہے نہ تعدد ازدواج کی۔ کیونکہ تجرد کے نقصان بمقابلہ تعدد ازدواج کے بہت ہی زیادہ ہین اور کوئی سوسائیٹی یا کوئی ملک ایسا نہین جہان تعدد ازدواج سے وہ نقصان پیدا ہوئے ہون جو مثلاً پادریون جیسی بزرگ جماعت کے تجرد سے عیسائی ممالک مین پیدا ہوتے رہے ہین۔ یہ کہا جائیگا کہ پادریونکو تجرد پر مجبور کیا جاتا تھا حالانکہ تعدد ازدواج کے لیے کوئی انسان مجبور نہین کیا جاتا۔ مگر اس خیال کو چھوڑکر بھی تجرد کے نقصان اسقدر

ہین جن کو کسی صورت مین نظر انداز نہین کیا جا سکتا۔ تعدد ازدواج مین اور اس مین بڑا بھاری فرق یہ ہے کہ تعدد ازدواج کا کوئی نقصان فرضی طور پر ہو بھی تو وہ اس شخص کی ذات تک محدود ہے جو اس مسئلہ پر عمل کرتا ہے اور سوسائیٹی کو اسکا کوئی نقصان نہین مگر جو شخص تجرد اختیار کرتا ہے اس سے سوسائیٹی کو خطرہ ہے کیونکہ وہ زنا مین مبتلا ہو کر ایک قوم کو نقصان پہنچائے گا۔ پس اگر زوج واحد کا قاعدہ ایسا عام اور وسیع ہے جو کسی صورت مین توڑا نہین جا سکتا اور جسکے لیے کوئی استثنا نہین تو قومون کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ تجرد کو جرم قرار دین۔ مگر کیا دنیا کا کوئی مصلح اس امر کے لیے تیار ہے؟ نہین بلکہ ایسی تجویز پر ہنسا جاوے گا۔ حالانکہ اگر غور کیا جاوے تو اس سے بہت زیادہ ہنسی کے قابل وہ قوانین ہین جو تعدد ازواج کو جرم قرار دیتے ہین۔ پس یہ کسقدر حماقت ہے کہ جس قاعدہ کو خود یہ لوگ بکثرت توڑ رہے ہین۔ جب تعدد ازدواج کو اسی قاعدہ کے لیے استثناء قرار دیا جاتا ہے تو اسپر تعجب کیا جاتا ہے اور یہ بیہودہ عذر تراشا جاتا ہے کہ زوج واحد کا قاعدہ کسی صورت مین ٹوٹنا نہین چاہیے۔ مین تسلیم کرتا ہون کہ دنیا مین ایسے آدمی موجود ہین جو یا تو نکاح کر نہین سکتے اور یا انکو نکاح کرنا نہین چاہیئے مگر ساتھ ہی اسکے ایسے لوگ بھی بکثرت ہین اور ان کی تعداد یوماً فیوماً یورپ اور امریکہ کے مہذب ممالک مین ترقی کرتی جاتی ہے جو نکاح کی قید کو صرف اسکی ذمہ داریون کی وجہ سے برا سمجھتے ہین اور جن کی غرض سوائے اسکے کچھ نہین کہ کسی طریق سے جذبات شہوانی کی خواہشات کو پورا کر لیا جاوے۔ اب ان لوگون کا وجود سوسائیٹی کے لیے ایک مہلک اور خطرناک وبا ہے مگر تاہم انکے انسداد کے لیے یہ قانون تجویز کرنا کہ ہر ایک شخص کو جو بالغ ہو کر نکاح نہ کرے مجرم قرار دیا جاوے ظلم ہوگا۔ ایسا ہی ہر سوسائیٹی مین کم و بیش ایسے آدمی بھی ہو سکتے ہین جو محض جذبات شہوانی کو پورا کرنیکے لیے ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسرا نکاح کرین۔ اگرچہ انکی تعداد بہ سبب ان بھاری ذمہ داریونکے جو تعدد ازدواج کے ساتھ لگی ہوئی ہین بہت ہی کم ہوگی اور دوسری طرف وہ آدمی بھی ہین جو واقعی تعدد ازدواج کی ضرورت کو محسوس کرتے ہین۔ اب مین پوچھتا ہون کہ کیا یہ انصاف ہے؟ کہ پہلے گروہ کے انسداد کیلیے قانون ایسا تجویز کیا جائے جو دوسرے گروہ کی ضرورت حقہ کو بھی نظر انداز کر دے اور انکو مجرم قرار دے۔ یہ دونون سوال ایک ہی رنگ کے ہین اور ان کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے۔ پس جس کسی پہلو سے تعدد ازدواج کے مسئلہ پر غور کیا جاوے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج کی ممانعت کی کوئی وجہ نہین۔

سوسائیٹی کے لیے زیادہ مفید کیا ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ جو امر سوسائیٹی کی بڑی سے بڑی تعداد کو بڑے سے بڑا فایدہ پہنچا سکتا ہے

وہ قانون نکاح ہے نہ زوج واحد کا قاعدہ۔ ہاں اس مین شک نہین کہ نکاح کے اغراض اکثر ایک ہی بی بی سے پورے ہوجاتے ہین مگر ہمیشہ اور ہر حال مین یہ بات صحیح نہین ٹھہرتی اسکا ثبوت مضمون کے حصہ اول مین دیاجاچکا ہے پس تعدد ازدواج کا مسئلہ زوج واحد کے قاعدہ کے یہے بطور تتمہ کے ہے اور اس سے ان نقصانون کا جبر ہوتا ہے جو بعض وقت زوج واحد کے قاعدہ سے پیدا ہوتے ہین پس اگر تعدد ازدواج کے دروازے کو قطعًا بند کردیا جائے تو زیادہ سے زیادہ تعداد نکاح کے اغراض سے کیونکر فایدہ اٹھا سکتی ہے بلکہ اس طرحسے ضرور ایک جماعت ان اغراض کے حصول سے محروم رہجائے گی اور نہ ہی وہ فایدہ جو تعدد ازدواج کی ممانعت سے پیدا ہوگا۔ بڑے سے بڑا فایدہ کہلا سکتا ہے کیونکہ اسکے ساتھ بہت ساری مضرتین ملی ہوئی ہونگی جن کا علاج سوائے تعدد ازدواج کے اور کوئی نہین۔ یورپ کے ممالک مین زنا کی کثرت پر افسوس کرنیوالے تو بہت ہین مگر اس کے اصل وجوہات کیطرف توجہ کوئی نہین کرتا۔ اور پھر اصرار یہی کیا جاتا ہے کہ تعدد ازدواج کی ضرورت کوئی نہین

کیا تعدد ازدواج محرک جذبات شہوانی ہے

تعدد ازدواج پر ذیل کے اعتراض میاں دلاور حسین کی تحریر سے لیے گئے ہین جن کو اسلام کے اصول پر اعتراض کرنے مین خاص مشاقی حاصل ہے چنانچہ تعدد ازدواج کے متعلق وہ لکھتا ہے۔

"تعدد ازدواج کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسانون کے دل بہت زیادہ شہوانی جذبات کیطرف پھرجاتے ہین۔ اور جن لوگونکو روپیہ یا مرتبہ یا وجاہت کے سبب سے کچھ مقدرت حاصل ہوتی ہے وہ بہت جلد شہوانی خوشیون مین پڑجاتے ہین"۔ یہ معترض کا دعوے ہے مگر تعجب اس دعوے کی دلیل پر ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "بنگال کے مسلمان زراعت پیشہ آبادی تعدد ازدواج کی کثرت کی وجہ سے بالکل تباہ ہوچکی ہے اور یہ لوگ ظلم اور بدکاری اور شرارت اور ارتکاب جرایم مین حد سے گذر چکے ہین"۔ تعجب اس بات پر ہے کہ دعوے تو یہ تھا کہ دولت یا وجاہت یا مرتبہ کے سبب سے لوگ تعدد ازدواج کیطرف زیادہ مایل ہوجاتے ہین اور اس کی دلیل مین دیہاتی آبادی زراعت پیشہ لوگون کی پیش کی گئی ہے جن کی مفلسی حد سے گذری ہوئی ہے۔ اب بالفرض جیساکہ معترض کا بیان ہے اگر واقعی ان لوگون کی اخلاقی حالتین بہت پستی کی حالت مین ہی ہین تاہم معترض کا فرض تھا کہ یہ تحقیقات کرتا کہ اس کی وجہ تعدد ازدواج یا تعدد ازدواج کی کثرت ہی ہے اور اسی طبقہ کے غیر مذاہب کی آبادیون سے مقابلہ کرکے دکھاتا کہ مسلمان زراعت پیشہ آبادی کے بالمقابل غیر مسلمان زراعت پیشہ آبادی اپنی اخلاقی حالتو نکے لحاظ سے قابل تعریف ہے۔ مگر جب تک یہ امر ثابت نہین بلکہ برعکس اسکے

اسی طبقہ کی غیرمسلمان آبادی کی اخلاقی حالتین اور بھی گری ہوئی ہین تو اس بدکاری کی وجہ تعدد ازدواج مین تلاش کرنا معترض کی حماقت ہے مگر خدا جانے کیا وجہ ہے اور اسلام کے ساتھ مسٹر دلاورحسین کو کیا عداوت ہے کہ اس کی ہر ایک خوبی اس کی نظر مین بدی ہے اور ہر ایک بدی کی وجہ پردہ طلاق یا تعدد ازدواج ہے۔ یہ تو سمجھ مین نہین آتا کہ اسکو اس بات کا علم نہ ہو کہ عام طور پر ادنے طبقہ کے لوگون کی ہندوستان مین کیا حالت ہے۔ اور یہ بھی معترض پر مخفی نہین کہ ان مہذب ممالک مین جنکی مدح سرائی مین وہ شب و روز مصروف ہے ادنے طبقہ کے لوگ وحشیون کی طرح زناکاری اور بدکاری مین مبتلا ہین پس ان واقعات کے ہوتے ہوئے یہ دعوے کرنا کہ مسلمان ادنے طبقہ کی آبادی تعدد ازدواج کیوجہ سے بدکاری مین مبتلا ہے کسی طرح ٹھیک نہین ہوسکتا۔ ہان اگر کوئی واقعات ایسے ہین جو اس دعوے کے موید ہین تو وہ پیش کرنے چاہئیے۔ برخلاف اسکے یہ امر ثابت ہے کہ جن ممالک مین تعدد ازدواج کا رواج ہے وہان ان ممالک کی نسبت جہان اس کی ممانعت ہے زناکاری بہت ہی کم پائی جاتی ہے اور ایسا ہی شراب‌خوری اور دوسری شہوانی بدکاریان نسبتاً بہت ہی کم ہین اس کی شہادت مین خود عیسائی بلکہ پادری صاحبان کے قول کئی دفعہ اسی رسالہ مین نقل کیے گئے ہین جنہون نے صاف الفاظ مین تسلیم کیا ہے کہ مسلمان ممالک عیسائی ممالک کی نسبت بدکاری اور شراب‌خوری سے بہت پاک ہین۔ پھر تعدد ازدواج کا نیک اثر مارمنون کی حالت سے بھی صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا فرقہ ہے جو عیسائی مذہب رکھتا ہے اور عیسائی ملک مین رہتا ہے۔ امریکہ کی ریاست ہائے متحدہ مین ایک ریاست ہے جس مین کثرت آبادی کی مارمنون کی ہے۔ یہ لوگ انہین حالات کے ماتحت اپنی زندگیان بسر کرتے ہین جیسا انکے اردگرد کے عیسائی فرقے۔ اگر فرق ہے تو صرف اسقدر کہ ان مین تعدد ازدواج کا رواج ہے اور دوسری ریاستون مین اس کی ممانعت ہے۔ عملی طور پر یہی ایک بات ہے جو مارمنون کو دوسرے عیسائی فرقون سے الگ کرتی ہے۔ قریباً نصف صدی تک یہ لوگ بلا روک ٹوک تعدد ازدواج پر عمل کرتے رہے اور اس اثنا مین تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ ان کی ریاست بمقابلہ دوسری ریاستون کے شراب‌خوری زناکاری قماربازی وغیرہ بدکاریون سے قریباً آزاد رہی ہے اسکے متعلق مفصل مع حوالجات کے کسی گذشتہ اشاعت مین لکھا جا چکا ہے۔ مین نہین سمجھتا کہ اس سے بڑھکر بین ثبوت تعدد ازدواج کے نیک اثر کا اور کیا ہوسکتا ہے۔ ایک قوم جو اپنی تعلیم اپنے رواجون اور اپنے اردگرد کے حالات کے لحاظ سے دوسری عیسائی اقوام سے کسی طرح علیحدہ نہین سوائے اسکے کہ تعدد ازدواج کو رواج دینے مین یہ ان سے الگ ہوگئی ہے اپنے اعلے اخلاق اور بدکاری سے زیادہ بچا رہنے سے یہ صاف ثبوت دیتی ہے کہ یہ صرف اس رواج کا نتیجہ

ہے جس مین اس نے دوسروں سے اختلاف کیا ہے۔
ان واقعات کو جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے الگ رکھکر اگر صرف ہم اس دعوے پر ہی غور کرین جو معترض نے کیا ہے تو اس کا بطلان صاف نظر آتا ہے کیونکہ اگر یہ دعوے صحیح ہے کہ تعدد ازدواج محرک جذبات شہوانی ہے تو پھر یہ بھی صحیح ہونا چاہئے کہ نکاح ہی ان جذبات کا محرک ہے۔ اتنی ہی بات سے اس دعوے کی اصلیت کھلجاتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تعدد ازدواج اور نکاح ہر دو محرک جذبات شہوانی نہین بلکہ ان جذبات کو دبانے والے ہین۔ کیونکہ مثلاً اگر ایک آدمی کو دوسری بی بی کی حاجت ہے اور قانون مانع نہین تو دوسرے نکاح سے نئے جذبات شہوانی پیدا نہین ہو جائین گے ہان اس کی فطرت ہی بد ہو تو الگ بات ہے مگر جب ایک شخص نکاح ثانی کر لیتا ہے تو وہ سوسائیٹی کا ایسا ہی اچھا ممبر ہے جیسا وہ آدمی جسکے ایک ہی بی بی ہے اسکے جذبات شہوانی بجائے جوش مین آنیکے دب جائینگے کیونکہ اس نے سچا علاج اختیار کیا ہے۔ لیکن اگر ایک شخص کو ضرورت نکاح ثانی کی ہے اور قانون مانع ہے تو ضرور ہے کہ وہ ان کو پورا کرنیکے لیے ناجائز وسایل اختیار کرے گا۔ اب کوئی عقلمند انصاف کرے کہ آیا تعدد ازدواج کی اجازت محرک جذبات شہوانی ہے یا اس کی ممانعت۔ تعجب ہے کہ ایک فاش غلطی کو حق سمجھا جا رہا ہے۔ اگر یہ عذر کیا جاوے کہ اگرچہ تعدد ازدواج اس شخص کے لیے تو بطور علاج ہے جس کو اس کی ضرورت ہے لیکن اس کا اثر ان لوگون پر جنہین اس کی حاجت نہین مضر ہوگا۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ خیال بھی غلط ہے۔ جب کوئی قانون تجویز کیا جاتا ہے تو ذوی العقول اور سوچنے سمجھنے والے انسانون کے لیے تجویز کیا جاتا ہے جو اپنے فرایض کو جانتے اور اپنی ذمہ داریون کو سمجھتے ہین۔ تعدد ازدواج ایک ایسا امر ہے جسکو خواہ مخواہ ہر ایک انسان اختیار نہین کرے گا۔ جیسا کہ گذشتہ اشاعت مین ہم نے ثابت کیا ہے۔ جو ذمہ داریان اسکے ساتھ لگی ہوئی ہین وہ اسقدر اور اتنی بڑی ہین کہ کوئی شخص محض شوق کے طور پر اور بلا ضرورت اسکو اختیار نہین کر سکتا۔ جو شخص ایک بیوی رکھتا ہے وہ کم از کم یہ تو سمجھتا ہے کہ گھر کی ذمہ داریان کسقدر ہوتی ہین۔ اب نکاح ثانی سے نہ صرف یہ ذمہ داریان دوچند ہو جاتی ہین بلکہ انکے علاوہ بہت ساری اور نازک ذمہ داریان پیدا ہو جاتی ہین پس اور تمام باتون کو جنکا ذکر گذشتہ اشاعت مین کیا جا چکا ہے۔ نظر انداز کرکے ان ذمہ داریون کا وجود ہی ایک ایسا امر ہے جو تعدد ازدواج کو بلا ضرورت اختیار کرنے سے مانع ہوگا۔ اب ایک ایسی سوسائیٹی مین جہان تعدد ازدواج کی اجازت ہے۔ زنا تو اس طرح کم ہوگا کہ سوسائیٹی کی کل اخلاقی طاقت اسکے خلاف صرف ہوگی کیونکہ ہر شخص زانی کو ملامت کرے گا کہ جس صورت مین تعدد ازدواج کی اجازت ہے تو اس نے فعل بد کا ارتکاب کیون کیا۔ اور دوسری طرف

تعدد ازدواج کی نازک اور بھاری ذمہ داریاں بلاضرورت تعدد ازدواج اختیار کرنے سے مانع ہونگی۔ اس طرح پر تعدد ازدواج کا رواج ایک نہایت ہی مفید رواج ہے جیساکہ عملی طور سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جہان تعدد ازدواج کی اجازت دیگئی ہے وہان زنا کے جرم کی سزا بھی زیادہ سنگین تجویز کی گئی ہے اور ان ممالک مین جہان تعدد ازدواج کی اجازت نہین۔ اول تو غیر شادی شدہ مرد اور عورت کا ناجایز تعلق زنا نہین کہلاتا اور مزید بران یہ کہ شادی شدہ مرد اور عورت کا ناجایز تعلق بھی بہت سارے ممالک مین فوجداری جرم ... نہین رہا پس سزا کی سختی تو نہ تھی مگر سزا بھی نہ رہی یہ واقعہ زنا کی کثرت کا موید ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوسائیٹی زنا کو کچھ ایسی نفرت کی نگاہ سے نہین دیکھتی اس لیے ارتکاب زنا کے لیے جرأت بھی بڑھ جائے گی۔ ان دلایل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ممانعت تعدد ازدواج محرک جذبات شہوانی ہے اور اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ایسے ممالک مین حرامی بچون کی نسبت کل تعداد پیدائشون سے چوتھائی تہائی بلکہ بعض جگہ نصف سے بھی زیادہ ہے۔ مسٹر دلاور حسین اور دوسرے مخالفین تعدد ازدواج غور کرین کہ آیا ممانعت تعدد ازدواج ہی وہ امر نہین جو لوگون کے خیالات کو شہوانی جذبات کیطرف زیادہ پھیرتا ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ صاحب دولت وثروت اور صاحب مرتبہ اور ذی وجاہت لوگ تعدد ازدواج کی اجازت سے آسانی سے دو دو تین تین بیویان کرنے لگین گے۔ خواہ ان کو ضرورت ہو یا نہ ہو۔ اول تو واقعات سے اسکا کوئی ثبوت اس عمومیت کے رنگ مین نہین جس عمومیت سے دعوے کیا گیا ہے اور دوسرا مین کہتا ہون کہ صاحب دولت اور صاحب مرتبہ لوگ اون ممالک مین جہان تعدد ازدواج کی ممانعت ہے کیا کمی کرتے ہین ہان نام مین فرق ہے یعنی ایک شخص تو دوسری بی بی سے نکاح کر لیتا ہے اور دوسرا شخص تین چار آشنا عورتون سے ناجایز تعلق رکھتا ہے۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ وہ اس کی بیبیان نہین کہلاتین اور کوئی ذمہ داری انکے متعلق اسکے گلے نہین پڑتی۔ اب مسٹر دلاور حسین بجائے خود غور کرین کہ انکے نزدیک ایسے لوگون کے لیے کونسا طریق بہتر اور مفید ہے اور سوسائیٹی کو کس طریق مین زیادہ امن کی امید ہو سکتی ہے۔

تعدد ازدواج کا اثر عورت کی حیثیت پر کیا پڑتا ہے۔

وہی معترض جس کا ذکر اوپر آیا ہے تعدد ازدواج کے خلاف دوسرا اعتراض یہ کرتا ہے کہ اس سے عورت محض مال کی طرح مرد کے تصرف مین رہتی ہے اور عورت کو اس سے زیادہ کوئی وقعت نہین دیجاتی کہ وہ مرد کی آسایش کے لیے ایک چیز بنائی گئی ہے جسے جب اسکا جی چاہے

وہ الگ کر سکتا ہے اور اگر ظاہر طور پر (طلاق دیکر) الگ نہ بھی کرے تو بھی اصل مین وہ اسوقت سے الگ ہی ہوتی ہے جب اپنے مالک اور خاوند کو خوش نہ کر سکے" جو کچھ ہمنے اوپر لکھا ہے وہ اس اعتراض کی تردید کے لیے کافی ہے کیونکہ یہ دعوے بلا دلیل ہے اور معترض نے یہ اپنے دل سے ہی فرض کر لیا ہے کہ مرد ایسا کر سکتا ہے اور ایسا کر سکتا ہے۔ ثبوت اور واقعات پیش نہین کیے اگر یہ دلیل صحیح ہے تو اس کا اطلاق اس صورت مین بھی ہو سکتا ہے جہان ایک مرد ایک ہی بی بی رکھتا ہو۔ کیونکہ اسی طرح پر ایک شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جب بی بی سے اس کو خوشی حاصل نہوسکیگی تو وہ ایک آشنا رکھے گا۔ اور اصلی بی بی خواہ کھلے طور پر الگ نہ کی جاوے۔ مگر اصل مین وہ الگ ہی ہوگی۔ معترض کے دل مین اگر دلایل کا کچھ بھی ادب باقی ہے تو اسے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ ان ممالک مین جہان تعدد ازدواج کی اجازت ہے ایسے واقعات اکثر پیش آتے رہتے ہین۔ اور ان ممالک مین جہان اسکی ممانعت ہے ایسے واقعات کبھی پیش نہین آتے یا آتے ہین تو شاذ و نادر اس کے علاوہ ہمنے یہ نہین دیکھنا کہ تعدد ازدواج کی اجازت سے ممکن طور پر کیا کیا فرضی نقصان پیدا ہو سکتے ہین بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ جس رنگ مین اسلام نے تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے۔ اس حد تک تعدد ازدواج کو ماننے سے کیا نقص پیدا ہوتے ہین۔ اگر اس بات کو مدنظر رکھا جاوے۔ تو اعتراض خود ہی دور ہو جاتا ہے کیونکہ تعدد ازدواج کی اجازت دیتے وقت سب سے پہلی شرط قرآن کریم نے یہی قرار دی ہے کہ سب بیبیونکو برابر رکھا جاوے اور کسی کو معلقہ کی طرح الگ ہی نہ کر دیا جاوے جس کا ترجمہ بعینہٖ وہی ہے جو مسٹر دلاور حسین نے اپنے اعتراض مین لکھا ہے۔ یعنے ظاہر طور پر تو بی بی رہے اور حقیقت مین نہ ہے۔ پس یہ اعتراض جو معترض کے دل مین پیدا ہوا ہے اس کی اپنی اسلامی اصول کی ناواقفیت کے سبب سے ہوا ہے۔

کیا تعدد ازدواج سے قوم کمزور ہو جاتی ہے؟

مسٹر دلاور حسین کے بعض اعتراض تو ایسے ہین کہ ایک سنجیدہ آدمی کو بھی ان سے ہنسی آجاتی ہے اس کی متعصب آنکھ کو ایک تل بھی پہاڑ نظر آتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "تعدد ازدواج کا نتیجہ یہ ہے کہ جسم اور دل دونون کمزور ہو جاتے ہین اور پھر افراد کی کمزوری سے تدریجاً جماعتون کی جماعتین کمزور ہو کر آخر کار کل کی کل قوم نکمی ہو جاتی ہے" اگر معترض ان الفاظ کو خود ہی ٹھنڈے دل کے ساتھ دوبارہ پڑھتا تو کچھ نہ کچھ ضرور اپنے الفاظ کی اصلاح کرتا۔ دو یا تین فیصدی آدمیونکے تعدد ازدواج سے تو قوم کی قوم نکمی اور تباہ ہو جاتی ہے۔ مگر بیس یا تیس یا پچاس

فیصدی آدمیون کی زناکاری سے معترض کی رائے مین نہ قوم کی اخلاقی حالتین گرتی ہین اور نہ ہی کوئی اور نقصان پہنچتا ہے۔ معترض کو چاہیئے تھا کہ کم از کم عرب کیحالت پر ہی غور کر لیتا کہ تعدد ازدواج نے ان کو کمزور اور بودے اور سست کر دیا تھا یا اسکے خلاف اثر ظاہر ہوا تھا۔ ایک طرف تو انہون نے علمی ترقی وہ دکھائی جو اُس زمانہ مین اپنی نظیر نہین رکھتی اور صدیون تک علوم فنون مین دنیا کے معلم بنے رہے یہانتک کہ یورپ کی تہذیب کا بجھا ہوا لیمپ بھی انہین کی روشنی سے روشن ہوا۔ اور دوسری طرف فتوحات مین وہ کارنامے دکھائے کہ بڑی سے بڑی منتظم سلطنتوں اور قواعد دان فوجون کو کیڑون کی طرح پامال کر دیا اور ایک مدت تک دنیا کے ایک عظیم الشان حصّہ پر اپنی حکومت کا سکہ جمائے رکھا کیا یہی لوگ دل اور جسم کے کمزور تھے۔ معترض کا فرض ہے کہ یہ دکھائے کہ تعدد ازدواج نے ان لوگون پر کونسا اثر کیا تھا جس سے وہ اب ڈرا رہا ہے۔ جواب دیتے وقت انکو یہ بات بھی فراموش نہین کرنی چاہیئے کہ اسلام سے پہلے عرب مین تعدد ازدواج کا رواج اسلام سے بھی.. زیادہ تھا اور پھر اسکا سلسلہ دو یا چار یا دس پشتون پر ختم نہین ہوتا بلکہ جہان تک تاریخ کا پتہ چلتا ہے تعدد ازدواج کا رواج اسی طرح سے دکھائی دیتا ہے پس اگر تعدد ازدواج کا اثر کسی قوم کی تباہی ہو سکتی ہے تو چاہیئے تھا کہ بجائے اسکے کہ عرب دنیا کے فاتح بنتے وہ سب قومونکے مغلوب اور مفتوح ہوتے اور جہالت کی تاریکی سے کبھی باہر نہ نکلتے نہ یہ کہ دنیا مین علوم کی روشنی پھیلانے والے ہوتے۔ اور جیسا قومون پر تعدد ازدواج کی اجازت کا اثر برا نہین ایسا افراد پر بھی اسکا اثر برا نہین + معترض سخت دھوکہ مین پڑا ہوا ہے اور اس کو خبر ہی نہین کہ کس بات کو کس کا نتیجہ کہنا چاہیئے۔ اب بھی روئے زمین پر وہ اقوام موجود ہین جنمین تعدد ازدواج کا رواج ہے اور ہر ایک شخص جانتا ہے کہ طاقت مین وہ ان قومون سے کسی طرح کم نہین جو تعدد ازدواج کو جایز نہین رکھتین بلکہ بہت ساری ایسی قومون سے وہ اس میدان مین... فوقیت رکھتی ہین۔

تعدد ازدواج کے رواج کا نیک اثر

جیسا کہ مین نے پہلے بھی ذکر کیا ہے۔ کئی ایک وجوہات کے لحاظ سے تعدد ازدواج کے نیک اثر کی ایک مثال اس زمانہ مین قوم مارمن مین پائی جاتی ہے۔ یہ ایک عیسائی فرقہ ہے جو عیسائی ملک مین رہنے والا ہے اور جس نے تعدد ازدواج کی ضرورت حقہ کو محسوس کر کے اور تمام قومی تعصبات کو چھوڑ کر اس پاک اصول پر عمل کرنا اپنا فخر سمجھا ہے اور تجربہ سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ بیشمار بدیان

اور بدکاریوں کا سچا علاج تعدد ازدواج ہی ہے۔ اس جگہ مین اس بات کے ثابت کرنے کے لیے کہ کیونکر انہون نے تعدد ازدواج کو اپنے لیے نہایت ہی مفید علاج پایا ہے۔ ایک مارمن عہدیدار جارج کینن کے الفاظ نقل کرتا ہون جو اسکے ایک لکچر سے لیے گئے ہین جو مارمنون کے جلسہ مین ۱۸۶۹ء مین دیا گیا تھا۔ وہ کہتا ہے۔

"جب ہم اپنے ارد گرد نظر کرتے ہین اور عیسائی ممالک کی روزمرہ زندگی کے واقعات کو دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے جرایم اور خطرناک سے خطرناک بدکاریان دن رات ہوتی رہتی ہین۔ اور ان پر نہ کسی کو تعجب ہوتا ہے اور نہ کوئی نکتہ چینی کیجاتی ہے۔ قتل ڈاکہ زنا اغوا اور ہر ایک قسم کی بیحیائی کے افعال جو جرایم کی فہرست مین داخل ہین روزمرہ کے معمولی واقعات سمجھے جاتے ہین۔ مگر یوٹا کے باشندونکے خلاف ایک شور ساری عیسائی دنیا مین اٹھا ہوا ہے کہ جو سزا ان کو دیجاوے تھوڑی ہے خواہ جرمانہ ہو یا قید یا شہر بدر کرنا یا جلاوطنی۔ صرف اسوجہ پر کہ وہ خدا کے احکام کی پیروی کرتے ہین جب اس نے ان دنون مین کلام کی ہے اور اپنی مرضی ہم پر ظاہر فرمائی ہے۔ وہ برسون تک بڑی غربت سے اس تمام تکلیف اور دشنام دہی کو برداشت کرتے رہے ہین مگر اب وہ تمام ذوی العقول سمجھدار آدمیون کے سامنے اپنے اس دکھ کو پیش کرتے ہین اور درخواست کرتے ہین کہ ان کی سوسائیٹی کا باقی عیسائی دنیا کی کسی سوسائیٹی سے جو دنیا کے کسی گوشہ مین ہے مقابلہ کرکے دیکھا جاوے اور وہ یقیناً جانتے ہین کہ تمام منصف مزاج اتفاق رائے سے انکے حق مین فیصلہ دینگے۔ دنیا کے ہر ایک مہذب ملک مین یہ بدکاری پھیلی ہوئی ہے کہ اغوا کرنے والا طرح طرح کے حیلون سے اپنے شکار کو دام مین پھنساتا ہے اور آخر اسکو بالکل تباہ کرکے ہی چھوڑتا ہے اور یہ بھی ایک مسلم اور مشہور بات ہے کہ بڑے بڑے آدمی جو بڑے نازک اور ذمہ داری کے عہدونپر ہین اور جو سوسائیٹی مین نہایت معزز اور مکرم سمجھے جاتے ہین اپنی بیبیوںسے دغابازی کرتے ہین اور نکاح کے معاہدہ کو توڑکر خفیہ آشنائیان اور ناجایز تعلقات پیدا کرتے ہین۔ مگر یوٹا کے لوگونکے خلاف جہان اس قسم کی باتون سے نفرت کیجاتی ہے دیوانون کی طرح شور مچایا جاتا ہے کیونکہ وہ تعدد ازدواج کے مسئلہ پر عمل کرتے ہین جو خود خدا نے بذریعہ الہام بتایا ہے۔ .... میرے سامنے کئی دفعہ یہ اعتراض پیش کیا گیا ہے کہ دنیا کی کسی بڑی قوم نے تعدد ازدواج کے مسئلہ کو رواج نہین دیا۔ جو لوگ ایسا دعوے کرتے ہین وہ تاریخ سے بالکل جاہل ہین مین پوچھتا ہون وہ کونسی قومین ہین جنہون نے ہماری قوم کی تاریخ پر سب سے گہرا اثر چھوڑا ہے؟ صرف وہی قومین جنکے درمیان تعدد ازدواج کا رواج رہا ہے کیونکہ انہون نے یہ اجازت دیکر کہ ایک

آدمی ایک سے زیادہ بیبیان بھی کر سکتا ہے۔ زناکاری کی جڑ کاٹ دی ہے۔ مین جانتا ہون کہ عیسائی دنیا کی ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر لوگون کی آنکھیں چندھیا جاتی ہین۔ اور ہم اپنے زمانہ پر مفتون ہو رہے ہین۔ ہر ایک نسل کی طرح جو اس زمانہ سے پہلے گذر چکی ہے۔ موجودہ نسل کا یہ خیال ہے کہ یہی دنیا مین سب سے دانا اور سب سے افضل ہے اور اس کا تعلق خدا ے تعالے سے پہلی تمام نسلون سے بڑھکر ہے۔ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ ایسا خیال کیا جاوے اور یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے۔

چند دن ہوئے مین نے ایک سیاح کو جسکے ساتھ مین باتین کر رہا تھا یہ کہتے سنا کہ "مینے ایشیائے کوچک اور روم کے بہت سے حصون مین سفر کیا ہے اور مجھے بہت دفعہ شرم آئی ہے جب مین نے ان کے رواجون کا مقابلہ اپنے ملک ریاست ہائے متحدہ کے رواجون سے کیا ہے۔ ..... اس نے مجھے یہ بھی کہا کہ ان قومون کے درمیان جن کو ہم نیم تہذیب یافتہ کہتے ہین نہ شرابخانے ہین نہ چکلے ہین نہ ہی شرابخواری ہے۔ اور بہت ساری دوسری بدیون سے بھی جو ہمارے درمیان پائی جاتی ہین وہ بالکل پاک ہین"

.... مین سوال کرتا ہون کہ کیا ہمارے ملک مین کل جنس عورت کی اس طرح عزت کیجاتی ہے؟ نہین نہین ہرگز نہین کوئی شخص جو سفر کرے گا اور غور کی نظر سے دیکھے گا۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ ہزارون عورتین اس قسم کی موجود ہین جو نہایت ذلیل سمجھی جاتی ہین اور جنہین آدمیون نے اسقدر خراب کیا ہے کہ گویا وہ انسانون مین ہی نہین ...... غور کرنے کا مقام ہے کہ صرف ایک ہی ریاست مین گذشتہ مردم شماری مین عورتون کی تعداد مردون سے ۳۰۱۱۶ بڑھکر تھی۔ یہ بالکل سچ ہے کہ اس ریاست کا قانون ان ۳۰۱۱۶ عورتون کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ یا تو وہ زنا کا پیشہ اختیار کرین یا اپنی طبیعتون پر جبر کرکے ساری عمر کنوارپنے مین گذارین کیونکہ قانون یہ کہتا ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی سے شادی نہین کر سکتین جس کی بیوی پہلے موجود ہو۔ اس ظلم پر غور کرو۔ اور پھر یہ بات ایک ریاست پر کیا منحصر ہے کم و بیش سب ریاستون کا یہی حال ہے کیونکہ عورتون کی آبادی مردون سے زیادہ ہے۔......

اس رواج کا ایک اور نیک اثر اس ریاست مین یہ ہے کہ تم ہمارے سارے علاقہ مین سفر کرو اور تم دیکھو گے کہ یہان نیکوکاری ہی نیکوکاری ہے ہمارے جوان شادی کے وقت تک نیک زندگی بسر کرتے ہین لیکن جہان تعدد ازواج کی ممانعت ہے وہان حالت اس کی بالکل برعکس ہے۔ چارون طرف شہوات کو ابھارنے والے سامان موجود ہین۔ اور جوان آدمی بدکاریون کا شکار ہو رہے ہین نیویارک کے ایک میڈیکل کالج کے ایک مشہور پروفیسر نے اپنی جماعت کو لیکچر دیتے ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا یہ بیان کیا تھا کہ اگر یہ ضرورت ہو کہ پچیس برس کی عمر کا کوئی ایسا جوان آدمی ملے جس مین ایک

خاص بیماری نہ پائی جاتی ہو تو مجھے نظر نہین آتا کہ ایسا آدمی کہان سے مل سکے گا۔ یہ کسقدر خطرناک امر ہے مگر ہماری قوم مین ایسی بات ہرگز نہین پائی جاتی ''

اخیری ریمارک

مارمنون سے زیادہ واضح مثال تعدد ازدواج کے نیک اثر کی اور کیا ہو سکتی ہے اصل بات یہ ہے کہ معترض ٹھوکر اس بات سے کھا رہے ہین کہ جو قومین اسوقت مادی ترقی مین سب سے بڑھی ہوئی ہین ان مین تعدد ازدواج برا سمجھا جاتا ہے اور اس سے یہ باطل نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ضرور ہے کہ ان کی ترقی کا اصل باعث تعدد ازدواج کی ممانعت ہو اور پھر ان کی ترقی کو دیکھ کر آنکھین ایسی چندھیا جاتی ہین کہ وہ یہ بھی نہین دیکھ سکتے کہ . . . . عفت کے معاملہ مین یہی مہذب قومین تاریکی کے گڑھے مین گری ہوئی ہین۔ تعدد ازدواج کی اجازت یا ممانعت کا نیک یا بد اثر معلوم کرنے کے لیے دیکھنا یہ چاہیئے کہ اس قوم کی اخلاقی حالت پر خصوصاً عفت کے معاملے مین اس کا کیا اثر پیدا ہوا ہے نہ یہ کہ کسقدر مادی ترقی اس قوم نے کی ہے۔ آخر سبب اور نتیجہ مین کوئی تعلق بھی تو ہونا چاہیئے۔ یہ بھی جاننا چاہیئے کہ دنیا کی تاریخ مین ایسی قومون کی مثالین بہت موجود ہین جو ایک طرف تو اوج ترقی اور تہذیب پر پہونچی ہوئی تھین اور دوسری طرف اخلاقی حالتین ان کی پستی کی حالت مین تھین اور آخر یہی کیڑا انکو کھا گیا۔ بس اصلیت کو معلوم کرنے کیلیے ظاہری شان وشوکت پر نہ بھولنا چاہیئے۔ پس جب ہمنے یہ امر تنقیح طلب قایم کر لیا کہ تعدد ازدواج کا اثر دیکھنے کے لیے قوم کی اخلاقی حالتین خصوصاً عفت کے معاملہ مین دیکھنی چاہیئین تو اب سوال ایک آسان صورت اختیار کر لیتا ہے کیونکہ یہ عام طور پر مانا گیا ہے اور عیسائیون نے بھی تسلیم کیا ہے کہ باوجود اپنی گری ہوئی حالت کے عفت کے معاملہ مین مسلمان قومین عیسائی قومون سے جن مین تعدد ازدواج کی ممانعت ہے بدرجہا بہتر ہین۔ یہ بھی اکثر کہا جاتا ہے کہ مسلمان عورتین بڑی ذلت کیحالت مین ہین۔ اور اسکا سبب پردہ اور تعدد ازدواج بتایا جاتا ہے۔ مگر یہ محض حماقت ہے۔ مسلمان عورتون کی گری ہوئی حالت کی وجوہ وہی ہین جو عام مسلمانون کے زوال کا باعث ہو رہی ہین اور وہ ہین اصول اسلام پر کاربند نہ ہونا۔ مگر اس پہلو کو چھوڑ کر بھی مین اس امر کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہین کہ عیسائی ممالک مین عورت کی حالت قابل تعریف ہے۔ یہ کہ معدودے چند عورتون نے سوسائیٹی مین امتیاز حاصل کر لیا ہو یا ناول لکھکر تصنیف مین شہرت حاصل کر لی ہو یا اعلے درجے کے اخلاقی یا ذہنی قوے حاصل کر لیے ہون۔ اس سے مجھے بحث نہین کیونکہ اس سے عام عورتون کی حالت کا اندازہ نہین لگ سکتا۔ ہان مین اس بات سے انکار کرتا ہون کہ عورتون کی عام حالت ان مہذب ممالک مین ایسی

ہے جس کی پیروی ہم مسلمانوں کو کرنی چاہئیے۔ کیونکہ خود عیسائیوں کی تحریروں سے یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت شدہ ہے کہ ان ممالک میں بکثرت ایسی عورتیں موجود ہیں جو بدکاری اور پستی کے اتھاہ کنوئیں میں پڑی ہوئی ہیں۔ اور جنسے بڑھکر ذلیل حالت عورت کی تصور میں نہیں آسکتی اگر یہ نقص ان تمدنی اصولوں کا نہیں جن کی بنا پر قانون نکاح تجویز کیا گیا ہے تو کیوں تہذیب کی تمام قوتیں اس کے علاج سے رہ گئی ہیں کیوں دولت تعلیم اور ترقی کی متحدہ قوت اس بدکاری کو دور نہیں کر سکتی سمجھ لو اور خوب سمجھ لو کہ مہذب ممالک کے قوانین اس بارے میں ہرگز کامل نہیں بلکہ جس بات کو ان کی خوبی سمجھا جا رہا ہے وہی اسکے نقص ہیں اور تعدد ازواج جسکو عیب سمجھا جاتا ہے یہی وہ چیز ہے جو عام طور پر عورت کی حالت کو بہتر کر سکتی ہے اور عام عورتوں کو معزز۔۔۔ بیبیاں اور مائیں بنا سکتی ہیں اور اسکی ممانعت سے ایک بڑی جماعت عورتوں کی ایسی چھوڑ دی جاتی ہے جن کو مرد دیکھکر بزبان حال یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے پاس۔۔۔۔۔۔۔۔ تمہیں نیک بنانے کا کوئی علاج نہیں پس تم اسیطرح بدکاری میں گرفتار رہ کر خود تباہ ہو اور ساتھ دوسروں کو تباہ کرو زوج واحد کا ایسا تنگ قاعدہ جو تعدد ازواج کو روکتا ہے۔۔۔ بیشمار انسانوں کو اپنے دائرے سے خارج کر کے وحشیوں سے بدتر بنا دیتا ہے اور ان کی دستگیری صرف تعدد ازواج سے ہی ہو سکتی ہے کیونکہ تعدد ازواج کی اجازت سے نکاح کا دائرہ ایسا وسیع ہو جاتا ہے کہ اس سے باہر کوئی انسان نہیں رہ جاتا۔ یہ سخت غلطی ہے جو یہ خیال کیا جاوے کہ زوج واحد کے محدود اور بلا استثنار قاعدہ سے عورت کی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ واقعات بتاتے ہیں کہ اس سے عورت کی عام حالت کی اصلاح نہیں ہوتی بلکہ اس کی حالت پستی کیطرف گرتی چلی جاتی ہے یہ ایک خیالی تسلی ہے کہ تعدد ازواج کی ممانعت سے مرد و عورت برابر ہو جاتے ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ عملی طور پر کیا اثر پیدا ہوتا ہے اور اگر اس پہلو سے غور کیا جاوے تو بڑی آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ تعدد ازواج کی ممانعت عورت کی حالت کو پستی میں گرانیوالی اور اس کی اجازت اس کی حالت کو بہتر کرنے والی ہے۔ مزید برآں یہ بالکل جھوٹ ہے کہ دوسری عورت سے نکاح کرنے سے مرد و عورت کے حقوق میں فرق آجاتا ہے یعنے مرد کے حقوق بڑھ جاتے ہیں اور عورت کے کم ہو جاتے ہیں اور نہ ہی کوئی عورت ایسی ہے جو یہ سمجھتی ہو کہ اسکے خاوند کے دوسرا نکاح کرنے سے اس کی حالت پستی کیطرف منتقل ہو گئی ہے۔ اخیر پر میں میاں دلاور حسین کو مخاطب کر کے ایک دو باتیں کہنی چاہتا ہوں وہ اب بھی اسی غلطی میں پھنسا ہوا ہے کہ تعدد ازواج کے

رواج کو قایم رکھنے کے لیے تعدد ازدواج اور زوج واحد کے قاعدون مین مقابلہ کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ ان دونون مین سے بہتر کون ہے اور بار بار اسی بات پر زور دیتا ہے کہ واحد زوج کا قاعدہ تعدد ازدواج سے بہتر ہے اگر اسکا یہ سوال صحیح ہے تو مین اسے اسی قسم کا سوال پوچھتا ہون کہ آیا زوج واحد کے قاعدہ اور تجرد کا مقابلہ کرنیسے ان دونون مین سے بہتر کونسا معلوم ہوتا ہے اب اس سوال کا جواب جو چاہو دو یعنی خواہ زوج واحد یعنی نکاح کو اچھا ٹھہراؤ اور خواہ تجرد کو مگر میان دلاور حسین کے بحث کی طرز پر چلکر نتیجہ یہ ہوگا کہ ان دونون یعنی نکاح اور تجرد مین سے ایک کی ممانعت ضرور ہونی چاہیئے۔ کیونکہ بعینہ اسی طرح بحث کرکے وہ تعدد ازدواج کی ممانعت نکالتا ہے۔ صرف دو باتین نہین جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے بلکہ تین باتین ہین یعنی زوج واحد کا قاعدہ تعدد ازدواج اور تجرد۔ اگر معترض حق جوئی کی راہ سے اعتراض کر رہا ہے تو اسکا فرض ہے کہ ان تینون کا باہمی مقابلہ کرکے ایک کو باقی دو سے اچھا قرار دے کر یہ تجویز پیش کرے کہ اس ایک کی اجازت ہونی چاہیئے۔ اور باقی دو کی ممانعت۔ ورنہ یہ مانے کہ زوج واحد کا قاعدہ عام قاعدہ رہیگا نہ کلیہ بلکہ اکثریہ اور تعدد ازدواج اور تجرد دونون بطور استثناؤن کے رہین گے اور دونون مین سے کسی کی ممانعت کرنا نافہمی پر مبنی ہے۔ اگر وہ ان باتون کا جواب نہ دے کر پھر بھی اپنی بات پر اصرار کرتا جائے گا تو اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کی بات بڑے سے بڑھ کر کوئی وقعت پبلک کی نگاہ مین نہین رکھ سکتی۔ افسوس ہے کہ اسلامی اصول سے ناواقفیت کے سبب سے اس نے ایک ایسا پہلو بحث کا اختیار کیا ہے جس سے ہٹنا اب اسے مشکل نظر آتا ہے۔ اسلام نے وہ پہلو اختیار کیا ہے جسپر کسی صورت مین اعتراض آہی نہین سکتا یعنی واحد زوج کے قاعدہ کو بطور عام قاعدہ کے مانکر تعدد ازدواج اور تجرد کو اسکے لیے دو ضروری استثنائین قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم مین وہ صورتین بھی بتائی گئی ہین جہان ایک آدمی کو تجرد اختیار کرنا چاہیئے مین اس مضمون کو اسجگہ ختم کرکے منتظر ہون کہ میری کن دلایل کا جواب دیا جاتا ہے تا اگر ضرورت ہو تو اور بحث کرکے اس مضمون پر زاید روشنی ڈالی جاسکے۔

آریہ سماج کے اغراض نکاح

آریہ پترکا کی غلط بیانی ایک شخص پر کیا منحصر ہے ہر آدمی جس کو عفت یا اخلاق کا کچھ بھی

پاس ہے وہ آریہ سماج کے نکاح کے تصور کو نفرت کی نگاہ سے دیکھیگا مگر اس مضمون کے لکھنے کا محرک
یہ امر نہین ہوا۔ آریہ سماج کو اختیار ہے جس قسم کے عقاید چاہے رکھے اور جو رواج اپنی سوسائیٹی
مین چاہے جاری کرے اگرچہ اس مین شک نہیں کہ جیسا کہ تھوڑا عرصہ ہوا۔ برہمو سماج کے لیکچرارو
اور اخبارون نے زور دیا تھا۔ یہ بالکل سچ ہے کہ نیوگ کی تعلیم پبلک پر ایسا مضر اثر ڈالنی ہے
کہ پبلک کا یہ فرض ہوجاتا ہے کہ وہ آریہ سماج سے اس غلطی کے دور کرانے کی کوشش کرے مگر
اس مضمون کے لکھنے کی تحریک اس طرح پر ہوئی کہ آریون کے انگریزی اخبار آریہ پترکا نے میرے
مضمون ضرورت تعدد ازواج پر نکتہ چینی کرتے ہوئے بعض ایسی غلط بیانیوں سے کام لیا ہے جنکی
اصلاح ضروری ہے، اسی اثنار مین چونکہ اسلام کی اغراض نکاح پر حملے کئے گئے ہین اسلیے یہ بھی
ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی اغراض نکاح کا آریہ سماج کے اغراض نکاح سے مقابلہ کیاجاوے
آریہ پترکا کا یہ تردیدی مضمون ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے پرچہ مین شایع ہوا ہے۔ اور اس مضمون کا
عنوان "تعدد ازواج اور واحد زوج کے قاعدہ کا مقابلہ" خود یہ ظاہر کرتا ہے کہ راقم مضمون نے
بالکل اس بات کو نہین سمجھا کہ اسلام مین تعدد ازواج کس طرح پر مانا گیا ہے۔ اسپر مفصل بحث اسی
رسالہ مین اور جگہ ہوچکی ہے اور اسکے یہان دُھرانے کی ضرورت ...... نہین۔ مجھے خصوصًا
اس بات پر تعجب ہے کہ نیوگ جیسی خطرناک تعلیم کا ایک حامی تعدد ازواج پر یہ اعتراض کرتا ہے۔
کہ اس کی تائید کرنا تہذیب کی روشنی کے خلاف چلنا ہے اور اسی بنا پر وہ سلسلہ احمدیہ کو جہالت
کا سلسلہ کہتا ہے۔ اس نفاق کے زمانے مین حضرت مسیح کا وہ قول کسقدر صادق آتا ہے کہ دوسرے
کی آنکھ کا تنکا تو نظر آجاتا ہے مگر اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہین آتا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ رنجیدہ بات
یہ ہے کہ آریہ اخبار نے میری تحریر کے متعلق سخت غلط بیانی کی ہے۔ یہ نقص آریہ سماج کی
کل جماعت مین پایا جاتا ہے کہ وہ بحث مین اپنے مخالف کے متعلق جسقدر ممکن ہو غلط بیانی سے
کام لیتے ہین اور کسی فقرہ کو جسپر ان کی سمجھ مین کوئی اعتراض وارد ہوسکتا ہو عبارت سے ایسا
الگ کرتے ہین کہ گویا کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ مینے تعدد ازواج کی ضرورت پر مضمون لکھتے وقت اغراض
نکاح کو شروع مین ان الفاظ مین بیان کیا تھا۔ "مثال کے طور پر نکاح کے فوائد مین سے ایک
یہ ہے کہ تا سلسلہ نسل انسانی کا اس طریق سے جاری رہے جس سے تعین والدین بھی ہوسکے
اور تا وہ خوشی جو مرد وعورت کو ایک دوسرے کی محبت سے حاصل ہوتی ہے قائم رکھی جاوے۔
اور تا انسان پاک دل ہون اور بدخیالات سے بچے رہین اور جیسا عام طور پر ان فواید کا حاصل

ہونا نکاح پر موقوف ہے ایسا ہی خاص حالات مین یہ فواید سوائے تعدد ازدواج کے حاصل نہین ہو سکتے۔ ان مین سب سے زیادہ ضروری اس غرض کا حاصل ہونا ہے جس کا ذکر سب سے اخیر کیا گیا ہے۔ اور اس لیے ہم پہلے اسپر غور کرین گے۔ جو خواہش مرد کے دل مین عورت کے لیے یا عورت کے دل مین مرد کے لیے ہے وہ تقاضائے فطرت انسانی ہے اور اس خواہش کا جایز ذریعہ یعنی نکاح کے ذریعہ سے پورا کرنا انسان کے دل مین سچی محبت اور پاکیزگی کے خیالات کو پیدا کرتا ہے اور اسی کا ناجایز تعلقات سے پورا کرنا انسان کو ناپاکی کی طرف لے جاتا اور اسکے دل مین بدخیالات پیدا کرتا ہے۔ .... پس اولاً نکاح مرد و عورت کی اس فطری خواہش کے تقاضا کو پورا کرنیکا جایز طریق ہے" ان الفاظ کو آریہ پتر کا یون بگاڑ کے لکھتا ہے کہ گویا یہ آخری فقرہ جس مین نکاح کی ایک غرض پر بحث شروع کی گئی ہے میرے نزدیک نکاح کی تعریف ہے یعنی اسکے سوائے نکاح کی کوئی غرض ہی نہین چنانچہ فخر کے طور پر یہ بھی بیان کرتا ہے کہ ویدک دھرم نے نکاح کے مفہوم کو کیسا اچھا سمجھا ہے کیونکہ اس نے صرف بقائے نسل انسانی کو غرض نکاح مانا ہے اور اسکے بالمقابل اسلام نے نکاح کو سفلی خواہشات کے پورا کرنیکا طریق مانا ہے اور اس سے بڑھکر کچھ نہین۔ ناظرین انصاف کر سکتے ہین کہ میرے الفاظ مین صراحت سے اور غرضین بھی بیان کی گئی ہین اور جس غرض پر ویدک دھرم کو فخر ہے وہ بھی مین نے بیان کی تھی مگر اسکے متعلق آگے چلکر لکھا جاوے گا۔ ان غلط بیانیون کے ساتھ ہی میرے ساتھ گویا ہمدردی کے رنگ مین یہ بھی راقم مضمون لکھتا ہے کہ مین نے شروع مین ہی ٹھوکر کھائی اور نکاح کی اصلی غرض کو نہ سمجھا اسلیے میرا سارا مضمون بنائے فاسد پر ہے۔ مین اس کی ہمدردی کا تو مشکور ہون مگر اسکی اس شرمناک کارروائی کا اظہار بھی مین نے ضروری سمجھا ہے جو عمداً غلط بیانی کرکے اس نے کی ہے۔

فطری خواہش کا تقاضا

آریہ پتر کا کے نزدیک وہ خواہش جو اللہ تعالے نے مرد و عورت کے دل مین ایک دوسرے کے لیے رکھی ہے ایک گندی خواہش ہے مگر اس خواہش کو گندی کہنا خود بحیثیت ایک انسان ہونیکے اپنی ہتک آپ کرنا ہے ہم مسلمان اس فطری خواہش کو گندی یا شہوانی خواہش نہین کہتے اور اس شخص کو غلطی پر سمجھتے ہین۔ جو ایسا کہتا ہے اسپر پہلے بھی کسی قدر لکھا جا چکا ہے اب اگر نکاح کی غرض وہی سمجھ لیجائے جو آریہ پتر کا کے نزدیک ویدک دھرم کی بھی غرض ہے یعنی اولاد کا پیدا کرنا اور اس سے بڑھکر کچھ نہین تاہم اس سوال کا جواب باقی رہتا ہے اور مین امید کرتا ہون کہ سماج کیطرف سے ......

اس کا صاف صاف جواب دیا جاوے گا۔ کہ آیا آریہ سماج کے ممبرون مین وہ انسانی فطری خواہش مرد و عورت کی ایک دوسرے کے لیے جس کو گندی اور شہوانی خواہش کہا جاتا ہے موجود ہے یا نہین۔ اگر موجود نہین تو خیر آریہ سماج کی زندگی بھی موجودہ نسل کی زندگی سے ہی وابستہ ہے نہ آگے یہ سلسلہ چلے گا اور نہ ان اصولون کا قایل کوئی پیدا ہوگا کیونکہ بغیر اس طبعی تقاضا کے پیدا ہونیکے سلسلہ نسل قایم ہی نہین رہ سکتا اور اگر ان کے اندر بھی یہ بالفاظ آریہ پترکا گندی اور شہوانی خواہش موجود ہے اور نکاح کے ذریعہ سے انکے زن و مرد اسکو پورا بھی کررہے ہین بلکہ شاید نکاح کے علاوہ بعض اور ذریعون سے بھی پورا کر رہے ہین جیسا کہ نیوگ کی تعلیم سے ثابت ہوتا ہے تو پھر کوئی یہ سمجھائے کہ فرق کیا ہوا۔ خواہش بھی موجود ہے اور اسے پورا بھی کیا جاتا ہے۔ اور ایک حد تک نکاح کے ذریعہ سے ہی پورا کیا جاتا ہے تو اس بات سے کیا حاصل کہ یہ کہدیا جاوے کہ ہم نکاح اس خواہش کو پورا کرنے کی غرض سے نہین کرتے اس کی تو وہی مثال ہے کہ ایک شخص کہے کہ مجھے بھوک بھی لگی ہوئی ہے اور روٹی بھی کھاؤن گا مگر مین اس غرض سے نہین کھاتا کہ میری بھوک دور ہو جاوے اگر یہ حماقت نہین تو دنیا مین اور کیا حماقت ہوگی۔ یہ محض اسی نفاق کا رنگ ہے جو آج کل دنیا مین بکثرت پایا جاتا ہے کہ اندر کچھ ہے اور دکھایا کچھ جاتا ہے اگر آریہ سماج کے ممبر اس خواہش سے جسکو وہ سفلی کہتے ہین پاک ہو چکے ہین اور مردون اور عورتون کے یہ قوے بالکل مسلوب ہو چکے ہین تو بھی ہم خوش ہی ہین اور اگر ابھی تک موجود ہین تو سیدھے الفاظ مین ماننے سے کیا ہرج ہے۔ اصل بات یہ ہے جیسا کہ بار بار بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ خواہش جو خود خدا نے نفس انسان کے اندر مرکوز کی ہے اس سے انسانون کے نہایت بلند اور اعلے مقاصد وابستہ ہین۔ پس اس کا جایز استعمال کسی صورت مین برا نہین کہلا سکتا ہان اگر اسی خداداد قوت کو ناجایز طریق پر استعمال کیا جاوے۔ تو اسے گندی یا سفلی یا ناپاک یا شہوانی خواہش سب کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مخالفت بھی انسان کو کیسا اندھا کر دیتی ہے کہ ایک پاک اصول کی تردید صرف اس وجہ سے کی جا رہی ہے کہ وہ اسلام نے پیش کیا ہے۔ اس اصول کی صداقت کی اور بھی وضاحت ہو سکتی ہے اور وہ اس طرح کہ سماج اس بات کی تفتیش کر سکتی ہے کہ آیا وہ لوگ جو اسکے رہبر بنے ہوئے ہین اور جنکو اس نے مقدس اور راستباز سمجھا ہوا ہے انکے اندر بھی یہ خواہش موجود تھی اور ہے یا نہین۔ ہندوستان مین رامچندر کے نام کی بڑی عزت کیجاتی ہے۔ مگر ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ یہ مقدس انسان بھی

بیوی رکھتا تھا اور اسلیے اس مین بھی یہ فطری خواہش موجود تھی جسکو آج وہ لوگ جو زبان کی چالاکی رکھتے ہین اور دل روحانیت سے خالی ہین گندی اور سفلی خواہش کہہ رہے ہین اگر یہ خواہش واقعی سفلی اور شہوانی خواہش ہوتی تو اسکا وجود ان راستبازون مین ہرگز نہ پایا جاتا جنھون نے اپنے نفسونکو ہر ایک بدی اور ہر ایک گند سے پاک کیا۔ تعجب ہے کہ آریہ سماج کس طرح موٹی موٹی باتون مین بھی ٹھوکر کھا رہا ہے۔ جو کچھ مین نے یہان لکھا ہے وہ آریہ پتر کا کے دعوے کو مان کر لکھا ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ دعوے بالکل فضول اور سراسر باطل ہے۔

اغراض نکاح

آریہ پتر کا نے اسلام کے متعلق جسقدر بدزبانی کی ہے اسکی وجہ یہ بتائی گئی کہ اسلام نے اولاد پیدا کرنیکے سوائے نکاح کے اور اغراض کیون قرار دیے ہین اور خود اس ایک غرض کو اتنا بڑھایا ہے کہ اسکے حاصل کرنیکے لیے جایز اور ناجایز ذرایع مین بھی کوئی فرق نہین رکھا۔ یہ تو مین نے بھی بیان کیا تھا کہ نکاح کے اغراض مین سے یہ بھی ہے کہ تا سلسلہ نسل انسانی منقطع نہ ہو مگر چونکہ یہ سلسلہ بغیر نکاح کے بھی جاری رہ سکتا تھا جیسا کہ حیوانون مین اسلیے یہ غرض قرار دی گئی تھی کہ بقائے نسل انسانی تعیین والدین کے ساتھ ہو سکے مگر اخبار آریہ پتر کا نے باوجود میری اس تحریر کے تعیین والدین کے الفاظ کو چھوڑ دیا ہے اور محض اسیقدر غرض نکاح کی بموجب ویدک دھرم بیان کی ہے کہ اولاد پیدا ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آریہ سماج تعیین والدین کی چندان پروا نہین کرتا۔ اور درحقیقت نیوگ کے ہوتے ہوئے تعیین والدین ہو بھی کس طرح سکتی ہے کیونکہ نیوگ کی اولاد مین اصلی باپ کا نام گم ہی ہو جاتا ہے۔ مگر تعیین والدین کے نہونے سے وہ امتیاز دور ہو جاتا ہے جو حیوانون اور انسانون کے درمیان ہے۔ پس ایک ایسی غرض مقرر کر کے جس مین قدم حیوانون سے آگے نہین رکھا گیا۔ یہ فخر کرنا کہ بس جو کچھ ہے ویدک دھرم ہی ہے اور اس ویدک دھرم کو آریہ سماج نے ہی سمجھا ہے لاف ہی لاف رہ جاتی ہے۔ ایک اور غرض نکاح کی جو بیان کی گئی تھی یہ تھی کہ تا مرد اور عورت کی رفاقت آخر تک رہے۔ لیکن آریہ پتر کا کے نزدیک یہ غرض بھی نکاح کی نہین ہونی چاہیے کیونکہ اسکو بھی اس نے میرے مضمون مین سے عمداً ترک کیا ہے۔ قرآن کریم نے مرد و عورت کو ایک دوسرے کا زوج کہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کی رفاقت نکاح کی بڑی بھاری اغراض مین سے ہے سو ایسا ہی ایک جگہ خدا تعالیٰ کی نشانیان بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ ومن اٰیٰتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ و رحمۃ

ترجمہ - اور اس کی قدرت کی نشانیون مین سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم سے ہی بیبیان پیدا کین تاکہ تم کو ان سے راحت اور سکون ملے - اور تم (میان بی بی) مین محبت اور رحمت پیدا کی - مگر آریہ سماج مین اسے کبھی نکاح کی غرض قرار نہین دیا جاتا - ......

...... سچ تو یہ ہے کہ نکاح کی تمام نیک غرضون کو اولاد کی جھوٹی خواہش کے لیے رد کیا گیا ہے اور مسئلہ نیوگ اسپر شاہد ہے نیوگ کے ماننے سے مرد اور عورت مین کبھی وہ رفاقت قایم نہین ہوسکتی جو قرآن کریم کا منشا ہے کیونکہ نیوگ یہ چاہتا ہے کہ ایک بیاہی ہوئی عورت جو چنگا بھلا مضبوط خاوند رکھتی ہے صرف اسوجہ سے کہ اس سے لڑکے پیدا نہین ہوتے خاوند کے سوا کسی اور سے ہم بستر ہو کر اولاد پیدا کرے - اخبار آریہ پترکا نے آریہ سماج مین نکاح کے اعلے مقصد کے متعلق لاف زنی کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ "ہم دوسرون کی خاطر بیاہ کرتے ہین" اور ایک طرح سے یہ سچ بھی ہے کیونکہ نیوگ کے قاعدہ سے ایک بیاہی ہوئی عورت اپنے خاوند کے علاوہ کئی مردون کی بی بی ہوسکتی ہے - پس آریہ سماج کے نزدیک عورت خاوند کی رفیق نہین بلکہ لڑکے پیدا کرنے کی ایک کل ہے اور جب اسکا خاوند اس کل کو چلانے کا کام نہ دے سکے تو پھر دوسرے لوگونکی مدد سے اسے چلانا ضروری سمجھا جاتا ہے جسقدر یہ تعلیم عورت کو ذلیل کرنے والی ہے ایسا ذلیل اسے وحشی سے وحشی اقوام مین سمجھا گیا ہے - کیا ایک ایسی عورت کے دل مین جو اولاد پیدا نہ ہونے کی صورت مین ہر وقت خاوند کے علاوہ کسی اور مرد کی تلاش مین رہیگی خاوند کیلیے سچی محبت کبھی پیدا ہوسکتی ہے ہرگز نہین پس ایسی عورت خاوند کی رفیق کیونکر ہو سکتی ہے ایک اور غرض نکاح کی یہ بیان کیگئی تھی کہ نکاح سے پاک خیالات دل مین پیدا ہوتے اور بد خیالات رکتے ہین مگر آریہ پترکا اسکو بھی تسلیم نہین کرتا - ان سب کی وجہ اگر تلاش کیجاوے تو نیوگ ہی نکلے گا - ساتھ ہی اسکے مین یہ بھی کہنا چاہتا ہون کہ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ آریہ سماج کی غرض نکاح سے سوائے اولاد پیدا کرنیکے اور کچھ نہین کیونکہ نکاح کی پہلی غرض یہ کبھی ہو ہی نہین سکتی - اولاد تو ایک نتیجہ ہے اور اصل محرک وہی فطری خواہش ہے -

نیوگ کیا ہے؟

نیوگ کو آریہ سماج کے بانی نے دو قسمون پر تقسیم کیا ہے ایک بیوہ سے اور دوسرا بیاہی ہوئی عورت سے - اس رسم کا اصل مغز یہ ہے کہ ایک مرد اپنی بی بی کے سوائے دوسری عورت سے یا ایک عورت اپنے خاوند کے سوا دوسرے مرد سے ہمبستر ہو -

اس طرح نیوگ نکاح کے بالکل مخالف رسم ہے۔ دوسرا بڑا بھاری فرق نکاح اور نیوگ مین یہ ہے کہ نکاح مین ایک عورت کا ایک ہی خاوند ہو سکتا ہے مگر نیوگ ایک عورت گیارہ مختلف مردون سے کر سکتی ہے چنانچہ مرد اور عورت تو ہر ایک پر یہ لازم ہے کہ وہ نیوگ کرے یا کراوے لیکن منکوحہ عورتون کو مندرجہ ذیل حالات کے ماتحت اس فعل شنیع کا ارتکاب کرنا چاہیئے۔ "جب خاوند اولاد پیدا کرنیکے ناقابل ہو تب اپنی عورت کو اجازت دے کہ اے نیک بخت عورت اخوش نصیبی کی خواہش کرنے والی عورت! تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر کیونکہ اب مجھ سے اولاد پیدا کروانے کی امید مت رکھ۔ لیکن اس بیاہے ہوئے قابل تعظیم خاوند کی خدمت مین کمربستہ رہ۔ اسی طرح جب عورت بھی بیماری وغیرہ مین مبتلا ہو کر اولاد پیدا کرنیکے ناقابل ہو تب اپنے خاوند کو اجازت دے کہ اے سوامی آپ اولاد کی خواہش مجھ سے چھوڑ کر کسی دوسری بیوہ عورت سے نیوگ کر کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اولاد پیدا کیجیئے" (ستیارتھ پرکاش باب ۴)۔ نیوگ شدہ خاوندون کے نام بھی بتا دیے گئے ہین: "اے عورت تجھے شادی مین جو خاوند پہلے ملتا ہے اسکا نام سکمار تا وغیرہ صفات کے ہونے کے سبب سے سوم ہے۔ جو دوسرا نیوگ سے حاصل ہوتا ہے وہ گندھرب ایک عورت سے سماگم کرنے (ہم بستر ہونے) سے گندھرب۔ جو دو کے بعد تیسرا خاوند آتا ہے وہ بہت سی حرارت والا ہونے سے اگنی نام سے موسوم ہوتا ہے اور جو تیسرے چوتھے سے لے کر گیارھوین تک نیوگ سے خاوند ہوتے ہین منش نام سے نامزد ہوتے ہین" ان حوالجات سے صاف پایا جاتا ہے کہ بیاہی عورت کے جب اسکا خاوند اولاد پیدا نہ کر سکے دو قسم کے خاوند ہونگے یعنے ایک تو وہ خاوند جسکے ساتھ وہ بیاہی گئی ہے اور جسکے گھر مین رہتی ہے اور دوسرے دس یا گیارہ خاوند جو واقعی خاوند کا کام دیتے ہین اور جو نیوگ کے ذریعے حاصل ہوتے ہین۔ بیاہتے خاوند کے ساتھ عورت کے تمام تعلقات زناشوی اسوقت سے کٹ جاتے ہین جب نیوگی خاوندونکا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کیونکہ آریہ سماج کے دعوے کے رو سے مرد و عورت کا تعلق سوائے اولاد پیدا کرنے کی غرض کے منع ہے اور جب خاوند اولاد پیدا کرنیکے ناقابل ثابت ہوا تو اسے یہ حق بھی نہ رہا کہ اپنی عورت کو چھو سکے۔ ہان اسکو کھلانا پلانا اور اس کی خبرگیری سب اسی کے ذمے رہین گے۔ پس اسوقت سے خاوند کا نام تو بیاہتے خاوند کو حاصل رہے گا۔ مگر خاوند کا کام کرنے والے اور لوگ ہونگے۔ کس خاوند کی غیرت اس امر کو برداشت کر سکتی ہے کہ اسے خود تو اس عورت کو جو اسکی بی بی کہلاتی ہے ہاتھ لگانے کی اجازت نہ ہو۔ اور اجنبی لوگ جب چاہین اسکے گھر آئین اور

جو چاہیں کریں کیا آریہ سماج میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں جو اس رواج کی بیخکنی کے لیے جرات کرے نیوگ کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کہ ایک بیاہی ہوئی عورت سوائے اپنے خاوند کے کسی دوسرے سے تعلق رکھے۔ انگریزی زبان میں اس عبارت کو ویسٹر نے اپنی مشہور ڈکشنری میں ایڈلٹری کے معنون میں بیان کیا ہے جسکے معنے اردو زبان میں زنا ہیں بانی آریہ سماج کو خود بھی یہ بات کھٹکی ہے اور انہوں نے دو تین دفعہ خود ہی یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ نیوگ زنا معلوم ہوتا ہے اور پھر یہ بھی کہا ہے کہ اس طرح عورت کا غیر مردوں سے تعلق رکھنا بیسوا ؤں کا سا کام معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایک بڑے بھدے عذر پر کہ چونکہ ہم نے یہ قاعدہ باندھ لیا ہے اسلیئے زنا نہیں رہا۔ اس کی اجازت نہیں بلکہ اسکا حکم دیا ہے۔ امید ہے کہ سمجھدار آریہ سماج ضرور اس مسئلہ کا انکار کر کے ویدک دھرم کا ایک بھاری داغ دور کرینگے۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ آریہ سماج نے بہت سی ان رسوم کو جو سیدھے درجہ کی بدکاری کی طرف لے جانے والی تھیں چھوڑ دیا ہے۔ مثلاً پرستش کی بعض فحش اقسام جیسے مرد و عورت کے عضو تناسل کی پرستش۔ اور پھر شراب سے بدمست ہو کر مردوں اور عورتوں کا روشنی بجھا کر حیوانوں کی طرح ایک دوسرے پر گر پڑنا خواہ کسی کی اپنی ماں یا بہن ہی ہو۔ جیسا کہ ابتک بعض ہندو فرقوں میں یہ وحشیانہ رسوم چلے آتے ہیں مگر جہاں ہم آریہ سماج کی ان اصلاحوں کے لیے تعریف کرتے ہیں۔ یہ جتلا دینا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ نیوگ بھی انہیں وحشیانہ رسوم کا بقایا ہے۔ اور کبھی ملک میں سچی پاکیزگی پھیل نہیں سکتی جبتک کہ اس رسم کو دور نہ کیا جاوے گا۔ اس صورت کے علاوہ جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے مندرجہ ذیل صورتوں میں بھی آریہ سماج نیوگ کی اجازت دیتا ہے "اگر بیاہا خاوند دھرم کی غرض سے غیر ملک میں گیا ہو تو بیاہی عورت آٹھ برس اور اگر علم و نیک نامی کے لیے گیا ہو تو چھ برس۔ اور دولت وغیرہ بھوگ کے لیے گیا ہو تو تین برس تک انتظار کر کے پھر نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے۔ ۔۔۔۔۔ عورت بانجھ ہو تو آٹھویں برس اولاد پیدا ہو کر مر جائے تو دسویں برس جب جب اولاد ہو تب لڑکیاں ہی ہوں لڑکے نہ ہوں تو گیارھویں برس تک اور جو بد کلام کرنے والی ہو۔ تو جلدی ہی اس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کرلے۔ ویسے ہی اگر مرد نہایت تکلیف دہندہ ہو تو عورت کو چاہیئے کہ اسکو چھوڑ کر دوسرے مرد سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کر کے۔ اسی بیاہے خاوند کی وارث اولاد کرلے"۔ یہ عجیب بات ہے کہ خاوند کو خبر بھی نہ ہو اور بی بی کہے تو میں تمہارے لیے لڑکے لے آئی ہوں۔ (ستیارتھ پرکاش باب ۴)

آریہ سماج نے نہایت بدپہلو اختیار کیا ہے

آریہ پتر کا تعدد ازدواج کی ضرورت کو تو تسلیم نہین کرتا۔ مگر نیوگ کی ضرورت کو تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے "البتہ ویدک دھرم نے ان مردون اور عورتون کے لیے راہ نکالا ہے جنکے اولاد پیدا نہ ہوسکے اون کو حکم ہے کہ وہ نیوگ کرین۔ مگر وہان بھی حیوانی خواہشات کے پورا کرنے کا خیال ہرگز نہین پایا جاتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جہان اسلام نے تعدد ازواج کی صرف اجازت دی ہے اسکے بالمقابل آریہ سماج نے نیوگ کو لازمی قرار دیا ہے اور اسلیئے یہ ایک ایسا فرض ہے جو ہر آریہ سماجی کو حالات مذکورہ کے ماتحت ادا کرنا پڑتا ہے خواہ اسکا دل اسکو مانتا ہو یا نہ مانتا ہو۔ اس اخبار مین واقعات کو چھپانے کی بہت کوشش کی گئی ہے یہ بالکل غلط ہے کہ نیوگ کا حکم صرف انہین صورتون کے لیے ہے جب مرد یا عورت اولاد پیدا کرنیکے ناقابل ہو بلکہ ستیارتھ پرکاش مین صریح الفاظ ہین ان صورتون مین بھی نیوگ کا حکم دیا گیا ہے جہان صرف "شہوانی جذبات" کو پورا کرنیکا ہی خیال ہو۔ یا تو راقم مضمون نے ستیارتھ پرکاش کو غور سے نہین پڑھا اور یا وہ عمداً بانی سماج کی پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے۔

چوتھے سملاس کے فقرہ نمبر ۱۴۶ پر آریہ صاحبان غور کرین۔ جہان سوامی جی نے پہلے یہ سوال کیا ہے۔ کہ "جب ایک بیاہ ہوگا ایک مرد کے لیے ایک عورت اور ایک عورت کے لیے ایک مرد رہے گا۔ اس عرصہ مین عورت حاملہ دایم المریض یا مرد دایم المریض ہو جائے اور دونو نکا **عالم شباب ہو اور رہا نہ جائے** تو پھر کیا کرین"۔ اور پھر اسکا جواب یون شروع کرتا ہے کہ "اسکا جواب نیوگ کے مضمون مین دے چکے ہین"۔ اب سوال کے الفاظ **عالم شباب** اور **رہا نہ جائے** سے صاف پایا جاتا ہے کہ شہوات کا غلبہ ہو اور عورت کے حاملہ ہونے کی صورت بھی یہی چاہتی ہے کیونکہ حمل تو ہی اور اولاد کی بھی امید مگر پھر بھی بہ سبب جوان ہونیکے دونوسے رہا نہین جاتا۔ کیونکہ جذبات شہوانی غالب آتے ہین اس کا جواب سوامی جی کے الفاظ کے مطابق نیوگ مین ہی آیا پس نیوگ نہ صرف اولاد پیدا کرنیکے لیے ٹھہرا بلکہ نفسانی شہوات کو سدھ کرنیکا ذریعہ بھی ہوگیا۔ پھر اسی جواب کے اثنا مین بانی سماج نے اور بھی اپنے الفاظ کی تشریح کردی ہے چنانچہ وہ کہتے ہین "اگر حاملہ عورت سے ایک سال صحبت نہ کرنیکے عرصہ مین مرد سے یا دائم المریض مرد کی عورت سے رہا نہ جائے تو کسی سے نیوگ کرکے اسکے لیے اولاد پیدا کردے"۔ اس حالت مین نیوگ کی کھلی کھلی غرض شہوت رانی ہوئی اور اولاد کا بہانہ بھی نہ رہا۔ آریہ پتر کا تو یہ انکار

کرتا تھا لہٰذا نکاح کی غرض بھی ویدک دھرم میں یہ نہیں اور یہاں اس غرض کو پورا کرنے کے لیے نیوگ کا حکم بھی جاری ہو گیا۔ غرض ان امور سے ثابت ہوتا ہے کہ بانی سماج نے تعدد ازدواج کی ضرورت کو تو محسوس کیا۔ ہاں ان ضروریات کا علاج اس نے بجائے تعدد ازدواج کے نیوگ کو بنایا کیونکہ تعدد ازدواج کی ضرورت ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ جن قوموں میں اس ضرورت کا کوئی علاج تجویز نہیں بھی کیا گیا ان میں بھی اس ضرورت کو محسوس ضرور کیا گیا ہے۔ دنیا میں وہ قومیں بھی ہیں جنہوں نے تجربہ سے تعدد ازدواج کی ضرورت کو معلوم بھی کیا ہے مگر تعصب ان کو اجازت نہیں دیتا کہ کثرت زنا کاری کے روکنے کے لیے تعدد ازدواج کی اجازت دیں۔ مگر آریہ سماج نے سب سے عجیب طریق اختیار کیا ہے۔ اسکا دعویٰ یہ ہے کہ تعدد ازدواج کی نسبت نیوگ عمدہ علاج ہے گویا ضرورت کو محسوس بھی کیا ہے اور اسکے لیے ایک علاج بھی اپنی طرف سے تجویز کیا ہے۔ لیکن جب ہم نیوگ کو دیکھتے ہیں تو اس ایک لفظ کے اندر تین مختلف الفاظ کی تعریفیں شامل ہیں۔ ایک شوہر کے ایک سے زیادہ بی بی ہونا۔ ایک بی بی کا ایک سے زیادہ شوہر ہونا۔ اور اڈلٹری یعنی زنا۔ ایک ہی شوہر کی ایک سے زیادہ عورتیں اس لیے کہ (اگرچہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان پر یہ لفظ اپنے مشہور معنوں میں صادق نہیں آتا اور محض اس وجہ سے اس جگہ یہ لفظ بول دیا گیا ہے کہ مرد کے ان عورتوں کے ساتھ وہ تعلقات ہوتے ہیں جو خاوند اور عورت کے ہونے چاہیئے) نیوگ کرنیوالے مرد کی کم سے کم دو عورتیں ضرور ہونگی ایک وہ جو بذریعہ نکاح اسکے قبضہ میں آئی ہے اور دوسری وہ جو بذریعہ نیوگ ہاتھ لگی ہے اور پھر صرف دو تک ہی یہ حد نہیں بلکہ گیارہ مختلف عورتوں سے نیوگ کرنے والا مرد اسی قسم کے تعلقات پیدا کر سکتا ہے۔ ایک بی بی کے ایک سے زیادہ شوہر اسلیے کہ (یہاں بھی لفظ شوہر اپنے حقیقی معنوں کے رو سے نہیں بولا گیا) نیوگ کرنے والی عورت کے تعلقات کم سے کم دو مردوں سے ضرور ہونگے ایک اپنے بیاہتے خاوند سے اور دوسرا اس سے جو بذریعہ نیوگ مالک بن بیٹھا ہے اور پھر ان شوہروں کی تعداد جو نیوگ کے ذریعہ عورت پر تصرف کرتے ہیں۔ صرف دو تک ہی محدود نہیں بلکہ ایک ہی عورت گیارہ مختلف آدمیوں سے اس قسم کا تعلق پیدا کر سکتی ہے اور یوں وہ گیارہ کے گیارہ اسکے شوہر کہلانے کے مستحق ہونگے۔ اڈلٹری یعنی زنا کی تعریف اسلیے نیوگ کے اندر آتی ہے کہ نیوگ میں ایک بیاہا ہوا آدمی اپنی بی بی کے سوائے دوسری عورت سے یا ایک بیاہی ہوئی عورت اپنے خاوند کے سوا دوسرے مرد سے ہم بستر ہوتی ہے اور یہی ویبسٹر کی ڈکشنری کے رو سے لفظ اڈلٹری یعنی زنا کی تعریف ہے پس جن لوگوں نے تعدد ازدواج کے پاک اصول کو

چھوڑا ہے وہ مقدس اصول جس پر ہر زمانہ ہر ملت اور ہر قوم کے پاک لوگ کاربند رہے آخر انکو طرح طرح کے گندے اصول اختیار کرنے پڑے کوئی شخص کسی کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ غلطی کو چھوڑ کر راہ راست پر آوے ہاں آریہ سماج کے اس قابل نفرت پہلو کو اختیار کرنے پر افسوس ضرور آتا ہے کیا ہم امید کر سکتے ہیں کہ یہ قوم جسے اعلے درجہ کی تہذیب یافتہ ہونیکا دعوے بھی ہے۔ نیوگ کے ناپاک اصول کو جو کسی قوم کی اخلاقی حالت کیلئے ایک سخت دھبہ ہے چھوڑنے کی جرأت کرے گی۔

زلزلہ کا دھکا

اس خطرناک زلزلہ کے متعلق جو ۴-اپریل سنہ ۱۹۰۵ء کو اس ملک مین محسوس ہوا اخبارون مین اسقدر لکھا جاچکا ہے کہ ایک ماہوار رسالے کے لیے کچھ باقی نہین رہا تاہم مختصر طور پر اس کا اور اس سے جو نتائج پیدا ہوتے ہین ان کا ذکر خالی از فایدہ نہ ہوگا۔ ان نہایت پرانی عمارتون کی تباہی اور شکستگی سے جو صدہا سال سے قدرت کی ہر ایک طاقت کا مقابلہ کر رہی تھین۔ اب یہ امر تو قطعی طور پر ثابت ہوگیا ہے کہ اس قسم کی کوئی شدید آفت اس ملک پر جہان تک تاریخ پتہ دیتی ہے کبھی نہین آئی۔ ہندوؤن کا مشہور معبد کانگڑہ بھون جہان دور و دراز جگہون سے جاتری آتے تھے اور جو ایک نہایت مضبوط عمارت تھی اسکا کوئی نشان باقی نہین رہا اس مندر کا گرنا یہ شہادت دے رہا ہے کہ ملک پنجاب مین اس قسم کا زلزلہ پہلے کبھی محسوس نہین ہوا۔ قریب نوسو سال ہوئے جب محمود غزنوی نے اسکو لوٹا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت بھی یہ مندر موجود تھا۔ مگر اب خود خدا تعالے کے طاقتور ہاتھ نے اسکو زمین سے ملا دیا ہے تا دنیا کو معلوم ہو جائے کہ بت کچھ چیز نہین اگرچہ زلزلہ کا بڑا زور کانگڑہ مین تھا مگر ملک کے دور دور حصون مین خطرناک نقصان عمارتون کے گرنے اور پھٹ جانے اور کسی قدر نقصان جانون کے تلف ہونے کا بھی ہوا ہے۔ جو تباہی اس زلزلہ سے آئی ہے اس مین جانون کا نقصان ہزارون تک پہونچا ہے اور اسوقت کا تخمینہ پچیس ہزار موت کا ہے۔ مگر نقصان مال کروڑون سے گذر کر اربون تک پہونچ گیا ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ ان دو باتون کے بیان کر دینے سے زلزلہ کی کیفیت کا پتہ لگ سکتا ہے تو یہ بالکل جھوٹ ہے۔

اس وقت کی کیفیت کو کوئی الفاظ بیان نہین کرسکتے جب ہزارہا میلون کے اندر ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو یقین نہ رکھتا ہو کہ اس کا آخری وقت آپہونچا اور کوئی عمارت ایسی نہ تھی جو چند سیکنڈ مین ہی گرکر اپنے ساکنین کی قبر بننے کے لیے تیار نہ ہو۔ بعد از وقت فہرستین بھی بن سکتی ہین۔ اور اندازے بھی لگ سکتے ہین کہ کسقدر آدمی مرے اور کسقدر نقصان ہوا۔ مگر ان کروڑہا انسانون کی ہمہ خوف اور تحیر تشکل کو کون کھینچ سکتا ہے جنکے دلون مین کوئی شبہ باقی نہ رہ گیا تھا کہ واقعی قیامت

ضلع کانگڑہ کے بہت سارے قصبے بالکل نیست و نابود ہو گئے ایسا ہی حال دیہات کا بھی ہوا۔ گو وہان موت نسبتاً کم ہوئی۔ ان مین سے ایک یعنی خود کانگڑہ کی تباہی کا حال بھی قیاس کرلینا چاہیئے" جب مین اپنے خیمہ کی جگہ سے اس خوبصورت اور درختون سے سرسبز پہاڑی کی طرف دیکھتا ہون جسپر شہر اور مندر آباد تھے تو عمارت کا کوئی نشان باقی نظر نہین آتا۔۔۔۔۔ تھوڑی دور آگے اینٹون اور چونے کے ڈھیر سے مسٹر سیسٹن کی کوٹھی اور پادریوںکے مکانات کے کھنڈر کا پتہ لگتا تھا۔ دائین طرف کو ہسپتال اور اسکے قریب ہی تھانہ اور بائین طرف کو خزانہ کی عمارت سب کی سب تباہ ہوچکی تھین یہ دونون عمارتین نہایت ہی مضبوط بنی ہوئی تھین۔ اور بڑے بڑے پتھر اور مضبوط شہتیر لگائے گئے تھے مگر چھتین واقعی طور پر پاش پاش ہوچکی تھین۔ اور پتھر چونہ سے الگ ہوئے ہوئے تھے۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی زبردست طاقت نے پتھرونسے چونہ کو جھٹک کر الگ کردیا ہے اور یہ بات شہر اور پہاڑی کے ہر ایک حصہ پر صادق آتی ہے ۔۔۔۔ اس سڑک پر چلتے ہوئے جو مندر کو جاتی ہے ہر طرف زلزلہ کے آثار نظر آتے تھے ایک بھی مکان ایسا نہین تھا جو کھڑا ہوا ور پھر انکے کھنڈر زمین سے ایسے ملے ہوئے تھے کہ انکو دیکھ کر ایک مہیب اثر انسان پر ہوتا تھا۔ ان کھنڈرات کے درمیان سے گذرتا ہوا مین بڑے مندر کی شکستہ عمارت پر پہونچا جو بالکل کھنڈر ہوچکی تھی اور سوائے لکڑی چونہ اور پتھرونکے ملے جلے ڈھیر کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ بڑی بڑی موٹی دیوارین پاش پاش ہوچکی تھین۔ اور چھوٹے چھوٹے مندر تمام ٹوٹ چکے تھے۔ اور صرف ایک بہت چھوٹا سا مندر باقی تھا وہ بھی پورا نہین بلکہ بہت سا حصہ اسکا بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ سنہری چھت اور گنبد کھنڈرونکے اوپر گرے ہوئے تھے۔۔۔۔۔ دیوارونکی موٹائی بہت ہی زیادہ تھی۔ کیونکہ یہ عمارت نہایت ہی مضبوط بنائی گئی تھی مگر باوجود اسکے یہی دیوارین ایسی پاش پاش ہوئی پڑی تھین کہ گویا نہایت ہی کمزور بنائی گئی تھین۔ مندر کے نیچے اور کھنڈرات نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ یہ جاتری لوگونکے رہنے کی جگہین تھین

* پایونیر کے نامہ نگار نے یون لکھا ہے اور اس سے باقی شہرون کی تباہی کا حال

پیشگوئی ۱

اور ان مین سے ابھی مردے نکالے جانے باقی ہین۔(۱۹۔اپریل)۔ وہ لوگ جو وہان ہلاک ہوئے آناً فاناً ہی ہلاک ہو گئے ہونگے۔ کیونکہ تباہ شدہ عمارت کا ڈھیر اب بھی ایسا ہے کہ اوپر سے بالکل بند ہے۔ اور اندر کا کچھ پتہ نہین لگتا۔ ان مکانون کی بلندی نے انکے گرنے کو اور بھی خطرناک بنا دیا۔۔۔۔۔ سنہری مندر شاید پھر بنایا جائے اور اسکے گرد پھر ایک قصبہ آباد ہو جائے مگر اسوقت ایک ویرانہ پڑا ہوا نظر آتا ہے کہا جاتا ہے کہ ان کھنڈرات کے نیچے کئی لاکھ روپے کے خزانے اور جواہرات دبے ہوئے ہین اور انکے نکالنے کی بھی ابھی کوشش کی جائیگی۔ ظاہر وہ بہت بچ رہا ہے اور دور دور کے ہندو اسکے نذرین دینگے کیونکہ کانگڑہ بھون بہت ہی مقدس جگہ تھی۔ اور جنوبی ہندوستان کے دور دور کے حصوں سے بھی جاتری لوگ یہان آتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک وقت رنجیت سنگھ بھی یہان آیا تھا اور آج سے نوسو برس پہلے محمود غزنوی رح نے اس کی دولت کے سبب سے اس پر یورش کی اور نذرکوٹ کو جو اس کا پہلا نام تھا لوٹا۔ اور ایک بڑا بت اور بہت سا روپیہ اپنے ساتھ لے گیا۔ مندر سے آگے بڑھتا ہوا اور درختون مین ہوتا ہوا اور اوپر چڑھتا ہوا مین امریت سر مشن سکول کی جگہ پر پہنچا۔ کوٹھیٔن اور کھیلنے کی عمارتین بہت مضبوط بنی ہوئی تھین مگر اب وہ صرف پتھرونکے ڈھیر ہین۔ یہان سے ہوتا ہوا مین پہاڑی کی چوٹی پر پہنچا۔ جہان دیوی کا چھوٹا مندر بالکل ٹوٹا پڑا تھا۔ اور گرجا کے کھنڈرات ساتھ ہی موجود تھے۔ جہان ٹوٹے ہوئے پتھرون کے درمیان گھنٹی بھی پڑی نظر آتی تھی۔ گرجا اور مندر پاس پاس ہوا کرتے تھے۔ اور اب انکے کھنڈرات بھی ملے جلے ہین۔ چوٹی سے ذرا نیچے مشن ہوس ہے۔ جہان ایک پادری اور دو پادری عورتین مر گئی تھین۔ اب وہ برآمدہ نظر آتا ہے جہان یہ دونون عورتین زلزلہ کے آنیکے وقت بیٹھی ہوئی تھین اور اس بات سے کہ وہ برامدہ سے باہر بھی نہ نکل سکین۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسقدر اچانک اور ناگہانی طور سے یہ زلزلہ آیا۔ یہان چوٹی پر بڑی بڑی لمبی مگر تنگ دراڑین نظر آتی ہین اور بڑھ اور پیپل کے بڑے بڑے درختونکے ٹوٹے ہوئے ٹھنے نظر آتے ہین۔۔۔۔۔۔۔۔"

زلزلون کا آنا مسیح کی آمد کے نشانون مین سے ایک نشان ہے اور اس نشان کو جیسا مسلمانون نے مانا ہے ویسا ہی عیسائیون نے بھی تسلیم کیا ہے کیونکہ یہ ہر دو مذاہب کی معتبر کتابون پر مبنی ہے۔ یون تو زلزلے دنیا مین سدا آتے ہی رہتے ہین اسلیے معمولی زلزلون کا آنا کوئی نشان نہین ہو سکتا لہذا پیشگوئی مین زلزلون سے مراد غیر معمولی شدید زلزلے ہین جس کی ایک مثال ہمین پنجاب کے اس زلزلے مین ملتی ہے۔ گذشتہ بیس سال کے عرصہ مین ملک ہند مین تین سخت زلزلے آچکے ہین

یعنی اول زلزلہ کشمیر جس سے بہت سی تباہی ملک کشمیر میں ہوئی۔ دوسرا زلزلہ آسام و بنگال جو ۱۸۹۷ء میں آیا۔ تیسرا ۴۔اپریل کا زلزلہ۔ ان سب میں سے آخری زلزلہ نے سب سے زیادہ بربادی اور تباہی ملک میں پھیلائی ہے۔ یہ زلزلہ کا سلسلہ جس کی نظیر پہلے اس ملک میں نہیں ملتی ثابت کرتا ہے کہ یہ اس قسم کے شدید زلزلوں میں سے ہے جیسے پیشگوئی کا منشاء ہے اور اگر یہ زلزلے ان پیشگوئیوں کو پورا کرنے والے نہیں جو مسیح کی آمد کے متعلق ہیں تو پھر ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے سے ہاتھ دھو لینے چاہیئے۔ بعض دوسرے امور سے یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے مسیح کے وقت کے لیے یہ بھی پیشگوئیاں ہیں کہ اس زمانے میں قحط پڑینگے اور سخت مری پڑے گی اور زلزلے آئیں گے۔ اب ہندوستان میں یہ تمام نشان جمع ہو گئے ہیں عرصہ نہیں ہوا کہ سخت قحط اس ملک میں پڑا ابھی یہ بلا موجود تھی کہ وبا نے قدم آ دھرا۔ اور ایسا جما کہ گیارہ بارہ سال سے لاکھوں جانیں ہر سال تلف ہوتی ہیں اور اس کی شدت ابھی یوماً فیوماً بڑھ رہی ہے۔ ان دو مصائب کے اندر اب ایک تیسری مصیبت اس ملک پر زلزلہ کی آپڑی ہے۔ جس نے پہلی دونوں سے بڑھکر دلوں کو ہلا دیا ہے۔ ہزارہا جانیں آنکھ جھپکنے میں تلف ہو گئیں اور آباد شہر ایک لحہ میں خاک سے ملگئے اور ان کا نشان بھی باقی نہ رہ گیا۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ لوگ آنکھیں کھولکر دیکھیں کہ وہ کس زمانے میں ہیں اور کس صفائی سے تمام نشان پورے ہو رہے ہیں۔ ہندوستان میں بالخصوصیت ان سب نشانوں کا جمع ہونا یہ صاف بتا رہا ہے کہ وہ وعدہ کی زمین جس میں مسیح موعود پیدا ہونے والا ہے وہ یہی خوش قسمت یا بد قسمت زمین ہے۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوگا کہ پھر وہ مسیح کہاں ہے کیونکہ اگر نشان ظاہر ہو گئے تو یقیناً وہ مدعی بھی موجود ہونا چاہیئے جسکی صداقت کی تصدیق کے لیے یہ نشان دکھائے گئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ وہ تو موجود ہے اور وہ تمہیں پکار پکار کر بلا بھی رہا ہے۔ پر تم نے اس کی طرف سے ایسا کانوں کو بند کیا ہے کہ اس کی آواز کو نہیں سنتے۔ کیوں ؟ اسلیے کہ تم خدا کے انتخاب کو پسند نہیں کرتے اور خدا پر یہ اعتراض کرتے ہو کہ فلاں شخص کو موعود کیوں بنایا گیا یا کیوں مسیح موعود اس طرح نہیں آیا جس طرح ہم چاہتے ہیں۔ مگر یہ غلطی ہے وہ جو آیا ہے وہ خدا تعالی کی سنت قدیم کے مطابق آیا ہے۔ اور جس طرح ابتدا سے اللہ تعالے اپنے وعدوں کو پورا کرتا رہا اسی طرح اب بھی اس نے پاک وعدہ کو پورا کیا۔ مگر اس بحث کا یہاں موقعہ نہیں۔ لیکن اس زلزلہ کے مضمون کے متعلق ایک پہلو ایسا ہے جو اس مدعی کی صداقت پر روشنی ڈالتا ہے۔ ان زلزلوں سے اور خصوصاً اس آخری سخت

زلزلے سے بہت مدت پہلے ایک مدعی نے ان سب باتون کی خبر دی اور انکو اپنی صداقت کا نشان
ٹھہرایا - اور یہ کہا کہ ان باتون کا ظہور آیندہ زمانہ مین دلیل ہوگی اس بات پر کہ مین اس خدا کیطرف
سے ہون جسکے ہاتھ مین زمین وآسمان کی حکومت ہے چنانچہ زلزلہ کے متعلق سب سے پہلے ۱۸۸۲ء
کے قریب آپکو یہ الہام ہوا جو براہین احمدیہ مین جو اُسوقت زیر تالیف تھی شایع کیا گیا وہ الہام الٰہی یہ ہے
ولما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا - یعنی جب اللہ تعالے پہاڑ پر اپنی تجلی کریگا تو اسے پاش
پاش کر دے گا - وہ خطرناک زلزلے جنھون نے اس بیس سال کے اندر اندر ان پہاڑون کے
سلسلے کے اندر جابجا تباہی ڈالی ہے - اس عظیم الشان پیشگوئی کو پورا کرنے والے ہین اور اس
شخص کی صداقت کا نشان ہین جس کو اتنے سال پہلے ان امور کی اطلاع دی گئی - سب سے بڑھکر
اس پیش گوئی کی تصدیق ۴ - اپریل کے زلزلے سے ہوتی ہے - اس خطرناک زلزلہ کی خبر جو ان
تینون زلزلون مین سے اخیری ہے - تازہ وحی الٰہی مین بھی دی گئی تھی - چنانچہ ۱۹۰۱ء مین آمین
مین آپنے یہ اشعار لکھے تھے - جو صاف طور پر اس خطرناک زمانہ کیطرف اشارہ کر رہے ہین -

"دکھاؤ جلد تر صدق وانابت کرو توبہ کہ تا ہو جائے رحمت کھڑی ہے سر پہ ایسی ایک ساعت
کہ یاد آجائے گی جس سے قیامت مجھے یہ بات مولے نے بتادی فسبحٰن الذی اخزی الاعادی"

ان اشعار مین ایک ایسی آنیوالی گھڑی کی خبر دی ہے جو دنیا کو قیامت یاد دلا دے گی - اور ایسا ہی
ہوا کہ ۴ - اپریل کی صبح کو ایک دنیا چلا اٹھی کہ قیامت آگئی بلکہ وہ لوگ جو قیامت کو مستبعد سمجھتے تھے
وہ بھی چیخ اٹھے کہ خدا تعالے ایک لمحہ مین سب دنیا کو تباہ کرکے قیامت قایم کرسکتا ہے - ہندو
مسلمان - عیسائی سب لوگون نے بالاتفاق اس زلزلہ کو نمونہ قیامت کہا ہے - عالم الغیب حقیقی
کے سوائے اور کون ہو سکتا تھا - جو چار برس پہلے اس بات کی ایسے صحیح الفاظ مین خبر دیتا - مین
نہین سمجھتا کہ کوئی پیش گوئی اس سے بڑھ کر صفائی سے اور کیا پوری ہوگی - وہی لفظ جو خدا کے
برگزیدہ نے برسون پہلے کہے تھے وہی الفاظ آخر دنیا نے بھی بولے اور اس طرح پر اس کی صداقت
پر اپنے مُونھون سے شہادت دی - مخالفین کا اگر زور چلتا تھا تو کیون انھون نے دنیا کے منہ کو
بند نہ کر دیا کہ اس زلزلہ کو قیامت کا نمونہ نہ کہین مگر خدا کا ہاتھ زبردست ہاتھ ہے اور طوعاً کرہاً آخر
سب کو ماننا ہی پڑتا ہے - اب بھی اگر کوئی شخص پیچھے ہٹتا ہے تو یہ محض اس کی شقاوت ہے اس
پیشگوئی کے بعد دسمبر ۱۹۰۳ء مین آپنے ایک اور پیشگوئی کی اور وہ بھی اسیوقت شایع ہوگئی جسکے
الفاظ یہ تھے - زلزلہ کا دھکا - وحی الٰہی کے انہین الفاظ پر مین نے اس مضمون کا عنوان

بھی رکھا ہے۔ اسکے بعد شروع مئی سنہ ۱۹۰۴ء مین ایک اور پیشگوئی شایع کی گئی جس سے اس زلزلہ کی خبر ملتی ہے اور جس نے نہایت مختصر مگر جامع الفاظ مین اس زلزلہ کی تباہی کو بیان کیا ہے اس وحی کے الفاظ یہ ہین۔ عفت الدیار محلھا و مقامھا۔ یعنی گھرونکے نام ونشان مٹ گئے کیا عارضی جائے سکونت اور کیا مستقل جائے سکونت۔ یہ الفاظ زلزلہ سے گیارہ ماہ پہلے دنیا مین شایع ہوچکے تھے۔ اب ہر ایک شخص بجائے خود ان الفاظ کے معنے معلوم کرے اور پھر اس تباہی پہ نظر ڈالے جو اس سے ہوئی تو وہ دیکھ لے گا کہ اس زلزلہ کی تباہی کو اس سے زیادہ موزون الفاظ مین بیان نہین کیا جاسکتا جو وحی الہی مین اختیار کیئے گئے ہین۔ اگر محض اسیقدر پیشگوئی ہوتی کہ زلزلہ آئے گا تو معترض کو یہ کہنے کی گنجایش ہوتی کہ زلزلے دنیا مین ہمیشہ آتے ہی رہتے ہین پس اس... پیشگوئی مین کوئی ایسی غیب کی بات نہین جس پر انسان مطلع نہ ہوسکے۔ مگر خدا تعالے نے اسیقدر پر کفایت نہین کی بلکہ زلزلہ کے دھکہ کی پیشگوئی کے بعد پھر ایسے صریح اور بین الفاظ مین اسکے نتیجہ کو بھی بتادیا گویا یہ سمجھادیا کہ یہ زلزلہ معمولی زلزلہ نہین ہوگا بلکہ ایسا ہوگا کہ ملک کے ایک بڑے حصہ مین گھرونکے نام ونشان مٹ جائینگے اب یہ کس انسان کی طاقت مین ہے کہ ایسی بات گیارہ مہینے پیشتر بتادے اور پھر تحدی سے ملک مین اسکی اشاعت کرے کہ ایسا ضرور ہوگا۔ اور اسے اپنی صداقت کا نشان ٹھہراوے۔ کیا کوئی منجم یا کوئی علم طبقات الارض کا واقف اس زور سے یہ دعوے کرسکتا ہے یا کبھی کسی نے کیا۔ اس پیشگوئی مین بعینہ وہ نقشہ ملک کا کھینچ دیا گیا ہے جو گیارہ ماہ بعد نظرونکے سامنے آنے والا تھا۔ کس طرح خدا نے پہلے یہ بتایا کہ مین مکانات کا نام ونشان مٹادونگا۔ اور پھر گیارہ ماہ بعد جب لوگون نے ان باتون پر ہنسی کی تو اپنے الفاظ کو پورا کرکے دکھایا۔ پائونیر کے نامہ نگار کے سب سے پہلے لفظ یہ ہین کہ "خیمون کی جگہ سے نیچے اس پہاڑی کیطرف دیکھ کر جو نہایت خوبصورت درختون کے ساتھ سرسبز ہورہی تھی اور جہان قصبہ اور مندر آباد تھے عمارات کا کوئی بھی نشان نہ ملتا تھا" بعینہ یہی بات خدا نے اپنے مامور کو گیارہ ماہ پہلے بتائی جبکہ وہی شہر جو اب جنگلون کی طرح سنسان پڑے ہین خوب آباد تھے اور کیسیکو خواب خیال بھی نہ تھا کہ کوئی ایسی بات پیدا ہونے والی ہے ایسا ہی اس صوبہ کے لفٹنٹ گورنر صاحب نے اپنی تقریر مین جو زلزلہ زدگان کی امداد کے لیے ایک جلسہ مین کیگئی تھی بیان کیا۔ "آپ سب لوگون نے اخبارونکے ذریعہ اس خطرناک مصیبت کے حالات کو پڑھ لیا ہوگا جس نے تین ہفتے ہوئے واقعی آنکھ جھپکنے کی دیر مین اس صوبہ کے سب سے خوبصورت ضلع کے سب سے آباد اور سرسبز حصہ کو آدبایا + جو سخت تباہی اور ویرانی دھرم سالہ کانگڑہ وغیرہ بہت سے دوسرے

مقامات مین ہوئی ہے اس کی نسبت مبالغہ کرنا تو یکطرف رہا - اسکا پورا پورا نقشہ بھی الفاظ مین نہین کھینچا جا سکتا نہ تحریر مین اور نہ تقریر مین - ملک کے اندر پھرنے سے نظر آتا ہے کہ وہ تباہی جو اس جگہ واقع ہوئی ہے اپنی نظیر کہین نہین رکھتی - جدھر چلے جاؤ گانؤن کے گانؤن ایسے تباہ ہوئے ہین کہ ایک مکان بھی کھڑا نہین رہ گیا - سڑکین اور پل تمام ٹوٹ گئے ہین اور ہر طرف تباہی اور ویرانی ہی نظر آتی ہے اس رقبہ کے اندر جہان سب سے زیادہ نقصان پہنچا ہے جو قریبًا ۷۰۰ مربع میل ہے اور ۲۵۰۰۰۰ کی آبادی رکھتا ہے - ہر ایک گھر اور عمارت بلا استثنار یا تو بالکل زمین کے ساتھ ملگیا ہے اور یا ایسی خطرناک صورت مین پڑا ہے کہ رہایش کے قابل نہین رہا" آسام مین جو زلزلہ ۱۸۹۷ء مین آیا تھا وہ بمقابلہ اس زلزلہ کے بہت ہی خفیف تھا کیونکہ اس مین کل پندرہ سو جانونکا نقصان بتایا جاتا ہے اور یہان پچیس ہزار جانین تباہ ہوئین - غرضیکہ اس سخت تباہی کا نقشہ جو الفاظ عفت الدیار محلہا ومقامہا مین کھینچا گیا ہے - اس سے بہتر اور کوئی نقشہ کھینچا نہین جا سکتا - پھر خدائے عالم الغیب کے سوائے کسکو یہ طاقت تھی کہ ایسا نقشہ پہلے کھینچتا اور اپنے مامور کی زبان سے پہلے سے ہی دنیا مین اسکا اعلان کرتا - اب سوال یہ ہے کہ وہ جس کی خاطر یہ نشان ظاہر کیے جا رہے ہین کون ہو سکتا ہے سوائے اسکے جس نے پہلے سے ان نشانون کی خبر بھی دی اور اپنی تائید مین انکو نشان بھی قرار دیا - یہ تسلیم کیا جاویگا اور خود عیسائیون نے بھی یہ امر تسلیم کرلیا ہے کہ یہ زلزلہ نشان تو ضرور ہے پر اگر یہ اُسکا نشان نہین جس نے بہت مدت پہلے سے یہ خبر دی کہ میری تائید مین اللہ تعالے ایسے ایسے نشان ظاہر کریگا تو پھر کس کا ہے - کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نشان ظاہر ہو رہے ہون اور جس کی تصدیق کے لیے ظاہر ہوتے ہین - اسکا دنیا مین وجود ہی نہ ہو - ایسا خیال کرنا محض حماقت ہے - سچا مدعی موجود ہے اور اس نے یہ خبر دی کہ میری تائید مین ایسے ایسے نشان ظاہر ہونگے اور عین اسکے کہنے کے مطابق برسون بعد وہ باتین وقوع مین آئین اب بھی شک کرنا سنگدلی ہے - بعض لوگ یہ کہدیتے ہین کہ جھوٹے مسیح بھی تو ظاہر ہونے ہین پر مین پوچھتا ہون کہ کیا وہ نشان جنکا وعدہ دیا گیا ہے سچے کی خاطر ظاہر ہونگے یا جھوٹونکی خاطر - بفرض محال اگر یہ بھی تسلیم کرلین کہ جھوٹے بھی کوئی نشان دکھا دینگے تو سوال یہ ہے کہ وہ موعود نشان جنکی سینکڑون برس پہلے خبر دی گئی - وہ بھی جھوٹونکی خاطر ہی ظاہر ہونگے اگر ایسا ہے تو پھر نشانونکی پیشگوئی کرنے والے نے مخلوق کو دھوکا دیا کہ جو نشان ... جھوٹون کی خاطر ظاہر ہونے تھے وہ سچے کے نشان قرار دیدیئے - افسوس ہے کہ تعصب نے

ان لوگون کی کیا حالت کر دی ہے اور اگر یہ مدعی جھوٹا ہے تو پھر سچا بھی تو پیش کرنا چاہیئے کہ وہ فلان جگہ موجود ہے نہ یہ کہ محض اپنے باطل عقاید کے توہمات سے ایک موعود تراش لیا جاوے اور سچے موعود کو جھوٹا کہا جاوے۔ مین یہ نہین کہتا کہ جھوٹے دعویدار پیدا نہ ہونگے صادقین کے ساتھ پہلے بھی جھوٹے پیدا ہوتے رہے اور اب بھی ہوئے اور ہونگے مگر عقلمند کو چاہیئے کہ امتیازی نشان قایم کرکے اس سے جھوٹون اور سچونکو پرکھے۔ پھر کیا یہ امتیازی نشان نہین کہ سچے مدعی نے برسون پہلے انہی نشانون کی خبر دی جو اس کی آمد کے لیے مقرر کیے گئے تھے اور ان کو اپنی صداقت کے نشان ٹھہرایا۔؟ اگر یہ مدعی صادق نہ ہوتا تو یہ امتیازی نشان کیون اس مین موجود ہوتا۔ نبیون نے موعود کی علامت کے طور پر ایک امر کے واقع ہونیکی خبر دی ایک مدعی نے جو عین موعودہ وقت پر پیدا ہوا اسی امر کے واقع ہونے کی برسون پہلے خبر دی اور اسکو اپنی صداقت کا نشان قرار دیا پھر وہ امر بعینہ جس طرح پیشگوئی کی گئی تھی واقع ہوگیا۔ اب بھی اگر کوئی آنکھ اسکو نہین دیکھ سکتی تو اسکا علاج مشکل ہے۔

ان دلایل سے حضرت مسیح موعود کی صداقت روز روشن کی طرح چمکتی ہے کیونکہ یہ تمام پیشگوئیان برسون پہلے کتابون مین چھپکر شایع ہوچکی تھین اور وہ کتابین ابتک موجود ہین مگر حق ایک ایسی شے ہے کہ ایک سے بڑھکر دوسری روشن دلیل اسپر پیدا ہوتی جاتی ہے یہانتک کہ شک کرنے والونکے لیے اگر وہ عقل سے کام لین اور تعصب کی پٹی آنکھون پر نہ باندھ لین شک کی کوئی وجہ باقی نہین رہ جاتی۔ دوسری دلیل جس کا مین نے ذکر کیا ہے یہ ہے کہ ۴۔ اپریل کے زلزلہ کے بعد اس موعود نے ایک اور اس سے بھی بڑھکر خطرناک حادثہ کی خبر دی ہے جو اس ملک مین آنیوالا ہے اور اسی خدا کے حکم سے جس نے اپنے مامور پر اس امر کو ظاہر فرمایا ہے یہ پیشگوئی کروڑون انسانون مین شایع بھی ہوچکی ہے۔ اب ایک طرف تو منجم اور علم طبقات الارض کے ماہر یہ یقین دلاتے ہین کہ اب کوئی خطرہ نہین اور دوسری طرف ایک شخص خدا سے اطلاع پاکر یہ کہتا ہے کہ ابھی ایک اور سخت مصیبت اس ملک پر آنیوالی ہے جو پہلی مصیبت کو بھی بھلا دے گی۔ جسکا نام خدا نے اپنی وحی مین زلزلہ اور زلزلۃ الساعۃ رکھا ہے۔ ایک دفعہ نہین بلکہ کئی دفعہ خدا تعالےٰ اسکی اطلاع دے چکا ہے اور کئی دفعہ مختلف اشتہارات کے ذریعہ ملک مین اس کی اشاعت بھی ہوچکی ہے۔ مگر کیا کسی نے گذشتہ واقعہ سے عبرت حاصل کی نہین بلکہ وہی سلوک ہوا جو پہلے انبیاء کے ساتھ ہوتا رہا یعنی اس بات پر

بھی استہزا اور تمسخر کیا گیا۔ بعینہٖ اس زلزلہ کی مانند طاعون کی خبر بھی پہلے دیگئی یعنی اول تو براہین کے زمانہ مین جب اس ملک مین طاعون کا نام بھی کوئی نہ جانتا تھا اور دوسری دفعہ اسکے سخت زور سے پھیل جانے کی خبر جو اسوقت دیگئی جب پنجاب مین ابھی اس نے قدم ہی رکھا تھا اور ایک نہایت محدود دائرے کے اندر بند تھی بلکہ گورنمنٹ کو اپنی ان کوششون مین جو اسکے روکنے کے لیے وہ کر رہی تھی کامیابی کی امید معلوم ہونے لگی تھی۔ عین ان حالات کے ماتحت وہ اشتہار دیا گیا تھا جس مین یہ خبر دیگئی تھی کہ ملک پنجاب کے مختلف مقامات مین بہت زور شور سے یہ مرض نمودار ہوگی اور تمام ملک مین پھیلجائیگی جیسا اب زلزلہ کی دوبارہ خبر پر ہنسی کیجاتی ہے ایسا ہی اسوقت طاعون کی خبر پر بھی ہنسی کی گئی تھی مگر ان استہزاؤن سے خدا کا غضب اور بھی زیادہ بھڑکتا ہے اس ہمدردی کا عوض اس مخبر صادق کو یہ دیا گیا کہ گالیان نکالی گئین اور تمسخر کیا گیا۔ مگر آخر ہوا وہی جو کہا گیا تھا۔ اور ان باتونکو بچشم خود سارے ملک نے دیکھا جنپر اسوقت ہنسی کیجاتی تھی کہ یہ ناممکن امور ہین۔ غرضیکہ اس زلزلہ کے نئے حملے کے متعلق حضرت مسیح موعود کیطرف سے تین اشتہار چھپ چکے ہین جن کی اشاعت نصف لاکھ سے بڑھ کر ہوچکی ہے اور شاید ابھی اور بہت سی ہوجائے۔ اسکے متعلق انگریزی مین آپ کی طرفسے نہ صرف پایونیر مین چھٹی چھپ چکی ہے بلکہ اس ہمدردی اور خیر خواہی کے تقاضا سے جو آپ کو گورنمنٹ کے ساتھ ہے آپنے سرکار عالیہ کو بھی ان امور کی اطلاع دیدی ہے۔ چنانچہ اس چھٹی کے جو گورنمنٹ کو لکھی گئی ہے اخیری الفاظ یہ ہین۔

وہ جس زلزلہ کی مجھکو اب خبر دیگئی ہے وہ معمولی زلزلہ نہین ہے بلکہ وحی الہی مین عربی مین یہ لفظ ہے کہ زلزلة الساعة یعنے ایسا زلزلہ جو قیامت کا نمونہ ہوگا اور اس وحی الہی مین یہ بھی خبر دیگئی ہے کہ خوفناک طور پر مکانات اس سے مسمار ہونگے پہاڑون پر خوفناک صورت ہوگی پہلا زلزلہ اس کی نسبت کچھ بھی چیز نہین ہوگا۔ یہ خبر نہ ایکدفعہ بلکہ کئی دفعہ دی گئی ہے اسلیے ہمدردی اور خیر خواہی نے مجھے مجبور کیا کہ قبل اسکے جو وہ دن آوے مین گورنمنٹ کو اطلاع دون۔ جس بات پر میرا پورا یقین ہے اسمین غفلت کرنا مین گناہ سمجھتا ہون میرے نزدیک گورنمنٹ کو کوئی ایسی تجویز کرنی چاہیئے کہ جس سے گورنمنٹ کے حکام خطرہ کی حالت مین پہاڑون پر نہ رہین مثلاً جنوری سنہ ۱۹۰۶ء تک پہاڑونسے اجتناب کیا جاوے۔ اور اسکی بجائے کوئی اور بندوبست

کیا یسوع کی موت انشقاق القلب سے واقع ہوئی تھی؟

سخت ترین مشکلات مین سے جو عیسائی مذہب کو ابتدائے زمانہ سے درپیش رہی ہین ایک مشکل مسیح

کرماہ نمبر ۴

کی موت کا ثبوت ہے مگر باوجود کسی ثبوت کے نہ ہونیکے متعصب فرقہ عیسائیان کا عقیدہ یہی رہا ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام واقعی صلیب پر مر گئے تھے اگرچہ اصل سبب موت کے متعلق اختلاف چلا آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا مین ہی ایسے لوگ بھی موجود تھے جو یہ کہتے تھے کہ مسیح صلیب پر نہین مرا کیونکہ وہ کافی وقت لٹکایا نہین گیا۔ اور اسی کے دفیعہ کے لیے یوحنا نے اپنی انجیل مین پہلو چھیدے جانے کا ذکر کیا ہے تا یہ امر اس کی قطعی موت پر دلیل ہو۔ کیونکہ باقی تین انجیلین جو اس سے پہلے کی ہین وہ اس بارے مین بالکل خاموش ہین۔ اس واقعہ کے متعلق بہت سی بحث ہوئی ہے اور اس کی بنا پر طرح طرح کے مسئلے تراشے گئے ہین جنہین سے سب سے آخری یہ خیال ہے کہ خون اور پانی کے نکلنے سے یہ شہادت پیدا ہوتی ہے کہ یسوع کی موت انشقاق القلب سے واقع ہوئی تھی۔ یہی خیال کچھ عرصہ ہوا ایک عیسائی ڈاکٹر نے اخبار ایپی فینی مین پیش کیا تھا۔ جس کی تردید ان صفحات مین ایک ڈاکٹر نے بڑے مضبوط دلایل سے بحوالہ کتب طب کی تھی۔ اسکا کوئی جواب آج تک عیسائی صاحبان دے نہین سکے

ببلیوتھیکا سکرا ایک انگریزی عیسائی میگزین ہے جو امریکہ سے شایع ہوتا ہے اسکے جنوری کے پرچہ مین ایک دلچسپ مضمون اسی خیال کی تردید مین شایع ہوا ہے کہ یسوع کی موت کا باعث انشقاق القلب تھا۔ اس بات کے قبول کرنے مین کہ یسوع صلیب پر مر گیا تھا۔ تمام سمجھدار آدمیونکو ایک ہی مشکل نظر آتی ہے۔ راقم مضمون لکھتا ہے ”معمولی انسانی تجربہ کے رو سے اگر دیکھا جاوے تو سمجھ مین نہین آتا کہ کیونکر مسیح جو ایک جوان آدمی اور توانا اور تندرست تھا۔ کیا بلحاظ جسم کے اور کیا بلحاظ دل کے صلیب پر چند گھنٹے کی تکلیف اٹھانے سے مر گیا جبکہ جو لوگ صلیب پر لٹکائے جاتے تھے۔ وہ دو دو تین تین دن تک نہین مرتے تھے۔ اس مشکل سے بچنے کے لیے ٹرٹولین سے شروع ہو کر بہت سارے مفسرین یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یسوع صلیب کے اثر سے نہین مرا بلکہ اس نے اپنی خوشی سے خود ہی اپنی جان دیدی تھی چنانچہ ٹرٹولین نہایت مختصر الفاظ مین اسکے متعلق لکھتا ہے کہ ”مسیح نے جب وہ صلیب پر چڑھایا گیا اپنے اختیار سے ایک ہی لفظ کے ساتھ اپنی روح کو اپنے اندر سے خارج کر دیا اور یون جلاد کے کام کو روک دیا“ کالون اور اسکے ادرہم خیال یسوع کی موت کو جو تمام امیدون سے بڑھ کر جلدی واقع ہوئی خدا کے ”مخفی مشورون“ کیطرف منسوب کرتے ہین عقلی تشریح یہ کیجاتی ہے کہ مسیح صلیب کے واقعہ سے پہلے اسقدر کمزوری کیحالت مین تھا کہ صلیب پر چڑھنے کے بعد اس کی موت جلدی واقع ہوئی۔ یا یہ کہ برچھی کا زخم مرنے سے پہلا لگایا گیا تھا۔ اور وہی زخم موت کا باعث ہو گیا۔ ان عقلی تشریحون کو رد کر کے تمام عیسائی

اس بات پر متفق ہین کہ ایک حد تک مسیح کی موت ضرور فوق العادت طریق پر واقع ہوئی اور صرف صلیب ہی اسکا باعث نہین ہوئی "

اسکے بعد راقم مضمون انشقاق القلب کے مسئلہ پر بحث کرتا ہے "گذشتہ صدی کے نصف تک یہ حالات رہے جبکہ ایک انگریزی ڈاکٹر سٹراوڈ نام نے ایک کتاب بنام "مسیح کی موت کا طبعی سبب" شایع کی - اس کتاب مین یہ کوشش کی گئی کہ صلیب کے تمام واقعات مین تطابق پیدا کیا جاوے اور مذہبی طور پر انکے اثر کو اس طرح پر بڑھایا جاوے کہ یسوع واقعی انشقاق القلب سے مرا (یعنی اسقدر غمون کا بوجھ اسکے دل پر ہوا کہ بغیر کسی صدمہ بیرونی کے اسکا دل پھٹ گیا) اور اسکے جلدی مرجانے کی کیفیت کو یون بیان کرتا ہے - کہ پھٹے ہوئے مقام سے خون دل کے گرد جو غلاف ہوتا ہے - اس مین بہ گیا اور وہان لوتھڑا اور پانی الگ الگ ہوگیا اور اسی لیے پہلو مین زخم کرنے سے خون اور پانی نکلا تھا" اس کتاب کے شایع ہونے پر عیسائی دنیا مین اس خیال کی بہت قدر کی گئی کیونکہ اس سے واقعات اور عقیدہ مین تطابق پیدا ہوتا ہوا معلوم ہوتا تھا - مگر تھوڑی دیر بعد اسکا اثر بالکل جاتا رہا " صحیح علم کی ترقی کے ساتھ اسکی بنیاد کھوکھلی ہوگئی اور اب عیسائی فاضل اسکو وہ وقعت نہین دیتے جو اس سے پہلے دیتے تھے - چنانچہ فاضل پادری ویسٹکاٹ یوحنا کی انجیل کی تفسیر کرتا ہوا سٹراوڈ کے خیال کے متعلق لکھتا ہے "مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور دوسری عقلی تشریحین صرف ناکافی ہی نہین بلکہ اصل واقعات کے خلاف بھی ہین - اس امر کی کافی شہادت موجود نہین کہ ان حالات کے ماتحت جو بیان کیے گئے ہین اس طرح پر خون اور پانی بہا کرتا ہے " ایک اور فاضل نے انہین دنون بڑی حقارت کی نگاہ سے اس خیال کو کہ مسیح کی موت انشقاق قلب سے ہوئی رد کیا ہے وہ اس کی بجائے یہ خیال پیش کرتا ہے کہ برچھی کسی آبلہ مین لگی ہوگی - جس کا نتیجہ پانی اور خون کا بہنا ہوا "

اسکے بعد راقم مضمون دلائل پیش کرتا ہے کہ مسیح کا انشقاق قلب نہین ہوا - " اول اس بات کے بیان کرنے مین کچھ ہرج نہین کہ انجیل کی تحریر مین کوئی لفظ ایسا نہین جس سے یہ استدلال کیا جاوے کہ برچھی بائین پہلو مین چبھوئی گئی تھی اور دائین مین نہین چبھوئی گئی تھی - بلکہ اگر پچھلی عیسائی روایتون کو کچھ وزن دیا جاوے تو زخم دائین طرف تھا - اسوقت بھی راقم مضمون نے بذات خود تحقیق کیا ہے کہ رومن کیتھولک کی تمام تصویرون بتون اور مصلوب ہونے کی شکلون مین زخم داہنے پہلو مین دکھایا گیا ہے " اس سے تو زخم کا قصہ طے ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جب زخم دائین پہلو مین تھا تو

برچھی دل مین نہین لگی اور اسواسطے خون اور پانی بھی دل سے نہین نکلا۔ اسکے بعد راقم مضمون سٹراوڈ کی اس دلیل کا بودا پن ظاہر کرتا ہے کہ سخت غم اور دماغی گھبراہٹ کیوجہ سے دل کی دیوارین پھٹ گئی تھین۔ تازہ ترین شہادت اس امر کے ثابت کرنے کے لیے پیش کی گئی ہے کہ ایک تندرست دل مین محض شدت غم یا کثرت افکار کیوجہ سے انشقاق کبھی واقع نہین ہوتا اسکے مفصل حوالجات انگریزی مضمون مین درج ہین۔ غرضیکہ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آج کل کا کوئی مشہور ڈاکٹر سٹراوڈ کی رائے کو صحیح تسلیم نہین کرتا۔ اسکے بعد انشقاق قلب کی علامات لے کر بحث کیگئی ہے ''ان تمام حالات مین جہان انشقاق قلب پورے طور پر ہو جاوے اور فوری ہو موت فی الفور واقع ہو جاتی ہے۔ مریض ہاتھ کو یکایک سینہ کے سامنے لے جاتا ہے۔ ایک تیز چیخ مارتا ہے اور اعضا تشنج کیطرح مروڑے جاتے ہین اور جان نکلجاتی ہے یا مریض یکایک بیہوش ہو جاتا ہے اور پھر کبھی ہوش مین نہین آتا۔ اور مرجاتا ہے'' اگر انشقاق ناقص ہو تو مریض فوراً نہین مرتا'' اور اس صورت مین علامات سخت کمزوری کی ہوتی ہین نبض تیز اور کمزور ہوجاتی ہے۔ سخت گھبراہٹ اور کمزوری ہو کر جسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے قے آتی ہے۔ تنفس مین دقت ہوتی ہے اور بعض وقت تشنج کیصورت بھی ہو جاتی ہے'' مگر یسوع کی زندگی کے اخیری واقعات جو اناجیل مین مندرج ہین اُن مین سے ایک علامت بھی نہین پائی جاتی۔ بجائے اسکے کہ بیہوشی یا نیم بیہوشی کیحالت مین وہ چیخ مارتا اس نے بڑے اطمینان قلب سے یہ لفظ دُہرائے ''اے میرے خدا میرے خدا تو نے مجھے کیون چھوڑ دیا'' وہ اخیر تک بیہوش بالکل نہین ہوا بلکہ جیسا کہ راقم مضمون لکھتا ہے یسوع نے یہ معلوم کرکے کہ اب تمام باتین پوری ہو چکی ہین (جیسا کہ انجیل مین لکھا ہے) اسلیے کہ خدا کا کلام پورا ہو یہ کہا کہ مجھے پیاس لگی ہے اور جب اسے سرکہ دیا گیا تو اس نے کہا یہ پورا ہو چکا ہے اور پھر کچھ وقفہ کے بعد اسنے اپنا سر جھکایا اور یہ کہہ کر اپنی روح چھوڑ دی کہ اے باپ مین اپنی روح تیرے ہاتھو مین سونپتا ہون۔ یہ تمام ہوش اور اطمینان قلب کی باتین ہین اور اس قسم کی کامل ہوش انشقاق قلب اور موت کے درمیان کبھی نہین ہو سکتی'' اسکے بعد یہ دکھایا گیا ہے کہ جسقدر مثالین دیگئی ہین وہ غلط ہین اور اخیر پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی ڈاکٹر محض علامات کو دیکھکر کبھی یہ رائے نہین لگا سکتا کہ مریض انشقاق القلب سے مرا ہے بلکہ اسکے لیے ضروری ہے کہ موت کے بعد اسکو چیر کر دیکھا جاوے اور دل کی اصلی حالت ملاحظہ کیجاوے۔ یسوع کی موت کے انشقاق القلب سے واقع ہونے کا خیال یون تھوڑے ہی عرصہ مین پیدا ہو کر خود بخود ہی قریباً مر گیا ہے۔ موت کو ثابت کرنیکے لیے یہ جو طرح طرح کے حیلے تراشے جاتے ہین جو آخر غلط ثابت ہوتے ہین ان سے صرف یہ شہادت پیدا ہوتی ہے

کہ یسوع کا صلیب پر مرنا ہرگز ثابت شدہ امر نہین۔ اور جس طرح ڈوبتا ہوا آدمی تنکون کا سہارا ڈھونڈھتا ہے۔ یہی حال عیسائی صاحبان کا ہے کہ ایک غلط عقیدے کو قایم رکھنے کے لیے طرح طرح کی باتین پیدا کی جاتی ہین اور آخر وہ غلط ثابت ہوتی ہین۔ مگر اب جب یہ ثابت ہوگیا کہ وہ مقدس انسان خانیار کے کوچہ مین سویا پڑا ہے تو اس سے بڑھکر اور کسی شہادت کی ضرورت نہین کہ واقعی حضرت مسیح ع صلیب پر فوت نہین ہوئے +

نیا عہدنامہ

جیوش انسکلوپڈیا (یعنے دایرۃ المعارف یہودیہ) کی نوین جلد مین جو ابھی شایع ہوئی ہے۔ نئے عہدنامہ پر ایک دلچسپ مضمون لکھا گیا ہے۔ خود یہ نام یعنی نیا عہدنامہ عیسائی مذہب کی پیدایش کے قریبًا دوسو سال بعد تجویز ہوا۔ اور اس سے پہلے موجودہ مجموعہ اناجیل و اعمال و خطوط ایک مجموعہ نہ تھا۔ اس نام کے تجویز کرنے مین یہ امر مدنظر تھا کہ مسیح کی آمد سے موسوی سلسلہ ختم ہوگیا اور اسلیے حضرت موسے کی شریعت جو....... خدا کیطرف سے انسانون کی نجات کے لیے ایک عہدنامہ تھا پرانی اور منسوخ ہوگئی اور اسکی بجائے نیا عہدنامہ خون مسیح کا تجویز کیا گیا۔ حواریونکے زمانے مین ایسی تبدیلی نہ ہوسکتی تھی اور نہ ان لوگونکے زمانے مین جنھون نے حواریونکے زمانہ کو پایا تھا کیونکہ وہ لوگ یہود کی طرح حضرت موسے کی شریعت پر عمل کرتے اور انکے ساتھ ہیکل مین جاتے تھے مگر دو تین نسلونکے گذر جانیکے بعد جیسے جیسے عیسائی فرقہ پرانے یہودیونسے بُعد اختیار کرتا گیا ویسے ویسے اس شریعت کو بھی چھوڑتا گیا۔ یہودی راقم مضمون شروع مین ناظرین کو آگاہ کرتا ہے۔ کہ یہودی ان ہر دو مجموعہ کتب کو پرانا عہدنامہ اور نیا عہدنامہ اس مفہوم کے لحاظ سے نہین پکارتے جو عیسائیون نے تجویز کیا ہے بلکہ صرف معرفت کے لیے۔ وہ لکھتا ہے کہ "ابتدا مین کلیسیا کے ہاتھ مین کوئی اور کتب مقدسہ نہ تھین سوائے انکے جنکو یہودی تسلیم کرتے اور اپنی عبادات مین پڑھتے تھے اور انہین کتب مقدسہ سے مسیح کی صداقت کا ثبوت بھی پیش کیا جاتا تھا کہ گویا اسکے آنے سے نوشتونکے وعدے پورے ہوگئے۔ مگر آہستہ آہستہ جب عیسائیون نے دیکھا کہ یہودی واعظین کتب مقدسہ کے علاوہ دوسرے مکاشفات وغیرہ کو اپنی عبادات مین پڑھتے ہین تو انکی دیکھا دیکھی انھون نے بھی مسیح کی آمد اور اسکے کامونکے قصص کو اس طرح پڑھنا شروع کیا یہانتک کہ آہستہ آہستہ وہ ایک لازمی جزو عبادت بنگئے۔ پرانے عہدنامے سے

ایک آیت بطور ایک پیشگوئی کے پڑھی جاتی تھی اور نئے عہد نامے سے اسکے پورا ہونے کی تصدیق کیجاتی تھی۔ چارون انجیلونکے لکھا جانے کی تاریخ ۷۰ء اور ۱۵۰ عیسوی کے درمیان مقرر کیگئی ہے۔ ان باتونکو معرض تحریر مین کون لایا اسکے متعلق یہودی فاضل کی وہی رائے ہے جو آج کل محقق عیسائیونکی ہے۔ وہ لکھتا ہے "اناجیل مین یہ دعوے نہین کیا گیا کہ ان کا لکھنے والا حواریونمین سے کوئی تھا۔ بلکہ انکی زبانی روایتوں کی بنا پر دوسرے لوگو نسے انکا لکھا جانا خود اناجیل سے ثابت ہے چنانچہ لوقا ۱:۱-۳ بہت ساری انجیلون کے موجود ہونے کیطرف اشارہ کرتا ہے جو رویت کے گواہون اور شاگردون کی زبانی روایتون پر مبنی ہین" اور پے پیئس دوسری صدی عیسائی کا ایک مصنف بیان کرتا ہے کہ "مرقس نے جو کچھ پطرس سے سنا ہے جوڑ لکھدیا اور متی نے مسیح کے اقوال کا ایک مجموعہ عبرانی زبان مین تیار کیا تھا۔ مگر اسمین تاریخی بنا نہین رکھی گئی اور اسکو مختلف مفسرون نے مختلف رنگون مین دیا ہے" یہ امر کہ متی نے عبرانی مین ایک الگ مجموعہ اقوال یسوع کا تیار کیا تھا بہت قابل توجہ ہے مگر افسوس ہے کہ یہ مجموعہ گم ہے اور ملتا نہین۔ مگر یہودی فاضل اناجیل کی اصلیت اور انکی وقعت کے پرکھنے کے لیے ایک اور معیار پیش کرتا ہو وہ لکھتا ہے "باریک نگاہ اور تحقیق سے وہ اصول بالکل صحیح ثابت ہوتا ہے جسے یہودیون نے بطور اصول مسلمہ کے مانا ہوا ہے کہ جسقدر کوئی روایت زیادہ پرانی اور زیادہ قابل اعتبار ہے خواہ وہ زبانی ہو یا تحریری اسیقدر اس مین یہودیون اور یہودیت سے زیادہ گہرا رشتہ اور دوستانہ تعلقات پائے جاتے ہین اور جیسے جیسے کوئی بات مسیح کے زمانے اور اسکی تبلیغ سے پیچھے پیدا ہوئی ہے اتنی ہی زیادہ اسمین یہود سے نفرت اور موسوی شریعت سے دشمنی پائی جاتی ہے کیونکہ جیسے جیسے نئے فرقہ کا میلان بدلتا گیا ویسے ویسے ہی اسکا اثر روایتون پر پڑتا گیا اور یہی وجہ ہے کہ مروجہ اناجیل اور انجیلی قصص مین پہلو بہ پہلو متضاد بیانات پائے جاتے ہین" اسکی تشریح مین یہ مثال بیان کی گئی ہے کہ کس طرح موسوی شریعت کے متعلق کہین اسکی تائیدین اور کہین تردیدین اناجیل مین مختلف بیانات پائے جاتے ہین۔ ایکطرف تو حضرت مسیح انجیل مین کہتے ہین کہ مین شریعت کو منسوخ کرنے نہین آیا بلکہ اسکو پورا کرنیکے لیے آیا ہون یعنی اسپر عمل کرنیکے لیے۔ اور اسکے صحیح اور معتبر ہونے کی تائیدین نہ صرف ابتدائی عیسائیونکا ہی عمل ہے بلکہ خود مسیح نے بھی شریعت پر عمل کرکے دکھادیا کہ اسکا کیا منشاء تھا۔ اور اس عمل کا ثبوت کئی موقعہ پر خود اناجیل سے ملتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بات سے حضرت مسیح منع کرتے تھے وہ شریعت کا غلط استعمال تھا نہ خود شریعت کیونکہ یہودی اسوقت اسقدر ظاہر پرست ہوگئے تھے کہ وہ شریعت کے الفاظ پر تو عمل کرتے تھے مگر مغز شریعت سے جو روحانیت ہے بالکل بے بہرہ تھے

اسی کی تائید مین حضرت مسیح کے وہ اقوال بھی ہین جن مین اس کی یہودیون سے خاص محبت ظاہر ہوتی ہے اور غیر یہود اقوام سے بے تعلقی پائی جاتی ہے۔ دیکھو اس نے کیسے صاف الفاظ مین بیان کر دیا ہے کہ مین تو صرف بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑونکے لیے بھیجا گیا ہون اور پھر کہا کہ یہ مناسب نہین کہ بچون کی روٹی کتون کے آگے ڈالیجاوے اور کتونسے مراد اسکی غیر یہودی اقوام تھی۔ پھر علاوہ ازین اس نے اپنے حواریونکو بھی یہی نصیحت کی کہ تم نے صرف قوم یہود کی اصلاح کی فکر کرنا۔ لیکن دوسری طرف انہی اناجیل مین ایسے بیانات بھی پائے جاتے ہین جو انکے مخالف ہین کیونکہ یہ لکھا گیا ہے کہ انجیل کی منادی تمام قومون مین کرنی چاہیے بلکہ یہ بھی کہ خدا کی سلطنت یہودیونسے یہ چھین کر ایک اور قوم کو دیجائے گی۔ (اس فقرہ کا مطلب راقم مضمون نے نہین سمجھا کیونکہ اسمین تو یہ پیشگوئی تھی۔ کہ اب نبوت اسرائیل کے گھرانے سے منقطع ہوکر ایک دوسری قوم یعنی اسماعیل کے گھرانے مین چلی جاوے گی۔ اور یہ وعدہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پورا ہوا)۔ بہرحال یہ قول کہ تمام اقوام مین انجیل کی منادی کیجاوے مسیح کیطرف منسوب نہین ہوسکتا۔ کیونکہ وہ اپنا منشا اسکے مخالف الفاظ مین ایک دفعہ نہین بلکہ کئی دفعہ ظاہر کر چکا ہے اور خود فیناس بھی یہی چاہتا ہے کہ جب یہودیون نے مسیح کو نہ مانا تو آخر پرجوش شاگردون مین سے بعض نے یہ سوچا کہ دوسری اقوام کیطرف توجہ کیجاوے اور اس مین کامیابی ہوتی دیکھکر اپنے مطلب کی روائتین بھی بنالین +

اسکے بعد یہودی فاضل مسیح کے اقوال پر جو اناجیل مین بیان کیے گئے ہین بحث کرتا ہے یہ امر ثابت ہے کہ اناجیل مین لکھے جانے سے پیشتر یہ اقوال اکٹھے ہو چکے تھے اور پہلے پہل عبرانی زبان مین ان کا مجموعہ تیار ہوا تھا۔ اور اسکی تائید مین مرقس کی انجیل مین بعض نشان پائے جاتے ہین (دیکھو ۳/۴ و ۳/۶ و ۶/۷ و ۵/۱۴) جن لوگون نے انکو یونانی مین ترجمہ کیا وہ فاضل نہ تھے کیونکہ بہت ساری غلطیونکا ثبوت دیا گیا ہے۔ اسکے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ یسوع کے اقوال کہان کہان سے لیے گئے ہین اسکے متعلق یہودی فاضل لکھتا ہے کہ "بہت سارے قول جو یسوع کیطرف منسوب کیے جاتے ہین لفظ بلفظ ڈائیڈیک سے لیے گئے ہین۔ بعض فریسیونکی تعلیم سے لیے گئے ہین اور اس کا ثبوت بہت سے فاضل مصنفون نے دیا ہے جیسے لایٹ فٹ۔ شوٹگن۔ نورک۔ زیپسر۔ وانش وغیرہ۔ شرانیر نے لکھا ہے کہ مسیح کے اقوال تو صرف دعاوی ہی ہین جن کی تائید نوشتونسے نہین کی گئی مگر ربیون کے اقوال مقدس کتب کی بنا پر ہین اور اسلیئے اصل ربیون کے اقوال ہین اور مسیح کے اقوال ربیون سے نقل کیے گئے ہین۔ مسیح کے اقوال کو پانچ قسم پر تقسیم کیا گیا ہے۔ یعنی

اخلاقی تعلیم تمثیلین - مکاشفات کے رنگ مین اقوال اور مباحثات - ان مین سے اخلاقی تعلیم کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اسکا ماخذ طالمود اور دوسرے یہودی ذریع ہین - مثالون کی غرض بھی اخلاقی تعلیم ہی ہے اور ان مین بھی ربیونکی نقل کیگئی ہے - چنانچہ اسی انسکلوپیڈیا مین دوسری جگہ تمثیل کے مضمون پر لکھتے ہوئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگرچہ پرانے عہدنامہ مین صرف پانچ تمثیلین ہین - مگر طالمود اور مدراش مین ایسی تمثیلین بکثرت ملتی ہین - جہان قریبًا ہر ایک مذہبی خیال اور ہر ایک اخلاقی تعلیم کے ساتھ اسکو واضح کرنیکے لیے ایک تمثیل بیان کی گئی ہے" یہودی فاضل یہ بھی لکھتا ہے کہ "بعض تمثیلین مسیح کی تمثیلون سے ملتی جلتی پہلی صدی کے ربیون کے اقوال مین بھی ملتی ہین - ایسا ہی مسیح کے الہامی اقوال کے متعلق یہودی فاضل یہ بیان کرتا ہے کہ وہ بھی یہودیون سے لیے گئے ہین اور وہان سے اٹھا کر انجیلون مین مسیح کے اقوال دکھائے گئے ہین "

اناجیل کی خصوصیات کو بیان کرنیکے بعد جن مین متی کی انجیل کا یہ خاصہ قابل ذکر ہے کہ وہ یہودی طرز زندگی اور یہودی طرز خیال سے بہت ہی قریب واقع ہے اور اصل عبرانی پر اسکی بنا ہی - اور دوسری طرف یوحنا کی انجیل مین جسکو آج تک عیسائی محققون نے پایہ اعتبار سے گری ہوئی مانا ہے - کہین کہین ایسی روایات کا پایا جانا دکھایا گیا ہے جو دوسری اناجیل کی نسبت قدیم اور زیادہ معتبر ہین - فاضل یہودی اعمال کی کتاب پر بحث کرتا ہے اور اسکو لوقا کی انجیل کی روایت کے سلسلہ مین مانتا ہے اس کتاب مین پولوس کی کارروائیونکا بیان کرنا اصل مقصود ہے اور اس اثنائے مین دوسرے حواریون کی کارروائیون کا بھی کسیقدر ذکر ہے - پولوس ایک خواب کی بنا پر عیسائی ہوا - اور عیسائی بھی ایسا پرجوش کہ اپنے مرشد کے حکم کے خلاف تبلیغ مذہب شروع کردی ابتدا مین پطرس نے اسکا مقابلہ کیا مگر آخر ایک خواب کی بنا پر پطرس نے بھی پولوس کے ساتھ کھانے کی چیزون مین حرمت کے حکم کو توڑنے مین اتفاق کیا - اس خواب نے عیسائی مذہب کا رنگ ہی پلٹ دیا - اور اگرچہ عیسائیت کا وہ فرقہ جو یہود عیسائی کے نام سے پکارا جاتا ہے ایک عرصہ تک آزاد خیال والونکا مقابلہ کرتا رہا اور یعقوب حواری حضرت مسیح کا بھائی اسکا پیشوا رہا مگر آخر کار اس بے قیدی کے مذہب کے سامنے جسکی طرف پولوس لوگونکو بلاتا تھا اسکا نام ونشان مٹنا شروع ہوگیا - باوجود اسکے ابتدا مین عیسائیت کیطرف لوگونکو کھینچنے کا ذریعہ یہودی مذہب کی اشاعت ہی تھا - چنانچہ یہودی فاضل اعمال کے ان مقامات کے حوالے دیتا ہے جن مین پولوس اور برنباس یروشلم کے پاک معبد کے لیے جو یہودیونکا معبد تھا چندے اکٹھے کرتے ہین اور ایسا ہی نماز

اور روزوں کے ذریعے سے روح القدس کا اترنا بیان کرتے ہیں اور یہودی معبد میں انجیل کا وعظ کرتے ہیں معلوم نہیں آج کل کے عیسائی روزوں اور نمازوں کے ذریعے سے روح القدس کے اترنے کو کیسا سمجھتے ہیں +

ریویو

سید وزارت حسین صاحب اوریں ضلع مینگر بنگال کی طرف سے کتاب مراۃ الجہاد جو ابھی شایع ہوئی ہے ریویو کے لیے مجھے پہونچی ہے۔ میں سید وزارت حسین کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے بہت محنت اور جانفشانی سے ایک ایسی تالیف کی ہے جو ایک بڑی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ جہاد پر آئے دن کوئی نہ کوئی رسالہ نکلتا ہی رہتا ہے مگر جیسی مبسوط بحث اس مسئلہ کے ہر پہلو پر اس کتاب میں ہوئی ہے خصوصاً آریہ سماج وغیرہ کے جواب میں پہلے دیکھنے میں نہیں آئی۔ آریہ سماج کو دھوکا دینے کی بہت عادت ہے کہ اسلام پر فلاں اعتراض ہے۔ فلاں اعتراض ہے حالانکہ وہ اعتراض اسلام پر نہیں بلکہ خود سماج کی کتابوں اور اصول پر ہوتے ہیں اس دھوکے کی حقیقت کو مصنف مراۃ الجہاد نے خوب کھول کر دکھایا ہے۔ ابتدائی مسلمانوں کی تکالیف۔ اسلامی جنگوں کے اسباب۔ آنحضرت صلعم کے غزوات۔ خلفائے راشدین کے جنگوں کے اسباب۔ ذمیوں کے حقوق وغیرہ بیان کرنے کے بعد آریہ سماج کے اعتراضوں کا مفصل جواب دیا گیا ہے اور انکے گھر کی حقیقت کو بھی کھول کر دکھایا ہے کتاب واقعی قابل تعریف ہے۔ کاغذ اور چھپائی معمولی۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کتاب کا حجم تین سو صفحوں سے اوپر ہے۔ مصنف یا مطبع الحکم قادیان سے مل سکتی ہے۔

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یکم اپریل۔ **محو نانار جہنم**۔ ۲- اپریل۔ **موت دروازے پر کھڑی ہے۔**

۳- اپریل۔ رؤیا[1] دیکھا کہ مرزا نظام الدین کے مکان پر مرزا سلطان احمد کھڑا ہے اور اسکا سب لباس سرتاپا سیاہ

[1] اس رؤیا کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ سلطان احمد سے مراد ایسے دلایل اور براہین ہیں جو دلوں پر تسلط کرتے اور دلوں کو پکڑ لیتے ہیں اور نظام الدین سے مراد ایسا نشان ہے جس سے دین اسلام کی صلاحیت ہوگی اور اسکا انتظام درست ہو جائیگا۔ سیاہ کپڑوں سے مراد ڈرانے والا نشان ہے۔ یہ جو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ یہ ہماری دعاؤں کا نتیجہ ہے کیونکہ بچہ کو بھی نتیجہ کہتے ہیں۔ ۴ اپریل کے زلزلہ کی خبر ہے +

ایسی گاڑھی سیاہی کہ دیکھا نہیں جاتا۔ اسیوقت معلوم ہوا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو سلطان احمد کا لباس پہن کر کھڑا ہے اسوقت میںنے گھر میں مخاطب ہوکر کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے تب دو فرشتے اَور ظاہر ہو گئے اور تین کرسیاں معلوم ہوئیں اور تینوں پر وہ تین فرشتے بیٹھ گئے اور بہت تیز قلم سے کچھ لکھنا شروع کیا جس کی تیز آواز سنائی دیتی تھی انکے اس طرز کے لکھنے میں ایک رعب تھا میں پاس کھڑا ہوں۔ کہ بیداری ہو گئی + ۵۔ اپریل[۱] کففت عن بنی اسرائیل + ۶۔ اپریل[۲] تازہ نشان تازہ نشان کا دھکا زلزلۃ الساعۃ قوا انفسکم ان اللّٰہ مع الابرار دنی منک الفضل جاء الحق وزھق الباطل ۔ ایک روح کی یہ آواز میرے کان میں پڑی کہ "میں سوتے سوتے جہنم میں پڑ گیا" ۹ اپریل۔ بوقت نصف شب بخور انچہ تراہ بخور انم لک درجۃ فی السماء وفی الذین ھم یبصرون۔ نزلت لک۔ لک نری ایٰت ونھدم مایعمرون۔ قل عندی شہادۃ من اللّٰہ فھل انتم مومنون۔ کففت عن بنی اسرائیل[۳]۔ ۱۰ اپریل۔ ان فرعون وھامان وجنودھما کانوا خاطئین + ۱۴ اپریل۔ رؤیا۔ قادیان کے بازار میں ایک گاڑی میں چلے جاتے ہیں معلوم ہوا کہ زلزلہ آیا ہے مگر ہمنے اسکا کوئی نقصان محسوس نہیں کیا + ۱۵ اپریل انی مع الافواج اٰتیک بغتۃ ۔ ۱۸ اپریل۔ رویا۔ ایک بہت بلند درخت ہے جسکے نیچے میں کھڑا ہوں اور اسکے اوپر ایک اَور شخص ہے میں نہایت بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر (اذان) کہہ رہا ہوں۔ اور وہ درخت کے اوپر اسی زور سے وہی کلمات دُہراتا جاتا ہے جو میں کہہ رہا ہوں ۔ اسکے بعد مینے اسی زور سے درود شریف پڑھنا شروع کیا اور اسنے بھی درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ اسکے بعد وہ درخت سے اُترآیا اور اسنے کہا کہ سید محمد علیشاہ آگئے ہیں + پھر رُویا دیکھا کہ ایک نہایت ہی شدید زلزلہ آیا ہے اور زمین اس طرح اُڑ رہی ہے جس طرح روئی دھنی جاتی ہے + جب خواب سے بیدار ہوئے تو یہ مصرعہ زبان پر جاری تھا۔ ع
ہے سرِ راہ پر تمہارے وہ جو ہے مولا کریم + ۲۱ اپریل۔ امن است در مکان محبت سرائے ما + ۲۲ اپریل جاءک الفتح ۲۴۔ اپریل۔ بھونچال آیا۔ اور بڑی شدت سے آیا + ۲۵۔ اپریل۔ قل مالک حیلۃ + ۲۸ اپریل۔ رُویا میں دیکھا کہ ایک سفید سا کپڑا بچھا ہوا ہے اسپر کسی نے ایک انگشتری رکھدی ہے + اسکے بعد یہ وحی نازل ہوئی "فتح نمایاں۔ ہماری فتح"۔ صدقت الرؤیا (سچا کیا تونے خواب کو) انی[۴] مع الافواج اٰتیک بغتۃ + ۲۹۔ اپریل۔ رُویا گذشتہ رات کو ۲ بجنے میں ۷ منٹ باقی تھے جبکہ مینے یہ رُویا دیکھا کہ زمین ہلتی ہے۔ پہلے مینے خیال کیا کہ شاید ویسے ہی کچھ حرکت ہوئی ہے مگر پھر زور سے ایک دھکا لگا۔ تب یقین ہوا کہ زلزلہ ہے اور میں گھر کے آدمیوں کو جگاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اٹھو زلزلہ آیا مبارک کو بھی اٹھالو۔ اور یہ بھی رُویا میں کہتا ہوں کہ جوتشی کسقدر جھوٹے ہیں پنڈت نے تو اخبار میں چھپوایا تھا کہ اب زلزلہ نہیں آئیگا اسکے بعد بیداری ہوئی۔

---

[۱] بنی اسرائیل سے مراد وہ قوم ہے جسپر اس قسم کے واقعات تکلیف وارد ہوئے ہوں جیسے کہ بنی اسرائیل پر۔ ہماری جماعت بنی اسرائیل سے مشابہ ہے مراد یہ ہے کہ ایسے نشان ظاہر ہونگے کہ وہ لوگ جو ہماری جماعت پر بیجا حملے کرتے ہیں رک جائینگے اور ایسے نشان ظاہر ہونگے کہ انکی باتوں کا لوگوں کے دلوں پر کچھ اثر نہیں ہوگا + [۲] فرمایا یہ میرے ساتھ عادت اللہ ہے کہ کشف میں اس دنیا کو وہ جہان کے نام سے پکارا جاتا ہے + [۳] اسکے متعلق مفصل دیکھو اشتہار الانذار جو پچھلے میگزین میں درج ہو چکا ہے + [۴] فرمایا یہ الہام ۹ اپریل والے الہام کا متمم ہے اسکے معنے یہ سمجھے گئے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں تباہی آئیگی نہ کہ غلطی پر یہ لوگ خود ہیں نہ ہم + [۵] یعنی میں اپنی فرشتوں کی فوج کے ساتھ اسوقت آؤنگا کہ کسیکو گمان بھی نہ ہوگا کہ ایسا حادثہ ہونے

یکم مئی - ایک اشتہار دیکھا جسکے اوپر لکھا ہوا ہے "المبارک" پھر الہام ہوا بر کۃ زایدۃ علی ھذا الرجل - ۳ مئی - وما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمیٰ -

" کسی نے ایک لکھا ہوا کاغذ دکھایا جسپر لکھا ہوا ہے "آہ نادر شاہ کہاں گیا"

۹ مئی .... و یستنبؤنک احق ھو قل ای و ربی انہ لحق -

" پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی + ۱۰ مئی - کیا عذاب کا معاملہ درست ہے اور اگر درست ہے تو کس حد تک

۱۳ مئی - رؤیا - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میرا ایک مقدمہ ہے جس حاکم کے سامنے ہے وہ قایم علی (ایک پرانا ای اے سی) معلوم ہوتا ہے اور اسکے سررشتہ دار میرے بھائی میرزا غلام قادر مرحوم ہیں ہم تینوں قریب قریب ہی زمین پر بیٹھے ہیں حاکم نے سررشتہ دار کو کہا کہ پچیس روپے طلبانہ کے داخل کریں - میں نے دیکھا تو جیب میں روپے موجود تھے سو مینے نکالکر دیدیئے +

۱۴ مئی "

کبریت احمر یا جیون بوٹی کے استعمال سے خون صالح تازہ بدن انسان میں پیدا ہوتا ہے جوانی کی طاقت مدت العمر قایم رہتی ہے - استعمال کرنیسے پہلے اور بعد بدن کو وزن کرو - اور آزماؤ اس سے بڑھکر بہی - مولد خون صالح مشتہی - بدن کو مضبوط اور خوشرنگ بنانے اور چہرے کی سرخی اصلی طاقت و توانائی و تازگی پیدا کرنیوالی دوائی بہت کم ملے گی - اسکا اثر ان اعضا پر جنپر نسل انسان کی پیدائش کا انحصار ہے بالخصوص نہایت قوی ہوتا ہے - کبریت احمر اسکا نام اسلیئے رکھا گیا ہے کہ یہ دوا اعضائے تولید کے پژمردہ قوے کو ازسرنو بحال کرنیکے ساتھ زندگی کو کیمیا بنا دیتی ہے - **قیمت فی شیشی ۳ سے ر** -

روغن درد گردہ - درد گردہ کے دورے اور تکلیفیں ایسی سخت ہوتی ہیں کہ الامان یہ عجیب و غریب روغن درد گردہ میں خاصکر جب درد کنکری کیوجہ سے ہو اکسیر کا کام دیتا ہے چھوٹے چھوٹے سنگریزوں کو توڑکر اور ریزہ ریزہ کرکے نہایت سہولت سے خارج کر دیتا ہے تمام کنکری اور ریت نکلکر درد گردہ کی نوبت پھر نہیں ہوتی - **قیمت فی شیشی عہ ۱۲ سے ۳ ہ**

عجیب و غریب مرہم المعروف مرہم عیسیٰ - اگر آپ دنیا بھر میں سب سے اچھا پر تاثیر بہدف ہر قسم کے زخموں جراحتوں چوٹوں گلٹیوں - خنازیر - سرطان - طاعون - اور ہر قسم کے خبیث زہریلے پھوڑوں - پھنسیوں ناسوروں - گنج - خارش - بواسیر - اور طرح طرح کی جلد کی بیماریوں - ہاتھوں کے سردی سے پھٹ جانے جانور وں کے کاٹ لینے جلجانے اور عورتوں کے خطرناک امراض سرطان رحم وغیرہ کیلیے ہزارہا سال کا مجرب - مقدس ہر طبقہ اور ہر زمانہ کے حکما کا متفقہ بابرکت علاج چاہتے ہیں تو یہ مبارک مرہم اس کارخانہ سے منگائیے جو اسکو خالص اجزا سے تیار کرنیکا ذمہ وار ہے - طبی جہان اسکی کامیاب تاثیرات کا ممنون ہے - یہ مشہور آفاق مرہم سوائے کارخانہ مرہم عیسیٰ کے دنیا بھر میں اور کہیں نہیں بنتا + قیمت فی ڈبیہ خورد ۶ ر - ۱۲ ر فی ڈبیہ کلاں عہ -

رسالہ آئینہ صحت کا مفت	**حکیم محمد حسین اینڈ برادرز مالکان کارخانہ مرہم عیسیٰ نولکھا لاہور سے طلب کرو**	عمدۃ التقویم ۱۹۰۶ء مفت

لاہوری بید مشک کا نہایت عمدہ خالص عرق :- خاکسار نے بڑی احتیاط اور محنت سے تیار کرایا ہے

قیمت فی بوتل ۱۴ ر ایک درجن کیلیے للعہ روپیہ محصولڈاک بذمہ خریدار + المشتہر خاکسار معراج الدین عمر احمدی معراج منزل ؟ لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

شکریہ معاونین

جیساکہ پچھلے پرچے کے مطالعہ سے واضح ہوا ہوگا اپنی جماعت کے بعض مخلص احباب محض ابتغاء لمرضاة اللہ حضرت اقدسؑ کے حکم کی تعمیل مین اس رسالہ کی کثرت اشاعت کیغرض سے جدید خریدار پیدا کرنے اور اعانت مین حصہ لینے کی سعی فرمارہے ہین لیکن ایسے احباب کی تعداد ابھی بہت ہی کم ہے۔ کاش اپنی جماعت کا ہرایک فرد حضرت اقدسؑ کے اس تاکیدی ارشاد کی تعمیل مین اس کارخیر مین حسب استطاعت و توفیق خود حصہ لیکر حسنات دارین کا مستحق بنتا جملہ بھائیونکی ایسی مجموعی کوشش سے ہرگز بعید نہ تھا کہ تعداد اشاعت رسالہ کی جلد تر دس ہزار تک پہنچ جاتی لیکن موجودہ حالات ظاہر کرتے ہین کہ ابھی اپنے بھائیون مین زیادہ ہمت پیدا ہونیکی سخت احتیاج ہے۔ بعض معزز احباب مثلاً ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور و چودھری رستم علی صاحب انبالہ و ڈاکٹر سید جلال صاحب بربرا و بابو برکت علی صاحب کلرک شملہ ایک معقول رقم ماہواری چندہ اعانت کی بھیجتے ہین۔ ڈاکٹر نعمت علیخانصاحب ٹریبزی اسسٹنٹ پشاور نے اپنی ترقی تنخواہ کے موقعہ پر چالیس روپیہ بطور اعانت میگزین کو بھیجا ہے (اللہ تعالی دیگر احباب کی پرجوش روحونکو انکی پیروی کی تحریک کرے۔ آمین) منشی ذوالفقار علیخانصاحب انسپکٹر آبکاری میرٹھ و شیخ محمد رشید صاحب احمدی میرٹھ و ماسٹر ہدایت اللہ صاحب جہلم و میان غلام دستگیر صاحب میڈیکل سٹوڈنٹ لاہور۔ و منشی غلام سرور خان صاحب قانونگو سے ڈیرہ اسمعیل خان۔ قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری و ڈاکٹر عبداللہ صاحب امرتسر ہمیشہ رسالہ کی اعانت و جدید خریدار پیدا کرنے مین ہمہ تن ساعی رہتے ہین۔ بابو عبدالرزاق صاحب بخشی بنارس و چودھری عبدالعزیز بٹالوی و میان عبداللہ تیماپور ریاست نظام و میان سلطان حامد قتال پور (ملتان) نے بھی جدید خریدار دیئے۔ جن احباب نے پچھلے ماہ مین اعانت کا روپیہ بھیجا ہے انکے نام معہ تعداد روپیہ اعانت کے ہم آیندہ پرچہ مین درج کرینگے۔ اللہ تعالے سب کو اس کی جزائے خیر دے۔ اور دیگر بھائیونکو انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

ضروری اطلاع

رسالہ نورالدین جس مین فاضل مصنف نے بعد نظر ثانی کسی قدر اضافہ کیا ہے خوشخط عمدہ کاغذ پر چھپکر تیار ہے۔ قیمت علاوہ محصولڈاک ۸/ ہے۔ درخواستین اس پتہ پر ہون۔ سیٹھ عبدالاحد ہدایت اللہ جنرل مرچنٹ و کمیشن ایجنٹ کٹڑہ جیمل سنگھ امرتسر۔

حکیم فضلدین صاحب نے اپنے مطبع ضیاءالاسلام مین منیجر میگزین کیلیے چھاپا۔

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ؞ لو تمہین طور تسلّی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴	بابت ماہ جون سنہ ۱۹۰۵ء	نمبر ۶

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جون سنہ ۱۹۰۵ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا ۔ چندہ سالانہ عہ

سلسلہ احمدیہ ممالک غربی مین

ہمارے دوست جنکے اخراجات سے میگزین انگریزی ممالک غربی مین بھیجا جاتا ہے اس خبر کو سن کر بہت خوش ہونگے۔ کہ خدا کے فضل و کرم سے ان ممالک مین وہ انسان پیدا ہوتے جاتے ہین جن کے دلون مین نہ صرف اس سلسلہ کی صداقت ہی اثر کر گئی ہے بلکہ اس کی اشاعت کا جوش بھی پیدا ہو گیا ہے۔ چارلس سیورایٹ صاحب جو ملک اسٹریا کے رہنے والے ہین اور جو گذشتہ سال مین اس ملک ہند مین بھی آئے تھے اور مختلف جگہو نپر لکچر دیے تھے اب خدا کے احسان سے بصدق دل اس سلسلہ مین داخل ہو چکے ہین ان کا اسلامی نام عبد الحق ہے۔ انکے تازہ ترین خطوط جو اس عاجز کے نام آئے ہین ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب انکے دل مین یہ تڑپ لگ رہی ہے کہ اس سلسلہ کی اشاعت امریکہ اور دیگر ممالک مین کرین اور لوگونکو اس صداقت کیطرف بلائین۔ اسوقت وہ اسٹریلیا سے نکلکر نیوزیلینڈ پہونچ چکے ہین اور عازم امریکہ ہو رہے ہین۔ نیوزیلینڈ سے انکے دو خط راقم کے نام آئے ہین۔ جو اخبار بدر مین شائع ہونیکے لیے دیدیے گئے ہین۔ ان خطوط سے یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ کس طرح اللہ تعالے جن لوگون پر اپنا فضل کرنا چاہتا ہے انکے دلونکو کھولدیتا اور انکو شرح صدر عطا فرماتا ہے جس سے انکے دل انوار الٰہی کی قبولیت کیلیے تیار ہو جاتے ہین عجیب بات ہے کہ اس ملک مین وہ طبیعتین موجود ہین جو باوجود سمجھانیکے نہین سمجھتین۔ اور ایک ایسے دور دراز ملک مین خدا تعالے نے ایک شخص کو جسکا قادیان مین قیام صرف ایک رات کیلیے تھا وہ شرح صدر عطا فرمایا ہے کہ وہ ان نشانونکے پورا ہونے پر خوشی ظاہر کر رہا ہے مسٹر عبد الحق نے صرف اشتہار الوصیت پڑھا ہے جو مارچ کے رسالہ مین شایع ہوا تھا۔ اور جس مین حضرت اقدس کا یہ کشفی نظارہ کہ دردناک موتون سے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے اور آپ کا یہ الہام کہ:—

عفت الدیار محلہا و مقامہا شایع ہوا تھا۔ ادھر اس رسالہ کے پہونچنے کے ساتھ ہی انہون نے اخبارون مین ۴۔ اپریل کے زلزلہ کی جو سچ مچ نمونہ قیامت تھا خبرین پڑھین اور انکی حق پسند طبیعت نے معًا سمجھ لیا کہ یہ وہی خدا کا کلام پورا ہوا جس کی خبر الوصیت مین دیگئی تھی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر انہون نے اپنے خط مین بہت ہی اظہار خوشی کیا ہے اور سجدات شکر بجالائے ہین اور انہون نے لکھا ہے کہ مین اس عظیم الشان نشان کے پورا ہونیکی خبر ہر جگہ اپنے دوستون کو لکھ رہا ہون۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان مغربی ممالک مین کثرت سے ایسی حق پسند اور مستعد طبیعتین ہین جو صرف پیغام کے پہونچنے کی منتظر ہین۔ یہی وہ لوگ ہین جنکی خبر اللہ تعالے اس سے پچیس سال پہلے براہین احمدیہ مین الہام ثلۃ من الاٰخرین مین دیچکا ہے یعنی ایک جماعت مسیح موعود کو ان لوگونکی دیجاویگی جو پیچھے آنیوالے ہونگے یعنی غیر اقوام مین سے اس سلسلہ کو قبول کرکے اسلام مین داخل ہونگے ایسا ہی ایک اور خط ایک لیڈی کا ہے جنکا نام رج وے ہے جو اپنی خوشی اسی امر مین ظاہر کرتی ہین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

پردہ اور تعدد ازدواج کے متعلق چند اور باتین

قوانین نکاح کا جو اثر انسان کی تمدنی ترقی پر پڑتا ہے اسکے متعلق مغربی ممالک مین آج کل خاص طور پر بحث چھڑی ہوئی ہے اور اگرچہ پردہ اور تعدد ازدواج کے مضمونون پر اس رسالے مین ہر پہلو سے بحث ہو چکی ہے مگر مغربی مباحثہ کو مدنظر رکھکر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند متفرق باتین اور اس جگہ اکٹھی کر دیجاوین -

ولایت کے مشہور رسالہ فارٹنایٹلی ریویو مین ایک نامہ نگار لکھتا ہے کہ "موجودہ طرز زندگی کے بہت کم پہلو ایک غور کرنیوالے انسان کو اسقدر حیرت مین ڈالتے ہین جیسے کہ وہ رواج جسکے رو سے مروجہ قوانین نکاح پر کوئی بحث کرنا اس علمی زمانہ مین بہت برا سمجھا جاتا ہے" اور پھر آگے چلکر لکھتا ہے کہ "اس خاموشی کی کوئی وجہ ان واقعات کو تلاش کرنیسے نہین ملتی جو سوسائیٹی کی سطح کے نیچے اپنا اثر پیدا کر رہے ہین - یہ ایک ایسا مضمون ہے کہ اس کی طرف پبلک کو توجہ دلانیکے لیے کسی مبالغہ آمیز بیان کی ضرورت نہین اور نہ کسی واقع کو ڈراؤنے رنگ مین پیش کرنے کی ضرورت ہے بلکہ ہماری روزمرہ زندگی کے بعض پہلو ایسے ہین کہ ان کا بیان کر دینا ہی بیسوین صدی کی تہذیب کی افسوسناک حالت کو ظاہر کرتا ہے - اوس چیز کی موجودگی جس کو تمدنی بدی کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اس کے بدنتائج خواہ وہ بلاواسطہ پیدا ہوتے ہین یا بالواسطہ وہ عام طور پر پھیلی ہوئی خفیہ بدکاری جو بیاہے ہوؤن اور نہ بیاہے ہوؤن مین یکسان طور پر موجود ہے - وہ اوباشی جو ال ملکر کیجاتی ہے اور جس نے سچی فطرت کو بھی آخر کار روک دیا ہے - یہ سب باتین اس یقینی اور قطعی نتیجہ پر پہنچاتی ہین کہ مرد و عورت کے تعلقات کے سوال کا ابھی تک سوسائیٹی نے جرأت سے سامنا نہین کیا" مگر ان افسوسناک واقعات نے جو مہذب سوسائیٹی کی جڑ مین کیڑے کیطرح لگے ہوئے ہین اور اسے دن بدن کمزور کر رہے ہین - آخر ایسا نمایان اثر دکھا دیا ہے جسکو دیکھکر مجبوراً یورپین اقوام کو اپنے قوانین نکاح اور مرد و عورت کے تعلقات کے رواجون کی غلطی کو ۔۔۔

تسلیم کرنا پڑا ہے اور ان قوانین کو از سر نو بنانے کی ضرورت پیش آئی ہے اور مہر خاموشی کو آخر توڑنا پڑا ہے چنانچہ چند ہی سال کے عرصہ مین یہ سوال اب عام طور پر پوچھا جانے لگا ہے کہ یورپ کے مروجہ قوانین نکاح کس حد تک قابل تسلیم ہین اور سوسائیٹی مین جن بدکاریون کے پھیلانے کا یہ موجب ہوئے ہین وہ نہ صرف ناولون اور کہانیونکے رنگ مین ہی کھول کھولکر بیان کیجانے لگی ہین بلکہ بڑے بڑے فلاسفرون اور مشہور مصنفون نے بھی آخر اس طرف توجہ کی ہے! اور تشخیص مرض کیلیے مختلف کوششین کیجارہی ہین۔ عام طور پر موجودہ رواجون سے بیزاری ظاہر کیجارہی ہے اور نئے قانونونکے مروج کرنیکی تجویزین پیش ہورہی ہین مگر جیسا کہ ان حالات کے ماتحت ہوا ہی کرتا ہے پہلی کوششین جو اس بارے مین کی گئی ہین ان مین اکثر غلط پہلو اختیار کیا گیا ہے اگرچہ ساتھ ساتھ ہی صداقت کی شعاعین بھی اپنی چمک دکھانے لگی ہین جس سے امید ہوتی ہے کہ جلدی ہی اس سوال پر پوری روشنی پڑکر ملک کی بہتری کا موجب ہوگی +

اسی رسالہ کے نامہ نگار نے جس کا حوالہ ابتدائے مضمون مین دیا گیا ہے "معاہدہ نکاح اور اسکا اثر انسانی تمدنی ترقی پر" کے عنوان کے نیچے ایک مضمون لکھا ہے جس مین وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ چونکہ زناکاری انسانی کوششون سے توڑی نہین سکی پس اب اسکے جواز کا کوئی طریق نکالنا چاہیئے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "بدکاری چلی جاتی ہے اور صدیون تک ہزارہا منبرون سے پرزور تقریرون نے اسکے روکنے مین ناکامی ہی ناکامی دیکھی ہے" یہ بالکل سچ ہے مگر افسوس کہ اسکی اصل وجہ تلاش نہین کیگئی اصل سبب اسکا یہ ہے کہ بدکاری اور زناکاری کے اسباب کو تلاش نہین کیا گیا۔ اور نہ ان اسباب کے دور کرنے کی کوئی کوشش کی گئی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ جو لوگ بڑی جرأت سے موجودہ امراض کے علاج کیلیے اٹھتے ہین انکے خیالات بھی تعصب سے پاک نہین۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ آخر ایک غلط نتیجہ پر پہنچے ہین مگر اسی نامہ نگار کے مضمون سے باوجود تعصب کے یہ پتہ لگتا ہے کہ یورپ مین بھی لوگون نے عام طور پر یہ تو محسوس کر لیا ہے کہ ان بدکاریونکا علاج سوائے تعدد ازدواج کے کچھ نہین۔ وہ لکھتا ہے کہ "ان لوگونکے خلاف جو نکاح کے موجودہ رواجون کو تنقید کے نیچے لاکر ان کی غلطی ظاہر کرتے ہین۔ عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان رواجون کی صحت مین شبہ کرنیسے یہ لازم آتا ہے کہ تعدد ازدواج کو رواج دیا جاوے جسکے متعلق یہ بالکل سچ کہا گیا ہے کہ اسکو یعنی تعدد ازدواج کو تمام ترقی کرنے والی قومون نے رد کر دیا ہے۔ مین کہتا ہون کہ مہذب دنیا کا تعدد ازدواج کو پھر اختیار کرنا ایسا ہی بعید از قیاس ہے جیسا کہ موجودہ اسلحہ حرب کو چھوڑ کر تیر و کمان کو پھر رواج دینا" راقم مضمون کو اس موقعہ پر سخت غلطی لگی ہے اور اس دلیل مین عجیب قسم کا گڑبڑ ڈالدیا ہے اگر تعدد ازدواج کو اسوجہ پر رد کیا جا سکتا ہے کہ تمام ترقی کرنیوالی قومون نے اسکو رد کیا ہے تو خود راقم مضمون کو کیا حق پہونچتا تھا کہ وہ انہین ترقی کرنیوالی اقوام کے قوانین

اور رواجون پر اعتراض کرتا کیونکہ اس اصول کے رو سے تو پھر انکے تمام مسلمہ رواج قابل تسلیم اور تمام رد کردہ امور قابل رد ہونے چاہئے۔ مگر افسوس ہے کہ خود راقم مضمون نے انکے مسلمہ رواجون پر اعتراض کیا اور واقعات سے اس اعتراض کو سچا ثابت کرکے دکھایا اور پھر خود ہی اس تعصب کیوجہ سے جو تعدد ازدواج کے خلاف ہے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ جس رواج کو ہماری قوم نے رد کر دیا ہے وہ ضرور ہی رد کئیے قابل ہے۔ بات یہ ہے کہ ایک قوم جو ایک پہلو مین ترقی کر رہی ہو ضروری نہین کہ وہ ہر پہلو مین ہی ترقی کر رہی ہو اور اس کی ہر بات نقص سے خالی ہو۔ عیسائی قومین بیشک تجارتی اور مادی رنگ مین حیرت انگیز ترقی کر رہی ہین مگر عفت اور اخلاق کے معاملہ مین وہ بہت ہی گری ہوئی حالت مین ہین اور اس امر سے کسی دانا عیسائی نے بھی آجتک انکار نہین کیا بلکہ خود راقم مضمون بھی اسکو تسلیم کرتا ہے پھر کیسی غلطی ہے کہ ایک ایسے رواج کو جو مرد و عورت کے تعلقات کے متعلق ہے اسوجہ پر رد کیا جاوے کہ عیسائی اقوام نے جنہون نے اس معاملہ مین سخت ٹھوکر کھائی ہے جیساکہ ہم آگے چلکر دکھا دینگے اسکو رد کر دیا ہے اسی سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ تعدد ازدواج کے خلاف کسقدر دلایل سے کام لیا جاتا ہے اور کسقدر تعصب سے

اب یہ امر غور طلب ہے کہ اگر اس نامہ نگار کے نزدیک تعدد ازدواج اس کی قوم کی بدکاریون کا سچا علاج نہین تو پھر وہ خود کونسا علاج پیش کرتا ہے اس کی تجویز عملی طور پر یہ ہے کہ زنا کو برا نہ سمجھا جاوے اور سوسائیٹی اس بات کی کچھ پروا نہ کیا کرے کہ کوئی بچہ زنا کی اولاد ہے یا نکاح کی اولاد۔ بلکہ ولد الحرام بچونکو کسیقدر ترجیح دیا کرے۔ وہ کہتا ہے کہ "محبت کو ضوابط اور مذہبی ممانعت کی قیدون سے آزاد کرنا چاہئے اور اسکو اپنی مناسب جگہ پر لانا چاہئے یعنی یہ کہ دو افراد کے درمیان یہ ایک پرائیویٹ معاملہ سمجھا جاوے"۔ اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اور عورت کا کسی ضابطہ اور قاعدہ کے نیچے لاکر نکاح کرنا یا یہ کہ مذہبی رنگ مین بغیر نکاح کے مرد و عورت کے تعلقات کو منع کرنا یہ باتین نہ ہون بلکہ ہر شخص کو آزادی ہو کہ جہان جس قدر عرصہ کیلیے اسے کسی دوسرے مرد یا عورت سے محبت ہو وہان ہی مرد و عورت کے تعلقات بھی ہون پھر دوسری جگہ اگر وہ صرف اسقدر لکھتا کہ نکاح کے بعد جب بعض ضرورتین نکاح کو منسوخ کرنے کی پیش آتی ہین تو اسکے لیے کوئی راہ ہونی چاہئے تو یہ بات الگ تھی۔ مگر وہ خود نکاح کی ذمہ داریونکو ہی دور کرنا چاہتا ہے۔ یا یون کہو کہ نکاح کو ہی پسند نہین کرتا چنانچہ اسکے مندرجہ ذیل الفاظ سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے "ایک عورت جسکا گناہ صرف اسیقدر ہوتا ہے کہ یا وہ ناواقفیت کے سبب سے کسی پھسلانے والے کے دام مین پھنس جاتی ہے یا اس کی محبت پر زیادہ اعتبار کرکے اپنے آپ کو اسکے حوالہ کر دیتی ہے اسکو پھر معزز سوسائیٹی سے الگ کر دیا جاتا ہے اس غلطی کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ ہر ایک عورت کو ایک خاص آدمی کی محتاج سمجھا جاتا ہے اور اسیوجہ کو دور کرنیسے اصلاح بھی ہو سکتی ہے۔ انڈونین اس امر سے بہت خوف ظاہر کیا جاتا ہے کہ پیدائشونین کمی ہو رہی ہے اور جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ مضبوط نہین ہوتی .... مگر یقیناً ہمارے خیالات پیچھے

اخلاق فاضلہ کے متعلق بالکل اُلٹے ہوئے ہوئے ہیں کیونکہ اس امر میں تو کچھ حرج نہیں سمجھا جاتا کہ ایک بوڑھی عورت ایک شرابی خاوند کے ساتھ تعلق رکھکر بیمار بچے پیدا کرتی چلی جاوے مگر جب کوئی عورت اپنے قدرتی قویٰ اور جذبات کے زور کیوجہ سے پوشیدہ طور پر تعلق کرکے بچہ پیدا کرتی ہے تو اسکے ساتھ ایسا سلوک ہوتا ہے کہ یا تو وہ دریا میں جاکر ڈوب مرتی ہے اور یا بازاروں میں اسے بھیک مانگنے یا بدکاری کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ برنارڈ شا کہتا ہے کہ ہر ایک عورت کو جو ایک اچھا ذہین مضبوط قوے والا اور عمدہ ہاضمہ والا رعایا کا ممبر پیدا کرسکتی ہے اس قومی خدمت کے عوض میں سلطنت کیطرف سے کافی معاوضہ ملنا چاہیئے تاکہ وہ پھر بھی اس خدمت کو دوبارہ ادا کرسکے"

ان الفاظ سے مطلب یہ ہے کہ عورت کو بجائے اسکے کہ اس امر پر ملزم ٹھہرایا جائے کہ اس نے ناجائز تعلق پیدا کرکے ولدالحرام اولاد پیدا کی ہے اسکو انعام دینا چاہیئے اور اسکے اس فعل کو مذموم نہیں بلکہ محمود تصور کرنا چاہیئے ایک طرف تعدد ازدواج ہے اور دوسری طرف یہ تجویز جسکے رو سے حکومت کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ ولدالحرام بچوں کی پیدائش پر انعام دیکر اس فعل قبیح کی لوگوں کو ترغیب دے۔ ان دونوں تجویزوں میں سے ہمارے مدعیان اصلاح کا اختیار کرنے کے اور خصوصاً مسٹر ولاور حسین سے میری یہ استدعا ہے کہ وہ بھی کھولکر اپنی رائے بیان کریں کہ ان دونوں باتوں میں سے انہیں کونسی بات پسند ہے کیا تعدد ازدواج کے رواج کو منسوخ کرکے یہ لوگ ان باتوں کو خوشی سے رواج دینا پسند کرتے ہیں۔ اور کیا یہ تبدیلی مسلمانوں کی بہتری کا باعث ہوگی۔ کیا یہی وہ تہذیب ہے جس کی طرف وہ مسلمانوں کو بلا رہے ہیں۔ خود عیسائیوں نے بھی آخر صدیوں کے تجربہ کے بعد یہ محسوس کرلیا ہے کہ یا تو انہیں تعدد ازدواج کو رواج دینا پڑے گا اور یا بدکاری کو جائز رکھنا پڑے گا۔

دنیا کے ہر ایک ملک میں جہاں تعدد ازدواج کو روکا گیا ہے رنڈی بازی اور زناکاری بہت ہی کثرت سے پھیلی ہوئی ہے۔ بلکہ مہذب ممالک میں تو اب یہاں تک نوبت پہونچی ہے کہ لوگ یہ کہنے لگ گئے ہیں کہ رنڈی بازی سوسائیٹی کا جزو لازمی ہے۔ غالباً سب سے پہلے رومیوں نے تعدد ازدواج کے اصول پر عمل کرنا چھوڑا۔ ان کی اخلاقی حالت کی یہ شہادت تاریخ سے ہمیں ملتی ہے جیسا کہ لیکی کہتا ہے٭ کہ "تاریخ میں ایسے زمانے تو بہت ہیں جب نیکی اس سے بھی کم ہوگئی جس قدر رومی قیصروں کے ماتحت تھے۔ مگر ایسا کوئی زمانہ نظر نہیں آتا جب بدکاری اور فواحش اسقدر کھلے اور اسقدر حد سے گذرے ہوئے ہوں جیسا کہ رومیوں کے زمانے میں ...... رومیوں میں تین قسم کی شادی تسلیم کی گئی تھی جس میں تیسری قسم یہ تھی کہ صرف محبت کے ارادے کے اظہار سے مرد و عورت کا تعلق جائز سمجھ لیا جاتا تھا۔ یہ صورت نکاح کی در اصل ایک قسم کی زناکاری ہے رومی سلطنت میں بالکل عام ہوگئی تھی۔ سسرو کا یہ خیال تھا کہ کم از کم جوان آدمیوں کی صحت کے لیے یہ ضرور ہے کہ وہ عورتوں سے صحبت کریں۔ وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ خیال کرتا ہے کہ جوان آدمیونکو کسبیوں کی صحبت سے روکنا چاہیئے

ہمارے مصلحین اختیار کرین؟

٭ مندرجہ ذیل واقعات کا اکثر حصہ ڈاکٹر فٹ کے ہوم سائیکلوپیڈیا سے لیا گیا ہے اور متن میں جو حوالے صفحوں کے ہونگے وہ اسی کتاب کے صفحونکے ہونگے +

تو وہ بیجا تشدد کرتا ہے۔ الگزنڈر سویرس کا جو رومی بادشاہون مین بدکاری کے خلاف قانون بنانے مین سب سے زیادہ مشہور ہے۔ ذکر ہے کہ کسی صوبہ کا گورنر مقرر کرتے وقت وہ علاوہ گھوڑے اور خدمتگار دینے کے گورنر کو اس صورت مین کہ وہ بیاہا ہوا نہ ہو ایک لونڈی بھی ساتھ دیا کرتا تھا۔ (صفحہ ۹۱۳) روم مین آگسٹس کے ماتحت قانون مین کسبی کا پیشہ اختیار کرنے یا رنڈی بازی کی کوئی سزا نہ تھی اور جنکے اولاد کچھ زیادہ ہوتی تھی ان کو کچھ انعام بھی ملتا تھا۔ ان دونون باتون کے ملنے سے بعض لالچی خاوندون کی جو خود اولاد پیدا کرنیکے قابل نہ ہوتے یہ حالت ہوگئی تھی کہ وہ اپنی عورتونکو بازار مین کسبیونکے طور پر بٹھا دیتے تھے تاکہ بہت ساری اولاد پیدا ہو سکے۔

یونان کے متعلق جہان عملی طور پر تعدد ازدواج کی سب سے پہلے ممانعت کی گئی وہی مصنف لکھتا ہے۔ "جب یونانی سوسائیٹی اس حالت پر پہونچی اور لونڈیون کا رکھنا غیر مروج ہوگیا اسوقت ان کے نکاح ..... زوج واحد کے ایسے ہی سخت قاعدہ کے ماتحت تھے جیسے ہمارے آج ہین۔ نکلوس اس زمانے مین یونان کی حالت کے متعلق لکھتا ہے "اتھنز مین جو یونان کا سب سے زیادہ مہذب شہر تھا۔ رنڈی بازی ایسی ہی عام تھی جیسے اب نیویارک یا لنڈن یا پیرس مین ہے۔ یونان کی ان اقوام کی مانند جو بدکاری مین مشہور تھین اس زمانہ مین ہر ایک مہذب ملک کے دار الخلافہ مین اسی قسم کے لوگ بکثرت موجود ہین لیکن ہمارا معیار اخلاق خاص رسوم اور قواعد کا پابند ہے جن کی پروا تو کہین نہین کیجاتی مگر ان کا یہ اثر ضرور ہماری زندگی پر پڑتا ہے کہ لگاتار نفاق کی کمینگی نے ہمارے چال چلن کو نہایت درجہ ذلیل کر دیا ہے۔ ڈاکٹر ہینکو سٹے کہتا ہے کہ پیریکلیز کے زمانہ مین اتھنز مین عورتون کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی اور پھر بہت ترقی کر گئی جو اوباشی اور بدکاری مین بے لگام ہونے پر فخر کرتی تھین ایشیائی یونانی نوآبادیون مین زمینی زہرا (یعنی زناکاری) کے نام پر مندر بنائے گئے۔ اور ان مین کسبیان نہ صرف رہتی ہی تھین بلکہ انہین دیوی کے مظہر سمجھ کر ان کی حیثیت ان مندرونکے پروہت ہونیکی عزت کیجاتی تھی۔ کارنتھ کا دولتمند اور تجارتی شہر کسبیونکی پرورش اور تعلیم پانے کی جگہ تھی۔ سٹرابو کہتا ہے کہ زہرا کے مندر مین ایک ہزار ایسی خوبصورت نوجوان عورتین تھین جو دیوی کا قرب حاصل کرنیکے لیے روپے لیکر کسبیون کا پیشہ کرتی تھین۔ اتھنز مین چکلون کی تعداد بے حد بڑھی ہوئی تھی۔ سولن نے ضروری سمجھا کہ کسبیون اور رنڈیون کو زناکاری کی غرض سے عبادت خانون اور عام چوکون مین آنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ (صفحہ ۸۶۰ - ۸۶۱)

یہ تو ان ابتدائی قومون کی حالت تھی جنھون نے تعدد ازدواج کو اپنے قوانین نکاح سے خارج کیا اور شاید تعدد ازدواج کے دشمن یہ کہنے کیلیے تیار ہونگے کہ اب اس تہذیب کے زمانے مین اس قسم کی قومونکی یہ حالت

نہین رہی اس لیے مین اب یہ دکھاؤنگا کہ تہذیب کی ترقی سے اس پہلو مین کوئی ترقی نہین ہوئی۔ "لیڈی گسیلس ہملٹن انیسوی صدی کے ابتدا مین لکھتے ہوئے نیدرلینڈ کے ان عام چکلونکے متعلق جہان سرکاری لیسنس سے شہر کی لڑکیان جاتی تھین لکھتی ہے۔ کہ ان مقامات مین بڑے بڑے لوگ بغیر کسی خوف یا کسی شرم کے چلے جاتے تھے اور کسی شخص کا ان مقامات مین دیکھے جانا ایسا ہی سمجھا جاتا تھا جیسے کسی کھیل تماشے یا بہلاوٹ کی جگہ مین یہان کے شغل راگ اور ناچ تھے اور جو ناچ مین مشغول نہ ہوتے وہ کمرونکے گرد گرد اپنی اپنی آشناؤنکو لیکر بیٹھے ہوتے۔ جس شخص کا جی چاہتا کہ ان مین سے کسی کے ساتھ خلوت کرے اسکے لیے ساتھ ہی چھوٹے چھوٹے کمرے موجود ہوتے تھے جہان بستر اور دوسرے آسایش کے سامان موجود ہوتے۔ ان کمرون مین داخل ہونے یا ان سے باہر نکلنے پر اس سے زیادہ توجہ نہ ہوتی تھی جیسے کوئی کسی دوست کے ساتھ گفتگو کرنیکے لیے ذرا الگ ہو جائے۔ عام رائے وہان یہ تھی کہ اگر مردون کو ان امور کی اجازت نہ دیجاوے تو پھر انکی عورتین پاک دامن نہ رہ سکتی تھین (ص ۹۴۹)

اب جاپان کیحالت کو دیکھتے ہین کیونکہ یہ بھی ان قومون مین سے ایک ہے جنکو ترقی کرنیوالی قومونکے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ سنہ ۱۸۹۸ء سے پہلے جاپان مین یہ دستور تھا کہ ایک مرد کی ایک منکوحہ عورت ہوتی تھی اور اسکے ساتھ وہ اسقدر لونڈیان رکھ سکتا تھا جسقدر اسکے ذرایع آمدنی اسے اجازت دیتے۔ جب کسی لڑکی کے رشتہ دار اسقدر غریب ہوتے کہ وہ اسکے اخراجات کی برداشت نہ کر سکتے تو وہ بجائے بھیک مانگنے کے دوسری یا تیسری بی بی بن جاتی۔ مگر اس کی اولاد اصل بی بی کی اولاد سمجھی جاتی تھی۔ مگر آخر یہ رواج سنہ ۱۸۹۸ء مین منسوخ ہو گیا۔ اسکی منسوخی کی تجویز پر بہت مخالفت ہوئی۔ چنانچہ اسکے متعلق امریکہ کے ایک اخبار نے لکھا تھا کہ جاپانی لوگ کہتے ہین کہ اس طریق کے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خاوند بعض وقت ایک بی بی پر کفایت نہ کرکے زیادہ مخفی تعلقات پیدا کرے گا جو بہت مضر ہونگے۔ اس کی زندگی ایک دوھری زندگی ہوگی یعنی بظاہر تو ایک بی بی ہوگی مگر تعلقات اورون سے بھی ہونگے۔ اور ان مخفی تعلقات مین روپیہ بھی بہت ضایع ہوگا۔ اور بعض وقت حرامی بچونکا ایک کنبے کا کنبہ اسکا ہو جائیگا۔ اور جاپان مین ایک ایسی جماعت پیدا ہو جائے گی جس کا ابتک وہان نام و نشان نہین یعنی وہ بدقسمت بیگناہ انسان جن پر اسوجہ سے ظلم ہوتا ہے کہ انکے والدین نے گناہ کیا۔ ایسا ہی مرد چکلونمین جائیگا یا اپنے ہمسائے کی لڑکی یا عورت کیطرف بدنظری سے دیکھے گا جسکا نتیجہ سوائے خرابی کے کچھ نہ ہوگا۔ مگر آخر فریق مخالف غالب آگیا اور یہ رواج جو دراصل تعدد ازدواج کی ایک ادنے قسم تھی سنہ ۱۸۹۸ء مین منسوخ ہو گیا۔ اور اب جاپان کی یہ حالت ہے کہ رنڈی بازی کے گورنمنٹ نے باقاعدہ لایسنس جاری کر رکھے ہین۔ اور اس غرض کے لیے جو گھر ہین یعنی چکلے وہ تعداد مین اتنے اور ایسے وسیع ہین کہ شہرون مین بڑی بڑی جگہ انہون نے روکی ہوئی ہے" (ص ۹۲۵)

انگلستان کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین کیونکہ بار بار اسی رسالہ مین بحوالجات تحریرات انگریزی لکھا

جا چکا ہے۔ ڈاکٹر فوٹ کے چند الفاظ نقل کیے جاتے ہین وہ کہتا ہے "انگلستان مین ہمارے ملک کی طرح قانون تو زوج واحد کے قاعدہ کا ہی ہے مگر عام رائے خاوندون کے لیے تعدد ازدواج کو جایز سمجھتی ہے۔ اور پھر طلاق کے قانون پر بحث کرتا ہوا لکھتا ہے کہ زانیہ عورت کا خاوند اگر عورت کا زنا ثابت کرے تو طلاق حاصل کر سکتا ہے خواہ اسکا اپنا چال چلن بھی برا ہو۔ ایک نئے بل پر بحث کرتے ہوے ایک ممبر پارلیمنٹ نے جو لفظ کہے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر عورت کو بھی خاوند کا زنا ثابت کر کے طلاق حاصل کرنے کی اجازت ہو تو اس پارلیمنٹ کے کمرہ مین ایک جنٹلمین بھی ایسا نہ ہوگا جس کی عورت قانوناً اس سے طلاق حاصل نہ کر سکے" (ص ۹۴۹)
یہ واضعان قوانین ہین جو تعدد ازدواج کے خلاف قانون بناتے ہین یا مین نہین سمجھتا کہ ہمارے ملک کے مخالفین تعدد ازدواج کہانتک انکے نقش قدم پر چل چکے ہین یا چلنے کا ارادہ رکھتے ہین۔

"ہسپانیہ مین بیاہے ہوے مردون عورتون مین عصمت کا نام کوئی نہین جانتا۔ یہان غیرت کبھی اٹھتی ہی نہین اور بیاہی ہوئی عورتون کو جو آزادی حاصل ہے اس کی کوئی حد نہین سوائے اسکے جو وہ خود اپنی مرضی یا سمجھ پر اس آزادی مین اپنے آپ کو کہین روک دین مگر ان کی گرم طبیعتین ان کو رکنے نہین دیتین لارڈ بایرن نے اپنی والدہ کے نام ایک خط مین جس مین ہسپانیہ کے باشندون کے رسوم کو اس نے بیان کیا یہ لکھا تھا کہ یہان زندگی کا مقصد ہی سازش کرنا سمجھا جاتا ہے۔ جب ایک عورت نکاح کر لیتی ہے تو وہ سب قیدون اور روکون کو پرے پھینک دیتی ہے۔ لیکن یہ میرا یقین ہے کہ نکاح سے پہلے انکے چال چلن اچھے ہوتے ہین ہسپانیہ مین یہ امر مردون کے آداب صحبت مین سمجھا جاتا ہے کہ جس عورت سے انہین ملنے کا اتفاق ہو اس سے اظہار عشق و محبت کرین۔ بلکہ ہسپانیہ کے ایک بڑے معزز اور بڑے پایہ کی عورت نے یہ کہا ہے کہ مین اس آدمی کو دلی نفرت سے دیکھتی ہون جس کو مناسب موقعہ ملے اور وہ بڑے اصرار سے مجھ سے ایسے سلوک اور ان باتون کی درخواست نہ کرے جو مین اس سے کر سکتی ہون۔ مگر ہسپانیہ مین خاوندون کی آزادی ان معاملات مین عورتون سے بھی بڑھی ہوئی ہے جیسا کہ دوسرے ممالک مین (صفحہ ۹۵۲-۹۵۳)

فرانس مین مردون اور عورتون کے تعلقات کے متعلق وہی مصنف ایک عورت کی چٹھی نقل کرتا ہے۔ یہ پیرس مین لکھی ہوئی تھی۔ وہ لکھتی ہے کہ یہان بیاہی عورتونکے ساتھ اجنبی مردون کی گفتگو ہم سے بہت زیادہ آزادی کے ساتھ ہوتی ہے۔ بہت ساری باتین جو ہین تو معمولی مگر جنکا ذکر مجلس مین کرنا آداب کے خلاف سمجھا جاتا ہے یہان انکا نام لیکر بڑے اطمینان سے ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ آزادی جو گفتگو مین پائی جاتی ہے باقی امور مین بھی نظر آتی ہے۔ بیاہی ہوئی عورتین جس اجنبی مرد کے ساتھ جہان چاہین جا سکتی ہین اور عموماً حد سے زیادہ خاوند کی غیر محتاجی ظاہر کرتی ہین" (ص ۹۵۵)

پیرس کی وہ بدقسمت لڑکیاں جو زناکاری کا پیشہ کرتی ہیں اور جنکے لئے بازار اور گلیاں کوچے بھرے ہوئے ہیں۔ عموماً بیماری یا مفلسی سے نہایت مصیبت کیحالت میں مرجاتی ہیں کبھی ہسپتال میں کبھی اور جگہ جسکا پتہ کوئی نہیں بتا سکتا پیرس میں ایک جگہ بنی ہوئی ہے جو ولد الحرام بچوں کے لینے اور انکے پالنے کے لیے مخصوص ہے اس جگہ مفلس عورت اسلیے آتی ہے کہ وہ اپنے بچے کی جو زنا سے پیدا ہوا ہے پرورش نہیں کرسکتی اور دولتمند عورت اسلیے کہ اس کی وجاہت اسکو اجازت نہیں دیتی کہ اپنی بدکاری کے نتیجہ کو کھلے طور پر دکھا سکے ریل کی ایک چھوٹی سی پٹری ہے جسپر ایک چھوٹی سی گاڑی ہے اسمیں بچے کو رکھکر باہر سے اس مکان کے اندر دھکیل دیا جاتا ہے اور اندر کوئی نہیں جانتا کہ کس شخص نے اس بچے کو وہاں رکھا میری رائے میں اس مکان پر زدن کتبہ یہ ہوگا کہ امیر اور غریب اپنے شیطانی افعال سے ایک ہی جگہ جمع ہوجاتے ہیں۔ (ص ۹۵۶)

پرتگال کے متعلق لکھا ہے کہ اس جگہ نکاح کے دایرہ کے اندر وہی بدکاری اور حرامکاری ہوتی ہے جیسے کہ ہسپانیہ میں۔ (ص ۹۵۸)

اٹلی کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ یہاں نکاح پابندی کے اندر نہیں لاتا بلکہ اسکا الٹ ظہور میں آتا ہے جبتک لڑکی کا بیاہ نہ ہوا اسوقت تک وہ خانقاہ میں یا اپنے ماں باپ کے گھر میں قیدی کی طرح ہوتی ہے اور مردوں سے مل جل نہیں سکتی۔ لیکن جب بیاہ ہوجائے تو پھر وہ علاوہ خاوند کے ایک سے لیکر تین عاشق کھلے طور پر رکھ سکتی ہے۔ وینس سے لکھتا ہوا بائرن ایک چٹھی میں لکھتا ہے کہ اخلاق کی عام حالت اسجگہ ویسی ہی ہے جیسی کہ ڈوگ کے وقت میں۔ جو عورت خاوند اور ایک ہی عاشق پر کفایت کرے وہ پاکدامن کہلاتی ہے۔ جن کے دو تین یا زیادہ عاشق ہوں انکو ذرا زیادہ آزاد سمجھا جاتا ہے۔ لیکن بدکاری کا الزام کسی عورت پر اسوقت عائد ہوگا جب وہ بالکل بے تمیزی سے ایسے تعلقات قایم کرتی چلی جاوے کسی عورت کو یہ یقین دلانا ناممکن ہے کہ عاشق رکھنے سے وہ راستی اور نیکی کے راہ سے الگ ہوجاتی ہے۔ بڑا گناہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ عاشق رکھکر اس امر کو مخفی کیا جاوے یا ایک سے زیادہ عاشق رکھے جاویں بشرطیکہ اس امر کو پہلا دعویدار جانتا یا تسلیم نہ کرتا ہو۔ (ص ۹۵۹)

آسٹریا ہنگری میں قانونی طور پر زوج واحد کا سخت قاعدہ مروج ہے مگر ولد الزنا بچوں کی فیصدی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ۱۸۵۳ء میں شہر وائنا میں جو آسٹریا کا دار الخلافہ ہے ان بچوں کی تعداد جنکی ولادت ناجائز تھی۔ ولد الزنا بچوں کی تعداد کے قریباً قریباً برابر تھی۔ نئی فہرستوں سے کسیقدر بہتری معلوم ہوتی ہے۔ ۱۸۸۵ء میں کل سلطنت میں فی سو بچوں میں سے ۱۴ ولد الزنا تھے۔ (ص ۹۶۱)

سویڈن اور ناروے میں زوج واحد کا قاعدہ قانون ہے مگر عملی طور پر اس قاعدہ کی پابندی نہیں۔ ملک سویڈن میں اگرچہ قانون اجازت نہیں دیتا مگر آزادانہ محبت کا رواج ہے یعنی جس مرد کی جس عورت سے

محبت ہو ان دونون مین تعلقات زناشوی قایم ہوجاتے ہین۔ بیارڈ ٹیلر ایک چٹھی مین جو سٹاک ہالم سے اس نے
لکھی ہے یون رقمطراز ہے "سٹاک ہالم کے لوگون کے اطوار کو بیان کرنیکے بعد اس چٹھی کو ان کے اخلاق کے بیان کیے
بغیر ختم کرنا ٹھیک معلوم نہین ہوتا۔ اس شہر کو یورپ مین سب سے بڑا منبع فسق و فجور کہا گیا ہے اور یہ بھی بات یہ ہے کہ
ایسا کہنے مین لوگ حق پر ہین۔ بیاہے ہوئے مردون اور عورتون مین جو کثرت زناکاری ہے۔ اس مین وائنا اس شہر
سے بڑھا ہوا ہے مگر عام بدکاری مین یہ شہر یقیناً اول نمبر پر ہے۔ ان پیدائشون مین سے جن کا اندراج ہوتا ہے قریبًا
نصف حرامی بچے ہوتے ہین اور انکے علاوہ وہ بچے ہین جو اصل مین ولدالزنا ہوتے ہین مگر انکے ماں باپ بیاہے ہوئے
ہوتے ہین۔ خدمتگار لڑکیون۔ دکانون کے ملازمون۔ اور درزنون مین سے مین یقینًا کہہ سکتا ہون کہ سو مین سے
ایک بھی بمشکل ایسی ہوگی جو زنا سے بچی ہوئی ہو۔ اور اوباش جوان لوگ کہتے ہین کہ معزز گھرانون کی لڑکیون مین سے
جو درمیانی درجہ سوسائیٹی مین ہین بکثرت ایسی ہین جن کی حالت اول الذکر سے اچھی نہین مردون کی حالت عورتون سے
بھی بدتر ہے اور پیرس مین بھی اوباشی کا ظاہر انشا اسقدر نہین پایا جاتا جیسا اس جگہ یہان تباہ شدہ جوان آدمیون
اور بوڑھے بدکارون کی تعداد جن کی نظر بھی جاتی رہی ہے حیرت مین ڈالتی ہے مین نے کوئی ایسی جگہ نہین دیکھی جہان
فسق اس قدر کھلا اور ظاہر ہو۔ اور پھر باوجود اس کھلی بدکاری کے بناوٹی اخلاق کا ایسا دعوے ہو۔ آرامگاہون مین
جوان اوباش مرد عورت خدمتگارون کو کھانا لانیکے لیے کہتے ہین تو بڑی بے حیائی سے ان سے بغلگیری کیجاتی
مین ہوتے ہین اور بوڑھے آدمی اس سے بھی زیادہ بیحیائی کے ساتھ ان کی چھاتیون کو ہاتھ لگاتے ہین ایسی صورتمین
کوئی تعجب کی بات نہین کہ کوئی جوان آدمی پیرس اور وائنا کے سخت آزمایش کے موقعون سے پاک صاف نکل آئے۔
اور سٹاک ہالم مین آکر تباہ ہو۔ (ص ۹۶۱ - ۹۶۲)"

ان اقوال سے جو یہان نقل کیے گئے ہین یہ امر بالکل واضح ہے کہ زوج واحد کے قاعدہ کی سخت پابندی سے پرانی
دنیا کے کسی ایک ملک مین بھی نیک اثر نہین ہوا بلکہ تعدد ازدواج کی ممانعت سے سخت درجہ کی بدکاری اور بیحیائی پھیلی
ہے چنانچہ یہ شہادت جو اوپر نقل کی گئی ہے ایک ایسی کتاب سے ہے جو امریکہ مین لکھی گئی ہے۔ اسکے بعد وہی مصنف
ملک کینیڈا کی حالت کو بیان کرتا ہوا لکھتا ہے کہ کینیڈا مین نہایت سخت قاعدے حفاظت اخلاق کیلیے جاری کیے
کیے گئے ہین مگر نتیجہ پھر بھی بالکل اطمینان بخش نہین اور ان لوگونکے خلاف ہے جو یہ چاہتے ہین کہ زوج واحد کے قاعدے
کے ساتھ تعدد ازدواج کی اجازت نہین ہونی چاہئے۔ جہان قانون کی کھلی مخالفت ثابت ہوجائے وہان سزا ضرور
ہوجاتی ہے۔ مگر ان لوگون کی مخفیہ کارروائیان جو نہ قانون کی پرواکرتے ہین اور نہ اخلاق کا پاس ویسی ہی ہین
جیسے ریاست ہائے متحدہ مین یا دوسرے ممالک مین جہان زوج واحد کے سخت قاعدہ کی پابندی ہوتی ہے (ص ۹۶۲)
یہی حال ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا ہے مارمونون کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر فٹ لکھتا ہے کہ آخر حکومت کیطرف سے

مجبور ہو کر انہون نے اپنے عزیز رواج پر جو تعدد ازواج سے متعلق تھا ظاہر طور پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے مگر یہ امر کہ در پردہ اب بھی وہ اسپر عمل کرتے ہین خود اس بات سے ظاہر ہے کہ ان کا تو یہ مذہبی عقیدہ ہے حالانکہ ریاست ہائے متحدہ کے ہر ایک شہر مین جہان اس امر کو قانونی طور پر اور مذہبی طور پر سخت مذموم سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص سوا ایک بی بی کے کسی دوسری عورت سے تعلق رکھے عملی طور پر ایک ایک مرد اسقدر عورتون سے تعلق رکھتا ہے کہ ریاست یوٹا کے مارمنون مین تعدد ازواج پر عمل کرنیوالے بھی اتنی بیویان نہین رکھتے۔ اگر ان شہرون مین ایک آدمی عام رائے قانون اور کانشنس کی ظاہر رعایت کر سکتا ہے حالانکہ در پردہ اس کی زندگی منافقانہ ہو۔ تو پھر ان لوگون سے کیسی امید رکھنی چاہیئے جنکا مذہب اور اخلاق تعدد ازواج کی اجازت دیتے ہین پہلی صورت مین تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک عورت ایک مرد کی ناجایز محبت کا شکار ہو کر یا اسقاط کرتی ہے اور یا ایسی اولاد پیدا کرتی ہے جو بڑے بڑے شہرون کے کارخانون اور جیلخانون مین بھرتی ہوتے ہین اور دوسری طرف عمدہ اولاد پیدا ہوتی ہے جس کی پرورش ایک محبت اور پیار کرنیوالی مان کے ہاتھ مین ہوتی ہے جس نے نہ اپنی عزت کو کھویا ہوتا ہے اور نہ ہی سوسائیٹی مین اپنے مرتبہ کو کم کیا ہوتا ہے ایک بیرونی آدمی کی سمجھ مین جس کو وحشی کہا جائیگا۔ یہ باتین نہین آسکتین (ص ۸۷۳)

کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ ان ممالک مین دو مرد اپنی بیبیان ایکدوسرے سے بدل لیتے ہین خواہ عارضی طور پر خواہ مستقل طور پر۔ نیو انگلینڈ کے ایک شہر مین ایک دفعہ دو مرد رہتے تھے جو سوسائیٹی مین عزت رکھتے تھے۔ انہون نے اپنی بیبیو نکو کل فریقونکی رضامندی سے اول بدل کر لیا ایسا ہی ہینے ریاست الینائیس کے دو خاوندونکا ذکر پڑھا ہے جنہون نے اسی طرح بیبیان بدل لین اور ایک نے بی بی کے ساتھ کچھ زاید معاوضہ بھی حاصل کیا بڑے بڑے شہرونکے بیاہے ہوئے آدمیون مین بیویونکی عارضی تبدیلیان عام ہین لیکن مستقل تبدیلیان سوا ایسی حالت کے جہان اغوا ہو شاذ و نادر ہین ایک مورخ کہتا ہے کہ مشہور واضع قوانین لائی سرگس کا یہ خیال تھا کہ کھلے طور پر ایک مرد کا اپنی بی بی دوسرے کے حوالے کر دینا حسد کا سب سے عمدہ علاج ہے اور ان لوگونپر وہ ہنستا تھا جو عورت کے ناجایز تعلق پیدا کرنیکو اپنے لیے ایک ایسا صدمہ سمجھتے ہین جس کی برداشت نہین ہو سکتی جو لوگ آجکل بیویون کی تبدیلی کو جایز رکھتے ہین وہ اسیکے شاگرد معلوم ہوتے ہین (ص ۸۷۵)

بعض استثناؤنکے ساتھ امریکہ کی عورتین اپنے خاوندونسے وفاداری دکھاتی ہین اور بہت سارے خاوند بھی خصوصًا دیہاتی اضلاع کے رہنے والی عورتونسے وفاداری دکھاتے ہین مگر یہ امر کہ ہزارون کسبیان اور محبوبہ بڑے بڑے شہرون اور انکے قریب قریب کے دیہات مین رکھی جاتی ہین اس یقینی اور قطعی نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ اگرچہ بظاہر حکومت اور سوسائیٹی نے زوج واحد کا قاعدہ رکھا ہوا ہے مگر عملی طور پر بکثرت مرد ایسے ہین جو ایک ہی بی بی پر کفایت نہین کرتے۔ نیویارک مین یہ ایک ضرب المثل ہے کہ اس شہر کی کسبیونکو عمومًا ان لوگونسے مدد پہنچتی ہے جو

دارالخلافہ کو دیکھنے کے لیے آتے ہین بعض واقعات جدیدہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بعض عورتین بھی مردونکے نقش قدم پر چلتی ہین یعنی ناجایز تعلق پیدا کرتی ہین (ص ۹۷۶)

کیوبا کے متعلق ایک نامہ نگار کی چٹھی سے معلوم ہوا کہ کیوبا مین ایک پندرہ سال کی لڑکی فیس داخل کرکے کسبی بن سکتی ہے۔ مگر ۲۰ سال کی عمر مین وہ بغیر والدین یا ولی کی اجازت کے جایز نکاح نہین کر سکتی اس نامہ نگار نے مجھے یہ بھی لکھا ہے کہ کیوبا مین مرض آتشک سخت زور پر ہے۔ در تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ۸۰ فیصدی عورتین اس بلا مین گرفتار ہین۔ (ص ۹۸۶)

پورٹوریکو کے متعلق شرمان کہتا ہے کہ ان لوگون مین ولدالزنا بچونکی تعداد ولدالحلال بچونسے بڑھی ہوئی ہے (ص ۹۸۲) ان واقعات کو ذکر کرنیکے بعد جس مین مختلف عیسائی ممالک کی حالتین بیان کی گئی ہین جہان تعدد ازدواج کی ممانعت ہے۔ ہوم سائیکلوپیڈیا لکھتا ہے کہ اب ہم یہ پوچھتے ہین کہ کیا ان قومونمین جو نام کو سچے عیسائی کہلاتی ہین پاکدامنی کی نیکی پائی جاتی ہے۔ اگر ہے تو پھر اسکا وجود کہان ہے۔ یقیناً یہ ہمارے بڑے بڑے شہرون مین تو نہین وہ اسکے نام سے ایسے خالی ہین جیسے اگسٹس کے زمانے مین روما اور ایتھنز خالی تھے۔ نہ ہی یہ ہمارے دیہات مین ہے جہان ہر روز ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہین جن کے گندے تذکرے مجلسون اور مجمعونمین ہوتے رہتے ہین۔ نہ ہی خاص طور پر اسکا وجود دیہاتی اضلاع مین پایا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ بکثرت جوان عورتون کی طرف سے یہ دردناک آوازین آتی رہتی ہین۔ کیا بڑے شہرونسے اور کیا چھوٹے قصبون سے کہ ہمین کوئی ایسی تدبیر بتاؤ جو ہمارے نام کو آنیوالی ذلت سے بچائے۔ (ص ۱۰۲۴) اسکا مطلب یہ ہے کہ کثرت سے عورتین ڈاکٹرونکے پاس ایسی آتی ہین جو چاہتی ہین کہ ولدالزنا بچونکے اسقاط کی کوئی تجویز کیجاوے اس کتاب کا مصنف ایک ڈاکٹر ہی ہے اور وہ اپنا تجربہ بیان کر رہا ہے +

مگر کوئی شخص ایسا ہونا چاہیئے جو یہ اخلاقی جرات رکھتا ہو کہ پرانے قوانین نکاح کے کھول کھولکر نقص بیان کرے اور مرد و عورت کے تعلقات کے متعلق نئے قاعدے اور رواج پیش کرے کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ ہم بڑی تیزی سے ان بدکاریون اور بدعادات کیطرف لوٹ رہے ہین جنہون نے پیریکلز کے زمانے مین یونانیون کو تباہ کیا تھا۔ اور پھر ان کی بدعادتین تو ہمنے لے لی ہین مگر ان کی نیکی اور دیانتداری سے کوئی حصہ نہین لیا عفت کے پہلو سے لنڈن پیرس اور نیویارک آج قدیم ایتھنز سے بھی بدتر ہین۔ کیونکہ کام تو انکے وہی ہین جو یونانیونکے تھے مگر وہ اپنی بدکاریونکو تسلیم کرتے تھے اور ہم خطرناک سیہ کاریان کرکے انپر پردہ ڈالنا چاہتے ہین اور خاوند اور عورت ایکدوسرے کو دھوکا دینا چاہتے ہین اور نفاق آمیزی سے زندگیان بسر کر رہے ہین۔ (۹۹۲)

قبل اس کے جو ان بدکاریون کے وجوہات اور علاج بیان کیا جاوے چند اور واقعات پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عیسائی ممالک کے اندر قوانین نکاح کو از سر نو تجویز کرنیوالونکو یہ امر مدنظر رکھنا چاہیئے کہ مردون اور

عورتون کی تعداد مین نسبت کیا ہے اور آبادی کا میلان مردون کی زیادتی کیطرف ہے یا عورتون کی اس مضمون کو کسی قدر
تعدد ازدواج کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے اسلیے اس جگہ مین صرف ہوم سائیکلوپیڈیا سے
ڈاکٹر فوٹ کے چند الفاظ نقل کرتا ہون وہ کہتا ہے:- کہ اسوقت تمام دنیا مین سوائے ان قطعات کے جو نئے آباد ہوئے ہین
ہین اور جہان روپیہ کمانے کی غرض سے مرد زیادہ جاتے ہین ہر ایک ملک مین آبادی کا میلان یہ ہے کہ بلوغت کی عمر مین
عورتونکی تعداد مردونسے بڑھ رہی ہے۔ جولائی ۱۹۰۹ء مین نیویارک ٹریبون نے لکھا تھا کہ عورتونکی ملازمت کے
لیے جو انجمن بنائی گئی ہے اسکے سالانہ اجلاس مین انجمن کے پریزیڈنٹ سرا دون رابرٹس نے بیان کیا کہ انگلستان
مین عورتون کی تعداد مردون سے بیس لاکھ زیادہ ہے اور نو آبادیون مین بھی اسی نسبت سے عورتونکی تعداد مین زیادتی
ہے۔ ایسا ہی ایک اخبار نویس نے تیس سال ہوئے اس مضمون پر لکھتے ہوئے کہ عورتونکو اس قابل بنانا چاہیئے
کہ وہ اپنا گذارہ آپ کر سکین یہ لکھا تھا کہ اسوقت تمام گنجان آبادی کا میلان یہ ہے کہ عورتونکی تعداد مردون سے
دن بدن بڑھ رہی ہے اور ہمین ان زاید عورتونکے لیے کوئی شغل نکالنا چاہیئے جب ہم بیرونی ممالک کیطرف
نظر کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ پندرہ سال کی عمر سے نیچے لڑکون کی تعداد لڑکیونسے زیادہ ہے مگر پندرہ سال سے
اوپر عورتون کی تعداد مردونسے بڑھکر ہے اور نوّے برس کی عمر تک یہی حال ہے۔ سو یہ بیرونی قومون پر یہی بات
صادق آتی ہے انگلستان مین عورتونکو مردون سے ۳ اور ۲ کی نسبت ہے یعنی ہر دو مردونکے لیے تین عورتین
موجود ہین۔ اور فرانس مین جہان عموماً عمرین زیادہ ہوتی ہین عورتون کی نسبت اس سے بھی بڑھکر ہے ریاست
مساچوزٹس مین بیس ہزار عورتین مردونسے زیادہ ہین (۱۹۰۹ء مین عورتون کی زیادتی ساٹھ ہزار تک پہنچ گئی تھی)
کنکٹیکٹ مین ۶۱۱۴ عورتین زیادہ ہین (۱۹۱۰ء مین ۷۰۱۲ کی زیادتی ہو گئی تھی) ورمانٹ اور مین کی ریاستون
مین مردون کی تعداد مین خفیف سی زیادتی ہے۔ مگر نیویارک کی ریاست مین ۵۲۳۴ عورتین مردون سے زیادہ
ہین (۱۹۰۹ء کی آبادی مین عورتون کی زیادتی ۴۶۰۷ تک پہنچ گئی تھی)۔ صرف ایک شہر نیویارک مین بیس ہزار
عورتون کی زیادتی ہے۔ یاد رہے کہ اخبار نویس کی یہ تحریر بہت مدت کی ہے اور جب سے بڑا نیویارک پیدا ہو گیا
ہے عورتونکی تعداد مین بہت ہی زیادتی ہو گئی ہے۔ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ میلان آبادی یہ ہے کہ عورتونکی تعداد
مردونسے بڑھتی جاتی ہے پس جیسا جیسا ہم تہذیب مین ترقی کرینگے یہ تعداد اور بھی بڑھتی جاوے گی۔ مین (مصنف
کتاب) اسقدر اور بڑھاتا ہون کہ میری لینڈ۔ نیوجرسی۔ نارتھ کیرولاینا۔ سوتھ کیرولاینا اور ورجینیا ان تمام ریاستون
مین اس وقت عورتون کی تعداد مردون سے بہت بڑھی ہوئی ہے (ص ۱۰۱۷)

جن باتون کا ان واقعات سے ثبوت ملتا ہے انکو سب لوگ جانتے ہین مگر مین نے مفصل طور پر خود مغربی مصنفون کے
قول اسلیے نقل کیے ہین کہ عفت کے معاملہ مین مہذب اقوام کی گری ہوئی حالت کو بیان کرنے مین یہ الزام مجھ پر عاید

نہ ہو کہ مینے طرفداری یا تعصب سے کام لیا ہے - ان واقعات کو بیان کر دینے کے بعد اب یہ ضروری ہے کہ مغربی
رواجوں کے وہ نقص اور کمزوریان معلوم کیجاوین جن کا نتیجہ سوسایٹی کی یہ قابل افسوس حالت ہے اور ان علامات
سے مرض کی تشخیص کر کے علاج کیطرف توجہ کیجاوے - مین ان واقعات پر بہت غور کرنیکے بعد مفصلہ ذیل نتایج
پر پہنچا ہون جنسے کسی سمجھدار آدمی کو انکار نہین ہو سکتا! اول یہ کہ تمام مہذب سوسایٹیون مین بیاہے ہوئے
مرد اور عورتین نہ صرف اجنبیون کے ساتھ آزادانہ تعلقات رکھتے ہین بلکہ واقعی طور پر نکاح کے دایرے کے اندر
اور باہر بھی پاک دامنی نایاب ہو رہی ہے اور اخلاقی حالتین اس معاملہ مین بہت گری ہوئی حالت مین ہین -
دویم یہ کہ ان سوسایٹیون مین زندگی کا وہ حصہ جو خاوند اور عورت کے تعلقات کے متعلق ہے بہت ہی تلخ ہو رہا ہے
اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ خاوند یا عورت مین سے دونون یا ایک اجنبیون سے وہ تعلقات پیدا کر لیتے ہین جو
خاوند یا بیوی سے ہونے چاہیئے - سویم یہ کہ جس حد تک ان ممالک مین سے کسی مین مرد و عورت کے کھلے تعلقات
کو روکا گیا ہے اس حد تک مردون اور عورتون کی زندگیان کم لوث ہین - چہارم یہ کہ جن قومون نے تعدد
ازدواج کی قطعی ممانعت کر دی ہے ان مین بدکاری اور زناکاری کیا بیاہے ہوؤن مین اور کیا بن بیاہون مین
بہت کثرت سے پھیلی ہوئی ہے - پانچوین یہ کہ اس قسم کی تمام قومونکو رنڈی بازی کی قانوناً اجازت دینی پڑی
ہے - چھٹے یہ کہ بیاہے ہوئے مردون اور عورتون مین مرد بہ نسبت عورتون کے زیادہ خاین ہین - ساتوین یہ کہ
زناکاری کا پیشہ عموماً ان عورتون نے اختیار کیا ہے جنکو جایز طور پر خاوند نہین ملے اور جنکو وہ ذرایع بسر
نہین ہو سکے جنسے وہ معزز طور پر مائین یا بیویان بن کر نیک زندگیان بسر کر سکین - آٹھوین یہ کہ تمام مہذب
ممالک مین جہان تعدد ازدواج کی ممانعت کیگئی ہے عورتونکی تعداد مردونسے بہت بڑھی ہوئی ہے -

یہ نقص ان قوانین نکاح مین نظر آتے ہین جو اسوقت مغرب مین مروج ہین ان مین سے پہلے تین عنوانونکے
ماتحت جو باتین بیان کیگئی ہین انپر بحث اکٹھی کیجاوے گی - اس سے تو کیسیکو انکار نہین کہ گھرونکے اندر خاوندون
اور عورتون مین اکثر رنجیدہ واقعات پیدا ہوتے رہتے ہین جنسے زندگی دوبھر ہو جاتی ہے مگر اسکے علاج مین غلط پہلو اختیار کیا جاتا ہے
مثلاً ایک علاج یہ تجویز کیا گیا تھا کہ نکاح چند روزہ ہوا کرین اور کچھ مدت گذر جانیکے بعد خاوند اور عورت کے تعلق
خود بخود ختم ہو کر فریقین کو اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ از سر نو اپنے اپنے تعلقات حسب خواہش خود پیدا کرین - اس
تجویز سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان ممالک مین عموماً بیاہ کے بعد گھر کے اندر کی حالت ایسی بگڑ جاتی ہے کہ خاوند
اور عورت کا اکٹھا رہنا مشکل ہو جاتا ہے - ابھی کل ہی سول ملٹری گزٹ لاہور مین مینے ایک قصہ پڑھا ہے جو بطور
ناول لکھا گیا ہے مگر جس کی غرض یہ ہے کہ بیاہ کے بعد گھر کی اندرونی زندگی پر روشنی ڈالے اور ان واقعات کو
ظاہر کرے جو اکثر انگریز گھرونکے اندر روزمرہ پیش آتے ہین اس قصہ مین شادی کے چند سال بعد عورت کی

محبت خاوند سے ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ اسکے دل مین کسی اور کا عشق پیدا ہو جاتا ہے یہ تو ایک قصہ ہے اس قسم کے ہزار ہا ناول آج کل لکھے جا رہے ہین جن مین مہذب زندگی کے اس پہلو کی اصل حالت کو ظاہر کیا گیا ہے شادی کے بعد خاوند کی محبت کسی نقالن سے ہو جاتی ہے یا وہ کسی اور کو اپنی محبوبہ بنا لیتا ہے اور مرد و عورت دونون کی زندگی اسی دنیا مین ایک دوزخ کا نمونہ ہو جاتی ہے ان واقعات کا آخر یہ اثر ہوا ہے کہ نکاح سے دن بدن نفرت بڑھتی جاتی ہے اور مہذب ممالک مین ایسے مردون اور عورتون کی کثرت ہوگئی ہے جو باقاعدہ نکاح کرنیکے بغیر اپنی ساری زندگی بسر کرتے ہین یہ جو تہذیب کا میلان مجرّدانہ زندگی کیطرف ہو رہا ہے اسکا بد اثر ایک سطحی نظر سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر یہ تجرد واقعی اور حقیقی ہو تو نتیجہ یہ ہوگا کہ انسانی نسل کا خاتمہ ہو جاوے اور اگر صرف دکھانیکے لیے تجرد ہے اور اندرونی زندگی اَور رنگ کی ہے تو ولد الزنا بچونکی کثرت سے آخر ایک ایسی نسل پھیل جائے گی جو والدین کا امتیاز نہ ہونیکے سبب سے وحشیونکی طرح ہوگی۔ ان واقعات کے تحت چند روزہ نکاحون کی تجویز پیش کرنا یا یہ کہنا کہ نکاح مطلقًا ہو ہی نہ بلکہ جہان تعلقات محبّت ہون وہین تعلقات زن وشوئی بھی ہون جسکو آج کل مہذب ممالک مین آزادانہ محبت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ بیماری کا علاج نہین بلکہ اسکو اور بھی بڑھانے کی تجویزین ہین۔ جو لوگ قوم مین اصلاح کرنا چاہتے ہین ان کا فرض ہے کہ ٹھنڈے اور بے تعصّب دل سے ان مشکلات کی اصل وجوہ کو تلاش کرین اور جن اسباب سے یہ امراض پیدا ہوتی ہین انکو دور کرنے کی کوشش کرین یہ ٹھیک نہین کہ ایک مرد اور ایک عورت کے تعلق مین جو بذریعہ نکاح پیدا ہوتا ہے۔ زندگی کا ایک ہی ڈھنگ رہنے سے طبیعت اکتا جاتی ہے اور اسوجہ سے جھگڑے پیدا ہوتے ہین اگر کوئی خارجی واقعات ایسے پیش نہ آوین جن سے مرد یا عورت کی محبت اپنے جوڑے سے ٹوٹ کر اور جگہ پیدا ہو جاوے تو اس قسم کے واقعات اندرونی فساد کے پیش نہین آسکتے کیونکہ نکاح مین محبت کا ایک بیج بویا جاتا ہے اور جبتک کوئی ایسا جھگڑا نہین آتا جو اس نازک پودے کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے یا جبتک مرد و عورت کی باہمی محبت کے پانی کو اسکی آبپاشی سے نہ روکا جاوے تب تک کوئی وجہ نہین کہ اس محبت مین بجائے زیادتی کے کمی آوے۔ اگرچہ مین اس امر کو تسلیم کرتا ہون کہ خانگی تنازعات کے پیدا ہونے کی ایک وجہ نہین بلکہ ہزارہا وجوہ ہو سکتے ہین لیکن ان مین سب سے بڑی وجہ جسنے لاکھون آباد گھرونکو تباہ کیا ہے اور جو بیاہ کے تعلقات کو جڑ سے کاٹتی ہے یہ ہے کہ خاوند اور عورت دونون یا دونون مین سے ایک کی محبت کسی اور جگہ ہو جاتی ہے اور مہذب ممالک مین اس مرض کے کثرت سے پھیلجانے کی وجہ صرف یہی ہے کہ مردون اور عورتونکے نامناسب طور پر کھلے تعلقات ہین جسقدر زیادہ آزادی ان تعلقات مین ہوگی اسیقدر زیادہ تباہی ڈالنے والے نتائج ہونگے۔ چنانچہ پیرس کے متعلق ایک لیڈی کی رائے نقل کیجا چکی ہے کہ وہان کثرت بدکاری کی

جو نکاح کے دایرے کے اندر ہوتی ہے بڑی بھاری وجہ یہ ہے کہ بیاہی ہوئی عورتین غیر مردونسے گفتگو مین اور میل جول مین بہت ہی کھلے تعلقات رکھتی ہین یہانتک کہ جہان جی چاہے انکے ساتھ چلی جاتی ہین اس آزادی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بیاہے ہوئے مردون اور عورتون مین فرانس مین دیگر عیسائی ممالک کی نسبت بدکاری کی نسبت بھی بڑھی ہوئی ہے ایسا ہی ہسپانیہ اور اٹلی کے متعلق امریکہ کے ایک فاضل محقق نے پوری تحقیق کے بعد یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وہان کنواری لڑکیان عموماً غیر مردون سے کم ملتی جلتی ہین اور اسلیے کنوارپن مین ان کی اخلاقی حالتین بھی اچھی ہوتی ہین اور وہ نسبتاً بہت پاکدامن ہوتی ہین مگر جونہی نکاح ہوا پھر عورت کو آزادی ہے جہان چاہے اور جسکے ساتھ چاہے تعلق رکھے۔ اور اس سے بیاہے ہوئے مردون اور عورتونمین پرلے درجہ کی بیحیائی اور بدکاری پھیل گئی ہے پس ان واقعات سے ظاہر ہے کہ جسقدر مردون اور عورتون کے کھلے تعلقات کو روکا گیا ہے اسیقدر ترقی پاکدامنی مین بھی ہوئی ہے اور جسقدر ان تعلقات کی آزادی کو بڑھایا گیا ہے اسیقدر بدکاری بھی زیادہ پھیلی ہے پس اس بیماری کا علاج جو مہذب ممالک مین لاعلاج ثابت ہو رہی ہے سوائے پردہ کے اور کچھ نہین یعنی اجنبی مردون اور عورتونکے کھلے تعلقات کو روکدیا جاوے میرا یہ منشا نہین کہ پردہ ایسا علاج ہے کہ اس سے ساری بدکاریان۔۔۔۔ یک لخت ایسی دور ہو جاتی ہین کہ انکا نام ونشان بھی نہ رہے کیونکہ یہ کمال انسانی سوسایٹی کو اس دنیا مین ہرگز حاصل نہین ہو سکتا موجودہ انسانی فطرت جبتک رہے گی تب تک اس قسم کے واقعات کم وبیش پیش آتے ہی رہینگے ہان یہ ضرور ہے کہ پردہ ایک ایسا علاج ہے جو بہت کچھ اس معاملہ مین اصلاح کر سکتا ہے اور بدی کو بہت حد تک دور کر سکتا ہے پس جہانتک انسانی فطرت کو مدنظر رکھکر کوئی اصلاح مردون اور عورتونکے موجودہ تعلقات مین کیجا سکتی ہے پردہ ایک نہایت ہی عمدہ اور مفید علاج ہے کیونکہ پردہ بہت سے بدی کے مواقع کو دور کر دیتا ہے جنسے اگر پیش آجاوین تو بچنا کسی کا ہی کام ہے۔

پردہ کے مضمون پر مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے۔ یہان صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ مہذب ممالک مین اس کے رواج دینے سے کیا کیا فواید ہو سکتے ہین اور مغربی سوسائٹی کی کن امراض کا یہ سچا علاج ہے مغرب مین تمام بدکاریون اور گھر کے اندر کے فسادون کی جڑ صرف یہ ہے کہ مردون اور عورتونکو ہر وقت یہ موقع حاصل ہے کہ جہان چاہین تعلقات محبت پیدا کر لین اور وہ خوشی جو گھر کے اندر حاصل ہو سکتی ہے اسے گھر سے باہر حاصل کرین کیونکہ جس صورت مین جوان عورتین دلربائی کے تمام سامانون سے آراستہ ہو کر جوان مردو نسے جو ہنوز اپنے نفسانی جذبات پر قابو نہین رکھتے ملین گی اور ان سے آزادانہ گفتگو کرینگی اور جہان ان کا جی چاہے تنہائی مین انکے ساتھ جاسکین گی تو آگے آزادی سے جو نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے اور یہ صرف قیاس نہین

بلکہ جو سوسائیٹی کا نقشہ خود یورپ مین لوگون نے کھینچا ہے اس سے ظاہر ہے کہ واقعی جسقدر بد نتیجہ کی امید کیجا سکتی ہے اس سے بھی بڑھکر بد نتائج مہذب اقوام مین اس بے پردگی سے پیدا ہو رہے ہین مین سمجھتا ہون کہ سادہ قومونکی نسبت ان مہذب اقوام مین پردہ کیضرورت اور بھی زیادہ ہوگئی ہے کیونکہ تہذیب کی ترقی سے بجاے سادگی کے زیب و زینت کے سامان بڑھتے جاتے ہین خوبصورتی نئے نئے انداز پیدا کر رہی ہے اور آرام اور آسایش کے اسباب کے بکثرت مہیا ہونیسے نفسانی خوہشیں دن بدن بڑھ رہی ہین۔ یہ سب نفسانی خواہشات کے بڑھانیکے سامان ہین اور اسلیے جسقدر یہ سامان سہل الحصول ہوتے جاوینگے اسیقدر پردہ کی ضرورت بھی نسبتاً بڑھتی جاویگی یا یون کہو کہ پردہ کی عدم موجودگی سے اسیقدر بدکاریان اور فواحش زیادہ پھیلتے جاوینگے۔ معترضین کا بڑا زور تعلیم پر ہوتا ہے پر مین کہتا ہون کہ پہلے تعلیم کے کوئی نتائج پیش کرنے چاہئے اور پھر اسبات پر زور دینا بجا ہوگا کہ پردہ کی ضرورت کو بھی تعلیم نے پورا کر دیا ہے کیا تعلیم ہمارے ہان وہی اثر پیدا کرے گی جو اس نے سویڈن کی مہذب قوم کے لیے سٹاک ہالم مین پیدا کیا ہے یا آسٹریا کے مہذب قوم کیلیے وائینا مین۔ یا مہذب فرانسیسیونکے لیئے پیرس مین۔ یا مہذب انگریزونکے لیے لندن مین۔ یا مہذب امریکہ والونکے لیے نیویارک مین یہی شہر آج دنیا مین تہذیب کے بڑے مرکز ہین اور نہایت رنج اور افسوس سے ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ بدکاری کے بڑے مرکز بھی دنیا مین آج یہی ہین۔ کیا انسان خدا کے قانون قدرت سے لڑ سکتا ہے اگر نہین تو پھر اصلاح کا وہ پہلو اختیار کرنا چاہیئے جو فطرت انسانی اور قانون قدرت کے مواقف ہو۔ قدرت نے تو انسان کے نفس کے اندر یہ بات رکھدی ہے کہ خوبصورت عورتونکے میل جول سے اسکے جذبات حیوانی جوش مین آوین کیا تہذیب نے اس قانون قدرت کو بدلدیا ہے نہین بلکہ اسکا زیادہ نمایان اثر مہذب ممالک مین ہی نظر آتا ہے نہ ہی تہذیب یا تعلیم نے ابتک مردون اور عورتونکو ایسے پاکدل بنا دیا ہے کہ ایکدوسرے سے ملکر انکے جذبات نفسانی کو تحریک نہ ہو اور کوئی بد خیال انکے دلون مین یا ان مین سے اکثرون کے دلون مین نہ گھس سکے پس سچی اصلاح یہ ہے کہ جہانتک ہماری طاقت مین ہے ہم ان مواقع کو دور کرین جنسے بدی پیدا ہوتی ہے اور یہی پردہ کی تعلیم دینے مین قرآن کریم کا منشا رہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ اول جوش محبت سے جو ایک جوان مرد اور عورت زندگی کی ایک صاف سڑک اپنے دل مین تجویز کر لیتے ہین وہ محض انکے جوشونکا ولولہ ہوتا ہے نکاح کے بعد چھوٹے چھوٹے رنجدہ واقعات کم وبیش ہر گھر مین پیدا ہوتے رہتے ہین اور جس خاوند اور عورت کے تعلقات سچے عشق پر مبنی ہوتے ہین ان مین بھی باہم کبھی نہ کبھی کچھ رنجش پیدا ہو جاتی ہے پس وہ خوشی جسکی گھر مین ملنے کی امید ہوتی ہے ہمیشہ امید کے مطابق حاصل نہین ہوتی اس قسم کے واقعات کے پیدا ہونے پر اگر خاوند اور عورت دونون کو یہ موقع حاصل ہے کہ جو خوشی گھر مین انکو نہین مل سکی وہ باہر تلاش کرین یعنی وہ خوشی جو مرد اور عورت کی محبت سے ایکدوسرے کو حاصل ہوتی ہے تو کوئی

وجہ نہین کہ وہ اس خوشی کو باہر کیون تلاش نہ کرین بلکہ اس قسم کا موقع ملنے سے چھوٹی چھوٹی رنجشین بڑے خطرناک پہلو اختیار کر لیتی ہین۔ معمولی شکایتین بلکہ ایسی شکایتین جن کا در اصل وجود ہی کوئی نہین ہوتا نازک صورت اختیار کر لیتی ہین اور بجائے اسکے جو تھوڑی دیر بعد وہی تعلقات محبت خاوند اور عورت مین دوبارہ قایم ہو جاوین جدائی بڑھتی جاتی ہے۔ سو خاوند خوشی حاصل کرنیکے لیے کہین پھر رہا ہے اور عورت اگر بڑی عفیف نہین تو وہ بھی اپنی خوشی کے حصول کیلیئے کوئی موقعہ تلاش کرتی رہتی ہے۔ بے پردگی کی صورت مین انسان اپنی حالت پر قانع کبھی نہین ہو سکتا اور اسی سے تمام نقص پیدا ہوتے ہین مین جانتا ہون کہ مخالفین پردہ کا سب سے بڑا اعتراض پردہ کے خلاف یہی ہے کہ عورتونکے پردہ مین رہنے سے وہ خوشی حاصل نہین ہو سکتی جو مردون اور عورتونکے میل جول سے پیدا ہوتی ہے لیکن پہلے مضمون مین یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ یہ خوشی اس اصلی اور حقیقی خوشی کو قربان کر کے حاصل ہو سکتی ہے جو انسان کو اپنے گھر مین ملتی ہے۔ مین چاہتا ہون کہ کوئی شخص اس مضمون پر قلم اٹھاوے کہ وہ کونسا مفیدٹو اعتراض پردہ کے خلاف ہے اور جس صورت مین پردہ خطرناک امراض سوسایٹی کا علاج ہے پھر اسکے اختیار کرنیسے کونسا امر مانع ہے۔ ساتھ ہی دوسرے پہلو پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ پردہ کی عدم موجودگی مین آہستہ آہستہ سوسایٹی کی یہ حالت ہو جائے گی کہ نکاح کے مقدس رواج کا خاتمہ ہو کر حیوانونکی طرح مردون اور عورتونکا بلا امتیاز میل جول ہوگا۔ ضرور ہے کہ ان دونون امور مین سے مہذب سوسایٹی آخر ایک کو قبول کرے اور اگرچہ اسوقت میلان پردہ کے خلاف اور بیقیدی کیطرف ہے مگر ہمین مایوس نہین ہونا چاہیئے کہ عیسائی اقوام کبھی حق کو قبول نہ کرینگی کیونکہ جس قسم کی بیقیدی کیطرف اب مہذب سوسایٹی حرکت کر رہی ہے وہ ہر ایک بے تعصب سمجھدار آدمی کو نفرت دلانے والی ہے۔

پردہ نہ صرف گھر کے اندرونی زندگی کی اصل خوشحالی اور حقیقی راحت کا ہی محافظ ہوگا بلکہ اسکے رواج دینے سے شریف عورتونکی عفت محفوظ ہو جائے گی۔ مہذب ممالک مین ہزارہا ایسی مثالین آئے دن دیکھی جاتی ہین کہ ایک معصوم لڑکی کی عصمت محض اس لیے برباد ہو گئی ہے کہ اسنے اپنے عاشق کی محبت پر بھروسہ کر لیا اور اپنے آپکو اسکے حوالے کر دیا۔ دنیا مین بہت سے ایسے بدمعاش ہین کہ سادہ لوح لڑکیونکو محبت اور شادی کی طلبگاری جتلا کر دام تزویر مین پھنسا لیتے ہین اور پھر جب انکی عزت و عفت برباد کر چکتے ہین تو الگ ہو جاتے ہین اور وہ بیچاری اگر شرم رکھتی ہین تو خودکشی کرتی ہین یا اسقاط کے ذرایع اختیار کر کے خطرناک جرایم کی مرتکب ہوتی ہین اور یا آخر بدکاری کا پیشہ اختیار کرتی ہین یہ کسقدر ظلم ہو رہا ہے مگر اسکی اصلاح کیطرف مطلق توجہ نہین کیجاتی۔ یہ بیچاری لڑکیان قابل رحم ایسی ہین کہ اگر انکو ایسے امتحان مین نہ ڈالا جاتا تو بہت ساری ان مین سے بالکل بچی رہتین مگر مغرب کے رواج ایسے ہین کہ پہلے ان غریبونکو شیطان کے تسلط مین دیدیا جاتا ہے اور جب شیطان انپر غالب

آجاتا ہے تو پھر اُن پر بدنامی کا دھبہ لگایا جاتا ہے حالانکہ اصل قصور اُن کا نہیں بلکہ ان رواجوں کا ہے جو سادہ لوح عورتوں کو
اس طرح پر از جذبات جوانوں سے تعلق محبت پیدا کرنے اور ہر قسم کی آزادی رکھنے کا موقعہ دیتے ہیں۔ یورپ میں نکاح
سے پہلے جو محبت یا عشق ظاہر کرنیکا طریق اختیار کیا گیا ہے وہ جوان مردوں اور عورتوں کیلئے نہایت خطرناک
ثابت ہوا ہے کیونکہ ممکن ہی نہیں کہ جب دونو طرف پوری طرح حیوانی جذبات کے نیچے ہوں اور جوانی کو پہونچکر انکی
خواہشات نفسانی انپر غالب ہو چکی ہوں تو پھر تخلیہ میں وہ بچ سکیں یہی وجہ ہے کہ ولد الحرام بچوں کی تعداد دن بدن
بڑھ رہی ہے۔ بیقیدی کے ساتھ جوان مرد اور عورت کا ملنا اور تخلیہ میں ایکدوسرے سے اظہار محبت کرنا آخر
یہاں تک ترقی کر گیا ہے کہ ویلز اور جرمنی کے بعض حصوں میں یہ طریق مروج ہے اور انگلستان کے بعض حصوں میں
آج سے کچھ مدت پہلے بھی یہی طریق مروج تھا کہ عاشق رات کے وقت آکر اپنی محبوبہ کے ساتھ اسی بستر پر سو جاتا۔۔۔۔ اور
پھر اسی حالت میں اسپر اپنے عشق کا اظہار کرتا۔۔۔۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس حالت میں دونوں فریق اپنے جذبات
پر قابو رکھ سکیں گے اور کسی بدکاری کے مرتکب نہیں ہونگے مگر ثابت شدہ ہے کہ ولد الزنا بچوں کی تعداد دونوں
طریقوں میں ایک سی ہی ہے یعنے خواہ اظہار محبت عاشق اور معشوقہ کا دن کے وقت تخلیہ میں ہو یا رات کے وقت بستر
پر۔ اخلاقی امراض کا علاج اسی طرح پر ہونا چاہئے جیسے جسمانی امراض کا یعنی انکے اسباب کیطرف توجہ کرنی
چاہئے۔ اور اس بات پر نہیں بھولے رہنا چاہئے کہ تعلیم ہی ہر ایک مرض کا علاج ہو گی۔ تعلیم آخر فطرت انسانی
کو نہیں بدل سکتی اور نہ خدا کے مقرر کردہ قانون کو توڑ سکتی ہے۔ جذبات اپنا کام تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں
میں اسی طرح کرتے ہیں جیسے بھوک اور پیاس۔ اور اگر ہم خود جوان مردوں اور عورتوں کو ایسے موقعے دیں کہ وہ
ایسی حالتوں میں اکٹھے ہوں جہاں انکے جذبات کو تحریک دینے والی تو سب باتیں موجود ہوں اور روکنے والی کوئی
چیز نہ ہو پھر اگر وہ پھسل جاویں تو یہ ایسا انکا قصور نہیں جیسا اس رواج کا جسکے ماتحت انکو ایسی آزادی اور
بیقیدی دیگئی ہے میری سمجھ میں جوان مردوں اور عورتوں کی پاکدامنی کا محافظ صرف پردہ ہی ہو سکتا ہے اور
بہت سی سادہ لڑکیوں کو پردہ ہی ذلت سے بچا سکتا ہے اور ولد الزنا بچوں کی تعداد کے کم کرنیکا ذریعہ پردہ ہی ہو سکتا ہے
اگر پردہ کے سوا کسی اور بات سے بھی یہ فواید حاصل ہو سکتے تو یقیناً مہذب ممالک میں انکا وجود نظر آنا چاہئے تھا۔

اس تحقیقات سے یہ بات ظاہر ہے کہ ان اخلاقی اور تمدنی امراض کا علاج جو مغرب میں پھیلی ہوئی ہیں ایک
حد تک پردہ ہو سکتا ہے مگر اکیلا پردہ ہی ان تمام امراض کے علاج کیلیے کافی نہیں اسلیے اب باقی پانچ باتوں پر غور
کرکے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ پردہ کے علاوہ اور کونسا علاج ہے جسکو اختیار کرنے سے یہ امراض جڑ سے کٹ سکتے
ہیں یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ مغرب کی مہذب عیسائی اقوام میں پاک دامنی مردوں اور عورتوں کے درمیان بہت
ہی کم ہو گئی ہے کیا نکاح کے دایرہ کے اندر اور کیا اس سے باہر۔ اور رنڈی بازی جیسی سیہ کاری کی آخر قانون

کو اجازت دینی پڑی ہے اور یہ بھی امر ثابت ہے کہ نکاح کے دایرہ کے اندر مرد عورتون کی نسبت زیادہ زنا کے مرتکب
ہوتے ہین اور عورتون مین زیادہ تعداد بدکاری مین مبتلا ہونیوالی ان عورتونکی ہے جنکو خاوند نہین ملتے اور یہ
بھی معلوم ہو چکا ہے کہ عورتونکی تعداد تمام مہذب ممالک مین مردونسے زیادہ ہے - ان تمام باتونکا علاج تعدد ازدواج
ہے اور اسکے وجوہات حسب ذیل ہین - عورتون کی تعداد مردون کی تعداد سے بہت بڑھی ہوئی ہے - اور زوج واحد
کے قاعدہ کے ماتحت ایک کثیر تعداد ایسی عورتونکی رہجاتی ہے جنکو خاوند تلاش کرنیسے بھی نہین مل سکتے - اگر مردونکی
تعداد عورتونسے بڑھکر ہوتی تو زوج واحد کا قاعدہ درست رہتا کیونکہ مرد بسبب اشغال جنگ اور دوسرے
اشغال کے جن کی وجہ سے انکو باہر رہنا پڑتا ہے عورتونکی نسبت کسیقدر زیادہ ہی درکار ہین - مگر واقعات اسکے
خلاف ہین اور ایک دو نہین بلکہ کل کے کل عیسائی ممالک مین عورتونکی تعداد مردونسے بہت زیادہ ہے اور
آگے آبادی کا میلان یہ ہے کہ عورتونکی زیادتی روز بروز ترقی پر ہے باقی ہے وہ ممالک جہان تعدد ازدواج کی
اجازت ہے سو اس رواج کی موجودگی ہی اس امر پر شاہد ہے کہ وہان عورتونکی تعداد مردونسے زیادہ ہے یہ
خیال بالکل غلط ہے کہ موخر الذکر ممالک مین بعض لوگ کئی کئی بیبیان کرلیتے ہین اور بعض بالکل محروم رہجاتے
ہین کیونکہ جبتک کسی عورت کو ایسا خاوند حسب منشا مل سکتا ہے جسکے پہلے بیوی نہین تو وہ یقیناً سوت
بننا پسند نہین کریگی - الغرض اسمین شک نہین ہو سکتا کہ دنیا مین عورتونکی تعداد مردونسے زیادہ ہے - اور
ابھی دن بدن عورتون کی تعداد مین اور بھی زیادتی ہو رہی ہے بلکہ کہا جاتا ہے کہ عورتونکی تعداد مین ترقی تہذیب
کی ترقی سے وابستہ ہے یہ وہ امر ہے جسکو عیسائی مصنفین نے تسلیم کیا ہے اور جو کچھ ہی اسکی وجہ ہے - عیسائیون
کو جنہون نے تعدد ازدواج کو رد کیا ہے ملزم کرنیکے لیے یہ کافی ہے وہ تعدد ازدواج کے منکر ہوتے تھے مگر اب خدا
نے ایک ایسی بات پیدا کر دی ہے جسکا علاج سوائے تعدد ازدواج کے کچھ نہین +

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زاید عورتونکو کیا کیا جاوے - اس سوال نے عیسائی مصنفین کو حیرت
مین ڈالدیا ہے اور اسکا جواب جو ابتک انہون نے دیا ہے صرف یہ ہے کہ انکے گذارہ کیلیے کوئی شغل یا ملازمت
تلاش کرنی چاہیئے لیکن جہان کسی پیشہ یا ملازمت کے اختیار کرنیسے ان عورتونکے گذارہ کی سبیل نکل آئیگی کیا
ان اشغال سے ان کی فطری خواہش جو مرد کیلیے ہے وہ بھی پوری ہو جاویگی ؟ اگر کوئی شخص دنیا مین ایسا
موجود ہے جسکا یہ خیال ہو کہ ملازمت یا پیشہ کے اختیار کرنیسے عورت کی فطری خواہش مرد کیلیے بھی پوری ہوجاوے
گی تو مین اسکا جواب سننے کیلیے منتظر ہون خواہ وہ مسٹر دلاور حسین ہو یا کوئی اور دشمن تعدد ازدواج مشرقی ہو یا مغربی
اور اگر اشغال انکے فطری جذبات کو پورا نہین کر سکتے تو پھر یہ سوال ہوتا ہے کہ آیا خدا تعالے نے یہ زاید عورتین ایسی
پیدا کی ہین کہ ان مین وہ فطری خواہش ہی نہ رکھی ہو جو باقی عورت ذات مین موجود ہے - کیا قدرت نے کوئی انکی

پیدائش مین ہی ایسا امتیاز رکھدیا ہے کہ اس سے معلوم ہو جاوے کہ اسقدر عورتین نکاح کرنیکے لیے پیدا کی گئی ہین اور اس قدر زاید ہین جن کے پیدا کرنیسے غرض صرف اسیقدر ہے کہ وہ کوئی ملازمت کرکے اپنا پیٹ بھر لیا کرین اور مرد کی خواہش ان کے دلون مین کبھی پیدا ہی نہین ہوتی ۔ اگر ان دونون باتون مین سے کوئی بھی سچ نہین جیسا کہ ہر ایک سمجھدار آدمی کو اقرار کرنا پڑے گا تو پھر تعدد ازدواج کو کیونکر روکا جاسکتا ہے کیونکہ پھر اس رواج کی ممانعت سے یہ لازم آتا ہے کہ ان عورتون پر جبر کیا جاوے کہ وہ اپنے جذبات کو کبھی ظاہر نہ ہونے دین ۔ مگر ایسی صورت مین انکے لیے ملازمت یا کوئی اور پیشہ تلاش کرنے کی فکر کیون پڑ رہی ہے کیونکہ اگر وہ ایک فطری خواہش پر غالب آسکتی ہین تو یقیناً دوسری فطری خواہش پر بھی جو کھانے پینے کی خواہش ہے غالب آسکین گی ۔ قدرت نے تو دونون خواہشین یکسان رکھی ہین اگر ان کی بھوک پیاس کا فکر ہے تو انکے فطری جذبات کا فکر پہلے کرنا چاہیئے کیونکہ یہ انکی فطرت مین مرکوز ہے اور یہ غلط خیال ہے کہ جبتک ہم اس زمین پر رہتے اور کھاتے پیتے ہین کوئی ایسا نسخہ بھی ایجاد ہو جاوے جس سے مرد اور عورت کی فطری خواہشین ایکدوسرے کیلیے سرے سے نابود ہی ہو جاوین ۔ اگر کہین کہین کوئی ایسی عورت بھی ہو جسکو اصطلاح مین بوڑھی کنواری کہا جاتا ہے یعنی جس کی ساری عمر ہی کنوارپن مین گذر جاتی ہے اور وہ واقعی ان الفاظ کی مصداق بھی ہو تو اس سے کوئی عام قاعدہ نہین نکالا جاسکتا بلکہ یہ ایک استثناء ہے جیسے مردون مین بھی بعض نامرد ایسے ہوتے ہین جن کے دلون مین عورتون کے لیے کبھی خواہش پیدا ہوتی ہی نہین اور اگر یہ دونون باتین نہین تو جذبات کے روکنے کا اثر اسکی صحت پر ضرور برا ہوگا ۔ کیونکہ قدرت نے یہ جذبات پورے کیے جانیکے لیے ہی رکھے ہین اور جسطرح بھوک کے وقت اگر انسان روٹی نہ کھائے تو اسکا برا اثر اس کی صحت پر ہوتا ہے ۔ ایسے ہی ان جذبات کے سچے تقاضا کو روکنے کا اثر برا ہوتا ہے ۔ ایک عیسائی واعظ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے وہ کہتا ہے کہ " انسان مجموعہ قوئے انسانی کا نام ہے ۔ اسمین کوئی چیز زاید نہین بلکہ اگر دوبارہ انسان کو بنایا جاوے تو انہین موجودہ قوے کے ساتھ ہی دوبارہ اسے بنانا پڑیگا اسکے تمام قوے کسی غرض کیلیے بنائے گئے ہین اور نقص ان قوے مین نہین بلکہ ان کے ناجایز استعمال مین ہے انسانی تکمیل کیلیے ہر ایک قوت کا ہونا ضروری ہے مذہب صرف اخلاقی احساسات سے ہی تعلق نہین رکھتا بلکہ قوت متفکرہ سے بھی ۔ اور صرف اخلاقی احساسات اور قوت متفکرہ سے ہی نہین بلکہ اسکی عقل سے بھی اور ان تینون سے ہی نہین بلکہ محبت سے بھی اور ان سب کے مجموعہ سے بھی نہین بلکہ تمام حیوانی جذبات اور جسمانی خواہشات سے بھی بشرطیکہ انکو مناسب طریق مین اور مناسب اغراض کے لیے استعمال کیا جاوے ۔ مگر بہر حال جذبات اور خواہشات تکمیل انسانی کیلیے ضروری ہین ۔ کیونکہ انکے بغیر انسان ایسا ہے جیسا ایک درخت جڑ سے اکھاڑا ہوا ۔ جبتک انسان کو اس مادی زمین پر رہنا ضروری ہے اور ایک جسمانی بناوٹ پر ہی اسکی قوت متفکرہ اور خیالیہ اور فعلیہ کا مدار ہے تب تک ضروری ہے کہ اس مین جذبات بھی

ہون اور خواہشات بھی"۔ اسکے بعد ڈاکٹر فٹ جو اس واعظ کا حوالہ دیتا ہے لکھتا ہے کہ "اس مین شک نہین ہوسکتا کہ انسانی بناوٹ کی ابتدا مین ہی یہ غرض رکھی گئی تھی کہ اسکے تمام اعضا محفوظ رہین اور اپنے اپنے کام مین لگے رہین ورنہ انسانی بناوٹ کے اندر وہ نہ رکھے جاتے۔ اور اگر انسانون کے طبعی تقاضونکو روکنا بھی انسانیت مین ہے تو پھر بازو یا کسی اور عضو کو کاٹ دینے مین بھی کوئی ہرج نہین ہونا چاہئے ہان یہ سب قوے ایسے طور پر استعمال کیے جاسکتے ہین کہ جس سے تمہارے ہمسایہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ دکھ اور ابتری اور بیماری صرف انکے غلط استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ (ص ۲۲۳)

اسکے بعد ایک ڈاکٹر کا قول نقل کیا گیا ہے کہ "انسان پر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ جب وہ اپنے آپ کو اس محبت کے دایرہ مین نہ پانے سے جسکے لیے وہ بنایا گیا تھا۔ گھٹنا شروع ہوتا ہے اور عورتین مردونسے بھی بڑھکر اس ضرورت کو محسوس کرتی ہین تب بیچاری جوان عورتین سوسائیٹی کے ایک مہلک تجربہ کے نیچے آتی ہین اور وہ روح جو انکی روح کا اصل سہارا ہوتی ہے انکے اندر سے نکل جاتی ہے +

یہ وہ باتین ہین جن سے ایک دانا دل جس مین تعصب اور ضد کو جگہ نہین جھٹ ایک سچے نتیجہ پر پہنچ جاتا اور حق کے قبول کرنیکے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ مگر اسکے علاوہ واقعی طور پر دنیا مین یہ شہادت مل رہی ہے کہ عورتونکا بغیر خاوندکے رکھنا نہایت خطرناک نتایج پیدا کر رہا ہے اور یہ واقعات ایسے ہین جنسے ایک متعصب انسان بھی انکار نہین کرسکتا زنا اور رنڈی بازی دن بدن ترقی پر ہین اور ولدالزنا بچونکی تعداد اس خطرے مین ڈال رہی ہے کہ کسی دن سوسائیٹی کا نقشہ وحشیون کا سا نہ ہو جائے۔ مگر کیا ہم سب الزام عورتونکے سر پر دیسکتے ہین۔ ہرگز نہین اصل قصور تو ان رواجون میں ہین جو ان واقعات کا پیدا کرنیکا موجب ہو رہے ہین خاوند تو مل سکتے ہین مگر قانون اور رواج انکو اس جایز طریق سے روک کر زناکاری مین ڈال رہے ہین۔ ایک صدی کا عرصہ ہوا یا اس سے کچھ زیادہ کہ ایک عورت پر ولدالزنا بچہ جننے کا الزام لگایا گیا۔ اسوقت قانون نے اس بات کو جرم مین داخل کر رکھا تھا گو اب نہین۔ یہ اس عورت کا پانچوان حرام کا بچہ تھا۔ ملزم نے بڑے دردانگیز طریق سے اس امر کو ججونکے سامنے بیان کیا کہ وہ کیون اس جرم کا ارتکاب کرنے پر مجبور ہوئی۔ اُسنے عدالت کو مخاطب کرکے کہا "آپ سمجھ سکتے ہین کہ مین بیوقوف نہین۔ اور مین پرلے درجہ کی حماقت کی مرتکب ہوتی اگر مین نکاح کے معزز طریق کو اپنی موجودہ طرز زندگی پر ترجیح نہ دیتی۔ مین ہمیشہ رضامند رہی ہون اور اسوقت بھی اس بات پر رضامند ہون کہ کوئی مرد مجھسے نکاح کرلے اور مین یہ بھی یقین کرتی ہون کہ مین نکاح کرکے اپنے خاوندسے نہایت عمدہ سلوک کرونگی کیونکہ مجھ مین محنت ہنر اور دیانت وہ سب اوصاف موجود ہین جو نیک بی بی کے لیے ہونے چاہئے۔ مین دعویٰ کرتی ہون کہ کوئی آدمی ایسا نہین جو کہہ سکے کہ اسنے کبھی مجھسے نکاح کی خواہش ظاہر کی ہو۔ اور مینے نہ مانا ہو۔ بلکہ صرف ایک ہی دفعہ مجھسے ایک شخص نے نکاح کی درخواست کی اور مینے اسے خوشی سے قبول کیا۔ اسوقت مین کنواری تھی مینے اسکی نیک نیتی پر حد سے بڑھکر بھروسہ کیا اور اپنی عزت کو

برباد کردیا کیونکہ مین اس سے حاملہ ہو گئی تو اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اس شخص کو آپ سب لوگ جانتے ہین وہ اب اس ملک مین مجسٹریٹ ہو گیا ہے اور مجھے امید تھی کہ وہ بھی آج عدالت مین ہوتا تو عدالت کو میرے ساتھ نرم سلوک کرنیکی ترغیب دیتا" یہ ایک ہی واقعہ ایسا ہے جو پردہ اور تعدد ازدواج دونون کی ضرورت کو ثابت کرتا ہے کیونکہ ان مین سے پردہ تو عورت کی عفت کا محافظ ہوتا ہے اور اسے مرد کے جذبات کا شکار بننے سے بچاتا ہے اور تعدد ازدواج ایسا رواج ہے جو ہر صورت مین ..... خاوند کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔ الغرض عورتونکی تعداد کا مردونسے بڑھکر ہونا قطعی طور پر اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ تعدد ازدواج کا ہونا ضروری ہے اور اگر اب بھی اس کا انکار ہی کیا جاویگا تو سوسائیٹی دن بدن اور بھی نیچے گرتی چلی جاوے گی اور بدکاریونکا ارتکاب دن بدن بڑھتا چلا جاویگا۔ اگر یہ زیادتی صرف چند ریاستون تک محدود ہوتی تو باہمی نکاح سے کمی بیشی پوری ہو سکتی تھی مگر یہ زیادتی عالمگیر ہے اور اب عیسائی اقوام کو تعدد ازدواج کے سوال کا سامنا کرنا پڑا ہے جس سے انکار کی صورت مین زناکاری اور رنڈی بازی کو قبول کرنا پڑیگا۔ دیکھئے مسٹر دلاور حسین ان دونون باتون مین سے کس بات کے اختیار کرنیکی سفارش کرتے ہین۔ ہان ایک سوال میرا اس جگہ آریہ بھائیون سے بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ عورتون کی اس بڑھی ہوئی تعداد کیلیے بانی سماج نے کیا علاج تجویز کیا ہے کیا وہ سب کی سب نیوگ کرائین۔ مگر ستیارتھ پرکاش کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کنواری نیوگ نہین کرا سکتی بلکہ خاوند کا ہونا نیوگ کے لیے شرط ہے خواہ وہ موجود ہو یا نہ ہو۔ یہ بات عجیب تو معلوم ہوگی کہ خاوند والی عورت کو دوسرے مرد سے ہمبستر ہونے کی ہدایت ہو اور بلا خاوند کو ایسی اجازت نہ ہو۔ مگر دنیا مین ہر طرف ایسی ہی عجیب متضاد باتین نظر آتی ہین۔ ادھر ایشیا مین تعدد ازدواج کو برا سمجھنے والونکا یہ حال ہے کہ نیوگ جیسی بلا انکے گلے پڑی اور پھر عورتونکی زاید تعداد کیلیے کوئی علاج نہین اُدھر مغرب کی مہذب اقوام نے تعدد ازدواج کو رد کر کے زناکاری اور رنڈی بازی جیسی بدکاریونکو جایز رکھا۔ وہی قانون جو تعدد ازدواج کو روکتا ہے رنڈی بازی کی اجازت دیتا ہے اور جنکا ہو برا نہین سمجھتا اور پھر عجیب تر یہ کہ جو لوگ تعدد ازدواج کو جایز رکھتے اور زناکاری اور رنڈی بازی پر لعنت بھیجتے ہین انکو وحشی کہا جاتا ہے۔ مگر ایسی تہذیب سے یہ وحشی پن ہی اچھا ہے۔

ایک اور امر ہے جس کی طرف مین اب ناظرین کو توجہ دلانا چاہتا ہون۔ ان واقعات سے جو اوپر نقل کیے گئے ہین کہ بیاہے ہوئے مرد بہ نسبت بیاہی ہوئی عورتونکے زیادہ بدکاری مین مبتلا ہوتے ہین۔ عیسائی ممالک کی حالت عجیب ہے کہ جوش سے کبھی ایک پہلو اختیار کیا جاتا ہے اور کبھی دوسرا۔ اور حق کی تلاش کی رغبت بہت کم ہے۔ ایک وقت تھا جب عورت کو شیطان مجسم کہا جاتا تھا مگر اب یہ حالت نہین۔ اب عورت تو فرشتہ بن گئی ہے اور شیطان بننے کے لیے مرد رہ گئے ہین۔ پہلے عورت کو سب بدکاریونکی جڑ کہا جاتا تھا اب یہ الزام مرد کے سر پر ہے۔ یا تو یہ عقیدہ تھا کہ عورت مین شیطانی اوصاف ہین اور یا اب یہ عقیدہ ہے کہ عورت مین خوق العادت

نیکی کی قوت رکھی گئی ہے۔ بہرحال اصل بات کیطرف کبھی توجہ نہین ہوتی جیسا کہ مینے دکھایا ہے کہ بیاہی ہوئی عورتونکے زیادہ بدکاری مین مبتلا ہونیکی وجہ کوئی ان کی فطری شرارت نہین بلکہ رواجون اور قانون کا نقص ہے ایسا ہی یہ امر بھی ثابت ہے کہ بیاہے ہوئے مردون مین بیاہی ہوئی عورتون کی نسبت زیادہ بدکاری ہونیکی اصل وجہ بھی یہی رواجون اور قوانین کا نقص ہے کیونکہ یہ رواج اور قوانین مرد کو اپنی فطری خواہشونکے پورے تقاضے کو جائز طریق سے پورا ہونیسے روکتے ہین اول تو انکے جذبات کیلیے یہ امر محرک ہے کہ عورتین ہر طرح سے زیب و زینت کرکے انکے ساتھ ملتی جلتی ہین اور دونون جنسون کا ایسا خلا ملا ہوتا ہے جو اکثر لغزش کا باعث ہوجاتا ہے۔ مگر ان قوانین مین مردونکے ساتھ ایک اور ناانصافی کیجاتی ہے یعنی انکو مجبور کیا جاتا ہے کہ خواہ وہ واقعی تعدد ازدواج کی ضرورت محسوس بھی کرتے ہون مگر تاہم انکو زوج واحد پر ہی اکتفا کرنا چاہیئے۔ ضرورت تعدد ازدواج پر بحث کرتے ہوئے یہ پہلے دکھایا جاچکا ہے کہ عورتونکے ساتھ بعض عوارض ایسے لگے ہوئے ہین جن کی وجہ سے وہ بعض ایام مین مستقل طور پر بلکہ بعض وقت لمبے عرصہ کیلیے تعلقات زن و شوی کے قابل نہین ہوتین ایسی حالت مین ایک خاوند جسکو قدرت نے ان قوے سے زیادہ حصہ دیا ہے دوسری عورت کی ضرورت محسوس کریگا اور اگرچہ قانون قدرت الہی نے تو اسکے لیے سامان مہیا کر رکھا ہے یعنی عورتین مردونسے زیادہ پیدا کی ہین مگر سوسائٹی نے قوانین اور رواج ایسے تجویز کر رکھے ہین جو اسکو اس جائز فایدہ کے حاصل کرنیسے روکتے ہین لیکن ان قوانین سے صرف یہی فایدہ ہوتا ہے کہ مرد ظاہر طور پر اپنے قوے کے تقاضونکو پورا نہین کرسکتا اور خفیہ طور پر انکے پورا کرنیکی کوشش کرتا ہے کیونکہ جو بات خدا تعالے نے اس کی فطرت مین رکھدی ہے اسکے خلاف وہ نہین چل سکتا یہی وجہ ہے کہ بیاہے ہوئے مرد بیاہی ہوئی عورتون کی نسبت زیادہ زناکاری مین مبتلا ہین کوئی قانون قانون قدرت کو نہین ٹال سکتا۔ قدرت اپنا تقاضا پورا کرکے رہیگی پس رواجون اور قانونون کو قانون قدرت کے ماتحت کرنا چاہیئے نہ کہ اُلٹا قانون قدرت کو اپنے وضع کردہ قوانین کے ماتحت رکھنے کی کوشش کیجاوے جسکا نتیجہ ایسا برا ثابت ہورہا ہے یعنی تعدد ازدواج کی ممانعت سے آخر چھپی ہوئی بدکاری زور پکڑ گئی ہے اور ایک آدمی جسکو سیدھے طریق سے روکا جاتا ہے آخر کسی معزز خاندان کی عزت کو برباد کرتا ہے +

جیسا کہ مین نے شروع مین کہا تھا اس ظلمت کے اندر روشنی کی کرنین بھی ہین اور امید کامل ہے کہ آخر حق جوئی تعصب پر غالب آجائیگی۔ نہ صرف عیسائی ممالک مین عیسائیت کا وہ فرقہ پیدا ہوگیا ہے جو کھلے طور پر تعدد ازدواج کی تعلیم دیتا ہے اور جبتک قانون ملک نے نہین روکا تعدد ازدواج کے پاک اصول پر عمل کرتا رہا۔ بلکہ ان لوگون مین سے جنہون نے ان مسایل پر غور کیا ہے بعض بڑے بڑے فاضل ایسے ہین جو تعدد ازدواج کی ضرورت محسوس کرتے ہین۔ ڈاکٹر ڈنٹ جسکی کتاب ہوم سائیکلوپیڈیا سے بہت سے اقوال نقل کیے گئے ہین۔ مہذب ممالک

کی اخلاقی اور تمدنی بدیون کا علاج اور نئے قوانین نکاح تجویز کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے ہمین مارمنون کو تعدد ازدواج کی اجازت دینی چاہئے اس مہذب زمانہ مین اس اجازت کا یہ نتیجہ نہین ہو سکتا کہ کل کی کل عورتین چند مردون کی ہی ملک مین آجاوین۔ اور عورتون کا قحط پڑ جاوے اسوقت تمام دنیا مین میلان آبادی اسی طرف ہے کہ عورتونکی تعداد بڑھ رہی ہے" پھر لکھتا ہے کہ "ان اعداد سے جو مردون اور عورتونکی مردم شماری کو ظاہر کرتے ہین یہ معلوم ہوگا کہ ہمارے درمیان بڑے وسیع پیمانے پر تعدد ازدواج کی گنجایش ہے اس ملک مین ذرہ بھی خطرہ نہین کہ تعدد ازدواج کے اختیار کرنیسے عورتون کی کمی ہو جاویگی۔ اگر کوئی ایسی عورت ہے جو اس طرح پر نکاح کرنا بہتر سمجھتی ہے کہ اسے خاوند کا ایک حصہ ہی ملجاوے بہ نسبت اسکے کہ اسے ساری عمر بغیر خاوند کے ہی بسر کرنی پڑے۔ اگر کوئی ایسی غریب لڑکی ہے جو اسبات کو پسند کرتی ہے کہ بجائے اسکے سلائی کرکے اپنا پیٹ بھرے اسے ایسا خاوند ہی ملجائے جسکی محبت کا ایک حصہ اسکے لیے ہو اور کافی طور پر گذارہ ملتا رہے۔ پھر اگر تم اسکو رد کوگے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سخت بدکاری مین گرفتار ہوگی۔ یاد رکھو کہ بہرحال تعدد ازدواج عورت کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ زنا کرکے روپیہ کمائے۔ اگر ایک عورت ایسی ہے جو بجائے بے اولاد رہنے کے اس بات کو پسند کرتی ہے کہ اسکا نکاح ہو جائے خواہ سارے کا سارا خاوند اسکے حصہ مین نہ ہی آئے تو ہم کیون مداخلت کرین ہمین اس سے کوئی نقصان نہین پہنچتا۔ وہ خوشی جو اسکو تجرد کی زندگی مین نہین مل سکتی ایک پیارے بچہ کے گود مین ہونیسے ملجاتی ہے اور تعدد ازدواج مین دوسری بیبیونکے ساتھ ہونیسے اسکو وہ گھبراہٹ بھی نہ ہوگی جو بعض وقت زوج واحد ہونیسے ہوتی ہے۔ یہ تعصب جو تعدد ازدواج کے خلاف آج کل بے تکلف ہے پیدا کیا جاتا ہے اور اگر اسکی وجہ پوچھی جاوے کہ کیون تمہین تعدد ازدواج سے نفرت ہے تو سوائے غلط بیانی یا ناحق ایک چیز کو برا کہنے کے اور کوئی وجہ بیان نہین کیجاتی۔

اخیر پر یہ امر بھی بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج کی ممانعت نے کس طرح پر موجودہ زور پکڑا ہے۔ ابتدا اسکی کثرت بدکاری ہے اور پھر آہستہ آہستہ عیسائیون نے نکاح کے اصل مفہوم کے متعلق غلط پہلو اختیار کرکے تعدد ازدواج کی ممانعت کو اپنا مذہبی عقیدہ بنا لیا۔ وہ قومین جنہون نے پہلے دنیا مین تعدد ازدواج کو رد کیا رومی اور یونانی تھے جو آج تک اپنی بدکاریون مین ضرب المثل ہین۔ اور جہان کسی قوم کا سخت بدکاری مین گرفتار ہونا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو اسے انہین قومون سے مشابہت دیجاتی ہے۔ عیسائیت بھی رومی سلطنت مین پیدا ہوئی۔ یہ نیا مذہب یہودی مذہب کا ایک فرقہ تھا جہان تعدد ازدواج کو ضروری تسلیم کیا گیا تھا کیونکہ اسرائیل کے بزرگ نبیون حضرت ابراہیم موسے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی شہادت اسکی تائید مین تھی۔ مسیح نے ایک لفظ بھی اسکے خلاف نہین کہا۔ بلکہ حواریون نے بھی اسکی ممانعت نہین کی۔ اور اگرچہ کلیسیا کے بڑے بڑے عہدیدارون نے

ہے یہ قید لگا دی گئی تھی کہ وہ زوج واحد کے قاعدے کے پابند رہین مگر عوام الناس کو کبھی تعدد ازواج سے نہین روکا گیا جس سے حواریون کے نزدیک تعدد ازواج کے جواز کا صاف ثبوت ملتا ہے یہی وجہ تھی کہ عیسائی دنیا مین تعدد ازواج کا رواج تھوڑا تھوڑا چلا آیا اور مجلس کے سامنے یہ سوال پیش ہوا تو انہون نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ "انجیل صاف الفاظ مین تعدد ازواج سے ہمین نہین روکتین اور کلیسیا کے بڑے بڑے عہدیدار ایک سے زیادہ بیبیان کرتے رہے ہین" اس طرح پر عیسائیت مین بھی تعدد ازواج کو مذہبی طور پر تسلیم کیا گیا تھا۔ مگر ان واقعات کے ساتھ ساتھ ایک اور سلسلہ واقعات کا بھی پیدا ہو گیا تھا جس نے خود نکاح کے مفہوم کو ہی بگاڑ دیا اور عیسائیون کے دلون مین نکاح سے ایک گونہ نفرت پیدا کر دی۔ عام خیال حضرت مسیح کے متعلق یہی تھا کہ انہون نے نکاح نہین کیا پھر سب سے زیادہ اثر عیسائیت پر پولوس کا پڑا جسکی کوششون سے عیسائی مذہب یہودیت سے الگ ہوا اس نے بھی آخر عمر تک نکاح نہین کیا اس لیے وہ دوسرون کو بھی تجرد کی ترغیب دیتا تھا۔ اسکا اثر کلیسیا پر یہ ہوا کہ نکاح برا سمجھا جانے لگا اور انسانی کمال تجرد مین سمجھا گیا اس سے آگے ہین پھر ہم سائیکلوپیڈیا سے نقل کرتا ہون "سینٹ جیروم نے جو چوتھی صدی عیسائی مین ہوا ہے اور جس کی بہت سی تصنیفون اور ترجمون کی وجہ سے عیسائی دنیا مرہون احسان ہے یہ لکھا ہے کہ ہمین چاہیے کہ کلہاڑی ہاتھ مین لیکر نکاح کے نقصان دہ رواج کو دنیا سے نابود کر دین ابتدا مین خدا نے نکاح کی اجازت خاص اغراض کے لیے دی تھی۔ مگر مریم اور ...... مسیح نے تجرد کو مقدس کر دیا ہے۔ گلایڈ کہتا ہے کہ چوتھی صدی کے عیسائی بزرگون کا یہ خیال تھا کہ نکاح آدم کے گناہ کی سزا ہے اور اگر آدم گناہ کا ارتکاب نہ کرتا تو بقائے نوع انسانی کی کوئی اور صورت ہوتی۔ ان بزرگون کی تحریرون سے آخر یہی قانون بن گیا اور کلیسیا نے اپنے عہدیدارون کو نکاح کرنے سے روکدیا۔ مگر چونکہ وہ عوام کو نکاح سے نہ روک سکتے تھے اسلیے طرح طرح کے حیلون سے وہان قیدین لگانی شروع کین ...... یہ ابتدائی عیسائیون کی بدقسمتی تھی کہ پولوس مجرد رہا جسکی وجہ غالبًا یہ تھی کہ جوانی مین وہ کسی عورت پر عاشق ہو کر مایوس ہو چکا تھا۔ اور خود مجرد رہنے کی وجہ سے وہ تجرد کو ہی ترجیح دیتا رہا اسکی مثال اس گیدڑ کیطرح تھی جسکی دم کسی طرح سے کٹ گئی تو اسنے یہی پسند کیا کہ دوسرون کی دُمین بھی اسیطرح کٹ جائین۔ چنانچہ پولوس قرنتیون کو لکھتا ہے کہ آدمی کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ عورت کے نزدیک نہ جاوے۔ اس جھوٹے خیال کا جو عملی طور پر بد نتیجہ پیدا ہوا اور جو کچھ اسکا اثر کلیسیا کے عہدیدارون کے اخلاق پر ہوا وہ محتاج بیان نہین۔ سینٹ برنارڈ نے بڑے زور سے اس جھوٹے خیال کی تردید کی کہ فطرت انسانی کے خلاف چلکر پاکیزگی حاصل ہو سکتی ہے لیکی اس اثر کو بیان کرتا ہوا ایک دسوین صدی کے اٹلی کے بشپ کے الفاظ نقل کرتا ہے جسنے کہا تھا کہ اگر مین یہ چاہون کہ ان ناپاک لوگون کے خلاف جو کلیسیا کے عہدیدار ہین قوانین کو عملدرآمد مین لاؤن تو سوائے چھوٹے چھوٹے بچون کے ایک آدمی بھی نہ رہیگا اور اگر اس قانون کو عملدرآمد مین لاؤن

جو ولد الزنا بچوں کے متعلق ہے تو لڑکے بھی خارج ہو جاوینگے (ص ۸۸-۸۹) کلیسیا نکاح سے اس نفرت کے گو آج کل بھی بعض فرقے موجود ہیں جن میں سے ایک وہ فرقہ جو شیکر کے نام سے موسوم ہے اس فرقے کا یہ اعتقاد ہے کہ ''زن و شوی کے تمام تعلقات خواہ اولاد پیدا کرنیکی خاطر ہی ہوں گناہ میں داخل ہیں۔ اور نکاح کرنا شیطان کی تابعداری اختیار کرنا ہے'' نکاح کے متعلق اس فاسد عقیدے کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ تعدد ازدواج کے خلاف نفرت اور بھی بڑھتی جاوے اور یہی وجہ ہے کہ باوجود خود کلیسیا تعدد ازدواج کی اجازت دینے اور اسپر عمل کرنیکے آج عیسائی دنیا کا یہ مذہبی عقیدہ ہوگیا ہے کہ تعدد ازدواج بری چیز ہے۔ یہی ایک مذہب ہے جس نے تعدد ازواج کی ممانعت کو اپنے عقاید کا جزو قرار دیا ہے۔ باوجود اسکے ابتدائی عیسائیوں میں اس قسم کا کھلا فسق و فجور ہوتا تھا۔ جیسا بعض ہندو فرقوں میں ڈاکٹر فنٹ لکھتا ہے کہ ''پہلے عیسائیوں میں فرقوں کی تقسیم اتنی ہی تھی جتنی آج ہے انکے درمیان ایک فرقہ آدمیوں کا کہلاتا ہے جن کا یہ عقیدہ تھا کہ مسیح کی برکت سے ہم پھر آدم کی طرح ہو گئے ہیں جب اس نے ابھی خلاف ورزی نہیں کی تھی یہ لوگ بلا امتیاز مردوں اور عورتوں کے تعلقات کو ضروری سمجھتے تھے بلکہ اسطرح پر زناکاری کو اپنی نجات کا بھاری ذریعہ سمجھتے تھے۔ یہ فرقہ دو دفعہ بعد میں پھر زندہ ہوا۔ ایک دفعہ بارھویں صدی میں بمقام اینٹ ورپ اور دوسری دفعہ پندرھویں صدی میں جرمنی اور بوہیمیا میں۔ عیسائیت کے بعض اور فرقے جو دوسری صدی سے لے کر چھٹی صدی تک رہے ہیں اس بلا امتیاز خلط ملط کو صحیح سمجھتے تھے اور نکاح کرنا انکے عقیدہ کے رو سے برا تھا'' (ص ۹۲)

النداء من وحی السماء

یعنے

ایک زلزلہ عظیمہ کی نسبت پیشگوئی بار دوم وحی الٰہی سے

سونیوالو جلد جاگو یہ نہ وقت خواب ہے ✤ جو خبر دی وحی حق نے اس سے دل بیتاب ہے

زلزلہ سے دیکھتا ہوں میں زمین زیر و زبر ✤ وقت اب نزدیک ہے آیا کھڑا سیلاب ہے

[illegible]

۹- اپریل ۱۹۰۵ء کو پھر خدا تعالیٰ نے مجھے ایک سخت زلزلہ[1] کی خبر دی ہے جو نمونہ قیامت اور ہوش رُبا ہوگا۔ چونکہ دو مرتبہ مکرر طور پر اس

[1] قرآن شریف میں اس نشان زلزلہ کی نسبت ایک صاف پیشگوئی سورۃ النازعات میں درج ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی قسم کھا کر جو

[illegible]

علیم مطلق نے اِس آیندہ واقعہ پر مجھے مطلع فرمایا ہے اِس لیے مین یقین رکھتا ہون کہ یہ عظیم الشان حادثہ جو محشر کے حادثہ کو یاد دلائیگا دور نہین ہے،
مجھے خدائے عزوجل نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ دونون زلزلے تیری سچائی ظاہر کرنیکے لیے دو نشان ہین انہین نشانون کی طرح جو موسٰیؑ نے
فرعون کے سامنے دکھلائے تھے اور اس نشان کی طرح جو نوحؑ نے اپنی قوم کو دکھلایا تھا۔ اور یاد رہے کہ اِن نشانون کے بعد ابھی بس نہین ہے،
بلکہ کئی نشان ایکدوسرے کے بعد ظاہر ہوتے رہین گے یہان تک کہ انسان کی آنکھ کھلے گی اور حیرت زدہ ہوکر کہیگا کہ یہ کیا ہوا چاہتا ہے
ہر یک دن سخت اور پہلے سے بدتر آئیگا۔ خدا فرماتا ہے کہ مین حیرتناک کام دکھلاؤنگا اور بس نہین کرونگا۔ جبتک کہ لوگ اپنے دلون کی صلاح
نہ کرلین اور جس طرح یوسفؑ نبی کیوقتین ہوا کہ سخت کال پڑا۔ یہان تک کہ کھانیکے لیے درختون کے پتے بھی نہ رہے اسیطرح ایک آفت کا
سامنا موجود ہوگا اور جیسا کہ یوسفؑ نے اناج کے ذخیرہ سے لوگون کی جان بچائی اسی طرح جان بچانیکے لیے خدانے اس جگہ بھی مجھے ایک
روحانی غذا کا مہتمم بنایا ہے جو شخص اس غذا کو سچے دل سے پورے وزن کے ساتھ کھائیگا مین یقین رکھتا ہون کہ ضرور اس پر رحم کیا
جائیگا۔ بعض نادان کہتے ہین کہ پھر کئی لوگ احمدی جماعت مین سے طاعون سے کیون مرگئے۔ پس یاد رہے کہ ابتک ایک فرد بھی ہماری
جماعت مین سے طاعون یا زلزلہ سے نہین مرا جسنے عملی حالت کو محبت کاملہ اور قوت ایمان اور پورے صدق وصفا اور دین کو مقدم
رکھنے کے ساتھ جمع کیا ہو اور جس کو مین نے ان علامات کے ساتھ شناخت کرلیا ہو یا مجھ کو اس مرتبہ کی خبر دیگئی ہو۔ ہان چونکہ لاکھون
انسان اس جماعت مین داخل ہو چکے ہین اور اکثر وہ مین جو ایک بچہ کی طرح کمزور ہین اور ایسے بھی ہین جو کسی ابتلا کیوقت ثابت قدم
بھی نہین رہ سکتے اور ایسے بھی ہین جو تھوڑے سے امتحان مین پڑکر مرتد ہونیکو تیار ہوتے ہین اور ایسے بھی ہین جو یہ اقرار کرکے جھوٹ
بولتے ہین جو ہم نے دین کو دنیا پر مقدم کرلیا ہے حالانکہ ابھی تک وہ دنیا کے گند مین پڑے ہین۔ ہرگز دین کو دنیا پر مقدم نہین کیا دنیائے
مردار دنیا مین مبتلا اور اسی غم وہم مین گرفتار ہین اور ان کی عملی حالت اسی پر گواہی دے رہی ہے کہ انہون نے دین کو دنیا پر مقدم نہین
کیا۔ ہرگز نہین کیا لیکن مین امید رکھتا ہون کہ آہستہ آہستہ بڑی بڑی روحانی ترقی کرلہ . . . غرض ممکن نہین اور یہ بالکل ممکن
نہین کہ جس شرط پر مین لوگون کو بیعت مین داخل کرتا ہون اور جس راہ پر چلانا چاہتا ہون اس پر مضبوط پنجہ مارکر پھر بھی کوئی شخص
مورد عذاب الٰہی ہو۔ ہان کمزوری کی حالت مین ان کیلیے طاعون سے فوت ہونا ایک شہادت ہے جو گناہ سے صاف کرکے انکو بہشت مین پہنچائیگی
اور یہی خبر خدانے مجھے دی تھی جس کو مین نے عام طور پر شایع کردیا تھا مگر لوگون نے جیسا کہ انکی عادت ہے اِس الہام مین تحریف کرکے اپنی
طرفسے یہ شائع کیا کہ گویا میرا یہ دعوے ہے کہ کوئی مرید میرا گو اسکی عملی یا ایمانی حالت کیسی ہی ہو طاعون سے نہین مریگا تعجب ہے کہ ہمارے
مخالف لوگون مین افترا کی عادت کسقدر بڑھ گئی ہے اصل الہام جس سے مین نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ خدا تعالے ہر یک کامل الایمان اور کامل العمل کو
جو ہماری جماعت مین سے ہوگا طاعون کی موت سے بچائیگا۔ یہ ہے:۔ الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولٓئک لھم
الامن وھم مھتدون یعنے جنلوگون نے مجھے قبول کیا اور مجھپر ایمان لائے اور اپنے ایمان کو کسی ظلم اور قصور اور کسی نوع کے ایمانی
یا عملی تاریکی یا نقص کے ساتھ مختلط نہین کیا وہ طاعون کے حملے سے امن مین رہین گے پس وحی سے کہان سے پتہ ثابت ہے کہ جو لوگ اپنے اندر
کچھ نقص اور ظلم رکھتے ہین یا کوئی ایمانی کمزوری وہ بھی اس وعدہ الٰہی کے نیچے داخل ہین۔ نعوذ باللہ من سوء الفہم وافراط الوہم۔

میں ایسے چند لوگوں کو بھی جانتا ہوں جو پہلے اس جماعت میں داخل ہوئے تھے اور پھر مرتد ہو گئے اگر وہ اس جماعت میں رہ کر طاعون سے مر جاتے تو جلد باز اور ناواقف لوگ یہی کہتے کہ دیکھو اس جماعت کے یہ لوگ تھے جو طاعون سے مر گئے حالانکہ ان کے اندر ایک خبیث مادہ تھا جسکو خدا جانتا تھا اور لوگ نہیں جانتے تھے اور وہ اس پھوڑے کی طرح تھے جو اوپر سے بہت چمکتا ہوا اور اندر بجز پیپ کے اور کچھ نہ ہو بہرحال خدا نے مجھے یہ خبر دے رکھی ہے کہ طاعون اس جماعت کی تعداد کو بڑھائیگی اور دوسرے مسلمانوں کی تعداد کو گھٹائیگی سو آخر یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ یہ پیشگوئی سچی نکلی یا جھوٹی میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ظلم کے سبب سے جو کیا گیا اور طاعون کے نشان کو دیکھ کر لوگ ہنسی سے پیش آئے یہ دوسرا نشان زلزلہ کا ظاہر ہوا جس کی خبر آج سے قریباً ایک برس پہلے اخبار الحکم اور البدر میں شائع کی گئی تھی اور پہلے اشتہار میں جو لکھا گیا کہ زلزلہ سے پانچ مہینہ پہلے الہام عفت الدیار محلہا و مقامہا ہوا تھا۔ وہ غلطی سے لکھا گیا تھا بلکہ مئی سنہ ۱۹۰۴ء میں ان دونوں اخباروں میں اس خوفناک زلزلہ کی خبر شائع ہوئی تھی ساتھ اسکے یہ بھی الہام تھا کہ "زلزلہ کا دھکا" اور عربی الہام مذکورہ بالا کا مفہوم یہ تھا کہ زلزلہ کیوقت جو مکان بطور سرائے کے ہونگے یا جو مستقل طور پر سکونت کے مکانات ہونگے وہ حادثہ زلزلہ سے نابود ہو جائیں گے ان کا نام نشان نہ رہیگا اور پھر اشتہار الوصیت میں بھی زلزلہ سے پہلے شائع کیا گیا تھا کہ موتا موتی کا واقعہ آنیوالا ہے جس سے شور قیامت برپا ہوگا

غرض اے ناظرین آپ صاحبان بچشم خود دیکھ چکے ہیں کہ وہ پیشگوئی جو میں نے الحکم اور البدر میں شدید زلزلہ کے بارے میں آج کی تاریخ سے ایک برس پہلے کی تھی وہ کس زور سے پوری ہوئی اور جو سخت حادثے کانگڑہ اور بھاگسو اور پالم پور اور سوجان پور تیرہ اور دیگر مقامات جیسا کہ کلو اور رہلو میں ہوئے انکی تفصیل کی اس جگہ حاجت نہیں یہ ایک ایسی پیشگوئی تھی جس سے دلوں پر بہت اثر ہونا چاہیئے تھا۔ مگر میں نے سنا ہے کہ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور اور امرتسر میں اس پر بھی بہت سا ٹھٹھا کیا گیا خاصکر پیسہ اخبار کے ایڈیٹر نے اس ٹھٹھے سے بہت سا حصہ لیا اور رد کیطور پر لکھا کہ ایسے زلزلے ہمیشہ آتے ہیں اور جاپان میں بہت زلزلے آیا کرتے ہیں اس شخص نے دیدہ و دانستہ سچائی کا خون کرنا چاہا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ دنیا میں کوئی نئی بات نہیں نوح کے طوفان تک کا بھی پہلے ایک نمونہ گذر چکا ہے۔ مگر خدا تعالے جب کسی ایسے شدید حادثہ کی قبل از وقت خبر دے جو اس ملک کے رہنے والے اسکو ایک غیر معمولی واقعہ اور ایک ان ہونی بات خیال کرتے ہوں اور اپنے ملک میں انکے باپ دادوں نے اسکی نظیر نہ دیکھی ہو اور ایسا امر انکے ملک میں ظاہر ہو جو انکے خیال و گمان میں بھی نہ ہو وہ امر وقوع ہو جائے اور وہ پیشگوئی پوری ہو جائے تو پھر بھی اسکو معمولی بات سمجھنا اگر ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے مگر میں جانتا ہوں کہ اس درجہ کا تعصب رکھنے والے اور دانستہ حق کو چھپانیوالے دنیا میں بہت کم ہونگے شاید ایڈیٹر صاحب پیسہ اخبار اس اپنی سیرت میں لاہور میں ایک ہی ہیں یا چند آدمی جو انگلیوں پر شمار ہو سکتے ہیں ان کے ہم مشرب ہوں +

بہرحال جبکہ پہلی پیشگوئی کو ڈرنیوالے دل کے ساتھ نہیں دیکھا گیا اور مجھ کو بقول پیسہ اخبار دکاندار یا افترا کے کاموں کا تاجر ٹھہرایا گیا ہے تو خدا تعالے نے چاہا کہ اب دوسرا نشان دکھاوے تا ماننے والوں پر اسکا رحم ہو اور توبہ کرنیوالے توبہ کر لیں اور نادان لوگ جو کئی منزلوں کی چھتوں کے نیچے سوتے ہیں وہ کسی اور جگہ ڈیرے لگا لیں اسوقت بجز توبہ کیا علاج ہے اس آنیوالے حادثہ کیلئے کوئی تدبیر کارگر بھی تجویز نہیں ہو سکتا ہے جس سے تسلی ہو لیں میں محض خیرخواہی مخلوق کیلئے ہمدردی سے بھرے ہوئے دل سے

ساتھ یہ اشتہار شایع کرتا ہون کہ جہانتک ممکن ہو اپنی اصلاح کرنی چاہئے کم سے کم ظلم اور تعدّی اور فسق و فجور اور ٹھٹھے اور ہنسی سے دستکش ہوجانا چاہئے بہتر ہے کہ ہر ایک شخص اپنا صدقہ دے اور اگر قربانی بھی کرے تو بہتر ہے اور ٹھٹھے والی مجلسون سے الگ ہوجائے یاد رہے کہ اگر کسی کا مذہب اور عقیدہ ناراستی پر ہے مگر وہ ٹھٹھے کرنیوالی مجلسون مین نہین بیٹھتا اور بدزبانی کرنیوالونکی ہان مین ہان نہین ملاتا اور فسق و فجور اور ظلم و تعدی اور ہر ایک قسم کی شرارتون سے اور جھوٹی گواہیون اور ناحق کے خون اور چوری سے دستکش ہے اور غریبی اور مسکینی اور شرافت سے گذارہ کرتا ہے وہ اگرچہ بباعث اپنی مذہبی غلطی کے روز آخرة مین مواخذہ کے لایق ہوگا مگر دنیا مین خدا تعالےٰ جو کریم و رحیم ہے دوسرونکی نسبت اسپر رحم کرے گا بشرطیکہ شریر جماعت کے ساتھ اسکا پیوند اور تعلق نہ ہو۔[1] خوب یاد رکھو کہ جن قومونکو خدا تعالےٰ نے اس سے پہلے عذاب مین مبتلا کیا تھا جیسا کہ نوحؑ کی قوم اور فرعون کی قوم اور لوطؑ کی قوم وہ اس لیے ہلاک نہین کی گئی تھین کہ محض مذہبی اختلاف درمیان تھا بلکہ وہ اپنی شوخیون اور شرارتونکی وجہ سے ہلاک کی گئی تھین۔ نوحؑ کی قوم نے نہ صرف حضرت نوحؑ کو مفتری سمجھا بلکہ دن رات ٹھٹھا ہنسی ان کا پیشہ ہوگیا اور فرعون اور اس کی قوم نے پہلے سے زیادہ بنی اسرائیل پر ظلم کرنا شروع کیا اور لوطؑ کی قوم نے فسق و فجور مین جبر تک نوبت پہنچائی اور جب انکو سمجھایا گیا تو لوطؑ اور اسکے اصحاب کی نسبت انہون نے اپنے رفیقونکو وہ کہا جو قرآن شریف مین درج ہے۔ اخرجوھم من قریتکم انھم اناس یتطھرون یعنی ان لوگونکو اپنے گاؤن سے باہر نکالو یہ تو طہارت اور تقوے کے لیے پھرتے ہین یعنی ہمارے مخالف اور ریا کی باتین لوگونکو کہتے ہین پس خدا کا غضب ان قومون* پر بھڑکا اور انکو صفحہ زمین سے نابود کر دیا۔ پس کیا تم ان لوگون سے زیادہ سخت ہو یا تمہارے پاس خدا تعالےٰ سے مقابلہ کا کچھ سامان موجود ہے اور انکے پاس موجود نہ تھا اور یا تم عذاب سے بری کیے گئے ہو اور یا خدا تعالےٰ مین اب وہ عذاب دینے کی قوت نہین جو پہلے تھی مین سچ سچ کہتا ہون کہ اس آنیوالے نشان کے بعد جو مجھکو قبول کریگا اسکا ایمان **قابل عزت نہین** جیسے کان ہین سُنے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ میرا غضب زمین پر بھڑکا ہے کیونکہ **زمین والون نے میری طرف سے** منہ پھیر لیا ہے۔ پس جب ایک انسانی سلطنت عدول حکمی سے ناراض ہوجاتی

[1] آیت قرآنی وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا سے صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کے قہری عذاب کے نازل ہونیسے پہلے خدا کیطرف سے کوئی رسول ضرور مبعوث ہوتا ہے جو خلقت کو آنیوالے عذاب سے ڈراتا ہے اور یہ عذاب اسکی تصدیق کیواسطے قہری نشانات ہوتے ہین اسوقت خدا کا ایک رسول تمہارے درمیان ہے جو مدت سے ملکوان عذابونکے آنیکی خبر دیرہا ہے پس سوچو اور

* درحقیقت اس حادثہ مین اس عادۃ اللہ کی مثال ڈپٹی عبد اللہ آتھم اور پنڈت لیکھرام ہین۔ عبد اللہ آتھم نے پیشگوئی کو سنکر کوئی شوخی نہین دکھلائی تھی بلکہ روتا رہا اسیلیے خدا نے جو رحیم و کریم خدا ہے اسکی میعاد مین تاخیر ڈالدی جیسا کہ پہلے الہام مین اسکا وعدہ تھا مگر لیکھرام نے شوخی دکھلائی اور پیشگوئی کو سنکر بدزبانی مین بہت بڑھ گیا اور ہر مجلس مین گالیان دینا اپنا شیوہ اختیار کر لیا اسلیے غیور خدا نے اسکی اصل میعاد بھی پوری نہ ہونے دی اور ابھی پانچ برس ہی گذرے تھے جو اپنی سزا کو پہونچ گیا اور وہی زبان کی چھری دوسرے رنگ مین اسکو لگ گئی۔ منہ۔

ہے اور ہولناک سزا دیتی ہے پھر خدا کا غضب کیسا ہوگا پس توبہ کرو کہ دن نزدیک ہین اور اس بارہ مین جو عربی مین مجھے وحی الٰہی ہوئی
اس جگہ مین اس کو معہ ترجمہ لکھکر اس اشتہار کو ختم کرتا ہون اور وہ یہ ہے۔ **بخور آنچہ ترا بخورانم** +
لک درجۃ فی السماء و فی الذین ھم یبصرون + نزلت لک لک نری ایات و نھدم ما یعمرون +
قل عندی شھادۃ من اللہ فھل انتم مومنون ۔ کففت عن بنی اسرائیل + ان فرعون
و ھامان و جنودھما کانوا خاطئین + انی مع الافواج اٰتیک بغتۃ + یعنی جو کچھ مین تجھے کھلاتا ہون وہ
کھا تیرا آسمان پر ایک درجہ ہے اور نیز ان مین درجہ ہے جو آنکھین رکھتے ہین اور دیکھتے ہین اور مین تیرے لیے زمین پر اترونگا
تا اپنے نشان دکھلاؤن ہم تیرے لیے زلزلہ کا نشان دکھلائینگے اور وہ عمارتین جن کو غافل انسان بناتے ہین یا آئندہ بنائینگے
گرا دینگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زلزلہ نہین بلکہ کئی زلزلے ہونگے جو عمارتونکو وقتاً فوقتاً گرائینگے اور پھر فرمایا کہ مین تیری
جماعت کے لوگونکو جو مخلص ہین اور بیٹون کا حکم رکھتے ہین بچاؤنگا۔ اس وحی مین خدا تعالےٰ نے مجھے اسرائیل قرار دیا اور مخلص لوگونکو
میرے بیٹے اس طرح وہ بنی اسرائیل ٹھہرے۔ اور پھر فرمایا کہ مین آخر کو ظاہر کر دونگا کہ فرعون یعنی وہ لوگ جو فرعون کی خصلت
پر ہین اور ہامان یعنی وہ لوگ جو ہامان کی خصلت پر ہین اور انکے ساتھ کے لوگ جو ان کا لشکر ہین یہ سب خطا پر تھے۔ اور
پھر فرمایا کہ مین اپنی تمام فوجونکے ساتھ یعنی فرشتونکے ساتھ نشانونکے دکھلانیکے لیے ناگہانی طور پر تیرے پاس آؤنگا یعنی اسوقت
جب اکثر لوگ باور نہین کرینگے اور ٹھٹھے اور ہنسی مین مشغول ہونگے اور بالکل کام سے بیخبر ہونگے تب مین اس نشان کو ظاہر کر دونگا
کہ جس سے زمین کانپ اٹھے گی تب وہ روز دنیا کیلیے ایک ماتم کا دن ہوگا۔ مبارک وہ جو ڈرین اور قبل اسکے جو خدا کے غضب کا
دن آوے توبہ سے اسکو راضی کرلین کیونکہ وہ حلیم اور کریم اور غفور اور تواب ہے جیسا کہ وہ شدید العقاب بھی ہے۔

یاد رہے کہ ان دونون زلزلونکا ذکر میری کتاب براہین احمدیہ مین بھی موجود ہے جو آج سے پچیس برس پہلے اکثر
ممالک مین شائع کی گئی تھی اگرچہ اسوقت اس خارق عادت بات کیطرف ذہن منتقل نہ ہو سکا لیکن اب ان پیشگوئیون پر
نظر ڈالنے سے بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ آئندہ آنیوالے زلزلونکی نسبت پیشگوئیان تھین جو اسوقت نظر سے مخفی رہ گئین
چنانچہ یہی پیش گوئی ان مین سے براہین کے صفحہ ۵۱۶ مین موجود ہے جسکی عبارت یہ ہے۔ فبراہ اللہ مما قالوا وکان
عند اللہ وجیہا الیس اللہ بکاف عبدہ فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا واللہ موھن
کید الکافرین یعنے خدا اپنے اس بندہ کو ان تہمتون اور بہتانون سے بری کریگا جو اسپر لگائے جائینگے وہ خود اپنے بندہ
کیلئے کافی ہے۔ پس جب خدا پہاڑ پر تجلی کریگا تو اسکو پارہ پارہ کر دیگا اور جو کچھ مخالف لوگ ناحق کے الزامون مین مبتلا کرنا
چاہین گے ان کے سب مکر سست کر دیگا اب چونکہ انہین دنون مین مخالف لوگ طرح طرح کی تہمتین لگانے مین حد سے بڑھ
گئے ہین اور اسی زمانہ مین خدا نے زلزلہ شدیدہ کی مجھے ایک برس پہلے خبر دی چنانچہ مطابق اسکے پہاڑ و نیز زلزلہ کی سخت
آفت آئی ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس جگہ پہاڑ کے پارہ پارہ کرنے سے مراد یہ زلزلہ تھا جسکی الحکم وغیرہ مین ایک برس

پہلے خبر دیگئی۔ دوسری پیشگوئی براہین احمدیہ مین زلزلہ کے بارہ مین یہ ہے + مین اپنی چمکار دکھلاؤن گا۔ اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اٹھاؤن گا۔ دنیا مین ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملون سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ الفتنۃ ھھُنا فاصبر کما صبر اولوا العزم فلمّا تجلّٰی ربّہ للجبل جعلہ دکًّا قوۃ الرّحمٰن لعبید اللّٰہ الصمدؔ...... عربی کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ خدا فرماتا ہے کہ ان دنون مین تیرے پر ایک فتنہ برپا کیا جائیگا۔ پس خدا تجھے بری کرنیکے لیے ایک نشان دکھائیگا اور وہ یہ کہ پہاڑ پر اسکی تجلی ہوگی اور وہ پہاڑ کو پارہ پارہ کر دیگا یہ خدا کی قوت سے ہوگا تا وہ اپنے بندہ کیلیے نشان دکھاوے۔ دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۷ اور پھر رسالہ **آمین** مین جو مطبع ضیاء الاسلام قادیان مین چھپکر ۱۹۰۱ء مین شایع ہوا تھا یہی خبر نظم مین دیگئی تھی اور وہ شعر یہ ہین

کرو توبہ کہ تا ہو جائے رحمت + دکھاؤ جلد تر صدق و انابت + کھڑی ہے سر پہ ایسی ایک ساعت + کہ یاد آجائیگی جس سے قیامت

مجھے یہ بات مولٰے نے بتادی + فسبحٰن الذی اخزی الاعادی

اب سنو ای عزیزو! کہ آج مینے تبلیغ کا حق ادا کر دیا[1]۔ اب چاہو ٹھٹھا کرو گالیان دو تہمتین لگاؤ اور مفتری نام رکھو اور چاہو تو قبول کرو مینے قبل از وقت بتا دیا اے بدقسمتو! تم آنیوالے عذاب سے بھاگ نہین سکتے خدا برحق ہے اور اسکے وعدے برحق والسلام علٰی من اتبع الہدٰی۔ (راقم خاکسار مرزا **غلام احمد قادیانی**) ۲۱۔ اپریل ۱۹۰۵ء

زلزلہ کی خبر بار سوم

آج ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو پھر خدا تعالے نے مجھے دوسری مرتبہ کے زلزلہ شدیدہ کی نسبت اطلاع دی ہے۔ سو مین محض ہمدردی مخلوق کیلیے عام طور پر تمام دنیا کو اطلاع دیتا ہون کہ یہ بات آسمان پر قرار پا چکی ہے کہ ایک شدید آفت سخت تباہی ڈالنے والی دنیا پر آویگی جس کا نام خدا تعالے نے بار بار زلزلہ رکھا ہے۔ مین نہین جانتا کہ وہ قریب ہے یا کچھ دنون کے بعد خدا تعالے اسکو ظاہر فرماوے گا مگر بار بار خبر دینے سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ بہت دور نہین ہے۔ یہ خدا تعالٰی کی خبر اور اسکی خاص وحی ہے جو عالم الاسرار ہے اسکے مقابل پر جو لوگ یہ شایع کر رہے ہین کہ کوئی سخت زلزلہ آنیوالا نہین ہے وہ اگر منجم ہین یا کسی اور علمی طریق سے اٹکلین دوڑاتے ہین وہ جھوٹے ہین اور لوگونکو دھوکہ دیتے ہین۔ درحقیقت یہ سچ ہے اور بالکل سچ ہے کہ وہ زلزلہ اس

---

[1] پہلے اکثر مسلمان جو اپنی غلط فہمی سے حضرت عیسٰے کو آسمان سے اتار رہے تھے وہ بات صحیح نہ تھی۔ بلکہ خدا تعالے کیطرف سے مسیح ہوکر آنیوالا یہی راقم تھا لیکن ان لوگونکا کچھ قصور نہین کیونکہ قبل از وقوع کسی پیشگوئی کے معنے کرنے مین عوام تو ایکطرف بعض اوقات انبیاء بھی اجتہادی غلطی کر بیٹھتے ہین گو بعد اسکے پیشگوئی کے وقوع کے وقت معنے کھلجاتے ہین +

ملک پر آنیوالا ہے جو پہلے کسی آنکھ نے نہین دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی دل مین گذرا۔ بجز توبہ اور دل کے پاک کرنیکے کوئی اسکا علاج نہین۔ کوئی ہے جو ہماری اس بات پر ایمان لائے؟ اور کوئی ہے جو اس آواز کو دل لگا کر سنے؟ یہ بھی ملک کی بدقسمتی ہے جو خدا کے کلام کو ٹھٹھے اور ہنسی سے دیکھتے ہین اور انکے دل ڈرتے نہین خدا فرماتا ہے کہ مین چھپ کر آؤنگا۔ مین اپنی فوجونکے ساتھ اُسوقت آؤنگا کہ کسیکو گمان بھی نہ ہوگا کہ ایسا حادثہ ہونیوالا ہے۔ غالباً وہ صبح کا وقت ہوگا یا کچھ حصّہ رات مین سے یا ایسا وقت ہوگا جو اس سے قریب ہے۔ پس اے عزیزو! تم جو خدا تعالےٰ کی وحی پر ایمان لاتے ہو ہوشیار ہو جاؤ اور اپنی توبہ کے جامہ کو خوب پاک اور صاف کر دو کہ خدا تعالےٰ کا غضب آسمان پر بھڑکا ہے وہ چاہتا ہے کہ دنیا کو اپنا چہرہ دکھاوے بجز توبہ کے کوئی پناہ نہین۔ ہلاک ہو گئے وہ لوگ جنکا کام ٹھٹھا اور ہنسی ہے جو گناہ اور معصیت سے باز نہین آتے اور انکی مجلسین ناپاکی اور غفلت سے بھری ہوئی ہین اور انکی زبانین مردار سے بدتر ہین وہ بار بار کی شوخیون سے خدا تعالےٰ کے غضب کو بھڑکاتے ہین۔ وہ دلونکے اندھے ہین۔ اور خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ اس روز مین ان پر رحم کرونگا جنکے دل مجھ سے ترسان اور ہراسان ہین جو نہ بدی کرتے ہین اور نہ بدی کی مجلسون مین بیٹھتے ہین اور خدا نے یہ بھی فرمایا کہ اس روز تیرے لیے فتح نمایان ظاہر ہوگی۔ کیونکہ خدا اس روز وہ سب کچھ دکھلائیگا جو قبل از وقت دنیا کو سنایا گیا۔ خوش قسمت وہ جو اب بھی سمجھ جاوے۔ یاد رہے کہ خدا کا غیب نہایت عمیق در عمیق ہوتا ہے۔ بجز ان خدا کے مرسلونکے جو جناب الٰہی مین برگزیدہ ہوتے ہین اور کسی پر نہین کھلتا اور کسیکو اس خالص غیب کی اطلاع نہین دیجاتی۔ پس مجھے خدا تعالےٰ نے اطلاع دی ہے تا وہ جو خدا تعالےٰ کو شناخت نہین کرتے اور نہ مجھ کو۔ انکو تنبیہ کیجائے۔ مین محض ہمدردی کی راہ سے یہ بھی کہتا ہون کہ اگر لوگ بڑے بڑے مکانونسے جو دو منزلے سہ منزلے ہین اجتناب کرین تو اس مین رعایت ظاہر ہے۔ آیندہ انکا اختیار۔ والسلام۔ المشتہر مرزا غلام احمد قادیانی۔ ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۵ء بروز شنبہ۔

ضروری گذارش لائق توجہ گورنمنٹ +

یہ عجیب زمانہ ہے کہ ہمدردی کی بھی ناشکری کیجاتی ہے بعض اخبارون والے خاصکر پیسہ اخبار لاہور اس بات سے

+ ہماری جماعت کے ہر ایک ذی مقدرت لوگو نیز دیگر مخلصان اطلاع مین رہتے ہین واجب ہوگا کہ عوام کی غلطیان دور کرنیکے لیے اور شریر لوگونکے دھوکہ کے ازالہ کیلئے جو ناحق میرے اشتہارات کے الٹے معنے کرکے سادہ لوگونکو تشویش مین ڈالتے ہین اور گورنمنٹ کو بھی عمداً دھوکا دیتے ہین کسی قدر اپنے طور پر بھی اشتہار لفظ بلفظ چھاپ کر اپنے گرد و نواح مین اور دور و نزدیک مین شائع کر دین تا مستحق ثواب ہون اور لوگونکی غلط فہمی دور ہو جاوے منہ

بہت ناراض ہوئے ہیں کہ مینے دوسرے زلزلہ کی خبر کیون شایع کی ہے حالانکہ انکو خوب معلوم ہے کہ جو کچھ مین نے شایع کیا وہ بدنیتی سے نہیں ہے اور کسیکو آزار دینا اور تشویش میں ڈالنا میرا مقصد ہے مین نے پہلے اس سے سنہ۱۹۰۱ع مین ایک زلزلہ شدیدہ کی خبر شایع کی تھی جس کا یہ مضمون تھا کہ ایک زلزلہ سخت آنیوالا ہے جو ہولناک ہوگا اور پھر مین نے اسی زلزلہ کے بارہ مین مئی سنہ۱۹۰۵ع مین بذریعہ اخبار شایع کیا کہ وہ زلزلہ آنیوالا ایسا ہوگا کہ جس سے ایک حصہ ملک کا تباہ ہو جائیگا اور بڑی بڑی عمارتیں گرینگی اور جو عارضی طور پر فرودگاہیں ہیں وہ بھی گرینگی اور جو مستقل سکونت کی عمارتیں ہیں وہ بھی نابود ہو جائینگی اور اس زمانہ سے پچیس برس پہلے بھی مین نے اپنی کتاب براہین احمدیہ مین یہی زلزلہ کی خبر دی تھی اور لکھا تھا کہ اس سے پہاڑ پھٹ جائیں گے اور بڑی آفت پیدا ہوگی اور جب وہ پیشگوئی ۴ اپریل سنہ۱۹۰۵ع کو پوری ہوگئی اور بندگان خدا کا وہ نقصان ہوا جس کی تحریر کرنیکی حاجت نہیں تب مجھے اس حادثہ سے اسقدر صدمہ پہنچا کہ جسکے بیان کرنیکے لیے الفاظ نہیں اور مین خیال کرتا ہون کہ بہت کم ایسے لوگ ہونگے جنکو میری مانند ملک کی اس تباہی کا صدمہ پہنچا ہو کیونکہ اس زلزلہ کے بعد مجھے بار بار یہ خیال آیا کہ مینے بڑا گناہ کیا کہ جیسا کہ حق شایع کرنیکا تھا اس پیش گوئی کو شایع نہ کیا کیونکہ وہ پیشگوئی صرف اردو کے دو اخبار اور دو رسالون مین شائع ہوئی تھی اور یہ بھی فروگذاشت ہوئی ہے کہ عربی پیش گوئی کا ترجمہ بھی نہیں ہوا تھا اور یہ بھی بڑی غلطی ہوئی کہ انگریزی اخبارون مین اس کو شائع نہیں کیا گیا تھا اگرچہ مین اس وقت جانتا تھا کہ میرا کلام صد لوگوں کو ایک واجبی احتیاط کی طرف مصروف نہیں کریگا کیونکہ قوم میری باتون کو بدظنی سے دیکھتی ہے اور ہر ایک بھلائی کی بات جو مین پیش کرتا ہون بجز گالیاں سننے کے مین اس کا کوئی صلہ نہیں پاتا تاہم میرے دل کو اس غم نے سخت گھیرا کہ جو خبر مجھے پہلے سے بہت صفائی سے خدائے علیم وحکیم کیطرف سے ملی تھی مین نے اسکی پورے طور پر اشاعت نہ کی اور اگر مین پورے طور پر اشاعت کرتا اور بار بار متنبہ کرتا تو ممکن تھا کہ اس پر کار بند ہو کر بعض جانیں بچ جاتیں چنانچہ جس قدر میری جماعت مین سے دھرم سالہ اور کانگڑہ اور کلو وغیرہ مین لوگ رہتے تھے یا ملازم تھے ایک بھی ان مین سے ضائع نہیں ہوا اسکی وجہ یہی ہوگی کہ وہ زلزلہ کی خبر کو پہلے سے یاد رکھتے ہونگے اور حتی الوسع اپنی باطنی اصلاح بھی کی ہوگی۔ مین اسی غم اور پریشانی مین تھا کہ یکدفعہ پھر مجھے خدا تعالیٰ کیطرف سے خبر ملی کہ ایک زلزلہ اور آنیوالا ہے جو قیامت کا نمونہ ہوگا اس خبر کو سنتے ہی میرے بدن پر لرزہ پڑ گیا اور میرے دل کی وہ حالت ہوئی جسکو میرا خدا جانتا ہے۔ اور جیسا کہ مین لکھ چکا ہون مین پہلے سے بہت شرمندہ تھا کہ مین نے زلزلہ کی پہلی خبر کو کماحقہ کیون شائع نہ کیا اور کیون بنی نوع کی پوری ہمدردی نہ کی۔ اب دوسرے زلزلہ کی خبر پاکر میرا دل اس بات کیلیے بے اختیار ہوگیا کہ پہلی فروگذاشت کا اب تدارک کرون اسی غرض سے مین نے تین اشتہار شائع کیے تا لوگون کو متنبہ کرون[1] کہ حتی المقدور اپنے اعمال کی اصلاح کریں اور جہانتک ممکن ہو ایسی عمارتون سے

[1] اس کے واسطے کوئی تاریخ معین نہیں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے کوئی خاص تاریخ میرے پر ظاہر نہیں فرمائی بعض لوگون کو غلطی لگی ہے کہ ہم نے ۱۱ سے ۱۴ مئی مقرر کی تھی۔ مگر یہ بالکل جھوٹ ہے ہمنے کوئی تاریخ نہیں لکھی ایسی پیشگوئیوں میں عموماً یہی سنت اللہ ہے چنانچہ انجیل مین بھی

پچین جو دو منزل سہ منزل ہین اور ابھی دفعہ مینے پہلی فرو گذاشت کو پورا کرنیکے لیے کئی ہزار اشتہار شایع کیے اور اخبارونمین بھی یہی مضمون شایع کرایا اور پایونیر وغیرہ انگریزی اخبارونمین بھی شایع کرادیا بلکہ اس اطلاع کیلیے ایک چیٹھی بخدمت جناب لفٹنٹ گورنر بہادر اور ایک چیٹھی جناب نواب لارڈ کرزن والیسرائے بالقابہ کیخدمت مین بھیجی گئی اور ابھی مین اس بات کیطرف متوجہ ہون کہ یا تو خدا تعالی اپنے فضل و کرم سے اس گھڑی کو ٹالدے اور مجھے اطلاع دے اور یا پورے طور پر بقید تاریخ اور روز اور وقت اس آنیوالے حادثہ سے مطلع فرماوے کیونکہ وہ ہر ایک بات پر قادر ہے۔ اب ناظرین سمجھ سکتے ہین کہ کسی بدنیتی یا دلازاری یا ستانے کیلیے مینے یہ کام نہین کیا اور جس آنیوالے زلزلہ سے مینے دوسرونکو ڈرایا اس سے پہلے مین آپ ڈرا اور ابتک قریبًا ایکماہ سے میرے خیمے باغ مین لگے ہوئے ہین مین واپس قادیان مین نہین گیا کیونکہ مجھے معلوم نہین کہ وہ وقت کب آنیوالا ہے مینے اپنے مریدونکو بھی اپنے اشتہارات مین بار بار یہی نصیحت کی کہ جسکی مقدرت ہو اسے ضروری ہے کہ کچھ مدت خیمونمین باہر جنگل مین رہے اور جو لوگ بے مقدرت ہین وہ دعا کرتے رہین کہ خدا اس بلا سے انہین بچاوے پس میری نیک نیتی پر اس سے زیادہ کون گواہ ہو سکتا ہے کہ اسی خیال سے مین مع اہل و عیال اور اپنی تمام جماعت کے جنگل مین پڑا ہون اور جنگل کی گرمی کو برداشت کر رہا ہون حالانکہ قادیان طاعون سے بالکل پاک صاف ہے مگر جس بات سے خدا نے ڈرایا اس سے ڈرنا لازم ہے اور جس ضرر کا یقین ہے اس سے بنی نوع کو ڈرانا بھی شرائط ہمدردی مین داخل ہے اگر مین دیکھون کہ کسی گھر کے کسی حصہ کو آگ لگنے کو ہے اور گھر کے لوگ خواب مین ہین ان کو کچھ خبر نہین اور مین ان کو اطلاع نہ دون کہ وہ تشویش مین پڑین گے تو مین ایک سخت گناہ کا مرتکب ہونگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ کسی کمزور بنا پر یہ پیشگوئی نہین کیگئی ہے بلکہ اگر حکام کیطرف سے کبھی میرے اس دعوے کی پڑتال ہو تو کم سے کم ہزار پیشگوئی ایسی ثابت ہوگی جو وہ سچی نکلی پس جبکہ مین صدہا پیشگوئیون کی سچائی کے تجربہ سے اسبات کے باور کرنیکے لیے ایک بھاری ثبوت اپنے پاس رکھتا ہون کہ جو کچھ خدا نے مجھے فرمایا ہے سچ ہے تو پھر اس سے لوگونکو متنبہ نہ کرنا ایک ظلم تھا کیونکہ یہ ایک زلزلہ کی پیش گوئی قطعی نہین بلکہ شرطی ہے ہر ایک شخص جو نیک چلنی اختیار کریگا وہ بچایا جائیگا پس ایسے شخص کو کیا غم ہے جو اپنے چال چلن کی درستی رکھتا ہے ہان وہ بدمعاش لوگ جو اپنا پیشہ بدکاری حرامخواری خونریزی وغیرہ رکھتے ہین البتہ ایسے اشتہارون سے وہ تشویش مین پڑینگے سو انکی تشویش کی نہ خدا کو پرواہ ہے اور نہ گورنمنٹ کو اگر انکو خوش رکھنا مقصود ہوتا تو انسانی گورنمنٹین ان کے لیئے جیلخانے کیون تیار کرتین +

۲ صرف یہ لکھا ہے کہ زلزلے آوینگے مگر تاریخ مقرر نہین ہے مجھے ابتک قطعی طور پر یہ بھی معلوم نہین کہ اس زلزلہ سے درحقیقت ظاہری زلزلہ مراد ہے یا کوئی اور شدید آفت ہے جو زلزلہ کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہے بہرحال اس سے خوف کرنا لازم اور احتیاط رکھنا ضروری سمجھکر مین ابتک خیمونمین باہر جنگل مین گذارہ کرتا ہون اور خیمونکے خریدنے اور عمارتونکے بنانے مین ایکہزار روپیہ کے قریب ہمارا خرچ بھی ہو چکا ہے اور اسقدر حرج کون اٹھا سکتا ہے بجز اسکے کہ جو سچے دل سے ایک آنیوالے حادثہ پر یقین رکھتا ہے مجھے بعد مین زلزلہ کی نسبت یہ بھی الہام ہوا تھا "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی" مجھے اسپر غور کرنیسے اجتہادی طور پر خیال گذرتا ہے کہ ظاہر الفاظ وحی الہی کے یہ چاہتے ہین کہ یہ پیشگوئی بہار کے ایام مین پوری ہوگی۔ شاید ان تحریکات کیلئے بہار کے ایام کو کچھ خصوصیت ہو اور ممکن ہے کہ اس وحی کے اور معنی ہون اور بہار سے مراد کچھ اور ہو منہ

میری سمجھ مین نہین آتا کہ کس قسم کی بدظنی ہے جو مخالف لوگ مجھ پر کرتے ہین وہ کہتے ہین کہ ہمین اپنے اشتہارون نے تشویش مین ڈال دیا ہے مین نہین سمجھ سکتا کہ کیسی تشویش ہے مین منجم ہونیکا دعوے نہین کرتا نہ مجھے علم جیالوجی کی مہارت کا کوئی دعوی ہے صرف یہ دعوے ہے کہ مین خداتعالی کی طرف سے وحی پاتا ہون مگر اس دعوے کے یہ لوگ سخت منکر ہین اور اسی بنا پر مجھے کافر اور دجال کہتے ہین اور اسی بنا پر یہ لوگ میری تکذیب کر رہے ہین ان لوگون نے ہزارہا اشتہار میری نسبت شائع کیے ہین کہ اس دعوی مین یہ شخص جھوٹا ہے بلکہ اس قدر لعنتون اور گالیون سے بھرے ہوئے میری نسبت دنیا مین اشتہار شایع کر چکے ہین جنسے کم سے کم دس کوٹھے بھر سکتے ہین تو پھر کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ میری ایسی پیشگوئیون سے وہ ڈرتے ہون جو شخص انکے نزدیک جھوٹا ہے اس سے ڈرنے کے کیا معنے؟ اگر مجھے بندگان خدا کی سچی ہمدردی مجبور نہ کرتی تو مین ایک ورق بھی شایع نہ کرتا مگر پہلی پیشگوئی کا بڑے زبردست طور سے پورا ہونا اور ہزارہا جانون کا نقصان ہونا مجھے کھینچکر اسطرف لایا کہ مین

٭ (نوٹ) اس جگہ نمونہ کے طور پر مخالفین مین سے ایک کا اشتہار نقل کیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ ہماری پیشگوئیونکی جب اس طرح تکذیب کیجاتی ہے تو پھر پیشگوئیان کیسے واسطے تشویش کا موجب نہین ہین اور نہ لوگ اس سے ڈرتے ہین۔ بلکہ اسپر مضحکہ اڑاتے ہین۔ چنانچہ ایک تازہ اشتہار کی کچھ عبارت ہم اسجگہ بطور نمونہ کے نقل کرکے دکھلاتے ہین کہ ایسے مخالفین پر ہماری پیشگوئیونکا کیا اثر پڑ سکتا ہے

اور وہ عبارت یہ ہے

مین آج ۶ مئی ۱۹۰۵ء کو اس امر کا بڑے زور اور دعوے سے اعلان کرتا ہون اور تمام لوگونکو اسبات کا یقین دلاتا ہون انچونکا اور سہمے ہوئے دلونکو اطمینان اور تسلی دیتا ہون کہ قادیانی نے ۵-۸-۲۱-اور ۲۹-اپریل ۱۹۰۵ء کے اشتہارون اور اخبارون مین جو لکھا ہے کہ ایک ایسا سخت زلزلہ آئیگا جو ایسا شدید اور خوفناک ہوگا کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا۔ مگر مسٹر قادیانی زلزلہ کے آنے کی تاریخ یا وقت نہین بتاتا۔ مگر اس امر پر بہت زور دیتا ہے کہ زلزلہ ضرور آئیگا اسلیئے مین اُن بھولے بھالے سادہ لوح آدمیونکو جو قادیانی کی صرف لفاظیون اور اخباری رنگ آمیزیون سے خوفناک ہو رہے ہین۔ بڑے زور سے اطمینان اور تسلی دیتا ہوا خوشخبری سناتا ہون کہ خدا کے فضل و کرم سے شہر لاہور وغیرہ مین یہ قادیانی زلزلہ ہرگز نہین آئیگا! نہین آئیگا!! اور نہین آئیگا!!!- اور آپ ہر طرح اطمینان اور تسلی رکھین۔ مجھے یہ خوشخبری حقیقی نور الہی اور کشف کے ذریعہ سے دیگئی ہے جو انشاء اللہ بالکل ٹھیک ہوگی۔ مین پھر رسہ کر کہتا ہون اور اس نور الہی سے جو مجھے بذریعہ کشف دکھلایا گیا ہے مستفیض ہوکر اور اسکا اعلان کی اجازت پاکر ڈنکے کی چوٹ کہتا ہون کہ قادیانی ہمیشہ کی طرح اس زلزلہ کی پیشین گوئی مین بھی ذلیل اور رسوا ہوگا اور خداوند تعالے حضرت خاتم المرسلین شفیع المذنبین کی طفیل سے اپنی گنہگار مخلوق کو اپنے دامن عاطفت مین رکھکر اس نارسیدہ آفت سے بچا لیگا۔ اور کسی فرد بشر کا بال تک بیکا نہ ہوگا +

ملا محمد بخش حنفی سکرٹری انجمن حامی اسلام لاہور

٭٭ اسی پیشگوئی کے متعلق جو زلزلہ ثانیہ کی نسبت شایع ہو چکی ہے آج ۲۲-مئی ۱۹۰۵ء کو بوقت ۵ بجے صبح خداتعالی کیطرف سے یہ وحی ہوئی۔ صدقت الرؤیا انا کذلک نجزی المتصدقین یعنی زلزلہ کی نسبت تیرے دیکھے ہوئے کو ہمنے سچا کرکے دکھلایا۔ اور اسی طرح ہم صدقہ دینے والونکو جزا دیتے ہین۔ منہ

دوسری پیش گوئی کے شایع کرنے مین کوتاہی نہ کرون اور کما حقہ شایع کردون بعض نے میری نسبت خط لکھے کہ تو جھوٹا ہے ہم چاہتے ہین کہ تجھے قتل کر دین لیکن اگر میرے اشتہارون سے کچھ لوگ احتیاط پر کاربند ہو جائین اور اپنی کچھ اندرونی اصلاح کرلین اور انکی جانین بچ جائین تو میری جان کیا چیز ہے کیا مجھے کبھی مرنا نہین یا اپنی جان سے ایسی محبت رکھتا ہون کہ بنی نوع کی ہمدردی بھی چھوڑ دون اور بعض نادان کہتے ہین کہ یہ اشتہار اس غرض سے لکھے گئے ہین کہ تا لوگ ڈر کر انکی بیعت قبول کرلین مگر اس حق پوشی کا مین کیا جواب دون مین بار بار انہین اشتہارات مین لکھ چکا ہون کہ اصلاح نفس اور توبہ سے اس جگہ میری یہ مراد نہین ہے کہ کوئی ہندو یا عیسائی مسلمان ہو جائے یا میری بیعت اختیار کرے بلکہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر کسی کا مذہب غلطی پر ہے تو اس غلطی کی سزا کے لیے یہ دنیا عدالت گاہ نہین ہے اسکے لیے عالم آخرۃ مقرر ہے اور جسقدر قومونکو پہلے اس سے سزا ہوئی ہے مثلاً آسمان سے پتھر برسے یا طوفان سے غرق کیئے گئے یا زلزلہ نے انکو فنا کیا اس کا یہ باعث نہین تھا کہ وہ بت پرست تھے یا آتش پرست یا کسی اور مخلوق کے پرستار تھے اگر وہ سادگی اور غلط فہمی سے اپنی غلطیون پر قایم رہتے تو کوئی عذاب انپر نازل نہ ہوتا لیکن انہون نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ خدا تعالے کی آنکھ کے سامنے سخت گناہ کیئے اور نہایت درجہ شوخیان دکھلائین اور انکی بدکاریون سے زمین ناپاک ہو گئی اس لیے اسی دنیا مین ان پر عذاب نازل ہوا خدا کریم و رحیم ہے اور غضب مین دھیما ہے اگر اس زمانہ کے لوگ اُس سے ڈرین اور بدکاریون اور ظلمتون اور طرح طرح کے بُرے کامونپر ایسی جرأت نہ کرین کہ گویا خدا نہین ہے تو پھر انپر کوئی عذاب نازل نہین ہو گا جیسا کہ وہ فرماتا ہے مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۵ پ ۱۸ یعنے خدا تمہین عذاب دیکر کیا کریگا اگر تم شکر گذار بنجاؤ اور خدا پر ایمان لاؤ اور اسکی عظمت اور سزا کے دن سے ڈرو ایسا ہی اسکے مقابل پر فرماتا ہے قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَاؤُکُمْ پ ۱۹ یعنی انکو کہدے کہ اگر تم نیک چلن انسان نہ بن جاؤ اور اس کی یاد مین مشغول نہ رہو تو میرا خدا تمہاری زندگی کی پروا کیا رکھتا ہے اور سچ ہے کہ جب انسان غافلانہ زندگی بسر کرے اور اسکے دل پر خدا کی عظمت کا کوئی رعب نہ ہو اور بیقیدی اور دلیری کے ساتھ اسکے تمام اعمال ہون تو ایسے انسان سے ایک بکری بہتر ہے جسکا دودھ پیا جاتا ہے اور گوشت کھایا جاتا ہے اور کھال بھی بہت سے کامون مین آجاتی ہے اور مین جانتا ہون کہ جسقدر مینے لکھا ہے وہ ان لوگونکے لیے بس ہے جنکے دل ٹیڑھے نہین ہین اور جو جانتے ہین کہ خدا ہے۔ والسّلام علیٰ من اتبع الھدےٰ +

المشتھر مرزا غلام احمد قادیانی

مہذب ممالک کی عورتین

مسٹر مانڈنٹ نے پرچہ سکس مین نیویارک کی عورتون کے جو امریکہ کی تہذیب کا مرکز ہے ایسے حالات لکھے ہین جو اس ملک مین بھی دلچسپی سے پڑھے جاوین گے اسی شخص نے پہلے ایک مضمون فضول خرچی کے متعلق لکھا تھا جس مین

اس نے یہ لکھا تھا کہ نیویارک کی عورتین ایک سمور کے کوٹ پر اٹھارہ ہزار روپئے کے قریب خرچ کر دیتی ہین اس پر بعض اخبارون نے نکتہ چینی کی اور اس امر کی صحت سے انکار کیا اسلیے مسٹر افٹ نے دوبارہ پوری تحقیق کے بعد پھر یہ مضمون لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "نیویارک کے ایک مشہور سمور فروش کی دکان پر ایک درمیانہ حیثیت کے کوٹ کی جو ہلکے چمڑے سے تیار ہوا تھا انتیس ہزار روپیہ قیمت بیان کیگئی۔ جب یہ پوچھا گیا کہ اس قسم کے عمدہ کوٹ پر کسقدر خرچ آتا ہے تو سمور فروش نے جواب دیا کہ عمدہ کوٹ کے تیار کرنے پر تینتیس روپے فی مربع انچ خرچ آتا ہے اس حساب سے اگر کوٹ ۳۰ انچ لمبا ہو تو اسکی قیمت ننانوے ہزار روپیہ ہوگی اور اگر ٹخنون تک لمبا کوٹ تیار کرایا جاوے تو اس کی لاگت ایک لاکھ ستیس ہزار روپیہ ہوگی۔ امیر عورتون کا کم سے کم سالانہ خرچ صرف لباس کا ایک لاکھ پندرہ ہزار آٹھ سو روپے ہوتا ہے ان واقعات کو مدنظر رکھ کر مسٹر افٹ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ نیویارک مین چھ ہزار عورتین ہر سال باران کروڑ سے زیادہ روپیہ لباس پر اڑا دیتی ہین اور اسکے بعد وہ لکھتا ہے "اور یہ صرف ایک شہر کا قصہ ہے اور دوسرے بڑے بڑے شہرون مثلاً بوسٹن۔ شکاگو۔ فلاڈلفیا اور باقی ملک کے اخراجات علاوہ ہین۔ امریکہ مین یقیناً دس ہزار عورتین ایسی موجود ہین جو اپنے خرچ لباس کو درمیانہ درجہ پر لے آئین یعنی صرف نو ہزار روپیہ سالانہ لباس پر خرچ کرکے غربا کیلیے نو کروڑ روپیہ ہر سال بچا سکتی ہین۔ اور نو ہزار روپیہ لباس کیلیے کچھ تھوڑا خرچ نہین ہے" بالمقابل اسکے عام لوگون کی یہ حالت ہے کہ سات یا آٹھ گھر کے آدمیون کے لباس کا خرچ بمشکل ایکسو پچاس روپے تک پہنچتا ہے۔

اس فضول خرچی کو بیان کرنیکے بعد راقم مضمون ان لباسونکے پہننے کی اصل غرض کیطرف توجہ کرتا ہے اسکی رائے مین اسکی غرض خاوندون کو خوش کرنا نہین بلکہ اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ تا جو لوگ ان فاخرہ لباسونکو دیکھین وہ ان کے پہننے والونکی تعریف کرین۔ وہ کہتا ہے کہ "ایک دفعہ مجھے نیویارک کی ایک سرائے مین ٹھہرنیکا اتفاق ہوا۔ اور کھانا کھانیکے وقت میرے پاس ہی اتفاقاً دو میان بیوی تھے جو عموماً الگ بیٹھتے تھے مینے غور کیا کہ ہر شام کو بیوی نیا لباس پہن کر آتی تھی۔ ایک ہفتہ کے بعد مینے یہ دیکھنا شروع کیا کہ آیا پہلے پہنے ہوئے لباسونکو ہی پھر دوبارہ پہنکر آتی ہے یا نہین۔ مگر چھ ہفتہ تک یعنی جبتک مین اس سرائے مین ٹھہرا رہا مینے دیکھا کہ ہر روز وہ عورت نیا لباس جو پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہوتا پہن کر آتی۔ اور مین حیران ہی رہا کہ ایک معمولی سے خاوند کے ساتھ ان نہایت قیمتی اور نو بنو لباسونکو پہن کر آنیکے کیا معنے ہین" درحقیقت جیسا کہ اس پرچہ مین لکھا گیا ہے بیزار کر دینے والی دکھاوٹ اور نمایش تہذیب یافتہ ممالک مین دن بدن ترقی پر ہے اور اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ عورت کو اس دایرے سے باہر نکال دیا گیا ہے۔ جو قدرت نے اسکے لیے تجویز کیا ہے۔

امریکہ مین جو تہذیب مین اول نمبر پر ہے عورتونکی حالت دن بدن ایسی بگڑ رہی ہے کہ انگلستان مین بھی ان عورتون کو اخلاقی وبا کے نام سے پکارا جاتا ہے چنانچہ ایک عورت لیوکس میلٹ نے انہین خیالات کا اظہار اخبار فارٹنائٹلی ریویو

کی تازہ اشاعت مین کیا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ "ان عورتونکی بڑی سے بڑی آرزو صرف دنیا تک ہی محدود ہے۔ وہ باوجود ذرایع کے نہ ہونے یا کم ہونیکے اپنے سے اچھون کے لباس اور کھیلونمین نقل کرتی ہین۔ نکاح کو ایک ایسا دروازہ سمجھتی ہین جس مین داخل ہوکر ناجایز تعلقات کے پیدا کرنیکی آسان راہ کھل جاتی ہے۔ عورتون کی مجلسون مین شریک ہوکر اپنے اوقات ضایع کرتی ہین جس سے انتظام خانہ داری اور تربیت اطفال مین وہی نقص پیدا ہوتا ہے جو ان عورتون کی حالت مین ہوتا ہے جو شرابخانون مین اپنا وقت بسر کرتی ہین۔ سب سے بڑا دھوکہ جس مین وہ مبتلا ہین یہ ہے کہ وہ ظاہر شکل اور نمود کی پرستش کرتی ہین جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انکے جوشون اور عشقون سے لیکر انکے اندر کے لباسون تک کسی بات مین کھراپن اور اصلی ہونا نہین پایا جاتا۔ انکی بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ سوسائیٹی مین ہر شخص انکو جانتا ہو اور انکی شہرت عام ہو اور پھیرنے پھرانے مین سارا دن گذر جائے وہ چاہتی ہین کہ لوگ انکی طرف توجہ کرین اور انکی نسبت باتین کرین مگر یہ باتین بہت اخراجات کو چاہتی ہین خصوصًا اس حالت مین جبکہ ایک شخص مین ذاتی خوبی کوئی نہین کوئی ایسا ضرور ہونا چاہئے جو انکے ان وسیع اخراجات کے بلون کو ادا کرے اور یہ بہانہ کرنا محض حماقت ہے کہ ان اخراجات کی برداشت ہمیشہ خاوند ہی کرتا ہے۔ یہ سخت باتین ہین (اور مہذب سوسائیٹی مین سخت قابل افسوس باتین) مگر افسوس ہے کہ انکی بنا واقعات پر ہے۔ ان عورتونمین سخت اصلاح کی ضرورت ہے اور مین چاہتی ہون کہ پریزیڈنٹ روسیولٹ کی تقریر کو نہ صرف پڑھا ہی جاوے بلکہ اسپر عمل بھی کیا جاوے"۔ یہ اشارہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے پریزیڈنٹ کی اس تقریر کیطرف ہے جو اس نے حال مین ہی کی تھی اور جس مین اس نے خلوص دل سے عورتونکو نصیحت کی تھی کہ وہ فضولیون کو چھوڑ کر اپنے اصلی فرایض کی طرف توجہ کرین (یعنی بچونکی پرورش اور انتظام خانہ داری کی طرف) "اور مین نہایت سنجیدگی سے کہتی ہون کہ اور تمام عیبون کو چھوڑ کر ظاہر پرستی اور نمود کا عیب ہی ایک بڑا عیب ہے اور اسکی جوابدہ خود عورتین ہی ہین کیا انہون نے تمام ضروریات کو صرف روپیہ ہی محدود نہین کر دیا یعنی روپے کا حاصل کرنا اور تماش بینی اور کھیل تماشون مین وقت ضائع کرنا"۔ ہمارے لیے بڑی خوشی کا مقام ہے کہ اب تہذیب یافتہ اقوام اپنے نقصونکو آپ دیکھنے لگی ہین۔

ریویو:۔ تفسیر القرآن (اردو) جسکو شیخ یعقوب علی صاحب نے مرتب کیا ہے سورہ بقرہ کے اخیر تک تیار ہو چکی ہے۔ ماخذ اس تفسیر کا حضرت مولوی نورالدین صاحب کے نوٹ ہین جو یا تو انکے درس قرآن سے لیے گئے ہین اور یا پرانی یادداشتون سے شیخ صاحب نے ان نوٹونکو ترتیب اور وسعت دینے مین بے نظیر محنت کا ثبوت دیا ہے۔ خدا تعالے انکی اس محنت مین برکت دے اور اسکو بہتونکی ہدایت کا موجب کرے۔ میرے نزدیک اس زمانہ مین ایسی تفسیر کی سخت ضرورت تھی جسمین مباحثات کا وہ نیا پیرایہ اختیار کیا جاوے جسکی ضرورت کا زمانہ مقتضی ہے اور قصون

کسی جگہ وحی الہی کی بنا پر رکھا اسی طرح آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسکو پڑھا اور پڑھایا اور یہ ایسی یقینی بات ہے جسکو میور جیسے دشمن اسلام نے بھی تسلیم کیا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ بغیر کسی شک اور شبہ کے وہی ہین جو آنحضرت صلعم کے منہ سے نکلے تھے ویسا ہی یہ امر بھی یقینی ہے کہ اسکی سورتون

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یکم مئی - ایک اشتہار دیکھا جس کے اوپر لکھا ہوا ہے ”المبارک“ پھر الہام ہوا برکۃ زایدۃ علی ھذا الرجل -
۳-مئی - دمار میت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ - ۳ مئی - کسی نے ایک لکھا ہوا کاغذ دکھایا جس پر لکھا ہوا ہے -
”آہ نادر شاہ کہاں گیا“ ۹-مئی - ویستنبئونک احق ھو قل ای و ربی انہ لحق + ۹ مئی ”پھر بہار آئی
خدا کی بات پھر پوری ہوئی“ + ۱۰ مئی - کیا عذاب کا معاملہ درست ہے - اور اگر درست ہے تو کس حد تک + ۱۳ مئی - رؤیا ۔ الیسا
معلوم ہوتا ہے کہ گویا میرا ایک مقدمہ ہے جس حاکم کے سامنے ہے وہ قایم علی (ایک پرانا ای اے سی) معلوم ہوتا ہے اور اسکے
سر رشتہ دار میرے بھائی میرزا غلام قادر مرحوم ہین - ہم تینون قریب قریب ہی زمین پر بیٹھے ہین - حاکم نے سر رشتہ دار کو
کہا کہ پچیس روپے طلبانے کے داخل کرین - مینے دیکھا تو جیب مین روپے موجود تھے سو مینے نکالکر دیدیئے +
۱۴ مئی - میان محمود اور ایک اور بچہ بیمار تھے دعا کی تو الہام ہوا - سلام قولا من رب رحیم یہ خدا کا رحم ہے کوئی
بھی اس سے ڈر نہین + ۲۲-مئی - صدقت الرؤیا انا کذالک نجزی المتصدقین - (اس الہام مین تصدیق
خبر زلزلہ ہے) ۲۳-مئی - بوقت دوپہر ”زمین تہ و بالا کر دی“ - انی مع الافواج اٰتیک بغتۃ - ”لنگر اٹھا دو“
۲۴ مئی - گذشتہ رات کو دیکھا کہ ایک لڑکی جسکا نام زینب ہے ساتھ ہے - ایک کنوئین پر گئے ہین جو باغ کے باہر جنوب مغربی
کونہ پر واقع ہے - اور کہا کہ اس سے دور رہنا چاہیئے - ایسا نہ ہو کہ زلزلہ کے سبب یہ کنوان زمین کے اندر گر پڑے - گویا
زلزلہ کے سبب کنوئین کے زیر و بالا ہونیکا بھی اندیشہ ہے + فرمایا چند روز ہوئے ہمنے خواب مین دیکھا کہ ایک جگہ مردار پڑے ہین -
(عفت الدیار محلہا و مقامہا والی پیش گوئی جو حضرت مسیح موعودؑ نے مطابق وحی الہی اشتہار الندا مین شایع کی تھی اور
اخبار بدر مورخہ ۱۳ - اپریل ۱۹۰۵ء مین چھپی تھی پوری ہوئی یعنی دھرمسالہ مین مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۰۵ء کو پھر سخت زلزلہ آیا
اور نئے مکانات جو رہایش کیواسطے بنائے گئے تھے کئی گر گئے - دیکھو اخبار سول ملٹری گزٹ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۵ء) -
۲۵-مئی - اُرید ما تریدون - ۲۶-مئی - (۱) شر الذین انعمت علیہم -
(۲) مین انکو سزا دونگا - (۳) ”مین اس عورت کو سزا دونگا“ - معلوم نہین یہ کس کے متعلق ہے - پھر فرمایا
گھر مین طبیعت بہت علیل تھی مینے دعا کی تو انکے متعلق یہ الہام ہوا -
رَدَّ الیھا رَوْحُھَا وَرَیحانُھا + اِنّی رَدَدْتُ الیھا رَوْحَھَا وریحانھا -
رؤیا - اسیوقت جبکہ مذکورہ بالا الہام ہوا - دیکھا کہ کسی نے کہا کہ آنے والے زلزلے کی یہ نشانی ہے جب مین نے نظر اٹھائی
تو دیکھا کہ اس ہمارے خیمہ کے سر پر سے جو باغ کے قریب نصب کیا ہوا ہے ایک چیز گری ہے خیمہ کی چوب کا اوپر کا سرا

وہ چیز ہے۔ جب مینے اٹھایا تو وہ ایک لونگ ہے جو عورتوں کے ناک مین ڈالنے کا ایک زیور ہے اور ایک کاغذ کے اندر لپٹا ہوا ہے۔ میرے دل مین خیال گذرا کہ یہ ہمارے ہی گھر کا مدت سے کھویا ہوا تھا۔ اور اب ملا ہے اور زمین کی بلندی سے ملا ہے اور یہی نشانی زلزلہ کی ہے +

۲۷۔ مئی۔ عبد القادر رضی اللہ عنہ اری رضوانہ۔ اللہ اکبر۔ پہلی وحی کے متعلق فرمایا کہ خدا اپنی کچھ قدرتین میرے واسطے ظاہر کرنیوالا ہے اسواسطے میرا نام عبد القادر رکھا۔ رضوان کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ کوئی فعل دنیا مین خدا کیطرف سے ایسا ظاہر ہونیوالا ہے جس سے ثابت ہو جائے اور دنیا پر روشن ہو جائے کہ خدا مجھ پر راضی ہے۔ دنیا مین بھی جب بادشاہ کسی پر راضی ہوتا ہے تو فعلی رنگ مین بھی اس رضامندی کا کچھ اظہار ہوتا ہے اسکے معنے یہ ہین کہ اس کی رضا پر دلالت کرنے والے افعال دیکھتا ہون۔

(مومن کو اللہ تعالے کی رضا بہت پیاری ہے۔ ایک حدیث مین آیا ہے کہ مومنین جب بہشت مین داخل کئے جائینگے تو ان سے کہا جائیگا۔ کہ اب مانگو جو کچھ مانگنا چاہتے ہو تو وہ عرض کرینگے کہ اے ربّ تو ہم پر راضی ہو جا۔ جواب ملیگا اگر مین راضی نہ ہوتا تو تمکو بہشت مین کس طرح داخل کرتا۔)

۲۸۔ مئی۔ رؤیا۔ شیخ رحمت اللہ صاحب کی ایک گھڑی میرے پاس ہے اور ایک ایسی چیز جیسے ترازو کے دو پلڑے ہوتے ہین۔ مثل جھیپوں کی بنگیھی کے۔ مین ایک ڈولی مین بیٹھا ہوا ہون۔ پھر کسی نے میان شریف احمد کو اس مین بٹھا دیا۔ اور اسکو جکڑ دینا شروع کیا۔ اتنے مین گھڑی گر گئی اور اس جگہ کے قریب ہی گری ہے۔ مین کہتا ہون کہ اسکو تلاش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ محمد حسین نالش کر دے۔

فرمایا کہ خیال گذرتا ہے کہ شاید گھڑی سے مراد وہ ساعت ہے جو زلزلہ کی ساعت ہے جو معلوم نہین واللہ اعلم۔ اور وہ رحمت کی ساعت ہے یعنی یہ ساعت ہمارے واسطے رحمت الٰہی کا موجب ہوگی۔

۲۹۔ مئی۔ یاتون من کل فج عمیق۔ یاتیک من کل فج عمیق۔ ۳۰۔ مئی۔ قبل ظہر فرمایا۔ آج ایک عجیب الہام ہوا ہے جو پہلے کبھی نہین ہوا۔ صلوٰۃ العرش الی الفرش یعنی رحمت الٰہی جو تیرے ہے اسکی کیفیت یہ ہے کہ وہ عرش سے لیکر فرش تک ہے۔ فرمایا اسمین کیفی مبالغہ ہے گویا اللہ تعالے کی رحمت نے فضا کو بھر دیا۔ یہ الہام آیندہ بشارت پر دلالت کرتا ہے یہ لفظی ہی نہین بلکہ عملی رنگ مین ظاہر ہونیوالا ہے اللہ تعالی کی سنت ہے کہ جب وہ کسی سے خوش ہوتا ہے تو اسپر انعام و اکرام بھی کرتا ہے برخلاف اہل دنیا کے کہ وہ جب کسی سے کوئی عطیہ نذرانہ وغیرہ لے لیتے ہین تو صرف لفظون مین کہدیتے ہین ہم تمپر بہت خوش ہین غرض یہ بڑا مبشر الہام ہے۔ عرش تو تجلی گاہ الٰہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین مین بھی قبولیت پیدا کر دیگا۔ جیسا کہ ایک حدیث مین آیا ہے کہ ایک شخص گمنامی کیسا تھ مین ہوتا ہے۔ اللہ تعالے جب اس سے راضی ہوتا ہے تو جبرئیل کہدیتا ہے کہ ملائکہ کو اسکی خبر کردو اسی طرح پر وہ دوسرے ملائکہ کو اور زمین مین اسکی قبولیت ڈالیجاتی ہے کل جو الہام ہوا ہے "یاتون من کل فج عمیق یاتیک

۲-جون - ینجی الناس من الامراض ترجمہ - لوگونکو بیماریون سے نجات دیتا ہے اور دیگا یعنی خدا تعالیٰ بہتونکو ہماری دعاؤن سے بیماریونسے نجات دے گا +

۹-جون - انی معک ومع اھلک ومع کل من احبک + ۱۳-جون - صبحکے وقت پانچ سطرین فارسی

(بقیہ صفحہ ٹائٹل) کہ انکو اس سلسلہ کی اشاعت کی توفیق دے -

اسوقت احمدی قوم کا کیا فرض ہے - مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس فرض کی بجاآوری مین سستی ظاہر کیجارہی ہے - جہان پہلے دوسوکے قریب رسالے باہر مفت بھیجے جاتے تھے اب اعانت کے کم ہوجانے کی وجہ سے مینیجر مجبور ہوگیا ہے کہ ان رسالون کی تعداد مین کمی کرے - امید تو یہ تھی کہ پہلے جوش کے بعد جو حضرت اقدس کے پرزور الفاظ سے قوم مین پیدا ہوا انشاء دن بدن ترقی ہوگی مگر خلاف توقع یہ سلسلہ اب بہت ہی رویکمی ہورہا ہے اسلیئے مین اپنے سب احباب کو دوبارہ توجہ دلاتا ہون کہ یہ ایک نہایت ضروری امر تبلیغ سلسلہ کا ہے - مثلاً اسوقت مسٹر عبدالحق سیورایٹ صاحب کے نیوزلینڈ وامریکہ وغیرہ جانیسے یہ ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ بہتسے پرچے انکی معرفت ایسے لوگونکو بھیجے جائین جنکو وہ قبولیت کیلیے کسیقدر مستعد پائین تاانکے شکوک رفع ہون - لیکن اگر اعانت کی رفتار اسی طرح کم ہوتی گئی جس طرح ہورہی ہے تو نہ صرف یہی ضرورت پوری نہ ہوسکے گی بلکہ جاری شدہ پرچہ انکا بڑا حصہ بھی بند کرنا پڑے گا - حالانکہ اگر قوم متفقہ کوشش کرے تو آٹھ دس ہزار رسالے بھی مفت جاسکتے ہین یہی وقت مدد کا ہے عنقریب وہ وقت آنیوالا ہے کہ خود ان ممالک مین پرہمت معاون پیدا ہوجاوینگے اور اسوقت اس اعانت کی ضرورت بھی نہ رہیگی پس میری آخری التماس اپنے سب بھائیوں سے پھر یہ ہے کہ پورا زور اس سلسلہ کی تبلیغ پر صرف کرین اگر انکی کوششونسے کچھ آدمی بھی دین حق قبول کرلین تو انہون نے اپنی مراد پالی - جنہون نے وعدے کیے ہین وہ ایفا کرین اور جنہون نے ابھی تک اس مین حصہ نہین لیا وہ بھی بقدر ہمت حصہ لین + والسلام -

محمد علی ۲-جون ۱۹۰۸ء

ضروری اطلاع

رسالہ نورالدین جس مین فاضل مصنف کے بعد نظر ثانی کسیقدر اضافہ کیا ہے خوشخط وعمدہ کاغذ پر چھپکر تیار ہے - قیمت علاوہ محصولڈاک ۸/ ہے - درخواستین اس پتہ پر ہون +

سیٹھ عبدالاحد ہدایت اللہ جنرل مرچنٹ وکمیشن ایجنٹ کٹڑہ جیمل سنگھ امرتسر +

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

شکریہ معاونین

حضرت اقدس ؑ کے ارشاد کی تعمیل مین محض ابتغاءً لمرضاۃ اللہ جو احباب اس رسالہ میگزین کی مختلف پیرائیون مین مثلاً خود خریدار بننے۔ دیگر خریدار پیدا کرنے اور اعانت کا روپیہ بھیجکر ولایت مین انگریزی پرچہ جات اور ہندوستان کے غیر مذاہب مین اردو انگریزی پرچہ جات مفت جاری کرا کر اس رسالہ کی کثرت اشاعت مین امداد فرماتے ہین وہ اس لایق ہین کہ صفحہ قرطاس پر انکی یادگار رہے تاکہ سابق بالخیرات ہونیکی حیثیت سے وہ آیندہ نسلونکے لیے ایک احسن نمونہ ٹھہرین اور انکی دعایئن تا قیام دنیا لیکر ثواب و حسنات دارین کی مستحق ٹھہرین۔ جن احباب نے حال ہی مین امداد کا روپیہ بھیجا ہے انکے اسماء بتقید رقم عطیہ درج ذیل ہین اور تہ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ انکو اسکی جزائے خیر دے۔ اور دیگر احباب کو انکی نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

(۱) ڈاکٹر نعمت خانصاحب وٹرنیری اسسٹنٹ پشاور للعہ (۲) جماعت پشاور معرفت مولوی غلام حسین صاحب سب جسٹرار عمہ (۳) ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب لاہور سنہ (۴) جماعت شملہ معرفت بابو برکت علی صاحب کلرک۔ صہ (۵) بابو برکت علیصاحب کلرک شملہ للعہ (۶) بابو غلام حسین صاحب سٹیشن ماسٹر ٹوبہ ٹیک سنگھ للعہ (۷) جماعت جہلم معرفت ماسٹر ہدایت اللہ صاحب۔ للعہ (۸) میاں دوست محمد صاحب جہلم۔ للعہ (۹) ماسٹر محمد دین صاحب سابق ٹیچر قادیان صہ (۱۰) منشی نواب دین صاحب نائب شرف پسرور للعہ (۱۱) شیخ نیاز احمد صاحب وزیر آباد۔ للعہ (۱۲) منشی حسین بخش صاحب تحصیلدار بندوبست پنڈی گھیپ۔ صہ (۱۳) منشی عبد العزیز صاحب ٹیلر ماسٹر متھرا ہے (۱۴) میاں احمد بخش صاحب دھرمکوٹ رندہاوہ۔ عا (۱۵) سید محمد قاسم صاحب شاہجہانپور عا (۱۶) ہمشیرہ جناب مولوی محمد علیصاحب ایم اے۔ قادیان۔ عا (۱۷) میاں فضل احمد صاحب ضلع گجرات عا (۱۸) منشی محمد جان صاحب اسسٹنٹ جیلر سنٹرل جیل لاہور عا (۱۹) میاں محمد رمضان و نور محمد احمدیان محمود پور سامانہ عا (۲۰) میاں غلام رسول صاحب بدوملی سیالکوٹ عا (۲۱) میاں جامان ولد شرف پرم جیت پور عا (۲۲) میاں نیاز اللہ صاحب۔ آسام عہ (۲۳) منشی فضل احمد صاحب پٹواری سکریالی ضلع گجرات عہ (۲۴) بابو محمد اسماعیل صاحب سب پوسٹماسٹر روجہان عہ (۲۵) میاں محمد دین صاحب بہلول پور۔ عہ (۲۶) میاں عبد اللہ صاحب عہ (۲۷) میاں فتح محمد صاحب جگراؤن۔ عہ (۲۸) منشی ہاشم علی صاحب قانونگوے سردل گڑھ ضلع فیروز پور۔ عہ (۲۹) مولوی سکندر علیصاحب ٹیچر قادیان۔ ۸ (۳۰) مرزا ظہور علیصاحب شاہجہانپور۔ ۸

(باقی آیندہ)

مینجر

یہ کتب قادیان سے مل سکتی ہین۔ حکیم فضلدینصاحب نے اپنے مطبع ضیاء الاسلام مین منیجر میگزین کیلیے چھاپا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ | بابت ماہ جولائی ۱۹۰۵ء | نمبر ۷

فہرست مضامین

سلسلہ احمدیہ کی سچائی پر یہ ایک ہی دلیل کافی ہے

کہ ایک طرف تو مخالفین مذہب اسلام نے اسکے دلایل کے جواب سے اپنی عاجزی کو خاموشی کے رنگ مین ظاہر کیا ہے اور یا زیادہ سے زیادہ کچھ کیا ہے تو تمسخر اور استہزا جو ہمیشہ سے صادقین کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے اور دوسری طرف جن لوگون نے تعصب کو دل سے نکالکر اسکی تحریرونکو مطالعہ کیا ہے انہون نے تسلیم کیا ہے کہ جو حمایت مذہب اسلام کی آج یہ سلسلہ کر رہا ہے کوئی مولوی یا ملا یا کوئی انجمن اسکا عشر عشیر بھی نہین کر رہی ہے اسکی ایک ہی مثال کافی ہے کس نے یہ کوشش کی کہ انگریزی زبان مین صرف مذہب اسلام کی سچائی ظاہر کرنیکے لیے یورپ اور امریکہ کے رہنے والون تک یہ پاک پیغام پہونچائے کہ سب غلطیون سے پاک اور اللہ تعالے کے ساتھ تعلق پیدا کرنیوالا اور سچا روحانی مذہب صرف ایک ہی ہے یعنی اسلام اور پھر کس قوم نے یہ کوشش کی جیسا کہ ہماری قوم نے کی کہ ان رسالونکی سینکڑون کاپیان مفت ان لوگونکے گھر مین پہونچائین۔ کاش مسلمان صرف اسی بات پر غور کرتے کہ یہ جوش سچائی کی حمایت کا اور یہ جوش باطل کی تردید کا کسی کاذب کے دل مین بھی ہو سکتا ہے اور پھر ایک دو دن یا ایک دو سال کیلئے نہین بلکہ چوتھائی صدی سے زیادہ عرصہ گذر جائے اور وہ جوش دن بدن ترقی پر ہو۔ اسجگہ مین ایک **تازہ شہادت** بیان کرنا چاہتا ہون کہ اس سلسلہ کی تحریرونکو ایک تعصب سے پاک دل کس وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس سے پہلے امریکہ مین مسٹر ویب اور اسٹریلیا مین مسٹر سیورایٹ اور مسٹر ہنری محل اور انگلستان مین مسٹر کوئلم کی شہادت کا کئی دفعہ اشتہارات وغیرہ مین ذکر آ گیا ہے۔ حال مین ایک انگریزی خط وکتابت ہمارے ساتھ شروع ہوئی ہے جسکے نام کو مین ابھی مصلحتاً ظاہر نہین کرتا۔ پہلا خط اسکا جو حضرت اقدس کے نام تھا اسمین وہ لکھتا ہے "مین نے آپکے اس رسالہ یا اخبار کو جسکا نام ریویو آف ریلیجنز ہے اور جو اعلے درجہ کی قابلیت کے ساتھ لکھا گیا ہے پڑھا ہے.... مجھے اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے تیرہ سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ اور مینے جسقدر ممکن تھا کوشش کر کے انگریزی زبان مین جسقدر کتابین اسلام پر لکھی گئی ہین خواہ انکے مصنف مسلمان تھے یا غیر مسلمان سب جمع کی ہین اور اب اسلامی مذہب کی ایک خاصی لائبریری میرے پاس جمع ہو گئی ہے مگر ابتک مینے ایک بھی ایسی کتاب نہین پڑھی جسمین اسلام کی حمایت اسقدر زور کے ساتھ کیگئی ہو جیسا آپکے شاندار پرچے مین" پھر دوسرے خط مین جو میرے نام تھا وہی صاحب لکھتے ہین "مین آپکا شکریہ ادا کرتا ہون۔ ریویو آف ریلیجنز کے ان پرچونکے لیے جو آپنے مجھے بھیجے ہین۔ اور میری طرف سے مرزا صاحب کا بھی شکریہ ادا کرین اور انکی خدمت مین میرے دل سے نکلی ہوئی یہ مبارکباد پہونچادین کہ انکی تصانیف نہایت ہی شاندار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

طلاق

پردہ اور تعدد ازدواج پر بحث کرتے ہوئے مین یہ دکھا چکا ہون کہ جو اعتراض ان دونون کے خلاف پیدا ہوئے ہین وہ محض غلط فہمی کیوجہ سے ہوئے ہین طلاق کے مضمون پر غور کرنیسے بھی اسی بات کا ثبوت ملتا ہے۔ اس مین کسی کو کلام نہین ہوسکتا کہ جب سے سلسلہ نکاح جاری ہے اسیوقت سے سلسلہ طلاق بھی ساتھ ساتھ چلا آیا ہے اور طلاق کی ضرورت کو مہذب اور غیر مہذب کل کی کل اقوام نے مانا ہوا ہے۔ طلاق کے بارہ مین مذہبی جائز تحریک کے اندر سب سے پہلے حضرت موسیٰ کی شریعت مین ملتی ہے چنانچہ استثناء ۲۴ باب کی پہلی آیت مین یون مرقوم ہے ''اگر کوئی مرد کوئی عورت لیکے اس سے بیاہ کرے اور بعد اسکے ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ مین عزیز نہ ہو اس سبب سے کہ اس نے اس مین کچھ پلید بات پائی۔ تو وہ اس کا طلاقنامہ لکھ کے اسکے ہاتھ دے اور اسے اپنے گھر سے باہر کرے۔''

اس فقرہ مین جس لفظ کا ترجمہ پلید بات کیا ہے اس کی ترمیم نئے انگریزی ترجمہ مین یہ کی گئی ہے کہ بجائے ''پلید بات'' کے ''نامناسب امر'' ڈالدیا گیا ہے۔ خود یہودی علماء کا بھی اس فقرہ کے معنے کرنے مین اختلاف رہا ہے چنانچہ ایک فرقہ یہود کا جس کا سرگروہ شمائی تھا اس سے مراد صرف اخلاقی نقص لیتا رہا۔ اور ایک دوسرا فرقہ جو ہلل کا فرقہ کہلاتا ہے اسکے معنون مین توسیع کا قایل رہا ہے اور اسلیے اس موخرالذکر فرقہ کے نزدیک یہودی شریعت مین مرد عورت کو چھوٹی چھوٹی باتون پر بھی طلاق دینے کا حق رکھتا ہے۔

قبل اس کے کہ یہ غور کیا جاوے کہ عیسائی مذہب نے موسوی قانون طلاق مین کیا تغیر کیا یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رومیون کے درمیان رواج طلاق پر پہلے غور کیا جاوے۔ ابتدا مین رومیون کے درمیان طلاق کے بارہ مین اس قدر آزادی تھی کہ مرد عورت کو اپنے مقبوضات کے ایک حصہ کی طرح سمجھ کر جب چاہتا الگ کر دیتا پھر جب طلاق کا قانون تجویز کیا گیا تو اس مین بھی ایسی ہی آزادی رہی ہان یہ کہا جاتا ہے کہ خود بخود قوم آہستہ آہستہ اسقدر طلاق کے خلاف ہوگئی تھی کہ پانچسو برس کے عرصہ کے اندر ایک طلاق کا واقع ہونا بھی ثابت نہین

مگر یہ ایک غلطی ہے۔ طلاق کے واقع کا نہ ملنا اس وجہ سے نہین کہ اس زمانہ مین قطعاً کوئی طلاق ہی واقع نہ ہوتی تھی بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اسوقت طلاق کے مقدمات عدالتون مین پیش نہ ہوتے تھے اور خانگی طور پر اس قسم کے تمام فیصلہ ہوجاتے تھے اسیوجہ سے ان کی کوئی شہرت بھی نہ ہوتی تھی کچھ مدت کے بعد طلاقنامہ کا لکھا جانا ضروری کردیا گیا اور اس پر سات گواہونکی شہادت ہونی لازمی تھی اور مردون کے ساتھ عورتون کے بھی حقوق طلاق قرار دیئے گئے۔

عیسائی مذہب کے سامنے اسکی پیدایش کیوقت یہودی اور رومی قوانین طلاق موجود تھے اور ان کے نقصونکی اصلاح کرنیکی کوشش مین عیسائیت نے سخت ٹھوکر کھائی کیونکہ تفریط کا پہلو اختیار کرکے اس نے ایسے قیود اور حدود طلاق کے معاملے مین لگادیئے جن کی برداشت سوسائیٹی نہ کرسکتی تھی بانی مذہب کے جو الفاظ طلاق کے بارہ مین پیش کیے جاتے ہین وہ نہایت مختصر ہین مگر ان کے اختصار کی وجہ سے ہی انکے معنون مین طرح طرح کی پیچیدگیان ڈالی گئی ہین اور اختلاف کیے گئے ہین۔ متی باب ۵۔ آیت ۳۲ مین حضرت مسیح کیطرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے ’’یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑ دے اسے طلاقنامہ لکھدے۔ پر مین تمہین کہتا ہون کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دیوے اس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے‘‘۔ اس جگہ جو لفظ زنا کا استعمال ہوا ہے اسکے اصل سے مختلف مفہوم مراد لیے گئے ہین کئی صدیون تک کلیسیا کا یہی عقیدہ رہا کہ اس جگہ زنا سے مراد بیاہ سے پہلے کا زنا ہے جسکا خاوند سے اخفا کیا گیا ہو اور اس مین وہ زنا شامل نہین جو عورت بیاہے جانیکے بعد کرے۔ چنانچہ اسی بات پر آدھی عیسائی دنیا یعنی رومن کیتھولک فرقہ عقیدہ کے رو سے ابتک قایم ہے۔ کیونکہ اس فرقہ کے نزدیک نکاح ایک ایسا عہدنامہ ہے جو کسی صورت مین فسخ نہین ہوسکتا اور اس لیے کوئی وجہ جو نکاح کے بعد پیدا ہو اس کا اثر اس معاہدہ پر کچھ نہین ہوسکتا ہان اگر وجہ نکاح سے پہلے موجود تھی تو اس صورت مین یہ سمجھا جاویگا کہ معاہدہ ہوا ہی نہین اور نہ نکاح واقع ہوا ہے پس زنا سے صرف زنا قبل از نکاح ہی مراد لیا گیا اور لیا جاتا ہے اور اس مین زنا بعد از نکاح داخل نہین گویا اس فرقہ کے عقیدہ کے رو سے نکاح کے بعد زنا سے بھی طلاق کیلیے وجہ پیدا نہین ہوتی۔ چنانچہ اسی بنا پر یہ عقیدہ قایم کیا گیا ہے کہ جو مرد کسی عورت سے بیاہا گیا وہ پھر کسی صورت مین اس سے الگ نہین ہوسکتا مگر ایک دوسرے عیسائی فرقہ کا یہ عقیدہ ہے اور یہ فرقہ پراٹسٹنٹ عیسائیونکا ہے کہ ان الفاظ مین زنا بعد از نکاح بھی داخل ہے اس فرقہ کے نزدیک معاہدہ نکاح بالکل ناقابل انفساخ تو نہین مگر سوائے اسکے جو عورت کا زنا ثابت ہو اور کوئی وجہ طلاق کی نہین مگر وہ لوگ بھی عیسائیون مین ہوئے ہین جو ان الفاظ سے نہ صرف زنا اور اخلاقی نقص ہی مراد لیتے ہین بلکہ ہر ایک ایسے نقص کو جو خاوند اور عورت کے تعلقات پر بد اثر ڈالے اور طلاق کی ضرورت پیدا کرے وہ مسیح کے الفاظ مین داخل سمجھتے رہے ہین اس خیال کا حامی انگلستان کا مشہور شاعر جان ملٹن ہوا ہے جو تعدد ازواج کا بھی حامی تھا

وہ لکھتا ہے کہ خود مسیح نے زنا کی وجہ پر طلاق کو جایز رکھا ہے جو نکاح کے ناقابل الفسخ معاہدہ ہونیکی تردید کرتا ہے۔ مگر مشرقی زبانون کے محاورے کے مطابق زنا سے مراد صرف فعل زنا ہی نہین بلکہ ہرایک وہ بات جس کو پلید بات کہا گیا ہے اس مین داخل ہے اور ایسا ہی کسی ایسے امر مین عورت کا نقص جو امر عورت مین ضرور ہونا چاہیئے وہ بھی اس مین داخل ہے یا اسکے یہ معنے لیے جا سکتے ہین کہ جو بات محبت یا عفت یا ایکدوسرے کی مدد یا تعلقات کے خلاف پیدا ہو یعنی ہر ایک ایسا امر جو اغراض نکاح کے خلاف ہو اس مین داخل ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ معنے بعد کے تجویز کردہ ہین اور اسوقت... سوجھے ہین جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس لفظ زنا کے معنونکو محدود رکھنے سے سوسائیٹی کا انتظام درہم برہم ہوتا ہے۔ عیسائیت کا پہلا اثر نکاح پر یہی ہوا کہ نکاح کا معاہدہ کبھی صورت مین فسخ نہین ہو سکتا اور اگر کبھی اس کو کالعدم سمجھا بھی جاوے تو فریقین ازسرنو نکاح نہین کر سکتے لیکن گریک چرچ رومن کیتھولک چرچ کے خلاف اس بات کا قایل رہا ہے کہ عورت کے زنا کے ثبوت پر کامل طلاق جس کے بعد فریقین نکاح کر سکین درست ہے بلکہ رومن کیتھولک چرچ نے بھی اپنا یہ خاص حق قایم رکھا ہے کہ خاص صورتون مین ازسرنو نکاح کرنے کی اجازت دیجاوے +

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہودی شریعت مین مرد کو عورت کے طلاق دینے کا حق حاصل تھا اگر عورت کے لیے چارہ جوئی کی کوئی راہ شریعت کے الفاظ مین موجود نہ تھی۔ حضرت مسیح نے بھی اس نقص کو رفع نہین کیا! اسمین شک نہین کہ انہون نے مرد کے اختیارات کی یہ حدبندی کردی کہ وہ زنا کے سوا عورت کو طلاق نہ دے مگر عورت پر خواہ کسیقدر ظلم ہو وہ کچھ نہ کر سکتی تھی! انگلستان مین جو قانون طلاق مروج ہے وہ بانی مذہب کے الفاظ سے الگ ہو کر خاص صورتون مین عورتونکی دادرسی بھی کرتا ہے مگر وہان سوائے اسکے کہ عورت اپنے شوہر کے زنا کے ساتھ یہ بھی ثبوت دے کہ اس کے ساتھ ظالمانہ اور بیرحمی کا سلوک کیا جاتا ہے عورت کو طلاق کیلیئے نالش کرنیکا حق حاصل نہین ایسا ہی دیگر عیسائی ممالک مین بھی کئی جگہ خاص خاص وجوہات عورتونکو طلاق حاصل کرنے کی اجازت ہے مگر ان قوانین کی بناء عیسائی کتب مقدسہ نہین بلکہ قومی ضرورتین ہین۔ مسیح نے حضرت موسیٰ کی شریعت مین سوائے اسکے اور کوئی تبدیلی نہین کی کہ مرد کو سوائے اس صورت کے اپنی عورت کو طلاق دینے کا حق حاصل نہین جب وہ مرتکب زنا ہو۔ مگر اس سے بڑھکر کچھ نہین کہا اور اسلیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ باقی باتون مین اس نے موسوی شریعت کو قایم رکھا الغرض حضرت مسیح کے جو الفاظ متی مین نقل کیے گئے ہین ان سے صرف یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ خاوند عورت کو زنا کی صورت مین طلاق دیسکتا ہے مگر عورت کو طلاق حاصل کرنیکا کوئی حق ہرگز نہین دیا گیا خواہ مرد کیطرف سے اسپر کیسے ظلم ہوتے ہون پس نہ یہودی شریعت نے اور نہ ہی عیسائی مذہب نے عورت کیلیئے طلاق حاصل کرنیکی کوئی راہ کھلی رکھی ہے اور جو کچھ اختیار یا اجازت ان دونون مذہبون نے دیگئی ہے۔ وہ صرف مرد کو ہی دیگئی ہے +

یہودیون اور عیسائیون کے علاوہ تیسری قوم جو اسلام کی پیدائش کے وقت اسکے سامنے موجود تھی وہ عرب کی بت پرست قوم تھی ایام جہالت مین عربون کے اندر عورت مال مویشی کی طرح سمجھی جاتی تھی اور خاوند کو کامل اختیار تھا کہ جب چاہے اسے چھوڑ دے اور جب چاہے واپس لے اور اس طرح بیچاری عورتونکو سخت تکلیف دیجاتی تھی۔ عورت کا ایسی ذلیل حالت مین ہونا خود اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ جایداد کا حصہ سمجھی جاتی تھی اور جہان ورثہ مین دوسری چیزین ملتی تھین عورتین بھی ورثہ کا ایک حصہ ہوتی تھین غرضیکہ ایکطرف یہودیون اور عیسائیون کے وہ قوانین طلاق تھے اور ایک طرف عربون مین یہ رواج طلاق تھا یہی وہ قومین تھین جو ابتدا مین اسلام کے سامنے تھین اور ان مین افراط و تفریط کے دونون پہلو موجود تھے مگر ایک بات مین وہ سب متفق تھے یعنی عورت کسی صورت مین طلاق حاصل نہ کر سکتی تھی اور طلاق کا اختیار صرف مرد کو ہی حاصل تھا پس اس حالت مین ایک ایسے کامل قانون طلاق کی ضرورت تھی جو مردون اور عورتونکے حقوق پر برابر غور کرنیکے علاوہ عملی قواعد ایسے تجویز کرے جنسے نظام سوسائیٹی احسن طریق پر چلیا جائے اور اس ضرورت کو ہی اسلام کے مقدس مذہب نے پورا کیا۔

اسلام نے سب سے پہلے پوری صفائی سے ضرورت طلاق کو محسوس کیا۔ یہ ضرورت ایک ایسی عام ضرورت ہے کہ دنیا کی اقوام مین سے کوئی قوم ایسی نہین جس نے اس ضرورت کو محسوس نہ کیا ہو اور طلاق کی اجازت نہ دی ہو سوائے اس نئے ہندو فرقہ کے جو ہر حالت مین اور ہر شکل کیوقت نیوگ پر کاربند ہوتا ہے اس فرقہ کے عقاید کے مطابق زنا سے بھی طلاق کی ضرورت پیدا نہین ہوتی اور ہو بھی کیونکر جب ایک بیاہی ہوئی عورت بہت سی صورتون مین اپنے خاوند کے علاوہ دوسرے مردون سے ہمبستر ہوسکتی ہے اور ایک بیاہا ہوا آدمی اپنی عورت کے سوائے دوسری عورتونسے اسی فعل کا ارتکاب کر سکتا ہے انکے نزدیک مسلم اصول یہ ہے کہ اگر مثلاً عورت یہ سمجھ کہ اسکے خاوند کا سلوک اس سے اچھا نہین تو اسکو چاہیئے کہ اپنے خاوند کے ساتھ ہمبستر نہ ہو بلکہ اپنے گھر مین دوسرے مرد کو بلا کر اس سے ہمبستری کرے اور جو بچے اس طرح پیدا ہون وہ اصل شوہر کے بچے سمجھے جائین اور اس کی جایداد کے وارث ہون ایسا فرقہ اگر طلاق کی ضرورت کو محسوس نہ کرے بلکہ اسے عیب سمجھے تو عجیب بات نہین لیکن جن اقوام نے طلاق کی ضرورت کو محسوس کیا ہے ان مین وجوہات طلاق کے متعلق بڑا بھاری اختلاف ہے حتیٰ کہ ایک ہی مذہب اور ایک ہی پیشوا کی پیرو قومون مین جو مختلف ملکون مین رہتی ہین بلکہ ایک ہی ملک کی مختلف پالسٹون کے رہنے والے لوگون مین اس بارے مین بڑا بھاری اختلاف ہے گو بنا ان سب کے قوانین کی ایک ہی عیسائی عقیدہ ہے۔ انگلستان مین جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اگر عورت کا زنا ثابت ہو تو خاوند اسے عدالت مین چارہ جوئی کر کے طلاق دیسکتا ہے لیکن اگر عورت طلاق لینی چاہے تو اسے یا تو یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ اسکے خاوند نے ان عورتون مین سے کسی کے ساتھ جو اسکی قریبی رشتہ دار ہونیکے سبب سے اسپر حرام کی گئی ہین زنا کیا ہے اور یا یہ

کہ علاوہ زنا کرنیکے اس کا سلوک بھی ظالمانہ ہے قانونی علیحدگی اسکے علاوہ اور صورتون مین بھی ہوسکتی تھی۔ سکاٹلینڈ مین قانون طلاق زیادہ وسیع ہے اور فریقین مین سے کسی کی درخواست پر طلاق واقع ہوسکتی ہے بشرطیکہ اس بات کا ثبوت ہو کہ فریقین مین سے کوئی زنا کا مرتکب ہوا ہے یا مرد نے عورت کو چھوڑ دیا ہے اور اسکی خبرگیری نہین کرتا ایسی طلاق کے بعد فریقین کو یہ اختیار ہے کہ وہ جس سے چاہین نکاح کرین مگر جس فریق کے زنا کے سبب سے طلاق واقع ہوئی ہو وہ اس شخص سے نکاح نہین کرسکتا جسکے ساتھ اس کا زنا ثابت ہے۔ ناقص طلاق ظلم کی وجہ پر مل سکتی ہے۔ آیرلینڈ مین زنا یا ارادتاً اور بدنیتی سے عورت کو چھوڑ دینے اور اسکی خبرگیری نہ کرنے یا جرایم خلاف وضع فطرت انسانی کا ارتکاب کرنے یا عمر کیلیے قید ہوجانیسے طلاق ہوسکتی ہے۔ پرشیا مین اس بارے مین باقی ممالک یورپ کی نسبت زیادہ آزادی حاصل ہے کامل طلاق مفصلہ ذیل وجوہات مین سے کسی پر مل سکتی ہے (۱) زنا یا جرم خلاف وضع فطرت انسانی کا ارتکاب کرنے۔ یا دو شخصون مین ایسا ناجایز تعلق ہونیسے جس سے زنا کے ارتکاب کا قیاس ہوسکتا ہو۔ (۲) عمداً علیحدگی اختیار کرنیسے یا حقوق زوجیت کے ادا کرنیسے انکار کے اصرار پر۔ (۳) نامردی سے خواہ وہ نکاح کے پہلے ہو اور خواہ بعد مین۔ (۴) لاعلاج جسمانی نقصون سے جو دلمین نفرت اور ڈر پیدا کرنیوالے ہون۔ (۵) دیوانگی سے جسکے علاج سے مایوسی ہو۔ (۶) فریقین مین سے ایک کے دوسرے کی جان لینے کی کوشش کرنیکی وجہ سے یا دوسرے کی عزت یا آزادی پر سخت اور ناجایز حملہ کرنیسے۔ (۷) مزاجونکی ناموافقت یا ایک کی طبیعت کا اس حد تک جھگڑالو ہونا جس سے زندگی یا صحت کو خطرہ ہو۔ (۸) کسی ایسے جرم کا ارتکاب جسکی سزا قید دیگئی ہو یا دوسرے فریق پر جھوٹا الزام لگانا۔ (۹) کوئی ذلیل پیشہ اختیار کرنا یا دوسرے فریق کی تجارت پیشہ عزت یا زندگی کو خطرہ مین ڈالنا۔ (۱۰) تبدیل مذہب ڈنمارک کے قانون کے رو سے محرمات سے زناکاری کا ارتکاب۔ جذام یا ارتکاب جرم کیوجہ سے جلاوطنی۔ عدالت کی جوابدہی سے بھاگ جانا بشرطیکہ تین سال گذر چکے ہون اور ایسی جلاوطنی جو ارتکاب جرم کیوجہ سے نہ ہو بشرطیکہ سات سال گذر چکے ہون۔ یہ سب وجوہات طلاق ہین۔ سویڈن مین صرف ارتکاب زنا سے طلاق ملسکتی ہے۔ روس مین زنا اور مزاج کی ناموافقت کیوجہ سے طلاق دیجاسکتی ہے۔ ہسپانیہ مین نکاح کا معاہدہ ناقابل فسخ ہے۔ اطالیہ مین طلاق کسی صورت مین نہین ملسکتی لیکن قانونی طور پر علیحدگی بعض وجوہات پر واقع ہوسکتی ہے۔ فرانس مین مرد عورت کی زناکاری ثابت کرکے طلاق حاصل کرسکتا ہے مگر عورت صرف اس صورت مین طلاق لے سکتی ہے کہ مرد کی زناکاری کے ساتھ یہ بھی ثابت کرے کہ اس نے اپنی محبوبہ کو گھر کے اندر داخل کیا ہے اسکے علاوہ اور وجوہات پر بھی طلاق واقع ہوسکتی ہے۔ مثلاً تشدد یا ظالمانہ برتاؤ کے سبب سے یا ایسے الفاظ یا تحریرون یا افعال کی وجہ سے جو دوسرے زوج کی شہرت یا عزت کو نقصان پہنچانیوالے ہون اور قانونی سزا کیوجہ سے جسکا نتیجہ جسمانی طور پر حبس یا اخلاقی طور پر ذلت ہو۔ بلاوجہ اور بطور عادت حقوق زوجیت کے ادا کرنیکے انکار۔ بیماری کو دوسرے

زوج کی طرف منتقل کرنے۔ نکاح کی کسی مذہبی رسم کی ادائیگی سے انکار کرنے اور عادتاً شراب خوری کیوجہ سے بھی طلاق قانوناً مل سکتی ہے +

یہ تو یورپ مین اختلاف وجوہات طلاق کا حال ہے امریکہ مین اس سے بھی زیادہ اختلاف نظر آتا ہے۔ کیونکہ ریاستہائے متحدہ مین چھوٹی چھوٹی ریاستون نے الگ الگ قوانین طلاق تجویز کر رکھے ہین اور ایک ریاست دوسری کی وجوہات کو کافی یا ضروری نہین سمجھتی:۔

زنا ۴۶ ریاستون مین طلاق کیوجہ قرار دیگئی ہے۔ عورت کو چھوڑ دینا اور اسکی خبرگیری نہ کرنا ۴۴ ریاستون مین۔ غایب ہوجانا ۴۲ مین۔ ظلم یا تشدد کا خوف ۴۰ مین۔ قید ۳۸ مین۔ متوالا پن شراب خوری مین بے اعتدالی یا عادتاً شرابخوری ۳۷ مین۔ نامردی ۳۴ مین۔ نان ونفقہ مہیا کرنیکی ناقابلیت ۱۲ مین۔ نکاح سے پہلے بدکاری ۱۴ مین۔ ہتک کرنا ۷ مین۔ دیوانگی ۵ مین۔ لی کے فرقہ مین شامل ہونا ۳ مین جب کسی دوسری ریاست مین طلاق حاصل کیگئی ہو ۳ مین الگ رہنا ۲ مین۔ ادائیگی فرایض مین عمداً غفلت کرنا ۲ مین۔ آوارگی کا مجرم ہونا ۱ مین۔ عورت کا کسی دوسری ریاست مین جانیسے انکار کرنا ایک مین۔ عورت کو گھر سے باہر نکالدینا ایک مین۔ عادتاً سخت مزاجی ایک مین۔ کوئی وجہ جو عدالت کی رائے مین کافی ہو ایک ریاست مین وجوہ طلاق سمجھی گئی ہین۔ ایک ریاست مین کوئی قانون طلاق کا نہین ہے اکثر ریاستون مین طلاق حاصل کرنیکے اخراجات بہت زیادہ نہین ہین اور نہ مقدمات کو وہ عام شہرت دیجاتی ہے جو انگلستان مین دیجاتی ہے اسلیے طلاقونکی تعداد ریاستہائے متحدہ مین بہ نسبت دوسرے عیسائی ممالک کے بہت زیادہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اکثر حالتون مین طلاق حاصل کرنیکی غرض کسی دوسرے مرد یا عورت سے نکاح کی ہوتی ہے۔ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ جسقدر کوئی قوم ذہانت مین ترقی کرتی گئی ہے اسیقدر اسمین طلاقونکی تعداد بڑھتی گئی ہے۔ ڈاکٹر فٹ کا بیان ہے کہ مینے اس بیان کی تصدیق مین ایک دفعہ ایک بڑی عام مجلس مین فہرستین پیش کی تھین اور اسکو ثابت کرکے دکھایا تھا وہ یہ بھی کہتا ہے کہ مین ان طلاقونکی تعداد مین زیادتی کو اس قوم کیلیے فخر کا باعث سمجھتا ہون نہ ذلت کا اور اس سے گھر کے دایرہ کے اندر کے اخلاق اور تہذیب کی عمدگی کا پتہ ملتا ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جیسے مرد کو طلاق حاصل کرنیکی اجازت ہے ویسے ہی عورت کو بھی طلاق لینے کا اختیار ہے۔

میری غرض عیسائی ممالک کے مختلف وجوہات طلاق کے بیان کرنیسے یہ ہے کہ کوئی دو عیسائی ملک بھی اس بات پر اتفاق نہین رکھتے کہ کونسے وجوہات پر طلاق جایز ہونی چاہیئے۔ اگر زنا کے علاوہ کسی اور وجہ پر طلاق کی اجازت بھی دیگئی ہے تو یہ فیصلہ نہین کیا گیا کہ کن وجوہات پر طلاق کا جواز ہونا چاہیئے اور کن پر نہین اور اسکے دلایل کیا ہین یہ ان قومونکی حالت ہے جو سب ایک ہی مذہب کی پیرو ہین اور تہذیب کے ایک ہی مرحلہ پر پہنچی ہوئی ہین اور پھر اکثر تمدنی اور اخلاقی امور۔۔ پر انکے خیالات بھی ایک سے ہی ہین۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا طلاق کی وجوہات کی حد بندی

کرنا درست بھی ہے۔ یوروپ کے تمام ممالک اور امریکہ کی تمام ریاستون نے اس بارے مین عبث کوششین کرکے آخر یہ ثابت کردیا ہے کہ درست اصول اُس ایک ریاست کا ہے جو آخر اس نتیجہ پر پہونچی ہے کہ جہان طلاق کی کافی وجہ موجود ہو وہان ضرور طلاق ملنی چاہئیے خواہ وہ وجہ بعینہ وجوہات کے اندر پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کل دنیا کے لیے طلاق کے وجوہات معین کیے جاسکتے تو اسقدر اختلاف اسقدر یکسان خیال کی قومون مین اس معاملہ مین ہرگز نہ پایا جاتا۔ خصوصًا جب ان اقوام کا یہ دعوے بھی ہو کہ ہم تہذیب کے اعلے معیار پر پہونچ چکے ہین پس اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ طلاق کے وجوہات معین کرنا بڑی بھاری غلطی ہے کیونکہ ایسے وجوہات کل انسانی حالات پر حاوی نہین ہوسکتے۔ اسلام جسکا سرچشمہ وحی الٰہی تھی اور اسی لیے انسانی فطرت کے تمام پہلوؤن اور انسانی حالات کے ہر ایک قسم کے تغیر و تبدل پر اسکی پوری نظر تھی۔ اسنے سب سے پہلے مروجہ قوانین طلاق مین یہی اصلاح فرمائی کہ تعیین وجوہات طلاق کو جایز نہ رکھا۔ یہ مقدس مذہب کسی خاص قوم یا خاص ملک یا خاص زمانہ کے لیے نہ تھا کہ اسکے مطابق طلاق کے چند وجوہات کا نام لے دینا بلکہ اسکا دایرہ وسیع اور تمام زمین اور زمانے پر حاوی تھا اور اسی لیے دور بینی سے اسنے تعیین وجوہات طلاق کی غلطی کو سمجھکر اس پہلو مین اصلاح کرنیسے کسی قسم کا خوف ظاہر نہین کیا اور طلاق کیلیے ہر ایسی وجہ کو جایز سمجھا جسکو کافی وجہ کہا جاسکتا ہو تاکہ اسکے مجوزہ قوانین تمام انسانی ضروریات کے پورا کرنیوالے ٹھہرین مین یہ کہنے کو بھی تیار ہون کہ واقعی بعض وقت ایک وجہ طلاق کی ایک قوم کیلیے ضروری ہوتی ہے حالانکہ وہی وجہ دوسری قوم کیلیے نہین ہوسکتی بلکہ قومونکو چھوڑکر افراد سوسائیٹی مین بھی ایسے تغیرات پائے جاتے ہین مثلاً جو سلوک معمولی طور پر ایک جاہل مرد اپنی عورت سے کرتا ہے وہی ایک معزز گھر مین بیجا تشدد سمجھا جاویگا۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ ایک ہی قانون طلاق سب دیتا اور سب نے مانونکے لیے کافی ہوتا تو یسوع مسیح کے اس قانون کو کہ زنا کے سوائے خاوند کسی صورت مین عورت کو طلاق نہین دیسکتا۔ اسقدر دلیری سے اسکے پیرو نہ توڑتے یا مثلاً اگر یہ قانون بہت ہی محدود ہونیکی وجہ سے انسانی سوسائیٹی کے وسیع حالات کے مطابق ثابت نہ ہوا تھا اور اسکو توڑنا ہی پڑا تھا تو چاہئیے تھا کہ مہذب عیسائی اقوام کل کی کل کسی اور ایک ہی قانون کو اپنے لیے تجویز کرتین۔ اور وجوہات طلاق مین اسقدر اختلاف ایک دوسرے سے نہ کرتین۔ پھر اس اختلاف کے ہوتے ہوئے عیسائیونکی یہ محض حماقت ہے کہ وہ شریعت اسلام پر اس بناپر اعتراض کرین کہ اس مین وجوہات طلاق کی تعیین نہین کیگئی کیونکہ ایسی تعیین تو خود عیسائی اقوام آجتک نہین کرسکین پس ایسا اعتراض اسوقت تک کچھ وقعت نہین رکھتا جبتک کل عیسائی اقوام متفق ہوکر پہلے یہ بیان نہ کرین کہ انکے نزدیک وجوہات طلاق کون کونسی ہونی چاہئین +

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے جو یہ تجویز کیا ہے کہ کافی وجہ پر طلاق ہونی چاہئیے اور ان وجوہات کی تعیین کو ترک کردیا ہے یہ قانون طلاق مین سب سے بڑی اصلاح ہے جسپر آخر عیسائی اقوام کو بھی کاربند ہونا پڑے گا۔ دوسرا اعتراض

اسلام پر عموماً یہ کیا جاتا ہے کہ اسلامی شریعت کے مطابق خاوند کو حق حاصل ہے کہ جب چاہے بلاوجہ ہی اپنی عورت کو طلاق دیکر اسے الگ کر دے ایسا اعتراض یا تعصب سے پیدا ہو سکتا ہے اور یا شریعت اسلامی کی ناواقفیت سے اسمین شک نہین کہ اسلام معاہدہ نکاح کو ناقابل فسخ نہین سمجھتا مگر ساتھ ہی اسکے وہ نکاح کو ایسا مقدس معاہدہ سمجھتا ہے جسکے توڑنے مین پرلے درجہ کے احتیاط اور حزم سے کام لینا چاہیئے - اسلام طلاق کے معاملہ مین افراط اور تفریط کے دونون پہلوؤن سے بچا ہوا ہے اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خیال ہوتا کہ خاوند عورت کو جب چاہے بلاوجہ بھی طلاق دے سکتا ہے تو آپ بار بار یہ تاکید کیون کرتے کہ حتے الوسع طلاق سے بچنا چاہیئے اصل بات یہ ہے کہ اسلام مین طلاق کی اجازت صرف اسی صورت مین ہے جب اس سے کسی ضرر کی اصلاح مقصود ہو جس ضرر کو اگر طلاق کے ذریعہ نہ روکا جاوے تو سوسائٹی کی ہلاکت کا باعث ہوگا اور اسکی اخلاقی حالتون کو نہایت پستی کی حالت مین گرا دینے والا ہوگا - بیاہ کے بعد بعض اوقات ایسے مشکلات اور تکلیفین پیش آجاتی ہین کہ جنکا علاج سوائے فسخ معاہدہ نکاح کے اور کچھ نہین ہوتا انہی صورتون مین اسلام کے اندر طلاق کی اجازت دیگئی ہے - بلکہ ان ضرورتون کے اوقات مین بھی اسلام یہی نصیحت کرتا ہے کہ سوائے سخت مجبوری کی حالت کے طلاق کیطرف رجوع نہین کرنا چاہیئے ابغض الحلال الی اللہ الطلاق - ایک مشہور حدیث ہے جسکا منشا یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالے نے انسانی ضروریات کے سبب سے طلاق کی اجازت تو دی ہے مگر اللہ تعالی کی نظر مین یہ فعل پسندیدہ نہین کہ انسان بلاوجہ یا ذرا ذرا سی بات پر طلاق کیطرف رجوع کرے بلکہ ایسا فعل اللہ تعالے کو سخت ناراض کرنیوالا ہے اب یہ الفاظ بلاشبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے ہوئے ہین کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہی شخص جو بلاوجہ طلاق کو اس نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اپنے پیروؤنکو یہ اجازت دے کہ تمہارا اختیار ہے جبتک چاہو عورتونکو رکھو اور جب چاہو طلاق دو - پھر ایسا الزام دینا اگر حماقت نہین تو اور کیا ہے - یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شریعت اسلامی مین ایک لفظ بھی اس حدیث کے منشاء کے خلاف نہین ہے - یہ حدیث بطور ایک بنا کے ہے جس سے اسلامی شریعت کا سچا منشاء معلوم ہو سکتا ہے اصل بات صرف اسیقدر ہے کہ اسلام اس غلطی کا مرتکب نہین ہوا کہ عیسائیونکی طرح طلاق کیلیئے چند وجوہ بیان کر دیتا اور پھر آئے دن مختلف قومونکے درمیان ان مین تبدیلی ہوتی رہتی +

اب ضروری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام جو طلاق کیلیئے کافی وجہ چاہتا ہے پھر اسنے اپنے اس منشاء کو پورا کرنیکا کونسا طریقہ اختیار کیا ہے - یہ اعتراض کیا جائیگا کہ خواہ اسلام نے کافی وجہ کو طلاق کیلیئے ضروری ہی سمجھا ہو مگر اسکا اختیار اُسنے کلیتہً ایک فرد کے ہاتھ مین دیدیا ہے جو جس طرح سے چاہے اپنے منشاء کو پورا کر سکتا ہے اور کسی قسم کی روک سپر ایسی نہین ڈالی گئی اور کہ زکم یہ کہ جب کوئی رنجش کا موقعہ پیدا ہوگا تو ہر ایک شخص

اپنے حق مین ہی فیصلہ کرے گا اور اسلیے عورت کا رکھنا یا اس کو طلاق دیکر نکالدینا اسکی مرضی پر منحصر ہوگا اس اعتراض کے جواب مین اول تو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ طلاق اور نکاح شریعت اسلامی مین کسی فرد کے پرائیویٹ افعال نہین سمجھے جاتے بلکہ اسکے پبلک افعال ہین اور اسلیے شہادتون کا ہونا ضروری مانا گیا ہے اسی وجہ پر حکومت کو ان امور مین پوری مداخلت حاصل ہے اسکی عملی نظیرین خود ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے مین پائی جاتی ہین اگر ہندوستان مین قانون طلاق کی بنا ان فیصلجات پر رکھی جاتی اور اُن فیصلجات کو جو عموماً ناواقف آدمیونکے قلمون سے نکلے ہوئے ہین اصل شریعت نہ سمجھ لیا جاتا تو ہندوستان کا اسلامی قانون طلاق کچھ اور ہی ہوتا صحیح بخاری مین جو حدیث کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے ایسی حدیثین موجود ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کئی دفعہ دی ہوئی طلاق کو کالعدم قرار دیکر فریقین کے نکاح کے معاہدہ کو قایم رکھا چنانچہ ایک ایسا واقعہ حضرت ابن عمر کے متعلق ہے اس طرح پر طلاق کو ناجایز قرار دیکر بانی اسلام علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ فیصلہ ہمیشہ کیلیے کردیا ہے کہ طلاق کالعدم قرار دیجا سکتی ہے اور حکومت کو اس معاملے مین دخل حاصل ہے یہ غلطی ہوگی اگر ہم یہ کہین کہ انہین وجوہ پر طلاق کالعدم قرار دیجا سکتی ہے جن وجوہ پر خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے کالعدم قرار دیا کیونکہ آپنے تو اپنے فیصلون سے اصول فیصلہ مسلمانونکو بتا دیے ہین اور یہ ممکن ہی نہ تھا کہ ہر قسم کے واقعات آپکی مختصر زندگی مین پیش آکر سب فیصلے یکدفعہ ہی ہو جاتے۔ جو نتیجہ ان مقدمات سے پیدا ہوتا ہے جو آپکے سامنے آئے وہ یہ ہے کہ آپنے اس امر کو ضروری سمجھا کہ جہان طلاق ناجایز طور پر دیجاوے حکومت اسکو کالعدم قرار دیسکتی ہے مین نہین سمجھ سکتا کہ اس سے بڑھکر کونسی روک ایک آدمی پر ڈالی جاسکتی ہے کہ وہ سوچکر اور کافی وجوہات پر طلاق دے اور بلاوجہ اس اختیار کو نہ برتے

اسی امر کی تائید مین کہ حکومت کو طلاق کے معاملہ مین مداخلت کا اختیار ہے اور بھی واقعات ہین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین پیش آئے منجملہ انکے لعان کی صورت بھی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے یہ دعوے کیا کہ مینے اپنی عورت کو زنا کرتے دیکھا ہے مگر میرے پاس کوئی شہادت اس امر کی موجود نہین اسپر وحی الہی کی بنا پر جیسا کہ قرآن کریم مین سورہ نور مین وارد ہے آپنے لعان کا حکم دیا جسکا آخری نتیجہ یہ تھا کہ مرد اور عورت الگ الگ کیے گئے اور طلاق واقع ہوگئی۔ اب اس سوال کے اٹھنے اور اسپر اللہ تعالے کی طرف سے یہ فیصلہ نازل ہونے سے یہ شہادت پیدا ہوتی ہے کہ شریعت اسلام کے رو سے بلاوجہ کوئی مرد کسی عورت کو طلاق نہ دے سکتا تھا۔ اصل مشکل اس صورت مین یہ تھی کہ اگر مرد اپنی عورت کو زنا کا الزام دیکر اسے طلاق دے تو شہادت کے موجود نہ ہونیکی وجہ سے خود جھوٹا الزام لگانیوالا ٹھہر کر شرعی حد کے نیچے آتا ہے اور ویسے چونکہ اسکا اپنا نفس یقین کرچکا ہے کہ اسکی عورت زانیہ ہے وہ اسکے ساتھ رہ بھی نہین سکتا پس اس مشکل کی صورت مین شریعت اسلام نے لعان کا فتوے دیا ہے جسکی ضرورت اس صورت مین نہ ہوتی اگر طلاق بلاوجہ جایز ہوتی۔ شاید یہ کہا جائے کہ لعان کا حکم تو حد سے بچنے کے لیے ہے

یعنی اگر مرد حسب منشائے قرآن کریم قسم کھاوے کہ وہ سچا ہے تو اس پر جھوٹا الزام لگانیکی حد قایم نہ ہوگی اور اگر عورت مطابق حکم یہ قسم کھاوے کہ اسپر الزام لگانیوالا جھوٹا ہے تو اسپر زنا کی حد قایم نہ ہوگی۔ یہ بالکل صحیح ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ نتیجہ اسکا آخر طلاق ہے اور اگر بغیر جرم قایم کرنیکے طلاق ہو سکتی تو مرد کو الزام دینے کی ضرورت ہی کیا رہتی اور اسی بنا پر یہ استدلال بھی ہے۔

قرآن کریم سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ بعض وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قبل دینے طلاق کے بھی طلاق روکا۔ اور جبتک طلاق کا دینا مجبوری کی حد تک نہیں پہنچ گیا طلاق کی اجازت نہیں دی۔ میری مراد اس جگہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے معاملہ طلاق سے ہے۔ زید اور زینب مین ایسی نااتفاقی ہوئی کہ آخر زید نے زینب کو طلاق دینے کا ارادہ کیا جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہونچی تو آپنے جو جواب دیا اسکا ذکر قرآن کریم ان الفاظ مین کرتا ہے:۔ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰہَ (الاحزاب ۳۷) ترجمہ جب تم اس شخص (یعنی زید) کو سمجھاتے تھے جسپر اللہ نے انعام کیا (یعنی اسکو مسلمان ہونیکی توفیق دی) اور جسپر تمنے بھی احسان کیا (یعنی اسکی پرورش کی۔ اور پھر زینب سے اسکا نکاح کر دیا) کہ اپنی بی بی زینب کو اپنی زوجیت مین رہنے دے اور اللہ سے ڈر (اور اسکو طلاق نہ دے) مگر جب کوئی صورت اصلاح کی نہ بن سکی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا کہ طلاق کے بغیر کوئی صورت اصلاح کی نہین ہے تو پھر آپنے طلاق کی اجازت دیدی۔ اس جگہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کو روکتے وقت آپنے ساتھ یہ فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔ گویا آپکے نزدیک طلاق ایک بڑا ہی اہم معاملہ تھا کیونکہ اگر اسکے دینے مین انسان کو سخت مجبوری نہ ہو تب تک آپنے اسے جایز نہین سمجھا۔ ان دو واقعونسے یعنی ایک تو حضرت ابن عمر کی طلاق کا معاملہ اور دوسرا زید کی طلاق کا معاملہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ بانی اسلام علیہ السلام کا یہ منشاء تھا کہ حکومت کو طلاق کے معاملہ مین یہ اختیار دیا جاوے کہ اسکی بد استعمالی کو روک سکے خواہ طلاق کے واقع ہونیسے پہلے اسکو روک دینے سے اور خواہ طلاق ہو چکنے تو اس کو کالعدم قرار دیکے۔ یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صرف ایک حاکم کا رنگ ہی نہ رکھتے تھے۔ بلکہ وہ مذہبی پیشوا اور شارع بھی تھے۔

پھر ایک اَور روک طلاق کے ناجایز استعمال کو روکنے کیلیے وہ قرار دیگئی ہے جسے قرآن کریم نے نہایت صریح الفاظ مین بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک جھگڑے مین فریقین خود کوئی کارروائی نہ کرین بلکہ دو حَکم تنازعہ کے فیصلہ کے لیے مقرر کیے جاوین اور ان کو پورے پورے اختیارات دیئے جاوین۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ۔ (النساء ۳۵) جسکا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تمکو میاں بی بی مین فساد کے پیدا ہونیکا

اندیشہ ہے تو ایک پنچ مرد کے کنبے میں سے مقرر کرو اور ایک پنچ عورت کے کنبے سے۔ اگر ان دونوں کا ارادہ اصلاح کا ہوگا تو اللہ تعالیٰ بھی ان دونوں میں موافقت پیدا کر دیگا۔ بیشک خدا علیم وخبیر ہے۔ اس آیت میں ایک ضروری امر فیصلہ طلب یہ ہے کہ تم میں خطاب کسکو ہے یعنی حکم مقرر کون کرے۔ امام شافعی نے اس سے خطاب حکومت کو مراد لیا ہے یعنی حاکم کو چاہیے کہ وہ پنچ مقرر کرے۔ امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ قال الشافعی رضی اللہ عنہ المستحب ان یبعث الحاکم عدلین ویجعلھما حکمین والاولی ان یکون واحد من اھلہ وواحد من اھلھا لان اقاربھما اعرف بحالھما من الاجانب واشد طلبا للصلاح فان کان اجنبیین جائز وفائدۃ الحکمین ان یخلو کل واحد منھما یصاحبہ ویستکشف حقیقۃ الحال لیعرف ان رغبتہ فی الاقامۃ علی النکاح او فی المفارقۃ ثم یجتمع الحکمان فیفعلان ما ھو الصواب من ایقاع طلاق او خلع۔ اسی کی تائید میں حضرت علی کے سامنے ایک ایسے ہی واقع کا پیش ہونا بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم مقرر کرنیوالا حاکم ہی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ حضرت علی کے پاس ایک مرد اور ایک عورت آئے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت تھی حضرت علی نے حکم دیا کہ ایک پنچ مرد کے کنبے سے اور ایک عورت کے کنبے سے مقرر کیا جاوے۔ جب حکم مقرر ہو گئے تو آپنے انکو فرمایا تم جانتے ہو تمہارے فرائض کیا ہیں۔ تمہارا یہ فرض ہے کہ پہلے دیکھو کہ اگر کوئی صورت اصلاح اور اتفاق کی ہو سکتی ہے تو اتفاق کرا دو اور اگر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ طلاق واقع ہو تو طلاق کرا دو۔

اس واقع سے صاف پتہ لگتا ہے کہ قرآن کریم کے حکم کا منشا کیا ہے۔ اب خواہ حاکم خود حکم مقرر کرے یا اسکے حکم کے مطابق کوئی دوسرا مقرر کرے اس سے کچھ فرق نہیں آتا بہرحال حکومت کی مداخلت طلاق کے معاملہ میں ایک صریح اور بین امر ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اگر مرد کو قطعی اختیار ہر وقت عورت کو طلاق دینے کا ہوتا اور کسی وجہ کی ضرورت نہ ہوتی تو حکم مقرر کرنیکا کیا مطلب تھا۔ حکم تو اسی بات کے دیکھنے کیلیے مقرر کیئے جائینگے کہ آیا اصلاح ممکن ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو کس فریق کا قصور ہے اور آیا طلاق ہونی چاہیئے یا خلع اگر مرد کا قصور ہے تو عورت کو مہر پورا دیا جاویگا اور اگر عورت کا قصور ہے تو خلع کی صورت ہوگی یہی طریق اللہ تعالیٰ نے طلاق کے معاملات میں پسند فرمایا ہے۔ اور اسکے مطابق کارروائی ہونے سے مرد اور عورت طلاق میں ناجائز فایدہ اٹھانیسے رک جائینگے۔

پھر طلاق کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ مرد تین طہروں میں عورت کو تین طلاقیں دے۔ اسقدر لمبا عرصہ رکھنے کا یہ منشا ہے کہ اگر کوئی ممکن صورت اصلاح کی ہو تو ہو جاوے۔ کیونکہ بعض وقت جلدی میں

انسان ایک معاملہ کے پس پیش کو نہیں سمجھتا۔ بتدریج طلاق کی تکمیل سے یہ ایک عظیم الشان فایدہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے اختلاف جو فساد کا باعث ہو گئے تھے آخر چند دن بعد خود ہی حقیر معلوم ہونے لگتے ہیں اور طلاق کے نتایج جون جون اسپر زیادہ غور کیا جاویگا بڑے معلوم ہونے لگیں گے اور اسلیئے اصلاح کا پورا موقعہ فریقین کو ملجاویگا اسی حکمت پر اللہ تعالے نے یہ فرمایا۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـــًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ (البقرۃ - ۲۳۰) طلاق دو دفعہ ہے پھر اسکے بعد نیک برتاؤ کے ساتھ زوجیت میں رکھنا چاہیئے (یعنی دو دفعہ طلاق کے بعد رجوع ہو سکتا ہے) اور یا اگر یہ نہ ہو سکے تو حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینا چاہیئے اور جو کچھ تم اپنی بیبیونکو دیچکے ہو انمین سے تمہین کچھ بھی لینا جایز نہین سوائے اس صورت کے جب اندیشہ ہو کہ میان بی بی خدا کی قایم کی ہوئی حدون پر قایم نہین رہ سکینگے پس اگر تمہین اس بات کا خوف ہو کہ وہ دونون خدا کی باندھی ہوئی حدود پر قایم نہین رہ سکینگے تو اگر عورت طلاق حاصل کرنیکے لیے کچھ مال خاوند کو دیدے تو ان دونو پر کچھ گناہ نہین یہ خدا کی باندھی ہوئی حدین ہین انکو توڑو نہین جو خدا کی باندھی حدونکو توڑتے ہین وہ ظالم ہین"۔ اس آیت مین علاوہ اس باتکے بیان کرنیکے کہ طلاق دیتے وقت کیا طریق اختیار کرنا چاہیئے خدا تعالے نے یہ بھی خاوند کو حکم دیا ہے کہ طلاق دیتے وقت نہ صرف اس مال مین سے کچھ واپس نہ لے جو وہ عورت کو دیچکا ہے بلکہ چاہیئے کہ اسکو رخصت کرتے وقت احسان سے رخصت کرے یعنی کچھ اور بھی اسکے ساتھ حسن سلوک کرے چنانچہ دوسری جگہ نہ لینے کے متعلق فرمایا ہے۔ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـــًٔا ؕ (النساء - ۲۰) اگر تم نے بی بی کو بہت سارا مال بھی دیدیا ہو تو بھی اس سے کچھ واپس نہ لینا چاہیئے۔ یہ چھوٹی سی بات نہین کیونکہ ممکن نہین کہ انسان بغیر کسی مجبوری کے عورت کو بھی الگ کرے اور ساتھ اسکے مال بھی دے یہ طلاق کے ناجایز استعمال پر ایک اور روک ہے۔

علاوہ ازین قرآن کریم بار بار تقوے کی ہدایتون سے بھرا پڑا ہے اور کوئی سچا مسلمان یہ نہین کر سکتا کہ ان ہدایتونکی کچھ بھی پروا نہ کرے۔ قرآن شریف مین جس قدر احکام یا اجازتین یا ممانعتین دیگئی ہین وہ سب تقوی کی شرط سے مشروط ہین اور دراصل تقوی ہی ایک چیز ہے جو انسان کو کمال تک پہنچانیوالی ہے ورنہ اگر تقوی نہین تو سخت سے سخت قاعدے اور روکین بھی کچھ نہین کر سکتین۔ خدا کی سچی اور حکیم کتاب نے یہ راہ اختیار نہین کیا کہ چند ظاہری قواعد اور بیرونی پابندیون پر ہی سارا انحصار کر دے کیونکہ صرف اتنی بات سے انسان اس حقیقی پاکیزگی تک نہین پہنچ سکتا جو اسکی زندگی کا اصل مقصد ہے بلکہ جہان کسی قاعدہ کو بیان کیا ہے اسکے ساتھ ہی تقوی کی رعایت

کی شرط لگادی ہے تا تقوے کو اختیار کرکے انسان اس قاعدہ یا اجازت کی بداستعمالی سے بچ سکے۔ مذہب اسلام صرف ظاہری قواعد کی پابندی پر خوش نہین ہوتا کیونکہ یہ محض چھلکا ہے بلکہ اصل بات جو وہ چاہتا ہے وہ دل کی حقیقی پاکیزگی اور سچی تقوے اور طہارت ہے جو احکام شریعت کا مغز ہے پس خواہ زندگی کے کسی پہلو کے متعلق کوئی حکم ہو کھانے پینے کے متعلق یا چلنے پھرنے بیٹھنے اٹھنے کے متعلق کام کرنے یا آرام کرنیکے متعلق نکاح یا طلاق کے متعلق ہر ایک حکم کے ساتھ تقوے کی شرط لگا دیگئی ہے۔ اگر انسان تقوے کے ساتھ کوئی کام کریگا تو وہ کبھی خدا کے احکام کو نہ توڑے گا اور نہ ہی نوع کو نقصان پہنچانیکی راہ اختیار کریگا۔ یہ امر کہ ہر ایک امر اور نہی اور اجازت کے ساتھ تقوی کی شرط لگائی گئی ہے قرآن کریم کی خصوصیت ہے اور دنیا کی کوئی اور کتاب خواہ وہ انسانی ہو اور خواہ الہامی ہونیکا دعوے رکھتی ہو یہ خصوصیت اپنے اندر نہین رکھتی۔ پس یہ نہایت ضروری امر ہے کہ جب ہم مثلاً اسلام کے قانون طلاق پر بحث کرین تو اس امر کو مدنظر رکھین کہ اسکا بڑا بھاری پہلو شرط تقوے بھی ہے پس جو شخص تقوے کے خلاف اپنی کسی نفسانی خواہش کیلئے اس اجازت سے اسکے منشار کے خلاف فایدہ اٹھانا چاہتا ہے وہ اسلام کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اسکی اس خلاف ورزی سے اسلامی قانون طلاق پر کوئی اعتراض وارد نہین ہو سکتا۔ جہان یہ غور کرنا ہے کہ اسلام نے طلاق کی اجازت دی ہے وہان یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ اس اجازت کو کس شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے اور اس شرط کو الگ کرکے اسلامی قانون پر اعتراض کرنا حماقت ہے کیونکہ جبتک طلاق کا قانون تقوے کی شرط کے ساتھ مشروط ہے اسکی بداستعمالی رکی رہیگی۔ اسلام مسلمانونسے یہ نہین چاہتا کہ وہ قرآن کریم کے ایک حصہ پر عمل کرین اور دوسرے حصہ کو چھوڑ دین پس ایک حصہ کو لیکر جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ اسلام پر اعتراض نہین بلکہ ان مسلمانون پر اعتراض ہے جو قرآن کریم پر عمل نہین کرتے۔ کسی اصول کی بداستعمالی کے وقت اعتراض اس اصول پر نہین کرنا چاہیئے بلکہ اس شخص پر اعتراض ہوگا جسنے بداستعمالی کی +

ایک امر بھی قابل غور ہے طلاق کو قرآن کریم نے تسریح باحسان کے نام سے پکارا ہے یعنی نیکی اور مروت کے ساتھ بی بی کو رخصت کرنا۔ حالانکہ مخالفین جس قسم کی طلاق کی اجازت اسلام مین سمجھتے ہین اسکے ظاہر کرنیکے لیے کوئی ایسے لفظ ہونے چاہیئے تھے جیسے گھر سے نکال دینا یا چھوڑ دینا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم تو یہ چاہتا ہے کہ اگر طلاق ہی دینی ہو تو پھر بی بی کو نیکی اور مروت سے رخصت کیا جاوے لیکن اگر کوئی شخص بلا وجہ ایک نیک بی بی کو گھر سے نکالتا ہے تو اسکی اس کارروائی پر احسان کا لفظ کبھی صادق آہی نہین سکتا کیونکہ اس نے تو بجائے نیکی اور مروت کے اسکے ساتھ شرارت اور ظلم کیا۔ چونکہ قرآن کریم کے الفاظ خدائے حکیم کے منہ کے لفظ ہین اسلیے ان الفاظ مین ہی کتابون کے مضمون بھرے ہوئے ہین اور ایک غور کرنیوالی طبیعت جسے خدا رستہ دکھائے بہت جلد اس نتیجہ پر پہونچ سکتی ہے کہ ایک خاص لفظ کے ایک خاص موقعہ پر رکھنے مین کیا حکمت ہے آخر اس جگہ جو طلاق کا

مفہوم ادا کرنیکے لیے قرآن کریم نے الفاظ تسریح باحسان استعمال کیے تو یہ ایک اتفاقی امر نہیں بلکہ ہمین اس
مفہوم کے ادا کرنیکے لیے یہ الفاظ رکھے گئے ہین جس مفہوم کا ادا کرنا اس جگہ مقصود ہے۔ جب اللہ تعالےٰ نے طلاق
کا نام تسریح باحسان رکھا ہے تو کوئی طلاق اسلامی شریعت کے رو سے صحیح طلاق نہین ہو سکتی جبتک اسمین
نیکی اور حسن نہ پایا جائے اور یہ اسیصورت مین ہو گا جب طلاق میان بی بی کے فایدہ کیلیے ہو کیونکہ طلاق مین
نیکی صرف یہی ہو سکتی ہے کہ وہ کسی ضرر کے دور کرنیکا علاج ہو اور اگر کسی ضرر کا دور کرنا مقصود نہین تو پھر ایسی
طلاق تسریح باحسان کے نام سے پکارے جانے کی حقدار بھی نہین پس قرآن کریم کے اس لفظ کو اختیار کرنیسے
ہم اس صحیح نتیجہ پر پہونچ سکتے ہین کہ اسلام مین طلاق کی اجازت صرف دفع ضرر کیلیے ہے یہ نتیجہ لفظ احسان
سے نکلتا ہے اور اسکی مؤید شہادت لفظ تسریح کے معنون پر غور کرنیسے پیدا ہوتی ہے کیونکہ تسریح کے معنے ہین
اونٹون یا چارپائیون کا چراگاہ کیطرف لیجانا۔ اسلیے جب استعارۃً یہ لفظ انسان کے متعلق بولا جائیگا تو اس سے
یہ مراد ہو گی کہ ایک انسان کو ایک ضرر کیحالت سے نکالکر اچھی حالت کیطرف لیجانا کیونکہ مویشی جب بھوکے ہوتے
ہین تب ہی انکو چراگاہ کیطرف لیجاتے ہین پس اس جگہ لفظ تسریح کے استعمال سے قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا
ہے کہ ایک عورت جو کسی تنگی یا مصیبت کیحالت مین ہے اسکو اس حالت مین نہین رکھنا چاہئیے بلکہ اسے نیکی اور مروت
کے ساتھ رخصت کرنا چاہیے تا وہ دوسری جگہ نکاح کر کے آرام کے ساتھ زندگی بسر کر سکے پس ہر دو الفاظ یعنی
تسریح اور احسان کے معنون پر غور کرنیسے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم یہ ہدایت فرماتا ہے کہ جب مرد اور عورت
مین کوئی ایسی صورت تنازعہ کی پیدا ہو جائے جو ان دونون یا ایک کی تنگی اور تکلیف کا موجب ہو تو اس صورت
مین طلاق ہی مفید ہے اور طلاق کے بغیر ضرر دور نہین ہو سکتا۔ ان امور پر غور کرنیسے انصاف پسند طبیعتین
دیکھ سکتی ہین کہ اسلام پر یہ کسقدر جھوٹا الزام ہے کہ اسلام بلا وجہ طلاق کی اجازت دیتا ہے۔

یہ نتیجہ صرف الفاظ تسریح باحسان کے معنون مین غور کرنیسے پیدا ہوا ہے اسنے پہلے جو الفاظ استعمال ہوئے
ہین یعنی امساک بمعروف (نیک برتاؤ کے ساتھ زوجیت مین رکھنا) وہ بھی اسکے مؤید ہین اس جگہ قرآن کریم یہ بیان
فرماتا ہے کہ جب طلاق کے واقعات پیدا ہو جائین تو تم یکمرتبہ طلاق مت دو بلکہ پہلے دو دفعہ دو طہرون مین طلاق دو۔
پھر اسکے بعد انسان کے لیے دو راہ کھلے ہین پہلی راہ جو مقدم اور افضل ہے کیونکہ اسی کا پہلے بیان بھی کیا گیا ہے وہ یہ ہے
کہ پھر خوب سوچو کہ آیا تم ایسی حالت مین بی بی کو رکھ سکتے ہو اسکے ساتھ نیکی سے برتاؤ کرو یعنی اسپر کسی قسم کا ظلم نہ ہو
یا وہ کسی طرح کی تنگی اور تکلیف کیحالت مین نہ رہے اگر یہ ممکن ہے تو یہی راہ اختیار کرو اور اگر یہ نہین کر سکتے تو پھر
دوسری راہ تمہارے لیے یہ ہے کہ نیکی اور مروت کے ساتھ اسے رخصت کر دو۔ پہلی شق کو مقدم کرنے اور دوسری کو
مؤخر کرنیسے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوسری شق صرف ایسی صورت مین اختیار کرنی چاہیئے جب پہلی ممکن نہ ہو

گویا طلاق تب اختیار کرنی چاہیئے جب میاں بی بی کا برتاؤ نیکی اور سلوک کا نہ رہے جو نکاح کا اصل مقصد حاصل کرنیکے لیے ضروری ہے ایکدوسرے موقعہ پر بعینہٖ ایسے ہی الفاظ میں قرآن کریم نے طلاق کا ذکر فرمایا ہے۔ **فرماتا ہے**۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا۔ (البقرۃ۔ رکوع ۲۹۔ آیت ۲۳۲) ترجمہ جب تمنے عورتونکو دو بار طلاق دیدی اور انکی عدت پوری ہونیکو آئی تو یا تو نیک سلوک کے ساتھ انکو اپنی زوجیت میں رکھو یا تکمیل طلاق کرکے انکو نیکی کے ساتھ رخصت کرو مگر ایسی طرح انکو اپنی زوجیت مین نہ رکھو جس سے انکو ایذا پہونچے جسکا نتیجہ یہ ہو کہ تم زیادتی کرنے لگو۔" ان الفاظ مین گویا اللہ تعالےٰ نے طلاق کا فلسفہ بیان فرمایا ہے پہلے یہ تاکید فرماکر کہ انکو نیک سلوک کے ساتھ رکھو پھر دوبارہ یہی عادہ کیا ہے اور تاکیداً فرمایا ہے کہ ایسا ہرگز نہ ہو کہ تمہارا انکو زوجیت مین رکھنا انکے لیے ایذا دہی کا موجب ہو اور تم ناانصافی کرنیوالے ہو۔ گویا یہ پسند فرمایا ہے کہ بجائے اسکے کہ عورت کو ایسی صورت مین گھر مین رکھا جائے کہ وہ اسکی تکلیف دہی کا موجب ہو۔ بہتر یہی ہے کہ تم انکے ساتھ نیکی کرکے ان کو رخصت کردو۔ گویا کسی صورت مین عورت پر ظلم یا اسکی ایذا دہی روا نہین رکھی اور نہ ہی یہ پسند کیا ہے کہ گھر جو خوشی اور آرام کی جگہ ہونی چاہیئے روز کے جھگڑون اور فساد اور تکلیفون اور ایذا کی جگہ ہو جاوے۔ تین احکام اس ایک آیت مین ہین۔ اول اور سب سے مقدم یہ ہے کہ اگر کوئی فساد پیدا ہو کر دو دفعہ طلاق ہو بھی چکی ہے اور ابھی رجوع کا وقت باقی ہے تو تم رجوع کرلو ایسی صورت مین کہ ان کو نیک سلوک اور فیاضانہ برتاؤ کے ساتھ رکھ سکو یعنے انکے چھوٹے چھوٹے قصورون اور کمزوریون سے درگذر کرو اور چھوٹے چھوٹے اختلافات کو کوئی وقعت نہ دو۔ لیکن اگر یہ نہ کرسکو تو پھر تم انکے ساتھ یہ نیکی کرسکتے ہو کہ احسان کے ساتھ انکو رخصت کردو۔ اور پھر اکدفعہ فرمایا کہ اصل منشا صرف یہی ہے کہ عورتونکے ساتھ یا تو نیکی سے سلوک کیا جاوے اور یا اگر کوئی ایسے واقعات پیدا ہو گئے ہین کہ میاں بی بی مین اتفاق اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن معاشرت کی کوئی صورت نہین رہی تو پھر طلاق ہی بہتر ہے۔ کیونکہ جب نکاح کی غرض ہی مفقود ہو گئی تو پھر فریقین کو اسبات پر مجبور کرنا کہ وہ ظاہر طور پر اکٹھے رہین حالانکہ دراصل وہ بالکل الگ ہو چکے ہوئے ہین محض ظلم ہے ایسی صورت مین زندگی ایک مصیبت ہو جاتی ہے اور اس دکھ اور تکلیف کا اثر نہ صرف میاں بی بی پر ہی ہوتا ہے بلکہ آیندہ نسل بھی اس سے متاثر ہو کر سوسائٹی کیلیے بجائے مفید ہونیکے مضر ہوتی ہے ایسی ہی صورتونمین قرآن کریم طلاق کا حکم دیتا ہے اور اس حکم مین انسانونکی بہتری اور نیکی اور عفت کا پاس ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اگر اسلام مین طلاق کے متعلق کوئی آزادی ہے جسکا الزام دیا جاتا ہے تو وہ یہی آزادی ہے کہ جب میاں بی بی مین حسن معاشرت کسی صورت مین نہ رہ سکے تو اسوقت انکی علیحدگی کا حکم ہے۔ عیسائیت جو اپنے قانون طلاق پر فخر رکھتی ہے اسنے ایسے موقعہ کیلیئے کونسا علاج تجویز کیا ہے بس یہی کہ مرد اور عورت دلونمین جتنا چاہین بعد

اختیار کر چکے ہین مگر ظاہری طور پر انکو جکڑا رکھنا چاہیئے خواہ کیسے ہی بد نتایج اس سے پیدا ہون۔

اس غلط فہمی کے سبب جو عموماً اسلام کے قانون طلاق کے متعلق پیدا ہوئی ہوئی ہے مین اس بات کو مکرر بیان کرتا ہون کہ باوجود اس آزادی کے جو طلاق کے معاملہ مین قرآن کریم نے دی ہے اس بات پر اس کتاب حکیم نے بار بار زور دیا ہے کہ جہانتک ممکن ہو اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے اور طلاق سے حتے الوسع بچنا چاہیئے۔ خصوصاً مردونکو یہ نصیحت کیگئی ہے کہ اگر انکو خلاف مزاج بھی بعض باتین پیش آجائین تو انہین چاہیئے کہ حوصلہ اور وسعت اخلاق سے انکی برداشت کرین کیونکہ جب اللہ تعالے نے ان کو قوی مین مضبوط بنایا ہے تو انکو بھی بڑا حوصلہ دکھانا چاہیئے چنانچہ ایک جگہ عورتون کے متعلق خاوندون کو یہ حکم دیا گیا ہے وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ کَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا کَثِیْرًا ۔ (النساء۔ رکوع ۳۔ آیت ۱۹) اور بیبیونکے ساتھ حسن سلوک سے رہو اور اگر تمکو کسی وجہ سے بی بی ناپسند ہو تو بھی اسکو نیک سلوک کے ساتھ ہی اپنی زوجیت مین رکھو کیونکہ عجب نہین کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالے اسی مین بہت سی خیر و برکت دیوے۔" اب اس آیت مین مردونکو بالخصوص اللہ تعالے نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر ان کو بی بی ناپسند بھی ہو تو بھی وہ اپنی ناپسندیدگی پر غالب آنے کی کوشش کرین اور اگر وہ ایسا کرینگے تو یہی بات انکے لیے خیر و برکت کا موجب ہو جائیگی اور انکی ناپسندیدگی بھی دور ہو جاویگی۔ پھر اسی سورت مین آگے چلکر فرمایا۔ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَیْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۔۔۔۔۔۔ وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ کُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَکِیْمًا ۔ (النساء۔ رکوع ۱۹۔ آیت ۱۲۸ و ۱۳۰) "اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کیطرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو ان دونو پر کوئی گناہ نہین کہ آپس مین عمدہ طور پر صلح کر لین اور صلح بہت اچھی چیز ہے اور تھوڑا بہت بخل تو انسان کی طبیعت مین ہوتا ہی ہے (اسکی چندان پروا نہ کرنی چاہیئے) اور اگر ایک دوسرے کے ساتھ نیک سلوک کرو اور سختی کرنے سے بچے رہو تو اللہ تعالے بھی تمہارے تمام کامونسے باخبر ہے (اسکے مطابق ہی تمہین نیک اجر دیگا) ۔۔۔۔۔۔ اور اگر (میان بی بی مین کوئی صلح کیصورت بن نہ پڑے اور) ایکدوسرے سے جدا ہو جائین تو اللہ تعالے ان دونو کو غنی کر دیگا (یعنے انکے لیے کوئی بہتر صورت پیدا کر دیگا) اور اللہ تعالے بڑی وسعت والا اور حکمت والا ہے۔" اسجگہ الصلح خیر کہکر تمام غلط فہمیونکا ازالہ فرما دیا ہے۔ یعنی اللہ تعالے کے نزدیک بہت پسندیدہ طریق تو یہی ہے کہ صلح ہی کر لیجاوے اور علیحدگی کی اجازت صرف اسیصورت مین ہے۔ جب اصلاح کی کوئی صورت بن نہ پڑے کیا اسقدر صراحت کے باوجود بھی قرآن کریم پر کوئی عقلمند یہ الزام دیگا کہ وہ طلاق کی کھلی اجازت دیتا ہے۔ جب مرد چاہے عورت کو گھر سے باہر نکالدے۔ ہرگز نہین بلکہ جیسا کہ مین

بار بار کہہ چکا ہون اصل منشاء تعلیم قرآنی کا یہی ہے کہ طلاق منع نہین مگر مجبوری کی حالت مین اسے اختیار کرنا چاہیئے۔ ان آیات کے آخری الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کی اجازت اس غرض کیلیئے ہے کہ وہ بہتری کا باعث ہو نہ اسلیے کہ کسی فریق کے نقصان کا ذریعہ اسے ٹھہرایا جائے کیونکہ آخیر مین یہ فرمایا ہے کہ جب واقعی طلاق کی ضرورت محسوس ہوجائے تو پھر طلاق واقع ہونی چاہیئے کیونکہ اللہ تعالےٰ جو بڑی وسعت اور حکمت والا ہے نئے اور عمدہ تعلق ہر دو کے لیے ایسے پیدا کر سکتا ہے جو انکی بہتری اور آرام کا موجب ہون اور میان بی بی دونونکو غنی کر سکتا ہے۔ درحقیقت اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر جگہ جہان طلاق کی اجازت دی ہے قرآن کریم نے مقدم اسی بات کو کیا ہے کہ پہلے صلح کی کوشش کرنی چاہیئے اور اگر باہمی اتفاق سے رہنے کی کوئی صورت پیدا ہوجائے تو وہی اختیار کرنی چاہیئے اور طلاق کو ہمیشہ پیچھے بیان کیا ہے تا کلام الٰہی کا یہ منشاء معلوم ہوجائے کہ طلاق کی اجازت انہین صورتون مین ہے جب صلح کی کوئی صورت بن نہ پڑے چنانچہ اس آیت مذکورہ بالا مین صاف طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ جہان کسی قدر فساد کی صورت پیدا بھی ہوجائے اور فریقین مین بے رغبتی یا ناپسندیدگی معلوم ہوتی ہو تو بھی پہلے یہی کوشش کرنی چاہیئے کہ صلح ہوجائے کیونکہ افضل صلح ہی ہے۔ پھر جہان دو حکم مقرر کرنیکا حکم دیا گیا ہے وہان بیان ہی یہ کیا ہے کہ وہ فریقین کے درمیان کوئی صلح کی صورت پیدا کرین اور طلاق کا ذکر بھی نہین کیا اگرچہ اس مین کسی کو شک نہین ہو سکتا کہ طلاق بھی انکے اختیار کے اندر ہے پھر جہان تین طلاقین دینے کا حکم دیا ہے وہان بھی دو دفعہ امساک بالمعروف کو ہی مقدم کیا ہے غرضیکہ اسقدر صراحت سے یہ بات بیان کیگئی ہے کہ ایک حق پسند طبیعت کو یقین آجاتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم یہ ہرگز نہین کہ جب چاہے طلاق دیدے بلکہ یہ پاک کتاب طلاق سے اُس حد تک روکتی ہے جہانتک رکنا انسانی طاقت کے اندر ہے۔

یہ تمام شہادت طلاق کے بارے مین مینے صرف قرآن شریف سے پیش کی ہے اور اسکو پڑھنے کے بعد حاجت باقی نہین رہتی کہ احادیث کا بھی حوالہ دیا جاوے مگر مین مناسب سمجھتا ہون کہ اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے دو تین احادیث بھی بیان کر دون ایک حدیث کا حوالہ پہلے بھی دیا جا چکا ہے یعنی ابغض الحلال الی اللّٰہ الطلاق پھر ایک اور حدیث مین آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایما امرأۃ سألت زوجہا الطلاق فی غیر ما باس فحرام علیہا رائحۃ الجنۃ۔ یعنی جو عورت بغیر کسی ضرر یا تکلیف کے اپنے خاوند سے طلاق مانگے اسپر جنت کی خوشبو حرام ہے پھر ایک اور حدیث مین فرمایا ہے:۔ لعن اللّٰہ الذواقین والذواقات۔ یہی حدیث دوسرے الفاظ مین یون بیان کیگئی ہے:۔ ان اللّٰہ لا یحب الذواقین والذواقات۔ مگر مآل ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ لعنت کرتا ہے یا محبت نہین کرتا ان مردون سے جو نفسانی خواہشات کیخاطر بار بار نکاح کرتے اور طلاق دیتے ہین اور ان عورتون سے جو نفسانی خواہشات کیخاطر بار بار نکاح کرتی اور طلاق لیتی ہین۔ اس

حدیث کو بیان کرنیکے بعد صاحب حجت البالغہ نے لکھا ہے کہ اس قسم کے مرد اور عورتیں زانی اور زانیہ ہوتے ہیں۔

ایک اور اعتراض جو اسلام کے قانون طلاق پر کیا جاتا ہے یہ ہے کہ اسلامی شریعت کی رو سے عورت کو طلاق لینے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اسلام میں جس قدر صراحت سے عورت کے حقوق اس معاملہ میں مذکور ہیں انکے ہوتے ہوئے ایسی غلط فہمی کیونکر پیدا ہو گئی اسکا میں کچھ جواب نہیں دے سکتا مگر تعجب یہ ہے کہ مسٹر ڈال اور جیسین باوجود اپنے اسلام کے بلکہ اسلام کی ترقی کے حامی ہونیکے دعوے کے بھی یہ کہتا ہے کہ جہاں اسلامی قانون طلاق مرد کو کھلی اجازت طلاق کی دیتا ہے۔ عورت کو خواہ اسپر کتنا ہی ظلم ہو ایسا حق نہیں دیتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معترض کو تمام اسلامی مسایل سے ایک سی ہی ناواقفیت ہے پھر یہ کسقدر حماقت ہے کہ باوجود جہالت کے اعتراض پر اعتراض کیے چلے جاتے ہیں اعتراض سے پہلے کسیقدر قرآن شریف اور حدیث شریف سے واقفیت تو پیدا کر لی ہوتی۔ اس اعتراض کی تردید کیلیے اگر اور کوئی ثبوت ہم نہ بھی دیں تو وہی احادیث کافی ہیں جن کے حوالے اس سے پہلے فقرہ میں دیئے جا چکے ہیں مثلاً اسی حدیث پر غور کرو کہ:- ایما امراۃ سالت زوجہا الطلاق فی غیر ما باس فحرام علیہا رائحۃ الجنۃ۔ یعنی جو عورت بغیر کسی ضرر یا تکلیف کے اپنے خاوند سے طلاق طلب کریگی اسپر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو طلاق مانگنے کا حق حاصل ہے اور اگر بلا وجہ وہ طلاق لے سکتی ہے جبکی ممانعت اس حدیث میں کیگئی ہے تو کافی وجہ کے ہوتے ہوئے اسے طلاق لینے سے کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے ایسا ہی دوسری حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان اللہ لایحب الذواقین والذواقات۔ اس میں جیسے ان مردوں کو ملامت اور ممانعت کی گئی ہے جو بلا وجہ بار بار طلاقیں دیتے اور نکاح کرتے ہیں ایسا ہی ان عورتوں کو بھی ملامت اور ممانعت کی گئی ہے جو بلا وجہ بار بار طلاقیں لیتی اور نکاح کرتی ہیں اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ناجائز استعمال طلاق کا مرد کر سکتے ہیں ایسا ہی عورتیں بھی کر سکتی ہیں اور ذواقین اور ذواقات کے متعلق ایک ہی حکم بیان فرمایا ہے۔ اس سے بڑھکر وضاحت اور کونسے الفاظ سے ہو سکتی ہے اگر عورتیں طلاق نہ لے سکتیں تو یقیناً ان عورتوں کا وجود ہی دنیا میں نہ ہوتا جنکو ذواقات کے نام سے پکارا گیا ہے مگر حدیث شریف کے الفاظ مردوں اور عورتوں کو ایک ہی حیثیت میں بیان کرتے ہیں جس سے نہایت صفائی یہ ثبوت ملتا ہے کہ جیسے مردوں کو ضرورت اور مجبوری کے وقت طلاق دینے کا حق شریعت اسلام نے دیا ہے ویسے ہی عورتوں کو بھی ضرورت اور مجبوری کیوقت طلاق لینے کا حق دیا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اکثر ان صورتوں میں جب طلاق کی صورت پیدا ہو سکتی ہے اسلام نے وہ راہ تجویز کیا ہے جس سے کلی اختیار نہ مرد کے ہاتھ میں رہتا ہے نہ عورت کے ہاتھ میں۔ طلاق کی کثیر وجوہات آخر مرد و عورت میں نا اتفاقی کی صورت پیدا کرتی ہیں اور اگر نا اتفاقی کوئی نہیں تو طلاق کی ضرورت بھی پیش نہیں آئیگی مگر نا اتفاقی کیصورت میں

قرآن کریم نے نہایت صاف الفاظ مین یہ فرمادیا ہے کہ حکم مقرر کرنے چاہیئے جن مین سے ایک مرد کے کنبہ سے ہو اور ایک عورت کے کنبہ سے اور انہین کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا جیسا کہ اس مقدمہ طلاق سے بھی ثابت ہوتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ کے سامنے آیا تھا جس مین آپنے حکم مقرر ہو جانیکے بعد مرد اور عورت دونوںکو مخاطب کرکے فرمایا تھا کہ اب جو فیصلہ حکم کرین خواہ وہ صلح کا ہو اور خواہ طلاق کا تم دونوںکو قبول کرنا ہوگا۔ اب یہ طریقہ حکم مقرر کرنیکا کئی وجوہ کے لحاظ سے نہایت ہی پسندیدہ طریق ہے کیونکہ اول تو مرد و عورت دونوں کے اختیار پر ایک روک واقع ہو جاتی ہے اور کلی طور پر انکے ہاتھ مین یہ بات نہین رہتی بلکہ جو حکم مقرر کیے جاوین انکے ہاتھ مین کل اختیار آجاتا ہے اور اس سے طلاق کے قانون کی بد استعمالی بڑی حد تک رک سکتی ہے۔ دوسرے طرف عدالتو مین چارہ جوئی کرنیسے دونوں فریق بچ جاتے ہین اور اسلیے صلح کی امید بھی زیادہ ہوتی ہے اور اخراجات عدالت سے بھی سبکدوشی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ ایک روزمرہ تجربہ کی بات ہے کہ جونہی خانگی تنازعہ کی صورت سے نکلکر ایک تنازعہ کی نوبت عدالت تک پہنچتی ہے تو فریقین ایکدوسرے کے خلاف قانونی ثبوت پیدا کرنیکے لیے ہر طرح کے حیلوں سے کام لیتے ہین جس سے کدورت باہمی اور بھی بڑھ جاتی ہے اور اصلاح قریباً ناممکن ہو جاتی ہے۔ تیسرا فایدہ یہ ہے کہ حکم خاوند اور عورت کے کنبہ مین سے ہونگے سبب اصلی واقعات سے زیادہ باخبر بھی ہونگے اور انکا فیصلہ بھی ایسا ہی ہوگا جس سے ہر دو فریق کی بہتری مقصود ہو کیونکہ وہ اس امر پر عدالتوں کی طرح مجبور نہین کہ کسی قانونی نکتہ پر فیصلہ کا مدار رکھین بلکہ عام اغراض نکاح اور فریقین کی بہتری کو مد نظر رکھکر عمدہ فیصلہ کر سکتے ہین اب یہ کسقدر جھوٹ ثابت ہوا۔۔۔ کہ مرد کے ہاتھ مین ہی کل اختیار طلاق کا ہے اور عورت بالکل بیدست و پا ہے مین یقین کرتا ہون کہ کوئی سمجھدار آدمی ان باتوں سے واقفیت حاصل کرنیکے بعد کبھی اسلام پر ایسا بیہودہ اعتراض نہین کریگا۔

اس سے بھی صاف لفظ قرآن شریف مین اور موجود ہین جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرد اگر عورت کیطرف سے بے رغبتی کرے یا اسپر ظلم کرے یا جھگڑے اور فساد کی صورت ہو تو عورت طلاق لے سکتی ہے ان آیات کا جنمین یہ ذکر ہے پہلے ایک اور بحث کرتے ہوئے حوالہ دیا جا چکا ہے۔ مگر اس مضمون کی اہمیت کیلحاظ مین انکو دوبارہ نقل کرتا ہون۔ اللہ تعالے اپنی حکیم کتاب مین فرماتا ہے۔ وان امراۃ خافت من بعلہا نشوزاً او اعراضاً فلا جناح علیہما ان یصلحا بینہما صلحاً والصلح خیر۔ اور اسکے بعد فرماتا ہے۔ وان یتفرقا یغن اللہ کلاً من سعتہ۔ (النساء۔ رکوع ۱۹۔ آیت ۱۲۸۔۔۱۳۰) ان آیات کا ترجمہ حافظ نذیر احمد نے ان الفاظ مین کیا ہے ”اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کیطرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میان بی بی دونوں مین کسی پر کچھ گناہ نہین کہ اصلاح کی کوئی بات ٹھہرا کر آپس مین صلح کرلین اور صلح بہر حال بہتر ہے۔۔۔۔۔ اور اگر میان بی بی مین اصلاح کی کوئی صورت نہ بن پڑے اور ایکدوسرے سے جدا ہو جائین تو اللہ اپنے خزانہ غیب

سے بے نیاز کردیگا،، اس جگہ اللہ تعالے نے وہ صورت بیان کی ہے جب مرد کی طرف سے زیادتی ہو یا بے رغبتی ہو اور یہ ارشاد فرمانے کے بعد کہ پہلے کوئی صلح کی تجویز کرین کیونکہ صلح ہی بہتر ہے فرمایا کہ اگر صلح نہین ہوسکتی تو پھر انکے حق مین طلاق ہی بہتر ہے اور طلاق سے اللہ تعالے دونونکے مفید مطلب کوئی صورت پیدا کردیگا۔ اب اس سے صریح نص عورتونکے حق طلاق پر اور کیا ہوسکتی ہے کیونکہ ان الفاظ مین وہی صورت اللہ تعالے نے بیان فرمائی ہے جب عورت پر زیادتی ہو اور اسکا اخیر علاج طلاق ہی بتایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے حدیث تو ایک طرف رہی مسٹر ملاودحسین کو کبھی قرآن شریف پڑھنے کا اتفاق بھی نہین ہوا۔ پھر یہ کیسی حماقت ہے کہ قرآن شریف کے قانون طلاق کی بجائے جس مین عورتونکے لیے چارہ جوئی کی ویسی ہی راہ موجود ہے جیسے مرد کیلیے معترض مسلمانونکے لیے انگریزی قانون طلاق پسند کرتا ہے جسمین عورت پر خواہ کتنا ہی ظلم ہو اسے طلاق کا حق نہین پہنچتا۔ اسلام پر یہ بیجا اور جھوٹا اعتراض کہ عورت پر تشدد اور ظلم کیحالت مین بھی عورت کو طلاق نہین مل سکتی اور عیسائیت کی یہ بیجا اور جھوٹی تعریف کہ اسکا قانون طلاق عمدہ ہے یہ کس قسم کا اسلام ہے۔

اس مفصل بحث کے بعد کچھ ضرورت باقی نہین رہی کہ مین ان تمام نظایر کو پیش کرون جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین وقوع مین آئین اور جن کا تذکرہ اتفاقاً احادیث مین آگیا ہے اتنا کہدینا کافی ہے کہ ناموافقت مزاج تشدد اور ظلم وغیرہ اسباب کیوجہ سے عورتین طلاق حاصل کرسکتی تھین کیونکہ یہ حق صاف الفاظ مین انکو قرآن کریم مین دیا گیا تھا اور خود وہ حدیثین جو عورتون کو قانون طلاق کے ناجایز استعمال سے روکتی ہین یہی ثابت کرتی ہین۔ نہ ہی مینے کھینچ تان کر یہ منشار قرآن کریم کے الفاظ سے نکالا ہے بلکہ صاف اور سیدھے الفاظ ہین جن کا ترجمہ خود انگریزون اور دوسرے لوگون نے یہی کیا ہے اور تمام مسلمان فاضلون کا ہمیشہ سے اسی بات پر اتفاق رہا ہے۔ یہ بھی سچ نہین کہ عورت بغیر قاضی کے طلاق حاصل نہین کرسکتی بلکہ عموماً ایسے واقعات طلاق کے عدالتون سے باہر ہی ہوتے تھے اور ہوتے ہین چنانچہ خلع کے باب مین صحیح بخاری مین یہ صاف الفاظ موجود ہین کہ واجاز عمر الخلع دون السلطان یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے خلع کی اجازت بلا وساطت سلطان یعنی حاکم کے دی۔ قرآن کریم مین اسکے متعلق صرف وہی احکام موجود نہین جو اوپر ذکر کئے گئے بلکہ بہت جگہ اس مضمون کو اس پاک کتاب نے ادا فرمایا ہے۔ اور اسی لیئے کسی مسلمان نے آجتک اس مسئلے مین اختلاف نہین کیا سوائے ایسے اختلافکے جو ناواقفیت سے پیدا ہوا ہو۔ چنانچہ کہین تو یہ فرمایا کہ عاشروھن بالمعروف بیبیونکے ساتھ بہت نیکی کا سلوک کرو اور کہین یہ حکم دیا فامسکوھن بمعروف یعنی اگر عورتونکو اپنی زوجیت مین رکھو تو نیک برتاؤ کے ساتھ رکھو۔ اور پھر فرمایا ولا تمسکوھن ضرارًا لتعتدوا ومن یفعل ذالک فقد ظلم نفسہ ولا تتخذوا ایٰت اللہ ھزوا۔ (البقرۃ۔ رکوع ۲۹۔ آیت ۲۳۲۔) اور ایذادہی کیلیے انکو اپنی

زوجیت مین نہ رکھنا کہ اپنر زیادتی کرنے لگو اور جو ایسا کریگا وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ سمجھو" اس جگہ قرآن کریم متنبہ فرماتا ہے کہ یہ جو احکام عورتونکے متعلق دیئے گئے ہین یہ کوئی ہنسی کھیل نہین کہ انکی خلاف ورزی پر گرفت نہ ہو گویا مسلمانونکو ہدایت فرماتا ہے کہ ان احکام کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے اور جو کوئی خلاف ورزی کرے اسے مستوجب سزا قرار دیا جاوے۔ پس قرآن کریم کے نزدیک یہ امر سخت ممنوع ہے کہ عورتونکو ایسی صورت مین رکھا جاوے کہ اپنر کسی قسم کا ظلم یا تشدد ہو یا انکو کسی طرح پر ایذا دیجاوے ایسی صورت مین اگر حسن سلوک کا برتاو کسی طرح پر ممکن نہ ہو تو طلاق کا حکم ہے۔ ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام یعنی اسلام روا نہین رکھتا کہ کسی انسان کو کسی طرح کا دکھ دیا جاوے۔ پس جب دوسرے انسانونکو دکھ دینے سے روکا گیا ہے تو بیبیان سب سے پہلے حقدار ہین کہ انکو دکھ نہ دیا جاوے بلکہ یہانتک فرمایا ہے کہ خیرکم خیرکم باھلہ۔ یعنی اچھا وہی ہے جو اپنے اہل سے اچھا ہے۔ میری سمجھ مین بالفعل اسقدر بحث اس مضمون پر کافی ہے ضرورت ہوئی تو آیندہ اور بحث اسپر کی جاوے گی +

اسلام

(بجواب سیل صاحب)

پادری سیل صاحب جنہون نے کتاب "فیتھ آف اسلام" یعنے مذہب اسلام لکھی ہے اب پھر بیدار ہوئے ہین اور ایک سلسلہ مضامین کا اسلام پر مدراس کرسچین کالج میگزین مین شروع کیا ہے اس سلسلہ کے دو مضامین ہمنے پڑھے ہین اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پادری صاحب نے اسی اندھے تعصب سے اس مضمون مین کام لیا ہے جو ہمیشہ سے انکے پیشہ کا رویہ رہا ہے اور وہی اعتراض اس مضمون مین دوبارہ لکھے ہین جن کا نہ صرف مسلمانونکی طرف سے جواب ہو چکا ہے بلکہ جنکی غلطی کو اس زمانہ مین خود عیسائی محققین بھی تسلیم کر چکے ہین اس مضمون مین پادری صاحب نے یہ دعوے کیا ہے کہ عرب کیحالت مین ایک عظیم الشان تبدیلی واقع ہونیکے سامان پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی بات نہین لائے جو پہلے سے موجود نہ ہو اور یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمان مورخین آپکی بعثت سے پہلے زمانہ کو

ایام جاہلیت کہنے مین غلطی پر ہین۔ ابتدائے مضمون مین وہ لکھتا ہے ''مسلمان مورخ عرب مین (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی آمد سے پہلے زمانے کو ایام جاہلیت کے نام سے پکارتے ہین اور یون اس کا مقابلہ اس روشنی اور تہذیب کے زمانے کے ساتھ کرتے ہین جو انکا دعوے ہے کہ آپکے وجود سے عرب مین آئی لیکن عیسائی اور یہودی حاکمونکے ماتحت عرب کے بعض حصے ایسے ہی مہذب تھے جیسے کہ بعد مین وہ کبھی ہوئے ہون۔ بنی عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے پہلے دو صدیان عربونکا واسطہ یہودیون سے پڑ گیا تھا اور ایک ناقص عیسائیت نے بھی تہذیب کا نیک اثر ان پر ڈالا تھا۔ فن تحریر کا علم انکو حاصل تھا اور فن شاعری اپنے اوج پر تھا۔ اسلام سے پہلے کے اشعار اعلے درجہ کی قابلیت اور کمال شاعری ظاہر کرتے ہین۔ یہ سچ ہے کہ تاریخ اور فلسفہ اور علوم کی دوسری شاخونمین زبان عربی کا وسیع استعمال اسلام کے سبب سے ہوا مگر یہ خیال غلط ہوگا کہ ان ایام مین جن کو غلطی سے ایام جاہلیت کہا جاتا ہے کوئی عربی علم ادب موجود نہ تھا'' ایسا ہی اسی مضمون کے اثنا مین متفرق مقامات مین وہ لکھتا ہے کہ ''توحید کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا جو (حضرت) محمد (مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم) نے ہی عرب مین پھیلایا ہو اور پہلے اسکے کسی کو اسکا علم بھی نہ ہو۔ اگر آپ یہودیون سے نہ ملے ہوتے تو یہ امر مشکوک ہے کہ پھر بھی آپ کی تعلیم توحید ایسی ہی زبردست ہوتی۔ مگر اس مین کچھ شک نہین کہ یہودیونکے تعلقات سے آپکی طبیعت کا شامی میلان ترقی کر گیا۔ اسلام اس امر کا دعوے کرتا ہے کہ اسکی بنا اللہ تعالے کی خاص وحی ہے مگر درحقیقت اس مذہب نے اپنے آپ کو عربونکے پرانے قصون اور رواجون پر اور ایسے دوسرے امور پر جنکے ماخذ یہودی اور عیسائی تھے قایم کیا۔ (حضرت) محمد (مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم) سب سے پہلے عرب نہ تھے جنہون نے بت پرستی کے خلاف وعظ کیا ہو اور خدا تعالی کی توحید کا اقرار کیا ہو کیونکہ آپکے ظہور سے تھوڑے ہی دن پہلے ان لوگون نے جنکو حنیف کہا جاتا ہے ابراہیمی مذہب یا ملت مین اطمینان پایا تھا۔ انمین سے بعض تو عیسائی ہو گئے اور بعض موحد رہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے پچھلے ایام مین یہ دعوے کیا تھا کہ آپ کا مشن یہ ہے کہ عربونکو انکے جد اعلے یعنے حضرت ابراہیم کے مذہب پر قایم کرین۔ چھٹی صدی کے آغاز مین عربی سوسائیٹی کی حالت فی الجملہ لامذہبی کی سی تھی اور پولیٹکل طور پر اسکے اجزا کے الگ الگ ہو جانیکا خطرہ بہت ہی قریب نظر آتا تھا۔ آپنے یہ دیکھا کہ صرف ایک نئی مذہبی بنا پر ہی ملک مین اتفاق اور مضبوطی پیدا ہو سکتی ہے خواہ کچھ ہی ہو یہ بہت ضروری معلوم ہوتا تھا کہ مکہ نئے زمانہ کا نہ صرف مذہبی مرکز ہی ہو بلکہ قومی مرکز بھی ہو۔ یہ تھی سوسائیٹی کی حالت جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حنیفونکے خیالات سے متاثر ہو کر اور کم و بیش یہودیون کے خیالات سے واقفیت حاصل کر کے یہ محسوس کیا کہ آپ پیام رسالت کے پہونچانے کیلیے بلائے گئے ہین''

یہ وہ باتین ہین جن کے وجود قبل از بعثت نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پادری سیل اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ عربی سوسائٹی مین خود بخود ہی وہ حالات پیدا ہو گئے تھے جو عرب کیحالت مین تبدیلی کرنیکا موجب ہوئے جسقدر اعتراض ان عبارتو مین آئے ہین اُن مین سے ضروری ضروری اعتراضونکو لیکر مین ان پر بحث کرون گا۔ سب سے اول تو پادری سیل کا یہ اعتراض ہے کہ آپکی بعثت سے پہلے زمانہ کو زمانہ جاہلیت کیون کہا جاتا ہے اسکے نزدیک اس زمانہ مین عرب کے اندر تہذیب اور روشنی موجود تھی اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عرب لوگ شاعری مین کمال رکھتے تھے اور فن تحریر سے بھی اُنکو واقفیت تھی مگر سب سے بڑھکر یہ کہ ایک ناقص عیسائیت کے نیک نمونہ اور تہذیب کے اثر کے نیچے وہ آچکے تھے۔ پادریصاحب کو بڑا دھوکہ لگا ہوا ہے (اور اگر وہ خود دھوکہ خوردہ نہین تو عمداً لوگونکو دھوکہ دے رہے ہین) کیونکہ وہ تہذیب کا معیار عمدہ شاعری کو ٹھہراتے ہین۔ شاعری کا پر جوش شوق اور دوسرے تمام علوم سے ناواقفیت تو اس بات کا ثبوت ہے کہ قوم ابھی تک بچپن کے زمانے مین ہے اور تہذیب سے اس نے حصہ نہین لیا۔ تمام اقوام قبل اسکے کہ وہ مہذب کہلانیکا حق رکھین اس حالتمین سے ہو گذری ہین جس حالت مین اسلام سے پہلے عربی سوسائٹی تھی مگر پادریصاحبان کا منطق بھی الگ ہی ہے کہ خود اس بات کو تسلیم کرکے کہ علوم کی کسی شاخ مین بھی انکو دسترس نہ تھا صرف انکی شاعری سے انکے اعلے درجہ کے مہذب اور روشن خیال ہونیکا نتیجہ نکالتے ہین اور یہ بھی نہین سوچا کہ ان اشعار کی زبان خواہ کیسی ہی خوبصورت ہو مگر اسکا دائرہ اسی حد تک محدود تھا جس حد تک ایسے انسان کا خیال جاسکتا ہے جسنے ابھی تہذیب سے حصہ نہین لیا۔ کیونکہ ان مین یا تو میدان جنگ کی بہادریونکی تعریف ہے یا کسی کی فیاضی اور مہمان نوازی کی یا گھوڑون اور اونٹونکی یا خشک پہاڑیون اور ریتیلے جنگلونکے سنسان نظارے اور یا عورتون کی خوبصورتی۔

اس بات کے ثابت کرنیکے لیے کہ اسلام سے قبل عرب مین تہذیب کی روشنی موجود تھی اور ویسی ہی موجود تھی جیسے اسلام کے بعد جیسا کہ پادریصاحب کا خیال ہے انکا یہ فرض تھا کہ یہ ثابت کرتے کہ علوم مین عربونکی ترقی اس درجہ تک پہونچی ہوئی تھی۔ تمدن اور معاشرت مین یہ یہ عجیب قوانین انکے ہان موجود تھے۔ ملکی حالات انکے فلان اعلے اصول پر مبنی تھے اور مذہبی پہلو مین وہ اس علو تک پہنچ چکے تھے۔ اگر وہ ان باتو پر غور کرتے جنکا ہونا تہذیب کے لئے ضروری ہے اور پھر اسکے بعد عرب کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے تو اپنے دعوے بے دلیل کی بیہودگی کے خود ہی قایل ہو جاتے اور انکو پتہ لگ جاتا کہ تہذیب کے معاملہ مین عربونکی حالت نہایت پستی مین تھی مین اس سے انکار نہین کرتا کہ ان مین کوئی بھی نیک اخلاق یا عمدہ وصف نہ پائے جاتے تھے کیونکہ مہمان نوازی۔ آزادی کی محبت۔ دلیری اور جوانمردی۔ قومی وفاداری۔ فیاضی۔ اور سخاوت وغیرہ کئی اوصاف مین وہ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے مگر فرداً فرداً ان اوصاف کے پائے جانیکا نام تہذیب نہین رکھا جاسکتا اور علاوہ برین جہان یہ نیکیان

موجود تھیں اس کے ساتھ ہی وہ بدیاں بھی تھیں جو انکے نیک اثر کو کالعدم کر دیتی تھیں۔ اگر کسی غریب مسافر کے ساتھ اعلے درجہ کی مہمان نوازی کا سلوک ہوتا تھا اور عزیز سے عزیز چیز بھی اسکی خاطر قربان کر دیجاتی تھی تو دوسری طرف یہ بات بھی موجود تھی کہ ایک بے گناہ راہ چلنے والیکو وہ لوٹ لیتے تھے اور اسکے کپڑے تک بھی نہ چھوڑتے تھے اگر قومی وفاداری کا وصف پایا جاتا تھا تو ساتھ ہی یہ عیب بھی تھا کہ ایک فرد کو ذرہ سا نقصان پہنچنے پر قوموں مین جنگ ہو جاتی اور جبتک انمین سے ایک صفحہ ہستی سے نابود نہ ہو جاتی جنگ کا خاتمہ نہ ہوتا تھا ایسا ہی کینہ وری مین وہ لوگ حد سے گذرے ہوئے تھے۔ مگر ان باتوں سے کسی قوم کے مہذب یا غیر مہذب ہونیکا فیصلہ نہیں ہو سکتا یہ نیک اوصاف اس اندھیری رات مین جو اسلام سے پہلے ملک عرب پر چھائی ہوئی تھی روشنی کی نہایت ہی کمزور شعاعوں کی طرح کبھی نظر آجاتے تھے اور کبھی پھر نظر سے گم ہو جاتے تھے۔

علوم اور فنون کے متعلق تو شاید پادری سیل صاحب کو بھی اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ سوائے شاعری کے جو تمام جاہل قومون پائی جاتی ہے وہ قطعاً جاہل تھے۔ فن تحریر ان مین تھا مگر کبھی ضروری واقعات کو معرض تحریر مین نہین لایا گیا اور علم تاریخ کے موٹے سے موٹے مفہوم کو بھی وہ نہ سمجھتے تھے سوائے اسکے کہ شعرونمین کسیقدر نام یا واقعات تاریخی یا نسب نامے وغیرہ محفوظ رہ گئے ہین اور انکے محفوظ رہنے کی وجہ بھی انکا تحریر مین آنا نہین بلکہ قوت حافظہ کا زبردست ہونا ہے جسکی وجہ سے ہزارون ہزار شعر عام طور پر انکے درمیان شہرت پا گئے تھے اور ضایع ہونیسے بچ رہے تھے۔ جہانتک مجھے علم ہے ایام جاہلیت کی ایک بھی نثر کی تصنیف نہین پائی جاتی۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ ہیئت وغیرہ تمام علوم سے وہ محض نابلد تھے اور جس طرز پر انکی زندگی واقع ہوئی تھی ان علوم سے انکا واقف ہونا بھی مشکل ہی تھا۔

اسکے بعد اب یہ امر غور کرنیکے قابل ہے کہ آیا عرب جاہلیت کی پولٹیکل حالت ایسی تھی کہ ہم اسے ایک مہذب ملک کہہ سکین یا کم از کم جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ ملک تہذیب کا اثر قبول کرنیکے لیے تیار تھا۔ اس ملک مین باقاعدہ گورنمنٹ کوئی نہ تھی اور نہ کوئی انتظام یا امن کی صورت ہی تھی۔ ہر ایک قوم مین ایک الگ سردار ہوتا تھا اور وہ بھی صرف اس غرض کیلیے کہ دوسری قوموں سے لڑائی کیوقت وہی انکو آگے لیجانیوالا ہو حقیقی معنوں مین کوئی گورنمنٹ موجود نہ تھی۔ انکا قانون طاقت ہی تھا اور جو شخص تلوار چلانے مین افضل ہوتا اسی کی بات بھی مانی جاتی تھی لیکن ایک فرد سے لیکر کل قوم تک حکومت کا جوا نہ اٹھا سکتے تھے اور آزاد ہی رہنا چاہتے تھے باہمی اقوام مین جنگونکا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اور کوئی صورت ایسی نہ تھی جس سے یہ امید ہو سکے کہ یہ اقوام کبھی ایک ہو کر تہذیب کے اثر کے نیچے آنیکو تیار ہین ولیم میور جو ایسا ہی متعصب عیسائی اور اسلام کا ایسا ہی پکا دشمن ہے جیسے سیل مگر تاریخی واقعات کے قبول یا رد کرنے مین موخر الذکر سے بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتا ہے۔ وہ بھی اپنی سوانح عمری آنحضرۃ

صلے اللہ علیہ وسلم کے دیباچہ مین لکھتا ہے کہ "سب سے پہلی خصوصیت جو ہماری توجہ کو کھینچتی ہے وہ عربون کا بہت سا جتھوں مین تقسیم ہونا ہے جو ایک ہی زبان کے بولنے والے اور اپنے حالات اور اطوار مین قریبًا یکسان ہین مگر ہر ایک بجائے خود خود مختار ہے کبھی اپنی حالت پر قانع نہین اور اکثر ایکدوسرے کے ساتھ جنگ مین مشغول ہین بلکہ جہان رشتہ داری کی وجہ سے یا کسی فائدہ کیغرض سے ایک قوم کے دوسری سے تعلقات بھی پیدا ہوئے ہین وہان بھی چھوٹی چھوٹی باتو نپر تعلقات کو قطع کرنے اور جنگ کرنے کیلیے ہر وقت تیار بیٹھے ہین یہی حالت اسلام کے زمانہ تک چلی آئی ہے کہ کبھی کوئی سی دو قومون مین باہم اتفاق ہوا ہے تو چند ہی دنون ہی وہ خطرناک جنگ مین مبتلا ہوگئی ہین اور تمام کوششین جو اسلام سے پہلے انکے ایک کرنیکے لیے کی گیئن وہ بے سود اور ناکام ثابت ہوئین" اسکے بعد اب غور کرنا چاہیئے کہ وہ کیسی عظیم الشان طاقت تھی جس نے ان سب بکھرے ہوئے اجزا کو یون ایک کیا کہ گویا وہ کبھی الگ تھے ہی نہین۔ چنانچہ اس وحدت کو اللہ تعالے نے قرآن کریم مین اپنی عظیم الشان نعمتون مین سے ایک نعمت کے طور پر بیان فرمایا ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے:- وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط۔ (آل عمران۔ رکوع ۱۱- آیت ۱۰۳) یعنے اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم ایکدوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلون مین الفت پیدا کی اور تم اسکے فضل سے بھائیونکی طرح ہوگئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے (یعنی ہمیشہ کیلیے باہمی خانہ جنگیون مین مبتلا رہتے تھے) اب خدا نے تمکو اس سے بچا لیا۔

مگر اصل بات یہ ہے اور سیل صاحب اس سے ناواقف نہین بلکہ وہ عمدًا اسکے بیان کرنیسے اعراض کرتا ہے کہ جب مسلمان مورخین زمانہ قبل بعثت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایام جاہلیت کے نام سے پکارتے ہین تو انکا منشاء یہ بیان کرنیکا ہوتا ہے کہ عرب لوگ اخلاقی اور تمدنی قوانین سے محض ناآشنا۔ اور حقیقی مذہب سے جاہل تھے اور علوم فنون کی ناواقفیت مقصود بالذات نہین اگرچہ وہ بھی اسمین شامل ہے اس بات کو مدنظر رکھکر شاید سیل صاحب کو بھی انکار نہ ہوگا کہ وہ اس زمانہ کو زمانہ جاہلیت کے نام سے پکارنے مین بالکل حق پر ہین۔ شاعری نے انکو اخلاقی یا تمدنی قوانین نہین دیدیئے تھے اور نہ ہی شعر گوئی سے انکی مذہبی جہالت دور ہوگئی تھی۔ خود پادری صاحب کو اقرار ہے کہ عربون مین زندہ لڑکی کو دفن کرنیکی وحشیانہ رسم جاری تھی اور ایک ایک عورت کا کئی خاوندونسے تعلق ہوتا تھا۔ عرب مین قوانین نکاح کے متعلق یہ درجہ کی آزادی تھی نہ نکاح کرنے مین کوئی روک تھی اور نہ طلاق دینے مین کوئی روک تھی۔ خاوند جب چاہتا عورت کو چھوڑ سکتا تھا۔ عورتونکی حالت بہت گری ہوئی تھی۔ اور بعض وقت ان سے جو سلوک ہوتا تھا وہ انسان سمجھکر نہ ہوتا تھا بلکہ انکو جائیداد کا ایک حصہ تصور کرلیا جاتا تھا۔ اور باقی جایداد کے ساتھ وہ ورثہ مین جاتی تھین۔ اور وارث اگر چاہتا تو .... انسے نکاح کرلیتا۔ خواہ وہ اس بات پر رضامند ہون

یا نہ ہون اسی قبیح رسم سے وہ وحشیانہ رسم بھی پیدا ہوگئی تھی یعنی بیٹے کا باپ کی عورتونسے نکاح کرلینا جسکے روکنے کے لیے قرآن شریف کو حرمت علیکم امہاتکم کہنا پڑا۔ زنا کی کثرت حد سے گذری ہوئی تھی۔ شراب خوری ایسی عام تھی جیسے اس زمانہ مین انگلستان مین ہے قمار بازی کی یہ حالت تھی کہ جائداد کو ہار دینے کے بعد اپنی آزادی ہارنے سے بھی دریغ نہ کرتے اور غلامی اختیار کرتے تھے مین سیل صاحب سے پوچھتا ہون کہ کیا یہ سوسائیٹی اس قابل ہے کہ اسکا نام سوسائیٹی رکھا جاوے چہ جائیکہ اندھے تعصب سے اسکو مہذب سوسائیٹی کہا جاوے۔ پادری صاحب کو جاہلیت کے عربونسے کچھ مناسبت معلوم ہوتی ہے جو آپ اسقدر انکی حمایت مین تاریخ اور اپنے ہی بھائیونکی تحریرونکو بالائے طاق رکھ رہے ہین۔ اس زمانہ کو جس مین ہر قسم کی وحشیانہ اور قبیح رسوم زور پر تھین ایام جاہلیت کہنا... پادری صاحب کو برا معلوم ہوتا ہے اسلیئے نہین کہ واقع مین وہ ایام جاہلیت نہین تھے۔ بلکہ اسلیئے کہ ایسا کہنے سے اسلام کی عظمت کا قایل ہونا پڑتا ہے +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جو مذہبی عقاید عرب کے لوگونکے تھے اونسے اس سے بھی زیادہ صاف شہادت انکی جہالت اور توہم پرستی کی ملتی ہے انکے مذہب مین نہ صرف بتونکی پرستش ہی چلی آتی تھی بلکہ قدرتی طاقتون مثلاً ہوا وغیرہ اور سورج چاند ستارونکی پرستش بھی ہوتی تھی اور اس سے بھی بڑھکر یہ پتھرون درختون اور ڈھیرونکی پرستش کیجاتی تھی۔ جہان کہین ان کو اچھا پتھر نظر آتا اسکو سجدہ کرتے اور اگر یہ نہ ہوتا تو ریت کے ایک ڈھیر پر اونٹنی کا دودھ دوہ کر اسکی پرستش کرتے۔ انسانونکی قربانیان بھی انکے درمیان ہوتی تھین ہر ایک ضروری کام کے کرنیسے پہلے وہ اپنے بتونکی مرضی معلوم کرنیکے لیے تیرونکے ذریعہ فال نکالتے تھے ان سب توہم پرستیونکے باوجود وہ لوگ لامذہب بھی تھے انکے اندر وہ لوگ بھی تھے جو قیامت کے منکر تھے اور انکا مذہب یہی تھا کہ انسان کی زندگی کی غایت کھانا پینا ہی ہے۔ جو لوگ حیات بعد از موت کے قایل تھے انکا یہ دستور تھا کہ جب کوئی انمین سے مرجاتا تو اسکی قبر پر ایک اونٹ کو باندھ دیتے اور اسکو بھوکا پیاسا رکھکر مارتے کہ تا قیامت کے دن مردہ اسی پر سوار ہو۔ یہ بھی ان کا عقیدہ تھا کہ مردہ کی روح قبر اُلّو کی شکل مین اڑتی پھرتی رہتی ہے اور اگر مردہ مقتول ہو تو وہ اسقنی اسقنی پکارتا رہتا ہے جبتک کہ مقتول کا قصاص نہ لیا جاوے۔ یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ وہ خدا پر بھی ایمان لاتے تھے مگر انکا خدا کی ہستی پر ایمان محض لفظ ہی لفظ تھے عملی طور پر وہ خدا کو کچھ نہین مانتے تھے کیونکہ انکا خیال تھا کہ اللہ تعالے نے تمام کامونکی انجام دہی مختلف بتون اور دیویون دیوتاؤنکے سپرد کر رکھی ہے اور اسلیئے خدا کی پرستش کی یا اس سے دعا مانگنے کی کوئی ضرورت نہین بلکہ بتونکی طرف ہی ہر حالت مین رجوع کرنا چاہیئے۔ القصہ انکا قومی مذہب سخت بت پرستی اور پرلے درجہ کی وحشیانہ توہم پرستی تھی۔

یہ تھی عرب کی مذہبی اور یہ انکی تمدنی اور اخلاقی حالت۔ ان پادری صاحبان کے سوا جنکے قوے روحانی انسان پرستی

سے بالکل مرچکے ہین اور کوئی شخص ان حالات پر غور کرکے یہ نہین کہہ سکتا کہ ان حالات کو جاہلیت کے نام سے پکارنے مین مسلمانون نے غلطی کی۔ اخلاقی تمدنی اور مذہبی پہلوؤنسے عرب پر بدکاری اور توہم پرستی کی ایک سخت تاریک رات چھائی ہوئی تھی جس مین سیاہ ابر نے رات کی تاریکی کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔ عرب کی شاعری اس گھٹا ٹوپ تاریکی کے اندر صرف ایسی تھی جیسے کہین سے بادل کا ٹکڑا ہٹ کر ایک دھیمے ستارے کی روشنی نظر آجاتی ہے۔ اس ستارے کو پادری سیل صاحب نے شمس نصف النہار بناکر دکھانیکی کوشش کی ہے۔

پھر پادری صاحب نے بار بار ایک ناقص عیسائیت کے نیک اثر کا ذکر کیا ہے مگر ابھی تک تو اس بات کا بھی جھگڑا ہے کہ آیا کامل عیسائیت دنیا پر کوئی تہذیب کا نیک اثر ڈال سکتی ہے جب پادری صاحب اس جھگڑے کا تصفیہ کر دکھائینگے تو پھر ناقص عیسائیت کے نیک اثر کا فیصلہ بھی آسانی سے ہو جائیگا۔ دوسری صدی عیسائی تک جو کلیسا کیحالت تاریخ سے معلوم ہوتی ہے اس سے تو پادری صاحب کے دعوی کی سخت تردید ہوتی ہے۔ اور اگر موجودہ عیسائیت کو بھی عیسائیت ہی سمجھا جائے خواہ کامل ہو یا ناقص تو اسکی شہادت بھی پادری صاحب کے خلاف ہی ہے ایک اثر عیسائی مذہب کا بیشک عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے پادری صاحب چاہین تو اسے نیک اثر کہہ لین اور وہ یہ ہے کہ اسکے وجود سے دنیا مین شرابخوری قماربازی اور رنڈی بازی بہت پھیلی ہے اور جہان اسکا قدم گیا ہے وہان یہ تینون بدکاریان لازم طور پر ساتھ گئی ہین۔ اس بارے مین کہ آیا ایام جاہلیت مین جو عرب مین شرابخوری اور قماربازی کی کثرت ہوگئی تھی وہ بھی اسی مذہب کی طفیل تھی مین ابھی تک کچھ نہین کہہ سکتا کیونکہ اس معاملہ مین مین نے پوری تحقیقات نہین کی البتہ حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ کا ایک قول باسورتھ سمتھ نے دوزی کی سند پر نقل کیا ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی عرب مین عیسائیت کی شرابخوری کی شہرت پہلے زمانے مین بھی تھی اور قرین قیاس ہے کہ عیسائیت کے آنیسے اس بدی مین عرب نے اور بھی ترقی کی ہو۔ باسورتھ سمتھ عرب مین عیسائیت کیحالت پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "حضرت علی اسبات کے کہنے مین حق پر معلوم ہوتے ہین کہ بنی تغلب عیسائی نہین انھون نے عیسائیت سے سوائے شرابخوری کے اور کچھ نہین لیا" جاہلیت مین عیسائی شاعر بھی تھے اور انکے شعرونسے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اگر عرب سے بڑھکر نہین تو عرب کے برابر ضرور بدکاریون مین غرق تھے۔ میور جیسے متعصب عیسائی کو یہ کہنا پڑا ہے کہ "ساتوین صدی کی عیسائیت نہایت گری ہوئی اور فاسقانہ حالت مین تھی۔ مختلف فرقون کے جھگڑون سے یہ کسی کام کی نہ رہ گئی تھی۔ اور ابتدائی زمانہ کے پاک ایمان کی بجائے وحشیانہ توہم پرستی اس مین رائج ہوگئی تھی" اب اسکا فیصلہ پادری صاحبان آپ ہی کرین کہ عیسائیت کی وہ حالت تھی جسکا اقرار میور نے کیا ہے یا وہ جو اب سیل بناکر دکھانا چاہتا ہے۔ سیل نے یہ بھی لکھا ہے کہ عیسائیت کا یہ نیک اثر بعض غیر عیسائی عربونپر

بھی پڑا تھا جن کو حنیف کہتے ہین جنہون نے بت پرستی سے توبہ کر کے صرف اللہ کی پرستش اختیار کر لی تھی اگر پادری صاحب حنیفون کا پیدا ہونا یہودیت کا نتیجہ بتاتے تو انکا دعوے بظاہر نظر قرین قیاس بھی معلوم ہوتا مگر انکے عقائد کو عیسائیت کا اثر بتانا یہ پادری صاحب کی خوش فہمی ہے۔عیسائیت خصوصاً اس زمانے مین جس کا ذکر پادری صاحب کر رہے ہین خود اللہ کے نام سے بے خبر تھی کیونکہ جس خدا کی پرستش عیسائی کرتے تھے وہ ایک مرا ہوا انسان تھا۔اور مختلف عیسائی فرقونکے باہمی تمام جھگڑے یسوع اور اسکی الوہیت کے متعلق تھے نہ اللہ تعالے کی ہستی کے متعلق۔عیسائیت شروع سے لوگونکو خدا کی طرف نہین بلاتی رہی بلکہ یسوع کیطرف بلاتی رہی ہے اور اسکا تمام زور یسوع پر ہی خرچ ہوا ہے۔خدا کا تو شاید کبھی بھول کر ہی عیسائی صاحبان نام لیتے ہونگے۔یہی وجہ تھی کہ عرب مین عیسائیت ناکام رہی کیونکہ جہان عربون نے بتون اور دوسری اشیاء کو چھوٹے چھوٹے خدا بنا رکھا تھا۔عیسائی مذہب ایک مردہ انسان خدا کے طور پر پیش کرتا تھا اور کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ لوگ اپنے پرانے بتون کو چھوڑ کر ایک نئے بت کے پیچھے لگتے الغرض باوجود عیسائی مذہب کے عرب مین موجود ہونیکے عرب اسی جہالت اور تاریکی کے گڑھے مین پڑے رہے جس مین وہ پڑے ہوئے تھے بلکہ شاید کچھ اور بھی پستی کی طرف ہی انکی حالت چلی گئی۔

اب اس حصۂ بحث کا سب سے ضروری سوال پیش ہوتا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ آیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے عرب مین وہ حالات پیدا ہو چکے تھے جنہون نے عرب کیحالت مین ایک ایسی تبدیلی پیدا کی جو اپنی عظمت اور کمال اور سرعت مین دنیا کی کسی قوم مین نظیر نہین رکھتی اور یہ محض ایک اتفاقی امر تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی عین اسیوقت بت پرستی کے خلاف وعظ شروع کر دیا یا کہ اس عظیم الشان تبدیلی کے ظاہر ہونے کی پہلے سے کوئی علامت موجود نہ تھی اور کوئی غور کرنیوالی طبیعت عرب کیحالت پر غور کر کے اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکتی تھی کہ یہ وحشی قوم یکایک اس اوج ترقی پر پہنچ سکتی ہے اور اسکا ظہور صرف ایک ہی کامل انسان کے انفاس طیبہ اور قوت قدسی کی برکت سے ہوا۔عرب کی جو حالت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے تھی اسکو مین بیان کر چکا ہون اور اس حیرت انگیز تبدیلی کو اچھی طرح سمجھنے کیلیے اب مین یہ بیان کرونگا کہ آپ سے پہلے ملک مین اتفاق پیدا کرنے اور اسکی اخلاقی تمدنی اور مذہبی حالت کی اصلاح کرنیکے لیے کس کس قسم کی کوششین ہو چکی تھین۔بعد اسکے کہ عرب حضرت اسمٰعیل کے پاک مذہب کو چھوڑ کر بت پرستی پر جم گئے تین بڑی تحریکین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے انکی اصلاح کیلیے ہو چکی تھین یعنی اول یہودیون کی کوشش دوم عیسائیونکی کوشش اور تیسرے حنیفونکی جنمین سے تیسری کوشش ایک نہایت کمزور کوشش تھی۔اور پہلی دو طاقتور اور زبردست کوششین تھین جنکے ساتھ حکومت کا رعب بھی تھا۔ان تینونکا مین الگ الگ ذکر کرونگا

سب سے پہلی کوشش یہودی مذہب کیطرف سے تھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قریباً سات سو سال پہلے یہودی عرب مین آباد ہو گئے تھے اور غالباً بخت النصر کی تکلیف دہی کیوجہ سے اس ملک مین انہین امن تلاش کرنا پڑا۔ سب سے پہلے وہ خیبر مین آباد ہوئے جہان حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کے زمانے تک وہ آباد رہے پہلے جلاوطنونکے بعد طیطوس اور ہیڈرین کیوقت مین اور بہت سے یہودیون نے عرب مین پناہ لی۔ جب انکے قدم اس جگہ جم گئے تو انھون نے یہودی مذہب کی تبلیغ اہل عرب کو شروع کی۔ ان کا مذہب خالص توحید تھی صابئوں سے بہت بڑھکر فوقیت رکھتا تھا۔ علاوہ ازین بنی اسرائیل اور عرب دو بھائیونکی طرح تھے کیونکہ عرب بنی اسمٰعیل تھے۔ اور اس طرح دونون کے جد اعلےٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے ایسی قرابت کی صورتمین عرب کا سلوک بنی اسرائیل سے وہ نہ ہو سکتا تھا جو اجنبیونکے ساتھ وہ کرتے تھے۔ یہود کو اول اول اپنی کوششوںمین کامیابی بھی ہوئی۔ کیونکہ کئی امور مین پہلے بھی انکا اشتراک تھا۔ لیکن یہودی مذہب کے اندر سے وہ قوت زایل ہوتی گئی جو مذہب مین ایک روح کے طور پر ہونیسے دوسرونکو اپنی طرف کھینچنے کا ذریعہ ہوتی ہے چنانچہ ابتدا مین بعض عرب اقوام کے اندر یہودی مذہب کو قبولیت حاصل ہوئی مگر یہ سلسلہ جاری نہ رہا۔ اور عرب کی عام حالت مین یہودی مذہب کے اثر سے کچھ بھی تغیر واقع نہ ہوا۔ اور وہ اسی جہالت اور توہم پرستی مین غرق رہے جس مین یہودیت کے آنیسے پہلے وہ غرق تھے۔

یہودیت کی ناکامی کے بعد عیسائیت کا دورہ شروع ہوا۔ تیسری صدی عیسائی مین جب اندرونی فسادون کے سبب سے ایک فرقہ کو دوسرے سے اذیت پہنچنے لگی تو بہت سے عیسائیون نے ملک عرب مین آکر پناہ لی۔ اور ممکن ہے کہ اس سے پہلے بھی یہان عیسائی موجود ہون کیونکہ پولوس نے بھی عرب مین آنیکا ذکر کیا ہے مذہب عیسوی شروع سے ہی اپنے پھیلانیکے لیے مضبوط اور باقاعدہ ذرائع اختیار کرتا رہا ہے مگر باوجود تمام کوششونکے عرب مین عیسائیت کو کبھی ترقی نہین ہوئی۔ حالانکہ کئی صوبون مین اسکی حکومت بھی ہو گئی تھی۔ اور ادھر قسطنطنیہ کے عیسائی قیصر کا دباؤ بھی عرب پر پڑتا تھا۔ اور دوسری طرف نجاشی شاہ حبش کا جو وہ بھی عیسائی تھا بلحاظ قرب اور تعلقات تجارتی وغیرہ اسباب کے عرب پر اثر تھا۔ غسان کی سلطنت جو شمال مین واقع تھی اور حیرا کی سلطنت جو شمال مشرق مین واقع تھی یہ بھی دونون عیسائی سلطنتین تھین۔ جنوب مین ایک مدت تک عیسائیت کا تسلط رہا تھا اور اسطرح چارونطرف سے عرب پر عیسائیت کا اثر پڑ رہا تھا اور ادھر وعظ کا سلسلہ بھی باقاعدہ جاری تھا۔ مگر یہ تمام طاقتین اور تمام اسباب ناکام ثابت ہوئے اور عرب کیحالت کو کچھ بھی نہ سنوار سکے۔ پوری پانچ صدیان اسلام سے پہلے عیسائی مذہب کو ملی تھین۔ کہ وہ عرب مین اپنے آپکو قایم کرے اور عربونکو اخلاقی پستی سے نکالکر اوج ترقی پر لادے مگر ان پانچ صدیونمین بھی عیسائی مذہب کچھ

نہ کر سکا کیونکہ عرب کی بت پرستی اور وحشیانہ حالتین ایسا قوم مین اثر کر چکی تھین کہ کوئی انسانی کوشش انکے دور کرنے مین کامیاب نہ ہو سکتی تھی - چنانچہ میور لکھتا ہے کہ "عیسائی مذہب کے پانچسو برس کے وعظ کے بعد خال خال عیسائی ہمین نظر آتے ہین جیسے بخران مین بنی حارث - یمامہ مین بنی حنیفہ اور تیمہ مین بنی طے - اور انکے سوائے اور کوئی نظر نہین آتا"

اسطرح پر دنیا کے دو بڑے مذہب عرب کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرکے ناکام ثابت ہو چکے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدایش سے تھوڑا عرصہ پہلے ایک اور فرقہ بھی پیدا ہو گیا تھا جنکو حنیف کہتے ہین جو نہ یہودی مذہب کو مانتے تھے اور نہ عیسائی مذہب کو بلکہ خدا تعالے کی توحید کے قایل تھے اور بت پرستی اور دوسری چیزونکی پرستش کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے - یہ تیسری کوشش عرب کیحالت کو صلاح پر لانیکی تھی جسمین کسی دوسرے مذہب کو قبول نہ کرنا تھا بلکہ صرف بت پرستی کو چھوڑکر ایک ہی خدا کا اقرار کرنا ضروری تھا اور ان لوگونکو باقی رسوم عرب سے بھی چندان تعلق نہ تھا وہ یہ کہتے تھے کہ ہم اصل ابراہیمی مذہب کے پیرو ہین اسوقت اس بحث کی ضرورت نہین کہ آیا ان لوگونپر یہودی مذہب کا اثر ہوا تھا یا عیسائی مذہب کا میری غرض صرف اسقدر ہے کہ یہ ایک تیسری تحریک اصلاح کی خود ملک عرب کے اندر پیدا ہوئی تھی اور یہودیت اور عیسائیت کیطرح بیرونی تحریک نہ تھی اور اسکی غرض یہ بھی نہ تھی کہ ملک کے رواجون اور رسمونکو توڑے بلکہ صرف بت پرستی کی اصلاح کرنا انکا مقصود تھا - اور توحید کیطرف لوگونکو بلاتے تھے - مگر انکو بھی وہی ناکامی ہوئی جو انسے پہلے دو بڑے مذہبونکو ہو چکی تھی اور ایسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کیوقت عرب اسی پستی کی حالتین گرے ہوئے تھے جسمین وہ ہمیشہ سے چلے آتے تھے اور کسی تحریک اصلاح سے انکی حالت مین کوئی بھی تغیر بہتری کی طرف نہ آیا تھا -

الغرض اصلاح کی تمام کوششین عرب کیحالت بدلنے مین بالکل ناکام ثابت ہوئین - یہودی مذہب کی خالص توحید اور اسکی پابندی شریعت عیسائی مذہب کا مسئلہ کفارہ اور اسکے ساتھ عملی زندگی مین آزادی حنیفونکا ابراہیمی مذہب اور اسکے ساتھ عرب کی پرانی رسوم اور رواج انمین سے کوئی بات بھی عربونکے لیے باعث کشش ثابت نہ ہوئی ان سب کوششونکی ناکامی ایک غور کرنیوالی طبیعت کو اس نتیجہ پہنچاتی ہے کہ عرب کی اصلاح قریبًا ناممکن سی ہو گئی تھی حالانکہ انکا اپنا مذہب بمقابلہ ان مذہبونکے جنکی طرف سے یہ کوششین کیجاتی تھین نہایت گری ہوئی حالت مین تھا - تعجب ہے کہ عیسائی صاحبان ہر بات مین تاریخ کے خلاف پہلو اختیار کرتے ہین وہ کہتے ہین کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا تھا کہ عرب اسوقت ایک تبدیلی قبول کرنیکے لیے تیار ہیں اور صرف اشارے کی ہی ضرورت ہے حالانکہ تاریخ صاف بتاتی ہے کہ اگر آنحضرت معمولی انسانی دور اندیشی سے کام لیتے

تو وہ دیکھ سکتے تھے کہ ان لوگونکی اصلاح کا بیڑا اٹھانا ایک ناممکن امر کے حصول کیلئے ہاتھ ڈالنا ہے کیونکہ اصلاح کی کوئی صورت بھی انکے لیے کارگر ثابت نہ ہوئی تھی پس ایسے وقت مین اصلاح کا بیڑا اٹھانا ایک انسان کا کام نہ تھا بلکہ اللہ تعالے کا خاص ارادہ تھا تا وہ دکھاوے کہ جہان بڑی سے بڑی انسانی طاقتین دولت اور حکومت کے ساتھ ناکام ہوئین وہان اسنے اپنے ایک عاجز بندے سے جسکا سارا جزیرہ نما دشمن تھا کیسا عظیم الشان کام کر دکھایا یہ بجائے خود اللہ تعالیٰ کی ہستی کا عظیم الشان ثبوت ہے ان باتونکو کہ واقعی عرب کیحالت کسی اصلاح کی امید نہ دلاتی تھی میور صاحب نے بھی قبول کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جوانی کے ایام مین جزیرہ نمائے عرب کیحالت کسی تبدیلی یا ترقی کے قبول کرنیکے لایق نہ تھی شاید اس سے پہلے کسی زمانہ مین ان لوگونکی اصلاح سے اسقدر ناامیدی پیدا نہین ہوئی جیسی آپکے وقت مین بعض وقت جب ایک سبب کو ایک نتیجہ کے پیدا کرنیکے لیے ناکافی سمجھ لیا جاتا ہے تو اسکے لئے اور وجوہ اکٹھے کیے جاتے ہین مثلاً حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انکا اٹھنا تھا کہ ساتھ ہی سارے کا سارا عرب ایک نئے اور روحانی ایمان کیلئے اٹھ کھڑا ہوا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ عرب اسوقت ایک بڑی بھاری تبدیلی کیلئے جوش مین تھا اور اسکے قبول کرنے کیلیے بالکل تیار تھا۔ ہمارے نزدیک جب ٹھنڈے دل کے ساتھ اسلام سے پہلے کی تاریخ کو مطالعہ کرتے ہین۔۔ تاریخ اس نتیجہ کو جھٹلاتی ہے۔ پانچ صدیون تک عیسائیونکی لگاتار کوششون اور وعظ کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ چند آدمی بعض اقوام سے اس مذہب مین داخل ہوئے۔ یہودی مذہب جو اس سے بھی بڑھکر طاقتور تھا اسنے بھی متفرق زمانون مین تھوڑی تھوڑ کوشش کر کے چند لوگونکو اپنے اندر شامل کیا مگر یہودی مذہب تبلیغ مین بہت سست ہوگیا تھا اس طرح عرب کی مذہبی سطح پر عیسائیت کی کمزور سی کوشش کی کبھی کبھی کوئی چھوٹی سی لہر نمودار ہوتی تھی بعض وقت زیادہ گہری موجین یہودیت کا اثر نمودار ہوتا تھا۔ مگر اندرونی بت پرستی اور اسمٰعیلی توہم پرستی کی موجین نہایت بلند تھین۔" پھر دوسری جگہ وہی مصنّف لکھتا ہے۔ کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کیحالت مذہبی تبدیلی کے قبول کرنیسے ایسی ہی دور پڑی ہوئی تھی جیسے باہمی اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے سے دور تھی۔ عربونکے مذہب کی بنیاد ایسی سخت بت پرستی تھی جسکی جڑین نہایت گہری لگ چکی تھین جسنے صدیونتک مصر اور شام کے عیسائیونکی تمام کوششونکا ایسا مقابلہ کیا تھا کہ گویا انکا اسپر کچھ اثر ہی نہ تھا۔" پس اس امر سے کسی طرح انکار کی گنجایش نہین بلکہ مخالفین نے بھی اسکا اقرار کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب مین کوئی واقعات ایسے پیدا نہین ہو چکے تھے جو اسکی حالت مین کسی تبدیلی کے پیدا ہونیکی امید دلاتے بلکہ برعکس اسکے تمام حالات ایسے تھے جنسے عرب کی اصلاح کا کام دن بدن مشکل سے مشکل

ہوتا چلا جاتا تھا - اور کوئی انسانی تجویز انکو راہ راست پر لانے مین کامیاب نہ ہوتی تھی -

ایسے وقت مین اللہ تعالے نے اپنے خاص ارادہ اور منشاء سے اس قوم کی دستگیری فرمائی - سیل کہتا ہے کہ اسلام خاص وحی الٰہی کو اپنی بنا قرار دیتا ہے مگر اسکا یہ دعوے سچا نہین اسکے نزدیک اسلام کا منبع یہودیون اور عیسایئونکی تحریرین ہین نہ کہ وحی الٰہی - مگر سوال یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کیلیے یہ ممکن تھا کہ وہ یہودیون اور عیسایئونکی روایتوں سے چند باتین نقل کرکے اور عرب کی چند رسوم کو لیکر ملک عرب مین ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیتا انقلاب بھی جسکی نظیر دنیا مین نہین ملتی تو پھر خود یہودی اور عیسائی انہین روایتونکو اپنے ہاتھ مین لیکر اور طرح طرح کے حیلے اور کوششین کرکے کیون کامیاب نہ ہوسکے یہ کیونکر ہوگیا کہ یہودی اور عیسائی اپنی روایتون اور تحریرون کو لیکر صدیون تک برابر چلاتے رہے اور اپنی گورنمنٹون کا رعب بھی دکھاتے رہے مگر عرب کیحالت مین ایک سر مو کے برابر بھی فرق نہ آیا اسیطرح ایک یونٹیرین مذہب بھی تو آخر عرب میں پیدا ہوا تھا جو عرب کی رسوم کو دور نہین کرنا چاہتا تھا بلکہ صرف بت پرستی کو دور کرکے توحید کو قایم کرنا چاہتا تھا اسے بھی اسی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا جو یہودی اور عیسائی اس سے پہلے دیکھ چکے تھے - پس اگر یہودی اور عیسائی روایتونمین کوئی قوت قدسی موجود تھی تو یہ کیا ہوا کہ انکی قوت قدسی تو صدیون تک ظاہر نہ ہوئی اور ایک شخص نے جو انکے نزدیک جھوٹا ہے انہین روایتونکو چرا کر وہ پاکیزگی کی روح ایک قوم مین پھونک دی جو دنیا مین اپنی نظیر آپ ہی ہے اور جہان صدیون تک انکی متفقہ کوششین ایک بدی کو بھی دور نہ کرسکین ایک اکیلے آدمی نے چند سال کے عرصہ مین ہی تمام بدیونکو جڑ سے اکھاڑ کر دکھا دیا - پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی ... باتین تھین جو صدیون تک یہودی اور عیسائی بھی کہتے چلے آئے تھے تو نتیجہ کے فرق سے ظاہر ہے کہ ان دونوںکے منبعے الگ الگ تھے - اور اس نتیجہ سے کسیکو انکار نہین ہوسکتا یہودیون اور عیسائیون کے منہ مین ان باتون نے کوئی نیک اثر نہ دکھایا اور کوئی پاکیزہ تبدیلی ...... پیدا نکی جس سے ظاہر ہے کہ انکی باتونکا سرچشمہ خود انسانی تھا مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے جب یہ باتین نکلین تو انہون نے تمام دلونکے گند دھوکر انکو صاف اور پاکیزہ کر دیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سرچشمہ جس سے آپ بولتے تھے الٰہی طاقت اور قدوسیت کا سرچشمہ تھا اور یہی باعث تھا کہ ان الفاظ نے وہ قوت قدسی دکھائی جو نہ یہود اور نہ عیسائیونکے الفاظ دکھا سکے تھے - یہودی عیسائی حنیف بھی توحید کیطرف ہی بلاتے تھے پر جس سرچشمہ سے انکا کلام نکلتا تھا وہ معمولی سرچشمہ تھا اور جب اسی توحید کیطرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بلایا تو اسکا اثر حیرت انگیز اور معجزنما ہوا کیونکہ آپکا سرچشمہ اللہ تعالے کی پاک اور خاص وحی تھی اور نتایج کا فرق منبعونکے فرق کو صاف بتاتا ہے - اگر سیل اور میور دہریہ نہین اور اسبات پر ایمان لاتے ہین کہ خدا ہے جو اپنی پر حکمت مرضی

اور اپنے طاقتور ارادہ کے مطابق کرتا ہے جو کچھ کرتا ہے تو انکو تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ منبع جس سے اسلام کی تعلیم نکلی اُس منبع سے بہت برتر اور پاک ہے جس سے یہودیون اور عیسائیونکے الفاظ نکلتے تھے۔ تعجب ہے کہ اس صریح ثبوت کے ہوتے ہوئے وہ اسلام کے الہی سرچشمہ سے ہونیسے انکار کرتے ہین کیا خدا تعالےٰ نے اپنے خاص منشا اور ارادہ سے یہ کام نہین کیا کہ جس پاک تبدیلی کے پیدا کرنے مین یہودی اور عیسائی ناکام ہون وہی عظیم الشان پاک تبدیلی بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے ملک عرب مین ہو۔ غور کا مقام ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صرف اسیقدر کرتے کہ کوئی کہانی یہودیونسے لیکر اور کوئی کہانی عیسائیونسے لیکر کچھ جوڑ توڑ کر لیتے تو جو کام یہودی اور عیسائی نہ کرسکے تھے وہ کیونکر اسے ایک حیرت انگیز طریق مین کر دکھاتے۔ پھر غور کرو کہ یہودیون اور عیسائیون کے ساتھ حکومت اور طاقت بھی تھی مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالکل اکیلے تھے اور چارونطرف سے انکو دکھ دیا جاتا تھا۔ پھر یہ بھی غور کرو کہ یہودیون اور عیسائیونکو عرب نے تبلیغ مذہب سے روکا نہیں بلکہ انکو پوری آزادی تھی کہ جس طرح چاہین تبلیغ کرین مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اُٹھنا تھا کہ ساتھ ہی چارونطرف سے مخالفت کا شور اُٹھ کھڑا ہوا یہانتک کہ وہ لوگ جو پہلے مصلح بنکر دکھاتے تھے وہ بھی انہین بت پرستونکے ساتھ مِلگئے اور انکی بت پرستی اور بدکاریونکے حامی بنکر اسلام کو جڑ سے کاٹنا چاہا۔ اب ایک شخص جسکے چارونطرف دشمن ہی دشمن ہون جو اسکے خون کے پیاسے ہون اور دنیا مین اس کا حامی کوئی بھی نہ ہو۔ اگر خدا بھی اسکا حامی نہ ہو تو وہ کیونکر کامیاب ہوسکتا ہے۔ کامیاب ہونا تو ایک طرف وہ تو ایکدن بھی اپنے دشمنونسے محفوظ نہین رہ سکتا... اگر انسانونسے بالاتر کوئی اور ہستی اسکی حافظ اور ناصر نہ ہو۔ اور کیونکر وہ ان لوگونکو جو اسکے اور حقیقی پاکیزگی کے دشمن ہوگئے ہین راہ راست پر لاسکتا ہے اگر اسکے الفاظ مین خدائی طاقت اور الہی جذبہ نہ ہو۔ عیسائیون نے بہت سا وقت اس بات کے ثابت کرنیمین خرچ کیا ہے (اور مین دیکھتا ہون کہ انکی یہ تمام محنت اکارت گئی ہے اور انکا وقت محض ضایع ہوا ہے) کہ قرآن کریم کا فلان قصہ فلان یہودی یا عیسائی تحریر سے ملتا ہے۔ اگر ہم تطابق کو مان بھی لین تو اس سے کوئی نتیجہ خیز بات پیدا نہین ہوتی۔ اسلام کا سرچشمہ معلوم کرنیکے لیے اسکی تعلیم کے نتیجہ کو دیکھو اور یہودی اور عیسائی تعلیم کے نتیجہ سے مقابلہ کرو کیونکہ اس مین شک نہین کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اگر اسلامی تعلیم کا ماخذ یہودی اور عیسائی تحریرین ہوتین تو اسکا اثر کم سے کم ان اصلی تحریرونسے کم ہونا چاہیئے تھا مگر یہودیون اور عیسائیونکو جو عرب مین ناکامی ہوئی اور اسلام کی عظیم الشان کامیابی کچھ اور ہی بتاتی ہین۔ اور انسے یہ قطعی اور یقینی شہادت پیدا ہوتی ہے کہ اسلام کا منبع یہودیون اور عیسائیون کی تحریرونسے بہت برتر اور اعلےٰ اور پاک ہے ✣

برہمو سماج کی ناکامی

بابو پرتاب چندر موز مدار کی موت سے برہمو سماج کی متزلزل عمارت کو ایک اور سخت صدمہ پہونچا ہے۔ بابو صاحب کیشب چندر سین کی زندگی مین بھی انکے دایاں بازو تھے اور اسکی موت کے بعد اگرچہ وہ باقاعدہ انکی گدی پر نہین بیٹھائے گئے مگر کیشب کے ساتھ گہرے تعلق اور اپنی ذاتی قابلیت اور شہرت کے باعث وہ برہمو سماج مین لیڈر ہی سمجھے جاتے تھے انکی ساری عمر برہمو سماج کی تائید مین ہی صرف ہوئی مگر آخر عمر مین برہمو سماج کی ناکامی اور روحانی تنزل کے سبب سے انکو رنج اور مایوسی نے آگھیرا اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے تھا کیونکہ آخر کامیابی کے ساتھ اٹھنا اللہ تعالے نے انبیا کے ساتھ ہی مخصوص رکھا ہے اور جس شخص کو اس ذات پاک سے تعلق نہین اسکا انجام ہمیشہ ناکامی اور رنج مین ہی ہوتا ہے۔ میگزین ایسٹ اینڈ ویسٹ مین انکا ایک آخری مضمون شایع ہوا ہے جس مین انہون نے برہمو سماج کے از سر نو بنانیکی تجویز کی تھی اس مضمون مین یہ لکھا ہے کہ "کیشب چندر سین سے بعض گہرے تعلقات رکھنے والے روحانی طرز کے آدمی ہین۔ مگر انکے باہمی اختلافات اور ایکدوسرے کی تحقیر اسقدر گہری جڑ پکڑ گئے مین کہ سارے کا سارا سلسلہ اکثر دفعہ سخت بربادی اور تباہی کے کنارے تک پہونچ چکا ہے۔ بسبب ان عداوتونکے جو اسکے تمام کے حوار یونمین پیدا ہو رہی ہین" لمبے تجربہ نے آخر برہمو سماج کو اسبات کا بھی قایل کر دیا ہے کہ عبادت کے ظاہری افعال کے بغیر روحانیت کا حاصل ہونا ناممکن ہے چنانچہ اسی مضمون مین یہ بھی لکھا گیا ہے کہ "انکے قواعد برہمو سماج کے تمام ممبرون کو کیشب کی رسوم اور افعال کا ایسا سخت پابند کرتے ہین کہ پرانے معنون مین آزادی تو بالکل چھوڑنی ہی پڑی ہے"

ابتدا سے ہی برہمو سماج کو خوش قسمتی سے بڑے بڑے قابل لیڈر ملتے رہے ہین بنا اسکی راجہ رام موہن رائے نے رکھی پھر اسکے بعد کیشب چندر سین اور دیبندر ناتھ ٹیگور اسکے لیڈر رہے اور اگرچہ بابو پرتاب چندر ان جیسی قابلیت نہ رکھتا تھا مگر اپنے وقت مین اس نے بھی سماج کی بہت خدمت کی ہے مگر باوجود اس عظیم الشان علمی طاقت کے جو برہمو سماج کو اپنے لیڈرونکی قابلیت کے سبب حاصل رہی ہے اس فرقہ کا اثر کبھی کسی بڑی تعداد پر نہین ہوا اور اب آخر کار ناکامی اسے صاف منہ دکھا رہی ہے۔ اگر کوئی مذہب صرف کسی لیڈر کی قابلیت اور ذہانت کے باعث کامیاب ہو سکتا تو برہمو سماج بڑی کامیابی کا مستحق تھا۔ مگر برہمو سماج کے اصل اصول مین بعض ایسے نقص ہین کہ یہ مذہب نہ کبھی روحانیت کے سچے سرچشمہ تک پہونچ سکتا ہے اور نہ ہی سچی کامیابی حاصل کر سکتا ہے اور اسکے لیڈرونکی بڑی بڑی فاضلانہ تقریرون اور تحریرون کا انجام کار بے اثر ثابت ہونا صاف بتا رہا ہے کہ وہ

روحانی کشش اور الٰہی جذبہ انکے اندر ہرگز نہ تھا جو خدا کے مرسلوں اور ماموروں مین ہوتا ہی اور جہان یہ موجود تھو قابلیت اور ذہانت کچھ کام
سب سے بڑی اصولی غلطی جس مین برہمو سماج پھنسا ہوا ہے انکار وحی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ خدا تعالے کے اعلے درجہ
کی روحانی برکات سے محض ناواقف ہے اور اس تعلق کو سمجھ بھی نہین سکتا جو خدا کے پیارونکو اپنے مولا اور آقا سے ہوتا ہے اس
روحانیت سے بے بہرہ ہونیکو آخر خود برھمو سماج نے اپنے زوال کا سبب بھی سمجھ لیا ہے مگر افسوس ہے کہ اسکی اصل وجہ کیطرف
توجہ نہین کرتے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو برہمو سماج کی اس غلطی کا موجب خود بعض وہ مذاہب ہوئے ہین جو زمانہ موجودہ
مین وحی سے انکار کرتے ہین اور زمانہ گذشتہ کے متعلق وحی کو تسلیم کرتے مین کیونکہ انکی اپنی بنا تو وحی پر رکھی گئی تھی مگر اب بسبب
اللہ تعالےٰ سے دور جا پڑنیکے وہ اس نعمت سے محروم کیے گئے ہین اور انکی محرومی ہی آخر انکے انکار کا باعث ہوگئی ہے
اسی انکار کی بنا پر برھموؤن نے وحی الٰہی سے قطعی انکار کر دیا ہے کیونکہ انکی دلیل یہ ہے کہ اگر خدا گذشتہ زمانو مین اپنے
بندون سے ہمکلام ہوتا تھا تو اب بھی اسکی ہمکلامی کا دروازہ بند نہین ہو سکتا اور اگر اس زمانہ مین اللہ تعالے وحی نہین
کرتا تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پہلے بھی اسنے کبھی وحی نہین کی پس اگر اس نے اپنی مرضی بذریعہ وحی کے اپنے بندو نپر ظاہر
نہین کی تو عقل انسانی ہی انسان کی رہبر ہونی چاہیئے اور اسلیے مذہب کی بنا بھی عقل پر ہی رکھنی چاہیئے گویا جو بزرگی
اللہ تعالے کیلیئے تھی وہ عقل انسانی کو دیگئی اور یہی وجہ برہمو سماج کی روحانیت سے محرومی کی ہے کیونکہ جو مذہب انسان
کو خدا تعالے کے اتنا قریب نہین کرتا کہ اسے خدا تعالے سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہو اور وہ اپنی عاجزانہ دعاؤن
اور التجاؤنکا اللہ تعالے کیطرف سے جواب پاوے اور غموم ہموم کیوقت مین اسکے شیرین کلام سے اسکی تسلی ہو وہ
مذہب مذہب نہین بلکہ خشک لفظ ہین...... جو کبھی سرسبز نہین ہو سکتے۔ روحانیت کے بارے مین آریہ سماج
برہمو سماج سے بھی دور جا پڑا ہے۔ کیونکہ اُسنے خشک لفاظی کو ہی اپنا اصلی مقصد سمجھ لیا ہے اور اسی پر انکی ہمت
صرف ہوتی ہے اور حقیقی پاکیزگی یا حق سے یا اللہ تعالے کا قرب حاصل کرنے سے ان لوگونکو تعلق نہین بلکہ مقربین
بارگاہ الٰہی کو گالیان دینا شب و روز انکا کام ہے پس یہ مذہب یعنی آریہ سماج بھی کبھی سرسبز نہین ہو سکتا اور اگرچہ
چند دن تک برہمو سماج کی طرح بہت جوش و خروش رہیگا مگر یہ یقینی امر ہے کہ آخرکار برہمو سماج سے بھی بڑھکر ناکامی
اور نامرادی اسے ہوگی کیونکہ جو مذہب اللہ تعالے سے تعلق پیدا کرنیکی کوئی راہ نہین بتاتا وہ کامیاب نہین ہو سکتا

مشنری اخبار

اکثر مشنری اخبارونکی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ پادری صاحبان کی تحریرین اکثر ایسی سطحی اور لغو اعتراضات سے پر ہوتی

ہین کہ انکے جواب کی کوئی ضرورت نہین ہوتی۔ مگر بعض وقت کوئی غلط فہمی رفع کرنیکے لیے انکا حوالہ دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ انگریزی نور افشان مین ۲۳ جون کے پرچہ مین دو ایڈیٹوریل نوٹ ریویو آف ریلیجنز کے متعلق ہین جن مین سے ایک مین تعدد ازدواج کے مضمون پر بعض اعتراض کیئے گئے ہین۔ چار لمبے مضمونون مین سے جو اس مضمون پر اس رسالہ کے چار مختلف نمبرون مین مارچ سے شروع ہو کر جون تک ختم ہوئے ہین معترض نے صرف ایک کا حوالہ دیا ہے اور شاید یہ بھی سارا نہ پڑھا ہو۔ مگر یہ کوئی تعجب کی بات نہین کیونکہ پادریصاحبان کا کام یہ نہین کہ کوئی مدلل جواب دین بلکہ ایک کام کا کرنا انہون نے اپنا فرض منصبی سمجھا ہوا ہے خواہ اسکے لیے کوئی دلیل ہو یا نہ ہو وہ انہون نے کرنا ہے اسی لیے وہ مخالف کے دلایل کو پڑھنے کے بغیر بھی جواب خوب دیسکتے ہین مگر اس معاملہ مین پادریصاحب نے یسوع مسیح سے بھی بڑھکر قدم مارا ہے کیونکہ یسوع نے تو کبھی تعدد ازدواج کی مخالفت نہین کی مگر پادریصاحب نے اس مقدس رواج کی مخالفت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ شروع مین ہی مین یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہون کہ رسالہ ہذا کے وہ تمام مضامین جن پر کسی دوسرے کا نام نہ لکھا ہوا ہو وہ ایڈیٹر کے اپنے ہوتے ہین اور اسلیئے پادریصاحبان اپنی عیسائیانہ فیاضی سے مضمون کے لکھنے والونکو جتنا چاہین کوسا کرین نہ یہ کہ بلا وجہ ہر بات مین حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام ہمارے آقا اور مرشد کو گالیان دیکر ہمارے دلونکو دکھ پہنچاوین۔

نور افشان کے ایڈیٹر نے لکھا ہے کہ تعدد ازدواج کے مضمون مین جواب کوئی نہین دیا گیا صرف دلاور حسین کو گالیان نکالی ہوئی ہین اسکا فیصلہ مین ناظرین پر چھوڑتا ہون۔ اس نوٹ مین دو اعتراض کیے گئے ہین۔ اور بکم انکم یہ اعتراض پادریصاحب کرنیکی جرات نہ کرتے اگر وہ میرے سارے مضمون کو پڑھ لیتے۔ انکا پہلا اعتراض یہ ہے کہ جن دلایل سے بعض آدمیونکی ضرورت ایک سے زیادہ بیوی کیلیے دکھائی گئی ہے انہین دلایل سے بعض عورتونکی ضرورت ایک سے زیادہ خاوند کیلیئے ثابت ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ ناسمجھی کا اعتراض تعدد ازدواج پر قیاس مین نہین آسکتا۔ اسکا دفیعہ مین نے سب سے پہلے مضمون مین خود ہی کر دیا تھا۔ اگر پادریصاحب اسکو پڑھ لیتے تو اخبار کی اسقدر سطرین سیاہ کرنیکی ضرورت انکو پیش نہ آتی۔ مینے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ایک مرد کی ایک سے زیادہ بیویان ہونیسے نکاح کے اغراض کے حصول مین سوسائیٹی کو مدد ملتی ہے مگر ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونا اغراض نکاح کے بالکل مخالف پڑا ہوا ہے پھر اگر ایک مرد کی کئی بیویان ہین تو جو اولاد پیدا ہو گی ان سب کے مان اور باپ ایسے ہی متمیز ہونگے جیسے ایک بیوی والے مرد کے بچونکی۔ مگر برعکس اسکے اگر ایک عورت کے کئی خاوند ہون تو تعیین والدین ہرگز نہین ہو سکتی۔ اور اسطرح سے نکاح کی سب سے بڑی غرض جو تعیین والدین ہے مفقود ہو جاتی ہے۔ پس ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونے مفہوم نکاح کے بالکل خلاف ہے۔ اور تعدد ازدواج کی بحث مین اس بحث کو چھیڑنا پادریصاحبان کی ناسمجھی ہے۔ پھر یہ بھی دکھایا گیا تھا کہ ایک مرد کی ایک سے زیادہ بیویان ہونیکی جو سب سے بڑی ضرورت ہے وہ عورت کیلیئے ایک سے زیادہ خاوند

رکھنے کی دلیل ہرگز نہین بلکہ اسکی تردید کرتی ہے کیونکہ عورتونکے ساتھ بعض عوارض ایسے لگے ہوئے ہین جیسے حیض حمل
اور وضع حمل کہ جنکے باعث عورتین اکثر اوقات زن وشوی کے تعلقات کے قابل نہین ہوتین مگر مردونکے ساتھ ایسے
کوئی عوارض نہین لگے ہوئے ہین اگر پادریصاحب یہ ثابت کردیتے کہ وہ عوارض جو ہمنے عورتونکے ساتھ لگے ہوئے بیان
کئے ہین۔ وہ یسوع مسیح کے کفارہ سے عورتونسے منتقل ہوکر مردونکی طرف آگئے ہین تو مین بڑی خوشی کے ساتھ
انسے اس بارہ مین متفق ہونگا کہ انکی عورتین بیشک ایک سے زیادہ خاوند کرین اور اب بھی کون مانع ہے کیونکہ پادری ٹیلر صاحب
نے پادریونکے ایک مجمع کو ہی ایکدفعہ ان الفاظ مین شرم دلائی تھی کہ تم مسلمانونکے ایک سے زیادہ بیویان رکھنے پر اعتراض کرتے
ہو حالانکہ تمہاری عورتونکی یہ حالت ہے کہ وہ کئی کئی خاوند رکھتی ہین۔ بہرحال قرآن شریف نے تعدد ازدواج کے قانون کو
اگر جایز رکھا ہے تو اسوجہ پر کہ عورتونکے ساتھ وہ عوارض مخصوص ہین اگر پادریصاحب یہ دکھادین کہ وہ عوارض اب
عورتونسے مخصوص نہین رہے بلکہ مردون اور عورتونمین مشترک ہوگئے ہین اور یا مردونسے ہی مخصوص ہوگئے ہین تو مین
اپنی غلطی کو تسلیم کرلونگا اور اسصورتمین پادری صاحب قرآن کریم پر ایک واقعی اعتراض کرکے عیسائیت کی ایک ایسی
خدمت کرینگے جس سے ہمیشہ کیلئے عیسائیونمین انکی قدر کیجاویگی۔ مین پادریصاحب کے جواب کا منتظر رہونگا۔

اسی مضمون مین مینے قرآن شریف کی آیات کے حوالہ سے یہ بھی دکھایا تھا کہ قرآن شریف مسلمانونکو تاکید فرماتا ہے کہ اپنی
عورتونسے پورے انصاف اور عدل سے سلوک کیا کرین مگر پادریصاحب نے بغیر قرآن کریم پڑھنے کے یہ کہدیا ہے کہ ان
آیات کو ہم کیا کرین جب قرآن شریف مین وہ قانون طلاق بھی موجود ہے جسکے روسے مرد جب چاہے عورت کو
طلاق دیسکتا ہے مگر عورت کیلئے طلاق حاصل کرنیکی کوئی راہ ہی نہین اس اعتراض کے جواب مین مضمون طلاق کا
جو اس پرچہ مین لکھا گیا ہے حوالہ دیتا ہون اور دعوے سے کہتا ہون کہ قرآن کریم نے صریح الفاظ مین عورت کو
طلاق حاصل کرنیکا حق دیا ہے اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی دعوے سے کہتا ہون کہ حضرت مسیح کے الفاظ مین جو انجیل
مین موجود ہین عورتونکو طلاق حاصل کرنیکا کوئی حق نہین دیا گیا اور ہرگز نہین دیا گیا۔ پادریصاحبان کو شرم کرنی چاہیئے کہ جو اعتراض
اپنے پر وارد ہوتا ہے اسے دوسرونپر کرتے ہین حالانکہ انپر وہ وارد نہین ہوتا اگر وہ ایسے اعتراض کرنیسے رک جاتے جو خود
انہین پر آتے ہین تو انکے اخبارات کا اکثر حصہ سیاہ نکلنے کی بجائے سفید نکلتا۔ ان پادریصاحبان کو وہ رائے بھی پڑھنی
چاہئے جو انکے اپنے ملک کے بڑے بڑے فاضل انکے متعلق رکھتے ہین۔ پروفیسر سٹار مشنریونکے باہر بھیجنے کے متعلق لکھتا ہے کہ
"یہ بڑی سخت غلطی ہے ایک افریقہ کا باشندہ اپنی جھونپڑے مین افریقہ کی زندگی کی طرز پر رہنے والا بہت اچھا ہے بنسبت اس حالت کے
جب ایک انگریز مشنری جاکر وہان اپنا مذہب اپنی سطحی تہذیب اور اپنی شراب پھیلاتا ہے ہم یہ خیال کرتے ہین کہ ہم خدا کے برگزیدہ ہین نہین جسقدر
ہم دخل بیجا دیتے ہین ویسی آجتک دنیا مین کوئی قوم ہوئی ہی نہین گھر مین ہین تو ہم لوگونکی باتونمین ناحق دخل دیتے باہر ہین تو
ہماری یہی حالت ہے غرضیکہ جہان کہین ہم ہین ہمارا کام بیجا دست اندازی کرنا ہوگیا ہے اور اسکی وجہ صرف زر اور زرپرستی ہے"

رویا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲-جون۔ ینجی الناس من الامراض۔ ترجمہ۔ لوگونکو بیماریوںسے نجات دیتا ہے اور دیگا یعنی خدا تعالےٰ بہتونکو ہماری دعاؤںسے بیماریوںسے نجات دیگا + ۹-جون۔ انی معک و مع اھلک و مع کل من احبک۔
۱۳-جون۔ صبحکے وقت پانچ سطرین فارسی مین لکھی ہوئی دیکھیں جو نظم اور نثر ملی جلی تھیں انمین سے آخری سطر یہ ہے۔ **تو در منزل ما چو بار بار آئی۔ خدا ابر رحمت ببارید یا نے**

۱۶-جون۔ قبل از نماز صبح۔ رؤیا۔ مین اپنے مکان مین کمرے کے اندر کھڑا ہون اسوقت دیکھا کہ باہر ایک عورت زمین پر بیٹھی ہے جو مخالفانہ رنگ مین ہے۔ وہ بہت بری حالتمین ہے اور اسکے سر کے بال مقراض سے کٹے ہوئے ہین کوئی زیور نہین اور نہایت ردی اور مکروہ حالت مین ہے اور سر پر ایک میلا کپڑا انگڑی کیطرح لپیٹا ہوا ہے اسکے ساتھ بات کرنیسے مجھے کراہت آتی ہے نماز عصر کا وقت ہے مین جلدی سے اٹھا ہون کہ نماز کیلئے چلا جاؤن کچھ کپڑے پہننے ساتھ لیے ہین کہ نیچے جاکر پہن لونگا یہ جلدی اسلیے کی کہ اس عورت کو میرے ساتھ بات کرنیکا موقعہ نہ ملے پس مینے جلدی کے سبب پگڑی کو ہاتھ مین لیا اور پشمینہ کی سرخ چادر اوپر لے لی اور کمرے سے نکلا جب مین اسکے برابر سے گذرا تو میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے یا آسمان سے یہ آواز آئی کہ لعنۃ اللّٰہ علے الکاذبین۔ ساتھ ہی یہ الہام ہوا۔ کہ "ایسپر آفت پڑی آفت پڑی" اور دیکھا کہ وہ عورت ایک نہایت ذلیل شکل مین کوڑھیونکی طرح بیٹھی ہے (نوٹ۔ یہ وہی عورت معلوم ہوتی ہے جسکے متعلق پہلے بھی الہام شائع ہوچکا ہے کہ مین اس عورت کو سزا دونگا۔)

۱۹-جون۔ فرمایا ہماری جماعت کے چار آدمیونمین سے جو اس جگہ باغ مین بیمار ہوئے تھے ایک کے متعلق یہ الہام ہوا ہے "خدا نے اسکو اچھا کرنا ہی نہین تھا۔ بے نیازی کے کام ہین اعجاز المسیح" یعنی اسکی موت تو تقدیر مبرم کیطرح تھی۔ مگر خدا تعالےٰ نے یہ مسیح کا اعجاز ظاہر کیا ہے کہ اسکو ٹالدیا یہ اسکی بے نیازی ہے۔ (نوٹ۔ چار بیمارونمین سے ایک میان محمد اسحاق صاحبزادہ جناب میر ناصر نواب صاحب تھے جنکی مرض کیحالت ظاہری نظر مین واقعی مایوسی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ انہین ایام مین ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اس جگہ تھے انہون نے بھی اسکی مرض کا نہایت خطرناک ہونا کئی احباب کے سامنے بیان کیا۔ خدا تعالی کی قدرت بھی عجیب ہے کہ ادھر طبی نظر سے یہ مایوسی اور ادھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا پر جو اسکی شفا کے لئے آپنے کی یہ الہام ہوا جو اسی رسالہ کے گذشتہ ...... نمبر مین چھپ چکا ہے۔ سلام قولا من رب رحیم۔ پر خدا کا رحم ہے کوئی بھی اس سے ڈر نہین + ایک ہی وقت کی یہ دونون باتین ہین جسکی شاہد یہان کی کل جماعت ہے اور خود مرزا یعقوب بیگ صاحب بھی اسکے گواہ ہین الہام الٰہی سے بھی یہی ظاہر ہوتا تھا۔ کہ بیماری تو واقعی خطرناک حالت تک پہنچ چکی ہے پر خدا کا رحم ہے سو آخر خدا نے اپنی اس وحی کے مطابق اس بچہ کو از سر نو زندگی بخشی۔)

اور قابل قدر ہین۔ اور مین آپکو بھی اس قابل قدر پرچہ کا ایڈیٹر ہونیکی حیثیت سے مبارکباد دیتا ہون۔ مینے ابتک کوئی ایسی کتاب یا پرچہ نہین پڑھا جس مین اسلام کی حمایت اس طاقتور اور زبردست ہاتھ سے کی گئی ہو جیسے آپکے اس رسالہ مین کیجاتی ہے" یہ ایک ایسے آدمی کی شہادت ہے جسے ہمارے سلسلہ سے اسوقت تک کوئی تعلق نہین اور وہ محض ہماری تحریرون کا دوسری تحریرون سے مقابلہ کرکے اس نتیجہ پر پہنچا ہے مگر خدا جانے مسلمانون نے عناد کو کیون اس حد تک بڑھا دیا کہ اس سلسلہ کا نام بھی آجائے تو تحریر کو نہین پڑھتے۔ اگر شقاوت یہ کام ان سے نہین کرا رہی تو اور کیا ہے۔ اسی پنجاب مین ایک اور رسالہ مذہبی اردو مین نکلتا ہے جو اکثر ہمارے مضامین کو اور حضرت اقدس کی تحریرونکو لفظ بلفظ نقل کر دیتا ہے۔ مگر چونکہ وہ اس رسالہ کا یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام ظاہر نہین کرتا اسلیے ہزارون خوشی سے ان تحریرونکو پڑھتے ہین

مگر ایک حد تک جماعت کی اپنی کم توجہی بھی اسکا باعث ہے۔ اگر ہمارے احباب پورے زور اور کوشش سے دوسرے لوگونکو توجہ دلاوین تو بہت سے سعید فطرت بخوشی رسالہ کی خریداری کیلیے تیار معلوم ہونگے مگر جس صورت مین جماعت کی اپنی یہ حالت ہے کہ دو تین لاکھ آدمیون مین سے سولہ سو یا سترہ سو خریدار ہین تو دوسرون پر اسکا اثر کیا پڑ سکتا ہے مین کبھی یقین نہین کر سکتا کہ اتنی بڑی جماعت مین اگر کوشش کیجائے تو خود جماعت کے اندر ہی دس بیس ہزار رسالہ کی اشاعت نہ ہو جائے اور اس کثرت اشاعت کے ساتھ دوسرے لوگونکی توجہ خود ہو گی کیا کل جماعت مین صرف سترہ سو آدمی ہی ایسے ہین جو ۲ روپیہ ماہوار رسالہ کی خریداری کیلیے دیسکتے ہین نہین بلکہ یہ توجہی ہے بعض مخلصین ہیشک رات دن ساعی رہتے ہین مگر ابھی انکی تعداد بہت تھوڑی ہے خدا کرے کہ انکا سا یا انسے بھی بڑھکر جوش دوسرونکے دلون مین آئے آمین ایڈیٹر رسالہ

۲۔ جون ۱۹۰۵ء۔ رؤیا۔ ایک بڑا دریا ہے اس مین سے کوئی چیز نکلی جس مین سے شعلے نکلتے ہین اور وہ چیز اسطرح میرے سامنے آئی جیسے دریا بطور تحفہ کے کوئی چیز پیش کرتا ہے اسے مینے لیلیا تو وہ ایک ٹوپی مچھلی کی کھال کی بنی ہوئی تھی اور مینے اسے سر پر رکھ لیا۔ اسکے بعد پھر ایک اور چیز دریا نے پیش کی جو مچھلی کے چمڑے کا بنا ہوا ایک جبہ ہے وہ بھی مینے لیلیا۔ (فرمایا۔ دریا سے مراد کوئی بڑا ذیشان آدمی یا اہل علم و فضل و کمال ہوتا ہے اور اسکے تحفہ دینے سے مراد حلقہ خادمون مین داخل ہونا یا معتقد ہونا یا رجوع لانا یا مالی خدمت کرنا ہے (واللہ اعلم) ۱۲۔ جولائی ۱۹۰۵ء۔ الہام۔ روحانی عالم کا دروازہ تیرے پر کھولا گیا۔ فبصرك الیوم حدید۔

مدرسہ:۔ اسوقت مدرسہ کے متعلق مین قوم کے سامنے دو قسم کی ضرورت پیش کرتا ہون ایک موجودہ مدرسہ کا استحکام اور دوسرا کالج بنانیکی کوشش پہلی ضرورت کیلیے مین جماعت کو یہ توجہ دلاتا ہون کہ ایک ہزار روپیہ کے قریب عمارت پر خرچ ہو کر مدرسہ کی مالی حالت پھر نازک ہو گئی ہے۔ ہر جگہ کی جماعت اور ہر ایک احمدی کا فرض ہے کہ بہت جلد بذریعہ چندہ اس ایک ہزار روپیہ کی کمی کو پورا کر دین۔ اور بقایا دار احباب اپنے بقایا بھی بہت جلد ارسال فرما دین۔ کالج کیلیے مینے یہ تجویز کی تھی کہ اگر ہر ایک

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

"معاونین میگزین"

پچھلے پرچے مین بعض ان احباب کا شکریہ ادا کیا گیا تھا جنہون نے محض ابتغاء لمرضاۃ اللہ حضرت اقدس ؑ کے حکم کی تعمیل مین حسب توفیق و استطاعت خود کم و بیش روپیہ اعانت کا بھیجا تھا۔ چونکہ اعانت کا روپیہ بھیجنے کے علاوہ خود خریدار بننا اور دیگر خریدار پیدا کرنا بھی رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کا خاص ذریعہ و موجب ہے لہذا اس دفعہ ایسے جدید خریدار پیدا کرنیوالونکے اسماء بقید تعداد خریداران کے جو انہون نے دیئے خاص شکریہ کے ساتھ درج ذیل کیئے جاتے ہین۔ اور دعا ہے کہ اللہ تعالے دیگر برادران و احباب کو بھی توفیق بخشے کہ وہ بھی اس کار خیر مین حصہ لیکر ثواب و حسنات دارین حاصل کرین۔ آمین۔

(۱) منشی ذوالفقار علیخان صاحب انسپکٹر آبکاری میرٹھ۔ ۹۔ (۲) میان عبدالرشید صاحب میرٹھ۔ ۳۔ (۳) چودھری عبدالعزیز صاحب بٹالوی۔ ۷۔ (۴) میان دولت خان صاحب بیاس ضلع امرتسر۔ یک۔ (۵) حکیم محمد حسین صاحب قریشی لاہور۔ یک۔ (۶) میان غلام دستگیر صاحب میڈیکل سٹوڈنٹ لاہور۔ ۲۔ (۷) بابو برکت علی صاحب کلرک محکمہ نہر سرگودہا۔ یک۔ (۸) صوفی محمد عظیم صاحب لاہور۔ ۲۔ (۹) مولوی محمد حسین صاحب نمبردار پرم جیت پور۔ یک۔ (۱۰) میان ابوالفتح عبدالقادر صاحب پوربی۔ ۵۔ (۱۱) جناب خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر لاہور۔ ۲۔ (۱۲) میان برکت علی صاحب ملازم "الحکم" یک۔ (۱۳) حافظ روشن علی صاحب قادیان۔ یک۔ (۱۴) میان الہی بخش صاحب قادیان۔ یک۔ (۱۵) میان نظام الدین صاحب محلہ غلام نبی۔ یک۔ (۱۶) منشی عبدالمجید صاحب کپورتھلہ۔ یک۔ (۱۷) ماسٹر ہدایت اللہ صاحب جہلم۔ ۶۔ (۱۸) حکیم فضلدین صاحب قادیان۔ یک۔ (۱۹) میر محمد سعید صاحب مدرس حیدر آباد دکن۔ یک۔ (۲۰) میان محمد الدین صاحب مستری قادیان۔ یک۔ (۲۱) میان محمد حیات صاحب سکنہ پیرکوٹ۔ ۳۔ (۲۲) میان نورالدین صاحب پارچہ فروش ستنا۔ ۴۔ (۲۳) ڈاکٹر سید ستار شاہ صاحب رعیہ۔ یک۔ (۲۴) جناب ڈاکٹر عباداللہ صاحب امرتسر۔ ۶۔ (۲۵) مولوی عزیز بخش صاحب ڈیرہ غازیخان۔ ۲۔ (۲۶) بابو برکت علی صاحب کلرک شملہ۔ ۶۔ (۲۷) سید سرور شاہ صاحب باشندہ ضلع ہزارہ۔ یک۔ (۲۸) چودھری محمد نواب خانصاحب تحصیلدار گجرات۔ ۳۔ (۲۹) حافظ محمد عیسے صاحب نقشہ نویس مردان۔ یک۔ (۳۰) مولوی عبدالحق صاحب سیدوالہ۔ ۵۔ (۳۱) میان رحمت اللہ صاحب بنگہ۔ ۴۔ (۳۲) قاضی محمد یوسف طالبعلم پشاوری۔ ۴۔ (۳۳) بابو محمد عثمان صاحب ہیڈ ڈرافٹسمین الہ آباد۔ یک۔ (۳۴) سید محمد علیشاہ صاحب مدرس لسپرور۔ ۳۔ (۳۵) منشی غلام نبی صاحب پھلوری۔ ۴۔ (۳۶) حکیم محمد عمر خانصاحب فیروزپور۔ ۲۔ (۳۷) منشی محمد شیر خان صاحب سردارپور ضلع شاہپور۔ یک۔ (۳۸) مولوی غلام امام صاحب منی پور آسام۔ یک [illegible] (باقی آئندہ) (مینیجر)

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے — لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ — بابت ماہ اگست ۱۹۰۵ء — نمبر ۸

فہرست مضامین

شکایت

میرا دل گوارا نہ کرتا تھا کہ ایک شایع شدہ تحریر کے ذریعہ سے اپنے بھائیوں کی شکایت کرون مگر واقعات نے اس تحریر کیلیے مجھے مجبور کیا ہے اور مین یہ بھی دیکھتا ہون کہ چونکہ یہ میرا ذاتی معاملہ نہین بلکہ قوم کا ہی نقصان ہو رہا ہے اسلیے ضروری ہے کہ قوم کو اس حالت کی اطلاع دون۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء مین حضرت مسیح موعودؑ نے نہایت پر زور الفاظ مین اپنی تمام جماعت کو اس رسالہ کی خریداری اور اعانت کے لیئے تحریک کی تھی اور یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اس رسالہ کی تعداد اشاعت اپنی جماعت مین کم از کم دس ہزار ہونی چاہیئے۔ چنانچہ آپکے اس مبارک ارشاد کے آخری لفظ یہ تھے کہ "اگر بیعت کرنیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قایم رہکر اس بارہ مین کوشش کرین تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا بڑی بات نہین ہی بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے"! مگر اسوقت مین اس شکایت کو پیش نہین کرتا کہ کیون دس ہزار کی جگہ ابتک دو ہزار بھی تعداد پوری نہین ہوئی۔ افسوس یہ ہی کہ بعض صاحبان جنہون نے اسوقت خریداری منظور کی۔ تھوڑے دنونکے بعد انکا جوش یہانتک ٹھنڈا ہو گیا کہ چھوٹے چھوٹے عذر و نپر رسالہ بند کرنا شروع کر دیا۔ خیر یہ بھی اچھا ہوا۔ مگر بہت سے احباب ایسے ہین کہ رسالہ خریدتے بھی رہے لیکن جب قیمت طلب کی گئی تو جواب دیا۔ مین یہ نہین کہتا کہ واقعی انکا یہ منشا رہے کہ قیمت بھی ادا نہ کرین۔ مگر ایک شخص کو جسکے سپرد یہ ذمہ داری کا کام ہو یہی قیاس کرنا پڑتا ہے اول تو خود قیمتونکے دفتر مین موصول ہونیکا انتظار کیا جاتا ہے پھر بعد انتظار کے اطلاعی پوسٹ کارڈ بھیجے جاتے ہین کہ فلان تاریخ تک قیمت دفتر مین آجانی چاہیئے ورنہ پرچہ کو وی پی کرکے قیمت وصول کیجاوے گی۔ ان کارڈونکا جواب تو عموماً کچھہ نہین دیا جاتا مگر جب اسقدر احتیاط کے بعد وی پی کیے جاتے ہین تو نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دو تہائی وی پی انکاری ہو کر آتے ہین اور یون دفتر کو سخت نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ اگر کسی صاحب کو اپنے حساب مین کوئی غلطی معلوم ہو یا روپیہ موجود نہو تو کسقدر سیدھی بات ہے کہ اطلاعی کارڈ کے پہنچتے ہی جواب لکھدیا کرین۔ ایک ایک وی پی کے انکاری ہونےمین دو دو آنہ کا نقصان دفتر کو ہوتا ہے اور یون اگر ہر مہینہ مین سو وی پی بھی انکاری ہو کر آوے تو ساڑھے باران روپے ماہوار یا ڈیڑھ سو روپیہ سالانہ کا یہ نقصان ہی۔ کیا قوم اس نقصان کو ہلکا سمجھکر گوارا کرتی ہے؟ اگر نہین تو سب احباب کو چاہیئے کہ اس نقص کے رفع کرنے مین کوشش کرین جس صورتین خصوصیت سے دفتر سے اطلاعی کارڈ قبل وی پی بھیجنے کے روانہ ہوتے ہین تو سوا اسکے اور کیا ہی کہ محض سستی سے یا عمداً دفتر کو نقصان پہنچایا جاتا ہی اگر کوئی اور مزید احتیاط دفتر کیطرف سے ہونی چاہیئے تو مین اسکے سننے کا منتظر ہون اور اسپر عمل کرونگا کیونکہ مجھے اسقدر قومی نقصان سے سخت رنج پہنچتا ہی۔ اگر کوئی وجہ عذر ہو تو چاہیئے کہ فی الفور کارڈ کے پہنچنے کے ساتھ اس سے مطلع کر دیا کرین ۔ محمد علی منیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

غلامی

۱ — اسلام سے پہلے غلامی کی حالت

جن لوگون نے غلامی کے خلاف لکھا ہے انہون نے اسکی ایسی تقبیح کی ہے اور اسے سرتاپا ایسا خوبیون سے خالی اور مضرات سے پُر ثابت کر کے دکھانیکی کوشش کی ہے کہ جو شخص ٹھنڈے دل سے اور جوش سے خالی ہو کر اس مضمون پر قلم اٹھاوے اور جسکا مقصد یہ ہو کہ ہر شے کی تہ تک پہنچے اور بدی پر اسوقت بھی لعنت بھیجنے کیلیے تیار ہو جب وہ نیکی کا لباس پہن کر نکلے اور نیکی کی اس وقت بھی تعریف کرنیکے لیے آمادہ ہو جب دنیا اس نیکی کو برا سمجھ رہی ہو۔ اس کا یہ فرض ہے کہ ابتدا مین ہی اس غلط فہمی کو دور کرے کہ غلامی کا رواج سراسر لغو اور فضول تھا جس سے فایدہ کوئی نہ تھا بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان تھا مین اس رائے کے ساتھ اتفاق نہین کرتا حق یہ ہے کہ انسانی سوسایٹی اپنی تدریجی ترقی مین ایسی حالتون سے ہو گذری ہے کہ ان حالات کے ماتحت غلام بنانے مین نہ صرف وہ حق پر ہی تھی بلکہ ضروری غور کرو تو دل مین ایک دہشت سی پیدا کرتے ہین مگر تاہم بہت سی اغراض ترقی کیلیے ان کا جاری رہنا ضروری ہے جس وقت ایک فتحیاب جرنیل بڑے بڑے جہازون کو جن پر ہزارہا انسان ملک کے چیدہ اور بہادر نوجوان موجود ہوتے ہین ایک دم مین غرق کر کے سمندر کی تہ مین پہنچا دیتا ہے یا ایک بڑے شہر پر گولہ باری کر کے بیشمار بے گناہ عورتون اور بچون کو تباہ کر دیتا ہے تو کبھی اسکی آنکھ مین ایک آنسو بھی نہین آتا۔ مگر ہر حالت مین یہ کہنا جایز نہ ہو گا کہ وہ ایک سخت دل ظالم اور بیرحم انسان ہے وہ لوگ جو اپنی رحمدلی کے سبب ایک انسان کے قتل کو برداشت نہین کر سکتے اور اسکے واقعات کو سن کر کانپ اٹھتے ہین وہی

دوسرے موقعہ پر ہزارہا انسانوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے یا اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھکر کبھی لرزہ نہین کھاتے بلکہ بسا اوقات خوش ہوتے ہین جنگون کا ہونا انسانی سوسائیٹی کی ضروریات مین سے رہا ہے اور ابتک یہی حال ہے۔

جون جون انسانی گذشتہ تاریخ کو مطالعہ کیا جاوے یہ معلوم ہوگا کہ لڑائیان انسان کی ابتدائی ترقی مین اس کی موجودہ حالت سے بڑھ کر ضروری رہی ہین اور انہین جنگون کے لوازمات مین سے ہی غلامی بھی ہی یا تھی۔ بلکہ درحقیقت غلامی کا رواج انسانی ترقی مین ایک عظیم مرحلہ تھا کیونکہ اس رواج کے ساتھ وہ بیرحمی جاتی رہی جس کے رو سے کل کے کل اسیر جو کسی دوسری قوم کے ساتھ جنگ مین ہاتھ لگے ہون قتل کیے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے "مگر اس بات کو ابھی تک لوگون نے اچھی طرح نہین سمجھا کہ پچھلی تمدنی تدریجی ترقی مین جنگ ایک ضروری فرض کو ادا کرنیوالی تھی۔ اول اس لحاظ سے کہ جنگ کا اصلی مقصد یہ تھا کہ متفرق قومین ایک ہو جاوین اور اس لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ مخالفین مین سے جو لوگ پکڑے جاوین وہ ایک ماتحتی کی حالت مین رکھے جاوین تا دوبارہ اس قوم کو سر اٹھانے کی طاقت نہ ہو اور یون جنگ کا اصل مقصد حاصل ہو۔ دویم اس لحاظ سے کہ یہ مسلم امر ہے کہ ابتدا مین انسانی سوسائیٹی مین محنت اور مشقت کے کامون سے گریز کیا جاتا ہے اور عموماً آرام طلبی زیادہ ہوتی ہے پس جب ایک قوم کے لوگ اپنے مخالف لوگون کے درمیان آ کر رہین گے۔ تو وہ سوائے مجبوری کے کبھی کام نہ کرین گے اسلیے ضروری ہوا کہ انکو غلام بنا کر ان سے کام لیا جاوے۔ اس دوسرے امر کے متعلق اس قدر کہدینا کافی ہے کہ دنیا کی کسی قوم مین بھی خود بخود اور خوشی سے محنت کو اختیار نہین کیا گیا۔ بلکہ ہر ایک ملک مین جس کا ہمین علم ہے یہی نظر آتا ہے کہ زبردستون نے مجبور کر کے زیردستون کو کام پر لگایا ہے اور ان سے محنت شاقہ کے کام لیئے ہین اور آخر جب مدت تک یہ مجبوری چلی آئی تو پھر اس قوم کی عادت مین وہ امر داخل ہو گیا امر اول کے لحاظ سے آزاد آدمی لازماً جنگ پیشہ تھے اور غلام محنت کا کام کرنیوالے لوگ تھے اور یہ دونون گروہ ایک دوسرے کے لیے بطور معاون تھے اور ایک کا وجود دوسرے کے سہارے اور آسایش کیلیے اور اسکے کام پر لگا رہنے کیلیے ضروری تھا۔ اور یون بغیر مقابلے اور جھگڑے کے وہ دونون ایکدوسرے کے معاون ہو کر انسانی سوسائیٹی کی ترقی کے ذرائع تھے"

اسیران جنگ کے قتل کی بجائے انکے غلام بنا لینے کے رواج کی تدریجی ترقی اسرائیلی شریعت مین واضح طور پر نظر آتی ہے اسیران جنگ کو الگ چھوڑ کر اول تو یہی حکم ہے کہ "جو کوئی فقط خداوند کے سوا کسی معبود کے لیے قربانی کرے وہ عذاب سے مار ڈالا جاوے" (خروج ۲۲/۲۰)۔ ایسا ہی استثنا ۱۳۔ آیت ۱۲-۱۸ مین یہ حکم ہے کہ جس شہر کے لوگ غیر معبودونکی پرستش کرنیوالے ہون "تو تو اس شہر کے باشندونکو تلوار کی دھار سے ضرور

قتل کریگا اور اس کی ساری لوٹ کو وہان کے کوچے کے بیچ وبیچ اکھٹا کریگا اور اس شہر کو اور وہین کی لوٹ کو خداوند اپنے خدا کے لیے آگ سے جلادیگا اور وہ ہمیشہ کو ایک ٹیلا ہوگا پھر بنایا نہ جائیگا" پھر استثنا ۲۰ ۱۶-۱۷ مین یہ لکھا ہو "لیکن ان قومون کے شہرون مین جنہین خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑیو بلکہ تو ان کو حرم کیجیو۔ حتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھے حکم کیا ہے" یہ احکام عمل مین بھی آتے رہے چنانچہ گنتی ۲۱ ۳ مین مذکور ہے "چنانچہ خداوند نے اسرائیل کی آواز سنی اور کنعانیون کو گرفتار کر دیا اور انہون نے انہین اور ان کی بستیونکو حرم کر دیا" (حرم کر دینے سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک جاندار شئے کو ہلاک کر کے تباہ کر دینا) پھر قاضیون ۱ ۱ مین لکھا ہے "اور انہون نے ان کنعانیون کو جو صفت مین رہتے تھے جا مارا اور شہر کو حرم کر دیا" ایسا ہی دیکھو قاضیون ۲۱ ۱۰-۱۲ جہان لکھا ہے "اور انہین حکم دیا کہ یبیس جلعاد کے باشندونکو جا کے عورتون اور بچون سمیت قتل کرو" یشوع ۶ ۲۴ "پھر انہون نے اس شہر کو اس سب سمیت جو اس مین تھا پھونک دیا" اسموئیل ۱۵ ۳ "سو اب تو جا اور عمالیق کو مار اور سب جو کچھ کہ ان کا ہے یک لخت حرم کر اور ان پر رحم مت کر بلکہ مرد اور عورت ننھے بچے اور شیر خوار اور بیل بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر" ا تواریخ ۴ ۴۳ "اور معونیم کو جو وہان ملے قتل کیا ایسا کہ وے آج کے دن تک نابود ہین" معلوم نہین ان پادری صاحبان کو ایسے ایسے واقعات پڑھ کر کچھ شرم آتی ہے یا نہین جو اسلام پر اسلیے اعتراض کرتے ہین کہ اپنی حفاظت کیلیے بھی تلوار کیون اٹھائی گئی۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ ہے اسرائیلی شریعت کو غور کی نگاہ سے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ اسیران جنگ کو بجائے قتل کرنیکے غلامی مین لینے کا نرم قانون بھی رواج ہونا شروع ہو گیا تھا اور یون ان کی زندگی بچ کر وہ اپنے آقا کی خدمت مین زندگی بسر کرتے اسی لیے غلامی کا قانون بھی حضرت موسےؑ کی شریعت مین پایا جاتا ہے مگر عام رسم اس زمانہ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ مردون کو قتل کر دیا جاتا اور عورتون اور بچونکو غلام بنا لیا جاتا دیکھو استثنا باب ۲۰۔ آیت ۱۰-۱۴۔ مگر اسرائیلیون کے درمیان صرف جنگ ہی غلام بنانے کا ذریعہ نہ تھی بلکہ وہ دوسری قومونکے ساتھ غلامونکی خرید و فروخت بھی کرتے تھے اور بعض ایسی اقوام انکے قریب قریب آباد تھین جو غلامی کی تجارت مین بہت مشہور تھین۔ اس ذریعہ سے غلامون کی کثرت ہوگئی۔

مگر اسرائیلی شریعت مین غلام کیحالت ایسی خراب نہ تھی جیسا دوسری بعض قدیم اقوام کے اندر کل شامی قومونکے درمیان غلام کو خاندان کا ایک ممبر سمجھا گیا ہے اور اسی لیے ان اقوام کے اندر آقا کا سلوک غلام کے ساتھ عموماً نرم رہا ہے۔ اگرچہ مالک کو مملوک پر ہر طرح سے اختیار حاصل تھا مگر وہ اسکو جان سے نہین مار سکتا تھا صرف ایک استثنا تھی جو خروج باب ۲۱۔ آیت ۲۰-۲۱ مین مذکور ہے "اور اگر کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھیان مارے

ع اور اسے اور سب کچھ جو اس شہر مین ہے اور وہان کے سب مواشی کو تلوار کی دھار سے بالکل نیست و نابود کریگا

اور وہ لاٹھیاں کھاتی ہوئی مرجائے۔ تو اُسے سزا دیجائے لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن جیوے تو اسے سزا نہ دیجائے اسلیے کہ وہ اسکا مال ہے"۔ اگر آزاد آدمی کسی دوسرے کے غلام یا لونڈی کو مار دیتا تو صرف خونبہا مالک کو دینا ہوتا تھا (خروج باب ۲۱- آیت ۳۲)- جو غلام قوم اسرائیل کے تھے اُنسے غیر اسرائیلیوں کی نسبت عمدہ سلوک ہوتا تھا۔ چھ سال غلام رہنے کے بعد وہ بغیر فدیہ دینے کے آزاد سمجھے جاتے تھے (خروج باب ۱- آیت ۲) مگر عبرانی لونڈی کے ساتھ غیر اسرائیلی غلام شادی نہ کرسکتا تھا اور مالک یا مالک کا بیٹا ہی اسپر تصرف کرسکتا تھا۔ اسرائیلی غلام جب چھ سال بعد آزاد ہوتا تو مالک کو یہ بھی حکم تھا کہ اسے جاتے وقت کچھ ساتھ بھی دے (استثنا باب ۱۵ آیت ۱۳ و ۱۴) مگر دوسرے غلاموں کو ان حقوق میں سے کوئی حق حاصل نہ تھا۔ ہاں اس کو عبادت میں شریک کرلیا جاتا سو اسکی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ کسی اور طرح پر پرستش کرنیکا مجاز ہی نہ تھا۔ بہرحال یوں خاندان میں شامل ہوجانیسے غلام کو فایدہ ضرور پہونچتا تھا۔

یونانیوں اور رومیوں میں غلامی کے متعلق بھی چند لفظ بے موقعہ نہ ہونگے۔ یونان میں اسیران جنگ کے علاوہ کئی طرح سے لوگ غلام بنائے جاتے تھے آزاد ماں باپ اپنے بچے کو بیچکر غلام بنا دیتے تھے اسکے علاوہ اور غلام بھی بازار میں بکنے کیلیے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ چرا کر یا زبردستی چھین کر بھی غلام بنا لیے جاتے تھے۔ یونانی تہذیب کے بڑے بڑے مرکزوں میں غلاموں کی تعداد بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ایتھنز میں ۲۱۰۰۰ اصل باشندوں کی آبادی میں چار لاکھ غلاموں کا ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ کارنتھ میں چار لاکھ ساٹھ ہزار۔ ایجینا میں چار لاکھ ستر ہزار غلاموں کی تعداد بتائی جاتی ہے۔ بعض مورخوں نے ان اعداد میں کسی قدر مبالغہ بیان کیا ہے مگر کم سے کم اندازہ جو غلاموں کی آبادی کا کیا گیا ہے اسکے رو سے بھی غلاموں کی آبادی آزاد آبادی سے تگنی بیان کیجاتی ہے۔

رومیوں کے درمیان غلامی کا اصل منبع جنگ ہی تھی۔ مگر جوں جوں دولت بڑھتی گئی غلاموں سے خدمت لینے کی ضرورت بھی زیادہ ہوتی گئی اور یہ ضرورت دو طرح سے پوری ہوتی رہی یعنی ایک حد تک اسیران جنگ کی تعداد میں یوماً فیوماً ترقی ہوتی گئی اور دوسری طرف غلامی کی تجارت شروع ہوکر خرید کے ذریعہ سے غلام آنے لگے۔ انسکلوپیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے کہ "ایپیرس میں ایمیلیس پالس کے فتوحات کے بعد ایک لاکھ پچاس ہزار قیدی بیچے گئے۔ دو اَور مقاموں پر بھی جنگ کے قیدیوں کی تعداد اسیقدر بیان کی گئی ہے۔ سیزر نے ایک ہی موقعہ پر تریسٹھ ہزار قیدی فروخت کیے آگسٹس نے سلاسی کے ملک میں چوالیس ہزار قیدی گرفتار کیے۔ قحط اور تکلیفوں اور لڑائی کی ہلاکت کے بعد بھی یہودی جنگ میں ستانوے ہزار غلام بنائے گئے"۔ ایکسو چھیالیس قبل مسیح اور ۲۳۵ عیسوی کے درمیان کے زمانے میں بحساب اوسط ہر ایک آزاد کے لیے تین غلام تھے جبکہ کل آزاد آبادی اٹھتر لاکھ چوالیس ہزار اور غلاموں کی آبادی دو کروڑ آٹھ لاکھ تئیس ہزار تھی۔ امرا کے پاس غلاموں کی ایک خاصی فوج

جمع ہوتی تھی اگسٹس کے زمانے مین ایک شخص چار ہزار ایک سو سولہ غلام چھوڑ مرا معلوم ہوتا ہے یونان اور اٹلی مین اس زمانے مین وسیع پیمانے پر غلامی کی تجارت ہوتی تھی۔

رومی سلطنت کی نسبت یونان مین غلامون کی حالت اچھی تھی مگر یونان مین بھی ان غلامون کے علاوہ جنسے گھر کے کام لیے جاتے تھے دوسرے غلامون سے سخت محنت لیجاتی تھی جو غلام زراعت کے کام مین لگائے جاتے تھے انکو اکثر زنجیرین ڈالکر کام پر لگایا جاتا تھا۔ اور ان سے محض چارپایون کا سا سلوک ہوتا تھا۔ غلامون اور عورتونکی شہادت ان کو سخت اذیت پہنچا کر لیجاتی تھی۔ اگر غلام کا کوئی عضو کاٹ دیا جاتا یا اسے کوئی ضرب شدید پہنچائی جاتی تو غلام کو کوئی حق نہ پہونچتا بلکہ اس کا معاوضہ مالک کو دلایا جاتا تھا۔ رومی قانون کے بموجب مالک کو مملوک پر پورا حق حاصل تھا یعنی جو چاہے اسے کرے یہانتک کہ اسے جان سے مار ڈالنے کا بھی اسے حق حاصل تھا۔ جب غلامونکی تعداد ترقی کر گئی تو چونکہ انکے کام کی نگرانی کا انتظام عمدہ نہ ہو سکتا تھا اسلیے یہ تجویز کی گئی کہ کام کے وقت غلام کو زنجیرین ڈالدیجاوین۔ اور یہ قاعدہ یہانتک وسیع ہوا کہ دروازہ پر جو غلام محافظ ہوتا اسکو بھی زنجیرین ڈالدیجاتین اس مین شک نہین کہ بعض اوقات غلامونسے نیک سلوک بھی کیا جاتا تھا۔ مگر غلامونکی عام حالت نہایت ہی ذلیل اور بُری تھی۔ ہلکی سزا جو غلامونکو دیجاتی تھی، وہ یہ تھی کہ قصبہ سے نکالکر انکو دیہات مین مزدوری کے کام پر لگایا جاتا اور سخت سزا یہ تھی کہ انکو کارخانون یا کانون وغیرہ مین کام کرنیکے لیے بھیجدیا جاتا جہان مرد اور عورتین ملے جلے قریباً ننگے زنجیرونسے بندھے ہوئے ...... سپاہیونکی حفاظت اور کوڑون کے نیچے کام کرتے تھے اگسٹس کے زمانے مین ویڈیس پالیو کا ذکر ہے کہ وہ نہایت چھوٹے چھوٹے قصورون پر بلکہ اتفاقی غلطی کیوجہ سے بھی اپنے غلامونکو بحری اژدہاؤن کے آگے ڈالتا تھا۔

رومی سلطنت کے اندر ہی عیسائی مذہب بھی پیدا ہوا۔ اور اگر اسکا مشن غلامونسے حسن سلوک کا ہوتا تو سب سے اول یہی ملک تھا جو اس کی ایسی تعلیم کا محتاج تھا کیونکہ جسقدر غلامونکی حالت رومی سلطنت مین ابتر ہو رہی تھی ایسی اور کہین نہ تھی انکے ساتھ سخت سے سخت اور ظالمانہ سلوک ہوتا تھا پس ایک مصلح کا پہلا فرض ایسی حالت مین یہ تھا کہ اگر انکی آزادی پر نہین تو کم سے کم انکے ساتھ حسن سلوک پر ہی زور دیتا۔ اور ان مظالم کو جو غلامون پر ہو رہے تھے کھول کھولکر بیان کرتا۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح کے اقوال مین جو اسی زمانہ مین وعظ کر رہے تھے ایک لفظ بھی ایسا نہین پایا جاتا جس سے غلامون پر ظلم کے متعلق انکا اظہار ناپسندیدگی کا پایا جاتا ہو۔ کم سے کم جو اقوال آپکے اناجیل مین درج ہین ان مین ایک لفظ بھی غلامونکے ساتھ حسن سلوک کے بارے مین نہین۔ اور نہ ہی مالکون کو ان بیرحمیون اور ظلمونسے روکا گیا جو وہ غلامون پر کرتے تھے۔ تعجب ہے کہ سر ولیم میور جیسا مورخ اسلام پر یہ الزام دے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے غلامی کو دور نہین کیا درآنحالیکہ اسے علم ہے کہ بانی عیسائیت نے اپنے سارے وعظون مین ایک دفعہ بھی ان مظالم سے لوگونکو نہین روکا جو اس کی آنکھوں کے

سامنے غلامون پر ہوتے تھے۔ حضرت مسیح کی اس خاموشی کا عیسائی مذہب پر یہ اثر ہوا کہ بحیثیت مذہب غلامون
...... پر ظلم اور ان کی گری ہوئی اور ذلیل حالت سے اس نے کبھی نفرت ظاہر نہین کی۔ عیسائی صاحبان
کا یہ دعوے ہے کہ چونکہ عیسائی مذہب نے بڑی بھاری تبدیلی جو دنیا مین کی وہ یہ تھی کہ سب انسان آپس مین بھائی
ہین اس لیے اسی تعلیم کا بالواسطہ اثر غلامون کی حالت پر بھی پڑا اور اسکے ثبوت مین یہ امر پیش کیا جاتا ہے کہ
عیسائیت کے زور پکڑنے کے ساتھ رومی سلطنت مین غلامونکے ساتھ نرمی کا سلوک دن بدن بڑھتا گیا مگر
اول تو پہلا دعوے ہی غلط ہے۔ یہ بات کہ سب انسان بھائی ہین۔ تمام انبیاء کی تعلیم مشترک ہے اور مسیح سے پہلے
سب نبیون نے یہی تعلیم دی اور جب سے خدا نے شریعت دنیا مین نازل فرمائی ہے اسکے دو حصے ہی قرار دیئے
ہین یعنی اللہ تعالے کے ساتھ پاک تعلق اور اسکی مخلوق سے نیک سلوک۔ عیسائیت نے ہرگز اس بارے مین کوئی
نئی تعلیم نہین دی۔ باقی رہا رومی سلطنت مین غلامونکی حالت کا تدریجاً بہتر ہوتے جانا سو اسکا عیسائیت سے
کچھ تعلق نہین۔ یہ اصلاح تو عیسائی مذہب کے زور پکڑنے سے مدت پہلے شروع ہو چکی تھی۔ دوسری صدی عیسائی
مین جب ابھی عیسائی مذہب کو اپنی زندگی کا فکر ہی پڑا ہوا تھا۔ قانون کا میلان آزادی کیطرف شروع ہو گیا
تھا۔ لڑکون کے بیچنے وغیرہ کے رواج بند ہو چکے تھے کسی انسان کو غلامی کے لیے چرانا ایسا سنگین جرم قرار
دیا جا چکا تھا کہ جس کی سزا موت تھی۔ مالک سے غلام کو جان سے مار ڈالنے کا اختیار چھین لیا گیا تھا۔ اور یہ
ہیڈرین کے زمانے کا ذکر ہے جو ۱۱۷ء عیسوی مین تخت پر بیٹھا اس سے بہت مدت پہلے شہنشاہ نیرو نے جو ۵۴ء
عیسوی مین تخت نشین ہوا عدالتونکو یہ ہدایت کی تھی کہ غلامون پر جو ظلم کئے جاتے ہین ان کے متعلق استغاثون
کی سماعت کیجاوے۔ اب یہ سب تبدیلیان جو قانون غلامی مین واقع ہو رہی تھین یہ زمانہ کی اپنی رفتار کا
نتیجہ تھین اور عیسائی مذہب کو اسنے کچھ بھی تعلق نہین کیونکہ عیسائی مذہب کی اپنی بنیاد ابھی متزلزل تھی اور
اسکا اثر پڑنا شروع نہ ہوا تھا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ عیسائی مذہب بجائے اپنے گرد و پیش کے خیالات پر اثر
ڈالنے کے ہمیشہ دوسرون کے خیالات سے متاثر ہوتا رہا ہے۔ اسکے بنیادی اصول ہی اکثر ان کفار قوم سے
لیئے گئے ہین جن کے درمیان یہ مذہب پیدا ہوا پھر اسکا اثر دوسرے رواج پذیر کیا ہوتا تھا خصوصاً اس حالت
مین جب اسکے بانی کے منہ سے ایک لفظ بھی غلامی کے دور کرنے یا غلامونسے حسن سلوک کرنیکے متعلق نہ نکلا ہو۔
نیک اثر تو ایک طرف رہا یہان تو تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو تغیر خود رفتار زمانہ سے غلامون
کی بہتری کا پیدا ہو رہا تھا اسکو عیسائی مذہب نے ترقی دینے کی بجائے بہت کچھ روکا۔ چنانچہ رومی عیسائی
بادشاہونکے بعض قوانین سے یہ ترقی معکوس صاف معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً بچونکی فروخت کو روکنے کا
قانون پہلے پاس ہو چکا تھا مگر قسطنطین نے اس قانون کو منسوخ کرکے پھر اس بات کو مروج کر دیا کہ آزاد

والدین اپنے بچونکو بیچ کر غلام بنا سکین - یہ جو کہا جاتا ہے کہ بہت سی غلامی کی سختیان عیسائیت کی ترقی سے دور ہو گئین اس کی اصل حقیقت مین پہلے بیان کر چکا ہون کہ اصلاح تو پہلے ہی شروع ہو چکی تھی اور اسی رفتار سے تدریجاً ہوتی چلی گئی اور عیسائیت نے اس مین کوئی خاص حصہ نہین لیا نہ ہی کوئی خدمت قابل تعریف کی ہے - باقی رہی عیسائیت کی وعظ کہ تمام انسان بھائی ہین جس سے بڑے لمبے چوڑے نتیجے نکالے جاتے ہین سو یہ محض خشک الفاظ ہی رہے ہین اس کے ثبوت کیلئے ایک عیسائی کی شہادت کو پیش کرتا ہون "مذہبی اخوت جیسی آج کل اسلام مین ایک واقعی طاقت ہے ایسی ہی یہودیون مین بھی ایک واقعی طاقت تھی - اور عیسائیت کی مذہبی اخوت کے ادعا کی طرح خالی دعوے ہی دعوے اور خشک لفظ ہی نہین تھے" (دیکھو انسائکلو پیڈیا ببلیکا کالم نمبر ۴۶۵۸) اور پھر جب ہم غلامونکے بارے مین اس سنگدلی اور بیرحمی کو دیکھتے ہین جس کا اظہار کبھار طور مین ہوتا تھا - اور جو پورے زور شور کے ساتھ جسٹنین کے وقت تک جاری رہی تو اور بھی اس دعوے کی حماقت کی شہادت ملتی ہے -

ایک طرف قدیم زمانے کی دو بڑی مہذب اقوام یعنی رومیون اور یونانیون مین اور دوسری طرف قدیم زمانیکے دو بڑے مذہبون یعنی یہودیت اور عیسائیت مین غلامونکی حالت پر غور کرنیکے بعد ہم اس قابل ہین کہ ان مضرات کو سمجھ سکین جو رواج غلامی سے پیدا ہوتے تھے - کیونکہ جہان ایکطرف قدیم سوسائیٹی ثابت ہے - دوسری طرف اسکی بعض قباحتین بھی صاف نظر آتی ہین جن کے دور کرنیکے بغیر غلامی انسانونکے لیے واقعی لعنت کہی جا سکتی ہے - غور سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامونکو اول تو جاہل اور تمام علوم سے محض نابلد رکھا جاتا تھا - پھر انکے ساتھ سخت ظلم کا برتاؤ کیا جاتا تھا - پھر یہ بھی سمجھا جاتا تھا کہ وہ ایسی مخلوق ہے جو صرف حقیر کام کرنیکے لیے اور ذلت مین زندگی بسر کرنیکے لیے پیدا ہوئی ہے اور انکو محض حیوانونکی طرح سمجھا جاتا تھا - دوسری طرف مالک کو مملوک پر کلی اختیارات حاصل ہونیکی وجہ سے مالک ایک چھوٹے سے ظالم بادشاہ کی طرح ہوتا تھا پس اخلاقی لحاظ سے اور ایک حد تک تمدنی پہلو مین غلامی کے رواج کا اثر بہت ہی برا تھا اور سب سے بڑی اور ضروری اصلاح جسکا یہ رواج محتاج تھا وہ مالک اور مملوک کے تعلقات سے متعلق تھی - اس مین شک نہین کہ نسبتاً اسرائیلی شریعت مین بہت کچھ نرمی غلامونکے ساتھ کی گئی تھی - مگر عام اثر غلامی کا یہ ہو گیا تھا کہ مالک کے ساتھ سخت دلی اور مملوک کے ساتھ ذلت لگی ہوئی تھی - عیسائی مذہب نے باوجود ان بڑے بڑے دعوونکے جو آج پادری صاحبان منبرو نپر چڑھ کر کر رہے ہین - ان مضرات کے روکنے یا انکی اصلاح کی کوئی تدبیر نہ بتائی - اسلیے مین ان دوسری اصلاحونکو بیان کرنیسے پہلے جو غلامی مین اسلامی قانون اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کین - یہ بیان کرونگا کہ غلامونکے ساتھ کیسا حسن سلوک اس پاک شریعت نے چاہا ہے - آقا اور غلام کے باہمی تعلقات مین عظیم الشان اصلاح اسلام نے کی ہے

اور اسی ایک اصلاح نے غلامی کی تمام بدیوں اور مضرات کو جڑ سے کاٹ دیا اور خاص اغراض کیلئے ایک نہایت ہی محدود دایرے مین غلامی کی برداشت کر کے حسن سلوک کے متعلق ایسی شرایط لگادین جنہون نے غلامی کی تمام اخلاقی اور تمدنی مضرات کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا۔

۲ - اسلام مین غلامون سے سلوک

یہ ایک امر واقع ہے جس کی تصدیق روزمرہ واقعات سے ہو رہی ہے کہ مسلمانون مین مالک اور مملوک کا تعلق مغرب مین آقا اور نوکر کے تعلق سے بدرجہا بہتر ہے جو لوگ صاحب مرتبہ یا صاحب ثروت ہین وہ غریب لوگونکو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین مگر یہ حقارت ان مغربی اقوام مین سب سے بڑھی ہوئی ہے جنکو اس بات پر فخر ہے کہ ہم غلامی کے رواج سے آزاد ہو چکے ہین۔ اس مین شک نہین کہ غلامی کے نام کو تو انہون نے دور کر دیا ہے مگر اس کی حقیقت اب بھی آقا اور نوکر کے تعلقات مین ویسے ہی پائی جاتی ہے۔ اور نام کی تبدیلی سے حقیقت مین کوئی تبدیلی واقع نہین ہوئی۔ ایک مہذب یورپین جب ایک غیر قوم کے آدمی کو ملازم رکھتا ہے تو وہ اسے ایک وحشی سے بھی بدتر سمجھ کر سلوک کرتا ہے خصوصاً اس حالت مین جب ملازم کا کام ادنیٰ درجہ کا ہو۔ اور جہانتک سختی اور سلوک کا سوال ہے کوئی شخص امتیاز نہین کر سکتا کہ صاحب کا سلوک اپنے نوکر سے اچھا ہے یا قدیم زمانے مین ایک رومی مالک کا تعلق اپنے غلام سے اچھا تھا۔ شاید ہی کوئی موسم گرما ایسا گذرتا ہوگا جب یہ آواز ہمارے کانون مین نہ پڑتی ہو کہ ایک غریب پنکھا قلی کو صاحب بہادر نے مار مار کر صرف اسلیے ہلاک کر دیا کہ اس بدقسمت کو تھک کر ذرا اونگھ آگئی تھی اس حالت مین مین نہین سمجھتا کہ رومی مالک کو وہ کونسا اختیار اپنے غلام پر حاصل تھا جو اب ایک مہذب عیسائی کو اپنے نوکر پر حاصل نہین یا کونسی بدسلوکی وہ کرتا تھا جو اب نہین کیجاتی! اور گالیان دینا یا معمولی طور پر مار لینا تو کوئی بات ہی نہین۔ مہذب یورپین اقوام کو غلامی کے موقوف کرنے پر اسوقت تک فخر نہین کرنا چاہیئے جبتک کہ حقیقت غلامی یعنی نوکرون پر ظلم اور انکے ساتھ بدسلوکی سے وہ نجات حاصل نہ کر لین۔ اگر غلامی کے موقوف کرنے مین بڑی غرض یہ تھی کہ جو ظلم ایک مالک مملوک سے خدمت لینے مین کر سکتا ہے۔ انکو روکا جاوے۔ اور ان لوگونکو جو غلام کہلاتے ہین ان کی ذلیل حالت سے نکالکر دوسرے انسانونکی طرح انکو سمجھا جاوے تو مین دعوے سے کہتا ہون کہ یورپ مین سے ابھی تک غلامی کا رواج دور نہین ہوا اور ابھی تک یورپ نے وہ مقصد حاصل نہین کیا جو اسلام اس سے تیرہ سو سال پہلے حاصل

کر چکا ہے کیا یہ سچ نہین کہ یورپین لوگ دیسی ملازمون کو جن سے وہ خدمت کا کام لیتے ہین وحشیون سے اچھا نہین سمجھتے ؟ پھر اتنی بات سے کیا فرق ہو جائیگا کہ وہ ان کا نام غلام نہین بلکہ خادم رکھتے ہین۔ آقا اور خادم کے سچے تعلقات کو سمجھنے مین یورپ ابھی اسلام سے باوجود تیرہ صدیان گذر جانیکے بہت پیچھے ہے۔ جو ذلت قدیم اقوام مین غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی۔ اور پھر عیسائی نوآبادیون کی غلامی مین لگی رہی اور جو ذلت آج بھی غریب اور کم حیثیت آدمیونکی کی جاتی ہے اسلام نے اس کو غلامی کے نام سے قطعًا دور کر دیا اور نہ صرف لفظون مین ہی بلکہ عملی طور پر اسے جڑ سے کاٹ دیا اسلام کے ظہور سے آقا اور خادم یا مالک اور مملوک کے تعلقات سچے برادرانہ تعلقات سے بدل گئے۔ آقا اپنے غلام کی محنت کے کامون مین ...... شریک ہونے لگا اور غلام اپنے آقا کی وجاہت اور عزت مین شریک ہوگیا۔ یہ صرف انہین آقاؤن کی حالت نہ تھی جو سوسائیٹی کے درمیانی یا نچلے درجہ مین تھے بلکہ معزز سے معزز اور دولتمند سے دولتمند آقاؤن کا بھی یہی حال تھا۔

سب سے پہلے ہمین قرآن شریف کی تعلیم پر غور کرنا چاہیئے کہ وہ غلامونکے ساتھ کیسا سلوک چاہتا ہے اس بارے مین مندرجہ ذیل آیت قرآن کریم مین وارد ہوئی ہے۔ واعبدوا الله و لا تشرکوا به شیئا و بالوالدین احسانا و بذی القربی و الیتمی و المساکین و الجار ذی القربی و الجار الجنب و الصاحب بالجنب و ابن السبیل و ما ملکت ایمانکم ان الله لا یحب من کان مختالا فخورا (النساء - ع ۶ - آیۃ ۳۶) یعنے اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور احسان کرو مان باپ کے ساتھ اور قرابت والون اور یتیمون اور محتاجون اور قرابت والے پڑوسیون اور اجنبی پڑوسیون اور پاس کے بیٹھنے والون اور مسافرون اور لونڈی غلامونکے ساتھ جو تمہارے قبضے مین ہین اللہ ان لوگون کو دوست نہین رکھتا جو اتراتے ہین (یعنی دوسرونکے حقوق کی پروا نہ کرین) اور بڑائی مارتے پھرین (یعنی دوسرونکو حقیر سمجھین)۔ اس آیت شریف مین دو قسم کے احکام ایک ہی جگہ اکٹھے کر کے بیان کیے گئے ہین یعنی اللہ تعالے کی عبادت اور اسکی مخلوق سے نیکی اور اس دوسرے حصے مین بعض وہ لوگ جنکے ساتھ انسان کو نیکی کرنی چاہئے مخصوص کر کے بیان کیے گئے ہین تا انکی طرف زیادہ توجہ ہو۔ ان دونون احکام کو ایک ہی جگہ بیان کرنیسے یہ مقصود ہے کہ جیسا اللہ تعالے کی عبادت کرنا اور اسکا کوئی شریک نہ ٹھہرانا۔ اسلام لانیکے لیے ضروری ہے ویسا ہی مخلوق کے ساتھ نیکی کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ یہی دو شریعت کے بھاری اجزا ہین یعنی اللہ تعالے سے سچا تعلق پیدا کرنا اور اسکی مخلوق سے نیکی کرنا۔

پس جہان انجیل غلامونکے ساتھ نیک سلوک کرنیکے متعلق ایک لفظ بھی نہین کہتی۔ قرآن کریم اسے ایسا ضروری قرار دیتا ہے جیسا والدین سے نیکی کرنا کیونکہ ایک سے ہی الفاظ مین دونون احکام بیان کیے گئے ہین

یہ اس قدر صاف حکم غلامون سے نیکی کرنے کا ہے جس سے کوئی دشمن اسلام بھی انکار نہین کر سکتا چنانچہ ہیوز نے اپنی ڈکشنری آف اسلام مین اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "یہ بالکل صاف امر ہے کہ قرآن شریف اور احادیث مین غلامون کے ساتھ نیکی کرنے کی بڑے زور سے تاکید کی گئی ہے"۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ غلام کو قرآن کریم الفاظ ما ملکت ایمانکم سے ہی عموماً بیان فرماتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ان لوگونکے جو کفار کے ساتھ لڑائیون مین مسلمانونکے ہاتھ لگتے تھے اور کوئی غلام نہین بنایا جا سکتا تھا مگر اس حصہ پر ہم بعد مین بحث کرینگے۔ اس آیت کے آخری الفاظ مین اسی حسن سلوک کے حکم کو پھر موکد کیا ہے یہ فرما کر کہ تمہارے تمام افعال کی غرض تو یہ ہونی چاہیئے کہ تم اپنے حقیقی آقا کے پیارے بن جاؤ لیکن یاد رکھو کہ تم خدا کے پیارے کبھی نہین بن سکتے جبتک تم دوسرے لوگونکے حقوق کی پوری نگہداشت نہ کروگے اور دوسرے لوگونکو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا نہ چھوڑوگے۔

اس کے علاوہ دینی اخوت کا سلسلہ جو اسلام نے قایم کیا وہ بجائے خود ایک زبردست محرک نیک سلوک کا تھا۔ آزاد عورتون اور غلامون کے درمیان اور آزاد مردون اور۔۔ لونڈیون کے درمیان نکاح جایز قرار دیے گئے۔ ایک مشرکہ آزاد عورت اور مسلمان لونڈی مین نکاح کے وقت ترجیح لونڈی کو دیگئی۔ اور ایک مشرک مرد اور مسلمان غلام مین ترجیح غلام کو دیگئی۔ بات بات پہ غلامون کو آزاد کرنیکا حکم دیا گیا اور اسے بعض گناہونکا کفارہ قرار دیکر یہ سمجھایا گیا کہ غلامونکے ساتھ نیکی کرنا اور انکو آزاد کرنا اللہ تعالےٰ کے نزدیک بہت ہی محبوب فعل ہے لونڈی اگر نکاح کے بعد فحش کی مرتکب ہو تو اس کی سزا آزاد عورت سے نصف رکھی گئی۔ غلامونکے نکاح کرنیکا خاص طور پر حکم دیا گیا۔ چنانچہ فرمایا۔ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا۔۔۔ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور۔ رکوع ۴ آیت ۳۲) "اور تم مین سے جنکے ازواج نہین ان کے نکاح کردیا کرو اور اپنے غلامون اور لونڈیون مین سے جو نیک بخت ہون ان کے بھی نکاح کرو۔ اگر یہ لوگ محتاج ہونگے تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے انہین غنی کر دیگا" قبل از اسلام جو بدیان عرب مین لونڈی غلامونکے معاملے مین تھین ان سب کو دور کیا گیا۔ منجملہ انکے ایک یہ بدرسم بھی تھی کہ لونڈیون سے بدکاری کرا کر اس مال سے فائدہ اٹھاتے جسکی خاص طور پر ممانعت قرآن شریف مین کیگئی ہے۔

یہ ہین قرآن شریف کے احکام۔ ان مین سب سے پہلے یہ امر دیکھنا چاہیئے کہ ان احکام سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین نے کیا سمجھا اور انپر کیونکر عمل کیا۔ اس غرض کے لیے احادیث مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپکے عمل کو سب سے پہلے دیکھنا چاہیئے۔ احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو زور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے غلامونکے ساتھ حسن سلوک کرنے پر دیا ہے اور جو خود اس حسن سلوک کا

نمونہ دکھایا ہے اس سے اگر موازنہ کیا جائے تو یہی کہنا پڑے گا کہ کسی دوسرے مصلح نے آپکے بالمقابل کچھ بھی نہین کیا سب سے پہلے مین صحیح بخاری کی احادیث کو بیان کرتا ہون اور پھر دوسری متفرق احادیث کو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین۔ ان اخوانکم خولکم جعلہم اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوہم ما یغلبہم فان کلفتموہم ما یغلبہم فاعینوہم۔ یعنی تمہارے بھائی ہی تمہارے خدمتگار ہین۔ اللہ نے انہین تمہارے نیچے رکھا ہے پس جس شخص کا بھائی اسکے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہیے کہ جو چیز آپ کھاتا ہے اسی مین سے اسے بھی کھلاوے اور جو پوشاک آپ پہنتا ہے اسی مین سے اسے بھی پہناوے اور انپر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالو جو انکی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر انکی طاقت سے زیادہ کام انکو دو تو پھر انکو مدد بھی دو + بتاؤ کہ کونسا ایسا اور انسانون کا ہمدرد پیدا ہوا ہے یا کونسا مصلح ہے جسنے ایسی کامل اخوت آقا اور غلام مین پیدا کی ہو جو صرف الفاظ تک ہی محدود نہین بلکہ عملی رنگ مین ہے کہ مالک اور مملوک کا ایک سا ہی لباس اور ایک سی خوراک ہو۔ یہی نہین بلکہ غلامونکی حالت بہت ہی قابل رشک معلوم ہوتی ہے۔ جب ہم آپکے یہ پیارے الفاظ پڑھتے ہین والذی نفسی بیدہ لولا الجہاد فی سبیل اللہ والحج وبرّ امّی لاحببت ان اموت وانا مملوک۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جسکے ہاتھ مین میری جان ہے کہ اگر اللہ کی راہ مین جہاد اور حج اور ماں کے ساتھ نیکی نہ ہوتی تو مین پیار کرتا کہ غلامی کی حالت مین ہی مرون + پھر غلام محض حیوان کی طرح ایک گونگا کارکن نہین بلکہ وہ اپنے آقا کا سچا مشیر قرار دیا گیا ہے۔ قال اذا نصح العبد سیدہ واحسن عبادۃ ربہ کان لہ اجرہ مرتین۔ یعنی جو غلام اپنے آقا کو نیک صلاح دیتا ہے اور اپنے پروردگار کی عبادت عمدہ کرتا ہے اسکو دوہرا اجر ملتا ہے۔ غلامون لونڈیونکے ساتھ حسن سلوک صرف اسی حد تک محدود نہین رکھا گیا کہ ان سے کام لیا جائے اور انکے ساتھ نیکی کی جاوے بلکہ انکی عمدہ پرورش کے لیے بھی جناب سالتمآب علیہ الصلوۃ والسلام نے خاص طور پر ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ لونڈیونکے متعلق یہ ہدایت فرمائی۔ قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ایما رجل کانت لہ جاریۃ ادبہا فاحسن تعلیمہا واعتقہا وتزوجہا فلہ اجران۔ فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اسکی تادیب کرے یعنی اسے اعلے درجہ کے نیک اخلاق کی تربیت دے اور اسکو نہایت عمدہ تعلیم دے پھر اسکے بعد اسکو آزاد کرے اور اس سے نکاح کرے اسکے لیے دوہرا اجر ہے۔ اس حدیث کیطرف مین خصوصیت سے اُن کو توجہ دلاتا ہون جو یہ کہا کرتے ہین کہ اسلام عورت کو جاہل رکھنا چاہتا ہے وہ غور کرین کہ آزاد عورتین تو ایک طرف رہین اسلام تو لونڈیون کے متعلق بھی یہ حکم دیتا ہے کہ انکو نہایت عمدہ تعلیم اور تربیت دیجاوے۔ اسی حدیث سے نہایت صفائی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا منشاء غلامون اور لونڈیون کو کس درجہ تک ترقی دینے کا ہے۔

بہت سی اور حدیثین ہین جن مین غلامونکے ساتھ حسن سلوک کے بارہ مین تاکید کیگئی ہے۔ ان مین سے

مشکوۃ کی بعض حدیثون کا ترجمہ لین صاحب نے اپنے ترجمہ الف لیلہ کے نوٹون مین دیا ہے اور انہین کو ہیوز نے اپنی ڈکشنری آف اسلام مین نقل کیا ہے ان مین سے بعض کا اردو ترجمہ مین یہان دیتا ہون۔ "اپنے غلامونکو اس کھانے مین سے کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو اور انکو ایسا کام کرنیکو نہ دو جو انکی طاقت سے بڑھکر ہو" "جو شخص اپنے غلام کو بلا وجہ مارتا ہے یا اسکے مُنہ پیمارتا ہے اسکا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کرے" "جو شخص اپنے غلام سے سختی کرتا ہے وہ جنت مین داخل نہین ہوگا" "جو شخص مان اور بیٹے مین جدائی پیدا کرتا ہے (یعنی لونڈی کو بیچکر) اللہ تعالے قیامت کے دن اسے اپنے دوستون سے جدا کریگا"

ان تمام احادیث سے نہایت صاف اور یقینی شہادت اس بات کی ملتی ہے کہ مذہب اسلام مین غلام کو غلام سمجھا ہی نہین گیا بلکہ اسکے کام کو الگ چھوڑکر جو اسکے سپرد کیا گیا ہے وہ ہر طرح سے اپنے مالک کے برابر سمجھا گیا ہے تیرہ سو سال گذر چکے ہین جب پہلے ایک سچے ہمدرد بنی نوع انسان نے یہ ہدایتین جاری کین اور نہ صرف جاری کین بلکہ ان پر عمل کیا اور کرایا۔ مگر آج باوجود تیرہ سو سال کے گذر جانیکے اور باوجود بڑے بڑے ہمدردی کے دعووں کے کسی شخص مین اسقدر اخلاقی جرأت بھی نہین جو ان ہدایتوں پر عمل کرنا تو ایک طرف رہا نوکروں کے متعلق اسی قسم کی ہدایتین دینے کی جرأت کرے۔ اب مین چند اور حدیثین نقل کرتا ہون تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسقدر تاکید اکید غلامون اور لونڈیون کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق کی ہے۔ ایک روایت مین آیا ہے کہ مرض الموت مین آپکے منہ مین یہ الفاظ تھے۔ اتقوا اللہ فی الصلوۃ وفی ما ملکت ایمانکم۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ ان دو چیزونکا خاص طور پر خیال رکھو یعنی قیام نماز اور غلامون لونڈیونکے ساتھ حسن سلوک۔ اس حدیث سے کیسی صفائی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپکے دل مین انسانونکے ساتھ اور خصوصاً اس جماعت کے ساتھ جسکو دنیا کی سب قومون نے ذلیل سمجھا اور ابتک ذلیل سمجھ رہی ہین (یعنی ... غلام اور خادم) کیسا سچی ہمدردی کا جوش تھا اور کسقدر انکی بہتری کا فکر آپکو تھا کہ اخیر وقت مین بھی یہی لفظ آپکے مُنہ سے نکلے۔ آپ کیا چاہتے تھے ایک اور سے پتہ لگتا ہے۔ فرمایا لقد اوصانی حبیبی جبرائیل بالرفق بالرقیق حتی ظننت ان الناس لا تستعبد ولا تستخدم میرے دوست جبرائیل نے غلامونکے ساتھ نرمی کا سلوک کرنیکے لیے مجھے اسقدر وصیت کی کہ مینے گمان کیا کہ آیندہ کوئی غلام .... نہین بنایا جانا چاہیئے۔ جو لوگ ان صاف شہادتونکے ہوتے ہوئے بلا سوچے سمجھے اسلام پر یہ اعتراض کر دیتے ہین کہ غلامی شریعت اسلامی کا ایسا ضروری جزو ہے کہ اسکو جدا کرنیسے شریعت درہم برہم ہو جاتی ہے انکو کم سے کم یہ حدیث پڑھکر ضرور شرم کرنی چاہیئے کیونکہ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامونکے ساتھ نرمی کا اصل مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ غلامونکو آزاد کر دیا جاوے اور آیندہ غلام بنانیسے لوگونکو روکا جاوے ایک شخص کا ذکر ہے کہ ایکدفعہ آپکے پاس آیا اور آپسے پوچھا کہ مین کتنی مرتبہ اپنے غلام کو معاف کیا کرون آپنے منہ پھیر لیا

اور کوئی جواب اسکے سوال کا نہ دیا وہ دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ سامنے آیا اور یہی سوال دہرایا اور آنحضرت نے اسی طرح بغیر جواب دینے کے منہ پھیر لیا۔ چوتھی مرتبہ جب اسنے یہ سوال کیا تو آپنے فرمایا۔ اعف عن عبدک سبعین مرۃ فی کل یوم اذا اردت نوال الاجر والثواب۔ اگر تو اجر اور ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہر روز ستر دفعہ اپنے غلام کو معاف کیا کر۔ مین پوچھتا ہون کہ کیا آج ان اقوام مین جو مہذب کہلاتی ہین ایک آدمی بھی ایسا ہے جو اپنے خدمتگار کو باوجود اسکے قصور کے ستر دفعہ معاف کر سکے مگر اسلام مین غلامون کے متعلق واقعی ایسا عملدرآمد ہوا۔ آپ کا دل یہ بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ غلام کو غلام پکارا جاوے کیونکہ اس نام مین حقارت پائی جاتی تھی اور آپ پسند نہ کرتے تھے کہ کسی قسم کی بھی تحقیر انکی کیجاوے چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمت نے یہ حدیث روایت کی ہے لایقل احدکم عبدی امتی ولیقل فتای وفتاتی وغلامی۔ چاہئے کہ تم یہ نہ کہو کہ اے میرے غلام یا اے میری لونڈی بلکہ یون کہو کہ اے میرے فتا یا اے میری فتاۃ یا اے میرے غلام (یہ لفظ ہر ایک جوانمرد اور جوان عورت پر بولے جاتے ہین۔ غلام کا لفظ بھی اسی طرح بولا جاتا ہے عربی مین غلام کا مفہوم عبد سے ادا ہوتا ہی) عبد اور امتہ کہنے سے اسلیے روکا کہ یہ الفاظ عموماً لونڈیون اور غلامون پر ہی بولے جاتے تھے اور وہ الفاظ جنکے بولنے کی ہدایت کی ہے وہ عام ہین۔ آزاد مردون اور عورتون پر بھی بولے جاتے ہین۔

اس کے بعد مین یہ بیان کرون گا کہ ان ہدایات پر عمل بھی کیا جاتا تھا یا نہین اور اگر کیا جاتا تھا تو کس حد تک۔ مگر قبل اسکے کہ مین عمل کی نظیرین پیش کرون ایک شبہ کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر غلامونکو اسقدر حقوق دیئے گئے تھے اور انکی اسقدر رعایت ضروری تھی جیسا کہ حدیثونسے پتہ لگتا ہے تو پھر مالک اور مملوک مین فرق ہی کیا تھا اسکا جواب خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث مین موجود ہے اور یہ حدیث بھی صحیح بخاری مین مذکور ہے چنانچہ فرمایا۔ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامیر الذی علی الناس راع وہو مسئول عنہم والرجل راع علے اہل بیتہ وہو مسئول عنہم والمرأۃ راعیۃ علے بیت بعلہا وولدہ وھی مسئولۃ عنہم والعبد راع علے مال سیدہ وہو مسئول عنہ۔ یعنی تم مین سے ہر ایک حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق سوال کیا جاوے گا پس امیر لوگون پر حاکم ہے اور اس سے ان لوگون کے متعلق پوچھا جائیگا اور آدمی اپنے گھر کے لوگون پر حاکم ہے اور اس سے انکے متعلق پوچھا جائیگا۔ اور عورت اپنے خاوند کے گھر پر اور اس کی اولاد پر حاکم ہے اور اس سے انکے متعلق پوچھا جائیگا۔ اور غلام اپنے آقا کے مال پر حاکم ہے اور اس سے اسکے متعلق پوچھا جاوے گا + اس حدیث کے روسے ہر ایک شخص کے سپرد جدا جدا کام ہے اور ایک رنگ مین ایک شخص حاکم ہے اور دوسرے رنگ مین وہی محکوم ہے۔ اسلام ایسی مساوات کی تعلیم نہین دیتا جس سے چھوٹون بڑون کا امتیاز ہی اٹھ جاوے اور دنیا کے کاروبار بند ہو جاوین بلکہ ایک ایسی اخوت قایم کرتا ہے کہ

کام بھی سب کے الگ الگ رہین اور سوسائیٹی مین بڑے بھی ہون اور چھوٹے بھی مگر اسکے ساتھ ہی ان مین انسان اور پھر بھائی ہونیکی حیثیت سے ایک مساوات بھی ہو۔ نہ ہی کام مقرر کرنیسے اسلام کی پاک تعلیم کا یہ منشاء ہے کہ آقا غلام کے کام کو ذلیل سمجھکر اسے ہاتھ نہ لگاوے اور آقا کا کام غلام کی عزت سے بڑھکر سمجھا جاوے بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ ضرورت کے وقت آقا غلام کے کام مین اسکی مدد کرے اور جو فوائد آقا اٹھاتا ہے غلام کو انسے محروم نہ رکھا جاوے ہان آقا کو یہ چاہئیے کہ وہ اپنے غلام سے نیکی اور احسان کرے اور غلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے آقا کی سچے دل سے فرمانبرداری کرے وہ اپنے اپنے مفوضہ کامونکو بجالاوین۔ باقی امور مین وہ مساوی ہین۔

اب مین چند مثالین بیان کرتا ہون۔ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نہ صرف معلم ہی تھے بلکہ ہر بات مین خود ایک پاک نمونہ بھی تھے یہی وجہ تھی کہ آپکی تعلیم کا وہ زبردست اثر آپکے صحابہ اور مسلمانو نپر ہوا۔ یہ جو آپنے فرمایا تھا کہ میرے دوست جبرائیل نے یہانتک غلامونکے ساتھ مجھے حسن سلوک کی تاکید کی ہے کہ میرا گمان ہوا کہ غلام بنانا ہی نہ چاہئیے یہ واقعی آپکے دل کی سچی خواہش اور تڑپ تھی۔ اور یہی آپکی غلامونکے ساتھ نیکی کی تعلیم کا اصل مقصد تھا اور آپ تدریجاً دنیا کو اسیطرف مائل کر رہے تھے۔ چنانچہ ان سب باتونکا ثبوت آپکے اپنے عمل سے ملتا ہے کہ آپنے کبھی کوئی غلام نہین رکھا بلکہ جونہی کبھی کوئی غلام آپکے ملک مین آیا تو آپنے اسے فوراً آزاد کر دیا۔ اس سے زیادہ واضح ثبوت آپکی دلی خواہش کا اور کیا ملسکتا ہے۔ مگر اس مضمون پر یہ بحث کا موقعہ نہین۔ غلام تو آپ سب آزاد کرتے رہے ہان آپ کے خادم تھے اور چودہ یا پندرہ آدمیونکے نام لیے گئے ہین جنہون نے وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ علاوہ انکے آپکے صحابہ اور متبعین مین سے ہر ایک شخص اسے اپنے لیے باعث فخر و عزت سمجھتا کہ کوئی کام آپ اسے فرمائین۔ پھر آپکی پوزیشن دنیاوی لحاظ سے بھی اعلے درجہ کی تھی۔ مدینہ مین آپ گویا ایک چھوٹی سی جمہوری سلطنت کے اعلیٰ افسر تھے اور پھر بعد مین آپ کل عرب کے شہنشاہ ہوگئے۔ مگر باوجود ان سب باتونکے آپ خود اپنے کپڑے مرمت کر لیتے۔ بکریونکو دوہ لیتے اور اپنی بیویونکو گھر کے کام کاج مین مدد دیتے تھے۔ جب کھانا کھانے بیٹھتے تو آپ ایک خادم کی طرح بیٹھتے۔ اور دوسرونکا کام کرنیکے لیے ہمیشہ اٹھنے کو تیار رہتے سوار ہوتے تو کسی اور کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔ حضرت انس نے آپکے خادمونکے ساتھ نیکی کے کئی واقعات بیان کیے ہین۔ چنانچہ وہ فرماتے ہین کہ مین دس سال تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیخدمت کرتا رہا اس عرصہ مین کبھی آپنے مجھکو اف تک نہین کہا۔ جب مینے کوئی کام کیا تو مجھے یہ نہین کہا کہ یہ کام تمنے کیون کیا اور اگر کوئی کام نہین کیا تو یہ نہین کہا کہ یہ کیون نہین کیا۔ اور آپکا سلوک تمام دنیا سے بڑھکر اچھا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا فرماتی ہین کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی خادم کو یا کسی عورت کو نہین مارا +

آپکے صادق محب اور مخلص بھی آپکے نقش قدم پر ہی چلتے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپنے اسیران جنگ مین سے ایک اسیر ایک صحابی ابوالہیثم رضی اللہ تعالے عنہ کو بطور غلام کے دیا اور اسے نصیحت کی کہ اس سے نیک سلوک کرے۔ ابوالہیثم اس غلام کو لیکر گھر گیا اور اپنی بی بی کو کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ غلام دیا ہے اور ساتھ یہ وصیت کی ہے کہ اس سے حسن سلوک کرنا۔ بی بی نے کہا کہ اس نصیحت پر تم پورا عمل کیونکر کر سکتے ہو سوائے اسکے کہ غلام کو آزاد کردو۔ چنانچہ ابولہیثم نے وہ غلام اسیوقت آزاد کر دیا۔

زنباع نے اپنے ایک غلام کو ایک لونڈی کے ساتھ پایا اور اسکا ناک کاٹ ڈالا غلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا آپنے پوچھا کہ کسنے تیرا یہ حال کیا ہے غلام نے کہا زنباع نے۔ چنانچہ اسیوقت زنباع کو طلب کیا گیا اسنے جو دیکھا تھا بیان کیا۔ آنحضرت نے غلام کو فرمایا کہ جا تو آزاد ہے پھر غلام نے کہا یا رسول اللہ مین کس کا مولی کہلاؤنگا۔ (یعنی میرا معاون اور مددگار کون ہوگا) آپنے فرمایا خدا اور اسکے رسول کا مولی۔ چنانچہ اسی وعدے کے مطابق آپ جبتک جیتے رہے اسکی مدد کرتے رہے آپکی وفات کے بعد وہ حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور وہ واقعہ آپکو یاد دلایا اسپر حضرت ابوبکر رض نے اسکے اور اسکے عیال کیلیے گذارہ مقرر کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد وہ حضرت عمر رض کے پاس حاضر ہوا آپنے پوچھا تو کہان جانا چاہتا ہے عرض کیا مصر مین اسپر حضرت عمر نے حاکم مصر کے نام حکم لکھدیا کہ اسکو اسکے گذارہ کیلیے زمین دیدو۔ سبحان اللہ کیسا پاک وعدہ تھا اور کیسا پاک ایفا اسکا ہوا +

ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہین کہ مین ایکدفعہ اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ ناگہان مینے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی۔ ابومسعود یاد رکھو کہ جسقدر طاقتور حاکم تم اسپر ہو اس سے زیادہ طاقتور حاکم خدا تمپر ہے۔ ابومسعود فرماتے ہین جب مینے پیچھے پھر کر دیکھا تو آنحضرت صلعم تھے مینے عرض کیا یا رسول اللہ مینے اسیوقت اسکو خدا کیلیے آزاد کر دیا آپنے فرمایا اگر تم اسے آزاد نکرتے تو تم آگ مین پڑتے +

حضرت ابوہریرہ رض کے متعلق روایت ہے کہ آپنے ایکدفعہ دیکھا کہ ایک آدمی سوار ہے اور اس کا غلام اسکے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے آپنے فرمایا اسے اپنے پیچھے بٹھالو کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے اور اس کی روح بھی تمہاری روح کی طرح ہے۔

معرور کہتے ہین مینے ابوذر رض کو دیکھا کہ ایک نیا عمدہ لباس پہنا ہوا ہے اور آپکے غلام نے بھی ویسا ہی نیا اور عمدہ لباس پہنا ہوا ہے۔ مینے پوچھا تو فرمایا کہ ایک دفعہ مینے ایک آدمی (اس سے مراد آپکا غلام ہے) کو گالیان نکالین اسنے میری شکایت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کی آپنے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تمنے اسکی مان پر عیب لگایا اور پھر فرمایا کہ تمہارے غلام اور نوکر چاکر تمہارے بھائی ہین پس جس شخص کا بھائی

اسکے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہیئے کہ اپنے کھانے میں سے اسے کھلاوے اور اپنے لباس سے کپڑا پہناوے۔ تم اپنے غلاموں کو ایسا کام نہ دو جو انکی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر دو تو پھر اسکے کرنے میں خود مدد دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ پیارا قول نقل کیا گیا ہے کہ مین شرمندہ ہوتا ہون۔ جب میں ایسے آدمی کو غلام بنا کر رکھتا ہون جو کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپنے ایک غلام کی نافرمانی کی وجہ سے اسکے کان مروڑا۔ اور پھر اپنے فعل سے توبہ کی اور اسی غلام کو کہا کہ تو بھی اسی طرح میرا کان مروڑ۔ مگر اسنے انکار کیا۔ آپنے اصرار کیا تو اسنے آہستہ آہستہ کان مروڑنا شروع کیا آپنے کہا زور سے مروڑو کیونکہ مین قیامت کے دن کی سزا برداشت نہین کر سکتا۔ غلام نے جواب دیا اے میرے آقا جس دن سے تو ڈرتا ہے اسی دن سے مین بھی ڈرتا ہون۔

حضرت زین العابدین کا ذکر ہے کہ ایکدفعہ انکے ایک غلام نے بھیڑ کو پکڑتے ہوئے اسکی ایک ٹانگ توڑ دی انہون نے کہا کہ تو نے کیون ایسا کیا کہا آپکو غصہ دلانیکے لیے آپ نے فرمایا جس نے تجھے یہ تعلیم دی مین اسے غصہ دلاؤنگا۔ یعنی شیطان کو جا اور تو خدا کے لیے آزاد ہے۔

غلامون یا آزاد کردہ غلامونکو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے اسامہ کو جو حضرت زید کے بیٹے تھے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج کا افسر بنایا۔ قبل اس کے کہ یہ فوج روانہ ہو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو لوگون نے کہا کہ آپ کسی اور بڑے آدمی کو افسر بنائین مگر آپ بہت ناراض ہوئے کہ جو کام میرے پیارے محبوب اور آقا نے کیا ہے مین اسے منسوخ کرون۔ جب فوج کی روانگی کا وقت آیا تو آپ اسامہ کے ساتھ ساتھ پیدل روانہ ہوئے اور وہ سوار تھے انہون نے عرض کی کہ اے خلیفہ رسول اللہ یا آپ بھی سوار ہو جاوین اور یا مجھے اجازت دین کہ مین بھی پیدل چلون مگر آپنے نہ مانا اور کچھ دیر تک نصیحت کرتے ہوئے اسی طرح ساتھ گئے۔ جب حضرت عمرو نے مصر کی فتح کا ارادہ کیا تو اول صلح کا پیغام دیکر ایک جماعت حاکم مصر کے پاس بھیجی جسکا سردار عبادہ رضؓ کو قرار دیا جو حبشی تھے اور حبشی اس زمانے مین بطور غلامونکے فروخت ہوتے تھے جب یہ جماعت حاکم مصر کے سامنے آئی تو اس نے کہا کہ اس حبشی کو باہر نکالدو۔ انہون نے کہا یہی تو ہمارا سردار ہے اور جو کچھ یہ کہیگا یا کریگا اسیکے ہم پابند ہین۔ مقوقس حیران ہوا اور پوچھا تمنے ایک حبشی کو اپنا سردار کیونکر بنا لیا انہون نے کہا سرداری ہمارے درمیان قومیت یا رنگ پر نہین بلکہ فضیلت پر ہے سو یہ ہم سب مین سے افضل الرائے ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے عظیم الشان بادشاہ کا جو سلوک اپنے غلامون سے تھا وہ ظاہر کرتا ہے

کہ غلامون کی ابتدائی اسلامی سوسائٹی مین کیا حیثیت تھی اور وہ لوگ کس طرح پر اپنے پیارے نبی کے لفظون پر عمل کرتے تھے۔ جب حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور شہر کے لوگ تنگ آگئے تو انہون نے اس شرط پر شہر حوالہ کر دینے کا وعدہ کیا کہ خود حضرت عمرؓ آکر شرایط صلح طے کرین۔ ابو عبیدہؓ نے امیر المومنین کو لکھا تو آپ فی الفور روانہ ہو گئے۔ آپکے ساتھ آپکا غلام بھی تھا مگر سواری کیلیے اونٹ صرف ایک ہی تھا اسلیے خلیفہ اور غلام باری باری اسپر چڑھتے اور جس کی باری نہ ہوتی وہ پیدل ہمراہ دوڑتا۔ جب آپ ابو عبیدہ کے ڈیرے کے قریب پہنچے تو اتفاقاً غلام کی باری سواری کی آگئی۔ آپ اتر کھڑے ہوئے اور غلام کو سوار کیا اور آپ پیدل ہمراہ بھاگتے تھے اور تمام نظرین آپکی طرف لگی ہوئی تھین۔ ابو عبیدہ نے اس بات سے ڈر کر کہ امیر المومنین کو اس طرح پیدل بھاگتا ہوا دیکھ کر یروشلم کے اہالی پر برا اثر نہ ہو اور مبادا جنگ رخ پلٹ دے عرض کیا کہ تمام نظرین آپکی طرف لگی ہوئی ہین اس صورت مین یہ مناسب نہین کہ آپ کا غلام تو سوار ہو اور آپ نوکرونکی طرح ساتھ ساتھ بھاگین۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ اس بات کو سن کر غضب مین آئے اور فرمایا کہ تجھ سے پہلے ایسا مجھے کسی نے نہین کہا اور یہ تیری بات مسلمانون پر لعنت لانیوالی ہے ہم سب لوگونسے زیادہ ذلیل اور حقیر اور سب سے تھوڑے تھے۔ خدا نے اسلام کے ذریعے ہمین بڑائی اور عزت دی۔ اور اگر ہم ان راہون سے الگ چلکر عزت تلاش کرینگے۔ جو راہین اسلام نے ہمین سکھائی ہین تو پھر خدا ہمین ذلیل کریگا۔ جس سے آپ کا یہ مطلب تھا کہ اسلام نے تو یہ تعلیم دی ہے کہ تم اپنی عزت اسی مین سمجھو کہ اپنے غلامونکو اپنے برابر رکھو۔ اگر ہم اس مساوات مین اپنی ذلت سمجھنے لگین گے تو پھر خدا ہمین ذلیل کریگا کیونکہ اسکی بتائی ہوئی راہ کو ہم چھوڑینگے مین پوچھتا ہون کہ آیا آج بھی دنیا مین کوئی ایسا فاتح موجود ہے۔ یا کوئی چھوٹی سی چھوٹی ریاست کا حکمران ایسا موجود ہے یا کوئی شخص جو کسی بڑے عہدے پر ممتاز ہو ایسا ہے کہ وہ اخلاقی جرات دکھا سکے جو حضرت عمر نے دکھائی یا نیک سلوک کا وہ نمونہ دکھا سکے جو ایک بڑے شہنشاہ نے دکھایا۔ کیا حضرت عمر اس امر سے ناواقف تھے کہ ایک نئے فتح ہوئے ہوئے ملک پر رعب کا قایم رکھنا کسقدر ضروری ہے۔ نہین وہ خوب سمجھتے تھے بلکہ جیسا وہ ان معاملات کو سمجھتے تھے ایسا کوئی نہ سمجھتا تھا۔ مگر اسلام کے احکام کی سچی عظمت انکے دل مین تھی وہ صدق دل سے جانتے تھے کہ ہر ایک عزت اور شوکت انہین راہون پر چلنے سے ملے گی اور اگر پچھلے زمانے مین مسلمانون نے غلامون اور نوکرونکے ساتھ اس طریق برتاؤ کو چھوڑ دیا تو یہ وہی بات ہے جو حضرت عمر نے کہی تھی انہون نے اسلامی راہون کو چھوڑ کر اور راہونسے عزت تلاش کی پس وہ عزت کو کھو بیٹھے۔ اب بھی جو مسلمان غیر مسلمان اقوام کے نقش قدم پر چلکر دنیا مین معزز بننا چاہتے ہین اور اسلام کی راہونکو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہین انہین یہی بات یاد رکھنی چاہیئے +

مگر باوجود ان غلطیونکے جن مین مسلمان پڑ گئے ہین اور مرور زمانہ سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے دور جا پڑے ہین یہ امر قابل غور ہے کہ آپکی نیک تعلیم ایسی انکے خونونکے اندر رچ گئی یا یون کہو کہ آپ کی قوت قدسی ایسی اپنر غالب آئی کہ اب بھی مسلمانون کا سلوک اپنے نوکرون اور غلامون سے غیر اقوام کے سلوک کی نسبت بدرجہا بہتر ہے اور یہ تشکر کا مقام ہے کہ ہمین اس کا ثبوت دینے کی کوئی ضرورت نہین خود عیسائیون نے اسکو تسلیم کر لیا ہے۔ لین الف لیلہ کے انگریزی ترجمہ کے نوٹون مین لکھتا ہے اور یہ وہ شخص ہے جو مدتون مصر مین رہا اور مسلمانون کے حالات کو غور کی نظر سے دیکھتا رہا وہ کہتا ہے کہ مسلمانون مین غلامون کے ساتھ عموماً نیک سلوک کیا جاتا ہے دوسرے ممالک کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ جن سیاحون نے دوسرے اسلامی ممالک مین سفر کیا ہے ان کی شہادت مسلمانون کی اپنے غلامونکے ساتھ حسن سلوک کے متعلق بہت ہی قابل اطمینان ہے اور پھر لکھتا ہے کہ قرآن شریف اور احادیث مین جو ہدایتین غلامونکے ساتھ حسن سلوک کے متعلق ہین عموماً ان سب پر یا انکے زیادہ حصہ پر مسلمان لوگ عمل کرتے ہین جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام کی تعلیم غلامونسے حسن سلوک کے متعلق عیسائیونکے گال کے طمانچہ کی تعلیم کیطرح نہین کہ سراہنے سراہتے ہزار ہا کاغذ سیاہ کر دین اور جب عمل دیکھین تو ایک بھی عامل دنیا مین نظر نہ آئے۔ یہ تو ایک غیر متعصب عیسائی ہے مگر پادری ہیو کو بھی یہ امر تسلیم کرنا پڑا ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے کہ "مسلمان ممالک مین غلامونکے ساتھ سلوک بہت اچھا ہے۔ بمقابلہ اس سلوک کے جو امریکہ مین کیا جاتا ہے جہان غلامی کا رواج عیسائی اقوام کے نیچے رہا"

مگر پادری صاحب پیرو ون کو کیون ملزم کرتے ہین جب انکے مرشد کی تعلیم مین ایک لفظ بھی غلامونکے ساتھ حسن سلوک کے متعلق نہین پایا جاتا۔ ایسا ہی انسکلوپیڈیا ببلیکا مین ایک عیسائی مضمون نویس مسلمانون کے درمیان غلامی کے رواج پر لکھتا ہوا کہتا ہے "مشرقی اسلامی ممالک کی غلامی عموماً کھیت مین مزدورونکی طرح کام کرنیکی غلامی نہین بلکہ گھر کے کاروبار کے متعلق ہے۔ غلام کو خاندان کے ایک ممبر کیطرح سمجھا جاتا ہے اور اسکے ساتھ محبت اور نرمی سے سلوک کیا جاتا ہے۔ قرآن شریف غلامونکے ساتھ نرمی اور مہربانی سے سلوک کرنیکی روح پھونکتا ہے اور غلام آزاد کرنیکی ترغیب دیتا ہے"

اب اس اسلامی تعلیم اور ان واقعات تفصیلی کو پیش کرنیکے بعد مین اپنے منصف مزاج ناظرین سے یہ سوال کرتا ہون کہ یہ غلامی جسکے رواج کو ایک حد تک اسلام نے یک لخت روک نہین دیا کیا یہ ایسی غلامی ہے کہ اس لفظ کے معمولی مفہوم کے رو سے جو دنیا مین سمجھا جاتا ہے اسکو غلامی کہہ سکین۔ نہین بلکہ جہانتک آجکل کے نوکرونکے ساتھ سلوک دیکھا جاتا ہے۔ مین سمجھتا ہون کہ اسوقت دنیا مین جس قدر لوگ خادم کے نام سے موسوم ہین وہ ایک اسلامی غلام پر رشک کرینگے اور اس خادمی کیحالت سے اس غلامی کی

حالت کو بدرجہا بہتر سمجھینگے۔ غلامی کے عام مفہوم کے رو سے تو یہ کہنا بھی جایز نہین کہ ایک حد تک اسلام نے غلامی کی اجازت دی کیونکہ ہر ایک بدی جو اس سے پیدا ہوتی تھی اسلام کی تعلیم نے اس بدی کو جڑ سے کاٹ دیا۔ جو اپنے آقا کے برابر ہے اسکو غلام کیون کہا جائیگا۔ اور یہ مساوات اور خاندان کے ایک ممبر کیطرح ہونا صرف لفظ ہی لفظ نہ تھے۔ بلکہ عمل سے ہی یہ دونون باتین ظاہر ہوتی تھین۔ جو کھانا آقا کھائے وہی غلام کھائے جو لباس مالک پہنے وہی مملوک پہنے جہان وہ رہے اسی جگہ غلام بھی رہے۔ طاقت سے زیادہ کام نہ دینا کبھی سختی سے اسے مخاطب نہ کرنا اور نہ ہی مارنا اس سے بڑھکر کونسی اصلاح کی دنیا خواہشمند ہو سکتی تھی یہ زمانہ لفظ پرست ہے اور بجائے مغز کے چھلکے پر خوش ہو جاتا ہے۔ نام کو تو غلامی موقوف کر دیگئی مگر افسوس ہو کہ غلامی کی حقیقت ابھی تک مہذب ممالک مین اسی طرح موجود ہے۔ عنقریب دنیا دیکھ لیگی کہ جبتک خادمون کے ساتھ وہ رفق اور نیکی کا طریق نہ برتا جائیگا جسکی تعلیم تیرہ سو سال ہوئے ایک انسانونکے سچے ہمدرد اور خدا کے برگزیدون مین سے سب سے بڑے برگزیدہ نے دی تھی تب تک غلامونکی موقوفی لفظی موقوفی ہے اور حقیقتاً اس سے وہ اصلاح نہین ہوئی جو دنیا کی اخلاقی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ اسلام کی تعلیم ہی وہ عملی تعلیم ہے جس پر دنیا چل سکتی ہے۔ اور جسپر چلکر انسان انسانونکے لیے مفید اور خدا کا سچا بندہ بن سکتا ہے + (باقی آیندہ)

اسلام (۲)

بجواب پادری سیلؔ

یہ عجیب بات ہے کہ سیل جیسا مشہور پادری اسلام کا مشہور دشمن قرآن کریم سے اسقدر بیخبر ہو حالانکہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات لکھتے وقت اس بات کا اعتراف بھی کرتا ہے کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سب سے عمدہ سوانح عمری قرآن شریف ہے" اسی بات کو میور نے بھی اپنی کتاب مین تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت کے واقعات زندگی کی کنجی قرآن شریف ہی ہے۔ مگر اگر یہ لوگ قرآن کریم کو کچھ بھی تدبر سے اور

تعصب سے الگ ہوکر پڑھتے تو ایسے بیجا اعتراض انکی قلموں سے کبھی نہ نکلتے۔ مثلاً سیلؔ صاحب مسلمان مورخین کو اس بات کا الزام دیتے ہین کہ انہون نے یونہی اس پاک تبدیلی کی عظمت کو بڑھانیکے لیے جو آپ کے وجود مقدس کے ذریعہ سے عرب مین ہوئی زمانہ قبل بعثت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام ایام جاہلیت رکھدیا ہے اس بے سمجھ کو اتنی خبر نہین کہ یہ خیال مسلمان مورخین کو نہین سوجھا بلکہ یہ تو وہ دعوے ہے جو قرآن شریف نے نہایت پر زور الفاظ مین کیا ہے یعنی یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسوقت تشریف لائے جب عرب پر سخت جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور پھر اسوقت اس دنیا سے اللہ تعالے کیطرف اٹھائے گئے جب ایک کامل اور لانظیر تبدیلی ظہور مین آچکی تھی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی اس دلیل پر خدا کے پاک کلام نے بہت زور دیا ہے اور اس بات کو بار بار بیان کیا ہے کہ آپ کے آنیسے پہلے عرب سخت جہالت اور تاریکی اور غلطیون اور مردگی کی حالت مین پڑے ہوئے تھے چنانچہ قرآن شریف مین بکثرت ایسی آیات موجود ہین جن مین کفار عرب کو جاہل وغیرہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس سے بھی بڑھکر یہ کہ جس بات سے سیلؔ انکار کرتا ہے اسکو خود قرآن شریف نے ایک دفعہ نہ دو دفعہ بلکہ کم از کم تین دفعہ بیان فرمایا ہے۔ یعنی زمانہ قبل بعثت نبوی کا نام ایام جاہلیت رکھا ہے چنانچہ سورہ مائدہ کے ساتوین رکوع مین فرماتا ہے۔ افحکم الجاہلیۃ یبغون۔ یعنی کیا یہ لوگ اسوقت مین زمانہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہین۔ پھر سورہ احزاب رکوع ۴ مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے فرماتا ہے۔ ولا تبرجن تبرج الجاہلیۃ الاولی۔ یعنی اگلے زمانہ جاہلیت کے بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو۔ پھر سورہ فتح رکوع ۳ مین فرماتا ہے۔ اذ جعل الذین کفروا فی قلوبہم الحمیۃ حمیۃ الجاہلیۃ۔ یعنی جب کافرون نے اپنے دلون مین ضد ٹھان لی اور ضد بھی ایام جاہلیت کی سی ضد۔ پس ان تمام موقعون سے بصراحت تمام تر یہ ثابت ہے کہ زمانہ قبل بعثت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام خود قرآن شریف نے ہی ایام جاہلیت رکھا ہے انکے علاوہ دوسری آیات قرآن شریف سے ثابت ہے کہ کس طرح کفار کو انکی غلطیون اور جہالتون اور فاسد عقیدون اور بدکاریونکے سبب سے قرآن کریم نے ملزم کیا ہے چنانچہ سورہ جمعہ کے ابتدا مین اللہ تعالے مومنوں پر اپنے احسان جتاتا ہوا یون بیان فرماتا ہے۔ ہو الذی بعث فی الامیین رسولا منہم یتلوا علیہم اٰیٰتہ و یزکیہم و یعلمہم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین۔ ترجمہ "وہی خدا ہے جسنے (عرب کے) جاہلون مین ان ہی مین سے رسول بنا کر بھیجا کہ وہ انکو خدا کی آیتین پڑھ پڑھ کر سناتے اور انکو (ہر ایک قسم کی گندگی اور آلایش سے) پاک کرتے اور انکو کتاب (الہی) پڑھاتے اور حکمت کی باتین سکھاتے۔ ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح غلطیون اور گمراہی مین مبتلا تھے" مشرکین عرب کی یہ حالت بیان فرماکر پھر آگے اہل کتاب کی حالت یون بیان فرمائی ہے۔ مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوہا کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ یعنے جن لوگو نپر تورات لادی گئی۔ پھر

انہون نے اسکو نہ اٹھایا یعنی اسپر کاربند نہ ہوئے انکی مثال گدھے کی مثال ہے جسپر کتابین لدی ہین" عیسائی بھی اس سے باہر نہین کیونکہ توراۃ کی اشاعت تو وہ یہودیونسے بدرجہا بڑھکر کرتے ہین مگر عمل اسکے ایک نقطہ پر بھی نہین حالانکہ یہود کچھ تو عمل کرتے ہین۔ اسی آیت سے اسوقت کے اہل کتاب کیحالت ظاہر ہوتی ہے۔ پھر بہت سی اور آیات مین عرب کی پہلی حالت کو چارپایونکی حالت سے مشابہت دیگئی ہے جیساکہ سورہ الاعراف رکوع ۲۲ مین اولئک کالانعام بل ہم اضل۔ یعنی یہ لوگ چارپایونکی مثل ہین بلکہ انسے بھی گئے گذرے ہوئے۔ اور سورہ فرقان رکوع ۴ مین۔ ان ہم الا کالانعام بل ہم اضل سبیلا۔ جسکے معنے وہی ہین جو اوپر کی آیت کے مذکور ہوئے۔ اگر قرآن شریف عرب کی اس وحشیانہ حالت کو بیان نہ فرماتا اور مسلمان مورخین خود اپنی طرف سے یہ باتین لکھدیتے تو انکی صحت بھی بیشک بغیر قوی دلایل کے قبول کرنیکے لایق نہ ہوتی۔ مگر قرآن شریف نے یہ باتین ان لوگونکے مُنہ پر کہین۔ جنکی حالت کو بیان کیا ہے اور انکی اشاعت اسیوقت مین عام طور پر ہو چکی تھی۔ اگرچہ آج ان مشرکین کے وکیل سیل صاحب انکی طرف سے یہ جواب دیتے ہین کہ عرب دراصل جاہل اور وحشی نہ تھے۔ مگر خود ان ملزمون نے قرآن شریف کے بار بار کے دعوونکے جواب مین کبھی یہ بیان نہین دیا۔ انکا جواب صرف یہی تھا جو قرآن شریف نے صحیح طور پر بیان بھی کردیا ہے۔ نتبع ما الفینا علیہ اباءنا۔ کہ ہم تو اسی طریق پر چلتے ہین جسپر چلتے ہوئے ہمنے اپنے بڑونکو دیکھا ہے جسکے ساتھ ہی انکو انکی غلطی پر متنبہ کرنیکے لیے یہ بھی بیان فرمادیا گیا ہے ؎ اولو کان اباءہم لایعقلون شیئاً ولا یہتدون۔ یعنی اگرچہ انکے بڑے بالکل جاہل تھے اور راہ راست پر نہ چلتے تھے

قرآن شریف نہ صرف عرب کی حالت کو ہی ایسی گری ہوئی بیان کرتا ہے بلکہ اسکا دعوے یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کل زمین ہی مردہ ہو چکی تھی۔ اور روئے زمین کی تمام قومین بگڑ چکی تھین۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتہا۔ جان لو کہ کل زمین مردہ ہو چکی تھی اور اب خدا اسے از سرِ نو زندہ کریگا۔ دوسری جگہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے زمانے کو رات سے مشابہت دیگئی ہے۔ اور آپ کے زمانیکو دن کہا گیا ہے۔ اسیوجہ سے کہ آپ سے پہلے جہالت کی سخت تاریکی دنیا پر چھائی ہوئی تھی اور آپکے آنیسے وہ ظلمت دور ہوگئی۔ اور نور کا غلبہ ہوگیا۔ پھر ایک جگہ یہ بھی فرماتا ہے کہ ظہر الفساد فی البر والبحر۔ یعنی روئے زمین پر ایک عام فساد پھیل گیا۔ کیا خشکی مین اور کیا سمندر مین۔ ان تمام آیات سے کھلا کھلا ثبوت ملتا ہے کہ قرآن شریف نے ابتدا مین ہی یہ دعوے کیا تھا کہ میرا نازل ہونا ایک ایسے وقت مین ہے جب چارونطرف بدکاری اور جہالت کی گھنگھور گھٹائین چھا گئی ہین۔ اور نہ صرف قرآن کریم مین اسکا مذکور ہونا اسکی صحت پر دلالت کرتا ہے بلکہ تاریخ بھی اسپر شاہد ہے۔ بعض عیسائی صاحبان کا یہ عذر ہے کہ بیشک دنیا کی حالت تو ایسی ہی ابتر تھی مگر عیسائی مذہب اس سے مستثنی تھا۔ یہ خود انکی اپنی ناواقفیت ہے۔ عیسائی مذہب مین فساد اور بدکاری دوسری

صدی عیسائی سے ہی شروع ہوگئی تھی اور پھر جون جون کلیسیا کی ظاہری شان وشوکت بڑھتی گئی اسکی اندرونی پاکیزگی گھٹتی گئی یہانتک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اسکی حالت پورے طور پر خراب ہو چکی تھی۔ اس سے بہت مدت پہلے عیسائیت کیحالت یہ تھی کہ اسکے اپنے فرقے ایکدوسرے کے خلاف اس سے زیادہ تندی اور وحشیانہ جوش دکھاتے تھے جیسا کہ ایک وحشی انسان کے بالمقابل دکھاتا ہے اور ایک بشپ لکھتا ہے کہ اندرونی فسادونکے سبب سے آسمانی سلطنت پوری ابتری بلکہ عین دوزخ کا نمونہ ہو رہی تھی۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسوقت تشریف لائے جب دنیا ایک مصلح کی سخت محتاج تھی یہ آپکی صداقت پر ایک بڑی بھاری دلیل ہے اور قرآن شریف نے بھی اسکو مذکور فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ ال عمران کے ابتدا مین ہی فرماتا ہے۔ الم اللہ لا الہ الا ہو الحی القیوم نزل علیک الکتب بالحق۔ یعنی اللہ وہ خدا ہے جسکے سوا کوئی معبود نہین وہ خود زندہ اور اسکے وجود سے ہر ایک شے زندہ ہے وہ اپنی ذات مین بغیر کسی دوسرے کے سہارے کے قایم اور اس سے ہر ایک شے قایم ہے اسنے تجھ پر حق اور ضرورت حقہ کے ساتھ یہ کتاب اتاری ہے ایسا ہی دوسری جگہ فرمایا۔ وبالحق انزلناہ وبالحق نزل ہمنے حق کے ساتھ اس کتاب کو اتارا۔ اور ضرورت حقہ کیوقت وہ نازل ہوئی ہے۔ درحقیقت جو ضرورت مصلح کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کیوقت دنیا کو تھی ایسی ضرورت کسی نبی کیوقت مین نہین تھی اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس دلیل کو بار بار بیان فرمایا ہے۔ مین پوچھتا ہون کہ کیا حضرت مسیح علیہ السلام کیوقت مین ایسی ضرورت تھی؟ مین امیدکرتا ہون کہ سیل صاحب صفائی سے اسکا جواب دینگے۔ حضرت مسیح رومی سلطنت مین پیدا ہوئے اور مین اس بات کا انصاف پادریصاحب پر ہی چھوڑتا ہون کہ آیا تہذیب اور روشنی اسوقت کی رومی سلطنت مین زیادہ تھی یا ایام جاہلیت کی عرب مین کیونکہ انکی اپنی بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ جسقدر کوئی قوم زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ ہو اسیقدر اس مین مصلح کی ضرورت کم ہوتی ہے۔ پادریصاحب عرب کی تمدنی اخلاقی اور ملکی حالت کا مقابلہ رومی سلطنت سے کرین اور ایک سچائی سے پیار کرنیوالے کی طرح صفائی سے حق کا کھلا کھلا اظہار کرین کہ دونون ملکون مین سے کس مین مصلح کیضرورت زیادہ تھی۔ اسلام پر قلم فرسائی کرتے ہوئے پادریصاحب نے یہودی مذہب کے عرب پر نیک اثر کا بہت کچھ ذکر کیا ہے مگر میرا سوال یہ ہے کہ یہ نیک اثر والا مذہب وہی یہودی مذہب تھا جسکی اصلاح کیلئے حضرت مسیح مبعوث ہوئے تھے اور آخر اسکی اصلاح سے ہاتھ دھوکر کسی اور طرف روانہ ہوئے جسے ہم کشمیر کہتے ہین تم چاہو تو آسمان کہہ لو۔ کسقدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ پادریصاحب ایکطرف تو یہ کہین اور اسی پر انکے ایمان کا دارومدار ہو کہ یہودی مذہب حضرت مسیح کی پیدائش کے وقت بگڑ چکا ہوا تھا اور دوسریطرف یہ دعویٰ

کرین کہ یہ بگڑا ہوا مذہب چھ سو سال اور بگڑنے اور حضرت مسیح کی اصلاح کو رد کرنیکے بعد بھی عرب پر نیک اثر ڈال رہا تھا۔ مجھے تعجب اس بات سے آتا ہے کہ پادریصاحب کا دل کس طرح مطمئن ہوا کہ اسلام کی دشمنی کیخاطر ایک ایسا کلمہ منہ سے نکالین جو انکے اپنے عقیدہ اور مذہب کی جڑ کاٹتا ہے اور جسکو وہ یقیناً جھوٹا سمجھتے ہین اگر اپنے مذہب کو سچا سمجھتے ہون۔ کیا انکا وہی ایمان ہے جو قدیم عیسائیونکا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر الزام قایم کرنیکے لیے جو جھوٹ گھڑ لیا جاوے درست ہے اور پھر یہ لوگ یہ بھی دعوے کرتے ہین کہ ہم نیکی اور راستی کے معلم ہین!

اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ یہودی کیا تمدن کے لحاظ سے اور کیا اخلاقی پہلو سے ایام جاہلیت کے عرب سے بدرجہا بہتر تھے۔ پھر اس غلط بیانی سے کیا حاصل ہو سکتا ہے کہ عرب بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ایک مہذب ملک تھا۔ کیونکہ بہرحال یہ تو ماننا جائیگا کہ جن لوگونکے درمیان حضرت مسیح پیدا ہوئے وہ عرب سے زیادہ مہذب تھے پس اگر عرب کے مہذب ہونیسے آنحضرت کی نبوت پر حملہ کرنا مقصود ہے تو یہودیونکے تہذیب یافتہ ہونیکا واقعہ جس سے کسیکو انکار کی گنجایش ہی نہین یسوع کی مسیحیت کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ جس آدمی کو کچھ بھی انصاف اور راستی کا پاس ہو وہ دیکھ سکتا ہے کہ دونون صورتونمین ایک ہی اصول کی پابندی چاہیئے۔ اگر کسی ملک کے مہذب ہونیسے ہی ایک نبی کی نبوت کا دعوے غلط ہو سکتا ہے تو پہلے حضرت مسیح کے منجانب اللہ ہونیسے عیسائیونکو انکار کرنا چاہیئے۔ یہودیونکو جنکی طرف مسیح علیہ السلام آئے تھے۔ حضرت مسیح نے کوئی نئی تمدنی یا اخلاقی تعلیم نہین دی بلکہ جسقدر انکی تعلیم تھی اس سب کا ماخذ یہودیونکی کتابین ہی ہین۔

مگر جو فرق ان دو قومونکی حالت مین دکھایا گیا ہے اس سے نہایت مفید نتائج پیدا ہوتے ہین جس قوم کیطرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے وہ مدت دراز سے بت پرستی اور دوسری چیزونکی پرستش مین ایسی غرق شدہ تھی کہ کوئی انسانی طاقت انکو اس بت پرستی سے باہر نہ نکال سکتی تھی۔ اور یہودیون اور عیسائیونکی تمام کوششین ناکام ثابت ہوئی تھین ان کے تمدنی اور اخلاقی قوانین اگر کچھ تھے تو بالکل وحشیانہ اور وہ پرلے درجہ کی بدکاریون اور فسق و فجور مین گرفتار تھے انکی اصلاح سے تمام انسانی طاقتین مایوس ہو چکی تھین انکے بالمقابل حضرت مسیح کے مخاطب یہودی تھے جنکا اگر عربونکی حالت سے مقابلہ کیا جائے تو یہی کہنا چاہیئے کہ انکو کسی اصلاح کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ملکی حالت انکی بیشک کمزور تھی۔ اور وہ ایک دوسری سلطنت کے ماتحت تھے مگر حضرت مسیح انکی گردنون کو دوسری حکومت کے جوئے سے آزاد کرانے نہ آئے تھے۔ اگرچہ ابتدا مین معلوم ہوتا ہے کہ انکے دل مین ایسا خیال پیدا ہوا تھا۔ خدا کے سوا وہ لوگ

کسی کی پرستش نہ کرتے تھے اور نہ صرف خود ہی توحید پر ایمان لاتے تھے بلکہ اپنی گرد و پیش کی قوموں کو بھی خدا کی توحید کیطرف بلاتے تھے۔ یہی مسئلہ توحید ہی تھا جسکے سبب سے وہ دوسری تمام قوموں پر ممتاز تھے پھر انکے پاس اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق شریعت بھی موجود تھی اور لکھی ہوئی موجود تھی ان میں تعلیم دینے والے وہ لوگ موجود تھے جنکے متعلق خود حضرت مسیح نے اقرار کیا کہ فقیہ اور فریسی موسی کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ اب اگر اس قوم کیحالت کا موازنہ ایام جاہلیت کے عربوں سے کیا جاوے تو یہی کہنا پڑیگا کہ ضرورت زمانہ کے لحاظ سے یہودیوں کے تمدنی اور اخلاقی قانون بالکل مکمل تھے۔

یہ تو ان دونوں نبیوں کی ضرورت میں فرق ہے اب اس تبدیلی پر بھی غور کرو جو انہوں نے دنیا میں کرکے دکھائی۔ یہ دوسری دلیل ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ہے۔ عرب کی بت پرستی جو انکی خونوں میں رچی ہوئی تھی جڑ سے کٹ گئی اور اسکی بجائے خدائے واحد کی پرستش قایم ہوگئی پہلی وحشیانہ اور کمینہ خصلتیں سب نیکیوں سے تبدیل ہوگئیں۔ جن پاکیزہ اور خوبصورت اور پر معنی الفاظ میں قرآن کریم نے اس حیرت انگیز تبدیلی کو بیان کیا ہے دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔ پہلے اس کتاب پاک نے انکی وہ حالت بیان کی ہے جب وہ محض بہایم کی طرح تھے جسکے متعلق چند آیات پہلے نقل کیجا چکی ہیں۔ بڑا لمبا عرصہ نہیں گذرتا بلکہ تئیس سال میں ہی وہ کل کا کل نقشہ ایسا بدل جاتا ہے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ نئی قوم اسی جاہل اور خونریز قوم سے بنی ہے۔ دشمنی اور تباغض کی آگ جو صدیوں سے ان میں جل رہی تھی اور جسکے شعلے ہزاروں جانوں کو کھا چکے تھے ایسی بجھ گئی کہ اسکا نام و نشان بھی باقی نہ رہ گیا۔ جو قومیں ہمیشہ ایکدوسرے سے جنگ کرتی رہی تھیں وہ ایسی بھائی بھائی بن گئیں کہ گویا کبھی ان میں دشمنی پیدا ہی نہ ہوئی تھی اور ایک ایسی وحدت کل قوم میں نظر آنے لگی کہ گویا اسکے اجزا پہلے کبھی الگ الگ ہوئے ہی نہیں تھے۔ اس حیرت انگیز تبدیلی کو خدا کی پاک کتاب ان الفاظ میں بیان فرماتی ہے:۔ واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علے شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا کذلک یبین اللہ لکم اٰیتہ لعلکم تہتدون۔ (آل عمران۔ رکوع ۱۱۔ آیت ۱۰۲) اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم ایکدوسرے کے دشمن جانی تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی یہانتک کہ تم اسکے فضل سے بھائی بن گئے اور تم ایک آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے (جو تمہیں سب کے سب کو بھسم کر جانیکو تیار تھی) پھر خدا نے ہی تمکو اس آگ سے بچایا۔ اسی طرح اللہ تعالے اپنی آیات کھول کھولکر تمہارے لیے بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ۔ یہ حیرت انگیز اتحاد اور یگانگت عرب کی سرکش اقوام میں ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور دنیا کی تاریخ میں اس کی ایک بھی نظیر نہیں ملتی۔

یہ اس عظیم الشان تبدیلی کا ایک پہلو تھا جو آپکے وجود مبارک سے ظہور پذیر ہوئی۔ مذہبی اور اعتقادی تبدیلی اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے وہ لوگ جو مدتونسے نہ صرف بتون اور آسمان و زمین کی طاقتونکی پرستش کرتے چلے آتے تھے بلکہ جو حیوانون۔ درختون۔ پتھرون اور ریت کے ڈھیرونکے سامنے بھی سربسجود ہو جاتے تھے۔ اور ان مین الہی طاقت کا ہونا مانتے تھے۔ ان سب بیہودگیون کو چھوڑ کر نہ صرف اللہ تعالی کی توحید پر ہی قایم ہو گئے بلکہ توحید اور صفات الہی کے ان باریک مراتب تک پہنچ گئے جسکی نظیر دنیا کی کسی قوم مین نہین پائی جاتی۔ صرف بتونکی پرستش کو چھوڑ دینا ہی انکے نزدیک شرک سے بچنا نہ تھا بلکہ جبتک انہون نے اپنے نفس کی تمام خواہشات کو ترک نہ کر دیا اور ہر ایک طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالی کی ذات کو ہی نہ سمجھ لیا تب تک انہون نے اپنے آپکو خدا کی توحید پر قایم نہین سمجھا۔ پھر ان کا یہ ایمان طرح طرح کی ابتلاؤن اور امتحانون سے آزمایا گیا مگر آزمایشونکی تند ہواؤنکا ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ان کی تعریف مین اللہ تعالے فرماتا ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا۔ یعنی ان کا ایمان صرف زبان کے اقرار تک ہی نہین رہا بلکہ جب وہ آزمایشونکی چکی مین پیسے گئے تو انہون نے بے نظیر استقامت دکھائی۔ وہی لوگ جو اپنے دیوتاؤنکو خدا کی بیٹیان کہا کرتے تھے اب دنیا مین خالص توحید کے معلم ہو گئے وہ کامل توحید جسکا نقشہ سورہ اخلاص مین کھینچا گیا ہے۔ قل ہو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد نیز اس آیتہ شریفہ مین جو آیۃ الکرسی کے نام سے موسوم ہے۔ اور دوسرے موقعونپر بھی۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز بات اس تبدیلی مین جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عرب مین کر دکھائی اسکا ہر پہلو سے کامل ہونا ہی آپکے وجود سے عرب کی کایا ہی پلٹ گئی اور کل کا کل نقشہ بدل گیا۔ کیا انکے عقاید اور اعمال۔ کیا انکے تمدنی اور اخلاقی قوانین اور انکی ملکی حالت۔ ہر ایک بات مین ایک عظیم الشان تغیر آگیا۔ میخوری اور عیاشی کی مجالس کا نام ونشان نہ رہا۔ اور انکی بجائے ذکر الہی کی مجالس قایم ہوئین۔ جو لوگ رات شرابخوری مین گنواتے تھے جیسا کہ آج کل بھی یورپ مین دستور ہے انکی راتین اب خدا کے آگے قیام وسجود مین صرف ہوتین شرابخوری کے پانچ اوقات پانچ نمازونسے بدل گئے۔ ہنسی ٹھٹھے کی بجائے نمازون مین خضوع وخشوع پیدا ہوا اور خوف الہی سے گریہ و بکا غالب ہوا۔ ہر ایک تاریکی دور ہو گئی اور نور کی شعاعین پوری قوت کے ساتھ چمک اٹھین۔ بدی کا ہر ایک خیال دور ہو کر نیکی کی محبت پیدا ہو گئی۔ اسیکا ذکر قرآن شریف سورہ الحجرات مین فرماتا ہے:۔ ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان (الحجرات رکوع ۱) یعنی خدا نے تمہین ایمان کی محبت دیدی ہے اور تمہارے دلون مین اسکے لیے ایک کشش پیدا کر دی ہے اور کفر اور فسق وفجور اور نافرمانی سے تمکو نفرت دلا دی ہے۔ عباد الرحمان کا جو نقشہ قرآن کریم نے سورہ فرقان کے خاتمہ پر کھینچا ہے وہ گویا صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت کا ہی ایک نقشہ ہے۔ اسی سورۃ مین پہلے انکی جاہلیت

کی) حالت کو یون بیان فرماتا ہے کہ وہ چارپایونکی طرح بلکہ چارپایونسے بھی گئے گذرے ہین اور پھر فرمایا کہ ابکی تاریکی کا زمانہ دور ہوکر اُنپر روشنی کا دن چڑھیگا اور اسکو ایک نشان بھی قرار دیا ہے کہ کس طرح خدا تعالے نے اپنے خاص ارادہ اور طاقت سے ایک ظلمت مین پڑی ہوئی قوم کو یہ روشنی عطا فرمائی۔ یہ نشان ہو صداقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جنکے وجود مبارک اور انفاس طیبہ اور قوت قدسی سے یہ عظیم الشان تبدیلی ظہور مین آئی۔ پھر صحابہ کی اس تبدیل شدہ حالت کو یون بیان فرمایا ہے:۔ وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ہونًا واذا خاطبہم الجٰہلون قالوا سلٰمًا + والذین یبیتون لربہم سجدًا وقیامًا + والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جہنم ق ان عذابہا کان غرامًا + انہا ساءت مستقرا ومقامًا + والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذٰلک قوامًا + والذین لایدعون مع اللہ الٰہا اٰخر ولایقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولایزنون ج ومن یفعل ذٰلک یلق اثامًا۔ یضٰعف لہ العذاب یوم القیٰمۃ ویخلد فیہ مہانًا + الا من تاب واٰمن وعمل عملًا صالحًا فاولٰئک یبدل اللہ سیاٰتہم حسنٰت ط وکان اللہ غفورًا رحیمًا + ومن تاب وعمل صالحًا فانہ یتوب الی اللہ متابًا + والذین لایشہدون الزور واذا مروا باللغو مروا کرامًا + والذین اذا ذکروا باٰیٰت ربہم لم یخروا علیہا صمًّا وّ عمیانًا + والذین یقولون ربنا ہب لنا من ازواجنا وذریٰتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین امامًا + ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ خدائے رحمان کے خاص بندے وہ ہین جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہین اور جب جاہل (انکو ایذا پہونچانیکی غرض سے) انسے خطاب کرتے ہین تو وہ جواب مین بھلائی کی بات کہتے ہین (اور ایذا کے مقابل ایذا نہین پہونچاتے) اور جو راتونکو اس حالت مین گذارتے ہین کہ اپنے پروردگار کے آگے کبھی سجدے مین گرے ہوئے اپنی عبودیت کا اعتراف کرتے اور کبھی کھڑے اسکی حمد وثنا کر رہے ہین (یعنی رات کے ان اوقات مین خضوع وخشوع کے ساتھ نماز مین مشغول ہین جن اوقات مین پہلے شرابخوری اور عیاشی اور فسق وفجور کی مجلسون مین ہوتے تھے) اور جو دعائین مانگتے رہتے ہین کہ اے ہمارے پروردگار عذاب دوزخ کو (جو تیری نافرمانی اور تجھسے علیحدگی مین پیدا ہوتا ہے) ہم سے دور رکھیو کیونکہ دوزخ کا عذاب بڑی مصیبت ہے اور وہ ٹھہرنے اور قیام کرنیکے لیے بری جگہ ہے۔ اور جو جب خرچ کرتے ہین تو نہ فضول خرچی ہی کرتے ہین (جیسا کہ ایام جاہلیت مین دنیاوی فخر اور نمود کے لیے اپنے سارے مال و متاع کو ضایع کر دیتے تھے) اور نہ بخل ہی کرتے ہین (جیسا کہ پہلے کرتے تھے) بلکہ (افراط وتفریط کو چھوڑکر) میانی راہ پر چلتے ہین۔ اور جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہین پکارتے اور نہ ناحق کسی نفس کو جسے خدا نے حرام کر رکھا ہے قتل کرتے ہین (حالانکہ جاہلیت مین انکا کام ہی خونریزی تھا) اور نہ زنا ہی کرتے ہین (جسے پہلے گناہ ہی نہ سمجھا جاتا تھا) اور جو کوئی ایسا فعل کریگا وہ اپنے گناہ کا خمیازہ بھگتیگا۔ کہ قیامت کے دن اسکو

ن

دوہرا عذاب دیا جائیگا اور وہ ذلیل وخوار اسی مین پڑا رہیگا۔ مگر جس نے توبہ کی اور (جہالت مین گناہ کرنیکے بعد) ایمان لایا اور ایسے کام کیے جو ہر قسم کے فساد سے خالی ہین تو ایسے لوگونکی بدیونکو (جو وہ کیا کرتے تھے) خدا نیکیونسے بدلدیگا (اور وہ آیندہ بدی کے ارتکاب سے محفوظ رہینگے) اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے اور جو شخص توبہ کرے اور (توبہ کے بعد) ایسے عمل کرے جو نیک اور فساد سے خالی ہین تو وہ حقیقت مین خدا کیطرف سچا رجوع لاتا ہے۔ اور (خدا کے خاص بندے وہ ہین) جو جھوٹی گواہی نہین دیتے۔ اور جب اتفاقاً بیہودہ مشغلونکے پاس ہوکر گذرین تو کریم لوگونکی طرح گذر جاتے ہین (گویا انہین ان باتونسے کوئی تعلق ہی نہین) اور جب انکو انکے پروردگار کی آیتین سنا کر نصیحت کیجاتی ہے تو گونگے اور بہرے ہوکر ان پر نہین گر پڑتے اور جو لوگ دعائین مانگتے رہتے ہین کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو ہماری بیبیون اور اولاد سے آنکھونکی ٹھنڈک عطا فرما۔ اور ہمکو پرہیزگارون کا پیشوا بنا۔

ان آیات مین انہی عربون کی حالت کا ایک دوسرا نقشہ کھینچا گیا ہے جنکی پہلی حالت کا نقشہ یہ تھا۔ کہ وہ چارپایونکی طرح ہین یعنی جن کو محض کھانے پینے سے ہی غرض ہے اور وہ خدا سے ایسے دور پڑے ہوئے ہین جیسے چارپائے۔ اور یہ پاک تبدیلی ایک کامل انسان کے ذریعہ سے دنیا مین ہوئی کہ مدتونکے بگڑے ہوؤنکو ایسا سنوارا کہ آیندہ نسلونکے تمام راستبازونکے لیے وہ نمونہ اور پیشوا ٹھہرے۔ اب مین پوچھتا ہون کہ کسی مذہب کو اختیار کرنیسے ہماری اصلی غرض کیا ہے؟ جو شخص یہ کہتا ہے کہ مذہب کی غرض صرف یہ ہے کہ آیندہ جہان مین وہمی طور پر ہماری نجات ہو جاوے وہ غلطی کرتا ہے۔ سچی نجات جسکا حصول ہم مذہب کے ذریعہ چاہتے ہین صرف یہ ہے کہ ہماری زندگیون مین ایک پاک تبدیلی واقع ہوکر اسی دنیا مین ہمین نجات حاصل ہو جائے۔ اور یہی مذہب کی سچائی کا امتیازی نشان ہے کہ وہ آیندہ کے وعدونپر نہین ٹالتا بلکہ اسی جگہ انسان کو بدکاری اور گندگی سے نجات دے کر ایک پاک تبدیلی اسکے اندر پیدا کر دیتا ہے اب اس امتیازی نشان کے ساتھ اسلام نہین بلکہ کل مذاہب کو پرکھو اور کل دنیا کے مذہبی پیشواؤن کی زندگیونکا مطالعہ کرو۔ اور مین دعوے سے کہتا ہون کہ اس کامل اور پاک تبدیلی کا کوئی نمونہ تم ہرگز پیش نہین کر سکتے جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہوئی کیسا ہی ہو یا کوئی اور پادری صاحب ہون اگر وہ ایک بھی نظیر اسکی پیش کردین کہ عرب کی طرح کوئی قوم ایسی ذلت کیحالتین گری ہوئی اور ایسی غلطیون اور بدکاریون مین مبتلا تھی اور اسقدر تھوڑے عرصہ مین کسی مصلح نے اسکی ایسی کایا پلٹ دی اور اسکو روحانی اور اخلاقی اور تمدنی پہلوؤن سے ایسا اوج کمال پر پہونچا دیا تو بیشک اسلام کو دوسرے مذاہب پر کوئی ترجیح نہ ہوگی اور اسکے مقدس بانی کو اسپر درود اور سلام ہو دوسرے مصلحونپر کوئی فضیلت نہ ہوگی مگر مینے جسقدر اس سوال پر غور کیا ہے اسیقدر

زیادہ صفائی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اندر ایک کامل تبدیلی پاکیزگی کیطرف پیدا کرنیوالا صرف ایک ہی نبی ہے یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم۔ نہ ہی حضرت موسے اور نہ ہی حضرت عیسے علیہما السلام نے ایسی پاک تبدیلی اپنی اقوام مین پیدا کرکے دکھائی اگرچہ ہم ان دونوںکو خدا کے سچے نبی اور برگزیدہ مانتے ہین مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی سب سے بڑھی ہوئی تھی اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام اولین اور آخرین پر آپکی فضیلت ہے مین تو دلایل اور واقعات کو چاہتا ہون کسی دوسرے نبی یا مصلح کی زندگی مین ایسی عظیم الشان ایسی کامل اور ایسی خلاف امید تبدیلی کا کوئی نمونہ دکھادو اور مجھے اس امر کے تسلیم کرنے مین کوئی انکار نہ ہوگا کہ وہ نبی یا مصلح بھی خدا کیطرف سے تھا۔ مگر اے عیسائی صاحبان آپ بھی غور کرین ہان جنکے دلونمین کچھ بھی انصاف اور خداترسی باقی ہے وہ غور کرین کہ اس کامل اور عظیم الشان انسان کو جس کی پاک تبدیلی کی کوئی نظیر دنیا مین نہین ملتی مفتری اور کذاب کہا جاتا ہے کیا اس سے بڑھکر بھی کوئی ظلم ہے کہ وہ شخص جو تمام نسل انسانی کا فخر ہے اسکو برا کہا جاوے اور برے ناموںسے یاد کیا جاوے اور ایک ضعیف انسان کو جسکی زندگی مین اس تبدیلی کے عشر عشیر کا بھی ثبوت نہین ملتا۔ خدا بنایا جاوے۔ ہمارے تمہارے درمیان ایک نہایت آسان راہ فیصلہ کی ہے اور وہ یہ کہ تم اس تبدیلی کی نظیر حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی سے نکالکر دکھاؤ۔ ہم انکی بھی وہی فضیلت مان لینگے مگر یاد رکھو کہ اگر ساری عمرین بھی تاریخ کی ورق گردانی مین خرچ کردو تو اس تبدیلی کی نظیر دنیا کے کسی کونے مین تمکو نہ مل سکے گی پس خداترسی اختیار کرو اور سچائی سے مت بھاگو۔

اسکے بالمقابل اب یہ دیکھنا ہے کہ یسوع نے کونسی تبدیلی یہودیون مین کی۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم نے اسکا مقابلہ اس تبدیلی سے کرنا ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کی تھی یعنی ایک قوم کو اس حالت مین پایا نا جسپر چارپایوںکا لفظ صادق آسکے اور جسکی حالت ظہر الفساد فی البر والبحر کی مصداق ہوا اور اسکو اس مرتبہ اور اوج کمال تک پہونچانا جسکا سچا نقشہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ مین کھینچا گیا ہے۔ اب میرا سوال پادری "سیل" صاحب سے یہ ہے کہ وہ ایمانداری سے اور موت اور اسکے بعد جوابدہی کے دن کو مدنظر رکھکر یہ بتائین کہ کیا حضرت مسیح نے یہودیونکو اس گری ہوئی حالت مین پایا جسمین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عربونکو پایا تھا؟ کیا وہ بھی عرب کیطرح سخت بت پرست اور مشرک تھے؟ یا کیا یہی بات یہ ہے کہ وہ صدیوں سے توحید پر قایم بلکہ توحید کے واعظ چلے آتے تھے اور بت پرستی اور انسان پرستی سے نفرت رکھتے تھے اور پھر کیا انکے درمیان اعلے درجہ کے تمدنی اور اخلاقی قوانین لکھے ہوئے موجود تھے یا عرب کیطرح وہ ان سب امور مین جاہل تھے؟ "سیل" صاحب یہ بھی ایمانداری سے بتاوین کہ کیا یہ سچ نہین کہ جو اخلاقی تعلیم حضرت مسیح نے دی وہ انکے درمیان ہمیشہ سے چلی آتی تھی؟ یہ تو ان دونونکی حالت مین فرق تھا۔ اب دوسری طرف اس بات کو بھی دیکھنا چاہیئے کہ

اس قوم کی حالت مین جس کے لیے حضرت مسیح آئے اور جس کو کوئی نئی بات سکھانیوالی نہ تھی کیونکہ انکے پاس ضرورت زمانہ کے مطابق ایک کامل شریعت موجود تھی کیا تغیر واقع ہوا اس جگہ ہمین اور بھی حیرانی ہوتی ہے کہ حالانکہ حضرت مسیح کا منشا انکی پرانی رسوم اور شریعت کو دور کرنیکا تھا اور نہ ہی انکی کوئی نئی تعلیم تھی جو یہودیونکی تعلیم کے مخالف ہوتی پھر بھی حضرت مسیح نے قوم یہود پر کوئی نمایان اثر پیدا نہین کیا۔ چہ جائیکہ عرب جیسی عظیم الشان تبدیلی کا نام لیا جاوے۔ اگر ایک شخص تاریخ کو ہاتھ مین لیکر حضرت مسیح کے آنیسے پہلے قوم یہود کے حالات کو مطالعہ کرے اور پھر آپ کی موت کے بعد انکے حالات پر غور کرے تو وہ قطعاً پتہ نہین لگا سکتا کہ انکے درمیان کوئی مصلح بھی پیدا ہوا تھا کیونکہ کوئی نمایان فرق یا کوئی ترقی اس قوم کی حالت مین نظر نہین آتی۔ طالبان حق دیکھ سکتے ہین کہ مین یہ کسی مذہبی تعصب کی وجہ سے نہین کہتا کیونکہ ہم بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا سچا نبی مانتے ہین بلکہ واقعات اور تاریخ سے یہی ثابت ہوتا ہے اور نہ صرف انکی زندگی مین ہی حضرت مسیح کی تعلیم کا کوئی اثر یہودیو پر نہین ہوا۔ بلکہ کم از کم سو سال گذر جانے تک بھی یہودیون نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بلحاظ دشمن کے بھی کوئی وقعت نہین دی۔ ہان جب اصل تعلیم مسیح کی گم ہو گئی اور ایک بت پرست قوم کے اصول کو لیکر ایک نیا سلسلہ آپکے نام پر قایم کیا گیا اسوقت یہودیونکو اسطرف خیال آیا کیونکہ یہ نیا سلسلہ حضرت مسیح کی تعلیم کے ایسا ہی خلاف تھا۔ جیسا بنی اسرائیل کے کل نبیونکی متفقہ تعلیم کے۔ حضرت مسیح کی زندگی کے واقعات اناجیل مین جنکو عیسائی صاحبان الہامی مانا کرتے تھے اور ان واقعات سے ہرگز ثابت نہین ہوتا کہ یہودیون مین بھی کوئی عظیم الشان تبدیلی آپکی تعلیم سے پیدا ہوئی تھی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسی گمنامی کی حالت مین آپ دنیا مین آئے تھے ویسی ہی گمنامی کی حالت مین اس دنیا سے نہین مگر اس ملک سے ضرور کوچ کر گئے۔ قوم یہود مین آپکی تعلیم سے کوئی روحانیت پیدا نہین ہوئی۔ بلکہ بظاہر آپ ایک ناکامی کی حالت مین ہی گذر گئے۔ (اگرچہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ وہ کامیابی جو ایک سچے نبی کو ہونی چاہیئے وہ آپکو دوسری اسرائیلی اقوام مین حاصل ہوئی جو کشمیر اور افغانستان مین آباد ہو چکی تھین) یہی وجہ ہے کہ یہودیون نے اپنی روایات اور کتب اور تاریخ مین مدت تک حضرت مسیح کا ذکر بھی نہین کیا گویا وہ اسکے آنے اور نہ آنے کو برابر سمجھتے تھے۔ اب خدا کے لیے کوئی غور کرنیوالا ہو کہ کہان یہ گمنامی اور ناکامی کہ ایک پڑھی پڑھائی قوم کی حالت کو بھی سنوار نہ سکے اور کہان وہ حیرت انگیز تبدیلی کہ وحشی ہونیکی حالت سے نکالکر کمال انسانی کے اوج پر پہونچا دیا۔ اے عیسائی صاحبان خدا سے خوف کرکے آپ بتا دین کہ ان مین سے کسکو الوہیت کا مظہر اتم اور فخر ولد آدم کہنا چاہیئے تم اسکا جو چاہو نام رکھ لو مگر یاد رکھو کہ جو اسکے احسان دنیا پر ہین تم انکا انکار نہین کر سکتے اور جو پاک تبدیلی اسنے پیدا کر دکھائی تم اسکی کوئی نظیر پیش نہین کر سکتے۔

اس سورج کی روشنی تو تمہارے سرون پر پڑ رہی ہے پھر تمہین اس سے کیا فایدہ کہ اس روشنی کے سرچشمہ
کو تاریکی کا سرچشمہ کہو اور خود تاریکی سے باہر نہ نکلو کیونکہ واقعات سے سیلؔ اور میورؔ بھی انکار نہین کر سکتے ہمین
پیروی تو اسکی کرنی چاہیئے جو ہمین پاکیزگی عطا کر سکتا ہے۔ پس دیکھو کہ دنیا مین زیادہ پاکیزگی پھیلانیوالا
اور اپنے مشن مین بڑا کامیاب کون ہے۔ اگر تیرہ سو سال کے تعصب کو الگ کر دو تو تم اسکی عظمت کو سچ
مچ دیکھلوگے اور اپنی روحونکے اندر اس پاک انسان کی پاکیزگی کے اثر کو محسوس کر لوگے۔

لیکن اگر یہ کہا جاوے کہ یہودیون نے اسکی تعلیم کو ہی قبول نہ کیا تو انپر اسکا اثر کیا پڑتا تو اول
سوال تو یہ ہے کہ یہ بھی تو ناکامی ہے کہ جس قوم کیلیے بھیجے گئے تھے اسی نے تعلیم قبول کرنیسے انکار کر دیا لیکن
اس سوال کو چھوڑ کر بھی کوئی عظیم الشان تبدیلی ان معدودے چند اشخاص کی حالت مین نظر نہین آتی۔
جنہون نے آپکے مشن کو قبول کر لیا تھا۔ ایک پاکیزہ اور تبدیل شدہ زندگی کی پہلی علامت یہ ہے کہ ایسے
شخص مین استقامت پیدا ہو جائے کیونکہ جس شخص مین اتنی طاقت نہین کہ تھوڑی سی آزمایش کا مقابلہ
کر سکے وہ بدی کی عظیم الشان طاقتونکا کیونکر مقابلہ کر سکیگا۔ یاد رکھو کہ جس شخص کا ایمان کچا ہے اسکے عمل بھی
اسی حالت مین ہین۔ جبتک ایک آدمی خدا کی محبت کی کٹھالی مین نہ ڈالا جاوے اور جبتک وہ ابتلاؤنکی
تیز آگ سے صاف بچکر نہ نکل آوے اسوقت تک اسکی روح سفلی تعلقات سے الگ نہین ہو سکتی اور نہ
حقیقی پاکیزگی تک پہنچ سکتی ہے اور ایسے شخص کی تبدیلی بھی ناتمام ہے۔ اب جب ہم آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کے صحابہ کی حالت کو دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ سخت سے سخت ابتلاؤن مین ڈالے گئے
اور آزمایشونکی چکیونمین پیسے گئے مگر وہ صحیح سلامت اور کامیاب نکلے ابتدا مین انکو جو تکلیفین دی گئین
انکے ذکر سے بھی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہین۔ مکہ مین بعض وقت انکی یہ حالت ہوتی تھی کہ سخت
گرمی مین دوپہر کے وقت جلتی ہوئی ریت اور پتھرونپر انکو ننگے ڈالدیا جاتا اور اسپر کوڑونسے پیٹا جاتا مگر اسوقت
بھی جب وہ گرمی کی شدت اور پیاس کی تیزی اور مار کی سختی سے نیم مردہ ہو جاتے تب بھی انکے مُنہ
سے یہی لفظ نکلتے کہ لا الہ الا اللہ۔ پھر ان مصیبتونکے بعد انکو اپنا وطن چھوڑ کر ایکدوسرے ملک مین پناہ
لینی پڑی اور گھر بار سب چھوڑنے پڑے پھر بھی انہون نے ثابت قدمی دکھائی۔ آخر جب یہ جلاوطن
واپس آئے تو کفار کیطرف سے اور بھی بڑھکر دکھ دیا جانے لگا چنانچہ پھر دوسری دفعہ سب کے سب ہجرت
کر کے مدینہ مین پہونچے اور یہان فاقہ کشی اور سخت محنتونسے گذارہ کیا لیکن اسلام پر ویسے ہی ثابت
قدم رہے۔ مگر یہان انکی مصیبتون کا انتہا نہین ہوا۔ بلکہ اب کفار پہلے سے بھی تند ہو کر انکو نابود کرنیکے درپے
ہوئے اور ان ناتجربہ کارونکو جنکو تیرہ سال دکھ اٹھاتے ہو گئے تھے اور کبھی کسی کے سامنے نہ زبان کھولی

تھی اور نہ ہاتھ اٹھایا تھا۔ اب اپنی حفاظت کے لیے بالمقابل جنگ کرنا پڑا۔ مگر انہون نے اپنے پیارے نبی کے ساتھ کو نہ چھوڑا اور ہر ایک تکلیف اور ہر ایک مصیبت کو گوارا کیا۔ گھر چھوڑے مال چھوٹے۔ مارین کھائین اور آخر جانین بھی دین اللّٰھم صل علے محمد و آل محمد و اصحاب محمد و بارک وسلم انک حمید مجید۔ یون شروع سے لیکر یعنی اسوقت سے جب انہون نے پہلے اسلام کو قبول کیا اخیر تک تکلیفین ہی تکلیفین انکی راہ مین رہین مگر وہ استقامت انہون نے دکھائی جو ایک غور کرنیوالی طبیعت کو حیرت مین ڈالدیتی ہے وہ مصایب کے مقابلہ سے نہ تھکے بلکہ ایک چوتھائی صدی کی انہین حالتون مین گذاری مگر اس حق کو چھوڑنا جسکو وہ بصیرت سے قبول کر چکے تھے انکے لیے موت سے بدتر تھا جس ایمان پر انہون نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قبول کیا تھا۔ اسی ایمان پر انکا خاتمہ بھی ہوا۔ دنیا مین ایسی نظیرین تو ہونگی کہ مذہب کی بنا پر لوگون نے موت کو قبول کیا اور اپنے مذہبی عقاید کو نہ چھوڑا مگر انکی حالتو نکا ہم اندازہ نہین لگا سکتے کیونکہ ہم نہین جانتے کہ اگر انکی مصیبتونکو لمبا کیا جاتا تو وہ قایم رہتے یا پھر جاتے۔ بعض وقت فوری جوش سے انسان بہت کچھ کرگذرتا ہے۔ لیکن یہ نظیر کہ شروع سے لیکر آخر تک مصایب کا مقابلہ ہو اور مصایب بھی وہ جو دن بدن بڑھ رہے ہون اور تئیس سال کا لمبا زمانہ انہین مصایب مین گذر جائے اور پھر بھی ایمان مین ذرہ بھر تزلزل نہ ہو۔ اسکی نظیر دنیا مین کوئی نہین اور ہرگز نہین۔

اس حیرت انگیز استقامت کا مقابلہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے دکھائی حضرت مسیح کے عام مریدون سے بلکہ خاص حواریونسے ہی کرو۔ اور افسوس سے کہنا پڑے گا کہ اس استقامت کی بو بھی انمین نہین پائی جاتی۔ اور نہ ہی انہون نے اپنے مرشد سے وفاداری کا کوئی ثبوت دیا ہے اول تو حضرت مسیح ایک ایسی گورنمنٹ کے ماتحت تھے جو ایک نہایت منتظم گورنمنٹ تھی جسکے نیچے مذہبی بنا پر کسیکو دکھ نہ دیا جاسکتا تھا یہی وجہ تھی کہ یہودیونکو یہ جرات نہ ہوئی کہ آپکو یونہی مار ڈالتے بلکہ عدالت کے سامنے پیش کرنا پڑا اور خود حضرت مسیح نے بعض اوقات ایسے کام کیے ہین جنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتدا مین ایک مظلوم کے رنگ مین نہ تھے۔ مثلاً یوحنا ۲-۱۵ کو پڑھو کہ کس طرح انہون نے خرید و فروخت کرنیوالونکی میز دنکو الٹا دیا اور انکو مار کر ہیکل سے باہر نکالدیا۔ ایسے شخص کے پیرو دنکو کسیطے دکھ پہونچا یکا کیا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ ہان دس یا بارہ آدمیون نے تخت ملنے کے وعدے پر اپنے کاروبار چھوڑ دیئے تھے مگر اسبات کا ثبوت نہین ملتا کہ مچھلی پکڑنے والے جالونکے سوا اور...... کوئی جائیداد بھی وہ چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ ایک ہی واقعہ حضرت مسیح کو ساری عمر مین ایسا پیش آیا تھا جب انکے مریدونکو کسیقدر استقامت دکھانی چاہیئے تھی مگر وہ موقعہ بھی ایسا نہ تھا کہ انہین اپنی جانون کا کوئی خطرہ ہوتا۔ مگر اس نازک وقت مین جب حضرت مسیح علیہ السلام

کو حوالات مین کر دیا گیا۔ آپکے خاص الخاص حواری پطرس نے بھی یہ نمونہ دکھایا کہ ذرا سی بات پر یہ جھوٹ بولدیا کہ مین مسیح کا مرید نہین بلکہ اسکو جانتا بھی نہین۔ کیا یہی استقامت اور تبدیلی ہے جسکی بنا پر حضرت مسیح کو خدا بنایا جاتا ہے؟ اور یہی وہ لوگ ہین جن کو گناہ سے نجات یافتہ کہا جاتا ہے؟

مین اس بات سے انکار نہین کرتا۔ کہ حضرت مسیح نے اپنے چند حواریونمین جو انگلیون پر گنے جاسکتے ہین کسیقدر تبدیلی پیدا کی ہو۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ جہان ایک ایسی ادھوری اور محدود تبدیلی کے پیدا کرنیوالے کو خدا یا خدا کا بیٹا بنایا جاتا ہے۔ اس فخر نسل انسانی کو جسکی تبدیلی کی اسکی کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے دنیا مین کوئی نظیر نہین جھوٹا نبی کہا جاتا ہے۔ پادری صاحب اور انکے ہم عقیدہ لوگونکو چاہیئے کہ انصاف کرین اور واقعات کی بنا پر کسیکو سچا یا جھوٹا کہین۔ ان دونون بزرگ نبیونمین مقابلہ کرو اور واقعات کے رو سے جو افضل ہے اسے افضل کہو۔ اگر حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیونکو اس سے بدتر حالت مین پایا تھا جس حالت مین ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عربونکو پایا۔ اور پھر ان مین اس سے بڑھکر پاک تبدیلی پیدا کر دکھائی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عرب مین کی۔ تو ہمین مسیح کو افضل ماننے سے کوئی انکار نہین لیکن اگر تاریخ اور واقعات سے اسکے خلاف ثبوت ملے یعنے عرب کی پہلی حالت یہودیونسے بہت بدتر اور انکی دوسری حالت یہودیونکی دوسری حالت سے بہت افضل ثابت ہو جیسا کہ مین دکھا چکا ہون تو پھر عیسائی صاحبان کو چاہیئے کہ تعصب اور طرفداری کو چھوڑ کر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو تسلیم کرین۔ مین نہین جانتا کہ پادری "سیل" صاحب ان بیّن دلایل سے کچھ فائدہ اٹھائینگے یا نہین لیکن جو معیار صداقت اور فضیلت کا مینے یہان بیان کیا ہے اس سے کسی سمجھدار آدمی کو انکار نہین ہو سکتا۔ ہان اگر عیسائی صاحبان کوئی اور معیار انبیاء کی صداقت اور فضیلت کا پیش کر سکتے ہین جسکے رو سے توریت کے تمام انبیاء اور مسیح علیہ السلام کی نبوت کو پرکھ سکتے ہون اور انکے حق و باطل ہونیکو مین طور پر سمجھ سکتے ہون تو ہم اس معیار سے بھی یہ ثابت کر دینگے کہ فضیلت ایک ہی کیلیئے ہے۔ جس معیار سے چاہو دیکھ لو اور وہ ایک حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہین۔

جو معیار فضیلت مینے پیش کیا ہے۔ وہ نہایت صاف ہے کیونکہ جو شخص خود اللہ تعالے سے اعلےٰ درجہ کا صاف اور پاک اور مضبوط تعلق نہین رکھتا وہ دوسرونکو حقیقی پاکیزگی پر کیونکر قایم کر سکتا ہے اور انکا تعلق اللہ تعالے کے ساتھ کیونکر قایم کر سکتا ہے۔ پس جو تبدیلی کوئی شخص پیدا کرتا ہے۔ وہی اسکی صداقت اور فضیلت پر دلیل ہے۔ پس اگر دلایل سے کام لیا جاوے تو کوئی فلاسفر۔ کوئی ہمدرد بنی نوع کوئی مصلح کوئی نبی ایسا نہین جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی برابری کا دعوےٰ کر سکے اور یون کل

انظام مولا

نسل انسانی پر آپکی فضیلت ثابت ہے۔ اس معیار سے بڑے بڑے لمبے مذہبی مباحثات کا چند لفظوں میں ہی فیصلہ ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی معیار کے رو سے ہم کسی مدعی کی صداقت کو نہ پرکھیں بلکہ ہر بات میں اس کی نیت اور ارادہ پر حملہ کریں تو کونسا نبی ہے جو اعتراضوں سے بچ سکتا ہے۔ پادری سیل صاحب دہریوں کی کتابوں سے ناواقف نہیں جنہوں نے حضرت مسیح پر اسقدر حملے کیے ہیں کہ اور کسی نبی پر اتنے اور ایسے سخت حملے نہیں ہوئے میں یہ تو نہیں کہتا کہ جو پادری صاحبان اسلام پر قلم اٹھاتے ہیں وہ بھی واقعی دہریہ ہی ہیں لیکن اگر ان کی تحریروں میں ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کی بجائے حضرت مسیح علیہ السلام کا نام درج کر دیا جائے تو یہ تحریریں بعینہ دہریوں کی تحریریں بن جائینگی۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر پادری سیل کا یہ اعتراض صحیح ہے کہ چونکہ چند لوگ جو حنیف کہلاتے تھے اور بت پرستی کے مخالف تھے آپ سے پہلے پیدا ہو چکے تھے اور اسلیے ضروری ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دعوے وحی الہی کی بنا پر نہ تھا بلکہ حنیفوں کی طرف دیکھکر ہی آپنے بھی دعوے کر دیا تھا تو حضرت مسیح تو اور بھی قابل الزام ٹھہرتے ہیں کیونکہ آپ سے پہلے ایک عظیم الشان فرقہ جو اسین کے نام سے پکارا جاتا ہے موجود تھا جسکی تمام تعلیم وہی تھی جو بعد میں حضرت مسیح نے دینی شروع کی جس سے وہی طرز استدلال اختیار کرکے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت مسیح نے بھی اس فرقہ کی طرف دیکھکر اور انہیں کی تعلیم چرا کر خود وعظ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اگر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض پادری صاحب کرتے ہیں کہ آپکو کسی فرضی راہب سے یہودیوں اور عیسائیوں کی تعلیم کا پتہ لگ گیا تھا تو حضرت مسیح پر الزام ثابت شدہ ہے کہ آپنے توریت اور دوسری یہودیوں کی کتابوں کو سبقاً سبقاً اُستاد سے پڑھا تھا اور آپکی تمام تعلیم انہیں تحریروں سے لی گئی ہے۔ میں پادری سیل صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر وہ حضرت مسیح کی زندگی اسی طرز پر اور ویسے ہی خیالات کو دل میں لیکر لکھنا شروع کرے تو جو کچھ وہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس سے بھی بدتر حضرت مسیح کو پائے گا +

اصل بات یہ ہے کہ پادری صاحبان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور فضیلت کی یہ نمایاں دلیل کہ آپنے وہ تبدیلی پیدا کی جو اور کسی نے نہیں کی کھٹکتی رہتی ہے اور اسلیے اسکے اثر کو کم کرنیکے لیے اس طرح کے فضول عذر تراشتے رہتے ہیں کہ عرب پہلے سے ہی اس عظیم الشان تبدیلی کے قبول کرنیکے لیے تیار تھا۔ اگر پادری صاحب کو ان جھوٹے اور بے بنیاد دعووں سے کچھ تسلی بھی ملتی ہے اور آپکی لا انتہا کامیابی کے لیے ظاہری وجہ انکے نزدیک پیدا ہو جاتی ہے تو اس سے انکو فایدہ کیا کیونکہ پہلے تو انہیں اس بات کا فکر چاہیے کہ حضرت مسیح کیوں ناکام رہے اور کیوں انکو وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو انکے نزدیک ایک جھوٹے کو ہوئی۔ یہ مذہب کی حمایت نہیں بلکہ مذہب کے ہنسی ہے کہ جو ناکام ہو اسے خدا بنایا جائے۔ اور جو کامیاب ہو اُسے جھوٹا کہا جائے یہ تو خدا پر اعتراض ہے کہ وہ چپکا بیٹھا دیکھتا رہا اس میں اسقدر طاقت نہ تھی کہ ایک جھوٹے کی کامیابی کو روک سکتا اور اپنے بیٹے کو تھوڑی سی مدد دیکر کامیاب کر سکتا۔ اے پادری صاحبان

کب تک حق سے گریز کرو گے اور باطل کی تائید کرو گے۔ خدا سے ہنسی مت کرو۔ وہ وہ طاقتور خدا ہے جو مفتری کو اپنے وعدہ کے مطابق پیس ڈالتا ہے اور ہلاک کر دیتا ہے اور اسے نامراد رکھتا ہے اور جھوٹا اس سے وہ تائید کبھی نہین پاتا جو سچا پاتا ہے۔ اور بہر حال اگر تم کسی کی کامیابی کی کوئی وجہ بھی تلاش کر لوگے تو آخر اسکی کامیابی تو کامیابی ہی رہیگی! اور جو ناکام ہوا ہے اسکی ناکامی کی کوئی وجہ اس ناکامی کو کامیابی سے تبدیل نہین کر سکتی۔ آخر کس کے ارادے کے مطابق وہ عظیم الشان تبدیلی عرب مین واقع ہوئی اور کس نے یہ چاہا کہ اس قسم کی نمایان کامیابی سوائے اس ایک کے اور کسی کو حاصل نہ ہو؟ کیا خدا کے سوا کسی اور کے ارادے کے مطابق یہ کام ہو رہے تھے! احمق آدمی نہین جانتا ہے کہ جس حق کو وہ چھپانا چاہتا ہے آخر وہ ظاہر اور کامیاب ہو کر رہیگا۔ (باقی آئندہ)

انگلستان مین اخلاق اور مذہب کا زوال

میری کوریلی کی کتاب "آزاد رائین" حال مین شایع ہوئی ہے اور انگریزی پریس مین اسکی بہت کچھ مخالفت اسوجہ پر ہوئی ہے کہ عیسائی ممالک کی موجودہ مہذب سوسائیٹی کے بعض حالات اس نے کھولکر بیان کر دیئے ہین اور آج کل کے مہذب مورخین کی طرح عیبون کا اخفا نہین کیا۔ دو بڑی باتین جو اس مین بیان کی گئی ہین وہ بدکاری کی کثرت اور مذہب کا زوال ہین اور ان دونون امور مین کتاب کی مصنفہ کے بیان مین کسی قسم کا مبالغہ نہین پایا جاتا۔ کیونکہ بڑے بڑے لوگون نے اس سے بھی بدتر نقشہ مہذب سوسائیٹی کا کھینچا ہے۔ ایک حملہ اس کتاب پر یہ بھی کیا گیا ہے کہ اسکی طرز تحریر سخت ہے۔ مگر جہان سوسائیٹی اپنے بعض عیبونکا اخفا کرنا چاہتی ہو وہان کا اظہار ضرور ہے کہ سخت معلوم ہو۔ انگلستان مین مذہبی عقاید کے زوال کے متعلق پہلے یہ دو سوال کیے گئے ہین "کیا تم اس مذہب پر دل وجان سے ایمان رکھتے ہو جسکے پیرو ہونیکا تم زبانی اقرار کرتے ہو؟ کیا یہ سچ نہین کہ تم اسکے ایک لفظ پر بھی ایمان نہین لاتے اور صرف رسم و رواج کے طور پر اسکے پیرو بنے ہوئے ہو؟" ان سوالون کا جواب دیتے ہوئے عام حالت یون بیان کی گئی ہے۔

"تم جو ایمان نہین لاتے مگر رسم و رواج کی خاطر جھوٹا اقرار ایمان لانیکا کرتے ہو۔ سوچو کہ تم کیا ہو۔ تم اپنے آپکو نیک اور معزز سمجھتے ہو مگر واقعات واقعات ہی ہین اور تم ایمان کا دعوے کرنے مین کذاب ہو۔ دن کی صاف روشنی تمپر پڑتی ہے اور تمکو منافق جانتی ہے تم ایک بدبخت انسان ہو جو رسم کی دیوانہ وار تقلید مین خدا کو بھی دھوکا دینے کی نکمی کوشش کر رہے ہو مرد ہو یا عورت جو کوئی تم ہو جھوٹ بولنے سے شرم کرو۔ صاف طور پر اقرار کرو کہ تم

ایمان نہین لاتے پھر کم از کم اس صاف گوئی کے لیے تمہاری عزت کیجائیگی رسم کیخاطر یہ نہ دکھاؤ کہ ہمارے مذہبی خیالات اس فرقہ کیطرف مایل ہین یا اُس فرقہ کیطرف پھر ہم تمہین کذاب یا منافق نہ کہین گے" یہ حالت صرف عوام کی ہی نہین بلکہ کلیسیا اور اسکے عہدہ دارونکی حالت جو پیشوایان مذہب کہلاتے ہین اس سے بھی بدتر بیان کیگئی ہے" یہ بالکل سچ ہے کہ ہمارے اکثر گرجے مسیح کی اصلی تعلیم کے بالکل مخالف پڑے ہوئے ہین اور یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ہم اپنی روزانہ زندگیون مین ٹھیک اس طرز پر چل رہے ہین جس پر مسیح نہایت سخت الفاظ مین لعنت بھیجتا۔ عوام کیحالت کو مدنظر رکھکر یہ کہدینا تو آسان ہے کہ لندن کافر ہورہا ہے لیکن اگر پادریون اور پیشوایان مذہب کو کافر کہا جائے تو یہ بالکل درست ہوگا۔ ان بڑے بڑے عہدہ داران کلیسیا کی حالت پر غور کرو جو اس عقیدہ کے ایک لفظ پر بھی ایمان نہین لاتے جسکا اقرار وہ زبانی کرتے ہین اور جو ہر روز مسیح کے ساتھ دھوکا بازی کرکے روپیہ کے وصول کرنے مین یہودا اسکریوطی کا کام کرتے ہین ان دین کے خادمونکی حالت پر غور کرو جو اپنی روزمرہ زندگیونکے ہر ایک لفظ اور فعل مین اصل عیسائیت کے الٹے چل رہے ہین ان جبون والے منافقونکو دیکھو جو دوسرونکو وعظ کرتے ہین مگر خود اسکے ایک لفظ پر بھی عمل کرنیکی کوشش بھی نہین کرتے ان بے ایمان اور دنیادار پادریونکو دیکھو جو دولتمندون اور لارڈونکے گھرون مین ہمیشہ دیکھے جاتے ہین نہایت عمدہ پوشاک پہنے ہوئے اور عمدہ عمدہ کھانے کھاتے ہین اور پھر سوسائٹی بدکاریونکا ایسے مزے لیکر ذکر کرتے ہین جیسے کوئی عام رند جو دوسرے کی بیوی کو نیکی کی راہ سے پھیر کر اغوا کرتا ہے۔ ان کینہ ور تنگدل جھگڑالو چھوٹے چھوٹے گرجا والے پادریونکی حالت پر غور کرو جو اپنے اہل محلہ کو بجائے احسان ادائیگی حقوق ہمسائیگی نیکی اور وحدت کا سبق دینے کے انکو ایکدوسرے سے لڑواتے ہین اور کافرونسے بدتر بلکہ خالص وحشیانہ سلوک ان سے کرتے ہین"

اس مین شک نہین کہ کلیسا ان باتونکے کہنے کو برا سمجھتی ہے بلکہ بعض لوگ انکو مبالغہ سمجھتے ہین مگر میرا خیال ہے کہ جو بیحیائی اور بدکاری اس تام کے مقدس دایرے کے اندر ہوتی ہے اسکا پورا پورا اظہار نہ ہی ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ روزمرہ ہم امریکا اور انگلستان کی اخبارونمین پادریونکی بدمستی شرابخوری اور زناکاری کے قصے پڑھتے ہین یہان ہندوستان مین ہی ایک پادری صاحب جو بھیڑ کہلانا اور بھیڑیے کا کام کرنا پسند کرتے ہین پکڑے گئے کیونکہ انکے متعلق یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ یتیم لڑکیونسے جو انکے سپرد تھین بدفعلی کرتے رہے اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ سترھوین غریب لڑکی تھی جسکی عفت پر حملہ ہوا اور اگر پادری صاحب اپنے وحشیانہ جذبات کو سولہ تک ہی محدود رکھتے تو کون انکے تقدس مآب ہونے مین شک کرسکتا تھا۔ سو یہ کمتر ہوتا ہے کہ اصل حقیقت ظاہر ہو۔ انگلستان مین جو ایسے واقعات پبلک ہوئے ہین انکے متعلق میری کوریلی لکھتی ہے "عجیب عام

طور پر بدنامی کا یہ داغ ایک پادری کے دامن پر لگتا ہے تو زیادہ شرم اور مایوسی اور افسوس کا مقام ہوتا ہے۔ جب ہم
ان طبقون مین ان لوگونکے حالات کو دیکھتے ہین اور اکثر ایسے حالات ہمارے دیکھنے مین آتے رہتے ہین جو بجائے زندگی
کی پاکیزگی اور چال چلن (کی) صفائی کا نمونہ دکھانیکے اپنے آپکو اور اپنے اعلے مرتبہ کو بدترین سیہ کاریون سے جو جاہل
سے جاہل وحشی مین بھی بری) معلوم ہوتی ہین ذلیل کرتے ہین تو سخت ہی افسوس اور حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ جنسے
یہ امید رکھی جاتی ہے کہ وہ غلط کار انسانونکو سیدھی راہ پر لائین ان کی اپنی یہ حالت ہے۔ گذشتہ چند سالون مین بہت سے
آدمیونکی ایسی مثالین ملتی ہین جو کلیسیا کے عہدہ دارون مین تھے اور جنہون نے عمداً شوخی اور بدمستی سے عزت
اور نیکی کے ہر ایک پاک قانون کو توڑا اور انکی یہ سیہ کاریان اور بھی سیاہ معلوم ہوتی ہین۔ جب ہم انکے سفید (چہرون
نہین بلکہ) عقاید کو دیکھتے ہین"۔

روحانیت کی یہ گری ہوئی حالت کیون پیدا ہوئی ہے اسلیے کہ دنیا اور دولت کی محبت بڑھ گئی ہے اور
یہ ایسی بیماری ہے جو عیسائی ممالک مین اعلے سے لیکر ادنے تک کو لگی ہوئی ہے یہ بالکل سچ ہے کہ انسان کے
دلمین دو معبودون کی محبت نہین ہوسکتی۔ یا خدا کی پرستش کیلیے جگہ ہوگی اور یا دولت کے دیوتا کی پرستش کیلیئے۔
عیسائی دنیا کی کل توجہ اور عقد ہمت اسوقت دولت کے جمع کرنے اور دنیوی آسائشونکے حصول مین لگی ہوئی ہے چنانچہ
کتاب زیر ریویو کی مصنف لکھتی ہے "ایک نظر ان متکبرونکی طرف اٹھاکر دیکھو جو خداوند کے خادم کہلاتے ہین۔
اور پہلے درجہ کے خود پرست جھگڑالو لڑاکے تنگ خیال ہین یعنی پوپ اور اسکے بڑے بڑے عہدیدار یا کنٹربری
کا لاٹ پادری۔ اور اسکے بشپ ڈیکن۔ ڈین اور چھوٹے چھوٹے عہدیدار۔ یہ لاکھون فرقے اور یہ امیرانہ ٹھاٹھ والے اور
دنیا کے طلبگار جو یہ کہتے ہین کہ ہم انجیل کی وعظ کرنیکے لیے بلائے گئے ہین ان سے پوچھو کہ تمہارے پاس تمہارے
ایمان لانیکی کونسی شہادت ہے۔ اور کونسی شہادت اس امر کی ہے کہ تم اسی آقا کے پیرو ہو جو عیاشی کو کبھی پسند نہین کرتا
تھا اور جسکے پاس سر رکھنے کیلیے بھی جگہ نہ تھی۔ اور تم عام لوگو تم کیونکر یہ دعوے کر سکتے ہو کہ تم اس غریب اور
معمولی انسان کے پرستار ہو جبکہ تم اپنی زندگی کے ہر ایک فعل سے یہ ثابت کر رہے ہو کہ تم زمین اور آسمان کی سب
چیزونسے زیادہ دولت سے پیار کرتے ہو اگر تم جو کروڑہا روپے کے مالک ہو کبھی دین کیلیے خرچ بھی کرتے ہو تو صرف
اسقدر اور اس غرض سے کہ تمہاری شہرت ہو اور تمہارا نام بڑا ہو۔ کیون تم اتوار کے دن اپنے منافق سرونکو یسوع
کے نام کے آگے جھکاتے ہو جو بظاہر ایک بڑھئی کا بیٹا تھا اور بڑھئی کا کام کرتا تھا اور حالانکہ تم ایسے کام کرنیوالون اور
مزدوری پیشہ لوگونکو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہو اور جب فقیر تمہارے دروازے پر آتا ہے تو اسے لات مار کر نکالدیتے ہو"
بدکاری کے پھیل جانیکو عیسائی اور غیر عیسائی سبھی مانتا ہے مگر اس کتاب کی مصنف اعلے درجہ کی سوسائٹی
مین اسکے بہت ہی زیادہ پھیل جانے پر نہایت افسوس کرتی ہے "مگر تمدن کے دایرے مین سب سے بڑی بدبختی یہ ہے

کہ بدکاری کا ارتکاب دن بدن زیادہ کھلے طور پر ہوتا شروع ہوگیا ہے اور معاہدہ نکاح سے نہایت بیحیائی سے لاپروائی دکھائی جاتی ہے اس بارے مین انگریزونکے سب سے اعلے طبقہ کی سوسائیٹی سب سے بڑھی ہوئی ہے اور اس زمانہ کی سب سے بڑی مثالین اس مین ملتی ہین۔ یورپ یا امریکہ مین جو کچھ ہی کہ خدا سے دوری اور رندگی کی زندگیان بسر کیجاتی ہون ہمین کرنا یہ ماننا پڑتا ہے کہ گریٹ برٹن مین وہ لوگ موجود ہین جو تاریخی طور پر اپنے نامونکی عزت اور اپنی وجاہت کے سبب سے تمام ملک مین مشہور ہین جو اپنے گھر مین اپنی بیویونسے زنا ہوتا ہوا دیکھکر بھی نہایت بزدلی سے خاموشی اختیار کرتے ہین۔ اور دوسرون کے لڑکون کو اپنے لڑکے تسلیم کرتے ہین حالانکہ انکو خوب علم ہوتا ہے کہ وہ بچے ولدالزنا ہین۔ ہم نے ایک بڑے ذی رتبہ امیر کا حال سنا ہے جو ایکدوسرے آدمی کی عورت سے زنا کرتا تھا اور جب اس بات کا چرچا عام ہوگیا تو دیوث خاوند نے اس بیحیائی پر پردہ ڈالنے کے عوض ساٹھ ہزار پونڈ کی رقم قبول کی اور اسی بات پر بالکل خاموشی ہوگئی۔ اور اب وہ دونون فریق اعلے درجہ کی سوسائیٹی مین اس سے بھی زیادہ عزت اور ادب کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہین جیسے کہ وہ پاک اور بے عیب ہونیکی حالت مین دیکھے جاتے اس لیڈی کی تصویر جسکی زناکاری کی قیمت ساٹھ ہزار پونڈ لی گئی تھی بالتصویر تحریرون مین عموماً دیکھی جاتی ہے اور اسکے نیچے یہ موزون الفاظ درج ہوتے ہین کہ وہ عفت اور پاکیزگی کی ایک مجسم تصویر اور سفید کبوتری ہے۔ اس بیحیائی کے قصے مین اصل ملزمونسے بھی بڑھکر وہ فیشنیبل لوگ قابل الزام ہین جو انکے اس چال چلن کو اسکے علاوہ اس کتاب مین اور بہت سی چھوٹی چھوٹی بدیون کا ذکر ہے جیسے مہمان نوازی کا مفقود ہونا۔ گھر کے اندر کی خوشحالی کا زوال۔ فاخرہ لباس کا جنون۔ عورتونکا اجرت دیکر اخبارون مین اپنے متعلق یہ شائع کرانا کہ فلان عورت نہایت خوبصورت اور جوان اور دلفریب ہے اخبارونکی گندہ حالت جو کالم و نیز کالم یہی بیان کرنے مین سیاہ کردیتی ہین کہ فلان ناچ یا عیش کی مجلس مین فلان عورت کا لباس ایسا اعلے اور ایسا چمکیلا اور ایسا دلکش تھا اور اسنے فلان فلان جواہرات یا زیورات پہنے ہوئے تھے۔ دولت اور دنیا کی محبت۔ وغیرہ وغیرہ مگر مین سمجھتا ہون کہ یہ تمام بدیان انہین دو کے فروع ہین جو مینے ابتدا مین بیان کی ہین اور اسلیے انپر تفصیل سے لکھنے کی کچھ حاجت نہین اگر وہ دو عیب دور ہوجائین یعنی ایمان اور اخلاق کا زوال تو چھوٹے چھوٹے نقص خود ہی دور ہوجاوینگے۔ درحقیقت وہ چیز جسکی اسوقت مہذب سوسائیٹی کو سخت ضرورت ہے وہ خدا تعالے پر پاک اور سادہ اور یقینی ایمان ہے۔ وہ ایمان جس کی روشنی کی شعاعین ہر ایک ظلمت کو دور کردین اور دل کو تمام بدخواہشات سے پاک کردین۔ وہ ایمان جو زندہ اور طاقتور خدا کا چہرہ اسی دنیا مین دکھلاوے۔ جبتک اللہ تعالے پر ایسا ایمان پیدا نہ ہوگا اور اس پاک ذات سے ایسا مضبوط اور خالص تعلق نہ ہوگا۔ حقیقی پاکیزگی کبھی حاصل نہین ہوسکتی۔ مغربی دنیا کا مذہب رواجاً اسکو عیسائی مذہب ہی کہلو۔ خدا تعالے پر ایسا ایمان پیدا کرنے اور اسکے

ساتھ ایسا تعلق قایم کرنے اور اسکی ایسی محبت اور عظمت دل مین قایم کرنیسے قاصر ہے اور یہی جڑ سب بدکاریونکی ہے دنیا مین دو ہی قسم کی کشش ہے یعنی ایک خدا کی اور دوسرے دنیا کی محبت اور آسایش اور روپے کی کشش۔ عیسائی دنیا اسوقت بکلی اس دوسری کشش کے نیچے آئی ہوئی ہے اور تمام افعال مین اور اقوال مین اور ارادون مین انکے مدنظر دنیا اور دنیا کی آسایش ہی ہے۔ اسلیے یورپ مین سوسایٹی کی یہ حالت ہے جس سے خدا کا تعلق بالکل کٹ چکا ہے اور دنیا کا تعلق دن بدن بڑھ رہا ہے۔ خدا کا نام اتوار کے دن وعظ مین لینے کیلیے رکھا ہوا ہے۔ اور دل مین خدا کی محبت بالکل نہین کیونکہ دل دنیا کی محبت سے پُر ہے اور خدا کی محبت کے لیئے اس مین کوئی جگہ خالی نہین۔

اگر کوئی یورپ مین طالب حق ہے تو اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ صرف اسلام ہی وہ پاک مذہب ہے جو دل کو گناہ اور جذبات سے آزاد کرتا ہے اور اس دنیا کی محبت کی آگ پر پانی ڈالتا ہے یہی وہ مذہب ہے جو خدا کی راہ دکھاتا ہے اور انسان کو ان تمام برکات کا وارث بنا دیتا ہے جو پہلے راستبازونکو دیگئین۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ اسلام ہی وہ ایک مذہب ہے جو گناہ سے نجات کا سچا راہ بتاتا ہے اور وہ راہ یہ ہے کہ وہ اپنی عجیب تاثیر والی تعلیم سے اور اللہ تعالی کی ہستی پر خارق عادت نشانونسے اور دعاؤنکی قبولیت سے ذات باری پر وہ پختہ اور یقینی ایمان پیدا کرتا ہے جسکے سامنے بدی کی طاقت کمزور ہوکر نابود ہوجاتی ہے کیونکہ جب انسان اس یقینی ایمان سے جسپر اسلام اسکو پہونچاتا ہے یہ جانتا ہے کہ خدا ہی جو دل کے بھیدونکو جانتا اور انسان کو اسکی بدکاری اور احکام الہی کی خلاف ورزی پر گرفت کرسکتا ہے۔ اور اسکی طاقت کے بالمقابل سب طاقتین ہیچ ہین تو وہ کبھی نہ خفیۃً اور نہ ظاہر اسکی خلاف ورزی مین قدم رکھ سکتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اسنے ایسا کیا تو خدا کے غضب کی آگ اسکو بھسم کر جائیگی۔ یہ وہ پاک اور مضبوط ایمان ہے جسکی اسوقت یورپ کو بلکہ کل دنیا کو ضرورت ہے اور اسکے سوائے دنیا کی نجات کہین نہین۔

زلزلون کی پیش گوئیان

ولایت کے میگزین آکلٹ ریویو مین ایک مضمون ۴ اپریل والے زلزلے کے متعلق شایع ہوا ہے جس مین یہ لکھا گیا ہے کہ زلزلے عموماً چاند گرہن یا سورج گرہن کے بعد آتے ہین اور فلان فلان ستارے فلان فلان برج مین ہون تو اسوقت آتے ہین چنانچہ یہ دعوے کیا گیا ہے کہ اسی بنا پر زیڈکیل کی جنتری مین جو اکتوبر ۱۹۰۴ء مین شایع ہوئی تھی۔ یہ لکھا گیا تھا کہ ۴۷ درجہ طول بلد کے قریب مارچ کے اخیر یا اپریل کے ابتدا مین ایک تیز دھکا زلزلہ کا محسوس ہوگا۔ مین اس وقت یہ بحث نہین کرونگا کہ آیا واقعی سیارون کا کوئی اثر زمین پر ہے یا نہین اور اس اثر سے زلزلے

پیدا ہو سکتے ہین یا نہین بلکہ مین ایک اور امر کی طرف ناظرین کو توجہ دلانا چاہتا ہون۔ زیڈکیل کی جنتری اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء مین شایع ہوئی اور اس مین کسی ملک کا نام نہین کہ فلان ملک مین زلزلہ آئیگا اسی طول بلد یعنی ۴۰ درجہ مین بہت سے ممالک واقع ہین اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ اصل مرکز زلزلہ کا جہان اس کی تباہی سب سے زیادہ ہوئی ہے کانگڑہ تھا جو ۷۶ - اور ۷۷ درجہ طول بلد شرقی کے درمیان واقع ہے۔ اس جنتری کی اشاعت سے دس ماہ پہلے ایک شخص نے خدا سے الہام پاکر یہ اخبار مین شایع کیا تھا کہ ایک دھکہ زلزلہ کا اس ملک مین محسوس ہونیوالا ہے اور پھر اس پہلی اشاعت کے پانچ ماہ بعد یعنی اس جنتری سے پانچ ماہ پہلے یہ پھر شایع کیا کہ اس ملک کے ایک بڑے حصہ مین مکانات بالکل زمین سے ملجائینگے اور نیست و نابود ہو جائینگے جیسا کہ الہام الہی عفت الدیار محلہا و مقامہا سے پایا جاتا ہے (مفصل ان پیش گوئیون کے لیے دیکھو نمبر ۵ و نمبر ۴) یہ عجیب بات ہے کہ سیارون کے اثر کے لیے تو لوگون کو بہت توجہ ہے اور اس قسم کے بیانات کو بغیر سوچے سمجھے قبول بھی کر لیتے ہین مگر وہ امر جس سے اللہ تعالے کی ہستی اور اسکے تصرف تام اور علم کامل اور قدرت کاملہ پر ایک یقینی اور قطعی ثبوت ملتا ہے اسکی طرف توجہ نہین کرتے بلکہ اس کا ذکر بھی کیا جائے تو پیٹھ پھیر دیتے ہین۔ کیا الہام الہی مین قبل اس کے کہ سیارون کا اجتماع معلوم ہو سکے یا جنتری مین شایع ہو۔ زلزلہ کی خبر نہین دیگئی۔ اور پھر زیڈکیل کی جنتری کی خبر ہے بھی مہمل کیونکہ اس مین صرف اسقدر لکھا ہے کہ ایک تیز دھکہ زلزلے کا محسوس ہوگا۔ مگر تیز دھکے دنیا مین ہمیشہ اور ہر ملک مین کم و بیش آتے ہی رہتے ہین۔ مثلاً ۴ اپریل کے پنجاب کے زلزلے کو کیا خصوصیت ہے یقینی طور پر تیز دھکے نیوزیلینڈ بندر عباس - سوئٹزرلینڈ - فرانس - اٹلی - ویلز - ٹرکی وغیرہ ممالک مین محسوس ہوئے۔ جن مین سے کوئی بھی اس طول بلد پر واقع نہین جس کا ذکر زیڈکیل کی جنتری مین ہے اور نہ ہی یہ تیز دھکے اسوقت پر محسوس ہوئے۔ ایسا ہی تیز دھکے زلزلے کے ۴ - اپریل کے بعد کئی دفعہ محسوس ہو چکے ہین اس لیے تیز دھکہ کہدینا کوئی علم نہین دیتا۔ مگر خدائے عالم الغیب نے جو وحی کی اس مین نہ صرف زلزلہ کا تیز دھکہ ہی بتایا گیا بلکہ ساتھ ہی یہ بھی بتادیا گیا کہ اس قسم کا زلزلہ ہوگا کہ ایسا پنجاب مین پہلے کبھی نہین ہوا جس سے ایک حصہ ملک پنجاب مین عمارتین ہی نیست و نابود ہو جائین گی۔ اب یہ وہ بات ہے جسپر کوئی انسانی عقل احاطہ نہین کر سکتی خالی تیز دھکہ کہنا ایک مبہم لفظ ہے مگر وحی الہی نے کوئی ابہام باقی نہین چھوڑا بلکہ ایسے صاف الفاظ مین زلزلہ کی کیفیت کو بیان کر دیا جس سے بڑھکر صفائی ممکن نہین۔ علاوہ ازین ان امور کو کسی منجمانہ تحقیقات سے کوئی تعلق نہ تھا کیونکہ یہ جنتری سے ایک سال کے قریب پہلے یہ وحی شایع ہو چکی تھی پس اگر زیڈکیل کی جنتری مین شایع شدہ بیان سے سیارون کا کوئی اثر زمین پر ثابت ہوتا ہے تو اس وحی الہی سے نہایت بین اور واضح دلایل اللہ تعالے کی ہستی پر پیدا ہوتے ہین۔ کاش دنیا غور کرے۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اب جب منجم اور علم زلزلہ کے ماہر دوسو سال تک اس ملک مین کسی زلزلہ کے آنیسے انکار کر چکے ہین وحی الٰہی اب بھی یہ خبر دیتی ہے کہ آیندہ ابھی کوئی اَور مصیبت پہلی سے بھی بڑھ کر آنیوالی ہے۔ یہ کسقدر بین دلایل ہین مگر جبان لوگ زمینی علوم کی طرف جھکے ہوئے ہین خدا کی باتونکی طرف انکو دھیان کرنا بھی مشکل ہوتا ہے +

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲- جون ۱۹۰۵ء - رؤیا - ایک بڑا دریا ہے۔ اس مین سے کوئی چیز نکلی ہے جس مین سے شعلے نکلتے ہین اور وہ چیز اس طرح میرے سامنے آئی جیسے دریا بطور تحفہ کے کوئی چیز پیش کرتا ہے اسے مینے لے لیا تو وہ ایک ٹوپی مچھلی کی کھال کی بنی ہوئی تھی اور مینے اسے سر پر رکھ لیا اسکے بعد پھر ایک اور چیز دریا نے پیش کی جو مچھلی کے چمڑے کا بنا ہوا ایک چغہ ہے وہ بھی مینے لے لیا - (فرمایا دریا سے مراد کوئی بڑا ذیشان آدمی یا اہل علم وفضل وکمال ہوتا ہے اور اسکے تحفہ دینے سے مراد حلقہ خادمون مین داخل ہونا یا معتقد ہونا یا رجوع لانا یا مالی خدمت کرنا ہے (واللہ اعلم)

۱۲- جولائی ۱۹۰۵ء - الہام - روحانی عالم کا دروازہ تیرے پر کھولا گیا - فبصرک الیوم حدید -

۲۶- " " " کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف - ترجمہ مین مخفی خزانہ تھا پھر مینے چاہا کہ مین پہچانا جاؤن -

فرمایا صفات الٰہیہ کا ظہور ہے کسی زمانہ مین کوئی ایک صفت ظاہر ہوتی ہے اور کسی زمانہ مین پوشیدہ رہتی ہے - جب ایک اصلاح کا زمانہ دور پڑ جاتا ہے اور لوگون مین خداشناسی نہین رہتی تو اللہ تعالےٰ پھر اپنی معرفت کو ظاہر کرنیکے واسطے ایک ایسا آدمی پیدا کرتا ہے جسکے ذریعہ سے اسکی معرفت دنیا مین پھیلتی ہے لیکن جس زمانہ مین وہ مخفی ہوتا ہے اس زمانہ عابد ونکی عبادۃ اور زاہدونکے زہد بھی ادھورے اور نکمے رہ جاتے ہین - یہ الہام براہین احمدیہ مین بھی درج ہے لیکن اب پھر اسکے خاص ظہور کا وقت معلوم ہوتا ہے اسواسطے دوبارہ یہ الہام ہوا ہے +

۲۹- جولائی ۱۹۰۵ء - "محمد مُفلح" (اس الہام مین حضرت مسیح موعود کو اس نئے نام سے خطاب کیا گیا ہے)

۲۴ اگست - پہلے رؤیا دیکھی کہ ایک لفافہ کسی نے دیا ہے اس مین سے دو چار پیسے نکلے ہین - پھر وہ پیسے میرے سامنے رکھے ہوے بہت سارے ہوگئے ہین - اسکے بعد الہام ہوا:- "وہ تیرے لیے میرا نام چمکا"

ریویو

بست سوال - شیخ الہ دین صاحب احمدی واعظ انجمن حمایت اسلام لاہور نے عیسائی مذہب پر بیس مضبوط اعتراض کیے ہین اور ان کا جواب عیسائی صاحبان سے طلب کیا ہے - ۲۰ صفحے - قیمت ار

سائنس و تعلیم - ایک نیا ماہوار رسالہ جولائی ۱۹۰۶ء سے لاہور سائنٹیفک و ٹیکنیکل ورکشاپ کیطرف سے نکلنا شروع ہوا ہے - اسکے ایڈیٹر لالہ بہاری لال بھاٹیہ بی ایس سی ہین - غرض سائنس کی اشاعت ہے - قیمت سالانہ ۱۲ار - بمعہ انگریزی ضمیمہ - عہ ر

عصر جدید - اس ماہوار رسالے کا جو اڑھائی سال سے جاری ہے جولائی کا پرچہ بغرض ریویو موصول ہوا ہے - اس پرچے مین مختلف اہل علم اصحاب کی قلم کے مضامین مسلمانون کی اصلاح کے متعلق ہوتے ہین کاشکہ وہ اصلاح کی اس پٹری پر ہوتے جسپر بانی اسلام علیہ الصلوۃ والسلام نے چلایا تھا - اسکے ایڈیٹر خواجہ غلام الثقلین صاحب بی اے ہین - ۴۰ صفحے قیمت عہ سالانہ -

مصادر مرکبہ - معروف بہ مرقع اردو - مصنفہ مولوی محمد عبد المجید خانصاحب رامپوری - اس کتاب مین فاضل مصنف نے اردو زبان کے محاورات کو جمع کیا ہے اور ہر ایک محاورہ کی سند مین اشعار پیش کیے ہین - مدرسون اور طالبعلمون کیلئے نہایت مفید کتاب ہے - پہلا حصہ چھپ چکا ہے جسکی قیمت ۴ روپے اسکی چند کاپیان مدرسہ تعلیم الاسلام کے بک ڈپو مین موجود ہین جو صاحب چاہین منگوا کر دیکھ سکتے ہین -

حیرت کی حیرانی - منشی عبد العزیز صاحب کلارک دفتر نہر جمن غربی دہلی نے مرزا حیرت ایڈیٹر کرزن گزٹ دہلی کے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو بذریعہ اخبار انہون نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کیے - اور جو جود ھوکا دہی مرزا حیرت نے کی ہے اسے بڑی قابلیت اور محنت سے کھولکر دکھایا ہے - بڑی خوبی یہ ہے کہ انکے تمام اعتراضون کا جواب انکی اپنی تحریر و نسے دیا ہے - ساڑھے نو جز و کا رسالہ قیمت صرف ۵ احباب متعدد کاپیان خرید کر مفت تقسیم کرین اور رسالہ کی اشاعت مین منشی صاحب موصوف کو مدد دیں دوسرا حصہ اس کتاب کا زیر تصنیف ہے جس کی قیمت ۲ روپے ہے +

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

ہمارا مدرسہ

ہمارے احباب کو ابھی تک اس بات کیطرف توجہ نہین ہوئی کہ قادیان مین مدرسہ قایم کرنیکی اصل غرض کیا تھی اور وہ کس حد تک پوری ہورہی ہے اسوقت ہمارے بورڈنگ ہوس مین چالیس لڑکے ہین اگر مین پوچھتا ہون کہ کیا اس دو یا تین لاکھ کی جماعت مین کل یہی چالیس لڑکے ہی مدرسہ جانیکے قابل ہین افسوس سے کہنا پڑے گا کہ یہ جماعت کے پڑھنے والے بچون کا سوان حصہ بھی نہین ۔ پھر میرے دوستو کس قدر افسوس کی جگہ ہے کہ آپ کا امام اپنی زندگی مین اپنے سامنے آپ لوگونکے بچونکے لیے ہان انکی دینی اور ساتھ ہی دنیوی بہبودی کیلیے بھی ایک مدرسہ قایم کرے اور آپ لوگ اپنے اپنے شہرونکے مدرسونکو اسپر ترجیح دین اگر اس مدرسہ کے قایم کرنیکی یہ غرض نہین کہ اپنی جماعت کے کل بچے اس جگہ تعلیم پا دین تو اس مدرسہ کا رکھنا بالکل فضول ہے اور ایک دکھاوے سے بڑھکر اسکی کوئی وقعت نہین ۔ پھر کیون ایک دکھاوے کی خاطر قوم پر اسقدر بوجھ پڑے ۔ اگر بورڈنگ ہوس مین جاکر بورڈرونکی تختیونکو دیکھو اور یہ تلاش کرنے لگو کہ لاہور امرتسر اور سیالکوٹ جیسے عظیم الشان شہرونمین سے کسقدر بچے یہان تعلیم کیلیے آئے ہین تو اس تکلیف کے اٹھانیکی کوئی ضرورت نہین مین آپکو بتا دیتا ہون کہ ایک بھی لڑکا نہین کیا اس طرحسے قوم قوم بنیگی کیا احمدیونکی نئی نسل جو دنیا کے لیئے بطور ہادی اور رہبر کے ٹھہرنی ہے اسیطرحسے پیدا ہوگی کہ تمہارے بچے بھی دوسرے مسلمانون ہندوؤن عیسائیونکی طرح انہین مدرسونمین دنیا کے کیڑے بنے رہین اور دین کا خیال بھی انکے نزدیک نہ آئے کیا دین کو دنیا پر یہی ترجیح ہے کہ آپ لوگ اپنے بچونکو تعلیم کیلیے بھی یہان نہین بھیج سکتے حالانکہ معمولی دنیوی تعلیم بھی انکو یہان دیجاتی ہے ۔ کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ انسان تمہارے درمیان موجود ہے جسکی نسبت تمہارا ایمان ہے کہ وہ وقت بھی آنیوالا ہے کہ بادشاہ اسکے کپڑونسے برکت ڈھونڈینگے اور تم اپنے بچونکو اسکے فیض صحبت اور اسکا چہرہ دیکھنے سے محروم رکھو ۔ جو لوگ خود یہان آکر نہین رہ سکتے انکے لیے کیسا عمدہ موقعہ تھا ۔ کہ وہ اپنے بچونکو یہان بھیجدیتے ۔ ۔ ۔ اگر قوم متفق ہوکر اپنے بچونکو اسجگہ تعلیم دینے پر آمادہ ہوجاوے تو چند دنون مین ہی چالیس سے چار ہزار تک بورڈرونکی تعداد پہنچ سکتی ہے اور انہی فیسونسے جواب دوسرے مدرسونمین دیجاتی ہین اعلے درجہ کا سکول اور بورڈنگ ہوس ہی نہین بلکہ ایک عظیم الشان کالج تیار ہوسکتا ہے یہ وقت کام اور ترقی کا ہے سو غور کرو اور اتفاق سے وہ نمونہ قائم کرکے دکھاؤ جو دنیا کی قومونکو حیران کرنیوالا ہو ۔ جس طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے دنیا کو حیران کردیا تھا ۔

اسکے ساتھ ہی مین یہ بھی کہنا چاہتا ہون کہ جن مساکین اور یتامی کی پرورش اس مدرسہ مین کیجاتی ہے انکی مدد کرکے بھی حصول ثواب کے مستحق ٹھہرو ۔ یہ دو مدین مستقل آمد کا ذریعہ چاہتی ہین کیونکہ انکا خرچ اسوقت سو روپے ماہوار کے

حکیم فضلدین صاحب نے اپنے مطبع ضیاءالاسلام مین منیجر میگزین کیلیے چھپایا +

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✣ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۵ء نمبر ۹

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ ستمبر ۱۹۰۵ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ [illegible]

سلسلہ کی اعانت کی تحریکیں

(۱) ابتدائے سال میں میں نے ہندوستان سے باہر میگزین کی مفت اشاعت کیلیے ایک تحریک کی تھی جسپر بعض احباب نے توجہ کی۔ پچھلے مہینے میں لاہور کی جماعت کیطرف سے حکیم محمد حسین صاحب قریشی نے یہ تجویز کی اور پھر اسپر عمل کرنے میں بھی سبقت کی جزاہم اللہ احسن الجزاء جسکو میں بدر میں شایع بھی کر چکا ہوں کہ تمام شہروں اور قصبوں کی جماعتیں ایک معین تعداد رسالوں کی اپنے ذمہ لے لیویں جو انکے خرچ پر باہر بھجوائے جاویں اس تجویز کا اثر نہایت نیک ہوا اور لاہور۔ سیالکوٹ۔ میرٹھ۔ ڈیرہ غازیخاں اور کپورتھلہ کی جماعتوں نے اسکو پسند کر کے بعض نے چالیس چالیس اور بعض نے دس دس رسالوں کا اپنے خرچ پر باہر بھیجنا منظور کیا۔ مگر تعجب ہے کہ ان پانچ جماعتوں کے سوا اور کسی جماعت کیطرف سے آواز نہیں آئی اسلیے دوبارہ تمام جماعتوں کے کارکن ممبروں کی خدمت میں درخواست کیجاتی ہے کہ وہ بہت جلدی اسکا انتظام کریں ایک جماعت میں سے دس رسالوں کا باہر بھیجنا صرف ۵۴ روپے سالانہ کا خرچ ہے جو پونے چار روپیہ ماہوار ہوتے ہیں اور تھوڑی سی کوشش سے اسقدر چندہ جمع ہو سکتا ہے۔ جماعت وزیر آباد اور حیدر آباد دکن سے بالخصوص یہ استدعا ہے کہ وہ لاہور اور سیالکوٹ کی طرح چالیس چالیس رسالوں کا انتظام کریں۔

(۲) جاپان میں اشاعت اسلام کیطرف حضرت امام علیہ السلام کو خاص توجہ ہے اور آپکا منشا ہے کہ ایک کتاب تیار کیجاوے جسمیں جامع طور پر اصول اسلام دکھائے جاویں یہ بھی فرمایا ہے کہ جبتک ایسی کتاب تیار ہو اسوقت تک میگزین کی متعدد کاپیاں ہی اشاعت کے لیے باہر بھیجنی چاہئیں۔ بہت احباب نے اسطرف توجہ فرمائی ہے جنہوں نے ابھی تک نہیں کی انکی خدمت میں یہ التماس ہے کہ وہ جلد تر توجہ فرماویں۔

(۳) مدرسہ تعلیم الاسلام کیطرف احباب کی خاص توجہ لگا رہا ہے میں گذشتہ اشاعت میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت مسیح موعود ع کی غرض اس مدرسہ کے قایم کرنے سے یہ تھی اور ہے کہ سب دوستوں کے بچے اسجگہ رہکر وہ تعلیم حاصل کریں جو دوسرے مدرسوں میں کرتے ہیں تا کہ انکی دنیا کے ساتھ ساتھ انکا دین بھی سنورے مدرسہ کا سٹاف بحمد اللہ اسوقت نہایت اعلے درجہ کا ہے اور بورڈنگ ہوس کی نگرانی کا کام بھی ایک پرجوش اور مخلص نوجوان احمدی گریجوایٹ کے سپرد ہے۔ کارکنوں کو ہر وقت یہی فکر ہے کہ اعلے درجہ کی دینی تعلیم کے ساتھ جو بلاشبہ اسجگہ رہکر میسر آسکتی ہے اعلے درجہ کی دنیوی تعلیم بھی ہو۔ اسلیے یہ نہایت ضروری ہے کہ احباب اپنے اپنے بچوں کو جو دوسرے مدرسوں میں تعلیم پاتے ہیں اس مدرسہ میں بھیجیں تا کہ وہ حضرت مسیح موعود کی صحبت میں رہکر اور خدا تعالے کی ہستی کے ان نشانات کو دیکھکر جو بارش کیطرح برس رہے ہیں دنیا میں خدا کے سچے مخلصین اور مومنین کا نمونہ بنکر دکھاویں۔ صرف اسمیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

غلامی

۳۔ غلامون کی تدریجی آزادی کے احکام

جیساکہ باربار ثابت کیا جاچکا ہے۔ قرآن کریم نے عرب کے تمدنی اور اخلاقی قوانین مین ایک کامل اور بے نظیر تبدیلی پیدا کی مدتون کی بدیان جو گویا جزو خون ہو چکی تھین آنحضرت کے طاقتور الفاظ کے سامنے یون نیست و نابود ہو گئین جیسے ایک زبردست آندھی کے سامنے چھوٹے چھوٹے تنکے اڑ جاتے ہین مگر غلامی ایک ایسی چیز تھی کہ جہان بعض پہلوؤن کے لحاظ سے اسے برا کہہ سکتے ہین بعض وجوہات سے ابتدائی سوسائٹی مین اس رواج کا موجود ہونا ضروریات مین سے تھا اور یہ مین پہلے حصہ مضمون مین ثابت کر چکا ہون۔ علاوہ ازین یہ بھی دکھایا جاچکا ہے کہ اسیران جنگ یا مغلوب دشمن کو غلام بنا لینا خود اس قدیم رواج پر ایک عظیم الشان ترقی تھی جس کے رو سے ایسے لوگ کل کے کل ہلاک کر دیئے جاتے تھے جس کا ذکر توریت مین بھی ہے۔

ان باتون کو چھوڑ کر غلامونکو یکدفعہ ہی آزاد کر دینے مین اور بڑے بڑے مضرات تھے اور ایسی کارروائی مین نہ صرف آقاؤن کا ہی بہت بڑا نقصان تھا بلکہ اسکا اثر خود غلامونکی حالت پر بھی بہت برا ہوتا۔ اور سوسائٹی کے تمدن اور اخلاق کا تباہ کرنیوالا ہوتا۔ وہ لوگ جو پشتونسے غلام چلے آتے تھے ان مین سے نہ صرف آزادی کی روح ہی نکل چکی تھی بلکہ کام اور محنت مین بھی وہ سست ہو گئے تھے۔ ایسے لوگونکو خالی ہاتھ کھلا چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ تھا کہ یا تو وہ آوارگی اور گدائی مین زندگیان بسر کرتے اور یا چوری ڈاکہ اور بدمعاشی کے پیشے اختیار کرتے اور مالکون کا لاکھون روپیون کا الگ نقصان تھا۔ کوئی عقلمند انسان ان حالات کے ماتحت غلامونکو یکمرتبہ

آزاد کرنے کا مشورہ نہین دے سکتا۔

بلحاظ وجوہات بالا اور وجوہات کے لحاظ سے جو سوقت پیش آئین اسلام نے اپنے مدنظر پہلا مقصد یہ رکھا کہ غلامون کی حالت بہتر کیجاوے فطرت انسانی کی پستی کا خیال ان کے دلون سے دور کیا جاوے اور سب سے بڑھکر یہ کہ ان کو کام اور محنت کرنیکے قابل بنایا جاوے اور پھر اسکے ساتھ ساتھ ہی انکو آہستہ آہستہ آزاد بھی کیا جاوے یہی وجہ تھی کہ سب سے پہلے اسلام نے آقا اور غلام کے درمیان ایک کامل اخوت قایم کی تاکہ جو ذلت غلام کیطرف منسوب کیجاتی ہے وہ دور ہو جاوے اور اس ایک ہی دروازہ کے بند کرنے سے بہت سی بدیان رک جاوین۔ اس اخوت کا عملی طور پر ابتدائی مسلمانون نے کیا ثبوت دیا صحابہ کی تاریخ کے حوالے سے گذشتہ اشاعت مین دکھایا جا چکا ہے! اس بات کی تائید مین کہ واقعی اسلام کا یہ منشاء تھا کہ پہلے غلامونکی حالت سنوار کر پھر انکو آزاد کیا جاوے قرآن کریم اور حدیث شریف دونونسے ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:- والذین یبتغون الکتب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا واتوھم من مال اللہ الذی اتکم (النور- رکوع ۴- آیت ۳۳) اور ان لوگون مین سے جنکے تمہارے دائین ہاتھ مالک ہو چکے ہین یعنی تمہارے غلامون لونڈیون مین سے جو اس بات کے خواہان ہون کہ تم انکو آزادی کی لکھت دیدو- تو تم انکے ساتھ مکاتبت کرلیا کرو بشرطیکہ تم ان مین بھلائی کے آثار پاؤ اور آزاد کرتے وقت مال خدا مین سے جو اسنے تمکو دے رکھا ہے کچھ انکو بھی دیدیا کرو۔ اس آیت شریف مین مکاتبت کے لیے اللہ تعالے نے دو باتین ضروری قرار دی ہین اول یہ کہ غلام مین کچھ بھلائی نظر آتی ہو یعنی اسکی آزادی اس کی اپنی اور سوسائیٹی کی بہتری کا موجب ہو! ان الفاظ کی تشریح مین تفسیر کبیر مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ آپنے فرمایا کہ ان علمتم فیھم خیرا سے مراد یہ ہے کہ:- ان علمتم لھم حرفۃ فلا تدعوھم کلا علے الناس یعنی اگر تمہین معلوم ہو وہ کوئی ایسا حرفہ جانتے ہین جس سے وہ اپنا معاش پیدا کر سکتے ہین اور فرمایا کہ تم انکو ایسی حالت مین مت چھوڑو کہ وہ لوگون پر یعنی سوسائیٹی پر بوجھ ہون مطلب اسکا یہ ہے کہ غلام لونڈی سے مکاتبت کرتے وقت یہ دیکھ لیا کرو کہ وہ اپنے لیے روزی کمانیکے بھی قابل ہے اگر وہ اس لایق ہی نہین تو تمہارے اسکو آزاد کرنیکا یہ نتیجہ ہوگا کہ بجائے سوسائیٹی کا مفید ممبر ہونیکے وہ سوسائیٹی پر ایک بوجھ ہوگا اور اصل غرض آزادی کی مفقود ہو جاوے گی۔ دوسری بات جسکو مکاتبت کے ساتھ ضروری قرار دیا ہے یہ ہے کہ اسکو مفلس کرکے دنیا مین مت چھوڑو بلکہ کچھ مال بھی اسکو دیدو تا وہ کسی کام کے شروع کرنیکے قابل ہو جاوے ان دونون باتونکو مدنظر رکھکر بڑی صفائی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام کی اصل غرض کیا تھی! ایسا ہی صحیح بخاری کی ایک حدیث سے بھی

معلوم ہوتا ہے کہ جو لونڈی یا غلام آزاد کیا جاوے ایسا ہونا چاہیئے جو خوب کام کرتا ہے اور اپنے آقا کو خوش رکھتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہین کہ مینے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ای الرقاب افضل یعنی آزاد کرنیکے لیے کونسا بردہ سب سے افضل ہے۔ فرمایا:۔ اغلاہا ثمنا وانفسہا عند اہلہا۔ یعنی جو سب سے زیادہ گران قیمت ہو اور مالک کے نزدیک سب سے زیادہ قابل قدر ہو۔ ان الفاظ مین آپنے غلامونکو بھی یہ سمجھا دیا کہ انکے لیے آزادی حاصل کرنے کی راہ یہی ہے کہ وہ اپنے آپکو بہت مفید اور قیمتی آدمی بنانے کی کوشش کرین کیونکہ جس غلام کی مالک کو زیادہ قدر ہوگی وہی سب سے پہلے آزادی کا مستحق بھی ہوگا مین جب اسلام کی تعلیم کو دیکھتا ہون تو حیران ہو جاتا ہون کہ اسکے کل کے کل احکام کس قدر باریک اصول حکمت پر مبنی ہین۔ غلامون کی آزادی کا فتوے الفاظ مین دیدینا چندان مشکل نہین مگر اسلام صرف یہی نہ چاہتا تھا بلکہ اس کی اصل غرض غلامونکی حالت کو سنوارنا تھا کیونکہ مدتونکی غلامی سے انکی حالت بہت گر چکی ہوئی تھی اور پھر جون جون ان کی حالت سنورتی جائے اور وہ اپنے آپ کو مفید بناتے جاوین ساتھ ساتھ ان کی آزادی کا انتظام بھی فرمادیا۔ یہی بڑی وجہ تھی کہ اسلام نے یکمرتبہ ہی غلامونکی آزادی کا حکم نہین دیدیا بلکہ تدریجی آزادی کے قاعدہ کو جاری فرمایا۔ ورنہ وہ مذہب جس نے شراب جیسی بدی کو جس کی بیخ کنی کا آج دنیا مین کوئی علاج نہین ملتا ایک ہی لفظ مین ایسا بیخ و بن سے کاٹ دیا کہ اسکا نام ونشان بھی نہ رہا۔ اسکے آگے غلامونکو یکمرتبہ آزاد کردینا کیا مشکل تھا۔ اور اب آخرکار انیسوین صدی مین آکر جب عیسائیونکو غلامی کے دور کرنے کا خیال پیدا ہوا تو تدریجی آزادی کے اصول کو ہی اختیار کیا گیا۔ پس یہ کسقدر حماقت ہے کہ اسلام پر یہ اعتراض کیا جاوے کہ اس نے غلامی کو یک قلم کیون موقوف نہین کردیا۔

قبل اس کے جو مین اسلام کے ان احکام کو بیان کرون جن سے غلامونکی تدریجی آزادی ثابت ہوتی ہے۔ مین یہ بیان کرنا چاہتا ہون کہ اس بارے مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانونکے لیئے ایک نمونہ قایم کرکے اپنی اصل غرض اور منشاء کو ظاہر کردیا ہے اور یہ فخر اور بزرگی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔ کہ آپنے ہر ایک امر پر پہلے خود عمل کرکے دکھایا تا کہ آپکے عمل سے یہ معلوم ہوجائے کہ آپ کا منشاء کیا تھا۔ اور اسی لیے مسلمانونکو اللہ تعالےٰ نے خاص طور پر لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ فرماکر یہ سمجھا دیا کہ جو نمونہ تمہارے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قایم کرتے ہین اسی نمونہ پر تم سب کو چلنا چاہیئے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کو حفاظت سے آنے والی نسلون تک پہونچادیا۔ اب جب غلامونکے بارے مین ہم آپ کے نمونہ کو تلاش کرتے ہین تو صحیح حدیثونسے اور آپ کی سیرۃ کی معتبر تاریخونسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے

غلاموں کو آزاد کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مواہب لدنیہ میں بہت سارے غلاموں اور لونڈیوں کے نام لکھکر جنکو آپنے آزاد کیا تھا ابن جوزی کی سند پر یہ لکھا ہے کہ آپنے تینتالیس غلام اور گیارہ لونڈیوں کو آزاد کیا۔ بعض مورخوں نے آپ کے آزاد کردہ بردوں کی تعداد کو اس سے بہت زیادہ لکھا ہے۔ مگر ہماری غرض کے لیئے صرف اسقدر بات کافی ہے کہ جو غلام آپکے قبضے مین آتا تھا آپ جلدی اسکو آزاد کر دیتے تھے آپکے اس نمونہ کو ہی دیکھ کر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے غلاموں کے آزاد کرنے مین بڑی بڑی ہمتین دکھائین اور جہانتک اسوقت کی تمدنی حالت برداشت کر سکتی تھی غلاموں کو آزاد کرتے رہے۔ آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وسلم کی گہری دلی ہمدردی جو غلاموں کے ساتھ تھی اور جو سچی تڑپ آپکے دل مین انکے آزاد کرنیکے لیئے تھی اسکا صحابہ پر اسقدر اثر تھا کہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ بہت ہی خوش کرنیوالی بات ہے کہ غلام آزاد کیا جاوے۔ جب حضرت ابو ہریرہؓ نے اسلام قبول کیا۔ اور بیعت مین داخل ہوئے تو آپکے ساتھ آپ کا ایک غلام بھی آیا تھا جو اتفاقاً راستہ مین آپسے جدا ہو گیا۔ آپ بیعت سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے کہ غلام بھی آموجود ہوا۔ آپنے اسیوقت فرمایا کہ جا مین نے خدا کیلیئے تجھے آزاد کیا۔ گویا اپنے اس فعل سے اسوقت آپنے یہ ظاہر کیا کہ کس طرح آپ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک قول اور فعل کی پیروی کرنیکے لیئے تیار تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس غلام اپنے آقاؤں کی شکایتوں کو اس طرح لے کر آتے تھے گویا ان کا دل اس یقین سے بھرا ہوا تھا کہ آپ ہر حال مین ہمارے حامی ہونگے! ور ایسی شکایتوں کا نتیجہ اکثر آقاؤں کے خلاف ہی ہوتا تھا کیونکہ آپ اکثر غلام کو آزاد کر دیتے۔ ابو مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے جب اپنے غلام کو کسی قصور پر مارا تو اتفاقاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا۔ جب حضرت ابو مسعود کو یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت نے دیکھ لیا ہی تو پہلے لفظ جو آپکے منہ سے نکلے یہ تھے۔ کہ اے رسول خدا مینے اس غلام کو خدا کیلیئے آزاد کر دیا۔ آپنے فرمایا اور اگر تم آزاد نکرتے تو آگ مین ڈالے جاتے! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کو کسقدر تیقن تھا۔ کہ آپ انسانوں کے سچے ہمدرد اور غلاموں کے سچے خیر خواہ ہین۔ آپ ہی کے نقش قدم پر قرون اولے کے مسلمان چلتے رہے کیونکہ انکے دلون مین ایسی آپ کی محبت اور عشق کی آگ روشن تھی کہ وہ کبھی گوارا نہ کر سکتے تھے کہ جو فعل رسول خدا کیا کرتا تھا وہ اسے نہ کرین۔ چنانچہ پہلے خلفائے کے زمانہ مین غلاموں کی تدریجی آزادی جاری رہی۔ باقی رہا یکدم سب کو آزاد کر دینا سو ہر ایک دانشمند دیکھ سکتا ہے کہ اس مین نہ آقاؤں کی نہ غلاموں کی اور نہ ہی سوسائیٹی کی بھلائی تھی بلکہ سب کا نقصان تھا۔

اب مین ان احکام کو بیان کرونگا جو قرآن کریم مین اور حدیث نبوی مین غلاموں کی تدریجی آزادی کے

متعلق وارد ہوئے ہین۔ سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن شریف مین جو حکم غلامون لونڈیون کے ساتھ احسان کرنیکا مذکور ہوا ہے اسکی اصل غرض اور غایت بھی یہی تھی کہ رفتہ رفتہ غلامونکو آزاد کردیا جاوے یہ بات نہ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے عمل سے ہی ثابت ہے کہ آپ ہر ایک غلام کو جو آپکے قبضہ مین آتا تھا آزاد کر دیتے تھے بلکہ آپکے اقوال سے بھی یہی بات واضح اور روشن ہے۔ مثلاً آپ کا وہ قول جو گذشتہ اشاعت مین بھی نقل کیا جا چکا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل نے غلامون کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی یہانتک مجھکو تاکید کی کہ مین نے خیال کیا کہ کسی کو غلام ہی نہ بنایا یا رکھا جاوے ایک بین دلیل ہے اس بات پر کہ سب سے عمدہ سلوک غلامونکے ساتھ انکو آزاد کرنا ہی تھا۔ ایسا ہی وہ حدیث بھی نقل کی جا چکی ہے کہ جب ابو الہیثم رضی اللہ تعالے عنہ کو آپنے ایک غلام دیا اور ساتھ تاکید کی کہ اسکے ساتھ حسن سلوک کرنا تو اس کی بیوی نے کہا کہ اسکے ساتھ حسن سلوک تو ہم یہی کر سکتے ہین کہ اسکو آزاد کر دین چنانچہ آزاد کر بھی دیا۔ ان تمام باتوں سے وہ مدعا حاصل ہے جسکو ہم ثابت کرنا چاہتے ہین۔

جب ہم قرآن شریف کو پڑھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ غلام کو آزاد کرنا اللہ تعالے کے نزدیک بہت ہی پیارا فعل ہے چنانچہ سورۃ البلد مین اللہ تعالے فرماتا ہے:۔ الم نجعل لہ عینین ولسانا وشفتین وہدینہ النجدین فلا اقتحم العقبۃ وما ادریک ما العقبۃ فک رقبۃ۔ (البلد۔ ۸-۱۱) "کیا ہم نے انسان کو دو آنکھین اور زبان اور دو ہونٹ نہین دیئے اور اسکو (نیکی اور بدی کے) دونون رستے بھی دکھا دیئے پھر بھی وہ گھاٹی مین سے ہوکر نہ نکلا! اور تم کیا سمجھتے ہو کہ وہ دشوار گذار گھاٹی کیا ہے وہ ہے کسی کی گردن کا غلامی یا قرض کے پھندے سے چھڑا دینا" اس آیت شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے غلامونکے آزاد کرنیکو کسقدر ضروری قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی اسکی مشکلات کو سمجھ کر یہ بھی فرما دیا کہ غلامون کا آزاد کرنا کوئی آسان امر نہین بلکہ ایک نہایت مشکل امر ہے اور ایک دشوار گذار پہاڑی راہ پر چڑھنے کے برابر ہے۔

البقرۃ آیت ۱۷۷ مین اللہ تعالے فرماتا ہے۔ ولکن البر من آمن باللہ..... وآتی المال علے حبہ ذوی القربی ..... وفی الرقاب۔ کہ حقیقی پاکیزگی یہ ہے کہ انسان ایمان لائے اور پھر ساتھ اسکے اپنا مال خالص اللہ کی محبت کے لیئے فلان فلان موقعہ پر خرچ کرے جس مین غلامونکا آزاد کرنا بھی شامل فرمایا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسی آیتین محض نصیحت کے پیرایہ مین نہین بلکہ ان مین صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیون کا ایک سچا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے بہت بہت غلام آزاد کیئے نہ صرف اپنی ملکیت کے بلکہ خرید خرید کر بھی بہتونکو آزاد کیا چنانچہ ایک صحابی کا ذکر ہے کہ اسنے ایکسو غلام اسلام لانیکے

بعد آزاد کیا۔ اور حضرت ابوبکر نے مکہ مین چالیس ہزار درم غلامونکے خرید کر آزاد کرنے مین خرچ کیے۔ ان تمام باتونسے ثابت ہوتا ہے کہ غلامونکا آزاد کرنا اسلام نے مذہبی فرض قرار دیا ہے۔

نہ صرف افراد کو ہی یہ حکم تھا کہ وہ حسب طاقت اور بمقتضائے وقت غلام آزاد کرین۔ بلکہ صدقات کے روپئے کا جو بیت المال مین جمع ہوتا تھا ایک ضروری خرچ غلامونکا آزاد کرنا بھی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالے قرآن شریف مین فرماتا ہے:۔ انما الصدقت للفقراء والمساکین والعملین علیھا والمؤلفة قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضة من اللہ واللہ علیم حکیم + (التوبة۔ رکوع ۸۔ آیت ۶۰) یعنی صدقات کا روپیہ فقیرون کا حق ہے اور محتاجونکا اور ان کارکنون کا جو اسکے وصول کرنے یا تقسیم کرنے پر مقرر ہین۔ اور مولفة القلوب کا اور نیز روپیہ غلامونکے آزاد کرنے اور قرضدارون کے قرضے ادا کرنے مین اور اللہ کی راہ مین اور مسافرونکے لیئے خرچ کیا جاوے۔ یہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حقوق ہین اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے اس آیت مین صدقات یعنی زکوٰۃ کے روپئے کے مصارف مین سے ایک ضروری خرچ غلامونکے آزاد کرنیکا ٹھہرایا گیا ہے۔ گویا حکومت کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ بھی ایک حصہ روپئے کا غلامونکے آزاد کرنے مین صرف کرے۔ یہ حکم انسانی نہین بلکہ اللہ تعالے کیطرفسے ہے۔

علاوہ ان عام احکام کے بعض حالتون مین صاحب مقدور مسلمانونکے لیئے غلام کا آزاد کرنا جہان غلام ملسکے لازمی قرار دیا گیا ہے اور یہ تمام موقعے کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ ہین۔ پہلا موقعہ وہ ہے جب ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے اسوقت بردہ آزاد کرنیکا حکم ہے (النساء۔ ۹۴) دوسرا وہ موقعہ ہے جہان کوئی اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھے یعنی اپنی بیوی کو ماں کہدے اسے جھوٹ اور بیہودہ قرار دیا ہے اور ظہار کے بعد اگر پھر رجوع کرے تو اسکا کفارہ غلام کا آزاد کرنا رکھا ہے (المجادلہ ۳ و ۴) ان دونون صورتون مین غلام کا آزاد کرنا لازمی ہے لیکن اگر غلام نہ ملے تو پھر اور صورتین کفارہ کی بتائی گئی ہین۔ تیسرا موقعہ وہ ہے جب کوئی قسم کھا بیٹھے اور پھر اسکو پورا نہ کرے اسکا کفارہ یہ فرمایا کہ یا دس مسکینونکو کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے اور یا بردہ آزاد کرے۔ حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص روزہ رکھکر اسکو توڑ دے اسکا کفارہ بھی غلام کا آزاد کرنا ہے۔ یہ سب ایسے حکم ہین جن مین غلام کا آزاد کرنا ضروری ہے۔

احادیث مین بھی غلامون کے آزاد کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری مین ہے۔ ایما رجل اعتق امرأ مسلما استنقذ اللہ بکل عضو منہ عضوا منہ من النار۔ یعنی جو شخص ایک مسلمان غلام کو

آزاد کرے گا۔ اللہ تعالےٰ اس غلام کے ہر ایک عضو کے بدلے آزاد کنندہ کے ہر ایک عضو کو آگ سے بچا ئیگا اس سے بڑھ کر غلامون کی آزادی کے لیے اور کیا ترغیب ہوسکتی ہے۔ ایک اور حدیث کا مضمون یہ ہے۔ عن البراء ابن عازب قال جاء رجل الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقال دلنی علی عمل یقربنی من الجنۃ و یبعدنی من النار فقال اعتق النسمۃ و فک الرقبۃ۔ یعنی براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہین کہ ایک۔ آدمی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کیخدمت مین حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے وہ عمل بتائیے جو مجھے جنت سے نزدیک کرے اور دوزخ سے دور کرے فرمایا غلام کو آزاد کرا اور گردن کو چھڑا۔ الیساہی ایک حدیث شریف مین آیا ہے کہ سب سے پیارا عمل خدا کے نزدیک غلام کا آزاد کرنا ہے۔ خاص خاص موقعون پر بھی غلام کے آزاد کرنے کا حکم تھا۔ چنانچہ بخاری مین ہے۔ عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما......... قالت امر النبی صلے اللہ علیہ وسلم بالعتاقۃ فی کسوف الشمس۔ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہین کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے موقعہ پر غلامونکے آزاد کرنے کا حکم دیا۔

یہ تمام احکام جو قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے دکھائے گئے ہین صرف ترغیب و تحریص کے رنگ مین ہین اور اگرچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تاریخ سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان احکام کی ایسی پیروی کرتے تھے جیسے فرایض کی۔ مگر اسلام نے غلامونکے آزاد کرنیکا صرف یہی طریق نہین رکھا۔ بلکہ ایک اور صورت بھی بتائی ہے۔ جو ان تمام صورتون سے الگ ہے۔ کیونکہ ان تمام صورتون مین غلام کا آزاد کرنا صرف آقا کی مرضی پر منحصر ہے لیکن اسلام نے غلامونکو آزادی حاصل کرنیکا حق بھی دیا ہے۔ اس پر سورہ نور کی وہ آیت شاہد ہے جو پہلے بھی ایک موقعہ پر نقل کی جاچکی ہے:۔ والذین یبتغون الکتب مما ملکت ایمانکم فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیرا و اتوہم من مال اللہ الذی اتکم۔ (النور ۴ - ۳۳) ترجمہ اور تمہارے غلامون مین سے جو مکاتبت کے خواہان ہون تم انکے ساتھ مکاتبت کرلیا کرو بشرطیکہ تم ان مین بہتری کے آثار پاؤ۔ اور مال خدا مین سے جو اس نے تم کو دے رکھا ہے کچھ انکو بھی دیدیا کرو۔ مکاتبت یون ہوتی تھی کہ آقا غلام کو کچھ روپے کی ادائیگی کے وعدے پر یہ لکھدیا کرتا تھا۔ کہ جب اسقدر روپیہ ادا ہوجائے تو غلام آزاد سمجھا جائے گا۔ اور اس اثنا مین غلام بجائے خود کام کرکے روپیہ کماتا اور وہی روپیہ مالک کو آزادی حاصل کرنیکے لیئے دیتا۔ اس آیت شریفہ مین یہ حکم ہے کہ جب تمہارا غلام مکاتبت کا خواہان ہو تو ضروری ہے کہ تم اس سے مکاتبت کرو۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ کچھ مفید کام کرنیکے قابل ہو۔ اور اس شرط کا ہونا اسلیئے ضروری تھا تاکہ

غلام آزاد ہوکر سوسائیٹی کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچانیوالے نہ بنیں۔ بلکہ صرف وہی آزاد ہون جو کچھہ کمانے کے قابل ہین۔

یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ جب غلام مکاتبہ چاہے تو آیا آقا پر واجب ہے کہ وہ مکاتبت لکھدے یا نہین۔ اول تو قرآن کریم کے الفاظ سے ہی اسکا وجوب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس مین یہ حکم ہے کہ جب غلام مکاتبت کا خواہان ہو تو مکاتبت کر لیا کرو۔ احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ صحیح بخاری مین۔۔۔ باب المکاتب کے نیچے آیت مذکورہ بالا کو لکھنے کے بعد لکھا ہے:- وقال روح عن ابن جریج قلت لعطاء اواجب علی اذا علمت لہ مالا ان اکاتبہ قال ما اراہ الا واجبا - وقال عمرو بن دینار قلت لعطاء تاثرہ عن احد قال لا ثم اخبرنی ان موسی بن انس اخبرہ ان سیرین سال انسا المکاتبۃ وکان کثیر المال فابی فانطلق الی عمر رضہ فقال کاتبہ فابی فضربہ بالدرۃ ویتلو عمر فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیرا فکاتبہ۔ یعنی روح سے روایت ہے کہ ابن جریج کہتے ہین کہ مینے عطا کو پوچھا کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ غلام مال دے سکتا ہے تو مکاتبہ کرنا مجھ پر واجب ہے انہون نے جوابدیا کہ مین تو اسے واجب ہی سمجھتا ہون۔ اور عمرو بن دینار کہتے ہین مینے عطا کو کہا کہ آپ کسی دوسرے سے یہ روایت کرتے ہین کہا نہین۔ پھر مجھے انہون نے خبر دی کہ موسے بن انس نے انکو خبر دی کہ سیرین نے انس سے مکاتبہ کی خواہش کی اور وہ بہت مال والا تھا۔ انس نے انکار کیا تو سیرین حضرت عمر رضہ کے پاس چلے گئے آپنے انس کو بلا کر کہا کہ مکاتبہ کر لو۔ انہون نے پھر انکار کیا تو حضرت عمر رضہ نے انکو درہ کے ساتھ مارنا شروع کیا اور آپ قرآن شریف کی یہ آیت پڑھتے تھے فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیرا۔ پھر انس نے مکاتبہ لکھدیا مکاتبہ کا روپیہ عموماً باقساط ادا کیا جاتا تھا۔ اور بظاہر اس مین غلام کی ہی رعایت تھی۔ لیکن اگر اقساط مقرر کرنیکے بعد غلام کافی روپیہ ایک ہی وقت مین دے سکنے کے قابل ہو تو آقا مجبور تھا کہ اسے اسیوقت روپیہ لیکر آزاد کر دے۔ چنانچہ حضرت عمر رضہ کے سامنے ایسا ہی ایک فیصلہ ہوا تھا۔ کہ ایک عورت نے یکمشت مکاتبہ کا روپیہ لینے سے انکار کیا تو آپنے روپیہ بیت المال مین داخل کر کے غلام کو آزاد کر دیا اور عورت کو کہا کہ تو اب اپنا روپیہ خواہ باقساط لے اور خواہ یکمشت۔ ان مقدمات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسی صورت مین غلام آقا کو آزادی کے لیے مجبور کر سکتا تھا۔

مکاتبہ کی صورت مین سارا روپیہ غلام کو نہ دینا پڑتا تھا۔ بلکہ اکثر اوقات دوسرے لوگ روپیہ دیکر اسکی مدد کرتے اور بعض وقت قومی چندے بھی اس غرض کیلئے کیئے جاتے اور صدقات کے روپے مین سے بھی کچھ روپیہ دیدیا جاتا تھا۔ قرآن شریف کے اس حکم مین کہ واتوہم

من مال اللہ الذی اتٰکم۔ صرف غلام کا آقا ہی مخاطب نہیں بلکہ عام طور پر بھی مسلمانوں کو ترغیب دیگئی ہے کہ جب غلام روپیہ دیکر آزادی حاصل کرنی چاہتا ہو تو تم بھی اسے کچھ دیدیا کرو۔ احادیث سے بھی یہ ثبوت ملتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے غلاموں کے چھوڑنے مین مدد کیا کرین۔ تفسیر کبیر مین اس آیت کی تفسیر کے نیچے یہ روایت لکھی ہے۔ ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم علمنی عملا یدخلنی الجنۃ قال لان کنت اقصرت الخطبۃ لقد اعظمت المسئلۃ اعتق النسمۃ وفک الرقبۃ فقال الیسا واحدا فقال لا عتق النسمۃ ان تنفرد بعتقھا و فک الرقبۃ ان تعین فی ثمنھا۔ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا مجھے وہ عمل سکھایئے جس سے مین جنت مین داخل ہو جاؤن۔ فرمایا اگرچہ تیری بات مختصر ہے مگر تیرا سوال بہت بڑا ہے۔ غلام کو آزاد کر اور گردن کو چھڑا۔ اسنے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ان دونون باتون کا ایک ہی مطلب نہین۔ فرمایا نہین۔ غلام کے آزاد کرنے سے یہ مراد ہے کہ تو اکیلا ہی اسکو آزاد کرے اور گردن کے چھڑانے سے یہ مراد ہے کہ تو اسکی قیمت کے ادا کرنے مین مدد کرے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی بہت سی مثالین موجود ہین جن مین خود آپنے اور آپکے ازواج مطہرات اور صحابہ کرام نے غلامونکو آزادی حاصل کرنے مین مالی مدد دی۔ چنانچہ سلمان فارسی کے مکاتبہ کی شرائط کو پورا کرنیکے لیئے آنحضرت نے خود اپنے ہاتھ سے تین سو درخت کھجور کا لگایا اور روپیہ کی ادائیگی یون ہوئی کہ آپنے صحابہ کو اسکا چندہ کرنیکے لیے حکم دیا چنانچہ چندہ کر کے وہ رقم ادا کی گئی حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ کے مکاتبہ کا کل روپیہ ادا کیا اور یہ حدیث صحیح بخاری مین موجود ہے فک رقبہ پر قرآن شریف نے خود بہت زور دیا ہے اور یون ہر پیرایہ مین مسلمانونکو غلامونکے آزادی حاصل کرنے مین مدد دینے کی ترغیب دی ہے کہ خود غلام آزاد کرو۔ چندہ کر کے انکی قیمت ادا کرو اور بالآخر یہ کہ صدقات کے روپئے کا ایک حصہ اسی نیک کام مین صرف کرو۔ اگر پچھلے زمانے کے مسلمان ان ہدایتون پر اسی طرح عمل کرتے جیسے صحابہ کرام نے عمل کر کے دکھایا۔ تو اسلامی ممالک مین سے کبھی کا غلامی کا نام و نشان مٹ گیا ہوتا۔

بعض اور حالتین بھی تھین جن مین غلامونکا آزاد کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا۔ اگر آقا غلام کو مارے تو اسکا کفارہ اسکا آزاد کرنا قرار دیا گیا۔ جب کبھی مار کی شکایت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس پہنچی تو آپنے فے الفور غلام کو آزاد کر دیا۔ خلفائے راشدین کا بھی اسی پر عمل رہا۔ چنانچہ امام مالک نے موطا مین روایت لکھی ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک لونڈی کی شکایت آئی جسکو اسکے آقا نے مارا تھا۔ تو آپنے اسے فے الفور آزاد کر دیا۔ ایسا ہی آزادی کا استحقاق اس صورت مین پیدا ہو جاتا تھا۔ جب لونڈی اور آقا کا تعلق خاوند

بیوی کی طرح ہوکر اس سے اولاد پیدا ہو۔ خاوند کی زندگی مین اس سے لونڈی کی طرح سلوک نہ ہوتا تھا اور اسکے مرنیکے بعد وہ آزاد سمجھی جاتی تھی۔ اگر ایک غلام کئی مالکونکی مشترکہ مِلک ہو اور ان مین سے ایک بقدر اپنے حِصّہ کے اسے آزاد کردے تو حکم تھا کہ اگر اُسے توفیق ہو تو وہ باقی مالکونکے حِصّہ کی پوری قیمت ادا کرکے غلام کو بکلی آزاد کردے۔ ایسا ہی اگر آقا وصیت مین لکھدے کہ فلان غلام آزاد ہے تو ورثا اسکو آزاد کرنے کے لیے مجبور ہوتے۔

علاوہ ان غلامون کے جو اسلام سے پہلے مسلمانون کے قبضے مین آچکے تھے اور جنکی بہت بڑی تعداد ان احکام کے مطابق آزاد کردی گئی تھی اسیران جنگ تھے جو اسوقت کے قوانین جنگ کے لحاظ سے فاتحین کی غلامی مین آجاتے تھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اکثر انکو بھی آزاد کردیا۔ اسّی آدمی جنھون نے فتح مکہ کیوقت مقابلہ کیا تھا اور جو گرفتار کرلیے گئے تھے سب کے سب آزاد کردیئے گئے۔ قوم ہوازن کے چھ ہزار قیدی مسلمانونکے ہاتھ لگے تھے۔ اور وہ کل کے کل بغیر فدیہ لینے کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آزاد کردیئے۔ اور یہی تعلیم قرآن شریف کی ہے کہ حتے الوسع اسیران جنگ کو احسان رکھکر یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جاوے۔ جیسا کہ سورہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی آیت امّا منًّا بعد و امّا فداءً سے ظاہر ہے یعنی جب تم دشمن کو قیدی بنالو تو پھر یا انہین احسان رکھکر چھوڑ دو اور یا فدیہ لیکر چھوڑ دو۔ قرآن کریم کی بات بات مین خدا سے ہونیکا ثبوت ملتا ہے۔ یہان بھی مقدم اسی بات کو رکھا ہے کہ احسان رکھکر چھوڑ دو۔ ہان اگر احسان رکھکر چھوڑنا مصلحت وقت نہ ہو اور اس سے دشمن کو ایسی تقویت پہونچتی ہو کہ اس سے پھر جنگ کا خطرہ ہو تو سوسائیٹی کے امن کے لیے یہ ضروری سمجھا گیا اور ہر ایک دانشمند اسے ضروری سمجھے گا کہ یا تو قیدیون کا فدیہ لیکر انکو چھوڑا جاوے تا دشمن کو مالی کمزوری پہونچکر پھر وہ امن مین خلل نہ ڈال سکے اور اگر وہ فدیہ نہ دین تو ایسی صورت مین گویا وہ خود غلامی کو اختیار کرنیوالے ٹھہرینگے۔ چنانچہ جب ہوازن کے قیدی مسلمانونکے ہاتھ لگے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسا کہ بخاری شریف کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کئی دن تک ان کا انتظار کرتے رہے کہ وہ آکر اپنے قیدی مانگین تو چھوڑ دیئے جاوین۔ چنانچہ جب آخر وہ چند دن دیر کرکے آئے اور اسوقت غلام تقسیم ہوچکے تھے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھ کر مسلمانون کو یون خطاب فرمایا۔ اما بعد فان اخوانکم جاؤنا تائبین وانی رایت ان ارد الیھم سبیھم فمن احب منکم ان یطیب ذٰلک فلیفعل ومن احب ان یکون علے حظہ حتے نعطیہ ایاہ من اول مایفئ اللہ علینا فلیفعل۔ فقال الناس طیبنا ذٰلک۔ تمہارے بھائی تایب ہوکر تمہارے ...... پاس آئے ہین کہ پھر جنگ نہ کرینگے اور مین مناسب سمجھتا

ہون کہ ان کے قیدی ان کو واپس کردین پس تم مین سے جو کوئی بخوشی ان کو احسان رکھکر واپس کرنا چاہے
تو کرے اور جو یہ چاہے کہ اسکے معاوضہ مین کچھ لے کر چھوڑے تو وہ منتظر رہے جبتک خدا ہم کو کچھ دے۔
جس مین سے ہم اسے دیدین اسپر سب مسلمانون نے عرض کیا کہ ہم بخوشی ان کو مفت چھوڑتے ہین۔

اس تمام بحث سے ناظرین پر یہ عیان ہوچکا ہے کہ دو قسم کے غلام تھے جنکے ساتھ اسلام کو واسطہ پڑا
اور ان مین سے ہر ایک قسم کے لیے انکے مناسب حال آزادی کی راہین بھی الگ الگ تجویز کی گئین۔ قسم
اول مین وہ غلام شامل تھے جو اسلام لانیسے پہلے مسلمانون کے قبضے مین آچکے ہوئے تھے اور جو مدتون
سے بلکہ پشت در پشت غلامی مین چلے آتے تھے۔ دوسری قسم مین اسیران جنگ تھے جو لڑائیون مین مسلمانون
کے ہاتھ لگے تھے۔ اور جو مروجہ قوانین جنگ کے رو سے غلام تھے۔ انکی غلامی صرف اسیوقت سے شروع ہوتی
تھی جب وہ قید کر لیے جاتے تھے۔ قسم ثانی کے غلام چونکہ تمدنی رنگ مین آزاد لوگون کی طرح ہی تھے
اسلیے انکے یکدفعہ ہی آزاد کر دینے سے سوسائیٹی کے تمدن پر کوئی بد اثر نہ پڑ سکتا تھا انکی اپنی جایدادین
اپنے گھر اور مکان اپنی تجارتین اور حرفے سب ایسے ہی موجود تھے جیسے آزاد لوگونکے اور انکو آزاد کرنا
صرف ان کو اپنی اصلی حالت پر بحال کر دینا تھا ان لوگون سے اگر کوئی خطرہ تھا تو صرف اسقدر کہ آزاد
ہونیکے بعد وہ پھر ملک کے امن مین فساد نہ ڈالین پس ان کے لیے قرآن کریم نے یہ تجویز کی کہ اگر ان سے
کوئی خطرہ نہ ہو اور وہ اطاعت اختیار کرین توان کے قیدی احسان رکھکر چھوڑ دیئے جاوین۔ جیسا کہ
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے چھ ہزار قیدیون سے سلوک کیا کہ جب وہ تایب ہوکر آئے
تو آپنے انکے کل کے کل قیدی یکدفعہ ہی آزاد کر دیئے۔ لیکن اگر ان سے خطرہ ہو تو پھر دو صورتین تھین
یا تو وہ فدیہ دیکر آزادی حاصل کرین جیسا کہ دنیا کی کل اقوام مین اب بھی یہی دستور پایا جاتا ہے اور اگر
وہ فدیہ نہ دین تو پھر غلامی مین رہین۔

مگر ان غلامونکو جو مدتون سے غلامی مین چلے آتے تھے قرآن کریم نے یکمرتبہ ہی آزادی دیدینا مناسب
نہین سمجھا۔ ان لوگونکے نہ کوئی گھر بار تھے نہ جایدادین تھین نہ کوئی تجارتین تھین اور نہ ہی عموماً کوئی ہنر انکو
آتا تھا پس ان سب کے یکدفعہ آزاد کرنے مین نہ صرف مالکونکو ہی ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑتا بلکہ
ان کی اپنی حالت بھی اور پستی کی طرف چلی جاتی اور انکو ذلیل پیشے اختیار کرنے پڑتے اور سوسائیٹی کے
تمدن پر اسکا بہت برا اثر پڑتا۔ نہ انکے رہنے کے لیے مکان ہوتے اور نہ روزی کمانے کا کوئی عمدہ ذریعہ
انکے ہاتھ مین ہوتا۔ انکی اس (؟) حالت کی اصلاح انکو فوری آزادی دینے سے نہین ہوسکتی تھی۔
پس ان کے لیے اسلام نے بھی دور اندیشی سے ایسا طریق سوچا جس سے انکی حالت بھی سنورنے لگی

اور تدریجی طور پر انکو آزادی ملنی بھی شروع ہو گئی۔ وہ ذلت جو غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی اور جو سب بدیون کی جڑ تھی وہ اخوت کو قایم کر کے نابود کر دیگئی اور پھر انکو تعلیم دینے اور ہنر سکھانے کا اہتمام کیا گیا اور ساتھ ساتھ ان کی آزادی کا انتظام بھی کیا گیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو عجیب نمونہ اپنے کل غلامونکو آزاد کرنیکا دکھایا اسکا اور بھی نیک اثر ہوا۔ غلامونکی آزادی کی ضرورت مختلف طریقوں سے سمجھائی گئی۔ اور بہت سی صورتوں مین ان کا آزاد کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ اِدھر صدقات کے روپے کا ایک حصہ اس مصرف مین لگنا شروع ہوا۔ اُدھر غلام کے آزاد کرنیکو گناہ کا کفارہ قرار دیکر ہر ایک مسلمان کو یہ سمجھایا گیا کہ غلام کے آزاد کرنے مین ہی اللہ تعالے کی خوشنودی ہے مگر نہ صرف آزاد کرنے مین بلکہ اس سے نیکی اور احسان کرنے مین اور ہر طرح سے اسکی مدد کرنے مین۔ اور ان سب حکمونکے بعد یہ فرمایا گیا کہ جب غلام ہوشیار اور محنتی ہو اور مفید کام کرنیکے قابل ہو اور وہ آزادی حاصل کرنا چاہے تو مالک پر واجب ہو گا کہ وہ اسے اسموقعہ سے فایدہ اٹھانے دے اس طرح پر وہی لوگ غلامی مین رہ سکتے تھے جو بالکل نکمے اور بیکار تھے۔ غلامونکی حالت مین یہ اصلاحین نہ صرف اس زمانے مین بلکہ اسکے بعد بھی کسی کو نہ سوجھین کوئی شخص انصاف اور خدا ترسی سے غور کرے اور دیکھے کہ ایکطرف تو وہ تاریکی جسکے ساتھ دنیا ساتوین صدی کے شروع مین تاریک ہو رہی تھی اور دوسری طرف یہ اعلے درجے کے اور روشن اصول مقام غور ہے کہ یہ باریک اصول اس تاریکی سے تو پیدا نہین ہو سکتے تھے اور نہ ہی ایک شخص کے دل مین جو اس جاہل قوم کے درمیان پیدا ہوا ہو ایسے خیالات خود بخود آسکتے تھے پس ان پاک خیالات کا سرچشمہ کونسا تھا۔ اور وہ آفتاب کونسا تھا جس سے یہ نور صداقت چمک اٹھا۔ صرف اتنی بات کا کہدینا کہ غلام آزاد کر دیئے جائین یہ تو ہر ایک کر سکتا ہے۔ مگر یہ باریک امتیاز اور یہ روشن اصول کہ کن حالتون مین تدریجی آزادی دیجاوے اور کن حالتون مین یکدفعہ آزادی دیجاوے۔ یہ بیشک اس پاک سرچشمہ کی تعلیم تھی جو وحی کا سرچشمہ ہے۔ ورنہ ایسی جہالت اور تاریکی کے اندر ایسی عجیب اور پر حکمت تعلیم کا دینا انسان کی طاقت مین نہ تھا۔ افسوس ہے ان لوگون پر جو اس کامل انسان پر یہ جھوٹا الزام لگاتے ہین کہ اس نے غلامی کو مذہب کا جزو بنا دیا۔ غلامی کو نہین بلکہ غلامونکے آزاد کرنے کو اسنے مذہب کا جزو بنا دیا۔ وہ راستہ جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ اور جس مین مہاجرین اور انصار چلتے رہے وہ ایک صاف اور واضح راستہ ہے پس اس راہ پر نکتہ چینی کرو۔ اور دکھاؤ کہ کس مذہب نے اور کس مذہب کے بانی نے ایسے روشن اصول قایم کیئے۔ اور انسانون کے ساتھ ایسی پاکیزہ ہمدردی دکھائی۔

اسلام (۲)

بجواب پادری سیل

اس مضمون کے پہلے دو حصون مین مینے پادریصاحب کی دو غلطیونکو کھولکر دکھایا ہے کہ کس حالت مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عرب کو پایا اور پھر ان کے اندر کیا تبدیلی پیدا کر کے دکھائی ۔ اس تبدیلی پر بعض اعتراض پادریصاحب کے ایسے ہین جن کا جواب الگ مضمونون مین دیا جاچکا ہے ۔ مثلاً تعدد ازدواج طلاق پردہ اور عورتون کے حقوق ۔ لونڈیون کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے اسکا جواب غلامی کے مضامین کے سلسلہ مین آیندہ کسی نمبر مین نکلے گا ۔ اور بعض اعتراض اسکے جو حرم حجر اسود اور طواف کے متعلق ہین انکا بیان انشاء اللہ بعد مین کیا جاویگا پہلے میرا خیال تھا کہ اسکے ہر ایک آرٹیکل کا جواب ساتھ ساتھ دیتا جاؤن گا مگر مشکل یہ ہے کہ پادریصاحبان حسب عادت ایک ایک سطر مین کئی کئی اعتراض کر دیتے ہین اسلیے جواب لکھنے والیکو بعض وقت ایک سطر کے جواب مین کئی صفحے لکھنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے ۔ چونکہ یہ سلسلہ اب شروع ہوگیا ہے اسلیے مین پسند کرتا ہون کہ جہانتک ممکن ہو ان اعتراضات کی ہمکنی مین تفصیل سے کام لیا جاوے ۔ اسوقت پادریصاحب کے ایک اعتراض کا جواب دیکر مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مکی حصہ زندگی پر بحث شروع کرونگا ۔ اور تمہید سے نکلکر اصل واقعات پر آؤنگا ۔

ایک ناعاقبت اندیش معترض کی طرح پادریصاحب نے اسلام پر حملہ کرتے ہوئے ایسے ہتھیار کو ہاتھ مین لیا ہے جس سے انکے اپنے مذہب کی جڑ کٹتی ہے مگر یہ لوگ دوسرے مذہب پر بحث کرتے ہوئے اپنے مذہب کو ایسا بھول جاتے ہین کہ اسکی کچھ بھی پروا نہین کرتے اور تعصب کی پٹی آنکھون پر باندھکر اپنی جڑین ہی کاٹنا شروع کر دیتے ہین پادری سیل نولدیک کے اس قول کو "کہ شامی قومین خیال کو عام کرنے کی طاقت مین بہت کمزور ہین اور وسیع اور منطقی خیالات کو انکے ذہن قبول کرنیکے قابل ہی نہین" ایسی خوشی سے نقل کرتا ہے کہ گویا یہ ایک شامی قومونکی خصوصیت ثابت ہوگئی اور اسلام اب کبھی عام اور وسیع مذہب ہونیکا دعوے ہی نہین کر سکتا ۔ چنانچہ اسکو نقل کرنیکے بعد بڑے فخر سے کہتا ہے

کہ یہ بات اسلام اور اسکے بانی دونون پر صادق آتی ہے۔ لیکن پادری صاحب کو یہ خیال نہ آیا کہ اگر اسی خصوصیت پر ہاتھ ڈالکر کوئی یہ کہدے کہ یہ بات عیسائی مذہب اور اسکے بانی دونون پر صادق آتی ہے تو پھر کیا جواب دینگے۔ ہم سمجھتے ہین کہ یسوع مسیح بھی شامی قومون مین سے تھا۔ وہ شام کے ملک مین پیدا ہوا اور شامی زبان بولتا تھا۔ اسکا سارا کنبہ اور سب رشتے دار بھی شامی ہی تھے اور جب وہ پڑھنے کے قابل ہوا تو وسعت خیال سیکھنے کے لیے لندن یا پیرس نہین بھیجا گیا تھا بلکہ ایک یہودی ماں کی خبر گیری سے نکلکر اسنے ایک یہودی استاد کی شاگردی اختیار کی اور یہودیون کی کتب مقدسہ کے پڑھنے مین بہت حصہ عمر کا صرف کیا۔ شاید پادری سیل صاحب کے اقرار اور نولدیکے کے بیان کے بموجب شامی ہونے کی وجہ ہی تھی جو اس نے اپنے شاگردون کو بڑی تنگ خیالی سے یہ نصیحت کی کہ "غیر قومونکی طرف نہ جانا اور سامریونکے کسی شہر مین داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑونکے پاس جاؤ" (متی باب ۱۰۔ آیت ۵ و ۶)۔ اور شاید اس شامی تنگ خیالی کا نتیجہ ہی ہوگا۔ جو اس نے اپنے مشن کو اسقدر محدود کیا جیسا کہ متی باب ۱۵۔ آیت ۲۴ مین لکھا ہے کہ مین اور کسی کی طرف نہین بھیجا گیا سوائے اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑونکے۔ اب اسکے بالمقابل اس عظیم الشان انسان کو دیکھو جو عرب مین پیدا ہوا اور جسپر پادری صاحب نے بڑے ظلم یا جہالت سے یہ الزام لگایا ہے کہ اسکا مذہب وسیع نہین۔ اسکا سب سے پہلا پیغام یہ تھا وما ہو الا ذکر للعلمین (القلم۔ اخیری آیت) یعنی یہ قرآن جو تم سناتے ہو یہ کوئی عرب یا شام کیلئے مخصوص نہین بلکہ یہ دنیا کے سارے لوگونکے لیے نصیحت ہے اور جسکے متعلق فرمایا:۔ تبارک الذی نزل الفرقان علے عبدہ لیکون للعلمین نذیرا (الفرقان) بڑی بابرکت ہے خدا کی ذات جسنے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان کے لوگونکو خدا کے عذاب سے ڈراوے اور جسکے حق مین خدا فرماتا ہے۔ وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین۔ (الانبیاء۔ ۱۰۔ ۷ رکوع) کہ اے پیغمبر ہمنے تمکو دنیا کے تمام لوگونکے حق مین رحمت بناکر بھیجا ہے۔ کہان وہ جو کہے کہ مین اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑونکے سوا اور کسی کی طرف نہین بھیجا گیا۔ اور کہان وہ جسکا دعوے ہو کہ مین دنیا کے تمام لوگونکے لیے رحمت بناکر بھیجا گیا ہون اور یہ تمام دعاوی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مکی وحی مین بھرے ہوئے ہین۔ آپنے کبھی یہ تنگدلی نہین دکھائی کہ مین عرب کے سوا اور کسی کی طرف نہین بھیجا گیا ہون۔ عیسائی صاحبان اگر اسی بات پر غور کرتے تو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت اپنر کھل جاتی کہ آپکے پہلے جسقدر انبیاء آئے تھے وہ اپنی اپنی قومونکی طرف آئے تھے جیسا کہ قرآن شریف سے بھی اسکی شہادت ملتی ہے کہ وان من امۃ الا

خلا فیہا نذیر- مگر عالمین یعنی تمام جہان کے لوگوں کے لیے صرف ایک ہی نذیر اور ایک ہی رحمت بنکر آیا اگر سنی سنائی باتوں پر آپ کا مدار ہوتا تو آپ بھی یہی دعوے کرتے کہ مین عرب کیطرف ہی بھیجا گیا ہون۔
اس مقابلہ سے صرف یہی معلوم نہین ہوتا کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہمدردی بمقابلہ دوسرے انبیاء اور خصوصًا حضرت مسیح علیہ السلام کے کسقدر وسیع تھی- بلکہ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ قوت قدسی جسکے ذریعہ سے نبی ایک پاک تبدیلی پیدا کرتا ہے وہ آنحضرت مین دوسرے انبیاء سے کسقدر بڑھکر تھی کہ آپ نے تمام دنیا کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا پھر یہی قوت قدسی اس بات کی بھی دلیل ہے کہ آپکی اللہ تعالے کی محبت اور معرفت اور اس ذات پاک سے تعلق دوسرون کی نسبت کسقدر بڑھا ہوا تھا- کیونکہ جسقدر علم اور معرفت الٰہی اور تعلق باللہ زیادہ ہوگا اسیقدر دل مین یہ قوت قدسی بڑھکر پیدا ہوگی- پس اس پہلو سے بھی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کل انبیاء علیہم السلام پر خواہ وہ ملک شام مین پیدا ہوئے ہوں اور خواہ کسی اور جگہ ظاہر و ثابت ہے۔

اسکے بعد پادری صاحب یہ اعتراض کرتے ہین کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان مختص المکان والزمان قوانین کو جو صرف چندروز کے لیئے عربون کے موزون حال تھے تمام لوگون اور ہر زمانے کیلیے قوانین قرار دیا- وہ کون کون قوانین ہین اسکا ذکر پادری صاحب نے نہین کیا ہان قیاس کے طور پر ہم کہہ سکتے ہین کہ انکے ذہن مین تعدد ازواج اور طلاق کے قوانین ہین- اسلامی قانون طلاق پر کسی گذشتہ اشاعت مین مفصل بحث کیگئی ہے اور ناظرین اس بحث کو پڑھکر دیکھ سکتے ہین کہ اسلام کا قانون طلاق خاوند اور عورت کیلیے کافی وجہ کے ہونے پر طلاق کا حق پیدا کرتا ہے- پادری سیل نے بڑی جرأت سے اس قانون پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ صرف عربونکے لیے اور وہ بھی عارضی طور پر موزون تھا- اور دوسرے ملکون مین یا بعد کے زمانیکے لیے یہ قانون نہین ہو سکتا- حالانکہ اسے خوب علم ہے کہ آج جو قانون طلاق اکثر عیسائی ممالک مین مروج ہے وہ اسی اصول پر مبنی ہے- تعجب ہے کہ ایک تو یہ لوگ اسلام کے پاک اصول کی چوری کرتے ہین اور پھر یہ ناسپاسی کہ اسپر اعتراض کرتے ہین مگر جب عیسائیونسے پوچھو کہ وہ وسیع قانون طلاق کا کونسا ہے جو تمام ملکون اور ہر زمانے کے موزون حال ہے تو شاید یہ جواب دیتے ہوئے کہ وہ عیسائیت کا قانون ہے کچھ شرم ان لوگونکو آجاوے- متی اس قانون کو ان الفاظ مین بیان کرتا ہے "وہ یہ بھی لکھا گیا کہ جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑدے اسے طلاقنامہ لکھدے- پر مین تہین کہتا ہون کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دیوے اس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے" (متی باب ۵- آیت ۳۲) بہت خوب- اب پادری صاحب یہ بتادین اور

صاف الفاظ مین اس کا جواب دین کہ آج کل عیسائی ممالک مین کسقدر لوگ ایسے ہین جو دوسری وجوہات پر طلاق حاصل کرکے اپنی عورتون سے زنا کرواتے ہین اور کسقدر مطلقہ عورتین ہین جو دوسرا بیاہ کرنیکی وجہ سے اس حکم کے بموجب زنا کا ارتکاب کرتی ہین؟ ہان اور یہ بھی بڑا ضروری سوال ہے کہ کسقدر عورتین طلاق کا دعوے کرکے اور طلاق حاصل کرکے عیسائی مذہب کے روسے زنا کی مرتکب ہورہی ہین کیونکہ یسوع مسیح کے محیط اور کامل قانون طلاق کے روسے کوئی عورت کسی صورت مین طلاق حاصل نہین کرسکتی۔ اے پادریصاحبان شرم کرو تم اپنے استاد کے فتوے کے روسے وہ لوگ ہو جو دوسرون کی آنکھ مین تنکا بتانیکے لیے دوڑتے ہو اور اپنی آنکھ کے شہتیر کو نہین دیکھتے۔ وہ کونسا اسلام کا اصول ہے جو ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے موزون نہین۔ اور عیسائیت کا وہ کونسا عقیدہ ہے جو ہر ملک اور ہر زمانہ کے قبول کرنیکے لایق ہے؟ تثلیث یا کفارہ یا آسمان پر چڑھ جانا۔ کیا یہی وہ عقاید ہین جو تمام دنیا کے قبول کرنیکے لایق ہین اور ہمیشہ کے لیئے قبول کرنیکے لایق ہین؟ دیکھو کہ توہم پرستی کی بیخ کنی اور علم کی ترقی خود ان تمام عقاید کو جڑ سے اکھیڑ رہی ہے۔ یہ غلطیان ہین جو سچے علم کے سامنے اس طرح پاش پاش ہوجاوینگی جس طرح نور کے سامنے ظلمت۔ کہان ہے تمہاری سچائی۔ اور حق پسندی جسپر دنیا مین اس قدر شور ڈال رکھا ہے۔ کیون ایک جھوٹ کی خاطر ان باتون کو بیان کرتے ہو جنکو تم جھوٹی جانتے ہو۔ ایمان سے کہو کہ کیا عیسائی تعدد ازواج کی ممانعت کیوجہ سے مسلمانوںسے زیادہ پاکیزہ زندگیان بسر کررہے ہین؟ سچ سچ بتاؤ کہ کیا تم کبھی ضرورت محسوس نہین کرتے۔ کہ بعض حالات مین تعدد ازواج ضروری ہوجاتا ہے۔ بتاؤ کہ مسیح نے کب تعدد ازواج کی ممانعت کی؟۔ بتاؤ کہ لوتھر کے وقت تک کلیسیا نے تعدد ازواج جایز قرار نہین دیا؟ سچ سچ کہو کہ وہ کئی لاکھ عورتین جو عیسائی ممالک مین تعداد مین مردونسے زیادہ ہین انکے دلون مین خاوند کی خواہش کبھی پیدا نہین ہوتی؟ خداترسی سے بتاؤ کہ ان پیغمبرون نے جنکے نوشتے تم دنرات کوشش کرکے دنیا مین پھیلا رہے ہو تعدد ازواج کی تعلیم نہین دی اور اسپر عمل نہین کیا؟ اور بالآخر یہ بھی بتاؤ کہ کیا تم ہمیشہ سچائی اور پاکیزگی کے قبول کرنے سے انکار پر جمے رہوگے؟

اسلام کی کوئی سی تعلیم لے لو اور اسکا مقابلہ عیسائی مذہب کی ویسی ہی تعلیم سے کرو۔ اور تمہین ایک ذرہ شک باقی نہین رہ جائیگا۔ کہ کونسی وہ تعلیم ہے جو ہر ملک اور ہر زمانہ پر حاوی ہے اور کونسی محدود اور ناقابل عمل ہے۔ عیسائی مذہب کی اخلاقی تعلیمون مین سب سے اعلے درجہ کی تعلیم جسپر عیسائی کتابین لکھتے لکھتے تھک گئے ہین یہ ہے کہ ایک گال پر طمانچہ کھاکر دوسری پھیر دو۔

اور کوئی کوٹ اتارے تو اسے چغہ بھی دیدو۔ بات تو بہت دل خوش کن ہے مگر دنیا مین آج کون ایسا آدمی ہے جو اس پر عمل کرتا ہے یا اگر یہ سمجھ لیا جاوے کہ یہ زمانہ بہ سبب اپنی بدکاریون اور شرارتونکے اس اعلیٰ درجہ کی تعلیم پر عمل کرنیکے لائق ہی نہین تو کسی گذشتہ زمانہ مین ہی کسی کا نشان بتایا جاوے جسنے اس پر عمل کیا ہو کوئی پوپ ہو۔ یا کوئی لاٹ پادری۔ یا کلیسیا کا اور کوئی عہدیدار یا کوئی انجیل کا واعظ۔ یا کوئی بادشاہ یا کسی ریاست کا حاکم یا کوئی فوج کا جرنیل یا اور عہدیدار یا کوئی عیسائی سوسائیٹی ہی سہی کسی کا پتہ بتاؤ جو اس تعلیم کا عامل ہو گذرا ہو۔ اسکے بالمقابل اسلام کی تعلیم کو دیکھو۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ۔ جو کوئی بدی اور شرارت کرے اس کی سزا تو یہی ہے کہ اسکو اسی بدی کے مناسب حال سزا دیجاوے۔ لیکن اگر کوئی شخص معاف کرے اور اسکے معاف کرنیکا نتیجہ اصلاح ہو تو ایسا آدمی اللہ تعالے سے نیک اجر پاوے گا۔ یہی وہ قانون ہے جسپر عیسائی حکومتونکی بھی بنیاد ہے۔ معافی وہی ٹھیک ہے جس سے اصلاح اور نیک نتیجہ پیدا ہو۔ اگر ایک شخص شرارت کرکے دوسرے کے گھر مین آگ لگا دیتا ہے تو اسکو معاف کرنا اس بات پر دلیر کرنا ہے کہ وہ اور ونکے گھرون مین بھی آگ لگائے ایسا ہی بہت سے جرایم پیشہ لوگ ہین جن کو اگر سزا نہ دیجاوے تو وہ سوسائیٹی کے امن کو دور کر دینگے تعجب مجھے اس بات پر آتا ہے کہ عیسائی صاحبان اپنے گھر کی تعلیم پر ایک منٹ کے لیے بھی عمل نہین کر سکتے اور سارے انتظام اور تمدن کی بنیاد ان اصولون پر ہے جو اسلام کے اصول ہین مگر پھر ساتھ ہی اسلام پر یہ اعتراض کیے جاتے ہین کہ اسلام کے اصول ہر زمانہ اور ہر ملک کیلئے حاوی نہین۔ اور عیسائیت کے اصول وسیع اور محیط ہین۔ اس جھوٹ اور جھوٹی حمایت سے فایدہ کیا۔ اور اس پردہ پوشی سے کب تک کام چلے گا۔

اب مین پادری سیل کے اس حصہ مضمون پر آتا ہون جس مین اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی پر اعتراض کیے ہین جس استقلال اور صبر اور دلسوزی کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہ مین رہ کر اور طرح طرح کے مصایب اور کفار کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کی برداشت کرکے پیغام رسالت کو پہونچاتے رہے وہ ایسے خارق عادت ہین کہ آپ کے بڑے سے بڑے دشمنونکو بھی اس جگہ آپکی عظمت اور خلوص کا قایل ہونا پڑا ہے۔ میور جیسا دشمن اپنے منہ سے اقرار کرتا ہے کہ "انبیاء کی تاریخ کے علاوہ اور کسی جگہ ہمین اس جدوجہد کی نظیر نہین ملتی جس مین تیرہ سال تک نبی عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے باوجود طرح طرح کی دل شکنیون ناامیدیون اور دھمکیونکے اور باوجود رد کیئے جانے اور ایذا دیئے جانیکے ایسا کامل ایمان خدا پر دکھایا جس مین کبھی کسی طرح کا تزلزل نہین آیا اور لوگونکو نیکی کیطرف دعوت کرتے رہے۔ اور اپنے بے دین ہم وطنونکو خدا کے آنیوالے غضب سے ڈراتے رہے"۔ مگر مین کہتا ہون کہ ایسا کامل نمونہ تو انبیا

علیہم السلام کی تاریخ مین بھی کہین نہین ملتا اور انہی انبیاء مین مین یسوع مسیح کو بھی شامل کرتا ہون اور بصیرت سے کہتا ہون کہ اس کا نمونہ پادریصاحب یسوع مسیح کی زندگی مین ہرگز نہین دکھا سکتے۔ اگر کسی پادریصاحب کو احقاق حق اور ابطال باطل منظور ہے تو انہین واجب ہے کہ اس کامل ایمان اور استقامت اور صبر اور برداشت کے نمونہ کی جو ہمارے نبی کریمؐ نے دکھایا کوئی نظیر حضرت مسیح کی زندگی مین بھی نکالکر دکھاوین۔ ورنہ یاد رکھین کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ لوگ انکے خداوند خداوند کہنے پر نہین بھولین گے بلکہ واقعات حقہ کی رو سے فیصلہ کرینگے کہ افضل کون ہے۔ عرب جیسا کہ پہلے دکھایا جاچکا ہے بت پرستی مین غرق شدہ قوم تھی مگر قریش جن کا مقابلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوا کیونکہ انہین کو پہلے پہل آپنے مکہ معظمہ مین مخاطب بھی فرمایا۔ نہ صرف بت پرستی سے ہی محبت رکھتے تھے بلکہ انکی ساری وجاہت اور عزت بھی اسی بت پرستی کیوجہ سے ہی تھی۔ کعبہ جو قدیم سے ساری قوم کا مرجع رہا تھا قریش کے زیر حفاظت تھا اور اسوقت وہ ایک عظیم الشان بتخانہ تمام بتونکے پجاریونکے لیے بنا ہوا تھا۔ جہان اسقدر بت موجود تھے کہ ہر روز سال مین ایک نیا بت پرستش کے لیے ملسکتا تھا۔ پس قریش کا سارے عرب پر ایک طرحسے مذہبی رعب تھا اسکا ثبوت اسبات سے بھی ملتا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ حق شروع کی اور سالانہ مجمعون مین جہان متفرق مقامات سے عرب جمع ہوتے تھے خداتعالی کی توحید بیان کرنے لگے تو کفار نے آپکے وعظ کے اثر کو زایل کرنیکے لیے یہ تجویز کی کہ ایک ایک آدمی اپنا مقرر کردیا جس نے ہر گذرگاہ مین بیٹھکر آنیوالون کو متنبہ کردیا کہ خبردار محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بات نہ سننا۔ اور جہان نبی کریمؐ وعظ کے لیے جاتے وہان ہی ذی وجاہت قریش مین سے ایک اٹھکر بیان کردیتا کہ لوگو اس کی بات پر اعتبار نہ کرنا یہ ساحر ہے اور اتنی ہی بات سے سب لوگ آپ کی طرف توجہ کرنیسے رک جاتے۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی سے قریش کو صرف یہی خطرہ نہین تھا کہ انکا آبائی مذہب نابود ہو جاوے گا بلکہ بڑا فکر انکو یہ تھا کہ اس سے ان کی عزت اور وجاہت کو بھی صدمہ پہونچے گا۔

یہ بات بھی بیان کرنیکے قابل ہے کہ واعظ انکے درمیان پہلے بھی تھے مگر جو سلوک ہمارے نبی کریمؐ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا انسے کبھی نہین ہوا۔ نہ صرف یہ کہ اس درجہ کی ایذارسانی نہین ہوئی بلکہ یہ بھی ثابت نہین کہ مذہب کی خاطر انہون نے کسی کو دکھ یا تکلیف پہونچائی ہو۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے ساتھ ہی اس قوم کا رنگ بدل گیا۔ شروع سے ہی انکو ایسا معلوم ہونے لگ گیا تھا کہ انکا قومی مذہب آنحضرت کے ہاتھ سے نیست و نابود ہو جائیگا۔ اور اسی لیے ابتدا سے ہی انہون نے اپنی پوری طاقت آنحضرت کے مقابلہ کے لیے خرچ کی وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہین بولا اسلیے آپکے

دعوے کی جہان ایک طرف وہ تحقیر کرتے تھے دوسری طرف اس سے ڈرتے بھی تھے اول اول انکی ایذارسانی استہزا تک ہی محدود تھی مگر جون جون وہ آنحضرت کی استقامت کو مشاہدہ کرتے گئے ایذارسانی مین ترقی ہونے لگی۔ کعبہ مین آپکو نماز پڑھنے سے روکنے کے لیے طرح طرح کی تجویزین کی گئین جب آپ خدا کے حضور کھڑے ہوتے۔ تو آپ پر غلاظت پھینکی جاتی۔ رستون مین جہان سے آپنے گذرنا ہوتا اور اسجگہ جہان آپ نماز پڑھتے کانٹے بچھائے جاتے تارات کی تاریکی مین جب آپ گذرین یا نماز پڑھین تو انسے زخمی ہون اسی کیطرف قرآن کریم ابتدائی وحی مین ان الفاظ مین اشارہ کرتا ہے۔ ارایت الذی ینہی عبدا اذا صلی (العلق)

اب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہوا کہ قریش کو ڈراوین کہ اگر وہ توبہ نہین کرینگے اور اپنی شرارتون اور بدکاریون سے باز نہین آوینگے تو انپر عذاب آویگا۔ پس آپنے کل قوم کو جمع کر کے خدا کا پیغام انکے کانون تک پہونچایا۔ پھر کیا تھا۔ مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور اب کل قوم نے متفق ہو کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو نیست و نابود کرنے کی تجویزین اور کوششین شروع کین۔ پہلے انہون نے ابوطالب کو اپنے ساتھ ملانا چاہا کہ وہ آنحضرت کو انکے حوالے کر دے تا وہ آپکو مار ڈالین۔ ابوطالب نے اسلام کو قبول نہ کیا تھا مگر اس نے ایسی بیوفائی کا کام کرنیسے انکار کیا۔ اور جب قریش مین اسکی بھی مخالفت ہوئی تو اس نے ایک قصیدہ لکھا جس مین اسنے قریش کی بیجا ایذارسانی کی شکایت کر کے آنحضرت کی حمایت کے وجوہات بیان کیئے۔ اس سے مایوس ہو کر قریش نے نبی کریم کو ہلاک کرنے کی اور تجویزین سوچین۔ ایکدفعہ خود ابوجہل نے اس کام کو اپنے ذمے لیا۔ کہ جسوقت آنحضرت سجدے مین ہون تو اسوقت انکو ہلاک کر ڈالے مگر جسکی تائید اور حفاظت کرنیوالا خود احکم الحاکمین ہو کون اسکا بال بیکا کر سکتا ہے۔ مقررہ وقت پر جب آنحضرت نماز مین مشغول تھے تو ابوجہل ایک بڑا پتھر اٹھا کر اپنے ناپاک ارادہ کو پورا کرنیکے لیے آگے بڑھا۔ اور تمام قریش منتظر تھے کہ اب آپ کا کام تمام ہو جائیگا۔ مگر جونہی وہ نزدیک ہوا اللہ تعالے نے اسے ایک ایسا خوفناک نظارہ دکھایا کہ وہ پیچھے بھاگا۔ دنرات نئی نئی تجویزین کیجاتی تھین مگر حق کا اسقدر رعب دلونپر تھا کہ کسی شخص کو جرأت نہ ہوتی تھی۔ آخرکار حضرت عمر جیسے دلیر آدمی نے یہ کام اپنے ذمہ لیا۔ مگر قبل اسکے جو وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم تک پہونچے وہ راستے مین خود مسلمان ہو گیا۔ اور جسکے سر کو تلوار سے کاٹنے کے لیے چلا تھا آخر اسکے پاؤن پر اپنا سر جا رکھا۔ یہ تصرف الٰہی ہے جو اللہ تعالے اپنے پیارے بندے کیلیئے کرتا رہا۔

اکیلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان سب مخالفتونکا مقابلہ کرتے رہے اور سب ایذاؤن اور تکلیفون کی برداشت کرتے رہے۔ مگر کبھی آپکے دلمین یہ خیال نہین گذرا کہ آپکا انجام ناکامی ہوگی یا یہ کہ مخالفون کی مخالفتین آپکا کچھ بگاڑ سکتی ہین۔ لیکن پادری سیل ہر واقعہ کو الٹا بیان کر کے اس سے اپنے مطلب کے

موافق نتیجہ نکالنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "(حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ تنہا اور غریب محض اونٹوں کے چرانیوالے تھے اور انہوں نے اکیلے بغیر کسی ظاہری سامان کے ہر ایک قسم کی مخالفت کا مقابلہ کیا غلط ہے۔ ان کا خاندان ایک امیر خاندان تھا۔ اور قوم کے مذہبی اور تجارتی دار الخلافہ مین اس خاندان یعنے قریش کا بڑا تمدنی اور ملکی اثر تھا۔ اس مدد کے بغیر جو انکو اس وجہ سے پہونچتی رہی وہ کبھی اس مخالفت کی برداشت نہ کر سکتے تھے جسکا اول اول انکو سامنا کرنا پڑا۔"

پادریصاحب کے اس جھوٹے منطق کو ناظرین بخوبی سمجھ سکتے ہین۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اگر فلان واقعہ نہ ہوتا تو پھر کیا ہوتا۔ اگر بفرض محال یہ مان لیا جاوے کہ آپکے خاندان کی امیرانہ حیثیت کیوجہ سے آپکی مخالفت پورے زور سے نہین ہوئی تو یہ کیونکر نتیجہ نکلسکتا ہے کہ اگر یہ خاندانی حیثیت نہ ہوتی تو آپ ہلاک ہو جاتے۔ علاوہ ازین یہ ایک لغو دلیل ہے اس سے یہ کہان ثابت ہوا کہ آپ خدا کیطرفسے نہ تھے یا حق پر نہ تھے۔ کیا کسیوجہ سے کسی کی زندگی کا بچاؤ ہو جانا اسکے خدا کیطرفسے ہونیکو باطل کر دیتا ہے؟ اگر یہ سچ ہے تو پھر ایک شخص یہ بھی کہنے کا حق رکھتا ہے کہ اگر حضرت موسےٰ کو فرعون کی لڑکی دریا سے نہ نکال لیتی تو چونکہ شریعت موسوی کا نام و نشان نہ ہوتا اسلیئے ثابت ہوا کہ نعوذ باللہ حضرت موسےٰ بھی خدا کیطرفسے نہ تھے۔ اور یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اگر مریم کے خاوند یوسف کو فرشتہ خواب مین یہ یقین نہ دلاتا۔ کہ حضرت مریم صدیقہ پاک دامن ہین تو وہ غیرت مین آکر انکو حمل کیحالت مین ہی مار ڈالتا۔ اور اس آپکی مسیحیت یا بزعم عیسائیان خدائی بھی ساتھ ہی جاتی۔ اسلئے حضرت مسیح بھی نعوذ باللہ خدا کیطرفسے نہ تھے۔ اور مفتری تھے۔ مورخ کو ان بیہودہ خیالات سے کیا تعلق کہ فلان بات نہ ہوتی تو یون ہوتا اسکا کام تو یہ دیکھنا ہے کہ واقعہ مین کیا ہوا۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سخت سے سخت مخالفتون کا مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے اور نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ مخالفت یا تکلیف کی آپنے کبھی پروا بھی نہین کی کیونکہ اگر ایسی پروا کرتے تو ابتدا مین ہی تبلیغ کے کام کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے۔

اس بات سے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک معزز اور شریف خاندان قریش سے تھے۔ آپکی عزت ظاہر ہوتی ہے۔ اور صداقت اور بھی چمکتی ہے مگر یہ بات آپکو قریش اور کل عرب کے بد ارادے سے کیونکر بچا سکتی تھی کتنی دفعہ آپکو قتل کی دھمکیان دی گئین اور کتنی دفعہ قتل کی تجویزین کی گئین۔ وہ کون تھا جس نے ابوجہل یا حضرت عمر کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ کیا ابوطالب نے اگر قریش کو سفارش کی تھی یا بنی ہاشم نے ابوجہل کو روکدیا تھا اور دھمکی دی تھی۔ ہرگز نہین۔ اگر خدا تعالےٰ کا خاص ارادہ نہ ہوتا تو دشمن اپنے بد ارادہ کو بڑی آسانی سے پورا کر سکتے تھے۔ کیا بڑے آدمی اور شرفا دنیا مین قتل نہین کیئے

جاتے تھے یا عرب مین قتل نہین کیے جاتے تھے اور اگر قریش کو کوئی اور روکنے والی طاقت نہ ہوتی تو سارے بنی ہاشم کو تباہ کر دینا انکے نزدیک کونسا مشکل امر تھا - اور بنی ہاشم کیا مقابلہ کر سکتے تھے - وہ لوگ جن کے معبودونکو انکے منہ پر برا کہا جاتا تھا اور جنکو ہر روز عذاب کی دہمکیان دیجاتی تھین بنی ہاشم کیوجہ سے مخالفت اور بد ارادونسے نہ رک سکتے تھے - انکو تو اپنے معبود عزیز تھے وہ ابو طالب کی کیا پروا کرتے تھے - نہ ابو طالب قریش کو اپنے معبودونسے زیادہ عزیز تھا اور نہ بنی ہاشم کی اسقدر طاقت تھی کہ قریش انکے خلاف کوئی کارروائی کرنیسے ڈر جاتے - پس صاف ظاہر ہے کہ قریش کو اپنے بد ارادونمین ناکام رکھنے والی کوئی اور طاقت تھی - وہ زبردست ہاتھ جو قاتل کے ہاتھ کو روک دیتا تھا انسانی ہاتھ نہ تھا - اور وہ طاقتور علم جو انکے سب منصوبون اور تجویزونکو خاک مین ملا دیتا تھا انسانی علم نہ تھا یہ کسقدر ہنسی کی بات ہے کہ جنگ تو مذہب کی بیخکنی کا ہو اور قریش ابو طالب کے لحاظ سے خاموش ہو رہین مگر پادری صاحب اس سے بھی بڑھکر یہ دعوے کرتے ہین کہ "قریش کے ساتھ جو نبی کریم کے تعلقات تھے انہی کیوجہ سے آپکو وہ حفاظت نصیب ہوئی جو ایک کم درجہ کے آدمی کو نہ ملسکتی تھی" یہ کسقدر حماقت سے بھری ہوئی بیخبری واقعات تاریخی کی ہے - ابھی تک سیل صاحب کو یہ بھی علم نہین کہ قریش ہی تو مخالف تھے اور دنرات نیست و نابود کرنے کی تجویزون مین لگے رہتے تھے اور انہی کو وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے محافظ فرض کر رہا ہے -

اس مین شک نہین کہ ابو طالب نے اپنے بھتیجے کو قریش کے حوالہ کر دینے سے انکار کیا اور اس بات پر خوش نہین ہوا کہ وہ ایک معصوم انسان کو بیگناہ مار ڈالین - مگر اسکی یہ محبت بھی صرف خونی تعلقات کیوجہ سے نہ تھی - نئے مذہب کے تعلقات نے پرانے رشتہ داری کے تعلقات کو بالکل قطع کر دیا تھا - اور مسلمانونکو بڑی ایذا رسانی اول اول انہی لوگونکی طرفسے ہوئی جو انکے اپنے نزدیکی رشتہ دار تھے اور جس تجویز مخالفت پر قریش نے اتفاق کیا تھا وہ یہی تھی کہ ہر ایک کنبہ کے لوگ اپنے اپنے عزیزونکو تکلیف دینا شروع کرین - کفر کیحالت مین حضرت عمر نے اپنی بہن اور بہنوئی کو اسقدر مارا تھا کہ وہ قریب ادموئے کے ہو گئے تھے - اور یہی طریق ہر ایک گھرانے مین اختیار کیا گیا تھا کہ ایذا دہی سے اپنے اپنے عزیزونکو نئے مذہب سے پھیرا جاوے - مگر بنی ہاشم کے بڑے بڑے مقتدر اشخاص اسلام کیطرف بہت حد تک مایل ہو چکے تھے - حضرت حمزہ رضؓ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے - حضرت عباس بھی اسلام کی طرف مایل تھے - ابو طالب اگرچہ پرانے مذہب پر بظاہر قایم رہا مگر وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صادق اور راستباز جانتا تھا چنانچہ اسبات کا اظہار اسنے نہایت صفائی سے اس قصیدہ مین کیا ہے -

جس کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے۔ قریش کی بیجا ایذا رسانی کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے۔

وما ترك قوم لا ابالك سيدا ... يحوط الذمار غير ذرب مواكل
وابيض يستسقى الغمام بوجهه ... ثمال اليتامى عصمة للارامل
يلوذ به الهلاك من ال هاشم ... فهم عنده فى رحمة و فواضل
حليم رشيد عادل غير طائش ... يوالى الها ليس عنه بغافل
فوالله لولا ان اجئ بسبة ... تجر على اشياخنا فى المحافل
لكنا اتبعناه على كل حالة ... من الدهر جدا غير قول التهازل

ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے۔ تجھ پر افسوس کسی قوم نے اپنے سردار کو نہیں چھوڑ دیا (گویا اس سوال کے جواب مین کہ تم ہمکو کہتے ہو کہ ہم نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دین۔) اور سردار بھی وہ سردار جو تمام حفاظت کرنیوالی چیزونکی خوب حفاظت کرتا ہے اور وہ دغاباز نہیں نہ دوسرونکا مال ہی کھاتا ہے۔ وہ کریم ہے سفید چہرے والا جسکے منہ کے وسیلے سے مینہ مانگا جاتا ہے٭۔ وہ یتیمونکا ملجا اور بیوہ عورتونکی پناہ ہے۔ آل ہاشم کے کل غربا اس کی پناہ ڈھونڈتے ہین اور اس سے وہ رحمت اور فضل پاتے ہین۔ وہ حلیم اور بزرگ ہے انصاف کرنیوالا۔ اور متین جلدی ناراض نہ ہونیوالا اس خدا کو دوست رکھتا ہے جس سے وہ ایکدم کے لیے بھی غافل نہین ہے۔ خدا کی قسم ہے اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میری وجہ سے میرے بزرگونپر محفلون مین عیب لگایا جاویگا تو ہم ہر حال مین اس کی پیروی کرتے (یعنی ظاہر طور پر بھی دین قبول کر لیتا) یہ میری بات نہایت سنجیدگی سے ہے اور ہزل نہین۔

یہ بات بھی اس جگہ بیان کرنیکے قابل ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سب سے اول قبول کرنے والے وہی لوگ تھے جو آپکے نہایت عزیز دوست یا نہایت قریبی رشتہ دار تھے اور جو آپکے حالات سے

٭ ایک حدیث مین آیا ہے کہ مدینہ مین ایکدفعہ سخت امساک باران ہوا۔ تو لوگون نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دعا کے لیے التجا کی۔ آپ منبر پر چڑھے اور دعا کرتے رہے یہانتک کہ بادل جمع ہو کر زور کی بارش شروع ہوگئی اور یہانتک بارش ہوئی کہ پھر لوگون نے التجا کی کہ اب تو سیلاب سے ہر ایک چیز کے بہ جانے کا خطرہ ہے جسپر آپنے دعا کی اللھم حوالینا ولا علینا۔ پھر بارش تھم گئی۔ اسوقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج ابو طالب ہوتا تو بہت خوش ہوتا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپکا اشارہ ابو طالب کے اس شعر کیطرف ہے جو اسنے آپکی مدح مین کہا ہے کہ وابیض یستسقی الغمام بوجھہ + ثمال الیتامی عصمۃ للارامل۔ فرمایا ہان۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قصیدہ کے بعض اشعار عرب مین عام طور پر مشہور ہوگئے تھے۔ منہ۔

بخوبی واقف تھے سب سے پہلے ایمان لانیوالی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہین جو پندرہ سال سے آپکی
زوجیت مین تھین اور جنہون نے آپکی دیانتداری اور صداقت پر خوش ہوکر ہی پہلے یہ تعلق پیدا کیا
تھا۔ جبھی کہ انہون نے آپکے منہ سے یہ سنا کہ مجھہ پر یہ وحی نازل ہوئی تو جھٹ بول اٹھین ۔ کلا واللہ
ما یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب
الحق ۔ یہ نہین خدا کی قسم خدا آپکو کبھی رسوا نہین کرے گا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے یعنی اپنے
رشتہ دارونسے نہایت نیک سلوک کرتے ہین اور انکی مدد کرتے ہین جو اپنا بوجھ آپ نہین اٹھا سکتے
اور جو کام نہین کر سکتا اس کو کما کر دیتے ہین اور مہمانون کا اکرام کرتے ہین اور مصائب کیوقت
لوگونکو مدد دیتے ہین"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شروع سے ہی آپکے بڑے دوست تھے۔ جب
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعوے کیا تو آپ سفر پر تھے۔ واپس آتے ہی جب آپنے
یہ خبر سنی تو آپنے کہا بیشک محمد صلے اللہ علیہ وسلم صادق ہین کیونکہ آپنے کسی آدمی پر کبھی جھوٹ
نہین بولا تو پھر خدا پر کیونکر جھوٹ بول سکتے ہین۔ اس سے بڑھکر ایک شخص کی صداقت اور خلوص
کی اور کیا شہادت ہوسکتی ہے کہ وہ لوگ جو سب سے زیادہ اسکے اندرونی حالات سے واقف ہین وہی
اسکی صداقت پر ایمان لانیوالے ہون اور ایسے وقت مین جب تمام دنیا مخالفت پر تلی ہوئی ہو۔
حضرت ابوبکر اور خدیجہ رضی اللہ تعالے عنہما سے بہتر واقف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات
سے اور کوئی نہ تھا۔ اور اگر کوئی نقص یا عیب آپ مین ہوتا یا کوئی جھوٹ کی ملونی آپکے دعوے مین ہوتی
تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس سے آگاہ نہ ہوتے مگر دونون نہایت سچے دل سے آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم کی صداقت پر ایمان لائے اور ہزارون ابتلاؤن اور امتحانون مین ثابت قدم رہے اور آخر
کار اسلام اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی پر انکو ایسا ہی ایمان تھا جیسے خود مہبط وحی
صلے اللہ علیہ وسلم کو۔ ان دونونکا آنحضرت کو دعوے کا علم ہوتے ہی قبول کر لینا اور پھر اسپر
ایسی لانظیر ثابت قدمی دکھانا ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی نہایت پر زور
دلیل ہے۔ چنانچہ میور جیسے دشمن کو حضرت ابوبکر کے ایمان اور استقلال پر حیران ہوکر یہ کہنا پڑا
ہے کہ "اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم شروع سے ہی عمداً افترا کرنے والے ہوتے تو ایک ایسا آدمی (ابوبکرؓ)
اپنر کبھی ایمان نہ لاتا اور انکا صادق دوست نہ ہوتا جو نہ صرف دانا اور دور اندیش ہی تھا بلکہ سیدھا
اور صادق بھی تھا۔ ابوبکر کو اپنے آپ کو بڑا بنیکا یا بڑا بننے کا کوئی خیال نہ تھا۔ جب شاہی اختیارات
اسکے ہاتھ مین آئے تو انہون نے ان اختیارات کو محض اسلام کی بہتری اور لوگونکے فائدہ کیلئے برتا۔

وہ خود اس قدر ہوشیار تھا کہ کسی کے فریب مین نہ آسکتا تھا۔ اور اسقدر دیانتدار اور ایماندار تھا کہ دوسرے کو دھوکا نہ دے سکتا تھا؟

مقابلہ کے لیے چند لفظ اس جگہ حضرت مسیح کی نسبت بھی بیموقعہ نہ ہونگے حیرت کی بات ہے کہ وہ لوگ جو حضرت مسیح کے حالات سے گہری واقفیت رکھتے تھے انپر ایمان نہین لائے انکے حقیقی بھائی انکو پاگل سمجھتے تھے۔ (مرقس ۳-۲۱) وہ حواری جن پر بڑی بڑی امیدین ہونی چاہئین تھین آخر کار بیوفا ثابت ہوئے۔ ایک نے تیس روپیونکے عوض آپکو آپ کے دشمنونکے ہاتھ بیچدیا۔ اب اس فرق کو دیکھو کہ ایک کا مرید تیس روپیئے کے لالچ سے اپنے آقا کے ساتھ ایسی غداری کرتا ہے اور دوسرے کا مرید تیس ہزار روپیہ اپنے آقا پر قربان کرکے طرح طرحکی تکلیفین اس کے ساتھ اٹھاتا ہے اور ایک دم کے لیے بھی اسکے دلمین یہ خیال نہین گذرتا کہ وہ اپنے آقا کا ساتھ چھوڑے۔ پھر حضرت مسیح کے ایک اور مرید نے جسپر آپکو اسقدر اعتبار تھا کہ بہشت کی کنجیان بھی اسیکے سپرد کردی تھین۔ گرفتاری کیوقت کیسی بیوفائی دکھائی اور انکار کیا اور لعنت بھیجی۔ باقی بھی اسی قسم کے نکلے۔ اور سب کے سب ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ان کمزوردلون اور بیوفاؤنکے مقابل ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وہ ہین جنکے مضبوط ایمان اور ثابت قدمی کو کوئی مصیبت متزلزل نہین کرسکی۔ انہون نے آپکی خاطر روپیہ مال گھر جایدادین آرام سب کچھ قربان کیا۔ اور پھر آخر اپنی جانین قربان کرنیسے بھی دریغ نہ کیا۔ ان لوگونکی ثابت قدمی۔ وفاداری۔ مضبوطی ایمان۔ صدق اور خلوص کو جس سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا۔ میور صاحب صرف اسقدر وقعت دیتے ہین کہ لسنے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آنحضرت نے عمداً افترا نہین کیا اور نہ وفاداری کا ایسا نمونہ صحابہ ہرگز نہ دکھا سکتے تھے۔ ناظرین خود قیاس کرلین کہ اگر حضرت مسیح کے حواریونکی طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے کوئی بیوفائی ہوتی یا جس طرح انکے ایمان مین تزلزل آتا رہا صحابہ کے ایمان مین کبھی تزلزل واقع ہوتا تو پادریصاحبان اس سے کیا نتیجہ نکالتے پھر تو یہ لوگ پھولے بھی نہ سماتے کہ نبی عربی (فداہ امی وابی) کا نعوذ باللہ افترا ثابت ہوگیا۔ مگر خدا کا خوف ان لوگونکے دلونمین نہین۔ اے پادریصاحبان ایمان سے اور خداترسی سے بتاؤ کہ اگر آنحضرت کے صحابہ کے صدق اور وفاداری سے اس سے بڑھکر کوئی نتیجہ نہین نکلتا۔ کہ آپنے عمداً افترا نہین کیا۔ اور آپ نعوذ باللہ دھوکہ خوردہ تھے تو مسیح کے حواریونکی بیوفائی غداری اور بے ایمانی سے کیا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اگر تم مین کچھ بھی خدا کا خوف ہے تو جرأت کرکے اس نتیجہ کو شایع کرو۔ اگر یہ سچ ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو ہمین حضرت مسیح اور حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم

کی صداقت یا فضیلت کا فیصلہ کرنیکے لیے صرف ایک ہی بات کافی ہے کہ تم دونون کے صحابیونکا مقابلہ کرلو
اگر مین اصل مضمون سے کسیقدر دور نکل گیا ہون تو مین نے ناظرین کا یا اپنا وقت ضایع نہین کیا اب مین پھر پہلی بات کی طرف رجوع کر کے یہ کہتا ہون کہ واقعات سیل صاحب کے اس دعوی کی ہرگز تائید نہین کرتے۔ کہ اگر ابو طالب یا بنی ہاشم آنحضرت کے ساتھ نہ ہوتے تو آپ قریش کی مخالفت سے کبھی بچکر نہ نکل سکتے۔ یہ محض جھوٹ ہے اس مین شک نہین کہ ابو طالب نے اخیر دم تک آنحضرت کا ساتھ دینے کیلیے آمادگی ظاہر کی۔ مگر کیون؟ اسلیئے کہ وہ آنحضرت کو راستباز جانتا تھا۔ اور آپکا ساتھ چھوڑنیکو وہ غداری سمجھتا تھا اس نے یہ نہین کہا کہ بنی ہاشم نبی کریم کی محافظت کرنیوالے ہین بلکہ یہی کہا کہ نبی کریم بنی ہاشم کے سردار اور انکے محافظ ہین یتیمون غریبون بیکسون اور بیواؤن کا ملجا و ماوی ہین۔ ابو طالب تو اسلیئے آپ کا ساتھ نہ چھوڑتا تھا کہ آپکا ساتھ چھوڑنیسے اسے بنی ہاشم کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اس سے تو بہتر تھا اگر سیلؒ صاحب یہ کہدیتے کہ اگر صحابہ آپکے ساتھ ہوکر آپ پر جانین فدا نہ کرتے تو آپ قریش کی مخالفت سے بچکر نہ نکل سکتے تھے۔ مگر ان باتون سے کیا نتیجہ پیدا ہوسکتا ہے +

سوال یہ ہے کہ آیا ابو طالب کیوجہ سے قریش مخالفت سے رک گئے۔ ابو طالب نے اگر کچھ کیا تو وہ صرف یہی تھا کہ اس نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو قریش کے حوالہ کر دینے سے انکار کیا۔ قریش کی درخواست یہ تھی کہ اگر وہ آنحضرت کو مار ڈالین تو ابو طالب یا بنی ہاشم ان سے بوجھین نہین۔ اس سے بڑھکر ابو طالب نے کیا کیا اور وہ کیا کر سکتا تھا۔ جب آپ باہر جاتے تھے تو آپکے ساتھ کوئی پہرہ نہ ہوتا تھا۔ رات کی تاریکی مین آپ اکیلے عبادت کیلیے نکلتے تھے حالانکہ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ قریش کے کیا کیا ارادے آپکے مخالف ہین آپکا بھروسہ خدا پر تھا اور یہ یقین تھا۔ کہ جس طاقتور خدا نے آپکو رسالت کا پیغام دیکر بھیجا ہے وہی آپکی حفاظت بھی کرنیوالا ہے پس سچی بات یہی ہے کہ خدا کے سوائے اسقدر دشمنونکے درمیان نہ کوئی آپکی حفاظت کر سکتا تھا اور نہ کسی نے کی۔ ہان وہ خدا جس نے وعدہ کیا تھا اسی نے اپنے وعدہ کو پورا بھی کیا۔ اگر بنی ہاشم بالفرض قریش کی مخالفت بھی کرتے تو وہ قریش کی مجموعی طاقت کے سامنے حیثیت ہی کیا رکھتے تھے! ایکدم مین سب کے سب کچل دیئے جاسکتے تھے۔ بھلا پادری صاحب یہ بتاوین کہ جب قریش نے اتفاق کر کے بنی ہاشم سے لین دین بند کر کے انکو شہر کے ایک کونے مین بند کر دیا تو بنی ہاشم نے کیا مقابلہ کیا۔ بلکہ اگر چندین تک اور وہ اسی حالت مین بند رہنے دیئے جاتے تو سارے کے سارے تباہ ہوجاتے۔

اب مین سب باتونکو چھوڑکر یہ کہتا ہون کہ آخر ابو طالب مر گئے اور نبی کریم بنی ہاشم سے الگ ہوگئے یا نہین اسوقت کون آپکا محافظ تھا۔ مخالفت تو اور بھی بڑھ گئی۔ اگر پہلے صرف قریش ہی نیست و نابود کرنے پر آمادہ تھے

تو اب عرب کی اور قومین بلکہ یہودی اور عیسائی بھی ساتھ مل گئے۔ جب مخالفت کی آگ پورے زور سے بھڑک اٹھی تو اسوقت نہ ابو طالب تھا اور نہ بنی ہاشم ہی ساتھ تھے۔ پس سوچ لو کہ جس نے اسوقت آپ کو بچایا وہی پہلے بھی بچاتا رہا۔ بلکہ ابو طالب کی موت کے بعد ہی آپنے دعوت کا دایرہ اور بھی وسیع کر دیا چنانچہ اسکے بعد آپنے پہلے بنی ثقیف کیطرف رجوع کیا اور اس قوم کو دعوت حق کی مگر یہان بھی آپکے ساتھ وہی سلوک ہوا جو قریش نے کیا تھا۔ شہر کے لوگون نے آپ کی بڑی مخالفت کی اور پتھر مار کر شہر سے باہر نکالدیا۔ اور بہت دور تک گالیان دیتے ہوئے اور پتھر مارتے ہوئے آپکے پیچھے چلے آئے۔ جب آپ دور نکل آئے تو ایک درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھ گئے۔ اور اس تنہائی مین جب زمین کی ہر ایک چیز آپکی مخالفت پر تلی ہوئی نظر آتی تھی آپنے ان الفاظ مین اللہ تعالے کے آگے دعا کی:۔ اللھم الیک اشکو ضعف قوتی و قلّة حیلتی وھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی ام الی عدو ملکتہ امری ان لم یکن بک علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتک ہی اوسع لی اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والاخرة من ان تنزل بی غضبک او یحل علی سخطک لک العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوة الا بک۔ اس دعا سے کیسا صاف ظاہر ہے کہ آپ سوائے خدا کے اور کسی پر بھروسہ نہ رکھتے تھے۔ اور اسکی راہ مین ہر طرح کی تکلیفین اٹھانیکے لیے تیار تھے۔

علاوہ برین قریش نے جو کوششین آپکو راہ حق سے روکنے کیلیے کین اور آپنے جو کچھ ایسے موقعہ پر جوابدیا اس سے ظاہر ہے کہ نہ تو آپکو کفار کی تکلیف دہی اور ایذا رسانی کی کوئی پروا تھی اور نہ ہی ابو طالب یا بنی ہاشم کی حفاظت کی کچھ پروا تھی۔ قریش نے طرح طرح کے حیلے کیے کبھی روپے کا لالچ دیا کبھی عزت اور حکومت کا اور کبھی قتل کی دھمکیان دین مگر آپکو نہ کسی بات کی پروا تھی نہ کسی کا خوف۔ ایکدفعہ قریش کی ایک مجلس نے عتبہ بن ربیعہ کو اپنا وکیل کر کے بھیجا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر کے آپکو بت پرستی کی مذمت سے روکے۔ اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جا کر کہا۔ کہ "آپ ہم مین شریف خاندان سے ہین اور عالی نسب ہین اور آپنے اپنی قوم کے سامنے ایک بڑا امر پیش کیا ہے جس سے آپنے جماعت مین تفرقہ ڈالا ہے اور انکے معبودون پر اور انکے دین پر عیب لگائے ہین اور انکے آبا و اجداد مین سے جو گذر چکے ہین ان کو کافر کہا ہے۔ پس مین آپکے سامنے چند باتین پیش کرنی چاہتا ہون کہ آپ ان مین سے کوئی قبول کرلین تو یہ فتنہ رفع ہو جائے۔ آپنے فرمایا کہو مین سنتا ہون اس نے کہا کہ اگر آپکا اس کام کے اختیار کرنے سے منشا یہ ہے کہ آپکے پاس مال اکٹھا ہو جائے تو ہم اسقدر مال آپکو اکٹھا کر کے دیسکتے ہین کہ آپ قریش مین سب سے زیادہ مالدار ہو جائین اور اگر آپ بیویان چاہتے ہین تو ہم دس نہایت حسین بیویان

آپکو دے سکتے ہین۔ اور اگر آپ اس سے بزرگی چاہتے ہین تو ہم آپکو اپنا سردار بنانیکو تیار ہین اور آپکی اجازت
کے بغیر کبھی کوئی کام نہ کرینگے۔ اور اگر آپ حکومت چاہتے ہین تو ہم آپکو اپنا بادشاہ بنانیکو تیار ہین اور اگر
آپ کسی جن کے تصرف مین ہین جسکو رد کرنے کی آپ طاقت نہین رکھتے۔ تو ہم آپکے لیے طبیب بلائینگے
اور اپنے مال آپکے علاج کیلیے خرچ کرینگے" جب وہ یہ بات کہہ چکا تو آپنے فرمایا۔ اب میرا جواب سن۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حم۔ تنزیل من الرحمن الرحیم۔ کتب فصلت ایاتہ قرانا عربیا لقوم یعلمون بشیرا ونذیرا
فاعرض اکثرہم فہم لایسمعون وقالوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ وفی اذاننا وقر ومن بیننا وبینک حجاب
فاعمل اننا عاملون ..... اور آپنے سورہ حم السجدہ پڑھی یہانتک کہ آپ اس آیت پر پہونچے۔ فان اعرضوا
فقل انذرتکم صعقۃ مثل صعقۃ عاد وثمود۔ اسکے بعد پھر آپ تبلیغ مین لگے رہے اور کفار ایذا دینے اور
سب وشتم مین لگے رہے پھر ایکدفعہ قریش کی ایک بڑی مجلس کرکے آپکو بلایا گیا۔ آپنے سمجھا شاید قریش اقبول
کرنیکے لیے تیار ہوئے ہین اور آپ بڑی جلدی آئے۔ مگر پھر انہون نے وہی باتین پیش کین جو پہلے پیش کرچکے
تھے۔ آپنے فرمایا "مین مجنون نہین جیسا تم کہتے ہو۔ نہ ہی مین اسلیے آیا ہون کہ مال یا بزرگی یا حکومت کی خواہش
کرون مجھے تو خداتعالے نے تمہاریطرف رسول کرکے بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے
یہ حکم دیا ہے کہ مین تمہین خوشخبری پہونچاؤن (اگر تم ایمان لاؤ) اور آنیوالے عذاب سے ڈراؤن (اگر تم انکار
کرو) اور مینے اپنے پروردگار کے پیغام تم تک پہونچا دیئے ہین اور تمہین نیکی کی راہ پر چلنے کی نصیحت کی
ہے۔ اگر تم قبول کرلو اس چیز کو جو مین لایا ہون تو دنیا اور آخرت مین تمہاری خوش قسمتی کا موجب ہوگا اور اگر
رد کردو تو مین تمہاری ایذا رسانی پر صبر کرونگا یہانتک کہ اللہ تعالے میرے اور تمہارے درمیان کھلا کھلا
فیصلہ کرے"
آخر قریش نے ابوطالب کیطرف رجوع کیا اور بڑے بڑے آدمی جمع ہوکر اسکے پاس گئے اور کہا کہ
تمہارا بھتیجا ہمارے معبودون کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے آباء واجداد کو غلط راہ پر بتاتا ہے یا تو تم اسکو
روک دو۔ یا تم اس جھگڑے سے الگ ہوتا کہ ہم اسکا قصہ تمام کردین کیونکہ تم بھی مذہب مین اسکے مخالف
ہی ہو جیسا کہ ہم ہین"۔ ابوطالب نے بہت نرمی سے انکو جواب دیکر ٹالدیا۔ اور وہ واپس چلے گئے۔ تھوڑے دنون
بعد پھر قریش کے عظیم الشان آدمی جمع ہوکر ابوطالب کے پاس پہونچے اور کہا "اے ابوطالب بیشک تو ہمارے
درمیان سردار اور بزرگ اور بڑے مرتبہ والا ہے۔ ہمنے پہلے بھی تمہین کہا تھا کہ تم اپنے بھتیجے محمد صلے اللہ علیہ وسلم
کو اس کام سے روکدو مگر تمنے کچھ نہین کیا اور ہم اس بات پر صبر نہین کرسکتے کہ ہمارے معبودونکی ہمارے سامنے
مذمت کیجاوے۔ پس یا تو تم اسکو روکدو اور یا تم اسکا ساتھ چھوڑ دو۔ اور ہم اسکے ساتھ لڑین یہانتک کہ دونون
فریقون مین سے ایک ہلاک ہوجاوے"۔ یہ کہکر وہ چلے گئے۔ ابوطالب پر دونون باتین شاق تھین نہ وہ قریش

کو ہی چھوڑ سکتا تھا اور نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہی۔ آخر اس نے نبی کریم کو بلایا اور آپکو سمجھایا کہ قوم کیا کہتی ہے اور کیا چاہتی ہے آپنے سمجھا کہ شاید اب ابوطالب ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہتا ہے اور ہماری مدد کرنیسے عاجز ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ اگر آپکے دلمین ضعف کا کوئی خیال بھی ہوتا تو اسوقت آپ تبلیغ کے کام سے رک جاتے کیونکہ آپ بخوبی سمجھ سکتے تھے کہ ابوطالب کے بعد پھر دنیا مین کوئی بھی آپکا موافق نہین ہوگا۔ اور کل کی کل قوم دشمن ہی دشمن ہوگی۔ مگر آپنے اسوقت وہ جواب دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکا قلب اس تیقین سے بھرا ہوا تھا جو بغیر وحی الہی کے حاصل نہین ہو سکتا۔ عاجز انسان کا یہ کام نہ تھا کہ ایسے وقت مین ایسا حوصلہ دکھاتا۔ آپنے فرمایا "اے چچا اگر وہ سورج کو میرے دائین ہاتھ اور چاند کو میرے بائین رکھدین اور یہ چاہین کہ مین حق کی تبلیغ کو چھوڑ دون تو مین ہرگز نہین چھوڑونگا۔ بلکہ یہ کام کرتا رہونگا۔ یہانتک کہ اللہ تعالےٰ اس دین کو غالب کردے یا مین ہلاک ہو جاؤن"۔ اس جوابنے ابوطالب کو حیران کر دیا اور درحقیقت یہ جواب ایسا ہے کہ ہر ایک آدمی جو کچھ بھی خدا ترسی کو دل مین جگہ دیکر سوچے گا۔ اسے قایل ہونا پڑے گا کہ یہ لفظ انسان عاجز کے نہین اور نہ ہی یہ قوت انسانی ضعف کے سرچشمہ سے پیدا ہو سکتی ہے بلکہ ایسی قوت صرف اللہ تعالےٰ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس قوت اور شجاعت کی نظیر کسی نبی مین ملنی مشکل ہے۔ کاش پادری سیل صاحب مسیح کے سوانح مین کوئی اسکی نظیر نکالکر دکھاوین +

باوجودیکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اسقدر دکھ اور تکلیفین دیجاتی تھین آپکو اس سے نہ چندان غم تھا اور نہ رنج کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ کی ان چندروزہ تکالیف پر دنیا کی نجات موقوف ہے اور اسیلیے آپ خوشی سے سب تکلیفونکو برداشت کرتے تھے لیکن بڑا دکھ آپکو اپنے صحابہ کی تکالیف سے پہنچتا تھا جنکو آپکی آنکھونکے سامنے طرح طرحکے دکھ دیے جاتے تھے اور بڑی بڑی اذیتین دیکر ہلاک کیا جاتا تھا۔ ان بیچارون کی جو صحابہ پر کیجاتی تھین کوئی حد نہ رہی تھی۔ عورتون پر جو ظلم کیے جاتے تھے وہ پرلے درجے کے وحشیانہ تھے جنکے ذکر سے بھی جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہین۔ جو لوگ مسلمانون مین سے وجاہت نہ رکھتے تھے انکو جلتی ہوئی ریت اور پتھرون پر دوپہر کے وقت ڈالکر اوپر سے کوڑے لگائے جاتے تھے یہ ظلم اس قسم کے تھے کہ ایک اجنبی کا دل بھی پگھل کر نرم ہو جاتا ہے اور یہ سب ظلم اس رحیم و کریم انسان کو جو اپنے صحابہ کو اس سے زیادہ پیار کرتا تھا جو دنیا کے لوگ اپنے بیٹون بیٹیونسے کرتے ہین اپنی آنکھونسے دیکھنے پڑتے تھے۔ ہر ایک آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسے اوقات مین آپکے پاک قلب کی کیا حالت ہوتی ہوگی اور کسقدر پہاڑ غمونکے آپکے اوپر گرتے ہونگے۔ خصوصًا اس صورت مین جب آپ یہ بھی دیکھتے ہونگے کہ ان معصومونکی آپ کسی طرح بھی مدد نہین کرسکتے۔ آخر انہی مصایب کو دیکھ دیکھ کر اور برداشت سے باہر پاکر

آپنے اپنے صحابہ کو ہجرت کا حکم دیا اور خود دشمنونکے اندر اکیلے رہنا پسند کیا مگر اپنے ساتھیوں پر جو ظلم ہوتے تھے انکو برداشت نہ کرسکے حالانکہ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ صحابہ کی ہجرت سے مخالفت کا کل زور آپکے خلاف ہو جائیگا۔ مگر آپکے قلب نے جسکے رحم اور کرم کا کوئی اندازہ نہین لگا سکتا اپنی تنہائی اور سب مصایب کو برداشت کرنا اختیار کیا مگر یہ پسند نہ کیا کہ ان لوگون کو جنہون نے سب کچھ چھوڑ کر آپکو قبول کیا تھا دکھ پہونچتا رہے۔

ناظرین سمجھتے ہونگے کہ مینے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تکلیفون اور غمونکو تفصیل کے ساتھ بیان کردیا ہے مگر سچ بات یہ ہے کہ سب سے بڑا غم جس غم کے مقابلہ پر تمام اذیتین اور تکلیفین جو کفار کی طرف سے پہنچتی تھین ہیچ تھین اس کا مینے ابھی تک ذکر نہین کیا جہان ان تمام تکالیف کا ذکر قرآن کریم نے یہی کہکر کیا ہے کہ صبر کرتے رہو اور ان سب تکالیف کو اٹھاتے رہو اس غم کا ذکر کلام الہی مین یون فرمایا ہے۔ لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین ان نشاء ننزل علیہم من السماء آیۃ فظلت اعناقہم لہا خاضعین وما یاتیہم من ذکر من الرحمن محدث الا کانوا عنہ معرضین فقد کذبوا فسیاتیہم انبٰؤ ما کانوا بہ یستہزءُون (الشعراء ۔ ۳ ۔ ۶) اے پیغمبر کیا تم اپنی جان کو اس غم سے ہلاک کر ڈالوگے کہ یہ لوگ ایمان کیون نہین لاتے۔ ہم چاہین تو ان لوگون پر آسمان سے ایک زبردست نشان اتارین اور انکی گردنین اس کے آگے جھک جائین (مگر ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے) کہ جب کبھی خدائے رحمن کیطرف سے انکے پاس نصیحت کی کوئی نئی بات آتی ہے تو وہ اس سے منہ پھیرتے ہین اب کفار مکہ نے جھٹلایا ہے پس عنقریب اس عذاب کی حقیقت انکو معلوم ہوجائے گی جسکی ہنسی اڑایا کرتے تھے +

ان آیات مین اول اللہ تعالے نے یہ بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کسقدر غم ہے کہ کفار آپ پر ایمان نہین لاتے اور خدائے واحد کی پرستش نہین کرتے۔ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ یہ غم اسقدر بڑا ہے کہ وہ اولوالعزم رسول جس نے کفار کی طرح طرح کی اذیتون اور تکلیفونکو بڑے صبر سے برداشت کیا ہے وہ اس غم سے ہلاک ہوجانیکو تیار ہے اگر اللہ تعالی کیطرف سے اسے یہ تسلّی نہ ملتی رہے کہ آخر کار وہ سب ہدایت کو قبول کرلینگے۔ چنانچہ اس غم کو بیان کرنیکے ساتھ ہی اگلی آیت مین فرمایا ہے کہ جب مشیت الہی ہوگی تو وہ زبردست نشان انپر اتارا جاوے گا جسکے آگے ان سب کی متکبر گردنین جھک جاوینگی اور فرمایا مگر سنت اللہ یونہی چلی آئی ہے کہ پہلے پہل یہ لوگ خدا کے مرسلونکی تکذیب اور انسے استہزا کرتے ہین۔ پھر جب انکی تکذیب اور استہزا خدا کے نزدیک قابل گرفت ہوجاتی ہے تو انپر عذاب نازل کیا جاتا ہے۔ اب چونکہ قریش بھی تکذیب کرچکے ہین پس تسلی رکھو کہ وہ وقت عنقریب آئیگا جب انپر بھی وہ نشان اتارا جاویگا کہ یہ لوگ

سب تمہارے مطیع ہو جاوینگے اور دین حق کو قبول کر لینگے۔ چنانچہ مدت بعد ایسا ہی ہوا جب فتح مکہ کے نشان سے جسکا وعدہ مدت سے کفار کو دیا جاتا تھا یہ عظیم الشان نشان پورا ہوا جسکو دیکھ کر انکے دلون مین یقین ہو گیا کہ بیشک خدا تعالے کا طاقتور ہاتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدد کر رہا ہے اور وہ سب سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔ اسی غم کا ذکر ایک دوسری جگہ بھی قرآن کریم نے کیا ہے جہان فرمایا ہے فلعلک باخع نفسک علی آثارہم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا (الکہف - ۶) اگر یہ لوگ قرآن کریم پر ایمان نہین لاتے تو کیا تم افسوس کے مارے انکے پیچھے اپنی جان کو ہلاک کر ڈالوگے۔

نہ صرف ان آیات سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کسقدر یہ غم پگھلا رہا تھا کہ قریش بت پرستی اور بدی کی راہ کو کیون نہین چھوڑتے بلکہ آپکی زندگی کا اگر غور سے مطالعہ کیا جاوے تو اس سے اسی غم کا عملی ثبوت ملتا ہے۔ سخت سے سخت دکھ پہنچائے جانے پر بھی یہی دعا جناب باری مین آپکی تھی کہ اے میرے خدا میری قوم کو بخش کیونکہ وہ نادانی سے یہ کام کر رہے ہین۔ ساری ساری رات آپ اللہ تعالے کے حضور کھڑے رہتے اور رو رو کر قوم کی اصلاح کیلیے دعائین مانگتے رہتے۔ قرآن کریم کے متعدد مقامات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپکے دل مین اسقدر تڑپ قوم کی اصلاح کی تھی کہ جب لوگ رات کو آرام کرتے تو آپ دن کے تھکے ماندے اٹھکر دعاؤن مین لگ جاتے + اللہ تعالے کی محبت اور مخلوق کی ہمدردی ہی تھی جو رات کو آپکو سونے نہ دیتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ آپ تنہا رات کو اٹھکر جنگلون اور بیابانون مین چلے جاتے اور رو رو کر دعائین کرتے نہ درندون اور جنگلی جانورون سے خوف کرتے اور نہ ہی دشمنون سے جو ہر وقت تاک مین لگے رہتے تھے کہ موقعہ ملے تو آپکو مار ڈالین۔ سوچو کہ یہ کیا تڑپ آپکے دل مین تھی ہر ایک شخص اپنے نفس کو ٹٹولے کہ اسکے دل مین کسقدر ہمدردی مخلوق ہے اور وہ مخلوق کیلیے کیا کیا کرتا ہے اسموقعہ پر چند شعر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نقل کرتا ہون جو آپنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنے عشق کا اظہار کرتے ہوئے لکھے ہین۔

کس چہ میداند کزان نالہا باشد خبر	کان شفیعے کرد از بہر جہان در کنج غار
من نمیدانم چہ دردے بود و اندوہ و غمے	کاندران غارے در آورد ش حزین و دلفگار
نے ز تاریکی توحش نے ز تنہائی ہراس	نے ز مردن غم نہ خوف کژدم و نے بیم مار
کشتۂ قوم و فدائے خلق و قربان جہان	نے بجسم خویش میلش نے بنفس خویش کار
نعرہ ہا پر درد میزد از پئے خلق خدا	شد تضرع کار او پیش خدا لیل و نہار
سخت شورے بر فلک افتاد زان عجز و دعا	قدسیان نیز شد چشم از غم آن اشکبار

یا نبی اللہ توئی خورشید رہ ہائے ہدے	بے تو نار درو براہے عارف پرہیزگار
یا نبی اللہ لب تو چشمہ جان پرور است	یا نبی اللہ توئی در راہ حق آموزگار

جسقدر دعائین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کی بہتری کیلیے کین اسکی کوئی نظیر نہین مثلاً جب ہم حضرت مسیح کی زندگی کے واقعات کو اناجیل سے پڑھتے ہین تو صرف اسیقدر معلوم ہوتا ہے کہ گرفتاری سے پہلی رات آپ ساری رات دعائین کرتے رہے اور کوئی آپکے رات کو اٹھنے اور دعائین کرنیکا ذکر انجیل مین نہین ہے۔ مگر یہ ایک رات کی دعا حضرت مسیح کی بھی اپنے بچاؤ کیلیئے تھی کہ اے خدا تو موت کے پیالے کو ٹالدے بر خلاف اسکے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین کم از کم تیئس سال کا ثبوت اس امر کا ملتا ہے کہ آپ ساری ساری رات یا آدھی آدھی رات دعاؤن مین لگے رہتے اور یہ دعائین آپکی اپنے نفس کیلیئے نہ تھین۔ بلکہ مخلوق کی بہتری کیلیے۔ پس جس قدر بڑی آپکی دعائین تھین اسیقدر عظیم الشان تبدیلی آپکی قوت قدسی سے ظہور پذیر ہوئی۔ غور کا مقام ہے کہ قریش تو دن رات آپکی ایذا کے درپے ہین۔ اور وہ رحیم کریم انسان دن رات انہین کیلیے تڑپ تڑپ کر اور بڑے سوز و گداز سے دعائین کر رہا ہے جھوٹا ہے جو کہتا ہے کہ اس انسان سے بڑھکر بھی کسی کے دل مین مخلوق کی خیر خواہی تھی۔

اسقدر اقرار تو میور نے بھی کیا ہے کہ بائیبل کی تاریخ کے سوا اور کہین تاریخ مین اس استقامت اور صبر کا نمونہ نہین ملتا جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ مگر تعجب یہ ہے کہ بائیبل سے بھی کوئی نظیر نکالکر نہین دکھائی جاتی۔ بائیبل مین دشمنونکی تکلیف اور ایذا دہی کا بڑا برداشت کرنیوالا الیاہ نبی ہے مگر اسکی بابت یہ لکھا ہے کہ اسنے خود ان تکالیف سے تنگ آکر آخر جناب الہی مین موت کی درخواست کی عیسائیونکے نزدیک الیاس سے بڑھکر مسیح ہے مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسیح کے الفاظ "ایلی ایلی لما سبقتنی" خدا پر اسکے مضبوط ایمان اور استقامت کا عمدہ نمونہ ظاہر نہین کرتے اس سے بہت بڑھکر تکالیف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوئین اور تیرہ برس تک چارونطرف سے ناکامیونکا سمان ہی دکھائی دیتا تھا مگر اسوقت بھی اس کامل الایمان انسان کے منہ سے دشمنونکے لیے یہی للکار نکلی کہ فکیدونی جمیعا ثم لا تنظرون۔ کہ تم سب اکٹھے ہو کر میرے خلاف جسقدر داؤ کر سکتے ہو کر دو اور خبردار ہو جاؤ کہ اگر تمہاری طاقت مین ہے تو تم مجھے ایک لمحہ کی مہلت بھی نہ دو۔ اور اپنی کامیابی اور فتح پر خدا کی وحی کی بنا پر ایسا ایمان کہ جب اکیلے دشمنونکے محاصرے مین تھے اسوقت بھی آپکا ایمان ایسا ہی مضبوط اور غیر متزلزل رہا کہ گویا آپ اپنی آنکھوں سے کامیابی کو دیکھ رہے تھے۔ مین پھر عیسائی صاحبان کیخدمت مین یہ درخواست کرتا ہون کہ واقعات حقہ کی بنا پر کسی امر مین ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت مسیح سے مقابلہ کرین تو انکو قایل ہونا

پڑے گا کہ فضیلت ایک ہی کیلیے ہے اور وہ ہے محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

(باقی آئیندہ)

کیا کلیسیا کے عہدیدار بائیبل کی حقانیت پر بحث کرسکتے ہین؟

بعض دلچسپ مذہبی سوالات پر آجکل عام طور پر انگریزی اخبارون مین بحث ہورہی ہے۔ تھوڑا عرصہ ہوا لندن کے مشہور اخبار ڈیلی ٹیلیگراف مین ایک بحث اس مضمون پر چھڑی تھی کہ عیسائی دنیا کا ایمان کا دعوےٰ کس حدتک درست ہے اسکے متعلق ہزارون چٹھیان اخبار مذکور مین کئی ماہ تک شایع ہوتی رہین۔ آجکل اخبار ڈیلی میل مین یہ مضمون زیر بحث ہے کہ آیا پادریون اور کلیسیا کے عہدیدارونکو یہ حق پہونچتا ہے کہ وہ بائیبل کے کلام الہی ہونے پر بحث کرین اس خط وکتابت کے متعلق جو اس سوال کے جواب مین چھپ رہی ہے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۲- ستمبر کے پرچے مین لکھتا ہے۔

”بعض کلیسیا کے عہدیدار یہ کہنے کی جرات کرتے ہین کہ بیشک بائیبل کو زیر بحث لانا انکا کام ہے۔ بالمقابل وہ لوگ ہین جو اس خیال سے مجنونونکی طرح ہورہے ہین کہ خود کلیسیا کے عہدیدار ہی اس کفر کے کام کو شروع کرین۔ مگر زیادہ تر غضب اسبات پر عام لوگونکو آرہا ہے۔ وہ کہتے ہین کہ کلیسیا کے عہدیدار اپنے عہدونپر مامور ہونیسے پہلے جو قسم اٹھاتے ہین اور جسمین وہ یہ اقرار کرتے ہین کہ ہم سچے دل سے نئے اور پرانے عہدنامے کی تمام کتابونپر ایمان لاتے ہین۔ یہ قسم انکو اسبات سے روکتی ہے کہ وہ ان کتابونکے ایک حرف پر بھی سوال کرین۔ انہی تحریرونمین کہین کہین جو اتفاقی ذکر آگیا ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کلیسیا کے بڑے بڑے معزز عہدیدارونکی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو اسبات پر زور دے رہے ہین کہ بائیبل کے معنے کرنے مین بہت آزادی سے کام لینا چاہیئے چنانچہ کینن ہنسن نے کہا ہے کہ انجیل سے جو شہادت مسیح کے جسمانی طور پر دوبارہ جی اٹھنے کی معلوم ہوتی ہے وہ بالکل فضول اور نکمی ہے۔ ایک بہت بڑا فاضل ڈاکٹر سینڈے اسبات سے انکار کرتا ہے کہ مسیح کی آزمایش کے جو واقعات اناجیل مین درج ہین وہ تاریخی طور پر صحیح بھی ہین۔ برمنگھم کا بشپ کہتا ہے کہ اس بات پر ایمان لانا ضروری نہین کہ مسیح کنواری سے پیدا ہوا۔ ونچسٹر کا لاٹ پادری کہتا ہے کہ حواریونکے متعلق جو زبانون والا قصہ مشہور ہے اسکی صحت مین بہت بھاری شکوک ہین۔ اس سے بھی بڑھکر

بنگھم کا بشپ یہ کہتا ہے کہ الہام الٰہی میں پیشگوئی کی غلطی واقع ہو سکتی ہے"۔
ان لوگوں کے درمیان جو کہتے ہیں کہ پادریوں اور کلیسیا کے عہدیداروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بائبل پر نکتہ چینی کریں۔ بشپ ولڈن ہے جو کسی زمانہ میں کلکتہ کا لاٹ پادری تھا جو کہتا ہے کہ اس قسم کے حملے جیسے مثلاً انسکلوپیڈیا ببلیکا میں کئے گئے ہیں گویا مسیح کی خدائی سے انکار ہے۔ ایسا ہی ایک اور مشہور پادری صاحب ہیں جو کہتے ہیں کہ ان حملوں کو جو بائبل پر کئے جاتے ہیں۔ برہمن پروہت۔ مسلمان علماء اور بدھوں کے لامے بڑے شوق سے دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے اپنے عہدیدار کس طرح اپنے ہی مذہب کو اپنے ہی ہاتھوں سے تباہ کر رہے ہیں۔
میں بھی کہتا ہوں کہ واقعی عیسائی مذہب کے زوال کی یہ عظیم الشان خوشخبری ہے۔ کہ خود وہی لوگ جن کا فرض ہے کہ وہ اس کی حمایت کریں اس کی بیخکنی کے درپے ہیں۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ کلیسیا کے عہدیدار یہ قسم کھا چکے ہیں کہ وہ مروج عقاید کے خلاف کوئی حرف منہ سے نہ نکالیں گے اسکا جواب یہ ہے کہ اس معاہدہ کے وقت انکو صحیح حالات عیسائی مذہب کے معلوم نہ تھے پس انکا حق ہے کہ جب اصل واقعات معلوم ہوں تو معاہدہ کو فسخ سمجھیں۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۴۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ رؤیا میں دیکھا۔ کہ ایک لفافہ ہے جس میں کچھ پیسے ہیں کچھ پیسے اس میں سے نکل کر باہر سامنے بھی پڑے ہیں اس کے بعد الہام ہوا "تیرے لئے میرا نام چمکا"۔ فرمایا۔ اس الہام سے پہلے اگرچہ خواب میں پیسے دیکھے گئے۔ جو کسی جھگڑے یا غم پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر وحی الٰہی صریح لفظوں میں دلالت کرتی ہے۔ کہ اسکے بعد کوئی نشان ظاہر ہوگا جسکے ذریعہ سے خدا تعالیٰ اپنے نام اور اپنی ہستی کو لوگوں پر ظاہر کرے گا۔

۲۰۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ فرغ عیسیٰ ومن معہ۔

۲۲۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ چند آدمی سامنے ہیں ایک چادر میں کوئی شئے ہے ایک شخص نے کہا کہ یہ آپ لے لیں دیکھا تو اس میں چند مرغ ہیں اور ایک بکرا ہے میں ان مرغوں کو اٹھا کر اور سر سے اونچا کر کے لے چلا۔ تاکہ کوئی بلی وغیرہ نہ پڑے راستہ میں ایک بلی ملی جسکے منہ میں کوئی شئے مثل چوہا ہی مگر اس بلی نے اس طرف توجہ نہیں کی اور میں ان مرغوں کو محفوظ لیکر گھر پہنچ گیا۔

۲۳۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ پہاڑ گرا۔ اور زلزلہ آیا۔

۲۳- اگست ۱۹۰۵ء - رؤیا - دیکھا کہ مَیں ایک جگہ کھڑا ہوں - آگے ایک پردہ ہے - پردہ کے پیچھے سے آواز آئی - ''تو جانتا ہے مَیں کون ہوں - مَیں خدا ہوں جس کو چاہتا ہوں عزت دیتا ہوں جس کو چاہتا ہوں ذلت دیتا ہوں''

۲۶- اگست ۱۹۰۵ء - دیکھا کہ ایک شخص سامنے کھڑا ہے اُسنے نہایت زور کے ساتھ قلم چلایا - جیسا کہ کوئی دیا سلائی رگڑتا ہے اور اس کے قلم کے لکھنے کی آواز بھی آئی - اُس نے لکھا - شاھت الوجوہ - فرمایا - اسکے معنے ہیں - دشمنوں کے منہ کالے ہوگئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی عظیم الشان نشان کے ذریعہ سے دشمنوں کو رُوسیاہ کرنا چاہتا ہے -

۳۰- اگست ۱۹۰۵ء - مولوی عبد الکریم صاحب کی گردن کے نیچے پُشت پر کاربنکل ہوگیا جسکو چیرا دیا گیا اور چونکہ قریب ایک سال سے حضرت مولنا مخدوم مرض ذیابیطس میں مبتلا تھے - کاربنکل کی حالت بہت ہی نازک ہوگئی - فرمایا مَیں نے انکے واسطے رات دُعا کی تھی - رؤیا میں دیکھا کہ ''مولوی نور الدین صاحب ایک کپڑا اوڑھے بیٹھے ہیں - اور رو رہے ہیں'' فرمایا - ہمارا تجربہ ہے - کہ خواب کے اندر رونا اچھا ہوتا ہے - اور میری رائے میں طبیب کا رونا مولوی صاحب کی صحت کی بشارت ہے

۳۰- اگست ۱۹۰۵ء - (۱) رؤیا دیکھا کہ میرے ہاتھ میں چابیاں ہیں ایک صندوق کھولنے کا ارادہ ہے فرمایا - اسمیں اشارہ

۳۱- اگست ۱۹۰۵ء - نماز پڑھ رہے تھے اور سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ والعصر پڑھنا تھا - اتنے میں غنودگی ہوکر سورۃ والعصر کی جگہ بڑے زور سے زبان پر یہ سورۃ بطور الہام جاری ہوئی اذا جاء نصر اللہ والفتح -

نصف رات سے فجر تک مولوی عبد الکریم صاحب کیلئے دعا کی گئی - صبح کے بعد جب سویا - تو یہ خواب آئی

مَینے دیکھا کہ عبد اللہ سنوری میرے پاس آیا ہے اور وہ ایک کاغذ پیش کر کے کہتا ہے کہ اس کاغذ پر مَینے حاکم سے دستخط کرانا ہے اور جلدی جانا ہے - میری عورت سخت بیمار ہے - اور کوئی مجھے پوچھتا نہیں دستخط نہیں ہوتے اسوقت مَینے عبد اللہ کے چہرہ کی طرف دیکھا تو زرد رنگ اور سخت گھبراہٹ اسکے چہرہ پر ٹپک رہی ہے - مَینے اسکو کہا کہ یہ لوگ روکھے ہوتے ہیں نہ کسی کی سپارش مانیں اور نہ کسی کی شفاعت - میں تیرا کاغذ لیجاتا ہوں آگے جب کاغذ لیکر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص مٹھن لال نام جو کسی زمانہ میں بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھا کرسی پر بیٹھا ہُوا کچھ کام کر رہا ہے اور گرد اس کے عملہ کے لوگ ہیں مَینے جاکر کاغذ اسکو دیا اور کہا کہ یہ ایک میرا دوست ہے اور پُرانا دوست ہے اور واقف ہے اسپر دستخط کردو - اسنے بلا تأمل اسی وقت لیکر دستخط کر دیئے - پھر مَینے واپس آکر وہ کاغذ ایک شخص کو دیا اور کہا خبردار ہوش سے پکڑو - ابھی دستخط کیلئے ہیں اور پوچھا کہ عبد اللہ کہاں ہے انہوں نے کہا کہ کہیں باہر گیا ہے - بعد اسکے آنکھ کھل گئی اور ساتھ پھر غنودگی کیحالت ہوگئی تب مَینے دیکھا کہ اسوقت میں کہتا ہوں - مقبول کو بلاؤ اس کے کاغذ پر دستخط ہوگئے ہیں - یہ جو مٹھن لال دیکھا گیا ہے - ملائک طرح طرح کے تمثلات اختیار کر لیا کرتے ہیں - مٹھن لال سے مراد ایک فرشتہ تھا سنوری سے یہ مراد ہے کہ سنوار نیوالا

۱- ۳ اگست ۱۹۰۵ء - بعد از ظہر الہام ہُوا - ارنی زلزلۃ الساعۃ

۲ ستمبر ۱۹۰۵ء سینتالیس سال کی عمر۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس سے دوسرے دن ۳ ستمبر ۱۹۰۵ء کو ایک شخص کا خط آیا جس نے اپنی بدکاریوں اور غفلتوں پر نہایت افسوس کی تحریر کر کے لکھا کہ اب میری عمر سینتالیس سال کی ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ فرمایا کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جو خط باہر سے آنیوالا ہوتا ہے اُس کے مضمون سے پہلے ہی سے اطلاع دیجاتی ہے۔ ۴ ستمبر ۱۹۰۵ء مَاکَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ ۷ ستمبر ۱۹۰۵ء ایک کاغذ دکھایا گیا جیسا کہ منی آرڈر کا فارم ہوتا ہے اور سامنے اسکے پاس روپے رکھے ہوئے ہیں (اس کشف کے تھوڑی دیر بعد پندرہ روپیہ کا ایک منی آرڈر آیا) ۲۔ ایک کاغذ دکھائی دیا اُس پر لکھا ہوا تھا "آتش فشاں"۔ ۳۔ پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اُس پر لکھا تھا "نامراد"۔ ۵۔ پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اُس پر لکھا تھا "ردّ بلا"۔ ۷ ستمبر ۱۹۰۵ء قُتِلَ خَیْبَۃً وَّ اَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ۔ ۸ ستمبر ۱۹۰۵ء (۱) کفن میں لپیٹا گیا (۲) اِذَا جَآءَ اَفْوَاجٌ وَّ سَمٌّ مِّنَ السَّمَآءِ (۳) اِنَّ الْمَنَایَا لَا تَطِیْشُ سِھَامُھَا۔ موت کا تیر خطا نہیں جاتا۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی بیماری کا ذکر کرتے ہوئے ۹ ستمبر کو فرمایا کہ مجھے بہت ہی فکر تھا کہ بعض الہامات تو ان میں خوش ہیں۔ آج صبح بہت سوچنے کے بعد میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ بعض وقت ترتیب کے لحاظ سے الہامات پہلے یا پیچھے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان الہامات کی ترتیب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالی کہ ایسے الہامات جیسے اِذَا جَآءَ اَفْوَاجٌ وَّ سَمٌّ مِّنَ السَّمَآءِ اور کفن میں لپیٹا گیا اور اِنَّ الْمَنَایَا لَا تَطِیْشُ سِھَامُھَا یہ اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ قضاء و قدر تو ایسی ہی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و رحم سے ردّ بلا کر دیا۔* ۱۰ ستمبر نماز صبح کے وقت رؤیا۔ "ایک جگہ ایک بڑی حویلی ہے اسکے آگے ایک بڑا چبوترہ ہے جسکی کرسی بہت بلند ہے اُس پر مولوی عبدالکریم صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے دروازہ پر بیٹھے ہیں اسجگہ میں ہوں اور پانچ چار اور دوست ہیں جو ہر وقت اسی فکر میں رہتے ہیں میں نے کہا مولوی صاحب میں آپکو آپکی صحت کی مبارکباد دیتا ہوں اور پھر میں رو پڑا اور میرے ساتھ کے دوست بھی رو پڑے اور مولوی صاحب بھی رو پڑے پھر میں نے کہا دعا کرو اور دعا میں تین دفعہ سورہ فاتحہ پڑھی۔ فرمایا اس خواب کے تمام اجزا مولوی صاحب کی صحت کی بشارت دیتے ہیں سورہ فاتحہ کے پڑھنے کی تعبیر بھی یہی ہے کہ انسان کوئی ایسا امر دیکھے جو اُسکو خوش کرنیوالا ہو۔ اور فرمایا جو الحمد خواب میں پڑھتا ہے اُسکی دعا قبول ہوتی ہے۔ ۲۱ ستمبر۔ "دو شہتیر ٹوٹ جائیں گے"۔ اس کے بعد زور سے یہ الہام ہوا۔ اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ

نوٹس

باوجود بار بار تاکید کے خریداران اس طرف توجہ نہیں کرتے کہ خط و کتابت کرتے وقت اپنے نمبر کا حوالہ بھی دیں اور پھر دفتر کیطرف سے اگر جواب میں یا تعمیل میں کچھ بھی توقف ہو تو اظہار ناراضگی کرتے ہیں۔ لہذا سب صاحبان کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت میں اپنے نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ اور اسکا آسان طریق یہ ہے کہ جب انکے پاس رسالہ پہونچے تو اس کی چٹ کو پھاڑ کر پھینکیں نہیں بلکہ اسے رسالہ کے اندر رکھ لیں اور جب کبھی خط و کتابت کی ضرورت ہو تو اس چٹ سے نمبر کا حوالہ دیدیا کریں۔

الملتمس۔ محمد علی مینیجر ریویو آف ریلیجنز

لکھی تھی * نوٹ: ۱۰ ستمبر تک کاربنکل کی حالت بہت خراب تھی کیونکہ باوجود تین بار چیرا جانیکے کاربنکل بڑھ رہا تھا مگر خدا کا شکر ہے کہ اس رؤیا کے بعد صحت کے آثار شروع ہو گئے۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک+

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

شکریہ معاونین

بوجہ عدم گنجایش جولائے ۱۹۰۵ء سے پیشتر کے نام درج نہیں ہوسکے ۔ جولائی اگست میں جن احباب کی جانب سے
زراعانت پہونچا یا جنھوں نے خریدار پیدا کرکے بہم پہونچائے اُن کے اسماء بقیدر قم عطیہ و تعداد خریداران کے
خاص شکریہ کے ساتھ درج ذیل کئے جاتے ہیں آیندہ ہر ماہ کے اعانت کنندگان و جدید خریدار پیدا کرنیوالوں
کے نام دوسرے ماہ کے پرچہ میں جائز شکریہ کے ساتھ برابر درج ہوتے رہیں گے (اعانت بھیجنے والے احباب)
(۱) ایک احمدی از لدھیانہ ماہوار (۲) جماعت لاہور (۳) میاں عبداللہ کھرل ایک
نمبر (۴) ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور (۵) ڈاکٹر سید جلال صاحب
بربرا افریقہ (۶) چودھری رستم علی صاحب انبالہ (۷) ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اسسٹنٹ
سرجن پنڈی گھیپ (۸) جناب محمد صدیق ولد محمد یوسف صاحب کپورتھلہ (۹) میاں محمد
حسین صاحب لائل پور (۱۰) جماعت منی پور (۱۱) سیٹھ سید موسیٰ منی پور آسام نے
(۱۲) بابو برکت علی صاحب شملہ (۱۳) منشی عبدالعزیز صاحب متھرا (۱۴) محمد اکبر صاحب
مروان (۱۵) نصر اللہ خان صاحب پلیڈر سیالکوٹ (۱۶) چودھری حیال خان صاحب
محرر جوڈیشل سیالکوٹ بتقریب تولد فرزند کی خوشی میں دیا جو ایک نہایت تحریک کی بنیاد ہے) (۱۷)
مولوی محمد صدیق صاحب حکیم صدر شاہ پور (۱۸) بابو محمد الٰہی کوہاٹ (۱۹) ۔ اخیار علی
کوہاٹ (۲۰) میاں عزیز بخش تیجہ (۲۱) مولوی فضل حق صاحب پٹیالہ (۲۲)
حکیم محمد عمر فیروز پور (۲۳) مولوی محمد حسین صاحب معہ برادر پرم جیت پور (۲۴) جناب
مصطفیٰ خان فیروز پور (۲۵) محمد ابراہیم صاحب بمبئی (۲۶) مولوی محمد عبداللہ صاحب
پٹیالہ (۲۷) منشی نصر اللہ خان صاحب حیران (۲۸) اسمٰعیل آدم بمبئی (۲۹) ماسٹر
ہدایت اللہ صاحب جہلم باقی آیندہ (خریدار پیدا کرنے والے احباب) (۱) سید محمد علی شاہ
صاحب مدرس پہلہر ۳ (۲) حافظ محمد اسحاق صاحب احمدی قادیان ۳ (۳) منشی غلام نبی صاحب بھیرا ۲
(۴) سید لعل شاہ صاحب برقا نوشہرہ ۲ (۵) میاں امام الدین سیکھواں ۲ (۶) مرزا یعقوب بیگ
صاحب اسسٹنٹ سرجن شاہ پور ۲ (۷) ماسٹر عبدالرحیم صاحب اکوہ ۲ (۸) محمد وزیر خان صاحب
پیگو ۲ (۹) محمد عجب خان صاحب تحصیلدار میراں شاہ ۲ (۱۰) غلام محمد صاحب میرٹھ ۲ باقی آیندہ

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ❖ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۵ء نمبر ۱۰

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو منیجر صاحب میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ

فزع عیسیٰ ومن معہٗ

اس الہام الٰہی سے بڑھ کر کوئی الفاظ اس سانحہ جانگداز کی حقیقت کو بیان نہیں کر سکتے جو ۱۱ اکتوبر کو بدھ کے روز پیش آیا۔ جس دن یہ الہام سنایا گیا یعنی ۲۱ اگست ۱۹۰۵ء اسی دن حضرت مخدوم و مکرم مولوی عبدالکریم صاحب غفر اللہ لہٗ کی گردن کے نیچے ایک چھوٹی سی پھنسی نمودار ہو گئی جو مولوی صاحب مرحوم کی مرض کی ابتدا تھی۔ اور ۵۱ دن کی مرض کے بعد ۱۱۔ اکتوبر بدھ کے روز ½ ۲ بجے دن کے حضرت مرحوم سینتالیس سال کی عمر میں بموجب الہام الٰہی سینتالیس سال کی عمر انا للّٰہ وانا الیہ راجعون اس دار ناپائدار سے انتقال فرما کر حیات ابدی میں جا داخل ہوئے۔ اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم منزلہ ووسع مدخلہ۔ اس لمبی مرض کے اثنا میں کئی دفعہ صحت کا رنگ آیا اور پھر مرض کا عود ہوا اور آخر کار ذات الجنب کے حملہ سے جس میں ۱۰۶ درجہ کا بخار ہو گیا جان سپرد خدا کی۔ صحت کا ہو جانا اور پھر بار بار بیماری کا عود کرنا گویا اس تردد کی ایک صورت تھی۔ جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے کبھی ایسا تردد نہیں ہوتا۔ جیسا مومن کی قبض روح میں تردد ہوتا ہے مومن کی زندگی نفسانی خواہشات یا دنیا کی محبت کے لئے تو ہوتی نہیں بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے جلال کو پھیلانے کے لیے ہی دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے اور محض اسی غرض کیلیے چاہتا ہے کہ اسے عمر دیجاوے لیکن جب موت کا وقت آجاتا ہے اور تقدیر مبرم آجاتی ہے تو پھر آخر اسے سفر آخرت کیلیے چلنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جن احباب کو ایام بیماری میں حضرت مرحوم کی خدمت کا موقعہ ملا ہے انہوں نے یہی لفظ آپکے منہ سے سنے کہ فلاں مضمون میرے سر میں ہے اگر خدا توفیق اور صحت دے تو اسے لکھا جائے۔ یہی سچی مومنانہ زندگی کا ایک نقشہ ہے اور خدا نے آپکے ساتھ وہی معاملہ کیا جو وہ اپنے اولیاء کرام سے کرتا ہے ورنہ اس تیز ذیابیطس کے ساتھ جو ایک سال سے زور پکڑ گیا تھا۔ کاربنکل اسقدر مہلت نہیں دیتا چہ جائیکہ اچھا ہو جائے۔ حضرت مولوی صاحب مرحوم کی صحت کی حالت ایکدفعہ تو ایسی ہو گئی کہ فرمانے لگے کہ اب تو میں دو چار دن میں چلنے پھرنے لگونگا اب خوب طاقت آگئی ہے اور گردن پر تو اب کچھ معلوم بھی نہیں ہوتا دراصل گردن کا کاربنکل بہت اچھا ہو گیا تھا۔ اور زخم بھر گیا تھا مگر ساتھ ہی اسکے مرحوم ہر وقت موت کیلیے بھی تیار رہتے تھے اور ایک لمحہ بھی اسطرف سے غافل نہیں ہوئے ان درمیانی صحت کے وقفوں کی اطلاع بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو رؤیا میں ہوتی رہی۔ مگر تقدیر مبرم وہی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ اذا جاء افواج وسمع من السماء۔ یعنی جب آسمان سے فوجیں اور زہر آچکی۔ اور پھر اسکے ساتھ ہی تھا۔ کفن میں لپیٹا گیا۔ اور پھر یہ کہ ان المنایا لا تطیش سہامہا۔ یعنی موت کا تیر خطا نہیں جاتا۔ یہ سب معہ الہام سینتالیس سال کی عمر انا للّٰہ وانا الیہ راجعون تقدیر مبرم کی خبریں تھیں۔ ج۔م۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

غلامی

۴ - غلام بنانے کا رواج

اس بحث کے بعد جو گذشتہ اشاعتوں میں ہو چکی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اسلام نے غلامی کے رواج کو ہمیشہ کیلیے اپنا جزو لازمی قرار دیدیا ہے یا کہ اسکا منشاء غلامی کو موقوف کرنیکا پایا جاتا ہے اسلام میں غلاموں کی تدریجی آزادی پر بحث کرتے ہوئے مینے یہ ثابت کیا تھا کہ تدریجی آزادی کے اصول کو قایم کرنا...سوسائیٹی کے امن اور اس کی بہتری کیلیے نہایت ضروری امر تھا اسلیے اس حد تک اسلام کو غلامی کے جاری رہنے کی اجازت دینی پڑی جبتک آہستہ آہستہ تمام غلاموں کے آزاد ہو جانیسے بغیر سوسائیٹی کے امن میں مخل ہونیکے غلامی خود ہی دنیا سے اٹھ جائے۔ یہ بھی مینے ثابت کیا ہے کہ اگرچہ غلامی کا رواج تو یکدفعہ ہی موقوف نہیں کیا گیا مگر جسقدر مضرات اس رواج سے قدیم سوسائیٹی میں پیدا ہوتے تھے ان تمام کو اسلام نے یکقلم ہی موقوف کردیا۔ اس سوال کا مختصر سا جواب ہے جو مینے شروع میں کیا ہے اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ قرآن شریف یا حدیث شریف میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ اسلام نے غلامی کو ہمیشہ کیلیے رواج دیا۔ صرف اس بات سے کہ غلاموں کا ذکر قرآن شریف میں ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غلامی اسلام کیلیے لازمی ہے یہ کیسی بیہودہ دلیل ہے کہ چونکہ قرآن شریف غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیتا ہے یا غلاموں سے حسن سلوک کیلیے تاکید فرماتا ہے یا بعض حالتوں میں آزاد مردوں کو اجازت دیتا ہے کہ لونڈیوں کو بیبیاں بنالیں اس لیے اسلام کے اصول کے رو سے یہ ضروری ہے کہ ان احکام کے پورا کرنیکے لیے غلامی کے رواج کو ہمیشہ کیلیے جاری رکھا جاوے۔

درحقیقت یہ بڑی غلطی ہے یا یہ کہنا چاہیئے کہ مذہبی تعصب کیوجہ سے شرارت ہے جو یہ کہا جاوے کہ

اسلام نے غلامی کو اپنا ایسا جزو لازمی قرار دیدیا ہے کہ اب وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتی یہ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ اسلام نے غلاموںکے آزاد کرنے کا حکم تو دیا مگر آیندہ کیلیے غلام بنانیکے رواج کو بند نہیں کیا۔ یہ بڑی غلطی ہے جنگوں کو الگ چھوڑ کر جسکا ذکر میں ابھی کرونگا۔ کوئی مثال ایسی نہیں پائی جاتی کہ جس طرح پُرانی قوموں میں زبردستی پکڑ کر یا فروخت کے ذریعہ سے آزاد آدمیونکو غلام بنایا جاتا تھا اسلام نے بھی ایسا کیا ہو۔ نہ ہی قرآن شریف یا حدیث سے اس طریق کا جواز معلوم ہوتا ہے نہ کوئی اس قسم کا حکم شریعت اسلامی میں ہے اور نہ ہی اجازت ہے کہ تم آزاد آدمیونکو زبردستی پکڑ کر یا اور طرح سے فروخت کرکے انکو غلام بنا لیا کرو جس صورت میں غلاموںکے متعلق انکی آزادی اور نیک سلوک اور انکے نکاح اور انکی سزاؤں وغیرہ کے سب احکام موجود ہیں تو یہ نتیجہ بالکل صحیح ہے کہ اگر اسلام کے نزدیک فروخت وغیرہ کے ذریعے غلام بنانا جایز ہوتا تو اسکے احکام بھی قرآن شریف میں ہونے چاہیئے تھے اور اس قسم کے احکام کے نہ ہونیسے یہ صاف پایا جاتا ہے کہ اسلام کے نزدیک آزاد لوگونکو غلام بنانا جایز نہ تھا۔

پھر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر اسلام نے غلام بنانے کی اجازت نہیں دی تو پھر اس طریق سے روکا بھی نہیں۔ یہ عذر بھی غلط ہے۔ غلام کو آزاد کرنا یا آزاد کو غلام بنانا دو ایسے فعل ہیں جو ایک دوسرے کے بالمقابل پڑے ہوئے ہیں اور اگر کوئی شخص ان میں سے ایک کو اچھا سمجھتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ دوسرے کو برا سمجھے۔ اب ہر ایک طالب حق کو چاہیئے کہ خود قرآن شریف کو پڑھ کر دیکھ لے کہ ان میں سے کس فعل کو محمود قرار دیکر قرآن شریف نے اسکی ترغیب دی ہے اگر قرآن کریم غلاموںکے آزاد کرنیکو اسقدر نیکی اور ثواب کا کام بیان نہ کرتا بلکہ معمولی طور پر یہی کہدیتا کہ غلاموں کو آزاد کردینا بھی جایز ہے تو بیشک یہ نتیجہ صحیح نہ ہوتا کہ اسکی تعلیم کی رو سے آزاد کو غلام بنانا برا فعل ہے مگر غلاموںکے آزاد کرنیکو اسلام نے ہر ایک مسلمان کا جسکے پاس غلام ہوں مذہبی فرض قرار دیا ہے اور اس فعل کو اعلے درجہ کی نیکی اور ثواب کا کام قرار دیا ہے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آزاد کو غلام بنانا اسلام کے نزدیک ایک مذموم اور گناہ کا فعل ہے۔ اس بات کو اور صاف کرنیکے لیے میں ان آیات کا حوالہ دونگا جن میں غلاموںکے آزاد کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ سب سے اول یہ حکم سورۃ البلد میں نازل ہوا ہے جہاں اللہ تعالی انسان پر اپنی بڑی بڑی نعمتوںکا ذکر کرکے فرماتا ہے۔ فلا اقتحم العقبۃ وما ادرٰک ما العقبۃ۔ فک رقبۃ او اطعٰم فی یوم ذی مسغبۃ یتیما ذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ۔ یعنی ہمنے تو اسقدر نعمتیں انسان کو دے رکھی ہیں مگر پھر بھی وہ ایسا ناشکر گذار ہے کہ ایک دشوار گذار راہ کو طے نہیں کرتا اور اس دشوار گذار راہ کا طے کرنا کیا ہے؟ غلام کو آزاد کرنا یا بھوک کے دن یتیم رشتہ دار یا محتاج خاک نشین کو کھانا کھلانا۔ اب اس بات کو چھوڑ کر کہ جو شخص باوجود مقدرت کے غلام کو آزاد نہیں کرتا یا اس حکم کے بموجب یتیم یا مسکین کو کھانا نہیں کھلاتا وہ خدا کے نزدیک کیسا سمجھا جاویگا۔

اتنی بات بالکل صاف ہے کہ جو شخص اس حکم کی صریح خلاف ورزی اس طرح کرتا ہے کہ آزاد کو غلام بناتا ہے یا ایک محتاج اور یتیم کو بجائے کھانا کھلانیکے اسکا کھانا اس سے چھین کر اسکو بھوکا مارتا ہے وہ خدا کے نزدیک یقیناً بڑا گنہ گار ہے۔ ایسا ہی سورۃ بقرہ میں اللہ تعالے فرماتا ہے کہ حقیقی نیکی جو انسان کو خدا کی نظر میں برگزیدہ بناتی ہے یہ ہے کہ انسان اللہ تعالے اور یوم آخر پر یقین کامل رکھتا ہو اور اپنا مال اللہ تعالے کی محبت کیلیے اپنے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنیوالوں اور غلاموں کے آزاد کرنیکے لیے دے۔ اور نماز ونکو قایم رکھے اور زکوۃ دے اور جب عہد کرے تو اس عہد کو پورا کرے وغیرہ وغیرہ۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ انہیں سے ایک حکم یعنی غلاموں کے آزاد کرنیکے عین الٹ اس طرح پر چلنا جایز ہے کہ آزاد کو غلام بنایا جاوے تو اسکو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ باقی سب احکام کے الٹ چلنا بھی قرآن شریف کے نزدیک جایز ہے جنکو اسجگہ حقیقی نیکی کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں کو مال دینے کی بجائے انکا مال چھین لیا کرے یا نماز کو قایم کرنے کی بجائے اور ونکو بھی اس سے روکے یا عہد کر کے عمداً عہد کو توڑا کرے وغیرہ وغیرہ۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ قرآن شریف غلام کے آزاد کرنیکو گناہ کا کفارہ قرار دیتا ہے پس یہ خود ظاہر ہے کہ آزاد کو غلام بنا لینا اسکے نزدیک گناہ ہے اور پھر یہ تو حکم دیا گیا ہے کہ صدقات کے روپے کا ایک حصہ غلاموں کے آزاد کرنے میں صرف ہونا چاہیئے مگر یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ مسلمان گورنمنٹ انکو کچھ روپیہ باقاعدہ غلاموں کی خرید اور تجارت میں لگا رکھنا چاہیئے +

یہ تو قرآن شریف کے احکام ہیں جب ہم حدیث کو دیکھتے ہیں تو اس میں بھی ویسا ہی زور غلاموں کی آزادی پر دیا گیا ہے۔ کسی حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جس طرح جاہلیت کے زمانے میں یا دوسری قوموں کے نذر زبردستی پکڑ کر یا فروخت کے ذریعے غلام بنا لیے جایا کرتے تھے اسی طرح اسلام میں بھی کسی آدمی کو غلام بنا لیا گیا ہو۔ بلکہ ایک حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے منشاء کے مطابق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریق سے مسلمانوں کو روک دیا تھا چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قال اللہ ثلاثۃ انا خصمھم یوم القیامۃ رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرا فاکل ثمنہ (وفی حدیث عبد اللہ ابن عمر ورجل اعتبد محررا) ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ یعنی اللہ تعالے فرماتا ہے تین قسم کے لوگ ہونگے جنکے ساتھ قیامت کے دن میں جھگڑونگا۔ ایک وہ شخص جو میرے نام پر وعدہ کرتا ہے اور پھر اسے پورا نہیں کرتا۔ اور ایک وہ شخص جو ایک آزاد کو بیچتا ہے اور اسکی قیمت کھا جاتا ہے (اور عبد اللہ بن عمر کی حدیث میں ہے کہ وہ شخص جو آزاد کو غلام بناتا ہے) اور ایک وہ شخص جو ایک مزدور کو اجرت پر لگاتا ہے اور اس سے پوری محنت لیکر اسکی مزدوری اسکو نہیں دیتا۔ اس حدیث سے تائید کی شہادت اس امر کی ملتی ہے کہ آزاد کو غلام بنانا قرآن شریف

نے جایز نہیں رکھا۔ امام بخاری علیہ السلام نے اپنے مذہب کو اس عجیب رنگ میں بیان کیا ہے کہ اپنی کتاب صحیح بخاری میں غلاموں کے متعلق جو باب باندھا ہے اسکا عنوان باب العتق و فضلہ رکھا ہے یعنی غلاموں کے آزاد کرنے اور اسکی فضیلت کا بیان۔ اور کوئی باب ہی غلاموں کے متعلق اس نے نہیں باندھا۔ یہانتک کہ غلاموں کی خرید و فروخت کا بھی کوئی باب نہیں باندھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل۔ قرآن شریف اور حدیث کی تعلیم اور بخاری کا مذہب۔ انسے بڑھکر اور کونسی شہادت ہو سکتی ہے کہ اسلام کا اصلی مذہب اور اس کی سچی تعلیم کیا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ غلاموں کی آزادی کا حکم مکہ میں ہی نازل ہوا اور اصلاح کے مختلف پہلوؤں میں سے غلاموں کے آزاد کرنیکا پہلو ایسا تھا جسکو اسلام نے ابتدا میں ہی اختیار کیا۔ یہ تو امر واقع ہے مگر اسلام کے دشمن کہتے ہیں کہ جو ناجایز خرید و فروخت انسانوں کی بعض اسلامی ممالک میں آج کل ہو رہی ہے اسکے موقوف کرنیکے لیے اسلام کے اصول سے الگ ہونا پڑتا ہے گویا اسلام اسبات کی اجازت ہی نہیں دیتا کہ غلاموں کو آزاد کیا جاوے۔ ہر ایک شخص جو تحقیق کی نظر سے اس مسئلہ کو دیکھیگا وہ سمجھ سکتا ہے کہ مروجہ خرید و فروخت غلاموں کی ایسی ہی اصول اسلام کے خلاف ہے جیساکہ آج کل مذہب کی آڑ کے نیچے غیر مذہب والوں کا قتل جس کا نام جہاد رکھا جاتا ہے یا جیساکہ بعض مسلمانوں میں شراب خوری کا موجود ہونا۔ اسلام ان سب باتوں سے بیزار ہے

اس قدر بحث سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ جس قدر ذرایع انسانوں کو غلام بنانیکے اسوقت مروج تھے ان سب کو اسلام نے روکدیا۔ اب صرف قیدیان جنگ کے متعلق کچھ کہنا باقی ہے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اسلام کے جنگوں کا یہ منشا ہرگز نہ تھا کہ لوگوں کو غلام بنایا جاوے نہیں بلکہ اسلام کو جنگ ایک مجبوری کی حالت میں اختیار کرنا پڑا تھا۔ کیونکہ اسکے جنگ صرف دفاعی تھے۔ یا ابتدائی خلفا کے زمانے میں بعض جنگ مذہبی آزادی کو قایم کرنیکے لیے کیے گئے۔ مکہ میں تیرہ سال تک مسلمانوں کو پاؤں کے نیچے روندا گیا اور وہ جگہ بہ جگہ پناہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر کار مدینہ منورہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ مگر انکے خونخوار دشمنوں نے انکو اسجگہ بھی امن سے بیٹھنے نہ دیا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تند ہو کر ابنہوں نے اسلام کو بالکل نیست و نابود کرنیکے لیے تلوار ہاتھ میں لی۔ ان حالات کے باعث مسلمانوں کے لیے ضروری ہوا کہ اپنی حفاظت کے لیے بالمقابل جنگ کے لیے نکلیں۔ چنانچہ پہلی مٹ بھیڑ طرفین کی مقام بدر پر ہوئی جو مدینہ سے تین دن کا سفر ہے جمعیت کا یہ حال تھا کہ ایک مسلمان کے لیے تین کافر موجود تھے۔ اور اس سے بڑھکر یہ کہ مسلمانوں میں بہت سے نو عمر ناتجربہ کار نوجوان تھے اور قریش کا لشکر بڑے آزمودہ اور تجربہ کار جنگی جوانوں کا تھا۔ جو ہر طرح سے ہتھیاروں سے مسلح تھے اس ظاہر فرق کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو ان دو باتوں سے چارہ نہ تھا کہ یا تو وہ انکے ساتھ جنگ کریں اور یا اپنی جانوں کو انکے حوالے کر کے قتل ہونا پسند کریں اس مجبوری کی حالت میں یہ پہلا جنگ ہوا۔

مگر اللہ تعالے نے اپنے وعدہ کے مطابق دشمن کی سب طاقتوں کو پامال کر کے مسلمانوں کو فتح دی اس میں کوئی ستر کے قریب عمایدِ قریش مارے گئے اور قریباً ستر قید میں آئے۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب قیدیان جنگ مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہ قیدی معمولی جنگ کے قیدیوں کی طرح نہ تھے جنکا قصور سوائے اسکے کچھ نہ ہو کہ وہ شریک جنگ ہوئے ہوں۔ نہ ہی صرف اسیقدر انکا قصور تھا کہ وہ مسلمانوں پر چڑھکر اسلیے آئے تھے کہ انکو ہلاک کر ڈالیں اور انکا نام ونشان مٹادیں بلکہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں پر شدید ظلم اور بیرحمیاں کی تھیں اور بہتوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچا کر ہلاک کیا تھا۔ دنیا میں کوئی عدالت نہیں جو یہ فتوے نہ دے کہ وہ سب کے سب قابل قتل تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کا یہی خیال تھا اور انہوں نے یہی رائے پیش کی تھی کہ یہ سب قابل قتل ہیں اور انکو قتل کرنا چاہیئے مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ کی رائے یہ تھی کہ انکو فدیہ لیکر چھوڑ دینا چاہیئے اور اسی کے مطابق اس موقعہ پر عمل بھی ہوا یعنی سب فدیہ لیکر چھوڑ دیئے گئے۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی نظیر قایم ہوئی۔ اور اگرچہ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر کی رائے پر عمل کیا جاتا تو بہتر تھا کیونکہ آیندہ بہت سے فساد جو انہی لوگوں نے دوبارہ اٹھائے رک جاتے مگر جو عملدرآمد ہوا وہ یہی تھا کہ سب قیدیان جنگ رہا کر دیئے گئے۔ مگر انکے غلام بنانیکے متعلق نہ کسی نے رائے ہی دی اور نہ کوئی ایسی تجویز ہی ہوئی۔

ابھی تک قرآن کریم کا وہ حکم نازل نہ ہوا تھا جس میں قیدیان جنگ کا بالخصوص ذکر ہے اور جسکو میں پہلے کسی دوسرے موقعہ پر نقل بھی کر چکا ہوں جو ان الفاظ میں ہے کہ امامنًا بعد واما فداء یعنی جب جنگ ہولے تو جنکو تمنے اسیر کیا ہے انسے یہ سلوک ہونا چاہیئے کہ یا تو انکو احسان رکھکر چھوڑ دو اور یا فدیہ لیکر چھوڑ دو اس آیت شریفہ میں اللہ تعالے نے قیدیان جنگ کے متعلق ایک عام حکم دیا ہے جسپر اسلامی دنیا کو ہمیشہ کیلیے کاربند ہونا چاہیئے۔ قرآن کریم یہ نہیں فرماتا جیساکہ اسکے حق کے چھپانیوالے دشمن کہا کرتے ہیں کہ تم سب قیدیان جنگ کو فی الفور غلام بنالو بلکہ اسکی پاک تعلیم یہ ہے کہ انکو چھوڑ دو یا احسان رکھکر اور یا فدیہ لیکر۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس اعلے درجہ کے قانون کو جو اُسوقت کے مروج قانون کے بالکل خلاف ہے کوئی شخص بُرا کہہ سکے یا اسکے متعلق یہ کہہ سکے کہ یہ اب قابل عملدرآمد نہیں وحی الہی نے جسقدر قوانین باندھے ہیں وہ ہر زمانے میں اور ہر ملک میں قابل عملدرآمد ہیں اور متعصب سے متعصب دشمن بھی انپر حملہ نہیں کر سکتا۔ اب معترضین پر لازم ہے کہ وہ اسکے خلاف کوئی اور قانون جس میں بالخصوص قیدیان جنگ کا ذکر ہو قرآن کریم سے نکالکر دکھائیں یہی سچا قانون اسلام نے سکھایا ہے اور اس سے بہتر کوئی اور قانون تجویز نہیں ہو سکتا۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ کے بعض حالات کے رو سے اسلام کو کچھ اور قسم کی مشکلات درپیش تھیں جو مقامی اور عارضی تھیں اور اسلیے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکا علاج بھی مقامی اور عارضی ہی کیا قرآن کریم

کی تعلیم یہ تھی کہ قیدیان جنگ کو یا بطور احسان چھوڑدو اور یا کچھ فدیہ لیکر کیونکہ ہر صورت میں بطور احسان ہی انکو چھوڑ دینا مصلحت ملکی کا تقاضا نہ تھا۔ مگر اسجگہ مشکل یہ تھی کہ بعض اوقات مفتوح قوم یا مفتوح ملک اپنے قیدیوں کی پروا نہ کرکے فدیہ ادا نہ کرتے۔ یہ اسلام کیلیے ایک بڑی مجبوری تھی کیونکہ اگر کل کے کل احسان رکھکر ہی چھوڑا جاتا تو جو مشکلات اسلام کی راہ میں تھیں انکا کبھی خاتمہ نہ ہوتا۔ یہ ایک عارضی ضرورت پیش آگئی تھی اور اسکا عارضی علاج اسلام نے اسی ملک اور اسی زمانہ کے مطابق حال کیا۔ ایسے قیدیوں کو بجائے گورنمنٹ پر بوجھ ڈالنے کے مسلمانوں میں تقسیم کردیا جاتا جنکا یہ فرض تھا کہ انکو ایسی حالت میں رکھیں جس حالت میں وہ آپ رہتے تھے۔ یہ تو کوئی مخالف بھی نہیں کہیگا کہ وہ اپنی آزادی کو کھو نہ چکے تھے کیونکہ آج کل بھی اسیران جنگ کی آزادی تو چھین لیجاتی ہے۔ حالانکہ لڑائیاں بھی اس قسم کی مجبوری کی نہیں جیسی اسلام کو پیش آئی تھیں۔ مگر آزادی لینے کے سوا مسلمان اوران اسیران جنگ کو کوئی تکلیف نہ دیتے تھے۔ انکو باہر کھیتوں میں مزدوروں کی طرح کام کرنے نہ بھیجا جاتا تھا جس صورت میں کہ انکے آقا گھر میں آرام کررہے ہوں اور نہ ہی طاقت سے زیادہ انسے کام لیا جاتا تھا بلکہ ان رواجوں کو جو قدیم سوسائیٹی میں مروج چلے آتے تھے اسلام نے بکلی موقوف کردیا تھا۔ ہاں اس میں بھی شک نہیں کہ انکو بیکار چھوڑ کر نکمے بھی نہیں بنایا جاتا تھا۔ بلکہ کچھ کام بھی انکو کرنا ہوتا تھا۔ پر وہ دوسرے گھر کے لوگوں کی طرح ہی ہوتے تھے اور اپنوں کا سا ہی انسے سلوک بھی ہوتا تھا۔ اور یہ اختیار انکو ہر وقت حاصل تھا کہ فدیہ دیکر آزادی حاصل کرلیں +

ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ اصلاح جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شروع کی وہ تدریجی طور پر ترقی کرنیوالی اصلاح تھی اسنے ایک ایک کرکے تمام بدیوں کو انسانی سوسائیٹی سے دور کیا۔ یہانتک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیوی زندگی کے منقطع ہونیسے پہلے اس اصلاح کی ہر پہلو سے تکمیل ہوگئی۔ چونکہ آپ ہر ایک معاملہ میں اللہ تعالے کی وحی سے ہی کام کرتے تھے اسلیے آپ کسی رواج یا کسی بات کو بدلاتے نہ تھے جبتک وحی الہی کے ذریعہ آپکو حکم نہ پہونچے۔ چنانچہ قرآن شریف اور حدیث کے پڑھنے سے یہ بات صاف روشن ہے۔ اب جیسا کہ میں پہلے دکھا چکا ہوں غلامی کے کل دیگر ذرایع کو تو اسلام نے ابتدا میں ہی روک دیا تھا مگر اسیران جنگ کے متعلق جو حکم خصوصیت سے نازل ہوا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اخیری حصہ میں نازل ہوا۔ یہ حکم سورۃ محمد میں ہے اور یہ سورۃ فتح مکہ کے قریب قریب نازل ہوئی۔ اب اس سے پہلے عام رواج کل قدیم اقوام کے اندر اسیران جنگ کے متعلق یہ تھا۔ کہ وہ کل کے کل ہلاک کردیئے جاتے تھے یا غلام بنا لیے جاتے تھے پس اگر وحی الہی کے نازل ہونیسے پہلے ہمارے نبی کریم اس مسلم رواج پر عمل بھی کرتے تو وہ عین حق پر ہوتے مگر آپنے اسوقت بھی عموماً بڑی ہی نرمی سے کام لیا۔ اساری بدر کے متعلق میں دکھا چکا ہوں کہ کس طرح سب کے سب فدیہ لیکر آزاد کردیئے گئے۔ حالانکہ انہی لوگوں نے

پھر جنگوں میں مسلمانوں کو طرح طرح کے دکھ دیئے۔ انیس جنگوں میں سے جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کرنی پڑیں صرف دو میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسیران جنگ کو غلام بنایا گیا۔ اور یہ دونوں موقعے وحی الٰہی کے نازل ہونیسے پہلے پیش آئے اور ان میں واسطہ بھی یہود سے پڑا۔ ایک موقعہ پر بنی قریظہ سے مدینہ میں اور دوسرے موقعہ پر خیبر کی جنگ میں۔ باقی تمام لڑائیوں کے متعلق یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی اسیر بنائے بھی گئے۔ تو احسان رکھکر یا فدیہ لیکر انکو چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ کئی مثالیں اس کی پائی جاتی ہیں۔ ایک موقعہ پر چھ ہزار قیدی کو بغیر کسی فدیہ کے لینے کے چھوڑ دیا گیا۔ عربوں نے مسلمانوں پر اسقدر ظلم کیے تھے کہ مسلمانوں کو حق پہونچتا تھا کہ جب انپر غالب آویں تو انکو قرار واقعی سزائیں دیں چاہیں قتل کریں اور چاہیں غلام بنائیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے مسلمانوں کو ہلاک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا بلکہ جب داؤ لگتا یا بس چلتا تو نہایت بیرحمی سے غریب مسلمانوں کو مار ڈالتے ایک موقعہ پر دھوکہ دیکر ستر صحابیوں کو ان ظالموں نے قتل کر ڈالا۔ حالانکہ کہکر انکو یہ ساتھ لیگئے تھے کہ ہم ان سے دین سیکھنا چاہتے ہیں لیکن جب آخر کار خدا نے محض اپنی تائید اور نصرت سے جو ہمیشہ وہ صادقوں کو عطا کرتا ہے مسلمانوں کو ان ظالموں پر غالب کیا تو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جسکے وہ مستحق تھے۔ نہ ہی رواج کے مطابق ان سب کو پکڑ پکڑ کر غلام بنایا بلکہ ایک ایسی فراخ حوصلگی اور جوانمردی کے ساتھ جسکی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی جب یہ لوگ قید ہو کر آپکے پاس آتے تو آپ ان کو فدیہ لیکر یا احسان رکھکر چھوڑ دیتے۔

لیکن دو جنگوں میں جو یہود یونسے ہوئیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا سلوک اسیران جنگ سے اَور رنگ کا تھا۔ ان میں سے ایک موقعہ تو یہود بنی قریظہ کے ساتھ پیش آیا جنہوں نے دو دفعہ آپکے ساتھ خطرناک طور پر دغا بازی کر کے کل کے کل مسلمانوں کو ہلاک کرنا چاہا۔ انکے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ جو دغا بازی میں شامل تھے انکو قتل کیا کیا گیا اور باقی کو جن میں بچے اور عورتیں تھیں غلام بنایا گیا۔ اگرچہ غلام کا مفہوم اسلام میں قطعاً وہ نہیں جو دنیا کی دوسری قوموں میں تھا اور ہے مگر یہ قصور بھی یہود کا اپنا تھا اور خود اپنے لیے انہوں نے یہ سزا تجویز کی کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو اپنے متعلق منظور نہ کیا۔ بلکہ کہا کہ جو سعد بن معاذ ہمارے حق میں فیصلہ دیں وہ ہمکو قبول ہوگا۔ چنانچہ انہی کے فیصلہ کے مطابق یہ سلوک بنی قریظہ سے ہوا۔ دوسرے موقعہ پر جب خیبر فتح ہوا تو اسوقت جو اسیران جنگ ہاتھ لگے تھے انکو غلام بنایا گیا۔ اگرچہ یہ ثابت نہیں کہ انھوں نے فدیہ دینا چاہا ہو تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ کیا ہو۔ بلکہ بعض نظیروں سے یہ شہادت ملتی ہے کہ جنکے فدیہ کا کوئی انتظام ہو سکتا تھا انکو فدیہ لیکر آزاد کر دیا گیا۔ علاوہ فدیہ کے ان اسیروں کی آزادی کی اور بہت سی راہیں بھی کھلی تھیں جن کو میں گذشتہ اشاعت میں بیان کر چکا ہوں اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں موقعوں پر اسیروں کو ایسے طور پر غلام بنایا ہوتا کہ وہ

کبھی آزادی حاصل نہ کر سکیں تو ان میں سے کچھ غلام اخیر وقت تک آنحضرتؐ کے پاس یا ابوبکرؓ کے پاس بھی رہنے چاہیئے تھے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان دو نوں کے پاس کوئی غلام نہ تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اسیران جنگ کو بھی جو یہودیوں میں سے تھے جلدی بعد میں آزاد کر دیا گیا تھا +

یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہودیوں کے ساتھ آنحضرتؐ نے سختی کی اور اپنی قوم کے ساتھ نرمی کی۔ عرب امی لوگ تھے اور انکے ہاتھ میں کوئی شریعت نہ تھی جسکی بنا وحی الٰہی پر ہو۔ مگر یہودیوں کے پاس ایسی شریعت تھی پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکی اپنی شریعت کے مطابق انسے سلوک کیا بلکہ اس جگہ بھی نرمی کا پہلو ہی اختیار کیا۔ یہودی شریعت کے مطابق دشمن کو معہ انکے بچوں اور عورتوں کے ہلاک کر ڈالنا چاہیئے (دیکھو استثنا رباب ۱۳-۱۲ سے ۱۸ باب ۲۰- آیت ۱۶ و ۱۷۔ گنتی باب ۲۱- آیت ۳- قاضیوں باب ۱- آیت ۱۷ باب ۲۱- آیت ۱۰ سے ۱۲- یشوعا باب ۶ آیت ۲۴- اسموائیل باب ۱۵- آیت ۳ وغیرہ۔ اسی قانون کی ایک نرم صورت یہ تھی۔ کہ مردوں کو مار ڈالا جاوے اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جاوے (دیکھو استثنا رباب ۲۰- آیت ۱۰ سے ۱۴) اب سوچ لو کہ بنی قریظہ کے ساتھ جو سلوک ہوا اس میں الزام کس پر آتا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نہیں کیونکہ آپنے اس قوم کی شرائط کو منظور کر کے سعد بن معاذ کے فیصلے کے مطابق انسے سلوک کیا جسے وہ خود حکم مان چکے تھے۔ نہ ہی سعد بن معاذ پر کوئی الزام عاید ہو سکتا ہے کیونکہ انہوں نے یہودی شریعت کے نہایت نرم پہلو کے مطابق فیصلہ دیا۔ بلکہ اگر کوئی الزام آسکتا ہے تو خود یہودی شریعت پر جس میں اس سے بھی زیادہ سخت قانون موجود ہیں۔ ایسا ہی خیبر کے یہودیوں کے ساتھ بھی انکی اپنی شریعت کے نہایت نرم پہلو کے مطابق عمل کیا گیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ اس معاملہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کیا اعتراض ہے آپنے تو اسی شریعت کے مطابق انسے سلوک کیا جسے یہودی اسوقت تک منسوخ سمجھنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اور آپکی طبیعت کی نرمی اس سے ظاہر ہے کہ آپنے یہودی شریعت کے نرم سے نرم پہلو کو اختیار کیا۔ بلکہ اگر کچھ سختی اس سلوک میں سمجھی بھی جاوے تو اسکا ازالہ خود اسلامی شریعت سے ہو گیا۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال اور تعلیم سے اپنے ساتھیوں پر یہی نیک اثر ڈالا تھا۔ کہ وہ آہستہ آہستہ تمام غلاموں کو آزاد کرتے جاویں۔ وہ متعصب عیسائی جنہوں نے یہ شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک فعل پر اعتراض کریں اور دنیا کی نظر میں آپکی ذات کو قبیح کر کے دکھائیں تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر دیکھیں کہ ان دونوں موقعوں پر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر کوئی اعتراض نہیں آتا بلکہ اگر کوئی اعتراض ہے تو اس کتاب پر جس کی اشاعت وہ خود دنیا میں کر رہے ہیں یہودیوں پر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بلا وجہ چڑھائی نہیں کی بلکہ خود اپنی دغابازیوں سے انہوں نے اپنے آپ کو مجرم بنایا۔ اور اس جرم کی سزا انکو انکی اپنی شریعت کے مطابق دی گئی +

خدا کی شان ہے ان مجرموں کے وکلاء آج وہ لوگ بن رہے ہیں جنہوں نے خود لاکھوں یہودیوں کو بیگناہ قتل کیا اور انپر طرح طرح کے مظالم کیسے اور ابتک بھی کر رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت اسلام کے اصول جو قرآن کریم میں مندرج ہیں عام اور وسیع اصول ہیں جو ہر زمانہ اور ہر ملک کی حالت کے مطابق ہیں لیکن اگر کسی حکم کے وحی الہی میں نازل ہونیسے پہلے کوئی کام کیا گیا ہو تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا صریح غلطی ہے کہ یہی اسلام کا قانون ہے ہر ایک امر کے متعلق دیکھنا یہ چاہیئے کہ قرآن کریم اسبارے میں کیا حکم دیتا ہے اور اس حکم کے نزول کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل کیا رہا ہے مثلاً اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں میں بعض مثالیں شراب پینے کی پائی جاتی ہیں مگر اُنسے نیتجہ نہیں نکلسکتا کہ اسلام شراب کی اجازت دیتا ہے کیونکہ جیسا کہ مینے اوپر بھی کہا ہے اسلام کی اصلاح تدریجی تھی اور اصل حکم شراب کے متعلق وہ ہے جو قرآن کریم نے اس کی قطعی ممانعت کے بارے میں بیان فرمایا ہے ایسا ہی اسیران جنگ کے متعلق اسلامی شریعت کا حکم جو وحی الہی میں بیان فرمایا گیا ہے وہ فاما منا بعد واما فداء ہے۔

اب اس بحث سے ناظرین یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام نے عملی طور پر غلامی کے تمام ذرائع کو روکدیا اور پرانے غلاموں کی تدریجی آزادی کے لیے مختلف احکام نازل فرمائے اسیران جنگ کے متعلق حکم تو وہی تھا جو اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ مگر ایسی مجبوری کی حالتوں میں جب نہ وہ فدیہ دیں اور نہ ہی انکو احسان رکھکر چھوڑنا مصلحت وقت ہو اسوقت کے رواج کے مطابق انسے سلوک کیا جاتا تھا۔ پھر بھی وہ فدیہ دیکر ہر وقت آزادی حاصل کر سکتے تھے اور علاوہ اس کے وہ مختلف راہیں جو اسلام نے غلاموں کی آزادی کیلیے بتائی تھیں وہ سب بھی انکے لیے کھلی تھیں علاوہ ازیں انکے ساتھ غلاموں کا سا سلوک بھی نہ ہوتا تھا یعنی وہ اس قسم کے غلام نہ سمجھے جاتے تھے جیسے دوسری اقوام میں یا زمانہ جاہلیت کے عربوں میں پس جس صورت میں اسلام نے غلامی کی کل راہوں کو روکدیا اور انکی تدریجی آزادی کیلیے کئی راہیں کھولدیں تو کوئی اعتراض اسلام پر باقی نہیں رہتا۔ باقی رہے جنگ اور اسیران جنگ سو یہ کام ابتداءً اسلام نے شروع نہیں کیا بلکہ خود انہی لوگوں نے اول طرح طرح کے دکھ پہونچا کر آخر تلوار ہاتھ میں لیکر اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہا اس مجبوری کی حالت میں مسلمانوں کو بھی اپنی حفاظت کے لیے تلوار اٹھانی پڑی پس یہ لوگ تو خود آزادی کے حق کو کھوچکے تھے مگر انکے ساتھ بھی اسلام کا سلوک نہایت محسنانہ تھا اور باوجود اسکے کہ ان لوگوں نے ہر طرح سے اپنے آپکو قتل اور غلامی کا مستحق بنا دیا تھا پھر بھی شریعت اسلام نے انکی آزادی کا ہی حکم دیا۔ صرف استثنائی صورتوں میں بعض وقت جب ان لوگوں نے فدیہ دینے سے بھی انکار کیا تو پھر مسلمانوں کے لیے مجبوری تھی کہ وہ انکو غلام بناتے۔

یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں کے پاس کثرت سے غلام تھے

اس کی تردید تو یہی کافی ہے کہ انکے پیشوا اور رہبر کے پاس ایک غلام بھی نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ قبل از اسلام امراکے پاس غلاموں کی بڑی بڑی تعداد تھی مگر اسلام لانیکے بعد انہوں نے اپنے پیارے نبی کے نقش قدم پر چلکر کثرت سے غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔ غزوہ احزاب کے متعلق ایک حدیث لکھتے ہوئے امام بخاری علیہ السلام نے اتفاقاً یہ ذکر کیا ہے کہ مہاجرین اور انصار کے پاس کوئی غلام نہ تھا جس سے وہ مزدوری کا کام لے سکتے۔ خرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الی الخندق فاذا المھاجرون والانصار یحفرون فی غداۃ باردۃ فلم یکن لھم عبید یعملون ذالک لھم یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب خندق کیطرف نکلے تو آپکے صحابہ یعنی مہاجرین اور انصار ٹھنڈی صبح کے وقت خندق کھود رہے تھے اور انکے پاس غلام نہ تھے جو انکے لیے یہ کام کرتے۔ میںنے اصابہ کو جس میں صحابہ کے حالات لکھے ہیں اس غرض کیلیے پڑھنا شروع کیا تھا کہ ان میں کس قدر غلام تھے مگر افسوس ہے کہ کم فرصتی کی وجہ سے اس کام کو پورا نہ کر سکا۔ ۲۴۰ اصحابہ کے میںنے حالات پڑھے ان میں ایک بھی غلام کا ذکر نہیں ہاں تیرہ ایسے آدمیوں کا ذکر ہے جو پہلے غلام تھے اور پھر آزاد کر دیے گئے۔ (باقی آیندہ)

اسلام (۴)

بجواب پادری سیلؒ

اس حصہ مضمون میں میں اس کہانی پر بحث کروں گا جس کو عیسائی صاحبان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معاذ اللہ بت پرستی کی طرف عود کرنا یا بت پرستی کے ساتھ صلح کرنیکے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اگرچہ میں نے یہ سلسلہ مضامین سیل کے جواب میں ہی شروع کیا ہے مگر چونکہ سیل کی نسبت میور نے اس قصہ پر زیادہ زور دیا ہے اور جھوٹی دلیلیں دیکر اسے سچا کر کے دکھلانا چاہا ہے تاکہ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونے پر شکوک پیدا ہوں اس لئے اس بحث میں میور ہی زیادہ تر مد نظر ہوگا۔ میور جس نے اکثر تاریخ کو مد نظر رکھا ہے اس موقعہ پہ مذہبی تعصب نے اسے اجازت نہ دی کہ صحیح تاریخ اور معتبر روایات کے مقابل جھوٹے قصوں اور غیر معتبر یا وضعی روایتوں کو کوئی وقعت نہ دیتا۔ محدثین نے جو کوششیں ہر ایک حدیث کے پرکھنے کیلیے کی ہیں اور جس طرح ایک ایک راوی کے

متعلق انہوں نے بالتفصیل اس کی زندگی کے حالات معلوم کیئے ہیں تاکہ اسکا جھوٹا یا سچا یا کمزور ہونا دنیا پر کھلجائے اور اس تحقیقات میں کسی کی رعایت نہیں کی۔ ان سب کی کوششوں اور تنقید کو میور صاحب نے یہ بے بنیاد دعوے کر کے رد کرنا چاہا ہے کہ پچھلے زمانے کے مسلمانوں نے جب یہ محسوس کیا کہ بت پرستی کیطرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کھلے طور پر جھک جانا ایک بڑی شرم کی بات ہے تو انہوں نے کل کے کل قصہ کو ہی رد کردیا + افسوس ہے کہ پادری صاحب کے اس فقرے میں صداقت کی بو تک بھی نہیں۔ یہ ایک سیاہ جھوٹ ہے کہ مسلمانوں میں سے متقدمین تو اس قصہ کی صداقت کو مانتے چلے آئے تھے مگر متاخرین نے محض اس وجہ سے .... کہ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونے پر زد پڑتی تھی بغیر کسی تحقیقات کے اسے جھوٹا اور وضعی کہدیا۔ پادری صاحب کا یہ جھوٹ خود اس قصہ کے وضع کرنیوالوں سے کم نہیں +

میور نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ جن لوگوں نے اس قصہ کو سچ مانا ہے وہ ایسے معتبر اور مستند فاضل ہیں کہ ہم انکی کسی روایت کو رد نہیں کرسکتے اور سند کے طور پر واقدی اور طبری کا نام پیش کیا ہے۔ اگر میور کو حق جوئی کا کچھ بھی خیال ہوتا تو جہاں اس نے اپنے دیباچہ لائف میں بڑی تفصیل سے یہ لکھا ہے کہ ہمیں احادیث کو کسقدر وقعت دینی چاہیئے وہ اپنی کتاب میں بھی اس بات کا خیال رکھتا۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض وقت اسنے بہت ہی بے احتیاطی سے کام لیا ہے اور تنقید کے پہلو کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ تعجب ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات لکھنے بیٹھتا ہے اور روایت لینے میں واقدی اور طبری کو امام بخاری مسلم ابو داؤد اور بہت سے محققین پر ترجیح دیتا ہے اور انکی روایت کو موخر الذکر ائمہ کی روایت سے بہت زیادہ معتبر سمجھتا ہے۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ جہالت کیوجہ سے یہ پہلو اختیار نہیں کیا گیا بلکہ عمداً اس غرض سے کہ جس قصہ سے خواہ وہ سچا ہو اور خواہ جھوٹا کوئی زد خاتم النبیین کی نبوت پر پڑ سکتی ہے۔ اس قصہ کو بغیر تحقیق کے صحیح تسلیم کرلیا جائے۔ واقدی ایسا شخص نہیں جسکے حالات سے میور بے خبر رہا ہو۔ اب دیکھئے کہ محققین نے اسکو کس پایہ کا معتبر سمجھا ہے۔ میزان الاعتدال میں واقدی کے حالات کے نیچے لکھا ہے کہ ابن ماجہ تو اسکا نام بھی نہیں لیتا۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں وہ کذاب ہے۔ ابن معین کہتے ہیں وہ ثقہ نہیں۔ بخاری اور ابو حاتم اسے متروک قرار دیتے ہیں اور ابو حاتم اور نسائی اسکو حدیث کے وضع کرنیوالا بتاتے ہیں۔ دار قطنی کے الفاظ اسکے متعلق یہ ہیں کہ اس میں ضعف پایا جاتا ہے اسکے بعد کچھ اور ذکر کرکے پھر آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے۔ واستقر الاجماع علی وہن الواقدی۔ اب اس شخص کی روایت کو سچا مانکر میور نے تمام مستند علما اور محدثین کی تحقیقات کو رد کردیا ہے کیا یہی تاریخدانی ہے جسکے دعوے پر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ طبری کے متعلق میں پہلے بھی یہ ثابت کرچکا ہوں کہ وہ محدثین میں سے نہیں اور نہ اس حد تک اس نے تحقیقات کی ہے،

جس حد تک بخاری یا مسلم یا دوسرے محققین نے کی ہے جنہوں نے ایک ایک روایت کی صحت کو پرکھنے کیلیے دشوار گذار سفر اختیار کیے اور ہر طرح کی مصیبتیں جھیلیں مگر اسی ایک ہی غرض کو مد نظر رکھا کہ جہانتک ممکن ہو کوئی غلط اور وضعی روایت انکے ذریعہ رواج نہ پاجائے۔ خود میور نے بھی دوسری جگہ اقرار کیا ہے کہ طبری نے وضعی حدیثیں اپنی کتاب میں درج کی ہیں اور پھر لکھا ہے کہ اس نے بے سوچے سمجھے اور صحت کو پرکھنے کے بغیر احادیث کو لے لیا ہے۔ (دیکھو کتاب میور کی لایف آف محمد فٹ نوٹ صفحہ ۹۴)۔

یہ دو یعنی طبری اور واقدی تو اس قصہ کی صحت کو قبول کرتے ہیں اب انکے برخلاف وہ محققین ہیں جن کو میور اسلیئے رد کرتا ہے کہ انہوں نے اس قصہ کو رد کیا ہے۔ تفسیر روح المعانی میں آیت وما ارسلنا الخ کی تفسیر کے نیچے اس قصہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جن لوگوں نے اس قصّہ کو ردّ کیا ہے وہ علماے اجلاء ہیں جو مضبوط اور کمزور کلام میں فرق کر سکتے ہیں اور انہوں نے اسکے متعلق کامل اور وسیع تحقیقات کی ہے..... انکی تعداد بھی ان لوگوں سے زیادہ ہے جو اس قصہ کی صحت کو قبول کرتے ہیں اور انکے درمیان مؤخر الذکر کی نسبت بہت بڑے بڑے فاضل اور محقق ہیں جس جس طریق اس حدیث کو چلایا گیا ہے انہوں نے ہر ایک طریق کے تمام راویوں کے متعلق اعلیٰ تحقیقات کی اور اس حدیث کے راویوں کو ناقابل اعتبار پایا"۔ پھر اسی تفسیر میں آگے چلکر لکھا ہے کہ اگر اس قصہ میں کچھ بھی صحت ہوتی تو یہ ممکن نہ تھا کہ صحاح ستہ میں اسکا نام و نشان بھی نہ پایا جاتا باوجودیکہ یہ ایک عجیب کہانی تھی واقعی یہ تعجب کی بات ہے کہ یہ تمام محدثین نہ صرف اس قصہ کو بیان ہی نہیں کرتے بلکہ اسکے برخلاف ایک اور حدیث بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں بیان کی گئی ہے جو اس قصّہ کو مردود ٹھہراتی ہے۔ ان تمام معتبر کتابوں میں صرف یہ حدیث بیان کی گئی ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سورہ والنجم پڑھی تو اسکے اخیر پر آپنے سجدہ کیا اور آپکے ساتھ تمام حاضرین نے جن میں مشرک بھی تھے سجدہ کیا۔ مگر مشرکوں کے سجدہ کرنیسے یہ نتیجہ نکالنا کہ ضرور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی بتوں کی تعریف کی ہوگی محض حماقت ہے +

میور نے یہ دعوے کیا ہے کہ متقدمین اس قصہ کو صحیح مانتے تھے اور متاخرین نے اس سے صرف اسوجہ پر انکار کر دیا ہے کہ اس سے انکے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حملہ ہوتا تھا مگر چونکہ اسنے تمام صرف واقدی اور طبری کا لیا ہے اسلیئے غالبًا اسکی مراد متقدمین سے یہی لوگ ہیں۔ واقدی ایکسو بانوے ہجری میں پیدا ہوا اور دو سو ستر میں فوت ہوا۔ اور طبری ۲۲۴ ہجری میں پیدا ہوا اور ۳۱۰ میں فوت ہوا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ انپر خصوصیت سے متقدمین کا لفظ کیونکر اطلاق پا سکتا ہے۔ انکے پیدا ہونیسے مدت پہلے بڑے بڑے محققین اس قصہ کو موضوع قرار دے چکے تھے۔ چنانچہ امام محمد بن اسحاق جو ۱۵۱ ہجری میں فوت ہوئے اور جامع سیرۃ

نبویہ میں جب اس قِصّہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ زندیقوں نے وضع کیا ہے۔ بحرین میں یہ بھی لکھا ہے کہ اسی قصہ کی تردید میں انہوں نے ایک مفصل کتاب بھی لکھی۔ پھر اس امت کے تمام محققین سے افضل امام بخاری علیہ السلام ہیں جن کی کتاب کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانا گیا ہے اور یہی سچ بھی ہے۔ آپ واقدی سے ایک سال پیچھے پیدا ہوئے اور چودہ سال پہلے اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ جسقدر تنقید اور تحقیق امام بخاری نے روایتوں کی صحت اور راویوں کا صدق وکذب پرکھنے کیلیے کی ہے اسکی ہم کوئی نظیر نہیں پاتے اور اسی لیے آپکی کتاب کو اللہ تعالے نے یہ فخر بخشا ہے کہ تمام امت نے اسکی فضیلت کو مان لیا ہوا ہے اب اگر اس حدیث کے متعلق وہ بالکل خاموشی اختیار کرتے تو ممکن تھا کہ یہ کہدیا جاتا کہ یہ حدیث انکو ملی ہی نہیں اور اسلیے اسکی صحت کے پرکھنے کا موقعہ بھی انکو نہیں ملا۔ مگر انہوں نے اس حدیث کے ایک ٹکڑے کو جسکا ماحصل میں اوپر بھی بیان کر چکا ہوں لے لیا ہے اور دوسرے حصّہ کو جس میں بتوں کی تعریف کا جھوٹا قصّہ درج ہے رد کر دیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحقیقات کے بعد اسی نتیجہ پر پہونچے کہ یہ قِصّہ وضعی ہے۔ پانچ مختلف طرق سے آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی ہے اور کسی طریق میں اس قصہ کا نام نشان نہیں ملتا۔ پھر متقدین میں سے ہی شیخ ابو منصور الماتریدی ہیں جن کو باتفاق علم کلام کے امام تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ ۳۳۲ ہجری میں فوت ہوئے یعنی طبری کی وفات کے چند ہی سال بعد انکا بھی یہی مذہب تھا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اور زندیقوں نے اسے وضع کر کے عوام کے اعتقاد کو بگاڑنے کیلیے شہرت دیدی ہے۔ ایسا ہی قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اس حدیث کے چلانیوالوں میں ایک بھی ایسا نہیں جو شبہ سے خالی ہو۔ اور نہ ہی اسکے راویوں میں کوئی ایسا راوی ہے جسکو قطعی طور پر معتبر سمجھا جا سکے۔ ایسا ہی صحاح ستہ نے بھی اس قِصّہ کو رد کیا ہے اور میور کا یہ بیان کہ یوں ہی حملہ کو دور کرنیکے لیے اس قصہ کو بعض لوگوں نے وضعی کہدیا ہے۔ ایک جھوٹ کی تائید میں ایک دوسرا جھوٹ ہے ورنہ جن لوگوں نے اسکی تردید کی ہے انہوں نے بجائے خود تحقیقات کر کے تردید کی ہے وہ کسی کا لحاظ کرنیوالے نہ تھے۔ بلکہ ایک ایک راوی کے صدق وکذب کو کھولکر بیان کیا ہے اور تحقیقات کو اس حد تک پہونچایا ہے جو تحقیقات کی آخری حد ہے۔ انکی غرض تو صرف یہ تھی کہ صحیح حدیثیں وضعی احادیث سے الگ ہو جاویں انکو نہ کسی آدمی سے غرض تھی نہ کسی الزام سے اور نہ کسی معجزہ سے +

اب میں یہ ثابت کرونگا کہ خود اس قِصّہ کے الفاظ سے اسکا وضعی ہونا ثابت ہوتا ہے اس غرض کیلیے پہلے میں اس قِصّہ کو طبری سے نقل کرتا ہوں اصل عبارت کا ترجمہ اس غرض کیلیے کافی ہوگا قصہ یوں چلتا ہے
جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی بیزاری اور نفرت کو دیکھا اور جو کچھ آپ خدا کیطر

لائے تھے آپکی قوم کی اس سے مباعدت آپ پر گراں گذرنے لگی تو آپنے اپنے دل میں یہ خواہش کی کہ اللہ تعالے کوئی ایسا امر نازل کرے جو آپ کے اور آپکی قوم کے درمیان مقاربت کا موجب ہو اور آپکو اپنی قوم کی محبت اور انکے ایمان کیلیے آپکی حرص کے ساتھ یہ بات بہت خوش لگتی تھی کہ انکی طرف سے جسقدر سختی تھی اس میں کچھ نرمی آجائے۔ یہانتک کہ آپنے اپنے اندر اس بات کو سوچا اور اسکی خواہش کی اور اسے اچھا سمجھا۔ پس اللہ تعالے نے آپ پر یہ کلام نازل فرمایا۔ والنجم اذا ھوی ما ضل صاحبکم وما غوی وما ینطق عن الھوی۔ (یعنی سورہ نجم) پھر جب آپ اس سورۃ کو پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہونچے افرایتم اللات والعزی ومنوۃ الثالثۃ الاخری تو شیطان نے آپکی زبان پر یہ کلمے ڈالدیئے۔ تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتضی جس کا مطلب یہ ہے کہ ان بلند مرتبہ بتوں کی شفاعت قبول کی جاوے گی۔ جب قریش نے یہ بات سنی تو وہ بہت خوش ہوئے .... جب آپنے سورۃ ختم کی تو آپنے سجدہ کیا اور آپکے ساتھ مسلمانوں نے آپکے اتباع امر اور تصدیق کیلیے سجدہ کیا اور مشرکین میں سے جو لوگ قریش وغیرہ سے مسجد میں موجود تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا بسبب اسکے جو سنا تھا انہوں نے اپنے بتوں کا ذکر پس مسجد میں نہ کوئی مومن باقی رہا اور نہ کافر جس نے سجدہ نہ کیا ہو سوائے ولید بن مغیرہ کے جو بہت بوڑھا تھا اور سجدہ کرنیکی طاقت نہ رکھتا تھا پس اس نے کچھ کنکریاں اپنی مٹھی میں لیں اور اپر سجدہ کر لیا۔ پھر لوگ مسجد سے پراگندہ ہو گئے اور قریش بھی باہر نکل آئے اور وہ بہت خوش تھے اس بات سے جو انہوں نے اپنے معبودوں کا ذکر سنا تھا۔ اور کہنے لگے بیشک محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بتوں کا نہایت عمدہ الفاظ میں ذکر کیا ہے کیونکہ انکو بلند مرتبہ کہا ہے اور انکی شفاعت کا ذکر کیا ہے۔ اور اس سجدے کی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو جو حبش کی زمین میں تھے پہونچی۔ اور یہ مشہور ہو گیا کہ قریش اسلام لے آئے ہیں اس کو سن کر بعض لوگ ان میں سے چل پڑے اور بعض وہیں ٹھہرے رہے اور جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہ آپنے کیا کیا آپنے وہ کلام لوگوں کے سامنے پڑھا جو میں خدا کیطرف سے آپکے پاس نہیں لایا اور وہ بات کہی جو خدا نے نہیں کہی پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بہت غمگین ہوئے۔ اور اللہ تعالے سے بہت ڈرے پھر اللہ تعالے نے جو آپکے ساتھ بہت رحیم تھا اور غمخواری کرتا تھا اور آپ پر امر کو ہلکا کرتا تھا اور آپکو خبر دیتا تھا آپ پر وہ کلام نازل کیا جس میں یہ سمجھایا کہ آپسے پہلے بھی کوئی نبی یا رسول ایسا نہیں گذرا کہ اس نے جب خواہش کی اور ایک امر کو پسند کیا تو شیطان نے اسکی خواہش میں القا کیا۔ اور وہ آیت یہ ہے:۔

وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطن ثم یحکم اللہ ایاتہ واللہ علیم حکیم + اس طرح خدا تعالے نے اپنے نبی کا غم دور کر دیا اور جس بات کا انکو خوف تھا اس سے امن دیدیا اور جو کلمات شیطان نے ڈالدیئے تھے انکو اپنے اس کلام سے منسوخ کر دیا۔ الکم الذکر ولہ الانثی تلک اذا قسمۃ ضیزی

ان ہی الا اسمار سمیتمو ہا انتم وآباؤکم...... الی قولہ لمن یشار ویرضی +

اس قصہ کے اخیری حصہ میں ایک خاص ترتیب آیات کی ظاہر کی گئی ہے جسکو میں اس قصہ کے وضعی ہونیکے لیے کافی دلیل سمجھتا ہوں جس زمانہ کے متعلق یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے اسکی تعیین کرنا آسان ہے کیونکہ خود اس قصہ سے پایا جاتا ہے کہ بار اول جو صحابہ ہجرت کرکے گئے تھے انکی صرف تین ماہ بعد واپسی کا تعلق اس قصہ سے ہے اسلیئے کسی طرح سے اسکا زمانہ بعثت کے پانچویں سال کے بعد نہیں ہو سکتا لیکن وہ آیت جس میں بعض لوگونکے زعم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ آپ سے پہلے بھی جتنے نبی اور رسول گذرے ہیں انکو معاذ اللہ شیطانی القا ہوئے تھے۔ سورہ حج میں واقع ہے جسکے متعلق بہت سے مفسرین نے مانا ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ راڈویل جس نے قرآنشریف کا انگریزی ترجمہ کیا ہے اسی خیال کا مؤید ہے۔ اور اسنے بھی سورہ حج کو مدنی سورتوں میں رکھا ہے۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ یہ سورۃ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قیام مکہ کے آخری دنوں میں نازل ہوئی۔ یعنے بارھویں یا تیرھویں سال بعثت کے قریب اس بات کو سب محققین نے تسلیم کیا ہے خود میور بھی اس بات کا اقراری ہے کہ یہ آیت اسوقت نازل نہیں ہوئی بلکہ ایک ایسی سورۃ میں واقع ہوئی ہے جسکا نزول بہت مدت بعد ہوا اسی بنا پر خود میور نے اس قصہ کے اخیری حصہ کو وضعی سمجھکر اسکا ذکر بھی اپنی کتاب میں نہیں کیا۔ بلکہ پہلے حصہ قصہ کو بیان کرنیکے بعد صرف ایک فٹ نوٹ میں یہ لکھدیا ہے کہ حدیث سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالے نے سورہ حج کی یہ آیت وما ارسلنا من قبلک الی آخر الایۃ۔ نازل کرکے تسلی دی۔ مگر گذشتہ انبیار کیطرف جو اشارہ ہے! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بہت پیچھے کسی زمانہ میں نازل ہوئی'' پھر متن میں ہی پادریصاحب لکھتے ہیں کہ ''یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس حصہ کو بکلی قبول کرنا ضروری نہیں جس میں پہلے نبیوں کے حوالہ سے شیطانی القا کا عذر بنایا گیا ہے۔ نہ ہی یہ ضروری ہے کہ جس حالت میں آنحضرت کے قلب کیحالت کی تشریح سیدھے سادے طور پر ہو سکتی ہے تو ہم خارق عادت واقعات کو اس غرض کے لیئے تلاش کریں'' میں حیران ہوں کہ ایک شخص ایک طرف تو اسقدر معقولیت سے کام لیتا ہے اور دوسریطرف معقولیت کو خیرباد کہکر محض تعصب سے اس بات پر زور دیتا ہے کہ یہ قصہ ضرور اصلی ہے۔ اب ایک حصہ کے وضعی ہونیکو تو میور نے خود تسلیم کرلیا ہے پھر میں نہیں سمجھتا کہ دوسرے حصہ کے وضعی ماننے میں اس کو کونسی مشکلات ہیں بلکہ خود ایک حصہ کا وضعی ہونا دوسرے حصہ کی صحت کے خلاف بڑی بھاری شہادت ہے! اور اسجگہ تو پہلے اور اخیری حصہ کا ایسا باہمی تعلق ہے کہ ایک حصہ کو وضعی مانکر دوسرا اصلی کبھی نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں جسقدر راوی اس قصہ کے ہیں ان سب نے کل حدیث کو ہی بیان کیا ہے اور کوئی راوی ایسا نہیں جسنے پہلے حصہ حدیث کو بیان کیا ہو اور دوسرے کو چھوڑ دیا ہو۔ پس جس صورت میں

میور صاحب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ دوسرا حِصّہ وضعی ہے تو پہلے حِصّہ کو بھی بہ سبب اس گہرے تعلق کے جو امور متذکرہ بالا کے لحاظ سے ہر دو حصّوں میں ہیں وضعی ماننا پڑے گا۔

یہ تو میور صاحب کا اقرار ہے مگر سیلؔ صاحب حسب عادت خود نہ صرف کل حدیث کو ہی اصلی بتاتا ہے بلکہ اس نے ابتدائی عیسائیونکے نقش قدم پر چلکر ایک اور جزاس قصّہ کے ساتھ اپنی طرفسے بڑھایا ہے جسکا نشان ان راویوں میں مجھے نہیں ملا اور جو اسکی اپنی قوت اختراعی کا نتیجہ ہے اس بات کو بیان کرنیکے بعد کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو اور اپنے صحابہ کو اس آیت سے تسلی دے چکے جس میں بزعم اسکے یہ مذکور ہے کہ پہلے کل نبیونکو بھی شیطانی القا ہوتے رہے (میں آگے چلکر دکھاؤنگا کہ اس آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے) پادری سیل کہتا ہے کہ ”قریش نے اس شیطانی القا کے مسئلے کو تسلیم کرنیسے انکار کیا۔ اور یہ کہا کہ اگر قرآن واقعی خدا کا کلام ہے تو پھر یہ ادل بدل اور نسخ وغیرہ کبھی خدا کیطرف منسوب نہیں ہوسکتا۔ اس آخری الزام کا جواب آنحضرت کے لیے بہت مشکل تھا اور اس مشکل کو دور کرنیکے لیے ایک اور وحی بیان کی گئی واذا بدلنا ایۃ مکان ایۃ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثرہم لایعلمون“ (سورہ نحل رکوع ۱۴- آیت ۱۰۱) آگے تو ایک آیت کا جھگڑا ہی تھا کہ سورہ حج کی آیت کیونکر سورہ نجم کے ساتھ جوڑی جاسکتی ہے۔ اب ایک دوسری آیت کو جو سورہ نحل کی آیت ہے جو وہ بھی مکی زندگی کے پچھلے زمانے میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پہ نازل ہوئی اسی جگہ جوڑنا چاہتے ہیں اس کے جواب کیلیے میور کا حوالہ دیدینا کافی ہے۔ اب اگر یہ بنا جز وجو اس قصہ کے ساتھ سیل صاحب نے ملحق کیا ہے انکی اپنی طبیعت کا تراشا ہوا ہے تو کچھ کہنے کی حاجت ہی نہیں اور اگر انکے پاس کوئی اسکی سند ہے جو مجھے نہیں مل سکی تو اسکا جواب وہی ہے جو سورہ حج کی آیت وما ارسلنا الی آخر الایۃ کے اسجگہ یعنی سورہ نجم کے ساتھ چسپان کرنیکا جواب ہے۔ علاوہ ازیں اگر تبدیل آیت سے وہ مراد بھی لے لیں جو پادری صاحب لے رہے ہیں تو یہاں تو خدا کی آیتونکا ذکر ہے کہ ایک کی جگہ دوسری بدلے اور شیطانی القا کا ذکر نہیں جو سورہ نجم کیطرف منسوب کیا جاتا ہے۔

بعض اور امور جو اس قصّہ کے وضعی ہونے پر روشنی ڈالتے ہیں مختصراً ذکر کیے جاتے ہیں جسقدر روایتیں اس حدیث کی ہیں ان سب میں یہی بیان کیا گیا ہے کہ جو خبر مہاجرین حبشہ کو اسکی پہونچی وہ صرف اسقدر تھی۔ کہ قریش مسلمان ہوگئے ہیں۔ حالانکہ اگر اس قصہ کو صحیح مانا جائے تو اس صورت میں چاہیئے تھا کہ حبش میں یہ خبر پہونچتی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بتونکی مذمت چھوڑ دی ہے یا انکو بھی خدا کی خدائی میں حصہ دار مان لیا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ کسی راوی نے یہ ذکر نہیں کیا بلکہ ہر ایک میں یہی ذکر ہے کہ مہاجرین کو قریش کے سجدہ کرنے اور اسلام لانے کی خبر پہونچی تھی یہانتک کہ واقدی اور طبری کی روایتوں میں بھی یہی ذکر ہے

میور صاحب نے مہاجرین کی واپسی سے یہ نتیجہ نکالا ہے اور اسکو بار بار بیان کر کے اسپر بہت زور دیا ہے کہ اگر اس قصہ میں اصلیت نہ ہوتی تو یہ لوگ کیوں گھروں کو واپس آتے مگر یہ محض دھوکا بازی ہے مہاجرین کے واپس آنیکے لیے تو وہی خبر کافی تھی جس کا ذکر کل روایتوں میں موجود ہے کہ حبش میں پہونچی یعنی یہ خبر کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور یہ انکے اسلام لانے کی افواہ غالباً انکے سجدہ کے سبب سے پیدا ہوئی کیونکہ تمام صحیح احادیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قریش نے سجدہ ضرور کیا۔ مگر پھر سجدہ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ انکے بتوں کی تعریف بھی کی گئی تھی یا ان کی شفاعت کو تسلیم کر لیا گیا تھا اگر ایسا نتیجہ نکلتا ہے تو پادری صاحبان بتلاویں کہ کس منطق کے رو سے۔ ہاں اگر یہ ثابت ہوتا کہ کفار نے سجدہ ابتدائے سورت میں اسوقت کیا جب انکے بتوں کا ذکر آیا تھا تو بھی یہ شک کرنیکی وجہ پیدا ہو سکتی تھی کہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بتوں کی تعریف ہی کی ہو مگر اسوقت تو وہ دم بخود بیٹھے سنتے رہے اور یہ امر یقینی اور متفق علیہ ہے کہ سجدہ انہوں نے سورۃ کے اخیر پر اسوقت کیا جب آنحضرۃ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ نے خدا کی عظمت اور جلال کا ذکر آنے پر اللہ تعالے کے حکم کی فرمانبرداری میں سجدہ کیا اور اسوقت انکے دلوں میں بتوں کا کوئی خیال نہ ہو سکتا تھا۔ اسلیے اسبات کو تسلیم کرنیسے کہ مہاجرین حبشہ واپس آئے تھے اور کہ اسکی وجہ کوئی اس قسم کی افواہ تھی کہ قریش نے سجدہ کیا یا مسلمان ہو گئے۔ یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت نے بتوں کی تعریف کی ہو۔ بلکہ ایسا نتیجہ ان واقعات سے نکالنا محض حماقت ہے +

میور یہ بھی کہتا ہے کہ یہ غلطی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب کیجاتی ہے کوئی اتفاقیہ غلطی نہ تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ " یہ بتوں کی رعایت اچانک آپسے ظاہر نہیں ہوئی اور نہ ہی یہ صورت تھی کہ بھولکر منہ سے کوئی کلمات نکل گئے ہوں جنہیں معاً واپس لے لیا گیا ہو۔ قریش کی دشمنی نبی کریم کی جان پر ایک بڑا بھاری بوجھ تھا اور حدیث میں بھی یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ خود بھی اپنے اندر وہی بات سوچ رہے تھے جو شیطان نے (نعوذ باللہ) آپکی زبان پر جاری کر دی۔ نہ ہم یہ مان سکتے ہیں کہ یہ حالت ایک ہی دن تک رہی اور اُسیدن آپنے رعایت کو منسوخ کر دیا۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بت پرستی کے ساتھ نبی کریم کی صلح کمل ہو چکی تھی۔ اور یہ ضروری ہے کہ کئی دنوں تک بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ (یعنی مہینوں تک) یہی حالت رہی ہو کیونکہ اس افواہ کو ایک خاص صورت اختیار کر کے حبش تک پہنچنے اور پھر مہاجرین کے دلوں میں یقین پیدا کرنیکے لیے ایک مدت درکار تھی "۔ میور نے تو اور نیت سے یہ لفظ لکھے ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اس ذریعہ سے اس قصہ کے جھوٹ یا سچ کو آسانی سے پرکھا جا سکتا ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ اگر واقعی بت پرستی کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی رعایت کی تو یہ چند لمحوں یا گھنٹوں کا کام نہ تھا۔ اور اسلیے سب سے اول اسیوجہ پر ہم اس حدیث کو وضعی کہہ سکتے ہیں جس میں یہ قصہ اس رنگ میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ صرف چند گھنٹہ کا کام تھا

پس اس صورت میں بھی قصہ کو تو غلط ماننا پڑے گا مگر یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا ممکن ہے یا نہیں کہ اس قصہ کی تہ میں کوئی ایسا واقعہ بھی ہو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا ہو۔ اگر اسکی کوئی اصلیت ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ جن خیالات نے جمع ہو کر آخر کار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر آمادہ کیا کہ بتونکی شفاعت کے مسئلے کو مان لیا جاوے۔ وہ خیالات ایک مدت سے آپکے دل میں جمع ہوتے رہے ہونگے۔ کیونکہ اس میں تو شک نہیں ہو سکتا کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اور وعظ کا کام شروع کیا تو سب سے اول پیغام آپ کا یہی تھا کہ بت کچھ چیز نہیں ہیں اور اپنے پرستاروں کو خدا کے عذاب سے بچا نہیں سکتے۔ یہی وعظ آپ ایک عرصہ دراز تک کرتے رہے اور اس تبدیلی خیال کیلئے جو اس قصہ میں بیان کی گئی ہے ضروری تھا کہ پہلے خیالات کے برخلاف دوسر خیالات بت پرستی کی مدح کے (نعوذ باللہ) آپکے دل میں بہت عرصہ تک آتے رہے ہوں۔ اب میور صاحب یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل کی حالتوں کی صحیح اور سچی تصویر پیش کرتا ہے پس اگر اس قسم کے مشرکانہ خیالات نعوذ باللہ کبھی آپکے دل میں آئے تھے اور مدت تک جمے رہے تو ضرور ہے کہ انکا عکس قرآن شریف میں موجود ہو اور اسی تحقیقات پر اس قصہ کے موضوع یا صحیح ہونیکا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ ناظرین کو چاہئے کہ بطور خود ان تمام سور تونکو پڑھیں جو سورہ نجم سے پہلے اور پیچھے نازل ہوئیں اور انکے دل خود یقین سے بھر کر بول اٹھیں گے کہ بتونکی مدح کا قصہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر بھاری بہتان ہے کیونکہ قرآن کریم کے ایک حرف میں بھی ایسے تبدیل خیال کا نشان موجود نہیں میں نے خود بھی ان سورتونکو پڑھا ہے اور مختصراً میں بیان کرتا ہوں کہ کس طرح شروع سے لیکر اخیر تک ایک ہی رنگ وحی الہی نے اختیار کیا ہے اور اسی بات پر زور دیا ہے کہ سب طاقت اور قدرت صرف صرف خدا کے ہاتھ میں ہی ہے اور بت اور دوسرے تمام معبود اور دوسری تمام چیزیں ہیچ ہیں ترتیب سور میں وہی اختیار کرونگا جو راڈویل اپنے ترجمہ قرآن میں کی ہے کیونکہ اس ترتیب سے میور کا اتفاق ہے +

قبل اس کے کہ میں قرآن کریم کے حوالے دوں میں ناظرین کو اسی رسالہ کی گذشتہ اشاعت کے مضمون کیطرف توجہ دلاتا ہوں جہاں میں نے دکھایا تھا کہ کس طرح کفار نے بار بار کوششیں کیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی ترغیبوں سے اور طرح طرح کی دھمکیوں سے راہ حق سے اور بتونکی مذمت سے پھیریں کس طرح انہوں نے مال و دولت۔ عزت۔ مرتبہ۔ حکومت۔ عورتونکا لالچ دینا چاہا اور آخر ناکام ہو کر قتل کی دھمکیاں دیں اور بالآخر قتل کے منصوبے کئے اور طرح طرح کی اذیتیں پہونچائیں مگر کیا کبھی ان میں سے کسی ایک بات کا اثر بھی آنحضرت کے قلب پر ہوا۔ یا ایک لمحہ کیلئے کبھی آپنے کفار کے مقابل خاموشی ہی اختیار کی اور بتونکی مذمت کرنا تو ایک طرف رہا کیا کبھی مذمت کو ہی آپنے چھوڑا نہیں اسوقت جب ابو طالب کے متعلق بھی آپکو یہ یقین ہو گیا کہ

اگر بتوں کی مذمت میں نہ چھوڑونگا تو وہ بھی ساتھ چھوڑ دیگا اس بے سروسامانی کیوقت میں اور تنہا دشمنوں کے درمیان موجود ہونیکے باوجود یہی الفاظ آپکے مُنہ سے نکلے کہ اگر سورج کو میرے دائیں اور چاند کو بائیں لاکر رکھ دیں تو بھی میں اس بات کو چھوڑ نہیں سکتا اور اس تبلیغ اور وعظ سے کہ بت کچھ چیز نہیں رک نہیں سکتا۔ یہ واقعات جو معتبر احادیث میں موجود ہیں اسیوقت کے قریب قریب آپکو پیش آئے جو سورہ نجم کے نازل ہونیکا وقت بیان کیاجاتا ہے پھر کسقدر ظلم ہے کہ ایک بے بنیاد قصہ کو پکڑ کر تمام تاریخی واقعات کو پھینکدیا جاوے +

اب قرآن کریم کیطرف رجوع کرو۔ راڈویل کی ترتیب کے مطابق سورہ نجم سے پہلے الواقعہ اور اس سے پہلے سورہ طور نازل ہوئی اس سورۃ کی انتالیسویں آیت پڑھو۔ جہاں قرآن شریف انہی بت پرستوں کا ذکر کرتا ہوا فرماتا ہے۔ ام لہ البنات ولکم البنون۔ کیا خدا کیلیے بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے۔ اور سورہ نجم میں ومنوۃ الثالثۃ الاخریٰ کے بعد کی آیت یوں ہے الکم الذکر ولہ الانثیٰ۔ جسکے وہی معنے ہیں جو سورہ طور کی آیت مذکورہ بالا کے بیان ہوئے۔ اب قصہ زیر بحث میں یہ کہا گیا ہے کہ سورہ نجم کی یہ آیت الکم الذکر ولہ الانثیٰ پڑھنے کی بجائے آنحضرت نے کوئی اور کلمات پڑھ دیئے۔ جن میں نعوذ باللہ بتوں کی شفاعت کو تسلیم کیا اور انکی مدح کی۔ جس سے غرض آپکی یہ تھی کہ کفار خوش ہو جاویں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ جب پہلے سے قرآن کریم میں اسی آیت کے ہم معنی دوسری آیت موجود ہے اور رہتی تو دوسری آیت کو بدلاکر آنحضرت کفار کو کس طرح خوش کر سکتے تھے۔ کفار قریش ایسے بیوقوف نہ تھے کہ صرف ایک جگہ آیت کے بدلجانیسے خوش ہو جاتے حالانکہ اس سے پہلی نازل شدہ آیتوں میں ویسے ہی یا اس سے بھی سخت تر الفاظ بتوں کی مذمت کے موجود تھے۔ ہاں اس صورت میں انکو شاید اطمینان ہو جاتا جب اسکے ساتھ ہی ایک اور آیت بھی نازل ہو جاتی کہ پہلی تمام آئتیں جن میں بتوں کی مذمت پائی جاتی ہے وہ سب آج سے منسوخ کیجاتی ہیں کیونکہ کفار بخوبی باخبر تھے کہ قرآن کریم میں بتوں کی کیسی کیسی مذمت بھری پڑی ہے بلکہ اسی کی وہ بار بار شکایت بھی کرتے تھے اور انکو یہ بھی علم تھا کہ کوئی آیت بتوں کی مذمت کی منسوخ نہیں ہو چکی پس اگر بفرض محال یہ بھی مان لیا جاوے کہ سورہ نجم کی آیت بدلدی گئی تو اس تبدیلی سے کفار کیونکر خوش ہو سکتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ آیت اس امر پر شاہد ناطق ہے کہ سورہ نجم سے پہلے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں اللہ تعالےٰ کی وہی سچی عظمت اور بتوں کی بے حقیقتی بھری ہوئی تھی۔ پھر اس آیت سے تین آئتیں آگے چلکر بت پرستی کی ان الفاظ میں تردید کی گئی ہے۔ ام لہم الہ غیر اللہ سبحٰن اللہ عما یشرکون۔ کیا خدا کے سوا کوئی اور بھی انکا معبود ہے پاک اور برتر ہے اللہ کی ذات اس سے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔ اور پھر اور آگے چلکر فرماتا ہے "اے پیغمبر تم انکو انکی اپنی حالت پر چھوڑ دو یہانتک کہ وہ عذاب کا دن انپر آوے۔ جسکی دہشت سے وہ بیہوش کیئے جاوینگے"

باقی

اُس دن اِن کے مکرو فریب کچھ بھی انکے کام نہ آوینگے اور نہ ہی انکے بتوں سے کوئی مدد انکو ملے گی" کیا ان الفاظ کے ہوتے ہوئے پادریصاحبان یہ کہنے کی جرات کر سکتے ہیں کہ آپکے دل میں اسوقت بت پرستی کی عظمت کے خیالات جاگزیں ہو رہے تھے۔

سورہ طور سے پیچھے چلیں تو الذٰریٰت ہے اسجگہ بھی بتونکی اسی بے حقیقتی پر زور دیا گیا ہے۔"اور آسمان کو دیکھو ہم ہی نے اپنے ہاتھوں سے اُسے بلند کیا اور ہم بڑی وسیع قدرت والے ہیں اور زمین ہم ہی نے اسکو بچھایا ہم کیسے اچھے بچھانیوالے ہیں پس اے لوگو تم اللہ ہی کیطرف بھاگو اور اسی کی پناہ لو میں اسکی طرفسے تمکو اسکے عذاب سے کھلا کھلا ڈرانیوالا ہوں۔اور خدا کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ۔میں اسکی طرفسے تمکو اسکے عذاب سے کھلا کھلا ڈرانیوالا ہوں" افسوس ہے کہ پادریصاحبان اپنے ذہن سے ہی عجیب عجیب باتیں اسلام کی تحقیر کیلیے گھڑتے رہتے ہیں اور واقعات کی مطلق پروا نہیں کرتے۔ان دو سورتوں میں کونسی شہادت ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں بتونکی عظمت کا خیال آنا شروع ہو گیا تھا۔اگر اس سے بھی اور پیچھے چلے جائیں تو بتوں اور بت پرستی سے وہی بیزاری اور اللہ تعالےٰ پر وہی کامل اور مضبوط ایمان آنحضرت کا نظر آتا ہے۔قل یا یہا الکٰفرون لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عٰبدون ما اعبد و لا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عٰبدون ما اعبد لکم دینکم ولی دین + اور پھر اس بت پرستی سے بیزاری کے بعد خدا کی توحید کامل کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد +

پھر میور نے یہ لکھا ہے کہ سورہ والنجم کے بعد بھی مدت تک یہ خیالات آنحضرت کے دل میں رہے اور آخر آہستہ آہستہ دور ہوئے۔اسکے لیے چند سورتیں بعد کی لے لو۔راڈویل نے اسکے بعد المعارج۔ الرحمٰن۔ القمر اور والصّٰفّٰت کو رکھا ہے۔اور جو شخص چاہے ان سورتونکو پڑھکر دیکھ سکتا ہے کہ آنحضرت کا قلب ہمیشہ ان خیالات سے پاک رہا ہے جو آپکی طرف اس قصہ میں منسوب کیے گئے ہیں۔ فذرہم یخوضوا ویلعبوا حتّٰی یلٰقوا یومہم الذی یوعدون۔اور بل الساعۃ موعدہم والساعۃ ادہٰی وامر۔اور ولقد اہلکنا اشیاعکم فہل من مدکر۔اور انا کذٰلک نفعل بالمجرمین انہم کانوا اذا قیل لہم لا الٰہ الا اللہ یستکبرون۔ ویقولون ائنا لتارکوا اٰلہتنا لشاعر مجنون۔اور ایسا ہی اور بہت سی آیات ہیں جن سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔دوسری طرف ہمیں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا نہ سورۃ والنجم سے پہلے اور نہ بعد جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ معاذ اللہ آپ بت پرستی کے قایل ہونے شروع ہو گئے تھے۔نہ ہی صرف اس ایک قصہ کو الگ چھوڑ کر حدیث میں کوئی ایسا لفظ پایا جاتا ہے۔اور وہ روایت بھی جسکا موضوع ہونا میں مختلف وجوہ سے ثابت کر چکا ہوں میور کے

قول کی مصدق نہیں۔

مگر سب سے بڑی شہادت اس قصہ کے موضوع ہونیکی خود اسی سورہ والنجم سے ہی ملتی ہے۔ ان دو فقرونکو تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن ترتضی۔ ہم بھی شیطانی ہی کہتے ہیں کیونکہ یہ کسی مفتری کے بنائے ہوئے ہیں اور میں یہ دکھاؤنگا کہ اس سورت کے باقی مطالب کو مدنظر رکھکر کوئی شخص یہ خیال نہیں کرسکتا کہ یہ دو فقرے کبھی اس سورت کا جزو بھی ہوسکتے تھے۔ یا یہ کہ باقی تمام آیات کے ہوتے ہوئے کفار ان دو فقروں سے خوش ہوسکتے تھے۔ چنانچہ ان آیات پر غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ دو حالتوں سے چارہ نہیں۔ یا یہ کہ یہ فقرے کبھی سورہ نجم میں داخل ہی نہیں ہوئے اور یا اگر یہ کبھی داخل تھے تو اسوقت یہ سورت انہیں دو فقرونکی بنی ہوئی تھی۔ کیونکہ باقی تمام آیات کا مضمون ان فقرونکے مضمون کی تردید کرتا ہے۔ میں نے اس سورت کو بار بار پڑھا ہے اور میں حیران ہوں کہ باقی آیات کے ہوتے ہوئے یہ فقرے اس سورت میں کیونکر رہ سکتے تھے اور چونکہ یہ یقینی امر ہے کہ کل کی کل سورت کفار کے روبرو پڑھی گئی تھی پس ہمارے مطلب کے لیے صرف اسیقدر کافی ہوگا کہ اگر ایک آیت اس سورت کی بھی ان فقروں کے مضمون کی صریح الفاظ میں تردید کرتی ہو تو یہ نتیجہ قطعی ہوگا کہ یہ دو فقرے کسیوقت بھی اس سورت میں داخل نہ تھے +

اول میں سیل صاحب کے اعتراض کو ہی لیتا ہوں وہ کہتا ہے کہ پہلے کفار کے روبرو یہ دو فقرے ہی پڑھے گئے تھے تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن ترتضی۔ مگر بعد میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو نکالکر انکی بجائے یہ آیت ڈالدی۔ الکم الذکر ولہ الانثی۔ وہ گویا اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ سورت کی باقی تمام آیات اسی طرح رہیں اور صرف اسی ایک آیت میں ہی تبدیلی ہوئی اسکی بحث کے رو سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ کفار کے روبرو آنحضرت نے سورہ نجم کے اس حصہ کو یوں پڑھا۔ افرءیتم اللت والعزّٰی ومنوٰۃ الثالثۃ الاخرٰی۔ تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن ترتضی۔ ان ہی الا اسماء سمیتموھا انتم وآباؤکم ما انزل اللہ بہا من سلطٰن ان یتبعون الا الظن وما تہوی الانفس ولقد جاءھم من ربہم الہدیٰ ام للانسان ما تمنّٰی فللہ الاٰخرۃ والاولی۔ وکم من ملک فی السمٰوٰت لا تغنی شفاعتہم شیئًا الا من بعد ان یاذن اللہ لمن یشاء ویرضٰی + جسکے معنے یہ ہونگے۔ بھلا تمنے لات اور عزی اور اس تیسرے بت منات کے حال پر بھی نظر کی یہ بلند مرتبہ ہنس ہیں جنکی شفاعت پسندیدہ ہے یہ تو نرے نام ہی نام ہیں جو تمنے اور تمہارے بڑوں نے اپنی طرف سے رکھ لیے ہیں خدا نے انکے معبود ہونیکی کوئی سند نہیں اتاری۔ یہ لوگ (یعنی مخاطب قریش) اپنی اٹکلوں اور نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔ حالانکہ پروردگار کیطرف سے انکے پاس ہدایت بھی آچکی ہے۔ کیا انسان کو وہ بات ملجاتی ہے جسکی وہ

خواہش کرتا ہے۔ آخرت اور دنیا تو سب کچھ خدا کے ہاتھ ہی ہے (اور یہ بت تو ایک بالکل بے حقیقت چیز ہیں) کتنے فرشتے اسمانوں میں بھرے پڑے ہیں کہ انکی سفارش بھی کچھ کام نہیں آتی مگر اگر خدا کسی کی نسبت چاہے اور اجازت دے اور پسند فرمائے" سیل کی تردید کی اس سے بڑھکر کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ اور یہ ترجمہ ہی اسکی حماقت اور نادانی کے اظہار کے لیے کافی ہے۔

اس زد سے بچنے کے لیے جو سیل صاحب نے نادانی سے اپنے اوپر وارد کی ہے واضعین قصہ نے یہ بات گھڑی ہے کہ یہ کل کی کل آیات جو ہمنے اوپر نقل کی ہیں ان سب کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ کر کل کی بجائے صرف یہی دو فقرے پڑھ دیئے تھے۔ مگر اس سے بھی انکی غرض پوری نہیں ہوئی۔ ہاں اگر یہی کہدیتے کہ ساری سورت ہی نہیں پڑھی تھی اور صرف یہی دو فقرے پڑھے تھے تو انکی بات کچھ بن جاتی۔ اس روایت میں جو اوپر نقل کی گئی ہے یہ کہا گیا ہے کہ دوبارہ لمن یشاء ویرضی تک کلام نازل ہوا جو پہلے نازل نہ ہوا تھا اس بات کو بھی اگر دلیل کی خاطر ہم تسلیم کرلیں تو آگے پھر وہی مشکل ہے کیونکہ پھر صورت آیات کی یہ ہوگی کہ بتوںکی عظمت اور شفاعت کو تسلیم کرنیکے بعد ساتھ ہی یہ الفاظ سنائے گئے ہونگے۔ ان الذین لا یومنون بالآخرۃ لیسمون الملئکۃ تسمیۃ الانثی ومالھم بہ من علم ان یتبعون الا الظن وان الظن لایغنی من الحق شیئًا۔ یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہی فرشتوںکو عورتوںکے نام دیتے ہیں۔ اور انکو کوئی بھی علم نہیں بلکہ اٹکلوںکے پیچھے چلتے ہیں اور اٹکل حق کے سامنے کچھ بھی کارآمد نہیں۔ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ یہ جو عرب کی دیویاں تھیں انکو یہ لوگ ملائکہ کے مظہر کہا کرتے تھے کیونکہ وہ ملائکہ کو بھی مونث ہی سمجھتے تھے اور خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ گویا اس جگہ پھر بتوںکی شفاعت اور انکی عظمت کی تردید ہے۔ کیونکہ اس امر کو جیسا کہ اس سے پہلے بھی ظن کہا گیا ہے یہاں پھر ظن ہی کہا گیا ہے یعنی کفار کو واقعی تو کوئی علم نہیں کہ انکی دیویاں ملائکہ کی مظہر ہیں کہ نہیں صرف ایک بات انہوں نے اپنے دل میں فرض کر رکھی ہے مگر اس اٹکل سے وہ بچ نہیں سکتے کیونکہ خدا کی توحید تو حق امر ہے اور بتوںکو ساتھ شریک یا شفیع ٹھہرانا محض اٹکل بازی نہ یہ بات ہی حق ہے اور نہ اسکی انکے پاس کوئی دلیل ہی ہے پھر آگے فرمایا فاعرض عن من تولی عن ذکرنا یعنی جو شخص ہماری یاد سے روگردانی کرتا ہے تو بھی اس سے اعراض کر۔ اور اسکی طرف توجہ بھی نہ کر۔ اب جیسا کہ کہا جاتا ہے اگر کفار واقعی آنحضرت کو مان چکے تھے تو یہاں خدا کس سے اعراض کرنیکا حکم دیتا ہے۔ اور جب بتوںکی عظمت کو مان لیا گیا تو وہ کون شخص عرب میں باقی رہ گیا تھا جسکی نسبت خدا فرماتا ہے کہ وہ ہمارے ذکر سے منہ پھیرتا ہے کیونکہ خدا کو تو وہ لوگ پہلے بھی مانتے تھے۔ صرف نقص یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ بت ہماری شفاعت کرینگے اور وہ خدا کے نزدیک بلند مرتبہ رکھتے ہیں جب ان دونوں باتوں کو آنحضرت نے تسلیم کرلیا تو اب

من تولی عن ذکرنا کسکو کہہ رہے تھے اور کفار کیسے احمق تھے کہ وہ وہی الفاظ سن رہے تھے جو آجتک سنتے رہے اور پھر بھی انہوں نے نہ کہا کہ ابھی تو آپ بتونکی شفاعت اور عظمت کو مان چکے ہیں اور اب یہ کیا کہہ رہے ہیں یہ تعجب کا مقام ہے کہ جس عقیدہ کے سبب کفار کو برا کہا جاتا تھا اس عقیدہ کی صحت کو تو نبی کریم تسلیم کریں اور پھر الفاظ وہی۔ اور پھر آگے قرآن شریف فرماتا ہے۔ ان ربک ہو اعلم بمن ضل عن سبیلہ و ہو اعلم بمن اھتدی۔ تیرا پروردگار جانتا ہے کہ اسکی سچی راہ سے بھٹکا ہوا کون ہے اور وہ اسکو بھی جانتا ہے جو راہ راست پر ہے۔ کیا خوب۔ ایسا بھٹکا ہوا کون تھا۔ اور راہ راست پر کون مذہب تو سب ایک ہو چکا تھا کیونکہ کہا تو یہ جاتا ہے کہ آنحضرت بھی اسی راہ کو اختیار کر چکے تھے جسکی آجتک وہ مذمت کرتے رہے تھے۔

پھر اور آگے چلو۔ وہی خدا واحد کی توحید اور عظمت اور بتونکی بے حقیقتی اور زمین و آسمان کی کسی چیز میں شریک نہ ہونا نظر آتا ہے۔ ام لم ینبأ بما فی صحف موسیٰ و ابراہیم الذی وفیٰ الا تزر وازرۃ وزر اخریٰ و ان لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ ود کیا اسکو ان باتونکی خبر نہیں پہونچی جو موسےٰ کے صحیفوں میں ہیں۔ اور نیز ابراہیم کے جنہوں نے کل احکام الٰہی کی پوری فرمانبرداری کی۔ کہ کوئی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائیگا اور یہ کہ انسان کو اتنا ہی ملیگا جتنی اسنے کوشش کی۔" بت پرست یہ کہتے تھے کہ ہمارے گناہ بتونکی سفارش سے معاف کر دیئے جاوینگے اور اسکو وہ شفاعت سمجھتے تھے اور یہی دراصل انکی بدکاریونکی جڑ تھی جیسا کہ آجکل عیسائی بھی اسی بات پر زور دیتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انکا بت مسیح ہے۔ لات اور عزیٰ نہیں۔ جبتک پہلے یہ عقیدہ کفار کا دور نہ کر دیا جاتا اسوقت تک کوئی امید نہ تھی کہ وہ اصلاح پر آسکیں۔ اب یہ آیت صاف طور پر بتاتی ہے کہ اسی سورہ نجم میں ہی بتونکی شفاعت کا انکار ہے کیونکہ صاف طور پر کہا گیا ہے کہ انسان کا اپنا عمل ہی کام آویگا اور کسی بت یا مسیح کی سفارش کام نہ آویگی۔ اسقدر ظاہر الفاظ کے ہوتے ہوئے یہ کسقدر جرات ہے کہ کہدیا جاوے کہ آنحضرت نے بتونکی شفاعت کو تسلیم کر لیا تھا اور بفرض محال اگر کر بھی لیا تھا تو کفار بھی عجیب احمق تھے کہ وہ اس آیت پر بھی یہ نہ بول اٹھے کہ ابھی تو آپ بتونکی شفاعت کو تسلیم کر آئے ہیں اور ابھی اس سے انکار کرتے ہیں میں تو جوں جوں اس سورت کو پڑھتا ہوں حیران ہی ہوتا ہوں کہ ان لوگوں نے جنہوں نے اس قصہ کی صحت کو تسلیم کیا ہے قرآن شریف پر ایک لحہ کیلئے بھی غور نہیں کیا۔ اس سورت کا ایک ایک لفظ بت پرستی اور بتونکی شفاعت کی تردید کر رہا ہے۔

اب اور آگے چلئے۔ تو ایک ایک لفظ سے پایا جاتا ہے کہ کل عظمت اور جلال اللہ کیلئے ہی ہے اور دنیا میں ہر ایک کاروبار کا کرنیوالا وہی ہے۔ بت نہ کسی کو مدد دیسکتے ہیں نہ مالدار کر سکتے ہیں نہ عذاب دیسکتے ہیں نہ عذاب سے بچا سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہی ان سب کاموں کا کرنیوالا ہے۔ فرمایا۔ وان الی

ربک المنتہیٰ وانہ ہو اضحک وابکیٰ وانہ ہو امات واحییٰ وانہ خلق الزوجین الذکر والانثیٰ من نطفۃ اذا تمنیٰ وان علیہ النشاۃ الاخریٰ۔ وانہ ہو اغنیٰ واقنیٰ وانہ ہو رب الشعریٰ وانہ اہلک عادا الاولیٰ۔ وثمودا فما ابقیٰ۔ وقوم نوح من قبل انہم کانوا ہم اظلم واطغیٰ۔ والمؤتفکۃ اھویٰ۔ فغشّٰہا ما غشّیٰ۔ فبای اٰلاء ربک تتماریٰ۔ ہٰذا نذیر من النذر الاولیٰ ازفت الآزفۃ۔ لیس لہا من دون اللّٰہ کاشفۃ افمن ہٰذا الحدیث تعجبون۔ وتضحکون ولا تبکون وانتم سامدون۔ فاسجدوا للّٰہ واعبدوا+ یہ کہ سب امور کا منتہی اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے اور خدا ہی ہے جو ہنساتا اور رلاتا ہے۔ اور خدا ہی ہے جو مارتا اور جلاتا ہے اور خدا ہی ہے جو نطفہ سے جب وہ رحم مادہ میں پہونچایا جاتا ہے نر و مادہ دو جوڑے پیدا کرتا ہے اور خدا ہی ہے جسنے آخرت میں جلا اٹھانا ہے اور خدا ہی ہے جو مالدار اور صاحب سرمایہ کرتا ہے اور خدا ہی ہے جو شعری ستارے کا مالک ہے۔ (ان سب آیات میں بت پرستی کی لفظ لفظ میں تردید کی ہے) اور خدا ہی ہے جسنے عاد اولی کو ہلاک کیا۔ اور ثمود کو بھی یہانتک کہ ان میں سے کوئی نہ چھوڑا۔ اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی ہلاک کیا۔ کیونکہ خود وہی بڑے ظالم اور سرکش تھے اور الٹی ہوئی بستیونکو بھی اسی نے الٹا دیا۔ سو ان پر جو تباہی آئی سو آئی۔ اے انسان تو اپنے پروردگار کی کونسی نعمتوں میں شک کریگا۔ یاد رکھو جیسے پہلے عذاب الٰہی سے ڈرانیوالے گذرے ہیں ویسا ہی عذاب سے ڈرانیوالا یہ رسول بھی ہے۔ یاد رکھو کہ وہ ہولناک گھڑی قریب آگئی ہے۔ سوائے خدا کے کوئی نہیں جو اسکی مصیبت کو ٹال سکے۔ کیا تم لوگ اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں اور تم ہکے بکے رہ گئے ہو۔ چاہیئے کہ خدا ہی کے آگے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

اگر شفاعت کے مفہوم کو سمجھ لیا جاوے تو اور بھی اس قصہ کا جھوٹ ہونا واضح ہو جاتا ہے بتونکی شفاعت سے جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ بت پرستونکا یہ منشا تھا۔ کہ جس عذاب کی دھمکیاں بار بار نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں وہ عذاب اس شفاعت کیوجہ سے ٹلجائیگا پس بتونکی شفاعت کا تسلیم کرنا یہ معنے رکھتا تھا کہ جس عذاب سے ابتک کفار کو ڈرایا جاتا تھا وہ اب نہیں آئے گا۔ پر کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ مان لیا۔ کم از کم اگر عذاب الٰہی کا اس سورت میں کوئی ذکر نہ ہوتا تو بھی مخالفین کو ایک تنکا پکڑنیکی گنجایش تھی۔ مگر اللہ تعالے نے اپنے علم غیب سے کہ آنحضرت پر یہ الزام لگایا جاویگا اس سورت میں وہ تمام باتیں جمع کر دی ہیں جو بتونکی شفاعت کے منافی ہیں۔ اور ان میں سب سے آخر وعدہ عذاب ہے۔ اور صرف وعدہ عذاب ہی نہیں بلکہ بصراحت تمامتر یہ بھی بیان کر دیا کہ خدا کے سوا کوئی تمہارا بت اسکو ٹال نہیں سکتا اور وہ مصیبت کی گھڑی ضرور ضرور تمپر آوے گی۔ کسقدر صاف الفاظ میں انکو سمجھایا گیا کہ بڑی بڑی طاقتور قوموں عاد اور ثمود کو ہلاک کیا گیا۔ اور نوح کی قوم غرق کی گئی۔ اور بستیونکی بستیاں تہ و بالا کر دی گئیں۔ یہ نہ سمجھو کہ اب

کہ اب تمہارے لئے خدا کا وعید پورا نہ ہوگا۔ ضرور ہوگا۔ اور تمہارا کوئی بت تمہاری مدد کر کے اس عذاب کو ٹال نہیں سکیگا۔ ہاں اگر بچنا چاہتے ہو تو اُو اکیلے خدا کے آگے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔ کہاں ہے وہ شفاعت جسپر پادریصاحبان قرآن کریم کی ناواقفیت کیوجہ سے اسقدر زور دیتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ اس سے زیادہ کھلا انکار بتونکی شفاعت کا اور کیا ہوسکتا ہے۔ ہاں جو شخص تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ لے اسکا اختیار ہے جو چاہے کہے مگر جو شخص غور کر سکتا ہے وہ غور کرے کہ اس قصہ میں کس قدر جھوٹ سے کام لیا گیا ہے +

اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن پر الگ الگ غور کرنیسے اس قصہ کا وضعی ہونا ثابت ہوتا ہے اسی سورۃ کے ابتدا میں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔ وماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ یعنی پیغمبر اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتا بلکہ ہر ایک لفظ جو وہ کہتا ہے وہ وحی ہے جو خدا کیطرفسے وحی کیجاتی ہے۔ کس قدر تعجب ہے کہ قرآن شریف تو آنحضرت کو اس الزام سے بری کرے کہ وہ اپنی خواہش سے باتیں بنا کر کہدیتے ہیں اور قصہ کے بنانیوالے یہ الزام لگاویں کہ چونکہ آنحضرت کی یہ خواہش تھی کہ کچھ بتونکی بھی تعریف کردیجاوے اسلیے خدا کی وحی کو نعوذ باللہ آپ نے خود اپنی خواہش نفس سے بدل دیا۔ جو شخص قرآن کریم کو قبول کرتا ہے اسے اس قصہ کو یقیناً وضعی ٹھہرانا پڑیگا۔ اور خدا نے قرآن شریف میں بار بار یہ بھی فرمایا ہے کہ شیطان کو اسکے نیک اور مخلص بندوں پر کوئی تسلط نہیں دیا جاتا۔ پس یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ اسقدر تسلط پا جاوے کہ خدا کے کلام کی بجائے اپنا کلام نبی کے منہ میں ڈالدے نعوذ باللہ من ذلک۔ ایسا ہی سورۃ جن میں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔ فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا لیعلم ان قد ابلغوا رسٰلٰت ربھم یعنی اللہ تعالے اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر برگزیدہ پیغمبران میں سے جسپر چاہے ظاہر کرتا ہے۔ اور رسولوں کے آگے اور پیچھے وہ فرشتونکے پہرے رکھتا ہے تاکہ دیکھ لے کہ پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغام کو ٹھیک ٹھیک لوگوں تک پہونچادیا۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جبتک لوگوں تک خدا کی اتاری ہوئی کلام نہیں پہنچ جاتی اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا پس وہ قصہ جسکے رو سے قبل از ابلاغ ہی وحی کے الفاظ میں تغیر آگیا۔ قرآن کریم کے رو سے باطل اور غلط ٹھہرتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ عرب کے بت پرست یہی سمجھتے تھے۔ کہ انکے بتوں کو خدا نے طاقت دے رکھی ہے اور انکی شفاعت کا اعتقاد رکھتے تھے پس اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بتونکی عظمت اور شفاعت کو مان لیتے تو معاذ اللہ گویا انہوں نے کامل بت پرستی کا مذہب اختیار کر لیا ہوتا۔ اس صورت میں وحی الہی کے کیا معنے۔ کیونکہ وحی کا نزول تو بت پرستی کی بیخکنی کیلیے شروع ہوا تھا اور یہی آنحضرت کا دعوے تھا پس جب بت پرستی ہی حق ہوگئی تو نہ وحی ہی رہی اور نہ نبی ہی رہا۔ اس صورت میں تو یہ لازم آتا تھا کہ جسقدر قرآن کریم

اسوقت تک نازل ہوچکا تھا اس سب کو بت پرستی کی مذمت کے سبب سے معاذ اللہ غلط سمجھ کر بالکل ترک کر دیا جاتا۔ اور تمام مسلمان پھر اپنے آبائی مذہب بت پرستی میں داخل ہوکر تمام جماعت درہم برہم ہو جاتی اور اس صورت میں خبر یہ مشہور ہونی چاہیئے تھی کہ تمام مسلمانوں نے بت پرستی کا مذہب اختیار کر لیا ہے نہ یہ کہ کفار مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور وہ مسلمان جنہوں نے بت پرستی کو ترک کر کے نہایت سخت مصیبت اور تکلیفیں اٹھائی تھیں اور ہر طرح سے کفار کے ظلموں کا نشانہ بنے تھے کیا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھتے کہ آپ نے اتنے برس ہم سے بت پرستی چھڑوا کر ہمکو طرح طرح کی مصائب میں ڈالا۔ گھروں سے الگ کیا جایدادیں چھڑائیں۔ رشتہ داروں کو دشمن بنایا۔ اور اب آپ پھر ہمیں اسی بت پرستی کی تعلیم دیتے ہیں۔ ایک غور کرنیوالا انسان آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک لحہ کیلیئے بھی بتوں کی شفاعت کو تسلیم کر لیا ہوتا تو ضرور یہ سب باتیں فی الفور وقوع میں آجاتیں۔ مگر چونکہ یہ یقینی امر ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی واقع نہیں ہوئی اسلیئے یہ یقینی اور قطعی نتیجہ ہے کہ یہ قصہ اسلام کے دشمنوں کا افترا ہے اور جب مشہور ہوگیا تو بعض غیر محتاط مسلمانوں کے اندر بھی مشہور ہوکر مان لیا گیا۔ جیسا کہ اور بہت سی وضعی احادیث مشہور ہوکر مان لی گئی تھیں جبتک کہ بڑے بڑے محققین نے کوشش کر کے اسکے جھوٹا ہونیکو ظاہر نہیں کیا۔ دوسری طرف جیسا کہ اس قصہ سے پایا جاتا ہے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کسیوقت کفار قریش واقعی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متبع ہو گئے ہوں۔ اور قرآن کریم کو وحی الہی سمجھکر اپنی مجلسوں میں پڑھنا شروع کر دیا ہو۔ یا اسکی چند سورتیں مسلمانوں کی طرح حفظ کر لی ہوں یا مسلمانوں کی طرح نمازیں پڑھنی شروع کر دی ہوں اور جماعت میں شریک ہونے لگ گئے ہوں۔ خواہ ایک آدھ دن کیلیئے ہی سہی۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی سمجھدار آدمی ان واقعات کی موجودگی میں اس قصہ کو صحیح سمجھے گا۔

دو امر باقی ہیں جنپر کچھ روشنی ڈالنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم پڑھی تو کفار جو سن رہے تھے وہ سجدہ میں کیوں گر گئے۔ اس سورت کے آخری رکوع میں خدا تعالے کی عظمت اور جلال کا خاص طور پر ذکر ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ کیونکر اسکی غیرت نے اور اسکے غضب کی آگ نے ان لوگوں کو بھسم کر دیا۔ جنہوں نے اللہ تعالے کی عظمت اور جلال کو تسلیم نہ کیا بلکہ مخالفت پر ہی لگے رہے۔ چنانچہ رکوع کے ابتدا میں خدا تعالے کی طاقتوں کا بیان کر کے اخیر میں ان مغضوب قوموں کا حال بیان کیا ہے۔ جنہوں نے انبیا کی نصیحتوں کو نہ مانا اور الٹا انپر ٹھٹھا کیا۔ کیونکر عاد اور ثمود اور نوح کی قوم ہلاک کی گئی کیونکہ انہوں نے خدا کے احکام سے سرکشی کی۔ کیونکر ان بستیوں کا تختہ الٹا کر ایک دم میں ہی انکو ہلاک کر دیا گیا کیونکہ انہوں نے بدکاری اور بت پرستی کو نہ چھوڑا

اور یہ سب باتیں بیان کرنیکے بعد کفار کو مخاطب کر کے یوں فرمایا گیا کہ یہ مت سمجھو کہ پہلے لوگ نبیوں کی مخالفت سے ہلاک ہو گئے تو تم بچ رہو گے۔ تمہارا وقت اب قریب آگیا ہے اور اس گھڑی کی خطرناک مصیبت کو تمہارے سر سے کوئی بھی سوائے خدا کے ٹال نہیں سکتا۔ یہ خالی نصیحت کی باتیں نہ تھیں جو وہ لوگ سنتے اور لاپروائی سے اٹھ جاتے یہ ایک خطرناک مصیبت کی خبر تھی۔ لفظ کیا تھے۔ گویا بجلی کی کڑک تھی اور اس سراسیمگی اور خوف کی حالت میں اللہ تعالے نے سورت کو ان الفاظ پر ختم فرمایا کہ یہ خبر جو تمکو دی گئی ہے۔ اس سے تعجب مت کرو۔ یہ رونے کا وقت ہے اور ہنسنے کا نہیں۔............
...... خدا کو سجدہ کرو۔ اور اسی کی عبادت کرو۔ تا وہ اس عذاب کو تمہارے سر سے ٹال دے۔
ان الفاظ پر پہونچکر آنحضرت سجدے میں گر گئے اور آپکے ساتھ کل مسلمان بھی۔ ایکطرف اس نظارے کا اثر جادو کی طرح ہوا۔ دوسریطرف وہ عذاب کے وعید سے مرغوب ہو رہے تھے ان دونوں باتوں نے مل ملا کر ایک فوری اثر کفار پر کیا کہ وہ بھی بے اختیار خدا کے آگے سجدے میں گر گئے۔

یہ قرآن کریم کا ایک معجزہ تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک عظیم الشان نشان۔ اس سے پہلے بھی عذاب کے وعید کو قریش محض لاپروائی سے نہیں سنتے تھے۔ بلکہ انکے دل اندر ہی اندر سے کھائے جا چکے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے وہ بہت ڈرتے تھے اور اس قسم کے کئی واقعات احادیث اور سیرت کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ ایک دفعہ جب آپ کفار کی مجلس کے پاس سے گذرے تو آپ پر استہزا کیا گیا لیکن جب آپ واپس آکر ٹھیر گئے تو کسی کو بات کرنیکی جرأت نہ ہوئی کیونکہ وہ خوف کرتے تھے کہ شاید آپ بددعا کریں۔ ایک دفعہ جب حضرت عمرؓ نے آپکے قتل کا ارادہ کیا تو وہ جنگل میں چھپے رہے کہ جب آپ رات کو نماز کیلئے نکلینگے تو اسوقت مارونگا۔ جب آدھی رات کے قریب ہوئی تو جنگل میں سے لا الہ الا اللہ کی آواز آنی شروع ہوئی۔ وہ سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آئے ہیں۔ جب انکے پاس سے آپ گذر گئے تو وہ بھی آپکے پیچھے پیچھے چلے۔ اور پھر خیال کیا کہ سجدے میں جائینگے تو اسوقت مارونگا۔ سجدے میں آپکی دعاؤں اور گریہ وزاری نے ایسا اثر حضرت عمر پر کیا کہ وہ آگے بڑھنے کی جرات نہ کر سکے جب آپ نماز سے فارغ ہو کر واپس چلے تو حضرت عمر پھر آپکے پیچھے ہوئے۔ آخر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پھر کر کہا کہ اے عمر تو نہ دن کو میرا پیچھا چھوڑتا ہے نہ رات کو۔ حضرت عمر فرماتے ہیں۔ مینے سمجھا کہ اب مجھ پر بددعا کرینگے۔ سوانہوں نے کہا کہ آپ مجھ پر بددعا نہ کریں اور میں پھر آپ کو تکلیف نہ دونگا۔ ایسا ہی جب عتبہ بن ربیعہ کفار کا پیغام لیکر آپکے پاس پہونچا تو آپنے جواب میں سورہ حم السجدہ پڑھنی شروع کی جب آپ اس آیت پر پہونچے فان اعرضوا فقل

انذرتکم صٰعقۃ مثل صٰعقۃ عاد وثمود۔ تو عتبہ نے آپکے منہ پر ہاتھ رکھدیا اور رحم کا واسطہ دیکر عرض کیا کہ اور کچھ نہ کہیں۔ پھر جب قریش اس سے ملے تو انہوں نے کہا کیا تو صابی ہوگیا ہے۔ وہ غضبناک ہوکر بولا کہ نہیں میں نے سب کچھ کہا اور جو جواب آپ نے مجھے دیا وہ نہ شعر ہے نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے۔ اور جب آپ ان الفاظ پر پہونچے صاعقۃ مثل صاعقۃ عاد وثمود۔ تو میں نے آپکے منہ پر ہاتھ دیا اور رحم کا واسطہ دیا کہ یہ نہ کہیں۔ اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم جب کچھ کہتے ہیں تو جھوٹ کبھی نہیں کہتے اور میں ڈر گیا کہ ہم پر عذاب نازل ہو۔" یہ بالکل سچ ہے جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور جیسا کہ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ قریش کے دلوں میں آپکی صداقت رچی ہوئی تھی اور شروع سے ہی انکے دلوں میں یہ کھٹکا پیدا ہوگیا تھا کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ ہوکر رہے گا۔ پس ضروری تھا کہ اس طرح بالمشافہ جب انہوں نے اس پیشگوئی کو آنحضرت کے منہ سے سنا تو وہ مرعوب ہو جاویں اور اس خالق کے آگے اپنے سر جھکا دیں جسکے وجود کے وہ پہلے بھی منکر نہ تھے۔

درحقیقت قرآن کریم کے اندر ایک ایسا اعجاز تھا کہ بعض وقت خالی اسکے پڑھے جانیسے ہی سامعین پر اسکی صداقت کا اثر ہوتا تھا اور پھر ساتھ اسکے کلام ایسا فصیح وبلیغ کہ کفار بھی اسکے آگے سجدہ میں گر جاتے تھے اسی لیے اسکے اعجازی اثر کیوجہ سے ہی قریش نے حضرت ابوبکر کو اپنے گھر سے باہر نکلکر قرآن شریف پڑھنے سے روکدیا تھا کیونکہ اسکا اثر سامعین پر ہوتا تھا اور اس کلام میں ایک کشش تھی اور انکو اندیشہ تھا کہ لوگ مسلمان ہوتے چلے جائینگے۔ ان باتوں سے قیاس ہوسکتا ہے کہ جب خود مہبط وحی علیہ الصلوۃ والسلام نے کفار کی ایک مجلس میں اس سورہ شریفہ کو پڑھا ہوگا تو اسکا کیسا اثر ہوا ہوگا۔ ایک طرف کلام کا اعجازی اثر اور دوسری طرف مضمون بھی وہ جو کفار کے دل کو کھا جانیوالا تھا۔ پہلی قومیں کس طرح عذاب الٰہی سے ہلاک کی گئیں کہ انکا نام ونشان بھی نہ رہا۔ وہ وقت تمپر بھی آنیوالا ہے۔ پس اس ایک خدا کی طرف رجوع کرو جو تمہارا خالق ہے اور جو اس عذاب سے تمہیں بچا سکتا ہے۔ اس اعجازی اثر اور خوف کے نیچے ایک لمحہ کیلیے قریش اپنی مخالفت کو بھول گئے اور اپنے ماتھے زمین پر خدائے ذوالجلال کے آگے رکھدیئے کیونکہ اسکی ہستی کے تو وہ بھی قایل تھے اور خدا کو سجدہ کرنا وہ برا بھی نہ سمجھتے تھے خود سوچ لو کہ ان دو باتوں میں سے کونسی اغلب ہے۔ آیا یہ کہ کفار خدا تعالٰے کو سجدہ کریں جس کی ہستی کو وہ مانتے تھے اور جسکے نیچے اپنے بتوں کو وہ چھوٹے دیوتا اور دیویاں مانتے تھے یا یہ کہ آنحضرت بتونکی عظمت کو تسلیم کرلیں جسکی تردید میں آپ کئی سال سے وعظ کر رہے تھے اور کبھی ایک لمحہ کیلیے بھی انکی شفاعت کے قایل نہ ہوئے تھے اگر باقی تمام وجوہات کو نظرانداز بھی کردیا جائے تو بھی خالی یہی مقابلہ ہی اس قصّہ کے وضعی ثابت کرنیکے لیے کافی

ہے - یہ بہت قرین قیاس ہے کہ طرح طرح کے اثروں کے نیچے آکر جسکی نظیریں اس واقعہ کے علاوہ بھی ملتی ہیں کفار اپنی مخالفت کو ایک لمحہ کے لیے بھول گئے ہوں کیونکہ وہ مخالفت حق پر بھی نہ تھی حالانکہ اس سے بڑھکر اور کوئی بعید از قیاس بات ہی نہیں کہ اسقدر پر زور تعلیم بت پرستی کی تردید میں دیتے دیتے اور واقعی بتونکی بے حقیقتی پر یقین کامل رکھکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بتوں کی عظمت اور شفاعت کے قایل ہوجاتے یا معاذ اللہ بالفاظ دیگر بت پرستی کو اختیار کر لیتے +

اسکے بعد صرف چند آیات کی تشریح باقی ہے جنکو اس قصہ کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے ان میں سب سے زیادہ زور سورہ حج کی آیت وما ارسلنا من قبلک الخ پر دیا جاتا ہے - مگر افسوس ہے کہ جن لوگوں نے یہ پہلو اختیار کیا ہے انہوں نے قرآن شریف کو کھولکر نہیں پڑھا - ورا اس آیت سے ماقبل و مابعد کی آیتوں پر کچھ بھی غور نہیں کیا - وہ رکوع جس میں یہ آیت ہے ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے - قل یا یہا الناس انما انا لکم نذیر مبین - اور پھر دو گروہ کر کے فرماتا ہے - والذین سعوا فی اٰیتنا معٰجزین اولئک اصحٰب الجحیم یعنی جو لوگ رات دن اسی جوڑ توڑ میں لگے رہتے ہیں کہ ہماری نشانیوں کو عاجز کر دکھادیں اور انکو ہمارے وعدے کے مطابق غالب نہ ہونے دیویں وہ اصحٰب الجحیم ہیں - یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا ذکر ہے کہ انکو رات دن یہی فکر ہے کہ کسی طرح خدا کی باتیں پوری نہ ہوں اور پھر اسکے ساتھ ہی اگلی آیت میں یہ فرمایا کہ یہ بات صرف اس نبی سے ہی مخصوص نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی کوئی ایسا نبی یا رسول نہیں گذرا - مگر جب اس نے خواہش کی (کہ دنیا میں پاکیزگی اور سچائی پھیلے) تو شیطان نے اسکی آرزو میں روک ڈالی - مگر خدائے تعالے ان شیطانی القاؤں یعنی روکوں کو دور کر کے اپنی آیات کو (جنکے ہرانیکے لیے مخالفین کوششیں کرتے ہیں) محکم اور غالب کر دیتا ہے یہی معنے ہیں اس آیت کے جسکا بے سمجھی سے بتونکی تعریف کے جھوٹے قصہ سے تعلق بتایا جاتا ہے - وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنّٰی القی الشیطٰن فی امنیتہ فینسخ اللہ مایلقی الشیطٰن ثم یحکم اللہ اٰیتہ واللہ علیم حکیم - پہلی آیت میں تو مخالفین نبی کریم کا ہی ذکر تھا کہ وہ خدا کی آیتوں کو ہرانے اور عاجز کرنیکی کوشش کر رہے ہیں اس دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ ہر نبی کے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے مگر پھر آخر ایک وقت آجاتا ہے جب مخالفین کی سب کوششوں کو ناکام کر کے خدا تعالے اپنی آیات کو غالب اور محکم کرتا ہے اگر یہ معنے اس آیت کے نہ لیے جاویں تو پہلی آیات سے اسکا کوئی تعلق نہیں رہتا - مابعد کی آیات سے بھی اسی نتیجہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ان میں بھی اسی قسم کا ذکر ہے - ولا یزال الذین کفروا فی مریۃ منہ حتّٰی تاتیہم الساعۃ بغتۃ او یاتیہم عذاب یوم عقیم -

دوسری دو آیتیں جن سے میور یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ان میں آنحضرت کا اسی قصہ کیطرف اشارہ ہے حسب ذیل ہیں - وان کادوا لیفتنونک عن الذی اوحینا الیک لتفتری علینا غیرہ واذا لاتخذوک خلیلا ولولا ان

ثبتنٰک لقد کدت تزکن الیھم شیئاً قلیلا اذاً لاذقنٰک ضعف الحیوٰۃ وضعف الممات ثم لا تجد لک علینا نصیرا-
(بنی اسرائیل ۷۳-۷۵) اور بیشک یہ لوگ تو چاہتے تھے کہ تجھ کو اس چیز سے بہکا دیں جو ہم نے تیری طرف
وحی بھیجی تو کہ افترا کرے تو ہم پر سوائے اسکے (یعنے وحی الٰہی کے) اور اگر تو ایسا کر دیتا (جیسے انکی خواہش تھی) تب
یہ لوگ تجھے اپنا دوست بنا لیتے - اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہمنے تجھکو (پہلے سے ہی) مضبوط کر دیا ہوتا تو تو بھی انکی
طرف تھوڑا سا جھکنے کے قریب ہو جاتا - اور اگر ایسا ہوتا تو پھر ہم تجھے دُگنا عذاب زندگانی دنیا اور دُگنا
عذاب آخرت کا چکھاتے - پھر نہ پاتا تو اپنے واسطے کوئی ہمپر مدد کرنیوالا تعجب ہے کہ اس آیت کو کسطرح
اس قصہ کے متعلق ٹھہرایا جاتا ہے اس آیت میں تو صرف کفار کی خواہش اور تیاریوں کا ہی ذکر ہے - حالانکہ
قصہ میں یہ مانا گیا ہے کہ کفار اپنا کام پورا کر چکے تھے اور آنحضرت کو راہ حق سے بہکا چکے تھے - یہ اشارہ تو
کفار کی ان کوششوں کی طرف ہے جو انہوں نے مال اور عورتیں اور حکومت اور عزت کے لالچ پیش کر کے آنحضرت
سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ بتوں کی مذمت کو چھوڑ دیں - بلکہ ان آیات سے تو صاف اس قصہ کی جو سورہ
نجم کیطرف منسوب کیا جاتا ہے تردید ہوتی ہے کیونکہ یہاں خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ جسطرح کفار نے آپکو
بہکانا چاہا تھا اگر واقعی آپ تھوڑا سا بھی جھک جاتے تو زندگی اور آخرت میں دُگنا عذاب دیا جاتا اور
دنیا میں کوئی آپکی نصرت کرنیوالا نہ رہتا پس اگر آنحضرت نے بتوں کی عظمت اور شفاعت کو حسب خواہش
کفار قبول کر لیا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ وعید الٰہی بھی پورا ہوتا - مگر اس وعید کے پورا نہ ہونے اور خدا تعالےٰ کے
آپکی نصرت اور تائید کرتے رہنے نے یہ قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ یہ قصہ محض جھوٹ ہے +

ایک نیا معترض

عصر جدید کے مضمون پر الحکم اور بدر میں اسقدر تنقید ہو چکی ہے کہ اگر ایڈیٹر رسالہ خصوصیت سے مجھے
ریویو کے لیے نہ لکھتا تو میں ہرگز اسطرف توجہ نہ کرتا - میرے مکرم خواجہ کمال الدین صاحب وکیل چیفکورٹ
پنجاب لاہور نے جو مفصل اور مبسوط بحث بذریعہ اخبار الحکم شایع کی ہے اور پھر خصوصاً جس تفصیل کے
ساتھ انہوں نے آیندہ خواجہ غلام الثقلین کی تحریر کے ہر ایک پہلو پر بحث کرنیکا وعدہ فرمایا ہے جسکو
امید ہے وہ عنقریب کتاب کی صورت میں شایع فرماوینگے اور جس زور سے منشی ذوالفقار علی خان
صاحب نے عصر جدید کے الزامات کی تردید کی ہے انکے بعد کسی تحریر کی ضرورت نہیں رہتی مگر اس خیال

سے کہ ممکن ہے کہ خواجہ غلام الثقلین جیسا کہ انہوں نے دعوے کیا ہے ہدایت کے لینے پر آمادہ ہوں میں انکو انکے اصول بحث کی غلطی سے آگاہ کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اگر عصر جدید کے ایڈیٹر نہیں تو کم از کم حق پسند احباب یہ سمجھ جائینگے کہ خواجہ غلام الثقلین نے ان اصول کے قایم کرنے میں جنکے رو سے وہ کسی مدعی نبوت کے سچ یا جھوٹ کو پرکھنا چاہتے ہیں بڑی بھاری غلطی کھائی ہے اور اسکی وجہ انکی قرآن شریف اور اصول حقہ مذہب اسلام سے ناواقفیت ہے۔ جس طرح ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یہود اور عیسائیوں نے اپنی کتب کو چھوڑ کر مشرکین عرب کی طرح اعتراض کیے بعینہٖ اسی طرح آج کل مسلمان قرآن کریم کی کھلی اور سیدھی راہ کو چھوڑ کر یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح اعتراض کر رہے ہیں اور اس تشابہ قلوب کا ثبوت دے رہے ہیں جس کا ذکر قرآن شریف نے سورہ بقرہ میں کیا ہے +

اس ایک ہی وقت میں دو مضمون میری نظر کے سامنے ہیں ایک پادری سیل؀ کا مضمون اسلام پر اور ایک خواجہ غلام الثقلین کا مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سلسلہ پر اور ان دونوں مضمونوں کو پڑھکر میں انکے درمیان کوئی مابہ الامتیاز نہیں پاتا۔ دونوں نے اپنے نزدیک بڑی عقلمندی سے حملے کیے ہیں اور دونوں نے یہی ٹھوکر کھائی ہے کہ جو امتیازی نشان حق اور باطل میں فرق کرنیکا اللہ تعالے نے اپنی پاک کتاب میں قایم کیا ہے اسکو چھوڑ کر ایسے اعتراض کیے ہیں جن کی پوری تردید کرنیکے بعد بھی حق و باطل میں امتیازی نشان قایم نہیں ہو سکتا۔ چار اصول جو خواجہ غلام الثقلین نے اپنی طبیعت سے ایجاد کیے ہیں جنکے رو سے وہ حضرت مرزا صاحب کو پرکھنا چاہتے ہیں عدل و انصاف۔ کفایت شعاری سعی و محنت۔ اور اتفاق قومی۔ مگر میں خواجہ صاحب سے دو باتیں پوچھتا ہوں۔ اول یہ کہ آیا جس شخص میں یہ چاروں اوصاف پائے جاتے ہونگے وہ اسکو نبی ماننے کیلیے تیار ہونگے اور دویم یہ کہ آیا ایک متعصب آدمی جو ایک نبی کے خلاف رائے قایم کر چکا ہے جیسے آپ اسوقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف اور سیل؀ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف کر چکے ہیں وہ ایسی مبہم باتوں میں ایک نبی کے خلاف اعتراض پر ہاتھ ڈال سکتا ہے یا نہیں۔ امر اول کے متعلق تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اعتراضوں کی تردید کے بعد بھی نبوت پر کوئی روشنی نہیں پڑیگی۔ ہاں شاید آپ یہ کہیں کہ کم از کم اگر ایک شخص میں یہ باتیں نہ پائی جاتی ہوں تو اسکا کاذب ہونا ثابت ہو جائیگا۔ اسی وہم کی تردید کیلیے مینے سوال کی دوسری شق قایم کی ہے۔ میں آپکی خدمت میں یہ التماس کرتا ہوں کہ آپ سیل؀ صاحب کے مضامین کو مدراس کرسچین کالج میگزین میں مطالعہ کر کے پھر تبلاویں کہ پادری صاحب نے عین اسی موقعہ پر ٹھوکر نہیں کھائی جہاں آپ کھا رہے ہیں۔ انہوں نے بھی ایسے بعض امور پکڑ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیے ہیں جو انکے

نزدیک انہی آپکے چار مجوزہ اصولوں میں سے کسی ایک نہ ایک کے خلاف ہیں اور اگرچہ آپ مذہب سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں مگر شاید آپنے سنا ہی ہوگا کہ اس قسم کے اعتراضوں کے جواب سینکڑوں دفعہ مسلمان پادریصاحبان کو دے بھی چکے ہیں اور اب بھی دے رہے ہیں۔ کیا پھر پادریصاحب قایل ہوگئے جو آپ اس قسم کے اعتراضونکے جواب سنکر قایل ہوجائینگے۔ آپ ایک لمحہ کیلیے یہ بدظنی چھوڑدیں کہ دوسرے لوگ شریر ہیں اور آپ نیک ہیں۔ اور اپنے وجود کو ایکدم کیلیے عصر جدید کے مضمون سے الگ کرکے سوچیں کہ آپکی باتوں اور اور ان لوگونکی باتوں میں جو اسلام پر اعتراض کررہے ہیں اصولاً کیا فرق ہے تو میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کوئی فرق نہ پائینگے۔ مثلاً سیل کے مضمون کے بعض اعتراض ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ ہیں کہ آپنے مدینہ میں بعض یہودیونکو قتل کیا اور بعض کو لونڈی غلام بنایا اور عدل و انصاف کے خلاف کام کیا۔ آپکی لڑائیاں لوٹ کے لالچ سے تھیں۔ اور اسلیئے سعی و محنت کا اصول ملحوظ نہ رہا۔ آپنے بہت سی بیویاں کیں اور کفایت شعاری کے اصول کو چھوڑا۔ آپنے صلح کے پہلو کو اختیار نہ کرکے ناحق لڑنے والونکو جنگ کے لیئے اکسایا اور خطرناک تفرقہ ڈالا۔ اور قومی اتحاد کے اصول سے الگ ہوگئے۔ ایسے ہی اور سینکڑوں اعتراض ہیں جنسے پادریصاحبان کی کتابونکے اوراق سیاہ ہورہے ہیں اور باوجود بار بار کے جواب دینے کے بھی وہ اپنی باتونسے باز نہیں آئے +

اگر اور پیچھے چلیں تو یہی سلوک اور ایسے ہی اعتراض یہود کے حضرت مسیح کے متعلق نظر آتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ وہ نہایت قیمتی عطر جو مسیح نے اپنے پاؤں پر ملوایا۔ اس سے آپکی نبوت پر اعتراض آتا ہے کیونکہ اگر کفایت شعاری کے اصول کو مدنظر رکھا جاتا تو وہی روپیہ کسی اور جگہ کام آسکتا تھا۔ دوسرا کہتا ہے کہ انہوں نے مچھوؤنکو کام سے ہٹایا اور اس سے خواجہ غلام الثقلین کے اصول سعی و محنت کی خلاف ورزی ہوئی تیسرا اعتراض کرتا ہے کہ ایک غریب کے سوروں کا گلہ آپنے سمندر میں ڈبودیا اور بیگانے کھیت سے خوشے توڑنیکی اجازت اپنے مریدونکو دی۔ اس سے خواجہ صاحب کا اصول عدل و انصاف قایم نہیں رہتا۔ چوتھا اعتراض کرتا ہے کہ حضرت مسیح نے فقیہوں اور فریسیوں کو جو معزز اور ممتاز عالم تھے منافق اور سانپ اور حرامکار اور کیا کیا کہا۔ پس قومی اتفاق کا اصول ٹوٹ گیا۔ مینے ایک ایک مثال دی ہے۔ اور خواجہ صاحب پسند کریں تو اور سینکڑوں نظیریں اسکی پیش کرسکتا ہوں۔ بلکہ ایسے ہی اعتراض آریوں نے حضرت موسے علیہ السلام پر کیئے ہیں مثلاً مصریونکے زیور لے آنا وغیرہ وغیرہ۔ اور ہندوؤنکے اپنے بزرگ بھی ان اعتراضونسے خالی نہیں۔ غرضیکہ جہانتک انبیاء علیہم السلام کی تاریخ دیکھی جاتی ہے مخالفین کو اعتراضونکے لیئے ہر جگہ گنجایش ملتی رہی ہے اور پھر باوجودیکہ ان اعتراضونکے جواب کئی دفعہ دیئے جاچکے ہیں۔ مگر مخالفین کے منہ

بند نہیں ہوگئے کیا ہم محض خواجہ غلام الثقلین کیخاطر یہ مان لیں کہ آپ تو نیک نیت ہیں اور دوسرے معترضین بدنیت۔ حالانکہ آپکی نیک نیتی کی حقیقت میرے مکرم دوست خواجہ کمال الدین صاحب خوب کھول چکے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ان سب لوگوں نے ایک ہی جگہ ٹھوکر کھائی ہے یعنی اس سچے اصول کو جو حق اور باطل کے درمیان امتیاز کر سکتا ہے چھوڑ دیا ہے اور بیہودہ راہوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ سچے اور جھوٹے کے درمیان خدا تعالے نے یہ امتیاز رکھا ہے کہ سچے کو اللہ تعالے کیطرف سے نصرت اور تائید دیجاتی ہے اور مفتری مخذول اور ہلاک ہوتا ہے یہی اصول توریت نے قایم کیا ہے اور اسی اصول پر بار بار قرآن شریف نے زور دیا ہے اس اصول سے انکار کرنا خدا کے متصرف اور مدبر بالارادہ ہونیسے انکار کرنا اور دہریت کا ایک شعبہ ہے۔ اب خواجہ صاحب دو راہوں میں سے جونسی چاہیں اختیار کرلیں۔ یا تو یہ ثابت کر دیں کہ یہ اصول حق اور باطل میں امتیاز کا خدائے تعالے نے قایم نہیں کیا اور قرآن شریف میں بصراحت اسکا ذکر نہیں اور ان آیات کو کہ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا اور ان جندنا لھم الغالبون۔ اور ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین اور اسی قسم کی دوسری بہت سی آیتوں کو جنسے قرآن کریم بھرا پڑا ہے مدنظر رکھ لیں اور یا یہ ثابت کر دیں کہ اس اصول کے رو سے حضرت مرزا صاحب صادق نہیں ٹھہرتے۔ ان راہوں کو اختیار کرنیسے دنیا پر حق جلدی کھل جاتا ہے اور فضول مباحثوں سے نجات ہوتی ہے چونکہ انہوں نے اپنے رسالے میں اس مضمون کو چھیڑا ہے۔ اسلیے مناسب ہے کہ اس جوش اور غضب فرو کرکے اور اس لچھچھوپن کو چھوڑ کر جو انکے پہلے مضمون میں پائے جاتے ہیں وہ ٹھنڈے دل سے غور کریں اور پورے غور کے بعد اس نتیجہ کو شایع کریں جسپر وہ پہونچیں۔ مگر نہ اسکی طرح جسکے متعلق آیا ہے انہ فکر و قدر فقتل کیف قدر۔ بلکہ اسکی طرح جس نے کہا وان یک کاذبا فعلیہ کذبہ وان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم ان اللہ لا یہدی من ہو مسرف کذاب۔

اب چند سطروں میں میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالے نے اپنی نصرت اور تائید کے کیا کیا وعدے کیے اور کیونکر وہ وعدے پورے ہو رہے ہیں۔ میں یہ جتانا چاہتا ہوں کہ دنیا میں جو لوگ کوئی کام کرتے ہیں وہ کامیاب بھی ہوتے ہیں اور ناکام بھی۔ پس خالی کامیابی یا ناکامی سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ مگر اللہ تعالی کی اپنے ان خاص بندوں کے ساتھ جنپر وہ اپنا کلام نازل فرماتا ہے اور جنکو دنیا کی اصلاح کیلیے مامور فرماتا ہے یہ سنت قدیم ہے کہ وہ پہلے ایسے حالات میں جب چاروں طرف سے ناکامی ہی ناکامی نظر آتی ہے انکو بذریعہ وحی مطلع فرماتا ہے کہ وہ آخر میں غالب اور منصور کیے جاوینگے اسکی دو غرضیں ہوتی ہیں اول یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو ہر قسم کے غموم وہموم کے اوقات میں جب لوگ

ان کی باتوں کو رد کرتے ہیں اور ہر قسم کے مصائب اور تکالیف اور ایذائیں کہ زمانے میں جو مخالفین کی طرف سے انکو پہونچائی جاتی ہیں۔ خدا کے زندہ اور طاقتور کلام سے تسلی ملتی رہے اور دوسرے یہ کہ انبیا علیہم السلام کا ناکامیوں کے بعد آخر کامیاب ہونا دنیا کیلیے ایک نشان ٹھیرے اور تا معلوم ہو کہ یہ انکی کامیابی اتفاقی امر نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کے خاص ارادہ اور منشار سے یہ انکی نصرت ہوئی ہے۔ اور تا اللہ تعالےٰ کی قدرت اور علم پر اسکے بندوں کو یقین تام حاصل ہو کیونکہ اللہ تعالےٰ نے قبل از وقت اسوقت یہ خبر دی جب انکی کامیابی ناممکن معلوم ہوتی تھی اسی لیے قرآن شریف کی تمام مکی سورتیں ابتدا سے لیکر آخر تک اللہ تعالےٰ کے ان وعدوں سے بھری پڑی ہیں کہ آخر کار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے ساتھی غالب اور منصور و مظفر ہونگے اور ہر ایک روک جو انکی کامیابی کی راہ میں آ ویگی اٹھا دیجاویگی اور پھر آخر مدینہ میں اللہ تعالےٰ نے ان تمام وعدوں کو پورا فرما کر تمام مخالفین پر اتمام حجت کی چنانچہ جب یہ آخری اور عظیم الشان فتح اور کامیابی کا وقت آیا۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔ یعنی ہمنے کھلی کھلی فتح عطا فرمائی تا وہ تمام اعتراض جو پیغمبر پر کیے جاتے ہیں خود ہی دنیا کی نظروں میں مردود ثابت ہو جائیں۔ کیونکہ جب نصرت الٰہی تمام و کمال کو پہونچ گئی اور مخالفین کی کل کوششیں جو سالہا سال تک وہ کرتے رہے بالکل ناکام اور نامراد ہوئیں اور حسب وعدہ الٰہی یہ سب باتیں ہوئیں تو یہ ایک ایسی کھلی دلیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر پیدا ہو گئی جسکے مقابل کسی اعتراض کی گنجایش ہی نہ رہی۔ تعجب ہے کہ مکہ کے بت پرستوں نے تو اس بات کو سمجھ لیا جب انہوں نے فتح مکہ کے بعد کہا کہ آج ہم آنحضرت کی صداقت پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ وہ نصرت اور تائید کے تمام وعدے پورے ہوئے جو آپکے ساتھ کیے گئے تھے اور اسوقت یہ سوال نہ کیا کہ فلاں فلاں اعتراض ابھی آپکو دور کرنے چاہئیے اور آج کل کے نام کے مسلمان اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔ یاد رکھنا چاہئیے کہ ذنبک سے مراد اس جگہ وہ ذنوب ہیں جو مخالفین آپکی طرف منسوب کرتے تھے اور اعتراض کے رنگ میں پیش کرتے تھے ورنہ فتح کو گناہوں کی معافی سے کیا تعلق۔

اب اس خدا تعالیٰ کی قدیم سنت کے مطابق ہمارے حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالےٰ نے اسوقت آپکی نصرت اور تائید اور مخالفین کی کوششوں کے ناکام اور نامراد رہنے کے وعدے دیئے۔ جب آپ ایک گمنامی کی حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ خدا تعالیٰ کی یہ وحی اگر صرف چند آدمیوں کے سماع تک ہی محدود ہوتی اور تحریر میں نہ آجاتی تو بھی مخالفین کو انکار کی گنجایش ہوتی کہ شاید یہ وحی اسوقت کی نہ ہو مگر ایک ایسے وقت میں یہ سب پیشگوئیاں براہین احمدیہ میں شائع ہو چکی ہیں جس کو آج پچیس سال کا عرصہ گذر چکا ہے

اور جبکہ نہ ابھی حضرت میرزا صاحب کا دعوے تھا۔ نہ ہی کوئی مخالف تھے اور نہ ہی انکے پاس لوگوں کی آمد و رفت تھی بلکہ اسوقت آپکو کوئی جانتا بھی نہ تھا مثلاً ان الہامات پر غور کرو۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح و انتھی امر الزمان الینا الیس ہذا بالحق۔ یاتیک من کل فج عمیق۔ یاتون من کل فج عمیق۔ ینصرک اللہ من عندہ یرفع اللہ ذکرک۔ فحان ان تعان وتعرف بین الناس لا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس اصحاب الصفۃ وما ادراک ما اصحاب الصفۃ تری اعینھم تفیض من الدمع یصلون علیک ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان۔ یعنی جسوقت خدا کی مدد اور فتح آئیگی اور زمانہ ہماری طرف رجوع کریگا اسوقت کہا جائیگا۔ کہ کیا یہ کاروبار خدا کیطرف سے نہ تھا۔ ہر ایک گہری راہ سے تیرے پاس نصرت آئے گی اور ہر ایک دور کی راہ سے تیرے پاس لوگ آئینگے۔ خدا اپنے پاس سے تیری مدد کرے گا۔ خدا تیرے ذکر کو دنیا میں بلند کرے گا۔ وہ وقت چلا آتا ہے کہ تیری مدد کیجائے گی اور دنیا جہان میں تیرے نام کو شہرت دیجائے گی لوگ کثرت سے تیری طرف رجوع کرینگے۔ سو تیرے پر واجب ہے کہ تو ان سے بدخلقی نہ کرے اور انکی کثرت دیکھکر تھک نہ جائے۔ اور اصحاب الصفہ بھی ہونگے۔ اور تو جانتا ہے کہ اصحاب الصفہ کیسے لوگ ہونگے وہ بہت قوی الایمان ہونگے۔ اور تو دیکھے گا کہ انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہونگے وہ تیرے پر درود بھیجینگے۔ بہ سبب اس نعمت کے جو تیرے ذریعہ انکو ملے گی۔ اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے خدا ہم نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی جو ایمان کی طرف بلاتا ہے سو ہم ایمان لائے۔

یہ سب پیشگوئیاں ایسے وقت کی ہیں جب حضرت مرزا صاحب کو دوسرے لوگ تو ایکطرف رہے خود اس چھوٹے سے گاؤں کے بہت لوگ بھی نہ جانتے تھے اور آپ ایک نہایت گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے اور پھر اسیوقت یہ پیشگوئیاں بذریعہ براہین احمدیہ کے دنیا میں شایع بھی ہو گئیں۔ یہ وحی کئی قسم کی پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً اول یہ کہ مخالف یہ کوششیں کرینگے کہ تو ناکام رہے اور لوگ تیری طرف رجوع نہ کریں۔ مگر آخر ہمارا ارادہ پورا ہوگا۔ اور لوگ تجھے قبول کرتے جائینگے انہی معنی پر مشتمل ایک اور الہام بھی ہے یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ۔ یعنے لوگ خدا کے اس نور کو بجھانے کی کوشش کرینگے مگر خدا اسے پورا کرکے ہی رہیگا۔ دوئم یہ کہ دور دور سے مالی مدد اور تحایف وغیرہ تیرے پاس پہونچیں گے۔ سوئم یہ کہ دور دور کے بلاد اور ممالک سے لوگ چلکر تیرے پاس آوینگے چہارم یہ کہ لوگ تیرے تباہ کرنیکے لیے کوشش کرینگے مگر خدا اپنی نصرت تیرے شامل حال رکھے گا اور تیرا محافظ رہے گا یہی مطلب دوسری جگہ یعصمک اللہ ولو لم یعصمک الناس۔ کہکر ادا کیا گیا ہے۔ یعنی لوگ تیرے ہلاک کرنیکی کوششیں کرینگے مگر خدا تجھے بچائیگا۔ پنجم یہ کہ کل دنیا میں تیری شہرت ہو جائے گی۔ ششم یہ کہ لوگ اسقدر کثرت سے آوینگے

کہ قریب ہے کہ تو اُن سے تھک جائے۔ ساتویں یہ کہ بعض لوگ اپنے وطنوں کو چھوڑ کر ہجرت کر کے تیرے پاس آرہینگے اور تیرے گھر کے کسی حصہ میں رہیں گے وہ اصحاب الصفہ کہلائینگے۔

اب دیکھو کہ خدا تعالے نے اپنے یہ تمام وعدے کس صفائی سے پورے کیئے اور آئیندہ وہ کیسی صفائی سے پورے ہو رہے ہیں۔ اب نہ یہ اتفاقی امر ہے نہ منصوبہ بازی ہے۔ کیونکہ پچیس برس پہلے ان باتوں کی خبر دیگئی ہے۔ اور پھر وہ سب بعینہ اسی طرح پوری ہوئیں۔ اگر ایسی منصوبہ بازی کی کوئی نظیر دنیا میں ہے تو پیش کرو۔ مگر یاد رکھو کہ اسکی نظیر سوائے زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کہیں ہیں نہیں ملتی جس طرح وہاں دکھوں اور مصیبتوں اور تنہائی کیوقت میں ایک شخص پکار پکار کر کہتا تھا کہ میرے خدا کیطرف سے ہونیکا یہ نشان ہے کہ آخر میں ہی غالب ہونگا اور تمہاری سب کوششیں نامراد رہیں گی۔ اور آخر ایسا ہی ہوا باوجودیکہ دشمنوں نے کوئی دقیقہ ہلاک اور تباہ کرنیکا باقی نہ چھوڑا تھا۔ ایسا ہی یہاں بھی بڑی گمنامی اور تنہائی کی حالت میں اللہ تعالے نے یہ وعدے دیئے کہ میں تجھیں مرجع خلایق بناؤنگا۔ اور خدا کے یہ وعدے اسیوقت مشتہر بھی ہوگئے پھر ان الہامات کے ساتھ ایک جگہ یہ بھی لفظ ہیں کہ اُکتبوا یعنی ان باتوں کو لکھ چھوڑو کیونکہ یہ سب اپنے وقت پر واقع ہونگی۔ اور پھر دشمنوں نے وہ کوششیں کیں کہ کوئی کسر تباہ کرنے میں باقی نہ چھوڑی اور ایک قوم بھی اس ملک میں ایسی نہ رہی جسنے پورا زور مخالفت کا نہ لگایا ہو اور ہر طرح کے منصوبے کیے گئے مگر خدا نے اپنے وعدے کے مطابق ایسی نصرت اور تائید اور حفاظت کی جسکی نظیر سوائے انبیاء کے اور کہیں نہیں ملتی +

میں خواجہ غلام الثقلین صاحب کو پھر یہ کہتا ہوں کہ وہ ٹھوکر نہ کھائیں اعتراض کس پر نہیں ہوئے اور اعتراضوں کے جوابوں نے کتنے لوگ قایل ہوئے۔ صحیح اصول جو صداقت کے پرکھنے کا قرآن کریم نے بتایا ہے وہی ہے جو مینے یہاں بیان کیا ہے۔ ہم نہ منصوبہ باز ہیں نہ دھوکہ دینے والے اور نہ ہی دھوکہ خوردہ۔ نہیں بلکہ علے بصیرت ہم اس سلسلہ کی سچائی کو دیکھ رہے ہیں۔ جب ہم خدا تعالے کی ہستی کے زندہ نشان دیکھ رہے ہیں تو پھر اس ذوالجلال کے آگے سے بھاگ کر کہاں جائیں۔ اگر مذہب کیغرض خدا کی ہستی پر یقین ہے تو خواجہ صاحب یاد رکھیں کہ اس غرض کو آج سلسلہ احمدیہ کے سوا روئے زمین پر اور کوئی پورا کرنیوالا نہیں۔ یہ جو اصلاح خواجہ صاحب کر رہے ہیں یا کرنیکے مدعی ہیں وہ خشک لفاظی ہے۔ جب انسان کو اللہ تعالے پر اور اسکے رسول پر زندہ ایمان اور یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے تو پھر سب اصول کی پابندی کے وہ قابل ہو جاتا ہے۔ عدل و انصاف

کفایت شعاری۔ قومی اتفاق۔ سعی و محنت۔ سب اسی کے نتیجے ہیں۔
میں بڑے زور سے اسبات کا اعادہ کرتا ہوں کہ یہ نصرت اور تائید جو اس سلسلہ کی ہو رہی ہے وہ خدا کے سوا اور کسی کی طرف سے نہیں کیونکہ اسی نے بچیس برس پہلے ان سب باتوں کی خبر دی ورنہ انسان عاجز کیا چیز ہے وہ تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں کل زندہ رہونگا۔ اس میں یہ طاقت کہاں کہ کہے کہ ساری دنیا میری مخالفت کریگی پر سب ناکام ہونگے اور میں ہی کامیاب ہونگا۔ اگر کوئی جواب ان امور کا آپ کے پاس ہے تو اسے شایع کریں +

مسیح موعود کے متعلق ایک پادری کے خیالات

پادری گرسوولڈ لاہوری نے ایک مضمون بعنوان مسیح قادیانی ولایت کے ایک مجمع میں پڑھا جانیکے لیے لکھ کر بھیجا تھا جو اب بصورت رسالہ شایع ہوا ہے۔ یہ مضمون وکٹوریا انسٹیٹوٹ کے مجمع میں ۱۵ مئی گذشتہ کو پڑھا گیا۔ اگرچہ یہ مضمون اس حیثیت سے کہ ایک پادریصاحب کے قلم سے نکلا ہی مخالفانہ رنگ میں لکھا گیا ہے تاہم حضرت مسیح موعود کے دعاوی کو واضح طور پر بدلایل بیان کیا گیا ہے یہ رسالہ کم از کم ان مولویصاحبان کیلیے شرم کا باعث ہے جو کبھی یہ گوارا ہی نہیں کر سکتے کہ اصل واقعات مع دلایل دعوے کے پبلک میں پیش کریں بلکہ ہر ایک بات کو بگاڑ کر بیان کرنا چاہتے ہیں۔ پادری گرسوولڈ صاحب نے نہایت محنت سے متفرق کتابوں سے دعوے اور اسکے دلایل کو لیکر یکجائی طور پر بیان کیا ہے یہانتک کہ جو دلایل حضرت مسیح کی وفات کے مختلف مضامین میں ہمنے دیئے ہیں انکو بھی بعینہ درج کر دیا ہے اگرچہ کہیں کہیں ایک عیسائی مجمع کیخاطر مخالفت کی بھی کوئی کوئی بات بیان کر دی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس لکچر کو جو لوگ تعصب سے خالی ہو کر پڑھینگے انپر حضرت مسیح موعود کی صداقت ضرور کچھ نہ کچھ اثر ڈالیگی۔ مثال کے طور پر میں ایک موقع پیش کرتا ہوں۔ آپکے دعوی کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے پادری گرسوولڈ صاحب لکھتے ہیں کہ
"اس سے انکی یہ مراد نہیں کہ اسی پہلے مسیح نے دوبارہ ہندوستان میں جنم لیا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ میں مسیح کی طاقت اور روحانیت میں ہو کر آیا ہوں۔ انکا خیال یہ ہے کہ ٹھیک جیسے یسوع کے اپنے کیے ہوئے معنوں کے مطابق یوحنا بپتسمہ دینے والا الیاس ہی تھا جس نے آنا تھا کیونکہ وہ الیاس کی طاقت اور روحانیت میں ہو کر آیا۔ لوقا باب ۱ - آیت ۱۷) ایسے ہی وہ یعنی مرزا صاحب مسیح ہیں کیونکہ وہ مسیح کے رنگ اور روحانیت

میں آئے ہیں" اس دلیل کی تردید پادریصاحب یوں کرتے ہیں "مگر اس دعوے کے منطقی نتیجہ پر غور کرو۔ اگر مرزائے قادیانی مسیح موعود ہیں تو (۱) انکے ظہور سے بائیبل کے وہ تمام وعدے پورے ہوگئے جو مسیح کی آمد ثانی کے متعلق ہیں۔ (۲) پھر اسی یسوع کے واپس آنیکی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیئے (۳) عیسائیوں کا اتنی مدت اس مسیح کی واپسی کا انتظار کرتے رہنا گویا غلطی پر مبنی تھا" اس میں شک نہیں کہ یہ سب نتائج حضرت مرزا صاحب کے دعوے سے پیدا ہوتے ہیں مگر ان سے انکے دعوے کی تردید کیونکر ہوئی۔ کم از کم پادریصاحب یہی سوچیں کہ بعینہٖ یہی باتیں تھیں جنہوں نے یہودیوں کو مسیح کے قبول کرنیسے روکا۔ کیونکہ ملاکی نبی کی کتاب میں لکھا تھا کہ مسیح کے آنیسے پہلے ایلیا کا دوبارہ آنا ضروری ہے اور یہ نہیں لکھا تھا۔ کہ ایلیا کی طاقت اور خو بوییں کوئی آئیگا پس وہ کہتے تھے کہ اگر ہم یسوع کو سچا مسیح مان لیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ (۱) اسی ایلیا کے دوبارہ آنیکی کبھی امید نہ رکھنی چاہیئے۔ اور (۲) کہ یہودیوں کا اتنی مدت اسی ایلیا کے دوبارہ آنیکا انتظار کرتے رہنا گویا ایک غلطی پر مبنی تھا۔ بعینہٖ وہی خیالات جو آج پادریصاحبان کو مسیح موعود کے قبول کرنیسے روک رہے ہیں اس سے انیس سو سال بیشتر یہودیوں کو مسیح اول کے قبول کرنیسے روکتے رہے۔ ایسا ہی وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اگر یسوع ہی سچا مسیح ہے تو بائیبل کے وہ سب وعدے جو مسیح کے آنے اور ایلیا کے دوبارہ آنیکے ساتھ پورے ہونے تھے۔ انکے متعلق بھی یہ ماننا پڑے گا کہ وہ یسوع کے آنیسے پورے ہوگئے حالانکہ نہ کوئی نشان ہی ظاہر ہوا نہ خدا کی قدرت کے عجیب عجیب نمونے ظاہر ہوئے نہ ہی وہ عام صلح کا زمانہ شروع ہوا نہ اس اتفاق واتحاد کی بنیاد پڑی۔ نہ ہی یروشلم دنیا کا مرکز بنا۔ جن سب باتونکے پورا ہونیکا مسیح کے آنیکے ساتھ وعدہ تھا۔ تعجب ہے کہ ان نمونونکے ہوتے ہوئے پادریصاحبان اسقدر غلطی میں پڑے ہوئے ہیں کہ وہ سچے مسیح کو قبول نہیں کرتے+

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعودؑ

۲۔ ستمبر ۱۹۰۵ء سینتالیس سال کی عمر۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اس سے دوسرے دن ۳ ستمبر ۱۹۰۵ء کو ایک شخص کا خط آیا جس نے اپنی بدکاریوں اور غفلتوں پر نہایت افسوس کی تحریر کرکے لکھا کہ اب میری عمر سینتالیس سال کی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون + فرمایا کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جو خط باہر سے آنیوالا ہوتا ہے اسکے مضمون سے پہلے ہی سے اطلاع دیجاتی ہے) ۴ ستمبر ۱۹۰۵ء ماکان لنفسٍ ان تموت الا باذن اللہ ۔

۷۔ ستمبر ۱۹۰۵ء ۔ ایک کاغذ دکھایا گیا جیسا کہ منی آرڈر کا فارم ہوتا ہے اور سامنے اسکے پاس ۵ روپے رکھے ہوئے ہیں۔ (اس کشف کے تھوڑی دیر بعد ۵ روپے کا ایک منی آرڈر آیا۔) ۲۔ ایک کاغذ دکھائی دیا اُسپر لکھا ہوا تھا۔

دو آتش فشاں''۔ ۳۔ پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اس پر لکھا تھا مصالح العرب۔ مسیر العرب۔ ۴۔ پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اس پر لکھا تھا ''مراد''۔ ۵۔ پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اس پر لکھا تھا ''ردّ بلا''۔ ۷ستمبر ۱۹۰۵ء قبل ظہر واما بنعمۃ ربک فحدث۔ ۸۔ستمبر ۱۹۰۵ء۔ (۱) ''کفن میں لپیٹا گیا'' (۲) اِذَا جَاءَ افواجٌ وَسُمِعَ من السّماء (۳) ان المنایا لاتطیش سہامہا (ترجمہ موت کا تیر خطا نہیں جاتا)۔

۱۰۔ ستمبر نماز صبح کیوقت رُویا۔ ایک جگہ ایک بڑی حویلی ہے اسکے آگے ایک بڑا چبوترہ ہے جسکی کُرسی بہت بلند ہے اسپر مولوی عبدالکریم صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے دروازہ پر بیٹھے ہیں۔ اس جگہ میں ہوں اور پانچ چار اور دوست ہیں جو ہر وقت اسی فکر میں رہتے ہیں میں نے کہا مولویصاحب میں آپ کو آپکی صحت کی مبارک باد دیتا ہوں اور پھر میں رو پڑا۔ اور میرے ساتھ کے دوست بھی رو پڑے اور مولویصاحب بھی رو پڑے پھر میں نے کہا دعا کرو اور دعا میں تین دفعہ سورہ فاتحہ پڑھی۔

۱۰۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ دورہ پیشاب کی بڑی تکلیف تھی۔ دعا کی گئی۔ الہام ہوا۔

''السلام علیکم''

۱۲۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ دو شہتیر ٹوٹ گئے۔

انی مہین من اراد اہانتک

۱۴۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ عفت الدیار کذکری۔ ۱۶۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ رُویا۔ دیکھا کہ ایک شخص مسمی شرم پت ساتھ ہے۔ ایک گہرے پانی ہیں جو جھیل کی طرح ہے ہم ہر دو کنارہ کی طرف تیرتے جاتے ہیں۔ کنارہ بہت دور ہے اور میں پانی پر لیٹا ہوا جا رہا ہوں اور تیرتا چلا جاتا ہوں۔ اسی طرح تیرتے ہوئے جب میں قریب نصف کے پہونچا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ قریباً زانو تک پانی ہے۔ پھر کنارہ پر پہونچ گئے۔ اور خیال آیا کہ میرا لڑکا مبارک اسی کنارہ پر رہا ہے۔ پھر ہم اس کو لینے کے واسطے واپس آئے۔ تب دیکھا۔ کہ پانی ایک طرف سے بالکل خشک ہے۔ ایک طرف پانی ہے اور لوگ خشکی پر چلتے ہیں۔ ہم بھی خشکی کی راہ پر چلنے لگے۔

۱۹۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ رُویا۔ دیکھا کہ مرزا غلام قادر صاحب میرے بڑے بھائی نہایت سفید لباس پہنے ہوئے میرے ساتھ جا رہے ہیں اور کچھ باتیں کرتے ہیں۔ ایک شخص ان کی باتیں سن کر کہتا ہے کہ یہ کیسی فصیح بلیغ گفتگو کرتے ہیں گویا پہلے سے حفظ کر کے آئے ہیں + فقط

۲۲۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ طلع البدر علینا من ثنیۃ الوداع +

۲۰ ستمبر ۱۹۰۵ء رویا دیکھا۔ کہ میں بٹالہ کو جاتا ہوں خیال آیا کہ نماز کا وقت ہے۔ اسواسطے ایک مسجد میں گیا جو کہ چھوٹی سی مسجد ہے۔ مسجد کے زینوں پر سے چڑھتے ہوئے مرزا خدا بخش کی آواز آئی وہ توکہیں کو چلے گئے۔ پھر جب میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ بڑے مرزا صاحب یعنی والد صاحب کا ایک پرانا نوکر مرزا رحمت اللہ نام جو قریباً پچاس سال تک والد صاحب کی خدمت میں رہا تھا اور جسکو فوت ہوئے بھی قریباً چالیس سال ہوئے ہیں وہاں موجود ہے اور غمگین سا ہے۔ اور مسجد کے کنوئیں کی منڈیر پر محمد اسحٰق (ولد میر ناصر نواب صاحب) بیٹھا ہے اور پیر منظور محمد بھی اسجگہ ہے اسحٰق نے مرزا رحمت اللہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ بڑے مرزا صاحب نے اس کی روٹی بند کر دی ہے اور یہ ارادہ کرتا تھا کہ چلا جائے اور خدا جانے کہاں جانا تھا۔ مگر منظور محمد نے اسکو رکھ لیا ہے کہ تجارت کر کے گذارہ کر لیں گے۔ ہمارے دلمیں خیال آیا کہ معلوم نہیں مرزا صاحب نے کیوں روٹی بند کر دی ہے بزرگوں کے کام پر اعتراض نہیں ہو سکتا فقط پھر الہام ہوا "انی انا الرحمٰن لایخاف لدی المرسلون قل اللہ ثم ذرہم فی خوضہم یلعبون" ترجمہ تحقیق میں رحمان خدا ہوں مرسل میرے پاس نہیں ڈرا کرتے کہہ یہ خدا کے کام ہیں پھر ان کو چھوڑ دے جن کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ اُن میں لہو ولعب کریں

۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء (۱) لاتخف انی لایخاف لدی المرسلون (۲) وقالوا من ذا الذی یشفع عندہ ہیہات ہیہات لما توعدون (۳) قل عندی شہادۃ من اللہ فہل انتم تؤمنون (۵) قل ما ازید لکم من امری۔ والحمد للہ رب العلمین۔ (۶) انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ انا کنا منزلین۔

ترجمہ (۱) مت خوف کر مجھ سے رسول میری درگاہ میں خوف نہیں کیا کرتے (۲) اور کہتے ہیں کون ہے جو اُسکے پاس شفاعت کرے دور ہے دور ہے یہ بات جسکا تم کو وعدہ دیا جاتا ہے (۳) کہہ اللہ تعالیٰ غالب ہے قدرت والا کیا تم ایمان لائے۔ (۴) کہہ میرے پاس اللہ کی طرفسے گواہی ہے پس کیا تم ایمان نہیں لاتے (۵) کہہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اور سب تعریف واسطے اللہ کے ہے پروردگار جہانوں کا (۶) اسکو ہمنے لیلۃ القدر میں اُتارا تحقیق تھے ہم اُتارنے والے ❊

یکم۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ کسی شخص نے ہمارے ہاتھ پر سونف رکھدی ہے۔ ۲۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ دیکھا کہ ایک مکان ہے اسپر چڑھنے کیلیے ایک زینہ لگا ہوا ہے جو لوہے کا ہے اور تختے پاؤں رکھنے کے بھی ہیں۔ اوپر ایک دروازہ ہے میں اس زینہ پر چڑھتا ہوں مگر چڑھ نہیں سکتا۔ اتنے میں اوپر سے کسی نے دروازہ بند کر دیا اور کہا کہ دوسرے راستہ سے آؤ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ راستہ تو نزدیک ہے اور فوراً پہنچ سکتے ہیں مگر دوسرا راستہ دور ہے۔ کوئی دو تین سو گز کا فاصلہ ہے پس ہم اس دوسرے راستے سے جانے لگے تو دیکھا کہ میں ایک مضبوط گھوڑے پر سوار ہوں۔ اور آگے آگے ایک خدمتگار ہے جسکا نام غفار ہے اور ایک اور سوار بھی ساتھ ہے جو آگے آگے چلتا ہے۔ میں غفار کو کہتا ہوں کہ آگے مت نکل۔ ہمارے ساتھ ساتھ چل۔ تھوڑا راستہ طے کیا تھا کہ آنکھ کھل گئی +

۲۷۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ ۱۔ تا تیک نصرتی۔ ترجمہ۔ میری مدد تیرے پاس آئے گی۔ ۲۔ یا تیک من کل فج عمیق۔ ترجمہ ہر ایک دور کے راہ سے تیرے پاس لائینگے۔ ۲۸۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ حسنت مستقراً و مقاما۔ ترجمہ خوب ہوا از روئے جگہ قرار پکڑنے کے اور از روئے جگہ ٹھہرنے کے۔ ۵۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ رہا گو سفندان عالیجناب۔

۷۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ بوقت صبح پیش از نماز فجر۔ رؤیا۔ دیکھا کہ میں گورداسپور سے آیا ہوں اور ایک مضبوط گوٹ گھوڑے پر سوار ہوں جو کے رنگ کا ہے۔ گھوڑے پر ہی نماز پڑھی ہے اور سجدہ بھی کیا ہے مجھے خیال آیا کہ جب میں گورداسپور گیا تھا تو میرا بھائی بیمار تھا اور انکے بچنے کی امید نہ تھی معلوم نہیں اسکا اب کیا حال ہے۔ گھر کے پاس کوچہ میں میراں بخش حجام ملا۔ وہ بڑی خوش خوش باتیں کرتا ہے جس سے میں نے سمجھا کہ اب بھائیصاحب تندرست ہونگے۔ ۷۔ اکتوبر قبل از نماز فجر۔ رؤیا دیکھا کہ ایک عورت فوت ہو گئی +

۱۰۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ رؤیا دیکھا کہ میں کسی جگہ ہوں اور استنجا کیواسطے ایک جگہ سے ڈھیلا لیا ہے تو دیکھا کہ وہاں بہت سے آدمی جیسے مزدور لنگوٹی پوش ہوتے ہیں بیٹھے ہیں جنسے کراہت ہوئی۔ پھر میں نے شادیخاں کو بلانا چاہا۔ اور خیال آیا کہ اتنے آدمیوں میں سے اسے کس طرح شناخت کروں مگر میں نے آواز دی تو شادیخاں فوراً کھڑا ہو گیا۔ اسکے ساتھ الہام ہوا۔ اذ کففتُ عن بنی اسرائیل۔ ترجمہ۔ جب میں نے بنی اسرائیل کو دشمنوں کے شر سے بچا لیا۔ ۴۔ ستمبر ۱۹۰۵ء یا اسکے قریب کا الہام تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا۔ ترجمہ۔ دنیا کی زندگی کو تم اختیار کرتے ہو۔ ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ رؤیا دیکھا۔ کہ قدرت اللہ کی بیوی روپیوں کی ایک ڈھیری میرے پیش کرتی ہے اس میں ایک لکڑی بھی ہے۔ الہام۔ اُرید الخیر۔ ترجمہ میں خیر کا ارادہ کرتا ہوں +

---

۲ رؤیا ابتدا میں مبشر سمجھی گئی تھیں انکو ایکطرف اللہ تعالےٰ نے ایک حد تک صحت دیکر پورا بھی کر دیا مگر ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ انسان کا ذہن ہمیشہ خیر کیطرف متبادر ہوتا ہے اور یہی طریق انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ جبتک کوئی

امر جو بظاہر مصیبت کے رنگ میں ہوتا ہے واقع نہیں ہو جاتا تب تک وہ اللہ تعالےٰ کے فضل کو ہی تلاش کرتے ہیں اور فضل سے کبھی مایوس نہیں ہوتے ایسا ہی جب فال لیتے ہیں تو نیک ہی لیتے ہیں اور کبھی بد فال نہیں لیتے وہ ایک طرف اللہ تعالےٰ کی بے نیازی کو سمجھتے ہیں اور باوجود بڑے بڑے فضل کے وعدوں کے دردناک دعاؤں میں لگے رہتے ہیں جیسا کہ آنحضرت بدر کی لڑائی میں اور دوسری طرف جب کوئی مصیبت یا غم نازل ہونیوالا ہوتا ہے تو اس وقت وہ فضل سے کبھی مایوس نہیں ہوتے -

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی موت جہاں ایکطرف جماعت کیلئے غم کی خبر ہے دوسری طرف جماعت کے لیے ایک عملی نصیحت کا سبق دیتی ہے - اور وہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی محبت کو کم کرکے آخرت کیطرف دل لگائیں - کوئی نبی نہیں آیا جسکی یہ تعلیم نہ ہو کہ یہ دنیا اور اسکی زندگی ہیچ ہے - چنانچہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بہت دعا حضرت مولٰنا مرحوم کیلیے کی تو الہام ہوا - توثرون الحیوۃ الدنیا یعنی حیات دنیا پر بہت زور دیکر دنیا چاہتے ہو یہ دنیا تو اسی قابل ہی کہ اس سے دل کو توڑ کر اسجگہ دل لگایا جاوے جہاں حیات ابدی ملتی ہے - حضرت مسیح موعود ع نے اسموقعہ پر فرمایا کہ صحابہ کے نمونہ کو پیش نظر رکھنا چاہیئے وہ سوائے خدا کی راہ میں جان فدا کرنیکے اور کچھ جانتے ہی نہ تھے اور اس زندگی کی مطلق کوئی پروا نہ کرتے تھے بلکہ ہر وقت منتظر رہتے تھے کہ کب شہادت پاکر خدا سے جا ملیں - یہ جس قسم کی مصیبت اور غم ہمیں مولوی صاحب مرحوم کی مفارقت سے پہونچا ہے ہمارے نبی کریم صلعم کو ہر روز ایسے غم پہونچتے تھے - اور آپکے نہایت عزیز صحابہ آپکی آنکھوں کے سامنے قتل ہو جاتے تھے مگر خدا تعالےٰ نے آپکو دل ہی ایسا دیا تھا - کہ وہ سب صدمات کی برداشت کرتے اور کسی کو اگر اسقدر غم پہونچتا جسقدر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو پہونچا تو وہ انہی غموں سے ہلاک ہو جاتا -

یہ ایک عجیب بات قابل ذکر ہے کہ حضرت مولویصاحب مرحوم کی وفات پر نہ صرف جماعت ہی روتی تھی بلکہ آسمان بھی رویا - آپکی وفات سے پہلے آسمان بالکل صاف تھا اور کئی دنوں سے اسیطرح صاف چلا آتا تھا مگر جبھی کہ آپنے آخری دم لیا آسمان پر بادل نمودار ہو گیا اور آخر جب آپکا جنازہ میدان میں رکھا گیا اور حضرت مسیح موعود نماز جنازہ کیلیے تشریف لائے تو ایسے قطرے آسمان سے برسنے شروع ہوئے جو بالکل رونے سے مشابہ تھے جو احمق نادان اس موت پر ہنستا ہے وہ یاد رکھے کہ یہ ہنسنے کا وقت نہیں یہی موت کا دروازہ ہے جس سے سب نبی اور ولی ہو کر گذرے اور آخر اسی سے سب نے گذرنا ہے دوسری طرف اللہ تعالےٰ اس جماعت کو بھی حکم دیتا ہے کہ حد سے زیادہ غم نہ کریں - مولویصاحب مرحوم کی وفات سے چند گھنٹے پہلے یہ الہام الٰہی ہوا - یا یہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم یعنی خدا کی ہی عبادت کرو جسنے تمہیں ناچیز نطفہ سے پیدا کیا - اسمیں یہ اشارہ ہے کہ حد سے زیادہ محبت کرنی بھی ایک آدمی کو معبود بنا لینے کے برابر ہوتی ہے اور یہ اسی کے مشابہ ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت فرمایا من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت +

شیخ یعقوب علی صاحب نے اپنے مطبع انوار احمدیہ میں منیجر میگزین کے لیے چھپوایا +

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✣ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ نمبر ۱۱

بابت ماہ نومبر ۱۹۰۵ء

فہرست مضامین

"لنگر خانہ کی آمدنی"

اس عنوان کے نیچے حضرت اقدس کے ارشاد سے ایک الگ چٹھی شائع کرکے ہر جگہ کی جماعت کے (جنکے پتے یہاں موجود تھے) ایک ایک دوست کے نام بھیجی گئی ہے - اور یہ استدعا کی گئی ہے کہ وہ جہانتک انکی طاقت ہو دوسرے احباب کے پتے دریافت کرکے یا اُن سے وصولی چندہ کا انتظام کرکے مطلع فرمادیں - ماحصل اس تحریک کا یہ ہے کہ لنگر خانہ کا خرچ پہلے کی نسبت ڈیوڑھا یا اس سے بھی زیادہ ہوگیا ہے یعنی قریب باراں سو روپیہ ماہوار کی ہے - یہ مد حضرت اقدس کے مشن کی اصلی اور ضروری اغراض میں سے ہے کہ تا ایک گروہ طالبان حق اور ناصران دین کا حضرت اقدس کی خدمت میں رہے اور دُور دُور سے لوگ آکر شبہات پیش کرکے اپنا اطمینان کریں اور سچی تعلیم حاصل کریں اور اُنکو یہاں مکان رہائش اور خورد ونوش کے متعلق تکلیف نہ ہو اور تا اشاعتِ کُتب اور خطوط وغیرہ کے جوابات کے سلسلہ میں حرج نہو چونکہ یہ سلسلہ دن بدن ترقی کر رہا ہے اسلئے اخراجات بھی ساتھ ہی بڑھ رہے ہیں - اِنہیں ضروریات کیوجہ سے حضرت اقدس نے ۵ مارچ سنہ ۱۹۰۲ء کو ایک اشتہار تحریر فرمایا تھا جسکو مریدین کے ساتھ آخری فیصلہ قرار دیا تھا اسمیں آپنے تحریر فرمایا تھا کہ یہ اشتہار کوئی معمولی تحریر نہیں بلکہ ان لوگوں کے ساتھ جو مرید کہلاتے ہیں میں یہ آخری فیصلہ کرتا ہوں ...کہ .. ہر ایک شخص جو مرید ہے اُسکو چاہیئے کہ اپنی نفس پر کچھ ماہوار مقرر کردے خواہ ایک پیسہ ہو یا ہر جو شخص مرید کہلاتا ہے خواہ وہ مرد ہے یا عورت یا لڑکا یا لڑکی اُسے چاہیئے کہ ادائگی چندہ کو اپنا فرض سمجھے - اگر ہر ایک شخص اپنی آمدنی کا دسواں حصہ ضروریات سلسلہ کے لئے الگ کردے تو کوئی بڑی بات نہیں - آخر انسان ہر صورت میں گذارہ کرہی سکتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے کیسی کیسی قربانیاں کیں کہ نہ صرف چندوں میں اپنے مال ہی دیئے بلکہ گھر بار جائدادیں سب کچھ چھوڑا اور آخر سب سے پیاری چیز یعنی جان کو بھی خدا کی راہ میں قربان کیا - سو یہ وقت اعانت دین کا ہے ایسا نہ ہو کہ ہم دنیا میں ہی لگے رہیں اور موت کا پیغام آجاوے - غور کا مقام ہے کہ سورہ منافقون میں اللہ تعالی یہ فرماتا ہے وَأَنْفِقُوا مِنْ مَا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

پس مَیں پھر سب احباب کیخدمت میں التماس کرتا ہوں کہ اس کام میں سُستی ہرگز نکریں بلکہ جو لوگ چندے مقرر کرچکے ہیں وہ اپنے اپنے چندوں کو بڑھاویں اور جنہوں نے ابھی تک غفلت کی ہے وہ بہت جلد ماہوار چندے معین کرکے اور ہر جگہ ایک جماعت کی صورت میں فہرستیں مرتب کرکے اسجگہ بھیجدیں تا یہ کام احسن طریق پر چلتا رہے اور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام (۵)

بجواب پادری سیل

پادریصاحبان کے دو اصلی اور ضروری فرایض ایسے ہیں جن کی ادائیگی کیلیے انہیں واقعات سے الگ ہوکر خیالی مسئلے قایم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے یعنے ایک تو اپنے مذہب کی حمایت اور دوسرا دوسرے مذاہب کی تردید۔ ان میں سے اول الذکر کا تو یہ حال ہے کہ حضرت مسیح کی زندگی کے تمام واقعات انہیں صاف طور پر ایک فانی انسان ثابت کرتے ہیں ہاں دوسرے پیغمبروں کی طرح جو وقتاً فوقتاً بنی اسرائیل میں اس قوم کی اصلاح کیلیے پیدا ہوتے رہے وہ بھی ایک پیغمبر تھے۔ مگر پادریصاحبان دنرات اس بات کو دہراتے نہیں تھکتے کہ یسوع مسیح واقعی خالق ارض و سما اور رب العالمین تھا۔ پھر جب انکے اندر انسانی کمزوریوں کا ہونا دکھایا جاتا ہے تو جواب یہ ملتا ہے کہ بیشک وہ فانی انسان تھے اور اسلیے سب قسم کی انسانی کمزوریاں انکے اندر پائی جاتی تھیں مگر باوجود کمزور انسان ہونیکے وہ نعوذ باللہ خدائے کامل بھی تھے اور کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ اجتماع ضدین کیونکر ممکن ہے کہ وہ بشر بھی تھے اور خدا بھی۔ ناقص بھی تھے اور کامل بھی۔ کمزور بھی اور ہر شے پر قادر بھی۔ مخلوق بھی اور خالق بھی۔ خدا جانے ان لوگوں کے دل و دماغ کسی الگ طرز کے بنے ہوئے ہیں کہ ان باتوں پر کبھی انکے دلوں میں اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ پھر جب کہا جاتا ہے کہ ایک خدا تو وہ ہوا جسکو یسوع مسیح بھی آسمان پر مانتا تھا اور ایک خدا زمین پر خود یسوع مسیح ہوا اور ایک

درمیانی خدا جسے روح القدس کے نام سے پکارا جاتا ہے ان تین خداؤں کا وجود توحید کے پاک اور سچے مسئلہ کی جسکی تعلیم ابتدا سے تمام انبیار دیتے چلے آئے ہیں بیخ کنی کرتا ہے تو عیسائی صاحبان یہ کہکر اطمینان کر لیتے ہیں کہ یہ تینوں بلکہ ایک ہی خدا بنتا ہے خواہ یہ بات دنیا میں کسی کی سمجھ میں آوے یا نہ آوے اور یہ ایک ایسا راز ہے جسے کوئی انسان سمجھ نہیں سکتا نہ یہ دنیا کے کسی علم اور قاعدہ کے ماتحت آسکتا ہے۔ پھر اگر یسوع مسیح کی خدائی کا ثبوت مانگا جائے مثلاً یہ کہ اس تینتیس سال کی عمر میں یا زمانہ میں جو اس نے اس زمین پر گذارے کونسا نیا سیارہ یا ستارہ اس نے پیدا کیا تو اسکا جواب یہ ملتا ہے کہ ایسا کرنے کی طاقت تو ان میں موجود تھی مگر اس طاقت کو اس نے استعمال میں لانا نہیں چاہا۔ شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ وہ یہودیوں کے خوف سے ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ جب کسی طرف ہاتھ نہیں پڑتا تو پھر معجزات کو اور کبھی تعلیم کو خدائی کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے گویا انہی دو ستونوں پر خدائی کی چھت قایم ہے لیکن اگر ذرہ بھی غور کیا جائے تو ان ستونوں کا خیالی ہونا فی الفور ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ معجزات دوسرے انبیا اکے نہ صرف یسوع جیسے بلکہ یسوع کے معجزات سے بھی بڑھکر ہیں۔ پھر اگر وہ تمام نبی اسقدر عظیم الشان معجزات دکھا کر بھی انسان رہے تو ویسے ہی یا اس سے کمتر معجزات سے یسوع کیونکر خدا بن گیا۔ باقی رہی تعلیم سو وہ کل کی کل یہودیوں کی کتابوں سے لی گئی ہے۔ اور کوئی ایسا امتیازی نشان نہیں بتایا جاتا جس سے یسوع مسیح کی کوئی خصوصیت ثابت ہو۔ کیا یہ بھی ممکن ہے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی امتیازی نشان ہی نہ ہو۔

دوسری طرف پادری صاحبان واقعات سے اسوقت گریز کرتے ہیں جب انکا حملہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ ایک ایسی قوم جسکے ہاتھ میں سینکڑوں انبیار کی تاریخ ہے ایک نبی کے بارے میں قدم قدم پر ٹھوکر کھاوے۔ میں حیران ہوں کہ کیا بائیبل میں جس قدر انبیار کے حالات لکھے ہوئے ہیں انسے نبی کی صداقت کے پرکھنے کا کوئی معیار اور امتیازی نشان نہیں ملتا۔ اگر ملتا ہے اور یقیناً ملنا چاہیئے تو کیوں پادری صاحبان یہ سیدھی راہ اختیار نہیں کرتے کہ اسی معیار کی رو سے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو پرکھیں اگر ان لوگوں میں کوئی بھی حق طلبی باقی ہے تو انکو بائیبل سے انبیار کی صداقت کا معیار نکالکر مسلمانوں سے یہ مطالبہ کرنا چاہیئے کہ وہ اس معیار کے رو سے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو ثابت کر دیں۔ کاش اگر یہ لوگ کجروی کو چھوڑ دیتے تو انکو تعدد ازدواج یا طلاق یا غلامی یا جہاد وغیرہ کے مسایل کے متعلق ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنیکی ضرورت باقی نہ رہتی کیونکہ یہ وہ باتیں ہیں جو تمام انبیار علیہم السلام کی تعلیم میں مشترک چلی آتی ہیں مگر یہ کجرو قوم جو بھیڑ کہلاتی اور بھیڑیئے کا کام کرتی ہے اس سیدھی راہ پر کبھی نہیں آتی اور صراط مستقیم سے بھٹکتی پھرتی ہے وجہ

اس کی یہ ہے کہ پادریصاحبان کو خوب معلوم ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کی صداقت کے معیار کے رو سے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو پرکھا جاوے تو یقینی طور پر آپکی صداقت اور فضیلت کھلجاتی ہے۔ پس پادریصاحبان امور تنقیح طلب کو ٹالکر نئے نئے اعتراضوں کے پہلو سوچتے رہتے ہیں یہی پادری سیل صاحب جنکا میں جواب لکھ رہا ہوں تین خداؤں اور صلیب کے کفارے کو قبول کرتے وقت تو ایسے جاہل بنتے ہیں کہ گویا عقل انکے نزدیک نہیں آئی اور اسلام پر اعتراض کرنیکے لیے عجیب عجیب پہلو تراشتے ہیں۔ مثلاً ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

"مکہ کے لوگ انذار کی کوئی خواہش نہ رکھتے تھے اور اسلیے اب (یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دعوے کرنے پر) آپکی مخالفت کا دور شروع ہوگیا۔ مخالفین کے سردار ولید بن مغیرہ اور ابولہب اور ابوجہل تھے۔ ان سب کو اس وحی میں جو جبرائیل لاتا بڑی سختی سے برے الفاظ میں یاد کیا جاتا جس سے پیغمبر صاحب کی فطرت کی کینہ وری جو مخالفت سے پیدا ہوتی تھی ظاہر ہے۔ ولید کے متعلق یہ کہا گیا کہ وہ ایک حقیر آدمی اور اہانت کنندہ ہے اور اسکا ٹھکانا دوزخ ہوگا جو کسی چیز کو باقی نہیں چھوڑتا اور سب کو بھسم کرجاتا ہے۔ ابولہب کے متعلق کہا گیا کہ اسکا مال و دولت ہلاک ہوجائیگا اور وہ شعلوں والی آگ میں جلایا جائے گا جیسی جیسی مخالفت بڑھتی گئی ویسے ہی یہ سخت کلامی اور کفار پر لعنتیں ملامتیں تیز ہوتی گئیں۔ مگر سخت کلامی کوئی دلیل نہ تھی اور اِسلیے مکہ والوں نے آپکی صداقت کا ثبوت طلب کیا اور یہ کہا کہ اپنے دعوے کی تائید میں کوئی معجزہ دکھاؤ۔ (حضرت نبی کریم) محمد (مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم) اس درخواست کو پورا نہ کرسکے لیکن یہ دکھانیکے لیے کہ یہ درخواست محض لغو تھی ایک وحی نازل ہوگئی جس میں یہ کہا گیا کہ خدا فرشتوں کو کافی وجہ پیدا ہونیکے بغیر نہیں بھیجتا (سورۃ الحجر آیت ۸) اور کہ اگر لوگ نذیر کے انذار کو عمداً رد کردینگے تو جس قسم کی شہادت وہ طلب کرتے تھے وہ بھی انکو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گی کیونکہ پہلے انبیاء کے معجزات نے بھی کوئی اچھا اثر پیدا نہیں کیا اور یہ سنایا گیا کہ کسی چیز نے ہمکو معجزات کے بھیجنے سے نہیں روکا مگر اس بات نے کہ پہلوں نے انکی تکذیب کی (سورہ بنی اسرائیل۔ آیت ۶۱) مکہ والوں نے اس عذر کو قبول نہ کیا اور اپنی بات پر زور دیا اور آخر جب انکو کوئی اطمینان بخش جواب نہ ملا تو انہوں نے کہا کہ یہ جو وحی جبرائیل لاتا ہے یہ تو پرانے لوگوں کے جھوٹے قصے ہیں یا تیز قوت متخیلہ کا نتیجہ ہے یا اجنبی لوگوں کے ساتھ ملکر جو مکہ میں آتے ہیں یہ باتیں بنالی گئی ہیں اور انہوں نے کہا کہ قرآن تو اسکا اپنا افترا ہے اور ایک اور قوم نے اسکو اس افترا کے بنانے میں مدد دی ہے۔ (سورۃ الفرقان آیت ۵)۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا جواب یہ تھا کہ یہ قرآن کریم ہے جو لوح محفوظ پر لکھا ہوا موجود ہے اور یہ ذکر ہے جو مکرم مرفوع مطہر صحیفوں

میں لکھا گیا ہے۔ (عبس ۔ ۱۳) ساتھ ہی اسکے آپ یہ کوشش کرتے تھے کہ مکہ کی عظمت کو بیان کرکے ان لوگونکے ساتھ صلح کی بنیاد ڈالی جاوے چنانچہ یہ بیان کیا کہ کس طرح خدا نے حبش والونسے اسے بچا لیا اور کعبہ کو خدا کا گھر کہا اور اسکے ارد گرد کی زمین کو حرم قرار دیا "

یہ سیل صاحب کی عبارت کا ایک فقرہ ہے۔ اس شخص نے غلط بیانی سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ ایک کینہ ور انسان تھے۔ اور جب قریش نے آپکی حق پر ہوکر مخالفت کی تو آپکی طبعی کینہ وری جوش میں آگئی اور آپنے عمائد کفار کو گالیاں دینی شروع کیں مگر قریش گویا بہت ہی بردبار تھے کہ گالیاں سُنکر بھی اگر بولے تو صرف اسقدر کہ اس دعوے کی تائید میں کوئی شہادت ہمارے سامنے پیش کیجاوے جس سے ہم آپکا حق پر سمجھ لیں مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی صداقت کا کوئی ثبوت نہ سکے اور معجزہ نہ دکھا سکے اور وجہ یہ بیان کردی کہ یہ بیفایدہ باتیں ہیں۔ اور پھر جب قریش نے یہ دیکھا کہ نہ کوئی ثبوت ہی صداقت کا آپ پیش کرسکتے ہیں اور نہ شہادت ہی۔ تو پھر وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ بیشک قرآن افترا ہے اور کہ جب کسی کوشش میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کامیابی نہ ہوئی تو پھر یہ کوشش کی کہ عرب کی پرانی رسوم کو کسیقدر تسلیم کرکے انہیں خوش کیا جاوے تا شاید اسی طرح پر وہ اسلام کیطرف کچھ جھک پڑیں یہ جو کچھ پادری صاحب نے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا ہے اس سے بڑھکر اور زیادہ معقول باتیں یسوع مسیح کے متعلق کہی جاسکتی ہیں بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ یہ خیالات پادری صاحب کے اپنے ذہن رسا کا نتیجہ نہیں بلکہ جو کچھ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق کہا ہے وہی پادری صاحب نے اٹھا کر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھدیا ہے اور زیادہ تکلیف نہیں کی گویا یہودیوں کے اعتراضوں کو دور کرنے کی بجائے انہنے یہ فایدہ اٹھا لیا کہ وہی دوسروں پر تھوپ دیئے چنانچہ ذیل میں میں ایک یہودی کی کتاب کے چند فقرات نقل کرتا ہوں جس سے میرے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ فاضل یہودی مصنف مسیح کے معجزات پر بحث کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

" یہ ہمارے لیے ناممکن ہے کہ انجیلوں کے ان تمام فقروں کو نقل کرسکیں جنسے ثابت ہوتا ہے کہ سردار کاہنوں اور دوسرے لوگوں اور یہودی علماء کو یہ کیسی سچی خواہش اور تڑپ تھی کہ جلیل کا نبی انکے سوالونکا کوئی معقول جواب دے پس ہم چند ضروری فقروں پر اکتفا کرینگے۔ ایکدن جب وہ (یعنی مسیح) فریسیوں پر جو اسکے گرد تھے اپنی عادت کے موافق سخت کلامی سے حملہ کرچکا اور انکو یہ کہہ چکا کہ تم سانپوں کے بچے ہو جن میں کوئی نیک خیال پیدا ہی نہیں ہو سکتا اور کہ تم دنیا اور آخرت میں ملعون ہو تو انہی میں سے بعض جنکے ساتھ اس نے اسقدر درشت کلامی کی تھی آگے بڑھے اور اسکے پاس ہوکر کہا کہ اے استاد ہم تجھ سے کوئی ایسا نشان دیکھنا چاہتے ہیں جس سے

تیری طاقت ہم پر ظاہر ہو جائے تو یسوع نے چلا کر کہا کہ یہ بدکار اور زناکار نسل نشان طلب کرتی ہے مگر انکو کوئی نشان نہیں دیا جائیگا سوائے یونا نبی کے نشان کے کیونکہ جیسا یونس تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہا اسی طرح پر ابن آدم تین دن اور تین رات زمین کے پیٹ میں رہیگا اس راز کی بات کو بیچارے یہودی نہ سمجھ سکے۔ علاوہ ازیں وہ تو نشان صداقت کا طلب کرتے تھے اور جواب میں ان کو ایسے نشان کا حوالہ دیا گیا جو موت کے بعد وقوع میں آنیوالا تھا۔ کیا یہ الٹا جواب اصل سوال کا صاف انکار نہیں۔ اس طرح پر مسیح نے یہودیوں کی درخواست کے جواب میں ایسا ثبوت دینے سے انکار کر دیا جس سے اُس زمانہ کے لوگ اسکے حق پر ہونیکو سمجھ سکتے اور خود انکو اسی شک میں چھوڑ کر چلدیا۔ مرقس بیان کرتا ہے کہ ایسے ہی حالات کے ماتحت اسنے اور بھی زیادہ خاموشی پر اصرار کیا۔ چند فریسی اسکے پاس حاضر ہوئے اور اس سے سوال کرنے لگے اور ایسا آسمانی نشان مانگا جس سے اسکی صداقت انپر ظاہر ہو جائے۔ مگر اسکے جواب میں یسوع نے صرف ایک آہ سرد بھر کر کہا کہ کیوں یہ لوگ نشان طلب کرتے ہیں میں تمسے سچ سچ کہتا ہوں کہ کوئی بھی نشان انکو نہیں دیا جائیگا۔ پھر ایک دن صدوقیوں اور فریسیوں نے اسی درخواست کو دُھرایا کہ اگر تجھے وہ طاقت فی الواقع دیگئی ہے جسکا تو دعوے کرتا ہے تو ہمکو کوئی آسمانی نشان دکھا جو ہمکو قایل کر دیوے یسوع نے پھر یہی جواب دیا کہ سوائے یونس کے نشان کے اور کوئی نشان نہیں دکھایا جاویگا۔ اور بیچارے یہودیونکو اسی طرح شک میں چھوڑ کر پھر چلدیا۔"

اس سے ایک غور کرنیوالے انسان پر بڑی صفائی سے کھلجاتا ہے کہ پادریصاحبان جب یسوع سے ان الزامات کو خود دور نہ کر سکے تو انہوں نے یہی فایدہ غنیمت سمجھا کہ وہی الزام ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر لگا دیں یعنی یہ کہ آپ کفار کو اپنی نبوت کا ثبوت کوئی نہیں دے سکے اور یہی وجہ آپکی ساری تکلیفات کی تھی۔ پادری سیل نے ایک الزام یہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر لگایا ہے کہ آپ معاید کفار سے سخت کلامی سے پیش آتے تھے اور انکو ناحق بُرے الفاظ سے یاد کرتے تھے مگر اس سے بڑھکر اور کوئی لفظ نہیں دکھا سکے کہ ایک شخص کو حقیر اور اہانت کنندہ یا اپنے مخالفین کو دوزخی کہا ہے ان الفاظ کا استعمال حالانکہ صاف طور پر ان مخاطبین پر صادق آتا تھا مگر پادریصاحب اپنے تعصب کیوجہ سے اسے فطرت کی کینہ وری کا نتیجہ بتاتے ہیں میں اسکا جواب صرف اسیقدر دیتا ہوں کہ ایکدفعہ پادریصاحب اپنے آقا کے نرم اور ملایم الفاظ کو جو وہ فقیہوں اور فریسیوں کے حق میں بولا کرتے تھے اور جن میں سے بعض اب بھی اناجیل میں موجود ہیں پڑھ جاویں اور انصاف سے بتاویں کہ دونوں میں سے زیادہ کینہ وری کس میں نظر آتی ہے عیسائیوں کے خدا میں یا مسلمانوں کے پیغمبر میں۔ یہودی علماء اور فریسی بڑے بڑے معزز لوگ تھے اور بعض ان میں سے گورنمنٹ کے نیچے بھی معزز عہدوں پر ممتاز تھے۔ اور حالانکہ یہودیوں کے قول کے مطابق وہ بڑی نرمی سے حضرت مسیح سے پیش آتے تھے مگر آپکا جواب نہایت تند

اور درشت ہوتا تھا۔ایک موقعہ پر ایک عام جلسے میں جہاں ہزاروں لوگ انکو عزت کی نظر سے دیکھنے والے اور انکو مقدّس سمجھنے والے موجود تھے حضرت مسیح نے ان الفاظ میں انکو ذلیل کیا کہ زنا پیشہ عورتیں تمسے پہلے خدا کی سلطنت میں داخل ہونگی اور اس طرح انہیں کنجریوںسے بھی بدتر قرار دیا۔پھر جب انہوں نے کوئی آسمانی نشان دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو انکو سانپوںکے بچے اور زناکار بتایا۔پادریصاحب غور فرماویں کہ ان الفاظ کے بالمقابل حقیر اور اہانت کنندہ کی کیا حقیقت ہے۔اور پھر انکو جاہل۔منافق اور ہر طرح کی بدکاری سے پر وغیرہ ناموں سے پکارنا تو ایک معمولی بات ہوگئی تھی۔اب سیلؔ صاحب ہی انصاف کریں کہ فطرت کی کینہ وری کا ثبوت ان میں سے کس میں پایا جاتا ہے۔اے ظالمو تم اونٹ کو نگل جاتے ہو پر مچھر سے پرہیز کرتے ہو۔

اب میں واقعات پر آتا ہوں۔سیل صاحب کے لفظ لفظ سے ظالم کفار کے ساتھ ہمدردی اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے راستباز اور مظلوم صحابہ سے نفرت ٹپکتی ہے اور جو جو ظلم اس غریب جماعت پر ہوئے یا جو جو تکلیفیں اور مصیبتیں انہوں نے اعلائے کلمۃ الحق کیلیے اٹھائیں۔انکے ساتھ ہمدردی کا لفظ تو ایکطرف رہا۔انکو بیان کرنیسے بھی کنارہ کشی کی ہے اگر اسی کے مضمون کو پڑھکر کسی شخص نے رائے لگائی ہو تو وہ یہی سمجھے گا کہ مکّہ کی تمام زندگی میں مسلمانونکو کفار کیطرف سے کوئی اذیت نہیں پہونچی جو قابل ذکر ہو بلکہ مسلمانوں کی طرفسے ہی زیادتی تھی۔پادریصاحب! اس اخفائے حق سے یسوع کی خدائی پر پردہ پڑجائیگا؟ دنیا کے سامنے تاریخ موجود ہے اور جبتک وہ تاریخ پڑھتے رہینگے آپکے اس مضمون پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔جن آیات کا پادریصاحب نے حوالہ دیا ہے کہ ان میں گالیاں نکالی گئی ہیں۔ان میں بھی صرف کفار کے مظالم کا بیان ہے اور جنہیں پادریصاحب دھمکیاں سمجھتے ہیں وہ انکی بدکاریوںکے متعلق سزاؤنکی پیشگوئیاں ہیں وہ سب پر حکمت الفاظ ہیں اور یا تو ان میں کفار کیحالت کا اور انکے مظالم کا سچا نقشہ ہے اور یا انکے انجام کی پیشگوئیاں ہیں۔اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بتونکو برا کہا تو میں پادریصاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپنے برا کام کیا۔اور کیا بتونکو برا کہنے کے سبب سے پادریصاحب کو کفار کے ساتھ ہمدردی ہے یا حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ؟ پادریصاحب اگر اسکا صاف صاف جواب دیدیں تو دنیا کو یہ تو معلوم ہوجائے کہ ان لوگونکا توحید کا اقرار محض ایک دھوکے کی ٹٹی ہے۔اور انکے دلوں میں بت پرستی سے محبت ہے۔پھر اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دکھ دینے والونکو اس بات سے ڈرایا کہ ان بدکاریونکی وجہ سے جنکا تم ارتکاب کررہے ہو تمپر عذاب الہی آنیوالا ہے۔جسکی آخر تصدیق بھی ہوگئی تو کیا یہ آپنے برا کام کیا۔کیا پادریصاحب کے نزدیک سچا نبی وہ ہوگا جو اپنے مخالفین کے آگے ہاتھ جوڑکر یہ کہدے کہ جو تم کہتے ہو سب سچ ہے اور جو میں کہتا ہوں وہ جھوٹ ہے اور جو بدکاری تم چاہو کرتے ہو۔خدا تمہیں کبھی نہیں پکڑے گا۔اور نہ تمہاری بدکاریونکی وجہ سے تمپر کوئی عذاب نازل

کرے گا۔ بلکہ تمہاری بدکاریونکو وہ بُری نظر سے بھی نہیں دیکھے گا۔ ایک کفارہ کا عقیدہ رکھنے والا ایسا کیسے تو کہہ سکتا ہے مگر ہم تمام انبیاء علیہم السلام کی تاریخ میں ایسا کوئی نبی نہیں پاتے۔ خدا جانے اسلام پر اعتراض کرتے وقت ان لوگونکی عقلوں پر کیا پردہ پڑجاتا ہے کہ اپنے ہی اصول کی اور اپنے ہی انبیاء کی تعلیم کی تردید شروع کر دیتے ہیں اور جس شاخ پر بیٹھے ہوئے ہیں اسیکو کاٹنے لگ جاتے ہیں۔ اے دیوانو! دیکھو کہ تم کیا کر رہے ہو اسلام پر اگر کوئی اعتراض ہے تو کرو مگر ایسا نہ کرو جس سے تمہاری اپنی بیخکنی ہوتی ہو +

اب ان آیات پر غور کرو۔ ایک تو سورہ علق کی چھٹی اور ساتویں آیت پر پادری سیل کو یہ اعتراض ہے کہ اس میں ناحق ابوجہل کو گالیاں دیگئی ہیں۔ یہ دونوں آئتیں یوں ہیں۔ کلا ان الانسان لیطغیٰ ان راہ استغنیٰ یعنی خدا تعالےٰ اپنی نعماء کا اور پھر اس بات کا ذکر کرکے کہ کیونکر اس نے محض اپنے فضل سے بذریعہ وحی وہ باتیں انسان کو سکھائیں جو وہ خود نہ جان سکتا تھا فرماتا ہے مگر انسان کا یہ حال ہے کہ وہ یہ نہیں کرتا کہ خدا کی شکر گذاری کرے بلکہ اپنے تئیں غنی اور بے نیاز سمجھ کر خدا سے سرکشی کرتا ہے + حیرت آتی ہے کہ پادری صاحبان کو اسلام سے کیسا تعصب ہے کہ اس آیت کو بھی آنحضرت صلعم کی سخت کلامی میں درج کر دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس میں ابوجہل کو برا کہا گیا ہے۔ کیا پادری صاحب کے نزدیک ابوجہل خدا کا بڑا فرمانبردار تھا جو اسکو سرکش کہنا گالی ہوگئی۔ خدا اس تعصب کا ستیاناس کرے۔ جو چنگے بھلے مہذب تعلیم یافتہ آدمیونکو یوں اندھا کر دیتا ہے کہ ایک باطل کی تائید اور حق کی بلاوجہ تردید کے درپے ہو رہے ہیں۔ اول تو اس آیت میں عمومیت ہے اور اس سے اگلی آیتوں میں بالخصوص کسی ایسے شخص کا ذکر ہے جو مخالفت نبی کریم میں بہت بڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ لیکن اگر اسکو بھی ابوجہل کے متعلق ہی سمجھ لیا جاوے تو کونسی سخت کلامی اس میں ہے کیا آنحضرت کو چاہیئے تھا کہ وہ کہتے کہ ابوجہل خدا تعالےٰ کا بڑا فرمانبردار ہے مگر اگلی آیتوں پر غور کرو جن میں اسکے مظالم اور ان مظالم کی پاداش کا جو خدا کیطرف سے اُسے ملنے والی ہے۔ ذکر ہے۔ فرماتا ہے:۔ ارءیت الذی ینھیٰ عبدا اذا صلیٰ ارءیت ان کان علے الھدیٰ او امر بالتقویٰ ارءیت ان کذب وتولیٰ الم یعلم بان اللہ یریٰ کلا لئن لم ینتہ لنسفعًا بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ خاطئۃ فلیدع نادیہ سندع الزبانیہ۔ دیکھا تو نے اس شخص کو کہ جب ہمارا ایک بندہ نماز پڑھتا ہے تو وہ اسے منع کرتا ہے بھلا دیکھو تو سہی اگر یہ شخص خود راہ راست پر ہوتا یا لوگونکو راست بازی سکھلاتا۔ بھلا دیکھو تو اگر اسنے جھٹلایا اور منہ موڑا کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالےٰ (اسکی ان کرتوتوں کو) دیکھتا ہے وہ سن رکھے کہ اگر وہ باز نہیں آئیگا تو ہم اسکو اسکی چوٹی جھوٹی خطا کار چوٹی پکڑ کر گھسیٹینگے پھر اسے چاہیئے کہ اپنے ہمنشینونکو مدد کے لیے بلاوے۔ ہم بھی اپنے سیاست کرنیوالے فرشتونکو بلاوینگے (کہ اُسکو سزا دیں)" ان آیات میں کسی ایسے شخص کا ذکر ہے جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کے دکھ دیتا۔

آپ کو نماز و نسے روکتا۔ بجائے تقوے کی تعلیم دینے کے بدکاری اور بدی لوگونکو سکھاتا اور خدا کے نشانوں کو جھٹلاتا اور یہ سب کچھ اپنے اہل مجلس کی شیخی پر کرتا۔ کہ وہ سب اسکی مدد کو تیار تھے اور مدد کرتے تھے۔ اس شخص کی نسبت صریح الفاظ میں ابتدائے زمانہ وحی میں یہ پیشگوئی کی گئی۔ جب ابھی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تنہا ہی سب مصایب کا نشانہ ہو رہے تھے اور ہر طرف سے آپکی وحی اور پیغام رسالت پر ہنسی ہوتی تھی۔ اور بت پرست نہ صرف آپکی ایذا بلکہ آپکی جان اور آپکے سلسلہ کی بیخکنی کے درپے ہو رہے تھے۔ کہ ان بت پرستوں اور ایذا دینے والوں کا راس رئیس جوان افعال کا مرتکب ہو رہا ہے یہ خیال نہ کرے کہ وہ اپنے بیشمار ساتھیوں کے ساتھ اس نبی پر جو تنہا ہے غالب آجاوے گا اور اسکو نیست و نابود کر سکیگا نہیں بلکہ اگر وہ ان کرتوتوں سے باز نہ آیا تو اس پر وہ دن آوے گا جس دن جھوٹی خطا کار چوٹی سے پکڑا جاکر گھسیٹا جاویگا اور اس دن اسکا ایک بھی مددگار اسکی مدد نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ خدا سب کچھ دیکھ رہا ہے اور ان شوخیوں کو دیکھتا ہے جو یہ شخص کر رہا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ابوجہل تھا جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور ایذا دہی اور بیخ کنی کیلئے جسقدر ممکن تھا زور لگایا۔ خصوصاً نماز میں یہ شخص آپکو بہت دکھ دیتا۔ اور کبھی پتھر اور کبھی غلاظت وغیرہ آپکی پشت پر رکھدیتا جب کہ آپ خدا کے حضور سجدے میں گرے ہوئے ہوتے۔ اور پھر طرح طرح کی تجویزیں آپکے ہلاک کرنیکے لیے اسنے کیں۔ اس جگہ اللہ تعالے نے یہ بھی فرمایا کہ یہ کیسا ظالم شخص ہے کہ اول تو خود نہ راہ راست پر ہے اور نہ تقوے کی تعلیم لوگونکو دیتا ہے بلکہ گمراہی میں پڑا ہوا اور بدی پھیلاتا ہے۔ اور پھر ساتھ اسکے یہ دوسرا ظلم کہ اس شخص کو جو راہ راست پر ہے اور نیکی اور راستبازی کی تعلیم دیتا ہے ایذا دیتا بلکہ اسکی ہلاکت کے درپے ہو رہا ہے پس اللہ تعالے کی ہستی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خدا کیطرف سے ہونیکا یہ ایک نشان قرار دیا گیا کہ یہ شخص جو اسوقت بالکل اکیلا اور چاروں طرف سے مصیبتوں سے گھرا ہوا ہے۔ اسکا حامی اور ناصر خدا ہے اور یہ کفار کی کوششوں سے کبھی ہلاک اور تباہ نہ ہوگا بلکہ خود وہ لوگ جو اسکی ہلاکت کے درپے ہیں اسی دنیا میں عذاب کے ساتھ ہلاک کیے جاوینگے۔ چنانچہ آخر کار ایسا ہی ہوا کہ کئی سال تک متواتر مصیبت اٹھانیکے بعد آخر اس پیش گوئی کے پورا ہونیکا زمانہ آیا اور ابوجہل اپنے قوی اور نبرد آزما ساتھیوں کو جو ایک ہزار تعداد میں تھے ساتھ لیکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی سی اور کمزور جماعت کو جس میں نوعمر لڑکوں سمیت کل ۳۱۳ فرد تھے ہلاک کرنیکے لیے نکلا۔ مگر خدائے قادر نے یہاں اپنی طاقت کا ہاتھ دکھایا اور اس پیشگوئی کو پورا کیا جو تیرہ سال پہلے ہو چکی تھی یعنی اس چھوٹی سی جماعت کی کفار تاب مقابلہ نہ لا سکے اور ستر مارے گئے اور ستر قید ہو گئے اور باقی کل بھاگ گئے۔ ممکن تھا کہ ابوجہل بھی بھاگ جاتا مگر اللہ تعالی نے اپنے لفظونکو پورا کیا۔ اور ابوجہل ہلاک ہوا اور آخر چوٹی پکڑ کر میدان جنگ میں گھسیٹا جاکر ایک گڑھے

میں ڈالا گیا اور کوئی اسکا ساتھی اسوقت اسکا مددگار نہ ہوا اسیوقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بآواز بلند پکار کر کہا کہ اے کفار عرب ہمنے تو ان وعدوں کو جو اللہ تعالٰے نے ہمارے ساتھ کئے تھے یعنے تمہاری ہلاکت کے وعدے آج اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ لیا پس کیا تمنے بھی خدا کے وعدوں کا مزا اب چکھ لیا۔ اس عظیم الشان پیشگوئی کو جو ایسی کمزوری اور بے سروسامانی بلکہ ناکامیونکی حالت میں کی گئی تھی اور پھر آخر ایسی شوکت اور جلال سے پوری ہوئی۔ حاسد دشمن گالیاں بناتا ہے حالانکہ یہی پیشگوئی اللہ تعالٰی کی ہستی اور اسکی طاقت اور علم پر بڑی زبردست شہادت ہے جو ایسی صاف ہے کہ کوئی دشمن بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا +

ایک اور مقام جسکا حوالہ پادریصاحب نے اس دعوے کی تائید میں دیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کفار کو ناحق برا کہا کرتے تھے سورۃ القلم کی مشہور آئیتیں ہیں جنکو بعض ولید بن مغیرہ اور بعض ابوجہل کے متعلق سمجھتے ہیں۔ یہ آیات اس طرح پر ہیں:۔ ولا تطع کل حلاف مہین ہماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذالک زنیم ان کان ذا مال وبنین اذا تتلی علیہ ایاتنا قال اساطیر الاولین سنسمہ علی الخرطوم۔ اور تو کسی ایسے شخص کی بات نہ مان جو بہت قسمیں کھانیوالا ہے ذلیل ہے۔ عیب لگانیوالا ہے۔ چغلی کرنیوالا ہے۔ نیک کام سے روکتا ہے۔ حد سے نکلجانیوالا ہے۔ گنہ گار گردن کش اور سب سے پیچھے بدنام (یا بد اصل) بھی ہے اس برتے پر کہ مال اور بیٹے رکھتا ہے جب ہماری آیتیں اسکو پڑھکر سنائی جاتی ہیں تو بول اٹھتا ہے کہ یہ اگلے لوگونکے ڈھکوسلے ہیں۔ عنقریب ہم اسکے ناک پر داغ لگائیں گے + یہ آیات ہر ایک کافر کے حق میں بھی ہو سکتی ہیں کیونکہ ان میں جو اخیری وعید ناک پر داغ لگانیکا ہے اگرچہ وہ ظاہری معنوںمیں ولید بن مغیرہ کے حق میں پورا ہوا۔ جسکے ناک پر بدر کی جنگ میں زخم لگا۔ مگر عام معنوں کے لحاظ سے ہر ایک ایسے اوصاف والے کے حق میں یہ وعید الٰہی پورا ہوتا ہے کیونکہ ناک پر داغ لگانیسے مراد ذلیل کرنا ہے۔ سو ضرور خدا تعالٰے ایسے آدمی کو جسکے اوصاف ان آیتوں میں بیان ہوئے ہیں دنیا میں ہی ذلیل کرتا ہے۔ پس یہ بھی ایک پیشگوئی ہے خواہ اسے ایک کافر ولید بن مغیرہ کے حق میں سمجھ لیا جاوے اور خواہ ہر ایک کافر کے حق میں جس میں یہ باتیں پائی جاتی ہوں۔

بعض حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ سورہ مدثر کی بعض آئیتیں بھی اس کافر ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئیں ان کا حوالہ بھی سیل صاحب نے دیا ہے اور انکو گالیاں ٹھیرایا ہے حالانکہ یہاں بھی اسی پیشگوئی کا اعادہ ہے جو اسکے حق میں کی گئی تھی کہ اسکا مال و دولت اور اسکے ساتھی اسے کوئی کام نہ دینگے اور اسکی بدکرداریوں کی پاداش میں اسے اللہ تعالٰے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ وہ آیات یہ ہیں۔ ذرنی ومن خلقت وحیدا

وجعلت لہ مالا ممدودا وبنین شھودا ومھدت لہ تمھیدا ثم یطمع ان ازید کلا انہ کان لاٰیتنا عنیدا۔ سارھقہ صعودا۔
چھوڑدے مجھکو اور اس شخص کو جسے مینے پیدا کیا اکیلا اور دیا مینے اسکو مال بہت سا اور بیٹے جو اسکے سامنے موجود ہیں اور ہر طرح کا سامان اسکے لیے مہیا کر دیا اور ابھی وہ یہ حرص رکھتا ہے کہ کچھ اور بھی اسے دیا جاوے ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ ہمارے نشانوں کا مخالف ہوا اسلیے عنقریب ہم اسکو سخت عذاب میں مبتلا کرینگے۔ یہاں بھی عذاب کی پیش گوئی کا ہی ذکر ہے خدا جانے پادری صاحب کو اس جگہ کونسا لفظ نظر آیا ہے جسے وہ گالی سمجھتے ہیں ایسا ہی سورۃ اللہب کے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ اس میں ابولہب کو برا کہا گیا ہے مگر یہاں بھی سوائے اسکے کہ ابولہب کے متعلق دیا اسی وصف والے کسی اور انسان کے متعلق) پیش گوئی ہے اور کچھ نہیں۔ عمایدکفار اس بھروسہ پر کہ مال و دولت انکے ہاتھ میں ہے اور لوگ بھی انکے ساتھ ہیں اور انکی باتوں کو مانتے ہیں طرح طرح کی اذیتیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے۔ آپنے جو کچھ انکو کہا وہ صرف یہی تھا اور یہ بھی وحی الہی کی بنا پر کہ نہ تمہارے مال و دولت تمہیں کام دینگے اور نہ ہی کوئی ساتھی کام آئیگا۔ اور تم پر تمہاری ان بدکرداریوں کی وجہ سے سخت عذاب نازل کیا جائیگا۔ یہ عذاب۔ اور ہلاکت کے وعدے سب سے پہلے جنگ بدر میں پورے ہوئے جسکو قرآن شریف یوم الفرقان کے نام سے بیان کرتا ہے کیونکہ اس دن اللہ تعالے نے کفار کی ہلاکت اور حق کی فتح اور غلبہ کے وعدے کو پورا کر کے حق اور باطل میں کھلا کھلا فرق کر دکھایا۔

اصل بات یہ ہے کہ وہ الفاظ جنکو سیل صاحب دھمکیاں اور گالیاں قرار دیتے ہیں وہ پیشگوئیاں ہیں جنمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی انجام کار تباہی اور ناکامی کی خبر قبل از وقت دیگئی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فتح اور کامیابی کی خوشخبری دیگئی ہے۔ جس میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ آخر دنیا میں حق ہی غالب ہوگا اور سب قسم کے باطل نیست و نابود کیے جاوینگے۔ یہ پیشگوئیاں بار بار قریباً ہر سورت میں کسی نہ کسی رنگ میں بیان کی گئی ہیں ان پیشگوئیوں کے پورا ہونیسے پہلے کفار جو کچھ انکی نسبت کہتے وہ معذور سمجھے جا سکتے تھے مگر جب انہوں نے کھلے طور پر انکا پورا ہونا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور پہلے بمقام بدر اور پھر فتح مکہ میں کمال طور پر انکا ظہور ہو گیا تو انہوں نے ایک لحہ کے لیے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قبول کرنے میں تامل نہیں کیا۔ اور صاف طور پر یہ اقرار کیا کہ بیشک سوائے خدائے قادر کے کسی کا کلام نہیں ہو سکتا جس نے برسوں پہلے ان واقعات کی خبر دی جنکے ظہور میں آنیکی کبھی بھی کسی کو امید نہ تھی چنانچہ انہی پیشگوئیوں کے بتمام کمال ظہور پذیر ہونے نے ہی عرب کی وہ کایا پلٹ دی جسکی نظیر دنیا میں اور کسی جگہ نہیں ملتی۔ چند آیات نیچے نقل کیجاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے ابتدا سے ہی کسقدر زور اس بات پر دیا تھا کہ آخر دشمنان حق مغلوب ہونگے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی راہ سے سب روکوں کو دور کر کے انکو مظفر و منصور اور دشمنوں پر غالب کیا جاویگا۔ چنانچہ یہ

الفاظ قم فانذر یعنی اے پیغمبر اٹھ اور لوگونکو آنیوالے عذاب سے ڈرا۔ ابتدائی وحی کے الفاظ ہیں۔ یہ صرف خیالی طور پر ڈرانا ہی نہ تھا بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کل قوم کو اکٹھا کرکے یہ کہا کہ اگر میں تمکو یہ کہدوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بڑی بھاری فوج تم پر حملہ کرنیکے لیے تیار ہے تو تم مانوگے یا نہیں سب نے ایک آواز ہوکر کہا کہ ہم آپکو بچپن سے ہی صادق مانتے ہیں اور اسلیے تیری ہر بات کا یقین ہے پھر آپ نے کہا کہ پھر یقین کرلو کہ تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے تم پر عذاب الٰہی نازل ہونیوالا ہے۔ جیسے جیسے قرآن کریم نازل ہوتا رہا وحی الٰہی میں اس عذاب کی تفصیل کھلتی گئی چنانچہ سورہ مزمل میں فرمایا۔ وذرنی والمکذبین اولی النعمۃ ومہلھم قلیلا۔ اور چھوڑدو مجھکو اور جھٹلانیوالے خوشحال لوگونکو (تاکہ میں انکو سزا دوں) اور انکو تھوڑی سی مہلت دو۔ اور پھر آگے چلکر فرمایا جسکا ترجمہ یہ ہے "جیسا ایک رسول ہمنے فرعون کیطرف بھیجا تھا ویسا ہی ایک رسول تمہاری طرف بھیجا ہے۔ سو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمنے اسکو سخت وبال میں پکڑا۔ پس اے کفار مکہ اگر تم بھی انکار پر ہی جمے رہوگے تو تم کیونکر اس دن کی سختی سے بچ سکوگے جو بچونکو بوڑھا کردیگی (ایسی سخت مصیبت اس دن کی ہوگی) اور اس دن آسمان پھٹ جائیگا۔ (یہ خیال نہ کرنا کہ یہ باتیں ہی باتیں ہیں اور ہونا ہوانا کچھ نہیں) یہ خدا کیطرف سے ایک وعدہ ہے۔ جو پورا ہوکر رہیگا۔ یہ نصیحت کی بات ہے جو چاہے اپنے پروردگار کا راہ اختیار کرے"۔

بار بار قرآن کریم پہلی قوموںکے حالات کو بیان فرماتا ہے جسکا منشا کفار مکہ کو یہ سمجھانا تھا کہ جس طرح وہ قومیں انبیاء کی مخالفت کیوجہ سے ہلاک کی گئیں اسی طرح تم بھی ہلاک کیے جاؤگے چنانچہ عرب کے کنارے کنارے جو قومیں کسی زمانہ میں آباد تھیں اُن میں بھی نذیر آئے مگر انہوں نے بدکاریونکو نہ چھوڑا اور اسلیے انکا نام ونشان مٹا دیا گیا کیونکہ خدا کا غضب انپر نازل ہوا۔ دیکھو سورۃ الفجر "کیا تو نہیں دیکھتا کہ تیرے پروردگار نے عاد ارم کے لوگونکے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ جو بڑے بڑے ستونوں والے تھے یعنی بڑی بڑی عمارتیں بناتے تھے جن کی نظیر ملکوں میں پیدا نہیں ہوئی۔ اور پھر ثمود کو دیکھو کہ انکا کیا حال ہوا جنہوں نے وادی میں پتھرونکو تراشا۔ اور فرعون بڑے لشکروں والے کا کیا حال ہوا ان سب لوگوں نے شہروں میں سرکشی کی اور ان میں فساد کو بہت بڑھا دیا (اور اس سرکشی کیوجہ سے) تیرے رب نے ان سب پر عذاب کا کوڑا لگایا۔ بیشک اب بھی تیرا پروردگار ان کفار کی سزا دہی کیلیے گھات میں لگا ہے"۔ ایسا ہی سورۃ القمر میں مختلف قوموں پر عذاب ہلاکت کے آنیکا بیان کرکے ہر ایک کے ذکر کے بعد فرماتا ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر یعنی ہمنے قرآن کو ان لوگوں کے (پہلی قوموں کی حالتونکو دیکھکر) نصیحت پکڑنیکے لیے آسان کردیا ہے پھر کوئی ہے جو نصیحت پکڑے۔ نوح کی قوم۔ ثمود اور عاد۔ فرعون اور لوط کی قومیں کل کی کل ہلاک کی گئیں پس کیا کفار مکہ بچ جائیں گے۔ چنانچہ ان قوموں کی ہلاکت کا ذکر کرکے اخیر پر فرماتا ہے۔ اکفارکم خیر من اولٰئکم ام لکم براءۃ فی الزبر ام یقولون

نحن جمیع منتصر سیھزم الجمع ویولون الدبر بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھیٰ وامر - اے مکّہ کے رہنے والو تم میں جو کافر ہیں وہ ان پہلوں سے کچھ بہتر ہیں (جو انپر عذاب نہیں آئیگا) یا پہلی کتابوں میں تمہارے لیے کوئی معافی کا حکم لکھا ہوا ہے؟ یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بڑی قوی جماعت بدلہ لینے والی ہیں؟ سو یہ سارا گروہ شکست کھائیگا اور (مسلمانوں کے مقابلے میں) پیٹھ .. پھیر کر بھاگیں گے - ہاں ایک خاص گھڑی انکے وعدے کا وقت ہے اور وہ گھڑی بہت ہی سخت اور کڑوی ہے۔

پادری سیل ؔ نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی ثبوت اپنے خدا کیطرف سے ہونیکا دیا ہو - مگر بات یہ ہے کہ جس صفائی سے قرآن کریم نے اپنے دعووں کا ثبوت دیا ہے اسکی نظیر دوسرے لوگوں کی مقدس کتابوں میں تلاش کرنا عبث ہے - مذہب کی بنا دو ضروری اصولوں پر ہے - ایک یہ کہ خدا ہے جسکا علم اور قدرت ایسے وسیع ہیں کہ وہ ہمارے دل کے چھپے ہوئے خیالوں سے بھی آگاہ ہے اور ہر بدکردار کو سزا دینے پر قادر ہے اور دوسرا یہ کہ نیک و بد افعال کی جزا و سزا ملے گی - کیونکہ مذہب کی غرض و غایت یہ ہے کہ انسان کی زندگی تمام گناہوں سے پاک ہو کر وہ راستبازی سے زندگی بسر کرے - مگر یہ مدعا کبھی حاصل نہیں ہو سکتا - جبتک کہ یقین کامل سے اسے اس بات کا علم نہ ہو کہ اسکے اوپر ایک ایسی برتر اور اعلےٰ ہستی ہے جسکی آنکھ سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی اور جسکے طاقتور ہاتھ سے کوئی چیز باہر نہیں جا سکتی اور یہ کہ جن نیک یا بد افعال کا مرتکب وہ اس دنیا میں ہوگا - انکا پھل یقیناً دوسری دنیا میں چکھیگا - ایسے کامل یقین کے بغیر پاکیزگی حاصل نہیں ہو سکتی اور پاکیزگی کے بغیر نجات ناممکن ہے - اب دو باتیں قرآن کریم نے نہایت صفائی سے ثابت کی ہیں - خدا تعالیٰ کی ہستی اور اسکے کامل علم اور قدرت کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ ایسے وقت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور کفار کی ذلّت و شکست کی پیشگوئیاں کیں جب یہ دونوں باتیں بالکل ناممکن معلوم ہوتی تھیں - پھر ان زبردست پیشگوئیوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی پورا کر کے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی خدا موجود ہے جو کامل علم اور کامل قدرت والا ہے اور اس طرح پر اسکی ہستی پر یقین تام ان پیشگوئیوں کے مشاہدہ کرنیوالوں کے دلوں میں پیدا کر دیا - دوسری بات عالم آخرت میں نیک و بد افعال کی جزا و سزا کا مسئلہ ہے اسکا ثبوت اس کتاب پاک نے ایسا دیا ہے جسکی نظیر دنیا کی کسی کتاب میں نہیں ملتی - اور وہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں مومنوں کے لیے دو قسم کے وعدے اور کفار کے لیے دو قسم کے وعید ہیں ایک وعدہ اس دنیا میں کامیابی اور برکات کا اور دوسرا وعدہ عالم آخرت میں فلاح اور بہبودی کا - اور ایسا ہی ایک وعید اس دنیا میں سزا اور ہلاکت کا اور ایک وعید عالم آخرت میں سزا اور ہلاکت کا - اب چونکہ دوسری قسم کا وعدہ اور وعید ایک ایسے عالم کے متعلق ہیں جہاں انسان اس دنیا کی زندگانی میں نہیں جا سکتا اسلیے قرآن کریم نے اس وعدہ اور وعید کو قسم اول کے وعدہ اور وعید کے پورا کرنے سے ثابت کیا ہے مومنوں کے لیے جو نیک کام کرتے ہیں - قرآن کریم یہ وعدہ کرتا ہے کہ عالم آخرت میں انکو بڑی برکات اور نعماء کا وارث

کیا جاویگا۔ اور اسکے ثبوت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس دنیا میں بھی انکو فتوحات اور خوشحالی دیجاویگی حالانکہ ان وعدوں کے وقت مسلمانوں کی حالت اس نازک پودے کی طرح تھی جو ابھی زمین سے نکلا ہی ہے۔ اور مخالفت کی سخت آندھی سے ہر وقت اکھڑ جانیکے خطرہ میں ہے۔ مگر اس دنیا کے وعدہ کو باوجودیکہ وہ اسقدر بعید از قیاس تھا۔ اللہ تعالےٰ نے کامل طور پر پورا کر دینے کے ساتھ یہ ثابت کر دیا کہ عالم آخرت کا وعدہ بھی سچا ہے اور ایک وعدہ کے پورا ہونیسے گویا انہوں نے دوسرا وعدہ بھی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا۔ ایسا ہی کفار کیلیے کتاب پاک میں یہ وعید ہے کہ عالم آخرۃ میں انکی بدکرتوتوں کی پاداش میں ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا جاویگا اور اسکے ثبوت کے لیے ایک اور وعید اس دنیا کے عذاب کے متعلق دیا گیا حالانکہ اس وعید کے دینے کے وقت کفار کی حالت ایسی تھی کہ کبھی کوئی گمان ہی نہ کر سکتا تھا کہ یہ لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کبھی شکست کی ذلت اٹھاوینگے بلکہ وہ ان شکست اور ذلت کی پیشگوئیوں پر ہنستے تھے۔ مگر خدائے قادر اور ذوالجلال نے اس پیش گوئی کے وعید کو اسی دنیا میں کفار کو چکھا کر یہ ثابت کر دیا کہ اسکا وعیدِ سزا عالم آخرت کے متعلق بھی بالکل سچا ہے۔ یوں ایک وعید کو پورا ہوتے دیکھکر کفار نے دوسرے وعید کو بھی گویا اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ لیا۔ یہ صاف اور کھلا طریق جزا و سزا کے ثبوت کا اور کسی کتاب میں ہمیں نظر نہیں آتا۔ اگر توریت کو دیکھتے ہیں تو اس میں عالم آخرت کے جزا و سزا کا نام بھی نہیں ملتا۔ بلکہ تمام زور اسی دنیا کی جزا و سزا پر ہی دیا گیا ہے دوسیطرف انجیل ہے جسنے نہ سچے مومنین کو اس دنیا میں کامیابی اور فتح کے وعدے دیئے ہیں اور نہ مکذبین کو ہلاکت اور ذلت کے۔ بلکہ صرف عالم آخرت کا ہی حوالہ دیا ہے جو نرا دعوے ہی دعوے ہے کہ مومن ابراہیم کی گود میں بیٹھیں گے اور شریر جہنم میں جلینگے جہاں ہمیشہ کیلیے رونا اور دانتوں کا پیسنا ہوگا۔ پس توریت اور انجیل دونوں اس بین ثبوت سے بالکل خالی ہیں جو قرآن کریم نے دیا ہے اور یہ دراصل ایسا نرالا طرز ثبوت کا اور ساتھ اسکے ایسا صاف اور واضح طریق ہے کہ ایک طرف تو اسکی نظیر کسی کتاب میں نہیں ملتی اور دوسیطرف اسکی صفائی اور قطعیت خود لانظیر ہے۔ پس جسقدر ثبوت انسان کی زندگی کو پاکیزہ بنانے اور گناہوں سے پاک کرنیکے لیے ضروری ہے وہ نہایت صفائی سے قرآن کریم اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پیش کر دیا اور منجملہ دوسرے بیشمار امتیازوں کے اسلام کو یہ امتیاز بھی سب مذاہب پر حاصل ہے۔

وہ وعید جو قرآن کریم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مجرم مکذبین کو اس دنیا کی سزا کے متعلق دیئے ہیں بعض وقت عالم آخرت کے وعیدوں کے ساتھ ایسے ملے جلے ہوئے ہیں کہ جھٹ ایک سے دوسرے کیطرف انتقال ہو جاتا ہے۔ اور بعض موقعہ پر دونوں قسم کے وعید کو بالکل الگ الگ کر کے بیان کیا گیا ہے جسے موٹی سے موٹی سمجھ والا انسان بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے اسکی ایک نظیر سورۃ القلم میں ملتی ہے جہاں کہ

والوں کی سزا کا ایک تمثیل کے رنگ میں ذکر کیا ہے اور تمثیل ان الفاظ سے شروع کی ہے۔ انا بلونٰھم کما بلونا اصحٰب الجنۃ اذا قسموا لیصرمنھا مصبحین ولا یستثنون فطاف علیھا طائف من ربک وھم نائمون فاصبحت کالصریم۔ یعنی ہم کفار مکہ کو اسی طرح آزماوینگے جیسا ہم نے باغ والونکو آزمایا جبکہ انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہی ہم اسکے پھل ضرور توڑ لینگے۔ اور اس بات کا انکو ایسا یقین تھا کہ انشاء اللہ بھی نہ کہا مگر وہ ابھی سوتے ہی تھے کہ تیرے پروردگار کیطرف سے عذاب الٰہی اسپر پھر گیا اور وہ صبح تک ایسا ہوگیا جیسا جڑ سے کٹا ہوا+ اس باغ کے پھل گویا مکہ والونکی محنت کے پھل تھے۔ اور اس تمثیل میں انہیں یہ سمجھایا گیا کہ جو کچھ تم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کر رہے ہو یہ تمہاری محنت سب اکارتھ جائے گی اور تمثیل کے اخیر پر باغ والونکے یہ الفاظ بیان کیے گئے ہیں۔ قالوا سبحٰن ربنا انا کنا ظٰلمین اور پھر قالوا یٰویلنا انا کنا طٰغین۔ یعنی بول اٹھے کہ پاک ہے پروردگار ہمارا ہم بیشک ظالم تھے۔ اور پھر بول اٹھے کہ افسوس ہمپر ہم بیشک سرکش تھے+ بعینہٖ ایسے الفاظ مکہ والوں نے اسوقت کہے جب فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور انہوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کیا اور طالب معافی ہوئے۔ پھر اسکے بعد اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کذٰلک العذاب ولعذاب الاٰخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون۔ ایسا ہی عذاب ان اہل مکہ پر نازل ہوگا۔ (اور یہ تو دنیا کا عذاب ہے) آخرت کا عذاب اس سے کہیں بڑھکر ہے۔ اے کاش اگر یہ لوگ سمجھتے اور پھر کفار کے اس عذاب کا ذکر کرکے ساتھ ہی دوسری آیت میں فرمایا۔ ان للمتقین عند ربھم جنّٰت النعیم۔ یعنی پرہیزگارونکے لیے اپنے پروردگار کے حضور نعمتونکے باغ ہیں جس سے اس تقابل کا بیان کرنا مقصود ہے جسکا ذکر اوپر ہوا ہے۔ یعنی جیسا کفار کے لیے اس دنیا میں بھی کچھ عذاب ہے اور پھر آخرت میں اور بھی بڑھکر عذاب ہوگا۔ ایسا ہی پرہیزگارونکے لیے باغ ہیں جو اس دنیا میں بھی انکو ملینگے اور آخرت میں بھی۔ اب یہ سورت نہایت ابتدائی زمانہ کی ہے اور اسی میں آخرت کے وعدہ اور وعید کا یہ ثبوت دیا گیا ہے کہ مجرمونکے باغ اور انکی محنتونکے پھل اسی دنیا میں ضایع کیے جائینگے اور مومنونکو باغ دیے جائینگے اور اس دنیا میں انکو باغ دینے سے اسطرف اشارہ ہے کہ آخرت میں بھی انکو باغ دیے جائینگے اور کئی جگہ بھی اس دنیا کے وعید اور آخرت کے وعید کے تعلق کو ایک جا بیان کرکے ظاہر فرمایا ہے جیسا سورہ طور میں۔ وان یروا کسفا من السماء ساقطا یقولوا سحاب مرکوم فذرھم حتّٰی یلٰقوا یومھم الذی فیہ یصعقون یوم لا یغنی عنھم کیدھم شیئا ولا ھم ینصرون۔ وان للذین ظلموا عذابا دون ذٰلک ولٰکن اکثرھم لا یعلمون۔ اور اگر آسمان سے ایک ٹکڑا یعنی عذاب الٰہی اترتا ہوا دیکھیں تو پھر بھی یہی کہیں گے کہ یہ بادل ہے تہ بتہ۔ پس چھوڑ دے انکو جب تک اسدن کو پاویں جس دن کہ وہ بیہوش کیے جاوینگے جسدن انکی جنگ یا تدبیر کچھ بھی انکے کام نہ آویگی اور نہ ہی انکو مدد پہونچیگی اور ان لوگونکے لیے جو گنہگار ہیں اس عذاب کے علاوہ ایک اور عذاب بھی ہے لیکن بہت انکے نہیں جانتے ایسا ہی

سورۃ القمر میں عاد اور ثمود اور دوسری قوموں کا ذکر کرکے جو ہلاک کی گئیں۔ کفار مکہ کے لیے عذاب کا وعید ہے اور دنیا کے عذاب کا ذکر کرتے کرتے عذاب قیامت کو ایسے طور سے بیان کیا ہے کہ گویا اسی دنیا کے عذاب کا ہی وہ بھی ایک حصہ ہے کیونکہ ایک کو دوسرے سے بہت تعلق ہے۔ چنانچہ فرمایا سیھزم الجمع ویولون الدبر بل الساعۃ موعدہم والساعۃ ادھیٰ وامر ان المجرمین فی ضلل وسعر۔ عنقریب وہ وقت آتا ہے کہ کفار کی جماعت شکست کھائیگی اور مسلمانوں کے مقابلے میں پیٹھ پھیر کر بھاگ جائینگے مگر ایک گھڑی اسکے لیے مقرر ہے اور وہ گھڑی بڑی مصیبت لانیوالی اور تلخ ہے۔ بیشک مجرم لوگ ہلاکت اور رنج کی راہ میں ہیں۔ یہاں تک پیشگوئی اسی دنیا کے عذاب کے متعلق ہے جو کفار کو شکست اور ناکامی کے رنگ میں پیش آنیوالا تھا اور جسکا ظہور بدر میں ہوا۔ مگر اگلی آیت میں دونوں عذابوں کو ملا دیا ہے۔ یوم یسحبون فی النار علے وجوھہم ذوقوا مس سقر۔ اس دن منہ کے بل گھسیٹے جاکر آگ میں ڈالے جائینگے اور کہا جائیگا کہ اب دوزخ کا مزہ چکھو۔ اس آیت میں منہ کے بل گھسیٹا جانا تو اسی دنیا میں واقع ہوا جب بدر کے مقتول اس طرح پر گھسیٹے جاکر گڑھے میں ڈالے گئے۔ اور پھر ساتھ ہی اسکے دوسرے عذاب کا جو عالم آخرت میں ہونیوالا تھا ذکر فرمایا کہ جس طرح تم نے دنیا کا عذاب چکھا اب اسی طرح آخرت کا عذاب بھی چکھو۔

جیسا بدکاروں کے لیے دوہری سزا رکھی گئی ایک اسی دنیا میں اور ایک آخرت میں۔ ایسا ہی راستبازوں کے گروہ کے لیے دوہری برکات رکھی گئیں۔ یعنی اس دنیا میں کامیابی اور فتوحات اور دوسری دنیا میں فلاح اور نجات۔ دنیا کی عزت اور کامیابی گویا آخرت کی عزت اور کامیابی کا ایک نمونہ تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلے وحی نازل ہوئی اس میں بھی یہ اشارہ پایا جاتا ہے۔ اقرء و ربک الاکرم۔ پڑھ اور تیرا پروردگار بزرگ تر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جیسا عزت والا اور بزرگ آقا ہوگا اسی کی عزت اور بزرگی کے مطابق اس کے بندے کی عزت اور بزرگی بھی ہوگی۔ یہاں اللہ تعالے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ تیری ربوبیت کرنے والا وہ ہے جو سب بڑوں سے بڑا ہے۔ پس تو کبھی ذلیل اور ناکام نہیں ہوگا۔ کیونکہ تیری پرورش اس نے اپنے ذمہ لی ہے جو سب کریموں سے بڑا کریم ہے۔ علاوہ ازیں ہر ایک پیشگوئی جو آنحضرت کے دشمنوں کی ہلاکت کے لیے کی گئی تھی۔ وہ خود آپ کے مظفر و منصور اور کامیاب و بامراد ہونے کی ایک پیش گوئی تھی۔ اور پھر سارے قرآن شریف میں اللہ تعالے دو گروہوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل بیان فرماتا ہے۔ یعنے ایک مخلصین اور مومنین کا گروہ جس کو مظفر و منصور قرار دیا گیا ہے۔ اور دوسرا مجرمین اور مکذبین کا گروہ جس کو ناکام و نامراد اور مورد غضب الہی قرار دیا گیا ہے۔ اور بار بار ان دو گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ کیونکر حضرت موسے کامیاب ہوئے اور فرعون ہلاک ہوا۔ حضرت نوح کامیاب ہوئے اور وہ قوم جو آپ پر تمسخر کرتی تھی ہلاک کی گئی۔ حضرت ابراہیم۔ لوط۔ ہود۔ شعیب۔ صالح۔

اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام مظفر و منصور اور بامراد ہوئے اور انکے دشمن انکی آنکھوں کے سامنے ہلاک یا ذلیل اور خوار ہوئے۔ سورہ والصفت میں اسی طرح راستباز انبیاء کی فلاح اور کامیابی اور انکے مکذبین کی ہلاکت اور نامرادی کو بیان کرنیکے بعد اللہ تعالے فرماتا ہے فکفروا بہ فسوف یعلمون ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انہم لہم المنصورون وان جندنا لہم الغالبون۔ ان لوگوں نے اس نبی کا انکار کیا سو وہ تو عنقریب اسکا نتیجہ معلوم کر لینگے اور ہمارے ان بندوں کے حق میں جو ہمارے رسول ہیں ہمارا یہ وعدہ پہلے سے ہی ہو چکا ہوا ہے کہ وہی منصور و مظفر ہونگے اور جو ہمارے لشکر ہیں وہی غالب ہونگے یہ وہ وعدے تھے جنکو اپنی آنکھوں سے پورے ہوتے دیکھکر مسلمان اس یقین سے بھر گئے کہ بیشک خدا کے کل وعدے سچے ہیں اور انکا ایمان خدا اور عالم آخرت پر یقین کے درجہ تک پہنچ گیا۔ یہ ایسا مشاہدہ تھا کہ جس سے انہوں نے خدا کو اپنی قدرتوں کے ساتھ ایسا شناخت کر لیا گویا کہ دیکھ ہی لیا اور جو دیوار حجاب کی انسان اور خدا کے درمیان حایل ہے وہ گویا بالکل اٹھ گئی اُس دنیا کا جنت اور اسکی خوشیاں انکے لیے ایسی خوشیاں تھیں جنکو گویا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کیونکہ اس دنیا کے جنت اور کامیابیاں انکو حسب وعدہ الہی حاصل ہو چکی تھیں۔

یہ وہ واقعات ہیں جن کی تصدیق ہر ایک ایسا شخص کر سکتا ہے جو قرآن کریم کو غور سے پڑھے اور ان واقعات سے یقینی اور قطعی نتیجہ اس بات کا پیدا ہوتا ہے کہ نیک و بد افعال کی جزا و سزا دوسرے عالم میں ملنے والی ہے۔ گویا نیک افعال ایک بیج کی طرح ہیں جو یہاں بویا جاتا ہے اور جسکا پھل کھلے طور پر عالم آخرت میں انسان کو ملتا ہے۔ اور ایسا ہی برے افعال اس بیج کی طرح ہیں جن کا برا پھل انسان کو آیندہ کی زندگی میں کھانا پڑے گا۔ مگر ان واقعات کے ہوتے ہوئے پادری سیل اس بات کا انکار کرتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کا جو کفار عرب کے سامنے آپ پیش کرتے تھے ثبوت بھی دیا۔ میں نہیں سمجھ سکتا اس سے زیادہ واضح اور بین ثبوت اسکا اور ہو ہی کیا سکتا تھا۔ اگر پادری صاحب اس سے کوئی بہتر ثبوت پیش کر سکتے ہوں تو وہ کریں۔ اللہ تعالے کی ہستی اور جزا و سزا کا اگر کوئی ثبوت صحیح اور شبہ سے خالی ہو سکتا ہے تو وہ وہی ہے جو قرآن کریم نے دیا ہے مگر پادری صاحبان بیہودہ معجزات کے ایسے قایل ہو گئے ہیں کہ انکو سیدھا ثبوت ہی سمجھ میں نہیں آتا انکے نزدیک مسیح کا پاک پانی کو ناپاک شراب کی صورت میں بدل دینا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا ہے اور نیک و بد اعمال کی جزا و سزا ملیگی حالانکہ اتنا نہیں سوچتے کہ وہ مہمان جن کو یہ نئی شراب معجزہ کے ذریعے بنا کر دیگئی تھی وہ تو پہلے ہی شراب سے بدمست اور متوالے ہو رہے تھے خدا جانے اس نشہ میں کیا چیز انکو پلادی تھی جسکو وہ شراب سمجھے کیونکہ متوالے آدمی کو کوئی بدبودار چیز دو وہ اسے شراب ہی سمجھ کر پی جائیگا۔ پھر بھوتوں کا نکالنا ایک اور معجزہ بیان کیا جاتا ہے۔ جاہل لوگ تو ایسی باتوں سے متاثر ہو سکتے ہیں مگر ایک سمجھدار آدمی کب اس بات کو مانیگا کہ اس سے

ع ایسا ہی آیت انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا

خدا کی ہستی یا جزا و سزا کا مسئلہ ثابت ہو گیا کاش پادری صاحبان ان باتوں پر غور کریں۔

سیل صاحب کے بعض استدلال پڑھکر تو ہنسی آتی ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی نشان یا ثبوت اپنے دعوے کی تائید میں پیش نہیں کیے بلکہ چونکہ وہ اپنے مخالفین کیلیے دوزخ کی نہایت ڈراؤنی تصویریں کھینچ کر دکھاتے تھے اور ایمان لانیوالوں کے لیے بہشت کے نعماء کا عمدہ عمدہ پیرایوں میں ذکر کرتے تھے اسلیے عرب انکی بات کو مان گئے۔ پادری صاحب واقعی ایسے بھولے نہیں جیسا انکے اس بیان سے سمجھا جاویگا وہ خوب جانتے ہیں کہ خالی دھمکیوں اور خشک وعدوں سے کب کوئی انسان مان جاتا ہے جبتک ثبوت ساتھ نہ ہو۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ باوجود دوزخ کے عذاب کو طرح طرح کے پیرایوں میں بیان کرنیکے بلکہ باوجود اسکے کہ انکو اسی دنیا میں عذاب کے آنیسے ڈرایا گیا تھا پھر بھی بہت سے لوگوں نے آپکو ماننے سے انکار کیا۔ عرب کا ماننا اسوجہ سے نہ تھا کہ دوزخ کے عذاب اور بہشت کی نعماء کا ذکر کیا گیا تھا بلکہ جیسا کہ صاف سمجھ میں آتا ہے اسکی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ہزاروں آسمانی نشان اور سینکڑوں زبردست پیشگوئیاں پوری ہوتی دیکھکر اچھی طرح سے اس بات کو سمجھ لیا کہ جو کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کہہ رہے ہیں وہ بالکل حق ہے اور اللہ تعالے کی ہستی اور جزا و سزا کے مسئلہ کا کھلا کھلا اور بین ثبوت انکو ملگیا۔ بدیوں کی وہ گھنی تاریکی جو سارے جزیرہ نما عرب پر چھا گئی تھی اور جو عربوں کے خون کے اندر رچ چکی تھی۔ وہ خالی دعووں سے دور ہو سکتی تھی کیونکہ خالی دعوے تو یہودی اور عیسائی بھی پہلے کر چکے تھے۔ اور ناکامی کا منہ دیکھ چکے تھے۔ اس سخت تاریکی کے دور کرنیکے لیے آسمانی نشانوں اور زبردست دلایل کی تیز روشنی کی ضرورت تھی اور یہ ضرورت ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے آنیسے پوری ہوئی اللھم صل علے سیدنا محمد و علے آل سیدنا محمد و بارک وسلم انک حمید مجید۔

یہ دعوے صرف حماقت پر مبنی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی صداقت کا کوئی ثبوت نہیں دیا اگر ثبوت نہیں دیا تھا تو ایسی عظیم الشان تبدیلی کیونکر ظہور میں آگئی۔ ایکطرف اس سخت مخالفت کو دیکھو جو ابتدائے دعوے میں کیگئی اور دوسریطرف اس کامل فرمانبرداری پر غور کرو جو آخر کار اہل عرب نے دکھائی تو کسقدر صفائی سے کھلجاتا ہے کہ نہایت زبردست دلایل اور چمکدار نشان دکھائے گئے جنہوں نے ان لوگوں کے دلونکو باوجود سخت مخالفت کے مسخر کر لیا۔ پادری صاحبان یہی شور مچاتے رہتے ہیں کہ معجزہ کوئی نہیں دکھایا گیا۔ لیکن اگر یہ صحیح ہے کہ یسوع مسیح باوجود بہت سے عجیب و غریب معجزات دکھانیکے اپنے مخالفوں کو اپنی صداقت کا قایل نہ کر سکا اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر کوئی معجزہ دکھانیکے اپنے دشمنوں کی کل قوم کی قوم کو اپنی زندگی میں اپنی صداقت کا قایل کر دیا تو پھر یہی ماننا پڑے گا۔ کہ معجزہ سے کمزور دلیل صداقت کی اور کوئی نہیں۔ ان لوگوں کا جو مخالفت کر چکے ہوں آخر نبی کو مان لینا کوئی معمولی سی بات نہیں کیونکہ بانی مذہب کی موت کے بعد ہزاروں نہیں لاکھوں انسان مذہب کو

قبول کر لینگے مگر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سوائے اس امر کی کوئی اور نظیر پیش کرو کہ وہ مخالفین جو سالہا سال تک ہلاکت کے درپے ہو رہے تھے وہی آخر اپنی سب کرتوتوں سے تایب ہو کر اور اپنی پہلی باتوں سے رجوع کر کے پورے پورے فرمانبردار ہو گئے ہوں اور نبی کے بعد نہیں بلکہ نبی کی زندگی میں ہی ایسا ہوا ہو اصل بات یہ ہے کہ ہمعصری بڑی بلا ہے۔ مرنیکے بعد تو ہزاروں قسم کی عظمتیں تسلیم کر لی جاتی ہیں یا بنالی جاتی ہیں۔ اور انہی لوگوں کے جو مخالفت کر چکے ہوں بیٹے اور پوتے آسانی سے قبول کر لیتے ہیں مگر یہ کہ مخالفین خود ہی آخر کار اپنی مخالفت پر نادم اور اس سے تائب ہوں بہت ہی واضح اور بیّن ثبوت کو چاہتا ہے جو سرکش گردنوں کو خود بخود ہی نیچا کر دے۔ یہ بات صرف ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی۔ اور اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ کی نبوت اور منجانب اللہ ہونیکے دلایل شمس نصف النہار کی طرح چمک اٹھے یہانتک کہ ان لوگوں کو بھی اقرار کرنا پڑا جو سخت منکر تھے۔

جیسا مخالفین کا آخر کار آپ کی نبوت اور صداقت کو تسلیم کر لینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ نہایت ہی کھلے کھلے نشان اور ثبوت انکو دیئے گئے ایسا ہی آپکے صحابہ کی بے نظیر استقامت بھی اسی نتیجہ کی مؤید ہے کہ انکے ایمان کی محکم بنا ایسے قطعی اور یقینی علم پر تھی جس میں کوئی چیز شک کو پیدا نہیں کر سکتی تھی۔ کم از کم اس بات سے پادریصاحبان بھی انکار نہیں کر سکتے کہ اس قسم کی استقامت کا نمونہ جو صحابہ نے دکھائی اور کسی نبی کے پیرووں میں ہمیں نہیں ملتا اور نہیں تو کم از کم پادریصاحبان گھر پر ہی ایک نظر ڈال لیں کہ جب حضرت مسیح کو مشکلات پیش آئیں جو بقول انکے بہت سے معجزات اپنے حواریوں کو دکھا چکے تھے تو اسوقت حواریوں نے کیا استقامت دکھائی۔ پس اس مقابلہ سے یہ تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ جو آسمانی نشان اور بیّن ثبوت ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے صحابہ نے دیکھے وہ حضرت مسیح کے آسمانی نشانوں سے بہت ہی زیادہ زبردست اور طاقتور تھے کیونکہ نشانوں کی شوکت اور قوت کے جانچنے کا ذریعہ تو نتیجہ ہی ہے آخر نشان اللہ تعالے عبث تو نہیں دکھاتا بلکہ وہ مومنوں کے ازدیاد اور تقویت ایمان کا موجب ہوتے ہیں اور کفار آہستہ آہستہ اُنکے قایل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مگر یہ دونوں نتیجے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سب انبیاء سے بڑھکر ثابت ہیں پس آپکے نشان بھی دوسرے انبیاء کے نشانوں سے زیادہ طاقتور اور زیادہ صاف تھے۔ استقامت ایک ایسی چیز ہے جو بغیر اسکے کہ انسان علے بصیرت صداقت کو دیکھ لے۔ پیدا نہیں ہو سکتی کیونکہ اس دنیا کے آرام اور آسایشیں اور یہانکے فواید تو نقد ہیں اور آخرت کی خوشیاں ادھار۔ پس نقد کو چھوڑ کر انسان ادھار کو کیونکر قبول کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر انسان اسی دنیا پر سرنگون ہو رہے ہیں اور آخرت کا انہیں خیال تک بھی نہیں اسکا علاج صرف انبیاء نے ہی کیا کیونکہ وہ خدا کی ہستی کے تازہ نشان دکھا کر اس یقینی ایمان کو پیدا کرتے ہیں جس کو حاصل کر کے انسان آخرت کو اس دنیا پر

ترجیح دیتا ہے اور اس دنیا کے فواید کو ہیچ سمجھکر آخرت سے ہی اپنا دل لگاتا ہے جبتک اس یقینی ایمان سے دل نہ بھر جائے انسان کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ دین کیخاطر دنیا کے کل فواید کو نظرانداز کرے یہانتک کہ سالہا سال مصایب اور تکلیفوں میں رہنا اور اپنی جان کو ہاتھ سے دینا پسند کرے مگر ایمان کو ہاتھ سے نہ دے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی برداشت مصایب کسی فوری جوش کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ قریبًا ساری عمر ہی نہایت صبر اور استقامت سے مصایب کی برداشت وہ کرتے رہے اور ایک لمحہ کیلیے بھی تنزلزل نہیں ہوئے۔ بلکہ جوں جوں ان مصایب کا زمانہ اور شدت بڑھتی گئی انکی استقامت اور قوت ایمانی بھی ترقی کرتی گئی یہانتک کہ کل دنیوی فواید کو چھوڑ نیکے بعد آخر انہوں نے اپنی جانوں کو بھی اپنے پیارے نبی پر قربان کرنیسے دریغ نہ کیا یہ کیونکر ہو سکتا تھا جبتک کہ انکے دل آپکی صداقت کے یقین سے بھر نہ چکے تھے اور ایسا قطعی ثبوت انکو نہ مل چکا تھا جسکے نزدیک شک اور شبہ پھٹک نہ سکتا تھا۔ پادری صاحبان یہ کہدیا کرتے ہیں کہ وہ بہشت کی خوشیوں پر ایسے لٹو ہو گئے تھے کہ سب کچھ اسکی خاطر کھودیا کبھی یہ نہیں سوچتے کہ کون شخص اس دنیا کی آسایشوں کو خیالی خوشیوں کے لیے قربان کر سکتا ہے وہ خود ہی سوچیں کہ انہوں نے دوسری دنیا کی خوشی کے لیے اپنی کس آسایش کو چھوڑا ہوا ہے اصل بات یہی ہے کہ صحابہ نے ایسے کھلے نشان اور بین ثبوت دیکھے کہ عالم آخرت کے وعدے انکو اس دنیا کی حقیقتوں سے بڑھکر سچے نظر آگئے +

پادری صاحب ثبوت کا انکار کرتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی استقامت کفار کیلیے کم ثبوت تھی؟ اس سے زیادہ بین ثبوت اور کیا ہو سکتا تھا کہ کل قوم نے متفق ہو کر ہر ایک کوشش ہلاک کرنے کی کی جو انکی طاقت میں تھی مگر ایک اکیلے آدمی کے مقابلہ میں انکی ہر ایک کوشش اکارتھ جاتی تھی۔ کیا وہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ جس صورت میں تمام زمینی اسباب آپکی مخالفت میں لگے ہوئے ہیں تو ضرور ہے کہ انسانوں سے بڑھکر کوئی اور طاقتور ہاتھ آپکی تائید میں ہو۔ دنیا تو کل مخالفت پر جھکی ہوئی تھی پھر وہ کونسی طاقت تھی جسکی وجہ سے آپ روز بروز کامیاب ہی ہوتے چلے جاتے تھے اور مخالفین کی تمام کوششیں ناکام اور نامراد رہتی تھیں۔ اور پھر وہ باتیں بھی ایسی کہتے تھے جو مخالفین کو مشتعل کرنیوالی تھیں کیونکہ وہ انکے بتوں اور معبودوں کو برا کہتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ وہ خدائے برتر کے بالمقابل کوئی طاقت اور کوئی حقیقت نہیں رکھتے اور کہ کفار پر انکی بت پرستی اور بدکاریوں کی وجہ سے عذاب نازل کیا جائیگا پس کون شخص ان بت پرستوں میں ایسا تھا جو اپنے مذہب پر قایم ہونیکے باوجود ان باتوں سے جوش میں آکر آپکی ہلاکت کے درپے نہ ہوتا باوجود سب کوششوں کے وہ دیکھتے تھے کہ جو تجویز وہ کرتے ہیں ان میں آخرکار انکو ناکامی اور نامرادی ہی ہوتی ہے۔ کیا یہ انکے لیے ایک بین نشان نہ تھا کہ خدا تعالے کا طاقتور ہاتھ غیب میں آپکی تائید کر رہا ہے؟ کیا انکو نظر نہ

آتا تھا کہ وہ راستوں میں بیٹھتے اور لوگوں کو روکتے اور دھمکاتے ہی رہ جاتے ہیں مگر پھر بھی لوگ باوجود اس علم کے کہ آپ کے ساتھ ہونے سے سخت اذیتیں اور تکالیف پہنچیں گی آپکو قبول کرتے جاتے ہیں؟ کیا یہ نشان نہ تھا کہ کوئی اور طاقت جو انسانی طاقت سے بالاتر ہے آپکے ساتھ اور آپ کے مخالفین کی مخالفت میں کام کر رہی تھی؟ - وہ تمام کوششیں آپکو روکنے کی کر چکے تھے - دولت عزت حکومت غرضیکہ ہر طرح کا لالچ پیش کر چکے تھے پھر جب انسے کام نہ بنا تو دھمکیاں بھی دیں اور آخر کھلے کھلے ہلاک کرنیکے درپے ہوئے مگر کوئی چیز بھی آپکو اپنے راہ سے ایک بال کے برابر بھی نہ ہٹا سکی - ایک اور نشان آپکی صداقت کا جو کفار آپکے وجود میں دیکھتے تھے آپ کا ایمان اپنی آیندہ کامیابی پر تھا - جس میں سخت سے سخت تکلیفوں اور بظاہر ناکامیوں کے وقت میں ایک ذرہ بھر بھی فرق نہیں آیا - یہ طاقت انسانی علم تو نہیں پھر وہ کونسی چیز تھی جو آپکو یقین دلا رہی تھی کہ آخر کار آپ ضرور غالب ہونگے - اور آپ کے کل مخالفین ہلاک اور ناکام ہونگے؟ یہ وہ باتیں تھیں جو کفار سے چھپی ہوئی نہ تھیں -

پھر قرآن شریف میں صاف یہ دعوے پایا جاتا ہے کہ کفار کو معجزات اور نشان دکھائے گئے - کیا ان سورتوں میں جو ابتدا میں نازل ہوئیں اور کیا ان میں جو اخیر میں نازل ہوئیں - اول الذکر سورتوں میں سورۃ القمر ہے جسکی دوسری آیت میں ہے - وان یروا اٰیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر - یعنے جب کافر کوئی نشان دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ جادو ہے جو سدا سے ہوتا چلا آیا ہے اس سے مراد انکی یہ تھی کہ پچھلے انبیاء کے معجزے بھی جادو تھے - اسی قسم کے یہ معجزے ہیں - پس نشانوں کو جادو کہنا صاف اس امر کی شہادت ہے - کہ نشان دیکھے تو کفار نے ضرور تھے مگر انکو جادو کہکر ٹالدیا - ایسا ہی سورۃ والصّٰفّٰت کی آیات ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ میں فرمایا - واذا ذکروا لایذکرون واذا راوا اٰیۃ یستسخرون وقالوا ان ہذا الا سحر مبین - یعنی جب کفار کو سمجھایا جاتا ہے تو سمجھتے نہیں اور جب کوئی نشان دیکھتے ہیں تو اسکی ہنسی اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے - ان آیات سے بھی نشانوں کا دیکھنا اور انکا نام جادو رکھنا ثابت ہے ایسا ہی سورۃ صٓ میں فرمایا - وقال الکافرون ہذا ساحر کذاب - یعنی کافر آنحضرت کو کہتے تھے کہ یہ جادوگر ہے جھوٹا انکا جادوگر کہنا بھی اسیوجہ سے ہی تھا جو پہلی آیات میں بیان ہوئی یعنی وہ آپ کے نشانوں کو جادو کہتے تھے ان تمام آیات سے ثابت ہے کہ کفار نے اس بات سے تو کبھی انکار نہیں کیا کہ خارق عادت امور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوتے رہے - ہاں ابتدائی زمانہ میں جب وہ آپکی نبوت کے منکر تھے تو ان امور کو جادو کیطرف منسوب کرتے تھے اور پھر آخر کار جب اور بیّن ثبوتوں اور نشانوں کو دیکھکر حق کو سمجھ گئے تو انہوں نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر کے انہی امور کو نشان تسلیم کیا - بہرحال اس امر سے کبھی بھی انکار

نہیں کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے خارق عادت امور ظاہر ہوتے ہیں۔

جیسا ابتدائی سورتوں میں کفار کا اقرار نشان دیکھنے کا موجود ہے ویسا ہی بعد کی سورتوں میں بھی قرآن شریف میں کھلا کھلا دعوے کیا گیا ہے کہ کفار کو نشان دکھائے گئے۔ سورۃ انعام میں اللہ تعالے فرماتا ہے۔ قد جاءکم بصایر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیہا۔ اے لوگو تمہارے رب کیطرف سے تو کھلے نشان تمہارے پاس آچکے پھر جو ان نشانوں کو دیکھتا ہے اسیکے فایدہ کیلیے ہے اور جو دیدہ و دانستہ اندھا ہو جائے اسکا وبال اسی پر ہوگا۔ اور سورۃ البقرۃ میں فرمایا۔ ولقد انزلنا الیک آیات بینات وما یکفر بہا الا الفاسقون۔ ہم تو تیری طرف کھلے کھلے نشان اتار چکے ہیں اور کوئی انکا انکار نہیں کر سکتا سوائے انکے جو فاسق ہیں ایسا ہی سورۃ آل عمران میں اللہ تعالی فرماتا ہے کیف یہدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانہم وشہدوا ان الرسول حق وجاءہم البیّنات۔ کیونکر خدا ہدایت دے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا بعد اسکے کہ وہ ایمان لا چکے تھے اور یہ گواہی دے چکے تھے۔ کہ یہ رسول برحق ہے اور انکے پاس کھلے نشان آچکے۔

جو کہانی کفار کے اعتراضات اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جوابوں کی سیل صاحب نے بنائی ہے وہ بھی قابل غور ہے وہ کہتا ہے کہ جب کفار نے معجزات مانگے تو انکو یہ جواب دیا گیا کہ معجزات ہم اسلیے نہیں بھیجتے کہ پہلوں نے انکی تکذیب کی۔ اور اسکے لیے سورۃ حجر اور بنی اسرائیل کا حوالہ دیتا ہے پھر کہتا ہے کہ چونکہ اس جواب سے کفار کا اطمینان نہ ہوا اسلیے مجبوراً انہوں نے یہ رائے لگائی کہ یہ قرآن اساطیر الاولین اور قول شاعر ہے اب ہم دیکھتے ہیں کہ کفار کا قرآن شریف کو اساطیر الاولین کہنا سورۃ القلم میں موجود ہے اور پھر سورۃ التطفیف میں موجود ہے اور یہ دونوں سورتیں ابتدائے زمانہ نبوت کی ہیں پس سیل صاحب کے دعوے کے رو سے سب سے پہلے سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ حجر نازل ہوئیں اور انکے جواب میں سورۃ القلم اور التطفیف نازل ہوئیں ایسا ہی انکا قرآن شریف کو قول شاعر کہنا والصّٰفّٰت اور الحاقہ میں موجود ہے جو وہ بھی تمام محققین کے نزدیک بنی اسرائیل اور حجر سے پہلے کی نازل شدہ ہیں پھر یہیں ختم نہیں کرتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ اسکے بعد سورۃ البروج اور العبس اور القریش اور الطین اور الطور نازل ہوئیں اگر نہیں تو کم از کم پادری صاحب اپنے بھائیوں کی تحریروں کو پڑھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ انکی یہ کہانی سراسر جھوٹ اور خلاف واقعہ ہے مگر پادری صاحبان کو تو اسلام کے خلاف لکھنے کو کچھ چاہیے انہیں سچ اور جھوٹ یا تحقیق سے کیا غرض +

سیل صاحب کے نزدیک انکار معجزات دو جگہ قرآن شریف میں پایا جاتا ہے! اول سورۃ الحجر کی آٹھویں آیت میں ہے میں شروع سے اس سورت کی آٹھ آیتیں نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین خود معلوم کرلیں کہ یہ پادری صاحب کی محض غلط بیانی ہے۔ الرٰ تلک ایٰت الکتٰب وقران مبین + ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین + ذرہم یاکلوا ویتمتعوا ویلہہم الامل فسوف یعلمون + وما اہلکنا من قریۃ الا ولہا کتاب معلوم + ماتسبق من امۃ اجلہا وما یستاخرون + وقالوا یایہا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون + لوما تاتینا بالملئکۃ ان کنت من الصادقین۔ ماننزل الملئکۃ الا بالحق وما کانوا اذا منظرین :—

یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور کھلے قرآن کی ایک دن ہوگا کہ کافر بہتیری ہی آرزو کرینگے کہ اے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ چھوڑ دو انکو کھائیں اور دنیا کے چند روزہ فایدہ اٹھائیں اور آرزوئیں انکو غافل کیئے رکھیں اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اسکی میعاد ہلاکت پہلے سے لکھی ہوئی موجود تھی پھر اسوقت مقرر شدہ سے نہ کوئی قوم آگے بڑھ سکتی ہے (یعنی وقت مقرر شدہ سے پہلے ہلاک نہیں کیجاتی) اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے (یعنی جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر وہ بچ نہیں سکتی) اور کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جسپر ذکر اتارا گیا تُو تو دیوانہ ہے (یعنی تو جو ہماری ہلاکت کی خبر دیتا ہے وہ پوری تو ہوتی نہیں پس یہ تیری بات مجنونانہ ہے) اگر تو سچا ہے تو فرشتوں کو (جو تو کہتا ہے ہماری سزا کے لیئے آئینگے) ہمارے سامنے کیوں نہیں لا کھڑا کرتا۔ (بات یہ ہے کہ) ہم فرشتونکو نہیں اتارتے مگر آخری فیصلہ کیلیئے اور (جب فرشتے عذاب لیکر آگئے تو) اسوقت انکو مہلت بھی نہ دی جائیگی"۔ صاف ظاہر ہے کہ فرشتونکے اترنے سے مطلب کفار کا یہ تھا کہ عذاب کیوں نہیں آتا اور اسی کا جواب دیا گیا کہ عذاب کا وقت تو مقرر ہے جیسا پہلی امتونکے عذاب کا وقت بھی مقرر تھا۔ سو وقت سے پہلے وہ آئیگا نہیں۔ اور جب آگیا تو پھر ٹلے گا نہیں +

دوسری آیت جس سے سیل صاحب انکار معجزات نکالتے ہیں سورہ بنی اسرائیل کی آیت وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بہا الاولون ہے مگر ظاہر ہے کہ الآیات سے مراد کل آیات نہیں بلکہ خاص آیات ہیں کیونکہ وجہ نہ بھیجنے کی یہ دی ہے کہ پہلوں نے انکو جھٹلایا سو یہ تو ممکن ہی نہیں کہ پہلے لوگ ان کل نشانات کو جھٹلا چکے ہوں جو خدا دکھا سکتا تھا۔ کیونکہ خدا کی طاقت غیر محدود ہے وہ طرح طرح کے نشان دکھا سکتا ہے پس یہاں ال خصوصیت کا ہے اور مراد وہ اقتراحی معجزات ہیں جو کفار اپنی ہلاکت کے لیے آپ مانگا کرتے تھے کبھی کہتے تھے پتھر آسمان سے برسیں کبھی کہتے تھے دردناک عذاب میں ہم مبتلا ہو جائیں سو فرمایا کہ اقتراحی معجزات ہلاکت ہم نہیں بھیجتے بلکہ جس رنگ میں چاہیں گے عذاب دینگے جیسا کہ اخیر آیت پر فرمایا وما نرسل بالآیات الا تخویفا یعنی غرض ہلاکت کی نشانیاں بھیجنے سے تو صرف ڈرانے کی ہوتی ہے یعنی تا لوگ اپنے مولے سے ڈریں۔ سو اسکے لیے کیا ضرورت ہے کہ اسی قسم کا عذاب دیا جاوے جو خود وہ لوگ اپنی بیوقوفی سے مانگتے ہیں یا ایسا عذاب دیا جانے جو پہلی قومونکو دیا گیا چنانچہ ساتھ ہی دوسری آیت کو یوں شروع کیا۔ واذ قلنا لک ان ربک احاط بالناس۔ یعنی یہ تو ہم تجھ سے کہہ چکے ہیں کہ تیرے رب نے ان سب لوگونکا احاطہ کیا ہوا ہے یعنی ضرور انکو عذاب دیکر رہیگا خواہ کسی صورت میں دیدے۔ چونکہ اس مضمون پر بڑے بسط اور تفصیل سے دسمبر [illegible] کے پرچہ میں بحث ہو چکی ہے۔ اسلیئے اب اسکو میں ختم کرکے ناظرین کو اس مضمون کا حوالہ دیتا ہوں تا ان سب دلایل کے دہرانے کی ضرورت نہ ہو جو وہاں دیگئی ہیں +

الدّجال

وہ خوفناک دجال جس سے خدا کے رسول ہمیشہ سے ڈراتے آئے ظاہر ہو چکا ہے بلکہ ایک زمانہ سے اس نے نہایت کوشش سے اپنا کام شروع کر رکھا ہے۔ میں اس مضمون میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ وہ دجال کون اور کہاں ہے۔

دجال کے نکلنے کی پیش گوئی بہت پرانی ہے۔ یہ پیشگوئی حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور بہت سے انبیاء بنی اسرائیل نے بھی اسکو بیان کیا مگر وہ شخص جس نے اس پیش گوئی پر بہت زور دیا اور جس نے اپنی امت کو بہت خوف دلایا وہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں چونکہ اس پیش گوئی کا تعلق براہ راست اس امت سے تھا اسلیے ہم دیکھتے ہیں کہ کسی نبی نے اس پیش گوئی کو ایسی صفائی اور ایسے زور سے بیان نہیں کیا جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے آپنے بڑے صاف صاف نشان دجال کے بتلائے ہیں اور اس مضمون میں میں زیادہ تر انہی نشانات پر بحث کرونگا۔ مگر پیشتر اسکے کہ میں دجال کی بابت اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کا ذکر کروں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ نفس پیش گوئی کے مضمون پر مختصر بحث کروں +

پیش گوئیوں کے ماخذ

نبی میں کوئی ایسی اندرونی طاقت نہیں ہوتی جس سے وہ خود بخود آیندہ کے واقعات معلوم کر سکے اور جب کبھی وہ کسی آنیوالے واقع کی خبر دیتا ہے تو اسکا یہ سبب نہیں ہوتا کہ اس میں کوئی اندرونی طاقت ہوتی ہے جس سے اسکو آیندہ واقعات کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ اس بات میں تو وہ تمام انسانوں کے ساتھ شریک ہوتا ہے یہ خدا تعالے کا کام ہے کہ بعض واقعات کو اسپر ظاہر کر دیتا ہے نبی کا علم اسی حد تک محدود ہوتا ہے جس تک خدا تعالے اسکو علم دیتا ہے۔ اس سے زیادہ اسکو علم نہیں ہوتا۔ بہت سے طریق ہیں جن سے خدا تعالے اسکو آیندہ واقعات کا علم عطا فرماتا ہے بعض دفعہ وہ اللہ تعالے کے کلام کو سنتا ہے بعض دفعہ کسی کاغذ یا کسی اور چیز پر لکھا ہوا دیکھتا ہے بعض دفعہ وہ خواب میں نظارہ دیکھتا ہے اور بعض دفعہ اسے کشف ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالے اپنے پیغام کے پہنچانیکے لیے کسی فرشتے کو نازل فرما دیتا ہے۔

حقیقت پیش گوئی

کتب سماویہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشگوئیاں عموماً استعارات کے رنگ میں ہوتی ہیں اکثر حالتوں میں یہ بتلانا ناممکن ہوتا ہے کہ پیشگوئی کس صحیح تمیز

پوری ہوگی۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ خود نبی بھی بتلا نہیں سکتا کہ پیشگوئی کس رنگ میں پوری ہونیوالی ہے عموماً پیشگوئی کی ٹھیک حقیقت اور اصلیت کا اسوقت ہی پتہ لگتا ہے جسوقت کہ وہ پوری ہوتی ہے پیشگوئی کا پورا ہونا اسکی حقیقت کو آشکارا کر دیتا ہے۔ پیشگوئی پر اجمالی ایمان لاکر اسکی حقیقت اور تفصیل کو حوالہ بخدا کرنا چاہیئے۔ جبتک پیشگوئی پوری نہیں ہوتی وہ ایک راز سربستہ کی طرح ہوتی ہے۔ اکثر دفعہ اللہ تعالے پیشگوئی کو ایسے طور سے پورا کرتا ہے کہ لوگوں کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ پیشگوئی اس رنگ میں پوری ہوگی۔ اسکی عمدہ مثال حضرت عیسے علیہ السلام میں خوب پائی جاتی ہے۔ یہود جنکو مسیح کا وعدہ دیا گیا تھا ہرگز امید نہ رکھتے تھے کہ ایک حلیم خاکسار انکی طرف بھیجا جائیگا۔ مسیح کی بعثت بالکل انکی امیدوں کے برخلاف تھی۔ آمد مسیح کی بہت سی پیشگوئیاں یہودیوں کے پاس موجود تھیں اور انکا خیال تھا کہ یہ سب لفظ بلفظ پوری ہونگی۔ انہوں نے ایک خیالی تصویر مسیح کی بنا رکھی تھی اور جب وہ خدا کا موعود انکی خیالی اور وہمی تصویروں پر پورا نہ اترا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ تمام پیشگوئیاں پوری ہو چکی تھیں۔ مگر نہ اس صورت میں جیسا کہ انکا خیال تھا۔ بسا اوقات نبی ایک پیشگوئی کا اظہار کر دیتا ہے مگر ٹھیک طور سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ کس طرز سے یہ پوری ہوگی۔ جہانتک نبی کو خبر دیجاتی ہے وہانتک ہی اسکا علم محدود ہوتا ہے آگے نہیں بڑھتا۔ بعض دفعہ نبیر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے مگر وہ نہیں جانتے کہ اسکا کیا مطلب ہے صرف اسوقت اس وحی کے لفظ انپر صاف ہوتے ہیں جبکہ وہ پیشگوئی پوری ہو جاتی ہے کتاب "پیشگوئی اور اسکی حقیقت" کا مصنف حضرت یعقوب علیہ السلام کی ایک پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "یعقوب آنیوالے کا نام شلوح رکھتا ہے جو ایک بعید الفہم لفظ ہے۔ کیوں بستر مرگ پر بیٹھا ہوا آدمی ایک غیر معمولی لفظ (شلوح) اپنے منہ سے نکالتا ہے۔ ....

...... غالباً وہ سامعین جنہوں نے اس لفظ کو سنا اگر اس نام کے معنوں سے بالکل ناواقف نہ تھے تو کم از کم یہ لفظ انکے لیے ایک مغلق اللفظ ضرور تھا۔ یہ ایک عجیب اور پُر راز لفظ تھا غالباً خود اس بزرگ کو بھی پتہ نہ تھا کہ اس لفظ سے کیا مراد ہے"۔

یہ اکثر واقع ہوا ہے کہ خود نبی نے پیشگوئی کی تصریح اور تشریح میں غلطی کھائی ہے۔ اس غلطی کی سب سے مشہور مثال حضرت مسیح کی سوانعمری میں مل سکتی ہے وہ اپنے دوبارہ آنے کی تاریخ مقرر کرنے میں ایک خطرناک غلطی کرتے ہیں اپنے دوبارہ آنیکا ذکر کرتے ہوئے وہ یوں فرماتے ہیں۔ "اسی طرح جب یہ سب دیکھو تو جانو کہ وہ نزدیک بلکہ دروازہ پر ہے میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جبتک یہ سب کچھ ہو نہ لے اس زمانے کے لوگ گذر نہ جاوینگے۔ آسمان اور زمین ٹل جائینگے پر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی" (متی باب ۲۴۔ آیت ۳۴-۳۵) مگر کون نہیں جانتا کہ نہ صرف وہ پشت اور وہ لوگ ہی بلکہ بعد میں بہت سی پشتیں اور بہت سے لوگ گذر گئے مگر کسی نے مسیح کی آمد ثانی کو نہ دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ انہوں نے خدا کے کلام اور وحی کی تشریح اور توضیح میں غلطی کھائی جیسا کہ اوروں نے آپکی پہلی آمد کے بارے میں غلطی کھائی تھی الیاس کے مسیح سے پہلے آنیسے یہ سمجھ لیا گیا کہ درحقیقت وہی الیاس جو مدتوں پہلے اس دار فانی سے رحلت کر گیا تھا پھر دوبارہ آئیگا! اور غور کرنیسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نبیوں نے بھی اس پیش گوئی کو ظاہری معنوں پر ہی لیا تھا۔ حضرت مسیحؑ کے بیان کے مطابق پیش گوئی حضرت یوحنا یعنی یحیٰی علیہ السلام پر پوری ہوئی مگر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کبھی خود یہ دعوے نہ کیا کہ وہ اس پیش گوئی کے مصداق ہیں اور جبکہ یہودیوں نے پوچھا کہ کیا آپ الیاسؑ ہیں تو انہوں نے انکار کیا۔ اگر یہودی حضرت مسیحؑ کی اس توجیہ کو کھولکر حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پاس بیان کر دیتے تو شاید وہ انکار نہ کرتے۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات پیشگوئیوں کے بارے میں اجتہادی غلطی آپ سے بھی واقع ہو جاتی تھی! ایک دفعہ آپنے فرمایا کہ میری بیویوں میں سے میری وفات کے بعد سب سے پہلے وہ فوت ہوگی جسکے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں۔ چنانچہ حضور کے سامنے آپکی سب بیویوں کے ہاتھ ماپے گئے اور سودہ کے ہاتھ سب سے لمبے نکلے مگر اس پیش گوئی کی اصل حقیقت اسکے پورا ہونے پر ہی معلوم ہوئی حضور کی بیویوں میں سے آپکی وفات کے بعد سب سے پہلے اس دنیا سے کوچ کرنیوالی زینب تھیں جن کے ہاتھ سخاوت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ تب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھ لیا کہ لمبے ہاتھ سے مراد سخاوت ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہاتھوں کا ماپا جانا اور آپکا کوئی اعتراض نہ کرنا اور لوگوں کو ہاتھوں کی پیمایش سے نہ روکنا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپکو کم از کم یقین نہ تھا کہ ہاتھوں کی لمبائی سے کیا مراد ہے! اسی طرح روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مینے خواب میں دیکھا کہ میں مکّہ سے ایک نخلستان ...... کی طرف ہجرت کرتا ہوں میں نے یہ سمجھا کہ مجھے یمامہ یا ہجر کیطرف ہجرت کرکے جانا پڑیگا مگر آخر وہ مدینہ نکلا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت پیش گوئی کے بیان کرنے میں یہ ممکن ہے کہ ایک نبی سے غلطی سرزد ہو جائے مگر اس سے اسکی شان میں کوئی فرق نہیں آتا نبی کو کوئی علم غیب نہیں ہوتا اسکو صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے جتنا خدا اسکو بتلاتا ہے جس جگہ کیطرف ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کرکے جانا تھا اسکا نام نہیں بتلایا گیا تھا۔ صرف اتنا ہی ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ کھجوروں والی زمین ہے۔ اس جگہ کا نام آپنے قیاساً معلوم کرنا چاہا مگر وہ ٹھیک نہ نکلا اس امر کی تشریح کہ نبی کا علم اسی حد تک محدود ہوتا ہے جس حد تک اسکو علم دیا جائے۔ حدیبیہ کے قصے سے بھی ہوتی ہے + مکہ معظمہ میں داخل ہونیکے لیئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے آپکو امید تھی کہ مکہ معظمہ میں داخل ہو جائینگے اس امید کی بنا ایک رُویا پر تھی۔ مگر اسدفعہ یہ امید پوری نہ ہوئی اور آپکو واپس مدینہ شریف آنا پڑا۔ وہ رُویا آیندہ سال پورا ہوا۔ خدا تعالے نے اس رُویا کے ذریعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وعدہ دیا کہ آپ مکہ شریف میں داخل ہونگے۔ اور حج کرینگے۔ مگر یہ نہیں بتلایا گیا تھا۔ کہ یہ رُویا کب پورا ہوگا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قبل از وقت مکہ شریف

کی طرف سفر کرنا دلالت کرتا ہے کہ آپکو یہ علم نہیں تھا کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔

پیشگوئی کے معنی بیان کرنے میں یا وقت مقرر کرنے میں اگر ملہم غلطی کرے تو اس سے نفس پیش گوئی پر کوئی حرف نہیں آتا اگر ایسا ہی ظہور میں آجائے جیسا کہ پیش گوئی کے الفاظ سے پایا جاتا ہے تو یہ کافی ثبوت ہے کہ یہ خدا تعالےٰ کا کلام تھا۔ خواہ اس پیش گوئی کا پورا ہونا ان معنوں کے مطابق نہ ہو جو ملہم نے پیش از وقت اجتہادی طور پر بیان کیسے ہوں ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ آیا ملہم کے اجتہادی معنوں کے مطابق پیشگوئی پوری ہوئی ہے یا نہیں۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا پیشگوئی کے الفاظ نتیجہ پر صادق آتے ہیں یا نہیں۔ الہامی الفاظ بعینہ ہمارے پاس موجود ہیں اگر ایسا واقع وقوع میں آئے جسپر کہ پیشگوئی کے الفاظ ٹھیک ٹھیک چسپاں ہوں تو ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ پیشگوئی پوری ہوگئی اسکی ایک تازہ مثال یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کا کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل ہوا۔ بایں الفاظ عفت الدیار محلہا و مقامہا یعنے عارضی سکونت کے مکان اور مستقل سکونت کے مکان سب مٹا دیئے جائینگے پیش از وقت یہ نہیں بتلایا جا سکتا تھا کہ کس طرح یہ مکانات کی تباہی ظہور میں آویگی۔ چونکہ ملک میں طاعون پھیلی ہوئی تھی اسلیئے موجودہ حالات پر نظر کرکے طبعاً خیال اسطرف چلے گئے کہ یہ تباہی طاعون کے ذریعہ آئیگی مگر پیشگوئی اور رنگ میں پوری ہوئی ۴ اپریل کو وہ خوفناک زلزلہ آیا جسنے مکانات کو زمین کے ساتھ ملا دیا۔ اس طرح خدا تعالےٰ کے کلام کا ہر ایک لفظ صفائی سے پورا ہوا۔ مگر ہمارا قیاس درست نہ نکلا۔

اس تمام بحث سے ہمیں کیا سبق سیکھنا چاہیئے۔ ہمارا گذشتہ تجربہ ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ پیش از وقت یہ بتلانا قریباً ناممکن ہے کہ فلاں پیشگوئی کس رنگ اور کس صورت میں ظہور پذیر ہوگی۔ ہمیں یہ امید ہمیشہ نہیں رکھنی چاہیئے کہ پیشگوئی عین ہمارے خیال کے مطابق پوری ہوگی۔ صبر سے پیشگوئی کے پورا ہونیکا انتظار کرو۔ قبل از وقت اس پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ نہ کہو کہ پیشگوئی اِس رنگ میں پوری ہوگی یا اُس رنگ میں۔ پیشگوئی کے اصل الفاظ کو مدنظر رکھو۔ اور جب وہ پوری ہوگی تو تمہاری توجہ خود بخود اسطرف پھر جائیگی۔ اور اسوقت تم خود دیکھ سکوگے کہ پیشگوئی کے کیا معنے تھے۔ یہودیوں کی اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرو۔ جنہوں نے تم سے پہلے ٹھوکر کھائی کبھی یہ مطالبہ نہ کرو کہ پیشگوئی تمہارے خیال کے مطابق پوری ہو۔ آیندہ کے واقعات کو اپنا خیالی جامہ نہ پہناؤ اور کبھی ایک پیشگوئی کو اسلیئے رد نہ کرو کہ وہ تمہارا خیالی لباس پہنکر ظہور میں نہیں آئی۔ ممکن ہے کہ تمہارے خیال کی تصویر حقیقی تصویر نہ ہو پس یہودیوں کی طرح ایک پیشگوئی کا اسلیئے انکار کرکے اپنے آپ کو دوزخ کا وارث نہ بناؤ کہ وہ تمہاری خیالی تصویر کیوں نہیں۔

جب ایک پیشگوئی کی بنا رخواب یا کشف پر ہو تو اسکو ظاہری معنوں میں لینا اور بھی زیادہ غلطی ہے کیونکہ خواب اکثر تعبیر طلب ہوتے ہیں انکی زبان الگ ہے معمولی لغت کی کتابیں انکے سمجھنے میں کوئی مدد نہیں دیسکتیں اس امر کو ہر حال کی پیشگوئی پر غور کرتے وقت ضرور مدنظر رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ جیسا کہ میں بعد میں دکھاؤنگا اسکی بنا رزیادہ تر کشف اور رؤیا پر ہے

علامات دجال - بڑی بڑی دجال کی علامتیں جو احادیث میں آئی ہیں مندرجہ ذیل ہیں -
اوّل - دجّال ایک آنکھ سے کانا ہوگا - دوم - اسکی پیشانی پر ک - ف - ر - لکھے ہوئے ہونگے - جسکو خواندہ ناخواندہ سب پڑھ سکینگے - سوم - اسکے ساتھ ایک بڑا گدھا ہوگا - جسکے دو کانونکے درمیان کا فاصلہ ستر باع ہوگا - چہارم - وہ شیطانی وسوسوں اور جھوٹے عجوبوں سے لوگونکو گمراہ کریگا - پنجم - ابتدائے آفرینش سے قیامت تک اسکے برابر کوئی فتنہ نہ ہوگا - ششم - ستر ہزار مسلمان اسکی پیروی اختیار کرینگے - ہفتم اسکے ساتھ ایک دوزخ ہوگا - اور ایک بہشت - ہشتم - اسکے ساتھ روٹیونکے پہاڑ ہونگے - نہم - زمین و آسمان پر اسکا تسلّط ہوگا - اسکے حکم سے بارش ہوگی اسی کے حکم سے زمینیں اپنی پیداوار نکالیں گی - وہ ویرانوں پر سے گذریگا اور اسکے حکم کے ساتھ ویران زمینیں اپنے خزانے باہر پھینکیں گی وہ خزانے اسکے پیچھے پیچھے اس طرح جائینگے جیسے شہد کی مکھیاں اپنی رانی کے پیچھے پیچھے جاتی ہیں - دہم - وہ سب زمین پر پھیل جاویگا - یازدہم - مکّہ معظمہ اور مدینہ شریف میں داخل نہیں ہوسکیگا - دوازدہم - اسکی آواز کل دنیا پر سنی جائیگی - سیزدہم - دجال قسطنطنیہ کی فتح کے بعد خروج کریگا - چہاردہم - وہ آخری زمانہ میں نکلیگا - پانزدہم - وہ گرجا میں سے نکلیگا - شانزدہم - وہ مشرق کی زمین میں ظاہر ہوگا - ہفدہم - سورہ کہف کی ابتدائی دس آیتونکے پڑھنے سے انسان اسکے فتنہ سے محفوظ رہ سکیگا - ہیژدہم - مسیح اسکو قتل کریگا - نہ کسی ہتھیار سے بلکہ اپنے سانس سے - نوزدہم - اگر مسیح اسکے قتل کرنیکے لیے نہ بھی آتا پھر بھی دجال خود بخود اس طرح پگھل جاتا جیساکہ نمک پانی میں حل ہوجاتا ہے - بستم - باب اللد کے پاس دجال قتل کیا جاویگا -

اب ہمارے مسلمان بھائی ہرگز قبول نہ کرینگے کہ پیشگوئی پوری ہوگئی - جبتک کہ کوئی ایسا شخص ظاہر نہ ہو جو آنکھ سے کانا ہو - جسکے ماتھے پر ک - ف - ر - کے حروف کھدے ہوئے ہوں جسکے پاس ایک اتنا بڑا گدھا ہو - جسکے دو کانونکے درمیان کا فاصلہ ٹھیک ستر باع ہو - نہ انچ کم نہ زیادہ جو چالیس سال تک خدائی طاقتیں غصب کر رکھے - اور زمین و آسمان اسکے حکم کے تابع ہوں - اور اسکے پاس ایک بہشت ہو اور ایک دوزخ - زمین کے خزانے خود بخود نکلکر اسکے پیچھے اس طرح چلیں جس طرح شہد کی مکھیاں اپنی رانی کے پیچھے چلتی ہیں - روٹیوں کے پہاڑ اسکے ساتھ ہوں - آسمان اسکے حکم سے بارش برسائے - اور زمین اپنے پوشیدہ خزانے ظاہر کرے - اور اسکا گدھا اسقدر تیز ہو کہ تھوڑی دیر میں زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارہ تک پہنچ جاوے - القصہ آجکل کے مسلمان پیشگوئی کو بالکل لفظی اور ظاہری معنوں میں لینا چاہتے ہیں اور ہرگز کسی کو دجال قبول نہیں کرینگے جبتک کہ ہر ایک لفظ ظاہری طور پر پورا نہ ہو - انسان نے ہزارہا دفعہ ٹھوکر کھائی ہے - مگر پھر بھی وہ سبق نہیں سیکھنا چاہتا - انسان نے حضرت مسیح کے زمانہ میں ٹھوکر کھائی اور پھر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور ان دو خدا کے

برگزیدوں نے اسلیے انکار کیا کہ انکا ظہور اُسکے خیال کے مطابق نہیں تھا۔ گذشتہ تجربہ انسان کو سکھلاتا ہے کہ پیشگوئی کے ہر ایک لفظ کی نسبت یہ کہنا کہ یہ ظاہری صورت پر پورا ہو ایک خطرناک غلطی ہے۔ خدا تعالیٰ کا آیندہ واقعات کو ظاہر کرنیکا طرز ایک خاص طرز ہے۔ خدا تعالےٰ یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مطلب کو استعارات سے بھری ہوئی زبان میں ظاہر کرے وہ اکثر اپنے خیالات کے اظہار کے لیے اشارات سے کام لیتا ہے وہ ایک واقعہ کو پورے طور پر کھولکر کم ہی بیان کرتا ہے۔ وہ قریبًا ہمیشہ کچھ حصہ مخفی رکھتا ہے وہ انسان کے علم کو اپنے علم کیطرح حاوی اور محیط نہیں بناتا۔ انسان کا علم کسی صورت میں خدا تعالےٰ کے علم کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اگر خدا تعالےٰ کی یہ سنت ہوتی کہ وہ آیندہ کے واقعات کو کھلے اور صریح لفظوں میں ظاہر کرتا۔ اگر وہ انسان کے علم کو ایسا ہی وسیع کر دیتا جیسا کہ اسکا اپنا علم وسیع ہے تو پھر خدا تعالےٰ کے فرستادوں کا کبھی انکار نہ کیا جاتا۔ اگر خدا تعالےٰ آیندہ کے واقعات کو ایسا کھلا کر دیتا کہ انسان پہلے سے ہی بتلا دیتا کہ یہ بات ٹھیک اس طرح وقوع میں آئیگی تو پھر انبیا کے قبول کرنے میں کوئی ثواب نہ رہتا جیسا کہ طلوع آفتاب پر ایمان لانے میں کوئی ثواب نہیں۔ پھر کوئی ایمان کی آزمایش باقی نہ رہتی۔ شریر اور خدا ترس دونوں خدا تعالےٰ کے رسولوں پر برابر ایمان لاتے۔ اور کوئی ثواب کا مستحق نہ ہوتا۔ جب سورج مشرق سے طلوع کرتا ہے تو نیک و بد اسکے طلوع کو قبول کرتے ہیں مگر اس قبول کرنیسے وہ قابل تعریف نہیں ٹھہر سکتے اسلیے جب خدا تعالےٰ ایمانداروں اور شریروں میں امتیاز کرنا چاہتا ہے تو وہ آیندہ کے واقعہ کو ایسا صریح طور پر بیان نہیں کرتا کہ اس میں کوئی پردہ اور غیبوبیت باقی نہ رہے۔ مگر تاہم جسقدر خدا تعالےٰ آیندہ کے واقعہ کا بیان کرتا ہے وہ انسان کی ہدایت کیلیے کافی ہوتا ہے اس میں اسقدر ضرور صراحت پائی جاتی ہے کہ ایک نیک اور متقی شخص اس کے ذریعہ حق کو پہچان لے۔ خدا تعالےٰ کی غرض ایمان کو آزمانا ہوتا ہے۔ اور نیک و بد میں تمیز کرنا۔ تاکہ وہی ثواب حاصل کریں جو ثواب کے مستحق ہیں۔

ریورینڈ آر۔ اے۔ ریڈفورڈ ایم۔ اے ایل ایل بی لکھتا ہے "یہاں ہم اس اعتراض کا ذکر کرتے ہیں جو بعض لوگ پیش کیا کرتے ہیں کہ پیشگوئی کو سچی پیشگوئی نہ سمجھنا چاہیئے۔ جبتک کہ واقعہ کو کھلے اور صریح الفاظ میں بیان کیا جاوے۔ مثلاً وان ایمن اپنی کتاب کرسٹالوجی کے صفحہ ۱۲ پر لکھتا ہے کہ ایسے آسان فقرے جیسا کہ ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کو بادشاہ کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ایک معلم کی انتظار کرنی چاہیئے۔ یہ معلم بیت اللحم میں ہیرودیس کے زمانے میں پیدا ہوگا۔ وہ ٹائبریس کے عہد میں اپنے مذہب کی سچائی کی تصدیق میں اپنی جان دیدیگا۔ یروشلم کی تباہی اور یہودی ریاست کی پوری بیخ کنی کے ذریعہ سے وہ دنیا کے ہر ایک حصہ میں اپنے مذہب کو پہنچائیگا۔ اس قسم کے چند فقرے کھلی تاریخی عبارت میں لکھے ہوئے صرف سچی پیشگوئی ہی نہ کہلاتے۔ بلکہ جب کبھی انکی سچائی ثابت ہوتی۔ تو ایسی پیشگوئی کا درجہ عہد عتیق کی تمام پیشگوئیوں سے بڑھکر ہوتا۔ یہ وہ اعتراض ہے جسکو

وان امین پیش کرتا ہے۔ اس اعتراض کے یہ معنے ہیں کہ ہماری سمجھ خدا تعالی کی سمجھ سے بڑھ کر ہے اور جو طریقہ ہماری سمجھ میں آتا ہے وہ اس طریقہ سے بڑھکر ہے جو خدا تعالے نے اختیار کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ضرور یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ خدا تعالی کی سنت ہے کہ وہ اس بڑے بھید کو مخفی رکھتا ہے۔ یہانتک کہ انسان اسکے برداشت کرنیکے قابل ہوں اس بھید کی تلاش میں رہنا ہی انسانوں کی تربیت کا ایک حصہ ہے اگر مسیح اور اسکی تاریخ اور اسکی سلطنت کا پورا پورا بیان پہلے سے بتلا دیا جاتا۔ تو ایمان کے لیے کہاں موقع رہتا۔ اور کسقدر ممکن تھا۔ کہ جھوٹے شخص بھی مسیحیت کا دعوے کر لیتے۔ سچا شخص دنیا میں روز روشن کی طرح نہیں آتا۔ وہ پہلے ان لوگوں کے پاس آتا ہے جو اس کا استقبال کرنیکے لیے انتظار کر رہے ہوتے ہیں! اور اسکو قبول کرنیکے لیے تیار ہوتے ہیں"۔

دجال کی پیشگوئی کو بالکل لفظی معنوں میں لینا مندرجہ ذیل وجوہات سے بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ اول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ رایتنی اللیلۃ عند الکعبۃ فرأیت رجلاً آدم..... فسألت من ہذا فقالوا ہذا المسیح ابن مریم قال ثم اذا انا برجل اعور العین الیمنے۔ فسألت من ہذا۔ فقالوا ہذا المسیح الدجال۔* (ترجمہ) آج رات مینے اپنے آپکو کعبہ کے پاس دیکھا۔ جہاں کہ مجھے گندم گوں آدمی نظر آیا۔ مینے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ مسیح ابن مریم ہے۔ پھر ناگاہ ایک دہنی آنکھ سے کانے آدمی کو دیکھا مینے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ مسیح الدجال ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دجال کو خواب میں دیکھا تھا۔ اور یہ مسلّم بات ہے کہ خوابیں تاویل طلب ہوتی ہیں۔ جو کچھ خواب میں دیکھا جاوے اسکی نسبت یہ امید کرنا کہ یہ ہو بہو اسی طرح پورا ہوگا۔ ایک بڑی غلطی ہے۔ دوئم اگر مسلمانوں کو قرآن شریف پر ایمان ہے تو انہیں اس پیشگوئی کو ہرگز لفظی معنوں میں نہیں لینا چاہیئے۔ اس پیشگوئی کو لفظی معنوں میں لینے سے قرآن شریف کی بہت سی آیات کو غیر صحیح ماننا پڑتا ہے۔ دجال کی پیشگوئی کے لفظی معنے کرکے دجال کو خدا تعالے کا حریف ماننا پڑتا ہے اور اس میں ایسی طاقتیں ماننی پڑتی ہیں جو صرف خدا تعالے کیلیے خاص ہیں۔ خدا تعالے فرماتا ہے:۔ خلق الانسان ضعیفا۔ چونکہ دجال بھی ایک انسان ہے اسلیے وہ بھی ضعیف ہے لیکن اگر اس میں حقیقی طور پر وہ ساری طاقتیں ہوں گی جو اسکی طرف منسوب کیجاتی ہیں اگر حقیقی طور پر زمین و آسمان پر اسکا اختیار ہوگا اگر واقعی طور پر وہ اس جلال کے ساتھ خروج کریگا جو اسکو دیا جاتا ہے تو پھر وہ کمزور انسان نہیں ہے بلکہ ایسی زبردست ہستی ہے جسکی طاقت خود خدا تعالے کے برابر ہوگی خدا تعالے اپنی نسبت فرماتا ہے:۔ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون لیکن دجال کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بھی اپنے حکم سے جو چاہیگا کریگا۔ وہ ایک چیز کو کہیگا۔ ہو جا۔ اور وہ ہو جائیگی۔ اس طرح دجال کو خدا تعالے کے برابر قرار دیتے ہیں مگر ایسا ماننا اس توحید کے برخلاف ہے جسکی قرآن شریف تعلیم دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہم ان الفاظ کو حقیقی معنوں پر حمل نہیں کر سکتے۔ سوم۔ دجال کی نسبت لکھا ہے

* حدیث بالا اختصار لکھی گئی۔ منہ

کہ اس کی آنکھوں کے درمیان ک۔ف۔ر۔ لکھا ہوا ہوگا۔ اور ہر ایک مومن خواہ خواندہ ہو یا ناخواندہ۔ ان حروف کو پڑھ لیگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک معمولی تحریر نہیں ہوگی کیونکہ ناخواندہ لوگ معمولی تحریر کو پڑھ نہیں سکتے
چہارم۔ دجال کی پیش گوئی میں کثرت سے ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو صریحاً استعارات ہیں۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ دجال اس بادل کی طرح چلیگا جسکے پیچھے ہوا ہو۔ اسکا گدھا اتنا بڑا ہوگا کہ اسکے دونوں کانوں کے درمیان کا فاصلہ ستر باع ہوگا۔ زمین کے خزانے اسکے پیچھے اس طرح چلینگے جیسے کہ مکھیاں اپنی رانی کے پیچھے چلتی ہیں۔ اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ ہونگے اور اگر مسیح اسکے قتل کرنیکے لیے نہ بھی آتا پھر بھی وہ خود بخود اس طرح پگھل جاتا جیسا کہ نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب استعارات ہیں جن کو کوئی سمجھدار آدمی ظاہری معنوں پر حمل نہیں کر سکتا۔
پنجم۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص ابن صیاد پر بعض صحابہ نے شبہ کیا کہ وہی دجال موعود ہے چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو بھی اپنے خیال کا اظہار کیا۔ اور آپ نے اسکے دجال ہونیسے انکار نہ کیا بلکہ خاموش رہے۔ ابن صیاد بعد میں مسلمان ہوگیا۔ مگر یہ قصہ ہمیں ایک عمدہ سبق سکھلاتا ہے۔ ابن صیاد میں دجال کی ظاہری علامتیں پوری نہیں ہوئی تھیں اسکے ماتھے پر ک۔ف۔ر۔ نہیں لکھا ہوا تھا۔ اسکے ساتھ نہ دوزخ تھا نہ بہشت اور نہ اتنا بڑا گدھا جسکا احادیث میں ذکر ہے۔ اُسنے نہ نبوت کا دعوے کیا نہ خدائی کا۔ اسکے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ نہ تھے۔ اور نہ زمین و آسمان اسکے حکم کے تابع تھے۔ پھر بھی صحابہ نے اسکو دجال موعود قرار دیدیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کا یہ خیال نہیں تھا کہ دجال کی علامتیں ضرور ظاہری طور پر پوری ہونی چاہئیں۔ وہ اسکو صرف پیشگوئی کی نظر سے دیکھتے تھے اور انکے نزدیک بالکل ممکن تھا کہ دجال کسی غیر مترقبہ صورت میں پیدا ہو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خاموش رہنا بھی یہی ظاہر کرتا ہے۔ اگر انکے نزدیک ضروری ہوتا کہ دجال کی ساری علامتیں ظاہری طور پر پوری ہوں تو آپ ضرور فرماتے کہ ابن صیاد دجال موعود نہیں ہے کیونکہ ک۔ف۔ر۔ اسکے ماتھے پر کھدے ہوئے نہیں ہیں۔ اور ایسا ہی بہت سی اور علامتیں ابن صیاد میں پائی نہیں جاتیں۔ مگر آجکل کے مسلمان نہ صحابہ کی اتباع کرنا چاہتے ہیں نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی۔ یہ نسل یہودیوں کی طرح سخت دل اور کند ذہن ہوگئی ہے۔ اور انکو اطمینان نہیں ہوتا جبتک کہ انکا خیالی دجال ظاہر نہ ہو۔

"پیش گوئی کا پورا ہونا"

یہ ثابت کرنیکے بعد کہ دجال کی پیشگوئی کو بالکل ظاہری معنوں میں لینا غلطی ہے۔ میں اب یہ دکھلانا چاہتا ہوں کہ یہ پیشگوئی کس طرح پوری ہوئی۔

اول۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔ فمن ادرکہ منکم فلیقرأ علیہ فواتح سورۃ الکھف فانھا جوارکم من فتنتہ۔ یعنی جو شخص تم میں سے دجال کو پائے تو اسے چاہیئے کہ سورہ کہف کی پہلی آئتیں اسپر پڑھے۔ کیونکہ یہ تمہیں اس کے فتنہ سے بچائینگی۔ یہ حدیث بہت ہی قابل قدر ہے کیونکہ یہ دجال کے پہچاننے کے لیے کلید کا کام دیتی ہے۔ اس حدیث میں دجال کے شر سے بچنے کیلیے علاج بتلایا گیا ہے اسکے سوا کوئی اور علاج نہیں بتلایا گیا۔ آؤ ہم اس نسخہ کی ترکیب پر غور کریں اور دیکھیں کہ اس نسخہ پر غور کرنیسے بیماری کی تشخیص میں کچھ مدد ملتی ہے یا نہیں۔ جب ہم ان آیات کو پڑھتے ہیں تو ان میں مندرجہ ذیل آئتیں پاتے ہیں۔ وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا۔ مالھم بہ من علم ولا لآبائھم کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ یعنی عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ تعالے کا ایک بیٹا ہے۔ نہ انکو اسکا علم ہے نہ انکے باپ دادونکو۔ یہ بڑی بات ہے جو انکے منہ سے نکلتی ہے۔ یہ جھوٹ کہتے ہیں۔ یہ وہ آیات ہیں جنکا پڑھنا دجال کے فتنہ سے بچنے کیلیے ایک علاج ہے۔ ان آیات میں صرف حضرت مسیح کی ابنیت کے مسئلہ کی پرزور الفاظ میں تردید کیگئی ہے اور ان لوگونکو جھوٹا کہا گیا ہے جو مسیح کو خدا تعالے کا بیٹا کہتے ہیں۔ چونکہ ان آیات کا پڑھنا دجال کے فتنہ کا ایک علاج ہے اس سے صاف ثابت ہوا کہ دجال لوگونکو اس امر کی دعوت کریگا۔ کہ وہ حضرت مسیح کو خدا تعالے کا بیٹا تسلیم کریں اس امر کو ہم دوسرے الفاظ میں یوں بیان کرسکتے ہیں کہ دجال پادریونکا نام ہے جو حضرت مسیح کو ابن اللہ ابن اللہ کہکر پکارتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کل دنیا اس عقیدہ کو اختیار کرے۔

دوم۔ دجال کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ مابین خلق آدم الی قیام الساعۃ امر اکبر من الدجال۔ یعنے آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک دجال سے بڑھکر کوئی فتنہ نہ ہوگا۔ اس بیان سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ دجال عیسائیونکا نام ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دجال کے فتنہ کو سب سے بڑا فتنہ بیان فرمایا۔ اور قرآن شریف ان پادریونکے فتنہ کو سب سے بڑا فتنہ قرار دیتا ہے۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کو خدا تعالے کے قول کے ساتھ مطابق کرنیسے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ پادری لوگ ہی دجال ہیں۔ خدا تعالے فرماتا ہے۔ تکاد السموات یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدًا ان دعوا للرحمٰن ولدا۔ (سورہ مریم رکوع ۶) قریب ہے کہ آسمان اس بات سے پھٹ جائیں اور زمین شق ہوجاوے۔ اور پہاڑ ٹوٹ پڑیں اسلیئے کہ رحمان کیطرف بیٹا منسوب کیا جاتا ہے دیکھو قرآن شریف کیسے زور سے عیسائیونکے اس مسئلہ پر لعنت بھیجتا ہے خدا تعالے کسی اور مسئلہ کو ایسے پرزور الفاظ میں رد نہیں کرتا اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالے کے نزدیک کوئی اور بات ایسی ناپسند نہیں ہے جیسا کہ عیسائیونکا مسئلہ کہ مسیح خدا تعالے کا بیٹا ہے اس طرح قرآن شریف کی رو سے پادریونکے فتنہ سے بڑھکر کوئی فتنہ نہیں ٹھیر سکتا جو کہ صرف مسیح کو خدا ہی نہیں بناتے بلکہ کل دنیا کو اس اعتقاد پر لانیکے لیے جان توڑ کوششیں کر رہے ہیں۔

جانیں خطرے میں ڈالی جاتی ہیں اور روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ انسان اگر ایک سال تک سوچتا رہے تو وہ کوئی ایسی تجویز نہیں سوچ سکتا جو عیسائیوں نے اپنے دین کی اشاعت کے لیے استعمال نہیں کی ٹڈی دل کی طرح کرہ زمین پر پھیل گئے ہیں کوئی کان نہیں جس نے انکی آواز نہیں سنی اور کوئی آنکھ نہیں جس نے انکی تحریروں کو نہیں پڑھا۔ اور بہت تھوڑے دل ایسے ہونگے جنپر انکی زہر نے اثر نہیں کیا۔ وہ صرف اپنے مذہب کے وعظ پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ دوسرے مذاہب پر بھی سخت حملے کرتے ہیں۔ مذہب اسلام کو بالخصوص انہوں نے اپنے حملوں کا نشانہ بنا رکھا ہے جو تحریریں انہوں نے اپنے مذہب کی اشاعت اور مذہب اسلام کی مخالفت میں لکھی ہیں انکو اگر جمع کیا جاوے تو ایک پہاڑ بنتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ ایک شخص کا مرتد ہونا ایک قیامت برپا کر دیتا تھا اور اب ہزاروں آدمی اعلےٰ خاندانوں اور بزرگ نسلوں سے اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت کو اختیار کر رہے ہیں۔ مسیں گھروں میں جاکر پردہ نشین عورتوں کو گمراہ کرتی ہیں کوئی پھندہ نہیں جو انہوں نے لوگوں کے گمراہ کرنیکے لیے نہیں لگایا۔ انکے پاس روٹیوں کے پہاڑ ہیں جن کو دیکھکر بہت سے بھوکے اور ننگے انکا مذہب قبول کر لیتے ہیں۔ جب ملک میں قحط پڑتا ہے تو وہ زمانہ عیسائیت کی ترقی کیلیے بہت مفید ہوتا ہے ہسپتال قایم کر رکھے ہیں جہاں دوائی کے ساتھ مسیح کی ابنیت کا وعظ بھی سنا دیا جاتا ہے۔ چونکہ اس مذہب میں آزادی حد سے زیادہ ہے عورتوں اور مردوں میں حد سے زیادہ اختلاط ہے۔ شراب کا پینا حرام نہیں سمجھا جاتا کیونکہ انکا خداوند خود شراب پیا کرتا تھا۔ اور ساتھ اسکے پاک دل کہتا بوسہ لینا بھی جایز ہے اسلیے بہت سے لوگ اس مذہب کو اختیار کرنا پسند کرتے

علاوہ ان لوگوں کے جنہوں نے کھلے طور پر عیسائیت کو اختیار کر لیا ہے ہزارہا ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اگرچہ کھلے طور پر عیسائی نہیں ہوئے مگر انکے دلپر اس زہر نے اثر کیا ہے اور وہ عیسائیت کے رنگ میں رنگین ہوگئے ہیں۔ عیسائیوں کی طرح آزاد زندگی بسر کرتے ہیں۔ اسلامی فرایض کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ الغرض کوئی شخص اس نقصان کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ جو عیسائیت نے اسلام کو پہنچایا ہے تاریخ میں اسکی کوئی نظیر نہیں ملتی نہایت مخفی اور باریک تدبیروں کو کام میں لایا جاتا ہے اور اسلام کے قلعہ کو نقصان پہنچانیکے لیے بہت سی سرنگیں تیار کی گئی ہیں۔ پہلے بھی ایسے لوگ ہوئے ہیں جو اسلام کے دشمن تھے اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانا چاہتے تھے مگر وہ صرف مسلمانوں کے بدن پر حملہ کرتے تھے اور عیسائی مسلمانوں کے دلوں پر حربہ چلاتے ہیں انکی اذیت سے مومنوں کے ایمان اور بھی پختہ ہوتے تھے مگر پادریوں کے وسوسوں سے نہایت مضبوط ایمان بھی متزلزل ہو جاتے ہیں غرض عیسائیوں کی فتنہ سے کوئی فتنہ بڑھ کر نہیں ہے اور پادریوں سے بڑھ کر کوئی سخت دشمن اسلام کا نہیں پایا جاتا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ستر ہزار مسلمان دجال کی پیروی اختیار کرے گا۔ یہ پیشگوئی پادریوں کے حق میں کیسے کھلے طور سے پوری ہوگئی ہے اب اس دجال سے بڑھ کر مسلمان اور کس دجال کا انتظار کر رہے ہیں +

سوم۔ دجال کی نسبت لکھا ہے کہ وہ کل دنیا پر پھر جائیگا مگر مکہ اور مدینہ میں وہ داخل نہیں ہو سکیگا۔ یہ بات بھی پادریوں پر خوب صادق آتی ہے۔ انکے خروج سے پہلے سفر کے وہ ذرائع موجود نہ تھے جو آج کل پائے جاتے ہیں۔ عیسائی لوگ ہی ہیں جنہوں نے ایسی سواریاں ایجاد کی ہیں جن کے ذریعہ یہ ہوا کی طرح سب دنیا پر پھیل جاتے ہیں جو مسافتیں انسان عمر بھر میں طے نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اب چند دنوں میں طے کیجاتی ہیں۔ یہ لوگ کل دنیا پر پھیل گئے ہیں۔ اور ایسی تیزی سے سفر کرتے ہیں کہ چند دنوں میں کل دنیا پر چکر لگا سکتے ہیں۔ کوئی ایسا ملک نہیں جہاں یہ نہ گئے ہوں۔ افریقہ کے حبشیوں۔ امریکہ کے اصلی باشندوں اور جزائر کے رہنے والوں نے سب نے تثلیث کی منادی کی آواز سن لی ہے مگر باوجودیکہ پادری سب دنیا میں پھیل گئے اور ہر ایک جگہ انہوں نے اپنے مشن قایم کر دیئے ہیں مگر مکہ معظمہ میں حسب منشا پیشگوئی داخل نہیں ہو سکے سب مقدس شہروں میں یہ لوگ داخل ہو گئے ہیں مگر اسلام کے مقدس شہروں میں خدا تعالے نے انکو قدم رکھنے کا موقعہ نہیں دیا۔ یہ خدا تعالے کا ہاتھ ہے جسنے انکو روکا ہے ورنہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ قوم جس نے خشکی اور تری کا چپہ چپہ دیکھا اور پامال کیا وہ ایسے عظیم الشان شہروں میں اپنا مشن قایم نہ کرتی۔ یہ انکے دجال ہونیکا صریح ثبوت ہے اگر پادری صاحبان اپنے لیے دجال کا لفظ پسند نہیں کرتے تو وہ اس پیش گوئی کی تغلیط کر کے دکھائیں مگر خدا کے رسول کا کلام ہے اسکو کون غلط ثابت کر سکتا ہے۔

چہارم۔ دجال کا گدھا۔ دجال کا گدھا ایک معمولی گدھا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس قد و قامت کے گدھے دنیا میں نہیں پائے جاتے اگر اتنے بڑے گدھوں کی نسل دنیا میں موجود ہوتی تو قریب قیاس تھا کہ واقعی ایک گدھا دجال کے ساتھ ہو۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر کہ وہ گدھا اس طرح چلیگا جیسے وہ بادل چلتا ہے جسکے پیچھے تیز ہوا ہو۔ صاف اشارہ کر دیا کہ وہ گدھا زندہ جانور نہیں ہوگا بلکہ ایک ایسی چیز ہوگی جو ہوا کے مشابہ کسی چیز کے زور سے چلے گی۔ پس وہ گدھا ریل گاڑی ہے جو دُخان کے زور سے چلتی ہے۔ اور یہ گدھا بڑے قد کا بھی ہے جیسا کہ احادیث کا منشا ہے اور تیز رفتار بھی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح موعود کے زمانہ میں لیترکن القلاص فلا یسعے علیہا۔ یعنے اونٹوں کی سواری متروک ہو جائیگی۔ اور کوئی اُنپر نہیں دوڑے گا یہ پیشگوئی بھی ریل گاڑی کے نکلنے سے پوری ہوئی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دجال کے گدھے پر عام طور پر لوگ سوار ہونگے ورنہ اونٹ کس طرح متروک ہو سکتے تھے۔ اس سے وہ اعتراض رفع ہوا جو بعض لوگ پیش کرتے ہیں کہ اگر ریل گاڑی دجال کا گدھا ہے تو مسلمان اسپر کیوں سوار ہوتے ہیں۔ ضروری تھا کہ عام لوگ اسپر سوار ہوں تا اونٹوں کے متروک ہونے کی پیشگوئی پوری ہو۔ اور ریل گاڑی کو دجال کا گدھا اسلیے کہا گیا کہ اسکو جاری کرنیوالی یہی قوم ہے۔ چونکہ ریل گاڑی بھی اسی زمانہ میں اور اسی قوم کے ہاتھوں سے جاری ہوئی،

اس لیے اسکو دجال کی علامت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

پنجم ۔ دجال کی نسبت کہا گیا تھا کہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہوگا۔ دجال کی اس نابینائی سے اسی قسم کی نابینائی مراد ہے جسکا ذکر اس آیت میں ہے۔ من کان فی ہذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی۔ یعنے جو اس دنیا میں نابینا ہے وہ آخرت میں بھی نابینا ہی ہوگا۔ یہاں نابینائی سے مراد روحانی نابینائی ہے پس دجال کے ایک آنکھ سے کانا ہونیکے یہی معنے ہیں کہ وہ روحانی نور سے بے بہرہ ہوگا۔ اور مذہب کے پہلو سے اندھا ہوگا۔

ششم ۔ دجال کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ویرانوں پر سے گذریگا اور زمین اُسکے حکم سے اپنے خزانے باہر پھینکے گی۔ بادل اسکے حکم سے بارش برسائینگے اور زمین کے خزانے اس طرح اسکے پیچھے پیچھے چلینگے جیسے مکھیاں رانی کے پیچھے جاتی ہیں ان باتوں کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ درحقیقت دجال میں خدائی طاقت ہوگی۔ انکا صرف یہی مطلب ہے کہ وہ اپنی ساری کوششوں میں کامیاب ہوگا۔ اور خدا تعالے تقدیر کو اسکی تدبیر کے مطابق کردیگا جس امر کو وہ اپنے ہاتھ میں لیگا اسمیں خدا تعالے اسکو کامیابی دیگا۔ پانی بھی انکا حکم مانتا ہے اور آگ بھی۔ اور ان چیزوں کو گویا مسخر کرکے بڑے بڑے عجوبے دکھلاتے ہیں۔ دیکھو ریل گاڑی میں بھی آگ اور پانی کو ہی قابو کیا ہوا ہے اور انہی دو چیزوں کے ذریعے ریل گاڑی لاکھوں آدمیوں کو لیے اور لاکھوں من بوجھ اٹھائے ہوئے ہوا کی طرح دوڑتی ہے۔ غرض انکو خدا تعالے نے اس رنگ کی کامیابی عطا کی ہے کہ ہر ایک چیز انکے تابع معلوم ہوتی ہے جس زمین کو چاہتے ہیں آباد کرتے ہیں اور ویرانوں کو زرخیز بنادیتے ہیں جن ممالک کو فتح کرتے ہیں اسکی پیداوار اور وہاں کے خزانے یورپ کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔ خزانوں سے لدے ہوئے جہاز یورپ کیطرف اس طرح جاتے ہیں گویا شہد کی مکھیاں اپنی رانی کے پیچھے جاتی ہیں۔ ہفتم ۔ دجال کے ساتھ ایک بہشت ہوگا اور ایک دوزخ۔ بہشت سے مراد وہ نئے نئے اسباب تنعم و آسایش ہیں جو ان لوگوں نے ایجاد کیے ہیں۔ اور انکے ساتھ بعض اسباب ایسے بھی ہیں جنکو دوزخ سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس لڑائی کے خوفناک سامان ہیں اور نئے نئے آلات جنگ ایجاد کیے گئے ہیں جن سے دشمن کو بھسم کردیتے ہیں۔ انکے جنگی جہاز ایک دوزخ کا نمونہ ہیں۔ یہ آگ کے ذریعہ ہی جنگ کرتے ہیں +

ہشتم ۔ دجال کا دعوے خدائی و نبوت ۔ دجال کے دعوے خدائی و نبوت کو ہم حقیقت پر حمل نہیں کرسکتے۔ کیونکہ جو شخص نبوت کا دعوے کرتا ہے وہ خدا کی ہستی کا قایل ہوتا ہے اور جو شخص خدائی کا دعوے کرتا ہے۔ وہ اپنے سوا کسی اور خدا کے وجود کا قایل نہیں ہوتا۔ پس یہ دونوں دعوے ایک ہی شخص میں حقیقی طور پر جمع نہیں ہوسکتے یہ دجال کے دو مختلف گروہوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک گروہ تو خود پادریوں کا ہے جو ایک رنگ میں نبوت کا دعوے کررہا ہے بیسیوں کتابوں میں سے چند کتابیں بلا دلیل منتخب کرلی ہیں جنکا مغشوش اور غلطیوں سے بھرا ہوا ہونا ثابت ہوچکا ہے اور یہ کتابیں بھی اصل انکے پاس نہیں۔ اپنے تراجم کو پیش کرتے ہیں جنمیں ہمیشہ اپنے خیال کے

بموجب ترمیم کرتے رہتے ہیں اور ان تراجم کا نام انجیل رکھتے ہیں اور عوام کو سناتے ہیں کہ یہ وہی انجیل ہے جسکا ذکر قرآن مجید میں ہے جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر اتری تھی۔ جسطرح جھوٹا نبی اپنے کلام کو خدا کا کلام بیان کرتا ہے اسی طرح بڑی دلیری اور شوخی سے یہ النسان کے کلام اور اپنے تراجم کو خدا کا کلام بیان کرتے ہیں اسی واسطے حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی انکا نام جھوٹے نبی رکھا ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے جمع کا صیغہ بولکر یہ بھی جتلا دیا کہ دجال نبوت کا دعوے کرنیوالا ایک شخص نہیں ہوگا۔ بلکہ بہت سے لوگ ہیں جو یہ منصب اختیار کرینگے +

دجال نے دعوے الوہیت کس طرح کیا۔ اسکا جواب میں کتاب البریت صفحہ ۲۱۱ سے نقل کرتا ہوں وہ اور دجال کی دوسری جزو جسکے افعال خدائی کے دعوے سے مشابہ ہیں وہ ... یورپ کے فلاسفروں اور کلوں کے ایجاد کرنے والوں کا گروہ ہے۔ جنہوں نے اسباب او علل کے پیدا کرنیکے لیے اپنی کوششوں کو انتہا تک پہنچا دیا ہے اور بہت سی کامیابیوں کی وجہ سے آخر اس ردی اعتقاد تک پہنچ گئے ہیں کہ خدا کی قدرت اور اسپر ایمان رکھنا کچھ چیز نہیں ہے۔ اور اس گروہ کے تابع اکثر یورپ کے خواص عیسائی ہیں اور وہ دن رات ان تلاشوں میں لگے ہوئے ہیں کہ ہم خود ہی کسی طرح اس راز کے مالک ہوجائیں کہ جب چاہیں بارش برسادیں اور جب چاہیں کسی کے گھر میں لڑکا یا لڑکی پیدا کردیں اور جب چاہیں کسی کو عقیمہ بنادیں پس کچھ شک نہیں کہ یہ طریق دوسرے لفظوں میں خدائی کا دعوےٰ ہے۔

تمیم داری کا رؤیا۔ تمیم داری پہلے عیسائی تھا بعد میں مسلمان ہوا اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بیان کیا کہ وہ تیس ۳۰ اور آدمیونکے ساتھ ایک جہاز میں روانہ ہوا۔ سمندر کی لہریں اسکو دھکیل کر ایک مہینہ کے سفر کے بعد ایک جزیرہ میں لے گئیں۔ وہاں انہوں نے ایک جانور دیکھا جسکے بدن پر کثرت سے بال تھے وہ جانور بولا کہ سامنے کے گرجہ میں ایک شخص تمہاری ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ وہاں جاکر انہوں نے ایک آدمی دیکھا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اس نے کہا کہ میں دجال ہوں۔ قریب ہے کہ میں آزاد کیا جاؤں۔ پھر میں سب دنیا پر پھر جاؤنگا سوائے مکہ اور مدینہ کے۔ اسکے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ الا انہ فی بحر الشام او بحر الیمن لا بل من قبل المشرق ما ھو + یعنی آپ نے ہاتھ کے ساتھ مشرق کیطرف اشارہ فرمایا اس حدیث کی صحت پر کسیکو کلام نہیں۔ اور صریح یہ تمیم داری کا رؤیا تھا جو اس نے بیان کیا کیونکہ جانور ونکو بیداری میں کبھی کسی نے بولتے نہیں سنا۔ پادری اکبر مسیح اخبار اپی فینی میں لکھتا ہے کہ یہ خواب نہیں تھا تمیم داری نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک جھوٹا قصہ سنا کر دھوکہ دیا تھا مگر اسکا یہ کہنا بالبداہت غلط ہے کیونکہ اسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اُسنے اسی موقعہ پر اسلام قبول کیا۔ اگر اُسنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سچائی آزمانیکے لیے ایک جھوٹا قصہ بناکر آپکو دھوکہ دیا تھا تو پھر وہ مشرف باسلام کیوں ہوا اسکو تو یہ نتیجہ نکالنا چاہئیے تھا کہ معاذ اللہ یہ سچے نبی نہیں ہیں ایسا ہی یہ کہنا بھی غلط ہے کہ واقعی تمیم داری نے ایک شخص کو ایک جزیرہ میں قید دیکھا تھا اور وہی شخص آخری زمانہ

میں ظاہر ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسوقت جسقدر انسان زندہ ہیں ان میں سے ایکسو سال کے بعد کوئی بھی زندہ نہ ہوگا۔ وہ کونسا جزیرہ ہے جہاں تمیم داری تو پہنچ گیا تھا مگر اسوقت تک اور کوئی شخص وہاں نہیں پہنچا۔ ان سب امور سے ثابت ہوتا ہے کہ تمیم داری نے صرف ایک خواب دیکھا تھا۔ *

واقعات تمیم داری کے بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔ کیونکہ دجال پہلے ایک جزیرہ میں ہی قید تھا پہلے عیسائی واعظ ملکوں میں جاکر تثلیث کی منادی نہیں کرتے تھے اپنے جزیرہ میں قید تھے۔ نیز تمیم داری کے بیان کے مطابق دجال گرجے سے ہی نکلا ہے اور اب تمام دنیا پر پھر گیا ہے مگر مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو سکا جیسا کہ تمیم داری کے پاس دجال نے بیان کیا۔ یہ واقعات بھی گواہی دے رہے ہیں کہ تمیم داری کا خواب سچا خواب تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکا بیان سُنکر فرمایا کہ دجال مشرق سے نکلیگا۔ اور ایسا ہی وقوع میں آیا۔ نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دجال کے راستہ کا بھی پتہ دیدیا کیونکہ بحیرہ شام اور بحیرہ یمن کے راستہ سے ہی دجال یعنی پادریصاحبان ہندوستان کیطرف آیا کرتے ہیں۔ دہم۔ تمیم داری کے خواب کی تصدیق مکاشفات باب ۲۰ سے بھی ہوتی ہے اس کتاب کے بیسویں باب میں ایک کشف درج ہے جو تمیم داری کے خواب سے بہت امور میں تشابہ ہے۔ شیطان کا وجود کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ ہمیشہ وہ اپنے مظہروں کے ذریعہ سے کام کرتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس سانپ کیصورت میں آیا۔ وہی پرانا سانپ آخری زمانہ میں دجال کے بھیس میں نکلیگا اسلیے جس سانپ کا ذکر مکاشفات باب ۱۲ میں ہے وہی دجال ہے اس کتاب کے ۲۰ باب سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرانا سانپ یعنی دجّال حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں قید کیا گیا۔ پھر لکھا ہے کہ جب ہزار سال گذر جائینگے تو دجّال چھوڑا جائیگا پھر وہ ساری زمین پر پھیل جائیگا۔ اور ہزار سال تک وہ قوموں کو گمراہ کریگا۔ جسکے بعد وہ ہلاک کیا جائیگا وہ ہزار سال جو دجّال کی قید کا زمانہ ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے تین سو سال بعد ختم ہوا۔ اسیواسطے جب تمیم داری نے دجال کو دیکھا تو دجال نے کہا کہ قریب ہے کہ میں آزاد کیا جاؤں چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جلدی ہی عیسائی قوموں نے اپنے قیدخانہ سے نکلنا اور اِدھر اُدھر پھرنا شروع کیا۔ اب حساب کے روسے آزادی کا ہزار سال بھی ختم ہوگیا۔ اگر ابتک دجال نہیں نکلا تو اب وہ نہیں نکلیگا کیونکہ اسکے نکلنے کا زمانہ گذر گیا۔ تمیم داری کا خواب مکاشفات کے مصنف کے خواب سے زیادہ واضح ہے کیونکہ تمیم داری نے قید کا مقام بھی بتلادیا یعنی کہا کہ وہ ایک جزیرہ میں قید ہے پھر یہ بھی بتلایا کہ وہ دجال گرجا سے نکلیگا اور یہ بھی بتلایا کہ وہ مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہوگا۔ یازدہم۔ مسیح موعود کی نسبت لکھا ہے کہ وہ صلیب کو توڑنے کے لیے آئیگا اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ ایسے وقت میں ظاہر ہوگا جب صلیبی مذہب عروج میں ہوگا اور صلیب کا بڑا زور ہوگا پس ایکطرف تو یہ بتایا گیا ہے کہ مسیح موعود اُسوقت ظاہر ہوگا جب عیسائی مذہب کا فتنہ دنیا میں پھیل جائیگا۔ اور دوسری طرف دجال کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے ظہور سے پہلے دجّال

* اگر رؤیا نہ ہوتی تو باقی تینوں آدمیوں سے بھی کوئی اسبات کو بیان کرتا۔

کا فتنہ دنیا میں بڑا بھاری فتنہ ہوگا۔ ان دو باتوں کو تطبیق دینے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دو مختلف فتنے نہیں ہیں بلکہ ایک ہی فتنہ ہے۔ ایک طرف تو حضرت مسیح موعود کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسیح موعود کا پہلا اور بھاری کام کسر صلیب ہوگا۔ اور دوسری طرف دجال کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسیح کا پہلا اور بڑا کام قتل دجال ہوگا اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ کسر صلیب اور قتل دجال ایک ہی ہیں۔ اور صلیب اور دجال کے فتنوں کے ایک ہونے کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دجال کے فتنے سے بچنے کیلیے انہی آیتوں کا پڑھنا فرمایا ہے جن میں عیسائیت کی سخت تردید کی گئی ہے اور جنمیں عیسائیوں کو جھوٹا کہا گیا ہے جیسا کہ دجال کا نام جھوٹا ہے۔ پھر دجال کی نسبت لکھا ہے کہ وہ گرجا سے نکلیگا۔ پھر جیسا دجال کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ساری دنیا پر پھیل جاویگا۔ عیسائی مذہب کے واعظ سب دنیا پر پھیل گئے ہیں۔ کل علامتیں دجال کی ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں پھر کیوں انکار کیا جاتا ہے کہ صلیبی فتنہ اور دجالی فتنہ ایک فتنہ نہیں ہے +

دوازدہم۔ اور بھی کئی وجوہات سے ثابت ہوتا ہے کہ دجال ظاہر ہو چکا ہے اسکی نسبت لکھا تھا کہ وہ آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا قرآن شریف اور احادیث میں آخری زمانہ اور مسیح موعود کے ظہور کی کئی علامات لکھی ہیں ہم نے ان علامتوں کا پورا ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ مسیح موعود اپنی تمام علامات کے ساتھ ظاہر ہو گیا ہے اور اس نے اپنے دعوے کو زبردست دلایل اور آسمانی نشانوں سے ثابت کر دیا ہے۔ میں اس جگہ بوجہ عدم گنجایش صرف چند علامتوں کا ذکر کرتا ہوں۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے:۔ علے نقاب المدینۃ ملائکۃ لا یدخلہا الطاعون والدجال۔ طاعون اور دجال کا اکٹھا ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے ساتھ طاعون بھی ظاہر ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دابۃ الارض سے بھی طاعون ہی مراد ہے طاعون کا باعث ایک قسم کے کیڑے ہیں جو زمین میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور سب سے پہلے چوہوں پر حملہ کرتے ہیں۔ قرآن شریف کی وہ آیت جسمیں دابۃ الارض کا ذکر ہے اس طرح ہے۔ واذا وقع القول علیہم اخرجنا لہم دابۃ من الارض تکلمہم ان الناس کانوا بایتنا لا یوقنون (سورہ نمل رکوع ۶) جب انپر فرد جرم لگ جائیگا تو ہم انکے لیے زمین میں سے ایک جانور نکالینگے جو لوگوں کو کاٹیگا۔ اسلیئے کہ وہ ہمارے نشانوں پر یقین نہیں کرتے تھے اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طاعون کا کیڑا مسیح موعود اور اسکے نشانوں سے انکار کرنیکی وجہ سے نکلیگا۔ (۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیترکن القلاص فلا یسعی علیہا یعنی اونٹنیاں متروک ہو جائینگی اور انپر کوئی سوار نہیں ہوگا۔ اسی مضمون کی آیت قرآن شریف میں بھی موجود ہے یعنی واذا العشار عطلت یعنی اونٹنیاں معطل و بیکار ہو جائینگی یہ آخری زمانہ کی علامت ہے اور ریل گاڑی کے نکلنے سے پوری ہو چکی ہے۔ (۳) مہدی کے زمانہ کی علامت لکھی ہے کہ رمضان شریف میں چاند گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات کو چاند کو گرہن لگیگا۔ اور سورج کے گرہن کیلیے جو دن مقرر ہیں ان میں سے درمیان کے دن میں سورج کو گرہن لگیگا۔ قرآن شریف میں بھی اسی کسوف و خسوف....

کی طرف مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ کیا گیا ہے وخسف القمر وجمع الشمس والقمر...... یہ علامت بھی ۱۳۱۱ ہجری میں پوری ہو چکی ہے۔ میں ان سب علامتوں کا یہاں ذکر نہیں کر سکتا۔ نمونہ کے طور پر چند علامتوں کا ذکر کر دیا ہے۔ اور میرا مقصود اس سے یہ ہے کہ آخری زمانہ کی علامتیں جنکا ظہور دجال کے ساتھ یا دجال کے بعد ہونا تھا۔ وہ ظاہر ہو چکی ہیں جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ دجال بھی ظاہر ہو چکا ہے۔ **سیپنزدہم** - پادریوں کا دجال ہونیکا قرآن شریف سے ثبوت۔ قرآن شریف میں صرف دو فتنوں سے ڈرایا گیا ہے۔ اول یہودی بننے سے ڈرایا گیا ہے۔ دوم عیسائیوں کے فتنہ سے ڈرایا گیا ہے۔ المغضوب علیہم سے مراد بموجب تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہودی اور الضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ مسلمانوں کو بھی ایک مسیح کا وعدہ دیا گیا تھا۔ اور خدا تعالےٰ انکو متنبہ کرتا ہے کہ تم اس آنیوالے مسیح کا انکار کر کے اپنے تئیں یہودی نہ بنا دو۔ ایسا ہی عیسائیوں کے فتنہ سے خدا تعالےٰ ڈراتا ہے کیونکہ خدا تعالےٰ جانتا تھا کہ ایک زمانہ آنیوالا ہے جبکہ یہ لوگ خلق خدا کو گمراہ کرنیکے لیے کوئی دقیقہ باقی نہ رکھینگے۔ احادیث میں بھی ان دونوں فتنوں کا ذکر ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرمایا ہے کہ آخری زمانہ میں اس امت کے لوگ اکثر یہودی خصلت ہو جاینگے اور دوسرا فتنہ جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا وہ دجال کا فتنہ ہے۔ آپنے دجال کے فتنہ کو سب سے بڑا فتنہ بیان فرمایا اور قرآن شریف پادریوں کے فتنہ کو سب سے بڑا فتنہ قرار دیتا ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔ تکاد السموات یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ہدًا ان دعوا للرحمٰن ولدا۔ (سورہ مریم رکوع ۶) قرآن شریف صرف دو فتنوں کا ذکر کرتا ہے اور دجال کا فتنہ بھی انہی دو فتنوں میں شامل ہے کیونکہ قرآن شریف کسی اور فتنہ کا ذکر نہیں کرتا۔ احادیث کی رو سے دجال کا فتنہ سب سے بڑا فتنہ ہے اور قرآن شریف کی رو سے عیسائیوں کا فتنہ سب سے بڑا فتنہ ہے جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں فتنے ایک ہی ہیں اور جب یہ دیکھا جائے کہ دجال کے فتنہ سے بچنے کیلیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انہی آیتوں کے پڑھنے کی تاکید کی ہے جن میں عیسائیوں کے فتنہ کا ذکر ہے تو کامل یقین ہو جاتا ہے کہ دجال کا فتنہ بھی عیسائی پادریوں کا فتنہ ہے اور جیسا کہ دجال نے گرجا سے ظاہر ہونا تھا ایسا ہی پادریوں کا فتنہ بھی گرجے سے ہی نکلا ہے۔ جیسا سورہ فاتحہ کے آخر میں عیسائیوں سے ڈرایا ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف کے آخر میں بھی عیسائیوں کے فتنہ کا ہی ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی خنّاس کا ذکر کر کے ظاہر کر دیا ہے کہ دجال ہی خنّاس ہے خنّاس وہی لفظ ہے جسکو عبرانی میں نحاش کہتے ہیں۔ نحاش اس سانپ کا نام ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس گیا تھا۔ اس شیطان کا آخری سورۃ میں ذکر کر کے بتلایا گیا ہے کہ وہی پرانا سانپ پھر آخیر زمانہ میں زور کے ساتھ ظاہر ہوگا اور عیسائیوں کا ساتھ ہی ذکر کر کے بتلا دیا ہے کہ وہ ظہور انہی لوگوں کے ذریعہ ہوگا۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ قال فانک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم (سورہ ص۔ رکوع ۶) یعنی خدا تعالےٰ نے شیطان کو کہا کہ تجھے ایک وقت معلوم تک مہلت دیجاتی ہے۔ اس وقت معلوم سے مراد وہ وقت ہے جبکہ شیطان کا آخری مظہر یعنی دجال مسیح موعود کے ہاتھ سے قتل کیا جائیگا

چہاردہم - دجال ایک گروہ کا نام ہے = (۱) میں اوپر دکھا چکا ہوں کہ دجال کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک رویا میں دیکھا اسلیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آنیوالا دجال ضرور شخص واحد ہی ہو۔ احادیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات خواب میں ایک آدمی دیکھا جاتا ہے اور مراد اس سے ایک قوم ہوتی ہے۔ چنانچہ جب ایک صحابی نے عرب کے قدیم بادشاہ نعمان بن المنذر کو خواب میں دیکھا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسکے وجود سے مراد اہل عرب ہیں (۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری کا رؤیا سنکر تین دفعہ فرمایا۔ من قبل المشرق ماہو۔ وہ مشرق کیطرف سے نکلیگا جو کچھ وہ ہے۔ ان الفاظ (جو کچھ وہ ہے) سے پایا جاتا ہے کہ آپکے نزدیک ضروری نہیں تھا کہ دجال ہوبہو اس شکل میں ظاہر ہو جسمیں کہ تمیم داری نے یا خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا۔ (۳) کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۷۴ میں مندرجہ ذیل حدیث درج ہے یخرج فی آخر الزمان دجال یختلون الدنیا بالدین یلبسون للناس جلود الضان السنتہم احلی من العسل وقلوبہم قلوب الذیاب الخ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۷۴) یعنی آخری زمانہ میں دجال نکلیگا وہ دنیا کو دین سے ملا دینگے۔ لوگوں کو دھوکہ دینے کیلیے بھیڑ ونکی کھالوں میں ظاہر ہونگے انکی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہونگی اور انکے دل بھیڑیوں کے دلونکی طرح ہونگے اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دجال ایک گروہ کا نام ہے پھر دیکھو کہ اس حدیث میں پادریوں کا کیسا ٹھیک نقشہ کھینچا گیا ہے۔ (۴) عربی لغت کی کتابیں بھی اسی امر کی تائید کرتی ہیں کہ دجال ایک گروہ کا نام ہے۔ قاموس میں لکھا ہے۔ الدجال من الدجالۃ۔ طائفۃ عظیمۃ یحمل المتاع للتجارۃ۔ یعنی دجال کا لفظ دجالہ سے نکلا ہے جسکے معنی ہیں ایک بڑا گروہ جو تجارۃ کیلیے مال لیے پھرتا ہو۔ اقرب الموارد میں ہے الدجال الرفقۃ العظیمۃ (یعنی ایک بڑی جماعت)۔ لغت کی رو سے لفظ دجال میں دو مفہوم پائے جاتے ہیں اول یہ کہ دجال ایک گروہ کا نام ہے۔ دوسرا مفہوم اسمیں جھوٹ بولنے کا پایا جاتا ہے جو دجال کا خاصہ ہے۔ اور سورہ کہف کی دس آیتوں میں صرف عیسائی مذہب کی تردید ہی نہیں کیگئی بلکہ انکو جھوٹا بھی کہا گیا جیسا کہ احادیث میں دجال کو جھوٹا ظاہر کیا گیا ہے (۵) قرآن شریف میں ہے۔ لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس۔ محدثین اور مفسرین کا قول ہے کہ الناس سے مراد دجال ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ دجال ایک گروہ کا نام ہے کیونکہ الناس جمع کا صیغہ ہے اس تفسیر کی تصدیق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ مابین خلق آدم الی قیام الساعۃ خلق اکبر من الدجال۔ (صحیح مسلم) **پانزدہم** - دجال کا قتل :- عقلمند لوگوں نے پہلے ہی سے اس مذہب کو ترک کرنا شروع کر دیا ہے اس طرح اس مذہب کا پگھلنا شروع ہو گیا ہے مگر خدا تعالےٰ اتنی مہلت بھی نہیں دینا چاہتا کہ یہ مذہب آہستہ آہستہ خود بخود گھل جائے۔ اسلیے خدا تعالےٰ نے مسیح موعود کو ایک آسمانی حربہ کیساتھ بھیجا ہے احادیث میں ہے کہ دجال باب لد کے پاس قتل کیا جائیگا۔ لد لغت کی رو سے ایسے لوگونکو کہتے ہیں جو بیجا طور پر جھگڑیں اور جنکو کوئی دلیل خاموش نکر سکے پس باب لد کے پاس قتل ہونے سے یہ مراد ہے کہ جب عیسائی لوگ بیجا جھگڑے سے حد سے بڑھ جائینگے اور کسی دلیل سے وہ خاموش نہ ہونگے تو اسوقت خدا تعالےٰ ایک ایسا امر پیدا کریگا جس سے انکے مذہب کا بطلان روز روشن کیطرح واضح ہو جائیگا اور انکے منہ بند ہو جائینگے۔ عیسائیت کیلیے مقدر ہے کہ وہ اسی قبر میں دفن کیجاوے

جہاں حضرۃ مسیح مدفون ہیں۔ سرینگر کی قبر ہی انشاء اللہ تعالیٰ عیسائیت کے قتل کیلیے آسمانی حربہ کا کام دیگی خدا تعالےٰ مسیح

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود (علیہ السلام)

یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء کسی شخص نے ہمارے ہاتھ پر سونف رکھدی ہے۔ ۲۔ اکتوبر۔ دیکھا کہ ایک مکان ہے اسپر چڑھنے کیلئے ایک زینہ لگا ہوا ہے جو لوہے کا ہے اور تختے پاؤں رکھنے کی بھی ہیں اوپر ایک دروازہ ہے میں اس زینہ پر چڑھتا ہوں مگر چڑھ نہیں سکتا اتنے میں اوپر سے کسی نے دروازہ بند کر دیا اور کہا کہ دوسرے راستہ سے آؤ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ راستہ تو نزدیک ہے اور فوراً پہنچ سکتے ہیں مگر دوسرا راستہ دور ہے کوئی دو تین سو گز کا فاصلہ ہے پس ہم اس دوسرے راستے سے جانے لگے تو دیکھا کہ میں ایک مضبوط گھوڑے پر سوار ہوں اور آگے آگے ایک خدمتگار ہے جسکا نام غفار ہے اور ایک اور بھی سوار تھا ہے جو آگے آگے چلتا ہے میں غفار کو کہتا ہوں کہ آگے مت نکل ہمارے ساتھ ساتھ چل تھوڑا راستہ طے کیا تھا کہ آنکھ کھل گئی + ۲۷ ستمبر ۱۹۰۵ء ۱۔ تاتیک نصرتی۔ ترجمہ میری مدد تیرے پاس آئیگی ۔۲۔ یاتیک من کل فج عمیق۔ ترجمہ ہر ایک دور کی راہ سے تیرے پاس لائینگے + ۲۸ ستمبر ۱۹۰۵ء حسنت مستقراً و مقاما۔ ترجمہ خوب ہوا از روئے جگہ قرار پکڑنیکے اور از روئے جگہ ٹھیرنیکے ۵ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ رہا گو سفندان عالیجناب + ۷ اکتوبر۔ بوقت صبح پیش از نماز فجر۔ رؤیا دیکھا کہ میں گورداسپور آیا ہوا ہوں۔ اور ایک مضبوط گوٹا گھوڑے پر سوار ہوں جو گلگوں رنگ کا ہے گھوڑے پر ہی نماز پڑھی ہے اور سجدہ بھی کیا ہے۔ مجھے خیال آیا کہ جب میں گورداسپور گیا تھا تو میرا بھائی بیمار تھا اور انکے بچنے کی امید نہ تھی معلوم نہیں اسکا اب کیا حال ہے گھر کے پاس کوچہ میں میران بخش حجام ملا۔ وہ بڑی خوش خوش باتیں کرتا ہے جس سے میں نے سمجھا کہ اب بھائی صاحب تندرست ہونگے۔ ۷ اکتوبر ۱۹۰۵ء قبل از نماز فجر۔ رؤیا دیکھا کہ ایک عورت فوت ہوگئی ہے ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ رؤیا دیکھا کہ میں کسی جگہ ہوں اور استنجا کیواسطے ایک جگہ سے ڈھیلا لیا ہے تو دیکھا کہ وہاں بہت سے آدمی جیسے مزدور لنگوٹی پوش ہوتے ہیں بیٹھے ہیں جس سے کراہیت ہوئی۔ پھر میں نے شادیخاں کو بلانا چاہا۔ اور خیال آیا کہ اتنے آدمیوں میں سے میں اسکو کیونکر شناخت کروں مگر میں نے آواز دی تو شادیخاں فوراً کھڑا ہو گیا اسکے ساتھ الہام ہوا اِذْ کَفَفْتُ عَنْ بَنِی اِسْرَائِیْل۔ ترجمہ جب میں نے بنی اسرائیل کو دشمنوں کی شر سے بچا لیا۔ ۴ ستمبر ۱۹۰۵ء یا اسکے قریب کا الہام تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا۔ ترجمہ دنیا کی زندگی کو تم اختیار کرتے ہو + ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء رؤیا دیکھا کہ قدرت اللہ کی بیوی روپیوں کی ایک ڈھیری میرے پیش کرتی ہے اسمیں ایک لکڑی بھی ہے۔ الہام۔ اُرید الخیر۔ ترجمہ میں خیر کا ارادہ کرتا ہوں + ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ رسید مژدہ کہ آں یار دل پسند آمد + رسید مژدہ کہ دیوار از میاں برخاست + ۱۸ اکتوبر۔ انی مع الرسول اقوم والوم من یلوم واعطیک ما یدوم + رؤیا۔ ایک شخص نے مجھے کنوئیں کی ایک کوری ٹنڈ میں ٹھنڈا پانی دیا۔ پھر الہام ہوا۔ "آب زندگی" اسکے بعد الہام ہوا "قل میعاد ربک"۔ پھر الہام ہوا "خدا کیطرف سے سب پر اُداسی چھا گئی" رؤیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک جُبّہ ہے وہ اُلٹا ہے مگر اسپر زربفت کا کام کیا ہوا ہے دھاگا نظر نہیں آتا + ۱۹ اکتوبر "لا تقوموا ولا تقعدوا الا معہ لا تردوا مورداً الا معی۔ انی معک و مع اہلک" + ۲۰۔ اکتوبر۔ یہ خدا کا کام ہے۔ اللہ اکبر + ۲۱ اکتوبر۔ انی الوم من یلوم واعطیک ما یدوم انی مع الرسول اقوم واروم ما یروم + ۲۲۔ اکتوبر۔ رؤیا دیکھا کہ دہلی گئے ہیں تو تمام دروازے بند ہیں۔ پھر دیکھا کہ کوئی شخص کچھ تکلیف دینے والی شے میرے کان میں ڈالتا ہے۔ میں نے کہا تم مجھے کیا دکھ دیتے ہو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ دکھ دیا گیا تھا + ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ صبح حضرت نے فرمایا کہ آج رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ تھوڑے چنے بھنے ہوئے سفید میں ہیں

معلوم ہوتا ہے کہ کوئی امر مکروہ چھوٹا یا بڑا در پیش ہے جو منقہ کی آمیزش سے وہ کراہت جاتی رہے گی +

ضمیمہ ریو او ف ریلجنس بابت نومبر ۱۹۰۵ء

حیرت کی حیرانی حصہ اوّل و دُوم

رباعی

ہی کھڑا ہشُشدر قلم تحریر حیرانی میں ہی — وہ کھنچا نقشہ کہ خود تصویر حیرانی میں ہی
حق تو یہ ہی ہی یہ وہ آئینۂ حیرت نما — جس سے حیرت صورتِ تصویر حیرانی میں ہی

الحمدللہ کہ مذکورۃ العنوان رسالہ کا دوسرا حصہ بھی شایع ہوگیا ہی جس میں میان حیرت اڈیٹر کرزن گزٹ دہلی کے اس چیلنج کا جواب دیا ہی جو انہون نے احمدی جماعت کو مناظرہ وغیرہ کیلئے دیا تھا ساتھ ہی بہت ہی نکتہ چینیون کا جواب بھی ان کی اُس تحدّی کی قلعی کھولی ہی جو انہون نے اپنی مصنفہ کتب کو احمدی جماعت کے سامنے پیش کرکے کی تھی کہ ان کتب کے مضامین ایسے بے مثل اور بے نظیر مین جنکا مقابلہ احمدی جماعت نہین کر سکتی ہی ان کتب کے بعض خاص مضامین پر تفصیلی بحث کرکے یہ ثابت کر دیا ہی کہ ان مین متضاد مضامین اور بیہودہ خیالات کا کوڑا کرکٹ بھرا ہوا ہی۔ خلاصہ یہ ہے کہ حصہ اول مین میان حیرت کے ذاتی دعاوی مجددیت وغیرہ کی خوب طرح سے قلعی کھول کر ان کی چالبازیون کا اظہار کر دیا ہی کہ کس کس طرح سے مختلف ضرورتون اور اغراض کیلئے وہ مجدد اور مسیح اور جو کچھ چاہتا ہی بن جاتے ہین اور پھر خود ہی ان دعاوی سے انکار کر دیتے ہین اور ان دعاوی کے جو دلائل بیان کرتے ہین اُن کی تردید بھی انہی کی دوسری تحریرات مین موجود ہوتی ہین جو دوسری اغراض کے لیئے دوسرے موقعون پر ظاہر کر چکے ہین لیکن خلاف واقعہ تحریرات کے ذریعہ سے اپنی کامیابیون کے شادیانے بجاتے ہین اور مختلف مقاصد کے حاصل کرنے کے لیئے کسی شخص کی برائی کرکے اسی کی پھر تعریف کر دینے اور تعریفین کرکے پھر انہی تعریف کردہ شخصون کی برائی کر دینے مین ذرا شرم و لحاظ نہین کرتے ہین اور دوسرے حصہ مین اُن کی تحریرات کی لغویت ظاہر کرکے ان چالبازیون کا پردہ اٹھا دیا ہی جو وہ عوام الناس کے ساتھ بر تکرر دھوکہ دہی کرتے ہین۔ ان رسائل کے جواب دینے پر میان حیرت کو ایک ہزار روپیہ انعام دینے کا بھی وعدہ بہ تفصیل ذیل کیا گیا ہی۔

یعنے حصہ اول کے جواب کے لیئے پانچسو روپیہ حصہ دوم کے لیئے ڈھائی سو روپیہ یہ کل ۷۵۰ روپیہ ہوئے باقی ڈھائی سو روپیہ بہت ہی معمولی بات کے لیئے میان حیرت صاحب کی نذر کیئے گئے ہین جس کی کیفیت یہ ہی کہ حیرت صاحب نے اپنی تصانیف کو بطور تحدی پیش کرکے اپنی قابلیت کے گھمنڈ کے ساتھ یہ بھی ظاہر کیا ہی کہ حضرت اقدس کی عربی تصانیف مین بہت سی غلطیاں ہین ان کو چیلنج دیا ہی کہ اگر وہ جلسہ عام مین حضرت اقدس کی عربی تصانیف مین سے ۳ صفحے روان صحیح پڑھ دین گے اور پھر اُن مین سے صرف ایک غلطی نکال دین گے تو ڈھائی سو روپیہ اسی وقت ان کے حوالہ کر دیئے جاوین گے۔ ان رسائل مین بڑی عجیب بات یہ ہی کہ تمام بحث تحریری شہادتون کے ذریعہ سے کی گئی ہی باوجود پوری واقفیت کے اس سے کسی جگہ فائدہ نہین اٹھایا ہی ابتدا مین تو ان رسائل کو بالکل معمولی بات سمجھا تھا لیکن حضرت اقدس اور بزرگان ملت نے اسکو از بس پسند فرمایا ہی جس کا یہ نتیجہ ہوا ہی کہ کتاب امید سے زیادہ مقبول ہوئی اور ہند کے مختلف اطراف سے جو خطوط مجھے وصول ہوئے ہین ان مین سے بعض ایسے لوگون کے ہین جنکو کرزن گزٹ اور میان حیرت سے خاص تعلق تھا جو کثیر التعداد مراسلتون مین میان حیرت کو بڑے بڑے القاب سے یاد کرتے تھے حیرتی کمپنی کے حصہ دار ہونے کے علاوہ بقول حیرت صاحب انکی روحانی تعلیم کے رجسٹر مین اپنا نام لکھوا چکے تھے یا میان حیرت نے خود ہی زور شور کیساتھ ان کا نام اپنے مریدون کی فہرست مین شایع کر دیا تھا بعض لوگون نے میان حیرت پر تبرّا بھیجا ہی بعض نے لکھدیا ہی کہ اب ہم اُنکی تحریرات کو بنظر قبولیت نہین دیکھتے بلکہ حقارت سے دیکھتے ہین غرض ان وصول شدہ خطوط سے یہ ثابت ہو گیا ہی کہ ان رسائل کی اشد ضرورت تھی اور ابھی تیسرے حصہ کی بھی ضرورت ہی جسمین باقی تمام اعتراضات کے جواب خود حیرت صاحب ہی کی تحریرات کے ذریعہ ایسی طرز پر دیئے ہین کہ علاوہ دلچسپ ہونے کے وہ جوابات بالکل لاجواب ہین یہ تیسرا حصہ بھی لکھا ہوا بالکل تیار ہی کاپیان لکھی جا رہی ہین اور اس کے جلد شایع کرنے کے لیئے امداد کی ضرورت ہی جو حصہ اول و دوم کی کثرت اشاعت سے ہو سکتی ہی امید ہی کہ برادران احمدیہ ان کی کثرت اشاعت کی بابت کوشش فرماوین گے اور مقامی جماعت مین تحریک فرما کر اپنی بساط اور جماعت کی حالت کے موافق رسالہ کی خاص تعداد یکدم منگوا کر امداد فرماوین گے تا کہ تیسرا حصہ جلد شایع ہو سکے۔ حصہ اول ساڑھے نو جزو اور حصہ دوم چھ جزو ہی جن کی قیمت باوجود اس قدر ضخامت کے صرف ۵ھ اور ۴ھ رکھی ہی حصہ دوم امید سے زیادہ بڑا ہو گیا ہی ورنہ اسکی قیمت کم رکھنے کا ارادہ تھا۔ یہ جو کچھ قیمت ان رسائل کی رکھی ہی وہ صرف اسی غرض کے لیئے ہی کہ دوسرے حصص کی اشاعت مین امداد ملتی رہے ورنہ اللہ شاہد ہی کہ اس ذریعہ سے مالی منافع اٹھانے کی میری غرض ہرگز نہین ہی امید ہی کہ ہمارے بھائی اپنی حالت کے موافق امداد سے دریغ نہ فرمائینگے۔ جماعت کے غربا جسقدر کم قیمت پر طلب فرماوین گے اُن کو اسی قیمت پر ہر دو حصہ بھیجدیئے جاوین گے امید ہی کہ احمدی جماعت کے سرگرم ممبر حتی المقدور سعی کرنے سے دریغ نہ فرماوین گے اور مزید اشتہارات کی اگر ضرورت ہوگی تو طلب فرماوین گے۔

ہر دو رسائل یکم دسمبر تک دہلی دفتر نہر کے پتہ سے اور یکم دسمبر کے بعد دہلی سے تبدیل ہو جانے کی وجہ سے لاہور پتہ ذیل سے مل سکتے ہین۔

عبدالعزیز ہیڈ کلارک دفتر صاحب اگزکٹو انجنیر بہادر نہر اپر چناب۔ ڈویزن نمبر ۵۔ لاہور۔

"رؤیا و الہامات"

یکم نومبر ۱۹۰۵ء ۔ دست تو دعائے تو ترحم زخدا ۔ (میر ناصر نواب صاحب کو خطرناک درد قولنج تھی۔ دعا کرنے پر یہ الہام ہُوا ۔ اور خدا نے شفا دی) ۹ ۔ نومبر ۱۹۰۵ء ۔ خواب میں گتا دکھائی دیا (فرمایا اس سے مراد کوئی مفسد ہنگامہ ہوتا ہے اسکے بعد الہام ہُوا ۔ انی مع الرسول اقوم (اُسی دن ۹ بجے جب حضرت اقدس نے امرتسر میں لیکچر دینا چاہا تو مخالفین نے سخت شور مچایا اور آخر جب گاڑی پر سوار ہوئے تو بارش کی طرح پتھر برسائے مگر اللہ تعالیٰ کی محافظت ساتھ تھی۔) ۱۱۔ نومبر ۱۹۰۵ء (۱) اما نرینك بعض الذی نعدھم او نتوفینك ۔ (۲) لا یقبل عمل مثقال ذرۃ من غیر التقویٰ۔
۱۵۔ نومبر ۱۹۰۵ء ۔ زندگیوں کا خاتمہ ۔

حضرت اقدسؑ کی اوقات گرامی میں یہ امور مخل نہ ہوں۔

زکوٰۃ کے متعلق بھی ابتک کوئی باقاعدہ انتظام نہیں ہُوا ۔ اس لئے جیسا کہ مینے چٹھی میں لکھا ہے حضرت اقدس کا یہ منشا ہے کہ زکوٰۃ کا کُل روپیہ ایک جگہ جمع ہونا چاہیئے اور پھر حسب مصلحت وقت و ارشاد حضرت اقدسؑ وہ روپیہ ضروری مدّات میں خرچ ہو۔ زیور کی زکوٰۃ کے متعلق بعض احباب کے استفسار پر حضرت اقدسؑ نے مفصلہ ذیل سطور تحریر فرمائی ہیں جو تمام ...... احباب کی اطلاع کیلئے شائع کیجاتی ہیں۔

"جو زیور پہنا جائے اور کبھی کبھی غریب عورتوں کو استعمال کے لئے دیا جائے بعض کا اُسکی نسبت یہ فتویٰ ہے کہ اسکی کچھ زکوٰۃ نہیں ۔ اور جو زیور پہنا جائے اور دوسروں کو استعمال کے لئے نہ دیا جائے اس میں زکوٰۃ دینا بہتر ہے کہ وہ اپنے نفس کے لئے مستعمل ہوتا ہے اسی پر ہمارے گھر میں عمل کرتے ہیں اور ہر سال کے بعد اپنے موجودہ زیور کی زکوٰۃ دیتے ہیں ۔ اور جو زیور روپے کی طرح جمع رکھا جائے اُس کی زکوٰۃ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔"

پس ہمیں اس راہ پر چلنا چاہیئے جسپر ہمارا امام چلتا ہے ۔ اور زیور کی زکوٰۃ جو اپنے ہی استعمال میں آتا ہو دینی چاہیئے ۔ زکوٰۃ کا روپیہ بنام امین زکوٰۃ فنڈ قادیان بھیجا جاوے اور یہ روپیہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کے پاس بطور امانت جمع رہیگا ۔ لنگرخانہ کا روپیہ خود حضرت اقدسؑ کے نام آنا چاہیئے اسکے متعلق خط و کتابت راقم حروف سے ہونی چاہیئے ۔ والسلام

خاکسار
محمد علی
۱۲ ۔ نومبر ۱۹۰۵ء

عید فنڈ مدرسہ

عید الفطر کا مبارک موقعہ بہت ہی قریب ہے۔ لہٰذا بطور یاددہانی یہ چند سطریں لکھی جاتی ہیں کہ حسب معمول بلکہ پہلے سے بڑھکر بہت سے عید فنڈ کا روپیہ جو بحساب فی کس ایک روپیہ ہے جمع کرکے ہر جگہ کی جماعتیں بہت جلد بنام امین مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان بھیجدیں۔ اور چونکہ رمضان شریف صدقات کا مہینہ ہے اور عید الفطر خصوصیت سے صدقات کا موقعہ ہے اسلئے میں دوستوں کی اطلاع کے لئے یہ بات بھی لکھدیتا ہوں کہ دو ماہ سے فنڈ مساکین میں وظائف نہیں ملے شائد یہی بات کسی دوست کے دلمیں تحریک پیدا کرے اسی طرف متوجہ کرے۔

سکرٹری مجلس منتظمہ مدرسہ

ضروری اطلاع

ان جملہ احباب کیخدمت میں جو کسی قومی مد میں قادیان روپیہ بھیجتے ہیں۔ یہ ضروری التماس ہے کہ وہ منی آرڈر کوپن میں تعداد معہ تفصیل نام مد کے متعلق روپیہ، اور بھیجنے والیکا نام مع پتہ خوشخط لکھا کریں۔ اسمیں فرستندہ کو تھوڑی سی تکلیف تو ہوگی مگر منتظمین مدات کو بہت آرام ملتا ہے۔ کیونکہ روپیہ وصول کرنیوالے کے پاس صرف کوپن ہی رہ جاتا ہے اسپر مفصل اطلاع نہ ہو تو بعض وقت دقت پیش آجاتی ہے۔ اور پھر کوپن پر سب کچھ لکھنا پڑتا ہے اور بعض وقت دس دس بیس بیس منی آرڈر رجسٹری کرنا پڑتا ہے تو بہت وقت ضائع ہوتا ہے۔ دوسری عرض یہ ہے کہ وہ سوائے لنگر خانہ کے روپے کی باقی مدات کا روپیہ کسی کے نام پر نہ بھیجا کریں بلکہ مدرسہ کا روپیہ بنام امین مدرسہ تعلیم الاسلام۔ میگزین کا روپیہ بنام مینجر میگزین۔ زکوٰۃ کا روپیہ بنام امین زکوٰۃ فنڈ۔ اور مساکین و یتامی کا روپیہ بنام امین مدرسہ تعلیم الاسلام بھیجا کریں۔ تیسری عرض یہ ہے کہ لنگر خانہ کا روپیہ جو حضرت اقدس کے نام بھیجا جاتا ہے اسکو ساتھ دوسری مد کا روپیہ نہ بھیجا کریں کیونکہ اسطرح پر تقسیم کرنیمیں حضرت اقدس کو بہت تکلیف ہوتی ہے اگر کوئی ایسی ضرورت پیش ہی آجائے کہ اکٹھا روپیہ بھیجنا ضروری ہو تو امین مدرسہ یا مینجر میگزین کے نام بھیجکر اسی کوپن میں ہدایت کردیا کریں کہ اسمیں اسقدر روپیہ لنگر خانہ کا ہے جو حضرت اقدس کو دینا چاہیئے۔ سب سے بہتر صورت یہی ہے کہ ہر مد کا روپیہ الگ الگ بھیجا جاوے۔ خاکسار

اطلاع بنام خریداران میگزین باوجود بار بار کی تاکید اور ہر دفعہ کی اطلاع کے خریداران خط و کتابت میں اور روپیہ بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری نام کے ساتھ نہیں لکھتے جس سے بعض وقت تعمیل نہیں ہوسکتی اور روپیہ درج کھاتہ نہیں ہوسکتا اور خط و کتابت کا بوجہ فریقین پر بڑھتا ہے۔ اس دقت کے لئے پہلے لکھا تھا کہ

چودھری الہ داد صاحب نے مطبع میگزین میں بہ منیجر میگزین کیلئے چھاپا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے * لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۴) نمبر (۱۲)

بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۰۵ء

فہرست مضامین

غیر احمدیوں کی رائیں اس رسالہ کے متعلق

رسالہ البیان - جلد ۴ نمبر ۵ صفحہ ۲۲ لکھنؤ کا عربی اردو کا مشہور پرچہ لکھتا ہے۔ "ریویو آف ریلیجنس ہی ایک ایسا پرچہ ہے جسکو خالص اسلامی پرچہ کہنا صحیح ہے۔ ہمنے اسکے کئی نمبر دیکھے اور ہم کو اس امر کے ظاہر کرنیمیں کوئی تامل نہیں کہ عربی میں المنار اور اُردو میں ریویو آف ریلیجنس سے بہتر پرچے کسی زبان میں نہیں شائع ہوتے۔ مسلمانوں کو خوش ہونا چاہیئے کہ ہندوستان میں ایک ایسا رسالہ نکل رہا ہے جسکے زوردار مضامین پر علم و فضل کو ناز ہے۔ جہان تک ہم سمجھتے ہیں مسلمانوں کا سواد اعظم اس رسالہ سے ناواقف ہے جسکی وجہ شائد یہ ہو کہ یہ رسالہ قادیان سے نکلتا ہے اور میرزا غلام احمد قادیانی اس کے سرپرست ہیں۔"

اخبار کریسنٹ - لورپول کا مشہور اسلامی پرچہ اس رسالے پر ریویو کرتا ہوا ۱۶ ستمبر ۱۹۰۳ء کی پرچے میں لکھتا ہے۔ "ریویو آف ریلیجنس کا پرچہ دلچسپ مضامین سے بھرا ہوا ہے ہماری نبی صلی اللہ علیہ سلم کی ذات پاک کی متعلق جو جاہل عیسائی الزام لگایا کرتے ہیں انکی تردید میں ایک نہائت ہی فاضلانہ مضمون اسمیں لکھا گیا ہے جس سے عمدہ مضمون آجتک ہماری نظر سے نہیں گذرا اور ہم پوری جوش کی ساتھ اس مضمون کی طرف اپنی ناظرین کو توجہ دلاتی ہیں۔"

محمد الگزنڈر رسل وب - امریکہ سے لکھتے ہیں۔ "میں اس پرچہ کو بہت پسند کرتا ہوں میری یہ رائے ہے کہ یہ پرچہ ہر ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے جو کچھ بھی اپنی قوت متفکرہ سے کام لے سکتا ہے۔ ہر ایک نیک مزاج اور انصاف پسند آدمی جو اسکو پڑھیگا وہ ضرور اس سے روحانی اور اخلاقی فائدہ حاصل کریگا۔ مین یقین کرتا ہوں کہ یہ رسالہ دنیا میں مذہبی خیال کو ایک خاص صورت دینے کے لئے ایک نہایت زبردست طاقت ہوگی اور یہ بھی یقین کرتا ہوں کہ آخر کار یہی رسالہ ان روکوں کو دور کرنیکا ذریعہ ہوگا جو جہالت سے سچائی کی راہ میں ڈالی گئی ہیں۔ اور اسطرح پر صداقت کو اپنی شاندار روشنی کے ساتھ دنیا کے سامنے چمکا کر دکھلائیگا۔"

شیخ عبداللہ کولیم - لورپول انگلستان سے لکھتے ہیں۔ "میں ریویو آف ریلیجنس کو پڑھکر بہت ہی خوش ہوتا ہوں اور اس مقدس مذہب کی تائید میں میں اسے ایک نہایت ہی قیمتی تحریر سمجھتا ہوں۔ میں چند آدمیوں کی ابتدائی فہرست بھیجتا ہوں جو آپکے مفت رسالہ بھیجنے پر بہت ہی خوش ہوں گے۔"

مسٹر میکبین پالم پور - "مینے آپکے رسالے کو جسکا نام ریویو آف ریلیجنز ہے اور جو اعلیٰ درجہ کی قابلیت کے ساتھ لکھا گیا ہے پڑھا ہے۔ مجھے اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے تیرہ سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے اور مینے جسقدر ممکن تھا کوشش کرکے انگریزی زبان میں جسقدر کتابیں اسلام پر لکھی گئی ہیں خواہ انکے مصنف مسلمان تھے یا غیر مسلمان سب جمع کی ہیں اور اب اسلامی مذہب کا ایک خاصہ کتب خانہ میرے پاس جمع ہوگیا ہے۔ مگر ابتک مینے ایک بھی ایسی کتاب نہیں پڑھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

غلامی

۵ - لونڈیوں کے متعلق احکام

عیسائیوں نے تعدد ازواج سے نیچے اُتر کر اسلام پر ہمیشہ یہ اعتراض کیا ہے کہ گویا اس مقدس مذہب کے رُو سے لونڈیوں کے نام سے جتنی عورتیں کوئی چاہے گھر میں ڈال سکتا ہے - چنانچہ سیل جو میور کے بعد اسلامی امور پر رائے دینے کے لئے تعلیم یافتہ عیسائیوں کے اندر بڑا معتبر سمجھا جاتا ہے اپنے اس مضمون میں جو اسلام پر اُس نے کرسچین کالج میگزین مدراس میں لکھا ہے کہتا ہے کہ "تعدد ازواج سے بھی سخت تر غلطی جو اسلام کی وہ یہ تھی کہ اس مذہب نے یہ اجازت دی کہ لونڈیوں کے نام سے جتنی عورتیں کوئی چاہے گھر میں ڈال لے - اسکے جواب میں بعض وقت یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام نے کھلی اجازت دیگئی ہے کہ جس سے چاہے وطی کرلے اس میں اور رنڈی بازی میں کچھ بھی فرق نہیں - اور جہاں یورپ کے عام مذہب نے رنڈی بازی کو سخت منع کیا ہے مذہب اسلام نے لونڈیوں سے وطی کو جائز رکھا ہے"۔ قبل اس کے کہ میں اصل اصول اسلام پر بحث کروں میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اس عبارت میں پادری صاحب نے کسقدر جھوٹ سے کام لیا ہے اس تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ جس طور سے اسلام نے لونڈیوں کے ساتھ وطی کو جائز رکھا ہے اس میں اور رنڈی بازی میں کچھ فرق نہیں اور کہ عیسائی ممالک اس قسم کی برائیوں یعنی کسبیوں وغیرہ سے پاک ہیں اور جس طریق پر یہودیوں کے درمیان لونڈیوں سے بیوی کا سا تعلق رکھنا جائز تھا اُسکو عیسائیت نے منع کردیا - یہ اخیری نتیجہ اگرچہ بصراحت الفاظ میں موجود نہ ہو مگر اسلام پر لونڈیوں کے احکام کے متعلق حملہ کرنے سے معترض اپنے مذہب کو لازماً اس سے خالی قرار دیتا ہے - اگر کوئی شخص اناجیل کے لفظ لفظ کو پڑھ ڈالے تو وہ پادری صاحبان کی اس جرأت سے حیران ہوگا کہ جس صورت میں یہودی شریعت میں یہ رواج چلا آتا تھا اور انجیلوں میں اسکی ممانعت کا اشارہ تک بھی نہیں تو پھر اس بنا پر اسلام پر اعتراض کرنا کسقدر حماقت کا کام ہے - اصل بات یہ ہے کہ یہودی شریعت کے اندر

جو ممالک میں دوسرے ممالک سے زنا بہت کم پایا جاتا ہے مگر لونڈیوں کے متعلق جو

لونڈی کو بطور بیوی کے رکھنا تعدد ازدواج کی ایک صورت تھی اور ان دونوں امور میں عیسائی مذہب ہرگز مانع نہیں ہُوا بلکہ لوتھر کے زمانے میں یعنی عیسائی مذہب کی پیدائش کے تیرہ چودہ سو سال بعد بھی جب اسکے سامنے تعدد ازدواج کے سوال کو پیش کیا گیا تو اُس نے یہی جواب دیا کہ انجیلوں سے تعدد ازدواج کی ممانعت معلوم نہیں ہوتی۔ ایسا ہی غلامی کو بھی حضرت مسیح نے کبھی نہیں روکا بلکہ ایک لفظ بھی اس کے خلاف نہیں کہا۔ اور یہ رواج بھی اس کے پیروؤں میں ہمیشہ چلا آیا۔ بلکہ اس امر کی بھی کھلی کھلی شہادت ملتی ہے کہ لونڈیوں کو بطور بیوی کے گھر میں ڈال لینا عیسائیوں میں بھی مروج رہا ہے۔ چنانچہ انسکلوپیڈیا برٹینیکا میں لونڈیوں پر مضمون لکھتے ہوئے عیسائی مضمون نویس لکھتا ہے۔ کہ "پوپوں کے خطوط کے بعض فقرات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے تعلقات کی انہوں نے اجازت بھی دی تھی" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف عیسائیوں میں اس امر کا رواج ہی رہا بلکہ اُنکے مقدس پوپوں نے بھی اس کو جائز قرار دیا اور ایسا کرنیکی اجازت دی۔ اور پھر وہی مضمون نویس کہتا ہے کہ "ٹولیڈو کی کونسل اوّل کا (جو سنہ ۴۰۰ عیسوی میں ہوئی) قاعدہ ہفدہم یہ ہے کہ جو شخص ایک پاکدامن بیوی کی موجودگی میں لونڈی کو گھر میں ڈال لیتا ہے اسکو خارج کیا جاویگا۔ لیکن اگر وہ لونڈی بیوی کی طرح اسکی خدمت کرے اور ایک ہی عورت جسکو لونڈی کہا جاتا ہے اس کے پاس ہو۔ تو پھر اُسکو خارج نہیں کیا جاوے گا۔ یہ طریق صرف عوام الناس کے لئے ہی جائز نہ تھا بلکہ چھوٹے درجہ کے پادری جنکو نکاح کرنیکی اجازت تھی انکو بھی اسی طرح لونڈی گھر میں ڈال لینے کی اجازت تھی۔ اس کے بعد جو کونسلیں ہوئیں انہوں نے لونڈی کا نام ان بدکار عورتوں پر بھی بولا ہے جو گھر میں نہیں رکھی جاتی تھیں" اس میں شک نہیں کہ یہ صورت جسکا ذکر اخیر میں اس عبارت میں کیا گیا ہے بالکل کسبیوں کی سی ہے۔ اور شائد پادری سیل صاحب کو اپنے بزرگوں کی اس غلطی سے ہی غلطی لگی ہو کہ اُنہوں نے اسلامی لونڈیوں کو کسبیاں قرار دیا۔ مگر پادری صاحب مطمئن رہیں کہ اسلام اس قسم کی تمام بدکاریوں پر لعنت بھیجتا ہے اور اُنکے لئے سخت سے سخت سزا تجویز کرتا ہے۔ ہاں اس بات کا جواب انکو دینا چاہیئے کہ وہ تو عیسائیت میں لونڈیوں کے ہونیسے صاف انکار کرتے ہیں اور یہاں عیسائی کونسلیں (یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ وہی کونسلیں ہیں جنہوں نے تثلیث وغیرہ کے عقائد باطلہ گھڑ کر رائج کئے) نہ صرف لونڈیوں کے گھر میں ڈالنے کی ہی اجازت دیتی ہیں بلکہ جیسا کہ انسکلوپیڈیا کے اس بیان سے پایا جاتا ہے۔ ان فاحشہ عورتوں سے بھی تعلقات رکھنے کی اجازت دیتی ہیں جو گھر میں نہیں رکھی جاتی تھیں۔

دوسرا امر جس پر پادری صاحب نے بہت زور دیا ہے یہ ہے کہ کم از کم کسبیوں کی عیسائی مذہب نے سخت ممانعت کی ہے۔

جب ہم بائبل کو پڑھتے ہیں تو اس میں اس ممانعت کا ذکر صریح الفاظ میں بجائے اناجیل کے جو عیسائی

مذہب کی خاص کتابیں ہیں احبار ۹/۱۹ اور استثنا ۲۳/۱۷ میں پاتے ہیں۔ اناجیل میں اگر کچھ کسبیوں اور فاحشہ عورتوں کا ذکر ہے تو صرف اتنا ہے کہ کسبیاں اور فاحشہ عورتیں یہودی علماء سے پہلے خدا کی سلطنت میں داخل ہوں گی۔ کیا پادری صاحب کے نزدیک یہی کسبیوں کے پیشہ کی ممانعت ہے؟ کہ انکو فقیہوں اور فریسیوں پر ترجیح دیکر اور بھی دلیر کیا گیا ہے۔ مگر اس بات کو تسلیم کر کے کہ حضرت مسیح نے اس بدکاری کی ممانعت ضرور کی ہو گی کیونکہ جسقدر انبیاء دنیا میں مبعوث ہوئی ہیں ان سب نے زنا کو سب سے بڑی بدکاری سمجھا ہے اور اس سے لوگوں کو روکا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عیسائی مذہب نے کون کونسی کوشش اس بدکاری کے دنیا سے دُور کرنیکے لئے کی اور اس سے بھی بڑھکر ضروری سوال یہ ہے کہ عیسائیوں کا اسپار بیس کیسا عملدرآمد رہا۔ ان دونوں سوالوں کا جواب میں وہی نقل کرتا ہوں جو عیسائی صاحبان نے دیا ہے امر اول کے متعلق انسکلوپیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے "مگر کلیسیا نے کسبیوں پر کبھی سختی نہیں کی اور توبہ کرنے پر انکو داخل کر لیا جاتا تھا۔ اور بعض عیسائی بزرگوں نے کسبیوں کے پیشہ کو بدی سمجھکر صریح الفاظ میں اسکی ضرورت کو بھی تسلیم کیا ہے۔ (یہ الفاظ قابل غور ہیں) انہی میں سینٹ اگسٹین بھی تھا جس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اسکے روکنے سے بدکاری کی اس سے زیادہ تباہ کن راہیں پیدا ہو جائیں گی۔ اس آزادی خیال نے تدریجاً مربیانہ رنگ پکڑنا شروع کر دیا۔ (یعنی اوّل اوّل تو کسبیوں سے صرف درگذر کیجاتی تھی پھر اس سے ترقی کر کے وہی لوگ خود ان کسبیوں کے مربّی بن گئے۔) درمیانی زمانوں سے پہلے ہی کلیسیا کے رواج اور قواعد اور اس کے عہدیدار اور پادری زناکاری کے لئے ضرب المثل بن گئے (افسوس ہے کہ پادری صاحبان کفارہ کے فوائد بیان کرتے وقت ان شہادتوں کو بھول جاتے ہیں)۔ شارل مین نے اس ابتری کی حالت کو روکنا چاہا اور کوشش کی مگر اسکی اپنی زندگی اوباشی اور بدکاری کی تھی اس لئے اسکے احکام جنکے رُو سے کسبیوں اور کٹنیوں کو کوڑے لگائے جانیکا حکم تھا اخلاقی وجوہ پر مبنی نہ تھے۔" میں اس امر سے بکلّی انکار نہیں کرتا کہ عیسائی مذہب نے کوئی کوشش کسبیوں کی بدکاری کے دُور کرنیکی کی ہو مگر جو کوشش کی گئی اس میں یا تو شارل مین کی کوشش کیطرح خود کوشش کرنیوالوں کی اپنی اخلاقی حالت ایسی گری ہوئی تھی کہ اسکا کوئی نیک اثر نہ ہو سکتا تھا اور یا کوششیں بہت کمزور اور کسی اصول حکمت پر مبنی نہ تھیں اور اسی لئے کبھی بھی انکا نتیجہ نیک نہیں ہوا چنانچہ وہی مصنف جس کے اقوال اوپر نقل کئے گئے ہیں لکھتا ہے "باوجود ایسی کوششوں کے اور باوجود کبھی کبھی کسی بادشاہ کی سختی کے کسبیوں کا پیشہ درمیانی زمانہ میں ہر جگہ غلبہ پکڑ گیا۔ صرف یہی نہ تھا کہ اسکی برداشت کیجاتی ہو یا اس سے اغماض کیا جاتا ہو بلکہ اسکی لئے لائسنس یعنی

پروانے دیئے جاتے تھے اور قانون میں اس کے قواعد منضبط کئے گئے تھے۔ لندن میں چکلوں کا ایک بازار تھا جنکا لائسنس سب سے پہلے ونچسٹر کے لاٹ پادری نے دیا تھا۔ اور بعد میں پارلیمنٹ اسکی منظوری دیتی رہی۔ یورپ کے دیگر ممالک میں اس زمانے میں یہی حالت تھی۔ کسبیوں کی حفاظت کیجاتی تھی اور اس پیشہ کے لئے قواعد قانوناً تجویز کئے جاتے تھے اور بہت سی حالتوں میں ملکی آمدنی کا یہ ایک ذریعہ تھا"

یہ تو عیسائی ممالک کی حالت گذشتہ زمانہ میں تھی۔ اِس زمانہ میں بھی یہ پیشہ رُو بہ تنزل نہیں بلکہ دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ فرانس میں فوجداری قانون کسبیوں پر گرفت نہیں کرتا۔ جرمنی میں کسبی کا پیشہ کرنیکی ممانعت نہیں لیکن جو عورت بغیر نام رجسٹر کرانیکے ایسا پیشہ اختیار کرے وہ گرفتار ہو سکتی ہے۔ اسٹریا کے قانون کے رُو سے اس پیشہ کی ممانعت ہے مگر پولیس کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ بعض شرائط کے نیچے اسکی اجازت دیدیا کریں۔ انگریزی قانون اس پیشہ کو مضر عام سمجھتا ہے مگر قانون کی کوئی پروا نہیں کیجاتی اور نہ ہی کوئی باز پُرس ہوتی ہے چنانچہ اسی مضمون میں جسکا حوالہ انسکلوپیڈیا سے اوپر دیا گیا ہے۔ لکھا ہے۔ کہ "انگریزی قانون کے نیچے عام بازار صاف رکھے جاسکتے ہیں .... اور بعض وقت قصبات میں سرگرم پولیس کی کوشش سے ایسا ہو تا بھی ہے مگر لندن میں کسبیوں کی تعداد اسقدر بڑھی ہوئی ہے کہ پولیس اپنی ساری طاقت کو خرچ کر کے بھی اُنکا مقابلہ کرنیکے بالکل ناقابل ہے۔ بڑے بڑے بازاروں اور عام مجمعوں کی جگہوں میں عین دن کے وقت کسبیوں کی بڑی بڑی تعداد موجود رہتی ہے اور رات کے وقت تو گویا راستے اُن سے بند ہی ہوتے ہیں" نہ ہی دوسرے بلاد یورپ میں قانون کی کچھ پروا کی جاتی ہے۔ فرق اسقدر ہے کہ یہاں کھلم کھلا کسبیاں پھرتی ہیں وہاں ظاہر بدکاری اتنی نظر نہیں آتی مگر چکلوں کی تعداد بہت ہی زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ "ہر جگہ پولیس اس امر کی شاکی ہے کہ پوشیدہ طور پر کسبیوں کا پیشہ اسقدر ترقی پکڑ گیا ہے جسکو وہ کسی طرح ضبط کے نیچے نہیں لاسکتے اور دن بدن جیسے جیسے یہ خفیہ بدکاری بڑھتی جاتی ہے اسی قدر ان کسبیوں کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے جنکے نام سرکاری رجسٹروں میں موجود ہیں" اس کثرت بدکاری کو دیکھکر تمام مدبر حیران بلکہ مایوس ہو رہے ہیں۔ چنانچہ انسکلوپیڈیا میں اخیر پر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ "کوئی ایسے واقعات موجود نہیں جنکی بنا پر مغربی ممالک کی بدکاری کا مقابلہ دوسرے ممالک سے یا پہلے زمانوں سے ہو سکے لیکن وہ ناقابل ذکر واقعات جو ہمیشہ پولیس کے علم میں آتے رہتے ہیں اس بات کو ایسا یقینی طور پر ثابت کرتے ہیں جس میں شک کی کچھ بھی گنجائش نہیں۔ کہ موجودہ تہذیب کے بڑے بڑے مرکز اپنی بدکاری میں ان مشہور بدکاری

کے مرکزوں یعنی کارتھج یا روما یا قدیم مصر یا موجودہ چین سے کسی طرح کم نہیں۔ وہ پرانی بدکاری کے نقشے جو کھنڈرات سے نکلتے ہیں اور عجائب گھروں میں رکھے جاتے ہیں اُنسے کئی درجہ بڑھ کر وہ بدکاری کی تصویریں ہیں جو آج پیرس یا اسٹرڈم میں کھینچی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بدکاری کی خطرناک ترقی صرف عارضی ہو مگر یہ وہی صورت ہے جس نے پہلے بھی بڑی بڑی قوموں کو تباہ کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کسبیوں کا پیشہ دن بدن خطرناک ترقی کرتا جاتا ہے۔ اس ترقی کا اثر ابھی سے اعلیٰ درجہ کی تہذیب یافتہ مغربی اقوام پر پڑنا شروع ہو گیا ہے کیونکہ نکاحوں اور پیدائشوں کی تعداد دن بدن گھٹ رہی ہے۔"

یورپ میں سیہ کاری کی یہ خطرناک تصویر صرف عیسائیت کی ناجائز تعریف کا جواب ہی نہیں بلکہ پادری سیلؔ نے جو بہتان آمیز حملہ اسلام پر کیا ہے اُسکا بھی جواب ہے۔ پادری صاحب یا تو عیسائیت کی تعلیم پر حصر کریں اور یا عیسائی صاحبان کے عمل پر۔ مگر یہ نہ کریں کہ جہاں مطلب کی بات ہوئی وہی پہلو اختیار کر لیا۔ تعدد ازدواج اور لونڈیوں کے متعلق تو آپ جھٹ سے عیسائی اقوام کا عمل دکھا دیتے ہیں اور رنڈی بازی اور زناکاری کے متعلق عیسائیت کی تعلیم پیش کر دیتے ہیں یہ انصاف اور ایمانداری نہیں کہ ایک پہلو جو چاہیں اختیار کر لیں۔ اگر وہ کسبیوں اور زناکاری کے ذکر کے وقت عیسائیوں کے عمل سے بیزاری ظاہر کر کے عیسائیت کی اصل تعلیم کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں تو تعدد ازدواج اور لونڈیوں کے احکام کے ذکر کے وقت بھی اپنی بحث کا انحصار مذہب عیسوی کی تعلیم پر ہی رکھیں۔ جسکے رُو سے انہیں ماننا پڑے گا کہ حضرت مسیح کے مُنہ سے جو وہی اصل عیسائی تعلیم ہے ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلا جس میں تعدد ازواج کی ممانعت ہو یا یہودیوں کے اس رواج کا انکار ہو جو لونڈیوں کے متعلق انکے درمیان پشتوں سے چلا آتا تھا۔ پادری صاحب ایمان سے بتاویں کہ کیا یہ چالبازی نہیں کہ جدھر سے مطلب نکلتا دیکھا ادھر کا پہلو ہی بدل لیا؟ اب اصل بات یہ ہے کہ بدکاری اور رنڈی بازی کی ترقی تعدد ازواج کی ممانعت سے ہی شروع ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر یہ سچی بات ہے کہ ابتدائی عیسائی سوسائٹی میں کسبیاں ہوتی نہیں تو اُس سے بھی بڑھکر یہ امر حق ہے کہ اس ابتدائی سوسائٹی میں تعدد ازواج کی بھی ممانعت نہ تھی بلکہ اسپر عمل بھی ہوتا تھا۔ پھر جوں جوں تعدد ازواج کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا ویسے ہی بدکاری ترقی کرنے لگی عیسائی صاحبان عموماً یہ بھی کہدیا کرتے ہیں کہ کسبیوں کی پیدا ہونے اور ترقی کی وجہ افلاس ہے مگر یہ بات بالکل غلط ہی کیا سب سے بڑھکر افلاس یورپین اقوام کے اندر ہی آگیا؟ جوان میں کسبیوں کی خطرناک ترقی ہو گئی۔ اور پھر کیا دن بدن افلاس بڑھ رہا ہے جو یہ بدی ترقی کر رہی ہے؟ یہ بات ہرگز نہیں چنانچہ انسکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ "بڑی بڑی اقوام کے اندر کسبیوں کا وجود انسانی

سوسائٹی سے غیر منفک ہے۔ موجودہ تہذیب کے تمدنی اور انتظامی ذرائع میں سے کوئی بھی ایسا ذریعہ ثابت نہیں ہُوا جو اسکو روک سکے کیونکہ وہ اصلی قوانین جنکی وجہ سے یہ بدکاری پھیل رہی ہے ان انسانی تجویز کردہ قواعد سے جو اخلاقی تعلیم یا فرضی معیار (یعنی پاکیزگی کے معیار) یا مجالس واضع قوانین تجویز کرتی ہیں بہت زیادہ زبردست ہیں۔ اور جب کبھی اس بدکاری کے روکنے کی کوشش کیجاتی ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اور راہ سے پھوٹ نکلتی ہے اصل بات میں کوئی فرق نہیں آتا صرف وہ واقعات ایک وقت کے لئے کوئی اور پہلو اختیار کر لیتے ہیں۔ غرضیکہ باوجود سب قسم کے علاجوں کے یہ بیماری دور نہیں ہوئی اور اگرچہ اسکا وجود قومی قوّت کے ساتھ بھی رہ سکتا ہے مگر اسکا حد سے زیادہ بڑھ جانا اس بات کی علامت ہے کہ تہذیب کو اندر سے کیڑا لگا ہُوا ہے اور وہ تنزل کی حالت میں ہے" یہ بات کہ ہر ایک قوم کے درمیان کسبیوں کے وجود کا ہونا ضروری ہے بغیر استثناء کے صحیح نہیں اور میں وہ واقعات دکھا سکتا ہوں جنکی بناپر میں یہ کہتا ہوں۔ بلکہ اگر عام نظر سے بھی اس دعوے کو دیکھا جائے کہ یہ ایسی بیماری ہے جسکا کوئی علاج ہی نہیں تو اسکا باطل ہونا اظہر من الشمس ہے۔ ایسا اعتقاد رکھکر کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی بدکاری کا کوئی علاج ہی پیدا نہیں کیا ہم اُسکی طاقت اور قدرت اور احسانوں کا انکار کرنیوالے ہوں گے۔ کیا ہی پاک لفظ ہیں جو اُس پاک انسان کے مُنہ سے نکلے جس نے اللہ تعالیٰ کے حُسن واحسان کو سب سے بڑھکر دیکھ لیا تھا ما من داءٍ الا ولہ دواءٌ یعنی کوئی ایسی بیماری نہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے دوا پیدا نہ کی ہو۔ بیماریوں میں نہ صرف جسمانی بیماریاں ہی شامل ہیں بلکہ یہ لفظ اخلاقی اور روحانی امراض پر بھی حاوی ہے۔ اور یہ صرف لفظ ہی لفظ نہ تھے بلکہ آپ نے اپنے اس دعوٰی کی سچائی کو ثابت کرکے دکھا دیا اس طرح پر کہ وہ بدکاریاں اور روحانی اور اخلاقی بیماریاں جو عربوں کا گویا جزو خون بن چکی تھیں کیونکہ پشتوں سے وہ انکے عادی چلے آتے تھے ان تمام کو آپ نے جڑ سے اکھاڑ کر جزیرہ نماء عرب کو بالکل انسے پاک کر دیا۔ ایک قمار باز کا قمار بازی سے روکنا یا ایک شراب خور کو شراب سے باز رکھنا یا ایک زانی کو زنا سے چھڑا دینا کسقدر مشکل کام ہے مگر اس انسان کامل کی توجہ نے شرابخوری زناکاری اور قمار بازی جیسی بدیوں کو نیست و نابود کرکے دکھا دیا اور نہ صرف اپنے صحابہ میں سے ہی انکو دُور کیا بلکہ ایک دراز زمانہ تک مسلمان سوسائٹی کو اُنسے پاک کر دیا۔ پس اسلامی سوسائٹی وہ سوسائٹی ہے جو ایک دراز عرصہ تک کسبیوں کی موجودگی سے بالکل پاک رہی حالانکہ ایک بڑی بھاری قوم اور اس زمانے میں اعلیٰ درجہ کی تہذیب یافتہ قوم تھی۔ اور اسلامی علاج ہی وہ علاج ہے جو اس بدی کو دُور کر سکتا ہے جسکے دُور کرنے میں تمام انسانی کوششیں

ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ کاش کہ عیسائی صاحبان میں سے کوئی ایسے وسیع خیال کے انسان بھی ہوں جو
تعصب مذہبی کے تنگ دائرہ سے نکل کر ان امور پر غور کریں کہ آیا یہ حق نہیں؟

لونڈیوں سے نکاح جسکو عموماً لونڈیوں کو گھر میں ڈال لینے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے نکاح
کی ایک خاص صورت تھی جو اُس وقت کی سوسائٹی میں بلحاظ غلامی کے رواج کے بعض اوقات
ضروری ہوتا تھا جیسا کہ پہلے حصص مضمون غلامی میں دکھایا جا چکا ہے اسلام کا منشا تدریجی طور پر
غلاموں کے آزاد کرنیکا تھا۔ اور اسکی تعلیم کا میلان آخرکار غلامی کے قطعاً دُور کرنیکا تھا۔ اگر
مسلمان سوسائٹی کے بعد کے حالات نے اس میلان کو ترقی نہ کرنے دی تو یہ اعتراض اصول
اسلام پر نہیں۔ ایک امر بیشک صاف ہے کہ چونکہ اس زمانے میں شریعت اسلام کے رُو سے
غلام لونڈیاں بنائے نہیں جا سکتے۔ اور خرید و فروخت کے ذریعہ یا زبردستی پکڑ کر غلام بنا لینے
کے رواج کی شریعت اسلامی مانع ہے۔ اس لئے موجودہ رسم لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کی
بھی شریعت کے رُو سے درست نہیں کیونکہ شرعی معنوں میں وہ لونڈیاں لونڈیاں ہی نہیں۔
یہ امر کہ لونڈیوں کے متعلق شریعت اسلامی کا کیا حکم تھا اور وہ موجودہ رواج سے الگ تھا یا نہیں
میں ابھی دکھاؤنگا مگر اسجگہ میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ رواج لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کا
جو آجکل بعض اسلامی ممالک میں درست سمجھا گیا ہے اگرچہ واقعی نکاح کی رسم ادا نہ بھی ہو تو
بھی نکاح کی ہی ایک صورت ہے اور کسبیوں کی حالت یا زنا ہی ایسا ہی الگ ہے جیسا کہ خود رواج نکاح۔
پادری سیل صاحب نے اس رواج کو کسبیوں کے پیشہ کے برابر ٹھہرایا ہے اور اگر اُس نے عمداً حق کو
نہیں چھپایا تو کم از کم اس میں سخت غلطی کھائی ہے۔ کسبیاں وہ عورتیں ہیں جنکا پیشہ یہ ہے کہ جو شخص
کچھ معاوضہ انہیں دیدے اسی سے ارتکاب زنا کریں۔ مگر لونڈی کو گھر میں ڈال لینے سے یہ منشا ہے
کہ آقا اسکو بطور بی بی کے رکھے بلحاظ حیثیت کے نہیں بلکہ بلحاظ تعلقات زن و شوہر کے۔ لونڈی اپنے
آقا کی جورو کی طرح ہوتی ہے اور آقا اُس لونڈی کا خاوند ہوتا ہے۔ یہ کسقدر بیحیائی ہے کہ ایسی لونڈیوں کو
کسبیاں کہا جائے کیا وہ بازار میں بیٹھتی ہے یا سوائے اپنے آقا کے جو اُسکا خاوند ہوتا ہے کسی اور
سے ہمبستری کرتی ہے یا کسی سے کچھ معاوضہ لیتی ہے۔ پھر یہ کسقدر جرأت ہے کہ ایک ایسی رواج کو
جو بعینہ نکاح کے مطابق ہے خواہ اس میں رسم نکاح ادا نہ بھی ہوئی ہو کسبیوں کے پیشہ کے برابر بنایا
جاوے۔ نہ ہی اس طرح لونڈی کو گھر میں ڈال لینے کو زنا ہی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ایک شخص جو مثلاً ایک
بیوی کے ہوتے ہوئے ایک لونڈی کو گھر میں ڈال لیتا ہے وہ گویا دو بیویاں رکھتا ہے وجہ اسکی یہ ہے

کہ زنا کی اولاد یا کسبیوں کی اولاد اپنے باپ کی کبھی وارث نہیں سمجھی گئی۔ مگر جو رواج لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کا ہی اسکے رُو سے یعنی ان لونڈیوں کی اولاد جو آقا سے پیدا ہوتی ہے وہ آقا کی صحیح اور جائز اولاد سمجھی جاتی ہے اور اُسکی جائز وارث ہوتی ہے بعینہٖ اُسی طرح جس طرح نکاح کی اولاد وارث ہوتی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لونڈی کو بطور بیوی کے گھر میں رکھا گیا ہے۔ ورنہ اُسکی اولاد کو وہ حقوق کیونکر مل سکتے تھے جو ایک بیوی کی اولاد کو ملتے ہیں۔ ایسا ہی ایسی لونڈی کا سوائے اپنے آقا یعنی خاوند کے کسی دوسرے سے ہمبستر ہونا قانوناً زنا سمجھا جاتا ہے پس اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ بطور بیوی کے گھر میں رہتی ہے اگر کوئی فرق ہی تو وہ صرف حیثیت کا ہے کہ وہ آزاد بیوی کے برابر حیثیت نہیں رکھتی۔ پس اگر ایسے تعلقات پر کوئی اعتراض آسکتا ہی تو وہ یہ ہی کہ وہ نکاح کی ایک ادنیٰ صورت ہے جس میں عورت کو برابری کے حقوق نہیں دیئے گئے اور رسم نکاح اس طرز پر ادا نہیں ہوئی جس طرز پر آزاد عورتوں کی رسم نکاح ادا ہوتی ہے۔ مگر زنا یا کسبیوں کے پیشہ کے یہ رواج ایسا ہی مخالف ہے جیساکہ رواج نکاح۔ بلکہ یورپ کے مہذب ممالک میں جو یہ رواج چلا آتا ہے کہ خاوند کا جب جی چاہے تو علاوہ منکوحہ بیوی کے ایک یا دو یا جسقدر چاہے معشوقہ بھی رکھ لے خصوصاً انگلستان میں تو یہ بہت ہی آسان امر ہے کیونکہ صرف زنا قانون انگلستان کے رُو سے نہ فوجداری جرم ہے اور نہ ہی خالی خاوند کے زنا کی وجہ سے بی بی طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ یہ مہذب رواج.... بھی جسکی کوئی حدبندی نہیں زنا کی تعریف میں ہی آتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ اسکی روک کوئی نہیں مگر ایسے تعلقات کی اولاد جائز اولاد نہیں سمجھی جاتی۔ لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کو ان تمام باتوں سے کوئی نسبت نہیں اسکو صرف نکاح کی ایک رواجی صورت کہہ سکتے ہیں جس میں باوجود بعض تفاوتوں کے نکاح کے اغراض حاصل ہیں۔ اس قسم کے رواج ابتک بعض عیسائی ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں خواہ سیلؔ صاحب کو انکا علم نہ ہو یا علم ہو تو وہ عمداً اخفا کرتے ہوں۔ خصوصاً جرمنی میں یہ رواج ابتک موجود ہے۔ ہاں فرق صرف یہ ہے کہ وہاں اگر منکوحہ بیوی کی اولاد موجود ہو تو لونڈی کی اولاد کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں ملتا اور اگر منکوحہ بیوی سے اولاد کوئی نہ ہو تو اس صورت میں لونڈی کی اولاد کو باپ کی جائداد کی ایک تہائی ملتی ہے۔ پس اصولاً لونڈی کو بطور بیوی کے رکھ لینے کا منشا اس سے نکاح کا ہی ہوتا ہے مگر شریعت اسلامی نے کونسا طریق پسند کیا ہے۔ اسکو میں اب بیان کرتا ہوں۔

اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ قرآن شریف اور صحیح احادیث اور سُنّت نے لونڈی کے ساتھ نکاح کے متعلق کیا ہدایات کی ہیں۔ اسلام سے پہلی منجملہ اور بد رسوم کے ایک یہ قبیح رسم بھی مروّج تھی کہ

لونڈیوں سے مجبور کر کے کسبیوں کا پیشہ کرایا جاتا تھا اور اس سے جو مال حاصل ہوتا تھا اسکا فائدہ آقا کو پہنچتا تھا۔ اس بدرسم کا اور پھر اسلام کے ذریعہ اسکے موقوف کئے جانیکا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوٰۃ الدنیا۔ (سورۂ نور) یعنی تمہاری لونڈیاں جو پاکدامن رہنا چاہتی ہیں انکو دنیا کے مال کے فائدہ کے لئے حرامکاری پر مجبور نہ کرو۔ اور صرف اسی اصلاح پر بس نہیں کی بلکہ ساتھ ہی اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا جسکا منشا یہ تھا کہ ہر قسم کی بدکاری کو جڑ سے کاٹ جاوے کہ وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ۔ اور جنکے تم میں سے بیاہ نہیں ہوئے انکے نکاح کر دو اور ایسا ہی اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک بخت ہوں نکاح کر دو۔ یہاں صاف الفاظ میں غلاموں اور لونڈیوں کے آقاؤں کو حکم ہے کہ انکے نکاح کر دیا کریں۔ اگرچہ غلاموں لونڈیوں کا آزاد لوگوں سے الگ تھلگ رکھا گیا تھا مگر ضرورت کے وقت قرآن شریف نے آزاد مرد کو لونڈی سے اور آزاد عورت کو غلام سے نکاح کرنیکی اجازت دیدی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امتیاز کو قرآن شریف نے ایک عارضی امتیاز ٹھہرایا تھا۔ جو صورتیں اسکی قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ اول سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۲۔ رکوع ۲۷۔ ولا تنکحوا المشرکت حتی یومن ولامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان مردوں کو نہیں چاہیئے کہ وہ مشرک عورتوں سے جبتک وہ ایمان نہ لے آئیں نکاح کریں بلکہ شرک کرنیوالی آزاد عورت خواہ کیسی ہی بھلی کیوں نہ لگے اس سے مسلمان لونڈی بہتر ہے اور نہ ہی اپنی آزاد عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں دینا چاہیئے جبتک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور مشرک تم کو کیسا ہی بھلا کیوں نہ لگے اس سے مسلمان غلام بہتر ہے۔ یعنی مشرک عورت سے نکاح کرنیکی نسبت مسلمان لونڈی سے نکاح کر لینا بہتر ہے۔ پس اس آیت کے رو سے آزاد مردوں اور لونڈیوں اور آزاد عورتوں اور غلاموں میں نکاح جائز قرار دیئے گئے۔ دوسرا موقعہ سورۃ النساء آیت ۲۹ و ۳۰ ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنت المؤمنت فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنت واللہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض فانکحوھن باذن اھلھن واتوھن اجورھن بالمعروف محصنت غیر مسفحت ولا متخذت اخدان فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنت من العذاب ذلک لمن خشی العنت منکم وان تصبروا خیر لکم واللہ غفور رحیم ۝

"اور تم میں سے جسکو مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح کرنیکا مقدور نہ ہو تو مسلمان لونڈی سے جو تمہارے

قبضہ میں آچکی ہیں نکاح کرلے اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے (آزاد اور غلام) تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہی ہو پس لونڈی کے اہل کے اذن سے اُنکے ساتھ نکاح کرلو اور دستور کے مطابق انکے مہران کے حوالے کردو بشرطیکہ وہ نکاح کی قید میں ہوکر رہیں نہ کھلی بدکاری کرنیوالی ہوں اور نہ چھپی آشنائی رکھنے والی۔ پھر اگر وہ قید نکاح میں رہنے کے بعد ارتکاب زنا کریں تو انکی سزا آزاد بیاہی عورت کی سزا سے نصف ہے۔ یہ اجازت (لونڈیوں سے نکاح کرنے کی) تم میں سے انکے لئے ہے جسکو اندیشہ ہو کہ (اگر وہ نکاح نہ کریگا تو) کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے گا۔ اور اگر تم صبر کرو تو تمہارے حق میں زیادہ اچھا ہے اور اللہ بڑا حفاظت کرنیوالا اور مہربان ہے"۔ اِن آیات سے کئی باتیں صاف ہوتی ہیں سب سے پہلے تو پادری سیل صاحب کا یہ جھوٹا اعتراض ہی دُور ہوتا ہے کہ اسلام نے لونڈیوں کو کسبیوں کی طرح رکھنے کی اجازت دی۔ یہاں صاف فرما دیا ہے کہ لونڈی قید نکاح میں ہوکر رہے اور نہ کھلی بدکاری بازاری عورتوں کی طرح کرے۔ اور نہ چھپے آشنا رکھے یعنی جیسے بعض عورتیں گھروں میں رہ کر زنا کرتی ہیں۔ دوسرا ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسوقت اور کن شرائط کے ماتحت ایک آزاد مرد ایک لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے۔ اور تیسرا یہ کہ لونڈی اگر خاوند کے سوا کسی دوسرے سے تعلق رکھے گی تو اسکو مرتکب زنا سمجھکر سزا دی جاوے گی۔

جہانتک میں نے اس سوال پر غور کیا ہے قرآن کریم سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آقا کو اختیار تھا کہ جسوقت جس لونڈی سے چاہے صرف اسوجہ سے کہ وہ اسکی مملوکہ ہے وطی کرے۔ یہ ایک غلط نتیجہ ہے جو اس آیت سے نکالا گیا ہے۔ والذین هم لفروجهم حٰفظون الا علیٰ ازواجهم او ما ملکت ایمانهم۔ اس سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ازواج کو ماملکت ایمانہم سے الگ بیان کرنیکا مطلب یہ ہے کہ ماملکت ایمانہم کو بغیر زوجیت میں لانیکے آقا کو انسے وطی کرنا جائز تھا۔ یہ ٹھیک نہیں۔ ازواج اور مملوک یمین کو الگ بیان کرنیکا منشا صرف اس امتیاز کو ظاہر کرنا تھا جو آزاد عورتوں اور لونڈیوں میں رکھا گیا تھا۔ اس امتیاز کی شہادت قرآن کریم سے بھی ملتی ہے کیونکہ عام طور پر یہ اجازت نہیں دیگئی کہ آزاد مرد لونڈیوں سے نکاح کریں بلکہ سخت مجبوری کی حالت میں اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ایک شخص ضرورت نکاح کی بھی رکھتا ہو پھر اسے کوئی آزاد عورت خواہ وہ غریب ہی ہو نہ ملسکتی ہو پھر اسے ڈر بھی ہو کہ اگر نکاح نہ کیا تو بدکاری میں مبتلا ہو جائیگا۔ تب وہ لونڈی سے ہی نکاح کرلے مگر پھر بھی ساتھ فرما دیا ہے کہ صبر کرو تو بہتر ہی ہے۔ پس جب خود قرآن شریف نے آزاد عورتوں اور لونڈیوں کی حیثیت میں اسقدر فرق رکھا ہے اور لونڈی کے ساتھ نکاح کی صرف مجبوری کی حالت میں اجازت دی ہے تو پھر کیا ضروری نہ تھا کہ

لونڈیوں کا ذکر ازواج یعنی آزاد عورتوں سے الگ کیا جاتا۔ لفظ زوج میں جہاں ایک طرف خاوند یا بیوی ہونیکا مفہوم موجود ہی ساتھ ہی ایک برابری کا مفہوم بھی موجود ہے کیونکہ زوج جوڑے کو کہتے ہیں یعنی وہ دونوں چیزیں ایک کسی اور ایکدوسرے کی ہم پلہ ہوں۔ مگر چونکہ لونڈی میں حیثیت کی مساوات خاوند کے ساتھ نہیں پائی جاتی تھی اسواسطے اسکو ازواج سے الگ کرکے بیان کیا۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ الفاظ ما ملکت ایمانہم کا مفہوم صرف لونڈیاں نہیں بلکہ اس میں لونڈیاں اور غلام دونوں داخل ہیں پس یہ تو کہا نہیں جا سکتا کہ ہم ان الفاظ کے مفہوم کی تحدید نہیں کرسکتے کیونکہ ان معنوں میں اسقدر عمومیت ہے کہ تحدید کرنی لازمی ہے پس جب کسی وجہ پر ایک طرحکی تحدید ہوسکتی ہے تو کسی دوسری کافی وجہ پر کوئی اور قید بھی انہی معنوں پر لگ سکتی ہے اور یہ قید کہ وہ مملوکہ عورتیں جنکا یہاں ذکر ہے نکاح میں بھی داخل ہونی چاہیئیں نہ صرف اسی جگہ سے جہاں یہ الفاظ استعمال ہوئے ظاہر ہے بلکہ قرآن شریف کی صریح نص جو دوسری جگہ موجود ہے اس تحدید کو ضروری ٹھہراتی ہے۔

میرا دعویٰ یہ ہے کہ جہاں قرآن شریف نے آزاد مردوں کے لئے ازواج کے علاوہ لونڈیوں کو بھی جائز ٹھہرایا تو اسکا منشاء یہ نہ تھا کہ لونڈیاں بلا نکاح ہی گھروں میں ڈال لی جاویں یا جس کی ملک میں ہوں وہ انسے بلا نکاح وطی کرے بلکہ منشا اس حکم کا یہ تھا کہ آزاد مردوں کو یہ اجازت ہے کہ ضرورت کے وقت لونڈیوں میں سے بھی بیویاں بنالیں یعنی انکو اپنے نکاح میں لے آویں۔ اب اس دعوے کے دلائل میں بیان کرتا ہوں۔

سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف نے خود ہی تمام مومنوں کو صاف اور صریح الفاظ میں یہ حکم دیا کہ وہ اپنے عباد یعنی غلاموں اور اما یعنی لونڈیوں کے نکاح کر دیویں۔ اب یہ دعویٰ کہ قرآن شریف لونڈیوں کے آقاؤں کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ انکے ساتھ صرف انکے مملوکہ ہونیکی وجہ سے وطی کر لیا کریں پہلے حکم کے خلاف ہے۔ اگر یہ اجازت تھی تو پھر انکے نکاحوں کے حکم دینے کی کیا ضرورت تھی یہ دونوں باتیں خود ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں کہ ایک طرف آقا کو کہا جائے کہ تم اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے سے کر دو اور دوسری طرف اسے کہا جائے کہ تم بلا نکاح خود اس سے وطی کر لیا کرو۔ اگر لونڈی کے محض مملوکہ ہونیکی وجہ سے آقا کو اس کے ساتھ وطی کا حق پیدا ہو جاتا تھا اور ملک ہی قائمقام نکاح تھی تو پھر نکاح کا حکم کیوں دیا کیونکہ جب ایک ایسی صورت موجود ہے کہ ایک مرد اور عورت میں میاں بیوی کا تعلق موجود ہے تو پھر اس تعلق کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ تم اس لونڈی کا نکاح کہیں اور کر دو خلاف عقل ہے۔ مگر چونکہ سورۃ نور نے قطعی طور پر آقا کو اپنی لونڈیوں کے نکاح کر دینے کا حکم صاف الفاظ میں دیا ہے پس اس حکم کے ہوتے ہوئے وہی کتاب یہ اجازت نہ دیسکتی تھی کہ آقا خود بھی بلا نکاح اسے بطور منکوحہ کے استعمال کرے۔

پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک آقا اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے مرد یا غلام ہی کر دیوے تو

کیا پھر بھی ملکِ یمین کے حق سے اس لونڈی کے ساتھ وہ وطی کر سکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب نفی ہے۔ یعنی ایسا حق اسکو ہرگز نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اگر اسکا جواب نفی میں دیا جاوے تو ساتھ ہی اس دعوے کی بھی نفی ہو جائیگی کہ ملک یمین سے وطی کا حق آقا کو حاصل ہو جاتا تھا کیونکہ ملک یمین تو باوجود نکاح کے ویسی کی ویسی موجود ہے۔ اور اگر ملک یمین سے بدون کسی اور شرط کے وطی جائز تھی تو پھر مذکورہ بالا سوال کا جواب بھی ہاں ہو گا مگر قرآن شریف اس جواب کی تردید کرتا ہے جس سے ثابت ہُوا کہ قرآن شریف محض ملک یمین سے وطی کی بھی تردید کرتا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ الفاظ ما ملکت ایمانہم کو محض مملوکہ کے عام اور وسیع معنوں میں نہیں لے سکتے بلکہ اوّل تو اس سے مراد مملوکہ عورتیں ہیں اور پھر انہیں سے وہ عورتیں جنکو بطور بیویوں کے نکاح میں لایا گیا ہے اس طریق پر جو سورۂ نساء آیت ۲۹ و ۳۰ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں ان آیات میں لونڈیوں سے نکاح کا صاف الفاظ میں حکم دیا ہے وہاں بھی وہی الفاظ ما ملکت ایمانکم ہی استعمال کئے ہیں اب یہ بات ظاہر ہے کہ لونڈیاں جنسے نکاح کیا گیا ہے وہ بھی ما ملکت ایمانکم میں ہی داخل ہیں پس ہمیں ماننا پڑیگا کہ اس آیت والذین ھم لفروجھم حافظون الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم میں منکوحہ لونڈیاں جنکے ساتھ حسب ارشاد آیت سورۂ نساء نکاح کئے گئے ہیں اور ایسا ہی دوسری منکوحہ لونڈیاں نیز الفاظ ما ملکت ایمانھم داخل ہیں۔ کیونکہ نکاح سے وہ مملوک ہونیسے نہیں نکل گئیں۔ پس جس صورت میں کم از کم ما ملکت ایمانھم میں منکوحہ لونڈیاں بھی داخل ہیں تو یہ مفہوم ان الفاظ سے نہیں نکالا جا سکتا کہ یہ صرف وہی لونڈیاں ہیں جنسے ملک یمین سے وطی کیجاوے اور ملک یمین کی شرط مفقود ہو گئی۔ علاوہ ازیں جب قرآن کریم نے اسبات کی تصریح کر دی کہ کن صورتوں میں آزاد مرد لونڈیوں سے نکاح کر سکتا ہے تو یہ خیال کرنا کہ اسکے علاوہ کوئی اور قانون بھی ہے جسکا قرآن شریف میں ذکر نہیں غلطی ہے۔ ان آیات میں ومن لم یستطع منکم طولاً میں کُل آزاد مرد داخل ہیں۔ اور کوئی استثناء نہیں کہ جسکے ہاں لونڈی اپنی ملک کی موجود ہو وہ نکاح نہ کیا کرے۔

اسی کی شہادت قرآن کریم کے دیگر مقامات سے ملتی ہے۔ سورۂ احزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے متعلق فرماتا ہے۔ قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم و ما ملکت ایمانھم اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج اور ما ملکت ایمانہم کے معاملہ میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مقرر فرمایا ہے اسکا ذکر قرآن شریف میں کسی جگہ کیا بھی گیا ہے۔ سو یہ ذکر سوائے سورۂ نساء کی ان آیات کے جو اوپر لکھی گئی ہیں اور کسی جگہ موجود نہیں یہی ایک

مقام ہے جہاں مفصل یہ بیان فرمایا ہے کہ کن حالات میں لونڈیوں سے نکاح کرنا چاہیئے اور کس طرح انکا مہر ادا کرنا چاہیئے۔ پس سورہ احزاب میں جو اشارہ ہے وہ انہیں آیات کی طرف ہے۔ اس کے سوائے دوسری آیات میں تمام اس کے ذکر نہیں کہ مومنوں کو ازواج اور ماملکت ایمان کے سوائے اپنے فروج کے حفاظت کرنی چاہیئے۔ سوائے مقامات پر ازواج یا ماملکت ایمان کے بارہ میں کچھ بیان نہیں کیا۔ یہ بیان ازواج کے متعلق تو قرآن شریف کے مختلف مقامات میں ہے مگر مملوکوں کے بارہ میں سوائے سورہ نسار کی ۲۹ اور ۳۰ آیت کے اور کسی جگہ نہیں پس قرآن شریف نے خود یہ تصریح فرمادی ہے کہ ماملکت ایمانھم کے بارہ میں جو کچھ قرآن شریف میں دوسری جگہ فرض کر دیا گیا ہے اسکے سوا اور اسکا کچھ منشا نہیں۔

ایک موقعہ اور بھی قابل ذکر ہے۔ سورۂ نسار کی ابتدائی آیتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمٰی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنٰی وثلٰث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ماملکت ایمانکم۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارہ میں جنکو تم اپنے نکاح میں لاؤ) انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو (دوسری) عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگیں دو دو تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو لیکن اگر تم کو اندیشہ ہو کہ کئی بیویوں میں عدل نہ کر سکو گے تو پھر (نکاح کرو) ایک ہی بی بی سے یا اس سے جسکے تمہارے دہنے ہاتھ مالک ہو چکے۔ اب اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ واحدۃ اور ماملکت ایمانکم دونوں فعل جسقدر انکحوا کے نیچے ہیں۔ دوسرا کوئی فعل اس آیت میں یا اس سے پہلی آیتوں میں ایسا نہیں جسکے متعلق انکو کر سکیں۔ کم از کم اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ واحدۃ اور ماملکت ایمانکم ایک ہی حالت میں ہیں اگر ایک ہی بی بی بغیر نکاح کے آدمی کے لیئے درست نہیں ہو سکتی تو ماملکت ایمانکم بھی بغیر نکاح کے درست نہیں ہو سکتی پس یہ آیت بھی لونڈیوں سے نکاح پر قطعی دلالت کرتی ہے۔ مگر اس جگہ بھی وہ احکام بیان نہیں ہوئے جنکا اشارہ سورہ احزاب میں پایا جاتا ہے بلکہ تفصیل احکام کے لیئے ہمیں انہیں آیتوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جو ومن لم یستطع سے شروع ہوتی ہیں

اس طرح پر کم از کم چار موقعہ قرآن کریم میں ایسے موجود ہیں جن میں بڑی صفائی اور وضاحت سے لونڈیوں کے نکاح کا حکم یا بیان ہے۔ یعنی سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۲ جس میں یہ ارشاد ہے کہ نکاح کرنے کے وقت آزاد مشرکہ پر مسلمان لونڈی کو ترجیح دیجاوے۔ سورۂ نور کی ۳۲ ویں آیت جس میں صاف حکم ہے کہ اپنے غلام اور لونڈیوں کے نکاح کر دیا کرو۔ سورۂ نسار کی تیسری آیت جس میں لونڈیوں سے نکاح کرنیکی اجازت ہے اور اسی سورۃ کی انتیسویں اور تیسویں آیتیں جن میں وہ حالات بیان کئے گئے ہیں

جسکے ماتحت ایک آزاد مسلم مسلمہ لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور صرف دو موقعہ ایسے ہیں جن میں قرآن شریف نے سوائے ازواج اور ماملکت ایمان کے دوسری عورتوں سے منع کیا ہے۔ جس سے ملک یمین نکالی جاتی ہے۔ مگر مَیں یہ دکھا چکا ہوں کہ اس جگہ مقصود صرف آزاد عورتوں اور لونڈیوں کا مقابلہ ہے۔ اور الفاظ ماملکت ایمانکم کے وسیع معنی نہیں لئے جاسکتے بلکہ انپر بعض قیود لگانی پڑتی ہیں۔ مثلاً ایک طرف جب قرآن شریف ہی حکم دیتا ہے کہ اپنی لونڈیوں کے نکاح کر دیا کرو تو کم از کم ایسی منکوحہ لونڈیوں کے ساتھ ملک یمین سے وطی جائز ہو سکتی تھی۔ بلکہ پھر یہ فعل زنا کی تعریف میں آئیگا۔ ایسے ہی یہ قید بھی ضروری ہے کہ وہ لونڈیاں بغیر نکاح کے تصرف میں نہ لائی جاویں کیونکہ اسکا ذکر سورۂ نسار کی آیت ۲۹ و ۳۰ میں بالصراحت موجود ہے۔ اور علاوہ ازیں ازواجکا مقابلہ مملوک سے خود انہی معنوں کو چاہتا ہے۔ گویا مقصود ان مقامات پر صرف اسقدر بیان کرنیکا ہے۔ کہ لونڈیوں کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے۔ کن صورتوں میں جائز ہے اسکا پتہ دوسرے مقام سے ملتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات خود ظاہر ہے کہ جہاں مرد و عورت کے تعلق کا ذکر ہے وہاں نکاح کا مفہوم خود ضروری ہے۔ اسکی مَیں دو مثالیں دیتا ہوں سورہ نسار میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمی۔ اس جگہ لفظ تو صرف یتامیٰ بولا۔ مگر مراد اس سے ہر قسم کے یتیم نہیں بلکہ یتیم لڑکیاں اور ان میں بھی وہ جو باوجود ولی ہونیکے نکاح میں لائی جاویں درصل یہ موقعہ ماملکت ایمانھم سے خوب مطابقت کھاتا ہے۔ یہاں صرف یتامیٰ کا ذکر کرکے مراد لیا ہے یتیم لڑکیاں جو نکاح میں لائی جاویں وہاں صرف مملوک کا ذکر کرکے مراد لیا ہے مملوکہ عورتیں جو نکاح میں لائی جاویں اگر کسی کو ایک جگہ ایسے معنے لینے میں اعتراض ہے تو دوسری جگہ کیوں نہیں۔ دوسرا موقعہ سورۂ احزاب کی آیت ہے یاایھا النبی انا احللنا لک ازواجک التی اتیت اجورھن وماملکت یمینک مما افاء اللہ علیک وبنت عمک وبنت عمتک وبنت خالک وبنت خلتک التی ھاجرن معک۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال کی گئی ہیں۔ اوّل آپکی ازواج جنکے آپ مہر دے چکے ہیں۔ دوئم۔ مملوکہ یمین جو خدا نے آپ کو دی ہیں۔ سوئم۔ چچا اور پھوپھیوں اور ماموں اور خالاؤں کی بیٹیاں۔ اب اگر مملوکہ یمین بغیر ازواج کے داخل ہونیکے حلال ہوتیں تو پھر چاہیئے کہ قسم سوئم کی عورتیں یعنی چچا وغیرہ کی بیٹیاں بھی بغیر ازواج میں داخل ہونیکے حلال ہوتیں۔ پس ایک تو اس آیت سے یہ معلوم ہُوا کہ بلکت یمین والی عورتیں بھی آپکے لئے اُسی صورت میں حلال تھیں کہ آپ انسے نکاح کرتے۔ جیساکہ چچا وغیرہ کی بیٹیاں بھی نکاح کرنے کے بعد ہی حلال تھیں اور دوسرا یہ ثابت ہُوا کہ اسی قسم کی آیت جو الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم ہے

وہاں بھی ملک یمین والی عورتیں ازواج کی طرح ہی نکاح میں آنی چاہئیں۔ میں نہیں سمجھتا اس سے بڑھکر صریح شہادت اس امر کی اور کیا ہو سکتی ہے کہ لونڈیوں کے ساتھ نکاح ضروری تھا خواہ وہ اپنی لونڈی ہو یا دوسرے کی۔

یہ تو قرآن شریف کی شہادت ہے اور اس سے بڑھکر معتبر شہادت اور کوئی پیش نہیں ہو سکتی مگر دو ذرائع شہادت کے اور بھی ہیں جو قرآن کریم کے مؤید ہیں۔ یعنی حدیث اور سنت یا عمل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کبار رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے حدیث میں میں سب سے زیادہ معتبر کتاب بخاری کو لیتا ہوں کہ اس میں اس امر کے متعلق کونسی حدیثیں آئی ہیں کوئی حدیث اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں ایسی نہیں ملتی جس میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ صرف ملک یمین سے اور بغیر نکاح کے لونڈی سے وطی کرنا جائز ہے۔ بلکہ ایک ہی حدیث جو اس امر کے متعلق ملتی ہے اس سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔ یہ حدیث امام بخاری علیہ السلام نے دو جگہ دو مختلف روایتوں سے بیان کی ہے۔ ایک غلاموں کی آزادی کے باب میں۔ اور دوسری جگہ نکاح کے باب میں۔ پہلے موقعہ پر جس طرح یہ حدیث آئی ہے اسکو میں اپنے موقعہ پر گذشتہ مضامین میں بیان کر چکا ہوں۔ دوسرے موقعہ پر یہ حدیث اس طرح پر آئی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل کانت عندہ ولیدۃ فعلمها فاحسن تعلیمها و ادبها فاحسن تادیبها ثم اعتقها و تزوجها فلہ اجران و ایما رجل من اھل الکتاب آمن بنبیہ و آمن بی فلہ اجران و ایما مملوک ادی حق موالیہ و حق ربہ فلہ اجران۔ ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اُسے تعلیم دے اور نہایت عمدہ تعلیم دے اور اسکو اخلاق سکھائے اور نہائت عمدہ اخلاق سکھائے پھر اسکو آزاد کرے اور پھر اس سے نکاح کرے تو اسکو دوہرا اجر ملیگا۔ اور جو شخص اہل کتاب میں سے اپنے نبی پر ایمان لائے اور مجھ پر بھی ایمان لائے تو اس کو دوہرا اجر ملیگا۔ اور جو غلام اپنے آقا کا حق ادا کرے اور اپنے رب کا حق بھی ادا کرے تو اس کو دوہرا اجر ملیگا۔ اب ان الفاظ سے یہ مطلب نہیں کہ جو شخص ان باتوں کی خلاف ورزی کرے اسکو بھی ایک اجر ضرور ملیگا۔ مثلاً اہل کتاب میں سے جو شخص اپنے نبی پر ایمان لاتا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا وہ نافرمان ہے اور غلام جو اپنے آقا کے احکام کی فرمانبرداری کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری نہیں کرتا وہ بھی بے فرمان ہے۔ اسیطرح جو شخص لونڈی کو بغیر تعلیم دینے اور آزاد کرنیکے اور بغیر نکاح کرنیکے وطی کرتا ہے وہ بھی نافرمان ہے۔

تینوں صورتیں ایک سی ہی ہیں۔ گویا انہیں صرف ترغیب ہی نہیں بلکہ حکم ہے کہ ہر ایک آدمی کو ایسا ہی کرنا چاہیئے دوہرا اجر اسواسطے کہا کہ دو کام نیکی کے ایسے شخص نے کئے۔ لونڈی کو تعلیم بھی دی اور اسے آزاد کرکے اس سے نکاح بھی کیا۔ اہل کتاب اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور نبی آخرالزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی ایمان لایا غلام نے اپنے آقا کا حکم بھی مانا اور خدا وند تعالیٰ کے احکام کو بھی بجا لایا۔ اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسقدر تاکید کرتے ہیں کہ اگر ایک شخص کی اپنی لونڈی ہو تو اُسے چاہیئے کہ اُسے تعلیم بھی اعلیٰ درجہ کی دے آزاد بھی کرے اور پھر اس سے نکاح بھی کرے۔

ایک اور حدیث جسے امام بخاری علیہ السلام نے باب نکاح میں ہی بیان کیا ہے اس مضمون پر روشنی ڈالتی ہے عن انس رضی اللہ عنہ قال اقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین خیبر والمدینۃ ثلثا یبنی علیہ بصفیۃ بنت حیی فدعوت المسلمین الی ولیمتہ فما کان فیھا من خبز ولا لحم امر بالانطاع فالقی فیھا من التمر والاقط والسمن فکانت ولیمتہ فقال المسلمون احدی امھات المؤمنین او مما ملکت یمینہ فقالوا ان حجبھا فھی من امھات المؤمنین وان لم یحجبھا فھی مما ملکت یمینہ فلما ارتحل وطی لہ خلفہ ومد الحجاب بینھا وبین الناس۔ یعنی انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر اور مدینہ کے درمیان تین دن ٹھہرے جہاں صفیہ بنت حیی بطور عروس کے آپکے پاس لائی گئی۔ پھر میں نے مسلمانوں کو آپکے ولیمہ کے لئے دعوت کی اور اس میں روٹی اور گوشت نہیں تھا۔ پھر دستر خوان بچھائے گئے اور انہیں کھجوریں اور پنیر اور گھی ڈالا گیا سو یہ آپ کا ولیمہ تھا۔ پھر مسلمانوں نے آپس میں کہا کہ آیا امہات المؤمنین میں سے ایک ہونگی یا ماملکت یمینہ میں سے یعنی لونڈیوں میں سے۔ آخر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر آپ انکو پردہ میں رکھیں تو انہیں امہات المومنین میں سے سمجھنا چاہیئے اور اگر پردہ نہ رکھیں تو ماملکت یمینہ میں سے ہونگی پس جب آپنے کوچ کیا تو اپنے پیچھے صفیہ رضی اللہ عنہا کو بٹھایا اور انکے اور اور لوگوں کے درمیان پردہ ڈال دیا۔

اس حدیث سے بہت سے ضروری نتائج پیدا ہوتے ہیں پہلا نتیجہ جسکو مضمون زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں یہ ہے کہ یہودیوں کو فتح کرنے کے بعد بھی آپ اپنے صحابہ کی دعوت میں گوشت اور روٹی نہیں دے سکتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسقدر جھوٹ ہے جو کہا جاتا ہے کہ آپ کی جنگیں لوٹ کی خاطر تھیں۔ یہودیوں کی قوم ہو جو دنیا میں ہر جگہ اپنی دولتمندی کے لئے مشہور رہے ہیں اور جو مدت تک عیسائی بادشاہوں کے ہاتھوں سے سخت ظلم اُٹھاتے رہے محض روپے کی خاطر۔ اور انکو فتح کرنے کے بعد بھی آپ کی اور آپکے صحابہ کی یہ حالت ہو

پس یہ کسقدر ظلم ہے جو کہا جاتا ہے کہ لوٹ کی خاطر سب کچھ کرتے تھے؟ مگر اس بحث سے اسجگہ ہمیں کوئی تعلق نہیں مضمون زیر بحث کے متعلق جو نتیجہ اس سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ازواج اور ما ملکت ایمان یعنی بیویوں اور لونڈیوں میں سوائے حجاب کے اور کوئی فرق نہ تھا۔ کیونکہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ نکاح بھی ہو چکا اور ولیمہ بھی ہو چکا تھا اور ابھی مسلمان متذبذب تھے کہ آیا انہیں آپ کی بیوی قرار دیں یا لونڈی۔ اور آخر حجاب پر فیصلہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ بیوی اور لونڈی میں سوائے حجاب کے اور کوئی فرق نہ تھا۔ نکاح وغیرہ کے مراسم اور باقی سب امور میں دونوں یکساں تھیں حضرت صفیہ جنگ میں بطور قیدی کے آئی تھیں اور آپ نے انسے نکاح بھی کیا اور ولیمہ بھی ہو گیا مگر انہیں سے کوئی بات ایسی ممیز نہ تھی جس سے یہ فیصلہ ہو جاتا کہ وہ ام المومنین ہیں یا مملوکہ۔ فیصلہ کن امر صرف یہ تھا کہ حجاب میں رکھتے ہیں یا نہیں اس سے ساری مشکلات حل ہو جاتی ہیں کیونکہ اصل تمیز حرہ اور مملوکہ میں نکاح کی نہ تھی بلکہ حجاب کی تھی۔ اور یہ قرآن شریف کے بھی مطابق ہے کیونکہ قرآن شریف نے بھی اور کوئی فرق حرہ اور مملوکہ میں قرار نہیں دیا سوائے اس کے کہ مملوکہ کا مرتبہ حرہ کے برابر نہ تھا اور اسی لئے وہ پردہ میں نہ رکھی جاتی تھی ورنہ نکاح ایسا ہی ضروری تھا جیسا حرہ کی صورت میں۔

ایک اور حدیث سے جو وہ بھی بخاری میں مذکور ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح سے پہلے صفیہ آزاد بھی کر دی گئی تھیں۔ اس کے بعد بھی صحابہ کی متذبذب ہونیسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود آزاد کر کے نکاح کرنے کے بھی ایک عورت ما ملکت ایمان میں داخل ہو سکتی تھی۔ اور صحیح اور ممیز فرق حرہ اور مملوکہ میں سوائے حجاب کے کچھ نہ تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس سے پہلی حدیث کا منشاء ہے کہ مالک کو حکم تھا کہ اگر وہ خود لونڈی سے نکاح کرنا چاہے تو اسکو آزاد کرنیکے بغیر نہ کرے یہی وہ طریق تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صفیہؓ کے نکاح میں ملحوظ رکھا۔ ان صحیح اور یقینی احادیث کے خلاف جنکی قرآن شریف سے بھی تائید ہوتی ہے اگر کوئی کم پایہ کی ایسی حدیث بھی ہو جس میں کوئی ایسا واقعہ مروی ہو کہ کسی شخص نے ملک یمین سے وطی کی تو ایسے بلا تائید بیان کی ہم تصدیق نہیں کر سکتے کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اسکی تردید کرتے ہیں۔

تیسرا ذریعہ شہادت کا امر زیر بحث کے متعلق رسول اللہ علیہ وسلم کا اپنا طریق عمل ہے۔ کیونکہ ملکت یمین جیسی مومنوں کے لئے جائز تھی ویسی ہی آپ کے لئے بھی جائز تھی۔ اس امر کو بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ ملکت یمین والی عورتوں میں سے جویریہ اور صفیہ آپ کے پاس تھیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ ان دونوں کو آپ نے آزاد کر کے انکے ساتھ نکاح کیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ دونوں آپ کے ملک یمین میں آ چکی تھیں کیونکہ سراری میں تھیں پھر آپکو کیا ضرورت تھی کہ انکو آزاد کرتے اور پھر انسے نکاح کرتے۔ آپ کے اس عمل سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا منشاء وہی تھا جو آپ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا کہ جسکے پاس لونڈی ہو اسے چاہیئے کہ

اُسے تعلیم دے اور آزاد کرے اور پھر اُس سے نکاح کرے۔ ایک طرف آپکے لفظ اور دوسری طرف آپکا امہات المومنین جویریہ اور صفیہ رضی اللہ عنہما سے یہ طریق عمل کہ محض مِلکِ یمین سے انکو اپنے تصرف میں نہیں لائے بلکہ ہر دو کو آزاد کرکے اُن سے نکاح کیا۔ یہ قول اور فعل بھی اگر کسی کو اس بات کے حق ہونیکے قائل نہیں کر سکتے تو اسکا تو میری پاس کوئی جواب نہیں۔ لیکن جو شخص آپکے قول اور فعل کی پیروی کرنا چاہتا ہو اسکے لئے یہ شہادت کافی ہے۔ ماریہ قبطیہ اور ریحانہ کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ وہ ہر دو مِلکِ یمین سے آپکے تصرف میں تھیں بالکل غلط ہے۔ ماریہ کے متعلق اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں کہ وہ حجاب میں رکھی گئی تھیں۔ اور جیسا کہ اُمّ المومنین صفیہ کے نکاح والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے حجاب ہی اصل امتیاز حرہ اور مملوکہ کے درمیان تھا پس جب ماریہ حرہ تھیں تو نکاح بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا۔ ریحانہ کے متعلق بھی متعدد روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپنے آزاد کرکے اُس سے نکاح کیا۔ علاوہ ازیں اس امر کو تمام مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ آپنے نہ کبھی کوئی غلام رکھا اور نہ لونڈی بلکہ جبھی آپکی مِلک میں کوئی غلام یا لونڈی آتا آپ اُسے آزاد کردیتے پھر کیونکر ممکن تھا کہ آپ خدمتگاروں تک کو تو غلامی میں رکھنا پسند نہ کرتے اور بیویوں کو غلامی میں رکھتے۔ آپکے بعد ہمارے لئے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا عمل دیکھنا کافی ہے سو اُنکے متعلق بھی یہ بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ کوئی لونڈی اُنکے پاس نہ تھی جسکے ساتھ وہ مِلکِ یمین سے وطی کرتے ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اگر نکاح اور مِلکِ یمین دو الگ الگ باتیں ہوتیں اور جیسا نکاح سے مرد اور عورت کا تعلق جائز سمجھا جاتا تھا ایسا ہی صرف مِلکِ یمین سے بغیر نکاح کے ایسا تعلق جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل اور حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا عمل کیوں اسکے خلاف ہوتا بلکہ چاہیئے تھا کہ جس طرح اُنکے پاس منکوحہ بیویاں تھیں کچھ ایسی عورتیں بھی ہوتیں جنہیں وہ مِلکِ یمین سے بغیر نکاح کے اپنے تصرف میں لاتے۔

یہ بات پہلے بھی بیان ہو چکی ہے کہ کوئی حدیث جس سے مِلکِ یمین کے ساتھ لونڈی کا تصرف میں لانا معلوم ہوتا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتی بلکہ آپکے الفاظ صاف نکاح کی ہی تائید کرتے ہیں۔ پس جو اس قسم کی روایتیں ہیں اوّل تو اُنسے نکاح کی نفی نہیں ہوتی اگر ہوتی بھی تو وہ قرآن شریف و صحیح احادیث اور سُنّت کے خلاف ہیں۔ اس لئے ہم اُنکو مان کر ان تینوں کو نہیں چھوڑ سکتے جنپر مذہب اسلام کی بنا ہے۔ علاوہ ازیں لونڈیوں کے متعلق اس قسم کی ممانعتیں موجود ہیں جیسی منکوحہ عورتوں کے متعلق مثلاً یہ کہ دو بہنوں کا اکٹھا رکھنا یا بیٹے کا باپ کی موطوءہ لونڈی کو تصرف میں لانا وغیرہ وغیرہ جو صاف طور پر قرآن شریف کے اُس حکم سے لی گئی ہیں جو اس آیت سے شروع ہوتا ہے حرمت علیکم امھاتکم ... الی آخر الایۃ۔ یعنی ان عورتوں سے تمہارے لئے نکاح کرنا حرام ہے ورنہ لونڈیوں کیلئے کوئی الگ حکم قرآن شریف میں موجود نہیں کہ فلاں فلاں قسم کی لونڈیاں حرام ہیں۔ اس سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ لونڈیوں کے ساتھ اسی طرح نکاح کیا جاتا تھا خواہ آزاد کرکے یا آزاد کرنیکے بعد جس طرح حرہ عورتوں سے نکاح کیا جاتا تھا۔ بالفعل یہ بحث کافی معلوم ہوتی ہے اگر ضرورت ہوئی تو پھر کچھ اور لکھا جائیگا۔ پردہ کے متعلق ابتک بعض اعتراض یا سوال آئے ہیں سو جب سب جمع ہو جائینگے تو کسی وقت ان سب کا جواب میں اکٹھا ہی دونگا۔

عصرِ جدید کا نے وجہ جوش اور سلسلہ احمدیہ کی اصلی غرض

ایڈیٹر صاحب عصر جدید نے بعنوان ’’نئے مسیحیوں کا طیش‘‘ اپنے اکتوبر کے پرچے میں ایک نوٹ لکھا ہے جسمیں اُنکا غضب اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس سلسلہ کو شیطانی سلسلہ کہتے ہوئے نہ ہی شرم دامنگیر ہوئی اور نہ ہی وہ جھوٹ موٹ کی تہذیب مانع ہوئی جسکا آپ کو بڑا دعویٰ ہے۔ آپکی ناراضگی اِس امر پر ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے مریدوں نے اُنکے مضمون کے جواب میں بڑے بڑے مضمون کیوں لکھے ہیں۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ خواجہ صاحب نے خود ہی پہلے شوق سے کہا کہ جواب لکھا جاوے پھر شکائت کیوں اور غضب کیسا۔ آپنے اگست کے پرچہ پر بالخصوص یہ لکھکر یا لکھوا کر اس سلسلہ کی ساری اخباروں اور دفتروں میں بھیجا کہ اس پرچہ پر ضرور ریویو کیا جائے اور دیگر معززین سلسلہ کے پاس بھی یہ پرچہ بھیجا جو اسکے خریدار نہ تھے۔ اب اگر ہماری جانب سے آپکی تحریر کو لغو اور فضول سمجھکر خاموشی ہوتی تو پھر آپ خدا جانے کس زور شور سے پبلک میں یہ امر پیش کرتے کہ ہمارے ریویو کا جواب نہیں بن سکا۔ لیکن جب آپکی اپنی استدعا کے موجب اسپر ریویو لکھا گیا اور جس جس کے پاس آپنے بھیجا تھا اُسی نے لکھا تو اب آپ لکھنے والوں کو پاغل قرار دے رہے ہیں کہ ’’وہ دیوانہ وار اور اول فول بکنے لگے‘‘۔ کیا یہی آپکی تہذیب ہے۔ یا تو خود استدعا نہ کرتے اور اس صورت میں شائد ہی کوئی احمدی آپ کی تحریر کی پروا کرتا۔ اور اگر آپنے خود مانگ کر یہ موت لی ہے تو اب اس پیالہ کو پی جانیسے کیوں گھبرا رہے ہیں۔ خواجہ صاحب! آپنے تو منشی ذوالفقار علی خانصاحب کے ان الفاظ کی شکائت کی کہ انہوں نے آپ کو کمزور دماغ یا حاسد یا گورنمنٹ کا باغی کیوں کہا اور آپ کو خود یہ شرم نہ آئی کہ آپنے اہل اسلام کو عیسائی کہا۔ اور اپنے ’’ایک لائق دوست کو جو بی اے اور وکیل چیف کورٹ‘‘ آپکے اپنے الفاظ میں ہیں دیوانہ اور سڑی کہا اور انکی تحریر کو بکنا قرار دیا۔ اور اپنے ایک دوسرے معزز دوست کو جو اسوقت ایک معزز عہدہ پر اور آپکے کالج فیلو ہیں کمینہ کہا۔ اور پھر اس سلسلہ کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جسکو تین لاکھ مسلمان اپنا پیشوا مانتے ہیں صاف الفاظ میں شیطان اور طاغوت کے نام سے پکارا اس جوش خروش کی کیا ضرورت ہے اور آپکو کیا ضرورت پیش آئی ہے کہ اتنی مدت علیگڈھ میں تعلیم پاکر اب لاہور کے جعفر زٹلی اور امرتسر کے مولوی ثناء اللہ کے نقش قدم پر چلنے لگے ہیں۔ کیا ایسی باتیں لکھنے کے لئے وہ کافی نہیں جو اب آپ اُنکا ہاتھ بٹانے کے لئے نکلے ہیں۔ کیا وہ گالیاں نکالکر یا استہزا کر کے جیت گئے ہیں اور اس سلسلہ کی ترقی کو روکدیا ہے جو آپ روکدینگے۔ سوچو اور غور کرو۔

مَیں نے ماہ اکتوبر کے پرچہ میں آپکو لکھا تھا کہ آپ کا ان اصول کو ہاتھ میں لیکر بحث کرنا ہی غلطی ہے

مگر آپنے اس طرف ابتک توجہ نہیں کی۔ قرآن شریف نے جو امتیازی نشان سچے اور جھوٹے کے درمیان قائم کیا ہے اس کے رُو سے حضرت مرزا صاحب کے دعوے کو پرکھو۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ اعتراض کرتے وقت تو عیسائی اور اس سلسلہ کے مخالف بڑی بڑی باریکیاں نکالتے ہیں مگر اس موٹی بات کو نہیں سمجھتے کہ ایک مُدّعی نبوت میں کس امتیازی نشان کا پایا جانا ضروری ہے جس سے اسکا حق پر ہونا کُھل جائے۔ عیسائیوں کے ہاتھوں میں توریت موجود ہے اور ہزاروں انبیاء کے نمونے اُنکی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں مگر کبھی وہ اپنی بحث کو اس رُخ پر نہیں لائینگے کہ توریت نے وہ کونسا امتیازی نشان پیش کیا ہے اور ہزاروں انبیاء کی زندگی میں وہ کونسا امتیازی نشان پایا جاتا ہے جس سے نبی کی نبوت اور منجانب اللہ ہونے پر قطعی اور یقینی ثبوت ملتا ہے۔ اسی واسطے قرآن شریف نے بھی یہودیوں اور عیسائیوں کو یہی کہا کہ فاتوا بالتورٰیۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین۔ مگر افسوس کہ ان لوگوں نے آجتک یہ پہلو اختیار نہ کیا۔ ورنہ ایک نہائت آسان راہ تھی۔ اسی طرح پر مَیں دیکھتا ہوں کہ اس سلسلہ کے مخالفین استہزاء اور اعتراض کرنے اور گالیاں دینے میں تو ایک دوسرے پر سبقت لے جانیکی کوشش کر رہے ہیں مگر کوئی یہ نہیں کہتا کہ قرآن شریف نے کونسا امتیازی نشان سچے اور جھوٹے کے درمیان فرق کرنیکے لئے رکھا ہے آؤ اسکے رُو سے اس مدعی کے دعوے کو بھی پرکھیں۔ کوئی طالب حق ہوتا تو اُسپر بڑی آسانی سے یہ بات کھل جاتی کہ کیوں قرآن شریف نے ایک دو سورتوں میں نہیں بلکہ بار بار اسبات کا اعادہ کیا ہے کہ کیونکر خدا نے اپنے نبیوں کو اسوقت جب کوئی انکا مددگار اور معاون نہ تھا اور چاروں طرف مخالف ہی مخالف تھے کامیابیوں کے وعدے دیئے۔ اور آخر دشمنوں کی تمام کوششوں کو نامراد کرکے اپنی نصرت کے وعدوں کو پُورا کیا۔ کیا یہ قصے عبث بیان کئے گئے ہیں یا محض کہانی کے طور پر نہیں بلکہ یہ نصیحت اور عبرت کے لئے تھے تا مسلمان ٹھوکر نہ کھائیں کہ خدائے تعالیٰ نے حق اور باطل میں کونسا امتیازی نشان قائم کیا ہے۔

پیسہ نے اُسی مضمون میں یہ بھی لکھا تھا کہ "اگر مذہب کی غرض خدا کی ہستی پر یقین پیدا کرنا ہے تو خواجہ صاحب یاد رکھیں کہ اس غرض کو آج سلسلہ احمدیہ کے سوا روئے زمین پر اور کوئی پُورا کرنے والا نہیں۔ یہ جو اصلاح خواجہ صاحب کر رہے ہیں یا کرنیکے مُدعی ہیں۔ وہ خشک لفاظی ہے جب انسان کو اللہ تعالیٰ پر اور اسکے رسول پر زندہ ایمان اور یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے تو پھر سب اصول کی پابندی کے وہ قابل ہو جاتا ہے۔ عدل و انصاف۔ کفائت شعاری قومی اتفاق۔ سعی و محنت سب اسی کا نتیجہ ہیں" اس امر کو ایڈیٹر صاحب عصر جدید حضرت مرزا صاحب کی مخالفت میں لکھتے ہوئے تو کبھی تسلیم نہ کرتے مگر انکی کوششوں کی ناکامی نے آخر اُنسے یہ اقرار اسی پرچہ میں کرادیا۔ چنانچہ شبرات کی آتش بازی کے متعلق لکھتے ہوئے وہ لکھتے

ہیں "انجمن اصلاح تمدن نے بہت زور اور وضاحت کے ساتھ ہر قسم کی فضول خرچی کے خلاف جہاد کا اعلان کردیا۔ مگر اب تجربہ بتاتا جاتا ہے کہ **فضول خرچی طبیعت کی اُس حالت کا نتیجہ ہے جسکا دوسرا نام بدمذہبی اور لامذہبی ہے۔ جو لوگ سچے دِل سے خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہیں** جنکا یقین ہے کہ اس زندگی میں کوئی چیز اپنی نہیں بلکہ خدا کی طرف سے بندوں کے اور اپنے فائدے یعنی بہترین استعمال کے واسطے امانت ہے **وہ ایسی لغویات میں کبھی نہیں پڑ سکتے** "اس سے ناظرین خواجہ صاحب کی اصلاح کی اصل حقیقت کو سمجھ گئے ہونگے کہ وہ اس سے بڑھکر کچھ نہیں کر سکتے کہ چند باتیں کردیں۔ اس کا نام اصلاح رکھنا غلطی ہے۔ یہ تو آپکی کفائت شعاری کے اصول کا حال ہے کہ اسپر عمل کرنیکے لئے ضرورت ہے کسی زبردست طاقت کی اور وہ طاقت پیدا ہوتی ہے خدا کی ہستی پر یقین کامل اور زندہ ایمان سے۔ پھر جب آپکے اصولوں کا یہ حال ہے تو انکی بنا پر آپ ایک مامور من اللہ کو کسطرح پرکھ سکیں گے۔ یہ بات یہی ہے جو مَیں نے پہلے بھی کہی تھی اور جس کا مؤید اب آپ کا یہ اپنا اقرار ہے کہ نہ تو آپکے یہ اصول بذات خود انسان میں عمل کی طاقت پیدا کرتے ہیں اور نہ ہی یہ اس قابل ہیں کہ اُنکی بنا پر آپ ایک شخص کے منجانب اللہ ہونیکے دعوے کو پرکھ سکیں۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسے امور ہیں جو خدا تعالیٰ کی ذات پر وہ زندہ اور کامل یقین پیدا کرتے ہیں جسکے بغیر نہ کفائت شعاری کے اصول پر عمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی عدل اور انصاف پر۔ مَیں نے اسی اکتوبر کے رسالے میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ اگر مذہب کی غرض خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین کامل اور زندہ ایمان پیدا کرنا ہے تو اس غرض کو آج روئے زمین پر سلسلہ احمدیہ کے سوا اور کوئی پورا کرنیوالا نہیں۔ اس دعوے کو آج کچھ بسط اور دلائل کے ساتھ مَیں لکھنا چاہتا ہوں۔ سب سے اوّل یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہر ایک نبی نے جو خدا کی طرف سے آیا ہے دو باتوں پر زور دیا ہے اوّل یہ کہ لوگ خدا پر ایمان لائیں اور دوسرا یہ کہ اُسکی نبوّت کو اور اُس کے منجانب اللہ ہونے کو تسلیم کریں چنانچہ قرآن شریف کے پڑھنے والے پر یہ امر پوشیدہ نہیں۔ ان میں اوّل الذکر امر تو اس کے مشن کا اصل مقصد ہوتا ہے اور ثانی الذکر کا تسلیم کرنا اسواسطے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا پر زندہ ایمان بغیر نبی کو ماننے کے پیدا نہیں ہو سکتا جس طرح آج نادان معترض اعتراض کر رہے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب اپنے آپ کو نعوذ باللہ خدا کے برابر ٹھہراتے ہیں اسی طرح عیسائیوں نے بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آپنے اپنے آپ کو نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کے برابر بنانا چاہا اور ایسے احکام دیئے اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول۔ حالانکہ ان احکام کا منشاء تو صرف یہ تھا کہ اگر تم رسول کی پیروی نہیں کرو گے جسے خدا نے تمہاری ہدائت کے لئے ایک نمونہ بنا کر بھیجا ہے اور جس کے وجود میں زندہ نشان اپنی ہستی کے رکھے ہیں تو اللہ تعالیٰ پر تمہیں کہاں ایمان پیدا ہو سکتا ہے اور اس کے

احکام کی فرمانبرداری کی طاقت کیونکر مل سکتی ہے۔ سویاد رکھنا چاہیئے کہ بعینہٖ اُسی قدیم سُنّت الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو بھی مبعوث فرمایا ہے۔ سو آپکا اپنے دعوے کو پیش کرنا اس لئے نہیں کہ یہ آپکے مشن کا اصل مقصد ہے بلکہ یہ تو ایک ذریعہ اس مقصد تک پہنچنے کا ہے چنانچہ اس امر کو آپ بارہا اپنی تحریروں اور تقریروں میں بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی میرے مامور فرمانے سے غرض تو صرف یہ ہے کہ تا لوگوں کو اسکی ہستی پر زندہ ایمان پیدا ہو اور وہ گناہ سے نجات حاصل کریں۔ باقی رہا موت مسیح کا مسئلہ یا ایسے ہی اور مسائل یہ تو اتفاقی بحثیں ہیں جو درمیان میں آگئی ہیں۔

پس اس سلسلہ کی اصل غرض جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین تام اور زندہ ایمان پیدا کرنا ہے کیونکہ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان اپنی زندگی کا اصل مقصد حاصل کر سکتا ہے یعنی یہ کہ گناہ سے نجات حاصل کرکے اسی دنیا میں عالم آخرت کی لذات کا مشاہدہ کر لے۔ اور یہ بھی میں کہہ چکا ہوں کہ اس مقصد کو پورا کرنیوالا اسوقت سوائے اس سلسلہ کے کوئی نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ محض نظارۂ قدرت سے خدا کی ہستی پر یقین کامل پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو دنیا میں کسی نبی کے آنیکی ضرورت نہ ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے پے درپے نبی اور رسول بھیجنے سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر نبی کے ظہور کے کچھ مدت بعد وہ ایمان دلوں سے اُٹھ جاتا تھا اور اس لئے پھر دوسرا نبی اس ایمان کو از سر نو تازہ کرنیکے لئے بھیجا جاتا تھا۔ ایک انبیاء کے سلسلہ کو ماننے والے کے لئے اس سے زیادہ واضح ثبوت اس بات کا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سے یہ سُنّت چلی آئی ہے کہ جب کبھی دنیا کے لوگ خدا سے بالکل قطع تعلق کرکے دنیا پر جھک پڑے اور اُنکے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا زندہ ایمان اور کامل یقین گم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی بعثت سے ہی اسکا علاج کیا اور یہ کبھی نہیں ہُوا کہ ایسے وقت میں کوئی انسانی کوشش کبھی کارگر ہوئی ہو۔ اس سے ایک غور کرنیوالی طبیعت سمجھ سکتی ہے کہ وہ کونسی چیز ہے جس کا وجود نبی کی زندگی میں اور اسکے کچھ عرصہ بعد تک تو پایا جاتا ہے مگر پھر وہ مفقود ہو جاتی ہے جسکے لئے اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے نئے نبی کے بھیجنے کی ضرورت پیش آتی رہی۔

اس سوال کا جواب دینے کے لئے سب سے اوّل اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ وہ کونسے ذرائع ہیں جن سے نبی دنیا کی اصلاح کرتا ہے۔ اور کس طرح سے اسکے ساتھ ہو جانیوالوں کے دلوں میں قوت ایمانی پیدا ہوتی ہے سو اس بات کا جواب ہر ایک اہل مذہب کو یہی دینا پڑیگا کہ نبی کے ذریعہ سے وہ خارق عادت نشان ظاہر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین کامل پیدا کرتے ہیں۔ اور ان کے مشاہدہ سے اس کے پیرووُں کے دلوں میں ایک نور پیدا ہوتا ہے اور انکا ایمان اللہ تعالیٰ کی ہستی اور عالم آخرت پر بصیرت کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے۔ مگر نبی کے زمانہ کے کچھ مدت بعد بہت سے وہ نشان جو اس کے زمانے میں مشاہدہ کئے گئے تھے قصہ اور

کہانی کے رنگ میں ہو جاتے ہیں اور اس لئے پیچھے آنیوالے لوگوں کا ایمان بھی سوائے تھوڑوں کے بصیرت کے درجہ سے گر جاتا ہے اور پھر ایمانی کمزوریاں پیدا ہو کر اعمال میں بھی فرق آجاتا ہے۔ کیونکہ محض قصّے اور کہانیاں کبھی انسان کے دل میں یقینی ایمان پیدا نہیں کر سکتیں بلکہ ایمان کا نور تبھی پُورے طور پر ظہور کرتا ہے جب خدا تعالیٰ کی برکات و انوار کی تجلّیاں پُورے طور پر مشاہدہ کی جاویں اور تبھی انسان کو سچّا اور زندہ ایمان نصیب ہوتا ہے اور ایک سچّا اور پاک تعلّق خدا تعالیٰ سے قائم ہو کر نفسانی جذبات دب جاتے ہیں اور نفسانی ظلمتیں اور غلاظتیں دُور ہو جاتی ہیں۔ اور انسان کے اندر ایک سچّی تبدیلی ظہور میں آتی ہے۔ مثال کے طور پر نبی کے وجود کو آفتاب سے مشابہت دی سکتے ہیں کیونکہ جیسے ایک کا وجود دنیا میں نور پھیلاتا ہے دوسرے کا وجود روحانی انوار اور برکات کا ذریعہ ہوتا ہے۔ پس جس طرح آفتاب کے غروب ہو جانیکے بعد محض گذشتہ آفتاب کے انوار کے قصّے واقعی روشنی پیدا نہیں کر سکتے اسی طرح نبی کے نشانات جب مشاہدہ کی حد سے گذر کر قصّہ اور کہانی کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں تو ان قصّوں اور کہانیوں سے نور ایمان پیدا نہیں ہوتا جبتک کہ آفتاب نبوّت ظہور کر کے دوبارہ اُسکی تیز شعاعیں تمام تاریکیوں کو پاش پاش نہ کر دیں۔

یہ خدا کی سُنّت لاتبدیل ہے یعنی ہمیشہ سے وہ ایمانی ضعفوں اور روحانی تاریکیوں کے وقت اسی طرح اصلاح کرتا رہا ہے کہ اپنی طرف سے ایک شخص کو دنیا کی ہدایت کے لئے مامور کر کے اس پر اپنی طاقت اور قدرت کی تجلّیات کو ظاہر کرتا ہے اور تمام دنیا کو اُسکے مقابلہ میں کھڑا کر کے اپنی نصرت اور تائیدات کو اس کے شامل حال کرتا ہے اور دنیا کے لوگوں کی تمام کوششوں اور تمام منصوبوں کو خاک میں ملا کر دکھاتا ہے کہ ان تمام طاقتوں سے بالاتر وہ طاقت ہے جو اپنے ارادے سے اپنے منشاء کے مطابق کام کر رہی ہے اور جس کا تصرّف اس عالم کے ہر ایک ذرّہ پر ہے۔ اور اسکو وہ تمام غلاظتوں سے پاک رکھکر اور پاک پاکر اس سے اپنا تعلّق قائم کرتا ہے اور اپنی ہمکلامی سے اُسے مشرّف کرتا ہے۔ اور طرح طرح کے خارق عادت امور اس کے لئے ظاہر فرماتا ہے اور امور غیبیہ جن کا علم انسان کی طاقت سے بالکل باہر ہے اس پر منکشف کرتا ہے۔ ایسے ہی ایک نفس زکیہ کی ضرورت اس زمانہ بھی تھی کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں کے نفسانی جذبات حد سے گذر گئے اور ایمان گویا بالکل ہی دنیا سے اُٹھ گیا پس خدا نے اپنی قدیم سُنّت کے مطابق۔ ولن تجد لسنّت اللہ تبدیلا۔ ایک شخص کو اسی طرح مامور فرمایا جس کے ہاتھ پر اس نے ایسے ہی خارق عادت امور اور نشانات ظاہر فرمائے جیسے وہ ہمیشہ انبیاء کے ہاتھ پر ظاہر فرماتا رہا۔ پس جو شخص خدا کی سُنّتوں کو نگاہ میں رکھیگا اور شوخی سے کام نہ لیگا اُسپر اسکی صداقت بھی بڑی آسانی سے کھل جاتی ہے۔ ساری دنیا میں اسوقت جسقدر مذاہب کا شور پڑا ہوا ہے سب کا مدار قصّے اور کہانیوں پر ہے۔ یعنے ایسے معجزات اور خارق عادت امور پر جنکا نشان کسی گذشتہ زمانہ میں دیا جا

ہے۔ حالانکہ کوئی وجہ نہیں بتائی جاتی کہ خدا نے اسوقت وہ اپنی سُنّت قدیمہ کیوں بدلدی اور کیوں اس سخت ایمانی کمزوریوں کے وقت میں کسی ایسے شخص کو مبعوث نہ فرمایا جیسے وہ ہمیشہ سے مبعوث فرماتا رہا تھا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھکر تمام مذاہب اس بات سے بھی انکار کر رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ اب اس زمانے میں کسی بشر سے ہمکلام ہو جیساوہ پہلے ہُوا کرتا تھا یا خارق عادت نشانات اور غیبیہ امور اسپر ظاہر کرے جیسا وہ پہلے کیا کرتا تھا۔ گویا نعوذ باللہ زمانہ کے بدلنے کے ساتھ وہ لاتبدیل خدا بھی بدل گیا۔ اسطرح پر جب تمام مدار مذہب کا قصوں اور کہانیوں پر آرہا تو وہ زندہ ایمان بھی دلوں سے اُٹھ گیا جو انسان کے اندر وہ طاقت پیدا کر سکتا ہے جس کے بغیر وہ کبھی بدی پر اور نفسانی جذبات پر غالب آ ہی نہیں سکتا اسطرح سے ایک طرف تو نجات نجات کا شور دنیا میں مچا ہُوا ہے کہ فلاں بات سے حاصل ہوتی ہے اور فلاں بات سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور دوسری طرف اصل وہ امور جو انسان کی نجات کا ذریعہ ہو سکتے ہیں انہیں سے انکار ہے۔ نجات کا ملنا موقوف ہے نفسانی جذبات پر غالب آنے پر۔ اور نفسانی جذبات پر غالب آنا موقوف ہے سچے اور زندہ اور کامل اور یقینی ایمان کے حصول پر۔ اور زندہ ایمان کا دل میں پیدا ہونا موقوف ہے الٰہی انوار اور برکات اور خارق عادت نشانات کے مشاہدہ پر۔ پس ہر ایک انسان سوچ لے کہ جسنے یہ اخیری مشاہدہ کر لیا وہ اُسی سیدھی راہ پر چل رہا ہے جسکی طرف تمام انبیاء نے بلایا اور جس نے یہ مشاہدہ نہیں کیا وہ ہنوز بھٹکتا پھرتا ہے۔

سلسلہ احمدیہ ہی اسوقت دنیا میں ایک سلسلہ ہے جو ان نشانات کو مشاہدہ کرانیکا دعویٰ کرتا ہی اور مشاہدہ کراتا ہے۔ باقی تمام مذاہب کے پیرو نہ صرف ایسے نشان ہی دکھا نہیں سکتے بلکہ وہ اس بات سے بھی منکر ہیں کہ ان میں ایسی طاقت باقی ہے۔ حالانکہ وہ اس بات کے مقر ہیں کہ کسی وقت پہلے ایسی طاقت ان مذاہب میں موجود تھی۔ اب اس طاقت کے ہمیشہ کے لئے زائل ہو جانیکی دو ہی وجوہ ہو سکتی ہیں یا یہ کہ خدا کی صفات میں کوئی تغیّر آگیا ہو اور یا یہ کہ وہ مذاہب اپنی اصلیت پر قائم نہیں۔ شق اول کو تو کوئی تسلیم ہی نہیں کر سکتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کے صفات میں تو تغیّر نہیں آیا کیونکہ اسکی ذات لاتبدیل ہے مگر اُس نے اپنی بعض صفات کے ظہور کو ہمیشہ کیلئے رد کر دیا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ جب وہ قدیم سے ایک ہی سُنت کے مطابق کام کرتا آیا اور ہمیشہ سے اُس نے یہ ضروری سمجھا کہ انسانوں کی نجات کے لئے اس کے نشانات کا مشاہدہ ضروری ہے تو پھر وہ طریق کیونکر بدلا گیا حالانکہ وہ خود ہی فرماتا ہے کہ لن تجد لسنّت اللہ تبدیلا۔ علاوہ ازیں جب یہ مانا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہی دیکھتا اور سنتا ہے اور اپنے خاص بندوں سے کلام بھی کرتا ہے تو یہ کیونکر ہو گیا کہ اسکا دیکھنا سُننا تو موقوف نہ ہُوا مگر کلام کرنا موقوف ہو گیا۔ اس کا کلام کرنا ہی اسبات پر شاہد تھا اور ہمیشہ انبیاء کے ذریعے وہ یہی شہادت ظاہر فرماتا رہا کہ وہ دیکھتا اور سُنتا بھی ہے۔ گویا کلام کرنیکی صفت کے معطّل ہو جانیسے دیکھنے اور

سُننے کی صفات کا معطّل ہونا لازم آتا ہے۔ اور اس طرح پر کلام کا انکار دہریت کی پہلی سیڑھی ہے کیونکہ اسی سے خدا کے وجود کے انکار کی طرف انسان جاتا ہے۔ سلسلہ احمدیہ اسی غلطی کی اصلاح کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہستی کے نشانات مشاہدہ کرا کر وہ سچّا اور زندہ ایمان دلوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے جو ہمیشہ سے انبیاء کرتے چلے آئے۔ باقی رہا یہ امر کہ اس دعوے میں کہاں تک یہ سلسلہ سچّا ہے سو اسکو اُسی طریق پر پرکھو جس طریق پر انبیائے سابقین کے نشانات کو پرکھتے ہو۔ اور کوئی ایسا مطالبہ نہ کرو جو پہلے انبیاء علیہم السلام سے کفار نے کیا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ایسا سیدھا اور صاف طریق ہے جس سے انسان بڑی آسانی سے ایک صاف صاف اور یقینی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ نہ لمبے جھگڑوں کی ضرورت ہے نہ فضول مباحثات کی نہ استہزا اور سب وشتم کی۔ پہلے انبیاء سے خدا کی کیا سُنّت رہی اب بھی وہ اسی سُنّت کے مطابق کام کر رہا ہے یا نہیں انہیں دو باتوں کے حل ہو جانے سے سب باتیں کُھل جاتی ہیں۔ طالب حق کو چاہیئے کہ ناحق گڑبڑ میں نہ پڑے بلکہ اس سیدھی راہ کو اختیار کر کے کسی کھلے کھلے نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ بعض لوگ اسی خیال پر جمے بیٹھے ہیں کہ یہ سلسلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی تک ہی چلیگا اور اسکے بعد نیست و نابود ہو جائیگا۔ وہ نادان یہ خیال نہیں کرتے کہ اگر اسوقت انکی کوششیں نیست و نابود کرنیکی بارآور نہیں ہوتیں تو اسکی یہ وجہ تو نہیں کہ ساری دنیا کے بالمقابل حضرت مرزا صاحب تنہا ایسی تجویزیں کر سکتے ہیں جو انکو غالب کر رہی ہیں جو خدا اسوقت محض اپنی غیبی نصرت سے دن بدن اس سلسلہ کو بڑھا رہا ہے وہی ہمیشہ اسکا ناصر و مؤید ہوگا یہ دو وعدے کہ مخلوق تیری طرف کثرت سے رجوع کریگی اور مخالفین کی کوششیں ناکام اور نامراد رہیں گی۔ اور کہ اس سلسلہ کو دنیا کے تمام مذہبی سلسلوں پر غالب کیا جائیگا ایک ہی جگہ موجود ہیں اور ایسے وقت میں کئے گئے جب انکے پُورا ہونیکا سامان ذرّہ بھر بھی نظر نہیں آتا تھا۔ اب انہیں سے پہلا وعدہ اس صفائی سے خدائے تعالیٰ پُورا کر رہا ہے تو دوسرا وعدہ کیوں پُورا نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ وہ کونسے اصول ہیں جنکو یہ سلسلہ زندہ کرنا چاہتا ہے وہ وہی اصول ہیں جنکو وقتاً فوقتاً تمام انبیاء زندہ کرتے رہے یہ بات یوں ہی گذر جانیکے قابل نہیں۔ ہر ایک اہل مذہب بجائے خود غور کرے کہ کیا یہ بات حق نہیں کہ جو اصول مذہب اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پیش کرتے ہیں یہ بعینہٖ وہی اصول ہیں جو تمام انبیائے سابقین پیش کرتے چلے آئے ہیں پس یہ کبھی ضائع نہیں ہو سکتے بلکہ انہیں کا غلبہ دنیا میں ہوگا اور ضرور ہوگا۔ کوئی مخالفت اُنکی کامیابی میں مخل نہ ہو سکے گی۔

ریویو اور نوٹ

تاویل القرآن۔ ایک کتاب بنام نہاد تاویل القرآن مصنفہ پادری اکبر مسیح بغرض ریویو میرے پاس پہنچی ہے اس کتاب کے اندر مصنف صاحب اپنا مخاطب مسلمانوں کے ایک خاص گروہ کو بتاتے ہیں مگر انکا کتاب ہماری پاس بھیجنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے سلسلہ احمدیہ کو بھی اس کتاب میں خطاب کیا ہے اس لئے ان چند سطروں کا لکھنا ضروری ہُوا۔ اگر ضرورت ہوئی اور فرصت ملی تو اس کا جواب مفصل الگ بھی شائع کیا جاویگا۔ اس جگہ میں صرف مصنف کتاب ھذا کو اس بات پر آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ایک حق پسند گروہ کو خطاب کرنیکے باوجود اس نے خود پرلے درجہ کی حق پوشی سے کام لیا۔ سب سے اول اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ اگرچہ پادری صاحبان ہمیشہ اپنی نرم کلامی پر فخر کیا کرتے ہیں مگر ان کی بھیڑ کی سی صورت اپنی بھیڑیئے کی سی سیرت کو ظاہر کئے بغیر نہیں رہتی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس تحریر پر کہ "ہمارا عیسائیوں سے مذہبی رنگ میں کچھ بھی ملاپ نہیں بلکہ ہمارا جواب ان لوگوں کو یہی ہے قل یاایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون" نوٹ کرتا ہُوا اس کتاب کا مصنف لکھتا ہے۔ "بھلا بتاؤ کب کسی عیسائی نے تم سے ملاپ ڈھونڈھا کیا انکو نہیں معلوم کہ مسیح کو بلیعال سے کوئی موافقت نہیں"۔ مسیح تو اسوقت جو ہی سو ہے اور تم جانتے ہو کہ کون اسوقت اللہ تعالیٰ سے مسیح کا خطاب پاکر دنیا کو للکار رہا ہے پس سمجھ لو کہ بلیعال کون ہُوا۔ مگر اے نادان وہ کون سی سختی تمہیں حضرت مسیح کی اس پاک کلام میں محسوس ہوئی جو تم نے اپنی گندی فطرت کا اظہار ان الفاظ میں کیا اور تین لاکھ انسان کا دل دکھایا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اس معبود سے جو اہل کتاب یعنی یہودیوں کا معبود تھا تم نے ایک الگ معبود یسوع مسیح تجویز کر لیا۔ اور ہم مسلمان ہمارا خدا ہمارا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارا قرآن تمہارے اس معبود اور اس معبود کے پُجاریوں سے سخت بیزار اور متنفر ہیں بیشک تم ہمارے قرآن کے رُو سے صحیح اور صاف معنوں میں کافر۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ۔ ما المسیح ابن مریم الا رسول۔ ہمارا تمہارا ملاپ مذہبی رنگ میں قرآن شریف کے رُو سے ناممکن۔ یاایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیھود والنصٰرٰی اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم ان اللہ لا یھدی القوم الظٰلمین تمہارا یہ از خود تراشیدہ عقیدہ کہ خدا تین ہیں اور یسوع مسیح خدا ہے اور تمہارے لئے کفارہ ہُوا قرآن کریم کے رُو سے بدترین عقائد میں سے ہے کیونکہ جو اس کے متعلق فرمایا وہ اور کسی کے متعلق نہیں فرمایا۔ تکاد السموات

ینفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا۔ پھر اس کج بیزاری کے بعد جو قرآن شریف تمہارے بیہودہ عقائد سے ظاہر کرتا ہے اس دجل سے کیا حاصل کہ قرآن اہل کتاب سے ملاپ کرتا ہے جس کی شہادت میں تم یہ آیت پیش کرتے ہو یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم۔ دجل میں نے اس لئے کہا کہ تم نے پوری آیت کو نقل نہ کیا مثل اُن ناپاک طبع لوگوں کے جو کہا کرتے ہیں کہ قرآن شریف نے لا تقربوا الصلوٰۃ کہکر نماز سے روکا ہے۔ اب میں تمہارے دجل کا اظہار کرتا ہوں۔ یہ آیت اسطرح ہے قل یا اھل الکتٰب تعالوا الی کلمۃٍ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ۔ ان سے کہدو کہ اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اُسکا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی انسان دوسرے انسان کو اپنا رب نہ بنائے۔ قرآن کریم نے اس بات کی طرف بُلایا مگر کیا تم اس طرف آئے؟ ساتھ ہی پڑھو۔ فان تولوا فقولوا اشہدوا بانا مسلمون۔ ہم مسلم تم کافر۔ تم نے اس بات کو نہ مانا ہم تم سے بیزار۔ کلمۃ سواء تو اس لئے کہا تھا کہ تم غور کرو کہ تم توریت کو مانتے ہو اور اُسے خدا کا کلام کہتے ہو اور مانتے ہو کہ یہی انبیاء علیہم السلام کی تعلیم ہزارہا سال سے چلی آئی۔ اور اس میں خدا کی توحید کا عقیدہ پُورے زور سے بیان کیا گیا ہے۔ اور صاف لفظوں میں کہا گیا ہے کہ نہ آسمان کی کسی چیز کو اور نہ زمین کی کسی چیز یا انسان کو سوائے خدا کے معبود بنانا۔ اور یہی تعلیم قرآن کریم نے دی اسلئے یہ تو کلمۃ سواء تھا درمیان تمہارے مسلّمات اور ہمارے مسلّمات کے مگر تم نے اس کلمۃ سواء سے رُوگردانی کی۔ اور اپنے لئے ایک نیا خدا تراشا جس کی نہ حضرت ابراہیم کو خبر تھی نہ حضرت موسیٰ کو یعنی یسوع مسیح۔ توریت جسکو تم خدا کی طرف سے مانتے ہو خود تمہارے اس عقیدہ پر لعنت بھیجتی ہے۔ پادری صاحب کیا یہ دجل نہیں کہ تم نے ایک حصّہ آیت کو نقل کیا اور دوسرے حصّہ کا اخفا کیا۔ پھر تم اس سے پہلی ہی آیت کو پڑھ لیتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ قرآن شریف نے تمہارے حق میں کیا کہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر اب بھی عیسائی خدائے واحد کو نہیں مانتے تو پھر اُن سے مباہلہ کرو فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین۔ اب بتاؤ یہ لعنت تم جیسوں پر ہی قرآن شریف نے کی یا کسی اور پر۔ اور پھر فرماتا ہے کہ اگر مباہلہ میں مقابل نہ آئیں اور بھاگ جائیں فان اللہ علیم بالمفسدین۔ یہ خطاب بھی آپکے ہی ہم عقیدہ لوگوں کو ملا ہے جو ناحق فساد ڈالتے اور حق کو روکتے تھے۔ پھر پانچ چھ آیتیں آگے چلکر تم کو ہی کہا اور کیسا حق کہا یا اھل الکتٰب لم تلبسون الحق بالباطل و تکتمون الحق و انتم تعلمون۔ اگر کچھ بھی تم سچائی کی پروا کرتے ہو تو سچ کہو۔

کہ یہ بات تم پر کیسی صادق آتی ہے۔ مگر تم نے اس سے کیا فائدہ اٹھایا۔ پھر تم نے ایک آیت اس دعوے کی شہادت میں یہ پیش کی ہے والٰھنا والٰھکم واحد۔ مگر کیا اس کا یہ مطلب تھا کہ مسلمان تمہارے جھوٹے معبود کو مانتے ہیں نہیں بلکہ مطلب اسکا بھی وہی ہے کہ تمہارا اصل معبود جس کی تمہیں عبادت کرنی چاہیئے وہی ہمارا معبود بھی ہے کیونکہ ساتھ ہی فرمایا ونحن لہ مسلمون ہم اس معبود کو تسلیم کرتے اور اسکے سچے فرمانبردار ہیں۔ مگر تم نہیں۔ اگر اس میں تمہیں کچھ شک ہے تو ساتھ ہی دوسری آیت کو پڑھ لو۔ وکذلک انزلنا الیک الکتٰب فالذین اٰتینٰھم الکتٰب یؤمنون بہ .... وما یجحد باٰیاتنا الا الکافرون۔ ہم نے تم پر کتاب اُتاری پس جن لوگوں کو ہم نے پہلی کتاب دی تھی ان میں سے بھی اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور کافروں کے سوا ہماری آیتوں کا انکار کوئی نہیں کرتا۔ یعنے سچے معنوں میں اہل کتاب یا کتاب کے اہل تو وہی ہیں جو قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں اور جو قرآن کا انکار کرتے ہیں وہ گو اپنے آپ کو اہل کتاب کہیں مگر وہ کافر ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ قرآن کریم اہل کتاب میں سے بعض کو اچھا بھی کہتا ہے سو وہ وہی لوگ ہیں جو قرآن شریف پر ایمان لائے مسلمان ہوئے۔ یسوع کی پرستش کفارہ اور تثلیث پر لعنت بھیجی نمازیں قائم کیں روزے رکھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہوئے نہ وہ جو تمہاری طرح مرتد ہوئے۔

اس کتاب کے مصنف پر مجھے یہ بڑا تعجب آتا ہے کہ کس چالاکی سے قرآن شریف کا نام ادب سے لیتا ہے اور پھر ایسی گول مول بات کرتا ہے کہ سمجھا جاوے کہ یہ بھی گویا قرآن شریف کو منجانب اللہ ہی مانتا ہے مگر اس کا لعنتی عقیدہ جو دل میں چھپا ہُوا ہے وہ خود اس کے کلام سے مترشح ہو رہا ہے۔ شروع میں ہی وہ قرآن شریف کو ایک دلدل سے مثال دیتا ہے گویا جو اس میں پھنس گیا وہ اس سے نکل نہیں سکتا۔ یہ تو تمہارے مجذوم دل نے بات کو بگاڑ کر بیان کیا ہے ورنہ حق بات یہ ہے کہ جسکے دل پر اس کے انوار اثر کر گئے وہ بیشک کبھی اس کی حکومت سے سر نہیں پھیر سکتا۔ پھر آگے چلکر کہتا ہے "جب قرآن واقعی مصدق کتب سابقہ سمجھا جاتا تھا تو کھرے اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی تھے جن کی شان میں کہا گیا تھا ان من اھل الکتٰب لمن یؤمن باللہ وما انزل الیکم وما انزل الیھم خاشعین للہ۔ اہل کتاب میں بیشک کچھ ایسے لوگ ہیں جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس پر جو تم پر اُترا اور اُسپر جو اُنپر اُترا خدا سے ڈرتے ہیں (آل عمران ع ۲۰) لیکن اب جو قرآن کو مکذب کتب سابقہ قرار دیا تو جیسا واجب تھا اہل کتاب نے اُسکو جھوٹا اور مردود کہا کیونکہ جو تصدیق کا دعویٰ کرکے تکذیب کرے اس سے زیادہ جھوٹا کون ہو سکتا ہے،، یہ پادری صاحب کی منطق ہے کہ جب قرآن شریف مصدق کتب سابقہ

سمجھا جاتا تھا تو عیسائی بھی اس پر ایمان لائے ۔ مگر اب جو قرآن کو مکذب کتب سابقہ قرار دیا تو عیسائی بھی اسے افترا کہنے لگے ۔ وہ عیسائی بھی عجیب اُلو ہوں گے کہ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ واقعی قرآن شریف مصدق ہے یا مکذب جبتک مسلمان اسے مصدق کتب سابقہ قرار دیتے رہے تو بیچارے بھولے بھالے یسوع کے پرستار بھی اس پر ایمان لے آئے پھر جب اس زمانہ میں آکر مسلمانوں نے کہدیا کہ قرآن مکذب کتب سابقہ ہے تو غریب بھیڑیں پھر بیلے کر آگے سجدہ میں گر گئیں ۔ اور قرآن کو افترا کہدیا ۔ ایسے ایمان لانے اور ایسے تکذیب کرنے دونو پر لعنت ہے ۔ کیا عیسائی ایسے ہی نادان تھے کہ خود کبھی نہ سوچا کہ دراصل قرآن مصدق کتب سابقہ ہے یا مکذب بلکہ جو مسلمان کہدیا کرتے تھے وہی وہ مان لیا کرتے تھے ۔ اور تم اب کیوں ایک پہلو اختیار نہیں کرتے یا تو یہ صاف لفظوں میں کہو کہ ہم قرآن کو خدا کا کلام کہتے ہیں (محرف مبدل ہی سہی) اور یا یہ کہو کہ ہم اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نعوذ باللہ افترا سمجھتے ہیں ۔ مگر تم ایک پہلو کو کبھی اختیار نہ کروگے کیونکہ اس سے تمہارا دجل دنیا پر کھلتا ہے ۔ پھر تم نے کہا کہ جو تصدیق کرکے تکذیب کرے اس سے زیادہ جھوٹا کون ۔ کیا قرآن شریف نے کتب سابقہ کی تصدیق کرکے پھر تکذیب کردی ہے اگر نہیں جیسا کہ تمہارے کلام سے مترشح ہوتا ہے تو پھر "اس سے زیادہ جھوٹا کون" تو آپ ہی کو نیز یہی صادق آیا کہ پہلے قرآن پر ایمان لاکر پھر اسکی تکذیب کی ۔ اے عیسائیو خدا سے ڈرو یہ چالاکیاں اور شوخیاں مذہب نہیں ہیں یہ خبیث اور گندی باتیں کبھی تمہیں نجات نہیں دلا سکتیں ۔ کیوں تم لوگوں نے مذہب کو ایک ہنسی ٹھٹھا بنا رکھا ہے ۔ پھر اس بات سے کیا فائدہ کہ تم قرآن شریف کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر انسے یہ مطلب نکالنا چاہتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توریت کے پیرو بھی تھے*** یہ آپ لوگوں کا افترا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ثابت کرتا ہے کہ آپنے توریت و انجیل کو کبھی یہ وقعت نہیں دی کہ قرآن شریف کے نازل ہونیکے بعد وہ بھی قابل اتباع ہیں ۔ کیا آپنے ساری عمر میں توریت یا انجیل کی ایک آیت بھی نماز میں قرآن شریف کے ساتھ یا اسکی بجائے پڑھی یا مسلمانوں کو پڑھنے کا حکم دیا ۔ یا کیا جہاں قرآن شریف کے اتنے حافظ تھے آپنے صحابہؓ کو کبھی یہ بھی کہا کہ توریت اور انجیل کی بھی کچھ آیتیں حفظ کر لیا کرو ۔ پھر ان فضول بحثوں سے کیا فائدہ ۔ چراغ الدین اور امام الدین اگر اسلامی عقیدہ سے انحراف کر جائیں تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو وہ کہہ رہے ہیں اور جسپر کُل کی کُل مسلمان دنیا بالاتفاق لعنت بھیجتی ہے وہ سچ ہے وہ تو من یتولھم منکم فانہ منھم کے مصداق ہیں اور مسلمانوں میں سے ایک شخص بھی انکے لعنتی عقائد کو تسلیم کرنیوالا نہیں ۔

پادری صاحب نے اس بات پر بہت زور دیا ہے اور بار بار اسے بیان کیا ہے کہ قرآن شریف نے تفسیر کا اصول جو مسلمانوں کو سمجھایا وہ اس آیت میں ہے فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔ جس کا ترجمہ وہ یہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ قرآن شریف کی تفسیر توریت اور انجیل سے کیا کریں اور پھر اس سے

یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب تغییر کے لئے انہیں روا رکھا گیا تو پھر وہ کتابیں قابل اتباع بھی ہوئیں۔ بیشک پادری صاحبکو ایسی منطق پر ناز ہونا چاہیئے مگر اصل بات یہ ہے کہ اسجگہ بھی پادری صاحب نے اُسی دجل سے کام لیا ہے جو انکے پیشے کا خاصہ ہے۔ یہ لفظ قرآن شریف میں دو جگہ آئے ہیں سورہ نحل۔ آیت ۴۲ اور سورہ انبیاء آیت ۷۔ اور صرف یہ تفاوت الفاظ من قبلك اور قبلك دونوں جگہ کل آیت کے لفظ ایک ہی ہیں۔ وما ارسلنا قبلك الا رجالا نوحی الیھم فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اور تم سے پہلے ہم نے جن لوگوں کو رسول بنا کر بھیجا وہ بھی آدمی ہی تھے جنکی طرف ہم وحی کرتے تھے اگر تم کو یہ بات معلوم نہیں تو اہل الذکر سے ہی پُوچھ لو۔ بیشرم ہو کر تو انسان جو چاہے کرے اسکے مُنہ کو کون پکڑ سکتا ہے یا اسکی قلم کو کون روک سکتا ہے۔ مگر اگر ان لوگوں میں ذرہ بھی خدا ترسی باقی ہے تو بتا دیں کہ اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ اے مسلمانو تم کو قرآن کے معنے نہ آیا کریں تو مردار پرست عیسائیوں سے پُوچھ لیا کرو۔ اب یہ لوگ وہ ہیں جو آئے دن مسلمانوں سے یہ مطالبہ کیا کرتے ہیں کہ توریت وانجیل کی تحریف کا ثبوت دو۔ مَیں کہتا ہوں وہ تحریف کرنیوالے تو تمہارے ہی بڑے تھے جب تم علم کے زمانے میں جب ہر گھر میں قرآن شریف چھپے ہوئے موجود ہیں۔ قرآن شریف میں تحریف کرنیکے لئے بھی دلیری سے آگے بڑھتے ہو حالانکہ وہ کتاب بھی ایک دوسری قوم کی ہے تو تمنے اُس تاریکی کے زمانے میں جب تمہاری روایتوں پر ہی سارا دارومدار تھا یا اگر کوئی نسخہ ہوگا تو تم جیسوں کے ہی ہاتھ میں ہوگا کیا کیا تحریف نہ کی ہوگی۔ میری سمجھ میں کتاب تاویل القرآن کے چھپ جانیکے بعد تو کسی مسلمان کو توریت اور انجیل کی تحریف کا اس سے بڑھکر ثبوت دینے کی ضرورت نہیں رہی جو اس کتاب کے وجود نے پیدا کر دیا ہے۔ قرآن شریف کی ایک آیت ہے جو دو الگ الگ جگہوں میں مذکور ہے اور ایک سے ہی الفاظ ہیں۔ اس کے ایک حصہ کو چھپایا ہے اور ایک کو ظاہر کیا ہے۔ پھر اس میں مخاطب کفار ہیں اور اس نے مخاطب مسلمانوں کو بنایا ہے۔ پھر پُوچھنے والی بات یہ بیان کی ہے کہ اس سے پہلے بھی آدمی ہی رسول بنا کر بھیجے گئے اور انہیں کی طرف وحی کیگئی اور پادری صاحب کہتے ہیں کہ قرآن کے معنے پُوچھ لیا کرو۔ یہ ہے ان لوگوں کی خدا ترسی اور یہ ہے انکی جرأت اور گستاخی۔ ایسی دلیری سے تحریف کرنے میں آپنے تو اپنے بزرگوں کے بھی کان کتر دیئے۔ پھر یہ کہنا کہ اہل الذکر سے مراد عیسائی ہیں محض حماقت ہی بلکہ یہاں تو ایک گونہ کفار کے ساتھ عیسائیوں کو خود خطاب کیا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ بھی رسول کو آدمی کی بجائے خدا بنائے بیٹھے ہیں سو انکو اللہ تعالیٰ نے اپنی سُنت قدیم کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دیکھو جب سے دنیا ہوئی یہی سُنت الہیہ چلی آئی ہے کہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ رسول بنا کر بھیجتا ہے اور اس پر وحی کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہوتی کہ کبھی خود بھی انسان کا بھروپ بدل کر آجایا کرتا تو یسوع بھی خدا بن سکتا ہے مگر یہ امر اسکی سنت قدیم کے

مخالف پڑا ہوا ہے اس لئے ناممکن ہے۔ اسکے ساتھ کی اگلی آیت سے اسی مطلب کی اور بھی تصریح ہوتی ہے۔
وما جعلنٰھم جسدا لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین۔ یعنی ان رسولوں میں سے جو بھیجے گئے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو طعام کے بغیر زندہ رہ سکے حالانکہ خدا ایسی حاجتوں سے پاک ہے اور نہ ہی ان میں سے کوئی ایسا تھا جو انسانی عمر سے بڑھکر زندہ رہ سکے یعنی سب پر آخر موت بھی آئی۔ اس آیت پر وہ مسلمان بھی غور کریں جو غلطی سے مسیح کو زندہ آسمان پر مانتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ بجسدالعنصری آسمان پر گئے تو یہ جسد تو خدا نے ایسا بنایا ہی نہیں کہ بغیر طعام کے زندہ رہ سکے اس سے تو آسمان پر ایکدم کی زندگی بھی اس جسد عنصری کے ساتھ غیر ممکن ثابت ہوتی ہے اور دوسرے حصہ آیت ما کانوا خالدین سے یہ ثابت ہے کہ طبعی انسانی عمر سے بڑھکر کسی پیغمبر کو عمر بھی نہیں دیگئی اس سے انکا ابتک زندہ رہنا خواہ زمین پر ہوں یا آسمان پر محال ثابت ہوتا ہے۔ یہ پادری صاحب کا اصول تفسیر تھا جسکی بنا پر انہوں نے مسلمانوں کو گویا کہ یہ سب ابتک غلطی کھاتے رہے اور اصل تفسیر فسئلوا اھل الذکر میں تھا۔ اس کا تو یہ حال ہے۔ اب دوسری آیت کو لیجئے۔

دوسری آیت جسپر پادری صاحب نے اپنا اصول تفسیر قائم کیا ہے سورہ یونس کی آیت ۹۴ ہے۔ فان کنت فی شك مما انزلنا الیك فسئل الذین یقرؤن الکتٰب من قبلك لقد جاءك الحق من ربك فلا تکونن من الممترین۔ اب اس آیت میں خطاب شک کرنیوالے مخاطب کو ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ کیونکہ اس سے پہلے جسقدر قرآن نازل ہو چکا تھا اس سے بصراحت تمام ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ واہمہ نہ ہوا تھا کہ وہ کلام جو آپ پر اتارا جاتا ہے وہ خدا کا کلام نہیں ہے۔ جس سورت کو کھول کر پڑھو اسی یقین سے بھری پڑی ہے کہ آپ خدا کی طرف سے ہیں۔ یہانتک کہ میور صاحب نے بھی اسبات کو تسلیم کیا ہے اور اسپر حیرت ظاہر کی ہے کہ کسطرح سے تیقن ہمیشہ بڑی بڑی ناکامیوں اور مصائب کے وقت بھی آپکے دل میں برقرار رہا کہ آپ منجانب اللہ ہیں اور غالب ہوں گے۔ وانه للحق من ربك اور وانه لحق الیقین وغیرہ کلمات سے اس کامل یقین کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے جسکے پاس شک کا واہمہ بھی پھٹک نہیں سکتا۔ پس یہ ثابت ہے کہ اس آیت میں مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ وہ شخص مخاطب ہے جس کو آپکے دعوے میں شک ہے۔ چنانچہ اس سے اگلا رکوع ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے قل یایھا الناس ان کنتم فی شك من دینی جو بالکل اسی کے مطابق ہے فان کنت فی شك مما انزلنا الیك۔ نہ ہی انزلنا الیك اور جاءك الحق سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ قرآن شریف میں بار بار کفار کو مخاطب کرکے یہ کہا گیا ہے کہ تمہاری طرف یہ ذکر اتارا گیا۔ اور تمہارے پاس حق بھیجا گیا۔ پس اس آیت کے یہ معنے ہوئے کہ اے مخاطب اگر تجھے کوئی شک ہے اس کلام میں جو ہم نے تیری طرف اتارا تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو

تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے رہے ہیں (کہ اس رسول کی پیشگوئیاں پہلے سے بھی موجود ہیں) اب جب یہ رسول الحق تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے آچکا تو ہرگز شبہ کرنیوالوں کے زمرہ میں نہ رہ۔ اسی معنی کی تائید کہ مخاطب اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ شک کرنیوالے لوگ ہیں یعنی متذبذب لوگ جو کبھی کہتے تھے سچ ہے کبھی پھر شک کرنے لگتے تھے۔ ساتھ ہی کی آیت سے جو اس کے بعد ہے ہوتی ہے **ولا تکونن من الذین کذبوا بآیات اللہ** اور تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جنہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی۔ اب آیات الٰہی کے لانیوالے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے پس تکذیب کرنے والا کوئی اور گروہ ہے اور انہیں کو خطاب کیا گیا ہے۔ کہا تو یہ گیا ہے کہ اگر تمہیں کوئی شک ہوا سبارہ میں جو اتارا گیا طرف تمہاری یعنی قرآن شریف کے حق ہونے میں۔ یہاں معنوں اور تفسیر کا تو کوئی جھگڑا ہی نہیں اور نہ معنوں میں شک کا ذکر ہے بلکہ ذکر ہے اس بات کا کہ قرآن شریف منجانب اللہ ہے یا نہیں اس سے اصول تفسیر کو کیا تعلق۔ اور اگر بفرض محال یہ بھی مان لیں کہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہے تو پھر بھی کہا تو یہ گیا ہے کہ اگر تمکو شک ہو قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں اور قرآن شریف کے ہزاروں مقامات سے ثابت ہے کہ آپ کو ہرگز ہرگز ایسا شک کبھی نہیں ہوا بلکہ آپکو حق الیقین تھا کہ واقعی قرآن شریف منجانب اللہ ہے۔ اگر حق الیقین نہ ہوتا تو یہ کیوں فرماتے کہ **ادعو علی بصیرۃ** کہ میں علی البصیرت لوگوں کو حق کی طرف بلاتا ہوں۔ باقی رہا اکبر مسیح کا اعتراض قرآن شریف کی ترتیب اور جمع پر سو وہ الگ اور لمبی بحث کو چاہتا ہے اور چونکہ یہ اعتراض مسٹر دلاور حسین کے اعتراضوں میں سے بھی ایک ہے جس کے جواب دینے کا میں پہلے سے ہی وعدہ کر چکا ہوں اس لئے اس کے موقعہ پر اس مضمون پر انشاءاللہ بحث کیجاویگی **وما توفیقی الا باللہ**۔

مقدمہ معجزات مسیح یہ کتاب بھی پہلی کتاب کے ساتھ ہی ریویو کے لئے پہنچی ہے۔ مسیح کے معجزات کے باقی تمام انبیاء کے معجزات سے نرالے رنگ کے ہونے پر بہت زور دیا گیا ہے مگر میں حیران ہوں کہ سوائے پانی کو شراب بنانیوالے معجزہ کے اور کونسا نرالا پن ان میں ہے۔ اس سے پہلے جو نبی گذرے ہیں اُنکے متعلق عیسائیوں کی کتب مقدسہ میں ایسے ایسے عجیب واقعات لکھے ہوئے ہیں کہ مسیح کی زندگی میں انکا نمونہ نہیں دیکھا جاتا۔ اگر مسیح کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ زمین کی طاقتوں پر غالب آیا تو انہیں سے بعض کے متعلق یہ لکھا گیا ہے کہ وہ آسمان کی طاقتوں پر بھی غالب آئے پھر مسیح معجزات سے خدا کیونکر بن سکتا ہے۔ دوسری بات یہ غور طلب ہے کہ مسیح کے معجزات میں وہ باتیں پائی جاتی ہیں جو توہم کی بنا پر مانی جاتی تھیں مثلاً بھوتوں کا نکالنا اور انکو سوروں کے گلہ میں ڈالدینا وغیرہ وغیرہ۔ تیسری بات یہ ہے کہ جس حالت میں یہودیوں نے اسقدر معجزات دیکھے تھے جنکو وہ اپنے انبیاء کے معجزات سے نرالے بھی سمجھتے تھے تو پھر کیوں وہ

آخر عمر تک اس کو جھوٹا کہتے رہے۔ اور اخیر تک اس کو مانا ہی نہیں۔ چوتھے حواریوں نے خود ذرا سی تکلیف کیوقت استقامت کو چھوڑا اور بھاگ گئے۔ افسوس کہ پادری صاحبان کے قول کے بموجب دنیا کی ساری عمر میں ایک ہی وقت ایسا آیا جب خدا نے دل کھولکر معجزات کی بھرمار کی مگر نتیجہ یہ ہوا کہ نہ دشمنوں کی زندگی میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی اور نہ ہی دوستوں کی زندگی میں۔ ورنہ کیوں خود مرید ہی مرشد کو بیچ لیتے اور لعنتیں بھیجتے اور چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ اور تعجب پر تعجب یہ کہ مصیبت کے وقت ایک بھی ساتھ نہ رہا۔ پھر پانچویں بات یہ غور طلب ہے کہ اگر معجزات میں اس قدر ہاتھ آپکا کھلا ہوا تھا تو پیشگوئیاں کرتے وقت کیا ہوگیا۔ بارہ حواریوں میں سے جنکے لئے بارہ تختوں کے وعدے تھے گیارہ تو یونہی خالی گذر گئے مگر ایک نے مرتد ہو کر پیشگوئی کی صحت کا امکان ہی گنوا دیا۔ پھر پیشگوئی کی کہ ابھی یہ نسل زندہ ہی ہوگی جو میں واپس آؤں گا اس کا جو حال ہوا وہ سب جانتے ہیں۔ اسلام کے متعلق مصنف کتاب لکھتا ہے کہ اس مذہب کو معجزات کی ضرورت ہی کیا تھی کیونکہ اسکی تعلیم نیچرل یعنی فطرت انسانی کے مطابق تھی کیونکہ نجات کے لئے اعمال کو ضروری قرار دیا گیا۔ مگر مسیحی مذہب کو اس لئے ضرورت تھی کہ کفارہ اور تثلیث اور الوہیت مسیح کے عقائد فطرت انسانی کے قبول کرنیکے لائق نہ تھے۔ پادریصاحب سوچیں کہ اس کا ماحصل تو یہ ہوا کہ ایک دروغ کو فروغ دینے کیلئے ایک دوسرا دروغ گھڑا گیا۔ یہ دونوں کتابیں پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی نے چھپوائی ہیں۔

تعدد ازدواج اور طلاق پر ایک دہریہ کے خیالات:۔ اگناسٹک جرنل جو ولایت کا ایک دہریہ اخبار ہے ان مقولوں کو بیان کرنیکے بعد جو عورتوں کے حقوق کے متعلق حدیثوں یا اقوال صحابہ سے لئے گئے ہیں لکھتا ہے: عمدہ ہیں اسلام کے عالی ہمت مقولے۔ مگر ایک عیسائی ناک چڑھا کر کہتا ہے کہ مسلمان شہوت پرست قوم ہے کیونکہ ان میں تعدد ازدواج پایا جاتا ہے۔ اے ظالم عیسائی! تم اس سے کہیں بڑھکر شہوت پرست ہو اور کئی کئی عورتوں سے تعلق رکھتے ہو۔ ہاں یہ فرق ہے کہ ساتھ ظاہر داری اور منافقت رکھتے ہو اور لوگوں سے چھپ کر دوسری عورتوں کے پاس جاتے ہو۔ اسی لنڈن میں ایک لاکھ عورتیں موجود ہیں جو کھلے طور پر زنا کا پیشہ کرتی ہیں۔ اور خفیہ طور پر عشق رکھنے والیوں کی تعداد کی کوئی حد ہی نہیں۔ کیا ان کے پاس صرف بن بیاہے لوگ ہی جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ قسطنطنیہ مراکش یا کسی اور مسلمانوں کے شہر میں چلے جاؤ اور جتنا جی چاہے تلاش کرو نہ تمہیں کوئی کسبی نظر آئیگی اور نہ کوئی شراب سے متوالا ہی ملیگا۔ غور کرو کہ اس بارہ میں یسوع مسیح کے مقابل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسقدر عظیم الشان انسان ثابت ہوتا ہے۔ فرانس میں جو عیسائی ملک ہے چکلوں کا لائسنس سرکاری طور پر دیا جاتا ہے۔..... میرا ایک دوست جو لندن کے فسق و فجور کے نظاروں کو دیکھنے کا عادی تھا کچھ عرصہ ہوا قسطنطنیہ میں گیا مگر یہاں اسکو ایک چکلہ بھی نظر نہ آیا۔ ہاں آخرکار اس نے ایک بدکاری کا گھر دیکھا اور

صرف ایک ہی۔ وہ عورت آگے بڑھی اور اسے خطاب کیا۔ اور وہ انگریزی قوم کی عورت تھی اور عیسائی تھی وہ اکیلی کسبی جو قسطنطنیہ کے بازاروں میں پائی جاتی ہے اللہ اور محمدؐ کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھی صرف یہوواہ اور یسوع کے نام سے واقف تھی۔ اور کنواری مریمؑ کے نام سے۔ اگر یہ انسانی ضرورت ہی ہے کہ آدمی تعدد ازدواج کرے تو بہت بہتر ہے کہ وہ گھر میں اپنا حرم رکھے بہ نسبت اسکے کہ ایک ملا جلا حرم بازار میں اسکے لئے ہو۔ عیسائی کلیسیا زوج واحد کے قاعدہ کو ضروری ٹھہراتی ہے اور طلاق کی اجازت نہیں دیتی حالانکہ اگر خاوند اور عورت میں موافقت نہیں تو ایسا گھر دنیا میں بدترین دوزخ ہے۔ پراٹسٹنٹ فرقہ جنہوں نے جھوٹ موٹ زوج واحد کے قاعدہ کی پابندی اختیار کی ہوئی ہے طلاق کی عدالتیں بھی رکھتا ہے۔ اور فرانسیسی طریق پر وہ انکو جاری رکھتے ہیں۔ اے سر فرانسس جیون کی روح اس بات کی شہادت دے کہ ان عدالتوں میں ان ان واقعات کا اظہار ہوتا ہے جنکو انگلستان کا ذلیل سے ذلیل اور گندہ سے گندہ اخبار بھی شائع کرنیکی جرأت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگرچہ اندر سے ہم کیسے ہی گندے ہوں مگر ظاہر میں ہم اپنے آپکو پاک دکھانا چاہتے ہیں اور ان حالات کے ماتحت ہماری انسانی نسل کی نشو و نما ہو رہی ہے"۔ اور ان حالتوں کے ہوتے ہوئے تعدد ازدواج اور طلاق پر اعتراض ہوتے ہیں۔

امریکہ کا جھوٹا مدعی نبوت ڈوئی:۔ ڈوئی نے بڑی محنت سے ایک شہر آباد کیا تھا جسکا نام اس نے صیہون رکھا۔ اسجگہ وہ اپنے تمام مریدوں کو کام کیلئے بلاتا ہے۔ اور انکو بڑے بڑے جھوٹے وعدے دیتا ہے کہ اسجگہ انکی مالی حالت سنور جائیگی اور وہ امیر ہو جائیں گے۔ کچھ عرصے تک تو لوگ اسکے دھوکے میں آتے رہے مگر اب یہ بات کھل گئی ہے چنانچہ نیوزیلنڈ کے ایک پرچے میں ایک عورت کی چٹھی ذیل کے مضمون کی چھپی ہے "میں شہر صیہون سے بہت مایوس ہو گئی ہوں یہ ایک نہایت مفلس شہر ہے۔ کل چھ کارخانے بھی نہیں اور میں تمکو مشورہ دیتی ہوں کہ اسجگہ ہرگز نہ آؤ جو چاہو۔ یہ بات سنادو جس سرعت سے لوگ شہر میں داخل ہوتے ہیں اسی سرعت سے نکلتے بھی جاتے ہیں۔ اور چھوٹی چھوٹی بات پر انکو نکال دیا جاتا ہے صیہون شہر میں بہت سے غمناک دل ہیں بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے یہاں آکر اپنی تمام عمر کی کمائی کو غارت کر دیا ہے .... اس شہر پر ایک سیاہ گھٹا چھائی ہوئی ہے"۔ ایک اور خط میں جو ایک دوسرے اخبار میں چھپا ہے راقم یوں رقمطراز ہے۔ "میں اس پہلے گروہ میں سے ہوں جنہوں نے گذشتہ اپریل میں صیہون کی خاطر نیوزیلنڈ کو چھوڑا تھا تین ماہ کے بعد جیسا میں نے اسجگہ کو پایا ہے اسی کے مطابق یہ میرا بیان ہے نیوزیلنڈ میں صیہون کے متعلق بڑی بڑی دولتمندی کے وعدے دیئے جاتے ہیں جہاں گویا بہت سے مالدار اور خوشحال لوگ رہتے ہیں۔ مگر میری یہ سچی خواہش ہے کہ نیوزیلنڈ کے لوگ جو صیہون کو ایک خوبصورت شہر سمجھ کر یہاں رہنے کے خواہشمند ہیں یہ جان لیں کہ

ایک عورت کا نام [illegible] تھی صدی عیسوی میں ہوئی ایسے قتل کا الزام لگا کر اس کے [illegible] کی [illegible] صاحب نے [illegible] سے بڑی [illegible] کی عدالت میں ارتکاب

یہ محض دھوکے کی ٹٹی اور جال ہے ہم اکثر دھوکہ خوردہ لوگ ہیں اور نیوزیلنڈ کو واپس آنا چاہتے ہیں۔ اور بہت سے ہم میں سے جلدی ہی واپس آجائیں گے۔ کام بہت کم ملتا ہے۔ تنخواہیں تھوڑی۔ کھانے اور پینے کی چیزیں بہت گراں۔ مکانوں کا کرایہ بہت زیادہ۔ تعلیم آزادی سے نہیں دی جاتی۔ اس شہر پر اسقدر اداسی چھائی ہوئی ہے کہ اسے جیلخانہ کہنا چاہیئے۔ نیوزیلنڈ سے نہیں پہلے اڑہائی سال سے ڈوئی کے مریدوں میں میرا نام تھا اور میری حالت اچھی تھی۔ جبتک یہ چٹھی چھپے گی تب تک طوعاً یا کرہاً صیہون سے میرا اخراج ہوچکا ہوگا اور اسکی وجہ میری اس رائے کا اظہار ہوگا۔" حال میں ہی ڈوئی کے مریدوں کی ایک جماعت جو نیوزیلنڈ سے ہجرت کرکے گئی تھی صیہون سے واپس آگئی ہے وہ اور بھی بدتر حالت اس جھوٹے مدعی کی بیان کرتی ہے۔ چنانچہ اخبار سٹار کے ایک نامہ نگار نے انسے خود حالات دریافت کئے تو انہوں نے یہ باتیں بیان کیں۔ "نیوزیلنڈ صیہون کے مقابلہ میں ایک بہشت ہے۔ ..... کہتے ہیں کہ ڈوئی کو شہر صیہوں کے چھوڑنیکا نوٹس مل گیا ہے۔ مگر خواہ یہ بات سچ ہو یا جھوٹ وہ مکسیکو میں جگہ ضرور تلاش کررہا ہے۔ اس غرض کے لئے اسے قریباً چار کروڑ روپیہ چاہیئے۔ قریباً اڑہائی کروڑ نئے شہر کے لئے اور ڈیڑھ کروڑ کے قریب موجودہ تجارتی مشکلات سے نکلنے کے لئے .... گوٹے کا بڑا کارخانہ جسکے متعلق ڈوئی اسقدر لاف زنی کرتا تھا وہ بند ہوچکا ہے اور باقی کارخانوں کی حالت بھی بری ہے ... سوائے ڈوئی اور اس کے چند چیدہ مریدوں کے اور کوئی شخص وہاں جاکر خوشحال نہیں ہوتا۔ اس زمانے میں یہ سب سے بڑی دھوکہ بازی ہے ..... اگر وہ کہانیاں مصیبت اور مایوسی کی بیان کی جائیں جو واقع ہوتی ہیں تو سامعین رو پڑیں۔ وہاں خدا کی پرستش نہیں ہوتی بلکہ زر کی پرستش ہوتی ہے۔ صیہون کی زمین میں بیس لاکھ سے اوپر کے رہن نامے ہیں .... یہ ایک عظیم الشان دھوکہ بازی ہے۔ چار پانچ ہزار آدمی سے زیادہ اس شہر میں نہیں اور ان میں سیکڑوں ایسے ہیں جو اپنی جانیں بیچکر بھی نکلنے کو تیار ہیں مگر افسوس کہ انکے پاس ذرائع نہیں۔" یہ ہوتا ہے جھوٹوں کا انجام کہ خدا تعالیٰ انکی زندگی میں ہی انکو رسوا کرکے ذلیل کردیتا ہے۔ حالانکہ یہ شخص الہام کا دعویٰ بھی نہیں کرتا مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اُسے ذلیل کرکے دکھا دیا کہ جو خدا سے نصرت پاتے ہیں وہ کبھی اسطرح مخذول نہیں ہوتے۔

نوٹ۔ سال آئندہ:- اس جلد کے اختتام کے ساتھ غلامی کا مضمون تو ختم ہوگیا۔ مگر ابھی تین اہم مضامین اس سلسلہ کے جو شروع ہوئے تھے باقی ہیں۔ یعنی سود اور تقسیم وراثت اور جمع و ترتیب قرآن کریم۔ سو ان پر انشاء اللہ سال آئندہ میں بحث کی جاوے گی۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعودؑ

یکم نومبر ۱۹۰۵ء - دستِ تو دعائے تو ترحم زخدا ✦ ۹- نومبر ۱۹۰۵ء- صبح - رؤیا - خواب میں گنا دکھائی دیا- فرمایا-
اس سے مراد کوئی مفسدہ ہنگامہ ہوتا ہے الہام جو اس کے ساتھ ہوا یہ ہے- انی مع الرسول اقوم-
۱۴- نومبر ۱۹۰۵ء - انك باعيننا سميتك المتوكل- ۔ ۔ نومبر ۱۹۰۵ء - ایک کاغذ دکھایا گیا جس پر
عربی عبارت میں ایمان کے اقسام لکھے ہوئے ہیں- وہ عبارت یاد نہیں رہی- مگر اس کا مطلب غالباً یہ تھا
کہ ایمان چار قسم ہے- ایک روائتی ایمان- دوسرا وہ جو بصیرۃ سے حاصل ہوتا ہے- تیسرا حالی ایمان- چوتھا
استغراقی جو محویت سے حاصل ہوتا ہے- ۲۰- نومبر ۱۹۰۵ء - انی معك یا ابن رسول اللہ- (ترجمہ) میں
تیرے ساتھ ہوں اے رسول اللہ کے بیٹے- ۲- سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں- جمع کرو- علیٰ دینٍ واحدٍ
چند روز ہوئے- مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کو رؤیا میں دیکھا- پہلے کچھ باتیں ہوئیں- پھر خیال آیا کہ یہ تو
فوت شدہ ہیں- آؤ ان سے دعا کرائیں- تب میں نے انکو کہا کہ آپ میرے واسطے دعا کریں- کہ میری اتنی عمر ہو
کہ سلسلہ کی تکمیل کے واسطے کافی وقت مل جائے- اسکے جواب میں انہوں نے کہا- تحصیلدار- میں نے کہا- یہ آپ
غیر متعلق بات کرتے ہیں- جس امر کے واسطے میں نے آپکو دعا کے واسطے کہا ہے آپ وہ دعا کریں- تب انہوں نے
دعا کے واسطے سینے تک ہاتھ اٹھائے- مگر اونچے نہ کئے- اور کہا اکیس- میں نے کہا کھولکر بیان کرو- مگر انہوں نے کچھ کھولکر
نہ بیان کیا اور بار بار اکیس اکیس کہتے رہے- اور پھر چلے گئے- فرمایا- تحصیلدار کے لفظ سے یہ مراد معلوم ہوتی
ہے کہ تحصیلدار کے دو کام ہوتے ہیں ایک رعایا سے سرکاری لگان وصول کرنا دوسرے رعایا کے باہمی حقوق کا تصفیہ کرنا اور انمیں
باہم عدل قائم کرنا- اسیطرح مسیح موعودؑ کا یہ کام ہے کہ خدا کے حق کا مطالبہ کرے- اور توحید کو زمین پر پھیلاوے- دوسرے یہ کہ حکم عدل
ہو کر امت محمدیہ کو باہمی عدل پر قائم کرے- ۲۹- نومبر ۱۹۰۵ء (۱) قل میعاد ربك- ترجمہ- تیرے رب کی میعاد
تھوڑی رہ گئی ہے (۲) بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں (۳) اس دن سب پر اداسی چھا جائیگی- (۴) قرب
اجلك المقدر- ولا نبقي لك من المخزیات ذکراً- ترجمہ- قریب ہے تیری اجل مقدر اور تیرے رسوا کرنیوالے
امور میں سے کسی کا ذکر ہم باقی نہ رکھیں گے-

چند روز کی رؤیا ہے کہ ایک کوری ٹنڈ میں کچھ پانی مجھے دیا گیا ہے پانی صرف دو تین گھونٹ باقی
اس میں رہ گیا ہے لیکن بہت مصفّٰی اور مقطّر پانی ہے- اسکے ساتھ الہام تھا- آبِ زندگی یہ خواب
پہلے بھی شائع ہو چکا ہے-

۲-دسمبر-رؤیا- دیکھا کہ ایک دیوار پر ایک مرغی ہے وہ کچھ عربی میں بولتی ہے اس میں آخری فقرہ جو یاد رہا یہ تھا- ان کنتم مسلمین- اسکے بعد بیداری ہوئی یہ خیال تھا کہ پہلے لفظ کیا تھے- پھر الہام ہوا- انفقوا فی سبیل اللہ ان کنتم مسلمین (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرو اگر تم مسلمان ہو)- فرمایا اس میں خطاب جماعت کیطرف تھا{ فرمایا- جماعت کو چاہیئے اس حکم کیطرف توجہ کریں- مرغی اپنے عمل سے دکھاتی ہے کہ کسطرح انفاق فی سبیل اللہ کرنا چاہیئے- کیونکہ وہ انسان کی خاطر اپنی جان قربان کرتی ہے اور ذبح کیجاتی ہے- سو ہماری جماعت کے مومنین اگر ہماری آواز کو نہیں سنتے تو اس مرغی کی آواز کو سنیں مگر سب برابر نہیں کئی مخلص ایسے ہیں کہ اپنی طاقت سے زیادہ خدمتیں لگے ہوئے ہیں خدا انکو جزائے خیر دے} ۶ دسمبر- قرب اجلك المقدر ولا نبقی لك من المخزیات ذکرا قل میعاد ربك ولا نبقی لك من المخزیات شیئا- ۷-دسمبر- قرب اجلك المقدر واخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین- ۹-دسمبر- انزل فیھا کل رحمۃ (خیال ہے قبرستان کے متعلق تھا- جو اپنی جماعت کے لئے تجویز کیا گیا ہے)

جس میں اسلام کی حمایت اسقدر زور کے ساتھ کیگئی ہے جیسا آپکے شاندار پرچے میں" پھر "میں آپکو اس قابل قدر پرچے کا ایڈیٹر ہونیکی حیثیت سے مبارکباد دیتا ہوں میں نے ابتک کوئی ایسی کتاب یا پرچہ نہیں پڑھا جسمیں اسلام کی حمایت اس زبردست اور طاقتور ہاتھ سے کیگئی ہو جیسے آپکے اس رسالہ میں کی جاتی ہے-"

مولوی عبد الولی صاحب- لکھنؤ- "درحقیقت یہ رسالہ نہایت اعلیٰ درجہ کا علمی مجلہ ہے اور اردو زبان کی خوش قسمتی ہے کہ ایسے علمی پرچے ہندوستان میں شائع ہوتے ہیں..... جس تحقیقات سے مسئلہ طلاق کے متعلق بحث کیگئی ہے وہ تحقیقات کی آخری حد ہے- کیا اچھا ہوتا اگر اس رسالہ کے مطالعہ کا ہمیشہ موقع ملتا-"

میر ہدایت اللہ اسسٹنٹ سرجن جہلم- "... ن ہوئے مجھے ریویو کی آٹھ نمبر پہنچے اسکا بڑا حصہ میں نے پڑھ لیا ہے- میں آپکو مبارکباد دیتا ہوں اسلام کی اس تائید کیلئے جسکی آپ کوشش کر رہے ہیں..... اس رسالہ کا ایک ورق بھی میں ایسا نہیں اٹھاتا جس سے اسلام کا جلال ظاہر نہ ہوتا ہو-"

شیخ فرزند علی از راولپنڈی- "اسی موقعہ پر میں آپ کو اسلام کی ان قیمتی خدمات کیلئے جو آپکا میگزین کر رہا ہے مبارکباد دیتا ہوں میں احمدی نہیں مگر آپ کی تحریروں کا مداح ہوں اور میں اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ یورپ میں جو کچھ اسلام کی ابتک قدر کیگئی ہے آپ کی تحریریں اسکو نمایاں طور پر بڑھا رہی ہیں-"

ایم حبیب احمد بی اے- مالیر کوٹلہ- "رسالہ ریویو اگست کا میرے پاس پہنچا اسمیں غلامی پر آرٹیکل تھا جو مخالفوں کے لئے فی الحقیقت دندان شکن جواب ہے..... ریویو کے متعلق میں کہنا چاہتا تھا مگر اسوقت مجھے فرصت

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

"شکریہ معاونین"

جن احباب نے اعانت کا روپیہ بھیجکر یا جدید خریدار بہم پہنچا کر رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت میں مدد دینے میں حصہ لیا ہے انکے نام بقید زر اعانت یا تعداد خریداران کے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس سعی فی سبیل اللہ کی جزائے خیر دے آمین ثم آمین۔

زر اعانت بھیجنے والے احباب } منشی وزیر خانصاحب یرہما یکصد روپیہ۔ جماعت سیالکوٹ ۹۰ - جماعت جموں ۵۰ - جماعت ڈیرہ غازیخاں ۴۵ - حکیم فضل الدین صاحب قادیان ۱۵ - جماعت کپورتھلہ ۳۶ - جماعت میرٹھ ۲۵ (اس میں سے ۲۰ بیوہ رحمٰن بخش صاحب مرحوم نے محض ابتغاءً اللہ دیا ہے - اپنی جماعت خصوصاً عورتوں کے لئے یہ ایک خاص نمونہ تحریک نیکی کا ہے اللہ تعالیٰ دوسروں کے دلوں میں بھی انکے نقش قدم پر چلنے کی نیک تحریک پیدا کرے آمین) شیخ غلام نبی صاحب راولپنڈی ۲۳ - شیخ مظفر الدین صاحب انسپکٹر پولیس پشاور ۲۲ - منشی عبد الرحمٰن صاحب شملہ ۲۰ - بابو دلدار خاں صاحب پشاور ۱۵ - میاں الٰہی بخش صاحب بمبئی ۱۵ - چوہدری رستم علی صاحب انبالہ ۱۵ - ڈاکٹر سید جلال صاحب افریقہ حال سیالکوٹ ۱۲ - ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب لاہور ۱۰ - ڈاکٹر میر ہدایت اللہ صاحب جہلم ۹ - منشی محمد اصغر صاحب توان شہر ۱۰ (یہ دونوں صاحب جماعت احمدیہ میں شامل نہیں اور ان کا نمونہ باقی کے لئے قابل تقلید ہے۔)

مرزا محمد شفیع صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خاں ۹ - میاں اللہ بخش صاحب سوداگر امرتسر ۹ - سید حیات علی شاہ صاحب ۸ - بابو محمد الٰہی صاحب کوہاٹ ۸ - جماعت جہلم ۷ - ملک مولیٰ بخش صاحب گورالی ۶ - جماعت کنجاہ ضلع گجرات ۶ - میاں کریم بخش صاحب کوئٹہ ۶ - حافظ عبد العلی صاحب گودھا ۵ - جماعت اوجلہ ۵ - میاں عبد اللہ کھرل چک نمبر ۲۷۸ ۵ - زین الدین محمد ابراہیم بمبئی ۵ - بابو شاہ دین صاحب لارنس پور ۴ - چودھری نواب خاں صاحب نمبردار ابہرام ۴ - قاضی عبد الرحیم صاحب جموں ۴ - منشی اللہ بخش صاحب وانون ۴ - ڈاکٹر یعقوب خانصاحب موتہ ۴ - بابو خیر الدین صاحب گارڈ کوہاٹ ۴ - جماعت مکووال ۴ - میاں غلام رسول اوجلہ ۴ - بابو گلاب خان صاحب دھرمسالہ ۴ - بابو برکت علی صاحب شملہ ۴ - منشی غلام محمد پٹواری ربیہ ۴ - چودھری سرفراز خان صاحب بدوملی ۴ - بابو عبد المجید صاحب گوگری ۴ - میاں محمد حسن دفتری قادیان ۴ -

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ نمبر ۱

بابت ماہ جنوری ۱۹۰۶ء

فہرست مضامین

امریکہ میں تبلیغ

مسٹر محمد الگزنڈر رسل وب صاحب کا خط مرقومہ ۲۶ - نومبر ۱۹۰۵ء جو مجھے اخیر دسمبر میں ملا ہے اس کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں کیونکہ بہت سے احباب نے خواہش کی ہے کہ ایسے خطوط وقتاً فوقتاً شایع ہوتے رہنے چاہئیں وہ لکھتے ہیں -

در السلام علیکم ورحمتہ اللہ - آپ کا پہلی تاریخ کا عنایت نامہ مجھے ابھی پہنچا ہے - اور میں اسی وقت اسکا جواب بھی لکھنے بیٹھ گیا ہوں - میں آپ کو یقین دلاتا ہوں - کہ اشاعت اسلام کے لئے کوئی خدمت خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی ہو کرنے سے مجھے بہت خوشی حاصل ہوتی ہے - اور چونکہ آپ کے میگزین کو میں سچے دل سے ایک نہایت زبردست ذریعہ صداقت کے پھیلانے کا سمجھتا ہوں اس لئے مجھے آپ کی خدمت کرنے سے خوشی ہوتی ہے - جو کاپیاں میگزین کی آپ مجھے بھیجتے رہے ہیں - وہ میں ان لوگوں کو بانٹ دیتا رہا ہوں جنہوں نے اُسے شوق سے پڑھنے کا اقرار کیا اور جب زیادہ کاپیاں مجھے بھیجی جاتی تھیں تو میں اُن کو ایسے طور پر تقسیم کر دیا کرتا تھا جس سے کوئی فائدہ ہو - بعض ایسی مثالیں تو میرے علم میں ہیں جہاں ان میگزینوں نے تحقیق کی روح پیدا کر دی ہے مگر مجھے یہ علم نہیں کہ کوئی چندہ دہندہ والا خریدار بھی پیدا ہوا ہے یا نہیں - اس ملک کے لوگ عجیب قسم کے ہیں وہ ایسی باتوں کے لئے جن سے ان کو نفسانی لذات اور خوشی حاصل ہو سوسائٹی میں عزت بڑھے - کھلے دل سے روپیہ خرچ کرتے ہیں بڑا بننے کی خواہش اس جگہ دوسرے یورپی ممالک سے بہت بڑھی ہوئی ہے - کیونکہ اسکا حاصل کرنا بھی آسان ہے - اور روپیہ سے فی الفور آدمی بڑا بن جاتا ہے - یہ ایک بڑی بھاری روک ہے جسکا مجھے مقابلہ کرنا پڑا ہے - ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو آج اسلامی عقیدہ کو ظاہر کرنے کے لئے تیار ہیں اگر ان کو یہ خوف نہ ہو - کہ اس سے سوسائٹی میں ان کی حیثیت بگڑ جائے گی - آپ کہیں گے کہ یہ تو اس بات کی علامت ہے کہ انہوں نے اسلام کو ٹھیک سمجھا نہیں اور انکے دل وہ بات نہیں جس کا وہ منہ سے اقرار کرتے ہیں یہ بات ایک حد تک صحیح ہے مگر بکلی صحیح نہیں - اصل بات یہ ہے کہ انکی خود غرضی اور اخلاقی بزدلی انکے کانشنس کی ترغیب پر غالب آجاتی ہے - میں نے ایکدفعہ ایک دوست کو تحریک کی کہ وہ آپکے میگزین کو خرید کرے تو اس نے جواب دیا کہ میں تو خوشی سے ایسا کروں مگر آپ جانتے ہیں - کہ میری عورت ایک متعصب ممبر میتھوڈسٹ کلیسیا کی ہے اور میگزین کے میرے گھر میں ہونے سے فساد پیدا ہوگا جب میں گیارہ سال ہوئے اپنا رسالہ مسلم ورلڈ نکالا کرتا تھا - اور اسے نہایت کم قیمت پر فروخت کرتا تھا - تو اسوقت بھی امریکہ میں بہت خریدار نہ تھے - کیونکہ وہ ایسے ایک تبلیغی پرچہ سمجھکر یہ چاہتے تھے کہ اسکی اشاعت مفت ہو چنانچہ مجھے یہی طریق اختیار کرنا پڑا تھا -

کوئی کہیگا کہ وب صاحب امید بھی دلاتے ہیں اور ناامیدی بھی مگر میں اپنی جماعت کو مخاطب کرکے یہ کہتا ہوں کہ ہم ہرگز ناامید نہیں کیونکہ خدا تعالی کے وعدے ہیں کہ وہ اسلام کو غالب کریگا اور اس سلسلہ کے ذریعہ سے اسے ملکوں میں پھیلائیگا ہمارا کام کوشش اور ہمت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اسلام (۶) بجواب سیل

اسلامی بہشت اور دوزخ

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ معترضین جب اسلام پر اعتراض کرتے ہیں تو کسی اصول کی پابندی سے نہیں کرتے۔ مثلاً ایک مسلمان جب عیسائی مذہب پر کوئی اعتراض کریگا تو وہ ایسا اعتراض ہرگز نہیں کریگا۔ جو اس کے اپنے مذہب پر آتا ہو۔ مگر عیسائی صاحبان کو اس بات کی قطعًا کوئی پروا نہیں۔ خدا جانے کب تک ان کا یہ شیوہ چلا جائیگا اور کب وہ سمجھیں گے کہ مذہب دہوکہ بازی کا نام نہیں۔ بلکہ حق طلبی اور حق پسندی سچے مذہب کی پہلی نشانی ہے۔ پھر ایک اور عجیب بات ہے کہ جس لفظ پر اُنکے خیال میں کوئی زد پڑ سکتی ہو۔ خواہ وہ کیسی ہی لغو اور اپنے اصول کے برخلاف بھی کیوں نہ ہو۔ وہ تو پادری صاحبان بڑی محنت سے ورق گردانی کرکے نکال لیتے ہیں مگر صاف اور صریح آیات جنپر اگر وہ غور کریں تو ان کا اعتراض خود ہی دُور ہو جائے وہ ان کو ملتی ہی نہیں۔ مگر تعجب کیا کیا جائے جب ان لوگوں نے تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ رکھی ہے اور اُنکی غرض اسلام کے اصول کی تہ تک پُہنچنا نہیں بلکہ صرف اسکو کسی نہ کسی رنگ میں بدنما کرکے دکھلانا ہے تا عیسائیت کا دَورہ ختم نہ ہو جائے انجیل کو مان کر نعمائے جنت اور آلام نار پر اعتراض کرنا بڑی جرأت کا کام ہے مگر اس بات کو چھوڑ کر میں یہ کہتا ہوں کہ کیا پادری صاحب نے کبھی جنت اور نار کے متعلق قرآن کریم کی کُل آیتوں کو یکجائی نظر سے دیکھا اور انپر غور کیا ہے کہ اسلام کا اصل منشا کیا ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ دنیا کی کُل مذہبی کتابوں میں سے یہ خصوصیت صرف قرآن کریم ہی میں پائی جاتی ہے۔ کہ نہ صرف اس نے بہشت کی لذات اور راحت کے اصل فلسفہ کو نہایت صفائی سے بیان کیا ہے۔ بلکہ وہ طریق بھی بتا دیا ہے جسپر چلکر انسان اِسی دنیا میں اس موعودہ جنت کی جھلک دیکھ سکتا ہے اور یقین کامل سے بول اُٹھتا ہے کہ واقعی حق وہی ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن شریف میں بیان فرمایا

ہے۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ اس سے نہ صرف اسلام کا دامن تمام اعتراضوں سے ہی پاک ہوتا ہے بلکہ معًا یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ واقعی اسلام ہی حصول نجات کا اکیلا ذریعہ ہے کیونکہ جس نجات کا وہ آئندہ وعدہ کرتا ہے اس نجات کا مزہ وہ اسی دنیا میں چکھا دیتا ہے۔ تمام مذاہب نے آئندہ زندگی اور اس دنیا کی زندگی کے درمیان موت کو ایک ایسا پہاڑ سمجھا ہے کہ اسکے اِدھر کے نظاروں کو اُدھر کے نظاروں سے گویا کچھ تعلق ہی نہیں مگر اسلام کے نزدیک موت صرف اِس عالم سے اُس عالم کی طرف انتقال کرنیکا ایک دروازہ ہے اور جس روحانی حالت میں انسان اپنی موت کے وقت ہوتا ہے اسی حالتیں وہ اپنے آپ کو اس دوسرے عالم میں پاتا ہے۔

اس امر کی تائید قرآن شریف کے بہت سے مقامات سے ہوتی ہے مثلاً اسی آیت پر غور کرو۔ من کان فی ھذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی واضل سبیلا۔ یعنی جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہیگا۔ اب ظاہر ہے کہ اُس دنیا میں اندھا رہنے سے یہ مراد ہے کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور بہشتی زندگی اس کو نہیں ملیگی پس آیت کا صاف مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اس دنیا میں بہشتی زندگی حاصل نہیں کرلیتا وہ آخرت میں بھی جنت سے محروم رہیگا پس قرآن شریف کی رُو سے انسان کی بہشتی زندگی اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے اور اسکی بنیاد اسی جگہ رکھی جاتی ہے ایک اور امر قابل غور اس آیت میں یہ ہے کہ اندھا رہنے کی حالت کو گویا دوزخ سے تعبیر کیا ہے۔ جس سے یہ منشا ہے کہ جو شخص اس دنیا میں روحانی امور سے اندھا رہا اور جس نے اللہ تعالےٰ کے چہرہ کو اس دنیا میں نہیں دیکھا وہ اس سبب سے کہ ناپاکیوں میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے گویا دوزخ میں پڑا ہوا ہے اور اسی دنیا کی ناپاکیوں کا دوزخ اسکے لئے آخرت میں دوزخ بن جائے گا بہشت کی سب سے بڑی نعمت دیدار الٰہی ہے اور اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کو اس کے چمکدار نشانوں سے اسی دنیا میں دیکھ لے اور اگر یہاں اس کو وہ آنکھیں نہیں ملیں جن سے وہ اللہ تعالیٰ کو یقین کامل سے دیکھتا ہے تو آخرت میں بھی اس سے محروم ہی رہیگا۔ پس جب نعمائے جنت میں سے سب سے بڑی نعمت بھی انسان کو اسی دنیا میں حاصل ہونی چاہئے تو معلوم ہوا کہ لذات جنت کا حصول اسی دنیا سے شروع ہوتا ہے اگرچہ جیسا میں آگے چلکر دکھاؤنگا اس دنیا میں ان لذات کا حصول ایک باریک اور مخفی رنگ میں ہوتا ہے جس کو صرف عارف ہی پہچانتا ہے اور اس دوسری دنیا میں ان تمام لذات کا حصول نہایت کھُلے طور پر ہوگا۔ پس اصل حقیقت اس دنیا کی بہشتی زندگی اور اُس عالم کی بہشتی زندگی کی ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کو ایک الگ رنگ کا

نور اور آنکھیں مل جائیں۔

اسی طرح پر اور بہت سی آیات سے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں صاف الفاظ میں فرماتا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ یعنی راستبازوں کے لئے جو مقام رب سے ڈرتے ہیں دو جنت ہونگے یعنی ایک جنت اسی دنیا میں اور ایک جنت آخرت میں۔ پس سب سے اول اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ اس دنیا میں جس جنت کا مومن کو وعدہ دیا گیا ہے وہ کس قسم کا جنت ہے یعنی اس کی حقیقت کیا ہے کیونکہ اصل حقیقت دونوں جنتوں کی ایک ہی ہے جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے۔ اگرچہ کیفیات میں فرق ہے قرآن شریف کی رُو سے اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت کا نام بہشتی زندگی ہے چنانچہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے۔ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ یعنی اے نفس خدا کے ساتھ آرام یافتہ۔ اپنے رب کی طرف واپس آ وہ تجھ سے راضی تو اس سے راضی پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے بہشت کے اندر آجا یہی اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت کہ انسان اسی دنیوی زندگی میں خدائے تعالیٰ کے ساتھ آرام پا جائے اور تمام اطمینان اور سرور اور لذت اس کی خدا میں ہی ہو جائے وہ حالت ہے جس کا نام بہشتی زندگی ہے اور یہ بہشتی زندگی اسی دنیا میں حاصل ہو جاتی ہے ایسا ہی قرآن شریف میں دوسری جگہ پر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ یعنی جو شخص اپنے تمام قویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرتا ہے وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس پر نہ کوئی خوف اور نہ حزن وارد ہو سکتا ہے یعنی اول اسی دنیا پر ایک بہشت میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ بہشتی زندگی آئندہ بہشتی زندگی کے لئے گویا بطور ایک تمہید کے ہوتی ہے۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ اسلام کی تعلیم کی رُو سے تو اس دنیا کی بہشتی زندگی بھی انسان کو اسوقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک وہ اپنے نفسانی جذبات پر قابو نہیں پاتا اور اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری جس میں خدا اس سے راضی ہوا اور وہ خدا سے راضی ہوا اختیار نہیں کر لیتا۔ اور اسلام کے دشمن کہتے ہیں کہ اسلام ایک ایسے بہشت کی تعلیم دیتا ہے جو نفسانی جذبات کے پورا کرنے کا ذریعہ ہے بہشت کی اس نہایت مطہر زندگی کو نفسانی زندگی کہنا ان عیسائی صاحبان کا ہی کام ہے جو ہر طرح کے نفسانی جذبات کے مطیع ہو کر بھی یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ مسیح کے کفارہ نے ان کو گناہ سے نجات دیدی ہے

اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چلکر بھی وہ بہشت کی سیدھی سڑک پر قدم مار رہے ہیں کیا پادری صاحبان کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اس مذہب کے خلاف نفسانی بہشت کا اعتراض کیونکر ہو سکتا ہے جو نجات کے لیئے ہر قسم کی خواہشات سے پاک ہونیکو ضروری ٹھہراتا ہے اور بغیر گناہ سے نجات کے حقیقی نجات کا اور کوئی راہ ہی نہیں بتاتا۔ کیا مسلمان کبھی یہ خیال کر سکتے ہیں کہ انکا بہشت نفسانی جذبات کے پورا کرنے کا ذریعہ ہے* جبکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ داخل ہی نہیں ہو سکتے؟ پہلا قدم ہی بہشت کی طرف اُسوقت اُٹھ سکتا ہے جب انسان تمام نفسانی جذبات سے پاک ہو جائے اور پھر واقعی اس بہشتی زندگی کو حاصل کرنے کے لیئے راستبازی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراحل طے کرنے ضروری ہیں۔ پس غور کرلو کہ یہ اعتراض جو اسلام کے خلاف کیا جاتا ہے۔ کس قدر حماقت پر مبنی ہے۔

اگر اسلام حصول جنت کی بنیاد کسی ایسے عقیدہ ... پر رکھتا جیسے کفارہ جس کی رُو سے ایک غلط کار ... نفسانی خواہشات میں مبتلا انسان مرتے ہی مثلاً کفارہ کی طفیل جنت میں داخل ہو سکتا ہے تو نفسانی بہشت کا اعتراض اسپر صادق آسکتا تھا۔ مگر جس صورت میں اسلام کی یہ کھُلی کھُلی تعلیم ہے جس سے کسی عیسائی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ بغیر گناہ سے نجات حاصل کرنیکے کوئی آدمی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جب تک اس دنیا میں اس کی زندگی بہشتی زندگی نہ ہو موت کے بعد بھی وہ بہشت کا وارث نہیں ہو سکتا۔ تو ایسے جنت کو نفسانی خواہشات کے پورا کرنیکا ذریعہ بتانا سخت حماقت ہے بہشت کیا ہے اسلام کی تعلیم کے رُو سے یہ وہ مقام ہے جسکا حاصل کرنا انسان کی زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد ہے پس اسکی حقیقت تو خود وہ راہ بتاتی ہے جس راہ پر اسلام اس مقصد کے حاصل کرنیکیلیئے انسان کو چلانا چاہتا ہے۔ کیونکہ کم از کم اس امر میں تو کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ اسلام ایک اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی اور طہارت کی راہ پر انسان کو چلاتا ہے بلکہ عیسائیوں کو تو اس سے ایسی ٹھوکر لگی ہے کہ انہوں نے اس پاکیزگی کو ناممکن الحصول سمجھکر اسلام پر اسی بنا پر اعتراض کیا ہے پس کوئی عقلمند انسان یہ نہیں کہیگا کہ اس قدر پاکیزگی پر زور دینے کی غرض ایک ناپاک مقصد تک پہنچانا تھا۔ اس راہ کو دیکھو کہ اسلام انسان کو کس قدر پاک دل بنانا چاہتا ہے اور پھر قیاس کرو کہ اس کی غایت اور غرض کس قدر پاکیزہ ہونی چاہیئے۔ آخر نتیجہ تو انہیں ذرایع سے پیدا ہوتا ہے ہاں اگر اسلام کی وہ تعلیم ہوتی جو عیسائی مذہب کی ہے کہ ایک ایسا انسان جو اس دنیا میں آخر عمر تک نفسانی خواہشات کے پنجہ میں گرفتار رہا ہے وہ بھی مرتے ہی بہشت میں جا سکتا ہے تو یہ شک تھا۔ کہ شاید اسلامی بہشت بھی نفسانی اغراض کے پورا کرنے کے لئے ہی ہو۔

* ذریعہ ہے جبکہ وہ جانتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم کی رو سے نفسانی جذبات کو دور کرنیکے بغیر وہ اسمیں.

علاوہ ازیں جب قرآن کریم پر غور کیا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسکی تعلیم کے رُو سے بہشت کی تمام نعمتیں اسی دنیا کی روحانی ترقیات کا نتیجہ ہیں اور انہی روحانی نعمتوں کا جو اسجگہ عارف کو ملتی ہیں ایک دوسرا نقشہ ہیں۔ جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ یعنی جو لوگ ایمان لانیوالے اور اچھے کام کرنیوالے ہیں جن میں ذرہ فساد نہیں انکو خوشخبری دے کہ وہ اس بہشت کے وارث ہیں جسکے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جب وہ اسکے پھلوں کو کھائیں گے کہیں گے یہ وہی پھل ہیں جو پہلی زندگی میں ہم کو دیے گئے تھے۔ اور (یہ اسلئے ہوگا کہ) انہی پہلی دنیا کی زندگی کے پھلوں کے (جو وہ کھا چکے تھے) مشابہ پھل ان کو دیے جاوینگے اور انکے لئے اس جنت میں پاک ازواج موجود ہونگے اور ہمیشہ اسی میں رہ پڑیں گے"۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ بہشت کی نعمتیں کس قسم کی ہونگی اور مسلمان انکو کیسا سمجھتے ہیں۔ اگر پہلی زندگی کے پھلوں سے مراد دنیا کے معمولی پھل جو درختوں میں لگتے ہیں لئے جاویں تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا۔ کہ کسی بہشتی کو کوئی ایسا پھل نہ دیا جاویگا جو وہ اس دنیا میں کھا نہ چکا تھا۔ پس ایسا بہشت جس میں صرف وہی چیزیں ملسکتی ہیں جو انسان کو اس زندگی میں بھی میسر آئی تھیں کیونکر باعث کشش ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے راستباز ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے اس دنیا کی زندگی بڑی تنگی سے بسر کی ہوگی اور بہت سی اس دنیا کی نعمتیں انکے حصہ میں نہ آئی ہونگی تو کیا ان کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ بہشت میں بھی انکو وہی کچھ . . . ملیگا جو یہاں کھانے پینے کیلئے ملتا تھا۔ کیا کبھی کسی مسلمان نے ایسا عقیدہ اپنا بیان کیا ہے۔ مگر آیت صاف طور پر کہتی ہے کہ جب جب انکو بہشت میں کوئی پھل دیا جاویگا وہ کہیں گے یہ پھل تو ہم پہلی زندگی میں بھی کھا چکے ہیں پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت میں جن پھلوں کا ذکر ہے وہ اس دنیا کی جسمانی نعمتیں نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اعمال صالحہ کے پھل ہیں جو اس دنیا کے درختوں کے پھلوں سے بالکل الگ ہیں اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضروری ہے کہ انسان روحانی طور پر وہ پھل اسی دنیا میں کھا چکا ہو یعنی آخرت میں بہشت میں داخل ہونیکے لئے ضروری ہے کہ ایک بہشت انسان کو اسی زندگی میں مل جائے۔ اور آخرت کا بہشت اس زندگی کے بہشت کا ہی ایک نقشہ ہوگا۔ ہاں اسکو

جو نعماء صرف روحانی طور پر محسوس ہو سکتی ہیں وہاں وہ کھُلے کھُلے طور پر ملیں گے۔

قرآن شریف کے دوسرے بہت سے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ بہشت میں درختوں اور انہار اور پھلوں کا ذکر مثالی طور پر ہے ورنہ واقعی وہ اس دنیا کی چیزیں نہیں ہونگی کئی جگہ اس کی تصریح موجود ہے چنانچہ ایک مقام پر قرآن شریف میں نیکیوں کو عمدہ درختوں سے اور بدیوں کو بُرے درختوں سے مشابہت دی گئی ہے دیکھو سورہ ابراہیم آیت ۲۳ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ اور پھر اسکے ساتھ ہی دوسری آیت میں گویا اسی جنت کی تشریح کرتا ہوا فرماتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۔ جنت کا تذکرہ فرما کر ساتھ ہی اس مثال کے بیان کرنے سے یہ مقصود ہے کہ یہ تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ ایمانداروں کے لئے جنت کہاں سے آجائیں گے۔ تو دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال دی ہے کہ وہ ایمانی کلمہ جو ہر ایک افراط اور تفریط اور نقص سے پاک اور خالی ہو وہ اس درخت کے ساتھ مشابہ ہو جو ہر ایک عیب سے پاک ہو جسکی جڑھ زمین میں قائم اور شاخیں آسمان میں ہوں وہ اپنے رب کے اذن سے اپنے پھل کو ہمیشہ دیتا ہے (یعنی دنیا کے درختوں کی طرح نہیں کہ کبھی پھل دیا اور کبھی خالی ہیں بلکہ نیک کلمہ کا پھل ہر وقت مومن کو ملتا رہتا ہے) اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے ایسی مثالیں اس لئے بیان فرماتا ہے کہ تا وہ نصیحت پکڑیں۔ اور پھر اسکے بعد گویا مقابلہ کے طور پر بیان فرماتا ہے کہ نیک کلمۂ توحید کے برخلاف پلید کلمہ کفر کا ہے اسکی مثال بھی ایک درخت کی ہے جو زمین میں سے اُکھڑا ہوا ہو یعنی فطرت انسانی اس کو قبول نہیں کرتی اور کسی طور سے وہ قرار نہیں پکڑتا چنانچہ دوسری جگہ دوزخ میں زقوم کے درخت کا ہونا بیان کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ اسی دنیا کے خبیث کلمات کی مجسم صورت ہے اور اس طرح بہشت اور دوزخ دونوں کی جڑھ اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے جیسا ان آیات مذکورہ بالا میں کلمات یعنی ایمان کو درختوں کے ساتھ مشابہت دی ہے ایسا ہی دوسری جگہ نیک کاموں کو چشموں اور نہروں سے مشابہت دی ہے جیسا کہ فرمایا اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۔ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۔ یعنی نیک کام کرنیوالے ایک ایسی پیالے کو پی رہے ہیں جسکی ملونی کافور ہے یعنی جو انکے دل کے خیالات اور ارادات کو پاک کرتا ہے وہ ایک چشمہ ہے جس سے خدا کے نیک بندے پیتے ہیں اور وہ چشمہ

ایسا ہو کہ) خود نیک لوگ اپنے ہاتھوں سے اُسے چیرتے ہیں یعنی انہی کو اعمال صالحہ کا چشمہ ہے۔ یہ
آیت اسی دنیا کی زندگی کے متعلق ہے جیسا کہ اسکے ساتھ کی ہی اگلی آیت سے ظاہر ہو جہاں فرماتا
ہے یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى
حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا یعنی وہی ابرار جو کافوری پیالہ پی رہے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے
چشمے چیر رہے ہیں وہ اپنی منتیں بھی پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت
سب طرف پھیلی ہوگی اور وہ محض اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا
کھلاتے ہیں۔ پس گویا نیک لوگ اپنے اعمال صالحہ سے اسی دنیا میں اپنے لئے چشمے اور
نہریں بہاتے ہیں اور یہی چشمے اور نہریں قیامت میں نمایاں رنگ میں ظاہر ہونگی۔ کافوری پیالہ
اس واسطے کہا گیا ہے کہ کافور کا لفظ کفر سے مشتق ہے جسکے معنے دبانے اور ڈھانکنے کے ہیں
اور مطلب اسکا یہ ہے کہ انکے تمام جذبات دب گئے ہیں اور دنیا کی محبت بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہے
اسلئے انکو خالص اعمال صالحہ کی توفیق ملتی ہے پس جب انکے جذبات اسی جگہ دب چکے ہونگے
اور بالکل نیست و نابود ہو جائیں گے تو یہ کہنا کہ بہشت جذبات نفسانی کے پورا کرنیکے لئے ہے
کس قدر حماقت ہے۔

ان تمام آیات سے بداہت ثابت ہے کہ بہشت جسکا وعدہ قرآن شریف دیتا ہے ایک ایسا
باغ ہے جسکو انسان کے اپنے ہاتھوں نے تیار کیا ہے جہاں ایمان درختوں کی صورت پکڑتا ہے
اور اعمال صالحہ نہریں ہو کر اسکو سرسبز اور شاداب رکھتی ہیں۔ اس بات پر قرآن شریف نے
بار بار زور دیا ہے چنانچہ جہاں جہاں بہشت کا وعدہ دیا ہے قریباً ہر جگہ ہی اس طرز پر بیان کیا ہے
کہ ایمان اور اعمال صالحہ والوں کو باغ دیے جائیں گے جنکے نیچے نہریں بہتی ہونگی گویا ایمان
کو باغ سے مشابہت دیکر اس کے بالمقابل بیان کیا ہے اور اعمال صالحہ کو نہروں سے مشابہت
دیکر انکے بالمقابل بیان کیا ہے جیسا کہ اس آیت منقولہ بالا میں بھی وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ * واضح رہے کہ اسجگہ
ایک اعلیٰ درجہ کی فلاسفی کے رنگ میں بتلایا گیا ہے کہ جو رشتہ نہروں کا باغ کے ساتھ ہو وہی رشتہ

* اگرچہ اس کل مضمون کی بنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لکچر جلسہ مہوتسو والا ہے مگر بعض جگہ
خصوصیت سے عبارتیں نقل کی گئی ہیں۔ منہ

اعمال کا ایمان کے ساتھ ہے پس جیسا کہ کوئی باغ بغیر پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا ایسا ہی کوئی ایمان بغیر نیک کاموں کے زندہ ایمان نہیں کہلا سکتا۔ اگر ایمان ہو اور اعمال نہ ہوں تو وہ ایمان ہیچ ہے اور اگر اعمال ہوں اور ایمان نہ ہو تو وہ اعمال ریاکاری ہیں اسلامی بہشت کی یہی حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان اور عمل کا ایک ظل ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملے گی بلکہ انسان کا بہشت انسان کے اندر سے ہی نکلتا ہے اور ہر ایک کا بہشت اسی کا ایمان اور اسی کے اعمال صالحہ ہیں جن کی اسی دنیا میں لذت شروع ہو جاتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ نظر آتے ہیں اور نہریں بھی دکھائی دیتی ہیں لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہونگے خدا کی پاک تعلیم ہمیں یہی بتلاتی ہے۔ کہ سچا اور پاک اور مستحکم ایمان جو خدا اور اُسکے ارادوں کے متعلق ہو وہ بہشت خوشنما اور باردار درخت ہے اور اعمال صالحہ اس بہشت کی نہریں ہیں۔"

جب یہ سمجھ لیا جائے کہ اسلام میں اس بہشت کی تعلیم دیگئی ہے جو ہمارے اپنے ہی ایمان اور اعمال صالحہ سے پیدا ہوتا ہے اور جسکا موجود ہونا اس دنیا میں بھی نظر آتا ہے بلکہ مومن اپنے آپ کو اسکے اندر پاتا ہے تو بہشت کی حقیقت کے متعلق جسقدر مشکلات اور اعتراضات ہیں وہ خود بخود ہی رفع ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ نعمائے بہشت کے نام سمجھانیکے لئے وہی رکھے گئے ہیں۔ جو دنیوی نعماء کے نام ہیں۔ مگر وہ دونوں ایک نہیں صرف ناموں کا اشتراک ہے اللہ تعالےٰ خود قرآن شریف میں فرماتا ہے فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَہُمۡ مِّنۡ قُرَّۃِ اَعۡیُنٍ۔ یعنی جو جو نعمتیں ایک راستباز کے لئے چھپی ہوئی موجود ہیں ان کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ پس اگر اُس بہشت کی نعمتیں اس دنیا کی نعمتیں ہی ہوتیں تو یہ بیان صحیح نہ ہوتا کیونکہ دنیا کی نعمتوں کو تو سب لوگ جانتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ نعمتیں الگ رنگ کی ہیں اور ان کا قیاس کسی صورت میں ہم دنیا کی نعمتوں پر نہیں کر سکتے۔ اسی آیت کی تشریح ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ بہشت اور اُسکی نعمتیں وہ چیزیں ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سُنیں اور نہ دلوں میں کبھی گذریں حالانکہ اس دنیا کی نعمتوں کو ہم دیکھتے بھی ہیں سنتے بھی ہیں اور دلوں میں بھی وہ گذرتی ہیں۔ پس جب خدا اور اُسکا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہشت کی نعمتوں کو اس دنیا کی چیزوں سے نرالا بتاتے ہیں تو جو شخص ان کو اسی دنیا کی نعمتوں کے رنگ پر قیاس کرتا ہے۔ وہ غلطی کرتا ہے اور اسکا اعتراض فضول اور بیجا ہے۔

دوسرا امر جو قرآن کریم کی مذکورۂ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ مومنین کیلئے دو بہشتوں کا وعدہ
ہے ایک بہشت اسی دنیا میں اور ایک بہشت آخرت میں! اور یہ دونوں بہشت ایک ہی حقیقت رکھتی ہیں فرق
صرف یہ ہے کہ جو لذات اس دنیا میں راستبازوں کو روحانی طور پر حاصل ہوتی ہیں آخرت میں وہ کھلی کھلی اور نمایاں
رنگ میں ظاہر ہونگی ہم یہ نہیں مانتے کہ جنت کی نعماء کوئی خیالی نعماء ہیں بلکہ وہ حقیقی واقعی نعمتیں ہیں ہاں ہم
یہ مانتے ہیں کہ جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے وہ اسی دنیا کی روحانی نعمتوں کی جسمانی صورتیں ہونگی یعنی جو
کچھ ہمارے نیک اعمال کے نتائج مخفی طور پر اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں وہ کھلے کھلے اور نمایاں طور پر عالم آخرت
میں ظاہر ہونگے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف فرماتا ہے کہ جب بہشتی بہشت کے پھلوں کو کھائینگے تو کہینگے کہ یہی پھل ہم نے
پہلے بھی کھائے تھے یعنی روحانی طور پر ہم ان پھلوں کو پہلے بھی کھا چکے ہیں یعنی اعمال صالحہ کے جو پھل مخفی رنگ
میں اس دنیا میں دیے گئے تھے وہی آخرت میں کھلے کھلے دیے جائینگے ایسا ہی بہشت اور دوزخ کے فلسفہ
کو دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے جس سے اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ وَكُلَّ إِنْسَانٍ
أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا (بنی اسرائیل) یعنی
ہم نے اسی دنیا میں ہر ایک شخص کے اعمال کا اثر اسکی گردن سے باندھ رکھا ہے اور انہیں پوشیدہ اثروں کو
ہم قیامت کے دن ظاہر کر دینگے اور ایک کھلے کھلے اعمالنامہ کی شکل پر دکھا دینگے یہاں قرآن کریم نے اس
اصول کو بیان فرمایا ہے کہ جو کوئی عمل انسان کرتا ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد اسکا ایک اثر انسان کی روحانی زندگی
پر پیدا ہوتا ہے اور اس طرح ساتھ ساتھ ہر ایک انسان کا ایک اعمالنامہ تیار ہوتا رہتا ہے جو ان آنکھوں سے
مخفی ہوتا ہے اور یہی پوشیدہ اعمالنامہ جو اسکا بہشت یا دوزخ ہے دوسری دنیا میں کھلے طور پر ظاہر ہو جائیگا اسی
اصول کو دوسری جگہ قرآن شریف ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى
نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ یعنی اسدن ایمانی نور جو پوشیدہ طور پر مومنوں کو یہاں بھی حاصل ہے کھلے
طور پر انکے آگے اور انکے داہنے ہاتھ پر دوڑتا نظر آئیگا اور اسی دنیا میں نور کا مومنین کو ملنا قرآن شریف
کے بہت سے مقامات سے ظاہر ہے جیسا کہ سورہ انعام کی آیت ۱۲۳ سے جہاں فرماتا ہے کہ مومن کو ہم نے اس دنیا
میں بھی ایک نور دیا ہے اور کافر ایک تاریکی میں چلتا ہے فرق ان دونوں نوروں کی اصلیت اور حقیقت
میں نہیں بلکہ انکے اخفا و ظہور میں ہے یعنی اس دنیا میں مومن کا نور دوسروں کی آنکھوں سے مخفی ہوتا ہے
یعنی کھلا کھلا نظر نہیں آتا مگر آخرت میں یہ نور کھلا کھلا نظر آئیگا۔ جیسا کہ آیت منقولہ بالا کے بعد کی آیت
سے ظاہر ہے کہ جب منافق مرد اور منافق عورتیں مومن مرد اور مومن عورتوں کے آگے اور ساتھ ساتھ نور
دوڑتا ہوا دیکھیں گے تو وہ کہینگے کہ ہمیں بھی اس نور سے کچھ حصہ دو۔ تو انکو کہا جائیگا کہ پیچھے کو لوٹو اور نور

تلاش کرو (جسکا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ یہ نور تو دنیا کی زندگی سے ساتھ آیا ہے پس تم بھی اپنی پچھلی زندگی کو دیکھو کہ کوئی نور اسمیں تم کو ملا تھا) پس منافق اپنے آپکو تاریکی میں پائینگے میری غرض یہ ہے کہ مومنوں کا نور قیامت کے دن ایسا بیّن ہوگا کہ منافق بھی دیکھ لیں گے اگرچہ اس دنیا میں انکی جسمانی آنکھیں اس نور کو نہیں دیکھ سکتیں۔ پھر سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس آیت سے اسی مضمون کا اور بھی وضاحت سے ثبوت ملتا ہے مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۖ فِيْهَا اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۔ یعنی وہ بہشت جو پرہیزگاروں کو دیا جاویگا۔ اسکی مثال یہ ہے جیسے ایک باغ ہے اس میں پانی کی نہریں ہیں جو کبھی متعفن نہیں ہوتا اور نیز اس میں دودھ کی نہریں ہیں جسکا کبھی مزہ نہیں بدلتا اور نیز اس میں شراب کی نہریں ہیں جو سراسر سرور بخش ہے جسکے ساتھ خمار نہیں اور نیز اسمیں اس شہد کی نہریں ہیں جو نہایت صاف ہیں جسکے ساتھ کثافت نہیں وہ اسجگہ صاف طور پر فرمادیا کہ اس بہشت کو مثالی طور پر یوں سمجھلو کہ ان تمام چیزوں کی اس میں ناپیدا کنار نہریں ہیں وہ زندگی کا پانی جو عارف دنیا میں روحانی طور پر پیتا ہے اس میں ظاہری طور پر موجود ہے اور وہ روحانی دودھ جس سے وہ شیرخوار بچہ کیطرح روحانی طور پر دنیا میں پرورش پاتا ہے بہشت میں ظاہر ظاہر دکھائی دیگا۔ اور وہ خدا کی محبت کی شراب جس سے وہ دنیا میں روحانی طور پر ہمیشہ مست رہتا تھا اب بہشت میں ظاہر ظاہر اسکی نہریں نظر آئیں گی۔ اور وہ حلاوت ایمانی کا شہد جو دنیا میں روحانی طور پر عارف کے مُنہ میں جاتا تھا۔ وہ بہشت میں محسوس اور نمایاں نہروں کی طرح دکھائی دیگا اور ہر ایک بہشتی اپنے باغوں اور اپنی نہروں کے ساتھ اپنی روحانی حالت کا اندازہ برہنہ کرکے دکھلادیگا۔"

جنّت کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے دوزخ کی حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کیونکہ جنّت اور نار زندگی کی دو ایسی حالتوں کے نقشے ہیں جو ایک دوسرے کے مقابل واقع ہوئے ہیں پس جیساکہ بہشتی زندگی اسی دنیا سے ہی شروع ہوتی ہے دوزخی زندگی کی ابتدا بھی اسی جگہ سے ہوتی ہے جیساکہ فرمایا نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۭ یعنی دوزخ وہ آگ ہے جسکا منبع خدا کا غضب ہے اور گناہ سے بھڑکتی ہے اور پہلے دل پر غالب ہوتی ہے یعنی اس دنیا میں وہ دوزخ ایک روحانی عذاب کی صورت میں ہے جسکا استیلاء دل پر ہوتا ہے پھر یہی آگ جو اس زندگی کی روحانی آگ ہے بعد الموت ایک کھلے کھلے دوزخ کی صورت اختیار کریگی پھر جیساکہ بہشت کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر ایک انسان اپنا بہشت اپنے لئے تیار کرتا ہے یعنی اسی کے اعمال صالحہ کا وہ ثمرہ ہوتا ہے اسی طرح دوزخ کے متعلق بھی

فرماتا ہے کہ وہ اسی کے اعمال سیئہ اور دنیا کی محبت اور خدا سے غفلت کا ثمرہ ہے جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝ یعنی دنیا کی کثرت حرص و ہوا نے تمہیں خدا سے غافل کر رکھا ہے یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پڑتے ہو تم عنقریب جان لوگے۔ پھر تم عنقریب جان لوگے (کہ یہ تمہارا دنیا میں انہماک اور خدا سے غفلت ہی تمہارا دوزخ ہے) اگر تمہیں یقینی علم حاصل ہوتا تو تم اس دوزخ کو (اسی دنیا میں) دیکھ لیتے پھر وہ وقت تو آئیگا ہی جب تم (مرنیکے بعد) عین الیقین سے اسے دیکھ لوگے۔ پھر اسکے بعد قیامت کا عظیم الشان دن ہوگا جس دن تم سے نعمتوں کا مواخذہ کیا جائیگا"۔ اس سورت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی حرص و ہوا ہی وہ تخم ہے جس ہی اسکے لئے دوزخ تیار کیا جاتا ہے مگر خدا کی طرف سے غافل ہونیکی وجہ سے انسان اس دوزخ کو دیکھ نہیں سکتا جب تک کہ موت اسپر وارد ہو کر اسکو کھلے طور پر نہیں دکھا دیتی پس اُس عالم کا دوزخ اسی دنیا میں پوشیدہ پوشیدہ تیار ہوتا رہتا ہے مگر جب تک انسان کو عین الیقین حاصل نہ ہو وہ دوزخ اس دنیا میں اسے نظر نہیں آتا۔ ایک اور مقام پر قرآن شریف اس عذاب کے آغاز کو یوں بیان فرماتا ہے۔ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ یعنی ان میں اور انکی خواہشات میں ایک روک ڈالدی جاویگی۔ (جس سے انکے دل میں ایک جلن پیدا ہوگی)

جیسا کہ بہشت کے متعلق یہ دکھایا گیا ہے کہ اسکی لذات اس دنیا کی روحانی لذات کی جسمانی صورتیں ہیں ایسا ہی دوزخ کے آلام جو بیان فرمائے گئے ہیں وہ اس دنیا کی ناپاکیوں اور ناراستیوں کے روحانی ثمرات ہیں جو وہاں جسمانی رنگ میں ظاہر ہونگے چنانچہ ایک جگہ کفار کے عذاب کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ یعنی اس جہنمی کو پکڑو اس کی گردن میں طوق ڈالو پھر دوزخ میں اسکو جلاؤ پھر ایسی زنجیر میں جو پیمائش میں ستر گز ہے اسکو داخل کرو۔ اُن آیات میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ دنیا کا روحانی عذاب عالم معاد میں جسمانی طور پر نمودار ہوگا۔ چنانچہ طوق گردن دنیا کی خواہشوں کا جسنے انسان کے سر کو زمین کی طرف جھکا رکھا تھا وہ عالم ثانی میں ظاہری صورت پر نظر آجائیگا اور ایسا ہی دنیا کی گرفتاریوں کی زنجیر پاؤں میں پڑی ہوئی دکھائی دیگی اور دنیا کی خواہشوں کی سوزشوں کی آگ ظاہر ظاہر بھڑکتی ہوئی نظر آئیگی۔ فاسق انسان دنیا کی زندگی میں ہوا و ہوس کا ایک جہنم اپنے اندر رکھتا ہے اور ناکامیوں میں اس جہنم کی سوزشوں کا احساس کرتا ہے پس جبکہ اپنی فانی شہوات سے

نُور ڈالا جائیگا اور ہمیشہ کی نا امیدی طاری ہوگی ۔ تو خدا تعالیٰ ان حسرتوں کو جسمانی آگ کے طور پر اس پر ظاہر کر دیگا ۔ اور پھر جو فرمایا کہ ستّر گز کی زنجیر میں اسکو داخل کرو یہ اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک فاسق بسا اوقات ستّر برس کی عمر پالیتا ہے لیکن وہ بدبخت اپنی عمدہ زندگی کے ستّر برس دنیا کی گرفتاریوں میں گذارتا ہے ۔ اور اس زنجیر سے آزاد ہونا نہیں چاہتا ۔ خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ وہی ستّر برس جو اُسنے گرفتاریٔ دنیا میں گذارے تھے عالم معاد میں ایک زنجیر کیطرح متمثل ہو جاینگے جو ستّر گز کی ہوگی ہر ایک گز بجائے ایک سال کے ہے ۔ اس جگہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف سے بندہ پر کوئی مُصیبت نہیں ڈالتا بلکہ وہ انسان کے اپنے بُرے کام اسکے آگے رکھدیتا ہے پھر اسی سُنت کے اظہار میں خدا تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتا ہے اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ لَّا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ یعنی اے بدکارو گمراہو گوشہ سایہ کی طرف چلو جسکی تین شاخیں ہیں جو سایہ کا کام نہیں دیسکتیں اور نہ گرمی سے بچا سکتی ہیں اس آیت میں تین شاخوں سے مراد قوت سبعی اور بہیمی اور وہمی ہے جو لوگ ان تینوں قوتوں کو اخلاقی رنگ میں نہیں لاتے اور انکی تعدیل نہیں کرتے انکی یہ قوتیں قیامت میں اس طرح پر نمودار کی جاوینگی کہ گویا تین شاخیں بغیر پتوں کے کھڑی ہیں اور گرمی سے بچا نہیں سکتیں اور وہ گرمی سے جلیں گے "

یہ امر نہایت ضروری اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بہشت اور دوزخ قرآن شریف کے رو سے محض راحت اور دکھ کیلئے دو جگہیں نہیں جنکی غرض کوئی نہ ہو ۔ بلکہ بہشت انسان کی غیر متناہی ترقیات کیجگہ ہے ۔ اور دوزخ اسکی روحانی بیماریوں کے علاج کی جگہ ۔ اس میں شک نہیں کہ انسان ہمیشہ انسان ہی رہیگا اور وہ انسانیت کے دائرہ سے نکلکر حقیقی طور پر فرشتہ یا خدا نہیں بن سکتا مگر اسی اپنے دائرہ کے اندر جو ترقیات وہ کر سکتا ہے وہ غیر محدود ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بہشتیوں کے متعلق فرماتا ہے ۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ (التحریم) یعنی جو لوگ دنیا میں ایمان کا نور رکھتے ہیں انکا نور قیامت کو انکے آگے اور انکی دہنی طرف دوڑتا ہوگا ۔ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے کہ اے خدا ہمارے نور کو کمال تک پہنچا ۔ اور اپنی مغفرت کے اندر ہمیں لیلے تو ہر چیز پر قادر ہے اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہینگے کہ ہمارے نور کو کمال تک پہنچا یہ ترقیات غیر متناہیہ کیطرف اشارہ ہے یعنی ایک کمال نورانیت کا انہیں حاصل ہوگا پھر دوسرا کمال نظر آئیگا ۔ اُسکو دیکھکر پہلے کمال کو ناقص پائینگے ۔ پس کمال ثانی کے حصول کیلئے التجا کرینگے ۔ اور جب وہ حاصل ہوگا تو ایک تیسرا مرتبہ کمال کا انپر ظاہر ہوگا پھر اسکو دیکھکر پہلے کمالات کو ہیچ سمجھینگے اور اسکی خواہش کرینگے ۔ یہی ترقیات کی خواہش ہے جو اتمم کے لفظ سے سمجھی جاتی ہے

غرض اسیطرح غیر متناہی سلسلہ ترقیات کا چلا جائیگا۔ تنزل کبھی نہیں ہوگا۔ اور نہ کبھی بہشت سے نکالے
جاوینگے۔ بلکہ ہر روز آگے بڑھیں گے اور پیچھے نہ ہٹیں گے" دوسرے کسی مذہب نے بہشت کی اس
حقیقت کو نہیں سمجھا اور اسے غیر متناہی ترقیات انسانی اور حصول کمالات کی جگہ قرار نہیں دیا بلکہ آریہ
سماج کے عقیدے کی رو سے تو بجائے ترقیات کے بہشت تنزل کی جگہ ہے کیونکہ انکے عقیدہ کے
مطابق جو شخص ہزارہا سال ترقیات کرتا کرتا آخر بہشت تک پہنچیگا وہ چند روز بہشت میں رہ کر پھر
واپس اسی دنیا کی طرف بھیجا جائیگا اور از سر نو جونیں بھگتیگا۔ پس انکے نزدیک بہشت ترقی کی جگہ
نہیں بلکہ تنزل کی جگہ ہے ایسا ہی عیسائیوں کی کتب مقدسہ کو تلاش کرنیسے کہیں اس فلسفہ کا
پتہ نہیں ملتا کہ جنت غیر متناہی ترقیات کی جگہ ہے بلکہ جو کچھ انکی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے زیادہ صرف اسی
قدر ہے کہ بہشت ایک ایسی جگہ سے مشابہ ہے جہاں کھانے پینے کو عمدہ عمدہ چیزیں ملیں اور زندگی بیکاری
میں گذرے مگر قرآن شریف نہ صرف آریہ سماج کے عقیدے کو ہی رد کرتا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ ماھم
منہا بمخرجین۔ یعنی بہشتی کبھی بھی بہشت سے نکالے نہیں جائیں گے (الحجر) اور عطاء غیر
مجذوذ (ہود) یعنی جنت خدا کیطرف سے ایسا عطیہ ہے جو کبھی واپس نہیں لیا جائیگا۔ بلکہ عیسائی
مذہب کی تعلیم کے نقص کو بھی ظاہر فرماتا ہے اور یہ پُر حکمت فلسفہ بیان کرتا ہے جو دنیا کی کسی کتاب نے
بیان نہیں کیا کہ بہشت غیر متناہی ترقیات کی جگہ ہے اور یہ بات آسانی سے سمجھ میں بھی آسکتی ہے کہ انسان
کی روح کو باقی رکھنا عبث ہوتا اگر اسکے لئے غیر متناہی سلسلہ ترقیات کا نہ ہوتا۔ اس میں شک نہیں کہ
بہشت میں پہنچنا بھی ایک کمال کو چاہتا ہے مگر ہم یہ نہیں مان سکتے کہ خدا تعالیٰ کی خدائی میں کمال
کی وہیں انتہا ہے بلکہ ایک کمال سے بڑھکر دوسرا کمال حاصل ہوتا رہیگا اور یہ ایسا سلسلہ ہوگا جو کبھی
ختم نہیں ہوگا۔

دوزخ بھی ایک رنگ میں انسانی ترقی کا ممد ہے کیونکہ جو لوگ طرح طرح کی بدکاریوں اور خطرناک
سیاہ کاریوں اور غفلتوں میں مبتلا ہو کر اپنی روحانی صحت کو بگاڑ چکے ہیں جب تک انکی بیماریوں کا علاج
نہ ہووے تب تک وہ اس قابل نہیں ہو سکتے کہ کمالات انسانی کے حصول کیلئے ترقیات کر سکیں
ان کیلئے دوزخ کا عذاب بطور ایک علاج کے بھی ہوگا جو انکے تمام گندوں کو جلا کر انکو صاف کریگا۔
اور اس قابل بناویگا کہ وہ بھی انسانی ترقی کے زینہ پر قدم رکھلیں اسی لئے دوزخی تدریجاً دوزخ سے
نکالے جاوینگے یعنی جسقدر کم یا زیادہ کسی کی بدعملیاں ہیں اور جسقدر کم یا زیادہ علاج اسکے لئے
ضروری ہے اسی قدر دوزخ میں رہ کر وہ باہر نکالا جائیگا۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن شریف نے

دوزخ میں رہنے کو بھی ایک ایسے زمانہ سے تعبیر کیا ہے جسکا نام ابد رکھا ہے جسکے معنے لاانتہا زمانہ ہیں مگر جیسا کہ ہم خود بھی لاانتہا زمانہ ایک بڑے طویل زمانہ کو کہدیتے ہیں ایسا ہی خود لفظ ابد کے معنے عربی میں دہر طویل بھی آئے ہیں یعنی ایک لمبا زمانہ چنانچہ اسی لئے اس قسم کے محاورات عربی زبان میں پائے جاتے ہیں کان ھٰذا فی آباد الدھر جسکے یہ معنے ہیں کہ اسپر بہت لمبا زمانہ گذر گیا ہے اور اسی لئے واقعی لاانتہا زمانہ کیلئے ابد الابد اور ابد الآباد کے محاورات کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ ابد کے معنوں میں انتہا کا نہ ہونا لازمی نہیں ہے۔ علاوہ اسکے خود قرآن شریف سے ہمیں یہ شہادت ملتی ہے کہ ہمیں بہشتیوں کا ابد اور دوزخیوں کا ابد ایک برابر نہیں رکھے گئے بلکہ سورہ ہود میں بہشت اور دوزخ کے ابد کو بالمقابل بیان کر کے اس فرق کو کھلے کھلے طور پر ظاہر فرمادیا ہے وہ آیات یہ ہیں فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ وَّ شَھِیْقٌ ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۝ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ۝ (ہود ۱۰۹ - ۱۱۰) جو بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہونگے وہاں انکے لئے چلانا اور دہاڑنا ہوگا رہ پڑے وہاں جبتک زمین و آسمان ہیں مگر اگر تمہارا پروردگار چاہے (تو انکو نجات بھی دیدے) بیشک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔ اور جو لوگ نیک بخت ہیں وہ بہشت میں ہونگے رہ پڑے اسمیں جبتک زمین و آسمان ہیں مگر اگر تمہارا پروردگار چاہے (مگر وہ کسی کو وہاں سے نکالیگا نہیں کیونکہ بہشت خدا کا ایسا عطیہ ہے جسکا کبھی خاتمہ ہی نہیں ہوگا" اب اسجگہ غور طلب یہ بات ہے کہ پہلے تو یہ کہا کہ دوزخی دوزخ میں ہمیشہ رہینگے مگر ساتھ ہی استثنا رلگا دیا کہ تمہارا پروردگار چاہیگا تو انکو نکال بھی دیگا کیونکہ تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے اب اس ترکیب سے صاف ظاہر ہے کہ دوزخیوں کو خدا کسی وقت دوزخ سے باہر نکالدیگا پھر اسکے مقابل پر جو کچھ جنت کیلئے بیان کیا ہے وہ بھی انہی معنوں کی تائید کرتا ہے کیونکہ وہاں استثناء کے بیان کرنے کے بعد معًا یہ فرمایا کہ کسی کے دل میں یہ خیال نہ گذرے کہ جنت سے بھی کبھی جنتیوں کو نکالدیا جاویگا کیونکہ جنت خدا تعالیٰ کیطرف سے ایک ایسی عطا ہے جو کبھی کاٹی نہیں جاویگی۔ اس تقابل سے صاف ظاہر ہے کہ جنت کی ابد اور نار کی ابد کو خدا تعالیٰ نے برابر نہیں رکھا۔ دوسری آیت میں الا ما شاء ربک کے یہ معنے بھی کئے گئے ہیں "مگر جسکو خدا تعالیٰ چاہے سزا دیکر بدیر جنت میں داخل کرے" اس سے بھی انہیں معنوں کی تائید ہوتی ہے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ یاتی علی جھنم زمان لیس فیھا احد ونسیم الصبا تحرک ابوابھا یعنی جہنم پر ایک ایسا زمانہ آئیگا جب اس میں کوئی باقی نہ ہوگا اور خدا کی رحمت کی ہوا اسکے دروازوں کو کھٹکھٹاتی ہوگی اسوقت قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ دوزخ جو انسان کے اپنے ہی بد اعمال کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ نے اسے انسان کے تمام گندوں اور آلودگیوں کے دور کرنیکا

ذریعہ بنا دیا ہی اور جب وہ پاک ہو جاتا ہے تو پھر وہ ایک بہشت کو پالیتا ہی جسمیں اسکے لئے ترقیات کی راہ کھلی ہو۔
یہ ہے بہشت اور دوزخ کا فلسفہ جو قرآن شریف نے بیان فرمایا ہو اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی سمجھدار آدمی معقولیت سی اس عجیب فلسفہ پر اعتراض کر سکتا ہے بلکہ یہ بات تو اسلام کے منجانب اللہ ہونے پر ایک قطعی اور یقینی شہادت ہی کیونکہ یہ پُرحکمت فلسفہ صرف قرآن کریم میں ہی پایا جاتا ہے اور دنیا کی کسی اور کتاب یا دنیا کے کسی اور مذہب نے یہ فلسفہ بیان نہیں کیا اسلام ہی ہی جو یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر ایک شخص کیلئے جنت اور دوزخ اُسکے اپنے اعمال سی تیار ہوتے ہیں اور بہشتی یا دوزخی زندگی اسی دنیا سی شروع ہوتی ہے اور اسی دنیا کے نیک و بد اعمال کے روحانی اثر عالم آخرت میں ایک جسمانی شکل اختیار کر لیں گے! اور جنت اور دوزخ انسان کی غیر متناہی ترقیات کیلئے اور اسکو تمام گندوں سے صاف کرنیکے لئے دو جگہیں ہیں یہ تمام پُرحکمت باتیں نصریح سے قرآن شریف میں بیان کی گئی ہیں جیسا کہ ہم نے آیات کے حوالہ سے اوپر ثابت کیا ہے مگر ان میں سے ایک بات بھی کسی دوسری مذہبی کتاب نے بیان نہیں کی خواہ وہ کتاب قرآن کریم سے پہلے کی ہو یا پیچھے کی ہمیں کسی مذہب سے تعصب نہیں ہاں ہم پاک سے پاک سادہ سے سادہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم چاہتے ہیں اور چونکہ ایسی پاک اور پُرحکمت تعلیم ہمیں قرآن کریم کے سوا اور کہیں نہیں ملتی اسلئے ہم اس کتاب پاک کو اللہ تعالیٰ کا سچا اور صحیح اور بلا آمیزش کلام سمجھتے ہیں اور نہ ہی کسی دوسری کتاب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں خدا کا سچا اور صحیح اور بلا آمیزش کلام ہوں پس جب ہم ایک طرف دعویٰ بھی پاتے ہیں اور اس دعوے کے دلائل بھی کھلے کھلے نظر آتے ہیں اور قرآن شریف کے سوا دنیا کی کسی دوسری کتاب میں نہ یہ دعویٰ ہی پاتے ہیں اور نہ ہی ایسی کوئی دلیل تو کیونکر ہم دوسری کتابوں کو اسکی برابر سمجھ لیں۔ قرآن شریف کی اصولی تعلیموں میں سی جسقدر اعتراض بہشت اور دوزخ پر مخالفین نے کئے ہیں ویسے اور کسی اصولی تعلیم پر نہیں کئے۔ مگر ایمانداری اور انصاف یہ ہی کہ کسی اور کتاب میں جو آسمانی یا الہامی ہونیکا دعویٰ رکھتی ہو ایسی پاک ایسی قریب الفہم اور ایسی پُرحکمت تعلیم نکالکر دکھائی جاوے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح اس مضمون میں قرآن شریف کی آیات کے حوالوں سے تمام باتیں ثابت کی گئی ہیں اسی طرح مخالفین بھی اپنی اپنی کتب مقدسہ سے باتیں نکال کر دکھاویں اور ان فقروں کو نقل کریں جن میں بہشت اور دوزخ کے متعلق یہ اعلیٰ تعلیم یا اگر ممکن ہو تو کوئی اس سے بھی اعلیٰ تعلیم ہو ورنہ خود مُنہ سی چند باتیں کہدینا کچھ وقعت نہیں رکھتا بلکہ اس صورت میں یہی سمجھا جاویگا کہ اسلام کی تعلیم کو چُرا کر ہی مخالفین نے فائدہ اُٹھانا چاہا ہے الزام دیدینا تو آسان ہی جیسا کہ پادری سیل صاحب نے اہل اسلام پر یہ الزام دیا ہی کہ اصل تعلیم قرآن شریف کی رو سے جو بہشت اور دوزخ کی حقیقت ہی اسکو چھوڑ کر اب اہل اسلام مغربی تعلیم اور عیسائی مذہب کے اثر سی الفاظ

کی تاویلیں کرنے لگے ہیں مگر بات تو تب ہے کہ دعوے کے ساتھ کچھ ثبوت بھی دیا جاوے ہم نے تو قرآن شریف کی آیات کو پیش کر کے بہشت اور دوزخ کی اصل حقیقت کو بیان کیا ہے اب پادریصاحب بھی بائبل کی آیات کو پیش کر کے دکھادیں کہ عیسائی مذہب کی تعلیم بہشت اور دوزخ کے متعلق کیا ہے اور کونسا فلسفہ بائبل نے بیان کیا ہے بلکہ چاروں اناجیل میں سے حضرت مسیح کے اپنے الفاظ نقل کریں کہ اسنے بہشت اور دوزخ کے متعلق کون کونسی پُر حکمت باتیں بیان کی ہیں اگر پادریصاحب یہ طریق اختیار کریں تو میں سمجھونگا کہ انکا حملہ اسلام پر نیک نیتی سے تھا کیونکہ انکو انجیل میں ایک اعلیٰ درجہ کی پُر حکمت تعلیم بہشت اور دوزخ کی دیگئی تھی اور انکو اپنی ناواقفیت سے یا کم فہمی سے یہ تعلیم قرآن شریف میں نہ ملی اسواسطے انہوں نے اعتراض کر دیا۔ مگر میں ناظرین کو یقین دلاتا ہوں کہ نہ توریت اور نہ انجیل سے اور نہ ہی دنیا کی اور کسی کتاب سے ایک لفظ بھی ایسا نکالکر دکھایا جاسکتا ہے جو قرآن شریف سے اعلیٰ تو ایک طرف رہا اسکے برابر پُر حکمت فلسفہ بہشت اور دوزخ کا بھی بیان کرتا ہو۔

مگر پادریصاحبان کو چونکہ غرض حق طلبی سے نہیں بلکہ انہیں کچھ نہ کچھ بہانہ اعتراض کیلئے درکار ہے اسلئے جب وہ ایسی اعلیٰ درجہ کی پُر حکمت تعلیم بہشت اور دوزخ کے متعلق اپنی کتب سے نکالکر نہیں دکھا سکتے تو پھر یہ اعتراض کر دیتے ہیں کہ اس میں عورتوں کا ذکر ہے جنکی متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کی خوبصورت ہونگی گویا کہ عیسائیوں کو دنیا کی تمام قوموں سے بڑھکر خوبصورت عورتوں سے نفرت ہے اور وہ گوارا ہی نہیں کر سکتے کہ ایک کمال کو پہنچی ہوئی انسانی سوسائٹی میں خوبصورت عورتیں بھی ہوں۔ اعتراض اور اسکے جواب کو الگ چھوڑ کر میں پوچھتا ہوں کہ اس منافقت کے کیا معنے کہ بہشت میں خوبصورت عورتوں کے موجود ہونے پر اعتراض اور اسوجہ سے اس مطہر مقام کو شہوانی قرار دینا مگر آپ دنرات اسبات کے خواہاں ہیں کہ اعلیٰ درجہ کی خوبصورت عورتوں میں جو نہایت فاخرہ لباس پہنے ہوئے اور ہر طرح سے زینت کئے ہوئے ہوں جسقدر وقت گذر جائے غنیمت ہے کیا یہ سچ نہیں کہ بڑے سے بڑا پادری جسکو راستباز ہونیکا دعویٰ ہے اور جو ... روح القدس کے سوا کوئی کام ہی نہیں کرتا جب بال (ناچ کی مجلس) میں شریک ہوتا ہے تو اپنی عورت کو چھوڑ کر کے دوسرے کی خوبصورت نوجوان عورت پر ہاتھ ڈالتا ہے کہ اسکے ساتھ رقص کرنے سے حظ اُٹھائے کیا یہ پادریصاحباں کے نزدیک شہوانی جذبات اور نفسانی خواہشات کا محرک نہیں؟ اب میں اصل اعتراض کی طرف آتا ہوں بیشک قرآن شریف جہاں بہشت کی دوسرے نعماء کا ذکر کرتا ہے۔ وہاں حوروں یعنی خوبصورت عورتوں کے ہونیکا ذکر بھی کرتا ہے مگر میں قرآن شریف سے ہی یہ بھی ثابت کر چکا ہوں کہ بہشت کی کسی نعمت کو اس دنیا کی چیز سمجھ لینا سخت غلطی ہے بہشت کی تمام نعماء خواہ وہ حور اور قصور ہیں اور خواہ نہریں اور ثمرات۔ انسان کے اپنے اعمال صالحہ کا نیک ثمرہ ہیں مگر یہ کہ ...

کی اصل حقیقت کیا ہوگی وہیں جاکر معلوم ہوگا ہاں قرآن شریف کی رُو سے اس دنیا کی چیزوں پر انکو قیاس نہیں کر سکتے علاوہ ازیں خود مومنہ عورتیں بھی تمام نقصوں سے بری ہو کر جنت میں موجود ہونگی جیساکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے ھم وازواجھم فی ظلل علی الارائک متکئون ـ لھم فیھا فاکھۃ و لھم ما یدعون (یٰس) ـ الغرض جنت کے متعلق جو کچھ قرآن شریف نے بیان فرمایا ہے وہ ایک اعلیٰ درجہ کی خوشحال سوسائٹی کے حال کے منافی نہیں ـ اور جب اس بات کو مدنظر رکھا جاوے کہ نعیم جنت میں اس دنیا کی کوئی چیز نہیں تو کوئی اعتراض پیدا ہو ہی نہیں سکتا ـ اور پھر اسلامی عقیدے کی رُو سے جنت کی سب نعمتوں میں بڑی نعمت جس سے مومن کو سب سے اعلیٰ درجہ کی رحمت نصیب ہوگی دیدار الٰہی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دعوٰھم فیھا سبحٰنک اللّٰھم وتحیتھم فیھا سلٰم ـ واٰخر دعوٰھم ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین (یونس) یعنی انکی پکار بہشت میں یہی ہوگی کہ اے ہمارے محبوب و معبود و مقصود تیری ذات پاک ہے ـ اور انکی دعائے خیر باہمی سلام ہوگی ـ اور آخری پکار انکی یہ ہوگی کہ سب تعریف خدا کو ہی سزاوار ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے ـ

اس سے ظاہر ہے کہ بہشت میں مومنین کے تمام افعال و اقوال ایسے ہونگے جنسے تسبیح اور حمد الٰہی ہو ـ اور یہی اُن کی ترقی مدارج کا ذریعہ ہوگا ـ اب جنت کی نعماء اور اس دنیا کی نعمتوں میں علاوہ اس فرق کے جو اوپر ظاہر کیا گیا ایک دوسرا فرق ظاہر ہے کہ اس دنیا کی نعمتیں بسا اوقات انسان کی روحانی ترقی میں سدراہ ہو جاتی ہیں مگر جنت کی نعمتیں ایسی نہ ہونگی ـ یہاں اکثر ایسا دیکھا جاتا ہے کہ دوست بی بی اور بچوں کی محبت نے خدا کی محبت کی آگ کو سرد کر دیا ہوا ہے مگر وہاں کی نعمتیں خدا کی محبت اور اسکے پاک تعلق کو ہر وقت بڑھانیوالی ہونگی ـ اور یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ اسکی نظیر ہم اس دنیا میں بھی راستبازوں کی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ باوجودیکہ وہ بھی اس دنیا کی نعمتوں سے متمتع ہوتے ہیں مگر یہ چیزیں ان کے قدم کو خدا کی راہ میں سست نہیں کر سکتیں ـ یہ محض سمجھانے کیلئے میں نے لکھا ہے ورنہ جنت کی نعمتوں کا قیاس اسپر نہیں کر سکتے بلکہ انہیں کوئی اور ہی ایسا کامل رنگ ظہور پذیر ہوگا کہ وہ سب لذات موجب ترقی ہونگی ـ اور جیساکہ خدا تعالیٰ سے تعلق جنت میں انسان کی خوشی کا بڑا سرچشمہ ہوگا ـ ایسا ہی باہمی تعلقات بھی جنتیوں کے وہ اعلیٰ درجہ کے تعلقات بھی ہونگے جو ہر قسم کے گند سے پاک ہونگے ان تعلقات کو سلام سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی ہر قسم کے کھوٹ اور آلائش اور نفسانیت اور ہر ایک عیب سے پاک تعلقات ـ پھر نعائم بہشت کے متعلق فرمایا لا یسمعون فیھا لغوا ولا تاثیما الا قیلا سلٰما سلٰما (واقعہ) یعنی وہ نہ کوئی لغویات سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی بات صرف ایک ہی آواز سلام سلام کی ہر طرف سے آرہی ہوگی

میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ہی دلیل تمام اعتراضات کو دور کرنیکے لئے کافی ہے کہ بہشت کی تمام نعمتونکی اصل غرض یہی ہے۔ کہ انکا قرب اللہ تعالیٰ سے بڑھے جنّت کی سب سے بڑی نعمت رضائے الٰہی کا حاصل کرنا بیان کیگئی ہے وعد اللہ المؤمنین والمؤمنٰت جنّٰت تجری من تحتہا الانہر خٰلدین فیہا ومسٰکن طیبۃ فی جنّٰت عدن ط ورضوان من اللہ اکبر ط ذٰلک ھو الفوز العظیم (توبہ) ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں سے اللہ تعالیٰ نے بہشت کے باغونکا وعدہ کیا ہے جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی وہ انمیں ہمیشہ رہیں گے اور پاک اور ستھرے مکانونکا وعدہ کیا ہے جو دائمی جنّت میں ہونگے اور ان سب نعمتوں سے بڑھکر خدا کی خوشنودی ہوگی یہی اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہے پس جس صورت میں اصل مقصد اور غرض وغایت تمام نعمائے جنّت کی رضائے الٰہی کا حاصل کرنا ہے تو باقی تمام نعماء اور لذّات اسی مقصد تک پہنچانیوالی ہوئیں۔ ان سب باتوں کے ساتھ پھر قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے۔ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین (سجدہ) یعنی جنّت کی نعمتوں کو کوئی جانتا بھی نہیں پس ایک طرف ہم ان نعمتوں کا قیاس اس دنیا کی نعمتوں پر نہیں کرسکتے دوسری طرف ان نعمتونکی غرض حصول رضائے الٰہی بتائی جاتی ہے۔ تو پھر اعتراض ہو ہی کیونکر سکتا ہے۔ کیونکہ بنائے اعتراض سوائے اسکے کچھ نہیں کہ جس صورت میں جنّت کی نعمتوں کے نام اس دنیا کی نعمتوں کے ہیں تو ضرور ہے کہ ان لذّات کا حصول بھی اسی قسم کا ہو جیسا اس دنیا میں ہوتا ہے اور پھر انکے نتائج بھی وہی ہوں اور جس طرح یہاں اکثر نفوس میں دنیا کی نعمتیں خدا سے ایک غفلت پیدا کرتی ہیں وہاں بھی کریں مگر قرآن شریف فرماتا ہے کہ نام کے اشتراک کے سوا اور جنّت کی نعمتوں کا کوئی تعلق اس دنیا کی نعمتوں سے نہیں نہ وہ یہاں کی چیزیں ہیں نہ ان سے وہ کثافت اور نتائج ہی پیدا ہوتے ہیں بلکہ برعکس اسکے محبت اور معرفت الٰہی میں ترقی ہوتی ہے۔ اور وہ تمام حصول رضائے الٰہی کا ذریعہ ہیں۔

جیسا کہ بہشت میں حور و قصور کے ہونے پر اعتراض کیا جاتا ہے ایسا ہی دوزخ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسمیں سخت دردناک عذاب کا ہونا بیان کیا گیا ہے سب سے زیادہ تعجب ان اعتراض کرنیوالوں پر ہے جنکی انجیل میں ایک یا دو دفعہ نہیں بلکہ سات دفعہ دوزخ کی متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس خطرناک آگ میں ہمیشہ کا رونا اور دانتونکا پیسنا ہوگا دیکھو متی ۱۲/۸ و ۴۲/۱۳ و ۵۰/۱۳ و ۱۳/۲۲ و ۵۱/۲۴ و ۳۰/۲۵ و لوقا ۲۸/۱۳۔ قرآن کریم کی رو سے جیسا کہ میں بیان کرچکا ہوں آدمی کی اپنی ہی بدکرداریاں اسکا دوزخ ہو جاتی ہیں پس جیسی کسی کی بدکاریاں خطرناک ہونگی ایسا ہی اسکا دوزخ بھی خطرناک ہوگا۔ تمام گنہگاروں کو ایک سا ہی عذاب دوزخ کا نہ ہوگا ہر ایک کو اپنے کئے کے مطابق سزا ملیگی کم درجہ کے گنہگار کو کم اور خطرناک بدکار کو دردناک عذاب دیا جائیگا۔ قرآن شریف فرماتا ہے من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا ج ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا

وھم لا یظلمون ۔ (الانعام) یعنی نیکی والے کو تو اللہ تعالیٰ اپنے رحم اور فضل سے دس گناہ نیک اجر دیگا لیکن جو شخص بدی کرتا ہے اسکی سزا اسی بدی کے مثل ہوگی اور ذرہ بھی ظلم انپر نہیں کیا جاویگا۔ یعنی جزا و سزا مطابق اعمال کے ہوگی اس میں کمی بیشی نہ ہوگی۔ پس اگر دوزخ میں دردناک عذاب کا ہونا بیان کیا گیا ہے تو کیا دنیا میں خطرناک سیاہ کاریاں کرنیوالے مجرم نہین جنکی خبر سنکو سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر کیون انکی خطرناک سیاہ کاریاں انکے لئے نہایت دردناک عذاب پیدا نہ کریں گی۔ دُور جانیکی ضرورت نہیں مفصلہ ذیل کہانی کلیسیا کے اعلیٰ درجہ کے عہدداروں کی پڑھکر پادری صاحب بتا دیں کہ کیا قرآن شریف میں دوزخ کا عذاب اس سے زیادہ دردناک بیان کیا گیا ہے جو اس قسم کے خبیث اور شیطانی افعال کیلئے ہونا چاہیے۔ یہ قصہ اس "مقدس مذہبی عدالت" کے متعلق ہے جو ہسپانیہ سے مسلمانوں کو خارج کرنیکے بعد وہان قائم ہوئی۔ اس غیر محدود اختیارات والی عدالت کے تین افسر تھے اور انہیں کی شرمناک اور وحشیوں سے بھی بدتر کارروائیوں کی ایک جھلک اسمیں نظر آتی ہے۔ یہ قصہ عیسائیوں کی اپنی کتابوں سے لیا گیا ہے اسکے بیان کرنیوالی ایک نوجوان عورت ہے جسنے اس "مقدس مذہبی عدالت" کے پنجے سے ساٹھ ایسی ہی نوجوان خوبصورت عورتوں کے ساتھ اس وقت رہائی پائی جب فرانسیسی فوج کو خدا نے رحم کرکے انپر مسلط کر دیا۔ وہ کہتی ہے کہ مَیں پندرہ برس کی لڑکی تھی ایک عمدہ گھرانے کی۔ جب ایک معزز امیر لیڈی کے گھر میں اسکی ملاقات کرتے وقت مَینے وہاں ڈان فرانسسکو کو دیکھا جو "مذہبی عدالت" کا دوسرا جج تھا۔ دیکھتے ہی اسکی نیت بدل گئی۔ اور جب رات ہوئی تو اپنے افسران پولیس کو میری گرفتاری کیلئے بھیجدیا اس عدالت کا نام ہی ایسا ہولناک تھا اور اسقدر ذلت سے اسکے احکام کی فرمانبرداری کی جاتی تھی کہ رات کے وقت "مقدس مذہبی عدالت" کا نام سنتے ہی میرے باپ نے بغیر چون و چرا کے مجھے انکے حوالے کیا۔ انہون نے پکڑ کر مجھکو گاڑی میں ساتھ بٹھا لیا اور مَیں وحشت زدہ مُبتلا کی طرح بیٹھی تھی کہ اب جاتے ہی میرا کام تمام ہو جائیگا مگر مجھے کسقدر حیرت ہوئی جب مَیں نے دیکھا کہ مجھے انہون نے ایک ایسے کمرے میں اُتارا ہے جو اعلیٰ درجہ کی عیاشی کے سامان سے مہیا ہے۔ دوسرے دن تک مجھے کچھ پتہ نہ لگا کہ مجھے کس غرض کے لئے یہان لائے ہیں جب شام ہوئی تو فرانسسکو آیا اور بڑے ادب سے سلام کرکے کہا کہ میں اسلئے آیا ہون کہ تا تمہیں معلوم ہو کہ مجھے تمہارے خاندان کی کسقدر عزت منظور ہے اور پھر کہا کہ تمپر مذہبی الزام تمہارے ایک عاشق نے لگائے ہیں اور انکے لئے "مقدس مذہبی عدالت" نے تمہاری نسبت یہ حکم دیا ہے کہ ایک جنگلہ کڑاہی میں تمکو رکھکر اسکے نیچے آہستہ آہستہ آگ جلائی جاوے اور اسطرح پر ایذا دیکر تمکو مار ڈالا جاوے مگر مجھے چونکہ تمپر رحم آیا اور مَیں تمہارے خاندان کی عزت کرتا ہوں اسلئے مَینے اس حکم کو ابھی روکدیا ہے مگر اب یہ تمہارے اختیار میں ہے کہ تم ایسی طرز اختیار کرو جس سے یہ حکم ہمیشہ کیلئے رکا رہے۔ یہ لفظ لکھکر وہ چلا گیا اور مَیں نے رات

اپنے ننگ وناموس کے خیال سے روتے ہوئے گذاری صبح ہوئی تو میری خادمہ نے جو دراصل اس خبیث ظالم کی دلالہ تھی، مجھے کہا کہ چلو میں تمہیں دکھاؤں کہ خشک کڑاہی میں جلانے سے کیا مراد ہے۔ اسنے ایک بڑا کمرہ کھولا جس میں ایک بڑا چولھا تھا جس میں تھوڑی تھوڑی آگ جل رہی تھی اور اسکے اوپر پیتل کی ایک بڑی کڑاہی رکھی ہوئی تھی جسپر ایک ڈھکنا تھا اور اسکے ساتھ ایک تالا لگا ہوا تھا۔ پھر ایک دوسرا کمرہ اسنے مجھے دکھایا جس میں ایک بڑا چکر تھا اور اسکے دونوں طرف موٹے تختے لگے ہوئے تھے پھر اسنے ایک چھوٹا سا دریچہ کھولا تو میں نے دیکھا کہ اس چکر میں نہایت تیز استرے جابجا لگے ہوئے تھے۔ اسکے بعد مجھے اسنے ایک بڑا گڑھا دکھایا جو تمام زہریلے جانوروں سے بھرا ہوا تھا جب میں ان نظاروں کو دیکھکر سخت دہشت زدہ ہوئی تو اس نے کہا اب میں تمہیں بتاتی ہوں کہ یہ چیزیں کس کام آتی ہیں۔ یہ کڑاہی مرتدوں کیلئے ہے اور ان لوگوں کیلئے جو "دو مقدس باپ" کی مرضی اور خوشی کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ زندہ اسمیں رکھ دیے جاتے ہیں اور اوپر سے ڈھکنا دیکر تالا لگا دیا جاتا ہے۔ پھر نیچے آہستہ آہستہ آگ جلائی جاتی ہے یہانتک کہ جسم خاکستر ہو جاتا ہے۔ چکر ان لوگوں کیلئے ہے جو پوپ کو یا "دو مذہبی عدالت" کے "دو مقدس باپوں" کے خلاف کچھ کہتے ہیں انکو دریچہ کھولکر اندر ڈالدیا جاتا ہے۔ اور جو لوگ بتوں کو برا کہتے ہیں یا "دو مقدس لوگوں" یعنی کلیسیا کے عہدیداروں کا ادب نہیں کرتے وہ گڑھے میں ڈالے جاتے ہیں جہاں زہریلے جانور انکو ڈس ڈس کر ہلاک کرتے ہیں۔ پھر میں اپنے کمرے میں واپس چلی گئی اور اس خادمہ نے کہا کہ پھر کسی دن میں تمکو اس سے بھی ہولناک نظارے موت کے دکھاؤنگی مگر میں نے کہا کہ مجھے ان چیزوں کے دیکھنے کی برداشت نہیں۔ تب اسنے کہا کہ دیکھو فرانسسکو جو کچھ کہے اسیطرح کرنا کیونکہ اگر تمنے اسکے حکم کے ماننے سے ذرہ بھی انکار کیا تو اسی کڑاہی میں ڈالکر جلائی جاؤگی دوسری صبح اس خادمہ نے آکر کہا کہ میں تمہیں عمدہ سے عمدہ پوشاک پہناکر اور زینت کر کے فرانسسکو کے پاس لے جاؤنگی چنانچہ اسیطرح کیا اور جب میں اسکے کمرے میں پہنچی تو وہ ابھی بستر پر لیٹا ہوا تھا اسنے خادمہ کو چلے جانیکا حکم دیا اور اسکے بعد جو کچھ چاہا کیا اور میں نے ایک بھوت کی طرح اپنی جان بچانیکے لئے اسکے حکموں کو مانا۔ اس سیاہ کاری کا اعادہ تین دن تک ہوتا رہا اور روز مجھے عمدہ سے عمدہ لباس پہنایا جاتا۔ اسی اثنا میں مجھے ایک باغ دکھایا گیا جس میں باون ۵۲ اور میری طرح ہی خوبصورت نوجوان لیڈیاں فاخرہ لباس پہنے ہوئے موجود تھیں مگر مجھے ابھی تک علم نہ تھا کہ وہ وہاں کس غرض کیلئے ہیں جب چوتھا دن ہوا تو رنگ بدل گیا اور بجائے اس عیاشی کی محل اور باغ کے مجھے وہ خادمہ ایک تنگ اور تاریک کوٹھری میں جو آٹھ فٹ سے زیادہ نہ تھی لے گئی۔ جہاں ایک عورت آگے قیدی تھی اور مجھے کہا کہ اب تمہارا کمرہ ہوا یہاں اس عورت نے جو پہلے موجود تھی مجھے سنایا کہ وہ تمام نوجوان عورتیں جو تمنے باغ میں دیکھی ہیں

وہ میری طرح ان ظالموں کے وحشیانہ جذبات کا شکار تھیں پھر اس نے سارے قصہ کو یوں بیان کیا درر ہیں یہ سخت حکم ہو کہ جب کبھی کوئی نئی نوجوان لیڈی یہاں پکڑ کر لائی جائے تو تین دن تک بہت اظہار خوشی کریں اور ہنسی اور کھیل میں دن گذاریں۔ جیسا کہ ہم نے تمہارے آنے پر کیا اور جیسا تم دوسرون کے آنے پر کروگی۔ مگر اسکے بعد ہم سخت ذلت کی حالت میں قیدیونکی طرح رکھی جاتی ہیں اور سوائے خادمہ کے اور کسی شخص کو کبھی دیکھتی بھی نہیں تین دن ہفتہ میں ہم ملکر بڑے کمرے میں کھانا کھاتی ہیں۔ اور ان دومقدس افسرون،، میں سے جب کسی کا آرادہ ہمارے ساتھ زنا کرنے کا ہوتا ہو۔ تو خادمہ آکر اسے بلالے جاتی ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خادمہ ہمارے کمرے کی دروازے کھلے چھوڑ جاتی ہے۔ اور یہ اس بات کی علامت ہوتی ہو کہ ان میں سے رات کو کوئی سیاہ کاری کیلئے آئے گا۔ اگر ہم میں سے کوئی حاملہ ہوجائے تو وہ ایک الگ کمرے مین نکال دی جاتی ہو۔ اور جب بچہ ہوجائے۔ تو اسکو کہیں لے جاتے ہیں جس کا ہم کو کچھ علم نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی کبھی ہم اس کے متعلق کچھ بھی آئندہ سنتے ہیں میں اس ذلت کے گھر میں چھ سال سے ہوں اور چودہ برس کی تھی جب پہلے مجھے یہاں پکڑ کر لائے۔ اس اثنا میں میرے ایک بچہ ہوا۔ اسوقت یہاں باون عورتیں ایسی موجود ہیں۔ مگر انہیں سے۔۔۔۔ ہر سال چھ یا آٹھ گم ہو جاتی ہیں اگرچہ ہمکو کچھ پتہ نہیں ملتا کہ وہ کہاں جاتی ہیں۔ مگر اس سے ہمارے تعداد میں کمی نہیں آتی کیونکہ ہمیشہ اور گرفتار ہوکر آتی رہتی ہیں۔ ایک وقت میں ستر تک تعداد پہنچ گئی تھی۔ ہمیشہ یہ سوچ سوچ کر ہماری جان ایک عذاب میں رہتی ہو۔ کہ جب کوئی ان دو مقدس باپوں میں سے (جو تین آدمی ہیں) ہم میں سے کسی سے سیر ہوجاتا ہے تو اسکو مار ڈالا جاتا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ وہ زندہ اسکو یہاں سے باہر نکالدیں جس سے انکی بدکاریاں بیرونی دنیا پر ظاہر ہوسکتی ہیں ہم سے زیادہ بدبخت روئے زمین پر کون ہے کہ جان بچانے کی خاطر ہم اس ذلت اور سیاہ کاری کو قبول کرتی ہیں مگر ہماری جان بھی آخر نہیں بچتی۔

اس قصہ کو پڑھکر پادری سیتل صاحب بتادیں کہ کیا دوزخ کے وہ دردناک عذاب جو قرآن شریف میں بیان کئے گئے ہیں ایسے خبیث اور پلید شیطانوں کے لئے جو انسانوں کی شکل رکھتے اور مقدس باپ کہلاتے ہیں۔ انکے نزدیک زیادہ سخت ہیں؟

وصیت* حضرت مسیح موعود علیہ السلام

الحمد للہ رب العٰلمین ۔ والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہٖ محمدٍ وّاٰلہٖ واصحابہ اجمعین
اما بعد چونکہ خدائے عزّوجلّ نے متواتر وحی سے مجھے خبر دی ہے کہ میرا زمانہ وفات نزدیک ہے اور اس بارہ میں اسکی وحی اسقدر تواتر سے ہوئی کہ میری ہستی کو بنیاد سے ہلا دیا ۔ اور اس زندگی کو میرے پر سرد کر دیا اسلئے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے دوستوں اور ان تمام لوگوں کے لئے جو میرے کلام سے فائدہ اُٹھانا چاہیں چند نصائح لکھوں۔ سو پہلے میں اس مقدس وحی سے اطلاع دیتا ہوں جسنے مجھے میرے موت کی خبر دیکر میرے لئے یہ تحریک پیدا کی اور وہ یہ ہے جو عربی زبان میں ہوئی اور بعد میں اردو کی وحی بھی لکھی جائے گی ۔ قرب اجلک المقدّر ۔ ولا نبقی لک من المخزیات ذکرا ۔ قلّ میعاد ربک ولا نبقی لک من المخزیات شیئًا ۔ واما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینّک ۔ تموت وانا راضٍ منک ۔ جاء وقتک ونبقی لک الاٰیات بینات ۔ قرب ما توعدون ۔ واما بنعمۃ ربک فحدّث ۔ انہ من یتق اللہ ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ۔ (ترجمہ) تیری اجل قریب آگئی ہے اور ہم تیرے متعلق ایسی باتوں کا نام و نشان نہیں چھوڑیں گے جن کا ذکر تیری رسوائی کا موجب ہو ۔ تیری نسبت خدا کی میعاد مقررہ تھوڑی رہ گئی ہے ۔ اور ہم ایسے تمام اعتراض دُور اور دفع کر دیں گے اور کچھ انمیں سے باقی نہیں رکھیں گے جنکے بیان سے تیری رسوائی مطلوب ہو ۔ اور ہم اس بات پر قادر ہیں کہ جو کچھ مخالفوں کی نسبت ہماری پیشگوئیاں ہیں انمیں سے تجھے کچھ دکھا دیں ۔ یا تجھے وفات دیدیں ۔ تو اس حالت میں فوت ہوگا جو میں تجھسے راضی ہونگا ۔ اور ہم کھُلے کھُلے نشان تیری تصدیق کے لئے ہمیشہ موجود رکھیں گے جو وعدہ کیا گیا وہ قریب ہے ۔ اپنے رب کی نعمت کا جو تیرے پر ہوئی لوگوں کے پاس بیان کر ۔ جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے تو خدا ایسے نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۔ اس جگہ یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ہم تیری نسبت ایسے ذکر باقی نہیں چھوڑیں گے جو تیری رسوائی اور ہتک عزت کا موجب ہوں اس فقرہ کے دو معنی ہیں (۱) اوّل یہ کہ ایسے اعتراضات کو جو رسوا کرنے کی نیت سے شایع کئے جاتے ہیں ہم دور کر دینگے اور ان اعتراضات کا نام و نشان نہ رہیگا (۲) دوسرے یہ کہ ایسے شکایت کرنے والوں کو جو اپنی شرارتوں کو نہیں چھوڑتے اور بد ذکر سے باز نہیں آتے دنیا سے اُٹھا لیں گے اور صفحہ ہستی سے معدوم کر دینگے تب انکے نابود ہونیکی وجہ سے انکے بیہودہ اعتراض بھی نابود ہو جائینگے ۔ پھر بعد اسکے خدا تعالیٰ نے میری وفات کی نسبت اُردو زبان میں مندرجہ ذیل کلام کے ساتھ مجھے مخاطب کرکے فرمایا ۔ بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں اُس دن سب پر اُداسی چھا جائیگی ۔ یہ ہوگا ۔ یہ ہوگا ۔ بعد اسکے تمہارا واقعہ ہوگا تمام حوادث اور

* اس وصیت کا ایک ضمیمہ جو ضروری امور پر مشتمل ہے الگ شائع ہوگا ۔

عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئے گا۔

حوادث کے بارہ میں جو مجھے علم دیا گیا ہے وہ یہی ہے۔ کہ ہر ایک طرف دنیا میں موت اپنا دامن پھیلائے گی اور زلزلے آئیں گے اور شدت سے آئینگے اور قیامت کا نمونہ ہونگے اور زمین کو تہ و بالا کر دیں گے۔ اور بہتوں کی زندگی تلخ ہو جائیگی۔ پھر وہ جو توبہ کریں گے اور گناہوں سے دستکش ہو جائینگے۔ خدا اُنپر رحم کرے گا۔ جیسا کہ ہر ایک نبی نے اس زمانہ کی خبر دی تھی ضرور ہے۔ کہ وہ سب کچھ واقع ہو۔ لیکن وہ جو اپنے دلوں کو درست کریں گے اور اُن راہوں کو اختیار کرینگے جو خدا کو پسند ہیں۔ انکو کچھ خوف نہیں اور نہ کچھ غم۔ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تُو میری طرف سے نذیر ہے۔ میں نے تجھے بھیجا تا مجرم نیکو کاروں سے الگ کئے جائیں اور فرمایا کہ دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ میں تجھے اسقدر برکت دونگا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے۔

اور آئندہ زلزلہ کی نسبت جو ایک سخت زلزلہ ہوگا مجھے خبر دی اور فرمایا پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ اسلئے ایک شدید زلزلہ کا آنا ضروری ہے لیکن راستباز اس سے امن میں ہیں۔ سو راستباز بنو اور تقویٰ اختیار کرو تا بچ جاؤ۔ آج خدا سے ڈرو تا اُس دن کے ڈر سے امن میں رہو۔ ضرور ہے کہ آسمان کچھ دکھاوے اور زمین کچھ ظاہر کرے لیکن خدا سے ڈرنے والے بچائے جائیں گے خدا کا کلام مجھے فرماتا ہے کہ کئی حوادث ظاہر ہونگے اور کئی آفتیں زمین پر اُتریں گی کچھ تو ان میں سے میری زندگی میں ظہور میں آجائینگی اور کچھ میرے بعد ظہور میں آئینگی۔ اور وہ اس سلسلہ کو پُوری ترقی دیگا۔ کچھ میرے ہاتھ سے اور کچھ میرے بعد۔

یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے اور جب سے کہ اُسنے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہمیشہ اس سنت کو وہ ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے اور انکو غلبہ دیتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ یعنی خدا نے لکھ رکھا ہے کہ وہ اور اسکے نبی غالب رہیں گے اور غلبہ سے مراد یہ ہے جیسا کہ رسولوں اور نبیوں کا یہ منشا ہوتا ہے کہ خدا کی حجت زمین پر پُوری ہو جائے اور اسکا مقابلہ کوئی نہ کر سکے اسی طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ انکی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اُسکی تخم ریزی انہیں کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اُسکی پوری تکمیل انکے ہاتھ سے نہیں کرتا۔ بلکہ ایسے

بہ اگر دنیا کی آنکھ کھلتی تو وہ دیکھتی کہ میں صدی کے سر پر ظاہر ہوا اور چہارم حصہ کے قریب اب تک چودھویں صدی بھی گذر گئی اور احادیث کے مطابق عین میرے دعوے کے وقت رمضان کے مہینہ میں چاند گرہن اور سورج گرہن بھی ہوا۔ اور طاعون بھی ملک میں ظاہر ہوئی۔ اور زلزلے بھی آئے اور آئیں گے مگر افسوس اُن پر جنھوں نے دنیا سے پیار کیا انہوں نے مجھے قبول نہ کیا منہ

وقت میں انکو وفات دیکر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن اور تشنیع کا موقعہ دیتا ہے اور جب وہ ہنسی ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جنکے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے (۱) اوّل خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے (۲) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائیگی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردد میں پڑ جاتے ہیں اور انکی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونیکی راہیں اختیار کر لیتے ہیں تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر فرماتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے۔ جیساکہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے وقت میں ہوا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہؓ بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوتے تھام لیا اور اس وعدہ کو پورا کیا جو فرمایا تھا۔ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یعنی خوف کے بعد پھر ہم انکے پیر جما دیں گے۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا جبکہ حضرت موسیٰؑ مصر اور کنعان کی راہ میں پہلے اس سے جو بنی اسرائیل کو وعدہ کے موافق منزل مقصود تک پہنچا دیں فوت ہو گئے اور بنی اسرائیل میں اُنکے مرنے سے ایک بڑا ماتم برپا ہوا جیساکہ توریت میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل اس بےوقت موت کے صدمہ سے اور حضرت موسیٰؑ کی ناگہانی جدائی سے چالیس دن تک روتے رہے۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہوا۔ اور صلیب کے واقعہ کے وقت تمام حواری تتر بتر ہو گئے اور ایک انمیں سے مرتد بھی ہو گیا۔

سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھاوے سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اسلئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے۔ اور اسکا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن میں جب جاؤنگا۔ تو پھر خدا اُس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیجدیگا۔ جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیگی جیساکہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ

تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ "میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دونگا" سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اسکے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے۔ وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے۔ وہ سب کچھ تمہیں دکھائیگا جس کا اسنے وعدہ فرمایا۔ اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جنکے نزول کا وقت ہے پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے جبتک وہ تمام باتیں پوری نہ ہو جاویں جن کی خدا نے خبر دی۔ میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہونگے جو دوسری قدرت کا مظہر ہونگے سو تم خدا کی قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعا کرتے رہو اور چاہئے کہ ہر ایک صالحین کی جماعت ہر ایک ملک میں اکٹھے ہو کر دعا میں لگے رہیں تا دوسری قدرت آسمان سے نازل ہو اور تمہیں دکھاوے کہ تمہارا خدا ایسا قادر خدا ہے اپنی موت کو قریب سمجھو تم نہیں جانتے کہ کس وقت وہ گھڑی آجائے گی۔

اور چاہئے کہ جماعت کے بزرگ جو نفس پاک رکھتے ہیں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں✝ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں۔ کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جسکے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پاکر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد ملکر کام کرو۔

اور چاہئے کہ تم بھی ہمدردی اور اپنے نفسوں کے پاک کرنے سے روح القدس سے حصہ لو کہ بجز روح القدس کے حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتی اور نفسانی جذبات کو بکلی چھوڑ کر خدا کی رضا کے لئے وہ راہ اختیار کرو جو اس سے زیادہ کوئی راہ تنگ نہ ہو۔ دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جدا کرتی ہیں اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو۔ درد جس سے خدا راضی ہو اس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو

✝ ایسے لوگوں کا انتخاب مومنوں کے اتفاق رائے پر ہوگا پس جس شخص کی نسبت چالیس مومن اتفاق کرینگے وہ اسبات کے لائق ہے کہ میرے نام پر لوگوں سے بیعت لے وہ بیعت لینے کا مجاز ہوگا اور چاہئے کہ وہ اپنے تئیں دوسروں کے لئے نمونہ بناوے خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ میں تیری جماعت کے لئے تیری ہی ذریت سے ایک شخص کو قائم کرونگا اور اسکو اپنے قرب اور وحی سے مخصوص کرونگا اور اسکے ذریعہ سے حق ترقی کریگا اور بہت سے لوگ سچائی کو قبول کرینگے سو ان دنوں کے منتظر رہو اور تمہیں یاد رہے کہ ہر ایک کی شناخت اسکے وقت میں ہوتی ہے اور قبل از وقت ممکن ہے کہ وہ معمولی انسان دکھائی دے یا بعض دھوکہ دینے والے خیالات کی وجہ سے قابل اعتراض ٹھہرے جیسا کہ قبل از وقت ایک کامل انسان بننے والا بھی پیٹ میں صرف ایک نطفہ یا علقہ ہوتا ہے۔ منہ

اس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہو اس محبت کو چھوڑ دو جو خدا کے غضب کے قریب کرے اگر تم صاف دل ہو کر اس کی طرف آجاؤ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری مدد کرے گا اور کوئی دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیگا خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جبتک تم اپنی رضا چھوڑ کر اپنی لذات چھوڑ کر اپنی عزت چھوڑ کر اپنا مال چھوڑ کر اپنی جان چھوڑ کر اسکی راہ میں وہ تلخی نہ اٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے لیکن اگر تم تلخی اٹھالو گے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آجاؤ گے اور تم اُن راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائینگے لیکن تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ ”تقویٰ ایک ایسا درخت ہے جسکو دل میں لگانا چاہیئے“۔ وہی پانی جس سے تقویٰ پرورش پاتی ہے تمام باغ کو سیراب کر دیتا ہے تقویٰ ایک ایسی جڑ ہے کہ اگر وہ نہیں تو سب کچھ ہیچ ہے اور اگر وہ باقی رہے تو سب کچھ باقی ہے انسان کو اس فضولی سے کیا فائدہ جو زبان سے خدا طلبی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن قدم صدق نہیں رکھتا دیکھو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کیساتھ کچھ دنیا کی ملونی رکھتا ہے اور اُس نفس سے جہنم بہت قریب ہے جسکے تمام ارادے خدا کے لئے نہیں ہیں بلکہ کچھ خدا کے لئے اور کچھ دنیا کے لئے پس اگر تم دنیا کی ایک ذرہ بھی ملونی اپنے اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں اس صورت میں تم خدا کی پیروی نہیں کرتے بلکہ شیطان کی پیروی کرتے ہو تم ہرگز توقع نہ کرو کہ ایسی حالت میں خدا تمہاری مدد کریگا بلکہ تم اس حالت میں زمین کے کیڑے ہو اور تھوڑے ہی دنوں تک تم اسطرح ہلاک ہو جاؤ گے جسطرح کہ کیڑے ہلاک ہوتے ہیں اور تم میں خدا نہیں ہوگا بلکہ تمہیں ہلاک کر کے خدا خوش ہوگا لیکن اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب تم خدا میں ظاہر ہو جاؤ گے اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔ اور وہ گھر بابرکت ہوگا جسمیں تم رہتے ہوگے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں اور وہ شہر بابرکت ہوگا جہاں ایسا آدمی رہتا ہوگا اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی اور گرمی محض خدا کے لئے ہو جائیگی۔ اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کرو گے اور تعلق کو نہیں توڑو گے بلکہ آگے قدم بڑھاؤ گے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤ گے تم بھی انسان ہو جیسا کہ میں انسان ہوں اور وہی میرا خدا تمہارا خدا ہے پس اپنی پاک قوتوں کو ضائع مت کرو اگر تم پورے طور پر خدا کی طرف جھکو گے تو دیکھو میں خدا کی منشاء کے موافق تمہیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک قوم برگزیدہ ہو جاؤ گے خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اسکی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو تا خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے کینہ وری سے پرہیز کرو۔ اور بنی نوع سے سچی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ ہر ایک راہ نیکی کی اختیار کرو۔ نہ معلوم کس راہ

سے تم قبول کئے جاؤگے۔

تمہین خوشخبری ہو کہ قرب پانیکا میدان خالی ہے ہر ایک قوم دنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اسکی طرف دنیا کو توجہ نہین وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازہ مین داخل ہونا چاہتے ہین انکے لئے موقع ہے کہ اپنے جوہر دکھلائین اور خدا سے خاص انعام پاوین یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہین ضایع کر دیگا تم خدا کے ہاتہ کا ایک بیج ہو جو زمین مین بویا گیا خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھیگا اور پہولیگا اور ہر ایک طرف سے اسکی شاخین نکلین گی اور ایک بڑا درخت ہو جائیگا پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان مین آنیوالے ابتلاؤن سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤن کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا تمہاری آزمایش کرے کہ کون اپنے دعویٰ بیعت مین صادق اور کون کاذب ہے۔ وہ جو کسی ابتلا سے لغزش کھائے گا وہ کچھہ بھی خدا کا نقصان نہین کرے گا اور بدبختی اسکو جہنم تک پہنچائیگی اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اسکے لئے اچھا تھا۔ مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کرین گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئینگے اور حوادث کی آندھیان چلین گی اور قومین ہنسی اور ٹھٹھا کرین گی اور دنیا ان سے سخت کراہت کے ساتھ پیش آئیگی۔ وہ آخر فتحیاب ہونگے اور برکتون کے دروازے انپر کھولے جائین گے خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ مین اپنی جماعت کو اطلاع دون کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان جو اسکے ساتھہ دنیا کی ملونی نہین اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہین اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہین ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہین اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہین جن کا قدم صدق کا قدم ہے۔

اے سننے والو سنو! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ پس یہی کہ تم اسی کے ہو جاؤ اسکے ساتھہ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان مین نہ زمین مین ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے۔ جیسا کہ پہلے زندہ تھا اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ مین وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہین بلکہ وہ سنتا ہے اور بولتا بھی ہے اسکی تمام صفات ازلی ابدی ہین کوئی صفت بھی معطل نہین اور نہ کبھی ہو گی وہ وہی واحد لاشریک ہے جسکا کوئی بیٹا نہین اور جسکی کوئی بیوی نہین وہ وہی بے مثل ہے جسکا کوئی ثانی نہین جسکا کوئی ہم صفات نہین اور جسکی کوئی طاقت کم نہین وہ قریب ہے باوجود دور ہونیکے اور دور ہے باوجود نزدیک ہونے کے وہ تمثل کے طور پر اہل کشف پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے۔ مگر اسکے لئے نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے۔ اور وہ سب سے اوپر ہے مگر نہین کہہ سکتے کہ اسکے نیچے کوئی اور بھی ہے۔ اور وہ عرش پر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ زمین پر نہین وہ مجمع ہے تمام صفات کاملہ کا اور مظہر ہے تمام محامد حقہ کا اور سرچشمہ ہے تمام خوبیون کا اور جامع ہے تمام طاقتون کا اور

مبدا ہے تمام فیضوں کا اور مرجع ہے ہر ایک شے کا اور مالک ہے ہر ایک مُلک کا اور متصف ہے ہر ایک کمال سے اور منزّہ ہے ہر ایک عیب اور ضعف سے اور مخصوص ہے اس امر میں کہ زمین والے اور آسمان والے اسی کی عبادت کریں اور اسکے آگے کوئی بات بھی اَن ہونی نہیں اور تمام روح اور انکی طاقتیں اور تمام ذرّات اور اسکی طاقتیں اسی کی پیدایش ہیں اسکے بغیر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی وہ اپنی طاقتوں اور اپنی قدرتوں اور اپنے نشانوں سے اپنے تئیں آپ ظاہر کرتا ہے اور اس کو اسی کے ذریعہ سے ہم پا سکتے ہیں اور وہ راستبازوں پر ہمیشہ اپنا وجود ظاہر کرتا رہتا ہے۔ اور اپنی قدرتیں انکو دکھلاتا ہے اسی سے وہ شناخت کیا جاتا اور اسی سے اُسکی پسندیدہ راہ شناخت کی جاتی ہے وہ دیکھتا ہے بغیر جسمانی آنکھوں کے اور سنتا ہے بغیر جسمانی کانوں کے اور بولتا ہے بغیر جسمانی زبان کے اسی طرح نیستی سے ہستی کرنا اسکا کام ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ خواب کے نظارہ میں بغیر کسی مادہ کے ایک عالم پیدا کر دیتا ہے اور ہر ایک فانی اور معدوم کو موجود دکھلا دیتا ہے پس اسی طرح اسکی تمام قدرتیں ہیں نادان ہے جو اسکی قدرتوں سے انکار کرے اندھا ہے وہ جو اسکی عمیق طاقتوں سے بیخبر ہے وہ سب کچھ کرتا ہے اور کر سکتا ہے بغیر ان اُمور کے جو اسکی شان کے مخالف ہیں یا اسکے مواعید کے برخلاف ہیں اور وہ واحد ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور افعال میں اور قدرتوں میں اور اس تک پہنچنے کے لئے تمام دروازے بند ہیں مگر ایک دروازہ جو فرقان مجید نے کھولا ہے اور تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گذر چکیں انکی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی کیونکہ نبوت محمدیہ اُن سب پر مشتمل اور حاوی ہے اور بجز اسکے سب راہیں بند ہیں تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اسی کے اندر ہیں اور نہ اسکے بعد کوئی سچائی آئیگی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں اس لئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور ہونا چاہئے تھا کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اسکے لئے ایک انجام بھی ہے۔ لیکن یہ نبوت محمدیہ اپنی ذاتی فیض رسانی سے قاصر نہیں بلکہ سب نبوتوں سے زیادہ اس میں فیض ہے اس نبوت کی پیروی خدا تک بہت سہل طریق سے پہنچا دیتی ہے اور اس کی پیروی سے خدا تعالیٰ کی محبت اور اسکے مکالمہ مخاطبہ کا اس سے بڑھکر انعام مل سکتا ہے۔ جو پہلے ملتا تھا۔ مگر اس کا کامل پیرو صرف نبی نہیں کہلا سکتا کیونکہ نبوت کاملہ تامہ محمدیہ کی اس میں ہتک ہے ہاں اُمتی اور نبی دونوں لفظ اجتماعی حالت میں اسپر صادق آسکتے ہیں کیونکہ اس میں نبوت تامہ کاملہ محمدیہ کی ہتک نہیں بلکہ اس نبوت کی چمک اس فیضان سے زیادہ تر ظاہر ہوتی ہے✠ اور جبکہ وہ مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کے رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے پس یہ ممکن نہ تھا کہ وہ قوم جسکے لئے فرمایا گیا کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ اور جنکے لئے یہ دعا سکھائی گئی۔ کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ انکے تمام افراد اس مرتبہ عالیہ سے محروم رہتے اور کوئی ایک فرد بھی اس مرتبہ کو نہ پاتا اور ایسی صورت میں صرف یہی خرابی نہ تھی کہ امت محمدیہ ناقص اور ناتمام رہتی اور سب کے سب اندھوں کی طرح رہتے بلکہ یہ

✠ باوجود اسکے یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ نبوت تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اسکی پیروی معطل کرے بلکہ اسکا عمل قیامت تک ہے منہ

بھی نقص تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت فیضان پر داغ لگتا تھا اور آپ کی قوت قدسیہ ناقص ٹھہرتی تھی اور ساتھ اسکے وہ دعا جسکا پانچ وقت نماز مین پڑھنا تعلیم کیا گیا تھا اسکا سکھلانا بھی عبث ٹھہرتا تھا مگر اس کی دوسری طرف یہ خرابی بھی تھی کہ اگر یہ کمال کسی فرد امت کو براہ راست بغیر پیروی نور نبوت محمدیہ کے ملسکتا۔ تو ختم نبوت کے معنے باطل ہوتے تھے پس ان دونون خرابیون سے محفوظ رکھنے کے لئے خدا تعالی نے اسکا مکالمہ مخاطبہ کاملہ تامہ مطہرہ مقدسہ کا شرف ایسے بعض افراد کو عطا کیا جو فنا فی الرسول کی حالت تک اتم درجہ تک پہنچ گئے اور کوئی حجاب درمیان نرہا اور امتی ہونے کا مفہوم اور پیروی کے معنے اتم اور اکمل درجہ پر اینمین پائے گئے ایسے طور پر کہ ان کا وجود اپنا وجود نرہا بلکہ ان کے محویت کے آئینہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود منعکس ہوگیا اور دوسری طرف اتم اور اکمل طور پر مکالمہ مخاطبہ الہیہ نبیون کی طرح انکو نصیب ہوا۔

پس اس طرح پر بعض افراد نے باوجود امتی ہونیکے نبی ہونے کا خطاب پایا کیونکہ ایسی صورت کی نبوت نبوت محمدیہ سے الگ نہین بلکہ اگر غور سے دیکھو تو خود وہ نبوت محمدیہ ہی ہے جو ایک پیرایہ جدید مین جلوہ گر ہوئی یہی معنے اس فقرہ کے ہین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے حق مین فرمایا کہ نبی اللہ امامکم منکم یعنی وہ نبی بھی ہے اور امتی بھی ہے ورنہ غیر کو اسجگہ قدم رکھنے کی جگہ نہین مبارک وہ جو اس نکتہ کو سمجھے تا ہلاک ہونے سے بچ جائے عیسی علیہ السلام کو خدا نے وفات دیدی جیسا کہ خدا تعالی کی صاف اور صریح آیت فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم اسپر شاہد ہے جس کے معنے آیات متعلقہ کے ساتھ یہ ہین کہ خدا قیامت کو عیسی سے پوچھیگا کہ کیا تو نے ہی اپنی امت کو یہ تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری مان کو خدا کرکے مانو تو وہ جواب دینگے جب تک مین انمین تھا تو انپر شاہد تھا اور ان کا نگہبان تھا اور جب تو نے مجھے وفات دیدی تو پیچھے کیا علم تھا کہ میرے بعد وہ کس ضلالت مین مبتلا ہوئے اب اگر کوئی چاہے تو آیت فلما توفیتنی کے یہ معنے کرے کہ جب تو نے مجھے وفات دیدی اور چاہے تو اپنی ناحق کی ضد سے باز نہ آکر یہ معنے کرے کہ جب تو نے مع جسم عنصری مجھے آسمان پر اٹھا لیا بہرحال اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت عیسی دوبارہ دنیا مین آئے ہوتے اور صلیب توڑی ہوتی تو اس صورت مین ممکن نہین کہ عیسی جو خدا کا نبی تھا ایسا صریح جھوٹ خدا تعالی کے روبرو قیامت کے دن بولے گا کہ مجھے کچھ بھی خبر نہین کہ میرے بعد میری امت نے یہ فاسد عقیدہ اختیار کیا کہ مجھے اور میری مان کو خدا قرار دیدیا کیا وہ شخص جو دوبارہ دنیا مین آوے اور چالیس برس دنیا مین رہے اور عیسائیون سے لڑائیان کرے وہ نبی کہلا کر ایسا مکروہ جھوٹ بول سکتا ہے کہ مجھے کچھ بھی خبر نہین پس جبکہ یہ آیت حضرت عیسی کو دوبارہ آنے سے روکتی ہے (ورنہ وہ دروغ گو ٹھہرتے ہین) تو اگر وہ مع جسم عنصری آسمان پر ہین تو حسب تصریح اس آیت کے قیامت کے دن تک زمین پر نہین اترینگے تو کیا وہ آسمان پر ہی مرینگے اور آسمان پر ہی انکی قبر

ہو گی لیکن آسمان پر مرنا آیت فیہا تموتون کے برخلاف ہے پس اس سے تو یہی ثابت ہوا کہ وہ آسمان پر مع جسم عنصری نہیں گئے بلکہ مر گئے اور جس حالت میں کتاب اللہ نے کمال تصریح سے یہ فیصلہ کر دیا تو پھر کتاب اللہ کی مخالفت کرنا اگر معصیت نہیں تو اور کیا ہے۔

اگر میں نہ آیا ہوتا تو محض اجتہادی غلطی قابل عفو تھی لیکن جب میں خدا کی طرف سے آ گیا اور صریح اور سچے معنے قرآن شریف کے کھل گئے تو پھر بھی غلطی کو نہ چھوڑنا ایمانداری کا شیوہ نہیں میرے لئے خدا کے نشان آسمان پر بھی ظاہر ہوئے اور زمین پر بھی اور صدی کا بھی قریباً چوتھا حصہ گذر گیا اور ہزارہا نشان ظہور میں آ گئے اور دنیا کی عمر سے ساتواں ہزار شروع ہو گیا تو پھر اب بھی حق کو قبول نہ کرنا یہ کس قسم کی سخت دلی ہے دیکھو میں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ خدا کے نشان ابھی ختم نہیں ہوئے اُس پہلے زلزلہ کے نشان کے بعد جو ۴ اپریل ۱۹۰۵ء میں ظہور میں آیا جس کی ایک مدت پہلے خبر دی گئی تھی پھر خدا نے مجھے خبر دی کہ بہار کے زمانہ میں ایک اور سخت زلزلہ آنیوالا ہے وہ بہار کے دن ہونگے نہ معلوم کہ وہ ابتدا بہار کا ہو گا جب درختوں میں پتا نکلتا ہے یا درمیان اس کا یا اخیر کے دن جیسا کہ الفاظ وحی الٰہی یہ ہیں۔ پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ چونکہ پہلا زلزلہ بھی بہار کے ایام میں تھا اسلئے خدا نے خبر دی کہ وہ دوسرا زلزلہ بھی بہار میں ہی آئیگا اور چونکہ آخر جنوری میں بعض درختوں کا پتہ نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اسی مہینہ سے خوف کے دن شروع ہونگے اور غالباً مئی کے اخیر تک وہ دن رہینگے۔ ✝

اور خدا نے فرمایا زلزلۃ الساعۃ یعنی وہ زلزلہ قیامت کا نمونہ ہو گا اور پھر فرمایا لک نری اٰیاتٍ ونھدم ما یعمرون* یعنی تیرے لئے ہم نشان دکھلائیں گے اور جو عمارتیں بناتے جائینگے ہم انکو گراتے جائینگے اور پھر فرمایا بھونچال آیا اور شدت سے آیا اور زمین تہ و بالا کر دی۔ یعنی ایک سخت زلزلہ آئیگا اور زمین کو یعنی زمین کے بعض حصوں کو زیر و زبر کر دیگا جیسا کہ لوط کے زمانہ میں ہوا اور پھر فرمایا انی مع الافواج اٰتیک بغتۃً یعنی میں پوشیدہ طور پر فوجوں کے ساتھ آؤنگا اُس دن کی کسی کو بھی خبر نہیں ہو گی جیسا کہ لوط کی بستی جب زیر و زبر نہیں کی گئی کسی کو خبر نہ تھی اور سب کھاتے پیتے اور عیش کرتے تھے کہ ناگہانی طور پر زمین الٹائی گئی پس خدا فرماتا ہے کہ اس جگہ بھی ایسا ہی ہو گا۔ کیونکہ گناہ حد سے بڑھ گیا اور انسان حد سے زیادہ دنیا سے پیار کر رہے ہیں اور خدا کی راہ تحقیر کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور پھر فرمایا زندگیوں کا خاتمہ اور پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔

✝ مجھے معلوم نہیں کہ بہار کے دنوں سے مراد یہی بہار کے دن ہیں جو اب جاڑے کے گذرنے کے بعد آنیوالے ہیں یا کسی اور وقت پر اس پیشگوئی کا ظہور موقوف ہے۔ جو بہار کا وقت ہو گا بہرحال خدا تعالیٰ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہار کے دن ہونگے خواہ کوئی بہار ہو مگر خدا ایک ایسے شخص کی طرح آئیگا جو رات کو پوشیدہ طور پر آتا ہے یہی خدا نے مجھے فرمایا۔ منہ

* ایک خدا کی وحی اس بارے میں یہ بھی ہے۔ تیرے لئے میرا نام چمکا۔ منہ

قال ربك انه نازل من السماء ما یرضیك رحمة منا وکان امرًا مقضیا یعنی تیرا رب کہتا ہے کہ ایک امر آسمان سے اتریگا جس سے تو خوش ہو جائیگا یہ ہماری طرف سے رحمت ہے۔ اور یہ فیصلہ شدہ بات ہے جو ابتدا سے مقدر تھی اور ضرور ہے کہ آسمان اُس امر کے نازل کرنیسے رکا رہے جبتک کہ یہ پیشگوئی قوموں مین شایع ہو جائے کون ہے جو ہماری باتوں پر ایمان لاوے بجز اسکے کہ خوش قسمت ہو۔

یاد رہے کہ یہ اعلان تشویش کے پھیلانیکے لئے نہیں بلکہ آیندہ تشویش کی پیش بندی کے لئے ہے تا کوئی بیخبری مین ہلاک ہو ہر ایک امر نیت سے وابستہ ہے۔ پس ہماری نیت دکھ دینے کی نہین بلکہ دکھ سے بچانے کی نیت ہے وہ لوگ جو توبہ کرتے ہین خدا کے عذاب سے بچائے جائینگے مگر وہ بدقسمت جو توبہ نہین کرتا اور ٹھٹھے کی مجلسوں کو نہین چھوڑتا اور بدکاری اور گناہ سے باز نہین آتا اسکی ہلاکت کے دن نزدیک ہین کیونکہ اسکی شوخی خدا کی نظر مین قابل غضب ہے۔

اس جگہ ایک امر اور قابل تذکرہ ہے کہ جیسا کہ مین پہلے بیان کر چکا ہون کہ خدا نے مجھے میری وفات سے اطلاع دی ہے اور مجھے مخاطب کر کے میری زندگی کی نسبت فرمایا کہ بہت تھوڑے دن رہ گئے ہین اور فرمایا کہ تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانیکے بعد تمہارا حادثہ آئیگا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ضرور ہے کہ میری وفات سے پہلے کچھ حوادث پڑین اور کچھ عجائبات قدرت ظاہر ہون تا دنیا ایک انقلاب کے لئے طیار ہو جائے اور اُس انقلاب کے بعد میری وفات ہو اور مجھے ایک جگہ دکھلا دی گئی کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہو گی ایک فرشتہ مین نے دیکھا کہ وہ زمین کو ناپ رہا ہے تب ایک مقام پر اسنے پہنچکر مجھے کہا کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہے پھر ایک جگہ مجھے ایک قبر دکھلائی گئی کہ وہ چاندی سے زیادہ چمکتی تھی اور اسکی تمام مٹی چاندی کی تھی تب مجھے کہا گیا کہ یہ تیری قبر ہے اور ایک جگہ مجھے دکھلائی گئی اور اسکا نام بہشتی مقبرہ رکھا گیا اور ظاہر کیا گیا کہ وہ ان برگزیدہ جماعت کے لوگونکی قبرین ہین جو بہشتی ہین تب سے ہمیشہ مجھے یہ فکر رہی کہ جماعت کے لئے ایک قطعہ زمین قبرستان کی غرض سے خریدا جائے لیکن چونکہ موقعہ کی عمدہ زمینین بہت قیمت سے ملتی تھین اسلئے یہ غرض مدت دراز تک معرض التوا مین رہی اب اخویم مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی وفات کے بعد جبکہ میری وفات کی نسبت بھی متواتر وحی الٰہی ہوئی مینے مناسب سمجھا کہ قبرستان کا جلدی انتظام کیا جائے اسلئے مینے اپنی ملکیت کی زمین جو ہمارے باغ کے قریب ہے جسکی قیمت ہزار روپیہ سے کم نہین اس کام کے لئے تجویز کی اور مین دعا کرتا ہون کہ خدا اسمین برکت دے اور اسی کو بہشتی مقبرہ بنا دے اور یہ اس جماعت کے پاکدل لوگونکی خوابگاہ ہو جنہون نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کر لیا اور دنیا کی محبت چھوڑ دی اور خدا کے لئے ہو گئے اور پاک تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی طرح وفاداری اور صدق کا نمونہ دکھلایا آمین یا رب العالمین

پھر مین دعا کرتا ہون کہ اے میرے قادر خدا اس زمین کو میری جماعت مین سے ان پاکدلونکی قبرین بنا جو فی الواقع

تیرے لئے ہو چکے اور دنیا کی اغراض کی ملونی انکے کاروبار میں نہیں آمین یا رب العٰلمین۔

پھر میں تیسری دفعہ دعا کرتا ہوں کہ اے میرے قادر کریم اے خدائے غفور رحیم تو صرف ان لوگوں کو اس جگہ قبروں کی جگہ دے جو تیرے اس فرستادہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں اور کوئی نفاق اور غرض نفسانی اور بدظنی ✠ اپنے اندر نہیں رکھتے اور جیسا کہ حق ایمان اور اطاعت کا ہے بجا لاتے ہیں اور تیرے لئے اور تیری راہ میں اپنے دلوں میں جان فدا کر چکے ہیں جن سے تو راضی ہے اور جنکو تو جانتا ہے کہ وہ بکلی تیری محبت میں کھوئے گئے اور تیرے فرستادہ سے وفاداری اور پورے ادب اور انشراحی ایمان کے ساتھ محبت اور جانفشانی کا تعلق رکھتے ہیں۔ آمین یا رب العٰلمین۔

اور چونکہ اس قبرستان کے لئے بڑی بھاری بشارتیں مجھے ملی ہیں اور نہ صرف خدا نے یہ فرمایا کہ یہ مقبرہ بہشتی ہے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ انزل فیھا کل رحمۃ۔ یعنی ہر ایک قسم کی رحمت اس قبرستان میں اتاری گئی ہے اور کسی قسم کی رحمت نہیں جو اس قبرستان والوں کو اس سے حصہ نہیں اسلئے خدا نے میرا دل اپنی وحی خفی سے اسطرف مائل کیا کہ ایسی قبرستان کے لئے ایسے شرایط لگا دئے جائیں کہ وہی لوگ اسمیں داخل ہو سکیں جو اپنے صدق اور کامل راستبازی کی وجہ سے ان شرایط کے پابند ہوں سو وہ تین شرطیں ہیں اور سب کو بجا لانا ہوگا۔

(۱) اس قبرستان کی زمین موجودہ بطور چندہ کے میں نے اپنی طرف سے دی ہے لیکن اس احاطہ کی تکمیل کے لئے کسی قدر اور زمین خریدی جائیگی جس کی قیمت اندازاً ہزار روپیہ ہوگی اور اسکے خوشنما کرنیکے لئے کچھ درخت لگائے جائیں گے۔ اور

✠ بدظنی ایک سخت بلا ہے جو ایمان کو ایسی جلدی جلا دیتی ہے جیسا کہ آتش سوزان خس وخاشاک کو اور وہ جو خدا کے مرسلوں پر بدظنی کرتا ہے خدا اس کا خود دشمن ہو جاتا ہے اور اسکی جنگ کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور وہ اپنے برگزیدوں کیلئے اسقدر غیرت رکھتا ہے جو کسی میں اسکی نظیر نہیں پائی جاتی میرے پر جب طرح طرح کے حملے ہوئے تو وہی خدا کی غیرت میرے لئے افروختہ ہوئی جیسا کہ اس نے فرمایا۔ انی مع الرسول اقوم والوم من یلوم واعطیک ما یدوم لک درجۃ فی السماء و فی الذین ھم یبصرون ولک نری اٰیات و نھدم ما یعمرون۔ وقالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا قال انی اعلم ما لا تعلمون۔ انی مھین من اراد اھانتک۔ لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ بشارۃ تلقاھا النبیون۔ یا احمدی انت مرادی ومعی۔ انت منی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی وانت منی بمنزلۃ لا یعلمھا الخلق۔ وانت وجیہ فی حضرتی اخترتک لنفسی۔ اذا غضبت غضبت وکلما احببت احببت۔ انت اٰثرک اللہ علی کل شیء۔ الحمد للہ الذی جعلک المسیح ابن مریم۔ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون۔ وکان وعدًا مفعولا۔ یعصمک اللہ من العدا۔ ولیسطو بکل من سطا۔ ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون۔ الیس اللہ بکاف عبدہ۔ یا جبال اوّبی معہ والطیر۔ کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی۔ وھم من بعد غلبھم سیغلبون۔ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔ ان الذین اٰمنوا ان لھم قدم صدق عند ربھم۔ سلام قولا من رب رحیم۔ وامتازوا الیوم ایھا المجرمون۔ منہ

ایک کنوان لگایا جائیگا اور اس قبرستان کے شمالی طرف بہت پانی ٹھہرا رہتا ہے جو گندگاہ ہے اسلئے وہان ایک
پل طیار کیا جائیگا اور ان متفرق مصارف کے لئے دو ہزار روپیہ درکار ہوگا سو کل تین ہزار روپیہ ہوا جو اس
تمام کام کی تکمیل کے لئے خرچ ہوگا سو پہلی شرط یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو اس قبرستان مین مدفون ہونا چاہتا
ہے وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ان مصارف کے لئے چندہ داخل کرے اور یہ چندہ محض انہین لوگون سے طلب کیا گیا
ہے نہ دوسرون سے بالفعل یہ چندہ اخویم مکرم مولوی نورالدین صاحب کے پاس آنا چاہیئے لیکن اگر خدا تعالی نے چاہا
تو یہ سلسلہ ہم سب کی موت کے بعد بھی جاری رہیگا اس صورت مین ایک انجمن چاہیئے کہ ایسی آمدنی کا روپیہ جو وقتاً فوقتاً
جمع ہوتا رہیگا اعلاء کلمہ اسلام اور اشاعت توحید مین جس طرح مناسب سمجہین خرچ کرین۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ تمام جماعت مین سے اس قبرستان مین وہی مدفون ہوگا جو یہ وصیت کرے جو
اسکی موت کے بعد دسوان حصہ اسکے تمام ترکہ کا حسب ہدایت اس سلسلہ کے اشاعت اسلام اور تبلیغ احکام قرآن
مین خرچ ہوگا اور ہر ایک صادق کامل الایمان کو اختیار ہوگا کہ اپنی وصیت مین اس سے زیادہ بھی لکھدے لیکن اس
سے کم نہین ہوگا اور یہ مالی آمدنی ایک بادیانت اور اہل علم انجمن کے سپرد رہیگی اور وہ باہمی مشورہ سے ترقی اسلام
اور اشاعت علم قرآن و کتب دینیہ اور اس سلسلہ کے واعظون کے لئے حسب ہدایت مذکورہ بالا خرچ کرینگے اور
خدا تعالی کا وعدہ ہے کہ وہ اس سلسلہ کو ترقی دیگا اسلئے امید کیجاتی ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے ایسے مال بھی
بہت اکٹھے ہو جائینگے اور ہر ایک امر جو مصالح اشاعت اسلام مین داخل ہے جس کی تفصیل کرنا قبل از وقت ہے
وہ تمام امور ان اموال سے انجام پذیر ہونگے اور جب ایک گروہ جو متکفل اس کام کا ہے فوت ہو جائے گا
تو وہ لوگ جو انکے جانشین ہونگے انکا بھی یہی فرض ہوگا کہ ان تمام خدمات کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجالاوین
ان اموال مین سے ان یتیمون اور مسکینون کا بھی حق ہوگا جو کافی طور پر وجوہ معاش نہین رکھتے اور سلسلہ احمدیہ مین
داخل ہین اور جایز ہوگا کہ ان اموال کو بطور تجارت کے ترقی دیجائے یہ مت خیال کرو کہ یہ صرف دور از قیاس باتین
ہین بلکہ یہ اس قادر کا ارادہ ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے مجھے اس بات کا غم نہین کہ یہ اموال جمع کیونکر ہونگے
اور ایسی جماعت کیونکر پیدا ہوگی جو ایمانداری کے جوش سے یہ مردانہ کام دکھلائے بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ ہمارے
زمانہ کے بعد وہ لوگ جنکے سپرد ایسے مال کئے جائین وہ کثرت مال کو دیکھکر ٹھوکر نہ کہاوین اور دنیا سے پیار نہ کرین
سو مین دعا کرتا ہون کہ ایسے امین ہمیشہ اس سلسلہ کو ہاتھ آتے رہین جو خدا کے لئے کام کرین۔ ہان جایز ہوگا کہ جن کا
کچھہ گذارہ نہ ہو انکو بطور مدد خرچ اس مین سے دیا جائے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ اس قبرستان مین دفن ہونیوالا متقی ہو اور محرمات سے پرہیز کرتا اور کوئی شرک اور بدعت
کا کام نہ کرتا ہو سچا اور صاف مسلمان ہو۔

(۴) ہر ایک صالح جسکی کوئی بھی جائداد نہیں اور کوئی مالی خدمت نہیں کر سکتا اگر یہ ثابت ہو کہ وہ دین کے لئے اپنی زندگی وقف رکھتا تھا اور صالح تھا تو وہ اس قبرستان میں دفن ہو سکتا ہے۔

ہدایت

(۱) ہر ایک صاحب جو حسب شرایط متذکرہ بالا کوئی وصیت کرنا چاہیں تو انکی وصیت پر عملدرآمد انکی موت کے بعد ہوگا۔ لیکن وصیت کو لکھکر اس سلسلہ کے امین بغرض حفاظت کو سپرد کر دینا لازمی امر ہوگا اور ایسا ہی چھاپ کر شایع کرنا بھی کیونکہ موت کے وقت اکثر وصایا کا لکھنا مشکل ہو جاتا ہے اور چونکہ آسمانی نشانوں اور بلاؤں کے دن قریب ہیں اسلئے خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسی صحت میں وصیت لکھنے والا بہت درجہ رکھتا ہے جو امن کی حالت میں وصیت لکھتا ہے اور اس وصیت کے لکھنے میں جس کا مال اُنکی مدد دینے والا ہوگا اسکو دائمی ثواب ہوگا اور خیرات جاریہ کے حکم میں ہوگا۔

(۲) ہر ایک صاحب جو کسی دوسری جگہ میں ہوں جو قادیاں سے دور اس ملک کے کسی اور حصہ میں ہوں اور وہ اُن شرایط کے پابند ہوں جو درج ہو چکی ہیں تو انکے وارثوں کو چاہئے کہ انکی موت کے بعد ایک صندوق میں ان کی میت کو رکھکر قادیان میں پہنچا دیں اور اگر اس قبرستان کی تکمیل سے پہلے یعنی پل وغیرہ کی طیاری سے پہلے کوئی صاحب فوت ہو جائیں جو حسب شرایط اس قبرستان میں دفن ہونگے تو چاہئے کہ بطور امانت صندوق میں رکھکر اپنی جگہ دفن کئے جائیں پھر تمام لوازم کی طیاری کے بعد جو قبرستان کے متعلق ہیں قادیان میں انکی میت لائی جائے لیکن وہ صاحب جو بغیر صندوق کے دفن کئے جائیں ان کا قبر میں سے نکالنا مناسب نہ ہوگا *

واضح ہو کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ایسے کامل الایمان ایک ہی جگہ دفن ہوں تا آئندہ کی نسلیں ایک ہی جگہ انکو دیکھکر اپنا ایمان تازہ کریں اور تا انکے کارنامے یعنی جو خدا کے لئے انہوں نے دینی کام کئے ہمیشہ کیلئے قوم پر ظاہر ہوں۔

بالآخر ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس کام میں ہر ایک مخلص کو مدد دے اور ایمانی جوش اُنمیں پیدا کرے اور اُن کا خاتمہ بالخیر کرے: آمین۔

مناسب ہے کہ ہر ایک صاحب ہماری جماعت میں سے جنکو یہ تحریر ملے وہ اپنے دوستوں میں اسکو مشتہر کریں اور جہاں تک ممکن ہو اسکی اشاعت کریں اور اپنی آیندہ نسل کے لئے اسکو محفوظ رکھیں اور مخالفوں کو بھی مہذبانہ طریق پر اس سے اطلاع دیں اور ہر ایک بدگو کی بدگوئی پر صبر کریں اور دعا میں لگے رہیں و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

الراقم خاکسار المفتقر الی اللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ و ایّد ۲۴ دسمبر ۱۹۰۵ء

حاشیہ * کوئی نادان اس قبرستان اور اس انتظام کو بدعت میں داخل نہ سمجھے کیونکہ یہ انتظام حسب وحی الٰہی ہے انسان کا اسمیں دخل نہیں اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ صرف اس قبرستان میں داخل ہونے سے کوئی بہشتی کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ زمین کسی کو بہشتی کر دیگی بلکہ خدا کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ صرف بہشتی ہی اسمیں دفن کیا جائیگا۔ منہ

الا اے کہ ہشیاری و پاک زاد پے حرص دنیا مدہ دین بباد
اگر باز باشد ترا گوش ہوش ز گورت ندائے در آید بگوش
ہر آن کو بدنیائے دون مبتلاست گرفتار رنج و عذاب و عناست
سفر کردہ پیش از سفر سے بار کشیدہ ز دنیا ہمہ رخت و بار
چو کار حیات است کاری نہان ہمان بہ کہ دل بگسلی زین مکان
چو آخر ز دنیا سفر کردن است چو رفتنے ازین رہ گذر کردن است
بدین قحبہ بستن دل خود خطاست کہ این دشمن دین و صدق و صفاست
چرا دل نہندی بدان بوستان کہ ہرگش رہاند ز بند گران
عروسی بود نوبت ماتمت اگر بر نکوئی بود خاتمت
بدین داستانی دل خود مند کہ دارد نہان آتش صد گزند
کسے طعمہ من بپل ز چند روز پے فکر دنیائے دون کم بسوز
برست آنکہ بر موت دارد نگاہ بریدہ ز دنیا۔ و دیدہ براہ
پے دار عقبیٰ کمر بستہ چست رہا کردہ سامان این جا سست
جہنم کز و داد فرقان خبر ہمین حرص دنیاست جان پدر
چرا عاقلے دل نہند دران کہ ناگہ دہد برگ او را خزان
چہ حاصل ازین بوستان دو رنگ کہ گاہے بمصلحت کشد گہ بجنگ
برو فکر انجام کن اے غوی ز سعدی شنو گر سخن بشنوی

ضمیمہ متعلقہ رسالہ الوصیّۃ

رسالہ الوصیت کے متعلق چند ضروری امر قابل اشاعت ہیں جو ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

(۱) اول یہ کہ جبتک انجمن کارپرداز مصالح قبرستان اس امر کو شایع نہ کرے کہ قبرستان باعتبار لوازم ضروری کے مکمل الوجوہ طیار ہو گیا ہے۔ اسوقت تک جایز نہ ہوگا کہ کوئی میت جس نے رسالہ الوصیت کے شرایط کی پابندی کی ہے قبرستان میں دفن کرنیکے لئے لائی جائے۔ پل وغیرہ لوازم ضروریہ کا پہلے طیار ہو جانا ضروری ہوگا اور اس وقت تک میت ایک صندوق میں امانت کے طور پر کسی اور قبرستان میں رکھی جائیگی۔

(۲) ہر ایک صاحب جو رسالہ الوصیت کی پابندی کا اقرار کریں ضروری ہوگا کہ وہ ایسا اقرار کم سے کم دو گواہوں کی ثبت شہادت کے ساتھ اپنی زمانہ قائمی ہوش وحواس میں انجمن کے حوالہ کریں اور تصریح سے لکھیں کہ وہ اپنی کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ کا دسواں حصہ اشاعت اغراض سلسلہ احمدیہ کیلئے بطور وصیت یا وقف دیتے ہیں اور ضروری ہوگا کہ وہ کم سے کم دو اخباروں میں اسکو شایع کر دیں۔

(۳) انجمن کا یہ فرض ہوگا کہ قانونی اور شرعی طور پر وصیت کردہ مضمون کی نسبت اپنی پوری تسلی کر کے وصیت کنندہ کو ایک سارٹیفکیٹ اپنے دستخط اور مہر کے ساتھ دیدیں اور جب قواعد مذکورہ بالا کی رو سے کوئی میت اس قبرستان میں لائی جائے تو ضروری ہوگا کہ وہ سارٹیفکیٹ انجمن کو دکھلایا جاوے اور انجمن کی

بابت اور موقع نمائی سے وہ میت اس موقع میں دفن کی جائے۔ جو انجمن نے اسکے لئے تجویز کیا ہے۔

(۴) اس قبرستان میں بجز کسی خاص صورت کے جو انجمن تجویز کرے نابالغ بچے دفن نہیں ہوں گے کیونکہ وہ بہشتی ہیں

(۵) نہ اس قبرستان میں اُس میت کا کوئی دوسرا عزیز دفن ہوگا جب تک وہ اپنے طور پر کل شرائط رسالہ الوصیۃ کا پورا نہ کرے

(۵) ہر ایک میت جو قادیان کی زمین میں فوت نہیں ہوئی انکو بجز صندوق قادیان میں لانا جائز نہ ہوگا اور نیز ضروری ہوگا کہ کم سے کم ایک ماہ پہلے اطلاع دیں تا اگر انجمن کو اتفاقی موانع قبرستان کے متعلق پیش آگئے ہوں تو ان کو دور کر کے اجازت دے۔

(۶) اگر کوئی صاحب خدانخواستہ طاعون کی مرض سے فوت ہوں جنہوں نے رسالہ الوصیۃ کے تمام شرائط پورے کر دیے ہوں انکی نسبت یہ ضروری حکم ہے کہ وہ دو برس تک صندوق میں رکھکر کسی علیحدہ مکان میں امانت کے طور پر دفن کئے جائیں اور دو برس کے بعد ایسے موسم میں لائے جائیں کہ اس فوت ہونیکے مقام اور قادیان میں طاعون نہ ہو۔

(۷) یاد رہے کہ صرف یہ کافی نہ ہوگا کہ جائداد منقولہ اور غیر منقولہ کا دسواں حصہ دیا جائے بلکہ ضروری ہوگا کہ ایسا وصیت کرنیوالا جہاں تک اسکے لئے ممکن ہے پابند احکام اسلام ہو اور تقویٰ طہارت کے امور میں کوشش کرنیوالا ہو اور مسلمان خدا کو ایک جاننے والا اور اسکے رسول پر سچا ایمان لانیوالا ہو اور نیز حقوق عباد غصب کرنیوالا نہ ہو۔

(۸) اگر کوئی صاحب دسویں حصہ جائداد کی وصیت کریں اور اتفاقاً ان کی موت ایسی ہو کہ مثلاً کسی دریا میں غرق ہو کر ان کا انتقال ہو یا کسی اور ملک میں وفات پاویں جہاں سے میت کو لانا متعذر ہو تو انکی وصیت قائم رہیگی اور خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہوگا کہ گویا وہ اسی قبرستان میں دفن ہوئے ہیں اور جائز ہوگا کہ انکی یادگار میں اسی قبرستان میں ایک کتبہ اینٹ یا پتھر پر لکھ کر نصب کیا جائے اور اسپر یہ واقعات لکھے جائیں۔

(۹) انجمن جس کے ہاتھ میں ایسا روپیہ ہوگا اسکو اختیار نہیں ہوگا کہ بجز اغراض سلسلہ احمدیہ کے کسی اور جگہ وہ روپیہ خرچ کرے اور ان اغراض میں سے سب سے پہلے اشاعت اسلام ہوگی اور جائز ہوگا کہ انجمن باتفاق رائے اس روپیہ کو تجارت کے ذریعہ سے ترقی دے۔

(۱۰) انجمن کے تمام ممبر ایسے ہونگے جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوں اور پارسا طبع اور دیانت دار ہوں اور اگر آئندہ کسی کی نسبت یہ محسوس ہوگا کہ وہ پارسا طبع نہیں ہے یا یہ کہ وہ دیانت دار نہیں یا یہ کہ وہ ایک چال باز ہے اور دنیا کی ملونی اپنے اندر رکھتا ہے تو انجمن کا فرض ہوگا کہ بلا توقف ایسے شخص کو اپنی انجمن سے خارج کرے اور اس کی جگہ کوئی اور مقرر کرے۔

(۱۱) اگر وصیتی مال کے متعلق کوئی جھگڑا پیش آوے تو اس جھگڑے کی پیروی مین جو اخراجات ہون وہ تمام وصیتی مالون مین سے دئے جائین گے۔

(۱۲) اگر کوئی شخص وصیت کرکے پھر کسی اپنے ضعف ایمان کی وجہ سے اپنی وصیت سے منکر ہو جائے یا اس سلسلہ سے روگردان ہو جائے تو گو انجمن نے قانونی طور پر اسکے مال پر قبضہ کر لیا ہو پھر بھی جایز نہ ہوگا کہ وہ مال اپنے قبضہ مین رکھے بلکہ وہ تمام مال واپس کرنا ہوگا کیونکہ خدا کسی کے مال کا محتاج نہین اور خدا کے نزدیک ایسا مال مکروہ اور رد کرنے کے لایق ہے۔

(۱۳) چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے اسلئے اس انجمن کو دنیاداری کے رنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا اور اسکے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئین۔

(۱۴) جایز ہوگا کہ اس انجمن کی تائید اور نصرت کے لئے دور دراز ملکون مین اور انجمنیں ہون جو اسکی ہدایت کے تابع ہون اور یہ جایز ہوگا کہ اگر وہ ایسے ملک مین ہون کہ وہان سے میت کو لانا متعذر ہے تو اسی جگہ میت کو دفن کر دین اور ثواب سے حصہ پانیکی غرض سے ایسا شخص قبل از وفات اپنے مال کے دسوین حصہ کی وصیت کرے اور اس وصیتی مال پر قبضہ کرنا اس انجمن کا کام ہوگا جو اس ملک مین ہے۔ اور بہتر ہوگا کہ وہ روپیہ اُسی ملک کے اغراض دینیہ کے لئے خرچ ہو۔ اور جایز ہوگا کہ کوئی ضرورت محسوس کرکے وہ روپیہ اس انجمن کو دیا جاوے جسکا ہیڈ کوارٹر یعنی مرکز مقامی قادیان ہوگا۔

(۱۵) یہ ضروری ہوگا کہ مقام اس انجمن کا ہمیشہ قادیان رہے کیونکہ خدا نے اس مقام کو برکت دی ہے اور جایز ہوگا کہ وہ آیندہ ضرورتین محسوس کرکے اس کام کے لئے کوئی کافی مکان طیار کرین۔

(۱۶) انجمن مین کم سے کم دو ممبر ایسے چاہئین جو علم قرآن اور حدیث سے بخوبی واقف ہون اور بخصیل علم عربی رکھتے ہون اور سلسلہ احمدیہ کی کتابون کو یاد رکھتے ہون۔

(۱۷) اگر خدانخواستہ کوئی ایسا شخص جو رسالہ الوصیۃ کی رو سے وصیت کرتا ہے مجذوم ہو جسکی جسمانی حالت اس لایق نہ ہو جو وہ اس قبرستان مین لایا جائے تو ایسا شخص حسب مصالح ظاہری مناسب نہین ہے کہ اس قبرستان مین لایا جائے لیکن اگر اپنی وصیت پر قایم ہوگا تو اسکو وہی درجہ ملیگا جیسا کہ دفن ہونیوالے کو۔

(۱۸) اگر کوئی کچھ بھی جایداد منقولہ یا غیر منقولہ نہ رکھتا ہو اور با این ہمہ ثابت ہو کہ وہ ایک صالح درویش ہے اور متقی اور خالص مومن ہے اور کوئی حصہ نفاق یا دنیا پرستی یا قصور اطاعت کا اسکے اندر نہ ہو تو وہ بھی میری اجازت سے یا میرے بعد انجمن کی اتفاق رائے سے اس مقبرہ مین دفن ہو سکتا ہے۔

(۱۹) اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کی خاص وحی سے رد کیا جائے تو گو وصیتی مال بھی پیش کرے تاہم اس قبرستان مین داخل نہین ہوگا

(۲۰) میری نسبت اور میرے اہل و عیال کی نسبت خدا نے استثنا رکھا ہے باقی ہر ایک مرد ہو یا عورت اُنکو ان شرائط کی پابندی لازم ہوگی اور شکایت کرنیوالا منافق ہوگا۔

یہ وہ شرائط ضروریہ ہیں جو اوپر لکھی گئیں آئندہ اس مقبرہ بہشتی میں وہ دفن کیا جائیگا جو ان شرائط کو پورا کریگا۔ ممکن ہے کہ بعض آدمی جن پر بدگمانی کا مادہ غالب ہو وہ ہمیں اس کارروائی میں اعتراضوں کا نشانہ بناویں اور اس انتظام کو اغراض نفسانیہ پر مبنی سمجھیں یا اسکو بدعت قرار دیں لیکن یاد رہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے کام ہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بلاشبہ اسنے ارادہ کیا ہے کہ اس انتظام سے منافق اور مومن میں تمیز کرے اور ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ جو لوگ جو اس الٰہی انتظام پر اطلاع پا کر بلا توقف اس فکر میں پڑتے ہیں۔ کہ دسواں حصہ کل جائداد کا خدا کی راہ میں دیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اپنا جوش دکھلانے ہیں وہ اپنی ایمانداری پر مہر لگا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَ ھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ میں اسی قدر پر راضی ہو جاؤں کہ وہ کہدیں کہ ہم ایمان لائے اور ابھی اُنکا امتحان نہ کیا جائے۔ اور یہ امتحان تو کچھ بھی چیز نہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کا امتحان جانوں کے مطالبہ پر کیا گیا۔ اور انہوں نے اپنے سر خدا کی راہ میں دئے۔ پھر ایسا گمان کہ کیوں یونہی عام اجازت ہر ایک کو نہ دیجائے کہ وہ اس قبرستان میں دفن کیا جائے کسقدر دور از حقیقت ہے۔ اگر یہی روا ہو تو خدا تعالیٰ نے ہر ایک زمانہ میں امتحان کی کیوں بنا ڈالی وہ ہر ایک زمانہ میں چاہتا رہا ہے کہ خبیث اور طیب میں فرق کرکے دکھلاوے اسلئے سو اب بھی ایسا ہی کیا خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض خفیف خفیف امتحان بھی رکھے ہوئے تھے جیسا کہ یہ بھی دستور تھا کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کا مشورہ نہ لے جبتک پہلے نذرانہ داخل نہ کرے پس اسمیں بھی منافقوں کے لئے ابتلا تھا ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ اسوقت کے امتحان سے بھی اعلیٰ درجہ کے مخلص جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جائینگے اور ثابت ہو جائے گا کہ بیعت کا اقرار انہوں نے سچا کرکے دکھلا دیا اور اپنا صدق ظاہر کر دیا بیشک یہ انتظام منافقوں پر بہت گراں گذریگا۔ اور اس سے انکی پردہ دری ہوگی اور بعد موت وہ مرد ہوں یا عورت اس قبرستان میں ہرگز دفن نہیں ہو سکیں گے فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا۔ لیکن اس کام میں سبقت دکھلانے والے راستبازوں میں شمار کئے جائینگے اور ابد تک خدا کی ان پر رحمتیں ہونگی۔

بالآخر یہ بھی یاد رہے کہ بلاؤں کے دن نزدیک ہیں اور ایک سخت زلزلہ جو زمین کو تہ و بالا کر دیگا قریب ہے پس وہ جو معائنہ عذاب سے پہلے اپنا تارک الدنیا ہونا ثابت کرینگے اور نیز یہ بھی ثابت کرینگے کہ کس طرح انہوں نے میرے حکم کی تعمیل کی خدا کے نزدیک حقیقی مومن وہی ہیں اور اسکے دفتر میں سابقین اولین لکھے جائینگے اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ زمانہ قریب ہے کہ ایک منافق جس نے دنیا سے محبت کرکے اس حکم کو ٹال دیا ہے۔ وہ عذاب کے وقت آہ مار کر کہیگا

کہ کاش میں تمام جایداد کیا منقولہ اور غیر منقولہ خدا کی راہ میں دیدیتا اور اس عذاب سے بچ جاتا۔ یاد رکھو کہ اس عذاب کے معائنہ کے بعد ایمان بے سود ہوگا اور صدقہ خیرات محض عبث۔ دیکھو! میں بہت قریب عذاب کی تمہیں اطلاع دیتا ہوں اپنے لئے وہ زاد جلد تر جمع کرو کہ کام آوے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم سے کوئی مال لوں اور اپنے قبضہ میں کرلوں بلکہ تم اشاعت دین کے لئے ایک انجمن کے حوالہ اپنا مال کروگے اور بہشتی زندگی پاؤگے۔ بہتیرے ایسے ہیں کہ وہ دنیا کی محبت کرکے میرے حکم کو ٹال دینگے مگر بہت جلد دنیا سے جدا کئے جائینگے۔ تب آخری وقت میں کہیں گے ھٰذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

الراقم خاکسار میرزا غلام احمد خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود ۶ر جنوری سنہ ۱۹۰۶ء

ہندوستان میں عیسائی مذہب کی ناکامی کی وجہ

یہ سوال کہ ہندوستان میں کیوں عیسائی مذہب ناکام ہوا ہے۔ ایک انگریز نے مجھ سے پوچھا۔ عیسائی صاحبان میں ایک تو وہ گروہ ہے جو سمجھ چکا ہے کہ پادریوں کی تمام کوششیں ہند میں عبث ہیں مگر جنکا ساتھ ہی یہ خیال بھی ہے کہ عیسائی مذہب دوسرے مذاہب سے عمدہ ہے اور اسلئے وہ اس ناکامی کے راز کو سمجھنے کے قابل اپنے آپ کو نہیں پاتے مگر ایک دوسرا گروہ عیسائیوں کا وہ ہے جنکے نزدیک عیسائی مذہب کی طرف ناکامی منسوب کرنا سخت گناہ ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہندوستان میں جو نئے نئے فرقے آئے دن پیدا ہوتے ہیں جیسے برہمو سماج یا آریہ سماج وغیرہ یہ سب عیسائیت کی تعلیم کا اثر ہی ہے۔ اور یہ سب سماج آخر کار عیسائی مذہب کا شکار ہوں گے نئے عیسائیوں کی تعداد کی کمی انکے نزدیک ناکامی کی کوئی دلیل نہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ عیسائی مذہب پردہ ایک ایسا اثر ہندوستان پر ڈال رہا ہے جو آہستہ آہستہ اسکو اس مذہب کے قبول کرنے کے لئے تیار کر رہا ہے ایک ۱۲ یا ۱۴ برس کے بچے کی کہانی جو بائبل کو پڑھکر خوش ہوا خواہ اسکی سمجھ ابھی ان اہم سوالات پر غور کرنیکے کیسی ہی ناقابل کیوں نہ ہو سمندر پار اس رنگ میں پہنچتی ہے کہ کل کا کل ہندوستان مسیح کے قدموں پر سر رکھنے کے لئے تیار ہو گیا ہے اور یوں ان لوگوں کی تسلی ہو جاتی ہے جنکی جیبوں سے پیسے نکلکر پادری صاحبان کا گذارہ ہوتا ہے۔ پس اصل سوال پر غور کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسرے گروہ کے خیالات کا بھی معائنہ کیا جاوے۔

اس امر واقعی سے کوئی پادری انکار نہیں کر سکتا کہ جو وسائل عیسائی مذہب کی اشاعت کے واسطے موجود ہیں کسی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں جہاں ذرا سا بھی موقع کسی کو عیسائی ہونیکا ہوتا ہے پرجوش پادریوں کی فوج بے حساب روپیہ پانی کی طرح بہانے کو تیار ہوتی ہے قحط زدہ علاقوں اور ہندوستان کی ادنیٰ اقوام میں عیسائیت کی زیادہ اشاعت ہی خود اس امر کی دلیل ہے کہ کن حالات میں مذہب کو فروغ ہو رہا ہے بلکہ اگر نو مرید عیسائیوں کی تعداد جو نقشجات میں

دکھلائی جاتی ہین ایسے مذکورہ بالا ہر دو قسم کے اشخاص نکال دئے جاوین تو امید ہے کہ انگریز بہت جلد پادریون کو کسی دیگر مفید کام کے واسطے ولایت بلا لیوین اس لیے یہ نہ سمجھا جاوے کہ ہندو یا مسلمانون میں سے کوئی عیسائی ہوا ہی نہین لیکن یہ بالکل سچ ہے کہ اگر اس تعدا کو خارج کر دیا جاوے جو افلاس کے باعث داخل ہوئے ہین تو جو کامیابی بلحاظ زور و طاقت کے جو اس کام مین خرچ کیا گیا ہے ہونی چاہیے تھی مطلق نہین ہوئی اگر اُن ذرایع پر نظر ڈالی جاوے جو اشاعت عیسائیت کے واسطے اختیار کئے گئے ہین تو اور بھی مایوسی ہوتی ہے سولھوین صدی سے لیکر جبکہ کیتھولک مشن اوّل ہی اوّل اس ملک مین قایم ہوئے اٹک برابر مشنون کے قایم کرنیکا سلسلہ جاری رہا ہے پراٹسٹنٹ مشنین اوائل اٹھارھوین صدی مین قایم ہوئین لیکن ان چار صدی مین پادریون کی کوشش کا نتیجہ ایک عیسائی گورنمنٹ کے زیر سایہ صرف قریباً تیس لاکھ دیسی عیسائی آبادی ہے پچھلے دس سالون مین عیسائی آبادی مین پیدایش و نو داخل شدہ تعداد ملا کر چھ لاکھ اتالیس ہزار کی ابزادی ہوئی ہے حالانکہ اس عرصہ مین اہل اسلام کی تعداد مین باوجود نہ ہونے کسی مشنری کوشش کے پچاس لاکھ کی بیشی ہوئی ہے جو نہ صرف اسی وجہ سے ہو سکتی ہے کہ پیدائش کی تعداد اموات سے زیادہ ہوئی ہو کیونکہ اسی عرصہ مین پلیگ نے ملک مین ایسی تباہی ڈالی ہے کہ ہندوستان کی تمام آبادی مین صرف پچہتر لاکھ کی بیشی ہوئی جس مین سے ۶۶ فیصدی اسلام کی وجہ سے ہے اور ۳۴ فی صدی باقی تمام مذاہب کے باعث پس اس سے صاف نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اہل اسلام کی بیشی کی وجہ صرف نومسلمون کی تعداد ہے تیس فیصدی کی بیشی جو گذشتہ مردم شماری سے بعد عیسائیت مین ہوئی ہے وہ بمقابلہ بیشی نومسلمون کی پادریون کی کوشش اور خرچ کثیر کو مد نظر رکھکر بالکل کم ہے غرضیکہ جہان اسلام اور عیسائیت کی دوڑ پہلو بہ پہلو ہوئی ہے اسلام مین باوجود مالی حالت کی تنگی کے عیسائیت کی نسبت بیحد ترقی ہوئی ہے اب مین ان دلائل پر غور کرتا ہون جو پادریوں کی نظر مین اس امر کا ایک قطعی ثبوت ہین کہ ہندوستان عیسائیت کے قریب آ رہا ہے اور ایکدن یسوع کی خدائی کو تسلیم کریگا انمین سے ایک تو یہ ہے کہ یسوع کے نام کی ہندوستان مین عزت کی جاتی ہے اور اسی کو عیسائیت کے قریب آنا خیال کیا جاتا ہے مگر ایسا خیال کرنا دھوکا ہے کیونکہ پیس گر ڈیا اس سے زیادہ مسلمان حضرت عیسیٰ کو خدا کا سچا نبی جانکر اسکی تعظیم کرتے ہین تو کیا اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہین کہ بہ نسبت دیگر اقوام کے وہ عیسائیت کے زیادہ قریب ہوگئے ہین بلکہ برعکس اسکے عیسائیت کے غلط اعتقادات سے کوئی قوم اتنی دور نہین ہے اور معمورہ دنیا پر کوئی شخص اس مذہب کے اختراعات قبول کرنیسے اتنا بچا ہوا نہین ہے اسلیے حضرت عیسیٰ کے نام کی تعظیم کرنیسے عیسائیت کا میلان نہین پایا جاتا۔ بلکہ ایسی تعلیم تثلیث و کفارہ کے غلط اعتقادات کی سخت مخالفت اور تحقیر کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے بلکہ جو شخص حضرت عیسیٰ کی نسبت ان خوبیون کا پکا اعتقاد کرے جو مسلمان اسکی نسبت بحیثیت ایک انسان اور خدا کا نبی ہونیکے تسلیم کرتے ہین وہ اس غلطی کے حملون سے پورا محفوظ ہو جاتا ہے جسکی یسوع مسیح کے نام سے منادی کی جاتی ہے اگر حضرت عیسیٰ کے نام کی تعظیم کرنیسے عیسائیت کے قریب آجانا سمجھا جا سکتا ہے تو عیسائیون کو پادریون کے واسطے ایک کوڑی تک بھی خرچ کرنیکی

کوئی ضرورت نہین ہے اب سوال یہ ہے کہ یہ غلط فہمی کس طرح پیدا ہوتی ہے اصل مین اسکی بنا عیسائی پادریون کی ہی
تنگدلی پر ہے ان کو اسبات کی نہ صرف تلقین بلکہ شروع سے ترغیب کی جاتی ہے۔ کہ عیسائیت کے سوا باقی تمام مذاہب
سے نفرت کرین اور یسوع مسیح کے سوا باقی تمام پیشوایان مذاہب کی تحقیر اور اہانت کرین اس تنگدلی کے
خاص نشان کے ساتھ وہ دنیا مین بھیجے جاتے ہین کہ یسوع کی انجیل کا غیر عیسائی لوگون مین وعظ کرین مگر ان
بیچارون کو انگلستان یا امریکہ کے دینی مدارس مین تو تعلیم نہین ملی ہوتی نہ ان کی ایسی جگہ پرورش ہوئی ہوتی ہے
جہان عیسائیت کی تنگدلی کا اثر پھیلا ہوا ہو اسلئے یہ انکے مذہب کا کوئی جزو نہین کہ پاک لوگون کی تحقیر اور
اہانت کرین یہی وجہ ہے کہ کوئی لفظ تعریف کا جو یسوع ع کے حق مین بولا جاوے تو ایک پرشوق پادری غلط
فہمی سے اسکو عیسائیت کی طرف جھکنا تصور کرتا ہے اس سوال کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ وہ یہ کہ عیسائیت جیسا
کہ ہم سب جانتے ہین ہندوستان مین حکام کا مذہب ہے پس اگرچہ عیسائی پادریون کو گورنمنٹ کی مذہبی معاملات
مین عدم مداخلت کی پالسی بہت ہی ناگوار گذرتی ہے کیونکہ اسکی عدم موجودگی سے عیسائیت کی اشاعت
کے واسطے ہندوستان مین بڑی بھاری تحریک ہوتی تاہم اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ اسلئے حکام کا قومی مذہب
ہونیکی وجہ سے رعایا کے دلون پر اسکا ایک مخفی اثر ہوتا ہے۔ ایک مشرقی ضرب المثل ہے کہ ”الناس علیٰ دین
ملوکہم“ یعنی لوگ اپنے حکام کا مذہب اختیار کر لیتے ہین بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس بارہ مین انکے لئے بڑی
ترغیب ہوتی ہے۔ اور حکام کے مذہب کو اچھی نظر سے دیکھتے ہین اور انکی اوضاع و اطوار کی تقلید مین
انکو فائدہ معلوم ہوتا ہے اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ عیسائیت نے ہندوستان پر کوئی نہ کوئی اثر ڈالا ہے لیکن
جو فائدہ اس سے حاصل ہوا ہے اس سے بڑھکر خرابی پیدا ہوئی ہے جہان ایک طرف سکول کالج و شفا خانے قایم
کرکے اسنے فائدہ پہنچایا ہے (اگرچہ اسکی نیکنامی پر یہ بھی ایک دھبا ہے کہ یہ چیزین ہمدردی انسانی کی غرض
سے قایم نہین کین بلکہ محض عیسائیت کی غلطیان پھیلانے کی نیت سے ہے۔ اور فائدہ تو صرف اتفاقی طور پر ہوگیا)
دوسری طرف علاوہ بہت سے غلط اعتقادات کے شرابخواری اور قماربازی جیسی خرابیان بھی پھیلائی ہین اور اگر
مثلاً عیسائی مذہب نے تعلیم پھیلائی ہے تو اس تعلیم کے ساتھ دہریت کو بھی بہت فروغ دیا ہے اور بجائے دینی فائدہ
پہنچانیکے اور بھی زیادہ مردار دنیا پر لوگون کو جھکا دیا ہے مین نہین تسلیم کرتا کہ یہ تاثیرات ہندوستان کو عیسائیت
کے قبول کرنے پر آمادہ کر رہی ہین کیونکہ اگرچہ انسان بدی پر کیسا ہی مائل کیون نہ ہو تاہم انجام کار صداقت اور
نیکی ہی غالب آئیگی مذہب جو کسی قوم کی زندگی پر پاک اثر ڈال سکتا ہے۔ تو روحانی طاقت کے بدولت ہی ڈال سکتا
ہے۔ اور یہ روحانی طاقت یعنی وہ طاقت جو انسان کو راستباز بنادیوے آج ملک ہند مین عیسائیون مین
ایسی ہی مفقود ہے جیسی کہ ملک عرب مین چھٹی صدی عیسوی مین مفقود تھی کہا جاتا ہے کہ عیسائیت نے ہندوستان

مین مذہبی احساس پیدا کیا ہے لیکن مذہبی تحریرات پر جو اثر اسنے ڈالا ہے وہ بہت ہی قابل افسوس ہے جسوقت سے عیسائیون نے اس ملک مین قدم رکھا ہے انکے مباحثات ایسے الفاظ مین لکھے ہوئے ہین جنسے مہذب تحریر پاک رہنی چاہئے عیسائیت کے اس برے نمونہ کی آریہ سماج نے بھی تقلید کی ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم ان معنون مین آریہ سماج نے عیسائیت کے اثر کو قبول کیا ہے۔

کیون ہندوستان کے لوگ عیسائی مذہب قبول نہین کرتے؟ یہ ایک عجیب سوال ہے اصل مین سوال یہ ہونا چاہئے کہ کیون وہ اس مذہب کو قبول کرتے ہین جسقدر فی الواقع کرتے ہین اور اسکا جواب یہ ہے کہ آرام کی زندگی جو بہت سے عیسائی گذارتے ہین اور یہ اعتقاد کہ انسان صرف یسوع کو خدا مان لینے سے گناہون سے پاک ہوجاتا ہے اور کہ وہ ہماری خاطر صلیب پر لعنتی موت مرا یہ باتین ایک آرام طلب آدمی کے واسطے بڑی زور آور تحریکین ہین کیونکہ عیسائیت کا یہ پیغام نہین ہے کہ آدمی کو بدی سے بچنا چاہئے اور نیک کام کرنے چاہئین بلکہ اس کی یہ تعلیم ہے کہ اسکو کفارہ کا یقین کرنا چاہئے یعنی یہ کہ اسکے گناہ یسوع نے اٹھائے عیسائی مذہب عوام کے سامنے ایک بےقیدی کی زندگی پیش کرتا ہے اور یہی وجہ عیسائیت کی اس ترقی کی ہے جسپر پادری صاحبان کو بڑا ناز ہے اسکے علاوہ عیسائیت کی فروغ کی دو اور وجوہات ہین جنکی طرف مینے پہلے اشارہ کیا ہے ایک انمین سے قحط ہے جو بات پادری صاحبان کو وعظ سے میسر نہین آتی وہ روٹی سے ل جاتی ہے یعنی ہزارہا بچے جب فاقہ سے مرنے لگتے ہین تو پھر انکو مذہب کی کیا پرواہ ہوتی ہے ایسے وقت مین پادری صاحبان نہایت چستی سے نومریدین کی تعداد بڑہانے مین مصروف ہوتے ہین گویا جب ملک مین قحط پڑتا ہے تو پادری صاحبان کو عمدہ فصل کی امید ہوتی ہے نیچ ذاتون جیسے پاریا اور خاکروبون مین بھی مسیحی مذہب کو بہت کچھ کامیابی حاصل ہوتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ادنی درجہ کی قومون کو ہندوؤن کے اندر حقارت کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور یہانتک حقیر انکو سمجھا گیا ہے کہ ان بیچارون کی یہ خواہش ہی مرچکی ہے کہ وہ بھی سوسائٹی کے معزز ممبر بن سکین یا کہلا ئین اب خوش قسمتی سے ان لوگون کو عیسائی مذہب کے قبول کرنیسے وہ راہ مل گئی ہے جس سے وہ ایک نسل مین نہین تو دوسری نسل مین اعلے قومون کے مساوی ہوجاتے ہین اور وہ ذلت جو انکے خون کا جزو ہوگئی تھی انسے دور ہوجاتی ہے اس سے بڑھکر زبردست تحریک عیسائیت کے قبول کرنے کی ان لوگون کے لئے اور کیا ہوسکتی ہے کہ ذلیل سے ذلیل حالت سے نکل کر وہ معزز عہدہ دار بن سکتے ہین اسمین شک نہین کہ یسوع کے خون اور صلیب کی طاقت کو جسقدر ان ادنی اقوام نے محسوس کیا ہے اور کسی نے نہین کیا اور جس قدر فروغ عیسائی مذہب کو اس ایک ذریعہ سے ہوا ہے کسی اور ذریعہ سے نہین ہوا۔

پھر یہ سوال کہ کیون ہندوستان کے لوگ عیسائی مذہب کو قبول نہین کرتے۔ صرف یہ فرض کرکے پوچھا جاتا

ہے کہ عیسائی مذہب ان تمام مذاہب سے افضل ہے جنکے سامنے یہ پیش کیا جاتا ہے حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے
ہندوستان کے بڑے مذہب ہندو مذہب اور اسلام ہین اور ان سے اتر کر بدھ مذہب ہے کہ جسکی اخلاقی
تعلیم عیسائی مذہب کی اخلاقی تعلیم سے بہت ملتی جلتی ہے اور کسی طرح سے اس سے کم درجہ پر نہین بلکہ کفارہ
کا بیہودہ عقیدہ نہ ہونے کی وجہ سے بدھ مذہب کی تعلیم زیادہ معقول نظر آتی ہے ہان ناقابل عملدرآمد
ہونے مین دونون یکسان ہین پس بدھ مذہب والے کس بات کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑ کر عیسائیت کی
طرف رجوع کرین اسقدر مین تسلیم کرتا ہون کہ عیسائی مذہب ہندوستان کے سب سے ادنے مذہب پر
فوقیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ خود ان ادنیٰ مذاہب والی اقوام کے عیسائی مذہب مین بکثرت داخل ہونے سے
ثابت بھی ہوتا ہے خواہ اسکی بنا کسی دنیوی غرض اور لالچ پر ہی ہو مگر مین اسبات کے ماننے کے لئے
تیار نہین کہ اپنے مذہبی عقاید مین عیسائی مذہب ہندو مذہب پر کچھہ فوقیت رکھتا ہے مانا کہ ہندو بت پرست
ہین مگر وہ اپنے بتون کو واقعی اور حقیقی طور پر خداوند جہان خالق ارض و سما نہین سمجھتے حالانکہ عیسائی ایک
کمزور انسان کو صرف شفیع اور مظہر الوہیت ہی نہین مانتے ہین بلکہ واقعی طور پر اسے خداوند زمین و آسمان
کا پیدا کرنے والا سمجھتے ہین پس کیونکر بت پرستی عیسیٰ پرستی سے ادنے مذہب قرار دیا جائے بلکہ بت پرستی
مین جو کچھہ فرق بتون اور اللہ تعالیٰ مین رکھا گیا تھا۔ عیسائیون نے مسیح کو بت بناتے وقت اس فرق
کو بھی بالائے طاق رکھدیا یہی دلیل عرب کے بت پرستون نے اسوقت دی تھی جب عیسائی مذہب ان
کے سامنے پیش کیا گیا جیسا کہ قرآن شریف کی اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ءالہتنا خیر ام ھو
(الزخرف آیت ۵۸) یعنی کفار نے کہا کہ کیا ہمارے معبود اچھے ہین یا یسوع جسکو عیسائی معبود بناتے
ہین وہ اچھا ہے گویا مطلب ان کا یہ تھا کہ عیسائی مذہب کے بت سے تو ہمارے بت ہی اچھے ہین یہی وجہ
تھی کہ عیسائی مذہب عرب مین کامیاب نہ ہوسکا اور یہی وجہ اسکی ہند مین ناکامی کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ
کے متعلق جو کچھہ ہندو مذہب بیان کرتا ہے عیسائی مذہب اس سے بڑھکر کوئی بات بیان نہین کرتا باقی رہا
آریہ سماج سو اگرچہ اس نے بھی اللہ تعالیٰ کو کمزور قرار دے کر اسے خالق مادہ و ارواح نہین سمجھا مگر ایک
کمزور انسان کو جو عورت کے پیٹ سے پیدا ہو خدا قرار دینا یقیناً آریہ سماج کے عقیدہ سے جو وہ خدا کے متعلق
رکھتے ہین بہت گرا ہوا عقیدہ ہے اصل بات یہ ہے کہ آخر کار وہی مذہب سب مذاہب پر غالب
آئیگا جسکی تعلیم اللہ تعالیٰ کے متعلق اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی اور پاکیزہ سے پاکیزہ ہو اور اگر چند روز کے
لئے کسی مصنوعی معبود والے مذہب کی ترقی بھی نظر آئے تو اس سے یہ دھوکا نہین کھانا چاہئے کہ انجام کار
وہی مذہب (جو مذہب نہین بلکہ توہم پرستی ہے) کل دنیا کا مذہب ہوجائیگا اسی لئے مین یقین رکھتا ہون۔

ا۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو آخر کار کل دنیا کا قابل مذہب ہوگا کیونکہ جو پاکیزہ تعلیم اللہ تعالیٰ کے متعلق اسلام نے دی ہے وہ دوسرے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی کسی نے بتوں کو خدا مانا۔ کسی نے انسان کو کسی نے یہی کہا کہ خدا کو انسان کی طرح کمزور سمجھکر بستی سے ہستی کرنے پر قادر نہ تھا اگر اسلام ان سب نقصوں سے پاک اور بری ہے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ اسلام ایک زندہ خدا کو پیش کرتا ہے۔

مگر وہ بات جس پر عیسائی مذہب نے ہمیشہ سے بہت ناز کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ طریق نجات یہ مذہب پیش کرتا ہے۔ وہ دوسرے کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا اور وہ ایک بہت آسان راہ ہے لہ ہندو مذہب نے عیسائیت کے اس بیہودہ فخر کو بھی توڑ دیا ہے۔ کیونکہ ہندوؤں میں سبیل نجات عیسائیوں سے بہت کچھ ملتا ہے بلکہ عیسائیوں نے کسی ایسی ہی بت پرست قوم سے یہ عقیدہ لیا ہے جیسا ایک عیسائی کے نزدیک یسوع خدا ہے۔ ہندو کرشن کو خدا سمجھتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ یسوع کے خون کی طرح یہاں کرشن کا خون گناہوں سے پاک کرنیکا ذریعہ نہیں مگر اس بارے میں ہندو بہت اچھے رہے کیونکہ کاوری کے پہاڑ پہ جو دو چار قطرے خون کے گرے ہونگے ان سے بہر حال گنگا کا اشنان اچھا ہے کیونکہ اس سے کم از کم جسم تو صاف ہو جاتا ہے۔ مگر کفارہ جسم کو ہی پاک کر سکتا ہے اور نہ ہی روح کو اب غور طلب امر یہ ہے کہ جس صورت میں عیسائی صاحبان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ خدا انسان کی صورت میں زمین پر آسکتا ہے۔ تو پھر وہ کرشن کے خدا ہونے پر کیا اعتراض کر سکتے ہیں اور جس صورت میں ان کے نزدیک چند قطرے خون کے جو انیس سو سال ہوئے کسی انسان کے جسم سے نکلے تھے اس زمانہ میں چالیس کروڑ انسان کو گناہوں سے پاک کر سکتے ہیں تو سولہ میل لمبے ایک عظیم الشان صاف پانی کے دریا میں نہانے سے گناہوں کے جاتے رہنے کو وہ کیونکر غلط کہہ سکتے ہیں۔ اعتراض تو ہندوؤں کے ان دونوں عقیدوں پر وہ کرے جو خود کوئی بہتر عقیدہ رکھتا ہو مگر جب دونوں قوموں کے عقیدوں کی ایک سی ہی توہم پرستی اور جہالت پر بنیاد ہے تو ایک کو دوسرے کے مذہب میں جانے سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے دونوں کے ان عقاید پر جمے رہنے کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ انہوں نے اپنے باپ دادوں کو انہیں عقاید پر پایا اور یہی وجہ تبدیلی مذہب کی مانع ہے پس ہندو یسوع کی الوہیت اور یسوع کے خون کے ذریعہ گناہوں سے پاک ہو جانے کے عقاید کچھ اثر نہیں رکھتے کیونکہ اس کا اپنا خدا مسیح کی طرح کرشن کے وجود میں موجود ہے اور گناہوں سے پاک ہو جانے کے لئے دریائے گنگا کافی ہے اور اصل بات یہ ہے کہ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ وہ انسان کا جسم اختیار کر کے دنیا میں آیا کرتا ہے۔ تو پھر

یسوع کو کوئی امتیاز نہین بلکہ جس قدر قومون نے الگ الگ خدا نبا رکھے ہین وہ سب سچے ہو سکتے ہین کیونکہ خدا کی سنت کسی قوم سے مخصوص نہین جیساکہ اس نے اپنے انبیاء دنیا کی ساری قومون مین بھیجے ایساہی یہ بھی اگر ممکن تھا تو ضروری تھاکہ وہ خود انسانی جامہ پہنکر مختلف قومون اور مختلف زمانون مین ظاہر ہوتا رہتا اور اگر ہندؤں اور عیسائیون کی واقعی اخلاقی حالتون کا مقابلہ کیا جائے تو شراب خواری مین کمتر مبتلا ہونے مین ہندؤن کو ترجیح دینی پڑیگی۔ مگر باقی کئی اخلاقی حالتون مین وہ دونون قومین ایک سی ہی گری ہوئی ہین۔

یہان مین اس اعتراض کو بھی دور کرنا چاہتا ہون۔ جو کہا جاتا ہے۔ کہ اگر کفارہ سے گناہ کا استیصال نہین ہوا تو پھر اسلامی عقیدے سے بھی تو نہین ہوا۔ یہ مقابلہ سراسر دھوکہ دہی ہے اسلام عیسائی مذہب کی طرح یہ دعوٰی نہین کرتاکہ تم فلان بات پر ایمان لے آؤ اور تمہارے گناہ خود بخود دور ہوجاوینگے یا یہ کہ کسی شخص کے مرنے یاجی اٹھنے سے دنیا کے گناہ جاتے رہے بلکہ ایسے عقیدون کی بیخ کنی کرکے اسلام وہ راہ بتاتا ہے جسپر چل کر انسان گناہ سے نجات پا سکتا ہے اب دونون صورتون مین فرق یہ ہے کہ کفارہ کا عقیدہ رکھکر کروڑون انسان گناہون کی نجاست مین سرتاپا غرق ہورہے ہین مگر اسلام کی بتائی ہوئی راہ پر چل کر کوئی شخص گناہون مین مبتلا نہین رہ سکتا پس اگر مسلمانون مین بھی گناہون کا ارتکاب پایا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ نہین کہ اسلام کے بتائے ہوئے راہ مین کوئی نقص ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس راہ پر چلتے نہین حالانکہ عیسائی مذہب کے بتائے ہوئے علاج کو اختیار کرکے یعنی کفارہ پر ایمان لاکر بھی کروڑ درکروڑ مخلوق گناہون مین غرق ہورہی ہے مگر اس کے علاوہ ایک اور فرق یہ ہے کہ اسلام ہمارے سامنے ایک عظیم الشان جماعت کے نمونہ کو پیش کرتا ہے جس نے قرآن شریف کی تعلیم پر چل کر پاکیزگی کا وہ نمونہ دکھایا جو دنیا کی کسی دوسری جماعت مین نہین پایا جاتا یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت پھر اسکے بعد بھی ہم دیکھتے ہین کہ مسلمانون مین بہت سی بدیان جو اخلاق اور روحانیت کے لیئے تباہ کن ہین بہت کم پائی جاتی ہین جیسے شرابخوری۔ قماربازی۔ زناکاری۔ یا یون کہنا چاہیئے کہ

بمقابلہ عیسائی اقوام کے یہ برائیاں مسلمانوں میں پائی ہی نہیں جاتیں۔ پس جس پہلو سے غور کیا جاوے یہی ثابت ہوگا کہ اسلام کے سوا دوسرا کوئی مذہب نہ خدا تک ہی پہنچاتا ہے اور نہ حقیقی پاکیزگی کی راہ ہی سکھاتا ہے۔

اسلام وہ دوسرا مذہب ہے جس کا مقابلہ ہندوستان میں عیسائیت کو کرنا پڑا ہے مگر جس صورت میں عیسائی مذہب ہندو مذہب پر بھی کوئی فضیلت اپنی ثابت نہیں کر سکتا۔ تو اسلام سے ناقص ہونا اس کا خود ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق جو پاک عقیدہ اسلام نے سکھایا ہے وہ خود اپنے اندر ایک ایسی کشش اور خوبصورتی رکھتا ہے کہ بغیر تنخواہ دار واعظوں کے جن کی فوجوں کی فوجیں عیسائیت کے لئے کام کر رہی ہیں۔ اسلام نومرید بنانے میں عیسائیت سے بہت بڑھکر کامیاب ہو رہا ہے ہندوستان کی آبادی میں گذشتہ دس سال میں معمولی ترقی مردم شماری کی رُو سے صرف تین فیصدی کے قریب ہے اور اس نسبت کے لحاظ سے مسلمانوں کی تعداد میں صرف سترہ لاکھ کی زیادتی ہونی چاہئے تھی۔ مگر بجائے سترہ لاکھ کے ہم پچاس لاکھ کی ترقی دیکھتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ۳۳ لاکھ کی ترقی یا اس کے قریب قریب صرف اس وجہ سے ہوئی ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بکثرت اسلام میں داخل ہوئے ہیں اور یہ تو ایک مثال ہے ورنہ جہاں جہاں اسلام کو عیسائیت کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیم پیش کرنے کا موقع ملا ہے۔ وہاں ہی ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں داخل ہونیوالے لوگوں کی تعداد عیسائیت میں داخل ہونیوالوں سے بہت بڑھی رہی ہے اب بالمقابل اسلام کی اس ترقی کے ہندوستان میں انہی دس سال کے اندر عیسائیوں کی تعداد میں کل ترقی مع نئی پیدائشوں کے صرف چھ لاکھ انتالیس ہزار ہوئی ہے اب یہ کہدینا کہ عیسائیوں کی تعداد کے لحاظ سے بتیس فیصدی ترقی ہے۔ دھوکہ دینا ہے بتانا تو یہ چاہئے کہ واعظوں کی جو فوجیں کام کر رہی ہیں اور جو روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے اسکے لحاظ سے بمقابل اسلام کے کسقدر ترقی عیسائی مذہب کو ہوئی کیونکہ نسبت نومریدوں کی وہ صحیح ہوگی جو ذرائع کے لحاظ سے لگائی جاوے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی ترقی کی وجہ صرف

اس کے اصول کی صداقت ہے اور عیسائیت کی ترقی کی وجہ محض روپیہ ہی

اسلام میں ایک خوبی ایسی ہے جو دوسری کسی مذہب میں پائی نہیں جاتی یعنی اسلام اس خدا کی طرف بلاتا ہے جس کا بت پرست یا عیسائی بھی انکار نہیں کر سکتے سچے خدا کے ساتھ لوگون نے طرح طرح کی غلطیان ڈالی ہین کسی نے یسوع کو خدا بنا لیا کسی نے بتون کو کسی نے کرشن کو کسی نے کسی کو مگر ان تمام قومی اور عارضی خداؤن کے علاوہ جن پر کوئی سی دو قومون کا بھی باہمی اتفاق نہین سب قومون نے سچے خدا کو بھی تسلیم کیا ہے مگر اسلام ان تمام قومی خداؤن سے بیزار ہے اور صرف اس اکیلے سچے خدا کو پیش کرتا ہے جو تمام عیبون سے پاک اور تمام نقصون سے بری ہے پس اسلام کو کوئی مذہب کیونکر جیت سکتا ہے جسکے خدا سے کسی کو بھی انکار نہین علاوہ اسکے جن لوگون نے خدا کو ایک بھی مانا ہے انکی تعلیم مین بھی کچھہ نہ کچھ نقص باقی ہے کوئی اسکو نیستی سے ہستی کرنے پر قادر نہین سمجھتا اور مادہ اور ارواح کو اسکا شریک ٹھہراتا ہے کوئی اسکو زندہ خدا نہین سمجھتا مگر اسلام اس خدا کو پیش کرتا ہے جو ہر چیز پر قادر اور ہمیشہ زندہ چلا آتا ہے جو اپنے بندون کی دعائین سنتا اور ان کو جواب دیتا ہے اور جو اپنی ہستی اور قدرت کے عجیب نشان آپ ظاہر کرتا ہے پس عیسائی مذہب ایسی پاک مذہب کا مقابلہ کیونکر کر سکتا ہے بلکہ عیسائی مذہب کا قومی خدا زمانہ مین روشنی اور تعلیم پھیلنے کیساتھ ساتھ خود ہی زایل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسیگہ بھی اکثر عیسائی صاحبان کہدیا کرتے ہین کہ تعلیم کا اثر اسلام پر بھی یہی ہوا ہے[۲] جہان تعلیم یافتہ عیسائی یسوع کی خدائی اور کفارہ کا کھلا کھلا انکار شایع کر رہی ہین جو یہی اس مذہب کا شہتیر ہے تعلیم یافتہ مسلمانوں نے خدائے واحد کا انکار نہین کیا اگر کوئی اختلاف ہی تو وہ اور معاملات مین ہی بلکہ جو عیسائی یسوع کی خدائی کا انکار کر رہے ہین۔ وہ بھی اصل مین اسلام کی تعلیم کی طرف ہی چلے آرہے ہین۔ باقی رہی نجات سو اسمین عیسائیون نے بہت سخت ٹھوکر کھائی ہے اوّل تو یہ قرار دیا کہ محض گناہ نہ کرنا ہی نجات ہی حالانکہ اسلام کی تعلیم ہمین بتاتی ہے کہ گناہ سے بچنا نجات کے زینہ کی پہلی سیڑھی ہے اور اصل مقصد کو حاصل کرنیکے لئے بڑی بڑی منازل انسان کو طے کرنے چاہئین مگر ایک غلطی پر دوسری غلطی یہ کہ نجات کے اس ناقص مفہوم تک پہنچنے کا بھی سیدھا راہ اس مذہب نے نہین پایا بلکہ ناحق ایک بے تعلق بات کیساتھ اسے لگا دیا کہ یسوع کے کفارہ کو مان لینے سی گناہ جاتے رہتے ہین ایسے ناقص مذاہب کے متعلق یہ امید رکھنا کہ وہ ابھی اور ترقی کریگا۔ این خیال است و محال است و جنون +

[۲] گو ہمیشہ نہین

رویا و الہامات حضرت مسیح موعودؑ

۶- دسمبر ۱۹۰۵ء قرب اجلک المقدر ولا نبقی لک من المخزیات ذکرا۔ قلّ میعاد ربک ولا نبقی لک من المخزیات شیئاً۔ ۷ دسمبر ۱۹۰۵ء یہی الہامات پھر ہوئے اور ساتھ یہ الفاظ زاید تھے واٰخر دعوینا ان الحمد للہ رب العلمین۔ ۹ دسمبر ۱۹۰۵ء نئی قبرستان کی زمین کے متعلق الہام ہوا۔ انزل فیہا کل رحمۃ۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ کبرت فتنۃ۔ ۱۴- دسمبر ۱۹۰۵ء۔ جاء وقتک۔ ونبقی لک الاٰیات باہرات۔ ۲- جاء وقتک و نبقی لک الاٰیات بینات۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۰۵ء قال ربک انہ نازل من السّمآء ما یرضیک رحمۃ منّا وکان امرا مقضیا۔ قرب ما توعدون۔ ۲ امرت نا فذا۔

۲۳ دسمبر ۱۹۰۵ء واما بنعمت ربک فحدث۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ یا قمر یا شمس انت منی وانا منک۔ فرمایا اس الہام مین خدا تعالیٰ نے ایک دفعہ اپنے آپ کو سورج فرمایا ہے اور مجھی چاند اور دوسری دفعہ مجھے سورج فرمایا ہی اور اپنی آپ کو چاند یہ ایک لطیف استعارہ ہی جسکی ذریعہ سی خدا تعالیٰ نے میری نسبت یہ ظاہر فرمایا ہے کہ مین ایک زمانہ مین پوشیدہ تھا اور اسکی روشنی کے انعکاس سے مین ظاہر ہوا۔ اور پھر فرمایا کہ ایک زمانہ مین وہ خود پوشیدہ تھا۔ پھر وہ روشنی جو مجھی دیگئی۔ اس روشنی نے اسکو ظاہر کیا یہ ایک مشہور مسئلہ ہی کہ نور القمر مستفاض من نور الشمس۔ یعنی چاند کا نور سورج کی نور سے فیض حاصل کرتا ہے پس اس الہام مین اوّل خدا تعالیٰ نے اپنے تئین سورج قرار دیا اور خدا تعالیٰ نے اپنی تئین قمر قرار دیا کیونکہ وہ میری ذریعہ سے ظاہر ہوا اور اس نے اپنا زندہ وجود میرے وسیلہ سی لوگون پر نمایان کیا یہ شمس و قمر کا خطاب الہام کے دوسرے حصہ کی تشریح ہے کہ انت منی وانا منک۔ یہ ایک ایسی تعبیر ہے جو انسان کے وہم و گمان مین بھی نہین آسکتی۔ ۲- انا نبشرک بغلام۔ نافلۃ لک۔ نافلۃ من عندی ۱۳ دسمبر ۱۹۰۵ء رؤیا دیکھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی قبر کے پاس تین اور قبرین ہین اور ایک قبر پر لال کپڑا ڈالا ہے یکم جنوری ۱۹۰۶ء ۳- جنوری ۱۹۰۶ء انی مع الافواج اتیک بغتۃ حرام علی قریۃ اھلکنٰہا انہم لا یرجعون۔ ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک۔

۹-جنوری ۱۹۰۶ء اللہ غالب علی کل شیٔ ینجیک من کرب - رؤیا میں دیکھا کہ بہت سے ہندو آئے ہیں اور انہوں نے ایک کاغذ پیش کیا کہ اسپر دستخط کر دو - میں نے کہا کہ میں دستخط نہیں کرتا - اسپر انہوں نے کہا کہ پبلک نے تو کر دیئے ہیں - میں نے جواب دیا کہ میں پبلک میں نہیں یا پبلک سے باہر ہوں - اور ایک اور بات کہنے کو تھا - مگر کہی نہیں اور وہ یہ تھی کہ کیا خدا نے بھی اس پر دستخط کر دیئے ہیں

۱۰ جنوری ۱۹۰۶ء - خواب میں دیکھا کہ دہلی گئے ہیں اور بخیریت واپس آئے ہیں تو الہاماً کہا کہ الحمد للہ الذی اوصلنی صحیحًا

۱۲ جنوری ۱۹۰۶ء کو رؤیا دیکھا کہ محمد حسین کہتا ہے قطع دابر القوم فکر ہوا کہ یہ دشمن ہے کیا کہتا ہے - الہام ہوا فقطع دابر القوم الذین لا یومنون - ۱۳ جنوری ۱۹۰۶ء قل اللہ ثم ذرہ کل شیٔ - ان اللہ مع الذین ھم یتقون ۱۴ جنوری ۱۹۰۶ء

(۱) کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی - (۲) سلام قولاً من رب رحیم (۳) ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں - ترجمہ (۱) خدا نے ابتدا سے مقدر کر چھوڑا ہے کہ وہ اور اس کے رسول غالب رہیں گے - (۲) خدائے رحیم کہتا ہے کہ سلامتی ہے یعنی خایب و خاسر کی

یاد دہانی

دسمبر سال گذشتہ کے رسالہ ساتھ سب احباب کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا کہ بار بار کے تقاضوں اور آخر بعض حالتوں میں بقایا کے نہ وصول ہونے کی جھکڑ ہونے سے بچنے کے لئے یہ تجویز کیگئی ہے کہ سب احباب ابتدائی تین ماہ کے اندر اندر قیمت رسالہ کی ادا کر دیں اور جو ان تین ماہ کے اندر یعنی اخیر مارچ ۱۹۰۶ء تک قیمتیں ادا نہ کر سکتے ہوں وہ بہر حال دفتر میں اطلاعی کارڈ بھیجدیں کہ کس مہینے میں وہ اپنی قیمت بھیجیں گے یا کس ماہ کے پرچے کو وی پی کر کے اُنسے قیمت وصول کی جاوے یہ رعایت صرف پچھلے خریداروں سے ہے ورنہ آئندہ کوئی رسالہ بغیر قیمت پیشگی وصول ہونے کے جاری نہ کیا جاوے گا - نیز احباب کی خدمت میں یہ بھی التماس ہے کہ ابتدائے سال میں اخراجات زیادہ ہوتے ہیں اسلئے حتی الوسع جلدی قیمتوں کے بھیجنے کی کوشش کریں اور مارچ کا انتظار نہ کریں

افسوس کہ خریداروں کی تعداد میں ترقی کی رفتار بہت ہی سست ہے - ہمارے احباب توجہ کریں -

---

نوٹس

یہ نوٹس ان تمام بقایا داران کے نام ہے جنہوں نے دفتر کے وی پی انکاری کر دیئے ہیں - اور بار بار یاد دہانی کے باوجود بقایا ادا کرنے کیطرف توجہ نہیں کی - آئندہ کے لئے انکا اختیار ہے کہ دفتر میں اطلاع دے کر رسالہ بند کر دیں یا اگر وہ چاہتے ہیں تو جاری رکھیں - مگر بقایا کی وصولی سے ہم کسی طرح درگذر نہیں کر سکتے اور جو خریداران اسقدر بدخلقی سے پیش آرہے ہیں کہ نہ صرف وی پی انکاری کر کے اسکی وجہ ہی نہیں دیتے بلکہ پھر دفتر سے بار بار خطوط لکھے جاتے ہیں تو ان کا جواب تک بھی نہیں دیتے - ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر وہ دفتر کے جائز مطالبوں سے اس طرح سے انکار کرنے پر مصر رہیں گے تو ان کے نام بذریعہ رسالہ مشتہر کئے جاویں گے

مینیجر

جاپان میں اشاعت اسلام اور اعانت کا سلسلہ

سب سے اول میں ان احباب کو جزاکم اللہ خیرا کہتا ہوں جنہوں نے سلسلہ اعانت میگزین میں نہایت سرگرمی دکھائی ہے ایسے احباب کا ذکر وقتاً فوقتاً میگزین میں ہوتا رہا ہے۔ دیگر اسکی تازہ نظیر جہلم کی جماعت احمدی ہے جنہوں نے میری توقع سے بہت بڑھکر اس کارِ خیر میں حصہ لیا ہے یعنی اٹھانوے روپے کی رقم جمع کر کے بھیجی ہے کہ اسکے عوض جاپان میں یا کسی اور جگہ رسالے بھیجے جاویں۔ خدا تعالیٰ ان تمام مخلص احباب کو جزائے خیر دے اور دوسری جگہ کی جماعتوں کو جنہوں نے ابتک خاموشی اختیار کی ہوئی ہے اس نمونہ پر چلنے کی توفیق دے آمین یہ فہرست دوسری جگہ اخبار میں انشاء اللہ شایع کیجاوے گی سردست میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ احباب کو جو اعانت بھیجتے ہیں اس قید کے لگانے کی ضرورت نہیں کہ اس روپیہ سے ایک خاص ملک میں اشاعت ہو۔ آجکل اکثر احباب لکھدیتے ہیں کہ جاپان میں ہی اشاعت ہو مگر میں اس امر کے اظہار کو اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ جاپان میں بہت کثرت سے انگریزی رسالے بھیجنے مفید نہیں ہو سکتے کیونکہ اصل زبان ملک کی اور عوام کی انگریزی نہیں بلکہ انگریزی زبان لوگ شوقیہ پڑھ لیتے ہیں اسلئے جاپان کے متعلق میں بالفعل صرف یہ انتظام کر رہا ہوں کہ وہاں کے بڑے بڑے شہروں میں جسقدر پبلک لائبریریاں یا پبلک ریڈنگ روم ہیں اور جہاں طرح طرح کی اخبارات جمع ہوتی ہیں صرف ایسے مقامات کے پتے حاصل کر کے وہاں رسالہ بھیجا جاوے تا جو شخص پبلک میں سے انگریزی پڑھ سکتا ہے وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے اور باقی رسالے زیادہ تر انگلستان اور امریکہ میں بھیجے جاویں جہاں پبلک کی زبان انگریزی ہے تا جس دل پر خدا چاہے انکا اثر ہو چنانچہ اسی غرض کیلئے میں نے شیخ عبداللہ کوئیلیم اور مسٹر محمد الگزنڈر رسل وب وغیرہ سے فہرستیں منگوائی ہیں اور اور منگوانے کی کوشش کر رہا ہوں اور ایسا ہی بعض اخبارات میں جیسے کریسنٹ اور لائٹ آف ڈی ورلڈ یہ اشتہار بھی شایع کرایا ہے جاپان کے متعلق وہی تجویز احسن معلوم ہوتی ہے جس کا ذکر مسٹر محمد اسحاق پراچہ نے اپنے خط مندرجہ پیسہ اخبار میں کیا ہے یعنی چھوٹے چھوٹے رسالے یہاں سے تالیف کر کے بھیجے جاویں اور اپنے خرچ پر جاپانی زبان میں ترجمہ کرا کر پھر مفت پبلک میں شایع کئے جاویں اسکے لئے اللہ تعالیٰ سے ہی استدعا ہے کہ وہ مجھے ان تالیفات کیلئے اور احباب کو ان کی اشاعت کیلئے ہمت اور توفیق دے یہیں یہ بھی ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ جب کوئی دوست روپیہ بھیجتا ہے تو فی الفور اسکی عوض رسالہ نہیں بھیجا جاتا بلکہ جب کوئی عمدہ موقع بھیجنے کا ملے تو اسوقت بھیجا جاتا ہے۔

پھر بعض ایسے کرمفرماؤں نے جو اس جماعت میں داخل نہیں یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ اگر رسالہ انگریزی میں خدا کے اس سلسلہ کا ذکر نہ ہو تو وہ بھی ممالک غیر میں اشاعت کے لئے مدد دینے کو تیار ہیں۔ میرا یہ گمان ہے کہ انہوں نے نیک نیتی سے ہی یہ لکھا ہوگا اسلئے میں انکو سوائے اسکے کچھ نہیں کہتا کہ خدا کا سلسلہ کسی کا محتاج نہیں اور یہی سلسلہ ہے جسکے ذریعہ سے اسلام دیگر ادیان پر غالب آسکتا ہے ہم اس راہ پر چلتے ہیں جو خدا کے اس برگزیدہ انسان نے ہمیں بتائی جسکی سچائی کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے اور جسکی صداقت پر کامل اطمینان حاصل کر چکے ہیں پس جس نور کے ذریعے سے ہمنے ہدایت پائی اگر ہم اسکو دنیا کے سامنے پیش نہ کریں تو ہم سے بڑھکر کافر نعمت کون ہوگا۔ اس سلسلہ کا حامی خود خدا تعالیٰ ہے۔ اور وہ اس کی سب کاروائی کی تکمیل کریگا ہم مجبور ہیں کہ کسی انسان کی خواہش کی پیروی نہیں کر سکتے بلکہ اسی راہ پر چلیں گے جسپر خدا نے ہمیں چلایا۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔

محمد علی

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✣ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ ——— نمبر ۲

بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۰۶ء

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰ فروری سنہ ۱۹۰۶ کو میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا - چندہ سالانہ عہ

اشاعت اسلام

اسی میگزین میں ہمنے دوسری جگہ ذکر کیا ہے کہ مفت رسالے بھیجنے کا طریق کیسا مفید ثابت ہو رہا ہے اور یہی اندر اندر ان لوگوں کے دلوں میں جنکو ایسے رسالے پڑہنے کا موقع ملتا ہے۔ کیا تبدیلی پیدا ہوتی جاتی ہے جسکی ایک مثال مشہور ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ٹائے کا ایک مضمون ہے جو امریکہ کے ایک میگزین میں چھپا ہے۔ اس کا ذکر ہمنے اسی رسالے میں "اسلامی خطرہ" کے عنوان کے نیچے کیا ہے۔ ایسا ہی نیوزیلینڈ کے اخبارات میں بھی اسی قسم کا ذکر پایا جاتا ہے منجملہ ان لوگوں کے جن کو رسالہ بھیجا جاتا ہے۔ ایک لیڈی ہیں جن کا نام مس ایس اے رجوی ہے اور جو مانچسٹر کے رہنے والی ہیں ایک تازہ خط میں وہ لکھتی ہیں "میں ریویو آف ریلیجنز کو بہت ہی شوق سے پڑہتی ہوں اور پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا یہ سب مضامین آپ کے ہی لکھے ہوئے ہوتے ہیں جو مضامین غلامی پر اس رسالہ میں لکھے گئے ہیں وہ ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے والے ہیں جو غلط خیالات کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ اور تعدد ازدواج پر جو مضمون لکھے گئے ہیں وہ بہت معقول ہیں۔ میں یہ بھی دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ حضرت مسیح کی قبر اس مقام سے جہاں آپ رہتے ہیں کتنی دور ہے۔ ہمنے اٹلس میں اس مقام کا نام تلاش کیا مگر پتہ نہیں ملا۔ تہیوصوفی والے بھی کہتے ہیں کہ مسیح ہندوستان کو گیا تھا اور وہاں فوت ہو گیا۔ یہ بھی بہت قابل توجہ امر ہے میں ابھی یہ یقین نہیں کر سکتی کہ اس نے صلیب پر جان دی ہو۔ اگرچہ بڑی مدت سے بڑے حصہ میں یہ بات اس کے متعلق شایع کی گئی ہے لیکن اب جو طالبان حق سچائی کی راہ کو دیکھیں گے تو اس سے مروجہ عیسائیت کی جڑھ کٹ جائیگی ... ریویو آف ریلیجنز کا نومبر کا رسالہ بھی پہنچا اور ہمنے اسے پڑھا ہے۔ دجال پر مضمون اس میں لکھا گیا ہے اس سے ہمنے بہت سا نیا علم حاصل کیا ہے۔ مگر جب سے ہمنے اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانا ہے میں یقین رکھتی ہوں کہ اکثر حصہ اس تعلیم کا جو عیسائی مذہب میں دیجاتی ہے مسیح کی تعلیم نہیں بلکہ دجال کی تعلیم ہے عیسائی سلسلہ کے ان خاتمہ کے دنوں میں بہت سے عیسائی اس سچائی کو محسوس کر رہے ہیں جو مسیح اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سکھائی ہے"۔ ایسا ہی ایک دوست کی فیاضی سے جس نے اپنا نام ظاہر کرنیسے منع کیا ہے۔ گذشتہ سالوں کی جلدیں یورپ اور امریکہ میں ایسے لوگوں کو بھیجی گئی تھیں جنکے نام مسٹر کولیم اور روب نے لکھے تھے اور خوشی کا مقام ہے کہ ان سب لوگوں نے اس رسالہ کو پڑھا اور خوشی کے خطوط لکھے اور آیندہ رسالے کے ان کے نام بھیجے جانیکی خواہش ظاہر کی ایک صاحب لکھتے ہیں "میں آپکا بہت ہی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میرے نام ریویو آف ریلیجنز کے رسالے بھیجے جو بہت ہی مفید اور دلچسپ ہیں"۔ کسی نے لکھا ہے "میں ان رسالوں کو پڑھکر نہایت ہی خوش ہوا ہوں"۔ کسی نے لکھا ہے کہ "میں نے انکو خوشی اور دلچسپی سے پڑھا ہے اور ابھی میں انکو دوبارہ اور بھی غور سے پڑھنا چاہتا ہوں"۔ غرضیکہ یہ سلسلہ بہت مفید ثابت ہو رہا ہے ہمارے احباب کو بھی پوری سرگرمی سے اس سلسلہ کو جاری رکھنا چاہیئے۔

خاکسار۔ منیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

سود

عیسائی مذہب کی نرالی اصطلاحات کا ہم مشرقی لوگوں کیلئے سمجھنا بھی مشکل ہے انگریزی زبان میں آجکل سود کے متعلق دو الگ الگ لفظ ہیں جنکو معنوں کے لحاظ سے سود ناجائز اور سود جائز سے تعبیر کرنا پڑتا ہے مگر جنمیں اصل فرق صرف شرح سود کا زیادہ یا کم ہونا ہے یہ امتیاز زمانہ حال کی ایجاد ہے اور زمانہ قدیم میں اسکی کوئی اصلیت نہیں پائی جاتی قدیم زمانہ سے ایک ہی لفظ سود کے لیے چلا آیا ہے جس سے مراد ایسا منافع سمجھا جاتا تھا جو زر نقد کے استعمال کے عوض بھی ادا کیا جاوے اور ادا کرنیکی شرط کیجاوے اور ان معنوں میں اس سے وہی مراد ہوتی تھی جو اب سود جائز سے ہے صرف فرق یہ ہے کہ جہاں زیادہ شرح سود کی سود کے ان قدیم معنوں میں داخل تھی سود جائز میں ایسا نہیں ہے لیکن زمانہ حال میں اس لفظ کو جو ہمیشہ سود کے لیے مستعمل ہوتا رہا ہے صرف سود کی ان قسموں سے مخصوص کر دیا گیا ہے جنکی شرح بہت بھاری ہو یا جو بھاری سود محتاج یا فضول خرچ لوگوں سے دیا جاوے اور جو سود معمولی طور پر لیا جاوے اسکے لیے ایک نئی اصطلاح تراش کر اسکا نام سود جائز رکھا گیا ہے یہ جھوٹا امتیاز صرف عیسائی مذہب کی دنیا پرستی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے چونکہ اس مذہب کی ہمدردی انسانی کا دعویٰ سود کو جائز نہیں ٹھہرا سکتا تھا اسلیے بہت عرصہ تک یعنی یورپ کے درمیانی زمانہ کے اختتام تک نہ صرف یہی بات تھی کہ سود کی اجازت نہ تھی بلکہ پیشوایان عیسائی مذہب اسکو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے سود کی اس قطعی ممانعت کا نتیجہ ہوا کہ عیسائیوں میں یہودی قرض دینے والی بڑی قوم بنگئی معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ عیسائی مذہب میں انسانی اخوت کے قایم کرنیکے بڑے بڑے دعوے ہیں مگر ایک عیسائی اپنے ہم مذہب بھائی کو بھی قرض حسنہ نہیں دیسکتا تھا پس سود کی اس نفرت سے عیسائیوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچا حالانکہ انکو حکم تھا کہ "جو تجھسے قرض مانگے اس سے منہ نہ پھیر" مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ بجائے برادرانہ ہمدردی کے خیال کے اس سے تنگدلی پیدا ہوئی مگر یہودیوں کی دولت دیکھکر جو بہادری اور لالچ عیسائیوں کو پیدا ہوا اسکے سامنے پادریوں کی اس سود کے متعلق مخالفت کی کوئی پیش نہ گئی اگرچہ بیچارے یہودیوں کو تو اسکا معاوضہ صرف ایذا رسانی جسمانی تکالیف جلاوطنی اور قتل کی شکل میں ہی دیا جاتا تھا سنہ ۱۲۹۰ء میں یہودی بڑی بے رحمی سے انگلستان سے نکالے گئے اور انکی جگہ عیسائی متمولوں نے سود پر قرض دینا شروع کیا لیکن پھر بھی کچھ عرصہ بعد سود کی نفرت کم نہیں ہوئی کیونکہ انگلستان کے مشہور مصنف شیکسپیئر کی تصنیف میں جو تصویر شائی لاک ایک یہودی سود خور کی کھینچی گئی ہے وہ سود خوری کی خوفناک خرابیوں کا پورا آئینہ ہے اگرچہ سود خوری اسی وقت سے

ہوگئی مگر یہ سودخوری خفیہ تھی یعنی عیسائی لوگ کھلم کھلا سود نہ لے سکتے تھے اور نہ ہی سود کے لئے عدالتوں میں چارہ جوئی کر سکتے تھے اور قانون نے اس سودخوری کیواسطے موجودہ زمانہ کی اصطلاحات جایز و ناجایز سود کی قایم نہیں کی تھیں بلکہ ایسے عجیب حیلے ایسے جایز ٹھہرایا تھا جو قرضدار کے حق میں یہودیوں کے زیادہ سود لینے کی نسبت اکثر زیادہ مضر ہوتے تھے چنانچہ راس اپنی تصنیف میں لکھتا ہے کہ برقانون سکاٹلینڈ میں لکھتا ہے کہ جج روپیہ پر سود نہیں ڈال سکتے تھے کیونکہ یہ خلاف قانون اور اخلاقی بدی اور قرضدار کے حق میں ظلم تھا لیکن ہرجانہ اور قرضدار کیوقت مقررہ پر نہ ادا کرنے کے بہانے اصل قرض سے دو چند رقم کی ڈگری دیجاتی تھی (دیکھو انسکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ صفحہ ۱۹)

اگر عیسائی مذہب کی تاریخ پر غور سے نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ جہاں یہ کسی خرابی کے انسداد میں ناکام رہا وہاں اسنے ایک سخت اور نرم صورتوں کا فرق قایم کرکے اسکو جایز قرار دیدیا مگر اسطرح جایز قرار دیکر بھی کسی خرابی کے انسداد میں اسکو کامیابی نہیں ہوئی عیسائی مذہب یا یوں کہو کہ عیسائی ممالک اعتدال سے شراب نوشی اور بکثرت شرابخوری کے مابین اور تھوڑی یا بڑی رقم کیساتھ قماربازی کے درمیان اور ایسا ہی ایک معمولی شرح پر سود لینے میں ایک فرق قایم کرتے ہیں اگر ایسا امتیاز کرنے سے اول دو صورتوں میں فائدہ ہوا ہو تو امید ہو سکتی ہے کہ تیسری صورت میں بھی فائدہ ہو لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتدال سے شرابخوری کرنے سے حد سے زیادہ شرابخوری کی عادت پیدا ہوتی ہے اور تھوڑی تھوڑی رقموں سے قماربازی کرنے کرنے خطرناک قماربازی کی عادت پڑتی ہے کیونکہ ابتدا ہمیشہ تھوڑے سے ہوتی ہے پھر اگر وہ بدی ہے تو اس بدی میں انسان ترقی کرتا چلا جائیگا اور اگر نیکی ہے تو نیکی میں ترقی کرتا چلا جائیگا قدرت نے انسان کو ترقی کے لئے پیدا کیا ہے وہ ایک جگہ ٹھہر نہیں سکتا یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں خرابیاں یعنی شرابخوری اور قماربازی عیسائی ممالک میں خطرناک طور پر پھیل گئی ہیں کیا ان دونوں باتوں کا کبھی کسی عیسائی کے دل میں خیال نہیں آیا؟ سچ تو یہ ہے کہ یہ ایسی خرابیاں ہیں جو جڑھ سے ہی نکال ڈالنی چاہئیں لیکن اگر صرف شاخ تراشی کیجاویگی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ شاخیں اور بھی زیادہ نکلینگی اور خرابی پہلے سے بھی زیادہ زور پکڑیگی واقعات سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے اور عیسائی ممالک میں جو شرابخوری اور قماربازی کا زور ہے اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ اعتدال سے شرابخوری اور چھوٹی چھوٹی رقموں سے قماربازی جایز رکھی گئی ہے۔ بلکہ مغربی ممالک میں انکو سوسائٹی کی ضروریات قرار دیا گیا ہے جایز اور ناجایز سودخوری ایک ہی بدی کی دو صورتیں ہیں ممکن ہے کہ ایک صورت میں اس سے کم خرابی پیدا ہو اور دوسری جگہ میں زیادہ مگر آخر خرابی ہی ہے جو خرابیاں ناجایز سودخوری یعنی زیادہ سود لینے سے بکثرت پیدا ہوتی ہیں وہ تھوڑے سود کے قانوناً روا رکھنے سے بھی ضرور پیدا ہونگی اگرچہ کسی حد تک کم ہوں لیکن جو بڑا نقصان اس سے ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی ایسا امتیاز ممکن ہی نہیں اور نہ عملاً رکھا جا سکتا ہے جب ایکدفعہ دروازہ کھل گیا تو کوئی ایسی حدبندی شرح کی نہیں ہو سکتی جس کے مطابق سود لگایا جاوے اور نہ ایسی صورتوں کی کوئی تعیین کی جا سکتی ہے جنمیں روپیہ سود پر دیا جائے۔

زیادہ سود لینے کو اب بھی اخلاقی خرابی اس وجہ پر گنا جاتا ہے کہ اسمیں بیرحمی سختی اور تباہی ہے مگر جو سود جایز

رکھا گیا ہے۔ اسکی تائید میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ صورت ناجائز سود خوری سے مختلف ہے اور زمانہ حال کی تجارتی ضروریات نے کر
دی ہے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ابتدائی اور رہبانی زمانہ میں روپیہ محتاجی کی وجہ سے قرض لیا جاتا تھا اور چونکہ قرض کی ادائیگی
کی امید قوی نہ ہوتی تھی اسلئے قرضخواہ لوگ ان اشخاص سے جو واقعی قابل رحم ہوتے تھے بھاری سود لیتے تھے لیکن اب یہ
صورت نہیں ہے اور روپیہ عموماً تجارتی اغراض کی خاطر قرض لیا جاتا ہے اور جو سود اسپر لیا جاتا ہے وہ تجارتی منافع کا ایک حصہ
سمجھا جا سکتا ہے اب اگر یہ سچ بھی ہو کہ آجکل سودی روپیہ کا لین دین زیادہ تر تجارتی اغراض کیواسطے ہے اگرچہ کم از کم
ہندوستان کی صورت میں تو یہ بھی ٹھیک نہیں ہے تاہم کسی شہادت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ جس وجہ سے زیادہ سود خوری
سے تنگیاں پیدا ہوتی تھیں وہ وجہ اب نہیں رہی دنیا میں اب بھی ایسے مفلس بکثرت ہیں جنکو اگر بلا سود قرض نہ ملے تو ان کو
سود کی جس شرح پر قرض ملے لینا پڑیگا اور جب ایک دفعہ ایسا قرضہ لے لینگے تو پھر مشکل سے ہی کوئی ایسی صورت ہوگی
بلکہ قریباً ناممکن ہوگا کہ وہ قرضخواہ کے پنجہ سے نجات پا سکیں فضول خرچ لوگ اب بھی دنیا میں موجود ہیں بلکہ بہت زیادہ
ہو گئے ہیں جو قرضہ لینے سے نہیں جھجکتے خواہ کیسی ہی بھاری شرح سود پر ملے جبتک کہ ایسا قرضہ دینے والا مل سکے اگرچہ
ایسے قرضوں کا انجام ویسا گو بظاہر معلوم ہو سکتا ہے آخر کار واقعی تباہی ہوا کرتی ہے جو سود تجارتی اغراض کے قرضہ پر
لیا جاتا ہے خواہ کیسا ہی بے ضرر اور ضروری معلوم ہو مگر اس میں شک نہیں کہ جبتک کسی قسم کے سود کو بھی جائز دکھایا جاویگا سود
خوری کی خرابی سوسائٹی سے دور نہیں ہوگی اور اخلاقی خرابی کا دھبا اس قانون پر لگے گا جو سود کو جائز قرار دیوے زیادہ
سود لینے کو برا کہنا اور تھوڑا سود لینے کو روا رکھنا منہ سے ایک خرابی کو برا کہنا اور عملی طور پر اسکو دنیا میں پھیلانا ہے کوئی
آئین حد بندی نہیں ہو سکتی جسکی رو سے ایسے قرضہ میں جو تجارتی اغراض کیواسطے لیا جاوے اور اس روپیہ میں جو احتیاج کے باعث
یا عیاشی کی خاطر قرض لیا جاوے فرق ہو سکے اور جب اس اخیری صورت میں سود کو وجہ سے خرابی کا پیدا ہونا مانا جاتا ہے تو گویا صاف طور پر
جواز سود کے اصولوں کی خرابی کو تسلیم کیا جاتا ہے علاوہ بریں یہ سمجھ نہیں آتا کہ کیونکر ایک قسم کے سود کو اخلاقی خرابی کہا جاتا ہے
اور دوسری قسم کی سود خوری کو ضروری اور جائز ٹھہرایا جاتا ہے۔ جب کہ ہر دو کے مفہوم کا اصل ایک ہی ہے یہ کسطرح قیاس میں آوے
کہ ایک شخص کا فعل جو دس فیصدی سود لیتا ہے جائز یعنی اخلاق کے رو سے درست ہے اور اگر دوسرے شخص کا فعل جو بیس
فیصدی سود لگاتا ہے ناجائز یعنی ایک اخلاقی خرابی ہے اگر عیسائی اقوام کی ترقی کی یہی رفتار رہی کہ آج تھوڑی شراب نوشی جائز
ہوئی کل کو تھوڑی قمار بازی تیسرے دن تھوڑی سود خوری چوتھے دن تھوڑی زناکاری تو وہ دن بھی آجائیگا جو ہر
ایک قسم کی بدکاری تھوڑی تھوڑی جائز کہتے کہتے آخر اسکی کثرت کو بھی جائز کر دیا جاوے کیونکہ جسقدر بدکاریوں کی
بانی تھیں ان سب کو تو ایک حد تک جائز قرار دے لیا ہے۔ باقی بدیاں خود ان سے پیدا ہو
جائینگی۔

جس دلیل کی رو سے عیسائی ممالک نے سود کو قانوناً جائز قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ مذہب کسی شخص کے ان حقوق

میں کوئی دست اندازی نہیں کرسکتا جو اسکو اپنے روپیہ کے استعمال کی اجازت دیکر اپنی دولت بڑہانے کیواسطے حاصل ہین اور یہ کہ عیسائی مذہب میں جو ممانعت تھی وہ ایک متوسط حد کے سود کی بابت نہ تھی بلکہ ایسی بھاری شرح کے سود کے واسطے تھی جس سے قرضدار کی تباہی ہو اسی طرح جیسا کہ ابتدا بھی بیان کیا ہے عیسائی ممالک نے اور کئی خرابیاں قانوناً جایز ٹھہرا دی ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ کبھی کبھی تھوڑی سی شراب پی لینا کوئی نقصان نہیں کرتا بلکہ محنت سے تھکے ہوئے انسان کیواسطے ایک مقوی دوا کا کام دیتی ہے اور قمار بازی بھی اگر کبھی کبھی اور تھوڑی تھوڑی رقم کی شرط پر کیجاوے تو کوئی ضرر نہیں کرتی بلکہ دماغی یا جسمانی محنت کے بعد راحت پہنچاتی ہے بعینہ انہی وجوہات پر جواز سود کی دلیل پیش کیجاتی ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ متوسط درجہ کے سود سے وہ خرابیاں نہیں پیدا ہوتیں جو بھاری سود خوری سے جو ممنوع ہے پیدا ہوتی ہیں بلکہ اس سے کفایت شعاری اور پس انداز کرنیکی تحریک ہوتی ہے اس سے ظاہر ہے کہ عیسائی مذہب نے ایک سچے مذہب کا کام نہیں دیا اور نہ اس سے امید ہی ہے اسکا اثر عیسائی قوموں پر بہت ہی کمزور ہے کیا دنیا میں صرف شراب ہی ایک مقوی دوا ہے؟ اور صرف قمار بازی ہی ایک تفریح رہ گئی ہے؟ اور صرف سود پر روپیہ چلانا ہی ایک تحریک پس اندازی کے واسطے ہے؟ نہیں بلکہ اور بھی بہت سے طریقے ہیں جن سے یہی اغراض پوری ہو سکتے ہیں سچے مذہب کا یہ کام ہے کہ ایک طرف تو انسانوں کو ان راہوں سے روکے جن پر چلکر وہ سخت تباہ ہوں یا ان کی اخلاقی یا روحانی ترقی میں فرق آوے اور دوسری طرف ایسی راہیں پیش کرے کہ جن پر چلکر انسان اس دنیا میں بھی اقبال مند ہوں اور ساتھ ہی ان کی اخلاقی اور روحانی حالت اعلیٰ درجہ پر رہے لیکن یہ کہنا کہ مذہب کو نہیں چاہیئے کہ کسی شخص کو ایسے ذرایع اختیار کرنے سے روکے جن سے اسے فوراً کوئی خوشی یا فائدہ پہنچ سکتا ہے خواہ انکے نتایج کیسے ہی مضر اور مہلک کیوں نہ ہوں گویا بدیوں کے خطرناک سیلاب کا بند انکے لئے کھولدینا ہے میں پھر کہتا ہوں کہ مذہب کا یہ منشا نہیں ہے کہ ہر ایک ممکن طریقے سے دنیاوی فائدہ ہی پہنچا سے خواہ اخلاقی اور روحانی حالت پر اسکا کیسا ہی برا اثر ہو بلکہ مذہب کا مدعا یہ ہے کہ اخلاقی اور روحانی ترقی کمال کو پہنچے اور اس اخلاقی اور روحانی ترقی میں کوئی چیز اسکی سدراہ نہ ہو اگرچہ دنیاوی اغراض کا کسی قدر نقصان بھی ہو کیونکہ اگر مذہب کا اصلی منشاء انسان کی اخلاقی اور روحانی تکمیل ہے تو دنیاوی فوائد پر اخلاقی فوائد کو مقدم رکھنا پڑے گا جہاں پہلا ان میں سے دوسرے کے سدراہ ہو۔

اس مضمون کو زیادہ واضح کرنیکے لئے میں اسکی اور بھی تشریح کرتا ہوں انسان کے ذمہ دو قسم کے فرایض ہیں ایک خدا تعالیٰ کے متعلق اور دوسرے انسانوں کے متعلق اور مذہب کا یہ کام ہے کہ ان ہر دو قسم کے فرایض کے ادا کرنیکی ٹھیک راہ بتا دے ہر ایک انسانی غرض میں یہ دونوں امر ملحوظ رہنے چاہئیں انسانوں کے متعلقہ فرایض کے لئے یا یوں کہو کہ سوسائٹی کی بہبودی کے واسطے بعض حقوق دنیاوی فواید کے انسان کو ترک کرنے پڑیں گے اسی اصول پر سود خوری کو برا کہا جاتا ہے اور اسی اصول پر معمولی سود خوری بھی ترک کرنی چاہیئے

جب کوئی شخص کسی حاجتمند کو قرض دیتا ہے اور اسکو اپنا اصل روپیہ واپس لینے کی پوری امید نہیں ہوتی ہے تو ظاہر صورت میں وہ اپنے سرمایہ کو زیادہ خطرہ میں ڈالتا ہے بہ نسبت اس شخص کے جو تجارتی غرض کیواسطے کسی کو روپیہ دیتا ہے کیونکہ ایسے شخص کو تجارتی مال پر سے اپنا روپیہ وصول کرنے کی امید تو ہوتی ہے یورپ امریکہ والوں کے اخلاقی معیار کے بموجب جو شخص نقصان کے زیادہ خطرہ پر پڑے وہ زیادہ شرح پر سود لینے کا مستحق ہے اور حقیقت میں تجارتی کاروبار میں ایسا ہی ہوتا رہتا ہے جہاں سود کی شرح کی کمی بیشی مقروض کے اعتبار پر موقوف ہوتی ہے پس اگر جواز سود کی دلیل کو صحیح سمجھا جاوے تو سود کی بھاری شرحیں جنکو ناجایز سودخوری کے نام سے پکارا جاتا ہے کسی صورت میں قابل اعتراض نہیں ہو سکتیں لیکن مذہبی اخلاقی معیار کے بموجب اس سوال کی صورت ہی اور ہے بشرطیکہ دنیا پرستوں کے اخلاقی معیار کا رنگ اس پر نہ چڑھ گیا ہو ہمارا مذہب ہمکو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر ہمارا بھائی حاجتمند ہو اور ہم اسکی مدد کر سکتے ہوں تو ایسی صورت میں اسکی مدد کرنا ہمارا فرض ہے مذہب نہ صرف یہی بتلاتا ہے کہ ایسی حالت میں ہمیں بلا سود قرضہ دینا چاہیئے بلکہ ہمیں سخاوت کی طرف بھی بلاتا ہے اسمیں شک نہیں کہ جب ہمارا بھائی حاجتمند ہو تو ایک بڑا عمدہ موقع ہے کہ بڑی سے بڑی شرح سود پر جو وہ ادا کرنے کو تیار ہو روپیہ دیکر ہم اپنی دولت بڑھاویں لیکن یہی وہ موقع ہے کہ ہمدردی کا اظہار عملاً کیا جاوے کسی قسم کا نقصان اٹھانے کے بغیر تو ہم کوئی ہمدردی کا کام بھی نہیں کر سکتے پس اگر تمام کاموں میں ہمارا مدعا دنیاوی مفاد ہی ہو تو ہمدردی انسانی کا مادہ بہت جلد معدوم ہو جاویگا حالانکہ اس نیکی کی قوت کو عمل میں لانا مذہب کے رو سے ایک بڑا ضروری فرض ہے۔

عیسائی ممالک کا سودخوری کو قانوناً جایز ٹھہرانا اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ یا تو عیسائی مذہب نے اپنے مجلس کے متعلق جو انسانی فرائض ہیں انکی حقیقت ہی نہیں سمجھی یا نہایت ہی ذلیل ہو کر اپنے پیروؤں کے دنیاوی اغراض کی ماتحتی اختیار کر لی۔ اس مذہب کا ایسی چال اختیار کرنا بڑا ہی عجیب ہے جو ابتدا انسانی مساوات کے خیالات کی طرف میلان رکھتا تھا یا تو یسوع کے زمانہ کی نسبت اب خدا کی بادشاہت کا حاصل کرنا زیادہ آسان ہو گیا ہے یا عیسائی اب خدا کی بادشاہت کے سوا کوئی اور بادشاہت تلاش کر رہے ہیں استاد صاحب نے صاف الفاظ میں کہدیا تھا کہ "جو کوئی تم میں سے اپنے سارے مال سے کنارہ نہ کرے میرا شاگرد نہیں ہو سکتا" (لوقا باب ۱۴ آیت ۳۳) لیکن اب وہ لوگ اسکے شاگرد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جنکو موقع ملے تو اپنے بھائیوں کا سارا مال لے لینے میں بھی کوئی تامل نہیں کرتے استاد کی تعلیم کے بموجب یہ ضروری تھا کہ دولتمند آدمی اپنی ساری جایداد فروخت کرکے جو قیمت وصول ہو وہ غربا کو دیدیوے تاکہ وہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہونیکے قابل ہو جاوے لیکن اسکی بیسویں صدی کے شاگرد ایک طرف تو اپنی کفایت شعاری کے قوانین سے اسکی تعلیم کو رد کرتے ہیں اور دوسری طرف اس بادشاہت میں داخل ہونیکا ذریعہ صرف یہ قرار دیا ہے کہ ہر ایک ممکن طریق سے اپنی دولت بڑھائی جاوے خواہ اس سے بنی نوع پر کیسی ہی سختی اور بربادی آوے اس مذہب کی حالت بہت ہی قابل افسوس ہے جسکا بانی اسکے اپنے قول کے موجب ایک پہلو میں حد سے بڑھ گیا اور اسکے پیرو دوسرے پہلو میں حد سے گذر گئے۔

مذہب اسلام اور اسکے پیروان کیواسطے ہر صورت میں میانہ روی کا زریں اصول مقرر تھا اس لیے اس عظیم الشان مذہب اسلام
نے نہ تو حد سے تجاوز کرکے کسی کے ایسے حقوق سے جو اُسے اپنی جائداد کے متعلق حاصل ہیں انکار کیا ہے بلکہ ہر شخص کو اسکی محنت
اور ہنر کی کمائی کا مالک قرار دیا ہے اور نہ ہی خود غرضی کے تمام مطالب پورا کرنے اور اپنی دولت کو ترقی دینے کے تمام وسائل
کو جائز ٹھہرایا ہے ممکن ہے کہ بعض اوقات کسی کے دنیاوی فائدہ کا اخیری نتیجہ اسکا اپنا یا سوسائٹی کا نقصان ہو یا کسی بنی
نوع انسان پر سختی عاید ہوتی ہو تو ان صورتوں میں ایسے شخص کو ایسے مفاد کے حصول سے منع کیا گیا ہے اسی اصول پر
قماربازی کی ممانعت ہے جسکی نسبت قرآن میں یوں آیا ہے کہ اسکا نقصان اُسکے نفع سے بدرجہا بڑھکر ہے۔ جو
بعض وقت حاصل ہونا ممکن ہو اور اسی اصول پر ہی ہر قسم کے سود کو قرآن شریف نے حرام ٹھہرایا ہے کیونکہ اسمیں غربا پر سختی ہوتی
ہے جن سے روپیہ نکلکر ان لوگوں کی جیبوں میں چلا جاتا ہے جنکے پاس پہلے ہی بہت سا ہے۔ مذہب اسلام کو اس مسئلہ کو حل کرنا منظور
نہ تھا کہ جو پہلے ہی دولتمند ہیں وہ زیادہ دولتمند کیونکر بنجاویں بلکہ یہ کہ غربا کیونکر تباہ ہونے سے بچکر آسایش سے زندگی بسر کرسکیں
اور اس مطلب کے حاصل کرنیکے واسطے ضروری تھا کہ سود کی ممانعت کیجاوے شاید یہ اعتراض کیا جاوے کہ اس مسئلہ کو مذہبی رنگ
دینے کی کیا ضرورت تھی بلکہ عدالت ہائے دیوانی کے اختیار پر چھوڑ دینا کافی تھا جو ایسی حالتوں میں کوئی سود نہ دلاتیں
جہاں غربا پر سختی کا احتمال ہوتا اور تجارتی معاملات میں سود دلایا جاتا یہ اعتراض اصل میں ربا کی حقیقت کو نہ سمجھنے سے پیدا
ہوتا ہے اول تو تجارتی سود خواہ موجودہ تجارتی حالات کے رو سے کیسا ہی ضروری معلوم ہوتا ہو اُن بدنتائج سے خالی نہیں
ہے جو خاص سود خوری کے معاملات میں پیدا ہوتے ہیں تجارت کا انحصار صرف سرمایہ پر ہی نہیں اسکے لیے محنت
بھی درکار ہے اور اسلئے نفع یا نقصان میں دونوں کو شریک ہونا چاہئیے لیکن جو قانون سود کو جائز ٹھہراتا ہے وہ سرمایہ دار
کو منافع کا حصہ تو دلاتا ہے لیکن نقصان میں شریک نہیں کرتا اور سارے نقصان کا تحمل اس شخص کو ہونا پڑتا ہے جو محنت اور
ہنر خرچ کرتا ہے بلکہ سارا نقصان سرمایہ دار کو برداشت کرنا پڑتا تو بات کسی قدر معقول ہوتی کیونکہ وہ ایسے نقصان کا تحمل
ہو سکتا ہے اور اسکے تو صرف سرمایہ میں ہی کسیقدر کمی ہوتی لیکن سارا نقصان محنت والے پر ڈالنا عین بے انصافی ہے کیونکہ اسکی
کل کی کل محنت ہی اکارت گئی بلکہ ساتھ ہی اسکو خطرناک تباہی کا منہ بھی دیکھنا پڑا علاوہ ازیں بہ نسبت سرمایہ کے محنت زیادہ
قیمتی ہے اور اسی وجہ سے جو اشیاء محنت سے تیار ہوتی ہیں انمیں بہ نسبت سرمایہ کے محنت کا زیادہ حصہ ہے غرضیکہ سرمایہ دار کو منافع
میں شریک کرنا اور نقصان کی صورت میں الگ رکھنا محنت والے کے حق میں سب سے بڑی بے انصافی ہے اور روپیہ کی حد سے زیادہ
قدر کرنا ہے پس جو قانون سود کو جائز ٹھہراتا ہے گویا اسکا رعایت سے ایسے اشخاص کو تباہ کرنیکا ہے جو دوسرے کے سرمایہ پر محنت خرچ
کریں جہاں بدقسمتی سے اتفاقاً کسی معاملہ میں نقصان ہو جاوے اور حقیقت میں ہر روز صدہا ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں جنمیں کہ صرف
ایک حصہ بذریعہ عدالت ہائے دیوانی ظاہر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تجارتی سود سے وہی نقصانات پیدا ہوتے ہیں جو معمولی سود کے
اور ان دونوں کے درمیان امتیاز کرنا بھی درحقیقت گویا سود خوری کا دوسرا نام رکھکر اس کو جائز کرنے کے واسطے ایک

خودغرضی کا حیلہ ہے اصل میں خواہ قرض لینے والا تاجر ہو یا کاشتکار یا کوئی اور شخص ہو اس سے کوئی فرق نہیں آتا پس یہ ممانعت بالکل لغو ہے کہ ایک پیشہ والے سے سود لیا جاوے اور دوسرے سے نہیں ممانعت تو قرض دیئے ہوئے روپے پر مقررہ شرح سود کی ہونی چاہیئے اس بیان سے واضح ہے کہ کیوں اسلام نے ہر ایک قسم کے سود کو ناجائز ٹھہرایا ہے خرابی کی جڑھ یہی مقررہ شرح سود کی ہے کہ قرض لینے والے کو خواہ کیسا ہی نقصان ہو قرض کا روپیہ برابر بڑھتا رہتا ہے پس سود کے جواز کا یہ اثر ہے کہ انسانوں کا ایک فریق اور وہ فریق بھی ایسا جو اپنے ہم جنس کی طرف سے امداد کا محتاج ہے طاقت سے زیادہ بوجھ کے نیچے دب رہا ہے اور ایک دوسرا فریق اپنے حق سے بھی زیادہ پا رہا ہے شرح سود کی کمی بیشی جس پر جائز و ناجائز سود کے امتیاز کا انحصار ہے اس میں کوئی فرق نہیں ڈالتی اس بیہودہ امتیاز کا اگر کوئی فائدہ بتایا جاسکتا ہے تو یہ ہے کہ بھاری شرح سود سے زیادہ نقصان پہنچیگا مگر زیادہ سود لینے والا اسکے برخلاف یہ دلیل پیش کرسکتا ہے کہ بھاری شرح سود کی عیاش آدمی کو اندھا دھند قرض لینے سے روکے گی بالغرض اگر زیادہ شرح سود اور کم شرح سود میں کوئی فرق ہے بھی تو نقصان کی کمی بیشی میں ہے یعنی کمیت میں نہ کیفیت میں تجارتی سود کی ایک صورت بھی ہے جو اقسام مذکورہ کی طرح ہی نقصان دہ ہے وہ یہ کہ تجارتی معاملات میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مال خرید کردہ کی قیمت اسی وقت ادا نہیں کی جاتی ہے یا اسکا ادا کرنا ممکن نہیں ہوتا ایسی صورت میں سودی ہنڈیوں سے کام لیا جاتا ہے ایک سرسری نظر سے دیکھنے والا انسان خیال کریگا کہ ایسی صورت میں سود روا رکھنے سے بایع و مشتری دونوں کو سہولت ہوگی لیکن گہری نظر سے دیکھنے پر معلوم ہوسکتا ہے کہ ایسی صورت میں بھی کسی ممکن فائدہ کی نسبت نقصان بہت ہی زیادہ ہے اس صورت میں وہ نقصان تو بدستور رہا جو روپیہ قرض لینے کی صورت میں بیان کیا گیا ہے اور اسپر علاوہ یہ کہ اسکا اثر عوام تک بھی پہنچتا ہے ظاہر ہے کہ جس تاجر کو علاوہ قیمت مال کے سود بھی ادا کرنا پڑے گا وہ بوقت فروخت اپنے مال کی قیمت اسقدر زیادہ وصول کریگا جس سے سود کی رقم بھی پوری ہوجاوے اس صورت میں یہ نقصان ان لوگوں کو برداشت کرنا پڑیگا جو اسکا مال خریدینگے پس پبلک کا فائدہ تو اسی میں تھا کہ یا تو سود الگ قیمت پر ہوتا یا قرض بلا سود ہوتا پس جس پہلو سے دیکھا جاوے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ قرضہ کے سود سے خواہ تجارتی معاملہ کیواسطے ہو خواہ کسی دیگر غرض کیلئے بہ نسبت کسی ممکن فائدہ کے نقصان بہت ہی زیادہ ہے۔

اب معلوم ہوگیا کہ کیوں اسلام نے سود کی حرمت کو نہایت رنگ دیا ہے سود خواہ کسی صورت میں لیا جاوے۔ یہ ایک ایسی خرابی ہے جو انسانی ترقی کی سد راہ ہے نہ صرف اخلاقی و روحانی حیثیت سے بلکہ دنیاوی لحاظ سے بھی۔ کیونکہ انسانی ترقی کا یہ منشا نہیں ہے کہ معدودے چند اشخاص غیر معمولی طور پر دولت مند ہوجاویں بلکہ یہ مدعا ہے کہ تمام مسلمانوں کی عام حالت جن میں غربا بھی داخل ہیں بہتر ہوجاوے اسلئے اسلام کا پیغام صرف یہی نہیں تھا کہ سود خوری کی صرف ممانعت بیان کردیوے بلکہ اس بڑی خرابی کی نسبت اپنے پیرودں کے دلوں میں ایک نفرت بٹھانا تھا۔ کیونکہ جب تک ایسا نہ کیا جاتا۔ تو قانون کی گرفت کے بچنے کے واسطے ہزاروں حیلے تراشے جاسکتے تھے جیسا کہ عیسائی

مذہب کے حال سے روشن ہے اسی وجہ سے قرآن مجید نے جیسا کہ میں آئندہ بیان کرونگا سود کی حرمت بڑے پُرزور الفاظ میں بیان کی ہے کیونکہ اگر اس خرابی کا نقصان پورے طور پر ذہن نشین نہ کیا جاتا تو سود پر قرضہ دینے کی محض ممانعت اسکے انسداد کے واسطے کافی مؤثر نہ ہوتی اگر سود کی ممانعت صرف سول قانون کی شکل میں ہوتی تو ایسے قانون کو بالائے طاق رکھنے کیواسطے کئی حیلے بہانے پیدا ہو جاتے اور کچھ ایسے قانون کی خلاف ورزی کی سزائیں بجائے سودخوری کو روکنے کے اور بھی اس خرابی کے پھیلنے کا باعث ہوتیں اسلئے اسلام نے سودخوری کو قانوناً ممنوع ٹھہرانے پر ہی بس نہیں کی بلکہ اسکی حرمت کو ایسا ہی دین کا جزو قرار دیا ہے جیسا کہ قماربازی شراب خوری یا لحم خنزیر کھانے کی حرمت کو یہی وجہ ہے کہ اسلام میں آجتک سودخوری سے وہی نفرت ہے جو سور کھانے سے اور حسن اتفاق سے ان ہر دو ناموں یعنی سود اور سور میں ایسی مشابہت لفظی ہے کہ ایک کے ذکر سے جھٹ دوسرے کا خیال بھی آجاتا ہے اسی بنا پر جب کسی مسلمان کی نسبت معلوم ہو جاوے کہ وہ سود کھاتا ہے تو مسلمان کہا کرتے ہیں کہ وہ سور کھاتا ہے اس طور پر مذہب اسلام سود کی نفرت مسلمانوں کے دلوں پر جمانے میں کامیاب ہوا ہے اس کا نیک اثر اس ہمدردی سے معلوم ہو سکتا ہے جو مسلمانوں کو اپنے غریب بھائیوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ مسلمان مالک زمین نے اپنے کاشتکاروں کا مالیہ فصل کے نہ ہونیکی صورت میں معاف کر دیا لیکن سود لینے والے کا یہ حوصلہ کبھی نہیں ہو سکتا بلکہ وہ اپنے سود در سود کی رقم کو پورا کرنے کے لئے ہر طرح کے ظلم اور بیرحمی کا مرتکب ہوتا ہے یہانتک کہ اگر اسکو معلوم ہو کہ اسکے بھوکے قرضدار کو صرف ایک ہی لقمہ خوراک کا ملا ہے تو وہ اسے چھیننے میں تامل نہیں کریگا اور نہ ہی سخت سے سخت مفلس کو ایک کوڑی بھی چھوڑنے کا روادار ہوگا یہ نمایاں فرق جو دو پاس پاس رہنے والی قوموں کی ہمدردی کی صفت میں پایا جاتا ہے وجہ سودخوری کی تاثیر کے ہی ہے الغرض اسلام کا مدعا صرف سودخوری کی ممانعت ہی نہ تھا کیونکہ ایسی ممانعت کو تنگدل دنیا پرست چالاکی کے حیلوں سے ٹال سکتے تھے) بلکہ ساتھ ہی یہ غرض بھی تھی کہ انسانوں میں ہمدردی کا اعلیٰ جوش پیدا کرے جو صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ سودخوری سے سخت نفرت ہو یہ مدعا سودخوری کی حرمت کو مذہبی رنگ دینے سے ایسی خوبی سے حاصل ہو گیا کہ مسلمانوں کو سودخوری سے آجتک نفرت چلی آتی ہے اور کوئی مسلمان کھلم کھلا اس کی خلاف ورزی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا ہے اس پاک انسان کی روحانی طاقت کیسی اعلیٰ اور اس کی اخلاقی تاثیر کیسی زبردست تھی جس نے ایک ہی اشارہ سے ان راسخ شدہ خرابیوں کو قطعہ دنیا سے محو کر دیا۔ اللھم صل وسلم علیہ

مسلمان اگر اس اعلیٰ درجہ کی کامیابی پر فخر کریں تو بجا ہے کہ اسلام نے انکی قوم میں سے سودی قرضہ دینے کی بدرسم کی بیخکنی کر دی ہے جبکہ یہ خرابی آجکل کی بڑی سے بڑی مہذب اقوام میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہے لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ مہذب اقوام اس بدرسم کے نقصانوں سے بیخبر ہیں ان کے بڑے بڑے اہل الرائے جب سوسائٹی کی ایسی کامل حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں جیسے کہ ان کا دل چاہتا ہے کہ انکی اپنی سوسائٹی ہو۔ تو سود کی ممانعت

ممانعت کی ضرورت کو تسلیم کر چکے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی انسانی سوسائٹی مکمل ہونیکا دعوے نہیں کر سکتی جہاں مقررہ شرح سود پر روپیہ دینے کی بد رسم جاری ہو۔ مسٹر ولز کی حال ہی کی تصنیف ماڈرن یوٹوپیا میں جہاں ایک ایسی سوسائٹی کی حالت بیان کی ہے جسمیں انسانی ضروریات کے تمام پہلو پائے جاویں اور یوں اسکو نہ صرف مکمل ہونیکا بلکہ عملی ہونے کا امتیاز بھی حاصل ہو اس موقع پر فاضل مصنف حالت سیاست مدنی فرضی ملک یوٹوپیا کے بیان میں یوں رقمطراز ہے "ہمکو اس امر میں شک ہے کہ آیا یوٹوپیا کے لوگ خاص قسم کے حصص کو پسند کریں گے یا اجراے سکہ کاغذی کو اور خصوصاً یہ کہ آیا سود خوری یعنی مقررہ شرح سود پر قرضہ دینے کی یوٹوپیا میں اجازت بھی ہوگی یا نہ"

اس بیان سے دو بڑے نتیجے نکلتے ہیں اول تو یہ کہ مغربی ممالک کے مصنفین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حال کی مہذب اقوام میں جواز سود بڑا نقص ہے اور یہ کہ سوسائٹی کی اعلیٰ حالت کے شایاں نہیں ہے دوئم اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ تعریف سود خوری کی جو سابقہ تعریف کی جگہ اختیار کی گئی ہے محض بے دلیل ہے کیونکہ اس برائی کی جڑھ تو صرف مقررہ شرح سود پر روپیہ دینے میں ہے نہ کہ اس شرح سود کی کمی بیشی میں یا قرض لینے والے کی حالت کی وجہ سے ایک اور موقع پر اپنی کتاب کے نویں فصل میں جو سود خوری کے بیان میں ہے مصنف مذکور لکھتا ہے کہ "ابتدا میں سمورائی (یہ اس فرضی ملک یوٹوپیا کے باشندوں کا نام ہے) لوگوں کو سود خوری یعنی مقررہ شرح سود پر روپیہ قرض دینے کی ممانعت تھی اب بھی انکو وہی ممانعت ہے لیکن چونکہ ہمارے تجارتی قوانین سود خوری کو بالکل ممنوع ٹھہراتے ہیں اور نہ ہمارا قانون غریب لوگوں کو اپنی آسایش کے لئے سودی معاہدے کرنیکی اجازت دیتا ہے اسلئے اب سود کی ممانعت کی ضرورت بھی نہیں رہی اہل یوٹوپیا کے نزدیک بات بڑی مکروہ ہے کہ کوئی شخص نکما رہ کر اور ایک مفلس مقروض کو معرض خطر میں ڈالکر زیادہ دولتمند بنے اور اب ہمارے احکام اس بات پر بخوبی زور دیتے ہیں کہ قرضخواہ قرضدار کے نفع و نقصان دونوں میں شریک ہو" اس بیان کی صداقت میں کسی معقول پسند آدمی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے دولت مندی بڑائی کا معیار نہیں ہے اور نہ قوم کے بعض افراد کا دولت جمع کرنا اس قوم کی اقبالمندی کی نشانی ہے دنیا پرستی کے خیالات نے عیسائی سوسائٹی کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے کہ دولت جمع کرنے کے وسائل ہی سچی خوشی کے وسائل ہیں اس سوسائٹی کے ہر فرد کا اصلی مدعا یہ ہوتا ہے کہ کیونکر دولتمند ہو اور اسی لئے سود خوری کا نام جائز سود رکھکر اسکو قانوناً روا کر لیا ہے لیکن ایسے خیالات سوسائٹی کی اعلیٰ حالت کے مناسب نہیں ہیں کیونکہ ان سے خود غرضی اور سخت دلی پیدا ہوتی ہے۔ سوسائٹی کی اعلیٰ حالت کا نقشہ پیش کرتے وقت مسٹر ولز کہتا ہے "دولت ہرگز کوئی طاقت نہیں ہے جبتک کہ تم خود اسے طاقت نہ بنالو اگر تمہاری دنیا میں یہ طاقت سمجھی جاتی ہے تو بیعقلی کی وجہ سے ہے دولت ایک گورنمنٹ کی ساختہ چیز ایک معاہدی بات اور سب سے بڑھکر مصنوعی طاقت ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اپنی دنیا میں آرام، حرکت، ہر قسم کی آزادی بلکہ زندگی کو بھی قابل خرید و فروخت بنا دیا ہے بس تم بڑے ہی بیعقل ہو ایک غریب محنت کرنیوالا شخص تمہارے نزدیک مصیبت اور خوف میں ہے یہ کوئی جائے تعجب نہیں کہ تمہارے دولتمندوں کے پاس طاقت ہے لیکن یہاں ہر شخص معقول آرام و شایستہ زندگی بغیر اپنے آپکو دولتمند

کے پاس پہنچنے کے بآسانی حاصل کرسکتا ہے۔" یہ ایک ایسی سوسائٹی کا نقشہ ہے جو اسلام کے سچے اصولوں کا پابند ہو کر بن سکتی ہے اور اس سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال فراست اور اعلیٰ فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ آپ نے دنیا میں ایک ایسی سوسائٹی کی بنا رکھی جو بڑے سے بڑے ترقی یافتہ اہل الرائے کی اعلیٰ سے اعلیٰ خواہشوں کے مطابق ایک پوری اعلیٰ سوسائٹی کا نقشہ ہے ذیل کے اقتباس کو اگرچہ مضمون زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو ایسی پاکیزہ سوسائٹی کا کتنا شوق ہے جس کی بنا تیرہ سو سال ہوئے مذہب اسلام نے مسلمانوں میں قائم کی سمورائی یعنی یوٹوپیا کے باشندوں کی نسبت مسٹر ولز اس طرح لکھتا ہے کہ "ناٹکوں کے تماشے کرنے راگ اور مشاعرے کرنے کی ان کو ممانعت ہے۔ اگرچہ تقریریں کرنی یا بحث مباحثہ کا انکو اختیار ہے لیکن سوانگ بھرنے کا پیشہ کسی مرد یا عورت کیواسطے صرف ایک ذلت کی بات ہی نہیں بلکہ اس سے روح کمزور اور فاسد ہوتی ہے۔ بیوقوفی کی یہانتک نوبت پہنچتی ہے کہ دل جھوٹی تعریف کا خواہاں ہو جاتا ہے۔ اور عمدہ اوصاف کی بھونڈے پیرایہ میں جھٹ پٹ نقل اتارنے میں حد سے زیادہ مہارت ہو جاتی ہے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ ناٹکوں میں حصہ لینے والے مرد اور عورتیں سب کے سب کمینہ رذیل اور جھوٹے لوگ ہوتے ہیں۔" غرضیکہ خواہ تعصب کچھ عرصہ تک کیسی ہی مشکلات اشاعت اسلام کی راہ میں ڈالے اب صاف صاف نظر آرہا ہے کہ اسلام کے اصولوں کو تسلیم کرنیکے واسطے دنیا تدریجی ترقی کر رہی ہے۔

عیسائی ممالک میں ایک فریق کے دولتمندی میں بڑھتے جانے اور دوسرے فریق کے افلاس میں ترقی کرتی جانے نے مغربی عقلا کو بھی بہت فکر مند کیا ہوا ہے اور دولت کی اس غیر مساوی تقسیم کے متعلق بہت سی تجاویز ہیں جن میں سے بعض قابل عمل ہیں اور بعض بالکل ناممکن آئے دن رسالوں اور کتابوں میں بحث ہوتی رہتی ہے مختلف ممالک کا سرمایہ یوماً فیوماً تھوڑے سے اشخاص کے قبضہ میں آرہا ہے اس سے اب سوشلزم یعنی انسانی مساوات کی طریقہ کی تحریک پیدا ہوئی ہے جو خواہ کیسی ہی ناممکن ہو مگر اس سے اتنا پتہ لگتا ہے کہ اب دولت کی اس قسم کی تقسیم کی طرف خیالات جھک رہے ہیں جو مساوی نہ ہو تو کم از کم بہت غیر مساوی بھی نہ ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ بعض لوگ کروڑ ہی بچادیں اور انکے دیوار بدیوار رہنے والے ہمسائے نان شبینہ کے بھی محتاج ہوں مفلسوں اور بیکاروں کی تعداد روز مرہ بڑھ رہی ہے اور بیشمار روپیہ اس قسم کے لوگوں پر خرچ ہوتا ہے ان خرابیوں کے تدارک کے اسلام نے تین طریقے بتائے ہیں جن پر کاربند ہونے سے دولت کی تقسیم جہانتک انسانی حالات کو مدنظر رکھکر ممکن ہے برابر نسبت سے عمل میں آسکتی ہے کیونکہ پوری پوری مساوات تو بالکل ناممکن ہے۔ یہ تین قسم کے علاج ان اصولوں میں داخل ہیں جو اسلام نے صدقات و حرمت سود و تقسیم میراث کے قانون کے متعلق بیان کئے ہیں ان میں سے ہر ایک مضمون پر علیحدہ بحث کی ضرورت ہے لیکن صدقات کے اصول جنکی اسلام تعلیم دیتا ہے اور حرمت سود کا ایکدوسرے سے بہت تعلق ہے اور اسی وجہ قرآن مجید نے دونوں کا یکجا ذکر کیا ہے۔

حرمت سود کے مضمون کی تمہید میں قرآن شریف صدقات کے فوائد و برکات کا بیان کرتا ہے چنانچہ فرمایا ہے مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضعف لمن یشاء واللہ واسع علیم ۝ الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۝ ومثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ وتثبیتا من انفسھم کمثل جنۃ بربوۃ اصابھا وابل فاٰتت اکلھا ضعفین فان لم یصبھا وابل فطل واللہ بما تعملون بصیر ۝ (البقرہ رکوع ۳۵) "جو لوگ اپنے مال خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانہ کی مانند ہے جس میں سات بالیاں لگیں اور ہر بالی میں سو دانہ ہو۔ اور خدا تعالیٰ جسکو چاہتا ہے کئی گنا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا دینے والا اور جاننے والا ہے جو لوگ اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور پھر جو کچھ انہوں نے خرچ کیا اسکے بعد کسی طرح کا احسان نہیں جتاتے اور نہ ایذا ہی دیتے ہیں وہ خدا کے ہاں اپنا اجر پائیں گے اور نہ انکو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے اور جو لوگ خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنیکے لئے اور اپنی ثابت قدمی سے اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک باغ کی مانند ہے جو پہاڑ پر ہو جہاں عمدہ بارش ہوتی ہو تو وہ دو چند پھل دیتا ہے اور اگر بھاری بارش نہ ہو تو اس کو ہلکی پھوار ہی کافی ہوتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسکو دیکھ رہا ہے۔"

اور جو چیز خیرات میں دینی چاہئے اسکے متعلق یوں بیان فرماتا ہے یایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باٰخذیہ الا ان تغمضوا فیہ واعلموا ان اللہ غنی حمید (البقرہ۔ رکوع ۳۶) "اے مومنو اپنی عمدہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے اپنی کمائی سے حاصل کی ہیں اور جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیں اور ایسی بری چیز کے دینے کا ارادہ نہ کرو جو تم خود کبھی بغیر آنکھ بند کئے نہیں لے سکتے۔"

جو لوگ صدقات دئے جانیکے مستحق ہیں ان کے بارہ میں یوں ارشاد ہے للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیماھم لا یسئلون الناس الحافا وما تنفقوا من خیر فان اللہ بہ علیم (البقرہ رکوع ۳۶) صدقات ان غیر مستطیع لوگوں کو دینے چاہئیں جو خدا کی راہ میں روکے گئے ہیں (اور تلاش معاش یا تجارت کے لئے ملک میں سفر نہیں کر سکتے چونکہ وہ حیا کے باعث سوال نہیں کرتے ناواقف انکو دولتمند خیال کرتا ہے تو اس علامت سے انکو پہچان لے گا کہ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے اور جو مال تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ تو اسکو جانتا ہی ہے۔"

یہ تمام مضمون قرآن شریف میں حرمت سود کے احکام کی تمہید کے طور پر آیا ہے اس میں صدقات کی تاکید

کی گئی ہے اور اسکو اعلیٰ درجہ کے برکات کا باعث کہا گیا ہے کبھی اسکی تمثیل ایک بیج بونے سے دی ہے جس کے ایک ایک دانے کا پھل سات سات سو دانہ ہوا اور کبھی اسکو ایک باغ سے مشابہت دی ہے جو دو چند پھل دیوے پھر صدقات میں ایسی چیزوں کے دینے کی ہدایت کی ہے جو عمدہ ہوں اور خود مالک کی نظر میں پیاری ہوں جیسا کہ دوسری جگہ بھی آیا ہے "تم ہرگز کمال نیکی کو نہیں پا سکتے تا وقتیکہ اپنی پیاری چیزیں خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو" (آل عمران رکوع ۱۰) قرآن شریف کا یہ حکم کہ ہمکو اپنی پیاری چیزیں اپنے ہمجنسوں کی خاطر ایثار کردینی چاہئیں انسان کے دل میں سچی ہمدردی پیدا کرنے کا بڑا زبردست آلہ ہے یوں تو ہر ایک مذہب میں غربا مصیبت زدگان کو خیرات دینے کا حکم ہوتا ہے بلکہ جنکا کوئی مذہب نہیں ہے وہ بھی اپنے ہمجنسوں کو خیرات دیتے ہیں لیکن یہ تعلیم اسلام کے ساتھ ہی مخصوص ہے کہ انسانکو اپنی پیاری اغراض اپنے بھائی پر قربان کردینی چاہئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے انسانی فطرت کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے اُس نے دیکھا کہ یہ انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی اپنے ہم جنس کو مصیبت میں دیکھے تو اسے اُسپر رحم آتا ہے اور ایسے موقع پر طبعاً وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ ہو سکے اسکو دوں یہ آسان بات ہے کہ جبتک کسی کو خود کوئی تکلیف نہ معلوم ہو۔ وہ خیرات دے سکتا ہے بلکہ انسان تو انسان حیوان بھی جب اپنے کسی ہم جنس کو تکلیف میں دیکھیں تو اس پر رحم کرتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ کوئی شخص اس قسم کی خیرات تو گاہے گاہے دیتا ہو پھر بھی اسکے دل میں خود غرضی کا مادہ غالب ہو اور وہ سچی ہمدردی سے بالکل بے بہرہ ہو ایک لاکھ پتی کے واسطے خواہ وہ عیسائی ہو یا یہودی ہو یا ہندو ہو یا دہریہ محتاجوں اور بے روزگاروں کی امداد کی خاطر کچھ روپیہ دیدینا بڑا مشکل نہیں ہے لیکن وہ کبھی اس سود کو نہیں چھوڑیگا جو روپیہ پر اسکو ملتا ہے لیکن قرآن شریف نے سب سے پیاری چیزیں خرچ کرنیکا حکم دیکر مسلمانوں کو اس بات کے واسطے تیار کردیا کہ خواہ ان کا کیسا ہی پیارا کوئی مطلب ہو اپنے ابنائے جنس کی خاطر ترک کردیں جب وہ اپنے ابنائے جنس کی خاطر اپنی پیاری اغراض قربان کرنیکو طیار ہو گئے تو ان کو سود خوری سے باز رہنے کا حکم دیا گیا اگرچہ یہ عجیب معلوم ہو گا مگر بات یہی ہے کہ قرضہ پر سود کے چھوڑنے کی نسبت اپنی گرہ سے کچھ دیدینا آسان ہوتا ہے شاید اسکی یہ وجہ ہے کہ آخری صورت میں ناموری کے خیال سے دلکو تسلی ہو جاتی ہے اور پہلی صورت میں چونکہ اصل رقم صرف قرضہ ہوتا ہے سود کا چھوڑ دینا کوئی بڑا احسان نہیں معلوم ہوتا اس وجہ پر نیز دیگر ایسی وجوہات پر قرآن شریف سود کے مضمون سے پہلے صدقات پر بہت زور دیتا ہے اور اسطرح پر وہ بھاری حکم دینے سے پہلے دلونکو ایسے بڑے علو ہمتی کے کام کے قبول کرنیکے واسطے تیار کرتا ہے

حرمت سود کے مضمون کا تعلق صدقات و خیرات کیساتھ ظاہر کرکے قرآن شریف نے ان بڑے نقصانوں کا ذکر کیا ہے جو سود خوری کی وجہ سے انسان کو ہوتے ہیں جسطرح خیرات دینے سے دل کشادہ ہوتا ہے اور وسیع ہمدردی کے مادہ کے قابل ہو جاتا ہے اسی طرح سود خوری سے نفس پرستی خود غرضی اور دنیا پرستی کے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور کئی ایک بدیوں کی تخم ریزی ہو جاتی ہے جو انسان کو اخلاقی حالت سے گرا دیتی ہے اصلی بڑائی دولتمندی اور روپیہ کمانے میں نہیں ہے بلکہ اعلیٰ اخلاق کے حاصل کرنے میں ہے۔ جو

سود خوری سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی جہاں ایک فیاض آدمی اپنے مصیبت زدہ ہم جنسوں کی امداد کرتا ہے سود خور پیسہ پیسہ تک اُن سے چھین لیتا ہے اور اس طرح انکو مفلس بنا کر اُن سے ایسے جرائم و مجرمانہ حرکات کا ارتکاب کراتا ہے جن سے وہ اپنی معاش حاصل کرتے ہیں لیکن خیرات دیکر انسان اپنے ہم جنسوں کو بہت سے جرائم کے ارتکاب سے بچاتا ہے جو بوجہ افلاس کے ان سے سرزد ہوتے ہیں مثلاً چوری سرقہ بالجبر ڈاکہ زنی یا کسبیوں کا پیشہ اور ایسے دیگر خوفناک جرائم جو انسانی ترقی کے کمال کی حالت تک پہنچنے میں سدراہ ہیں علاوہ اسکے اگرچہ سود خور قرض دیکر قرضدار کیساتھ دکھانے کو ہمدردی ظاہر کرتا ہے لیکن اصل میں اسکا دلی منشا اسکو بالکل تباہ کرنے کا ہوتا ہے کیونکہ وہ کبھی اپنا قرضہ ادا کرنیکے قابل نہیں ہوگا اور یہ قرضہ برابر بڑھتا جائے گا خواہ مقروض کو اس روپے کے استعمال سے فائدہ ہو یا نہ ہو پس جو شخص سود پر روپیہ دیتا ہے وہ نتیجہً تمام اعلیٰ اوصاف سے بے بہرہ ہو جاتا ہے کیونکہ بڑے سے بڑا مدعا جو اسکو مدنظر ہوتا ہے روپیہ کمانا ہی ہوتا ہے اور انسانی ہمدردی کے اعلےٰ اوصاف اسکے اصلی محرکات میں نہیں ہوتے خیرات دینے والا آدمی تو دوسروں کی بہبودی کے لئے محنت کرتا ہے لیکن سود خور نکما رہ کر اوروں سے لیتا ہے علاوہ تنگدلی کے جو سود خوری کا پہلا نتیجہ ہے بیکاری اور خرچ کرنیکے لئے بہت مال پاس ہونے سے بہت ہی بدنتائج پیدا ہوتے ہیں۔

یہ تو ان نقصانوں کا بیان ہوا جو سود خوری سے فرداً فرداً ہر شخص کو اور پھر ان کے ذریعہ سوسائٹی کو ہوتے ہیں لیکن اس کے علاوہ سوسائٹی پر جو بد اثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قوم کا روپیہ رفتہ رفتہ تھوڑے اشخاص کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے اور باقی سب رفتہ رفتہ نادار ہو جاتے ہیں اور انکے ہاتھ میں اتنا بھی نہیں رہتا کہ وہ دیانت داری اور شایستگی سے زندگی بسر کر سکیں اسی خرابی کا استیصال قرآن شریف کی تعلیم صدقات کا عین مدعا ہے اور یہی خرابی ہے جسکی وجہ سے اسقدر سوسائٹیاں تباہ ہوئیں یہ بھی یاد رہے کہ صدقات کا دینا مسلمانوں میں ایک لازمی امر قرار دیا گیا ہے جو شخص قرضدار نہ ہو اور مالک نصاب ہو یعنی ایک مقررہ حد تک مال رکھتا ہو اسپر اپنے مال کے موافق زکوٰۃ دینا واجب ہے اور جو روپیہ اس طور پر جمع ہو وہ محل خیرات پر خصوصاً غربا کی امداد میں خرچ کیا جاتا ہے گویا روپیہ دولتمندوں سے لیکر جن کے پاس زائد ہوتا ہے غربا کو دیا جاتا ہے جنکے پاس نہیں صرف یہی ایک تدبیر ہے جو مہذب سوسائٹیوں کے افلاس کو بڑھنے سے آخرکار روک سکتی ہے کیونکہ یہی سوشلزم و انڈیویجوئلزم کے

✝ سوشلزم (Socialism) اصطلاح پولٹکل اکانومی یعنی علم تدبیر معاشرت کی ہے جس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ سوسائٹی کے قابل کار افراد اپنی اپنی طاقت کے موافق کام کریں لیکن بجائے اپنی ہمت کا صلہ پانیکے ہر شخص کو مشترکہ سرمایہ میں سے اسقدر دیا جاوے جو اسکے اور اسکے اہل و عیال کے گذارہ کو کافی ہو مدعا یہ ہوتا ہے کہ دولتمندی و غریبی کا فرق اٹھ جاوے اور کوئی شخص بھی کسی ذاتی جایداد کا مالک نہ سمجھا جاوے۔

انڈیویجوئلزم (Individualism) سے یہ مراد ہے کہ ہر شخص اپنی ذاتی جایداد کا مالک سمجھا جاوے اور اسکے مال میں غربا کا حق کوئی نہ سمجھا جاوے۔

لیکن اس مضمون پر علیحدہ بحث کی ضرورت ہے۔ یہاں میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صدقات کے واجب ٹھہرانے میں جو مدعا قرآن شریف کے مدنظر تھا وہ کبھی حاصل نہ ہوتا اگر سودخوری یعنی مقررہ شرح سود پر قرضہ دینے کی رسم کا قلع قمع نہ کیا جاتا اس امر کی صداقت اور بھی واضح ہوجاتی ہے جب ہم موجودہ مہذب سوسائٹیوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ جہاں جواز سود کی رسم بعض کو نو لاکھ پتی بنا دیتی ہے لیکن باقی تمام افراد کو افلاس کا منہ دکھاتی ہے مشرقی ممالک کے لوگ سمجھے بیٹھے ہیں کہ مغربی ممالک کی سوسائٹیاں بڑی دولتمند ہیں یہ بات ٹھیک تو ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ سوسائٹیاں بحیثیت مجموعی خوشحال بھی ہیں دولت تو بہت ہے لیکن ساری معدودے چند سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے اور جوں جوں زیادہ دولتمند بنتے جاتے ہیں باقی تمام دن بدن غریب ہوتے جاتے ہیں سچی خوشحالی کی یہ بالکل علامت نہیں ہے مسٹر ڈبلیو جی کری نے اخبار ٹروتھ سیکر میں ایک مضمون سوشلزم کی مخالفت کرنیوالوں کے متعلق لکھا ہے اسمیں وہ لکھتا ہے کہ "سرمایہ داروں کی اقبال مندی سے یہ مراد ہے کہ بہت سا روپیہ کاروبار میں لگایا گیا ہے اور اسپر بڑا منافع ادا ہوتا ہے لیکن اصل میں اسکے یہ معنے ہیں کہ روپیہ کمانیوالوں کے ہاتھ سے روپیہ نکلکر سرمایہ داروں کے ہاتھ میں جا رہا ہے تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر بابل اور ایران کو تب ہی زوال آیا جبکہ صرف اٹھارہ سو اشخاص اس وقت تک معلومہ دنیا کے مالک رہ گئے۔ ستر سال گذرے کہ امریکہ میں کوئی لاکھ پتی نہیں تھا اور اسوقت وہاں افلاس کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا اسوقت اس ملک میں آٹھ ہزار (۸۰۰۰) لاکھ پتی ہیں جنمیں سے بعض کے پاس کروڑہا روپیہ ہے۔ اور مفلسوں کی تعداد کوئی پچاس لاکھ ہے دراصل اسوقت تین لاکھ پچاس ہزار اشخاص ہیں جو قوم کی دولت کے مالک کہے جاسکتے ہیں۔" اور دوسری طرف فریڈرک پریبن کی رپورٹ کے بموجب "روپیہ کمانے والوں میں سے نوے (۹۰) فیصدی ایسے ہیں جنکا اپنا گھر بھی کوئی نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی چیز ہے جو کچھ قیمت کی ہو سوا اس حد سے بڑھکر ہے جو ایک چھوٹی سی گاڑی میں رکھی جاسکیں" کہا جاتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ میں ایک کروڑ سے زیادہ مفلس ہیں اور اس ملک کی کل آبادی بموجب مردم شماری سنہ ۱۸۹۰ء کہ چھ کروڑ بیس لاکھ سے کچھ ہی زیادہ ہے بیس لاکھ بچے اور پچاس لاکھ عورتیں صرف پیٹ کے گذارہ کیواسطے مزدوری میں لگے ہوئے ہیں پنسلوینیا کے کوئلہ کی کانوں میں... ہم پہنچے کام پر لگے ہوئے بیان کئے جاتے ہیں جن میں سے صرف ... چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ہیں۔ مسٹر کری لکھتا ہے "تمام زمین جو کسی قیمت والی تھی۔ متمول اشخاص نے بھاری بھاری منافع کی امید پر خرید کرلی ہے۔ بموجب قوانین عطائے اراضی دو کروڑ چالیس لاکھ ایکڑ اراضی ٹکساؤں میں صرف دو جماعتوں کے قبضہ میں ہے اب اگر بنجر زمین بھی مل سکے تو اسکو آباد کرنے کے لئے واقفیت روپیہ اور وقت درکار ہے جو افلاس زدگان کو کہاں میسر ہوسکتا ہے اس ملک میں صرف دس فیصدی ایسے لوگ ہیں جنکا کوئی اپنا گھر ہے اور ریاستہائے متحدہ کی آباد اراضی میں سے نصف سرمایہ دار مالکان زمین کے ہاتھوں میں ہے۔ اور باقی میں سے بہت بڑا حصہ رہن ہے اگر یہی ترقی کی یہی صورت رہی تو تھوڑے ہی عرصہ میں امریکہ کے چھوٹے چھوٹے خود کاشت مالکان اراضی کا تعلق ملکیت زمین سے منقطع ہوجائیگا جیسا کہ آئرلینڈ کے کاشتکاروں کا حال آجکل ہے۔"

صرف امریکہ میں ہی سود خوری کے بدنتائج سے یہ حال نہیں ہو رہا بلکہ یورپ میں بھی یہی حال ہے برطانیہ کی نصف زمین کے مالک صرف ۲۵۰۰ اشخاص ہیں اور کل آبادی میں تیس فیصدی اشخاص کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا ہے تمام قومی سرمایہ صرف پچاس لاکھ اشخاص کی ملکیت ہے اور باقی تین کروڑ بیس لاکھ آبادی کو مزدوری پر کام ملنے کے واسطے انہیں کے ہاتھ تکنے پڑتے ہیں ہندوستان کا اس سے بھی ابتر حال ہے سود خوری کے باعث بہت ساری زمین غریب کاشتکاروں کے ہاتھ سے نکلکر قرض پر روپیہ چلانیوالے بنیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے اور گورنمنٹ نے اس خرابی کے اصل منبع کو روکنے کا علاج تجویز کرنے کی بجائے انتقال اراضی کو محدود کر دیا ہے جس سے کاشتکاروں کی تکالیف کے دور کرنے میں تو کوئی امداد نہیں ملی ہاں حریص بنیا کو زمین ملنی بند ہو گئی لیکن اصل میں جس تجویز سے کاشتکاروں کی تکالیف دور کرنے میں مدد مل سکتی ہے وہ یہی ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے قرضہ کے بنک کھولے جاویں اور تنگی کے ایام میں جب فصل سر پر کچھ حاصل نہ ہو یا مویشی وبا سے مرجاویں تو چھوٹے چھوٹے زمینداروں کو جنکا گذارہ محض اپنی زمین پر موقوف ہے بلا سود قرضہ دیا جاوے لیکن جبتک ایسی کوئی تجویز نہ کی جاویگی صرف سود کی بھاری شرح کی ممانعت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا ساہوکاروں کو ایسے قانون سے بچنے کی چالاکیاں آتی ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایکسو روپیہ کا قرضہ جو دو یا تین سال بعد واجب الادا ہو تمسک میں پہلے ہی دوسو روپیہ لکھوایا جاتا ہے اور عدالت کو اصل واقعات کا علم کبھی حاصل نہیں ہوتا تنگی کے ایام میں زمیندار کو کم شرح پر سود ادا کرنا بھی مشکل ہوتا ہے اور گورنمنٹ کا فرض ہے کہ جب زیادہ تر حصہ آمدنی کا کاشتکاروں سے حاصل ہوتا ہے تو مصیبت کے وقت انکی امداد کے واسطے فوراً کوئی مناسب تجویز بھی کیا کرے۔

اب ہم قرآن شریف کی ان آیتوں کو بیان کرتے ہیں جن میں سود کی ممانعت کا ذکر ہے ال ہیں ظاہر اور پوشیدہ صدقات دینے کے بعد ہی یہ آیت ہے الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس (البقرہ رکوع ۳۸) یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوتے مگر جیسے کہ وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جو مس شیطان سے مخبوط الحواس ہو گیا ہو۔ قرآن مجید میں اسجگہ لفظ ربوٰ کا آیا ہے اور اسپر بہت بحث مباحثہ ہوا ہے کہ اس آیت میں اس سے کیا مراد ہے اسکے لفظی معنے بڑھوتی یا زیادتی ہے لیکن رواجاً اس سے وہی مراد ہے جو ابتداً سود خوری سے مراد ہوتی تھی یعنی اسکے معنے ہیں قرضہ پر سود جیسا کہ اسی آیت کے بعد کی تیسری چوتھی آیت سے ظاہر ہوتا ہے جہاں صاف صاف الفاظ ربوٰ اور راس المال کے آئے ہیں جن سے سود و اصل مال مراد ہے علاوہ ازیں آیت متذکرہ بالا میں ربوٰ اور تجارت کے منافع کا فرق خود ربوٰ کے معنوں کو ظاہر کر رہا ہے کیونکہ دوسرے حصہ آیت مذکورہ میں یہ مطلب ہے کہ "خدا تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربوٰ (یعنی سود خوری) کو حرام" اس سے ظاہر ہے کہ اس آیت میں سود کی حرمت بیان کرنے سے قرآن شریف کا مدعا اس رسم کے استیصال کا ہے جو مقررہ شرح سود پر قرضہ دینے کے بارہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں بھی ایسی ہی پھیلی ہوئی تھی۔ جیسے کہ دیگر تمام ممالک میں۔ اس آیت میں ایک اور امر بہت ہی توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص سود پر قرضہ

دیوے اسکی مثال ایسے شخص سے دیگئی ہے جو مس شیطان سے گر گیا ہو یا دیوانہ ہو گیا ہو دا اصل الفاظ سے دونوں معنی نکل سکتے ہیں) قرآن شریف نے اس ایک ہی لفظ میں سود خوری کے تمام بدنتائج جتلا دیئے ہیں اور یہ اس پاک کتاب کا خلاصہ ہے کہ اکثر موقع پر ایک ہی لفظ میں ایک لمبے مضمون کا فلسفہ بیان کر دیتی ہے یہاں کہا گیا ہے۔ کہ سود خور کبھی سیدھا نہیں کھڑا ہو سکتا بلکہ جب وہ کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے تو پھر گر پڑتا ہے۔ سود خوری کے ذریعہ دولت کے بڑھانے کی خواہش کو مس شیطان سے مشابہت دیگئی ہے جسکے باعث انسان زمین پر جھکا رہتا ہے یعنی بالکل زمینی ہو جاتا ہے اور آسمان سے اسکا کوئی تعلق نہیں رہتا سود خور ہر وقت اور ہر آن اسی غم اور فکر میں غرق رہتا ہے۔ کہ کسطرح اسکی دولت بڑھے اسی لیے وہ حد سے زیادہ زمین کی طرف جھکا ہوا ہے اور انسانی زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی خواہش اسکے دل میں پیدا ہی نہیں ہو سکتی وہ خود چونکہ گرا ہوا ہوتا ہے اسلئے اپنے ابنائے جنس کی بھی کوئی امداد نہیں کر سکتا وہ اسی دنیا کی خواہشات کے پیچھے دیوانہ بنا ہوا ہوتا ہے۔ اور اعلیٰ اور پاکیزہ خیالات سے بے بہرہ ہوتا ہے شیطان سے مراد دنیا داری ہے اور اس لئے مس شیطان سے مراد اس دنیا کی محبت ہے ہمدردی محبت اور شفقت نہ ہونا جو سود خوری کا لازمی نتیجہ ہے اخلاقی تنزل کا باعث بنجاتا ہے جسکو زمین پر گرا ہوا ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

دوسری آیت جسمیں سود خوری کی حرمت اس سے بھی زیادہ پر زور الفاظ میں بیان کی گئی ہے یہ ہے یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربٰوا ان کنتم مومنین ۰ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ۰ وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون (البقرہ رکوع ۳۷) ”یعنی اے مسلمانو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے اسکو چھوڑ دو اور اگر ایسا نہیں کروگے تو اللہ اور اسکے رسول سے لڑنے کے لئے ہوشیار رہو اور اگر توبہ کرتے ہو تو اپنی رقم تمکو لینی پہنچتی ہے نہ تم کسی کا نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے اور اگر کوئی تنگدست تمہارا مقروض ہو تو فراخی تک کی مہلت دو اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اسکو اصل قرضہ بھی بخشدو“ ان آیات سے کئی امور پر روشنی پڑتی ہے نفایا سود کے چھوڑ دینے کے حکم سے پہلے تقویٰ اختیار کرنیکا حکم ہے کیونکہ بنی نوع انسان کے فائدہ رسانی کا کام درحقیقت ایک تقویٰ کی راہ ہے علاوہ ازیں اس حکم سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ تمام احکام میں قرآن شریف کا جو مدعا نظر ہوتا ہے وہ حصول تقویٰ ہی ہے اسی سے اس امر کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسقدر فکر رہتا تھا کہ آپ کے اتباع تقویٰ کے اعلیٰ مدارج حاصل کریں اور جیسا کہ آپ کو اس بات کا فکر رہتا تھا ایسا ہی جو نتائج حاصل ہوئے وہ بھی بہت عظیم الشان ہیں کیونکہ آپ کے انفاس طیبہ نے تقوے کی وہ روح آپکے پیرووں میں بھی پھونک دی جسکی نظیر نہیں پائی جاتی۔ مسلمانوں میں سے جو لوگ کسی نہ کسی شکل میں قرضہ پر سود کا لینا جایز ٹھہرانا چاہتے ہیں وہ اور نہیں تو یہی غور کریں کہ پہلے زمانہ کے مسلمانوں

نے جب سچے تقویٰ کے حصول کی خاطر اپنا تمام مال خدا کی راہ میں دیدیا تو ہم ان مدارج کو کیونکر پا سکتے ہیں اگر ہم حرمت سود کے حکم کے پابند ہیں
آیات بالا سے یہ بھی ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کیسی زبردست تھی کہ کس قوت سے تمام برائیوں کا قلع قمع کر دیا۔
ہمیں تعجب آتا ہے جب بعض مسلمان کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تعدد ازواج کو اسلئے دور نہیں کر سکے کہ یہ رسم ملک عرب میں جڑ پکڑ گئی تھی اس سے بہت بڑھکر سود خوری تھی کیونکہ یہ ایک ایسی برائی تھی جسمیں متمول اشخاص کو جو سوسائٹی میں بھی زیادہ اقتدار لے ہوتے ہیں واقعی فائدہ تھا اور اس خرابی کے دور کرنے سے بڑھکر اور کوئی مشکل کام تھا لیکن غور کرو کس تقدرانہ پیرایہ میں حرمت سود کا پر حکمت حکم دیا گیا " اگر تم باقیماندہ سود نہیں چھوڑتے ہو تو اللہ اور اُسکے رسول کی لڑائی کے واسطے تیار ہو " یہ دھمکی لڑائی کی کفار کے برخلاف نہ تھی کہ کوئی کہہ سکے کہ نبی کریم صلعم کو اپنے مخالفوں کے برخلاف اپنے پیرؤں کی طاقت پر بھروسہ تھا بلکہ یہ خطاب مومنوں کو ہی تھا اور انہیں کو کھلے کھلے الفاظ میں کہا گیا تھا کہ وہ سود خوری سے باز نہ آویں تو اللہ اور اُسکے رسول کی لڑائی کیواسطے تیار رہیں لڑائی بھی کس کے ساتھ؟ اللہ اور اُسکے رسول کیساتھ یہ الفاظ کسی انسان کے منہ سے نہیں نکل سکتے سوچنے کی بات ہے کہ ایک شخص جو ہر طرف سے دشمنوں سے گھرا ہوا اپنے پیرؤں کو کہے کہ اگر وہ سود خوری نہیں چھوڑینگے تو وہ انکے ساتھ لڑائی کا اعلان کر دیگا کیا ایسا شخص کسی برائی کی مذمت کرنے سے ڈر سکتا ہے اگر منصف مزاج آدمی اس بات پر غور کرے تو اسکا دل عجیب لذت سے بھر جاتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کیسا بھروسہ تھا اسکی مرضی کو پورا کرنیکے لئے نہ اپنے دشمنوں کی پروا کی نہ دوستوں کی اس قوت قلب پر غور کرو کہ اُن لوگوں کو جو اسوقت تک ساتھ ہوئے تھے یہ کہا جاتا ہے کہ اگر تم سود نہ چھوڑوگے تو خدا اور اسکا رسول تمہارے خلاف جنگ کا اعلان کرنے میں۔ ناخداترس مخالف کہتا ہے کہ آپ نے جمعیت حاصل کرنیکے بعد جنگ شروع کی مگر بتاؤ اسوقت کسکو ساتھ رکھکر اعلان جنگ کیا تھا آپنے یہ پروا بھی نہیں کی کہ ساتھ کون ہوگا بلکہ یہی کہا کہ خدا اور اسکا رسول تمہارے ساتھ جنگ کرینگے اصل بات تو یہ ہے کہ نبی کریم صلعم میں ہر قسم کی برائیوں کے دور کرنیکی ایک فوق العادت خلاقی طاقت نظر آتی ہے کسی اور مصلح آبادی نے ایسی قوت اور جرأت ہرگز نہیں دکھائی ناظرین اس سے یہ بھی قیاس کر سکتے ہیں کہ سود خوری اور سود خوروں سے خود آپکو کتنی بڑی نفرت تھی اور پھر اپنے پیرؤں کی نظر میں بھی آپ اسکو کیسا مکروہ بنانا چاہتے تھے سود خوری کی ایسے زور سے مذمت کرنا اس امر کو بخوبی ثابت کرتا ہے کہ کسی صورت میں اسکی اجازت روا نہیں رکھی گئی اگر قرآن شریف کا یہ مدعا ہوتا کہ بعض قسم کی سود خوری مثلاً جیسے کہ آجکل کا تجارتی سود ہے رائج رہے تو اسکی مذمت میں ایسے سخت الفاظ نہ بولے جاتے بلکہ اور کسی بدی کی نسبت ایسے سخت لفظ نہیں بولے اگر تم اسکو نہ چھوڑوگے تو تمہارا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوگا اور تمہیں دشمن اسلام سمجھکر تمہارے ساتھ جنگ کیا جاویگا اگر سود خوری کی کوئی قسم بھی مستثنےٰ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ ایسے لفظ جن سے سود خوری سخت مکروہ معلوم ہو .... مستثنیٰ کئے جاتے

اس مضمون کو پہلے حصہ کو یہیں اسی جگہ ختم کر کے دوسرے حصہ میں ان مختلف مضامین پر بحث کرینگا۔ جو سود کے جواز کے متعلق زمانہ حال میں بعض مسلمانوں نے لکھے ہیں۔

اسلام (نمبر ۲)

(بجواب پادری اسٹیل)

ہجرت

پادری صاحب کے مضمون کا اول حصہ جسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو نشانہ اعتراضات بنایا گیا ہے ہجرت کے بیان سے ختم ہوتا ہے اس واقعہ کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتا ہے "اسوقت یعنی طائیف سے واپس آنیکے بعد نقل مکانی کا خیال آپ کے دل میں پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا اور اس زمانہ کی ایک سورۃ میں ہم الفاظ ذیل پاتے ہیں واعرض عن المشرکین ہ ولو شاء اللہ ما اشرکوا وما جعلناک علیہم حفیظاً (الانعام) یعنی مشرکوں سے کنارہ کش رہو اگر خدا چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہمنے تمکو انپر کوئی محافظ مقرر نہیں کیا۔ پس جسوقت ہجرت کا آپ نے ارادہ کر لیا تھا اسکی منظوری وحی الٰہی سے حاصل کر کے آپ نے مدینہ کے لوگوں کے ساتھ تعلقات قایم کرنے شروع کئے جس جگہ کے چند حاجی عقبہ کی پہلی بیعت کیوقت آپکی بیعت میں داخل ہو چکے تھے ایک سال بعد ایک بڑی جماعت نے عقبہ کی دوسری بیعت میں یہ اقرار کیا کہ وہ آنحضرت اور آپکے دین کی حفاظت تلوار کے ذریعہ سے کرینگے اور آنحضرت نے انکو کہا کہ تمہارا خون میرا خون ہے جسکا خون تم گراؤ گے اسکا خون میں بھی گراؤنگا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں جسکے ساتھ تم جنگ کرو گے اسکے ساتھ میں بھی جنگ کرونگا اور جسکے ساتھ تم صلح کرو گے اسکے ساتھ میں بھی صلح کرونگا پیغمبر (ص ۴۵) اب وعظ اور ترغیب کے طریقوں کو جنمیں ناکامی ہوئی تھی چھوڑ کر کسی اور زبردست طریق کو عمل میں لانیکے لئے غور کر رہے تھے اسلام کی ملی ہوئی ملکی اور مذہبی ترقی ایک پہلی حالت سے نکل چکی تھی اور اب ملکی اور سیاسی طور پر تمام عرب کو ایک جماعت بنانے کی تجویز زیادہ ممکن العمل معلوم ہوتی تھی مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ کو بغیر ایک وعید اور ایک سرزنش کے نہیں چھوڑا چونکہ آپ کو اپنی رسالت کی انجام کامیابی اور مکہ والوں پر آیندہ کسی زمانہ میں فتح کا پورا یقین تھا اسلئے آپنے ایک الہام پیش کر دیا کہ مسلمان ہی زمین کے وارث ہونگے اور ظالم"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے عظیم الشان واقعات میں سے ایک نہایت ہی اہم واقعہ آپکا مدینہ کو ہجرت کرنا ہے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسکی اہمیت کو سمجھکر ہی اسلامی سنہ کا ابتدا واقعہ ہجرت سے ہی رکھا اسلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے متعلق کسیقدر تفصیل سے لکھا جاوے اور ان واقعات کو بھی بیان کیا جاوے جو ہجرت سے پہلے واقع ہوئے کسی پہلے حصہ مضمون میں پادری صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر طائیف کا ذکر کیا ہے کہ کیسی بیرحمی سے وہ لوگ پیش آئے وہاں سے واپس آ کر

جب آپ مکہ میں پہنچے تو ایام حج بالکل قریب تھے اور جیسا کہ پہلے بھی آپ کا دستور تھا آپ نے ان مختلف قوموں کو جو موسم حج میں مکہ میں جمع تھیں تبلیغ شروع کی ایک ایک قوم کے ڈیرے میں آپ جاتے اور ان سے یوں مخاطب ہوتے کہ اے بنی فلاں میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہوں وہ حکم دیتا ہے کہ تم اللہ کی ہی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور جو کچھ خدا کے سوا ان بتوں کی تم پرستش کرتے ہو ان کو بالکل چھوڑ دو اور میری بات کو مان لو اور میری تصدیق کرو اور لوگوں کو مجھ پر حملہ کرنے سے روکو یہاں تک کہ جو پیغام دیکر اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے اسکو میں کھولکر بیان کردوں۔" کبھی آپ ایک قوم کے ڈیرہ پر جاتے اور جب وہ خدا کا کلام سننے سے انکار کرتے تو پھر دوسری قوم کی طرف رخ کرتے اور وہی جواب وہاں سے بھی پاتے غرضیکہ تمام منازل میں پھر پھر کر عرب کی ایک ایک قوم کو بلا رہے تھے اب غور کرنیوالے غور کریں کہ وہ کیسی تڑپ آپکے دل کے اندر تھی کہ عرب راہ راست پر آجاویں کہ آپ اس طرح سے دیوانہ وار یکے بعد دیگرے تمام قوموں کی التجا کرتے پھرتے تھے کہ کوئی میری بات سنے اگر ایسی تڑپ کسی جھوٹے کے دل میں بھی ہوسکتی ہے تو پادری صاحبان کوئی اسکی نظیر پیش کریں اور پھر آپکا اللہ تعالیٰ پر کیسا قوی ایمان تھا کہ ایک یا دو یا تین جگہ سے جواب پاکر مایوس نہیں ہوگئے گویا کہ آپ اس یقین کامل کیساتھ ان ڈیروں میں پھر رہے تھے کہ ان میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو ضرور ہے کہ آپ کی آواز کو سنیں اور آپکے پیغام کو قبول کریں اور گویا آپ انہی کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں آخر کار عین اس موقع پر جب لوگوں کی واپسی کا وقت آپہنچا تھا آپکو ایک جگہ چھ آدمیوں کا ایک گروہ نظر آیا اور آپنے انکی طرف رخ کیا اور جس طرح اوروں کو خطاب کرتے پھرتے تھے انکو بھی خطاب کیا یہ لوگ بنی خزرج میں سے اور مدینہ کے رہنے والے تھے انہوں نے آپکا پیغام سننے کا شوق ظاہر کیا چنانچہ آپ بیٹھ گئے اور انکو قرآن شریف سنانا شروع کیا اور حق کی طرف دعوت کی خدا تعالیٰ نے بھی ان لوگوں کے دلوں کو حق کے قبول کرنیکے لئے کھولدیا اور سب اسلام لے آئے اور مدینہ کو جو اسوقت یثرب کہلاتا تھا واپس چلے گئے وہاں پہنچکر انہوں نے اپنی قوم کے دوسرے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ شروع کی اور اسلام نے وہاں حیرت انگیز ترقی کرنی شروع کی اور وہ بیج جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان زائرین مکہ میں ڈالا تھا وہ ایک سرسبز درخت کی صورت میں نشوونما پانے لگا چنانچہ اگلے سال قوم خزرج اور اسکے بارہ آدمی حج کے موسم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف بیعت حاصل کرنیکے لئے آئے اور انکی بیعت عقبہ کی بیعت اولیٰ کہلاتی ہے اس مقام کے نام کی وجہ سے جہاں انہوں نے بیعت کی بیعت کے الفاظ یہ تھے لا نشرك باللہ شیئا ولا نسرق ولا نزنی ولا نقتل اولادنا ولا نأتی ببهتان نفتریه من بین ایدینا وارجلنا ولا نعصیك فی معروف یعنی نہ ہم خدا سے شرک کرینگے نہ چوری کرینگے نہ زناہ کرینگے نہ اپنی اولاد کو قتل کرینگے نہ کسی پر بہتان باندھینگے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی معروف امر میں نافرمانی کرینگے" اسکے بعد اہل مدینہ کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر کو انکے ساتھ اس غرض کیلئے بھیجا کہ ان کے ایمانوں کو مضبوط کریں اور انکو احکام دین اور قرآن شریف کی تعلیم دیں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو اس تبلیغ میں ایسی کامیابی ہوئی کہ ایک سال کے عرصہ کے اندر مدینہ میں بنی خزرج اور اسکے گھروں میں سے بہت تھوڑے گھر ایسے رہ گئے جنمیں کوئی نہ کوئی مسلمان نہ ہو۔

ادھر جس اثنا میں مدینہ منورہ میں اسلام کو یہ فتوحات حاصل ہو رہی تھیں مکہ میں کفار کے حالات میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم طرح طرح کی تکالیف اور ایذا رسانیوں کا نشانہ ہو رہے تھے مگر اسوقت ان ابتلاؤں اور تکلیفوں اور غموں کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کیحالت جسکا پتہ اس زمانہ کی وحی سے لگتا ہے حیرت میں ڈالنے والی ہے ظاہری سامان کے رو سے تو دن بدن مشکلات بڑھتی جا رہی ہیں مگر کلام الٰہی دن بدن زیادہ پُرشوکت اور تحدیانہ الفاظ میں آنحضرت کے غلبہ اور مخالفوں کی ذلت اور ناکامیوں اور نامرادیوں کی خبر دیتا ہے جب جب انکو یہ سنایا جاتا کہ انجام کار اسلام کا غلبہ اور اسلام کی فتح ہو گی اور تمام مخالفت کی کوششیں اور منصوبے ناکام اور نامراد رہیں گے تب تب ہی یہ سوال کفار نے کیا یقولون متیٰ ھذا الوعد ان کنتم صٰدقین۔ یعنی یہ وعدہ یا یہ فتح کب آئیگی اور بار بار انکو کہا گیا قل یٰقوم اعملوا علیٰ مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ ویحل علیہ عذاب مقیم۔ یعنی اے میری قوم تم اپنی جگہ پر عمل کرو میں بھی اپنی جگہ پر عمل کر رہا ہوں پھر عنقریب تمکو پتہ لگ جائیگا کہ کسکو وہ آفت آتی ہے جو اسی دنیا میں اسکو رسوا کر دے پھر آخرت میں اسپر دائمی عذاب نازل ہو (الزمر) یا یہ کہا گیا وارتقبوا انی معکم رقیب کہ اسوقت تم انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں (ہود) اور پھر یہ کہا گیا قل کل متربص فتربصوا فستعلمون من اصحٰب الصراط السوی ومن اھتدیٰ (طٰہٰ) کہدو کہ اپنی اپنی جگہ پر ہم بھی انتظار کر رہے ہیں سو تم بھی انتظار کرو عنقریب تمکو معلوم ہو جائیگا کہ سیدھے راستے پر کون ہیں اور وہ کون ہیں جو ہدایت پا گئے اور پھر فرمایا حتیٰ اذا راوا ما یوعدون فسیعلمون من اضعف ناصرا واقل عددا ۰ قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امدا (الجن) جب اس وعدے کو جو کیا جاتا ہے پورا ہوتا دیکھ لیں گے تب انکو معلوم ہو گا کہ کس کے مددگار بودے ہیں اور کس کا جتھا شمار میں کم ہے کہو مجھے علم نہیں کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہی ہے یا میرا پروردگار اسکو ایک خاص وقت تک ملتوی کر دیگا اور پھر فرمایا قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانھم ولا ھم ینظرون ۰ فاعرض عنھم وانتظر انھم منتظرون (السجدہ) کہو فتح کے دن کافروں کو انکا ایمان کچھ بھی فائدہ نہیں دیگا اور نہ ہی اس دن انکو مہلت دیجائیگی پس تم ان سے کنارہ کش رہو اور ان کی ذلت کا انتظار کرتے رہو کہ وہ تمہاری ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں اور پھر عین اسوقت جب کفار یقین کر چکے تھے کہ اب دین حق نابود ہو جائیگا فرمایا وقال الذین کفروا لرسلھم لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا فاوحیٰ الیھم ربھم لنھلکن الظٰلمین۔ ولنسکننکم الارض من بعدھم ذٰلک لمن خاف مقامی وخاف وعید ۰ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید۔۔ اور پھر اسی سورۃ کے اخیر پر پکار کر فرمایا وسکنتم فی مسٰکن الذین ظلموا انفسھم وتبین لکم کیف فعلنا بھم وضربنا لکم الامثال ۰ وقد مکروا مکرھم وعند اللہ مکرھم وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال ۰ فلا تحسبن اللہ مخلف وعدہ رسلہ ان اللہ عزیز ذو انتقام۔ یعنی کافروں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تمکو اپنے ملک سے نکالدینگے یا تم ہمارے ہی مذہب میں واپس آجاؤ گے تو خدا نے اپنے پیغمبروں کی طرف وحی کی کہ یقیناً ہم ظالموں کو ہلاک کر دینگے اور انکے بعد تمہیں کو اس زمین میں آباد کریں گے یہ وعدہ اسکے لئے ہے کہ جو میرے مقام

اور میرے وعید سے ڈرتا ہے پھر پیغمبروں نے طلب فتح و نصرت کی اور ہر ایک سرکش ضدی ہلاک ہو گیا اور اے لوگو! تم انہی لوگوں کے گھروں میں رہے ہو جنہوں نے پہلے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور تم پر بھی کھل چکا تھا کہ ہمنے انکے ساتھ کیا کچھ کیا اور ہمنے انکی مثالیں بھی تمہارے لئے بیان کیں اور یہ لوگ بڑی بڑی تدبیریں کر رہے ہیں مگر انکی یہ سب تدبیریں خدا کے ہاتھ میں ہیں (وہ انکو توڑ کر دکھاویگا) اگرچہ انکی تدبیریں ایسی مضبوط ہوں کہ پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا دیں پس ہرگز یہ خیال مت کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں سے جو وعدہ کر چکا ہے اسکا خلاف کرے گا اللہ بیشک زبردست اور انتقام لینے والا ہے (ابراہیم) بظاہر تو مشکلات کی کوئی حد نہ تھی مگر صرف خدا کے وعدوں کی بنا پر آپ کو یہ حیرت انگیز تیقن اپنی آئندہ کامیابیوں پر تھا یہانتک کہ مخالفین نے بھی اسکے حیرت انگیز ہونیکا اقرار کیا ہے چنانچہ میور لکھتا ہے کہ ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسطرح پر اپنے مخالفین کو ان کردینا فتح کا چپ چاپ انتظار کرنا بظاہر حالات بیکسی اور کمزوری کیحالت میں ہونا اور آپ کی چھوٹی سی جماعت کا گویا شیر کے منہ میں ہونا مگر باوجود ان سب باتوں کے استقامت اور ثابت قدمی سے خدا تعالیٰ پر توکل رکھنا جسکا ایلچی وہ اپنے کو سمجھتے تھے یہ ایک ایسا حیرت انگیز نظارہ ہے جسکی نظیر صرف پاک نوشتوں کے بعض حصوں میں بنی اسرائیل کی استقامت کے سوا کہیں نہیں ملتی۔“

مدینہ میں جو کچھ کامیابی مصعب کو ہوئی اسکی خبر اگلے سال موسم حج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی مدینہ سے ۷۳ مرد اور دو عورتیں اس موقع پر بیعت کے لئے حاضر ہوئے ملاقات کے لئے وہی جگہ مقرر ہوئی جہاں پہلے سال بھی اہل مدینہ نے بیعت کی تھی اور اسی لئے یہ بیعت عقبہ کی بیعت ثانیہ کے نام سے مشہور ہے رات کیوقت تہائی رات گذرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس کو جو ابھی کفر پر تھے ہمراہ لیکر اس موقع پر پہنچے جہاں مدینہ کی چھوٹی سی جماعت آپکا پہلے سے انتظار کر رہی تھی جب سب لوگ بیٹھ گئے تو حضرت عباس اہل مدینہ سے مخاطب ہو کر بولے اے گروہ خزرج (عرب لوگ بنی خزرج اور بنی اوس دونوں کو اکٹھا بنی خزرج کے نام سے پکارتے تھے) تمہیں معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہم میں کیسا ہے۔ اور اپنی قوم کے ان لوگوں سے جو ہنوز آبائی دین پر قائم ہیں ہم اسکی ابتک محافظت کرتے رہے ہیں پس وہ اپنی قوم میں معزز اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں مگر انہوں نے اب تمہاری طرف توجہ کی ہے اور تمہارے ساتھ ملکر رہنے کا ارادہ کر لیا ہے پس اگر تم سمجھتے ہو کہ تم جس وعدے پر وہاں انکو بلاتے ہو اسکو پورا بھی کرو گے اور دشمنوں سے انکی حفاظت کرو گے تو یہ بوجھ اٹھا لو لیکن اگر تم خیال کرتے ہو کہ تم ان کو دشمنوں کے ہاتھ میں دیدو گے تو ابھی انکا ساتھ چھوڑ دو گے بعد اسکے کہ وہ مکہ سے نکلکر آپ لوگوں کیساتھ جا ملیں تو ابھی سے اس خیال کو چھوڑ دو اور آپ کو اس جگہ رہنے دو کیونکہ وہ اپنی قوم میں معزز اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں راوی کہتا ہے ہم نے کہا ہمنے تمہاری بات سن لی ہے اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خود کلام کریں چنانچہ آپ نے پہلے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا اور انکو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلایا اور دین اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کیا پھر بعد اس کے کہا کہ میں تمہاری بیعت اس بات پر لیتا ہوں کہ تم میرے پر حملہ کرنیسے دشمنوں کو اسی طرح رکو جس طرح اپنی عورتوں اور بچوں پر حملہ کرنے سے روکتے ہو جب آپ یہ کہہ چکے تو براء رضی اللہ عنہ نے آپ کا دست مبارک پکڑ لیا اور کہا کہ ہاں قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپکو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہم آپ کی ایسی ہی حفاظت کرینگے جیسے ہم اپنی حفاظت کرتے ہیں

پس اے خدا کے رسول ہماری بیعت لیجئے خدا کی قسم ہم لڑنیوالے اور زرہ پوش لوگ ہیں جسکو ہمنے بڑوں سے ورثہ میں پایا ہے یعنی بزدل اور کمزور نہیں جو دشمنوں سے ڈر کر آپ کو دشمنوں کے حوالہ کر دینگے پھر اس نے کہا کہ اے خدا کے رسول ہماری اور لوگوں کے درمیان معاہدہ ہے اور اب ہمیں وہ توڑنا پڑیگا پھر اگر ہم ایسا کریں اور اسکے بعد اللہ تعالیٰ آپکو دشمنوں پر غالب کر دے تو آپ یہ تو نہیں کرینگے کہ ہمیں چھوڑ کر پھر اپنی قوم کے پاس چلے جاویں اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا نہیں یہ نہیں ہو سکتا تمہارا خون میرا خون ہے جو تمہاری پناہ میں ہو وہ میری پناہ میں ہے میں تمسے ہوں اور تم مجھ سے ہو جسکے ساتھ تم جنگ کرو گے میں بھی اسکے ساتھ جنگ کرونگا اور جس سے تم صلح کرو گے میں بھی اس سے صلح کرونگا اسکے بعد آپنے اس قوم میں سے انہی کے بارہ نقیب مقرر کئے۔

ان آخری فقرات کو باقی عبارت سے الگ کر کے پادری سیل نے مورد اعتراض بنایا ہے حالانکہ خود بیعت کے الفاظ سے جسکا بعینہ لفظی ترجمہ ہمنے اوپر کر دیا ہے صاف ظاہر ہے کہ بیعت حفاظت اور دشمنوں کے حملوں کو روکنے کے لئے تھی نہ اپنے چڑھائی کرنیکے لئے چنانچہ اسکی حقیقت خود عباسؓ نے اپنی تقریر میں بیان کر دی تھی کہ ابتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ بنی ہاشم نے دیا ہے اور انکو اعداء یعنی قریش کے حوالے کرنیسے انکار کیا ہے اب جب وہ ایک اجنبی قوم کے درمیان رہایش کرنیکے لئے جاتے ہیں تو ضرور ہے کہ یہ قوم پہلے یہ معاہدہ کرے کہ انکو دشمنوں کے حوالہ نہ کر دینگے اور دشمن اگر ان پر حملہ کریں تو ہم انکے حملوں کو ایسا ہی روکیں گے جیسا اپنے بچوں اور اپنے حملوں کو روکتے ہیں بیعت کے الفاظ پر اور اس سارے واقعہ پر خوب غور کرو کہ سوائے حفاظت کے اسکا کچھ مطلب نہ تھا ابو طالب اور بنی ہاشم نے کیا حفاظت آنحضرتؐ کی کی تھی یہ تو نہیں کیا تھا کہ تلوار پکڑ کر کفار کو کہا تھا کہ تم آنحضرتؐ کا دین قبول کرو ورنہ ہم تمہاری گردنیں مارتے ہیں بلکہ انکی حفاظت صرف یہ تھی کہ جب قریش نے یہ درخواست کی کہ آنحضرتؐ کو انکے حوالے کر دیا جاوے اور آپکے خون کا بدلہ نہ لیا جاوے تو ابو طالب نے اس سے انکار کیا اور آخر کل بنی ہاشم نے آنحضرتؐ کا ساتھ نہ چھوڑا اور تین سال تک شہر کے ایک کونہ میں بند رہنا منظور کر لیا ایسی ہی حفاظت انصار سے چاہی گئی اور یہ صاف لفظ تھے کہ انصار دشمنوں کے حملوں کو آپ پر سے روکیں گے اور انصار کے جواب میں جب انہوں نے پوچھا کہ آیا آپ غلبہ کیوقت ہمارا ساتھ تو نہ چھوڑینگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ جس سے تم جنگ کرو اس سے میں جنگ کرونگا اور جس سے تم صلح کرو اس سے میں صلح کرونگا یہ صرف اسی امر کے ظاہر کرنیکے لئے تھا کہ میں اب آخر تک تمہارے ساتھ ہی رہونگا۔ باقی رہا انصار کا یہ خیال کہ آخر آپ کو دشمنوں پر غلبہ ہوگا سو اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ اسوقت کوئی ایسا معاہدہ کیا گیا ہو بلکہ قرآن شریف پر اس سوال کی بنا تھی کیونکہ خدائے تعالیٰ کا قرآن کریم میں یہ وعدہ تھا کہ میں آخر کار آنحضرتؐ اور آپکے ساتھیوں کو غالب کرونگا اور دشمنوں کو مخذول اور ہلاک کرونگا یہ وعدہ یہانتک قرآن شریف میں دہرایا گیا ہے کہ مشکل سے کوئی ایسی سورت ملیگی جسمیں اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو بیان نہ فرمایا ہو اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو یہ یقین دلانا چاہا کہ جیسا اس بیکسی کی حالت میں تمہارے ساتھ ہوتا ہوں ایسا ہی غلبہ کیوقت بھی تمہارے ساتھ ہی ہونگا اور تم اور میں ایک ہونگے اس سے زیادہ ان الفاظ کا کوئی منشا نہیں جو آپنے بولے کیونکہ آپ کی یہ مراد تو ہو نہ سکتی تھی کہ جو کام تم کرو گے میں اسی میں تمہاری پیروی کرونگا۔ بیعت تو انصار آنحضرتؐ کی کر رہے تھے اور فرمانبرداری کا اقرار

انہوں نے نہیں کیا تھا یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ اُنکے آنحضرتؐ اُنکی فرمانبرداری کا اقرار کرتے مطلب آپکا صرف وحدت ظاہر کرنیکا تھا اور اس وحدت کو آپنے آخر دم تک نبایا کہ فتح مکہ کے بعد مکہ میں نہیں ٹھہرے بلکہ انصار کے ساتھ ہی مدینہ میں آ گئے۔

عقبہ کی بیعت ثانیہ سے پادری سیل یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ اور ترغیب کے طریق کو چھوڑ کر جسمیں آپ ناکام ہو چکے تھے ایک نئے طریقہ کو جو اس سے زیادہ زبردست تھا عمل میں لانیکی تجاویز کر رہے تھے یہ نتیجہ غالباً پادری صاحب نے صرف اس واقعہ سے نکالا ہے کہ بیعت کے الفاظ میں جنگ کو مد نظر رکھکر حفاظت کا عہد لیا گیا ہے مگر بیعت کے الفاظ میں یہ صاف طور پر ذکر ہے کہ انصار دشمنوں کے حملوں کو روکیں گے آنحضرت کی حفاظت کرینگے اور آپ کو دشمنوں کے سپرد نہیں کر دینگے خواہ کچھ ہی ہو اب غور کرلو کہ اسکا مدعا تو صرف یہ تھا کہ قریش حملہ کریں تو اسصورت میں ہر طرح اپنی حفاظت کیجاوے اور زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانیکا اسمیں کوئی ذکر نہیں میں پادری سیل اور اسکے پادری بھائیوں کو دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ کسی حدیث یا روایت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں دکھا سکتے جسکا صراحتاً یا کنایتاً یہ مفہوم ہو کہ بیعت کی غرض اپنی حفاظت نہ تھی بلکہ اسلام کو بذریعہ تلوار پھیلانا تھا باقی رہا یہ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ قریش جنگ کرینگے جس صورت میں انکے حملوں کو روکنے کیلئے اس بیعت میں عہد لیا گیا سو یہ کوئی نیا خیال نہ تھا جو انصار مدینہ کو دیکھکر آنحضرتؐ کے دل میں پیدا ہو گیا ہو جنگ کی پیشگوئیاں تو قرآن شریف میں بصراحت ان سورتوں میں موجود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہو چکی تھیں اور جنکا اوائل زمانہ تبلیغ میں نازل ہونا متفقاً تسلیم کر لیا گیا ہے پس اگر پادری صاحب نے ایسا ہی نتیجہ نکالنا تھا تو عقبہ کی بیعت تک کیوں گئے یہی کہدیتے کہ ابتدا سے ہی آنحضرتؐ جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے اور اسلام پھیلانیکے لئے تلوار کو ہاتھ میں لینا چاہتے تھے مثلاً سورہ جن میں جسکا نازل ہونا اسوقت مانا گیا ہے جب آپ طائف سے واپس آ رہے تھے یہ آیات ہیں حتی اذا راوا ما یوعدون فسیعلمون من اضعف ناصرا و اقل عددا یعنی جب کفار دیکھ لینگے ان باتوں کو جنکا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو اسوقت انکو معلوم ہو گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کا جتھا کم ہے" اب اس جگہ مددگاروں اور جتھے کا ذکر صاف بتا رہا ہے کہ یہ جنگ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ مددگاروں اور جتھوں کی ضرورت جنگ میں ہی پڑتی ہے نہ کسی اور غرض کے لئے اور کفار کو یہ بتایا گیا ہے کہ آج مسلمان انکی نظروں میں تھوڑے اور کمزور ہیں تو وہ اسپر فخر نہ کریں عنقریب وہ دن آتا ہے کہ ثابت ہو جائیگا کہ کمزور اور تھوڑے کون ہیں اب طائف میں جو سلوک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا اسکے متعلق تو شاید پادری سیل بھی انکار نہیں کر سکتا۔ کہ وہاں سے آنحضرتؐ کوئی ایسی امیدیں لیکر نہ آئے تھے کہ اب چلکر کفار کیساتھ جنگ کرکے انکو تباہ کر دینگے اور سورتوں میں جو اس زمانہ سے بہت پہلے کی نازل ہوئی ہوئی ہیں اس سے بھی زیادہ صراحت سے جنگ اور کفار کی شکست کی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں مثلاً سورۃ القمر میں جسکو راڈول اور میور دونوں نے ابتدائی زمانہ کی سورۃ مانا ہے۔ یہ پیشگوئی ہے۔ ام یقولون نحن جمیع منتصر ٥ سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ کیا کفار مکہ کہتے ہیں کہ ہمارے بڑی جماعت ہے جو ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں۔ عنقریب یہ تمام کی تمام جماعت شکست کھائے گی اور مسلمانوں کے مقابلہ

پیٹھ پھیر کر بھاگ جاوینگے ایسا ہی سورہ ص میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور یہ بھی ابتدائی زمانہ کی وحی ہے جند ما ھنالک مھزوم من الاحزاب یعنی احزاب کا ایک لشکر جو تمہاری مخالفت پر اسجگہ آمادہ ہوا ہے اسکو شکست دیجاویگی اب دیکھنا یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ابتدائی زمانہ کے ہمراہیوں نے ان جنگوں سے مراد جنگ اور کفار کی شکست سے مراد شکست ہی سمجھا یا کچھ اور سو اسکا ثبوت مدنی سورتوں سے ملتا ہے سورہ احزاب میں جہاں جنگ احزاب کا ذکر فرمایا ہے وہ ان الفاظ میں ہے ولما رأ المؤمنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما اور جب مومنین نے احزاب یعنی دشمنوں کے گروہوں کو دیکھا تو وہ بول اٹھے کہ یہ تو وہی موقع ہے جسکا وعدہ ہم سے اللہ اور رسول نے کیا تھا اور اللہ اور اسکے رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس سے انکا ایمان اور انکی فرمانبرداری اور بھی زیادہ ہوگئی ۔ اب ان آیات سے کیسی صراحت سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ابتداء سے ہی یقین تھا کہ ایسی چڑھائیاں ہونگی اور کفار شکست کھاوینگے اسجگہ مومنوں نے کفار کے لشکروں کا بڑا جتھا دیکھتے ہی یہ کہدیا کہ خدا اور اسکے رسول کا وعدہ پورا ہوا یعنی شکست کا انتظار بھی نہیں کیا بلکہ ان کے جتھوں کو دیکھکر اور وعدہ الٰہی کا ایک حصہ پورا ہوتا دیکھکر جھٹ سمجھ لیا کہ اب کفار کو شکست بھی ہوگی سبحان اللہ کیا ایمان تھے دشمن ٹڈی دل کی طرح سر پر کھڑا ہے بھاگنے نکلنے کی کوئی راہ نہیں اور مومن خوش ہو رہے ہیں کہ اب خدا کا وعدہ پورا ہوگیا یہی وہ موقع تھا جب بعض کمزور دلوں کے دل چھوٹ گئے تھے اور وہ طرح طرح کے بہانوں سے الگ ہونا چاہتے تھے جسکا ذکر مفصل قرآن کریم کی سورہ احزاب میں موجود ہے پس یہ تو ثابت ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا مسلمانوں کو بھی پہلے سے ہی علم تھا کہ کفار کی ان سے جنگیں ہونیوالی ہیں خواہ وہ کسی زمانہ میں ہوں مگر میں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ ایک بات کا علم ہونے سے اسکی حقیقت میں فرق آجاتا ہے کیا محض اتنی بات سے کہ لڑائیاں تو اپنی حفاظت کے لئے تھیں مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپکے صحابہ کو ان جنگوں کا پہلے سے خیال تھا جسکی بنا وحی الٰہی پر تھی ان لڑائیوں کی حقیقت بدلکر وہ دین کے بزور شمشیر پھیلانے کی لڑائیاں بن گئی تھیں جنہیں ناحق کفار کو گھر میں بیٹھے ہوئے دکھ دیا گیا اگر پیشگوئیوں سے واقعات کی حقیقت ایسی ہی بدل جاتی ہے تو یسوع کی کسی پیشگوئی کا جو حصہ پورا ہوا اسکے متعلق پادری صاحبان کیا کہیں گے پس جنگ کے وقوع کے خیال کا ابتدا اہالی مدینہ کے اسلام لانے یا عقبہ کی بیعت ثانیہ کے وقت پیدا نہیں ہوا بلکہ اسکے متعلق صریح پیشگوئیاں ابتداء سے ہی ہو چکی تھیں جب ابھی سوائے معدودے چند اشخاص کے کوئی انسان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ تھا اور آپ کی حالت نہایت ابتدائی تھی۔ مگر اسوقت جنگ اور پھر جنگ میں کفار کو شکست ان واقعات کو ایسا دور از قیاس سمجھا جاتا تھا کہ کفار ان پیشگوئیوں پر کہ وہ مغلوب ہو جاوینگے ہنسا کرتے تھے۔

یہ بالکل جھوٹا الزام ہے کہ عقبہ کی بیعت ثانیہ کی غرض یہ تھی کہ اشاعت اسلام کیلئے بجائے وعظ اور ترغیب کے اب تلوار اٹھائی جاوے یہ ایک ناحق لوگوں کو مسلمان کیا جاوے اور اس سیاہ جھوٹ کے مرتکب وہ پادری صاحبان جو ہندوستان میں

صداقت کی تعلیم پھیلانیکے بہانے سے آتے ہیں جس قدر تقریریں اس بیعت کی لکھتی ہیں اسی قدر زیادہ صراحت سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اسمیں غرض صرف اپنی حفاظت اور دشمنوں کے حملوں کا روکنا تھا نہ کوئی اور غرض قبل اسکے کہ انصار نے بیعت کا یہ اقرار کیا عباس بن عبادہ نضلة الانصاری نے اٹھکر اپنی قوم کو ان الفاظ میں مخاطب کیا کہ اے خزرج کے گروہ کیا تم جانتے ہو کہ کس چیز پر تم اس شخص یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرتے ہو انہوں نے کہا ہاں اسنے کہا تم اسکی بیعت سفید و سیاہ یعنی عرب اور عجم کی لڑائی پر کرتے ہو پس اگر تم سمجھتے ہو کہ جب تمہارے مال چھین لئے جاوینگے اور تم میں سے بڑے بڑے لوگ جو اشراف الناس ہیں قتل کر دیئے جاوینگے تو ایسی مصیبت کیوقت میں تم آنحضرت کو دشمنوں کے حوالہ کر دوگے تو ابھی تم اسکا ساتھ نہ دو خدا کی قسم یہ سب سے بڑی رسوائی دنیا اور آخرت کی ہے اور اگر تم سمجھتے ہو کہ جس معاہدہ پر تم آپ کو بلاتے ہو اسکو باوجود مالوں کے چھینے جانے اور اشراف کے قتل کئے جانیکے بھی پورا کروگے تو پھر آپ کو لے لو خدا کی قسم دنیا اور آخرت میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں انصار نے کہا ہم مالوں کے چھینے جانے اور اشراف کے قتل کئے جانے پر بھی آپ کا ساتھ دینگے اور اسی شرط پر ہم آپ کو لیتے ہیں خدا کے رسول اسکا ہمکو کیا ملیگا آنحضرت نے فرمایا جنت اب اسجگہ بیعت تو حرب احمر اور اسود پر کی ہے پس اگر ایک جلد باز پادری جھٹ بول اٹھیگا کہ اس کا منشا یہ تھا کہ دین اسلام کے پھیلانیکے لئے ساری دنیا سے جنگ کرو لیکن جب اسی کی تشریح ہم اسی جگہ پڑھتے ہیں تو یہ شرط کہ نہکة الاموال او قتل الاشراف پر بھی ہم آپکا ساتھ نہ چھوڑینگے اور دشمنوں کے حوالے ہم آپ کو نہ کر دینگے صاف بتا رہی ہے کہ یہاں دشمنوں کی طرف کا ذکر ہے نہ ان پر چڑھائی کا یا انکو بزور شمشیر مسلمان کرنیکا احمر و اسود سے جنگ اسواسطے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن جو آپ کی جان لینا چاہتے تھے صرف عرب کے اندر ہی نہ تھے بلکہ عرب سے باہر بھی تھے چنانچہ جب نزول میں آپ مدینہ میں تھے تو خسرو پرویز نے اپنے آدمیوں کو بھیجا تھا کہ آپ کو گرفتار کر کے لے آئیں جس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب نشان آپ کی صداقت کا ظاہر کیا تھا جس سے وہ سارا منصوبہ شاہ ایران کا خاک میں مل گیا اس سے صحابہ کے حوصلوں کا بھی پتہ لگتا ہے کہ ۷۰ آدمی یہ اقرار کر رہے ہیں کہ اگر ساری دنیا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہو تو ہم کل دنیا کا ہی مقابلہ کرینگے اور ہرگز ہرگز آپکا ساتھ نہ چھوڑینگے خواہ انکے سارے کے سارے اموال لوٹ لئے جاویں اور انکے سردار و اشراف لوگ سب کے سب قتل کر دیئے جاویں ایک ہی شرط جس پر بار بار زور دیا گیا یہ تھی کہ کسی صورت میں آنحضرت صلعم کو دشمنوں کے حوالے نہیں کیا جاویگا اگر اسکے علاوہ پادری سیل صاحب ایک لفظ بھی ایسا دکھا دیں جس سے معلوم ہو کہ اسجگہ بیعت میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ ہم دین اسلام کو بزور شمشیر پھیلا دینگے یا اقل درجہ یہی کہ ہم کفار مکہ پر چڑھائی کر کے انکو نیست و نابود کر دینگے اگرچہ ثانی الذکر معاہدہ بالکل درست بھی ہوتا کیونکہ کفار مسلمانوں کے چھوٹے سے گروہ کو سخت تکلیفیں دے چکے تھے لیکن اگر پادری سیل صاحب کسی تاریخ یا سیرت یا حدیث کی کتاب سے نکال کر دکھا دیں تو میں اپنے تمام دلائل کو واپس لیکر انکی بات کو تسلیم کر لونگا لیکن اگر یہ پادری صاحب کے اپنے دماغ کا ہی اختراع ہے اور وہ اسکی کوئی اصلیت نہیں دکھا سکتے تو تقاضائے شرم و حیا یہ ہے کہ وہ اس بات کا کھلے طور پر اقرار کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپکے صحابہ رض نے اسلام کو بزور شمشیر پھیلانیکا کبھی ارادہ نہیں کیا اصل بات صرف اسی قدر ہے کہ انصار مدینہ کی طرف سے آنحضرت صلعم کی حفاظت کا ایسا وعدہ ہونا آنحضرت صلعم کے مدینہ جانیکے لئے نہایت ضروری تھا جسکی

ایک وجہ تو میں پہلے بھی دے چکا ہوں کہ مکہ میں بنی ہاشم اپنے تعلقات قرابت کے سبب سے آنحضرت کی محافظت کو اپنا فرض سمجھتے تھے مگر مدینہ میں انصار سے چونکہ اس قسم کے تعلقات نہ تھے اسلئے معاہدہ یا اقرار بیعت ان الفاظ میں ضروری تھا کہ وہ اخیر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اسجگہ اسقدر تشریح کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ حفاظت سے کیا مراد ہے اسجگہ ہندوستان میں مثلاً کل رعایا گورنمنٹ کے زیر حفاظت ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی کو مار ڈالے تو گورنمنٹ اس سے باز پرس کریگی مگر گورنمنٹ کی حفاظت کا یہ منشا نہیں کہ ایک ایک فرد رعایا کیساتھ ایک پہرہ پولیس کا رکھے کوئی اسکو نہ مار ڈالے عرب میں ایسی منتظم گورنمنٹ تو تھی نہیں پس ہر ایک قوم یا قبیلہ ہی گورنمنٹ کا کام دیتا تھا یعنی وہ حفاظت جو ہمکو اسجگہ بوجہ گورنمنٹ کے نیچے ہونیکے حاصل ہے وہاں ہر ایک قوم یا قبیلہ کے فرد کو اس لحاظ سے حاصل تھی کہ وہ اس قوم کا یا قبیلہ کا فرد ہے ایسی حفاظت بنی ہاشم کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی کیونکہ آپ بنی ہاشم میں سے تھے لیکن جب اپنی قوم کو چھوڑ کر کوئی شخص کسی دوسری قوم میں جاتا اور اس دوسری قوم کے ساتھ ہی رہنا یا ملنا پسند کرتا تو اسکے لئے ضروری تھا کہ اب وہ دوسری قوم اسکی حفاظت کا وعدہ کرے کہ وہاں تعلقات خون تو ہیں نہیں جنکے سبب سے ایسی حفاظت اسے خود بخود حاصل ہو انصار کی حفاظت کا وعدہ جو عقبہ کی بیعت ثانیہ کے وقت ہوا وہ اس دوسری قسم کی حفاظت تھی دوسری وجہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسقدر پکے اور مضبوط وعدے لینے کی کیا ضرورت تھی یہ تھی کہ قریش کے ارادے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہمیشہ بہت بُرے تھے اور وہ ہمیشہ ایسے منصوبے گانٹھتے رہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جاوے پس جب تک آپ مکہ میں تھے اسوقت تک قریش کم از کم اسقدر تو مطمئن تھے کہ وہ ہمارے زیر نظر ہیں جب چاہینگے انکا کام تمام کر دینگے اور انکے سلسلہ کو نیست و نابود کر دینگے مگر دوسری جگہ چلے جانے پر یہ بات باقی نہ رہیگی پس یہ ظاہر تھا کہ آپکے مدینہ تشریف لیجانے پر انکی مخالفت کی آگ اور بھی تیزی سے بھڑک اٹھیگی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت ذرایع اسلام کو نیست و نابود کرنیکے اختیار کریں گے اسکا قیاس اسی سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ طایف سے واپس آئے حالانکہ وہاں سے جس حال میں واپس آئے وہ کفار کیلئے موجب خوشی کا تھا مگر پھر بھی محض آپکے دوسری جگہ تشریف لیجانیکی وجہ سے انکی مخالفت تیز ہو گئی تھی اور طایف سے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل نہیں ہو سکے بلکہ باہر ہی ٹھہرے رہے یہانتک کہ ایک رئیس مطعم کی طرف سے آپکو یہ اطمینان دلایا گیا کہ کفار شرارت سے باز رہینگے تب آپ زید کیساتھ مکہ میں داخل ہوئے جن لوگونکی مخالفت کی یہ حالت ہو چکی تھی ظاہر ہے کہ ان سے اس حالت میں کیا امید رکھی جا سکتی تھی جب وہ یہ بھی دیکھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئی جماعت بنالی ہے جہاں وہ اپنے کام کو اپنے حسب منشا بذریعہ تبلیغ ترقی دے سکتے ہیں اور یہاں وہ معمولی طریق سے انکو روک نہیں سکیں گے۔

اس مقام پر اس بات کا بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ انبیاء کو جو حفاظت کے وعدے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ یہ امر ان وعدوں کے منافی نہیں کہ انبیاء علیہم السلام معمولی انسانوں کی طرح حفاظت کے سامانوں سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ بات مدنظر رکھیں میری سمجھ میں حفاظت الٰہی کا یہ منشا ہوتا ہے کہ باوجودیکہ وہ معمولی انسانوں کی طرح معمولی انسانی حالات کے

ماتحت ہوتے ہیں اور معمولی انسانی سامانوں کے ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں مگر خدا تعالیٰ پھر بھی انکی حفاظت غیر معمولی طور پر کرتا ہے اور ان راہوں سے انکو بچا کر نکالتا ہے جنسے معمولی انسان بچکر نہیں نکل سکتے مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر غور کرو آپ بیشک ایک ایسے خاندان میں سے تھے جو مکہ میں عزت اور وجاہت رکھتا تھا اور آپ کے چچا ابو طالب نے بیشک کل قوم کی مخالفت کو گوارا کیا مگر آپکا ساتھ نہ چھوڑا اور آپ کو کفار کے حوالہ کرنے سے انکار کیا مگر یہ جسقدر حفاظت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر آئی ایسی حفاظت اور بھی ہزارہا انسانوں کو دنیا میں میسر ہوتی ہے جو ذرا ذرا سی بات پر قتل کئے جاتے ہیں عرب کی طبایع ہی کچھ ایسی واقع تھیں کہ ایک انسان کو مار ڈالنا ان کے نزدیک کچھ بھی وقعت یا حقیقت نہ رکھتا تھا وہ ایک سخت کینہ ور قوم تھی جنکا کینہ آجتک شہرۂ آفاق ہے ادنیٰ ادنیٰ بات پر خون کر دینا انکے نزدیک معمولی امر تھا خواہ اسکے کیسے ہی بد نتائج خانہ جنگی کے سبب سے بھگتنے پڑیں اب انہی لوگوں کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش نہیں بلکہ علانیہ انکے بتوں کی مذمت کرتے اور خود انکو عذاب کی دھمکیاں دیتے تھے اگر آپ صرف اسی قدر کرتے کہ ایک نئے مذہب کا وعظ کرتے لیکن عربوں کے قومی مذہب اور انکی بت پرستی کے خلاف کچھ نہ کہتے تو انکو بھی آپکی مخالفت سے کوئی سروکار نہ ہوتا مگر بتوں کی مذمت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب و روز کرتے تھے اس سے بڑھکر عرب کو اشتعال دلانیوالی اور کوئی بات نہ تھی بلکہ یہ ایک ایسی بات تھی جو انکو دیوانہ کر دیتی تھی اب دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ تنہا دن کو اور رات کی اندھیری گھڑیوں میں باہر جاتے تھے اور کوئی پہرہ آپ کیساتھ نہ تھا بلکہ آپ مسلح بھی نہ ہوتے تھے پس ایسے اشتعال کے ہوتے ہوئے اور اس آسانی کے باوجود وہ کونسی چیز تھی جس نے کفار کو آپکے قتل سے روک رکھا یا اگر کبھی انہوں نے کوئی منصوبہ کیا تو وہ منصوبہ خاک میں ملگیا اور اس میں کامیابی نہ ہوئی یہ تھی حفاظت الٰہی جو خدا کی طرف سے آپکے شامل حال تھی اور جسکے بغیر آپ ایک دن بھی زندہ نہ رہ سکتے تھے ایسا ہی مدینہ کو جانیکا ارادہ کرتے وقت بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ظاہری سامان حفاظت کئے جو ایک معمولی انسان کرتا ہے مگر کیا یہ احتیاطیں آپ کی جان کو بچانے کے لئے کافی تھیں ہرگز نہیں اور میں آگے چلکر دکھاؤنگا کہ ان حفاظتوں اور احتیاطوں پر آپ کو کوئی بھروسہ نہ تھا اور نہ ہی یہ کافی تھیں بلکہ اصل بھروسہ آپکا محض حفاظت الٰہی پر تھا اور یہ تمام سامان اسلئے آپ کرتے تھے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جہانتک انسان اپنی حفاظت کا سامان کرے اور اپنی جان کو ارادتاً ہلاکت میں نہ ڈالے ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ

اب ایک اور امر قابل غور ہے اگر عقبہ کی بیعت ثانیہ کا منشا اسلام کو بذریعہ شمشیر پھیلانا تھا تو جو عہد انصار سے لیا گیا تھا وہی مہاجرین یعنی اہل مکہ سے بھی لینا چاہئے تھا مگر یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ جو مسلمان مکہ میں موجود تھے انہوں سے از سر نو بیعت کی تھی ہاں صلح حدیبیہ کیوقت ایک بیعت کا لیا جانا پایا جاتا ہے سو وہ کئی سال بعد کا واقعہ ہے پس اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے بیعت اسوجہ پر لی تھی کہ آپ جانتے تھے کہ جب آپ مدینہ میں جائینگے تو کفار قریش آپ پر حملہ آور ہونگے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار نے خود بلایا تھا کیونکہ دونوں روایتوں میں جو اوپر نقل کی گئی ہیں۔ یہ الفاظ پائے جاتے ہیں۔ کہ ہم ڈھونڈ

بیعت ثانی

یعنی جس عدہ پر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاتے ہو مگر پادریصاحبان کی یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محض مکہ کو چھوڑ کر مدینہ میں تبلیغ کرنے یا ایسا ارادہ کرنے سے اس تبلیغ کی حقیقت کیونکر بدل گئی۔

پادری سیل نے یہ بھی دعوے کیا ہے کہ وعظ اور ترغیب کا طریق جو آنحضرت صلعم نے پہلے اختیار کیا تھا اسمیں آپکو ناکامی ہوئی اور اسلئے آپنے نیا طریقہ یعنی بزور شمشیر دین پھیلانیکا اختیار کیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ خزرج اور اوس کس طرح مسلمان ہوئے کیا یہ وعظ اور ترغیب کا ہی طریق تھا یا بزور شمشیر ان لوگوں کو مسلمان کیا گیا تھا؟ پادریصاحبان نے صرف اپنے مذہب کی خاطر یہ جھوٹ بنایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کو بذریعہ وعظ مسلمان بنانیسے مایوس ہو چکے تھے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ میں آپکے ایک صحابی کے وعظ سے اسلام کا چرچا گھر گھر میں پھیل گیا تھا اور ایک ہی سال میں کئی لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور مکہ میں باوجود قریش کی سخت درجہکی مخالفت کے بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے جنمیں سے بعض تو علانیہ اظہار اسلام کر کے تکالیف اٹھا رہے تھے اور بعض کمزور ابھی انہی تکالیف کے ڈر سے کھلا اظہار اسلام نہ کر سکتے تھے اسلام کے اصول خود اپنے اندر ایسی کشش رکھتے ہیں کہ وہ دن بدن دلوں کو اپنی طرف کھینچے چلے جاتے تھے پس ان کامیابیوں کو جو کہ مکہ میں آپکو حاصل ہوئی تھیں ناکامی کہنا اگر عمداً کذب اختیار کرنا نہیں تو حماقت ضرور ہے ہاں اگر پادریصاحب یہ کہتے کہ مکہ سے آنحضرت صلعم کا بھاگنا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے اسوقت تک وہاں قدم نہ جم سکتے تھے تو یہ اور بات تھی مگر اسکو صحیح معنوں میں ناکامی نہیں کہا جا سکتا نجاشی شاہ حبش اور مدینہ کی اقوام خزرج اور اوس اور قریباً تین سو کے مرد و زن جو کہ میں تھے یہ سب وعظ سے ہی اسلام لائے تھے پادری سیل کے نزدیک شاید کامیابی کے یہ معنے ہوں کہ ایک آدمی گدھے پر سوار ہو اور عوام الناس اور جہلا اسکے آگے خوشی کے نعرے بلند کر رہے ہوں مگر جب ذرا سی مصیبت اسپر آئے تو ایک بھی آدمی اسکے ساتھ نہ رہے مگر کسی سمجھدار انسان کے نزدیک ایک بانی مذہب کیلئے یہ امر کامیابی کا موجب نہیں ہو سکتا کامیابی قلیل و کثیر تعداد پر منحصر نہیں بلکہ اسبات پر منحصر ہے کہ جو آدمی ایک نبی کیساتھ ہوئے ہیں وہ ایسے تو نہیں جو جہلا کی طرح ایک بات سنکر خوش ہو گئے اور ذرا سی تکلیف کیوقت دم دبا کر بھاگ گئے اور آیا انمیں وہ صبر اور استقامت پائی جاتی ہے جو شدید سے شدید مصائب کیوقت بھی انکو متزلزل نہیں کر سکتی اسی قسم کے سینکڑوں آدمی آنحضرت صلعم کے مکہ میں وعظ کرنیسے پیدا ہو چکے تھے جنکے لئے خدا کی راہ میں مال و عزت و جاہت کا قربان کرنا تو ایک طرف رہا جان کا قربان کرنا بھی کچھ مشکل امر نہ تھا پادریصاحب اور نہیں تو میور صاحب کے الفاظ کو ہی پڑھ لیں جو انکی کی طرح دل سے دشمن اسلام ہے مگر جسکو صحابہ کی حالت دیکھکر ان باتوں کا اقرار کرنا پڑا اور پھر سوچیں کہ یہ کیسی کامیابی آنحضرت صلعم کو ہو چکی تھی وہ کہتا ہے "اس سے یعنی ہجرت سے ۱۳ سال پہلے تک اس ذلیل حالت میں مردہ پڑا تھا مگر ان تیرہ برسوں نے عجیب تبدیلی پیدا کر دکھائی کئی سو آدمیوں کے ایک گروہ نے بت پرستی کو چھوڑ دیا ایک خدا کی پرستش اختیار کی اور جس کلام کو وہ خدا کی وحی مانتے تھے اسکی سچے دل سے تابعداری کی دعا اکثر اور بہت ہی خضوع خشوع سے بارگاہ الٰہی میں دعائیں کرتے اور اسی کے رحم کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے۔ اور اعمال صالح، سخاوت، پاکبازگی اور میانہ روی کی راہوں میں چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے دل اس احساس سے

بھر چکے تھے کہ وہ ہر وقت ایک مقتدر ہستی کے تصرف کے نیچے ہیں اور اسی کو وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی ضروریات کا مہیا کرنیوالا اور
اپنا رب سمجھتے تھے ہر ایک نعمت میں جو انکو ملتی زندگی کے ہر ایک معاملہ میں اپنے تمام کاروبار میں خواہ وہ افراد کے متعلق
ہوں یا پبلک کے غرضیکہ ہر ایک امر میں وہ خدا کا ہاتھ کام کرتا ہوا دیکھ رہے تھے اور سب سے بڑھکر یہ کہ یہ نئی زندگی جس نے انکی طبیعتوں
ایک عجیب لذت اور سرور سے بھر دیا تھا اسکو وہ خدائے تعالیٰ کا خاص فضل سمجھتے تھے اور دوسری طرف وہ گویا یہ مشاہدہ
کر رہے تھے کہ انکے اندھے ہموطنوں کا کفر پر باصرار تمام جمے رہنا انکی قساوت قلبی کی وجہ سے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے انکے اندر زندگی کی روح پھونکی اور رہی خدا کے نیچے انکی نئی امیدوں کے سرچشمہ تھے اور اسی لئے وہ آپ کی سچے دل
سے فرمانبرداری کرتے تھے اسقدر تھوڑے زمانہ میں مکہ میں اس عجیب تحریک کی وجہ سے دو گروہ ہو گئے تھے جو قوم اور قبیلہ کی
پرانی تفریق کو بالائے طاق رکھکر ایک دوسرے کے خلاف خونخوار مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے مومنین نے کفار
کی ایذارسانی اور تکلیف دہی کو صبر اور استقلال سے برداشت کیا اور اگرچہ ایسا کو نہیں انہوں نے دور اندیشی سے کام لیا
مگر تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اعلیٰ درجہ کی برداشت اور بردباری دکھائی ایک سو مرد اور عورتوں نے اپنے
گھروں کو چھوڑ کر ملک حبش میں جا پناہ لی مگر اپنے ایمان کو ہاتھ سے دینا گوارا نہ کیا اور اب اس سے بھی بڑی تعداد آنحضرت صلعم
سمیت اپنے وطن مالوف اور اسکے پاک عبادتگاہ کو جو انکے نزدیک کل روئے زمین پر سب سے مقدس جگہ تھی چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت
کی مدینہ میں اسی حیرت انگیز جادو نے دو یا تین سال کے اندر ایک ایسی جان نثار جماعت تیار کر دی تھی جو اپنی جانوں کو
آنحضرت صلعم اور آپکے صحابہ رضی کی حفاظت کے لئے قربان کرنے کو تیار رکھتی یہودی بھی اپنے مذہب کا وعظ مدت سے کر
رہے تھے مگر وہ اپنی خواب سے بیدار نہیں ہوئے جبتک آنحضرت صلعم کی زندگی بخش آواز ان کے کانوں میں نہیں پڑی اور جب
انہوں نے اس آواز کو سن لیا تو ایک نئی اور پرجوش زندگی کی روح ساتھ ہی انمیں پھونکی گئی۔"

یہ شہادت جو ایک سخت مخالف کے قلم سے نکلی ہوئی ہے ایک طالب حق کو یقین دلادیگی کہ جو کامیابی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں تیرہ سال کے اندر ہوئی وہ دنیا کی تاریخ میں ایک بے نظیر کامیابی ہے لیکن پادری صاحبان کے
لئے اسلام کی کسی عمدگی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی فضیلت کا اقرار کرنا موت سے بھی سخت تر ہے۔ مگر
تعجب ہے کہ ایک فقرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ناکامی منسوب کر کے ساتھ ہی دوسرے فقرے میں
پادری سیل کہتا ہے کہ "اسلام کی ملکی اور مذہبی ملی ہوئی ترقی ایک منزل کو طے کر چکی تھی اور اب عرب کی کل
اقوام کو متفق کر لینا زیادہ قریب قیاس معلوم ہوتا تھا۔" اب اس فقرے میں پادری صاحب تسلیم کرتے ہیں۔ کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیابی ہوئی تھی اور یوں انکا دوسرا فقرہ انکے پہلے فقرے کی تردید کرتا
ہے بات یہ ہے کہ ایک طرف تو پادری صاحب نے یہ دکھانا تھا کہ دین کے پھیلانے کے لئے تلوار
اٹھانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ وعظ کے ذریعہ کوئی کامیابی نہ ہوئی تھی اور دوسری طرف

انکو یہ ثابت کرنا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسقدر جمعیت تھی جو تلوار پکڑ کر عرب کو فتح کر سکے اب پادری صاحب خود ہی بتا دیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وعظ دین اسلام پھیلا نہیں ناکام ہوئے تھے تو وہ آدمی کہاں تھے جن کے بھروسے پر آپنے تلوار اٹھائی اور اگر آپ کے ساتھ اسقدر زبردست افواج مل چکی تھیں حالانکہ یہ تو وہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اسوقت تک آپنے صرف وعظ سے ہی کام لیا تھا تو پھر وعظ میں ناکامی کیونکر ہوئی اصل بات یہ ہے کہ حق ان دونو دعووں کے بین بین ہے نہ تو آپ ناکام ہی ہوئے تھے کہ آپ کیساتھ ایک بھی آدمی نہ ہو اور نہ ہی آپ اسقدر جمیعت حاصل کر چکے تھے جو بزور شمشیر کل عرب کی جنگی اقوام کو فتح کر لے جنگ بدر میں جو آپ کی مشہور لڑائیوں میں سے پہلی لڑائی ہے جو ہجرت سے ایک سال اور عقبہ کی بیعت ثانیہ سے دو سال سے زیادہ عرصہ بعد وقوع میں آئی آپکے ساتھ صرف ۳۱۳ کل لڑنیوالے تھے جنمیں وہ نوجوان بچے بھی شامل تھے جنکی عمریں ابھی تک بیس سال تک بھی نہیں پہنچی تھی اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ اس سے دو سال پہلے آپکے ساتھ کسقدر جمعیت جنگ کرنیوالی تھی جسکے بھروسے پر آپ نے دین کو بزور شمشیر پھیلانا چاہا اسمیں شک نہیں کہ بدر کے موقع پر کفار کی طرف سے بھی ایک ہزار ہی لڑنیوالے نکلے تھے مگر اسکی یہ وجہ نہ تھی کہ ان کے پاس اس سے زیادہ لڑنیوالے نہ تھے بلکہ وہ مسلمانوں کی طاقت کو اسقدر کمزور سمجھتے تھے کہ انہوں نے اسی فوج کو مسلمانوں کی جماعت کے نیست ونابود کرنیکے لئے کافی سمجھا تھا

عقبہ کی بیعت ثانیہ کے بعد آپ نے حکم الٰہی سے اپنے پیروں کو یہ اجازت دیدی کہ وہ مدینے کو چلے جائیں چنانچہ معاً تیاریاں شروع ہو گئیں اور اکیلے اکیلے یا دو دو چار چار ہوکر مسلمان نکلنے شروع ہو گئے اور جتنی لوگ اکٹھی روانگی مخفی طور پر ہوئی تھی اب اگر قریش کی ایذا رسانی اس حد تک ختم ہو جاتی تو ہم سمجھ لیتے کہ انکو اسلام کے نیست ونابود کرنیسے کوئی غرض نہ تھی بلکہ وہ صرف بتوں کی مذمت یا کسی اور وجہ سے مسلمانوں کا مکہ میں رہنا پسند نہ کرتے تھے اور اسی لئے انہیں دکھ دیتے تھے مگر بجائے اسکے کہ ایذا رسانی کا اسجگہ خاتمہ ہو جاتا مسلمانوں کے مکہ کو چھوڑنے میں یہ اور بھی ترقی کر گئی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے اپنے دل میں یہ ٹھان لیا ہوا تھا کہ اسلام کو نیست ونابود کر کے ہی چھوڑیں گے اسلئے وہ یہ گوارا نہ کرتے تھے کہ مسلمان امن سے کسی دوسری جگہ جا آباد ہوں کیونکہ ان کو اندیشہ تھا کہ اگر ایسا ہوا تو اسلام کے پیر جم جائینگے اور وہ اسکی ترقی کو روک نہ سکیں گے چنانچہ اس موقع پر بڑی بڑی بیرحمیوں کا ارتکاب کفار نے پھر کیا مثال کے طور پر میں ایک نظیر بیان کرتا ہوں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کیساتھ آنحضرت صلعم کا حکم سنتے ہی مکہ سے نکل پڑے انکی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا ابو سلمہ نے اپنی بیوی اور بچے کو اونٹ پر سوار کر کے خود اسکی مہار پکڑ کر بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ کا راہ لیا ابھی تھوڑی دور نکلے تھے کہ بنی مغیرہ کے بعض لوگوں نے انکو دیکھ لیا اور ابو سلمہ سے اونٹ کی مہار لیکر اسے تو جانے دیا اور اس کی بیوی اور بچے کو واپس لے آئے جب ابو سلمہ کے قبیلے بنی عبد الاسد کو اس کی خبر پہنچی تو وہ بچے کے دعوے دار ہوئے اور

دونوں فریقوں میں کشمکش ہوئی آخر بچے کو تو بنی عبدالاسد لے گئے اور ام سلمہ اکیلی بنی مغیرہ کی حراست میں رہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں صبح کو باہر نکل جاتی اور وادی میں بیٹھکر شام تک وہیں رویا کرتی اور اسی طرح ایک سال بھر گذر گیا ایک دن وہ اس طرح بیٹھی رو رہی تھی کہ انکے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک کا ادھر سے گذر ہوا اسے ترس آیا تو اسنے بنی مغیرہ کو ملامت کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی مغیرہ نے ام سلمہ کو اجازت دیدی چنانچہ وہ اپنے بچے کو بنی عبدالاسد سے واپس لیکر اکیلی مدینہ کو چلیں جب مقام تنعیم پر پہنچیں تو وہاں انکو عثمان بن طلحہ مل گئے اور جب انکو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اکیلی مدینہ کو جا رہی ہیں تو انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑلی اور جب تک مدینہ میں انکو انکے خاوند کے پاس نہیں پہنچا دیا واپس نہیں ہوئے۔" غرض اس طرح سے جہاں قریش کا زور چلتا وہ بھاگنے والوں کو پکڑ کر سخت ایذائیں دیتے مگر صحابہ رضی اللہ عنہم جسطرح سے بن پڑتا چھپ چھپ کر نکلے جا رہے تھے بعض نے ان میں سے ایسا بھی کیا کہ کفار کو اپنا سارا مال دیکر نکلجانے پر رضامند کر لیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں مکہ مسلمانوں سے بالکل خالی ہو گیا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما رہ گئے حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارہا عرض کرتے کہ آپ کو بھی اب ہجرت کرنی چاہیئے مگر آنحضرتؐ ہمیشہ یہی فرماتے کہ مجھے ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں پہنچا یہ بات بہت قابل غور ہے کہ اسطرح چاروں طرف سے دشمنوں سے گھرے ہوئے ہیں اور دشمن بھی وہ جنکی غضب کی آگ مسلمانوں کے مدینہ میں جانے سے اور بھی تیزی سے بھڑک اٹھی ہے ایسے حالات کے ماتحت کوئی معمولی انسان ایک دن کیلئے بھی ایسی جگہ میں رہنا پسند نہ کرتا کیونکہ ظاہری حالات سے اس طرح تن تنہا دشمنوں میں رہجانا ایک نہایت خطرناک امر تھا مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خطرہ کی پرواہ نہیں کی اور نہ کسی دشمن کی دشمنی کو کچھہ چیز سمجھا نہ انکی طاقتوں اور منصوبوں کی حقیقت سمجھی بلکہ یہی فرمایا کہ میں خدا کے حکم کا منتظر ہوں اب بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ پر ایسا مضبوط ایمان اور اسکے وعدوں پر ایسا بھروسہ اور اسکے احکام کی ایسی فرمانبرداری کی نظیر کہاں ملتی ہے دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے اور دن رات آپکے ہلاک کرنیکے لئے منصوبے کر رہے ہیں دوست سب کئی سو میل کے فاصلے پر بیٹھے ہیں مگر آپ خدا کے حکم کے منتظر ہیں کہ کب وہ حکم دے اور جبتک اسکا حکم نہ آیا انہی دشمنوں میں جو آپکے خون کے پیاسے تھے رہنا پسند کیا نا خدا ترس مخالف ہر خوبی کی بات میں عیب تلاش کرتا ہے اسموقع پر میور صاحب آنحضرتؐ کے اسطرح تنہا دشمنوں میں رہ جانے سے حیران ہو کر کہتا ہے کہ شاید اسکی یہ وجہ تھی کہ آپ اس بات کے منتظر تھے کہ مدینہ سے یقینی خبر اس امر کی پہنچ جائے کہ آپکے لئے وہاں انتظام حفاظت کافی ہے مگر پادری صاحب کو یہ خیال نہ آیا کہ اگر آپ کو اسقدر خیال حفاظت کا تھا تو مکہ میں تنہا دشمنوں میں کیوں بیٹھے ہوئے تھے کیا تعجب نہیں کہ اس شہر میں جہاں آپکے متبعین کل جمع ہو چکے تھے جانیسے حفاظت کے خیال سے ڈریں اور مکہ میں تنہا دشمنوں کے اندر بیٹھے رہیں پھر اگر آپ کو اپنی حفاظت کا ایسا ہی خیال ہوتا تو جب طایف کو آپ اکیلے نکلے تھے اسوقت حفاظت کا کونسا سامان کر لیا تھا پادری صاحب نے خود بھی اپنے بیان کے بودا پن کو کسی قدر

محسوس کیا ہے کیونکہ ساتھ ہی پھر وہ لکھتا ہے "یا ممکن ہے کہ آنحضرتؐ کے مکہ میں ٹھہرے رہنے کی یہ وجہ ہو کہ آپ چاہتے ہوں کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے سارے اصحاب پہلے نکل لیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو یہ خیال ہو کہ شاید اب اہل مکہ پر جہاں دس بھی مسلمان نہ رہ گئے تھے وہ عذاب نازل ہو جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے دیا تھا" اصل بات یہ ہے کہ آپ ؐ ف حکم الٰہی کے منتظر تھے اور آپ کا دل اس یقین سے بھرا ہوا تھا کہ آپ کی حفاظت کرنیوالا اللہ تعالیٰ ہی ہے آپکو کسی اور کی حفاظت کی پروا نہ تھی بلکہ آپکا بھروسہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر تھا چنانچہ میں اوپر بھی لکھ چکا ہوں کہ باوجود اسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ سے کفار کے حملوں کی مدافعت کی بیعت لی مگر آپکو ان حفاظتوں پر بھروسہ نہ تھا بلکہ آپ اسی طرح چلتے جس طرح خدا آپ کو چلاتا تھا اگر آپ ظاہری سامانوں کو مدنظر رکھتے تو چاہیئے تھا کہ بیعت عقبہ کی خبر کے مشہور ہونے پر سب سے پہلے آپ مکے سے نکلکر مدینہ میں پناہ گیر ہو جاتے مگر آپ کا بھروسہ محض اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر تھا اسی لئے آپ اسی کے احکام کے منتظر رہتے تھے۔

ادھر جسوقت آپ یوں تنہا کفار کے درمیان رہ گئے تو وہ لوگ جو اپنی مخالفت میں صحابہ کی ہجرت کیوجہ سے اور بھی تیز ہو چکے تھے اب نئے نئے منصوبے آپ کی ہلاکت کے سوچنے لگے چنانچہ دارالندوہ میں جو اپنے مشوروں کے لئے مقرر تھا قریش کے بڑے بڑے مدبرین نے اکٹھے ہو کر یہ مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے پہلے یہ تجویز کی گئی کہ آپ کو قید کر لیا جاوے مگر ایک شیخ نجدی جو شیطان مجسم تھا اس مشورہ میں شامل تھا اسنے اس تجویز کی قباحتوں کو بیان کرکے رد کر دیا پھر دوسری تجویز یہ ہوئی کہ آپ کو مکہ سے نکال دیا جاوے مگر یہ بھی شیخ نجدی نے پسند نہ کی آخر ابوجہل اٹھا۔ اور اسنے کہا کہ یہ تجویز کرنی چاہیئے کہ تمام اقوام میں سے ایک ایک مضبوط آدمی چن کر سب کے ہاتھوں میں ایک ایک تلوار دیجاوے اور وہ سب ایسے طور سے آنحضرتؐ پر حملہ کریں کہ سب کی تلواریں یکمرتبہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لگیں تاکہ قتل کا الزام کسی ایک آدمی یا ایک قوم کے سر پر نہ آوے اس تجویز کی شیخ نجدی نے بھی تحسین کی چنانچہ اسی کے مطابق ایک جماعت قاتلین کی جمع ہو کر آنحضرتؐ کے گھر کے باہر جمع ہو گئی اور اسموقع کی تاک میں لگے رہے جبکہ وہ تجویز کے مطابق کل کے کل یکمرتبہ ہی حملہ آور ہو کر آپ کا کام تمام کر دیں مگر جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسموقع پر قرآن شریف میں فرماتا ہے اذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین یعنی وہ وقت یاد کرو جب کفار یہ تدبیریں کر رہے تھے کہ تمہیں گرفتار کرکے قید میں رکھیں یا تمکو مار ڈالیں یا جلاوطن کر دیں وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ بہتر تدبیر کرنیوالوں کا ہے (الانفال - ۳۰) اس مقام پر قرآن شریف نے کفار کی ان تدابیر کا ذکر کیا ہے جو وہ دارالندوہ میں کرتے تھے اور فرمایا ہے کہ کافروں نے بھی تدبیریں کیں مگر اللہ تعالیٰ نے انکو ناکام کیا اور ایسی تدابیر کیں جس سے آنحضرتؐ باوجود اسکے کہ آپکے گھر کا محاصرہ قاتلین نے کیا ہوا تھا صحیح سلامت انکے درمیان سے نکل آئے اور وہ ایسے مبہوت ہو گئے کہ آپکو پہچان بھی نہ سکے ادھر کفار آپکے ہلاک کرنیکے لئے یہ تجاویز سوچ رہے تھے ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بذریعہ وحی یہ اطلاع دی کہ اب ان کفار

پر اتمام حجت ہو چکا ہے جس سے وہ عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں اور میرے قتل کے لئے وہ منصوبہ بازی کر چکے ہیں اب تمہیں اجازت ہے کہ تم اس شہر کو جو عذاب الٰہی کا مستحق ہو چکا ہے چھوڑ کر مدینہ چلے جاؤ۔ (باقی آیندہ)

اسلامی خطرہ۔

پروفیسر ٹلے ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر نے حال ہی میں امریکہ کے ایک مشہور میگزین میں ایک مضمون بعنوان "کیا مسلمانوں سے کوئی خطرہ ہے" چھپوایا ہے اس سوال کا جواب پروفیسر مذکور نے نفی میں دیا ہے سب سے اول اسلامی سلطنتوں کی حالت پر غور کر کے راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ روم یا ایران یا افغانستان یا مراکش وغیرہ کی سلطنتیں اس قابل نہیں کہ خود بخود عیسائی سلطنتوں پر حملہ کرنے میں ابتدا کریں اور علاوہ ازیں وہ سب کی سب کسی ایک یا زیادہ عیسائی سلطنتوں کے زیر اثر بھی ہیں لیکن زیادہ زور مذہبی پہلو کے لحاظ سے اس مضمون میں دیا گیا ہے پروفیسر ٹلے کہتا ہے کہ خواہ افریقہ کی کچھ ہی حالت کیوں نہ ہو اور وہ بھی اسکے نزدیک بظاہر خطرے کی حالت نہیں لیکن ضرور ہے کہ افریقہ کی اسلامی آبادی پر ہندوستان کے مسلمانوں کے طرز عمل کا اثر پڑے وہ اس بات سے غافل نہیں کہ کسطرح مہدویت کے دعویداروں نے ملک کے امن کو خطرہ میں ڈالا ہے جیسا کہ حال ہی میں مہدی سوڈانی نے انگریزی قوم کو سخت تکلیف میں ڈالا مگر ہندوستان کی نسبت وہ بالکل مطمئن ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کے خیالات امن اور صلاحیت کے ہیں اس رائے کی وجہ یہ بیان کرتا ہے جو میں اسکے اپنے الفاظ میں بتاتا ہوں "ہندوستان میں مسلمانوں کی رائے کا عام میلان کیا ہے اسکی شہادت ہمیں ایک نئے مدعی مسیحیت مرزا غلام احمد کے بیانات اور تحریروں سے ملتی ہے یہ وہی شخص ہے جس نے تھوڑا عرصہ ہوا شکاگو کے ڈاکٹر ڈوئی کو یہ چیلنج دیا تھا کہ وہ دعا میں انکا مقابلہ کرے اسطرح پر کہ ڈوئی اور یہ دعا کریں کہ دونوں مدعیوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ دوسرے سے پہلے مر جاوے جنگ کے متعلق احمد نے اپنے خیالات کا اظہار ہندوستان کے ایک میگزین ریویو آف ریلیجنز میں ان صاف الفاظ میں کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آخری مسیح پہلے مسیح کی طرح اسلئے بھیجا گیا ہے کہ وہ اپنا پیغام صلح اور امن سے پہنچاوے اور جہاد کو یعنی بزور شمشیر دین کے پھیلانے کو موقوف کرے خود زمانہ حامیان جہاد کو زبان حال سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ جہاد کے ذریعہ اس شخص کو جو تلاش حق میں ہے کبھی اطمینان نہیں ہو سکتا کوئی مہذب قوم اس زمانہ میں مذہبی اغراض کے لئے تلوار ہاتھ میں نہیں پکڑتی بلکہ تمام مہذب ممالک میں مذہبی عقاید میں پوری آزادی ہر ایک شخص کو حاصل ہے پس ان حالات کے ماتحت غازی مہدی اور خونی مسیح کے منتظروں کو اپنی غلطی پر متنبہ ہو جانا چاہئیے ایسے عقاید اللہ تعالیٰ کے منشا کے مخالف ہیں اور عقل بھی ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتی ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ منشا ہوتا کہ مسلمان اپنے مذہب کی خاطر لڑائیاں کریں تو چاہئیے تھا کہ مروجہ فنون جنگ میں یہی قوم دنیا کی تمام اقوام سے بڑھی ہوئی ہوتی مگر امر واقعہ یہ ہے کہ وہ فنون حرب میں اسقدر پیچھے رہ گئے ہیں اور عیسائی قومیں ان فنون میں اسقدر سبقت لے گئی ہیں کہ یہ خیال محض عبث اور لغو ہے کہ مسلمان عیسائیت کو تلوار سے کبھی نیست و نابود کر سکیں اس سے صاف منشاء الٰہی یہ پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ

اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اسلام کو بذریعہ تلوار پھیلانیکی کوشش کیجاوے پھر ایک دوسرے موقعہ پر وہ لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کی پہلی سورۃ میں یہ پیشگوئی ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک مسیح پیدا ہوگا جو پہلے مسیح کی طرز پر آئیگا یعنی وہ تلوار نہیں اٹھائیگا بلکہ سچے دین کو آسمانی نشانوں اور زبردست دلائل کے ذریعہ سے پھیلائیگا پھر وہ لکھتے ہیں کہ میں تمام دنیا کو اپنی اس پیشگوئی پر جو زمین و آسمان کے قادر مطلق خدا کے نام سے میں کرتا ہوں گواہ ٹھیراتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے پیرودں کو تمام ملکوں میں پھیلائیگا اور وجوہات اور دلائل کے رو سے انکو تمام قوموں پر غالب کرے گا۔"

اس کے بعد پروفیسر مذکور وہ الفاظ لکھتا ہے جنپر تمام مسلمانان ہند کو غور کرنا چاہئے وہ کہتا ہے "میں یقین کرتا ہوں کہ ہندوستان کے تمام سمجھدار آدمی جہاد کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے ہونگے اور ان حالات میں ہندوستان میں کسی مذہبی بغاوت کا ہونا اگر بالکل ممکن نہیں تو قریب قریب ناممکن ضرور ہے۔"

اسمیں شک نہیں کہ وہ معنے جنکو "اسلامی خطرہ" کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے سب سے بڑھکر غازی مہدی کے مفہوم میں پائے جاتے ہیں اور جبتک یہ عقیدہ کہ ایک ایسا مہدی ظاہر ہونیوالا ہے جو تلوار پکڑ کر لوگونکو مسلمان کریگا دور نہ کیا جاوے تب تک جہاد کے متعلق وہ عقیدہ آدمی ہرگز نہیں رکھ سکتا جسکا اعلان حضرت مرزا صاحب نے کیا ہے عوام کو میں مخاطب نہیں کرتا کیونکہ وہ تو بلا سوچے سمجھے جو بات علماء کہدینگے اسکے پیچھے لگینگے مگر ان لوگوں سے جو اپنی قوت متفکرہ سے کچھ بھی کام لینا چاہتے ہیں میں یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ جہاد کا عقیدہ کہ مہدی بزور شمشیر لوگوں کو مسلمان کریگا مذاہب حقہ اسلام پر سخت دھبہ نہیں اور کیا غیر قوموں کے سامنے ہمیں وہ اسلام پیش کرنا چاہئے جسکے عقاید کو ایک فاضل پروفیسر مسلمانوں کی امن پسندی اور صلح جوئی پر بڑی بھاری دلیل سمجھتا ہے پھر میں کہتا ہوں کہ اس احسان کا (جو حضرت مرزا صاحب نے جہاد کا یہ غلط عقیدہ دور کرکے مسلمانوں پر کیا ہے) مسلمانان ہند نے کیا بدلہ دیا؟ بجائے اسکے کہ وہ شکر گذار ہوتے اور اس محسن کی قدر کرتے گالیاں نکالی گئیں ایذائیں دی گئیں مقدمات کئے گئے اور ہر طرح سے نیست و نابود کرنے کی تجویزیں کی گئیں آخر ایک فاضل عیسائی نے اگر اس بات کو قبول کیا کہ بیشک اسلام یا مسلمان اسوقت جہاد کے غلط عقیدے کو چھوڑ رہے ہیں تو کس وجہ پر؟ اسوجہ پر کہ سلسلہ احمدیہ کا بانی یہی تعلیم دیتا ہے اور اسوجہ پر کہ یہ تعلیم ایسی معقول ہے کہ فاضل پروفیسر کے نزدیک کوئی سمجھدار مسلمان اس سے انکار نہیں کر سکتا کاش مسلمان غور کریں کہ اس سلسلہ کا کسقدر بڑا احسان ہے کہ ایک ایسے دھبہ کو جو کئی سو سال سے اسلام پر لگتا چلا آیا تھا اسی سلسلہ نے اکر دور کیا اور آخر اسلام پر نکتہ چینی کرنیوالوں کو اقرار کرنا پڑا کہ مسلمانان ہند سے ہمیں اب کوئی خطرہ جنگ کا نہیں کیونکہ دہاں سے وہ مہدی اور مسیح پیدا ہوا ہے جسکی تعلیم جہاد کے خلاف ہے اور یوں نہ صرف مذہبی پہلو سے ہی بلکہ ملکی پہلو سے بھی یہ ایک عظیم الشان احسان بانی سلسلہ احمدیہ کا مسلمانان ہند پر ہے

ایسا ہی ایک اور اخبار میں جو نیوزیلینڈ سے نکلتا ہے اور جسکا نام آکلینڈ سٹار ہے کوئی چند ماہ ہوئے اسی "اسلامی خطرہ" کے مضمون پر ہی بحث کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مسلمانان ہند سے ہم بالکل مطمئن ہیں کیونکہ "انہیں ایام میں وہاں ایک نیا مسلمان مسیح مرزا غلام احمد اٹھا ہے جو مسلمان اقوام کے اندر یہ تعلیم دیتا ہے لیکن یہ نہایت کھلے طور پر یہ کہہ رہا ہے کہ آخری مسیح اسلئے بھیجا گیا ہے کہ اپنا پیغام صلح اور امن سے پہنچائے اور جہاد یا بذریعہ تلوار مسلمان کرنیکی قبیح رسم کو دور کرے" غرضیکہ اسوقت دنیا کے مختلف ممالک میں یہ امر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ سلسلہ احمدیہ نے اسلام پر سے ایک بڑے دھبہ کو دور کیا ہے اور

وہ اسلام پیش کرنا چاہیے جسمیں ایسے نفرت دلانیوالے عقاید موجود ہیں یا وہ

یوں نہ صرف مسلمانوں کے ایک مذہبی عقیدہ کی غلطی کو ہی دور کیا ہے بلکہ ملکی رنگ میں بھی فائدہ پہنچایا ہے کہ غیر اقوام کو یا خود گورنمنٹوں کو جو انپر بدظنی تھی اسکے دور کرنے میں بڑی بھاری مدد دی ہے ان تحریرات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسالہ کہاں کہاں تک پہنچا ہے اور اسکی تحریرات کو بڑے بڑے فاضل پروفیسروں اور اخبار نویسوں نے کس عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے پروفیسر ٹاسے منجملہ ان اشخاص کے ہیں جنکو ہم دو تین سال سے مفت رسالہ بھیج رہے تھے اور ہمیں کچھ علم نہ تھا کہ آیا وہ اسکو ردی میں ہی پھینک دیتے ہیں یا اسکو پڑھتے ہیں اور اگر پڑھتے ہیں تو کیا اثر انپر ہوتا ہے لیکن انکی اس تحریر نے ہمیں بتا دیا ہے کہ یہ سلسلہ مفت رسالے باہر بھیجنے کا دین حق کے پھیلانے میں ایک نہایت ہی مفید طریق ہے جس سے تھوڑا خرچ کر کے اسلام کی بڑی بھاری خدمت ہو سکتی ہے اور اگرچہ ہمیں اسوقت علم نہ ہو سکے کہ کیا کیا مفید نتیجے اس سے پیدا ہوتے ہیں مگر یہ ایک بیج ہے جو بویا جا رہا ہے اور اپنے وقت پر یہ پودہ پھولے اور پھلیگا

ریویو

الفرقان: حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی آخری تصنیف ہے جو مرحوم نے اپنے آخری دنوں میں شروع کی تھی ۴۲ صفحہ تک چھپ چکی تھی کہ آپکا انتقال ہو گیا۔ حکیم فضلدین صاحب نے اسی قدر حصہ کو ایک مختصر دیباچہ کیساتھ جو شیخ یعقوب علی صاحب نے لکھا ہے شایع کر دیا ہے اگرچہ اصل غرض مصنف مرحوم کی صرف ایک شیعہ کے خط کا جواب دینا تھا مگر قرآن کریم کی وہ سچی محبت جو آپکے دل میں تھی جسکا ذکر آپ اس کتاب میں ان الفاظ میں کرتے ہیں "اگرچہ بات لمبی ہوتی جاتی اور مقرر کردہ اندازہ سے کتاب کی ضخامت کے بڑھ جانیکا اندیشہ ہے مگر قرآن کریم کے اکرام اور اعزاز کی آرزو جو میری روح کی حقیقی غرض اور غذا ہے مجھے اس دل کے ملاحظہ سے بے پروا کر کے تعلیم دیتی ہے کہ میں ایسے موقعوں کو کبھی ہاتھ سے نہ دوں اور غنیمت سمجھوں کہ اس تھوڑی فرصت میں جو خدائے تعالیٰ کی مہربانی سے مجھے ملی ہے اسی کی توفیق سے کچھ زاد راہ پیدا کر لوں" الغرض اس سچی محبت کلام الٰہی کا جو آپکے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے یہ تقاضا تھا کہ آپ نے اسمیں قرآن شریف کی بہت سی آیات کی نہایت لطیف تفسیر کی ہے اور عصمت انبیاء اور ذنب اور غفر کے معنوں پر قرآن شریف سے نہایت لطیف استدلال کئے ہیں یہ بیش بہا جوہر جو مرحوم کی آخری یادگار ہے حکیم فضلدین صاحب مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان سے ۴ر قیمت کو دستیاب ہو سکتا ہے۔

تعلیم الاسلام: تہذیب الاسلام کا جواب ماسٹر عبدالرحمن صاحب نے لکھا ہے جنکی کتاب اختیار الاسلام تین حصوں میں پہلے شایع ہو چکی ہے مصنف سے ملسکتی ہے۔

تحفۂ احمدیہ: محمد منظور الٰہی صاحب سوہدروی کی تصنیف "دو آریوں کی باہمی گفتگو" یا الفاظ مصنف گپ شپ ہے مصنف سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ اس طرز تحریر کو جسمیں وہ متانت اور سنجیدگی نہیں پائی جاتی جو مذہبی اور خصوصاً احمدی لٹریچر میں ہونی چاہئے آیندہ بالکل ترک کر دیں ۴۴ صفحے قیمت ار شیخ یعقوب علی صاحب مالک الحکم سے ملسکتی ہے۔

ضیاء الاسلام ماہوار مذہبی رسالہ مراد آباد سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اسکا دوسرا نمبر میرے پاس پہنچا ہے جسمیں عمدہ مضامین ہیں

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یکم جنوری ۱۹۰۶ء تین بکرے ذبح کئے جائیں گے فرمایا ظاہر پر عمل کرکے آج ہم نے تین بکرے ذبح کرا دئے ہیں۔

۳۔ جنوری ۱۹۰۶ء انی مع الافواج اتیک بغتۃً حرامٌ علی قریۃٍ اھلکنٰھا انھم لا یرجعون۔ ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک۔ ترجمہ میں فوجوں کے ساتھ تیرے پاس اچانک آؤنگا جس گاؤں کو ہم نے ہلاک کردیا ان پر پھر واپس آنا حرام ہے اور ہم نے تجھسے وہ بوجھ اتار دئے جنہوں نے تیری پیٹھ توڑ دی۔ ۱۰ جنوری ۱۹۰۶ء (۱) اللہ غالبٌ علی کل شیءٍ (۲) ینجیک من کربک۔ ترجمہ (۱) خدا ہر شے پر غالب ہے۔ (۲) تجھے تیرے کرب سے نجات دیگا ایک رؤیا میں دیکھا کہ بہت کرسند آئے ہیں اور ایک کاغذ پیش کیا کہ اسپر دستخط کردو میں نے کہا کہ میں نہیں کرتا انہوں نے کہا کہ پبلک نے کردئے ہیں بیٹے۔ کہا کہ میں پبلک میں نہیں یا کہا کہ پبلک سے باہر ہوں ایک اور بات بھی کہنے کو تھا کہ کیا خدا نے اسپر دستخط کردئے ہیں مگر یہ بات نہیں کی تھی کہ بیداری ہوگئی ۱۳۔ جنوری ۱۹۰۶ء (۱) قل اللہ ثم ذر کل شیءٍ (۲) ان اللہ مع الذین اتقوا ترجمہ تو کہدے اللہ پھر سب چیزوں کو چھوڑدے یعنی اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ کر اور دوسرے کسی کی پرواہ نہ کر (۳) رؤیا میں مولوی محمد حسین صاحب کو دیکھا کہ کہتے ہیں قطع دابر القوم۔ دل میں خیال گذرا کہ یہ تو دشمن ہے کسی قوم کے متعلق یہ الفاظ بولتا ہے تب الہام ہوا قطع دابر القوم الذین لا یؤمنون ترجمہ اس قوم کی جڑھ کاٹی گئی جو ایمان نہیں لاتی (۴) رؤیا میں دیکھا کہ دہلی گئے ہیں اور بخیریت واپس آئے ہیں پھر الہاماً یہ الفاظ زبان پر جاری ہوئے۔ الحمد للہ الذی اوصلنی صحیحاً ترجمہ سب حمد اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے صحیح سالم پہنچا دیا۔ ۱۴ جنوری ۱۹۰۶ء (۱) کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی (۲) سلامٌ قولاً من رب الرحیم (۳) ہم کہیں مرینگے یا مدینہ میں ترجمہ خدا تعالیٰ نے ابتدا سے مقدر کر چھوڑا ہے کہ وہ اور اسکے رسول غالب رہیں گے (۲) خدائے رحیم کہتا ہے کہ سلامتی ہے یعنی خائب و خاسر کی طرح تیری موت نہیں ہے اور یہ کلمہ کہ ہم کہیں مرینگے یا مدینہ میں اسکے یہ معنے ہیں کہ قبل از موت مکی فتح نصیب ہوگی جیسا کہ وہاں دشمنوں کو قہر کیساتھ مغلوب کیا گیا تھا اسی طرح یہاں بھی دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کئے جائینگے دوسرے یہ معنے ہیں کہ قبل از موت مدنی فتح نصیب ہوگی یعنی خود بخود لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہوجائینگے فقرہ کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی مکی طرف اشارہ کرتا ہے اور فقرہ سلام قولاً من رب رحیم مدینہ کی طرف ۱۵ جنوری ۱۹۰۶ء تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد۔ ۲۰ جنوری ۱۹۰۶ء کی سیر میں سنایا۔ یوم تاتی السماء بدخان مبین وتری الارض یومئذ خامدۃ مصفرۃ اس دن آسمان ایک کھلا کھلا ایک دھواں لائیگا یعنی آسمان ایک دخانی صورت کا عذاب زمین پر نازل کریگا اور تو زمین کو دیکھیگا کہ ایک مردہ سی ہوگئی اور راکھ کی طرح بن گئی ہے اور اسپر بجائے سرسبزی کے زردی چھاگئی ہے ۲۵۔ جنوری ۱۹۰۶ء (۱) تاتی السماء بدخان مبین (۲) یوم تاتی السماء بدخان مبین ۲۶ جنوری ۱۹۰۶ء (۱) فرمایا دل میں ان مشکلات کا خیال تھا جو سلسلہ حقہ کی راہ میں ہیں تو الہام ہوا سفینۃ وسکینۃ ترجمہ کشتی اور سکینت (۲) دیکھا کہ ایک عجیب شکل کا صندوق ہے جسمیں دو خانے ہیں ایک خانہ میں مومنہ ایک عورت کی شکل میں بیٹھی ہے اور دوسرے خانہ میں اسکی لڑکی ہے وہ عورت مجھے تلاش کرتی ہے اور وہ صندوق گاڑی کی طرح چلتا ہے میں نے اسکو اشارہ کیا کہ کچھ تاخیر کرتب وہ مثال سے رہ گئی ۔ ۲۸ جنوری ۱۹۰۶ء رؤیا میں سنا کہ کوئی شخص انگریزی زبان میں بہت زور اور پرجوش الفاظ میں تقریر کر رہا ہے اسکی تقریر میں یہ الفاظ سنے "اے ورڈ اینڈ ٹو گرلز" پھر میں نے دیکھا تو وہ مولوی محمد علی صاحب تھے وہ تقریباً بالکل ایسی تھی جیسے

یکم فروری ۱۹۰۶ء (۱) **تتبعها الرادفة** - ترجمہ - اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنیوالی یعنی ایک زلزلہ آیا - اسکے بعد ایک اور آنیوالا ہے (۲) پھر بہار آئی - خدا کی بات پھر پوری ہوئی - (۳) **واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض** - ترجمہ - اور جو چیز لوگوں کو نفع دینے والی ہے وہی زمین میں ٹھہرے گی یعنی جو انسان خلقت کو فائدہ پہنچانیوالے ہیں ان کو زندگی عطا کیجاویگی ۴ - فروری ۱۹۰۶ء رات کے تین بجے کے قریب جبکہ بادل نہایت زور سے گرج رہا تھا - الہام ہوا - اٹھو نمازیں پڑھیں اور قیامت کا نمونہ دیکھیں - فرمایا اس وقت ہمارا شغل یہی ہوگا - کہ نمازیں پڑھیں اور خدا کی عبرت کا نظارہ دیکھیں - ۸ - فروری ۱۹۰۶ء (۱) زمین کہتی ہے - **یا نبی الله کنت لا اعرفک** - ترجمہ - اے اللہ کے نبی میں تجھے نہیں پہچانتی تھی - (۲) ایک دانہ کس کس نے کھانا **سنخرج همه وغمه دوحة اسمٰعیل فاخفها حتی تخرج** ترجمہ - اس کا ہم اور غم باہر نکال دیگا - اسمٰعیل کے درخت کو پس اسکو پوشیدہ رکھ یہانتک کہ وہ ظاہر ہو جاوے - ۸ - فروری ۱۹۰۶ء خواب میں دیکھا کہ " ہمارے باغ کے قریب ایک نہر رواں ہے - میں کہتا ہوں کہ اب باغ جلد چند روز میں پرورش پا جاویگا - اور اگر پانی نہ بھی لگا تب بھی سرسبز ہو جاویگا - میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ باغ سے مراد اپنی جماعت ہے اور نہر سے مراد نصرت اور تائید الٰہی ہے جو نشانوں کے رنگ میں ظاہر ہوگی - ۱۰ فروری ۱۹۰۶ء " دیکھا کہ ایک جماعت کثیر میرے پاس کھڑی ہے - ایک حاکم آیا اور اس نے کھڑے ہو کر کہا کہ کیوں اس جماعت کو منتشر نہ کیا جائے - میں نے کہا کہ اس جماعت میں کوئی مخالف نہیں صرف تعلیم پاتے ہیں - پھر اس حاکم نے ذکر کیا گویا وہ ایک فرشتہ تھا آسمان کی طرف منہ کر کے ایک دو باتیں کیں جو مجھے نہیں آئیں پھر اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا - کہ سلام - اور چلا گیا "

بنگالہ کی نسبت ایک پیش گوئی -

۱۱ - فروری ۱۹۰۶ء - الہام ہوا - پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی

ایک پوشیدہ خبر شائع ہونے کی پیش گوئی ،

۱۱ - فروری ۱۹۰۶ء اول کسی نے کہا - کرنسی نوٹ - پھر ایک کتاب مجھے دکھلائی گویا وہ کرنسی نوٹ تھی اور پھر الہاماً میری زبان پر جاری ہوا - دیکھو میرے دوستو اخبار شائع ہو گیا - (فرمایا - اخبار سے مراد خبر ہے)

اعانت اور خریداری

خدا کا احسان ہے کہ سلسلہ اعانت اور خریداری برابر جاری ہے - اگرچہ وہ ابتدائی جوش اس میں نہیں - مگر ایک امر خصوصاً قابل ذکر ہے کہ وہ احباب جو اس سلسلہ سے تعلق نہیں رکھتے انہوں نے بھی خود بخود رسالہ کی قدر افزائی کی طرف توجہ کی ہے - میرے مکرم مولنا مولوی محمد عبدالولی صاحب لکھنو سے ایک خط میں حضرت مولوی نورالدین صاحب کو لکھتے ہیں کہ " ریویو آف ریلیجنس کو میں ہندوستان کے تمام رسالوں سے اعلیٰ و افضل خیال کرتا ہوں " مکہ معظمہ اوام اللہ شرفہا سے مدرسہ صولیہ کے مہتمم صاحب نے بھی ابتدا سے اس رسالہ کی جلدیں طلب کی ہیں جو مجلد کرا کر بھیجدی گئی ہیں - کئی ایک احباب خود نمونہ دیکھکر خریدار بھی ہوئے ہیں - اور

پچھلے سالوں کی پوری پوری جلدیں طلب کی ہیں۔ اعانت میں اس مہینہ میں غیر احمدی احباب میں سے خاص طور پر قابل ذکر جناب مرزا سلطان احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور ڈاکٹر عبد القادر صاحب اسسٹنٹ سرجن بنوں اور شیخ عمر بخش صاحب وکیل لاہور ہیں۔ جنہوں نے اپنے خرچ پر بیرونجات میں مفت پرچے بھیجنے کیلئے کئی کئی رسالوں کی قیمت بھیجی ہے۔ احمدی احباب نے اردو رسالے کے خریدار ماہ جنوری و فروری میں حسب ذیل دیئے ہیں۔ قاضی نعمت خانصاحب پپشاور نے ۵ ماسٹر ہدایت اللہ صاحب جہلم اور بابو محمد منظور الٰہی صاحب بھٹنڈہ اور ڈاکٹر یعقوب خانصاحب مونہ نے چار چار۔ بابو محبوب عالم صاحب لاہور اور منشی محمد نواب خانصاحب گجرات اور سید قاسم علی صاحب دہلی نے تین تین۔ سید محمد علیشاہ صاحب بدوملہی منشی نور الدین صاحب دہرم کوٹ رندھاوا۔ اور مولوی محمد فضل صاحب چنگوی دو دو۔ اور مفصلہ ذیل احباب نے ایک ایک خریدار دیدیا ہے منشی عطا محمد صاحب چوہدری والہ۔ چوہدری محمد خان جسروال۔ میاں عبد السلام کاٹھ گڑھ۔ میاں محمد ابراہیم کراچی۔ منشی محمد صدیق مہارا جکے۔ منشی برکت علی گڈھ شنکر۔ بابو شاہ الدین لارنس پور۔ منشی طفیل احمد چندوسی۔ جناب حامد صاحب شہر مولوی غلام حسن صاحب پشاور۔ مولوی فضل کریم قلعہ صوبہ سنگھ۔ منشی نواب الدین صاحب پسرور۔ بابو محمد الٰہی کوہاٹ۔ منشی محمد یوسف مردان۔ میاں محمد دین محمد خلیل بمبئی۔ منشی غلام محی الدین۔ محمد ابراہیم بن حاجی موسیٰ کراچی۔ منشی عبد الحی پسرور۔ میاں محمد عبد اللہ بھینی۔ منشی خدا بخش بٹیالہ۔ ایس ایم عبد الرحمٰن صاحب۔ منشی ناظر حسین سہارنپور۔ منشی محمد سلطان صاحب میاں احمد علی مرار۔ منشی رمضان علی۔ منشی نعمت خانصاحب پہلور۔ میاں عبد الرحمٰن بمبئی۔ چوہدری رستم علی انبالہ۔ احمدی احباب نے تم اعانت کا روپیہ حسب ذیل دیا ہے۔ منشی محمد ظفر وال ۲ میاں رحیم بخش پٹیالہ عصہ شیخ نور احمد لاہور۔ للعہ میاں الہ بخش دریام ۲ میاں دوست محمد جہلم للعہ۔ میاں الہ دتا گولاواہ عصہ مولوی عبد اللہ کہرل چک نمبر ۱۰۷ سے خواجہ کمال الدین لاہور عصہ بابو امام الدین کوہاٹ ۸ منشی غلام نبی کوہاٹ ۸ ڈاکٹر مختار علی خان بربرہ ۲ شیخ علی محمد ڈنگہ عصہ جماعت شملہ سے بابو گلاب خان دہرمسالہ سے۔ میاں فضل الدین سری نگر عصہ میاں کریم بخش لاہور ۲ منشی ہاشم علی سروال گڈھ ۲ منشی عبد الرحمٰن صاحب کلکتہ سے۔ چوہدری رستم علی انبالہ ۔ بابو عبد الرحمٰن انبالہ عصہ شیخ میراں انبالہ ۹ جماعت جہلم ۹۸ گنر برکت علی خان ہانگ کانگ ۔ جماعت کوہاٹ ۴ میاں الہ بخش غلام حسین امرتسر ۔ منشی محمد شفیع گوجرانوالہ ۱۲ میاں امام بخش منی پور آسام سے میاں عصمت اللہ گجرات عصہ میاں احمد صاحب گجرات عصہ۔ ماسٹر ہدایت اللہ جہلم ۶ بابو فیروز علی ۔ چوہدری مولاداد خان رجھانوالہ للعہ۔ جماعت احمدیہ پشاور ۲۸ جماعت احمدیہ لائل پور ۲ ۔

نوٹ: اس سال سے انشاء اللہ یہ اہتمام کیا جاویگا کہ جو احباب خریدار دیتے ہیں یا اعانت کا روپیہ بھیجتے ہیں انکے نام ماہ بماہ شائع ہوتے رہیں گے۔

منیجر ریویو

مطبع میگزین قادیان میں منیجر میگزین کے اہتمام سے بار دوم چھپکر شائع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✣ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ —— نمبر ۳

بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء

فہرست مضامین

اشاعت اور اعانت

ان احباب کی طرف سے جو سلسلہ احمدیہ میں شامل نہیں اس ماہ میں حسب ذیل مدد پہنچی ہے منشی چھجو خان صاحب وٹرنری اسسٹنٹ میرٹھ بہ تحریک منشی علی گوہر صاحب وٹرنری اسسٹنٹ میرٹھ للعہ شیخ عمر بخش صاحب پلیڈر لاہور بہ تحریک خواجہ کمال الدین صاحب سے حکیم غلام نبی صاحب لاہور بہ تحریک خواجہ کمال الدین صاحب للعہ ایک دوست جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے بہ تحریک مولوی محمد فضل چنگوی للعہ جناب خان عالم صاحب نائب تحصیلدار چند خود بخود للعہ اکہیں ہر وطن کی تحریک پر کوئی رقم نہیں آئی اور یہ اخبار وطن کا بیلن بھیج معلوم نہیں ہوتا کہ بہت سے احباب نے براہ راست قادیان میں اعانت کے چندے بھیجدئے اور دو رسالے کے بیشک بعض دوست اس تحریک پر خریدار ہوئے ہیں مگر اردو رسالہ اب لئے کبھی اس تجویز میں شامل نہیں ہوا اگر کسی صاحب نے وطن کی تحریک پر اور اس غلط فہمی کے نیچے اعانت کا روپیہ بھیجا ہو کہ رسالہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی سے الگ کر دیا گیا ہے جس کا ذکر انکے خطوط میں نہیں پایا جاتا تو وہ دفتر میں اطلاع دیکر اپنا روپیہ واپس لے سکتے ہیں احمدی احباب میں سے چودھری رستم علی صاحب ہمیشہ اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ رسالہ کی اشاعت اور اعانت کا سلسلہ ہے اور باوجود یکہ عے ماہوار وہ اب مستقل فنڈ اعانت میں بھیجتے ہیں مگر پانچ نئے خریدار بھی بھیج رہے ہیں اور پچیس یا پچاس سالوں کی اعانت کا وعدہ کرتے ہیں سید ناصر شاہ صاحب نے پچاس روپے فنڈ اعانت میں بھیجے ہیں اور مرزا یعقوب بیگ صاحب نے دس سالوں کا چندہ بھیجا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ اگر وطن والی تجویز کی تکمیل نہ ہوئی تو دس رسالوں کا چندہ بھیجا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ اگر وطن والی تجویز کی تکمیل نہ ہوئی تو دس رسالوں کا اور چندہ بھی بھیجدینگے مولوی میر قاسم علی صاحب دہلی سے ۹ خریدار اردو کے دے چکے ہیں اور دس کی تعداد پورا کرنیکی فکر میں لگے ہوئے ہیں ایسے باہمت ایک ہزار آدمی بھی پیدا ہو جائیں تو رسالہ کی اشاعت خاطر خواہ بڑھ سکتی ہے جماعت امرتسر نے بھی خاص طور پر اب اسلام کی طرف توجہ کی ہے۔ اور للعہ اعانت کے لئے بھیجے ہیں جماعت جہلم اور منشی امام الدین صاحب اہلمد پولیس خصوصاً قابل شکریہ ہیں کہ جسقدر رسالے کہ مفت بھیجے گئے تھے ان سب کی قیمت انہوں نے فراہم کر کے بھیجدی ہے دیگر احباب نے جو امداد دی ہے وہ حسب ذیل ہے خدا تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے

اسمائے جدید خریداروں ہندگان انگریزی میگزین لغایت فروری ۱۹۰۶ء

منشی ہاشم علی صاحب سرو گڈھ + میر صادق حسین صاحب اٹاوہ + خواجہ کمال الدین صاحب ۳۔ بابو محمد الٰہی صاحب کوہاٹ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب پنڈی گھیپ + قاضی عبدالمجید صاحب لاہور + میاں غلام جیلانی اسلامیہ کالج لاہور ۱۔ بابو برکت علی صاحب کلرک نہر سیالکوٹ ۔۱ میاں احمد علی صاحب سیالکوٹ ۔۱ چودھری محمد نواب خان صاحب تحصیلدار گجرات ۱ منشی محمد جعفر خان صاحب منڈلہ ۔۱ میاں علم الدین صاحب طالب علم اسلامیہ کالج لاہور ۔۱ بابو شرمت علی صاحب پشاور ۔۱ منشی محمد یوسف صاحب مردان ۔۱ قاضی محمد یوسف صاحب طالبعلم پشاور ۔۱ شیخ رحمت اللہ صاحب لاہور ۔۱ چودھری فضل محمد صاحب رئیس ہرگووال دکھوپہ ضلع ۔۱ میاں غلام محمد صاحب ساکن رائے ونڈ منشی عبداللہ جان صاحب کوئٹہ ۔۱

اطلاع ۔ احمدی احباب صوفی عبدالرحمن [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

جواز سود کی کوششیں

سود پر جو مضمون گذشتہ نمبر میں لکھا گیا تھا اسکے اختتام پر میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ سود کے جواز کے لئے جسقدر کوششیں بعض اہل اسلام نے کی ہیں اُن پر آیندہ بحث کیجاویگی اسلئے اس حصہ مضمون میں میں صرف ان لوگوں کے خیالات پر بحث کرونگا جنھوں نے سود کی عام حرمت کا انکار نہ کرکے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ بعض صورتوں میں اسلام کی اور سے سود کا لینا جائز ہے ان تمام کوششوں میں سب سے زیادہ زور اس امر پر دیا گیا ہے کہ لفظ ربا کی تشریح شریعت نے نہیں کی اسلئے یہ لفظ مشتبہ المعنی ہے مگر یہ محض ایک حیلہ ڈھونڈتا ہے۔ فقہای اسلام ربا کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں ایک ربا النسیہ اور دوسرا ربا الفضل۔ ربا النسیہ سے مراد وہ بڑھوتی ہے جو قرضہ کے کچھ مدت بعد ادا کیا جانیکے عوض لی جاتی ہے اور ربا الفضل سے مراد وہ بڑھوتی ہے جو ہم جنس چیز کے دست بدست مبادلہ کرنے میں لی جاوے پس ربا کے مضمون میں جو اشکال بیان کیا جاتا ہے وہ اس تفریق کی بحث کی وجہ سے ہے لیکن اس بحث کو ہمارے مضمون سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ اس مضمون میں میں سود خوری کی ممانعت کو ثابت کرنا چاہتا ہوں اور کسی فقیہ یا عالم نے کبھی اس سودخوری کو جو آج کل بھی دنیا میں مروّج ہے ربا کے معنوں سے خارج نہیں سمجھا بلکہ یہ ربا کی وہ قسم ہے جسکو اصطلاح میں ربا النسیہ کہا جاتا ہے اب ہمارے علماء نے جسقدر بحث ربا کے معنوں پر کی ہے اس کا موضوع یہ ہے کہ آیا ربا الفضل یعنی دست بدست سودے کا ربا بھی اس ربا میں شامل ہے جسکو قرآن شریف نے منع کیا ہے یا نہیں لیکن اس بحث کو مضمون سود سے کچھ تعلق نہیں اور سود یقیناً ربا کے معنوں میں آتا ہے اتنا میں ضرور کہونگا کہ میری اپنی سمجھ میں ربا الفضل اس حکم میں شامل نہیں ہے جو سورہ بقرہ کی آخری آیات میں ربا کی ممانعت میں وارد ہوا ہے کیونکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ راس المال اور ربا کو الگ الگ کرکے بیان کرتا ہے لیکن ربا الفضل میں راس المال ہم کسی چیز کو نہیں کہہ سکتے بلکہ راس المال صرف اس قرضہ کا نام ہے جو کچھ مدت کے لئے دوسرے کو دیا گیا اور راس کا ربا وہ سود ہے جو لیا جاوے ہم جنس اشیاء کے دست بدست مبادلہ میں جو بڑھوتی لی جاوے اسکی حرمت کے متعلق جو کچھ احکام ہیں وہ میرے نزدیک صرف احادیث میں ہیں اور قرآن شریف کی زیر بحث آیات میں یہی ربا مراد ہے جسکو ہم سود کے نام سے نامزد کرتے ہیں

وہ ربا جس کی ممانعت قرآن کریم نے کی ہی عرب کے لوگوں میں زمانہ جاہلیت میں مشہور و معروف امر تھا امام رازی اپنی تفسیر میں اس جاہلیت کے ربا کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "ربا النسیہ وہ ہی جو عرب کے لوگوں میں ایام جاہلیت میں مشہور اور متعارف امر تھا اور وہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے کو کچھ مال بطور قرضہ دیتا تھا اس شرط پر کہ قرضہ لینے والا مہینے کے مہینے ایک رقم معین (جسکو شرح سود کہنا چاہیئے) قرضخواہ کو دی اور راس المال بدستور مدیون کے ذمہ باقی رہتا تھا جب میعاد قرضہ کی ختم ہو جاتی تب قرضخواہ مدیون سے اپنا قرضہ یعنی راس المال طلب کرتا پھر اگر وہ ادا نہ کرسکتا تو ادھر قرضہ کی رقم بڑھادی جاتی اور ادھر مہلت بڑھادی جاتی یہ وہ ربا تھا جو جاہلیت کے ایام میں جاری تھا" اور ربا کے معنوں کے اسقدر واضح اور کھلے کھلے ہونیکے باوجود یہ کہا جاتا ہی کہ حضرت عمرؓ کو بھی ربا کے معنے معلوم نہ تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ربا کے کچھ معنے نہیں بتائے اس لئے کہ آپ کو مہلت ہی نہیں ملی اگر ایسی کوئی حدیث پائی جاتی ہو تو میں بلاشبہ اسے غلط کہنے کو تیار ہوں اسمیں شک نہیں کہ سورہ بقرہ کی وہ آیات جن میں ربا کی ممانعت کا حکم نازل ہوا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اخیر زمانہ میں نازل ہوئی ہیں مگر یہ کہنا کہ آپکو ان آیات کے نزول کے بعد اسقدر مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ آپ ربا کے معنوں کی تشریح کر سکتے اور کہ اسلئے یہ مسئلہ بلا وضاحت ہی رہ گیا ایک بالکل بیہودہ دعویٰ ہے کیا ربا کی تشریح کرنیکے لئے کئی سالوں یا مہینوں یا دنوں کی ضرورت تھی اگر کسی تشریح کی ضرورت تھی تو یہ تو ایک سنٹ کا کام بھی نہ تھا۔ یہ لفظ عام طور پر عرب میں مستعمل تھا اور ربا کا رواج عام تھا آخر اسکی تشریح کے لئے کوئی مجلد تو نہیں بنائے جانے تھے کچھ نہ کچھ اس کا مفہوم عرب کے لوگوں کے دل میں بھی تھا اگر قرآن شریف نے ان عام معنوں کو چھوڑ کر ربا کو کسی اور معنوں میں مستعمل کیا تھا تو یہ ممکن نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکے معنے مسلمانوں کو نہ بتاتی کیا یہ ممکن ہی کہ قرآن شریف اسقدر سختی سے مسلمانوں کو سودخوری کے چھوڑنیکا حکم دیتا اور ان کو صاف الفاظ میں یہ اعلان جنگ دیتا کہ اگر تم ربا کو نہ چھوڑو گے تو خدا اور اسکے رسول کے ساتھ تمہارا جنگ ہی حالانکہ یہ انکو خبر ہی نہیں دی گئی کہ ربا سے مراد کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ نہ بتایا اور نہ ہی قرآن شریف نے یہ تشریح کی یہ کیسا بیہودہ خیال ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ قرآن شریف نے ایسے احکام بھی دئے ہیں اور مسلمانوں کو انپر عمل کرنے کا حکم دیا ہی اور عمل نہ کرنیکی صورتیں عذاب کی دھمکیاں دی ہیں حالانکہ انکا مفہوم نہیں بتایا گیا وہ قرآن شریف سے محض جاہل ہی روضۃ الربانی حقیقۃ الربا کا مصنف جو ایک مشہور مولوی ہی یہی خیال ظاہر کرتا ہے اور پھر مثال کے طور پر کہتا ہے کہ صلوٰۃ اور صوم اور زکوٰۃ بھی مشکوک المعنی الفاظ ہیں ان الفاظ کے اصل معنوں سے تو ہمیں بحث نہیں مگر سوال یہ ہی کہ جب قرآن شریف میں انکے متعلق احکام دئے گئے تو آیا مسلمانوں کو شک ہی رہا تھا کہ صوم صلوٰۃ اور زکوٰۃ سے کیا مراد ہی ایسا خیال بالکل بیہودہ ہی جس طرح دیگر احکام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ قرآن شریف سمجھایا کہ صلوٰۃ کس طرح ادا کرنی چاہیئے

صوم کے متعلق کیا گیا یا بنیاں میں میرہ وغیرہ تو پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ربا کی حرمت کا حکم دیا تو اگر یہ لفظ تشریح طلب تھا تو اسکی تشریح کیوں نہ کی کیونکہ پھر تو حکم ہی لغو اور بے معنے ٹھہرا اصل بات یہی ہے اور یہی حضرت عمرؓ بھی کہتے ہیں کہ یہ لفظ ایسا مشہور اور متعارف تھا کہ اسکی تشریح کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

علاوہ ازیں یہ بات بالکل غلط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسقدر جلدی اس حکم کے نزول کے بعد فوت ہو گئے تھے کہ آپ کو اسکی تفسیر کرنے کا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ ان آیات کے نزول کے بعد آپ کا حجۃ الوداع کرنا ثابت ہے جہاں آپ نے کل مسلمانوں کو جمع کر کے ایک بہت لمبا وعظ کیا جیسا کہ کل معتبر کتب احادیث میں درج ہے اور اسی کے اثنا میں ربا کے ممنوع ہونے پر بھی زور دیا عن سلیمان بن عمرو عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع یقول الا ان کل ربا من ربا الجاہلیۃ موضوع لکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون الا وان کل دم من دم الجاہلیۃ موضوع واول دم اضع منہا دم الحارث بن عبد المطلب ۔۔۔ قال اللّٰھم ھل بلغت قالوا نعم ثلاث مرات قال اللّٰھم اشھد ثلاث مرات یعنی سلیمان بن عمرو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا دیکھو ہر ایک ربا جاہلیت کا موقوف کیا جاتا ہے ہاں راس المال یعنی کا حق تمہیں ہے نہ تم دوسروں پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے دیکھو ہر ایک خون جاہلیت کے خون کا موقوف کیا جاتا ہے اور پہلا خون جسکو میں موقوف کرتا ہوں۔ وہ حارث بن عبد المطلب کا خون ہے۔۔ اسکے بعد آپ نے پکار کر فرمایا کیا میں نے تم لوگوں تک پیغام پہنچا دیا ہے اور سب نے کہا ہاں اور تین دفعہ آپ نے یونہی پکارا اور یہی جواب کل حاضرین نے آپ کو دیا۔ اسکے بعد تین دفعہ آپ نے فرمایا اے خدا تو گواہ رہ یعنی اس بات پر کہ میں نے ان لوگوں کو یہ پیغام پہنچا دیئے ہیں اور اسکا یہ سب اقرار کرتے ہیں حدیث کے یہ الفاظ میں نے ابو داؤد سے لئے ہیں مگر بہت تھوڑی کمی بیشی سے یہی الفاظ ہر ایک معتبر کتاب حدیث میں ملینگے اب ظاہر ہے کہ یہ آپکا فرمانا ان آیات کے نزول کے بعد تھا جو سورہ بقرہ میں وارد ہوئی ہیں جو وہاں بھی بعینہ یہی ذکر ہے کہ راس المال تمکو واپس مل سکیگے مگر ربا تم پر حرام کیا گیا ہے اب یہاں آنحضرت تو کھول کر سمجھاتے ہیں کہ جاہلیت میں جسقدر ربا تم لیتے تھے وہ سب اس کل کا کل موقوف کیا جاتا ہے اور اس زمانہ کے مجتہد ہمیں یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو وقت ہی نہیں ملا کہ بتائیں کہ کونسا ربا حرام کیا گیا ہے اور کونسا باقی رکھ لیا گیا ہے یا تو آپ نے کوئی باقی نہیں رکھا البتہ جیسا قرآن شریف میں حکم تھا یہ فرمایا کہ اصل روپیہ تمہارا جسے راس المال کہا جاتا ہے جو بطور قرضہ دیا گیا تھا وہ تمہیں واپس مل سکتا ہے کیا اب بھی ربا کے معنوں میں کوئی شک باقی ہے پھر آپ نے بآواز بلند ہزارہا حاضرین کو مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ کیا میں نے پیغام تمکو پہنچا دیا ہے اور سب نے بالاتفاق یہی کہا کہ بیشک آپ نے پہنچا دیا ہے اگر ربا کے معنوں میں ان کو کوئی شک تھا تو انہوں نے کس نے انکے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا جو یہ کہہ دیتے کہ اے رسول خدا ہمیں ابھی تک ربا کے معنوں کا کچھ پتہ نہیں لگا ذرا اس کی تشریح

کردیجئے پھر ایک دفعہ نہیں تین دفعہ انہوں نے یہی شہادت دی کہ ہاں ہم ان باتوں کو سمجھ لیا اور آپ نے خدا کا پیغام ہم تک پہنچا دیا یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے اور اگر انہوں نے اس موقع پر کچھ نہیں کہا تو بعد میں وہ یہ کیونکر کہہ سکتے تھے کہ ہمیں ربا کے معنی سمجھ میں نہیں آئے کیونکہ آنحضرت کو سمجھانیکا موقع ہی نہیں ملا۔

کثرت سے اور احادیث موجود ہیں جنمیں ربا کے متعلق بڑے بڑے وعید آئے ہیں اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ ضد ہے یا کم فہمی جو یہ کہا جاتا ہے کہ ربا کے معنوں کا ہی صحابہ کو پتہ نہ تھا اور پھر ان حدیث پر کل اسلامی دنیا کا ابتدا سے عمل بھی رہا ہے جس سے انکا معتبر اور صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے ایک حدیث شریف میں جسکو تمام معتبر کتب احادیث نے بیان کیا ہے یہ وارد ہوا ہے کہ لعن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربا وموکلہٗ وشاھدہ وکاتبہٗ یعنی آپ نے سود لینے والے اور سود دینے والے اور سودی معاہدہ کے گواہ اور کاتب پر لعنت کی کیونکہ وہ سب اسی بدی کے معاون ہیں بخاری کی ایک حدیث میں مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں قالت لما نزلت اخر البقرۃ قرأھن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد ثم حرم التجارۃ فی الخمر یعنی جب سورہ بقر کی آخری آیات (جو سود کے متعلق ہیں) نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو مسجد میں پڑھا اور اسکے بعد شراب کی تجارت کو حرام کیا اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ربا کی حرمت کے بعد ربا کی تشریح کی مہلت نہ ملی تھی تو شراب کی تجارت کے منع کرنے کی مہلت کیونکر مل گئی مصنف روض الربٰو نے اس حدیث سے ایک نہایت ہی بیہودہ نتیجہ نکالا ہے جسکو میں بعد میں بیان کرونگا اصل میں اسکو سمجھ نہیں آئی کہ حرمت ربا کی آیات اور تجارت شراب کی حرمت میں کیا تعلق ہے اور ان دونوں کو ایک حدیث میں اکٹھا کیوں بیان کیا گیا ہے اصل وجہ اسکی یہ ہے کہ سورہ بقر کی آخری آیات میں جہاں ربا کی حرمت کا ذکر ہے وہاں بیع کی حلت کا ذکر ہے اور چونکہ الربا اور البیع جامع لفظ تھے اسلئے ایک خاص قسم کی بیع کو جسکی حلت قرآن شریف کا منشا نہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مستثنیٰ کردیا اس سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر الربا میں بھی قرآن شریف کا منشا کسی قسم کا استثنا کرنیکا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکو بھی بیان فرما دیتے کیونکہ جب آپنے احل اللہ البیع کا مستثنیٰ بعد نزول آیت بیان فرما دیا تو حرم الربا کا بھی اگر کوئی مستثنیٰ ہوتا تو ضرور بیان فرما دیتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ولم یفسرلنا کے ایک معنے یہ بھی ہوسکتے ہیں۔ اور اس سے قطعی دلیل پیدا ہوتی ہے کہ مطلق ربا کو قرآن شریف نے حرام ٹھہرا دیا اور ربا کے مفہوم میں کسی قسم کا شک کرنا قرآن شریف سے ہنسی کرنا ہے ایسا ہی اور بھی احادیث ہیں جن میں سود خوری کی ممانعت اور سود خوری کے لئے وعید ہیں مثلاً دیکھو حدیث صحیح بخاری عن ابن جندب رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رایت اللیلۃ رجلین اتیانی فاخرجانی الی ارض مقدسۃ فانطلقنا حتی اتینا علی نھر من دم فیہ رجل قائم وعلی وسط النھر رجل بین یدیہ حجارۃ فاقبل الرجل الذی فی النھر فاذا اراد ان یخرج رمی الرجل بحجر فی

فیہ فردہ حبث کان فجعل کلما جاء لیخرج فی فیہ بحجر فیرجع کما کان فقلت ما ھذا فقال الذی رأیتہ فی النھر آکل الربا۔ ان تمام روایات سے ظاہر ہے کہ ربا کی ممانعت مدت سے تھی ورنہ اسقدر وعید اور اسقدر حرمت کی تاکید نہ پائی جاسکتی تھیں جب قرآن شریف پر غور کیا جائے تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے سورہ بقرہ کی آخری آیات سے پہلے کی بھی ایسی آیات قرآن شریف میں موجود ہیں جن میں ربا کی حرمت صراحتاً یا کنایتاً پائی جاتی ہے مثلاً آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا الذین اٰمنوا لاتاکلوا الربوٰا اضعافا مضعفۃ ص واتقوا اللہ لعلکم تفلحون اے مومنو نہ کھاؤ سود کہ بار بار اسکو بڑھاتے جاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اب اسجگہ صراحتاً سود کی ممانعت کی گئی ہے اور دونوں مقاموں کی ممانعت میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف یہ کہ سورہ بقرہ میں بہت پرزور الفاظ میں ممانعت کی گئی ہے اور یہاں صرف معمولی الفاظ میں کہدیا ہے کہ لاتاکلوا الربوٰا۔ اب اس امر کی کوئی شہادت نہیں کہ یہ آیت سورہ بقرہ کی آیات کے ساتھ نازل ہوئی ہے جس سے یہ یقینی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ سورہ بقر کی آیات کے نزول سے بہت پہلے ربا کی ممانعت ہو چکی تھی اور یہی لفظ ہے جسکو قرآن شریف نے سود کا مفہوم ظاہر کرنیکے لئے بار بار استعمال کیا ہے پس یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے لفظ کا مفہوم تاریکی میں رہتا ایسا ہی سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ یہودیوں کو اس بات پر ملزم ٹھہراتا ہے کہ حالانکہ انکو ربا کی ممانعت کی گئی تھی پھر بھی انہوں نے ربا لیا اور خدا کے احکام کی خلاف ورزی کی جیسا کہ فرمایا واخذھم الربوٰا وقد نھوا عنہ۔ بلکہ اس سے بھی مدت پہلے ایک مکی سورۃ میں ربا کا ذکر پایا جاتا ہے جہاں اگرچہ بالصراحت ممانعت نہیں مگر ایسے الفاظ میں ذکر ہے جن سے پایا جاتا ہے کہ ربا کا لینا خدا کی نزدیک پسندیدہ امر نہیں چنانچہ سورہ روم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما اٰتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما اٰتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولٰئک ھم المضعفون۔ یعنی جو تم لوگ سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں بڑھوتری ہو تو وہ خدا کے ہاں نہیں بڑھتا اور جو تم خدا کی رضا جوئی کے لئے زکوٰۃ دیتے ہو وہی لوگ اپنے مالوں کو بڑھا رہے ہیں یہ کیونکر خیال کیا جاسکتا ہے کہ ربا کے اسقدر بار بار ذکر کے باوجود مسلمانوں کو ربا کے مفہوم کا ہی پتہ نہ تھا اس بات پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کہ بار بار ایک ہی حکم کیوں دیا گیا دیکھو نماز پڑھنے کا حکم قرآن شریف میں کتنی دفعہ آیا ہے ایسا ہی جسقدر ضروری احکام ہیں وہ قرآن شریف نے بار بار بیان فرمائے ہیں کیونکہ سب طبیعتیں یکساں نہیں ہوتیں بلکہ بار بار کے جگانے سے وہ جاگتی ہیں اسی راز کو سمجھکر قرآن شریف نے اپنے ضروری مطالب کو کئی کئی بار دُہرایا ہے۔

اس بحث سے یہ امر واضح ہے کہ ربا کے معنوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو کسی قسم کا تردد باقی نہ رہ سکتا تھا پس اگر کوئی حدیث ایسی پیش کی جاوی جس سے معلوم ہو کہ صحابہ کو ربا کے معنے معلوم نہ تھے تو وہ حدیث جھوٹی ہے کیونکہ قرآن شریف کے خلاف ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو قول بیان کیا جاتا ہے اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا

کہ آپ نے ربا کے معنوں کو نہ سمجھا تھا ابن ماجہ میں آپ کا قول ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے ان اخر ما نزلت اٰیۃ الربا وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض ولم یفسرلنا فدعوا الربا والریبۃ۔ یعنی آخری وحی جو نازل ہوئی وہ ربا کی آیت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور ہمارے لئے تفسیر نہیں کی پس ربا اور ریبہ کو چھوڑ دو ان الفاظ کا مطلب صاف ہے مگر یہ مطلب نہیں کہ مجھے ربا کے معنے معلوم نہیں کیونکہ اگر یہ مطلب ہوتا کہ ربا کے معنے معلوم نہیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سمجھائے تو پھر خود یہ کیوں فرماتے کہ ربا کو چھوڑ دو اس صورت میں تو چاہئے تھا کہ وہ خود تشریح کر کے لوگوں کو بتاتے یہ تو بالکل بے معنی بات تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کے معنی نہیں سمجھائے پس تم ربا کو چھوڑ دو سننے والوں نے نہ کہا کہ جب خود آپ کی ہی سمجھ میں آج تک ربا کے معنے نہیں آئے اور نبی نے سمجھائی نہیں تو ہم چھوڑیں کس چیز کو وہ ربا کیا بلا ہے حضرت عمرؓ کا یہ منشا تھا کہ دیکھو تم ربا کے معنوں میں شک کرو کیونکہ اگر ربا کے معنوں میں کوئی شک ہوتا تو آنحضرت صلعم خود اسکے معنے بیان فرماتے مگر چونکہ آپ نے معنے بیان نہیں فرمائے اسلئے ربا کے معنے میں کوئی شک نہیں ہے تم ربا کو چھوڑ دو اس طرح پر معنے ان الفاظ کے صاف ہو جاتے ہیں۔ تفسیر تو ہمیشہ ان الفاظ کی کیجاتی ہے جو مشکوک المعنی ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس لفظ کی تفسیر نہ کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ قرآن شریف میں یہ لفظ مروج معنوں میں استعمال ہوا اور اسکی تفسیر کی کوئی ضرورت نہ تھی اسی معنی کی تصدیق صاحب مجمع بحار الانوار بھی کرتا ہے چنانچہ لفظ ربا کی تشریح کے نیچے لکھا ہے۔ وفیہ اٰخر ما نزلت اٰیۃ الربا فدعوا الربا والریبۃ وھی الذین یاکلون الربا لایقومون الاٰیۃ فھی غیر منسوخۃ ولا متشابھۃ فلذا لم یفسرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاترکوا الحیلۃ فی حلھا وھی المراد بالریبۃ۔ اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے اور اسی بارے میں (یعنی ربا کے بارے میں) حضرت عمرؓ کا یہ قول ہے کہ آخری وحی جو نازل ہوئی وہ آیت ربا ہے پس ربا اور ریبہ کو چھوڑ دو آیت کا اشارہ اسجگہ آیت الذین یاکلون الربٰوا والی آیت کی طرف ہے جو نہ منسوخ ہوئی ہے اور نہ ہی اسکے معنوں میں کوئی شبہ ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی کوئی تفسیر نہیں کی پس ان تمام حیلوں کو جنسے ربا حلال کرنا چاہتے ہو چھوڑ دو اور یہی مراد ریبہ سے ہے یعنی ریبہ سے مراد ہیں ایسے حیلے جن سے ناحق ربا کو جائز بنایا جاتا ہے گویا حضرت عمرؓ کا یہ قول مجوزین سود کی تائید نہیں بلکہ کھلی کھلی تردید کرتا اور انکو متنبہ کرتا ہے کاش وہ غور کریں۔

میں نے اس بحث کو کسیقدر تفصیل کیساتھ اس غرض سے کیا ہے کہ جسقدر لوگوں نے سود کے جواز کی کوششیں کی ہیں انہوں نے حضرت عمرؓ کے اس قول پر بہت زور دیا ہے۔ اور یہ بات محض نافہمی کیوجہ سے ہوتی رہی ورنہ حضرت عمرؓ تو انہی کو متنبہ کر رہے ہیں۔ سید احمد قادر نے تو اپنا سود پر مضمون ہی حضرت عمرؓ کے اس قول سے شروع کیا ہے اور مصنف روض الربٰی نے بھی اسپر بہت خوشی ظاہر کی ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو ربا کے معنے معلوم نہ تھے پس اب ہمارا اختیار ہے جہاں چاہیں ربا کو جائز کر لیں پس اس

غلط فہمی کو دور کر کے اب میں ان لوگوں کے دلائل پر غور کرتا ہوں جنہوں نے جواز سود پر ہمارے اس زمانہ میں مضامین لکھے ہیں ان میں سے پہلے سرسید احمد خان صاحب کے مضمون پر میں غور کرونگا جو انہوں نے اپنی تفسیر میں اسی آیت کے نیچے لکھا ہے۔ سید صاحب نے ربا یا ربا النسیہ کی تشریح امام رازی سے ہی لی معلوم ہوتی ہے چنانچہ جو کچھ صاحب تفسیر کبیر نے اسکی تشریح لکھی ہے کہ ربائے جاہلیت کیا تھا اسکو لکھکر سید صاحب لکھتے ہیں "یہ طریقہ ربا کا جو عرب جاہلیت میں جاری تھا بعینہ ہندوستان کے سود خواروں میں جاری ہے" اسکے بعد سود خواری کے چند مشہور طریقوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں "یہ سب صورتیں اسی ربا کی ہیں جسکا ذکر اس آیت میں ہے اور بلا شبہ یہ ربا حرام ہے" اسقدر تسلیم کر لینے کے بعد بظاہر کوئی گنجایش استثنا کی نظر نہ آتی تھی لیکن سید صاحب اسجگہ پہنچکر عجیب راہ اختیار کرتے ہیں وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ حرم الربوٰا میں جو حکم ہے وہ عام ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ سباق وسباق سے اس حکم کی تخصیص ہو جاتی ہے انکے اپنے الفاظ میں یہ حکم حرمت کا "اسی ربا پر منحصر ہے جو ایسے لوگوں سے لیا جاوے جنکے ساتھ سلوک کرنی اور ان کے ساتھ ہمدردی کرنے کی قرآن مجید میں ہدایت ہوئی ہے" دلیل اس دعوی کی سید صاحب یہ دیتے ہیں۔ کہ حرمت ربا کا ذکر صدقات کے ذکر کیساتھ ہوا ہے اول "خدا تعالی نے ان لوگوں کا ذکر کیا جو بعوض سلوک و ہمدردی کرنیکے سود لیتے ہیں پس قرینہ مقام وطرز کلام سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس آیت میں انہی لوگوں کا ذکر ہے جو غریب مسکین لوگوں سے سود لیتے تھے اور اسی سود کو جو ایسے لوگوں سے لیا جاتا تھا جو قابل رحم اور ہمدردی اور سلوک کرنے کے تھے خدا نے حرام کیا"

یہ دلیل جو سید صاحب نے دی ہے اسقدر بودی اور کمزور ہے کہ جو شخص کچھ بھی غور کریگا وہ فی الفور اسکے بودا پن کو دیکھ لیگا اگر قرآن شریف کے عام احکام کی اسطرح کے قرائن سے یعنی خالی سباق وسباق سے تخصیص کرنے کا قاعدہ صحیح ہے تو شاید پھر کل کے کل احکام کی عمومیت سے دست بردار ہونا پڑیگا کیونکہ آخر کسی نہ کسی دوسرے حکم کے آگے یا پیچھے ہی انکا ذکر ہوگا۔ سید صاحب کی دلیل کے اجزا ہی کو اگر الگ الگ کیا جائے تو ما حصل یہ ہے کہ چونکہ قرآن شریف صدقات کی ترغیب کے بعد ہی سود کی حرمت کا ذکر کرتا ہے اور چونکہ صدقات صرف غریب اور مفلس لوگوں کیلئے ہوتے ہیں اسلئے سود کی حرمت بھی صرف غریب لوگوں کے متعلق ہے۔ یعنی جن لوگوں کو صدقات دینے کا حکم ہے انہیں سے سود لینے کی ممانعت ہے۔ یہ نتیجہ کہانتک اصول منطق کے رو سے صحیح ہے ناظرین خود دیکھ سکتے ہیں علاوہ ازیں قرآن شریف نے اسی موقع پر اس خیال کی تردید بھی بصراحت تام کر دی ہے ان آیات پر غور کرو یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰا ان کنتم مؤمنین ۵ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ ۚ وان تبتم فلکم رءوس اموالکم ۚ لا تظلمون ولا تظلمون ۵ وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ ط وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ اے مسلمانو تقوی اختیار کرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو اور اگر نہیں چھوڑتے تو اللہ اور اسکے رسول سے لڑنیکے لئے خبردار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرو تو تمہارے

راس المال تمہارا حق ہے۔ نہ تم کسی کا نقصان کرو نہ کوئی تمہارا نقصان کرے اور اگر تمہارا مقروض تنگدست ہو تو راس المال کے واپس لینے میں بھی اسے مہلت دو یہاں تک کہ اسے فراخی ہو اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں بہتر ہے کہ اصل رقم قرضہ بھی بطور صدقہ اسے چھوڑ دو۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ ربا کی ممانعت کرتے وقت قرآن شریف نے دونوں قسم کے مقروض منظر رکھے ہیں یعنی تنگدست اور وہ جو تنگدست نہیں۔ تنگدست مقروض کے متعلق تو یہ حکم ہے کہ ربا بھی چھوڑ دو اور اصل رقم قرضہ بھی واپس لو جبتک کہ اسے فراخی نہ ہو اور بہتر یہ ہے کہ اصل رقم بخش ہی دو اور دوسری قسم کے مقروض کے متعلق حکم ہے کہ ربا کو چھوڑ دو اور اصل رقم فی الفور واپس لو۔ اب اگر اسکو سید صاحب کی قرآن سے بےخبری نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے کہ قرآن شریف تو صاف دونوں قسم کے مقروضوں کا ذکر کرتا ہے۔ اور سید صاحب کہتے ہیں کہ ان آیات میں صرف ان مقروضوں کا ذکر ہے جو تنگدست تھے۔

سر سید نے بہت سے مذہبی سوالات کے متعلق اسطرح ٹھوکر کھائی ہے کہ قرآن شریف کو مدنظر نہیں رکھا جسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے ایک رائے ایک سوال کے متعلق قایم کر لیتے ہیں اور پھر جہاں کوئی لفظ حسب منشا ملجاتا ہے اس سے فائدہ اٹھا کر اپنی رائے کی تائید میں اسے لے لیتے ہیں اور قرآن شریف کی اصل تعلیم پر غور نہیں کرتے وہ اپنے اصولوں کو قرآن شریف کی تابع نہیں کرتے بلکہ قرآن شریف کو اپنے اصولوں کے تابع کرنا چاہتے ہیں مغربی تہذیب کے مادی اثر سے موثر اور مرعوب ہو کر پہلے وہ ایک رائے قایم کر لیتے ہیں اور کچھ پرواہ نہیں کرتے خواہ انکی رائے قرآن کریم کے صریح منطوق کے کیسی ہی خلاف ہو۔ اس نقص نے انکی تفسیر کے بہت سے حصہ کو اس وقعت کے قابل نہیں رہنے دیا جو ایسے فہیم اور قابل انسان کی تحریر کو حاصل ہونی چاہیے تھی اسی راہ پر چلکر انہوں نے سود کے جواز کی کوشش کی ہے کیونکہ اگر وہ قرآن شریف کی آیات پر کچھ بھی تدبر کرتے تو ایسی ٹھوکر نہ کھاتے کہ اصول ہی ایسا قایم کریں جسکی تردید قرآن شریف کے الفاظ کر رہے ہیں پھر جب وہ سود کے مضمون پر اسکے نقصانات کے لحاظ سے بحث کرتے ہیں تو اسلام کے پاکیزہ اور صحیح اصولوں کو چھوڑ کر مادہ پرست دنیا داروں کے اصول کی پیروی کرتے ہیں لکھتے ہیں "ربا درحقیقت ایک نہایت بری چیز ہے اور انسانی اخلاق اور تمدن کیلئے بعض حالتوں میں نہایت مضر ہے۔ ربا جبکہ ایک پیشہ کر لیا جاتا ہے جیساکہ سود خوار بنیے اور مہاجن بطور پیشہ کے اسکو برتتے ہیں۔ تو تمدن کیلئے نہایت مضر ہوتا ہے ذی مقدور شخص اس روپیہ کو ملک کی ترقی اور تجارت کی افزونی میں صرف نہیں کرتا بلکہ خود اپنے ہی ملک کے لوگوں سے انکا مال لے لینے میں صرف کرتا ہے وہ اپنی محنت اور مشقت سے معیشت پیدا کرنے میں بالکل سست ہو جاتا ہے اور لوگوں نے جو محنت اور مشقت سے کمایا ہے اسکے لے لینے پر راغب ہوتا ہے۔ ایک اور صورت ربا کی ہے جو اس سے بھی زیادہ اخلاق انسانی اور روحانی نیکی کے برخلاف ہے اور بلاشبہ حرب من اللہ ورسولہ کے برابر ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ غریب و محتاج و مفلس ہیں اور نہ کسی عیش و آرام کے لئے بلکہ صرف اپنی زندگی کے لئے قوت لایموت بہم پہنچانیکو روپیہ یا غلہ قرض لیتے ہیں اور ذی مقدور سودی قرضہ انکو دیتے ہیں اور سود لیتے ہیں ایسا کرنا انسانی ہمدردی اور غریبوں کیساتھ سلوک کرنیکے بالکل برخلاف ہے" یہ نقصان ربا کے سر سید خود بیان کرتے ہیں

مگر اس نقطہ پر پہنچکر انہوں نے اس سچے اور پاکیزہ اسلامی اصول کو چھوڑ دیا ہے کہ وہ بدی جسکے مضرات ثابت ہوں اسے جڑھ سے کاٹنا چاہئیے اور یورپ کے اس اصول کی پیروی اختیار کرتے ہیں کہ بدی کی ایک خاص حد تک اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں حالانکہ وہ حد محض وہمی اور خیالی ہوتی ہے چنانچہ سید صاحب کا یہ قول جو اوپر نقل کیا گیا کہ غربا سے جہاں مضرت کا زیادہ احتمال ہے سود نہ لینا چاہئیے اور جہاں بظاہر کوئی نقصان نظر نہ آوے وہاں سود لے لینا چاہئیے اس بات کا موید ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اگر سید صاحب کے اس اصول کی پیروی کی جاوے تو پھر شراب خوری اور قمار بازی کو بھی ایک حد تک کیوں جائز نہ رکھا جاوے بلکہ وہاں تو قرآن شریف نے خود ہی فرمایا ہے کہ ان دونوں میں لوگوں کے لئے کچھ کچھ منافع بھی ہیں حالانکہ سود کے منافع کا ذکر قرآن شریف میں نہیں پس سید صاحب کو تسلیم کرنا چاہئیے کہ اگر کوئی شخص شراب کا اس حد تک استعمال کرتا ہے یا قمار بازی اس حد تک کرتا ہے کہ جہاں وہ ان کے نقصانوں سے بچا رہتا ہے تو وہ حق پر ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شراب خوری اور قمار بازی کو ایک حد تک جائز ماننا پڑے گا مگر قرآن شریف نے کسی بدی کے متعلق یہ پہلو اختیار نہیں کیا بلکہ ہر ایک بدی کو جڑھ سے کاٹنے کا حکم دیا ہے اور یہی اصول صحیح بھی ہے کیونکہ جب ایک حد تک بدی کو جائز مانا گیا تو اسکا دروازہ تو کھول دیا گیا اب روک کیا ہوگی اگر عملی نظیر سید صاحب کے اس اصول کی پیروؤں کی دیکھنی ہو تو یورپ پر ایک نظر ڈال لو کہ تھوڑا تھوڑا بدیوں کو جائز کرتے کرتے کس حد تک ان میں ترقی کی ہے اس مضمون پر مفصل بحث پہلے حصہ مضمون میں گذر چکی ہے اسلئے میں اسکو یہاں نہیں دہراتا۔

اب میں ان حالتوں کو لیتا ہوں جن کو سید صاحب نے سود کی ممانعت کے مستثنیات سمجھا ہے اور میں یہ دکھاؤنگا کہ سید صاحب اپنے اصول پر بھی قایم نہیں ہے کیونکہ ان تمام صورتوں میں ایسی ہی مضرات پائی جاتے ہیں جیسا کہ اس صورت میں جسکو سید صاحب واقعی حرام سمجھتے ہیں سید صاحب کا پہلا استثنا ان لوگوں کے لئے ہے جو قرضے لیکر عیش اڑاتے ہیں ان سے سود کا لینا وہ جائز سمجھتے ہیں اگرچہ ساتھ ہی انکو یہ خیال بھی آیا ہے کہ "گو انکو قرض دینا بعض حالتوں میں خلاف اخلاق ہو" اب سوال یہ ہے کہ جس صورت میں قرض دینا ہی خلاف اخلاق ہے تو ان سے سود لینا کیونکر مطابق اخلاق ہو گیا یہ بھی سچ نہیں کہ عیاشی اور فضول خرچی کے لئے قرض دینا بعض حالتوں میں ہی خلاف اخلاق ہو بلکہ ایسا کرنا ہر حالت میں ایک قبیح امر ہے میں سمجھتا ہوں کہ سود کی ممانعت کرنے میں قرآن شریف کا ایک یہ منشا بھی تھا کہ تا فضول خرچی کے لئے قرضہ کا ملنا بہت مشکل ہو جائے کیونکہ کسی شخص کو اسکی فضول خرچی میں مدد دینا بھی گناہ ہے علاوہ ازیں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ جب ہم کسی شخص کو مصیبت میں دیکھتے ہیں تو ہماری ہمدردی اور رحم اسکے لئے جوش میں آتے ہیں اور اسلئے ایسے شخص کو ہم ہر طرح سے جہانتک ہماری طاقت میں ہو مدد دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں پس ایک ایسی سوسائٹی میں جہاں سود کی قطعاً ممانعت ہو ایسے شخص کو جو سخت حاجتمند ہو بلا سود قرضہ ملنا مشکل نہیں ہوتا مگر جو شخص فضول خرچی کیلئے قرضہ لیتا ہے اسکو ایسی سوسائٹی میں قرضہ نہیں مل سکتا اور یوں سود کی ممانعت فضول خرچی سے روکنے کا بڑا بھاری ذریعہ ہے پس اگر قرآن شریف کے اصولوں پر عمل کیا جاوے تو حاجتمند کی حاجت براری بھی ہو جاتی ہے اور فضول خرچ فضول خرچی

سے رُکا رہتا ہے اور یوں دونوں کی اسمیں بہتری ہے لیکن اگر سود کی اجازت دیجاوے تو دونوں کی حالت بدتر ہوگی مفلس آدمی سود دینے کے قابل نہوگا اور فضول خرچ سودی قرضے لے کر اپنے آپ کو تباہ کریگا پس جیسا غریب اور مفلس کو سود پر قرضہ دینا مضر ہے ایسا ہی دولتمند آدمی کو جو عیاشی اور فضول خرچی کے لئے قرضہ لیتا ہے سود پر قرضہ دینا بھی مضر ہے علاوہ ازیں اسلام صرف سود لینے کو ہی منع نہیں کرتا بلکہ سود دینے کو بھی منع کرتا ہے اور دونوں کو ایک سا ہی بُرا سمجھتا ہے اور اسلئے اور نہیں تو کم ازکم ایسا شخص جو دولتمند کو سود پر قرضہ دیتا ہے سود دلانے میں معاون ہوتا ہے۔

دوسری استثنا سید صاحب بنکوں کے سود اور تجارتی سود کے متعلق کرتے ہیں اس قسم کے سودوں کے نقصانات میں اس مضمون کے پہلے حصہ میں بیان کرچکا ہوں سود کی ممانعت تجارت کی ترقی کی مانع ہرگز نہیں ہوسکتی بلکہ اس سے تجارت پبلک کے لئے زیادہ مفید ہو جائیگی باقی رہے بنک سو وہ بجائے روپیہ سودی دینے یا لینے کے اسکو تجارت میں لگا سکتے ہیں اور اسطرح نقصان کی صورت میں سرمایہ داران پر بحصہ رسدی نقصان تقسیم ہوگا اور یہ جو سید صاحب کہتے ہیں کہ سود لیکر بنک بڑی آسانی اور حفاظت سے روپیہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتے ہیں سو یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہ سکتا ہے اگر وہ بجائے سود کے کمیشن لے لیا کریں تیسرا استثنیٰ سید صاحب نے گورنمنٹوں کے قرضہ لینے کا بیان کیا ہے بظاہر اس کا یہ پہلو کہ ریلوں کے بنانے یا نہروں کے جاری کرنے کیلئے گورنمنٹ سودی قرضے لیکر مفید کام کرسکتی ہے دلکش معلوم ہوتا ہے لیکن اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جو نقصان بنی نوع انسان کو گورنمنٹوں کے سودی قرضہ لینے سے پہنچا ہے وہ بہت بڑا نقصان ہے جسکی تلافی ان چھوٹے چھوٹے کاموں سے جو بغیر سودی قرضہ لینے کے بہتر ہو سکتے ہیں نہیں ہوسکتی سودی قرضے ملجانیکی آسانی کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے عذروں پر عظیم الشان اور خطرناک جنگ باہمی اقوام میں ہوتے رہتے ہیں ایک تازہ مثال دیکھ لو کہ نہ جاپان پر روس حملہ آور ہوا اور نہ روس پر جاپان مگر دونوں نے اپنے اپنے گھروں سے نکلکر ایک تیسرے میدان میں وہ خونخوار جنگ کیا جس نے لاکھوں جانوں کا نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور علاوہ اسکے دونوں سلطنتیں خود قرضوں کے ایسے بوجھ کے نیچے دب گئیں کہ بیشمار روپیہ سالانہ صرف سود کا ہی ادا کرنا پڑتا ہے اگر دونوں گورنمنٹوں کو سودی قرضے لینے کی آسانی نہ ہوتی تو جنگ روس وجاپان کا وجود بھی نہ ہوتا ایک ایسی گورنمنٹ جو سود پر قرضہ لینے کو بُرا سمجھتی ہے وہ کبھی جنگ اختیار نہیں کرسکتی جبتک کہ کوئی دشمن اسکے ملک اور رعایا پر حملہ آور نہ ہو اور جب ایسی صورت ہوگی تو خود قوم اور ملک ہی ایسے حملے کے خطرات کو سمجھکر ہر طرح سے اپنے بچاؤ کی کوشش کرنیکو تیار ہونگے مگر آجکل کی مہذب اقوام میں گورنمنٹیں قرضوں پر قرضے لیکر انسانوں کے خون بہاتی ہیں حالانکہ رعایا کے لوگ جنکو اصل نقصان ایسی جنگوں کا برداشت کرنا پڑتا ہے اور ایک ایک دن میں کئی کئی ہزار عورتیں بیوہ اور کئی کئی ہزار بچے یتیم رہ جاتے ہیں ایسی جنگوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اگر یورپ کی اقوام کی حالت پر ایک نظر ڈالی جاوے تو وہ دیوانہ وار سامان جنگ اور جنگی جہازوں اور فوجوں کے بڑھانے میں مصروف ہیں قرضوں پر قرضے لئے جاتے ہیں اگر ایک سلطنت نے ۱۸۰۰۰ ٹن کا جہاز تیار کروایا ہے تو دوسری ۲۰۰۰۰ ٹن کے جنگی جہاز کے بننے کا حکم دیتی ہے اور اسکے دانشمند مدبر ایک لمحہ کے لئے اس بات پر غور کرنیکے لئے نہیں ٹھہرتے کہ آخر اس مقابلہ کا نتیجہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ قوم دن بدن قرضے کے بوجھ کے نیچے دبتی چلی جائے

اور ملک کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ جو رفاہ عام کے کاموں میں صرف ہو سکتا ہے ان قرضوں کے سود میں دیا جاوے ان باتوں کے ثبوت کے لئے یورپ کی مختلف سلطنتوں کے قومی قرضوں پر ایک نظر ڈال لینا کافی ہے سنہ ۱۹۰۰ء میں سلطنت انگلستان کا قرضہ نو ارب پینتالیس کروڑ روپیہ تھا اور بوئروں کی جنگ نے اسپر دو ارب اڑتیس کروڑ کا اور اضافہ کرکے کل قرضہ گیارہ ارب ۸۳ کروڑ روپے تک پہنچا دیا ہے فرانس کا قرضہ سنہ ۱۹۰۰ء میں سولہ ارب انتیس کروڑ دس کا نو ارب چوراسی کروڑ اسپر موجودہ قرضہ جو جنگ روس و جاپان اور اندرونی فسادوں کی وجہ سے جنگی بنا بھی یہی جنگ ہی ہے لینا پڑا اور بڑھا دینا چاہیئے) اطالیہ کا آٹھ ارب اناسی کروڑ ہسپانیہ کا ساڑھے چھ ارب آسٹریا کا پانچ ارب سینتیس کروڑ روپیہ تھا بیچارہ روم بھی عیسائی طاقتوں کی مہربانی سے قرضہ لینے پر مجبور ہو گیا اگرچہ بمقابلہ عیسائی طاقتوں کے روم کا قرضہ بہت کم یعنی صرف دو ارب پچپن کروڑ ہے ہندوستان کا قرضہ سنہ ۱۹۰۰ء میں تین ارب پندرہ کروڑ تھا جسکی بڑی وجہ آفریدی جنگ معلوم ہوتی ہے سنہ ۱۸۹۸ء میں کل دنیا کی سلطنتوں کے قرضے اندازاً چھیانوے ارب اڑتالیس کروڑ تھے جن پر گذشتہ پانچ چھ سال میں بوئروں کی جنگ اور جنگ روس جاپان اور بڑے بڑے جنگی جہازوں کی تیاریوں کی وجہ سے دس پندرہ ارب کی رقم اور بڑھ گئی ہوگی سنہ ۱۸۹۸ء میں جسقدر قرضہ تھا اسپر پانچ ارب روپیہ سالانہ کے قریب سود ادا کرنا پڑتا تھا جو اب اور بھی بڑھ گیا ہے اب غور کرو کہ اگر یہی پانچ ساڑھے پانچ ارب روپیہ سالانہ دنیا کی سلطنتیں بجائے سود میں دینے کے غربا کی مدد اور رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کریں تو موجودہ حالت پر کسقدر ترقی ہو سکتی ہے ایک سلطنت انگلستان کو ہی چونتیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ سالانہ بوئروں کی جنگ کے قرضے سے پہلے سود میں دینا پڑتا تھا کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ یہ سود کے فوائد میں اگر قرآن شریف کی پرحکمت تعلیم پر دنیا عمل کرتی تو اسکی حالت کسقدر بہتر ہوتی اور پھر یہ سود کی بیشمار رقمیں چند ساہوکاروں کی جیب میں چلی جاتی ہیں اب بھی اگر کوئی شخص اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ گورنمنٹوں کو سودی روپیہ لینے سے فائدہ ہوا تو اسکا اختیار ہے کہ تمام واقعات کا انکار کرکے فرضی دلخوش کن باتیں کرے مگر اصل بات یہی ہے کہ سود نے جسقدر دنیا کو تباہ کیا ہے اس تباہی کا اندازہ کرنا مشکل ہے یورپ میں بھی اب بعض سمجھدار آدمی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بجائے جنگ کے سلطنتوں کو صلح کے بڑھانے پر زور دینا اور خرچ کرنا چاہیئے لیکن جبتک سودی قرضہ لینے پر کوئی روک نہ ڈالی جائیگی تب تک امن کا قایم ہونا مشکل ہے اور باہمی صلح کے اگر عہدنامے بھی کئے جائیں تو اس سے بہتر ضمانت جنگ کے رکنے کی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ سودی قرضوں کے اصول کو دنیا سے نیست و نابود کیا جاوے۔

اس بحث سے یہ ظاہر ہے کہ جو مثالیں سر سید احمد خاں سود کے فوائد کی پیش کرتے ہیں وہ بھی انکی غلطی ہے بلکہ جو نقصان اور مضرات اس قسم کے سود سے پیدا ہوئے ہیں۔ وہ دوسرے نفع نقصان سے بہت بڑھ کر ہیں پس سید صاحب کی فرضی مستثنیات کی حالت ہے سید صاحب کے علاوہ جن لوگوں نے جواز سود کو ثابت کرنیکی کوششیں کی ہیں انکی بنا دار الحرب اور دار الاسلام میں امتیاز پر رکھی گئی ہے ان الفاظ کے صاف معنے تو صرف یہ ہیں کہ دار الحرب وہ جگہ ہے جہاں جنگ ہو اور دار الاسلام اسلام کا ملک ہے لیکن فقہائے اسلام کی قانونی اصطلاح میں یہ تعریف کی گئی ہے المراد بدار الاسلام بلاد یجری فیہا حکم امام المسلمین و یکون

تحت قهره وبدار الحرب بلاد يجرى فيها امر عظيمها ويكون تحت قهره۔ اور یہ لکھا ہے دار الاسلام لا تصير دار الحرب عند ابی حنيفة الا بثلثة اشياء احدها ان يكون متصلا بدار الحرب ليس بينهما موضع فی يد اهل الاسلام والثانی ان يجری فيها اهل الحرب احكامهم والثالث ان لا يبقى فيها مسلم او ذمی آمنا بالامان الاول

یعنی دارالاسلام وہ ہے جہاں مسلمانوں کے بادشاہ کا حکم جاری ہو اور دارالاسلام دارالحرب تین شرطوں سے ہو جاتی ہے۔ (۱) کہ وہ دارالحرب کے ساتھ ایسی طرح پر پیوست ہو کہ ان دونوں کے درمیان کوئی ایسا موضع نہ ہو جو اہل اسلام کے ہاتھ میں ہو اور (۲) کہ اسمیں اہل حرب اپنے احکام جاری کریں اور (۳) کہ اس میں کوئی مسلم یا ذمی ایسا نہ رہ جائے جسکو پہلے کی طرح وہاں امن حاصل ہو اس تعریف سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں غیر اسلامی سلطنتوں میں مسلمانوں کو امن حاصل نہ تھا ایسے دارالحربوں میں کسی شرعی حیلہ پر سود کے جواز کا فتویٰ دیدیا گیا تھا پھر جیسے جیسے اسلامی طاقت بڑھتی گئی دارالحرب سے یہ مراد چھوڑ کر وہاں کی حکومت غیر مسلم مسلمانوں کیساتھ جنگ کرتی ہو یہ مراد لیا جانے لگا کہ یہ تعریف ہر ایک ایسے ملک پر حاوی ہے جو غیر مسلم بادشاہ کے ماتحت ہو میں اس مضمون پر صرف قرآن شریف اور حدیث صحیح سے استدلال کی بنا پر بحث کرونگا۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن شریف یا صحیح احادیث میں سود کی ممانعت کے بارہ میں دارالحرب اور دارالاسلام میں کوئی امتیاز نہیں پایا جاتا نہ ہی ان دونوں کا نشان خدا کے کلام یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں پایا جاتا ہے ہاں اس امر پر کہ کفار کیساتھ مسلمانوں کو کیسا سلوک کرنا چاہیئے قرآن شریف کی مفصلہ ذیل آیات روشنی ڈالتی ہیں لا ينهٰكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فی الدين ولم يخرجوكم من دياركم ان تبرّوهم وتقسطوا اليهم ط ان الله يحب المقسطين ۰ انما ينهٰكم الله عن الذين قاتلوكم فی الدين واخرجوكم من دياركم وظاهروا على اخراجكم ان تولوهم ج ومن يتولهم فاولٰئك هم الظّٰلمون خدا تمکو اس بات سے منع نہیں کرتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ احسان اور منصفانہ برتاؤ کرو جنہوں نے تم سے تمہارے دین کی خاطر جنگ نہیں کئے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا بلکہ اللہ تو منصفانہ برتاؤ کرنیوالوں سے محبت رکھتا ہے ہاں اللہ تمکو منع فرماتا ہے اس بات سے کہ تم ان لوگوں سے دوستانہ تعلقات رکھو جنہوں نے تمہارے دین کی خاطر تم سے جنگ کئے اور جنہوں نے تمہارے گھروں سے تمکو نکالا اور تمہارے نکلنے میں تمہارے مخالفوں کی مدد کی ہیں جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھیگا تو ایسے لوگ ظلم کرنیوالے ٹھہرینگے (الممتحنہ) یہ اصول جو قرآن شریف نے اس موقع پر بیان کیا ہے نہایت پاکیزہ اصول ہے کیونکہ ایسے دشمنوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا جو ہلاکت کے درپے ہو رہے ہوں اپنی قوم پر ظلم کرنا ہے ان دو آیتوں سے چند مفید نتائج پیدا ہوتے ہیں اول (اگرچہ اسکو مضمون زیر بحث سے تعلق نہیں) یہ نتیجہ ہے کہ جن لوگوں نے حماقت اور تعصب سے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں نے دین کے پھیلانے کیلئے لڑائیاں شروع کی تھیں ان آیات میں ان کا جواب ہے کیونکہ یہاں کفار پر یہ الزام دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو دین اسلام سے روکنے کی خاطر انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کئے اب

یہ سورۃ مدینہ کی آخری زمانہ کی سورتوں میں سے ہے پس یہ ایک امر واقعہ ہے جسکو آج ہم مخالفین اسلام کے بیجا الزاموں کے بالمقابل قطعی جواب کے طور پر پیش کر سکتے ہیں کہ عین اسوقت بھی جب یہ جنگوں کا سلسلہ زوروں پہ تھا قرآن شریف نے کفار کو ہی ملزم کیا کہ وہ لوگوں کو دین اسلام سے روکنے کے لئے مسلمانوں سے جنگیں کرتے ہیں اور یہ تاریخی شہادت جو قرآن شریف سے ہمیں ملتی ہے اعلیٰ درجے کی یقینی شہادت ہے دوسرا نتیجہ ان آیات سے یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کو حکم تھا کہ وہ سوائے ان کفار کے جو انکی بیخکنی کے درپے تھے محض اختلاف مذہب کی وجہ سے کسی کیساتھ نیکی اور احسان کرنے سے نہ رکیں تیسرا یہ کہ جو کفار مسلمانوں کی بیخکنی کے درپے ہو رہے تھے ان سے قطعاً کسی قسم کے بھی دوستانہ تعلقات نہ رکھے جاویں چوتھا یہ کہ قرآن شریف اس بات میں کوئی امتیاز نہیں کرتا کہ کوئی ملک مسلمان بادشاہ کے ماتحت ہو یا غیر مسلم بادشاہ کے ماتحت یا بالفاظ دیگر دارالحرب اور دارالاسلام کا فرق کوئی نہیں رکھا بلکہ جو امتیاز قرآن شریف نے بیان فرمایا ہے وہ صرف غیر مسلموں کے ان گروہوں کے درمیان ہے جنمیں سے ایک گروہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کر رہا ہو اور وہ بھی انکے دین کی خاطر اور دوسرا گروہ جنگ نہ کرتا ہو سلوک کے بارے میں ہماری کتاب پاک کی یہ ہدایت ہے کہ پہلے گروہ سے کوئی ایسا معاملہ نہ کیا جائے جسمیں دوستانہ تعلقات پائے جاویں اور چونکہ قرضہ دینا خواہ وہ سود پر ہو یا نہ ہو دوستانہ تعلقات کی قسم میں سے ہے اسلئے اہل حرب کیساتھ ایسا معاملہ کرنے سے قطعاً منع کیا گیا ہے اور غیر مسلموں کے دوسرے گروہ کیساتھ جو جنگ نہیں کرتا کلام الٰہی میں یہ ہدایت ہے کہ ان سے نیکی اور سلوک کرنے میں کوئی دریغ نہ کرو گویا جیسا مسلمانوں سے نیکی اور سلوک کیا جاتا ہے ایسا ہی ان سے بھی کیا جائے پس ایسے لوگوں کو اگر قرضہ دیکر ان سے سود لیا جاوے تو یہ قرآن شریف کی اس ہدایت کی بھی خلاف ورزی ہوگی قرآن شریف نے تیسری کوئی صورت بیان نہیں کی جس سے معلوم ہو کہ ہم غیر مسلموں کے ساتھ دوستانہ تعلقات لین دین کے بھی رکھ سکتے ہیں اور پھر ان سے سود لیکر نیکی اور سلوک کا انکار بھی کر سکتے ہیں۔

ان آیات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دارالحرب سے مراد اپنداہیں صرف ایسا ملک ہوگا جسکے ساتھ مسلمانوں کا جنگ ہو رہا ہو لیکن ان لوگوں سے سود لینے کی اجازت میری سمجھ میں نہیں آئی جب قرآن شریف السی لین دین ہی منع کرتا ہے فقہانے کس بنا پر غیر مسلم بادشاہ کی غیر مسلم رعایا سے سود لینا جائز رکھا ہے میری سمجھ میں نہیں آیا صرف ایک روایت ہے جس سے اس قسم کا نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے مگر یہ روایت اسقدر پایہ اعتبار سے گری ہوئی ہے کہ اسکی بنا پر قرآن شریف کی کھلی کھلی تعلیم کو چھوڑنا سخت غلطی ہے روایت جو پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے یعقوب قال حدثنا بعض المشیخۃ عن مکحول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاربا بین المسلم والکافر فی دارالحرب یہ روایت سود کے مجوزوں کی حیرت میں ڈالتی ہے ایک طرف تو اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے صحابی نے کہا کہ آنحضرت صلعم کو ربا کے معنی بتلانے کی مہلت نہیں ملی اور دوسری طرف اسی ربا کے متعلق اس قسم کی روایتیں بیان کی جاتی ہیں جنمیں سے اس روایت کے معنی یہ ہیں کہ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ مجھے بعض مشائخوں نے مکحول سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دارالحرب میں مسلمان اور غیر مسلم

کے ابین یا حرام نہیں ہے اول تو اس حدیث کے راوی قابل غور ہیں جن کے نام ہی ندارد ہیں بعض مشائخ کون تھے کون نہ تھے انکی روایت کو محدثین نے کیسا سمجھا ہے وہ مکحول کو ملے بھی یا نہیں اس کا فیصلہ کون کرے محدثین کے نزدیک ایسی حدیث قابل استدلال نہیں جسکے راویوں کا ہی پتہ نہیں پھر مکحول تابعی ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر روایت کر سکتے ہیں کوئی صحابی ہوتا تو پھر بھی یہ حدیث کسی قدر قابل بحث ہوتی پھر قرآن شریف کے مخالف ہے امام شافعی کا فتوےٰ اسکی نسبت یہ ہے لیس بثابت ولا حجۃ فیہ دوسری حدیث جسکو جواز سود ثابت کرنیکے لئے پیش کیا جاتا ہے صحیح بخاری کی حدیث ہے جسکے معنی میں پہلے بیان کر چکا ہوں عن عایشۃ رضی اللہ تعالےٰ عنہا لما نزلت اٰخر البقرۃ قرأھن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیھم فی المسجد ثم حرم التجارۃ فی الخمر مصنف روض الربٰی کا استدلال اس حدیث سے یہ ہے کہ آیت ربا کو خمر کی تجارت کے حرام کرنیسے کوئی تعلق نہ تھا مگر چونکہ ربا مکہ میں دار الحرب ہونیکی وجہ سے جایز تھا اور ایسا ہی خمر کی تجارت بھی اسی وجہ پر مکہ میں جایز تھی اب چونکہ دار الحرب نہ رہا اور ربا منع کیا گیا تو آنحضرتؐ نے خمر کی تجارت . . . .

. . . . کو بھی منع کر دیا کہ اب مکہ دار الحرب نہیں اب ناجایز طریق حصول مال کے یہاں منع ہو گئے ہیں یہ ٹھوکر جو مصنف مذکور نے کھائی ہے اسکی وجہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں صرف حدیث کے معنی کی ناواقفیت ہے اور وہ یہ سمجھ نہیں سکا کہ حرمت سود اور حرمت تجارت خمر کو ایک جگہ کیوں بیان کیا حالانکہ پہلے بھی خمر کی تجارت حرام ہو چکی تھی چونکہ خدا تعالیٰ نے سود کو حرام کرتے وقت یہ فرمایا تھا کہ احل اللہ البیع وحرم الربٰوا اسواسطے ممکن تھا کہ لوگ سمجھ لیتے کہ ہر قسم کی تجارت حلال ہو گئی ہے اسلئے آپ نے شراب کی تجارت کو منع فرمایا۔

مگر سب سے زیادہ زور میں اسی بات پر دونگا کہ قرآن شریف نے ممانعت سود کا حکم دیتے وقت یہ نہیں کہا کہ سود لینا بعض جگہ حلال اور بعض جگہ حرام ہے اور نہ ہی دار الحرب اس کلام پاک کی کوئی اصطلاح ہے نہ ہی یہ فرمایا کہ مسلمان بادشاہ تمپر حکمران ہو تو سود نہ لیا کرو اور غیر مسلم بادشاہ حکمران ہو تو سود لے لیا کرو مگر روض الربٰی کا مصنف چار استشہاد قرآن کریم سے پیش کرتا ہے جنپر نظر کرنی ضروری ہے پہلا استشہاد اسکا یہ ہے کہ قرآن کریم کا پاک ارشاد ہے یا ایہا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل اسے ایماندارو اپنے مال آپسمیں وجوہ نامشروعہ سے نہ کھاؤ" استدلال مصنف کا یہ ہے کہ "اس آیت کی نظم میں لفظ بینکم صرف اسی لحاظ سے بڑھایا گیا ہے کہ سود قمار اور عقود فاسدہ کی حرمت صرف اسوقت ہیں ہے جب مسلمان دوسرے مسلمان سے معاملہ کر رہا ہو۔ باقی غیر دار الاسلام میں جبکہ معاملہ سود یا قمار مسلمان ہندو یا عیسائی کے درمیان ہے تو یہ سبب مفقود ہونے قید بینکم کے حرمت ثابت نہ ہوگی" یہاں تو پہلے ہی ہاتھ میں مولوی صاحب نے نہ صرف سود کو ہندوستان میں جایز کر دیا بلکہ قماربازی کا دروازہ بھی کھولدیا اور وہ ممانعت جو انما الخمر والمیسر من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون میں وارد تھی اسکو بھی ساتھ ہی اڑا دیا مگر اسی پہ بس نہیں کی اسکے بعد آپ خوش ہو کر لکھتے ہیں کہ صرف آپ کا ہی یہ مذہب نہیں بلکہ اور لوگ بھی آپکے موید ہیں اور اسکے ثبوت کے لئے تفسیر مظہری کی مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے آیت موصوفہ کے نیچے وہ لکھتے ہیں" لا یاکل احد منکم مال غیرہ من المسلمین ومن تبعہم من اھل الذمۃ ولا باس باکل مال الحربی

الغیر المعاہد من غیر غدر بالباطل - ای بوجہ ممنوع شرعاً کالغصب والسرقۃ والخیانۃ والقمار والربا والعقود الفاسدۃ" میں نہیں کہتا کہ یہ قول مصنف روض الربا کے خیال کا جو وہ ہندوستان کے متعلق پیش کرتا ہے مؤید ہے لیکن اس سے مصنف مذکور یہ فائدہ اٹھاتا ہے کہ بینکم اور بالباطل کی تشریح میں یہ تفسیر اسکی مؤید ہے اب بالباطل کی تشریح کو ناظرین ملاحظہ فرماویں جو یوں کیگئی ہے کہ "بالباطل سے مراد ہے کسی وجہ سے جو شرعاً منع کی گئی ہو مثلاً زبردستی چھین لینا چوری خیانت قماربازی سود جھوٹے معاہدے" یہ حالت ہوگئی ہے ہمارے علماء کی اس تعلیم کے رو سے نہ صرف ہندوستان میں غیر مسلموں سے سود لینا ہی جائز ہے بلکہ انکے ساتھ جوا کھیلنا زبردستی انکے مال چھین لینا انکی چوری کرلینا خیانت سے انکا مال لے لینا جھوٹے معاہدے ان سے کرکے انکا مال مار لینا غرضیکہ ہر ایک جرم مال کے متعلق جائز ہوگیا - نعوذ باللہ من ھذہ العقاید الفاسدۃ - اگر مسلمان جیلخانوں میں یا دھوکہ دہی میں تو پھر ایسی ہی تعلیموں کی بدولت ہے یہ عقیدے ایسے قابل حقارت اور نفرت انگیز ہیں کہ انکی تردید کرنا بھی انکو عزت دینا ہے میں یہی کہکر مصنف کی اس دلیل کو چھوڑتا ہوں کہ قرآن شریف ایسے فاسد عقیدہ پر لعنت بھیجتا ہے ہاں یہ بات بیشک دکھ دینے والی ہے کہ ہندوستان کے اندر ایک ایسی کتاب تصنیف ہو اور علما خاموش رہیں اور اسکی تردید نہ کریں۔

دوسرا استشہاد مصنف روض الربا کا قرآن کریم سے یہ ہے کہ آیت حرمت سود فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی گویا جبتک مکہ دارالاسلام نہیں ہوگیا اسوقت تک سود کا لینا اسمیں جائز رہا اسلئے ہر ایسی جگہ میں جسپر اسکی اصطلاح میں دارالحرب کا لفظ اطلاق پاسکے مصنف کے نزدیک سود کا لے لینا اسمیں جائز ہے اول تو اس دلیل میں بہت سی غلط بیانیاں ہیں سورہ بقر کی آخری آیات سے پہلے سود کی حرمت کے متعلق اور آیات بھی نازل ہوچکی تھیں جن میں یہ نہیں لکھا تھا کہ دارالاسلام میں سود منع کیا جاتا ہے بلکہ وہاں بھی عام حکم سود کی حرمت کا ہے یہ آیات پہلے نقل کرچکا ہوں اور اسلئے انکا اعادہ اسجگہ ضروری نہیں ہاں سورہ بقر کی آیات متعلقہ سود میں ایک زائد حکم بھی موجود ہے یعنی یہ کہ ذروا ما بقی من الربوا جسکے صاف معنے یہ ہیں کہ جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو قرآن شریف کے احکام تدریجاً نازل ہوئے ہیں پس جب اول اول سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو اسوقت سے کوئی سودی معاہدہ کرنا منع سمجھا گیا مگر اس آیت کے الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے اور ایک روایت بھی ایسی ہے کہ حرمت کے حکم سے پہلے جو سود واجب الادا تھا اسکا مطالبہ بعض لوگ کرتے رہے سو انکو حکم ہوا کہ جو سود تمہارا پہلے واجب الادا ہوچکا تھا اسکو بھی چھوڑ دو اور صرف اپنے راس المال واپس لو پھر دوسری بات غور طلب یہ ہے کہ اگر اس حکم کی علت یہ ہوتی کہ اب مکہ دارالحرب نہیں رہا تو چاہیے تھا کہ فتح مکہ کیساتھ ہی سورہ بقر کی آیات نازل ہوتیں حالانکہ انکا نزول بالاتفاق اخیر زمانہ نبوت میں ہے بلکہ انکو آخری وحی قرار دیا گیا ہے اور فتح مکہ کے بعد بہت سا حصہ قرآن شریف کا نازل ہوا سو معلوم ہوا کہ یہ کوئی اس حکم کی علت نہ تھی علاوہ ازیں میں کہتا ہوں کہ کسی حکم کے کسی وقت دئے جانے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اس حکم کے نزول سے پہلے جو حالات تھے انکے ماتحت اس حکم کی خلاف ورزی اب بھی جائز ہے محض جہالت ہے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں تمام احکام تدریجی تھے پس اس طرح سے تو کل کے کل احکام کی خلاف ورزی کی جاسکتی ہے مثلاً جسقدر احکام فتح مکہ کے بعد نازل ہوئے تو اسوقت چونکہ دارالحرب نہیں رہا اسلئے یہ سمجھ لیا جائے کہ ہندوستان میں جو بزعم مصنف دارالحرب ہے ان تمام احکام کی خلاف ورزی جائز ہے

یا سناً چونکہ شراب اور قمار مدینہ میں آکر حرام کئے گئے یعنی بعد ہجرت اسواسطے یہ نتیجہ نکال لیا جائے کہ اگر مسلمانوں کو اپنے مخالفین کی طرف سے کسی قسم کا دکھ اور تکلیف پہنچ رہی ہو جیسا کہ مکہ میں قبل از ہجرت پہنچتی تھی تو مسلمان شراب بھی پی لیا کریں اور قمار بازی بھی کر لیا کریں یا چونکہ مدینہ دار الاسلام تھا اور مکہ دار الحرب اسلئے ہر دار الحرب میں جس میں ہندوستان بھی شامل ہے مسلمانوں کو شراب پی لینا منع نہیں تعجب ہے کہ ایک سود کے جواز کے لئے کیسی کیسی فاسد عقیدوں کی تعلیم دیجاتی ہے۔

مصنف مذکور و ذروا ما بقی من الربوا کے شان نزول کے متعلق متضاد اور مختلف روایات سے بھی دلیل پکڑتا ہے شان نزول ہمیشہ ہمارے مفسرین کو یہ موقع دیتا رہا ہے کہ بلا ضرورت قصے تفسیروں میں درج کئے جاویں اب کوئی شان نزول ان آیات کا یہ بیان کرتا ہے کہ مکہ والوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں جو کفر کی حالت میں سود لیتے تھے کوئی ثقیف کے قبیلے کے بعض لوگوں کا نام لیتا ہے کوئی حضرت عباس اور خالد کا نام لیتا ہے مگر سوال یہ نہیں کہ کس کے بارہ میں یہ آیات نازل ہوئیں بلکہ انکے صاف معنے کیا ہیں اور جو حکم ان آیات میں دیا گیا ہے وہ کیا ہے ان آیات میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ چونکہ اب مکہ دار الحرب نہیں رہا اسلئے سود منع کیا جاتا ہے بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے جو دنیا کے کسی گوشہ میں ہوں یہ ایک عام حکم ہے کہ وہ سود نہ کھائیں خواہ سود دینے والا کوئی ہو جن باتوں کو قرآن شریف نے مضر سمجھکر انسے روکا ہے وہ بہرحال برائیاں ہی ہیں خواہ مسلمان کے متعلق انکا ارتکاب ہو اور خواہ غیر مسلم کے غیر مسلم کا مال چرانا ایسا ہی جرم ہے جیسا مسلمان کا علی ہذا القیاس غیر مسلم سے سود لینا ایسا ہی برا ہے جیسا مسلمان سے یہ قرآن شریف کے کھلے کھلے احکام ہیں اپنی طرف سے انمیں تخصیص اور قید لگانا صحیح نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں حرمۃ مال الانسان کحرمۃ دمہ یعنی انسان کے مال کی حرمت اسکے خون کی حرمت کی طرح ہے یہاں مومن نہیں فرمایا بلکہ انسان فرمایا اب جسطرح غیر مسلم کا خون بہانا جائز نہیں خواہ وہ مسلم بادشاہ کے ماتحت ہو خواہ غیر مسلم کے اسی طرح اس کا مال کسی ایسے طریق سے لینا جسکو قرآن شریف نے ناجائز قرار دیا ہے جائز نہیں اور سود ان ناجائز طریقوں میں سے ایک طریق ہے۔

تیسری دلیل مصنف روض الربی کی ایسی ہی لغو ہے قرآن شریف فرماتا ہے کہ یہودیوں کو بھی ہمنے ربا لینے سے منع کیا تھا مگر انہوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اب مصنف کا استدلال یہ ہے کہ چونکہ یہودیوں کو ربا نہ لینے کا حکم بھی خدا کی طرف سے ہی تھا اسلئے مسلمانوں کو جو حکم دیا گیا ہے اسے ہم توریت کے حکم پر قیاس کر سکتے ہیں مگر توریت میں ربا کے بارہ میں یہ صریح حکم پایا جاتا ہے کہ یہودی اپنے بھائیوں سے ربا نہ لیں اور دوسری قوموں سے لے لیں میں کہتا ہوں کہ توریت کے حکموں پر قرآن شریف کے احکام کو بلا وجہ قیاس کرنا سخت غلطی ہے شریعت موسوی صرف ایک قوم کے لئے تھی یعنی یہود کیلئے اور اسلامی شریعت کی طرح اسکا دایرہ وسیع نہ تھا اسلئے اسمیں احکام بھی ایسے تھے جو یہودیوں سے مخصوص تھے مگر قرآن شریف دنیا کی کل قوموں کے لئے آیا اسلئے اسکے احکام میں بھی عمومیت پائی جاتی ہے علاوہ ازیں قرآن شریف پہلی شرایع کا ناسخ ہے جب ایک عام حکم قرآن شریف میں پایا جاتا ہے تو ہم اسکو توریت کی بنا پر مخصوص نہیں کرینگے بلکہ یہ کہیں گے کہ توریت کے مخصوص حکم کو قرآن شریف نے منسوخ کرکے عام حکم دیا ہے یہ مذہب اہل اسلام کا قرآن شریف اور توریت کے بارے میں ہے اگر خدائے تعالی کا منشاء قرآن شریف کے حکم کو ایک قوم تک

مخصوص رکھنے کا ہوتا تو جس طرح توریت کے حکم میں تخصیص کردی گئی ہے قرآن شریف کے حکم میں بھی تخصیص کردی جاتی۔

مصنف رومن آلرپی کا جو تھا استشہاد قرآن شریف سے کسی قدر تفصیل کو چاہتا ہے ہجرت سے پانچ چھ سال پہلے جب مسلمان مکہ میں کفار کے پاؤں تلے روندے جارہے تھے روم اور ایران میں بھی جنگوں کا سلسلہ شروع تھا اور ایرانی آتش پرست رومی عیسائیوں پر غالب آکر انکے اندروں ملک تک پہنچ چکے تھے یہاں تک کہ یروشلم کو فتح کرکے اب سلطنت کو نیست و نابود کرنیوالے تھے ایران کا بادشاہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی بد ارادے رکھتا تھا جس کا ثبوت اسکی بعد کی کارروائیوں سے ملتا ہے رومیوں اور مسلمانوں کی اس مغلوبیت کے وقت جب دونوں کے دشمن اپنی طرف سے انکو نیست و نابود کرچکے تھے اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر پر قرآن شریف میں یہ غیب کی خبر ظاہر فرمائی الٓمٓ ۝ غلبت الروم ۝ فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون ۝ فی بضع سنین ۝ للہ الامر من قبل ومن بعد و یومئذ یفرح المؤمنون ۝ بنصر اللہ ینصر من یشاء وھو العزیز الرحیم ۝ وعد اللہ لا یخلف اللہ وعدہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۝ الٓمٓ (میں ہوں خدا غیب کے جاننے والا) قریب کے ملک میں رومی مغلوب ہوگئے ہیں لیکن وہ مغلوب ہونیکے بعد چند سال میں (اہل فارس پر) غالب آجائینگے پہلے اور بعد اللہ کے ہی ہاتھ میں اختیار ہے اور وہ دن (رومیوں کے غالب آنیکا) ایسا ہوگا کہ مومن بھی اسدن اللہ کی مدد سے خوش ہوجائینگے وہ جسکی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ بڑا زبردست اور رحم والا ہے یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کیا کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ میرا جی چاہتا تھا کہ اس عظیم الشان پیشگوئی پر بسط کے ساتھ لکھوں لیکن موجودہ مضمون اجازت نہیں دیتا انشاء اللہ کسی دوسرے وقت میں یہ دکھاؤں گا کہ اس پیشگوئی نے ہستی باریتعالی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا کیسا بین ثبوت دیا ہے جسوقت یہ پیشگوئی کیگئی اسوقت ایرانیوں کا ہاتھ غالب تھا اور رومی شکست پر شکست کھا کر اپنے ملک کو چھوڑے جارہے تھے ادھر مسلمان کفار کے ہاتھ سے سخت ایذائیں اٹھا رہے تھے اور کفار انکی ہلاکت کے درپے تھے جب یہ پیشگوئی (ایک طرف نصاریٰ نے روم کی فتح کی اور دوسری طرف عین اسی وقت میں مسلمانوں کی کفار پر فتح کی کی گئی تو کفار نے ہنسی کی کہ بھلا یہ بات بھی کبھی ہونیوالی ہے چنانچہ اسی وقت حضرت ابوبکرؓ نے ابی کیساتھ ایکسو اونٹ کی شرط لگائی کہ اگر پیشگوئی سچی نکلی تو ابی سو اونٹ حضرت ابوبکرؓ کو دے اور اگر جھوٹی نکلی تو حضرت ابوبکرؓ سو اونٹ ابی کو دیں چنانچہ اس پیشگوئی کے شائع ہونیکے پانچ چھ سال بعد ہجرت کے قریب قریب ایرانی اور رومی جنگ میں فتوحات کا رخ الٹ گیا یہانتک کہ ایرانی پسپا ہوتے ہوتے ملک شام سے نکل آئے اور آخر ۶۲۳ء میں رومی فوجیں ایران میں آگھسیں جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے ادھر عین اسی سال میں بدر کا عظیم الشان جنگ ہوا جسکا نام قرآن شریف نے فرقان رکھا ہے جس میں کفار کو باوجود کثرت تعداد کے سخت شکست ہوئی غرضیکہ ادھر سے رومی ایرانیوں پر غالب آئے اور ادھر سے مسلمان کفار پر غالب آئے اور خدا کا وعدہ سچا ہوا اور دوہری پیشگوئی جس طرح کی گئی تھی اسی طرح پوری ہوئی یہ ہجرت کے دوسرے سال کا واقعہ ہے جب یہ نشان الٰہی پورا ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے ابی کے ورثا سے سو اونٹ کا مطالبہ کیا اور قربانی کرکے گوشت مساکین کو کھلا دیا یہ خدائے تعالی کے عظیم الشان نشان

کے پورا ہونے کی یادگار تھی اب مصنف روض الربی کا استدلال سنئے وہ کہتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کا ہجرت سے پہلے اور اس لئے حرمت قمار کے حکم سے پہلے تھا مگر اس کے نزدیک یہ پیشگوئی صلح حدیبیہ کے وقت پوری ہوئی اور اس وقت قمار منع ہو چکا تھا پس جائز نہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ سو اونٹ لیتے مگر اس امر سے کہ انہوں نے سو اونٹ لیا یہ شہادت ملتی ہے کہ قمار مدینہ میں جو دار الاسلام تھا منع ہو چکا تھا مگر چونکہ یہ شرط مکہ کے ایک کافر کیساتھ بدی گئی تھی اور مکہ دار الحرب تھا اسواسطے مال قمار کو لینا جایز سمجھا گیا اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ جس طرح دار الحرب میں قمار جایز رکھا گیا اسی طرح سود کا لینا بھی دار الحرب میں جایز ہے اس استدلال کی ساری عمارت کی بنیاد تاریخ سے ناواقفیت پر ہے رومیوں کا غلبہ ۲ ہجری میں ہو چکا تھا اور یہی سال مسلمانوں کے اس غلبہ کا تھا جس کا نام خدا تعالیٰ نے یوم الفرقان رکھا ہے اور اس سال رومی فوجیں ایران کے وسط تک جا پہنچی تھیں اب مصنف کے اپنے اقرار کے مطابق حرمت قمار کا حکم تیسرے یا چوتھے یا چھٹے سال ہجرت میں ہوا لیکن پیشگوئی دوسرے سال ہجرت میں پوری ہو چکی تھی اور اس لئے اسی سال میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی شرط بھی پوری کر دی پس نہ قمار دار الحرب میں درست ہوا نہ سود علاوہ ازیں حضرت ابوبکرؓ نے ان اونٹوں کو اپنے قبضہ میں نہیں رکھا بلکہ خدا کی راہ میں دیدیئے کیونکہ یہ خدا کے دین کے غلبہ کا نشان تھا اور اس سے اسلام کی عظمت ظاہر ہوتی تھی۔ یہ بعینہٖ اسی کے مطابق ہے۔ جو حضرت میرزا غلام احمدؐ صاحب بانی سلسلہ احمدیہ نے اس بات کو جایز رکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا روپیہ بنک میں رکھنے کے لئے مجبور ہو تو اسکے سود کا روپیہ دین اسلام کی اشاعت اور اسکی عظمت ظاہر کرنے میں صرف ہو سکتا ہے اس سے جواز سود نہیں پایا جاتا بلکہ ایک مجبوری کی حالت ہے کیونکہ اس روپے کو دین حق کی تائید میں صرف نہ کیا جاوے گا تو وہ باطل کی تائید میں صرف ہوگا۔

جسقدر کوششیں زمانہ میں جواز سود کے لئے کی گئی ہیں وہ اپنی دو کے جن کی میں تردید کر چکا ہوں نیچے آتی ہیں اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے احکام مصلحت اور حکمت پر مبنی ہیں قرآن شریف ہمیں ہرگز یہ تعلیم نہیں دیتا کہ ہم غیر مذاہب کیساتھ ایسی تنگدلی برتیں کہ انکو ہم سے کوئی فائدہ پہنچ سکے سود کی ممانعت سے غرض یہ ہے کہ تا دائرۂ انسانی ہمدردی کا وسیع ہو اور روپیہ ایسے طور پر تقسیم ہوا ہے کہ غربا کی غربت اور دولتمندوں کی دولتمندی بڑھتی نہ جاوے اب اگر غیر مسلموں سے سود لینا جایز رکھا جاوے تو ظاہر ہے کہ یہ اغراض کبھی پورے نہیں ہو سکتے بلکہ معلوم ہوا کہ سود کے جایز رکھنے میں پھر یہ دقت پیش آئیگی کہ مصنف روض الربی کی طرح یہ ماننا پڑے گا کہ ہند میں قماربازی سرقہ۔ غصب۔ خیانت وغیرہ غیر مسلموں کی جایز ہے یہ سخت درجہ کی تنگدلی ہے جس سے اسلام بیزار ہے اسلام سود لینے اور دینے دونوں سے یکساں منع کرتا ہے خواہ غیر مسلم کو دیا یا اس سے لیا جائے لیکن ساتھ ہی اس کے اسلام دوسرے پہلو کو بھی فراموش نہیں کرتا جو شخص ہم سے نیکی کرے ہمیں بھی اس سے نیکی کرنی چاہیے اب سوال یہ ہے کہ جو شخص ہمیں بلا سود قرضہ دے کر ہم سے نیکی کرتا ہے ہم اس سے کیا نیکی کر سکتے ہیں اسکے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے ہمیں تعلیم دی ہے کہ جس شخص نے آپ کو قرضہ دیا آپ نے واپس دیتے وقت اسے ساتھ کچھ

اور کبھی دیدہ باجود بعض اوقات اصل سے دُگنا تگنا تھا اب یہ فراخ دلی اور عالی حوصلگی سود خور کے دل میں نہیں آسکتی وہ اگر بحالت مجبوری کسی سے بلا سود قرضہ لے اور اسے مل سکے تو وہ گوارا نہیں کرے گا کہ جب شرط نہیں ہے تو ایک پیسہ بھی اسے ساتھ دے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نمونہ پر مسلمانوں نے چل کر دکھایا ہے۔ اور آج تک اس کی نظیریں ان کے اندر پائی جاتی ہیں یہ سود نہیں کیونکہ اس میں اقرار کچھ نہیں صرف ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کی تعمیل میں ایک آدمی اپنے قرضہ دینے والے کیساتھ نیکی کرتا ہے ہاں سود کی حالت میں جو نقصانات تھے اس حالت میں وہ نہ ہونگے کیونکہ اگر قرضہ لینے والے نے فائدہ اُٹھایا ہے تو وہ قرضہ کو مع شئے زاید واپس کریگا اور اگر نقصان اُٹھایا ہے تو نہیں پس یہ صورت ایسی ہے کہ تمام نقصانوں سے بری اور فراخ حوصلگی اور عالی ہمتی اور وسیع ہمدردی انسانی کا ثبوت ہے۔

اب میں صرف ایک سوال کا اور جواب دیکر اس مضمون کو بالفعل ختم کرتا ہوں یہ سوال کیا جا سکتا ہے۔ کہ جب قرآن شریف نے روپیہ کو بڑھانے کا یہ طریق یعنی سودی روپیہ دینا بند کر دیا ہے تو پھر اسکی بجائے کونسا عمدہ طریق بتایا ہے اسکا جواب اسی آیت میں دیا گیا ہے جس میں ربا حرام کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ واحل اللہ البیع وحرم الربٰوا یعنی ربا کو حرام کر کے خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے تجارت کی راہ کھولدی ہے اور وہ اپنے مال اور سرمایہ کو تجارت میں لگائیں یہ تجارت کا سلسلہ جیسا کہ میں مضمون کے حصہ اول میں ثابت کر چکا ہوں سود والے تمام نقصانوں سے بری ہے اور یہی قومی اور ملکی ترقی کا گر ہے افسوس کہ جسقدر کوشش مسلمانوں کو سود لینے کی ترغیب دینے میں کی جاتی ہے اگر وہی کوشش انکو تجارت کی ترغیب دینے میں کی جائے تو یہ افلاس جو مسلمانوں پر غالب آیا ہوا ہے دور ہو جائے قرآن شریف کا یہ حکم احل اللہ البیع وحرم الربٰوا حکمت سے خالی نہیں ورنہ ایک ہی جگہ دونوں باتوں کا ذکر کرنے سے کیا منشا تھا یہ کلام پاک ہمیں سمجھاتا ہے کہ تمہاری دینی اور دنیوی بہتری اور تمہاری اخلاقی اور روحانی ترقی حرمت ربا اور حلت بیع سے وابستہ ہے سو جو ان احکام پر عمل کریگا وہ بیشک فلاح پائیگا یہی راہ قوم کی ترقی کی ہے اخیر میں میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے افلاس کی وجہ یہ نہیں کہ انہوں نے قرآن شریف کے احکام کی خلاف ورزی کی بیہودہ رسموں میں پڑکر فضول خرچ ہو گئے اور پھر ان فضول خرچیوں کے لئے جب بلا سود قرضے نہ ملے تو قرآن شریف کے حکم کے خلاف سودی قرضے لئے اور آخر اس سود کے نیچے تباہ ہو گئے یہ بات صرف زمیندار قوموں پر ہی صادق نہیں آتی بلکہ اکثر حصہ اہل اسلام کے افلاس کا یہی موجب ہے کہ وہ قرآن شریف کی سچی تعلیم سے دور جا پڑے اگر وہ اس تعلیم پر چلنیوالے ہوتے تو ضرور وہی نتائج پاتے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے پائے۔

معلوم ہوا کہ سود لینا [illegible] قرآن شریف کے احکام

اسلام نمبر ۹ (جواب پادری سیل)

ہجرت سے آنحضرت کی صداقت پر شہادت

میں نے ہجرت کے مضمون کے شروع میں ہی لکھا تھا کہ ابتدا سے مسلمانوں نے اس واقعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات میں ایک نہایت عظیم الشان اور اہم واقعہ سمجھا ہے اس حصہ میں اس اہمیت کے وجوہات بیان کرنے کی کوشش کرونگا گذشتہ مضمون اس موقع پر ختم ہوا تھا جہاں کفار قریش میں سے ان لوگوں نے جو آپ کے قتل کے لئے معین کئے گئے تھے آپ کے گھر کو آگھیرا تھا عین اسوقت آپ کو خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ اب اس شہر کو چھوڑ دو اسمیں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مکہ والوں کو ڈھیل دیتا رہا کہ وہ توبہ کریں مگر وہ شرارتوں میں ترقی کرتے گئے یہانتک کہ تمام قوموں نے ملکر اب یہ آخری اور پکا منصوبہ آپکے قتل کا کیا آنحضرت کا مکہ کو چھوڑنا گویا اس بات کی علامت تھی کہ وعید الٰہی پورا آجائے اور آپ کی وہاں موجودگی نے ہی ابتک انکو عذاب الٰہی سے بچا رکھا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم مگر اب اس آخری منصوبے سے انکی شرارتوں کا پیالہ بھر چکا تھا پس ہجرت کا حکم دیکر اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھا دیا کہ اب عذاب الٰہی جلد ان لوگوں پر آجاویگا مجھے اسبات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ کیونکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنے دشمنوں کے درمیان سے جو آپکے خون کے پیاسے تلواریں ہاتھوں میں لئے انتظار کر رہے تھے صحیح سلامت نکل گئے خواہ کسی طرح سے بھی نکلے ہوں اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک کھلا کھلا معجزہ تھا نہ ہی یہ ضروری ہے کہ اس مضمون کی اغراض کے لئے میں آپکے سفر مدینہ کے حالات کو لکھوں قرآن شریف نے ایک موقع پر جہاں بعض کمزور دلوں کو تنبیہ کی ہے اس ہجرت کے واقعہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا (التوبہ۔ رکوع ۵) اگر تم ہمارے رسول کی مدد نہ کروگے تو خدا تمہاری مدد کا محتاج نہیں اسنے اسوقت بھی اپنے رسول کی مدد کی جب کافروں نے مکہ سے اسکو بے سروسامانی کی حالت میں نکالدیا اور صرف ایک اور آدمی ساتھ تھا جب وہ دونوں غار میں تھے تو رسولؐ نے اپنے ساتھی کے حزن کو دیکھ کر فرمایا کہ کچھ رنج وفکر نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے اب مقام غور ہے کہ نہ کوئی ساتھ ہے نہ بھاگنے کا سامان ہے دشمن سر پر کھڑے ہیں اور ابو بکرؓ جیسا مستقل مزاج آدمی حیران ہے کہ اب کیا حال ہے مگر آنحضرت کا خدا پر بھروسہ کیسا عجیب ہے کہ اسوقت کس قوت سے فرماتے ہیں کہ فکر کی کوئی بات نہیں کیونکہ خدا ہمارے ساتھ ہے اور کسی کو طاقت نہیں کہ جب اسکا ارادہ ہمکو بچانے کا ہو چکا ہے تو کوئی ہم پر قابو پا سکے پس اگرچہ ظاہر اسباب کی رعایت سے آنحضرت غار میں چھپے ہوئے تھے مگر آپ کے یہ الفاظ کس صفائی سے ثابت کر رہے ہیں کہ آپ کو کسی دنیا کے اسباب پر بھروسہ نہ تھا بلکہ سارا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہی تھا آپنے یہ نہیں فرمایا کہ ہم پر نظر نہیں پڑسکتی کیونکہ ہم انکی نظروں سے چھپے ہوئے ہیں بلکہ یہی یہ ہے

کہ اسوقت اندر سے وہ کفار کو پھرتے دیکھ رہے تھے بلکہ یہی فرمایا کہ کچھ پرواہ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پس جیسا خدا پر آپ کو حیرت انگیز بھروسہ تھا ایسا ہی خدا نے حیرت انگیز طریق سے آپ کو اسقدر دشمنوں میں سے صحیح سلامت نکال کر مدینہ پہنچا دیا۔

مگر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ صرف یہ چند واقعات ہی آپ کے صحابہ کے لئے آپ کے منجانب اللہ ہونیکی دلیل تھے کہ کسطرح آپ تنہا اپنے دشمنوں کے درمیان جو آپ کے خون کے پیاسے تھے حفاظت الٰہی کے نیچے مکہ میں اکیلے رہے یا کس طرح قاتلوں کے گروہ کے درمیان میں سے جو تلواریں لئے کھڑے تھے کہ آپ کا کام تمام کریں آپ صفائی سے گذر گئے یا کیونکر غار ثور میں آپ انکی نظروں سے غائب رہے حالانکہ وہ سامنے کھڑے تھے بلکہ وہ ہر ایک امر میں خدا کا ہاتھ آپکی تائید میں کام کرتا ہوا دیکھتے تھے اور الٰہی حفاظت کو آپ کے شامل حال پاتے تھے اس بات نے انکے دلوں کو سچے یقین سے بھر دیا تھا کہ بیشک آپ خدا کی طرف سے آئے ہیں وہ دیکھتے تھے کہ جسطرح دشمن دن رات آپ کے خلاف منصوبے کرتے ہیں مگر ہر بار ناکام اور نامراد ہوتے ہیں نہ صرف یہی بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کسطرح انکو للکار کر کہتے تھے کہ جسقدر منصوبے میرے برخلاف اور میری ہلاکت کیلئے کر سکتے ہو کر لو مگر تم میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اور نہ اس سلسلہ کو نیست و نابود کر سکتے ہو حضرت نوحؑ کے وہ الفاظ جنمیں وہ اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہیں قرآن شریف میں ان کا خطاب قریش ہی کی طرف تھا یٰقوم ان کان کبر علیکم مقامی وتذکیری بآیٰت اللہ فعلی اللہ توکلت فاجمعوا امرکم وشرکاءکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمۃ ثم اقضوا الی ولا تنظرون (یونس - ۷) اے میری قوم اگر میرا رہنا اور خدا کی آیتوں کیساتھ نصیحت کرنا تمپر گراں گذرتا ہے تو مجھے اسکی کیا پرواہ ہے میرا توکل تو اللہ پر ہی ہے پس تم اور تمہارے شریک سب اکٹھے ہو کر ایک بات ٹھہرا لو پھر تمہاری وہ تدبیر تم پر تاریک نہ ہو بلکہ پورا زور اس میں صرف کرو پھر جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو میرے ساتھ کر گذرو۔ اور مجھے ایکدم کی بھی مہلت نہ دو ایسا ہی سورۃ اعراف کے اخیر پر فرمایا قل ادعوا شرکاءکم ثم کیدون فلا تنظرون۔ یعنی اپنے شرکاء کو بلا لو پھر تم ملکر تدبیریں کر لو اور مجھے کوئی بھی مہلت نہ دو پھر انکو سمجھایا گیا کہ کس طرح پہلے مخالفین انبیاء نے طرح طرح کی تدبیریں اپنے زمانہ کے نبیوں کو ہلاک کرنیکے لئے کیں مگر ان کی تدبیریں الٹی انہیں پر پڑیں قد مکر الذین من قبلھم فاتی اللہ بنیانھم من القواعد فخر علیھم السقف من فوقھم واتٰھم العذاب من حیث لا یشعرون (النحل) ان سے پہلے بھی بدبخت لوگوں نے انبیاء کی ہلاکت کی تدبیریں کیں جو خدا نے انکے منصوبوں کی عمارت کی بنیاد کو جڑھ سے اکھیڑ ڈالا اور انہی پر چھت گر پڑی اور عذاب نے انکو اس راہ سے آ پکڑا جدھر سے انکو خبر بھی نہ تھی یعنی وہی منصوبے جنپر انکا سارا دارومدار تھا انہی کی اپنی ہلاکت کا باعث ہو گئے ایسا ہی دوسرے مقامات پر اسی قسم کی آیات بکثرت پائی جاتی ہیں وقد مکروا مکرھم وعند اللہ مکرھم وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال (ابراہیم) اور انھم یکیدون کیدا واکید کیدا فمھل الکٰفرین امھلھم رویدا۔ اب یہ

تمام آیات جو مکہ میں نازل ہوئیں جسوقت نازل ہوتیں تھیں اسی وقت مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مشہور ہو جاتی تھیں پس کفار دن رات اپنی سازشوں اور تدبیروں میں لگے رہتے تھے یہ تمام منصوبے اسوقت اپنے انتہائی نقطہ پہنچے جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کرنی پڑی اور اسی لئے ان سب منصوبوں کے خاک میں ملنے کی پیشگوئی اپنے پورے کمال کو پہنچی تھی اسی وقت پوری ہوئی یہی وہ وقت تھا جب شہر کے تمام بڑے بڑے لوگوں نے جمع ہو کر آخری منصوبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے کا کیا اور پورا زور لگایا کہ اس دفعہ آنحضرت صلعم انکے ہاتھوں سے بچکر نہ نکل جائیں مگر اس آخری موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب معجزہ سے اپنے نبی کو بچا کر نکال لیا اور انکے منصوبے اور کوششیں سب مٹی میں مل گئیں۔

ایک طالب حق کو چاہیے کہ وہ اس مقام پر غور کرے کہ یہ پیشگوئیاں کیسے وقت میں کی گئیں اور پھر کس طرح ان کو پورا کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنا چہرہ دنیا کو دکھایا اس سے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر وہ عظیم الشان دلیل ملتی ہے جسکو کوئی حملہ توڑ نہیں سکتا آیندہ کے ایسے مخفی راز جو واقعات موجودہ کے بالکل خلاف تھے کون انکو جان سکتا تھا سوائے ایک عالم الغیب ہستی کے اور ایک اکیلے اور بیکس انسان کے خلاف تمام قوم کے منصوبوں کو کون خاک میں ملا سکتا تھا سوائے ایک مقتدر اور طاقتور ہستی کے جو تمام انسانی طاقتوں سے بڑھکر ہو مکہ میں جن تکلیفوں اور مصیبتوں کا نشانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بن رہے تھے اور جسقدر آپ کو ہلاک کرنے کی کوششیں کیجا رہی تھیں انکو دیکھکر کوئی شخص دور اندیشی سے کام لیکر ایسی پیشگوئیاں ہرگز منہ سے نہ نکال سکتا تھا مگر جسقدر بظاہر ناکامیاں بڑھتی جاتی تھیں اسی قدر زیادہ زور سے قرآن شریف بار بار ان پیشگوئیوں کا اظہار فرماتا تھا کہ کافروں کا کوئی منصوبہ کام نہیں آئیگا اور انکو یہ چیلنج کرتا تھا کہ جس قدر انکی طاقت ہے وہ نبی کریم کے ہلاک کرنے کے لئے اپنا زور لگالیں مگر آنحضرت ضرور ضرور غالب ہو کر رہینگے اب کوئی شخص انصاف سے بتاوے کہ کسکا علم ان غیب کی باتوں کو اتنے سال پہلے بتا سکتا تھا اور کس کی طاقت تمام ملک اور قوم کی متفقہ کوششوں اور منصوبوں کو خاک میں ملا سکتی تھی میں تمام منکران نبوت محمدیہ کو دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ آنحضرت صلعم کو نعوذ باللہ مفتری کہتے ہیں مگر وہ کسی سچے نبی کی زندگی میں بھی ان پیشگوئیوں کی نظیر پیش نہیں کرسکتے مگر ایسا وہ کیوں کرتے ہیں اسلئے کہ مذہب کو انہوں نے ایک رسم بنا رکھا ہے اور اسے انکو کچھ غرض نہیں کہ انکے مذہب انکو خدا کی ہستی کا کونسا نشان دیتے ہیں۔

ہجرت کے متعلق ایک اس سے بھی زیادہ ضروری پہلو ابھی باقی ہے ہجرت کی پیشگوئیاں کثرت کی سورتوں میں پائی جاتی ہیں جو نہ صرف یہی ظاہر کرتی ہیں کہ مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کرنی پڑے گی بلکہ ساتھ ہی یہ بھی بتاتی ہیں کہ آپ پھر کامیابی اور فتح کیساتھ اسی شہر میں واپس آئینگے پادری سیل نے کسی علم کی بنا پر نہیں بلکہ محض اپنی جہالت کی وجہ سے یہ لکھتا ہے کہ اسوقت یعنی طایف سے واپس آنیکے بعد نقل مکانی کا خیال آپکے دل میں پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا اور اسی نے

کی ایک سورۃ میں ہم الفاظ ذیل پاتے ہیں یعنی مشرکوں سے کنارہ کش رہو اگر خدا چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے ہمنے تمکو کوئی محافظ مقرر نہیں کیا پس جس ہجرت کا آپنے ارادہ کیا تھا اسکی منظوری وحی الٰہی سے حاصل کرکے آپنے مدینہ کے لوگوں کیساتھ تعلقات کرنے شروع کئے۔" اور پھر آگے چلکر لکھتا ہے "مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ کو بغیر ایک دھمکی اور ایک سرزنش کے نہیں چھوڑا۔ چونکہ آپ کو اپنی رسالت کی انجام کار کامیابی اور مکہ والوں پر آیندہ زمانہ میں کسی فتح کا پورا یقین تھا اسلئے آپنے ایک الہام پیش کردیا کہ مسلمان ہی زمین کے وارث ہونگے اور ظالم لوگ ہلاک کئے جاوینگے" اب میں پادری سیل سے پوچھتا ہوں کہ یہ پیشگوئی تو ہی اور سچی بھی نکلی پس اسکا منبع اسکے نزدیک کیا تھا۔ اور یہ یقین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخرکار غالب ہو جاوینگے اور مکہ والوں پر ان کو فتح ہوگی اور مسلمان ہی وارث مکہ کے ہونگے کس ذریعہ سے آپکے دل میں آیا؟ کیونکہ ظاہر حالات نبی کریمؐ کے تو ہرگز اس کے موید نہ تھے کیا کوئی شخص انسانی دور اندیشی سے اس نتیجہ تک پہنچ سکتا تھا کہ ایک شخص جس کی ہلاکت کے لئے ایک قوم منصوبے کر رہی ہے اور جسکو اپنی جان بچانیکے لئے رات کے وقت اپنے مکان سے تنہا بھاگنا پڑا ہے اور جسکے ساتھ کوئی جمعیت بھی نہیں ایسا شخص ایک طاقتور جنگجو قوم کو مغلوب کر لیگا؟ میں نہیں سمجھتا کہ پادری سیل اپنے تعصب اور اس دشمنی کے باوجود جو اسے اسلام سے ہے یہ جواب دینے کی جرأت کر سکے کہ ہاں یہ امر انسانی دور اندیشی کی حیطۂ قدرت کے اندر تھا اب یہ دو واقعات تاریخی شہادت سے قطعی طور پر ثابت ہیں کہ قرآن کریم نے یہ پیشگوئیاں کیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے مکہ سے ہجرت کرنی پڑے گی پھر ایک وقت آیگا کہ آپ غالب اور فتحمند ہوکر اس شہر میں داخل ہونگے اور ایسے وقت میں ان پیشگوئیوں کو شہرت دی گئی جب ظاہر حالات سے آنحضرت کا غلبہ قریباً ناممکن معلوم ہوتا تھا اور پھر دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ہم ان پیشگوئیوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی پورا ہونا بھی دیکھتے ہیں پس جس صورت میں یہ دو واقعات ثابت شدہ ہیں اور سیلؔ صاحب کو بھی ایک حد تک اقرار کرنا پڑا ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا کس درجہ پر انکار کیا جا سکتا ہے اور اگر پادری صاحبان کا یہ خیال ہے کہ ان پیشگوئیوں کے منجانب اللہ ہونے میں فلاں نقص ہے تو انکا فرض ہے کہ وہ اس نقص کو پیش کریں اور دکھائیں کہ کیوں یہ پیشگوئیاں قطعی ثبوت کا حکم نہیں رکھتیں مگر ساتھ ہی انکو یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا نقص دکھلانے میں انکو سنت انبیاء کو مدنظر رکھنا چاہیئے یعنی یہ دکھلانا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیاں انکے منجانب اللہ ہونے کی دلیل اسوقت ہو سکتی ہیں کہ فلاں فلاں اجزاء انمیں پائے جاتے ہوں اور یہ اجزاء ہماری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں نہیں پائے جاتے اور بہتر ہو کہ یسوع مسیح کی پیشگوئیاں اس موقع پر پیش کی جاویں جنکے پورا ہونیکو عیسائی صاحبان مانتے ہوں اور اگر پادری صاحبان کی نظر انجیل پر ایسی ہی ناقص ہو جیسی قرآن شریف پر تو میں انکو بتا دیتا ہوں کہ یہ چند پیشگوئیاں انجیل میں ملتی ہیں کہ بارہ حواری جن میں　　یہودا اسکریوطی شامل ہے بارہ تختوں پر بیٹھینگے اور داؤد کا تخت قائم کیا جاویگا جسکے پورا کرنیکے لئے یہ حکم صادر ہوا تھا کہ کپڑے بیچکر تلواریں خرید لو اور کہ ابھی وہ نسل موجود ہی ہوگی کہ آپ واپس تشریف لے آوینگے اور جن میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہے وہ اگر پہاڑ کو کہینگے کہ اپنی جگہ

سے مل جاتو وہ ٹل جائیگا مثال کے طور پر یہ کافی ہیں۔

پس صاحب باوجود پیشگوئی کا اقرار کرنیکے اسکی قدر کو یہ کہکر کم کرنا چاہتے ہیں کہ جب مدینہ کے چند آدمیوں نے بیعت کی تو اسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا خیال آیا اگرچہ یہ جھوٹ ہے جیسا کہ میں ابھی دکھاتا ہوں گر پیشگوئی کی وقعت صرف ہجرت کرنے میں نہیں ہے اگرچہ ایسے دشمنوں کے ہاتھ سے بچکر نکل جانا بھی اعجاز تھا مگر بڑا اعجاز جس کی نظیر ہم اور جگہ نہیں پاتے غلبہ اور فتح کیساتھ واپس آنیکی پیشگوئی ہے کیا مدینہ کے چھ آدمیوں کے بیعت کرنیسے یہ خیال دلپر پیدا ہوسکتا تھا کہ اب قریش جیسی جنگجو قوم کو فتح کرلینگے یہ محض حماقت کا خیال ہے اب میں نیچے وہ آیات نقل کرتا ہوں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت کی پیشگوئی اور پھر فتح اور غلبہ کے ساتھ مکہ واپس آنیکی پیشگوئی ابتدائے زمانہ نبوت کی وحی سے لیکر اخیر تک کی وحی میں پائی جاتی ہے اور اسی زمانہ میں پیشگوئی بہت شہرت پا چکی تھی۔

سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وقال الذین کفروا لرسلھم لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا فاوحیٰ الیھم ربھم لنھلکن الظٰلمین ۙ ولنسکننکم الارض من بعدھم ؕ ذٰلک لمن خاف مقامی وخاف وعیدؔ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید ۙ منکروں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تمکو اپنے ملک سے ضرور باہر نکال دینگے یا تم پھر ہمارے مذہب میں آجاؤگے اسپر پروردگار نے پیغمبروں کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ظالم لوگوں کو ضرور ہلاک کرینگے اور انکے بعد تمکو اس سرزمین میں (جس سے وہ تمہیں نکالتے ہیں) ضرور ہی آباد کریں گے یہ اس شخص کے لئے ہے جو ہمارے حضور میں کھڑے ہونیسے ڈرے اور ہمارے وعید کا خوف کرے پھر انہوں نے فتح طلب کی اور ہر ایک سرکش ضدی ہلاک ہوگیا ان آیات میں گویا اللہ تعالیٰ اپنی سنت کو بیان فرماتا ہے جو تمام انبیاء کے ساتھ رہی ہے کہ اول اول کافر لوگ ان کو زمین سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں یا نکال دیتے ہیں پھر خدا تعالیٰ ظالموں کو ہلاک کرکے اپنے پیغمبر اور اسکے متبعین کو اس زمین کا وارث بنا دیتا ہے اب دیکھو ان الفاظ میں جو ہجرت سے بہت مدت پہلے کے ہیں کیسی کھلی کھلی پیشگوئی مکہ سے نکالے جانیکی اور پھر کفار کی ہلاکت کے بعد غلبہ اور فتح سے واپس آنیکی موجود ہے یہ ایسی کھلی پیشگوئی ہے کہ ایسی صریح پیشگوئی کی نظیر دوسرے انبیاء میں ہمیں نہیں ملتی ایسا ہی سورہ بنی اسرائیل کی ان آیات پر غور کرو جو اس آیت سے شروع ہوتی ہیں وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منھا واذا لا یلبثون خلٰفک الا قلیلا یعنی قریب ہے کہ یہ لوگ تمہیں مکہ سے نکال دیں لیکن جب ایسا کریں گے تو اسوقت تمہارے پیچھے یہ بھی چند دن ہی رہینگے یہی سنت ان رسولوں کے بارہ میں رہی ہے جو ہمنے تمسے پہلے بھیجے ہیں اور خدا کی سنت بدلتی نہیں اور تو دعا مانگتا رہ کہ اے میرے رب جب تو مجھے (پھر مکہ میں) داخل کرے تو صدق یعنی قوت اور غلبہ کے ساتھ داخل کیجیو اور جب یہاں سے نکالے تو صدق یعنی سلامتی کے ساتھ نکالیو اور اپنے ہاں سے مجھکو دشمنوں پر فتحیابی کیساتھ غلبہ دیجیو اور انکو کہدو کہ اب حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہوگیا کیونکہ باطل نیست و نابود ہونیوالا ہی تھا پھر اسی سورہ میں آگے چلکر موسیٰ اور فرعون کا قصہ بیان کرتے وقت فرمایا فاراد ان

من الارض فاغرقنٰه ومن معه جميعا ۝ وقلنا من بعده لبنی اسرائیل اسکنوا الارض - یعنی فرعون نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت موسیٰ اور اسکے ساتھیوں کو اس زمین سے نکالدیوے تو ہمنے فرعون اور اسکے ساتھیوں کو غرق کردیا اور اسکے بعد بنی اسرائیل کو کہا کہ تم زمین میں آباد ہو جاؤ۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ چونکہ قرآن شریف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ قرار دیا ہے اور اسی مماثلت کی وجہ سے ہی حضرت موسیٰؑ کے قصہ کو بار بار بیان فرمایا ہے اسلئے جو کچھ فرعون نے حضرت موسیٰ سے سلوک کیا اور جو اسکا انجام ہوا وہ بطور پیشگوئی کے ہے کہ ایسا سلوک کفار آنحضرتؐ سے کرینگے اور وہی انکا انجام ہوگا گویا یہ قصے بطور پیشگوئی بیان کئے گئے ہیں۔

سورہ القصص کے اخیر میں ہجرت اور اسکے بعد فتح اور غلبہ کیساتھ واپسی کی پیشگوئی کو نہایت ہی مختصر الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے ان الذی فرض علیك القرآن لرادك الی معاد - وہ خدا جس نے قرآن کریم کو تمپر فرض کیا ہے وہ یقیناً یقیناً تمکو تمہاری پہلی جگہ کی طرف پھیر لائیگا لفظ معاد کی تفسیر صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس سے یوں مروی ہے لرادك الی معاد قال الی مکة یعنی معاد سے مراد اس جگہ مکہ ہے کیونکہ معاد کے معنے ہیں اصلی یا پہلی جگہ اور آنحضرتؐ کی پہلی جگہ مکہ تھی اب یہ سورۃ اور آیت مکہ میں ہی نازل ہوئی تو اسمیں یہ پیشگوئی کی گئی کہ خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے لیجاکر پھر مکہ میں واپس لائیگا کیونکہ لفظ رد کا مفہوم یہ ہے کہ کسی اور جگہ جاکر پھر واپس آئے پس اس ایک ہی لفظ میں ہجرت اور ہجرت کے بعد واپسی کی پیشگوئی ہے پھر سورۃ السبا میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل یجمع بیننا ربنا ثم یفتح بیننا بالحق وھو الفتاح العلیم - تو کہہ ہمارا پروردگار پھر ہمکو اکٹھے کریگا اور ہم میں انصاف کیساتھ فیصلہ کریگا اور وہ ٹھیک فیصلہ کرنیوالا اور سب کے حال سے واقف ہے یہاں بھی دوبارہ جمع کرنیکی پیشگوئی جاہتی ہے کہ پہلے ہجرت کرنی پڑی اور اسکے بعد فرمایا۔ ویقولون متیٰ ھذا الوعد ان کنتم صٰدقین ۝ قل لکم میعاد یوم لا تستاخرون عنه ساعة ولا تستقدمون یعنی جب انکو یہ کہا گیا کہ وہ دن آنیوالا ہے جب خدا مسلمانوں اور کافروں کو پھر جمع کر کے مسلمانونکو فتح دیگا تو انہوں نے سوال کیا کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا جسکا جواب یہ دیا گیا کہ تو کہدے ایک دن کی میعاد تمہیں دیجاتی ہے جس سے نہ تم ایک گھڑی بھی آگے بڑھ سکتے ہو اور نہ پیچھے رہ سکتے ہو پیشگوئی میں ایک دن سے مراد ایک سال ہوتا ہے اور ایسا ہی ہوا کہ ہجرت کے ایک سال بعد کفار اور مسلمانوں کا مقابلہ میدان بدر میں ہوا جہاں مسلمانوں نے کفار کو سخت شکست دی یہ تمام پیشگوئیاں صراحت ہجرت اور ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ اور مکہ میں واپس آنیکو بتا رہی ہیں۔

ایسا ہی ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں بھی ہجرت اور فتح کی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں چنانچہ الصّٰفّٰت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ۝ انھم لھم المنصورون ۝ وان جندنا لھم الغٰلبون ۝ فتول عنھم حتی حین ۝ وابصرھم فسوف یبصرون ۝ اور ہمارے ان بندوں کے حق میں جو رسول ہیں ہمارا حکم پہلے ہی ہو چکا ہے کہ بیشک انہی کو مدد دیجائیگی اور ہمارا لشکر بیشک وہی غالب ہوگا تو اسے پیغمبر تم چند روز ان سے اعراض کرو یعنی الگ ہو جاؤ اور دیکھتے رہو کہ کیا ہوتا ہے یہ بھی دیکھ لینگے

ایسا ہی سورۃ الزخرف میں فاصفح عنہم وقل سلام سے علیحدگی پائی جاتی ہے اور سورہ سجدہ میں فاعرض عنھم وانتظر انھم منتظرون میں بھی اشارہ ہے۔

اور بھی بہت سے حوالے دئے جا سکتے ہیں مگر مضمون کے لمبا ہونیکے اندیشہ سے میں اسی پر کفایت کرتا ہوں ایک بات اور ہے جسکا کہنی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جیسا اوپر ذکر ہوا قرآن شریف میں جسقدر قصص بیان ہوئے ہیں وہ بھی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور پیشگوئیوں کے ہیں انہیں سے حضرت موسیٰؑ کے قصہ کا اوپر ذکر ہوا آسکے دو اور کا میں ذکر کرونگا جن میں ہجرت کی اور بعدہ غلبہ کی پیشگویاں پائی جاتی ہیں۔ اول حضرت یوسفؑ کا قصہ ہے جسکے ابتدا میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لقد کان فی یوسف واخوتہ ایٰت للسائلین۔ یعنی یوسف اور انکے بھائیوں میں ان لوگوں کے لئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کرتے ہیں نشانیاں ہیں وہ نشانیاں کیا تھیں یہی کہ یہ قصہ اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کے متعلق عجیب درعجیب پیشگوئیاں اپنے اندر رکھتا ہے حضرت یوسف ایک رؤیا دیکھتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایکدن انکے سامنے انکے بھائی فرمانبرداروں کی طرح حاضر ہونگے اور وہ انپر غالب ہونگے اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی کے ذریعہ سے خبر دیجاتی ہے کہ وہ آخر کار کفار قریش پر غالب آوینگے حضرت یوسفؑ کے بھائی انکے قتل کا ارادہ کرتے ہیں اور آخر ایک کنوئیں میں انکو پھینک دیتے ہیں یہ پیشگوئی تھی کہ اسی طرح قریش بھی متفق ہو کر آپکے قتل کا ارادہ کریں گے مگر ناکام ہونگے اور جیسا حضرت یوسفؑ کنوئیں میں ڈالے گئے آنحضرتؐ کو غار میں پناہ لینی پڑی پھر جیسے حضرت یوسفؑ کو ایک دوسرے ملک میں جا کر عزت و کامیابی حاصل ہوئی ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتوحات اور غلبہ بھی مدینہ جاکر شروع ہوئی اور اسبات کے ثبوت کیلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز وانجام کی یہ پیشگوئی ہے جیسا کہ ابتدا میں فرمایا تھا لقد کان فی یوسف واخوتہ ایٰت للسائلین اخیر پر جن الفاظ میں حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کا قصور معاف فرمایا تھا انہیں الفاظ میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کا قصور اسوقت معاف فرمایا جب وہ یوسف کے بھائیوں کی طرح اپنی خطاؤں کے اقراری ہو کر فتح مکہ کے بعد طالب معافی ہوئے آپ نے فرمایا لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ دوسرا قصہ جسکی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا ہے وہ اصحاب کہف کا قصہ ہے جو وہاں بھی چند صالح آدمیوں کو ایک بت پرست کے ظلم سے ایک غار میں پناہ لینی پڑی تھی انکے قصہ کو بیان فرما کر اللہ تعالیٰ ہمارے نبی کریمؐ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے قل عسی ان یھدین ربی لاقرب من ھذا رشدا یعنی کہدو کہ مجھکو بھی ایسے واقعات پیش آویں گے مگر میں امید کرتا ہوں کہ میرا پروردگار اس سے قریب تر راہ کامیابی کی مجھے دکھادیگا پس ان دونوں قصوں میں عظیم الشان پیشگوئیاں ہجرت کی اور ہجرت کے بعد فتح اور غلبہ کی پائی جاتی ہیں۔

قرآن کریم کے اسقدر حوالے اسبات کو بڑی صفائی سے ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی کی سورتوں میں خواہ وہ ابتدائی زمانہ کی تھیں یا مکی زندگی کے آخری حصہ کی بار بار اور کثرت سے پیشگوئیاں ہجرت کی اور ہجرت کے بعد

فتح اور غلبہ سے پھر مکہ میں داخل ہونگی پائی جاتی ہیں میں حیران ہوتا ہوں کہ جب ہمارے مخالفین جلدوں کی جلدیں اعتراضوں کی لکھ مارتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے اس کامل اور یگانہ ثبوت کی طرف کبھی توجہ نہیں کرتے اور اسکو یونہی ٹال جاتے ہیں گویا یہ پیشگوئیاں قرآن شریف میں موجود ہی نہیں کسقدر تعجب ہے کہ پادری سیل نے بہت سے اوراق اعتراضوں کے لکھ کر سیاہ کردئے لیکن ان پیشگوئیوں پر بحث کرنیکے لئے اس ایک صفحہ بھی نہ ملسکا حالانکہ یہی وہ ضروری امور ہیں جنسے کوئی صحیح نتیجہ پیدا ہوسکتا ہے اگر انکے نزدیک ان پیشگوئیوں کی کوئی اور تشریح ہو سکتی تھی تو انہوں نے کیوں نہ کی بلکہ اس ضروری سوال کو ٹالدینے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ انکے پاس اسکا کوئی جواب نہیں میں پادری سیل کے ان تمام بڑے بڑے اعتراضات کا جواب مفصل دیچکا ہے جو اسنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ زندگی پر کئے ہیں یہ جواب کیسا تھا اس فیصلہ کو میں ناظرین پر ہی چھوڑدونگا میں یہ دکھایا ہے کہ پادری صاحب نے اکثر غلط بیانیوں سے کام لیکر اپنے اعتراضات کی فہرست کو بڑھایا ہے اب اسقدر لکھ چکنے کے بعد میرا حق ہے کہ میں پادری صاحب سے یہ مطالبہ کروں کہ وہ ان عجیب پیشگوئیوں پر کچھ لکھیں تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ انکے اعتراض کسی حق طلبی کی بنا پر ہیں۔ یا محض اندھے تعصب کی وجہ سے اگر انکا مقصد مذہب کے ساتھ ہنسی کرنا ہے تو میں انکو خطاب بھی نہیں کرتا لیکن اگر جیساکہ وہ ظاہر کرتے ہیں وہ سنجیدگی سے دوسرے مذاہب پر بحث کرنا چاہتے ہیں تو انکا یہ فرض ہے کہ یا ان پیشگوئیوں کو آنحضرت کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل قاطع سمجھیں اور یا انکی کوئی معقول تشریح کرکے دکھلائیں بلکہ چونکہ وہ اسلام کی مخالفت میں لکھ چکے ہیں اسلئے بحیثیت ایک معتقد ہونیکے انکا یہ فرض ہے کہ وہ اس پہلو پر بھی بحث کریں جسکو میں اب پیش کرتا ہوں اگر وہ اس سوال کو خاموشی سے نہ ٹالدیں تو میں یقین رکھتا ہوں کہ انکو اسمیں سوائے اسکے کوئی راہ نہ ملے گی کہ ان پیشگوئیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر یقینی اور قطعی شہادت تسلیم کرنا پڑیگا۔

اگر ان پیشگوئیوں کو خدائے عالم الغیب کی طرف سے نہ مانا جاوے تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ یا دیوانہ کی بڑ تھیں یا یونہی اٹکل پچو چند باتیں کہی گئی تھیں اور یا انسانی دور اندیشی کا نتیجہ تھیں مگر مجنون کی باتوں کا کبھی یہ اثر نہیں ہوتا کہ انسے سننے والوں کے دلوں میں ایک یقین کامل پیدا ہو جاوے حالانکہ ان پیشگوئیوں کی صداقت کا یقین ہزارہا انسانوں کے دلوں میں قبل اسکے کہ وہ انکو پورا ہوتے دیکھیں ایسا گھر کر گیا تھا کہ نہ صرف انہوں نے انکی خاطر اپنی جائدادوں اور مالوں اور گھروں کو ہی چھوڑا اور طرح طرح کی تکالیف کا برداشت کرنا قبول کیا بلکہ جانوں کا قربان کرنا بھی کچھ مشکل نہ سمجھا اور پھر یہ یقین کیسا صحیح ثابت ہوا کسی نبی کی ایک بھی ایسی پیشگوئی نہیں ملتی جو اس صراحت سے شایع کی گئی ہو اور اس صفائی سے پوری ہوئی ہو اگر کفار عرب نے اول اول آنحضرت کو مجنون کہا تو اسکی وجہ انہی پیشگوئیوں کی اشاعت تھی کیونکہ وہ خدا کی طاقتوں کو نہ سمجھتے تھے اور انہوں نے اس امر کو محض ناممکن خیال کیا کہ یہ پیشگوئیاں کبھی پوری ہو سکتی ہیں اور انکو جو جواب دیا گیا وہ یہ تھا ما انت بنعمت ربک بمجنون وان لک لاجرا غیر ممنون یعنی تو مجنون کس طرح ہو سکتا ہے مجنون کے اقوال افعال تو لغو ہوتے ہیں اور ان کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا مگر تیرے لئے ایسا اجر ہے جو قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور

پھر اہل مکہ کو ان اصحاب الجنۃ سے مشابہ قرار دیا ہے جنکا باغ تباہ کر دیا گیا چنانچہ اس پیشگوئی کے بہت برس بعد اہل مکہ نے صاف اپنی غلطیوں کا اقرار کیا اور کہا سبحٰن ربنا انا کنا ظٰلمین۔ یٰویلنا انا کنا طٰغین۔ یہ اقرار اپنے گناہوں اور غلطیوں کا اس لئے کیا کہ اب کوئی عذر انکا باقی نہ رہ گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی زبردست طاقت کو وہ اپنی آنکھوں سے آنحضرت کی تائید میں کام کرتا ہوا دیکھ چکے تھے اور جو باتیں انکو ابتداء میں کہی گئی تھیں وہ تمام کی تمام بھی ثابت ہو چکی تھیں۔

اب دوسرے سوال پر غور کرو کہ اگر یہ باتیں مجنون کی نہ تھیں تو پھر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس سے ایسا کہدیا تھا یا آیا ان باتوں کا بنا دینا انسانی دور اندیشی کی حد کے اندر تھا یہ خیال بھی بالکل بیہودہ ہے اول تو جو شخص قیاس سے یا دور اندیشی سے کہتا ہے وہ اپنے مخالفین کو اسقدر دعوے سے اپنی ہی ہلاکت کے منصوبے کرنے اور پھر ان پر عمل کرنیکے لئے چیلنج نہیں کر سکتا جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا قرآن شریف کفار کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تم اپنی کل تدبیروں اور ناپاک منصوبوں کو میرے خلاف جمع کرو اور اپنے مددگاروں کو مدد کے لئے بلالو پھر ان منصوبوں پر پورے زور سے عمل کرو اور مجھے کوئی مہلت بھی نہ دو اب غور کرو کہ جو شخص محض قیاس سے یہ بات کہتا ہے کہ شاید کسی زمانہ میں میں ہی غالب آ جاؤں درآنحالیکہ اس کے پاس وجہ ایسا کہنے کی کوئی بھی نہیں وہ ان الفاظ میں اپنے مخالفین کو مخاطب کر سکتا ہے؟ جس چیز کی بنا قیاس اور شک پر ہوگی وہ خود شک کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہوگی لیکن یہ یقین تام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں پایا جاتا ہے یہ تو صاف ظاہر کر رہا ہے کہ آپ کا ذریعۂ علم یقینی تھا اور ایسا یقینی کہ بڑی سے بڑی ناکامیوں اور مشکلات کے وقت بھی شک کا وہم تک بھی اس یقین کے پاس پھٹک نہ جاتا تھا غور کرو کہ ایک طرف تو مکہ میں دن بدن مسلمانوں پر سختیاں اور ظلم بڑھتے جاتے ہیں اور اس غریب جماعت کو طرح طرح سے ہلاک کیا جاتا ہے اور کوئی دنیا کی آنکھوں سے دیکھنے والا نہیں کہہ سکتا کہ یہ پودہ کبھی سرسبز ہوگا اور دوسری طرف ساتھ ہی ساتھ پیشگوئیوں میں یقین اور زور بڑھتا جاتا ہے کہ ضرور ضرور آنحضرت غالب ہونگے اور کفار مغلوب اور ہلاک ہونگے اور ان کا کوئی منصوبہ کارگر نہ ہوگا جو الفاظ اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کے یقین کو کسی زبان میں ظاہر کر سکتے ہیں وہی الفاظ اس یقین کو ظاہر کرنیکے لئے استعمال کیے گئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کامیابی پر ہے اب اس یقین کے وجوہات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوائے وحی الٰہی کے اور کوئی نہ تھے جس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی وحی منجانب اللہ تھی اور ان پیشگوئیوں کا منبع خدا کا ہی علم غیب تھا نہ کوئی قیاس اور دور اندیشی۔

اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن سے یہی نتیجہ نکلتا ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محض یہ قیاس ہوتا تو ایک شکی بات سے دوسروں کے دلوں میں یقین تام کیونکر پیدا ہو سکتا تھا جو قربانیاں صحابہ نے کیں اور جو جو تکالیف سہیں اور پھر ان تکالیف کے بیچ جو ایمانی قوت انہوں نے دکھلائی اور استقامت اور صبر کا نمونہ دکھایا وہ صاف طور پر ثابت کر رہی ہیں کہ قیاس یا شکی باتوں سے ایسا یقین تام پیدا نہ ہو سکتا تھا یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی صرف یہ نہ تھی کہ وہ اصول آخر کار غالب ہونگے جنکی تلقین

آپ بلاتے ہیں بلکہ پیشگوئی یہ تھی کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل و ابولہب وغیرہ کفار پر غالب ہونگے اور یہ کفار آپکی آنکھوں کے سامنے ہلاک اور مغلوب ہونگے کسی اصول کے غالب آنیکی پیشگوئی اور بات ہے اور خود ایک انسان کے غالب آنیکی پیشگوئی الگ بات ہے اسجگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ اور مخالفین کی ہلاکت کی پیشگوئی ہے ان دونوں باتوں میں امتیاز کرنا نہایت ضروری ہے ایک انسان کا اسقدر منصوبوں اور مخالف کوششوں میں بچ رہنا پھر مخالفین کی قوت کا نیست و نابود کئے جانا اور اس انسان کی قبولیت کا زمین پر پھیلایا جانا کہ تا لوگ اسکے ساتھ ملجائیں اور یہ سب نظارہ اسکی زندگی میں اسکی آنکھوں کے سامنے واقع ہونا یہ باتیں صاف دلالت کرتی ہیں کہ ایسی پیشگوئی محض اس مقتدر ہستی کی طرف سے ہے جس کے ہاتھ میں یہ تمام دنیا کا کارخانہ ہے اور جسکے تصرف سے ہی سب کام ہوتے ہیں اور جسکے اذن کے بغیر کوئی انسان ہاتھ نہیں ہلا سکتا یہی پیشگوئیاں ہیں جو خدا تعالیٰ کی ہستی کا کامل ثبوت دیتی اور زندہ یقین پیدا کرتی ہیں اور انکے بالمقابل تمام معجزات جو کسی نبی کی طرف منسوب کئے گئے ہوں ایسی قطعی اور یقینی شہادت پیدا نہیں کر سکتے۔

میں یہ کہہ چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پیشگوئیوں سے جو ثبوت ملتا ہے وہ یگانہ ہے کیسقدر نمونہ متذکرہ بالا تحریر سے ظاہر ہے مگر میں خصوصیت سے دو امر پیش کرتا ہوں جنکی مثال ہم دوسری کسی جگہ نہیں پاتے اول یہ کہ ان پیشگوئیوں کا دشمنوں اور دوستوں میں سالہاسال وقوع سے پہلے شایع ہونا اور پھر اپنے وقت پر صفائی سے پورا ہونا دونوں باتیں تاریخی طور پر ایسے ثابت شدہ امور ہیں کہ ان میں ذرا بھی شک کی گنجایش نہیں اگر پیشگوئی صرف ایک دو دفعہ ہی قرآن کریم میں بیان ہوئی تو کسی معاند کو یہ کہنے کی گنجایش ہوتی کہ شاید ایسی آیت مکہ میں نازل نہ ہوئی ہو بلکہ مدینہ میں نازل ہوئی ہو اور پھر کلی سورت کے ساتھ لگا دی گئی ہو مگر خدا تعالیٰ نے اسقدر بار بار اور دوسویکر اس پیشگوئی کو بیان کیا ہے کہ شاید ہی کوئی سورۃ اس سے خالی ہو اور اسلئے کسی مخالف کو اس پیشگوئی کے قبل از وقوع شائع ہونیمیں انکار نہیں ہوسکتا حالانکہ دوسرے کسی نبی کی پیشگوئی کے قبل از وقت شایع ہونیکا ثبوت تاریخی ہمارے پاس کوئی نہیں دوسرا امتیازی نشان ان پیشگوئیوں کا یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے امت محمدیہ میں اس سلسلہ کو منقطع نہیں کیا پس جو شخص گذشتہ سے انکار کرے وہ اب بھی دیکھ سکتا ہے اور یہ ایسا امتیازی نشان اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ہے۔ کہ دوسرا کوئی مذہب مقابلہ کرنا تو ایک طرف رہا ایسا دعوی بھی نہیں کر سکتا اصل بات یہ ہے کہ گذشتہ کہانیاں کسی کام کی نہیں جبتک کہ انکے ساتھ کوئی زندہ نمونہ موجود نہ ہو بلکہ یہ امر خود شک میں ڈالنے والا ہے کہ اگر کوئی مذہب اسی صداقت پر قائم ہے جس پر اول قائم تھا تو کیا وجہ ہے کہ ان خوارق کا دروازہ بند کر دیا گیا جو اول اسکے لئے بطور صداقت کے نشان کے دئے گئے تھے اور کیا وجہ ہے کہ وہ انعام جو اولین کو ملا تھا وہ بعد میں آنیوالوں سے ہمیشہ کے لئے چھین لیا گیا اور انکو نور نہیں دیا گیا بلکہ تاریکی میں ہی حیران سرگردان پھرنیکے لئے چھوڑ دیا گیا پس اسلام کی یہ دو فضیلتیں اسی سے مخصوص ہیں اور کسی دوسرے مذہب میں ان کا وجود نہیں پایا جاتا اول یہ کہ تاریخی طور پر اسکی پیشگوئیاں اور خوارق ثابت ہیں اور دوم یہ کہ سلسلہ پیشگوئیوں اور مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا اسلام میں ہمیشہ

[illegible]

پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی

خدا کی باتوں کو پورا ہوتا دیکھ کر مومن کی روح کو عجیب سرور حاصل ہوتا ہے ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے دہشتناک زلزلہ کے چند دن بعد ہی حضرت مسیح موعود کو یہ الہام ہوا کہ ابھی زلزلے بھی آئیں گے اور انکی تباہی ایسی ہوگی کہ وہ گویا قیامت کا نمونہ ہونگے چنانچہ یہ پیشگوئیاں اسی رسالہ کے متواتر پرچوں میں بھی گذشتہ سال میں شایع ہو چکی ہیں اور اس امر کے لئے کہ ایک ہی زلزلہ نہیں بلکہ کئی زلزلے آئینگی پیشگوئیاں تھیں ناظرین اشتہار النداء من وحی السماء کو دیکھیں جو گذشتہ جلد رسالہ ہذا میں بھی درج ہے چنانچہ اس جلد کے صفحہ ۲۴۲ سطر ۹ میں یہ درج ہے کہ ایک زلزلہ نہیں بلکہ کئی زلزلے آئیں گے اور ایک یہ بھی الہام الٰہی تھا جو وہ بھی بار بار اور کثرت سے شایع ہو چکا ہے کہ پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ جسکا صاف منشا یہ تھا کہ ان زلازل کی ابتدا موسم بہار سے ہی شروع ہوگی اب اگرچہ چھوٹے چھوٹے دھکے زلزلوں کے ۴۔ اپریل کی زلزلہ کے بعد آتے رہے مگر یہ جیسا کہ ماہرین علم الارض نے بیان کیا تھا سب ۴۔ اپریل والے زلزلہ کے بقایا تھے چنانچہ انکا خیال لوگوں نے بہت کم کیا مگر جو زلزلہ ۲۸۔ فروری ۱۹۰۶ء کو آیا وہ اپنے رنگ میں بالکل نیا اور نرالا تھا اس نے وہی دہشت دلوں میں پیدا کر دی جو ۴۔ اپریل والے زلزلے کی تھی مگر یہ بھی ابتدا ہے ایسے زلزلہ کے آنے سے ماہرین علم الارض نے انکار کیا تھا بلکہ پروفیسر اوموری صاحب نے جو جاپان سے آئے تھے یہ یقین دلایا تھا کہ دو سو سال تک اب سخت زلزلہ نہیں آئیگا اب غور کرنیوالے غور کریں کہ خدا کے کلام کی صداقت اس سے کیسی چمکتی ہے کون انسان ۲۸۔ فروری سے پہلے کہہ سکتا تھا کہ پھر ایسا سخت زلزلہ آئیگا جو مکانوں اور دلوں کو ہلا دیگا پر خدا کے کلام نے کئی ماہ پیشتر یہ بتایا اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی خبر دی کہ ایام بہار میں یہ زلزلہ آئیگا مگر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جو زلزلہ نمونہ قیامت کا وعدہ تھا وہی آچکا بلکہ یہ ایک تمہید اس عظیم الشان زلزلہ کی ہے جو آنیوالا ہے اسکے متعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ اشتہار درج کرتا ہوں جو آپ نے ابھی شایع کیا ہے کاش دنیا ان امور پر غور کرتی تو وہ خدا کی ہستی کا مزہ لیتی مگر وہ ایک مردہ ایمان پر قناعت کئے بیٹھے ہیں اور خدا کے تازہ بتازہ نشانوں پر غور نہیں کرتے اشتہار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ ہے۔

زلزلہ کی پیشگوئی

دوستو جاگو کہ اب پھر زلزلہ آنے کو ہے ۔۔۔ پھر خدا قدرت کو اپنی جلد دکھلانے کو ہے

وہ جو ماہ فروری میں تم نے دیکھا زلزلہ ۔۔۔ تم یقین سمجھو کہ یہ اک زجر سمجھانے کو ہے

آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اسکا علاج ۔۔۔ آسماں اے غافلو اب آگ برسانے کو ہے

اے عزیزو! آپ لوگوں نے اس زلزلہ کو دیکھ لیا ہوگا جو ۲۸۔ فروری ۱۹۰۶ء کی رات کو ایک بجے کے بعد آیا تھا یہ وہی زلزلہ تھا

جسکی نسبت خدا تعالیٰ نے اپنی وحی میں فرمایا تھا پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی چنانچہ یہ پیشگوئی رسالہ الوصیۃ کے صفحہ ۳ و ۴ و ۱۴ میں اور نیز اپنے اشتہارات اور اخبار الحکم اور بدر میں شایع کردی تھی سوالحمد للہ والمنۃ کہ اسی کے مطابق عین بہار کے ایام میں یہ زلزلہ آیا لیکن آج یکم مارچ ۱۹۰۶ء کو صبح کے وقت پھر خدا نے یہ وحی میرے پر نازل کی جسکے یہ الفاظ ہیں زلزلہ آنیکو ہے اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ وہ زلزلہ جو قیامت کا نمونہ ہے وہ ابھی آیا نہیں بلکہ آنیکو ہے اور یہ زلزلہ اسکا پیش خیمہ ہے جو پیشگوئی کے مطابق ظہور میں آیا ہوا کیونکہ جیسا کہ میں نے رسالہ الوصیۃ کے صفحہ ۳ و ۴ میں قبل از وقت لکھا تھا صرف ایک زلزلہ کی پیشگوئی نہیں بلکہ کئی زلزلوں کی نسبت خدا نے مجھے اطلاع دی تھی سو یہ وہ زلزلہ تھا جسکا موسم بہار میں آنا خدا تعالیٰ کی وحی کے مطابق ضروری تھا سو آگیا اور ممکن ہے کہ وہ سخت زلزلہ قیامت کا نمونہ بھی موسم بہار میں ہی آوے اسلئے میں مکرر اطلاع دیتا ہوں اور متنبہ کرتا ہوں کہ جہانتک میرا خیال ہے وہ دن دور نہیں ہے توبہ کرو اور پاک اور کامل ایمان اپنے دلوں میں پیدا کرو اور ٹھٹھا کرنیوالوں کی مجلسوں میں مت بیٹھو تا تم پر رحم ہو۔ یہ خیال مت کرو کہ ہم اس سلسلہ میں داخل ہیں میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہر ایک جو سچا پایا جائیگا بچایا جائیگا کیا تم ایک دانہ سے سیر ہو سکتے ہو؟ یا ایک قطرہ پانی کا تمہاری پیاس بجھا سکتا ہے؟ اسی طرح ناقص ایمان تمہاری روح کو کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتا آسمان پر وہی مومن لکھے جاتے ہیں جو وفاداری اور صدق سے اور کامل استقامت سے اور فی الحقیقت خدا کو سب چیز پر مقدم رکھ کر اپنے ایمان پر مہر لگاتے ہیں میں سخت دردمند ہوں کہ میں کیا کروں اور کس طرح ان باتوں کو تمہارے دل میں داخل کردوں اور کس طرح تمہارے دلوں میں ہاتھ ڈالکر گند نکالدوں ہمارا خدا نہایت کریم و رحیم اور وفادار خدا ہے لیکن کوئی شخص کوئی حصہ خیانت کا اپنے دل میں رکھتا ہے اور عملی طور پر اپنا پورا صدق نہیں دکھلاتا تو وہ خدا کے غضب سے بچ نہیں سکتا سو تم اگر پوشیدہ بیج خیانت کا اپنے اندر رکھتے ہو تو تمہاری خوشی عبث ہے اور میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم بھی ان لوگوں کے ساتھ ہی پکڑے جاؤگے جو خدا تعالیٰ کی نظر کے سامنے تفرقہ کا کام کرتے ہیں بلکہ خدا پہلے تمہیں ہلاک کریگا اور بعد میں انکو نہیں آرام کی زندگی دھوکا ہے کیونکہ آرام کے دن نزدیک ہیں اور ابتدا سے جو کچھ خدا تعالیٰ کے پاک نبی کہتے آئے ہیں وہ سب ان دنوں میں پورا ہوگا کیا خوش نصیب وہ شخص ہے جو اس بات پر ایمان لاوے اور اپنے اندر تبدیلی پیدا کرے اور کیا بدنصیب وہ شخص ہے جو بڑھ بڑھ کے دعوے کرتا ہے کہ میں اس جماعت میں داخل ہوں مگر خدا اسکے دل کو ناپاک اور دنیا سے آلودہ اور خیانتوں سے پر دیکھتا ہے اور اسکے بعد تم لوگوں سے جھگڑا مت کرو اور دعا میں مشغول رہو ٹھٹھے اور ہنسی سے پرہیز کرو اور کسی کو دکھ مت دو اور ڈرتے رہو جبتک وہ خوفناک دن آوے جسکا وعدہ دیا گیا ہے نہیں یہ بھی ضروری نہیں کہ اس خوفناک دن سے پہلے کسی اخبار یا اشتہار کا جو اس پیشگوئی کی تکذیب کے بارہ میں لکھا گیا ہو رد کرو کیونکہ خدا ان تکذیبوں کا آپ جواب دیگا۔ نیکی کرو بھلائی کرو صدقہ دو۔ راتوں کو اٹھکر اپنے یگانہ خدا کو یاد کرو اور اگر کالیوں کا پہاڑ بھی تم پر ٹوٹ پڑے تو انکی طرف نظر اٹھا کر مت دیکھو خدا کے غضب کے دن سے فرشتے بھی کانپتے ہیں سو تم ڈرتے رہو ان اللّٰہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

المشتہر مرزا غلام احمد مسیح موعود قادیان ضلع گورداسپور ۲۔ مارچ ۱۹۰۶ء

نوٹ اور ریویو

۶ مارچ ۶۔ مارچ کا اخبار آریہ پتر کا عجیب جہالت سے یہ لکھتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی کوئی پوری نہیں ہوئی۔ حالانکہ ایک ہی صفحہ پہلے اسی اخبار میں لکھتا ہے کہ "آریہ سماج کی تاریخ میں ۶۔ مارچ کا دن ہمیشہ کیلئے یادگار رہیگا" اور یہ یاد نہ رہا کہ یہ یادگار تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے پورا ہونے کی ہی ہے نہ کسی اور بات کی اگر کچھ ان لوگوں میں شرم ہو تو کم از کم ان دو باتوں کا اکٹھا ذکر تو نہ کریں جبتک دنیا قائم ہے تب تک ۶۔ مارچ کا دن آریہ سماج کو نہیں بلکہ دنیا کو نہیں بھولیگا کیونکہ اس دن وہ عظیم الشان پیشگوئی اپنی تمام تفصیلات کیساتھ پوری ہوئی جو اس واقعہ سے پانچ برس پہلے مختلف کتابوں اور رسالوں اور اخباروں میں شایع ہو چکی تھی آہ اگر آریہ سماج میں کچھ بھی خوف خدا ہوتا یا اور نہیں تو اپنے وکیل کے اقرار کا ہی جسکو اب شہید شہید کرکے پکارا جاتا ہے کچھ پاس ہوتا تو وہ خدا کے اس نشان کے پورا ہونے سے فائدہ اٹھاتے اور راہ راست پر آتے کیونکہ خود لیکھرام نے یہ اقرار کیا تھا کہ اگر پیشگوئی سچی نکلی تو یہ آریہ مذہب کے بطلان اور اسلام کی صداقت پر ایک قطعی اور یقینی شہادت ہوگی۔

مسیح کی قبر ولایت کے مشہور رسالے ہبرٹ جرنل میں سید امیر علی نے جو کسی زمانہ میں کلکتہ ہائی کورٹ کے جج تھے ایک مضمون لکھا ہے جس میں یہ دکھانا چاہا ہے کہ مسلمانوں کا عیسائیت کے متعلق کیا خیال ہے اس مضمون میں انہوں نے مسیح کے صلیب کے واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے اور جو کچھ حضرت مسیح موعود نے خدا سے خبر پاکر لکھا ہے اور مشتہر کیا ہے اسکو سید صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر مرے نہیں بلکہ وہاں سے زندہ اترآئے اور پھر پوشیدہ پوشیدہ اپنے حواریوں کی مدد سے مشرقی ممالک میں وعظ کے لئے چلے آئے جہاں یہودیوں کی تکلیف دہی سے امن تھا اور پھر یہ بھی حوالہ دیا ہے کہ آجکل ایک مسلمان عالم نے دریافت کیا ہے کہ کشمیر میں ایک قبر بھی ہے جسکو عیسیٰ نبی کی قبر کہا جاتا ہے ہم یقیناً جانتے ہیں کہ تمام دانشمند اس بات کو آہستہ آہستہ قبول کرلینگے البتہ عیسائیوں کے لئے رونا ہے کیونکہ حضرت مسیح کی موت کے ثابت ہونے اور قبر کے دریافت ہونے سے گویا انکا مذہب مرہی جاتا ہے چنانچہ سید امیر علی کے اس مضمون پر بھی عیسائی اخبار بہت جھنجلائے ہیں مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں کا ہاتھ کہیں نہیں پڑتا اور ڈوبتے کی طرح تنکے کا سہارا تلاش کرتے ہیں اخبار ہارولٹ جینالڈ سید امیر علی کے اس مضمون پر نوٹ لکھتا ہوا کہتا ہے کہ قادیانی سلسلہ کی شہادت قابل اعتبار نہیں مگر اسکو یاد نہیں رہا کہ شہادت تو تاریخی ہے البتہ حضرت مسیح موعود کو خدا نے اسپر مطلع کر دیا اس تاریخی شہادت کو بالمقابل آسمان پر چڑھ جانیکے لغو قصہ کو کسی منصف جج کے سامنے پیش کرو اور دیکھو وہ کیا فیصلہ دیتا ہے کہ دونوں امور میں سے کونسی بات قابل اعتبار ثابت ہوتی ہے آسمان پر چڑھ جانا یا باقی اقوام بنی اسرائیل کی طرف آکر انکو وعظ کرنا اور

آخر میں وفات پانا۔ اخبار مذکور یہ بھی لکھتا ہے کہ اس قسم کی اخلاقی بزدلی مسیح کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی کہ اسکے شاگرد تو مصائب اٹھاتے رہیں اور وہ الگ ایک گوشہ میں جا بیٹھے۔ مگر اخلاقی بزدلی کا اعتراض تو آسمان پر چڑھ جانے سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ بظاہر آسمان پر اسکا کوئی کام نہ تھا عیسائیوں کے قول کے مطابق وہ خدا تو تھا مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ ۳۳ سال کے عرصہ میں جب وہ زمین پر رہا آسمان پر اسکی غیر حاضری کے سبب سے نظام عالم میں کوئی فتور آ گیا تھا پھر جب اسکو کام بھی کوئی نہ تھا حالانکہ دوسرے ملک میں جا کر تو اس نے کام بھی کیا تو پھر وہ کیوں شاگردوں کو مصیبتوں میں چھوڑ کر آسمان پر چلا گیا اور اخلاقی بزدلی کا داغ ہمیشہ کے لئے اپنے اوپر قبول کر لیا مشرق میں جانے سے تو بلکہ اس نے اپنی علو ہمتی کا ثبوت دیا سفر کی مصیبتیں جھیلیں مگر یہ گوارا نہ کیا کہ اسکی قوم یعنی بنی اسرائیل کی گم شدہ اقوام جو مشرق میں آباد ہو چکی تھیں اسکے آنے سے بے خبر رہیں یہ تو اخلاقی جرأت تھی کہ اسقدر دور دراز کا سفر اختیار کر کے اپنی باقی قوم کے پاس پہنچے اور خدا کا پیغام انکو پہنچایا مگر پادری صاحبان ایک رسمی عقیدہ پر قائم ہو کر جو منہ پر آیا کہہ دیتے ہیں اور غور نہیں کرتے کہ مسیح کی عزت اور خدا تعالیٰ کی عزت کس بات میں ہے۔

بائیبل کا انجام اور ینابیع الاسلام ابھی بہت دن نہیں گذرے کہ مسلمانوں سے پادری صاحبان ثبوت طلب کیا کرتے تھے کہ بائیبل میں کب تغیر و تبدل ہوا خدا کی شان ہے کہ آج وہی پادری صاحبان اپنی قلموں سے لکھ رہے ہیں کہ بائبل میں بیشک تغیر و تبدل ہوا اور کہ وہ خدا کا کلام بھی نہیں تجلی کے تازہ نمبر میں بائبل کے عنوان کے نیچے لکھا ہے کہ ایک زمانہ تھا جب سبھی علماء کا یہ خیال تھا کہ بائبل کلام الٰہی ہے مگر زیادہ غور و فکر اور آزادانہ تحقیقات اور حق پسندی نے اس خیال کی غلطی کو واضح کر دیا" افسوس کہ حضرت مسیح اور آپکے حواریوں کا بھی بقول انکے اسی عقیدہ پر خاتمہ ہوا اور عیسائیوں کے مجسم خدا کو اور پھر روح القدس کو دو ہزار سال تک خبر نہ لگی کہ یہ بائبل کیا چیز ہے اسقدر ہماری استدعا پادری صاحبان سے ہے کہ آزادانہ تحقیقات اور حق پسندی کے خیال کو ذرا وسیع کریں تو اس دوسرے خیال کی بھی کہ نعوذ باللہ یسوع مسیح خدا ہے غلطی واضح ہو جاوے جس جرأت سے پہلا قدم رکھا گیا ہے وہ امید دلاتی ہے کہ یہ دوسرا قدم اٹھانے میں بھی پادری صاحبان بہت توقف نہ کرینگے مسلمانوں کے ہاتھ میں اب عیسائی مذہب کے بطلان کے لئے یہ ہتھیار کافی ہے اور ایسے فقرات جو آگے نقل کئے جاتے ہیں قرآن شریف کی صداقت پر حملہ کرنیوالوں کا منہ کالا کرنیکے لئے کافی ہیں جو آج سے پہلے بائبل کو کلام الٰہی اور قرآن شریف کو کلام انسانی کہا کرتے تھے مثلاً " نہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ بائبل کے مختلف صحیفے ہر صورت میں انہیں اشخاص کی تصنیف و تالیف ہیں جنکے نام سے وہ کہلاتے ہیں نہ یہ کہ وہ جیسے لکھے گئے تھے تمام و کمال اسی صورت میں محفوظ ہیں اور بعد ازاں ان میں کچھ رد و بدل نہیں ہوا بائبل کلام اللہ نہیں ہے بلکہ اس میں کلام اللہ کا حال درج ہے اور کلام اللہ درحقیقت خود یسوع مسیح ہے" جسکا صاف الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ بائبل خدا کا کلام نہیں بلکہ انسانوں کا لکھا ہوا ایک قصہ ہے جس میں مسیح کا حال درج ہے ہم نہیں سمجھتے اس صورت میں بائبل کو مہابھارت پر کونسی فوقیت ہے اور مسیح میں کرشن سے بڑھکر کونسی بات پائی جاتی ہے۔

پادری صاحب یہ بھی خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ "اہل اسلام میں اگر کتب مثل ینابیع الاسلام و تاویل القرآن وغیرہ کا نو سے مطالعہ کرینگے تو وہ بھی قرآن کی نسبت اس قسم کے دعاوی کو ترک کر دینگے" یہ پادری صاحب کی خواہش اس کو زیشت کی سی ہے جس نے کہا تھا کہ میں یہ نہیں چاہتی کہ میں سیدھی ہو جاؤں بلکہ یہ چاہتی ہوں کہ دوسری عورتیں بھی میری طرح کبڑی ہو جاویں سو اسلام کے متعلق انکی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی میں کسی دوسرے موقع پر جہاں تفصیل کی گنجایش ہو گی یہ دکھاؤنگا کہ قرآن شریف میں وہ امور بکثرت پائے جاتے ہیں جو انسانی طاقت سے بالاتر ہیں اور جن سے بائبل خالی ہے اور بھی بہت سے امتیازی نشان ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں مگر پادری صاحب سے میں یہ پوچھتا ہوں کہ ینابیع الاسلام پر آجتک تو آپ لوگونکو بڑا فخر چلا آتا تھا کہ اس سے قرآن شریف کا افترا ہونا ثابت ہو گیا مگر آپ کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپکے ینابیع الاسلام کے سارے دعووں کو سچا بھی مان لیا جاوے تو اس سے زیادہ اسکا کوئی اثر نہیں کہ قرآن شریف کی حیثیت بائبل کے برابر ہو جائیگی پھر اس تمام جھوٹ سے کیا اظہار آپ لوگوں نے اس کتاب میں کیا آپ کو فائدہ تو کوئی نہ ہوا اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ اسلام کی حمایت میں ہے تم لوگوں نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نکالیں تو تمہارے گھروں میں ایسے بیٹے پیدا ہوئے کہ انہوں نے تمہارے فرضی خدا کو اس سے بڑھکر گالیاں نکالیں اور ایک پاک مقدس انسان کو گالیاں نکالنے کا مزہ تمکو چکھا دیا پھر تمنے یہ عبث کوشش کی کہ قرآن کو دوسری کتابوں سے چرایا ہوا ثابت کرو تمہاری اس جھوٹ کی وجہ سے تمپر یہ لعنت پڑی کہ تمکو آج اپنے منہ سے یہ اقرار کرنا پڑا کہ بائبل کلام الٰہی نہیں نہ ان نیک لوگوں کی لکھی ہوئی ہے جنکے نام پر اسکی کتابیں مشہور ہیں نہ اس زمانہ کی ہے جس زمانہ کی تم اسے کہتے رہے نہ ہی با وجود دادروں کی لکھی ہوئی ہونیکے تحریف و تبدیل سے خالی ہے اب بتاؤ کہ تمہاری اس ساری یاوہ گوئی سے جو آجتک قرآن شریف کے متعلق کرتے رہے ہو اور جو بعض تم میں سے اب بھی کرتے ہیں تمہیں حاصل کیا ہوا صرف یہ کہ خدا نے تمہاری دجل کو دنیا پر کھولدیا اب بھی تم لوگ خدا کا خوف کرو اور ایک پاکوں کے سردار کو جھوٹا کہنے سے باز آجاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہ سامان پیدا کر دیے ہیں جن سے تمہارا فرضی کلام اللہ اسی طرح مٹی کے نیچے دبا ہوا معلوم ہو گیا ہے جس طرح دوسرے تمام انسان. تمہارے باطل عقاید کی بہتیری تذلیل ہو چکی ہے اب راہ راست پر آجاؤ۔

اسی رسالہ میں ریویو آف ریلیجنز کے جنوری کے پرچہ کے اس مضمون پر جو "ہندوستان میں عیسائی مذہب کی ناکامی" کی وجہ کے عنوان سے لکھا گیا تھا کچھ اعتراض کئے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ عیسائی مذہب کا کام ہو رہا ہے مجھے اسکے ثابت کرنیکی ضرورت تو نہ تھی کیونکہ ایک عیسائی کا ہی یہ سوال تھا مگر پھر بھی ثابت تو کر دیا تھا پادری صاحبان خود ہی اسکو دیکھ لیں پادری صاحب ممبر اس فقرہ پر بہت خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ "اصل بات یہ ہے کہ آخر کار وہی مذہب سب مذاہب پر غالب آئیگا جسکی تعلیم اللہ کے متعلق اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی پاکیزہ سے پاکیزہ ہو" شاید سمجھتے ہیں کہ عیسائی مذہب ہی ایسا مذہب ہے اس خوش فہمی کا کیا ٹھکانا ہے کیا خدا کی عزت اور جلال یہی ہے کہ وہ حیض کا خون ۹ ماہ تک کھائے اور پھر دوسرے انسانوں کی طرح پیدا ہو کر چھوٹا ہو کر وہ تمام افعال اس سے سرزد ہوں جو انسانی بچوں سے ہوتے ہیں آدھی رات کو بیچارے مصیبت زدہ ماں کی ٹھکر اس کپڑے کو جو حیض سے نعوذ باللہ

خدا نے پیشاب یا پاخانہ کر دیا ہو الگ کرنا پڑے اور اگر اسوقت کپڑا موجود نہ ہو تو خدا کی ماں خدا کو ننگی چارپائی پر سلائے اور وہ ٹٹی میں کر کے ساری گھر کو چکنائے نعوذ باللہ من ذالک۔ اور پھر خدا صاحب بڑے ہوں تو باہر بچوں میں کھیلتے کھیلتے کبھی کسی کو ماریں اور کبھی کسی سے مار کھائیں اور ماں کو شکایتوں سے تنگ کریں کبھی آپکے پیٹ میں درد ہو تو ماں بے چین ہو کر آدھی رات کو طبیب کے گھر جائے اگر آپ لوگوں کو ایسا خدا پسند آگیا ہے تو دوسرا کوئی کیا کر سکتا ہے اس سے تو بہتر تھا کہ آپ بتوں کو خدا مان لیتے ہمارا قرآن تو وہ خدا پیش کرتا ہے جو تمام انسانی نقصوں سے پاک اور مبرا ہے اور تمام اعلیٰ صفات سے متصف۔ وہ کبھی کھانیکو نہیں مانگتا جیسا یسوع مانگا کرتا تھا بلکہ وہ خود دنیا کو کھلاتا ہے ہاں انسان کا فخر اسمیں ہے کہ وہ ترقی کر کر اور پاکیزہ صفات کو حاصل کرے یہی تعلیم اسلام کی ہے۔

مسیحی دین اور اخلاق: جسکو پادری علی بخش صاحب نے ترجمہ کر کے شایع کیا ہے بغرض ریویو ہمارے پاس پہنچی ہے۔ میں حیران ہوں کہ وہ کونسے اخلاق ہیں جو مسیحی دین سے وابستہ ہیں اگر مسیحی دین نے خصوصیت سے کوئی بات اپنے پیروؤں میں پیدا کی ہے تو وہ کثرت شراب نوشی قمار بازی اور کئی قسم کی بے اعتدالیاں ہیں خود شراب خوری ہی ساری بد اخلاقیوں کی جڑھ ہے عملی حالت تو یہ ہے اور اگر اس مذہب کی بنیاد کو دیکھا جاوے تو وہ کفارہ کے عقیدہ پر ہے فلسفیانہ رنگ میں جو چاہو اسکو سمجھ لو مگر ہر ایک دانشمند آسانی سے اسبات کو سمجھ سکتا ہے کہ عوام پر کفارہ کے عقیدہ کا اثر کیا ہونا چاہئے جس صورت میں انکو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ تمہارے گناہ مسیح نے اٹھا لئے تو ضرور ہے کہ گناہ پر دلیر ہوں پس جبتک عقاید کو درست نہیں کیا جاتا اسوقت تک ایسی کتابیں لکھنا کاغذوں کو سیاہ کرنے سے بڑھکر کچھ وقعت نہیں رکھتا بائبل سوسائٹی سے ۸ر قیمت پر ملتی ہے۔

مکالمہ مسلمان و آریہ ۔ بیس صفحہ کا رسالہ ہے ۲ر قیمت پر رفیق بک ایجنسی امرتسر سے ملسکتا ہے۔

یادگار کریم ۔ منشی محمد نواب خان صاحب ثاقب نے ایک نظم حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کے متعلق لکھی ہے اس قابل ہے کہ ہر احمدی اسکو پڑھے مرحوم کی سچی یادگار ہے گویا عبدالکریم کو ہو بہو آنکھوں کے سامنے لے آتی ہے حضرت اقدس نے بھی اسے سنا اور بہت پسند فرمایا قیمت صرف ۲ر ہے مصنف سے مقام مالیر کوٹلہ سے مل سکتی ہے جو احباب ایک دو روپے آسانی سے خرچ کر سکتے ہیں وہ متعدد جلدیں منگوا کر غریب دوستوں میں مفت تقسیم کریں۔

رسالہ تشحیذ الاذہان: قادیان سے سہ ماہی نکلنا شروع ہوا ہے جسکا پہلا نمبر یکم مارچ کو شایع کیا گیا ہے اس سلسلہ کے نوجوانوں کی ہمت کا نمونہ ہے خدا تعالیٰ اسمیں برکت دے چندہ سالانہ ۱۲ر ہے اس رسالہ کے ایڈیٹر مرزا بشیر الدین محمود احمد حضرت اقدس کے صاحبزادہ ہیں اور پہلے نمبر میں چودہ صفحوں کا ایک انٹروڈکشن انکی قلم سے لکھا ہوا ہے جماعت تو اس مضمون کو پڑھیگی۔ مگر میں اس مضمون کو مخالفین سلسلہ کے سامنے بطور ایک بیّن دلیل کے پیش کرتا ہوں جو اس سلسلہ کی صداقت پر گواہ ہے خلاصہ مضمون یہ ہے کہ جب دنیا میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ کو چھوڑ کر معاصی میں بکثرت مبتلا ہو جاتے ہیں اور مردار دنیا پر گدوں کی طرح گر جاتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں تو اسوقت میں ہمیشہ سے خدا تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ انہی لوگوں میں سے ایک نبی کو مامور کرتا ہے کہ وہ دنیا میں سچی تعلیم

پھیلائے اور لوگوں کو خدا کی حقیقی راہ دکھلائے پر لوگ جو معاصی میں بالکل اندھے ہوئے ہوتے ہیں وہ دنیا کے نشہ میں مخمور ہونے کی وجہ سے
یا نبی کی باتوں پر ہنسی کرتے ہیں اور اسے دکھ دیتے ہیں اور اسکے ساتھیوں کو ایذائیں پہنچاتے ہیں اور اس سلسلہ کو ہلاک
کرنا چاہتے ہیں مگر چونکہ وہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے اسلئے انسانی کوششوں سے ہلاک نہیں ہوتا بلکہ وہ نبی اس حالت میں اپنے مخالفین
کو پیش از وقت اطلاع دیدیتا ہے اور آخر کار وہی مغلوب ہونگے اور بعض کو ہلاک کرکے خدا دوسروں کو راہ راست پر لے آویگا سو ایسا
ہی ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو ہمیشہ سے چلی آتی ہے ایسا ہی اسوقت میں ہوا پھر مختصر طور پر یہ بتایا ہے کہ کس طرح پر آج سے
بیس پچیس برس پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھکر یہ پیشگوئیاں شایع کی تھیں کہ خدا تعالیٰ ایک سلسلہ قایم کرے گا
اور لوگ آپ کی طرف کثرت سے رجوع کرینگے اور مخالف اس سلسلہ کو ہلاک کرنے کی کوشش کرینگے مگر وہ خود ہی انی مہین من اراد اہانتک
کے مصداق ہونگے پھر یہ ذکر کیا ہے کہ کس طرح جیسے جب انبیاء سابقین کی تکذیب حد سے گذر گئی تو خدا نے انکے مخالفوں پر عذاب
بھیجے تاکہ وہ تضرع اختیار کریں ایسا ہی یہاں بھی ہوا اسکے بعد اپنی جماعت کے نوجوانوں کو خطاب کرکے لکھا ہے جسکو میں ان کے
اصل الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔ "اے میرے احمدی بھائیو! اگر ہم نے خدا تعالیٰ کے ایک فرستادہ کو مانا ہے تو یہ نہ سمجھنا
چاہیے کہ اب ہم بالکل سبکدوش ہوگئے ہیں بلکہ ہم نے اپنے سر پر ایک بار گراں اٹھالیا ہے دین کو دنیا پر مقدم کرنا کوئی ایسی
بات نہیں جو زبان سے کہدینے پر اس سے خلاصی ہوجائے نہیں بلکہ اسکے لیے بڑی قربانی کی ضرورت ہے اگر ہمکو دین اسلام کی مدد کرنیکا
جوش نہیں تو بخدا ہم نہایت ہی سخت ٹوٹا پانیوالوں میں ہیں وہ دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے کہ جسمیں اسلام کی محبت نہیں اور وہ
آنکھ جو اسلام کی ترقی دیکھنے کی مشتاق نہیں پھوٹ جائے تو بہتر ہے ٹوٹ جائیں وہ ہاتھ جو اسلام کی مدد سے قاصر ہیں۔
رونیکا مقام ہے اگر ہم اسلام کی ترقی کی کوشش میں کچھ بھی سستی کریں لے میرے خدا تو دیکھتا ہے کہ اسلام پر شرک نے
کیسے کیسے حملے کئے ہیں پس ہماری مدد کر کہ ہم تیرے مسیح کے ساتھ ساتھ شرک کے توڑنے میں لگے رہیں"۔ میں اس مضمون کو
اس سلسلہ کی صداقت پر گواہ خصوصاً اس وجہ سے نہیں ٹھیرایا کہ ان دلائل کو کوئی مخالف توڑ نہیں سکتا یہ دلائل پہلے بھی
کئی دفعہ پیش ہوچکے ہیں مگر اس دلیل سے جو دلیل میں سلسلہ کی صداقت پر گواہ کے طور پر اسوقت کل مخالفین کے سامنے پیش
کرنا چاہتا ہوں وہ اس مضمون کا آخری حصہ ہے جسکو میں نے صاحبزادہ کے اپنے الفاظ میں نقل کیا ہے اسوقت صاحبزادہ کی عمر اٹھارہ
انیس سال کی ہے اور تمام دنیا جانتی ہے کہ اس عمر میں بچوں کا شوق اور امنگیں کیا ہوتی ہیں زیادہ سے زیادہ اگر وہ کالجوں میں
پڑھتے ہیں تو اعلے تعلیم کا شوق اور آزادی کا خیال انکے دلوں میں ہوگا مگر دین کی یہ ہمدردی اور اسلام کی حمایت کا یہ جوش جو اوپر کے بے تکلف
الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے ایک خارق عادت بات ہے صرف اسی موقع پر نہیں بلکہ ہم نے دیکھا ہے کہ ہر موقع پر یہ دلی جوش انکا ظاہر ہوتا
ہے چنانچہ ابھی میر محمد اسحاق کے نکاح کی تقریب پر چند اشعار انہوں نے لکھے تو ان میں بھی دعا ہے کہ اے خدا تو ان دونوں اور انکی اولاد کو خادم دین بنا
برخوردار عبد الحی کی آمین کی تقریب پر اشعار لکھے تو ان میں یہی دعا بار بار کی ہے کہ اسے قرآن کا سچا خادم بنا ایک اٹھارہ برس کے نوجوان کے دل میں اس جوش اور
ان امنگوں کا بھر جانا معمولی امر نہیں کیونکہ یہ زمانہ سب سے بڑھکر کھیل کود کا زمانہ ہے اے وہ سیاہ دل لوگ جو حضرت مرزا صاحب کو مفتری کہتے ہیں اسبات کا
جواب دیں کہ اگر یہ افترا ہے تو یہ سچا جوش اس بچہ کے دل میں کہاں سے آیا جھوٹ تو ایک گند ہے پس اسکا اثر تو چاہیئے تھا کہ گندہ ہوتا۔

نہ ہو کہ ایسا پاک اور نورانی جسکی کوئی نظیر ہی نہیں ملتی اگر ایک انسان افترا کرتا ہے تو اگرچہ وہ باہر کے لوگوں سے اس افترا کو چھپا بھی لے مگر اپنے ہی بیوی بچوں سے جو ہر وقت اسکے ساتھ رہتے ہیں چھپا نہیں سکتا وہ اسکی ہر ایک حرکت اور سکون کو دیکھتے ہیں ہر ایک گفتگو کو سنتے ہیں ہر موقع پر اسکے خیالات کو ظاہر ہوتا ہوا دیکھتے ہیں پس اگر افترا ہو تو ضرور ہے کہ وہ افترا کسی نہ کسی وقت اسکے اپنے بچوں اور بیوی پر ظاہر ہو جائے اے بدقسمت لوگو! غور کرو اگر کیا مفتری کی اولاد جو اسکے افترا کے زمانہ میں پیدا ہو اور افترا کے زمانہ میں پرورش پائے ایسی ہوا کرتی ہے؟ کیا تمہارے دل انسانی دل نہیں جو ان باتوں کو سمجھ نہیں سکتے اور ان سچے خیالات کا ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا کیوں تمہاری سمجھیں اُلٹی ہو گئی ہیں غور کرو کہ جسکی تعلیم اور تربیت کا یہ پھل ہے وہ کاذب ہو سکتا ہے؟ اگر وہ کاذب ہے تو پھر دنیا میں صادق کا کیا نشان ہے؟

طبیب حاذق: ۔ کئی ماہ سے قادیان سے نکلتا ہے اس رسالہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس میں مستقل طور پر حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب بھیروی سابق طبیب شاہی ریاست کشمیر کے بیاض کا ایک حصہ نکلتا ہے چندہ سالانہ عہ ہے۔ منیجر طبیب حاذق قادیان سے ملسکتا ہے

وطن اور ریویو آف ریلیجنز

ایڈیٹر صاحب اخبار وطن نے اشاعت اسلام کا جو چندہ اس غرض سے شروع کیا تھا کہ اس روپے سے ریویو آف ریلیجنز کی کاپیاں ممالک بیرونی میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجی جاویں اخیر ۹۔ مارچ کے پرچہ میں اسکے بند کرنیکا اعلان کر رہا ہے فالحمد للہ علیٰ ذلک مولوی انشاء اللہ خانصاحب بگڑتے ہیں اس بات پر کہ قوم متفق ہو کر کوئی کام نہیں کر سکتی اور اسکو اوبار قومی کے نام سے پکارتے ہیں مگر مجھے رونا آتا ہے اس بات پر کہ جبھی زندہ اسلام کا نام لیا گیا اور جبھی یہ کہا گیا کہ ہم غیر مسلم اقوام کے سامنے زندہ اسلام کو پیش کرینگے اور اس اسلام کی تبلیغ کرینگے جو اپنے اندر اس زمانہ میں بھی وہی برکات رکھتا ہے جو اپنے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں رکھتا تھا تو ایڈیٹر وطن ایسا فاضل انسان ہم سے مایوس ہو گیا یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وطن کے ناظرین بھی سب کے سب ایڈیٹر صاحب کی رائے سے اتفاق کریں گے مگر خود ایڈیٹر صاحب نے جو کچھ خیالات کا اظہار کیا ہے وہ بتا رہا ہے کہ اسلام کی کیا حالت ہو گئی ہے افسوس تو یہ ہے کہ وہ نہ صرف مردہ ایمان پر قانع ہیں بلکہ زندہ اسلام سے ایسی نفرت ظاہر کرتے ہیں کہ یہ گوارا بھی نہیں کر سکتے کہ زندہ اسلام کا نام انکے سامنے آئے اے مسلمانو! خدا کے لئے غور کرو کیوں اپنے پاک مذہب کو لوگوں کے سامنے بدنام کر رہے ہو جو فضیلت اللہ تعالیٰ نے تمہارے مذہب کو دوسرے تمام مذاہب پر دی ہے کیوں اس کا انکار کرتے ہو تو قوم قوم پکارنے سے کیا بنیگا جب قوم کے دلوں میں وہ ایمان ہی نہیں جو اس قوم کا رہبر لایا تھا ہائے افسوس شکوہ کیا جاتا ہے کہ تم اتفاق نہیں کرنے لگے کیا اس بات پر اتفاق کرلیں کہ اسلام ایک مردہ مذہب ہے اور اسکو دوسرے مذاہب پر کوئی فوقیت اور کوئی مابہ الامتیاز حاصل نہیں خدا کے واسطے اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہو غور کرو کہ اگر سچی اور جھوٹی تعلیم

کے اثر میں کوئی فرق نہیں تو پھر ایک خدا یا تین خداؤں کے ماننے میں فرق کیا ہوا فلسفیانہ دلائل تم اپنے دیتے جاؤ گے وہ اپنے دیتے جائیں گے اسلام کا یہ فخر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ فضیلت تھی کہ تمام انبیائے سابقین کی وحی منقطع ہو گئی اور انکے معجزات قصوں کے رنگ میں رہ گئے اور انکی امتیں خالی ہاتھ رہ گئیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ وحی منقطع ہوئی نہ معجزات پیچھے رہ گئے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کرنیوالوں کو وہ برکات اس زمانہ میں بھی اسی طرح ملتی ہیں جس طرح گذشتہ زمانہ میں ملتی تھیں اگر واقعی اسلام کے دائرے کے اندر عقاید کی اصلاح کا نام لینا گناہ میں داخل اور اشاعت اسلام کے مفہوم کے خلاف ہے تو اسلام کا خدا حافظ۔ ہاں مولوی انشاء اللہ خانصاحب اور انکے ناظرین کا یہ حق تھا کہ وہ یہ لکھتے کہ یہ عقاید جنکو ہم پیش کرتے ہیں قرآن شریف کی تعلیم کے خلاف ہیں نہ اسلام زندہ مذہب ہے نہ اسمیں وہ انعامات اور برکات پائے جاتے ہیں جو ہمیشہ اولیاء اللہ کو ملتے رہے نہ بزور شمشیر دین کا پھیلانا بُرا ہے نہ یہ امت خیر الامم ہے یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ ان عقاید کو پھیلاؤ جن پر تمام مسلمان متفق ہیں مجھے تو اسکا مطلب سمجھ نہیں آتا کیا انکی کوئی فہرست تیار شدہ ہے انہیں مسلمانوں میں شیعوں کا وہ گروہ بھی ہے جو نہ صرف صدیق اور فاروق اور تمام صحابہ کو بُرا کہتے ہیں بلکہ قرآن شریف کو بھی ناتمام کہتے ہیں اور دس سپارے مہدی غائب کے قبضے میں بتاتے ہیں۔ مولوی انشاء اللہ خانصاحب! برائے خدا آپ غور کریں کہ آپنے کیا لکھا ہے باتیں کر لینا یا لکھ دینا تو آسان کام ہے مگر آپ کھول کر اپنی پوزیشن کو تو بیان فرماویں خود تو آپ اسی اخبار میں اسلامی شعار کی کھلی کھلی بیحرمتی کر کے بھی حنفی المذہب ہیں مگر دوسرا شخص اسلام کو زندہ کہکر آپکے متفق علیہ مذہب سے خارج ہو گیا بیحرمتی اسلئے کہ آپنے اسی پرچے میں یہ کھلے کھلے طور پر لکھ دیا ہے کہ مسلمانوں کو قربانیاں نہیں دینی چاہئیں بلکہ "اپنی قربانیوں کی قیمت مذہبی یا اخلاقی فائدے کے کاموں میں صرف کر دیا کریں مثلاً حجاز ریلوی فنڈ کو دیدیں" اور اسکے ساتھ آپنے یہ نوٹ بھی دیا ہے کہ آپ اس بدعت پر بھی عمل کرتے ہیں "نیاز سند ایڈیٹر وطن عمدہ ہوا یہ تحریک پیش کر چکا ہے بلکہ اس کا اپنا طریق بھی عمل اب یہی ہے"۔ پس اگر آپ قربانی کی پاک رسم کو صرف ترک نہیں بلکہ اسکو منسوخ کرنیکی کوشش کر کے بھی متفق علیہ عقاید کے دائرہ کے اندر ہی رہتے ہیں تو میں اسلام کو زندہ کہکر کیوں اس دائرے سے خارج ہو گیا اور اگر آپ کو مسلمان آپکے ایسے ایسے عقیدوں کے باوجود (اور سنا ہے کہ آپ سر سید احمد خاں کی طرز پر سود کو بھی جایز قرار دیتے ہیں) وطن اخبار پر جو نکی مدد دے سکتے ہیں جو طالب علموں اور علماء میں پھیلائے جائیں گے تو ایک ایسے رسالہ کی غیر مسلموں میں اشاعت کیلئے مدد کرنا کیونکر گناہ ہو گیا جو اسلام کو ایک زندہ اور بابرکت مذہب کے رنگ میں لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور ان تمام عقاید سے بیزار ہے جو خدائے تعالیٰ کی توحید کے منافی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمہ فضیلت کے خلاف ہوں پھر میں کہتا ہوں کہ جو شخص اسلام کو غیر اقوام کے سامنے پیش کریگا وہ اپنے عقاید کے مطابق نہ کریگا تو اور کیا کریگا بعض فروعی مسائل کو اگر الگ بھی رکھا جاوے تاہم اصولی مسائل تو بالکل جدا نہیں ہو سکتے پس کسی تجویز کا یہ منشاء تو ہو نہ سکتا تھا کہ ہم اپنے عقاید کے خلاف کوئی اور اسلام پیش کرینگے مرزا صاحب کے مشن سے الگ کرنا اس سے مراد حضرت مرزا صاحب کا دعوےٰ اور دلائل سے الگ کرنا تھا اور میں دیکھونگا کہ اگر آپ یعنی غیر احمدی لوگ کبھی کوئی اسلامی مذہبی رسالہ بغرض اشاعت اسلام نکالیں تو اسمیں کونسا اسلام پیش کرتے ہیں اور کل دنیا کے علماء اس ایک لکھنے والے سے کیونکر اتفاق کرتے ہیں

بہر حال میں اب آپ کو الوداع کہتا ہوں۔

چند حرف اسکے ان احمدی احباب سے بھی کہنا چاہتا ہوں جنکو بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے دھوکا لگا ہے اکثر احمدی احباب نے جو اس موقع پر قومی جوش اور حمیت دکھائی ہے وہ قابل تعریف ہے اگرچہ اب یہ ورق الٹایا جا چکا ہے مگر بعض اعتراضوں کا مختصر جواب دیتا ہوں اول ہم کبھی امداد کے خواہاں نہیں ہوئے اور کیونکر ہو سکتے تھے جب ہم خدا کا ہاتھ اس سلسلہ کی تائید میں کام کرتا ہوا دیکھتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ غیر احمدیوں میں دو گروہ ہیں ایک گروہ ان مخالفین مکذبین کا ہے جو اس سلسلہ کی تکفیر کرتے ہیں اسے گالیاں نکالنا ثواب سمجھتے ہیں بلکہ انکے مال چرا لینا انکے خلاف جھوٹ بول لینا ایسے ہر ایک شنیع فعل کو ثواب سمجھتے ہیں ان لوگوں کا اس تحریک میں کوئی حصہ نہ تھا بلکہ انہوں نے اس تجویز کی بھی زور شور سے مخالفت کی دوسرا گروہ وہ ہے اور وہی بڑا گروہ ہے جو آہستہ آہستہ اس سلسلہ کی طرف حرکت کرتا چلا آ رہا ہے اور انکو ایسا عناد اس سلسلہ سے نہیں جیسا گروہ اول کو جب اس فریق کو یہ معلوم ہوا کہ ریویو آف ریلیجنز باہر دنیا میں کیا کام کر رہا ہے اور یہ امر اخباروں میں شہرت پا گیا تو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اسکی اشاعت میں وہ لوگ بھی مدد دینے کو طیار ہیں اور اشاعت اسلام کے ثواب میں ہمارے شامل ہونا چاہتے ہیں بشرطیکہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کا اسمیں ذکر نہ ہو ان سب کو نفی میں جواب لکھا گیا اور یہ وطن کی تحریک سے پہلے کا ذکر ہے اسکے بعد ایڈیٹر صاحب وطن کی طرف سے تحریک ہوئی اسکا جواب بھی نفی میں دیا گیا انکے اصرار پر اور بار بار لکھنے پر خواجہ صاحب کے ذہن میں یہ تجویز آئی جس کا اصل یہ تھا کہ حضرت مرزا صاحب کے دعوے کے لئے چند اوراق الگ کر دئے جاویں اس سے یہ نتائج نکالنا کہ "مرزا صاحب کا وجود اشاعت اسلام میں روک ہے" یا یہ کہ "مسیح موعود کی ضرورت نہ ہوئی" یا یہ کہ "رسالہ بغیر دوسروں کی مدد کے کامیاب نہیں ہوا" یا یہ کہ "مولوی انشاء اللہ خاں نے احمدی عقاید سے توبہ کرا لی" یہ اعتراض مخالفین کے انکی اسی قسم کی بیہودہ گوئی ہے جیسے وہ ہمیشہ سے کرتے ہیں افسوس ان دین کے بہی خواہوں پر وہ صلح حدیبیہ کی شرائط پر غور کرتے مگر اسجگہ تو اس قسم کی بھی کوئی شرط نہ تھی سوئے رنگ میں میں مضامین کو تین قسم پر تقسیم کرتا ہوں اول بعض فروعی مسائل اور بعض اعتراضوں کے جواب جیسے تعداد ازواج طلاق وغیرہ جو شریعت اسلام کے احکام پر کئے جاتے ہیں انکا جواب ہم اس رسالہ میں دے سکتے تھے کیونکہ شریعت اسلام نہ تبدیل ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے دوم اسلام کی فضیلت اور اسکے اصول کی صداقت کے دعاوی اور سوم ان دعاوی کے دلائل انمیں سے دوسری قسم کے مضامین کو اگر پیش نہ کیا جاوے تو رسالہ نکالنا ہی عبث ہے اور انہیں میں سب سے اہم مسئلہ اسلام کے زندہ اور با برکت مذہب ہونیکا ہے چونکہ ہم اسکو چھوڑ نہ سکتے تھے اسلئے اسکی تصریح کر دی گئی تھی کہ ہم زندہ اسلام کو پیش کرینگے تیسری قسم کے مضامین خالص ضمیمہ میں رہتے کیونکہ قطعی اور یقینی دلائل اسلام کے زندہ اور با برکت اور سچا منجانب اللہ مذہب ہونیکے اس زمانہ میں صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی اور ان دعاوی کے دلائل میں ہی پائے جاتے ہیں اگرچہ اس سے پہلے بھی خدا نے کسی صدی میں اسلام کو ایسی شہادت کے بغیر نہیں چھوڑا یہ مسلمانوں کی کمزوری تھی مگر ہمارا اسمیں چنداں نقصان نہ تھا کہ دعوے کو ایک حصہ رسالہ میں پیش کر دیتے اور اسکے دلائل کو دوسرے حصہ میں جو شخص دعوے کو دیکھتا اسکے دل میں اگر کوئی طالب حق ہوتی تو وہ خود دلائل کا بھی طالب ہوتا علاوہ ازیں بلا ضمیمہ رسالے صرف وہی جاتے جو غیر احمدیوں کے خرچ سے ہوتے اور احمدی احباب کی طرف سے بدستور سابق اشاعت ہوتی رہتی یہ وہ تجویز تھی جسکو وطن نے ۹ - فروری کو شروع کر کے ۹ - مارچ کو ختم کیا اور خدا کا شکر ہے کہ قبل اسکے کہ ہم ان سے ایک پیسہ بھی لیتے

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود

یکم فروری ۱۹۰۶ء (۱) تتبعها الرادفة۔ ترجمہ اسکے پیچھے پیچھے آئیگی پیچھے آنیوالی یعنی ایک زلزلہ آیا اسکے بعد ایک اور آنیوالا ہے (۲) پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی (۳) واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ ترجمہ اور جو چیز لوگوں کو نفع دینے والی ہے وہی زمین میں ٹھہریگی یعنی جو انسان خلقت کو فائدہ پہنچانیوالے ہیں انکو زندگی عطا کی جاویگی۔ ۳۔ فروری ۱۹۰۶ء رات کے تین بجے کے قریب جبکہ بادل نہایت زور سے گرج رہا تھا الہام ہوا اٹھو نمازیں پڑھیں اور قیامت کا نمونہ دیکھیں فرمایا اسوقت ہمارا شغل یہی ہوگا کہ نمازیں پڑھیں اور خدا کی قدرت کا نظارہ دیکھیں۔ ۸۔ فروری ۱۹۰۶ء (۱) زمین کہتی ہے یا نبی اللہ کنت لا اعرفک ترجمہ اے اللہ کے نبی میں تجھے نہیں پہچانتی تھی (۲) اک دانہ کس کس نے کھانا۔ یخرج همه وغمه دوحة اسمٰعیل فاخفها حتی تخرج ترجمہ اسکا ہم اور غم باہر نکال دیگا اسمٰعیل کے درخت کو پس اسکو پوشیدہ رکھ یہانتک کہ وہ ظاہر ہوجاوے ۹۔ فروری ۱۹۰۶ء خواب میں دیکھا کہ "ہمارے باغ کے قریب ایک نہر رواں ہے میں کہتا ہوں کہ اب باغ جلد چند روز میں پرورش پاجائیگا اور اگر پانی بھی ملیگا تب بھی سرسبز ہوجائیگا" میرے نزدیک اسکی تعبیر یہ ہے کہ باغ سے مراد اپنی جماعت ہے اور نہر سے مراد نصرت و تائید الٰہی ہے جو نشانوں کے رنگ میں ظاہر ہوگی۔ ۱۰۔ فروری ۱۹۰۶ء "دیکھا کہ ایک جماعت کثیر میرے پاس کھڑی ہے ایک حاکم آیا اور اس نے کھڑے ہوکر کہا کہ کیوں اس جماعت کو منتشر نہ کیا جائے میں نے کہا کہ اس جماعت میں کوئی مخالف نہیں صرف تعلیم لیتے ہیں پھر اس حاکم نے کہ گویا وہ ایک فرشتہ تھا آسمان کی طرف منہ کرکے ایک دو باتیں کیں جو سمجھ نہیں آئیں پھر اس نے مجھے مخاطب کرکے کہا کہ سلام اور چلا گیا" ۱۱۔ فروری ۱۹۰۶ء الہام ہوا پہلی بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب انکی دلجوئی ہوگی ۱۱۔ فروری ۱۹۰۶ء اول کسی نے کہا کہ نئی نوٹ پھر ایک کتاب مجھے دیگئی گویا وہ کرنسی نوٹ تھی اور پھر الہاماً میری زبان پر جاری ہوا دیکھو میرے دوستو اخبار شایع ہوگیا فرمایا اخبار سے مراد خبر ہے ۱۶۔ فروری ۱۹۰۶ء رب اشف زوجتی هذه واجعل لها برکات فی السماء وبرکات فی الارض۔ ۱۹ فروری ۱۹۰۶ء۔ عورت کی چال ایّی ایّی لما سبقتانی بریت۔ واذ کففت عن بنی اسرائیل ۔ ۱۹۔ فروری ۱۹۰۶ء "دیکھا کہ منظور محمد صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور دریافت کرتے ہیں کہ اس لڑکے کا کیا نام رکھا جائے" تب خواب سے حالت الہام کی طرف چلی گئی اور یہ معلوم ہوا بشیر الدولہ فرمایا کئی آدمیوں کیواسطے دعا کیجاتی ہے معلوم نہیں کہ منظور محمد کے لفظ سے کسکی طرف اشارہ ہے ۲۵۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ الہام۔ دردناک دکھ اور دردناک واقعہ۔ اسکے بعد رویا میں دیکھا کہ "کوئی خادمہ عورت جو اپنے تعلق والوں میں سے کسی گھر کی ہے آئی ہے اور کہتی ہے کہ میری بیوی یکایک مر گئی ہے سنکر میں اٹھا ہوں کہ اپنے گھر میں اطلاع کروں کہ پہلا الہام پورا ہوگیا اور پگڑی لی اور عصا ہاتھ میں لیا اور چلنے کو تھا کہ بیداری ہوگئی"

یکم مارچ ۱۹۰۶ء۔ زلزلہ آنیکو ہے فرمایا اسکے معنے یہ ہیں کہ اسی زلزلہ کو جو اصل زلزلہ نہ سمجھو بلکہ سخت زلزلہ آنیکو ہے۔ ۲ مارچ ۱۹۰۶ء
ھا انی آخر تلک۔ ۹ مارچ ۱۹۰۶ء زلزلہ آنیکو ہے رب لا ترنی موت احد منہم یعنی اے میرے رب انمیں سے کسی کی
موت مجھکو نہ دکھلا رب لا ترنی زلزلۃ الساعۃ (ترجمہ۔ اے میرے رب مجھکو زلزلۃ الساعۃ نہ دکھا یعنی اسکی گھبراہٹ اور
فزع نہ دکھا یو) پھر الہام ہوا ہمارے لئے عید کا دن۔ بعد اسکے یہ الہام ہوا جس سے تو بہت پیار کرتا ہے میں اس سے بہت
پیار کرونگا اور جس سے تو ناراض ہے میں اس سے ناراض ہونگا یعنی تیرا کسی سے محبت کرنا اسکو ایسی آفت سے بچائیگا اور تیرا کسی سے ناراض
ہونا اسکو ایسی آفت میں مبتلا کریگا اور پھر الہام ہوا اینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ یعنی جسطرف تیرا منہ ہوگا اسی طرف خدا کا بھی منہ ہوگا
یعنی جس سے تجھے محبت ہوگی خدا بھی اس سے محبت کریگا اور اسے بچائیگا پھر الہام ہوا خدا نے تیری ساری باتیں پوری کردیں یعنی
خدا تمام کام تیری مراد کے موافق کریگا پھر الہام ہوا واما نرینک بعض الذی نعدہم او نتوفینک۔ اور وہ تمام عذاب
جو مخالفین منکرین ظالمین کے لئے خدا کا وعدہ ہے خدا یا تو انمیں سے کچھ تجھے دکھلاویگا اور یا تجھے وفات دیگا اور بعد میں وہ سب کچھ پورا
کریگا یاد رہے کہ قرآن شریف کی طرز بیان کے موافق اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ خدا میری زندگی میں مخالفین کو بشرطیکہ توبہ نہ کریں
انکی زبان درازیوں اور شوخیوں کی کچھ سزا دیگا کیونکہ انہوں نے تقوے سے کام نہ لیا اور پھر الہام ہوا قل ان صلوتی ونسکی
ومحیای ومماتی للہ رب العالمین یعنی کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا محض خدا کے لئے ہے جو رب العالمین
ہے نہ کسی اور کام کے لئے اور پھر الہام ہوا رب ارنی آیۃ من السماء یعنی اے میرے رب مجھے آسمان سے ایک نشان دکھلا۔
اور پھر زلزلہ کی طرف اشارہ کرکے یہ الہام ہوا اکرام مع الانعام یعنی اس نشان کے ظہور کیوقت خدا ایک عزت دیگا جسکے
ساتھ ایک انعام ہوگا۔ ۱۱ مارچ ۱۹۰۶ء الہام چو دور خسروی آغاز کردند۔ مسلماں را مسلماں باز کردند ۱۲ مارچ ۱۹۰۶ء
انی مع الافواج آتیک بغتۃ۔ ونجعل لک سہولۃ فی کل امر ان ربک فعال لما یرید۔ ۱۳ مارچ ۱۹۰۶ء ۱۔
مرد و نکرہ جیتے رہو اور ساتھ ہی ایک دوسرے پر نہ جائیں ۲۔ انا اعطینٰک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ہو الابتر ۳۔ ان
حذبی من المشرکین استجارک فاجرہ ۴۔ سواء علیہم ءانذرتہم ام لم تنذرہم لا یؤمنون ۱۴ مارچ ۱۹۰۶ء۔
رویا میں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انت سلمان ومنی یا ذا البرکات۔ پھر الہام ہوا چمک دکھلاؤنگا
تمکو اس نشان کی پنج بار یعنی نشان زلزلہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۶ء رویا خواب میں دیکھا کہ ”میر ناصر نواب صاحب اپنے ہاتھ پر ایک درخت
رکھکر لائے ہیں جو پھل دار ہے اور جب مجھکو دیا تو وہ بڑا درخت ہوگیا جو بیدانہ توت کے درخت کے مشابہ تھا اور نہایت سبز تھا
اور پھلوں اور پھولوں سے بھرا ہوا تھا اور پھل اسکے نہایت شیریں تھے اور عجیب تر یہ کہ پھول بھی شیریں تھے مگر معمولی درختوں سے نہیں تھا ایک
ایسا درخت تھا کہ کبھی دنیا میں دیکھا نہیں گیا میں اس درخت کے پھل اور پھول کھا رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی میری دانست میں
میر ناصر صاحب سے مراد وقت ناصر کی ہے ایک الٰہی عجیب طور سے مدد کریگا جو فوق العادت ہوگی“ ۱۵ مارچ ۱۹۰۶ء خدا کا نور ہے ۲۔ انت منی بمنزلۃ بروزی (۳)
وصل الانسان وعدن الابدال یعنی خدا ان پنج زلزلوں کے لانے سے اپنا چہرہ ظاہر کریگا اور اپنے وجود کو دکھلا دیگا تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میں نبی۔

یعنی تیرا ظہور بعینہ میرا ظہور ہوگا یہ خدا کا وعدہ ہے کہ پنج زلزلوں کے ساتھ اپنی تجلی ظاہر کریگا اور خدا کا وعدہ نہیں ٹلیگا وہ ضرور ہوکر رہیگا۔ ۱۴ مارچ ۱۹۰۶ء۔ مقام او بیبیں لمنزہ تحقیر بعد از انش رسولاں ناز کردند

ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر

چندہ اعانت دینے والوں کی فہرست لغایت ضروری سنہ ۱۹۰۶ء

ڈاکٹر یعقوب خان سونہ ضلع شاہپور للعہ ۔ منشی نیاز محمد للعہ ۔ منشی نیاز محمد خان صاحب مدرس منگ للعہ ۔ بابو محمد علیخان صاحب وٹرنری اسسٹنٹ انبالہ عصہ ۔ سید ناصر شاہ صاحب جموں ۔ میاں غلام احمد ساکن کھاریاں عہ ۔ منشی محمد حسین صاحب رائے کوٹ للعہ ۔ منشی علی گوہر صاحب وٹرنری اسسٹنٹ میرٹھ عاصہ ۔ ڈاکٹر چھجو خان صاحب وٹرنری اسسٹنٹ میرٹھ للعہ ۔ منشی نذیر الدین صاحب بھاموں عہ ۔ بابو محمد آلہی صاحب کوہاٹ ۔ جماعت انبالہ عصہ ۔ شیخ ضیاء اللہ صاحب مانسہرہ صہ ۔ منشی نور احمد صاحب چنار کھل للعہ ۔ شیخ عمر بخش صاحب پلیڈر لاہور سے ۔ بابو برکت علی صاحب کلرک شملہ عاصہ ۔ جماعت کوہاٹ عہ ۔ حکیم غلام نبی صاحب زبدۃ الحکما لاہور للعہ ۔ جماعت پشاور عہ ۔ حکیم فضل الدین صاحب قادیان لعہ ۔ منشی ہاشم علی صاحب سرودگڑھ عصہ ۔ قاضی بدرالدین صاحب کنگنہ عاصہ ۔ مولوی غلام رسول صاحب مدرس بجواڑہ صہ ۔ جماعت سیکھواں عہ ۔ میاں امیر الدین ودوست محمد صاحبان لائل پور للعہ ۔ جماعت جہلم معرفت منشی امام الدین صاحب نقلنویس للعہ ۔ میاں رحمت اللہ صاحب راہوں سے ۔ جماعت لاہور معرفت حکیم محمد حسین قریشی لعہ ۔ جماعت امرتسر معرفت ڈاکٹر عباد اللہ للعہ ۔ منشی خان عالم صاحب نائب تحصیلدار جھنڈ للعہ ۔ بابو عبدالرحمن صاحب پورٹ فلارنس عصہ ۔ ایک بنیر احمدی معرفت مولوی محمد فضل چنگوی راولپنڈی للعہ ۔ میاں رحیم بخش صاحب احمدی چھور ۱۱ ضلع گوجرانوالہ ۶

فہرست خریداران گان اردو از ۱۲ فروری لغایت ۲۸ فروری سنہ ۱۹۰۶ء

منشی محمد افضل خان صاحب شملہ ۔ ۱ ۔ حکیم محمد حسین صاحب قریشی لاہور ۔ ۳ ۔ چودھری سجاول خان صاحب جگراؤں ۔ ۱ ۔ قاضی محمد سراج الدین صاحب قاضیکوٹ ۔ ۱ ۔ منشی محمد نواب خان صاحب تحصیلدار گجرات ۔ ۱ ۔ منشی غلام احمد صاحب انسپکٹر ڈاکخانجات لدھیانہ ۔ ۱ ۔ میاں اکبر علی صاحب ساکن پوراں ۔ ۱ ۔ سید قاسم علی صاحب سکرٹری انجمن احمدیہ دہلی ۔ ۵ ۔ میاں محمد الدین صاحب قادیان ۔ ۱ ۔ ایڈیٹر صاحب اخبار وطن لاہور ۔ ۲ ۔ مولوی عبدالوحید صاحب منصرم بندوبست حلقہ مولا پور ریاست پٹیالہ ۔ ۱ ۔ منشی محمد حسین صاحب کلرک دفتر پیسہ اخبار لاہور ۔ ۱ ۔ چودھری رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر انبالہ ۔ ۱ ۔ ملک پیر بخش صاحب صوابی ۔ ۱ ۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب دہلی ۔ ۱ ۔ بابو علی بخش صاحب گوجرانوالہ ۔ بابو عمر الدین صاحب شملہ ۔ ۱ ۔ مولوی محمد فضل خان صاحب چنگوی حال راولپنڈی ۔ ۱ ۔ بابو غلام دستگیر صاحب لاہور ۔ ۱ ۔ ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر ۔ ۱ ۔ چودھری عبد اللہ خان صاحب بہلولپور ۔ ۲ ۔ بابو آلہی بخش صاحب اسٹیشن ماسٹر ڈگرو ۔ ۱ ۔ مولوی محمد علی صاحب مدرس پسرور ۔ ۲ ۔ منشی نواب الدین صاحب پسرور ۔ ۱ ۔ میاں امام بخش صاحب منی پور آسام ۔ ۱ ۔

چشمہ مسیحی :۔ ایک شخص نے ینابیع الاسلام کو پڑھکر حضرت اقدس کو ایک خط لکھا تھا اس تحریک پر یہ لطیف کتاب حضرت مسیح موعود نے لکھی ہے جس میں بدلائل ثابت کیا ہے کہ موجودہ مذہب مسیحی کی تعلیم کہاں سے لی گئی ہے اور کہ اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے اور نجات اسی میں ملتی ہے قیمت ۳ ر میر مہدی حسین مہتمم کتب خانہ قادیان سے مل سکتی ہے ۔

اعلان :۔ ہر ایک سالانہ [illegible] نظام الدین احمد [illegible]

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ | بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء | نمبر ۴

فہرست مضامین

مطبع میگزین قادیان میں باہتمام مینیجر میگزین بار دوم طبع ہو کر شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عہ/

امریکہ میں حامیان اشاعت اسلام

اشاعت اسلام کے متعلق ایک ہی وقت میں دو خوشخبریاں مجھے پہنچی ہیں یعنی ایک صنف احمدی قوم میں غیر ممالک میں دین اسلام پھیلانے کے لئے نیا جوش اور دوسری طرف مسٹر محمد الگزنڈر رسل ویب صاحب میں اس رسالہ کی اشاعت کے لئے نیا جوش ویب صاحب نے چند ماہ ہوئے مجھکو لکھا تھا کہ اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت اور ادب انکے دل میں بہت ہی بڑا ہے مگر ابتک آپکے جملہ دعاوی کے قبول کرنے پر نہیں تیار ہیں جسپر میں نے صاحب موصوف کو لکھا تھا کہ آپ جو چاہیں اپنا اعتقاد رکھیں مگر اس امر پر غور کریں کہ رسالہ میں جو حضرت مسیح موعود کا دعویٰ پیش کیا جاتا ہے آخر وہ بھی اسلام کی عزت کے لئے ہی کیا جاتا ہے یا کسی اور غرض سے اور اس کا بالآخر جو نتیجہ نکلتا ہے وہ اسلام کی صداقت ہی ہے یا کچھ اور چونکہ ویب صاحب کا دل تعصب سے خالی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات انکے دل پر اثر کر گئی اور اب انہوں نے اسقدر محنت رسالہ کے امریکہ میں پھیلانے کے لئے کی ہے جو انکے متعلق میری امید سے بھی بڑھکر ہے چنانچہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھکر ہزار سے زیادہ کتب خانوں کی فہرست مجھے بھیجی ہے جہاں پر یہ بھیجنا چاہیے اور کئی سو مشہور اخبارات کے نام بھیجے ہیں میں انکی اس محنت کو دیکھکر حیران ہوں کہ اگر انکے دل میں رسالہ کی عظمت اور اسکی اشاعت کا سچا جوش نہ ہوتا تو اتنا بڑا کام جو انہوں نے کیا ہے ناممکن تھا اور پھر انہوں نے اور بھی بعض تجویزیں لکھی ہیں رسالہ کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ "میں یہ چاہتا ہوں کہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز اس ملک کے ہزارہا عیسائیوں کے ہاتھ میں ہو کیونکہ یہ ایک بڑا عظیم الشان کام کر رہا ہے اور صداقت کا نور دنیا میں پھیلا رہا ہے میں اسکو بہت ہی شوق اور دلچسپی سے پڑھتا ہوں کیونکہ یہ صحیح اسلام کو پیش کرتا ہے اور ہمارے پاک مذہب کے متعلق ان غلط خیالات کو نہیں پھیلاتا جنہیں آجکل کے دشمن یا مسلمان کہلانیوالے لوگ مبتلا ہو رہے ہیں میں اسباب کو محسوس کر رہا ہوں کہ آخرکار اس ملک میں یہ بڑے بڑے عجیب نتیجے پیدا کرکے دکھا دیگا اور اسی لئے جہانتک میری طاقت ہے میں پوری پوری کوشش کر رہا ہوں کہ یہ رسالہ ان سب لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچ جاوے جنکے دل تعصب سے خالی ہیں اور جو سچے دل سے سچائی کی تلاش کر رہے ہیں" یہ ایک ایسے شخص کی رائے ہے جو خود تحقیق کے بعد دین اسلام میں داخل ہوا اور عرصہ تک اس کو بن سکا اشاعت اسلام کیلئے اپنا رسالہ جاری رکھا اب خدا تعالیٰ نے انہیں جوش دیا ہے کہ ریویو آف ریلیجنز کی اشاعت کریں انکے علاوہ اور بھی لوگ ہیں جنپر ہمیں اشاعت کی بہت امید ہے دوسری طرف میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں بھی اشاعت اسلام کے لئے اسوقت ایک خاص جوش ہے خدا تعالیٰ نے جو جوش جو دونوں طرف دلوں میں پیدا کیا ہے صاف بتاتا ہے کہ منشاء الٰہی اب اسلام کی راہ سے روکوں کو دور کرنیکا ہے احمدی احباب طرح طرح کی تجاویز لکھ رہے ہیں کہ کس طرح سے کافی چندہ جمع ہو سکتے ہیں ان خطوط کو الحکم اور بدر میں شایع کردیا جاویگا کہ مختلف مقامات کے احباب ان پر غور کرکے جو سب سے عمدہ تجویز ہو اسے اختیار کریں یہ وقت اب پوری ہمت دکھانیکا ہے کیونکہ ارادہ الٰہی بھی اسوقت اسلام کیلئے خاص جوش میں ہے اگر ہم اپنی طرف سے اس پیغام کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام دنیا میں لیکر آئے ہیں اور جسکا مقصد یہ ہے کہ لیظہرہ علی الدین کلہ اس پیغام کو تمام دنیا کی مختلف بلاد میں پہنچا دیں تو یقین کامل ہے کہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہی اور انکی آنکھوں کے سامنے ہی یہ پودہ مختلف ممالک میں

جڑ پکڑ جائے اور پھر جیسا کہ سنت اللہ ہے تدریج نشو و نما پاتا ہے اور جیسا جیسا روحوں کو سعادت کا حصہ ملا ہے ویسا ویسا ہی وہ اسکو قبول کرتی جاویں ہاں ہمیں اپنی پوری ہمت اور پوری کوشش کرنی چاہیئے اسکے لئے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کم از کم ہزار رسالہ باہر جانے لگے اور میں یہ خوشی ظاہر کرتا ہوں کہ اسمیں سے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اسلام - سپرچولزم* اور مخفی سوسائٹیاں

ڈی ایس مارگولیوتھ نے جو اکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر ہیں ایک کتاب اسلام پر لکھکر حال ہی میں شائع کی ہے جسکا نام "محمد (صلعم) اینڈ دی رائز آف اسلام" ہے میں نے اس کتاب کو پڑھا ہے . . . . مگر جہاں مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ اس کتاب کو اٹھایا تھا کہ پروفیسر عربی کی لکھی ہوئی ہے تو شاید اسمیں اسلام کے متعلق صحیح خیالات ظاہر کئے گئے ہوں اس سے بہت بڑھکر افسوس کیساتھ اس کتاب کو رکھنا پڑا لکھتے وقت پروفیسر مارگولیوتھ کو یہ امر مدنظر نہ تھا کہ اسلام کے متعلق صحیح واقعات کو پیش کریں اور لوگوں کے خیال کی غلطی کی اصلاح کریں بلکہ زیادہ تر اس بات کو انہوں نے ملحوظ رکھا ہے کہ انکی کتاب میں ایسی ایسی عجیب باتیں آئیں جو لوگوں کے لئے کشش کا باعث ہوں اور انکی اعجوبہ پسند طبیعت تاریخی واقعات سے الگ ہو کر نئی نئی دل خوش کن مسائل کی طرف متوجہ ہوگئی اور یوں ایک تاریخی کتاب کو ناول کے رنگ سے رنگین کر کے اسکی باتوں کو نہ صرف پایہ اعتبار سے ہی گرا دیا بلکہ اس سے مسلمانوں کا دل بھی دکھایا۔ تمہید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمریوں کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ "سپرنگر اور سرولیم میور نے جو سوانح عمریاں آنحضرت صلعم کی لکھی ہیں وہ غالباً اسوقت تک علمی پایہ کی کتب میں شمار ہوتی رہیں گی جب تک کہ یورپ

---

* چونکہ سپرچولزم کے لئے مجھے کوئی موزون لفظ نہیں ملا اسلئے میں نے اصل انگریزی لفظ کو ہی اس مضمون میں استعمال کیا ہے لیکن مضمون سمجھنے کے لئے اسکی کسی قدر تشریح کر دینی ضروری ہے سپرچولزم اس خیال یا اعتقاد کا نام ہے کہ موت کے بعد روحیں گھومتی پھرتی رہتی ہیں اور زندوں کے ساتھ مختلف ذرایع سے کلام کرتی ہیں مثلاً دروازوں کو آہستہ آہستہ کھٹکھٹانے سے یا میز پر کھٹ کھٹ کرنے سے یا لکھکر یا کسی اور طرح مگر یہ کہا جاتا ہے کہ ہر شخص کیساتھ وہ اسطرح کلام نہیں کرتیں اور نہ ہر شخص کو انکی باتیں سمجھ آسکتی ہیں بلکہ بعض خاص طبیعتوں کے آدمی ایسی باتوں کے سمجھنے کے لئے موزون ہوتے ہیں اور انہیں کے بابت روحیں آتی ہیں اصل میں تو یہ خیال بہت پرانا ہے مگر مغربی ممالک میں آجکل ہی اسکا چرچا زیادہ پھیلا ہے ۱۸۴۸ء میں اسکی ابتدا ہوئی اور اسکا آغاز امریکہ میں ہوا جہاں دو عورتوں نے یہ ظاہر کیا کہ روحیں انکے دروازہ کو آکر رات کو کھٹکھٹاتی ہیں وہاں سے یہ خیال یورپ میں پھیلا اور اب ایک بڑا بھاری گروہ اس خیال کا ہے۔ اور بعض مشہور آدمیوں نے بھی ان امور کی تحقیقات کی ہے کہ آیا یہ درست ہے یا غلط جس نتیجہ پر وہ لوگ پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ اکثر حصہ اسکا بناوٹی یا بیجا لا کی سے ہی پیدا ہوتا ہے ہاں کچھ واقعات ایسے بھی ہیں جو ابھی تک سمجھ میں نہیں آسکے وہ لوگ ہمارے ہاں کے جنات کی تسخیر کرنیوالوں کی طرح مدعیوں کو بلانیوالے اور انکی کھٹ

میں مشرقی تاریخ مطالعہ کرنیوالے موجود ہونگے باوجودیکہ میور کی کتاب میں عیسائی مذہب کی کھلی کھلی طرفداری پائی جاتی ہے اور سپرنگر کی کتاب میں علمی نقائص اور نا قابل اعتبار باتیں موجود ہیں" مگر میں افسوس سے کہتا ہوں کہ پروفیسر مارگولیوتھ کی کتاب ان دونوں سے نیچے گری ہوئی ہے اور نہ صرف اس میں تعصب اور روایات کے جانچنے میں لاپرواہی ہی سے کام لیا گیا ہے بلکہ عمداً بھی پروفیسر صاحب نے جہانتک کہ انکی طاقت تھی اپنے نئے اور عجیب خیالات کی تائید کے لئے غلط بیانی سے کام لیا ہے پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ انکو اسلام کے متعلق ایک اور کتاب لکھنے کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ میور کی کتاب کے بعد نئی نئی عربی تصنیفات چھپ گئی ہیں اور اسلئے نئی شہادت جو نہایت ضروری اور دلچسپ ہے پیدا ہو گئی ہے مگر دونوں کتابوں کو پڑھکر یہ کہنا پڑتا ہے کہ تاریخی طور پر میور کی کتاب پروفیسر مارگولیوتھ کی کتاب سے بہت بڑھکر قابل اعتبار ہے میور نے بڑی محنت سے کام کیا ہے اور ایک حد تک واقعات کو بگاڑا نہیں اور مقدمہ میں بعض اصول بھی بیان کئے ہیں کہ کونسی روایات قابل اعتبار ہیں اگرچہ آگے چلکر کئی جگہ ان اصولوں کو مدنظر نہیں رکھا مگر پروفیسر مارگولیوتھ نے اس محنت کے کام کو یونہی ٹال دیا ہے وہ کہتا ہے کہ روایات کے معتبر یا غیر معتبر ہونیکے متعلق میں گولڈزیہر، نولدیکے اور ولہاسن کے فیصلوں کو کافی سمجھونگا مگر یہ لکھتے وقت پروفیسر صاحب کو یہ یاد نہیں رہا کہ کتاب کو لکھنے کیلئے عذر تو انہوں نے یہ بیان کیا تھا کہ مسند احمد بن حنبل اور تفسیر جریر کے چھپ جانیکی وجہ سے نئی شہادت ہاتھ میں آگئی ہے پس ان پہلے علماء کا فتویٰ ایسی کتابوں کی روایتوں کے متعلق انکو کیونکر مل سکتا تھا اس سے صاف پایا جاتا ہے اور یہ پروفیسر صاحب کا اپنا اقرار ہے کہ انہوں نے روایات کو فضول طور پر بھر دیا ہے اور یہ غور بھی نہیں کیا کہ کونسی روایت قابل اعتبار ہے اور کونسی نہیں حالانکہ خصوصاً تفسیر ابن جریر کی روایات کے متعلق اور ایک حد تک مسند احمد حنبل کے متعلق پوری تحقیقات اور چھان بین کے بعد روایات کو قبول کرنا چاہئے تھا مگر پروفیسر مارگولیوتھ نے یہ سمجھ لیا کہ چونکہ وہ ایک انگریزی یونیورسٹی میں پروفیسر عربی ہیں اسلئے جو کلمہ وہ اسلام کے متعلق منہ سے نکالیں وہ محض انکی پروفیسری کی وجہ سے قابل اعتبار اور مستند سمجھ لیا جاویگا شاید ہمارے علیگڑھ کے دوست جو عربی کے لئے انگریز پروفیسر منگوانے کی تجاویز سوچ رہے ہیں چاہتے ہیں کہ اسلام کی جو حالت ہوئی ہے وہ تو ہوئی ہے اب رہا سہا اسلام کا نام بھی مٹایا جاوے اور مسلمانوں کی عربی تعلیم بھی ان لوگوں کے سپرد کی جاوے جن کے رگ و ریشہ میں اسلام کے خلاف تعصب رچا ہوا ہے اور جو ہر طرح سے اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تذلیل کی کوشش میں لگے رہتے ہیں کیا مسلمانوں میں کوئی شخص بھی نہیں جو ان انگریزوں جتنی ٹوٹی پھوٹی عربی جانتا ہو؟

کچھ عرصہ ہوا انہیں پروفیسر مارگولیوتھ صاحب نے ایک لیکچر دیا تھا جس میں انہوں نے لفظ مسلم اور حنیف کا (اوٹ پٹانگ) اصل اور معنی بتلائے تھے اس لیکچر کا ذکر اخباروں میں پڑھکر میں نے خیال کیا تھا کہ شاید پروفیسر صاحب نے محض سامعین کے خوش کرنیکو ان باتوں کا ذکر کیا ہے کیونکہ سنجیدہ طور پر کوئی فہیم شخص ایسی لغو باتوں کو منہ پر نہیں لا سکتا تھا مگر اب جب میں نے انکی کتاب کو پڑھا تو انہیں خیالات کا اظہار پھر اس کتاب میں پایا اگرچہ اب پروفیسر صاحب نے کسی قدر محتاط ہو کر ان بیہودہ خیالات کو ظاہر کیا ہے وہ لکھتے ہیں "آخر کار ایک نام بھی اس نئے فرقہ کے لئے تجویز کرنا ضروری ہوا اور اتفاق سے یا سوچ سمجھکر اس فرقہ کا نام مسلم یا حنیف تجویز کیا گیا اب اس جگہ

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ یعنی مسلم اور حنیف دراصل وہ نام تھے جنسے مسلمہ٭ بنی حنیفہ کے نبی کے پیرو پکارے جاتے تھے؟ یا کوئی اور فرقہ تھا جو توحید پر قایم اور ابراہیم کے مذہب کا پیرو ہو جو اس نام سے مشہور ہو کیونکہ بعض عرب بائبل کے رو سے ابراہیم کی بھی نسل تھی؟ اسکا جواب ہم کچھ نہیں دے سکتے" اگر پروفیسر صاحب ان سوالوں کا بھی جواب نہ دے سکتے تھے تو ا ایف لکھنے کیوں بیٹھ گئے تھے مسلمہ اور حنیفہ کے الفاظ پر پروفیسر صاحب نے زور دیا ہے جس سے ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مسلم اور حنیف دراصل انہیں سے لئے گئے ہیں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کذاب کی ہی نقل کی تھی یہ ہر یورپین تاریخدانی کہ ایک شخص جو تمام یورپ میں علوم عربی اور تاریخ عربی کا فاضل سمجھا جاتا ہے وہ ایسی جہالت تاریخ سے دکھاتا ہے جسپر ایک بچہ بھی ہنسے گا۔ لفظ مسلم کا استعمال قرآن شریف کی ابتدائی مکی سورتوں میں پایا جاتا ہے حالانکہ مسیلمہ کذاب فتح مکہ کے بھی بعد ظاہر ہوا ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال پہلے لفظ مسلم صیغہ واحد یا جمع میں مذکر یا مونث قریباً پچاس دفعہ مکی سورتوں میں آیا ہے جنمیں سے بہت سی سورتیں ایسی ہیں جو متفق طور پر ابتدائی زمانہ کی نازل شدہ مانی گئی ہیں مثلاً حٰمٓ السجدہ۔ الزخرف۔ والذاریات القلم۔ الجن وغیرہ اور یہ وہ زمانہ تھا جب نہ مسیلمہ کذاب کو کوئی جانتا تھا اور نہ ہی اسکے کوئی پیرو تھے۔ بنی حنیفہ یمامہ کی ایک عیسائی قوم تھی جنہوں نے ہجرت کے نویں سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد بھیجا اور انہیں میں مسیلمہ بھی شامل تھا۔ اسوقت بھی وہ ایک غیر معروف شخص تھا مگر مدینہ سے جب وہ پھر اپنے ملک میں واپس آیا تو اسوقت اس نے دعویٰ نبوت کیا اسی وقت ایک دو اور کذاب بھی مدعی نبوت ہوے تھے کیونکہ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان کامیابی کو دیکھکر یہ خیال کیا کہ شاید دعوی نبوت سے ہی آدمی بڑا بن سکتا ہے مگر خدا تعالیٰ نے انکو ایک دو سال کے عرصہ میں ہی تباہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو اور بھی روشن کر دیا اور دکھا دیا کہ اسکے حضور سے صرف سچے کو ہی نصرت ملتی ہے اور کہ ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین بالکل سچا کلام ہے یعنی کوئی شخص جو افترا علی اللہ کرے اور کہے کہ فلاں وحی خدا کی طرف سے مجھ پر نازل ہوئی ہے حالانکہ اسکا اپنا ہی افترا ہو ایسے شخص کو خدا بہت جلدی ہلاک کر دیتا ہے نہ اسکو مہلت دیجاتی ہے اور نہ ہی تائید و نصرت دیجاتی ہے افسوس ہے کہ آج کل مسلمان حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے کے سبب سے اور اس سبب سے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے منشا کے مطابق آپکے دعوی کی تصدیق کر دی اس آیت کے اس مضمون سے بھی انکار کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی ان تمام مفتریوں کو ایک دو سال کے اندر اندر ہی ہلاک کر کے بتا دیا تھا کہ اس آیت کا منشاء واقعی یہی ہے کہ مفتری کو اللہ تعالیٰ کبھی اتنی مہلت نہیں دیتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگئی مگر جب حضرت مسیح موعود نے اس دلیل کو اپنے دعوے کی تصدیق میں پیش کیا کہ میں پچیس سال سے برابر یہ کہہ رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ مجھپر اپنا کلام نازل فرماتا ہے

٭ پروفیسر صاحب کی تاریخدانی کا یہ پہلا نمونہ ہے کہ مسیلمہ کا بجاے کذاب کے نام مسلمہ لکھا ہے منہ

پس اگر میں مفتری ہوتا تو خدا تعالیٰ اپنے اس وعدے کے موافق جو آیت لو تقول میں پایا جاتا ہے مجھے کبھی کا ہلاک کر دیتا حالانکہ میری اس وحی کا زمانہ پچیس سال یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی سے بھی گذر گیا ہے پس اب میرا انکار کرنے سے اس آیت کلام مجید کی تکذیب لازم آتی ہے غرضیکہ جب یہ باتیں پیش کی گئیں تو حالانکہ مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ قرآن شریف کے الفاظ کے صاف معنوں کے رو سے اور اس امر پر غور کر کے کہ خدا تعالیٰ نے اسی زمانہ میں کیونکر ان الفاظ کی تصدیق کذابوں کے ہلاک کرنے سے کر دی وہ ان باتوں کو تسلیم کرتے انکار پر اور بھی اصرار کیا درحالیکہ اس وقت انکار کرنے سے خدا کے کلام کی ہتک ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک بیّن اور قاطع دلیل کو رد کرنا پڑتا ہے اب میں اصل کلام کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ مسیلمہ کذاب کا نام تو اس وقت معلوم ہوتا ہے جب کہ بھی فتح ہو چکا اور اس کا دعویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند ماہ ہی پہلے شروع ہوتا ہے لیکن پروفیسر مارگولیوتھ کہتا ہے کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ مسیلمہ سے مسلم کا نام نبی کریم نے لیا ہے یا نہیں کیا اسی نا سمجھی پر لائف لکھنے بیٹھ گئے تھے پھر یہ کہنا کہ حنیف کا نام بنی حنیفہ سے لیا گیا ہے جو مسیلمہ کی قوم تھی اور بھی حماقت کا ثبوت دینا ہے کیا حنیف کا لفظ پہلے لغت میں موجود نہ تھا؟ اور بنو حنیفہ کے وفد کے آنے سے بہت پہلے یہ لفظ قرآن شریف میں استعمال ہو چکا تھا یہ ہیں یورپ کے محقق جنکی باتوں کو ہمارے وہ مسلمان جو وحی اور الہام کے منکر ہیں وحی اور الہام سے کم نہیں سمجھتے۔

پروفیسر مارگولیوتھ صرف تاریخ سے ہی ناواقف نہیں بلکہ عربی زبان کی لغت سے بھی وہ ایسا ہی ناواقف ہے چنانچہ لفظ مسلم کی ایک نئی تشریح آپ کو سوجھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ "لفظ مسلم کے قدرتی معنے دغاباز کے ہیں جب فریق یعنی مسلمانوں کی ہجو لوگوں نے شروع کی تو اس لفظ مسلم کی بنا پر وہ ان سے بہت ہنسی کرتے تھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسا لفظ اختیار کر کے نہیں کس قدر بھدا مذاق دکھایا مگر اس کو بعد میں ایک معزز معنے دینے میں بڑی ذہانت دکھائی" یہاں پروفیسر صاحب نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مسلم کا نام ابتدا ہی میں اختیار کیا گیا تھا کیونکر ہجو ابتدا میں ہی شروع ہو گئی تھی "قدرتی معنوں" سے پروفیسر مذکور کی کیا مراد ہے میری سمجھ میں نہیں آیا اگر یہ فرض کر لیا جاوے کہ سارا صحیفہ قدرت تعویذ بنا کر پروفیسر صاحب کے دماغ میں رکھ دیا گیا ہے تو شاید "قدرتی معنوں" سے وہ معنے مراد ہوں جو انکے دماغ نے تراشے ہیں ورنہ اس اصطلاح کی تشریح پروفیسر صاحب خود ہی کچھ کریں تو کریں اور چونکہ انہوں نے لفظ مسلم کے ایک "قدرتی" معنے تجویز کر لئے ہیں اسلئے شاید لغت کو بھی وہ نہیں بہر حال ناظرین کے لئے لغت کا پیش کرنا خالی از فائدہ نہ ہو گا میں نے قاموس تاج العروس۔ لسان العرب کو جو اہل اسلام کی لکھی ہوئی لغت کی کتابیں ہیں دیکھا ہے اور عیسائی مصنفین میں سے لین پول کی مشہور عربی انگریزی ڈکشنری اور سٹائن گاس کی ڈکشنری اور اقرب الموارد کو دیکھا ہے مگر ان میں لفظ مسلم کے معنے دغاباز مجھے کہیں نہیں ملے شاید پروفیسر صاحب کو لفظ اسلم کے معنوں سے غلطی لگی ہو جسکی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ عربی زبان کے محاورات سے وہ ناواقف ہوں جب ہم کہتے ہیں اسلم فلان فلانا تو اس کے معنے ہونے میں فلاں شخص نے فلاں شخص کو ہلاک ہونے کیلئے چھوڑ دیا۔ اسلمتہ میں نے اسکو اس شخص کے ہاتھ

میں چھوڑ دیا جو اسے مارنا یا زخمی کرنا چاہتا تھا اسلم الرجل یا اسلم العدوّ اس نے اس شخص کو یا دشمن کو چھوڑ دیا یا اس کی مدد نہ کی لیکن اگر اسلم بغیر کسی مفعول کے آئیگا تو اسوقت اسکے معنوں میں ہلاکت وغیرہ کے لئے چھوڑنا ہرگز نہ پایا جائیگا۔ میں پروفیسر مارگولیوتھ کو دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ کسی عربی علم ادب کی کتاب سے یا کسی لغت سے بغیر مفعول کے اسلم کے معنے ہلاکت کے لئے چھوڑ دینگے ہرگز نہیں دکھلا سکتے نہ کبھی اہل زبان نے صرف اسلم کو ان معنوں میں استعمال کیا ہے یہ ایک خاص صورت محاورہ کی ہے آپ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلم کے اصل معنے سپرد کر دینگے ہیں اور جب اسلم الرجل کہتے ہیں تو اسمیں اہل زبان نے اپنے محاورہ میں ہلاکت کا خیال غالب کر دیا ہے ورنہ اسلم کے معنوں میں ہلاکت نہیں پائی جاتی دیکھو لسان العرب تاج العروس لین پول علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب ہم کسی فعل سے اسم فاعل بناتے ہیں تو اسمیں فعل کے کل مفہوم نہیں پائے جاتے بلکہ جن معنوں کے لئے اہل زبان نے اسم فاعل کو وضع کیا ہوگا صرف وہی معنے اس میں پائے جائینگے مثلاً اسلم کے معنے بیعانہ دینے کے بھی ہیں مگر مسلم کبھی بیعانہ دینے والے کو نہیں کہیں گے پروفیسر صاحب کو عربی زبان کی تعلیم دینے کے لئے ابھی کچھ اور واقفیت عربی زبان سے حاصل کرنی چاہیئے اور انکو تحریر میں زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہیئے کیونکہ عوام انکو فاضل عربی سمجھکر انکی بات کو صحیح مان لیں گے۔

پروفیسر مارگولیوتھ کا مقصد کتاب لکھنے میں یہ نہ تھا کہ انگریزی پبلک کے سامنے درست واقعات اسلام کے متعلق پیش کریں بلکہ اصل غرض انکی یہ تھی کہ کوئی ایسی دلچسپ اور عجیب نئی باتیں پیش کریں جو اس کتابوں کی کثرت کے زمانے میں ناول کا کام دے کر کتاب کی فروخت کو بڑھائیں اور اس مدعا کو انہوں نے حاصل بھی کر لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اسلام اصل میں ایک مخفی سوسائٹی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک میڈیم تھے جس سے اصطلاح سپرچولزم میں ایسا شخص مراد ہے جو روحوں کو بلاتا اور ان سے سوالوں کے جواب پوچھتا ہے اس مضمون میں میرا منشاء صرف عام طور پر بحث کرنیکا ہے اور اسلئے جسقدر تفصیلات پروفیسر صاحب نے دی ہیں میں اسجگہ انکا جواب نہ دونگا ہاں مثال کے طور پر میں ایک موقع پر پروفیسر صاحب کی کتاب کا پیش کرتا ہوں جس سے ناظرین یہ قیاس کرنیکے قابل ہو جائینگے کہ کس قسم کے دلائل سے پروفیسر صاحب نے اپنے دعووں کو ثابت کیا ہے الجاحظ کی کتاب البیان کا حوالہ دیکر (یہ مذہبی کتاب نہیں بلکہ علمی کتاب ہے اور اسکا مصنف عمرو بن بحر معتزلی ہے) پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نقاب اوڑھے رہا کرتے تھے اور اسکو اس دعوے کے ثبوت میں کہ اسلام ایک مخفی سوسائٹی تھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں پروفیسر صاحب نے شاید بہت تکلیف سے ایسا موقع تلاش کیا ہوگا اور اب جب انکو معلوم ہوگا کہ عربی الفاظ کے معنے صحیح نہ سمجھنے سے یہ انکو غلطی لگی ہے تو شاید انکو بڑا صدمہ پہنچیگا جاحظ کی کتاب البیان کے اس مقام پر جسکا حوالہ پروفیسر مذکور دیتے ہیں اصل عبارت یہ ہے "والقناع من سيماء الرؤ

مجھے اس جگہ میں اللہ تعالیٰ کے ایک خاص فضل کا ذکر کرنا چاہتا ہوں حضرت مولوی نورالدین صاحب کے وجود با برکت سے جہاں اور بڑی بڑی

والدلیل علی ذٰلک والشاھد الصادق والحجۃ القاطعۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لایکاد یریٰ الامقنعا۔ یعنی قناع سرداروں اور بڑے بڑے لوگوں کی نشانی ہے اور اسپر دلیل اور شاہد صادق اور حجت قاطع یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مقنّع دیکھے جاتے تھے (البیان۔ جلد ۲ صفحہ ۹۷) اس عبارت میں پروفیسر مارگولیوتھ نے لفظ قناع سے مراد چہرے کا نقاب لیا ہے اور مقنّع سے یہ مراد لیا ہے کہ آپ چہرے پر ہمیشہ نقاب اوڑھے رہا کرتے تھے یا تو یہ انکو غلطی لگی ہے اور انہوں نے قناع اور مقنع کے معنوں کی تحقیقات نہیں کی اور یہ بہت قابل افسوس امر ہے کہ ایک شخص پروفیسر عربی ہو کر دنیا میں ایک کتاب شائع کرتا ہے اور احتیاط اور تحقیق سے کام نہیں لیتا یا اگر انکو اس لفظ کے معنے معلوم تھے تو انہوں نے عمداً دھوکا دیا ہے جو اور بھی زیادہ قابل افسوس بات ہے پروفیسر صاحب اگر عبارت مذکورہ بالا کے سیاق سباق کو ہی دیکھتے تو ایسی غلطی کے مرتکب نہ ہوتے کیونکہ صاحب کتاب لکھتا ہے کہ قناع سرداروں اور بڑے بڑے لوگوں کی نشانی ہے اب اگر ایک شخص کا سر چھپا ہوا نہ ہو تو وہ سمجھ لیگا کہ چہرے پر نقاب ڈالکر باہر نکلنا تو بڑے آدمیوں کی نشانی کسی ملک میں کبھی نہیں ہوئی ممکن ہے کہ البیان کے اس طرز بیان سے آپ کو دھوکا لگا ہو کہ لڑائیوں میں جو لوگ مقنع ہوتے تھے انکے پہچاننے کے لئے کسی علامت کی ضرورت ہوتی تھی اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو گرد و غبار کی وجہ سے عمامہ کے ایک حصہ کو منہ کے آگے سے وہ ایسی صورت میں پیچ دیا کرتے تھے جس سے سانس کے ساتھ بہت گرد و غبار اندر نہ جائے اور دوسرا یہ کہ خود جنگ کا موقع ایسا ہوتا ہے کہ وہاں شناخت مشکل ہوتی ہے ایک فاصلہ زیادہ اور دوسرا جنگ کا گھمسان یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جاحظ نے عمامہ کے ذکر میں قناع کا ذکر کیا ہے حالانکہ اگر قناع سے مراد نقاب ہوتی تو عورتوں کے لباسوں میں اسکا ذکر آتا پروفیسر صاحب کے زیادہ اطمینان کے لئے میں نیچے لغت کے حوالے دکھاتا ہوں کہ قناع سے کیا مراد ہے

مجمع بحار الانوار میں لفظ قناع کے نیچے یہ عبارت ہے وفی حدیث الہجرۃ ھٰذا رسول اللہ مقبلاً مقنعا ای الّقی علیٰ راسہ ازارا لدفع الحر۔ یعنی مقنع سے مراد یہ ہے کہ آپ نے ایک کپڑا گرمی کے روکنے کے لئے سر پر ڈالا ہوا تھا اور پھر آگے چلکر ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکثر دھن راسہ ویکثر القناع کانہ ثوب زیات الدھن (والقناع ما تقنع المرأۃ راسھا) یعنی یکثر

بقیہ حاشیہ ؎ بڑی بڑی برکات لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں مذہب پر لکھنے والا اس برکت کو خاص طور پر محسوس کرتا ہے کہ نہ ہر وقت کے وقت صرف وہ آپ کے علوم اور وسیع تحقیقات سے ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بلکہ ہر ایک قسم کی کتاب جو کسی بڑے بڑے کتب خانہ میں ملتی ہو گی یہاں فی الفور ملجاتی ہے راقم مضمون حضرت مولانا موصوف کے ان احسانوں اور برکات سے مستفید ہو کر اپنے دل میں انکے لئے دعا کے واسطے جوش پاتا ہے اور میں اس بات کا ذکر اس لئے اس جگہ کرتا ہوں کہ اگر ان مضامین کے پڑھنے والوں کے دلوں میں بھی کبھی جوش دعا پیدا ہو تو وہ حضرت مولانا موصوف کے لئے بھی ضرور دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور صحت میں بہت برکت دیوے اور اپنے سچے مذاہب اور پاک سلسلہ کی خدمت کا کام مدت تک ان سے لے۔ منہ

اتخاذ القناع عند الدھن لیحفظ العمامۃ - یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر کو اکثر تیل لگاتے تھے اور قناع کا استعمال بھی اکثر کرتے تھے گویا کہ وہ تیل بیچنے والے کا کپڑا تھا اور قناع وہ کپڑا ہے جو عورت سر پر اوڑھتی ہے) مطلب اسکا یہ ہے کہ تیل لگا کر اکثر قناع اوڑھ لیا کرتے تھے تاکہ پگڑی تیل سے بچی رہے اور پھر ہے القناع خرقۃ یلقی علی الراس بعد استعمال الدھن لئلا یتسخ العمامۃ شبھۃ بقناع المرأۃ یعنی قناع ایک کپڑا ہے جو تیل کے استعمال کے بعد سر پر ڈال لیا جاتا ہے تاکہ پگڑی میلی نہ ہو اور اسکو عورت کے قناع کیساتھ تشبیہ دی ہے ان تمام روایات اور تشریحوں سے ثابت ہے کہ قناع سر پر ڈالنے کا کپڑا تھا نہ چہرے کا نقاب اور اسکی غرض پگڑی کو تیل سے بچانا تھی یا گرمی وغیرہ کو روکنے کی ایسا ہی مجمع بحار الانوار میں قناع کو طیلسان سے مشابہت دی ہے اور لین صاحب اپنی ڈکشنری میں طیلسان کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک کپڑا ہوتا ہے جو سر سے دونوں کندھوں پر ڈالا جاتا ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ آج کل بھی عربی ممالک میں علما و فضلا اسکو خاص طور پر پہنتے ہیں پس اگر پروفیسر صاحب کا شک کسی طرح رفع نہ ہوتا ہو تو وہ مصر یا شام میں جاکر دیکھ لیں کہ آیا وہاں علما نقاب پہنتے ہیں یا قناع کسی اور چیز کا نام ہے ایسی ہی تشریح لسان العرب میں قناع کی دی ہے اور لکھا ہے کہ مقنع بالحدید اس شخص کو کہتے ہیں جو سر پر خود پہنے ہوئے ہوتا ہے کیونکہ "قناع کا مقام سر ہی ہے" اور لبید کا یہ شعر نقل کیا ہے فی کل یوم ھامتی مقرعۃ قانعۃ ولم تکن مقنعۃ یعنی ہر روز میری کھوپری پہ چوٹیں لگتی ہیں وہ برہنہ ہے اور اسپر کوئی خود نہیں تاج العروس اور اقرب الموارد میں بھی یہی تشریح قناع اور مقنع کی کی ہے مگر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بھی کافی سے بڑھکر ہے اب بھی اگر پروفیسر مارگولیوتھ صاحب نہ سمجھیں تو یہ انکی کھوپری کا قصور ہے۔

یہ مثالیں کافی طور پر اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ پروفیسر مارگولیوتھ کی علمی قابلیت اور تاریخدانی کس پایہ کی ہے اور اسی قسم کے دعووں پر پروفیسر صاحب کے سارے لغو خیالات کی بنیاد ہے تاریخی طور پر یہ کتاب کسی قابل نہیں اور میور سے بہت کم پایہ کی ہے ہاں عیسائی صاحبان کے لئے اگر اس میں دلچسپی ہے تو صرف یہ کہ اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بجائے نبی کے سپرچولسٹ واسطہ قرار دیا ہے اور اسلام کو مخفی سازش کہا ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا راز دار قرار دیا ہے بلکہ پروفیسر صاحب کے نزدیک ابوبکرؓ ہی لوگوں کو مسلمان بناتا تھا اور آنحضرتؐ دعوت نہ کرتے تھے چنانچہ وہ صاف الفاظ میں لکھتا ہے کہ دعوت کرنا اور مرید بنانے کا کام ابوبکر ہی کیا کرتے تھے اور کہ سلسلہ انہوں نے ہی شروع کیا لیکن جب انؓ عونکو ثابت کرنیکے لئے مثالوں کی ضرورت پڑی جنسے یہ ثابت ہو کہ واقعی حضرت ابوبکر ہی سلسلہ کے قایم کرنیوالے تھے نہ حضرت رسالتپناہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پروفیسر صاحب کی بیہودگی اور انکا جھوٹ خود کھل گیا اور انکو ماننا پڑا کہ ایک ہی واقعہ سے انہوں نے یہ سارے نتایج نکالے ہیں اور اسی پر انہوں نے اپنے لغو دعووں کی کل عمارت بنائی ہے اور اس ایک واقعہ سے بھی اس سے بڑھکر کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک شخص کو اسلام قبول کرنیکی دعوت کی پھر اسکے بعد وہ لکھتے ہیں کہ اس سازش میں اکیلے حضرت ابوبکر ہی شامل نہ تھے بلکہ تیسرا سازشی بلال رضی اللہ عنہ تھے کیونکہ حضرت عمرؓ نے انکی نسبت کہا کہ بلالؓ اسلام کا تیسرا حصہ ہے حضرت عمرؓ کے ان صاف الفاظ کو

جنکا کھلا کھلا منشاء یہ پایا جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے میں بلالؓ تیسرا آدمی تھا تو ٹمروڑ کر پروفیسر گولیوتھ اس سے یہ معنے نکالنا
چاہتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی علم تھا کہ اس سازش میں تیسرا سازشی بلال ہے اگر یہی طریق معنے کرنیکا درست ہے تو پھر
پروفیسر صاحب کو اختیار ہے کہ جن الفاظ سے جو معنے چاہیں نکالیں۔

یہ خیال کہ مسلمانوں کی سوسائٹی ابتدا میں ایک مخفی سوسائٹی تھی ایسا لغو ہے کہ کوئی سمجھ دار آدمی خواہ وہ دشمن اسلام
ہی کیوں نہ ہو ایک لحہ کیلئے بھی اسے صحیح تسلیم نہیں کر سکتا مخفی سوسائٹیوں کی ایک موٹی مثال ہمارے زمانہ میں فری میسنوں
کی سوسائٹی ہے جو مدت سے چلی آتی ہے شاید بہت کم لوگ ہونگے جو اس بات سے واقف نہ ہوں کہ اس سوسائٹی میں لوگ
کسطرح داخل کئے جاتے ہیں اور پھر وہ آسانی سے اسلامی تاریخ کو پڑھکر یہ مقابلہ کر سکتے ہیں کہ آیا اسلام میں لوگ اسی طرح داخل کئے
جاتے تھے مخفی سوسائٹیوں کا سب سے ضروری اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کو جو ابھی داخل نہیں ہوئے اپنے اصول سے اطلاع نہ
دیجاوے اگر کسی سوسائٹی میں یہ بات نہیں پائی جاتی تو اسکو مخفی کہنا حماقت ہے اب اگر اسلام کی ابتدائی حالت پر غور
کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ نہ صرف کسی مسلمان سے شروع سے لیکر آخر تک کبھی یہ اقرار نہیں لیا گیا کہ وہ اصول اسلام کو
کفار پر ظاہر نہ کرے بلکہ وہ اسلام میں داخل ہوتے ہی یہ بھی اپنا فرض سمجھتا تھا کہ اپنے پاک اصول کی تبلیغ کفار کو بھی کرے
خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی طرف لوگوں کو بلاتے اور بت پرستی کی کھلے کھلے الفاظ میں مذمت کرتے تھے قرآن شریف
کی ہر ایک آیت جیسے جیسے نازل ہوتی تھی معاً دشمنوں اور دوستوں کے اندر مشتہر کیجاتی تھی بلکہ اسلام کو ہی یہ فخر حاصل ہے
کہ اسکی کتاب کا لفظ لفظ ابتدا سے اور ساتھ ساتھ ہی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مشتہر ہوجاتا تھا ایک موٹی
سمجھ کا آدمی بھی خیال کر سکتا ہے کہ اگر اسلام ایک مخفی سوسائٹی ہوتی تو ابتدا میں جو تکالیف مسلمانوں کو دیجاتی تھیں دیجاتیں۔
جب کفار کو انکے اصول ہی معلوم نہ تھے اور نہ پتہ ہی تھا کہ اسلام کی تعلیم کیا ہے تو انکا سارا حملہ کیا تھا جو وہ بوجہ مسلمانوں کو دکھ دیتے
اور گھروں سے نکالتے جس رسول کو پہلا حکم یہی ہوتا ہے کہ قم فانذر یعنی اٹھ اور کفار کو آنیوالے عذاب سے ڈرا تو وہ اس پیغام کو مخفی
رکھکر کیونکر اپنے فرائض کو پورا کر سکتا تھا ہاں کفار یہ چاہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مداہنت کا پہلو اختیار کریں اور انکے بتوں
کی مذمت پر مصر نہ رہیں تو وہ بھی چپ کر رہینگے ودوا لو تدھن فیدھنون (القلم) گر خدا تعالیٰ کو یہ بات منظور نہ تھی اور
حکم ہوا کہ انکی بات کو نہ مانو بلکہ جو احکام تمہاری طرف بھیجے جاتے ہیں انکو پھاڑ پھاڑ کر بیان کرو گر اصول اسلام پہلے ہی مخفی رکھے جاتے
تو اللہ تعالیٰ ودوا لو تدھن نازل نہ فرماتا یہ آیات بالاتفاق ابتدائی زمانہ نزول وحی کی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں کبھی بھی اخفا کا رنگ نہیں آیا

پروفیسر گولیوتھ نے یہ نہیں بتایا کہ مخفی سوسائٹی کے بنانے کی غرض کیا تھی کیا اس سوسائٹی کا یہ منشا تھا کہ قریش کی طاقت کو توڑ
کر ایک نئی حکومت قائم کی جاوے کیونکہ مخفی سوسائٹیوں کی کوئی نہ کوئی پولیٹیکل غرض ضرور ہوتی ہے اگر یہی غرض تھی۔ تو بت پرستی
کے دور کرنیکا بیڑا کیوں اٹھایا گیا کیونکہ اس سے تو اس غرض کے حاصل کرنے میں بجائے مدد ملنے کے مشکلات پیدا ہوتی تھیں وہ
پاکیزگی جس کے حاصل کرنیکے لئے قرآن شریف بار بار زور دیتا ہے اسکو مخفی سوسائٹی سے کچھ تعلق نہ ہوسکتا تھا قرآن شریف

ابتدا سے ہی اسی بات پر زور دے رہا تھا کہ آنحضرت صلعم دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے ہیں مگر اصلاح کرنیوالے کا مدعا اخفا سے کب حاصل ہو سکتا ہے آخر ایک بات کرنیکے لئے انسان کو اسکی پس و پیش بھی دیکھنی چاہیے جسقدر اعلان اسلام نے دنیا میں کیا ہے دوسرے کسی مذہب نے نہیں کیا اسکی کتاب گھروں میں اور مجلسوں میں بآواز بلند پڑھی جاتی اور پھر نماز کے لئے بلانے وقت بھی اپنے اصول کا اعلان ہی کیا جاتا اسقدر اعلان کے ہوتے ہوئے جو شخص اخفا کو اسلام کی طرف منسوب کرتا ہے اسے جاہل کہنا پڑتا ہے آج بھی اسلام میں ایک مصلح موجود ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کسطرح بآواز بلند لوگوں کو حق کی طرف بلا رہا ہے اگر اسلام کی ابتدا اخفا کے رنگ میں ہوتی تو ضرور تھا کہ اسمیں مصلح بھی ایسے ہی پیدا ہوتے علاوہ ازیں جو مصائب صحابہ رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں اور جو قربانیاں انہوں نے مذہب کی خاطر کیں اور جو استقلال اور صبر انہوں نے دکھایا ایک مخفی سوسائٹی میں یہ باتیں ہرگز نہیں مگر ایک لغو خیالی کی تائید کے لئے پروفیسر صاحب کو ایک اور لغو خیال پیش کرنا پڑا ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ ایک سپرہیکولسٹ واسطہ تھے یہ دونوں خیال ایسے ہیں کہ ایک کے جھوٹا ثابت ہونیسے دوسرا خود ہی جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے مگر میں انکے اس دوسرے خیال کی کسی قدر تشریح الگ بھی ضروری سمجھتا ہوں اس دوسرے خیال کی تائید میں پروفیسر صاحب تین باتیں پیش کرتے ہیں یعنی چہرے پر نقاب ڈالنا جسکی حقیقت میں اوپر بیان کر چکا ہوں خلوت کو پسند کرنا اور نزول وحی کیوقت ایک خاص حالت کا طاری ہونا خلوت پسندی کے متعلق میں مختصراً یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کام کے شروع کرنیکے لئے خلوت کو پسند کیا بلکہ آپ فطرتاً ہی تنہائی پسند تھے لڑکپن کے زمانے میں آپ کو بچوں کے ساتھ ملکر کھیلنے کا شوق نہ تھا جوانی میں بھی کبھی آپ لغو مجلسوں میں شریک نہ ہوتے اور نزول وحی سے بہت مدت پہلے آپ کی یہ عادت تھی کہ آپ ایک مہینہ ہر سال میں گوشہ تنہائی میں بیٹھکر خدا تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے اب اگر وہ لوگ جو سپرہیکولزم کے دائرے کے اندر واسطہ یا وسیلہ کہلاتے ہیں وہ بھی اپنا کام خلوت میں ہی کرتے ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ہر ایک خلوت پسند آدمی ایسا ہی ہوتا ہے پروفیسر صاحب کا خاص منطق ہے انبیاء علیہم السلام ایسے وقت میں مبعوث ہوتے ہیں جو تاریکیوں اور غفلتوں اور گناہوں کے سیلاب کا وقت ہوتا ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ ابتدا سے ہی پاک رہیں اور دنیا کے کسی گند میں ملوث نہ ہوں اسلئے انکو فطرت ہی ایسی دیتا ہے کہ وہ ناپاک آدمیوں کی صحبت سے کنارہ کش رہتے ہیں اور انکی طبیعت ہی خلوت پسند بنائی جاتی ہے مثلاً عرب کی حالت کو دیکھو کہ کس قسم کے ذلیل انکے عقیدے اور کس قسم کی گندی انکی کارروائیاں تھیں اور اخلاقی اور تمدنی قوانین سے وہ ایسے ناآشنا تھے جیسے کسی جنگل کے وحشی اسلئے وہ پاک اور مقدس انسان جسکو خدا نے ابتدا ہی سے پاک بنایا تھا ان لوگوں کیساتھ نہ مل سکتا تھا بلکہ جب آپ انکے درمیان کاروبار بھی کرتے تھے تو آپ کی روح کو انکے ساتھ کچھ تعلق نہ ہوتا تھا آپ ان وحشی اور خونخوار بت پرستوں کے درمیان ایسے تھے جیسے انسانوں میں فرشتہ پس یہ ناممکن تھا کہ آپ انکے ساتھ مل سکتے علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام شہرت پسند نہیں ہوتے اور یہ اسلئے ہوتا ہے کہ ناپاک لوگوں کو اس اعتراض کا موقع نہ ملے کہ وہ ایک جاہ طلب اور شہرت پسند انسان ہے جس نے یہی ایک ذریعہ شہرت حاصل کرنیکا سوچ لیا ہے انکے لئے اپنے گوشہ

خلوت سے باہر نکلنا سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے مگر اپنے مولیٰ کی رضا کے لئے اور اسکی فرمانبرداری میں وہ اپنی تمام خواہشات کو چھوڑ کر اسی کے احکام کی پیروی کرتے ہیں چنانچہ یہی حالت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی جیسا کہ متواتر روایات سے معلوم ہوتا ہے اور آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں دنیا کی اصلاح کے لئے مامور اور نبی کرکے بھیجا ہے وہ بھی شہرت پسند نہیں بلکہ ایک عرصہ دراز تک جبتک اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ وہ لوگوں سے بیعت تو یہ لیں آپکو کسی سے کچھ سروکار نہ تھا اور سالہا سال تک گوشہ خلوت سے باہر نہیں نکلے یہی سنت قدیم سے انبیاء کی چلی آئی ہے مگر اندھا مخالف ہر خوبی کی بات پر نکتہ چینی کرتا ہے اور خوبی کا اعتراف کرنیکی بجائے اسی فکر میں لگا رہتا ہے کہ اس خوبی کو کسی نہ کسی طرح عیب کے رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کرے گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔ چشمہ آفتاب را چہ گناہ والا معاملہ ہے۔

سپرچولزم کے واقعات ایسی باتیں نہیں جو آج مغربی ممالک میں دریافت کی گئی ہوں بلکہ مشرقی ممالک میں بھی ہمیشہ ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں لیکن مذہب اسلام نے ان باتوں کی کوئی تائید نہیں کی خود عرب میں اسلام کے ظہور کے وقت اسی قسم کے لوگ موجود تھے جنکو کاہن کہتے تھے جو آج کل کے سپرچولسٹوں کی طرح یہ سمجھتے تھے کہ جنات یا روحیں انکے تابع ہیں جو انپر چھپی ہوئی چیزیں ظاہر کرتی ہیں اور اسی طرح پر وہ لوگوں کے سوالوں کا جواب دیتے تھے جس طرح پر آج کل روحیں حاضر کی جاتی ہیں اسی کے مشابہ ان لوگوں کے حالات تھے اگرچہ تفصیلات میں کسی قدر فرق آگیا ہو مگر اصولاً یہ کاہن لوگ گویا اس زمانہ اور ملک کے سپرچولسٹ ہی تھے اسلام نے ان باتوں کو پسند نہیں کیا بلکہ جہاں دوسری بدیوں کو جڑھ سے اکھاڑا ساتھ ہی کہانت کو بھی باطل کیا اور اسکا نام ونشان مٹا دیا پس اسلام سپرچولزم کی قسم نہیں بلکہ سپرچولزم یا کہانت کو باطل کرنیوالا ہے اور یہ پروفیسر مارگولیتھ کی ناواقفیت ہے جو وہ اسلام کو سپرچولزم سے مشابہت دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ کاہن یا روحوں کو حاضر کرنیوالا ٹھہراتا ہے۔

اب ان حالات پر غور کرو جنکے نیچے روحوں کو حاضر کیا جاتا ہے اور پھر انکا نبی کی حالت وحی سے مقابلہ کرو تو معلوم ہوگا کہ پروفیسر صاحب نے ایکدوسرے کیساتھ مشابہت دینے میں سخت غلطی کھائی ہے یا سخت دہوکا دینا چاہا ہے روحوں کے حاضر کرنے میں تمام تکلف اور بناوٹ سے کام لیا جاتا ہے اور طرح طرح کی تیاری کی جاتی ہے اس مکان میں جسمیں یہ تماشا ہونا ہو تاریکی کا ہونا ضروری ہے اکثر رات کیوقت یہ کام کیا جاتا ہے اور لیمپ کی بتی اسقدر نیچے کیجاتی ہے کہ کسی چیز پر صاف نظر نہ پڑ سکے بلکہ تمام چیزیں دھندلی دھندلی نظر آئیں پھر ایک عالم خاموشی ہوتا ہے اور حاضر کرنیوالا اپنے آپ پر یا شاید بذریعہ مسمریزم دوسروں پر ایک حالت ربودگی کی طاری کرنی چاہتا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عورتیں اور جلد متاثر ہونیوالی طبیعتیں ان روحوں کو جلدی دیکھ سکتی ہیں بہ نسبت دوسروں کے ایسے موقع پر پوری تحقیقات کرنیکا کوئی موقع نہیں ہوتا اور اکثر حالتوں میں یہ معلوم ہوا ہے کہ فریب یا دھوکے سے ایسے موقع پر زیادہ کام لیا جاتا ہے اور بہت صورتوں میں روح کا حاضر ہونا محض ایک سازش ثابت ہوئی ہے اب کوئی شخص انصاف کو مدنظر رکھکر غور کرے کہ ان حالتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت وحی سے کیا مشابہت ہے کیا ایک بھی ایسی روایت ہے خواہ وہ ضعیف ہی ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ آنحضرت وحی کے آنے سے پہلے ایک کمرہ میں چند آدمیوں کو لیکر بیٹھ جایا کرتے تھے پھر وہاں تاریکی کی جاتی تھی اور سب چپ چاپ وحی کے آنیکے منتظر رہتے تھے پھر

اگر ان میں سے ایک بھی بات ثابت نہیں بلکہ برعکس اسکے یہ ثابت ہے کہ وحی کے نزول کا نہ کوئی خاص وقت مقرر تھا
نہ کوئی خاص حالت بلکہ ہر حالت میں نزول وحی ہو جایا کرتا تھا یہانتک کہ بھری مجلسوں میں بیٹھے ہوئے بھی جنکے درمیان ہر طرح کے لوگ ہوتے تھے تو اس دروغگوئی سے پروفیسر صاحب کو کیا حاصل تھا کہ وحی کی حالت مصروعوں کو عارض ہونیکی حالت کے مشابہ تھی۔

اسمیں کچھ شک نہیں کہ سپر بچولسٹ تکلف سے اپنے اندر وہ ربودگی کی حالت پیدا کرنا چاہتے ہیں جو نبی پر نزول وحی کیوقت منجانب اللہ طاری ہو جاتی ہے خدا کے فضلوں میں سے جو اس سلسلہ میں شامل ہونیسے ہم لوگوں کو حاصل ہوئے ہیں ایک یہ بڑا فضل ہے کہ آج ایسے امور کے لکھنے کے لئے ہمیں ڈھکوسلوں کا کام نہیں لینا پڑتا بلکہ ان حالات کو ہم بچشم خود حضرت مسیح موعود کی ذات میں مشاہدہ کر رہے ہیں کوئی شخص اس سلسلہ میں شامل نہیں وہ دعوے سے اس مضمون پر قلم نہیں اٹھا سکتا کیونکہ وہ خود اس بات سے بے خبر ہے کہ نزول وحی کس طرح ہوتا ہے جاننا چاہیئے کہ نزول وحی کیوقت عموماً انبیاء پر ایک حالت ربودگی کی طاری ہو جاتی ہے اگرچہ بعض وقت عین بیداری میں بھی نزول وحی یا مکاشفہ ہو جاتا ہے اس ربودگی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ کا کلام پاک دوسرے عالم سے آتا ہے اسلئے جبتک اس طرف سے انقطاع کلی کر کے دوسرے عالم میں انسان اپنے آپ کو نہ پائے اسوقت تک وہ دوسرے عالم کی حالت کو مشاہدہ بھی نہیں کر سکتا مگر یہ ربودگی کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ وہ معمولی اسباب میں سے کسی سبب کی طرف منسوب نہیں کیجا سکتی بلکہ یکایک ہی یہ حالت آتی ہے کہ جب نزول وحی ہو چکتا ہے تو پھر خود ہی وہ حالت جاتی رہتی ہے اب کسی سپر بچولسٹ سے یہ پوچھکر دیکھ لو کہ آیا اسپر حالت ربودگی خود بخود طاری ہوتی ہے؟ اسکا جواب نفی میں ملیگا وہ حالت ربودگی خود اپنے اوپر لانا چاہتے ہیں اور یہ انکی طرف سے ملاقات روح کے لئے ایک قسم کی تیاری ہوتی ہے مگر نبی پر حالت ربودگی خود بخود طاری ہوتی ہے۔

صرف ایک ظاہری مشابہت کو دیکھکر ایک نتیجہ قایم کر لینا اور اصل واقعات کی تہ تک نہ پہنچنا عقلمند آدمی کا کام نہیں اس طرح سے تو ایک شخص جھوٹے اور سچے ہیرے کی چمک کی مشابہت کی بنا پر دونوں کو یکساں کہہ سکتا ہے اور پروفیسر مارگولیوتھ کی طرح اس بات کے دریافت کرنے پر فخر کر سکتا ہے ایک ظاہری مشابہت کا بیان کر دینا کوئی فخر نہیں بلکہ انسان کی دانشمندی اس سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ ظاہر حالات سے دھوکا نہیں کھاتا بلکہ ایک ظاہر مشابہت کو دیکھکر اور معلوم کر کے پھر ایک بات کی حقیقت کو پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ دریافت کرتا ہے کہ وہ کونسے امتیازی نشان ہیں جو سچے اور جھوٹے میں فرق کو ظاہر کر سکتے ہیں پس اگر کوئی مشابہت ظاہر میں تھی بھی تو پروفیسر صاحب کا فرض تھا کہ وہ یہ دکھاتے کہ کوئی ایسا امتیازی نشان نہیں جس سے ایک نبی اور سپر بچولسٹ میں فرق ہو سکے دیکھنے اور غور کرنے کے قابل امتیازی نشان ہیں نہ ظاہری مشابہتیں سو پہلا امتیازی نشان یہ ہے کہ سپر بچولسٹ بہت سی محنت اور سر دردی کے بعد جن باتوں کو حاصل کرتا ہے۔ وہ محض لغو باتیں اور بچوں کا کھیل ہوتی ہیں اور کوئی سنجیدہ آدمی انکے دریافت کرنیکے لئے اپنا وقت ضایع کرنا پسند نہیں کریگا۔ آدھی رات کو دروازہ کا کھٹکھٹانا یا میزوں کا الٹانا اور لغویات جو سپر بچولزم کا فخر ہیں کونسی حکمت کی باتیں ہیں اور

یا کونسی انسانی ترقی کے راز ہمیں پائے جاتے ہیں یا کس طرح سے اخلاقی یا روحانی ترقی حاصل ہو سکتی ہے یہ سب محض بیکاری کے
شغل ہیں اور انسانی ترقی کی راہ میں روکیں ہیں اسی لئے سپرچولسٹوں میں دوسروں سے بڑھکر ہم کوئی بات ایسی نہیں پاتے جو
فخر انسانیت ہو بلکہ اکثر اوقات انکی اخلاقی حالتیں معمولی انسانوں سے بھی گری ہوئی ہوتی ہیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جسقدر لوگ
میڈیم کہلاتے ہیں یعنی روحوں کے حاضر کرنیکا کام کرتے ہیں انہیں سے ایک بھی ایسا آدمی ثابت نہیں ہوا جو کسی نہ کسی موقع پر دھوکے
یا سازش کا مرتکب ثابت نہ ہوا ہو علاوہ ازیں جو اطلاع اس طرح حاصل کی جاتی ہے وہ اکثر اسیقدر ہوتی ہے کہ فلاں شخص کو اپنی زندگی
میں فلاں واقعہ پیش آیا تھا حالانکہ اسباب کا علم اور کسی طرح بھی حاصل ہو سکتا ہے اب ان فضول اور بے معنی پیغاموں کا مقابلہ نبیوں کی
تعلیم سے کرو جس کی غرض تزکیہ نفس اور ترقی روح ہوتی ہے اور وہ بار بار اسی بات پر زور دیتے ہیں کہ لوگ اخلاقی ترقی کریں۔ اور
پاکیزگی کی راہوں پر چلیں بلکہ وہ اپنے پیرووں کو ان پاکیزگی کی راہوں میں چلا کر بھی دکھا دیتے ہیں وہ نفوس کا تزکیہ اور تطہیر کرتے ہیں
حالانکہ سپرچولزم بجائے فائدہ کے نقصان پہنچاتا ہے ہاں اگر پروفیسر صاحب کوئی ایسا سپرچولسٹ ہمیں دکھا دیں جو تزکیہ اور تطہیر
نفوس کا دعویٰ کرتا ہو تو میں مان لونگا کہ ایک نبی اور ایک سپرچولسٹ کے پیغام میں کچھ فرق نہیں مگر کیا کوئی ایسا سپرچولسٹ ہے
جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اسکو جو پیغام روحوں کے ذریعہ ملتے ہیں انکی غرض یہ ہے کہ لوگ ناپاکی کی راہوں کو چھوڑ کر پاکیزگی اختیار کریں بلکہ جو شخص
دنیا میں اصلاح کرنی چاہتا ہے خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی وہ سپرچولسٹ کا پیشہ کبھی اختیار نہیں کر سکتا کیونکہ یہ باتیں اصلاح کی معاون
نہیں بلکہ اسکی سد راہ ہیں قرآن شریف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجنے کی اصل غرض کو بار بار ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے ھو الذی
بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین یعنی
خدا نے امی لوگوں کے درمیان جو پہلے سخت گمراہی اور جہالت کی راہوں میں پھنسے ہوئے تھے اپنے رسول کو اسلئے بھیجا ہے کہ تا وہ اسکی پاک
آیتیں انکو پڑھکر سناوے اور انکو ہر قسم کی گندگی سے خواہ وہ عقیدہ کی گندگی ہو اور خواہ عمل کی پاک صاف کرے اور انکو حکمت کی باتیں
اور کتاب سکھاوے پروفیسر صاحب اس سپرچولسٹ کا نام اور پتہ بتا دیں جس نے یہ بات کہی ہو۔

دوسرا امتیازی نشان وہ سرچشمہ ہے جس سے نبی کو بات پہنچتی ہے سپرچولسٹ کبھی یہ نہیں کہتا کہ اسے خدا کی طرف سے پیغام ملتا ہے
حالانکہ نبی اپنی ہر ایک وحی کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کو ہی بیان کرتا ہے چھوٹی سی بات نہیں اگر واقعی نبی اور سپرچولسٹ میں کوئی فرق نہ
ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک نبی اپنی ہر ایک کلام کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کو بتا دے۔ اور دوسرے کو کبھی یہ جرأت بھی نہ ہو کہ وہ کہہ سکے کہ اسکو خدا
کی طرف سے فلاں پیغام یا جواب ملتا ہے اور یہ فرق صرف دعووں میں ہی نہیں بلکہ ان دونوں کے کلام میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے جو اس کلام کے
سرچشمہ کے فرق کو ظاہر کرتا ہے ایک کے کلام میں اللہ تعالیٰ کی جبروت اور اسکی طاقت اور عظمت کا ذکر نیکوں پر اسکے رحم اور بدوں پر اسکے غضب کا ذکر
پایا جاتا ہے تو دوسرے کا کلام ان باتوں سے قطعاً خالی ہے نہ وہ نبی کی طرح نیکی کی طرف بلاتا اور نیک راہوں پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے اور نہ بدی سے
ڈراتا اور خدا کی نافرمانی کی راہوں سے ہٹاتا ہے نہ دعاؤں کی قبولیت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکے جواب ملنے کا وعدہ کرتا ہے افسوس ہے
کہ یہ لوگ جو بڑے منطقی ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں کبھی غور نہیں کرتے کہ جو تڑپ نبی کے دل میں پیدا ہوتی ہے کہ لوگ راہ راست پر آ جائیں

نیک نہیں اور بدیوں کو چھوڑیں وہ کہاں سے آتی ہے اسکو کیا ضرورت ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں طرح طرح کے مصائب اٹھاتا اور لوگوں کو حق کی طرف بلاتا ہے اور اصلاح خلق کا جوش اسکے دل میں کہاں سے پیدا ہوتا ہے اگر وہ محض سپرچولسٹ ہوتا تو یقیناً ان باتوں میں سے کوئی بات اسکے دل میں نہ پائی جاتی بلکہ جس طرح سپرچولزم ایک بیکاری کا مشغلہ ہے نبوت بھی ایک کھیل ہی ہوتی میں حیران ہوں کہ جو لوگ بڑے بڑے علمیت کے دعوے کرتے ہیں موٹی بات انکو سمجھ کیوں نہیں آتی۔

مگر ان کے علاوہ ایک تیسرا امتیازی نشان ایسا پایا جاتا ہے جس سے موٹی سے موٹی سمجھ والا آدمی بھی انکار نہیں کرسکتا اور وہ یہ ہے کہ نبی کے کلام میں غیب کی وہ خبریں پائی جاتی ہیں جن پر انسان قادر نہیں ہو سکتا یہ وہ بات ہے جس سے قطعی شہادت ایک شخص کے منجانب اللہ ہونیکی ملتی ہے یعنی اظہار غیب اور جسقدر معجزات ہیں انکے ساتھ دوسرے لوگ ایک گونہ مشابہت پیدا کر لیتے ہیں مثلاً بعض معجزات ایسے ہوتے ہیں کہ انسے ملتے جلتے ہتھکنڈے بھی پائے جاتے ہیں اور جو شہادت انکے متعلق ہوتی ہے وہ بھی ہر قسم کے شبہ سے خالی نہیں ہوتی بعض معجزات جیسے بیماریوں کو شفا دینا سپرچولزم یا مسمریزم کی مدد سے بھی ہو سکتے ہیں لیکن پیشگوئی میں کوئی انسان شریک نہیں ہو سکتا پیشگوئی کی حقیقت کو ابتک یورپین لوگوں نے سمجھا نہیں جسکی وجہ شاید بائبل کی بعض مجمل پیشگوئیاں ہوں لیکن پیشگوئی ہی ایک ایسا معجزہ ہے جو یقینی اور قطعی طور پر اپنا منجانب اللہ ہونا ثابت کر دیتا ہے کیونکہ انسانی علوم یا انسانی قویٰ کا اس میں کوئی دخل نہیں پایا جاتا مسمریزم یا بعض قسم کے مکاشفات یا ایک دل سے دوسرے دل تک ایک بات کا نامعلوم ذریعہ سے پہنچ جانا یا بیماری کو شفا دینا یہ سب باتیں اکتساباً حاصل ہو سکتی ہیں اور ہوتی ہیں اور اسلیئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ انسانی قلب و دماغ کی بعض قوی ہیں اگرچہ ابھی ہم انکی کوئی تشریح نہ کر سکتے ہوں لیکن پیشگوئی کی طاقت اکتساباً حاصل نہیں ہو سکتی اور اسلیئے ماننا پڑتا ہے کہ پیشگوئی کا سرچشمہ انسانی دل و دماغ سے بالاتر کوئی اور ہے اور انسان کے اندر یہ طاقت نہیں رکھی گئی کہ جسطرح وہ مثلاً بعض وقت باوجود حجاب یا بعد کے دوسری چیز کو دیکھ سکتا ہے اسی طرح آیندہ کے کسی واقعہ کی نسبت بھی حتمی طور پر پیشگوئی کر سکے کیونکہ آیندہ کے واقعات پیچ در پیچ اور نامعلوم اسباب کے نتائج ہوتے ہیں جو سب انسان کے علم اور اسکی قدرت کی حیطہ سے باہر ہیں اور ان کی نسبت وہی خبر دے سکتا ہے جو تمام ذرات عالم پر متصرف اور انکے تمام کاموں اور قوتوں پر آگاہ ہے اور اپنے حسب منشاء ہر ایک چیز سے کام لے سکتا ہے اور ہر وقت دنیا کی ہر حرکت اور سکون پر قادر ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے پیشگوئی کو نبوت کی صداقت کا بڑا معیار ٹھہرایا ہے جیسا کہ فرماتا ہے عٰلم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی بہت سی پیشگوئیوں کا ذکر میں رسالہ میں کئی بار کر چکا ہوں جنکے قبل از وقت شایع ہونے اور پھر حیرت ناک طریق سے پورا ہونے کی شہادت اعلیٰ درجہ کی قطعی اور یقینی ہے مثلاً گذشتہ اشاعت میں ہی میں ذکر کیا تھا کہ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضعف اور ناتوانی اور بے سروسامانی اور سخت مخالفتوں اور دشمنوں کے آپکی ہلاکت کے منصوبوں کے وقت میں یہ پیشگوئی کی جو قرآن شریف کی کئی سورتوں میں بار بار دہرائی گئی ہے کہ نہ صرف آپ ان تمام منصوبوں سے بچائے جاوینگے اور صحیح سالم کفار کے درمیان سے نکل جاوینگے بلکہ بعد اسکے وہ وقت بھی آنیوالا ہے جب آپ نصرت اور

فتحمندی اور غلبہ کیساتھ اسی شہر مکہ میں واپس داخل ہونگے اور آپکے دشمن ہلاک کئے جائینگے اور یا مغلوب اور ذلیل ہونگے جہاں ایک طرف دشمن و دوست کے درمیان اسکا شایع ہونا ثابت ہے بیس بائیس سال بعد اسکا اپنی تمام تفصیلوں کے ساتھ پورا ہونا اسی طرح سے ثابت ہے اب غور کا مقام ہے کہ ایسی بعید از قیاس باتیں اتنی مدت پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر معلوم ہوگئیں یہ کامیابی جو ہزاروں مخالفتوں کے بعد ہونیوالی تھی اسکی خبر انکو کس نے دیدی ایک انسان تو دعوے سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کب تک زندہ رہیگا مگر یہاں نہ صرف اپنی زندگی کی ہی پیش از وقت خبر دی ہے بلکہ اس کے ساتھ غلبہ اور فتح کی خبر بھی دی ہے کیا یہ انسان کے اختیار میں ہے کہ اسکو کوئی بیماری ایسی نہ آوے جو اسکو ہلاک کردے یا دشمن کا کوئی وار اسپر نہ چل سکے رات کی اندھیری گھڑیوں میں جب آپ سنسان جنگلوں میں عبادت کے لئے نکلتے تھے تو اسوقت کوئی محافظ آپ کیساتھ نہوتا تھا اگر خدا تعالیٰ اپنے خاص تصرف سے دشمنوں کے ہاتھوں کو نہ روکتا تو کس طرح آپ بچ سکتے تھے پھر باوجود سخت مخالفت کے یہ امید کس طرح آپ کو ہوسکتی تھی کہ آپکے ساتھ اسقدر لوگ ملجائینگے جو کفار پر غالب آجاوینگے کیسے کیسے نازک موقعوں سے آپ بچکر نکلے اور کیسی کیسی خطرناک زخم لڑائیوں میں آپ کو لگے سینکڑوں آپکے ساتھی انہی جنگوں میں شہید ہوئے ان سب باتوں کو مدنظر رکھکر پھر غور کرو کہ کیا یہ بات انسانی طاقت اور علم کے اندر تھی کہ بیس سال پہلے ایک بات کہی جاوے اور پھر اسکو اسی طرح پورا کرکے دکھایا جاوے اگر پروفیسر مارگولیوتھ کے علم میں ساری دنیا میں کوئی ایسا سپرچوئلسٹ یا نجومی یا دوراندیش انسان ایسا موجود ہے جو ایسی ہی جتنی پیشگوئیاں کرسکے اور پھر وہ اسی طرح پوری ہوں تو چاہیے کہ اسکی کوئی نظیر پیش کریں ورنہ ان پیشگوئیوں کا منجانب اللہ ہونا تسلیم کرکے اپنی حق پسندی کا ثبوت دیں۔

تعجب ہے کہ جو لوگ لغو باتوں کے لئے اسقدر تحقیقات کرسکتے ہیں وہ اسلام کے منجانب اللہ ہونیکے ان بیّن ثبوتوں پر کیوں غور نہیں کرتے اور کیوں اس امر کی تحقیقات نہیں کرتے کہ ان پیشگوئیوں سے ہستی باریتعالیٰ کا کیسا بیّن ثبوت ملتا ہے میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ ہرگز یہ بات ثابت نہیں کرسکتے کہ ایسی پیشگوئیوں کا بیان کرنا کسی انسان کی طاقت میں ہے پھر کیوں وہ سیدھی راہ پر نہیں آتے یا تو ہمیں ان پیشگوئیوں کی نظیر کسی دوسری جگہ دکھاویں یا قبول کریں کہ واقعی اسکے اندر انسانی علم اور طاقت سے کوئی بالاتر علم اور طاقت پائی جاتی ہے اگر وہ یہ کہیں کہ ہم اس تاریخی ثبوت کو نہیں مانتے جسکے برابر اور کوئی تاریخی شہادت ہمیں گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی تو میں کہتا ہوں کہ خدا نے اب بھی اسلام کو اس بیّن ثبوت کے بغیر نہیں چھوڑا بلکہ تازہ بتازہ ہم انکے سامنے وہ واقعات پیش کرسکتے ہیں جنکو وہ ہر طرح سے جانچ سکتے اور پڑتال کرسکتے ہیں اور جس طرح کی تحقیقات چاہیں کرسکتے ہیں کیا ساری دنیا میں ایک بھی ایسا آدمی نہیں جو اس تحقیقات کو اپنے ذمہ لیکر اپنے بھائیوں کو ان نتائج حقہ سے آگاہ کرے جو اس عجیب شہادت سے پیدا ہوتے ہیں یعنی یہ کہ اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے اور اس میں خدا تعالیٰ کے زندہ نشانات اور معجزات ابتک موجود ہیں اور کہ اسی مذہب سے خدا کی ہستی کا صحیح پتہ لگتا ہے یہ نشانات حضرت مسیح موعود کی تازہ پیشگوئیاں ہیں جو سینکڑوں کی تعداد تک پوری ہوچکی ہیں اور جنکا ثبوت اگر دیکھا جائے تو ایسا یقینی اور واضح ہے جسکی قطعیت میں کسی قسم کے شک کی گنجایش نہیں بلکہ اکثر حالتوں میں ایسا تحریری

ثبوت موجود ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ایک تازہ نشان پر ہی غور کرو کہ دسمبر ۱۹۰۳ء میں حضرت مسیح موعودؑ نے خدا تعالیٰ سے الہام پاکر یہ پیشگوئی اخباروں میں شایع کی تھی کہ "ایک زلزلہ کا دھکا" اور پھر اسکے پانچ ماہ بعد یہ دوسری پیشگوئی بھی اخباروں میں شایع کی کہ عفت الدیار محلھا ومقامھا جسکے صاف اور لفظی معنے یہ ہیں کہ عارضی اور مستقل سکونت کے مکان سب نابود ہو جائیں گے اور انکا نام و نشان مٹ جائیگا اب دیکھو کہ ۴۔ اپریل کے زلزلہ میں یہ پیشگوئی کیسی بین طور پر پوری ہوئی مگر لوگوں نے حسب عادت شور ڈالا کہ الفاظ پیشگوئی کے مبہم تھے حالانکہ ان میں ذرہ بھر ابہام نہیں ہے تب اس زلزلہ کے چند دن بعد ہی پھر خدا تعالیٰ نے ظاہر کیا کہ ابھی اور بھی زلزلے آئیں گے اور وہ قیامت کا نمونہ ہونگے اور جب وقت کے لئے توجہ کی گئی تو خدا نے فرمایا "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی" جس سے اسیوقت یہ مراد سمجھی گئی کہ جیسا کہ اخبار الحکم اور دوسری اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ موسم بہار میں پھر ایک سخت زلزلہ آئیگا کیونکہ پہلا زلزلہ بھی موسم بہار میں آیا تھا اور پھر ایک الہام بھی تھا کہ "۲۵ فروری کے بعد جانا ہوگا" جسکا صاف مفہوم یہ تھا کہ یہ زلزلہ ۲۵ فروری کے بعد ہوگا۔ سو ایسا ہی ہوا کہ ۲۸۔ فروری ۱۹۰۶ء کو جو عین موسم بہار ہے پھر ایک سخت زلزلہ آیا جسکے متعلق اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور لکھتا ہے کہ اسکا زور ۴۔ اپریل والے زلزلہ کے برابر تھا اور کئی شہروں میں عمارتیں گر گئیں اور بہت شکستہ ہو گئیں اور کچھ جانیں بھی تلف ہوئیں اور بہت لوگ مکانوں کے نیچے دب کر زخمی ہوئے اب ان واقعات کیساتھ اس امر کو بھی مدنظر رکھ لو کہ ۴۔ اپریل کے زلزلہ کے بعد پروفیسر اموری جو جاپانی اور علم زلزلہ کے ماہر ہیں۔ ہندوستان میں آئے تھے اور انہوں نے شملہ سے پہلے کانگڑہ وغیرہ تمام مقامات کو دیکھکر علمی لحاظ سے یہ خبر دی تھی کہ اب اس طرف دوسو سال تک کوئی سخت زلزلہ نہ آئیگا اور باوجود انکی اس خبر دینے کے حضرت مسیح موعود نے بار بار سخت زلزلوں کے آنیکی پیشگوئی کو شایع کیا اب اگر کسی شخص کے دل میں طلب حق ہے تو وہ غور کرے کہ کیا اس پیشگوئی سے اور پھر اسکے صفائی سے پورا ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ پیشگوئی منجانب اللہ تھی کیونکہ کسی انسان کا علم یہ بات نہ بتا سکتا تھا کہ موسم بہار میں پھر سخت زلزلہ آئیگا انسانی علم نے تو یہی خبر دی تھی کہ اب سو یا دوسو سال تک کوئی سخت زلزلہ نہ آئیگا یہ وہ بات ہے جسکی نظیر دنیا میں کوئی نہیں اور نہ وہ انسانی طاقت کے اندر ہے بلکہ صرف ایک عالم الغیب ہستی کے بتانے سے ہی وہ بات معلوم ہو سکتی ہے ان سب باتوں کے پیش از وقت شایع ہونے اور پھر پورا ہونیکا تحریری ثبوت موجود ہے کیا اس ساری قوم میں جو اپنے آپ کو تحقیقات کی شیدا بتاتی ہے ایک شخص بھی ایسا نہیں جو ان باتوں کی تحقیق کرے ؟

اور ان تمام گذشتہ پیشگوئیوں کے بعد اب حضرت مسیح موعود نے پھر خبر دی ہے کہ "زلزلہ آنیکو ہے" اور پھر اس کے بعد خدا نے فرمایا "دو چمک دکھلاؤنگا تم کو اس نشان کی پنج بار" یعنی یہ نشان زلزلہ پانچ بار ظاہر ہوگا اور ایک قیامت کا نمونہ دکھائیگا اور ان زلازل کے متعلق پہلے سے بھی بہت سی پیشگوئیاں شایع ہو چکی ہیں جیسے لک نری اٰیات ونھدم مایعمرون۔ یعنی تیری تائید میں ہم پے درپے نشان دکھائیں گے اور جو عمارتیں وہ بناتے جائینگے ہم گراتے جائیں گے اور پھر فرمایا "زمین تہ و بالا کر دی" اور پھر "پہاڑ گرا زلزلہ آیا" اور بھی بہت سے الہامات ہیں جو اس رسالہ میں اور اخبارات و کتب و اشتہارات میں شایع ہو

* یاد رہے کہ جن زلزلہ کو ان پیشگوئیوں میں قیامت کا نمونہ دکھایا گیا ہے اسکا آنا ابھی باقی ہے منہ

چکے ہیں اگر پچھلی باتوں پر غور نہیں کیا جاتا تو کم از کم اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں یا اگر اسکو بھی انسانی طاقت کے اندر سمجھا جاتا ہے تو پھر چاہیئے کہ اسکے مقابل کوئی پیشگوئی کرے یا اسکی کوئی نظیر پیش کرے مگر یاد رکھو کہ اسکی نظیر کوئی پیش نہیں کر سکتا کسی نجومی سپرچوئلسٹ ۔ سائنس دان ۔ عالم کی طاقت میں یہ بات نہیں ہے صرف خدائے عالم الغیب ہی اسبات کو جانتا ہے اور وہی ان مخفی رازوں کو جو اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں ظاہر کر سکتا ہے کاش پروفیسر مارگولیوتھ اور پروفیسر اموری صاحب غور کریں ۔

مضمون کو ختم کرنے سے پہلے میں ایک اور بات کا بیان کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ عیسائی صاحبان کو اسلام کے خلاف کوئی تحریر پڑھکر ایسی خوشی ہوتی ہے کہ وہ پھولے نہیں سماتے اور ہر ایک گندی تحریر پر اس طرح گرتے ہیں جیسے گدھ مُردار پر پادریوں کا ایک پرچہ "دی ایسٹ اینڈ دی ویسٹ" ہے جو ولایت سے نکلتا ہے اس میں اس کتاب کا ریویو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کتاب بہت ہی قابل قدر ہے اور انگریزی دانوں کو اس سے صحیح صحیح خیالات اسلام اور اسکے پیغمبر کے متعلق مل سکتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک مستند کتاب آیندہ کے لئے مانی جاویگی تعجب ہے کہ وہ کتاب جسکا حملہ صرف اسلام پر نہیں بلکہ سارے سلسلہ نبوت پر ہے اور سب سے بڑھکر یسوع مسیح اگرچہ پروفیسر مارگولیوتھ نے یسوع کا نام صراحت سے نہیں لیا اسکی تعریف کیجاتی ہے مگر مردہ پرست قوم کو اس سے کیا غرض ہے کہ خدا کے نبی سچے ٹھہرائے جاتے ہیں یا جھوٹے اسلام پر کوئی اعتراض ہو پھر خواہ اپنے اصول کی ہی بیخکنی کرتا ہو پادری صاحبان پرواہ نہیں کرتے ایڈیٹر رسالہ مذکور کہتا ہے کہ اس کتاب میں جو مقابلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا سپرچوئلسٹوں کے ساتھ کیا گیا ہے اس سے آپ کی وحی کی حقیقت کسقدر معلوم ہوتی ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ جن باتوں کو پروفیسر مارگولیوتھ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا چاہا ہے وہ یسوع مسیح کے ان حالات میں پائی جاتی ہیں جو اناجیل میں مذکور ہیں مثلاً پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ اسلام ایک مخفی سوسائٹی تھی اب اسکے ثابت کرنے کے لئے انکو چاہیئے تھا کہ دو باتیں دکھلاتے اول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی مسلمان کو یہ ہدایت کی ہو کہ اپنے اصول کو کفار یا ان لوگوں پر ظاہر نہ کریں جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے اور دوسرا یہ کہ آپ کی کوئی پولٹیکل غرض تھی مگر اناجیل سے یہ دونوں باتیں حضرت مسیح کے حالات میں پائی جاتی ہیں مثلاً متی ۱۶ باب میں لکھا ہے کہ مسیح نے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ لوگ میری متعلق کیا کہتے ہیں کہ میں کون ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں خدشہ تھا کہ آپ کے اصل دعوے کا لوگوں کو علم نہ ہو جائے شاگردوں میں بھی خود ایسی لاعلمی پائی جاتی ہے کہ صرف پطرس نے یہ جواب دیا کہ تو مسیح ہے جسپر خوش ہو کر اسکو بہت سے وعدے دیئے گئے کہ زمین و آسمان کی کنجیاں تجھے دی جاینگی اور ساتھ ہی شاگردوں کو اخفا کے لئے ارشاد کرتے ہیں گویا ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ بات مشہور نہ ہو جائے "تب اس نے اپنے شاگردوں کو حکم کیا کہ کسو سے نہ کہنا کہ میں یسوع مسیح ہوں" پادری صاحبان ایمانداری سے بتادیں کہ مخفی یہ ہے یا وہ جسے مارگولیوتھ کہتا ہے ایسا ہی لوقا باب ۹ میں مذکور ہے کہ جب یسوع نے شاگردوں سے پوچھا کہ لوگ میری نسبت کیا کہتے ہیں تو انھوں نے مختلف رائیں بیان کیں "تب اس نے ان سے کہا تم کیا کہتے ہو کہ میں کون ہوں پطرس نے جواب میں کہا کہ خدا کا مسیح اس نے ان سے تاکید کی اور فرمایا کہ یہ کسی سے کہو"

لوگ بھی اس بات کو شاکی تھے کہ وہ خفیہ خفیہ کام کرتا ہے یہاں تک کہ خود اسکے بھائیوں نے اسے ملامت کی اور اسے اخفا سے روکا اور کہا کہ
ورا ایسا کوئی نہیں جو کچھ کام چھپکے کرے اور چاہے کہ آپ مشہور ہو اگر تو یہ کام کرتا ہے تو اپنے تئیں جہان کو دکھا" (یوحنا ۷) اب ایک طرف تو
اخفا ہے اور دوسری طرف یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میں داؤد کے تخت کو قایم کرنے آیا ہوں بلکہ ایکدفعہ تو شاگردوں کو یہ حکم بھی دیدیا تھا
کہ کپڑے بیچکر تلواریں خرید لو - ایسی ایسی کارروائیوں اور اخفا کی وجہ سے ہی رومی گورنمنٹ کو یہ شک پڑا کہ یہ شخص بغاوت کا جھنڈا
کھڑا کرنا چاہتا ہے اسی لئے آپ کو گرفتار بھی کیا گیا - پس مخفی سوسائٹی کیلئے جو باتیں ضروری ہیں وہ سب اسجگہ پائی جاتی ہیں حالانکہ
ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنے دعوے اور اصول مذہب کو ہی کھول کھولکر بیان کیا بلکہ دوسری طرف یہ بھی پایا جاتا ہے
کہ آنکو سلطنت یا حکومت کی کوئی خواہش نہ تھی چنانچہ جب قریش نے خود یہ امر پیش کیا کہ آپ ہمارے بادشاہ بن جائیں تو آپنے فرمایا کہ مجھے
کسی بادشاہت کی پروا نہیں - اصل میں پروفیسر مارگولیوتھ نے سخت غلطی کھائی ہے اگر وہی باتیں جو ہمارے نبی کریم کے متعلق لکھی ہیں
یسوع مسیح کے متعلق لکھتے تو انکو واقعات سے الگ نہ ہونا پڑتا اور انکی بات بھی سچ جاتی اور پھر ہم بھی دیکھتے کہ یسوع کی غریب بھیڑیں
کس طرح کتاب کا ریویو کرتیں -

جو معجزات اناجیل میں حضرت مسیح کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ بھی پروفیسر مارگولیوتھ کے دلایل کے موید ہوتے مثلاً بیماروں کے
چنگا کرنے پر دیا جاتا ہے - لیکن ایسی باتیں دنیا کی ہر قوم میں پائی جاتی ہیں خود اس وقت میں مسیح کے ساتھ دوسرے ایسے لوگ موجود
تھے جو یہی کام کرتے تھے - بلکہ یہ معجزات باقی کے معجزات پر بھی شک ڈالتے ہیں کہ شاید اسی قسم کی مشاقی ہی سب کام کرتی ہوں پھر
بھوتوں کا نکالنا جسکا ذکر انجیل میں پایا جاتا ہے یہ ایک ایسی بات ہے جو تمام وحشی اقوام کی معمولی توہم پرستی ہے کہ بعض بیماریاں
جیسے مرگی وغیرہ کو یہ سمجھ لیتے تھے کہ ان میں بھوت داخل ہو گئے ہیں - اور انجیلوں میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح ان بھوتوں کو
نکالا بھی کرتے تھے ہمارے اس ملک میں بھی بہت سے لنگوٹی پوش درویش بھوت نکالنے کا کام کیا کرتے ہیں اور پانی پر
چلنے کا جو معجزہ بتایا جاتا ہے - ایسا ہی کرتب اس زمانے میں بھی لوگ آگ پر چلنے کا دکھاتے ہیں - اور چند شرابیوں کو جو
شراب سے بدمست ہو رہے تھے یہ یقین دلا دینا کہ پانی کو شراب بنا دیا گیا ہے ہنسی کے قابل بات ہے - انجیر کے درخت پر خفگی کا
اظہار جس حالت کو ظاہر کرتا ہے اسے ناظرین خود قیاس کرلیں - غرضیکہ اگر پروفیسر مارگولیوتھ صاحب کو اپنے خیالات کی
تائید بکار ہے تو انجیلوں کی بنا پر یسوع مسیح کی لائف لکھکر خوب تائید کرسکتے ہیں اور ہم بھی دیکھیں گے کہ
پادری صاحبان اس کتاب کی کس قدر تعریف کرتے ہیں -

اسلام میں دس سال

(عبدالحق سوارایٹ از نیوزیلینڈ)

اپنی عمر کے چونتیسویں سال میں یعنی ۱۳ - مارچ ۱۸۹۶ء کو میں نے بہت سوچ بچار کے بعد اور عیسائی اصول کا اسلامی توحید کے ساتھ مقابلہ کرنے کے بعد اُس واحد خدا کو قبول کیا - جو قرآن شریف میں پیش کیا گیا ہے - یسوع کو چھوڑ کر جسکو عیسائی اپنا منجی خیال کرتے ہیں اور جس کے بغیر عیسائیوں کو خدا سے کوئی تعلق نہیں - نہ خدا کو اُن سے - میں نے اپنے ملک کے لوگوں کے مذہب کو چھوڑا - اور اس طرح اپنے تئیں ان کی نظروں میں حقیر بنایا - مگر حق کو پاکر میں نے لوگوں کی کچھ پروا نہ کی - اور مندرجہ بالا تاریخ پر شہر ملبورن واقعہ اسٹریلیا میں مسلمانوں کے ایک بڑے جلسہ میں اسلام کو قبول کیا - اور شہادت دی - کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں - اور محمدؐ اُس کا رسول ہے - میں نے زمین و آسمان کے خالق پر جو مسلمانوں کا خدا ہے - ایمان لانا بہتر سمجھا بجائے اسکے کہ یسوع کی پرستش کروں - اور اپنے آپ کو یسوع کے سپرد کردوں اور آسمانوں کیطرف نظر اٹھاکر کہوں کہ میرا منجی یسوع آسمانوں میں ہے جیسا کہ عیسائی کرتے ہیں - جس خدا کو پادری پیش کرتے ہیں اُس کی نسبت اسلامی خدا کو ماننا بدرجہا اولیٰ ہے - قرآن کو پڑھ کر میں یسوع کی عبادت پر راضی نہیں ہوسکتا تھا - دنیا خدا کی ہے - نہ یسوع کی - اور خدا ہی دنیا پر حکومت کرتا ہے - نہ یسوع - اگر ایک ہی خدا ہے - اور ایک ہی کائنات ہے - تو حق حکمت سچا مذہب - سچا فلسفہ ایک ہی ہوسکتا ہے - جو فطرت اور عقل کے مطابق ہو - لیکن چونکہ ممکن ہے کہ ایک ہی بات کے مختلف پہلو ہوں اور مختلف طرز کے لوگ یا مختلف فرقے ایک ہی بات کے مختلف معنے کریں اس لئے اسلام قبول کرنیکے بعد میں نے اسلام کے اصول کو نظر غور سے دیکھنا شروع کیا - اور اپنے اعتقاد اور عمل میں عام مسلمانوں کے نمونہ پر چلنے لگا -

میں اس جگہ یہ بھی جتانا چاہتا ہوں - کہ میں مسلمانوں کی کسی خاص فرقہ میں شامل نہیں رہا ہوں - بلکہ محمد رسول اللہ کے مذہب کے ماننے والا ایک سادہ مسلمان ہوں - واقعی مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے - کہ میں بجائے انگریز ہونے کے ایشیائی ہو جاؤں - ہاں ظاہری معنوں میں ایشیائی ہوجاؤں - تاکہ ایشیائی لوگوں کے اعمال میں پوری طور سے شریک ہوسکوں - میں محمد کا پیرو اور قادیان کی احمدی جماعت کا ممبر ہوں میں نے احمدی جماعت سے اس لئے تعلق پیدا کیا ہے کہ یہ مسلمانوں میں سے سب سے زیادہ محقق اور ترقی یافتہ گروہ ہے - اور اسلامی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے کے لئے مسلمان مشنریوں کی ایک چست جماعت ہے - باقی مسلمانوں کی طرح میں نے بھی اسلام کو پڑھا ہے اور اسپر غور کیا ہے اور دس سال کے مطالعہ نے خدا کی نسبت میرے معلومات کو ایسا وسیع کیا ہے جسکا مجھے اُسوقت کوئی علم نہیں تھا جبکہ میں عیسائیت کے بحر ظلمات میں سرگردان تھا -

اسلامی فلسفہ پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں - وہ مخالفین کی اپنی غلطی ہے اُن کے اعتراض عوام الناس کی عملی حالت پر مبنی ہیں جو بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہیں - جہاں عیسائی سلطنتوں کے ہونے کی وجہ سے عیسائی بدیاں پھیل گئی ہیں - میں نے

عیسائی مصنفوں کی کتابیں پڑھی ہیں جن میں مسلمانوں کی تمدنی حالت پر حملے کئے گئے ہیں اور صرف عیب لگانے کی کوشش کیگئی ہے اور عمداً خوبی کی باتوں کو نظرانداز کیا گیا ہے۔ سنہ [illegible] اور سنہ [illegible] میں جبکہ میں ایک سرکاری کام پر متعین تھا۔ مجھے تمام انگلستان میں پھرنیکا موقعہ ملا اور جو کچھ میں نے وہاں دیکھا۔ وہ ناگفتہ بہ ہے۔ میں امریکہ میں بھی تین سال رہ چکا ہوں۔ اور جو خوفناک نظارے میں نے دیکھے ہیں۔ میں انکو بیان نہیں کرسکتا۔ میں سپین۔ فرانس۔ اٹلی اور نیز اپنے وطن آسٹریلیا میں بھی بہت پھرا ہوں۔ اور جو کچھ میں نے عیسائی ممالک میں دیکھا ہے۔ حیا اجازت نہیں دیتی۔ کہ اس کو بیان کیا جاوے۔ یہی حال نیوزیلینڈ کا ہے جہاں میں رہتا ہوں۔ یہاں ہر ایک چیز خوبصورت ہے۔ سوائے انسان کے جو ناپاک ہے۔

خدا کے جاننے کے لئے پہلے اپنے آپ کو جاننا ضروری ہے۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے نفس کو پہچانتا ہے۔ خدا کو پہچانتا ہے۔ اس لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کو پورے طور پر سمجھنے کیلئے یہ ضروری تھا کہ میں اپنے نفس کا علم حاصل کروں۔ اور جب میں اپنے نفس کا مطالعہ کرنے لگا تو مجھے جلدی یقین ہوگیا کہ کوئی چیز میرے ایسی قریب نہیں ہے جیسا کہ میرا نفس۔ جب میں اپنے نفس کو اچھی طرح سے نہ پہچانوں تو کس طرح کسی اور چیز کو پہچان سکتا ہوں۔ قرآن شریف کی ایک اور آیت کے معنے بھی میرے پر واضح ہوگئے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ ہم اپنے نشان ان کو آفاق میں دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفسوں میں تاکہ وہ حق کو پہچانیں میں نے دیکھا کہ متی کی انجیل باب ۲۲۔ آیت ۳۷ بھی اسی آیت کی تائید کرتی ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ تو اپنے خداوند خدا سے پیار کر اپنے تمام دل کے ساتھ۔ اور اپنی تمام روح کے ساتھ۔ اور اپنی تمام جان کے ساتھ اسی مضمون کی تائید میں موسیٰ کا قول ہے کہ تو انتقام نہ لے نہ اپنی قوم کے بچوں سے کینہ رکھ بلکہ تو اپنے پڑوسی سے ایسا ہی پیار کرتا۔۔۔ ۔جیسا کہ اپنے نفس سے پیار کرتا ہے۔ دس سال کے تجربے نے مجھے ثابت کیا ہے۔ کہ اس حکم کی تعمیل جیسے مسلمانوں میں ہوتی ہے۔ ایسی عیسائیوں میں نہیں ہوتی۔ میں نے دونوں قوموں میں رہ کر دیکھ لیا ہے۔ میں نے عمداً مسلمانوں کو آزمایا ہے۔ کہ وہ اس قاعدہ کی کیسی پابندی کرتے ہیں۔ میں نے ان کو بڑا سچا پایا جیسا کہ وہ خدا کی عبادت میں پکے ہیں۔ ایسا ہی وہ مخلوق کی ہمدردی میں بھی بڑے سرگرم ہیں۔ عیسائی دنیا کا تو یہی ایمان ہے کہ جو کچھ کما سکتے ہو کما لو۔ اور جو کچھ کماؤ اس کو اپنے پاس رکھو۔ ایسا پتھر ڈھونڈو جو کہ تمہارے پیسے کو بھی سونا کردے۔ وہ یہ عذر کرتے ہیں کہ چونکہ انسان کاروبار میں بہت مصروف ہیں ان کے پاس اپنی جسمانی یا روحانی صحت کیطرف توجہ کرنے کے لئے کوئی وقت نہیں ہے پانچ دفعہ خدا کے آگے گھٹنے ٹیک کر دعا کرنا تو کجا۔ عیسائی ممالک زیادہ مغرب میں واقع ہیں۔ اور جب انکی زندگی پر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو خدا سے کوئی واسطہ نہیں۔ بلکہ ان کی ساری کوششیں اس لئے ہیں کہ ان کی دولت بڑھے اور دنیاوی باتوں میں ترقی حاصل ہو۔ ہر ایک مرد اور عورت کے دماغ میں صرف دولت کا ہی خیال سمایا ہوا ہے۔ وہ اپنی تہذیب پر بڑا فخر کرتے ہیں۔ مگر ان کی تہذیب صرف دنیاوی تہذیب ہی ہے نہ وہ اپنی تمام جان سے خدا سے محبت

کرتے ہیں ورنہ وہ اپنے پڑوسیوں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اپنے نفسوں سے جیسا کہ انکو یسوع نے حکم دیا تھا
مسلمانوں کے ساتھ ملنے سے میری یہ غرض تھی کہ حق اللہ اور حق العباد کے متعلق جو احکام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے
دئے ہیں انپر یہ کس حد تک عمل کرتے ہیں۔ یہی دو اصول ہیں جنکو مختلف رنگوں اور مختلف پہلوؤں میں اسلام نے پیش کیا گیا ہے
میں نے دنیا کے مذاہب کو پڑھا ہے۔ اور یہ دیکھنا چاہا ہے کہ کونسا مذہب عالمگیر مذہب ہوسکتا ہے جو مشرقی دنیا
اور مغربی دنیا دونوں کے مناسب حال ہو۔ میں نے یونانیوں کی تعلیم کو پڑھا ہے۔ رومیوں عربوں اور ہندیوں کے مذاہب کو
دیکھا ہے۔ پارسیوں اور چینیوں کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور میں دس سال کی تحقیقات کے بعد اس نتیجہ
پر پہونچا ہوں کہ کوئی تعلیم اس سے زیادہ پاک اس سے زیادہ خوبصورت اس سے زیادہ سادہ اور اس سے معقول نہیں ہے
جیسا کہ مسلمانوں کے کلمہ طیبہ میں پائی جاتی ہے۔ کہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ۔ یہ ایسی تعلیم ہے کہ خواہ سب
تعلیمیں مر جائیں مگر یہ تعلیم ہمیشہ تک زندہ رہے گی۔ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اور جتنے جتنے بڑے تغیرات دنیا میں ہوئے
ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کے ارادے اور حکم سے ہوئے ہیں۔ میں ہر ایک بات میں خدا تعالیٰ کا ہاتھ دیکھتا ہوں کہ کام
کر رہا ہے۔ جو شخص خدا کو سمجھنا چاہتا ہے اور اپنے تئیں خدا کے سپرد کرنا چاہتا ہے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کو قبول کرے اور محمد
صلعم کے مذہب کو اختیار کرے جو نہایت ہی پاکیزہ مذہب ہے۔ اور جس کا نام بھی نہایت پیارا اور پاکیزہ ہے۔ یعنی اسلام جس کے
کے معنے ہیں اپنے تئیں خدا کے سپرد کر دینا۔ اسلام تعلیم دیتا ہے کہ تم اپنے نفس کو پہچانو۔ اور اپنی پیدائش کی حقیقی غرض کو دیکھو
خدا میں ہوکر انسان بے حد ترقی کر سکتا ہے۔ اسلام کی تعلیم ہے کہ سعی کرو یہی تقدیر ہے۔ مبارک وہ ہے جو اپنے کام کو اس
کو ڈھونڈ لیا ہے۔ اور جب تک خدا اسکو مہلت دیگا وہ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریگا۔ زندگی کس چیز کا نام ہے کام
کرنے کا۔ اپنے تمام دل سے جس سے خدا کی برکت نازل ہوتی ہے۔ اور انسان کو اپنے نفس کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اسلام
ایک ایسا فلسفہ ہے۔ جو عین فطرت اور قدرت کے مطابق ہے۔ ہمیں استقلال سیکھنا چاہیئے۔ جہاں جہالت
بیہودگی یا تاریکی کو پائیں اس کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور قضا پر راضی ہونا چاہیئے۔

سوالات جی ڈانیل

جے ڈانیل صاحب ہیڈ ماسٹر مشن ہائی سکول گجرات کچھ عرصہ ہوا یہاں آئے تھے اور چند لکھے ہوئے سوالات جواب کے
لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دے گئے تھے۔ میں ان سوالوں کا کچھ مختصر سا جواب دیتا ہوں۔ مگر شروع میں یہ جتا
دینا ضروری ہے کہ ڈانیل صاحب کے سوالات حق طلبی پر مبنی نہیں اور اور بھی زیادہ افسوس ہوتا ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ پادری صاحب

اسقدر شفقت اٹھاکر یہاں پہونچے اور پھر انہوں نے ایسے سوالات نہ کئے جو فیصلہ کن ہوتے بلکہ چند معمولی سوالات پیش کئے جیسے پادریانہ نکتہ چینیاں کی جاتی ہیں چونکہ یہ سوالات ایسے ہیں کہ ڈانیل صاحب نے اس قدر عرصہ عیسائی رہ کر بھی عیسائی مذہب کے بانی کے متعلق نہ پوچھے ہونگے اس لئے ضروری ہوگا کہ کسی قدر الزامی جوابوں سے بھی کام لیا جاوے یعنی جس قسم کے اعتراض ڈانیل صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کرتے ہیں۔ اس قسم کی نکتہ چینیوں سے کوئی نبی خالی نہیں رہا حتیٰ کہ حضرت مسیح کی زندگی میں یہ اعتراض سب سے بڑھکر پائے جاتے ہیں پس میں جہاں کہیں حضرت مسیحؑ کے متعلق ایسے اعتراضات کو بیان کرونگا ان سے صرف میرا یہ منشاء ہوگا کہ یہ دکھاؤں کہ یہ راہ جو ڈانیل صاحب اختیار کر رہے ہیں حق طلبی اور فیصلہ پر پہونچنے کی راہ نہیں بلکہ ایسے مباحثوں میں پڑنا محض تضیع اوقات ہے۔ ڈانیل صاحب کے سوالات حسب ذیل ہیں۔

(۱) کیا آپ کو کبھی کوئی دماغی مرض ہوا اگر ہوا تو کیا اور کب۔ آج کل اس مرض کا دورہ ہوتا ہے کہ نہیں۔

(۲) کیا اس مرض کے شروع ہونے سے پہلے آپ کو الہام ہونا شروع ہوا یا بعد ازاں اور آپ کے رشتہ داروں میں سے کسی نے کوئی ایسے دعوے کئے اگر کئے تو کیا کیا اور کب کب۔

(۳) کیا آپ کو کبھی ان دعووں کے غلط ہونیکا خیال و یقین اگر آیا تو وہ شک کس طرح رفع ہوا۔ کیا ممکن نہیں کہ وہ شک درست ہو

(۴) کیا آپ نے قولاً یا فعلاً گناہ کئے یا کرتے ہیں۔

(۵) ایک شخص کا مختلف تعلیم دینے والے اشخاص کا مثیل ہونا ناممکن ہے۔ مثلاً حضرت مسیحؑ نے کفارہ کی تعلیم دی حضرت محمد (صلعم) اسکے مخالف ہیں تو آپ ان دونوں کے مثیل ہو کر دو مختلف تعلیموں کو کس طرح پھیلا سکتے ہیں اسی طرح حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) و حضرت مسیحؑ تناسخ کے قائل نہیں مگر گرو نانک و سری کرشن یہ تعلیم دیتے ہیں تو آپ ان چاروں کے مثیل کس طرح پر ہو سکتے ہیں۔

(۶) سری کرشن نانک مسیحؑ و محمد (صلعم) صاحبان کے مثیل ہونیکے لئے سوا آپ کی زبان کے جو ممکن ہے غلط ہو آپ کے پاس عقلی اور نقلی ثبوت کیا ہیں۔

(۷) آپ کے اس دعوے کا کیا مطلب اور ثبوت ہے کہ عیسیٰ ابن مریم مجھ میں سے ہے اور میں خدا میں سے ہوں

ان سوالوں کے جوابوں سے ڈانیل صاحب کسی نتیجہ پر نہیں پہونچ سکتے۔ سوائے چھٹے سوال کے جہاں انہوں نے کسی قدر ثبوت طلب کیا ہے سب سے پہلا سوال دماغی مرض کے متعلق ہے۔ اس قسم کے لغو سوالات اُسوقت موزون ہوتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی وحی کے منجانب اللہ ہونیکے ثبوت دینے سے انکار کرتے۔ اور یہ کہتے کہ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں سوائے اس دعوے کے جو میں کرتا ہوں۔ اناجیل کے بیان کے مطابق یسوع نے نشان دکھانے سے انکار کیا اور یہودیوں کو ثبوت نہ دیا لیکن اس بات کا ہمیں کوئی علم نہیں کہ یہودیوں نے اس انکار کے بعد آپکی طرف دیوانگی کو منسوب کیا یا پہلے۔ بہرحال خواہ کوئی سی صورت ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نشان دکھانے سے انکار نہیں کرتے اور نہ وہ یہ کہتے ہیں

کہ میرے پاس میرے دعوے کی کوئی شہادت نہیں بلکہ آپ کی وحی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل عندی شھادۃ من اللہ فھل انتم تؤمنون۔ قل عندی شھادۃ من اللہ فھل انتم تسلمون پس جو شخص خدا کی طرف سے اپنے دعوے پر شہادت پیش کرتا ہے اس کے متعلق سب سے پہلا سوال تو یہی ہے کہ جو شہادت وہ پیش کرتا ہے وہ کیسی ہے اگر اُس شہادت سے اُس کا منجانب اللہ ہونا یقینی طور پر ثابت ہوتا ہو تو اس کے متعلق ایسے سوال کرنا سخت گستاخی اور حماقت ہے۔ اور اگر اس کے پاس کوئی شہادت ہی نہیں یا وہ شہادت جو وہ پیش کرتا ہے اس کے منجانب اللہ ہونیکو ثابت نہیں کرتی تو پھر ایسے سوالوں کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بہرحال یہ سوالات اصل مقصد سے دُور لیجاتے ہیں اور بجائے فیصلہ کے پیچ در پیچ مباحثہ کی راہ کھولتے ہیں۔ مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ اس قسم کے مباحثین کی عقلوں کو کیا ہو گیا کہ جب انسے کسی دعوے کا ثبوت طلب کیا جاتا ہے تو وہ خود ثبوت دیتے نہیں اور جب ہم کسی دعوے کا ثبوت پیش کرتے ہیں تو وہ اسکی طرف آتے نہیں۔ کوئی شخص انسے پوچھ کر دیکھ لے کہ یسوع کی خدائی کا کیا ثبوت ہے تو وہ چند دعاوی پیش کر دیں گے۔ اور کوئی شخص ان کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے منجانب اللہ ہونیکا ثبوت پیش کرے تو وہ اسکی طرف رخ نہیں کرینگے بلکہ دور از مقصد اور غیر متعلق سوالات اور بحث اٹھا کر اصل سوال کی حل کی طرف کبھی نہ آئیں گے۔ میں ڈانیل صاحب کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہتا بلکہ یہ جہالت عام عیسائی مناظرین کی بیان کی ہے۔ اگر ڈانیل صاحب اس پہلو کی طرف آئیں یعنی اس شہادت پر غور کریں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منجانب اللہ ہونیکا قطعی ثبوت دیتی ہے اور اس کے متعلق کوئی اعتراض انکے دل میں پیدا ہوا تو میں خوشی سے انکا جواب دونگا کیونکہ یہ بحث واقعی نتیجہ خیز ہو سکتی ہے اب میں مثال کے طور پر کچھ اس شہادت میں سے پیش کرتا ہوں

براہین احمدیہ حضرت میرزا صاحب کی ایک تصنیف ہے جو ۱۸۸۰ء سے لیکر ۱۸۸۴ء تک چار جلدوں میں شایع ہوئی گویا اب اسکو شایع ہوئے چوتھائی صدی کے قریب گذر چکی ہے۔ اس لمبے زمانہ کے بعد جب ہم اس کتاب کو جس میں اُس زمانہ کی وحی حضرت اقدس نے شایع کی ہے۔ دیکھتے ہیں تو ہمیں اور کسی ثبوت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ بلکہ ایسا قطعی ثبوت آپ کے منجانب اللہ ہونیکا اس سے ملتا ہے جسکی نظیر ملنی مشکل ہے۔ مثلاً ان چند پیشگوئیوں پر غور کرو جو اس کتاب میں درج ہیں۔ انت منی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی فحان ان تعان وتعرف بین الناس۔ وانی جاعلک للناس اماما۔ ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء۔ یاتیک من کل فج عمیق یاتون من کل فج عمیق۔ ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس۔ وقل رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین۔ اصحاب الصفۃ وما ادراک ما اصحاب الصفہ۔ تری اعینھم تفیض من الدمع۔ ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان۔ یریدون ان یطفؤا نور اللہ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ یعصمک اللہ ولو لم یعصمک الناس۔ ان الہامات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو مجھ سے ایسا ہے جیسے میری توحید اور تفرید پس وہ وقت قریب ہے جو تیری مدد کیلئے لوگ تیار کئے جائیں گے اور تجھ کو لوگوں میں مشہور کیا جائیگا۔ میں بہت سے لوگ تیری تابع اور تیرے پیرو کرونگا اور تو ان کا امام کیا جائیگا۔ میں لوگوں کے دلوں میں الہام کرونگا تا وہ اپنے مال سے تیری مدد کریں۔ دور دراز اور عمیق راہوں سے تجھے مالی مددیں پہنچیں گی۔ لوگ تیری خدمت میں دور دور کی راہوں سے آئیں گے پس تجھے لازم ہے کہ انسے بدخلقی نہ کرے

اور ان کی کثرت اور انبوہ اور فوج در فوج آنیسے تھک نہ جائے۔ اور یہ دعا کیا کرکہ اے میرے خدا مجھے اکیلا مت چھوڑ اور تجھ سے بہتر اور کوئی وارث نہیں۔ خدا اصحاب الصفہ تیرے لئے مہیا کریگا اور تو کیا جانتا ہے کہ کیا چیز اصحاب الصفہ ہیں تو دیکھیگا کہ ان کے آنسو جاری ہونگے (اور کہیں گے) کہ اے ہمارے خدا ہم نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی جو لوگوں کو ایمان کی طرف بلاتا ہے۔ مخالف ارادہ کریں گے کہ جس نور کو خدا دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے۔ اس کو بجھاویں مگر خدا اس نور کو پورا کریگا۔ اگرچہ کافر لوگ کراہت بھی کریں خدا تمہیں انکی شرارت سے بچائیگا اگرچہ لوگ بچا نہ سکیں۔

یہ پیشگوئیاں ایسی واضح ہیں کہ انکی تشریح کرنیکی بھی کوئی ضرورت نہیں اور نہ وہ کسی تفصیل کی محتاج ہیں۔ نزول وحی کے وقت میں مہبط وحی کی کیا حالت تھی وہ بھی انسے ظاہر ہے اور آئندہ اس حالت میں کیا کیا تغیرات آنیوالے ہیں وہ بھی کھول کر بیان ہوا ہے۔ اسوقت ایک شخص تنہا اور غیر معروف ہے آئندہ اس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ وقت آویگا جب اسے شہرت دیجاویگی اور لوگ اسکی نصرت کیلئے کھڑے کئے جاوینگے فوج در فوج لوگ دور دور سے آئیں گے اور کچھ ایسے بھی ہونگے جو اپنے گھروں کو چھوڑ کر اسی جگہ آرہیں گے۔ بڑی مخالفت ہوگی اور لوگ ہلاک کرنیکی کوشش کرینگے۔ مگر اللہ تعالیٰ نصرت اور غلبہ دیکر اس سلسلہ کو سرسبز کریگا اور تمام دنیا میں پھیلائیگا۔ ڈانیل صاحب کیلئے یہ ایک آسان راہ ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ آیا یہ کتاب براہین احمدیہ جس میں پیشگوئیاں شائع ہوئیں پچیس سال سے دنیا میں شائع ہو چکی ہے؟ آیا یہ پیشگوئیاں جو اوپر نقل کیگئی ہیں اس میں بعینہٖ اسی طرح درج ہیں؟ کیا مصنف کتاب اسوقت تنہا اور گمنامی کیحالت میں تھا؟ جب ان باتوں کے متعلق انکا اطمینان ہو جائے تو پھر وہ ان سوالات پر غور کریں کہ آیا اب لوگ فوج در فوج دور دور کی راہوں سے چلکر انکے پاس آتے ہیں؟ (چونکہ وہ خود بھی قادیان میں آچکے ہیں اسلئے وہ اس معاملہ میں مشاہدہ بھی رکھتے ہیں) کیا ایسے لوگ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس موجود ہیں جو اپنے گھروں اور کاروبار کو چھوڑ کر محض اسلئے آپ کے پاس آرہے ہیں کہ انہوں نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی جو خدا کیطرف انکو بلاتا تھا؟ کیا ان پیشگوئیوں کے شائع ہونیکے بعد مخالفت کا خطرناک طوفان انکے خلاف اٹھا تھا؟ کیا اس مخالفت کے طوفان نے اس نور کو جو خدا نے روشن کیا تھا بجھا دیا ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ میری کسی تشریح کے بغیر ہی ڈانیل صاحب کو ان سوالوں کا بھی اطمینان بخش جواب مل جائیگا۔ اب اسکے بعد صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آیا ایسی پیشگوئیوں کا کرنا جو اسقدر قوت اور شوکت اور عجیب کے اسرار اپنے اندر رکھتی ہوں اور پھر اس طرح صفائی سے پوری ہوں انسانی طاقت کے اندر ہے؟ شاید ڈانیل صاحب کو اس بات سے انکار نہ ہوگا کہ آئندہ کے متعلق کوئی انسان یہ بھی دعویٰ ہی نہیں کہہ سکتا کہ میں اسقدر عرصہ زندہ رہونگا اور اگر اسقدر دعویٰ کرنا بھی انسان کی طاقت میں نہیں تو یقیناً یہ دعاوی جو اس دعوے سے کہیں بڑھکر ہیں اسکی طاقت کے اندر نہیں ہو سکتے۔ کون انسان کہہ سکتا ہے کہ اسپر وہ زمانہ بھی آئیگا جب جوق در جوق لوگ باوجود دنیا کی سخت مخالفتوں کے اسکی خدمت میں حاضر ہونگے بلکہ اپنے گھر بار چھوڑ کر اسکے پاس آرہیں گے؟ ہر ایک آئندہ واقعہ جو کسی انسان کو پیش آنیوالا ہے وہ ایسے پیچ در پیچ اسباب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو انسان کی طاقت سے باہر ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آئندہ زندگی کے متعلق انسان کچھ بھی نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں ضرور اتنی مدت زندہ رہونگا۔ پھر یہ کیونکر انسانی طاقت کے اندر ہو سکتا ہے کہ اسقدر مدت

پہلی جو چوتھائی صدی تک پہنچ گئی ہے وہ اپنے متعلق آئندہ کی پیشگوئیاں شائع کرے اور پیشگوئیاں بھی ایسی قوت اور شوکت والی کہ خود ان باتوں کا حاصل ہونا بظاہر حالات قریباً قریباً ناممکن معلوم ہو لیکن اگر ڈانیل صاحب کا یہ خیال ہو کہ واقعی ایسی پیشگوئیوں کا کر لینا انسانی طاقت کے اندر ہے تو وہ انبیائے سابقین اور خصوصاً حضرت مسیح کی ان پیشگوئیوں میں سے جنھیں وہ واقع شدہ سمجھتے ہیں دو چار ایسی پیشگوئیاں نکال کر دکھا دیں جو ان پیشگوئیوں سے بڑھکر اسرار غیب پر مشتمل ہوں اور ایک مابہ الامتیاز قائم کریں کہ فلان بات انسانی طاقت کے اندر ہے۔ اور وہ حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں میں پائی جاتی ہے اور فلان بات انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اور صرف خدا کی طرف سے ہی ہو سکتی ہے۔ اور وہ حضرت مسیح اسرائیلی کی پیشگوئیوں میں پائی جاتی ہے اسکے علاوہ انکا یہ بھی فرض ہوگا کہ وہ دکھا دیں اور چند ایسی مثالیں پیش کریں جن میں ایک انسان نے ایسی ہی پیشگوئیاں کی ہوں اور وہ پوری ہو گئی ہوں۔

یہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی میں سے مثال کے طور پر ایک پیشگوئی لے لی ہے ورنہ ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ جسقدر الہامات اوپر نقل کئے گئے ہیں وہ سب کے سب اپنے اندر الگ الگ پیشگوئیاں رکھتے ہیں۔ اور ایسا ہی آپکی کل وحی کیحال ہے مثلاً انہیں الہامات میں ایک یہ پیشگوئی بھی ہے کہ بعض لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر آپکی خدمت میں آرہیں گے۔ انکو اصحاب الصفہ کہا گیا ہے۔ اب کون شخص ہے جو انسانی قیاس سے یہ بات کہہ سکتا ہے کہ میں آئندہ ایک ایسا عظیم الشان انسان بننے والا ہوں کہ لوگ میری طرف کھنچے چلے آئینگے یہانتک کہ وہ ہر طرح کی آسایشوں کو چھوڑ کر میری خدمت میں رہنا اپنا فخر سمجھیں گے۔ پھر ایک الہام میں یہ پیشگوئی ہے کہ سخت مخالفت ہوگی اور لوگ جان سے مار ڈالنے کے منصوبے کریں گے مگر انکا کوئی منصوبہ کام نہ آئیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس پیشگوئی کے شائع ہونیکے برسوں بعد مخالفت کا شور اٹھا اور یہ فتوے دیئے گئے۔ کہ اس شخص کو جو مسیح موعود ہونیکا دعوی کرتا ہے قتل کرنا بڑے ثواب کا کام ہے اور اس طرح پر جاہلوں کو جو مذہب کی خاطر سب کچھ کر گذرنیکو تیار رہیں اکسایا گیا کہ وہ آپکو جان سے مار ڈالیں اور بعض لوگوں نے سازشیں کیں بعض نے خطوط لکھے بعض نے مشتہر کیا کہ ہم قتل کر دیں گے مگر خدا کے کلام کے مطابق آپ ان تمام مخالفتوں اور منصوبوں کے اثر سے بچائے گئے۔ اگر خدا کا ہاتھ آپ کی حمایت اور محافظت میں نہ ہوتا تو اس مخالفت کی آگ میں سے بچ نکلنا ناممکن تھا۔ یہی آپ کی ہر ایک وحی کا حال ہے۔ کہ وہ عظیم الشان اور فوق الطاقت پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔ اور یہ اصل میں منجانب اللہ وحی کی خاص علامت ہے کہ اس میں اسکے منجانب اللہ ہونیکے نشان خود موجود ہوتے ہیں اور اس طاقت اور علم کا اظہار ہوتا ہے جو تمام انسانوں کی طاقت سے بالاتر ہے اگر خدا کی وحی میں یہ خصوصیت نہ ہوتی تو سچی اور جھوٹی وحی میں کوئی امتیاز نہ ہو سکتا۔ اور اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ جس الہام کے ساتھ خدائی طاقت اور علم کا اظہار نہ ہو وہ کسی اور طرح پر منجانب اللہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا ہی جب ایک وحی میں ایسی طاقت اور علم پایا جاوے تو پھر اسکی صداقت میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا اور نہ اسکے منجانب اللہ ہونے پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔

اب اس مختصر تمہید کے بعد میں ڈانیل صاحب کے سوالوں کا بھی تھوڑا تھوڑا جواب دیتا ہوں اگرچہ دراصل فیصلہ کن وہی بات ہے جسکو میں اوپر پیش کر چکا ہوں مگر چونکہ ممکن ہے کہ ڈانیل صاحب یہ خیال کر لیں۔ کہ ان کے سوالات

کا کوئی جواب ہی نہیں اس لئے انکی غلط فہمی کا رفع کرنا بھی ضروری ہے۔ سوال اول اور دوئم میں ڈانیل صاحب ناواقفیت کی بنا پر سوال نہیں کر رہے ہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو بعض امراض لاحق حال ہیں انکی بنا پر گویا یہ حملہ کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی وحی دماغی حالت کے خراب ہونیکی وجہ سے ہے جس سے مطلب انکا دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ آپ گویا مجنون ہیں۔ اور آپکی وحی گویا دیوانہ کے پراگندہ خیالات ہیں۔ ماحصل اس اعتراض کا صرف یہ ہے کہ آپکی وحی منجانب اللہ نہیں۔ ہمنے منجانب اللہ وحی کی شناخت کی سچی علامت کو اوپر بیان کر دیا ہے۔ اور پادری صاحب کا فرض ہے کہ اس کسوٹی پر حضرت مرزا صاحب کی وحی کو پرکھیں کہ آیا وہ منجانب اللہ طاقتور اور غیب کی مقتدرانہ پیشگوئیوں پر مشتمل کلام ثابت ہوتا ہے یا دیوانہ کی بڑ۔ ڈانیل صاحب کو اس قسم کا لغو اعتراض کر کے خوش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ تمام مخالفین انبیاء علیہم السلام ہمیشہ انبیاء کو دیوانہ کہتے چلے آئے ہیں۔ اوروں کو چھوڑ کر آپ حضرت مسیحؑ کی نسبت ہی دیکھیں کہ دشمن تو دشمن دوست بھی انکو دیوانہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ یہودیوں میں سے اکثر لوگوں کی رائے تو یہ تھی کہ ”اسکے ساتھ شیطان ہے اور وہ دیوانہ ہے“ (یوحنا ۲۰/۱۰) مگر خود آپکے خیرخواہوں کو یقین ہو گیا تھا۔ کہ آپ نعوذ باللہ مجنون ہو گئے ہیں چنانچہ مرقس باب ۳ آیت ۲۱ میں لکھا ہے کہ جب اسکے دوستوں نے (اور بعض نے اس لفظ کا ترجمہ رشتہ دار کیا ہے جس سے مراد انکے بھائی معلوم ہوتے ہیں) اسکے متعلق ایسی ایسی باتیں سنیں تو وہ اس کے پکڑنے کے لئے نکلے۔ کیونکہ انہوں نے کہا کہ وہ دیوانہ ہے“ دوستوں اور خیرخواہوں یا عزیز رشتہ داروں اور بھائیوں کو یہ پختہ یقین ہو جانا کہ نعوذ باللہ آپ کی دماغی حالت خراب ہو گئی ہے اور اس یقین کا یہاں تک مضبوط ہو جانا کہ وہ آپکو گرفتار کرنیکے لئے نکلے جس سے شاید انکا یہ منشاء ہو کہ آپ کو حکومت کے سپرد کر دیں کہ وہ آپ کو پاگل خانے میں رکھے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو بہت تشریح کی محتاج نہیں اور ڈانیل صاحب کا فرض ہے کہ ان باتوں کا خیال بھی کر لیں پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق جو چاہیں کہہ لیں۔ بڑے بڑے فقیہہ جو مسیحؑ کی ملاقات کیلئے یروشلم سے آئے تھے انہوں نے بھی ملاقات اور گفتگو کے بعد یہی رائے قائم کی کہ آپکو جنون ہو گیا ہے ”تب فقیہوں نے جو یروشلم سے آئے تھے کہا کہ بعلزبول اس کے ساتھ ہے اور وہ دیووں کے سردار کی مدد سے دیووں کو نکالتا ہے“ (مرقس ۲۲/۳) البتہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہودی آپ کو استعمال شراب کی وجہ سے پاگل سمجھتے تھے کیونکہ وہ آپ کو شرابی تو کہا کرتے تھے اور اس میں بھی شک نہیں کہ مسکرات کے زیادہ استعمال سے دماغ کو سخت نقصان پہونچتا ہے اور بہت لوگ اسی وجہ سے دیوانے بھی ہو جاتے ہیں۔ اور یا ممکن ہے کہ انہوں نے آپ سے اور کوئی ایسے افعال سرزد ہوتے دیکھے ہوں جس سے یہ نتیجہ نکالا ہو۔ بہر حال یہ دیوانگی کا الزام پرانا چلا آتا ہے اور جب عیسائی صاحبان خود ان الزاموں کی جوابدہی کر لیں تو پھر دوسروں پر الزام لگانے بھی اچھے لگتے ہیں۔

باقی رہی وہ بیماریاں جو حضرت مسیح موعودؑ کے لاحق حال ہیں۔ وہ تو آنکھوں والوں کیلئے ایک نشان ہیں نہ جائے اعتراض کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی تھی۔ چنانچہ مسلم میں ایک لمبی حدیث کے اثناء میں مسیح موعود کا ظہور مھرودتین میں بیان کیا گیا یعنی دو زرد چادروں میں۔ اب ایک موٹی سمجھ کا آدمی بھی یہ بات بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خبر عبث نہیں دی اور اسکا یہ مطلب نہیں کہ واقعی اس نے اس رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے پھر پگڑی اور کوٹ پاجامے کے رنگوں کا بھی ذکر ہونا چاہیئے تھا اور علاوہ ازیں اگر اوڑھنے کی چادریں ہی زرد ہونی تھی تو

مھرودتین یعنی دو چادریں کیوں فرمایا؟ چونکہ پیشگوئیوں کی بنا وحی یا مکاشفات یا رؤیا پر ہوتی ہے۔ اس لئے ان میں اکثر اوقات وہ استعارات مستعمل ہوتے ہیں جو رؤیا اور مکاشفات کے متعلق ہوتے ہیں۔ اب جب ہم تعبیر کی لغت میں زرد لباس کے معنے ڈھونڈتے ہیں تو تمام معبرین بالاتفاق ہمیں بتاتے ہیں کہ زرد لباس سے مراد بیماری ہوتی ہے۔ یہی امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ان معنوں کو معلوم کر کے حدیث کے معنوں میں کچھ بھی شک نہیں رہ جاتا۔ دو زرد چادروں سے مراد دو بیماریاں ہیں اور واقعی دو ہی بیماریاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو لاحق حال ہیں جو مدت سے چلی آتی ہیں۔ انہیں سے ایک مرض کثرت پیشاب ہے اور دوسری غشی یعنی برد اطراف ہو کر نبض کا کمزور اور دل کی حرکت کا سست ہو جانا۔ یہ مرضیں نہ صرف اس رنگ میں ہی نشان ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو پورا کرنے والی ہیں بلکہ اس لئے بھی نشان ہیں کہ ایک شخص جس کی حالت صحت ایسی ہو کہ جب مرض کا دورہ ہو تو موت تک نوبت پہونچ جائے وہ کیونکر انسانی قیاس سے یہ کہہ سکتا ہے کہ نہ صرف میں اسّی سال یا اس کے قریب قریب عمر پاؤنگا جیسا کہ حضرت مسیح موعود کی یہ پیشگوئی ہے بلکہ یہ بھی کہ میری بہت مخالفت ہوگی اور طرح طرح کے منصوبے میرے ہلاک کرنے کے لئے کئے جائیں گے مگر میں غالب ہونگا۔ اور فوج در فوج لوگ میرے پاس آئیں گے اور مخلوق بکثرت میری طرف رجوع کریگی اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ باتیں اس وقت کہی تھیں جب ابھی ان بیماریوں کا حملہ نہ ہوا تھا تو میں کہتا ہوں کہ بیماریوں کے حملے کے بعد اور حملوں کے اوقات میں بھی کئی دفعہ انہی باتوں کا اعادہ کیا گیا ہے اور ان پیشگوئیوں کو بار بار دوہرایا گیا ہے۔ غرضکہ ان دو بیماریوں کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں پایا جانا خود اس مدعی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی بڑی زبردست شہادت ہے۔ ایسا ہی اور بھی بہت سے نشان ہیں کہ جنکا ذکر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں پایا جاتا ہے جو اس وقت پورے ہو کر خاتم الانبیاء اور خاتم الخلفاء دونوں کی صداقت کو پکار رہے ہیں۔ مگر اندھے مخالف کا کیا علاج ہے جو ہر خوبی کی بات میں عیب تلاش کرتا ہے۔

بیماری تو انسان کے لئے ضروری ہے جس طرح بھوک پیاس اور تھکان ضروری ہے اور کوئی انسان اس سے خالی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ڈائیں صاحب جسے خدا مانتے ہیں وہ بھی بیماری سے خالی نہ تھا۔ اور انسانی فطرت میں جو کمزوریاں ہیں وہ اس میں بھی ویسی ہی پائی جاتی تھیں جیسی دوسرے کسی انسان میں۔ کیا کوئی عقلمند انسان اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ ایک شخص جو بھوک سے از خود رفتہ ہو کر انجیر کے درخت کی طرف دوڑتا ہے۔ وہ بیماری سے خالی ہو سکتا ہے؟ مگر بات یہ ہے کہ انجیل نویسوں کے دل پر عجائب عجائب باتیں لکھنے کا خیال اس قدر غالب تھا کہ بیماریوں وغیرہ کا ذکر وہ نہ کر سکتے تھے۔ اور اصل میں اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف کہ فلاں وقت آپکو سر درد تھا یا فلاں وقت پیٹ میں درد ہو گیا تھا معمولی تاریخ نویس کو توجہ بھی نہیں ہوتی۔ مگر یہ شہادت جو انہوں نے دی ہے کہ آپ کو بھوک لگتی تھی تو آپ شکم پر کرنے کے لئے کھانا کھایا کرتے تھے بلکہ مچھلی کے کباب کو تو بہت پسند کرتے تھے۔ اور آپکو پیاس لگتی تھی تو آپ پانی پیا کرتے تھے۔ اور نیند آتی تھی تو سو جاتے تھے یہ کافی ہے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ آپ میں وہ تمام عوارض پائے جاتے تھے۔ جو دوسرے انسانوں میں پائے جاتے ہیں اور اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ آپ بیمار بھی ہوا کرتے تھے اور اگر آپ کا یہ خاکی جسم بیماریوں کے لئے روک ہوتا تو کوڑوں کے زخم آپ کی پشت پر کیوں پڑ جاتے اور میخوں کے زخم اتنے گہرے کیونکر ہو جاتے

جن میں ایک آدمی ہاتھ بھی ڈال سکے بلکہ اب تو عیسائی صاحبان کو حضرت مسیح کی موت ثابت کرنے کے لئے آپ کا انشقاق القلب ماننا پڑا ہے۔ اس سے بڑھ کر بیماری کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ اور ان واقعات کی موجودگی میں کوئی سمجھدار عیسائی اسبات سے انکار نہیں کریگا کہ آپ کو کبھی سر درد بھی ہو جایا کرتا تھا اور کوئی معمولی امراض لاحق حال ہو جاتے تھے مگر یہ معمولی بیماریاں محل اعتراض نہیں اور جنون یا دماغی خلل ایک ایسی موٹی بات ہے کہ ہر ایک آدمی اسکو سمجھ سکتا ہے اور جسکو دماغی خلل ہو اسکے پیچھے لاکھوں انسان اسکے تابع فرمان ہو کر نہیں چلا کرتے اور پھر خلل دماغ والے کی پیشگوئیوں کا اثر نیچر پر کیونکر ہو جاتا ہے۔ اور وہ سچی کیوں نکلتی ہیں ہاں خدائے تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ ایسی خبیث امراض سے جیسے جنون اور جذام وغیرہ) وہ اپنے انبیاء کو ہمیشہ محفوظ رکھتا ہے۔ معمولی امراض انکو ہوتی ہیں مگر وہ محل اعتراض نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ اپنے آپ کو بشر ہی کہتے ہیں ہاں یسوع کی صورت میں معمولی امراض اور کھانا پینا بھوک پیاس لگنا بھی جائے اعتراض ہیں کیونکہ آپ لوگ اسے بشر سے بڑھ کر کچھ بناتے ہیں۔ مگر ان معمولی امراض کے علاوہ انجیل نویسوں نے حضرت مسیح کی طرف بعض ایسے واقعات منسوب کئے ہیں جو ایک پیغمبر کی شان کے شایاں نہیں ہیں منجملہ انکے القائے شیطانی ہے۔ انجیل نویس تو صرف یہی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح شیطان کے ساتھ ساتھ پھرتے رہے مگر ایک عقلمند آدمی سمجھ سکتا ہے اور خود عیسائیوں نے آخر اسبات کو قبول کیا ہے کہ شیطان کا مسیح کے ساتھ ساتھ چلنا ایسا نہ تھا جیسے دو آدمی ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور شیطان جسمانی شکل میں نمودار ہوا تھا بلکہ یہ ایک کشفی نظارہ تھا اور شیطان کا یہ باتیں کہنا کہ تم مجھے سجدہ کر دیا اور پرسے گر جاؤ وغیرہ یہ شیطانی القا تھے اور اگرچہ مسیح نے القائے شیطان کو دور کر دیا مگر ایسے ایسے واقعات ایک شک کرنیوالے کو بہت گنجائش دیتے ہیں اور ادھر ایک اور مشکل پیش آتی ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو شیطان سلطنت کا وعدہ کرتا ہے اور دوسری طرف حضرت مسیح کا بھی ایسا خیال پایا جاتا ہے کہ وہ داؤد کے تخت کو حاصل کرنا چاہتے تھے چنانچہ شاید اسی غرض کے حصول کے لئے شاگردوں کو یہ حکم بھی دیا تھا۔ کہ تم کپڑے بیچ دو اور تلواریں خرید لو۔ ممکن ہے کہ ان ننگے سپاہیوں کے ساتھ آپ رومی سلطنت کو فتح کرنیکا خیال رکھتے ہوں اور بعد میں اس خیال کی اصلاح ہو گئی ہو۔ الغرض کسی معمولی بیماری جیسے سر درد سر چکر آنا وغیرہ یہ کوئی ایسی امراض نہیں جنکی بنا پر کسی نبی کی نبوت باطل ہو سکے۔

دوسرے سوال میں ڈانیل صاحب یہ دریافت کرتے ہیں کہ وہ دماغی مرض جو اصل میں آپ کے اپنے ہی دماغ کی مرض ہے کب شروع ہوئی۔ اب اسکے جواب کی ضرورت نہیں رہی۔ باقی رہیں معمولی امراض سو کوئی انسان یہ یادداشت نہیں بنایا کرتا کہ پہلے پہل اسکو سر درد کب ہوا تھا۔ اور نہ ہی ان دو بیماریوں کے متعلق کوئی ٹھیک تاریخ بیان کی جا سکتی ہے جو پیشگوئی کے مطابق آپکے لاحق حال ہیں مگر چونکہ الہام الٰہی آپکو بہت عرصہ سے ہوتا ہے۔ قیاساً کہا جاتا ہے کہ یہ بیماریاں بعد میں شروع ہوئیں۔ دوسرے سوال میں ہی ڈانیل صاحب یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ آپکے رشتہ داروں میں سے نرالے دعوے کس کس نے کئے اس تجاہل عارفانہ سے کیا حاصل ہے۔ بہتر تھا کہ آپ اپنا شک پیش کرتے کہ چونکہ امام الدین نے بھی کوئی دعویٰ کیا تھا۔ اس لئے آپکے مسیح موعود ہونیکے دعوے پر فلاں زد پڑتی ہے مگر ڈانیل صاحب اسبات کو یاد رکھیں کہ امام الدین نے کبھی ملہم من اللہ ہونیکا دعویٰ نہیں کیا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ جب اسنے دیکھا کہ خاکروب بکثرت عیسائی مذہب میں داخل ہوتے جاتے ہیں تو اسنے چاہا کہ انکو اس پھندے سے بچانیکے لئے کوئی

راہ نکالی۔ سو اسنے یہ اعلان کر دیا کہ یسوع تو خدا کا بیٹا تھا مگر لال بیگ خدا کا بھائی تھا اور اس طرح سے قوم خاکروب کو عیسائی مذہب قبول کرنے سے روکنا چاہا مگر اسنے غلطی کی کیونکہ خاکروبوں کا عیسائی مذہب قبول کرنا اسوجہ سے نہ تھا۔ کہ انکو نجات کی سمجھ آگئی تھی انہوں نے یسوع کو روحانی منجی سمجھ کر قبول نہیں کیا۔ بلکہ اس لئے کہ وہ ان کو جسمانی منجی کا کام دیتا تھا یعنی عیسائی مذہب کے قبول کرنے سے وہ نہ صرف بیگار وغیرہ سے چھوٹ جاتی تھی۔ بلکہ کچھ تعلیم حاصل کر کے وہ دنیوی وجاہت بھی حاصل کر سکتے تھے۔ مگر اس دعویٰ کے پیش کرنے سے اگر ڈائیل صاحب کا یہ مطلب ہے کہ اس سے مسیح موعودؑ کے دعویٰ پر کچھ اثر پڑتا ہے۔ تو ان جھوٹے مسیحوں کے دعووں کا یسوع کے دعویٰ پر اثر کو بھی سوچ لیں جو یسوع کے وقت میں اور اس سے پہلے یہودیوں کے درمیان ظاہر ہو رہے تھے۔ بلکہ وہاں تو کہنے والے کو یہ گنجائش بھی ملتی ہے کہ وہ کہدے کہ انہی جھوٹے مسیحوں کی طرف دیکھ کر یسوع نے بھی دعویٰ کر دیا پس ڈائیل صاحب سوچ لیں کہ انکے ایسے اعتراضوں کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے افسوس ہے کہ انہوں نے اصل بات کیطرف رجوع نہ کی۔ اور ناحق ان فضول جھگڑوں میں میرا اور اپنا وقت ضائع کیا

ڈائیل صاحب کا تیسرا سوال اس امر کے متعلق ہے کہ آیا حضرت مسیح موعودؑ کو اپنی وحی کے منجانب اللہ ہونے یا دعووں کے غلط ہونے کا کبھی شک بھی ہوا ہے۔ اسکے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ کی ایک تحریر سے انکے اپنے الفاظ میں جواب نقل کرتا ہوں جو اسی قسم کے سوال پر دیا گیا تھا۔ وہ جواب یہ ہے۔ "جو کلام مجھپر نازل ہوتا ہے اسکے ساتھ ایک شوکت اور لذت اور تاثیر ہے وہ ایک فولادی میخ کیطرح میرے دل کے اندر دھنس جاتا ہے اور تاریکی کو دور کرتا ہے اور اس کے وردسے مجھے ایک نہایت لطیف لذت آتی ہے کاش اگر میں قادر ہو سکتا تو میں اسکو بیان کرتا مگر روحانی لذتیں ہوں خواہ جسمانی انکی کیفیات کا پورا نقشہ کھینچکر دکھلانا انسانی طاقت سے بڑھکر ہے ایک شخص ایک محبوب کو دیکھتا ہے اور اس کی ملاحتِ حسن سے لذت اٹھاتا ہے مگر وہ بیان نہیں کر سکتا کہ وہ لذت کیا چیز ہے اسی طرح وہ خدا جو تمام ہستیوں کا علت العلل ہے جیسا کہ اسکا دیدار اعلیٰ درجہ کی لذات کا سرچشمہ ہے۔ ایسا ہی اسکی گفتار بھی لذات کا سرچشمہ ہے اگر ایک کلام انسان سنے یعنی ایک آواز اسکے دل پر پہونچے اور اسکی زبان پر جاری ہو اور اسکو شبہ باقی رہ جاوے کہ شاید شیطانی آواز ہے یا حدیث النفس ہے تو درحقیقت وہ شیطانی آواز ہوگی یا حدیث النفس ہوگی کیونکہ خدا کا کلام جس قوت اور برکت اور لذت اور خدائی طاقت اور چمکتے ہوئے چہرہ کے ساتھ دل پر نازل ہوتا ہے خود یقین دلا دیتا ہے کہ میں خدا کیطرف سے ہوں اور ہرگز مردہ آوازوں سے مشابہت نہیں رکھتا بلکہ اس کے اندر ایک جان ہوتی ہے اور اسکے اندر ایک طاقت ہوتی ہے اور اسکے اندر ایک کشش ہوتی ہے اور اسکے اندر یقین بخشنے کی ایک خاصیت ہوتی ہے۔ اور اسکے اندر ایک لذت ہوتی ہے اور اسکے اندر ایک روشنی ہوتی ہے اور اسکے اندر ایک خارق عادت تجلی ہوتی ہے اور اسکے ساتھ ذرہ ذرہ وجود پر تصرف کرنیوالے ملائک ہوتے ہیں اور علاوہ اس کے اسکے خدائی صفات کے اور بہت سے خوارق ہوتے ہیں اسلئے ممکن ہی نہیں ہوتا کہ ایسی وحی کے مورد کے دل میں شبہ پیدا ہو بلکہ وہ شبہ کو کفر سمجھتا ہے اور اگر اسکو کوئی اور معجزہ نہ دیا جاوے تو وہ اس وحی کو جو ان صفات پر مشتمل ہے بجائے خود ایک معجزہ قرار دیتا ہے۔ خدا کا کلام جو میرے پر نازل ہوا اور ہوتا ہے وہ میری روحانی والدہ ہے جس سے میں پیدا ہوا اس نے مجھے ایک وجود بخشا ہے جو پہلے نہ تھا اور ایک روح عطا کی ہے جو پہلے نہ تھی میں نے ایک بچہ کیطرح اسکی گود میں پرورش پائی اور اسنے مجھے ہر ایک

ٹھوکر سے سنبھالا اور ہر ایک گرنے کی جگہ سے بچا لیا وہ کلام ایک شمع کی طرح میرے آگے آگے چلا یہاں تک کہ میں منزل مقصود تک پہنچ گیا۔ اس سے زیادہ کوئی بد ذاتی نہیں ہوگی کہ میں یہ کہوں کہ وہ خدا کا کلام نہیں۔ میں اسی طرح اسکو خدا کا کلام جانتا ہوں جس طرح میں یقین رکھتا ہوں کہ میں زبان سے بولتا ہوں اور کانوں سے سنتا ہوں اور میں کیونکر اس سے انکار کروں اسنے تو مجھے خدا دکھلایا اور وہ چشمہ شیریں کی طرح معارف کا پانی مجھے پلاتا رہا اور ایک ٹھنڈی ہوا کی طرح ہر ایک حبس کے وقت میں مجھے راحت بخش ہوا وہ ان زبانوں میں بھی مجھ پر نازل ہوا جن زبانوں کو میں نہیں جانتا تھا جیسا کہ زبان انگریزی اور سنسکرت اور عبرانی اسنے بڑی بڑی پیشگوئیوں اور عظیم الشان نشانوں سے ثابت کر دیا کہ وہ خدا کا کلام ہے اور اس نے حقایق و معارف کا ایک خزانہ میرے پر کھولدیا جس سے میں اور میری تمام قوم بے خبر تھی وہ کبھی زبان عربی یا انگریزی یا کسی دوسری زبان کی ان دقیق اور نامعلوم الفاظ میں میرے پر نازل ہوا جنسے میں بے خبر تھا تو کیا باوجود ان روشن ثبوتوں کے کوئی شک کا مقام ہو سکتا ہے؟ کیا یہ باتیں شیطان کی لائق ہیں کہ ایک کلام جس نے معجزہ کی طاقت دکھلائی اور نبوی کششیں ثابت کی اور غیب کے بیان کرنے میں وہ بخیل نہیں نکلا بلکہ ہزارہا امور غیبیہ اسنے ظاہر کئے اور ہر ایک باطنی کمند سے مجھے اپنی طرف کھینچا اور ایک کمند دنیا کے سعید دلوں پر ڈالا اور میری طرف انکو لایا اور انکو آنکھیں دیں جن سے وہ دیکھنے لگے اور کان دئیے جن سے وہ سننے لگے اور صدق و ثبات بخشا جس سے وہ اس راہ میں قربانی ہونیکے لئے موجود ہو گئے تو کیا یہ تمام کاروبار شیطانی یا وسوسہ نفسانی ہے۔

چوتھا سوال ڈانیل صاحب کا گناہ کے متعلق ہے کہ آیا مسیح موعودؑ سے گناہ صادر ہوتا ہے یا نہیں۔ میری سمجھ میں تو دنیا میں عیسائیوں سے بڑھکر گناہ کی حقیقت سے ناواقف شاید ہی کوئی قوم ہو انکے نزدیک محض ایک لغو خیال سے انسان گناہ سے پاک ہو جاتا ہے یعنی جو شخص صرف اسقدر مان لے کہ ایک عورت کا بیٹا یسوع مسیح زمین و آسمان کا خدا تھا اور یہ بھی مان لے کہ وہ صلیب پر مر گیا تھا وہ گناہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ خدا کے کسی نبی نے یہ تعلیم نہیں دی بلکہ جو تعلیم اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے جنکو عیسائی بھی نبی مانتے ہیں ہمیشہ سے دیتا چلا آیا ہے۔ وہ وہی تعلیم ہے جسکو سب سے آخر مگر سب سے عمدہ اور اعلیٰ طور پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا۔ اس کفارہ کے باطل عقیدے نے عیسائیوں کو اسبات پر مجبور کیا ہے کہ وہ مانیں کہ کل نبی گنہگار تھے باستثنا ئے یسوع مسیح کے۔ عصمت پر مفصل بحث پہلے کبھی گذر چکی ہے۔ یہاں میں ڈاینل صاحب کے سوالات کے جواب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ بالکل حق بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو شیطان کے تسلط سے محفوظ رکھتا ہے اور وہ کبھی عمداً خدا کی نافرمانی کے مرتکب نہیں ہوتے ایسا ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ گناہ حقیقت میں کیا چیز ہے؟ یہ صرف خدا سے دور جانے کا نام ہے مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ایسا ہوتا ہے کہ وہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا اور نہ وہ کبھی اسکی جناب سے دور ہی کئے جاتے ہیں اسلئے وہ گناہ سے محفوظ ہوتے ہیں۔ گناہ پیدا ہوتا ہے ایمان کے نقص اور کمزوری سے مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کا ایمان اس وجہ سے کہ وہ خدا کے تازہ بتازہ نشان مشاہدہ کرتے ہیں اور اسکے کلام سے مشرف ہوتے ہیں ایسے نقصوں سے خالی ہوتا ہے اور اعلیٰ درجہ کا یقین انکو حاصل ہوتا ہے وہ گناہ کا ارتکاب نہیں کر سکتے اور نہ خدا کی مرضی کے خلاف چل ہی سکتے ہیں۔ وہ اپنے تمام قویٰ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگا دیتے ہیں اور اسی کے ہو جاتے ہیں پس جو کچھ وہ کہتے یا کرتے ہیں اللہ تعالےٰ کی مرضی کے مطابق کہتے اور کرتے ہیں اور اسلئے وہ نہ قولاً گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور نہ فعلاً خدا کا کلام جو ان پر نازل ہوتا ہے وہ انکے

دلونکو روشن کر دیتا اور ہر ایک ناپاکی سے پاک کر دیتا ہے۔ مگر باوجود اس کے وہ انسان ہوتے ہیں اور اس لئے وہ اپنی ضعف کو کبھی فراموش نہیں کرتے۔ بلکہ یہی اپنی ضعف کا اعتراف جو وہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور کرتے ہیں یہی اعتراف انکو بچانیوالا ہوتا ہے وہ کبھی یہ خیال دل میں نہیں لاتے کہ انہوں نے اپنی طاقت سے کوئی کمالات حاصل کئے ہیں یا اپنی طاقت سے وہ گناہ سے بچتے ہیں بلکہ انکا دل اس احساس سے بھرا ہوا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انکی ہر ایک قوت اور طاقت کا سرچشمہ ہے۔ جیسا کہ ایک بچہ ہر وقت اپنی ماں کا سہارا تلاش کرتا ہے۔ ایسا ہی وہ ہر آن اپنے مالک حقیقی کا سہارا تلاش کرتے ہیں اور اسی کی پناہ میں اپنا بچاؤ سمجھتے ہیں یہی استغفار ہے یعنی طلب حفاظت الٰہی۔ یہ انکی کمزوری اور عاجزی کا اعتراف ہی ہے جسکو عیسائی اپنی نافہمی اور ناواقفیت سے گناہ کا اقرار سمجھ بیٹھے ہیں حقیقی گناہ جو انسان میں اور خدائے تعالیٰ میں بُعد پیدا کر دیتا اور محبت اور یگانگت کے تعلقات کو منقطع کر دیتا ہے اس سے وہ بالکل پاک ہوتے ہیں مگر انسانی فطرت کی کمزوری جو اسکا خاصہ ہے انکے ساتھ لگی ہوئی ہوتی ہے اگرچہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور تائید سے وہ گرنے سے بچائے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ حقیقی پاکیزگی صرف اللہ تعالیٰ کا ہی خاصہ ہے۔ اسلئے انبیاء کبھی یہ جرأت نہیں کرتے کہ خود اپنی طرف ایسی پاکیزگی کو منسوب کریں بلکہ پاکیزگی کا سرچشمہ وہ خدا کو ہی سمجھ کر اپنی کمزوری اور عاجزی کا کھلا کھلا اعتراف کرتے ہیں یہی تشریح بعض ان فقرات کی ہے جنکو محل اعتراض بنایا گیا ہے۔ مثلاً حضرت مسیحؑ کی حالت کو ہی دیکھلو کہ جب ایک شخص نے آپ کو نیک استاد کہکر پکارا تو آپ نے سختی سے روکا اور کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ نیک تو سوائے ایک کے یعنی خدا کے اور کوئی نہیں متی ۱۹/۱۶۔ اب اگر ہم ان الفاظ کے معنے اسی طرح پر کریں جس طرح عیسائی صاحبان دوسرے انبیاء کے ایسے ہی اقوال کے کرتے ہیں تو ان لفظوں کے معنے سوائے اسکے کچھ نہیں ہو سکتے کہ انہوں نے صاف الفاظ میں اپنے گنہگار ہونیکا اقرار کیا۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام کا منشاء سائل کو صرف یہ سمجھانے کا تھا کہ حقیقی نیکی اور پاکیزگی تو صرف اللہ تعالیٰ کیطرف ہی منسوب ہو سکتی ہے پس وہی اپنے حقیقی معنوں میں نیک کہلانیکا مستحق ہے اور اس طرح پر مثل دوسرے انبیاء کے انہوں نے اپنے بشری ضعف اور کمزوری کا اعتراف کیا پس اس قسم کے الفاظ کا کسی پیغمبر کے کلام یا وحی میں پایا جانا اسکی عصمت کے منافی نہیں۔

پانچواں اور چھٹا سوال جو مسئلہ تثلیث کے متعلق ہیں بعض غلط فہمیوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ جہانتک بابا نانک صاحب کا سوال ہے حضرت مسیح موعودؑ نے یہ کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ میں مثیل نانک ہوں۔ بابا نانک صاحب خود ایک سچے مسلمان اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو تھے۔ اور انہوں نے کوئی نیا مذہب نہیں نکالا نہ ہی پیغمبر ہونیکا دعویٰ کیا۔ اس کا قطعی ثبوت چولہ صاحب سے ملتا ہے جو بمقام ڈیرہ بابا نانک آجتک انکے ورثاء میں بابا نانک صاحب کی ایک عظیم الشان یادگار چلی آتی ہے۔ اور سکھوں کے اندر نہ صرف اسے عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے بلکہ اسکی پوجا بھی کیجاتی ہے اور اسپر نذریں چڑھائی جاتی ہیں۔ اس چولہ میں بابا نانک صاحب اپنا مذہب بھی چھوڑ گئے کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی میں بھی اپنے مذہب کو چھپا کر نہیں رکھا بلکہ اس چولہ پر جسکو وہ پہنا کرتے تھے انکا مذہب کھلے کھلے الفاظ میں لکھا ہوا ہے تاکوئی شک باقی ہی نہ رہے۔ چنانچہ اس چولہ پر یہ لکھا ہوا ہے کہ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ پس بابا نانک صاحب سچے مسلمان تھے۔ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو اپنا

فرق سمجھنے نہیں اور ڈانیل صاحب جو کرشن اور مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں فرق بتاتے ہیں یہ بھی انکی غلطی ہے خدا کے کل نبیوں نے ہمیشہ سے ایک ہی تعلیم دی ہے مگر ایسا ہو جاتا ہے کہ انکی وفات کے کچھ عرصہ بعد لوگ انکی تعلیم کو بگاڑ کر غلط عقائد داخل کر دیتے ہیں حضرت مسیح نے کبھی کفارہ کی تعلیم نہیں دی بلکہ یہ عیسائیوں کی اپنی تراشی ہوئی راہ ہے مسیح اسی راہ پر چلنے کی تعلیم دیتا تھا جسکی تعلیم اس سے پہلے نبی دیتے چلے آئے تھے ایسا ہی کرشن نے تناسخ کی تعلیم نہیں دی اسپر مبسوط بحث میں دسمبر ۱۹۰۴ء کے رسالہ میں کر چکا ہوں۔ ڈانیل صاحب مماثلت کا ثبوت بھی طلب کرتے ہیں۔ یہ میں ابتدا میں ہی دے چکا ہوں اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی منجانب اللہ ہے تو انکے دعوے سچے ہیں اور اسکے لئے جو شہادتیں میں نے شروع میں پیش کی ہے اسپر ڈانیل صاحب غور کریں۔ وہ یہ بھی غور کریں کہ اس بات کو عیسائیوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ مسیح کی آمد کے نشان سب پورے ہو چکے ہیں اور یہی وقت اسکے آنیکا ہے مگر افسوس ہے کہ وہ غلط خیالات کی بنیاد پر جھوٹی امیدیں باندھے بیٹھے ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ خود یسوع کو ہی واپس آنا چاہئے حالانکہ ایسا ہی خیال انسے پہلے ایک قوم کو تباہ کر چکا ہے کہ انہوں نے مسیح اسرائیلی کو اسی وجہ سے قبول نہ کیا جسطرح عیسائیوں کو مسیح کی دوبارہ آمد کی خبر دیگئی ہے یہودیوں کو انکی آسمانی کتابوں میں جنکو عیسائی بھی آسمانی مانتے ہیں یہ خبر دیگئی تھی کہ الیاس دوبارہ دنیا میں آئیگا تو پھر مسیح آئیگا۔ مگر الیاس نہ آیا اور خود حضرت مسیح کو ہی یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ الیاس کی دوبارہ آمد سے مراد انکے مثیل یوحنا کی آمد ہے۔ افسوس ہے کہ عیسائی صاحبان اب اپنے مذہب کے بانی کے فیصلہ کو بھی نہیں مانتے۔ ڈانیل صاحب غور کریں کہ کیا مسیح نے یہ فیصلہ نہیں کیا۔ پس اگر یہ فیصلہ سچ نہ تھا تو یہودی سچے رہے اور حضرت مسیح نعوذ باللہ مفتری ٹھہرے۔ اور اگر یہی فیصلہ سچا تھا تو پھر اسی مسیح کے آنیکا اب لوگ کیوں منتظر ہیں۔ نشان پورے ہو چکے وقت گذر چکا۔ خدا کا مسیح ظاہر ہو چکا جو پہلے انبیاء کی طرز پر اپنے منجانب اللہ ہونیکا ثبوت دیتا ہے۔ اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائیگا خدا۔

ڈانیل صاحب کا آخری سوال ایک جملہ کے متعلق ہے جو حضرت مسیح موعود کی انکی چٹھی میں واقع ہوا ہے جو آپ نے ڈوئی کو جو الیاس ہونیکا مدعی ہے لکھی تھی۔ اور اسکو مباہلہ کیلئے بلایا تھا۔ اس جملہ کا مطلب اس کل فقرہ کو پڑھکر خود ہی سمجھ میں آ جاتا ہے اور اسلئے میں کوئی اور جواب دینے کی بجائے وہی فقرہ نقل کر دیتا ہوں سیاق و سباق خود بتا دیگا کہ اسکے کیا معنے ہیں۔ "میں ایسے شخص کا سخت دشمن ہوں کہ جو کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہو کر پھر خیال کرتا ہے کہ میں خدا ہوں۔ گو میں مسیح ابن مریم کو اس تہمت سے پاک قرار دیتا ہوں کہ اسنے کبھی خدائی کا دعویٰ کیا تاہم میں دعویٰ کرنیوالے کو تمام گنہگاروں سے بدتر سمجھتا ہوں میں جانتا ہوں اور مجھے دکھایا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم اس تہمت سے بری اور راستباز ہے اور اس نے کئی دفعہ مجھسے ملاقات کی لیکن ہر ایک دفعہ اپنی عاجزی اور عبودیت ظاہر کی۔ ایک دفعہ میں نے اور اسنے عالم کشف میں جو گویا بیداری کا عالم تھا ایک جگہ بیٹھکر ایک ہی پیالہ میں گائے کا گوشت کھایا اور اسنے اپنی فروتنی اور محبت سے میرے پر ظاہر کیا کہ وہ میرا بھائی ہے اور میں نے بھی محسوس کیا کہ وہ میرا بھائی ہے تب سے میں اس کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں سو جو کچھ میں نے دیکھا ہے اسکے موافق میرا یہی عقیدہ ہے کہ وہ میرا بھائی ہے گو مجھے حکمت اور مصلحت الٰہی نے اسکی نسبت زیادہ کام سپرد کیا ہے اور اسکی نسبت زیادہ فضل اور کرم کے وعدے دیئے ہیں مگر پھر بھی میں اور وہ روحانیت کی رو سے ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے ہیں اسی بنا پر میرا آنا اسی کا آنا ہے جو مجھ سے انکار کرتا ہے وہ اس سے بھی انکار کرتا ہے۔ اس نے

مجھے دیکھا اُسنے خوش ہوا پس وہ جو مجھے دیکھتا اور ناخوش ہوتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے نہ مجھ میں سے ہے اور نہ مسیح ابن مریم میں سے اور مسیح ابن مریم مجھ میں سے ہے اور میں خدا سے ہوں مبارک وہ جو مجھے پہچانتا ہے اور بدقسمت وہ جس کی آنکھوں سے میں پوشیدہ ہوں "

انسانی نسل کشی اور حفاظت اولاد کا مقابلہ

ایک انگریزی کتاب جس کے نام کا ترجمہ عنوان میں درج ہے میرے پاس بغرض ریویو پہونچی ہے اسکا مصنف ایک شخص ایولٹن مسنٹر نامی ہے اور اگرچہ صرف ساٹھ صفحہ کی کتاب ہے مگر اسکی ایک ایک سطر قابل قدر ہے - اس میں عیسائی ممالک کے جھوٹی پرہیزگاری کے دعوے کی حقیقت کھولکر دکھائی گئی ہے - اور مصنف نے یہ دکھایا ہے کہ کونسی راہ اختیار کرنے سے عیسائی ممالک میں بدکاریوں کی کمی ہو سکتی ہے - جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ حیرت میں ڈالنے والے ہیں مگر اس سے بڑھکر حیرت میں ڈالنے والا یہ امر ہے کہ عیسائی صاحبان ان واقعات کیطرف توجہ نہیں کرتے تعجب ہے کہ ان قوموں میں جہاں ہزاروں دانشمند عجیب عجیب رنگوں میں اپنی ذہانت کے نئے نئے نمونے دکھاتے ہیں ایک بھی ایسا نہیں جو ان بیماریوں کے علاج کیطرف توجہ کرے جو عیسائی سوسائٹی کی جڑھ کو کھا رہی ہیں - مہذب دنیا اپنے عیش کے شغلوں میں اسطرح آنکھیں بند کئے مصروف ہے کہ وہ کبھی یہ غور بھی نہیں کرتے کہ ان باتوں کا آخر انجام کیا ہوگا - بلکہ اگر کوئی شخص ان میں کثرت بدکاری پر لکھنے کی جرأت بھی کرتا ہے تو وہ مہذب سوسائٹی سے لعن وطعن کا ہی انعام پاتا ہے اور اسباب کو کہ اصل تصویر ان سیاہ کاریوں کی کوئی کھینچے جو پھیلی ہوئی ہیں سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جو واقعات مسٹر صاحب نے اپنی کتاب میں بیان کئے ہیں وہ انہوں نے عیسائی اخباروں یا عیسائیوں کی تحریروں سے ہی لئے ہیں اور ان میں سے میں بطور اختصار یہاں چند واقعات بیان کرتا ہوں جس سے میری غرض صرف یہ ہے کہ تا ان امور کیطرف تہذیب کے دعویدار توجہ کرکے علاج کی تلاش میں لگیں -

دی شکاگو کا ڈاکٹر نایٹ لکھتا ہے کہ امریکہ میں مرد عورت کے تعلقات میں بدکاری بڑی تیزی سے پھیلتی جاتی ہے اور اسیکا نتیجہ ہے کہ نہ صرف حمل کے اسقاط میں ہی کثرت ہوتی جاتی ہے بلکہ بچہ کشی بہت پھیلتی جاتی ہے - اور ان دونوں باتوں کی کثرت ضرور قانون کو مجبور کریگی کہ انکے روکنے کیلئے سخت سزائیں خاص طور پر دیجاویں حمل کو روکنے کی رسم بہت پھیل گئی ہے اور یہ ایک خطرناک بدی ہے اصل وجہ اسکی یہ ہے کہ لوگ دنیا کی عیاشی اور نفسانی لذات کا حصول چاہتے ہیں - مگر جو نتائج ان اغراض کے پورا کرنے سے پیدا ہوتے ہیں انکو وہ خود غرضی کی وجہ سے برداشت کرنا نہیں چاہتے مسٹر ڈایک کے بیان کے مطابق جو انجمن اصلاح قانون طلاق کا ممبر ہے ریاست متحدہ امریکہ میں ہر سال چھ ہزار عورتوں کی جانیں اس کوشش میں تلف ہوتی ہیں کہ وہ جنین کو ضائع کرنا چاہتی ہیں یعنی اسقاط حمل کی وجہ سے - ویسٹمنسٹر ریویو لکھتا ہے کہ چھوٹے بچوں کی موت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ بچے عمداً ضائع کردیئے جاتے ہیں جنکی ضرورت نہیں سمجھی جاتی یعنی وہ جنکے والدین غریب ہوتے ہیں مگر اکثر اور عموماً وہ ناجائز تعلق سے ہوتے ہیں جنکی سالانہ تعداد ہمارے ملک میں پچاس ہزار سے زیادہ ہے -

"ذیل کا حیرت میں ڈالنے والا واقعہ ملفوظ سٹینڈرڈ میں چھپا ہے۔ یہاں سے کہ ولیلینڈ میں سخت بیماری عام طور پر پھیل گئی اور چونکہ یہ بیماری کسی مقام سے مخصوص نہ تھی اسلئے حکام نے یہ نتیجہ نکالا کہ پانی میں کوئی نقص ہے چنانچہ تالاب کا پانی نکالا گیا تو یہ وحشتناک بات معلوم ہوئی کہ اس تالاب میں سات سو بچوں کی لاشیں ہیں وہی پرچہ آگے لکھتا ہے اگر معصوم بچوں کا اسقدر قتل عام کلیولینڈ میں ہو سکتا ہے تو پھر تجارت اور بدکاری کے بڑے بڑے مرکزوں میں کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا سینٹ لوئس اور شکاگو کے بدکار شہروں کی کیا حالت ہوگی اور سان فرانسسکو کے عیاش شہر میں کیا کیا ناقابل ذکر باتیں نہ ہوتی ہونگی یہ سات سو لاشیں ان سیہ کاریوں کا ایک چھوٹا سا نشان ہیں جو ہمارے ملکوں میں پھیلی ہوئی ہیں نسل کشی کا گناہ جو سخت درجہ کی بزدلی کا نتیجہ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت خطرناک گناہوں میں سے ایک گناہ ہے صرف بچہ کشی تک ہی محدود نہیں بلکہ ایسی ہی سیاہ کاری کا ارتکاب اسقاط حمل کے ذریعہ بھی کیا جاتا ہے یہ خاص عیسائی بدکاریاں ہیں یعنی بکثرت عیسائی لوگوں میں پائی جاتی ہیں لیکن عیسائی بزرگ کبھی انکا ذکر نہیں کرتے"

میں ان شرمناک واقعات کے ذکر کو بڑھانا نہیں چاہتا جو شخص مفصل واقفیت ان حالات سے حاصل کرنا چاہتا ہو وہ اس کتاب کو پڑھے وہ سیاہ کاری جسکا نام تمدنی بدی رکھا جاتا ہے خطرناک طور پر عیسائی ممالک میں پھیلی ہوئی ہے اور اسکو سب تسلیم کرتے ہیں ایک عورت مسز ارشن کیمبل جو ایک مشہور مصنف ہے لکھتی ہے "میں یہ نہیں کہتی کہ ایک خاوند کی ایک ہی عورت ہونا اعلیٰ درجہ کا اصول نہیں مگر میں کہتی ہوں کہ اس زمانہ کے لوگ عملی طور پر زوج واحد کے قاعدے کو نباہ نہیں سکتے بلکہ تعدد ازدواج کسی نہ کسی صورت میں ہمارے درمیان موجود ہے یا تو کھلا کھلا جیسا یوٹا کی ریاست میں اور یا پوشیدہ طور پر جیسا کہ باقی کی تمام ریاستوں میں غرضیکہ عام رواج عیسائی ممالک میں تعدد ازدواج کا ہے اور جھوٹ موٹ کا قاعدہ زوج واحد کا ایک سخت دھوکا اور منافقت ہے اور رنڈی بازی کو جھوٹ اور نفاق کیسا نہ چھپایا جاتا ہے یہ امر کہ پانچ لاکھ عورت ہمارے درمیان اس قسم کی موجود ہے اور ہر ایک شہر و قصبہ میں بحصہ رسدی وہ موجود ہیں یہ کافی ثبوت ہے اس بات کا کہ ایسے خاوند جو نکاح کے معاہدے کو پوری طور پر نگاہ رکھنے والے ہوں بہت کم پائے جاتے ہیں اور عام قاعدہ کے لئے جو لوگ اسکے خلاف ہیں بطور استثناء کے ہیں اب یہ تمام کی تمام عورتیں بذریعہ اغوا کسبیوں میں آکر شامل ہوتی ہیں اور یا خرید کر لائی جاتی ہیں اور پھر ہم میں سے ہی وہ مرد ہیں جو انکے اس کسب میں گذارہ کے لئے انکو روپیہ دیتے ہیں جس سے وہ پوشاک اور خوراک خریدتی ہیں اور ہم میں ہی وہ مرد ہیں جنکی وجہ سے قریباً ایک لاکھ ایسی عورتیں ہر سال نکمی ہو جاتی ہیں اے مردو! جو ہمارے باپ یا بھائی ہو۔ کب تک تم ہم سے دغا بازی کرو گے تمہارا دعوے تو یہ ہے کہ تم عورتوں سے جوانمردی کا اور فیاضی کا سلوک کرتے ہو مگر عمل تمہارا اسکے خلاف ہے اور تم ہر روز ہمیں دھوکا دیتے ہو تم ظاہر میں نیکی اور پرہیزگاری کی عظمت دکھلاتے ہو مگر اپنی پرہیزگاری کا تمہیں کچھ بھی خیال نہیں ہے تم ہمیں کہتے ہو کہ ہمیں کسبیوں کے پیشہ سے نفرت ہے مگر تم ہی کسبیوں کے بازار میں جا کر پیسے دیکر عورتوں کو خریدتے ہو۔"

مگر ان تمام سیاہ کاریوں اور بدکاریوں کی عیسائی ممالک میں اس وجہ سے برداشت کیجاتی ہے کہ تعدد ازدواج کے خلاف انکو سخت تعصب ہے عیسائی ممالک میں ہر ایک بدکاری کی کھلی اجازت دیجاتی ہے اور اگر رد کیا جاتا ہے تو تعدد ازدواج سے ہی رد کیا جاتا ہے۔ زنا رنڈی بازی اور نسل کشی ان تمام بدکاریوں کو تعدد ازدواج پر ترجیح دیجاتی ہے یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں دلائل کو دخل نہیں دیا جاتا اور بڑے بڑے دلائل کے شیدا اسجگہ دلیل کو نزدیک نہیں آنے دیتے بڑے بڑے فلاسفر مرد و عورت کے تعلقات کو بیان کرتے وقت عقلی دلائل کو بھول جاتے ہیں انکے نزدیک ارتکاب زنا یا اغوا یا کسبیوں کا پیشہ اختیار کرنا یا کسبیوں سے تعلقات رکھنا یا بچوں کا ضایع کرنا یہ بڑے گناہ نہیں ہیں بلکہ ان سب سے بڑا گناہ جسکی وہ برداشت نہیں کر سکتے تعداد ازدواج ہے تمام بدکاریوں کی برداشت کیجا سکتی ہے مگر تعدد ازدواج کی کسی صورت میں برداشت نہیں کی جا سکتی اور انکے نزدیک یہی سب سے بڑی بدی ہے جس کو دنیا سے نیست و نابود کرنا چاہیے زانی اور اغوا کرنیوالا اور گھروں میں عورتیں ڈال لینے والا اور کسبیوں کے پاس جانیوالا ان کے نزدیک قابل گرفت نہیں مگر تعدد ازدواج پر عمل کرنیوالا ہر طرح پر دُکھ دئے جانیکے لایق ہے اور وہ ایسا خطرناک انسان ہے کہ اس کے پاس بھی کسی کو نہیں پھٹکنا چاہیے اور نہ اسے کسی قومی مشورہ میں شامل کرنا چاہیے۔ میں حیران ہوں کہ تعدد ازدواج کو برا کہنے والوں نے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی غور کیا ہے کہ آیا واقعی تعدد ازدواج زناکاری سے بدتر ہے ہرگز نہیں کیونکہ یہ ایسا عمل ہی نہیں جس پر عقل اور دلیل کو دخل دیا جاوے زانی اور اغوا کرنیوالا اور منکوحہ کے سوا کسی محبوبہ سے کھلا تعلق رکھنے والا یہ سب لوگ سوسائٹی میں عزت پانیکے قابل ہیں اور سوسائٹی سے نکالا جانیکے قابل اگر کوئی شخص ہے تو وہی ہے کہ جو ایک سے زیادہ بیویاں کرے سوسائٹی تباہ ہوجائے اور ذلت کے گڑھے میں گر جاوے مگر تعدد ازدواج کا نفرت انگیز نام کسی عیسائی کے منہ سے نہیں نکلنا چاہیئے تعداد ازدواج کی نفرت گویا ان لوگوں کے نزدیک ایک ایسی نیکی ہے جو خطرناک سے خطرناک بدکاریوں کا کفارہ ہوجاتی ہے اور یہ عذر کہ ہمیں تعدد ازدواج سے نفرت ہے اس بات کے لئے کافی ہے کہ عورتوں کو ذلیل سے ذلیل اور گندے سے گندے پیشوں کے لئے مجبور کیا جاوے

میں یہ نہیں کہتا کہ عیسائیوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کے ذہن میں یہ باتیں نہ آتی ہوں اور جو اس احمقانہ تعصب پر جو ان کو تعدد ازدواج کے نام سے ہے غالب نہ آگیا ہو مسٹر صاحب نے جنکی کتاب اسوقت میرے سامنے ہے اعلےٰ درجہ کی اخلاقی جرأت دکھائی ہے اور عیسائیوں کی عقل اور کانشنس کے سامنے پر زور اور پر درد الفاظ میں یہ اپیل کی ہے کہ وہ ناحق کے تعصب کو چھوڑ کر تعدد ازدواج کے سوال پر دلائل سے بحث کریں انکے بعض فقرات اس قابل ہیں کہ ان کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کیا جاوے مسٹر صاحب فرقہ مارمن کے عیسائی ہیں اور وہ ایک خط میں (جو انہوں نے ایک تعدد ازدواج کے مخالف کو مخاطب کرکے لکھا ہے) لکھتے ہیں۔

"اب اس امر کے متعلق جس کو تم لوگ تعدد ازدواج کی ناپاک رسم کہتے ہو چند واقعات اور دلائل پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اس پاک رسم نکاح کو جو تعدد ازدواج ہے سچا ماننے اور اسپر

عمل کرنیکے لئے کونسی تحریکات اور اغراض ہیں اور اسمیں ہماری کیا نیت ہے ہم یہ مانتے ہیں اور کھلے کھلے الفاظ میں یہ کہتے ہیں کہ ہر ایک قسم کی زناہ کاری اور ناپاکی کے لئے ہمارے جذبات قلب میں سخت درجہ کی نفرت ہے اور ہمارے نزدیک زنا کاری ایسا ہی خطرناک گناہ ہے جیسا کہ قتل۔ اور ابتدا ہی سے ہم نے اس قسم کو اختیار کیا ہے یہ ہمارے مسلمہ اصول میں سے ایک اصل ہے کہ مذہبی اور معمولی عدالتوں میں [illegible] زنا کے لئے ہمارے قوانین اور قواعد میں نہایت سے سخت سزا تجویز ہونی چاہیئے۔

پرانے اور نئے عہد نامے میں شروع سے اخیر تک عورتوں کے صاحب اولاد ہونیکو خدا تعالیٰ کا بڑا فضل کہا گیا ہے اور عقیم یعنی بانجھ ہونے کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ایک نشان قرار دیا ہے مارمن یا اور لوگ بڑے ہی بیوقوف اور سخت احمق ہوں اگر وہ ایک بات کو جسکو آپ لوگ وحشیانہ اور ظالمانہ طریق سے ناپاک رسم کہتے ہیں (حالانکہ وہ انسانی ترقی کی معاون ہے) محض جذبات نفسانی کے پورا کرنیکے لئے اختیار کریں خصوصاً اس حالت میں جب کہ انکی خطرناک مخالفت بھی اسی وجہ سے ہو رہی ہو درحالیکہ نفسانی اور شہوانی جذبات کو وہ دوسرے عہد و ملت والے عیسائیوں کی طرح بڑی آسانی سے پورا کر سکتے ہیں جس میں نہ کوئی خرچ ہی ہے نہ کوئی ذمہ داری ہے نہ کوئی مواخذہ کرنے والا ہے اگر صرف شہوت رانی ہی اصل مقصود نکاح سمجھ لیا جاوے تو کوئی آدمی جسکی عقل چکرائی ہوئی نہ ہو اس ذمہ داری کو ناحق اٹھانا پسند نہ کریگا اسکے بچوں کے بڑے بڑے کنبے ہوں جسکو تعلیم اور تربیت دینا اور انکی پرورش کرنا اور ان کے اور انکی ماؤں کے لئے خوراک پوشش مکان وغیرہ کا انتظام کرنا اسکے ذمے ہو اور پھر ساتھ اسکے یہ باتیں اور بھی بڑھی ہوئی ہوں کہ اس کے اس فعل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو جرمانہ کیا جاتا ہو سزائیں دیجاتی ہوں مال و اسباب قرق کیا جاتا ہو عبادت گاہیں ویران کیجاتی ہوں شہر لوٹ لئے جاتے ہوں وغیرہ ہزارہا قسم کی تکلیفیں جھیلنی جاتی ہوں یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ دانشمند لوگ یہ تکلیفیں اور ذمہ واریاں محض ایک نفسانی جذبہ کو پورا کرنیکے لئے اختیار کریں حالانکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ انکے ہی بھائی نفسانی جذبات کو کسقدر آسانی سے پورا کر رہے ہیں اور بڑے سے بڑے شیطانی افعال کا ارتکاب کرتے ہیں انکو کسقدر آسانیاں ہیں اور پھر ایک برائے نام مہذب سوسائٹی میں اکثر تعداد بیاہے ہوئے اور مجردوں کی ایسی ہی ہے جو بغیر کسی ذمہ واری کے اٹھانیکے اور نہایت قلیل خرچ سے اغوا زناکاری اور ایسی ہی بدکاریوں کا ارتکاب کر رہے ہیں اور اپنے جسم اور روح دونوں کو تباہ کر رہے ہیں۔

"میں ایکدفعہ واشنگٹن میں گیا ہوا تھا کہ ایک بڑے مدبر نے جو ہر قسم کی ناپاکی سے ہماری مذہبی نفرت کو خوب سمجھتا تھا سنجیدگی سے میرے پاس یہ بیان کیا کہ کانگریس کے اجتماع کے دنوں میں اس شہر میں کوئی عورت جس کے ساتھ کوئی محافظ نہ ہو عفت پر حملے سے محفوظ نہیں ہوتی سوائے اس آزادی کی دیوی کے جسکا بت گنبد پر موجود ہے اور وہ بھی اس لئے

محفوظ رکھا ہے کہ وہاں تک کوئی پہنچ نہیں سکتا۔

مسٹر ڈیس بلیک ایکس سکرٹری کہتا ہے کہ بعض مقامات پر جہاں صرف ریاست ہائے متحدہ کی حکومت ہر حیثیتوں کی عورتوں کو بطور راونڈیوں کے گھروں میں رکھا جاتا ہے شہر وانشگٹن و دیگر آدمیوں سے بھرا پڑا ہے حالانکہ انہیں سے ایک ہزار میں سے ایک بھی ایسا نہ ہوگا جو جایز طور پر نکاح شدہ والدین کی اولاد ہو۔

"کون آدمی زیادہ عزت کے لایق ہے وہ جو نکاح کی ذمہ داری کو نسل انسانی کی ترقی دینے کے لئے اختیار کرتا ہے اور خوشی سے اسکی تمام پاک اور بڑی بڑی ذمہ واریوں کو جو بحیثیت والد ہونے کے اسے پیش آتی ہیں اٹھاتا ہے اور اسطرح ان حقوق کو ادا کرتا ہے جو خدا اور ملک اور قوم کے حقوق اسکی گردن پر ہیں زیادہ آدمی عزت کے قابل ہو سکتا ہے جو محض ایک جذبہ کو پورا کرنیکے لئے ایک وقتی تعلق محبت کا جسمیں محرک صرف جوش شہوانی ہوتا ہے پیدا کرتا ہے؟

"آپ لوگ خوب جانتے ہیں کہ مہذب دنیا میں لاکھوں بیاہی ہوئی عورتیں ایسی موجود ہیں جو ضعیف اور عقیم ہو چکی ہیں اور جنکا عقم قابل علاج ہی نہیں پھر یہ کیسا ظلم کیسا خلاف فطرت انسانی کسقدر ناانصافی کسقدر دوراندیشی سے بعید اور خدا کے قانون اور قدرت کے قانون اور ملک اور قوم کے خلاف کیسا سخت جرم ہے کہ بڑے بڑے مشہور اور لایق آدمیوں کے نام انکو مجبور کر کے ہمیشہ کے لئے محو کئے جائیں صرف اس وجہ سے کہ ایک عورت جس سے انہوں نے بیاہ کیا ہے عقیم ثابت ہوئی ہے یا کسی اور وجہ سے اولاد پیدا کرنیکی قابلیت نہیں رکھتی ایک آدمی جسکے کیسے زر سے پر ہیں وہ جاگیریں ریل کی سڑکیں بنک جہاز کارخانے سونے کی کانیں اور بڑے بڑے گلے خرید سکتا اور انکا مالک ہو سکتا ہے یہی نہیں بلکہ ایک ہی وقت میں جسقدر جی چاہے محبوبہ رکھکر ان سے ناجایز تعلق [illegible] پیدا کر سکتا ہے مگر جبتک کہ اسکی قابل اولاد عورت زندہ ہے اسوقت تک اس بات کا ہرگز اسے اختیار نہیں کہ وہ جایز اولاد پیدا کر سکے خواہ اسکے دل میں اسکے لئے کیسی ہی تڑپ موجود ہو ایسی اولاد جو اسکے نام کو قایم رکھنے والی ہو اور اس کی وارث ہو"

ایک عورت کے دل میں نکاح کی خواہش ہوتی ہے اسکے متعلق مسٹر صاحب نے ایک عورت کی ہی تحریر کو نقل کیا ہے وہ کہتی ہے "دس لاکھ عورتوں میں ایک بھی ایسی نہیں جسکو اگر نکاح کرنے کا موقع ملے تو وہ نکاح نہ کرے خواہ وہ دانشمند ہو یا بیوقوف امیر ہو یا غریب خوبصورت ہو یا بدصورت نکاح اسکے لئے بشرطیکہ صحیح معنوں میں نکاح ہو اعلیٰ درجہ کا بہشت ہے اور سچ یہ ہے کہ دنیا میں مرد کا بہشت بھی یہی ہے عورت دوسرے مواقع میں مفید ثابت ہو سکتی ہے بڑی بن سکتی ہے مگر اس کے تمام قوی جو قدرت نے اسکو دے ہیں انکی تکمیل سوائے نکاح کے نہیں ہوتی جبتک کہ وہ ایک ماں یا عورت کی محبت کے اظہار کرنیکا موقع نہیں پاتی اسکے قوی کا ایک حصہ بالکل بند رہتا ہے اور اسپر گویا مہر لگی رہتی ہے۔"

ان تمام شہادتوں سے ثابت ہوگا اگر یورپ اور امریکہ کی کثرت فسق کا کوئی علاج ہے تو وہ صرف تعدد ازدواج ہے مگر افسوس ہے کہ عیسائی لوگ دق کے بیمار کی طرح جو اپنے آپکو بیمار نہیں سمجھتا اور اس لئے دوائی استعمال نہیں کرتا بدکاری کی اس

کثرت کے باوجود اپنی بیماری کو تسلیم نہیں کرتے جسکا نتیجہ یہ ہو کہ روز بروز اس سوسائٹی کی حالت ابتر ہوتی جاتی ہی کاش کہ وہ ٹھنڈے دل سے ان باتوں پر غور کریں اور دلونکو تعصب سے خالی کرکے ان دلائل کو وزن کریں کہ کسبیوں کے پیشہ کی بیخکنی اسوقت تک غیر ممکن ہی جب تک کہ عورتوں کے لئے کوئی ایسی راہ نہ کھولی جاوے کہ انکو خاوند کرنیکی ممانعت نہ ہو خواہ وہ دوسری یا تیسری یا چوتھی بیوی بنکر ہی نکاح سے فائدہ اٹھا سکیں وہ عورتیں جو اپنی جنس کے لئے کوئی عزت اپنے دلونمیں رکھتی ہیں سوچیں کہ ایک غریب اور معصوم لڑکی اسیوقت بدکاری سے بچ سکتی ہے جب اسکو موقع دیا جاوے کہ وہ معززہ بیوی بن سکے ہمدردی انسانی کا دعویٰ کرنیوالے غور کریں۔ کہ جبتک وہ نکاح کے باب میں اپنے قوانین کو درست نہیں کریں گے سچی ترقی ناممکن ہے کسی اصلاح سے مایوس نہیں ہونا چاہیے وہ خدا جس نے امراض پیدا کی ہیں انکے علاج بھی اسنے پیدا کئے ہیں ہاں تھوڑی سی اخلاقی جرأت بکار ہو کر دوائی کو استعمال کیا جاوے

نوٹ اور ریویو

رسالہ جواز سود۔ یہ ہے تصنیف "فضل الفضلا زبدۃ الحکما مولٰنا سید عبد الصمد صاحب" کی گویا قرآن شریف کے حکم حرمت سود کے بالمقابل یہ رسالہ جواز سود پر لکھا گیا ہے لوگوں کی رائیں سود کے متعلق بیان کرنیکے بعد آپ ایک قول فیصل دیتے ہیں جو یہ ہو کہ اول تو جو آیت احل اللہ البیع وحرم الربٰوا نازل ہوئی اسمیں اعلیٰ درجہ کا اجمال ہو دوم جو حدیثیں دربارہ مضمون آیت احل اللہ البیع وحرم الربٰوا کے وارد ہوئیں وہ خالی اجمال سے نہیں ہیں اور تشریح ناکافی ہو لہذا میری رائے ناقص میں یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ آیت قرآنی احل اللہ البیع وحرم الربٰوا کو بھی مانند ان آیتوں کے حمل کیا جاوے کہ جنکے متعلق مفسرین تحریر فرماتے ہیں اللہ اعلم بمرادہ یعنی مانند آیات مقطعات و متشابہات کے کہ جسکے معنے ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ ہمکو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے کہ سود کو ہم جایز نہ رکھیں"۔ مگر اگر مجمل بھی ہو تو اسکے خلاف فتویٰ دینے کا آپکو کیا حق ہے اللہ اعلم بمرادہ کے کہنے والے کو تو چاہیے تھا کہ وہ کہتا کہ میں نہیں جانتا سود حرام ہے یا حلال نہ یہ کہ فتویٰ دے کہ تم سود کھاؤ ابتک تو جسقدر لوگوں نے جواز سود کی کوششیں کی ہیں وہ خاص حالات کے ماتحت سود کو جایز کرنا چاہتے تھے مگر سید عبد الصمد نے قرآن کریم کی مخالفت کے کسی پہلو کو باقی نہیں چھوڑا اور قرآن شریف کے عام حرمت ربا کے حکم کے مقابل عام جواز سود کا فتویٰ دیدیا یہ ہے ہمارے علماء کی حالت اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ انکے نزدیک جتنا سود کوئی چاہے لے اجازت ہے کیونکہ انکے نزدیک ایک سارے کا سارا رکوع مقطعات اور متشابہات میں سے ہے اس طرح سے تو ہر ایک حکم کو متشابہات میں رکھا جا سکتا ہے۔ اقیموا الصلوٰۃ معلوم نہیں نماز کونسی تھی تیرہ سو برس کی بات ہے ایسا ہی روزے رکھنا زکوٰۃ دینا حج کرنا وغیرہ احکام یا ایسی حرمتیں جیسی شراب یا قمار یا زنا کا حرام کرنا ان سب کو مجمل ٹھہرا کر جواز شراب جواز قمار جواز زنا پر بھی رسالے لکھکر ایک نیا اپنی مذہب قایم کردیں اور ابھی آپ لکھتے ہیں کہ یہانتک جو کچھ بندہ عبد الصمد نے لکھا با مداد غیبی کے

لکھا" پھر آپ یہ لکھتے ہیں کہ حرمت سود کے حکم کی علت ظلم ہے جیسا کہ فرمایا ہے لا تظلمون ولا تُظلمون لیکن اگر پہلے معاہدہ ہو جائے کہ اسقدر روپیہ پر اسقدر سود لیا جاویگا تو ظلم نہ رہا بلکہ حق ہو گیا گویا رضامندی فریقین حرام کو حلال کر دیتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ زنا حرام ہو وہاں بھی تو رضامندی فریقین ہو جاتی ہے بلکہ کچھ پیسے اُجرت کے بھی کسبیاں لے لیتی ہیں یہ تو آپ کے نزدیک عین حلال ہونا چاہیئے اور قماربازی کو بھی سود پر قیاس کر لو اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ ربائے جاہلیت میں پہلے سود مقرر نہ ہوتا تھا یہ سراسر حماقت ہے رسالہ جواز سود لکھ مارا اور تحقیق کی یہ حالت ہے دیکھو تفسیر کبیر اما ربا النسیئۃ فھو الامر الذی کان مشھورا متعارفا فی الجاھلیۃ وذلک انھم کانوا یدفعون المال علیٰ ان یاخذوا کل شھر قدرا معینا و یکون راس المال باقیا۔ افضل الفضلا زبدۃ الحکما صاحب اسکے معنے اگر نہیں سمجھتے تو کسی اور سے پوچھ لیں کسی عرب کے جاہل سے ہی پوچھ آئیں۔

"**بیبل کلام اللہ نہیں ہے**" ہمنے گذشتہ رسالہ میں عیسائی اخبار تجلی کے حوالہ سے لکھا تھا کہ ایک زمانہ میں عیسائی لوگ بائبل کو کلام الٰہی مانا کرتے تھے اور مسلمانوں کو چیلنج کیا کرتے تھے کہ بائبل میں تحریف کا ثبوت دیں آج نہ وہ اس کتاب کو کلام الٰہی مانتے ہیں اور نہ ہی تحریف سے خالی مانتے ہیں اسپر اخبار نور افشاں جھنجھلایا ہے اسکا تو حق تھا کیونکہ بائبل کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنے سے مشنریوں کا تو کام نہیں چلتا مگر مجھے حیرت ہے کہ مسٹر فضل نے بھی اس تحریر سے بہت کچھ پریشانی ظاہر کی ہے گویا یہ کہتے ہیں کہ بائبل کلام الٰہی نہیں ہمنے تحریف کی ہے حالانکہ مینے* اسکے اپنے الفاظ جواب اس مضمون کے عنوان میں درج ہیں پہلے بھی لکھدئے تھے انکے صاف الفاظ یہ ہیں جنکو اب وہ سوائے اسکے کہ تجلی کے وجود کو دنیا سے نیست و نابود کیا جاوے محو نہیں کر سکتے "**بیبل کلام اللہ نہیں ہے** بلکہ اسمیں کلام اللہ کا حال درج ہے اور کلام اللہ درحقیقت خود یسوع مسیح ہے" اگر لکھتے وقت بائبل کی اسطرح اسکی پرانی عظمت چھین لینے میں راقم کو یہ خیال نہ ہوتا کہ اب بائبل کا باقی کچھ نہیں رہا اور اسکی ساری عمارت کی بنیاد اکھڑ گئی ہے تو وہ اس قسم کی کفوتھی بات نہ لکھتا کہ "اگرچہ ہم اس یسوع مسیح پر ایمان رکھتے ہیں جسکا ذکر بائبل میں پایا جاتا ہے تاہم ہم اسے اس بنا پر نہیں مانتے کہ اسکا ذکر و شہادت بائبل میں پائی جاتی ہے بلکہ ہمارے ایمان کی بنیاد **ان فانی ورقوں سے** بالا اس رُوح القدس کی شہادت میں ہے جو ایمانداروں کی روحوں میں سکونت کرتا ہے"۔ یہ کیسا سیاہ جھوٹ ہے چاہے ان ورقوں کو فانی کہو یا ردی کہو یہ تو آپکو اختیار ہے مگر یہ جھوٹ ہے کہ بائبل کے ان قصص سے علاوہ نہیں اور کہیں یسوع مسیح ملا ایمانداری سے کہنا کہ جسوقت اپنے خدائے واحد کو چھوڑ کر مصلوب خدا کے نام میں

---

* مجھے معلوم نہیں کہ اس مضمون کے لکھنے والے مسٹر فضل ہی ہیں یا اور کوئی صاحب مگر چونکہ بہرحال انہیں مضمون تجلی سے اتفاق ہے اور جو کچھ اسمیں بائبل کے متعلق لکھا گیا ہے وہ اسے سچ مانتے ہیں اسلئے میں انہیں ہی مخاطب کرتا ہوں جسکی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ایڈیٹر صاحب بدر کو ایک خط لکھا ہے جسمیں میرے اس ریویو کو سخت تحریف قرار دیا ہے منہ

نوٹ۔ یہ لکھا جا چکا تھا کہ رسالہ تجلی بھی پہنچ گیا ہے اور اسمیں بھی ایک نوٹ میں ایسی ہی سراسیمگی ظاہر کی ہے۔ منہ

بپتسمہ لیا تھا تو اسی بنا پر لیا تھا کہ بائبل کلام الٰہی ہے اور جو کچھ اسمیں یسوع مسیح کے معجزات اور تعلیم وغیرہ کے متعلق لکھا ہے وہ صحیح ہے یا کسی اور بنا پر؟ اور یہ بھی ایمان سے جواب دیں کہ کتنی مدت تک پھر آپ مسیح کو صرف بائبل کی بنیاد پر مانتے رہے؟ بہر حال اگر "بائبل کلام اللہ نہیں ہے" آپ کے ہی الفاظ ہیں اور تجلی میں موجود ہیں تو ہم نے تحریف نہیں کی اور ڈواڈفنشان اور مسٹر فضل کو تجلی کے لکھنے والے پر ناراض ہونا چاہیئے جس نے یہ لفظ لکھدیے اور اس سے اختلاف رائے ظاہر کرنا چاہیئے کہ یہ ہمارا مذہب نہیں اور ہم بائبل کو کلام اللہ مانتے ہیں

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعودؑ

یکم مارچ ۱۹۰۶ء۔ زلزلہ آنیکو ہے فرمایا اسکے معنے یہ ہیں کہ اسی زلزلہ کو جو ہوا اصل زلزلہ نہ سمجھو بلکہ سخت زلزلہ آنیکو ہے ۷۔ مارچ ۱۹۰۶ء۔ ہا اتی امر تک ۔۹۔ مارچ ۱۹۰۶ء زلزلہ آنیکو ہے رب لاترنی موت احد منھم یعنی اے میرے رب ان میں سے کسی کی موت مجھکو نہ دکھلا رب لا ترنی زلزلۃ الساعۃ (ترجمہ) اے میرے رب مجھکو زلزلۃ الساعۃ نہ دکھائیو یعنی اسکی گھبراہٹ اور فزع نہ دکھائیو؛ پھر الہام ہوا ہمارے لئے عید کا دن۔ بعد اسکے یہ الہام ہوا جس سے تو بہت پیار کرتا ہے میں اس سے بہت پیار کرونگا اور جس سے تو ناراض ہے میں اس سے ناراض ہونگا یعنی تیرا کسی سے محبت کرنا اسکو ایسی آفت سے بچائیگا اور تیرا کسی سے ناراض ہونا اسکو ایسی آفت میں مبتلا کرے گا اور پھر الہام ہوا اینما تولوا فثم وجہ اللہ یعنی جسکی طرف تیرا منہ ہوگا اسی کی طرف خدا بھی منہ کریگا جس سے تجھے محبت ہوگی خدا بھی اس سے محبت کریگا اور اسے بچائیگا پھر الہام ہوا خدا نے تیری ساری باتیں پوری کردیں یعنی تمام کام تیری مراد کے موافق کریگا پھر الہام ہوا اما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک۔ اور وہ تمام عذاب جو مخالفین منکرین ظالمین کے لئے خدا کا وعدہ ہے خدا یا تو ان میں سے کچھ تجھے دکھلا دیگا اور یا تجھے وفات دے گا اور بعد میں وہ سب کچھ پورا کرے گا۔ یاد رہے کہ قرآن شریف کی طرز بیان کے موافق اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ خدا میری زندگی میں مخالفین کو بشرطیکہ نہ کریں توبہ کے انکی زبان درازیوں اور شوخیوں کی کچھ سزا دیگا کیونکہ انہوں نے تقوے سے کام نہ لیا اور پھر الہام ہوا قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین۔ یعنی کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا محض خدا کے لئے ہے جو رب العلمین ہے نہ کسی اور کام کے لئے اور پھر الہام ہوا رب ارنی آیۃ من السماء یعنی اے رب میرے مجھے آسمان سے ایک نشان دکھا اور پھر زلزلہ کی طرف اشارہ کرکے یہ الہام ہوا۔ اکرام مع الانعام۔ یعنی اس نشان کے ظہور کیوقت خدا ایک عزت دیگا جس کیساتھ ایک انعام ہوگا ۱۱۔ مارچ ۱۹۰۶ء الہام چو دور خسروی آغاز کردند ٭ مسلمان را مسلمان باز کردند۔ ۱۲۔ مارچ ۱۹۰۶ء۔ انی مع الافواج

اٰتیلک بغتۃً ولنجعل لک سھولۃً فی کل امرٍ ان ربک فعال لما یرید ۱۳- مارچ ۱۹۰۶ء (۱) مُردوں کو قبر جا ہو ساتھ لے جاؤ مگر عورتیں نہ جائیں (۲) انا اعطیناک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر- (۳) ان احدٌ من المشرکین استجارک فاجرہٗ-۴- سواءٌ علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون- ۱۴- مارچ ۱۹۰۶ء رؤیا میں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں- انت سلمان ومنی یا ذالبرکات پھر الہام ہوا چمک دکھلاؤں گا تم کو اس نشان کی پنج بار (یعنی نشان زلزلہ) ۱۴- مارچ ۱۹۰۶ء مقام او مبین از راہ تحقیر بد درانش رسولان ناز کردند ۱۳ مارچ ۱۹۰۶ء (رؤیا) خواب میں دیکھا کہ میر ناصر نواب صاحب اپنے ہاتھ پر ایک درخت رکھکر لائے ہیں جو پھلدار ہے اور جب مجھکو دیا تو وہ بڑا درخت ہو گیا جو بیدانہ توت کے درخت کے مشابہ تھا اور نہایت سبز تھا اور پھلوں اور پھولوں سے بھرا ہوا تھا اور پھل اسکے نہایت شیرین تھے اور عجیب تر یہ کہ پھول بھی شیریں تھے مگر معمولی درختوں میں سے نہیں تھا ایک ایسا درخت تھا کہ کبھی دنیا میں دیکھا نہیں گیا میں اُس درخت کے پھل اور پھول کھا رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی میری دانست میں میر ناصر نواب سے مراد خدائے ناصر ہے کہ وہ ایک ایسے عجیب طور سے مدد کریگا جو فوق العادت ہوگی ۱۵- مارچ ۱۹۰۶ء خدا نکلنے کو ہے (۲) انت منی بمنزلۃ بروزی (۳) وعد اللہ ان وعد اللہ لا یُبدّل- یعنی خدا ان پانچ زلزلوں کو لانے سے اپنا چہرہ ظاہر کرے گا اور اپنے وجود کو دکھلا دیگا اور تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میں ہی ظاہر ہو گیا یعنی تیرا ظہور بعینہ میرا ظہور ہو گا یہ خدا کا وعدہ ہے کہ پانچ زلزلوں کے ساتھ خدا اپنے تئیں ظاہر کریگا اور خدا کا وعدہ نہیں ٹلیگا اور وہ ضرور ہو کر رہیگا ۲۴- مارچ ۱۹۰۶ء- رفیقوں کو کہدیں کہ عجائب در عجائب کام دکھلانیکا وقت آ گیا ہے-۲ قال ربک انہ نازلٌ من السماء ما یرضیک (ترجمہ) کہا تیرے رب نے کہ تحقیق وہ آسمان سے وہ چیز اُتارنے والا ہے جو تجھے خوش کرے گی ۲۰- مارچ ۱۹۰۶ء فرمایا آج زلزلہ کیوقت کے لئے توجہ کی گئی تھی کہ کب آویگا اسی توجہ کی حالت میں زلزلہ کی صورت آنکھوں کے سامنے آ گئی اور پھر الہام ہوا رب اخر وقت ھٰذا یعنی اے میرے خدا یہ زلزلہ جو نظر کے سامنے ہے اسکا وقت کچھ پیچھے ڈالدے قاعدہ نحو کے مطابق ھٰذا کی جگہ ھٰذہٖ چاہیے تھا مگر اسجگہ ھٰذا سے مراد ھٰذ العذاب ہے کیونکہ اصل غرض تو عذاب ہے ورنہ زلزلے تو پہلے بھی آ چکے ہیں پھر بعد اسکے ساتھ ہی یہ الہام ہوا رب سلطنی علی النار یعنی اے میرے خدا مجھے آگ پر مسلط کر دے یعنی ایسا کر کہ عذاب کی آگ میرے حکم میں ہو جاوے جسکو میں عذاب دینا چاہتا ہوں وہ عذاب میں گرفتار ہو اور جسکو میں چھوڑنا چاہوں وہ عذاب سے محفوظ ہے ۲۸- مارچ ۱۹۰۶ء اخرہ اللہ الیٰ وقت مسمّی- اللہ تعالیٰ نے اسمیں تاخیر ڈالدی ہے وقت مقرر تک فرمایا چھوٹے زلزلے تو آتے ہی رہتے ہیں لیکن سخت زلزلہ جو آنیوالا ہے اسکے وقت میں تاخیر ڈالی گئی ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ تاخیر کتنی ہے ۳۱- مارچ ۱۹۰۶ء میں پچاس یا ساٹھ نشان دکھاؤں گا۔

۳۔اپریل سنہ ۱۹۰۶ء الہام ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ان اللہ قدمن علینا در کل خواب میں مولوی عبدالکریم صاحب کو دیکھا اور میں انہیں کہتا ہوں کہ دعا کرو کہ دشمنوں پر خدا مجھے غلبہ دے" اور پھر آج دیکھا کہ وہ میرا نام لیکر کہتے ہیں کہ کیوں لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں اور کیوں نہیں مانتے اور بڑے جوش اور غضب سے کچھ کہہ رہے ہیں" اور غنودگی دور ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک انگریز ہمارے گھر میں داخل ہوا ہے ساتھ محمود ہے گویا تلاشی لینی چاہتا ہے اور پاس ہی میر ناصر نواب صاحب کھڑے ہیں وہ اشارہ کر کے مجھے کہتے ہیں کہ یہ انگریز حاکم ہے تلاشی کی غرض سے آیا ہے میں کہتا ہوں کہ اسجگہ تلاشی کے لئے کونسی مشتبہ چیز ہے صرف ہماری مسودات ہیں معلوم نہیں کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہو مگر ناصر اور محمود کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ اگر کوئی امر کروہ کبھی پیش ہو تو انجام اچھا ہے ایسی خوابیں تعبیر طلب ہوتی ہیں یہ ضرور نہیں کہ تلاشی سے مراد تلاشی ہی ہو بلکہ کوئی اور پوشیدہ جستجو اس سے مراد ہو سکتی ہے جسکا انجام ظاہری بریت اور صفائی ہو واللہ اعلم بالصواب چند روز ہوئے یہ الہام ہوا تھا انا نبشرک بغلام۔ نافلۃ لک۔ ممکن ہے کہ اسکی یہ تعبیر ہو کہ محمود کے ہاں لڑکا ہو کیونکہ نافلہ پوتے کو بھی کہتے ہیں یا بشارت کسی اور وقت تک موقوف ہو۔ ۸۔اپریل سنہ ۱۹۰۶ء یاتیک الفرج ۸۔اپریل سنہ ۱۹۰۶ء رب ارنی زلزلۃ الساعۃ (۲) یریکم اللہ زلزلۃ الساعۃ ۹۔اپریل سنہ ۱۹۰۶ء (۱) رب ارنی زلزلۃ الساعۃ (۲) یریکم اللہ زلزلۃ الساعۃ (۳) اریک زلزلۃ الساعۃ (۴) یسئلونک احق ھو قل ای وربی انہ لحق ولا یرد عن قوم یعرضون (۵) نصر من اللہ وفتح مبین (۶) اراد اللہ ان یبعثک مقاماً محموداً (۷) ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ۹۔اپریل سنہ ۱۹۰۶ء وقت صبح۔ الامراض تشاع والنفوس تضاع ترجمہ امراض پھیلائی جائینگی اور جانیں ضائع کی جائینگی فرمایا یہ الہام پہلے بھی ہو چکا ہے اب پھر ہوا ہے اور خوف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے معلوم نہیں کہ قادیان کے متعلق ہے یا پنجاب کے متعلق ہے ۱۳۔اپریل سنہ ۱۹۰۶ء تاللہ لقد اثرک اللہ علینا وان کنا لخطئین۔ ۱۴۔اپریل سنہ ۱۹۰۶ء رؤیا دیکھا کہ طاعون ترقی کر رہی ہے الہام۔ زلزلہ آیا۔ زلزلہ آیا رؤیا۔ دیکھا کہ زلزلہ آرہا ہے۔ الہام۔ انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً ۱۵۔اپریل سنہ ۱۹۰۶ء۔ عالم رؤیا میں دیکھا کہ ایک سانپ شکل گہہ (مرغابی) میرا تعاقب کر رہا ہے اسکا پھر کوئی دو تین گز کا فاصلہ ہے میں کھڑا ہو گیا اور اسکو کہا کہ "خدا قاتل تو باد۔ مرا از دست تو محفوظ دارد" پھر نظارہ بدل گیا میں نے دیکھا کہ میرا پسر سوا ہوں میں نے اسکی گردن کو پکڑ لیا ہے چونکہ اسکی گردن لمبی تھی اسواسطے اس نے گردن پھیر کر میرے ہاتھ کو کاٹنا چاہا ہے مگر وہ کاٹ نہ سکا اور میں نے احتیاطاً اسکی گردن سر کے قریب سے پکڑ لی ہے اور پھر آنکھ کھل گئی فرمایا کہ کوئی مخالف پوشیدہ ہمارے برخلاف منصوبے و تدابیر کر رہا ہے چنانچہ اسکے متعلق پہلے بھی مختلف الہام ورؤیا ہو چکی ہیں جیسے الہام انی مع الافواج آتیک بغتۃ وغیرہ اور رؤیا درباره تلاشی مکان وغیرہ لیکن ایسا مخالف بالآخر ناکام رہے گا قتل کے لئے آویگا تو خود مارا جائیگا

خریداران رسالہ کی خدمت میں التماس

پہلے سال میں لکھا گیا تھا کہ جن احباب کی قیمت ۳۱۔مارچ تک وصول نہ ہو جائیگی اور نہ ہی انکی طرف سے زیادہ مہلت کی درخواست ہوگی ان سے اپریل میں پرچہ وی پی کر کے قیمت وصول کی جاویگی میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ اگلے مہینہ سے یہ سلسلہ وصولیوں کا شروع کیا جاویگا بہتر ہو کہ جو احباب کچھ مہلت چاہتے ہیں وہ دفتر میں فی الفور اطلاع دیں مگر بعد میں وی پی واپس نہ کریں کیونکہ اس سے بہت رنج پہنچتا ہے۔

معاونین رسالہ: ۔جو احباب خریدار دینی ہیں انکی خدمت میں التماس ہے کہ حتی الوسع یہ کوشش کیا کریں کہ قیمت بذریعہ وی پی پہلے وصول ہو جایا کرے اور اس کے متعلق ان دوستوں سے جنہیں وہ خریدار بنائیں پہلے فیصلہ کر لیا کریں۔ تا کہ بعد میں وی پی انکاری ہو کر نہ آیا کریں۔ خریداران (دوسرا صفحہ دیکھو)

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

نمبر ۵	بابت ماہ مئی ۱۹۰۶ء	جلد ۵

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور۔ ۲۰- مئی ۱۹۰۶ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ ۶ؔ

تعلیم الاسلام

جیساکہ دوسری جگہ اس رسالے میں لکھا جاچکا ہے مدرسہ تعلیم الاسلام کے لئے مجلس ناظم التعلیم نے ایک ماہوار رسالہ کا نکالنا تجویز کیا ہے جس سے یہ غرض کو بھی پورا کیا جانا مقصود ہے کہ مدرسہ کی تازہ ترین خبریں ماہ بماہ ساری جماعت کو پہنچتی رہیں اور رسید زر کا اعلان ہوتا رہے بلکہ اس میں ایک اور اہم مقصد مدنظر رکھا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کئی احباب نے یہ خواہش کی کہ ایک رسالہ خالص درس قرآن شریف کا ہونا چاہیئے جس میں حضرت مولوی نورالدین صاحب کے درس قرآن شریف کے مفصل نوٹ باقاعدہ اور بالترتیب درج ہوں۔ اور جب ایک دفعہ قرآن شریف ختم ہو جائے تو یہ بمنزلہ ایک پوری تفسیر کے ہو جائیگا سو اس غرض کو پورا کرنیکے لئے رسالہ تعلیم الاسلام کا اجرا تجویز کیا گیا ہے۔ اور ایسا انتظام کیا جاویگا کہ تفسیر کا حصہ بعد میں ایک جلد میں مجلد ہو سکے چونکہ ساتھ ہی اسکے یہ امر بھی مدنظر تھا کہ اسکا سلسلہ اشاعت وسیع ہو اس لئے قیمت رسالہ جو ۴۰ صفحوں سے کم نہ ہوگا مع محصولڈاک وغیرہ صرف ۲ تجویز کیگئی ہے یعنی ایک سال کے لئے عہ۔ امید ہے ہمارے وہ احباب جنکو دیر دیر تک قادیان دارالامان میں رہنے کا موقع کم ملتا ہے اس نعمت کی قدر کریں گے۔ درس قرآن شریف ابتدا سے شروع کیا جائیگا۔ پہلا رسالہ جولائی کے مہینہ میں نکلیگا مگر یہ ازبس ضروری ہے کہ خریداروں کی تعداد پہلے معلوم ہو جائے تاکہ اسی کے مطابق کاپیاں چھپوانیکا انتظام کیا جاوے اس لئے سب بھائیوں کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اس اطلاع کو پڑھتے ہی درخواستیں بنام ہیڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان بھیجدیں اور یہ اطلاع ساتھ دیں کہ آیا پہلا پرچہ انکے نام وی پی کیا جاوے یا وہ خود قیمت جولائی تک ارسال فرمادیں گے۔ اس رسالہ کا مالی فائدہ بھی اگر کچھ اسکی اشاعت بڑھ جانے پر ہوا تو وہ مدرسہ کی بہتری کیلئے ہی خرچ ہوگا اس لئے یہ دوہرے ثواب کا موقع ہے۔

دینیات کا پہلا رسالہ:۔ جسکو حضرت مولوی نورالدین صاحب نے لکھا ہے۔ مسائل نماز کے متعلق اس میں لکھے گئے ہیں۔ ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔ قیمت ا/ درخواستیں بنام شیخ یعقوب علی صاحب آویں۔

حمایت الاسلام:۔ اس کتاب کے ۱۲۸ صفحے میرے پاس بغرض ریویو پہنچے ہیں۔ اور میں نے بعض بعض مقامات سے اسکو پڑھا ہے اسکے مصنف سید احمد شیعہ مجتہد ہیں مگر جسقدر حصہ کتاب کا چھپ چکا ہے وہ بلا لحاظ فرقہ لکھا گیا ہے۔ اس حصہ میں مذہب کی ضرورت۔ نماز روزہ زکوٰۃ حج پر فلسفیانہ بحث ہے۔ جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ واقعی معقول ہیں۔ کتاب کی قیمت عا رکھی گئی ہے اور یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ جسقدر اجزا چھپتے جاوینگے وہ خریداروں کو پہنچتے رہیں گے۔ ملنے کا پتہ یہ ہے۔ سید رضی۔ کوٹھی تحصیل۔

لغات القرآن:۔ سید عبدالحیی عرب کی تالیف ہے۔ اکثر حصہ اسکا مفردات راغب سے لیا گیا ہے جو قرآن کریم کی نہایت معتبر لغات ہے عام فہم بنانیکے لئے مؤلف نے دو کالم کر دیئے ہیں ایک کالم میں عربی عبارت اور اس کے مقابل اردو ترجمہ دوسرے کالم میں۔ میرے خیال میں ایک بہت مفید کتاب ہے۔ اور بڑی محنت سے تیار کیگئی ہے حصہ اول قریباً چار سو صفحوں کا ہے اور قیمت عہ ہے۔ قادیان میں مصنف سے یا حکیم فضلدین سے ملتی ہے۔

رسالہ ورزش جسمانی:۔ حکیم اکبر شاہ خانصاحب احمدی نجیب آبادی کی تصنیف ہے مضمون نام سے ظاہر ہے۔ ۵۰ صفحے۔ قیمت ۱/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سلسلہ احمدیہ کے مختصر حالات اور عقائد

سلسلہ احمدیہ اسلام میں اس تحریک کے بالمقابل واقع ہے جو یہودی مذہب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شروع ہوئی جس سے مراد وہ عیسائی مذہب نہیں جو آجکل حضرت عیسیٰؑ کے نام پر پھیل رہا ہے بلکہ وہ تعلیم ہے جس کو قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سچی تعلیم بیان فرماتا ہے۔ سلسلہ عیسویہ کا خاص نشان جو اس کو یہودیوں کے باقی تمام فرقوں سے جنکی تعداد بہت بڑی تھی ممتاز کرتا تھا یہ تھا کہ اس سلسلہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کا مسیح موعودؑ تسلیم کر لیا تھا اور بنی اسرائیل میں جس قدر پیشگوئیاں اور امیدیں مسیحؑ کے نام سے وابستہ چلی آتی تھیں ان سب کا حضرت عیسیٰؑ کے ظہور سے پورا ہونا مان لیا تھا۔ اسی طرح پر سلسلہ احمدیہ کا امتیازی نشان جو اس کو مسلمانوں کے دوسرے تمام فرقوں سے ممتاز کرتا ہے یہ ہے کہ یہ سلسلہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ بانی سلسلہ کو مسیح موعودؑ اور مہدی معہودؑ تسلیم کرتا ہے اور جس قدر پیشگوئیاں اسلام کی آئندہ کامیابیوں اور غلبہ کے متعلق مسیح اور مہدی کے نام سے وابستہ ہیں ان سب کا آپکے ظہور سے پورا ہونا مانتا ہے۔ مگر ان دونوں سلسلوں کے ابتدا میں ہی ایک بڑا بھاری فرق بھی ہے چونکہ سلسلہ موسویہ یعنی یہودی مذہب صرف ایک قوم بنی اسرائیل کے لئے تھا اسی قوم کے لئے اس کے تمام نبی بھی جو حضرت موسیٰؑ کے بعد آئے مبعوث ہوتے تھے۔ اور ایسا ہی حضرت عیسیٰؑ بھی صرف بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوئے۔ اور وہ صرف اسرائیلیوں کے مسیح تھے نہ کسی اور قوم یا مذہب کے۔ نہ ہی انکے متعلق کسی دوسری قوم یا مذہب میں کوئی پیشگوئی موجود تھی۔ مگر چونکہ مذہب اسلام ابتدا سے ہی کل دنیا کے واسطے آیا تھا اور کسی ایک قوم سے مخصوص نہ تھا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور رحمۃ للعالمین تھا۔ اسی طرح سلسلہ احمدیہ بھی ابتدا سے ہی سب قوموں کے لئے ہے چنانچہ بانی سلسلہ ہذا حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا دعویٰ صرف یہی نہیں کہ وہ ان پیشگوئیوں کے مطابق آئے ہیں جو اسلام میں مسیح یا مہدی کے متعلق موجود ہیں بلکہ انکا یہ بھی دعویٰ ہے کہ جسقدر قوموں کو آخری زمانہ میں کسی مصلح کی آنیکی امیدیں دی گئی ہیں ان سب کی امیدیں آپکے ہی ظہور سے پوری ہوئیں اور ہونگی جیساکہ مثلاً عیسائیوں کو بھی مسیحؑ کے دوبارہ آمد یا ایک دوسرے مسیحؑ کے آنیکی خبر دیگئی ہے۔ اور ہندوؤں میں کرشنؑ اوتار کے آخری زمانہ میں ظہور کی خبر دی گئی ہے۔ اسی کے مطابق آپکے یہ دعاوی ہیں کہ میں عیسائیوں کے لئے مسیح موعودؑ اور ہندوؤں کیلئے کرشن ہوکر آیا ہوں۔

سلسلہ کی تاریخ مختصر یہ ہے کہ بانی سلسلہ کے ملہم من اللہ ہونیکا دعویٰ ۱۸۸۰ء میں ہی جب آپ کی پہلی کتاب براہین احمدیہ شائع

ہوئی عام طور پر ملک میں شائع ہوچکا تھا ✤ اور پھر اسی کتاب کے ذریعہ آپ کا دعویٰ مجددیت بھی بموجب حدیث ان اللہ یبعث علیٰ راس کل مائۃ من یجدد لھا دینھا شائع ہوکر عام قبولیت پاچکا تھا اور خود کتاب براہین احمدیہ جس میں یہ دعاوی موجود تھے اور جس میں بہت سی پیشگوئیوں کا جو پوری ہوچکی تھیں اور بہت سی پیشگوئیوں کا جو آئندہ ظہور میں آنیوالی تھیں ذکر تھا۔ تمام اہل اسلام میں مقبول ہوئی۔ یہانتک کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو اب اس سلسلہ کے سخت ترین دشمنوں میں سے ہیں، اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں ان سب باتوں کو تسلیم کیا یعنی پیشگوئیوں کا پورا ہونا اور مصنف کتاب کا منجانب اللہ مامور اور ملہم ہونا۔ اور جن لوگوں نے اعتراض کئے تھے انکو بھی جواب دیا۔ لیکن باوجود اس قبولیت کے جو اس زمانہ سے ہی شروع ہوگئی تھی آپ اس وقت کسی کی بیعت نہ لیتے تھے کیونکہ آپکا طریق شروع سے ہی انبیاء علیہم السلام کا تھا اور کوئی امر جس کے لئے آپ خدا کی طرف سے حکم نہ پاتے تھے خود بخود آپ نہ کرتے تھے۔ ۱۸۸۸ء تک ایسا ہی رہا۔ اسوقت بمقام لدھیانہ خدا تعالیٰ سے امر پاکر آپنے یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو یہ اشتہار شائع کیا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے بیعت لینے کے لئے حکم فرمایا ہے۔ اس اعلان پر بہت سے لوگ آپ کی بیعت میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ مگر سلسلہ کی یہ امن کی زندگی دو سال سے زیادہ نہ بڑھی۔ سنہ ۱۸۹۱ء میں آپنے اللہ تعالیٰ سے تصریح پاکر یہ اعلان کیا کہ مسیحؑ بنی اسرائیلی فوت ہوچکے ہیں اور جس مسیحؑ کے آنے کا وعدہ دیا گیا تھا وہ میں ہی ہوں۔ اس دعوی پر مخالفت کا وہ شور اٹھا جسکا بیان کرنا مشکل ہے۔ حالانکہ یہی دعویٰ دوسرے رنگ میں براہین احمدیہ میں پیش ہوچکا تھا جس میں ایسے الہامات موجود تھے جن میں آپ کو عیسیٰ کے نام سے خطاب کیا گیا تھا مگر مخالفت کا ایسا طوفان عظیم اٹھا کہ بڑے بڑے علما اور فضلا جو مثل مولوی محمد حسین بٹالوی کے خود حضرت مرزا صاحب کے منجانب اللہ ہونے پر بڑے زور سے شہادت دے چکے تھے اور اپنی شہادت کا اعلان دنیا میں کرچکے تھے وہ بھی آنکھیں بند کرکے اسی مخالفت میں اندھادھند دوسرے لوگوں کے ساتھ ہوگئے۔ اور مولوی مذکور نے یہانتک مخالفت کا بیڑا اٹھایا کہ ہندوستان میں شہر بشہر اور دہ بدہ پھر کر ایک فتویٰ کفر کا تیار کرنا شروع کیا۔ اور اس کی تیاری میں صدہا تکالیف اور مصائب کو برداشت کرکے ملک کے ملاؤں اور مولویوں کو اپنے ساتھ ملایا۔ اور اسطرح پر اس سنت اللہ کو پورا کیا جو ہمیشہ سے انبیاءؑ کے لئے چلی آئی ہے۔ ان فتووں میں جو جوش مولویوں نے ظاہر کیا وہ بعض صورتوں میں وحشیانہ حالت تک پہنچا ہوا تھا چنانچہ بعض مولویوں نے یہانتک فتوے دیئے کہ بانی سلسلہ اور وہ لوگ جو اس کو منجانب اللہ تسلیم کرتے ہیں انکے ساتھ مسلمان تعلقات نکاح کو روا نہ رکھیں۔ اور انکی لاشوں کو اپنے قبرستانوں میں دفن ہونے نہ دیں۔ انکو دکھ دینا یا نقصان پہنچانا ایک ثواب کا کام سمجھا گیا۔ انکے مال چرا لینا۔ انکی عورتوں کو نکال لینا اور بالآخر انکو قتل کردینا یہ سب بہشت میں پہنچنے کی سہل الحصول راہیں تجویز کی گئیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں عوام بسبب جاہل ہونیکے بالکل ملاؤں اور مولویوں کے زیر اثر ہیں اور اپنی قوت متفکرہ سے کام کم لیتے ہیں جو کچھ ان فتووں اور اس مخالفت کا اثر ہوا اسکو قیاس کرلینا آسان ہے۔ اور سلسلہ کی ترقی پر جو اسکا اثر ہوا وہ بھی بآسانی سمجھ آسکتا ہے۔ مگر باوجود اس مخالفت کے سخت طوفان کے یہ سلسلہ جیسا کہ اسکے دشمنوں کی آرزو تھی نیست و نابود نہ ہوا۔ اور آہستہ آہستہ ترقی کرتا رہا۔ یہ ایک بات بیشک غور طلب ہے کہ جتنے لوگ منجانب اللہ ہوتے ہیں انکی مخالفت کا رنگ بھی الگ ہوتا ہے۔ اور انکے خلاف جو مخالفت کا شور اٹھتا ہے وہ اپنی شدت

✤ یہ صرف تاریخ عام اشاعت دعوےٰ کی ہے ورنہ الہام آپ کو بہت مدت پہلے سے ہوتا تھا۔ منہ

میں بے نظیر ہوتا ہے۔ جھوٹے کے خلاف کبھی ایسا شور مخالفت کا نہیں اٹھتا۔ بلکہ اسکی چنداں پروا ہی نہیں کیجاتی مگر سچے کو نیست و نابود کرنے پر دنیا کے فرزند کمریں باندھ لیتے ہیں۔ مثلاً ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھو کہ جزیرہ نمائے عرب میں آپ کی کسقدر مخالفت ہوئی اور دوسری طرف مسیلمہ کذّاب کو دیکھو کہ اسکی کسی نے پروا بھی نہ کی پر جس کی مخالفت ہوئی اس کی کامیابی نے دنیا کو حیران کردیا اور دوسرا خود ہی ہلاک ہوگیا۔ ایسا ہی اس ملک ہند میں کئی چھوٹے چھوٹے کیڑے مہدویت یا رسالت کے دعویدار اسی زمانہ میں پیدا ہوئے مگر باوجود اسکے کہ انکی کسی نے مخالفت نہ کی وہ خود ہی نیست و نابود ہوگئے۔ دوسری طرف بانی سلسلہ احمدیہ کے نیست و نابود کرنیکے لئے اسی قسم کی مخالفت کی گئی جیسی ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت ہوتی رہی ہے مگر یہ مخالفت سلسلہ کا کچھ بگاڑ نہیں سکی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ دنیا میں ہر ایک چیز اپنی پیدائش کے وقت بڑی حفاظت کو چاہتی ہے کیونکہ اسکا وجود اسوقت نہایت ہی نازک اور کمزور ہوتا ہے۔ ایک بڑا مضبوط درخت جو بعد میں آندھی کے بڑے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کرتا ہے جس وقت اُگتا ہے صد درجہ کی احتیاط اور حفاظت چاہتا ہے تا ایسا نہ ہو کہ کسی کا اسپر پاؤں پڑ جائے یا کوئی چارپایہ ہی اس کو کھا جائے یا بادصرصر کا جھونکا ہی اسے اکھاڑ لے جائے۔ یا پانی نہ ملنے سے مرجھا جائے غرض ہر طرح کی احتیاط اور حفاظت سے اسکی پرورش کی جاتی ہے تو وہ بڑھ سکتا ہے مگر الٰہی سلسلے عین اپنی پیدائش کے وقت سخت سے سخت مخالفتوں کے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہیں پاؤں کے نیچے روندے جاتے ہیں انکے جڑھ سے اکھاڑنیکی کوششیں کیجاتی ہیں۔ اب جائے غور ہے کہ اگر کوئی ہستی جو ان تمام طاقتوں سے بالاتر اور زبردست ہو اور جسکی مرضی کے بغیر دنیا کی کوئی طاقت اپنا کام نہ کرسکتی ہو۔ اگر ایسی کوئی ہستی ان سلسلوں کی خاص حفاظت اور تائید اپنے خاص ارادہ سے نہ کرہی ہو تو کیونکر ممکن ہے کہ وہ نہ صرف زندہ رہیں بلکہ خارق عادت طور پر بڑھتے چلے جاویں اور مخالفتیں انکا کچھ بگاڑ نہ سکیں۔

صادق اور کاذب میں امتیاز کے لئے ایک مثال کا بیان کردینا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ ایک شخص چراغ الدین نام جموں میں تھا جو ابتداء میں اس الٰہی سلسلہ میں داخل ہوا اور خدائے تعالیٰ کے نشانوں کی تصدیق کی مگر کچھ عرصہ بعد مسیلمہ کذّاب کی طرح شائد اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ دعویٰ رسالت سے کامیابی ہوجاتی ہے اور خود بخود ہی لوگ کھینچے چلے آتے ہیں چنانچہ سنہ ۱۹۰۲ء میں اس نے دعویٰ رسالت کرکے اس کے شائع کرنیکی اجازت چاہی جسپر اسکو تنبیہ کی گئی اور کتاب دافع البلاء میں جو اس وقت زیر تصنیف تھی اسکے متعلق وحی الٰہی سے اسکی ہلاکت کی پیشگوئی کی جو ذیل میں درج ہے۔ "رات کو عین خسوف قمر کے وقت میں چراغدین کی نسبت مجھے یہ الہام ہوا انی اذیب من یریب میں فنا کردونگا میں غارت کردونگا میں غضب نازل کرونگا اگر اس نے شک کیا اور اسپر ایمان نہ لایا اور رسالت اور مامور ہونیکے دعوے سے توبہ نہ کی" اس تحریر کے شائع ہونیکے بعد چراغ الدین نے توبہ کا خط لکھا مگر بعض پادریوں کے ورغلانے سے کچھ مدت بعد پھر اس نے دعویٰ رسالت شائع کیا اور خدا کے مسیح کو دجال کہا اس شخص کی حالت مسیلمہ کذاب سے بہت مشابہ ہے جیسا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا تھا کہ میں بھی آپکے ساتھ رسول ہوں ایسا ہی اس شخص نے بھی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہی لکھا کہ میں بھی آپکے ساتھ رسول ہوں۔ اور اسکو مہلت بھی مسیلمہ کذاب کی طرح بہت ہی

تھوڑی ملی۔ یعنی توبہ کرنے کے بعد جب اس نے دوبارہ دعویٰ رسالت شائع کیا۔ تو اس کے بعد اسکو اسی کے قریب یا اس سے کچھ کم مہلت ملی جس قدر مسیلمہ کذاب کو ملی تھی اور مطابق اس پیشگوئی کے جو ۱۹۰۲ء میں ہزارہا رسالوں کے ذریعہ شائع ہو چکی تھی وہ اپنی کتاب منارۃ المسیح کو شائع کرنے کے ایک سال بعد ہی ہلاک ہو گیا۔ اور ہلاک بھی عذاب طاعون سے ہوا۔ اب اسجگہ چند باتیں غور طلب ہیں اول یہ بات غور طلب ہے کہ باوجود اس کے کہ اس شخص نے دعویٰ رسالت کیا اور اسلام پر اسکا حملہ سخت تھا کیونکہ وہ عیسائی مذہب کو بھی سچا مانتا تھا۔ کس مولوی نے اسکی مخالفت کی ؟ کس نے کفر کا فتویٰ تیار کیا ؟ کس نے اخباروں اور رسالوں کے ورق اسکی مخالفت میں سیاہ کئے ؟ کیا جائے تعجب نہیں کہ ایک شخص جو اسلام کا حامی ہو کر مدعی رسالت ہو اور اسلام کی صداقت کو تمام دنیا میں ثابت کر رہا ہو اور تمام عقائد باطلہ کی تردید کر رہا ہو اس پر تو فتوں کا اسقدر جوش و خروش ہو کہ کھانا پینا اور سونا بھی حرام کر دیا جاوے اور جب ایک دوسرا شخص عیسائی مذہب کا حامی ہو کر مدعی رسالت ہو اور بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو۔ تو اس کی مخالفت کیلئے ایک سطر بھی نہ لکھی جاوے پھر جسکی مخالفت کی گئی تھی وہی کامیاب ہو اور دوسرا ہلاک ہو۔ اگر واقعی محض دعویٰ رسالت ہی مخالفت کا باعث ہوتا تو کیا وجہ تھی کہ چراغ دین کی مخالفت نہ ہوئی حالانکہ ابھی مولوی محمد حسین صاحب زندہ ہی ہیں۔ پس اصل راز مخالفت کا صرف یہی ہے کہ جو آسمان سے آتا ہے اس کی مخالفت ہی سخت ہوتی ہے۔ اور اسی کے نیست و نابود کرنے پر کمریں باندھی جاتی ہیں۔ دوسرا امر یہ قابل غور ہے کہ کاذب اور مفتری کو مہلت نہیں دیجاتی جیسا مسیلمہ کذاب کی ہلاکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک شہادت ہو گئی اسی طرح چراغدین کی ہلاکت ایک دو سال کے اندر ہی حضرت مسیح موعود اور اسلام کی صداقت پر ایک شہادت ہو گئی۔ مگر یہ شہادت دو طرح پر ہوئی۔ کیونکہ اسکا اتنی جلدی ہلاک ہونا تو آپ کی صداقت کی شہادت تھی ہی۔ مگر دوسری شہادت یہ ہوئی کہ وہ پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہوا۔ ایسی صریح پیشگوئی کہ جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک شخص کا نام لکھا ہوا ہے پھر اس کے متعلق بصراحت تمام متن یہ لکھا ہوا موجود ہے کہ میں اسے فنا کر دونگا غارت کر دونگا اس پر غضب نازل کرونگا۔ چنانچہ پہلے اس کے دونوں بیٹے ہلاک ہوئے اور پھر خود بھی عذاب طاعون سے جو اس زمانہ میں غضب الٰہی کا نمونہ ہے ہلاک ہوا۔ کاش کوئی غور کرنیوالا غور کرے کہ اس عجیب پیشگوئی نے عجیب طرح پر پورا ہو کر کس طرح سلسلہ احمدیہ کی صداقت کو دنیا میں روشن کر دیا ہے۔

یہ ایک جملہ معترضہ تھا مگر یہ اصل مضمون سے ہمیں دور نہیں لے گیا۔ ابتدا میں جن کتابوں میں بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے دعاوی اور انکے دلائل کو بیان کیا وہ تین کتابیں ہیں۔ یعنی فتح اسلام۔ توضیح مرام اور ازالہ اوہام۔ مگر ان دلائل سے مخالفت میں کوئی نمایاں کمی ظہور میں نہ آئی۔ مگر ۱۸۹۴ء میں ایک واقعہ ایسا ہوا جس نے مخالفوں کی ہمتیں توڑ دیں۔ قرآن شریف اور حدیث میں یہ پیشگوئی موجود ہے کہ مہدی کے ظہور کے وقت چاند اور سورج کا خسوف ماہ رمضان میں خاص تاریخوں میں ہوگا اور یہ ایک ایسا نشان ہوگا جو اور کسی مدعی کے لئے کبھی ظاہر نہ ہوا ہوگا۔ اس پیشگوئی کا ظہور ۱۸۹۴ء کے رمضان میں ہوا جب ۱۳ رمضان کو چاند اور ۲۸ رمضان کو سورج کو گرہن لگا۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا بہت اثر اور رعب ہوا۔ اگرچہ اس سے نہ تو مخالفت ہی فی الفور رک گئی اور نہ ہی گروہ در گروہ لوگ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ کیونکہ یہ سنت اللہ بھی نہیں مگر اس میں

شک نہیں کہ مخالفین کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور بعض مولوی بہت ہی مضطرب ہوئے۔ اور دوسری طرف غور کرنیوالی طبیعتوں نے سمجھ لیا کہ اگرچہ بظاہر سلسلہ احمدیہ کے بعض عقائد انکے دلوں میں راسخ اور جمے ہوئے عقیدوں کے خلاف ہیں مگر سنت انبیاء کے مطابق خدا کا ہاتھ اسکی تائید اور نصرت میں ہے۔ چنانچہ ۱۸۹۶ء کے اخیر پر ۳۱۳ مخلص اس سلسلہ میں داخل تھے جنکی فہرست انجام آتھم کے ضمیمہ کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

اسی اثنا میں بعض اور واقعات بھی ایسے پیش آئے جن کا اثر سلسلہ کی ترقی پر بہت کچھ ہوا۔ بانی سلسلہ نے غیر مذاہب کی تردید میں جو کچھ براہین احمدیہ میں لکھا تھا وہ کم نہ تھا مگر ۱۸۹۱ء میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا اعلان آپ کی طرف سے ہوا تو سب سے زیادہ اسکو عیسائیوں نے محسوس کیا کیونکہ عیسائی مذہب کی بنیاد ہی مسیح کی زندگی ہے۔ ۱۸۹۳ء میں اہل اسلام اور عیسائیوں کے درمیان ایک عظیم الشان مباحثہ بمقام امرتسر ہوا جس میں اہل اسلام کی طرف سے حضرت مرزا صاحب مجادل تھے اور عیسائیوں کی طرف سے ڈپٹی عبداللہ آتھم اور انکا مددگار ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک۔ اس مباحثہ میں عیسائی مذہب نہ صرف دلائل کے پیش کرنے سے ہی قاصر رہا بلکہ ایک اصول مباحثہ کا وکیل اسلام کی طرف سے ایسا زبردست پیش کیا گیا جس نے حاضرین پر یہ ثابت کر دیا کہ انجیل ایک ناقص کتاب ہے۔ وہ اصول یہ تھا کہ دونوں فریق اس امر کے پابند ہوں کہ اثنائے مباحثہ میں جسقدر دعاوی اپنے مذہب کی تائید یا دوسرے مذہب کی تردید میں پیش کریں اور جسقدر ان دعاوی کے دلائل پیش کریں وہ اس کتاب میں سے پیش کریں جسے وہ الہامی یا مقدس مانتے ہیں۔ اور اس کتاب کے حوالہ کے بدون کوئی دعویٰ یا دلیل پیش نہ کریں۔ علم کلام میں یہ زبردست اصول اول ہی اول صرف بانی سلسلہ احمدیہ کی طرف سے ہی پیش ہوا اور اس اصول کے پیش کرنے نے نہ صرف اہل اسلام کے دلوں کے اندر ہی اسلام کی عظمت کے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کی عظمت کو بھی بٹھا دیا بلکہ عیسائی صاحبان کے اس اصول پر کاربند نہ ہو سکنے نے یہ بھی بتا دیا کہ جس کتاب کو وہ ہاتھ میں لئے پھرتے ہیں قرآن شریف کے بالمقابل وہ کچھ بھی وقعت نہیں رکھتی۔ علاوہ ازیں مباحثہ کے خاتمہ پر ایک تیسری زد عیسائی مذہب پر یہ پڑی کہ عیسائیوں نے اپنے اندر ان روحانی برکات کا موجود نہ ہونا کھلے لفظوں میں تسلیم کر لیا جنکا وعدہ سچے مسیحیوں کو انجیل میں دیا گیا ہے اور یوں خود اپنے مذہب کے بطلان پر مُہر لگا دی اور برخلاف اس کے حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے مباحثہ کے خاتمہ پر آتھم کی نسبت یہ پیشگوئی کی گئی کہ وہ جلد ہلاک ہو جاوے گا اور اسکی ہلاکت کی میعاد پندرہ ۱۵ ماہ بتائی گئی اس شرط کے ساتھ کہ اس عرصہ میں وہ حق کیطرف رجوع نہ کرے۔ آتھم نے اس شرط سے فائدہ اٹھایا جس کی ادنیٰ شہادت یہی ہے کہ عین جلسہ مباحثہ میں ہی اس نے کانوں پر ہاتھ رکھکے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کو دجال نہیں کہا۔ اور یہ رجوع الی الحق کا پہلا قدم تھا۔ بعد کے واقعات جنکی تفصیل کی اسجگہ گنجائش نہیں صاف ثابت کرتے ہیں کہ آتھم نے اس شرط سے فائدہ اٹھایا مگر پندرہ ۱۵ ماہ گذر جانیکے بعد جب عیسائیوں نے ناحق کا شور مچایا اور آتھم سے قسم کھانے کے لئے بار بار کہا گیا کہ وہ حلفیہ بیان کر دے کہ اس نے اس اثنا میں رجوع الی الحق نہیں کیا تو اس نے شہادت حقہ کا اخفا کیا اور پھر اپنے لوگوں کے ساتھ مل گیا۔ اور آخر مطابق پیشگوئی کے بہت جلد ہلاک ہو گیا۔

یعنی حضرت مرزا صاحب کے آخری اشتہار سے ٹھیک سات ماہ کے اندر مرگیا۔ عیسائیوں کو جو کچھ اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے اور مباحثہ کی وجہ سے صدمات پہنچے تھے انکا ازالہ انہوں نے کسطرح کرنا چاہا اسکا کچھ ذکر آگے چلکر آئے گا۔

۱۸۹۷ء سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے مشہور رہیگا۔ اس سال کے تین واقعات نہایت عظیم الشان ہیں ان میں سے پہلا واقعہ پنجاب میں آمد طاعون ہے جسکی ہلاکت ابھی تک ختم نہیں ہوئی۔ اس سے پہلے براہین احمدیہ میں حضرت مرزا صاحب کی طرف سے اسکی خبر دیجا چکی تھی۔ اور اس الہام الٰہی کا کہ "دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُسکی سچائی ظاہر کر دے گا"۔ بھی اسی طرف اشارہ تھا کہ خدائے تعالیٰ سخت عذاب بھیجکر لوگوں کو مسیح موعودؑ کی صداقت کا قایل کریگا۔ اگلے سال ۱۸۹۸ء میں جب ابھی طاعون پنجاب کے ایک یا دو ضلعوں کے بعض دیہات میں ہی گھری ہوئی تھی۔ اور گورنمنٹ پورے زور سے اسکی بیخکنی کے درپے ہو رہی تھی۔ اور تمام قسم کی احتیاطوں کو عمل میں لارہی تھی۔ مثلاً طاعون زدہ علاقہ سے لوگوں کو باہر نہ نکلنے دینا۔ گھروں کو خالی کر دینا۔ قرنطین۔ ٹیکہ کرانا وغیرہ وغیرہ تو ۶ فروری ۱۸۹۸ء کو حضرت مرزا صاحب کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا جس میں آپ کا ایک رؤیا تھا کہ آپنے پنجاب کے مختلف مقامات پر سیاہ پودے لگائے جاتے دیکھے ہیں اور جب پوچھا گیا کہ یہ سیاہ پودے کیسے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ طاعون کے درخت ہیں چنانچہ اس اشتہار میں اس رؤیا کو لکھنے کے بعد بصراحت تمام یہ پیشگوئی بھی کی گئی کہ ملک پنجاب میں خصوصاً طاعون کا سخت زور ہو جائے گا اور یہ ایک یا دو ضلعوں کے بعض دیہات تک محدود نہ رہے گی بلکہ جگہ جگہ پھیل جائیگی اور سخت حملے ہوں گے۔

دوسرا عظیم الشان واقعہ ۱۸۹۷ء کا پنڈت لیکھرام آریہ سماج لیڈر کی موت ہے۔ سلسلہ احمدیہ کا تعلق اس واقعہ سے یوں ہے کہ چار سال پہلے ۱۸۹۳ء میں بانی سلسلہ نے کھلے الفاظ میں پنڈت مذکور کی اپنی درخواست اور اصرار پر ایک پیشگوئی اسکی موت کے متعلق شائع کی تھی۔ آریہ سماج کو ابتدا میں ہی بانی سلسلہ احمدیہ کے ساتھ عداوت ہو گئی تھی۔ اور بعض سماجیوں نے آپکے ساتھ مباحثات بھی کئے۔ ۱۸۸۴ء میں جب آپکی کتاب براہین احمدیہ کا چوتھا حصہ شائع ہوا تو اس میں بہت سی پیشگوئیوں کے پورا ہونیکا ذکر تھا۔ جن میں سے ایک پیشگوئی جسکے گواہ قادیان کے آریہ سماجی ہی تھے اور یہیں پنڈت دیانند بانی سماج کی موت کے متعلق بھی تھی۔ پنڈت لیکھرام اگرچہ مذہب سے بے بہرہ تھا مگر اسکی شہرت پسند طبیعت نے شہرت کی آسان راہ یہی دیکھی کہ مذہبی مباحثات میں شامل ہو اور مذہبی مباحثات پر کتابیں لکھے۔ ۱۸۸۵ء کے نومبر کے اخیر میں یہ شخص قادیان میں آیا۔ اور مباحثہ کے لئے خط و کتابت حضرت مرزا صاحب سے کی اور بالآخر اس بات پر ہنسی کر کے کہ خدائے تعالیٰ نشان بھی دکھلایا کرتا ہے نشان ہلاکت خود ہی مانگا۔ جو خط و کتابت فریقین کے درمیان اس اثنا میں ہوئی وہ رسالہ استفتا میں چھپ چکی ہے۔ لیکھرام کی موت کی پہلی پیشگوئی ۲۰۔ فروری ۱۸۹۳ء کو شایع ہوئی جسکا خلاصہ یہ تھا کہ وہ شخص چھ سال کے اندر اندر دردناک عذاب سے ہلاک کیا جاوے گا۔ اسکے بعد وقتاً فوقتاً اور پیشگوئیاں شائع ہوتی رہیں جن میں زیادہ تفصیلات اسی پیشگوئی کے متعلق بتائی گئیں۔ ان سب پیشگوئیوں کا ظہور ۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو ایسے رنگ میں ہوا جس نے دلوں کو ہلا دیا۔ اس کے بعد ہی

آریہ سماج کے خیال کو پورا کرنیکے لئے حضرت مرزا صاحب کی خانہ تلاشی بھی کی گئی۔ مگر اس خانہ تلاشی سے خدا کے مسیحؑ کی اور اس سلسلہ کی اور بھی عزت افزائی ہوئی۔

تیسرا بڑا واقعہ جس نے اس سلسلہ کی صداقت کو دنیا میں روشن کیا اسی سال میں پادری صاحبان کا ایک جھوٹا مقدمہ حضرت مسیح موعودؑ پر کھڑا کرنا تھا۔ آتھم کے مباحثہ میں اور پھر اسکی موت کی پیشگوئی کے پورا ہونے سے جو عیسائی مذہب کو صدمات پہنچ چکے تھے۔ ممکن ہے کہ انہیں کے ازالہ کے لئے یہ ایک تجویز سوچی گئی ہو۔ تین دیسی عیسائیوں نے جو واعظوں کا کام کرتے تھے ایک منصوبہ مقدمہ قتل کا گانٹھا مستغیث ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک تھا جو امرتسر کے مباحثہ میں آتھم کا معاون تھا۔ اور آریہ سماج اور مولوی صاحبان نے بھی مدد دینے سے دریغ نہیں کیا آریہ سماج اور آریہ سماج پرتی ندی سبھا کا پریزیڈنٹ پنڈت رام بھجدت مستغیث کی طرف سے بغیر محنتانہ لینے کے وکیل بنا۔ اور مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس کی تائید میں شہادت دی۔ مقدمہ اول ڈپٹی کمشنر امرتسر کے پاس دائر ہوا جس نے چالیس ہزار روپے کی ضمانت کا وارنٹ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی گرفتاری کے لئے نکالا۔ مگر قبل اسکے جو وارنٹ پہنچ سکے۔ اسے سمجھ آگیا کہ وہ مقدمہ سُن نہیں سکتا اور اسکا انتقال ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں ہوا۔ جس نے بذریعہ سمن حضرت مرزا صاحب کو طلب کیا۔ مقدمہ کے دائر ہونے سے بہت پہلے حضرت مسیح موعودؑ نے ایک رؤیا دیکھا تھا کہ ایک بجلی آپکے مکان کی طرف آئی ہے لیکن نقصان کوئی نہیں کیا اور ساتھ اس کے یہ الہام الٰہی تھا ما ھٰذا الا تھدید الحکام۔ اور یہ بھی الہام ہوا کہ ابرا یعنی انجام کار بری کئے جاویں گے۔ یہ رؤیا اور الہامات جماعت میں شہرت پا چکے تھے کہ مقدمہ دائر ہوا۔ پبلک بھی بڑے شوق سے مقدمہ کے نتیجہ کی منتظر تھی کیونکہ خلاف فیصلہ سے گویا یہ سلسلہ ہی نیست و نابود ہو سکتا تھا۔ پر خدا جس طرح ہر موقعہ پر اس سلسلہ کی خاص حفاظت اور تائید کرتا رہا ہے اس موقعہ پر بھی اسنے پیشگوئیوں کے مطابق پادری صاحبان اور آریہ سماجی صاحبان اور مولوی صاحبان سب کو ناکام کیا۔ اور مجسٹریٹ نے بریت کا حکم دیا اور صاف طور پر لکھا کہ یہ پادری صاحبان کا بنایا ہوا مقدمہ ہے۔ اور ڈاکٹر مارٹن کلارک کو بھی انہوں نے دھوکا دیکر شامل کرلیا ہے۔ اس مقدمہ کے فیصلہ سے نہ صرف سلسلہ کی صداقت ہی از سر نو چمک اٹھی اور خدا کا ہاتھ اسکی تائید میں ظاہر ہوا بلکہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مخالفین کے حملے اس سلسلہ پر کیسے کمینے اور گرے ہوئے ہیں اور وہ کس کس قسم کی ناجائز کوششوں سے جو انکے بس میں ہیں اس سلسلہ کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں۔

۱۸۹۷ء میں ان تین واقعات نے سلسلہ احمدیہ کی بنیاد کو نہایت مستحکم کر دیا۔ کیونکہ ان واقعات سے نہ صرف مخالفین کی ہمت ہی ٹوٹ گئی بلکہ سمجھدار لوگوں نے خدا کا ہاتھ اس سلسلہ کی کھلی کھلی تائید کرتا ہوا دیکھ لیا۔ چنانچہ اس کے بعد سلسلہ کی ترقی کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔ خصوصاً ۱۹۰۱ء و ۱۹۰۲ء میں جب طاعون کی شدت نے ۶- فروری ۱۸۹۸ء کی پیشگوئی کا نقشہ دکھلایا تو بہت سے دل حق کو سمجھ گئے اور یا مسیح الخلق عدوانا پکارتے ہوئے گروہ در گروہ اس سلسلہ میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ مارچ ۱۹۰۱ء میں جو مردم شماری ہوئی اس میں احاطہ بمبئی کی رپورٹ میں ۱۱۰۸۷- احمدیوں کی تعداد تھی مگر پنجاب میں جہاں اس سلسلہ نے

بہت زیادہ ترقی کی ہے ۔ مردم شماری کی رو سے صرف ۱۱۱۳ مرد پندرہ سال سے اوپر عمر کے تھے ۔ اس رپورٹ کی غلطی ہبتی کی تعداد سے صاف ظاہر ہے کیونکہ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک اسقدر دُور دراز کے علاقہ میں جہاں احمدی سلسلہ کی تحریک بھی بہت کم ہے گیارہ ہزار سے اوپر احمدی موجود ہوں اور پنجاب میں جہاں گروہ درگروہ سلسلہ میں داخل ہو رہے ہیں ایک ہزار کے قریب تعداد ہو ۔ منجملہ دیگر وجوہات کے ایک وجہ تعداد کے پورا ظاہر نہ ہونیکی یہ بھی ہے کہ اشتہار جس کے ذریعہ سلسلے کے نام کا اعلان کیا گیا تھا اس وقت دیا گیا جب مردم شماری کا کام شروع ہو چکا تھا ۔ اور دور دور کے دیہات میں جنکے پتے بھی موجود نہ تھے ۔ نام کا پتہ بھی وقت پر نہیں لگا ۔ اب بھی اگرچہ مخالفت سلسلہ کی باقی ہے لیکن جیسے جیسے سلسلہ ترقی کر رہا ہے مخالفت خود دن بدن کمزور ہوتی جاتی ہے ۔ اسوقت تین لاکھ اس جماعت کی تعداد کا اندازہ کیا جاتا ہے ۔ مگر یہ تعداد صرف ہندوستان کی ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے باہر کے ممالک میں بھی بہت جگہ احمدی پائے جاتے ہیں جیسے افغانستان ۔ افریقہ ۔ عرب ۔ ایران ۔ اسٹریلیا ۔ امریکہ ۔ سٹریٹ سٹلمنٹ وغیرہ ممالک میں ۔ بالخصوص ۱۹۰۰ء سے سلسلہ کی ترقی کی رفتار بہت تیز ہو گئی ہے ۔ ۱۹۰۲ء میں بعض کوششیں پھر کی گئیں کہ بانی سلسلہ پر فوجداری مقدمات کر کے سلسلہ کی وقعت کو کم کیا جائے مگر ہر ایک امر جو اس کے دشمن اسکے خلاف سوچتے ہیں وہ آخر اسکی تائید اور ترقی کا ذریعہ ہو جاتا ہے مثلاً انہی مقدمات میں فیصلہ سے ڈیڑھ سال پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ اعلان صاف الفاظ میں کر دیا تھا جو رسالہ ہٰذا میں بھی انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں جولائی ۱۹۰۳ء میں شایع ہو چکا تھا کہ آخرکار وہ بری کئے جائیں گے اور انکے فریق مخالف پر الزام جھوٹ وغیرہ کا قائم ہوگا ۔ چنانچہ ان مقدمات کا نتیجہ ڈیڑھ سال بعد عدالت اپیل میں وہی ہوا جو پہلے سے شائع کیا جا چکا تھا اور جیسا کہ ضروری تھا اسکا اثر مستعد طبیعتوں پر نہایت نیک ہوا ۔ اور بجائے اسکے کہ مقدمات اس سلسلہ کو کمزور کرنیوالے ہوتے ۔ انہوں نے اور بھی اسے قوت دی ۔ ہندوستان سے باہر سب سے زیادہ ترقی اس سلسلہ نے ملک افغانستان میں کی ہے ۔ جہاں موجودہ امیر کی ان کوششوں کے باوجود کہ حکومت کے زور سے اس سلسلہ کی ترقی کو روکے ۔ یہ سلسلہ دن بدن بہت ترقی کر رہا ہے ۔ اور مولوی عبد اللطیف صاحب کی شہادت جو ملک افغانستان میں اس سلسلہ کے اول معتقد اور سرگروہ تھے اور ایسا ہی انکے شاگرد مولوی عبد الرحمن کی شہادت جو نہایت دردانگیز سزا کے ذریعہ ظہور میں آئیں بجائے روک ہونیکے اشاعت سلسلہ کا بڑا ذریعہ ثابت ہوئی ہیں اور اس ملک میں جہاں سیاہی سے اشتہار لکھکر تقسیم کرنے منع ہیں اس خونی اشتہار نے عظیم الشان کام کر کے دکھلایا ہے ۔

نئے واقعات جنہوں نے پیشگوئیوں سے متعلق ہونیکی وجہ سے سلسلہ کی رفتار ترقی پر اثر ڈالا ہے وہ زلزلے ہیں جنہوں نے پنجاب اور دوسرے ممالک میں خطرناک تباہی ڈالی ہے ۔ اور جنکے متعلق براہین احمدیہ کے زمانہ سے لیکر اب تک پیشگوئیاں شائع ہوتی رہی ہیں ۔ پنجاب کے یہ دو زلزلے یعنی ایک گذشتہ سال کے موسم بہار کا زلزلہ اور ایک اس سال کے موسم بہار کا زلزلہ ایسی صراحت سے بتائے گئے تھے جو انسانی طاقت کے اندر نہیں ہے ۔ ایسا ہی جو قیامت کا نمونہ زلزلے جگہ جگہ دنیا میں دکھائے ہیں وہ ایک حق پسند انسان کے لئے صریح نشان آخری زمانہ اور مسیح موعودؑ کی آمد کے ہیں ۔ اور انکی مشہور پیشگوئیوں کو پورا کرنیوالے ہیں ۔

احمدیہ نام اس سلسلہ کا نومبر ۱۹۰۰ء میں اختیار کیا گیا۔ اور ایک اشتہار میں جسکا بہت سا حصہ احاطہ بمبئی کے افسر مردم شماری نے نقل کیا ہے اس کی وجہ ظاہر کی گئی ہے۔ چنانچہ بمبئی کی رپورٹ سے ایک فقرہ کا ترجمہ یہاں دیا جاتا ہے۔ ”اپنے مریدوں کیلئے بعض اعلیٰ درجہ کے اصول چال چلن کے قائم کرکے بانیٔ سلسلہ احمدیہ بیان کرتا ہے کہ کیوں اس فرقہ کا نام احمدیہ فرقہ رکھا گیا۔ اسکی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے۔ ایک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کہ جلالی نام تھا اور جس میں آنحضرتؐ کی کامیابیوں کی طرف اشارہ تھا۔ اور دوسرا احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو جمالی نام تھا جس میں اشارہ اس صلح اور اخوت کی طرف تھا جو آپ کے ذریعہ دنیا میں پھیلنی تھی چونکہ ان کے فرقہ نے جہاد اور تمام قسم کی خونریزیوں کو جو مذہب کے نام سے کی جاتی ہیں جائز نہیں رکھا اس لئے وہ اس فرقہ کا نام احمدیہ فرقہ تجویز کرتے ہیں۔“ گویا احمدیہ نام رکھنے میں اصل غرض اس امر کو ظاہر کرنا ہے کہ یہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت جمالی کے ظہور کا ہے جس طرح مکہ میں آپ کی بعثت کے ابتدائی تیرہ سال تھے اور انہی معنوں میں غلام احمدؐ بروز احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

سلسلہ احمدیہ کا امتیازی نشان جیسا کہ ابتدا میں بیان کیا گیا تھا یہ ہے کہ اس کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعودؑ اور مہدی معہودؑ ہیں۔ ان دو ناموں سے کیا مطلب ہے اسکے لئے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر میں سے ایک فقرہ نقل کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے ”سو اس وقت خدا نے جیسا کہ حقوق عباد کے تلف کے لحاظ سے میرا نام مسیح رکھا اور مجھے خو اور بو اور رنگ اور روپ کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ مسیح کا اوتار کرکے بھیجا ایسا ہی اس نے حقوق خالق کے تلف کے لحاظ سے میرا نام محمدؐ اور احمد رکھا اور مجھے توحید پھیلانے کے لئے تمام خو اور بو اور رنگ اور روپ اور جامہ محمدی پہنا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اوتار بنا دیا۔ سو میں ان معنوں کر کے عیسیٰ مسیح بھی ہوں اور محمدؐ مہدی بھی۔ مسیح ایک لقب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا جس کے معنے ہیں خدا کو چھونے والا اور خدائی انعام میں سے کچھ لینے والا اور اس کا خلیفہ اور صدق اور راستبازی کو اختیار کرنیوالا۔ اور مہدی ایک لقب ہے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا جس کے معنے ہیں کہ فطرتاً ہدایت یافتہ اور تمام ہدایتوں کا وارث اور اسم ہادی کے پورے عکس کا محل۔ سو خدا تعالیٰ کے فضل اور رحمت نے اس زمانہ میں ان دونوں لقبوں کا مجھے وارث بنا دیا اور یہ دونوں لقب میرے وجود میں اکٹھے کر دیئے سو میں ان معنوں کے رو سے عیسیٰ مسیح بھی ہوں اور محمدؐ مہدی بھی اور یہ وہ طریق ظہور ہے جسکو اسلامی اصطلاح میں بروز کہتے ہیں سو مجھے دو بروز عطا ہوئے ہیں بروز عیسیٰؑ و بروز محمدؐ۔ غرض میرا وجود ان دونوں نبیوں کے وجود سے بروزی طور پر ایک معجون مرکب ہے۔ عیسیٰ مسیح ہونے کی حیثیت سے میرا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کو وحشیانہ حملوں اور خونریزیوں سے روک دوں جیسا کہ حدیثوں میں صریح طور سے وارد ہو چکا ہے کہ جب مسیح دوبارہ دنیا میں آئیگا تو تمام دینی جنگوں کا خاتمہ کر دیگا۔ سو ایسا ہی ہوتا جاتا ہے۔ اور محمدؐ مہدی ہونے کی حیثیت سے میرا کام یہ ہے کہ آسمانی نشانوں کے ساتھ خدائی توحید کو دنیا میں دوبارہ قائم کروں کیونکہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض آسمانی نشان دکھلا کر خدائی عظمت اور طاقت اور قدرت عرب کے بت پرستوں کے دلوں میں قائم کی تھی۔ سو ایسا ہی مجھے روح القدس سے

مدد دی گئی ہے۔ وہ خدا جو تمام نبیوں پر ظاہر ہوتا رہا اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ پر بمقام طور ظاہر ہوا اور جس نے حضرت مسیح پر شعیر کے پہاڑ پر طلوع فرمایا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر فاران کے پہاڑ پر چمکا وہی قادر قدوس خدا میرے پر تجلی فرما ہوا ہے اس نے مجھ سے باتیں کیں اور مجھے فرمایا کہ وہ اعلیٰ وجود جس کی پرستش کے لئے تمام نبی بھیجے گئے میں ہوں۔ میں اکیلا خالق اور مالک ہوں اور کوئی میرا شریک نہیں اور میں پیدا ہونے اور مرنے سے پاک ہوں اور میرے پر ظاہر کیا گیا کہ جو کچھ مسیح کی نسبت دنیا کے اکثر عیسائیوں کا عقیدہ ہے یعنی تثلیث و کفارہ وغیرہ یہ سب انسانی غلطیاں ہیں اور حقیقی تعلیم سے انحراف ہے۔ خدا نے اپنے زندہ کلام سے بلا واسطہ مجھے یہ اطلاع دی ہے اور مجھے اس نے کہا ہے کہ اگر تیرے لئے یہ مشکل پیش آوے کہ لوگ کہیں کہ ہم کیونکر سمجھیں کہ تو خدا کی طرف سے ہے تو انہیں کہدے کہ اس پر یہ دلیل کافی ہے کہ اس کے آسمانی نشان میرے گواہ ہیں دعائیں قبول ہوتی ہیں پیش از وقت غیب کی باتیں بتلائی جاتی ہیں اور وہ اسرار جنکا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں وہ قبل از وقت ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اور دوسرا یہ نشان ہے کہ اگر کوئی ان باتوں میں مقابلہ کرنا چاہے مثلاً کسی دعا کا قبول ہونا اور پھر پیش از وقت اس قبولیت کا علم دیئے جانا یا اور غیبی واقعات معلوم ہونا جو انسان کی حد علم سے باہر ہیں تو اس مقابلہ میں وہ مغلوب رہیگا گو وہ مشرقی ہو یا مغربی یہ وہ دو نشان ہیں جو مجھکو دیئے گئے ہیں تا ان کے ذریعہ سے اس سچے خدا کی طرف لوگوں کو کھینچوں جو درحقیقت ہماری روحوں اور جسموں کا خدا ہے جس کی طرف ایک دن ہر ایک کا سفر ہے۔"

آپکا دعویٰ مہدویت اس غلط عقیدے کی بیخکنی کرتا ہے جو بدقسمتی سے مسلمانوں کے دلوں میں راسخ ہو چکا ہے کہ مہدی علیہ السلام ایک جنگجو انسان ہوگا جو غیر مسلموں کو محض اس وجہ سے قتل کرتا جائیگا کہ وہ اسلام نہیں لائے اور کسی شخص کو نہیں چھوڑیگا جو فی الفور اسلام قبول نہ کرلے۔ اور اس خونریزی میں مسیح بھی اسکا شریک ہوگا۔ اس خطرناک عقیدے کے بالمقابل جو خصوصاً افریقہ میں کئی دفعہ خونریزی کا باعث ہو چکا ہے۔ سلسلہ احمدیہ کی یہ تعلیم ہے کہ ایسی حدیثیں جن میں خونی مہدی کے آنے کا ذکر ہے وہ سب مجروح ہیں۔ اور کہ مسیح اور مہدی ایک ہی مامور کے جس کی آخری زمانہ میں آنیکی پیشگوئیاں ابتدا سے چلی آتی ہیں دو نام ہیں جیسا کہ حدیث لا المهدی الا عیسیٰ سے صاف ظاہر ہے۔ اور کہ مہدی اور مسیح کی کارروائی کے متعلق وہی حدیث قابل اعتبار ہے جسے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے صحیح بخاری میں بیان کیا ہے کہ یضع الحرب یعنی وہ جنگوں کو موقوف کردیگا۔ سلسلہ احمدیہ کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ جن غلط معنوں میں جہاد کا لفظ مشہور عام ہے وہ خونی مہدی کے آنے کی امیدوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ کیونکہ اگر یہ سچ ہے کہ کسی شخص کو محض اس لئے مارڈالنا جائز نہیں کہ اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ تو پھر ایسا مہدی بھی نہیں آسکتا جو لوگوں کو انکے اسلام قبول نہ کرنیکی وجہ سے قتل کرتا جاوے۔ اور اگر یہ سچ ہے کہ ایسا مہدی آنیوالا ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ یہ اصول درست ہے کہ ایک مسلمان غیر مسلموں کو محض اسلام قبول نہ کرنیکی وجہ سے قتل کر کے مستحق ثواب ہو۔

اہم مسائل سلسلہ احمدیہ کے متعلق حضرت مرزا صاحب کے اس دعوے سے پیدا ہوتے ہیں کہ میں وہ مسیح موعود اور خاتم الخلفا ہوں

جسکا آخری زمانہ میں وعدہ دیا گیا تھا۔ اس مسئلہ پر دو مختلف پہلوؤں سے بحث پیدا ہوتی ہے۔ یعنی ایک عیسائی مذہب کے تعلق سے اور دوسرا اسلام کے تعلق سے۔ کیونکہ مسیح موعودؑ کی آمد کا دونوں مذہبوں کے لوگوں کو انتظار ہے۔ اور اپنے اپنے رنگ میں وہ اسکے الگ الگ معنے کرتے ہیں۔ اول ہم مسیحی مذہب کے رو سے اس عقیدہ پر بحث کرتے ہیں سو واضح ہو کہ عیسائیوں کو جو مسیحؑ کی آمد ثانی کی امید دلائی گئی تھی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک وہ آمد ثانی اسی قبیل سے ہے جیسے کہ الیاسؑ کی آمد ثانی حضرت مسیحؑ سے پہلے تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ یہودیوں کو یہ وعدہ دیا گیا تھا کہ سچے مسیحؑ کی جو انکے درمیان آنیوالا ہے یہ نشانی ہے کہ اس سے پہلے الیاسؑ کی آمد ثانی ہوگی۔ اور جھوٹے مدعیوں اور سچے مدعی میں یہی امتیاز بتایا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ مسیحؑ نہیں آئیگا جبتک کہ الیاسؑ آسمان سے نہ اُترے اور اسکی آمد ثانی نہ ہولے چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مسیح ہونیکا دعویٰ کیا تو قبل اس کے کہ یہودی کوئی اور معجزہ یا نشان اس سے طلب کریں انہوں نے یہی کہا کہ ضرور تھا کہ مسیحؑ صادق سے پہلے الیاسؑ دوبارہ آوے سو الیاسؑ کہاں ہے جس کا جواب حضرت مسیحؑ نے یہ دیا کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا ہی الیاسؑ ہے کیونکہ وہ اسکی قوت اور طبیعت میں آیا ہے یعنی اسی کے روحانی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ پس جس طرح خود حضرت مسیحؑ الیاسؑ کی آمد ثانی کا فیصلہ انیس ۱۹ سو برس پہلے کر چکے ہیں اسی طرح آج مسیح ثانی اور آخری زمانہ کا مسیح موعودؑ مسیحؑ کی آمد ثانی کا فیصلہ کرتا ہے اور آمد ثانی کے وہی معنے کرتا ہے جو اس سے پہلے مسیحؑ نے کئے اور اس نظیر کو پیش کرتا ہے جس سے کوئی عیسائی انکار نہیں کر سکتا۔ یعنی یہ کہ مسیحؑ کی آمد ثانی سے مراد ایک ایسے شخص کی آمد ہے جو اسی کے رنگ اور خو میں آوے۔ چنانچہ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ مسیح موعودؑ کے دعوے سے کئی سال پہلے براہین احمدیہ میں حضرت مرزا صاحب اپنا رؤیا شائع کر چکے تھے کہ گویا وہ اور مسیحؑ ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے ہیں۔ یعنی روحانیت میں ایک ہی ہیں اور اسکے علاوہ وہ الہامات بھی شائع کر چکے تھے جن میں آپ کو عیسیٰؑ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ رؤیا اور الہامات اس وقت شائع ہوئے جب ابھی مسیح موعودؑ کے دعوے کا نام و نشان بھی نہ تھا بلکہ مسیحؑ کی آمد ثانی کے معمولی مروجہ عقیدہ پر جو اہل اسلام کے اندر چلا آتا ہے وہ قائم تھے جیسا کہ خود اپنی کتاب براہین احمدیہ میں آپنے اسوقت لکھ بھی دیا۔ پس یہ تو صاف ثابت ہوگیا کہ یہ کوئی بناوٹ نہ تھی کہ کئی سال پہلے اسباب کو مدنظر رکھ کر کہ آئندہ مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کریں گے ایسے رؤیا اور الہامات شائع کر دیئے جنسے آپ کا مسیحؑ کے ساتھ روحانی رنگ میں ایک ہونا اور مماثلت کا اس درجہ تک پہنچ جانا کہ اللہ تعالیٰ بھی آپ کو عیسیٰؑ کے نام سے ہی پکارے ثابت ہو تا بعد میں مسیحؑ کی آمد ثانی کے معنے کرنے میں مدد ملے کیونکہ اگر ایسی بناوٹ ہوتی اور یہ محض افترا ہوتا تو کبھی ممکن نہ تھا کہ اسی کتاب میں مسیحؑ کی آمد ثانی کے مروجہ عقیدہ کو لکھ دیتے۔ پس معلوم ہوا کہ واقعی آپ میں مسیحؑ اول سے وہ مماثلت پائی جاتی ہے جو بہرحال یوحنا اور الیاسؑ کی مماثلت سے بہت بڑھکر ہے۔ پس جب ایسی روحانی مماثلت اس درجہ تک موجود ہے تو اب مسیحؑ کی آمد ثانی سے آپکی آمد مراد ہونا کچھ بھی مستبعد نہیں ہے بلکہ یوحنا اور الیاسؑ کی نظیر کو مدنظر رکھکر اور مسیحؑ کے فیصلہ کو عزت کی نگاہ سے دیکھکر یہ قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ اس مسیحؑ ثانی کی آمد ہی مسیحؑ اول کی آمد ثانی ہے۔

مسیح کی آمد ثانی کے ان معنوں کے رو سے عیسائی مذہب کے بنیادی عقیدہ کی جڑھ کٹتی ہے۔ یعنی یسوع مسیح کے مردوں میں سے

جی اٹھنے کی جس طرح یہودی اپنی آسمانی کتابوں کی بنا پر یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ الیاسؑ آسمان پر گیا ہوا ہے اور وہ خود ہی دوبارہ نازل ہوگا اسی طرح عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیح آسمان پر گیا ہوا ہے اور وہ خود ہی نازل ہوگا۔ مگر اس سے بڑھکر انکے عقیدہ کا جزو لازم یہ بھی ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر مر گئے اور دفن کئے گئے اور تیسرے دن جی اٹھے۔ اب اگرچہ اناجیل سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت مسیحؑ نے جب الیاسؑ کی آمد ثانی سے مراد یوحنا کی آمد لی تو اس نے الیاسؑ کے آسمان پر چڑھ جانیکی کیا توجیہ کی۔ مگر سلسلہ احمدیہ نے اس حقیقت کو کھول کر دکھایا ہے جو مسیح کے آسمان پر چڑھ جانیکے قصہ کے نیچے پوشیدہ ہے چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ صلیب پر مرے نہیں بلکہ صرف غشی ہو گئی تھی۔ اور انکو دفن نہیں کیا گیا بلکہ ایک بڑے وسیع کمرے میں جو چٹان کے ایک جانب تھا انکو آرام اور آسائش سے رکھا گیا۔ اور وہ مردوں سے نہیں جی اٹھے بلکہ غشی کی حالت سے ہوش میں آئے۔ اور وہ آسمان پر نہیں گئے بلکہ افغانستان اور کشمیر میں چلے آئے تھے تاکہ بنی اسرائیل کی باقی اقوام کو خدا کا پیغام پہنچائیں۔ اور کشمیر میں ہی سری نگر محلہ خان یار میں دفن کئے گئے جہاں انکی قبر آجتک موجود ہے۔ اور مختلف ناموں کے نیچے مشہور ہے یعنی یوز آسف جو صریحاً عبرانی یسوع آسف کا بگڑا ہوا ہے۔ یعنی یسوع بنی اسرائیل کی گم شدہ اقوام کو اکٹھا کرنیوالا۔ شہزادہ نبی۔ جو حضرت مسیحؑ کا خاص خطاب ہے۔ نبی صاحب۔ عیسیٰ صاحب۔ ان دعوؤنکی تائید میں حسب ذیل شہادت پیش کی جاتی ہے

اول۔ اناجیل کی شہادت۔ (۱) یسوع نے پیشگوئی کے طور پر اپنے آپ کو یونسؑ سے مشابہت دی (متی ۱۲ باب۔ ۳۹ و ۴۰ آیت۔ لوقا ۱۱ باب۔ ۲۹ و ۳۰ آیت) لیکن یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں مرا نہیں تھا بلکہ صرف مردہ سی حالت اسکی ہو گئی تھی۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی پیشگوئی کا منشاء یہ تھا کہ وہ بھی اگرچہ کالمیت ہو جائیں گے مگر یونسؑ کی طرح زندہ ہی رہیں گے اور مرینگے نہیں۔ (۲) یسوع نے کہا کہ میں بنی اسرائیل کی گم شدہ اقوام کی طرف بھیجا گیا ہوں (متی ۱۵/۲۴) اور کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ تا انکو جو کھوئے جا چکے ہیں تلاش کروں (لوقا ۱۹/۱۰) اب یہ یقینی امر ہے کہ ملک شام میں جو یہودی تھے وہ صرف بنی اسرائیل کی دو قومیں تھیں۔ اور باقی دس قومیں بہت عرصہ پہلے مشرق میں آباد ہو چکی تھیں۔ پس گم شدہ بھیڑوں کا لفظ جنکو تلاش کرنا ضروری تھا انپر بہ نسبت شامی اسرائیلیوں کے زیادہ صادق آتا ہے اور صلیب کے واقعہ کے بعد انہی کی طرف حضرت عیسیٰؑ چلے گئے۔ (۳) پیلاطوس کی بیوی کی خواب (متی ۲۷/۱۹) بھی یسوع کے بچ جانیکی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ اگر منشاء الٰہی یسوع کو بچانیکا نہ ہوتا تو فرشتہ کیوں پیلاطوس کی بیوی کو خواب میں ڈراتا کہ اسے یسوع کے بچانیکی کوشش کرنی چاہیئے۔ (۴) بڑی زبردست شہادت یسوع کی وہ دعا ہے جو اس نے واقعہ صلیب کے پہلی رات مانگی۔ کیونکہ ایک پرہیزگار اور نیک آدمی کی دعا جو ایسے اضطرار اور مصیبت کی حالت میں کی جاوے کبھی رد نہیں ہو سکتی۔ پس خدائے تعالیٰ نے ضرور انکو وعدہ دیا ہوگا کہ میں تمہیں بچا لونگا اور معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ نے ایلی ایلی لما سبقتانی پکارا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کا وعدہ ہی پیش کر رہے تھے۔ عبرانیوں پانچ باب

ساتویں آیت نے اس دعا کے قبول ہو جانے اور مسیح کے بچایا جانیکو ایسا قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ کیونکہ وہاں لکھا ہے کہ ’’اسنے اپنے مجسم ہونے کے دنوں میں بہت رو رو اور آنسو بہا بہا کے اس سے جو اسکو موت سے بچا سکتا تھا دعائیں اور منتیں کیں۔ اور اس کے تقوے کے سبب اسکی دعا سنی گئی‘‘ (۵) یسوع صلیب پر بہت ہی تھوڑا وقت رہا۔ حالانکہ صلیب کی موت بہت آہستہ واقع ہوتی تھی اور کئی کئی دن تک لوگ صلیب پر زندہ رہ جاتے تھے۔ جن دو آدمیوں کو مسیح کے ساتھ صلیب پر چڑھایا گیا تھا وہ یقینی طور پر اسوقت تک زندہ تھے جب اُتارے گئے۔ (۶) دوسرے دو آدمیوں کی ٹانگیں محض اس لئے توڑی گئیں کہ تا موت کا تیقن ہو جاوے۔ مگر مسیح کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں۔ (۷) برچھے کو پہلو میں چھونے سے خون نکلا جو صحیح علامت زندگی کی ہے۔ (۸) پیلاطوس کو بھی یقین نہیں آیا کہ مسیح اتنی جلدی مرگیا (مرقس ۱۵/۴۴) (۹) یسوع کو دوسرے مجرموں کی لاشوں کے ساتھ نہیں ملایا گیا اور نہ ہی جہاں وہ دفن ہوتے تھے اسے دفن کیا گیا بلکہ ایک فراخ کمرے میں بڑی آسائش کے ساتھ رکھا گیا (۱۰) تیسرے دن جب اس کمرے کو دیکھا گیا تو پتھر دروازے پر نہ تھا اگر یسوع خارق عادت طور پر جی اٹھا ہوتا تو پتھر کے دروازے سے ہٹانے کی ضرورت پیش نہ آتی بلکہ یہ واقعہ صاف بتا رہا ہے کہ خود مریدوں نے پتھر کو دروازے سے ہٹا کر اسے باہر نکالا۔ (۱۱) مریم نے جب اسے دیکھا تو اس نے خیال کیا کہ وہ باغبان ہے (یوحنا ۲۰/۱۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع نے باغبانوں کا بھیس بدل لیا تھا تا کہ کوئی اسے پہچان نہ سکے اگر مردوں سے جی اٹھا ہوتا تو بھیس بدلنے کی ضرورت کوئی نہ تھی۔ (۱۲) حواریوں سے جب اسکی ملاقات ہوئی تو اسی خاکی جسم کے ساتھ تھا جس میں گوشت اور ہڈیاں اور خون ہے اور زخم اتنے گہرے تھے کہ ان میں ہاتھ پڑ سکتا تھا۔ اور اسے بھوک بھی لگی اور جس طرح حواریوں نے کھانا کھایا اس نے بھی کھایا۔ (لوقا ۲۴ باب ۳۹-۴۳ آیت) (۱۳) یسوع نے دو مریدوں کے ساتھ گلیل کا سفر اختیار کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یروشلم سے بھاگ کر گلیل کو چلا گیا بعینہٖ اسی طرح جس طرح کوئی اور انسان ایسے ہی حالات کے ماتحت چلا جاتا۔ اگر اسکا مقصد آسمان پر چڑھنے کا تھا تو گلیل کا سفر بے معنی تھا۔ گلیل کوئی ایسا اسٹیشن نہ تھا جہاں سے آسمان پر جانیکے لئے ٹکٹ ملتے ہوں۔ (۱۴) واقعہ صلیب کے بعد وہ ہمیشہ اپنے آپ کو چھپانیکی کوشش کرتا رہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اندیشہ تھا کہ یہودیوں کو اصل حال معلوم نہ ہو جائے۔ مُردوں میں سے جی اٹھے ہوئے مسیح کو اپنے آپ کو چھپانے کی بجائے کھلے طور پر یہ معجزہ یہودیوں کو دکھانا چاہیئے تھا۔ پھر جہاں چاہتا چلا جاتا۔

دوئم باقی شہادتیں جو پیش کیجاویں گی وہ تاریخی رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں اور خصوصیت سے کسی ایک مذہب سے تعلق نہیں رکھتیں۔ ان میں ایک مرہم عیسیٰ کی شہادت ہے جس کے دوسرے نام مرہم حواریین مرہم رسل اور مرہم شلیخا بھی ہیں۔ اس مرہم کا ذکر طب کی اکثر کتابوں میں پایا جاتا ہے جنمیں سے بعض کی فہرست اسی رسالہ کی جلد ۲ نمبر ۱ میں دیگئی ہے یہ وہ مرہم ہے جس کے متعلق یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ کے لئے تیار کی تھی۔ اور خود مختلف قسم کے ناموں سے بھی ظاہر ہے کہ اس مرہم سے حواریوں کا بھی ویسا ہی تعلق ہے جیسا حضرت عیسیٰؑ کا۔ اس مرہم کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ یہ زخموں کے اچھا کرنے میں بہت نافع ہے۔ چونکہ یہ

کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ صلیب کے علاوہ کوئی اور زخم بھی حضرت عیسیٰؑ کو لگے تھے۔ اس لئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ مرہم صلیب کے موقع ہی زخموں پر لگانے کے لئے تیار کی گئی تھی اور اسی کا اعجازی اثر تھا کہ اتنی تھوڑی دیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام چلنے پھرنے کے اور گلیل تک کا لمبا سفر اختیار کرنیکے قابل ہو گئے۔

سوئم۔ سری نگر محلہ خان یار میں جو قبر ایک نبی کی ملی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ وہاں سے زندہ بچکر اس طرف آگئے اور یہیں فوت ہو کر دفن ہوئے۔ اس کے ثبوت میں حسب ذیل شہادتیں پیش کیجاتی ہیں۔ (۱) زبانی روایتیں جو نسلاً بعد نسل کشمیر کے لوگوں میں چلی آئی ہیں اور جنکے متعلق پانچسو آدمی کی دستخطی شہادت لی گئی ہے کہ واقعی یہ روایتیں قدیم سے چلی آتی ہیں۔ کہ قبر مذکور یوز آسف کی قبر ہے جو نبی بھی تھا اور شہزادہ بھی۔ جو کسی مغربی ملک سے قریب انیس سو سال ہوئے کشمیر میں آیا تھا۔ اس قبر کو نبی صاحب یا عیسیٰؑ صاحب کی قبر بھی کہتے ہیں۔ (۲) تاریخ اعظمی جو ایک تاریخی کتاب قریباً دو سو سال کی ہے۔ اس کے صفحہ ۸۲ پر اس قبر کے متعلق یہ شہادت درج ہے۔ "سید نصیر الدین کی قبر کے ساتھ ایک نبی کی قبر مشہور ہے وہ ایک شہزادہ تھا جو غیر ملک سے کشمیر میں آیا وہ زہد تقویٰ اور عبادت میں کامل تھا خدا کی طرف سے نبی بنایا گیا اور اہل کشمیر کی دعوت میں مشغول ہوا اسکا نام یوز آسف تھا۔ بہت سے اہل کشف اور خصوصاً میرے مرشد نے شہادت دی ہے کہ اس قبر سے برکات نبوت ظاہر ہوتے ہیں۔" (۳) کتاب اکمال الدین میں جو قریباً ایک ہزار سال کی تحریر ہے صفحہ ۳۵۹ پر لکھا ہے "وہ (یوز آسف) بہت سے ملکوں اور شہروں میں پھرتا ہوا اس ملک میں آیا جسکا نام کشمیر ہے وہاں اس نے زندگی بسر کی اور وہاں ٹھہرا رہا یہانتک کہ موت کا وقت آگیا اور اس نے خاکی جسم کو چھوڑا اور نور کی طرف اسکا رفع ہوا۔ پھر یابد کو حکم کیا کہ میرے لئے ایک مکان یعنی مقبرہ بنا۔" (۴) جوزف جیکبس جس نے یوز آسف کے قصوں کو جمع کرنے میں بہت محنت کی ہے۔ ایک بڑے پرانے قصے کے حوالے سے لکھتا ہے کہ یوز آسف اخیر میں کشمیر پہنچا اور وہاں ہی فوت ہوا۔ (۵) مندرجہ ذیل واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوز آسف یسوع ہی ہے۔ ا۔ یوز آسف کی قبر کو بعض لوگ عیسیٰؑ صاحب کی قبر بھی کہتے ہیں۔ ب۔ مسلمان اسکو نبی کہتے ہیں اس لئے یہ قبر کسی مسلمان ولی کی نہیں ہو سکتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں میں کوئی شخص نبی کے نام سے مشہور نہیں ہوا۔ لفظ نبی یا عبرانی میں ہے یا عربی میں۔ لیکن چونکہ کوئی نبی عربی سوائے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہوا اس لئے ضرور ہے کہ یہ کسی عبرانی نبی کی قبر ہو۔ ج جو زمانہ یوز آسف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ د۔ یوز اور یسوع اسقدر ایک دوسرے سے ملتے جلتے نام ہیں کہ ایک شخص بڑی آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ یسوع ادنیٰ تصرف سے یوز بن گیا۔ ھ۔ بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ یوز آسف ایک اسرائیلی تھا جو ملک شام سے بھاگ کر آیا تھا۔ اب چونکہ وہ نبی ہے اور کسی نبی کے واقعات زندگی ایسے نہیں ہیں جو ہم اسکی طرف ملک شام سے بھاگنا منسوب کر سکیں سوائے مسیحؑ کے۔ اور پھر جب زمانہ بھی وہی ہے

تو یہ نتیجہ اور بھی یقینی ہو جاتا ہے۔ و۔ صرف نبی ہی نہیں بلکہ یوز آسف شہزادہ کے نام سے بھی پکارا گیا ہے اور یہ واقعہ اسکو صاف طور پر یسوع ثابت کرتا ہے۔ ز۔ یوز آسف کی تعلیم یسوع کی تعلیم بہت ملتی جلتی ہے یہانتک کہ بعض تمثیلیں بالکل مطابق ہیں۔ مندرجہ ذیل تمثیل کا جو یوز آسف کی تعلیم میں پائی جاتی ہے یسوع کی بیان کردہ تمثیل سے جو متی ۱۳ مرقس ۴ لوقا ۸ میں پائی جاتی ہے مقابلہ کرو۔ "جب کسان بیج بوتا ہے تو کچھ دانے راستے پر گرتے ہیں جن کو پرندے چگ جاتے ہیں کچھ پتھریلی زمین میں گرتے ہیں اور جب انکی جڑھیں پتھر کی سطح تک پہنچتی ہیں تو وہ سوکھ جاتے ہیں بعض دانے کانٹوں میں گرتے ہیں۔ اور بعض دانے اچھی زمین میں گرتے ہیں اور اگرچہ وہ تھوڑے سے ہوتے ہیں مگر وہ اگتے ہیں اور بڑھتے ہیں اور پھل لاتے ہیں۔ کسان سے مراد حکیم ہے اور بیج سے اسکے کلمات حکمت۔ جو دانے راستے پر گرتے ہیں انکی مثال ان حکمت کی باتوں کی طرح ہے جو ایک کان میں آتی ہیں اور دوسرے سے نکل جاتی ہیں۔ جو دانے پتھریلی زمین میں گرتے ہیں وہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو دل میں نہیں بیٹھتیں۔ جو دانے کانٹوں پر گرتے ہیں ان سے مراد وہ کلمات حکمت ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان کو اس کی شہوات روکتی ہیں۔ جو دانے اچھی زمین میں گرتے ہیں ان کی مثال ان حکمت کے کلموں کی طرح ہے جو دل میں جڑھ پکڑتے ہیں اور اپنا پھل لاتے ہیں اور انسان انپر عمل کرنے سے نیک چلن انسان بنتا ہے۔" ح۔ اس سے بھی بڑھکر یہ بات حیرت میں ڈالنے والی ہے کہ یوز آسف اپنی کتاب کا نام بشریٰ رکھتا ہے جو بعینہٖ انجیل ہے۔ جیسا کہ اکمال الدین کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے "حتّٰی بلغ فضاء واسعا فرفع راسہٗ فرای شجرۃ عظیمۃ علی عین ماء احسن مایکون من الشجر واکثرھا فرعا وغصنا واملاھا ثمرا وقد اجتمع الیہ من الطیر مالا یعد کثرۃ۔ فسرّ بذالک المنظر و فرح بہٖ وتقدم الیہ حتّٰی دنی منہ وجعل یعبرہٗ ویفسرہٗ الشجرۃ بالبشریٰ التی دعا الیہا وعین الماء بالحکمۃ والعلم والطیر بالناس الذین یجتمعون الیہ ویقبلون منہ الدین" ترجمہ۔ یہانتک کہ وہ یعنی یوز آسف ایک وسیع میدان میں پہنچا۔ اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ بڑا درخت ایک چشمہ کے کنارہ پر کھڑا ہے نہایت ہی خوبصورت بہت شاخوں اور ٹہنیوں والا نہایت میٹھے پھل والا اور اسپر بے شمار پرند جمع ہیں پس وہ اس نظارہ سے نہایت خوش ہوئے۔ اور اس درخت کی طرف بڑھے یہاں تک کہ اس کے پاس پہنچے اور اسکی تعبیر کرنے لگے۔ درخت کو انہوں نے اس بشریٰ سے مشابہت دی جسکی طرف وہ لوگوں کو بلاتے تھے۔ اور چشمۂ آب کو علم و حکمت سے مشابہت دی اور پرندوں کو ان لوگوں سے جو آپکے پاس جمع ہوتے اور آپ کا دین قبول کرتے۔" یہاں لفظ بشریٰ جو انجیل کا مرادف ہے یوز آسف کی کتاب کے لئے استعمال ہوا ہے جس سے صاحب کتاب کا صاف نشان ملتا ہے۔ ط۔ یوز آسف کی کتاب کا ترجمہ بہت عرصہ سے یورپ کی قریباً کل زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اور عیسائی دنیا اسے بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے یہانتک کہ ایک گرجا بھی اسکے نام پر سسلی میں بنایا گیا ہے۔ اس عزت سے جو عیسائیوں نے یوز آسف کو دی ہے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے

کہ اگر انھوں نے یوزآسف اور یسوع کو ایک ہی نہیں سمجھا تو کم از کم یوزآسف کو یسوع کے حواریوں میں سے سمجھا ہے کیونکہ زمانہ یوزآسف اور یسوع کا ایک ہی ہے اسبات کا بار ثبوت عیسائیوں کے ذمے ہے کہ وہ ثابت کریں کہ کونسا حواری حضرت مسیح کا یوزآسف کہلاتا تھا اور پھر نبی اور شہزادہ بھی اس کے لقب تھے۔ ی۔ عیسائی محققوں نے یہ کوشش کی ہے کہ یوزآسف کو بدھ ثابت کریں۔ چنانچہ ایک تازہ کوشش یہ کی گئی ہے کہ یوزآسف بودی ستوا سے بگڑا ہوا ہے جو بدھ کا نام ہے۔ لیکن محض امکان کہ ایک لفظ سے بگڑ کر دوسرا لفظ بن سکتا ہے ثبوت کا قائم مقام نہیں ہے۔ اور جبکہ یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ بدھ سری نگر کشمیر میں دفن نہیں بلکہ یہ کوئی اور شخص ہے جو بدھ سے الگ ہے تو لازماً اسے یسوع ماننا پڑے گا۔

چہارم۔ جس مسیح کا اسرائیلیوں کو وعدہ دیا گیا تھا وہ کل اقوام بنی اسرائیل کے لئے مسیح ہو کر آنیوالا تھا۔ نہ ایک یا دو قوموں کی طرف۔ مگر یہ یقینی امر ہے کہ بنی اسرائیل کی بارہ اقوام میں سے دس قومیں حضرت مسیح کی پیدائش سے بہت مدت پہلے مشرق میں آباد ہو چکی تھیں پس مسیح اپنی قوم کا مبلغ کبھی نہیں ہو سکتا تھا جبتک کہ وہ ان دس قوموں کی طرف نہ آتا۔ مندرجہ ذیل شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل کی دس اقوام میں سے ہیں۔ (۱) افغان بالاتفاق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اسرائیلی نسل سے ہیں۔ یہ بات حقیقت سے خالی نہیں ہو سکتی کیونکہ مذہبی طور پر افغانوں کو یہود سے سخت نفرت ہے پس اگر وہ واقعی بنی اسرائیل کی نسل سے نہ ہوتے تو ہرگز اپنے آپ کو اس قوم کی طرف منسوب نہ کرتے۔ انکے پاس نسب نامے بھی موجود ہیں جن میں سلسلہ نسل اسرائیل سے جا ملتا ہے۔ اور یہ افغانوں کا نیا دعویٰ نہیں بلکہ قدیم سے وہ یہی دعویٰ کرتے چلے آئے ہیں۔ (۲) ظاہری خط و خال میں افغان اور کشمیری ان لوگوں سے نہیں ملتے جو انکے پڑوس میں ہیں مگر یہودیوں سے انکو ایسی مناسبت ہے کہ ایک شخص دھوکا کھا سکتا ہے۔ (۳) لباس میں۔ رسم و رواج میں۔ اخلاق اور اطوار میں بھی ایسی ہی مشابہت افغانوں اور کشمیریوں کی یہودیوں سے پائی جاتی ہے۔ (۴) افغانوں کے بعض قبائل کے نام اور کشمیر کے بعض مقامات کے نام صاف بتاتے ہیں کہ وہ اسرائیلی نام ہیں۔ (۵) افغانستان اور کشمیر میں بہت سے ایسے شہر ہیں جنکے نام یہودیوں کے قدیم وطن کے شہروں اور قصبوں کے ناموں سے ملتے ہیں۔ اس میں ہمیں انسانی طبیعت کا یہ میلان نظر آتا ہے کہ جب وہ ایک مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام کو جا آباد کرتے ہیں تو اپنے شہروں وغیرہ کے نام وہاں بھی رکھ لیتے ہیں۔ مندرجہ ذیل ناموں کا مقابلہ صاف بتاتا ہے کہ یہ اتفاقی بات نہیں۔ مثلاً کابل۔ پونچھ۔ زیدا۔ حمس۔ گلگت۔ تبت۔ لاسہ۔ لداخ۔ لیہ۔ سورو۔ سکیت کا مقابلہ قدیم شام کے ان ناموں سے کرو۔ کابل۔ فونیشیا۔ زیدان۔ حمس۔ گلگوتھا۔ تبتھ۔ لاشا۔ لادح۔ لیحی۔ شور۔ سکوتھ۔ (۶) بڑے بڑے مشہور سیاحوں نے یہ شہادت دی ہے کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

دوسرا پہلو دعوے مسیحیت کا متعلق بہ اسلام ہے۔ اسلامی رنگ میں سلسلہ احمدیہ مسیح موعودؑ کے آنے کو اس طرز پر مانتا ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ نے اسرائیلی شریعت کی بنیاد حضرت موسیٰؑ کے ساتھ رکھی۔ اور پھر اس موسوی سلسلہ کا خاتمہ اسکے

اخیر میں ایک مسیح بھیجکر کیا پس اس موسوی سلسلہ میں اول سلسلہ حضرت موسیٰؑ اور آخر سلسلہ حضرت عیسیٰؑ تھے۔ پھر خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو یہ بھی وعدہ دیا تھا کہ میں تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی اٹھاؤنگا استثنار ۱۸-۱۸۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے زمانہ نبوی میں یہ فرمایا کہ ہم نے تجھے موسیٰ کی مثل بناکر بھیجا ہے جیسا کہ سورۃ مزمل کی آیت انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا اسپر شاہد ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی وعدہ دیا گیا کہ اُمت محمدیہ میں خلفاء قائم کئے جائیں گے مثل ان خلفاء کے جو امت موسویہ میں بنائے گئے۔ جیسا کہ آیت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم (سورۃ نور) اُس پر شاہد ہے۔ پس جیسا کہ سلسلہ موسویہ کے اول یعنی حضرت موسیٰؑ کا مثیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہرایا گیا تھا۔ ایسا ہی مطابق وعدہ سورہ نور کے یہ ضروری تھا۔ کہ خاتم سلسلہ موسویہ یعنی حضرت عیسیٰؑ کا مثیل سلسلہ محمدیہ کے اخیر پر مبعوث کیا جاتا یعنی جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کا خاتم الخلفا ایک مسیح تھا ویسا ہی ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الخلفا ایک مسیح بھیجا جاتا۔

بانی سلسلہ احمدیہ کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اس وعدہ کے مطابق دنیا میں بھیجا گیا ہے اور حدیثوں میں جو مسیح ابن مریم کے آنیکا وعدہ ہے وہ بھی قرآن شریف کے اسی وعدہ کے مطابق ہے ورنہ حدیث قرآن شریف کے خلاف ہو گی کیونکہ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ تم میں سے ہی خلیفے پیدا ہوں گے جس وعدہ کے لحاظ سے ضروری ہوا کہ باہر سے کوئی خلیفہ نہ آئے۔ اس سے حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد کی تکذیب ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل امور سے اس مماثلت کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ (۱) یہودی ایک ایسے مسیح کے منتظر تھے جو دنیوی شان و شوکت والا ہو اور زمینی سلطنت یہود کی قائم کرے جسکا غلبہ کل دنیا پر ہو۔ بعینہٖ اسی طرح مسلمان ایک ایسے مسیح کے منتظر ہیں جو ظاہری شان و شوکت والا ہو اور اسلام کی سلطنت کل دنیا پر قائم کرے۔ (۲) جسطرح یہ یہودیوں کے لئے ایک ایسا مسیحؑ بھیجا گیا جس نے انکی ظاہری شان و شوکت کی کل امیدوں کو خاک میں ملا دیا ایسا ہی مسلمانوں میں ایک ایسا مسیحؑ بھیجا گیا جو صلح کا پیغام لیکر آیا ہے۔ اور ظاہری جنگ و جدال سے متنفر ہے اور مسیح ابن مریم کی طرح صلح اور آشتی سے دنیا میں اپنا پیغام پھیلانا چاہتا ہے۔ اور دلائل اور نشانوں سے وہ کام لے رہا ہے جس کو مسلمان اپنی غلطی سے یہودیوں کی طرح تلوار سے لینا چاہتے ہیں۔ (۳) حضرت عیسیٰؑ کی آمد کے وقت یہودی بہت سے فرقوں میں منقسم ہو رہے تھے ایسا ہی حال مسلمانوں کا اسلامی مسیحؑ کے آنیکے وقت ہے۔ (۴) اُس ملک میں جہاں اسرائیلی مسیح ظاہر ہوا اسرائیلیوں کی سلطنت جاتی رہی تھی اور وہ بطور رعایا کے تھے۔ ایسا ہی اس ملک ہند میں جہاں اسلامی مسیح ظاہر ہوا ہے اسلامیوں کی سلطنت جاتی رہی ہے اور وہ بطور رعایا کے بنتے ہیں۔ (۵) خود وہ گورنمنٹیں جن کے نیچے یہ دونوں مسیح اپنے اپنے زمانوں میں پیدا ہوئے آپس میں مشابہت رکھتی ہیں اور رومی اور انگریزی گورنمنٹ کی مشابہت کو عیسائی صاحبان نے بھی بارہا تسلیم کیا ہے۔ (۶) جیسا کہ یہودی مسیح اسرائیلی کے آنیکے وقت راستبازی اور نیکی کے طریقوں کو چھوڑ چکے تھے یہی حال اسلامی مسیحؑ کے آنیکے وقت مسلمانوں کا ہے (۷) جب یہودیوں نے

اپنے مسیح کو سخت ایذائیں پہنچائیں تو انپر طاعون بھیجی گئی۔ ایسا ہی اس ملک میں بھی مسیح کے ایذا دیئے جانے پر خدا نے طاعون کا خطرناک عذاب بھیجا ہے۔ (۸) جیسا یہودیوں نے اپنے مسیح کو عدالتوں میں گھسیٹا اور عدالتوں کے ذریعہ مروا ڈالنا چاہا ایسا ہی یہاں بھی ہوا یعنی اسلامی مسیح پر اقدام قتل کا مقدمہ قائم کیا گیا جس میں قوموں نے اتفاق کرکے اسے ہلاک کرنا چاہا۔ اور جیسے بڑے بڑے یہودی علما مسیح اسرائیلی کے خلاف گواہی دینے کے لئے آئے تھے۔ یہاں بھی ایک جنیو پوش قوم کا سردار مسیح کے خلاف گواہی دینے کے لئے عدالت میں آیا۔ (۹) یسوع مسیح اگرچہ آخری نبی سلسلہ موسویہ کے تھے مگر چونکہ انکا والد بنی اسرائیل میں سے کوئی انسان نہ تھا اس لئے انہیں صحیح معنوں میں اسرائیلی نہیں کہہ سکتے۔ ایسا ہی موجودہ مدعی مسیحیت کا بھی اگرچہ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خلیفہ ہے مگر وہ قریش میں سے نہیں۔ ہاں جیسا کہ مسیح اول صرف ماں کی طرف سے اسرائیلیوں میں سے تھا ایسا ہی مسیح ثانی کی بھی بعض دادیاں سیدوں میں سے تھیں۔

یہاں آکر پھر وہی بحث پیش آتی ہے جو عیسائیوں کے ساتھ پیش آئی تھی یعنی عام مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ابھی تک زندہ آسمان پر اسی جسد عنصری سے بیٹھے ہیں مگر سلسلہ احمدیہ انکے خلاف یہ کہتا ہے کہ انکی زندگی اسی قسم کی ہے جیسے دوسرے تمام انبیاءؑ کی۔ اور انکا جسد عنصری اسی خاک میں دبا ہوا ہے۔ علاوہ ان ثبوتوں کے جو اوپر گذر چکے ہیں قرآن شریف اور حدیث سے بھی سلسلہ احمدیہ مسیحؑ کی موت کا ثبوت پیش کرتا ہے قرآن شریف کی تیس ۳۰ آیات ازالہ اوہام میں بانی سلسلہ نے ابتدائے دعویٰ میں پیش کی تھیں مگر ان سب کا حوالہ بہت طوالت کو چاہتا ہے۔ صرف ایک آیت سورۃ مائدہ کی ہی اس ثبوت کے لئے کافی ہے اور وہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم۔ اول توفی کے معنے مع جسد عنصری آسمان پر لیجانے نہ قرآن شریف میں نہ حدیث میں نہ لغت میں نہ عربی علم ادب میں کہیں نہیں آئے اور بفرض محال اگر یہ معنے مان بھی لئے جاویں تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ اے خدا جب تو نے مجھے مع جسد عنصری آسمان پر اٹھا لیا تو پھر تو ہی میری امت کا نگہبان رہا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کبھی فوت ہی نہ ہوں کیونکہ قیامت کے دن بھی وہ اپنی موت کا ذکر نہیں کریں گے بلکہ جسد عنصری کے ساتھ اٹھایا جانیکا ذکر کریں گے۔ اور اگر توفیتنی کے وہ معنے لئے جائیں جو لغت اور ادب عرب میں لئے گئے ہیں۔ تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ انکے فوت ہونیکے بعد انکی امت بگڑی۔ پس اگر وہ اب تک فوت نہیں ہوئے تو ماننا پڑیگا کہ انکی امت بھی نہیں بگڑی۔ اور علاوہ ازیں انکی آمد ثانی بھی باطل ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ اگر آمد ثانی میں انہوں نے کچھ کارروائی کی ہوتی تو جس طرح آمد اول کے ذکر میں یہ کہا تھا کہ کنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم اسی طرح آمد ثانی کا بھی کچھ ذکر فرماتے کہ مینے دوبارہ جاکر یہ یہ اصلاح کی نہ کہ اپنی بیخبری ظاہر کرتے کہ مجھے کچھ پتہ ہی نہیں کہ کیا ہوا۔ ایسا ہی احادیث بھی بہت سی پیش کی گئی ہیں مثلاً حدیث معراج جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مینے حضرت عیسیٰؑ کو ان انبیاء میں دیکھا جو اس جہان سے گذر چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو

ان میں نہ مل سکتے تھے۔ ایسا ہی ایک حدیث میں انکی عمر ایک سو بیس سال کی بیان کی گئی ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سری نگر محلہ خان یار والی قبر میں وہی سوئے ہوئے ہیں کیونکہ یوز آسف کی عمر بھی ایک سو بیس سال کی ہی بیان کی جاتی ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں سے ایسی آیتیں بھی پیش کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کشمیر کی طرف آئے۔ جیسا کہ آیت و آوینھما الی ربوۃ ذات قرار و معین۔ لفظ اوی کے معنے ہیں کسی بڑی مصیبت کے بعد پناہ دینا۔ سو بڑی مصیبت جو حضرت عیسیٰ ؑ کو اپنی عمر میں ملک شام میں پیش آئی وہ صلیب کی ہی مصیبت تھی۔ اور پھر جس ملک میں پناہ دینے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بعینہٖ نقشہ کشمیر کا ہے۔

وہ ثبوت جو اس دعوے کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت میرزا غلام احمدؑ صاحب مسیح موعودؑ ہیں حسب ذیل ہے۔

اول ثبوت وفات مسیح ؑ جس پر مختصر بحث اوپر گذر چکی ہے۔

دویم۔ مماثلت سلسلہ موسویہ اور سلسلہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس کا ذکر بھی اوپر آچکا ہے۔

سویم۔ مماثلت درمیان حضرت میرزا غلام احمد صاحب و حضرت عیسیٰ ؑ۔ یہ بھی بیان ہو چکی ہے۔

چہارم۔ مماثلت درمیان آدم ؑ اول اور آدم ؑ ثانی یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۔ حضرت آدم ؑ جمعہ کے دن پیدا کئے گئے جو چھٹے دن کی آخری ساعت تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے پس ضروری تھا کہ مسیح موعودؑ حضرت آدم ؑ سے چھٹے ہزار کے اخیر پر پیدا ہوتا مگر چھ ہزار سال ختم ہو کر ساتواں ہزار شروع ہو گیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ مسیح موعودؑ پیدا ہو چکا ہو پس جو شخص دعویٰ مسیح موعودؑ ہونیکا کرتا ہے وہی مسیح موعودؑ ہے۔

پنجم۔ ساتواں ہزار شیطان کی مغلوبیت اور حق کی فتح کا ہزار سال ہے۔ جیسا کہ چھٹا ہزار سال شیطان کے غلبہ اور دجال کی کارروائیوں کا وقت تھا۔ پس ساتویں ہزار سال کے شروع ہوتے ہی مسیح موعودؑ کی کارروائی کا شروع ہو جانا بھی ضروری ہے۔

ششم۔ مسیح موعودؑ کی آمد کے کل نشانات پورے ہو چکے ہیں۔ اور مسلمان اور عیسائی دونوں عین اسی وقت اس کی آمد کے سخت انتظار میں لگے ہوئے ہیں۔ بلکہ عیسائیوں میں سے تو بہت لوگ یہ بھی پکار اٹھے ہیں کہ مسیح ؑ کے ظہور کا وقت گذر گیا۔ عیسائیوں کی کتب کے بموجب مسیح کی آمد کے بڑے نشان طاعون اور زلزلے ہیں۔ سو یہ دونوں محتاج بیان نہیں۔ ایک اس اپریل کے ہی مہینہ میں تین ایسی خطرناک تباہیاں دنیا میں آچکی ہیں جن کا ذکر سنکر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ویسو وی اس کا پھٹنا۔ فارموسا کی تباہی اور سان فرانسسکو کے عیاش شہر کا ہولناک عذاب جہاں اسی دنیا میں ایک جہنم کا نمونہ اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا ہے۔ اسی طرح اپریل گذشتہ کا ہولناک زلزلہ۔ زلزلوں کی کثرت اور تباہی کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی۔ اور پھر ان زلزلوں اور طاعون کی نسبت خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی

پیشگوئیاں موجود ہیں جن کے مطابق یہ سب عذاب الٰہی نازل ہو رہا ہے۔ اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق نہایت صاف نشان اور امتیازی نشان مسیح موعودؑ کی آمد کا ماہ رمضان میں چاند اور سورج کا خسوف کسوف خاص تاریخوں میں تھا جو ۱۸۹۴ء میں پورا ہو چکا اس نشان کا ذکر قرآن شریف اور حدیث میں دونوں جگہ موجود ہے۔ ایسا ہی طاعون کا ظاہر ہونا۔ صلیبی مذہب کا غلبہ۔ ستارہ ذوالسنین کا نکلنا۔ اونٹوں کا بیکار ہو جانا اور ایک نئی سواری کا نکل آنا سب نشانات پورے ہو چکے ہیں۔

ہفتم۔ اولیائے امت محمدیہ کا عموماً اسی بات پر اتفاق رہا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے سر پر مسیح موعودؑ ظاہر ہوگا۔✤ اور اس زمانے میں بھی بہت سے اولیاء اللہ نے یہ شہادت دی ہے کہ حضرت میرزا غلام احمدؐ صاحب بانی سلسلہ احمدیہ ہی مسیح موعودؑ ہیں۔

ہشتم۔ اگر کسی مذہبی مصلح کی ضرورت ہے تو اسی وقت ہے جبکہ فتن کا سیل ہر طرف سے جوش میں ہے خدا کے نبی ہمیشہ سخت ضرورت کے وقت آتے ہیں۔ موجودہ زمانہ کی ضرورت مصلح کو چاہتی ہے۔

نہم۔ انبیاءؑ کے دعوے کے لئے ہمیشہ اللہ تعالیٰ آسمان سے انکی تائید میں طرح طرح کے نشان ظاہر فرماتا رہا ہے ایسی ہی نشانات جو قطعی ثبوت کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں سلسلہ احمدیہ کے لئے ظاہر ہو گئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کا پورا ہونا۔ غیب کی خبروں کا جو انسانی طاقت میں نہیں آپ کی وحی کے ذریعہ ظاہر ہونا۔ آپ کی دعاؤں کا سنا جانا۔ اور قبل از وقوع امر قبولیت کی اطلاع ملنا۔ عربی زبان میں اس قدرت کا حاصل ہو جسکا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ جماعت کی تعداد میں خارق عادت ترقی ہونا۔ جماعت پر تعلیم کا نیک اور پاکیزہ اثر۔ الٰہی تائید اور حفاظت جو سلسلہ اور اس کے بانی کے شامل حال ہے۔ مخالفوں کی ناکامیاں اور نامرادیاں اور سلسلہ کی کامیابی۔ زمین اور آسمان کے نشانات اور بہت سے اور نشان جنکی تفصیل نہیں ہو سکتی۔ ان میں چند نشانوں کا ذکر کتاب تریاق القلوب میں ہے اور بعض کا ذکر نزول المسیح میں ہے جو زیر طبع ہے۔

سلسلہ احمدیہ کا اہم مقصد اور اس مشن کی اصل غرض دنیا میں یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ پر ایمان کو از سر نو زندہ اور تازہ کر کے انسان کو پاکیزگی کی راہوں پر چلائے اور گناہ سے نجات پانیکی راہ بتائے۔ اس سلسلہ کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف اسی میں شامل ہو کر انسان ان راہوں کو پا سکتا ہے۔ اور اس دعوے کی تشریح یوں کیجاتی ہے کہ خدا تعالیٰ پر ایمان صرف مونہہ کی ایک بات ہے، جب تک کہ دل اس صداقت کے یقین سے بھرا ہوا نہ ہو جس کا اقرار مونہہ سے کیا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی ہستی پر قدرت کے ملاحظہ سے بھی دلائل پیدا ہوتے ہیں مگر یہ دلائل صرف اس منطقی نتیجہ تک انسان کو پہنچا سکتے ہیں کہ خدا ہونا چاہیئے۔ مگر اس خدا کو پہچاننا اور یقین سے جان لینا کہ واقعی وہ ہے بھی یہ ایک بالکل الگ امر ہے اور اس کا حصول صرف اسی طرح سے ہو سکتا ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت اور علم کے خارق عادت

✤ حدیث نبوی کی رو سے بھی ضروری ہے کہ مسیح موعودؑ صدی کے سر پر پیدا ہو۔ منہ

نمونے دیکھے جاویں جنکا اظہار صرف انبیاء و رسل کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے اور قدیم سے یہی سنت الٰہی چلی آئی ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسے اوقات میں جب زندہ ایمان لوگوں کے دلوں سے نیست و نابود ہو جاتا ہے اپنے انبیاءؑ کے ذریعہ اپنی عظیم الشان قدرتوں کا اظہار بذریعہ خارق عادت نشانوں کے کر کے اپنی ہستی کا یقین لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے جس سے انکی زندگی میں ایک پاک تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ ایسی ہی ضرورت اس زمانہ میں ہے کیونکہ گذشتہ انبیاءؑ کے نشان بطور قصوں کے ہو گئے ہیں۔ اور انسے دلوں کے اندر وہ زندہ اور قوی ایمان پیدا نہیں ہوتا جو گناہ سوز ایمان کہلا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاقی حالتیں اس درجہ تک گر گئی ہیں اور روحانیت سے لوگ بے بہرہ ہو گئے ہیں اس لئے اس وقت میں خدائے تعالیٰ نے اپنا ایک مرسل بھیجا اور وہ وہی مرسل ہے جس کا اخیر زمانہ میں آنیکا ابتدا سے وعدہ دیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ جس نے وعدہ دیا تھا وہ اس بات کو جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں ایک مرسل کی ضرورت ہوگی۔ پس اسی وعدہ اور ضرورت کے مطابق ایمان اور مذہب کو زندہ کرنیکے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک مامور کو مبعوث فرمایا ہے تا کہ اسکی ہستی کا یقین وہ دلوں میں پیدا کرے اور انکو خدا کی قدرتوں کے وہ نمونے دکھاوے جو انسے پہلے انبیاءؑ کے وقتوں میں لوگوں نے دیکھے۔ کیونکہ جبتک ایسا زندہ ایمان دل میں پیدا نہ ہو گناہ کی غلامی سے انسان نجات نہیں پا سکتا یقین کے بغیر انسان گناہ سے نجات نہیں پا سکتا۔ اور خدائے تعالیٰ کی قدرت اور علم کی تازہ بتازہ تجلیات کے مشاہدہ کے بغیر یقین کا پیدا ہونا ناممکن ہے اور تازہ نشان خدا کی قدرتوں کے بغیر وساطت مامور من اللہ اور نبی کے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ ایسا ہی ایک مرسل جسکے ذریعہ سے دلوں میں نور ایمان پیدا ہوتا ہے بانی سلسلہ احمدیہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ انکے پیچھے چلتے ہیں وہ حسب استعداد بتدریج طہارت اور پاکیزگی اور تعلق باللہ میں ترقی کرتے ہیں۔ ان معنوں میں یہ سلسلہ ہی ایک سلسلہ ہے جو دنیا میں مذہب کو زندہ کرنیوالا ہے۔

اسی مقصد کے ذریعہ سلسلہ احمدیہ اس غرض کو پورا کرنا چاہتا ہے جو قرآن شریف میں مسیح موعودؑ کے آنیکی اصل غرض بتائی گئی ہے یعنی دین اسلام کو کل دینوں پر غالب کرنا۔ دوسرے مسلمان بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مسیحؑ کے آنیکی غرض یہی ہے مگر انکے نزدیک اسلام کا غلبہ ایمان کے زندہ کرنے اور دلائل اور نشانات سے نہیں ہوگا بلکہ مسیحؑ ان لوگوں کو جو اسلام قبول کرنے سے انکار کریں گے قتل کریگا۔ گویا باکراہ لوگوں کو دین میں داخل کریگا حالانکہ قرآن شریف فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین۔ یہ بڑی بھاری غلطی ہے دین کا غلبہ تلوار کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا کیونکہ تلوار تو جسموں پر حکومت کرتی ہے نہ دلوں پر۔ مذہب کا تعلق دل سے ہے اور دلپر اثر صداقت اسی وقت ہوگا جب براہین اور نشانات سے صداقت چمک اٹھے۔ اسی غلبہ اسلام کے متعلق جس کو مسیحؑ کی آمد کی غرض ٹھہرایا گیا ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ اس آیت کے متعلق یہ مانا گیا ہے کہ یہ غلبہ مسیح موعودؑ کے وقت میں ہوگا۔ چنانچہ جو جوش سلسلہ احمدیہ میں اشاعت دین اسلام کے لئے ہے اس کی نظیر دوسرے مسلمانوں میں کہیں نہیں ملتی۔ اور یہ

جوش انکا باتوں تک ہی محدود نہیں بلکہ عملی طور پر ایسی کارروائیاں کی گئی ہیں جنکو سوائے اس سلسلہ کے اور کسی نے نہیں کیا۔
حدیث میں کسر صلیب کو بھی مسیحؑ کے آنیکی بڑی غرض قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس کے وہ معنے نہیں جو عام مسلمان سمجھتے ہیں یعنی یہ کہ مسیحؑ واقع میں صلیبوں کو توڑتا پھریگا۔ بلکہ اس سے مراد ہے ایسا حربہ کاری صلیبی مذہب پر چلانا جو اس مذہب کو نیست و نابود کردے۔ اس غرض کو سلسلہ احمدیہ نے پورا کردیا ہے کیونکہ حضرت مسیحؑ کی قبر جو بمقام سری نگر کشمیر دریافت ہوگئی ہے وہ عیسائی مذہب کی بنیادوں کو اکھیڑنے والی ہے۔ اور اس ایک ہی انکشاف سے عیسائی مذہب کا سارا تار و پود بگڑ جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں اسکو کسر صلیب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یعنی ایسا امر جس سے صلیب یکمرتبہ ہی ٹوٹ جائے۔

بہت سے عقائد مسلمانوں نے غلطی سے اسلام میں داخل کردیئے ہیں جو اصل تعلیم اسلام کے خلاف ہیں سلسلہ احمدیہ ایسے تمام عقائد کو رد کرتا ہے بڑے بڑے امور جن میں اس سلسلہ کا اختلاف دیگر مسلمانوں سے ہے حسب ذیل ہیں۔
اول۔ سب سے بڑا اور اہم اختلاف سلسلہ احمدیہ کا دوسرے اسلامی فرقوں سے یہ ہے کہ اس سلسلہ کے نزدیک اسلام ایک زندہ مذہب ہے جس کے بالفاظ دیگر یہ معنے ہیں کہ اسلام میں وحی اور کشف کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے اور ایک سچا مسلمان ان نشانوں کو مشاہدہ کرتا ہے جو خدا کی ہستی پر ایک خارق عادت یقین اس کے اندر پیدا کرتے ہیں۔ موجودہ اسلامی عقیدہ جس پر اکثر مسلمان اس زمانہ میں قائم ہوگئے ہیں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی الٰہی ہمیشہ کے لئے منقطع ہوگئی ہے۔ اسی کے قریب قریب دوسرے مذاہب کا خیال بھی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے نزدیک اسکی آسمانی کتاب کے بعد الہام الٰہی پر مُہر لگ گئی ہے۔ اور اس کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا ہے سلسلہ احمدیہ اپنے عقیدہ کی تائید میں تین قسم کے دلائل پیش کرتا ہے۔ (۱) قرآن شریف کی متعدد آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وحی الٰہی منقطع نہیں ہوئی اور اس انعام کا دروازہ اگرچہ دوسری امتوں پر بند ہوچکا ہے مگر سچے مسلمانوں پر اسکا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ قرآن شریف نے یہانتک اس بات پر زور دیا ہے کہ سورہ فاتحہ میں جو خلاصہ قرآن شریف ہے اس امر کو بیان فرمایا ہے جہاں مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیھم۔ اب جس صورت میں خود خدائے تعالیٰ مسلمانوں کو اس دعا کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ منعم علیہم کی راہ پر چلنے کے لئے دعا مانگا کریں تو صاف ظاہر ہے کہ الٰہی منشاء یہ ہے کہ سچے مسلمانوں کو منعم علیہم والے انعام بھی دیئے جاویں۔ ورنہ اس دعا کا سکھلانا بے سود تھا حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے مثلاً ایک اسی حدیث کو لے لو جو ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کے آنیکا وعدہ دیتی ہے۔ کیونکہ جو شخص تجدید دین کے لئے مامور ہوگا وہ بغیر مکالمہ الٰہی کے مامور نہیں ہوسکتا۔ (۲) عقلی دلائل بھی اسی کے موید ہیں۔ کہ اگر مکالمہ الٰہی کا انعام پہلے زمانوں میں خدا کے برگزیدوں کو ملتا تھا تو اب کوئی وجہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے وہ راہ بند کردی ہو۔ سب مذاہب کی یہ تعلیم ہے

کہ خدا انکے کاموں کو دیکھتا اور انکی دعاؤں کو سنتا ہے۔ اور ہر ایک مذہب نے اس امر کو بھی تسلیم کیا ہے کہ کسی وقت وہ بولتا بھی تھا۔ اور اپنے کلام سے نیک لوگوں کو مشرف کرتا تھا۔ اور ایک وقت تک ایسا ہی کرتا رہا۔ مثلاً ہندوؤں کے نزدیک اس دور دنیا کے آغاز میں اس نے کلام کی اور پھر نہیں کی۔ یہودیوں کے نزدیک بنی اسرائیل کے انبیاءؑ سے وہ ہمیشہ کلام کرتا رہا۔ عیسائیوں کے نزدیک حواریوں کے زمانہ تک وہ کلام کیا کرتا تھا اور مسلمانوں کے نزدیک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ وسلم کے وقت تک۔ پس اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ مثل زمانہ سابق کے دیکھتا اور سنتا اب بھی ہے تو بولنے سے کیوں بند ہو گیا۔ خدا کے صفات ازلی ابدی ہیں اور جبکہ اس کے دوسرے صفات سمع بصر وغیرہ بیکار نہیں ہوئے اور نہ کبھی ہوں گے تو ایسا ہی اس کی صفت کلام بھی نہ کبھی بیکار ہوئی اور نہ ہو گی۔ ہاں جیسے وہ پہلے اپنے برگزیدوں سے کلام کرتا تھا ایسا ہی اب بھی وہ کلام کرتا ہے مگر اسی سے جسکو اس نے چن لیا ہے اور اس کا کلام اس طرح پہچانا جاتا ہے کہ اس میں غیب کی مخفی اور باریک باتیں جن کا جاننا انسان کی طاقت میں نہیں ظاہر کیجاتی ہیں۔

(۳) اسلام کے اندر ایک ایسے شخص کا موجود ہونا جس کا کلام الٰہی سے مشرف ہونا ان تمام نشانات سے ثابت ہے جو دوسرے انبیاءؑ کے کلام الٰہی میں پائے جاتے ہیں صاف ثابت کرتا ہے کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ جس مذہب میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اپنے پیرووں کو تعلق باللہ کے اس مقام تک پہنچا سکے کہ وہ مخاطبہ مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہوں اس مذہب کی انسانوں کو کوئی ضرورت بھی نہیں کیونکہ وہ انسان کو ترقی کے مراتب طے کرانیکی قابلیت نہیں رکھتا ایسے مذہب کا زندہ مذہب ہونیکا دعویٰ کرنا لغو ہے۔ پس اس زمانہ میں احمدیہ سلسلہ ہی ایک زندہ مذہب کا نشان دیتا ہے کیونکہ اس کا بانی اپنا دعویٰ مورد وحی الٰہی ہونیکا بذریعہ مقتدر پیشگوئیوں اور خارق عادت نشانات کے ثابت کر رہا ہے۔

دوم۔ سلسلہ احمدیہ اس بات کا انکار کرتا ہے کہ دین اسلام بذریعہ تلوار پھیلایا جائے۔ مگر عام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ دین کو بزور شمشیر بھی پھیلانا جائز ہے کیونکہ وہ ایک ایسے مسیح اور مہدی کے منتظر ہیں جو ان تمام لوگوں کو تہ تیغ کر دیگا جو دین اسلام کے قبول کرنے سے انکار کریں۔ مگر یہ سلسلہ اس خیال کو غلط ٹھہراتا ہے کہ اسلام نے کسی ایسے مسیح یا مہدی کے آنیکا وعدہ دیا ہو۔ اور ایسی احادیث کو جن میں خونی مسیح یا مہدی کے آنیکا ذکر ہے وضعی قرار دیتا ہے کیونکہ وہ قرآن شریف کی صریح منطوق کے خلاف ہیں جو فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین نیز قرآن شریف وعدہ دیتا ہے کہ جیسا ایک مسیح بنی اسرائیل کے سلسلہ کے خاتمہ پر بھیجا گیا تھا ایسا ہی ایک مسیح اس سلسلہ کے خاتمہ پر آئیگا۔ پس جس طرح اس مسیح نے دین کے لئے کوئی لڑائی نہیں کی بلکہ یہودیوں کے ایسے انتظار کو غلط ٹھہرایا اسی طرح یہ مسیح بھی دین کے لئے لڑائیاں کرنیکی غرض سے نہیں آئیگا بلکہ اس خیال کی غلطی کو دور کریگا ایسا ہی صحیح بخاری کی حدیث بھی مسیح موعود کی تعریف یضع الحرب ہی کہتی ہے یعنی وہ لڑائیوں کو دور کریگا یعنی مذہبی جنگوں کا خاتمہ کر دیگا۔

سوئم۔ یہ سلسلہ سچے معنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتا ہے۔ اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ کوئی نبی خواہ وہ پرانا نبی ہو یا نیا۔ آپکے بعد ایسا نہیں آسکتا جس کو نبوت بدون آپکے واسطہ کے مل سکتی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدائے تعالیٰ نے تمام نبوتوں اور رسالتوں کے دروازے بند کردیئے مگر آپکے متبعین کامل کے لئے جو آپکے رنگ میں رنگین ہو کر آپکے اخلاق کاملہ سے ہی نور حاصل کرتے ہیں انکے لئے یہ دروازہ بند نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ گویا اسی وجود مطہر اور مقدس کے عکس ہیں مگر عام مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آپکے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آپ سے چھ سو سال پہلے نبی ہو چکے تھے دوبارہ آئیں گے جس سے ختم نبوت کا ٹوٹنا لازم آتا ہے۔ ایسا ہی یہ سلسلہ اس امت کو خیر الامم کہتا ہے اور اس لئے اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ اس کے مصلح اسی میں سے پیدا نہ ہوں بلکہ باہر سے آئیں کیونکہ جب اشرار اس امت میں ہیں تو پھر اس سے بڑھکر اور کیا مصیبت اسی امت کے لئے ہوسکتی ہے کہ اخیار اس میں سے پیدا نہ ہوں بلکہ وہ باہر سے آئیں۔ آنحضرت کی ختم نبوت آپکے کسی بروز کو آنے سے نہیں روکتی۔ البتہ آپکے بعد شریعت کوئی نبی نہیں آسکتی۔

چہارم۔ مسیح کی موت پر یہ سلسلہ خاص طور پر زور دیتا ہے۔ نہ صرف اس لئے کہ بانیٔ سلسلہ کے دعوے کی بنیاد یہی ہے بلکہ اس لئے کہ یہی سب سے طاقتور ہتھیار کسر صلیب کے لئے ہے جس سے عیسائیت کی بنی بنائی عمارت گر جاتی ہے اور حضرت عیسیٰ کے زندہ آسمان پر ہونیکو غلط ٹھہراتا ہے کیونکہ قرآن شریف حضرت عیسیٰ کی موت کو ثابت کرتا ہے۔ اور یہ غلط عقیدہ اسلام کے لئے سخت مضر ہے کیونکہ یہ عیسائی مذہب کی تائید کرتا ہے۔ اسکے متعلق بحث پہلے گذر چکی ہے۔

پنجم۔ سلسلہ احمدیہ اس بات سے انکار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات میں کوئی انسان بھی شریک ہوسکتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ مگر اس طرح کی خلق جیسی اللہ تعالیٰ کرتا ہے کوئی انسان نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے یہ سلسلہ عام مسلمانوں کے اس خیال کی تردید کرتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ خالق طیور تھے۔ اور ان میں روح پھونکا کرتے تھے قرآن شریف کی آیت جس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ اس کے معنے کرنے میں عام مسلمانوں کو یہ غلطی لگی ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو بھی خالق سمجھ لیا۔ اور جس طرح ایک نبی کو خدائی صفات میں شریک کرتے ہیں اسی طرح جو عقیدہ ان لوگوں کا دجال کے متعلق ہے اس سے دجال کا بھی خدائے واحد کا نعوذ باللہ شریک ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ انکا عقیدہ یہ ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کریگا جہاں چاہیگا مینہ برسائیگا جہاں چاہیگا بارش کو روک دیگا۔ مگر سلسلہ احمدیہ کے نزدیک یہ تمام باطل اور لغو خیالات ہیں اور پیشگوئیوں کے صحیح معنوں کے نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں اس سلسلہ کے نزدیک دجالی تعلیم وہی تعلیم ہے جس پر موجودہ عیسائی مذہب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یعنی کفارہ اور الوہیت مسیح کے عقائد۔ دجال چونکہ دھوکا دینے والے کو کہتے ہیں۔ اسلئے وہی لوگ جو لوگوں کو دھوکا دیکر اس جھوٹی تعلیم کو پھیلاتے ہیں۔ دجال کہلانیکے مستحق ہیں۔ دجال کے متعلق مبسوط بحث کئی جگہ موجود ہے۔ اور نومبر ۱۹۰۵ء کے رسالہ

ریویو آف ریلیجنز میں بھی ہو چکی ہے۔

ششم۔ قرآن شریف اور حدیث سے مسائل اخذ کرنے کے بارے میں بھی سلسلہ احمدیہ دوسرے لوگوں سے اختلاف رکھتا ہے عام طور پر حدیث پر قرآن شریف کی نسبت زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اور حدیث کو قرآن شریف پر قاضی ٹھہرایا جاتا ہے مگر اس سلسلہ کی تعلیم کی رو سے قرآن شریف سے حدیث کا سچ جھوٹ پرکھنے کا معیار ملتا ہے یعنی جو حدیث قرآن شریف کے مخالف ہو اسے رد کیا جاویگا۔ اسطرح سے حدیث کے متعلق قرآن شریف سے فیصلہ لیا جاتا ہے اور اسکو مقدم کر کے حدیث کو اسکے تابع کیا جاتا ہے۔*

سلسلہ احمدیہ کی تعلیم خالص اسلامی تعلیم ہے اور مروجہ عقائد سے جو اختلاف ہے اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے مگر یہ اختلاف حصر کے طور پر نہیں بلکہ صرف بعض بڑی بڑی مثالیں اس کی پیش کی گئی ہیں۔ شرائط بیعت درج ذیل ہیں جو اول مرتبہ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو شائع کی گئیں۔ اور ہر شخص کو جو اس سلسلہ میں داخل ہو ان شرائط کا پابند ہونا ضروری ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ اوّل بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہیگا۔ دوّم۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور فسق و فجور ظلم و خیانت فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہیگا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوگا۔ اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔ سوّم۔ یہ کہ بلا ناغہ پنجوقت نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہیگا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کریگا اور دلی محبت سے اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو ہر روزہ اپنا ورد بنائیگا۔ چہارم۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہ دیگا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔ پنجم۔ یہ کہ ہر حال رنج و راحت عسر و یسر اور نعمت و بلا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کریگا۔ اور بہر حالت راضی بقضا ہوگا۔ اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کیلئے اس کی راہ میں طیار رہیگا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے مونہہ نہ پھیریگا بلکہ قدم آگے بڑھائیگا۔ ششم۔ یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائیگا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کریگا۔ اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنے ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دیگا۔ ہفتم۔ یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دیگا۔ اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کریگا۔ ہشتم۔ یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔ نہم۔ یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہیگا اور جہانتک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائیگا۔ دہم۔ یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہیگا اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

بانی سلسلہ کی تعلیم میں بڑا زور تقویٰ اور راستبازی اور صبر اور تحمل اور حلیمی پر دیا گیا ہے۔ اور یہ تعلیم بہت سی کتابوں میں بیان ہوئی ہے اور کشتی نوح میں خصوصیت سے بیان کی گئی ہے چنانچہ ذیل کے فقرات جن سے کسی قدر اس کا

* یہ سلسلہ نہ صرف عیسائی مذہب کے عقائد الوہیت مسیح وغیرہ کا ہی انکار کرتا ہے بلکہ عیسائیوں کے اس عقیدہ کو بھی کہ مسیح ملعون ہوا جھوٹا [illegible]

پتہ لگتا ہے اسی کتاب سے لئے گئے ہیں۔ اے وے تمام لوگو جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقوے کی راہوں میں قدم مارو گے سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقوے سے خالی ہے ہر ایک نیکی کی جڑھ تقویٰ ہے جس عمل میں یہ جڑھ ضائع نہیں ہوگی وہ عمل بھی ضائع نہیں ہوگا۔ ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔ سو خبردار رہو۔ ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے۔ نہ دشمن کے ہاتھوں سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دیگا سو تم اس کو مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتوں سے تم دلگیر مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں۔ ان سب باتوں کے بعد پھر میں کہتا ہوں کہ یہ مت خیال کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر بیعت کر لی ہے ظاہر کچھ چیز نہیں خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور اسی کے موافق تم سے معاملہ کریگا دیکھو میں یہ کہکر فرض تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ گناہ ایک زہر ہے اس کو مت کھاؤ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو دعا کرو تا تمہیں طاقت ملے جو شخص دعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہیں سمجھتا بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص پورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے قمار بازی سے بدنظری سے اور خیانت سے رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص دعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص بد رفیق کو نہیں چھوڑتا جو اس پر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو خلاف قرآن نہیں ہیں ان کی بات کو نہیں مانتا اور انکی تعہد خدمت سے لاپروا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنےٰ ادنےٰ خیر سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے

پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص اس عہد کو جو اس نے بیعت کے وقت کیا تھا کسی پہلو سے توڑتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص مجھے فی الواقع مسیح موعود و مہدی معہود نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اور جو شخص امور معروفہ میں میری اطاعت کرنے کیلئے تیار نہیں ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے اور جو شخص مخالفوں کی جماعت میں بیٹھتا ہے اور انکی ہاں میں ہاں ملاتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک زانی فاسق۔ شرابی۔ خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن۔ مرتشی۔ غاصب ظالم۔ دروغ گو۔ جعلساز اور انکا ہمنشین اور اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمتیں لگانیوالا جو اپنے افعال شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ یہ سب زہریں ہیں تم ان زہروں کو کھا کر کسی طرح بچ نہیں سکتے اور تاریکی اور روشنی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ ہر ایک جو پیچ در پیچ طبیعت رکھتا ہے اور خدا کے ساتھ صاف نہیں ہے وہ اس برکت کو ہرگز نہیں پا سکتا جو صاف دلوں کو ملتی ہے کیا ہی خوش قسمت وہ لوگ ہیں جو اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو ہر ایک آلودگی سے پاک کر لیتے ہیں اور اپنے خدا سے وفاداری کا عہد باندھتے ہیں کیونکہ وہ ہرگز ضائع نہیں کئے جائیں گے ممکن نہیں کہ خدا انکو رسوا کرے کیونکہ وہ خدا کے ہیں اور خدا انکا وہ ہر ایک بلا کے وقت بچائے جائیں گے۔ احمق ہے وہ دشمن جو انکا قصد کرے کیونکہ وہ خدا کی گود میں ہیں اور خدا انکی حمایت میں ہے۔"

ملکی پہلو سے سلسلہ احمدیہ کا اثر بہت ہی بابرکت اور مفید ہوا ہے۔ مہدی کے نام کے ساتھ خونریزی کا خیال ہمیشہ وابستہ رہا ہے۔ اور مہدویت کے دعویدار ہر جگہ گورنمنٹوں کے امن میں مخل ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں خونی مہدی کا انتظار اس عقیدہ کو تازہ کرتا ہے کہ غیر مسلموں کو مار ڈالنا ثواب کا کام ہے۔ کیونکہ دونوں عقائد کی جڑھ ایک ہی ہے۔ اور ایسے عقیدہ کے ساتھ یہ خطرہ بھی لگا ہوا ہے کہ جہاں کہیں ایک جھوٹا دعویدار پیدا ہوگا وہاں جاہل لوگ محض جنگ اور جہاد کا نام سنکر اس کے ساتھ ہو جاویں گے۔ ان حالات کے ماتحت اگر غور کیا جائے تو سلسلہ احمدیہ نے جو تعلیم پھیلائی ہے وہ ملک کے امن کے لئے اعلیٰ درجہ کی مفید تعلیم ہے۔ جہاد کے متعلق جو کچھ بانی سلسلہ احمدیہ نے لکھا ہے اسکو اس گورنمنٹ کے بڑے سے بڑے مدبروں اور دانشمندوں نے ملکی لحاظ سے بہت ہی پسند کیا ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر اس جگہ سر الفریڈ لنکنگھم کی ایک چٹھی کے چند الفاظ نقل کئے جاتے ہیں جو انہوں نے سنہ ۱۹۰۰ء میں جب وہ پشاور کے کمشنر تھے بانی سلسلہ احمدیہ کو لکھی تھی۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔ "جہانتک میں غور کرتا ہوں مجھے یہ اسلام کی تعلیم کی نہایت ہی منصفانہ اور عالمانہ تشریح معلوم ہوتی ہے اور آپ جیسے عالم اور صاحب الرائے آدمی کے لئے قابل تعریف ہے میں یقین کرتا ہوں کہ آپ جیسے مشہور معلم کے مونہہ سے اپنے مذہب کی بریت میں ان الفاظ کا نکلنا تمام مسلمان اپنے لئے نعمت سمجھیں گے۔ اور اسکا ایسا ثبوت اسے تصور کریں گے کہ جو قبیح افعال جاہل اور شریر لوگ مذہب کی آڑ کے نیچے کر رہے ہیں اسلام انکی ہرگز تائید نہیں کرتا۔ میں بڑا خوش ہونگا کہ آپ کا رسالہ اور فتوے (ممانعت جہاد) کثرت سے سرحدی اضلاع میں شائع ہو۔" ایسا ہی حال میں

پروفیسر ٹائے نے جو امریکہ کی ایک مشہور یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ "اسلامی خطرہ" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جس میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اس سلسلہ کا اثر عام مسلمانوں کے خیالات پر نہایت ہی نیک ہے۔

علاوہ ان خدمات کے جو خونی مہدی کے عقیدے کی بیخکنی کرنے میں سلسلہ احمدیہ نے کی ہیں۔ اور کئی طرح بھی یہ سلسلہ گورنمنٹ کی خدمات کرتا رہا ہے۔ ۱۸۹۸ء میں جب طاعون پنجاب میں پھوٹ نکلا تھا اور گورنمنٹ کے قرنطینہ وغیرہ قواعد کے سبب سے عام لوگوں میں بہت بدظنی پھیلی ہوئی تھی اور کئی جگہ فساد بھی ہو چکے تھے تو اسوقت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی جماعت کا ایک خاص جلسہ منعقد کیا جس میں گورنمنٹ کی تجاویز کی تائید کی اور فرمانبرداری کی ہدایت کی۔ چنانچہ اخبار سول کے ایڈیٹوریل کالم میں خاص نوٹ اس کے متعلق شائع ہوا جو حسب ذیل ہے "اس تقریر کا لب لباب یہ تھا۔ کہ گورنمنٹ نے محض انسانی ہمدردی سے مجبور ہو کر بیماری کے روکنے کے لئے یہ قواعد جاری کئے ہیں۔ اور یہ قواعد بہت ضروری ہیں اور فرضی قصے کہ گورنمنٹ لوگوں کو زہر دینا چاہتی ہے۔ بالکل جھوٹے اور احمقانہ ہیں اور اس شخص کو جو کہ اپنے اندر عقل رکھتا ہے ایک لحظہ بھر کے لئے بھی انہیں تسلیم نہ کرنا چاہیئے۔ اور سخت خطرہ کی حالت میں مثلاً جبکہ خدا کی طرف سے کوئی بیماری نازل ہو۔ عورتوں کا اپنے گھروں سے کھلے میدان میں سگریگیشن کی غرض سے مناسب طور پر چہرہ ڈھانکے ہوئے آنا اسلام کے اصول کے برخلاف نہیں" یہ نوٹ ۱۰ جون ۱۸۹۸ء کے سول میں شائع ہوا۔ تاریخ انعقاد جلسہ ۲ مئی ۱۸۹۸ء تھی۔ اور گورنمنٹ نے بھی خاص طور پر ان خدمات کا اعتراف کر کے شکریہ کا خط لکھا جس کا نمبر ۲۱۳ ایس مورخہ ۱۱ جون ۱۸۹۸ء ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ "حسب الارشاد جناب نواب لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر میں اطلاع دیتا ہوں کہ جناب ممدوح نے اس جلسے کے تمام روئداد کو جو ۲ مئی ۱۸۹۸ء کو قادیان میں متعلق ان قواعد کے جو گورنمنٹ نے انسداد بیماری طاعون کے لئے جاری کئے منعقد ہوا اور نیز اس تقریر کو جو مرزا غلام احمد رئیس قادیان نے اسوقت کی۔ بڑی خوشی کے ساتھ پڑھا۔ حضور ممدوح کا منشا ہے کہ میں اس مدد کے شکریہ کا اظہار کروں جو کہ اس جلسہ کے ممبروں نے گورنمنٹ کو دی" ایسا ہی ٹرینسوال کے جنگ کے موقع پر بھی ایک خاص جلسہ بغرض دعا منعقد کیا گیا۔ اور علاوہ اس کے مجروحین کے لئے چندہ بھی کیا گیا۔

سلسلہ احمدیہ کے تعلق میں بہت سے مباحثات بھی ہوئے ہیں۔ غیر مسلموں میں سے بڑا مباحثہ ۱۸۹۳ء کا تھا جو عبداللہ آتھم کے ساتھ ہوا جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی کتابیں مباحثات کے رنگ میں لکھی گئی ہیں۔ آتھم کے مباحثہ سے کچھ عرصہ بعد بشپ لاہور کے ایک عام جلسہ میں اسلام پر بعض ناجائز حملے کرنیکی وجہ سے بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اس کو انہیں سوالات پر مباحثہ کے لئے چیلنج دیا اور انگریزی اخبارات نے بھی بشپ صاحب کو مباحثہ کرنیکے لئے بہت ترغیب دی مگر انہیں حوصلہ نہ پڑا۔ اور آخر انکے انکار پر مشہور انگریزی اخبارات نے بشپ صاحب کو انکی اس کم ہمتی پر بہت ملامت بھی کی۔ آریہ سماج کے ساتھ ایک مباحثہ بمقام ہوشیارپور ہوا تھا جسکی کیفیت کتاب سرمۂ چشم آریہ میں درج ہے لیکھرام

بھی مباحثہ کے لئے آیا تھا مگر وہ نشان مانگ کر ہی چلا گیا اور نشان پر ہی اس کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ مسلمانوں کے ساتھ ابتدائے دعویٰ میں بہت سے مباحثات ہوئے مگر ۱۸۹۷ء میں جب ہر طرح سے اتمام حجت ہو چکا اور خدا کی طرف سے بھی بڑے بڑے نشان ظاہر ہو چکے تو خدا کے منشاء کے مطابق آپ نے مباحثات کا دروازہ بند کر دیا۔ سلسلہ احمدیہ کے خلاف جو تحریریں لکھی گئی ہیں عموماً ان میں نہ صرف سخت کلامی بلکہ فحش بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ بالمقابل اس کے مخالفین سلسلہ نے اس سلسلہ کی تحریرات پر سختی کا الزام دیا ہے۔ اس امر کا فیصلہ آسانی سے یوں ہو سکتا ہے کہ اول شروع کس کی طرف سے ہوا آریوں اور عیسائیوں کے متعلق جس قدر تحریریں لکھی گئی ہیں براہین احمدیہ سے لیکر چشمہ مسیحی تک وہ سب کی سب انکے حملوں کی مدافعت میں لکھی گئی ہیں۔ مسلمانوں نے جبتک خود گندے حملے کرنے شروع نہیں کئے ان کے متعلق ایک لفظ بھی سخت نہیں لکھا گیا۔ علاوہ ازیں جو کوشش مباحثات کے پیرایہ کو درست کرنیکے لئے اس سلسلہ نے کی ہے اسکی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔ متعدد مرتبہ میموریلوں اور درخواستوں اور تحریروں میں بانی سلسلہ نے گورنمنٹ کو اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ مذہبی مباحثات کی صرف اسی حد تک اجازت دیجاوے کہ دوسرے مذہب پر کوئی حملہ نہ کر سکے اور اپنے مذہب کی خوبیاں ہی بیان کرے۔ چنانچہ ایک میموریل میں جو ۲۲۔ ستمبر ۱۸۹۸ء کو وائسرائے کو بھیجا گیا تھا یہ تین تجویزیں مذہبی مباحثات کی اصلاح کے لئے آپ کی طرف سے پیش کی گئی تھیں۔ اوّل یہ کہ گورنمنٹ یہ قانون بنا دے کہ کسی مذہب کا حامی دوسرے مذہب پر کوئی حملہ یا نکتہ چینی نہ کرے جس سے دوسروں کی دل آزاری ہو بلکہ سب لوگ دوسروں پر حملہ کرنیکے بغیر اپنے مذاہب کی خوبیاں اور فضائل ہی بیان کریں کیونکہ اصل غرض ہر مذہب کی یہی ہے کہ وہ اپنی خوبیوں کو دوسروں کے سامنے پیش کر سکے اور ایسا کرنے میں اسے کوئی روک نہ ہو۔ مذہبی آزادی اس بات کا نام نہیں کہ کوئی شخص راستباز نبیوں کو گالیاں دے کر یا مقدس مذہبی کتب پر ناجائز حملے کر کے یا انکے عقائد کو الٹا بیان کر کے انکی دل آزاری کرے۔ دوئم۔ یہی غرض اس وقت بھی حاصل ہو سکتی ہے اگر گورنمنٹ یہ قانون نافذ کر دے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے مذہب پر ایسا حملہ نہ کرے جو خود اس کے اپنے مذہب پر عائد ہوتا ہو۔ سوئم۔ یا اگر یہ دونوں تجویزیں نامنظور ہوں تو پھر دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند کے ساتھ یہ بڑھا دیا جاوے کہ مذہبی مباحثہ کرنیوالے دوسرے مذہب پر ایسے الزام نہ لگائیں اور ایسے حملے نہ کریں جنکی بنیاد مضبوط شہادت اور مستحکم دلائل پر نہ ہو۔

تبلیغ سلسلہ کتابوں رسالوں اور اخباروں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ موقت الشیوع پرچوں میں سے بعض سلسلہ کے اپنے پرچے ہیں اور بعض افراد سلسلہ کے پرچے ہیں جو تائید سلسلہ میں نکالے جاتے ہیں جن میں ایک یعنی ریویو آف ریلیجنز انگریزی زبان میں ہے باقی اردو میں ہیں۔ جو پرچے خاص قادیان سے نکلتے ہیں ان میں سے ایک سہ ماہی ہے یعنی رسالہ تشحیذ الاذہان۔ دو ماہوار یعنی ریویو آف ریلیجنز انگریزی و اردو اور دو ہفتہ وار یعنی الحکم اور بدر۔ سلسلہ کا ایک اپنا مدرسہ بھی ہے جہاں دور دور سے متعلمین آکر اس سلسلے کی آنیوالی نسلیں تیار ہوتی ہیں۔ اسوقت یہ ایک ہائی سکول ہے۔

درمیان میں کچھ عرصہ تک ایف اے تک کالج بھی قائم کیا گیا تھا۔ مگر یونیورسٹی کے نئے قواعد کی سختی کی وجہ سے کالج کو بالفعل چھوڑنا پڑا ہے۔ ہائی سکول کا بھی ایک ماہوار رسالہ نکلنا تجویز ہوا ہے جس کا نام سکول کے نام کی طرح تعلیم الاسلام ہے۔ اس رسالہ کی خاص خوبی یہ ہوگی کہ قرآن شریف پر نہایت لطیف نوٹ تفسیری رنگ میں ہونگے۔ بانی سلسلہ علیہ السلام نے ساٹھ کے قریب کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سب سے اول براہین احمدیہ ہے جو سب سے بڑی اور سب سے عظیم الشان بھی ہے۔ اور جس کی پیشگوئیاں پچیس سال پہلے شائع ہوکر آج پوری ہو رہی ہیں۔ بعض کتابوں کا ذکر اثنائے بحث میں آچکا ہے۔ باقی میں سے خصوصیت سے قابل ذکر منن الرحمٰن ہے جو ابھی شائع نہیں ہوئی اور نامکمل ہے جس میں یہ دکھایا جائے گا کہ قرآن کریم کی زبان عربی ہی ام الالسنہ ہے۔ ست بچن سکھوں کے لئے لکھی گئی تھی جس میں چولہ صاحب کے متعلق پوری تحقیقات کر کے باوا نانک کا مسلمان ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ اور یوں سکھوں پر اتمام حجت کیا گیا ہے۔ مسیح ہندوستان میں بھی ابھی نامکمل ہی ہے۔ اور شائع نہیں ہوئی۔ اس میں یہ دکھایا جاویگا کہ حضرت مسیح ہندوستان میں آکر رہے اور سری نگر کشمیر میں فوت ہوکر مدفون ہوئے۔ اور اب مسیح ثانی بھی ہندوستان میں ہی آیا ہے۔ عربی کتابیں عموماً متحدیانہ ہیں اور ان میں تمام دوسرے لوگوں کو کیا مسلمان اور کیا غیر مسلمان یہ چیلنج کیا ہے کہ اُنکی مانند عربی لکھکر دکھاویں اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ ایسا ہرگز نہ کر سکیں گے چنانچہ سب نے اپنی عاجزی کا اظہار خاموشی سے کیا اور آج تک ایک بھی کتاب کوئی بالمقابل پیش نہیں کر سکا۔ تریاق القلوب اور نزول المسیح میں بعض ان نشانات کا ذکر ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے ہیں ان میں سے موخر الذکر ابھی نامکمل ہے اور شائع نہیں ہوئی۔

آئندہ کے متعلق بانی سلسلہ اس سلسلہ کے لئے بڑی بڑی کامیابیوں کی پیشگوئی کرتے ہیں۔ براہین احمدیہ میں دو وعدے سلسلہ کی کامیابی کے متعلق ہیں ایک وہ وعدہ جو خود بانی کی زندگی میں پورا ہونیوالا تھا سو وہ پورا ہوچکا اور ہو رہا ہے یعنی ایسے وقت میں جب آپ بالکل تنہا اور گوشہ گمنامی میں تھے یہ وعدہ کہ جوق در جوق لوگ تیرے پاس آئیں گے اور باوجود مخالفت کے مخلوق بڑی کثرت سے رجوع کریگی اور دور دور راہوں سے نصرتیں آئیں گی۔ یہ وعدہ پورا ہو رہا ہے اور ہر روز نیا ظہور اسکا ہوتا ہے۔ دوسرا وعدہ کامیابی کا جو اس سلسلہ کو دیا گیا ہے وہ اس کے بانی علیہ السلام کی وفات کے بعد ظہور پذیر ہونیوالا ہے۔ اور وہ وعدہ ان الفاظ میں ہے کہ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ۔ پہلے وعدہ کا پورا ہونا صاف بتا رہا ہے کہ دوسرا وعدہ بھی پورا ہوکر رہیگا۔ یہ بھی ایک پیشگوئی ہے کہ آپکے ایک لڑکے کے ذریعہ سے جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے سلسلہ کی رہنمائی کے لئے مامور ہوگا یہ سلسلہ بڑا اقتدار اور قوت حاصل کریگا۔ جبتک ایسا شخص ظاہر ہو اسوقت تک آپ کی یہ وصیت ہے کہ جس شخص کے راستباز ہونے پر چالیس مومن شہادت دیں وہ لوگوں سے بیعت لیتے رہیں۔ لیکن انتظام سلسلہ ایک انجمن کے سپرد کیا گیا ہے جس کا نام صدر انجمن احمدیہ ہے اور جو قائم ہو چکی ہے۔

حوادث

"تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئے گا" یہ وہ الہام الٰہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رسالہ الوصیّۃ میں شائع فرمایا تھا۔ اور اس کی تشریح اُسی جگہ یوں کی گئی ہے۔

"حوادث کے بارے میں جو مجھے علم دیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ ہر ایک طرف دنیا میں موت اپنا دامن پھیلائے گی اور زلزلے آئیں گے اور شدت سے آئیں گے اور قیامت کا نمونہ ہونگے اور زمین کو تہ و بالا کر دیں گے۔ اور بہتوں کی زندگی تلخ ہو جائے گی۔"

یہ پیشگوئی ۱۹۰۵ء کے اخیر ہفتہ میں یعنی ۲۴۔ دسمبر ۱۹۰۵ء کو شائع ہوئی اور ۱۹۰۶ء کے شروع ہوتے ہی ان حوادث کا وقوع بھی شروع ہو گیا۔ جو جو کچھ آفتیں اس عرصہ میں دنیا میں آئی ہیں آیا وہ معمولی آفتیں اور تباہیاں ہیں یا پیشگوئی کے الفاظ کے مطابق قیامت کا نمونہ دکھانیوالی تباہیاں ہیں؟ ایک انسان جسے عقل و فکر سے کچھ بھی حصہ ملا ہے خود غور کر سکتا ہے۔

مَیں صرف اسجگہ ایک نوٹ اخبار پاینیر سے نقل کرتا ہوں جس سے ان پیشگوئیوں اور نشانوں کا ظہور صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ پتہ لگتا ہے کہ یہ حوادث معمولی حوادث زمانہ نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کے غضب کا ایک خاص نشان ہیں۔ ۲۲ اپریل کے پرچے میں پاینیر ایک ایڈیٹوریل نوٹ دیتا ہے جس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"سنہ ۱۹۰۶ء۔۔۔ ایک تہائی بھی نہیں گذرا مگر ابھی سے اسکی تاریخ میں مصائب اور تباہیاں اسقدر جمع ہو گئی ہیں جو دس سال کے لئے کافی ہیں۔ ایک ہفتہ بھی ایسا نہیں گذرتا جو ان تباہیوں کا نقشہ دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں ظاہر نہ ہو جاتا ہو۔ اور اسکی حرکت دنیا میں ہر طرف یکساں ہے۔ سب سے اول جزائر غرب الہند میں آتش فشاں مادہ کا پھوٹنا تھا جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ ساٹھ سال کے عرصہ میں اسقدر شدت اسکی نہیں پائی گئی۔ اور اسکے ساتھ قریب قریب کے جزیروں میں بھی مادہ آتش فشاں کی حرکت بڑے زور میں ہوئی۔ اسکے بعد ایک تباہ کن طوفان اور سیلاب دریائے مسیسپی میں آیا۔ فارموسا میں دو زلزلے نہایت ہی سخت یکے بعد دیگرے دو مہینوں کے اندر اندر آئے اور یہ زلزلے اس زلزلے سے شدت میں کہیں بڑھکر تھے جس نے سان فرانسسکو کو تباہ کیا۔ اس کے بعد فرانس کی ایک کوئلہ کی کان میں خطرناک حادثہ آگ لگنے کا وقوع میں آتا ہے۔ جس کی تباہی کی نظیر کسی کان کے حادثہ میں نہیں پائی جاتی۔ اور یہ واقعہ بھی ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں پہلے اس قسم کا کوئی خطرہ بھی نہ ظاہر ہوا تھا۔ اس حادثہ کے بچے ہوئے لوگ ابھی مشکل سے سطح زمین پر لائے گئے تھے کہ جنوبی اٹلی کی طرف انسانی ہمدردی کو متوجہ ہونا پڑا۔ جہاں ویسووی اس ایسی سختی کے ساتھ پھٹا کہ اسکی نظیر کئی صدیوں میں نظر نہیں آتی۔ اور اسقدر دور دور تک اسکی تباہی کا اثر پہنچا کہ نیپلز بھی اس خطرے میں پڑ گیا کہ خاکستر کے نیچے دب کر

تباہ نہ ہو جائے۔ اس خوبصورت شہر کے امن کی نسبت ابھی پورا اطمینان نہ ہوا تھا کہ یہ مہنی مادہ کیلیفورنیا کے نہایت خوبصورت اور سرسبز ساحل پر جانکلا۔ اور ایک آن کی آن میں مغربی دنیا کے سب سے خوبصورت شہر کو خاک میں ملا دیا۔ اس عام اور سخت تباہی کی نظیر پہلی صدی عیسوی کے بعد اور کہیں ہمیں نہیں ملتی۔ جبکہ زلزلے اور آتش فشاں کے مادے یورپ اور ایشیائے کوچک میں اسطرح پھوٹ پھوٹ کر نکل رہے تھے۔ جنکا نقشہ کسی قدر مکاشفات میں ملتا ہے''

ہمنے ایک سطر پر خط کھینچا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تباہیاں جو دنیا میں آرہی ہیں کس قسم کی تباہیاں ہیں۔ اور خواہ ہمارے کٹھ ملاں اپنی ساری عمر مخالفتوں اور بیہودہ گوئیوں میں ضائع کردیں مگر دانشمند لوگ حیران ہو رہے ہیں کہ یہ واقعات معمولی واقعات نہیں ہیں۔ بلکہ اسی قسم کے زلازل اور حوادث کا نقشہ پھر آموجود ہوا ہے جیسا کہ مسیح اول کے وقت میں تھا۔ جائے غور ہے کہ کسقدر صراحت سے پیشگوئی کی گئی اور کسقدر صراحت سے وہ پوری ہوئی یہانتک کہ پایونیر جیسے اخبار کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ ان حوادث کی نظیر کوئی نہیں ملتی۔ اب اگر مادہ پرست لوگ ان مصائب کو گناہوں کا نتیجہ نہ بھی سمجھتے ہوں تو بھی اس سے وہ انکار نہیں کرسکتے کہ یہ حوادث ان پیشگوئیوں کے مطابق ہیں جو حال میں ہی شائع ہو کر کل دنیا میں پھیل چکی ہیں ان میں سے کئی پیشگوئیاں ایسی ہیں جو ان ہلاکتوں اور تباہیوں کے نقشے کھلے کھلے الفاظ میں کھینچتی ہیں۔ منجملہ انکے یہ بھی ایک پیشگوئی ہے۔ کہ یوم تاتی السماء بدخان مبین وتری الارض یومئذ خامدۃ مصفرۃ۔ جو ۲۰ جنوری ۱۹۰۶ء کو شائع ہو چکی تھی جسکا ماحصل یہ ہے جیسا کہ پہلے ہی اسکا ترجمہ لکھا گیا تھا۔ کہ وہ دن آتا ہے کہ آسمان ایک کھلا کھلا دھواں لائیگا یعنی آسمان ایک دخانی صورت کا عذاب زمین پر نازل کریگا۔ اور تو زمین کو دیکھے گا کہ ایک مردہ سی ہو گئی ہے۔ اور راکھ کی طرح بن گئی ہے اور اسپر بجائے سرسبزی کے زردی چھا گئی ہے۔ اس الہام الٰہی کا پورا پورا نقشہ ان تار کی خبروں میں کھینچا گیا ہے جو ویسوویس کے متعلق گذشتہ ایام میں شائع ہوئی ہیں۔ ''ویسوویس کے گرد کئی کئی میلوں تک خطرناک تباہی کا نقشہ کھنچا ہوا ہے۔ اور سبزی کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ تمام شہر اور گاؤں خاکستر کے نیچے دبے ہوئے ہیں جسکی گہرائی کم و بیش چھ فٹ ہے۔ یہ بھیانک نظارہ پامپیائی کے دنوں کو یاد دلاتا ہے۔ تمام ملک پر دھوئیں کی گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی ہے''

سان فرانسسکو کی تباہی کا جو نقشہ تار کی خبروں سے ملتا ہے وہ اور بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ساڑھے تین لاکھ آبادی کا نئی طرز پر بنا ہوا شہر جلکر خاک سیاہ ہو چکا ہے۔ اور پچیس مربع میل میں خاکستر ہی خاکستر نظر آتی ہے۔ تین لاکھ آدمی بے سروسامان کھلے میدانوں میں پڑے ہوئے ہیں اور بھوکے پیاسے دیوانوں کی طرح ہو رہے ہیں۔ اسکے علاوہ اور بھی کئی شہر تباہ ہوئے ہیں مگر سان فرانسسکو کی تباہی عبرت انگیز ہے۔ یہ شہر امریکہ میں نہ صرف اپنی خوبصورتی کے لحاظ سے بلکہ عیاشی کے لحاظ سے بھی قریباً قریباً اول نمبر پر تھا ایک آن کی آن میں وہ عیاشی اور ناچ اور شرابخوری کے نظارے تباہی سے بدل گئے۔ اور سارا شہر ایک سرے سے دوسرے سرے تک یکمرتبہ ہی جل اٹھا۔ اور زلزلہ کی تباہی کو اس آگ کی تباہی نے ہزارہا گنا زیادہ کردیا۔ کاش لوگ اب بھی غور کریں کہ یہ تباہی کے نظارے بعینہ ایسے ہیں جیسے ان وقتوں میں دکھائے گئے تھے جب زمین فسق و فجور سے پر ہو گئی اور انبیاء کی تکذیب کیگئی۔ سان فرانسسکو کی تباہی کا نظارہ گذشتہ قوموں کی تباہی کے نظاروں سے کم نہیں مگر دلوں پر غفلت اور تاریکی ایسی چھائی ہوئی ہے کہ اسقدر عبرتناک عذابوں کے باوجود لوگ توجہ نہیں کرتے۔

ایک تازہ پیشگوئی

الہام الٰہی۔ "دشمن کا بھی ایک وار نکلا"۔ وتلک الایام نداولہا بین الناس۔ یعنی کوئی ایسا امر جو خدا کی طرف سے ہماری نسبت یا ہماری جماعت کے کسی فرد کی نسبت صادر ہوگا۔ جس سے دشمن خوش ہوجائیگا اور وہ امر جو خدا کی طرف سے ہوگا۔ یا دشمن کا اس میں کچھ دخل ہوگا اور پھر خدا فرماتا ہے کہ یہ دن خوشی اور غم یا فتح اور شکست کے ہم نوبت بہ نوبت لوگوں میں پھیرا کرتے ہیں بعض وقت خوشی اور فتح خدا کی جماعت کو ملتی ہے اور دشمن ذلیل اور شرمسار ہوجاتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بدر کی لڑائی میں ہوا کہ کفار کو سخت شکست آئی اور نامی افسر اور سرگردہ انکی فوج کے اسی لڑائی میں مارے گئے جیسا کہ ابوجہل۔ یہ خوشی تو مومنوں کو پہنچی۔ پھر دوسری مرتبہ کفار کی خوشی کی نوبت آئی اور اُحد کی لڑائی میں دردناک شہادتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نصیب ہوئیں اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے اور ایک تہلکہ برپا ہوا اسوقت بعض ان لوگوں کے دلوں میں جو عادت اللہ سے ناواقف تھے یہ خیال بھی آیا کہ جس حالت میں ہم حق پر ہیں اور ہمارے مخالف باطل پر ہیں تو یہ مصیبت ہم پر کیوں آئی۔ تب ان کا جواب اللہ تعالیٰ نے وہ دیا۔ جو قرآن شریف میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ وتلک الایام نداولہا بین الناس یعنی اگر تم کو احد کی لڑائی میں دکھ اور تکلیف پہنچی ہے تو بدر کی لڑائی میں بھی تو تمہارے مخالفوں کو ایسی ہی تکلیف پہنچی تھی اور ایسا ہی دکھ اور نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ یہاں تک کہ جس کو امیر فوج بنا کر لائے تھے یعنی ابوجہل وہ بھی کھیت رہا اور بڑے بڑے کافر مارے گئے پھر اگر اس کے مقابل امیر حمزہؓ شہید ہوئے اور دوسرے بزرگ صحابہؓ نے شربت شہادت پیا تو اسقدر بالمقابل صدمہ دیکھنا ضروری تھا کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہی قانون قدرت ہے کہ کبھی کافر فنا کئے جاتے ہیں اور کبھی مومن تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اُس دن سے جو خدا نے دنیا پیدا کی یہ قانون چلا آیا ہے کہ کبھی کوئی ایسی تائید اور نصرت ظاہر ہوتی ہے جس سے مومن خوش ہوجاتے ہیں اور کبھی کوئی ایسا ابتلا مومنوں کے لئے پیش آتا ہے جو کافر مارے خوشی کے اچھلتے پھرتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اس اپنی وحی مقدس میں بھی جو آج

✽ نوٹ۔ اسی کے ہمرنگ واقعہ عبداللہ آتھم اور لیکھرام کا تھا عبداللہ آتھم عین شرطی پیشگوئی کے موافق مرا مگر نا سمجھی سے مخالفوں نے اس بات پر بہت خوشی ظاہر کی کہ وہ میعاد کے اندر نہیں مرا بس یہ معاملہ ایسا تھا جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت "شبہ لہم" کا معاملہ تھا خدا کو منظور تھا کہ بموجب اپنے قانون قدرت وتلک الایام نداولہا بین الناس مخالفوں کو خوشی پہنچائی کیونکہ پہلے نشانوں نے ان کو غمگین کر دیا تھا اور یہ خوشی بھی قائم نہ رہی کیونکہ لیکھرام کی نسبت جو پیشگوئی تھی وہ ایسی صفائی سے پوری ہوئی جو مونہہ بند ہوگئے۔ منہ

اس عاجز پر نازل ہوئی فرماتا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ کچھ عرصہ سے متواتر خدا تعالیٰ کی نصرت اور تائید
رحمت کے نشانوں کے رنگ میں اس عاجز کی نسبت ظاہر ہو رہی ہے۔ جس سے مخالف لوگ ایک مسلسل غم دیکھ رہے ہیں اب ضروری
ہے کہ بموجب قانون وتلک الایّام نداولھا بین النّاس ان کو بھی کچھ خوشی پہنچائی جائے۔ اس الہام کی بنا پر کوئی امر
ہمارے لئے ناگوار اور انکے لئے موجب خوشی کا ظاہر ہو جائیگا اور جو نشان اس تھوڑے عرصہ میں ہماری تائید میں ظاہر ہوئے
جو ہماری خوشی کا موجب اور مخالفوں کے رنج کا موجب تھے وہ بہ تفصیل ذیل ہیں اوّل سب سے پہلے مسمّی کرم دین ساکن بھیں
ضلع جہلم کے مقدمات میں دو رحمت کے نشان خدا تعالیٰ کے ظاہر ہوئے پہلے وہ مقدمہ ہے جو کرم دین مذکور نے جہلم کی عدالت
میں بصیغہ فوجداری مجھ پر دائر کیا تھا اس میں خدا تعالیٰ نے قبل فیصلہ اس مقدمہ کی مجھے خبر دی کہ کرم دین مذکور ناکام رہیگا
اور شکست کھائیگا اور مَیں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔ چنانچہ ابھی مقدمہ زیر تجویز ہی تھا کہ مَیں نے اپنی کتاب مواہب الرحمٰن
میں اس پیشگوئی کو چھاپکر شائع کر دیا اور جب میری طلبی جہلم کی عدالت میں ہوئی تو مَیں کئی نسخے اس کتاب کے ساتھ لے گیا اور
قبل فیصلہ مقدمہ لوگوں میں تقسیم کر دیئے اور قادیان میں بھی جہلم کے جانیسے پہلے کئی نسخے اس کتاب کے تقسیم کئے اور ایک نسخہ
حسب دستور گورنمنٹ میں بھی بھیجدیا۔ اور آخر پیشگوئی کے مطابق کرم دین کے مقدمہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ عدالت جہلم نے اس کو
خارج کر دیا۔ یہ پہلا نشان ہے جو ظاہر ہوا۔ پھر ایک اور مقدمہ کرم دین مذکور نے فوجداری میں میرے پر گورداسپور کی عدالت
میں دائر کیا اور اُسپر بھی ہماری جماعت میں سے ایک شخص کی طرف سے ایک فوجداری مقدمہ دائر ہو گیا۔ ان مقدمات کے فیصلہ سے
پہلے خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی کہ انجام کار میں کرم دین کے مقدمہ سے بری کیا جاؤنگا مگر وہ سزا پائیگا چنانچہ وہ پیشگوئی
مَیں نے قبل فیصلہ مقدمہ کی اخبار الحکم اور البدر میں شائع کرادی۔ اور ایسا ہی ظہور میں آیا کہ کرم دین سزا پا گیا اور مَیں انجام کار
بری کیا گیا اور یہ دو نشان تھے جو ایک دوسرے کے بعد ظاہر ہوئے۔ اور پھر خدا نے مجھے خبر دی کہ ایک زلزلہ کا دھکا ظاہر
ہو گا جس سے جانوں اور عمارتوں کا نقصان ہو گا یہ خبر بھی مَیں نے قبل از وقت الحکم اور بدر کے ذریعہ سے شائع کر دی
چنانچہ ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو وہ زلزلہ آیا جس کی نقصان رسانی کی تفصیل بیان کرنیکی کچھ حاجت نہیں۔ یہ چوتھا نشان تھا
جو ظاہر ہوا۔ پھر خدا نے مجھے خبر دی کہ موسم بہار میں ایک اور غیر معمولی زلزلہ آئیگا اور ۲۵۔ فروری ۱۹۰۶ء کے بعد آئیگا چنانچہ
۲۷۔ فروری ۱۹۰۶ء کا دن گذرنے کے بعد رات کو بوقت ڈیڑھ بجے وہ زلزلہ آیا جس سے بہت سے گھر مسمار ہوئے اور بہت سی
جانیں ضائع ہوئیں۔ اور یہ پانچواں نشان تھا جو خدا نے میری تائید میں ظاہر کیا۔ پھر ایسا اتفاق ہو گیا کہ ایک شخص
چراغدین نام جموں کا رہنے والا جو ابتدا میں میرا مرید تھا مرتد ہو گیا اور اس نے پیغمبری کا دعویٰ بھی کیا۔ تب مَیں نے اسکی
نسبت بددعا کی اور مجھے خدا تعالیٰ سے الہام ہوا کہ خدا اسے فنا کر دیگا اور اسکو غارت کریگا اور اسپر غضب نازل کریگا اور
اشارہ کیا گیا کہ وہ طاعون سے مریگا۔ اسی لئے مَیں نے طاعون کے رسالہ میں ہی (جو طاعون کے بارے میں مَیں نے لکھا تھا)
جسکا نام دافع البلاء و معیار اہل الاصطفاء ہے یہ پیشگوئی درج کی چنانچہ وہ اپنی کتاب منارۃ المسیح کے ایک برس بعد

(جس میں مجھے اس نے دجال قرار دیا ہے) اس قہر میں گرفتار ہوا۔ کہ اول دو لڑکے اور ایک لڑکی اس کی طاعون میں مبتلا ہوئے۔ اور پھر ۴۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو خود طاعون میں مبتلا ہو کر اس جہان سے گذر گیا۔ اور یہ چھٹا نشان تھا جو خدا نے میری تائید میں ظاہر کیا اور اس کے ساتھ ہی ایک اور نشان ظہور میں آیا۔ کہ اس نے اپنی طرف سے صریح لفظوں میں مباہلہ کیا اور اپنا ذکر کر کے اور میرا نام لے کر خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ ہم دونوں میں سے جو مفتری اور حق کا دشمن ہے۔ خدا اسکو فنا کر دے اور حق اور باطل میں فیصلہ کر دے۔ اسکی اس دعا پر صرف دو تین روز ہی گذرے تھے۔ کہ وہ خدا کے مواخذہ کے نیچے آگیا۔ اور ایک دردناک عذاب کے ساتھ مرا۔ بھلا اس سے زیادہ دردناک کونسا حادثہ ہوگا؟ کہ پہلے اس نے اپنے عزیز اور نوجوان دو بیٹے اپنی آنکھ کے سامنے مرتے دیکھے اور اس پُر مصیبت حادثہ کو مشاہدہ کر لیا کہ دونوں نوجوان بیٹے اس کی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو گئے اور پھر بعد اس کے اسی طاعون سے بصد حسرت آپ موت کا پیالہ پیا اور ربانی حالت کا یہ نمونہ دکھایا کہ دونوں لڑکوں کے مرنیکے بعد اسکے کلمات یہ تھے کہ خدا بھی میرا دشمن ہوگیا۔ یہ ساتواں نشان تھا جو ظہور میں آیا۔ پھر بعد اس کے ایک اور نشان ظاہر ہوا کہ ایک شخص ڈوئی نام جو امریکہ کے صیہون نام ایک شہر میں رہتا تھا اور اس نے پیغمبر ہونیکا دعویٰ کیا تھا اور الہام کا بھی مدعی تھا۔ میں نے اسکو مباہلہ کے لئے بلایا۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا اور بہت تکبر دکھایا اور میں نے اسکی نسبت انگریزی رسالہ میں شائع کیا۔ کہ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔ چنانچہ امریکہ کے اخباروں میں بھی یہ مضمون شائع ہوگیا۔ اب وہ کچھ عرصہ سے فالج کے مہلک مرض میں گرفتار ہوگیا اور ساری پیغمبری اسکی دریا بُرد ہوگئی اور چراغدین کی طرح اس نے بھی ثابت کر دیا کہ جھوٹا پیغمبر کس طرح جلد پکڑا جاتا ہے۔ اور اب امریکہ سے خبر آئی ہے۔ کہ وہ قریب المرگ ہے[*]۔ یہ آٹھواں نشان ہے کہ جو خدا تعالیٰ نے میری تائید میں ظاہر کیا۔ ایسا ہی خدا نے مجھے اپنی پاک وحی سے خبر دیکر فرمایا تھا "اے بسا خانۂ دشمن کہ تو ویراں کردی" جس میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ بہت سے دشمن مر جائینگے اور انکا گھر ویران ہو جائیگا۔ چنانچہ مجھکو سیالکوٹ وغیرہ کتنے مقامات سے خط آئے ہیں۔ کہ اس سال میں کئی سخت طبع اور ناپاک دل دشمن جو سخت متعصب تھے مع عیال و اطفال اس جہان سے گذر گئے۔ جن کی تفصیل کسی مستقل رسالہ میں انشاء اللہ درج کیجائے گی۔ یہ نواں نشان ہے جو خدا تعالیٰ نے اسی سال میں میری تائید میں ظاہر فرمایا۔ پھر میں نے اپنے متواتر اشتہارات میں باربار شائع کیا تھا۔ کہ دنیا میں سخت سخت زلزلے آئیں گے اور بعض ان میں سے قیامت کا نمونہ ہونگے اور بہت موت ہوگی۔ چنانچہ ایسے زلزلے فارموسا چین اور رسان فرانسسکو ملک امریکہ اور اٹلی میں آگئے اور وہ درحقیقت ایسے خوفناک ہیں کہ جو شخص پہلے میرے اشتہارات کو پڑھیگا اور پھر ان زلزلوں اور عام تباہی کا نظارہ اس کی نظر کے سامنے آجائے گا تو اسکو بہر حال اقرار کرنا پڑیگا کہ یہ وہی پیشگوئیاں ہیں جو پہلے میری طرف سے ہو چکی ہیں۔ یہ تین نشان ہیں۔ جنکے ملانے سے بارہ نشان ہوتے ہیں جو ان دنوں میں ظہور میں آئے اور پانچ اور زلزلوں کا وعدہ ہے۔ جن کی انتظار کرنی چاہیے۔

بعض نادان کہتے ہیں کہ اگر یہ زلزلے امریکہ وغیرہ کے اس شخص یعنی اس عاجز کی تائید اور تصدیق کے لئے آئے ہیں۔ تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان ملکوں کے لوگ تو اس کے نام سے بھی بے خبر ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اول تو

[*] تازہ خبر ڈوئی کے متعلق یہ بھی آئی ہے کہ اس کی خیانت اور ناجائز تعلقات اسکے مریدوں پر ظاہر ہو گئے اور انہوں [illegible]

جھوٹ ہے کہ وہ لوگ میرے نام سے بیخبر ہیں۔ امریکہ کے مشہور اور نامی اخباروں میں کئی دفعہ میرا اور میرے دعویٰ کا ذکر آچکا ہے۔ بلکہ انہیں اخبار والوں نے لکھا تھا کہ پنجاب سے فلاں شخص ڈوئی کو جو پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے۔ مباہلہ کے لئے بلاتا ہے اور ڈوئی اس سے بھاگتا ہے۔ اس صورت میں وہ بے خبر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ ماسوائے اس کے جبکہ تمام دنیا کے زلزلوں کی نسبت اُن زلازل سے پہلے جو اب ظہور میں آئے میری پیشگوئیاں شائع ہو چکی ہیں۔ اور قبل واقع ہونے ان پیشگوئیوں کے انگریزی میں وہ رسالے میری جماعت کے لوگوں کو جو انگریز ہیں اور امریکہ کے بعض حصّوں میں رہتے ہیں پہنچ چکے ہیں۔ اور اُس ملک میں عام طور پر بھی وہ رسالے شائع ہو چکے ہیں۔ تو اس صورت میں امریکہ کے لوگ ان پیشگوئیوں سے بیخبر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ علاوہ اس کے ان ممالک میں محض قہری طور پر زلزلے آئے ہیں اور چونکہ ان زلازل کی نسبت پیشگوئیاں پہلے ہو چکی ہیں۔ اس لئے وہ لوگ اس نشان سے انکار نہیں کر سکتے۔ ہاں جو موتیں ان میں واقع ہوئی ہیں۔ وہ ان کے گناہوں اور فسق فجور کی وجہ سے ہیں اور یہ زلزلے میری طرف سے انکو رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ پہلے ہی قبل از وقت ان کو ان آفات کی خبر دی ہے۔ غرض ہلاک ہونیوالے اپنے سابق گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور جنہیں پیشگوئی کی خبر ملے گی۔ انکے لئے وہ نشان ہوا۔ اگر وہ اس نشان کو ٹال دیں گے۔ تو پھر کوئی اور عذاب آئیگا۔

اب جبکہ یہ دس نشان تازہ بتازہ ایک دوسرے کے بعد ظاہر ہو چکے ہیں اور دشمنوں کو بہت کوفت اور ہم وغم پہنچا ہے تو مذکورہ بالا الہام میں خدا تعالیٰ پیشگوئی کے طور پر فرماتا ہے کہ ایک ناگوار امر ظاہر ہوگا جو کسی قدر دشمنوں کی خوشی کا باعث ہو جائیگا۔ معلوم نہیں کہ وہ کیا امر ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ یہی ہماری عادت ہے کہ کبھی ہم دشمن دین کو بھی خوش کر دیا کرتے ہیں جیسا کہ خادمان دین کو خوش کرتے ہیں۔ لیکن انجام پرہیزگاروں کے لئے ہوتا ہے۔

والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ۔ المشتہر خاکسار میرزا غلام احمد مسیح موعودؑ - ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۶ء۔ روز یکشنبہ

عیسائیوں کی شرمناک حرکات

ایک عیسائی اخبار کی کوتہ اندیشی۔ تجلی عیسائیوں کا ایک رسالہ ہے جو لاہور سے نکلتا ہے اسے شروع سے ہی امام ناحضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سخت عداوت اور بغض رہا ہے جسکی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آپ حضرت مسیحؑ کی موت کو ثابت کرتے ہیں۔ ابتدا میں جب رسالہ ترقی میں اس قسم کے مذہبی مضامین ہوتے تھے جن کے لئے اب تجلی مخصوص کیا گیا ہے اس وقت اس میں نہایت سفیہانہ الفاظ میں سلسلہ احمدیہ کے پیشوا کا ذکر ہوتا رہا۔ اور نہایت گندے اور حقارت آمیز الفاظ میں اس سلسلہ پر حملہ ہوتے رہے جب عیسائی صاحبان سیر ہو کر گالیاں نکال چکے اور اس سلسلہ نے اپنے امامؑ کی تعلیم کے مطابق صبر سے ان سب کو برداشت کیا تو اس کے بعد اس کے ایڈیٹر صاحب کو متانت کا خیال آیا اور ایک گذشتہ

اشاعت میں آپ نے یہ ظاہر کیا کہ آپ اس قسم کے مذہبی مناظرات سے اپنے رسالہ کو پاک رکھنا چاہتے ہیں مگر آپ کی تو یہ ایک تیراندازی کی تو بسے بڑھکر نہ نکلی اور اگلے ہی نمبر میں آپ نے اپنے کالموں کو پھر اکبر مسیح کے سفیہانہ حملوں کے لئے کھولدیا۔ اس سے مجھے تعرض نہیں جو چاہیں وہ لکھیں لیکن تعجب یہ ہے کہ بھیڑیے کا کام کرنیکے لئے وہ بھیڑ کا لباس کیوں ضروری سمجھتے ہیں تجلی کے اپریل کے پرچے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دو جگہ پر ذکر کیا گیا ہے۔ ایک ایڈیٹوریل نوٹوں میں جہاں اڈیٹر صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی تحریریں صلح اور اتفاق کی مانع ہیں۔ قلم ہاتھ میں لیکر جو جی میں آئے لکھدینا آسان ہے مگر خداوند عالم کے حضور جوابدہی مشکل۔ اگر آپکے پُرکدورت سینہ میں رائی کے دانہ کے برابر بھی سچائی کی محبت ہوتی تو پہلے آپ اپنے بزرگوں پر یہ اتہام لگاتے جنہوں نے دوسرے مذاہب کے مقدس رہبروں کا ذکر گندے سے گندے الفاظ میں کیا ہے۔ اور خصوصًا جو غصہ اور جوش وخروش مقدسوں اور راستبازوں کے سردار سید الرسل حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر نکالا ہے اور جس طرح پر کھلے الفاظ میں آپ کو نعوذ باللہ ڈاکو اور لٹیرا اور دجال کہا ہے اور ایسے ایسے نام رکھے ہیں جنکو ایک مسلمان نقل بھی نہیں کر سکتا۔ ان سب باتوں کا ذکر کرتے کیونکہ جو عناد اور بغض قوموں کے درمیان پیدا ہوا ہے وہ ان ناپاک تحریروں سے ہوا ہے جنکے بانی مبانی آپکے ہی بزرگ پادریصاحبان ہیں۔ جو اپنے دشمنوں سے محبت رکھنے اور اپنی ستانیوالوں کے لئے دعا مانگنے کی بجائے اپنے محسنوں سے دشمنی رکھتے اور اپنے لئے دعا مانگنے والوں کو ستاتے ہیں۔ کیا آپ لوگ اس بات سے ناواقف ہیں کہ آپ اور آپکے ہم پیشہ جہاں کہیں جاتے ہیں وہاں کے لوگوں کے ہی مقدس رہبروں کو گالیاں نکالکر انکی دل آزادی کرتے ہیں؟ کیا آپ کو خبر نہیں کہ ہندوستان میں تم نے کیسا زہریلا بیج بویا ہے اور کیا کیا فساد اور اشتعال پیدا کرنیوالی تحریریں شائع کی ہیں؟۔ **لِمَ تلبسون الحق وانتم تعلمون۔**

جس بنا پر اخبار تجلی میں بغض اور عداوت پھیلانیکا اتہام حضرت مرزا صاحب پر لگایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص چراغدین کی طاعون سے ہلاکت پر آپنے یہ لکھا ہے کہ اس نے رسالت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور اس لئے جو پیشگوئی اسکے لئے چار سال پہلے کی گئی تھی اسکے مطابق ہلاک ہوا۔ یہاں دیکھنے والی بات تو صرف اسقدر تھی کہ آیا پیشگوئی واقعی ایک کتاب میں شائع ہو چکی تھی یا نہیں اور پھر اسی کے مطابق وہ شخص مارا گیا یا نہیں۔ لیکن پادریصاحبان کے سینے اس قدر پُراز کینہ ہو رہے ہیں کہ ایک سچی اور صریح پیشگوئی کو تسلیم کرنیکی بجائے اصل بات کو ٹالکر ایک نئی بحث چھیڑ دی ہے جسکو پیشگوئی سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ لوگوں کو فیصلہ تو یہ کرنا چاہیئے تھا کہ یہ پیشگوئی پوری ہوئی یا نہیں اور کہ آیا آئندہ کا ایسا باریک علم کہ چار سال پیشتر ایک شخص کے انجام کی ایسی خبر دیجاوے اور پھر اسکو کتاب میں شائع کر دیا جاوے پیشگوئی کا منجانب اللہ ہونا ثابت کرتا ہے یا نہیں اگر پیشگوئی پوری ہو گئی ہے اور ایسی صفائی سے پوری ہوئی ہے کہ کھلے طور پر منجانب اللہ ثابت ہوتی ہے تو اسپر یہ اعتراض کرنا کہ اس سے خدا کی نسبت پست خیال پایا جاتا ہے اور دشمنی بڑھتی ہے۔ سراسر حماقت اور پرلے درجہ کی بیہودگی ہے۔ اور اگر پیشگوئی پوری نہیں ہوئی تو آپکا حق اسپر جرح کرنیکا ہے

مگر عیسائی صاحبان کا اس پہلو پر آنا جو فیصلہ کی راہ ہے اونٹ کے سوئی کے ناکے میں سے گذر جانے سے بھی مشکل ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس راہ میں ذلت اور ناکامی انکے پلّے پڑیگی۔ اور یہ جو لکھا ہے کہ ملک میں صلح کرانا ایک ناپاک کام سمجھا جاتا ہے۔ سو اول تو یسوع مسیح کے الفاظ کو مدنظر رکھکر یہ بات لکھتے تو خوب ہوتا بہرحال وہ لفظ میں آپکے لئے نقل کر دیتا ہوں یہ لفظ آپکے عقیدہ کے موجب متی یوسن سنا کر کسی نے یسوع کے قصہ میں لکھے ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ وہ غلط ہوں مگر اس کا فیصلہ آپ ہی کرینگے "یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانیکو آیا ہوں" متی ۱۰۔ پس اگر پہلا مسیح صلح کے لئے نہیں آیا تھا تو دوسرے مسیح پر صلح نہ کروانے کا عیب کیوں لگاتے ہو۔ علاوہ ازیں اگر صلح سے آپ کا یہ منشاء ہے کہ خواہ کوئی شخص دنیا میں کیسا ہی ناپاک اور گندے سے گندہ کام کرے اسکو برا نہ کہا جائے تو ایسی صلح عیسائیوں کو مبارک ہو۔ خدا کی طرف سے جو مامور آئیگا وہ تو پھاڑ پھاڑ کر فسق و فجور کو اور ہر ایک بدی کی راہ کو برا کہے گا۔ اب اگر چراغدین اپنے اس دعوے میں سچا تھا کہ وہ خدا کی طرف سے رسول ہو کر آیا تو کم از کم آپ لوگ تو اسکے پیروؤں میں داخل ہو جاتے تا کہ ایک صادق کی بیعت کا فخر آپ کو حاصل ہو جاتا اور اگر وہ جھوٹا تھا جیسا کہ پیشگوئی کے پورا ہونے نے بتا دیا تو اس کو اسکے بد انجام سے متنبہ کرنا کیونکر عیب کا کام ہو گیا اور پھر جب آخر اس نے افترا علی اللہ توبہ نہ کی اور مطابق پیشگوئی کے ہلاک ہوا تو یہ واقعہ جو صادق اور کاذب میں معیار ہو گیا اور جس نے اس سلسلہ کی حقانیت کو اظہر من الشمس کر دیا گو شپرہ چشم اس نور کو نہ دیکھ سکیں تو اس پیشگوئی کے پورا ہونیکو دنیا پر ظاہر کرنا تا کہ دوسرے لوگ اس کے بد انجام سے عبرت پکڑیں کس طرح محل اعتراض بن گیا۔ افسوس ہے اس فہم پر کہ جو امر دنیا میں خدا کے جلال اور اس کے مامور کے صدق کو ظاہر کرنیوالا ہو اسی پر عیب لگایا جاوے۔ باقی رہے مسیح کی تعلیم کے ایسے فقرات کہ دشمنوں سے بھی محبت کرو اس سے بہتر نصائح مسیح موعود کی تعلیم میں موجود ہیں۔ مگر کیا حضرت مرزا صاحب نے اس سے کوئی عداوت کی ؟ نہیں بلکہ خود اس نے نشانوں کا مشاہدہ کر کے اور مامور کو پہچانکر افترا کی راہ اختیار کی اور خدا سے دشمنی کی پس وہ خدا کے غضب میں پکڑا گیا اور جیسا کہ اس نے خود لکھا تھا کہ حضرت مسیح موعود کو برا کہنے والے طاعون سے ہلاک کئے جاویں گے وہ خود ہلاک کیا گیا کیونکہ اسپر حجت پوری ہو چکی تھی۔ اگر آپکے نزدیک خدا کے غضب کا بدکاروں پر نازل ہونا ماننا خدا کے متعلق پست اور وحشیانہ خیالات ہیں۔ تو پھر یسوع مسیح کے بھی ایسے ہی پست اور وحشیانہ خیالات ماننے پڑیں گے نعوذ باللہ من ذلک۔ دیکھو خود مسیح نے طاعونوں اور زلزلوں اور مصائب اور ہلاکتوں کا دنیا میں آنا اپنے آنیکا نشان بتایا۔ مگر اے نور ایمان سے اندھو! ایک چراغدین کی ہلاکت کے بالمقابل یہ کتنی بڑی ہلاکتیں ہیں۔ اور وہ واقع بھی ہو رہی ہیں۔ کیا سان فرانسسکو کے عیاش عیسائی شہر کو خدا نے تباہ کیا یا کسی اور نے ؟ کیا یہ سنت اللہ ہے یا نہیں کہ بدکاروں پر اسکا غضب جب انکی بدکاری حد سے گذر جائے اسی دنیا میں بھڑکا کرتا ہے ؟ یہ تو آپ لوگوں کی ایمانداری ہے کہ ایک بات کو جب ہم پیش کریں تو اسے خدا کے

* کتاب دافع البلاء کا نام معیار اہل الاصطفاء بھی اپنی اندر ایک پیشگوئی رکھتا تھا جس کو چراغدین کی موت نے پورا کر دیا۔ منہ

متعلق پست خیالات قرار دیتے ہو۔ اور خود اس سے ہزار ہا درجہ بڑھ کر باتیں مانتے ہو یہی آپ لوگوں کا طریق بحث ہے کہ ہر پہلو میں کجروی اختیار کرتے اور پھر اپنے آپ کو راستی کے حامی بتاتے ہو۔ اور یہ فقرہ کہ ہم لوگ "اپنے بھائی کی مصیبت پر بجائے افسوس کرنیکے خوش ہوتے ہیں"، یہ محض افترا ہے۔ یہ واقعہ تو دنیا کے سامنے عبرت کے لئے پیش کیا جاتا ہے کہ تا لوگ سچے اور جھوٹے میں فرق کریں نہ کہ خوشی کے لئے۔ ہم تو افسوس کرتے ہیں آتھم کی موت پر۔ لیکھرام کی موت پر۔ چراغدین کی موت پر۔ مگر ان لوگوں نے راستی سے عداوت کی۔ اور ناراستی سے پیار کیا۔ اس لئے خدا کے غضب میں پکڑے گئے پس صرف عبرت کے لئے ہم انکے واقعات کو پیش کرتے ہیں۔

دوسری جگہ پر جہاں اس رسالہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر کیا ہے۔ اس قدر دریدہ دہنی سے کام لیا ہے کہ خود ایڈیٹر رسالا اس کی سختی کا اعتراف کرتا ہے۔ مگر وہ اسکو ترکی بہ ترکی جواب قرار دیکر اپنے رسالہ میں درج کرتا ہے۔ مگر کیا وہ دکھا سکتے ہیں کہ جن الفاظ میں مضمون کے لکھنے والے اکبر مسیح نے ایک عظیم الشان جماعت کے پیشوا کا ذکر کیا ہے انہیں الفاظ میں چشمہ مسیحی میں ینابیع الاسلام کے مصنف یا عیسائیوں کے پیشوا کا ذکر کیا گیا ہے؟ اگر نہیں تو پھر معلوم ہوا کہ یہ عذر ترکی بہ ترکی جواب کا ایک مجذوم دل نے کوئی پرانا کینہ نکالنے کے لئے کیا ہے۔ افسوس ہے کہ چشمہ مسیحی کی ایک بھی بات کا جواب دینے کے بغیر بار بار اس شخص نے گندی گالیاں اپنے مضمون میں نکالی ہیں۔ ایڈیٹر کہتا ہے کہ "غالباً مرزا صاحب کے رسالہ کو پڑھکر انکے دل میں وہی روح کام کر گئی ہے"، مگر اونکو غلطی لگی ہے۔ یہ تو کسی انجیل نویس کی یا خود مسیح کی روح ہی کام کر گئی ہے۔ کیونکہ انجیل سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح بھی فقیہوں اور فریسیوں کو گدھے اور سانپوں کے بچے وغیرہ الفاظ سے خطاب کیا کرتے تھے۔ ہاں چیلا گرو سے ذرا آگے بڑھ گیا ہے۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعودؑ

۲۔ اپریل ۱۹۰۶ء الہام۔ هو الذی ارسل رسوله بالهدٰی و دین الحق لیظهره علی الدین کله۔ ان الله قد من علینا۔ "کل خواب میں مولوی عبدالکریم صاحب کو دیکھا۔ اور میں انہیں کہتا ہوں کہ دعا کرو کہ دشمنوں پر خدا مجھے غلبہ دے"۔ "اور پھر آج دیکھا کہ وہ میرا نام لیکر کہتے ہیں کیوں لوگ انکی مخالفت کرتے ہیں اور کیوں نہیں مانتے اور بڑی جوش اور غضب سے کہہ رہے ہیں"۔ "اور چند روز ہوئے دیکھا تھا کہ ایک انگریز ہمارے گھر میں داخل ہوا ہے۔ ساتھ محمود ہے گویا تلاشی لینا چاہتا ہے اور پاس ہی میر ناصر نواب صاحب کھڑے ہیں وہ اشارہ سے مجھے کہتے ہیں کہ یہ انگریز حاکم ہے تلاشی کی غرض سے آیا ہے میں دل میں کہتا ہوں کہ اسجگہ تلاشی کیلئے کونسی مشتبہ چیز ہے صرف ہماری تصانیف کے مسودات ہیں معلوم نہیں کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہے مگر ناصر اور محمود کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ اگر کوئی امر مکروہ بھی ہے تو انجام اچھا ہے ایسی خوابیں تعبیر طلب ہوتی ہیں یہ ضرور نہیں کہ تلاشی سے مراد تلاشی ہی ہے بلکہ کوئی اور پوشیدہ جستجو اس سے مراد ہو سکتی ہے جسکا انجام ظاہری بریت اور صفائی ہو" واللہ اعلم بالصواب۔ "چند روز ہوئے

یہ الہام ہوا تھا انا نبشرك بغلام - نافلة لك ممکن ہے کہ اسکی یہ تعبیر ہو کہ محمود کے ہاں لڑکا ہو کیونکہ نافلہ پوتے کو بھی کہتے ہیں یا بشارت کسی اور وقت تک موقوف ہو“ ۴ - اپریل ۱۹۰۶ء - یاتیك الفرج - ۸ - اپریل ۱۹۰۶ء (۱) رب ارنی زلزلة الساعة (۲) یریکم الله زلزلة الساعة - ۹ - اپریل ۱۹۰۶ء رب ارنی زلزلة الساعة (۱) یریکم الله زلزلة الساعة (۳) اریك زلزلة الساعة (۴) یسئلونك احق هو - قل ای وربی انه لحق ولا یرد عن قوم یعرضون (۵) نصر من الله وفتح مبین (۶) اراد الله ان یبعثك مقاما محمودا - (۷) هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله - - - - - - - (۸) وقت صبح - الامراض تشاع والنفوس تضاع - ترجمہ (۸) امراض پھیلائی جائیں گی اور جانیں ضائع کیجائیں گی - فرمایا یہ الہام پہلے بھی ہو چکا ہے اب پھر ہوا ہے اور خوف ہے کہ اس سے کیا مطلب ہے معلوم نہیں کہ قادیان کے متعلق ہے یا پنجاب کے متعلق ہے - ۱۳ - اپریل ۱۹۰۶ء تاالله لقد اثرك الله علینا وان کنا لخطئین - ۱۴ - اپریل ۱۹۰۶ء - رؤیا - دیکھا کہ طاعون ترقی کر رہی ہے - الہام (۱) زلزلہ آیا زلزلہ آیا - رؤیا - دیکھا کہ زلزلہ آرہا ہے - الہام (۲) انا ارسلنا الیکم رسولا شاهدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا - ۱۵ - اپریل ۱۹۰۶ء - رؤیا - دیکھا کہ ایک بڑا سانپ ہے جس کی گردن لمبی (مرغابی) کی طرح بڑی ہے - وہ میرے پیچھے دوڑا - میں ایک اونچی جگہ دیوار پر چڑھ گیا اور اسکو مخاطب کر کے کہا - خدا قاتل تو باد - مرا ازدستِ تو محفوظ داراد - اس کے بعد یہ نظارہ دیکھا کہ گویا میں اُس سانپ پر سوار ہوں اور اس سانپ کی گردن میرے ہاتھ میں ہے - اور وہ چاہتا ہے کہ اُلٹ کر مجھے کاٹے - تب میں نے زیادہ تر سر کے قریب سے اسکو پکڑا تاکہ وہ کاٹ نہ سکے - فقط - فرمایا - اس رؤیا میں کسی فتنہ کی خبر دیگئی ہے کوئی مخفی دشمن ہے جو کسی رنگ میں نیش زنی کریگا - مگر نامراد رہیگا - ۱۶ - اپریل ۱۹۰۶ء - الہام - انی حفیظك یعنی میں تیری نگہبانی کروں گا - ۱۷ - اپریل ۱۹۰۶ء - حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کو رؤیا میں دیکھا - کہ زندہ ہو گئے ہیں - فرمایا - اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے کوئی ایسا نشان دکھائے جس سے دین اسلام کی زندگی مخلوق پر ثابت ہو جائے - ۲۴ - اپریل ۱۹۰۶ء - فرمایا آج رات بیماری کی حالت میں الہام ہوا تھا - اشفنی من لدنك وارحمنی - ترجمہ - مجھے اپنی طرف سے شفا بخش اور رحم کر - فرمایا - چند روز ہوئے کہ کشفی نظر میں ایک عورت مجھے دکھلائی گئی اور پھر الہام ہوا - ویل لهذه الامراة وبعلها - ترجمہ - اس عورت کے لئے عذاب مقدر ہے اور اس کے خاوند کے لئے بھی - ۲۷ - اپریل ۱۹۰۶ء - (۱) رب لا تضیع عمری وعمرها واحفظنی من کل افة ترسل الی ترجمہ - اے میرے رب میری اور اسکی عمر کو ضائع نہ کر یو اور مجھے اُن تمام آفات سے محفوظ فرمائیو جو میری طرف بھیجی جاویں - (۲) انه نازل من السماء ما یغنیك - ترجمہ تحقیق خدا آسمان سے وہ چیز اتار نیوالا ہے جو تجھے غنی کر دیگی (۳) اریك ما یرضیك - ترجمہ - تجھے وہ چیز دکھلاؤنگا جو تجھے خوش کر دیگی - (۴) عندی حسنة هی خیر من جبل - ترجمہ میرے پاس بھلائی ہے جو پہاڑ سے بہتر ہے - (۵) الم تعلم ان الله علی کل شئ قدیر - ترجمہ - کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (۶) آسمان سے دودھ اُترا ہے - محفوظ رکھو - ۲۸ - اپریل ۱۹۰۶ء (۱) تیری خوش زندگی کا سامان ہو گیا ہے - (۲) الله خیر من کل شئ - ترجمہ - اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز سے بہتر ہے - ۲۹ - اپریل ۱۹۰۶ء (۱) دشمن کا بھی ایک وار نکلا - (۲) وتلك الایام نداولها بین الناس - [illegible]

۴- مئی ۱۹۰۶ء- انی مع الاکرام لولاک لما خلقت الافلاک- ترجمہ تحقیق مَیں بزرگوں کے ساتھ ہوں- اگر تُو نہ ہوتا تو مَیں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ ۵- مئی ۱۹۰۶ء- رؤیا- ایک شخص نے ایک دوائی کولا ماؤں کی ایک بوتل دی جو سُرخ رنگ کی دوائی ہے- اور بوتل بند کی ہوئی ہے- اور اس پر رسّیاں لپٹی ہوئی ہیں- ظاہر دیکھنے میں تو بوتل ہی نظر آتی ہے مگر جس شخص نے دی ہے وہ کہتا ہے کہ یہ کتاب دیتا ہوں- دیکھنے میں تو بوتل ہی نظر آتی تھی- لیکن کہنے میں وہ شخص اس کا نام کتاب رکھتا ہے- اس وقت مَیں کہتا ہوں کہ اسکا وقت آگیا ہے- اس کو نوکر رکھا جائے- اور مَیں نے اس کتاب پر دستخط کر دیئے ہیں- پھر الہام ہوا- یہ میری کتاب ہے- اسکو کوئی ہاتھ نہ لگاوے مگر وہی جو میرے خاص خدمتگار ہیں- پھر الہام ہوا- اللہ یعلینا ولا نُعلٰی- ترجمہ- اللہ تعالیٰ ہمیں اونچا کریگا ہم نیچے نہیں کئے جاوینگے فرمایا- اس سے مطلب یہ ہے کہ ہم دشمنوں پر غالب ہوں گے- اور دشمن سے مغلوب نہ ہونگے- ۵- مئی ۱۹۰۶ء الہام- پھر بہار آئی- تو آئے ثلج کے آنیکے دن ثلج کا لفظ عربی ہے- اس کے ایک تو یہ معنے ہیں کہ وہ برف جو آسمان سے پڑتی ہے- اور شدّت سردی کا موجب ہو جاتی ہے اور بارش اس کے لوازم سے ہوتی ہے- اسکو عربی میں ثلج کہتے ہیں- ان معنوں کی بناپر اس پیشگوئی کے یہ معنے معلوم ہوتے ہیں کہ بہار کے دنوں میں آسمان سے ہمارے ملک میں خدا تعالیٰ غیر معمولی طور پر یہ آفتیں نازل کریگا- اور برف اور اس کے لوازم سے شدّت سردی اور کثرت بارش ظہور میں آئے گی- اور دوسرے معنے اس کے عربی میں اطمینان قلب حاصل کرنا ہے- یعنی انسان کو کسی امر پر ایسے دلائل اور شواہد میسّر آجاویں جن سے اسکا دل مطمئن ہو جائے اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ فلاں تقریر موجب ثلج قلب ہو گئی یعنی ایسے دلائل قاطعہ بیان کئے گئے کہ جن سے کلی اطمینان ہو گئی- اور یہ لفظ کبھی خوشی اور راحت پر بھی استعمال کیا جاتا ہے جو اطمینان قلب کے بعد پیدا ہوتی ہے- یہ تو ظاہر ہے کہ جب انسان کا دل کسی امر میں پوری تسلّی اور سکینت پالیتا ہے تو اسکے لوازم میں سے ہے کہ خوشی اور راحت ضرور ہوتی ہے- غرض یہ پیشگوئی ان پہلوؤں پر مشتمل ہے- اس پیشگوئی پر غور کرنے سے ذہن ضروری طور پر اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک اسجگہ ثلج کے دوسرے معنے ہیں یعنی یہ کہ ہر ایک شبہ و شک کو دور کرنا اور پوری تسلّی بخشنا- تو اسجگہ اس فقرہ سے یہ بھی مراد ہو گی کہ چونکہ گذشتہ دونوں زلزلوں کی نسبت کج طبع لوگوں نے شبہات بھی پیدا کئے تھے- اور ثلج قلب یعنی کلی اطمینان سے محروم رہ گئے تھے مگر بہار کے موسم میں ایک ایسا نشان ظاہر ہو گا جس سے ثلج قلب ہو جائیگی- اور گذشتہ شکوک و شبہات بکلی دور ہو جائیں گے اور حجت پوری ہو جائیگی- اس الہام پر زیادہ غور کرنے سے یہ بھی قریب قیاس معلوم ہوتا ہے کہ بہار کے دنوں تک صرف ایک ہی نشان بلکہ کئی نشان ظاہر ہو جائیں گے اور جب بہار کا موسم آئیگا تو اسقدر تواتر نشانوں کی وجہ سے دلوں پر اثر ہو گا کہ مخالفین کے مونہہ بند ہو جائیں گے اور حق کے طالبوں کے دل پوری تسلّی پائیں گے اور یہ بیان اس بناپر ہے کہ ثلج کے معنے تسلّی پانا اور شکوک اور شبہات سے رہائی ہو جانا سمجھے جائیں لیکن اگر برف اور بارش کے معنے ہوئے تو خدا تعالیٰ کوئی اور سماوی آفت نازل کریگا- واللہ اعلم بالصواب

پھر ۶- مئی ۱۹۰۶ء- روز یکشنبہ کو الہام ہوا- ولا تکلمنی فی الذین ظلموا انھم مغرقون- وعدٌ علینا حق- یعنی ان لوگوں کے بارہ میں میرے ساتھ بات نہ کر- جو ظالم ہیں یعنی دنیا کو دین پر مقدم رکھتے ہیں اور دنیا کے ہموم و غموم میں لگ کر دین کے پہلو لاپرواہ ہیں مَیں انکو ضرور غرق کرونگا اور ناکامی میں ڈالونگا یہ خدا کا سچا وعدہ ہے جو نہیں ٹلیگا- میرے خیال میں یہ الہام ہماری جماعت کے بعض افراد کی نسبت ہے جو دنیا کے ہموم و غموم میں حد سے بڑھ گئے ہیں اور دین کی فکر و غم سے لاپرواہ ہیں- گویا خدا تعالیٰ مجھے ہدایت فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے دعا مت کر انکی شفاعت مت کر کیونکہ جیسا کہ انکا دین مرگیا- انکی دنیا بھی مرگئی- ظاہر ہے دُعا اور شفاعت دوستوں کے لئے ہوتی ہے نہ دشمنوں کے لئے- پس اسی قرینہ سے مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ الہام خاص دوستوں کے لئے ہے اور ایک بڑے عذاب سے انکو ڈرایا گیا ہے اور ممکن ہے کہ وہ عذاب دوسروں کے لئے بھی ہو- مگر ایسے لوگوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ بظاہر اس جماعت میں داخل ہیں مگر انکی حالت دنیا پرستی کی ہمارے اصول کے مخالف ہے۔ ۷- مئی ۱۹۰۶ء- الہام- کلیسیا کی طاقت کا نسخہ

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

تمام جماعت احمدیہ کے لئے اعلان

چونکہ ڈاکٹر عبد الحکیم اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ نے جو پہلے اس سلسلہ میں داخل تھا۔ نہ صرف یہ کام کیا کہ ہماری تعلیم سے اور ان باتوں سے جو خدا نے ہم پر ظاہر کیں۔ مونہہ پھیر لیا بلکہ اپنے خط میں وہ سختی اور گستاخی دکھلائی اور وہ گندے اور ناپاک الفاظ میری نسبت استعمال کئے کہ بجز ایک سخت دشمن اور سخت کینہ ور کے کسی کی زبان اور قلم سے نکل نہیں سکتے اور صرف اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ بے جا تہمتیں لگائیں اور اپنے صریح لفظوں میں مجھکو ایک حرام خور اور بندۂ نفس اور شکم پرور اور لوگوں کا مال فریب سے کھانیوالا اقرار دیا اور محض تکبر کی وجہ سے مجھے پیروں کے نیچے پامال کرنا چاہا۔ اور بہت سی ایسی گالیاں دیں۔ جو ایسے مخالف دیا کرتے ہیں جو پورے جوش عداوت سے ہر طرح سے دوسرے کی ذلت اور توہین چاہتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ پیشگوئیاں جن پر ناز کیا جاتا ہے کچھ چیز نہیں مجھکو ہزارہا ایسے الہام اور خوابیں آتی ہیں جو پوری ہو جاتی ہیں۔ غرض اس شخص نے محض توہین اور تحقیر اور دل آزاری کے ارادہ سے جو کچھ اپنے خط میں لکھا ہے اور جس طرح اپنی ناپاک بدگوئی کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ ان تمام تہمتوں اور گالیوں اور عیب گیریوں کے لکھنے کیلئے اس اشتہار میں گنجائش نہیں۔ علاوہ اس کے میری تحقیر کی غرض سے جھوٹ بھی پیٹ بھر بولا ہے مگر مجھے ایسے مفتری اور بدگو لوگوں کی کچھ پروا نہیں کیونکہ اگر جیسا کہ مجھے اس نے دغاباز حرام خور مکار۔ فریبی اور جھوٹ بولنے والا اقرار دیا ہے۔ اور طریق اسلام اور دیانت اور پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر مجھے ثابت کرنا چاہا ہے اور میرے وجود کو محض فضول اور اسلام کیلئے مضر ٹھہرایا ہے بلکہ مجھے محض شکم پرور اور دشمن اسلام قرار دیا ہے اگر یہ باتیں سچ ہیں تو میں اس کیڑے سے بھی بدتر ہوں جو نجاست سے پیدا ہوتا اور نجاست میں ہی مرتا ہے۔ لیکن اگر یہ باتیں خلاف واقعہ ہیں۔ تو میں امید نہیں رکھتا کہ خدا ایسے شخص کو اس دنیا میں بغیر مواخذہ کے چھوڑیگا جو مرید ہو کر اور پھر مرتد ہو کر اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ ذلیل سے ذلیل زندگی بسر کرنیوالے جیسے چوہڑے اور چمار (جو شکم پرور کہلاتے ہیں اور مردار کھانے سے بھی عار نہیں رکھتے) انکی مانند مجھے بھی محض شکم پرست اور بندۂ نفس اور حرامخور قرار دیتا ہے۔ اب میں ان باتوں کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا اور خدا کی شہادت کا منتظر ہوں اور اس کے ہاتھ کو دیکھ رہا ہوں اور اس اشارہ پر ختم کرتا ہوں انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ واعلم من اللہ ما لا تعلمون۔

اب چونکہ یہ شخص اس درجہ پر میرا دشمن معلوم ہوتا ہے جیسا کہ عمر بن ہشام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور جان کا دشمن تھا۔ اس لئے میں اپنی تمام جماعت کو متنبہ کرتا ہوں کہ اس سے بکلی قطع تعلق کرلیں اس کے ساتھ ہرگز واسطہ نہ رکھیں ورنہ ایسا شخص ہرگز میری جماعت میں سے نہیں ہوگا

ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق و انت خیر الفاتحین۔ آمین ثم آمین۔

المشتہر

خاکسار میرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی معہود از قادیان ضلع گورداسپور

باہتمام چودھری اللہداد صاحب مطبع میگزین قادیان میں منیجر میگزین کے لئے چھاپا گیا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✤ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ | بابت ماہ جون سنہ ۱۹۰۶ء | نمبر ۶

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور ۲۰ جون سنہ ۱۹۰۶ء کو مینیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عہ ۔

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۴ مئی ۱۹۰۶ء۔ ھل اتٰک حدیث الزلزلۃ۔ اذا زلزلت الارض زلزالھا۔ واخرجت الارض اثقالھا۔ وقال الانسان مالھا۔ یومئذٍ تحدث اخبارھا بان ربک اوحٰی لھا۔ ترجمہ۔ کیا تجھے زلزلہ کی خبر پہنچی نہیں کہ کس طرح واقع ہوگا۔ زمین ایک سخت دھکا دی جائے گی اور زمین جو کچھ اس کے اندر ہے۔ باہر پھینک دے گی یعنی اکثر جگہ ایسا ہوگا۔ تب انسان کہے گا کہ آج زمین کو کیا ہو گیا۔ وہ مقرر طریقوں سے باہر چلی گئی ہے۔ (یعنی انسانوں پر حیرت طاری ہوجائے گی کہ انکے علوم اور تجارب کی حد سے باہر ظہور میں آئیگا۔ اس دن زمین اپنا قصہ بیان کریگی۔ کہ اس پر کیا آفت آئی۔ کیونکہ خدا اپنے رسول کو اس کے مافی الضمیر کا ترجمان بنائیگا اور اس رسول کو وحی کریگا کہ کس باعث سے یہ غیر معمولی آفت ظہور میں آئی۔ اور پھر خدا تعالیٰ مجھے فرماتا ہے کہ یہ سب نشان تیرے لئے زمین پر ظاہر کئے جائیں گے تا زمین کے لوگ تجھے شناخت کرلیں۔ ۱۸ مئی ۱۹۰۶ء۔ (۱) رؤیا میں دیکھا کہ کوئی شخص طاعون کے متعلق کہتا ہے۔ اب تک پیچھا نہیں چھوڑتی۔ (۲) زندگی کے آثار۔ اس وحی الٰہی کے تھوڑی دیر بعد سیٹھ عبد الرحمٰن صاحب کا مدراس سے تار آیا جس میں سیٹھ صاحب کی بیماری سے افاقہ کی خبر تھی۔ فرمایا۔ پہلے خدا کا تار پہنچا۔ اور پیچھے بندوں کا۔ اس الہامی خبر سے صرف یہ سمجھا گیا کہ جس مضمون کا تار روانہ کیا گیا تھا اس مضمون سے خدا نے اطلاع دیدی۔ ۲۰ مئی ۱۹۰۶ء (۱) انی مع الافواج اٰتیک بغتۃً۔ ترجمہ۔ میں فوجوں کے ساتھ تیرے پاس اچانک آؤنگا۔ (۲) اریک زلزلۃ الساعۃ انی احافظ کل من فی الدار۔ ترجمہ۔ میں تجھے وہ زلزلہ دکھاؤں گا۔ جو قیامت کا نمونہ ہوگا۔ میں ان سب کی حفاظت کرونگا جو اس گھر میں رہتے ہیں۔ ۲۲ مئی ۱۹۰۶ء ترد علیک انوار الشباب۔ سیاتی علیک زمن الشباب۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علٰی عبدنا فاتوا بشفاءٍ من مثلہ۔ رُدّ علیھا روحھا وریحانھا۔ یعنی تیری طرف نو جوانی کے یعنی قوتیں جوانی کی رد کی جائیں گی اور تیرے پر زمانہ جوانی کا آئیگا یعنی جوانی کی قوتیں دیجائیں گی تا خدمت دین میں حرج نہ ہو۔ اور اگر تم اے لوگو! ہمارے اس نشان سے شک میں ہو تو اس کی نظیر پیش کرو۔ اور تیری بیوی کی طرف بھی صحت اور تازگی رد کی جائے گی۔ فقط۔ ان الہامات کا باعث یہ ہے کہ عرصہ تین چار ماہ سے میری طبیعت نہایت ضعیف ہوگئی ہے بجز دو وقت ظہر اور عصر کے نماز کے لئے بھی نہیں جا سکتا۔ اور اکثر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہوں اور اگر ایک سطر بھی کچھ لکھوں یا فکر کروں تو خطرناک دوران سر شروع ہو جاتا ہے اور دل ڈوبنے لگتا ہے۔ جسم بالکل بیکار ہو رہا ہے اور جسمانی قویٰ ایسے مضمحل ہوگئے ہیں۔ کہ خطرناک حالت ہے۔ گویا مسلوب القویٰ ہوں اور آخری وقت ہے۔ اور ایسا ہی میری بیوی ام المرضیٰ ہے امراض رحم و جگر دامنگیر ہیں۔ پس مینے دعا کی تھی کہ خدا تعالیٰ وہ مجھے پہلی قوت جوانی کے عالم کی عطا کرے تا میں کچھ خدمت دین کر سکوں اور اپنی بیوی کی صحت کے لئے بھی دعا کی تھی۔ اس دعا پر یہ الہام ہوئے ہیں جو اوپر ذکر کئے گئے۔ خدا تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عیسائی مذہب میں ریوائول یا نئی زندگی

آج کل عیسائیوں میں ریوائول* یعنی ایک نئے نفخ روح کا بہت چرچا ہے۔ کسی عیسائی اخبار کو اٹھا کر دیکھو تو اس کے کالموں کے کالم مجالس ریوائول کے ذکر سے بھرے ہوئے پاؤ گے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جب سے پنتیکست کے دن حواریوں پر روح القدس کا نزول بڑی آندھی کی آواز کے ساتھ اور آگ کی زبانوں کے ذریعہ ہوا تھا اس وقت سے آج تک ایسا عظیم الشان نزول روح کا کسی زمانہ میں نہیں ہوا۔ ان مجالس میں جو ریوائول کی غرض سے منعقد کیجاتی ہیں بڑی خوبی یہ بیان کی جاتی ہے کہ لوگ کبھی روتے اور کبھی قہقہے لگا کر ہنستے ہیں اور اکٹھے بلند آوازوں سے گیت گاتے ہیں اور دردناک اضطراب سے دعائیں کرتے ہیں۔ بیخودی کی حالت میں چلے جاتے ہیں۔ کانپتے ہیں۔ ناچتے ہیں۔ چیختے ہیں چلاتے ہیں اور اور ایسی ہی دیوانگی کی حرکات کرتے ہیں جس کی وجہ نزول روح القدس بیان کی جاتی ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک تو یہ مسیحؑ کی آمد ثانی کی علامات ہیں گویا کلیسیا مسیح کی آؤ بھگت کے لئے تیاری کر رہی ہے۔ اور بعض کے نزدیک مسیح کی آمد ثانی سے مراد یہی کلیسیا کی ریوائول یا تازہ زندگی ہے اور وہ وعدہ اسی طرح روح القدس کے نازل ہونے سے پورا ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس ریوائول کو عیسائی مذہب کی صداقت پر بڑی بھاری دلیل سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ ایک قوت قدسی عمل کر رہی ہے اور بہت سے گنہگار اپنے گناہوں کا اقرار کرکے معافی پاتے جاتے ہیں۔ ان دعاوی کی وجہ سے یہ ضروری معلوم ہوا کہ عیسائی مذہب میں اس نئی تحریک کے متعلق ناظرین کو کسیقدر تفصیلی علم دیا جاوے اور اس کی اصل حقیقت کو کھول کر بیان کیا جاوے۔

دو امور ہیں جن سے ریوائول کی اصل حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اوّل یہ کہ کس قسم کے لوگ ان مجالس میں عموماً شامل ہوتے ہیں اور دوسرا یہ کہ کونسی طرز اختیار کی گئی ہے۔ ان دونوں امور کے متعلق میں صرف عیسائیوں کی اپنی تحریروں سے جو ریوائول کی تعریفوں سے پر ہیں چند اقتباس پیش کرکے استدلال کروں گا۔ امر اوّل کے متعلق کہ کس قسم کے لوگ عموماً ان مجالس میں شامل ہوتے ہیں مفصلہ ذیل نوٹ جو اخبار کرسچین پیٹریٹ مدراس میں ایک

---

* ریوائول جس کے لفظی معنے تجدید یا ازسرنو زندہ کرنیکے ہیں۔ عیسائیوں نے ایک خاص اصطلاح کے رنگ میں استعمال کیا ہے۔ منہ

مجلس ریوائول کے ذکر میں ہے کافی روشنی ڈالنے والا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ "روح سے بھری ہوئی لڑکیاں نہ اس غم کو ضبط کر سکتی ہیں جو گناہ کے لئے ان کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور نہ اس خوشی کو ضبط کر سکتی ہیں جو نجات کے سبب سے ان کے دل محسوس کرتے ہیں وہ بلند آواز سے روتی ہیں پھر زور سے ہنستی ہیں۔ کبھی ان پر لرزہ آجاتا ہے کبھی کانپنے لگ جاتی ہیں اور بعض خوشی کے ساتھ ناچتی ہیں"۔ اس کیفیت کو پڑھکر ہر ایک انسان کے دل میں جو غور اور فکر سے کام لے گا یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ مسیحیت کے پُرجوش حامی اپنے اس نئے جوش میں ہسٹیریا اور مرگی کے ابتدائی معمولی عوارض کو روح القدس کے نزول سے تعبیر کر رہے ہیں۔ اسی قسم کی غلطی انجیل نویسوں نے حضرت مسیحؑ اور آپ کے حواریوں کی طرف بھی منسوب کی ہے یعنی یہ کہ جس شخص کو صرع کا دورہ ہو اس کی نسبت انکا خیال تھا کہ بھوت اس میں داخل ہو گئے ہیں۔ جب ہم مجالس ریوائول کے حالات کو اور بھی غور سے پڑھتے ہیں تو یہ شبہ اور بھی قوی ہو جاتا ہے کیونکہ جہاں کہیں ریوائول کی کامیابی ہوئی ہے وہ لڑکوں لڑکیوں اور عورتوں کے ان حرکات سے ہی ہوئی ہے چنانچہ چند حوالے جو مذکورہ بالا اخبار سے ہی لئے گئے ہیں اس کو تمام تر صفائی سے ثابت کرتے ہیں "دیکھنے والوں کی یہ رائے تھی کہ بالخصوص مدرسہ کی لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد پر واقعی روح القدس کا نزول ہوا تھا"۔ "مدرسہ کا روزانہ کام جو جماعت میں کیا جاتا تھا اس کو چھوڑ دیا گیا اور ۷۵ لڑکیوں میں سے قریباً ہر ایک لڑکی نے جو بلوغت کی عمر کو پہنچ چکی ہے نئے طور پر مذہب میں داخل ہونے کا اقرار کیا۔ امریکن میتھوڈسٹ انسٹیٹیوشن میں بہت سے لڑکے عیسائی ہو چکے ہیں اور اب دوسروں کے لئے کام کر رہے ہیں"۔ "بعض نئے گیت گائے گئے اور ان کا نام آسمانی گیت یا فرشتوں کا گیت رکھا گیا کیونکہ اول انکو بعض لڑکیوں نے گایا تھا جو بیخودی کی حالت میں تھیں"۔ "وہ نوجوان لڑکی جس کو خدا نے ایسے حیرتناک طریق سے استعمال کیا ہے وہ بھی وہاں موجود تھی"۔ "ہمارے بہت سے لڑکے جن پر ریوائول میں برکت نازل ہوئی تھی وہ اب تک قائم ہیں۔ بعض پہلی حالت کی طرف رجوع کر گئے ہیں ان کے لئے دعا کرو۔ جسقدر وعظ یتیم لڑکے اب کرتے ہیں اس قدر پہلے انہوں نے کبھی نہیں کیا۔ یہ وعظ صرف ان لوگوں کو ہی نہیں کیا جاتا جو گروہ در گروہ بعض وقت ڈیڑھ ڈیڑھ سو کی تعداد تک قحط سے مجبور ہو کر مشنوں سے مدد مانگنے آتے ہیں۔ اور جن کو مشنوں کے یتیم لڑکے پُرجوش الفاظ میں خدا کی محبت کی کہانی سناتے ہیں"۔ "میں یہ چند سطریں مکتی کے مقام سے لکھ رہی ہوں جہاں لڑکیوں اور عورتوں کو میں وعظ کر رہی ہوں۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ لڑکیاں اور عورتیں ابھی حالت کفر سے عیسائی مذہب میں داخل ہوئی ہیں اور ان کی پہلی حالت اکثر صورتوں میں ایک نہایت ذلت کی حالت تھی"۔ "ہم خدا کا شکر کر رہے ہیں کہ چینگلپٹ اور اس کے گرد و نواح میں ایک نئی روح کام کر رہی ہے خصوصاً بورڈنگ سکول کے لڑکوں اور لڑکیوں میں"۔

اب ان حوالجات سے معلوم ہوگا کہ روح القدس کی خاص نظر عنایت لڑکوں اور لڑکیوں پر ہی ہے اور جسقدر زور و شور سے روح القدس اپنا کام مدرسے کے نوجوان لڑکوں اور کمزور دل لڑکیوں میں کر رہی ہے اس کی نظیر عیسائیوں میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ تعجب ہے کہ عیسائی صاحبان لڑکوں اور لڑکیوں کے رونے چلانے پر یا انکے گناہوں کے اقرار کرنے پر اسقدر نازاں ہو رہے ہیں۔ حالانکہ نہ انکا رونا ہی قابل اعتبار ہے اور نہ ہنسنا ہی۔ چند لڑکوں اور لڑکیوں کے رونے اور ہنسنے کو روح القدس کے نزول سے تعبیر کرنا عجیب احمقانہ خیال ہے۔ روح القدس ہوا بچوں کا کھیل ہوا۔ بہرحال ان حوالجات سے یہ ظاہر ہے کہ ریوائول کی مجالس میں وہی لوگ زیادہ اثر بیرونی تحریکات کا قبول کرتے ہیں جو دلوں کے کمزور ہیں اور جن کی دماغی حالت اس قابل نہیں کہ وہ کسی بیرونی تحریک کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ صورت نہ صرف ہندوستان میں ہی ہے بلکہ باہر بھی جہاں جہاں ریوائول کا تذکرہ پایا جاتا ہے وہاں صرف وہی لوگ ان مجالس میں زیادہ اثر قبول کرتے ہیں جن کے دل اور دماغ بچپن کی وجہ سے کمزور ہیں یا کسی عارضہ کی وجہ سے کمزور ہو گئے ہیں چنانچہ ڈاکٹر ٹاری نے جو امریکہ کا مشہور ریوائول لیڈر ہے خود ایک وعظ کے اثنا میں فلاڈلفیا میں یہ بیان کیا۔ کہ دنیا میں سب سے زیادہ سخت لوگ ریوائول کا اثر قبول کرنیکے لئے وہ لوگ ہیں جو تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں۔ شرابخور آدمی اور زناکار عورت آسانی سے اثر قبول کر لیتے ہیں مگر کالجوں کے گریجوایٹوں اور مذہبی طالب علموں پر اثر ڈالنا بہت مشکل ہے۔ اب ظاہر ہے کہ شرابخوری اور زناکاری سے دل اور دماغ بالکل کمزور جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مجالس ریوائول کا اثر ان لوگوں پر آسانی سے ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی بے اعتدالیوں سے خود اپنے دلوں اور دماغوں کو اسقدر کمزور بنا چکے ہیں کہ وہ ہر قسم کا اثر آسانی سے قبول کر سکتے ہیں۔ پس مجالس ریوائول میں جب کوئی آدمی رونے لگتا ہے تو ان کو بھی رونا آجاتا ہے کوئی ہنسنے لگتا ہے تو وہ بھی ہنس پڑتے ہیں۔ کوئی ناچنے لگتا ہے تو وہ بھی ناچنے لگ جاتے ہیں۔ مگر تعلیم یافتہ انسان جو ہر ایک امر کی حقیقت پر غور کرنے کے قابل ہوتے ہیں وہ کسی طرح ایسی بیہودہ حرکات سے اثر پذیر نہیں ہو سکتے ایسا ہی ویلز میں محققین غور سے تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ زیادہ تعداد مجالس ریوائول میں ان لوگوں کی ہوتی ہے جو کمزور دل ہوتے ہیں یا وہ دھوکا باز لوگ بہت ہوتے ہیں جو ظاہر میں اپنے آپ کو نیک اور متقی دکھاتے ہیں اور انکے دلوں میں ریوائول کی ذرہ بھر بھی عظمت نہیں ہوتی۔ اور ان لوگوں کی تعداد جو واقعی ریوائول کی سچائی پر یقین رکھتے ہوں بہت ہی تھوڑی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک امر واقع ہے کہ مجالس ریوائول میں شریک ہونیوالوں میں نسبتاً زیادہ لوگ پاگل ہوتے ہیں جس سے اسی نتیجہ کی تائید ہوتی ہے کہ دماغی حالتیں ان لوگوں کی عموماً اچھی نہیں ہوتیں۔

دوسرا امر غور طلب جس سے ریوائول کی حقیقت کا پتہ لگتا ہے۔ یہ ہے کہ مجالس ریوائول کسطرح پر ہوتی ہو

اور ان میں کیا کیا کارروائیاں ہوتی ہیں۔ اس امر پر غور کرنے سے ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں جو اوپر بیان ہوا مجالس ریوائول میں جو جوش اور اضطراب پایا جاتا ہے وہ عموماً دیوانگی کی حالت تک پہنچا ہوا ہوتا ہے ایک شخص بڑے زور سے رونا شروع کرتا ہے دوسرے لوگ اس کے رونے سے اثر پذیر ہو کر اس کے ساتھ مل جاتے ہیں اور مجلس میں تعزیہ داری کی مجالس کی طرح گریہ وبکا کی آواز بلند ہو جاتی ہے۔ یکایک یہ حالت بدل جاتی ہے اور ایک شخص دیوانہ وار ہنسنا شروع کر دیتا ہے اور دوسرے لوگ بھی مل جاتے ہیں اور نجات کی وہمی خوشی میں ساری مجلس میں قہقہے لگنے شروع ہوتے ہیں۔ پھر ایک شخص یکایک کانپنے لگ جاتا ہے اور دوسرے یہ خیال کرکے کہ اس پر روح القدس نازل ہو گئی ہے اس کی نقل کرنا شروع کر دیتے ہیں تا کہ وہ روح القدس کے نزول سے خالی نہ رہ جاویں۔ پھر نظارہ بدل جاتا ہے اور سب لوگ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی دیوانہ وار ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔ جب ناچ کر تھک جاتے ہیں تو پھر گانا شروع کر دیتے ہیں یا دعا کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور جب یہ سب کچھ کر چکتے ہیں تو سب اسباب کو فرض کرکے کہ انکے گناہ یسوع مسیح لے گیا ہے اطمینان سے بیٹھ جاتے ہیں۔ اخبار کرسچین پیٹریٹ کے مندرجہ ذیل ریمارکوں سے ان سب باتوں کی شہادت ملتی ہے۔

روح سے بھری ہوئی لڑکیاں نہ اپنے گناہوں کے لئے جو غم ہوتا ہے اسے اور نہ جو نجات کے لئے خوشی ہوتی ہے اسے ضبط میں رکھ سکتی ہیں وہ پہلے زور سے چلانا شروع کرتی ہیں پھر بلند آواز سے ہنسنے لگ جاتی ہیں کبھی کانپنے لگ جاتی ہیں۔ بعض خوشی سے ناچنا شروع کر دیتی ہیں اور قریباً سب کی سب بلند آوازوں سے اکٹھی ہو کر دعائیں مانگتی ہیں۔" میرانگ کے جلسہ ریوائول کے متعلق جسے سب سے بڑا جلسہ کہا جاتا ہے اور جہاں روح القدس کا نزول نہایت زبردست بیان کیا جاتا ہے یہ لکھا ہے کہ بہت آدمی حاضرین کے درمیان کھڑے ہو کر کئی کئی گھنٹوں تک ناچتے رہے۔ ایک دوسرے جلسے کے متعلق لکھا ہے کہ "دس دن کے کامل انتظار کے بعد روح گذشتہ منگل کو یقیناً نازل ہوئی۔ مجلس کی خصوصیت یہ تھی کہ خوشی اور مدح کے گیت گائے جاتے تھے۔ اور صرف یسوع کا ہی ذکر ہوتا تھا۔ جو لڑکے ہمیشہ سے چپ چاپ اور خاموش رہنے والے تھے۔ انہوں نے بھی گانا اور ناچنا شروع کر دیا اور سب سے خشک انکی ہی حالت تھی۔" آسام کے ریوائول کے متعلق پادری جونز لکھتا ہے "میں خیال کرتا ہوں کہ یہ ایک نہایت ہی عجیب جلسہ ہے اور اس طرح کا دوسرا جلسہ ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا۔ میں ڈرتا ہوں کہ یہاں کوئی باقاعدہ عبادت نہ ہوگی یہ بالکل ناممکن ہے۔ لوگ سوائے اس کے کچھ نہیں کرتے کہ گاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں اور ناچتے چلے جاتے ہیں۔ بہت لوگ بالکل بیخودی کی حالت میں ہو جاتے ہیں اور کانپنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور انکی حالت ایسی ہوتی ہے کہ آدمی انکو دیکھ بھی نہیں سکتا۔ اس وقت لوگ ایک مذہبی جوش (دیوانگی) کی حالت میں ہیں اور کوئی آدمی انسے ایک لفظ بھی بول نہیں سکتا۔ ایک یا دو سفید پادریوں کی بھی یہی حالت ہو رہی ہے"

خاصیت کے جلسہ ریوائول کا ذکر پھر ان الفاظ میں کیا ہے۔ "انکے گانے کو سنو یہ صرف دو یا تین فقروں کا ایک راگ ہے۔ مگر قریباً ایک گھنٹہ میں ختم ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ایک ہی سطر سیکڑوں دفعہ پڑھی جاتی ہے اور سب کے سب لوگ اس خوشی کے راگ میں از خود رفتہ ہو جاتے ہیں۔ ایک راگ نے جو ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے کہ "صرف یسوع ہی میری تمام حاجتوں کو پورا کر سکتا ہے" بعض لوگوں کو خوشی کے مارے دیوانہ بنا دیا۔ بہت سے عیسائی پہلے پہل انکے ناچنے کو دیکھ کر سخت حیران ہوتے ہیں بلکہ انکی ان حرکات کا نام ناچنا کہنے میں بھی تامل ہے۔ وہ اپنے جسموں اور ہاتھوں اور پیروں کو عجیب طرح سے ادھر اُدھر ہلاتے ہیں۔ مگر انکی ان حرکات میں ایک چیز عجیب دلکش ہے۔ سیکڑوں لوگ بالکل بیخود ہو جاتے ہیں۔ اور انکو کانپتے اور ہلتے ہوئے دیکھنا ایک نہایت ہی دردناک نظارہ ہے مگر وہ اس بات کو محسوس نہیں کرتے۔ اس کانپنے اور بیخودی کی کوئی وجہ مَیں نہیں بتا سکتا مگر میرا یقین ہے کہ روح اسقدر طاقت سے ان پر نازل ہوتی ہے کہ انکے کمزور جسم اس کی برداشت نہیں کر سکتے"

ان واقعات کو پڑھکر کوئی شخص مجالس ریوائول میں شریک ہونیوالوں کی دیوانگی پر شبہ نہیں کر سکتا۔ مگر مجھے تو یہ بھی شبہ ہے کہ جو لوگ ان دیوانگی کی حرکات کو روح القدس کا نزول بتلاتے ہیں وہ خود بھی انہیں کے ساتھی ہیں۔ یہ پہلے دکھایا جا چکا ہے کہ وہی لوگ ان مجالس میں زیادہ اثر قبول کرتے ہیں جو دلوں کے کمزور ہیں یا جن کی دماغی حالتیں اچھی نہیں ہیں۔ پادری جونز صاحب کہتے ہیں کہ انکے کمزور جسم روح القدس کے طاقتور نزول کی برداشت نہیں کر سکتے مگر اصل بات یہ ہے کہ انکے کمزور دل اور دماغ ان تحریکات کی برداشت نہیں کر سکتے جو ایسے موقعوں پر ہوتی ہیں۔ اور بے بس ہو کر وہ ایسی حرکات دیوانگی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ روح القدس کوئی بچوں کا کھیل ہے جو اسے سوائے چند نادان لڑکوں اور لڑکیوں یا چند کمزور دل کے آدمیوں اور عورتوں کے پاس آنے کے اور کوئی شغل ہی نہیں۔ اور پھر اس نزول کا اظہار ان لغو حرکات یعنی رونا ہنسنا ناچنا کانپنا دیوانہ وار بکواس کرنا وغیرہ امور میں فرض کرنا اور بھی حماقت ہے۔ یہ دیوانگی کے نظارے صرف مجالس ریوائول سے ہی مخصوص نہیں بلکہ جہاں کہیں اس قسم کے لوگوں کا اجتماع ہوگا وہاں ہی ایسے نظارے بھی ہونگے۔

ہاں یہ سوال بیشک پیدا ہوتا ہے کہ یہ تحریک ریوائول کی اس قدر دور دراز کے ملکوں میں ایک ہی وقت میں کیونکر پھیل گئی اسکی وجہ صرف نقل ہے۔ جسطرح ایک ہی مجلس میں ایک آدمی سے دوسروں کو یہ مرض لگ جاتی ہے اسی طرح ایک جگہ کی مجلس کا ذکر پڑھکر دوسرے مقاموں میں اسکی تحریک شروع ہو جاتی ہے۔ مثلاً جب ایک مجلس میں ایک آدمی کھڑا ہوتا ہے اور جن سیاہ کاریوں کا ارتکاب کیا ہوا ہوتا ہے انکا خیال دل پر غالب آکر اس کا دل اختیار سے باہر ہو جاتا ہے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے۔ تو دوسرے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پر روح القدس کا نزول ہوگیا ہے پس وہ روح القدس سے خالی رہنا نہیں چاہتے اور انکے کمزور دل بھی دوسرے

شخص کے رونے اور چلانے سے موثر ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی اس کی وہ بھی اس کی نقل کرنا شروع کرتے ہیں۔
اور یہ مرض سب میں پھیلنے لگ جاتی ہے۔ اس مجلس کی رپورٹ تمام عیسائی اخباروں میں شائع ہوتی ہے اور
اس کے واقعات کو عجیب عجیب رنگ دیکر بیان کیا جاتا ہے۔ کیونکہ روحانیت اس مذہب میں اسقدر مردہ ہو چکی ہے
کہ اب ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہے والی مثال پر عمل کر کے ہر ایک بات سے عیسائی مذہب کی روحانیت نکالی
جاتی ہے۔ پس جب اس مجلس کی کارروائی اخباروں میں شہرت پاتی ہے تو اور لوگوں کے دلوں میں بھی یہ
دلولہ اُٹھتا ہے کہ وہ بھی اس نیک نامی اور شہرت کو حاصل کریں نقل کرنیکی عادت تو انسانی فطرت میں
ہے ہی۔ مگر اس سے بڑھکر نیک بنکر شہرت حاصل کرنیکی خواہش ہے۔ یہ دونوں باتیں ملکر اس امر کی محرک ہوتی
ہیں کہ اس قسم کی مجالس جن کو روح القدس کے نزول کا فخر حاصل ہوا ہے دوسری جگہ بھی منعقد کی جاویں
چنانچہ پہلے اس قسم کی تحریک کیجاتی ہے کہ فلاں جگہ ریوائول مجلس ہوئی اور اس طرح کی حرکات لوگوں نے کیں اور
کہ یہ روح القدس کا نزول تھا پس جب سننے والوں کے دلوں میں اشتیاق پیدا ہوتا ہے تو ایسی طبیعتیں
جو زیادہ اثر پذیر ہونیکے قابل ہوتی ہیں ریوائول مجلس کا نقشہ دوسری جگہ قائم کر دیتی ہیں۔ اور ایک متعدی
مرض کی طرح ریوائول کی مرض شہر بہ شہر اور ملک بہ ملک پھیلتی چلی جاتی ہے۔ جبتک عیسائی صاحبان ان
ریوائول مجالس کی تعریف کر کے انکو آسمان پر چڑھاتے رہیں گے اور حرکات دیوانگی کو روح القدس کے
نزول کا سبب بتاویں گے ضرور ہے کہ ہر جگہ لوگوں کے دلوں میں یہ خواہش روح القدس کیجائے نزول بننے
کی ترقی کرتی جاوے۔ لیکن اگر پادری صاحبان آج تھوڑی سی اخلاقی جرأت کو کام میں لا کر یہ اعلان کر دیں
کہ مجالس ریوائول محض لغو اور بیہودہ ہیں اور ان میں جو حرکات کی جاتی ہیں وہ حرکات دیوانگی سے بڑھکر
کوئی وقعت نہیں رکھتیں تو بہت تھوڑے دنوں میں یہ خیالی نزول روح القدس کا بند ہو کر مرض ریوائول
کی بیخکنی ہو جاوے گی۔ اور وہ کمزور دل لوگ جو اب چیخنے ناچنے اور کانپنے میں اپنا وقت ضایع کرتے ہیں
کسی اور مفید کام میں لگ جاویں گے۔

یہ واقعات جنکا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ خود عیسائی اخباروں کے ریوائول نوٹس میں سے لئے گئے ہیں۔ چنانچہ
اخبار کرسچین پیٹریٹ مدراس ۱۰ فروری سنہ ۱۹۰۶ء کے پرچہ میں ریوائول لیڈروں کو ہدایات دیتا ہوا لکھتا ہے
"ریوائول کی خبریں ہندوستان کے اکثر عیسائی ہفتہ وار اخبارات میں ہوتی ہیں اور ریوائول کے خارجی نقشے
نئے نئے رنگ دیکر کھینچے جاتے ہیں۔ پس عیسائی کارندوں کے سامنے یہ خطرہ ہے کہ ان خارجی علامات کو روح القدس
کے نزول کی لازمی علامات سمجھ کر وہ اپنے لوگوں کو مجبور کریں گے یا ان کو ترغیب دیں گے کہ وہ بھی وہی ظاہری
حالات اختیار کریں۔ یہ بھی اکثر ہوتا ہے کہ لوگوں کو جب اطلاع ملتی ہے کہ دوسرے مقامات پر ریوائول کے

فلاں فلاں خارجی لوازمات ہیں۔ تو وہ بھی اپنے آپ کو انہیں باتوں کے اختیار کرنیکے لئے مجبور کرتے ہیں"۔ یہ بھی اس اخبار میں بیان کیا گیا ہے کہ اول اول ریوائول کسطرح ہوتا ہے اور اس کی تحریک کیا ہوتی ہے۔ اسٹریلیا کے ریوائول کا ذکر کرتے ہوئے ایک شخص اخبار مذکور کو لکھتا ہے۔ "اب تم یہ پوچھوگے کہ یہاں ریوائول کی ابتدا کسطرح ہوئی ہم نے مس ٹی کے بائبل کلاس ممبروں کو یہاں مدعو کیا۔ چاے کے بعد راگ گائے گئے اور دعائیں کی گئیں اور ویلز کے ریوائول پر لیکچر دیئے گئے۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد انسانی کوششوں سے بالکل الگ جب ہم دعائیں کر رہے تھے روح القدس طاقت میں نازل ہوا۔ اور جب ہم نے سات آدمیوں یعنی دو مردوں اور پانچ لڑکیوں کو نجات کیلئے چلاتے ہوئے سنا تو سب لوگ حیران رہ گئے۔ مسیح انکے دلوں کے اندر داخل ہوگیا۔ اس وقت سے لے کر ہر ہفتہ میں انہیں امور کا اعادہ ہوتا ہے۔"

ریوائول کے لیڈر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو حرکات مجالس ریوائول میں ظاہر ہوتی ہیں وہ محض جسمانی نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ بعض لوگ گھنٹوں تک لرزہ کی اس حالت میں رہ کر جب ہوش میں آتے ہیں تو وہ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ یہ ہے پادری صاحبان کے پاس دلیل کہ واقعی جو حرکات ایسے موقع پر سرزد ہوتی ہیں وہ روح القدس کے نزول سے ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی صاحبان کو نہ یہ معلوم ہے کہ روحانی حالت کس حالت کا نام ہے اور نہ ہی ان کو روح القدس کے نزول کی کیفیت کا کچھ پتہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہی حرکات جو دوسرے بعض جاہل فرقوں کے اندر پائی جاتی ہیں انہی کی نقل ریوائول کی مجلسوں میں بھی ہوتی ہے۔ مثلاً عیسائیوں کا ایک فرقہ "پنٹیکسٹ کے ناچنے والے" کہلاتے ہیں۔ انکے ایک جلسہ کا حال ایک ایسا شخص لکھتا ہے جس نے بچشم خود ان حالات کو دیکھا ہے۔ یہ حال اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ میں حال میں ہی شائع ہوا ہے۔ راقم مضمون لکھتا ہے۔ "عبادت بھجنوں کے گانے سے شروع ہوئی۔ عورتیں ایک عجیب لہجہ میں گاتی تھیں مگر جس شخص نے مکتی فوج کے کسی جلسہ کو دیکھا ہوگا اسے انکے گانے میں کوئی نئی بات معلوم نہ ہوتی تھی۔ پہلا عجوبہ یہ تھا کہ کمرے کے پچھلے حصہ سے ایک چیخ آئی۔ "آہ! میں بہشت میں ہوں" اور ایک بیمار کمزور لڑکی جس کو بعد میں مینے دیکھا کہ اندھی بھی تھی۔ کرسیوں کے درمیان میں سے ہوتی ہوئی ایک ناشائستہ حرکت کے ساتھ سامنے آموجود ہوئی۔ بھجن گائے جاتے تھے اور ان میں کبھی کبھی کسی کی چیخ کی آواز آتی تھی۔ اتنے میں ایک لڑکی چلائی۔ "آہ میں بہت خوش ہوں" اور کھلی جگہ میں آگے پیچھے پھرنے لگی اور اپنے ہاتھوں کو راگ کے سُر کے مطابق پھیلاتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں کل کی کل عورتیں جو اگلی قطار میں تھیں ناچنے لگیں۔ جن میں سے ایک دو کسیقدر شرمیلاپن کے ساتھ ناچتی تھیں مگر سب کی سب پر ایک عجیب خوشی کی حالت طاری تھی۔ کبھی اوپر کو اچھلتی تھیں کبھی آگے بڑھتی تھیں کبھی پیچھے ہٹتی تھیں

اور کبھی چکر کھاتی تھیں۔“

اب اگر اس فرقہ کا نام ظاہر نہ کیا جائے تو ہر ایک شخص جس نے ریوائول کی مجالس کا کوئی ذکر پڑھا ہوگا اس ساری کیفیت کو کسی مجلس ریوائول کا ذکر ہی سمجھے گا۔ مگر کیا پادری صاحبان اس ناچنے اور گانے کو بھی روح القدس کی طرف ہی منسوب کریں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ ان لوگوں کو جاہل اور وحشی اور دیوانہ کا خطاب دیں گے۔ لیکن جب انہی باتوں کا اعادہ ریوائول کی مجالس میں ہوتا ہے تو ان کو روح القدس کے زبردست نزول کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسے مجالس ریوائول میں لڑکے اور لڑکیاں خوشی کے نعرے بلند کرتے ہیں کہ ہم بچائے گئے اور نجات پاگئے ایسا ہی یہاں ہوتا ہے۔ اسی طرح چیخیں ماری جاتی ہیں۔ وہی دیوانگی کی حرکات ہوتی ہیں وہی دیوانہ وار ناچنا اور اس کے ساتھ گانا اور دعا کرنا۔ عیسائیوں سے ہی یہ امر مخصوص نہیں بلکہ دیگر مذاہب کے جاہل فرقوں میں بھی ایسے ہی حالات مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔ مثلاً نوشاہی فرقہ قادریہ کی ایک شاخ ہے۔ جو عموماً سال میں ایک دفعہ یا اس سے زیادہ اپنی مجالس قائم کرتے ہیں۔ ان مجلسوں میں قوال لوگ راگ گاتے ہیں۔ جن سے موثر ہوکر بہت لوگ بیخود ہوجاتے ہیں۔ پھر اس بیخودی کی حالت میں یکمرتبہ چیخ کر اسی قسم کی حرکات شروع کرتے ہیں جیسے مجالس ریوائول میں ہوتی ہیں۔ تب ان کو پکڑ کر پاؤں سے رسّا باندھ کر کسی درخت پر سر نیچے کرکے لٹکا دیا جاتا ہے۔ اور وہاں وہ دیر تک خوب زور سے جھولتے رہتے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد انکی بیخودی دور ہوجاتی ہے تو ان کو اتار لیا جاتا ہے۔ اور وہ ویسے کے ویسے ہی ہوتے ہیں۔ ایسا ہی اور کئی جاہل فرقوں کا حال ہے۔ اور ان میں بھی اس کے مشابہ حالات پائے جاتے ہیں۔ پس ان بیہودگیوں کو روح القدس کی طرف منسوب کرنے سے بڑھکر اور کیا بیہودگی ہو سکتی ہے۔ نہ ہی ان سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسائی مذہب کو ایک تازہ زندگی مل رہی ہے یا اس میں کوئی نئی روح پھونکی گئی ہے۔ ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ جہالت کی نئی روح کا نفخ ہوتا جاتا ہے۔ بلکہ اگر ان مجالس میں کوئی بھی حرکت دیوانگی کی ظاہر نہ کیجاوے اور لوگ صرف گناہوں کا اقرار کریں اور دعائیں ہی مانگیں تو بھی یہ نہیں کہا جائیگا کہ یہ روح القدس کی تائید سے ہی سب کچھ ہو رہا ہے۔ جیسا کہ خود ایک عیسائی لکھتا ہے کہ ”تم شور بھی ڈلوا سکتے ہو گناہوں کا اقرار بھی کروا سکتے ہو۔ اکٹھی دعائیں بھی کروا سکتے ہو۔ مگر ان باتوں سے تم تجدید دین نہیں کرسکتے۔“

جائے غور ہے کہ اگر یسوع مسیح محض ایک انسان ہی ہے اور اس سے بڑھکر کچھ نہیں۔ تو چند نادان لڑکوں اور بیوقوف لڑکیوں کے اس گیت کو ہزار بار دُہرانے سے کہ ”یسوع ہی میری سب حاجتوں کو پورا کر سکتا ہے“، ایک انسان کا خدا نہیں بن سکتا۔ وہ چند احمق جو یکٹ کے گرد جمع ہو گئے ہیں۔ وہ ایسے ہی کامل یقین سے یکٹ کو خدا سمجھ رہے ہیں جیسے وہ تیس ۳۰ یا چالیس ۴۰ کروڑ انسان جو یسوع کو خدا بنا رہے ہیں۔

وہ پگٹ کے جلال کے گیت ایسی ہی خوشی سے گاتے ہیں جیسے یسوع کے تبع یسوع کے جلال کے گیت گاتے ہیں۔ بلکہ وہ انسے بھی بڑھکر خوش ہیں کیونکہ عیسائیوں کو تو اپنا فرضی خداوند نظر نہیں آتا مگر پگٹ کے مرید اپنے فرضی خدا کو اپنے سامنے موجود دیکھتے ہیں۔ پس اگر ہم مجالس ریوائول کی حرکات دیوانگی کو نظر انداز بھی کر دیں۔ حالانکہ وہی حرکات ان کی عظمت کا اصل سرچشمہ ہیں۔ تو بھی محض حمد کے گیت گانے یا دردناک دعاؤں کے کرنے سے عیسائی مذہب کی تصدیق کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ کیونکہ انکی اصل وجہ تو ایک وہمی ڈر ہے اور ایک موہوم امید کہ یسوع ہماری ساری بدکاریوں کو اکٹھا کر کے لے گیا۔ رونے یا خوش ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ ان باتوں کی بنیاد بھی صحیح واقعات پر ہو جو رلانے یا ہنسانیوالی ہیں۔ ایک بت پرست جب بت کی پوجا کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور اس کے سامنے جھکتا اور سجدہ کرتا ہے تو اس کا سوز و گداز عیسائیوں کے اس سوز و گداز سے کم نہیں ہوتا جس کا ظہور مجالس ریوائول میں ہوتا ہے۔ پس یہ سچ اور جھوٹ کے امتیازی نشان نہیں ہیں بلکہ ان ظاہری حالات میں سب لوگ قریباً قریباً مشابہ ہیں۔

عیسائی صاحبان روح القدس کو بچوں کا کھیل بنا رہے ہیں کہ چند جاہل اور دیوانہ لوگوں یا نادان لڑکوں اور لڑکیوں کے رونے اور چلانے کو اس کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ کیونکہ محض ایک آدمی کے اقرار گناہ سے یا گذشتہ گناہوں کے لئے زار زار رونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ واقعی اس کے اندر ایک پاک تبدیلی بھی ہو گئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو تبدیلی روح القدس کے ذریعہ ظہور میں آتی ہے۔ وہ مستقل ہوتی ہے اور ایک فوری جوش کا نتیجہ نہیں ہوتی حالانکہ مجالس ریوائول کی کل کارروائی ایک فوری جوش کی وجہ سے ہوتی ہے۔ روح القدس کا نزول اسوقت ہوتا ہے جب انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مستحکم اور مضبوط تعلق کے لئے پوری مستعدی پائی جائے حالانکہ محض رونے سے خدا کے ساتھ کوئی ایسا پاک تعلق نہیں ہو جاتا بلکہ ایک جھوٹے معبود کی عبادت کرتا ہوا بھی انسان رو پڑتا ہے۔ اور بعض لوگ تو جھوٹے قصوں کو پڑھ کر رو پڑتے ہیں۔ قرآن کریم نے تضرع کو انسان کی روحانی ترقی کا پہلا مرتبہ قرار دیا ہے اور صرف رونے کو قابل اعتبار نہیں ٹھہرایا جبتک کہ روحانیت کے دوسرے مراتب بھی انسان طے نہ کرلے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ .... وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ ۔ ان آیات میں اول مرتبہ مومن کی روحانی ترقی کا خشوع قرار دیا ہے۔ جو اسے یاد الٰہی میں میسر آئے۔ اب ایک طرف تو خشوع پہلا مرتبہ ہونے کے سبب سے بطور ایک تخم کے ہے جس کے اندر وہ تمام نقش وغیرہ مخفی طور پر رکھے گئے ہیں جو کامل روحانیت کے حاصل ہونے کے بعد کھلے طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ مگر دوسری طرف یہ امر بھی ظاہر ہے کہ اگر اس پہلے مرتبہ سے انسان ترقی نہ کرے تو وہ اس بیج کی طرح ہے جو ضائع ہو گیا۔ علاوہ ازیں یہ حالت

رونے اور خشوع کی جیسے پاک تعلق سے جو انسان کو خدا کے ساتھ حاصل ہو پیدا ہو سکتی ہے ویسے ہی اس ناپاک تعلق سے جو غیر اللہ کے ساتھ لوگ پیدا کرتے ہیں اس کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صورت اول میں یہ بیج نشو و نما کی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے اور پہلے مرتبہ کے بعد اگلے مراتب کے حصول کی استعداد رکھتا ہے مگر دوسری صورت میں یعنی جب یہ تعلق بوجہ غیر اللہ کے ساتھ ہونے کے ناپاکی کا رنگ اپنے اندر رکھتا ہو نشو و نما پانیکی استعداد اس کے اندر نہیں ہوتی اور وہ حالت صرف رونے تک ہی ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ مجالس ریوائول کے حالات سے اس امر کا پتہ لگتا ہے۔ پس جس صورت میں سوز و گداز اور رقت اور رونا ایک بت پرست کو بت کی عبادت کرتے ہوئے اور ایک عیسائی کو یسوع کی عبادت کرتے ہوئے اور ایک مسلمان کو خدائے واحد کی سچی فرمانبرداری کرتے ہوئے میسر آ سکتا ہے تو یہ درجہ امتیاز کلی کا درجہ نہ رہا بلکہ یہ ایک پہلا مرحلہ ہے جس کو طے کرنیکے بعد اگر انسان دوسرے مراتب بھی طے کر لے تو سمجھو کہ اس کا سوز و گداز اور رقت قلب وغیرہ حقیقت اور سچائی اور تعلق باللہ پر مبنی تھے۔ ورنہ یہ ایک معمولی اور فوری جوش کا نتیجہ تھا۔

دوسرا مرتبہ روحانی ترقی کا جو سچے سوز و گداز کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ ہے جس کو قرآن کریم نے والذین ھم عن اللغو معرضون سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ لوگ پھر لغو کاموں اور لغو حرکتوں اور لغو باتوں سے بچتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایک انسان ایک مجلس میں تو بلند آواز سے پکار پکار کر روتا ہو۔ اور پھر ساتھ ہی اس کے وہاں اٹھکر لغو کاموں اور لغو حرکات کا مرتکب ہو تو اس کا رونا دھونا محض لاحاصل اور لغو ہے۔ بلکہ معلوم ہوا کہ اسکا رونا ایک عارضی جوش کی وجہ سے تھا ورنہ اگر سچے دل سے انسان کا سوز و گداز پیدا ہو تو پھر ضروری ہے کہ وہ لغویت سے بچے اور جو کیفیت اس کے دل پر رقت اور سوز و گداز کی کسی وقت میں طاری ہوئی ہو اس کا اثر اس کے دل پر ہمیشہ رہے اور وہ اثر صرف اسی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ انسان لغویت سے بچے۔ کیونکہ جس شخص کے دل سے لغویت کے خیالات دور نہیں ہوئے اس کا سوز و گداز کسی کام کا نہیں۔ پھر اس کے بعد تیسرا مرتبہ روحانی ترقی کا زکوٰۃ بیان کیا ہے جو تزکیۂ نفس کا بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ بلکہ زکوٰۃ سے مراد ہی تزکیۂ نفس ہے۔ دعا اور نماز میں سوز و گداز تزکیۂ نفس کے حصول کے ہی ذرائع ہیں پس جو شخص اپنی نمازوں کے سوز و گداز کو تزکیۂ نفس کا ذریعہ نہیں بناتا وہ اصل مقصد سے دور جا رہا ہے۔ دوسری بات یہ ظاہر ہے کہ اگر انسان کا سوز و گداز واقعی ایک سچے تعلق کی بنا پر ہے یعنی تعلق باللہ کا نتیجہ ہے تو ضرور ہے کہ اس سے تزکیۂ نفس میں ترقی کرے اور جہاں تزکیۂ نفس میں ترقی نہیں تو معلوم ہوا کہ وہ سوز و گداز بھی حقیقی نہیں۔ اس کے بعد چوتھا مرتبہ حفاظت فروج کا ہے یعنی ہر قسم کے شہوات سے بچنا کیونکہ بغیر اس کے تزکیۂ نفس ممکن نہیں۔ پھر پانچواں مرتبہ امانت اور عہد کی رعایت کا ہے جس سے مراد نہ صرف ایسے عہد اور اقرار کی پابندی ہے جو انسانوں سے کیا جاوے بلکہ اس سے بھی بڑھکر ضروری

اس عہد کی پابندی ہے جو انسان اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ اس مرتبہ کا تعلق سوز و گداز سے یوں ہے کہ جب انسان نہایت عاجزی سے اپنی خطاؤں کا اقرار اپنے مولیٰ کے حضور کرتا ہے۔ تو اس اقرار کا اصل منشا یہ ہوتا ہے کہ وہ آئندہ ایسے امور سے مجتنب رہیگا جو ناراضگی الٰہی کا موجب ہیں۔ کیونکہ اصل میں توبہ صرف گناہوں کے اقرار اور گناہوں کے لئے رونے کا نام نہیں۔ جیساکہ ریوائول کے حامی فرض کر رہے ہیں۔ بلکہ اصل توبہ یہ ہے کہ انسان آئندہ کے لئے ان گناہوں سے بچنے کا پختہ وعدہ کرے۔ پس جو شخص اس وعدہ پر قائم نہیں اسکا رونا دھونا بھی عبث اور ایک کھیل ہے۔ قابل تعریف کسی انسان میں یہ امر نہیں کہ وہ اپنے پچھلے گناہوں کو یاد کرکے کسقدر رویا اور کسقدر لوگ اس کے چیخنے چلانے سے متاثر ہوئے۔ بلکہ قابل تعریف یہ امر ہے کہ کسقدر استقامت اس نے آئندہ گناہو سے بچنے میں اور اس عہد کے پورا کرنے میں دکھائی جو توبہ کے وقت اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔ اب جب ہم مجالس ریوائول کا حال دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سارا زور رونے پر ہی ہے۔ اور اکثر لوگ جو ایک مجلس میں پھوٹ پھوٹ کر روتے اور سامعین کو متاثر کرتے ہیں وہ دوسری مجلس کے انعقاد کے وقت تک انہی بدکاریوں میں پھر گرفتار ہو چکے ہوتے ہیں جن سے توبہ کی تھی۔ یہ کہنا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ نہایت ذلیل حالت سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ایک اچھی حالت پر قائم نہیں رہ سکتے خود اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ انکا رونا دھونا روح القدس کے نزول کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ روح القدس کے نزول سے ثابت قدمی ملتی ہے اور جب تک دل میں گندگی خباثت باقی ہو وہ روح القدس کے قبول کرنیکی استعداد سے بھی خالی ہوتا ہے۔ ایسا ہی امانت سے مراد نہ صرف انسانی امانتیں ہیں بلکہ انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اس کے تمام قویٰ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں پس جو شخص انکی نگہداشت نہیں کرتا اور دقائق تقویٰ سے کام نہیں لیتا وہ محض اپنے رونے دھونے کی وجہ سے منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا اور روحانی کمال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد چھٹا مرتبہ روحانی ترقی کا آتا ہے جس کو قرآن شریف نے وَالَّذِينَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُونَ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اس مرتبہ پر پہنچکر مومن کسی دوسرے کی تذکیر اور یاد دہانی کا محتاج نہیں رہتا بلکہ وہ خود اپنی نمازوں پر محافظ اور نگہبان ہوتا ہے۔ یعنی ایسا تعلق اسکو خدا تعالیٰ کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ کسی وقت یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوتا بلکہ ہر دم اس کا یاد الٰہی میں گذرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مرتبہ تمام مراتب سے اعلیٰ اور اتم ہے۔ نماز اور دعا میں جو سوز و گداز پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو اپنے مالک کے حضور میں پاتا ہے۔ اور اس دوری کی وجہ سے جو اس میں اور خدا تعالیٰ میں اسکی اپنی بدکاریوں کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے وہ روتا ہے اور اس کا رونا محض اسی مقصد کے پانیکے لئے ہوتا ہے کہ اس کا ہر لحظہ خداوندی حضوری میں گذرے اور اس کی جناب سے وہ کسی وقت بھی دور نہ کیا جاوے تا شیطان اسپر قابو نہ پا سکے پس جس شخص کو یہ مرتبہ محافظت علی الصلوٰۃ کا حاصل ہو گیا وہ اس اعلیٰ مقصد تک پہنچ گیا۔ یہی مرتبہ روح القدس کے

نزول کے وقت کو بتلاتا ہے۔ کیونکہ جب انسان کا ایسا مستحکم تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے پیدا ہو جاتا ہے تو پھر حق تعالےٰ ایک روح اس کے روحانی قالب میں داخل کرتا ہے۔ جس کا تعلق اس روحانی قالب سے ویسا ہی ہوتا ہے جیسا جسمانی روح کا تعلق جسم انسان سے ہے اور جیسے انسانی بناوٹ کی تکمیل جسم انسانی میں روح کے داخل ہونے سے ہوتی ہے انسان کی روحانی تکمیل اس روح القدس کے نزول سے ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ عیسائی صاحبان نے روح القدس اور اس کے نزول کی حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ فرض کر لیا کہ ناچنا گانا بجانا بیہودہ حرکات کرنا ہنسنا اور رونا یہ سب کچھ روح القدس کی وجہ سے ہی ہو رہا ہے۔

جس طرح روح القدس کی حقیقت کو پادری صاحبان نے نہیں سمجھا اسی طرح ریوائول یا تجدید دین کی حقیقت سے بھی وہ لوگ بالکل بے خبر ہیں۔ تجدید کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت قدیم سے اس کے متعلق کیا چلی آئی ہے کہ جب کبھی وہ زمین کو شرک اور فساد سے پر دیکھتا ہے اور گناہوں کا سیلاب دنیا پر پھر جاتا ہے اور دنیا کے لوگ بکلی مردار دنیا پر گر جاتے ہیں اور بیباکی اور شوخی سے ارتکاب معاصی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے ایک خاص بندے کو چن لیتا ہے اور اس کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک کر کے دنیا کی اصلاح کے لئے مامور فرماتا ہے اور اپنے کلام سے اس کو مشرف کرتا ہے اور اپنے چمکتے ہوئے نشان اس کو دیتا ہے تا وہ لوگوں کو راہ ہدایت پر لاوے۔ پس ایسا انسان خدائے تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشان لوگوں کو دکھاتا ہے اور اس طرح پر انکے دلوں میں خدائے تعالےٰ کی ہستی اور اس کے تصرف تام اور اس کے علم اور طاقت کے متعلق ایک زندہ یقین پیدا کرتا ہے جس کا نام ایمان ہے یہی وہ نعمت ہے جس کو پاکر انسان ہر ایک قسم کے معاصی سے بچ سکتا ہے اور یہی وہ دولت ہے جس کے کھوئے جانے سے انسان اللہ تعالیٰ سے الگ ہو کر شیطان کے تسلط میں آجاتا ہے۔ پس جبتک دلوں میں زندہ ایمان پیدا نہ ہو اس وقت تک ارتکاب معاصی سے نفرت اور بیزاری بھی پیدا نہیں ہوتی یہی تجدید دین و ایمان ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے ایمان دلوں سے سلب ہو چکا ... ہوتا ہے اور خواہ زبان پر خدا کا نام ہو مگر تو بھی دلوں میں نہ اسکی ہستی کا یقین تام ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی عظمت اور جلال کا نشان ہوتا ہے۔ جو شخص تاریخ انبیاء پر نظر غائر ڈالیگا وہ دیکھ لیگا کہ ہمیشہ سے یونہی تجدید دین ہوتی چلی آئی ہے۔ اور یہ کام ہمیشہ سے انبیاء کرتے چلے آئے ہیں۔ انسانوں کو حقیقی نیکی اور پاکیزگی کی راہوں پر چلانا یہ فخر اسی قوم کو حاصل رہا ہے۔ اس اخیر زمانہ کے لئے تجدید دین کے واسطے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک عظیم الشان ضلالت کے وقت میں جو اخیر زمانہ میں ظہور میں آنیوالی ہے اپنے ایک نبی کو دنیا کی اصلاح کے لئے مامور کریگا اور اسکا نام مسیح موعود ہوگا۔ سو ایسا ہی ہوا کہ عین اسوقت میں جب سب قومیں چلا اٹھیں کہ موعود مصلح کے آنیکے سب نشان پورے ہو چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے حضرت مرزا غلام احمد کو مامور فرمایا کہ وہ گم شدہ

ایمان کو خدائے تعالیٰ کے تازہ نشان مشاہدہ کرا کر دوبارہ دلوں میں قائم کرے یہ مصلح سنت الٰہی کے مطابق اس تجدید اور اصلاح کے کام میں مشغول ہے اور یہ اصلاح اور تجدید جو اس کے ذریعہ سے ظاہر ہو رہی ہے، اسی طرح آہستہ آہستہ اپنا کام کر رہی ہے جس طرح تمام انبیاء علیہم السلام کے وقت میں ہوا کہ آہستہ آہستہ لوگوں پر انکا اثر پڑتا گیا۔ اگر پادری صاحبان کے نزدیک یہی ریوائول کی مجلسوں کا ناچنا اور گانا ہی تجدید اور اصلاح ہے۔ تو جس طرح سیکڑوں پیشگوئیاں آخری زمانہ میں ایک مرسل کے آنیکی ہیں وہ کوئی ایک ہی پیشگوئی اس قسم کی بھی نکالکر دکھا دیں کہ ناچتے ہوئے آدمیوں۔ کانپتے ہوئے لڑکوں اور چیختی ہوئی لڑکیوں کے ذریعہ سے بھی کوئی تجدید اور اصلاح ظہور پذیر ہوگی۔ اگر ایک بھی اس قسم کا وعدہ انجیل یا توریت میں ہو تو پھر مجالس ریوائول کی حقیقت کو زیادہ غور سے دیکھنے کی ضرورت پیش آئے گی لیکن جب صورت میں نہ کوئی اس قسم کی پیشگوئی ہے نہ کوئی وعدہ کتب مقدسہ میں ہے۔ نہ ہی سنت اللہ کے مطابق یہ امر ہے تو ان لغو حرکات کا نام تجدید اور اصلاح رکھنا پادری صاحبان کی پرلے درجہ کی حماقت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مختصر حالات

سلسلہ احمدیہ کے مختصر حالات اور عقائد گذشتہ پرچے میں شایع ہوئے ہیں۔ لیکن انکی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ ناظرین رسالہ کو اس سلسلہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود کے مختصر حالات سے بھی آگاہ کیا جاوے۔ اس ذکر میں حضرت موصوف کے عقائد کا ذکر نہیں آئے گا کیونکہ وہ ذکر سلسلہ احمدیہ کے حالات کے اثنا میں آچکا ہے۔ میں ان حالات کو حضرت اقدس ؑ کے اپنی قلم سے لکھے ہوئے ایک مضمون سے شروع کرتا ہوں جو آپنے اپنی سوانح کے متعلق ایک شخص کی درخواست پہ لکھا تھا اور جو کتاب البریہ کے حاشیہ میں چھپا ہوا ہے۔ وہ مضمون یہ ہے۔

"میرے سوانح اسطرح پر ہیں کہ میرا نام غلام احمد میرے والد صاحب کا نام غلام مرتضیٰ اور دادا صاحب کا نام عطا محمد اور میرے پردادا صاحب کا نام گل محمد تھا اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ہماری قوم مغل برلاس ہے ٭

٭ عرصہ سترہ یا اٹھارہ برس کا ہوا کہ خدا تعالیٰ کے متواتر الہامات سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرے باپ دادے فارسی الاصل تھے نہ مغل۔ وہ تمام الہامات انہی دنوں میں براہین احمدیہ حصص میں درج کر دیئے تھے جن میں سے میری نسبت

اور میرے بزرگوں کے پُرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے اور اُنکے ساتھ قریباً دو سو آدمی اُنکے توابع اور خدام اور اہل و عیال میں سے تھے اور وہ ایک معزز رئیس کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوئے اور اس قصبہ کی جگہ میں جو اُس وقت ایک جنگل پڑا ہوا تھا جو لاہور سے تخمیناً بفاصلہ پچاس کوس بگوشہ شمال مشرق واقع ہے فروکش ہوگئے جسکو انہوں نے آباد کرکے اسکا نام اسلام پور رکھا جو پیچھے سے اسلام پور قاضی ماجھی کے نام سے مشہور ہوا اور رفتہ رفتہ اسلام پور کا لفظ لوگوں کو بھول گیا اور قاضی ماجھی کی جگہ قاضی رہا اور پھر آخر قادی بنا اور پھر اس سے بگڑ کر قادیان بن گیا۔ اور قاضی ماجھی کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ علاقہ جسکا طولانی حصہ قریباً ساٹھ کوس ہے اُن دنوں میں سب کا سب ماجھہ کہلاتا تھا۔ غالباً اس وجہ سے اس کا نام ماجھہ تھا کہ اس ملک میں بھینسیں بکثرت ہوتی تھیں اور ماجھ زبان ہندی میں بھینس کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارے بزرگوں کو علاوہ دیہات جاگیرداری کے اس تمام علاقہ کی حکومت بھی ملی تھی اس لئے قاضی کے نام سے مشہور ہوئے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے ہمارے بزرگ سمرقند سے اس ملک میں آئے۔ مگر کاغذات سے یہ پتہ ملتا ہے کہ اُس ملک میں بھی وہ معزز امراء اور خاندان والیان ملک میں سے تھے اور اُنہیں کسی قومی خصومت اور تفرقہ کی وجہ سے اُس ملک کو چھوڑنا پڑا تھا۔ پھر اس ملک میں آکر بادشاہ وقت کی طرف سے بہت دیہات بطور جاگیر انکو ملے۔ چنانچہ اس نواح میں ایک مستقل ریاست انکی ہوگئی۔

سکھوں کے ابتدائی زمانہ میں میرے پردادا صاحب میرزا گل محمد ایک نامور اور مشہور رئیس اس نواح کے تھے جنکے پاس اسوقت پچاسی[۸۵] گاؤں تھے اور بہت سے گاؤں سکھوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے اُن کے قبضہ سے نکل گئے تاہم اُنکی جوانمردی اور فیاضی کی یہ حالت تھی کہ اس قدر قلیل میں سے بھی کئی گاؤں انہوں نے مروت کے طور پر بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کو دیدیئے تھے جو اب تک انکے پاس ہیں۔ غرض وہ اس

ایک یہ الہام ہے خُذُوا التوحید یا ابناء الفارس۔ یعنی توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو۔ پھر دوسرا الہام میری نسبت یہ ہے لوکان الایمان معلقًا بالثریا لنالہ رجل من فارس۔ یعنی اگر ایمان ثریا سے معلق ہوتا تو یہ مرد جو فارسی الاصل ہے وہیں جاکر اسکو لے لیتا۔ اور پھر ایک تیسرا الہام میری نسبت یہ ہے اِنّ الذین کفروا ردّ علیھم رجل من فارس شکر اللہ سعیہ یعنی جو لوگ کافر ہوئے اس مرد نے جو فارسی الاصل ہے انکے مذاہب کو رد کر دیا۔ خدا اسکی کوشش کا شکر گذار ہے۔ یہ تمام الہامات ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے آباء اولین فارسی تھے۔ والحق ما اظہرہ اللہ۔ منہ

طوائف الملوکی کے زمانہ میں اپنے نواح میں ایک خود مختار رئیس تھے۔ ہمیشہ قریب پانسو آدمی کے یعنی کبھی کم اور کبھی زیادہ انکے دستر خوان پر روٹی کھاتے تھے۔ اور ایک سو کے قریب علماء اور صلحاء اور حافظ قرآن شریف کے ان کے پاس رہتے تھے جن کے کافی وظیفے مقرر تھے اور انکے دربار میں اکثر قال اللہ اور قال الرسول کا ذکر بہت ہوتا تھا۔ اور تمام ملازمین اور متعلقین میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو تارک نماز ہو۔ یہاں تک کہ چکی پیسنے والی عورتیں بھی پانچ وقتہ نماز اور تہجد پڑھتی تھیں۔ اور گردونواح کے معزز مسلمان جو اکثر افغان تھے قادیان کو جو اس وقت اسلام پور کہلاتا تھا مکہ کہتے تھے۔ کیونکہ اُس پُر آشوب زمانہ میں ہر ایک مسلمان کے لئے یہ قصبہ مبارکہ پناہ کی جگہ تھی۔ اور دوسری اکثر جگہ میں کفر اور فسق اور ظلم نظر آتا تھا اور قادیان میں اسلام اور تقویٰ اور طہارت اور عدالت کی خوشبو آتی تھی۔ مینے خود اُس زمانہ سے قریب زمانہ پانیوالوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس قدر قادیان کی عمدہ حالت بیان کرتے تھے کہ گویا وہ اُس زمانہ میں ایک باغ تھا جس میں حامیان دین اور صلحاء اور علماء اور نہایت شریف اور جوانمرد آدمیوں کے صدہا پودے پائے جاتے تھے۔ اور اس نواح میں یہ واقعات نہایت مشہور ہیں کہ میرزا گل محمد صاحب مرحوم مشائخ وقت کے بزرگ لوگوں میں سے اور صاحب خوارق و کرامات تھے۔ جن کی صحبت میں رہنے کے لئے بہت سے اہل اللہ اور صلحاء اور فضلاء قادیان میں جمع ہو گئے تھے۔ اور عجیب تر یہ کہ کئی کرامات انکی ایسی مشہور ہیں جن کی نسبت ایک گروہ کثیر مخالفان دین کا بھی گواہی دیتا رہا ہے۔ غرض وہ علاوہ ریاست اور امارت کے اپنی دیانت اور تقویٰ اور مردانہ ہمت اور اولوالعزمی اور حمایت دین اور ہمدردی مسلمانوں کی صفت میں نہایت مشہور تھے اور انکی مجلس میں بیٹھنے والے سب متقی اور نیک چلن اور اسلامی غیرت رکھنے والے اور فسق و فجور سے دور رہنے والے اور بہادر اور بارعب آدمی تھے۔ چنانچہ مینے کئی دفعہ اپنے والد صاحب مرحوم سے سنا ہے کہ اُس زمانہ میں ایک دفعہ ایک وزیر سلطنت مغلیہ کا قادیان میں آیا جو غیاث الدولہ کے نام سے مشہور تھا اور اُس نے میرزا گل محمد صاحب کے مدبرانہ طریق اور بیدار مغزی اور ہمت اور اولوالعزمی اور استقلال اور عقل اور فہم اور حمایت اسلام اور جوش نصرت دین اور تقویٰ اور طہارت اور دربار کے وقار کو دیکھا اور انکے اس مختصر دربار کو نہایت متین اور عقلمند اور نیک چلن اور بہادر مردوں سے پُر پایا تب وہ چشم پُر آب ہو کر بولا کہ اگر مجھے پہلے خبر ہوتی کہ اس جنگل میں خاندان مغلیہ میں سے ایسا مرد موجود ہے جس میں صفات ضروریہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں تو میں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کرتا کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بدوضعی ملوک چغتائیہ میں اسی کو تخت دہلی پر بٹھایا جاوے۔

اس جگہ اس بات کا لکھنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہو گا کہ میرے پردادا صاحب موصوف یعنی میرزا گل محمد نے

ہچکی کی بیماری سے جس کے ساتھ اور عوارض بھی تھے وفات پائی تھی۔ بیماری کے غلبہ کے وقت اطباء نے
اتفاق کرکے کہا کہ اس مرض کے لئے اگر چند روز شراب کو استعمال کرایا جائے تو غالباً اس سے فائدہ ہوگا
مگر جرأت نہیں رکھتے تھے کہ ان کی خدمت میں عرض کریں آخر بعض نے انہیں سے ایک نرم تقریر
میں عرض کر دیا۔ تب انہوں نے کہا کہ اگر خدا تعالیٰ کو شفا دینا منظور ہو تو اس کی پیدا کردہ اور بھی بہت
سی دوائیں ہیں میں نہیں چاہتا کہ اس پلید چیز کو استعمال کروں اور میں خدا کی قضاء و قدر پر راضی
ہوں آخر چند روز کے بعد اسی مرض سے انتقال فرما گئے۔ موت تو مقدر تھی مگر یہ اُنکا طریق تقویٰ
ہمیشہ کے لئے یادگار رہا کہ موت کو شراب پر اختیار کر لیا۔ موت سے بچنے کے لئے انسان کیا کچھ نہیں کرتا
لیکن انہوں نے معصیت کرنے سے موت کو بہتر سمجھا۔ افسوس اُن بعض نوابوں اور امیروں اور
رئیسوں کی حالت پر کہ اس چند روزہ زندگی میں اپنے خدا اور اس کے احکام سے بکلّی لاپروا ہو کر
اور خدا تعالیٰ سے سارے علاقے توڑ کر دل کھولکر ارتکاب معصیت کرتے ہیں اور شراب کو پانی کی
طرح پیتے ہیں اور اس طرح اپنی زندگی کو نہایت پلید اور ناپاک کرکے اور عمر طبعی سے بھی محروم رہکر
اور بعض ہولناک عوارض میں مبتلا ہو کر جلد تر مر جاتے ہیں اور آئندہ نسلوں کے لئے نہایت
خبیث نمونہ چھوڑ جاتے ہیں۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میرے پردادا صاحب فوت ہوئے تو بجائے اُن کے میرے دادا صاحب
یعنی مرزا عطا محمد فرزند رشید اُن کے گدّی نشین ہوئے ۞۔ اُنکے وقت میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور
مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے۔ دادا صاحب مرحوم نے اپنی ریاست کی حفاظت کے لئے
بہت سی تدبیریں کیں مگر جبکہ قضا و قدر انکے ارادہ کے موافق نہ تھی اس لئے ناکام رہے اور کوئی
تدبیر پیش نہ گئی اور روز بروز سکھ لوگ ہماری ریاست کے دیہات پر قبضہ کرتے گئے یہانتک کہ دادا
صاحب مرحوم کے پاس صرف ایک قادیان رہ گیا اور قادیان اسوقت ایک قلعہ کی صورت پر قصبہ تھا
اور اس کے چار بُرج تھے اور بُرجوں میں فوج کے آدمی رہتے تھے اور چند توپیں تھیں اور فصیل

۞ ہمارا شجرہ نسب اس طرح پر ہے۔ میرا نام غلام احمد ابن مرزا غلام مرتضےٰ صاحب ابن مرزا عطا محمد صاحب
ابن مرزا گل محمد صاحب ابن مرزا فیض محمد صاحب ابن مرزا محمد قاسم صاحب ابن مرزا محمد اسلم صاحب
ابن مرزا محمد دلاور صاحب ابن مرزا الہ دین صاحب ابن مرزا جعفر بیگ صاحب ابن مرزا محمد بیگ صاحب
ابن مرزا عبد الباقی صاحب ابن مرزا محمد سلطان صاحب ابن مرزا ہادی بیگ صاحب مورث اعلیٰ۔ منہ

بائیس فٹ کے قریب اونچی اور اس قدر چوڑی تھی کہ تین چھکڑے آسانی سے ایکدوسرے کے مقابل اس پر جا سکتے تھے۔ اور ایسا ہوا کہ ایک گروہ سکھوں کا جو رام گڑھیہ کہلاتا تھا اول فریب کی راہ سے اجازت لیکر قادیان میں داخل ہوا اور پھر قبضہ کر لیا۔ اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی اور اسرائیلی قوم کی طرح وہ اسیروں کی مانند پکڑے گئے اور انکے مال و متاع سب لوٹے گئے۔ کئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کئے گئے اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا اور بعض مسجدیں جن میں سے اب تک ایک مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے دھرم سالہ یعنی سکھوں کا معبد بنایا گیا۔ اس دن ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلایا گیا جس میں پانچسو نسخہ قرآن شریف کا قلمی تھا جو نہایت بے ادبی سے جلایا گیا اور آخر سکھوں نے کچھ سوچکر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرد و زن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزین ہوئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد انہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دیگئی۔ پھر رنجیت سنگھ کی سلطنت کے آخری زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضیٰ قادیان میں واپس آئے اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب کے دیہات میں سے پانچ گاؤں ملے کیونکہ اس عرصہ میں رنجیت سنگھ نے دوسری اکثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دبا کر ایک بڑی ریاست اپنی بنالی تھی۔ سو ہمارے تمام دیہات بھی رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آگئے تھے اور لاہور سے لیکر پشاور تک اور دوسری طرف لدھیانہ تک اس کی ملکداری کا سلسلہ پھیل گیا تھا۔ غرض ہماری پرانی ریاست خاک میں ملکر آخر پانچ گاؤں ہاتھ میں رہ گئے۔ پھر بھی بلحاظ پرانے خاندان کے میرے والد صاحب مرزا غلام مرتضیٰ اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے ۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گذاری میں پچاس گھوڑے مع پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عند الضرورت وعدہ بھی دیا۔ اور سرکار انگریزی کے حکام وقت سے ... خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج انکو ملی تھیں۔ چنانچہ سر لیپل گریفن صاحب نے بھی اپنی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں انکا تذکرہ کیا ہے۔ غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ اور بسا اوقات انکی دلجوئی کے لئے حکام وقت ڈپٹی کمشنر کمشنر انکے مکان پر آکر انکی ملاقات کرتے تھے۔ یہ مختصر میرے خاندان کا حال ہے۔ مَیں ضروری نہیں دیکھتا کہ اسکو بہت طول دوں۔ اب میرے ذاتی سوانح یہ ہیں کہ میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی ہے ✤

✤ نوٹ۔ مَیں توام پیدا ہوا تھا ایک لڑکی جو میرے ساتھ تھی وہ چند دنوں کے بعد فوت ہو گئی تھی۔ مَیں خیال کرتا ہوں کہ اس طرح پر خدا تعالیٰ نے انثیّت کا مادہ مجھ سے بکلّی الگ کر دیا۔ منہ

اور مَیں ۱۸۵۰ء میں سولہ برس کا یا سترھویں برس میں تھا اور ابھی ریش و بروت کا آغاز نہیں تھا۔ میری پیدائش سے پہلے میرے والد صاحب نے بڑے بڑے مصائب دیکھے۔ ایکدفعہ ہندوستان کا پیادہ پا سیر بھی کیا۔ لیکن میری پیدائش کے دنوں میں انکی تنگی کا زمانہ فراخی کی طرف بدل گیا تھا اور یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ مَیں نے انکے مصائب کے زمانہ سے کچھ بھی حصہ نہیں لیا اور نہ اپنے دوسرے بزرگوں کی ریاست اور ملکداری سے کچھ حصہ پایا بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح جنکے ہاتھ میں صرف نام کی شہزادگی بوجہ داؤد کی نسل سے ہونیکے تھی اور ملکداری کے اسباب سب کچھ کھو بیٹھے تھے ایسا ہی میرے لئے بھی بگفتن یہ بات حاصل ہے کہ ایسے رئیسوں اور ملکداروں کی اولاد میں سے ہوں شائد یہ اس لئے ہوا کہ یہ مشابہت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پوری ہو۔ اگرچہ مَیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیطرح یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میرے لئے سر رکھنے کی جگہ نہیں مگر تاہم مَیں جانتا ہوں کہ وہ تمام صف ہمارے اجداد کی ریاست اور ملکداری کی لپیٹی گئی اور وہ سلسلہ ہمارے وقت میں آکر بالکل ختم ہوگیا اور ایسا ہوا تا کہ خدا تعالیٰ نیا سلسلہ قائم کرے جیساکہ براہین احمدیہ میں اُس سبحانہٗ کی طرف سے یہ الہام ہے سبحان اللّٰہ تبارک و تعالیٰ زاد مجدک ینقطع آباءک و یبدء منک۔ یعنی خدا جو بہت برکتوں والا اور بلند اور پاک ہے اُس نے تیری بزرگی کو تیرے خاندان کی نسبت زیادہ کیا۔ اب سے تیرے آبا کا ذکر قطع کیا جائیگا اور خدا تجھ سے شروع کریگا۔ اور ایسا ہی اُسنے مجھے بشارت دی کہ "مَیں تجھے برکت دونگا اور بہت برکت دونگا یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"۔

پھر مَیں پہلے سلسلہ کی طرف عود کر کے لکھتا ہوں کہ بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب مَیں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا۔ اور جب میری عمر قریباً دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام فضل احمدؐ تھا۔ مَیں خیال کرتا ہوں کہ چونکہ میری تعلیم خدا تعالیٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی اس لئے ان استادوں کے نام کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے۔ وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے اور مَیں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو اُن سے پڑھے۔ اور بعد اسکے جب مَیں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولویصاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اِنکا نام گل علیشاہ تھا۔ انکو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھکر قادیان میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور ان آخر الذکر مولویصاحب سے مَیں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروّجہ کو جہانتک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا اور بعض طبابت کی کتابیں مَیں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے اور ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اسقدر

توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیئے کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے اور نیز اُنکا یہ بھی مطلب تھا کہ میں اس شغل سے الگ ہو کر انکے غموم وہموم میں شریک ہو جاؤں آخر ایسا ہی ہوا۔ میرے والد صاحب اپنے بعض آباؤ اجداد کے دیہات کو دوبارہ لینے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے انہوں نے انہی مقدمات میں مجھے بھی لگایا اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضایع گیا اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا اس لئے اکثر والد صاحب کی ناراضگی کا نشانہ رہتا رہا۔ اُنکی ہمدردی اور مہربانی میرے پر نہایت درجہ پر تھی مگر وہ چاہتے تھے کہ دنیاداروں کی طرح مجھے رو بخلق بنا دیں اور میری طبیعت اس طریق سے سخت بیزار تھی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کمشنر نے قادیان میں آنا چاہا میرے والد صاحب نے بار بار مجھکو کہا کہ انکی پیشوائی کے لئے دو تین کوس جانا چاہیئے مگر میری طبیعت نے نہایت کراہت کی اور میں بیمار بھی تھا اس لئے نہ جا سکا پس یہ امر بھی انکی ناراضگی کا موجب ہوا اور وہ چاہتے تھے کہ میں دنیوی امور میں ہر دم غرق رہوں جو مجھ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کے لئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنیکے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا اور انکے لئے دعا میں بھی مشغول رہتا تھا اور وہ مجھے دلی یقین سے برّ بالوالدین جانتے تھے اور بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ ”میں صرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں ورنہ میں جانتا ہوں کہ جس طرف اس کی توجہ ہے (یعنی دین کی طرف) صحیح اور سچ بات یہی ہے ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں“۔ ایسا ہی انکے زیر سایہ ہونیکے ایام میں چند سال تک میری عمر کراہت طبع کے ساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی۔ آخر چونکہ میرا جدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا اس لئے انکے حکم سے جو عین میری منشاء کے موافق تھا میں نے استعفا دیکر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی سبکدوش کر دیا اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوا کہ اکثر نوکری پیشہ نہایت گندی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت کم ایسے ہونگے جو پورے طور پر صوم اور صلوٰۃ کے پابند ہوں اور جو اُن ناجائز حظوظ سے اپنے تئیں بچا سکیں جو ابتلا کے طور پر انکو پیش آتے رہتے ہیں۔ میں ہمیشہ انکے مونہہ دیکھکر حیران رہا اور اکثر کو ایسا پایا کہ انکی تمام دلی خواہشیں مال و متاع تک خواہ حلال کی وجہ سے ہو یا حرام کے ذریعہ سے محدود تھیں۔ اور بہتوں کی دن رات کی کوششیں صرف اسی مختصر زندگی کی دنیوی ترقی کے لئے مصروف پائیں میں نے ملازمت پیشہ لوگوں کی جماعت میں بہت کم ایسے لوگ پائے کہ جو محض خدا تعالیٰ کی عظمت کو یاد کر کے اخلاق فاضلہ حلم اور کرم اور عفت اور تواضع اور انکسار اور خاکساری

اور ہمدردی مخلوق اور پاک باطنی اور اکل حلال اور صدق مقال اور پرہیزگاری کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ بلکہ بہتوں کو تکبر اور بدچلنی اور لاپروائی دین اور طرح طرح کے اخلاق رزیلہ میں شیطان کے بھائی پایا۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ ہر ایک قسم اور ہر ایک نوع کے انسانوں کا مجھے تجربہ حاصل ہو اس لئے ہر ایک صحبت میں مجھے رہنا پڑا۔ اور بقول صاحب مثنوی رومی وہ تمام ایام سخت کراہت اور درد کے ساتھ میں نے بسر کئے

؎ من بہر جمعیتے نالاں شدم ۔ جفت خوشحالان و بدحالاں شدم + ہر کسے از ظن خود شد یار من + وز درون من نجست اسرار من +

اور جب میں حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں پھر حاضر ہوا تو بدستور انہی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ مگر اکثر حصہ وقت کا قرآن شریف کے تدبّر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا اور بسا اوقات حضرت والد صاحب کو وہ کتابیں سنایا بھی کرتا تھا اور میرے والد صاحب اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اکثر مغموم اور مہموم رہتے تھے۔ انہوں نے پیروی مقدمات میں ستر ہزار روپیہ کے قریب خرچ کیا تھا جسکا انجام آخر ناکامی تھی۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات مدت سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے اور انکا واپس آنا ایک خیال خام تھا۔ اسی نامرادی کی وجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم ایک نہایت عمیق گرداب غم اور حزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور مجھے اُن حالات کو دیکھکر ایک پاک تبدیلی کرنیکا موقع حاصل ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے اُس بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا جو دنیوی کدورتوں سے پاک ہے۔

اگرچہ حضرت مرزا صاحب کے چند دیہات ملکیت باقی تھے اور سرکار انگریزی کی طرف سے کچھ انعام بھی سالانہ مقرر تھا اور ایام ملازمت کی پنشن بھی تھی مگر جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے اس لحاظ سے وہ سب کچھ ہیچ تھا۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مغموم اور محزون رہتے تھے۔ اور بارہا کہتے تھے کہ جسقدر میں نے اس پلید دنیا کے لئے سعی کی ہے اگر میں وہ سعی دین کے لئے کرتا تو شاید آج قطب وقت یا غوث وقت ہوتا۔ اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

عمر بگذشت و نماندست جز ایامے چند ۔ بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند۔ اور میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ وہ ایک اپنا بنایا ہوا شعر رقت کے ساتھ پڑھتے تھے اور وہ یہ ہے۔ از در تو اے کس ہر بیکسے ۔ نیست امیدم کہ روم ناامید۔ اور کبھی درد دل سے یہ شعر اپنا پڑھا کرتے تھے۔ آب دیدۂ عشاق و خاکپائے کسے ۔ مرا دلے ست کہ در خوں تپد بجائے کسے

حضرت عزت جلشانہ کے سامنے خالی ہاتھ جانیکی حسرت روز بروز آخری عمر میں اُنپر غلبہ کرتی گئی تھی بارہا افسوس سے کہا کرتے تھے کہ دنیا کے بیہودہ خرخشوں کے لئے میں نے اپنی عمر ناحق ضایع کردی۔ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب نے یہ خواب بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک بڑی شان کے ساتھ میرے مکان کی طرف چلے آتے ہیں جیسا کہ ایک عظیم الشان بادشاہ آتا ہے تو میں اُسوقت آپکی طرف پیشوائی کے لئے دوڑا جب قریب پہنچا تو میں نے سوچا کہ کچھ نذر پیش کرنی چاہیئے۔ یہ کہکر جیب میں ہاتھ ڈالا جس میں صرف

ایک روپیہ تھا اور جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی کھوٹا ہے۔ یہ دیکھ کر مَیں چشم پُرآب ہو گیا اور پھر آنکھ کھل گئی‘‘ اور آپ ہی تعبیر فرمانے لگے کہ دنیاداری کے ساتھ خدا اور رسولؐ کی محبت ایک کھوٹے روپیہ کی طرح ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میری طرح میرے والد صاحب کا بھی آخر حصہ زندگی کا مصیبت اور غم اور حزن میں ہی گذرا اور جہاں ہاتھ ڈالا آخر ناکامی تھی اور اپنے والد صاحب یعنی میرے پردادا صاحب کا ایک شعر بھی سنایا کرتے تھے جس کا ایک مصرع راقم کو بھول گیا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ ع ’’جب تدبیر کرتا ہوں تو پھر تقدیر ہنستی ہے‘‘ اور یہ غم اور درد اُنکا پیرانہ سالی میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اسی خیال سے قریباً چھ ماہ پہلے حضرت والد صاحب نے اس قصبہ کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کی کہ جو اس جگہ کی جامع مسجد ہے اور وصیت کی کہ مسجد کے ایک گوشہ میں میری قبر ہو تا خدائے عزّوجل کا نام میرے کان میں پڑتا رہے کیا عجب کہ یہی ذریعہ مغفرت ہو۔ چنانچہ جس دن مسجد کی عمارت بہمہ وجوہ کمل ہوگئی اور شاید فرش کی چند اینٹیں باقی تھیں کہ حضرت والد صاحب صرف چند روز بیمار رہ کر مرض پیچش سے فوت ہو گئے اور اس مسجد کے اسی گوشہ میں جہاں انہوں نے کھڑے ہو کر نشان کیا تھا دفن کئے گئے۔ اللھم ارحمہ وادخلہ الجنّۃ آمین۔ قریباً اسّی یا پچاسی برس کی عمر پائی۔

انکی یہ حسرت کی باتیں کہ میں نے کیوں دنیا کے لئے وقت عزیز کھویا اب تک میرے دل پر دردناک اثر ڈال رہی ہیں اور مَیں جانتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو دنیا کا طالب ہوگا آخر اس حسرت کو ساتھ لیجائیگا۔ جس نے سمجھنا ہو سمجھے۔ میری عمر قریباً چونتیس یا پینتیس برس کی ہوگی جب حضرت والد صاحب کا انتقال ہوا۔ مجھے ایک خواب میں بتلایا گیا تھا کہ اب انکے انتقال کا وقت قریب ہے۔ مَیں اسوقت لاہور میں تھا جب مجھے یہ خواب آیا تھا تب مَیں جلدی سے قادیان میں پہنچا اور انکو مرض زحیر میں مبتلا پایا۔ لیکن یہ امید ہرگز نہ تھی کہ وہ دوسرے دن میرے آنے سے فوت ہو جائیں گے کیونکہ مرض کی شدّت کم ہو گئی تھی اور وہ بڑے استقلال سے بیٹھے رہتے تھے دوسرے دن شدّت دوپہر کے وقت ہم سب عزیز انکی خدمت میں حاضر تھے کہ مرزا صاحب نے مہربانی سے مجھے فرمایا کہ اسوقت تم ذرا آرام کر لو کیونکہ جون کا مہینہ تھا اور گرمی سخت پڑتی تھی۔ مَیں آرام کے لئے ایک چوبارہ میں چلا گیا اور ایک نوکر پَیر دبانے لگا کہ اتنے میں تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھے الہام ہوا وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ یعنی قسم ہے آسمان کی جو قضا و قدر کا مبدء ہے اور قسم ہے اُس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہوگا اور مجھے سمجھایا گیا کہ یہ الہام بطور عزا پُرسی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حادثہ یہ ہے کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہو جائے گا۔ سبحان اللہ کیا شان خداوند عظیم ہے کہ ایک شخص جو اپنی عمر ضایع ہونے پر حسرت کرتا ہوا فوت ہوا ہے اسکی وفات کو عزا پُرسی کے طور پر بیان فرماتا ہے۔ اس بات سے اکثر لوگ تعجب کریں گے کہ خدا تعالیٰ کی عزا پُرسی کیا معنے رکھتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ حضرت عزّت جلشانہٗ جب کسی کو نظر رحمت سے دیکھتا ہے تو ایک دوست کی طرح ایسے معاملات اس سے

کرتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا ہنسنا بھی جو حدیثوں میں آیا ہے انہی معنوں کے لحاظ سے ہے۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب مجھے حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات کی نسبت اللہ جلشانہٗ کی طرف سے یہ الہام ہوا جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ تو بشریّت کی وجہ سے مجھے خیال آیا کہ بعض وجوہ آمدن حضرت والد صاحب کی زندگی سے وابستہ ہیں پھر نہ معلوم کیا کیا ابتلا ہمیں پیش آئے گا تب اسیوقت یہ دوسرا الہام ہوا الیس اللہ بکافٍ عبدہٗ یعنی کیا خدا اپنے بندے کو کافی نہیں ہے اور اس الہام نے عجیب سکینت اور اطمینان بخشا اور فولادی میخ کی طرح میرے دل میں دھنس گیا۔ پس مجھے اُس خدائے عزّ و جل کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُس نے اپنے اس مبشرانہ الہام کو ایسے طور سے مجھے سچا کرکے دکھلایا کہ میرے خیال اور گمان میں بھی نہ تھا میرا وہ ایسا متکفل ہوا کہ کبھی کسی کا باپ ہرگز ایسا متکفل نہیں ہوگا۔ میرے پر اس کے وہ متواتر احسان ہوئے کہ بالکل محال ہے کہ میں انکا شمار کرسکوں۔ اور میرے والد صاحب اُسی دن بعد غروب آفتاب فوت ہوگئے یہ ایک پہلا دن تھا جو میں نے بذریعہ خدا کے الہام کے ایسا رحمت کا نشان دیکھا جس کی نسبت میں خیال نہیں کرسکتا کہ میری زندگی میں کبھی منقطع ہو۔ میں نے اس الہام کو اُنہی دنوں میں ایک نگینہ میں کھدوا کر اسکی انگشتری بنائی جو بڑی حفاظت سے ابتک رکھی ہوئی ہے غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیرِ سایہ والد بزرگوار کے گذری۔ ایک طرف انکا دنیا سے اٹھایا جانا تھا اور ایک طرف بڑے زور شور سے سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا مجھ سے شروع ہوا۔ میں کچھ بیان نہیں کرسکتا کہ میرا کونسا عمل تھا جس کی وجہ سے یہ عنایت الٰہی شامل حال ہوئی صرف اپنے اندر یہ احساس کرتا ہوں کہ فطرتاً میرے دل کو خدا تعالیٰ کی طرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے جو کسی چیز کے روکنے سے رک نہیں سکتی سو یہ اسی کی عنایت ہے۔ میں نے کبھی ریاضات شاقہ بھی نہیں کیں اور نہ زمانہ حال کے بعض صوفیوں کی طرح مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا اور نہ گوشہ گزینی کے التزام سے کوئی چلہ کشی کی اور نہ خلاف سنت کوئی ایسا عمل رہبانیت کیا جس پر خدا تعالیٰ کے کلام کو اعتراض ہو۔ بلکہ میں ہمیشہ ایسے فقیروں اور بدعت شعار لوگوں سے بیزار رہا جو انواع و اقسام کی بدعات میں مبتلا ہیں۔ ہاں حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جبکہ انکا زمانہ وفات بہت نزدیک تھا ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھکو خواب میں دکھائی دیا اور اس نے یہ ذکر کرکے کہ کسیقدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے، اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس سنتِ اہل بیتِ رسالت کو بجالاؤں سو میں نے کچھ مدّت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اس امر کو مخفی طور پر بجالانا بہتر ہے پس میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ گھر سے مردانہ نشست گاہ میں اپنا کھانا منگواتا اور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچوں کو جن کو میں نے پہلے سے تجویز کرکے وقت پر

حاضری کے لئے تاکید کر دی تھی دیدیتا اور اسطرح تمام دن روزہ میں گذارتا اور بجز خدا تعالیٰ کے ان روزوں کی کسی کو خبر نہ تھی۔ پھر دو تین ہفتہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھالیتا ہوں مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں بہتر ہے کہ کسیقدر کھانے کو کم کروں سو میں اس روز سے کھانیکو کم کرتا گیا یہانتک کہ میں تمام رات دن میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا اور اسی طرح میں کھانیکو کم کرتا گیا۔ یہانتک کہ شاید صرف چند تولہ روٹی میں سے آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔ غالباً آٹھ یا نو ماہ تک میں نے ایسا ہی کیا اور باوجود اس قدر قلت غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اس پر صبر نہیں کر سکتا خدا تعالیٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا۔ اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔ چنانچہ بعض گذشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیا اس امت میں گذر چکے ہیں اُنسے ملاقات ہوئی۔ ایکدفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مع حسنین وعلی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دیکھا۔ اور یہ خواب نہ تھی بلکہ ایک بیداری کی قسم تھی غرض اسی طرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں جن کا ذکر کرنا موجب تطویل ہے اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستاں طور پر نظر آتے تھے جن کا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے۔ وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے جن میں سے بعض چمکدار سفید اور بعض سبز اور بعض سرخ تھے انکو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھکر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہیں ہوگی جیسا کہ انکو دیکھکر دل اور روح کو لذت آتی تھی۔ میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے یعنی وہ ایک نور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرا وہ تھا جو اوپر سے نازل ہوا اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہوگئی۔ یہ روحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی کیونکہ وہ دنیا کی آنکھوں سے بہت دور ہیں لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں جن کو ان امور سے خبر ملتی ہے۔

غرض اس مدت تک روزہ رکھنے سے جو میرے پر عجائبات ظاہر ہوئے وہ انواع اقسام کے مکاشفات تھے۔ ایک اور فائدہ مجھے یہ حاصل ہوا کہ میں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا کہ میں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کر سکتا ہوں۔ میں نے کئی دفعہ خیال کیا کہ اگر ایک موٹا آدمی جو علاوہ فربہی کے پہلوان بھی ہو میرے ساتھ فاقہ کشی کے لئے مجبور کیا جائے تو قبل اس کے کہ مجھے کھانے کے لئے کچھ اضطرار ہو وہ فوت ہو جائے۔ اس سے مجھے یہ بھی ثبوت ملا کہ انسان کسی حد تک فاقہ کشی میں ترقی کر سکتا ہے اور جب تک کسی کا جسم ایسا سختی کش نہ ہو جائے میرا یقین ہے کہ ایسا تنعم پسند روحانی منازل کے لائق نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا

کہ ایسا کرے اور نہ مَیں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا۔ مَیں نے کئی جاہل درویش ایسے بھی دیکھے ہیں جنہوں نے شدید ریاضتیں اختیار کیں اور آخر یبوست دماغ سے وہ مجنون ہوگئے اور بقیہ عمر انکی دیوانہ پن میں گذری یا دوسرے امراض سل اور دق وغیرہ میں مبتلا ہوگئے۔ انسانوں کے دماغی قویٰ ایک طرز کے نہیں ہیں۔ پس ایسے اشخاص جنکے فطرتاً قویٰ ضعیف ہیں انکو کسی قسم کا جسمانی مجاہدہ موافق نہیں پڑ سکتا اور جلد تر کسی خطرناک بیماری میں پڑ جاتے ہیں۔ سو بہتر ہے کہ انسان اپنے نفس کی تجویز سے اپنے تئیں مجاہدہ شدیدہ میں نہ ڈالے اور دین العجائز اختیار رکھے۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی الہام ہو اور شریعت غرا اسلام سے منافی نہ ہو تو اسکو بجالانا ضروری ہے لیکن آجکل کے اکثر نادان فقیر جو مجاہدات سکھلاتے ہیں انکا انجام اچھا نہیں ہوتا پس انسے پرہیز کرنا چاہیئے۔

یاد رہے کہ مَیں نے کشف صریح کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے اطلاع پاکر جسمانی سختی کشی کا حصہ آٹھ۸ یا نو۹ ماہ تک لیا اور بھوک اور پیاس کا مزہ چکھا اور پھر اس طریق کو علی الدوام بجالانا چھوڑ دیا اور کبھی کبھی اسکو اختیار بھی کیا۔ یہ تو سب کچھ ہوا لیکن روحانی سختی کشی کا حصہ ہنوز باقی تھا۔ سو وہ حصہ ان دنوں میں مجھے اپنی قوم کے مولویوں کی بدزبانی اور بدگوئی اور تکفیر اور توہین اور ایسا ہی دوسرے جہلا کی دشنام دہی اور دل آزاری سے مل گیا۔ اور جسقدر یہ حصہ بھی مجھے ملا میری رائے ہے کہ تیرہ سو برس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کم کسی کو ملا ہوگا۔ میرے لئے تکفیر کے فتوے طیار ہوکر مجھے تمام مشرکوں اور عیسائیوں اور دہریوں سے بدتر ٹھہرایا گیا اور قوم کے سفہا نے اپنے اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے مجھے وہ گالیاں دیں کہ ابتک مجھے کسی دوسرے کے سوانح میں انکی نظیر نہیں ملی۔ سو مَیں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ دونوں قسم کی سختی سے میرا امتحان کیا گیا۔

اور پھر جب تیرھویں صدی کا اخیر ہوا اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی کہ تُو اس صدی کا مجدد ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ الرّحمٰن علّم القراٰن لتنذر قوماً ما انذر آباءھم ولتستبین سبیل المجرمین۔ قل انّی امرت وانا اوّل المؤمنین۔ یعنی خدا نے تجھے قرآن سکھلایا اور اس کے صحیح معنے تیرے پر کھولدیئے یہ اس لئے ہوا کہ تا تُو ان لوگوں کو بدانجام سے ڈراوے کہ جو باعث پشت در پشت کی غفلت اور نہ متنبہ کئے جانیکے غلطیوں میں پڑ گئے اور تا اُن مجرموں کی راہ کھل جائے کہ جو ہدایت پہنچنے کے بعد بھی راہ راست کو قبول کرنا نہیں چاہتے انکو کہدے کہ مَیں مامور من اللہ اور اوّل المؤمنین ہوں۔ اور یہ الہام براہین احمدیہ میں چھپ چکا ہے جو اُنہی دنوں میں جسکو آج اٹھارہ ۱۸ سال کا عرصہ ہوا ہے مَیں نے تالیف کرکے شائع کی تھی۔ اس کتاب کے الہامات پر نظر غور ڈالنے سے ہر ایک کو معلوم ہو جائیگا کہ خدا نے کیوں اور کس غرض سے مجھے اس خدمت پر مامور کیا۔ اور کیا حالت موجودہ زمانہ کی اور صدی کا سر اس بات کو چاہتا تھا یا نہیں کہ کوئی شخص ایسے غربت اسلام کے زمانہ اور کثرت بدعات اور سخت

بارش بیرونی حملوں کے دنوں میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید اور تجدید دین کے لئے آئے۔

اور اس جگہ یہ بات بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ براہین احمدیہ کے زمانہ تک اس ملک کے اکثر علماء میرے دعویٰ مجدد ہونے کی تصدیق کرتے تھے اور کم سے کم یہ کہ نہایت حُسن ظن سے میرے الہامات پر بڑے بڑے سخت متعصبوں کو بھی کوئی جرح نہ تھی۔ اور اکثر ان میں سے بڑی خوشی سے کہتے تھے کہ خدا نے اسلام کے لئے چودھویں صدی کو مبارک کیا کہ اپنی طرف سے ایک مجدد بھیجا اور بعض نے ان میں سے نہایت اخلاص سے براہین احمدیہ کا ریویو بھی لکھا اور اس میں اس قدر میری تعریف کی کہ جسقدر ایک انسان کسی کامل درجہ کے راستباز اور پاک باطن اور خدا رسیدہ اور ہمدرد اسلام کی تعریف کر سکتا ہے حالانکہ اُس مولوی صاحب کو یہ بھی معلوم تھا کہ براہین احمدیہ میں وہ الہام بھی ہیں جن میں خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسےٰ اور مسیح موعود رکھا ہے۔ غرض اس وقت تک کہ تصریح کے ساتھ میری طرف سے دعویٰ مسیح موعود ہونے کا نہیں ہوا تھا اور صرف مجدد چودھویں صدی ہونا عام لوگوں میں مشہور تھا کوئی بڑی مخالفت علماء کی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ اکثر ان میں مصدق اور مطیع رہے۔ مگر اس دعویٰ مسیحیت کے وقت میں عجیب طور کا شور علماء میں پھیلا۔ اور انہیں اکثر لوگوں نے انواع و اقسام کی خیانت سے عوام کو دھوکا دیا اور بعض نے ان میں سے میری تکفیر کے بارہ میں استفتاء طیار کیا اور بڑی کوشش کر کے صدہا کم فہم اور موٹی عقل والے لوگوں کے اُس پر دستخط کرائے۔ مگر جیسا کہ پہلے آثار نبویہ میں لکھا تھا کہ اُس آنیوالے امام موعود کی تکفیر ہو گی اس پیشگوئی کو پورا کیا کیونکہ اُن پاک نوشتوں کا پورا ہونا ضروری تھا۔ اور تعجب کہ مسیح موعود ہونے کے دعوے میں کوئی ایسی نئی بات نہیں تھی کہ جو براہین احمدیہ میں اُس وقت سے اٹھارہ [۱۸] برس پہلے درج نہیں ہو چکی تھی۔ مگر پھر بھی نادان مولویوں نے اس دعوے پر بڑا شور برپا کیا۔ آخر انکی فتنہ انگیزیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ گھر گھر میں عداوت پڑ گئی مسلمانوں کا ایک گروہ میرے ساتھ ہو گیا اور ایک گروہ کج فہم مولویوں کے پیچھے لگا اور ایک گروہ ایسا رہا کہ نہ موافق اور نہ مخالف۔ اور اگرچہ ہمارا گروہ بھی بکثرت دنیا میں نہیں پھیلا۔ لیکن پشاور سے لیکر بمبئی اور کلکتہ اور حیدر آباد دکن اور بعض دیار عرب تک ہمارے پیرو دنیا میں پھیل گئے۔ پہلے یہ گروہ پنجاب میں پھولا پھولتا گیا اور اب مَیں دیکھتا ہوں کہ ہندوستان کے اکثر حصوں میں ترقی کر رہا ہے۔ ہمارے گروہ میں عوام کم اور خواص زیادہ ہیں۔ اس گروہ میں بہت سے سرکار انگریزی کے ذی عزت عہدہ دار ہیں جو ڈپٹی کلکٹر اور اکسٹرا اسسٹنٹ اور تحصیلدار وغیرہ معزز عہدوں والے آدمی ہیں ایسا ہی پنجاب اور ہندوستان کے کئی رئیس اور جاگیردار اور اکثر تعلیم یافتہ ایف اے بی اے اور ایم اے اور بڑے بڑے تاجر اس جماعت میں داخل ہیں۔ غرض ایسے لوگ جو عقل اور علم اور عزت اور اقبال رکھتے تھے یا بڑے بڑے عہدوں پر سرکار انگریزی کی طرف سے مامور تھے یا رئیس اور جاگیردار اور تعلقدار اور انکی اولاد تھے اور یا ہندوستان کے قطبوں اور غوثوں کی نسل تھے جن کے بزرگوں کو لاکھوں انسان اعلیٰ درجہ کے ولی اور قطب سمجھتے تھے وہ لوگ اس جماعت میں داخل ہوئے اور ہوتے جاتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ کے فضل اور قدرت نے

مولویوں کو اُن کے ارادوں سے نامراد رکھکر ہماری جماعت کو فوق العادت ترقی دی ہے اور دے رہا ہے - وہ لوگ جو حقیقت در پارسا طبع اور خدا ترس اور نوع انسان سے ہمدردی کرنیوالے اور دین کی ترقی کے لئے بدل وجان کوشش کرنیوالے اور خدا تعالیٰ کی عظمت کو دلمیں بٹھانیوالے اور عقلمند اور ذی فہم اور اولوالعزم اور خدا اور رسول سے سچی محبت رکھنے والے ہیں وہ اس جماعت میں بکثرت پائے جائینگے - مَیں دیکھتا ہوں کہ خداوند کریم اسبات کا ارادہ کر رہا ہے کہ اس جماعت کو بڑھاوے اور برکت دے اور زمین کے کناروں تک سعادتمند انسانوں کو کھینچکر اس میں داخل کرے"

یہانتک میں حضرت مرزا صاحب کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے واقعات کو نقل کیا ہے - اس کے بعد جو کچھ آپنے لکھا ہے وہ متعلق بہ عقائد ہے لیکن چونکہ عقائد کے متعلق میں کل بحث گذشتہ رسالے میں سلسلہ احمدیہ کے حالات میں کرچکا ہوں اسلئے اب اس بحث کو چھوڑکر میں کسیقدر حالات آپ کی اس زندگی کے بیان کرونگا جو دعویٰ مسیحیت سے شروع ہوئی ہے

یاد رکھنا چاہیئے کہ سنہ ۱۸۹۱ء یعنی دعویٰ مسیحیت کا سال حضرت مرزا صاحب کی زندگی کو ۲ حصوں پر تقسیم کرتا ہے نہ صرف اس لحاظ سے کہ دعویٰ مسیحیت سے قبل آپکی قبولیت بہت تھی اور اس دعوے کے بعد مخالفت حد سے زیادہ ترقی کرگئی - اور جس شخص کو پہلے ملہم من اللہ اور مجدد چودھویں صدی اور مثیل مسیح اور عظیم الشان خادم اسلام اور اسلام کی برکات کا زندہ ثبوت تسلیم کیا گیا تھا اسی کو بعد میں مفتری اور ضال اور مضل اور دجال اور دین میں فساد ڈالنے والا اور مخرب دین اسلام قرار دیا گیا - بلکہ اس سال کیساتھ جو آپکی زندگی دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے وہ ایک اور رنگ میں اپنے اندر یہ ثبوت رکھتی ہے کہ واقعی آپ مبعوث من اللہ اور مؤید و منصور من اللہ ہیں - اور یہ دو حصے بعینہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ان دو حصوں سے مشابہ واقع ہوئے ہیں جو ہجرت سے قبل اور ہجرت کے بعد کے زمانے ہیں - اس طرح پر کہ دعویٰ مسیحیت سے قبل اللہ تعالیٰ کی کلام میں جو آپ پر نازل ہوا کئی وعدے پائے جاتے ہیں جنکا ایفاء ایک حیرت انگیز طریق میں دعویٰ مسیحیت کے بعد ہوتا ہے جیساکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکی زندگی میں عظیم الشان فتوحات کے وعدے دیئے گئے جنکا ایفاء آپ کی مدنی زندگی میں ہوا - یہ وعدے ایسی صراحت سے کتاب براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں جو سنہ ۱۸۸۲ء میں شائع ہوچکا تھا موجود ہیں کہ سخت سے سخت مخالف بھی انسے انکار نہیں کرسکتا - (دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۰) یریدون ان یطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون - اذا جاء نصر اللہ والفتح وانتھی امر الزمان الینا - الیس ھذا بالحق - ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین - الا ان نصر اللہ قریب - یاتیک من کل فج عمیق یاتون من کل فج عمیق - ینصرک اللہ من عندہٗ ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء - انک باعیننا یرفع اللہ ذکرک - ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس اصحاب الصفۃ وما ادراک ما اصحاب الصفۃ تری اعینھم تفیض من الدمع یصلون علیک - ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان وداعیا الی اللہ

وسراجاً منیراً ۱۰۔ ملوا۔ ایسا ہی مخالفت کی خبریں اور مخالفین کی تدبیروں کی اطلاع اور فتح و نصرت کے عظیم الشان وعدے اور لوگوں کا جوق در جوق آنا اور ہر طرف سے نصرت کے سامان پیدا ہو جانا وغیرہ امور کے متعلق براہین احمدیہ حصہ چہارم میں کثرت سے پیشگوئیاں موجود ہیں۔ اب یہ وعدے اُسوقت دیئے گئے ہیں جب آپ بالکل گوشۂ تنہائی میں تھے۔ اور سوائے ان چند زمینداروں کے جن کو آپ سے واسطہ پڑتا تھا اور کوئی آپ کو جانتا بھی نہ تھا۔ کیونکہ اگرچہ یہ الہامات ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئے مگر اس میں شک نہیں کہ اس سے بہت پہلے زمانے کے ہیں چنانچہ ایک الہام ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء کا (جسکا تذکرہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۲۰ پر کیا ہے) یہ ہے "تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دیگا یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے" اب جائے غور ہے کہ ایک ایسے بعید زمانے کے وعدے جن کو آج گویا چالیس برس گذر چکے ہیں کس صفائی سے اسوقت پوری ہو رہے ہیں۔ دعویٰ مسیحیت سے پہلا زمانہ تو وعدوں ہی وعدوں کا تھا کہ اول تیری مخالفت ہوگی اور سخت مخالفت ہوگی اور لوگ تیرے نابود کرنیکی کوششیں کریں گے اور طرح طرح کی تدابیر تیرے ہلاک کرنیکے لئے سوچیں گے مگر خدا ان سب کو ناکام اور نامراد کریگا اور وہ کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے۔ پھر خدا اپنی نصرتیں تیرے شامل حال کریگا اور جوق در جوق لوگ تیرے پاس آئیں گے اور ہر دور کی راہ سے تحائف اور مالی امداد تیرے پاس پہنچے گی اور خدائے تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں وحی کریگا کہ وہ تیری مدد کے لئے آدیں۔ اور اس کثرت سے لوگ آئیں گے کہ قریب ہے کہ تُو انکے ہجوم کے سبب سے تھک جاوے اور بعض دلوں پر تیری کشش ایسا کام کریگی کہ وہ گھر بار چھوڑ کر تیرے پاس آ رہیں گے۔ اور خدائے تعالیٰ کے نشانوں کو تازہ بتازہ پورے ہوتے دیکھ کر انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے۔ اور پھر اخیر یہ فرمایا یہ تمام وعدے ہیں انکو لکھ رکھو تا ان کے پورا ہونے کے وقت وہ لوگوں کی تازگی ایمان کا موجب ہوں اور خدائے تعالیٰ کی ہستی کا یقین تمام دلوں میں پیدا کریں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر دعویٰ مسیحیت نہ ہوتا تو یہ وعدے بھی نرے وعدے ہی رہتے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور انسان کے علم سے بہت بڑھکر یہ بات ہے کیونکہ وہ تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں کل تک زندہ رہونگا چہ جائیکہ تیس چالیس سال کی نہاں در نہاں خبریں پہلے سے بتا چھوڑے۔ ہاں خدا اس بات کو جانتا تھا اور اس نے سالہا سال پہلے ان باتوں کو اپنے برگزیدہ پر ظاہر کیا کہ ایسے ایسے واقعات تیری زندگی میں آنیوالے ہیں۔ اور یہ تمام وعدے دعویٰ مسیحیت کے بعد ہی پورے ہوئے اور دعویٰ مسیحیت ہی انکا پورا کرنیوالا ہوا۔ اس میں اُن لوگوں کو خصوصیت سے غور کرنا چاہیئے جو مانتے ہیں کہ دعویٰ مسیحیت سے پہلے واقعی آپ ملہم من اللہ اور مجدد تھے۔ کیونکہ اگر یہ وعدے انکے اپنے اقرار کے بموجب خدا کی طرف سے تھے تو اب وہ غور کریں کہ انکا ایفا تو دعویٰ مسیحیت کے ذریعہ سے ہوا پس یہ کسقدر ظلم ہے کہ وعدوں کو منجانب اللہ کہا جائے اور ان کے ایفا کو جو اور بھی ازدیاد ایمان کا موجب ہونا چاہیئے تھا افترا کہا جائے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ اگر وعدوں کے منجانب اللہ ہونے پر کسی کو شک بھی ہوتا تو انکے پورا ہونے سے وہ شک بھی رفع ہو جانا چاہیئے تھا

نہ یہ کہ وعدوں کو منجانب اللہ تسلیم کر کے انکے پورا ہونے پر اعتراض کیا جاوے۔ الغرض دعویٰ مسیحیت حضرت مرزا صاحب کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ یعنی حصہ(۱) قبل دعویٰ مسیحیت جو وعدوں کا زمانہ ہے اور حصہ(۲) بعد دعویٰ مسیحیت جو ان وعدوں کے پورا ہونیکا زمانہ ہے۔ ایسے ہی دو حصے زندگی کے ہجرت کے اول اور بعد ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اور تاریخی طور پر یہ دو ہی انسان ہیں جن کی زندگی کے ایک حصہ میں عظیم الشان وعدوں کا کیا جانا اور ان کا شائع ہونا ایسے وعدے جو انسانی فہم اور قیاس سے برتر اور غیب کی نہایت باریک خبروں پر مشتمل ہیں۔ اور زندگی کے دوسرے حصے میں ان تمام وعدوں کا نہایت صفائی سے پورا ہونا ثابت شدہ امور ہیں اور اگرچہ دوسرے نبیوں کی زندگی میں بھی ضرور ایسا ہوا ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اپنے انبیاءؑ کے ساتھ یہ سنت معلوم ہوتی ہے مگر تاریخی ثبوت ان باتوں کا ہمارے پاس کوئی نہیں۔ اور یہ ثبوت ایسا یقینی اور قطعی ثبوت منجانب اللہ ہونیکا ہے کہ اس سے بڑھکر نہ کسی معجزہ کی شہادت ہو سکتی ہے اور نہ کسی دلیل کی۔ یہ ثبوت ہر قسم کے شک اور گمان سے خالی ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کا بدیہی ثبوت ہے جس کی نظیر کسی جھوٹے اور مفتری کی زندگی میں قطعاً نہیں مل سکتی۔ کیونکہ وہ وقت جس میں ایسے وعدے کئے جاتے ہیں جیسا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مکی حصہ اور حضرت مرزا صاحب کی زندگی کا وہ حصہ جو قبل از اشاعت براہین احمدیہ اور قبل از دعویٰ مسیحیت ہے۔ ماموروں پر ایک نہایت درجہ کی بیکسی اور غربت کا زمانہ ہوتا ہے۔ اور اس بیکسی کی حالت میں وہ وعدے کئے جاتے ہیں جو اپنے اندر عظیم الشان قدرت اور طاقت کا نشان رکھتے ہیں۔ پس وہ کسی انسانی علم یا اٹکل کے سرچشمہ سے نہیں نکل سکتے بلکہ اس قادر و علیم خدا کی طرف سے ہی ہو سکتے ہیں جس کی طاقت اور علم غیر محدود ہیں۔

دعوےٰ کے ماقبل اور مابعد کی زندگی کے مقابلہ کا ایک اور پہلو بھی ہے جس سے دعوے کی اصلیت پر روشنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں ہم یہ نظارہ دیکھتے ہیں کہ نبی کو اس کے دعوے کے وقت تک ایک بڑا راستباز اور برگزیدہ انسان عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور کوئی شخص نہیں ہوتا کہ اسپر کچھ بھی عیب لگا سکے۔ لیکن دعوے کے بعد اسقدر الزام نبی پر لگائے جاتے ہیں کہ انکی کوئی حد نہیں رہتی۔ چونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تاریخی زندگی ہے اس لئے مثال کے طور پر میں اسی کو پیش کرتا ہوں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون (سورہ یونس رکوع ۲) گویا اس آیت شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخالفین کو علی الاعلان یہ فرماتے ہیں کہ اس دعویٰ نبوت سے پہلے بھی تو میں ایک عمر (چالیس سال) تمہارے اندر گذار چکا ہوں اور تم میرے حالات سے بخوبی واقف ہو پس تم میرے اس حصہ زندگی پر اگر کوئی عیب لگا سکتے ہو تو لگاؤ اور اگر تم کوئی عیب نہیں لگا سکتے تو پھر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا۔ کہ تم اتنا نہیں سمجھتے کہ جس آدمی نے چالیس سال کی عمر تک جو عین جوش جوانی کا وقت ہے ہر ایک قسم کی بُری بات سے اجتناب کیا اور ہر ایک فسق و فجور ہر ایک کذب خیانت اور دغا کی راہ سے بچارہا گیا ایسا آدمی بڑھاپے کی عمر میں پہنچکر اس سب سے بدتر گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے کہ افترا علی اللہ کرکے کل کی کل مخلوق کو

دھوکہ میں ڈالے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک جو آپنے دعویٰ نبوت کیا الامین کے نام سے عرب میں پکارے جاتے تھے اور کوئی شخص یہ گواہی نہیں دیتا تھا کہ آپنے اپنی ساری عمر میں ایک بھی جھوٹ بولا ہو۔ ایک عقلمند انسان کے لئے تو اسیقدر سمجھ لینا کافی ہے۔ کیونکہ جس شخص کا جوش اور جذبات جوانی کا وقت اسقدر نیکی اور راستبازی سے گذرتا ہے کہ قوم کے اندر اپنی صداقت اور راستبازی کی وجہ سے شہرت پا جاتا ہے۔ اس کے لئے کیونکر ممکن ہے کہ یکایک ہی ایک ایسی تبدیلی اسکے اندر پیدا ہو جائے جسکا محرک بھی کوئی نظر نہیں آتا کہ وہ تمام نقشہ بدل کر وہ افترا علی اللہ کی ذلیل ترین زندگی اختیار کر لے۔ پس جس طرح قرآن شریف نے کفار کو ملزم کیا اسی طرح آج وہ لوگ بھی ملزم ٹھہرتے ہیں جو جانتے ہیں اور اگر جانتے نہیں تو تحقیق کر سکتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی زندگی قبل از دعویٰ مسیحیت ایک بالکل بے لوث اور اعلیٰ درجہ کی راستبازی کی زندگی تھی۔ اور عجیب تر یہ کہ آپکے الہامات میں بعینہٖ وہی عبارت پائی جاتی ہے جو وحی قرآنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پائی جاتی ہے چنانچہ آپکے الہام کے یہ لفظ ہیں ولقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون۔ اب کوئی شخص خدارا غور کرے کہ حضرت مرزا صاحب کی زندگی قبل از دعویٰ مسیحیت بعینہٖ اسی قسم کی بے لوث زندگی ہے یا نہیں جیسے انبیاء کی ہوتی ہے؟ بڑے سے بڑا الزام یہ دیا جاتا ہے کہ آپنے طلب شہرت کی وجہ سے یہ دعویٰ کیا ہے۔ لیکن جب ہم آپکے بچپن کے حالات سے لیکر جوانی اور بڑھاپے کے حالات تک غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ہمیشہ سے شہرت سے اور شہرت طلبی سے سخت نفرت اور پرلے درجہ کی بیزاری رہی ہے بلکہ آپ ابتدا سے ہی تنہائی پسند تھے اور ایک لمحہ کے لئے بھی آپکے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ بڑے بننے کی کوشش کریں۔ بلکہ اگر آپ گوشۂ تنہائی سے نکلے تو وہ بھی اطاعت والدین کے لئے نہ اپنے نفس کی خواہش سے۔ اُس زمانے میں بھی جب کوئی شخص آپکے والد صاحب کے پاس آتا تو آپ کو ان مجالس میں شریک نہ پاتا۔ اور آپکے والد صاحب ایسے موقع پر استفسار کرنیوالوں کو یہی فرمایا کرتے تھے کہ آپ کو مسجد کسی کونے میں تلاش کریں۔ ان تمام باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپکی طبیعت ہی شہرت پسند نہیں بنائی گئی بلکہ آپ فطرتاً ہی تنہائی پسند ہیں۔ پس کیا فطرت بدل سکتی ہے۔ نہیں بلکہ اتنی لمبی تو عادت کا بدلنا بھی محال ہے۔ جو لوگ طالب شہرت ہوا کرتے ہیں انکے ابتدائی حالات سے ہی انکی اس طبیعت کا پتہ لگ جاتا ہے۔ ایسا ہی آپ کی اس ابتدائی زندگی کے سیکڑوں واقعات ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جھوٹ سے ہمیشہ سے نفرت رہی ہے۔ اور باوجودیکہ آپ کو کثرت سے مقدمات کرنے پڑے مگر جھوٹ سے آپ اسقدر مجتنب تھے کہ آپکے مخالفین بھی اس بات کے قائل تھے۔ کئی دفعہ جب آپ کی جائداد یا آپ کی عزت اور نیکنامی بھی معرض خطر میں تھی تب بھی آپنے بلا تامل سچ کو ہی اختیار فرمایا۔ اور جھوٹ سے ایسی نفرت ظاہر کی جیسے کوئی سڑے ہوئے اور بدبودار مردار سے کرتا ہے۔

دعویٰ مسیحیت کے ساتھ جیسا کہ حضرت میرزا صاحب نے خود لکھا آپ کی سخت مخالفت کا شور اٹھا اور اس مخالفت کی

آگ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اور ایک فرقہ سے دوسرے فرقہ تک پھیل گئی یہانتک کہ کل اقوام آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئیں۔ یہ مخالفت صرف قلم اور کاغذ تک ہی محدود نہیں رہی۔ ہاں کاغذی مخالفت پہلا قدم تھا۔ اس کاغذی مخالفت میں جو فتوے مولوی صاحبان نے آپ پر لگائے وہ صرف کفر و ارتداد کے ہی نہ تھے بلکہ صریح الفاظ میں فتوے دیئے گئے کہ آپکا مال چھین لینا۔ یا آپ کی عورتوں کی بےحرمتی کرنا یا آپ کو جان سے مار ڈالنا یہ سب کچھ جائز بلکہ عین ثواب اور نیکی کا کام ہے۔ اب اس مخالفت میں بھی کئی باتیں غور طلب ہیں۔ اول تو یہ کہ اسکی خبر براہین احمدیہ میں دس سال پہلے دیجا چکی تھی جیسا کہ مندرجہ بالا الہامات سے معلوم ہوگا۔ دوسرا امر غور طلب یہ ہے کہ ایک بیکس اور غریب انسان کو اسقدر طاقت کہاں سے مل جاتی ہے کہ وہ کل دنیا کی مخالفت کی برداشت کرتا ہے اور کسی طرح اس سے اثر پذیر نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے طاقتور بادشاہ جو زبردست افواج اپنے ساتھ رکھتے ہیں اپنی ہی رعایا کی تھوڑی تھوڑی مخالفتوں پر حیران ہوجاتے ہیں مگر مامور من اللہ باوجود اکیلا ہونے کے اور باوجود اس کے کہ کل دنیا اس کی مخالفت پر تلی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اس کے نیست و نابود کرنے پر کمربستہ ہوتی ہے۔ ایک لحہ کے لیے بھی گھبراتا نہیں۔ ایک معمولی انسان محض اس مخالفت کی وجہ سے ہلاک ہوسکتا ہے۔ مگر مامور من اللہ اپنی ایک بات کو بھی نہیں چھوڑتا اور جو پیغام وہ پہلے دن دیتا ہے اس سے دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ اور نہ ہی خود کبھی اس کے دل میں یہ خیال گذرتا ہے کہ وہ اپنی باتوں کو چھوڑ دے اور مخالفین سے صلح کرے۔ پس یہ خارق عادت طاقت جو اسے مخالفت کی برداشت کرنیکے لئے دیجاتی ہے۔ خدا تعالے کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔ تیسرا امر غور طلب یہ ہے کہ جس صورت میں دنیا کی کل طاقتیں ایک شخص کو نیست و نابود کرنیکے درپے ہوتی ہیں۔ تو یہ کیونکر ہوتا ہے کہ بالآخر وہی شخص غالب آجاتا ہے اور تمام کے تمام مخالفین ناکام اور نامراد ہو جاتے ہیں؟ وہ مخالفت کی آگ جس کے شعلے بدیدن آسمان تک پہنچے ہوئے ہیں۔ ایک آدمی کی پھونک سے کیونکر بجھ جاتی ہے؟ تمام انسانی تجربے اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں کہ ایک اکیلے انسان کے خلاف کل کے کل منصوبے نکمے ہوجاویں اور زبردست سے زبردست طاقت اس کی عاجزی کے بالمقابل ہیچ ہوجاوے یقیناً اگر انسانی طاقت سے بالاتر کوئی طاقت اسکی تائید میں نہ لگی ہو تو اس کا بچنا۔ اسکے خلاف منصوبوں اور مخالفتوں کا ناکام ہونا اور بالآخر اسکا ان تمام مخالفین پر غالب آجانا محال باتیں ہیں۔ فتدبروا

آپ کی سوانح کے حالات میں کسیقدر مختصر حال ان سفروں کا لکھنا بھی ضروری ہے جو آپ کو وقتاً فوقتاً پیش آتے رہے۔ یہ سنت اللہ بھی تمام انبیاء کے حالات میں نظر آتی ہے کہ انہیں کچھ نہ کچھ سفر بھی کرنا پڑتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی مصالح اور حکمتیں ہونگی مگر اتنا تو آسانی سے سمجھ میں آتا ہے کہ سفروں کی وجہ سے ایک تو وہ مختلف لوگوں سے مل کر دنیا کی ردی حالت کو مشاہدہ کرلیتے ہیں اور اسطرح پر وہ جوش جو اللہ تعالیٰ نے انکو ہمدردی مخلوق کے لیے بخشا ہوتا ہے اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اور لوگوں کی بیماریوں کے حالات سے انکو اطلاع ہوجاتی ہے۔ دوم سفر کی

صعوبتیں انکو ہر قسم کے مصائب اور شدائد کے اٹھانیکے قابل بنا دیتی ہیں۔ کیونکہ ایک مامور کی زندگی آرام اور راحت کی زندگی نہیں ہوتی بلکہ ہر طرف سے اسے مصائب اور مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور چونکہ سفر میں بھی انسان کو بڑی بڑے مصائب اٹھانے پڑتے ہیں۔ اس لئے یہ ایک سامان ابتدا سے ہی اسے مصائب کا عادی کرنے کا ہوتا ہے۔

زمانہ بعثت سے پہلے جو سفر آپ نے کئے انمیں سے ایک حصہ تو اُن سفروں کا ہے جو آپ کو اپنے والد بزرگوار مرحوم کی اطاعت کے لئے اپنی جاگیر اور جائداد کے مقدمات کے لئے کرنے پڑے ان سفروں میں آپنے قادیان سے لیکر ڈلہوزی تک پاپیادہ سفر بھی کیا۔ اس زمانہ میں جو آج سے تیس پینتیس ۳۵ سال پہلے کا زمانہ ہے راستوں اور سڑکوں کا ایسا اہتمام نہ تھا اور نہ سفر کی سہولتیں پیدا ہوئی تھیں پھر پہاڑوں کا دشوار گذار راستہ اور پیادہ پلٹے کرنا کسی معمولی ہمت و استقلال کا نہیں چاہتا۔ بلکہ اس کے لئے بڑا ہی جفاکش اور جواں ہمت مسافر چاہیئے۔ اور پھر یہ سفر بھی جبکہ تفریح کے خیال سے نہ ہو بلکہ ایک مقررہ وقت پر ایک جگہ حاضر ہونا ہو۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ کو اپنے سفر میں کسی غیر معمولی ہمت سے کام لینا پڑتا ہوگا۔ پھر پہاڑی قوموں کی سوشل لایف بہت کچھ قابل اعتراض ہے لیکن یہ خدا کا برگزیدہ جو کل دنیا کی ہدایت کے لئے تھوڑے ہی دنوں بعد مامور ہونیوالا تھا۔ باوجود اپنی وجاہت اور زمانہ شباب اور ہر قسم کی آزادی کے جذبات کے خطرناک اپیل کرنیوالے مقامات سے اسی طرح معصوم آیا جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے بارہا آپنے ان ایام کے عجائبات سناتے ہوئے فرمایا ہے کہ "جب کبھی ڈلہوزی مجھے جانیکا اتفاق ہوتا تو پہاڑوں کے سبزہ زار حصوں اور بہتے ہوئے پانیوں کو دیکھ کر طبیعت میں بے اختیار اللہ تعالیٰ کی حمد کا جوش پیدا ہوتا اور عبادت میں ایک مزا آتا۔ میں دیکھتا تھا کہ تنہائی کے لئے وہاں اچھا موقع ملتا ہے۔" ان جملوں کو جو آپ کے کلام کا مفہوم ہیں سنکر آپ کی پاکیزہ فطرت کا قلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واقع ہونا یاد آجاتا ہے۔

اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد جب آپنے تصنیف کا سلسلہ شروع کیا تو آپ کو اکثر امرتسر میں براہین احمدیہ کے چھپوانیکے لئے جانا پڑتا تھا۔ ان مشکلات کے وقت اکثر مرتبہ آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی کہ قادیان میں ہی کوئی ایسا مطبع ہو جہاں آپ کی تصانیف چھپ سکیں۔ لیکن اسوقت اور زمانہ میں اس خواہش کا پورا ہونا قریباً محال معلوم ہوتا تھا مگر آخر وہ خواہش بھی اللہ تعالیٰ نے پوری کی بلکہ آپکی زندگی کا غور سے مطالعہ کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسی خواہش نہیں جو آپنے کی اور اللہ تعالیٰ نے پوری نہ کی ہو۔ ان سفروں کا سلسلہ ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک رہا۔ اور اس اثنا میں آپ اکثر شیخ غلام حسن رئیس کے مکان پر ٹھہرتے۔ پروف وغیرہ کی صحت سے جسقدر وقت بچتا اسمیں آپ پادری عبداللہ آتھم سے مناظرہ کرتے۔ اسطرح پر آپ کا کل وقت اعلائے کلمہ اسلام میں صرف ہوتا۔ وہ لوگ جن سے آپ کو تعلق پڑتا وہ ابتک زندہ ہیں اور اس بات پر گواہ ہیں کہ آپکی زندگی کا یہ حصہ بالکل بے لوث گذرا۔ براہین احمدیہ کے چوتھے حصہ کے چھپ جانیکے بعد آپ کو ایک اور سفر درپیش آیا جو ہوشیارپور اور لدھانہ کا سفر ہے۔ اس سفر میں

ابتدائے مارچ ۱۸۸۶ء میں لالہ مرلیدھر آریہ سماجی کے ساتھ آپ کا ایک مباحثہ بمقام ہوشیارپور ہوا جس میں اسلام پر اعتراض معجزہ شق القمر کے متعلق تھا اور آریہ سماج کا عقیدہ قدامت روح اور نجات کا عارضی ہونا زیر بحث تھا۔ اس مناظرہ کی کیفیت کتاب سرمہ چشم آریہ میں ملتی ہے۔ مباحثہ کے بعد ہی آپ نے بذریعہ ایک اشتہار کے آریہ سماج کو مباہلہ کے لئے بھی بلایا۔ اس سفر کے بعد آپ لدھانہ گئے اور اسی جگہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو آپ نے بیعت کا اعلان بھی کیا۔ دوسرے موقعہ پر جب آپ نے اعلان دعوئ مسیحیت کیا تو اس وقت بھی آپ لدھانہ میں تھے۔ اعلان دعوئ مسیحیت کے بعد اسی مقام لدھانہ پر آپ کی بحث مولوی محمد حسین بٹالوی سے ہوئی جسکی کیفیت الحق بحث لدھانہ میں درج ہے اس کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے جہاں کئی روز کی متواتر کوششوں کے باوجود مولوی صاحبان بحث کے رخ پر نہ آئے۔ اور آخر مولوی محمد بشیر بھوپال سے مناظرہ کے لئے آئے۔ دہلی کے بعد آپ ابتدائے جنوری ۱۸۹۲ء میں لاہور تشریف لائے اور وہاں سے سیالکوٹ گئے۔ ان تمام سفروں کی غرض اپنے دعوے کو کھولکر بیان کرنا تھا۔

سفروں کے اس سلسلہ کے ختم ہونیکے بعد آپ واپس قادیان تشریف لائے جہاں سے مئی ۱۸۹۳ء میں آپ پھر عبد اللہ آتھم کے ساتھ مباحثہ کے لئے امرتسر تشریف لیگئے۔ جہاں پندرہ روز آپ کا قیام ہوا۔ اختتام مباحثہ پر عبد الحق غزنوی نے آپ سے مباہلہ کیا۔ اس کے بعد تیس ستمبر ۱۸۹۵ء کو آپ مع چند رفقاء کے ڈیرہ نانک تشریف لے گئے اس سفر کی غرض چولہ کی اصلیت کا معلوم کرنا تھا۔ اسی سفر کا نتیجہ کتاب ست بچن ہے جس نے سکھوں پر اتمام حجت کر دی ہے کہ دراصل باوا نانک صاحب مسلمان ہی تھے۔ چنانچہ انکے چولہ نے انکے مذہب کی اصلیت کو کھولکر بیان کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ کے جسقدر سفر ہیں وہ عموماً سوائے ایک دو مستثنیات کے کسی نہ کسی مقدمہ کی وجہ سے تھے۔ ۱۸۹۷ء میں آپ کو بٹالا اور گورداسپور ڈاکٹر کلارک والے مقدمہ میں جوابدہی کے لئے جانا پڑا اسی سال کے اخیر میں ملتان ایک شہادت کے ادا کرنیکے لئے آپکو جانا پڑا جس کی اطلاع آپ کو بذریعہ رؤیا پہلے ہو چکی تھی اگلے سال ایک اور مقدمہ میں جوابدہی کے لئے آپ کو پٹھانکوٹ گورداسپور وغیرہ جانا پڑا۔ جنوری ۱۹۰۳ء میں بمقام جہلم دو مقدمہ میں جو ازالہ حیثیت عرفی کے تھے جوابدہی کے لئے آپ کو جانا ضروری ہوا۔ اس سفر میں لوگوں کا اشتیاق اور آپکی قبولیت لوگوں کے دلوں میں بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اس کے بعد ۱۹۰۳ء کے اخیر حصہ میں اور ۱۹۰۴ء میں آپ کو اکثر مرتبہ ایک اور ازالہ حیثیت عرفی کے مقدمہ میں جوابدہی کے لئے گورداسپور جانا پڑا۔ اور ۱۹۰۴ء میں تو قریباً پانچ ماہ تک گورداسپور ہی رہنا پڑا۔ اسی اثنا میں آپ لاہور بھی تشریف لے گئے جہاں ۳۔ ستمبر ۱۹۰۴ء کو ایک لیکچر آپکا ہوا جس میں دس ہزار سے زیادہ ہر مذہب و ملت کے لوگ جمع تھے۔ ان مقامات پر اور ایسا ہی اسی سال کے اخیر مقام سیالکوٹ پر بہت لوگوں نے بیعت کی اور جوق درجوق لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوئے۔ سیالکوٹ کے مقام پر ہی اثنائے لیکچر میں آپ نے کھولکر اس امر کو بھی

بیان کیا کہ جس اوتار کے آنیکا ہندوؤں کو انتظار ہے اس سے آپکی ہی مراد ہے۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء میں آپ دہلی تشریف لے گئے۔ اور اگرچہ دہلی کی حالت پہلے کی نسبت بہت بدلی ہوئی تھی۔ مگر جیسا کہ الہام الٰہی میں آپکی روانگی سے پہلے ظاہر ہو چکا تھا دہلی کے دروازے بند پائے گئے۔ وہاں سے واپسی کے وقت آپنے ایک لیکچر بمقام لدھیانہ دیا۔ اور ایسا ہی امرتسر کے قیام میں ایک لیکچر اس جگہ بھی دینا چاہا۔ مگر جاہل لوگوں نے اسقدر شور مچایا کہ لیکچر بند کرنا پڑا اور ملّانوں کے اکسانے سے لیکچر ہال سے نکلتے وقت آپ پر پتھروں کی سخت بارش کی۔ گویا واقعہ طائف کا نقشہ اس زمانہ میں دکھا دیا۔

آپ کی زندگی کا ایک اور پہلو بہت قابل غور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ باوجود خلوت پسندی کے آپکو پیروی مقدمات کے لئے عدالتوں میں جانا پڑا۔ ابتدائی زندگی میں تو یہ محض ایک فرض تھا جو اطاعت والدین کیلئے آپ بجالاتے رہے۔ مگر ان مقدمات میں آپ کبھی ان فرائض میں غافل نہیں ہوئے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے متعلق ہیں۔ عین کچہری میں آپ وقتِ نماز پر نماز میں اس طرح مشغول ہو جاتے۔ گویا کہ آپ کو اور کوئی کام ہی نہیں تھا اور بسا اوقات ایسا ہوا کہ آپ نماز میں مشغول ہیں اور اُدھر مقدمہ میں طلبی ہوئی مگر آپ اسی طرح اطمینان قلب سے نماز میں لگے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان مقدمات میں آپکی راستبازی کا حال بھی لوگوں پر کھل گیا۔ عام طور پر مقدمات کے ساتھ جھوٹ بہت بڑھا ہوا ہے مگر آپکی نسبت اس سارے زمانہ میں جب آپ اپنے والد صاحب کی طرف سے پیروی مقدمات کرتے رہے کوئی شخص گواہی نہیں دے سکتا کہ آپنے کبھی ایک لفظ بھی جھوٹ بولا ہو۔ بلکہ اکثر اوقات محض اپنی راست بیانی کی وجہ سے مقدمات میں نقصان بھی اٹھایا یہانتک کہ مخالفوں تک اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ مرزا غلام احمد صاحب کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔ آپکے زمانہ تصنیف براہین احمدیہ کا ایک واقعہ ہے جس سے اس بات کی شہادت ملتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپنے کسی اخبار کے مضمون کے ساتھ ایک خط بھی اسی پیکٹ میں رکھدیا جو اس وقت کے قانون کے رو سے جرم تھا چونکہ اخبار والا آپ کا مخالف تھا اس نے اسکی اطلاع ڈاکخانہ میں کی اور آپ پر مقدمہ ہوا۔ بہت لوگوں نے آپکو اسوقت سمجھایا کہ اسوقت یہی مصلحت ہے کہ آپ انکار کر دیں کہ مَیں نے یہ خط اندر نہیں رکھا۔ اخبار والا مخالف ہے اس نے خود رکھدیا ہے مگر آپنے قطعاً انکار کیا۔ چنانچہ شیخ علی احمد صاحب وکیل گورداسپور نے جو اس مقدمہ میں آپکے وکیل تھے۔ ۱۹۰۴ء میں حلفی شہادت دیتے وقت آپکی اس راستبازی کا اعتراف کیا۔✤ اُسی زمانہ کے مقدمات کے متعلق ایک اور واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو مقدمات سے دراصل فطرتاً سخت نفرت تھی مگر صرف والدین کی اطاعت کیلئے آپنے یہ کام اختیار کیا ہوا تھا۔ اس نفرت کی ایک مثال موجود ہے۔ جسکا گواہ ایک معتبر شخص بھی ابتک زندہ ہے۔ لاہور میں آپ ایک مقدمہ کی پیروی کے واسطے گئے ہوئے تھے اور وہاں سید محمد علیشاہ صاحب رئیس قادیان کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے جو ان دنوں وہاں ملازم تھے۔ حسب معمول حضرت اقدسؑ چیف کورٹ میں جایا کرتے تھے لیکن ایک دن بڑے ہی خوش چیف کورٹ سے واپس آئے بہت ہی بشاش تھے۔ سید محمد علیشاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے پوچھا کہ آج آپ اتنے خوش کیوں ہیں کیا فیصلہ ہوا؟ تو جواب میں فرمایا کہ مقدمہ تو مَیں نے ہار دیا ہے مگر خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب آئندہ اس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ شاہ صاحب موصوف کہتے ہیں کہ مجھے یہ سنکر افسوس ہوا۔ مگر حضرت اقدسؑ بہرحال بشاش اور خوش تھے اور بار بار فرماتے تھے کہ مقدمہ کے ہارنے کا کیا غم ہے۔ اس واقعہ سے جہاں آپکی اس پاک فطرت کا پتہ لگتا ہے کہ مقدمات سے آپ کو نفرت تھی وہاں یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ رضا بالقضا آپ کی

✤ آپکی صداقت کا یہ اثر تھا کہ حاکم نے آپ کو بری کیا۔ منہ

طبیعت ہو چکی تھی۔ ایک دنیا دار آخری عدالت سے مقدمہ ہارنے پر شاید خودکشی کرے لیکن یہ خدا کا برگزیدہ بندہ اس حالت میں بھی خدا کا شکر کرتا ہے۔

جیسا کہ زندگی کے ابتدائی حصہ میں آپ کو بعض مقدمات محض اپنے والد ماجد کی اطاعت کے لئے کرنے پڑے۔ ایسا ہی آخری حصہ زندگی میں یعنی دعویٰ مسیحیت کے بعد محض اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اسی کی اطاعت کے لئے آپ کو بعض مقدمات کرنے پڑے۔ ان تمام مقدمات کی جو آخری حصہ زندگی میں آپ کو پیش آئے۔ مدت پہلے آپ کو الہام الٰہی سے خبر مل چکی تھی جو شائع بھی ہو چکا تھا کہ ینصرك الله فی مواطن ۔ یعنی تجھ پر بہت سے مقدمات ہونگے مگر خدائے تعالیٰ ان سب میں تجھ کو نصرت دیکر غالب کریگا۔ پس مدت پہلے آپ کو ان مقدمات کی اور ان میں غلبہ اور نصرت کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس لئے یہ مقدمات اپنے اندر مقدمات کا رنگ نہیں رکھتے بلکہ نشانات کا رنگ رکھتے ہیں۔ علاوہ اس کے ہر ایک مقدمہ کے متعلق الگ الگ بھی اللہ تعالیٰ قبل از وجود مقدمہ آپکو اسکی اطلاع دیتا رہا اور اس امر کی بھی کہ آپ بری کئے جائیں گے۔ یہ ایک عجیب بات ہے جس سے ایک سمجھدار انسان یونہی نہیں گذر سکتا کہ ان تمام فوجداری مقدمات میں جو آپ پر وقتاً فوقتاً کئے گئے اور جن میں سے بعض نہایت ہی خطرناک تھے آپ بری کئے گئے۔ یہ انسانی طاقت میں نہیں۔ یعنی اول یہ کہ وہ خبر دے کہ مجھ پر مقدمات ہونگے اور ان سب میں میری نصرت کیجائے گی اور پھر یہ کہ مطابق اس وعدے کے اسپر مخالفین کی طرف سے مقدمہ پر مقدمہ کیا جائے مگر خدا تعالیٰ مخالفین کی تمام کوششوں کو نامراد کر کے آپ کو ان تمام مقدمات کے بد نتائج سے بچائے۔ اور عجیب تر بات یہ ہے کہ بہت سے مقدمات میں جو آپ پر کئے گئے۔ قوموں نے اتفاق کر کے ان مقدمات کے ذریعہ سے آپ کو نیست و نابود کرنا چاہا۔ ان مقدمات میں سب سے پہلا مقدمہ ۱۸۹۷ء میں ہوا اور جیسا کہ مجسٹریٹ کے فیصلہ نے آخر میں ثابت کر دیا یہ مقدمہ محض ایک جھوٹا مقدمہ تھا جو عداوت مذہبی کی وجہ سے پادری صاحبان نے آپ پر بنا کر کھڑا کر دیا۔ یہ مقدمہ سراسر ایک منصوبہ بازی کا نتیجہ تھا جو بعض مسیح کے لیلوں نے جو دشمنوں سے پیار کرنیکا وعظ کیا کرتے ہیں آپ کے خلاف کیا۔ اور پادری ڈاکٹر کلارک کو اس میں مستغیث بنایا گیا۔ جن کو بڑے فیصلہ مجسٹریٹ انکے ماتحتوں اور دوسرے پادری صاحبان نے دھوکا دیکر اپنے ساتھ شامل کیا کیونکہ جبتک ایک بڑا آدمی دعویدار بنکر نہ کھڑا ہوتا۔ مقدمہ کی بناوٹ جلدی ظاہر ہو جاتی۔ ڈاکٹر کلارک نے بیان کیا کہ مرزا صاحب نے ایک شخص عبد الحمید کو میرے قتل کرنیکے لئے بھیجا ہے۔ اور بعض پادری صاحبان نے آکر جھوٹی شہادتیں دیں۔ آریہ سماج بھی اس موقع پر نہیں چوکا بلکہ مدت کی مذہبی رنجش کے نکالنے کے لئے اس موقع کو غنیمت جانکر اپنا پریزیڈنٹ رام بھجدت اس مقدمہ میں مفت وکیل کر کے ڈاکٹر کلارک کی مدد کیلئے بھیجا۔ مسلمانوں میں تو پہلے ہی جوش پھیلا ہوا تھا اور ان جوش پھیلانیوالوں کے سرگروہ مولوی محمد حسین بٹالوی بھی جبہ پہنکر ادائے شہادت کے لئے آموجود ہوئے۔ اور جسطرح یہودیوں کے علما نے حضرت مسیح کے خلاف شور مچایا تھا کہ یہ شخص باغی ہے۔ ایسا ہی بٹالوی صاحب نے بھی آکر شور مچایا کہ یہ شخص فتنہ انگیز ہے۔ اس مقدمہ کے دائر ہونیسے پہلے حضرت مرزا صاحب نے ایک رؤیا دیکھی تھی کہ بجلی ہمارے مکان پر گری ہے مگر اس سے کوئی نقصان نہیں ہوا اور اس کے ساتھ ہی الہام ہوا۔ ما ھذا الا

الا تہدید الحکام؎۔ اور پھر بعد اس کے یہ بھی الہام ہوا تھا کہ ابراء۔ اور اور بھی کئی الہام ہوئے جو سب شایع کردیئے گئے۔ اب ایک طرف تو تین قوموں کا اتفاق ایک اکیلے آدمی کے خلاف اور منصوبہ ہر طرح سے مکمل ہو چکا شہادتیں ہوگئیں اور لاکھوں دشمن ہر آن اس انتظار میں تھے کہ اب مارے گئے۔ اور بچنے کی کوئی راہ نہیں۔ مگر دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے وعدے کہ مَیں ضرور تمکو بری کرونگا۔ اور مومنین کی قلیل جماعت کی آنکھیں ان وعدوں کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ بالآخر اللہ تعالیٰ نے مجسٹریٹ پر اصلیت مقدمہ کو کھولدیا۔ اور اپنی نصرت اپنے بندے کے شامل حال فرماکر تمام مخالفوں کو ناکام اور نامراد کیا۔

اس کے بعد ایک اور فوجداری مقدمہ ۱۸۹۸ء میں آپ پر پولیس کی طرف سے کیا گیا اور اس مقدمہ کی بنا ایک پیشگوئی کو ٹھہرایا گیا جو مولوی محمد حسین بٹالوی کی نسبت آپنے شایع کی تھی۔ یہ ایک اشتہار تھا جو ۲۱۔ نومبر ۱۸۹۸ء کو شایع ہوا جس میں حضرت مرزا صاحب کی طرف سے یہ اعلان تھا کہ جب مولوی محمد حسین بٹالوی اور اسکے رفقا کی بدزبانی حد سے گذر گئی تو آپنے اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کی۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ تیرہ مہینے کے اندر محمد حسین بٹالوی اور اس کے رفقا کو سخت ذلت پہنچیگی جو مثل اس ذلت کے ہوگی جو یہ لوگ خدا کے برگزیدہ کو پہنچاتے رہے ہیں۔ مقدمہ بنانیکے لئے پولیس نے کہا کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ اپنی پیشگوئی کو پورا کرنیکے لئے مرزا صاحب نقض امن کریں اور ضابطہ فوجداری کی دفعہ نمبر ۱۰۷ کے نیچے مقدمہ دائر کیا۔ جو پیشگوئی حضرت مرزا صاحب نے کی تھی اس کے متعلق تو یہ واقعات ظہور میں آئے کہ انہی دنوں میں مولوی محمد حسین بٹالوی نے (جو عام مسلمانوں کے سامنے اپنا عقیدہ دربارہ آمد مہدی کے وہی ظاہر کرتے تھے جو اہلحدیث کا عقیدہ ہے یعنی یہ کہ وہ آکر جنگ کریگا اور تمام غیر مسلموں کو قتل کر ڈالیگا) انگریزی میں ایک چھوٹا سا رسالہ چھپوایا جس کی غرض صرف اسے گورنمنٹ میں بھیجنا تھا نہ عام طور پر اشاعت۔ جس میں یہ ظاہر کیا کہ خونی مہدی کے آنے کی احادیث کو اس نے وضعی اور مشکوک ثابت کیا ہے یہ رسالہ اتفاقاً حضرت مرزا صاحب کے ہاتھ میں آگیا۔ چنانچہ آپنے محمد حسین بٹالوی کے اس عقیدے کو پیش کر کے علماء سے یہ استفتا کیا کہ جو شخص ایسا عقیدہ رکھے وہ انکے نزدیک کیسا ہے جس پر تمام علماء نے یہ فتویٰ دیا کہ ایسا شخص دجال اور ضال اور مضل اور کافر اور مرتد وغیرہ ہے۔ غرضکہ جو جو فتویٰ محمد حسین بٹالوی کے استفتاء پر علماء نے حضرت مرزا صاحب پر لگایا تھا وہی اب آپکے استفتا پر محمد حسین بٹالوی پر لگایا گیا۔ پس پیشگوئی تو اس طرح پوری ہوگئی یعنی جو ذلت محمد حسین بٹالوی نے آپکو پہنچائی تھی اب ویسی ہی ذلت خود محمد حسین بٹالوی پر اپنے دوستوں کے ہاتھوں سے پڑی۔ مگر مقدمہ کا فتنہ شروع ہو چکا تھا۔ اس مقدمہ کے فیصلہ سے پہلے آپنے ایک کتاب بنام حقیقۃ المہدی لکھی جس میں یہ پیشگوئی شایع کی کہ آپ اس مقدمہ میں بری کئے جائینگے۔ یہ کتاب فیصلہ سے پہلے عام طور پر شایع ہوگئی تھی بلکہ عین کمرہ عدالت کے دروازہ کے سامنے عدالت میں حاضر ہونے سے پہلے بھی شائع کی گئی تھی اور اسی دن اس پیشگوئی کے مطابق آپ کو بری کیا گیا۔

۱۹۰۲ء کے اخیر میں دو مقدمے فوجداری ازالہ حیثیت عرفی کے ایک شخص مسمی کرمدین نے جہلم میں آپکے خلاف دائر کئے۔

؎ ترجمہ۔ یہ صرف حکام کی چشم نمائی ہے اور تم بری کئے جاؤگے۔

اس سے قریباً ایک سال پہلے آپنے ایک رؤیا دیکھا تھا جو اخبار الحکم میں نومبر ۱۹۰۱ء میں شایع ہو چکا تھا کہ آپکے خلاف وارنٹ جاری کئے گئے ہیں مگر آخرکار آپ بری کئے گئے ہیں چنانچہ اس رؤیا کا ظہور ان مقدمات کے ذریعہ ایک سال سے بھی زیادہ مدت کے بعد ہوا۔ اور آپکے خلاف وارنٹ آئے۔ عدالت میں پیشی کی تاریخ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء تھی۔ انہیں ایام میں آپ ایک کتاب مواہب الرحمٰن لکھ رہے تھے اس کے صفحہ ۱۲۹ پر صریح الفاظ میں آپنے پیشگوئی کی کہ ان مقدمات میں اللہ تعالیٰ آپ کو بری کریگا۔ یہ کتاب ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء کو شایع ہوئی اور جہلم میں احاطہ کچہری میں بھی مقدمہ کے پیش ہونے سے پہلے مفت تقسیم کی گئی۔ اور دو یا تین دن بعد مجسٹریٹ کے فیصلہ نے اس پیشگوئی کو پورا کیا۔

پھر اسی مستغیث نے کتاب مواہب الرحمٰن کے بعض الفاظ کی بنا پر جو اسی پیشگوئی میں درج تھے۔ ایک اور مقدمہ آپ پر دائر کیا۔ اس مقدمہ کے متعلق اوّل الہام آپکو یہ ہوا۔ یوم الاثنین و فتح الحنين یعنی اس مقدمہ کی فتح جنگ حنین کی فتح سے مشابہ ہوگی جس میں اوّل مسلمانوں کو بظاہر شکست ہوئی مگر پھر وہ سنبھلے اور دشمن کو پامال کیا۔ پھر جب یہ مقدمہ منتقل ہو کر گورداسپور میں پیش ہوا تو اسی دن آپ کو یہ الہام ہوا ساکرمك بعد توهينك یعنی توہین کے بعد تیرا اکرام کرونگا۔ ان تمام الہامات سے یہ خبر ملتی تھی کہ اوّل اس مقدمہ میں ایک ابتلا پیش آئیگا یعنی اوّل عدالت کا فیصلہ آپکے حق میں نہ ہوگا مگر آخر کار آپ کی عزت ظاہر کی جائیگی اور آپ کو فتح دیجائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ علاوہ اس مقدمہ کے آپکے ایک مرید کی طرف سے ایک مقدمہ مستغیث مذکور پر دائر تھا۔ ان دونوں مقدمات کے متعلق اخیری فیصلہ سے قریباً ڈیڑھ سال پہلے آپنے یہ پیشگوئی شایع کی کہ ان میں جو مقدمہ آپکے خلاف ہے اس میں مستغیث ناکام رہیگا اور خود دوسرے مقدمہ میں آپکی زد میں آجائیگا۔ یعنی مجرم ثابت ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابتدائی عدالت نے ہر دو فریق کو مجرم قرار دیا مگر جو فیصلہ حضرت مرزا صاحب کے خلاف ہوا تھا اسے عدالت اپیل نے غلط قرار دیا اور یہانتک فیصلہ میں لکھا کہ جو الفاظ مستغیث کی نسبت لکھے گئے ہیں انسے بھی زیادہ سخت الفاظ اگر لکھے جاتے تو بالکل درست ہوتے۔ اور دوسرا فریق سزا یاب ہوا۔

یہ فوجداری مقدمات تھے جن میں آپ کو ملزم بنانیکی طرح طرح سے کوششیں کی گئیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ آپ کو الزام سے بری ٹھہرایا۔ اور پھر قبل از وقت مقدمات کے آغاز اور انجام کی اطلاع دیکر ان تمام مقدمات کو آپ کی صداقت پر عظیم الشان گواہ بنایا۔ اس کے علاوہ بعض دیوانی اور مالی مقدمات بھی ہوئے۔ اور صرف ایک دیوانی مقدمہ میں آپ کو بحیثیت مدعی دعویٰ کرنا پڑا ورنہ تمام مقدمات آپ کی ذات پر کئے گئے اور خدا نے ان سب حملوں کا دفعیہ کیا۔ یہ ایک دیوانی مقدمہ جس میں آپ بحیثیت مدعی عدالت میں گئے ایسا تھا جس میں آپ پر سخت ظلم کیا گیا تھا۔ یعنی یہ کہ آپکی مسجد اور گھر کی راہ کو ایک دیوار کھڑی کر کے مسدود کر دیا گیا۔ اور اسطرح آپ کو اور آپکے مہمانوں کو سخت تکلیف پہنچائی گئی۔ اس مقدمہ کا نتیجہ بھی آپکے حق میں ہوا۔ ایک دیوانی مقدمہ آپ پر بمقام گوڑگانوہ ہوا جس میں ایک مولوی نے ایک ہزار روپیہ کا دعویٰ آپ پر کیا۔ اسکی بنا ایک اشتہار تھا۔ جس میں آپنے یہ لکھا تھا کہ اگر کوئی عیسائی یہ ثابت کر دیوے کہ

یسوع کے نشانات آپ سے بڑھکر ہیں۔ تو آپ اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ عیسائی صاحبان کو تو کبھی جرأت نہ ہوئی مگر ایک مسلمان مولوی نے اس بنا پر ایک ہزار روپے کی نالش کی جو بوجہ عدم ثبوت خارج ہوئی۔ مالی مقدمہ آپ پر ایک ٹیکس کا مقدمہ تھا یعنی اس سلسلہ کی آمدنی پر ٹیکس لگا دیا گیا مگر عذرداری پر یہ حکم بھی منسوخ ہوا۔ غرضکہ ایک بھی ایسا مقدمہ نہیں خواہ فوجداری ہو یا دیوانی یا مالی جس میں مخالفین کو کچھ بھی کامیابی ہوئی ہو بلکہ بموجب وعدہ الٰہی کل مقدمات میں آج تک فتح آپ کے ہاتھ میں رہی ہے۔ تدبر کرنیوالوں کے لئے یہ ایک عظیم الشان نشان ہے۔

آپکے مباحثات کے متعلق سلسلہ احمدیہ کے تذکرہ میں کافی ذکر آچکا ہے۔ اس جگہ یہ امر قابل تذکرہ ہے کہ آپ کو مذہبی مباحثات سے ابتدا سے ہی دلچسپی رہی ہے۔ ان مباحثات میں آپکی غرض نہ صرف مخالف مذاہب کے عقائد باطلہ کی تردید ہی رہی ہے بلکہ زیادہ زور اسلام کی خوبیوں پر دیا گیا ہے۔ بلکہ آپنے کئی دفعہ ایسی تجاویز بھی پیش کی ہیں کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اگر اس پہلو کو اختیار کریں تو مباحثات میں بجائے دوسروں کی عیب شماری کے اپنے مذہب کی ہی خوبیاں بیان کی جاویں مگر کسی قوم نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ بلکہ گورنمنٹ کو بھی میموریل بھیجا گیا تھا۔ اسپر بھی توجہ نہیں ہوئی۔ لیکن جس صورت میں دوسرے لوگ مذہب اسلام کے متعلق طرح طرح کی غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ اور اسلام کو ناحق بدنام کرنا چاہتے ہیں تو ایک حامئ اسلام کو بھی یہ ضرورت آتی ہے کہ بالمقابل انکے اپنے مذاہب کے نقصوں اور غلطیوں کو کھولکر دکھاوے۔ مباحثات میں اسی اصلاح کی خاطر آپنے ایکدفعہ ایک مذہبی کانفرنس کی تجویز بھی کی تھی جس میں تمام مذاہب کے حامی اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں اور دوسروں پر حملہ نہ کریں۔ آپ کی اس تجویز کو اگرچہ اسوقت منظور نہیں کیا گیا۔ مگر آپکی یہ غرض اس تجویز کی اشاعت کے بعد جلد ہی اسطرح پوری ہوگئی کہ انہی اصول پر لاہور میں ایک بڑے مذہبی کانفرنس کا انعقاد قرار پایا یہ جلسہ دسمبر ۹۶؁ء میں ہوا۔ مختلف مذاہب کے پیروؤں کے لئے پانچ سوال تجویز کئے گئے تھے کہ ہر ایک حامئ مذہب اپنے مذہب کے روسے ان اہم سوالات کا جواب دے۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ انہی دنوں میں حضرت مرزا صاحب بیمار بھی ہوگئے اور اسی بیماری کی حالت میں آپنے ایک مضمون جس میں انہی پانچ سوالوں کے جواب تھے لکھا۔ اور ساتھ ہی آپ کو الہام الٰہی سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مضمون تمام مضمونوں پر غالب رہیگا۔ چنانچہ اسی کے مطابق آپنے قبل از انعقاد جلسہ اعلان بذریعہ اشتہار کر دیا جو بہت سے شہروں میں تقسیم بھی ہوگیا۔ پھر جب یہ مضمون جلسہ میں پڑھا گیا تو تمام لوگوں نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ یہ مضمون سب مضمونوں پر غالب رہا۔ اور دیسی اخباروں کے علاوہ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے بھی اس کا اعتراف کیا۔

آپکے مباحثات معمولی رنگ کے نہیں بلکہ تمام مباحثات میں آپ اس بات پر زور دیتے ہیں۔ کہ تُو تو مَیں مَیں سے تو کبھی یہ جھگڑے ختم نہیں ہوسکتے بس تمام اہل مذاہب کو چاہیئے۔ کہ اوّل وہ سچے مذہب کے لئے ایک امتیازی نشان قائم کریں اور وہ ایسا نشان ہو جس کا وجود باطل مذاہب میں نہ پایا جاتا ہو تاکہ کھلا کھلا امتیاز ہو جائے۔ اور پھر دیکھیں کہ وہ امتیازی نشان کس مذہب میں پایا جاتا ہے۔ غور کرو کہ تمام اہل مذاہب اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ انہی کے مذہب پر چلنے سے انسان گناہ سے

نجات پا سکتا اور اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کر سکتا ہے۔ اور انہی کا مذہب تمام نقصوں اور اعتراضوں سے خالی ہے۔ اور انہی کا بانی مذہب بیگناہ اور معصوم ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مذہب ایسا نہیں جس پر اسکے مخالفین نے اعتراض نہ کئے ہوں اور جس کے نقص شمار نہ کئے ہوں اور نہ ہی کوئی بانی مذہب ایسا ہے جو مخالفین کے اعتراضوں سے بچا ہو۔ اور جسے موافق و مخالف نے بیگناہ تسلیم کر لیا ہو۔ نہ ہی کسی مذہب کا محض یہ دعویٰ کہ اسپر چلنے سے انسان گناہ سے نجات پا سکتا ہے یا اللہ تعالےٰ سے تعلق پیدا کر سکتا ہے بلا شہادت کے کسی کام کا ہے۔ یہی شہادت ہے جس سے سچے اور جھوٹے میں مابہ الامتیاز ملتا ہے وہ شہادت کیا ہے۔ وہ ہے آسمانی نشانوں کا ظاہر ہونا یعنی جو مذہب خارق عادت نشانات نہیں دکھا سکتا وہ اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ اسپر چلنے سے انسان گناہ سے نجات حاصل کرتا اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ کوئی شہادت پیش نہیں کر سکتا اور نرا دعویٰ قابل تسلیم نہیں نہ اس سے ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر کوئی امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں جب اس بات کو ہر ایک اہل مذہب نے تسلیم کیا ہے کہ ابتدا میں خوارق اور نشانات ہی وہ ذریعہ تھے جس سے کسی مذہب کو اس وقت کے دوسرے موجودہ مذاہب پر فوقیت حاصل ہوئی۔ تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جو امتیازی نشان صداقت مذہب کا ایک وقت میں تھا وہی امتیازی نشان ہمیشہ کے لئے ہے۔ اور جب تک وہ نشان کسی مذہب میں پایا جاتا ہے تب تک اس مذہب کو زندہ اور حق پر سمجھنا چاہیئے اور جب وہ نشان گم ہو گئے تو [illegible] مذہب بھی اپنی اصلیت سے پھرا ہوا یقین کیا جائیگا۔ پس اسی امتیازی نشان یعنی خوارق اور آسمانی نشانات کو حضرت مرزا صاحب بار بار پیش کرتے ہیں کہ اس معیار کے رو سے مذاہب کے حق و باطل پر ہونیکا فیصلہ کرو۔ مگر یہ امتیازی نشان کہیں نہیں پایا جاتا سوائے اسلام کے۔ اور اسلام بھی وہ جسے سلسلہ احمدیہ پیش کرتا ہے۔

مباحثات کے علاوہ دوسرا طریق صداقت مذہب کے پرکھنے کا جسکا نشان خدا کی کتابیں دیتی ہیں مباہلہ ہے۔ اول ہی اول حضرت مرزا صاحب نے آریہ سماج کو ۱۸۸۶ء کے مباحثہ کے بعد مباہلہ کے لئے بلایا تھا مگر کسی آریہ سماجی نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا۔ ۱۸۹۳ء میں آتھم کے ساتھ مباحثہ کے بعد عبدالحق غزنوی نے آپ سے بمقام امرتسر مباہلہ کیا۔ مگر یہ مباہلہ صرف عبدالحق کی طرف سے تھا۔ اور اس کے بعد کے واقعات نے آپکی صداقت کو اور بھی روشن کر دیا۔ ایک اور رنگ کا مباہلہ کئی آدمیوں نے کیا اور وہ سب مطابق اپنی اپنی دعاؤں کے ہلاک کئے گئے۔ ان میں مولوی غلام دستگیر قصوری ہے جس نے یہ دعا کی کہ خدا ظالم کو ہلاک کرے۔ اس کے بعد ایک ماہ کے اندر ہی خود ہلاک ہو گیا۔ ایسا ہی مولوی محمد اسمٰعیل علیگڈھی اور بعض اشخاص ہیں۔ اور حال میں چراغدین ساکن جموں جو ایک نیم عیسائی تھا۔ اس نے بھی اسی قسم کا مباہلہ کیا اور چند دنوں میں ہی خود طاعون سے ہلاک ہو گیا۔ ڈاکٹر ڈوئی مدعی نبوت ساکن امریکہ کو بھی آپ نے ایسے مباہلہ کیلئے بلایا اور ساتھ ہی یہ لکھدیا کہ اگر وہ اس فیصلہ کی راہ پر آنے سے انکار کریگا تو بھی خدا اسکو بغیر سزا نہیں چھوڑیگا۔ اور یہ مضمون امریکہ کے بہت سے اخباروں میں چھپ گیا۔ اور ایسا ہوا کہ ڈوئی نے مقابلہ پر آنے سے انکار کیا اور آخر جاری ہی

* لیکھرام نے اپنی کتاب تکذیب میں مباہلہ کیا اور ہلاک ہو کر حضرت مسیح موعودؑ اور اسلام کی صداقت پر چمکتی ہوئی گواہی دے گیا۔ منہ

سخت عذاب میں پکڑا گیا۔ یعنی فالج کی بیماری میں مبتلا ہوا اور اس کے مریدوں نے اسے سخت ذلیل کیا۔ یعنی اسکو تمام جائداد سے بیدخل کر دیا اور اسکے تمام دعووں کو خاک میں ملا دیا اور اسکو ماننے سے انکار کیا اور اسکی خیانتیں اور شراب خوری اور جوان عورتوں کے ساتھ ناجائز تعلقات ثابت کئے اور اخباروں میں اور شہادتوں کے علاوہ اس کے اپنے خطوط شایع کئے۔ اور اب یہ شخص نہایت ذلت کیساتھ دل کی بیماری میں گرفتار اور خاتمہ کے قریب پہنچ گیا ہے۔

حضرت مرزا صاحب کی دعوت انبیاء علیہم السلام کی طرح دعوت عامہ ہے۔ اور انبیاء کے طریق پر ہی آپنے بعض بادشاہوں کو خاص طور پر بھی دعوت کی ہے۔ منجملہ انکے امیر عبدالرحمٰن خاں سابق والئے افغانستان ہے۔ اسکو بھی آپنے یہ دعوت کی کہ وہ آپکو قبول کرے۔ آپکے اس خط میں جو سنہ ۱۸۹۶ء یا سنہ ۱۳۱۳ھ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں لکھا گیا۔ ایک فقرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس گورنمنٹ کے سچے دل سے خیر خواہ ہیں۔ یہ خط کبھی چھپا نہیں اس لئے میں اس فقرہ کو اسجگہ نقل کرتا ہوں جس میں ایک اسلامی بادشاہ کو خط لکھتے ہوئے آپنے اس گورنمنٹ کی تعریف کی ہے اور اسکو خدا تعالیٰ کے انعامات میں سے سمجھا ہے۔ وہ فقرہ یہ ہے۔ ’’ومرا بحکومت وسلطنت ایں جہاں کارے نیست غریب آمدم وغریب روم وماموروم کہ بلطف ونرمی دلائل حقیت اسلام درین ایام پر آشوب پیش چشم مردم ہر دیار نہم ہمچنیں مرا بدولت وحکومت برطانیہ کہ زیر سایہ ایشاں با من زندگی بسر کنم تعرضے نیست بلکہ خدا را شکر میکنم وسپاس نعمت او بجا می آرم کہ در عہد چنیں پُر امن حکومت مرا بر خدمت دین مامور کرد وچگونہ شکر ایں نعمت نگذارم کہ بدیں غربت وبیکسی وشور سفہائے قوم باطمینان کار خود تحت حکومت ودولت انگلشیہ میکنم وچناں آرام یافتم کہ اگر شکر ایں دولت نکنم شکر خدائے خود بجا نیاوردہ باشم۔ وایں امر را اگر پوشیدہ داریم ظالم باشیم کہ چنانکہ پادریان ملت نصاریٰ در اشاعت مذہب خود آزادی دارند ہمچنیں آزادی وعدم مزاحمت برائے اشاعت اسلام مانیز حاصل داریم۔ بلکہ منافع ایں حریت وآزادی مارا بیشتر حاصل است ز انساں کہ ما اہل اسلام را فوائد این حریت میسر مے شوند دیگراں را ازاں نصیبے نیست چراکہ ایشاں بر باطل اند وما بر حق۔ واہل باطل از آزادی سودے نمے بردارند۔ بلکہ ازیں آزادی پردہ شاں بیشتر از پیشتر مے درد‘‘

یہی وجہ ہے کہ آپنے نہ صرف اردو کتابوں میں بلکہ فارسی اور عربی کی کتابوں میں بھی جو اسلامی ممالک میں بکثرت شایع ہوئی ہیں۔ اس گورنمنٹ کی تعریف کی ہے اور اسکے احسانات کا تذکرہ کیا ہے۔

دوسرا پیغام دعوت جو بادشاہ کی طرف آپنے بھیجا وہ ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی طرف تھا جو اوّل ملکہ معظمہ کی جوبلی کے موقع پر سنہ ۱۸۹۷ء میں بذریعہ تحفہ قیصریہ پہنچایا گیا اور پھر تھوڑے دنوں بعد بذریعہ ستارہ قیصرہ جو انگریزی میں ترجمہ کرکے بھیجا گیا۔

آپ کی ان خدمات کا جو آپنے گورنمنٹ انگریزی کے لئے کی ہیں کسیقدر ذکر سلسلہ احمدیہ کے تذکرہ میں آچکا ہے اور کچھ یہاں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ شاید ہی کوئی ایسی کتاب آپنے لکھی ہو جس میں اس گورنمنٹ کے ساتھ وفاداری کے لئے

مسلمانوں کو ترغیب ندی ہو۔ ایسا ہی آپ کی مہدی کے متعلق تعلیم سے مسلمانوں کے عام خیالات پر جو ایک غیر مسلم گورنمنٹ کے متعلق ہونے چاہئیں نہایت نیک اثر پڑا ہے۔

باوجود اس کے کہ پبلک حضرت مرزا صاحب کے متعلق وقتاً فوقتاً پہلو بدلتی رہی ہے۔ اگر آپکی تحریروں کو دیکھا جائے تو آج کی تحریروں اور آج سے تیس سال پہلے کی تحریروں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا جن اصول کی تعلیم آپ اُسوقت دیتے تھے انہی اصول کی تعلیم آج دیتے ہیں۔ پُرانی سے پُرانی تحریریں یا خطوط جو آپکے ملتے ہیں ان میں وہی رنگ تحریر اور بحث کا پایا جاتا ہے جو آج کی تحریروں میں ہے۔ شروع سے آجتک اسلام کی بڑی فضیلت جو دیگر مذاہب پر اسے حاصل ہے آپ ہمیشہ ہی پیش کرتے رہے ہیں کہ اس مذہب میں مکالمہ ومخاطبہ الٓہیہ کا سلسلہ جاری ہے اور دوسرے کسی مذہب میں نہیں۔ یہ اسلام کی زندہ برکت ہمیشہ آپ اسلام کی صداقت اور زندگی کے ثبوت میں پیش کرتے رہے ہیں اور اسی پر زور دیتے رہے ہیں کیا آج اور کیا آج سے تیس سال پہلے۔ جو کلام الٓہی آپ پر نازل ہوتا ہے اس کے متعلق بھی شروع سے آپ یہ یقین کامل رکھتے ہیں کہ وہ منجانب اللہ ہے۔ اور جہانتک ہم آپکی تحریروں کو پڑھتے ہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کبھی یہ وسوسہ بھی آپکے دل میں آیا ہو کہ شاید یہ کلام منجانب اللہ نہ ہو۔ جو ایمان آپکو ۱۸۶۸ء میں الیس اللہ بکاف عبدہ پر تھا وہی آج الہامات پر ہے۔ ایسا ہی دعا کے متعلق آپ کا ہمیشہ سے وہی یقین اور اعتقاد رہا ہے جو آج ہے۔ یعنی خدائے تعالیٰ آپ کی اور اپنے نیک بندوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور انکو قبل از وقت اس امر کی اطلاع دیتا ہے۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل انبیاء پر فضیلت کے آپ شروع سے ہی قائل ہیں۔ اور آپنے شروع سے ہی یہ دعویٰ کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے کوئی انوار اور برکات نازل نہیں ہوتے جبتک کہ کوئی شخص سچے دل سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر نہ چلے یہی وہ اصول ہے جو حضرت عیسیٰؑ یا کسی گذشتہ نبی کے دوبارہ دنیا میں آنیکا مانع ہے کیونکہ وہ نبوت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حاصل کر چکے ہیں۔

قمری حساب کے رو سے آپکی عمر اسوقت قریباً ستر سال ہے۔ عرصہ ہوا آپکو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے مخاطب کر کے فرمایا کہ آپکی عمر اسّی سال یا اس کے قریب یا اس سے کچھ زیادہ ہوگی۔ یہ وعدہ بھی آپ کو اللہ تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں دیا ہے کہ آپ طبعی موت سے فوت ہونگے۔ اور جو لوگ منصوبے اور کوششیں آپکو قتل کرنیکے لئے کرینگے وہ سب ناکام رہینگے۔ ایسا ہی یہ الہامات بھی بہت مدت کے ہیں کہ آپ فوت نہیں ہونگے جبتک آپ اپنی اولاد کی اولاد کو نہ دیکھ لیں۔ سو یہ پیشگوئی بھی پوری ہو چکی۔ غرضکہ کوئی پہلو آپکی زندگی کا ایسا نہیں جو اپنے اندر ایک معجزانہ رنگ نہ رکھتا ہو۔ ابتدائے عمر سے دو بیماریاں بھی آپکے لاحق حال ہیں جو وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے مطابق ہیں کہ مسیح موعودؑ دو زرد رنگ چادروں میں اُتریگا جس سے مراد تعبیر رؤیا میں بیماری ہے۔

آپکی اپنے تقدس کی وجہ سے گھر کے اندر بھی وہی عزت ہے جو گھر کے باہر ہے۔ گھر کے اندر آپکے وقت کا بہت سا حصہ دعا میں گذرتا ہے اور اس غرض کیلئے آپنے ایک نہایت مختصر سا مکان بنایا ہوا ہے جو آپکا بیت الدعا ہے۔ جتنا کوئی شخص آپکے قریب رہتا ہے اسی قدر زیادہ آپکی دعا کی تاثیر پر ایمان رکھتا ہے کیونکہ قریب رہنے والے دن رات اپنی آنکھوں سے آپکی قبولیت دعا کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جو شخص آپکے سامنے کوئی مصیبت وغیرہ بیان کرتا ہو

سادہ۔ اگر کسی کا قصور دیکھ بھی لیں تو آپ اغماض فرماتے ہیں۔ بعض اوقات بھری مجلس میں بعض لوگوں نے آپکو برا بھلا کہا ہے۔ اسپر بھی آپ درہم برہم نہیں ہوئے بلکہ اپنے دوستوں کو ہی نصیحت ایسے موقع پر کرتے ہیں کہ وہ جواب نہ دیں۔ طیش اور غضب آپکو اسیوقت آتا ہے جب کوئی شخص

انکے بہتر معنے جانتا ہے۔ صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ صحت عطا فرمائیگا اور مجھے وہ قوتیں عطا فرمائے گا
جن سے مَیں خدمت دین کر سکوں واللہ اعلم بالصّواب ۔ اور اس میں یہ بھی خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ میری بیوی کو بھی صحت
اور تندرستی عطا کریگا۔ ۲۵۔ مئی ۱۹۰۶ء۔ ھل اتاك حدیث الزّلزلة۔ بل یاتیھم بغتة ۔ اگر چاہوں۔ تو اس
دن خاتمہ۔ اس کے بعد ایک علیحدہ الہام ہوا ۔ دو چار ماہ ۔ ترجمہ مذکورہ بالا عربی الہام کا یہ ہے ۔ کیا تجھے زلزلہ کی بات
پہنچی ہے ۔ بلکہ اُنکے پاس اچانک آئے گا ۔ ۲۷۔ مئی ۱۹۰۶ء ۔ (۱) اریحك ولا اجیحك واخرج منك قوماً۔
ترجمہ ۔ مَیں تجھے راحت دونگا اور تجھے نہ مٹاؤنگا اور تجھ سے ایک بڑی قوم نکالوں گا۔ اس کے ساتھ ہی دل میں ایک تفہیم
ہوئی جسکا یہ مطلب تھا ۔ "جیسا کہ مَینے ابراھیم کو قوم بنایا" (۲) آفتوں اور مصیبتوں کے دن ہیں۔ ایک دوست کا
ذکر تھا جسپر بہت سے دینوی مشکلات گرے ہیں ۔ فرمایا ۔ یہ الہام اُسی کے متعلق معلوم ہوتا ہے ۔ خدائے عزّ و جل کی پاک
وحی ایک نئے مخالف شدہ کے بارہ میں پڑھنے والے سمجھ لیں ــــــــ ۳۰۔ مئی ۱۹۰۶ء (۱) خدا کے مقبولوں میں قبولیت
کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں ۔ انپر کوئی غالب نہیں آسکتا ۔ فرشتوں کی
کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے ۔ پر تُو نے وقت کو نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا ۔ (۲) برہمن اوتار سے مقابلہ کرنا اچھا نہیں ۔ (۳)
ربّ فرّق بین صادقٍ وکاذبٍ ۔ ترجمہ ۔ اے میرے ربّ تو سچے اور جھوٹے میں فرق دکھلاوے ۔ (۴) انت تری
کل مصلحٍ وصادقٍ ۔ ترجمہ ۔ تُو ہر ایک اصلاح کرنیوالے اور سچے کو دیکھتا ہے ۔ ۳۱۔ مئی ۱۹۰۶ء کو فرمایا ۔ چند روز ہوئے
مَینے دیکھا تھا (رؤیا) بہت سے زنبور ہیں اور مَیں انکو کپڑے میں پکڑ کر مار رہا ہوں ۔" ۴۔ جون ۱۹۰۶ء ۔ رؤیا ۔ دیکھا کہ مَیں
ایک جگہ ہوں اور وہاں ایک چادر ایک اونچی جگہ پر رکھی ہوئی ہے ۔ اتنے میں ایک چڑا آیا اور اس چادر پر بیٹھ گیا ۔ تب
مَینے اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ جسطرح بنی اسرائیل کے واسطے آسمان سے پرند اُترتے تھے اسی طرح ہمارے واسطے ہے ۔
۵۔ جون ۱۹۰۶ء ۔ (۱) ماارسل نبیٌّ الا اخزی به الله قوما لا یؤمنون ۔ ترجمہ ۔ کوئی نبی نہیں بھیجا گیا
مگر خدا نے اس کی وجہ سے ایک قوم کو رسوا کیا جو ایمان نہیں لاتے تھے ۔ (۲) یلقی الرّوح علیٰ من یشاء من عبادہٖ
ترجمہ ۔ خدا اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے نبوّت کی روح اس پر ڈالتا ہے ۔ (۳) خدا کی فیلنگ اور خدا
کی مُہر نے کتنا بڑا کام کیا ۔ ۷۔ جون ۱۹۰۶ء ۔ بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوا کہ میاں منظور محمد صاحب کے گھر میں یعنی محمدی بیگم کا
ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے دو نام ہوں گے ۔ (۱) بشیر الدولہ ۔ (۲) عالم کباب ۔ یہ دو نام بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوئے
اور انکی تعبیر اور تفہیم یہ ہے ۔ (۱) بشیر الدولہ سے یہ مراد ہے کہ وہ ہماری دولت اور اقبال کے لئے بشارت دینے والا
ہوگا اس کے پیدا ہونیکے بعد زلزلہ عظیمہ کی پیشگوئی اور دوسری پیشگوئیاں ظہور میں آئیں گی اور گروہ کثیر ہماری طرف
رجوع کریگا اور عظیم الشان فتح ظہور میں آئے گی ۔ ✤ (۲) عالم کباب سے یہ مراد ہے کہ اس کے پیدا ہونیکے بعد چند ماہ تک یا

✤ نوٹ ۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ لڑکے کے دو نام اور ہیں (۱) ایک شادی خاں کیونکہ وہ اس جماعت کیلئے شادی کا موجب ہوگا

جبتک کہ وہ اپنی بُرائی بھلائی شناخت کرے دنیا پر ایک سخت تباہی آئیگی گویا دنیا کا خاتمہ ہوجائیگا اس وجہ سے اس لڑکے کا نام عالم کباب رکھا گیا غرض وہ لڑکا اس لحاظ سے کہ ہماری دولت اور اقبال کی ترقی کے لئے ایک نشان ہوگا۔ بشیر الدولہ کہلائیگا اور اس لحاظ سے کہ مخالفوں کے لئے قیامت کا نمونہ ہوگا عالم کباب کے نام سے موسوم ہوگا۔ خدا تعالیٰ کے الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دنیا کے سرکش لوگوں کے لئے کچھ اور مہلت منظور ہے تب بالفعل میاں منظور محمد صاحب کے گھر میں لڑکا نہیں بلکہ لڑکی پیدا ہوگی اور لڑکا بعد میں ہوگا مگر لڑکا ضرور ہوگا کیونکہ وہ خدا کا نشان ہے اور اگر دنیا پر جلد عذاب کا وقت آپہنچا ہے یعنی عذاب عظیم کا وقت۔ تب ابھی لڑکا پیدا ہوگا۔ جس کا نام بشیر الدولہ اور شادی خاں اور کلمۃ اللہ خاں اور عالم کباب ہوگا اور وہ دنیا کے لئے نیکوں کے لئے اور نیز بدوں کے لئے خدا کا نشان ہوگا یہ اُسی قسم کا نشان ہے جیسا کہ یسعیاہ نبی نے خرقیاہ بادشاہ کے لئے فرمایا تھا اور خدا تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عنقریب دو نشان ظاہر ہونگے پس اگر دو نشان ظاہر ہونیوالے جو عنقریب ہیں وہ اور ہیں تو اس صورت میں بھی اب کی دفعہ اُنکے گھر میں لڑکی پیدا ہوگی نہیں تو اب کی دفعہ ہی لڑکا پیدا ہوگا اور وہ خدا کا نشان ہوگا اور اس کے ساتھ ایک دوسرا نشان ظاہر ہوگا اور وہ لڑکا نیکوں کے لئے اور اس سلسلہ کے لئے ایک سعد ستارہ کی طرح مگر بدوں کے لئے اسکے برخلاف ہوگا اسی تاریخ کے اور الہامات یہ ہیں (۱) ربّ ارنی انوارک الکلیہ۔ ترجمہ۔ اے میرے رب مجھے اپنے تمام انوار دکھا (۲) انی انرتک واخترتک۔ ترجمہ۔ مَیں نے تجھے روشن کیا اور تجھے برگزیدہ کیا (۳) و انّہ نازلٌ من السماء ما یرضیک۔ ترجمہ۔ اور آسمان سے ایک ایسا امر اُترنیوالا ہے جو تجھے خوش کر دیگا (۴) دو نشان ظاہر ہونگے۔ (۵) اللہ تعالیٰ اسکو سلامت رکھنا نہیں چاہتا (کسی کی طرف اشارہ ہے) (۶) انا اخذناہ بعذاب الیم۔ ترجمہ۔ ہم دردناک عذاب کے ساتھ اسکو پکڑیں گے۔ (۷) خدا تمہیں سلامت رکھے۔ (۸) ینصرک رجالٌ نوحی الیھم من السماء۔ ترجمہ۔ وہ لوگ تیری مدد کرینگے جنکو ہم آسمان سے وحی کرینگے۔ (۹) یاتون من کل فج عمیق۔ یاتیک من کل فج عمیق۔ ترجمہ۔ ہر ایک دور کی راہ سے لوگ آئیں گے ہر ایک دور کی راہ سے تیرے پاس تحائف لائیں گے۔ (۱۰) سلامٌ علیکم طبتم۔ ترجمہ۔ تم پر سلام تم پاک ہو (۱۱) ولا تصعّر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس۔ ترجمہ۔ اور جو لوگ تیری پاس آئیں گے تجھے چاہیئے کہ اُنسے بدخلقی نہ کرے اور انکی کثرت کو دیکھ کر تھک نہ جائے۔

۱۱ جون ۱۹۰۶ء۔ (۱) رؤیا۔ دیکھا کہ پندرہ سولہ نوجوان عورتیں خوبصورت اور نہایت خوش لباس پہنے ہوئے میرے سامنے آئی ہیں مَیں نے اس خیال سے کہ یہ جوان عورتیں ہیں مونہہ اُنسے پھیر لیا اور اُنسے پوچھا کہ تم کیسے آئی ہو انہوں نے کہا کہ ہم تو آپکے پاس ہی آئی ہیں پھر انہوں نے وہیں ہمارے دالان میں ڈیرے لگا دیئے۔ فرمایا۔ رؤیا میں عورت سے مراد اقبال اور فتحمندی اور تائید الٰہی ہوتی ہے اس رؤیا میں یہ بھی معلوم ہوا کہ انہیں عورتوں میں وہ بھی ایک عورت تھی جو پہلے کبھی آئی تھی۔ فرمایا اس میں اشارہ ایک پرانے رؤیا کی طرف تھا جو حضرت والدصاحب کی وفات کے چند یوم بعد مَیں نے دیکھا کہ مَیں ایک پیڑھی پر بیٹھا ہوں تو ایک عورت نوجوان عمدہ لباس پہنے ہوئے تیس بتیس سال کی میرے سامنے آئی اور اس نے کہا کہ میرا ارادہ اب اس گھر سے چلے جانیکا تھا مگر تمہارے لئے رہ گئی ہوں (۲) ایک زلزلہ کا نظارہ دکھائی دیا اور ساتھ ہی اس کے الہام ہوا۔ لمن الملک الیوم۔ للہ الواحد القہار۔ ترجمہ۔ آج ملک کس کا ہے۔ اللہ تعالیٰ واحد قہار کا ہے

باہتمام حکیم فضل الدین صاحب مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں منیجر میگزین کے لئے چھاپا گیا

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ❖ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۶ء | نمبر ۷

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور - ۲۰ - جولائی سنہ ۱۹۰۶ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عہ

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۴- جون ۱۹۰۶ء۔ واذا قیل لھم لاتفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون۔

۱۶- جون ۱۹۰۶ء۔ زلزلہ آنیکو ہے۔ ۱۹ جون۔ موعود لڑکے کی نسبت جو میاں منظور محمد کے گھر پیدا ہوگا تین نام اور ظاہر کیے گئے۔ کلمۃ العزیز۔ ناصر الدین۔ فاتح الدین۔ اسی کے متعلق الہام ہوا۔ ھذا یوم مبارک۔

ماہ جولائی ۱۹۰۶ء۔ ادعونی استجب لکم۔ انی مع الافواج اتیک بغتۃ۔ رؤیا مبارک احمد خسرہ کی شدت عوارض کی وجہ سے سخت تکلیف میں تھا اور شدت خارش میں اپنے بدن کی بوٹیاں توڑتا تھا۔ اور نیند نہیں آتی تھی اور سخت اضطراب اور گھبراہٹ تھی۔ اسوقت میں نے اسکے لئے دعا کی۔ ابھی میں دعا میں مشغول ہی تھا کہ کشفی حالت مجھ پر طاری ہوگئی اور دیکھا کہ مبارک احمد کے بستر پر چھوٹے چوہوں کی شکل پر بہت سے جانور ہیں اور اسکو کاٹ رہے ہیں تب ایک شخص نے وہ سب جانور بستر پر سے اُٹھا کر ایک چادر میں باندھ دیے اور کہا کہ انکو پھینک دو۔ پھر کشفی حالت جاتی رہی اور مَیں نے دیکھا کہ لڑکا آرام میں آگیا اور تکلیف کا نام و نشان نہ رہا اور آرام سے سوگیا اور صحت یاب ہوگیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

ریویو

الذکر۔ یعنی اسمائے الٰہیہ اور نماز کا ترجمہ اور چند نصائح جو احادیث سے لیے گئے ہیں ان کو شیخ عبد الرحیم صاحب نے چند صفحوں میں لکھکر نہایت عمدہ اور موٹے کاغذ پر خوشخط چھپوایا ہے۔ یہ کتاب اسلامی مدرسوں میں داخل کرنیکے لائق ہے اور ویسے بھی ہر ایک مسلمان کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔ پچاس صفحوں کی کتاب ہے اور قیمت صرف ۲ ہے۔ شیخ عبد الرحیم صاحب سے قادیان سے مل سکتی ہے۔

ستیارتھ پرکاش درپن۔ مصنفہ مولوی ابو رحمت حسن صاحب میرٹھ۔ ۷۰ صفحے قیمت ۲ر۔ میرٹھ النذیر پریس سے مل سکتی ہے۔

خزینۃ المعارف حصہ اول و دوم۔ حکیم فضل دین صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے تفسیر قرآن کریم کے حصوں کو الگ کرکے ایک مکمل کتاب کی صورت میں چھاپنا چاہا ہے ان ہر دو حصوں میں تفسیر سورۂ فاتحہ ہے جو براہین احمدیہ و کرامات الصادقین وغیرہ کتب سے لی گئی ہے۔ جہاں حضرت اقدس نے تفسیر عربی میں کی ہے اسکا ترجمہ اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ ۱۱۲ صفحے قیمت ۵ر۔ حکیم فضلدین صاحب سے قادیان سے مل سکتی ہے۔

ہندو محمدی اور مسیحی مذہب کا مقابلہ۔ ۴۴ صفحے کا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جو یوئنگ صاحب نے جو مشن کالج الہ آباد کے پرنسپل ہیں لکھا ہے اس میں اسلام کے متعلق چند بے سروپا باتیں اور عیسائی مذہب کے متعلق چند لغو باتیں پادری صاحب نے لکھی ہیں۔ خدا ان لوگوں کی آنکھیں کھولے کہ وہ صداقت اسلام کو دیکھیں۔

تصنیف حضرت مولوی نورالدین صاحب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

اسلامی قانون وراثت

بہت سے مسائل جن میں سے بعض پر گذشتہ پرچوں میں بھی بحث ہو چکی ہے۔ مثلاً پردہ۔ تعدد ازدواج۔ طلاق۔ غلامی ممانعت سود۔ قانون وراثت۔ وغیرہ مذہب اسلام کے بنیادی مسائل میں داخل نہیں۔ اور نہ ہی ان صفحات میں ان مسائل پر اس غرض سے بحث کی گئی ہے کہ ان سے اسلام کے منجانب اللہ ہونے پر ویسی ہی قطعی شہادت پیدا ہوتی ہے جیسی کہ مسائل توحید و نبوت وغیرہ سے جو مذہب اسلام کے اصل شہتیر ہیں۔ بلکہ اس سلسلہ وار بحث کی جس کا آغاز جنوری ۱۹۰۵ء میں ہوا تھا ضرورت یہ پیش آئی تھی کہ بعض مسلمان کہلانیوالے لوگوں نے اسلام کے ان مسائل کو قابل اعتراض اور مسلمانوں کی گری ہوئی حالت کی اصل وجہ بیان کیا۔ اور مسلمانوں کو یہ ترغیب دی کہ انکی بجائے وہ عیسائی قوموں کے اصول پر چلیں اور کہ مغربی قوموں کے نقش قدم پر چلنے سے ہی وہ پھر دنیا میں اپنی گم گشتہ قوت اور شوکت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ ان باطل خیالات کی تردید ہی اس سلسلہ مضامین کا اصل مقصد تھا۔ کسی مذہب کے مخالفوں کا اس مذہب پر اعتراض کرنا تو کوئی نئی بات نہیں مگر اس زمانہ میں طرح طرح کے اثروں سے موثر ہو کر بہت سے مذاہب کے اندر بعض ایسی جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں جو زمانہ کی نئی ضروریات کے مطابق اس مذہب میں اصلاح کرنیکی دعویدار ہیں۔ اور سوائے اسلام کے دوسرے مذاہب میں ان اندرونی جماعتوں کا حملہ فروع پر نہیں بلکہ اصول مذہب پر ہے۔ مثلاً عیسائی مذہب کے تثلیث اور کفارہ اور الوہیت مسیح کے اصولی عقیدے زیر بحث لا کر تمام دانشمند عیسائی اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ یہ عقائد غلط ہیں۔ اور انہی خیالات کا اظہار انہوں نے بائبل کے انسکلوپیڈیا میں بھی کیا ہے جسکے لکھنے والے عیسائی پروفیسر اور پیشوایان عیسائی مذہب ہیں۔ یہی حالت بعض دیگر مذاہب مثلاً ہندو مذہب وغیرہ کی ہے مگر اسلام کو اسجگہ بھی ایک امتیاز حاصل ہے۔ اور وہ یہ کہ اسکے اصول مثلاً توحید باری تعالیٰ اور نبوت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اندرونی اعتراض نہیں ہیں بلکہ بعض فروعی مسائل پر جنکا ذکر میں نے اوپر بھی کیا ہے اس قسم کی بحث ہو رہی ہے کہ آیا یہ مسائل نئے زمانہ کی ضروریات کے مطابق ہیں یا ان میں کوئی تغیر و تبدل ہونا چاہیئے۔ انہی لوگوں کے خیالات پر میں نے گذشتہ رسالوں میں بحث کی ہے اور انہی کے خیالات پر جو اسلامی قانون وراثت پر انہوں نے ظاہر کئے ہیں اسجگہ بھی میں بحث کرنی چاہتا ہوں مگر میں یہ ضرور کہونگا کہ ان فروعی مسائل پر بحث کرنے میں بھی بہت سے امور صریح صریح ایسے پیدا ہوتے ہیں جن سے یہ شہادت ملتی ہے کہ اسلام کا سرچشمہ انسانی علم اور طاقت سے برتر ہے۔

قرآن کریم میں مسلمانوں کے لیے نہ صرف اعلیٰ درجہ کی اخلاقی اور مذہبی ہدایات ہی ہیں بلکہ اس کتاب پاک میں اللہ تعالیٰ نے تمدنی اور ملکی قوانین کے بھی ایسے اصول بیان فرما دیے ہیں جن پر چلنے سے مسلمان دین و دنیا کی فلاح حاصل کر سکتے ہیں بعض دوسرے مذاہب میں بھی اس قسم کے اصول دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر وہ اصول ایسے ناقابل عملدرآمد پائے گئے ہیں کہ ان مذاہب کے پیرووں کو انہیں چھوڑ کر خود اپنے لیے اصول تجویز کرنے پڑے ہیں۔ مگر اسلامی اصول کو یہ فخر حاصل ہے کہ اکثر اسلامی رواجوں اور قوانین کی بنیاد قرآن کریم کے اصول پر رکھی گئی ہے۔ مثلاً حضرت مسیحؑ نے بھی طلاق کے متعلق ایک قانون انجیل میں دیا ہے جس کو عیسائی صاحبان باوجود خدا کا کلام کہنے کے اس کے ایک حرف پر بھی عمل نہیں کرتے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں کہ ”میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دیوے اس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے۔“ مگر آج کس قدر عیسائی گورنمنٹیں ہیں جنہوں نے اس قانون طلاق کو صحیح تسلیم کیا ہے؟ کونٹ ٹالسٹائی کے متعلق مندرجہ ذیل واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ کلیسیا کے عہدیدار بھی خود اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ یسوع مسیح کی تعلیم عمل کرنیکے لیے نہیں دی گئی تھی ”کونٹ ٹالسٹائی کہتا ہے کہ میں نے ایک دفعہ پہاڑی وعظ کو روسی کسانوں کے لیے چھپوایا۔ لیکن قبل اسکی اشاعت کے یہ ضروری تھا کہ وہ افسر مطابع کی اجازت حاصل کرے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے ایک کاپی اس عہدیدار کو بھیجی گئی جب وہ کاپی واپس آئی تو اس میں سے یہ فقرہ کہ ”کل کی فکر نہ کرو“ کاٹا ہوا تھا۔ ٹالسٹائی نے اس عہدیدار سے جو پادری تھا اس کی وجہ پوچھی اور لکھا کہ یہ ہدایت تو خود یسوع مسیح کی دی ہوئی اور بائیبل کا ایک حصہ ہے اور ایسی ہی مقدس ہے جیسا کہ اس کا کوئی اور حصہ۔ پادری نے جواب دیا کہ بیشک جو تم کہتے ہو وہ سچ ہے مگر بیچارہ زمیندار بائبل کے اس حصہ تک کب پہنچ سکتا ہے بلکہ ۹۹ فیصدی تو ایسے ہیں کہ کتاب پیدائش سے آگے بھی نہیں گذرتے۔ اب تم دیکھ سکتے ہو کہ اگر کسان واقعی اس ہدایت کو صحیح سمجھ لے تو روس کا تو دیوالہ نکل جائیگا۔ کسان بیچارے ایک دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے نہ وہ کچھ پس انداز کرینگے۔ انسے خراج کا وصول کرنا ناممکن ہوگا۔ فوج بھوکی مرجائیگی۔ گورنمنٹ اپنے ملازموں کو تنخواہیں نہیں دے سکیگی۔ اور سخت ابتری کی حالت ملک میں پھیل جاوے گی۔ یقیناً میں اس فقرہ کو کاٹنے کے بغیر نہیں چھوڑ سکتا۔“ یہ تو ہے پادری صاحبان کی رائے انجیل کے احکام کے متعلق۔ مگر قرآن کریم کے احکام سب کے سب عمل کے لیے دیئے گئے ہیں۔ اور اس کے ہر قسم کے قوانین خواہ وہ طلاق کے متعلق ہیں یا نکاح کے۔ خواہ وصیت کے متعلق ہو یا تقسیم ورثہ کے۔ انپر مسلمان دنیا عمل کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ اور عموماً اہل اسلام کا انپر اتفاق ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کبھی کبھی ان قوانین کے خلاف بھی بعض اشخاص نے کوشش کی ہے مگر مسلمانوں میں ایسی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی آجتک کوئی زبردست فرقہ اسلام کے اندر ایسا قایم ہوا ہے جس نے اسلام کے مروجہ قوانین کو جنکی بنیاد قرآن شریف پر ہے مٹا کر انکی بجائے کوئی نئے قوانین قائم کرکے انپر اسلامی دنیا کا عملدرآمد کرا دیا ہو۔ یہ امر مسلمانوں کو دنیا کی تمام قوموں سے ممتاز کرنیوالا ہے کہ ان میں نہ صرف اہم اور اصولی عقاید پر ہی بلکہ تمدن اور معاشرت کے قوانین پر بھی اسقدر اتفاق ہے

جس کی نظیر کسی دوسرے مذہب کے پیرووں میں نہیں ملتی۔

بعض لوگوں نے جہالت سے یہ کہا ہے کہ مذہب اسلام کوئی ترقی کرنیکے قابل نہیں جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ پرانے رواجوں اور قوانین کو چھوڑ کر نئے قوانین اختیار نہیں کرتا۔ افسوس تو یہ ہے کہ اسلام کے مخالفین۔ خواہ وہ اندرونی ہوں یا بیرونی۔ اس کی خوبیوں کو بھی عیب بنا کر دکھانا چاہتے ہیں۔ یہ تو اسلام کی عظیم الشان خوبیوں میں سے ایک بات تھی کہ تیرہ سو سال کے عرصہ کے اندر دور دراز ممالک میں جہاں کی آب و ہوا اور اطوار و اوضاع ایک دوسرے سے بالکل مخالف تھے کروڑہا انسان انہی اصول عقائد اور انہی قوانین پر قایم رہے اور ہیں جو ایک عرب کے رہنے والے اُمّی نے سکھائے تھے حالانکہ دوسرے کسی مذہب میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ دوسرے مذاہب نے اگر کچھ قوانین بتائے بھی تو وہ ایسے تھے کہ ایک خاص قوم کی ایک وقت کے لیے ضرورت کو پورا کرنیوالے تھے اور اسی لیے ان قوانین میں جلدی ہی تبدیلی کی ضرورت پیش آئی مگر اسلام نے جو اصول اور قوانین مسلمانوں کو سکھائے وہ ہمیشہ کے لیے اور ہر ملک اور قوم کے لیے تھے۔ اور جہاں دوسرے مذاہب کے اصول اکثر حالتوں میں ناقابل عملدرآمد پائے گئے ہیں اسلام کے اصول کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ قابل عملدرآمد ہیں اور اسلامی دنیا کا ابتدائے زمانہ اسلام سے آجتک اپنر عمل چلا آتا ہے۔ مثلاً عیسائیوں کا قانون طلاق ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے نہیں تھا اور اسی لئے عیسائیوں کو اس میں تبدیلی کر کے خود ایک قانون تجویز کرنا پڑا۔ اب یہ کسقدر حماقت ہے کہ اس مذہب کو جس کے قوانین اور اصول پر چند دن بھی چند قومیں اتفاق نہیں کر سکیں عالمگیر مذہب کہا جاوے۔ اور اس نقص کو چھپانے کے لیے پادری صاحبان نے یہ تجویز نکالی ہے کہ کہدیتے ہیں کہ عیسائی مذہب ترقی پذیر ہے۔ حالانکہ اگر سوچا جائے تو اس کلام کا مفہوم سوائے اسکے کچھ نہیں کہ یہ ایک ناقص مذہب ہے اور کامل نہیں۔ اور خود حضرت مسیحؑ نے بھی یہی فرمایا تھا۔ برخلاف اس کے اسلام کے اصول اور قوانین کو دیکھا جاوے تو معلوم ہوگا کہ صدہا سالوں سے ان میں کسی قسم کا تغیّر نہیں آیا کیونکہ وہ ایسی کامل صورت میں دیے گئے ہیں کہ ان میں تغیّر کی ضرورت ہی نہیں۔ نہ صرف مختلف ممالک کے رہنے والے مسلمان ہی ان قوانین اور اصول کو اپنے عملدرآمد میں لائے ہیں۔ بلکہ آخر عیسائی قوموں نے بھی انہی اصول اور قوانین کی طرف اپنا میلان دکھایا ہے۔ چنانچہ جو کچھ طلاق کے متعلق عیسائی قومیں اپنے قوانین میں اصلاح کر رہی ہیں یا تقسیم وراثت کے متعلق جو بہت سی عیسائی قوموں نے پہلو اختیار کیا ہے وہ عین اسلامی ہیں۔ ہاں تعدد ازواج کے خلاف عیسائی قوموں میں سخت تعصب پایا جاتا ہے۔ اور اس بارے میں وہ دلائل پر بھی غور نہیں کرتے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ اپنے ذہن میں ایک بات فرض کر کے اسپر ضد کر رہے ہیں۔ اسلام کی یہ تعلیم نہیں کہ کوئی شخص جب تک تعدد ازواج کا پابند نہ ہو وہ مسلمان نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو زوج واحد کے عام قاعدہ کے لیے بطور ایک استثناء کے ہے۔ اور تعدد ازواج کی ممانعت کا نتیجہ یورپ میں اس خطرناک بدکاری کا پھیلنا ہوا ہے جو انسانوں کو انسانیت کے درجہ سے نیچے گرا رہی ہے۔ یعنی زنا کا پیشہ۔ جب ایک شخص عیسائی بزرگوں کے اس غیظ و غضب کو دیکھتا ہے جو ایک شخص کی

دوسری بیوی کرنے پر دہ ظاہر کرتے ہیں اور دوسری طرف انکو سوسائٹی کی اس حالت پر بالکل مطمئن پاتا ہے کہ لاکھوں کسبیاں اونکے درمیان موجود ہیں اور زنا اور اغوا کا بازار گرم ہے۔ تو تعجب ہی آتا ہے۔ حالانکہ ایک موٹی سمجھ کا انسان بھی یہ خیال کرسکتا ہے کہ اگر تعدد ازدواج کی ممانعت کو دور کردیا جائے تو زناکاری کی کثرت میں بہت کمی ہوسکتی ہے۔ مگر ان دانشمندوں کے نزدیک تعدد ازدواج نکاح اور مرد اور عورت کے تعلقات کے اعلیٰ ترین مفہوم کے منافی ہے خواہ واقعی اس کی کیسی ہی ضرورت ہو۔ مگر زنا اس اعلیٰ مفہوم کا منافی نہیں۔ پنجاب میں گذشتہ مردم شماری کے رو سے صرف ایک فیصدی آدمی اہل اسلام میں ایسا ہے جو دو بیویاں رکھتا ہو مگر اسکو نکاح کے مفہوم پر ایک خطرناک عیب سمجھا جاتا ہے۔ مگر لنڈن میں جہاں معمولی زناکاری کے علاوہ صرف ایک لاکھ کسبیاں ہیں جو کم از کم دس لاکھ مردوں کے وحشیانہ جذبات کا شکار ہورہی ہیں اور اسطرح پر قریباً پچیس فیصدی آدمی اس کھلی بدکاری کے مرتکب ہوتے ہیں جو سارے بن بیاہے نہیں ہوتے۔ ہاں لنڈن میں اس خطرناک سیاہ کاری کے باوجود نکاح کے اعلیٰ مفہوم کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اور تعلقات نکاح نہایت پاکیزہ سمجھے جاتے ہیں جسکا مطلب بالفاظ دیگر یہ ہے کہ اگر سو آدمیوں میں سے ایک آدمی مجبوری کے لیے جو اکثر اولاد کی خواہش ہوتی ہے دوسری بیوی کو اپنے نکاح میں لاوے تو یہ بہت بُرا ہے بہ نسبت اس کے کہ ہر تین یا چار آدمیوں میں سے ایک آدمی محض جذبات نفسانی کا مطیع ہوکر دوسری عورتوں سے زناکاری کا ارتکاب کرے۔ خدائے تعالیٰ اس قوم کے اخلاقی فہم میں روشنی بخشے کہ ایک ذلیل ترین اور نہایت ہی گری ہوئی حالت کو تعدد ازدواج پر ترجیح دیجاتی ہے۔

جیسا کہ مَیں اوپر کہہ چکا ہوں اسوقت مسلمانوں میں بھی وہ لوگ موجود ہیں جو بعض اسلامی قوانین اور رواجوں کو غیر معقول کہتے ہیں اور انکو ہدف اعتراضات بنارہے ہیں اور انکو ان قوانین اور رواجوں سے بدلنا چاہتے ہیں جو مغربی اقوام میں پائے جاتے ہیں اور جن سے خود وہ اقوام نفرت کررہی ہیں یا انکی غلطی کو محسوس کرنے لگی ہیں۔ اس مضمون میں مَیں اس قسم کے لوگوں کے ان اعتراضات پر بحث کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے اسلام کے قانون وراثت پر کیے ہیں۔ قانون وراثت اسلام کا کوئی بنیادی اصل نہیں۔ اور جو لوگ اس اصلاح کے مدعی ہورہے ہیں خود انکی تعداد اسقدر کم ہے کہ وہ چنداں قابل التفات نہیں ہیں۔ مگر چونکہ مغربی تہذیب کے دلدادہ روز بروز ترقی کررہے ہیں اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو انکی غلطی پر آگاہ کیا جائے۔ مغربی تہذیب کے مداحوں نے جہاں اور بہت سے نئے نئے رواج اختیار کررکھے ہیں یہ بھی اپنا رویہ بنالیا ہے کہ اسلامی اصول کو ہی مسلمانوں کے موجودہ تنزل اور افلاس کی حالت کی اصل وجہ بیان کیا جائے۔ یہ لوگ جو مسلمانوں کے ہادی اور مصلح ہونیکے دعویدار ہیں اس بیماری کی تشخیص کرنے میں جو اس وقت اہل اسلام کو لگی ہوئی ہے اسقدر جلد بازی سے کام لیتے ہیں کہ وہ ایک لمحہ بھر یہ غور کرنیکے لیے بھی نہیں ٹھہرتے کہ آخر یہی اصول جنپر یہ عیب لگایا جاتا ہے کسی زمانہ میں مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی کا حقیقی گر تھے۔ اس بات سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ ایک وہ زمانہ تھا جب اسلامی تہذیب کی مشعل اپنے بلند مینار سے ساری دنیا کو روشن کررہی تھی اور مسلمان سب دنیا کی قوموں سے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ مگر اسوقت

وہ انہی قوانین اور رواجوں کے پابند تھے۔ جنکو آج انکے زوال کا باعث بتایا جاتا ہے اب یہ تو ناممکن ہے۔ اور سمجھ نہیں آسکتا کہ جن اصول اور قوانین وضوابط پر چلکر ایک وقت ایک قوم قعر ذلت سے نکلکر اوج ترقی اور تہذیب پر پہونچی ہو۔ انہیں اصول کے کاربند ہونیکی وجہ سے دوسرے وقت وہی قوم اس ساری ترقی اور تہذیب اور عظمت اور شرافت کو کھو کر ذلت کے اتھاہ گڑھے میں گر جائے۔ پس اسکا باعث کوئی اور ہونا چاہیئے۔ دوسری طرف مغربی اقوام کے بہت سے وہ رواج جن کو آج ان کی ترقی کا باعث بتایا جاتا ہے۔ وہی ہیں جو ابتدائے زمانہ عیسویت سے چلے آتے ہیں۔ یا کم از کم ایسے ہیں جنپر عیسائی لوگ دو تین صدیاں بعد قائم ہو گئے تھے مگر انہی اصول پر چلکر مدت تک یورپ پر سخت جہالت کی تاریکی چھائی رہی اور صرف وہی روشنی کی شعاع تھی جو اسلام کے بلند منارہ سے آتی تھی۔ پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ نہ تو اسلام کے اصول اور قوانین میں کوئی ایسا ذاتی نقص ہے جس سے یہ نتیجہ صحیح طور پر نکالا جاسکتا ہو کہ ان اصول اور قوانین کے چھوڑنے پر ہی اسلام کی ترقی منحصر ہے اور نہ ہی عیسائی قوموں کے قوانین اور رواجوں میں واقعی کوئی ایسی خوبی ہے کہ انپر چلکر مسلمان کسی ترقی کی امید کر سکیں۔ اور نہ ہی کوئی عقلمند آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ اگرچہ پہلے زمانہ میں اسلام کے اصول اور قوانین اس کی ترقی کا باعث تھے مگر اب وہی اصول اور قوانین اس کے تنزل کا باعث ہو رہے ہیں۔ یا یہ کہ اگرچہ عیسائی قوموں کے رواج اور قوانین پہلے زمانہ میں انکے تنزل اور جہالت کا باعث تھے مگر اب وہی رواج اور قوانین انکی ترقی کا باعث ہو گئے ہیں۔ اور ان میں کوئی نئی طاقت پیدا ہو گئی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جس عروج پر مذہب اسلام نے اپنے پیروؤں کو پہنچایا۔ دوسرے کسی مذہب کو کبھی اس کامیابی کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دوسری قوموں نے ترقی نہیں کی بلکہ جو کچھ ترقی انہوں نے کی وہ اُن کی اپنی کوششوں کا نتیجہ تھا یا ہے مگر مسلمان محض اپنے مذہب کی وجہ سے دنیا کے رہبر اور ہادی بنے۔ بالفاظ دیگر مسلمانوں کی ترقی ان اصول پر عمل کرنیکی وجہ سے ہوئی جو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے۔ مگر دوسری قوموں کی ترقی میں یہ صورت نظر نہیں آتی۔ یہ بات اسقدر صاف ہے کہ کسی شہادت کی ضرورت نہیں رکھتی۔ اسلام کی ترقی کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کے ساتھ ہی رکھی گئی۔ اور آپ کے زمانہ سے پچیس ۲۵ سال کے اندر اندر مسلمان نہ صرف دنیا کی اول درجہ کی فاتح قوم ہی بن گئے بلکہ انہوں نے دنیا کے تاریک کونوں میں نور علم کو پھیلایا۔ وہ نیکی اور پرہیزگاری کے نمونے دنیا کے لئے بنے وہ صاحب علم وفضل وہنر تھے اور ہر رنگ میں جس سے انسان کو شرف انسانیت حاصل ہے وہ دنیا کی سب قوموں پر فوقیت لے گئے۔ اور دنیوی اور اخلاقی وجاہت انکے ہاتھ میں اسوقت تک رہی جبتک کہ وہ پوری طرح سے ان پاک اصول کے پابند رہے جو ان کے ہادی نے انکو سکھائے تھے۔ لیکن جب مرور زمانہ کے ساتھ وہ خود غافل اور سست ہوتے گئے۔ اور جب انہوں نے ان اصول کو چھوڑ دیا تو اس عزت نے بھی جو محض اسلام کی بدولت انکو نصیب ہوئی تھی انکا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہ رنگ دوسرے مذاہب میں ہرگز نہیں پایا جاتا۔ مثلاً عیسائی مذہب کو ہی

دیکھ لو - اسکے پیروؤں نے تین سو سال تک کوئی نمایاں ترقی نہیں دکھائی۔ تین صدیوں کے گذرنیکے بعد دنیوی وجاہت عیسائیت کو حاصل ہونی شروع ہوئی۔ مگر باوجود اس کے کہ اسکے بعد ایک ہزار سال تک عیسائیت کا غلبہ یورپ میں رہا مگر جہالت کی تاریکی تمام براعظم پر چھائی ہوئی تھی اور کوئی خصوصیت ایسی ساتھ ذکر کرنیکے قابل ترقی اس قوم کی اس زمانہ میں نہیں پائی جاتی۔ وہ سخت درجہ کی جہالت اور توہم پرستی میں ڈوبے رہے اور عیسائی مذہب کے اصول نے کوئی نئی روح ان میں پھونک کر نہ دکھائی۔ جیساکہ اسلام میں ہم ایک عظیم الشان نفخ روح دیکھتے ہیں کہ جیسا جیسا قومیں اسلام قبول کرتی گئیں وہ دوسری قوموں سے بیّن طور پر ممتاز ہوتی گئیں۔ عیسائی قوموں نے جو کچھ ترقی کی ہے وہ بہت قریب کے زمانہ کی ہے۔ اور اسوقت سے شروع ہوتی ہے جب عیسائیت کا اثر لوگوں کے دلوں سے زائل ہونا شروع ہوگیا تھا پس جو کچھ مادّی ترقی عیسائی اقوام نے کی ہے وہ صرف انکے ہمہ تن مردار دنیا پر گرپڑنے اور آخرت سے بالکل غافل ہوجانیکی وجہ سے ہے۔ انہوں نے دولت کے دیوتا کی پرستش شروع کی اور دولت کو حاصل کیا۔ پس انکی ترقی اور مسلمانوں کی ترقی دو الگ الگ ٹریکوں پر چلنے سے ہوئی۔ اور اس امتیاز کو بھول جانیسے مدعیان اصلاح نے ٹھوکر کھائی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ دو طرح پر انسان ترقی کرسکتا ہے اور اس کے لیے دو الگ الگ راہیں ہیں۔ جیساکہ خود قرآن شریف میں بھی یہ اشارہ پایا جاتا ہے۔ من کان یرید العاجلة عجلنا له فیها ما نشاء لمن نرید ثم جعلنا له جهنم یصلٰها مذموما مدحورا ۝ ومن اراد الاٰخرة وسعٰی لها سعیها وهو مؤمن فاولئك كان سعیهم مشكورا ۝ كلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربك وما كان عطاء ربك محظورا - (بنی اسرائیل - ۱۸ - ۲۰) - جو شخص دنیا کا طالب ہو تو ہم جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں اسی دنیا میں سردست اسکو دیدیتے ہیں مگر پھر آخرکار ہم نے اسکے لیے دوزخ ٹھہرا رکھا ہے جس میں وہ بُرے حال سے راندہ ہوکر داخل ہوگا۔ اور جو شخص طالب آخرت ہو اور آخرت کے لیے جیسی کوشش کرنی چاہیئے ویسی اس کے لیے کوشش بھی کرے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی محنت مقبول ہوگی۔ انکو اور انکو یعنی کیا دنیا کے طالبوں کو اور کیا آخرت کے طالبوں کو ہم تیرے پروردگار کی بخشش سے مدد دیتے ہیں اور تیرے پروردگار کی بخشش عام ہے کسی پر بند نہیں۔ اس آیت شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا فرق ہے جو مسلمانوں کی ابتدائی زمانہ کی تہذیب اور عیسائی اقوام کی اس زمانہ کی تہذیب میں پایا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے آخرت کے لیے سعی کی اور دین کو دنیا پر مقدم کیا۔ دنیا طلبی کی بجائے راستبازی کا راہ اختیار کیا اور خدا نے اپنے وعدے کے مطابق اس دنیا میں بھی انکو عروج اور اقبال بخشا۔ اور ترقی کے اوج اور تہذیب کے بلند مینار پر پہنچایا۔ کیونکہ جو شخص خدا کی راہ میں لگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس دنیا میں بھی اجر دیتا ہے۔ اور اپنی برکات نہ صرف آخرت میں بلکہ اس دنیا میں بھی اسپر نازل فرماتا ہے۔ برعکس اسکے عیسائیوں نے صرف دنیا طلبی پر زور دیا اور دنیا پر ہی اپنے قویٰ کو صرف کیا۔ اور اسی دنیا کے عیش اور عشرت کے سامانوں کی تلاش میں لگ گئے سو خدا نے صرف اسی دنیا کے

ان کو حصہ دیا اور وہ آخرت سے محروم رہ گئے۔ یہ بات کہ واقعی مغربی یعنی عیسائی اقوام کی تمام ہمت اس وقت بکلی اس دنیا پر ہی صرف ہوتی ہے۔ محتاج ثبوت نہیں بلکہ جس شخص نے ان لوگوں کے حالات پر کچھ بھی نظر کی ہے۔ وہ اس بات کو بخوبی جانتا ہے۔ عیسائی صاحبان خود اس کے اقراری ہیں چنانچہ اخبار ہارویسٹ فیلڈ کے ایک تازہ پرچے میں پادری مونا ہن نے ایک مضمون لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے کہ مغرب میں مذہب کی کیا حالت ہے۔ وہ لکھتا ہے "دو تقریباً بیس سال سے انگلستان کی مذہبی زندگی میں زوال کے خطرناک آثار پائے جاتے تھے۔ دنیا پرستی اور دنیا طلبی تمام خیالات پر غالب آئی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ آسایش کے سامانوں میں حیرت انگیز ترقی۔ یہانتک کہ غربا کے گھروں میں بھی آسایش کے لیے سامانوں کا مہیا ہونا۔ کھیل کود کے پیچھے دیوانوں کی طرح لگے رہنا۔ ہر وقت طلب عیش میں لگے رہنا۔ یہ تمام نشان تھے کہ انگریز حد سے بڑھکر دنیا پر گر گئے تھے۔ ان سب سے بڑھکر صاحب دولت بننے کی دیوانہ وار تڑپ ہے جس کی غرض صرف یہ ہے کہ زیادہ روپیہ حاصل کر کے عیش و عشرت کے سامان زیادہ مہیا کیے جاویں۔ اسپر تجارت کے مقابلہ اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں دوڑ دھوپ کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح پر تمام واقعات کی رو مذہبی زندگی کی جڑھ اکھاڑ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں کے پاس پاکیزگی حاصل کرنیکے لیے کوئی وقت ہی نہیں تھا۔ اور نہ دعا کرنیکے لیے کوئی وقت تھا۔ خود کلیسیا کی زندگی شہادت دے رہی تھی کہ زمانہ کسقدر فسق و فجور میں مبتلا ہو گیا ہے۔ آخرت کا خیال قطعاً دلوں سے اُٹھ گیا۔ کلیسیا میں دنیا داری حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی اور ابتک ہے۔ اور مذہب کو دنیا طلبی کے ساتھ خطرناک طور پر ملایا گیا ہے"

اس مضمون کا لکھنے والا خیال کرتا ہے کہ اب پانچ چھ سال سے انگلستان کی حالت بدل گئی ہے مگر یہ محض خوش اعتقادی ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ دنیا کی محبت کی آگ روز بروز تیز ہو رہی ہے اور کل قوائے انسانی اور ہمت کو صرف دنیا طلبی پر ہی صرف کیا جا رہا ہے۔ بلکہ جہاں مذہب کا ذکر بھی ہے وہ بھی صرف زبان سے ہے اور دل میں کچھ بھی نہیں حضرت مسیح کے پہاڑی وعظ کے بعض فقرات اسی بات کے مؤید ہیں جسکا ذکر میں نے اوپر کیا اور انسے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی دنیا کی موجودہ مادی ترقی خالص دنیا طلبی کا نتیجہ ہے اور یہ عیسائی ہونیکی وجہ سے نہیں بلکہ دہریہ ہونیکی وجہ سے ہے۔ مثلاً حضرت مسیح فرماتے ہیں "مال اپنے واسطے زمین پر جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور مورچہ خراب کرتے ہیں اور جہاں چور سیندھ دیتے اور چراتے ہیں بلکہ مال اپنے لیے آسمان پر جمع کرو جہاں نہ کیڑا نہ مورچہ خراب کرتے اور نہ وہاں چور سیندھ دیتے اور چراتے ہیں۔ کیونکہ جہاں تمہارا خزانہ ہے وہیں تمہارا دل بھی لگا رہیگا۔ .... کوئی آدمی دو خاوندوں کی خدمت نہیں کر سکتا اس لیے کہ یا ایک سے دشمنی رکھیگا اور دوسرے سے دوستی یا ایک کو مانیگا اور دوسرے کو ناچیز جانیگا۔ تم خدا اور دولت کے دیوتا دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی زندگی کے لیے فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے اور کیا پیئیں گے نہ اپنے بدن کے لیے کہ کیا پہنیں گے ..... پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جاتی ہے

یوں پہناتا ہے تو کیا تم کو اے کم اعتقادو زیادہ نہ پہنائیگا۔ اس لیے یہ کہکے فکرمت کرو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پیئیں گے یا کیا پہنیں گے۔ کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں رہتی ہیں اور تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو پر تم پہلے خدا کی بادشاہت اور اسکی راستبازی کو ڈھونڈو۔ اور یہ سب چیزیں بھی تمہیں ملیں گی۔"

اب کوئی پادری صاحب غور کرکے بتاویں کہ کیا مغربی یعنی عیسائی اقوام اس زمانہ میں خدا کی بادشاہت اور اسکی راستبازی کو ڈھونڈ رہی ہیں اور دنیا کی چیزیں انکو یونہی ملتی ہیں یا کہ وہ دنیا کی چیزوں کی طلب میں دیوانوں کی طرح لگی ہوئی ہیں اور خدا کی بادشاہت اور راستبازی کا خیال انکے پاس پھٹک بھی نہیں گیا۔ اور یوں حضرت مسیح کے زمانے کی غیر قوموں کا تتبع کر رہی ہیں۔ پس عیسائیوں کے لیے موجودہ مادّی ترقی باعث فخر نہیں اور نہ خوشی کرنے کی جگہ ہے بلکہ رونے کی جگہ ہے کہ وہ اس حقیقت سے دور جا پڑے ہیں کہ انسان کی زندگی کا اصل مقصد کیا ہے۔ جو کچھ وہ حاصل کر رہے ہیں وہ دولت کے دیوتا کی پرستش سے حاصل کر رہے ہیں اور اس لیے خدا کے ساتھ ان کی محبت نہیں رہ سکتی یہ تو ان قوموں کا حال تھا مگر اب اور بھی زیادہ افسوس ہے کہ بعض مسلمان بھی عیسائی لوگوں کے نقش قدم پر چلکر ہمہ تن دنیا میں ہی مصروف ہونا چاہتے ہیں۔ انکو یاد رکھنا چاہیے کہ اس طرح سے وہ مسلمانوں کو ترقی نہیں بلکہ تنزل کی راہ پر چلائیں گے مسلمانوں کے لیے ان کی ہمتوں کا مرجع یہ ذلیل مقصد کبھی نہیں ٹھہرایا گیا تھا کہ وہ مردار دنیا پر گر پڑیں بلکہ انکو یہی تعلیم دیگئی تھی کہ وہ راستبازی کو مقدم رکھیں۔ اور دنیا کی ضروری چیزیں خود انکے پاس آئیں گی۔ پس تقویٰ اور راستبازی ہی ان کا مقصد اعلیٰ تھا اور ہے۔ اور ان لوگوں کو جو بلا سوچے سمجھے اصلاح کے مدعی بن بیٹھے ہیں اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ مسلمانوں کا قدم ہمت محض دنیا طلبی نہ تھا اور نہ اب ہونا چاہیئے۔ ورنہ وہ بھی دوسری قوموں کی طرح محض ایک دنیا پرست اور آخرت سے بے بہرہ قوم ہو جائیگی۔ راستبازی اور تقوے کی راہوں سے ہی وہ پہلے بڑے بنے اور انہی راہوں پر چلکر وہ اپنی گم گشتہ بڑائی کو پھر پا سکتے ہیں۔ دوسری قوموں کی ترقی ان کے لیے نظیر نہیں کیونکہ جس طرح قرون اولے کے مسلمانوں نے معمولی دنیوی راہوں پر چلکر ترقی اور عزت کو نہیں پایا بلکہ تقویٰ اور راستبازی ہی انکی تمام ترقیوں کا سرچشمہ تھا۔ ایسا ہی اب بھی انکی ترقی کے لیے یہی راہ ہے۔ اور دنیا پر گری ہوئی قوموں کے نقش قدم پر چلانے سے وہ کبھی اُٹھ نہیں سکتے۔ جیسا خدا نے خارق عادت طور پر پہلے انکو ترقی دی کیونکہ انہوں نے راستبازی سے پیار کیا اور دین کو دنیا پر مقدم کیا ایسا ہی وہ پاک ذات اب بھی کریگا۔ لیکن اسکے لیے ضروری ہے کہ وہ انہیں تقوے کی راہوں پر پھر قدم ماریں اور راستبازی سے پیار کریں اور آخرت کو دنیا پر مقدم کریں۔

اگر مسلمانوں کی اس حالت کو دیکھا جاوے جب انکے اقبال کا ستارہ عروج پر تھا تو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی معمولی دنیوی رنگ کی ترقی نہ تھی۔ اگر مجموعی نظر سے دیکھا جاوے تو اپنی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کے وقت مسلمانوں میں بیدینی اور لامذہبی کی کبھی وہ حالت نہیں ہوئی جو آجکل کی مہذب قوموں کی حالت ہے۔ بلکہ ایک عرصہ

دراز تک جیسے وہ اپنی دنیوی ترقی اور تہذیب کے لیے مشہور تھے ویسا ہی اپنی راستبازی اور نیکی کی وجہ سے بھی شہرت رکھتے تھے۔ بلکہ جب وہ راستبازی کے اعلیٰ مقام سے گرے تو اس وقت بھی انکی حالت ایسی ذلیل کبھی نہیں ہوئی جیسے کہ عیسائی اقوام کی ہو رہی ہے۔ چنانچہ نہ ہی اپنی اعلیٰ درجہ کی ترقی کے وقت اور نہ ہی اس تنزل کی حالت میں عیسائی اقوام کی مخصوص بدیاں جو تمام بدکاریوں کی جڑھ اور تمام بداخلاقیوں کی ماں ہیں یعنی شرابخوری زناکاری اور قماربازی جو یورپ کے ماتھے پر سیاہ دھبہ ہیں ان میں کبھی اس طرح پر نہیں پھیلیں۔ اُسوقت جب وہ دنیوی ترقی کے معراج پر پہنچے ہوئے تھے اسوقت بھی انکی زندگیوں کے اندر مذہبی روح موجود تھی اور ہر طرح کی شان وشوکت اور آسایش کے سامانوں کے باوجود وہ پانچ وقت اپنے مولیٰ کے حضور جھکتے اور گڑگڑاتے تھے اور بادشاہ سے لیکر فقیر تک ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اس کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے تھے۔ غرضکہ جولامذہبی اور بیدینی اس تہذیب کے زمانے میں یورپ اور امریکہ میں پھیلی ہوئی ہے وہ مسلمانوں کے اندر کبھی نہیں پھیلی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا مسلمان بھی نیکی اور پرہیزگاری کے بہت سے اعلیٰ اصول سے گرتے گئے۔ اور تعلیم اسلام کے اصل مغز کو بھول گئے اور اس کے ساتھ ہی ان کے دنیوی اقبال میں بھی زوال شروع ہوگیا۔ مگر وہ گرے بھی تو ایسے نہیں گرے کہ پھر اُٹھ نہ سکیں۔ جیساکہ بہت سی دوسری اقوام کا انجام ہوا جن کی غرض صرف دنیا طلبی ہی تھی۔ اسلام کے لیے یہ خوشخبری موجود ہے کہ وہ ابھی پھر ایک دفعہ اُٹھیگا اور دنیا کے تمام مذاہب پر غالب آئیگا اور یہ خوشخبری اُسی مخبر صادق نے دی ہے جس نے مسلمانوں کی اول حالت عروج اور اس کے بعد زوال کی اطلاع دی تھی جو پوری ہو چکی۔ پس یہ وقت اب پھر اسلام پر آنیوالا ہے کہ لیظھرہٗ علی الدین کلہ کا وعدہ پورا ہو۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ جس راہ پر چلکر مسلمان پہلے کامیاب ہوئے تھے اُسی راہ پر چلکر وہ پھر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یعنی تقوے طہارت اور راستبازی کے ذریعہ جس کے لیے یہ بشارت ہے کہ آخری زمانہ میں راستبازی اور ایمان مسیح موعود اور مہدی کے ذریعہ دنیا میں قایم ہونگے۔ سو وہ وقت آچکا ہے اور وہ مقدس امام ظاہر ہو چکا ہے جس نے دیکھنا ہو دیکھے۔

اصل کلام کی طرف رجوع کر کے مَیں پھر یہ کہتا ہوں کہ مسلمان اگر ترقی کے خواہاں ہیں تو اُسی راہ سے پھر اسے تلاش کریں جس راہ پر چلکر انکے بزرگوں کو پہلے ترقی ملی تھی۔ اور وہ مغربی اقوام کے خالص دنیوی طریقوں سے پرہیز کریں۔ کیونکہ انکی دنیا طلبی جو حد سے گذری ہوئی ہے مذہبی روح کے لیے سم قاتل ہے۔ قرآن کریم تو یہ تعلیم دیتا ہے مگر عیسائی صاحبان اگر حضرت مسیح کے اقوال پر ہی غور کریں تو انسے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ دنیا بیشک اس بات کو عجیب اور ناممکن سمجھتی ہے کہ راستبازی کے اختیار کرنیسے دنیوی برکات بھی انسان کو حاصل ہوتی ہیں مگر یہی تمام راستبازوں کا تجربہ ہے اور اسلام کی تاریخ اسپر کھلا کھلا گواہ ہے۔ خود مسیح نے بھی یہی تعلیم دی اگرچہ اس کے پیرووں نے اسکی تعلیم کی پیروی نہیں کی۔ جو شخص کچھ بھی نظر غور سے قرآن شریف کو پڑھیگا وہ دیکھ لیگا کہ اسلام نے تزکیہ نفس اور راستبازی پر کسقدر زور

دیا ہے۔ نہ صرف مذہبی عبادات کے احکام میں ہی یہ بات پائی جاتی ہے بلکہ ہر ایک قسم کے قوانین خواہ وہ تمدن کے متعلق ہوں
یا معاشرت کے یا ملکی قوانین ہوں یا سزاؤں کے متعلق ہوں یا کسی قسم کی نہی ہو۔ ہر جگہ راستبازی کو ایک سچے مسلمان کے
لیے اصل ٹھہرایا ہے۔ اور ہر قسم کے احکام کے ساتھ ساتھ تقوے کے لیے اسقدر تاکید فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
اسلام کے ہر حکم اور نہی کی بنیاد تقوے پر ہی رکھی گئی ہے۔ اس کی میں ایک موٹی مثال سورۂ طلاق سے پیش کرتا ہوں
جہاں طلاق کے دینے میں چند امور کا ملحوظ رکھنا بیان کیا گیا ہے مگر عجیب رنگ میں ایک ایک فقرہ کے ساتھ تقوے
کی ہدایت اور تاکید کو دوہرایا گیا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ
وَاَحْصُوا الْعِدَّۃَ وَاتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمْ لَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْ بُیُوْتِھِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ
اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ وَتِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ
نَفْسَہٗ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَاَمْسِکُوْھُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّھَادَۃَ
لِلّٰہِ ذٰلِکُمْ یُوْعَظُ بِہٖ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ
مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ اِنَّ اللّٰہَ
بَالِغُ اَمْرِہٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ
اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْھُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُھُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ
حَمْلَھُنَّ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ اَمْرِہٖ یُسْرًا ذٰلِکَ اَمْرُ اللّٰہِ اَنْزَلَہٗٓ اِلَیْکُمْ وَمَنْ
یَّتَّقِ اللّٰہَ یُکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُعْظِمْ لَہٗٓ اَجْرًا + ان آیات سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ
ہر قسم کے حکم کے ساتھ قرآن شریف نے تقوے کی شرط ضروری لگادی ہے پس تمام کے تمام اسلامی قوانین اور سنن
کی بنیاد تقوے پر ہے۔ اور بدون تقوی وہ قوانین اپنی اصل حالت پر نہیں رہ سکتے۔ صحابہؓ اور ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں
کی ترقی کا یہی راز تھا کہ انہوں نے اسلامی قوانین کی اصل حقیقت کو سمجھ لیا تھا اور یہ جان لیا تھا کہ ان سب قوانین کی
جان تقوی ہے۔ اور تقوے کے بغیر وہ ایسے ہیں جیسے جسم بلا روح۔ اس گر کو سمجھ لینے سے مسلمانوں کی کامیابی اور
ترقی گذشتہ زمانہ میں اور مسلمانوں کا تنزل اس زمانے میں بخوبی سمجھ آسکتا ہے۔ اسکو دوسری قوموں پر قیاس مت
کرو بلکہ اسلام کی اپنی تاریخ میں اسکے صحیح اسباب ملتے ہیں۔ جب تک مسلمان قرآن کریم کے احکام کی اصل حقیقت پر قایم
رہے اور اس بنیاد کو جس پر یہ احکام مبنی تھے قایم رکھا اسوقت تک اقبال نے بھی انکا ساتھ نہیں چھوڑا لیکن جب اصل
بنیاد ان احکام کی جو تقوی تھی قایم نہ رہی تو وہ عمارت بھی قایم نہ رہی جو اس بنیاد پر کھڑی تھی اور مسلمانوں نے
تنزل کے دنوں کو دیکھا جو شخص واقعی اس تلاش میں ہیں کہ وہ مسلمانوں کی دنیوی حالت تنزل کے اسباب کو

دریافت کریں انہیں ان امور پر خوب غور کرنا چاہیئے۔ اسلام کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عظیم الشان ترقیوں کا زمانہ اسلام کی پہلی تین صدیاں تھیں۔ اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ اسلام میں بڑی نیکی اور راستبازی کا زمانہ پہلی تین صدیاں ہی ہیں اور کہ اس کے بعد لوگ تقوے کی راہوں پر قایم نہ رہیں گے۔ پس جیسا ادھر مسلمان فیج اعوج کے زمانہ میں (جو تین صدیوں کے بعد شروع ہوتا ہے) اصل راہ سے منحرف ہوتے گئے اُدھر انکے تنزل کا زمانہ شروع ہوگیا۔ چنانچہ انکی ترقی اور تنزل کے زمانہ میں معمولی قوانین یکساں ہی ہیں اور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پہلے کوئی اور قوانین ہوں جن پر وہ عمل کرتے ہوں اور پھر ان قوانین کو بدل دینے سے تنزل کی حالت پیدا ہوئی ہو بلکہ اگر کوئی فرق آیا ہے تو وہ صرف تقوٰی اور پرہیزگاری کی راہوں کا گم ہوجانا ہے۔ تقوی ان احکام کی جان تھی سو جب جان جسم سے نکل گئی تو جسم بھی بیکار رہ گیا۔ یہی ایک وجہ ہے کہ جو قوانین ایک زمانہ میں مسلمانوں کی عظیم الشان ترقیوں اور کامیابیوں کا موجب تھے بعد میں ان سے یہ روح اور قوت جاتی رہی۔ پس اب اصلاح کی تجویز یہ نہیں کہ اس بیجان جسم کو بھی خاک میں ملا دیا جاوے بلکہ اصلاح صرف اسطرح ہو سکتی ہے کہ پھر ان تجاویز پر عمل کیا جاوے جن سے از سر نو اس مردہ جسم میں جان داخل ہوجاوے ہاں یہ انسانوں کی کوشش سے نہیں ہوسکتا اور نہ ہی پہلے انسانوں کی کوشش سے ایسا ہوا تھا۔ بلکہ جسطرح پہلے اس ایمان اور راستبازی کو جو کل احکام کی روح ہے پیدا کرنیوالا کلام الٰہی تھا اسی طرح اب بھی کلام الٰہی کے سرچشمہ سے ہی وہ تازگی اور روح پیدا ہوسکتی ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اول میں اسلامی قانون وراثت کو قرآن شریف سے پیش کرتا ہوں اور بعد میں اسکا مقابلہ دوسرے مروجہ قوانین وراثت سے کرکے یہ دکھاؤنگا کہ صحیح اور سچا قانون صرف وہی ہے جو تیرہ ۱۳ سو سال ہوئے اسلام نے پیش کیا تھا۔ اور دنیاداروں کے تجویز کیے ہوئے قوانین سراسر خلاف انصاف ہیں۔ اور اسی ضمن میں یہ بھی ذکر کیا جاویگا کہ نئے مدعیان اصلاح جو لامذہبی کو اسلام کی ترقی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کونسی اصلاحیں اسلامی قانون وراثت میں کرنی چاہتے ہیں اور انکی حقیقت کیا ہے۔ سب سے اول میں وہ آیت پیش کرتا ہوں جو قانون وراثت کے لئے بطور اصل کے ہے۔ یہ آیت سورہ نساء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون ص وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منه او کثر نصیبا مفروضا۔ یعنی ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں مردوں کا حصہ ہے اور ایسا ہی ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ خواہ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا بہت۔ اور یہ حصہ مقرر کردہ اور ٹھہرایا ہوا حصہ ہے۔ اس حصہ کا ذکر جسکا اشارہ یہاں پایا جاتا ہے اس سے اگلے رکوع میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے لیکن اسجگہ اللہ تعالیٰ صرف یہ فرماتا ہے کہ ترکے میں سے مردوں کو اور عورتوں کو کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملنا چاہیئے خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت۔ اس سے ان تمام قوانین وراثت کی اصلاح کی گئی ہے جنھوں نے عورتوں کو ہمیشہ کے لئے محروم الارث قرار دے

رکھا تھا۔ خود عرب کی حالت تو یہ تھی کہ عورتوں کو بجائے ورثہ میں سے حصہ دینے کے خود ورثہ کا حصہ سمجھا جاتا تھا اور وہ وارثوں کا مال ہوتی تھیں جس سے وہ بدرسم بھی پیدا ہو گئی تھی جسے قرآن شریف نے حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھٰتُکُمْ کہکر حرام کیا۔ یعنی بیٹے باپ کی عورتوں کو بھی جائداد کا حصہ سمجھکر تصرف میں لاتے تھے۔ یہ تو عرب کی حالت تھی جو بسبب ایک وحشیانہ حالت میں ہونیکے کہا جا سکتا ہے کہ عورت کو ذلیل سمجھتے تھے مگر مہذب سے مہذب اقوام نے بھی ابھی تک اسقدر ترقی نہ کی تھی کہ وہ عورت کو حصول جائداد میں ہر طرح مرد کے مساوی حقوق دیں۔ اور نہ ہی اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ بات حاصل ہوئی تھی کہ وہ عورت کو ایسے حقوق دیں جیسا کہ آگے چلکر دکھایا جاویگا۔ ان مخالفین یا برائے نام موافقین اسلام کو جو اسلام پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اس نے عورت کی قدر کو نہیں پہچانا اور اسے ذلیل حالت میں رکھا ہے اس موقع پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ عورت کو اس سے بڑھکر فائدہ کسی طرح سے نہ پہنچایا جا سکتا تھا۔ کہ اسے مرد کے ساتھ ترکہ میں وارث قرار دیا جاوے اور اسطرح پر حصول جائداد میں اسکو مرد کے سے حقوق دیئے جاویں۔ یہ دنیا کے موجودہ قوانین میں ایک عظیم الشان اصلاح تھی۔ جسکو ایک عرب کے اُمّی نے (فداہ امی و ابی) پہلے دنیا میں رائج کیا۔ سبحان اللہ کیسی قوت قدسی اس وجود پاک کی تھی کہ ایک دم میں وہ کام کر دکھایا جو ہزاروں سالونکی تدریجی مادّی ترقی دنیا میں نہیں کر سکی۔ اس آیت سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وصیّت کا حکم جو اس سے بعد کی آیتوں میں ہے وہ ایک خاص حصہ جائداد کے لیے ہے کیونکہ اس آیت میں یہ ضروری ٹھہرایا گیا ہے کہ کچھ نہ کچھ حصہ جائداد کا ورثا کے لیے چھوڑا جاوے اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ وصیّت نہ کی جاوے تاکہ ورثا بالکل محروم نہ ہو جاویں۔ اسکے بعد قرآن شریف میں ورثا کے حصص بیان کیے گئے ہیں۔ اسبارے میں ذیل کی آیات سورہ نساء کی ہیں جنکو میں بلا ترجمہ دیتا ہوں یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَیْہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنْ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَہٗٓ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ فَاِنْ کَانَ لَہٗٓ اِخْوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصِیْ بِھَآ اَوْ دَیْنٍ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ○ وَلَکُمْ نِصْفُ مَا تَرَکَ اَزْوَاجُکُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ کَانَ لَھُنَّ وَلَدٌ فَلَکُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصِیْنَ بِھَآ اَوْ دَیْنٍ وَلَھُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکْتُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّکُمْ وَلَدٌ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ وَلَدٌ فَلَھُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ تُوْصُوْنَ بِھَآ اَوْ دَیْنٍ وَاِنْ کَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ کَلٰلَۃً اَوِ امْرَاَۃٌ وَّلَہٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا السُّدُسُ فَاِنْ کَانُوْٓا اَکْثَرَ

من ذٰلک فھم شرکاء فی الثلث من بعد وصیۃ یوصٰی بھا او دین غیر مضآر وصیۃ من اللّٰہ واللّٰہ علیم حلیم۔ تلک حدود اللّٰہ ومن یطع اللّٰہ ورسولہ یدخلہ جنّٰت تجری من تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھا وذٰلک الفوز العظیم۔ ومن یعص اللّٰہ ورسولہ ویتعدّ حدودہ یدخلہ نارًا خالدًا فیھا ولہ عذاب مھین ۔۔۔۔۔ یستفتونک قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلٰلۃ ان امرؤا ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد فان کانتا اثنتین فلھما الثلثٰن مما ترک وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین یبین اللّٰہ لکم ان تضلوا واللّٰہ بکل شیء علیم۔

ان آیات سے بہت سے نئے امور پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً عورت کو نہ صرف ترکہ میں مرد کے ساتھ حقدار قرار دیا ہے بلکہ اسے وصیت کرنے اور قرضہ لینے کے بھی وہی حقوق دیے گئے ہیں جو مردوں کو دیے گئے ہیں اس طرح پر گویا کل حقوق حصول جائداد میں عورت کو مرد کے برابر رکھا ہے۔ اور کسی قسم کی روک اسپر نہیں ڈالی۔ نیز اس قانون وراثت کے رو سے جائداد منقولہ و غیر منقولہ میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ دونوں کے لیے ایک ہی حکم ہے۔ تیسرا صاحب جائداد کو وصیت کا حق دیا گیا ہے جسکی حد بندی پہلی آیت سے اور بعض حدیثوں سے ایک ثلث جائداد تک ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ چوتھا ایک ہی درجہ کے قریبیوں میں ایسا نہیں کیا کہ بعض کو زیادہ حصہ دیدیا ہو اور بعض کو محروم کر دیا ہو۔ بلکہ برابر حقوق رکھے ہیں۔ لیکن جہاں مرد اور عورتیں ایک ہی درجہ کی قریبی ہوں وہاں مرد کا حصہ عورت سے دوگنا رکھا ہے۔ سب قریبیوں کو حقوق دینے میں اسلام نے اس غرض کو مدنظر رکھا ہے کہ سب برابر فائدہ اٹھائیں اور ایسا نہ ہو کہ بعض لوگوں کے پاس روپیہ جمع ہوتا چلا جائے اور بعض بکلی محروم رہ جائیں اور انکی نوبت مفلسی تک پہونچے جیسا کہ انگریزی قانون وراثت کے رو سے ہوتا ہے۔

یہ قانون آج سے تیرہ سو سال پہلے ایک ایسے ملک میں دیا گیا جہاں تہذیب کی روشنی نے اس سے پہلے کبھی طلوع نہ کیا تھا۔ عرب کی حالت جو زمانہ جاہلیت میں تھی اسپر غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ کس گڑھے سے نکالکر اسلام نے عربوں کو کس بلندی پر پہنچایا اور خصوصاً عورت کی حالت میں کیسی حیرت انگیز اصلاح کر دکھائی۔ وہ اصلاح جو آجتک یورپ کو باوجود تہذیب کے بڑے دعوے کے نصیب نہیں ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جن امور سے عورت ذات کی حالت میں ترقی ہو سکتی تھی انہیں امور کو اسلام نے لیا۔ اور عملی طور پر جو فائدہ عورت کو پہنچایا جا سکتا تھا وہ پہنچایا۔ بعض لوگ خواہ نخواہ بھی اسلام پر اعتراض کر دیتے ہیں جیسا کہ مثلاً پردہ کا اعتراض۔ حالانکہ صاف سمجھ میں آتا ہے کہ پردہ کا حکم بھی اسلام نے عورت کی بلکہ سوسائٹی کی بہتری کے لیے ہی دیا ہے کیونکہ مردوں اور عورتوں کے کھلے میل جول سے

جو نقصان پیدا ہوتے ہیں وہ ظاہر ہیں۔ پس جہاں عورت کی بہتری کے لیے اور تجاویز جیسے مثلاً قانون وراثت وغیرہ اسلام نے پیش کیں وہاں پردہ بھی ایک تجویز اسی غرض کو حاصل کرنے کے لیے تھی۔

اسلامی قانون وراثت پران دنوں میں بڑی بحثیں ہوئی ہیں مگر تمام اعتراضات کا ماحصل صرف یہ ہے کہ اس طرح سے جائداد کے چھوٹے چھوٹے حصے ہوجاتے ہیں۔ اور اس لئے اسلامی ممالک میں بڑی بڑی جائدادوں والے امرا کی کوئی طاقتور جماعت قائم نہیں رہ سکتی۔ ایسی جماعت کی ضرورت یہ بتائی جاتی ہے کہ تا یہ لوگ بادشاہ اور رعایا کے درمیان واسطہ ہوکر بادشاہ کو مطلق العنانی اور ظلم سے روک سکیں۔ اور یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ اسلامی سلطنتوں کے زوال کا باعث یہی امر ہے کہ ان میں اس قسم کے امرا نہ تھے۔ یہ اعتراض کئی وجہ سے لغو ٹھہرتا ہے۔ اسلام اس امر کا مانع نہیں ہے کہ اس میں ایسے لوگ نہ ہوں جو عمائد سلطنت کے طور پر ہوں مگر اس میں شک نہیں کہ اسلام کے نزدیک صرف روپیہ یا جاگیر کا ہونا کسی شخص کے مکرم اور معزز ہونیکی علامت نہیں۔ بلکہ قرآن شریف فرماتا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم یعنی بڑا آدمی خدا کے نزدیک وہی ہے جو بڑا متقی ہے۔ پس خالی امرا کی بجائے اسلام ایسے آدمیوں کو چاہتا ہے جو بڑے راستباز اور علم اور معرفت میں کامل ہوں۔ اب معترضین غور کریں کہ آیا اس قسم کے لوگ مفید ہو سکتے ہیں جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے اور جن کی عزت اور اکرام کے لیے وہ تاکید فرماتا ہے یا وہ لوگ جو روپیہ اور جاگیریں رکھتے ہوں خواہ علم سے بالکل بے بہرہ ہوں اور نہ خدا کا خوف رکھتے ہوں نہ مخلوق سے ہمدردی۔ محض روپیہ اور جاگیروں سے وہ سچی ہمدردی پیدا نہیں ہوتی جو ایک راستباز اپنے دل میں مخلوق خدا کے لیے رکھتا ہے پس ایسے راستباز کا وجود رعایا اور بادشاہ دونوں کے لیے ایک بیش بہا گوہر ہے اور یہی لوگ ہیں جو وقت پر مخلوق کے کام آتے ہیں۔ اور روپیہ اور جاگیروں والے لوگ اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی ہی نفسانی اغراض میں مبتلا ہوتے ہیں اور مخلوق کی سچی ہمدردی انکے دل میں کوئی نہیں ہوتی وہ کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے جس سے انہیں اپنی جاگیر کے کھوئے جانیکا خطرہ ہو۔ مگر ایک راستباز آدمی کسی سے نہیں ڈر سکتا چنانچہ ان واقعات کی شہادت بھی تاریخ سے ملتی ہے۔ ایک طرف اسلام کے بادشاہوں کی تاریخ پر نظر ڈالو تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ علماء اور راستبازوں کی بہت قدر کرنیوالے تھے۔ اور انسے ڈرتے تھے۔ اور انسے مشورے لیتے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی اسلامی بادشاہوں کے نزدیک اور نیز عام رعایا کے نزدیک ایسی عزت تھی کہ بڑے بڑے امرا کی کسی سلطنت کے ماتحت نہیں ہوئی۔ اور اس کے بعد بھی جو لوگ راستبازی اور تقویٰ اور علم کے لحاظ سے شہرت رکھتے تھے وہ بادشاہی درباروں میں بڑی عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور انکی رائے کا بادشاہ پر بہت اثر ہوتا تھا۔ بلکہ جسوقت تک یہ عزت علماء کو دیجاتی رہی اسوقت تک اسلامی سلطنت بھی اپنے عروج پر رہی مگر جب بجائے علم کے روپیہ معیار عزت و شرافت ہوگیا۔ تو پھر اسلامی سلطنتوں کو بھی زوال آنا شروع ہوا۔

برعکس اس کے ایک عیسائی ملک مثلاً انگلستان کی تاریخ پر نظر ڈالو۔ تو اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ بادشاہ کے نیچے بڑے بڑے جاگیردار ہوتے تھے جو امرا کہلاتے تھے اور ان امرا کے نیچے رعایا تھی۔ ان امرا کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بادشاہ کی مطلق العنانی پر بڑی روک تھے مگر اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ خود غرض تھے جب انہیں بادشاہ کے خلاف کوئی کارروائی کرنے میں اپنا فائدہ نظر آتا تھا اور کافی طاقت مقابلہ کے لیے ان کے پاس موجود ہوتی تھی تو وہ رعایا کے ساتھ ملکر بادشاہ کے مقابلہ میں اُٹھ کھڑے ہوتے تھے مگر جب انکی غرض اسکے خلاف ہوتی تو وہ بادشاہ کے ظلم اور مطلق العنانی میں اس کے معاون ہوتے تھے۔ اور علاوہ ازیں جو ظلم کوئی بادشاہ اپنی رعایا پر کرسکتا تھا وہی ظلم یہ لوگ اپنی رعایا پر کرتے تھے۔ اور ملک میں بدانتظامی کی ایک بڑی بُری حالت تھی پس جو شخص آج یہ کہتا ہے کہ ہمیں وہ طریق اختیار کرنا چاہیئے جو وسطی زمانوں میں یورپ میں طرز حکومت کا تھا وہ بالکل جہالت کی بات کرتا ہے اور ایک ترقی کی حالت سے مسلمانوں کو تنزل کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔

اب مَیں اسی اعتراض پر ایک دوسرے پہلو سے نظر کرتا ہوں۔ یہ اعتراض کہ جائداد ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتی ہے صحیح نہیں کیونکہ تقسیم جائداد میں یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک چیز کے یا مکان یا زمین کے واقعی چھوٹے چھوٹے حصے ضروری طور پر کئے جاویں بلکہ اصل تقسیم بلحاظ قیمت کے ہوتی ہے۔ پس ایسا ہوسکتا ہے کہ مثلاً ایک شخص متوفی کے مکان لے لیوے ایک زمین اور ایک جائداد منقولہ یا کمی بیشی کو روپے کے ذریعہ پورا کردیا جاوے۔ علاوہ ازیں جیسی جائدادیں ٹکڑے ٹکڑے ہوتی جاویں گی خود اسی قانون کے رو سے وہ ساتھ ساتھ اکٹھی بھی ہوتی جاوینگی۔ کیوں کہ اگر ایک ہی وارث متوفی کی کل جائداد کا مالک نہیں ہوتا تو اسکی کمی اسطرح پوری ہوجاتی ہے کہ وہ بہت سے اشخاص کی جائداد کے تھوڑے تھوڑے حصوں کا وارث ہوجائیگا۔ ہاں یہ طریق بہ نسبت اس دوسرے طریق کے کہ ایک ہی وارث کو سب کچھ ملجائے زیادہ مامون ہے اس لئے کہ اس کے رو سے ہر شخص کچھ نہ کچھ فائدہ اُٹھا سکتا ہے مگر اُس دوسرے قانون کے رو سے بعض بہت جائدادوں کے مالک ہوجائیں گے اور بعض بالکل خالی ہاتھ رہ جائینگے۔ علاوہ ازیں جو بڑی بڑی جاگیریں ریاستوں کے طور پر ہوں انکے لیے تقسیم کا وہ حکم نہیں ہے بلکہ ایسی جاگیریں اسی قانون کی پابند ہونگی جو قانون سلطنت اور حکومت پر حاوی ہے۔ علاوہ ازیں اسلامی شریعت کے رو سے کل کی کل جائداد وقف بھی ہوسکتی ہے اور اسطرح پر ورثا کو کچھ حصہ آمدنی کا دیا جاکر جائداد ہمیشہ کے لیے اکٹھی رہیگی نہ تقسیم ہوگی اور نہ فروخت۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی اسی طرح پر اپنی جائداد کو وقف کردیا تھا پس جس جگہ کوئی صاحب جائداد اس جائداد کے یکجا رکھنے میں کوئی خاص مصلحت دیکھتا ہے۔ وہ اس طریق سے اسکو یکجا رکھ سکتا ہے۔ ہاں اس بارہ میں اس ملک ہندوستان میں جس قانون کو اسلامی قانون سمجھا جاتا ہے وہ بیشک اصلاح طلب ہے نہ اصلی اور حقیقی اسلامی قانون۔

وہ قانون جس کے رو سے کل کی کل غیر منقولہ جائداد خصوصاً زمین کسی متوفی کی بجائے ورثا میں تقسیم ہونے کے بڑے بیٹے کو مل جاتی ہے۔ اسکا نقصان نہ صرف ملکی طور پر ہی ثابت ہوا ہے جیساکہ انگلستان کی تاریخ شہادت دیتی ہے۔ بلکہ جہاں ملکی تعلقات خدمتگذاری کو الگ چھوڑ کر اس قانون کو دیوانی قانون بنا لیا گیا ہے وہاں بھی اسکا نقصان ہی ثابت ہوا ہے۔ انگلستان اور سکاٹلینڈ ہی دو ایسے ممالک ہیں جہاں یہ قانون زمین کے متعلق ابتک رائج ہے کہ زمین ورثا میں تقسیم نہیں ہوتی اور اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان ممالک کی زمین روز بروز تھوڑے ہاتھوں میں آتی جاتی ہے۔ اور بجائے اس کے کہ بہت سے لوگ تھوڑی تھوڑی زمین رکھیں تھوڑے لوگ بہت زمین رکھنے والے ہوگئے ہیں جس کا اثر کاشتکاری پر بھی بُرا ہوا ہے۔ مثلاً یہ حساب کیا گیا ہے کہ ان ممالک کی کل زمین میں سے جو سات کروڑ ستر لاکھ ایکڑ ہے۔ نصف سے زیادہ یعنی چار کروڑ ایکڑ سے زیادہ صرف پچیس سو اشخاص کے ہاتھ میں ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ انگلستان کی آبادی کا ایک نہایت کثیر حصہ ایسا ہوگیا ہے جن کے پاس نہ اپنی زمین ہے اور نہ ہی اپنا مکان ہے۔ اور ان پر یہ فقرہ خوب صادق آتا ہے کہ ابن آدم کے پاس سر رکھنے کے لیے بھی جگہ نہیں۔ اور دوسرا بد نتیجہ اسکا یہ ہوا ہے کہ کاشتکاری کی محنت دن بدن کم ہوتی جاتی ہے۔ اور گذشتہ نصف صدی میں کاشتکار مزدوروں کی تعداد نصف سے بھی کم رہ گئی ہے۔ یعنی انگلستان میں ۱۸۵۱ء میں بیس لاکھ کے قریب ایسے مزدوروں کی تعداد تھی مگر ۱۹۰۱ء میں نوے ہزار سے بھی کم رہ گئی۔ یہ واقعات ایک انگریزی کتاب سے لیے گئے ہیں جس کا نام ہے "رچز اینڈ پاورٹی"۔ یعنی دولت اور مفلسی۔ ان واقعات کو بیان کرنیکے بعد اس کتاب کا مصنف لکھتا ہے کہ "جب ہم اپنی قوم کی مجموعی محنت کی حالت پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو سب سے پہلے اس امر کی طرف ہماری توجہ کھنچتی ہے کہ حصول معاش اور محنت کے متعلق اطمینان کی حالت نہیں ہے سب کے سب محنت پیشہ لوگ عموماً ایسے ہی ہیں جو صرف ہفتہ وار تنخواہیں پانیوالے ہیں۔ اور ہماری قلیل زراعت پیشہ آبادی میں مالکان زمین کی نسبت نہایت ہی کم ہے۔ اسکے ساتھ فرانس کا مقابلہ کرو جہاں قریباً نصف آبادی زمین کے ساتھ مالکانہ تعلق رکھنے والی ہے اور اس لیے انکو اپنی معاش کی نسبت اطمینان حاصل ہے۔ یہ زراعت پیشہ مالکان اراضی خواہ غریب ہوں مگر انکی نوبت افلاس سے اس درجہ تک ہرگز نہیں پہنچی کہ وہ ہر وقت فاقہ کے خطرے میں ہوں۔ اور کم از کم آزادی کی خوشی تو انہیں حاصل ہے"۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ فرانس میں اکثر لوگوں کا مالکان اراضی میں داخل ہونا خواہ وہ اراضی تھوڑی تھوڑی ہی ہو اسوجہ سے ہے کہ وہاں یہ نہایت ہی لغو قاعدہ جسکے رو سے کل کی کل جائداد از قسم اراضی بڑے لڑکے کے قبضہ میں آجاتی ہے مدت سے متروک ہو چکا ہے۔ اور اب وہاں ترکہ زمین کی تقسیم اصولاً اسلامی قانون وراثت سے ملتی جلتی ہے۔ اور یہی حال دیگر عیسائی ممالک کا ہے۔ کہ وہاں بھی اس قاعدہ کو ترک کر کے ایسا قانون

ورثہ جاری کیا گیا ہے جو اصولاً اسلامی قانون سے ملتا ہے۔

نہ صرف اکثر ممالک یورپ میں ہی یہ قاعدہ کہ کل ورثہ بڑے لڑکے کو دیا جاوے متروک ہو چکا ہے بلکہ خود انگلستان میں جہاں اب تک یہ نامعقول رواج چلا جاتا ہے اب بہت سے لوگ اس کی موقوفی کے لیے زور دے رہے ہیں۔ اور اصل میں تو جب سے یورپ وسطی زمانوں کی تاریکی سے نکلا ہے اسی وقت سے اس نے اس رواج کی لغویت اور نامعقولیت کو خوب سمجھ لیا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ یہ رواج کسی قوم نے سوچ سمجھ کر اختیار نہیں کیا بلکہ نہایت قدیم زمانہ کی بعض توہم پرستیوں کا یہ بقیہ ہے۔ اور عقل نہیں بلکہ جہالت کا ورثہ ہے جس کو ابتک بعض لوگ چھوڑ نہیں سکتے۔ اور زیادہ تر افسوس اُن پر ہے جن کو انکے دین نے ایک پاکیزہ اصل اس نامعقول رواج کی بجائے بتایا اور پھر وہ اسی جاہلیت کے زمانہ کی طرف عود کر کے اس وحشیانہ رواج کو اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں اس رواج کی اصلیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے "منو کے قوانین میں یہ ذکر ہے کہ سب سے بڑے بیٹے کی زندگی کی اصل غرض ہی یہی تھی کہ مذہبی رسوم کو ادا کرے اور اپنے مرے ہوئے بزرگوں کی روحوں کے لیے دعوتیں تیار کرے اس قانون کے مطابق دعا کے پڑھنے کا حق اسی کا ہے جو سب سے پہلے دنیا میں آتا ہے۔ اور ہر آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنے بڑے بھائی کو اپنے باپ کے برابر سمجھے۔ سب سے پہلا لڑکا دنیا میں لانیکے ذریعہ سے باپ اس حق کو ادا کرتا ہے جو اس کے بڑوں کی طرف سے اس کے ذمے ہے۔ اور اس لیے تقسیم سے پہلے بڑے بیٹے کو ہی کل ترکہ کا انتظام کرنا چاہیئے۔ یہی وجہ اس عام رواج کی معلوم ہوتی ہے۔ کہ بڑا بیٹا ورثہ کے طور پر گھر کا سامان یا مکان وغیرہ لے لیوے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں میراث وہی شخص لیتا ہے جو مذہبی طور پر متوفی کے متعلق رسوم کو ادا کرے۔"

اصل بات یہ ہے کہ اسلامی قانون وراثت ایسے معقول اور قرین انصاف اصل پر مبنی ہے کہ تمام مغربی عیسائی اقوام کو سوائے ایک آدھ کے اس اصل پر اپنے قانونوں کی بنا رکھنی پڑی ہے۔ اور ان لوگوں کے لیے جو مہذب مسلمان کہلاتے ہیں یہ نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ وہ ان پاک اصول کو جن کی صداقت دنیا اپنے طرز عمل سے تسلیم کرتی چلی جاتی ہے چھوڑ کر یورپ کے وحشیانہ وسطی زمانوں کے اصول پر قوانین تجویز کرتے ہیں۔ اور اس فہم پر دعویٰ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے لیے ترقی اور اصلاح کی تجاویز کر رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ سلطنت کے قیام اور مضبوطی کے لیے ضروری ہے کہ غیر منقولہ جائداد بجائے تقسیم ہونے کے کل کی کل بڑے لڑکے کو دیجاوے سخت غلطی ہے۔ کیا اسلام نے کبھی اس رواج کو اختیار کیا؟ جو اس کی سلطنتیں صدہا سال تک ترقی کے اوج پر پہنچی رہیں اور کیا بلحاظ قوت سلطنت کے اور کیا بلحاظ علوم کی ترقی کے دنیا میں اپنی نظیر آپ ہی تھیں۔ اور پھر ان دنوں میں جن سلطنتوں نے اس نامعقول رواج کو چھوڑ دیا ہے کیا ان کی بنیادیں متزلزل ہو گئی ہیں یا وہ سلطنتیں زوال پذیر ہو گئی ہیں؟ یہ محض حماقت کا خیال ہے۔ اور سچ بات یہی ہے کہ یہ رواج جو عقل اور انصاف دونوں کے خلاف ہے وحشیانہ زمانہ کے خیالات کا

بقایا ہے اور علم اور روشنی کی ترقی کے ساتھ خود ہی اُکھڑ رہا ہے اور اُکھڑ جائیگا۔ اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کرلیں کہ اس زمانہ میں جب یہ رواج یورپ میں عام تھا اس وقت اس کے وجود سے گورنمنٹوں کے صحیح اصول کو کوئی مدد پہنچی اور اصول قوانین ریاست نے مضبوطی پکڑی تو کم از کم اِس وقت اس کی ایسی کوئی ضرورت نہیں اور جس مرحلہ پر یہ رواج کوئی فایدہ پہنچا سکتا تھا اب مغربی گورنمنٹیں بھی اس مرحلہ سے نکل چکی ہیں۔ اور اب بجائے ترقی میں ممد ہونے کے یہ رواج گورنمنٹ کے صحیح اصول کی ترقی میں روک ہو رہا ہے جیسا کہ انگلستان کے ہوس آف لارڈس کی کیفیت صاف بتا رہی ہے۔ باقی رہیں اسلامی سلطنتیں سو جن اصول پر اسلام کے مقدس بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سچی اسلامی گورنمنٹوں کی بنیاد رکھی تھی اور جو اصول ابتدائی چار خلافتوں میں مدّنظر رکھے گئے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی یافتہ گورنمنٹ کے اصول ہیں۔ اور ان کو رائج کرنیکے لیے کسی ایسے رواج کی کوئی ضرورت نہیں ہے جہانتک بادشاہ کی مطلق العنانی پر روک کا سوال ہے میں دیکھتا ہوں کہ ان انگلستانی امرا سے جنپر ہمارے مہذب بھائی اسقدر فخر کر رہے ہیں بدرجہا بہتر اسلامی علما تھے۔ جو بوجہ اپنی راستبازی اور تقوےٰ اور علم اور لیاقت کے بادشاہ اور رعایا دونوں کے نزدیک معزز تھے اور جو بڑے بڑے طاقتور بادشاہوں کو بے دھڑک اور بلا خوف لومۃ لائم قیمتی مشورے دیتے تھے جن کی عزت بادشاہوں کے نزدیک ایسی تھی کہ وہ انکے مشوروں کو یونہی ردّ نہ کر سکتے تھے۔ اور جنپر عوام کو اسقدر اعتبار تھا کہ ہر موقع پر انکی طرف رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ نہایت ابتدائی زمانہ اسلام میں جب تک صحابہؓ میں سے بعض زندہ تھے یہ عزّت ان کو حاصل تھی اور پھر اس قرن کے بعد دیگر معزز اور مقتدر علماء کو ہمیشہ شاہان وقت کے دربار میں ایسا رسوخ حاصل تھا کہ وہ اکثر اوقات بعض جابر بادشاہوں کو انکی ظالمانہ کارروائیوں سے روکنے کا ذریعہ ہوتے تھے۔ اس لیے اسلام کو ایسے امرا کی جو محض اپنی جائدادوں کی خاطر کوئی کارروائی کرنیوالے ہوں خواہ عوام کا اس میں فایدہ ہو یا نقصان کبھی ضرورت نہیں ہوئی۔ اور سچ بات یہ ہے جس کو ہر ایک عقلمند تسلیم کرے گا کہ بادشاہ کو ضرورت ہے صاحب علم اور راستباز اور دانا مشورہ کاروں کی کیونکہ جیسا فایدہ ان کے وجود سے سلطنت اور رعایا کو پہنچ سکتا ہے اس کا عشر عشیر بھی امرا کے ذریعہ سے نہیں پہنچ سکتا۔

اخیر پر اسلامی قانون وراثت کا دوسرے قوانین وراثت سے مقابلہ کرنا خالی از فایدہ نہ ہوگا تاکہ اس سے اسلام کی عظمت کا پتہ لگے کہ دنیا میں کس وقت اور کس ملک میں پیدا ہو کر کیسی حیرت انگیز اصلاح اس مذہب نے کی۔ ایک پہلو اس مقابلہ کا عورتوں کے حقوق کے متعلق ہے۔ اسلامی قانون کی تشریح اوپر ہو چکی ہے۔ اب اگر عرب کی حالت کو دیکھیں جہاں اسلام پیدا ہوا اور جہاں اس کی ابتدائی ترقی ہوئی تو معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں اس ملک کی ایک نہایت ہی ذلیل حالت تھی۔ عورتوں کو ورثہ دینا تو ایک طرف رہا وہ عورتوں کو ترکہ میں شامل کرتے اور بیٹے اپنے باپوں کی بیویوں کو اپنے تصرف میں لاتے تھے۔ جس بدرسم کو دور کرنیکے لیے قرآن کریم کو یہ حکم دینا پڑا کہ تمھاری

مائیں تم پر حرام کی جاتی ہیں۔ یہ تو عرب کی حالت تھی۔ اور یہودیوں میں بھی اسی کے قریب قریب رسوم جاری تھیں۔ حضرت موسیٰؑ کی شریعت نے یہ اصلاح ان رسوم میں کی تھی کہ جہاں کسی کے ہاں کوئی لڑکا نہ ہو تو اس وقت لڑکی کو میراث کا حصہ ملتا تھا۔ مگر لڑکی پھر بھی لڑکوں کے ساتھ ورثہ کا حصہ نہ لے سکتی تھی۔ عیسائیوں کا اپنا قانون کوئی نہ تھا۔ ابتداء میں تو وہ شریعت موسوی پر عمل کرتے تھے۔ مگر عیسائی مذہب کے پھیل جانے پر ان لوگوں نے یہ طریق اختیار کر لیا تھا کہ جس ملک میں ہوں وہیں کی رسوم اختیار کر لیں۔ رومی اس وقت کی دنیا میں سب سے زیادہ مہذب کہلاتے تھے۔ اور اگرچہ ان کے قانون کے رو سے بعض حالتوں میں لڑکی ورثہ پا سکتی تھی مگر یہ قانون ایسا پیچدار تھا کہ عملی طور پر وہ کوئی حصہ نہ لے سکتی تھی۔ جو لڑکی باپ کی زندگی میں ہی بیاہی جاتی اسکا تو قطعاً میراث میں کوئی حق نہ تھا ہاں جو ابھی بیاہی نہ گئی ہو قانوناً اُسے حقدار سمجھا جاتا تھا بشرطیکہ باپ وصیت کے رو سے اسے محروم الارث نہ کر گیا ہو۔ مگر اس کے ساتھ بھی سخت قیود اور پابندیاں تھیں۔ کیونکہ لڑکی بغیر مرد رشتہ داروں کی رضامندی کے کوئی قیمتی حصہ جائیداد کا الگ نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی اسے وصیت کرنے کا کوئی حق تھا۔ خواہ اس کے رشتہ دار مرد رضامند ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ تھی عورتوں کے حقوق کی حالت عرب اور عجم میں۔ جب اسلام نے قدم دنیا میں رکھا۔ تو یکمرتبہ ہی تمام رکاوٹوں کو دور کر کے حقوق وراثت وصیت اور قرضہ لینے یا دینے کے معاملات میں غرض ہر طرح کے حقوق حصول جائداد میں مرد اور عورت کو ایک ہی سطح پر کر دیا۔ یہ عظیم الشان اصلاح خصوصاً جب کہ ان حالات کو مدنظر رکھا جائے جو اس سے پہلے دنیا میں تھے بجائے خود ایک قطعی شہادت اسلام کے منجانب اللہ ہونے پر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کے فروعی مسائل بھی اپنے اندر ایک ایسی شہادت رکھتے ہیں جس سے ایک غور کرنیوالی طبیعت معاً اس نتیجہ پر پہنچ جاتی ہے کہ اس کے قوانین ایک اُمّی عرب کے دماغ سے نہیں نکلے۔ علاوہ اس اصلاح کے جو قانون وراثت میں اسلام نے کی اور بھی بہت سے پہلو اس قانون کے ایسے ہیں جو اسلام کی فضیلت کو ثابت کر رہے ہیں۔ اسلام نے کسی ایسے شخص کو جو قدرتی طور پر وارث سمجھا جا سکتا تھا ورثہ سے محروم نہیں کیا۔ اور سب کو تھوڑا تھوڑا حصہ دیدیا اور پھر اس بات کو کہ کوئی شخص اس کو اپنی محنت سے ترقی دیکر بڑھا لے یا اپنی سستی سے گھٹا دے انسان کی اپنی کوشش پر چھوڑ دیا۔ مگر اس قسم کا ظلم روا نہیں رکھا کہ ایک وارث تو سب کچھ لے جائے اور دوسرے بالکل محروم کیے جاویں۔ عیسائی مذہب کا میلان ابتدا میں اس طرف تھا کہ تمام انسانوں میں مال و دولت برابر تقسیم ہو۔ مگر یہ عملی طور پر دنیا میں نہ کبھی ہوا نہ ہوگا اور نہ عیسائیت ہی اسکو کر سکی۔ پس اسلام نے ایک ایسا درمیانی راہ اختیار کیا جو قابل عمل بھی ہے اور جس پر عمل ہو رہا ہے اور ساتھ ہی اس سے دولت کی تقسیم ایسے طور پر ہوتی رہتی ہے کہ سب کو کچھ نہ کچھ حصہ ملتا جائے دوسرے قوانین کی رو سے جو اصولاً اسلامی قانون وراثت کے مخالف ہیں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کل مال ایک ایسے شخص کو

ملجاتا ہے جو بالکل نالایق ہے اور لایق اور اہل لوگ خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ اسلام نے اس طریق کو پسند نہیں کیا بلکہ ہر ایک کو خواہ وہ محنتی ہو یا آرام طلب برابر حصہ دیکر اس کا بڑھانا یا ضایع کرنا اسکی اپنی کوشش یا سستی پر چھوڑ دیا ہے۔* اور اسطرح پر یہ ترغیب دی ہے کہ لوگ محنت کریں اور سستی اور کاہلی سے بچیں۔ یہ بھی ایک خاص خوبی اسلامی قانون وراثت کی ہے۔ کہ وہ لوگوں کو محنتی بناتا ہے۔

* نابالغ اور کم عقل لوگوں کے لیے یہ حکم ہے کہ ان کا مال متولیوں کے ہاتھ میں رہے تا وہ ضائع نہ ہو اور ان کو بقدر ضرورت دیا جائے اور وہ ... منہ

آخرت کے متعلق دہریوں کے خیالات

---

۲۶ - مئی ۱۹۰۶ء کے اخبار اگناسٹک جرنل میں آیندہ زندگی کے متعلق چند دہریوں کے خیالات شایع ہوئے ہیں جن سے مفصلہ ذیل اقتباس کیے جاتے ہیں۔ ایک دہریہ لکھتا ہے۔ کہ "زندگی مابعد الموت کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے اور اسکا مطلق ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ مگر چونکہ ہم توہم پرستی اور خوف کی زنجیروں سے آزاد ہو گئے ہیں اس لیے ہم ابدی دوزخ اور قادر مطلق شیطان کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے عقاید جہالت اور خوف کا نتیجہ ہیں۔ ہمارے نزدیک انسان کی زندگی محض اسی دنیا کی زندگی ہے۔ انسان کبھی یہ پیشگوئی کرنیکا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ آج شام کو موسم کیا ہوگا یا اسکے بعد جو رات آنیوالی ہے اسکی کیسی حالت ہوگی۔ نہ ہی قبل از وقت وہ ان حالتوں کو دیکھ سکتا ہے۔ یہ چھوٹی سی بات بھی کہ آیا رات کو چمکدار ستارے آسمان پر نکلیں گے یا ابر محیط ہوگا اس کے علم سے باہر ہے۔" ایک اور دہریہ لکھتا ہے کہ "دہریت میں ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ آیندہ زندگی ایک بالکل ناممکن امر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس آیندہ زندگی کی حالت کے واقعات کو معین کرنا چاہے کہ وہاں ہمارے نورانی اجسام ہوں گے اور ہم آسمانوں میں رہیں گے اور گیت گائیں گے۔ اور کھجوروں کی ٹہنیاں ہلائیں گے تو ہم فی الفور یہ جواب دیں گے کہ ان ادعاؤں کا ایک حصہ تو ایسا ہے جس کے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں ہو سکتا اور ایک حصہ ایسا ہے جو ہمارے علم کے رو سے محال ہے۔ یہ محض توہم پرستی اور جہالت کا نتیجہ ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ اگر وہ پردہ جو زندوں اور مردوں کے درمیان ہے اٹھا دیا جاوے تو ہم ان روحوں کو دیکھ لیں گے جنکا کام میزوں کو اٹھانا اور لغو اور بیمعنی باتیں کرنا ہے۔ ✽" ایمرسن کہتا ہے کہ اس سوال کی نسبت کہ کسقدر عرصہ ہم رہیں گے یہ سوال زیادہ ضروری ہے کہ ہم کس قابل ہیں۔ اور جو آیندہ بڑا آدمی ہونا چاہتا ہے اسکو ابھی بڑا بننا چاہیے۔"

✽ یہ اشارہ یورپ کے سپریچولسٹوں کی طرف ہے جو روحوں کی طرف ایسے لغو کام منسوب کرتے ہیں۔ منہ

میں ان تین رائوں کو جو آیندہ زندگی کے متعلق ہیں عام دہریہ خیالات کے نمونہ کے طور پر لیتا ہوں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگناسٹک لوگ آیندہ زندگی کے امکان کا انکار نہیں کرتے بلکہ صرف اس کا ثبوت چاہتے ہیں۔ اور ثبوت بھی اس قسم کا ہو کہ آیندہ زمانہ میں جو بعض واقعات انسان کو اسی زندگی میں پیش آنیوالے ہیں اسکا علم انسان کو ہو سکے تا کہ یہ شہادت ہو اس امر کی کہ واقعی زندگی بعد الموت کے متعلق انسان کو کچھ علم ہو سکتا ہے کیونکہ اگر کوئی انسان اس زندگی کے متعلق آیندہ کی کچھ بھی خبر نہیں دے سکتا تو زندگی بعد الموت کے متعلق جو اسقدر دور کی خبر ہے وہ کیونکر کچھ کہہ سکتا ہے۔ ایسا ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم آیندہ زندگی کے متعلق کوئی تفصیل نہیں معلوم کر سکتے اور اسکو بھی وجہ انکار ٹھہرایا گیا ہے چوتھی یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ہمیں آیندہ زندگی کی نسبت اس زندگی کا زیادہ فکر کرنا چاہیئے۔ جو اصل میں صرف آیندہ زندگی کے انکار کا نتیجہ ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ یہ انکار محض عیسائی مذہب کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ خود راقم مضمون مذکور لکھتا ہے کہ "اس سے زیادہ تعجب خیز بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک انسان کے لیے خودکشی سے یا دوسروں کے قتل کے ذریعہ ابدی زندگی کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔" مگر تاہم ان عقاید کے انکار کے ساتھ جو عیسائی مذہب نے سکھائے ہیں ان صداقتوں کا بھی انکار کر دینا جو ایک دانا آدمی ان غلطیوں کے نیچے صاف دیکھ سکتا ہے عقلمندی کا کام نہیں ہے کیونکہ اور شہادتوں کے علاوہ خود فطرت انسانی آیندہ زندگی پر اپنے اندر ایک شہادت رکھتی ہے۔ کیونکہ ایک جھوٹے عقیدہ کو نہ صرف عقل ہی دھکے دیتی ہے بلکہ فطرت انسانی بھی اسکو قبول نہیں کر سکتی۔ ممکن ہے کہ ایک مذہب کے پیرو ایک غلط عقیدہ پر ایک وقت تک قایم رہیں مگر ایسا عقیدہ دنیا میں عام طور پر مقبول نہیں ہوتا۔ مثلاً یہ عقیدہ کہ ایک آدمی کے مصلوب ہونے سے کروڑوں انسان جو گناہوں میں سر تا پا غرق ہیں گناہ سے نجات پا کر ابدی زندگی میں داخل ہو گئے اور کروڑوں راستباز محض اسکی صلیب کا انکار کرنیکی وجہ سے جہنمی ہو گئے ایک ایسا لغو عقیدہ ہے کہ نہ صرف عقل انسانی ہی اسکو دھکے دیتی ہے بلکہ فطرت انسانی بھی اسکو برداشت نہیں کر سکتی۔ اور ایک ایسے لغو عقیدہ کا ثبوت طلب کرنیکی بھی ضرورت نہیں۔ لیکن فطرت انسانی مابعد الموت زندگی کا ایسے طور سے انکار نہیں کرتی اور اسکا انکار محض اسوجہ سے کیا جاتا ہے کہ اسکا ضروری ثبوت منکرین کو نہیں دیا گیا۔ ساتھ ہی جب ہم اس پہلو پر نظر ڈالتے ہیں کہ عام طور پر دنیا نے نہایت قدیم زمانے سے آجتک کیونکر مابعد الموت زندگی کی ضرورت کا احساس کر کے اسے تسلیم کیا ہے۔ تو یہ مضبوط شہادت جو فطرت انسانی دیتی ہے اس بات کے ثابت کرنیکے لیے کافی ہے کہ بیشک زندگی بعد الموت ایک امر واقع ہے۔ پس یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ دوسری شہادتوں کو چھوڑ کر خود ایک ذریعہ شہادت کا ہی ایسا ہے جو اکثر مسائل مثلاً ہستی باریتعالیٰ ضرورت نبوت زندگی بعد الموت وغیرہ کو ثابت کرتا ہے۔

جن خیالات کا اظہار دہریہ لوگوں نے اوپر کیا ہے اور جس قسم کا وہ ثبوت طلب کرتے ہیں اس سے انکار کرنا گویا ایسا ثبوت دینے سے اپنی ناقابلیت ظاہر کرنا ہے۔ کیونکہ اگر واقعہ میں کوئی انسان بھی دنیا میں ایسا نہیں جس کو اس زندگی میں آیندہ کے

متعلق کسی قسم کی اطلاع نہ دیجاتی ہو تو پھر یہ امر سخت مشتبہ ہو جاتا ہے کہ زندگی بعد الموت کے متعلق جو ایک غیب در غیب اور نہایت ہی پوشیدہ امر ہے کوئی شخص خبر دے سکتا ہے۔ اور ایسی صورت میں زندگی بعد الموت کا دعویٰ نِرا دعویٰ ہی دعویٰ رہ جاتا ہے جس کے ساتھ کوئی دلیل نہیں۔ عیسائی صاحبان اسبات کا انکار تو نہیں کرسکتے پر وہ اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ اسطرح پر آیندہ کی خبریں صرف حضرت مسیحؑ اور انکے حواریوں کو دی جاتی تھیں اور اس کے بعد یہ دروازہ بند ہو گیا۔ اب ایک طرف تو معقولی رنگ میں یہ امر سخت قابل اعتراض ہے کہ کیونکر اللہ تعالیٰ کی ایک قدیم سُنّت ایک خاص زمانے میں آکر بند ہو گئی۔ اور دوسری طرف حضرت مسیحؑ اور حواریوں کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا کوئی بھی تاریخی ثبوت ہمارے ہاتھوں میں نہیں جس سے ایک بیہودہ عایت آدمی کو قائل کیا جاسکے۔ پس دراصل عیسائی صاحبان کے ہاتھ میں کچھ بھی ثبوت زندگی بعد الموت کا نہیں ہے۔ ہاں ایک مذہب اسلام ہے جس کے رو سے نہ معقولی رنگ کا اعتراض وارد ہوتا ہے اور نہ ہی تاریخی ثبوت پر کوئی شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اسلام میں نہ صرف اس زمانہ میں ہی ایسے افراد موجود ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اپنے نہاں در نہاں غیب کی خبریں ظاہر کرتا ہے اور ایسے افراد کا وجود قریباً ہر زمانے میں ہی رہا ہے۔ بلکہ اسلام کی تاریخ کے ہر مرحلہ پر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیکڑوں برسوں کی پیشگوئیاں پوری ہو کر اسکی صداقت کو روشن کرتی رہی ہیں۔

غیب کے متعلق بحث میں دو باتیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئیں۔ اوّل یہ کہ غیب کی کسی خبر کا جان لینا معمولی طور پر انسان کی طاقت کے اندر نہیں ہے۔ چنانچہ انسان کی اس عاجزی کا اعتراف خود دہریہ لوگوں نے بھی کیا ہے اور اسطرح پر یہ بات مسلّم الثبوت ہو گئی۔ دوسرا امر یہ ہے کہ غیب کا ایسا علم اللہ تعالیٰ حجت کے طور پر بعض وقت اپنے خاص اور برگزیدہ بندوں کو جنکو وہ دنیا کی اصلاح کے لیے مامور فرماتا ہے دیدیتا ہے۔ تاکہ وہ لوگوں پر اتمام حجت کرسکیں کہ جو باتیں وہ بعد الموت زندگی کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ وہ راست ہیں۔ اس دوسری بات کا ثبوت تمام انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں میں پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم بھی اسی امر کی شہادت دیتا ہے جیسا کہ سورۃ الجن میں فرماتا ہے۔ عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول۔ یعنی غیب کی نہاں در نہاں خبروں کو جاننے والی وہی ذات پاک ہے۔ جو اپنے غیب کا اظہار سوائے اپنے برگزیدہ رسولوں کے اور کسی پر نہیں کرتا۔ یہاں وہی دو باتیں بیان کی گئی ہیں جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ یعنی یہ کہ معمولی طور پر انسان سخت عاجز ہے کہ وہ غیب کی بات پر اطلاع پاسکے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں پر اس لیے ایسی غیب کی خبریں ظاہر کرتا ہے کہ تا ان باتوں کا پورا ہونا آخرت کے متعلق یقین تام دلوں میں پیدا کرے۔ افسوس ہے کہ یہ موقع اسقدر گنجایش نہیں رکھتا کہ میں اسلام کی ان عظیم الشان پیشگوئیوں کا تذکرہ

کرسکوں جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبعی زندگی کے ایک حصہ میں شایع کیں اور اسی زندگی کے دوسرے حصہ میں پوری ہوئیں یا ان پیشگوئیوں کو مفصل بیان کرسکوں جو آپ نے کیں اور جن کو پورا ہوتے آپ کے صحابہ نے آپ کے بعد دیکھا۔ یا ان پیشگوئیوں کو بیان کرسکوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیں اور پھر وہ حدیث کی کتابوں میں لکھی جاکر شایع ہوگئیں اور پھر ان کو پورا ہوتے ایک دنیا نے دیکھا۔ اور وہ ہر زمانہ میں پوری ہوتی رہیں۔ یہانتک کہ آج آپ سے تیرہ سو سال بعد نہایت صفائی سے پوری ہورہی ہیں اور اسلام کے پاک چہرہ کو روشن کرکے دکھلا رہی ہیں۔ نہ ہی اس جگہ یہ گنجایش ہے کہ میں ان عجیب درعجیب پیشگوئیوں کا ذکر کروں جو آپ کے ایک سچے متبع پر اس زمانہ میں ظاہر کی گئیں اور پوری ہوئیں اور انپر لاکھوں انسان گواہ ہوئے کیونکہ وہ پیشگوئیاں ساتھ کی ساتھ پوری ہونے سے کچھ عرصہ پہلے بذریعہ کتب واخبارات شایع ہوتی رہیں۔ اور آخر نہایت صفائی سے پوری ہوئیں۔ ہاں اس قسم کی بعض پیشگوئیوں کا تذکرہ وقتاً فوقتاً اس رسالہ میں ہوتا رہا ہے اور جو صاحب چاہیں ان کو دیکھ سکتے ہیں۔

مگر ایک امر کو جو اسلام کی صداقت پر ایک نہایت ہی روشن دلیل ہے میں اس جگہ بیان کرنا چاہتا ہوں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے فطرت انسانی کا کسقدر گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اور کسطرح پر ایسے ایسے ثبوت اپنے دعووں کی تائید میں پیش کیے ہیں۔ جن کی ٹوہ میں انسانی فطرت لگی رہتی ہے۔ یہ قرآن کریم کی ایک ایسی خوبی ہے جس کی نظیر ہم دوسرے مذاہب میں کہیں نہیں پاتے۔ اور یہ منجملہ عظیم الشان خصوصیات اسلام کے ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ آخرت کے متعلق جو ثبوت قرآن شریف نے پیش کیا ہے۔ وہ بعینہٖ دہریوں کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ جب انسان اس زندگی کے ادنیٰ سے واقع کی نسبت پیش از وقت خبر نہیں دے سکتا۔ تو وہ آیندہ زندگی کی دقیق در دقیق کیفیات کے متعلق کیونکر ہمیں کوئی علم دے سکتا ہے۔ اس اعتراض کا جواب قرآن کریم نے یوں دیا ہے کہ وہ جہاں آخرت کے متعلق مومنین کو خوشحالی اور کافرین کو دُکھ کی زندگی کی خبر دیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس دنیا میں بھی مومنین کے لیے بعض وعدے اور کافروں کے لیے بعض وعید بیان فرماتا ہے۔ جس سے غرض اس پاک کتاب کی یہ ہے کہ تا اس زندگی کی خبروں کو پورا ہوتے دیکھکر آخرت کے متعلق یقین تام دلوں میں پیدا ہو یعنی مثلاً قرآن شریف یہ خبر دیتا ہے کہ مومنوں کے لیے آخرت میں ایک راحت کی زندگی ہوگی اور ان کو جنت میں جگہ دیجاویگی اور ساتھ اس کے بطور ثبوت یہ بیان فرماتا ہے کہ اس زندگی میں بھی وہ کامیاب اور خوشحال کیے جائینگے اور اس دنیا کی جنتوں پر قابض کیے جاویں گے۔ امر دویم جو اس زندگی کے متعلق ہے اس کا سچا یا جھوٹا ہونا اسی زندگی میں کُھل سکتا ہے۔ اور کُھل گیا۔ پس جب ان دو خبروں میں سے جو مومنوں کو انکی آیندہ زندگی کے متعلق دی گئی تھیں وہ جو خبر اس زندگی کے متعلق تھی نہایت صفائی سے پوری ہوگئی تو اس دوسری خبر کی نسبت بھی

کہ آخرت میں انکو کیا کیا مراتب ملیں گے کوئی شک باقی نہ رہا۔ اور اخروی زندگی کی خوشحالی کا قطعی ثبوت مل گیا
ایسا ہی کافروں کیلیے قرآن کریم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ انکو آخرت میں جہنمی زندگی نصیب ہوگی۔ اور ساتھ ہی
اس کے یہ بھی پیشگوئی کی کہ اِس زندگی میں بھی وہ مسلمانوں کے سامنے ذلیل اور ناکام کیے جائیں گے اور دکھونکا
مزہ چکھیں گے۔ پس اِس دنیا کے وعدے کو صریح طور پر پورا کر کے آخرت کے وعدے کی سچائی کو ثابت کر دیا۔ اصل میں
یہی ایک سچا طریق ہے جس سے زندگی بعد الموت اور جنّت و دوزخ کا ثبوت ملتا ہے۔ اور مسلمان جسقدر اس
کتاب پر جو انکو دیگئی ہے فخر کریں تھوڑا ہے۔ کیونکہ انکے ہاتھ میں وہ زریں اصول دیے گئے ہیں جو ہر قسم کے اعتراضات سے
خالی اور ہر قسم کے شبہات سے پاک ہیں۔

تیسری بات جو دہریوں کے اقوال مذکورہ بالا سے پیدا ہوتی ہے یہ اعتراض ہے کہ آیندہ زندگی کا تفصیلی
علم نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے متعلق میں دو باتیں کہنی چاہتا ہوں۔ اوّل یہ کہ قرآن کریم نے جسقدر ضرورت ہے،
اُسقدر تفصیلات ہمیں خوب سمجھا دی ہیں۔ مثلاً ضرورت ہمیں یہ جاننے کی ہے کہ کس قسم کے اعمال پر کس قسم کی
جزا و سزا آیندہ زندگی میں مترتب ہوگی سو اس کے متعلق قرآن کریم نے نہایت بسط اور وضاحت سے اپنے
منشاء کو بیان فرما دیا ہے۔ کہ جزا و سزا انہیں اعمال کا ثمرہ ہوگی۔ اس سے زیادہ تفصیلات کے جاننے کی اس
زندگی میں ہمیں کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جہانتک اِس زندگی کا اُس زندگی سے تعلّق ہے وہ اور کسی قسم کی
تفصیلات کا محتاج نہیں۔ ہمارے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ اگر ہم ایسے عمل کریں گے جو اللہ تعالیٰ کی نارضامندی کا
موجب ہیں اور اس ذات پاک سے ہمارے تعلق کو کم یا قطع کرنے والے ہیں۔ تو ان اعمال کے ثمرات بھی دردوں
اور دکھوں کے رنگ میں ظاہر ہوں گے۔ ہمارے اعمال پر اگر کوئی اثر ہو سکتا ہے تو انہیں دو باتوں کے جان لینے
سے ہو سکتا ہے۔ جو بطور اصول حیات بعد الموت کے ہیں۔ باقی رہیں زاید تفصیلات سو انکی ہمیں اس دنیا میں
جاننے کی کوئی حاجت نہیں۔ علاوہ ازیں چونکہ اُس زندگی کا رنگ اِس زندگی سے بالکل نرالا ہے۔ یہانتک کہ مخبر
صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جنّت کی نعماء ایسی ہیں کہ اس دنیا کی کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے
سنیں اور نہ کسی دل میں انکا خیال گذرا پس ایسی تفصیلات کو اسی دنیا میں حل کرنیکا خیال کرنا بے فایدہ ہے۔
انکی پوری پوری کیفیات سمجھنے کے لیے وہی عالم ہے جہاں وہ نعماء یا آلام محسوس اور مشہود ہوں گے۔ ہاں
قرآن کریم نے ان تفصیلات کو بھی بیان ضرور فرمایا ہے اور یہ حقایق قرآن کریم کے جو آخرت کے متعلق ہیں اُسی
عالم آخرت میں ہی کھلیں گے۔ اس امر کی شہادت ہمیں اس بات سے بھی ملتی ہے کہ جسقدر کوئی شخص روحانیت
اور راستبازی میں ترقی کرتا ہے اور اس سفلی دنیا سے اپنے تعلقات کو قطع کرتا ہے اسیقدر زیادہ معارف اور
حقایق قرآن کریم کے اُسے سمجھائے جاتے ہیں جیسا کہ خود قرآن شریف فرماتا ہے کہ لا یمسه الا المطھرون یعنی

قرآن کریم کا سمجھنا صرف اعلیٰ دماغی قوے پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے معارف اور حقائق کے عجیب و غریب خزانے اس شخص پر کھولے جاتے ہیں جو تقویٰ اور راستبازی اختیار کرتا ہے اور جس کے دل کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ نے ہر ایک گند سے پاک اور صاف کر دیا ہے۔ پس جس صورت میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسی عالم میں روحانیت کی ترقی کے ساتھ قرآن کریم کے معارف عالم آخرت کے متعلق زیادہ کھولے جاتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس بہشتی زندگی میں جو مومنوں کو موت کے بعد دیجائے گی اُس کی کُل تفصیلات ان نعمائے کے متعلق سمجھ آجائیں گی۔ جس صورت میں ہم اِسی دنیوی زندگی کو منتہائے ترقی انسانی نہیں سمجھتے اور کہتے تو یہ ہم کیونکر مان سکتے ہیں کہ یہ زندگی منتہائے علم انسانی ہو جائے۔ بلکہ ہمارے نزدیک جس طرح بہشتی زندگی تدریجی اور غیر متناہی ترقیات کی جگہ ہے اسی طرح اُس زندگی میں انسان علم کی غیر متناہی ترقی کے بھی مراتب حاصل کرتا جاویگا۔

امر چہارم کے متعلق کہ ہم کو اخروی زندگی کی نسبت اِس دنیا کی زندگی کی زیادہ پروا کرنی چاہیئے۔ مَیں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اصل میں تو اس وقت عیسائی اقوام کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ بکلّی مردار دنیا پر گر پڑے ہیں۔ ہاں فرق صرف اسقدر ہے کہ ایک دہریہ جرأت سے اس بات کو کہدیتا ہے جو اس کا عقیدہ ہے اور عیسائی صاحبان بزدلی سے اصل بات کا اقرار نہیں کرتے اِس زندگی کو آخرت یا دنیا کو دین پر مقدم کرنیکی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس زندگی کی نعماء اور دنیوی فوائد تو مشہود اور محسوس ہیں مگر آخرت پر ایمان اسقدر کمزور ہے کہ اس کی کشش بمقابلہ دنیوی کشش کے کچھ بھی نہیں۔ پس یہ مرض اس وقت تک دور نہیں ہو سکتا جب تک کہ آخرت کے متعلق ایسا یقین تام پیدا نہ ہو جو دنیوی کشش پر غالب آجائے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے یا اخروی زندگی کا اِس دنیا کی زندگی کی نسبت زیادہ خیال رکھنے کا یہ منشا نہیں کہ لوگ راہبوں کی طرح دنیا کے کاروبار چھوڑ کر گوشہ گزین ہو جاویں۔ نہیں بلکہ اسلام تو یہ سکھاتا ہے کہ تم دنیا میں اپنے وجود کو مفید بناؤ۔ بلکہ اسلام کے نزدیک اِسی دنیا کی زندگی میں ہی انسان وہ ترقی حاصل کرتا ہے جو اس کی اخروی خوشحالی کا موجب ہے۔ پس انسان کو جو کچھ کرنا چاہیئے اسی دنیا کی زندگی میں ہی کرنا چاہیئے۔ دین یا آخرت کو مقدم کرنیکے معنے یہ ہیں کہ راستبازی اور تقوے کا خیال محض دنیوی آسائشوں کے حاصل کرنے پر مقدم کیا جاوے۔

الٰہی سلسلے اور ارتداد

جب کبھی اللہ تعالیٰ دنیا کی اصلاح کے لئے کسی نبی کو مامور فرما کر بھیجتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے مخلص مومنین کی

ایک جماعت کو اکٹھا کرتا ہے۔ تو ساتھ ہی بعض ایسے لوگ بھی خدائی جماعتوں میں شامل ہو جاتے ہیں جن کے ایمان کچے اور دل کمزور ہوتے ہیں۔ پھر یا تو یہ لوگ مامور سے تعلق پیدا کر کے اپنے ایمان کو مضبوط کر لیتے ہیں اور یا اگر انہوں نے مامور سے سچا تعلق پیدا نہیں کیا تو اس شاخ کی مانند جو تنے کے ذریعہ جڑھ سے غذا حاصل نہیں کرتی آہستہ آہستہ خشک ہو کر کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ اور ایک جماعت ایسی بھی ہوتی ہے جو منہ سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں مگر انکے دلوں میں نور ایمان نے جگہ پیدا نہیں کی ہوتی اور نہ وہ ان ہدایتوں پر چلتے ہیں جو مخلص مومنین کو خدا کی راہ میں ترقی کرنیکے لیے بتائی جاتی ہیں۔ گویا مخلص مومنین کے علاوہ ایک جماعت مرتدین کی اور ایک جماعت منافقین کی ہوتی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ ہر ایک الٰہی سلسلے میں ان دو قسموں کے اشخاص بھی پائے جائیں گے اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اور کیوں اللہ تعالیٰ نبی کے ساتھ صرف ایسے لوگوں کو شامل نہیں کرتا جو کبھی ڈگمگانے والے نہ ہوں یا کیوں نبی کی تعلیم ان تمام لوگوں پر جو ایک دفعہ اس کے پاس آجائیں اور اسکو مان بھی لیں ایسا اثر نہیں کرتی کہ حلاوت ایمانی سے ان کے دل بھر کر ان کو ایسے پختہ کر دے کہ کوئی ابتلا یا کوئی ایمانی کمزوری ان کو جنبش نہ دے سکے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ مامور کے زیر اثر آئیں انہیں سے اکثر ایک غیر معمولی ایمانی ترقی دکھاتے ہیں اور خدا کی راہ میں قربانی کے ایسے نمونے ان سے ظاہر ہوتے ہیں جو دوسروں سے ہرگز نہیں ہو سکتے مگر یہ سب لوگ اپنی اپنی فطری استعداد کے مطابق فائدہ اٹھاتے ہیں یعنی بعض ایسے ہوتے ہیں جو بہت زیادہ ایمانی ترقیاں حاصل کرتے ہیں اور روحانیت کے اعلیٰ مراتب طے کرتے ہیں بعض انسے کم علیٰ ہذا القیاس اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایمان لا کر پھر مرتد یا منافق بن جاتے ہیں۔ اور اس میں ایک مصلحت الٰہی بھی معلوم ہوتی ہے کہ جیسا مامور من اللہ کے ہزار ہا دشمن بیرونی طور پر ہوتے ہیں جو اس کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں ایسا ہی اللہ تعالیٰ یہ بھی چاہتا ہے کہ اندرونی طور پر بھی جو لوگ چاہیں اس سے کھلم کھلا یا چھپکر دشمنی کر لیں اور جتنی کوشش وہ اس کے نیست و نابود کرنیکے لیے کر سکتے ہیں کر لیں۔ تا آخر میں ان تمام بیرونی اور اندرونی دشمنوں کو ناکام اور نامراد کر کے اور مامور من اللہ کو ان سب پر غالب کر کے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ہاتھ مامور من اللہ کی تائید میں کام کرتا ہوا دکھائے۔ اس لیے ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض وقت وہ لوگ جن کو ظاہر طور پر یعنی لوگوں کی نظروں میں مامور سے ایک گہرا تعلق ہوتا ہے وہ بھی مرتد ہو جاتے ہیں اور پھر دشمن خوشی کے مارے بغلیں بجاتے ہیں کہ اب یہ سلسلہ تباہ ہو جائیگا مگر اللہ تعالیٰ ان سب باتوں کے باوجود مامور کو محفوظ رکھتا اور اس کے سلسلے کو ترقی دیتا ہے اور کوئی بات خواہ وہ ابتدا میں اس سلسلے کے لیے کیسی ہی خطرناک معلوم ہو۔ در اصل صرف اس سلسلے کے لیے کھاد کا کام دیتی ہے اور اس کی ترقی اور نشو و نما کا ذریعہ بنجاتی ہے۔

مذہبی تاریخ کے مطالعہ کرنیوالے پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بہت سے

لوگ بنی اسرائیل سے مرتد ہوگئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی بہت سے مرید اُن کے مرتد ہوگئے یہانتک کہ ایک ہی دن میں پانچسو کا مرتد ہوجانا بھی معلوم ہوتا ہے اور پھر انکا خاص الخاص مرید یہودا اسکریوطی جو آپ کا خزانچی بھی تھا۔ مرتد ہوگیا اور ایسا سخت مرتد ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ کو پولیس کے ہاتھ میں اس نے گرفتار کروا دیا۔ ایسا ہی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی کئی لوگ مرتد ہوگئے تھے جن میں سے ایک عبداللہ بن ابی سرح کاتب الوحی تھا جس خبیث کے دل میں یہ وسوسہ شیطانی گذرا تھا کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے پاس سے وحی بنا کر لکھوا دیتے ہیں اور کہ یہ وحی کچھ بھی چیز نہیں۔ ایسا ہی ابن خطل۔ عبداللہ بن جحش وغیرہ دوسرے لوگ تھے اور منافقین کی بھی ایک جماعت تھی مگر خدائے تعالیٰ نے ان سب مرتدین کا مونہہ کالا کیا۔ اور وہ کس مپرسی کی حالت میں مرے۔ مسیلمہ کذاب بھی مرتد تھا چنانچہ پہلے اس کا اسلام لانا بھی ثابت ہے۔ اسی سُنّت الٰہی کے مطابق سلسلہ احمدیہ میں بعض لوگ مرتد ہوگئے ہیں جس پر اس سلسلہ کے دشمنوں نے بڑی خوشیاں منائی ہیں کہ اب یہ سلسلہ تباہ ہوجائیگا مگر سُنّت الٰہی سے ناواقف لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ ایسے ارتداد سے ایک سچے سلسلہ کا کچھ نہیں بگڑ سکتا۔ کیونکہ جس کو خدا نے اپنے ہاتھ سے لگایا انسان اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ منجملہ ان مرتدین کے ایک ڈاکٹر عبدالحکیم ہے جس کا ارتداد ہنوز تازہ ہے۔ اس ارتداد پر بعض لوگوں نے تو یہانتک غلو کیا ہے کہ یہ اس سلسلہ کے نعوذ باللہ باطل پر ہونیکا ثبوت ہے۔ اور اپنے اس باطل دعوے کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ہرقل کے سامنے ابوسفیان نے یہ کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرووں میں سے کوئی شخص مرتد نہیں ہوا۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ تدبر سے کام نہیں لیتے۔ جو شخص قرآن شریف کو غور سے پڑھے گا وہ ایسی لغوبات مونہہ سے کبھی نہیں نکال سکیگا خواہ اسے تاریخ سے واقفیت ہو یا نہ ہو۔ اگر کوئی بھی مرتد نہ ہوتا تو مرتدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں احکام کیوں بیان فرماتا۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولٰئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاٰخرۃ واولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا خالدون۔ (البقرۃ - ۲۱۸) اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہوگا اور کفر ہی کی حالت میں مرجائیگا۔ تو ایسے لوگوں کا کیا کرایا دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت جائیگا۔ اور یہ لوگ دوزخی ہیں اور وہ دوزخ میں رہ پڑیں گے۔ ایسا ہی دوسری جگہ فرماتا ہے من یرتد منکم عن دینہ۔ جس آیت کو میں آگے چلکر بیان کرونگا۔ اس کے علاوہ کئی جگہ فرماتا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو ایمان کے بعد پھر کافر ہوگئے۔ جیسا کہ ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادوا کفرا۔ بلکہ ایک جگہ دو دو دفعہ کے ارتداد کا ذکر ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ ان الذین اٰمنوا ثم کفروا ثم اٰمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا (النساء - ۱۳۷) یعنی جو لوگ ایمان لائے پھر کافر

ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے۔ اور پھر کفر میں بڑھتے گئے تو خدا نہ تو ان کی مغفرت ہی کریگا اور نہ انکو راہِ راست ہی دکھائیگا۔ اب ان کھلی کھلی آیات کے ہوتے ہوئے ابو سفیان والی حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا کہ کبھی کوئی شخص مرتد نہیں ہوا تھا سراسر غلط ہے۔ ہاں النادر کالمعدوم کی مثل کو مدنظر رکھکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی شخص مرتد نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ قرآن شریف کی صریح آیات کی تکذیب کرنا مومن کا کام نہیں اور پھر ان آیات کی مؤیدہ احادیث بھی ہیں جن سے بعض لوگوں کا مرتد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مگر چونکہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ مثلاً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ میں صرف معدودے چند اشخاص کا ارتداد ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ یہ ارتداد کچھ بھی قابل توجہ نہیں۔ اور ایسا ہی سلسلہ احمدیہ میں دو تین لاکھ کی جماعت میں پندرہ بیس اشخاص کا ارتداد ہرگز قابل توجہ نہیں ہے۔ ہاں خود ڈاکٹر عبدالحکیم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ سیکڑوں لوگ بیعت میں داخل ہوکر اور صحبت کے نتائج دیکھکر منحرف ہوتے رہے ہیں مثلاً منشی الٰہی بخش صاحب اکاؤنٹنٹ و منشی عبدالحق صاحب اکاؤنٹنٹ و حافظ محمد یوسف صاحب و صوفی عباس علی صاحب میاں فتح خاں محمد سعید خان وغیرہ" اب ڈاکٹر صاحب کو جسقدر اس سلسلہ سے واقفیت ہے وہ خود انکے اس بیان سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ بیعت میں داخل ہوکر مرتد ہوئے حالانکہ ان میں سے اوّل الذکر تین شخصوں نے کبھی بھی بیعت نہیں کی۔ پس سیکڑوں کی کیفیت تو ان چھ ناموں سے ہی معلوم ہوگئی جن میں سے تین کبھی اس پاک سلسلہ میں داخل ہی نہیں ہوئے۔ پس جن لوگوں نے اس سلسلہ میں داخل ہوکر اسی قدر واقفیت حاصل کی ہو اور صحبت کا یہ حال ہو کہ گذشتہ چھ سات سال میں صرف ایک دو دفعہ اپنے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں اور وہ بھی فیض صحبت سے متمتع ہونیکی غرض سے نہیں بلکہ فخریہ اپنی تفسیر کو سنانیکے لیے۔ انکے مرتد ہونے پر کیا افسوس ہوسکتا ہے۔

ہرقل والی حدیث پر بھی اگر غور کیا جاتا تو ہمارے علماء یہ ٹھوکر نہ کھاتے کہ ایک شخص کے ارتداد کو سلسلہ کے باطل ہونیکی دلیل بیان کرتے جس کو اگر دلیل مان لیا جائے تو نعوذ باللہ کُل انبیاء علیہم السلام کا بطلان لازم آتا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ قال فھل یرتد احد منہم سخطۃ لدینہ بعد ان یدخل فیہ قلت لا۔ یعنی ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ کیا نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرووں میں سے کوئی پورے طور پر دین میں داخل ہوکر پھر اس دین سے بیزار ہوکر پھر بھی جاتا ہے تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔ اب قابل غور امر یہ ہے کہ سوال صرف یہ نہیں کہ کوئی مرتد ہوتا ہے کہ نہیں۔ کیونکہ اہل کتاب میں سے ہوکر ہرقل خوب جانتا تھا کہ ارتداد بھی ہر ایک الٰہی سلسلے میں ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ ممکن نہیں کہ باوجود اس علم کے جو اسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے حاصل تھا اس بات کی وہ خبر نہ رکھتا ہو کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے پیرووں میں سے بھی بہت لوگ مرتد ہوگئے تھے۔ پس ایسے علم کے ہوتے ہوئے ایسا سوال لغو تھا کہ وہ صرف یہ پوچھتا کہ کوئی شخص مرتد بھی ہوتا ہے کہ نہیں۔ اور حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اتنا سوال کیا بھی نہیں بلکہ اس کا سوال یہ تھا ھل یرتد احد منہم سخطۃ لدینہ

بعد ان یدخل فیه۔ یعنی کوئی شخص کامل طور پر اس دین میں داخل ہو کر اس کے بعد پھر اس دین سے بیزار ہو کر مرتد ہوتا ہے یا نہیں جسکا جواب ابوسفیان نے دیا کہ ایسا نہیں ہوتا۔ اب اس سوال میں دو باتیں غور طلب ہیں اوّل یہ کہ ایک شخص پورے طور پر دین اسلام میں داخل ہو چکا ہو۔ جس کے لیے الفاظ بعد ان یدخل فیه آئے ہیں۔ اس کے معنے صرف داخل ہونے کے نہیں اور اگر ہمارے مولوی صاحبان نہ مانیں تو میں ہرقل کے الفاظ ہی جن میں اس نے ان الفاظ کی تشریح کی ہے پیش کروں گا۔ کیونکہ سوال وجواب کے بعد جب ہرقل نے استدلال شروع کیا تو اس سوال کے موقع پر پہنچکر وہ کہتا ہے۔ وسالتك ایرتد احد سخطة لدینه بعد ان یدخل فیه فذکرت ان لا وکذلك الایمان حین یخالط بشاشة القلوب۔ اب اسجگہ بعد ان یدخل فیه کی ہرقل نے یہ تشریح کی ہے کہ کذلك الایمان حین یخالط بشاشة القلوب۔ یعنی ایمان جب بشاشت قلب کے ساتھ اختلاط پیدا کر لے یا بالفاظ دیگر انسان کو شرح صدر عطا ہو جائے۔ اور ایمان دل میں داخل ہو جائے تو پھر ارتداد نہیں ہوتا۔ اب خالی مان لینا تو ایسا بھی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف نے فرمایا۔ قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم۔ یعنی عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ ان سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے ہاں یوں کہو کہ ہم نے اطاعت اختیار کر لی ہے اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ پس ایمان جب تک دل میں داخل نہ ہو اور شرح صدر عطا نہ ہو وہ کسی کام کا نہیں۔ اسی واسطے قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے یاایها الذین امنوا امنوا باللہ ورسوله۔

پس اس حدیث کا یہ مفہوم نہیں کہ کوئی شخص بھی مرتد نہیں ہوتا بلکہ ایسا شخص جس کے دل میں نور ایمان داخل ہو چکا ہے اور دل سے تمام تاریکیوں کو دور کر چکا ہے اور اسے نبی کے متعلق انشراح صدر عطا ہو چکا ہے۔ وہ مرتد نہیں ہوتا۔ اب اگر اس کسوٹی پر عبدالحکیم خاں کو پرکھا جائے تو وہ پورا نہیں اتر سکتا۔ یہ کوئی بناوٹی بات نہیں ہے بلکہ جس دن لاہور میں اسکا لیکچر ہوا ہے جس میں اس نے سخت استہزا اور بدزبانی سے اس سلسلہ کا ذکر کیا تو اس دن میرے ایک دوست نے جس نے یہ لیکچر خود اپنے کانوں سے سنا تھا یہ لفظ مجھکو لکھے کہ اس کا لیکچر سنکر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شخص ایک لمحہ کے لیے بھی حضرت مسیح موعودؑ کا مرید نہیں ہوا۔ اور ایک شخص پر کیا منحصر ہے جو شخص اس کے اعتراضات کو پڑھیگا وہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ یہ شخص فی الواقع کبھی مرید تھا اور سچے دل سے حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود اور مہدی مانتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اسکے دل کا گند بہت سالوں کے بعد نکلا ہے مگر بہت مدت تک پڑا رہنے نے اس کے دلکو اور بھی تاریک کر دیا ہے۔ مثلاً یہ اعتراض کرنا کہ براہین احمدیہ کا روپیہ کھا گئے اور وہ وعدہ پورا نہیں کیا اور وہ دوسرے امور پیش کرنا جس کا نام وہ بدعہدیاں رکھتا ہے ایسی باتیں نہیں ہیں کہ آج پیدا ہوئی ہوں اور یہ سبب نئی باتیں ہونے کے اس کے ایمان کو متزلزل کر دیا ہو بلکہ یہی اعتراض آج سے پندرہ سال پہلے لوگوں نے کئے۔ پس اگر اس کے نزدیک

یہ اعتراض صحیح ہیں اور ان سے حضرت مرزا صاحب کے دعوے کا بطلان ہوتا ہے تو ضرور ہے کہ یہی بات اس کے دل میں آج سے پندرہ سال پہلے ہو پس یہ چھپا ہوا گند جو مدت سے اس کے اندر سڑتا چلا آتا تھا نور ایمان کو دل میں داخل نہ ہونے دے سکتا تھا۔ اور ایسا ہی جسقدر اعتراض اس نے کئے ہیں وہ سب پُرانے اعتراض ہیں پس ایک ایسے شخص کا ارتداد بعد ان یدخل فیہ کے نیچے نہیں آتا اور اس لیے سُنت انبیاءؑ سے خارج نہیں بلکہ عین اسی سُنت کے مطابق ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اُس نے کتابوں میں تائید بھی کی ہے تو یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ آیا یہ اعتراض جو آج عبدالحکیم کرتا ہے پہلے بھی موجود تھے یا نہیں اور انہیں اعتراضوں پر وہ بارہا اس سلسلہ کی تحریروں میں یا اخبار میں بحث پڑھ چکا ہے یا نہیں۔ پس اُسوقت اگر اسکا دل اطمینان پکڑ گیا تھا تو انہی وجوہ سے اب کیوں اطمینان نہیں پکڑتا۔ بالفاظ دیگر یہ مرض باوجود تائیدی مضامین لکھنے کے اس کے دل میں پہلے سے موجود تھا فزادھم اللہ مرضاً۔ اور اس کی نظیریں پہلے انبیاءؑ میں موجود ہیں۔ کیا یہودا اسکریوطی جو بارہ حواریوں میں شامل کر لیا گیا تھا اور جسپر حضرت مسیحؑ کو اس قدر اعتبار تھا کہ وہ خزانچی بنا دیا گیا تھا مرتد نہیں ہوا۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ جب حواریوں میں شامل کیا گیا تو انکی طرح ارتداد سے پہلے وہ دوسرے لوگوں کو حضرت مسیحؑ پر ایمان لانیکے لیے وعظ بھی کیا کرتا تھا۔ ایسا ہی عبداللہ بن ابی سرح وحی کا کاتب ہونیکے باوجود مرتد ہوا۔ اور عبیداللہ بن جحش باوجودیکہ اس نے ہجرت بھی کی اور حبشہ میں چلا گیا تھا مرتد ہوا۔ ایسا ہی حضرت موسیٰؑ کے وقت میں ایسے ایسے لوگ مرتد ہوئے مگر سچی بات یہی ہے کہ اُن لوگوں کے دلوں میں نور ایمان داخل ہی نہیں ہوا تھا۔

دوسری بات جو اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہرقل کا سوال یہ تھا کہ دین سے بیزاری کی وجہ سے کوئی شخص مرتد ہو یعنی اس تعلیم سے بیزار ہو کر مرتد ہو جو مامور دیتا ہے۔ سو عبدالحکیم خاں کی حالت میں ایسا بھی نہیں ہوا۔ حضرت مرزا صاحب کی خاص تعلیم تو حیات مسیح کے شرک کو دور کرنا ہے اور دوسری خاص تعلیم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے مکالمہ و مخاطبہ کا دروازہ کھلا ہے ان دونوں باتوں سے ڈاکٹر صاحب بیزار نہیں ہوئے اور نہ ہی یہ تعلیم انکی ٹھوکر کا باعث ہوئی ہے بلکہ ابتدائی خطوں میں تو وہ یہی کہتا تھا کہ جماعت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کی طرف توجہ نہیں کرتی۔ اور مکالمہ مخاطبہ کے دروازے کے کھلا ہونیکا تو یہاں تک قائل ہے کہ خود مدعی الہام بھی ہے۔ اس کے اعتراضات جو کچھ ہیں وہ تعلیم پر نہیں بلکہ حضرت مرزا صاحب کی ذات پر یا جماعت کے افراد پر ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ مرزا صاحب کو جھوٹا کہتا ہے اور اس لئے اسکا ارتداد سخطۃ لدینہ ہے تو یہ محض فضول ہے کیونکہ اگر ان الفاظ سے یہی مراد لی جائے تو پھر ارتداد ہی بے معنی ہوتا ہے۔ مرتد ہونیکے تو معنے ہی یہ ہیں کہ مدعی کو جھوٹا کہا جاوے اگر یہودا اسکریوطی مسیحؑ کو منجانب اللہ مانتا تو کیوں مرتد ہوتا اور تیس روپیوں کے بدلے پکڑواتا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب ایک آدمی ایک سچی بات کی حقیقت کو بخوبی سمجھ لیتا ہے تو وہ اسپر صدق دل سے قائم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ

اسے سچی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جھوٹ کی حقیقت پر جب انسان اطلاع پاتا ہے۔ تو پھر وہ اس سے بیزار ہو جاتا ہے اور اس کو ترک کر دیتا ہے۔ پس ایک صادق کے ساتھ جسقدر گہرا تعلق انسان پیدا کرتا جائیگا اسی قدر اسکی محبت اور اخلاص بھی ترقی کرتے جاویں گے اور کاذب کے ساتھ گہرا تعلق پیدا کرکے اسکا کذب معلوم ہو جائیگا۔ پس دیکھنا چاہیئے کہ اکثر ان لوگوں کے جو ایک گہرا تعلق پیدا کرتے ہیں ایسے ہیں جو دن بدن ایمان اور اخلاص میں ترقی کرتے اور اپنے مالوں اور جانوں کو فدا کرتے ہیں۔ یا اس سے بیزار ہو کر اسکا ساتھ چھوڑتے ہیں۔ ایک عبدالحکیم خان کیا چیز ہے ہزاروں انسان جو حضرت مسیح موعودؑ کے فیض سے متمتع ہونیوالے ہیں اور جنہوں نے آپ سے گہرا تعلق پیدا کیا ہے وہ ایمان اور اخلاص میں ترقی کر رہے ہیں اور کوئی بات انکے ایمان کو ہلا نہیں سکتی۔ بلکہ اس جماعت کی ایمانی قوت ہی اسکی ٹھوکر کا باعث ہوئی ہے اور جسکو وہ غلو قرار دیتا ہے وہ اس جماعت کا سچا اخلاص اور جانفشانی ہے جو ماموریں کے ساتھ رہنے والوں میں لازمی طور پر پیدا ہو جاتی ہے اور اُسی قسم کی جانفشانی اور اخلاص ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات میں دیکھا جاتا ہے۔ مگر چونکہ اس کے اپنے دل میں کمزوری تھی اور اخلاص اور محبت سے اسکا دل خالی تھا اس لیے اسکو سچا جوش اور اخلاص بھی اس جماعت کا بُرا معلوم ہوا۔ صد افسوس کہ وہ امر جو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا بیّن ثبوت تھا اسی پر اس شخص نے ٹھوکر کھائی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جھوٹے اور سچے میں پھر کیا فرق ہے تو اسکا جواب نہایت صاف ہے۔ جھوٹا مدعیٔ نبوت یا تو پہلے ہی سرسبز نہیں ہوتا اور ناکام و نامراد مرجاتا ہے یا اگر ابتدا میں کچھ لوگ اس کے ساتھ شامل بھی ہوں تو وہ سلسلہ جلدی سی تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کی نظیریں گذشتہ زمانے کو چھوڑ کر خود اس زمانے میں ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ مثلاً ایک طرف چراغ الدین ساکن جموں کی حالت پر غور کرو کہ اس نے سلسلہ احمدیہ سے مرتد ہو کر یہ دعویٰ کیا کہ میں صلح کا رسول ہوں اور اسلام اور عیسائیت میں صلح کرانیکے لیے بھیجا گیا ہوں مگر خدائے تعالیٰ نے اسے فی الفور ہی ہلاک کرکے اس کا نام و نشان مٹا دیا۔ دوسری طرف ڈوئی مدعیٔ نبوت ملک امریکہ کا ہے۔ جس نے الیاس ہونیکا دعویٰ کیا ابتدا میں بہت سے لوگ اس کے ساتھ مل گئے جس طرح مسیلمہ کذاب کے ساتھ ملگئے تھے مگر تھوڑے ہی سالوں میں اس کے کل افترا کی حقیقت طشت ازبام ہو گئی۔ اور جگہ جگہ مریدین نے اسکا ساتھ چھوڑ دیا اور اسے مفتری اور کاذب اور خائن ثابت کیا۔ اور اس شہر سے جو اس نے بڑی محنت سے بنایا تھا اسے نکال دیا۔ اور انجام کار وہ بہت ہی خائب و خاسر اور ناکام اور ذلیل ہوا۔ مگر سچے کو اللہ تعالیٰ کبھی ضایع نہیں کرتا اور ہر قسم کی ابتلاؤں کی آندھیوں کے درمیان وہ محفوظ رہتا ہے۔ اسکی جماعت میں سے بھی بعض بدنصیب مرتد بھی ہو جاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم مرتد ہو کر اس سلسلہ کو نیست و نابود کر دینگے اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے سے روک دیں گے اس کی ترقی بند ہو جائیگی اور جو لوگ داخل ہو چکے ہیں وہ بھی نکل جائیں گے۔ مگر وہ جلد خود ہی ... ناکامی کا مزہ چکھ کر اس دنیا سے حسرت لیے اُٹھ جاتے ہیں۔ اور الٰہی سلسلہ اسیطرح

سر سبز رہتا بلکہ آگے سے بھی زیادہ ترقی کرتا ہے۔ اور فوج در فوج لوگ اس میں داخل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نصرتیں اور تائیدیں اس کے شامل حال ہوتی ہیں۔ اس قانون الٰہی کو قرآن شریف ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ یٰایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکٰفرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم..... ومن یتول اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا فان حزب اللہ ھم الغٰلبون۔ (المائدہ ۵۴-۵۶) اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے (خدا کو اس کی ذرہ بھی پروا نہیں) تو جلد خدا (اس ایک کی بجائے) ایک ایسی قوم لا موجود کریگا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اسکو دوست رکھتے ہوں گے مسلمانوں کے ساتھ نرم کافروں کے ساتھ کڑے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کا کچھ خوف نہیں رکھیں گے۔ یہ خدا کا فضل ہے جسکو چاہے دے اور اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے اور وہ سب کے حال سے واقف ہے..... اور جو اللہ اور اللہ کے رسول اور ایمان والوں کا دوست ہو کر رہیگا وہ جان لے کہ آخر کار اللہ کا گروہ ہی غالب ہوگا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ مامورین کے خدا کیطرف سے ہونیکا یہ نشان ہے کہ ایسا سلسلہ کسی کی کوششوں سے تباہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی آدمی مرتد بھی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی بجائے اور بہتیروں کو اس سلسلے میں داخل کرتا ہے جو صدق دل سے ماننے والے ہوں۔ اور کسی کی ملامت سے ڈر کر اس سلسلے کو نہ چھوڑیں وہ مومنین کے ساتھ نرم اور کافروں کے مقابل سخت ہوں گے۔ ان آیات سے مرتدین کے دلوں کی حالت کا بھی اندازہ لگتا ہے۔ گویا وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ کافروں کے مقابل سخت اور مومنین کے ساتھ نرم نہیں ہوتے اور ملامت کرنیوالوں کے ڈر سے بھی ڈر کر انکار کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالحکیم کی حالت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفات مرتدین کے اس میں پائے جاتے ہیں جیسا کہ اسکی بعض اپنی تحریروں اور اس کے دوستوں کی تحریروں سے ظاہر ہے۔ اس جماعت کے مومنین کے ساتھ تو اس نے سخت سلوک کیا اور ناحق ان کو برا بھلا کہا اور ان لوگوں کے ساتھ ملا جو سخت معاند تھے۔ پس یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ الٰہی سلسلے کا یہ بڑا بھاری نشان ہے کہ وہ ہر طرح کی مخالفتوں پر غالب آتا ہے۔ کوئی مخالف اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکتا بلکہ جو کوئی اس سے بگڑتا ہے وہ خود نقصان اٹھاتا ہے۔ اب ڈاکٹر عبدالحکیم خاں نے بھی مخالفت پر پورا زور لگایا ہے مگر کیا اس کی مخالفت سے اس سلسلہ کا کچھ بگڑا؟ یا ترقی رک گئی؟ وہ سوچے کہ کسقدر مریدین مخلصین پر اس کی گندی اور سب و شتم سے بھری ہوئی تحریروں کا اثر ہوا اور اگر ابھی اسے کچھ امید باقی ہے تو چاہیئے کہ پورا زور لگالے اور تمام ولولے دل کے نکال لے پھر دیکھ لے گا کہ اس کی مخالفت نے اس سلسلے کو فائدہ دیا ہے یا نقصان۔ اگر وہ ذرا بھی تدبر سے کام لے تو اب بھی وہ دیکھ سکتا ہے کہ اسکی مخالفت اس الٰہی سلسلہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ خدا اسکو غالب کر رہا ہے

اور غالب کر کے دکھاوے گا اور ایسے مرتدین یا مخالفین کے تمام اعتراضوں کا جواب اسی سنّت کے مطابق دیگا جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اس کی سنّت رہی ہے۔ یعنی آخر کار اس سلسلہ کو ہر طرح سے غالب کریگا اور مخالفین اور مرتدین اور منافقین کو ناکام اور نامراد کریگا۔

افسوس ان مخالفین پر ہے۔ جنہوں نے اندھوں کی طرح بلا سوچے سمجھے ڈاکٹر عبد الحکیم خاں کی تائید کی ہے حالانکہ جن اصول پر اسکا ارتداد مبنی ہے وہ ایسے ہیں کہ اسلام سے بھی وہ خارج ہے اور اگر انہیں اصول پر قائم رہا تو آج نہیں تو کل کھلم کھلا اسلام کی بھی مخالفت کرے گا۔ مجھے رنج پیدا ہوتا ہے جب مَیں دیکھتا ہوں کہ مسلمان کہلانے والے ایڈیٹران اخبار ڈاکٹر عبد الحکیم خاں کے ان خیالات کو شایع کر رہے ہیں جن کی زد خالی حضرت مرزا صاحب پر نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ قرآن شریف پر۔ اسلام پر۔ بلکہ خدا کے کل نبیوں پر ہے یہ مَیں جانتا ہوں کہ یہ لوگ اس وجہ سے اسکے خیالات کو شایع نہیں کر رہے کہ انہیں انکے ساتھ اتفاق ہے بلکہ یہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بغض کی وجہ سے ہے۔ افسوس کہ ان لوگوں نے حضرت مرزا صاحب کی مخالفت میں اسلام کی عزّت کا بھی پاس نہ کیا۔ اور محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت کا پاس بھی نہ کیا۔ اور تمام مسلمان کہلانیوالے اخبارات میں سے صرف ایک شخص نے دبی زبان سے اقرار کیا کہ جس خیال پر عبد الحکیم خاں کا ارتداد مبنی ہے وہ خلاف مذہب جمہور اہل اسلام ہے۔ خلاف جمہور تو جو ہوا سو ہوا مگر یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت پر حملہ ہے کہ مسلمان ہو کر یہ لفظ مونہہ سے نکالے کہ آنحضرتؐ کی پیروی نجات کیلئے ضروری نہیں۔ کسقدر ظلم ہے کہ ایک شخص کھلم کھلا یہ لکھتا ہے کہ بغیر متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بغیر قرآن شریف پر عمل کرنے کے نجات ہے۔ اور اسوجہ پر وہ سلسلہ احمدیہ سے مرتد ہوتا ہے کہ اسے کسی امام یا مامور کی پیروی کی ضرورت نہیں اور اس کے خیالات کو بغیر تردید وہ اخبار شایع کر رہے ہیں جو مسلمانوں کے مذہب کے بڑے مؤید کہلاتے ہیں اور جن میں دن رات یہ شور مچایا جاتا ہے کہ جبتک ان اخبارات کو خریدا نہ جاوے گا تب تک مسلمان اسلام پر قائم نہیں رہ سکتے۔ کیا یہ طریق مسلمانوں کو اسلام سے متزلزل کریگا ہے یا اکھڑے ہوؤں کو قائم کریگا؟

مَیں اس بحث کو لمبا کرنا نہیں چاہتا۔ اور نہ ہی اس رسالہ میں زیادہ گنجایش ہے۔ ایک بات کی طرف مَیں ان اخبار نویسوں کو توجہ دلاتا ہوں۔ عبد الحکیم خان نے چند ماہ ہوئے ہیں ایک ترجمہ انگریزی میں قرآن شریف کا شایع کیا جس میں اس نے حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے کی صداقت کو قرآن شریف اور حدیث صحیحہ سے ثابت کیا ہے۔ اور ان دلایل سے یہ قطعی نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مرزا صاحب مسیح موعودؑ ہیں۔ لیکن مرتد ہوتے وقت ان دلایل میں سے ایک کو بھی نہیں توڑا۔ بلکہ چند اور باتیں پیش کی ہیں جو صرف مرزا صاحب کی ذات پر اعتراض ہیں۔ اور وہ باتیں آج وجود میں نہیں آئیں بلکہ اسوقت بھی موجود تھیں جب اس نے حضرت مرزا صاحب کا منجانب اللہ اور مسیح موعود ہو

ثابت کیا تھا۔ مثلاً براہین احمدیہ کے نہ چھپنے یا قیمتوں کے متعلق یا پریس کے چندے وغیرہ کے متعلق یہ کوئی تازہ امور پیدا نہیں ہوئے۔ ایسا ہی یہ اعتراض کہ مرزا صاحب کی صحبت میں اثر نہیں یا یہ کہ جب عبد الحکیم نے حضرت مرزا صاحب کو اپنی تفسیر سنائی تو آپ نے کوئی معارف اور حقایق بیان نہیں کیے اور نئے نکتے نہیں بتائے۔ اور سلیمان کے قصے پر روشنی نہیں ڈالی۔ یا یہ اعتراض کہ لنگرخانہ کے روپے کا باضابطہ حساب کتاب نہیں رکھا جاتا۔ یا یہ اعتراض کہ کہ مرزا صاحب مکان بنواتے ہیں یا مفرحات اور مقویات کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ باتیں آج ڈاکٹر صاحب کے علم میں نہیں آئیں بلکہ جسوقت اس نے اردو تفسیر میں حضرت مرزا صاحب کا مسیح موعود ہونا ثابت کیا تھا یا پھر جسوقت ابھی چند ہی ماہ ہوئے انگریزی ترجمہ میں ایسا ہی ثبوت دنیا کے سامنے پیش کیا اسوقت یہ سب باتیں موجود تھیں اور خود اس جیسے سیاہ دل مخالف پہلے بھی ان باتوں پر اعتراض کر چکے تھے۔ پھر اگر یہ تمام امور اسوقت منافی مسیحیت نہیں تھے تو اب کیونکر ہو گئے۔ آخر جس طرز استدلال سے اب وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے اسکو بھی تو دنیا کے سامنے کھولکر بیان کرنا چاہیئے۔ مرزا صاحب کے الہامات انت منی وانا منک اور یحمدك الله من عرشه یہ بھی پرانے الہام ہیں۔ پس ان تمام باتوں سے جو نتیجہ آج نکلتا ہے وہی پانچ یا دس برس پہلے نکلتا تھا۔ اب ہماری مخالف اخبار نویسوں کو یہ سوچ لینا چاہیئے کہ اگر ایک شخص نے مرزا صاحب کے متعلق یہ رویہ اختیار کیا ہے تو کل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہی رویہ وہ اختیار کر سکتا ہے۔ کیونکہ آخر آنحضرتؐ پر بھی اعتراض کرنیوالے موجود ہیں۔ اور پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اسکے نزدیک نجات کیلئے ضروری ہے ہی نہیں۔ اور ہمنے یہ بھی سنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نماز بھی باقاعدہ ادا نہیں کرتے۔ پس ایسے شخص کو مرزا صاحب کی مخالفت کی وجہ سے بڑھا بڑھا کر پیش کرنا عقلمندی کا کام نہیں ع مراد ما نصیحت بود کردیم۔

جو اعتراض اس بدنصیب مرتد نے بار بار حضرت مرزا صاحب پر کیے ہیں وہ ایسے ہی اعتراض ہیں جو آجتک عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے ہیں۔ مگر اسکو یاد رکھنا چاہیئے کہ سنت اللہ انبیاءؑ کے متعلق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام اعتراضوں کا جواب اپنے ایک ہی طاقتور ہاتھ سے دیا کرتا ہے۔ اور اپنی تائید اور نصرت اپنے مامور کے شامل حال کرکے تمام معترض مخالفوں کو نامراد کرتا ہے۔ مگر میں ڈاکٹر عبد الحکیم سے یہ پوچھتا ہوں کہ وہ دلایل جو اس نے تائید مسیح موعودؑ میں دیے ہیں وہ اب بھی صحیح ہیں یا غلط ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر میں پوچھتا ہوں کہ یہ دلیل جو ڈاکٹر مذکور نے اپنے ترجمہ میں دی ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب ۲۷ سال سے اپنے الہامات کو شایع کر رہے ہیں اور انکا سلسلہ روز بروز ترقی کرتا چلا جاتا ہے حالانکہ مفتری کے متعلق اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اسکو مخذول و مردود کرتا اور ہلاک کر دیتا ہے۔ اب جب ۲۷ کی بجائے ۲۸ سال اس دعوے پر گذر گئے تو اب یہ دلیل کیوں اسی مدعا کو ثابت نہیں کرتی۔ پھر یہ دلیل کہ قرآن شریف اور حدیث کی رو سے ماہ رمضان میں سورج اور چاند کا گرہن مقررہ تاریخوں پر مہدی کے ظہور کا نشان ہے۔ اب کیونکر اس پہلے مدعا کو ثابت کرنے سے قاصر ہے۔ ایسا ہی وہ ان تمام

دلایل کو پڑھکر جو پہلے دیکھا ہے اب انکا باطل ہونا ثابت کرے تو ہم بھی مان لیں گے کہ واقعی جیسا وہ دعویٰ کرتا ہے اسکا مرزا صاحب کے سلسلہ سے مرتد ہونا نیک نیتی پر مبنی ہے ورنہ یہی کہنا پڑیگا کہ تفسیر اور ترجمہ کے بیچنے کے لئے یہ بھی ڈاکٹر صاحب نے ایک چال چلی ہے ایسا ہی جبتک وہ یہ ثابت نہ کرے کہ کیوں وہ اعتراضات جنکا اسے پہلے سے علم ہے آجتک اس مدعا کو ثابت نہ کرتے تھے جس کے ثبوت میں آج وہ انہیں پیش کرتا ہے تو لازماً ہمیں یہ ماننا پڑیگا کہ اسکی پہلی تحریریں بھی نفاق پر مبنی تھیں اور دل میں کچھ اور تھا اور لکھ کچھ اور رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ یقین کرنیکے وجوہات بھی ہونگی کہ یہی حالت اس کی ان تحریروں کی ہے جو وہ اسلام کی تائید میں لکھ رہا ہے۔ یعنی وہ بھی کسی ذاتی غرض پر مبنی ہیں۔

مَیں اسقدر لکھ چکا تھا کہ اخبار وطن ۵۔ جولائی ۱۹۰۶ء میں مَیں نے بقیہ خط ڈاکٹر عبد الحکیم کا پڑھا۔ اسکو پڑھکر مَیں حیران ہوں کہ یہ شخص تو جوش مخالفت میں اندھا ہو ہی رہا تھا۔ اسکی خط وکتابت کو چھاپنے والے بھی اندھے ہو رہے ہیں۔ پھر وہی باتیں پیش کی ہیں جو آج سے پندرہ برس پہلے کی ہیں۔ مگر اس شخص کو ذرہ بھی شرم نہیں آتی کہ ابھی چار ماہ پیشتر تک تو وہ امام اور رسول اور مسیح لکھ رہا تھا۔ اب کس بیحیائی سے اسی پُرانے علم کی بنیاد پر اسقدر گندی گالیاں لکھ رہا ہے۔ لوگونکو دھوکا دینے کیلیے بار بار لکھتا ہے کہ کیا نبی ایسے ہی بدعہد اور شکم پرور تھے۔ اور یہ نہیں سوچتا کہ یہی باتیں انبیاء کے منکرین انکی متعلق کہتے ہیں کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے جیسے مجذوم للقلب پادریوں نے معاذ اللہ نفس پرست شہوت پرست۔ زانی۔ لٹیرا ڈاکو نہیں کہا؟ اور پھر اقرار حلفی دیتا ہے کہ ان الزامات کو اگر رد کیا جائے تو وہ پانچسو روپیہ دیگا کیا تمہارے اقرار ونکا اب بھی کوئی اعتبار باقی رہ گیا ہی؟ یا تمنے عیسائیونکو قائل کردیا ہے کہ جو الزام وہ آنحضرتؐ پر لگاتے ہیں وہ درست نہیں ہیں یا عیسائیوں نے یہودیوں کو قائل کردیا ہے کہ جو الزام وہ حضرت عیسٰیؑ پر لگاتے ہیں وہ درست نہیں ہیں؟ پھر لکھتا ہے کہ ۳۱۳ ناموں والی فہرست صحیح نہ تھی لیکن مَیں پوچھتا ہوں کہ اگر صحیح نہ تھی تو تم نے خود کیوں اسکو اپنی انگریزی ترجمہ قرآن شریف میں بطور صداقت مسیح موعود لکھا؟ کیا تم ایمانداری سے کہہ سکتے ہو کہ پہلے علم کی نسبت آج تمکو کوئی زیادہ علم حاصل ہوگیا ہی جسکو تم یقینی طور پر صحیح کہہ سکتے ہو اگر نہیں تو ان سب باتوں کا جواب لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہے۔ پھر لکھتا ہی کہ مرزا صاحب تو گالیاں نکالتے ہیں کیا ہم انکی پیروی کرکے لوگوں کو گالیاں نکالیں۔ اگر یہ گالیاں ہیں تو پھر تم کل کو قرآن شریف کو بھی جواب دوگے۔ اور اس "فحش گوئی" کے باوجود تم آجتک کیوں مرید رہے۔ کیا تم نے آج ہی حضرت مرزا صاحب کی کتابونکو پڑھا ہے؟۔ کیا مرزا صاحب تمکو کہتے ہیں کہ تم لوگوں کو گالیاں نکالا کرو۔ اور اگر مرزا صاحب کی تحریروں کی ورق گردانی کرکے جہاں کوئی سخت الفاظ استعمال ہوئے ہیں انکو اکٹھے کرکے تم انکی تعلیم بناتے ہو تو قرآن شریف سے بھی ایسے سخت الفاظ اکٹھے ہوسکتے ہیں۔ قردۃ۔ خنازیر۔ عبد الطاغوت۔ اخوان الشیاطین۔ انعام۔ حمار۔ علیہم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین۔ ضال۔ مغضوب۔ مہین۔ عتل۔ زنیم۔ مگر یاد رکھو کہ ان باتوں سے تم سلسلہ احمدیہ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے نہ ہی آجتک تمہارے جیسے معترضوں نے

جاپان میں اسلام

۳-جولائی ۱۹۰۶ء کے سول میں جولنڈن کے نامہ نگار کی چٹھی چھپی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپان کی رائے کا رجحان مذہب اسلام کو اختیار کرنیکا ہے۔ راقم خط لکھتا ہے "ایک جرمن کے اخبار میں یہ مضمون چھپا ہے کہ وہ مذہبی کانفرنس جو شاہ جاپان نے منعقد کی ہے اسلام کے جاپان کا شاہی مذہب بنایا جانیکی سفارش کریگی۔ انگریزی اخباروں میں اسکے متعلق ابھی کوئی رائے زنی نہیں ہوئی لیکن عام خیال اس ملک میں یہ ہے کہ خواہ کانفرنس کسی مذہب کے اختیار کرنیکی سفارش کرے بہرحال شاہ جاپان اور اسکے مشیروں کے ارادے پر اسوقت کوئی بحث کرنا قبل از وقت ہے جرمن اخبار محولہ بالا کا یہ بیان ہے کہ جاپانی حکومت اپنے دل میں یہ فیصلہ کرچکی ہے کہ آنحضرتؐ کا مذہب قبول کرنیسے اسے ملکی فوائد بھی بہت سے پہنچیں گے۔ جاپان ایشیا میں ملکی طور پر جن آرزوؤں کے حاصل کرنیکا خیال رکھتا ہے انکو وہ اسلام کے ساتھ تعلق پیدا کرکے آسانی سے حاصل کرسکتا ہے اور جاپان کے مسلمان ہونے سے اسلام میں ایک نئی روح پیدا ہوجائیگی لیکن ان خیالات پر غالباً "زرد خطرہ" کا قابوس دباؤ ڈال رہا ہے۔ اور محض ملکی وجوہات سے جاپان کے مذہب اسلام اختیار کرنیکا جو وہ یقین ظاہر کرتا ہے وہ چنداں قابل اعتبار نہیں۔ جاپانی گورنمنٹ کے سامنے یہ سوال کہ کسی مذہب کو ملک کا شاہی مذہب بنا کر اختیار کیا جاوے مدت دراز سے ہے لیکن اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ اس کے متعلق گورنمنٹ اسقدر جلدی فیصلہ کرنیکو تیار ہے۔ ایک وقت میں یہ خیال تھا کہ جاپان مغربی طریق کی پیروی کو مغربی مذہب یعنی عیسویت اختیار کرکے کامل طور پر اپنے اندر لے لیگا۔ لیکن آج سے چند سال پہلے اگر اس کی کچھ امید بھی تھی تو جنگ روس و جاپان نے اس امید کو قطع کر دیا ہے اور بحیثیت ایک غیر عیسائی طاقت ہونیکے جو کارنامے جاپان نے میدان جنگ اور ملکی تدابیر میں دکھائے ہیں انکی وجہ سے یہ خیال کہ جاپان عیسائی مذہب کو اختیار کرے باقی نہیں رہا۔ عیسائی پادریوں کو اب نہ تو کوئی امید ہی باقی ہے اور نہ انکے دل میں یہ خواہش ہی رہ گئی ہے کہ جاپان عیسائیت کو شاہی مذہب بنالے (کیونکہ وہ اس سے بالکل مایوس ہوچکے ہیں) تاہم انکو طبعاً سخت صدمہ پہنچیگا اگر جاپان کے مذہب اسلام اختیار کرنے کی نسبت یہ بیان صحیح ثابت ہوا۔"

عیسائیوں کو صدمہ پہنچے یا کچھ ہو اسلام کے غالب ہونیکا وقت آگیا ہے اور نہ صرف جاپانی بلکہ خود یورپ اور امریکہ کے سمجھدار لوگ عنقریب دیکھ لیں گے۔ کہ صداقت سوائے اسلام کے کہیں نہیں۔ اور وہ دن آتا ہے جو یورپ اور امریکہ کے صلیب پرست شہروں میں اللہ اکبر کی آواز بلند ہو۔

فہرست خریدار دہندگان انگریزی بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء

منشی میر اکبر صاحب مردان ۔ا۔ شیخ غلام احمد صاحب دھرمکوٹی بھوپال ۔ا۔ منشی صادق حسین صاحب مختار اٹاوہ ۔ا۔ شیخ مظفر الدین صاحب کوہاٹ ۔ا۔ مرزا محمد احسن بیگ صاحب قادیان دارالامان ۔ا۔ مرزا خدا بخش صاحب ۔ا۔ حافظ عبد العلی صاحب بی۔ اے۔ سرگودہا ۔ا۔ بابو محمد منظور الٰہی صاحب بھٹنڈہ ۔ا۔ میاں الٰہی بخش صاحب جمعدار کوٹ لکھلانا ۔ا۔

فہرست خریدار دہندگان اردو بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء

بابو محمد منظور الٰہی صاحب بھٹنڈہ ۔۹۔ منشی غلام نبی صاحب مدرس بہلوال ۔۳۔ شیخ محمد یوسف صاحب انبالہ ۔۳۔ چودھری رستم علی صاحب شہر انبالہ ۔۳۔ منشی میر اکبر صاحب مردان ۔۳۔ منشی عطا محمد صاحب خانپور ۔۲۔ منشی عطا محمد صاحب تراب احمدی چودھریوالہ ۔۲۔ مولوی ابو محمد عبد اللہ صاحب کھیوہ باجوہ ۔۲۔ بابو فیروز علی صاحب گجرال ۔۲۔ ملک غلام احمد صاحب دوکاندار بندہ پور ۔۲۔ ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر ۔۲۔ میاں عبد الوہاب صاحب حسن پور ۔۲۔ ڈاکٹر نعمت خانصاحب پشاور ۔۲۔ مولوی غلام امام صاحب عزیز الواعظین منی پور ۔۲۔ منشی حبیب الرحمٰن صاحب رئیس حاجی پور ۔ا۔ منشی نبی بخش صاحب سررشتہ دار لاہور ۔ا۔ بابو عمر الدین صاحب شملہ ۔ا۔ بابو غلام دستگیر صاحب لاہور ۔ا۔ شیخ محمد رمضان و محمد سلطان از لودھراں ۔ا۔ میاں عبد اللہ صاحب تیماپور ۔ا۔ بابو غلام حسن صاحب سیانکہ ہل ۔ا۔ شیخ مظفر الدین صاحب کوہاٹ ۔ا۔ مستری حسن دین صاحب راولپنڈی ۔ا۔ میاں عبد الرحیم صاحب کنسٹبل فرخ آباد ۔ا۔ شادیخاں صاحب قادیان ۔ا۔ محمد سلطان صاحب پشاور ۔ا۔ شیخ علی بخش صاحب تنڈپور ۔ا۔ شیخ محمد امین صاحب لاہور ۔ا۔ مولوی عبد الحق صاحب سیدوالہ ۔ا۔ پیر سراج الحق صاحب سرساوہ ۔ا۔ منشی حامد حسن خانصاحب میرٹھ ۔ا۔ منشی پیر محمد صاحب پارہ چنار ۔ا۔ منشی ہاشم علی صاحب سردولگڈھ ۔ا۔ منشی فتح محمد صاحب رام بن ۔ا۔ منشی علی احمد صاحب لکی ۔ا۔ چودھری شجادل خانصاحب جگراؤں ۔ا۔ محمد عبد اللہ صاحب بھینی ۔ا۔ منشی احمد علی صاحب کیمپ کہکہ ۔ا۔

فہرست چندہ اعانت دہندگان بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء

جماعت سیالکوٹ معرفت ماسٹر غلام محمد صاحب ۔ جماعت لاہور معرفت حکیم محمد حسین صاحب قریشی۔ لہ ۳۱؍ ۱۵ ار ۶ پائی ماہوار۔ میاں عطا محمد صاحب حکیم بریسیاں ضلع جالندھر۔ عہ ۲۵۔ جماعت لدھیانہ معرفت قاضی خواجہ علی صاحب ۔ عہ ۱۶۔ چودھری رستم علی صاحب انبالہ عہ ۱۰۔ شیخ محمد وزیر الدین خانصاحب گوجر خان ۔ عہ ۔ شیخ نور احمد صاحب ایبٹ آباد ۱۲۔ جماعت پٹیالہ معرفت حافظ نور محمد صاحب ۱۳؍ ۸۔ میاں عبد العزیز صاحب لاہور ۔ لعہ ۔ میاں احمد الدین صاحب کمپونڈر تربت حیدری۔ ۔ مرزا سلطان احمد صاحب افسر مال میانوالی ۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب پنڈی گھیپ۔ معہ۔ والدہ چودھری نواب خانصاحب سفید پوش سکنہ بہرام ۔ ۔ منشی عبد الوحید صاحب سنصرم خیار تھل۔ صمہ۔ شیخ اسد دین صاحب شملہ ۔ مرزا عبد العزیز بیگ صاحب قصور ۔ منشی دین محمد صاحب روپڑ ۔ منشی محمد رمضان صاحب انبالہ ۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق صاحب ہانگ کانگ ۔ سید احمد شاہ صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خان ۔ قاضی حسین بخش صاحب زیرہ ۔ جماعت بن باجوہ معرفت مولوی محمد علی صاحب مدرس ۔ چودھری جلال الدین صاحب بی۔ اے گوجر خان حسب تحریک منشی گلاب خاں صاحب راولپنڈی

پیر خان صاحب معرفت بشیر الدین احمد صاحب حیدر آباد سندھ للعہ ر جماعت کھاریاں معرفت منشی دلیداد صاحب للعہ ر بابو محمد علی صاحب ڈسٹرکٹ دفعدار چھاؤنی انبالہ سے ر بابو غلام محی الدین صاحب میرٹھ سے ر منشی عبد الحق صاحب پسروری معرفت خواجہ کمال الدین صاحب لاہور سے ر میاں جلیل احمد خانصاحب ٹھاٹون ۔ عگار میاں احمد بخش صاحب کوٹ بختو ۔ عگار میاں اللہ دتا صاحب انبالہ ۔ عگار میاں حیدر حسن صاحب انبالہ ۔ عگار بابو عبد الرحمٰن صاحب انبالہ ۔ عگار منشی عبد الحی صاحب کوٹ رامچند ۔ عگار مولوی عبد القادر صاحب نور والہ ۔ عہ ر مولوی عمر الدین صاحب شملہ ۔ عہ ر جماعت کریام معرفت چودھری غلام احمد صاحب ۔ عہ ر مولوی محمد فضل الرحمٰن صاحب ہیلاں ضلع گجرات عہ ر میاں احمد کشمیری احمدی دھرم کوٹ رندھاوا ۔ عہ ر شیخ عبد العزیز صاحب موضع بلاں والہ ڈاکخانہ ہیلاں ۔ عہ ر بابو عبد الرحمٰن پورٹ فلا ریش ۔ عہ ر میاں احمد علی صاحب بھاگلپور ۔ عہ ر میاں مولا بخش صاحب خسیع کالنشیبل عہ ر شیخ میراں صاحب انبالہ ۔ ۹ ر جماعت انبالہ معرفت چودھری رستم علی صاحب ۔ ۹ ر میاں عبد القادر صاحب بھاگلپور ۔ ۸ ر سید اسد شاہ صاحب پنڈی گھیپ ۔ ۸ ر جماعت قصور معرفت مرزا محمد افضل بیگ صاحب ۔ ۸ ر میاں جھنڈے خانصاحب چاہ نہاری ۸ ر منشی عبد الغنی صاحب پٹیالہ ۔ ۴ ر

فہرست خریداردہندگان انگریزی بابت ماہ مئی ۱۹۰۶ء

منشی عبد الماجد صاحب ۔ ۱ ۔ ماسٹر غلام حسین صاحب ڈیرہ غازیخاں ۔ ۱ ۔ منشی پیر محمد صاحب معلم مدرسہ پارہ چنار ۔ ۱ ۔ چودھری رستم علی صاحب انبالہ ۔ ۱ ۔ ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر ۔ ۱ ۔

فہرست خریداردہندگان اردو بابت ماہ مئی ۱۹۰۶ء

مولوی عبد الرحمٰن صاحب موضع یاڑیپو ۔ ۲ ۔ چودھری رستم علی صاحب انبالہ ۔ ۲ ۔ قاضی محمد یوسف صاحب طالب علم پشاور ۔ ۲ ۔ مولوی محمد عبد اللہ صاحب کھیوہ باجوہ ۔ ۲ ۔ سردار محمد عجب خانصاحب تحصیلدار میرام شاہ ٹوچی ۔ ۲ ۔ قاضی برکات النبی صاحب سانبھر ۔ ۱ ۔ منشی مولا بخش صاحب لاہور ۔ ۱ ۔ مولوی محمد یحیٰی صاحب دیگراں ۔ ۱ ۔ مولوی یار محمد صاحب مدرس قادیان ۔ ۱ ۔ مولوی علم الدین صاحب لاہور ۔ ۱ ۔ منشی ہاشم علی صاحب سنڈالگڈھ ۔ ۱ ۔ مستری مولا بخش صاحب پل کنتھاں ۔ ۱ ۔ ابو الفتح محمد عبد القادر صاحب دلی چک ۔ ۱ ۔ بابو محمد منظور الٰہی صاحب بٹھنڈہ ۔ ۱ ۔ منشی محمد حسین صاحب لاہور ۔ ۱ ۔ ڈاکٹر رحمت خان صاحب پشاور ۔ ۱ ۔ منشی نواب الدین صاحب پسرور ۔ ۱ ۔ میاں محبوب عالم صاحب لاہور ۔ ۱ ۔ حافظ غلام رسول صاحب سوداگر وزیر آباد ۔ ۱ ۔ مولا بخش صاحب احمدی ڈویزنل کورٹ امرتسر ۔ ۱ ۔ میاں عبد اللہ صاحب تیماپور ۔ ۱ ۔ منشی جمال الدین صاحب ملتان ۔ ۱ ۔ منشی غلام محی الدین صاحب جہلم ۔ ۱ ۔

فہرست چندہ اعانت دہندگان بابت ماہ مئی ۱۹۰۶ء

جماعت جموں معرفت خلیفہ نور الدین صاحب ۔ للعہ ۸۰ میاں نذیر الدین صاحب بھاموں ۵۰ منشی غلام محمد صاحب خیر پور ۲۷ جماعت پسرور معرفت مولوی محمد علی شاہ صاحب پسرور ۲۵ میاں عبد الرحیم صاحب ملازم ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر ۱۵ جماعت لاہور معرفت حکیم محمد حسین صاحب قریشی ۱۰ منشی کرم الٰہی صاحب بٹھنڈہ ۱۳/۸ بابو عبد الرحمٰن صاحب کلکتہ ۱۰ چودھری مولا بخش صاحب رئیس گورالی ۱۰ منشی محمد حسین صاحب کلکتہ ۱۰ سیٹھ موسیٰ صاحب منی پور ۱۰ چودھری رستم علی صاحب انبالہ سے جماعت قصور معرفت مرزا محمد افضل بیگ صاحب سے منشی غلام رسول صاحب گھارانہ ضلع فیروز پور للعہ ر منشی جلیل احمد صاحب ٹھاٹون سے جماعت سڑوعہ ضلع ہوشیار پور سے ڈاکٹر بشارت احمد صاحب پنڈی گھیپ سے میاں کرم بخش صاحب خیاط جہلم سے ر میاں محمد ابراہیم صاحب کرانچی سے ر منشی عبد المجید صاحب پورب سرائے صہ ر قاضی غلام حسین صاحب حصار للعہ ۸ مرزا سلطان احمد صاحب حال رخصتی قادیان دار الامان صہ ر مولوی محمد صدیق صاحب بھیرہ للعہ ۸ میاں سراج الدین صاحب سٹوال للعہ

کوہاٹ ۱۲ ر سید اسد اللہ شاہ صاحب پنڈی گھیپ ۸ ر

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ❖ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ | بابت ماہ اگست ۱۹۰۶ء | نمبر ۸

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰- اگست ۱۹۰۶ء کو مینیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عہ

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۳۰- جولائی سنہ ۱۹۰۶ء- فرمایا- آج مجھے ایک الہام ہوا- اُسکے پورے الفاظ یاد نہیں رہے اور جسقدر یاد رہا وہ یقینی ہے مگر معلوم نہیں کس کے حق میں ہے لیکن خطرناک ہے اور وہ یہ ہے ایک دم میں دم رخصت ہوا- یہ الہام ایک موزون عبارت میں ہے مگر ایک لفظ درمیان میں سے بھول گیا ہے- یکم اگست سنہ ۱۹۰۶ء دیکھا کہ زلزلہ آیا ہے پھر الہام ہوا (۱) انی احافظ کل من فی الدار- ترجمہ- مَیں حفاظت کرنیوالا ہوں اُن سب کی جو اس گھر میں ہیں (۲) اردت ان استخلف فخلقت ادم- ترجمہ- مَینے چاہا کہ خلیفہ بناؤں پس مینے آدم کو پیدا کیا- ۵- اگست سنہ ۱۹۰۶ء- دن کے وقت یکدفعہ نصف حصہ سفل بدن کا حرکت سے معطل ہوگیا اور ایک قدم اُٹھانا مشکل تھا اور سخت درد ہوتا تھا خیال گذرا کہ یہ فالج کی قسم نہ ہو- تب دعا کی گئی تو الہام ہوا- (۱) ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر (۲) ان اللہ لایخزی المؤمنین- ترجمہ (۱) خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے (۲) خدا مومنوں کو رسوا نہیں کرتا- اور ابھی صبح نہیں ہوئی تھی کہ خارق عادت طور پر صحت کلی ہوگئی- فالحمد للہ علی ذالک- ۱۲- اگست سنہ ۱۹۰۶ء اور اس سے ماقبل دو چار روز کے الہامات یہ ہیں- (۱) دیکھ میں آسمان سے تیرے لیے برساؤنگا اور زمین سے نکالوں گا پر وہ جو تیرے مخالف ہیں پکڑے جائیں گے (۲) صحن میں ندیاں چلیں گی اور سخت زلزلے آئیں گے- (۳) ویلٌ لکل ھمزۃ لمزۃ- ترجمہ ہر ایک چغل خور عیب گیر پر سخت لعنت ہے- (۴) ساکرمک اکراماً عجباً- والقی بہ الرعب العظیم ترجمہ- میں تجھے ایک عجیب طور پر عزت دونگا اور اُسکے ساتھ دنیا پر بڑا رُعب ڈالونگا- (۵) یأتون من کل فج عمیق یاتیک من کل فج عمیق- ترجمہ- لوگ دور دراز سے تیرے پاس آئیں گے اور دور دور سے ہدیے آئیں گے-

تعلیم الاسلام- اس ماہوار رسالہ کا پہلا نمبر ۳۱- جولائی گذشتہ کو شائع ہوگیا ہے- جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے انشاء اللہ رسالہ کے ذریعہ نہ صرف حضرت مولوی نور الدین صاحب کے درس قرآن کے نوٹ ہی شائقین کو پہنچائے جائیں گے بلکہ تھوڑی دیر میں یہ انشاء اللہ ایک مکمل تفسیر بنجائیگی- درخواستیں بنام ہیڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام نمونہ بھی ایسے مل سکتا ہے مگر رسالہ بدون پیشگی وصول قیمت کسی صاحب کے نام کسی صورت میں جاری نہ ہوگا یا پہلا پرچہ بذریعہ وی پی طلب کریں-

رسالہ ہذا کے وی پی خریداران کے نام جاری ہورہے ہیں قبل از وقت بذریعہ کارڈ ونکے یاد دہانی بھی کیجاتی ہے- مگر پھر بھی بعض احباب وقت پر تصفیہ نہیں کرتے اور اطلاع نہیں دیتے بلکہ وی پی انکاری کرکے دفتر کو نقصان کا زیر بار کرتے ہیں- ایسے صاحبوں کو جو بلاوجہ وی پی انکاری کریں وہ رسالہ پھر کسی صورت میں نہ دیا جائیگا- خریدار مطلع رہیں

مینیجر ریویو

Facsimile of the Prophet's letter to the King of Egypt.

By permission of the Editor of the "Journal of the Moslem Institute."

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احادیث کی صداقت پر بے نظیر شہادت

اس مضمون میں احادیث سے میری مراد ایسی احادیث ہوں گی جن کو محدثین نے بڑی محنت اور جانفشانی کے بعد موضوع اور غلط روایات سے الگ کیا ہے اور ان کے راویوں کے صدق اور عدل اور حفظ وغیرہ ضروری لوازمات کو اچھی طرح دیکھ لیا ہے یا ان احادیث کی صداقت کسی اور طرح پر ظاہر ہو گئی ہے جیسا کہ میں آگے چل کر بیان کرونگا۔ اور ضروری ہے کہ ایسی احادیث قرآن کریم کے کسی طرح مخالف نہ ہوں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس زمانہ میں نہ صرف بیرونی طور پر ہی احادیث پر یہ جھوٹا الزام لگایا گیا ہے کہ وہ پایۂ اعتبار سے گری ہوئی ہیں جیسے مثلاً میور وغیرہ دوسرے عیسائی لوگوں نے یا اور مخالفین نے بلکہ اسلام کے اندر بھی بعض فرقے ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو احادیث سے بالکل منکر ہیں۔ اس مضمون میں میں دو طرح کی شہادت احادیث کی صداقت پر ایسی پیش کرونگا جسکو سخت سے سخت معاند بھی رد نہیں کر سکتا اور جو بوجہ مضبوط تاریخی شہادت ہونے کے ایسی قطعی اور یقینی شہادت ہے جس کی نظیر ہمیں کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی۔ اور یہ فخر اسلام کو ہی حاصل ہے کہ اس کی پاک کتاب قرآن کریم کے محفوظ ہونیکو تو میور جیسے دشمنوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مگر اس کی صحیح احادیث کا ذخیرہ بھی ایسا محفوظ ہے کہ عیسائیوں کی وہ کتابیں جن کو وہ الہامی کہتے ہیں تاریخی طور پر اپنی صداقت کا وہ ثبوت بلکہ اس ثبوت کا عشر عشیر بھی نہیں رکھتیں جو احادیث میں پایا جاتا ہے۔ اسی ثبوت کے دو عجیب اور نئے پہلو میں پیش کرونگا جو اس سے پہلے پیش نہیں کیے گئے ہیں۔

ان میں سے پہلا ثبوت وہ ہے جو اس رسالہ کے ورق اول سے ملتا ہے جس پر ایک پرانے خط کا فوٹو چھپا ہوا ہے۔ یہ خط وہ ہے جو حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقوقس شاہ مصر کو لکھا تھا۔ اور ایسے ہی چند اور خطوط دوسرے بادشاہوں کو بھی لکھے گئے تھے۔ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

صلح حدیبیہ کے بعد ۷ھ ہجری کے اخیر میں واپس آئے۔ تو اس وقت آپ نے بہت سے گرد و نواح کے بادشاہوں کو اسلام قبول کرنیکے لیے دعوتی خطوط لکھے اور یہ خطوط صحابہؓ لیکر ان بادشاہوں کے پاس گئے چنانچہ معتبر احادیث میں ان خطوط کا ذکر پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض خطوط کا ذکر صحیح بخاری و صحیح مُسلم میں اور دیگر کتب احادیث میں پایا جاتا ہے۔ مقوقس شاہ مصر کو جو خط لکھا گیا تھا اس کا مفصل ذکر مواہب لدنیہ اور دیگر سیرت کی کتابوں میں موجود ہے بلکہ اصل عبارت بھی محفوظ ہے۔ مواہب لدنیہ میں مندرجہ ذیل ذکر اس خط کے بھیجنے کا اسی جگہ موجود ہے جہاں دوسرے بادشاہوں کو خط لکھے جانیکا ذکر ہے وکتب صلی الله علیه وسلم الی المقوقس ملك مصر و الاسکندریة واسمه جریج ابن مینا۔ بسم الله الرحمٰن الرحیم من محمد عبد الله ورسوله الی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الهدیٰ اما بعد فانی ادعوك بدعایة الاسلام اسلم تسلم یوتك الله اجرك مرتین فان تولیت فعلیك اثم القبط یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔ وبعث به مع حاطب بن ابی بلتعة فتوجه الیه الی مصر بالاسکندریة .... فلما جیٔ به الیه و وقف بین یدیه ونظر فی الکتاب فضه وقرأه وقال لحاطب ما کان له ان کان نبیا ان یدعو علی فیسلط علی فقال له حاطب وما منع عیسیٰ ان یدعو علی من خالفه ان یسلط علیه فاستعاد منه الکلام مرتین ثم سکت فقال له حاطب انه قد کان قبلك رجل یزعم انه الرب الاعلیٰ فاخذه الله نکال الاخرة والاولی فانتقم به ثم انتقم منه فاعتبر بغیرك ولا یعتبر غیرك بك .... ولعمری ما بشارة موسیٰ بعیسیٰ الا کبشارة عیسیٰ بمحمد صلی الله علیه وسلم وما دعاؤنا ایاك الی القرآن الا کدعائك اهل التوریة الی الانجیل...... فقال المقوقس انی قد نظرت فی امر هذا النبی فوجدته لا یامر بمزهود فیه ولا ینهی عن مرغوب فیه ولم اجده بالساحر الضال ولا الکاهن الکاذب و وجدت معه اٰلة النبوة..... واخذ کتاب النبی صلی الله علیه وسلم فجعله فی حق من عاج ودفعه لجاریة له۔ اسی روایت کو ابن تیمیہ نے بھی اپنی کتاب الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح میں بیان کیا ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط بنام مقوقس لیکر اس کے پاس اسکندریہ میں پہنچا۔ اور نہ صرف خط ہی اسکو پہنچایا بلکہ تبلیغ بھی کی اور جب بادشاہ نے یہ اعتراض کیا کہ اگر آنحضرتؐ خدا کے نبی ہیں تو وہ کیوں

دعا کو کے مجھ پر مسلط نہیں ہو جاتے تو حاطب رضؓ نے ایسا معقول جواب دیا جس سے بادشاہ شرمندہ ہو گیا۔ یعنی یہ
اگر سنت اللہ انبیاء کے متعلق یہی ہوا کرتی ہے کہ وہ بجائے دین حق کی طرف دعوت کرنیکے مخالفین پر بددعا کر کے
انکو مغلوب کر لیا کریں تو حضرت عیسیٰؑ نے کیوں ایسا نہ کیا۔ افسوس ہے کہ آجکل بھی لوگ بے سمجھی سے ایسے اعتراض
نبوت پر کرتے ہیں جو صاف بتاتے ہیں کہ یہ لوگ سنت اللہ سے ناواقف ہیں۔ خدا کی سنت اپنے انبیاءؑ کے متعلق
ہمیشہ ایک ہی ہے اور اسی سنت کے مطابق نبی کی نبوت کو دیکھنا چاہیئے نہ اپنے تجویز کیے ہوئے اصول سے۔ یہ بھی
معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کو مقوقس نے نہایت حفاظت سے ڈبیہ میں بند کیا اور ایک لونڈی کے سپرد کیا اور دوسری
روایت میں ہے کہ مُہر لگا کر اپنے خزانچی کے سپرد کیا۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ ان تمام خطوط میں سے جو مختلف بادشاہوں کے نام لکھے گئے تھے مقوقس والے خط کا
خاص طور پر حفاظت سے رکھا جانا صحیح روایت سے ثابت ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ بعض دوسرے خطوط بھی محفوظ رکھے
گئے ہونگے مگر جس تصریح سے اس خط کے محفوظ رکھے جانیکا ذکر ہے دوسرے کسی خط کا جو بڑے بڑے بادشاہوں کے
نام لکھے گئے تھے ایسا ذکر نہیں ہے۔ دوسرے خطوط میں سے جو خط کسریٰ کے نام تھا وہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے قاصد کے روبرو ہی پھاڑ کر پھینک دیا تھا جس پر آنحضرتؐ نے بددعا کی کہ مزق ملکہ یعنی اے خدا اسکو ملک کے
ٹکڑے ٹکڑے کر دے چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں اس کا یہی انجام ہوا۔ قیصر روم کے نام جو خط تھا۔ وہ دربار شاہی میں
بڑی عزت سے پڑھا گیا۔ اور پہلے قیصر نے اپنے تمام امراء اور کلیسیا کے بڑے بڑے عہدہ داروں کو بلا کر یہ سمجھایا بھی
کہ ہمیں اس نبی کا دین قبول کرنا چاہیئے کیونکہ اس نے جان لیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں۔ مگر جب
انکی وحشت اور نفرت کو لا علاج دیکھا تو آخر بادشاہت کے لحاظ سے اُسے دبنا پڑا اور ان کی وحشت دور کرنیکو
یہ بہانہ کر دیا کہ مینے اس لیے اس بات کو پیش کیا تھا کہ تا دیکھوں کہ تمھاری ثابت قدمی اپنے دین پر کسقدر ہے۔
ایسا ہی شاہ حبش اور دوسرے بعض عرب کے گرد و نواح بادشاہوں کو خطوط لکھے گئے جن میں سے اکثر نے آنحضرتؐ
کے خطوط کی عزت کی۔ ان خطوط میں سے جو مقوقس کے نام کا خط ہے کچھ عرصہ ہوا مل گیا ہے۔ گویا اس کی خاص
حفاظت کی یہی حکمت تھی۔ غرضکہ یہ خط ۱۸۵۸ء میں مصر کی ایک خانقاہ میں جو عیسائیوں کی ہے۔ بعض
فرانسیسی سیاحوں کو ملگیا۔ اور اب اصل خط قسطنطنیہ میں محفوظ ہے۔ اور بڑے بڑے عیسائی محققین نے اسے
اصلی قرار دیا ہے۔ منجملہ ان کے ڈاکٹر بیجر ہے۔ اور خود اس کے اصلی ہونیکی یہ کچھ کم شہادت نہیں کہ وہ عیسائی خانقاہ
میں عیسائیوں کے ہی ہاتھ لگا۔ اب ہم اس اصلی خط کی عبارت کا اس عبارت سے مقابلہ کرتے ہیں جو احادیث
میں موجود ہے۔ تا یہ معلوم ہو کہ احادیث نے اصل واقعات اور اصل الفاظ کو کہاں تک محفوظ رکھا ہے۔ اس غرض
کے لیے دو کالموں میں یہ دونوں عبارتیں درج کی جاتی ہیں تا ناظرین آسانی سے مقابلہ کر سکیں دائیں طرف کے

کالم میں اصل خط کی عبارت کی نقل ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر بیجر نے اسے پرانی رسم الخط سے نئی رسم الخط میں دکھایا ہے اور بائیں کالم میں حدیث کے الفاظ ہیں جو مواہب لدنیہ کی روایت سے لیے گئے ہیں جس کا حوالہ اوپر بھی دیا گیا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد عبداللہ ورسولہ الی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الھدٰی اما بعد فانی ادعوک بداعیۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم القبط یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد عبداللہ ورسولہ الی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الھدٰی اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم القبط یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔

اللہ رسول محمد

نوٹ۔ معتبر احادیث میں اس نقش کی مُہر کے بنوائے جانے اور تمام خطوط پر جو بادشاہوں کو بھیجے گئے تھے لگائے جانے کی خبر صحیح موجود ہے۔

اب مذکورہ بالا عبارتوں کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ان میں مطلق کوئی فرق نہیں سوائے لفظ داعیہ اور دعایہ کے جن کا مفہوم واحد ہے۔ اور جہاں تک اصل خط کو دیکھا جاتا ہے۔ داعیہ پڑھنے والے کی غلطی معلوم ہوتی ہے اور خط میں اصل لفظ دعایۃ ہی معلوم ہوتا ہے بہرحال اگر اس فرق کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہ کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت روایت اور اصل خط میں ایک حیرت انگیز لفظی مطابقت پائی جاتی ہے اور راویوں نے یہاں تک بھی تصرف نہیں کیا کہ اسی مفہوم کو دوسرے لفظوں میں ادا کر دیا ہو۔

اس خط کے دریافت ہونے سے کئی باتیں وضاحت سے ثابت ہوتی ہیں سب سے اول تو ان تمام احادیث کی صداقت پر مُہر لگ گئی جن میں بادشاہوں کے نام خطوط لکھے جانے کا ذکر ہے پھر یہ بھی یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جو تفصیلات ان احادیث میں آنحضرتؐ کے قاصدوں اور خطوں کے ساتھ سلوک کے متعلق درج ہیں وہ بھی سب بالکل درست اور صحیح ہیں کیونکہ جب ایک خط کی تفصیلات منجملہ جن کے اس کا حفاظت سے

رکھے جانا بھی ہے اسقدر صفائی سے ثابت ہوگئیں تو دوسری تفصیلات پر بھی جن کو معتبر احادیث میں بیان کیا گیا ہے کوئی جرح نہیں ہوسکتی۔ مگر سب سے زیادہ حیرت انگیز امر خط کی عبارت کا حدیث کی عبارت سے ملنا ہے۔ ایسی مطابقت کہ ایک لفظ کا بھی فرق نہیں ہے۔ کیا یہ جائے تعجب نہیں کہ ایک خاصے لمبے خط کی عبارت کو نقل کرنے میں ایک لفظ کا بھی فرق نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی اصل الفاظ کے پہنچانے میں کس قدر محتاط تھے۔ پس جب انہوں نے ایک خط کے الفاظ کو ایسی محنت سے روایت اور نقل کیا تو ان الفاظ کے متعلق جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مونہہ سے نکلتے سنتے تھے کیوں اور بھی زیادہ محتاط نہ ہونگے۔ اسی کی تائید میں مَیں یہ بھی بیان کرنا چاہتا ہوں کہ حدیث صحیح میں ایک اور خط کی عبارت بھی محفوظ ہے۔ جو ہرقل کے نام لکھا گیا تھا۔ اور اس حدیث کو امام بخاری علیہ السلام نے بیان کیا ہے۔ چونکہ ہرقل ایک عیسائی بادشاہ تھا اور مقوقس بھی عیسائی بادشاہ تھا اس لیے دونوں کی طرف سوائے نام کے فرق کے ایک سے ہی خط لکھے گئے تھے قیاس بھی یہی چاہتا ہے اور ایک حدیث میں بھی یہ ذکر ہے کہ کل عیسائی بادشاہوں کو جسقدر خط لکھے گئے تھے ان سب کی عبارت یکساں تھی۔ ہرقل والے خط کی عبارت کا ناقل ابوسفیان ہے جو اسوقت حالت کفر میں تھا اور ہرقل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اس سے دریافت کیے تھے۔ اس حدیث میں ہرقل والے خط کی عبارت بالفاظ ذیل ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد عبد اللہ و رسولہ الی ہرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدٰی اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم الیریسیین ویا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔ اب اس خط کی عبارت کا مقوقس والے اصلی خط کی عبارت کے ساتھ مقابلہ کرنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں پوری صحت کے ساتھ الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔ فرق صرف اسیقدر ہے جسقدر ضروری تھا یعنی بجائے الی المقوقس عظیم القبط کے یہاں الی ہرقل عظیم الروم ہے اور وہاں فان تولیت کے بعد ہے فعلیک اثم القبط یعنی اگر تو اس سے روگردانی کرے تو مصریوں کا گناہ بھی جو تیری رعایا ہیں اور تیری وجہ سے اس دین سے منحرف رہیں گے تیرے سر پر ہوگا اسجگہ ہے فعلیک اثم الیریسیین یعنی اریسیون کا جو تیری رعایا ہیں دین اسلام میں نہ داخل ہونیکا گناہ بھی تیرے سر پر ہوگا۔ صرف یہی تبدیلی ہے جو ضروری تھا کہ ہوتی یا وہی لفظ داعیۃ اور دعایۃ کا فرق ہے۔

اب جائے غور ہے کہ کسقدر صحت کے ساتھ ان خطوط کو احادیث نے محفوظ رکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ اور راویان حدیث صرف اسیقدر احتیاط حدیثوں کے پہنچانے میں نہ کرتے تھے کہ مفہوم کو کسی طرح

ادا کر دیں بلکہ وہ بعینہ الفاظ کو یاد رکھنے اور انہیں کو آگے پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔ نہ وہ کسی واقعہ یا کسی لفظ میں کمی بیشی کرنی جائز سمجھتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انکے حافظہ کی قوت بھی نہایت زبردست تھی کیونکہ جب ہرقل کے سامنے آنحضرتؐ کا خط پڑھا گیا وہیں سے سنکر ابوسفیان نے اسکو نقل کیا۔ اور اب ہم اسکو لفظ بلفظ درست پاتی ہیں۔ ایک ہی دفعہ سنکر نہ ابوسفیان نے کسی لفظ کو فراموش کیا اور نہ اپنی طرف سے کوئی اور لفظ بڑھایا اور ایسا ہی جنہوں نے ابوسفیان سے سنا انہوں نے بھی اسی طرح محفوظ کا محفوظ دوسروں کو پہنچایا۔ پس مقوقس والے اصل خط کے مل جانیسے جس نے ہمیں یہ سارے مقابلے کرنیکا موقع دیا ہے۔ ہمکو یہ قطعی اور یقینی شہادت ہاتھ آگئی ہے کہ احادیث میں جو باتیں مذکور ہیں وہ دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں اور تاریخی طور پر نہایت صحیح اور درست ہیں۔ گویا عربوں کی قوت حافظہ نے دنیا میں وہ کام کیا ہے جو تحریر بھی نہیں کرسکتی تھی کیونکہ حدیثوں کو تحریر میں لانے سے بہت سے نقص پیدا ہوتے جیسا کہ میں دوسرے موقع پر دکھاؤنگا۔

اس اصل خط میں جو دریافت ہوا ہے ایک بات اور نہایت ہی قابل توجہ ہے خط کے اخیر پر ایک مُہر ہے جسپر نقش محمد رسول اللہ ہے۔ اب اس مُہر کی نسبت تمام معتبر احادیث میں ذکر پایا جاتا ہے اور نہ صرف مُہر کے متعلق ہی نہیں بلکہ مُہر کے نقش اور اس کی دوسری تفصیلات کے متعلق بھی۔ مُہر کے متعلق متواتر روایات آئی ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث مختلف روایتوں سے بیان کی گئی ہے۔ پہلے باب دعاء النبی الی الاسلام میں ہے۔ عن قتادۃ قال سمعت انسا رضی اللہ عنہ یقول لما اراد النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان یکتب الی الروم قیل لہ انھم لا یقرؤن کتابا الا ان یکون مختوما فاتخذ خاتما من فضۃ فکانی انظر الی بیاضہ ونقش فیہ محمد رسول اللہ اور دوسری جگہ کتاب اللباس میں یہ حدیث ان الفاظ سے موجود ہے۔ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یکتب الی رھط او اناس من الاعاجم فقیل لہ انھم لا یقبلون کتابا الا علیہ خاتم فاتخذ النبی صلے اللہ علیہ وسلم خاتما من فضۃ نقشہ محمد رسول اللہ فکانی بوبیص او ببصیص الخاتم فی اصبع النبی صلے اللہ علیہ وسلم او فی کفہ اور اسی باب میں پھر حدیث خاتم کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال اتخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتما من ورق وکان فی یدہ ثم کان بعد فی ید ابی بکر ثم کان بعد فی ید عمر ثم کان بعد فی ید عثمٰن حتی وقع بعد فی بئر اریس نقشہ محمد رسول اللہ۔ اور پانچویں جگہ پھر یہ حدیث انس بن مالک کی روایت سے ان الفاظ میں موجود ہے۔ لما اراد النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان یکتب الی الروم قیل لہ انھم لن یقرؤا کتابک

اذا لم یکن مختوما فاتخذ خاتما من فضة ونقشه محمد رسول الله کانی انظر الی بیاضه فی یدہ۔ ایسا ہی دوسری کتب صحاح میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ روم کو یا عجم کے بادشاہوں کو خطوط لکھنے کا ارادہ کیا تو صحابہؓ نے آپکی خدمت میں عرض کیا کہ وہ لوگ خط کو نہیں پڑھتے سوائے اس کے کہ اسپر مرسل کی مُہر ہو۔ چنانچہ آپنے ایک مہر چاندی کی تیار کرائی جسپر محمد رسول اللہ نقش کرایا۔ اور اس سے خطوط پر مُہر لگائی پھر یہ مُہر آنحضرتؐ کی زندگی میں آپکے ہاتھ میں رہی اور آپکی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ ہیں۔ اور حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں اور حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں اور پھر خلیفہ ثالث سے یہ مُہر ایک کنوئیں میں گر پڑی جس کا نام اریس ہے۔ اور پھر نہیں ملی۔ غرضکہ متواتر روایات سے مہر کا اس موقع پر بنوایا جانا ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی تواتر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا نقش محمد رسول اللہ تھا۔ اب مقوقس کے اصل خط کے دریافت ہونےنے ان تمام احادیث کی صداقت کو اظہر من الشمس کر دیا ہے۔ کیونکہ اس سے ہمیں یہ پتہ لگتا ہے۔ کہ واقعی خطوط پر مُہر لگانیکے لیے ہی یہ مُہر تیار کیگئی تھی کیونکہ انہی خطوں میں سے جن کا ذکر حدیث میں ہے ایک خط پر یہ مُہر موجود ہے۔ اور اس کا نقش بھی وہی ہے جو احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔

مگر احادیث سے اس سے زیادہ تفصیلات اس مُہر کے متعلق معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہی یہ حدیث انس کی روایت سے موجود ہے۔ عن انس ان ابا بکر رضی الله عنه لما استخلف کتب له فکان نقش الخاتم ثلثة اسطر محمد سطر و رسول سطر و الله سطر۔ وزادنی احمد حدثنا الانصاری قال حدثنی ابی عن ثمامة عن انس قال کان خاتم النبی صلی الله علیه وسلم فی یدہ و فی ید ابی بکر بعدہ و فی ید عمر بعد ابی بکر فلما کان عثمٰن جلس علی بئر اریس قال فاخرج الخاتم فجعل یعبث به فسقط قال فاختلفنا ثلثة ایام مع عثمٰن ننزح البئر فلم نجدہ۔ یعنی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ یعنی انسؓ انکے احکام لکھا کرتے تھے۔ یعنی زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق اور مہر کا نقش تین سطروں میں تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک سطر۔ رسول ایک سطر اور اللہ ایک سطر۔ اور اسی روایت پر احمد کی روایت میں اسقدر لفظ اور زیادہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر آپکے دست مبارک میں رہی پھر آپکے بعد حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں پھر انکے بعد حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں پھر ان کے بعد حضرت عثمان کے ہاتھ میں۔ پس جب ایک دن حضرت عثمان چاہ اریس پر بیٹھے تھے۔ تو آپنے انگوٹھی نکالی اور اسکو ہاتھ میں پھیرنے اور ادھر اُدھر کرنے لگے تو وہ گر گئی پھر تین دن تک ہم حضرت عثمانؓ کے ساتھ اس انگوٹھی کی تلاش میں لگے رہے لیکن انگوٹھی

نہ ملی - اب اس حدیث سے یہ ایک اور بات معلوم ہوئی کہ انگوٹھی کا نقش محمد رسول اللہ ایک خاص طرز پر لکھا ہوا تھا اور تینوں لفظ الگ الگ سطروں میں تھے۔ اور یہ انگوٹھی جیسا متواتر روایات سے معلوم ہوتا ہے وہی تھی جو بادشاہوں کے نام خطوں پر مُہر لگانے کے لیے تیار کرائی گئی تھی۔ فتح الباری میں اس حدیث کے نیچے بعض شیوخ کے اس قول کو نقل کیا ہے۔ ان کتابتہ کانت من اسفل الی فوق یعنی ان الجلالۃ فی اعلی الاسطر الثلاثۃ و محمد فی اسفلھا یعنی مہر کی کتابت کی جو تین سطریں بیان کی گئی ہیں انکی ترتیب نیچے سے اوپر کو تھی۔ یعنی اللہ کا نام سب سے اوپر کی سطر میں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے نیچے کی سطر میں۔ اس قول کی تضعیف کی گئی ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول کسی حدیث پر مبنی تھا جو ملی نہیں۔ مگر اب اصل خط کے دریافت ہونے نے اس قول کی تصدیق کر کے اسی کو صحیح ثابت کر دیا۔ پس اب اگر ہم احادیث کی روایتوں کی بنا پر مُہر تجویز کرتے تو اس کا نقش بعینہٖ وہی تجویز کرتے جو اب دریافت ہوا ہے۔ یعنے

مسلمانوں کے لیے یہ کسقدر خوشی کا مقام ہے کہ انکی اگر کوئی پُرانی تحریر بھی نکلی تو وہ بھی انکے لیے تائیدی شہادت ہی پیدا ہوئی حالانکہ عیسائیت کی پُرانی تحریریں جسقدر نکلتی ہیں اسیقدر اس مذہب کی بنیادوں کو کمزور کرتی ہیں۔ حال ہی میں ایک انجیل کا ٹکڑا نکلا ہے جس کا کوئی نشان موجودہ اناجیل میں نہیں پایا جاتا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی باتیں حضرت مسیح کے متعلق ایسی ہیں جو اناجیل میں نہیں لکھی گئیں۔ ایسا ہی ایک اور تحریر تھوڑا عرصہ ہوا ملی تھی جس میں حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے خدا کی جناب میں معافی مانگتے ہیں۔ اور جس طرح بعض سچے واقعات حضرت مسیح کی زندگی کے اناجیل میں نہیں پائے جاتے اور اب پُرانی تحریروں میں نکل رہے ہیں اسی طرح بعض غلط واقعات کی آمیزش بھی ان اناجیل میں ہو گئی ہے۔ غرضکہ اس خط کا نکل آنا اسلام کے لیے ایک نہایت مبارک امر ہے۔

اب اس بے نظیر شہادت پر غور کرو جس سے احادیث اسلامی کی صداقت پہلے سے بھی بڑھکر چمک اُٹھی ہے۔ ایک پُرانی تحریر کے دستیاب ہونے سے اگر احادیث کا اس سے اختلاف ہوتا تو احادیث پر بڑا بھاری حملہ تھا۔ اور احادیث کی صداقت معرض خطر میں تھی۔ مگر یہی تحریر احادیث کی صداقت پر ایک عظیم الشان گواہ ہو گئی اور نہ صرف ان تمام احادیث کی صداقت ہی اس سے ثابت ہوئی جن میں بادشاہوں کے نام خطوط کا لکھا جانا اور مُہر کا بنوانا اور ان خطوط پر لگایا جانا مذکور ہے بلکہ اس واقعہ سے عام طور پر احادیث کی صداقت پر ایک مُہر لگ گئی کہ کس سچائی سے صحابہؓ نے واقعات کے بیان کرنے میں کام لیا ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے

کہ ایک عیسائی دشمن اسلام نے انہی احادیث کو جن کی صداقت پر مقوقس کا خط ایک نیا گواہ بنکر کھڑا ہوگیا ہے۔ وضعی قرار دیا ہے۔ اور یہانتک اس افترا میں غلو کیا ہے کہ کہتا ہے کہ تہہ متعلق صحابہؓ نے بغیر کسی غرض کے جھوٹی احادیث بناکر مشہور کی ہیں۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ یہ دشمن اسلام سر ولیم میور ہے جو اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیباچہ میں احادیث پر ایک لمبا چوڑا مضمون لکھکر احادیث کی صحت اور وضعی ہونے پر فیصلہ کرنیکے لیے حکم بن بیٹھا ہے۔ حالانکہ اس شخص کو ان ابتدائی اصول سے بھی واقفیت نہیں جو احادیث کے پرکھنے میں کام آتے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ایسے ناواقف مگر سخت معاند ناواقف کی کتاب کو تمام یورپ اور امریکہ میں بہت قابل اعتبار مانا جاتا ہے اور اس کے بیانات کو صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ پھر ایسے خیالات کے ہوتے ہوئے یہ لوگ اسلام کی صداقتوں سے کیونکر واقف ہوسکتے ہیں اور اسکے چمکدار چہرہ تک تعصب کے گرد و غبار کی گھٹاؤں کے ہوتے ہوئے انکی نظریں کیونکر پہنچ سکتی ہیں میور صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم یعنی انگوٹھی کی احادیث وضعی قرار دینے کے لیے مندرجہ ذیل وجوہات بیان کرتا ہے جو مَیں اسکے اپنے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔ اردو ترجمہ اس کی تحریر کا یہ ہے۔

"اب تک جسقدر واقعات کی خلاف بیانی کا ذکر کیا گیا ہے وہ خیالات کے کسی خاص رنگ میں رنگین ہونیکی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ جس کی حقیقت کو مَیں بیان کرنیکی کوشش کرتا رہا ہوں۔ مگر صحابہؓ کی شہادت جس صورت میں وہ ہم تک پہنچی ہے۔ ایسے ناقابل بیان طرز سے بناوٹی اور وہی ہے کہ جہاں کوئی خاص غرض بھی معلوم نہیں ہوتی اور جہاں واقعات کو غور سے دیکھنے کا موقع انکو اچھی طرح سے حاصل تھا۔ وہاں بھی حدیثیں ایک دوسری کی کھلی کھلی تردید کرتی ہیں...... پھر انگوٹھی کے متعلق دیکھو یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس میں نہ کوئی فرقہ بندی کا خیال تھا نہ کسی خاندان کی رعایت یا کسی عقیدہ کا سوال تھا۔ مگر احادیث ایک دوسری سے سخت متعارض ہیں۔ ایک فریق تو یہ بیان کرتا ہے کہ خطوط پر مہر لگانیکی ضرورت کو محسوس کرکے آنحضرتؐ نے اس غرض کے لیے خالص چاندی کی انگوٹھی تیار کروائی تھی۔ ایک دوسرا فریق بیان کرتا ہے کہ خالد ابن سعید نے ایک انگوٹھی لوہے کی جسپر چاندی کا خول چڑھا ہوا تھا اپنے لیے بنوائی تھی اور یہ انگوٹھی آنحضرتؐ کو پسند آگئی پس آپ نے اپنے استعمال کے لیے اسے لے لیا۔ ایک تیسری روایت کا یہ بیان ہے کہ ابن سعید ملک حبش سے یہ انگوٹھی لایا تھا۔ اور چوتھی روایت یہ ہے کہ یہی انگوٹھی معاذ نے اپنے لیے یمن میں کندہ کروائی تھی۔ پھر احادیث کا ایک مجموعہ یہ بیان کرتا ہے کہ آنحضرتؐ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے اور ایک بائیں ہاتھ میں بعض حدیثیں بیان کرتی ہیں کہ آپ مُہر کی جانب کو اندر کی طرف رکھتے تھے اور بعض یہ کہ آپ باہر کی طرف رکھتے تھے۔ ایک حدیث میں یہ لکھا ہے کہ اسپر نقش "خدا کی صداقت" تھا اور باقی سب حدیثوں میں لکھا ہے کہ نقش محمد رسول اللہ تھا۔ یہ تمام احادیث ایک ہی انگوٹھی کا تذکرہ بیان کرتی ہیں کیونکہ یہ بار بار بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد یہ انگوٹھی حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ کے

پاس رہی اور حضرت عثمان سے چاہ اریس میں گر پڑی۔ پھر ایک حدیث یہ بھی ہے کہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ ہی آپ کے کسی جانشین نے کبھی کوئی انگوٹھی پہنی۔ اب یہ مختلف بیانات شک کے رنگ میں مذکور نہیں ہیں۔ نہ قیاسی طور پر بیان کیے گئے ہیں کہ ہم انکو صحیح یا غلط کہہ سکیں۔ بلکہ انکی سچائی کے پورے پورے یقین کے ساتھ انکا ذکر کیا گیا ہے۔ اور ایسے تفصیلی واقعات انکے متعلق دیے گئے ہیں کہ ایک بے تعصب پڑھنیوالے کے دل پر یہ اثر ان کا ہوتا ہے کہ انکے بیان کرنیوالوں کو ان واقعات سے پوری پوری آگاہی تھی۔ اب ان تمام خود ایجاد کردہ اور عمداً وضع کیے ہوئے بیانات کو ہم کس عادت یا میلان طبع کی طرف منسوب کر سکتے ہیں سوائے اسکے کہ یہ کہیں کہ محض قصوں کو بنا بنا کر بیان کرنیکی محبت ہی ان تمام بناوٹوں کی جڑھ ہے"۔

اب جو کچھ ہرزہ درائی میور صاحب نے اس تحریر میں کی ہے اس کی تردید کے لیے تو منقوش والا اصلی خط ہی کافی ہے جس کے اخیر پر بعینہٖ وہی مُہر موجود ہے جس کا تذکرہ احادیث میں بھی ہے اور ایک اندھا بھی اس صداقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ مگر میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ میور نے اس تحریر میں کسقدر افترا پردازی سے کام لیا ہے اور کسقدر جہالت دکھائی ہے۔ اگر میور صاحب معتبر اور غیر معتبر احادیث میں فرق کو نہ بھول جاتا تو وہ کبھی اتنا بڑا جھوٹا الزام صحابہ رضی اللہ عنہم پر نہ لگاتا۔ لیکن اپنی ناواقفیت کی وجہ سے یا عمداً اس تنقید کے دعویدار نے سب قسم کی حدیثوں کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ یہ نازک کام معتبر اور غیر معتبر حدیث میں امتیاز کرنیکا ایک بہت ہی مشکل کام ہے مگر اس محنت کو محدثین رضی اللہ عنہم نے اُٹھایا اور شاقہ تکالیف اُٹھا کر اس عظیم الشان کام کو پورا کیا۔ چونکہ انہوں نے یہ کام ایک ایسے زمانہ میں شروع کیا جو اسلام کا نہایت ابتدائی زمانہ تھا یعنی دوسری تیسری صدی ہجری بلکہ پہلی صدی کے اخیر پر ہی یہ کام شروع ہو گیا تھا اس لیے ان کے سامنے تحقیقات کے ایسے وسائل موجود تھے۔ جنسے وہ اپنے مقصد کو کامیابی سے حل کر سکتے تھے اور جو شخص اپنی محنت سے آج اس کام کو کرنا چاہتا ہے وہ انکی کامیابی کے لاکھویں حصہ تک بھی نہیں پہنچ سکتا چہ جائیکہ ایک غیر مذہب کا آدمی جو تعصب سے پُر ہو اس مشکل کام کو اُٹھا سکے۔ حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ساری عمر ایک اسی کام میں صرف کی اور خدائے تعالیٰ نے انکو اس کام کے لیے خاص ہی قویٰ عطا فرمائے تھے جیسا میں انشاء اللہ دوسرے حصہ مضمون میں بیان کرونگا۔ اور پھر محنت شاقہ سے ساری عمر ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے کراتے چھ لاکھ حدیث اکٹھی کی جن میں سے صرف سات ہزار کے قریب مختلف روایتوں کو اپنی کتاب صحیح میں لکھا۔ مگر ان لوگوں کی قابل قدر محنتوں کی کچھ پروا نہ کر کے ایک دشمن اسلام آج احادیث کے پرکھنے کے لیے یہ اصول بیان کرتا ہے کہ جس حدیث سے اسلام پر کوئی زد پڑتی ہو اسے صحیح حدیث مان لینا چاہیئے اور جس سے اسلام کی تائید ہوتی ہو اسے وضعی اور جھوٹی سمجھا جائے یہ احمقانہ اصول میور صاحب نے وضع کیا ہے اور غالباً اسی اصل کی بنا پر اپنی کتاب میں بہت ایسی احادیث تو بھر

دی ہیں جن کو محقق اہل اسلام رد کر چکے ہیں اور ان احادیث کو چھوڑ دیا ہے جو اعلیٰ درجہ کی معتبر کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ اور غالباً اسی وجہ سے خاتم کی حدیثوں کو بھی عجیب طرح سے گڈمڈ کیا ہے اور چند غیر معتبر احادیث کو پیش کر کے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث کو بھی وضعی قرار دیا ہے۔

اب اول تو یہ امر غور طلب ہے کہ میور کے اعتراض کا کل زور صرف اس بنا پر ہے کہ ایک ہی انگوٹھی کل عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھی یا کم ازکم یہ کہ احادیث میں صرف ایک ہی انگوٹھی کا ذکر ہے۔ اسی بنا پر وہ تمام احادیث کو ایک دوسری کی متعارض ٹھہراتا ہے۔ اسکی اس غلط بیانی کی تردید تو احادیث کے پڑھنے سے ہی کافی طور سے ہو جاتی ہے کیونکہ احادیث میں ایک نہیں بلکہ کئی انگوٹھیوں کا ذکر صریح الفاظ میں ہے۔ مگر جو شہادت وہ صرف ایک ہی انگوٹھی کے ہوتے پر پیش کرتا ہے اس میں بھی ایک گول مول بات کہکر اس نے اپنا مطلب سیدھا کرنا چاہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ”بار بار“ احادیث میں یہ لفظ بڑھائے گئے ہیں کہ وہی انگوٹھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں اور انکے بعد حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں اور انکے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں رہی۔ مگر یہ بار بار کا لفظ گول مول ہے۔ اگر وہ یہ ثابت کر دیتا کہ ان تمام احادیث کے بعد جن کو وہ بطور متعارض احادیث کے پیش کرتا ہے۔ مثلاً جبش والی انگوٹھی کی حدیث یا ابن سعید والی انگوٹھی کی حدیث یا معاذ والی انگوٹھی کی حدیث۔ ان میں سے ہر ایک کے بعد یہ لفظ موجود ہیں کہ یہی وہ انگوٹھی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء کے پاس رہی۔ تو اس کا مدعا ثابت ہو جاتا۔ مگر ”بار بار“ کا لفظ استعمال کر کے اس نے اخفائے حق کیا ہے اور وہ یہ ہرگز نہیں دکھا سکتا کہ ان احادیث کے ساتھ جنکو وہ انس بن مالک کی حدیث کے خلاف پیش کرتا ہے اور جن سے یہ مطلب نکالنا چاہتا ہے کہ انگوٹھی خطوط پر مُہر لگانیکی ضرورت کو محسوس کر کے نہیں بنوائی گئی تھی۔ بلکہ یونہی کسی اور جگہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مل گئی تھی۔ یہ الفاظ بھی موجود ہوں کہ یہی انگوٹھی اخیر وقت تک آنحضرتؐ کے پاس رہی اور آپکے بعد حضرت ابو بکر عمر عثمان رضی اللہ عنہم کے پاس رہی۔ پس یہ الفاظ جو میور نے لکھے ہیں محض دھوکہ دینے کے لیے لکھے ہیں اور اصل بات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ ازیں میور صاحب نے معتبر اور غیر معتبر احادیث کو یا صحیح اور ضعیف کو یا اصلی اور وضعی احادیث کو بلا امتیاز گڈمڈ کر دیا ہے۔ مثلاً وہ خود کہتا ہے کہ صرف ایک حدیث میں یہ ذکر ہے کہ مُہر کا نقش ”خدا کی صداقت“ تھا اور باقی کل کی کل احادیث میں نقش محمد رسول اللہ بیان کیا گیا ہے۔ اب ہر ایک شخص جو کچھ بھی غور اور فکر سے کام لے سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک حدیث جو باقی کل کی کل احادیث کے متفق بیان کے خلاف اور ان کی تردید کے لیے میور صاحب نے پیش کی ہے محض اس غرض سے پیش کی ہے کہ اس سے احادیث کی صداقت پر حملہ ہو کہ ان میں تعارض ہے حالانکہ اگر ایسی کوئی حدیث اسکو ملی بھی تھی تو اسے چاہیے تھا کہ اسے سلسلہ رواۃ کے ساتھ بیان کرتا کہ فلاں فلاں راویوں نے یہ حدیث بیان کی ہے

جن کے صدق اور عدل اور حفظ پر محدثین نے گواہی دی ہے اور فلاں فلاں محدثین نے اس حدیث کو قابل وقعت سمجھا ہے تا کوئی مقابلہ بھی ہو سکتا کہ آیا وہ احادیث صحیح ہیں جن میں نقش محمد رسول اللہ بتایا گیا ہے اور جنکو ہر ایک محدث اور صاحب بصیرت نے معتبر اور سچی سمجھا ہے یا ان کل کی کل احادیث کے خلاف وہ اکیلی حدیث صحیح ہے جس میں ان سب کے بیان کی تردید کر کے ایک نیا نقش انگوٹھی کے لیے تجویز کیا گیا ہے۔ کیا تاریخی واقعات کی تحقیق کا یہی طریقہ ہے کہ ایک امر کے خلاف جس پر سیکڑوں گواہیاں ہوں اور جسے ایک قوم نے سخت محنت اور جانکاہی کے بعد صحیح تاریخی واقعہ تسلیم کر لیا ہو اور کل کے کل محققین کا اسکی صحت پر اتفاق ہو گیا ہو۔ ایسے امر کے خلاف اگر ایک جھوٹی موٹی روایت مل جائے۔ تو فی الفور یہ فتویٰ لگا دیا جائے کہ دونوں امور محض افترا ہیں۔ یہ ہے عیسائی صاحبان کی تنقید اور نقادی کی ایک مثال۔ کیا اس طرح سے کوئی تاریخی امر ثابت ہو سکتا ہے اور کیا تمام تاریخ پر خاک ڈالنے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ ہر ایک ثابت شدہ مسلّم امر کے خلاف ایک بات بیان کر دیجاوے خواہ اسکی کوئی اصلیت ہو یا نہ ہو۔ اور پھر اگر اسی طرز تنقید کو مسیح اور حواریوں کی تاریخ پر برتا جاوے تو کیا خود مسیح کے وجود سے ہی انکار نہیں کرنا پڑیگا؟ پھر میور صاحب ایک حدیث بایں الفاظ بیان کرتے ہیں کہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ آپکے کسی جانشین نے کبھی کوئی انگوٹھی پہنی۔ اب اگر میور صاحب کو اظہار صداقت مقصود ہوتا تو وہ اس کتاب کا حوالہ بھی دیتے جہاں سے یہ حدیث انکو ملی۔ کیونکہ مجھے ان الفاظ یا اس معنی کی کوئی حدیث نہیں ملی۔ اور جس صورت میں خاتم والی حدیث متواتر روایات سے ثابت ہے تو اگر کوئی ایسی حدیث ملے بھی تو اسے ہمیں رد کرنا پڑے گا اور ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ایسی حدیث پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ باقی رہے ایسے تعارض کہ کوئی کہتا ہے آنحضرتؐ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے کوئی کہتا ہے بائیں ہاتھ میں کوئی کہتا ہے مہر اندر کی طرف رکھتے تھے کوئی کہتا ہے باہر کی طرف ان میں تعارض کوئی نہیں جس طرح کسی نے دیکھا بیان کر دیا۔ ایک وقت آپنے ایک طرح پہنی دوسرے وقت دوسری طرح جس شخص نے جس طرح دیکھا اسی طرح بیان کر دیا۔ ہاں اگر ایک حدیث میں یہ ہوتا کہ آپ ہمیشہ اور ہر حالت میں اخیر زندگی تک دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور دوسری حدیث میں یہ ہوتا کہ آپنے کبھی اور کسی حالت میں اخیر زندگی تک کوئی انگوٹھی دائیں ہاتھ میں نہیں پہنی تو یہ بیشک تعارض تھا جس کے رفع کرنیکے لیے ہمیں یہ دکھانیکی ضرورت ہوتی کہ ان میں سے کونسی حدیث سچی ہے اور کونسی جھوٹی۔ مگر ایسی دو حدیثیں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ آپ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے اور ایک کہتا ہے بائیں ہاتھ میں۔ باہمی کوئی تعارض نہیں رکھتیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کسی وقت آپ دائیں ہاتھ میں پہنتے ہوں اور کسی وقت بائیں میں یا پہلے دائیں میں پہنتے ہوں اور بعد میں بائیں میں۔ ایسی کئی توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ بلکہ یہ احادیث انگوٹھی کی موجودگی کو یقینی طور پر ثابت کرتی ہیں کیونکہ مختلف دیکھنے والوں نے مختلف حالتوں میں پہنے ہوئے اسے دیکھا۔ پس جو اختلافات معمولی حالات زندگی سے پیدا ہوتے ہیں ان کو

الگ رکھکر یہ امر مشترک تمام کے درمیان پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنائی تھی اور آپ اُسی پہنا کرتے تھے۔

اب میور صاحب کے دوسرے تعارضات پیش کردہ کو ہم لیتے ہیں۔ اس امر کو کل محدثین نے اور اصحاب سیر نے تسلیم کیا ہے کہ بادشاہوں کو خطوط لکھنے کا ارادہ کرتے وقت یہ امر آپکے سامنے پیش کیا گیا تھا کہ بغیر مُہر کے یہ خطوط پڑھی نہیں جاویں گے جسپر آپ نے انگوٹھی بنوائی اور اس پر مُہر کا نقش محمد رسول اللہ کھدوایا۔ ان میں سے پانچ مختلف روایتیں صحیح بخاری سے میں نے اوپر بھی پیش کی ہیں۔ اب میور صاحب کہتے ہیں کہ کئی دوسری احادیث میں اس امر کی تردید ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ یہ انگوٹھی ابن سعید حبش سے لایا تھا۔ مگر حبش سے جو انگوٹھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آئی تھی اسکے متعلق صحاح ستہ کی کتاب ابوداؤد میں مندرجہ ذیل حدیث صاف الفاظ میں موجود ہے جس سے میور صاحب کا بیان جھوٹ ثابت ہوتا ہے۔ عن عائشة قالت قدمت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حلیة من عند النجاشی اهداها له فیها خاتم من ذهب فیه فص حبشی قالت فاخذه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعود معرضا عنه او ببعض اصابعه ثم دعا امامة بنت ابی العاص بنت ابنته زینب فقال تحلی بهذا یا بنیة۔ (کتاب الخاتم۔ باب ماجاء فی الذهب للنساء) یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ روایت کرتی ہیں کہ نجاشی شاہ حبش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ زیورات بھیجے تھے جن میں ایک انگوٹھی سونے کی تھی اور اسکا نگینہ حبشی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انگوٹھی سے اعراض کرتے ہوئے ایک لکڑی یا اپنی بعض انگلیوں سے اسے پکڑا .... اور پھر اپنی بیٹی زینب کی لڑکی امامہ کو جو ابوالعاص کی لڑکی تھی بلوایا اور اُسے کہا کہ اس انگوٹھی کو تو پہن لے"۔ یہ ہے صحیح واقعہ حبش سے آئی ہوئی انگوٹھی کا اور ظاہر ہے کہ اس انگوٹھی کو خطوط پر مُہر کرنیوالی انگوٹھی سے کوئی تعلق نہیں اور یہ محض حماقت ہے کہ یہ فرض کر لیا جاوے کہ ایک ہی انگوٹھی کل عرب میں اُس زمانہ میں تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میور صاحب نے محض تعارض دکھانیکی خاطر ان دونوں انگوٹھیوں کو عمداً ایک بنا کر دکھانیکی کوشش کی ہے یا دراصل اسکو دھوکہ لگا ہے کہ حبش سے آئی ہوئی انگوٹھی وہی تھی جس سے خطوط پر مُہر لگانیکا کام لیا گیا۔

ایک اور حدیث جو میور صاحب نے سب سے پہلی اور مسلّم حدیث کے متعارض سمجھکر پیش کی ہے یہ ہے کہ خالد ابن سعید نے اپنے لیے ایک انگوٹھی بنوائی تھی جو لوہے کی تھی اور جس پر چاندی کا ورق چڑھا ہوا تھا۔ اور کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انگوٹھی ایسی اچھی لگی کہ آپ اسے اپنے استعمال میں لائے"، جس سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ یہ استعمال خطوط پر مُہر لگانیکا تھا۔ اور اسطرح دونوں حدیثوں کو باہمی متعارض ٹھہراتا ہے۔ اصل حدیث

جسکو ابن سعد نے بیان کیا ہے یہ ہے ان۔ خالد بن سعید یعنی ابن العاص اتی و فی یدہ خاتم فقال له
رسول الله صلی الله علیه وسلم ماھذا اطرحه فطرحه فاذا خاتم من حدید ملوی
علیه فضة قال فما نقشه قال محمد رسول الله قال فاخذه فلبسه۔ یعنی خالد ابن سعید آئے
اور انکے ہاتھ میں انگوٹھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے اسکو پھینک دو۔ انہوں نے
انگوٹھی کو پھینک دیا وہ لوہے کی انگوٹھی تھی جس پر چاندی کا ورق چڑھا ہوا تھا۔ راوی نے پوچھا اسکا نقش کیا
تھا۔ کہا محمد رسول اللہ۔ کہا پھر آپنے وہ انگوٹھی اُٹھالی اور اُسے پہن لیا۔ اب اس حدیث میں نہ تو یہ لفظ ہیں کہ
انگوٹھی آپ کو پسند آگئی اور نہ ہی یہ لفظ ہیں کہ اسی انگوٹھی سے آپ خطوں پر مُہر لگایا کرتے تھے۔ یہ دونوں باتیں
میور صاحب کے دماغ کا اختراع ہیں جو محض اس نے حدیث کو بے اعتبار ثابت کرنیکے لیے خود ہی تراشی ہیں
اور یہ حدیث کسی طرح سے پہلی حدیث کے متعارض نہیں۔ اگر یہ سوال ہو کہ آپنے انگوٹھی خالد کے ہاتھ سے کیوں اُتروادی
تو اسکا جواب صاف ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے کہ آپنے صحابہؓ کو ایسی انگوٹھیاں بنوانے یا پہننے سے
منع کیا تھا جن پر محمد رسول اللہ کا نقش ہو۔ عن انس بن مالك رضی الله عنه ان رسول الله
صلی الله علیه وسلم اتخذ خاتما من فضة ونقش فیه محمد رسول الله وقال
انی اتخذت خاتما من ورق ونقشت فیه محمد رسول الله فلا ینقشن احد علی
نقشه۔ اور یہ بھی حدیث موجود ہے کہ ایسی انگوٹھیاں بعض صحابہؓ کو پہنتے ہوئے دیکھکر آپنے اُتروا بھی دی
تھیں۔ ایسا ہی ایک اور روایت میں جو صحیح بخاری میں ہے یہ لفظ موجود ہیں قال انا اتخذنا خاتما ونقشنا
فیه نقشا فلا ینقش علیه احد۔ پس محمد رسول اللہ کے نقش کی انگوٹھیاں بنوانے اور پہننے کی صریح
ممانعت ہو چکی تھی اور حکمت اس میں یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ آپ کی انگوٹھی شاہی پروانوں اور خطوط پر مُہریں لگانے
کے کام آتی تھی پس اگر ہر شخص کے پاس ایسی انگوٹھی ہو۔ تو اس سے فتنہ پڑتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس ممانعت
کی خبر خالد ابن سعید کو نہ پہنچی تھی یا یہ واقعہ عام ممانعت سے پہلے کا ہے۔ اور حدیث لانیوالے کا اس حدیث کے لانے
سے مطلب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس ممانعت کو ظاہر کرے کیونکہ وہ راوی سے دریافت کرتا ہے کہ اُسکا نقش کیا
تھا اور اُسکا جواب ملتا ہے محمد رسول الله جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انگوٹھی پھینکوانیکی اصل وجہ
صرف یہی نقش تھی جس کی ممانعت آنحضرتؐ نے کردی تھی۔ اس حدیث سے نہ صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ انگوٹھی وہ
نہ تھی جو خطوط پر مُہر لگانیکے لیے بنوائی گئی تھی بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگوٹھی اس سے پہلے موجود تھی جسکا
نقش محمد رسول الله تھا۔ بلکہ اس انگوٹھی کی نقل ہی یہ انگوٹھی تھی اور یہی وجہ اس کے پھینکوانیکی ہوئی
پس اس حدیث سے تعارض تو ایک طرف رہا اس پہلی حدیث کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ شاہی خطوط پر

مُہر کرنے کے لیے آپ نے ایک انگوٹھی بنوائی تھی جسکا نقش محمد رسول اللہ تھا۔ یہ ہے ان لوگوں کی واقفیت اور علم اور یہ ہیں انکی چالبازیاں گویا جسطرح انکے نزدیک عیسائی مذہب کی تائید میں کوئی جھوٹ بول دینا جائز ہے اسی طرح کسی دوسرے مذہب پر عیب لگانیکے لیے بھی جھوٹ بولنا جائز سمجھا جاتا ہے ورنہ کوئی شخص بتائے کہ آیا یہ حدیثیں متعارض ہیں یا ایکدوسرے کی مصدق ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ پھینکدینیکے بعد آنحضرتؐ نے خود اسے کیوں پہن لیا۔ تو اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ اس پر خدائے تعالٰی کا پاک نام تھا اس لیے آپ نے انگوٹھی کو اُٹھا کر ہاتھ میں پہن لیا۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پھر اسے ہمیشہ پہنے رکھا ہو بلکہ بعد میں تڑوا دیا ہوگا کیونکہ آپکے پاس صرف ایک ہی انگوٹھی رہی جو چاندی کی تھی اور جسکو خاص غرض کے لیے تیار کیا گیا تھا وہی انگوٹھی حضرت ابوبکر عمر عثمانؓ تک پہنچی۔ نہ کوئی اور۔ اور ایک وجہ انگوٹھی کو اٹھا کر پہن لینے کی یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ تا کوئی دوسرا شخص اُٹھا کر اُسے نہ پہن لے۔ جس سے وہ غرض مفقود ہو جاتی جس غرض کے لیے انگوٹھی اُتروائی گئی تھی

تیسری حدیث جو تعارض ثابت کرنیکے لیے میور صاحب پیش کرتا ہے یہ ہے کہ وہ انگوٹھی جس سے خطوط پر مُہریں کیجاتی تھیں اصل میں معاذ نے اپنے لیے یمن میں کندہ کرائی تھی۔ یہ حدیث مجھے کہیں نہیں ملی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ کسی حدیث میں اسی قسم کا تصرف کرکے جیسا کہ اول دو حدیثوں میں اس نے کیا ہے میور صاحب نے یہ حدیث بنالی ہے ہمیں کوئی وجہ اس امر کی معلوم نہیں ہوتی کہ یمن میں مُہر کو کندہ کروانیکی کونسی ضرورت پیش آئی تھی جبکہ مدینہ میں بہتیرے کندہ کرنیوالے موجود تھے۔ بلکہ صحیح بخاری اور دوسری صحاح ستہ کی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی انگوٹھی کو دیکھ کر بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی انگوٹھیاں اسی نقش کی بنوائی تھیں۔ اب اگر مدینہ میں نقش کندہ کرنیکی سہولت نہ ہوتی تو یمن میں ہر ایک کا جا کر کندہ کرانا مشکل کام معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث کہ بادشاہوں کے نام جو خطوط لکھے گئے تھے انپر مُہر لگوانیکی ضرورت کی وجہ سے انگوٹھی بنوائی گئی تھی نہ کسی اور غرض سے۔ اسقدر مختلف راویوں کے سلسلوں سے محدثین تک پہنچی ہے کہ اسکی صحت میں ہرگز کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی ایسی متفق علیہ حدیث کی تردید ایک ادھی ایسی حدیث سے ہوسکتی ہے جسکا پتہ لگانا بھی مشکل ہے۔ بہر حال میور صاحب کی تمام کارگذاری جسکے لیے اسے اسقدر غلط بیانیوں اور افتراؤں سے کام لینا پڑا ایک مقوقس والے خط کے دریافت ہوجانیسے خاک میں مل گئی ہے۔ اور اگر وہ خود زندہ ہوتا تو شاید شرمندہ ہوکر اس کو آئندہ ایڈیشنوں سے نکال دیتا۔ اگرچہ باوجود اس خط کے کتاب شایع ہونیسے پہلے معلوم ہوجانیکے بھی میور صاحب نے اُس بے نظیر ثبوت کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جو اس خط پر مُہر کی موجودگی سے پیدا ہوتا ہے۔

غرضکہ مقوقس والا خط ایک بے نظیر شہادت احادیث کی صداقت پر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے مگر اس شہادت کے علاوہ مَیں احادیث کی صداقت پر ایک اور بے نظیر شہادت اس مضمون میں پیش کرنی چاہتا ہوں۔ یہ شہادت نصرف

احادیث کی صداقت پر ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا منجانب اللہ ہونا ثابت کرتی ہے۔ یہ ہے احادیث میں
پیشگوئیوں کا موجود ہونا۔ اسلام کی تاریخ کو اگر ہم تین زمانوں پر تقسیم کریں یعنی ابتدائی زمانہ۔ درمیانی زمانہ اور آخری یا
موجودہ زمانہ تو ان تینوں میں ہم ان پیشگوئیوں کا ظہور کھلا کھلا پاتے ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں اور جنسے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ہر زمانہ میں اپنی چمک دکھاتی ہے۔ اور آپ کی برکات کا ہر زمانہ میں جاری رہنا ثابت ہوتا
ہے۔ کفار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غالب آنیکی پیشگوئیاں کھلے کھلے الفاظ میں قرآن کریم کی مکی سورتوں میں موجود
ہیں۔ مگر اسجگہ میرا منشا صرف ان پیشگوئیوں کے بیان کرنیکا ہے جو احادیث میں ہیں۔ ایسی پیشگوئیاں بکثرت ہیں
مگر نمونہ کے طور پر صرف ایک ان میں سے مَیں پیش کرتا ہوں مثلاً حدیث میں یہ پیشگوئی موجود ہے کہ صحابہؓ شام اور
ایران کو فتح کریں گے۔ یہ پیشگوئی اسوقت کی ہے جب جنگ احزاب کے وقت خندق کھودی جا رہی تھی۔ احمد نسائی
بیہقی طبرانی نے اس حدیث کو بیان کیا ہے اصل حدیث یہ ہے جسکا اول راوی براء بن عازب صحابی ہے۔ قال
لما کان حین امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحفر الخندق عرضت لنا فی
بعض الخندق صخرۃ لا تاخذ فیها المعاول فاشتکینا ذلک الی النبی صلی اللہ علیہ
وسلم فجاء فاخذ المعول فقال بسم اللہ فضرب ضربۃ فکسر ثلثها وقال اللہ اکبر
اعطیت مفاتیح الشام واللہ انی لابصر قصورها الحمر الساعۃ ثم ضرب الثانیۃ
فقطع الثلث الاٰخر فقال اللہ اکبر اعطیت مفاتیح فارس واللہ انی لابصر قصر المدائن
ابیض ثم ضرب الثالثۃ وقال بسم اللہ فقطع بقیۃ الحجر فقال اللہ اکبر اعطیت
مفاتیح الیمن واللہ انی لابصر ابواب صنعاء من مکانی ھذا الساعۃ .... اور بعض
روایتوں میں اخیر میں یہ الفاظ آئے ہیں ففرح المسلمون واستبشروا۔ یعنی خندق میں ایک پتھر کو توڑتے
وقت آپنے یہ فرمایا کہ مجھے شام کی کنجیاں دیگئی ہیں اور مَیں اسکے سرخ محلوں کو اسوقت دیکھ رہا ہوں۔ اور پھر فرمایا
کہ مجھے فارس کی کنجیاں دیگئی ہیں اور مَیں اسجگہ سے اسکے سفید محلوں کو دیکھ رہا ہوں اور ایسا ہی یمن کے متعلق فرمایا کہ
اسکی کنجیاں مجھکو دیگئی ہیں۔ اور یہ اس حال میں فرمایا جب آپ ایک پتھر کو توڑ رہے تھے۔ آپنے اس پتھر کو تین ضربوں
میں توڑا اور ہر ایک ضرب کے بعد ایک پیشگوئی کی گویا اس پتھر کا توڑنا بطور ایک فال کے تھا کہ سلطنتیں آپ کے صحابہؓ
کے آگے اسی طرح ٹوٹ جائیں گی۔ اور پیشگوئی میں یہ بھی آیا ہے کہ اذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہٗ واذا ھلک
کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ۔ یعنی جب قیصر اور کسریٰ ہلاک ہو جائیں گے اور انکی سلطنتیں مسلمانوں کے ہاتھ آجائینگی
تو پھر اسکے بعد کوئی قیصر و کسریٰ پیدا نہ ہوگا یعنی ایسا شخص پیدا نہ ہوگا جو مسلمانوں کے ہاتھوں سے ان ملکوں کو
چھین لے۔ پس جیسا پہلی پیشگوئیوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ان ممالک کو فتح کرلیں گے دوسری پیشگوئی

سے معلوم ہوتا ہے کہ قیصر و کسریٰ کا کوئی جانشین پھر ان ممالک کو انکے ہاتھ سے نہ لے سکیگا اور چونکہ اس دوسرے امر کی صداقت پر تیرہ سو سال نے گواہی دیدی ہے اور آجتک بھی اس کی صداقت کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اس لئے اس سے پہلی پیشگوئی کے متعلق تائیدی شہادت پیدا ہوتی ہے۔

بخاری ابو داؤد وغیرہ معتبر کتب میں ایسی احادیث بکثرت موجود ہیں جن میں ابتدائے زمانہ سے لیکر اخیر تک مسلمانوں کے متعلق تمام بڑے بڑے واقعات کی خبر دی گئی ہے حضرت عثمان کی خلافت میں فتنوں کا پیدا ہونا۔ اس کے بعد خانگی جنگوں کا مسلمانوں میں شروع ہو جانا اور فتنوں کا بکثرت پھیل جانا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح اور دوسرے بڑے بڑے واقعات جو اس ابتدائی زمانے میں پیش آئے سب پہلے سے بتائے گئے تھے اور عام طور پر صحابہؓ میں یہ پیشگوئیاں مشہور تھیں اور انکے پورا ہونیسے مسلمانوں کے ایمان بڑھتے اور تازہ ہوتے تھے۔ عیسائی منقد مثل سر ولیم میور کے اس قسم کی احادیث کو وضعی قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ جب کوئی فریق غالب ہوا تو اس نے اپنے حسب منشاء احادیث گھڑ لیں۔ مگر یہ محض قیاس ہے اور اسکی غرض کسی نہ کسی طرح پر اسلام پر حملہ کرنا ہے۔ اس دعوے کی کوئی دلیل انکے ہاتھ میں نہیں حالانکہ محدثین کے متعلق ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے کسقدر جانکاہی اور محنت سے بیچی اور جھوٹی احادیث کو الگ کیا۔ اور انکو کبھی اسبات کی پروا نہیں ہوئی کہ اس حدیث سے کوئی پیشگوئی یا معجزہ بنتا ہے۔ بلکہ کئی حدیثوں کو جن میں بعض معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا بعض خلفاء کی طرف منسوب کیے گئے ہیں انہوں نے وضعی قرار دیا۔ پس ایسے محققین کے متعلق ہم کبھی یہ گمان نہیں کرسکتے کہ محض پیشگوئیاں پوری کرنیکے لیے انہوں نے ایسی احادیث کو لیا۔ نہیں بلکہ انہوں نے صرف اسی اطمینان کے بعد ایسی حدیثوں کو قبول کیا کہ واقعی وہ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں۔

لیکن علاوہ اسکے ایک اور ثبوت بھی یہ احادیث اپنی صداقت کا رکھتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایسی ہی پیشگوئیاں درمیانی زمانہ کے متعلق بھی پائی جاتی ہیں۔ اور وہ قطعی ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہونیکا اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اسطرح پر کہ حدیث کی اکثر کتابیں جن میں پیشگوئیاں درج ہیں دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اکٹھی ہو کر دنیا میں شایع ہو چکی تھیں اور درسوں میں پڑھائی جاتی تھیں اور لاکھوں انسان انکا مطالعہ کرتے تھے۔ اب انہی کتابوں میں ہم وہ حدیثیں پاتے ہیں جن میں ایسی پیشگوئیاں مذکور ہیں۔ جو صدہا سال بعد پوری ہوئیں اور بسبب اسکے کہ یہ کثرت سے لوگوں کے درمیان شایع ہو چکی تھیں انکے پورا ہونے پر اہل علم نے ان واقعات کو لکھا اور خدا کا کلام پورا ہونے پر خوشی ظاہر کی اسطرح پر یہ احادیث نہ صرف اپنی صداقت کا ثبوت ہی اپنے اندر رکھتی ہیں بلکہ ان دوسری احادیث کی صداقت پر بھی شاہد ہیں جن میں وہ پیشگوئیاں موجود ہیں جو جمع احادیث سے پہلے زمانہ میں پوری ہو چکی تھیں۔

سنن ابی داؤد اور صحاح ستہ کی بعض دوسری کتابوں میں ایسی احادیث موجود ہیں جن میں کھلے کھلے لفظوں میں فتح قسطنطنیہ کی پیشگوئیاں موجود ہیں۔ بلکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تک فتح قسطنطنیہ نہ ہو لے تب تک دجال نہیں نکلیگا۔ اب جس وقت ان احادیث کو ان کتابوں میں لکھا گیا اسوقت قسطنطنیہ عیسائیوں کے ہاتھ میں تھا۔ اور مسلمانوں کی دو یا اڑھائی سو سال کی فتوحات کے باوجود قسطنطنیہ ان کے ہاتھ نہیں آیا تھا اور نہ کوئی قرائن ایسے موجود تھے کہ مسلمان اس شہر کو فتح کرینگے مگر محدثین کو کبھی ان باتوں کا خیال نہ تھا بلکہ وہ صرف یہ دیکھ لیتے تھے کہ حدیث کی صحت ثابت ہے یا نہیں۔ جن احادیث کی صحت انکے نزدیک پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی تھی وہ انہیں قبول کر لیتے تھے خواہ ان میں ایسی پیشگوئیاں ہوں جو پوری ہو چکی ہوں۔ اور خواہ ایسی ہوں جو ابھی آیندہ زمانہ کے متعلق ہوں۔ اب یہ پیشگوئیاں فتح قسطنطنیہ کے متعلق ابتدا سے مسلمانوں کے درمیان شہرت یافتہ تھیں اور پھر دوسری یا تیسری صدی ہجری میں کتابوں میں لکھی جاکر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئیں۔ چنانچہ ان کے لکھے جانیکے قریباً پانچسو سال بعد ۱۴۵۳ء عیسوی میں قسطنطنیہ فتح ہوا۔ ایسے زمانہ میں جب کہ پیشگوئی کے شایع ہونے پر آٹھ سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا تھا۔ یہ کسقدر صریح ثبوت ہے نہ صرف اس امر کا کہ یہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونہہ سے نکلی ہوئی ہیں بلکہ آنحضرت کی صداقت پر بھی یہ پیشگوئیاں بیّن گواہ ہیں۔ ایسا ہی انہی کتب یعنی ابو داؤد وغیرہ میں ایسی احادیث موجود ہیں جن میں یہ پیشگوئیاں ہیں کہ مسلمان تُرکوں کے ہاتھ سے سخت ہزیمت اُٹھائیں گے اور قتل کیے جاویں گے۔ یہ پیشگوئی بھی صدہا سال بعد پوری ہوئی جب ترکوں نے بغداد کو تباہ کیا اور لاکھوں مسلمانوں کا خون بہایا۔ اور خلافت کا خاتمہ کیا۔ یہ واقعہ ساتویں صدی ہجری کا ہے جب ان پیشگوئیوں کو کتابوں میں لکھے ہوئے چار سو سال کے قریب گذر چکے تھے۔ چنانچہ جن لوگوں نے ان احادیث کی شرح لکھی ہے انہوں نے ان تمام واقعات کو جو ان پیشگوئیوں کو پورا کرنیوالے ہیں پوری بسط سے ان احادیث کے نیچے لکھا ہے اور ان پیشگوئیوں کے پورا ہونیکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ ایسا ہی عیسائیوں کا تھوڑے عرصہ کے لیے مسلمانوں پر غالب آکر بیت المقدس پر قبضہ کر لینا اور مسلمانوں کا پھر دوبارہ اسے بیت المقدس لے لینا ان سب واقعات کے متعلق انہیں کتابوں میں پیشگوئیاں لکھی گئیں اور آخر مدت بعد پوری ہو کر لاکھوں انسانوں کے ازدیاد ایمان کا موجب ہوئیں

اسی زمانہ کے متعلق ایک اور مثال میں بیان کرنی چاہتا ہوں۔ صحیح بخاری میں جو بہرحال امام بخاری علیہ الرحمۃ کی وفات سے جو ۲۵۶ ہجری میں واقع ہوئی کا باب خروج النار کے نیچے یہ حدیث ابو ہریرہ کی روایت سے درج ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تقوم الساعۃ حتّٰی تخرج نار من ارض الحجاز تضیٔ اعناق الابل ببصری۔ یعنی ضروری ہے کہ قبل از قیامت ارض حجاز سے ایک آگ نکلے جو بصرہ میں اعناق الابل یعنی ٹیلوں اور پہاڑیوں کو روشن کردے۔ یہی حدیث صحیح مسلم میں بھی درج ہے اور اس میں یہ

[illegible]

کھلی کھلی پیشگوئی ہے کہ ارض حجاز سے کوئی عظیم الشان آگ نکلے گی جس کی روشنی بصرے کی پہاڑیوں تک پہنچے۔ یہ پیشگوئی تیسری جمادی الآخر ۶۵۴ھ ہجری کو پوری ہوئی چنانچہ فتح الباری میں اس آگ کے نکلنے کا حسب ذیل ذکر لکھا ہے

قال القرطبی فی التذکرۃ قد خرجت نار بالحجاز بالمدینۃ۔ وکان بدؤھا زلزلۃ عظیمۃ فی لیلۃ الاربعاء بعد العتمۃ الثالث من جمادی الاخرۃ سنۃ اربع وخمسین وستمائۃ واستمرت الی ضحی النھار یوم الجمعۃ فسکنت وظھرت النار بقریظۃ بطرف الحرۃ تری فی صورۃ البلد العظیم علیھا سور محیط علیہ شراریف وابراج ومأذن وتری رجال یقودونھا لاتمر علی جبل الادکتہ واذابتہ ویخرج من مجموع ذلک مثل النھر احمر وازرق لہ دوی کدوی الرعد یاخذ الصخور بین یدیہ وینتھی الی محط الرکب العراقی واجتمع من ذلک ردم صار کالجبل العظیم فانتھت النار الی قرب المدینۃ ومع ذلک فکان یاتی المدینۃ نسیم بارد وشوھد لھذہ النار غلیان کغلیان البحر وقال لی بعض اصحابنا رأیتھا صاعدۃ فی الھواء من نحو خمسۃ ایام وسمعت انھا رئیت من مکۃ ومن جبال بصری۔ وقال النووی تواتر العلم بخروج ھذہ النار عند جمیع اھل الشام۔ گویا اس آگ کا نکلنا ایک ایسا مشہور واقعہ تھا کہ سب اہل علم نے اس پیشگوئی کے پورا ہونیکو محسوس کیا جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں پائی جاتی ہے۔ مطلب عربی عبارت مذکورہ بالا کا یہ ہے کہ قرطبی نے تذکرہ میں اس بات کو بیان کیا ہے کہ حجاز میں ایک آگ نکلی اور اس سے پہلے ایک بڑا بھاری زلزلہ آیا اور یہ واقعہ تیسری جمادی الثانی ۶۵۴ھ ہجری بعد عشاء کا ہے۔ اور یہ آگ برابر جلتی رہی یہانتک کہ جمعہ کے دن چاشت کے وقت آکر ٹھہری۔ اور دور سے یہ آگ ایک بڑے شہر کی طرح نظر آتی تھی جسکے گرد فصیلیں ہوں اور اسپر برج وغیرہ ہوں اور معلوم ہوتا تھا کہ آدمی اس آگ کو چلا رہے ہیں۔ جس پہاڑ پر یہ آگ گذرتی تھی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھی اور پگھلا دیتی تھی۔ اور اس سے ایک نہر نکلتی تھی سرخ و نیلگوں رنگ کی آواز اسکی ایسی تھی جیسے بادل کے گرجنے کی آواز۔ اور پتھروں کو ساتھ بہائے لیے جاتی تھی۔ اور اس جگہ پر آکر ٹھہری جو قافلہ عراق کے اترنے کی جگہ ہے۔ اور اس سے ایک روک ایک بڑے پہاڑ کی مانند بن گئی۔ اور آگ مدینہ کے قرب وجوار تک پہنچ گئی مگر باوجود اسکے مدینہ میں ٹھنڈی ہوا آتی تھی۔ اور اس آگ میں ایک جوش اور طوفان نظر آتا تھا جیسا سمندر میں طوفان آتا ہے۔ اور دیکھنے والوں نے بیان کیا کہ قریباً پانچ دن یہ آگ ہوا میں چڑھی ہوئی دیکھی گئی۔ اور یہ بھی میں نے سنا ہے کہ یہ آگ مکہ اور بصرے کے پہاڑوں سے نظر آتی تھی۔ اور نووی کہتا ہے کہ کل اہل شام کے نزدیک اس آگ کے علم کا تواتر پایا جاتا ہے۔

اب ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر غور کرو۔ ان واقعات کو ان پیشگوئیوں پر آج ہی نہیں لگایا جاتا بلکہ جس وقت

یہ واقعات ظاہر ہونے اسی وقت اہل علم نے ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر خوشی ظاہر کی کیونکہ یہ پیشگوئیاں کوئی پوشیدہ امر نہ تھیں بلکہ لاکھوں انسانوں میں مشہور اور سیکڑوں کتابوں میں لکھی جا چکی تھیں۔ اور اسی طرح نار حجاز کے نکلنے فتح قسطنطنیہ اور تباہی بغداد کو ان شارحین حدیث نے جنکے زمانے سے پہلے یہ واقعات ہو چکے تھے مفصل طور پر اپنی کتابوں میں بیان کیا اس سے بڑھکر صداقت احادیث کا اور کیا ثبوت طلب کیا جا سکتا ہے۔ اب ان پیشگوئیوں کی حقیقت پر غور کرو۔ ترکوں کے ہاتھ سے جو مسلمانوں پر تباہی آنیوالی تھی اس کی کیسی صریح الفاظ میں مخبر صادق علیہ السلام نے خبر دی ہے۔ نہ صرف ترک کا نام لیکر ہی سمجھایا بلکہ یوں بھی بیان فرمایا۔ قال لا تقوم الساعة حتّٰی تقاتلوا قوماً نعالهم الشعر وحتّٰی تقاتلوا الترك صغار الاعين حمر الوجوه ذلف الانوف كان وجوههم المجان المطرقة صحابہؓ کے درمیان یہ پیشگوئی بہت شہرت پا چکی تھی کیونکہ انکو یہ خبر دیگئی تھی کہ اتركوا الترك ما تركوكم یعنی جب تک ترک تم کو کچھ نہ کہیں تم بھی انہیں مت چھیڑو۔ کیونکہ مسلمانوں پر ترکوں کے ہاتھ سے تباہی آنیوالی ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہ کے متعلق یہ واقعہ لکھا ہے کہ معاویہ بن خدیج کہتا ہے کہ میں معاویہؓ کے پاس تھا تو اسکے پاس اسکے ایک عامل کا خط آیا کہ ترکوں سے اسکا مقابلہ ہوا اور اس نے ترکوں کو بھگا دیا۔ اسپر معاویہؓ بہت غضبناک ہوا اور اس عامل کو لکھا کہ جبتک میں تم کو نہ لکھوں انسے جنگ مت کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ترک عربوں کو نکال دینگے یہانتک کہ انکو شیح دگھاس، کے اگنے کی جگہ تک پہنچا دینگے یعنی شہروں سے نکالکر جنگلوں میں داخل کر دینگے جس سے اشارہ عظیم الشان تباہی کی طرف ہے۔ اور معاویہؓ نے لکھا کہ اسی وجہ سے میں ترکوں کے ساتھ جنگ کرنیکو ناپسند کرتا ہوں اور آخر جب مسلمانوں نے مخبر صادقؐ کے حکم اتركوا الترك کی خلاف ورزی کی اور خوارزم شاہ نے چنگیز خان کے ایلچیوں کو قتل کر ڈالا تو پھر وہ تباہی سلمانوں پر آئی جسکے سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں ایسا ہی طبرانی نے یہ حدیث بیان کی ہے ان بنی قنطورا اول من سلب امتی ملکهم یعنی ترک ہی اول وہ لوگ ہونگے جو میری امت سے ملک چھین لینگے۔ غرضکہ صحابہؓ کے اندر یہ ایک نہایت ہی شہرت یافتہ امر تھا کہ ترکوں کے ہاتھ سے مسلمانوں پر خطرناک تباہی آئیگی۔ اور یہ پیشگوئیاں صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ اور انکے لکھے جانیکے صدہا سال بعد یہ پیشگوئیاں نہایت صفائی اور وضاحت سے پوری ہوئیں۔ ایسا ہی فتح قسطنطنیہ کے متعلق قسطنطنیہ کا نام لیکر پیشگوئی کی گئی ہے۔ آگ کے نکلنے کے متعلق بھی ارض حجاز کو مخصوص کیا گیا ہے اور کسقدر تیقن سے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کبھی قیامت قائم نہیں ہوگی جبتک ارض حجاز سے نار نہ نکلے اور وہ نار اتنی بڑی نہ ہو کہ اسکی روشنی بصرے کی پہاڑیوں تک پہنچے۔ کیا یہ باتیں انسانی علم کے اندر ہیں اور انسان ایسا دعویٰ کر سکتا ہے۔ جس قسم کی آگ کا حجاز میں نکلنا بیان کیا گیا ہے اسکی نظیر تو کل دنیا میں بھی مشکل ملتی ہے چہ جائیکہ ایک خاص قطعہ زمین کو

مخصوص کر دیا جائے۔ الغرض یہ پیشگوئیاں جو اسلام کے درمیانی زمانے میں پوری ہوئیں مدتوں پہلے احادیث کی کتابوں میں لکھی جا چکی تھیں اور اسطرح پر یہ احادیث کی صداقت پر ایک عظیم الشان گواہ ہیں۔

مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں اسلام کے ابتدائی یا درمیانی زمانوں تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ اس آخری زمانے میں بھی وہ اُسی صفائی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونیکی شہادت ادا کر رہی ہیں۔ چنانچہ بطور مثال یہاں چند پیشگوئیاں درج کیجاتی ہیں جو اس زمانہ میں پوری ہوئیں۔ قبل انکے ذکر کرنیکے میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ایک وقت وہ تھا جب مسلمان اسبات سے خوش ہوا کرتے تھے کہ ان کو پتہ لگ جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشگوئی پوری ہوئی اور جہاں تک ممکن ہوتا تھا وہ واقعات پیش آمدہ کو پیشگوئیوں پر چسپاں کرنیکی کوشش کرتے تھے اور الفاظ کے وہ معنے اختیار کرتے تھے جن سے پیشگوئیوں کا پورا ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ثابت ہو۔ مگر اس زمانے میں حالت اُلٹی ہو رہی ہے اور حالانکہ دیکھتے ہیں کہ پیشگوئیاں صفائی سے پوری ہو رہی ہیں۔ مگر انکا انکار کرتے چلے جاتے ہیں اور سیدھے سادے الفاظ کے لیے نئے نئے معنے تراشتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرتؐ کی پیشگوئیوں کا ادب اس امر کا مقتضی تھا کہ اگر کسی معنے کے رو سے ایک پیشگوئی پوری ہو گئی ہے تو اسپر خوشی کیجاوے اور اسکو دیگر مذاہب کے سامنے بطور حجت قاطعہ صداقت اسلام کے پیش کیا جائے۔ ہم کب مان سکتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام کی عظمت کو چاہتے ہیں جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے متعلق انہوں نے یہ طریق اختیار کر رکھا ہے کہ مخالفوں کی طرح انکار کرتے چلے جاتے ہیں۔ اصل وجہ ان کے انکار کی یہ نہیں ہے کہ واقعی پیشگوئیاں انکی سمجھ میں نہیں آئیں بلکہ یہ وجہ ہے کہ ایک مامور من اللہ کا انکار وہ کر چکے ہیں اور اس لیے اب کسی ایسی بات کا اقرار نہیں کرتے جس سے اس کے دعوے کی تائید ہوتی ہو اسلیے انہیں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی کھلی پیشگوئیوں کا بھی انکار کرنا پڑا۔ مثلاً امام محمد باقرؒ سے دارقطنی میں یہ روایت ہے کہ مہدی کے لیے دو نشان ہیں۔ ینکسف القمر لاول لیلۃ من رمضان و تنکسف الشمس فی النصف منہ۔ یعنی قمر کو اپنی گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات اور سورج کو اپنے گرہن کے دنوں میں سے درمیانے دن میں گرہن لگیگا۔ اور یہ واقعہ ماہ رمضان میں ہوگا۔ سو یہ پیشگوئی پوری ہو گئی اور جسطرح حدیث میں لکھا تھا ۱۸۹۴ء عیسوی یعنی ۱۳۱۱ ہجری میں رمضان کی ۱۳۔ تاریخ کو چاند کو اور ۲۸ کو سورج کو گرہن لگا۔ اس واقعہ پر بعض علماء تو ایسے تھے جنہوں نے دبی زبان سے اقرار کیا کہ بے شک نشان تو ظاہر ہو گیا مگر مہدی ظاہر نہیں ہوا۔ اور بعض نے اس واقعہ پر افسوس ہے ظاہر کیا کہ اب لوگ گمراہ ہونگے یعنی اس نشان کو دیکھکر مدعیٔ مسیحیت اور مہدویت کی طرف رجوع کرینگے جو انکے نزدیک گمراہی تھی مگر ان لوگوں سے یہ بھی نہ ہوا کہ کم از کم پیشگوئی کے پورا ہونیکو ہی دیگر مذاہب کے سامنے اسلام کی صداقت کے نشان کے طور پر بیان کرتے اور زور دیتے مگر یہ وہ کہاں کر سکتے تھے کیونکہ دلوں میں تو یہ در رکھا ہے کہ مدعی مہدویت کے دعوے کو

تقویت پہنچتی ہے۔ اور ماکرز نے اول ہی اس بات کو سوچکر پہلے سے ہی یہ اصرار کیا کہ اول لیلۃ سے مراد چاند کی پہلی رات ہے
یگرہن کی۔ حالانکہ یہ معنے ایسے بیہودہ ہیں کہ ایک غور سے کام لینے والا آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی اس بات کو نہیں مان سکتا
کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشاء چاند کی پہلی رات تھا جب اسے قمر کہہ بھی نہیں سکتے حالانکہ حدیث میں قمر کا
لفظ ہے۔ اور دوسری طرف اسے گرہن کیا لگے گا وہ تو پہلے ہی کسی کسی کو نظر آیا کرتا ہے اگر گرہن لگا تو کسی کو بھی نظر نہ آئیگا
اور یہ کہا جائیگا کہ چاند چڑھا ہی نہیں نہ یہ کہ اسے گرہن لگ گیا ہے۔ علاوہ ازیں دس پندرہ منٹ میں ہلال غروب
ہوجایا کرتا ہے وہ کونسا وقت ہوگا جب خلق خدا اسکے گرہن کو بھی دیکھ لے گی اور یہ نشان بھی بن جائیگا غرضکہ یہ
معنے نہایت ہی لغو ہیں پر مَیں کہتا ہوں کہ اگر دونوں معنے عبارت کے بھی ہوسکتے جو اس صورت میں نہیں ہوسکتے
تو بھی حق یہ تھا کہ جب ایک خاص معنے کے رو سے پیشگوئی پوری ہوتی تھی تو انہی معنوں کو صحیح تسلیم کیا جاتا اور
پیشگوئی کے پورا ہونے پر سجدات شکر بجالائے جاتے کہ یہ خصوصیت اسلام میں ہی ہے کہ اسکی پیشگوئیاں اس
زمانہ میں بھی اس صفائی سے پوری ہو رہی ہیں۔ افسوس کہ تعصب نے ان لوگوں کو نہ صرف امام وقت کے پہچاننے سے ہی روک رکھا
بلکہ آنحضرتؐ کی پیشگوئیوں کے انکار پر بھی مجبور کیا۔ یہ حالت مسلمانوں کی ہوگئی ہے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی طرح سے اور پیشگوئیاں اس زمانہ میں پوری ہوئیں۔ مگر اسی طرح سے اور اسی وجہ سے انکا بھی انکار کیا گیا۔
مثلاً دیکھو کہ یہ پیشگوئی کس قدر صراحت سے پوری ہوئی تھی۔ لیترکن القلاص فلا یسعیٰ علیھا۔
یعنی آخری زمانہ میں ایک وقت ایسا آئیگا کہ اونٹنیاں چھوڑ دیجاویں گی اور ان پر سواری نہیں کیجاوے گی۔
اب غور کرو کہ حجاز ریلوے جو تیار ہو رہی ہے اس سے کسقدر صفائی سے یہ پیشگوئی پوری ہوتی ہے مگر کیا یہ
لوگ انکار کریں گے؟ وہی خطرہ یہاں بھی انکو دامنگیر ہے جو کسوف خسوف والی پیشگوئی میں یعنی یہ کہ اس سے حضرت
مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کی تصدیق ہوتی ہے۔ ایسا ہی طاعون کا پھوٹ نکلنا۔ زلزلوں کا آنا۔ حج کا بند ہونا
نصاریٰ کا روئے زمین پر غلبہ ہوجانا۔ وغیرہ وغیرہ بہت سی ایسی پیشگوئیاں ہیں جو اس زمانہ میں پوری ہوکر روز روشن کیطرح
اسلام کی صداقت کو دکھا رہی ہیں مگر صرف اس تعصب کی وجہ سے جو امام وقت کے ساتھ لوگوں کو پیدا ہوگیا ہے
اور جو عین سنّت اللہ کے مطابق ہے۔ یہ لوگ اسلام کی تمام عظمتوں اور اسکی صداقتوں اور اسکے نشانوں کا
انکار کرتے چلے جاتے ہیں۔ اے خدا تو انکو راہ راست پر لا۔ آمین۔

بالفعل مَیں اس مضمون کو اسجگہ ختم کرتا ہوں میری غرض ان تمام پیشگوئیوں کے اسجگہ پیش کرنے سے صرف یہ ہے
کہ احادیث میں عظیم الشان صداقتوں کا مجموعہ ہے ہاں صرف اسقدر ہم کہتے ہیں کہ جو حدیث قرآن شریف کے
خلاف ہو اسکو ہم قبول نہیں کرسکتے اس اصل کو مد نظر رکھکر یہ شہادت صداقت احادیث پر جو میں نے اس مضمون میں
پیش کی ہے ایسی شہادت ہے کہ دیگر تاریخی امور میں اسکا وجود نہیں پایا جاتا پس احادیث کی صداقت نہ صرف تاریخی رنگ

میں ہی ظاہر ہے بلکہ ان پیشگوئیوں نے جو احادیث میں پائی جاتی ہیں معمولی تاریخ سے بہت بڑھکر عزت اور شرف احادیث کو دیا ہے۔ خدا کا کس قدر احسان ہے کہ اس نے اسلام کے لیے وہ وہ فضیلتیں رکھی ہیں۔ جنکا نام و نشان بھی دوسرے مذاہب میں نہیں پایا جاتا۔ اگر خدا نے توفیق دی تو میرا ارادہ ہے کہ ایک مضمون جمع حدیث پر لکھوں۔ کیونکہ اس کے بغیر یہ مضمون بھی نامکمل ہے۔

زلزلے اور پیشگوئیاں

(مرقومہ مولوی شیر علی صاحب بی۔اے)

اکبر مسیح اُن تمام چالوں میں خوب مشاق ہے جو عیسائی مباحثین چلا کرتے ہیں۔ یا تو اپنے بزرگوں کی طرح فریق ثانی کے دلایل کو محرف و مبدل کرکے پیش کرتا ہے یا انکو عمداً نظرانداز کرکے اپنے ناظرین کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ایپی فینی مورخہ ۲۳۔ جون ۱۹۰۶ئ میں اُس کی ایک چٹھی چھپی ہے جس میں وہ حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کے متعلق جو کہ ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلے کی نسبت تھی نکتہ چینی کرتا ہے اور اپنی معمولی چال بازی سے کام لیتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اس زلزلہ کے متعلق دو الہام شایع کیے تھے اول "ایک زلزلہ کا دھکا" دوم **عفت الدیار محلها و مقامها**۔ پہلا دسمبر ۱۹۰۳ء میں شایع ہوا اور دوسرا مئی ۱۹۰۴ء میں۔ ان الہاموں میں صرف ایک زلزلہ کے متعلق پیشگوئی نہ تھی بلکہ یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ وہ کیسا سخت ہوگا۔ کوئی عقلمند آدمی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ دونوں الہام ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ میں پورے ہوئے۔ لیکن اکبر مسیح ایسی صریح پیشگوئی سے بھی انکار کرتا ہے۔ اس پیشگوئی پر بحث کرتا ہوا پہلی چال وہ یہ چلتا ہے کہ پیشگوئی کے ایک حصہ کو بالکل نظرانداز کر دیتا ہے وہ عمداً زلزلہ کے دھکے والے الہام کو نظرانداز کرکے اعتراض کرتا ہے کہ پیشگوئی میں یہ نہیں بتایا گیا کہ مکانات زلزلہ کے سبب سے گریں گے۔ اگر یہ بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے دونوں الہامات کا ایپی فینی مورخہ ۹۔ جون ۱۹۰۶ء میں ایک ہی جگہ ذکر کیا گیا تھا لیکن اکبر مسیح ایک الہام کو لیتا ہے اور دوسرے کو بالکل چھوڑ دیتا ہے اگر دوسرے الہام یعنی زلزلہ کا دھکا میں کوئی نکتہ چینی کی گنجایش نہیں تھی تو اُس نے کیوں دیانتداری سے اقرار نہ کیا کہ یہ الہام بیشک پورا ہو گیا۔ مگر **عفت الدیار محلها و مقامها** والے الہام پر بحث کرتے ہوئے بھی وہ دیانتداری سے کام نہیں لیتا۔ اگر ہم دوسرے الہام کو نظرانداز بھی کر دیں اور اسی الہام عفت الدیار کو ہی لیں تو صرف یہی ایک دیانتدار آدمی کو یقین دلانیکے لیے کافی ہے۔ اس میں کم از کم اتنا تو بتلایا گیا تھا کہ مکانوں کا نام و نشان نہیں رہیگا گو

نہ بتایا گیا ہو کہ کسوجہ سے یہ تباہی آئے گی۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا وہ تباہی وقوع میں آئی یا نہیں۔ اگر وہ وقوع میں آئی تو ہمیں قرار کرنا چاہیئے کہ یہ الہام پورا ہوا۔ لیکن اکبر مسیح ایسا آدمی نہیں کہ حق کو قبول کرے وہ بڑی گستاخی سے حضرت مسیح موعودؑ کو سرقہ کا الزام لگاتا ہے اور لکھتا ہے کہ انہوں نے یہ فقرہ سبعہ معلقہ کے ایک قصیدہ سے چرایا ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ اُسکی اس سے کیا مراد ہے کیا وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب ایک فصیح عربی فقرہ نہیں بنا سکتے تھے اور انہوں نے سبعہ معلقہ سے ایک مصرعہ چرایا اور یہ خیال کیا کہ کوئی شخص اس چوری کو معلوم نہیں کر سکے گا لیکن یہ خیال صریح باطل ہے۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب نے قریباً بیس کتابیں فصیح عربی نظم اور نثر میں لکھی ہیں اور انکو اعجاز کے طور پر پیش کیا ہے کیا یہ خیال حماقت پر دلالت نہیں کرتا کہ ایسے شخص نے فقرہ عربی دوسری کتاب سے چرایا۔ نیز یہ خیال بھی بیہودہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے لوگوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے اور خیال کیا ہے کہ کوئی شخص نہیں معلوم کر سکیگا کہ یہ سبعہ معلقہ کا فقرہ ہے۔ یہ ایک مشہور قصیدہ کا مشہور مصرعہ ہے اور یہ قصیدہ ہر ایک عربی خوان طالبعلم کے ہاتھ میں ہوتا ہے خود اُس احباب کے حلقہ میں جس میں کہ حضرت صاحب نے سب سے پہلے اپنا یہ الہام بیان کیا ایسے فاضل موجود تھے جنہوں نے سینکڑوں دفعہ اس قصیدہ کو پڑھا اور پڑھایا ہوگا۔ تو کیا اس صورت میں اس سے بڑھ کر کوئی لغو خیال ہو سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے سبعہ معلقہ کا ایک فقرہ چرا کر یہ خیال کیا کہ کوئی شخص اس چوری کو معلوم نہیں کر سکے گا۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مرزا صاحب نے اس مصرعہ کو اپنی فصاحت و بلاغت کے ثبوت میں پیش نہیں کیا بلکہ اسکے ذریعہ ایک آئندہ واقعہ کی خبر دی ہے۔ اُسکو اپنا کلام بنا کر پیش نہیں کیا بلکہ یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے وحی ہے اور نتیجہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ واقعی یہ خدا کا کلام تھا جس واقعہ کی اس مصرعہ میں خبر دیگئی تھی (یعنی مکانات کی عام تباہی) وہ وقوع میں آگئی۔ اور اس نے اسبات کا صریح ثبوت دیا کہ واقعی یہ الفاظ خدا کی طرف سے تھے اور مسروقہ بالکل نہ تھے۔ کیا اکبر مسیح بتلا سکتا ہے کہ اگر یہ الفاظ مسروقہ ہیں تو کیوں وہ واقعہ جسکی کہ ان الفاظ میں خبر دیگئی وقوع میں آیا۔ یہ مصرعہ عرب کے شاعر کے مونہہ میں صرف ایک انسان کا کلام تھا۔ اور ایک گذشتہ واقعہ کا بیان تھا لیکن احمدؑ کی زبان پر وہی مصرعہ ایک معجزہ ہو گیا کیونکہ اُس میں ایک آئندہ واقعہ کی خبر دی گئی جو کہ حسب پیشگوئی وقوع میں آگیا۔ اگر پیشگوئی پوری نہ ہوتی تو اکبر مسیح کا حق تھا کہ جو الزام چاہتا لگاتا لیکن جبکہ پیشگوئی پوری ہوگئی جس کا کہ ان الفاظ میں ذکر تھا تو ان الفاظ کو مسروقہ کہنا بیحیائی نہیں تو کیا ہے؟ کیا اکبر مسیح شیکسپیر کی تصنیف ہی سے ایک ایسا مصرعہ انتخاب کر سکتا ہے جسکو وہ پیشگوئی کے طور پر شایع کرے اگر وہ ایسا کر سکتا ہے تو کرے۔ اگر ایسی پیشگوئی پوری ہوگئی تو ہم خوشی سے اُسکو معجزہ ماننے کے لیے طیار ہیں۔ لیکن اگر ایسا کرنا ممکن نہیں تو اُسے اقرار کرنا چاہیئے کہ جو کچھ احمدؑ نے شایع کیا وہ خدا کی طرف سے تھا اور نتیجہ نے اُسکا خدا کا کلام ہونا ثابت کر دیا۔ کیا سرقہ کرنیوالا نبوت کر سکتا ہے۔

یہ سچ بات ہے کہ اگرچہ حضرت مرزا صاحب کے اکثر الہامات نئے ہوتے ہیں مگر چند مواقع پر خدا نے ایسا پسند کیا ہے کہ انسانوں کے الفاظ یا قول کو بطور الہام نازل فرمائے جبکہ اُس نے دیکھا کہ وہ الفاظ اُن واقعات کو ٹھیک طور پر بیان کرتے ہیں جنکو وہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ اس قسم کی ایک مثال تو یہی ہے عفت الدیار محلھا و مقامھا اور دوسری مثال حضرت اقدس کا ایک بعد کا الہام ہے اور وہ یہ ہے۔ تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد۔ لیکن یہ پیشگوئیاں اپنے مرتبہ میں دوسری پیشگوئیوں سے کم نہیں ہیں۔ کیا اکبر سیح بتا سکتا ہے کہ اگر خدا کے کلام کا انسان کے کسی قول سے تطابق ہو جاوے تو اس میں کیا حرج ہے۔ کیا خدا اپنے کلام میں وہی الفاظ استعمال نہیں کرتا جو ہم کرتے ہیں۔ دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ یہ الفاظ اُس واقعہ آئندہ کی کیفیت کو کس خوبی سے بیان کرتے ہیں۔ کیا حضرت مرزا صاحب کی طاقت میں تھا کہ کسی قدیمی شاعر کے کلام ہی سے ایک مصرعہ انتخاب کرتے جو کہ آنیوالی مصیبت کا ایسی خوبی سے نقشہ کھینچتا۔

دوسرا اعتراض جو اکبر سیح اس پیشگوئی پر کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے پہلے مرزا صاحب نے یہ سمجھا تھا کہ یہ طاعون کی تباہی کے متعلق ہے۔ یہ اعتراض نبیوں کی پیشگوئیوں کی حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اُنکی پیشگوئیاں نجومیوں یا ہیئت دانوں کی پیشگوئیوں کی طرح نہیں ہوتیں۔ نجومیوں کی پیشگوئیاں اُنکے اپنے علم پر مبنی ہوتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں وہ اُنکے اپنے خیالات و علم کا اظہار ہوتی ہیں اس لیے اُنکی پیشگوئیوں کے الفاظ انہیں معنوں میں پورے ہونے چاہئیں جن معنوں میں انہوں نے بروقت اشاعت استعمال کیا تھا۔ لیکن خدا کے مامورین کی پیشگوئیاں اُن لوگوں کی پیشگوئیوں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ نبی اپنی پیشگوئیوں کے آپ بانی نہیں ہوتے بلکہ خدا اُن پیشگوئیوں کا ظاہر کرنیوالا ہوتا ہے۔ اس بارے میں نبیوں میں اور دوسرے لوگوں میں صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ اول انکے پاس وہ پیغام براہ راست خدا کی طرف سے پہنچتا ہے حالانکہ دوسرے لوگوں کے پاس وہ پیغام نبیوں کے ذریعہ بالواسطہ پہنچتا ہے چونکہ نبی خود غیب دان نہیں ہوتے اس لیے وہ اس پیغام میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا نہیں سکتے وہ صرف ہو بہو اُسکو لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگر نبی کسی پیشگوئی کے پورا ہونیکے متعلق کوئی اجتہاد کرتا ہے تو اُسکا اجتہاد بشریت سے بھرا ہوا اجتہاد ہے۔ وہ عالم الغیب ہونیکا دعویٰ نہیں کرتا۔ وہ الہام جس کو کہ وہ شایع کرتا ہے اوسکے کسی اپنے خیال کا اظہار نہیں ہے اگر پیشگوئی ایسی طرز پر پوری نہ ہو جیسا کہ اسکا اپنا خیال ہے تو یہ امر نفس پیشگوئی کی قدر و قیمت کو کم نہیں کرتا۔ ہمیں پیشگوئی کے اصل الفاظ کو مدنظر رکھنا چاہیئے یعنی انہی الفاظ کو جو خدا کے موہنہ سے نکلے ہیں اور نتیجہ کا انتظار کرنا چاہیئے اگر کوئی ایسا امر وقوع میں آوے جسپر کہ پیشگوئی کے الفاظ بالصراحت چسپاں ہوں تو ہمیں اقرار کرنا چاہیئے کہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا نتیجہ پیشگوئی کے اصل الفاظ کے مطابق ہے۔ اگر نتیجہ اصل الفاظ پیشگوئی کے مطابق ہو تو پیشگوئی کے سچے ہونیکا اقرار کرنا چاہیئے۔ یہ ضروری نہیں کہ جس طرح نبی کا خیال تھا کہ پیشگوئی

اس رنگ میں پوری ہوگی اُسی رنگ میں پوری ہو۔ بائبل اور اسلامی تاریخ سے کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جنہیں پیشگوئیاں ایسی طرز پر پوری ہوئیں جو طرز کہ امید کے برخلاف تھی۔ کیا حضرت مسیح کی آمد کا واقع امید کے برخلاف نہ تھا۔ اکبر مسیح لکھتا ہے کہ ایک مسلمان مصنف ہمیں یقین دلاتا ہے کہ عفت الدیار لخ کا الہام اس طرز میں پورا نہیں ہوا جس طرح مرزا صاحب کو اُمید تھی۔ اگر یہ مسلمان مصنف چراغدین جمونی نہیں ہے جو کہ اپنی رسالت کا کام شروع کرنے سے پہلے ہی طاعون سے ہلاک ہوا تو اکبر مسیح کو چاہیئے کہ اس سے سوال کرے کہ آیا آنحضرت صلعم کا رؤیا جو ہجرت کے متعلق تھا آپ کی امید کے مطابق پورا ہوا؟ کیا آپ نے خیال نہیں کیا تھا کہ وہ کھجوروں والی زمین جس کی طرف آپکو ہجرت کرنی پڑیگی یمامہ یا حجر ہے لیکن وہ مدینہ نکلا۔ کیا اکبر مسیح کے مسلمان دوست کی رائے میں ہجرت کے متعلق آنحضرت صلعم کا رؤیا سچا نہیں نکلا جو کہ آپ کی امید کے مطابق پورا نہ ہوا۔

شروع مئی ۱۹۰۴ء میں خدا کی وحی حضرت مسیح موعود پر نازل ہوئی کہ مکانات کیا مستقل رہایش کے اور کیا عارضی رہایش کے مٹا دیئے جاویں گے۔ چونکہ اُس وقت اس ملک میں طاعون پھیلی ہوئی تھی حضرت مرزا صاحب نے خیال کیا کہ یہ الہام ایسی عام تباہی کی طرف اشارہ کرتا ہے جو طاعون کے ذریعہ ہوگی۔ لیکن نتیجہ نے ظاہر کردیا کہ یہ طاعون کی تباہی کے متعلق نہیں تھا بلکہ اسکا مطلب یہ تھا کہ واقعی مکانات کا نام و نشان مٹا دیا جائیگا طاعون تو صرف صاحب خانہ کو ہلاک کرتی ہے لیکن اس الہام سے یہ پایا جاتا ہے کہ نہ خانہ رہیگا اور نہ صاحب خانہ اور یہ الہام اپنے اصلی اور لفظی معنوں میں پورا ہوا۔

اکبر مسیح کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس پیشگوئی کا ظاہر کرنیوالا خدا تعالیٰ ہے نہ مرزا صاحب۔ اگر خدا تعالیٰ کا کلام صفائی کے ساتھ پورا ہوگیا تو ہمیں اُس کلام کو سچا ماننا چاہیئے۔ پیشگوئی خدا کی طرف سے تھی اور اس کے الفاظ کو سوچنا چاہیئے اگر پیشگوئی کے پورا ہونیسے پہلے حضرت مرزا صاحب نے یہ خیال کیا کہ طاعون کے متعلق ہے تو ہم انکو الزام نہیں لگا سکتے کیونکہ انہوں نے غیب دانی کا کبھی دعویٰ نہیں کیا اور نہ یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ پیشگوئی مَینے اپنے علم کی بنا پر کی ہے۔ حضرت مرزا صاحب کی رائے اور پیشگوئی کے معنوں میں اختلاف اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ پیشگوئی بناوٹی نہ تھی حضرت مرزا صاحب کا خیال کچھ اور تھا۔ خدا کا ارادہ کچھ اور۔

تیسرا اعتراض جو اکبر مسیح اس پیشگوئی کے متعلق کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس پیشگوئی میں وقت اور مقام زلزلہ نہیں بتایا گیا۔ اگر اکبر مسیح کو عربی سے کچھ مس ہوتا تو وہ کبھی زلزلہ کے مقام کے متعلق اعتراض نہ کرتا۔ الدیار کا الف لام بتلاتا تھا کہ یہ واقعہ اسی ملک میں ہوگا جس میں کہ حضرت مسیح موعود رہتے ہیں یعنی پنجاب۔ اور الہام کی اشاعت کے وقت یہ ظاہر بھی کردیا گیا تھا کہ یہ پنجاب کے متعلق ہے اور قریب زمانہ کے متعلق ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے زلزلہ لوگوں کی سزا کے لیے بھیجا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُسکا ٹھیک وقت ظاہر

نہ کیا گیا ۔ اور یہی سبب ہے کہ اوس آنیوالے زلزلۂ عظیمہ کی گھڑی بھی معیّن نہیں کی گئی ۔ وہ بھی دنیا کو ناگہانی طور پر آپکڑیگا
اس پیشگوئی کی صداقت سے اس لیے انکار کرنا کہ ٹھیک وقت نہیں بتلایا گیا بیوقوفی ہے ۔ خدا کی وحی بتلاتی تھی کہ
قریب زمانے میں اس ملک میں ایسا زلزلہ آئیگا جو مکانات کو زمین کے ساتھ ملا دیگا ۔ اس ملک میں صدہا سال
سے کوئی ایسا زلزلہ نہیں آیا تھا اور اس لیے یہ پیشگوئی کسی قیاس پر مبنی نہیں ہو سکتی تھی ۔ دوسرے الہام کے شایع
ہونے سے ایک سال کے اندر اسی ملک میں ایک ایسا سخت زلزلہ آیا جس نے طرفۃ العین میں کانگڑہ کی خوبصورت
وادی کو کھنڈرات کا ایک ویرانہ بنا دیا ۔ لیکن اکبر مسیح ایسی صریح پیشگوئی سے بھی انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ
پیشگوئی سچی نہیں کہی جا سکتی کیونکہ ٹھیک وقت نہیں بتلایا گیا ۔ اگر کوئی شخص یہ پیشگوئی کرے کہ زید کو ایک دیوانہ
کُتّا کاٹے گا اور وہ اس سے مر جائیگا اور ایسا ہی وقوع میں آوے تو کیا ہمیں اس پیشگوئی کا صرف اسی وجہ سے
انکار کرنا چاہیئے کہ اسکی موت کا کوئی مقررہ وقت نہیں بتایا گیا ۔ اگر اکبر مسیح اسی قاعدہ پر چلے تو اُسکو بائبل کی اکثر
پیشگوئیوں سے انکار کرنا پڑے گا ۔ دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ آیا جو کچھ ظاہر کیا گیا ہے اُسکا ظاہر کرنا پیشگوئی کرنے والے کے
اختیار میں تھا اور آیا وہ پورا ہوا یا نہیں ۔ اگر یہ دونوں شرطیں پوری ہو جاویں تو پیشگوئی کی تصدیق کرنی چاہیئے ۔

عیسائی مباحثین حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے یسوع کو بھول جاتے ہیں اکبر مسیح زڈکیل
یہودی نجومی کا مسیح موعودؑ سے مقابلہ کرتا ہے ۔ مگر یہ نہیں جانتا کہ ایسا کرنے سے وہ اپنے خداوند کی تذلیل کرتا ہے ۔
اگر وہ زڈکیل یہودی کا یسوع سے مقابلہ کرتا تو وہ معلوم کرتا کہ یسوع زڈکیل یہودی سے بہت پیچھے رہ گیا ہے ۔
یسوع نے بھی پیشگوئی کی تھی کہ زلزلے آئیں گے اور وہ اُن کی آمد ثانی کا نشان ہوں گے اور یہ کہ اُسوقت
کی موجودہ نسل اوسکی آمد ثانی کو دیکھے گی ۔ معترض خوب جانتا ہے کہ نہ صرف وہ نسل گذر گئی بلکہ سیکڑوں
اور نسلیں بھی گذر گئیں مگر یسوع کی بات پوری نہ ہوئی ۔ اب زڈکیل یہودی نے بھی اس زمانے میں ایک
زلزلے کی پیشگوئی کی اور اکبر مسیح کہتا ہے کہ وہ پوری ہو گئی ۔ تو کیا اب یہ یہودی یسوع پر فوقیت رکھنے کا دعویٰ
نہیں کر سکتا ؟ اگر اکبر مسیح زڈکیل کی اون پیشگوئیوں کا حوالہ دے جو پوری نہیں ہوئیں تو یہ یہودی بھی یسوع
کی بہت سی پیشگوئیوں کا حوالہ دے سکتا ہے جو پوری نہیں ہوئیں ۔

زڈکیل کی پیشگوئی کا مسیح موعودؑ کی پیشگوئی سے مقابلہ کرتے وقت مفصلہ ذیل امور کا خیال کرنا چاہیئے ۔
(۱) حضرت مسیح موعودؑ نے زڈکیل سے دس ماہ پیشتر اپنی پیشگوئی کو شایع کیا ۔ (۲) زڈکیل نے اس زلزلہ کی
شدت کی کوئی تعیین نہیں کی ۔ اُس نے صرف یہ بیان کیا کہ ایک تیز زلزلہ ہوگا ۔ مگر ممکن تھا کہ زلزلہ تیز بھی ہوتا
اور مکانات کا کوئی بڑا نقصان نہ ہوتا ۔ ۴ ۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کے بعد بھی بہت سے زلزلے آئے جنکو تیز بیان
کیا گیا مگر اُن سے مکانات کا کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا ۔ حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی میں زلزلہ کی شدت کی

ایسی تعیین کی گئی ہے کہ اُس سے بڑھکر تعیین کرنا ممکن نہیں، آپ کی پیشگوئی میں یہ تھا کہ زلزلہ ایسا شدید ہوگا کہ وہ مکانات کو زمین کے ساتھ ملا دیگا۔ اب ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی زڈکیل یہودی کی پیشگوئی سے بدرجہا زیادہ صاف اور واضح تر ہے۔ (۳) حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی کی بنا علم ہیئت یا علم زلازل پر نہیں تھی اگر زڈکیل کی پیشگوئی سے سیاروں اور زلازل میں کوئی تعلق ثابت ہوتا ہے تو مسیح موعودؑ کی پیشگوئی سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عالم الغیب خدا کی طرف سے یہ امر آپ پر ظاہر کیا گیا۔ اور یہ کہ وہ سچے نبی ہیں۔ مگر افسوس کہ عیسائیوں کی آنکھیں تعصب سے بند ہیں اسی وجہ ایسی واضح اور صاف پیشگوئیاں اونکی نظر میں ناپسند ہیں اور ساتھ اسکے اس نابینائی پر ناز کرتے ہیں۔

ایک صادق کی شہادت

احمق لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ محض استہزا سے ایک سچے سلسلہ کو نیست و نابود کر دیں گے مگر نہیں دیکھتے کہ جس طریق پر وہ ایک مامور من اللہ سے استہزا کر رہے ہیں۔ اسی طرح پہلوں نے بھی اپنے وقت کے نبیوں سے استہزا کیا تھا یٰحسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون۔ پر انکے استہزا نے انہیں کونسا فائدہ دیا۔ فحاق بالذین سخروا منھم ما کانوا بہ یستھزءون۔ استہزا کرنیوالوں کا ذکر مَیں آگے چلکر کرونگا۔ اسجگہ مَیں ایک مرد صادق کی شہادت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق پیش کرتا ہوں۔ یعنی حضرت خواجہ غلام فرید مرحوم چاچڑانی کی جو اپنے زہد اور تقوےٰ کی وجہ سے سجادہ نشینوں میں ایک خاص امتیاز رکھتے تھے۔ خواجہ صاحب مرحوم کے ملفوظات ان کے ایک با اخلاص مرید نے جمع کر کے ایک کتاب اشارات فریدی میں جسکی تین جلدیں چھپ چکی ہیں شایع کیے ہیں۔ اس کتاب کی تیسری جلد میرے مخدوم و مکرم مولوی عزیز بخش صاحب بی اے محافظ دفتر ڈیرہ غازیخاں نے جو میرے حقیقی بھائی ہیں میرے پاس بھیجی ہے اور مَینے اس کو متفرق مقامات سے پڑھا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی جو خط و کتابت خواجہ صاحب مرحوم کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہوئی ہے جو سراج منیر کے اخیر میں چھپی ہوئی ہے۔ اس میں بھی آپنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کی تصدیق کی ہے۔ مگر آپکے ان ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صدق دل سے حضرت مسیح موعودؑ کو منجانب اللہ مانتے تھے۔ اور آپ کی خط و کتابت شایع ہو جانے پر مخالف مولویوں نے جو کوششیں آپ کو بدظن کرنیکے لیے کی تھیں وہ سب رائگان گئیں بلکہ حضرت مسیح موعودؑ سے آپکے حسن ظن اور اخلاص کی ترقی کا موجب ہوئیں چنانچہ ذیل میں مَیں کتاب اشارات فریدی کے چند ایسے مقامات پیش کرتا ہوں۔ مندرجہ ذیل عبارت کتاب مذکور کے صفحہ ۱۰۱ سے

سے لے کر ۲۷ تک ہے۔

"سخن در ذکر مرزا غلام احمد قادیانی و در بیان رد و قدح و ذم منکرین افتادہ بود۔ دانشمندے حاضر بود وے صفت و ثنا مرزا صاحب کرد۔ حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ ببقائہ بدرجہ غایت خوش و مسرور شدند۔ بعد ازاں فرمودند کہ ہمہ اوقات مرزا صاحب بعبادت خدائے عزّوجل میگذارند یا نماز میخواندند یا تلاوت قرآن شریف میکنند یا دیگر شغل اشغال مینماید۔ و برحمایت اسلام و دین چناں کمر ہمت بستہ کہ ملکۂ زمان لنڈن را نیز دعوت دین محمدی کردہ است و بادشاہ روس و فرانس وغیرہا ہمہ را دعوت اسلام نمودہ است و ہمہ سعی و کوشش او درانیست کہ عقیدۂ تثلیث و صلیب را کہ سراسر کفر است بگذارند و بتوحید خداوند تعالیٰ بگروند و علمائے وقت را بہ بینید کہ دیگر گروہ مذاہب باطلہ را گذاشتہ صرف درپے ایں چنیں نیک مرد کہ از اہل سنت و جماعت است و بر صراط مستقیم است و راہ ہدایت مے نماید افتادہ اند و بروے حکم تکفیرے سازند کلام عربی او را بہ بینید کہ از طاقت بشریہ خارج است و تمام کلام او مملو از معارف و حقائق و ہدایت است۔ و از عقائد اہل سنت و جماعت و ضروریات دین ہرگز منکر نیست۔

بعد ازاں فرمودند کہ مرزا صاحب بر مہدویت خود بسیار علامات بیان کردہ مگر از انمیاں دو علامات (کہ در کتاب خود درج ساختہ بیان نمودہ است) برتر و بدرجۂ غایت بر دعوائے مہدویت او گواہ اند یکے اینکہ او گفتہ کہ در حدیث شریف آمدہ است کہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج المھدی من قریۃ یقال لھا کدعۃ ویصدقہ اللہ تعالیٰ ویجمع اصحابہ من اقصی البلاد علیٰ عدۃ اھل بدر بثلاث مائۃ وثلاثۃ عشر رجلا ومعہ صحیفۃ مختومۃ (ای مطبوعۃ) فیھا عدد اصحابہ باسمائھم وبلادھم وخلالھم یعنی فرمود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیروں آید مہدی از دہے کہ گفتہ شد او را کدعہ کہ کدعہ در اصل معرب کادیان است۔ دوم این است کہ او میگوید کہ در دارقطنی ایں حدیث از امام محمد باقر رضی اللہ عنہ روایت کردہ است کہ ان لمھدینا اٰیتین لم تکونا منذ خلق اللہ السمٰوات والارض ینکسف القمر لاول لیلۃ من رمضان وتنکسف الشمس فی النصف منہ۔ ہرگاہ خسوف قمر و کسوف شمس بتاریخ ششم از ماہ اپریل ۱۸۹۴ء ہزدہ صد و نود و چہار واقع شد پس مرزا صاحب برائے اتمام حجت خود در اطراف و اکناف عالم اشتہار ایں معنی ارسال کرد کہ ایں پیشین گوئی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم برائے ظہور مہدی موعود فرمودہ بودند اکنوں تمام شدہ است برہمہ واجب کہ بمہدویت من اعتراف کنید و اقرار نمائید پس مولویان وقت طفلانہ سوال کردند کہ از حدیث شریف ایں معنی برمے آید کہ از اول شب رمضان خسوف قمر شود و در نیم رمضان کسوف شمس گردد و ایں خسوف بتاریخ سیزدہم رمضان واقع گشتہ و کسوف بتاریخ بست و ہشتم رمضان بوقوع آمدہ ایں خلاف منطوق حدیث است آں خسوف و کسوف دیگر خواہد بود کہ در زمان مہدی برحق وقوع یابد۔

بعدازاں حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ ببقائہٖ فرمودند سبحان اللہ بشنوید آنچہ مرزا صاحب معنی حدیث شریف مذکور بیان نمودہ و مولویان منکران را جواب دادہ است مرزا صاحب گفتہ کہ معنی حدیث شریف این است کہ برائے تائید و تصدیق مہدی ما دو نشان مقرر اند ازاں مدت کہ آسمانہا و زمینہا پیدا شدہ اند آں دو نشان در وقت کسی مدعی بظہور نیامدہ و آں دو نشان این است کہ در وقت ادعائے مہدیٔ موعود خسوف قمر در آن اول شب خواہد بود کہ آں شب از سہ شب خسوف اول است۔ یعنی شب سیزدہم از رمضان۔ و کسوف شمس دراں روز خواہد بود کہ از ایام کسوف درمیانہ روز است یعنی بیست وہشتم از رمضان۔ بعدازاں حضور فرمودند کہ بیشک معنی حدیث شریف این چنین است کہ مرزا صاحب بیان کردہ چہ خسوف قمر ہمیشہ بتاریخ سیزدہم یا چہاردہم یا پانزدہم واقع میشود و کسوف شمس ہمیشہ در تاریخ بیست وہفتم یا بیست وہشتم یا بیست ونہم ماہ بوقوع مے آید پس خسوف قمر کہ بتاریخ ششم از ماہ اپریل ۱۸۹۴ء ہژدہ صد و نود وچہارم عیسوی واقع شدہ است و آن بتاریخ سیزدہم رمضان کہ اول شب از شبہائے خسوف است بوقوع آمدہ و کسوف درمیانہ روز از روزہائے کسوف شمس واقع گشتہ است“ اور صفحہ ۱۲۳ پر لکھا ہے۔ ” اندرین اثناء حافظ گمون سکنہ حدود گھڑی اختیار خاں بہ نسبت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سقط و ناسزا گفتن آغاز کرد ہمینکہ چہرہ انور حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ ببقائہٖ متغیر گردید و برآں حافظ بانگ زدند و زجر نمودند وے عرض کرد قبلہ چوں حالات و صفات حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام و اوصاف مہدی موعود در مرزا صاحب یافتہ نمے شوند۔ چگونہ اعتبار کنیم کہ اوست عیسیٰ و مہدی حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ فرمودند کہ اوصاف مہدی پوشیدہ و پنہاں ہستند آنچناں نیستند کہ در دلہائے مردم نشستہ است چہ عجب کہ ہمیں مرزا غلام احمد قادیانی مہدی باشد چہ در حدیث شریف آمدہ کہ دوازدہ دجال اند پس چنداں مہدی اند۔ و در حدیثے وارد شدہ است کہ عیسیٰ و مہدی یکے است بعدازاں فرمودند کہ شرط نیست کہ ہمہ علامات مہدی موافق خیال و فہم مردم در دلہائے خود پنداشتہ اند ظاہر شوند بلکہ حافظا امر دیگرگون است اگر چنیں بودے کہ مردم خیال میکنند پس او را ہمہ خلق مہدی برحق دانستہ با و ایمان آوردے چنانچہ پیغمبران کہ امت ہر نبی چند گروہ شدے بر بعضے کساں کہ حال آں پیغمبر مکشوف شدے پس آنہا ایمان مے آوردند۔ و بر بعضے کساں حال آن پیغمبر مشتبہ مے شد۔ و بر بعضے کساں ہرگز حال آں پیغمبر مکشوف نمے گشت ازیں سبب ہمیں گروہ انکار آوردہ و کافر شد۔ اگر بر تمام امت ہر پیغمبر حال آں پیغمبر مکشوف شدے ہمہ مسلمانان بودندے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہ اوصاف و علامات آنحضرت صلعم در کتب سماویہ مکتوب و مرقوم بودند و چوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ظاہر شدند و مبعوث گردیدند بعض علامات را مطابق پندار و فہم و وہم خود نیافتند پس بر آن کسان کہ امر آنحضرت مکشوف شد او نشان ایمان آوردند و بر آں گروہ کہ مکشوف نہ شد انکار کردند ہم چنین است حال

مہدی پس اگر مرزا صاحب مہدی باشد کدام امر مانع است۔
یہ مینے صرف دو جگہ سے ذکر کیا ہے۔ ایسا ہی اس کتاب کے اور بہت سے موقعوں پر حضرت مسیح موعودؑ کی کھلے کھلے لفظوں میں تصدیق کی گئی ہے چنانچہ صفحہ ۵۰ پر یہ ذکر ہے کہ مرزا صاحب کا ذکر مجلس میں ہو رہا تھا ایک شخص نے کہا کہ مرزا صاحب عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کے توڑنیکے درپے ہیں اور اس زمانہ کے علماء انکے مخالف ہو گئے ہیں اور انپر کفر کا فتویٰ دیا ہے اور انسے جنگ کر رہے ہیں۔ تو خواجہ صاحب مرحوم نے فرمایا کہ "حق غالب است طرف حق غالب است" یعنی علماء جتنا چاہیں جنگ کر لیں حق ہی غالب ہوگا کیونکہ حق کا پہلو ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ ایسا ہی جہاں خواجہ صاحب کے پہلے خط کا جو عربی میں آپنے لکھا تھا ذکر ہے اسکے بعد یہ لکھا ہے کہ آپنے فرمایا کہ "مرزا صاحب مردے نیک و صالح است و نزد من کتابے از ملہمات خود فرستادہ است کمال او ازاں کتاب ظاہر است"۔ یعنی مرزا صاحب نیک اور صالح انسان ہیں۔ اور انہوں نے اپنے الہامات کی ایک کتاب میرے پاس بھیجی ہے جس سے انکی فضیلت اور بزرگی ظاہر ہوتی ہے۔ اس فقرہ میں خواجہ صاحب نے الہامات حضرت مسیح موعود کا منجانب اللہ ہونا صاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ اور پھر لکھا ہے کہ جب آپکی اس تصدیق پر بعض علمائے ظاہری نے مرزا صاحب کو بُرا کہنا شروع کیا اور آپکے حق پر ہونیکا انکار کیا تو آپ نے فرمایا "نے نے وے مرد صادق است مفتری و کاذب نیست"۔ یعنی نہیں نہیں وہ یعنی مرزا صاحب صادق ہیں مفتری اور کاذب نہیں۔ ایسا ہی کئی جگہ اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر آیا ہے اور خواجہ صاحب مرحوم نے ہمیشہ آپکے منجانب اللہ اور صادق ہونیکی گواہی دی۔ شائد بعض ناظرین فارسی عبارت مذکورہ بالا کو نہ سمجھ سکیں۔ اس لیے ذیل میں ان عبارتوں کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔

"مجلس میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اور اس بات کا ذکر شروع ہوا کہ منکرین کیا کیا رد و قدح کرتے ہیں اور کسطرح بُرا کہتے ہیں۔ ایک دانشمند حاضر تھا اس نے مرزا صاحب کی صفت اور ثنا شروع کی حضور خواجہ صاحب نہایت خوش اور مسرور ہوئے۔ بعد اس کے آپنے فرمایا کہ مرزا صاحب کا سارا وقت خدائے عزّ وجل کی عبادت میں گذرتا ہے یا نماز پڑھتے ہیں یا تلاوت قرآن شریف کرتے ہیں یا دوسرے ایسے ہی شغل رکھتے ہیں۔ اور اسلام اور دین کی حمایت پر ایسی کمر ہمت باندھی ہے کہ دین محمدی کی دعوت ملکہ لنڈن کو بھی کی ہے اور بادشاہان روس و فرانس وغیرہ کو بھی دعوت اسلام کی ہے۔ اور تمام سعی اور کوشش انکی اسی میں ہے کہ یہ لوگ یعنی عیسائی عقیدہ تثلیث اور صلیب کو جو سراسر کفر ہے چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو قبول کریں۔ اور علمائے وقت کو دیکھو کہ جھوٹے مذہبوں والوں کو چھوڑ کر صرف ایک اسی نیک مرد کے درپے ہو گئے ہیں جو اہل سنت وجماعت سے ہے اور صراط مستقیم پر ہے اور لوگوں کو ہدایت کا راہ دکھاتا ہے۔ اور ایسے شخص کو کافر کہتے ہیں۔ انکے عربی کلام کو دیکھو

جو انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔ اور انکی ہر ایک کلام معارف اور حقائق اور ہدایت سے پُر ہے۔ اور وہ عقائد اہل سُنت وجماعت اور دین کے ضروری امور سے ہرگز منکر نہیں ہے۔ بعد اسکے فرمایا کہ مرزا صاحب نے اپنے مہدی ہونیکی تائید میں بہت سی علامتیں بیان کی ہیں لیکن ان سب میں سے دو علامتیں جو انہوں نے اپنی کتاب میں لکھی اور بیان کی ہیں انکے مہدی ہونیکے دعوے پر اعلیٰ درجہ کے گواہ ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی ایک گاؤں سے ظاہر ہوگا جسکا نام کدعہ ہوگا۔ اور کدعہ دراصل کادیان کا معرب ہے۔ یعنی اسی کی عربی صورت ہے۔ دوسری علامت یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ دارقطنی میں امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ہمارے مہدی کی دو نشانیاں ہیں جو جب سے اللہ نے زمین و آسمان پیدا کیے ہیں کسی مدعی کیلیے ظاہر نہیں ہوئیں یعنی قمر کو ماہ رمضان میں (گرہن کی) پہلی رات کو گرہن لگیگا اور سورج کو (گرہن کے دنوں میں سے) درمیان کے دن گرہن لگے گا۔ چنانچہ جب ۶۔ اپریل ۱۸۹۴ء کو خسوف قمر اور کسوف شمس واقع ہوا تو مرزا صاحب نے اتمام حجت کے لیے چاروں طرف دنیا میں یہ اشتہار شایع کیا کہ یہ پیشین گوئی جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مہدی موعودؑ کے ظاہر ہونے کے لیے بیان فرمائی تھی۔ اب پوری ہوگئی ہے اور سب پر واجب ہے کہ میرے مہدی ہونیکا اقرار کریں۔ اسپر اس زمانہ کے مولویوں نے بچوں کی طرح یہ سوال کیا۔ کہ حدیث شریف کے یہ معنے معلوم ہوتے ہیں کہ رمضان کی پہلی رات کو چاند کو گرہن لگیگا۔ اور رمضان کے نصف میں سورج کو گرہن لگے گا اور یہ چاند گرہن ۱۳ ماہ رمضان کو اور سورج گرہن ۲۸ رمضان کو واقع ہوا ہے اور یہ خلاف منشائے حدیث ہے۔ وہ خسوف کسوف اور ہوگا جو سچے مہدی کے وقت میں ظاہر ہوگا۔ بعد ازاں حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا سبحان اللہ مرزا صاحب حدیث شریف مذکور کے کیا عمدہ معنی بیان فرمائے ہیں اور منکر مولویوں کو کیسا اچھا جواب دیا ہے۔ سنو! مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حدیث شریف کے معنے یہ ہیں کہ ہمارے مہدی کی تائید اور تصدیق کے لیے دو نشان مقرر ہیں اور جب سے زمین اور آسمان پیدا ہوئے ہیں وہ دو نشان کسی مدعی کے وقت میں ظاہر نہیں ہوئے۔ اور وہ دو نشان یہ ہیں کہ مہدی موعودؑ کے دعوے کے وقت میں گرہن اس پہلی رات میں ہوگا جو گرہن کی تین راتوں میں سے پہلی رات ہے یعنی تیرھویں رات رمضان کی۔ اور سورج گرہن اس دن واقع ہوگا جو سورج گرہن کے دنوں میں سے درمیان کا دن ہے۔ یعنی رمضان کا اٹھائیسواں دن۔ بعد اسکے حضور نے فرمایا کہ بیشک حدیث شریف کے یہی معنی ہیں جو مرزا صاحب نے بیان کیے ہیں کیونکہ چاند گرہن ہمیشہ تیرھویں یا چودھویں یا پندرھویں کو واقع ہوتا ہے۔ اور سورج گرہن ہمیشہ ستائیسویں یا اٹھائیسویں یا انتیسویں تاریخ کو ہوتا ہے پس جو چاند گرہن ۶۔ اپریل ۱۸۹۴ء کو واقع ہوا ہے وہ رمضان کی تیرھویں رات کو چاند گرہن کی پہلی رات کو ہی واقع ہوا ہے اور ایسا ہی سورج گرہن درمیان کے دن میں واقع ہوا ہے۔

دوسری جگہ جو تذکرہ کیا گیا ہے وہ یوں ہے۔

اسی اثناء میں حافظ لمون نے جو حدود گڑھی اختیار خاں کا رہنے والا ہے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی نسبت گندے اور بُرے الفاظ میں ذکر شروع کیا۔ جس سے حضور خواجہ صاحب کا روشن چہرہ متغیر ہو گیا۔ اور اس حافظ پر آپنے آواز بلند کی اور اُسے جھڑکا۔ اس نے عرض کیا کہ قبلہ جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی صفتیں اور حالات اور مہدی موعود کے وصف مرزا صاحب میں نہ پائے جائیں تو ہم کیونکر مان لیں کہ وہ عیسیٰ اور مہدی ہے۔ حضور خواجہ صاحب نے فرمایا کہ مہدی کے وصف پوشیدہ اور پنہاں ہیں۔ اور وہ ایسے نہیں جو لوگوں نے اپنے دلوں میں سمجھ رکھے ہیں۔ اس میں کونسی تعجب کی بات ہے کہ یہی مرزا غلام احمد قادیانی مہدی ہوں۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بارہ دجال ہیں پس اسیقدر مہدی بھی ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ عیسیٰ اور مہدی ایک ہی ہیں۔ بعد اس کے فرمایا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ مہدی کی ساری نشانیاں اسی کے مطابق ظاہر ہوں جو لوگوں نے اپنے خیال اور سمجھ کے مطابق اپنے دلوں میں قائم کر رکھی ہیں۔ حافظا بات تو اسکے خلاف ہے اگر وہی بات ہوتی جو لوگ خیال کرتے ہیں۔ تو ساری خلقت اس کو مہدی جان کر اسپر ایمان لے آتی۔ حالانکہ پیغمبروں کو دیکھتے ہیں کہ ہر نبی کی قوم کے چند گروہ ہوتے تھے۔ بعض لوگوں پر اس پیغمبر کا حال ظاہر ہو جاتا پس وہ ایمان لے آتے۔ اور بعض لوگوں پر اس پیغمبر کا حال مشتبہ رہتا۔ اور بعض پر بالکل اسکا حال ظاہر ہی نہ ہوتا پس اس گروہ نے انکار کیا اور کافر کہلائے۔ اگر ہر پیغمبر کی کل کی کل قوم پر اُس پیغمبر کا حال کھل جاتا تو وہ سارے مسلمان ہی ہو جاتے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی دیکھو کہ آپکے اوصاف اور علامتیں کتب سماوی میں لکھی ہوئی موجود تھیں۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر اور مبعوث ہوئے۔ تو لوگوں نے بعض نشانیوں کو اپنے خیال کی سمجھ اور فہم کے مطابق نہ پایا۔ پس وہ لوگ جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال کُھل گیا۔ وہ ایمان لے آئے اور جن پر حال نہ کھلا انہوں نے انکار کیا۔ یہی حال مہدی کا ہے پس اگر مرزا صاحب مہدی ہوں تو کونسا امر مانع ہے۔

ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب مرحوم نہ صرف حُسن ظن کے طور پر ہی حضرت مسیح موعود کو صادق کہتے تھے بلکہ انکو آپکے ظاہری اور باطنی حالات سے ہر طرح کی آگاہی تھی اور آپکے دعوے اور اس کے دلائل اور مخالفین کے انکار کی وجوہ پر بھی آپ پوری اطلاع رکھتے تھے۔ اور نہ صرف آپکے قلب کی پاکیزگی نے ہی آپ کو حضرت مسیح موعود کے دعوے کے تسلیم کرنیکے لیے ہدایت کی تھی بلکہ آپکے دعوے اور دلائل پر بھی آپنے پورا پورا غور کیا ہوا تھا اور اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ مخالفین کے اعتراضات طفلانہ اعتراض ہیں۔ یہ صرف ایک مرد صادق کی شہادت ہے۔ لیکن اگر اس قسم کی شہادتوں کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ بہت سے اولیاء اللہ اور بزرگوں نے یہ تصدیق کی ہے کہ رؤیا میں انپر حضرت مسیح موعودؑ کا منجانب اللہ ہونا ظاہر کیا گیا۔ اور بہتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا میں یہ بتایا کہ واقعی مرزا غلام احمد صاحب ہی مسیح موعود ہیں۔ جیسا کہ پیر صاحب العلم جو بلاد سندھ کے مشہور

مشائخ میں سے تھے۔ اور لاکھ سے زیادہ مرید انکے تھے۔ انہوں نے رؤیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت مسیح موعودؑ کی نسبت دریافت فرمایا۔ اور یہ شہادت دی۔ "انی رأیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واستفسرتہٗ فی امرك وقلت بیّن لی یا رسول اللہ اھو کاذب مفتری او صادق۔ فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہ صادق ومن عند اللہ۔ فعرفت انك علےٰ حق مبینٍ وبعد ذٰلك لا انشك فی امرك ولا نرتاب فی شانك ونعمل لما تامر۔ فان امرتنا ان اذھبوا الی بلاد امریکہ فانا نذھب الیھا وما تکون لنا خیرۃ فی امرنا۔ وستجدنا ان شاء اللہ من المطاوعین۔ یعنی مینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف میں دیکھا۔ پس مینے عرض کی کہ یا رسول اللہ یہ شخص جو مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کرتا ہے کیا یہ جھوٹا ہے اور مفتری ہے یا صادق ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صادق ہے اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس مینے سمجھ لیا کہ آپ حق پر ہیں۔ اب بعد اس کے ہم آپکے امور میں شک نہیں کرینگے۔ اور آپ کی شان میں ہمیں کچھ شبہ نہیں ہوگا۔ اور جو کچھ آپ فرمائینگے ہم وہی کرینگے پس اگر آپ یہ کہو کہ ہم امریکہ میں چلے جاویں تو ہم وہیں جائیں گے۔ اور ہم نے اپنے تئیں آپکے حوالہ کر دیا ہے۔ اور آپ انشاء اللہ ہمیں سچے فرمانبردار پائیں گے۔ اس شہادت کو پیر صاحب موصوف نے اپنے مریدوں کے سامنے بھی باآواز بلند بیان کیا اور کہا کہ مَیں انکو انکے دعوے میں حق پر جانتا ہوں۔ اب ایک طرف تو ان اولیاء اللہ کی شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انپر حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت ظاہر کی ہے اور دوسری طرف مستہزئین کا استہزا اسی طرح پر ہے جیسا پہلے نبیوں کے وقت میں تھا۔ جس شہادت پر کوئی شخص چاہے عمل کرے۔ اب مَیں مستہزئین کی بھی ایک مثال بیان کرتا ہوں کہ انکا حملہ صرف مرزا صاحب پر ہے یا کل سلسلہ انبیاء پر۔

ایک مکذّب کا استہزا

کل اناء یترشح بما فیہ۔ گذشتہ تحریک نے جو وطن کے ذریعہ ریویو آف ریلیجنز کے متعلق ہوتی رہی۔ مولوی انشاء اللہ خاں کے اندرون کو باہر نکالدیا اور آخر انکی مدت کی مہر خاموشی ٹوٹکر اور صلح اور اتحاد کی فرضی پالسی کی رو دور ہوکر انہوں نے مستہزئین میں اول نمبر حاصل کر لیا ہے۔ کچھ مدت تو عبدالحکیم کی گالیوں کو چھاپ کر دل ٹھنڈا کیا لیکن چونکہ مدت کا روزہ رکھا ہوا تھا اس لیے اسقدر سے آپکو سیری نہ ہوئی اور اب اخبار وطن کے ایڈیٹوریل کالموں میں جعفر زٹلی کی تحریروں کا نقشہ ظاہر ہونے لگا ہے چنانچہ اسی رنگ کا ایک مضمون وطن مورخہ ۳۔ اگست ۱۹۰۶ء میں نکلا ہے۔ لکھنے والا اپنا نام نقاش ظاہر کرتا ہے گو اس تمسخر اور استہزا کے لحاظ سے جو اس تحریر میں پایا جاتا ہے۔ نقال کا لفظ زیادہ

موزوں ہوتا مگر در اصل یہ تحریر اگر مولوی انشاء اللہ کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہ بھی ہو تو بھی انہوں نے اسے ایڈیٹوریل کالم میں جگہ دیکر اپنی ہی ظاہر کیا ہے۔ اور صفحہ ۷ کے نوٹ کے ”بقول بدر مورخہ ۲۴ جولائی...... بدر کی تحریر آگے درج ہے“ نقاش اور انشاء اللہ خاں میں رہا سہا فرق بھی دور ہوجاتا ہے۔ لہٰذا میرے مخاطب اس تحریر میں نقاش صاحب نہیں ہوں گے بلکہ انشاء اللہ خانصاحب ہونگے کیونکہ نقاشوں کی گالیوں اور استہزا کو ہم جعفر زٹلی سے بڑھکر نہیں سمجھتے لیکن مولوی انشاء اللہ خانصاحب چونکہ اپنے آپکو بڑا بھاری مسلمان سمجھتے ہیں بلکہ مصلح اور ریفارمر اور گریٹ مین۔ اس لیے مجھے یہ دکھانا مقصود ہوگا کہ ان مدعیان اصلاح کی جو اپنے اخباروں کو اسوقت مسلمانوں کی ڈوبتی ناؤ کو بچانیوالے بیان کرتے ہیں۔ اعتقادی حالت کیسی ہے اور آیا انکا حملہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ہے یا کل سلسلہ نبوّت پر۔

مضمون کا ابتدا اس طرح سے ہے ”ہمیں خوبیٔ قسمت سے جناب مرزا غلام احمد صاحب کے صحف آسمانی یعنی ریویو آف ریلیجنز اور الحکم اور البدر کے بالالتزام و بالاستیعاب دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے ان صحیفوں میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ حصہ ہے جسکا عنوان مرؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہوتا ہے“ اب مَیں مولوی انشاء اللہ صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ طریق متانت سے ہے کیا حضرت مرزا صاحب نے خود یا انکے مریدنے کبھی کہا کہ ریویو آف ریلیجنز اور الحکم اور البدر مرزا صاحب پر اُترے ہوئے آسمانی صحیفے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا یہ محض افترا اور کذب نہیں؟ ایک شخص جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بالالتزام اور بالاستیعاب ان رسالوں اور اخباروں کو پڑھنے والا ہے وہ اس بات سے بیخبر نہیں ہوسکتا کہ ان رسالوں اور اخباروں کے ایڈیٹر الگ الگ ہیں اور وہی ان میں مضامین لکھتے ہیں پس جس شخص کی تحریر کی پہلی سطر ہی افترا اور جھوٹ سے بھری ہوئی ہے اسکی تحریر کا اعتبار کیا ہے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ محض استہزا کے طور پر کہا گیا ہے اس سے افترا کا الزام دور نہیں ہوجاتا ہاں یہ سوال ہوگا کہ استہزا کرنا کن لوگوں کا کام ہے۔

مسلمانوں کے سامنے دونوں قسم کی مثالیں موجود ہیں سچے نبی سے اس کے مکذبین نے کیا سلوک کیا اور جھوٹے نبی سے صادقوں اور راستبازوں نے کیسا سلوک کیا۔ پہلی مثال کے لیے دور جانیکی ضرورت نہیں خاتم الانبیاء افضل الرسل حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر ہی غور کرلو۔ انسے کفار نے کیا سلوک کیا۔ کیسا کیسا استہزا آپ سے کیا کرتے تھے۔ جس کیلیے بار بار قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیگئی کہ یہ سنت اللہ ہے کہ ہر صادق رسول سے استہزا ہوتا چلا آیا ہے۔ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ اور یہ استہزا کرنیوالے وہی لوگ تھے جو قوم میں بڑے معزز اور قوم کے سردار کہلاتے تھے۔ اور اپنے آپ کو مصلح اور آنحضرت کو مفسد قرار دیتے تھے جیسے آج یہ مکذبین مستہزئین اپنے آپ کو مصلح جانتے ہیں۔ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۔ ابوجہل۔ ابولہب وغیرہ اپنی قوم کے معزز ارکان تھے۔ مگر وحی الٰہی پر ہنسی کرتے تھے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح آج حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات پر ہنسی کیجاتی ہے وہ آیات قرآنی پر ٹھٹھے کیا کرتے تھے اور مجلسوں میں وحی الٰہی کا مشغلہ بنایا کرتے تھے جیسا کہ قرآن شریف انکا ذکر ان الفاظ میں

کرتا ہے واذا رایت الذین یخوضون فی ایاتنا۔ آج مسیح موعودؑ کی وحی کو "خندہ آور ہذیانات اور ہفوات" کہنے والے غور کریں کہ یہی کچھ مکذبین نبی کریم آپ کی وحی کے متعلق کہا کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو عقلمند اور مومنوں کو بیوقوف کہتے تھے کیونکہ انکے نزدیک آنحضرتؐ کا دعویٰ مضحکہ انگیز دعویٰ تھا جسکو سوائے احمقوں اور بیوقوفوں کے کوئی مان نہ سکتا تھا اسی لیے وہ کہتے تھے انؤمن کما آمن السفھاء۔ پھر اگر آج ہمیں "عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے" کسی نے لکھکر اپنا دل خوش کر لیا تو کوئی نئی بات نہیں کیونکہ جسطرح انبیاءؑ کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح دوسری طرف مکذبین مستہزئین کا ورثہ لینے والے موجود ہوتے ہیں اب دوسری طرف مسیلمہ کذاب کو دیکھو۔ حالانکہ جو باتیں وہ بنا بنا کر پیش کیا کرتا تھا وہ نہایت گندی ہوتی تھیں مگر کیا صحابہؓ نے کبھی باوجود ان گندی باتوں کے بھی اس سے استہزا کیا۔ کیا جسطرح تم لوگ اپنے ملکہ حضرت مسیح موعودؑ پر ہنسی اڑاتے ہو اور تالیاں بجاتے ہو جسکی تھوڑی سی جھلک تمھاری تحریروں میں بھی نظر آتی ہے اسی طرح صحابہؓ مسیلمہ کذاب کے متعلق کیا کرتے تھے غور کر کے دیکھ لو اور خود ہی فیصلہ کر دو کہ تمھارا طریق وہ ہے جو راستباز صحابہؓ کا ایک جھوٹے نبی کے متعلق تھا یا وہ جو مجرم اور تکذیب کرنیوالے قریش کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ پھر تمھیں خود ہی معلوم ہو جائیگا کہ آیا حضرت مرزا صاحب اپنے دعوے میں صادق ہیں یا کاذب۔

افسوس اس بات پر ہے کہ باوجود ناواقفیت کے یہ لوگ تحریروں میں اسقدر شوخی اور جرأت سے کام لیتے ہیں حضرت مرزا صاحب کے الہامات کی تقسیم میں لکھا ہے۔ کہ "ایک حصہ میں ارحم الراحمین و احسن الخالقین اپنے بندوں کو زلزلہ طاعون ہیضہ چیچک اور طرح طرح کی آفات ارضی و سماوی کے انعامات بھیجنے کی بشارت دیتا ہے"۔ اب اس بالفاظ خود "کم علم اور جاہل تنگ" سے کوئی پوچھے کہ اگر آفات ارضی و سماوی کی خبر دینے سے کسی نبی کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہو تو پھر کونسا نبی سچا رہیگا؟ افسوس ہے کہ تفسیریں لکھنے تو بیٹھ جاتے ہیں۔ مگر قرآن شریف سے اتنی بھی واقفیت نہیں کہ ہر ایک نبی نے اپنی قوم کو آفات ارضی و سماوی کی خبر دی۔ کسی نے طوفان کی کسی نے آندھی کی کسی نے زلزلہ کی۔ لیکن اب اگر مرزا صاحب ایسی وحی بیان کریں تو اسپر ٹھٹھا کیا جاتا ہے۔ اور یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ گویا ارحم الراحمین اور احسن الخالقین خدا نے نہ کبھی ایسا کیا اور نہ کریگا گویا کہ یہ امور اسکی ان صفات کے منافی ہیں اور اگر وہ ایسی خبر دیدے تو نہ ارحم الراحمین ہی رہا اور نہ احسن الخالقین ہی رہا۔ حیف ہے اس علم پر اور پھر یہ شوخی۔ بہرحال تم دیکھتے ہو کہ طاعون اور زلزلے اور وبائیں تمھیں ہلاک کر رہی ہیں پھر انکا بھیجنے والا وہی ارحم الراحمین اور احسن الخالقین ہے یا کوئی اور ہے مگر جب خدا کے مرسل نے خدا سے خبر پا کر تمھیں پہلے سے ان آفتوں اور بلاؤں کی اطلاع دی تو اسپر تمنے ہنسی کی اور ٹھٹھا کیا کہ یہ کیا وحی اور کیا الہام ہے کہ خدا بلائیں بھیجے گا اور باوجود اسکے کہ وہ بلائیں تم پر وارد ہو گئیں پھر بھی تم نے ٹھٹھے کو نہ چھوڑا پس تباہی تو تم اپنے مونہہ سے مانگ رہے ہو ہاں جسوقت اپنے آپ کو ارحم الراحمین کا رحم جذب کرنیکے قابل بناؤ گے تو وہی صفات اسکی تم پر جلوہ گر ہو جائیں گی۔ قرآن شریف کو درست کرو۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ

یغیروا مابانفسھم۔ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو اور استہزا کے طریق کو چھوڑو تا ارحم الراحمین بھی تم پر رحم کرے۔ ورنہ یاد رکھو کہ تم مرزا صاحب سے ہنسی نہیں کرتے بلکہ خدا سے ہنسی کرتے ہو جس وقت یہ کہتے ہو کہ ارحم الراحمین اور احسن الخالقین خدا کا یہ کام نہیں کہ وہ کبھی اپنے بندوں پر عذاب بھی بھیجے۔ افسوس ہے کہ تم لوگ قرآن شریف کو جھٹلا کر خوش ہو رہے ہو کہ ہم نے مرزا صاحب کو جھٹلایا ہے۔

مکذّب کا بڑا اعتراض جسکو طرح طرح کے تمسخر آمیز پیرایوں میں ادا کیا ہے یہ ہے کہ گویا مرزا صاحب کے الہام گول مول ہوتے ہیں اور کسی واقعہ کو اپنے مفید مطلب پاکر جس الہام کو چاہا اسپر چسپاں کر لیا۔ اگر اسی اعتراض کو سیدھے سادے الفاظ میں بیان کر دیا ہوتا۔ تو معترض بغیر دلوں کو دُکھانیکے اپنا مطلب حاصل کر سکتا تھا۔ اس اعتراض کو تقویت دینے کے لیے چند الہامات کو لے کر چند فرضی واقعات پر معترض نے لگانا چاہا ہے جسکی غرض خالی ان الہامات سے ہنسی کرنا ہے۔ مگر اسکو چاہیئے تھا کہ جن پیشگوئیوں کے پورا ہونیکا حضرت مسیح موعودؑ نے دعویٰ کیا ہے انکو لیکر دکھاتا کہ دراصل آپ ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں کہ چند گول مول الہام شایع کر چھوڑتے ہیں پھر اتفاقاً کوئی واقعہ پیش آجاتا ہے تو اسپر انکو چسپان کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ وہ ہرگز نہیں دکھا سکتا۔ کاش ان لوگوں کے دلوں میں کچھ حق کا پاس ہوتا۔ تو پیشگوئیوں اور معجزات کے بارے میں جو سنت اللہ ہے اس کے رو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کو دیکھتے تو انپر کوئی امر مشتبہ نہ رہتا۔ مگر یہ تو اسوقت ہو سکتا ہے کہ لکھنے والے کی غرض احقاق حق ہو نہ یہ کہ تمسخر کر کے چند جہلا کو خوش کیا جاوے۔ سارے پورانے نشانوں کو چھوڑ کر جن میں وہ نشان بھی ہیں جن کے متعلق براہین احمدیہ میں نہایت صاف الفاظ میں پیشگوئیاں ہیں اور وہ آج صفائی سے پوری ہو رہی ہیں صرف انہیں تازہ دس نشانوں کو لے لو جو ضرور ”ریویو آف ریلیجنز“ اور الحکم اور البدر کو بالالتزام ”بالاستیعاب“ پڑھنے والے کے مطالعہ میں آئے ہونگے اور حلف اُٹھا کر اسبات کی شہادت دو کہ آیا یہ پیشگوئیاں ویسی ہی ہیں جیسے تمسخر سے وطن میں بعض الہامات کو فرضی واقعات پر لگایا گیا ہے۔ ایک کرم دین کے مقدمہ کی پیشگوئیوں کو ہی لے لو۔ اول دو سخت مقدمے ازالہ حیثیت عرفی کے حضرت مرزا صاحب پر ہوتے ہیں پہلی تاریخ پیشی کی ۱۷۔ جنوری ۱۹۰۳ء مقرر ہوتی ہے۔ ادھر ۱۴۔ جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان سے روانگی کے وقت ایک کتاب مواہب الرحمٰن نام جسکا اخیری حصہ اُسی ماہ جنوری ۱۹۰۳ء میں ہی لکھا گیا ہے اور جو عین روانگی کے دن ہی مکمل ہو کر شایع ہوئی ہے ساتھ لی جاتی ہے اور اس کتاب کو ہر سٹیشن پر موافقوں اور مخالفوں کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے اور پھر پیشی کے دن عین احاطہ کچہری میں بمقام جہلم یہی کتاب تقسیم کیجاتی ہے۔ یہانتک کہ ایک مخالف مولوی اسے وہیں پڑھکر ہزارہا لوگوں میں سناتا ہے اور سناتا بھی وہ حصہ ہے جس میں اسی مقدمہ کے متعلق پیشگوئی ہے (یہ سب کچھ اسی مستغیث کرمدین کا حلفی بیان دوسرے مقدمہ میں ہے) اب اس پیشگوئی کے الفاظ کو دیکھو کہ وہ کیا ہیں آیا ان میں تعیین مقدمہ۔ اور تعیین بریّت کے ہے یا نہیں۔ (ابت

کانی احضرت محاکمة کالماخوذین۔ یہ عبارت صاف طور پر بتاتی ہے کہ ایک مقدمہ ہی جس میں آپ بطور ملزم حاضر ہو گئے (یہ رؤیا اصل میں اس سے ایک سال سے زیادہ پہلے کا ہے جو الحکم میں نومبر ۱۹۰۱ء میں شایع شدہ ہے) اور انجام کی نسبت ایسے ہی صاف الفاظ میں یہ خبر موجود ہے ورایت ان اخر امری نجات بفضل رب العلمین۔ اور میں نے دیکھا کہ اس مقدمہ میں میرا آخر امر خدا کے فضل سے بریت ہے۔ کیا یہ ایمانداری ہے کہ اس قدر صریح اور صاف شہادت کے ہوتے ہوئے اور طرح کی تعیین کے باوجود پبلک کو یہ دھوکہ دیا جاوے کہ مرزا صاحب گول مول الفاظ کو بعد میں پیش آمدہ واقعات چسپاں کرکے انکو پیشگوئیاں بنا کر مشتہر کر دیتے ہیں۔ ایک شخص ایک نہیں بلکہ دو مقدموں میں ملزم ہو کر جاتا ہے اور دنیا اسکی مخالفت پر تلی ہوئی ہے۔ اور مذہبی تعصب اسکے خلاف جوش میں ہے۔ ایسا شخص اپنی طرف سے یہ دعویٰ کر سکتا ہے (اور وہ بھی اس سے پہلے کہ مقدمہ کی کوئی پیشی ہوئی ہو) کہ میں یقیناً یقیناً اس مقدمہ میں بری ہونگا اور پھر یہ یقین اس کے دل میں اسقدر بھرا ہوا ہے کہ مخالفوں اور موافقوں میں کتاب کو اسی یقین کی وجہ سے شایع کر رہا ہے۔ کیا یہ گول مول پیشگوئی ہے؟ خدا کا خوف دل میں لیکر غور کرو اور جھوٹی اکڑبازیوں اور شیخیوں کو چھوڑو۔ کیونکہ صداقت ہمیشہ انکساری کی راہ سے ملتی ہے۔ پھر اپنی بریت کی خبر کے علاوہ ساتھ ہی اسی جگہ اسی کتاب میں یہ خبر بھی دیگئی ہے ان البلاء یرد علی عدو الکذاب المهین۔ یعنی وہ بلا جو مجھ پر کرم دین بھیجنی چاہتا ہے۔ وہ اسی میرے دشمن پر جو کذاب اور اہانت کنندہ ہے لوٹائی جائیگی۔ یعنی بجائے مجھے ملزم ثابت کرنیکے وہ خود ملزم بنیگا اور وہ مجھکو جھوٹا ثابت کرنا چاہتا ہے لیکن خود جھوٹا ثابت ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسکے متعلق اور زیادہ صراحت سے پیشگوئیاں بھی موجود ہیں چنانچہ ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کی پیشگوئی جو اسی سال کے جولائی کے پرچے میں شایع ہوئی ہے اسوقت کی ہے جب اُدھر کرم دین ایک اور مقدمہ حضرت مسیح موعود پر دائر کر چکا تھا جو فوجداری مقدمہ تھا اور بعض مریدین مرزا صاحب کی طرف سے کرم دین پر مقدمہ دائر ہو چکا تھا۔ ان مقدموں کے "انجام کے متعلق" یہ پیشگوئی حضرت اقدس نے شایع فرمائی اور فیصلہ سے سوا سال پہلے بلکہ آخری فیصلہ عدالت اپیل سے ڈیڑھ سال سے بھی زیادہ پہلے شایع فرمائی کہ ان مقدمات میں جو فریق حق پر ہے یعنی مرزا صاحب بری ہونگے اور جو فریق جھوٹ بول رہا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے یعنی آپ کا فریق مخالف وہ ملزم ہوگا۔ اسکے علاوہ ایک الہام جو مقدمہ کے انجام کے متعلق اخبارات یعنی الحکم اور بدر میں شایع ہو چکا تھا یہ تھا کہ ساکرمک بعد توھینک یعنی اول توہین ہوگی پھر خدائے تعالیٰ بریت دیکر اعزاز اور اکرام فرمائیگا۔ یہ پیشگوئیاں اور الہامات اثنائے مقدمہ میں شایع ہوئے ہیں ایسے وقت میں جبکہ مقدمہ ایک آریہ سماجی مجسٹریٹ کے سامنے پیش تھا کیا ایک ملزم اسقدر دعوے سے یہ کہہ سکتا ہے کہ نہ صرف وہ خود مقدمہ میں بری ہوگا بلکہ اسکا فریق مخالف دوسرے مقدمہ میں مجرم قرار دیا جاویگا اور ملزم بھی ایسا جو جانتا ہے کہ ساری دنیا میری مخالفت پر تلی ہوئی ہے۔ پھر جب مدت بعد پہلے مجسٹریٹ نے دونوں مقدموں میں ملزموں کے خلاف فیصلہ کیا اور دونوں کو مجرم قرار دیدیا۔ تو اسوقت ساری اخباروں میں یہ شور مچا کہ مرزا صاحب کی پیشگوئی جھوٹی نکلی اگر گول پیشگوئی ہی نہ تھی تو مخالفین نے یہ شور کیوں مچایا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ صراحت سے پیشگوئی بریت کی کیگئی تھی۔ اسجگہ یہ بات بھی

دیکھنے کے قابل ہے کہ اسوقت حضرت مرزا صاحب یا انکے فریق نے کیا جوابدیا۔ اگر انکو یہ یقین کامل نہ ہوتا کہ مرزا صاحب بری کئے جاوینگے تو اسوقت میں وہ یہی جواب دیتے کہ بریت کی کوئی پیشگوئی نہیں ہے۔ مگر اسوقت مخالفین کو یہی جوابدیا گیا کہ ابھی آخری فیصلہ کی انتظار کرو اور آخری فیصلہ ضرور ہماری حق میں ہوگا اور یقیناً مرزا صاحب بری کیے جاوینگے۔ اور آخر عدالت اپیل نے حضرت مرزا صاحب کو نہایت عزت سے بری کیا یہ خدا کا فعل تھا۔ کیونکہ اگر مجسٹریٹ ہندو تھا تو سشن جج ایک پادری کا بیٹا تھا۔ کیا کوئی حق پسند آدمی ہے جو ان واقعات پر غور کرکے وطن کے جھوٹ کو ظاہر کرے جو کہتا ہے کہ گول مول الہامات کو توڑ مروڑ کر یونہی پیش آمدہ واقعات پر لگا لیا جاتا ہے۔ اور عجیب تر یہ ہے کہ اس پیشگوئی میں نہ صرف اپنی بریت کی خبر تھی بلکہ فریق مخالف کے مجرم قرار دیا جانیکی بھی خبر تھی اور وہ فیصلہ ہمیشہ کے لیے قائم رہ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر گواہ ہو گیا۔

ایسی مثالیں بہت سی ہیں۔ لیکن غور کرنیوالے کیلیے ایک دو بھی کافی ہیں۔ ابھی تھوڑے دنوں کا ذکر ہے کہ چراغدین ساکن جموں نے رسالت کا دعویٰ کیا۔ اور حضرت مرزا صاحب نے اپنے رسالہ دافع البلاء و معیار اہل الاصطفاء میں چراغدین کا نام لیکر اور اس کے دعوے کا ذکر کرکے یہ خدا کی وحی شایع کی۔ کہ اگر اس نے توبہ نہ کی تو خدا اُسے فنا کر دیگا اور اسکو غارت کریگا اور اپنا غضب نازل کریگا۔ یہ لفظ بعینہٖ پیشگوئی میں موجود ہیں۔ اور یہ پیشگوئی ۱۹۰۲ء میں شایع ہوئی۔ سو اول اس نے توبہ کی مگر بعد میں پھر مخالف ہو گیا اور کتاب منارۃ المسیح میں مرزا صاحب کو سب و شتم کیا اور آپ دعویٰ رسول ہونیکا کیا۔ اس کتاب کے شایع ہونے سے ایک سال کے عرصہ میں اول اسکے دونوں بیٹے اسکی آنکھوں کے سامنے طاعون سے ہلاک ہوئے اور پھر خود نہایت یاس اور حسرت سے اور ناکام اور نامراد رہ کر ہلاک ہوا۔ کیا اس سے بھی بڑھکر بیّن ثبوت اس وحی کے منجانب اللہ ہونیکا ہو سکتا ہے۔ مگر یاد رکھو جیسا تم اب اس پیشگوئی پر ہنسی کر رہے ہو کہ ایک ایسا سخت عذاب دنیا پر آنیوالا ہے جسکی نظیر ان پہلے عذابوں میں نہیں جو سخت ہلاکت والا اور سخت تباہی ڈالنے والا ہوگا جسکی طرف اللہ تعالیٰ کے الفاظ **عالم کباب** اشارہ کرتے ہیں۔ ایسا ہی ان پہلی پیشگوئیوں پر بھی انکو بعید از قیاس سمجھکر ہنسی کیگئی تھی۔ مگر کسی کی ہنسی اور استہزا خدا کی باتوں کو پورا ہونیسے روک نہیں سکتی۔ ہاں استہزا مستہزئین پر ہی اُلٹا پڑتا ہے جس طرح پر اخبار وطن میں اس نام عالم کباب پر ہنسی کی گئی ہے اور نہایت درجہ کے استہزا کے ساتھ کبھی شامی کباب کبھی کباب اور چٹنی کبھی بریانی بورانی وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ ایسا ہی استہزا ابو جہل اور کفار مکہ نے لفظ **زقوم** سے اُسوقت کیا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی ان شجرت الزقوم **طعام الاثیم**۔ تو ابو جہل اور کفار مکہ نے استہزا کے طور پر زبد اور تمر یعنی کھجور و مکھن کو ملا کر کثرت سے کھانا شروع کیا اور کہا کہ کیا اس سے ہمیں ڈرایا جاتا ہے۔ اور بعضوں نے ہنسی کی کہ دوزخ کی آگ میں درخت کیونکر ہو سکتے ہیں مسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ ایسے استہزاؤں کو آریوں یا بعض بدزبان پادریوں کے لیے رہنے دیتے۔ مگر افسوس ہے کہ اخبار وطن میں بھی آریہ مسافر میگزین کو ہی نقل کیا گیا ہے۔

پھر اس الہام الٰہی پر ہنسی کی گئی ہے کہ "تزلزل در ایوان کسرٰے فتاد" کہ یہ الہام ہم ایک دفعہ پہلے بھی جب ہماری عمر کوئی آٹھ نو سال کی ہوگی سعدی شیرازی کی زبان سے سُن چکے ہیں..... معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہماری مکاتب میں

بوستان مروج ہے۔ اسی طرح عالم بالا کے مدارس کے نصاب میں بھی یہ بہترین تصنیف داخل ہے اور ممکن ہے کہ خدا نے الہام کے روز روح الامین کو اسی مصرعہ کا قاصد بنا کر دارالامان میں بھیجا ہو" ایسے بیباک کو جو مرزا صاحب پر ہنسی کرنیکے لیے قرآن شریف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنیسے بھی نہیں ٹلتا میرا جواب کیا فائدہ دے سکتا ہے لیکن اگر یہ پرچہ وطن کے ناظرین میں سے کسی ایسے کے ہاتھ آئے جسکو طلب حق ہو تو وہ اس سے ضرور فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ قرآن شریف میں بہت سے قصے ایسے موجود ہیں جو پہلی کتابوں میں بھی ہیں بلکہ کفار قریش نے تو یہ مشغلہ اختیار کیا ہوا تھا کہ چلو ایسے قصے ہم بھی بنا سکتے ہیں اور وہ اپنی مجلسوں میں قرآن شریف کے ان قصص پر استہزا کے لیے طرح طرح کے قصے بیان کیا کرتے تھے۔ اور جسطرح آج ایک مسلمان بلکہ مصلح کہلانیوالا یہ کہتا ہے کہ جبرائیل کو ایسا کلام لانیکی ضرورت نہیں ہے جو کسی انسان کے کلام میں پہلے سے موجود ہے۔ اسی طرح کفار کہتے تھے بلکہ آج تک ان کے وارث عیسائی صاحبان یہی کہتے ہیں۔ کہ جب یہ قصے پہلے موجود تھے تو جبرائیل کی انکو وحی الٰہی کے طور پر لانیکی کیا ضرورت تھی۔ مگر افسوس ان مسلمانوں پر جو حضرت مرزا صاحب کی مخالفت میں اندھے ہو کر انہی اعتراضوں کو دوہرا رہے ہیں جو عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے ہیں بعینہٖ اسی طرح جسطرح عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں اندھے ہو کر ان اعتراضوں کو مضبوط کر رہے ہیں اور دوہرا رہے ہیں جو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کرتے تھے۔ سچے نبی کا یہی ایک بڑا بھاری امتیازی نشان ہے کہ جو اعتراض اسپر کیا جائیگا وہ ساری نبیوں پر پڑیگا جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو شخص ایسے مامور من اللہ کو رد کرتا ہے وہ گویا کل سلسلۂ نبوت کو رد کرتا ہے۔ اگر یہ لوگ کچھ سوچ سمجھکر اعتراض کریں تو نہ آپ ٹھوکر کھائیں نہ دوسروں کو گمراہ کرنیوالے ٹھہریں۔ اصل حکمت اس میں یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ جب کسی انسان کے کلام کو لیتا ہے تو وہ اسکو ایک معجزہ کے رنگ میں پیش کرتا ہے حالانکہ انسانی کلام محض ایک گذشتہ واقعہ کا بیان ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم نے جسقدر قصص گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے اور انکے مخالفین کے بیان کیے ہیں وہ بطور پیشگوئی کے ہیں کہ جسطرح وہ نبی کامیاب ہوئے حالانکہ انکی کامیابی کا کوئی ظاہر سامان نظر نہ آتا تھا۔ اسی طرح آنحضرتؐ بھی کامیاب ہونگے اور جسطرح انکے مخالف مغلوب اور ہلاک ہوئے اسی طرح آپکے مخالف بھی مغلوب اور ہلاک ہونگے۔ اسی طرح سعدی کا ایک مصرعہ سعدی کے مُنہ میں ایک گذشتہ واقعہ کا بیان تھا لیکن جب خدائے تعالیٰ نے اسی کلام الٰہی کے طور پر اپنے ایک مامور پر اُتارا تو اب یہ اپنے اندر ایک پیشگوئی رکھتا ہے جسطرح عفت الدیار محلھا و مقامھا بھی ایک انسان کا مصرعہ تھا مگر جب خدا نے اسی بطور کلام الٰہی نازل کر کے اسکی صداقت ظاہر کی تو تم بھی ہم ۔ اپریل ۱۹۰۵ء کی صبح کو چلا اُٹھے تھے۔ اب اسکو بھی اپنے وقت پر پورا ہوتا دیکھ لوگے قبل از وقت باتیں بنانیسے کوئی فائدہ نہیں۔ اور کچھ نہیں کر سکتے تو اپنی زبان کو بند کر کے انتظار ہی کرو۔ ایسا ہی اخبار وطن کے یہ فقرات کہ "ممکن ہے کہ آگے چلکر مسیح موعودؑ کو اپنی کسی اہلیہ کے چال چلن کی نسبت شبہ ہو ...... اور خدا انکی گریہ زاری پر رحم کھا کر کسی آیت تطہیر کے نزول سے اہلیہ مذکور کی برأت کا اعلان کردے" اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ نہیں تو اور کیا ہے کیونکہ جو کچھ مکذب نے لکھا ہے۔ وہ حضرت عائشہ پر افک اور صدیقہ کی بریت کا نقشہ ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور جسکی حدیث صحیح سے بھی خبر ملتی ہے۔ (باقی آئندہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا سچے کا حامی ہو

آمین

اس امر سے اکثر لوگ واقف ہونگے کہ ڈاکٹر عبد الحکیم خانصاحب جو تخمیناً بیس برس تک میرے مریدوں میں داخل رہے چند دنوں سے
مجھ سے برگشتہ ہو کر سخت مخالف ہوگئے ہیں اور اپنے رسالہ المسیح الدجّال میں میرا نام کذّاب مکّار شیطان دجّال شریر حرام خور
رکھا ہے اور مجھے خائن اور شکم پرست اور نفس پرست اور مفسد اور مفتری اور خدا پر افترا کرنیوالا قرار دیا ہے اور کوئی ایسا عیب
نہیں ہے جو میرے ذمہ نہیں لگایا۔ گویا جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے ان تمام بدیوں کا مجموعہ میرے سوا کوئی نہیں گذرا اور
پھر اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ پنجاب کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کر کے میری عیب شماری کے بارہ میں لیکچر دیئے اور
لاہور اور امرتسر اور پٹیالہ اور دوسرے مقامات میں انواع و اقسام کی بدیاں عام جلسوں میں میرے ذمہ لگائیں اور میرے
وجود کو دنیا کے لیے ایک خطرناک اور شیطان سے بدتر ظاہر کر کے ہر ایک لیکچر میں مجھ پر ہنسی اور ٹھٹھا اڑایا۔ غرض ہم نے
اُس کے ہاتھ سے وہ دُکھ اُٹھایا جسکے بیان کی حاجت نہیں اور پھر میاں عبد الحکیم صاحب نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ ہر ایک
لیکچر کے ساتھ یہ پیشگوئی بھی صدہا آدمیوں میں شایع کی کہ مجھے خدا نے الہام کیا ہے کہ "یہ شخص تین سال کے عرصہ میں فنا ہو جائیگا
اور اسکی زندگی کا خاتمہ ہو جائیگا۔ کیونکہ کذّاب اور مفتری ہے۔" مینے اسکی ان پیشگوئیوں پر صبر کیا مگر آج جو ۱۴- اگست
۱۹۰۶ء ہے پھر اسکا ایک خط ہمارے دوست فاضل جلیل مولوی **نور الدین** صاحب کے نام آیا اس میں بھی میری نسبت
کئی قسم کی عیب شماری اور گالیوں کے بعد لکھا ہے کہ ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو خدا تعالیٰ نے اس شخص کے ہلاک ہونیکی خبر مجھے دی ہے
کہ اس تاریخ سے تین برس تک ہلاک ہو جائیگا جب اس حد تک نوبت پہنچ گئی تو **اب میں بھی** اس بات میں کچھ مضایقہ نہیں
دیکھتا کہ جو کچھ خدا نے اسکی نسبت میرے پر ظاہر فرمایا ہے میں بھی شایع کروں اور درحقیقت اس میں قوم کی بھلائی ہے کیونکہ
اگر درحقیقت میں خدا تعالیٰ کے نزدیک کذّاب ہوں اور پچیس ۲۵ برس سے دن رات خدا پر افترا کر رہا ہوں اور اسکی عظمت اور
جلال سے بیخوف ہو کر اس پر جھوٹ باندھتا ہوں اور اسکی مخلوق کے ساتھ بھی میرا یہ معاملہ ہے کہ میں لوگوں کا مال بدیانتی
اور حرامخوری کے طریق سے کھاتا ہوں اور خدا کی مخلوق کو اپنی بدکرداری اور نفس پرستی کے جوش سے دُکھ دیتا ہوں تو
اس صورت میں تمام بدکرداروں سے بڑھکر سزا کے لایق ہوں تا لوگ میرے فتنہ سے نجات پاویں اور اگر میں ایسا نہیں ہوں جیسا کہ
میاں عبد الحکیم خان نے سمجھا ہے تو میں امید رکھتا ہوں کہ خدا مجھکو ایسی ذلّت کی موت نہیں دیگا کہ میرے آگے بھی

لعنت ہو اور میرے پیچھے بھی۔ میں خدا کی آنکھ سے مخفی نہیں مجھے کون جانتا ہے مگر وہی۔ اس لیے میں اس وقت دونوں پیشگوئیاں یعنی عبد الحکیم خاں کی میری نسبت پیشگوئی اور اُس کے مقابل پر جو خدا نے میرے پر ظاہر کیا ذیل میں لکھتا ہوں اور اس کا انصاف خدائے قادر پر چھوڑتا ہوں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

میاں عبد الحکیم خاں صاحب اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ کی میری نسبت پیشگوئی

جو اخویم مولوی نور الدین صاحب کی طرف اپنے خط میں لکھتے ہیں اُن کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

”مرزا کے خلاف ۱۲۔ جولائی ۱۹۰۶ء کو یہ الہامات ہوئے ہیں۔ مرزا مُسرف کذاب اور عیار ہے صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائے گا۔ اور اس کی میعاد تین سال بتائی گئی ہے“۔ ✤

اس کے مقابل پر وہ پیشگوئی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میاں عبد الحکیم خانصاحب اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ کی نسبت مجھے معلوم ہوئی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

”خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں۔ اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں † اُن پر کوئی غالب نہیں آسکتا فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے ‡ پر تُو نے وقت کو نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا ✠

رب فرّق بین صادق وکاذب۔ انت ترٰی کل مصلح وصادق ‡

✤ اس میں میاں عبد الحکیم خاں نے خدا کے اصل لفظ بیان نہیں کیے بلکہ یہ کہا کہ تین سال میعاد بتائی گئی۔ منہ

† خدا تعالیٰ کا یہ فقرہ کہ وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عبد الحکیم خاں کے اس فقرہ کا ردّ ہے کہ جو مجھے کاذب اور شریر قرار دیکر کہتا ہے کہ صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائیگا گویا میں کاذب ہوں اور وہ صادق۔ اور وہ مرد صالح ہے اور میں شریر۔ اور خدا تعالیٰ اس کے ردّ میں فرماتا ہے کہ جو خدا کے خاص لوگ ہیں وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں ذلّت کی موت اور ذلّت کا عذاب اُنکو نصیب نہیں ہوگا اگر ایسا ہو تو دنیا تباہ ہو جائے اور صادق اور کاذب میں کوئی امر فارق نہ رہے۔ منہ

‡ اس فقرہ میں عبد الحکیم خاں مخاطب ہے اور فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار سے آسمانی عذاب مراد ہے کہ جو بغیر ذریعہ انسانی ہاتھوں کے ظاہر ہوگا۔ منہ

✠ یعنی تو نے یہ غور نہ کی کہ کیا اس زمانہ میں اور اس نازک وقت میں اُمّت محمدیہ کیلئے کسی دجال کی ضرورت ہے یا کسی مصلح اور مجدّد کی۔ منہ

‡ یعنی اے میرے خدا صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلا تو جانتا ہے کہ صادق اور مصلح کون ہے۔ اس فقرہ الہامیہ میں عبد الحکیم خاں کے اس قول کا ردّ ہے جو وہ کہتا ہے کہ صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائیگا۔ پس چونکہ وہ اپنے تئیں صادق ٹھہراتا ہے خدا فرماتا ہے کہ تُو صادق نہیں ہے میں صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلاؤں گا۔ منہ

المشتھر۔ میرزا غلام احمد مسیح موعود قادیانی۔ ۱۶۔ اگست ۱۹۰۶ء مطابق ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۲۴ھ

مطبع میگزین قادیان دار الامان میں منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

اعلان ۔ ۲۰ ۔ مرزا ایک سامان گرکے طبیں فرخ آباد وغیرہ بھیجنے وغیرہ سے سری نظام الدین احمدی قمر سیالکوٹ سے مل رکھا ہے ۔ عمل فہرست مقرر ۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ | بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۶ء | نمبر ۹

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰ ستمبر ۱۹۰۶ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا۔ چندہ سالانہ عہ

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲۱۔ اگست ۱۹۰۶ء۔ ۱۔ شب گذشتہ کو مَیں نے خواب میں دیکھا کہ اس قدر زنبور ہیں (جن سے مراد کمینہ دشمن ہیں) کہ تمام سطح زمین اُن سے پُر ہے اور ٹڈی دل سے زیادہ انکی کثرت ہے اسقدر ہیں کہ زمین کو قریباً ڈھانک دیا ہے اور تھوڑے اُنمیں سے پرواز بھی کر رہے ہیں جو نیش زنی کا ارادہ رکھتے ہیں مگر نامراد ہے اور مَیں اپنے لڑکوں شریف اور بشیر کو کہتا ہوں کہ قرآن شریف کی یہ آیت پڑھو اور بدن پر پھونک لو کچھ نقصان نہیں کریں گے اور وہ آیت یہ ہے واذا بطشتم بطشتم جبارین۔ پھر بعد اس کے آنکھ کھل گئی۔ ۲۔ الہام ہوا نصرت بالرعب و قالوا لات حین مناص ترجمہ۔ رُعب کے ساتھ تیری نصرت کی گئی اور مخالفوں نے کہا اب کوئی جائے پناہ نہیں۔ ۳۔ قریباً نصف رات کے بعد الہام ہوا۔ صبر کر خدا تیرے دشمن کو ہلاک کریگا۔ ۲۳۔ اگست ۱۹۰۶ء۔ الہام۔ آج کل کوئی نشان ظاہر ہوگا۔ یعنی عنقریب کوئی نشان ظاہر ہونے والا ہے۔ ۲۵۔ اگست ۱۹۰۶ء۔ الہام شفیع اللہ۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے یہ میرا نام رکھا ہے اور اس کے معنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کا شفیع۔ ۴۔ ستمبر ۱۹۰۶ء الہام۔ انی مع الروح اٰتیک بغتۃً۔ ترجمہ۔ مَیں روح کے ساتھ اچانک تیرے پاس آؤنگا۔ رؤیا۔ فرمایا آج ہی ایک خواب میں دیکھا کہ ایک چوغہ زریں جس پر بہت سنہری کام کیا ہوا ہے مجھے غیب سے دیا گیا ہے۔ ایک چور اُس چوغہ کو لیکر بھاگا۔ اُس چور کے پیچھے کوئی آدمی بھاگا جس نے چور کو پکڑ لیا اور چوغہ واپس لے لیا بعد اس کے وہ چوغہ ایک کتاب کی شکل میں ہو گیا جسکو تفسیر کبیر کہتے ہیں۔ اور معلوم ہوا کہ چور اسکو اس غرض سے لے کر بھاگا تھا کہ اس تفسیر کو لیکر نابود کر دے"

فرمایا اس کشف کی تعبیر یہ ہے کہ چور سے مراد شیطان ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ ہماری ملفوظات لوگوں کی نظر سے غائب کر دے مگر ایسا نہیں ہوگا۔ اور تفسیر کبیر جو چوغہ کے رنگ میں دکھائی گئی اسکی یہ تعبیر ہے کہ وہ ہماری لیے موجب عزت اور زینت ہوگی۔ واللہ اعلم

۵ ستمبر ۱۹۰۶ء۔ رؤیا میں دیکھا کہ ڈاکٹر عبدالحکیم (جو اب مرتد ہو گیا ہے اور سخت معاند سلسلہ ہے) ہماری مکان کے پاس کھڑا ہے اور والدہ میر محمد اسحاق (زوجہ میر ناصر نواب صاحب) اسکو اپنے گھر میں بلاتی ہیں۔ مگر مَیں نے اسے اندر آنے نہیں دیا۔ اور مَیں نے کہا کہ مَیں نہیں آنے دینا اس میں ہماری بے عزتی ہے (دشمن کے گھر میں داخل ہونے سے مراد کوئی مصیبت یا موت ہوتی ہے اور وہ اندر نہیں آسکا یعنی خدا نے اس بلا کو ٹالدیا) پھر الہام ہوا۔ انی احافظ کل من فی الدار (میں ان سب کی حفاظت کرونگا جو اس گھر میں ہیں) یہ الہام حضرت اقدس ؑ کو پہلے بھی طاعون کے متعلق ہو چکا ہے۔ علاوہ اس کے ایک گوشت کا ٹکڑا خواب میں دکھایا گیا۔ جو کسی غم کی طرف دلالت کرتا تھا۔ اور یہ بھی دیکھا کہ ایک انڈا میرے ہاتھ میں ہے جو کہ ٹوٹ گیا ہے۔ ان سب خوابوں پر ایک دن گذرنے پایا تھا کہ محمد اسحاق پسر میر ناصر نواب صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احادیث کی صداقت پر تاریخی شہادت

احادیث کی صداقت پر ایک شہادت مَیں نے گذشتہ رسالے میں پیش کی ہے۔ اس مضمون میں مَیں صرف ایسی شہادت پیش کرونگا جو اپنے اندر تاریخی ثبوت رکھتی ہے۔ نہ صرف شریعت اسلامی کی بنیاد ہی قرآن شریف کے بعد حدیث نبوی پر رکھی گئی ہے۔ بلکہ اسلام کی ابتدائی تاریخ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی سوانح اور آپ کی پیشگوئیوں کا بڑا بھاری ذخیرہ قرآن کریم کے بعد حدیث میں ہی پایا جاتا ہے۔ اور اس لیے ضروری ہے کہ اس امر میں کہ حدیث کہا تک قابل اعتبار ہے نظر غائر کیجاوے اس قسم کی تحقیق و تدقیق کی ضرورت اور بھی زیادہ ثابت ہوتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عیسائی صاحبان نے اس بارہ میں سخت ٹھوکر کھائی ہے اور اس وجہ سے کہ انکے دلوں میں اسلام کے خلاف ایک سخت تعصب جما ہوا ہے انہوں نے احادیث کے قابل اعتبار ہونے پر سخت حملے کیے ہیں اور زیادہ تر عجیب بات یہ ہے کہ جب جد احادیث کے واقعات کو اخذ کیا ہے تو کمزور سے کمزور بلکہ غلط اور موضوع احادیث کو صحیح احادیث پر ترجیح دی ہے صرف اس لیے کہ تا اسلام یا بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حملہ کرنیکے لیے کوئی موقع ہاتھ آجائے۔ عیسائی صاحبان کی تعصب کی وجہ سے یہ حالت ہے کہ ان کی تحریروں میں عجیب رنگ کا تضاد پایا جاتا ہے۔ جب یہ لوگ احادیث کے اعتبار اور صداقت کے متعلق اصول تجویز کرتے ہیں تو اس وقت اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیثوں کو بھی پایۂ اعتبار سے ساقط دکھانا چاہتے ہیں اور جب کوئی اپنے مطلب کی حدیث ہاتھ آجائے جس سے ان کے زعم میں اسلام یا بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی حملہ ہو سکے تو اُن احادیث کو بھی اپنی کتابوں میں خوشی سے درج کر دیتے ہیں جن کی نسبت محدثین نے بالاتفاق شک ظاہر کیا ہوتا ہے بلکہ جنکو انہوں نے غلط اور موضوع قرار دیا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر میں سر ولیم میور کی کتاب کا حوالہ دیتا ہوں۔ میور کی لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انگریزی زبان میں اعلیٰ درجہ کی مستند اور معتبر کتاب تسلیم کیجاتی ہے۔ اس کتاب کے دیباچہ میں مصنف نے ایک مضمون لکھا ہے جس میں احادیث کو بالکل پایۂ اعتبار سے گری ہوئی ثابت کرنا چاہا ہے۔ حتیٰ کہ بخاری جیسی کتاب۔ جو اہل اسلام میں حدیث کی سب سے زیادہ معتبر کتاب تسلیم کیگئی ہے

اس کے متعلق میور صاحب لکھتے ہیں کہ اگرچہ امام بخاری نے چھ لاکھ حدیث میں سے صرف چار ہزار کی صحت پر پورا اعتبار کرکے انکو اپنی کتاب میں لکھا ہے لیکن اس منتخب تعداد میں سے بھی یورپین منقد بلا تامل آدھی حدیثوں کو ردّ کر دیگا"۔ یورپین منقد بلا تامل ایسا کرے یا بغیر سوچنے کے اور پرکھنے کے اس سے مجھے اسوقت بحث نہیں ہے مگر حیرت اس بات پر آتی ہے کہ یہی یورپین منقد جو اپنے آپکو اس موقع پر ایسا عظیم الشان محقق ظاہر کرتا ہے کہ بخاری جیسی صحیح کتاب میں سے جو تمام مسلمان منقدوں کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ آدھی حدیثوں کو بلا تامل ردّ کرتا ہے۔ تھوڑی ہی دُور آگے چلکر واقدی جیسی کتاب کی حدیثوں کو اپنے اعتراضوں کی تائید میں پیش کرتا ہے جو تمام مسلمانوں کے نزدیک روایت کے رو سے بالکل اعتبار سے گرا ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ ایک ایسے شخص کی نسبت جسکی تحقیق سب کے نزدیک مسلّم ہے یہ رائے ظاہر کیجاتی ہے کہ اس کی آدھی حدیثیں بلا تحقیق ردّ کردینی چاہییں اور پھر اس کے مقابل پر اعتبار اس شخص کی حدیثوں پر کیا جس کی روایت اہل اسلام کے علما اور محققین کے نزدیک پایۂ اعتبار سے گری ہوئی ہے۔ میور صاحب کے اس اصل کا مقتضی جو اس نے دیباچہ میں بیان کیا ہے یہ تھا کہ وہ بخاری کی حدیثوں کو بھی بہت چھان بین کے بعد قبول کرتا مگر برعکس اس کے اس نے نہایت ضعیف حدیثوں سے اپنی کتاب میں کام لیا ہے حالانکہ بخاری میں ان احادیث کی تردید بھی موجود ہے۔ یہی حالت ان تمام مصنفین کی ہے جنہوں نے اسلام پر کتابیں لکھی ہیں۔ یعنی اعلیٰ درجہ کی صحیح احادیث کو یہ لوگ ردّ کرتے ہیں۔ اور انکے خلاف ضعیف اور موضوع احادیث کے قصص کو قابل اعتبار ٹھہراتے ہیں۔ اور پھر تعجب یہ ہے کہ اس ترجیح کی وجہ کوئی بیان نہیں کرتے۔ پس ایسے شخصوں کی تحریروں کی مسلمان محققین کے نزدیک کیا وقعت ہو سکتی ہے ہاں عیسائی دنیا کو خوش کرنے کا کام یہ کتابیں ضرور دیتی ہیں۔

اس سوال کو صحیح طور پر حل کرنے میں کہ احادیث نبوی کہانتک قابل اعتبار ہیں۔ اہم بحث ہماری راہ میں یہ ہے کہ آیا اسلام کے نہایت ابتدائی زمانہ میں احادیث کی حفاظت اور ٹھیک ٹھیک دوسروں تک پہنچانے کا کوئی سامان تھا؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے سامان موجود تھے۔ یا خود آنحضرت نے ہی ایسی ہدایات بیان فرمائی تھیں جن سے احادیث کی حفاظت اور صحیح طور پر دوسروں تک پہنچانیکا ثبوت ملتا ہے تو پھر ایسے لغو اعتراضات جنکی بنا تاریخ پر نہیں بلکہ توہم پر ہے کہ یوں ہو گیا ہوگا اور ووں ہو گیا ہوگا جیسا کہ میور صاحب لکھتا ہے ایسے اعتراضات کی لغویت خود ہی ایک ثابت شدہ امر ہوگی اور انپر مزید بحث کرنیکی ضرورت نہ رہیگی۔ یہ سوال جو اسجگہ مینے اُٹھایا ہے اور جو درحقیقت ساری بحث کی جان ہے یہ سوال معترضین نے کبھی اُٹھایا ہے اور نہ اسے حل کرنیکی کوشش کی ہے اور میرا یقین ہے کہ اگر وہ سیدھی راہ کو اختیار کرتے تو اسقدر غلطیوں میں کبھی مبتلا نہ ہوتے۔ البتہ میور نے اصول صحت حدیث بیان کرتے وقت ایک رنگ میں ان باتوں کا

انکار کیا ہے کہ آنحضرتؐ کے وقت میں یا آپ کی ہدایت سے حدیث کی حفاظت یا صحت روایت کا کوئی سامان موجود تھا کیونکہ وہ کہتا ہے کہ حدیث پر عمل کی ضرورت اُسوقت پڑی جب بعد کے زمانے میں فتوحات اسلامی کا میدان وسیع ہوجانے سے قرآن شریف اتنی بڑی سوسائٹی کے لیے جو ہر طرف ملکوں میں پھیل گئی تھی کافی نہ پایا گیا۔ گویا وہ اسبات سے انکار کرتا ہے کہ زمانہ نبوی میں بھی صحابہؓ حدیث پر عمل کرتے یا حدیث پر عمل کو نیکی ضرورت سمجھتے تھے پس جب حدیث کی کوئی وقعت اس زمانے میں نہ تھی تو اس کی حفاظت یا صحیح طور پر ایک سے دوسرے کو پہنچانیکی ضرورت بھی نہ تھی اور جب ضرورت نہ تھی تو سامان بھی حفاظت کا کوئی نہ ہوگا۔ یہ مَیں میور صاحب کے کلام سے استدلال کرتا ہوں ورنہ خود اس سوال کو کہ آیا حدیث کی حفاظت کا کوئی سامان زمانہ نبوی میں تھا یا نہیں میور زیر بحث نہیں لایا۔ مگر چونکہ اس سوال کو کہ حدیث کی کوئی وقعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی یا نہیں؟ اس سوال سے بڑا گہرا تعلق ہے کہ حدیث کی حفاظت کا کوئی سامان بھی اس زمانہ میں تھا یا نہیں؟ اس لیے مَیں پہلے سوال پر بھی غور کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ صحابہؓ کے نزدیک حدیث کی قدر و منزلت وہی تھی جو بعد میں محدثین کے نزدیک تھی تو ہم کوئی وجہ نہیں دیکھتے کہ کیوں انہوں نے حدیث کے یاد رکھنے اور اس کو صحیح طور پر پہنچانیکی کوشش نہ کی ہوگی۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو کہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حدیث پر عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک حدیث کی قدر و منزلت کوئی نہیں تھی بلکہ جیسا کہ میور کہتا ہے حدیث کی ضرورت اسوقت پیش آئی اور اسکی قدر و منزلت اسوقت بڑھی جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو کر بہت سی نئی ضرورتیں پیش آئیں جنکے لیے قرآن کریم سے کوئی راہ نہ ملتی تھی تو ایسی صورت میں حدیث کی حفاظت کے سامان بھی اُس زمانہ یعنی زمانہ نبوی میں کوئی نہ ہوسکتے تھے۔ کیونکہ جس چیز کی کوئی ضرورت نہ تھی اسکو کیوں یاد رکھا جاتا یا ٹھیک طور پر دوسروں تک پہنچایا جاتا۔ میور صاحب کا یہ دعویٰ کہ حدیث کو جزو شریعت بنانیکی ضرورت بعد میں پیش آئی اور کہ زمانہ نبوی میں اسپر عمل کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود وحی یعنی قرآن کریم کے پابند تھے۔ ایک بے دلیل دعویٰ ہے۔ کیونکہ اسلامی شریعت ابتدا سے ہی اولاً قرآن کریم پر اور پھر سنت* یعنی افعال نبیؐ اور حدیث یعنی اقوال پیمبر پر جو ہر دو کلام الٰہی کے لیے بطور مفسر کے تھے مبنی تھی۔ مثلاً قرآن کریم مسلمانوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم نماز پڑھو۔ لیکن نماز کے متعلق کل کے کل احکام اور اسکے پڑھنے کا طریق یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنکا پاکیزہ قلب مورد وحی الٰہی ہونیکی وجہ سے کلام الٰہی کے اصل منشاء کو سمجھتا تھا بیان فرمائے اور یہی آپ کا بیان فرمانا یعنی اپنے عمل سے بتانا کہ نمازیوں پڑھنی چاہیئے یا قول سے تشریح کرنا کہ نماز کے متعلق یہ یہ احکام ہیں حدیث ہے جس کے بغیر اصل شریعت اسلامی مکمل نہیں ہوسکتی۔ ایسا ہی دوسرے احکام قرآنی کے متعلق سمجھ لینا چاہیئے۔ پس حدیث کی ضرورت وسعت سلطنت اسلامی کے ساتھ بعد میں نہیں پڑی بلکہ اسکی ضرورت بھی قرآن کریم

* سنت سے مراد آنحضرتؐ کا طریق عمل ہے کہ ہر فعل کو آپنے پہلے خود کرکے دکھایا اور یہ بھی حدیث میں شامل ہے۔ منہ

کی ضرورت کے ساتھ ہی دست بدست چلتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک اخلاقی واعظ ہی نہ تھے بلکہ آپ شارع بھی تھے اور آپ کی رسالت کے ساتھ ہی نئی شریعت کی بنیاد بھی رکھی گئی پس آپ کے اقوال و افعال کی پیروی ابتدا سے ہی ہدایت کی راہوں پر چلنے کے لیے ضروری تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اس ضرورت کو سب سے بڑھ کر محسوس کرتے تھے۔ کیونکہ وہ ہر وقت آپ کے نقش قدم پر چلنے کے محتاج تھے۔

قرآن کریم خود اس امر پر شاہد ہے اور کھلے لفظوں میں اس نے یہ تاکید فرمائی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کریں آپ کے احکام کو اسی طرح مانیں جس طرح احکام الٰہی کو مانتے تھے۔ کیونکہ فرماتا ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔ یعنی اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اگر اللہ کی فرمانبرداری سے مراد احکام الٰہی کی فرمانبرداری ہے جو بذریعہ قرآن کریم دیے گئے ہیں تو مقام غور ہے کہ رسول کی فرمانبرداری سے کیا مراد ہوئی۔ لازماً رسول کی فرمانبرداری سے ان احکام کی فرمانبرداری لینی پڑے گی جو رسول نے دیے ہیں اور جو قرآن کریم سے الگ ہیں کیونکہ قرآن کریم کے کل احکام کی فرمانبرداری اطیعوا اللہ میں داخل ہے پس یہ آیت قرآن کریم کی صریح گواہ ہے اس بات پر کہ قرآن کریم خود یہ ہدایت فرماتا ہے کہ رسول کے احکام کی یعنی حدیث کی پیروی کیجائے۔ اور اسکو قرآن کریم کی پیروی کی طرح لازمی قرار دیا گیا ہے۔ پس جو شخص قرآن شریف پر ایمان لاتا ہے اسکے لیے حدیث نبوی کی پیروی ضروری اور لازمی امر ہے۔ ایسا ہی دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر۔ (نساء - ۵۹) اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ایسا ہی اُنکا جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں پھر اگر کسی امر میں تمہارا تنازع ہو جائے تو اس امر میں اللہ کے حکم اور رسول کے حکم کیطرف رجوع کرو۔ یہی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانیکی شرط ہے۔ اس آیت میں بھی نہ صرف رسول کے حکم کی پیروی کو ایسا ہی ضروری قرار دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ کے حکم کی پیروی کو۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانیکی شرط یہی ہے کہ ہر متنازعہ امر کا فیصلہ اللہ کے حکم کے رو سے اور رسول کے حکم کے رو سے کیا جاوے یعنی قرآن اور حدیث کی رو سے۔ گویا ان دونوں پر ایمان لا کر تنازعات کو انپر عرض کرنیکے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ اب اسجگہ بھی غور کر لو کہ اللہ کی طرف کسی امر کو رد کرنیکے معنے سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتے کہ خدا کے کلام یعنی قرآن کریم کے رو سے اسکا فیصلہ کیا جاوے تو لازماً رسول کی طرف رجوع کرنیکے معنے یہی ہوں گے کہ رسول کے حکم یعنی حدیث کے رو سے اسکا فیصلہ کیا جاوے۔ پھر اس سے بھی کھلے کھلے الفاظ میں رسول کے حکم کی پیروی کو ضروری بتایا اور کھول کر فرمایا کہ کوئی شخص مومن ہو سکتا ہی نہیں جبتک کہ رسول کے حکم کو سر تسلیم خم

کر سکے نہ مانے فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ تیرے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے اور ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جبتک کہ اپنے تمام متنازعہ امور میں رسول کو ہی حَکَم قرار نہ دیں اور پھر جب رسول کوئی فیصلہ کرے تو اس کے قبول کرنے میں کسی طرح کی اپنے دلوں میں روک نہ پاویں بلکہ دل وجان اور پورے انشراح صدر سے ان احکام کو قبول کریں۔ پس اول تو میں نے دکھایا ہے کہ ضرورت ہی ایسی واقعہ ہوئی تھی کہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی کے بغیر اُس دین پر ہرگز قائم نہ ہو سکتے تھے جس کی طرف آپ اُنہیں بلاتے تھے پھر مزید براں یہ کہ قرآن کریم نے کھلے کھلے لفظوں میں اور بار بار تاکید سے یہ فرمایا کہ رسول کے احکام کی پیروی بھی ضروری ہے جیسے خدا کے احکام کی پیروی ضروری ہے یعنی قرآن اور حدیث دونوں کی پیروی کے بغیر انسان سچا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ تو ان واقعات کے ہوتے ہوئے اور ان احکام کی موجودگی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کسطرح آپکے اقوال وافعال سے غافل رہ سکتے تھے یا انکو بے توجہی کی نظر سے دیکھ سکتے تھے۔ یہ کبھی ممکن نہ تھا بلکہ انکے لیے تو آپ کا ہر قول اور فعل اپنے اندر ایک الٰہی رنگ رکھتا تھا اور علاوہ پیروی حکم کی ضرورت کے انکی محبتوں کا یہ تقاضا تھا کہ آپکے ہر قول اور فعل کو محبت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بلکہ معمولی سے معمولی باتوں میں آپکی پیروی کرتے تھے۔ مثلاً دیکھو حالانکہ انگوٹھی پہننا کوئی دینی امر نہ تھا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی پہنی تو اسی نقش کی انگوٹھیاں صحابہؓ نے بھی بنوائیں اور پہنیں۔ غرضکہ وہ ہر وقت اور ہر آن اسبات کے خواہاں تھے۔ کہ آپکے احکام اور اقوال کی تعمیل کریں اور آپکے افعال کی پیروی کریں۔ مسجد میں خطبہ پڑھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے ہیں کہ بیٹھ جاؤ۔ اسکی سب نے تعمیل کی یہانتک کہ ایک صحابی جو اسوقت مسجد کے ساتھ گلی میں سے گذر رہے تھے انکے کان میں بھی یہ آواز پڑی اور وہ وہیں بیٹھ گئے۔ کہ ایسا نہ ہو کہ مسجد میں پہنچنے سے پہلے مَیں مر جاؤں اور آپکے ایک حکم کی تعمیل سے قاصر رہوں۔ کیا ایسے مخلص معتقدین کے دل میں کبھی یہ خیال گذر سکتا تھا کہ آپکے احکام کی فرمانبرداری کی ضرورت نہیں؟ اور خود قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسوہ حسنہ قرار دیکر صحابہؓ کو آپ کی ہر طرح سے پیروی کرنیکی تاکید فرمائی ہے۔ غرضکہ قرآن کریم سے یہی ثابت ہوتا ہے اور کلام الٰہی اس بات پر زور دیتا ہے کہ آپکے احکام یعنی حدیث کی پیروی ہر طرح سے کیجاوے اور صحابہؓ نے پیروی کی۔ اور حدیث اور سُنّت کو اپنے دین کا جزو اور اپنی ہدایت کی راہ سمجھا۔

اس مختصر بحث سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ آپکے اقوال وافعال کو بے توجہی کی نگاہ سے نہ دیکھ سکتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا یعنی آنحضرت صلی اللہ وسلم کے اقوال وافعال کی صحابہؓ کی نگاہ میں نعوذ باللہ کوئی وقعت نہ ہوتی۔ تو پھر اس قسم کے تشکوک اور شبہات کہ حدیث محفوظ نہیں رہی اور ایک راوی سے دوسرے

راوی کے کانوں تک پہنچنے میں کچھ کی کچھ بن گئی قابل توجہ ہوتے۔ کیونکہ اس میں کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا کہ جن الفاظ کی طرف انکے بولے جانیکے وقت انکے سننے والوں کو کوئی توجہ نہ ہو اور جن واقعات پر انکے واقع ہونیکے زمانہ میں کسی نے غور نہیں کیا انکا کئی سال بعد اپنی اصلی صورت میں بیان کرنا ایک ایسا امر ہے جس کا آسانی سے یقین نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن حدیث کے متعلق ایک لمحہ کے لیے بھی صحابہؓ کو ایسی بے توجہی نہیں ہوئی آنحضرتؐ کے اقوال اور افعال وہ قواعد تھے جنپر چلنا وہ ہدایت کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ انکے بدلے انہوں نے اپنی جائدادیں اپنے گھر اپنے عزیز دوست اور اقربا اور اپنے وطن چھوڑے اور اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر بلکہ قربان کرکے اور طرح طرح کی تکالیف اُٹھاکر انکو قبول کیا۔ پھر کیا انہی کے متعلق وہ بے توجہ ہوسکتے تھے؟ ہرگز نہیں بلکہ آپکے احکام تو انکے لیے زمین پر سب سے زیادہ قیمتی خزانے تھے۔ اور آپکے ہر ایک قول اور فعل کو وہ پوری توجہ سے سنتے اور دیکھتے تھے۔

اب ہم حدیث پر غور کرتے ہیں کہ آیا حدیث میں اندرونی شہادت اس امر کی موجود ہے یا نہیں کہ اسکی حفاظت کے سامان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے احکام کے متعلق کیا تعلیم دی ہے۔ کتاب العلم میں امام بخاری نے یہ حدیث بیان کی ہے جو ابن عباس کی روایت سے ہے کہ جب قوم عبد القیس کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے اور آپکے درمیان کفار ہیں یعنی ہمارا راہ انکے درمیان میں سے ہے پس ہم آپ کی خدمت میں سوائے مقدس مہینوں کے حاضر نہیں ہوسکتے۔ آپنے نماز روزے زکوٰۃ وغیرہ کے احکام بیان فرمانیکے بعد انکو فرمایا۔ **احفظوہ واخبروہ من وراءکم**۔ یعنی خود ان باتوں کو خوب محفوظ رکھو یعنی اچھی طرح سے یاد کرلو اور جو لوگ تمہارے پیچھے رہ گئے ہیں انکو یہ باتیں صحیح صحیح پہنچادو۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود حفاظت حدیث کا اور اسکو صحیح صحیح دوسروں تک پہنچانیکا حکم دیتے ہیں۔ اس سے بڑھکر اور کیا واضح ثبوت ہوسکتا ہے؟ ایسا ہی مالک بن حویرث روایت کرتے ہیں۔ **قال لنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارجعوا الیٰ اھلیکم فعلّموھم**۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ حکم دیا کہ اپنے گھروں میں واپس چلے جاؤ اور اپنے لوگوں کو یہ باتیں جو میں نے تمہیں سکھائی ہیں سکھاؤ۔ یہ بھی پہلی حدیث کی موید ہے۔ یہ بھی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی نیا قبیلہ یا قوم ایمان لاتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں سے ایک شخص کو انکی طرف بھیجدیا کرتے تھے تا وہ انہیں انکے درمیان رہ کر احکام دین سکھاوے اور پوری طرح سے دین اسلام اور اسکی شریعت سے آگاہ کرے۔ ایسے لوگ ان نومسلموں کو نہ صرف قرآن کریم ہی سکھانے کے لیے بھیجے جاتے تھے بلکہ اس غرض سے کہ انکو سکھاویں کہ کس طرح احکام دین کی پیروی کرنی چاہیئے۔ ایسے لوگ لازماً خود ایسے ہوتے تھے جو قرآن کریم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے بھی اچھی طرح واقف ہوں تا ان لوگوں کو جنکی طرف وہ بھیجے جاتے تھے احکام دین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل سکھاویں

پس (نہ صرف) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ تاکیدی حکم تھا کہ آپ کے اقوال کو یاد رکھا جائے اور دوسروں کو صحیح صحیح پہنچایا جائے بلکہ مختلف اقوام میں جو وقتاً فوقتاً اسلام میں داخل ہوتی تھیں آپ کا واعظین کو بھیجنا (تاکہ وہ ان کو احکام دین سکھا دیں) یہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں ہی اس پر عمل بھی کروایا۔ اور چونکہ واعظین جو ان نئی اسلام میں داخل ہوئی ہوئی قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے جو کچھ ان لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کے متعلق بتاتے تھے انکو خود بھی یہ موقعہ ملا تھا کہ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی تصدیق کرلیں۔ اس لیے ایسی احادیث ہر قسم کی غلطی اور آمیزش سے خالی تھیں۔ کیونکہ ایسے وقت میں جب چھوٹے چھوٹے معاملات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں وہ لوگ عرض کیا کرتے تھے یہانتک کہ آپ نے ایک امام مقرر کیا تو اس کے متعلق یہ شکایت آپ کے سامنے آئی کہ یہ قرأت لمبی پڑھتا ہے ایسی صورت میں یہ ہرگز قرین قیاس نہیں کہ ان احادیث میں جو اسی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہی دوسروں تک پہنچنی شروع ہوگئی تھیں کسی قسم کا تصرف ہوا ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود واعظین کو مختلف اقوام کے اندر بھیجنا تاکہ وہ انکو دین حق سے اور آپ کے حالات سے آگاہ کریں یہ حدیث کی حفاظت کے سامانوں میں سے پہلا سامان تھا۔

اوپر میں یہ بھی دکھا چکا ہوں کہ جب ایک قوم آپ کے سامنے آتی تو آپ انکو چند احکام دین سکھانے کے بعد یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ انکو یاد رکھو اور اپنے لوگوں کو انسے آگاہ کرو۔ اور کئی احادیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ حدیث کو صحت کے ساتھ دوسروں تک پہنچانیکے لیے ہمیشہ بہت تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ عن ابن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول نضّر اللہ امرأً سمع منا شیئاً فبلّغہ کما سمعہ فرب مبلّغ اوعی لہ من سامع۔ یعنی ابن مسعود کہتے ہیں کہ مینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کو سرسبز کرے جس نے ہم سے کوئی بات سنی پھر جس طرح اس کو سنا تھا بعینہٖ اسی طرح اسکو دوسروں کو پہنچایا کیونکہ بعض وہ لوگ جنکو باتیں پہنچائی جاتی ہیں اصل سننے والوں سے اس بات کو زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ایسا ہی امام بخاری بھی اسی مضمون کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔ عن عبد الرحمٰن بن ابی بکرۃ عن ابیہ ذکر النبی صلے اللہ علیہ وسلم قعد علی بعیرہ وامسک انسانٌ بخطامہ او بزمامہ قال ای یوم ھٰذا فسکتنا حتّٰی ظننا انہ سیسمیہ سوی اسمہ قال الیس یوم النحر قلنا بلیٰ قال فای شھر ھٰذا فسکتنا حتّٰی ظننا انہ سیسمیہ بغیر اسمہ فقال الیس بذی الحجۃ قلنا بلیٰ قال فان دماءکم واموالکم واعراضکم بینکم حرام کحرمۃ یومکم ھٰذا فی شھرکم ھٰذا فی بلدکم ھٰذا لیبلغ الشاھد الغائب فان الشاھد عسیٰ ان یبلغ من ھو اوعیٰ لہ

منه ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے اور ایک آدمی نے مہار پکڑی ہوئی تھی۔ آپ نے سوال کیا یہ کونسا دن ہے ہم خاموش رہے یہانتک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اسکا کوئی اور نام بتائیں گے آپ نے فرمایا کیا یہ یوم النحر نہیں یعنی ذوالحج کی دسویں تاریخ ہم نے عرض کیا ہاں۔ پھر آپ نے سوال کیا یہ کونسا مہینہ ہے۔ ہم خاموش رہے یہانتک کہ ہم نے گمان کیا۔ کہ آپ اسکا کوئی اور نام بتائیں گے۔ آپ نے فرمایا کیا یہ ذوالحج کا مہینہ نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تمھارے خون اور تمھارے مال اور تمھاری عزت تمھاری درمیان ان سب کو وہی حرمت حاصل ہے جو تمھارے اس شہر میں اس مہینے کے اندر اس دن کو حاصل ہے چاہیئے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو میری بات پہنچا دے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ ایسے شخص کو خبر پہنچائے جو شاہد کی نسبت بات کو زیادہ محفوظ رکھنے والا ہے۔ آخری حصہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ تاکید پائی جاتی ہے کہ آپ کی باتیں دوسروں کو پہنچائی جاویں اور اسبات کا ذکر کہ شائد وہ لوگ سننے والوں کی نسبت بات کو زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوں اس لیے کیا گیا ہے کہ ان غائبین کا جو صحابہؓ سے آنحضرتؐ کی باتیں سنیں پھر یہ فرض ہے کہ وہ انکو یاد رکھکر دوسروں کو وہی باتیں پہنچا دیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کا ماحصل یہ ہے کہ آپ کی باتیں یعنی حدیث نبوی ضایع نہ ہو بلکہ ایک دوسرے کو مسلمان اسے پہنچاتے رہیں۔ یہ دوسری شہادت اس امر کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے اور صحابہؓ کو بار بار آپ نے یہ تاکید فرمائی کہ آپ کی حدیث بلا تغیر تبدل دوسرے لوگوں تک پہنچائی جاوے۔

بہت سی حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض ضروری باتوں کو تین تین دفعہ دوہرایا کرتے تھے تاکہ سننے والے اچھی طرح آپ کی بات کو سمجھ جائیں۔ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلثا حتّٰی تفہم عنہ واذا اتٰی علٰی قوم فسلم علیہم سلم علیہم ثلٰثا۔ یعنی تین دفعہ بیان کرنیسے غرض آپ کی یہ ہوتی تھی کہ سننے والا آپ کی بات کو سمجھ جائے۔ دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ کو جب ایک بات سمجھ میں نہ آئے تو خود دوبارہ سہ بارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے۔ ابن ابی ملیکہ کی روایت بخاری میں ہے ان عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت لا تسمع شیئًا لا تعرفہ الا راجعت فیہ حتّٰی تعرفہ ۔ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات بیان فرماتے اور وہ انکی سمجھ میں نہ آتی تو آپ بار بار پوچھتیں یہاں تک کہ اچھی طرح سے سمجھ لیں۔ اب ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ایک بات کو بار بار بیان کرنا تاکہ سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں اور دوسری طرف خود صحابہؓ کا ایک بات کو آپ سے دریافت کرنا جب پہلی دفعہ بیان کرنے سے

سمجھ میں نہ آئے یہ دونوں امور اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ حدیث کی صحت اور سمجھانے میں اور صحابہؓ اس کے محفوظ رکھنے اور سمجھنے میں پوری کوشش کرتے تھے۔ یہ تیسرا سامان حفاظت حدیث کا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہی پایا جاتا ہے۔

چوتھا سامان حفاظت حدیث کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ وعید تھے جو آپ نے حدیث میں جھوٹ بولنے والے کے لیے بیان فرمائے۔ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم فمن کذب علیّ متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النار (رواہ الترمذی) ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا مجھ سے صرف وہی حدیث بیان کرو جسکو تم جانتے ہو کہ میری حدیث ہے جو شخص مجھ پر عمداً جھوٹ بنائیگا وہ اپنی جگہ آگ میں دیکھے عن سمرۃ بن جندب والمغیرۃ بن شعبۃ قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین (رواہ مسلم) یعنی سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری طرف سے کوئی حدیث بیان کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹ ہی وہ کاذب ہے۔ بخاری میں بھی اسی مضمون کی روایتیں بکثرت پائی جاتی ہیں حضرت علیؓ کی روایت ہے، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تکذبوا علیّ فانہ من کذب علیّ فلیلج النار۔ اور سلمہ کی روایت ہے، قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول من یقل علیّ ما لم اقل فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ اسی مضمون کی روایتیں حضرت انس۔ ابو ہریرہ اور زبیر سے مروی ہیں۔ ان تمام روایتوں سے جو آٹھ دس صحابہؓ سے مختلف واسطوں سے ہم تک پہنچی ہیں یہ صاف ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ نے بہت مرتبہ صحابہؓ کو اس بات سے ڈرایا تھا کہ آپ کی طرف منسوب کر کے کسی غلط حدیث کو شایع کرنا کیسا خطرناک گناہ ہے۔

اگر اسی قسم کی احادیث کے مضمون کو اور بھی غور کی نظر سے دیکھا جاوے تو معلوم ہوگا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہر وقت اس بات سے ترساں رہتے تھے کہ کوئی غلط لفظ انکے مونہہ سے نہ نکل جاوے اور اس لیے جبتک کسی حدیث کے متعلق انہیں یقین کامل نہ ہوتا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے تو وہ اسے بیان کرنیکی جرأت نکرتے تھے۔ بخاری میں یہ حدیث حضرت انس سے مروی ہے قال انس انہ لیمنعنی ان احدثکم حدیثاً کثیراً ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من تعمد علیّ کذباً فلیتبوأ مقعدہ من النار یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ بہت سی حدیثیں بیان کرنیسے مجھے یہ بات روکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جو شخص جان بوجھکر مجھ پر جھوٹ بولیگا وہ آگ میں جائیگا۔ ایسا ہی عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے قال قلت للزبیر انی لا اسمعک تحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کما یحدث فلان و فلان قال اما انی لم افارقہ و لکن سمعتہ یقول من کذب علیّ فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ یعنی عبد اللہ بن زبیر نے اپنے والد زبیر سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح حدیثیں بیان کرتا ہوا نہیں سنتا جس طرح فلاں اور فلاں آدمی بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کی یہ وجہ نہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا رہتا تھا لیکن میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ بولیگا وہ آگ میں داخل ہوگا۔ حضرت زبیر کا اس سے مطلب یہ نہیں تھا کہ دوسرے لوگ جو حدیثیں بیان کرتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں بلکہ انہوں نے فرمایا کہ چونکہ جھوٹ کے متعلق سخت ممانعت اور وعید عذاب ہے اس لیے میں زیادہ حدیثیں بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انکے متعلق مجھے یقین کامل نہیں کہ آنحضرتؐ نے کیا فرمایا تھا۔ کذب کے معنوں میں صرف یہی داخل نہیں کہ کوئی شخص ایک خبر یا واقعہ کو غلط جانکر بیان کرے بلکہ کذب بمعنی خطا بھی آتا ہے۔ اور محاورہ عرب میں کذب کا استعمال ان معنوں میں بہت ہے احادیث میں بھی اس کا استعمال پایا جاتا ہے۔ یعنی جہاں کسی شخص نے غلط واقعہ بیان کیا حالانکہ وہ خود اسے غلط نہیں سمجھتا تھا تو اس کے متعلق لفظ کذب آیا ہے جسکی تشریح بالاتفاق اخطأ کی گئی ہے پس جن صحابہؓ کے متعلق یہ ذکر ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم ڈرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب نہ بولیں انکا یہ منشاء ہرگز نہ ہو سکتا تھا کہ ہم ڈرتے ہیں کہ جس کلام کو ہمنے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا اسکو عمداً آنحضرتؐ کی طرف منسوب نہ کر دیں بلکہ ڈر اسی بات کا ہو سکتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ غلطی سے کوئی غلط لفظ یا قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو جاوے پس صحابہؓ آنحضرتؐ کی حدیث کی روایت کرنے میں بیحد درجہ کے محتاط تھے اور اس وعید کے سبب سے کہ جو کذب علی النبی کے متعلق وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن چکے تھے۔ وہ ایسی حدیثیں بیان کرنیکی بھی جرأت نہ کرتے تھے جس کے متعلق انہیں یہ اندیشہ ہو کہ غلط بیانی ہو جاویگی۔ اس وعید میں اور صحابہؓ کے اسکو روایات بیان کرنے وقت اسطرح مدنظر رکھنے میں ایک اور قطعی شہادت ملتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا پورا اہتمام اسبات کا کیا کہ آپ کی احادیث کے پہنچانے میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہو۔ اور صحابہؓ نے آپ کی ان ہدایات پر پوری طرح عمل کر کے دکھایا۔

مذکورہ بالا احادیث کو اچھی طرح سے سمجھنے کے لیے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حدیث کے سننے۔ اسکے سمجھنے اور اسکو محفوظ رکھنے میں سب صحابہؓ یکساں نہ تھے بعض کو زیادہ وقت آنحضرتؐ کی صحبت میں رہنا میسر آتا تھا بعض کو بہت کم۔ بعض فہم و فراست سے دوسروں کی نسبت زیادہ حصہ رکھتے تھے اور سب کی قوت حافظہ بھی برابر نہ تھی اسی فرق کی وجہ سے روایت حدیث میں بعض کا مرتبہ بعض سے زیادہ ہے۔ مثلاً بہت سے صحابی ایسے تھے کہ اپنے کام بھی کرتے تھے اور فرصت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے۔ بعض نے باریاں مقرر

کی ہوئی تھیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک انصاری کے ساتھ جو آپ کا ہمسایہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنیکے لیے باری مقرر کی ہوئی تھی۔ ایک دن وہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس دن کی خبریں اور وحی حضرت عمرؓ کو پہنچا دیتے اور دوسرے دن حضرت عمرؓ ایسا کرتے۔ پھر بعض صحابہؓ ان سے بھی بڑھکر مشتاق اس بات کے تھے کہ سارا وقت ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے رہیں۔ انہیں میں ابوہریرہ بھی تھے جنکی حدیثیں دوسرے صحابیوں سے بہت زیادہ پائی جاتی ہیں ابوہریرہ کا اشتیاق حفاظت حدیث کا اسقدر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے خوب آگاہ تھے چنانچہ ایک موقعہ پر جب ابوہریرہ نے آنحضرتؐ سے یہ سوال کیا یا رسول اللہ من اسعد الناس بشفاعتك یوم القیامة۔ تو آپ نے قبل اس کا جواب دینے کے فرمایا لقد ظننت یا ابا ھریرة ان لا یسألنی عن ھذا الحدیث احد اول منك لما رأیت من حرصك علی الحدیث۔ یعنی آپ نے فرمایا کہ اے ابوہریرہ میں اس وجہ سے کہ تمھارا اشتیاق حدیث کے لیے خوب جانتا ہوں اس بات کو جانتا تھا کہ تم ہی پہلے مجھ سے یہ سوال پوچھو گے۔ (صحیح بخاری کتاب العلم) ایسا ہی صحیح بخاری میں دوسری جگہ یہ روایت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ قال ان الناس یقولون اکثر ابو ھریرة ولولا اٰیتان فی کتاب اللہ ما حدثت حدیثا ثم یتلوا ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات الی قوله الرحیم ان اخواننا من المهاجرین کان یشغلهم الصفق بالاسواق وان اخواننا من الانصار کان یشغلهم العمل فی اموالهم وان ابا ھریرة کان یلزم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بشبع بطنه ویحضر ما لا یحضرون ویحفظ ما لا یحفظون۔ یعنی ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں ابوہریرہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اور اگر قرآن کریم میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔ اور پھر آپ یہ آیتیں پڑھتے ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدے جن میں ہدایت اور بینات کے چھپانے پر سخت وعید آیا ہے۔ پھر فرمایا کہ بات یہ ہے کہ ہمارے بھائی جو مہاجرین تھے انکو تو بازار میں خرید و فروخت روکے رکھتی تھی اور ہمارے بھائی جو انصار میں سے تھے انکو اپنے کاروبار روکے رکھتے تھے اور ابوہریرہ کا یہ حال تھا کہ کھانا کھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگا رہا۔ اور اس لیے وہ ایسے ایسے واقعات کو مشاہدہ کرتا تھا جنکو دوسرے صحابی نہیں کرتے تھے اور ایسی ایسی باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنکر یاد رکھتا تھا جنکو دوسرے یاد نہیں رکھتے تھے۔ پس بڑی بھاری وجہ کہ بعض صحابہؓ کی احادیث کم پائی جاتی ہیں اور بعض کی زیادہ یہی ہے کہ بعض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا زیادہ اتفاق ہوتا تھا اور بعض کو کم۔

اسی کی تائید میں بخاری نے تاریخ میں اور حاکم نے مستدرک میں بروایت طلحہ بن عبید اللہ سے بیان کی ہے لا اشك انه سمع من رسول الله صلى الله عليه وسلم مالا نسمع وذلك انه كان مسكينا لا شئ له ضيفا لرسول الله صلى الله عليه وسلم۔ ایسا ہی ابن عمر کا یہ قول احمد اور ترمذی نے بیان کیا ہے۔ جو ابو ہریرہ کے متعلق ہے۔ كنت الزمنا لرسول الله صلى الله عليه وسلم واعرفنا بحديثه ۔ اور بخاری نے تاریخ میں اور بیہقی نے بروایت محمد بن عمارہ بن حزم سے کی ہے۔ انه قعد في مجلس فيه مشيخة من الصحابة بضعة عشر رجلا فجعل ابو هريرة يحدثهم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بالحديث فلا يعرفه بعضهم فيراجعون فيه حتى يعرفوه ثم يحدثهم بالحديث كذلك حتى فعل مرارا فعرفت يومئذ ان ابا هريرة احفظ الناس ۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی لوگ کہا کرتے تھے کہ ابو ہریرہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے چنانچہ ایک دن ابو ہریرہ نے ایک ایسا کہنے والے سے پوچھا کہ کل عشاء کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کون کونسی سورتیں پڑھی تھیں تو وہ نہ بتا سکا۔ اور پھر آپ نے اُسکو بتادیا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ کو ابتدا سے ہی یہ شوق تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معمولی سے معمولی باتوں کو توجہ سے دیکھتے اور یاد رکھتے تھے۔

ان تمام واقعات سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے علم کی اشاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی شروع ہوگئی تھی۔ اور آپکے سامنے ہی حدیثیں پھیلنی شروع ہوگئی تھیں اور آپنے ہی سخت وعید ان لوگوں کے لیے بیان فرمائے تھے جو آپ کی حدیث میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کریں۔ انہی تمام احتیاطوں کی وجہ سے صحابہؓ حدیث کے بیان کرنے میں پرلے درجہ کے محتاط تھے اور اس ڈر سے کہ شائد کوئی غلطی نہ ہو جائے وہ بغیر یقین کامل کے کسی حدیث کو بیان نہ کرتے تھے۔ جو لوگ صحیح احادیث کے بیان کرنے میں اس درجہ کے محتاط تھے انکی نسبت یہ وہم کرنا کہ انہوں نے وضعی حدیثیں بنا بنا کر پھیلائیں پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ میور صاحب کا خیال ہے اور یہ خیال محض ایک بے بنیاد دعویٰ ہے کہ کثرت سے حدیثیں جنگوں میں وضع کی گئیں۔ وہ کہتا ہے کہ ایک لڑائی سے دوسری لڑائی تک جو وقفہ ہوتا تھا اس وقفہ میں صحابہؓ کا یہی کام ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑائی ظاہر کرنیکے لیے آپ کی تعریف میں جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر ناواقف لوگوں کو جو آنحضرتؐ کے بعد اسلام میں داخل ہوئے تھے خوش کیا کرتے تھے۔ یہ خیال جو ایک متعصب دل نے محض اپنے آپ کو اور اپنے اندھے ہمخیالوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے دل سے ہی بنالیا ہے اُسیوقت قبول کیا جاسکتا ہے جب تمام تاریخی واقعات پر خاک ڈالی جاوے اور محض خیالات کی پیروی کیجائے اور اگر ایسے ایسے بیہودہ خیالات کے تراشنے لینے سے تاریخ بن سکتی ہے تو پھر تمام صحیح اور سچی تاریخی

واقعات کی کوئی وقعت نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ اپنے ہی دماغ کے ایجاد کردہ خیالات سے تاریخی واقعات کو تاریکی میں ڈالنا چاہتے ہیں مگر وہ اگر چند دنوں کے لیے اپنے ہمخیالوں کو دھوکہ دے بھی لیں تو ہمیشہ کے لیے اپنے ناپاک مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ افسوس ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے وقت کہ وہ لڑائیوں میں حدیثیں بنا بنا کر لوگوں کو خوش کیا کرتے تھے نہ ہی میور نے کوئی دلیل اس دعوے کی پیش کی ہے اور نہ ہی کوئی نظیر دی ہے اگر اس قسم کا بے دلیل دعویٰ کوئی شخص مسیح کے حواریوں کے متعلق کرے تو معلوم نہیں پادری صاحبان اسکو کسقدر کوسیں مگر اسلام پر کسی ناجائز حملہ کا کرنا وہ کچھ بھی عیب نہیں سمجھتے۔ علاوہ ازیں یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی حدیثیں وضع کرنیکی ضرورت صحابہؓ کو کوئی نہ تھی۔ ایسی باتوں کو وضع کرنیکی ضرورت تب پیش آتی جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ ناکامی اور نامرادی کی حالت میں ذلیل اور خوار رہ کر دنیا سے اُٹھ جاتے مگر آپ کو وہ کامیابی اور عزت اور عظمت اپنی زندگی میں نصیب ہوئی جس کی نظیر بھی دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ زیادہ وضاحت کے لیے میں ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ عیسائی صاحبان کے اعتقاد کے بموجب حضرت مسیح ناکامی کی حالت میں اس دنیا سے اُٹھ گئے اور ان لوگوں کے دلوں پر جنکو وہ ساری عمر وعظ کرتے رہے انکی کوئی عظمت نہ بیٹھی*۔ اس لیے اگر ان کے پیرو صرف وہی واقعات آپ کے متعلق پیش کرتے جنسے وہ ایک کمزور اور فانی انسان ثابت ہوتے تو انکو مسیحی دین کے پھیلنے کی کوئی امید نہ ہوتی کیونکہ جب وہ خود اپنی زندگی ناکامی کی حالت میں گذار کر ناکامی کی حالت میں ہی اُٹھ گئے اور انکی عظمت کسی پر ثابت نہ ہوئی اور نہ معدودے چند اشخاص کے سوائے کسی نے انکی صداقت کو تسلیم کیا تو بعد میں وہی باتیں پیش کر کے جو انکی اپنی زندگی میں کچھ اثر پیدا نہ کر سکیں انکے پیرو خود ان سے بڑھکر کسی کامیابی کی امید نہ رکھ سکتے تھے۔ اور نہ انہی باتوں سے کوئی نیا اثر پیدا کر سکتے تھے جو خود مسیح کی اپنی زندگی میں پیدا نہ ہوا۔ پس اگر وہ مسیح کی عظمت کے لیے نئی نئی باتیں تراش کر لوگوں کو نہ سناتے تو انکا مذہب بھی نہ پھیل سکتا تھا۔ اس لیے مسیح کے پیرووں کو تو یہ ضرورت پیش آئی کہ وہ ایک کمزور اور عاجز انسان کو خدا بنا کر پیش کریں اور انکے متعلق وہ باتیں لوگوں کو انکی عظمت کی سنا دیں جنکی اصلیت کچھ نہ تھی لیکن کوئی پادری صاحب ہمیں یہ بتا دیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کونسی ایسی ضرورت پیش آئی تھی۔ انکا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ شخص تھا جس نے اپنی زندگی میں وہ کامیابی اور عظمت حاصل کی جسکی نظیر نہیں۔ جسکی صداقت کو اسکے سخت سے سخت مخالفوں نے آخر کار تسلیم کیا۔ جسکے سامنے بڑے بڑے سرکشوں نے آخر اپنی گردنیں جھکا دیں۔ پس اس کی عظمت تو ثابت شدہ تھی اسکو ثابت کرنیکے لیے حدیثیں بنانیکی ضرورت کیا تھی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل تو اس یقین سے بھرے ہوئے تھے کہ کسطرح کل جزیرہ نمائے عرب نے آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو تسلیم کر لیا کیونکہ انکے سامنے وہ بیّنات اور کھلے دلائل اور بڑے بڑے نشان ظاہر ہوئے جن سے وہ انکار نہ کر سکتے تھے اسی طرح

* یہ باتیں میں اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ بلکہ اناجیل یہی کہتی ہیں۔ منہ

باقی دنیا بھی آپ کی صداقت تسلیم کرلے گی۔ اور جسطرح آنحضرتؐ اپنی زندگی میں کامیاب ہوئے تھے انہی واقعات کو آپ کی موت کے بعد پیش کرنیسے صحابہؓ کو کامیابی حاصل ہوسکتی تھی۔ لہٰذا صحابہؓ کو کوئی ضرورت قطعاً اس بات کی نہ تھی کہ وہ آپ کی عظمت ثابت کرنیکے لیے حدیثیں بناتے۔ اور اپنے آپ کو اس وعید اور اس سزا کا مستوجب ٹھہراتے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ڈرایا تھا۔ بڑا بنانیکی کوشش تو اسکے لیے کی جانی چاہیے جو اپنی زندگی میں بڑا آدمی نہ بنا ہو جیساکہ یسوع مسیح کی حالت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اناجیل کے بیان کے مطابق ایک ضعیف اور عاجز انسان ناکامی اور نامرادی کی حالت میں مجرموں کی طرح سزا پاکر گذر گیا اور اس لیے اس کے پیرووں کو اسے خدا بنانا پڑا۔ مگر جسکی عظمت اور بڑائی کو اس کے سخت سے سخت مخالفوں تک نے اسکی زندگی میں تسلیم کرلیا اور جس کے آگے سب سرکشوں کی گردنیں جھک گئیں اسکو بڑا بنانے کی ضرورت کیا تھی۔ اور اس سے زیادہ بڑائی اسکی کیا ہوسکتی تھی جو آپنے خود اپنی زندگی میں حاصل کرلی۔ غرضکہ جس پہلو سے میور کے دعوے کو دیکھو وہ ایک بالکل بے سروپا اور لغو اور بے اصل دعویٰ ثابت ہوتا ہے جسکی تائید سوائے میور کے اپنے خیال کے اور کسی بات سے نہیں ہوتی۔ اور یہ اس شخص کا قابل شرم جھوٹ اور افترا ہے۔

اب اس افترا پر ایک اور پہلو سے ہم نظر کرتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم وہ لوگ تھے جنہوں نے محض حق کی خاطر اور حق کو قبول کرنیکی خاطر اپنے مال اپنی جائدادیں اپنے دوست اور آخرکار اپنے گھر بھی چھوڑ دیے اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی جانیں بھی راستی اور صداقت کی خاطر ہی قربان کیں اور کسی بات کی پرواہ نہ کی مگر راستی کو کسی حال میں نہ چھوڑا۔ کیا ان لوگوں کے متعلق ہم یہ خیال کرسکتے ہیں کہ وہ یکدفعہ راستبازی کے اس اعلیٰ مقام سے گرکر ایسے ذلت کے گڑھے میں گر گئے تھے کہ انکی غذا ایسی ہوگئی تھی کہ شب و روز جھوٹی باتیں بنا بنا کر پیش کرتے تھے؟ میور صاحب کو ایسی بات پیش کرتے وقت کچھ تو شرم آنی چاہیے تھی کہ وہ لوگ جنہوں نے حق اور صداقت کی خاطر ایسی تکالیف برداشت کیں کیا وہ کبھی ایسی سیاہ کاریوں کے مرتکب ہوسکتے تھے کہ جھوٹی باتیں بنا بنا کر انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کریں اور اسطرح دن رات جھوٹ بولنا اپنا پیشہ بنالیں؟ ہاں جو نقشہ انجیلیں حواریوں کا ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں اگر وہی نقشہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قرآن کریم یا صحیح احادیث ہمارے سامنے پیش کرتیں کہ وہ ذرا سی تکلیف بھی حق کی راہ میں نہ اٹھا سکتے تھے تو بھی خیال گذر سکتا تھا کہ ممکن ہے کہ جو لوگ راستی سے اس سے بڑھکر پیار نہیں کرتے جتنا وہ اپنے مالوں اور جانوں سے پیار کرتے ہیں وہ کبھی جھوٹ کو ہی اختیار کرلیں مگر ایسا ہرگز نہیں بلکہ میور نے خود تسلیم کیا ہے کہ جس چیز کو صحابہؓ نے صداقت اور راستی سمجھا تھا۔ اس سے انہیں کوئی چیز نہ پھیر سکی حتیٰ کہ دوستوں کو چھوڑا مالوں کو چھوڑا۔ قریبیوں کو چھوڑا۔ بیٹوں نے والدین کو والدین نے بیٹوں کو چھوڑا۔ گھروں اور جائدادوں کو چھوڑا اور بالآخر اپنی زندگیاں بھی دیدیں

مگر حق سے نہ پھرے اور راستی سے مونہہ نہ موڑا۔ وہ لوگ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔ وہ لوگ جو ہر قسم کے جھوٹ اور نا راستی اور فسق سے بیزار ہو چکے تھے وہ یہ گندہ طریق کیا کبھی اختیار کر سکتے تھے کہ دن رات جھوٹی حدیثیں بنا کر لوگوں میں مشہور کریں؟ کیا تاریخ سے ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ راستی کے کسقدر فدائی تھے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کے سچے عاشق تھے؟ پھر اپنے معشوق اور محبوب کو چھوڑ کر وہ جھوٹ کی نجاست پر کیونکر گر سکتے تھے؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی بات بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ سے پوچھ کر کیا کرتے تھے۔ کوئی باہم تنازعہ ہو جاتے تو اسکا فیصلہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کراتے تھے؟ انکے دین اور دنیا کا کوئی معاملہ نہ تھا جس میں وہ آنحضرت کا فیصلہ طلب نہ کریں۔ جس خدائے قادر نے پہلے یہ فرمایا تھا فلا وربک لا یومنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما اسی خدائے علیم نے انکے سینوں کو نور ایمان سے معمور دیکھ کر پھر فرمایا حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم اور رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع الی اللہ کے بعد بھی ہم دیکھتے ہیں کہ انکا طریق زندگی نہیں بدلا۔ بلکہ پہلے اگر انکو یہ موقع تھا کہ ہر بات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ پوچھ لیتے تھے تو اب بھی وہ ہر معاملہ میں اسی تلاش میں لگے رہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ انہیں ملجائے اور اگر بعینہٖ انکے مطابق حال فیصلہ نہ ملے تو کوئی اس کے قریب قریب ہی معاملہ ہو جو انکے معاملہ سے مشابہ ہو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ دیا ہو تاکہ وہ اس راہ کو ہی اختیار کریں۔ یہ روح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہر قول اور فعل میں کی جائے نہ صرف صحابہؓ میں ہی پائی جاتی ہے بلکہ وہ ورثہ ہے جو سب کے مسلمانوں کو بھی انہی پاک لوگوں سے پہونچا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش ہی تھی جو علم حدیث کے رواج اور جمع حدیث کا باعث ہوئی پس یہ بات ایک عقلمند انسان کے وہم میں بھی نہیں گذر سکتی کہ صحابہؓ نے بجائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی حدیثوں کو شایع کریں اور ان پر چلیں جھوٹی حدیثیں بنانی شروع کر دی تھیں۔ غرضکہ یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنھم میں سے کوئی شخص بھی وضع حدیث کا مرتکب نہیں ہوا۔

اب اگر فرض محال کے طور پر ایک لمحہ کے لیے اس بات کو تسلیم کرلیں کہ کسی صحابی نے کوئی وضعی حدیث بنائی ہو تو ایسی حدیث کبھی مروج نہ ہو سکتی تھی جبتک کہ اس کے اس افترا میں باقی صحابہؓ بھی شامل نہ ہوتے۔ کیونکہ وہ زمانہ جسکی طرف میور احادیث کی وضع کا الزام منسوب کرتا ہے ابتدائی جنگوں کا زمانہ ہے جو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے عہد سلطنت اور حضرت عثمانؓ کے ابتدائی ایام میں ہوئیں۔ رضی اللہ عنھم اجمعین۔ اور یہی بات صاف طور پر

اس کی تحریر میں پائی جاتی ہے۔ پس میور کی دلیل کے مطابق (اگر ایسی بے سروپا باتوں اور لغو خیالات کو دلیل کا نام دے سکتے ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دس پندرہ سال کے اندر اندر ہی اکثر وضعی حدیثیں مشہور ہو چکی تھیں اور یہ وہ وقت تھا جب ابھی ہزارہا صحابیؓ زندہ تھے اور وہ انکے وضعی ہونے سے بیخبر نہ ہو سکتے تھے۔ اس صورت میں گویا کل کے کل صحابہؓ وضعی حدیثوں کی شہرت دینے میں شامل تھے۔ اس سے بڑھکر افترا اور کیا ہو سکتا ہے؟

اب ہم میور کے دعوے کی اصلیت کو دیکھتے ہیں تو اس سے اسکا باطل ہونا اور بھی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ کثرت سے حدیثیں صحابہؓ نے جنگوں کے درمیان بنا بنا کر مشہور کیں۔ اس دعوے کی صداقت یا بطلان اسطرح پر بھی ظاہر ہو سکتا ہے کہ ہم ایک معتبر حدیث کی کتاب کو لیکر یہ دیکھیں کہ اس میں ایسی حدیثیں کسقدر ہیں جنکی روایت ان صحابہؓ تک پہنچتی ہو جو جنگوں میں بہت حصہ لینے والے تھے اور ایسی احادیث کسقدر ہیں جو ان صحابہؓ تک پہنچتی ہوں جو خود جنگوں میں شریک نہیں ہوتے تھے دونوں قسموں میں سے ہم پانچ چھ بڑے بڑے صحابہؓ کو لے لیتے ہیں اب ایک طرف تو خالد بن ولید۔ ابو عبیدہ۔ ابوسفیان۔ یزید بن ابوسفیان۔ عکرمہ۔ ضرار ابن الازور ہیں۔ اور انکے مقابل دوسری طرف ابوہریرہ۔ انس بن مالک۔ عبداللہ بن عباس۔ خلفائے اربعہ۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ ہیں۔ اب ہم حدیث کی سب سے زیادہ معتبر کتاب کو لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اول الذکر صحابہؓ کی احادیث اس میں کسقدر ہیں اور موخرالذکر کی کسقدر۔ صحیح بخاری میں کل احادیث (متون موصولہ) دو ہزار چھ سو اور دو ہیں۔ اور مرفوع ایک سو انسٹھ۔ اسطرح پر کل احادیث کا مجموعہ صرف دو ہزار سات سو اکسٹھ ہوا۔ اس مجموعہ میں وہ حدیثیں نہیں گنی گئیں جو مکرر مختلف راویوں سے آئی ہیں۔ اب ان کل احادیث میں خالد بن ولید کی روایت سے کوئی حدیث نہیں۔ ایسا ہی ابو عبیدہ۔ یزید بن ابوسفیان۔ عکرمہ۔ ضرار کی روایت سے بھی کوئی حدیث نہیں اور صرف ابوسفیان کی روایت سے ایک حدیث آئی ہے۔ انکے بالمقابل جو نام بیان کیے گئے ہیں۔ انکی حدیثوں کی تعداد حسب ذیل ہے۔ ابوہریرہ ۴۴۶۔ انس بن مالک ۲۶۸ عبداللہ بن عمر ۲۷۰۔ عبداللہ بن عباس ۲۱۷۔ عائشہ صدیقہ ۲۴۲۔ دوسری عورتیں ۳۷۔ حضرت عمر ۶۰۔ حضرت علی ۲۹۔ حضرت ابوبکر ۲۲۔ حضرت عثمان ۹۔ گویا مشہور جنگ میں شامل ہونیوالے صحابہؓ کی ایک حدیث کے بالمقابل دوسرے انہی چند صحابہؓ کی احادیث کی تعداد ۱۶۴۶ ہے جو بخاری کی کل احادیث کی قریباً دو تہائی ہے۔ اب غور کرو کہ میور کا دعویٰ کسقدر افترا اور جھوٹ سے پُر ہے کیونکہ اگر اکثر حدیثیں جنگوں میں شریک ہونیوالے صحابہؓ بناتے تو چاہیے تھا کہ زیادہ تعداد انہی کی احادیث کی کتب میں پائی جاتی مگر یہاں حالت برعکس ہے بلکہ یہ کہنا بجا ہے کہ جنگوں میں شریک ہونیوالے صحابہؓ کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد دوسرے صحابہؓ کی بالمقابل کچھ بھی نہیں۔ اب ان واقعات کے ہوتے ہوئے مسلمان اگر یہ نہ کہیں کہ عیسائی مصنفین کے حملے محض عناد کی وجہ سے ہوتے ہیں اور اسلام پر سراسر افترا ہوتے ہیں تو اور

کیا کہیں۔ اور باوجود ان صریح جھوٹے اور مفتریانہ دعووں کے یہ لوگ مغرب میں اسلامی علوم کے بڑے محقق سمجھے جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ پر افترا کا الزام ایک شرمناک افترا ہے اور اسکی کوئی شہادت اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بلکہ اس کے برخلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جبتک صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ رہے اسوقت تک کوئی وضعی حدیث اسلام میں نہیں آئی۔ اصل بات یہ ہے کہ احادیث کا وضع ہونا صحابہؓ بلکہ تابعین کے زمانہ کے بھی بعد شروع ہوا اور مسلمان محققین نے اس خطرہ کو محسوس کر کے جلدی اسکا تدارک شروع کر دیا۔ پہلی صدی ہجری کے اخیر تک کوئی اس قسم کی شہادت نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ وضع احادیث اسوقت شروع ہو چکا تھا۔ بلکہ اس امر کی تاریخی شہادتیں ملتی ہیں کہ اسوقت تک اسلامی دنیا میں وضعی احادیث کا نام و نشان نہ پایا جاتا تھا۔ چنانچہ خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ کے متعلق جو پہلی صدی ہجری کے اخیر میں خلیفہ ہوئے یہ روایت صحیح بخاری میں موجود ہے۔ کتب عمر بن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم و ذھاب العلماء ولا تقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیفشوا العلم ولیجلسوا حتی یعلّم من لا یعلم فان العلم لا یھلك حتی یکون سرا۔ یعنی خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے ابی بکر بن حزم کو لکھا (ابوبکر بن حزم آپ کے ماتحت حاکم مدینہ تھے اور خود تابعی تھے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث ملے اسے نگہ رکھو اور اسے لکھ لو۔ مَیں ڈرتا ہوں کہ علم (یعنی علم حدیث) گم نہ ہو جائے اور علماء سب اُٹھ نہ جاویں اور سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے اور کچھ قبول نہ کرو۔ اور چاہیئے کہ علم کو پھیلایا جاوے اور علمی مجالس ہوا کریں تاکہ جو لوگ (حدیث سے) ناواقف ہیں اُن کو تعلیم دیجاوے کیونکہ علم نابود نہیں ہوتا جبتک کہ وہ مخفی نہ ہو جاوے۔ ابونعیم نے اپنی تاریخ اصبہان میں لکھا ہے کہ یہ حکم صرف حاکم مدینہ کے نام ہی نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ تمام صوبوں کے حاکموں کے نام یہی حکم خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے بھیجا تھا۔ خواہ یہ حکم ایک حاکم کے نام بھیجا گیا ہو یا سب کے۔ مَیں جو استدلال اس سے کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسوقت تک جب خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے یہ حکم لکھا جو تاریخی طور پر ثابت ہے مسلمانوں کے درمیان وضعی احادیث پیدا نہ ہوئی تھیں اور یہ بات اس حکم کے الفاظ پر غور کرنے سے ثابت ہوتی ہے۔ امیر المؤمنین نے جس بات کا اندیشہ ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے کہ علماء مرتے جاتے ہیں ایسا نہ ہو کہ علم حدیث گم ہو جائے اس لیے تم تمام حدیثوں کو جو تمہیں ملیں لکھ لو۔ اور وضعی احادیث کا نام تک بھی نہیں لیا۔ اگر وضعی احادیث اسوقت پیدا ہو گئی ہوتیں تو بڑا خطرہ یہ نہیں ہونا چاہیئے تھا کہ علماء مر جائیں گے تو علم حدیث گم ہو جائیگا بلکہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ وضعی احادیث بکثرت مروج ہو گئی ہیں اور صحیح احادیث کو ان سے الگ کرنا ضروری ہے۔ مگر اس حکم میں وضعی احادیث کا نام تک بھی نہیں پایا جاتا جس سے

صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت وضعی احادیث کا وجود بھی نہ تھا جس بات کا خطرہ بار بار ظاہر کیا ہے وہ یہی ہے کہ علم مخفی ہوکر نابود نہ ہوجائے اور اسی غرض کے لیے نہ صرف یہ حکم دیا کہ حدیث لکھ لی جاوے بلکہ یہ بھی حکم دیا کہ علمی تذکرے بڑھائے جاویں اور علمی مجالس منعقد کیجاویں تا ناواقف لوگ بھی احادیث سے واقف ہوجاویں۔ اور یہ جو کہا کہ آنحضرت کی حدیث کے سوائے اور کچھ قبول نہ کیا جاوے اس کا مطلب صرف اسیقدر ہے کہ اور مثلاً کسی صحابی کا قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے خلط نہ کر دیا جاوے۔ بہرحال وضعی احادیث کا اس تحریر میں ذکر تک بھی نہیں چہ جائیکہ انکی کثرت یا انکے مروج ہونیکا ذکر ہو۔ بہت سے اور واقعات تاریخ میں پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کسی حدیث کے قبول کرنے یا اسکو آگے بیان کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ بلکہ ایک ایک حدیث کے متعلق صحیح علم حاصل کرنیکی خاطر سیکڑوں میلوں کے سفر اختیار کرتے اور ہر طرح کی صعوبتیں برداشت کرتے تھے۔ جابر بن عبداللہ کا تذکرہ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ ایک حدیث کی خاطر انہوں نے مدینہ سے شام کا سفر کیا۔ دیکھو باب الخروج فی طلب العلم۔ جہاں لکھا ہے۔ رحل جابر بن عبد اللہ مسیرۃ شہر الی عبد اللہ بن انیس فی حدیث واحد۔ یعنی جابر بن عبداللہ نے ایک مہینہ کا سفر عبداللہ بن انیس کی طرف صرف ایک حدیث کی خاطر کیا۔ جسکا تذکرہ جابر کے اپنے الفاظ میں یوں موجود ہے۔ بلغنی عن رجل حدیث سمعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاشتریت بعیرا ثم شددت رحلی فسرت الیہ شہرا حتیٰ قدمت الشام فاذا عبد اللہ بن انیس۔ فقلت للبواب قل لہ جابر علی الباب فقال ابن عبد اللہ قلت نعم فخرج فاعتنقنی فقلت حدیث بلغنی عنک انک سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخشیت ان اموت قبل ان اسمعہ۔ ایسا ہی ابو ایوب انصاری کے متعلق یہ روایت ہے کہ اس نے عقبہ بن عامر کی طرف ایک حدیث کے سننے کے لیے لمبا سفر کیا۔ ایسا ہی ایک اور صحابی کا ذکر ہے کہ اس نے فضالہ بن عبید کو ملنے کے لیے مصر کا سفر کیا کیونکہ وہ ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کرتے تھے یہ تھا صحابہؓ کا جوش اور عشق آنحضرتؐ کی حدیث کی تلاش میں کہ آج سے تیرہ سو برس پہلے جو کچھ سفر کی صعوبتیں تھیں وہ انکی نظر میں ایک حدیث کے سننے کے بالمقابل ہیچ تھیں۔ اگر وضعی احادیث کا اُس زمانہ میں کوئی ذخیرہ تھا جسے صحابہؓ نے قبول کر لیا تھا تو ایک ایک حدیث کی خاطر ایسے لمبے سفر اختیار کرنیکے کیا معنے تھے۔ یہی حال تابعین کا معلوم ہوتا ہے۔ جیساکہ ابو العالیہ کی روایت سے خطیب نے بیان کیا ہے کہ کنا نسمع عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا نرضی حتیٰ خرجنا الیہم فسمعنا منہم یعنی ہم آنحضرتؐ کے صحابیوں کی روایت سے ایک حدیث کو سنتے تھے مگر ہم صبر نہ کرتے تھے جبتک سفر کرکے خود ان

صحابیوں کے مونہہ سے اس حدیث کو سن لیں۔ اس قسم کے کئی واقعات تاریخ میں موجود ہیں جن سب کا بیان کرنا موجب طوالت ہوگا۔

احادیث کے قابل اعتبار ہونے پر بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ ابتدا میں تحریر میں نہیں لائی گئیں بلکہ زبانی سلسلہ روایت سے ہی محدثین تک پہنچی ہیں۔ میور کہتا ہے کہ کسی صورت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ عرب اپنے حافظہ پر ایسا ہی بھروسہ کر سکتے تھے جیسا تحریر پر۔ اور پھر لکھتا ہے کہ نہ صرف حافظہ پورے طور پر حدیث کو محفوظ ہی نہیں رکھ سکتا تھا بلکہ زبانی روایت کے سلسلہ میں غلطیوں اور مبالغہ کی آمیزش بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اب اول تو یہ کہنا کسی صورت میں صحیح نہیں ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اخیر تک حدیث کا کوئی حصہ بھی لکھا نہیں گیا۔ ایسی روایات بکثرت موجود ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی بعض لوگ حدیث کو لکھ لیا کرتے تھے۔ ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عمرو حدیث لکھا کرتے تھے۔ حضرت علی کے پاس بھی لکھی ہوئی حدیث کا موجود ہونا ثابت ہے۔ فتح مکہ والے سال میں خزاعہ نے بنی لیث کا ایک آدمی بطور کسی گذشتہ خون کے قصاص کے مار ڈالا۔ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ پڑھا۔ اور جب آپ تمام کر چکے تو اہل یمن میں سے ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ مجھے یہ خطبہ لکھوا دیجئے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے لکھ دیا جاوے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے خطبہ پڑھا تو لوگوں نے اسے اپنے حافظوں میں محفوظ کر لیا تھا۔ ورنہ بعد میں لکھا کیونکر جاتا۔ یہ تمام روایتیں صحیح بخاری میں موجود ہیں۔ اور ان سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہی بعض صحابہ حدیثوں کو لکھ لیا کرتے تھے۔ اور ایسا ہی یہ بھی شہادت ملتی ہے کہ لکھنے کا رواج آپ کے بعد اور بھی زیادہ ہو گیا تھا۔ یہ بات میور کو بھی تسلیم کرنی پڑی ہے کیونکہ ایک موقع پر وہ لکھتا ہے کہ اگر ان باتوں کو جو پیش کی جاتی ہیں تسلیم بھی کر لیا جاوے تو ان سے اس سے بڑھکر اور کوئی بات ثابت نہیں ہوتی کہ بعض صحابہؓ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تحریری یادداشتیں تھیں۔ مگر وہ لکھتا ہے کہ جو کتب احادیث اسوقت موجود ہیں ان سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کونسی احادیث کسی محدث نے تحریری یادداشت سے لی تھیں اور کونسی صرف زبانی روایت کے سلسلہ سے۔ میں کہتا ہوں کہ یہی طریق درست ہے۔ کیونکہ اگر کسی حدیث کے متعلق سلسلہ روایت کو چھوڑ کر صرف اسیقدر پر اکتفا کیا جاتا کہ یہ حدیث کسی پرانی یادداشت سے لی گئی ہے تو اول تو تحقیق کا دروازہ بند ہو جاتا کیونکہ سلسلۂ رواۃ کے معلوم ہونے پر تو حدیث پر جرح بھی ہو سکتی ہے لیکن صرف ایک پرانی یادداشت کا حوالہ دینے سے آئندہ نسلوں کو یہ کیونکر معلوم ہو سکتا کہ وہ یادداشت کیسی تھی اور کس شخص کی لکھی ہوئی تھی۔ پس ایسی حدیثیں بالکل پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتیں۔ اور یہ بات صاف ہے کہ ایسی یادداشتوں کا اول تو محفوظ رکھنا آسان امر نہ تھا اور پھر بڑی مشکل یہ پڑتی کہ یہ کیونکر معلوم ہوتا کہ فلاں یادداشت واقعی فلاں

صحابی کی کسے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے یا بعد میں کسی نے جعل بنا لیا ہے۔ کیونکہ زبانی سلسلہ میں تو ہر ایک راوی کا نام
ظاہر کرنا پڑتا ہے اور ایک ایک لفظ تنقید کے نیچے آسکتا ہے مگر تحریری یادداشتوں میں ایک ایسے زمانہ میں جب
چھاپہ خانہ کا رواج نہیں تھا اور اس لیے عام طور پر کوئی تحریر مشتہر نہ ہوسکتی تھی کہ سب لوگ یقین کرلیں کہ فلاں بات
کے لکھنے والا واقعی فلاں شخص ہے۔ ایسے زمانہ اور ان حالات میں اگر تحریری یادداشتوں سے حدیثیں جمع کی جاتیں
تو وہ ایسی مشتبہ ہوجاتیں کہ بالکل قابل اعتبار نہ رہتیں۔ علاوہ ازیں محدثین خود کب اس بات پر مطمئن ہوسکتے
تھے کہ ایک یادداشت انکے ہاتھ لگ گئی ہے کیونکہ اس میں وہ خود اپنی تنقید سے کام نہ لے سکتے تھے۔ بلکہ لازماً سلسلہ
رواۃ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ جبتک راویوں کے ذریعہ سے کوئی حدیث کسی صحابی تک نہ پہنچ جائے اسوقت
تک وہ قطعاً اس کے متعلق مطمئن نہ ہوسکتے تھے تحریری یادداشتیں اصل میں ابتدا میں بھی حافظ کو تازہ کرنیکے
لیے تھیں اور محدثین نے بھی انسے یہی کام لیا یعنی انکو بطور تائیدی شہادت قبول کیا اور اس لیے ان کے ذکر کرنیکی
بھی ضرورت نہ سمجھی۔

مگر معترض کہتا ہے کہ اگر تحریری یادداشتیں رکھی بھی گئیں تو صرف چند حدیثوں کی رکھی گئیں اور عام طور پر حدیث
لکھنے کا رواج ابتدائی زمانہ میں نہیں ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی احادیث کے
لکھنے سے روکا۔ اور آپ کا اس ممانعت سے یہی مطلب تھا کہ عام طور پر حدیث کو نہ لکھا جاوے جسکی وجہ یہ تھی کہ چونکہ قرآن
کریم جیسے جیسے نازل ہوتا تھا لکھا جاتا تھا۔ اور اسکا لکھنا ضروری تھا اس لیے اس اندیشہ سے کہ مبادا احادیث کو عام
طور پر لکھا جانے سے قرآن شریف اور حدیث خلط ملط نہ ہوجائیں آپ نے حدیث کے لکھنے کی ممانعت کی اور جہاں ایسا اندیشہ
نہیں تھا وہاں لکھنے کی اجازت بھی دی کیونکہ آپ کی اجازت سے حدیثوں کا لکھا جانا بھی ثابت ہے۔ عام طور پر حدیث
کے لکھے جانے میں ایک اور خطرہ بھی تھا اور وہ یہ کہ اگر حدیث کے لکھنے کا رواج ہوجاتا تو حدیث کو زبانی یاد رکھنے کی ضرورت
بالکل مفقود ہوجاتی۔ اور اسطرح پر زبانی روایت کا سلسلہ قطعاً موقوف ہوکر صرف یادداشتوں پر حدیث کی بنا رہ جاتی
جس میں جعل کی گنجائش بہت زیادہ ہوتی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کے لکھنے میں یہ دقت کیوں پیش نہ آئی تو
اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم اور حدیث کا مقابلہ اس پہلو پر نہیں ہوسکتا۔ قرآن شریف کی ہر ایک آیت سیکڑوں
آدمی اسکے نازل ہوتے ہی حفظ کرلیتے تھے اور اسکا تحریر میں لانا حفاظت کیلیے ایک زاید سامان تھا۔ علاوہ ازیں
قرآن شریف عام طور پر نمازوں میں پڑھا جاتا تھا اور اسکی کوئی آیت چھپی نہ رہ سکتی تھی۔ اسکے لیے ابتدا سے ہی یہ
سامان تھا کہ الگ الگ سورتیں تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آیت کے نازل ہوتے ہی فرمادیا کرتے تھے
کہ یہ آیت فلاں سورۃ میں فلاں مقام پر رکھی جاوے۔ لیکن حدیث کو یہ باتیں حاصل نہ تھیں۔ بعض احادیث (اس
میں شک نہیں) ایسی تھیں کہ تمام مسلمانوں کے لیے انکا جاننا ضروری تھا مثلاً احکام نماز۔ زکوٰۃ وغیرہ۔ مگر بہت سی

حدیثیں ایسی تھیں کہ وہ کل صحابہؓ کے علم میں نہ آسکتی تھیں۔ ایک شخص ایک وقت آیا اور اس نے کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی۔ وہ بات اپنے وقت پر ہو گئی اور کسی صحابی نے جو اسوقت موجود تھا اس کو یاد رکھ لیا۔ مگر قرآن کریم کی آیات کی طرح احادیث کا عام طور پر اعلان نہ ہوتا تھا۔ یعنی آیت جب نازل ہوتی تو اسکو لکھ بھی لیا جاتا اور عام طور پر اسکا اعلان بھی ہو جاتا۔ حافظ لوگ اسکو مطابق ہدایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکی جگہ پر رکھکر یاد بھی کر لیتے اور عام طور پر مسلمانوں میں اسکا چرچا ہو جاتا۔ خالی لکھنا کافی نہ تھا اور نہ ہی خالی لکھ لینا حدیث کے لیے کافی ہوتا بلکہ مشکلات اور بھی بڑھ جاتے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم کے جمع کرنیکی وجہ یہ تھی کہ حافظہ پر اعتبار نہ تھا یہ بالکل غلط ہے۔ حضرت عمرؓ نے جب جمع کے لیے اولاً حضرت ابوبکرؓ کو تحریک کی تو وجہ یہ بیان کی کہ بہت سے حافظان قرآن یمامہ کی لڑائی میں شہید ہو گئے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ قرآن کریم کے لکھے ہوئے اجزا کو ایک جگہ جمع کیا جاوے تا ایسا نہ ہو کہ تمام حافظوں کی موت سے قرآن کریم کا کوئی حصہ مشتبہ ہو جاوے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حافظہ پر اعتبار تو تھا مگر ڈر یہ تھا کہ جن لوگوں نے کل قرآن کریم کو حفظ کیا ہوا ہے وہ جنگوں میں شہید ہو کر سب کے سب دنیا سے اُٹھ نہ جاویں۔ غرضکہ قرآن کریم کی حفاظت کے لیے علاوہ تحریر کے اور بہت سے سامان موجود تھے جو حدیث کو میسر نہ آسکتے تھے اس لیے اسکی حفاظت کا طریق صرف حافظہ کو ہی قرار دیا گیا جبتک کہ وہ وقت نہ آگیا کہ حدیث کا علم کافی طور پر پھیل کر اس قابل ہو گیا کہ اسے کتابوں میں جمع کر دیا جاوے۔ اسقدر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث کی ایسی حفاظت نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی جیسی قرآن کریم کی ہوئی مگر تاہم تاریخی شہادت حدیث کی حفاظت کی بھی کافی موجود ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حافظہ پر اسقدر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا جسقدر تحریر پر۔ یہ قول اس زمانہ کے لیے تو بیشک درست ہے لیکن ابتدائی زمانہ میں بالخصوص عرب میں حافظہ نے جو حیرت انگیز کارروائیاں دکھائی ہیں وہ آج کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتیں۔ اگر عرب میں حافظہ ایسا ہی ناقابل اعتبار ہوتا جیساکہ میور کہتا ہے تو آج نہ عرب کی جاہلیت اور ابتدائی اسلامی زمانہ کے اشعار ہی ہم تک پہنچتے اور نہ ہی لغت اور نحو کے علوم کی ان باریک باتوں تک ہم پہنچ سکتے جنسے آج ہم فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ عربی اشعار بعینہٖ اسی طرح کے سلسلہ رواۃ سے ہم تک پہنچے ہیں جسطرح احادیث۔ اور اصل بات یہ ہے کہ یہی ایک طریق اس زمانہ میں کسی علم کی حفاظت کا تھا۔ اشعار کے راوی نہ صرف کثرت سے شعر ہی زبانی سلسلہ روایت سے بیان کر سکتے تھے بلکہ وہ شاعروں کے نام اور انکے حالات سے بھی واقف ہوتے تھے۔ اور انکے شعروں میں جو حوالے ہوتے تھے انسے بھی خوب آگاہ تھے شعروں کے مشہور راویوں میں سے ایک اصمعی ہیں جنہوں نے اپنے متعلق لکھا ہے کہ قبل بلوغت کو پہنچنے کے مَیں نے بارہ ہزار شعر حفظ کر لیے تھے (عقد الفرید) کیا ان لوگوں کے لیے جن میں ایسے حافظے والے لوگ موجود تھے

چند ہزار حدیث کا یاد رکھ لینا کوئی مشکل امر تھا؟ ابو ضمضم کے متعلق اصمعی نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک موقعہ پر چند نوجوان بعد عشاء کے اس کے پاس پہنچے اور بیان کیا کہ ہم تم سے کچھ باتیں سننا چاہتے ہیں۔ اس نے انکو ایک سو شاعروں کے شعر سنائے جن سب کا نام عمر تھا۔ شعبی کہتا ہے کہ مَیں نے شعر سے کمتر روایت کسی علم میں نہیں کی اور شعر میں میری روایت اسقدر ہے کہ اگر مَیں چاہوں تو برابر ایک مہینہ تک شعر پڑھتا چلا جاؤں اور کوئی شعر دوبارہ نہ آئیگا۔ پس اگر اسقدر اشعار جنکی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے محض زبانی سلسلہ رواۃ سے اسلام سے بھی پہلے زمانے سے ہم تک پہونچ گئے تو مَیں نہیں سمجھتا کہ حدیث کے اس سلسلہ سے پہنچنے میں مخالفین کو کونسی دقتیں نظر آتی ہیں۔

یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ شعر کا سلسلہ روایت یونہی کوئی لغو کام تھا بلکہ لغت اور نحو کی بنا انہی اشعار پر ہے جو زبانی روایتوں سے پہنچے ہیں۔ ہر زمانہ میں جب کبھی کسی لفظ کے معنوں یا کسی نحو کے قاعدہ میں تنازع پیدا ہوا ہے تو شعر کی سند سے اسکا آخری فیصلہ ہوتا رہا ہے اور کسی نے آج تک یہ اعتراض نہیں کیا کہ یہ شعر تو زبانی روایت سے مدت تک چلا آیا تھا اور بہت دیر بعد تحریر میں آیا اسکا اعتبار کچھ نہیں۔ پس تعجب ہے کہ جس صورت میں نازک ترین مسائل لغت یا نحو صرف زبانی یادداشتوں کی بنا پر حل کیے جاسکتے ہیں تو حدیث کے لیے اتنا شور کیوں مچایا جاتا ہے کہ زبانی روایتوں کے ہونیکی وجہ سے اسپر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ صحابہؓ میں کثرت سے ایسے لوگ تھے جن کو پرانے شعر یاد تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ کو بھی کئی ہزار شعر جاہلیت کے یاد تھے تو کیا تین سو حدیث وہ یاد نہ رکھ سکتی تھیں۔ ابن عباس کے متعلق یہ واقعہ دیوان عمر ابن ابی ربیعہ کے شروع میں لکھا ہے کہ جب عمر چند شعر بنا کر انکے پاس مشورہ کے لیے لایا کہ آیا یہ شایع کرنیکے قابل ہیں یا نہیں تو آپنے صرف ایک ہی دفعہ اس سے سنکر دوبارہ سب کے سب خود سنا دیے یہ قریباً ستر شعر تھے اسپر بعض حاضرین نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ شعر آپ کو پہلے معلوم تھے تو آپنے انکے تعجب پر تعجب کر کے جواب دیا۔ **او یسمع احد شیئًا ولا یحفظہ**۔ یعنی کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی ایک بات کو سنے اور پھر اسے یاد نہ رکھے۔ کیا ایسے انسان کے لیے اڑھائی سو حدیث کا یاد رکھنا کوئی مشکل امر تھا؟ غرضکہ یہ کہنا کہ حدیث اس لیے قابل اعتبار نہیں کہ ایک سو سال تک صرف حافظہ پر ہی اسکا انحصار رہا یا تو اعلیٰ درجہ کی جہالت ہے اور یا پرلے درجہ کی حماقت۔

یہ امر کہ جس چیز کا انحصار حافظہ پر ہو اس میں غلطی اور مبالغہ کا اندیشہ ہے حدیث کو پایۂ اعتبار سے گرا نہیں سکتا کیونکہ اگر حافظہ کا یہ حال ہے تو تحریر کہاں اس سے خالی ہے۔ اس زمانے میں بھی جبکہ ادنیٰ تکلیف سے صحیح واقعات معلوم ہو سکتے ہیں ہزارہا ایسی غلط باتیں شایع ہوتی رہتی ہیں جن کو سنکر ہنسی آتی ہے مثلاً ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کے متعلق جس سے دھرم سالہ اور کانگڑہ تباہ ہوئے بعض انگریزی اخباروں نے

یہ لکھا کہ کانگڑہ جو بمبئی کے قریب ایک جزیرہ ہے زلزلہ سے تباہ ہوگیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اخباروں کو صحت اور غلطی کی چنداں پروا نہیں ہوتی تو ایسی ہی غلطیاں ہم دوسری تحریروں سے نکال کر دکھا دیں گے۔ ہیزل کا اینوئل جو ایک مشہور اور مستند کتاب ہر قسم کے حوالجات کے لیے سمجھی جاتی ہے اس میں اسی زلزلہ کا ذکر لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک سخت زلزلہ نے ایک وسیع ضلع میں جو آگرہ اور شملہ کے درمیان واقع ہے عام تباہی اور سخت نقصان کیا۔ اور پھر لکھا ہے کہ خاص دھرم سالہ میں پانچسو آدمی مرے۔ پھر ایک شخص نے بڑے بڑے زلزلوں کا حال ایک جگہ لکھتے ہوئے اسی زلزلے کے متعلق لکھا ہے کہ اس سے کئی سو آدمی ہلاک ہوئے۔ حالانکہ گورنمنٹ کی رپورٹ کے مطابق بیس ہزار سے کم آدمی ہلاک نہیں ہوئے۔ یہ میں نے صرف ایک واقعہ کے متعلق چند غلطیوں کا ذکر کیا ہے تا معلوم ہو کہ تحریر اور پھر اس زمانہ کی تحریر کہاں تک غلطیوں کی آمیزش سے پاک ہے۔ باقی رہیں پرانی لکھی ہوئی یادداشتیں جو اتفاقاً ہاتھ لگ جائیں ان پر ایسا اعتبار کر لینا کہ گویا ان کا لفظ لفظ صداقت سے بھرا ہوا ہے یہ بھی ایک سخت غلطی ہے۔ بلکہ جہاں زبانی سلسلہ رواۃ میں ہر طرح سے جرح اور تنقید ہو سکتی ہے ایسی تحریریں بالکل کسی تنقید کے ماتحت نہیں آسکتیں اور اس لیے پایۂ اعتبار سے گری ہوئی سمجھنی چاہئیں۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ احادیث کا زبانی یاد رکھنا کوئی ایسا کام نہ تھا جس کے وہ لوگ عادی نہ ہوں بلکہ ان کے لیے یہ ایک معمولی سی بات تھی۔ اسی لیے تحریری یادداشتیں اگر موجود بھی تھیں تو محدثین نے معتبر روایت کو ہی مانا ہے اور تحریر کی تائید بھی جب تک روایت سے نہ ہو یا کم از کم تحریر کے متعلق روایت نہ ہو اسے کوئی وقعت نہیں دی۔ امام بخاری کو چھ لاکھ حدیث یاد تھی اور انہوں نے ایک کو بھی لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ کئی لوگ اپنی لکھی ہوئی حدیثوں کا آپ کے حافظہ سے مقابلہ کر کے اپنی تحریری یادداشتوں کو درست کیا کرتے تھے۔

ان تمام باتوں سے جو اوپر بیان کی گئیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث میں جھوٹ کی ملاوٹ صحابہؓ کے وقت تک یعنی پہلی صدی ہجری کے اختتام تک ہرگز نہیں ہوئی بلکہ جب صحابہؓ کل اس دنیا سے گذر گئے اور اکثر تابعین بھی انتقال کر چکے تو اس وقت جھوٹی حدیثوں کا بننا شروع ہوا۔ مگر اس خطرہ کو فی الفور علماء نے محسوس کر کے جمع حدیث کا کام شروع کر دیا جس پر میں انشاء اللہ الگ ایک مضمون لکھوں گا کیونکہ یہ مضمون کسیقدر تفصیلی بحث چاہتا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ سوال بھی حل کرنے کے قابل ہے کہ حدیث کی کتابوں کی اسقدر کثرت کے ساتھ اور مختلف فرقوں میں احادیث کے اسقدر اختلافات کے ساتھ کونسی وہ احادیث ہیں جن پر ہم اعتبار کر سکتے ہیں۔

بقیہ اعتراضات وطن

(سلسلہ کے لیے دیکھو نمبر۸ جلد۵ صفحہ ۳۱۸)

اور الہام الٰہی اے ورڈ اینڈ ٹو گرلس پر یہ اعتراض کہ "یہ کیسے معلوم ہوا کہ مقرر پُرزور اور پُرجوش الفاظ میں تقریر کر رہا ہے؟ الفاظ کیسے ذہن میں محفوظ ہے۔ گورے انگریز اہل زبان اور کالے ہندوستانی محمدؐ علی کی تقریر ایک جیسی کیسے ہو سکتی ہے" پرلے درجہ کے لغو اعتراض ہیں۔ کیا اس امر کو کوئی شخص پُرجوش الفاظ میں تقریر کر رہا ہے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا خواہ وہ زبان سننے والا سمجھتا ہو یا نہ۔ اور پھر چند الفاظ کے محفوظ رہنے پر تعجب ظاہر کرنا بھی محض حماقت ہے۔ باقی رہا تقریر کا ایک جیسے ہونا سو یہ تو خواب کا معاملہ ہے۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ وطن کو یہ اعتراض قرآن کریم پر کیوں پیدا نہ ہوا کہ سورج اور چاند اور ستاروں نے سجدہ کیونکر کیا تھا۔ یا یہ کہ سات سوکھی دُبلی گائیاں سات فربہ گائیوں کو کیونکر کھائے جا رہی تھیں۔ کیا یہ اعتراض ایک ہی قسم کے ہیں یا نہیں؟ میں اس مضمون کو کسیقدر بسط کے ساتھ لکھنا چاہتا تھا مگر چونکہ گنجایش باقی نہیں رہی اس لیے ایک دو باتیں اختصار کے ساتھ بیان کر کے اس کو ختم کرتا ہوں۔ مضمون زیر بحث میں دو اعتراض ایسے کیے گئے ہیں جنپر معترض کو بہت فخر ہے کہ یہ ٹوٹ نہیں سکتے۔ اور انکو بار بار دوہرا کر اعتراض کیے ہیں۔ اول یہ کہ حضرت مرزا صاحب کے الہام اے ورڈ اینڈ ٹو گرلس میں الہامی ترجمہ یہ ہے ایک کلام اور دو لڑکیاں۔ حالانکہ ورڈ کا ترجمہ کلام نہیں بلکہ کلمہ ہے اور کلمہ لفظ مفرد کو کہتے ہیں۔ اور پھر اس غلطی کی اصلاح انسانی ہاتھوں سے یوں کی گئی کہ دوسرے موقع پر ترجمہ کرتے وقت ورڈ کا ترجمہ کلمہ لکھا۔ یہ خلاصہ ہے اعتراض کا۔ یہ اعتراض سراپا لغو ہے۔ اول یہ کہ جس جگہ ورڈ کا ترجمہ کلام کیا گیا ہے وہ تو لکھنے والے نے ترجمہ کر دیا ہے نہ حضرت مسیح موعودؑ نے خود وہ ترجمہ کیا ہے اور نہ ہی الہاماً وہ ترجمہ انکو معلوم ہوا۔ بلکہ وہاں تو لکھنے والے نے الہام الٰہی اور ترجمہ کے درمیان لفظ ترجمہ بڑھا کر صاف ظاہر کر دیا ہے کہ یہ ترجمہ خود اس نے کیا ہے۔ باقی رہا یہ کہ ورڈ کا ترجمہ کلام درست نہیں۔ معلوم نہیں اسقدر انگریزی دانی کا دعویٰ لکھنے والے نے کس بنا پر کیا ہے۔ اور پھر اس دعویٰ میں اسقدر غلو کیا ہے کہ ترجمہ کنندہ کی اس خیالی غلطی پر بار بار استہزا کیا ہے۔ اگر معترض نے بائیبل ہی پڑھ لی ہوتی تو ایسی حماقت کا ارتکاب وہ نہ کرتا۔ یوحنا کی کتاب شروع اس سے ہوتی ہے۔ "ابتدا میں کلام تھا" اور "کلام" ترجمہ ہے ورڈ کا۔ پھر کوئی ڈکشنری ہی دیکھ لی ہوتی تو اسے معلوم ہو جاتا کہ ورڈ لفظ مفرد کو ہی نہیں کہتے بلکہ ورڈ کے معنے کلام الٰہی کے بھی ہیں۔ کیا انگریزی ڈکشنریوں میں اور کیا انگریزی اردو ڈکشنریوں میں۔ پھر کلمہ کا انحصار لفظ مفرد پر کرنا یہ بھی ناواقفیت ہے یا معترض نے بغیر تحقیق کے ایک سنی سنائی بات لکھدی ہے

افسوس کہ یہ لوگ قرآن کریم پر بھی غور نہیں کرتے۔ سورہ مومنون کا آخری رکوع دیکھو۔ رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت اس کل عبارت کو فرمایا انھا کلمۃ ھو قائلھا ط ایسا ہی کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم اور پھر کلمات ربی سے مراد کیا خدا کے بولے ہوئے مفرد الفاظ ہیں۔ شائد معترض کو اتنا پتہ بھی نہیں کہ مسلمان کلمۂ طیبہ کسے کہتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے الہام ورڈیا میں کلمہ سے مراد یہی ہے کہ اس لڑکے کے متعلق پیشگوئی اللہ تعالیٰ نے کی ہے انہی معنوں کے لحاظ سے وہ ورڈ اور کلمہ اور کلام کہلایا۔

دوسرا اعتراض جس پر بہت زور دیا گیا ہے یہ ہے کہ جب دو لڑکیاں پہلے موجود ہیں تو اب لڑکی ہونے سے الہام الٰہی ٹو گرلس والا غلط ہو گیا اس کے متعلق خود مولوی انشاء اللہ صاحب نے بھی اپنے نامہ نگار نقاش کی تائید کی ہے۔ سو یاد رہے کہ یہ ایک پیشگوئی ہے جیسا لڑکا آئندہ پیدا ہونیوالا تھا ویسا ہی الہام میں جن دو لڑکیوں کا ذکر ہے وہ بھی آئندہ پیدا ہونیوالی ہیں اور یہ کل پیشگوئی آئندہ کے متعلق ہے اگر پہلے ٹو گرلس سے دو موجود لڑکیاں سمجھ لی گئیں تو یہ ایک اجتہادی غلطی ہے۔ اور یہ الہام سارا آئندہ کے متعلق ہے

ان تمام باتوں پر غور کر کے ایک طالب حق اس نتیجہ تک پہنچیگا کہ جیسا ایک مرد صادق کی شہادت سے حضرت مسیح موعودؑ کے منجانب اللہ ہونے پر گواہی ملتی ہے ایسا ہی ایک مکذب کے استہزا سے بھی یہ شہادت ملتی ہے کہ یہ شخص مامور من اللہ ہے۔ کیونکہ جو اعتراض پہلوں پر کیے گئے وہی اس پر کیے جاتے ہیں۔ اور کوئی اعتراض ایسا نہیں جس کی زد دیگر انبیاء علیہم السلام پر نہ پڑتی ہو۔

مذہب کے اہم اصول

ولایت کے ایک سالہ ہبرٹ جرنل میں٭ سر آلور لاج نے ایک مضمون لکھا ہے جس میں یہ تجویز کی گئی ہے کہ پرانے عیسائی عقائد نامہ کی بجائے ایک نیا عقائد نامہ تیار کیا جاوے جس میں موجودہ زمانہ کی ضروریات کے مطابق عقائد درج کیے جاویں۔ راقم مضمون کہتا ہے کہ کوئی وجہ نہیں کہ جب ہمارے دوسرے حالات مرور زمانہ سے بدلتے رہتے ہیں تو عقائد کو کیوں نہ بدلا جاوے۔ اس نئے عقائد نامہ کے عقائد میں خدا کی ہستی کا اقرار سب سے پہلا اصل مذہب ہے۔ راقم مضمون لکھتا ہے کہ "انسان سے برتر ہستیوں (جس سے مراد اسکی ملائکہ وغیرہ معلوم ہوتی ہے) اور ایک سب سے

٭ سر آلور لاج ولایت کے ایک مشہور سائنس دان ہیں۔ اور علم کیمیا کے بڑے ماہر ہیں۔ منہ

برتر ہستی کا وجود ہر ایک مذہب کا اہم اور ابتدائی اصل ہے اور یہ خیال کرنا کہ انسان کا ہی سب سے برتر ہستی ہونا ممکن ہے میرے نزدیک علوم حقہ کا انکار ہے،، اس بناء پر پہلا نیا عقیدہ یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ’’میں ایک غیر محدود اور ابدی ہستی پر ایمان لاتا ہوں جو ہمارا ہدایت کرنیوالا اور محبت کرنیوالا باپ ہے اور جس سے تمام چیزیں ہیں،، ایسا ہی اس نئے عقیدہ میں اصول دعا کو بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

اس مضمون کو پڑھکر مذہب اسلام کی صداقت اور عظمت کا ایک نیا اثر دل پر ہوتا ہے کہ اس پاک مذہب نے وہ اصول قائم کیے ہیں جنکو بدلنے کی کسی زمانہ میں بھی ضرورت نہیں۔ بلکہ جب سے دنیا پیدا ہوئی اور تاریخ انسانی کا پتہ چلتا ہے وہ اصول انسان کی فطرت میں مرکوز پائے جاتے ہیں اور آجتک کسی مذہب نے اُنکا انکار نہیں کیا میرے نزدیک مذہب کے اہم اصول صرف دو ہیں یعنی ایک ہستی باری تعالیٰ اور دوسرے بعثت انبیاء یعنی خدائے واحد کا اپنے خاص بندوں کے ذریعے دنیا پر اپنی مرضی ظاہر کرنا۔ یہ دو اصول ایسے ہیں کہ انسے کسی مذہب نے انکار نہیں کیا اور یہ اسلام کی صداقت پر ایک عظیم الشان شہادت ہے۔ اول ہستی باری تعالیٰ کو لو۔ اور جہانتک تاریخ انسانی کا پتہ ملتا ہے تلاش کرو یہی معلوم ہوگا کہ تمام قوموں نے ہر زمانہ میں ایک اعلیٰ اور برتر ہستی کا اقرار کیا ہے خواہ کتنی ہی غلطیوں کی آمیزش اس اقرار کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ بلکہ جن لوگوں نے بتوں یا عناصر یا دیگر اشیاء میں خدائی قوتوں کا ہونا مانا ہے انکی بھی فطرت دراصل ایک اعلیٰ ہستی کی تلاش میں لگی ہوئی ہے گو بہ سبب کسی قسم کی تاریکیوں میں مبتلا ہونیکے وہ اصل حقیقت کو نہیں پہنچ سکے مگر پھر بھی اُنکی طبیعت اس بات پر کبھی قانع نہیں ہوئی کہ انسان سے برتر کوئی ہستی نہیں بلکہ وہ اس برتر ہستی کی تلاش میں ہی ہاتھ پاؤں مارتے رہے۔ بہرحال جہانتک تاریخ پتہ دیتی ہے تمام مذاہب کو دیکھو ان میں ہستی باری تعالیٰ کا اقرار ضرور پایا جائیگا۔ عیسائی یسوع کو خدا مانکر۔ ہندو کرشن یا رامچندر کو خدا مانکر۔ ایک بت پرست بت کو خدا مانکر۔ آتش پرست آتش کو خدا مانکر پھر بھی اس بات پر قانع نہیں ہوئے کہ یہی خدا ہیں بلکہ باوجود ان غلطیوں کے سچے خدا کی ہستی کا اقرار کیا اور ان خداؤں سے برتر ایک خدا کو مانا۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک خدا کی ہستی کا اقرار فطرت انسانی میں مرکوز ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ان تمام مذاہب میں جو مختلف زمانوں میں مختلف ممالک میں پیدا ہوئے یا مروج رہے باوجود سب قسم کے اختلافوں کے اس ایک بات پر ہمیشہ سے اتفاق رہتا۔ یہ کوئی بناوٹی بات نہیں ہوسکتی بلکہ جس صانع نے فطرت انسانی کو بنایا ہے اسی نے اس فطرت میں اپنے ہاتھ سے یہ نقش بھی کردیا ہے کہ وہ اس صانع کا اقرار کرے یہانتک کہ دہریہ بھی ایک سبب اول کو مانتا ہے۔

اب یہ سوال ہوگا کہ اگر ہستی باری تعالیٰ کا اقرار کم و بیش کل مذاہب میں پایا جاتا ہے تو اسلام کو کیا خصوصیت ہوئی تو اسلام کو بیشک ایک خصوصیت حاصل ہے اور یہ خصوصیت ہی اس بات پر شاہد ہے کہ مذہب اسلام

ہی وہ مذہب ہے جو فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ وہ خصوصیت یہ ہے کہ ہستی باری تعالیٰ کا اقرار سوائے اسلام کے ہر ایک مذہب میں کسی نہ کسی قسم کی غلطیوں سے ملا ہوا ہے۔ غلطیاں میں انہیں اس لیے کہتا ہوں کہ وہ خود خصوصیات قومی ہیں اور فطرت انسانی کے مطابق نہیں ہیں۔ مثلاً ایک شخص ہستی باری تعالیٰ کا اقرار کرتے ہوئے یہ تجویز کرتا ہے کہ ایک خدا کا بیٹا بھی ہے جو اصل میں خدا ہی ہے۔ اور یہ خدا یسوع مسیح ہے۔ اب اگر خدا تعالیٰ کی خدائی کے علاوہ یسوع کی خدائی کا اقرار بھی ایک امر حق ہوتا جسکی ضرورت ہر ایک انسان کے لیے تھی تو چاہیئے تھا کہ جسطرح خدا کی ہستی کا اقرار تمام دلوں میں منقش ہے اور فطرت انسانی نے ابتدائے تاریخ انسان سے اسپر گواہی دی ہے اسی طرح یسوع کی خدائی کا اقرار بھی فطرت انسانی میں پایا جاتا مگر برعکس اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ محض ایک خصوصیت قومی ہے جو صرف اُنیس ۱۹۰۰ سو برس سے پیدا ہوئی۔ نہ اسکا نشان اسوقت سے پہلے دنیا میں تھا نہ اسکے بعد کسی مذہب میں سوائے اسی ایک خاص قوم کے پایا جاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص کرشن کو خدا کہتا ہے وہ بھی ایک خصوصیت قومی اور ملکی ہے یا جو شخص بُتوں میں خدائی صفات کا ہونا مانتا ہے وہ بھی ایک خصوصیت قومی ہے اسطرح پر سوائے اسلام کے تمام مذاہب نے علاوہ اُس پاک اور برتر ہستی کے جسکا نقش فطرت انسانی میں ہے ایک ایک قومی خدا قرار دے لیا ہے اور صرف اسلام نے ہی اُس خدا کو دنیا میں پیش کیا ہے جس پر فطرت انسانی شاہد ہے۔ اور اسی لیے اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ہر زمانہ اور ہر ملک میں مانا جاسکتا ہے اور قومی خدا یا قومی دیوتے مثل یسوع مسیح کے ایک وقت تک کے لیے ایک خاص قوم کے درمیان مانے گئے ہیں جنکو عام فطرت انسانی نے قبول نہیں کیا۔ اور اسلام کا عقیدہ ہی اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق وہ عقیدہ ہے جسکو مرور زمانہ کے ساتھ بدلنے کی ضرورت نہیں بلکہ جب سے دنیا ہوئی اور جب تک رہیگی اور جب تک فطرت انسانی نہیں بدلتی یہ عقیدہ بھی نہیں بدل سکتا۔ اس سے بڑھکر اور کونسی بات اسلام کی صداقت پر شاہد ہوسکتی ہے۔

دوسرا بنیادی مسئلہ مذہب کا بعثت انبیاء ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی دنیا پر اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے۔ اس مسئلہ کو بھی تمام دنیا کے مذاہب نے مانا ہوا ہے مگر جسطرح اللہ تعالیٰ کی ہستی کے مسئلہ میں صداقت کے ساتھ بہت سی غلطیاں ملا دی ہیں اسی طرح اس مسئلہ میں بھی سوائے اسلام کے غلطیوں کی آمیزش کردیگئی ہے۔ مثلاً ہندو مذہب بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ خدا اپنا کلام نازل کرتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی کہتا ہے کہ خدا کا کلام صرف ایک ہی دفعہ ہندوستان کے چار رشیوں پر نازل ہوا تھا اس کے بعد کلام الٰہی کسی شخص پر نازل نہیں ہوسکتا۔ یہودی بھی کلام الٰہی کے خدا کے برگزیدہ بندوں پر نازل ہونیکو مانتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ صرف بنی اسرائیل پر ہی کلام الٰہی نازل ہوا اور اس قوم کے سوائے دوسری سب قومیں اس سے محروم ہیں۔ عیسائیوں کا اعتقاد بھی یہودیوں کی طرح ہی ہے مگر ان کے نزدیک مسیح کے حواریوں کے ساتھ کلام الٰہی کا سلسلہ بند ہوگیا۔ ایسا ہی دوسرے مذاہب میں کلام الٰہی کے نازل

ہونیکو تسلیم کیا گیا ہے مگر یہ عقیدہ ہر جگہ کسی نہ کسی غلطی کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اب اگر ان تمام مذاہب میں سے قدر مشترک لیا جاوے تو صحیح عقیدہ جو مشترک طور پر تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے یہ ثابت ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت قدیمہ ہے کہ وہ اپنے برگزیدہ بندوں پر اپنا کلام نازل کرتا ہے۔ سو یہی صحیح عقیدہ مذہب اسلام نے لیا ہے اور تمام غلطیوں کو اس سے دور کر کے اصل عقیدہ کو قائم رکھا ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اپنے برگزیدہ بندوں پر اپنا کلام نازل فرماتا رہا ہے اور ہمیشہ تک وہ اپنی اس سُنّت کو جاری رکھے گا۔

پس یہ دو عقیدے جو ہر ایک مذہب کے اہم اصول ہیں جن پر مذہب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ صرف اسلام میں ہی ایسی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ کہ ہر ایک قسم کی غلطی کی آمیزش سے پاک ہیں۔ اور جو کچھ تمام مذاہب دنیا میں قدر مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے وہی اسلام نے صحیح رکھا ہے اور تمام قومی خصوصیات اور قومی دیوتاؤں کو دور کر کے وہ عقائد پیش کیے ہیں جنکو کسی زمانہ یا کسی ملک میں بدلنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

بنگالیوں کی دلجوئی

اس رسالہ کے ماہ فروری ۱۹۰۶ء کے نمبر میں یہ پیشگوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بنگالہ کی نسبت شایع کی گئی ہے۔ جو بعینہٖ ان الفاظ میں ہے "پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب انکی دلجوئی ہوگی"۔ ان لوگوں کے لیے جو حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں پر محض عناد کی وجہ سے یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ آپ کی پیشگوئیوں میں کسی امر کی تعیین نہیں ہوتی بلکہ مبہم اور گول مول ہوتی ہیں غور کا مقام ہے کہ انہی ایام میں اللہ تعالیٰ نے ایسے کھلے کھلے نشان ظاہر کر دیے ہیں کہ مخالفین کا مونہہ بند ہو گیا ہے چراغدین کی موت کا الہام کیسی صفائی سے پورا ہوا۔ ڈوئی کی تباہی کا الہام جسکی پیشگوئی امریکہ اور انگلستان میں مشتہر ہو چکی تھی اور وہاں اخباروں میں درج ہو چکی تھی کسقدر واضح طور سے پورا ہوا۔ اور ایسا ہی اور بہت سے نشانات ظاہر ہوئے ہیں لیکن اگر مخالفین کی تحریروں کو دیکھو تو وہی ایک آتھم والی پیشگوئی کو بار بار پیش کرتے ہیں اور ان پیشگوئیوں کے متعلق جو نہایت صفائی سے پوری ہو رہی ہیں کبھی کچھ نہیں لکھتے اگر آتھم کی پیشگوئی پر کوئی اعتراض واقعی انکے دلوں میں نیک نیتی سے ایسا پیدا بھی ہوا ہے جسکو وہ منہاج نبوت کی رو سے واقعی اعتراض سمجھتے ہیں تو ایمانداری کا کم از کم یہ تو تقاضا ہونا چاہیئے کہ آتھم کی پیشگوئی پر اعتراض کرتے وقت یہ بھی لکھ دیا کریں کہ فلاں فلاں پیشگوئی صفائی سے پوری ہوئی اور یا کم از کم یہ کہ انپر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ مگر بات یہ ہے کہ آتھم کی پیشگوئی پر اعتراض محض شرارت کی وجہ سے ہے اور یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ یہ قدیم سے سُنّت الٰہیہ ہے کہ انذاری پیشگوئیاں ٹل بھی جایا کرتی ہیں پس

جس صورت میں پیشگوئی میں صاف شرط موجود ہے اور آتھم کا شرط سے فائدہ اُٹھانا ایک ثابت شدہ امر ہے اور پھر وہ مطابق پیشگوئی کے ہلاک بھی ہو گیا تو اس پیشگوئی پر بار بار اعتراض کرنا جحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم ظلماً وعلواً والا معاملہ نہیں تو اور کیا ہے۔

اب بنگالہ کی نسبت جو پیشگوئی آج سے چھ سات ماہ پہلے شایع کی گئی تھی اسپر غور کرو۔ کہ کس صفائی سے پوری ہوئی۔ پیشگوئی کے شایع ہونیکے وقت بنگالیوں کی شورش اور فساد حد درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ اور اُدھر سر فلر کی گورنمنٹ اس بات پر تلی ہوئی تھی کہ اس تمام فساد کو زور سے دبایا جاوے۔ ایسے وقت میں دو قسم کی امیدیں تھیں لوگوں کے دلوں میں ضرور تھیں یعنی بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ شاید گورنمنٹ بنگالیوں کی شورش وغیرہ سے دب کر تقسیم بنگال کو منسوخ کر دیگی۔ چنانچہ بعض نجومیوں نے ایسی پیشگوئیاں اپنی جنتریوں میں شایع بھی کر دی تھیں۔ دوسری طرف جو لوگ اس امر سے واقف تھے کہ سر فلر کیسا مستعد اور کسی سے نہ دبنے والا حاکم ہے۔ انکا یہ خیال تھا کہ گورنمنٹ اس تمام شورش کی کوئی پرواہ نہیں کریگی اور قانون کے منشاء کے مطابق اس شورش کو (مناسب ذرائع عمل میں لاکر) فرو کریگی۔ لیکن ان دو خیالوں کے سوا اور کوئی خیال اُسوقت کسی نے ظاہر نہیں کیا۔ انہیں حالات کے نیچے ۱۱۔ فروری ۱۹۰۶ء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر پاکر حضرت مسیح موعودؑ نے اس امر کا اعلان کیا کہ اس حکم کے متعلق جو ہو چکا ہے اب گورنمنٹ صرف ایسا طریق اختیار کریگی جس سے بنگالیوں کی دلجوئی ہو۔ جسکا یہ صاف صاف مفہوم ہے کہ جو خیال لوگوں کے دلوں میں ہیں وہ دونوں پورے نہیں ہونگے بلکہ ایک ایسا طریق اختیار کیا جاوے گا جس سے تقسیم بھی منسوخ نہ ہو اور اہل بنگال کی دلجوئی بھی ہو جائے۔ اب جسوقت تک نئے صوبہ کی حکومت سر فلر کے ہاتھ میں تھی اسوقت تک کسی بات سے بنگالیوں کی دلجوئی کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ایک طرف تو سر فلر بھی ایک زبردست حاکم تھا اور دوسری طرف بنگالیوں کو اس سے اسکی بعض کارروائیوں کے سبب سے خاص عناد تھا۔ اور بظاہر پانچ سال تک جبتک سر فلر کا زمانہ حکومت خود بخود ختم ہو جاتا گورنمنٹ کی پالسی بنگالیونکی نسبت بدل نہیں سکتی تھی۔ مگر وہ علیم خدا جس نے اپنے بندہ پر پیش از وقت یہ ظاہر کیا تھا کہ اب بنگالیوں کی دلجوئی ہوگی وہ خوب جانتا تھا کہ کسطرح پر واقعات پیدا ہونیوالے ہیں جنسے دلجوئی کی جاوے گی۔ چنانچہ یک بیک جب کسی کو خیال بھی نہ تھا سر فلر نے استعفا پیش کیا اور گورنمنٹ نے اسے منظور کیا۔ یہ بات کہ اس استعفا سے بنگالیوں کی دلجوئی ہوئی ایسی صاف ہے کہ ایک سخت سے سخت دشمن بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا جو خوشیاں بنگالہ میں سر فلر کے استعفا پر ہوئی ہیں اور جسطرح پر بنگالی اخباروں نے خوشی کے نعرے بلند کیے ہیں اور کالموں کے کالم اسی خوشی میں سیاہ کیے ہیں اس سے بہت کم لوگ ناواقف ہونگے۔ اور یہ سب باتیں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ بنگالیوں نے گورنمنٹ کی اس دلجوئی کو خوب محسوس کیا ہے۔ خود سر فلر کے استعفا کی منظوری اس دلجوئی پر ایک اور

بڑی شہادت ہے۔ وہ واقعات جن کے سبب سے سابق لفٹنٹ گورنر کو استعفا دینا پڑا یہ ہیں کہ بنگالیوں کی گذشتہ شورش میں دو مدرسوں کے طالب علموں نے مدرسین کے اکسانے سے ایسے فعل کیے جن سے پبلک کے امن میں خلل ڈالا گیا۔ منتظمین مدرسہ کو جب طالب علموں کی ان شرارتوں کی طرف توجہ دلائی گئی تو انہوں نے انہیں سزا دینے سے انکار کیا اس پر لفٹنٹ گورنر نے یونیورسٹی کو یہ لکھا کہ ان دونوں مدرسوں کا تعلق یونیورسٹی سے قطع کر دیا جاوے ابھی اس تحریر پر سینیٹ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ گورنمنٹ ہند نے سر فلر کو لکھا کہ وہ اپنی تحریر کو واپس لیں۔ سر فلر نے انکار کیا اور استعفا پیش کیا جسکو گورنمنٹ ہند نے منظور کیا۔ اب ظاہر ہے کہ اس استعفا کے منظور کرنے میں گورنمنٹ ہند نے بنگالیوں کی حد درجہ کی دلجوئی کی ہے اور دو مدرسوں کی خاطر ایک لفٹنٹ گورنر کا استعفا منظور کیا۔ پس سر بی فلر کا بنگال سے چلے جانا بنگالیوں کی دلجوئی والی پیشگوئی کو صاف طور پر پورا کرتا ہے۔

اس سے بھی بڑھکر ایک اور امر اس دلجوئی پر شاہد ہے اور وہ ہے نئے لفٹنٹ گورنر مسٹر ہیر کا تقرر۔ اگر فلر صاحب کی بجائے کوئی ایسا لفٹنٹ گورنر مقرر کیا جاتا جس کے ساتھ بنگالیوں کو ایسی ہی پرخاش ہوتی جیسی فلر سے تھی تو اس تغیر سے دلجوئی کا مقصد پورے طور پر حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ مگر چونکہ گورنمنٹ ہند کا اصل مقصد بنگالیوں کی دلجوئی کرنیکا تھا اور نہ سر فلر سے گورنمنٹ کو کوئی ناراضگی نہ تھی اسلیے اسکا جانشین انتخاب کرنے میں گورنمنٹ نے نہایت دانائی سے کام لیا ہے اور ایک ایسے آدمی کو منتخب کیا ہے جس پر بنگالیوں اور گورنمنٹ دونوں کو اعتبار ہے کہ وہ دلجوئی کی پالسی اختیار کریگا۔ بلکہ ایک انگریز افسر سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲۴۔ اگست ۱۹۰۶ء میں یہ خط لکھتا ہے کہ ’’اس میں شک نہیں کہ سر بی فلر کے جانشین کو یہ حکم ملا ہے اور اس نے اس حکم کو قبول کیا ہے کہ وہ مفسدہ پرداز بابوؤں کی دلجوئی کرے ‘‘ خواہ گورنمنٹ کی طرف سے کوئی ایسا حکم ملا ہو یا نہ اس میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ یہ سارا تغیر محض بنگالیوں کی دلجوئی کے لیے ہے اور خود بنگالی اخبارات بھی اس بات پر مطمئن ہیں چنانچہ اخبار امرتا بازار پترکا جو بنگالیوں کا سب سے مشہور اخبار ہے اور جو گورنمنٹ کی کسی بات پر مطمئن نہیں ہوتا اس بات کو تسلیم کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ ’’یا غلب ہے کہ فلر کا جانشین ایک بالکل دلجوئی کی پالسی اختیار کریگا‘‘

اب ان تمام واقعات پر غور کرو کہ کیا خدائے علیم کے سوائے کوئی اور ان باتوں کو قبل از وقت بتا سکتا تھا؟ اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ گورنمنٹ رعایا پر اور رعایا گورنمنٹ پر صد درجہ کی بدظن ہو رہی تھی۔ اور دلجوئی کا نام و نشان نہ تھا نہ ہی کسی دانشمند نے جو ملکی امور سے واقف ہو اُس وقت یہ رائے ظاہر کی تھی کہ اب گورنمنٹ بنگالیوں کی دلجوئی کریگی میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اُسوقت کسی کو یہ خیال بھی نہ تھا۔ اور یہ امور سب بعد میں ہی وقوع میں آئے ہیں ہاں خدائے علیم ان باتوں کو جانتا تھا اور اُس نے بطور نشان ان باتوں کو اپنے بندے پر ظاہر کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کبھی ان ملکی معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوئی اور نہ ہی انکو ان باتوں کا پتہ ہوتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے۔ بلکہ

جس دن یہ الہام الٰہی ہوا تو نہایت حیرت سے فرماتے تھے کہ مجھے تو کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی اس طرف توجہ نہیں ہوئی خدا نے خود ہی اس امر کو ظاہر فرمایا ہے۔ کہاں ہیں وہ دانا دل جو دنیا کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑے بڑے نتیجہ نکالتے ہیں ان باتوں پر وہ کیوں غور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ہستی کا اور اپنے علم و قدرت کا کھلا کھلا ثبوت ان نشانات کے ذریعہ دے رہا ہے مگر افسوس ان لوگوں پر اور اس زمانہ پر کہ وہ مطلق اس طرف توجہ نہیں کرتے پر ایسا اسی لیے ہوا تا پہلے نبیوں کی سنت پوری ہو جیسا انکے وقت میں باوجود کھلے کھلے نشانوں کے دنیا کے لوگوں نے قبول حق سے انکار کیا۔ اسی طرح اب بھی کر رہے ہیں ورنہ یہ کوئی معمولی نشان نہیں جو دکھائے جا رہے ہیں بلکہ ایک ایک نشان اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کھلا کھلا گواہ ہے جس پر کسی قسم کی جرح نہیں ہو سکتی۔ قوم کی اصلاح کا دعویٰ کرنیوالے تو بہت ہیں مگر قوم کو ان باتوں کی طرف توجہ کرنے سے روکا جاتا ہے جو انکے اللہ تعالیٰ پر ازدیاد ایمان کا موجب ہیں۔ افسوس !۔

آریہ سماج کی موت

سچے اور جھوٹے مذہب میں اللہ تعالیٰ نے ایک کھلا کھلا امتیاز رکھا ہے۔ سچے مذہب سے مراد میری وہ مذہب یا سلسلہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے مامور کو بھیجکر دنیا میں قائم کرتا ہے اور جھوٹے مذہب سے مراد ایسا سلسلہ ہے جو زمینی لوگ اپنی کوششوں سے قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جس سلسلہ کو اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے قائم کرتا ہے وہ قوانین قدرت کے مطابق ابتدا میں ایک بیج کی طرح ہوتا ہے اور بتدریج ترقی کرتا اور نشوونما پاتا ہے۔ اور ابتدا میں دنیا کے لوگ اس نازک پودہ کو دیکھکر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ جلد نیست و نابود ہو جائیگا مگر چونکہ خدا تعالیٰ کی نصرت اور تائید اسکے ساتھ ہوتی ہے وہ کسی کی کوششوں سے نابود نہیں ہو سکتا بلکہ دن بدن ترقی کرتا اور آخر کار ایک نہایت مفید طور اور قد آور درخت بنجاتا ہے جسکا سایہ مشرق و مغرب میں پھیل جاتا ہے۔ جھوٹے مذہب کا شور ابتدا میں زیادہ ہوتا ہے مگر چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں۔ اس لیے روز بروز تنزل کی حالت کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں دو کھلی کھلی نظیریں اس کی ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ یعنی ایک طرف سلسلہ احمدیہ اور دوسری طرف آریہ سماج۔ سلسلہ احمدیہ کے بانی کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہے اور خدا اسکا ناصر ہے اور اسے غالب کریگا۔ چنانچہ آج سے پچیس سال پہلے کی اسکی پیشگوئیاں کتاب براہین احمدیہ میں موجود ہیں جو ایسے وقت میں شایع کی گئیں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ایک بھی آدمی نہ تھا اور نہ اس سلسلہ کا کوئی نام و نشان ہی تھا۔ ان پیشگوئیوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدے فرمائے ہیں کہ وہ اس سلسلہ کو دنیا کے کل مذاہب پر غالب کریگا اور اسکے بانی کی زندگی میں

دور دور سے لوگ اس کے پاس آئیں گے اور بڑی بڑی جماعتیں اس سلسلہ میں داخل ہوتی چلی جاویں گی۔ان پیشگوئیوں کو ہم اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ رہے ہیں۔اور کوئی شخص نہیں جو اس بات کا کچھ بھی جواب دے سکے۔کہ اگر یہ سلسلہ منجانب اللہ نہیں تو یہ غیب کی باتیں اور یہ اقتداری پیشگوئیاں جو انسان کے حیطۂ علم اور قدرت میں ہرگز نہیں کیوں سچی ثابت ہو رہی ہیں۔مگر اس جگہ ان پیشگوئیوں کا ذکر کرنا میرا مقصود نہیں ہے۔بلکہ ایک اور پیشگوئی کی طرف مَیں ناظرین کو توجہ دلانی چاہتا ہوں جس کے پورا ہونے کے آثار ابھی سے ظاہر ہو رہے ہیں۔کوئی تین سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ تذکرۃ الشہادتین میں اپنی جماعت کو چند نصیحتیں کرتے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ لکھا تھا۔

"اے تمام لوگو! سُن رکھو کہ یہ اسکی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دیگا اور حجت اور برہان کی رو سے سب پر انکو غلبہ بخشیگا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا۔جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائیگا۔خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالیگا۔اور ہر ایک کو جو اسکے معدوم کرنیکا فکر رکھتا ہے نامراد رکھیگا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہیگا یہانتک کہ قیامت آجائیگی ...... اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کے انتظار کرنیوالے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑینگے۔اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولیگا اور کوئی نہیں جو اسکو روک سکے"۔

اس پیشگوئی کے بالمقابل دوسری طرف ایک پیشگوئی آپ کی آریہ سماج کے متعلق ہے۔ جو ان الفاظ میں اسی جگہ دی گئی ہے۔

"اور یہ خیال مت کرو! کہ آریہ یعنی ہندو دیانندی مذہب والے کچھ چیز ہیں وہ صرف اس زنبور کی طرح ہیں جس میں بجز نیش زنی کے اور کچھ نہیں۔وہ نہیں جانتے کہ توحید کیا چیز ہے اور روحانیت سے سراسر بے نصیب ہیں۔عیب چینی کرنا اور خدا کے پاک رسولوں کو گالیاں دینا انکا کام ہے اور بڑا کمال انکا یہی ہے کہ شیطانی وساوس سے اعتراضات کے ذخیرے جمع کر رہے ہیں۔اور تقویٰ اور طہارت کی روح ان میں نہیں یاد رکھو! کہ بغیر روحانیت کے کوئی مذہب چل نہیں سکتا اور مذہب بغیر روحانیت کے کچھ بھی چیز نہیں۔جس مذہب میں روحانیت نہیں اور جس مذہب میں خدا کے ساتھ مکالمہ کا تعلق نہیں اور صدق و صفا کی روح نہیں اور آسمانی کشش اسکے ساتھ نہیں۔اور فوق العادت تبدیلی کا نمونہ اسکے پاس نہیں۔وہ مذہب مردہ ہے اس سے مت ڈرو۔ابھی تم میں سے لاکھوں اور کروڑوں انسان زندہ ہوں گے۔کہ اس مذہب کو نابود ہوتے دیکھ لوگے۔کیونکہ یہ مذہب آریہ کا زمین سے ہے نہ آسمان سے۔اور زمین کی باتیں پیش کرتا ہے نہ آسمان کی"۔

پس جیسا ایک طرف سلسلہ احمدیہ کی ترقی اور غلبہ کی پیشگوئی ہے دوسری طرف آریہ سماج کی موت کی پیشگوئی

ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ اگرچہ اس موت کے آثار کھلے کھلے نظر آرہے ہیں مگر آریہ سماجی انکو اس رنگ میں پیش کرنے سے قبول نہ کرتے لیکن اب انکے اپنے ایک وکیل نے آریہ سماج کی حالت تنزل اور مردگی کو قبول کر لیا ہے۔ یعنی نو آریہ دھرم پال نے اپنے رسالہ اندر میں ایک مبسوط مضمون آریہ سماج کی زندگی یا موت پر لکھکر آریہ سماج کی موت کو تسلیم کیا ہے۔ اور آریہ اخباروں نے بھی اس مضمون کی تائید کی ہے۔ اصل بات جو اس مضمون کی محرک ہوئی وہ صرف اسقدر معلوم ہوتی ہے کہ دھرم پال صاحب کو آریہ سماجی اپنے گھروں میں داخل نہیں ہونے دیتے اور دھرم پال صاحب اسبات پر مصر ہیں کہ انہیں وہی حقوق حاصل ہونے چاہئیں جو جنم کے ہندوؤں کو حاصل ہیں اور مردوں کے علاوہ انکا عورتوں سے بھی میل جول ہو خیر یہ تو انکا باہمی جھگڑا ہے جسطرح چاہیں اسے نبٹیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ آیا آریہ سماجیوں کے چند مرتدین کو اپنے گھروں میں داخل کر لینے سے آریہ سماج کی موت کیحالت زندگی سے بدل سکتی ہے؟ اس مضمون میں مذہب کی طاقت کے دو پہلو بیان کیے گئے ہیں ایک ڈسٹرکشن یا گرانا دوسرا کنسٹرکشن یا بنانا۔ بہت زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ ڈسٹرکشن میں آریہ سماج نے بڑی طاقت دکھائی ہے۔ جسکا ماحصل یہ ہے کہ دوسرے مذاہب پر اعتراض کرنے میں آریہ سماج بہت کامیاب ہوا ہے۔ لیکن اگر اس پہلو سے دیکھا جائے تو دہریے آریہ سماج سے بھی زیادہ کامیاب ہوئے ہیں۔ اور دھرم پال صاحب کا یہ دعویٰ کہ "آریہ سماج نے اس ملٹری یا کھنڈن کے پہلو میں اسقدر ترقی کی ہے کہ اسکا ثانی مذہبی دنیا کی تواریخ میں آجتک کوئی ہوا ہے شاید آئندہ بھی کوئی نہ ہو" پرلے درجہ کی حماقت کا دعویٰ ہے۔ آریہ سماج نے کیا کیا ہے اسلام پر اعتراض کیے ہیں تو صرف پادریوں کا پس خوردہ کھایا ہے۔ عیسائیت پر اعتراض کیے ہیں تو دہریوں کی نقل کی ہے۔ بلکہ دہریوں نے جو اعتراض کیے ہیں آریہ سماج انکے برابر کبھی نہیں پہنچ سکتا ہاں چونکہ آریہ اور دہریہ کو آپس میں یہ مناسبت ہے کہ دہریہ تو سرے سے خدا کا منکر ہے اور آریہ خدا کی خالقیت کا منکر ہے اور یہ کہتا ہے کہ جوڑنے جاڑنے کے لیے خدا درکار ہے جو در اصل خدا کا انکار ہی ہے اس لیے دہریوں کی طرح اس مذہب نے بھی اپنا کام صرف یہی رکھا ہوا ہے کہ دوسرے مذاہب پر اعتراض کرے پاک اور مقدس لوگوں کو گالیاں نکالے اور اپنے گھر سے اگر کچھ بات پیش کی ہے تو وہ صرف نیوگ کا گند ہے چنانچہ دھرم پال صاحب نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ آریہ سماج دوسرے مذاہب پر حملے کرنے میں بہت ہشیار مگر کنسٹرکشن یعنی خود اصلاح کا کوئی پہلو پیش کرنے میں بالکل نامراد رہا ہے۔ پس جب آریہ سماج خود کوئی اصلاح پیش نہیں کر سکتا تو اس کے دوسرے مذاہب پر حملے بھی محض ایک گندے جوش کا نتیجہ ہیں نہ پاکیزگی کی محبت کا نتیجہ۔ اگر آریہ صاحبان کے دلوں میں کوئی روحانیت کوئی پاکیزگی کی محبت یا کوئی ذرہ بھی خدا کی راہ میں انکساری ہوتی تو بجائے پاک لوگوں کو گالیاں دینے کے کچھ اپنی خوبیاں پیش کرتے مگر اس خانہ میں یعنی آریہ سماج کی اصلاح کے خانہ میں دھرم پال صاحب خود اقراری ہیں کہ ایک "بڑا بھاری گول صفر لگ رہا ہے جو زبان حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ میں آریہ سماج کی موت کا پیغام لیکر آیا ہوں" پھر لکھا ہے کہ "جب ہم آریہ سماج میں اس سول ڈیپارٹمنٹ یا کنسٹرکشن

یا اندرونی زندگی کی طرف نگاہ مارتے ہیں تو ہمیں اسقدر سخت مایوسی ہوتی ہے کہ جسکا بیان ہم لفظوں میں نہیں کر سکتے۔ اور بعض لوگوں کا یہ خیال کہ آریہ سماج مرگیا ہے یا جلدی ہی مرجائیگا ہمیں سخت شش و پنج میں ڈالدیتا ہے!! پس اصل کام مذہب کا جو اصلاح کا کام ہے اگر وہی کسی مذہب نے کرکے نہیں دکھایا تو محض اعتراض گن کر کامیابی کی امید رکھنا عبث ہے۔ ایک جاہل سے جاہل آدمی عمدہ سے عمدہ کام پر اعتراض کرکے خوش ہوسکتا ہے خواہ اسکے اعتراض محض اسکی اپنی جہالت کی وجہ سے ہی ہوں۔ یہی حال آریہ سماج کا ہے کہ وہ اس بات پر نازاں ہے کہ اس نے مقدسوں کو خوب سیر ہوکر گالیاں دے لی ہیں۔ مگر ایسے اعتراضات تو افسوس اور رونیکا مقام ہے نہ خوشی اور فخر کا۔ ایساہی ایک بیباک اور شریر آدمی ایک بھلے مانس کی پگڑی اُتار سکتا ہے مگر کیا اس سے یہ ثابت ہوگا کہ اس نے ایک بڑا کام کر دکھایا؟ بلکہ یہی کہا جائیگا کہ اس نے ایک شرارت کا کام کیا ہے۔ جہاں تک میں نے آریہ سماج کے حملوں کو جو وہ دوسرے مذاہب پر کرتے ہیں دیکھا ہے اُس جاہل کے اعتراضات یا اُس بیباک کی گستاخی اور شرارت سے بڑھکر انکی کوئی وقعت نہیں۔ بڑوں سے لے کر چھوٹوں تک آریہ سماج کی یہی حالت ہے۔ لیکھرام کی تحریریں دیکھ لو خود دھرم پال صاحب کی تحریریں دیکھ لو۔ انکی مثال وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کی۔ مثلاً یہ کہنا کہ مسلمانوں کا خدا بھنگڑ ہے۔ اور طرح طرح سے استہزا کرنا ایک نیک ہی مباحثہ کرنیوالے کے موزون حال باتیں نہیں بلکہ ایک نقال یا مسخرے کو موزوں ہیں۔ یا ایک بیباک اور گستاخ انسان کو جسے نہ خدا سے تعلق ہے نہ مذہب سے۔ بلکہ صرف بھلے مانسوں کی عزت اتارنے کا وتیرہ اس نے اختیار کیا ہوا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آخر جو مذہب سچا ہے اسے بھی تو دوسروں پر اعتراض کرنے ہی پڑیں گے کیونکہ اصلاح کا کام سوائے اسکے ہو ہی نہیں سکتا کہ دوسرے مذاہب کی غلطیاں دکھائی جاویں تو میں کہتا ہوں کہ اس سے مجھے بھی انکار نہیں مگر جو مذہب دوسروں کی غلطیاں دکھاتا ہے اسے کوئی اپنی خوبی بھی تو دکھانی چاہیئے۔ جس صورت میں آریہ سماج اس کے وکیلوں کے اپنے اقرار کے مطابق اندرونی خوبی کوئی نہیں رکھتا اور اصلاح یا کنسٹرکشن کا کام اس نے خود کوئی کرکے نہیں دکھایا تو پاک لوگوں پر حملے کرنا وہی بیباکانہ اور گستاخانہ شیوہ ہے جسکی مثال اوپر دیگئی۔ جو شخص نیک نیتی سے حملہ کرتا ہے اسے پہلے یہ تو دکھانا چاہیئے کہ میرے اندر یہ خوبی یا یہ قوت ہے۔ لیکن ایک مذہب کے اندر کوئی اندرونی خوبی نہیں تو پھر دوسروں پر حملے کرنے صرف ایک اوباشانہ طریق ہے۔ جتنے اللہ تعالیٰ کے برگزیدے گذرے ہیں انہوں نے کبھی یہ طریق اختیار نہیں کیا کہ آپ کوئی کمال حاصل کرنیکے بغیر دوسروں کی نکتہ چینی شروع کردیں۔ اسی لیے خدا کا پاک کلام مسلمانوں کو یہی تعلیم دیتا ہے کہ علیکم انفسکم یعنی مقدم یہ بات ہے کہ تم اپنے نفسوں کو پاک کرو اور جب تم خود پاکیزگی حاصل کرلو تو پھر دوسروں کی طرف توجہ کرو خدا کے کل مقدس نبیوں نے اور کل راستبازوں نے جہاں کہیں وہ پیدا ہوئے یہی طریق اختیار کیا مگر یہ طریق جو آریہ سماج نے اختیار کیا ہے کسی ملک کے کسی نیک آدمی نے اختیار نہیں کیا۔ یہ لوگ اپنے نفسوں کی اصلاح کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتے بلکہ پاکوں اور نیکوں کو گالیاں نکالنے میں ہی اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ یہ کوئی آریہ سماج کی طاقت کی نشانی نہیں بلکہ اسکے اندر ایک اور گند کے ہونیکی نشانی ہے۔

اس مضمون کے چند اور مقامات سے اقتباس خالی از فائدہ نہ ہونگے۔ ایک جگہ راقم مضمون یہ سوال پوچھتا ہی کہ "آریہ سماج کیوں ترقی نہیں کرتا یا کیوں دن بدن نیچے کو جا رہا ہے" اس تنزّل کے طرح طرح کے اسباب پیش کیے گئے ہیں مگر اصل وجہ اسکی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اسکے شامل حال نہیں اور نہ ہی اس مذہب میں روحانیت کا نام و نشان ہے۔ ظاہر طور پر جو کامیابی آریہ سماج کی معلوم ہوتی ہے اسکا نقشہ راقم مضمون نے ان الفاظ میں کھینچا ہے "ممکن ہی ہمارے اس آرٹیکل کو پڑھکر بعض اصحاب یہ کہیں کہ تم نے آریہ سماج کی کمزوریوں کا ذکر کرتے وقت آریہ سماج کے عملی کاموں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ دیکھو کتنے سکول اور کالج اور گورو کل چلے رہے ہیں ودھواؤں کی شادیاں ہو رہی ہیں۔ یہ کیسے سرسبز منظر ہیں۔ بے شک یہ سرسبز منظر ہیں مگر آتش فشاں کی چوٹی یا اسکی ترائی کے منظروں کو دیکھکر کیا وہ شخص کبھی خوش ہو سکتا ہی جو یہ جانتا ہی کہ پہاڑ کے اندر آگ سلگ رہی ہے جب ہی خروج ہوگا یا ہوتا ہے یہ تمام منظر ویرانوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں" سماج کی خانہ جنگی کے متعلق بھی چند ریمارک نقل کرنیکے قابل ہیں۔ "آریہ سماج کی تباہی کے دیگر اسباب میں سے ایک اسکی خانہ جنگی بھی ہے۔ آریہ سماج کی خانہ جنگی کو دیکھکر بعض لوگ سخت حیران ہو رہے ہیں۔ کہ اس کے بیڑے کا کیا حشر ہوگا بعض لوگ اسکو زندگی کے آثار کہکر تسلی پالیتے ہیں بے شک یہ زندگی کے آثار ہیں مگر کیسی زندگی؟ وہ جو دم واپسین ہو۔ بھیڑیے کے مونہہ میں پھنسا ہوا انسان بھی اپنی چیخ چلاہٹ اور ہاتھ پاؤں مارنے سے اس بات کا ثبوت دے رہا ہی کہ میں ابھی زندہ ہوں مگر اسکی زندگی کے دم گنے جا چکے ہیں۔ مست ہاتھی کے پاؤں تلے آیا ہوا انسان بھی زندگی کی علامات کا ثبوت دے سکتا ہے۔ مگر اسکی زندگی کی گھڑیاں گنی جا چکی ہیں موت کے مونہہ میں پھنسا ہوا انسان نزاع کی حالت میں بڑبڑاتا ہوا اس بات کا ثبوت دے رہا ہے کہ اس میں زندگی ہے مگر وہ زندگی چراغ سحری سے بڑھکر وقعت نہیں رکھتی زندگی کی ان علامات نے آریہ سماج کو تحت الثریٰ میں پہنچا دیا ہے اس زندگی سے موت اچھی ہے۔ لوگ آریہ سماج سے بیزار ہو رہے ہیں ان کا بیزار ہونا بالکل بجا ہے"

یہ تو حال ہے پنڈت دیانند صاحب کے جانشینوں کا۔ اب سوال یہ ہے کہ خود بانی سماج نے کیا کامیابی حاصل کی اور جو مذہب بنانیکی تجویز کی تھی اس میں انکو کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی۔ اسکے متعلق دھرم پال صاحب لکھتے ہیں کہ "ان کے دماغ میں ایک ایسی مکمل سوسائٹی بنانیکا ڈھانچہ موجود تھا جو آفات زمانہ سے بری رہ سکے۔ اور سچے معنوں میں ویدک دھرم کا مظہر سمجھی جا سکے" اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس "غضب کے دماغ" نے جس سوسائٹی کا نقشہ تراشا تھا وہ سوسائٹی بنا کر بھی دکھائی؟ اسکا جواب دھرم پال صاحب نفی میں دے چکے ہیں۔ پس اس سے صاف نتیجہ نکلا کہ پنڈت دیانند صاحب ناکام مرے اور جس کام کو انہوں نے کرنا چاہا تھا وہ نہ صرف خود ہی اسکو پورا کرنے سے پہلے ایک ناکامی کی حالت میں دنیا سے اُٹھ گئے بلکہ انکے جانشینوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس کام کے پورا کرنیکے لیے توفیق نہیں دی۔ پس جو مشن آریہ سماج لیکر دنیا میں نکلا تھا اس میں صریح نامرادی کا ٹیکا اسکے ماتھے پر لگ چکا ہی اور اب وہ

دھونے سے دھل نہیں سکتا۔ یہ فرق ہوتا ہے خدا کے فرستادوں میں اور ان لوگوں میں جو اپنے دماغ سے تجویزیں ایجاد کرکے مذہب بنانا چاہتے ہیں۔ کوئی انسان اپنی کوششوں سے پاکیزگی حاصل نہیں کر سکتا بلکہ خدا کا فضل ہی اس مرتبہ پر اسے پہنچا سکتا ہے۔ پس جن لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ خدا کچھ چیز نہیں۔ اور مادہ اور روحوں کو جوڑنے کے سوائے اس کا کچھ کام نہیں۔ اور جن میں سے ایک ایک آدمی فرعون بے سامان ہو رہا ہے۔ انکی اندرونی زندگیاں کیونکر پاکیزہ ہو سکتی ہیں۔ وھرم پال صاحب نے تو بہت کوشش سے یہ ثابت کیا ہے کہ آریہ سماج کی اندرونی زندگی نہایت ناپاک ہے اگر وہ ہم سے پوچھتے تو ہم انکو پہلے ہی بتا دیتے کہ جس مذہب میں نیوگ جیسے گندے مسئلے پر عمل ہوتا ہے اس میں پاکیزگی اور طہارت کہاں آ سکتی ہے۔

اسلامی بنک کی تجویز۔

اسلام کے پاک اصول اور احکام کو طرح طرح سے نیست و نابود کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ کہیں برائے نام مسلمان نماز روزوں کے درپے ہیں کہیں حج زکوٰۃ اور قربانیوں کو موقوف کرنا چاہتے ہیں۔ تھوڑا عرصہ ہوا ایک مسلمان اخبار میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ پانچ نمازوں کی بجائے دو نمازیں کر دی جائیں تو بڑی آسانی ہو جائیگی اور بہت سے لوگ جو پانچ نمازیں پڑھنے سے گھبرا کر بالکل نماز کو خیرباد کہہ بیٹھے ہیں دو ہی نمازیں پڑھ لیا کریں گے۔ قاری سرفراز حسین صاحب نے یہ تجویز کی تھی کہ پتلون کوٹ نکٹائی پہنے پہنے کرسیوں پر بیٹھکر نماز ہو جایا کرے اور روزوں میں کچھ ریفرمنٹ ہو جایا کرے تو کوئی حرج نہیں۔ بلکہ جنٹلمین بھی شریک ہو جائیں گے۔ اسی قسم کی تجویز بعینہٖ انہی دلایل کو استعمال کرکے مولوی انشاء اللہ صاحب اور ڈپٹی سردار احمد صاحب نے پیش کی ہے۔ یہ تجویز ایک اسلامی سودی بنک کے قائم کرنیکے متعلق ہے۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۰۶ء کے وطن میں ذیل کا لیڈر نکلا ہے۔ جسے میں پورا نیچے نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین خود بھی مولوی انشاء اللہ صاحب کی منطق کو دیکھ لیں۔

"ڈپٹی سردار احمد صاحب نے بنک کے قیام کی ضرورت ثابت کرتے ہوئے ضمناً سلطانی بنکوں کا بھی ذکر کیا تھا۔ اس پر ایک مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ "حضرت سلطان بیشک ہمارے سرتاج ہیں۔ لیکن انکی سلطنت میں اور کونسا شرعی قانون نافذ ہے کہ انکا ہر فعل ہمارے لیے سند ہو سکے سلطان پر کیا موقوف ہے اس وقت کسی اور اسلامی ملک میں بھی شرعی حدود جاری نہیں تو کیا اس سے یہ لازم آئیگا کہ مسلمان شرع کو چھوڑ دیں"۔ وطن اس موقع پر فاضل معترض سے کوئی لمبی بحث نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ الزاماً یہ لکھتا ہے کہ جب دیگر شرعی حدود کو نظر انداز کر دینے کے باوصف محکوم و آزاد ممالک کے مسلمان برابر مسلمان رہ سکتے ہیں تو بنکوں کے متعلق نئے اجتہاد پر عمل پیرا ہونے سے بھی انکی مسلمانی میں فرق نہیں پڑنا چاہیئے اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کریم میں غور و تدبر کرنا چھوڑ دیا ہے اور صرف چند الفاظ کو مدنظر رکھکر کلام اللہ کے باقی حصہ اور

تعلیم اسلام کی اصل روح کو بھلادیا ہے۔ سود کے مسئلہ کو لو۔ اوّل تو ربا کے معنی میں ہی اختلاف ہے۔ ایک فریق اُسکے معنے یوژری ظالمانہ بیاج کے کرتا ہے۔ اور تجارتی شرح کے سود کو اُس سے خارج سمجھتا ہے۔ اور مخالف اسکے اس استدلال کا کوئی شافی جواب نہیں دے سکے۔ دوم وہ یہ نہیں سوچتے کہ کئی علمائے سلف و حال خود ربا کا بھی چند صورتوں میں غیر ممنوع ہوجانا تسلیم کر چکے ہیں۔ مگر اس کے معنے خواہ کچھ ہوں اوسکی ممانعت کی اصل وجہ ہمدردی پر مبنی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان کو روپیہ کی ضرورت ہے اور اُسے بازار سے کسی طرح ایک روپیہ سیکڑہ سے کم سود پر قرض نہیں مل سکتا۔ اور ادھر کوئی مسلمان بطور قرض حسنہ روپیہ دینے پر تیار نہیں۔ تو اگر کوئی مسلمان اوسے محض بخیال ہمدردی و تعلق اسلامی ۱۰ ار سیکڑہ سود پر روپیہ دیدے۔ تو کیا اوس نے منشاء الٰہی کے خلاف کیا؟ یا ۱۲ ر سیکڑہ کم لینے سے منشاء الٰہی کو قدرے پورا کیا؟ حالات زمانہ اور نکبت قومی کے اثر سے جس سے اس وقت شاید ہی کوئی بشر بچا رہا ہو۔ اگر وہ اسقدر ہمدردی نہیں کرسکا کہ بالکل بلامنافع دے۔ تو کیا اوس کے اسقدر احسان کرنیکا یہ صلہ ملنا چاہیئے۔ کہ اوسے اُلٹا مطعون کیا جائے۔ جسکا بدیہی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ آئندہ وہ کسی کو قرض نہ دے گا۔ اور مسلمان ضرورت مند کو پوری شرح پر غیر اقوام سے قرض لینا پڑیگا۔ اسلام تو یہ کہے کہ لاضرر ولاضرار فی الاسلام اور ہمارے مولوی ڈو مسلمانوں کے صریح نقصان کو عین مقتضائے اسلام قرار دیں؟ ربا بیشک حرام مطلق ہے۔ لیکن مسلمانوں کیلیے۔ پہلے مسلمان تو بنو۔ جب مسلمانوں میں پھر نور ایمان ایسا مضبوط ہوگیا کہ وہ اپنی ضرورت پر اپنے ہمسایہ اور بھائی کی آسایش کو مقدم رکھنے لگیں۔ تو ربا خود بخود حرام ہوجائیگا۔ مگر اس زمانہ میں جبکہ اپنی آسایش کو کوئی بھی مسلمان اپنے بھائی کی اشد ضرورت کیلیے چھوڑنے پر تیار نہیں ہوسکتا۔ ربا (سنگین سود در سود) نہیں۔ معمولی تجارتی شرح سود کے جواز عدم جواز پر مُصر رہنا دماغی جمود۔ قومی نکبت و ذلت فضول پرخاش جوئی اور موشگافی کی عادت بد کی اونہی بیشمار نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ جو ہم مسلمانوں کی بات بات میں چند صدیوں سے ہویدا ہو رہی ہیں۔ بہرحال یہ ایک اجتہادی امر ہے۔ جو اسمیں قباحت نہ دیکھیں شامل ہوں۔ اور جنکو کوئی شرعی یا عقلی حجت و عذر ہو۔ وہ الگ رہیں۔ سردار صاحب کی رائے ذاتی نہیں۔ کئی جلیل القدر علماء بھی یہی خیال و رائے رکھتے ہیں''

یہ مضمون کسقدر بے سروپا ہے ایک ہی دفعہ پڑھنے سے معلوم ہوجاتا ہے۔ اول تو لکھا ہے کہ شرعی حدود کو نظرانداز کردینے کے باوصف مسلمان برابر مسلمان رہ سکتے ہیں۔ اسوقت شاید مولوی انشاء اللہ صاحب کا عمل اس شعر پر ہے

ع زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں * کیا ڈیڑھ چلو پانی میں ایمان بہ گیا۔ سچ ہے مسلمانی ایسی کچی چیز تو نہیں کہ قرآن شریف پر عمل کرنا چھوڑ دینے سے اس میں کوئی فرق آجاوے۔ پھر لکھا ہے کہ اصل میں قرآن کریم پر غور و تدبر سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس زمانہ میں شرعی حدود پر عمل کرنیکی ضرورت باقی نہیں رہی پھر ربو کے معنے سود در سود کیے ہیں اور تجارتی شرح سود کو اس سے خارج کیا ہے پھر حرمت ربو کی علت ہمدردی بتا کر یہ ظاہر کیا ہے کہ جتنا کم سود

کوئی لیگا اسیقدر زیادہ اس کی ہمدردی اپنے بھائیوں سے پائی جائیگی پس یہ اختیاری امر ہو گیا یعنی ایک روپیہ سود لینے والے کی ہمدردی سو چودہ آنے والے کی ہمدردی زیادہ ہوئی اور ۱۲ آنہ والے سے ۸ آنے والے کی جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ پوری ہمدردی بغیر سود چھوڑنے کے نہیں ہو سکتی۔ اور حرمت ربو سے مطلق سود کی حرمت لازم آئی پھر لکھا ہے کہ ربا بیشک حرام مطلق ہے لیکن مسلمانوں کے لیے پہلے مسلمان بنو جس سے معلوم ہوا کہ ربا کے جائز ٹھہرانے والے مسلمان نہیں ہیں اور سب سے آخر لکھا ہے کہ معمولی تجارتی شرح سود کے جواز عدم جواز پر مُصر رہنا دماغی جمود قومی نکبت و ذلت وغیرہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ معلوم نہیں جس صورت میں آپ خود جواز پر مُصر ہیں اس کے کیا معنے ہوے + اب ذرا اور غور کی نظر سے ان بیانات کو دیکھنا چاہیئے۔ کیا یہ سچ ہے کہ سلطان روم کا کوئی فعل ہمارے لیے قابل عمل ہے؟ یا جو شخص مسلمانوں میں سے بادشاہ ہو جائے اس کے افعال قابل پیروی ہو جاتے ہیں؟ جو شخص قرآن شریف کے کسی حکم کو توڑتا ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ ویسا ہی قابل مواخذہ ہے خواہ بادشاہ ہو یا فقیر۔ ہاں بادشاہ فقیر سے زیادہ قابل مواخذہ ہے کیونکہ وہ اپنے ساتھ اور بہتوں کو ہلاکت کے گڑھے میں گراتا ہے مسلمان رہنے یا نہ رہنے کو آپ سمجھیں مگر ہم تو یہ صاف صاف دیکھ رہے ہیں کہ جب سے اسلامی بادشاہوں نے قرآن شریف کے احکام پر چلنا چھوڑ دیا ہے اسیوقت سے ادبار اور نحوست انکے سر پر آئی ہیں۔ اگر وہ اسلام کے احکام پر چلنے والے ہوتے تو ادبار کا منہ کیوں دیکھتے۔ سلطان نے اگر بنک جاری کیے ہیں تو محض عیسائیوں کی پیروی کر کے ممکن ہے کہ انہوں نے کسی مجبوری کی وجہ سے کیے ہوں بہرحال انکا فعل ہمارے لیے پیروی کے قابل نہیں۔ ہاں اگر مولوی انشاء اللہ صاحب یا ڈپٹی سر نذیر احمد صاحب یہ دکھاتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کم از کم حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ نے کوئی سودی بنک جاری کیے ہوئے تھے تو یہ مسلمانوں کے لیے ایک دلیل بھی تھی۔ افسوس ہے کہ قرآن شریف کے صریح احکام کے خلاف سلطان روم کا عمل پیش کیا جاتا ہے سلطان پرستوں کے لیے اگر یہ کوئی دلیل ہو تو ہو مگر خدا پرست مسلمانوں کے لیے یہ جواز سود کی کوئی دلیل نہیں + اب ہم وطن کی "اصل بات" کو دیکھتے ہیں جس میں یہ الزام دیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے احکام قرآنی کی ظاہری الفاظ کو مدنظر رکھکر تعلیم اسلام کی اصل روح کو بھلا دیا ہے۔ اور اسکی مثال مسئلہ سود سے دی ہے۔ افسوس ہے کہ تیرہ سو سال تک اصل روح مسلمانوں کو معلوم نہ ہوئی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی (نقل کفر کفر نباشد) اس اصل روح سے بے خبر رہے۔ کیونکہ وہ بھی قرآن کریم کے ظاہری الفاظ کو دیکھکر ہر قسم کے سود کو حرام سمجھتے رہے ورنہ یہ نئے ایماندار کسی حدیث سے ثابت کر کے دکھاویں کہ وہ تجارتی سود لیا کرتے تھے۔ اور صرف سود در سود کو حرام سمجھتے تھے۔ وطن کا یہ لکھنا کہ ربا کے معنے ظالمانہ بیاج ہیں یعنی دو روپے سیکڑہ یا اس سے زیادہ۔ اور تجارتی شرح سود اس سے خارج ہے اور کہ جو لوگ یہ معنے ثابت کرتے ہیں فریق مخالف انکا شافی جواب نہیں دے سکتا ایک سیاہ جھوٹ ہے۔ اور اگر وطن میں اپنی بات کا ذرہ بھی پاس ہے اور محض نیک نیتی سے وہ اسلام کے فائدہ کے لیے یہ کام کر رہا ہے تو وہ دکھا دے کہ وہ کونسے دلایل ہیں جنکی بنا پر یہ معنے کیے جاتے ہیں۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے اس لفظ کے یہ معنے ثابت ہیں

یا کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی کے قول سے یا چاروں اماموں میں سے کسی امام کے اجتہاد سے یا کسی محدث کی رائے سے یا کسی لغت کی کتاب سے اگر ان میں سے کوئی ایک گواہ بھی مولوی انشاء اللہ صاحب پیش کردیں تو پھر فریق مخالف ہے تشفی بخش جواب بھی پاویں لیکن جب تک ایسی معنے کرنیکے لیے سوائے سرسید احمد خاں کی غلط رائے کے اور کوئی دلیل نہیں جس کی غلطی کو میں سود کے مضمون میں بڑے بسط سے ظاہر کر چکا ہوں تو یہ کہنا کہ ربا کے معنوں میں تجارتی شرح سود داخل نہیں پبلک کو دھوکہ دینا ہے۔ ہاں اور یہ معنے ثابت کرتے وقت یہ بھی دکھاویں کہ لغت عرب میں تجارتی شرح سود کے لیے اور کونسا لفظ ہے۔ اور قرآن کریم اور حدیث میں اس ناپاک تجارتی شرح کے لیے کہاں کہاں جواز کا حکم آیا ہے اور یہ بھی ثابت کریں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم یا تابعین میں سے کون کون سے جلیل القدر انسان تجارتی شرح سود لیا کرتے تھے۔ اور اگر وہ ان باتوں میں سے کوئی بھی ثابت نہ کرسکیں تو ایک حق پسند آدمی کو یہ کہنا پڑیگا کہ وہ مسلمانوں کو بے ایمان بنانیکی کوشش کررہے ہیں اور یہ کوشش انکی اس سے بھی ثابت ہے کہ ہماری رسالہ کو جو اسلام پیش کرتا ہے غیر مسلموں میں پھیلانا گناہ سمجھتے ہیں اور اسکے خلاف آرٹیکل لکھتے ہیں۔ لیکن خود ولیم میور کی کتابوں کو جن میں اسلام کو ایک جھوٹا مذہب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ ایک مفتری اور قرآن شریف کو انسان کا کلام بتایا گیا ہے مسلمانوں میں پھیلانیکی کوشش کررہے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھکر ینابیع الاسلام جیسی گندی کتاب کو اشتہار دیکر پھیلا رہے ہیں اور اپنی ایجنسی میں ان کتابوں کو فروخت کرتے اور دن رات انکے اشتہار شایع کرتے ہیں اور اسطرح پر دجال کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ اور ان ذرایع سے وہ صرف مسلمانوں کو بے ایمان بنانیکی کوشش ہی نہیں کرتے بلکہ انسے ان کتابوں کی دوگنی تگنی قیمتیں بھی وصول کررہے ہیں یعنی ینابیع الاسلام انگریزی جو ہر ایک عیسائی کتب خانہ سے عہ کو ملتی ہے آپ چار روپے کو بیچتے ہیں اور اسکی اصلی قیمت چھ روپے بتاتے ہیں اور میور کی خلافت جو چھ روپے کو ملتی ہے۔ دس روپے کو بیچتے اور اسکی اصل قیمت اس سے بھی زیادہ بتاتے ہیں۔ ایسا ہی دوسری کتابوں کا بھی حال ہے۔ شاید یہ وہ اس لیے کرتے ہیں کہ جسطرح سود کے ناجائز طریق سے مال حرام کھانا انہوں نے جائز کردیا ہے اسی طرح دوسرے ناجائز طریقوں کو جنسے مال حاصل کرسکیں وہ جائز سمجھتے ہیں اور غالباً چند دنوں میں قمار بازی جوا وغیرہ پر اور حصول مال کے دوسرے ناجائز طریقوں کے جواز پر بھی فتوی دینگے۔ یا شاید زیادہ قیمت اس لیے وصول کرتے ہیں کہ مسلمان سود کے ذریعہ روپیہ کمائیں اور یہ مال بہ مال حرام بود بجائے حرام رفت کا مصداق ہوا۔ اور یا ممکن ہے کہ اسکی وجہ یہ ہو کہ انہوں نے چونکہ سود کے ذریعہ روپیہ کمانیکی ایک مفید تجویز مسلمانوں کو بتائی ہے اس لیے اسکا صلہ اس رنگ میں چاہتے ہیں۔ بہر حال کچھ ہی ہو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو غرق کرنیکی کوشش میں لگے ہوئے ہیں خدا انکو انکے اس ارادے میں ناکام رکھے۔

ایک اور معقول وجہ جو جواز سود کی مولوی انشاء اللہ صاحب نے پیش کی ہے وہ بھی سن لیجئے۔ کہتے ہیں کہ ممانعت ربا کی علت تو ہمدردی ہے پس اگر کوئی پوری ہمدردی نہیں کرسکتا تو تھوڑی ہی کرلے۔ بہت خوب وہ تو جسنے کیا وہ آپ بھگتیگا

مگر کیا اس سے جواز سود کے لیے فتویٰ دینے کی دلیل پیدا ہوتی ہے۔ مولوی صاحب اور ڈپٹی صاحب ذرا غور فرمائیں۔ ایک شخص پانچ نمازیں نہیں پڑھ سکتا ایک یا دو ہی پڑھ لیتا ہے وہ تارک نماز سے اچھا ہے یا ویسا ہی اس سے تو ہمیں بحث نہیں مگر کیا اس بنا پر یہ فتویٰ درست ہوگا کہ مسلمان دو ہی نمازیں پڑھ لیا کریں پانچ کی ضرورت نہیں۔ ایک شخص رمضان میں دو تین روزے رکھتا ہے اس نے اچھا برا جو کچھ کیا اپنے نفس کے لیے کیا مگر کیا یہ فتویٰ درست ہوگا کہ سارے رمضان کے روزوں کی ضرورت نہیں تین چار بھی کافی ہیں اور انسے مسلمانی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اور لیجیے حرمت خمر کی دلیل دی ہے انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ فھل انتم منتھون۔ پس آپ کی دلیل کی رو سے جو شخص تھوڑی شراب پیکر زیادہ عداوت اور بغض سے رکا ہے اور ذکر اللہ سے بھی تھوڑا ہی ہٹا ہے تو وہ زیادہ شراب پینے والے سے اچھا ہوا اور اس لیے اب یہ فتویٰ دیدو کہ تھوڑی شراب پی لینے میں یا تھوڑا جوا کھیلنے میں کوئی ہرج نہیں۔ بلکہ آپ نے اسلامی سودی بنک کی تجویز تو کی ہے ساتھ ایک اسلامی شراب خانہ اور اسلامی قمار خانہ کا اشتہار بھی دیجیے اور اپنے بنک کی طرح جس میں ۱۰ روپیہ سیکڑہ سود لیا جاویگا ان ہر دو کے متعلق یہ اشتہار دیدیں کہ اس شرابخانہ میں کسی مسلمان کو ایک پاؤ بھر شراب سے (یا آدھ پاؤ سے جیسا مزاج میں آئے کریں یا وطن کے ناظرین سے مشورہ کرلیں) زیادہ شراب نہیں دیجاویگی اسطرح پر جو مسلمان ہندوؤں کے شرابخانوں میں جاکر بدمست ہوکر شراب پی لیتے ہیں اور بہت روپیہ ضایع کرتے ہیں انکا فائدہ ہو جائیگا۔ اور اسلامی قمار خانہ کے متعلق یہ قاعدہ مقرر کردیں کہ اس میں کسی شخص کو اپنی آمدنی کے دسویں حصہ سے زیادہ جوا کھیلنے کی اجازت نہ ہوگی اسطرح آپ ان مسلمانوں کو بچالیں گے جو ساری جائداد ہی قمار بازی میں کھو بیٹھتے ہیں۔ میرے نزدیک تو اسلامی سودی بنک کے ساتھ اسلامی شرابخانہ اور اسلامی قمار خانہ کا ہونا نہایت ہی ضروری ہے۔ آپ وطن میں اشتہار دیں تو بہت سے حصہ دار بھی پیدا ہو جائیں گے۔ کم از کم وہ روپیہ جو آپکی پہلی تجویز کے مطابق اشاعت اسلام میں صرف ہونا تھا وہ اسی اسلامی امداد میں صرف کردیں۔ حج بھی ہو گیا اور بیوپار بھی۔ اور مزید براں مرزا صاحب کی مخالفت بھی اسطرح ہو جائیگی۔ اور ان باتوں میں کوئی شخص آپ کو مطعون کرنیکا حق بھی نہیں رکھتا کیونکہ اگر آپ کسی کو شرابخوری اور قمار بازی سے بالکل نہیں بچا سکتے تو آپ کا اسطرح پر تھوڑا بچا لینا ہی قوم پر بڑا بھاری احسان ہے۔ اسطرح پر آپ اسلام میں ایک یگانہ مصلح ہو جائیں گے۔

ایک اور دلیل جواز سود کی مولوی انشاء اللہ صاحب نے یہ دی ہے کہ ربا تو حرام مطلق ہے مگر ابھی مسلمان مسلمان ہی نہیں۔ اسلیے ابھی اسکے جواز میں کیا حرج ہے جب پورے مسلمان بنجائیں گے تو ربا بھی حرام ہو جائیگا۔ یہ بات البتہ معقول معلوم ہوتی ہے مگر اس میں کچھ نقص ہیں انکو بھی رفع کردیجیے۔ مثلاً چونکہ مسلمان مسلمان تو ہیں نہیں اسلیے انہیں ابھی نمازوں سے بھی معاف رکھا جائے اور رمضان کے روزے بھی ابھی انپر ایک بوجھ ہے جب مسلمان بنجائیں گے تو خود ان احکام کی بھی پابندی کرنے لگ جائیں گے۔ ایسا ہی اوامر و نواہی جسقدر ہیں ابھی انپر عمل کرنیکی مسلمانوں کو ضرورت نہیں

کیوں کہ وہ مسلمان ہی نہیں جب مسلمان بنیں گے تو خود قرآن شریف کے احکام کو مان لیں گے۔ پس سب مسلمان اخبار نویسوں کا جنکو آپکے نزدیک غیر مسلمان مسلمان کہنا چاہیئے یہ فرض ہے کہ وہ عام طور پر اخباروں میں اعلان کریں کہ اسلام کے کسی حکم کا ماننا ضروری نہیں کیونکہ ابھی مسلمان مسلمان ہی نہیں ہیں جب مسلمان ہوجائیں گے تو خود احکام قرآنی کی بھی پیروی کرنے لگیں گے۔ یہ مسلمان بنانیکی نہایت عمدہ تجویز ہے اور شاید اسی لیے آپ پیو کی کتابوں کی اقتدا (عزت) کرتے ہیں کہ ابھی مسلمانوں کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ قرآن شریف کو خدا کا کلام مانیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان رکھیں۔ بیشک یہ اسلامی سودی بنک کا دوسرا جزو لازم ہے اور یہ نتیجہ ہے آپکے قرآن کریم پر غور و تدبر کا۔ خیر بہر حال آپ مسلمانوں کے ہمدرد ضرور ہیں مگر ہماری یہ دعا ہے کہ خدا آپ جیسا کوئی اور ہمدرد پیدا نہ کرے۔ آمین

ڈپٹی سردار احمد صاحب نے جو جواب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو لکھا ہے اسکی بہت سی باتوں کا جواب تو اس میں آگیا۔ ہاں ڈپٹی صاحب کا ایک سوال ہے جسے وہ لاجواب سمجھتے ہیں یعنی یہ کہ اسوقت مسلمان تاجروں میں کثرت سود خواروں کی ہے۔ پس بہتر ہے کہ جواز سود کا فتویٰ دیا جاوے ورنہ رہی سہی تجارت بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتی رہیگی۔ اسی طرح سے ایک نئی روشنی کا دلدادہ کہہ سکتا ہے کہ اس زمانہ میں جنٹلمینوں میں کثرت بے نمازوں کی ہے پس بہتر ہے کہ یہ فتویٰ دیدیا جاوے جیسا کہ اکثر مغربی تہذیب کے شیدائی دے رہے ہیں کہ نماز ایک پرانے زمانہ کی جہالت کی رسم ہے اور نئی روشنی کے ساتھ نماز نہیں رہ سکتی اور دلیل اسکی یہی ہے کہ اکثر جنٹلمین تارک صوم و صلوٰۃ ہیں۔ اور جسطرح سود کے مجوز یہ دلیل دیتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس میں نفع ہے اسی طرح ترک صلوٰۃ کے مجوز یہ کہتے ہیں کہ نمازوں میں وقت یونہی ضایع ہوتا ہے اور یہی وقت کسی مفید دنیاوی کام پر لگایا جاسکتا ہے۔ انکے نزدیک پانچ نمازوں پر مُصر رہنا ایسی ہی دماغی جمود قومی نکبت وغیرہ کی نشانی ہے جیسے مجوزین سود کے نزدیک عدم جواز سود پر مُصر رہنا۔ پس ڈپٹی صاحب ایک ہی اصلاح کے کیوں درپے ہیں انہی دلایل کو استعمال کر کے وہ ایک سرے سے ہی مذہب اسلام پر ہاتھ کیوں نہیں پھیرتے۔ تا ہر روز انکو لکھنے اور فریق مخالف کو جواب دینے کی ضرورت نہ رہے۔ ڈپٹی صاحب کا یہ دعوی کہ تجارت بلا سود ہو ہی نہیں سکتی بالکل غلط ہے آخر صحابہؓ بھی حرمت سود کے حکم کے بعد تجارت کرتے رہے مگر کیا ثابت ہے کہ کبھی کسی نے سود لیا؟ وہ تو سود کو سؤر کے برابر سمجھتے تھے کیونکہ سود دینے والوں کے لیے یہ حکم تھا کہ فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر بہت سے مسلمان کسی حکم قرآنی کی خلاف ورزی کریں تو کیا اس سے وہ حکم منسوخ ہوجاتا ہے؟ یا اسکے خلاف کوئی دلیل قائم ہوجاتی ہے؟ اگر یہی صورت ہے تو بتائیں کہ کتنے فیصدی نماز پڑھتے ہیں کیا پھر یہ کہنا چاہیئے کہ مسلمان نماز نہ پڑھا کریں؟

بڑا زور مجوزان سود کا اسبات پر ہے کہ مسلمان سود دیتے ہیں تو لیں کیوں نہ؟ کیا ایک گناہ سود دینے کا کافی نہیں؟ جو ایک دوسرے کی ضرورت بھی انکے لیے سمجھی جاتی ہے اور پھر جس صورت میں بنک تجویز کیا جاتا ہے وہ علی الاعلان قرآن کریم کے ایک حکم کے خلاف ورزی ہے حالانکہ جو شخص سود دیتا ہے وہ غالباً کسی مجبوری کی حالت

میں ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے جسے وہ چھپاتا ہے فرق دونوں صورتوں میں ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص نماز نہ پڑھے مگر اور دوسرا علی الاعلان یہ اشتہار دے کہ مسلمانوں کو نماز نہیں پڑھنی چاہیئے ایک شخص شراب پیئے اور چھپائے اور دوسرا یہ اعلان کرے کہ مسلمانوں کے لیے شراب کا پینا جائز ہے اور ایک دوکان کھول کر لوگوں کو شراب پینے کے لیے بلا دے۔ عموماً سود دینے والے ایک اضطرار کی حالت میں سود دیتے ہیں اور اللہ غفور رحیم ہے اگر چاہے تو انکو معاف کر دے۔ مگر کھلم کھلا قرآن کریم کے احکام کی خلاف ورزی کرنیوالا کبیرہ گناہ کا مجرم ہے۔ ہم اسے ایک اجتہاد سمجھنے کے لیے تیار ہیں۔ مگر آپ پہلے یہ دکھائیں کہ کونسی لغت میں یا حدیث میں ربا کے معنے سود در سود لکھے ہیں اور تجارتی شرح سود کو اس سے خارج سمجھا ہے اور اگر یہ نہیں دکھا سکتے تو قرآن کریم نے حرام ربا مطلق کیا ہے اور کوئی تخصیص حکم قرآنی میں نہیں پائی جاتی اور احادیث میں بھی ربا مطلق کو حرام کیا ہے اور صحابہؓ کا عمل بھی یہی تھا کہ انہوں نے نہ تجارتی شرح پر سود لیا نہ سود در سود۔ آخر اجتہاد کے لیے کوئی دلایل بھی تو چاہئیں اور وہ باتیں جنکو ڈپٹی صاحب نے فخر کر کے مولوی محمد حسین کے جواب میں لکھا ہے وہ دلایل نہیں بلکہ ایسی بودی باتیں ہیں جو دلائل کے نہ ہونے پر گواہی دیتی ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جن علماء نے ربا کے غیر ممنوع ہونیکا فتویٰ دیا ہے وہ صرف ایسے ممالک کے متعلق ہے جو دار الحرب کہلا سکیں اور وہاں بھی صرف کافروں سے لینا جائز ہوگا۔ اور دار الحرب صرف وہ ملک ہو سکتا ہے جہاں مسلمان امن میں نہ ہوں اور کفار کے ساتھ جنگ ہو۔ میں اس رائے کی غلطی کو بھی اپنے سود کے مضمون میں ظاہر کر چکا ہوں بہرحال اس اجتہاد سے وہ لوگ کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے جو سود کو عام طور پر جائز ٹھہراتے ہیں اور صرف یہ شرط رکھتے ہیں کہ شرح سود ظالمانہ نہ ہو جسکی کوئی حد بھی معین نہیں کرتے۔

ریویو

آریہ سماج کی دیدی کتب میں جہاد کی تعلیم ۔ مصنفہ دیورتن۔ مطبوعہ جیون پریس دیو آشرم لاہور چھوٹی تقطیع ۱۲ صفحہ قیمت ۱؍

قرآن کریم کی دعائیں ۔ جنہیں قاضی محمد ظہور الدین اکمل متوطن گولیکی نے اردو میں نظم کیا۔ ۵۶ صفحے قیمت ۱؍ یہ کتاب عبد الحی صاحب عرب قادیان سے ملتی ہے۔

کوکبہ مملوکی وملوکی ۔ یعنی ہندوستان کے فرمانروایان مملوک وخلجی کی تاریخی کارنامے مؤلفہ مولوی سید ضمیر الدین احمد صاحب۔ ۱۶۸ صفحے۔ مجلد قیمت عہ۔ مطبوعہ مطبع احسن المطابع پٹنہ۔

تعلیم الاسلام ۔ اس رسالہ کے دو نمبر نکل چکے ہیں جن میں نہایت لطیف تفسیر سورہ فاتحہ کی ختم ہو چکی ہے اور اب سورہ بقرہ کی تفسیر شروع ہوگی۔ اس کے علاوہ مدرسہ کے تازہ ترین حالات سے یہ رسالہ احباب کو آگاہ رکھیگا۔ قیمت صرف عہ رکھی گئی ہے یعنی ۲ فی رسالہ۔ مگر بغیر پیشگی وصولی قیمت جاری نہ ہوگا۔

کے چھوٹے صاحبزادے کو یکایک سخت بخار ہوگیا اور ہر دو بن ران میں دو گلٹیاں بھی نکل آئیں جو صریح طاعون کی صورت تھی جس پر سب کو بڑا تردد ہوا۔ حضرت اقدسؑ نے اسیوقت فرمایا کہ یہی تعبیر اس خواب کی ہے جو کل میں نے دیکھا اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق شفا دیگا۔ کیونکہ ایک تو رؤیا میں یہ دیکھا کہ دشمن اندر نہیں آسکا اور دوسرے اس رؤیا کے ساتھ ہی وہ الہام بھی تھا جو پہلے طاعون کے متعلق ہو چکا ہے۔ یعنی اس گھر کے اندر جتنے رہنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو ایسی موت سے محفوظ رکھے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جلدی ہی صحت کی صورت پیدا کر دی۔ اخیری رؤیا میں انڈے کے ٹوٹنے سے موت کی طرف اشارہ تھا۔ مگر چونکہ تقدیر معلق تھی اللہ تعالیٰ نے دعا کی برکت سے اسے ٹال دیا۔ ۲۳۔ اگست ۱۹۰۶ء کے الہام میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ آجکل کوئی نشان ظاہر ہوگا۔ سو وہ وعدہ بھی پورا ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ ۸۔ ستمبر ۱۹۰۶ء۔ وحی الٰہی بوقت فجر (۱) لوگ آئے اور دعویٰ کر بیٹھے شیر خدا نے انکو پکڑا اور شیر خدا نے فتح پائی۔ (۲) امین الملک جے سنگھ بہادر۔ (۳) رَبِّ لَا تُبْقِ لِی مِنَ الْمُخْزِیَاتِ ذِکْرًا۔ ترجمہ۔ اے میرے رب رسوا کرنیوالی چیزوں میں سے کوئی باقی نہ رکھ۔ (۴) دن کے وقت کا الہام۔ پیٹ پھٹ گیا۔ (معلوم نہیں کہ یہ کس کے متعلق الہام ہے) (۵) رؤیا دیکھی کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے ایک کاغذ بھیجا ہے جو پروف کی طرح ہے جو لڑکا لیکر آیا ہے وہ کہتا ہے کہ اس کے حاشیہ پر سطر ہے ذرہ پڑھ لینا اُس کاغذ کے دائیں طرف کے حاشیہ پر لکھا ہے۔ دشمن نہایت اضطراب میں ہے۔"

زکوٰۃ

یہ اطلاع ایک اشد ضرورت کے موقع پر دیجاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ کچھ مدت سے الگ جمع کیا جاتا ہے جس میں سے اس سلسلہ کے بعض غریب طلباء کی جو کالجوں میں اور اس سکول میں تعلیم پاتے ہیں امداد کیجاتی ہے اور جس میں سے بعض ابن السبیل کی راہ کا خرچ اور غرباء بیکس کا کفن دفن کیا جاتا ہے۔ یہ تمام اخراجات اس فنڈ سے کیے جاتے تھے لیکن فنڈ میں اس وقت روپیہ ختم ہوگیا ہے جس سے ان غریب طلباء اور متذکرہ بالا ضروری اخراجات کے لیے سخت مشکل پڑ گئی ہے جو صرف اسی طرح دور ہو سکتی ہے کہ ہر ایک صاحب ذی ثروت اس کام کو اہم سمجھ کر اسکی طرف خاص توجہ کرے اور جو زکوٰۃ اس کے ذمہ ہے وہ امین زکوٰۃ فنڈ کے نام جلد ارسال کر دے۔ کیونکہ دیر سے بہت اخراجات بند پڑے ہیں ان کا تدارک کیا جاوے ہم امید کرتے ہیں کہ اگر ہر ایک صاحب ذی ثروت نے کچھ بھی توجہ اس طرف کی تو ان اخراجات کے لیے اتنا کافی سٹاک جمع ہو جائیگا جو کئی مہینوں تک کافی ہوگا۔ نورالدین امین زکوٰۃ۔

رسالہ کے متعلق ضروری اطلاع

(۱) آجکل وصولی چندہ کے لیے وی پی کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس سے پہلے بذریعہ رسالہ اور الگ اشتہار کے بھی

یہ اطلاع دی گئی تھی کہ ۳۱ - مارچ تک جن خریداران کا چندہ وصول نہ ہوگا انسے بذریعہ وی پی وصول کرنیکا اختیار ہر وقت دفتر ہذا کو ہوگا مگر اس اطلاع اور اشتہار کے علاوہ ہر مہینے کے شروع میں ان تمام خریداران کی خدمتمیں کارڈ بھی روانہ کیے جاتے ہیں جنکے نام اس مہینے میں وی پی کیے جاتے ہیں۔ مگر نہایت تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ بہتسے خریداران کارڈوں کو فضول سمجھکر انکے جواب میں خاموشی اختیار کرتے ہیں اور پھر وی پی انکاری کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر حساب میں کوئی غلط فہمی ہو یا کوئی اور دقّت ہو تو فی الفور اسکا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ میرے ایک وی پی کے انکاری کرنیسے کیا حرج ہے وہ غلطی کرتا ہے۔ کیونکہ ایک ایک وی پی کے انکاری ہونے سے اسقدر مجموعہ ہو جاتا ہے کہ بارہا یہ خیال آتا ہے کہ بغیر پیشگی چندہ لینے کے آئندہ کسی صاحب کے نام رسالہ جاری نہ کیا جاوے۔ اور غالباً اگلے سال اسی تجویز پر عملدرآمد کرنا پڑیگا اس سال یہ بہتر سمجھا گیا ہے کہ جو احباب بلاوجہ وی پی انکاری کریں انکو اُس ماہ کا رسالہ دوبارہ نہیں بھیجا جاویگا۔ نیز یہ بھی التماس ہے کہ جو صاحب یاددہانی کے کارڈ پر منی آرڈر کرنا چاہیں انہیں چاہیئے کہ ایسے وقت منی آرڈر کریں جو دفتر میں اس مہینے کی پندرہ تاریخ سے پہلے پہنچ جائے اور ایسا ہی خط و کتابت بھی ایسے وقت میں ہونی چاہیئے بعض احباب کے منی آرڈر ۲۰ تاریخ سے بھی پیچھے پہنچتے ہیں جب دفتر سے وی پی روانہ ہو چکے ہوتے ہیں اور پھر انہیں وی پی انکاری کرنا پڑتا ہے۔

(۲) اسی نقصان کے خیال سے جو بار بار کے تقاضوں اور وی پی کے انکار سے اُٹھانا پڑتا ہے منتظمان رسالہ کو اسبات پر مجبور کیا ہے کہ آئندہ کسی خریدار کے نام بدون پیشگی وصولی قیمت بذریعہ منی آرڈر یا وی پی رسالہ جاری نہ کیا جاوے اس لیے جو صاحب خریداروں کے نام بھیجتے ہیں انکی خدمت میں مؤدبانہ التماس ہے کہ جہاں وہ اسقدر ہمدردی سے خریدار پیدا کرتے ہیں یہ بھی کوشش کریں کہ وہ خریدار ایسے ہوں جو قیمت بذریعہ منی آرڈر پہلے بھیجدیں یا پہلا پرچہ انکے نام وی پی ہو۔ (۳) رسالہ باقاعدہ ۲۰ تاریخ کو ہر خریدار کے نام بھیجا جاتا ہے مگر ڈاکخانہ میں اسقدر بدانتظامی پھیلی ہوئی ہے کہ ہر مہینے بہت سی شکایات رسالہ نہ پہنچنے کی آتی ہیں۔ ایسے احباب جنکو وقت پر رسالہ نہ پہنچے فی الفور اطلاع دیا کریں۔ جو صاحب اگلے مہینے کی ۲۰ تاریخ سے پہلے اطلاع نہ دینگے۔ انکو شاید پھر مایوس ہونا پڑے۔ اس لیے اس کی طرف ضرور توجہ رکھیں۔

سلسلہ اعانت دو ماہ سے فہرست اعانت دھندگان و خریدار دہندگان نہیں دیجاسکی جسکی وجہ عدم گنجایش ہے انشاءاللہ اگلے مہینہ سے ان فہرستوں کو باقاعدہ شایع کیا جاویگا۔ فہرست خریدار دہندگان اِن مہینوں کی نہایت مختصر ہے جسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ احباب کی وہ توجہ خریدار پیدا کرنیکی طرف نہیں رہی جو ابتدائے سال میں تھی۔ امید ہے کہ جن احباب کو یہ موقع حاصل ہے کہ وہ کسی طرح سے خدمت سلسلہ کی کریں وہ اس طرف بھی خاص توجہ رکھینگے۔

عکس مکتوب آنحضرتؐ چند کاپیاں عکس مبارک کی رسالہ سے بڑھی ہوئی دفتر میں موجود ہیں جنکے دوسری طرف موجودہ رسم الخط میں مکتوب کی عبارت سطر بسطر چھاپ دیگئی ہے تا ناظرین کو پڑھنے میں آسانی ہو۔ جو احباب لینا چاہتے ہوں وہ جلدی درخواست کریں قیمت ۱ر رکھی گئی ہے۔

مینجر

مطبع میگزین قادیان دار الامان میں مینجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء نمبر ۱۰

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا - چندہ سالانہ ۶ء

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۵ ستمبر ۱۹۰۶ء فرمایا۔ گھر میں ایک چوکھٹ کے اندر ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس پر لکھا ہے رب کل شیءٍ خادمک۔
ہم نے آج کشفی نگاہ میں دیکھا کہ وہ الفاظ مٹے ہوئے ہیں۔ مگر اس پر لکھا ہے خبیر۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۶ء (روز دوشنبہ)
(۱) قال ربک انہ نازل من السماء ما یرضیک۔ وما نتنزل الا بامر ربک۔ ترجمہ۔ تیرے رب نے
فرمایا ہے کہ آسمان سے ایک ایسا امر اترنے والا ہے جو تجھے خوش کر دیگا۔ اور ہم تیرے رب کے حکم کے سوائے
کبھی نازل نہیں ہوتے۔ (۲) قد سمع اللہ۔ اجیبت دعوتک۔ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم
محسنون۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے تیری دعا سن لی۔ تیری دعا قبول کی گئی۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے
جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور وہ جو نیکی کرتے ہیں۔ (۳) بارک اللہ فی الھامک و وحیک و رؤیاک۔ ترجمہ
برکت دی اللہ تعالیٰ نے تیرے الہام میں اور تیری وحی میں اور تیری خوابوں میں۔ (۴) کتب اللہ للذین اٰمنوا رحمۃ وکتبت
لک رحمۃ فی الدنیا والاٰخرۃ۔ ترجمہ۔ تجھ پر ایمان لانیوالوں کیلیے رحمت لکھدی ہے۔ اور تیرے لیے دنیا اور آخرت
میں تیرے رحمت لکھدی ہے۔ (۵) نزید فی رحمتک وصدقک ووفاءک (ای نزید برکات)
(یہ خدا کی طرف سے نہیں صرف تفہیم ہے میرے لفظوں میں) ترجمہ۔ تیری رحمت اور صدق اور وفا میں ہم زیادتی
کریں گے یعنی تجھ پر برکات میں زیادتی کیجائے گی۔ (۶) کل مکذب پر جاو۔ یا ایھا العزیز مسنا واھلنا
الضر وجئنا ببضاعۃ مزجاۃ فاوف لنا الکیل وتصدق علینا۔ ان اللہ یجزی
المتصدقین۔ ترجمہ۔ سب مکذب آئے اور کہنے لگے۔ اے عزیز ہم اور ہمارے اہل و عیال تکلیفات میں
ہیں۔ اور ہم تھوڑی سی پونجی لائے ہیں ہمیں پورا ماپ تول دے۔ اور ہم پر صدقہ کر تحقیق اللہ تعالیٰ صدقہ
کرنیوالوں کو جزائے خیر دیتا ہے (۷) ما انا الا کالقراٰن وسیظھر علی یدی ما ظھر من الفرقان۔
ترجمہ۔ میں تو بس قرآن ہی کی طرح ہوں اور قریب ہے کہ میرے ہاتھ پر ظاہر ہوگا جو کچھ کہ فرقان سے ظاہر ہوا (۸) رؤیا
دیکھا کہ میں ایک فراخ اور خوبصورت اور چمکدار چوغہ پہنے ہوئے چند آدمیوں کے ساتھ ایک طرف جا رہا ہوں۔
اور وہ چوغہ میرے پاؤں تک لٹکتا ہے اور چمک کی شعاعیں اس میں سے نکل رہی ہیں (۹) خدا اسکو پنج بار ہلاکت
سے بچائیگا۔ (نہ معلوم کس کے حق میں یہ الہام ہے) (۱۰) رؤیا۔ دیکھا کہ ایک بھونچال آیا۔ کچھ دہشتناک
معلوم ہوا۔ اور ہم چھپڑ کے نیچے سے باہر آ گئے۔ مبارک میرے ساتھ تھا۔ اور خفیف خفیف بارش کے قطرے خوشنما
برس رہے تھے۔ (۲۴) ستمبر ۱۹۰۶ء۔ مطابق پنجم شعبان ۱۳۲۴ھ بروز پیر۔ موت۔ تیرہ ماہ حال کو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

جمع حدیث

گذشتہ رسالے میں جو حدیث پر مضمون لکھا گیا تھا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سو سال بعد تک حدیث کی تاریخ مختصر طور پر لکھی گئی تھی اور یہ دکھایا گیا تھا کہ اس زمانہ میں حفاظت حدیث کا کیا سامان [illegible] پس ایک سطر میں جمع حدیث کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کئی صحابہؓ اسوقت اس کام میں نہایت سرگرمی سے مصروف تھے آپ کی احادیث کو یاد کر لیا [illegible] دوسروں تک پہنچاتے تھے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جمع حدیث کا کام اور بھی زیادہ شوق اور دلچسپی سے کیا جانے لگا۔ جیسا کہ گذشتہ مضمون میں بیسیوں مثالیں بیان کر کے دکھایا ہے کہ کسطرح ایک ایک حدیث کی خاطر بعض صحابہؓ نے بڑی بڑی مشقتیں اٹھا کر لمبے لمبے سفر کیے اور شام اور مصر تک پہنچے۔ اصل میں یہ سب کوششیں حدیث کے جمع کرنے کیلئے ہی تھیں یہ بھی پچھلے مضمون میں دکھایا جا چکا ہے کہ بعض صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی تحریری یادداشتیں حدیث کی لکھ لیا کرتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد احادیث کا تحریر میں لانا اور بھی زیادہ ہو گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام لکھے ہوئے تھے۔ جیسا کہ حضرت انسؓ کی حدیث سے پایا جاتا ہے کہ آپ انہی احکام کی نقل کر کے عاملوں کو بھیجا کرتے تھے۔ پس جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جمع حدیث کا کام ایک سو سال بعد شروع ہوا تو اسوقت نہ تو ہمارا یہ منشاء ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حدیث کی حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا اور نہ ہی یہ منشاء ہوتا ہے کہ اس سے پہلے محدثین موجود نہ تھے جو حدیثوں کو جگہ جگہ سے تلاش کر کے جمع کرتے اور پھر یہ مجموعہ دوسروں کو سکھاتے تھے اور نہ ہی یہ منشاء ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حدیث کا لکھا جانا ثابت نہیں بلکہ اُسوقت جمع حدیث سے ہمارا منشاء تدوین حدیث ہوتا ہے یعنی احادیث کا کتابوں میں ابواب کی تقسیم اور ترتیب کے ساتھ لکھے جانا سو انہی آخری معنوں میں جمع حدیث کا کام پہلی صدی ہجری کے اخیر یا اس کے بعد شروع ہوا۔ اور اسکی تکمیل حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ الرحمۃ نے کی جمع حدیث کے ان دو مفہوموں کو عمداً یا غلطی سے گڈ مڈ کر دینے سے حدیث کی صداقت پر بہت سے اعتراض پیدا ہوئے ہیں کیونکہ ایک طرف تو کہدیا جاتا ہے کہ

جمع حدیث کا کام پہلی صدی ہجری کے بعد شروع ہوا اور پھر مراد اس سے یہ لی جاتی ہے کہ گویا اس سے پہلے حدیث کو نہ لوگ اکٹھا کیا کرتے تھے نہ اسکی تعلیم دیجاتی تھی اور نہ ہی اسکی حفاظت کا کوئی سامان تھا۔ پس سب سے اول یہ ضروری ہے کہ جمع حدیث کے ان دو مفہوموں کو اچھی طرح سے سمجھ لیا جاوے۔ اور انکو الگ الگ رکھا جاوے۔ اور اس بات کو دل میں بٹھا لیا جاوے کہ امام مالک کی موطا اور امام بخاری کی صحیح سے پہلے بھی حدیث کو جمع کیا جاتا تھا اور اسکی حفاظت کے سامان موجود تھے اور اس کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔

غور سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جمع حدیث کا کام پانچ مرحلوں میں سے ہوکر گذرا ہے۔ سب سے اول مرحلہ اسکا زمانہ نبوی ہے۔ اس بات کو میں پچھلے مضمون میں ثابت کرچکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہت سے صحابی خاص توجہ اور شوق سے آپکے اقوال کو جمع کرتے اور آپکے ہر ایک فعل کو نظر غور سے دیکھکر یاد رکھتے تھے۔ یہی سب سے پہلے محدثین تھے۔ جنکا شوق جمع حدیث کا اسقدر بڑھا ہوا تھا کہ آپ حتی الوسع ہر وقت آنحضرت کے ساتھ لگے رہتے اور جمع حدیث کے سوائے آپ کا کوئی شغل نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکے لیے دعا بھی کی تھی جس کے بعد حدیث کو یاد رکھنے میں خدائے تعالیٰ نے آپ کو خاص قوت بخشی تھی۔ آپکے علاوہ بعض اور صحابی ایسے تھے جنکو آپکے ساتھ تعلقات کی وجہ سے جمع حدیث کا خاص موقعہ حاصل تھا۔ جیسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس بن مالک جو کئی سال تک آپکے خادم رہے۔ اگرچہ صدیقہ کے سوائے اور ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تھیں مگر جو قابلیت اللہ تعالیٰ نے صدیقہ کو جمع اور حفاظت حدیث کے لیے دی تھی وہ اوروں میں نہیں پائی جاتی تھی۔ آپ کو ہزارہا شعر ایام جاہلیت کے شعراء کے یاد تھے اور آپ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ اور علم سے خاص دلچسپی اور محبت تھی۔ ایسا ہی بعض اور صحابی تھے جنکو خداداد قابلیت کے علاوہ موقع بھی ایسا ملا تھا کہ وہ جمع اور حفاظت حدیث کا کام کرتے تھے جیسے عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ۔ یہ دونوں نوجوان علم دین میں خاص دلچسپی رکھتے تھے اور بہت سی احادیث انہوں نے جمع کیں اور لوگوں تک پہنچائیں۔ عبداللہ بن عمرو بھی جمع حدیث کا کام کیا کرتے تھے اور ابوہریرہ سے روایت ہے کہ وہ حدیثوں کو لکھ بھی لیا کرتے تھے۔ ایسا ہی کئی اور صحابی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حدیثوں کے یاد رکھنے میں بہت شوق ظاہر کرتے تھے۔ اور یہ کام جو وہ کر رہے تھے دراصل جمع حدیث کا بنیادی پتھر تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جمع حدیث نبوی کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ علاوہ ان چند صحابہ کے جو آپکی زندگی میں ہی جمع حدیث کا کام کرتے تھے ہزارہا اور صحابہؓ تھے اور ان میں بہت سے ایسے تھے جو کوئی نہ کوئی ایسی حدیث یاد رکھتے تھے جو عام طور پر شہرت یافتہ نہیں تھی پس اس مرحلہ میں جمع حدیث کے لیے یہ ضروری تھا کہ ان تمام سرچشموں سے حدیث کو اکٹھا کیا جاوے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک بڑا مشکل کام تھا مگر ضروریات زمانہ نے

اسکو کئی طرح سے آسان کردیا تھا۔ سب سے اول جیسا کہ ہم پہلے بھی دکھا چکے ہیں ہر ایک صحابی جو کسی حدیث کو یاد رکھتا تھا وہ اسے اپنا مقدم فرض سمجھتا تھا کہ اسے دوسروں تک پہنچائے۔ کیونکہ انکے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم انہیں دی تھی کہ لیبلغ الشاھد الغائب آنحضرت کی وفات کے تھوڑے دن پیچھے مخبر صادق کی پیشگوئی کے مطابق صحابہؓ دور دراز ملکوں میں پھیل گئے تھے۔ اور ہر جگہ انہوں نے حدیث کا چرچا پھیلا دیا تھا اور جو جو احادیث انکو معلوم تھیں وہ دوسروں تک پہنچا دی تھیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں احادیث کی تدریس کا سلسلہ شام مصر وغیرہ ممالک میں پھیل گیا تھا۔ جہاں یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل اسوقت تک جاری رہا جب تدوین حدیث کا وہ زمانہ پہنچا کہ محدثین نے جا بجا پھر کر کل احادیث کو کتابوں میں اکٹھا کر دیا۔ دوم آنحضرتؐ کے بعد خلفا کے زمانے میں کئی صحابی ایسے تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کے کسی قول کی بنا پر بعض حقوق طلب کیے۔ اور ان حقوق کے دیا جانے یا انکے انکار کے وقت آپ کی بہت سی احادیث کی تصریح ہوگئی اور وہ عام طور پر شہرت پاگئیں۔ مثلاً مغیرہؓ نے ایک حدیث کی بنا پر حضرت ابوبکرؓ سے بعض حقوق طلب کیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گواہ طلب کیا اور جب آپکا اطمینان ہوگیا کہ واقعی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے تو آپنے وہ حقوق اسے عطا فرمادیئے۔ پس اس طرح پر یہ حدیث عام شہرت پاگئی۔ اسی طرح بہت سی حدیثیں جنکا علم پہلے چند اشخاص تک محدود تھا عام طور پر شایع ہوتی اور پھیلتی رہیں اور علم حدیث کے مجموعہ میں شامل ہوتی گئیں۔ سوئم۔ نئی نئی ضرورتیں جو مسلمانوں کی روز بروز بڑھتی ہوئی تعداد میں پیش آتی تھیں بہت سی حدیثوں کی اشاعت کا موجب ہوگئیں کیونکہ جب کبھی کوئی مقدمہ یا تنازعہ یا کوئی امر فیصلہ طلب پیش ہوتا تو قرآن کریم کے بعد سب سے پہلے حدیث کی طرف ہی صحابہؓ رجوع کرتے تھے۔ اور جہاں امر پیش آمدہ پر کوئی حدیث پوری پوری منطبق نہ ہوتی تو اس کے قریب قریب کوئی حدیث تلاش کیجاتی اور اسی پر قیاس کر کے امر پیش آمدہ کا فیصلہ کیا جاتا۔ صاف ظاہر ہے کہ اس صورت میں احادیث کی اچھی طرح پڑتال کی جاتی ہوگی تاکہ عین مطابق واقعہ کوئی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملجائے اور آپکے فیصلہ کے مطابق فیصلہ ہوجائے۔ جو صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جمع حدیث میں شہرت رکھتے تھے اول انسے مشورہ لیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی باوجود نوجوان ہونیکے محض انکے علم قرآن اور حدیث کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت عزت کیا کرتے تھے اور ایسے معاملات انسے دریافت کرلیا کرتے تھے۔ چہارم۔ ضروریات اور نئے پیش آمدہ امور کو الگ چھوڑ کر صحابہؓ تلاش حدیث میں سرگرم رہتے تھے کیونکہ وہ اسبات کو پسند نہ کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی الفاظ آئندہ نسلوں کو پہنچنے سے رہ جائیں۔ چنانچہ جہاں کہیں کسی حدیث کی روایت کا ذکر سنتے تھے فوراً اس جگہ پہنچکر بعد تحقیق اس حدیث کو اپنے علمی ذخیرہ میں شامل کرکے دوسروں تک پہنچاتے تھے۔ دراصل صحابہؓ کے زمانہ میں جمع حدیث کے لیے اول ان حدیثوں کی اشاعت ضروری تھی

تاکہ عام طور پر معلوم ہو کر وہ حدیثیں محدثین کے ذخیرہ علم میں داخل ہو سکیں۔ پنجم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کثرت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور ان میں سے بہت سے اس بات کی تلاش میں لگے رہتے تھے کہ انہیں اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حالات معلوم ہو جائیں جس کے زمانہ کو پا کر وہ اسلام اور آپ کی صحبت سے محروم رہے ایسا ہی دین اسلام کے متعلق بھی وہ پوری واقفیت حاصل کرنا چاہتے تھے اور یہی حال اس نئی اسلامی نسل کا تھا جسکا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اسقدر ملا ہوا تھا مگر اس مبارک زمانہ کو انہوں نے نہ پایا تھا۔ یہ تمام لوگ اس تلاش میں رہتے تھے کہ کسی صحابی سے مل کر اس سے حالات سنیں۔ اس ذریعہ سے حدیث کا علم اور بھی اشاعت پا تا رہا۔ پھر جوں جوں صحابہؓ دنیا سے گذرتے گئے ان لوگوں کا اشتیاق احادیث کا علم حاصل کرنے انکو محفوظ رکھنے اور پھیلانیکا اور بھی بڑھتا گیا۔ ان تمام باتوں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اکثر وہ احادیث جو صحابہؓ کے علم میں تھیں تابعین کو پہنچ گئیں۔ ششم۔ وہ صحابی جن کے پاس احادیث کا ذخیرہ زیادہ تھا جیسے ابوہریرہؓ انس بن مالکؓ ابن عباسؓ وغیرہ وہ تدریس کے طور پر مشتاق طالبوں کو حدیثیں سنایا کرتے تھے۔ اور صحابہؓ کے زمانہ میں ہی ایسے مقامات پر حدیث کی بڑی بڑی درسگاہیں بن گئی تھیں جہاں باقاعدہ حدیث کی اشاعت ہوتی تھی اور دور دور سے سننے والے جمع ہوتے تھے چنانچہ آٹھ سو آدمی حضرت ابوہریرہؓ کے حدیث میں شاگرد تھے۔

ان درسگاہوں کا قایم ہونا جمع حدیث کے دوسرے مرحلہ کا اختتام اور تیسرے مرحلہ کا ابتدا تھا۔

تیسرا مرحلہ جمع حدیث میں اسوقت شروع ہوتا ہے جب صحابہؓ کا زمانہ گذر کر کل احادیث کا بار تابعین کے ہاتھ میں آچکی تھیں۔ پہلی صدی ہجری کے اختتام سے پہلے کل صحابہؓ اس دنیا سے گذر چکے تھے۔ حدیث کی درسگاہیں صحابہؓ کے زمانہ میں ہی قایم ہو چکی تھیں۔ اور اب اس تیسرے مرحلہ پر جمع حدیث کے لیے اسطرح پر تلاش کی ضرورت نہ رہ گئی تھی جیسے صحابہؓ کے وقت میں تھی۔ کیونکہ صحابہؓ کے زمانہ تک نئی نئی احادیث اشاعت پاتی رہتی تھیں۔ مگر اب صرف وہی احادیث آگے پہنچائی جاتی تھیں جو صحابہؓ کے ذریعہ تابعین کو پہنچ چکی تھیں۔ پس عموماً حدیث کی تلاش ان درسگاہوں تک ہی محدود ہو گئی تھی جہاں علم حدیث کا چرچا ہوتا تھا۔ اور بہت کم ایسی حدیثیں تھیں جو ان درسگاہوں میں نہ آگئی ہوں۔ اسطرح پر جہاں تک بانی سلسلہ روایت کی تکمیل ہو سکتی تھی ان درسگاہوں کے قایم ہونے اور ان میں علم حدیث کے پڑھایا جانے سے جمع حدیث کی ایک گونہ تکمیل ہو چکی تھی۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ کسی ایک درسگاہ میں کل کی کل حدیثیں مل سکتی تھیں بلکہ جو احادیث کسی محدث تابعی نے صحابہؓ سے سنکر حفظ کر لی تھیں انہی احادیث کی اشاعت اس درسگاہ میں ہوتی تھی اور پھر سفر کے ذریعہ محدثین کے علم کی وسعت ہوتی رہتی۔ علاوہ ازیں اسی زمانہ میں حدیث کا لکھنا پہلے کی نسبت بہت زیادہ مروج ہو گیا تھا۔ اور جہاں محدثین درسگاہوں میں حدیثیں سنایا کرتے تھے بہت لوگ انکو لکھ لیا کرتے تھے اور جو حافظہ پر پورا

بھروسہ کر سکتے تھے وہ انکو وہیں یاد کر لیا کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی پہلی صدی ہجری کے اختتام کے قریب یہ احکام نافذ کیے تھے کہ احادیث لکھ لی جایا کریں اور علمائے حدیث حدیثوں کی تدریس کے سلسلہ کو وسیع کریں تاکہ جو لوگ علم حدیث سے واقف نہیں وہ بھی واقف ہو جاویں۔ تا اسطرح پر سلسلہ روایت حدیث اور جمع حدیث میں کوئی خلل نہ آوے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس زمانہ میں حدیثیں صرف متفرق طور سے لکھ لی جایا کرتی تھیں وہ کتابوں کی صورت میں نہ تھیں نہ تحریر کے ذریعہ انکی اشاعت ہی ہوتی تھی۔ بہرحال حدیث کا لکھنا عام طور پر مروج ہو گیا تھا اور یہ تیسرے مرحلہ کا اختتام اور چوتھے مرحلہ کا ابتدا تھا۔

دوسری صدی ہجری کے نصف کے قریب حدیث کے لکھا جانے نے ایک اور رنگ پکڑ لیا اور بجائے متفرق مسودات کے جنکی اشاعت بحیثیت ایک کتاب ہونیکے نہ ہو سکتی تھی مستقل کتابیں حدیث پر لکھی جانی شروع ہو گئیں۔ اس زمانہ تک محض تحریری مسودہ اس بات کو ثابت کرنیکے لیے کافی نہ تھا کہ واقعی ایک حدیث صحیح اور قابل اعتبار ہے بلکہ یہ ضروری تھا کہ معتبر سلسلہ رواۃ سے حدیث کو کسی مشہور صحابی تک پہنچایا جائے۔ اور ان تمام راویوں کے نام درجہ بدرجہ ظاہر کیے جاویں جنکے ذریعہ حدیث اس بیان کرنیوالے تک پہنچی تھی۔ اسلیے ان کتابوں میں بھی پورا سلسلہ راویوں کا دیا جاتا تھا مگر کتاب اشاعت کے بعد یہ وقعت رکھتی تھی کہ اسکی احادیث کا حوالہ دیا جاسکے کیونکہ اس زمانے میں تحریر کا رواج عام ہو کر کتابوں کے نسخے کثرت سے شایع ہو سکتے تھے۔ سب سے پہلے جس شخص نے حدیث کی کتاب لکھی وہ امام عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریج تھے جو ابن جریج کے نام سے مشہور ہیں اور بعض کے نزدیک سب سے پہلے حدیث کی کتاب ربیع بن صبیح نے لکھی اور تیسری روایت ہے کہ سب سے اول سعید ابن ابی عروبہ تھے۔ یہ تمام محدثین دوسری ہجری کے نصف کے قریب فوت ہوئے جس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حدیث کا کتابوں میں لکھے جانا دوسری صدی ہجری کے نصف سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔ انکے بعد حدیث کے بڑے معتبر امام حضرت امام مالک بن انس تھے جنکی کتاب موطا آج تک حدیث میں سند مانی گئی ہے۔ یہ کتاب اہل حجاز کی احادیث پر مبنی تھی اور علاوہ احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس میں صحابہؓ اور تابعین کے اقوال اور فتاوی بھی درج ہیں۔ مختلف مقامات میں مختلف ائمہ حدیث نے اس زمانہ میں کتابیں لکھیں۔ چنانچہ ابن جریج نے مکہ میں۔ امام مالک نے مدینہ میں۔ سفیان بن عیینہ نے بھی مدینہ میں۔ عبداللہ بن وہب نے مصر میں۔ معمر اور عبدالرزاق نے یمن میں سفیان الثوری اور محمد بن فضیل نے کوفہ میں۔ حماد بن سلمہ اور روح بن عبادہ نے بصرہ میں ہشیم نے واسط میں۔ اور عبداللہ بن مبارک نے خراسان میں حدیث پر کتابیں تصنیف کیں۔ ان بڑے بڑے مصنفین کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسوقت تصنیف کا کام شروع کر دیا تھا۔ جیساکہ امام مالک کے متعلق اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکے پاس شکایت کی گئی کہ آپ موطا کی تصنیف کیلیے اسقدر محنت کیوں اٹھا رہے ہیں جبکہ دوسرے لوگوں نے بھی اسی نام کی کتابیں لکھنی شروع کر دی ہیں

آپ نے فرمایا کہ دنیا عنقریب دیکھ لیگی کہ کس شخص نے محض ﷲ کام اختیار کیا ہے۔ اب ان تمام مؤطاؤں کا دنیا میں کوئی نشان باقی نہیں سوائے اسکے کہ ابن ابی ذئب کی مؤطا کا ذکر باقی رہ گیا ہے۔ مگر امام مالک کی مؤطا نے دنیا میں وہ عزت اور شہرت حاصل کی ہے کہ آجتک حدیث کی اول درجہ کی مستند کتابوں میں سمجھی گئی ہے۔

یہ تصنیفات جن کا ذکر اوپر ہوا جمع حدیث کا چوتھا مرحلہ ہیں جب اصل میں تدوین حدیث کا کام شروع ہو گیا تھا لیکن ابھی تک یہ کام تکمیل کے درجہ کو نہیں پہنچا تھا۔ چوتھے مرحلہ پر جسقدر تصانیف لکھی گئیں ایک تو انکی اغراض محدود تھے یعنی ان میں ہر قسم کی احادیث نہ پائی جاتی تھیں۔ صرف خاص مقاصد کو مد نظر رکھکر یہ تالیفیں کی گئی تھیں اور دوسرا ان میں وہی احادیث ان مضامین کے متعلق جمع کی گئی تھیں جو اس خاص حصہ ملک میں رائج تھیں مثلاً مؤطا کو ہی لو اس میں صرف اہل حجاز کی احادیث تھیں اور ان میں سے بھی صرف وہ احادیث جو عمل سے تعلق تھیں مثلاً نماز روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ کے احکام سے متعلق۔ اور اس قسم کی احادیث جیسے آنحضرت کی بعثت کے متعلق یا مغازی کے متعلق یا تفسیر قرآن کریم کے متعلق وہ ان میں جمع نہیں کی گئیں۔ پس باوجود تدوین کے شروع ہو جانے کے جمع حدیث کا کام ابھی کمال کو نہ پہنچا تھا۔ بلکہ یہ کمال اسے پانچویں مرحلہ پر حاصل ہوا جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع حدیث کا کام شروع کیا۔ اور اسکو ہر پہلو سے مکمل کر کے دکھایا۔ امام محمد بن اسمٰعیل جو بخاری کے نام سے مشہور ہیں کیونکہ بخارا انکا اصل موطن تھا۔ اس وقت کے قریب قریب پیدا ہوئے جو امام مالک کی وفات کا وقت تھا اور جمع حدیث کا شوق آپ کو چھوٹی عمر میں پیدا ہو گیا۔ اور تیسری صدی ہجری کے ابتدا میں یہ کام انہوں نے شروع کر دیا۔ اور کتاب صحیح بخاری تالیف کی۔ آپ کی وفات ۲۵۶ ہجری میں ہوئی یعنی تیسری صدی کے نصف کے قریب۔ ایسا ہی اسی زمانہ کے قریب آپکے شاگرد مسلم نے جمع حدیث کا کام شروع کیا۔ اور صحیح مسلم کو تالیف کیا جس کا مرتبہ صرف صحیح بخاری سے دوسرے درجہ پر ہے۔ پھر ابو داؤد ترمذی اور نسائی نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنی اپنی مسندیں تالیف کیں۔ یہ تینوں کتابیں اگرچہ موطا۔ صحیح بخاری اور مسلم کے مرتبہ کو نہیں پہنچتیں مگر ان سے دوسرے درجہ پر معتبر کتابیں سمجھی گئی ہیں انکے مصنفوں نے ہر ایک جگہ خود سفر کر کے کل احادیث معتبرہ کو جمع کیا۔ اور اپنی ساری ساری زندگیاں اسی کام کے لیے وقف کر دیں۔ یہ پانچواں مرحلہ جمع حدیث کا تھا جب یہ کام تکمیل کو پہنچ گیا۔ اور معتبر احادیث کا ذخیرہ کتابوں کی صورت میں جمع ہو گیا۔

اس تمام بحث سے یہ امر واضح ہو گیا کہ جمع حدیث کی بنیاد تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے وقت میں ہی رکھی گئی تھی مگر اس عمارت کی تکمیل امام بخاریؒ کے ہاتھ سے ہوئی۔ اور اگر حدیث کی اصلیت پر غور کیا جاوے تو معلوم ہو گا کہ بغیر ان پانچ مرحلوں سے گذرنیکے یہ کام تکمیل پذیر نہ ہو سکتا تھا یہ پانچ مرحلے دراصل پانچ سیڑھیوں کی طرح تھے اور ہر ایک مرحلہ گویا دوسرے مرحلہ کے لیے تیاری کا سامان مہیا کر رہا تھا۔ سب سے اول تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے۔ اس زمانے

میں اگرچہ بعض صحابہؓ نے خصوصیت سے حفظ حدیث کا کام شروع کر دیا تھا مگر بہت سی احادیث ایسی تھیں جن کا علم خاص خاص صحابہؓ کو تھا۔ آپ کی وفات کے بعد یہ موقعہ پیش آیا کہ ایسی تمام احادیث عام اشاعت پا گئیں اور خاص خاص لوگوں نے انہیں محفوظ کر لیا۔ دوسری طرف جن صحابہؓ کو زیادہ حدیثیں یاد تھیں انہوں نے اسی زمانہ میں بذریعہ تدریس یہ احادیث آئندہ نسل کو پہنچانی شروع کیں۔ اور جہاں جہاں صحابہؓ پھیل گئے تھے اسی جگہ تدریس حدیث کے مرکز قائم ہو گئے۔ اسکے بعد تیسرا زمانہ تابعین کا آیا جب حدیث کے علم کا بذریعہ تدریس عام رواج ہو گیا۔ اور مزید براں علاوہ حفظ حدیث کے اسکی یادداشتیں لکھی جانی شروع ہو گئیں۔ اور یادداشتوں کی صورت میں نہ کتابوں کی صورت میں حدیث کی تحریر کا رواج عام ہو گیا۔ اور جو لوگ جمع حدیث کے مشتاق تھے وہ ان درسگاہوں میں حاضر ہو کر جب حدیثوں کو سنتے تو ان میں سے اکثر انکو ضبط تحریر میں لے آتے۔ اس تحریر کے رواج سے جمع حدیث کا چوتھا مرحلہ آپہنچا جب بجائے الگ الگ یادداشتوں کے کتاب کی صورت میں ترتیب پا کر حدیثوں کا لکھا جانا شروع ہو گیا۔ پھر اسکے بعد پانچواں مرحلہ آپہنچا جب بجائے ایک خاص مقام سے حدیثیں جمع کرنیکے یا بجائے ایک خاص مضمون پر حدیثیں جمع کرنیکے جامع کتابیں حدیث پر لکھی جانی شروع ہوئیں اسطرح دو سو سال کے عرصہ میں اس عمارت کی تکمیل ہوئی اور جمع حدیث کا کام ختم ہوا۔ لیکن صرف اسوجہ سے کہ اس کام کی تکمیل فی الفور نہیں ہوئی اور ایک دراز عرصہ اس پر خرچ ہوا۔ حدیثوں کی بے اعتباری نہیں کی جا سکتی کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ تک ایک قدرتی ترقی تھی جسکے سوائے یہ کام احسن طور پر سرانجام نہ پا سکتا تھا۔ اور یہ پانچوں مرحلے ایکدوسرے سے ایسے وابستہ ہیں جیسے زنجیر کی کڑیاں۔

چونکہ جمع حدیث کی تکمیل پانچویں مرحلہ پر ہوئی جب جامع کتابیں حدیث پر لکھی گئیں اس لیے جمع حدیث کا نام خصوصیت سے اس مرحلہ پر بولا جاتا ہے۔ اور دراصل یہ مرحلہ جمع حدیث کا ایسا ہے جس پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی ضرورت ہے کیونکہ بعد کے زمانہ میں علم حدیث کی بنا عموماً انہی کتابوں پر رہی ہے جو اس زمانہ میں تالیف ہوئیں اور اس لیے بھی کہ جامع کتابیں صرف یہی ہیں۔ میور سپرنگر۔ اور اور معترضین نے ان کتابوں میں معتبر احادیث کے ہونے سے انکار کیا ہے اور اسکی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ان محدثین نے حدیث کے جمع کرنے میں تنقید کا طریق اختیار نہیں کیا۔ میور سپرنگر کی رائے کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے اور خود اسی رائے کا مؤید ہے۔ بخاری کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ وہ جن اصول اور قواعد کی پیروی اس نے (یعنی امام بخاری علیہ الرحمۃ نے) کی انپر تنقید کا نام چسپاں نہیں ہو سکتا۔ وہ صرف یہ دیکھتا تھا کہ راویوں کا سلسلہ پورا ہے یعنی منقطع نہیں ہو جاتا۔ اور ان راویوں کے چال چلن کو دیکھ لیتا تھا۔ اور چونکہ ایک قاعدہ اسنے یہ بھی مقرر کیا ہوا تھا کہ جو حدیث اس کے اپنے متعصبانہ خیالات کے مطابق نہ ہو اسے رد کر دیتا تھا۔ اس لیے اسکے کسی حدیث کو رد کر دینے سے یہ نتیجہ کسی صورت میں نہیں نکل سکتا

کہ وہ حدیث واقعی ناقابل اعتبار ہے۔ مگر اسکی جامع دوسری مسندوں سے یہ امتیاز ضرور رکھتی ہے کہ وہ کسی خاص مذہب کا پیرو نہ تھا بلکہ صرف حدیثوں کی فرضی صحت اور راویوں کی راستبازی وغیرہ پر ہی سارا دارومدار رکھا کرتا تھا۔" ایسا ہی میور اپنے دیباچہ لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لکھتا ہے "یہ تو ظاہر ہے کہ محدثین کسی قسم کی تنقید کو کام میں لاتے تھے اور وہ بھی ایسی سختی سے کہ بحساب اوسط ہر سو حدیث میں سے انہوں نے قریباً ننانوے کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا۔ لیکن یوروپین ناظرین سخت دھوکہ کھائیں گے اگر وہ یہ سمجھ لیں کہ یہ تنقید باوجود اسقدر سختی کے صحیح معنوں میں کامل اور صحیح تحقیقات احادیث کی صحت کے متعلق تھی۔ محدثین کے نزدیک کسی حدیث کے قابل اعتبار ہونے کیلئے اس حدیث کے نفس مضمون کو نہ دیکھا جاتا تھا بلکہ صرف ان ناموں کو دیکھا جاتا تھا جو اس حدیث کے بیان کرنیوالے ہوتے تھے۔ انکے نزدیک صحیح حدیث کی سند پہلے کسی صحابی سے چلنی چاہیئے اور پھر راویوں کے ایک لمبے سلسلے میں ہر ایک راوی کی صداقت پر اس کی بنا ہوتی تھی۔ اگر ان راویوں کی صداقت پر کوئی الزام عائد نہ ہوسکے تو حدیث قبول کرنی چاہیئے۔ نفس مضمون میں کوئی بات خواہ کیسی ہی لغو اور قیاس سے بعید کیوں نہ پائی جاتی ہو۔ وہ ایسی حدیث کے اعتبار کو نہیں گنوا سکتی۔ محدثین بجز تنقید میں کھلی کھلی شناوری کرتے تھے۔ بلکہ اس ایک ہی قاعدہ کے غلام ہو گئے تھے۔ اندرونی شہادت پر جرح کرنیکی انکو قطعاً جرأت نہ تھی۔"

یہ دو ایسے شخصوں کی رائے ہے جن کی رائے کو اسلام کے متعلق نہایت محققانہ اور بےلوث مانا گیا ہے۔ مگر میں افسوس سے کہتا ہوں کہ ان خیالات کے ظاہر کرنے میں ان دونوں صاحبوں نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ انکو یہ بھی معلوم نہیں کہ جن احادیث کو محدثین نے وضعی قرار دیا ہے انکو کس بنا پر وضعی قرار دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ محدثین نے راویوں کے متعلق پوری پوری تحقیقات کرنے میں بہت ہی کوشش کی ہے اور میں یہ ثابت کرونگا کہ احادیث کی صحت کو پرکھنے کے لیے اسکی ضرورت تھی مگر یہ بالکل جھوٹ ہے کہ انہوں نے اندرونی شہادت پر مطلق توجہ نہیں کی۔ بلکہ احادیث موضوعہ کے جانچنے کیلیے جو اصول انہوں نے مقرر کیے ہیں وہ قریباً سب کے سب اندرونی شہادت سے ہی متعلق ہیں چنانچہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے عجالہ نافعہ میں وضعی احادیث کی مفصلہ ذیل علامات بیان کی ہیں۔ جنہیں نواب صدیق حسن خاں نے بھی اپنی کتاب الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ میں ذکر کیا ہے۔ وہ علامات حسب ذیل ہیں۔ اول یہ کہ روایت تاریخ کے خلاف ہو جیسا کہ کہا جائے کہ عبداللہ بن مسعود نے جنگ صفین میں یوں فرمایا حالانکہ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عثمانؓ کی خلافت میں وفات پا چکے تھے۔ دوئم یہ کہ راوی رافضی ہو اور جو حدیث وہ بیان کرے وہ صحابہؓ کے مطاعن میں ہو۔ یا راوی ناصبی ہو اور اہل بیت کے مطاعن میں حدیث بیان کرے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ پھر اگر راوی اس حدیث کو بیان کرنے میں اکیلا ہو اور اور کوئی راوی اس حدیث کا نہ ہو تو ایسی حدیث منکر ہے اور اگر اور لوگ بھی اس

حدیث کو بیان کرنیوالے ہوں تو حدیث قبول کیجاوے اور اس کی مناسب توجیہ کیجاوے۔ سوئم۔ ایسی حدیث بیان کرے جس کا جاننا اور اسپر عمل کرنا سب مکلفوں پر واجب ہو اور راوی اس حدیث کے بیان کرنے میں اکیلا ہو تو یہ ضبط قرینہ حدیث کے جھوٹا اور موضوع ہونے پر ہے۔ چہارم یہ کہ راوی کا حال اور وہ وقت جب حدیث کو بیان کیا ہے اس کے کذب پر قرینہ ہوں۔ جیساکہ خلیفہ عباسی مہدی کی مجلس میں غیاث بن میمون کے بیٹے واقع ہوا کہ جب وہ بادشاہ کے پاس حاضر ہوا تو بادشاہ اسوقت کبوتروں کے اڑانے میں مشغول تھا جسپر غیاث نے بادشاہ کو خوش کرنیکے لیے یہ حدیث سنائی کہ لا سبق الا فی خف او نصل او جناح یعنی کوئی شرط نہیں بدنی چاہیئے مگر اونٹوں (یا گھوڑوں) کی دوڑ میں اور تیر اندازی میں اور جانوروں کے اڑانے میں۔ مگر یہ لفظ جناح (پرندوں کا اڑانا) اصل حدیث میں موجود نہ تھا بلکہ غیاث نے صرف خلیفہ کو خوش کرنیکے لیے اسے بڑھا دیا تھا کیونکہ خلیفہ کو کبوتر اڑانے کا شوق تھا۔ اس قصہ کی تفصیل حیوۃ الحیوان الکبری میں اسطرح پر دی ہے کہ ہارون الرشید کو کبوتروں سے محبت تھی اور انکے ساتھ وہ کھیلا کرتا تھا۔ ایک کبوتر اس کے پاس بطور تحفہ آیا اور اسوقت بادشاہ کے پاس قاضی ابوالبختری بیٹھا تھا۔ اور اس نے سند کے ساتھ ایک حدیث ابوہریرہ سے بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا سبق الا فی خف او حافر او جناح اور یہ لفظ او جناح کا اپنے پاس سے بڑھا دیا۔ خلیفہ نے اسے کچھ دیکر رخصت کیا اور جب وہ چلا گیا تو کہا کہ خدا کی قسم ہے میں نے خوب سمجھ لیا ہے کہ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا کیا ہے۔ پھر حکم دیا کہ کبوتر کو ذبح کر دیا جائے لوگوں نے پوچھا کہ کبوتر کا کیا گناہ ہے کہا اسی کی خاطر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا باندھا۔ پس اسیوجہ سے اور اس کی اور موضوعات کی وجہ سے محدثین اور علماء نے ابوالبختری کی حدیث کو چھوڑ دیا اور کوئی حدیث اس سے نہیں لکھی۔ پنجم یہ کہ حدیث عقل اور شرع کے مقتضی کے مخالف ہو۔ اور قواعد شرعیہ اسکو جھوٹا ٹھہراتے ہوں جیساکہ قصائے عمری۔ اور حدیث مثل اسکے کہ لا تاکلوا البطیخ حتی تذبحوہ۔ یعنی خربوزہ کو نہ کھاؤ جبتک اسے ذبح نہ کرلو۔ ششم یہ کہ حدیث میں کوئی قصہ کسی ایسے امر محسوس سے متعلق ہو کہ اگر درحقیقت وہ واقع ہوا ہوتا تو لاکھوں انسان اسکو نقل کرتے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں خطیب کو جمعہ کے دن ممبر پر قتل کر دیا گیا اور اس کی کھال اتاری گئی اور سوائے اس راوی کے اور کوئی بیان کرنیوالا نہ ہو۔ ہفتم یہ کہ حدیث میں لفظاً و معنے رکیک ہوں مثلاً الفاظ ایسے ہوں جو قواعد عربیہ کے مطابق نہیں یا معنے ایسے ہوں جو شان نبوت اور وقار رسالت کے شایان نہیں۔ ہشتم یہ کہ چھوٹے سے گناہ پہ سخت وعید میں یا تھوڑے عمل پر بڑے ثواب کے وعدوں میں افراط کا پہلو اختیار کیا گیا ہو۔ جیسے۔ من صلی رکعتین فلہ سبعون الف دار فی کل دار سبعون الف بیت فی کل بیت سبعون الف سریر علی کل سریر سبعون الف جاریۃ۔ یعنی جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اس کے لیے بہشت میں

ستر ہزار مکانات ہونگے ہر مکان میں ستر ہزار کمرے ہوں گے ہر کوٹھے میں ستر ہزار تخت ہونگے ہر تخت پر ستر ہزار لونڈیاں ہونگی۔ بلکہ اس قسم کی کل حدیثیں خواہ وہ ثواب کے بارے میں ہوں اور خواہ عذاب کے موضوع سمجھی گئی ہیں یا نہم یہ کہ چھوٹے سے عمل پر عمرہ اور حج کا ثواب بتایا گیا ہو۔ دہم یہ کہ نیکی کرنیوالے کے لیے کئی انبیاء اور رسولوں کے ثواب کا وعدہ ہو۔ یازدہم یہ کہ خود وضع کرنیوالا اقرار کرے۔ جیسا کہ نوح بن عصمہ کے بیہ اتفاق ہوا کہ اس نے قرآن شریف کی ایک ایک سورۃ کی فضیلت میں جھوٹی حدیثیں بنائیں اور انکو رواج دیا اور شہرت دی جیسا کہ یہ بیان دیکھیں ہر ایک سورۃ کے پڑھنے کا اجر بیان کیا گیا ہے۔ اور جب محدثین نے ان حدیثوں کے متعلق تحقیق شروع کی اور اسے کہا کہ انکی سند کو ثابت کو پہنچاؤ اور یہ بتاؤ کہ اس نے یہ حدیثیں کہاں سے لیں تو اس نے اقرار کیا کہ یہ خود ہی یہ جھوٹی حدیثیں بنائی ہیں۔

اب معترضین اس مقام پر غور کریں کہ ان گیارہ علامتوں میں سے جو وضعی احادیث کے لیے قرار دی گئی ہیں دس علامتیں اندرونی شہادت اور قرائن کے متعلق ہیں۔ حالانکہ میور اور سپرنگر صاحبان جنکو بڑے محقق ہونے کا دعویٰ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ محدثین کو یہ جرأت ہی نہ تھی کہ وہ قرائن کی شہادت پر یا اندرونی شہادت پر تنقید کریں۔ اس سے بڑھکر ان لوگوں کی جہالت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے جس آزادی کے ساتھ محدثین نے احادیث پر تنقید کی ہے اسکی نظیر ہمیں دوسری جگہ نہیں ملتی۔ انکے نزدیک دنیوی وجاہت کوئی قابل توجہ چیز نہ تھی بلکہ بڑے سے بڑے آدمی کے چال چلن پر وہ اسی طرح تنقید کرتے جیسے معمولی آدمی پر اور جب انکو ثابت ہو جاتا کہ ایک شخص نے عمداً ایک لفظ بھی جھوٹا حدیث میں ڈالدیا ہے تو خواہ وہ کتنا بڑا آدمی ہوتا مگر اس کی روایت کو وہ ہرگز نہ لیتے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرائن کی شہادت اور اندرونی شہادت پر محدثین نے اسی طرح سے تنقید کی جیسے راویوں کے حالات وغیرہ کے متعلق۔ مگر پادری صاحبان کے دل میں اور کانٹا کھٹکتا ہے۔ اب میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ کیوں محدثین نے راویوں کی جرح اور تعدیل میں اسقدر کوشش کی ہے اور اس سے حدیث کی صحت کے متعلق کیا کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ محض اندرونی شہادت یا قرائن کی شہادت پر کوئی جرح وارد نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حدیث واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کیونکہ ہزارہا احادیث ایسی وضع ہو سکتی تھیں اور ہوئیں جن کا مفہوم مخالف عقل نہ تھا۔ مگر محض اس وجہ سے کہ ایک بات مخالف عقل نہیں یہ سند نہیں ملتی کہ وہ بات واقعی صحیح بھی ہے اور اسکے راوی نے سچ بیان کیا ہے۔ کیونکہ ہر ایک جھوٹی بات مخالف عقل نہیں ہوتی بلکہ جن لوگوں کو آجکل عدالتوں میں شہادتوں کے سننے کا اتفاق ہوا ہوگا وہ جانتے ہیں کہ جھوٹی شہادتیں اسقدر احتیاط سے دیجاتی ہیں کہ قرائن اور اندرونی شہادت کی رو سے وہ سچی شہادتوں سے بھی بڑھ جاتی ہیں۔ اور ہزارہا مقدمونکا لائق جج انہی شہادتوں پر

فیصلہ کرتے ہیں۔ اس لیے محدثین نے وہی طریق اختیار کیا جو ہر ایک محقق منتقد کو اختیار کرنا چاہیئے یعنی جب انہوں نے
دیکھا کہ ایک حدیث قرآن اور دوسری شہادت سے وضعی ثابت نہیں ہوتی تو انہوں نے اتنی بات پر اکتفا کر کے
اسے صحیح نہیں سمجھ لیا اور اپنی کتاب میں داخل نہیں کیا بلکہ پھر پورا زور اس امر کی تحقیق پر لگایا کہ وہ لوگ جنکی روایت سے
وہ حدیث ان تک پہنچی ہے کس قسم کے لوگ ہیں آیا وہ ایسے لوگ ہیں جنکی سچائی اور راستبازی اور انکے حافظہ پر
بھروسہ کیا جا سکتا ہے یا انکا جھوٹ بولنا یا اکثر غلطی کرنا وغیرہ امور ثابت ہیں جن سے انکی باتیں بھی قابل اعتبار
نہیں رہ جاتیں۔ جن مراحل کو طے کر کے حدیث صحابہؓ سے اس زمانہ کے محدثین تک پہنچی تھی جب کتابیں لکھی
جانی شروع ہوئیں۔ ان پر نظر کر کے ضروری تھا کہ جامعین حدیث راویوں کے معتبر یا غیر معتبر یا معروف یا مجہول الحال
ہونے پر پوری بحث کرتے اور بغیر اس بحث کے وہ کبھی صحیح نتیجہ تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ میں اس سے پہلے مضمون میں
بیان کر چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے زمانہ میں وضع حدیث کا کوئی نشان ہمیں نہیں ملتا۔
مگر یہ لوگ جو محدثین پر اس لیے ناراض ہیں اور بخاری اور مسلم جیسے محققین کو اس لیے ناقابل اعتبار ٹھہراتے ہیں کہ
انہوں نے صحابہؓ کو جھوٹی احادیث بنانے سے بری کیوں سمجھا ہے۔ اور اصل میں یہی غبار انکے دل میں چھپتا ہے جسکی
وجہ سے وہ بار بار قرآن کی شہادت اور قرآن کی شہادت کو پیش کرتے ہیں۔ مگر محدثین کیونکر تاریخ کے خلاف ایک
امر کو صحیح سمجھ سکتے تھے کیونکہ پیغمبر خدا کے زمانہ سے تابعین سے لیکر جسقدر نسلیں ان محدثین کے زمانہ تک گذریں
ان میں سے ہر ایک نے پورے یقین سے اس بات کو سمجھا ہوا تھا کہ کسی صحابی نے کوئی حدیث وضع نہیں کی۔ اور
حدیث کے پہنچانے میں صحابہؓ کی صداقت پر کبھی کسی قسم کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سخت
تہدید کا کہ جو شخص جھوٹی حدیث بیان کریگا وہ دوزخی ہوگا اسقدر اثر صحابہؓ کے دلوں پر تھا کہ انکو جب تک کسی حدیث کے
متعلق یقین کامل نہ ہوتا اسے بیان نہ کرتے تھے جمع حدیث کا کام ایک بہت ابتدائی زمانہ میں شروع ہو گیا تھا
اور یہ بالکل ناممکن ہے کہ اگر صحابہؓ میں سے کسی شخص نے حدیث وضع کی ہوتی تو کوئی تذکرہ اسکا نہ پایا جاتا۔ اور ضرور
تھا کہ بعض صحابی ہی اسکا ذکر کرتے کہ فلاں حدیث فلاں صحابی نے وضع کی ہے اس لیے اس سے حدیث نہیں لینی
چاہیئے۔ صحابہؓ کے درمیان جرائم کا کبھی اخفا نہیں ہوتا تھا۔ اور خواہ کوئی صحابی کسی بڑے گناہ کا مرتکب ہو یا چھوٹے
کا اسے ہمیشہ تاوان دینا پڑتا تھا۔ اور کبھی کسی شخص کو جرم کی معافی اسوجہ پر نہیں دیگئی کہ وہ صحابی ہے۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا تھا
کہ وضع حدیث کا جرم جس کے مجرم کو کذاب اور جہنمی کہا گیا ہے اور جو سب جرموں سے بڑا جرم ہے کیونکہ اس سے
دین میں فتنہ پڑتا ہے ایسے جرم کا اخفا کیا جاتا اور اس کے خطرہ سے مسلمانوں کو آگاہ نہ کیا جاتا۔ کیا صحابہؓ اس
خطرے سے آگاہ نہ تھے کہ دین اسلام وضعی احادیث کے مروج ہو جانے سے تباہ ہو جائیگا۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ حدیثیں
حدیثیں انکے سامنے وضع کیجاتی اور وہ نہ صرف ایسے مجرموں کو بے سزا چھوڑتے اور انکے جرم کا اخفا کرتے بلکہ انکے

اس جھوٹ کو اور بھی پھیلاتے پس یہ کسی صورت میں قرین قیاس نہیں کہ اگر وضع حدیث صحابہؓ کے زمانہ میں شروع ہوگیا ہوتا تو کوئی صحابی اسباب کا ذکر نہ کرتا۔ نہ ہی وہ سازش کر کے ایسا کام کر سکتے تھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی صحابہؓ دور دور پھیل گئے تھے اور پھر آپ کی وفات کے بعد فتوحات کا سلسلہ اسقدر وسیع ہوگیا کہ دور دور ملکوں میں اسلامی جھنڈا گاڑا گیا۔ ان سب کا اس امر پر سازش کر لینا کہ وضعی حدیثیں بنائی جا کر مشتہر کی جاویں اور کوئی شخص بھی نام نہ لے اور آئندہ نسل کو آگاہ نہ کرے کہ یہ حدیثیں وضعی ہیں محال امر ہے۔ ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت مسیح کی طرح ایک یا دو درجن پیرو پیچھے رہ جاتے اور وہ سب ایک ہی جگہ جمع ہوتے تو ایسی سازش کا کر لینا بھی ممکن تھا کہ فلاں فلاں سچے واقعات کا اخفا کر دیا جاوے اور جھوٹے واقعات انکی بجائے مشتہر کیے جاویں مگر آنحضرتؐ کے صحابہؓ تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھے اور آپکی زندگی میں ہی تمام عرب میں پھیل چکے تھے پس یہ بالکل محال ہے کہ وہ سازش کر کے وضعی احادیث اور جھوٹے قصوں کا اخفا کرتے۔ انکے درمیان بعض فروعی مسائل میں اختلافات بھی تھا۔ مگر کبھی کسی صحابی نے دوسرے صحابی پر وضع کا الزام نہیں لگایا۔ بلکہ ۳۵ھ ہجری میں ہی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صرف پچیس سال بعد ملکی تنازعے بھی پیدا ہوگئے تھے مگر ان تنازعوں میں بھی کبھی کسی فریق نے مخالف فریق پر وضع حدیث کا الزام نہیں دیا۔ علاوہ ازیں علم جرح (گواہ کو بے اعتبار ثابت کرنا) اور تعدیل (اسکو صادق اور قابل اعتبار ثابت کرنا) جو علم حدیث کی ایک نہایت ضروری فرع ہے اسکی بنیاد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں پڑ چکی تھی اور خود آنحضرتؐ نے یہ اجازت دی تھی کہ شہادت کے پرکھنے کے لیے گواہ کے چال چلن کو زیر بحث لایا جا سکتا ہے اور قرآن کریم بھی فرماتا ہے کہ ان جآء کم فاسق بنبأ فتبینوا۔ یہ تو صحابہؓ کے زمانہ کا حال تھا اور جب تابعین کے زمانہ کو دیکھتے ہیں تو اس زمانہ میں ہر راوی کے متعلق جرح اور تعدیل کرنے کا رواج عام ہوگیا تھا۔ اور اسی زمانہ میں مشہور محدث اور امام حدیث یحییٰ بن سعید بن قطان اور شیبہ بن حجاج نے اس علم کے متعلق تحقیقات کر کے واقعات کو جمع کیا۔ ان تحقیقات میں جو رجال حدیث کے متعلق کی جاتی تھی کسی شخص کو باہر نہ چھوڑا جاتا تھا۔ بلکہ ہر ایک کی صداقت اور اس کے چال چلن اور اسکی قوت ضبط وغیرہ کو زیر بحث لایا جاتا تھا۔ اور یہ کسی صورت میں ممکن نہیں کہ اگر تابعین کو یا انکے بعد آنیوالی نسلوں کو ایک صحابی کے متعلق بھی کسی حدیث کا وضع کرنا ثابت ہو جاتا تو وہ صحابہؓ پر وہی جرح نہ کرتے جو دوسروں پر انہوں نے کی۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ خود صحابہؓ کو اور پھر انکے بعد ہر ایک نسل کو یہ یقین کامل تھا کہ کسی صحابی نے عمداً کوئی جھوٹی حدیث بنا کر مشہور نہیں کی اور اسی لیے تمام محققین کا اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ صحابی پر جرح کی ضرورت نہیں بلکہ جب ایک حدیث ایک مشہور صحابی تک راویوں کے معتبر سلسلہ سے پہنچ جاوے تو پھر اسے صحیح اور قابل اعتبار مان لیا جاوے۔ اگر یہ خصوصیت صحابیوں کو نہ ہوتی کہ ان میں کسی نے کوئی حدیث جھوٹی نہیں بنائی تو محدثین انکو

بھی علم الجرح والتعدیل کے نیچے اسی طرح لاتے جس طرح وہ تمام دوسرے راویان حدیث کو لائے۔

اس تمام بحث سے یہ قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی نے کبھی کوئی حدیث وضع نہیں کی۔ پس محدثین صرف انہی حدیثوں کو لیتے تھے جنکی روایت معتبر راویوں کے ذریعہ کسی مشہور صحابی تک پہنچے اور انکا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ وہ دیکھیں کہ آیا جن لوگوں نے اس حدیث کو بیان کیا ہے وہ اعتبار کے قابل گواہ ہیں یا نہیں۔ جن مراحل کو طے کر کے علم حدیث دوسری صدی ہجری کے آخر پہنچ گیا تھا انسے یہ تحقیقات آسان ہوگئی تھی کیونکہ ہر ایک مرحلہ پر جو ائمہ حدیث۔ حدیث کو لینے اور پھر اسے آگے پہنچاتے تھے وہ پچھلے راویوں کو جرح تعدیل کے ماتحت لانیکے بعد اور اس بات کو سمجھ کر کہ واقعی یہ حدیث قابل اعتبار ہے اسے قبول کرتے اور آگے پہنچاتے تھے۔

علاوہ ازیں ابتدائی زمانہ تابعین میں ائمہ حدیث جو حدیث کے محافظ اور سکھلانیوالے تھے تھوڑے اور مشہور آدمی تھے اور انکے حالات صدق اور حفظ وغیرہ کے متعلق بھی مشہور رہتے تھے کیونکہ وہ پہلے زیر تنقید آچکے تھے۔ اس لیے محدثین نے جب دوسری صدی ہجری کے اخیر پر حدیث کو کتابوں میں لکھنا شروع کیا تو انہوں نے سب سے پہلی یہ احتیاط کی کہ جس راوی کے حالات معلوم نہیں اس کی حدیث کو قبول نہ کیا جاوے کیونکہ اسکے صدق پر یا حافظہ پر کوئی جرح نہ ہو سکتی تھی۔ ایسے ہی اور بھی کئی ایک قواعد اس علم کے انہوں نے مقرر کیے۔ جن سے راوی کے اعتبار کا اندازہ کیا جاتا۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے کوئی حدیث عمداً وضع کی ہے تو ایسے شخص کی روایت کو بالکل ناقابل اعتبار مانا جاتا۔ ایسا ہی اگر کسی راوی کے متعلق معلوم ہو کہ وہ حدیث کی روایت میں اکثر غلطی کرتا ہے تو اسکا ضبط اور حافظہ ناقابل اعتبار مانے جاتے۔ راوی کی صداقت اور اسکی راستبازی کو خصوصاً بہت باریک نظر سے تحقیق کیا جاتا۔ ایسا ہی یہ بھی دیکھا جاتا کہ آیا ایک شخص جو روایت کرتا ہے اسکا اس شخص سے جس سے وہ روایت کرتا ہے ملنا بھی ممکن تھا یا نہیں۔ بلکہ جن محدثین نے اس سے بھی زیادہ احتیاط کی ہے۔ انہوں نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ واقعی ایک کے دوسرے سے ملنے کا ثبوت ہونا چاہیئے اور بغیر اسکے حدیث قبول نہ کی جاویگی۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی تحقیقات میں اس بات کو ضروری سمجھا ہے۔ ایسا ہی راوی کے حافظہ وغیرہ کے متعلق شہادت لی جاتی۔ ان اصول اور قواعد کے رو سے راوی اور اسکی روایت کو معتبر یا غیر معتبر قرار دیا جاتا تھا۔ اور ہر ایک شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ تحقیق اور تنقید کا پہلو جو محدثین نے اختیار کیا کسقدر مشکل ہے مگر سچ یہی ہے کہ خواہ میور صاحب یا کسی اور پادری صاحب کو اسکی سمجھ آئے یا نہ آئے اس کے بغیر کبھی کسی حدیث کو معتبر یا غیر معتبر قرار نہ دیا جا سکتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ وہ سارے سامان جن کے ذریعے یہ عظیم الشان تحقیق اور تنقید کا کام تکمیل کو پہنچ سکتا تھا پہلے سے موجود تھے کیونکہ جمع حدیث کے ہر مرحلہ پر انہیں تمام اصول اور قواعد سے کام لیا گیا تھا۔ اور جس طرح علم حدیث ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتا رہا اسی طرح اس کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم تنقیدی بھی پہنچتے رہے۔ صحابہؓ اور تابعین کے

زمانہ میں ائمہ حدیث کی تعداد ایسی زیادہ نہ تھی اور انکے حالات بھی مشہور و معروف تھے۔ البتہ بعد کے زمانے میں حدیث کے راویوں اور حدیث کے علم کو پھیلانیوالوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ پس جس قدر ان سب لوگوں کے حالات کا معلوم کرنا مشکل تھا اسیقدر قرب زمانہ کے سبب سے اس میں آسانی بھی ہوگئی تھی۔ علاوہ ازیں ہر زمانہ کے محدثین نے بجائے خود احادیث کو پوری تنقید اور تحقیق کے بعد قبول کیا۔ اور پھر اپنے شاگردوں کو حدیث سکھانے کے علاوہ یہ تنقیدی علوم بھی سکھائے پس حدیث کے ساتھ ساتھ ہی ہر مرحلہ پر تنقیدی علوم متعلقہ حدیث بھی جمع ہوتے چلے گئے اور میں یہ پہلے لکھ چکا ہوں کہ تابعین کے زمانہ میں بھی علم جرح و تعدیل کے امام پائے جاتے تھے جنہوں نے اس علم کے متعلق واقعات کو تحقیق اور جمع کیا۔ پس اگرچہ ان محدثین کی راہ میں جنہوں نے تیسری صدی ہجری کے شروع میں حدیث کو کتابوں میں لکھنا شروع کیا۔ بہت سی مشکلات تھیں مگر یہ مشکلات ایسی تھیں جنکا حل کرنا محالات سے ہوتا بلکہ انکے حل کرنیکے سامان بھی ساتھ ہی موجود تھے۔

ایک اور اعتراض جو امام بخاری اور دیگر جامعین حدیث پر عیسائی صاحبان نے کیا ہے یہ ہے کہ جو کتابیں انہوں نے لکھی ہیں ان میں پہلی کتابوں یا پہلے زمانہ کے تحریری مسودوں کا کوئی حوالہ نہیں دیا اور اسطرح پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں سے کونسی احادیث وہ ہیں جو پرانے مسودوں پر مبنی تھیں اور نہ یہ پتہ لگتا ہے کہ آیا ان کتابوں میں ان پرانے مسودات کی حد مقبولیت کا کوئی فائدہ بھی اٹھایا گیا ہے یا نہیں۔ اعتراض کے حصہ اول کا جواب گذشتہ مضمون میں دیا جاچکا ہے۔ اعتراض کے حصہ دوم کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جمع حدیث کا ہر مرحلہ اس سے پہلے مرحلہ پر مبنی ہے۔ اور یہ گمان نہیں کرنا چاہیئے کہ تیسری صدی ہجری کے محدثین نے اپنی تحقیق سے کوئی اور حدیثیں صحیح ثابت کی تھیں بلکہ ان محدثین کی غرض تصنیف حدیث یہی تھی کہ ان احادیث کو الگ کرکے دکھا دیں جو ابتدا سے نسلاً بعد نسل چلی آتی ہیں اور ان احادیث کو الگ کردیں جو پیچھے لوگوں نے مختلف اغراض سے وضع کرلی تھیں۔ اسلیے انہوں نے پہلے لوگوں کی محنت کے نتیجہ کو یعنی صحیح حدیث کے سکھانے اور انکے اکٹھا کرنے میں انہوں نے کی ناقابل التفات نہیں سمجھا بلکہ انہی کی محنت سے فائدہ اٹھایا تحریری شہادت کو انہوں نے معتبر زبانی سلسلہ روایت کے لیے مددگار تسلیم کیا لیکن صرف مسودات کو جبتک انکے ساتھ زبانی شہادت نہ ہو نہ ان محدثین نے اور نہ ان سے پہلوں نے کبھی قطعی ثبوت صحت حدیث کا تسلیم نہیں کیا۔ اور یہ بات ایسی ہے جسکا اقرار خود میور اور سپرنگر نے بھی کیا ہے کیونکہ وہ لکھتے ہیں "کہ حدیث کے ہر مرحلہ پر بغیر زبانی شہادت کے مطلق کوئی روک جعلسازی اور احادیث میں نئی باتیں داخل کرنیکے خلاف نہ ہوتی"۔ (دیکھو سپرنگر کا مضمون جسکا خلاصہ میور نے اپنی کتاب اسلامی مناظرہ میں دیا ہے اور خود اسکی تائید کی ہے)۔ پس جب یہ صورت تھی تو پھر یہ مطالبہ کرنا کہ محدثین نے کیوں مسودات کے حوالے نہیں دیئے محض حماقت ہے۔ کیونکہ کسی مرحلہ پر زبانی شہادت کے بغیر کام نہیں چل سکتا تھا اور صاحب تصنیف محدثین کا کام یہ تھا کہ وہ احادیث کو ایک ایک مرحلہ طے کرا کر انکو صحابہ تک پہنچائیں خواہ وہ اپنا اطمینان مسودوں سے کریں یا کسی اور طرح مگر اسطرح جمع کی ہوئی احادیث کو اس قابل بنانے کے لیے کہ وہ پھر بھی

تنقید کے نیچے آسکیں محدثین کا یہ فرض تھا کہ وہ سلسلہ رواۃ کا پورا ذکر کرتے کیونکہ مدار صحت آخر راویوں کے سلسلے پر تھا نہ مسودوں پر جو ہزار ہا جعلی بن سکتے تھے۔ پس ان حالات کے ماتحت محدثین نے حدیث پر کتابیں تصنیف کرتے وقت جو راستہ اختیار کیا وہ ایسا راستہ تھا جو بڑے سے بڑا محقق اختیار کر سکتا تھا۔ بکھرے ہوئے مسودات کی تحریری شہادت پر نہ تو پورا اعتبار ہی ہو سکتا تھا اور نہ ہی یہ سلسلہ بغیر ٹوٹنے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ تک پہنچایا جا سکتا تھا۔

ایک اور اعتراض جو میور نے کیا ہے یہ ہے کہ محدثین کو ایک دوسرے کی تحقیق پر کوئی اعتبار نہ تھا کیونکہ ہر ایک محدث نے اپنے اپنے طریق سے تخریج احادیث کی ہے گویا اپنے سے پہلے محدث کی تحقیق کو اس نے درست نہیں سمجھا۔ عیب نماید ہنرش در نظر والا معاملہ ہے۔ ان لوگوں نے اسلام پر اعتراض کرنیکا ٹھیکہ لیا ہوا ہے اور نہیں سوچتے کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ جہاں تک ہم دیکھتے ہیں ہر محدث کی آزادانہ تحقیقات صحت احادیث پر ایک کھلا کھلا گواہ ہے۔ مگر پادری صاحبان کے نزدیک یہی اعتراض ہے۔ اگر محدثین آزادانہ تحقیقات الگ نہ کرتے تو پھر یہی لوگ کہتے کہ ایک شخص نے جو حدیثیں جمع کر دیں سب نے اسی کا تتبع کیا اسلیے یہ احادیث قابل اعتبار ہی نہیں کیونکہ صرف ایک شخص کی رائے کی پیروی سب نے کی ہے۔ اور اس سے پادری صاحبان کو یہ کہنے کا موقع بھی ملتا کہ اسلام میں آزادانہ تحقیقات کی روح ہی نہیں ہے۔ لیکن جب ایسی تحقیق کیگئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الگ الگ راہوں پر چلکر کل محدثین ایک ہی نتیجہ پر پہنچے تو اب پادری صاحبان کہتے ہیں کہ محدثین کو ایک دوسرے کی صداقت کا اعتبار نہ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ محدثین کے اس طریق سے ہمیں صحت حدیث پر بڑی بھاری دلیل ملتی ہے کیونکہ جو کچھ اختلافات باہمی اعلیٰ طبقہ کے محدثین میں ہیں وہ بمقابلہ متفقہ احادیث کے کچھ بھی نہیں۔ پس اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ واقعی یہ احادیث سچے قابل اعتبار ہیں۔ اور کم از کم یہ کہ جن احادیث پر دو دو تین تین چار چار محدثین کا اتفاق ہو گیا ہے انکی صحت میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ مختلف زمانوں میں مختلف ممالک میں مختلف آدمیوں کا اپنے اپنے طور پر تحقیقات کر کے سب کا ایک ہی بات پر متفق ہو جانا اس بات کی صحت پر ایک بڑی بھاری شہادت ہے۔ مثلاً جو کتابیں دوسری صدی ہجری کے نصف میں لکھی گئیں اور جو تیسری صدی ہجری میں لکھی گئیں وہ بھی ایک دوسرے کی تائید ہی کرتی ہیں۔ اور سوائے اس کے کہ پچھلی کتابیں جامع ہیں اور کوئی اختلاف ایسا نظر نہیں آتا جس سے احادیث کے قابل اعتبار ہونے پر کوئی شبہ پڑ سکے۔ بلکہ تمام بڑی بڑی باتوں اور اہم امور میں ان سب کا اتفاق ہے۔

اب جب ہم اختلافات پر غور کرتے ہیں تو ان میں کوئی ایسی بات نہیں پاتے جس سے حدیث کی صحت پر شبہ وارد ہو سکے بلکہ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اختلاف ہوتے اور ان اختلافوں کا ہونا دراصل احادیث کی صحت پر بھی شہادت ہے۔ مثلاً اول تو فروع میں مذہب اسلام نے ایسی سختی نہیں کی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان میں بھی اختلافات فروع میں پائے جاتے ہیں جس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض فعلوں کو

کبھی تصریح کر کے دکھایا یا بعض امور میں خود ہی رخصت دی اسکی شہادت کثرت سے احادیث سے ملتی ہے بلکہ جب امام مالک رح موطا لکھ چکے تو خلیفہ ہارون الرشید نے آپ سے یہ مشورہ کیا کہ موطا کو کعبہ میں لٹکا دیا جاوے اور لوگوں کو یہ حکم دیا جاوے کہ وہ سب اسی پر عمل کریں جو موطا میں لکھا گیا ہے تو امام مالک رح نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ فروع میں تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی اختلاف تھا اور وہ دور دور ملکوں میں پھیل چکے تھے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ بعض اختلاف جائز ہیں اور ان اختلافوں کے ہونے سے کسی حدیث کی صحت پر شک نہیں پڑ سکتا۔ ایسا ہی جب خلیفہ منصور نے امام مالک رح سے کہا کہ موطا کے نسخے سب شہروں میں بھیجدیئے جاویں اور کل لوگوں کو تاکید کیجاوے کہ وہ اسپر عمل کریں تو یہی جواب اسوقت بھی آپ نے دیا۔ دوسری قسم کے فرق وہ ہیں جو اس وجہ سے اختلاف معلوم ہوتے ہیں کہ یا تو مثلاً دو تصنیفوں کا دائرہ ایک سا ہی وسیع نہیں مثال کے طور پر موطا اور صحیح بخاری کو لو صحت کے لحاظ سے یہ دونوں سب سے اعلیٰ طبقہ حدیث کی کتابیں ہیں مگر موطا میں صرف تین سو کے قریب حدیثیں ہیں اور صحیح بخاری میں اڑھائی ہزار سے کچھ اوپر ہیں۔ اب اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ امام مالک رح نے صرف اہل حجاز کی حدیثیں لیں لیکن امام بخاری رح نے بلاد و امصار میں پھر کر ہر جگہ سے حدیثیں جمع کیں۔ اور ایسا ہی امام مالک رح نے ہر قسم کی حدیثیں جمع نہیں کیں اور امام بخاری رح نے ہر قسم کی حدیثیں جمع کیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ابو داؤد کی حدیثوں میں بھی ایک قسم کا فرق پایا جاتا ہے۔ جسکی وجہ وہ قوانین تنقید ہیں جو ہر ایک نے الگ الگ اختیار کیے مثلاً مسلم کے نزدیک یہ کافی ہے کہ جو راوی حدیث بیان کرتا ہے اس کے متعلق یہ ثابت ہو کہ جس سے وہ حدیث بیان کرتا ہے یعنی اسکا شیخ وہ اسکا ہمعصر ہے۔ مگر بخاری کے نزدیک اسقدر پر اکتفا کرنا ٹھیک نہ تھا بلکہ انہوں نے جس قانون تنقید کے رو سے حدیثوں کو قبول کیا ہے وہ یہ ہے کہ راوی کا اپنے شیخ سے ملاقات کرنا ثابت ہو۔ اسطرح پر بخاری کے قوانین تنقید دوسرے تمام محدثین کی نسبت سخت تر تھے اور انکی پابندی سے حدیث کو جمع کرنا بہت ہی مشکل کام تھا۔ مگر چونکہ جس طریق پر امام بخاری رح حدیثوں کو پرکھتے تھے وہ بہت محتاط طریق تھا اس لیے بخاری کی حدیثیں بھی صحت کی رو سے افضل ہیں اگرچہ تعداد میں کم ہیں۔ مثلاً وہ حدیث جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش تین سطروں میں تھا۔ محمدؐ ایک سطر میں۔ رسول ایک سطر میں اور اللہ ایک سطر میں یہ حدیث صرف بخاری میں پائی جاتی ہے اور دوسرے کبار محدثین نے اسے نہیں لیا۔ مگر اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کے دریافت ہونیسے اس حدیث کی صحت ثابت ہو گئی۔ اسی طرح پر بخاری کی احادیث کی صحت دوسری تمام کتابوں سے بڑھی ہوئی ہے اور جو عام اعتقاد امت محمدیہ کا اس کتاب کے متعلق ہے کہ یہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے وہ بالکل درست ہے۔ ایسا ہی صحیح مسلم۔ ابو داؤد اور ترمذی نسائی وغیرہ سے فضیلت رکھتی ہے کیونکہ جہاں بخاری اور مسلم صرف ان احادیث کی تخریج کرتے ہیں جنکے راویوں کے قابل اعتبار ہونے پر پہلے محدثین کا

اتفاق رہا ہو۔ نسائی نے ان حدیثوں کو بھی لے لیا ہے جنکے راویوں کے قابل اعتبار ہونے پر اگرچہ اتفاق نہیں مگر انکے ناقابل اعتبار ہونے پر بھی اتفاق نہیں یعنی کسی نے ان راویوں کو ثقہ مانا ہے اور کسی نے غیر ثقہ۔ ایسا ہی ابوداؤد نے ان ابواب میں گے لیا ہے۔ پس ان مختلف قواعد تنقید کی پیروی سے یہ ضروری تھا کہ بعض حدیثیں جو ایک محدث نے قبول کر لی ہیں دوسرا انہیں قبول نہ کرتا۔ اب ان اختلافات کو چھوڑ کر جنکا ذکر اوپر ہوا۔ یعنی وہ اختلافات جو فروعی مسائل میں پائے جاتے ہیں اور جن کا ہونا صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی ثابت ہے اور وہ فرق جو بہ سبب تنگی یا وسعت دائرہ تحقیق کے پیدا ہوئے۔ اور وہ فرق جو بہ سبب قواعد تنقید میں سختی یا نرمی کے پیدا ہوئے۔ ان اختلافات کو جو دراصل حدیث کی صحت پر انسے کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا الگ چھوڑ کر باقی جو اختلاف رہ جاتے ہیں وہ برائے نام اختلاف ہیں اور اسطرح پر مختلف محدثین کی اپنی اپنی آزادانہ تحقیقات کا نتیجہ حدیث کا ایک عظیم الشان مجموعہ ہے جس کی صحت میں ایک محقق کو کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا۔

ایک اور اعتراض جو جمع حدیث کے متعلق یورپین صاحبان کرتے ہیں یہ ہے کہ محدثین نے طرح طرح کے اثروں سے متاثر ہو کر احادیث کو جمع کیا ہے اور اس لیے انکی احادیث چنداں قابل اعتبار نہیں۔ یہ اثر دو قسم کے بتائے جاتے ہیں ایک ان بادشاہوں کا اثر جن کی حکومت میں جمع حدیث کا کام ہوا۔ اور دوسرا محدثین کے اپنے عقائد اور دل میں جمے ہوئے خیالات کا اثر۔ یہ دونوں اعتراض بھی ایسے ہی لغو ہیں جیسے کہ وہ اعتراض جن کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ کسی خوشامدی نے کسی بادشاہ کے خوش کرنیکے لیے حدیثیں وضع کی ہوں مگر یہ کہنا کہ بخاری اور مسلم جیسے محدثین نے احادیث کو جمع کرتے وقت بادشاہ وقت کا لحاظ کیا اور مضبوط اور صحیح احادیث کو جو بادشاہ کے فوائد کے منافی تھیں رد کر دیا اور کمزور احادیث کو جنسے اس کے فوائد کی تائید ہوتی تھی قبول کر لیا۔ ان راستباز محققین پر سراسر افترا ہے۔ جن محققین نے احادیث کو جمع کیا انکو قطعاً حکومت کی کوئی پرواہ نہ تھی اور نہ حکومت کے اثر سے ایسے متاثر تھے کہ ایسا بے ایمانی کا کام کرتے۔ نہ وہ بادشاہوں کے درباروں میں جانیوالے تھے اور نہ ان کو یہ خیال تھا کہ ہمارے کسی منصب یا عزت میں فرق آجائیگا۔ وہ صرف اسی عزت کے خواہاں تھے جو خدا کے ہاں سے سچے متقی کو ملتی ہے۔ جب بخارا کے حاکم نے امام بخاری علیہ الرحمۃ سے یہ خواہش کی کہ آپ اس کے لڑکوں کو شاہی محل میں آکر پڑھایا کریں تو آپ نے جواب دیا کہ میں علم فروشی نہیں کرتا۔ پھر جب اس نے کہا کہ آپ اپنے مکان پر ہی پڑھائیں لیکن دوسرے لوگوں سے الگ کر کے پڑھائیں تو آپ نے یہ بھی نامنظور کیا اور فرمایا کہ اگر آپ انکو پڑھانا چاہتے ہیں تو جہاں عام لوگ بیٹھتے ہیں وہیں یہ بھی آجایا کریں۔ چنانچہ آپ نے جلاوطنی قبول کی مگر اس بات کو قبول نہ کیا کہ علم کو شاہی اثر کے نیچے آنے دیں یا بادشاہی کو علم کے مقابلہ پر کوئی عزت دیں۔ ایسی ہی اور بھی مثالیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ محدثین کو بادشاہوں کی ہرگز پرواہ نہ تھی اور حدیث کے جمع کرنے میں وہ صرف انہی قواعد تنقید کے پابند تھے جنکو انہوں نے ضروری سمجھا بلکہ ایک مشہور شاہی قاضی کے متعلق جب انہیں معلوم ہوا کہ اس نے بادشاہ کے خوش کرنیکے لیے ایک حدیث میں ایک لفظ بڑھا دیا تھا

جہاں اسے اعلیٰ طبقہ کی صحیح احادیث نہیں ملیں ضعیف حدیثوں کو جمع کیا

اس کی حدیث کو انہوں نے مطلقاً چھوڑ دیا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ محدثین نے خاص خاص خیالات کے اثر کے نیچے حدیث کو جمع کیا جیسا کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کے متعلق لکھا ہے کہ جب کسی حدیث کو وہ اپنے متعصبانہ خیالات کے خلاف پاتے تھے تو اسے فوراً رد کر دیتے تھے اور یہ وجہ دی ہے کہ ان کی کتاب قابل اعتبار نہیں۔ یہ بھی جھوٹ ہے۔ جہانتک ہم دیکھتے ہیں محدثین صرف اپنے قواعد تنقید کے پابند تھے اور جب انکو ان قواعد کے رو سے ایک حدیث صحیح ملجاتی، تو وہ اسکو کسی صورت میں نہیں چھوڑتے تھے۔ اگر وہ اس طرح سے خیالات سے متاثر ہونیوالے ہوتے تو جس طرح آزادانہ تحقیقاتیں انہوں نے کی ہیں ہرگز نہ کر سکتے اعتراض کر دینا تو چنداں مشکل نہیں مگر اس کے ثبوت کے لیے ضرورت ہے کہ پادری صاحبان یہ دکھاویں کہ فلاں فلاں حدیثیں جو فلاں محدث کو اپنے اصول تنقید کی رو سے صحیح ثابت ہوئی تھیں اس نے ایسے ایسے خیالات سے متاثر ہو کر چھوڑ دیں اور انکو اپنی کتاب میں درج نہ کیا۔ جو خیالات صحابہؓ کی عزت کے انکے دلوں میں متمکن تھے انسے بڑھکر اور کوئی خیالات انکو متاثر کرنیوالے نہ ہوسکتے تھے مگر منجملہ ان قواعد تنقید کے جنپر وہ چلتے تھے انہوں نے یہ قاعدہ رکھا ہوا تھا کہ اگر ایک رافضی بھی مطاعن صحابہؓ میں حدیث بیان کرے اور اُس حدیث کی تائید اور طرح سے بھی ہوتی ہو تو اسے قبول کر لینا چاہیے اور اسکی توجیہ کرنی چاہیئے ایسا ہی ناصبی کی حدیث انہیں شرائط پر مطاعن اہل بیت میں قبول کر لی جاتی تھی۔ اور جو احادیث بخاری یا مسلم یا دیگر اکابر محدثین نے جمع کی ہیں ان میں سے سیکڑوں نظیریں ایسی پیش کی جاسکتی ہیں کہ محدثین صرف اپنے اصول تنقید کے پابند تھے۔

باوجودیکہ میور محدثین کے اصول تنقید کو بالکل بے حقیقت ظاہر کرتا ہے مگر ساتھ ہی وہ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اسقدر سخت تھے کہ ایک سو میں سے ننانوے حدیثوں کو انہی قواعد کے رو سے وہ قبول نہیں کر سکے۔ اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر ان اصول کے رو سے جنپر پادری صاحبان کے نزدیک اصول تنقید کا نام چسپاں نہیں ہوسکتا صرف سو میں سے ایک حدیث قبول کی گئی تو پھر انکے فرضی اصول تنقید کے رو سے تو لاکھ میں سے ایک حدیث بھی قابل اعتبار نہیں ہونی چاہیئے۔ دوسری طرف یہ تعجب آتا ہے کہ انکے یہ خیالی قواعد تنقید جنکے بغیر یورپین دل اور دماغ خوش نہیں ہوسکتا اُسوقت کہاں رکھے رہ جاتے ہیں جب اناجیل کے بے سر و پا قصوں کو وہ صحیح تاریخ سے بھی بڑھکر کچھ رتبہ دیتے ہیں حالانکہ ایشیائی قواعد تنقید سے پرکھا جانے پر بھی وہ اس طرح پاش پاش ہو جاتے ہیں جس طرح نور کے سامنے ظلمت۔ مگر احادیث کے متعلق میور خود اقراری ہے کہ "دوسری صدی ہجری میں حدیث میں اکثر حصہ صداقت کا پایا جاتا ہے۔" تو پھر اگر وہ اکثر حصہ صداقت کا محدثین کی جمع کردہ احادیث میں نہیں تو کیا ان احادیث میں ہے جن کو محدثین نے ناقابل اعتبار سمجھکر رد کر دیا ہے؟ مَیں نہیں سمجھتا کہ کوئی مخالف خواہ کیسا ہی مخالفت پر تُلا ہوا ہو اسقدر حماقت کا دعویٰ کریگا۔ محدثین نے تاریخی طور پر احادیث کی صداقت کو ثابت کیا ہے۔ انسے غلطی کا ہو جانا بھی ممکن ہے مگر اتنی بات سے وہ تاریخ کی

حیثیت سے گر نہیں سکتیں کیونکہ کسی تاریخ کے متعلق خواہ وہ ان واقعات کے زمانے میں ہی لکھی گئی ہو جب از کا ظہور ہو مگر تاہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ غلطی کی آمیزش سے بالکل پاک ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک حدیث جسے کئی محدثین نے ناقابل اعتبار سمجھکر رد کر دیا ہو در اصل صحیح ہو مگر اس کی صحت کا ثبوت اور طرح سے ملنا چاہیئے۔ ایسے امکانوں کی بنا پر کوئی سمجھدار آدمی یہ طریق اختیار نہیں کیا کرتا کہ ہر ایک معتبر اور مستند واقعہ کو فرضی سمجھ لے اور جھوٹے مضمون کو صحیح سمجھ لے بلکہ جہاں اس قدر تحقیق سے ایک کام کیا گیا ہے اس میں اگر کوئی غلطی ہے تو اس کے لیے دلایل پیش کرنے چاہیئیں۔ اور اگر کوئی صحیح امر اس سے باہر چھوڑ دیا گیا ہے تو اس کی صحت کا ثبوت دینا چاہیئے۔ محدثین نے ہر طرح سے اور پوری پوری نیک نیتی سے اپنی تحقیقات کی ہے اور جن نتائج پر وہ پہنچے ہیں انکو آج ہم تبات کہکر رد نہیں کر سکتے کہ ممکن ہے انھوں نے کوئی غلطی کی ہو۔

تمام حدیث کے مجموعوں میں امام بخاری علیہ الرحمۃ کی کتاب فوقیت رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ کل امت محمدیہ کا اس بات پر اتفاق ہو گیا ہے کہ وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ زمانے کے لحاظ سے بھی یہ کتاب جمع حدیث کے تکمیل کو پہنچانے میں سب پر مقدم ہے۔ اور اپنی خوبیوں کے لحاظ سے بھی سب پر فضیلت رکھتی ہے۔ اس کو یہ عزت اور شہرت بعد کے زمانے میں ہی حاصل نہیں ہوئی بلکہ امام بخاریؒ کے تمام ہمعصر امام بخاریؒ اور آپ کی اس تصنیف کی فضیلت کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ آپنے احادیث کے لینے میں بہت ہی احتیاط کی تھی۔ مثلاً صحت حدیث کے لیے عام شرط تو صرف اسی قدر تھی کہ راوی مسلم ہو صادق ہو مدلس (یعنی ایک روایت کو دھوکہ دیکر دوسرے کی بیان کرنیوالا) نہ ہو۔ مختلط نہ ہو۔ صفات عدالت سے متصف ہو ضابط اور متحفظ ہو۔ سلیم الذہن ہو قلیل الوہم ہو سلیم الاعتقاد ہو۔ لیکن ان سب احتیاطوں کے علاوہ امام بخاریؒ اور بھی کئی طرح کی احتیاطوں سے کام لیتے تھے اگر ایک محدث مثلاً زہری کے شاگردوں کو پانچ طبقوں پر تقسیم کیا جائے تو وہ عموماً صرف سب سے اعلیٰ طبقہ کی روایت کو لیتے یعنی وہ طبقہ شاگردوں کا جس کے متعلق یہ ثابت ہو کہ زہری کی صحبت میں وہ اکثر رہے ہیں اور سفر و حضر میں انھوں نے انکا ساتھ نہیں چھوڑا جیسے یونس بن یزید۔ عقیل بن خالد۔ مالک بن انس۔ سفیان بن عیینہ۔ شعیب بن ابی حمزہ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایسے راویوں میں غلطی کا احتمال بہت ہی کم رہ جاتا تھا کیونکہ اکثر ساتھ رہنے سے بار بار احادیث کو وہ سنتے تھے اب اگرچہ زہری کے راویوں کا دوسرا طبقہ بھی بلحاظ حفظ و اتقان وغیرہ کے قابل اعتماد ہے لیکن جو خصوصیت طبقہ اول کو حاصل تھی دوسرے طبقہ کو حاصل نہ تھی۔ اس لیے امام بخاریؒ نے طبقہ اول کی ہی روایت لی ہے جو سب سے معتبر طبقہ تھا۔ ایسا ہی امام بخاریؒ نے دوسرے محدثین کی طرح صرف اسقدر ثبوت پر اکتفا نہیں کیا کہ راوی اپنے شیخ کا ہمعصر ہو بلکہ جب تک راوی کا اپنے شیخ سے ملاقات کا ثبوت نہ ملے اسوقت تک وہ اسکی حدیث کو قبول نہ کرتے تھے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ کی عمر صرف دس سال کی تھی جب آپنے حدیث کو حفظ کرنا شروع کیا۔ اور ایک ہی سال میں اسقدر وسیع علم آپ کا ہو گیا تھا کہ ایک بڑے محدث کی غلطی کی اصلاح آپنے مجلس میں کی۔ سولہ سال کی عمر میں ابن المبارک

اور وکیع کی کتابیں آپ کو حفظ تھیں۔ اُسی سال آپ حج کو گئے اور اٹھارہ سال کی عمر میں کتاب قضایا الصحابۃ والتابعین لکھی اس کے بعد مدینہ میں آپ نے تاریخ لکھی۔ جو چاندنی راتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے پاس لکھی گئی۔ آپ شام اور مصر اور جزیرہ میں دو دفعہ گئے اور بصرہ میں چار مرتبہ۔ حجاز میں آپ چھ سال رہے اور کوفہ اور بغداد میں محدثین کے ساتھ بہت دفعہ ملتے رہے۔ رحاشد کہتے ہیں کہ بخاری ہمارے ساتھ مشایخ بصرہ کی مجلس میں جایا کرتے تھے اور وہ ابھی لڑکے تھے لیکن وہ لکھتے کچھ نہ تھے یہانتک کہ کئی دن اسی طرح گذر گئے تب سولہ دن کے بعد ہم نے انکو ملامت کی تب انہوں نے کہا کہ تم مجھ پر بہت اعتراض کرتے ہو تم اپنی اپنی تحریریں لاکر بتاؤ کہ تم نے کیا کیا لکھا ہے ہم نے اپنے اپنے مسودے سنائے جس پر بخاری نے پندرہ ہزار سے زیادہ حدیث صرف زبانی یادداشت سے سنائی۔ یہاں تک کہ ہم اپنے مسودے انکے حافظہ سے مقابلہ کرکے درست کیا کرتے تھے۔ ابوبکر بن ابی عیاش الاعین کہتے ہیں کہ ہم محمد بن یوسف فریابی کے دروازے پر محمد ابن اسمٰعیل سے حدیث لکھا کرتے تھے اور ابھی وہ امرد یعنی بے ریش نوجوان تھے۔ آپ علم حدیث کے تمام فروع کے ماہر تھے۔ ابو عیسیٰ ترمذی کہتے ہیں کہ علم علل و اسانید میں محمد بن اسمٰعیل بخاری سے زیادہ ماہر میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ امام مسلم نے آپ کو کہا کہ آپ کی مانند دنیا میں کوئی شخص نہیں۔ سلیم بن مجاہد کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن اسمٰعیل نے کہا کہ میں نے صحابہؓ اور تابعین سے جسقدر حدیثیں روایت کی ہیں ان میں سے اکثر کے مولد اور وفات اور جائے سکون کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ جب امام بخاریؒ بغداد میں تشریف لائے۔ اور اصحاب حدیث نے انکی آمد کا چرچا سنا تو سب جمع ہوئے اور انکے حافظہ کا امتحان لینے کا ارادہ کیا پس انہوں نے ایک سو حدیث چُنی اور انکے متنوں اور سندوں کو ملا جلا دیا یعنی ایک حدیث کے متن کو دوسری کی سند کے ساتھ اور ایک کی سند کو دوسری کے متن کے ساتھ۔ پھر ان حدیثوں کو دس آدمیوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ اور انکو کہا کہ جب بخاری کے پاس جائیں تو یہ حدیثیں اس کے سامنے پیش کریں پھر انہوں نے بخاری سے ایک عام مجلس کرنیکا وعدہ لیا اور بہت سے لوگ انکے علاوہ خراسانی اور بغدادی اس مجلس میں حاضر ہوئے جب مجلس قایم ہوگئی تو اُن دس آدمیوں میں سے ایک شخص اُٹھا اور اس نے اُن حدیثوں میں سے ایک حدیث پڑھی۔ بخاری نے کہا میں اس حدیث کو نہیں جانتا۔ پھر اس نے دوسری حدیث پڑھی اور بخاریؒ نے وہی لفظ پھر کہے جو پہلے کہے تھے۔ اسی طرح پر اس کی دس حدیثیں ختم ہوگئیں تو دوسرے شخص نے اپنی دس حدیثوں کو ایک ایک کرکے سنایا اور امام بخاریؒ نے وہی جواب دیا۔ اسی طرح پر جب کل سو حدیث ختم ہوگئی تو پھر امام بخاریؒ سب سے پہلے آدمی کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ جو حدیث تو نے سب سے پہلے بیان کی تھی وہ اس طرح پر ہے اور متن اور سند کو درست کرکے بیان کیا۔ پھر دوسری حدیث کو اسی طرح درست کرکے بیان کیا اور جب پہلے آدمی کی ساری حدیثیں ختم ہوگئیں تو دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر اس کی حدیثوں ایک ایک کرکے درست کیا اور اسی طرح

دس کے دس آدمیوں کو انکی احادیث صحیح کرکے سنا دیں اس پر سب نے آپکے حافظہ کی عجیب قوّت کا اقرار کیا اور آپ کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ ایسا ہی بیان کیا جاتا ہے کہ سمرقند میں چار سو محدث تھے انہوں نے بھی امتحاناً بخاریؒ کو مغالطہ دینا چاہا اور اسناد شام کو اسناد عراق میں داخل کر دیا اور اسناد عراق کو اسناد شام میں اور اسناد حرم کو اسناد یمن میں داخل کر دیا مگر امام بخاریؒ اس امتحان میں بھی پورے کامیاب نکلے اور کسی قسم کی غلطی آپ سے سرزد نہ ہوئی۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نہ صرف علم و فضیلت کے لحاظ سے ہی ایک عظیم الشان انسان تھے بلکہ ان کے قواعد تنقید بھی بہت سخت تھے۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کی دس ہزار حدیثوں کو چھوڑ دیا کیونکہ مجھے اسکی صداقت پر شبہ ہو گیا تھا۔ اگرچہ پادری صاحبان مسلمان محدثین کے اصول تنقید پر اپنا اطمینان ظاہر نہیں کرتے مگر یہ یقینی امر ہے کہ اگر کبھی بخاری جیسا ایک انسان عیسائی مذہب میں پیدا ہوتا تو پولوس جیسے آدمی کی شہادت کو وہ ہرگز قبول نہ کرتا کیونکہ پولوس وہ شخص ہے جس نے صریح طور پر عیسائی مذہب کے پھیلانے کے لیے جھوٹ کا بولنا جائز رکھا۔ جیسا کہ وہ رومیوں ۳ باب ۷ آیت میں لکھتا ہے "پھر اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا کی سچائی اس کے جلال کے لیے زیادہ ظاہر ہوئی تو مجھ پر کیوں گنہگار کی طرح حکم ہوتا ہے۔" میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر عیسائیوں کے درمیان ایک انسان بھی ایسا منقد اور محتاط نہیں تو ایسا دیانتدار ہی ہوتا جیسا اسلام کے یہ عظیم الشان محدثین تھے تو حضرت مسیح کا مذہب کچھ نہ کچھ ضرور اپنی اصلیت پر رہ جاتا مگر افسوس کہ ان لوگوں نے مسیح کو خدا بنانے کے لیے طرح طرح کے جھوٹ سے کام لیا اور انکی بڑے بڑے اسقف یہ اصل اپنے مدنظر رکھتے تھے جسکو یوسبیئس ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ "میں نے وہ تمام باتیں بیان کر دی ہیں جن سے ہمارے مذہب کا جلال ظاہر ہوا اور ان تمام باتوں کو دبا یا ہے جن سے ہمارے مذہب پر کسی طرح سے زد پڑتی تھی" پس ایسے ایسے حامیان دین کے ہوتے ہوئے جو کھلے طور پر اپنے اصول کو ان الفاظ میں بیان کرتے تھے ہم یقین کر سکتے ہیں کہ عیسائی مذہب کی جو کچھ تحریریں ہمارے ہاتھ میں ہیں ان میں بہ نسبت راستی کے جھوٹ زیادہ ہے۔ مسلمانوں میں بھی ایسے آدمی ہوئے جنہوں نے جھوٹی احادیث بنا کر مشہور کیں مگر مسلمان علماء اور محدثین نے انکی جھوٹ کو دین میں ملنے نہیں دیا اور ان جھوٹوں سے جنکے بنانے والے اکثر یا تو خود غرض فرقے تھے یا زندیق لوگ جو مذہب اسلام کو ان جھوٹوں سے نیست و نابود کرنا چاہتے تھے اہل اسلام نے اسوقت سے لیکر آجتک ہمیشہ بیزاری ظاہر کی ہے۔ اور انکی ناپاک جھوٹوں سے لوگوں کو بچانے کے لیے فی الفور کتابیں تصنیف کیں۔ مگر مذہب کی ترقی کی خاطر جھوٹ بولنا جسکا پولوس اور اسکے بڑے بڑے جانشین اسقف فخریہ اقرار کرتے ہیں اسلام اس ناپاکی سے ہمیشہ پاک رہا ہے کیونکہ اس کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے سے ہی اپنی امت کو متنبہ کر دیا تھا کہ جو شخص میرے نام سے جھوٹ بنائیگا اسکا ٹھکانا جہنم ہے۔ پس اسلام میں مذہب کی خاطر جھوٹ بنانا ایک سخت ناپاک جرم تھا مگر عیسائیت نے اسپر فخر کیا ہے۔ پھر جن لوگوں کے گھر میں یہ حالت ہو انکو اسلام کے

اسلامی اور مسیحی جنگوں کا مقابلہ

اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے مقابلہ سے عیسائی صاحبان کو رنج پہنچیگا مگر ہمیں خود اس مقابلہ کی ضرورت نہ تھی اگر عیسائی صاحبان اپنی کتب مقدسہ کو مطالعہ کرکے کم ازکم ان اعتراضات کے کرنے سے رُکے رہتے جو انکی اپنی کتابوں پر اور اپنے بزرگوں پر وارد ہوتے ہیں۔ مگر یہ بات پادری صاحبان کی عادت میں داخل ہوگئی ہے کہ وہ خواہ نخواہ اسلام پر اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ اور خصوصاً اسلامی جنگوں پر زیادہ زور دیتے ہیں اور اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام اپنی ذاتی خوبیوں کے سبب سے نہیں پھیلا بلکہ بزور شمشیر پھیلا ہے۔ اس اعتراض میں کچھ مدد ان دشمنان دین کو وہ لوگ دے رہے ہیں جو ایک غازی مہدی کے آنیکا عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ وہ گویا اس بات کے خود مقر ہو جاتے ہیں کہ اسلام میں تلوار کے ذریعہ مذہب کا پھیلانا جائز ہے اور کہ اسلام کی ترقی تلوار پر ہی منحصر ہے۔ یہ وقت تھا کہ مسلمان سچی قرآنی تعلیم پر غور کرکے ان غلط عقاید کے مٹانیکی کوشش کرتے تا اسلام کے منور چہرہ سے اعتراضوں کے سیاہ داغ دور ہوکر یہ اپنی روشنی دنیا میں پھیلا سکے مگر ہمارے مسلمان بھائی بےسمجھی سے یا ہٹ دھرمی سے اس غلطی پر اڑے ہوئے ہیں جو فیج اعوج کے زمانہ میں اسلام میں داخل ہوگئی۔ اسوقت میری غرض صرف پادری صاحبان کو یہ دکھانا ہے کہ جو اعتراض وہ اسلام پر کرتے ہیں وہ اسلام پر نہیں بلکہ خود انکے اپنے مذہب پر عائد ہوتا ہے۔ یہ لوگ بار بار اپنی تحریروں میں اسلام کو تلوار کا مذہب اور عیسائیت کو صلح کا مذہب کہتے ہیں اور اگرچہ بارہا انکی ان باتوں کا جواب دیا گیا ہے مگر وہ پھر وہی اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں حال میں یہی مضمون اخبار ایپی فینی میں جو پادریوں کا انگریزی کا دو ورقہ پرچہ ہے چھیڑا گیا۔ جسکا جواب ایک مسلمان نے اخبار مذکور کو لکھا مگر ایڈیٹر اخبار نے بجائے اس غلطی کو تسلیم کرنیکے پھر وہی اعتراضات اپنی اخبار میں دوہرا دیئے ہیں۔ اخبار مذکور اخیر میں اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ عیسائیوں نے بھی بعض اوقات عیسائی مذہب کے پھیلانیکے لیے تلوار کو ہاتھ میں پکڑا ہے مگر وہ کہتا ہے کہ ایسا کرنے میں انہوں نے مسیح کی تعلیم کو چھوڑ دیا۔ اس جواب سے پادری صاحبان آسانی سے اپنا چھٹکارا چاہتے ہیں مگر انکا چھٹکارا ایسا آسان نہیں جیسا انہوں نے خیال کیا ہے۔

اس مضمون کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ دیکھا جاوے کہ حضرت مسیح کی آمد کس طرح ہوئی۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح کا آنا یہودیوں کے انتظار کے مطابق تھا اور ان لوگوں کو ابتدا سے یہ امید دلائی گئی تھی کہ جب مسیح دنیا میں ظاہر ہوگا اسوقت یہودی قوم دنیا کی تمام قوموں پر غالب آجائیگی۔ اور مسیح انکی سلطنت کو دوبارہ قایم کریگا اور دوسری قوموں کی حکومت کے جوئے سے انکو چھڑائیگا چنانچہ جب حضرت عیسیٰ نے پہلے دعویٰ مسیحیت کیا تو غالباً انہی پیشگوئیوں کی بنا پر انکا بھی یہ خیال تھا کہ وہ یہودیوں کے بادشاہ ہونگے چنانچہ داؤد کے تخت کو قائم کرنیکا خیال

ایک مدت تک آپکے دل میں رہا۔ مگر عیسائی مذہب کو بانی مذہب کی زندگی میں اسقدر طاقت حاصل نہ ہوئی تھی کہ وہ تلوار سے کام لے سکے اور جب کچھ عرصہ کے گذرنیکے بعد ظاہری طاقت اس مذہب کو حاصل ہوئی تو پھر اس نے نہایت بے رحمی کے ساتھ تلوار سے کام لیا اور تلوار کے ذریعے بہت سی ترقی حاصل کی۔ حضرت عیسیٰ کے پاس اگر اسقدر طاقت ہوتی کہ اس کے زور پر وہ رومی سلطنت کو فتح کرنیکی امید کر سکتے یا کم از کم کوئی بڑی تعداد جان نثار مریدوں کی ہی ان کے ساتھ ہوتی اور پھر وہ تلوار نہ اٹھاتے تو ہم کہہ سکتے تھے کہ جن عیسائیوں نے بعد کے زمانہ میں تلوار اٹھا کر بہت سی مخلوق خدا کو تہ تیغ کیا۔ انہوں نے حضرت مسیح کی تعلیم کی خلاف ورزی کی۔ مگر جس صورت میں حضرت مسیحؑ کو کبھی یہ طاقت حاصل ہی نہیں ہوئی کہ وہ تلوار اُٹھا سکیں اور نہ ہی انکے حواریوں میں اسقدر جرأت تھی کہ وہ ایسا کام کر سکتے تو پھر یہ کہنا کسی صورت میں درست نہیں ہو سکتا کہ عیسائی مذہب کی بعد کی خونریزی حضرت مسیح کی تعلیم کے خلاف تھی۔ بلکہ باوجود ہر قسم کی بے سروسامانی کے اور بے یار و مددگار ہونیکے بھی حضرت مسیحؑ نے تلوار کو اپنے دین کے لیے نہایت ضروری سمجھا یہانتک کہ اپنے حواریوں کو صاف الفاظ میں یہ حکم دیا کہ جس کے پاس تلوار نہیں وہ کپڑے بیچکر بھی تلوار خرید لے۔ اور اگرچہ بیچارے حواری اس تعلیم پر عمل نہ کر سکے مگر عیسائیوں کی بعد میں آنے والی نسلوں نے تو اسی ایک حکم کو عیسائی مذہب کی تعلیم کا لب لباب سمجھا اور اسی پر عمل کر کے تلوار سے خوب کام لیا۔ اور حکموں میں خواہ بعد کے عیسائی لوگ اصل عیسوی تعلیم سے کتنے ہی دور جا پڑے مگر اس تلوار خریدنے کے حکم کی انہوں نے خوب تعمیل کر کے دکھائی۔ ہاں حضرت مسیح کو خود اپنی زندگی میں یہ موقع پیش نہ آیا کہ وہ اس خواہش کو کہ کپڑے بیچکر تلواریں خریدی جاویں پورا ہوتے دیکھتے اور اس لیے یہ بھی نہ ہوا کہ حضرت مسیح انکو یہ ہدایت دیتے کہ تلوار کو کس کس موقع پر استعمال کرنا چاہیئے۔ لیکن جسقدر واقعات انکے متعلق انجیلوں سے ملتے ہیں انکو بغور پڑھ کر ہم اس امر کے متعلق ایک صحیح اور یقینی قطعی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح کو خود یہ موقع پیش آتا کہ وہ تلوار کو استعمال کریں تو وہ کیا کرتے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ عیسائی صاحبان کبھی اس بات پر خوش نہیں ہو سکتے کہ حضرت عیسیٰ کو صلح کے شہزادہ کے سوائے کسی دوسرے نام سے پکارا جاوے اگرچہ خود حضرت مسیح بجائے صلح کا شہزادہ کہلانے کے تلوار چلانیوالے کا نام پسند کرتے تھے جیسا کہ متی باب ۱۰ آیت ۳۴ میں لکھا ہے کہ ”یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانیکو آیا ہوں“ مگر عیسائی صاحبان کی ناراضگی کی وجہ سے ہم واقعات کا اخفا نہیں کر سکتے اور اظہار حق کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس صورت میں ہمارے معترض اسلام پر طرح طرح کے جھوٹے عیب لگاتے ہیں تو ہم کم از کم واقعات حقہ کا ہی اظہار کریں۔ حضرت مسیح نے یہودی شریعت کے مطابق تعلیم پائی اور اسی شریعت پر انکا پختہ اعتقاد تھا اور وہ سچے دل سے یہودی مذہب اور اسرائیلی شریعت کے پیرو تھے۔ بلکہ یہودی شریعت کے شریعت حقہ ہونے پر اسقدر انکا اعتقاد تھا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ”زمین اور آسمان

ٹلجائیں مگر توریت کا ایک لفظ یا ایک شعشہ ہرگز نہیں ٹلیگا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھاوے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا پر جو کہ عمل کرے اور سکھلاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا" متی باب ۵ آیت ۱۸ و ۱۹۔ پس ہم قطعی طور سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح کو تلوار چلانیکا موقع ملتا تو وہ اسی طرح پر چلاتے جیسے شریعت موسوی میں احکام پائے جاتے ہیں۔ جو شخص ان احکام سے واقف نہیں اسے چاہیئے کہ کتاب استثنا دیکھے جہاں لکھا ہے کہ جب تو اپنے دشمنوں پر قابو پاوے "اور جبکہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو تو انہیں ماریو اور حرم کیجیو نہ تو ان سے کوئی عہد کریو اور نہ ان پر رحم کریو" استثنا باب ۷ آیت ۱ و ۲۔ اور پھر چند باب آگے چلکر لکھا ہے کہ "تو اس شہر (یعنی بت پرستوں کے شہر) کے باشندوں کو تلوار کی دھار سے ضرور قتل کریگا اور سب کچھ جو اس شہر میں ہے اور وہاں کے مواشی کو تلوار کی دھار ہی سے نیست و نابود کریگا اور اسکی ساری لوٹ کو وہاں کے کوچے کے بیچو بیچ اکٹھا کریگا اور اس شہر کو اور وہیں کی لوٹ کو خداوند اپنے خدا کے لیے آگ سے جلا دیگا۔ اور وہ ہمیشہ کو ایک ٹیلہ ہوگا اور پھر بنایا نہ جائیگا" باب ۱۳ آیت ۱۵۔ اور ایسا ہی استثنا باب ۲۰ آیت ۱۶ و ۱۷ میں لکھا ہے "لیکن ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتی نہ چھوڑیو بلکہ تو ان کو حرم کیجیو"

اب اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ جو شخص یہ تعلیم دیتا ہے کہ توریت کے حکموں کا ایک لفظ یا شعشہ بھی منسوخ نہیں ہو سکتا اور جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلاویگا وہ خود ضرور ان احکام پر عمل کرتا اور جنگوں کے متعلق جو احکام تھے ان میں یسوع مسیح نے کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ انکے پورا کرنیکی بھی ایسی ہی ضرورت سمجھی ہے جیسی دوسرے کسی حکم کی۔ پس اگر عیسائی مذہب کو حضرت مسیح کی زندگی میں اسقدر اقتدار حاصل ہوتا کہ وہ تلوار پکڑ کر دنیا میں نکل سکتا تو جو کارروائیاں بعد میں ہوئیں وہ سب یسوع مسیح کی زندگی میں ہی ہوتیں کیونکہ ضرور تھا کہ اسوقت حضرت مسیح توریت کے حکم کے مطابق عمل کرتے۔ میں نہیں سمجھتا کہ باوجود ان سب واقعات کے یہ کسطرح کہا جا سکتا ہے کہ بانی عیسائیت پیچھے آنیوالے عیسائیوں کی خونریزیوں کا ذمہ وار نہیں۔ کیونکہ خود اس مذہب کے بانی نے ہی تلواریں خریدنیکا حکم دیا اور یہانتک ضرورت بتائی کہ کپڑے بیچکر بھی تلواریں خریدلو اور دوسری طرف اگرچہ خود تلوار کے استعمال کے متعلق کوئی فعل کر کے نہیں دکھایا مگر اپنی تعلیم کی رو سے یہ ضروری ٹھہرایا کہ تلوار کے ساتھ عام تباہی پھیلائی جائے جیسے بنی اسرائیل پھیلاتے تھے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جب کہ حضرت مسیح نے خود ہی فرمایا کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ عیسائیوں کی خونریزیوں کا الزام حضرت

مسیح پر نہ پڑے بلکہ انکی زندگی کے اور واقعات جو انجیل میں مندرج ہیں یہی بتلاتے ہیں کہ انکے دل میں کم از کم ایک مدت تک ضرور یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ زور سے بھی کچھ کام لینا چاہیئے جس کی اصل وجہ یہ تھی کہ انکو ابتدا میں یہ اجتہادی غلطی لگی تھی کہ وہ داؤد کے تخت کو قایم کریں گے اور سلطنت کریں گے۔ انکی زندگی میں ایک موقعہ خصوصیت سے ایسا پیش آیا جب انکی یہ امیدیں معمول سے کچھ زیادہ سرسبز ہو گئی تھیں۔ اور اسی موقع پر آپنے نرمی کے طریق کو چھوڑ کر سختی کا طریق اختیار کیا اور وعظ کی بجائے زور سے اور ڈنڈوں سے کام لیا۔ یہ موقع وہ تھا جب آپ یروشلم میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپ ایک گدھے پر سوار تھے اور اسکی غرض جیسا کہ متی بیان کرتا ہے یہ تھی کہ آپ اس پیشگوئی کو پورا کریں جس میں مسیح کو یہودیوں کا بادشاہ کہا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال آپکے دل میں اسوقت غالب تھا متی کے الفاظ یہ ہیں "یہ سب کچھ ہوا تاکہ جو نبی نے کہا تھا پورا ہو کہ صیحون کی بیٹی سے کہو دیکھ تیرا بادشاہ فروتنی سے گدھی پر اور گدھی کے بچہ پر سوار ہو کر تجھ پاس آتا ہے" متی باب ۲۱ آیت ۴ و ۵۔ اس تمام واقعہ کو پڑھکر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یسوع مسیح کو اُسوقت یہ انتظار تھا کہ اب وہ دم کے دم میں بادشاہ بنایا جاویگا۔ اور عوام الناس اسی خیال سے اس کے ساتھ ہو لیے اور بازاروں میں درختوں کی ٹہنیاں اور کپڑے بچھا دیئے اور ابن داؤد کو ہوشعنا کے نعرے بلند کیے۔ اس موقع پر یہ سمجھ کر کہ اب عوام الناس آپکے ساتھ ہیں حضرت مسیح ہیکل میں گئے جہاں چند ہی منٹوں میں ایک عجیب و غریب نظارہ دیکھا گیا۔ یعنی "ان سب کو جو ہیکل میں خرید و فروخت کرتے تھے نکال دیا اور صرافوں کے تختے اور کبوتر فروشوں کی چوکیاں الٹ دیں" متی باب ۲۱ آیت ۱۲۔ اس میں شک نہیں کہ آپکو یہ جوش اسوجہ سے آیا کہ خبیث طبع لوگوں نے خدا کی عبادت کے گھر کو بالفاظ انکے "چوروں کا کھوہ" بنا دیا۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ اگر یہ سختی محض ایک بُرے کام کے دور کرنیکے لیے روا رکھی گئی اُسوقت اگر آپکے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو اس سے کیا کیا سختی نہ کرتے۔ ہم کبھی یہ مان نہیں سکتے کہ ان انبیائے بنی اسرائیل نے جنہوں نے تلوار سے بت پرستوں کو نیست و نابود کیا کسی سلطنت کے لالچ پر یا جوش نفس سے ایسا کیا تھا نہیں بلکہ انکو خدا کی عزت کے لیے سچا جوش تھا۔ انہوں نے اس لیے ایسی سختی برتی کہ بت پرستی جیسی ناپاک رسم کا اور کسی طرح سے مٹانا مشکل تھا۔ غرضکہ انہوں نے بھی جوش حق سے تلوار اٹھائی اور حضرت مسیح نے بھی جوش حق سے چند تاجروں کو مار کر ہیکل سے باہر نکالدیا اور انکے تختے اور چوکیاں تہ و بالا کر دیں۔ اور اگر انکے ہاتھ میں تلوار ہوتی اور انکے پاس کافی جمعیت ہوتی تو وہ ضرور اپنے بزرگوں یعنی پہلے انبیائے بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلتے بہر حال اس میں کچھ شک نہیں کہ اس موقع پر حضرت مسیح نے جبر کا استعمال کیا اور کوئی وجہ نہیں کہ اگر وہ کر سکتے تو تلوار کو اسی غرض کے لیے استعمال نہ کرتے۔ پس اس سے صاف شہادت ملتی ہے کہ پچھلے عیسائیوں میں جنہوں نے جنگ کیئے مسیح کی روح ہی کام کر رہی تھی۔

اخبار ایپی فینی میں کپڑے بیچکر تلواریں خریدنے والے حکم کی ایک تشریح کی گئی ہے جسکی رکاکت یہ سفارش کرتی

ہے کہ میں اپنے ناظرین کو اس سے محروم نہ رکھوں - ایڈیٹر صاحب مذکور نہایت متانت سے لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کے اس فقرہ پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ انکی مراد تلواروں سے جسمانی تلواریں نہ تھیں بلکہ روحانی تلواریں مراد تھیں - اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں "جہاں مسیح تلوار کا ذکر کرتا ہے اسکی مراد اس سے حقیقی تلوار نہیں بلکہ روح کی تلوار مراد ہے - اس کا منشاء یہ ہے کہ صداقت اور راستبازی کی خاطر عیسائیوں کو ہمیشہ اور ہر جگہ بطور حملہ اور بطور مدافعت جنگ کرنی پڑیگی" میں اس تفسیر پر زیادہ بحث نہیں کرنی چاہتا مگر فاضل مفسر سے صرف اس قدر دریافت کرتا ہوں کہ اس فقرہ میں تلوار کے علاوہ جن چیزوں کا ذکر ہے وہ بھی روحانی ہی ہیں یا جسمانی ہیں مثلاً ہدایت تو یہ ہے کہ کپڑے بیچکر تلواریں خریدیں - اب یہ تعلق جو اس فقرہ میں تلواروں اور کپڑوں کے درمیان ہے وہ ایسا ہے کہ اگر ایک کو جسمانی مانیں تو دوسرے کو بھی جسمانی ماننا پڑے گا اور ایک کو روحانی مانیں تو دوسرے کو بھی روحانی تسلیم کرنا پڑے گا - پس سوال یہ ہے کہ آیا جس صورت میں بموجب تشریح پادری صاحب کے اس جگہ تلواروں سے مراد روحانی تلواریں ہیں تو کپڑوں سے مراد روحانی لباس ہوا - اور روحانی لباس تقوے کو کہتے ہیں تو پس اس ہدایت کے یہ معنے ہوئے کہ تم اپنا روحانی لباس یعنی تقوی بیچکر مدافعت اور حملے کے لیے روحانی تلواریں خرید لو - یا بالفاظ دیگر تقوے کی راہوں کو چھوڑ کر جس طرح چاہو اپنے مذہب کے اصول کو بیان کرو اور جس طرح چاہو دوسرے مذاہب پر حملہ کرو - میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہی معنے اس تلواروں والے حکم کے ہیں اس پر عیسائی صاحبان نے عمل تو ضرور کیا ہے یعنی تقوے کی راہوں کو چھوڑ کر یہ جھوٹ بنایا کہ عیسیٰ مسیح خدا تھا اور تقوے کی راہوں کو چھوڑ کر اسلام جیسے مقدس مذہب پر نہایت ناپاک حملے کیے - شاید انجیل کی اسی ہدایت کی رو سے عیسائی مذہب یہ سب کچھ کر رہا ہے - سوائے اسکے اور کوئی معنے اس فقرے کے نہیں بن سکتے - پس عیسائی صاحبان خود فیصلہ کر لیں کہ آیا انکو جسمانی تلوار والے معنے پسند ہیں یا روحانی تلوار والے -

ایک اور سوال بھی ان معنوں کے رو سے پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے اگلی آیت میں حواریوں نے دو تلواریں حضرت مسیح کو دکھائیں کہ یہ موجود ہیں جسپر حضرت مسیح نے فرمایا کہ یہ کافی ہیں - دیکھو لوقا باب ۲۲ آیت ۳۸ "وہ انہوں نے کہا دیکھ اسے خداوند یہاں دو تلواریں ہیں اس نے انسے کہا بہت ہے" - اب سوال یہ ہے کہ مسیح کا یہ حکم پانے پر کہ تلواریں خریدو جو دو تلواریں حواریوں نے آپ کو دکھائیں اور جنکو دیکھکر حضرت مسیح کو بھی ایک گونہ اطمینان ہو گیا وہ روحانی تلواریں تھیں یا جسمانی - امید ہے پادری صاحبان ان دو تین سوالوں کا جواب دیکر ممنون کریں گے۔

مگر ہم مسلمان حضرت مسیح کو اس بات کے لیے کہ انہوں نے تلواریں خریدنے کا حکم کیوں دیا ملزم نہیں ٹھہراتے کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام یہودی شریعت کے پیرو تھے - وہ انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک تھے اور اس لیے شریعت

اسرائیلی کی پیروی کرنیکی وجہ سے انپر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ یہ کہا جائیگا کہ انکے اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل کی تعلیم میں یہ فرق ہے کہ حضرت مسیح دشمنوں سے پیار کرنیکی تاکید فرمایا کرتے تھے اور اسرائیلی نبی بدلہ لینے پر زور دیتے تھے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ یسوع کی یہ تعلیم کہ تم اپنے دشمنوں سے محبت کرو یہ بھی اصل میں آپ کی باقی تعلیم کی طرح پہلے انبیاء سے ہی لی گئی ہے۔ مثلاً امثال میں حضرت سلیمانؑ کا یہ قول لکھا ہے کہ "اگر تیرا دشمن بھوکا ہو اسے روٹی کھانیکو دے اور اگر وہ پیاسا ہو اسے پانی پینے کو دے" امثال باب ۲۵ آیت ۲۱۔ اور حضرت داؤدؑ زبور میں یوں دعا کرتے ہیں "اے میرے خدا اگر مینے اس سے جو مجھ سے میل رکھتا تھا بدی کی ہو (نہیں بلکہ مینے اس کو بھی جو بلا وجہ میرا دشمن تھا نجات دی ہے" زبور باب ۷ آیت ۴۔ اسی طرح پہلے نبیوں کی تعلیم جا بجا عفو اور درگذر اور محبت اور صلح جوئی کی تاکید سے بھری ہوئی ہے۔ اور حضرت مسیح نے صرف اسی پرانی تعلیم کو ایک نئے قالب میں پیش کیا ہے۔ پس یہ بڑی غلطی ہے جو یہ سمجھا جائے کہ وہ نبی جنہوں نے بت پرستوں کے ساتھ جنگ کرکے انکو تہ تیغ کیا وہ اخلاقی تعلیم اور محبت اور حلم اور بردباری کی تعلیم نہ دیتے تھے۔ اور حضرت مسیح چونکہ انہی بزرگ لوگوں کے نقش قدم پر چلنے والے تھے اس لیے انہوں نے نہ صرف انکی اخلاقی تعلیم کو ہی اپنے الفاظ میں پیش کیا بلکہ جو تعلیم انکی تلوار کے متعلق تھی اسکو بھی انہوں نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ اور اگر موقع ہوتا تو شاید آپ خود بھی اسپر عمل کرکے دکھاتے۔ اور اس کمی کو اسطرح پورا کیا کہ اپنے آخری وقت میں اپنے شاگردوں کو تلواریں خریدنے کا حکم دیا۔ آخری وقت مینے اس لیے کہا کہ انجیل کی رو سے اس کے جلدی بعد وہ پکڑے گئے کیونکہ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہدایت صادر کرنیکے بعد آپ تھوڑی دیر دعا میں مشغول ہوئے اور اس کے بعد جلدی ہی پکڑے گئے پس یہ آپ کی وصیت تھی جسے وہ اپنے پیرووں کے پورا کرنیکے لیے چھوڑ گئے۔ اور انہوں نے بھی دل کھولکر اس وصیت کو پورا کیا۔

اس واقعہ کے متعلق ایک اور عجیب بات ہے جس کا میں اسجگہ ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جب حضرت مسیح نے شاگردوں کو حکم دیا کہ اپنے کپڑے بیچکر تلواریں خریدیں تو انہوں نے دو تلواریں جو انکے پاس موجود تھیں پیش کیں۔ اور حضرت مسیح نے ان دو تلواروں کو کافی سمجھا۔ مگر یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ کس غرض کے لیے ان دو تلواروں کو آپنے کافی قرار دیا۔ انہیں میں سے ایک تلوار کے ساتھ پطرس نے تھوڑی دیر بعد ان آدمیوں میں سے ایک کا کان اڑا دیا جو حضرت مسیح کو گرفتار کرنے آئے تھے۔ پس یہی ایک موقع تھا جب ان دو تلواروں میں سے ایک کام میں لائی گئی۔ یہ اغلب ہے کہ کچھ اور خونریزی بھی اس موقع پر ہوتی اگر حضرت مسیح اپنے حواریوں کی بزدلی اور مخالفین کی کثرت کو جو تلواروں سے مسلح تھے دیکھکر اپنے ساتھیوں کو روک نہ دیتے اور اسطرح پر مجمع کے جوش کو کم نہ کر دیتے۔ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ حضرت مسیح کو پہلے یہ خیال ہو کہ آپ کو ایک معمولی واعظ سمجھ کر دو ایک آدمی گرفتاری کے لیے آجاویں گے اور اسی لیے انہوں نے دو تلواروں پر اطمینان ظاہر کیا تھا۔ کیونکہ انکا خیال ہوگا کہ دو ایک آدمیوں کے مقابلہ کے لیے دو تلواریں

کافی ہیں۔ مگر جب انہوں نے ایک بڑا مجمع دیکھا اور سب آدمیوں کو مسلح پایا تو وہ بہت حیران ہوئے اور کہا کہ تم تو اس طرح تلواریں اور لاٹھیاں لیکر آئے ہو جیسے چور پکڑنے کو لوقا باب ۲۲ آیت ۵۲۔ ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ حضرت مسیح نے اسوقت عین مصلحت کے مطابق کام کیا۔ مگر مشکل یہ پیش آتی ہے کہ آپ خدا کے نبی تھے اور آپ کا دو تلواروں کو کافی قرار دینا ایک بے معنی اور لغو امر نہیں ہو سکتا۔ آخر اس بات کا مطلب کیا تھا کہ دو تلواریں کافی ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ عیسائی صاحبان ضرور اس کا جواب دیں گے۔ ساتھ ہی میں ایک اور واقعہ بھی انکے غور کے لیے پیش کرتا ہوں۔ یہ بھی دو تلواروں کا واقعہ ہے مگر ان دو تلواروں کے ذریعے ایک عظیم الشان فتح ہوئی جو انسانی وہم وگمان سے بڑھکر تھی۔ یہ بدر کی فتح تھی۔ جہاں مسلمان نہ صرف تعداد کے لحاظ سے ہی بہت تھوڑے تھے بلکہ ان تھوڑوں میں بھی اکثر ایسے تھے جو پہلی دفعہ میدان جنگ میں آئے تھے۔ اور ہتھیار بھی کچھ نہیں تھے گھوڑا صرف ایک تھا اور مقابل پر دشمن ایک ہزار مسلح جوان جو جنگ آزمودہ تھے۔ اور اس بات پر تُلے ہوئے تھے کہ اسلام کا نام صفحۂ دنیا سے مٹا دیں۔ اور مسلمانوں کو اگر اپنے دین اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا خیال نہ ہوتا تو کبھی وہ ایسا مقابلہ نہ کرتے۔ غرضکہ یہ وہ موقع تھا جہاں دو تلواروں نے وہ کام کر دکھایا جس کا خیال غالباً حضرت مسیح کو بھی تھا۔ یعنی دشمنان دین کو نیست و نابود کیا اور چھوٹی سی اسلامی جمعیت کو مظفر و منصور کیا۔ اس سوال کا کہ حضرت مسیح کو یہی دو تلواریں کام کرتی ہوئی کشفی رنگ میں نظر آگئی تھیں میں ابھی کچھ جواب نہیں دیتا اور پادری صاحبان سے دو تلواروں کے کافی ہونیکی توجیہ سننے کا منتظر ہوں۔

یہ تو عیسائی مذہب کا تلوار سے تعلق تھا۔ اب دوسرا پہلو جو صاف کرنیکے قابل ہے وہ اسلامی جنگوں کا پہلو ہے۔ اسکے متعلق میں مفصل کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اس مضمون پر بارہا بحث کی جا چکی ہے اور قرآن کریم نہایت مختصر الفاظ میں مندرجہ ذیل دو مقامات میں صاف طور پر اسکو بیان فرماتا ہے کہ کن حالات کے ماتحت اسلام کو تلوار اُٹھانی پڑی اور اس کی غرض اس میں کیا تھی۔ اول سورہ حج کی مفصلہ ذیل آیات ہیں۔

اذن للذین یُقاتَلون بانہم ظلموا۔ وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر۔ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومسٰجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔ یعنی مسلمانوں کو جنکے ساتھ جنگ کیا جاتا ہے اب اجازت دیجاتی ہے کہ وہ بھی کافروں سے لڑیں اسواسطے کہ ان پر بڑے بڑے ظلم کیے گئے ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ انکی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ مظلوم لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے ہیں صرف اس لیے کہ وہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتے تھے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے ہٹواتا نہ رہتا۔ تو صومعے اور گرجے اور عبادتخانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے

جا چکے ہو۔ دوسرا موقع سورہ بقرہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین ...... فان قتلوکم فاقتلوھم کذالک جزاء الکافرین ۰ فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم ۰ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظلمین ۰ اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور اس حد سے آگے نہ بڑھو کیونکہ اللہ اپنی مقرر کی ہوئی حدود سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا...... پس اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی انکو قتل کرو کافروں کی یہی سزا ہے پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور یہانتک انسے لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے (یعنی جو تکالیف اسلام کی وجہ سے پہنچائی جاتی ہیں اور لوگوں کو اسلام سے پھیرا جاتا ہے یہ فتنہ باقی نہ رہے) اور دین محض اللہ کے لیے ہو جائے (یعنی جو شخص دین کو اختیار کرنا چاہے اسکی راہ میں کوئی روک نہ ہو)۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو انکو چھوڑ دیا جاوے کیونکہ سزا صرف ظالموں کے لیے ہے" یہ دونوں مقامات اسبات کو ثابت کرنیکے لیے کافی ہیں کہ کن حالات کے ماتحت اور کن اغراض کے لیے مسلمانوں کو جنگ کرنیکی مجبوری پیش آئی۔ کافروں نے انکو مکہ میں طرح طرح کے دکھ دیئے اور ایذائیں پہنچائیں اور آخر انکو انکے گھروں سے نکالدیا اور جب انہوں نے مدینہ میں جا پناہ لی تو وہاں بھی انکا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور تلوار سے انکو نیست و نابود کرنا چاہا۔ اس نازک وقت میں جب اسلام ہر طرف سے دشمنوں سے گھرا ہوا تھا مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دیگئی۔

آیات مذکورہ بالا سے یہ کھلا کھلا ثبوت ملتا ہے کہ مسلمانوں نے تلوار اس لیے نہیں اُٹھائی کہ کافروں کو دین اسلام قبول کرنیکے لیے مجبور کریں بلکہ اس لیے کہ اسلام کو نیست و نابود کیا جانیسے بچائیں اور اس کے دشمنوں کے خطرناک حملوں کو روکیں۔ اسلام کے جنگ دین کی اشاعت کے لیے نہ تھے بلکہ دین کی حفاظت کے لیے تھے۔ اور وہ کافروں کو مجبور کیونکر کرسکتے تھے کیونکہ بلحاظ تعداد وہ عرب میں ایسے تھے جیسے سمندر میں ایک قطرہ۔ علاوہ اس کے قرآن کریم سے صاف صاف ثبوت اس بات کا اور بھی ملتا ہے کہ اسلام نے مذہب میں جبر کرنیکو منع کیا ہے۔ یہ ممانعت ایک ایسی سورت میں وارد ہوئی ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی جہاں مسلمانوں کی لڑائیاں شروع ہو چکی تھیں اور اسلام کو قوت اور غلبہ ایک حد تک حاصل ہو چکا تھا۔ اور یہ وہی سورۃ ہے جس میں جنگ کی اجازت بھی مسلمانوں کو دیگئی ہے اور جس میں حکم ہے کہ اُسوقت تک جنگ کرو جبتک دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ یہ ممانعت ان الفاظ میں ہے کہ لا اکراہ فی الدین یعنی دین میں اکراہ یعنی جبر نہیں ہونا چاہیئے۔ پس جس کتاب نے یہ اصل سکھایا ہو اسکے خلاف یہ کہنا کہ اس میں بجبر مسلمان کرنیکی ترغیب ہے محض حماقت ہے۔ ایسا ہی سورہ ممتحنہ میں دو آیتیں ایسی ہیں جنسے یہی معلوم ہوتا ہے اور یہ سورۃ قریب اخیر زمانہ کی نازل شدہ

ہے۔ وہ آیات یہ ہیں۔ لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین ○ انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظالمون ○۔ اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنیسے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور نہ انہوں نے تمکو تمھارے گھروں سے نکالا کیونکہ اللہ منصفانہ برتاؤ کرنیوالوں سے محبت رکھتا ہے۔ اللہ تم کو ان لوگوں سے دوستی کرنیسے منع کرتا ہے جو تم سے تمھارے دین کے بارے میں لڑے اور تمکو تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں مددگار ہوئے جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھیگا وہی ظالم ہیں۔ ان آیات سے نہ صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان غیر مسلموں سے احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنیکا حکم دیتا ہے جنہوں نے خود مسلمانوں سے انکے دین کی وجہ سے جنگ نہیں کیے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی کفار کی طرف سے تھی اور انکی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کو انکے دین سے پھیریں کیونکہ دین کی وجہ سے لڑنا اللہ تعالیٰ کفار کی طرف منسوب کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کے یہ چند مقامات میرے مدعا کو ثابت کرنیکے لیے کافی ہیں۔

جسقدر ثبوت اوپر دیا گیا ہے اس سے ایک طالب حق مطمئن ہوجاتا ہے کہ اسلامی جنگ دین کے پھیلانے یا بجبر دین اسلام قبول کرانیکے لیے ہرگز نہ تھے۔ مگر پادریصاحبان باوجود ایسے کھلے کھلے ثبوت کے انکار پر اصرار کرتے چلے جاتے ہیں چنانچہ اخبار اپی فینی کا ایڈیٹر اس تمام شہادت کو یہ کہکر رد کرتا ہے کہ یہ تمام احکام جو ان آیات میں مذکور ہوئے ہیں سورہ توبہ سے منسوخ ہوچکے ہیں اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ " خواہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دوسرے موقعوں پر کچھ ہی تعلیم کیوں نہ دی ہو یہ آخری سورۃ انکے خیالات کی آخری حالت کو بیان کرتی ہے " اس کا جواب دینے سے پہلے میں پادریصاحبان سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ اسی منطق کو وہ انجیل پر نہیں لگاتے مثلاً یہ ایک موٹی بات ہے کہ حضرت مسیح کی ابتدائی تعلیم میں عفو اور درگذر اور دشمنوں سے محبت کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے جیسا کہ پہاڑی وعظ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک گال پر طمانچہ لگے تو دوسری بھی پھیر دو۔ اور کوئی کوٹ مانگے تو چغہ بھی اتار دو اور ایک میل ساتھ لیجانیکے لیے مجبور کرے تو دو میل چلے جاؤ وغیرہ وغیرہ۔ مگر جوں جوں کچھ مرید اکٹھے ہوتے جاتے ہیں حضرت مسیح کی طرز کلام بھی بدلتی جاتی ہے۔ یہانتک کہ جب آپ گرفتار ہونے کو تھے تو اسوقت سب شاگردوں کو یہ حکم دیا کہ کپڑے بیچکر تلواریں خریدلو۔ یہ آپ کا آخری حکم تھا اور اس منطق کو استعمال کرکے جسکو پادری صاحب نے استعمال کیا ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس آخری حکم سے پہلی تمام حکم درگذر اور عفو اور طمانچہ کھانیکے منسوخ ہوگئے بلکہ عیسائی مذہب کی بعد کی تاریخ سے تو اسکا ثبوت بھی ملتا ہے۔ کیونکہ طمانچہ کھانیوالی اور چغہ دینے والی اور دو میل جانیوالی تعلیم پر تو کسی

عیسائی نے عمل کر کے نہ دکھایا البتہ تلواریں خریدنے والے حکم کی خوب تعمیل کر کے دکھائی امید ہے پادری صاحبان کو ان معنوں پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کیونکہ عیسائی مذہب کی تاریخ سے انہی معنوں کی صداقت کا ثبوت ملتا ہے۔

اسلام کے خلاف جو اعتراض کیا گیا ہے کہ سورہ توبہ سے پہلے حکم منسوخ ہو گئے بالکل خلاف واقعہ ہے میں اسجگہ ناسخ و منسوخ کی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن شریف میں اسکی کوئی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی کہ کلام الٰہی نے پہلے ایک اصل کو قایم کیا ہو اور اسپر زور دیا ہو کہ ایسا کرنا چاہیئے اور پھر اسے منسوخ کر کے اس کے متضاد کوئی اور اصل بیان کیا ہو۔ پس جب قرآن شریف نہایت پُر زور الفاظ میں اور بار بار دوہرا کر کئی سورتوں میں اس اصل کو بیان کر چکا تھا کہ مذہب کے بارے میں جبر و اکراہ کو ہرگز کسی قسم کا دخل نہیں ہونا چاہیئے اور مذہبی آزادی کے اصل کو قایم کر چکا تھا تو اس حکم کے خلاف پھر اور کوئی حکم اس میں نہیں ہو سکتا۔ یہ دعویٰ میں نہیں کرتا بلکہ قرآن کریم نے خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ ایسا اختلاف اسمیں نہیں پایا جاتا جیسا کہ فرماتا ہے۔ افلا یتدبرون القراٰن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافًا کثیرا۔ یہ لوگ کیوں قرآن کریم پر تدبر نہیں کرتے کیونکہ اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔ پس جب بدلایل یہ ثابت ہو چکا کہ قرآن شریف نے جبر و اکراہ سے کھلے لفظوں میں روکا تو اب اس کے خلاف کوئی امر قرآن شریف میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ آیا سورہ توبہ میں واقعی کوئی ایسا حکم جنگ کے متعلق ہے جس سے پہلے تمام احکام متعلقہ جنگ کی تنسیخ ہوتی ہے۔ اس بحث سے پہلے چند الفاظ کے معنوں کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ ان میں سے اول تو جہد کے مشتقات ہیں جیسے جہاد وغیرہ۔ سو خواہ کوئی سی عربی لغت دیکھی جاوے یہ معلوم ہوگا کہ جہد کے معنے سخت کوشش کرنیکے ہیں۔ اور ایسا ہی جہاد جسکے متعلق اسقدر غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اسکے معنے بھی کسی امر کے خلاف کوشش کرنیکے ہیں اور وہ کوشش زبان سے ہاتھ سے تحریر سے مال سے اور کئی طرح ہو سکتی ہے یہ تو لغوی معنے ہوئے اب جب قرآن کریم کو دیکھا جاتا ہے تو اس میں بھی یہ لفظ ہر جگہ جنگ کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا مثلاً سورہ عنکبوت جو مکہ میں نازل ہوئی تھی یہ لفظ چار جگہ مستعمل ہوا ہے جن میں سے ایک جگہ بھی جنگ کے معنے نہیں۔ ایسا ہی سورہ لقمٰن میں بھی یہ لفظ اسی طرح پر استعمال ہوا ہے بلکہ سورہ فرقان میں جو وہ بھی ایک مکی سورۃ ہے جہاد کبیر کا لفظ استعمال کیا ہے اور وہاں بھی معنے صرف کوشش کرنیکے ہیں۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ فلا تطع الکفرین وجاھدھم بہٖ جہادًا کبیرا۔ یعنی کافروں کا کہا نہ مانو بلکہ قرآن کے ذریعہ سے انکے ساتھ جہاد کبیر کرو۔ اسجگہ قرآنی دلایل سے کفار کا مقابلہ کرنیکا نام جہاد کبیر رکھا۔ ایسا ہی الفاظ فی سبیل اللہ کے معنوں میں عیسائی صاحبان نے ٹھوکر کھائی ہے یا عمداً دھوکہ دیتے ہیں اس فقرہ کے معنے یہ لوگ دین کی ترقی یعنی پھیلانے کے لیے کرتے ہیں اور ان غلط معنوں کی بنا پر یہ حملہ کرتے ہیں کہ جب قرآن شریف مومنوں کو یہ کہتا ہے کہ تم کفار کے ساتھ فی سبیل اللہ جنگ کرو

تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم اپنے دین کے پھیلانیکے لیے انکے ساتھ لڑائیاں کرو اور اس سے بجبر مسلمان کرنیکا نتیجہ نکالتے ہیں۔ سو یاد رہے کہ یہ معنے صحیح نہیں ہیں۔ الفاظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنے ایسے صاف ہیں کہ ایک بچہ بھی انکے مفہوم کو سمجھ سکتا ہے۔ یعنی اللہ کی راہ میں یا محض خدا کے لیے نہ اپنے کسی ذاتی فایدہ یا غرض کے لیے یا اپنی نفسانی خواہش سے یا ریا سے۔ اور پھر سورہ توبہ سے ان الفاظ کو مخصوص کرنا اور بھی حماقت ہے۔ ابتدائی احکام جنگ میں بھی یہی ارشاد الٰہی ہوا ہے کہ تم فی سبیل اللہ کافروں کے ساتھ جنگ کرو پس اگر وہاں بجبر مسلمان کرنیکے معنے نہیں تو سورہ توبہ میں کیونکر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا۔ یعنی جنگ کرو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تمہارے ساتھ جنگ کریں اور اس حد سے آگے نہ بڑھو۔ اب یہ جنگ جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے صرف بطور مدافعت یا حفاظت اسلام کے لیے ہیں کیونکہ ان میں پیشدستی کرنیسے صاف طور پر منع کیا گیا ہے بلکہ یہی فرمایا ہے کہ جو تم سے جنگ کرتے ہیں انکے ساتھ تم بھی جنگ کرو اور اس حدبندی سے آگے مت نکلو۔ پس اگر یہاں جہاد فی سبیل اللہ کے یہ معنے نہیں کہ لوگوں کو بجبر مسلمان کرنیکے لیے جنگ کرو تو سورہ توبہ میں یہ معنے کیونکر ہو گئے۔ اس سے بھی بڑھکر یہ بات ہے کہ فی سبیل اللہ کا استعمال جنگ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جہاں غریبوں کو صدقات دینے کا حکم ہے وہاں بھی فی سبیل اللہ کا لفظ ہی فرمایا ہے۔ مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل... الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی لھم اجرھم عند ربھم۔ یعنی جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں انکی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوں..... جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کیے پیچھے احسان نہیں جتاتے اور نہ ایذا دیتے ہیں انکے لیے انکے رب کے نزدیک بڑا اجر ہے۔ اب اس میں تو کسی پادری صاحب کو بھی شک نہ ہوگا کہ غریب کو مال دینے کا مطلب بجبر اسلام پھیلانا نہیں۔ پس فی سبیل اللہ کے سیدھے معنے اللہ کی راہ میں یا اللہ کے لیے ہیں نہ دین اسلام کا پھیلانا۔ یہاں فی سبیل اللہ کے بعد صاف طور پر فرمایا کہ پیچھے کسی قسم کا احسان نہ رکھو کیونکہ جو کام محض اللہ کے لیے اور اسی کی رضاجوئی کی خاطر کیا گیا ہے اس میں کسی پر احسان رکھنا گویا یہ ظاہر کرنا ہے کہ اللہ کے لیے وہ کام نہ کیا گیا تھا۔ اور جہاں فی سبیل اللہ جنگ کرنیکو کہا وہاں یہ منشاء ہے کہ مسلمانوں کا جنگ کرنا کچھ اپنے لیے تو ہی نہیں بلکہ چونکہ کفار دین الٰہی اور خدا کے مرسل کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں اور مسلمان محض اسی کی حفاظت کے لیے جنگ کرتے ہیں اسلیے انکے جنگ محض اللہ کے لیے اور اسی کی راہ میں ہیں۔ پس اس تمام بحث سے یہ ثابت ہے کہ محض لفظ جہاد سے یا جہاد فی سبیل اللہ سے بزور شمشیر دین اسلام پھیلانیکا نتیجہ نکالنا محض پادری صاحبان کے عناد اور تعصب کا نتیجہ ہے ورنہ الفاظ سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔

اب سورہ توبہ کی ان آیتوں کو لیتے ہیں جن کو اخبار اپی فینی میں اس دعوے کی تائید میں پیش کیا گیا ہے کہ اس سورۃ میں بزور شمشیر دوسرے لوگوں کو مسلمان کرنیکا اصل قائم کیا گیا ہے۔ پہلی آیت سورہ توبہ کی اکتالیسویں آیت ہے انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا باموالكم وانفسكم في سبيل الله ذلكم خير لكم ان كنتم تعلمون؟ نکلو ہلکے اور بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اگر تم کو سمجھ ہے تو تمہارے حق میں بہتر ہے یہ آیت جنگ تبوک کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ اور یہ ایک ایسا مسلم امر ہے کہ میور نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ اسلیے اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ جنگ تبوک کس قسم کا جنگ تھا آیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قوم کو مسلمان کرنیکے لیے یہ چڑھائی کی تھی۔ یا کسی کے حملہ کے دفعیہ کے لیے۔ سو یہ امر ثابت شدہ ہے کہ جنگ تبوک کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اہل روم نے جو نصاریٰ تھے اور جن کی سرحد کے قریب بعض عیسائی قومیں مسلمان ہوگئی تھیں یہ ارادہ کیا تھا کہ ایک بڑی بھاری فوج کے ساتھ مسلمانوں پر چڑھائی کریں۔ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپنے بھی تیاری کردی اور سب مسلمانوں کو تیار ہونیکے لیے حکم دیا۔ اور تیس ہزار کا لشکر لے کر آپ مقام تبوک پر پہنچے۔ مگر نصاریٰ یہ خبر سنکر پہلے ہی اپنا عزم فسخ کر چکے تھے اور کوئی فوج انکی حملہ آور نہ ہوئی یہ دیکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغیر لڑائی کرنے کے وہاں سے واپس آئے۔ یہ آیتیں مع اس سے ماقبل کی چند آیتوں اور بعد کی آیات کے تبوک کے لیے تیاری کے واسطے نازل ہوئی تھیں۔ پس اگر مہم تبوک کا مقصد کسی قوم کو بجبر مسلمان کرنا ہوتا تو بیشک اس آیت سے بھی یہ استدلال ہو سکتا تھا کہ قرآن کریم میں بجبر مسلمان کرنیکی ترغیب ہی نہیں بلکہ حکم ہے۔ لیکن اگر یہ مہم محض دفاعی اور کسی خطرہ کو دور کرنے کی غرض سے تھی تو اس سے بجبر مسلمان کرنیکا نتیجہ نکالنا حماقت ہے۔ اب پادری صاحبان خود ہی نتیجہ نکال لیں کہ انپر کونسی بات صادق آتی ہے تیس ہزار سپاہ کے ساتھ ہوتے ہوئے بغیر جنگ کرنیکے واپس آنا کس امر کی شہادت دیتا ہے۔ کیا اسقدر جرار فوج کے ہوتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی چھوٹی موٹی قوم کو بھی مسلمان نہ کرسکتے تھے حالانکہ آپکے پاس پاس نہ صرف عیسائی بلکہ بت پرست قومیں بھی موجود تھیں۔ مجھے پادری صاحبان کی اس حماقت پر بہت افسوس آتا ہے کہ بلاسوچے سمجھے اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں۔ گویا انکے نزدیک اسلام پر اعتراض کرنا ہی سب سے بڑھکر ثواب کا کام ہے۔

دوسری آیت جو اسی دعویٰ کی تائید میں پیش کی گئی ہے۔ سورہ توبہ کی یہ آیت ہے۔ يا ايها النبي جاهد الكفار والمنفقين واغلظ عليهم ومأوىهم جهنم وبئس المصير۔ اے پیغمبر جہاد کر کافروں اور منافقوں سے اور انپر سختی کر انکا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔ یہاں جہاد کو تلوار کا جہاد نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ وہی جہاد ہے جسکا حکم سورۃ الفرقان میں بھی ہے وجاهدهم به جهادا كبيرا۔ کیونکہ اسجگہ جہاد کا حکم کفار اور منافقین دونوں کے لیے دیا گیا ہے۔ مگر منافقوں کے ساتھ تلوار کا جہاد کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا حالانکہ

اس آیت میں بالخصوص نبی ہی مخاطب ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ آپ کا منافقوں کے ساتھ جہاد نہ کرنا اس وجہ سے تھا کہ آپکو
منافقوں کا علم نہ تھا تو یہ بات غلط ہے کیونکہ اسی سورۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ منافقوں کو خوب جانتے تھے یہ وہ
لوگ تھے جو جنگ کے وقت آپکے ساتھ شامل نہیں ہوئے۔ اور خدائے تعالیٰ کا یہ حکم دینا کہ انکا جنازہ نہ پڑھا جائے اس سے
بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو منافقوں کا علم تھا کیونکہ اگر علم نہ ہوتا تو اس حکم کی تعمیل نہ ہوسکتی تھی کہ انکا جنازہ نہ پڑھا
جائے پس جس صورت میں کافر اور منافق دونوں اسجگہ جہاد میں شامل ہیں اور منافقوں کے خلاف کبھی تلوار نہیں
اُٹھائی گئی تو اس آیت سے یہ استدلال نہیں ہوسکتا کہ کافروں سے ہر حال میں اور ہمیشہ جنگ کیے جاویں بلکہ اس
آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسا مخالف کریں اسی قسم کا جہاد بھی انسے ہونا چاہیئے۔ حکم تو صرف جہاد کا تھا مگر کافروں نے
خود تلوار اُٹھائی اور اس لیے مسلمانوں کو بھی دین اسلام کی حفاظت کے لیے انکے مقابل پر تلوار اُٹھانی پڑی مگر منافقوں
نے تلوار نہ اُٹھائی اسلیے باوجود انکو منافق جاننے کے مسلمانوں نے بھی کبھی انکے خلاف تلوار نہ اٹھائی۔ یہ ہے حقیقت
جہاد کی جس پر پادری صاحبان دن رات شور مچا رہے ہیں۔ اصل جہاد میں تلوار شامل نہیں پر جیسا خود مسیح نے بھی
کہا تھا جو تلوار کھینچتے ہیں وہ تلوار سے ہی مارے جاتے ہیں تلوار کا جہاد اسی کے مطابق ہوا۔

تیسری آیت سورہ توبہ کی ایک سو گیارھویں آیت ہے۔ ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم
واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون۔ میں نہیں جانتا اس
آیت سے کسطرح بجبر مسلمان کرنیکا استدلال کیا گیا ہے۔ یہ تو ذکر ہے کہ مومن لوگ اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہیں پس وہ
دشمنوں کو مارتے بھی ہیں اور خود بھی قتل ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ تم ہمیشہ کافروں سے لڑتے
رہو بلکہ ایک امر واقعہ کا بیان ہے کہ مسلمان لڑ رہے ہیں یہ لڑائیاں وہی تھیں جن کے متعلق میں دکھا چکا ہوں
کہ جبر مسلمان کرنیکے لیے ہرگز نہ تھیں بلکہ دین اسلام کی حفاظت کے لیے تھیں۔ جیساکہ مفصل ذکر ہو چکا۔ چوتھی آیت
یہ ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃ۔ اس میں
صحابہؓ کو یہ حکم ہے کہ ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس ہیں۔ اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کو
طرح طرح کے دکھ دیئے تھے۔ اور اب بھی مسلمان انکے فتنہ سے امن میں نہ تھے بلکہ یہ لوگ عہد کرتے اور پھر عہد شکنی کرتے
تھے جیسا کہ ایکدفعہ ستر قاری ایک قوم کے ہمراہ بھیجے گئے جنہوں نے یہ ظاہر کیا تھا۔ کہ ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں اور پھر جب وہ
انکی بستی میں پہنچ گئے تو سب کو قتل کر دیا گیا۔ اسی قسم کی قومیں تھیں جن سے لڑنے کا حکم تھا۔ یہ آیت تو بجائے جنگ کے
حکم کو عام کرنے کے اسے خاص کرتی ہے اور اسکو استدلال میں پیش کرنا محض پادری صاحبان کی بے سمجھی ہے۔
معترض نے دعویٰ تو یہ کیا ہے کہ میں نے سورہ توبہ کو بغور پڑھ لیا ہے لیکن اگر وہ غور سے پڑھ لیتا تو ایسے اعتراض کرنے سے
اسے ضرور شرم آتی۔ ایک ہی آیت اس بات کے ثبوت کے لیے کافی تھی جو اسی سورۃ کے شروع میں ہے۔ الا تقاتلون

قوماً نکثوا ایمانہم وھموا باخراج الرسول وھم بدءُوکم اول مرۃ ؕ تم ان لوگوں سے کیوں جنگ نہ کرو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا۔ اور رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا اور تلوار اُٹھانے میں بھی پہل انہوں نے ہی کی۔ دوسری جگہ فرمایا کہ ان لوگوں سے جنگ نہ کرو جنہوں نے عہد نہیں توڑا۔ الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئاً ولم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیہم عہدھم الی مدتھم ؕ۔

مَیں نے صرف اپنی فیبنی کے اعتراضوں کا جواب دیا ہے لیکن چونکہ زیادہ لکھنے کی اس رسالہ میں گنجایش نہیں اسلیے مقابلہ کے زیادہ دلچسپ حصّے کو دوسرے رسالہ پر ملتوی کرتا ہوں۔

میری اپیل

یہ اپیل مَیں تمام احمدی انجمنوں اور تمام احمدی احباب کے سامنے پیش کرتا ہوں اور ان تمام احباب کی خدمت میں جن کے ہاتھ میں یہ رسالہ آئے یہ میری التجا ہے کہ وہ ان لوگوں تک جن کے پاس رسالہ نہیں جاتا اس اپیل کو طرح طرح سے پہنچا دیں اور تمام احمدی انجمنیں اپنے خاص جلسے کر کے اور تمام احمدی احباب کو بلا کر یہ اپیل انکے سامنے پیش کریں۔

میری اس اپیل کی بنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد پر ہے جس کو شایع ہوئے پورے تین سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اس لیے سب سے اول مَیں اس مبارک ارشاد کو پیش کرتا ہوں جو حسب ذیل ہے۔

"چونکہ ہماری تمام جماعت کو معلوم ہو گا کہ اصل غرض خدا تعالیٰ کی میرے بھیجنے سے یہی ہے کہ جو جو غلطیاں اور گمراہیاں عیسائی مذہب نے پھیلائی ہیں ان کو دور کر کے دنیا کے عام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے اور اس غرض مذکورہ بالا کو جس کو دوسرے لفظوں میں احادیث صحیحہ میں کسر صلیب کے نام سے یاد کیا گیا ہے پورا کیا جائے اس لیے اور انہیں اغراض کے پورا کرنے کے لیے رسالہ انگریزی جاری کیا گیا ہے جس کا نمونہ یعنی شایع ہوا امریکہ اور یورپ کے اکثر حصوں میں بخوبی ثابت ہو چکا ہے اور بہت سے دلوں پر اثر ہونا شروع ہو گیا ہے بلکہ امید سے زیادہ اس رسالہ کی شہرت ہو چکی ہے اور لوگ نہایت سرگرم شوق سے اس رسالہ کے منتظر پائے جاتے ہیں لیکن اب تک

بند ہو گیا تو یہ واقعہ اس سلسلہ کے لیے ایک ماتم ہو گا۔ اس لیے میں پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلصین جوانمردوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت اور مالی امداد میں جہانتک انسے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلادیں دنیا جائے گذشتنی و گذاشتنی ہے اور جب انسان ایک ضروری وقت میں ایک نیک کام کے بجالانے میں پوری کوشش نہیں کرتا تو پھر وہ گیا ہوا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ اور خود میں دیکھتا ہوں کہ بہت سا حصہ عمر کا گذار چکا ہوں اور الہام الٰہی اور قیاس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ باقی ماندہ تھوڑا حصہ ہے پس جو کوئی میری موجودگی اور میری زندگی میں میری منشاء کے مطابق میری اغراض میں مدد دیگا میں امید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت میں بھی میرے ساتھ ہو گا۔ اور جو شخص ایسی ضروری مہمات میں مال خرچ کریگا میں امید نہیں رکھتا کہ اس مال کے خرچ سے اسکے مال میں کچھ کمی آجائے گی۔ بلکہ اس کے مال میں برکت ہو گی۔ پس چاہیئے کہ خدا تعالیٰ پر توکّل کر کے پورے اخلاص اور جوش اور ہمت سے کام لیں کہ یہی وقت خدمت گذاری کا ہے پھر بعد اس کے وہ وقت آتا ہے کہ ایک سونے کا پہاڑ بھی اس راہ میں خرچ کریں تو اس وقت کے پیسہ کے برابر نہیں ہو گا یہ ایک ایسا مبارک وقت ہے کہ تم میں وہ خدا کا فرستادہ موجود ہے جسکا صدہا سال سے اُمتیں انتظار کر رہی تھیں۔ اور ہر روز خدا تعالیٰ کی تازہ وحی تازہ بشارتوں سے بھری ہوئی نازل ہو رہی ہے اور خدا تعالیٰ نے متواتر ظاہر کر دیا ہے کہ واقعی اور قطعی طور پر وہی شخص اس جماعت میں داخل سمجھا جائیگا کہ اپنے عزیز مال کو اس راہ میں خرچ کریگا۔ یہ ظاہر ہے کہ تم دو چیزوں سے محبت نہیں کر سکتے اور تمہارے لیے ممکن نہیں کہ مال سے بھی محبت کرو اور خدا سے بھی۔ صرف ایک سے محبت کر سکتے ہو پس خوش قسمت وہ شخص ہے کہ خدا سے محبت کرے اور اگر کوئی تم میں سے خدا سے محبت کر کے اسکی راہ میں مال خرچ کریگا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ اس کے مال میں بھی دوسروں کی نسبت زیادہ برکت دیجائیگی کیونکہ مال خود بخود نہیں آتا بلکہ خدا کے ارادہ سے آتا ہے پس جو شخص خدا کے لیے بعض حصہ مال کا چھوڑتا ہے وہ ضرور اسے پائیگا لیکن جو شخص مال سے محبت کر کے خدا کی راہ میں وہ خدمت بجا نہیں لاتا جو بجالانی چاہیئے تو وہ ضرور اس مال کو کھوئے گا۔ یہ مت خیال کرو کہ مال تمہاری کوشش سے آتا ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ اور یہ مت خیال کرو کہ تم کوئی حصہ مال کا دیکر یا کسی اور رنگ سے کوئی خدمت بجا لاکر خدا تعالیٰ اور اسکے فرستادہ پر کچھ احسان کرتے ہو بلکہ یہ اسکا احسان ہے کہ تمہیں اس خدمت کے لیے بلاتا ہے۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر تم سب کے سب مجھے چھوڑ دو اور خدمت اور امداد سے پہلو تہی کرو تو وہ ایک قوم پیدا کر دیگا کہ اسکی خدمت بجا لائیگی تم یقیناً سمجھو کہ یہ کام آسمان سے ہے اور تمہاری خدمت صرف تمہاری بھلائی کے لیے ہے۔ پس ایسا نہ ہو کہ تم دل میں تکبر کرو اور یا یہ خیال کرو کہ ہم خدمت مالی یا کسی قسم کی خدمت کرتے ہیں۔ میں بار بار تمہیں کہتا ہوں کہ خدا تمہاری خدمتوں کا ذرا محتاج نہیں ہاں تم پر یہ اسکا فضل ہے کہ تم کو خدمت کا موقع دیتا ہے تھوڑے دن ہونگے کہ یہ مقام گورداسپور مجھ کو

الہام ہوا تھا کہ لا الٰہ الا انا فاتخذنی وکیلا۔ یعنی میں ہی ہوں کہ ہر ایک کام میں کارساز ہوں پس تو مجھ کو ہی وکیل یعنی کارساز سمجھ لے اور دوسروں کا اپنے کاموں میں کچھ بھی دخل مت سمجھ۔ جب یہ الہام مجھ کو ہوا تو میرے دل پر ایک لرزہ پڑا اور مجھے خیال آیا کہ میری جماعت ابھی اس لایق نہیں کہ خدا تعالیٰ انکا نام بھی لے اور مجھے اس سے زیادہ کوئی حسرت نہیں کہ میں فوت ہو جاؤں اور جماعت کو ایسی ناتمام اور خام حالت میں چھوڑ جاؤں میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ بخل اور ایمان ایک ہی دل میں جمع نہیں ہو سکتے جو شخص سچے دل سے خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے وہ اپنا مال صرف اس مال کو نہیں سمجھتا کہ اسکے صندوق میں بند ہے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے تمام خزائن کو اپنے خزائن سمجھتا ہے اور امساک اس سے اسطرح دور ہو جاتا ہے جیسا کہ روشنی سے تاریکی دور ہو جاتی ہے اور یقیناً سمجھو کہ صرف یہی گناہ نہیں کہ میں ایک کام کے لیے کہوں اور کوئی شخص میری جماعت میں سے اسکی طرف کچھ التفات نہ کرے بلکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی گناہ ہے کہ کوئی کسی قسم کی خدمت کر کے یہ خیال کرے کہ میں نے کچھ کیا ہے۔ اگر تم کوئی نیکی کا کام بجا لاؤ گے۔ اور اسوقت کوئی خدمت کرو گے تو اپنی ایمانداری پر مُہر لگا دو گے۔ اور تمہاری عمریں زیادہ ہونگی اور تمہارے مالوں میں برکت دیجائیگی۔ مجھے اس بات کی تصریح کی ضرورت نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا خدمت بجا لاتے تھے۔ اب تم سوچکر دیکھو کہ یہ خدمات ان خدمات کے مقابل پر کیا چیز ہیں۔ میں تم میں بہت دیر تک نہیں رہونگا۔ اور وہ وقت چلا آتا ہے کہ تم پھر مجھے نہیں دیکھو گے اور بہتوں کو حسرت ہوگی کہ کاش ہم نے نظر کے سامنے کوئی قابل قدر کام کیا ہوتا سو اسوقت ان حسرات کا جلد تدارک کرو جس طرح پہلے نبی رسول اپنی امت میں نہیں رہے میں بھی نہیں رہونگا۔ سو اسوقت کا قدر کرو اور اگر تم اسقدر خدمت بجا لاؤ کہ اپنی غیر منقولہ جائدادوں کو اس راہ میں بیچ دو پھر بھی ادب سے دور ہوگا کہ تم خیال کرو کہ ہم نے کوئی خدمت کی ہے تمہیں معلوم نہیں کہ اسوقت رحمت الٰہی اس دین کی تائید میں جوش میں ہے اور اس کے فرشتے دلوں پر نازل ہو رہے ہیں۔ ہر ایک عقل اور فہم کی بات جو تمہارے دل میں ہے وہ تمہاری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے آسمان سے عجیب سلسلہ انوار جاری اور نازل ہو رہا ہے پس میں بار بار کہتا ہوں کہ خدمت میں جان توڑ کر کوشش کرو مگر دل میں مت لاؤ کہ ہم نے کچھ کیا ہے اگر تم ایسا کرو گے ہلاک ہو جاؤ گے یہ تمام خیالات ادب سے دور ہیں اور جسقدر بے ادب جلد تر ہلاک ہو جاتا ہے ایسا جلد کوئی ہلاک نہیں ہوتا اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اس خدمت کے ساتھ دوسری خدمات میں بھی سُست مت ہو بہت نادان وہ شخص ہے کہ وہ اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو اسطرح پر کہ ایک نیکی میں فتور ڈال کر دوسری نیکی بجا لاتا ہے وہ خدا کے نزدیک کچھ چیز نہیں بلکہ تم ان نیکیوں اور خدمتوں کو بھی اپنے دستور کے مطابق بجا لاؤ اور یہ نئی خدمت جو بتائی جاتی ہے اسمیں بھی پوری کوشش کا نمونہ دکھاؤ۔ اگر اس رسالہ کی اعانت کے لیے اس جماعت میں دس ہزار خریدار اُردو یا انگریزی کا پیدا ہو جائے تو یہ رسالہ خاطر خواہ چل نکلے گا اور میری دانست میں

اگر بیعت کرنیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قایم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں تو اسقدر تعداد کچھ بہت نہیں۔ بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد بہت کم ہے سوائے جماعت کے سچے مخلصو! خدا تمہارے ساتھ ہو۔ تم اس کام کے لیے ہمت کرو۔ خدا تعالیٰ آپ تمہارے دلوں میں القا کرے کہ یہی وقت ہمت کا ہے۔ اب اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو توفیق دیوے۔ آمین ثم آمین۔ الراقم خاکسار میرزا غلام احمد"

میرے دوستو! اس ارشاد واجب التعمیل کو نقل کرنیکے بعد مجھے اپنی اپیل کے لیے کسی دلیل کے پیش کرنیکی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تین سال ہوئے آپ لوگوں کو یہ کہا گیا تھا کہ آپ ہمت کر کے دس ہزار خریدار اس رسالہ کا پیدا کر دیں اور یاد رکھو کہ یہ دس ہزار خریدار باہر کے لوگوں سے نہیں بلکہ حضرت اقدس کی خواہش کے مطابق اس جماعت میں سے ہونا چاہیئے میں ارشاد کے آخری الفاظ کو اس غرض کیلئے پھر دہراتا ہوں "اگر اس رسالہ کی اعانت کے لیے اس جماعت میں دس ہزار خریدار اردو یا انگریزی کا پیدا ہو جائے۔ تو یہ رسالہ خاطر خواہ چل نکلیگا اور میری دانست میں اگر بیعت کرنیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قایم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں تو اسقدر تعداد کچھ بہت نہیں بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد بہت کم ہے سوائے جماعت کے سچے مخلصو خدا تمہارے ساتھ ہو۔ تم اس کام کے لیے ہمت کرو" اب آپ لوگ خود ہی غور کر لیں کہ کیا آپ نے ایسی ہمت کی اور دس ہزار خریدار ایک نہیں تین سال کے عرصہ میں پورا کر دیا؟ جن دنوں میں یہ ارشاد شایع ہوا تھا ان دنوں میں چار سو سے سولہ سو تک اردو رسالہ کے خریداروں کی تعداد ضرور بڑھ گئی تھی مگر اس کے بعد قریباً تین سال کے اندر وہ تعداد وہیں کی وہیں رہی یا بمشکل اگر ترقی ہوئی تو ڈیڑھ یا دو سو خریدار کی۔ اس میں بھی شک نہیں کہ بہت سے مخلص احباب ایسے ہیں جنہوں نے اعانت رسالہ میں بڑی بڑی رقمیں دیں اور بہت سے مخلصوں نے دو دو چار چار دس دس بیس بیس خریدار رسالہ کے پیدا کیے۔ مگر میں افسوس سے کہتا ہوں کہ ابھی تعداد مطلوبہ کے چوتھے حصہ تک ہم پہنچے ہیں۔ غیر احمدی لوگوں کو خریداری کی ترغیب دینا یہ ایک بالکل الگ امر ہے پہلے احمدی جماعت میں جسقدر خریدار ہو سکتے ہیں انکو تو خریدار بنایا جاوے۔ ایک ایک شہر جس میں جماعت کے خواندہ اشخاص کی تعداد دو دو تین تین سو تک پہنچی ہوئی ہے وہاں اگر رسالہ دیکھا جائے تو پندرہ بیس سے زیادہ نہیں جاتے۔ اس سستی کی وجہ میں سوائے اس کے کچھ نہیں دیکھتا کہ اس ارشاد کو جماعت کے بہت لوگوں نے مدنظر نہیں رکھا۔ یا بوجہ زیادہ عرصہ گذر جانیکے فراموش کر دیا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر تمام احمدی انجمنیں متفق ہو کر یہ کوشش کریں کہ انکا کوئی ممبر سوائے ایسی صورتوں کے جہاں انجمن اسے معذور تصور کرے خریداری رسالہ سے باہر نہ رہے اور جو لوگ انگریزی بھی سمجھ سکتے ہیں وہ انگریزی اور اردو دونوں رسالوں کو خریدیں تو چند ہی ماہ میں دس ہزار کی تعداد پوری ہو سکتی ہے۔ جماعت میں سیکڑوں نہیں ہزاروں خواندہ آدمی ایسے موجود ہیں جو رسالہ کو نہیں خریدتے۔ مگر خواندہ تو ایک طرف رہے حضرت اقدس کے ارشاد کی تعمیل واجب نہیں بلکہ یہ خریداری بطور اعانت تھی اور ناخواندہ لوگوں کو بھی یہ رسالہ خریدنا چاہیئے تھا

میں اس بات کے تسلیم کرنے میں بھی حرج نہیں سمجھتا کہ بلحاظ مضامین آپ کی نظروں میں اس رسالہ کی چنداں وقعت نہ ہو مگر میں اس بنا پر یہ تحریک بھی نہیں کرتا کہ اس رسالہ کے مضامین عمدہ ہیں اس لیے اسے خریدنا چاہیئے۔ میری تحریک کی بنا حضرت اقدسؑ کا ارشاد ہے۔ پس رسالہ خواہ اچھا ہو یا بُرا اسکا خریدنا امام کی اطاعت کیلیے ہے۔ میں صرف آپ لوگوں کی خدمت میں یہ اپیل کرتا ہوں کہ آپ اس ارشاد کو ایک مرتبہ دو مرتبہ دس مرتبہ پڑھیں اور غور کریں کہ آپ کا امام جسکے ہاتھ پر آپنے دین کو دنیا پر مقدم کرنیکا اقرار کیا ہے آپ لوگوں سے کیا چاہتا ہے۔ یہ رسالہ کسی شخص کے ذاتی فایدہ کے لیے نہیں بلکہ یہ سلسلہ احمدیہ کی ایک شاخ ہے اور جہانتک میں سمجھتا ہوں نہایت ضروری شاخ ہے۔ غیر ممالک میں اشاعت اسلام کا کام اس رسالہ کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ وہاں اس رسالہ نے کیا اثر پیدا کیا ہے ؟ مینے کئی بار ان صفحات میں ذکر اسکا بھی کیا ہے اور عنقریب ایک مختصر رسالہ میں بھی کسی قدر تفصیل کے ساتھ یہ ذکر کیا جائیگا۔ لیکن ضرورت ہے اسبات کی کہ مفت اشاعت اسکی زیادہ ہو اور اسکی صرف یہی سبیل ہے کہ اردو اور انگریزی کے خریدار پیدا کرکے اسکی بنا کو مستحکم کیا جائے۔ پس میں مکرر تمام احباب کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ جہاں کہیں باقاعدہ انجمنیں بنی ہوئی ہیں وہ اپنا اجلاس کرکے اور جہاں انجمنیں نہیں وہاں سب احمدی احباب ملکر اس امر کا فیصلہ کریں کہ آیا موجودہ صورت میں حضرت اقدسؑ کے ارشاد کی تعمیل انکی انجمن کے تمام ممبر کر چکے ہیں ؟ اور آیا رسالہ کی موجودہ اشاعت جو انگریزی اور اردو کو ملاکر تین ہزار تک بھی ابھی نہیں پہنچی انکو مطمئن کرتی ہے کہ وہ اپنا فرض اس ارشاد کے متعلق ادا کر چکے ہیں ؟ ان دو سوالوں کے جواب میں ہر جگہ سے جہاں کوئی بھی احمدی موجود ہے سننے کا منتظر رہونگا اور جو کارروائی کسی جگہ ہوئی ہوگی اسکی مختصر کیفیت آیندہ رسالے میں انشاء اللہ تعالیٰ چھاپ دیجاویگی۔

ساتھ ہی میں اس امر کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ چونکہ چندہ کی مابعد وصولی میں دفتر کا بہت سا نقصان ہوتا ہے اور بار بار مطالبہ کے خطوط لکھنے پڑتے ہیں اس لیے جو احباب نئے خریدار بنیں انسے چندہ پیشگی وصول ہونا چاہیئے خواہ سال کا پورا ہو یا چھ ماہ کا۔ اور پرانے خریداروں کو بھی چاہیئے کہ اختتام سال سے پہلے نئے سال کا چندہ ارسال کر دیں۔ بدون پیشگی وصولی چندہ آیندہ رسالہ جاری نہ ہوگا۔ ہاں یہ اختیار ہوگا کہ پہلا پرچہ بذریعہ وی پی طلب کر لیں۔

ہماری مسلمان ہمعصر

ہماری مسلمان معاصرین باستثنائے دو تین معزز پرچوں کے کسی اچھے موقع پر ہمارا نام لینے میں پبلک سے ایسی خوف کا اظہار کرتے ہیں جو اخبار نویسی کے منصب کے شایاں نہیں۔ اخبار نویس کا اصل غرض یہ ہوتا ہے کہ وہ پبلک کو کسی غلطی سے نکالنے کی کوشش کرے نہ یہ کہ پبلک کے ڈر سے خود اسی غلطی کا ارادتاً ارتکاب کرے جسمیں پبلک پھنسی ہوئی ہو۔ جب سے یہ رسالہ جاری ہوا ہے اسکے مضامین کو عموماً پسندیدگی

کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور اہل الرائے مسلمانوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے مگر ہمارے مسلمان اخبار نویس اس خوف سے کہ مبادا انکی بکری میں کچھ کمی ہو جائے سوائے مخالفت کے رنگ کے ہمارا ذکر ہرگز نہیں کرتے۔ یہ رسالہ ایک مذہبی رسالہ ہے اور ہمارے معاصرین کو خوب علم ہے کہ بیرونی دنیا میں اسلام کے متعلق تبدیل خیالات کرنے میں یہ کتنا بڑا کام کر رہا ہے۔ پس یہ کام ایسا تھا جس میں سب مسلمان برابر شریک ہوتے۔ اور ان کو چاہیئے تھا کہ اہل اسلام کو اس طرف توجہ دلاتے ہاں یہ ان کا حق تھا کہ جن مضامین میں ان کو اس پرچہ سے اختلاف تھا ان کا ذکر بھی کرتے اور پبلک کو کسی غلطی میں نہ رکھتے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سوائے ایک دو پرچوں کے یہ اخلاقی جرأت کسی میں نہ پائی گئی۔ بلکہ بہت سے رسالے جن میں اس رسالے کے مضامین نقل بھی کیے جاتے ہیں وہ اخیر پر اتنا حق بھی ادا نہیں کر سکتے کہ **ریویو آف ریلیجنز قادیان** کا پورا نام لکھدیں بلکہ صرف لفظ ریویو اور وہ بھی کسی قدر بگاڑ کر لکھدیتے ہیں جس سے ہرگز یہ پتہ نہیں لگ سکتا کہ ریویو آف ریلیجنز سے یہ مضمون لیا گیا ہے ہم کسی بات کی التجا نہیں کرتے اور نہ اسمیں یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ کسی طرح سے اشاعت اسلام کے کام میں ہماری مدد کریں گے مگر جس صورت میں وہ اس پرچے سے مضامین کا انتخاب کرتے ہیں انپر واجب ہے کہ وہ وہی سلوک اس سے کریں جو معزز ہمعصر انگریزی سے کرتے ہیں یعنی اگر وہ مضامین لیں تو ساتھ پورا نام بھی شایع کردیں کہ **ریویو آف ریلیجنز قادیان** سے لیا گیا ہے بلکہ جہاں سے مضمون شروع ہو وہاں یہ اعتراف ہونا چاہیئے۔

اسی جگہ میں سیالکوٹ کے رسالہ الہادی کا ذکر بھی کرتا ہوں۔ اس رسالہ میں تاویل القرآن مصنفہ اکبر مسیح کے رسالہ کا جواب بعنوان تائید القرآن نکل رہا ہے۔ اور ایڈیٹر صاحب یا منیجر صاحب رسالہ ہذا نے اس مضمون کو ابتدا سے میرے پاس بھیجا ہے۔ جہانتک یہ مضمون ابتک پہنچا ہے اس میں ابھی تمہیدی امور پر بحث ہے۔ اور اصل اعتراضات تاویل القرآن کے ابھی باقی ہیں۔ اس لیے میں اسپر کوئی رائے زنی نہیں کرتا جب تک کہ کل مضمون یا اسکا بڑا حصہ شایع نہ ہو لے۔ لیکن مجھے ایک بات پر تعجب آیا ہے کہ جہاں پادری اکبر مسیح نے امام الدین۔ چراغ الدین اور مولوی عبداللہ چکڑالوی کا ذکر کیا ہے اور ان تینوں کو اسلام کے بڑے محقق قرار دیا ہے۔* وہاں جواب لکھتے وقت ایڈیٹر صاحب رسالہ مذکور نے اپنی تہذیب کے تمام دعووں کو جو ابتدائے رسالہ میں کیے تھے خیر باد کہکر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر بلا ضرورت درمیان میں کیا اور اونہی سفیہانہ الفاظ کو استعمال کیا جن کے وہ مدت سے عادی ہو رہے ہیں انکی عبارت یہ ہے "اور چراغدین بیچارہ تو تھا ہی بے علم محض اور زبان عربی سے کلیۃً نابلد۔ ہاں کچھ مدت تک مرزا صاحب کی پارٹی میں شامل رہنے کی وجہ سے تاویل کرنے اور بات بنانے اور بڑھانے اور ادھر ادھر کی تک چلانیکا ملکہ ہو گیا تھا۔ مرزا صاحب کی تائید میں چند الہام گھڑ دیئے اور وہ الہام بظاہر تو مرزا صاحب کے بہت مفید مطلب تھے۔ کہ اس میں مرزا صاحب کے لیے بنی بنائی صداقت دکھائی گئی تھی مگر باطن میں مرزا صاحب اور انکے مشن اور انکے چند مقرب حاشیہ نشین مہاجرین کے لیے نہایت مضر تھے کیونکہ اگر مرزا صاحب ان الہاموں کی تصدیق کرتے تو مریدوں کا رُخ شیخ چراغدین صاحب کی طرف پھر جاتا اور مرزا صاحب کے چندہ بہت کم وصول ہوتا اسلیے مرزا صاحب نے بڑے زور سے اسکی تکذیب کی اور نہایت زجر و توبیخ سے اسی توبہ کرنیکا حکم کیا۔ وہ بیچارہ بمصداق دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا ادھر ادھر مارا پھرا کیونکہ مرزا صاحب بحکم گاہے سلامے بر نجستہ اس تعریف سے جس کی تصدیق سے شیخ صاحب کی دوکان مرزا صاحب کے مقابلے میں رونق پر ہوتی۔ نہایت ہی شفتہ ہوئے۔ اور ادھر مسلمان تو آگے ہی انکے مخالف اور اس الہام کے بھی مخالف تھے ...... ابھی وہ اس زینہ پر چڑھ ہی رہے تھے کہ دست اجل نے ایک ایسا دھکا دیا کہ اٹھا کر کے قبر میں جا پھینکا اور دعویٰ مہدیت و مسیحیت کی ساری امیدیں غلط کردیں" جس چراغ کو خدا نے اپنے ہاتھ سے جلایا ہے وہ انسانوں کی موہنہ کی پھونکوں سے بجھ نہیں سکتا اور اگر یہ لوگ اس سلسلہ کو دوکانداری قرار دیتے ہیں تو پہلوں کو بھی یہی کہا گیا اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَاد۔ مولوی ابراہیم صاحب (کیونکہ وہی اس رسالہ کے ایڈیٹر ہیں) اسبات سے بیخبر نہیں کہ چراغدین کو انہی ناپاک باتوں کی وجہ سے اس سلسلہ سے خارج کیا گیا تھا۔ اور ایک پیشگوئی بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسکی ہلاکت اور تباہی کے متعلق کی تھی جسکے مطابق یہ شخص ہلاک ہوا۔ پس اس موقع پر ذکر تو یہ کرنا چاہیئے تھا اور اس میں اسلام کی عزت تھی کہ جب اس شخص نے ایک ناپاک رسالت کا دعویٰ کیا جس سے وہ عیسائی مذہب کی تائید اور اسلام کی تردید کرنا چاہتا تھا تو ایک سچے مسلمان نے خدا سے خبر پاکر اسکی ہلاکت کی پیشگوئی کی اور تھوڑے دنوں میں ہی وہ اس پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہوا اور دوسرا

* [illegible] تھے انکو چھوڑ کر ایڈیٹر الہادی نے ناحق کی نیش زنی کی ہے

۲۷ ستمبر ۱۹۰۶ء - بلجت اٰیاتی - وبشر الذین اٰمنوا ان لھم الفتح - ترجمہ - ظاہر ہو گئیں میری نشانیاں اور خوشخبری دے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے - بیشک ان کے واسطے فتح ہے - ۲ - اکتوبر ۱۹۰۶ء - لنبلونّکم ترجمہ - البتہ ہم تم کو آزمائیں گے - رؤیا - مینے دیکھا کہ ایک کتاب ہے گویا وہ میری کتاب ہے اسکا نام نجم المصیبۃ پھر الہام ہوا - فوق حمید - کاذب کا خدا دشمن ہے - وہ اُس کو جہنم میں پہنچائیگا - ۹ - اکتوبر ۱۹۰۶ء مینے آج رات خواب میں دیکھا کہ میرا بھائی مرزا غلام قادر مرحوم ایک مضبوط گھوڑے پر سوار ہے اور مینے خیال کیا کہ یہ فرشتہ ہے اور لفظ قادر کی مناسبت سے اُس شکل پر ظاہر ہوا ہے اور مَیں اسکے آگے اسقدر دوڑتا ہوں کہ گھوڑا پیچھے رہ جاتا ہے اسکے بعد ہم شہر میں داخل ہو گئے اور وہ فرشتہ جو میرے بھائی کی شکل پر تھا گھوڑے پر سے اُتر آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک تازیانہ ہے اور ایک مضبوط سپاہی قوی ہیکل شکل میں ہے اور ہمنے شہر میں ایک طرف جانیکا ارادہ کیا گویا کوئی کام ہے یا کوئی خدمت ہے جو اس فرشتہ نے بجالانی ہے بعد اس کے الہام ہوا - اے عبد الحکیم خدا تعالیٰ تجھے ہر ایک ضرر سے بچاوے اندھا ہونے اور مفلوج ہونے اور مجذوم ہونے سے - اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ عبد الحکیم میرا نام رکھا گیا ہے - خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نہیں چاہتی کہ ان بیماریوں میں سے کوئی بیماری میرے لاحق حال ہو - کیونکہ اس میں شماتت اعدا ہے -

فہرست چندہ اعانت دہندگان بابت ماہ جون ۱۹۰۶ء

میاں نذیر الدین صاحب - بھاموں - عہ - معرفت منشی نعمت خاں صاحب - پشاور - للعہ - منشی مرزا سلطان صاحب - پشاور - ۱۵ر - ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب - جھنگ - عہ - بابو برکت علی صاحب دھرمسالہ - عہ - سردار محمد عجب خانصاحب تحصیلدار میرام شاہ - مجر - چودھری رستم علی صاحب - انبالہ - لہعہ - بابو عبد الرحمن صاحب انبالہ عمر نجف خاں صاحب - ضلع انبالہ - للعہ - جماعت مبنی پور آسام - عہ - مولوی عبد اللہ صاحب چک ۲۹۶ - لائل پور سے میاں محمد الدین صاحب - چدہ - لعہ - مرزا خدا بخش صاحب لاہور - صہ - مولوی عمر الدین صاحب شملہ - عہ - میاں عبد الرحمن صاحب - امرتسر - عہ - جماعت سیکھواں - مجر - منشی نبی بخش صاحب - راولپنڈی - سے - منشی ہاشم علی صاحب سردوانگڈھ - عہ - محمد ظہور الدین صاحب - اکمل - عہ - منشی محمد علی صاحب - کسولی عہ - منشی یار محمد خانصاحب عہ - میاں نظام الدین صاحب بہی - للعہ - ڈاکٹر سید جلال صاحب - بریرہ - لعہ - ماسٹر عبد الرحمن صاحب - قادیان - عہ - ڈاکٹر الٰہی بخش معرفت بابو عبد العزیز صاحب - صہ - جماعت بنگہ معرفت میاں رحمت اللہ صاحب - صہ - منشی اکرام الحسن صاحب راولپنڈی للعہ مسٹر عبد الحمید صاحب سے بہو - للعہ -

فہرست چندہ اعانت دہندگان ماہ جولائی ۱۹۰۶ء

جماعت لاہور۔ ۱۱۱ر ۹ پائی عہ۔ جماعت ڈیرہ غازیخاں ۔ ے۔ منشی عبدالخالق صاحب۔ ڈیرہ غازیخاں۔ صہ۔ مولوی عزیز بخش صاحب ڈیرہ غازیخاں۔ لعہ۔ میاں غلام محمد صاحب۔ مہدی آباد۔ عہ۔ منشی نورالدین صاحب۔ لائل پور۔ مے۔ جماعت۔ سڑ دعہ۔ عہ ۹ پائی بابو محمد شفیع صاحب۔ گوجرانوالہ۔ سے۔ میاں ابراہیم صاحب۔ امرتسر۔ للعہ۔ منشی محمد رفیق صاحب۔ لعہ۔ حافظ نوراحمد صاحب فیض اللہ چک۔ عہ۔ بابو گلاب خاں صاحب۔ راولپنڈی۔ عہ۔ جماعت کپورتھلہ معرفت منشی حبیب الرحمن صاحب۔ عہ منشی اللہ بخش صاحب۔ موضع دریانی۔ عہ۔ منشی اللہ دتا صاحب۔ مانگنانوالہ۔ عہ۔ بابو فیروز علی صاحب مسہ کیسوال۔ ے۔ سید اسد اللہ شاہ صاحب۔ ۸ر۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب۔ لعہ۔ منشی رستم علی صاحب۔ انبالہ۔ عہ۔ منشی عبدالرحمن صاحب۔ انبالہ۔ عہ۔ محمد علی صاحب کسولی عہ میاں محمد نظام الدین صاحب۔ ماہل پور۔ عا۔ میاں غلام احمد صاحب۔ کریام۔ عہ۔ معرفت حافظ عبدالرحیم صاحب۔ قادیان۔ عہ۔ سید سرور شاہ صاحب موضع دانہ۔ صہ۔ حکیم انوار حسین خانصاحب۔ شاہ آباد۔ عہ۔ منشی برکت علی خانصاحب۔ مارٹی بوچیاں والہ۔ صہ۔ میاں الہداد خانصاحب موضع محلانوالہ۔ صہ۔ سید نادر علی شاہ صاحب۔ چوہان۔ ے۔

فہرست چندہ اعانت دہندگان بابت ماہ اگست ۱۹۰۶ء

مولوی غلام رسول صاحب موضع بجواڑہ۔ صہ۔ منشی نذر محمد صاحب ضلع منٹگمری۔ صہ۔ منشی گلاب خانصاحب۔ راولپنڈی۔ للعہ۔ اہلیہ منشی گلاب خانصاحب جماعت احمدیہ معرفت منشی گلاب خانصاحب۔ راولپنڈی۔ عہ۔ جماعت لاہور معرفت حکیم محمد حسین صاحب قریشی۔ عہ۔ شیخ محمد جانصاحب۔ وزیرآباد۔ للعہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب۔ موضع ترگڑی۔ ۱۱ر۔ عالم گیر خانصاحب۔ جبلپور۔ عہ۔ بابو محمد شفیع صاحب۔ گوجرانوالہ۔ ۱۲ر۔ جماعت احمدیہ معرفت اکمل آف گولیکے عہ۔ چودھری رستم علی صاحب انبالہ۔ عہ۔ شیخ عبدالعزیز صاحب۔ نومسلم۔ قادیان۔ عہ۔ محمد اکرم بیگ صاحب۔ کوہاٹ ۸ر۔ میاں محمد صدیق صاحب کوٹ احمد بابو شاہ دین صاحب لاہور۔ ے۔ ابو فقیر علی صاحب۔ سٹھار جا۔ عہ۔ منشی ارادت حسین صاحب۔ ادرین۔ للعہ۔ منشی ہاشم علی صاحب سردیگکھا منشی نصراللہ خانصاحب۔ لدھیانہ۔ للعہ۔ منشی کریم بخش صاحب تحصیل نروانہ۔ للعہ۔ جماعت فیض اللہ چک معرفت حافظ نوراحمد صاحب۔ ے۔ جماعت بنارس معرفت منشی عبدالرزاق صاحب۔ ے ر۔ یار محمد خانصاحب۔ فارسٹر۔ ریاست جموں۔ عا۔ بابو مظہر دین صاحب معرفت ابوالفتح محمد عبدالقادر صاحب۔ نادر دل چک۔ لعہ۔ منشی محمد علی صاحب۔ کسولی عہ۔ کے۔ ایم۔ بشیرالدین صاحب۔ حیدرآباد سندھ۔ ۱ر۔ بابو عبدالرحمن صاحب۔ انبالہ۔ عہ۔ منشی کرم نواز صاحب۔ فلانہ۔ عہ۔ بابو محمد رفیق صاحب۔ بی۔ اے۔ ۱ر۔ شیخ تیمور صاحب۔ قادیان عہ ڈاکٹر محمد فیاض خانصاحب معرفت بابو محمد افضل صاحب۔ قلعہ دانو۔ للعہ۔ میاں محمد نظام الدین صاحب ماہل پور حال مقیم قادیان عا۔ شیخ نوراحمد صاحب وکیل۔ ایبٹ آباد۔ عہ۔ جماعت سیکھواں معرفت میاں امام الدین صاحب۔ ے ر

تحریک: ۔ جناب منشی عبدالعزیز صاحب گوجرانوالہ اُس دورہ سے واپس آگئے ہیں جو انہوں نے اعانت میگزین کے لیے کیا تھا اور اب جناب ابوسعید عرب صاحب رنگون کو اسی غرض کے لیے اور نیز بقایا داران سے بقایا وصول کرنیکے لیے تشریف لیجاتے ہیں وہ صرف کلکتہ اور برما کی طرف جائیں گے۔ اور اُنکو اختیار دیا گیا ہے کہ ان اطراف میں صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے چندہ میگزین وصول کرکے رسیدیں دیں۔ المشتہر۔ سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان۔

مطبع میگزین قادیان دارالامان میں مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

اے لوگو کہ ہیں نور خدا پاؤ گے ۞ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ — بابت ماہ نومبر ۱۹۰۶ء — نمبر ۱۱

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے۔ ۲۰- نومبر ۱۹۰۶ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا۔ چندہ سالانہ عہ

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۵- اکتوبر ۱۹۰۶ء - خواب میں دیکھا کہ میں کچھ لکھ رہا ہوں اور لکھتے لکھتے یہ الفاظ دیکھے۔ علم الدرمان ۲۲۳ - علم عربی لفظ ہے اور درمان فارسی ہے۔ اس کے آگے ۲۲۳ کا ہندسہ ہے معلوم نہیں کہ اس سے کیا مراد ہے۔ ۱۶- اکتوبر ۱۹۰۶ء میں نے دیکھا کہ کسی کی موت قریب ہے یہ متعین نہ ہوا کہ کس کی موت آئی ہے۔ تب اس کشفی حالت میں ہی میں نے دعا کی۔ الہام ہوا - ان المنایا لاتطیش سہامہا۔ یعنی موتوں کے تیر خطا نہیں جاتے۔ تب میں نے اسی کشفی حالت میں پھر دعا کی کہ اے خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تب الہام ہوا - ان المنایا قد تطیش سہامہا[۲]۔ اس کے بعد یہ بھی الہام تھا - رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم سب میں سے کس کے حق میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۳- اکتوبر ۱۹۰۶ء - انا نرینک بعض الذی نعدہم۔ نزید عمرک۔ ترجمہ ہم تجھے بعض وہ امور دکھاویں گے جو مخالفوں کی نسبت ہمارا وعدہ ہے اور تیری عمر زیادہ کریں گے۔ ۳۰- اکتوبر ۱۹۰۶ء کتاب حقیقۃ الوحی کے انطباع اور طیاری میں جو بہت سا خرچ ہوا ہے اور ہونے والا ہے۔ اس کے متعلق خیال تھا تو الہام ہوا - یأتیک من کل فج عمیق۔ یأتون من کل فج عمیق۔ یأتیک رجال نوحی الیہم من السماء۔ ترجمہ۔ ہر ایک دور کی راہ سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اور ہر ایک دور کی راہ سے تیرے پاس تحائف لائیں گے تیرے پاس وہ لوگ تحائف لائیں گے۔ جن کو ہم آسمان سے وحی کریں گے۔ ایک پرانا الہام قریب پچیس[۲۵] سال کا - شخصے پائے من بوسید و من گفتم کہ سنگ اسود منم - ۳۱- اکتوبر ۱۹۰۶ء - ینصرکم اللہ فی دینہ۔ ترجمہ۔ خدا اپنے دین میں تمہاری مدد کریگا۔ ۲- نومبر ۱۹۰۶ء میں نے دیکھا کہ رات کے وقت میں ایک جگہ بیٹھا ہوں۔ اور ایک اور شخص میرے پاس ہے تب میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ تو مجھے نظر آیا کہ بہت سے ستارے آسمان پر ایک جگہ جمع ہیں۔ تب میں نے اُن ستاروں کو دیکھ کر اور انہیں کی طرف اشارہ کر کے کہا آسمانی بادشاہت - پھر معلوم ہوا - کہ کوئی شخص دروازہ پر ہے۔ اور کھٹکھٹاتا ہے۔ جب میں نے دروازہ کھولا تو معلوم ہوا کہ ایک سودائی ہے۔ جس کا نام میراں بخش ہے اس نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور اندر آگیا۔ اس کے ساتھ بھی ایک شخص ہے۔ مگر اس نے مصافحہ نہیں کیا اور نہ وہ اندر آیا۔ اس کی تعبیر میں نے یہ کی کہ آسمانی بادشاہت سے مراد ہمارے سلسلہ کے برگزیدہ لوگ ہیں۔ جنکو خدا زمین پر پھیلا دیگا۔ اور دیوانہ سے مراد کوئی متکبر مغرور متمول یا تعصب کی وجہ سے کوئی دیوانہ ہے۔ خدا اس کو توفیق بیعت دیگا - اور پھر الہام ہوا - لاتخف ان اللہ معنا۔ گویا میں کسی دوسرے کو تسلی دیتا ہوں کہ تو مت ڈر بے شک خدا ہمارے ساتھ ہے۔ ۷- نومبر ۱۹۰۶ء - آج رات لنگر خانہ کے اخراجات کی نسبت میں قریباً ۱۲ بجے رات تک اپنے گھر کے لوگوں سے بات کر رہا تھا کہ اب خرچ ماہواری لنگر خانہ کا پندرہ سو سے بھی بڑھ گیا ہے کیا قرضہ لے لیں۔ پھر خیال آیا کہ قرضہ لینے سے کیا فایدہ کیونکہ دو ہزار روپیہ

[۲] یعنی موتوں کے تیر کبھی خطا بھی ہو جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

جس غرض کو عنوان میں ظاہر کیا گیا ہے وہ وہ اہم ترین اغراض ہے جس کے لیے ہم نے اس رسالہ کو انگریزی اور اردو میں شایع کرنا شروع کیا تھا اور الحمد للہ اب چار سال کے تجربہ کے بعد ہم یہ کہنے کے قابل ہیں کہ یہ ایک نہایت ہی مبارک کام تھا جو شروع کیا گیا۔ ابھی یہ رسالہ عمر کے لحاظ سے محض ایک بچہ ہے مگر اس اپنی تھوڑی سی عمر میں ہی جو شہرت اور نیکنامی اس نے حاصل کی ہے اور جسقدر ضرورت اسکی محسوس ہو رہی ہے اسکا میں نہایت ہی مختصر سا نقشہ پیش کر کے اُن مسلمانوں کو جنکے دلوں میں اسلام کی کچھ بھی محبت ہے توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ وہ ان فواید کے حاصل کرنے میں اور دوسروں تک پہنچانے میں جو اس رسالہ کے ذریعہ حاصل ہونے اور پہنچتے ہیں اس موقع کو غنیمت سمجھیں۔ اول اس امر کا ظاہر کرنا ضروری ہے کہ کون کون امور اس رسالہ کے اجرا کے محرک ہوئے۔ سو سب سے پہلا محرک اس کے اجرا کا

حفاظت اسلام

کا خیال تھا۔ اسوقت ہندوستان میں اسلام پر طرح طرح کے حملے ہو رہے ہیں اور اسے نیست و نابود کرنے اور صفحۂ دنیا سے مٹانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ان کوششوں کے لحاظ سے یہ زمانہ بعینہٖ زمانہ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مشابہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اسوقت تلوار کے ذریعہ اسلام کو نیست و نابود کرنیکی کوششیں کیجاتی تھیں۔ اب قلم کے ذریعہ ہی کوششیں کیجا رہی ہیں۔ جوش جیسا اُسوقت تھا ویسا ہی اسوقت ہے۔ ہاں دائرۂ مخالفت اور بھی وسیع ہو گیا ہے۔ پس جس طرح اس ابتدائی زمانہ میں نابینا مخالفوں نے اسلام کو نہایت ہی کمزور سمجھ کر یہ چاہا تھا کہ اسکو نیست و نابود کر دیں اور یہ خیال کیا گیا تھا کہ انکی زبردست تلواروں کے سامنے اسلام کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ ایسا ہی اب مخالفین اسلام نے یہ خیال کیا ہے کہ ان کے ہاتھ میں ہزار ہا سامان اشاعت کفریات اور اعتراضات سے موجود ہیں سیکڑوں رسالے جاری ہیں بیشمار مشنیں قایم شدہ ہیں۔ اور طرح طرح کے ذرایع جیسے ہسپتال اور سکول اور کالج انکے ہاتھ میں ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اسلام کا نام صفحۂ دنیا سے مٹا سکتے ہیں۔ اور ظاہر نظر میں اگر دیکھا جائے تو سچ مچ یہ

سامان جو اسلام کو ہلاک کرنے کے لیے اکٹھے کیے گئے ہیں اس قدر بڑے معلوم ہوتے ہیں کہ ظاہر طور پر کوئی صورت اسلام کے بچاؤ کی معلوم نہیں ہوتی مگر یاد رکھو کہ جس طرح اُس ابتدائی زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے محض اعجازی طور پر اسلام کو بچایا اور مخالفین کی زبردست تلواروں کو توڑ کر دکھایا٭ اسی طرح اب بھی وہ اعجازی طور سے ہی اسلام کی حفاظت کریگا اور مخالفین کی قلموں کے زور کو توڑ کر دکھائیگا اور ان کے تمام سامان جن کو وہ اسلام کی نیست و نابود کرنیکے لیے جمع کر رہے ہیں وہ اسلام کی تباہی نہیں اسلام کی عزت اور عظمت کے ظاہر ہونیکا ذریعہ بنجائیں گے۔ پس اے اہل اسلام جس صورت میں تمھارے سامنے وہ ابتدائی نقشہ اعجازی حفاظت اسلام کا موجود ہے جب اسلام بالکل بے سروسامان تھا اور مخالفین کے ہاتھوں میں ہر طرح کی طاقت تھی۔ تمھیں ایک دم کے لیے بھی یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ جو سامان قلم اب اسلام کے خلاف جمع کیے جا رہے ہیں وہ اسلام کو کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں ہاں تم کو دیکھنا چاہیئے کہ

اس وقت تمھارا کیا فرض ہے۔

سو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے کہ جس قسم کے سامان تمھارے خلاف کیے جائیں اسی قسم کے سامان تم بھی کرو اور اپنی کوششیں اور ہمتیں صرف کرو پھر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ تمھاری مدد کریگا۔ پس اس وقت تمھارے مخالفوں نے اسلام کے نیست و نابود کرنیکے لیے تلوار ہاتھ میں نہیں پکڑی کہ تمھارے دلوں میں بھی کبھی تلوار کا خیال گذرے یا یہ انتظار ہو کہ اسلام تلوار کے ذریعے غالب ہوگا۔ یہ خیالات غلط ہیں اسوقت تمھیں بھی قلم اٹھانی چاہیئے اور اپنے مال اس راہ میں خرچ کرنے چاہیئیں اور جو وساوس پادری لوگ پھیلا رہے ہیں اُنکا ازالہ کرنا چاہیئے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ ملکی حقوق کی حفاظت کے لیے تو اردو میں چھوڑ انگریزی میں بھی ہر ہر صوبہ ہند میں مسلمانوں کے اخبار جاری ہوں مگر مذہب کی حفاظت کے لیے کل ہندوستان میں ایک بھی پرچہ انگریزی زبان میں موجود نہ ہو حالانکہ یہی وہ زبان ہے جس میں آجکل اسلام پر طرح طرح کے حملے کیے جاتے ہیں اور اسلام کے متعلق طرح طرح کے وساوس دلوں میں پیدا کیے جاتے ہیں۔ ہم ان لوگوں کے پایہ کو تو کہاں پہنچ سکتے ہیں جنھوں نے اپنے اس پاک دین کی حفاظت کے لیے اپنے مالوں اور ملکوں۔ اپنے اعزہ اور اقربا۔ اپنے پیارے وطن کو چھوڑا نہیں بلکہ اپنی پیاری جانوں کو بھی فدا کیا۔ اور شہید ہوئے اور اس بات کی کچھ پروا نہ کی کہ وہ قتل کیے جائیں گے۔ مگر کیا ان اسلام کے سچے جاں نثاروں کے اقتدا میں ہم یہ بھی نہیں کر سکتے کہ اسوقت اور زمانہ کی ضرورت کے مطابق اپنے مالوں کا ایک حصہ حفاظت اسلام کے لیے خرچ کریں اور ان اعتراضات کے دور کرنے میں اپنی پوری ہمت اور کوشش صرف کریں + جنکے ذریعہ اس پاک مذہب کو بدنام کیا جا رہا ہے اور اسکا منور چہرہ طرح طرح کی ظلمتوں کے نیچے چھپا دیا گیا ہے۔ یہی خیال پہلا محرک اس امر کا تھا کہ انگریزی زبان میں

٭ قد جاء الدین من النصرة ثم سیعود من النصرة - الہام حضرت امام الزمان۔

ایک اعلیٰ پایہ کا رسالہ جاری کیا جائے اور اسی غرض سے ۱۹۰۲ء میں رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی بنیاد رکھی گئی۔ ایک دوسرا محرک اس امر کا یہ ہوا کہ ہزارہا نوجوان مسلمان جو انگریزی تعلیم حاصل کرتے ہیں اس تعلیم کے بعض زہریلے اثروں سے متاثر ہو کر اور اسلام کے اصول حقہ سے ناواقف ہونیکی وجہ سے دین اور مذہب سے بے تعلق ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاج کے لیے یہ نہایت ضروری تھا کہ

اسلام کے اصول حقہ کا سچا فلسفہ

بیان کیا جائے اور ان نوجوانوں کو اس بات سے آگاہ کیا جائے کہ ایک اسلام ہی وہ مذہب ہے جس کے اصول فطرت انسانی کے مطابق اور لاتبدیل ہیں اور ان اصول میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جو واقعی طور پر محل اعتراض ہو۔ اس میں کسی شبہ نہیں ہو سکتا کہ مغربی تعلیم اور مغربی تہذیب مادی تعلیم اور تہذیب ہیں اور ان پر دہریت کا اثر غالب ہے۔ خود عیسائی ممالک میں اس تعلیم کے اثر سے ہزاروں نہیں لاکھوں انسان مذہب عیسوی کے عقاید کو کھلم کھلا خیرباد کہہ چکے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ عیسائی مذہب بوجہ اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کے تعلیم کی روشنی کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ اور جوں جوں عیسائی مذہب کی اصلیت سے لوگ واقف ہوتے گئے وہ اس سے بیزار ہوتے گئے۔ اور اور کسی مذہب کا صحیح علم انکو دیا نہیں گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی لوگ دہریت کے اثر سے زیادہ تر متاثر ہو گئے اور انکی تعلیم اور تہذیب پر بھی آخرکار دہریت کا رنگ غالب آگیا۔ اب وہی تعلیم اپنے اس زہریلے اثر کے ساتھ ہندوستان میں آئی اور چونکہ مسلمان نوتعلیم یافتہ گروہ کے حصہ میں ہی تعلیم آئی اور وہ اپنے دین سے بکلی بیخبر ہے اور ضرور ہے کہ اسی طرح بے خبر رہیں جبتک کہ مسلمان اس بارہ میں خاص کوشش نہ کریں اس لیے اپنے مذہب کے اصول حقہ سے ناواقف ہونیکی وجہ سے وہ بھی اسی ہوا سے متاثر ہو گئے جس کا ثبوت اس گروہ کے آئے دن کی تحریروں اور تقریروں اور تجویزوں میں ملتا ہے۔ غرضکہ عیسائی مذہب سے تو عیسائی لوگ اس لیے بیزار ہوئے کہ وہ اس کی اصل حقیقت کو سمجھ گئے اور جہالت دور ہو گئی اور اسلام کے متعلق نوتعلیم یافتہ مسلمان اس لیے متزلزل ہو رہے ہیں کہ وہ دین اسلام سے ناواقف ہیں اس کا ادنیٰ ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ مغرب میں تو اسی زمانہ میں ہزارہا کتابیں عیسائی دین پر لکھی جانیکے بعد عیسائیت سے بیزاری پیدا ہوئی ہے۔ اور مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ عربی زبان سے تو ناواقف ہیں اور انگریزی جس میں وہ کمال پیدا کر رہے ہیں اسکا یہ حال ہے کہ ایک بھی تصنیف کسی مسلمان کی ایسی نہیں کہ جس سے اسلامی واقفیت کا پتہ لگے بلکہ اس زبان میں جس قدر کتابیں اسلام پر ہیں وہ عموماً عیسائیوں کی ہی ہیں جنہوں نے اسلام کو بگاڑ کر پیش کیا ہے اور ہمارے مسلمان نوجوانوں کی ساری تحقیق انہی کتابوں پر مبنی ہے پس ضرور تھا کہ وہ ٹھوکر کھاتے اگر یہ لوگ بطور خود کافی تحقیق کے بعد اور اسلام کے اصول کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ان خیالات کا اظہار کرتے

جن کو وہ محض ناواقفیت کیحالت میں ظاہر کرتے ہیں تو اور صورت تھی مگر موجودہ صورت میں جب قرآن شریف کے ترجموں تک کے لیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل حالات کے جاننے تک کے لیے صرف عیسائی صاحبان کی تحریروں پر سارا مدار ہے۔ یہ صاف نظر آتا ہے کہ سخت ضرورت ہے اس بات کی کہ ایک عظیم الشان علمی ذخیرہ اسلام کے متعلق زبان انگریزی میں بہم پہنچایا جائے اور یہ دکھایا جائے کہ اسلام کے اصول پر کسی طرح اعتراض نہیں ہوسکتا اور کہ وہ مادی اور دہریت کی تند ہوا جس نے عیسائی مذہب کو جڑھوں سے اُکھاڑ دیا ہے اسلام کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی بلکہ اسلام کے پاک اصول کی صداقت اور بھی اس سے واضح ہوتی ہے مگر جیسا کہ ابتدا میں ذکر کیا گیا ہے اہم غرض اس رسالہ کے اجرا کی

اشاعت اسلام

تھی اور ہے۔ اشاعت اسلام کے مفہوم میں اصل میں تو وہی دونوں باتیں شامل ہیں جنکا ذکر اوپر ہوا یعنی جس قدر حملے یا اعتراض اسلام پر کیے جاتے ہیں ان کا جواب دینا اور اسلام کے اصول حقہ کا صحیح فلسفہ بیان کرنا مگر اس غرض کے حصول کے لیے ضروری تھا کہ طریق اور اختیار کیا جاتا۔ کیونکہ ہندوستان میں تو امید کی جاسکتی ہے کہ مسلمان اس محبت کی وجہ سے جو انکو اپنے مذہب سے ہے ایسے رسالوں کی خریداری کو جو تمام حملونکا دفعیہ معقول اور مدلل طور پر کرتے ہیں کوئی بار نہیں سمجھیں گے بلکہ خوشی سے اس کام میں مدد دیں گے طالب علموں کے لیے جن کیحالت کی اصلاح اس رسالہ کے دوسرے مقصد میں مدنظر تھی یہ رعایت کی گئی کہ رسالہ انکو نصف قیمت پر دیا جائے چنانچہ ابھی تک ایسا ہی کیا جاتا ہے اور انگریزی رسالہ صرف ڈیڑھ روپیہ سالانہ پر اور اردو رسالہ ایک روپیہ سالانہ پر انکو دیا جاتا ہے۔ مگر غیر اسلامی بلاد جیسے یورپ اور امریکہ میں اشاعت اسلام کے مقصد کو پورا کرنیکے لیے یہ امید رکھنا کہ وہاں خریدار پیدا ہوں غلط خیال ہے۔ اور چونکہ بڑی غرض اس رسالہ کی غیر اقوام میں حقیقی اسلام کی چہرہ نمائی تھی اس لیے ابتدا سے ہی یہ خیال کر لیا گیا تھا کہ ایک بڑا حصہ رسالے کا مفت ان بلاد میں بھیجنا ضروری ہوگا کیونکہ ایک تو مغربی اقوام اس وقت امور دنیا میں ایسے منہمک ہیں کہ انکی توجہ کو مذہب کی طرف پھیرنا ایک سخت مشکل امر ہے اور پھر جب وہ مذہب بھی ایسا ہو جس سے انکو کوئی دلچسپی نہیں اور جسکے متعلق غلط خیالات انکے دلوں میں بچپن سے ہی جمائے گئے ہیں تو اس صورت میں یہ امید رکھنا کہ اس مذہب کے متعلق اصل تعلیم کے حاصل کرنیکے لیے وہ روپیہ بھی خرچ کریں گے فضول ہے۔ چنانچہ اسی خیال کی تائید بعد میں بنسبت ان خطوط سے ہوگئی جو مفت سلسلہ کے اجرا کے بعد موصول ہوئے۔ جیسا کہ آگے ان خطوط کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ پس اس چہار سالہ تجربہ سے اور اس خط و کتابت سے یہ امر متیقن ہو چکا ہے کہ غیر اسلامی بلاد میں اشاعت اسلام کی صورت صرف یہی ہے کہ اصول اسلام کو ایسے طور پر بیان کیا جائے جو مغربی لوگوں کے مذاق اور

ان کے طریق استدلال کے مطابق ہو اور پھر ان تحریرات کو حتی الوسع عام طور پر اور مفت شایع کیا جاوے۔
ریویو آف ریلیجنز نے کہانتک امر اول میں کامیابی حاصل کی ہے اس کے لیے صرف چند ایک ایسے خطوط کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو وقتاً فوقتاً آتے رہے کل خطوط کے لیے اسجگہ گنجایش نہیں۔ امر دوم میں بھی ایک حد تک کامیابی اس رسالہ کو خدا کے فضل سے حاصل ہو چکی ہے لیکن اب ضرورت ہے اس بات کی کہ مسلمان جن کے دلوں میں کچھ بھی محبت ہے اور جو یہ چاہتے ہیں کہ وہ اسلام کا پاک جھنڈا ساری دنیا میں لہراتا ہوا دیکھیں اور اللہ اکبر کی آوازیں ساری دنیا میں بلند ہوں انکے لیے لازم ہے کہ اب اس طرف توجہ کریں مفت اشاعت کی تجویز ابتدا میں یہ کی گئی تھی کہ ہم نے اپنے احباب سے یہ درخواست کی کہ وہ اپنے اپنے خرچ پر ایک ایک دو دو چار چار دس دس بیس بیس رسالے باہر بھجوائیں چنانچہ بہت سے احباب نے توجہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم کئی سو رسالہ ہر ماہ چار سال سے برابر باہر بھیجتے ہیں اور اب بفضل خدا بعض نہایت لطیف کتابیں بھی طبع کر کر اسی طرح باہر بھیجنے کا ارادہ ہے۔ اگر وہ مسلمان جنہوں نے ابتک اس طرف توجہ نہیں کی ان شہادتوں کو جن کا ذکر آگے ہوتا ہے پڑھنے کے بعد اس بات کو سمجھ لیں کہ جس طریق سے ہم نے اشاعت اسلام کے کام کو شروع کیا ہے اس میں بڑی بڑی کامیابیوں کی امید ہے تو مشکل نہیں کہ ہم اس قابل ہو جاویں کہ یورپ اور امریکہ کے ہر ایک کتب خانے اور ہر ایک ریڈنگ روم اور ہر ایک سکول اور کالج میں اس رسالہ کا ایک پرچہ جایا کرے اور اسطرح چند ہی سال کے عرصہ میں ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔ ہم تو یقین رکھتے ہیں کہ ضرور ایسا ہی ہوگا مگر خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے مال اس راہ میں خرچ ہوں یہ وقت ہے مگر سوتوں کو جگانا خدا کے ہاتھ میں ہی ہے اور ہم اُسی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اشاعت اسلام کی محبت سب مسلمانوں کے دلوں میں ڈالے۔ یورپ اور امریکہ میں صدہا دل قبولیت اسلام کے لیے تیار ہیں مگر یہ ہمارا فرض ہے کہ سچے اسلام کا نقشہ انکے سامنے پیش کر کے ان کے دلوں کو مسخر کریں۔ پیاسے موجود ہیں مگر پانی پہنچانا اُن لوگوں کا فرض ہے جن کے پاس یہ پانی ہے۔ ذیل میں وہ خطوط نقل کیے جاتے ہیں۔

مسٹر محمد الگزنڈر رسل وب امریکہ

(ان کے نام نامی سے ہندوستان کے کل مسلمان واقف ہیں۔ ایک عرصہ تک وہ خود ایک اسلامی رسالہ نکالتے رہے اور اب بھی اس رسالہ کے ذریعہ اور بطور خود اشاعت اسلام کے کام میں مصروف ہیں)

پہلا خط۔ "آج مجھے ریویو کے جون کے پرچہ کی تین کاپیاں پہنچیں۔ مَیں اسکو بہت پسند کرتا ہوں میری رائے ہے کہ یہ پرچہ ہر ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہونا چاہیے جو کچھ بھی اپنی قوت متفکرہ سے کام لے سکتا ہے۔ ہر ایک نیک مزاج اور انصاف پسند آدمی جو اس کو پڑھے گا وہ ضرور اس سے اخلاقی اور روحانی فایدہ حاصل کریگا

میں یقین کرتا ہوں کہ یہ رسالہ دنیا میں مذہبی خیال کو ایک خاص صورت دینے کے لیے ایک نہایت زبردست طاقت ہو گی اور یہ بھی یقین کرتا ہوں کہ آخر کار یہی رسالہ ان روکوں کو دور کرنیکا ذریعہ ہو گا جو جہالت سے سچائی کی راہ میں ڈالی گئی ہیں۔ اور اس طرح پر صداقت کو اپنی شاندار روشنی کے ساتھ دنیا کے سامنے چمکا کر دکھلائے گا"

دوسرا خط۔ رد میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اس بات سے بہت ہی خوشی حاصل ہوتی ہے کہ اشاعت اسلام کے لیے کوئی خدمت خواہ وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو کر سکوں۔ اور اس لیے مجھے آپکا کام کرنیسے خوشی حاصل ہوتی ہے جو کاپیاں آپ مجھکو بھیجتے رہے ہیں وہ میں پڑھنے کے لیے ایسے لوگوں کو دیتا رہا ہوں جنہوں نے اس میں دلچسپی ظاہر کی۔ اور جب اور زائد کاپیاں مجھے بھیجی جاتی تھیں تو میں وہ تقسیم کر دیتا تھا کہ تا شائع ہو کر وہ نیک اثر پیدا کریں۔ ایسی کئی مثالیں میرے علم میں ہیں جہاں ان رسالوں نے طلب حق اور تحقیق کی روح پیدا کر دی ہے مگر مجھے یہ علم نہیں کہ کوئی چندہ دینے والے خریدار بھی پیدا ہوئے ہیں یا نہیں اس ملک کے لوگ عجیب ہیں۔ جن چیزوں سے انہیں جسمانی آسایش اور خوشی حاصل ہو اور انکی عزت سوسائٹی میں بڑھے اس کے لیے تو وہ بیدریغ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ سوسائٹی میں معزز بننے کی خواہش یا جنون یورپ سے بڑھکر امریکہ میں موجود ہے۔ کیونکہ یہاں آسانی سے روپیہ خرچ کر کے عزت حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ ایک بڑی بھاری روک ہے جس سے مجھے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ ہزارہا لوگ امریکہ میں ایسے موجود ہیں جو آج اپنے اسلام کا اظہار کر دیں اگر انکو یہ ڈر نہ ہو کہ وہ سوسائٹی سے خارج کر دیے جائیں گے۔ آپ کہیں گے کہ یہ تو اس بات کی علامت ہے کہ وہ اسلام کو اچھی طرح سمجھے نہیں اور اسلام کو سچا مذہب جاننے کے دعوے میں وہ سچے نہیں۔ مگر بالکل یہی وجہ اس کی نہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انکی خود غرضی اور اخلاقی بزدلی انکے کانشنس کی تحریک پر غالب ہیں۔ ایک دفعہ میں نے اپنے ایک دوست کو آپکے میگزین کی خریداری کیلیے ترغیب دی۔ بجواب اُس نے کہا کہ میں تو خوشی سے اس بات کے لیے تیار ہوں مگر تم جانتے ہو کہ میری بیوی ایک متعصب چرچ کی سرگرم ممبر ہے اور اگر میرے گھر میں میگزین ہو گا تو اس سے خانگی جھگڑا پیدا ہو گا۔ ایک اور امر یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کی طبیعتیں ایسی ہیں کہ اپنے پادریوں کے ہاتھ میں وہ ہر طرح سے روپیہ دینے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ اور انکو یقین ہوتا ہے کہ اس روپیہ کا انکو ثواب ہو گا۔ اور جب انکو عیسائیت کے خلاف کسی پرچہ کی خریداری کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ ڈرتے ہیں کہ گویا انکو دھوکہ دیکر انکا روپیہ لینے کی کوشش کیجاتی ہے۔ جب میں اپنا خوبصورت اور قیمتی پرچہ مسلم ورلڈ چھاپا کرتا تھا جو گیارہ سال کی بات ہے۔ تو اسے قیمتاً خریدنے والے لوگ امریکہ میں بہت ہی تھوڑے تھے۔ وہ اسے ایک مشنری یعنی تبلیغ دین کا سلسلہ سمجھکر یہ خواہش کرتے تھے کہ مفت انکو دیا جاوے اور مجبوراً مجھے ایسا ہی کرنا پڑتا تھا"

تیسرا خط۔ رد میں یہ بڑی خواہش رکھتا ہوں کہ ریویو آف ریلیجنز اس ملک کے ہزارہا عیسائیوں کے ہاتھ میں ہو۔ کیونکہ یہ ایک نہایت عظیم الشان کام کر رہا ہے اور صداقت کی روشنی دنیا میں پھیلا رہا ہے۔ میں اسکو نہایت دلچسپی کے

ساتھ پڑھتا ہوں کیونکہ یہ سچے اسلام کو پیش کرتا ہے اور وہ غلط خیالات ہمارے پاک مذہب کے متعلق اس میں نہیں ہوتے جنکے پیچھے بہت سے برائے نام مسلمان چل رہے ہیں۔ مَیں اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ یہ آخر کار ستم بالشان نتائج اس ملک میں پیدا کر کے دکھائیگا۔ اور اس لیے مَیں جہاں تک میری طاقت ہے اس کوشش میں لگا رہتا ہوں کہ یہ رسالہ ان لوگوں تک پہنچ جاوے جو کشادہ دل رکھتے ہیں اور سچے دل سے صداقت کی تلاش کرتے ہیں"۔

شیخ عبد اللہ کوئیلیم۔ لورپول۔ (ملک انگلستان کے شیخ الاسلام)

"مَیں ہمیشہ ریویو آف ریلیجنز کو پڑھکر محظوظ ہوتا ہوں۔ اور اسے اپنے پاک مذہب کی تائید میں نہایت ہی مفید تصانیف میں سے جانتا ہوں"۔

کونٹ ٹالسٹائے۔ روس (جو عیسائی ہو اور دنیا کے مشہور ترین زندہ مصنفوں میں سے ہے)

"نمونہ کے پرچے میں مجھے دو مضمون بہت ہی پسند آئے۔ یعنی "گناہ سے آزادی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے" اور "آیندہ زندگی"، خصوصاً موخر الذکر۔ جو خیال ان مضامین میں ظاہر کیا گیا ہے وہ نہایت فاضلانہ اور نہایت صحیح ہے"۔

ایم ایچ ہوتسما

(یہ فاضل پروفیسر ہالینڈ کی ایک یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں اور اسلام کا نیا انسکلو پیڈیا جو یورپ کے مشہور فاضلان علوم مشرقی کے اہتمام سے شایع ہونیوالا ہے وہ سب انہی کی زیر نگرانی ہوگا۔ یعنی اس کے ایڈیٹر انچیف یہی ہیں)

"ریویو آف ریلیجنز کی چوتھی جلد کے لیے جو آپنے مجھے بھیجی ہے مَیں خلوص دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس کے مضامین مجھے نہایت ہی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں"۔

اے جی ٹانگیو۔ لنڈن

"مَیں ریویو آف ریلیجنز پرچوں کے پہنچنے کا شکریہ کے ساتھ اقرار کرتا ہوں۔ جو شخص اسلام کے متعلق صحیح علم حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے وہ نہایت ہی مفید ہیں کیونکہ وہ ایسے امور پر بہت روشنی ڈالتے ہیں جن سے ہمیں اسجگہ مغرب میں کچھ بھی واقفیت نہیں۔ مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغرب میں ہمیں اس بات کا کہ اسلام اور اسکی تعلیم کیا ہے صحیح علم کچھ بھی نہیں آپ کی اور آپکے رسالہ کی کوششیں ایک بڑی بھاری ضرورت کو پورا کرتی ہیں اور مَیں یہ دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اس مقصد میں کامیابی ہو اور آپ اور آپکے کام پر خدا کی برکتیں ہوں"۔

مسنز ایڈیسن۔ نارتھمبرلینڈ

"مَیں آپ کا ریویو آف ریلیجنز بھیجنے کے لیے بہت ہی شکریہ ادا کرتی ہوں یہ ایک نہایت فاضلانہ رسالہ ہے۔ اور مَیں اسے پڑھکر بہت خوش ہوتی ہوں کیونکہ اس کے مضامین بالکل نئے اور ایک غیر معمولی طرز سے لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ مَیں خود بہت سالوں تک اخبار نویس کا کام کرتی رہی ہوں اور مَیں ہر ایک مذہب میں عمدہ

چیز ہو اس کی قدر کرنا جانتی ہوں میں آپ کے ملہم پیغمبر کی تحریروں اور نصایح کی بڑی مداح ہوں۔ آپ نے سود پر جو مضمون لکھا ہے اس سے میرا بالکل اتفاق ہے اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ عیسائی مذہب بالکل زمین پر جھک گیا ہے۔ بہت سچی بات ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنے قابل قدر پرچے میں ان ظلموں کا ذکر کریں جو انگلستان میں بے زبان جانوروں اور پرندوں پر کھیلوں میں کیے جاتے ہیں"

ڈاکٹر وان ڈنبرگ - امریکہ

"آپ کی مہربانی سے ریویو آف ریلیجنز کی کئی کاپیاں مجھے پہنچی ہیں۔ جس کے لیے میں آپکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میری بڑی مدت سے یہ خواہش تھی کہ اسلام کے متعلق صحیح باتیں معلوم ہوں جو مسلمانوں کی طرف سے ہوں اور مینے ریویو کے مختلف نمبروں کو بہت ہی دلچسپی سے پڑھا ہے"

بنجمن جڈکنز۔ سین ڈانگو۔ کیلیفورنیا

"مجھے ریویو آف ریلیجنز کا پیکٹ ۱۴۔ جنوری ۱۹۰۶ء کو پہنچا۔ میں بہت خوش ہونگا کہ مجھے اسلام کے متعلق اور رسالے پہنچتے رہیں جنکا بھیجنا آپ مناسب سمجھیں...... میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ کیوں صلح اطمینان اور آسایش زمین پر اسلام کی تعلیم پھیلنے سے نہ بڑھ جائیگی"

جعفر مارٹیمر - انگلستان

"میں آپ کی اس مہربانی کا بہت ہی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپنے ریویو آف ریلیجنز کی کاپیاں مجھے بھیجیں جنسے بہت ہی مفید اور نہایت دلچسپ تعلیم حاصل ہوتی ہے۔ اور میں نہایت خوش ہونگا اگر جیسا کہ آپنے لکھا ہے اسکی کاپیاں مجھے پہنچتی رہیں۔ مینے آپ کی چٹھی شیخ عبداللہ کولیم کو دکھائی تھی۔ جنھوں نے یہ تجویز کی کہ یہ رسالے اسلامی کتب خانہ میں محفوظ کیے جاویں۔ میں آپ کے دلایل کی سادگی کی نہایت ہی تعریف کرتا ہوں"

یحیی الناصر پارکنسن

"میں ریویو آف ریلیجنز کی کاپیوں کے لیے جو آپنے مہربانی کرکے بھیجی ہیں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں گذشتہ سال میں ریویو آف ریلیجنز کے پرچے میں لیوزک کی کمپنی سے لیتا رہا ہوں اور انکو پڑھ کر میں بہت ہی خوش ہوتا ہوں۔ آپ ایک نیکی کا کام کر رہے ہیں۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ آپکو کامیابی ہو"

این سٹیفن - لورپول

"اول میں آپ کا شکریہ ریویو آف ریلیجنز کے نمبروں کے لیے کرتا ہوں جو آپنے مہربانی کرکے مجھے بھیجے ہیں۔ مینے انکو بڑی خوشی اور دلچسپی سے پڑھا ہے۔ اور ابھی پھر فرصت نکال کر دوبارہ غور سے ان کو پڑھوں گا"

رابرٹ سٹینلی - مانچسٹر

"مجھے آپ کا خط پہنچا لیکن ابھی تک رسالہ کا کوئی نمبر نہیں پہنچا۔ مجھے اس بات کے دیکھنے سے بہت خوشی ہوگی کہ اسلام اس ملک میں اور دوسرے ممالک میں بہت ترقی کرے کیونکہ یہ تمام مذاہب سے افضل ہے۔"

مس رجوے

"جنوری کا ریویو آف ریلیجنز مجھے پہنچا۔ مینے اسکی چند کاپیاں بعض دوستوں کو بھیجدی ہیں جنکو میں جانتی ہوں کہ وہ اسے دلچسپی سے پڑھیں گے۔ یہ ایک نئی چیز ہے کیونکہ اس سے انکا علم بڑھتا ہے جیساکہ میرا علم بھی بڑھتا ہے میں خوشی سے اسکو دوسروں تک پہنچاتی ہوں۔ میں امید کرتی ہوں کہ خدا آپکے اس نیک کام میں برکت دیگا۔"

"میں ریویو آف ریلیجنز کو بہت دلچسپی سے پڑھتی ہوں۔ غلامی پر جو مضامین آپ نے لکھے ہیں انسے ان لوگونکی آنکھیں کھلتی ہیں جو اور قسم کے خیالات رکھتے ہیں اور تعدد ازدواج جو مضمون لکھے گئے ہیں وہ معقول ہیں۔"

اے ایچ میکبین - کانگڑہ ویلی

"مینے آپکے رسالے کو جسکا نام ریویو آف ریلیجنز ہے اور جو اعلیٰ درجہ کی قابلیت کے ساتھ لکھا گیا ہے پڑھا۔ مجھے اسلام کو مطالعہ کرتے ہوئے تیرہ سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے اور مینے جسقدر ممکن تھا کوشش کرکے انگریزی زبان میں جسقدر کتابیں اسلام پر لکھی گئی ہیں (خواہ انکے مصنف مسلمان تھے یا غیر مسلمان) سب جمع کی ہیں اور اب اسلامی مذہب کا ایک خاصہ کتب خانہ میرے پاس جمع ہوگیا ہے۔ مگر اب تک مینے ایک بھی ایسی کتاب نہیں پڑھی جس میں اسلام کی حمایت اس قدر زور کے ساتھ کی گئی ہو جیسا آپ کے شاندار پرچے میں۔" "میں آپ کو اس قابل قدر پرچے کا ایڈیٹر ہونے کی حیثیت سے مبارکباد دیتا ہوں مینے اب تک کوئی ایسی کتاب یا پرچہ نہیں پڑھا جس میں اسلام کی حمایت اس زبردست اور طاقتور ہاتھ سے کی گئی ہو جیسے آپکے اس رسالہ میں کی جاتی ہے۔"

چند اخبارات کی رائے

کریسنٹ - لورپول "ریویو آف ریلیجنز کا پرچہ دلچسپ مضامین سے بھرا ہوا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے متعلق جو جاہل عیسائی الزام لگایا کرتے ہیں انکی تردید میں ایک نہایت فاضلانہ مضمون لکھا گیا ہے جس سے عمدہ مضمون آجتک ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ اور ہم پورے جوش کے ساتھ اس مضمون کی طرف اپنے ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں۔"

البیان - لکھنؤ "ریویو آف ریلیجنس ہی ایک ایسا پرچہ ہے جسکو خالص اسلامی پرچہ کہنا صحیح ہے۔ ہم نے اس کے کئی نمبر دیکھے اور ہم کو اس امر کے ظاہر کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ عربی میں المنار اور اردو میں ریویو آف ریلیجنس سے بہتر پرچے کسی زبان میں شایع نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کو خوش ہونا چاہیئے کہ ہندوستان میں ایک ایسا رسالہ نکل رہا ہے جس کے زوردار مضامین پر علم و فضل کو ناز ہے۔ جہانتک ہم سمجھتے ہیں مسلمانوں کا سواد اعظم اس رسالہ سے نا واقف ہے۔

جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ یہ رسالہ قادیان سے نکلتا ہے اور مرزا غلام احمد قادیانی اس کے سرپرست ہیں"

وطن۔ لاہور۔ ہم احمدی احباب کے خاص معتقدات سے مخالف ہونیکے باوجود یہ لکھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ یہ رسالہ بڑے پایہ کا رسالہ ہے اسکی تحقیقات اسلام کے متعلق ایسی ہی فلسفیانہ اور عمیق ہوتی ہیں جیسی کہ اس زمانہ میں درکار ہے"

ایک بزرگ کے خیالات "وطن" میں۔ ماہوار رسالہ ریویو آف ریلیجنس جو قادیان ضلع گورداسپور سے عرصہ ۴ سال سے ان اغراض سے شایع ہوتا ہے کہ جو شبہات لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اسلام کی صداقت کے متعلق پیدا ہوتے ہیں وہ دور کیے جاویں اور جو اسلام کے اصول حقہ کے فلسفہ کو بیان کرنیکے ساتھ ہر ایک قسم کے اعتراضوں کا جو آجکل اسلام پر کیے جاتے ہیں۔ انکا دفعیہ اور ساتھ ہی دوسرے مذاہب کے اصول باطلہ کی تردید کرتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ یہ رسالہ انگریزی زبان میں ممالک غیر میں بھی اسلام کا چمکدار چہرہ دکھاتا ہے۔ امریکہ اور اسٹریلیا اور یورپ میں دو سال سے اسکی اشاعت ہو رہی تھی اور اب اس سال ۱۹۰۵ء سے جاپان میں بھی اسکی پچاس کاپیاں جانی شروع ہو گئی ہیں۔ اور ایک سو کاپی بھیجے جانیکا انتظام ہو رہا ہے ہر ایک مسلمان جو تبلیغ اسلام کے کام سے محبت رکھتا اور اُسکو اپنا جزو ایمان جانتا ہے اُسکا فرض ہونا چاہیے کہ ایسے رسالوں کی اشاعت خصوصاً اسکی انگریزی رسالہ کی جاپان اور دیگر عیسائی ممالک میں شائع کیے جانیکے کام میں مدد دے"

المصلح۔ چادرہ۔ ریویو آف ریلیجنز۔ یہ اکبیس (بجائے چالیس کے غلطی سے لکھا گیا ہے) صفحے کا خوشخط رسالہ ہے جو مہینے کے مہینے عمدہ $\frac{20 \times 26}{8}$ کاغذ پر قادیان ضلع گورداسپور سے شایع ہوتا ہے۔ اسکے ایڈیٹر ایک نہایت لایق گریجوایٹ ہیں جنکا تعلق سلسلہ احمدیہ سے ہے۔ اگرچہ ہمارا کوئی تعلق اس سلسلہ سے نہیں پھر بھی انصاف ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ مذہب اسلام کے اصول و فروع سے جو فلسفیانہ بحث اس رسالہ میں ہوتی ہے وہ شاید ہی کسی اور اردو رسالہ میں ہوتی ہو"

چند غیر احمدی ہندوستانی معززین کی رائیں

مولوی محمد عبد الولی صاحب۔ لکھنؤ۔ "درحقیقت یہ رسالہ نہایت اعلیٰ درجہ کا علمی مجلہ ہے اور اردو زبان کی خوش قسمتی ہے کہ ایسے علمی پرچے ہندوستان میں شایع ہوتے ہیں۔۔۔۔ جس تحقیقات سے مسئلہ طلاق کے متعلق بحث کی گئی ہے وہ تحقیقات کی آخری حد ہے" "میں ریویو آف ریلیجنز کو ہندوستان کے تمام رسالوں سے اعلیٰ وافضل سمجھتا ہوں"

میر ہدایت اللہ۔ اسسٹنٹ سرجن جہلم۔ "اس رسالہ کا ایک ورق بھی میں ایسا نہیں اُلٹاتا جس سے اسلام کا جلال ظاہر نہ ہوتا ہو"

شیخ فرزند علی از راولپنڈی۔ "میں آپکے اسلام کی ان قیمتی خدمات کے لیے جو آپکا میگزین کر رہا ہے مبارکباد دیتا ہوں"

ایم حبیب احمد۔ بی۔ اے۔ مالیر کوٹلہ۔ "ان رسالوں کے مطالعہ سے ہر دل پر وہ روشنی پڑتی ہے جو اپنی حیثیت میں فقہ اسلام میں بالکل نیا اور غیر معمولی چمکار ہے"

مولوی محمد اصغر صاحب مختار نواں شہر۔ "آپکے مضامین جو ریویو آف ریلیجنز میں بردہ طلاق اور غلامی کے بارہ میں شایع ہوئے ہیں واقعی نہایت ہی قابل قدر ہیں"

بیان حقیت کتاب اللہ والنبوۃ المحمدیۃ

(مرقومہ حضرت مولوی محمد احسن صاحب امروہوی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا و مصلیا

ہر ایک اہل بصیرت جانتا ہے کہ اس تیرہ سو برس ہجری کے ہر قرن میں کروڑوں آدمیوں کو بسبب تواتر اخبار کے اس امر کا علم بدیہی ہوگیا ہے کہ ایک شخص (مکرم صلعم) عربی نژاد بنام نامی محمد (صلعم) بنی اسمٰعیل میں سے شہر مکہ معظمہ میں مبعوث ہوئے اور بڑے زور و شور سے انہوں نے دعوائے رسالت اور نبوت کیا اور اوس کے ساتھ فتوحات عظیمہ کے حصول کی اپنے لیے پیشین گوئیاں بیان فرمائیں اور مخالفین کے لیے شکست فاش کا ہونا اپنی پیشین گوئیوں میں ظاہر کیا چنانچہ وہ سب پیشین گوئیاں آپ کی ایک قلیل مدت حیات ۲۳ سالہ میں ہی اسطرح واقع ہوئیں کہ جس کی نظیر ابتدائی خلقت آدم سے اسوقت تک نہیں ملتی اور بعد آپکے صدہا پیشین گوئیاں ہر ایک قرن میں واقع ہوتی رہیں اور ابتک واقع ہو رہی ہیں جن کا بیان کتب معتبرہ حدیث و سیر میں موجود ہے۔ اور نیز یہ بات بھی ہر ایک دانشمند جانتا ہے کہ اوس کی دہن مبارک سے وہ کلام برآمد ہوا جس کے معارضہ سے بڑے بڑے فصیح و بلیغ اور عرب عاجز رہے باوجودیکہ اوس کی طرف سے پُر زور الفاظ غیرت دہ میں تحدی بھی واقع ہوئی تھی اور معارضہ و مقابلہ کے لیے بسبب شدت مخالفت مخالفین کے اسباب دواعی بھی کثرت سے موجود تھے مگر تاہم مخالفین اُس کلام کا معارضہ نہ کر سکے بلکہ اوس کلام کی عظمت حلاوت اور طلاوت یعنی حُسن و خوبی کے قایل رہے حتیٰ کہ اُسکو سحر بھی کہا گیا پھر وہ کلام ابتک بتمامہ و بعینہ موجود ہے صدق اللہ تعالےٰ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ یعنی سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بیشک ہم نے ہی اوتارا ہے اس نصیحت نامہ کو اور بیشک ہم ہی ہمیشہ اوس کی حفاظت کرنیوالے ہیں اس پیشین گوئی کا ہم کو مشاہدہ ہو رہا ہے کہ قرنًا بعد قرن الی یومنا ہذا لاکھوں آدمی اوس کلام کے حافظ ہوتے رہے اور ابتک موجود ہیں۔ اور جبکہ یہ دونوں امر بتواتر ثابت ہیں تو اوسکا علم بھی بدیہیات میں سے ہوگیا جیسا کہ ہم کو بتواتر معلوم ہوگیا ہے کہ ایک شخص نوشیرواں حاتم طے وغیرہ وغیرہ زمانہ ماضی میں گذرے ہیں تو اون کے وجود کا علم کہ یہ لوگ زمانہ ماضی میں ہو گذرے ہیں ضروریات سے ہوگیا ہے باوجودیکہ ہمنے اونکو دیکھا نہیں۔ پس اسی طرح پر دعوئے رسالت محمد عربی بنی اسمٰعیل کا علم ہر ایک ملک کے لوگوں کو بدیہی ہے۔ اگرچہ صرف یہی بیان مجمل اگر مفصل کیا جاوے تو اثبات صداقت کیلیے ایک دلیل روشن ہے مگر واسطہ وضاحت کامل کے اب اس دعوئے رسالت کے اثبات حقیت کے لیے اتماماً للحجۃ ایک نظر ثانی بھی کرتے ہیں تاکہ صداقت اس دعوے کی ہر ایک اہل بصیرت پر بخوبی واضح ہو جائے بیان اوسکا یہ ہے کہ جب ہم بیبل پر نظر کرتے ہیں تو تمام انبیاء کا اجماع ایسے نبی عظیم الشان کی تصدیق کے لیے موجود پاتے ہیں بلکہ حواریین حضرت عیسیٰؑ کو بھی ایسے نبی آخر الزمان کے لیے منتظر پاتے

ہیں باوجودیکہ کتب مقدسہ میں بسبب کثرت تراجم مختلفہ اور حوادث ازمنہ کے بہت سے تغیرات بھی واقع ہوگئے ہیں مگر تاہم وہ بشارات محمدیہ وصفات احمدیہ کتب مقدسہ میں ابتک موجود ہیں پس اگر اون بشارات اور صفات کا مصداق اس نبی عظیم الشان کو نہ مانا جاویگا تو تمام کتب مقدسہ اور جملہ انبیائے ماضیین کی تکذیب لازم آویگی علاوہ یہ کہ اس نبی کی تصدیق کے ساتھ ہی تصدیق مسیح موعود کی بھی ضروری ہوویگی۔ ونعم ماقیل ؎ نام احمد نام جملہ انبیا است + چوں بیامد صد نود ہم پیش ما است + اگر کہا جاوے کہ ممکن ہے کہ اون بشارات اور صفات کے مصداق حضرت عیسیٰ ہی اسرائیلی ہوویں تو کہا جاویگا کہ پھر حضرت عیسیٰ اوس نبی کے منتظر کیوں ہے اور حواریین کو اوس نبی کا انتظار کیوں رہا دیکھو عہد جدید کی کتابیں اور پھر حواریین نے اوس نبی کے زمانہ بعثت کو زمانہ مابین رفع ونزول عیسیٰ کا کیوں قرار دیا چنانچہ ہم یہاں پر چند درس بیبل سے تحریر کرتے ہیں جن سے بخوبی واضح ہوگا کہ مصداق اون بشارات کے حضرت عیسیٰ تو ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتے پس اب دیکھو کتاب اعمال باب ۳ کو (۱۷) اے بھائیو میں جانتا ہوں کہ تم نے اور تمھارے سرداروں نے بھی نادانی سے یہ کیا + (۱۸) پر خدا نے جو کچھ اپنے سارے نبیوں کی معرفت آگے سے کہا تھا کہ مسیح دکھ پاویگا اوس طرح پورا کیا (۱۹) پس تم اپنے گناہ معاف ہونے کے لیے توبہ کرو اور دل کو پھیرلو تو خدا کے حضور سے تسلی ملنے کے دن آویں (۲۰) اور وہ اوس یسوع مسیح کو جسکی خبر آگے سے تمھیں دی گئی ہے بھیجے گا (۲۱) کہ جب تک سب باتیں جو خدا نے اپنے سارے پاک نبیوں کی معرفت پہلے سے کہیں پوری نہ ہو جاویں اس کا آسمان پر رہنا ضروری ہے (۲۲) موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ اللہ جو تمھارا خدا ہے تمھارے بھائیوں میں سے تمھارے لیے میری مانند ایک نبی پیدا کریگا جو کچھ وہ تم سے کہے سب سنیو (۲۳) اور جو شخص کہ اوس نبی کی نہیں سنیگا اپنے لوگوں میں سے ہلاک ہو جاویگا (۲۴) اور سب نبیوں نے سموئیل سے لیکر اون تک جو اوس کے بعد ہیں جتنوں نے خبر دی ہے ان دنوں کی بھی خبر دی ہے (۲۵) تم اون نبیوں کی اولاد ہو اور جو وعدہ خدا نے ہمارے باپ دادوں سے کرکے ابراہیم سے کہا کہ تیری نسل کے سبب سے زمین کی ساری قومیں برکت پاوینگی تم اوس وعدے کے لوگ ہو (۲۶) خدا نے اپنے یسوع کو اوٹھا کے پہلے تمھارے پاس بھیجا ہے کہ وہ تم میں سے ہر ایک کو اوس کی بدیوں سے پھرا کے برکت دے انتہی نسخہ عربیہ ہولی بیبل مطبوعہ سنہ ۱۸۱۱ء فصل ثالث اعمال حواریین میں درس ۱۹ کی یہ عبارت لکھی ہے لکیما توا فیکم اوقات الراحۃ النیاحۃ من وجہ الرب اور درس ۲۰ کی عبارت یوں ہے ویرسل الیکم یسوع المسیح المستعد للخلاص اور درس ۲۳ کے الفاظ اسی عربی نسخہ میں یہ ہیں وسیکون کل نفس لا تسمع لذلک النبی وتطیعہ تستاصل من شعبھا اور ترجمہ فارسی سنہ ۱۸۶۷ء درس ۲۶ کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ برائے شما اولاً خدا بندہ خود عیسیٰ را برخیزانیدہ فرستاد تا شمارا برکت دہد بہ برگردانیدن ہر یکے از شمارا از گناہان خود۔ ان درسوں سے چند فوائد ہم کو حاصل ہوئے

ف۱ تمام انبیاء اور مرسلین نے بہ تواتر اس نبی آخرالزمان کی بشارات کو بیان فرمایا ہے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ کے حواریین بھی اس عظیم الشان نبی کے ایام تازگی بخش کے ۳۳ سنہ عیسوی میں منتظر رہے دیکھو فقرہ ف۲ انبیائے غیبین زمانہ بعثت اس نبی آخرالزمان کا مابین رفع اور نزول عیسیٰ بن مریم کے بتلاتے رہے ہیں ف۳ ترجمہ فارسی درس ۲۶ میں حضرت عیسیٰ کو بندۂ خدا لکھا ہے نہ ابن اللہ ف۴ درس ۲۰ نسخہ عربی میں صفت مسیح ثانی کے کلام الٰہی میں المستعد للخلاص لکھی ہے یعنی پہلا مسیح تو ماخوذ اور گرفتار ہوا اور مسیح ثانی کے استعداد ہی میں سلامتی اور خلاصی ہے نہ ماخوذی اور گرفتاری ف۵ مسیح اول کے ایام رونے یا نوحہ کرنیکے تھے اور مسیح ثانی کے ایام راحت اور آسایش کے ایام ہونگے ف۶ وہ نبی جو مابین زمانہ رفع اور نزول عیسیٰ بن مریم کے مبعوث ہوگا اوس کی وہ شان ہوگی کہ اوسکے جملہ مخالفین ہلاک اور مستاصل ہو جاویں گے۔

ہم یہاں پر مناسب سمجھتے ہیں کہ جن درسوں کا حوالہ کتاب اعمال حواریین باب تین[۳] میں حضرت موسیٰ سے نقل کیا گیا ہے وہ نسخہ عربیہ بیبل سے نقل کر دیویں دیکھو کتاب استثنا فصل ثامن عشر[۱۸] (۱۸) وای نبی اقیم لھم من بعض اخوتك مثلك القنه کلامی فیخاطبھم بجمیع ما آمرہ به (۱۹) وای انسان لم یقبل کلامی الذی یودیه فانی اطلبه - اب ہم اس چودھویں صدی ہجری میں چاہتے ہیں کہ تحقیق کریں کہ جو صفات اور بشارت اس نبی آخرالزمان اور نیز مسیح موعود کی تمام انبیائے ماضیین نے بہ تواتر بیان فرمائی تھیں وہ ان دونوں میں موجود ہیں یا نہیں؟ بالضرور موجود ہیں۔ اب[۱] دیکھو اس نبی عظیم الشان کے کلام کی نسبت فرمایا گیا تھا کہ میں اپنا کلام اوس کے منہ میں ڈالوں گا آخر درس تک دیکھو وہ کلام اوس کے دہن مبارک میں ڈالا گیا اور پھر بڑے زور و شور سے اوس کے منجانب اللہ ہونیکی تحدی بھی کی گئی اور وہ تحدی بہ تواتر اب تک چلی آتی ہے کما قال اللہ تعالیٰ۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثله وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس[۳] والحجارۃ اعدت للکافرین یعنی اور اگر تم شک میں ہو اوس کلام موعود سے جو ہم نے اپنے بندہ پر اوتارا ہے تو ایک سورہ اوسی کی مثل بنالاؤ اور جو تمہارے گواہ اس مماثلت پر اللہ کے سوا ہوں اونکو بھی بلالو اگر تم سچے ہو پس اگر نہ کر سکے اور ہرگز نہ کر سکو گے تم تو ڈرو اوس آگ سے جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو طیار کی گئی ہے منکروں کے لیے۔

اس[۱] نبی موعود آخرالزمان کے لیے ان درسوں میں فرمایا گیا تھا کہ اوسکے مخالفین مواخذہ الٰہی میں ماخوذ ہونگے یا ہلاک اور مستاصل کیے جاویں گے سو یہ پیشین گوئی مندرجہ بیبل بھی کس زور و شور سے واقع ہوئی کما قال اللہ تعالیٰ۔ ما یجادل فی آیات اللہ الا الذین کفروا فلا یغررك تقلبھم فی البلاد۔ کذبت

قبلھم قوم نوح والاحزاب من بعدھم وھمت کل امۃ برسولھم لیاخذوہ وجادلوا بالباطل لیدحضوا بہ الحق فاخذتھم فکیف کان عقاب ۲۴ یعنی خداوند تعالیٰ کی آیات موعودہ سے جو اس نبی پر اوتاری گئیں ہیں وہی لوگ جھگڑا کرتے ہیں جن کی عادت وجبلت انکار کی ہے پس ان لوگونکا عیش و آرام سے شہر در شہر سلپنا پھرنا تم کو دھوکے میں نڈالے کیونکہ انسے پہلے نوح کی قوم نے اور اونکے بعد بہت سے گروہوں نے تکذیب رسل کی ہے اور ہر ایک گروہ نے اپنے رسول کی گرفتاری کرنیکا مضبوط ارادہ کیا ہے اور جھوٹی باتوں کو سند پکڑکر جھگڑتے رہے ہیں تاکہ حق کو اوس باطل سے لڑکھڑا دیویں آخر کار ہم نے اونکو پکڑ لیا پس دیکھو کیسا میرا عذاب اونپر واقع ہوا یعنی اسی طرح پر اس رسول کے منکرین پر بھی عذاب واقع ہوگا۔ پس اب دیکھو کہ اس رسول کے مکذبین اور بڑے بڑے مخالفین کسطرح تباہ اور ہلاک ہوگئے اور مواخذہ الٰہی میں بموجب وعدہ ان درسوں کے پکڑے گئے اور قوم سے کاٹ دیے گئے جس کا ذکر قرآن مجید میں بہ تواتر متعدد جگہ مذکور فرمایا گیا ہے جیساکہ آگے ورقہی آتا ہے۔ اس رسول عظیم الشان کے بارہ میں ان درسوں میں فرمایا گیا تھا کہ وہ مثیل موسیٰ ہوگا پھر دیکھو کہ کس عظمت اور شان کے ساتھ اس مماثلت کا دعویٰ مع ثبوت دیا گیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ۔ انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا۔ فعصیٰ فرعون الرسول فاخذناہ اخذاً وبیلا ۲۹/۱۴ یعنی بے شک ہم نے تمھاری طرف محمد صلعم کو رسول کرکے بھیجا ہے جسطرح ہم نے فرعون کی طرف موسیٰ کو پیغمبر بناکر بھیجا تھا سو فرعون نے اوس رسول کی نافرمانی کی تو اوسکو ہم نے بڑے وبال میں پکڑ لیا یعنی اسی طرح درصورت نافرمانی محمد رسول اللہ صلعم کے تم بھی سخت وبال میں پکڑے جاؤگے چنانچہ تمام مخالفین اور مکذبین اس رسولؐ کے ہلاک اور تباہ ہوگئے دیکھو اون آیات قرآن مجید کو جو بہ تواتر حفاظ کے ذریعہ اونکا ہر ایک مضمون اس چودھویں صدی تک چلا آتا ہے۔ اوس رسول مقبول صلعم کے بارہ میں ان درسوں میں فرمایا گیا تھا کہ تمام انبیاء اور اونکی اولاد اور متبعین سے اس رسول کے لیے عہد و میثاق لیا گیا ہے کلام (۲۵) انتم ھم بنو الانبیاء واولاد العھد الذی عاھد اللہ بہ اٰباءنا۔ ترجمہ فارسی (۲۵) شما ہستید اولاد پیغمبران و ابناء آن عہدیکہ خدا با جداد ما بست وقتیکہ با براہیم گفت الیٰ آخرہ۔ اب دیکھو اس عہد و میثاق کا ثبوت قرآن مجید میں کس زور و شور سے موجود ہے کما قال اللہ تعالیٰ۔ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ۔ قال ءاقررتم واخذتم علیٰ ذٰلکم اصری۔ قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین فمن تولیٰ بعد ذٰلک فاولئک ھم الفاسقون ۳/۱۷ ترجمہ۔ اے پیغمبر اونکو وہ وقت یاد دلاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ نے سب پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ جو ہم نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے (وہ اس لیے دی ہے کہ) پھر کسی قدر مدت کے بعد جو رسول معہود آوے کہ تصدیق کرنے والا ہو

اوس کتاب کی جو تمھارے پاس ہے تو ضرور تم ایمان لانا اور بالضرور اوسکی مدد کرنا فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور لیا تم نے اسپر میرا عہد بھاری عرض کیا اُنھوں نے کہ ہاں ہم اسکا اقرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گواہ رہو تم اور مَیں بھی تمھارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں پس اگر اب بھی اس عہد و پیمان کے بعد کوئی منحرف ہووے تو وہی لوگ فی الحقیقت خارج ہیں دائرہ اہل کتاب اور فرمان رب سے۔ دیکھو اس آیت میں وہی عہد و میثاق جو اعمال حواریین باب تین کے درسون میں بحوالہ کتب سابقہ مذکور ہوا ہے کیسی تاکیدات کے ساتھ قرآن مجید میں بھی مذکور ہوا ہے کہ اول تو اوسکو لفظ میثاق کے ساتھ تعبیر فرمایا گیا جو عہد موثق اور مستحکم کو کہتے ہیں اور کہیں اوسکو اِصْر فرمایا گیا جس میں ایک ثقل کے معنے بھی پائے جاتے ہیں یعنی ایک عہد و پیمان بھاری۔ اور پھر اوس میثاق کی اضافت طرف النبیین کے فرمائی گئی جو صیغہ جمع کا ہے اور اوسپر الف لام بھی موجود ہے جو واسطے استغراق کے آتا ہے یعنی یہ عہد تمام انبیا سے لیا گیا ہے اور درسون مذکورہ میں بھی استغراق کی تصریح ہے اور چونکہ اصلی معنے فسق کے لغت عرب میں خروج کے ہیں چنانچہ مختار الصحاح میں لکھا ہے فسقت الرطبہ۔ خرجت عن قشرھا۔ وفسق عن امر ربہ۔ ای خرج تفسیر تبصیر الرحمٰن میں لکھا ہے فاولٰئك وان کانوا من اھل الکتاب ھم الفاسقون ای الخارجون عن دائرۃ اھلہ بالحقیقۃ فلاعبرۃ بشھادتھم ولا باخبارھم لہذا ترجمہ ہم نے اوسی کے بموجب کیا ہے اور درسون مذکورہ میں بھی یہی مفہوم خروج لکھا ہوا اب تک موجود ہے دیکھو عربی نسخہ ۱۸۱۱ء میں تستاصل من شعبھا ہے۔ اور فارسی نسخہ ۱۸۸۶ء میں لکھا ہوا ہے۔ وہر نفسے کہ آن نبی را نشنود از قوم منقطع گردد۔ اور اردو نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۷ء میں لکھا ہے۔ اور جو شخص کہ اوس نبی کی نہیں سنے گا اپنے لوگوں میں سے ہلاک ہو جاویگا۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی شہادت جو آیات بالا میں فرمائی گئی ہے وہ شہادت اس طرح پر ثابت ہے کہ ہزاروں برس کی پیشین گوئی جو بیبل میں لکھی گئی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو آیات مذکورہ میں یاد دلایا ہے باوجودیکہ صدہا تراجم بھی عہد عتیق اور عہد جدید کی السنہ مختلفہ میں ہو گئے ہیں اور حوادث ازمنہ سے صدہا آفات بھی بیبل پر ایسی واقع ہوئیں جس کے سبب سے وہ کتب ضایع اور تلف بھی ہو گئیں اور تحریفات سے بھی اُن کتابوں میں بہت سے تبدلات واقع ہوئی ہیں مگر تاہم بشارات محمدیہ و صفات حمیدہ احمدیہ نبی آخر الزمان کی جسکے ایمان لانیکی بابت اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا سے عہد موثق لیا تھا وہ عہد و میثاق اون کتابوں میں اب تک موجود ہے اور اوسی ان آیات میں قرآن مجید اہل کتاب کو یاد دلا رہا ہے۔ اس سے بڑھکر اللہ تعالیٰ کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے اور پھر جو کچھ وعید مکذبین کے لیے اون درسون میں ارشاد فرمائے گئے تھے اور قرآن مجید میں فاولٰئك ھم الفاسقون کے ساتھ اوس وعید کو تعبیر فرمایا گیا تھا وہ وعید اوسی طرح واقع بھی ہو گیا۔ صدق اللہ

تعالیٰ وضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ وباؤا بغضب من اللہ یعنی اونپر ذلت ومحتاجی لازم کردی گئی اور خداوند تعالیٰ کے غضب میں آگئے۔ اور نیز ان ورسون میں فرمایا گیا تھا کہ دوبارہ جو مسیح موعود آویگا وہ مستعد خلاص ہوگا اور جو اوقات نوحہ پہلے مسیح کے تھے وہ دوسرے مسیح کے زمانہ بعثت میں اوقات راحت کے ساتھ مبدل کیسے جاویں گے۔ اب اس تبدل کو ہم بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔ اولاً دیکھو اس قرن میں کیسے کیسے سامان اور اسباب راحت کے گورنمنٹ کی طرف سے دنیا میں پیدا ہوگئے ہیں جن کی نظیر پہلے زمانوں کی کسی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ صرف ایک سواری ریلوے ہی پر نظر کرو جس کے مقابلہ میں جملہ سواریاں متروک ہوگئیں صدق اللہ تعالیٰ واذا العشار عطلت پھر دیکھو کہ ولیترکن القلاص فلا یسعیٰ علیہا کلام نبوی میں اس کی تفسیر ہے تمام دنیا بسبب موجود ہو جانے ٹیلیگرام کے ایک شہر کا حکم رکھتی ہے اس میں کسقدر راحت اور آسایش ہے۔ صدق اللہ تعالیٰ۔ واذا النفوس زوجت۔ پھر نظر کرو کہ جو گھاٹیاں پہاڑوں کی ایسی دشوار گذار تھیں کہ اون میں کسی بشر جری وقوی الاعضا کا بھی گذر ممکن وقوعی نہ تھا وہ اب ایسا سہل العبور ہوگیا ہے کہ ایک طفل صغیر اور شیخ فانی بھی بڑی راحت اور آسایش کے ساتھ چند منٹ میں اون گھاٹیوں میں سے گذر جاتا ہے۔ صدق اللہ تعالیٰ۔ واذا الجبال سیرت۔ ترجمہ۔ اور یاد کرو اوسوقت کو جب پہاڑ چلائے جاویں گے۔ سفر بحری پر نظر کرو اور تمام بڑے بڑے دریاؤں کے پلوں پر بھی نظر ڈالو کہ کس سرعت اور راحت کے ساتھ اونپر سے ہر ایک صغیر وکبیر کا مرور ہو جاتا ہے تمام دریا پلوں کے ذریعہ سے پاٹ دیئے گئے ہیں اور سمندر بھی دخانی جہازوں سے گویا پٹے ہوئے نظر آتی ہیں۔ صدق اللہ تعالیٰ واذا البحار سجرت یعنی یاد کرو اوسوقت کو کہ دریا پاٹ دیئے جاویں گے۔ مختار الصحاح میں لکھا ہے وسجر النہر ملاٗہ ومنہ البحر المسجور وغیرہ وغیرہ اور اس سے بڑھکر دنیا میں اور کیا راحت اور آسایش ہو سکتی ہے جو نمونہ جنت کا ہے کہ تمام دنیا کی ہر ایک شے ہر ایک جگہ پر ہر ایک شخص طلب کر سکتا ہے یہ کیسی عظیم الشان آسایش اور راحت ہے۔ پھر غور کرو نہروں کے جاری ہونے میں جو بڑی کثرت کے ساتھ اس زمانہ میں جاری ہوگئی ہیں تمام مخلوق پرند چرند اور انسانوں کو کسقدر راحت اور آسایش اون سے حاصل ہے جو پہلے کسی زمانہ میں حاصل نہیں ہوئی تھی صدق اللہ تعالیٰ واذا البحار فجرت یعنی جب دریا چیرے جاویں گے۔

اور پھر دوسری صفت مسیح موعود کی نسبت جو ان ورسون میں المستعد للخلاص یعنی وہ دوسرا مسیح جسکی استعداد اور فطرت ہی میں خلاص اور بریت ہے، لکھی ہوئی ہے وہ کیسی اسپر صادق ہو رہی ہے دیکھو مخالفین کی طرف سے جو مقدمات فوجداری اور دیوانی اونپر دائر کیے گئے پھر مخالفین نے جان توڑ کوششیں کیں کہ یہ مدعی مسیحیت کا ماخوذ ہو کر گرفتار ہو جاوے قتل کیا جاوے سولی پر چڑھا دیا جاوے لیکن اوس کی بریت اور خلاصی

ہر ایک مقدمات مذکورہ میں ہوتی رہی اور اُلٹے مخالفین ہی ذلیل ہوئے خوار ہوئے اور سزایاب بھی ہوئے دیکھو
کتاب البریۃ وغیرہ وغیرہ کو۔ جس سے تمکو کالشمس فی نصف النہار ثابت ہو جاوے کہ یہ وہی مسیح موعود ہے جسکی
صفت بطور پیشین گوئی کتاب اعمال حواریین باب ۳ میں ویرسل الیکم یسوع المسیح المستعد للخلاص
(ترجمہ۔ اور بھیجے تمھاری طرف یسوع مسیح کو وہ مسیح جس کے استعداد میں خلاص اور بریت ہے) لکھی گئی ہے پھر یہ
پیشین گوئی اب تک موجود بھی ہے۔ اور پھر نظر ثانی کرو اون صدہا الہامات پر جن میں پیشتر سے اس مسیح موعود کو اپنی بریت
اور خلاص کی خبر دی گئی ہے اور اپنے اپنے وقت پر وہ بریت اور خلاص اوسی طرح پر واقع ہوئی جس طرح سے کہ صدہا الہامات
میں خبر دیگئی تھی۔ اگر یہ مسیح موعود سچا مدعی نہیں اور مصداق اوس پیشین گوئی مندرجہ کتاب اعمال باب ۳ کا نہیں تھا
جس میں المستعد للخلاص لکھا ہوا ہے تو پھر اوس کو یہ الہامات بریت اور خلاص کے کیوں ہوئے اور پھر وہ
صادق ومصدوق ہو کر کیوں پورے ہو گئے۔ صدق المسیح الموعود فی الہاماتہ ولنحیینك حیوٰۃً طیبۃ۔ و
ینصرك الله فی مواطن وغیرہ وغیرہ من الالہامات الکثیرۃ۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ درصورت عدم صدق دعوئ آنحضرت صلعم کے موافق درسوں اخیر باب ۱۸ اٹھارہ اوسی
کتاب استثنا کے ضروری تھا کہ یہ فتوحات عظیمہ تمام علوم ضروریہ کی اور نیز فتوحات ملکوں کی کیونکر حاصل ہو سکتی تھیں
کیونکہ اون درسوں میں جھوٹے مدعی نبوۃ کا ہلاک اور تباہ ہونا بھی لکھا ہوا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس درصورت عدم صدق
دعوئ مسیح موعود کے یہ کامیابی اور فتح عظیم حقائق اور معارف قرآنی کی اوسکو کیونکر حاصل ہو سکتی تھی صدق الله
تعالیٰ ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین فما
منکم من احد عنه حاجزین یعنی اور اگر یہ پیغمبر ہمارے اوپر بعض اقوال جھوٹے منسوب کرتا تو
ہم اوس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اوس کی شہ رگ کو کاٹ ڈالتے اور تم میں سے کوئی شخص اوس سے ہم کو روک نہ سکتا
چنانچہ مدعیان کاذب اور نیز مخالفین کی نسبت بموجب حکم تورات اور قرآن مجید کے ایسا ہی کچھ واقع ہوا مسیلمہ کذاب
وغیرہ وغیرہ ہلاک اور تباہ کیے گئے۔ علیٰ ہذا القیاس زمانہ مسیح موعود میں بھی مدعیان کاذب یا مخالفین ہلاک اور
تباہ ہوئے اور ہوتے چلے جاتے ہیں دیکھو لیکھرام دیانند اندرمن چراغ دین غلام دستگیر وغیرہ وغیرہ کو۔
اور سر اس میں یہی ہے کہ جو مکذب مامور من الله کی کارروائی کو روکنا چاہتا ہے وہ الله تعالیٰ سے لڑائی کرتا ہے پھر وہ کیونکر
اوس کارروائی (مراد الٰہی) کو روک سکے۔ والله غالب علیٰ امرہ و فعال لما یرید۔ اور جو جھوٹا مدعی
ہوگا اوس پر علوم الٰہی کیونکر منکشف ہو سکتے ہیں وہ تو فنون شیطانی کا مخزن اور ضال اور مضل ہوگا لہذا اوسکا
ہلاک اور تباہ نہ ہونا منافی حکمت الٰہی کے ہے جس سے صادق اور کاذب کی تمیز میں امن جاتا رہیگا۔

اب ہم سوائے اہل کتاب کے جنپر بخوبی اتمام حجت ہو چکا آریوں وغیرہ کو بھی مخاطب کرکے سوال کرتے ہیں کہ یہ پیشین گوئی

ہزاروں برس کی جو تمام انبیا نے بہ تواتر بیان فرمائی تھی اور اہل کتاب میں بہ تواتر منقول ہوتی چلی آتی تھی حتیٰ کہ ابتک موجود ہے اور پھر اوس پیشین گوئی کا پورا ہونا بھی بالکل وجہ تواتر تحریر ہذا میں اس قرن تک ناظرین کو مشاہدہ کرادیا لہٰذا اہل الرائے سے استفسار ہے کہ اب منکرین کو حقیت کتاب اللہ اور نبوۃ محمدیہ کی تصدیق نہ کرنے میں کونسا عذر باقی ہے لانہ ثبت المدعا بالبرھان الجلی فاین المفر للعاقل والذکی +

دلیل نمبر دوم - یہ استدلال فقط نام سورہ فاتحہ سے کیا گیا ہے جس سے کتاب اللہ شروع کی گئی ہے اور مکی حالت میں اوس کا نزول ہوا ہے۔ لفظ فاتحہ مصدر ہے بمعنی فتح کے جیسا کہ لیس لوقعتہا کاذبہ میں کاذبہ بمعنی کذب کے ہے یہاں پر یہ مصدر بمعنی مفعول کے ہے جیسا کہ خلق بمعنی مخلوق کے یعنی مفتوح منہ الکتاب یعنی وہ سورہ جس سے قرآن مجید شروع کیا گیا ہے چنانچہ قطر المحیط اتقان اور تفسیر کبیر وغیرہ میں لکھا ہے فاتحۃ الشئی اولہ الذی یفتتح بہ ما بعدہ ومنہ فاتحۃ الکتاب اس سورہ کا خاص ذکر کتب بیبل میں موجود ہے دیکھو عربی انجیل ۱۸۱۱ء ورایت ملکاً اخر قویاً نازلاً من السمآء قد التحف بسحابۃ وکانت دائرۃ علیٰ راسہ وکان وجہہ کالشمس ورجلاہ کانتا کاعمدۃ من نار ÷ وقد مسک بیدہ مصحفاً مفتوحاً وجعل رجلہ الیمنی علی البحر ورجلہ الیسرے علی الارض ÷ وصاح بصوت عظیم کالاسد یزئر فعند ما صاح تکلمت الرعود السبعۃ باصواتہا ÷ فلما تکلمت السبعۃ رعود اردت ان اکتب فسمعت صوتا من السمآء یقول اختم ما تکلمت السبعۃ رعود ولا تکتبہ ÷ والملک الذی رأیتہ قائما علی البحر وعلی الارض رفع یدہ الیمنی الی السمآء ÷ واقسم بالحی الی ادھار الادھار الذی خلق السمآء وما فیہا والارض وما علیہا والبحر وما فیہ انہ لا یکون زمان من بعد ÷ ولاکن فی الایام التی یصوت فیہا الملک السابع بالبوق السابع یتم سر اللہ الذی بشرت بہ عبیدہ الانبیاء نسخہ عربیہ ۱۸۱۱ء فصل ۱۰ مشاہدہ یوحنا ترجمہ اسکا فارسی انجیل سے یہ ہے۔ (۱) و فرشتہ تنومند دیگر را دیدم کہ از آسمان نازل مے شد پوشیدہ بود با برے و قوس قزح بر سرش و صورتش چوں آفتاب و پایہائش چوں ستونہائے آتش مے بود (۲) و داشت در دست خود کتاب کوچک کشادہ و نہاد پائے راست خود را بر دریا و چپش را بر زمین (۳) و بآواز بلندی چوں غرش شیر فریاد نمود و چوں فریاد نمود ہفت رعد صداہائے خود را دادند (۴) و چوں آں ہفت رعد صداہائے خود را دادند من در ارادہ نوشتن بودم کہ آوازے را از آسمان شنیدم کہ مرا گفت بر آنچہ آں ہفت رعد گفتند

مہرکن وآں رامنویس (۵) و دیدم آں فرشتہ راکہ بر دریا و زمین استادہ بود کہ دست خود را بآسمان بلند نمود۔ (۶) وسوگند یاد کرد کہ بآنکس کہ تا ابدالآباد زندہ است وآسمان وا بادیش و زمین وا بادیش و دریا وا بادیش راآفرید کہ دیگر زمان نخواہد بود۔ (۷) بلکہ در ایام فرشتہ ہفتم ہنگامیکہ صور دمد سر خدا بغایت خواہد انجامید چنانچہ بہ بندگان خود پیغمبراں خبر دادہ است نسخہ فارسی عہد جدید جو ۱۸۷۸ء کا مطبوعہ ہے۔ اور ترجمہ اردو یہ ہے (۱) میں نے اور ایک روز آور فرشتہ کو آسمان سے اوترتے دیکھا جو بادل پہنے ہوئے ہے اور اوس کے سر پر قوس قزح اور اوسکا چہرہ سورج کی مانند اور اوس کے پاؤں آگ کے ستون کی مانند تھے۔ (۲) اوس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی کھلی ہوئی کتاب تھی اور اوس نے اپنا داہنا پانو سمندر پر اور بایاں پانو زمین پر دھرا (۳) اور آواز بلند سے جس طرح شیر گرجتا ہی پکارا تب سات بادل گرجے۔ (۴) جب سات بادل گرج چکے مَیں لکھنے پر تھا اور مَینے آسمان سے ایک آواز یہ کہتے ہوئے سنی کہ ان باتوں پر جنہیں سات رعدوں نے بیان کیا مہر کر اور مت لکھ (۵) تب اوس فرشتہ نے جسے مَینے سمندر اور زمین پر کھڑے دیکھا اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیا (۶) اور اوس کی جو ہمیشہ زندہ ہے اور جسنے آسمان کو اور سب کچھ جو اوس میں ہے اور زمین کو اور سب کچھ جو اوس میں ہے اور سمندر کو اور سب کچھ جو اوس میں ہے پیدا کیا قسم کر کے کہا کہ اب تک زمانہ نہیں ہے (۷) بلکہ ساتویں فرشتہ کی آواز کے وقت جب وہ پھونکنے پر ہو گا خدا کا راز جیسا کہ اوس نے اپنے نبیوں کو ظاہر کیا پورا ہو گا انتہی عہد جدید مطبوعہ ۱۸۶۲ء اور اسکے حاشیہ سے ثابت ہے کہ یہ مکاشفات ۱۸۹۶ عیسوی کے ہیں اب ہم اس مکاشفہ کی شرح بطور تعبیر کے لکھتے ہیں۔ ورس اول میں لکھا ہوا ہے کہ وہ فرشتہ جو آسمان سے مکاشفہ یوحنا میں اوترتے ہوئے دکھائی دیا بڑا قوی اور تنومند تھا یہی صفت اوس فرشتہ کی ہے یعنی حضرت جبریل کی جو قرآن مجید میں بھی لکھی ہوئی ہے کما قال اللہ تعالےٰ وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحٰی علمہٗ شدید القوٰی ذو مرۃ یعنی وہ نہیں بولتا اپنی خواہش سے وہ کلام اوسکا تو وحی ہی ہے جو اوسکی طرف بھیجی جاتی ہے تعلیم کیا ہے اوسکو اوس فرشتہ نے جو سخت قوتوں والا ہے باعتبار جسم کے اور صاحب طاقت روحانی کا ہے بلحاظ عقل اور روحانیت کے۔ اور یہی مضمون ورس مذکور میں موجود ہے کہ اوسکا چہرہ سورج کی مانند تھا یعنی قوائے روحانی اوس کے جو اعلیٰ درجہ میں ہیں نہایت درجہ پر روشن تھے اور اوس کے پانو آگ کے ستونوں کی مانند تھے یعنی قوائے جسمانی اوس کے جو اسفل میں ہیں بہت قوی تھے۔ اور ورس دوم کا مضمون بھی سورہ فاتحہ پر صادق آتا ہے کیونکہ مصحف عربی میں کتاب کے ایک حصہ کو کہتے ہیں جسکو کراسہ بھی کہا جاتا ہے اور سورہ فاتحہ کتاب اللہ کا ایک چھوٹا سا حصہ ہی ہے اس لیے عربی نسخہ بیبل میں مصحفا مفتوحا اوسکی نسبت لکھا ہوا موجود ہے یعنی وہ مصحف جس سے کتاب اللہ شروع کی گئی ہے اور یہی معنے فاتحہ الکتاب کے ہیں اور چونکہ اس سورہ کا نزول واسطے اصلاح

بحر و بر کے ہوا ہے لہذا داہنا پیر اوس فرشتہ کا سمندر میں اور بایاں پیر اوسکا خشکی پر مکاشفہ میں منکشف ہوا۔ اور دوسرے رس سوم کا مضمون بھی سورہ فاتحہ پر بخوبی صادق آتا ہے کیونکہ سورہ فاتحہ کا نزول جس کو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم فرمایا ہے ایک بڑی شان جلالی کے ساتھ ہوا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ انا سنلقی علیک قولا ثقیلا یعنی بے شک ہم اوتارتے رہے تم پر کلام بھاری ایضاً ولو انزلنا ھٰذا القراٰن علیٰ جبل لراٰیته خاشعا متصدعا من خشیة اللہ اور اگر اوتارتے ہم قرآن کو کسی پہاڑ پر تو تم دیکھتے اوسکو خوف سے جھکا ہوا اور پھٹا ہوا۔ اور اس لیے احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلعم کو وقت نزول وحی کے کیفیات شاقہ پیدا ہو جاتی تھیں۔ اور جو ورس چار وغیرہ تا آخر میں لکھا ہوا ہے وہ بھی سورہ فاتحہ کی نسبت خود قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ یہ سورہ ہم نے بے شک تجھی کو عطا فرمائی ہے یعنی نہ اور کسی نبی کو۔ کما قال اللہ تعالیٰ ولقد اٰتینٰک سبعا من المثانی والقراٰن العظیم اور ظاہر ہے کہ سورہ فاتحہ کی سات ہی آیتیں ہیں جیساکہ اس آیت کی تفسیر میں احادیث اصح الصحاح سے ثابت ہے کہ سبع مثانی سورہ فاتحہ ہی ہے اور ان ورسوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سات ہی بادلوں نے گرج کر سات کلام بیان کیے اور رعد ہائے ہفتگانہ نے بڑے زور شور سے اونکو تلاوت کیا اور نیز بڑے شد و مد سے فرشتہ آسمانی ذی اسبات نے قسم کھائی کہ ابھی تک اس مصحف مفتوح کے نزول کا وقت نہیں آیا اس لیے اوسکو نہ لکھنے کے لیے اور اوسپر مہر کرنے کے لیے یعنی مخفی رکھنے کے لیے سخت تاکید کی۔

اب ہم نظر ثانی کرتے ہیں کہ ان ساتوں آیتوں کا مضمون آنحضرت صلعم کے زمانہ بعثت میں واقع ہوا یا نہیں اگر واقع ہوا ہے تو بالضرور یہ مصحف مفتوح آپ کو دیا گیا ہے والا فلا۔ ہر ایک اہل بصیرت کو بہ تواتر یہ بات معلوم ہے کہ مکی حالت میں آنحضرت صلعم فداہ ابی و امی مشرکین اور مخالفین کی طرف سے بظاہر بہت ستائے گئے اور جو کوئی اسلام میں داخل ہوا اوسپر مخالفین کی طرف سے طرح طرح سے اوس حالت میں ظلم کیے گئے حتیٰ کہ خود آنحضرت صلعم کے بارہ میں قتل کے منصوبے تجویز ہوئے اور بالآخر آپ کو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ ہاں حالت مدنی میں آغاز فتح بدر سے فتوحات عظیمہ حاصل ہونی شروع ہوئیں پس اب ہم کہتے ہیں کہ یہ سورہ فاتحہ جو اوایل میں آپ کو عطا ہوئی ہے جیساکہ اتقان اور تفسیر کبیر وغیرہ میں لکھا ہوا ہے اس نام فاتحہ میں ایک بشارت یہ دی گئی کہ اگرچہ تم کو تبلیغ ما انزل اور دین اسلام میں تکالیف اور مصایب بھی پیش آویں گے لیکن اوسکے ساتھ ہی خزائن علوم کے برکات اور خزائن ملکی کی فتوحات عظیمہ بھی تمکو حاصل ہوں گی جیساکہ واقع ہوا جسکا علم بہ تواتر ہمکو حاصل ہو چکا ہے۔ اب دیکھو بسم اللہ میں جو تین اسماء اللہ رحمٰن اور رحیم ہیں اونمیں حسب ذیل بشارات ہیں اسم اللہ کا مشعر ہے اس طرف کہ علوم الٰہیات اور نیز اوسکے اسما کا علم جنکا شمار ہزاروں سے بڑھکر ہے اور جنپر تمام

علوم دینیہ کا دارومدار ہے تمکو حاصل ہوگا کما وقع دیکھو علوم مدونہ اہل اسلام کو۔ الرحمن اور الرحیم میں یہ
اشارہ ہے کہ حسب مقتضائے صفت رحمانیت اور رحیمیت کے نعمائے دین و دنیا کی تمکو عطا کیجاویں گی۔ اب
دیکھو کہ جو لوگ محض امی بکریوں کے چرانے والے تھے انکو کیسی کیسی وہ نعمائے دنیا و دین کی عطا فرمائی گئیں جس سے
پہلی امتیں محروم رہیں تھیں اسی لیے الحمد للّٰہ میں ان نعمتوں کے شکر کی طرف متوجہ کیا گیا رب العلمین میں
یہ اشارہ ہوا کہ حسب مقتضائے اپنی صفت ربوبیت عامہ کے آپکے وجود با جود کو تمام عالموں کی رحمت کے لیے دنیا میں
رسول کر کر بھیجا ہے کما قال اللہ تعالیٰ وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین اب دیکھو اسکی ربوبیت عامہ کے
تقاضے کو کہ جس دین اسلام کی تبلیغ کے لیے وہ رحمۃ للعالمین ایک چھوٹی سی بستی میں مبعوث ہوئے تھے اوّلاً اوسکے
آغاز پر نظر کرو کہ سوائے ایک یا دو آدمیوں کے تیسرا شخص کوئی نہیں تھا اور پھر جو بتدریج ترقی ہوتے ہوتے اس
درجہ کمال کو پہنچا اوسکو اس زمانہ مسیح موعود میں نظر کرو کہ اب کسقدر انسان دین اسلام میں موجود ہیں اور کیسی
کیسی برکات روحانی اور فیضان نورانی اوس میں پائے جاتے ہیں جو کسی دوسرے مذہب میں تمام دنیا کے مذاہب میں سے
نہیں پائے جاتے دیکھو اس مسیح موعود اور مہدی معہود کو جو مصداق ہے اس شعر کا ؎

الیس اللہ بکاف عبدہٗ مرزا غلام احمد ✠ مسیح وقت و مہدی ہم مجدد بر سر اینصد۔

صدق اللہ تعالیٰ انا اعطیناک الکوثر الیٰ قولہ تعالیٰ و ان شانئک ھو الابتر مکرر الرحمن الرحیم میں
یہ بشارت ہے کہ تمام آفات مہلکہ سے آپ محفوظ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی صلوات ہمیشہ آپ پر اور آپکے متبعین پر
روز افزوں پہنچتی رہیں گی دیکھو کوئی بستی مشہور دنیا میں ایسی نہیں ہے کہ اوس میں نماز ہائے پنجگانہ اور دیگر
اوقات میں آپ پر صلوات نہ بھیجی جاتی ہوں صدق اللہ تعالیٰ ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی
یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اور اوسکے تمام فرشتے
اوس نبی موعود پر جسپر سورہ فاتحہ نازل ہوئی ہے رحمت اور درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی سب ملکر
صلوۃ اور سلام اوسپر بھیجتے رہو مالک یوم الدین میں یہ اشارات پر بشارت ہیں کہ عالم معاد میں بھی
اللہ تعالیٰ حسب مقتضا اس صفت مالکیت کے آپکے متبعین اور پیرو ونکو جنات عدن میں داخل کریگا اور
مخالفین اشقیا کو درکات جحیم میں پہنچاویگا کیونکہ تمام اعتقادات صحیحہ اور اعمال صالحہ کا بیان مجمل اسی چھوٹی سی سورہ
فاتحہ میں موجود ہے جس کے علم اور عمل سے انسان جنات الفردوس حاصل کر سکتا ہے۔ ایاک نعبد میں یہ
اشارہ ہے کہ جملہ انواع عبادات کی خواہ جسمانی ہوں یا روحانی قلبی ہوں یا قالبی اون سب کا علم بواسطہ اس سورہ
فاتحہ کے تمکو دیا گیا ہے جسکی تفصیل قرآن عظیم میں موجود ہے ایاک نستعین میں یہ اشارہ ہے کہ چونکہ
اس طرز سے مدد کا مانگنا ہم نے ہی سورہ فاتحہ میں تمکو سکھایا ہے اس لیے ہماری اعانت بمقابلہ مخالفین کے ہمیشہ تمکو

پہنچتی رہے گی دیکھو اون متواتر اعانتوں الہیہ کو جو نبی کریم صلعم اور اُنکے متبعین خالصین کو زمانہ ماضی میں پہنچتی رہی ہیں اور ہمکو اوسکا علم بہ تواتر حاصل ہے اور اس قرن میں اوس اعانت الٰہی کو بذریعہ مسیح موعود ہم مشاہدہ کر رہے ہیں عیاناً چہ بیان - اھدنا الصراط المستقیم میں یہ اشارہ ہے کہ علوم ظاہری اور باطنی میں تمکو وہ سیدھا راستہ عنایت کیا جاوے گا کہ تمھارے استدلال ظاہری سے بھی تمام مخالفین عاجز رہیں گے اور تمھارے روحانی حربوں سے بھی بسبب مزید تصفیہ قلب کے تمام حکما اور فلاسفر مغلوب اور نیچے ہوجاویں گے کیونکہ خط مستقیم تو باقی خطوط منحرفہ سے اقصر الخطوط ہوا کرتا ہے - اور صراط الذین انعمت علیھم میں یہ بشارت دیگئی ہے کہ تمھاری امت کو تمام مدارج انبیا اور مراتب اولیا کے وقتاً فوقتاً الی یوم القیامہ مرحمت کرتے رہیں گے اس لیے کہ یہ سورہ فاتحہ جامع ہے تمام اعتقادات صحیحہ اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کی - جسکی تفسیر باقی قرآن مجید میں ہے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین میں یہ اشارہ ہے کہ ماسوا تمھارے اور تمھارے متبعین کے جو لوگ سورہ فاتحہ کے مخالف ہیں وہ سب کفار اور فساق ہیں جنکے اعمال بھی فاسد ہیں اور اخلاق بھی ردی ہیں اور اعتقادات بھی باطل ہیں اور وہی مغضوب علیہم ہیں یا ضالین ہیں اگرچہ یہ جملہ امور جو مختصراً سورہ فاتحہ کے مضامین ہیں آنحضرت صلعم سے لیکر اس امت مرحومہ کے اولیاء روحانی اور علمائے ربانی میں بہ تواتر منقول ہوتے چلے آئے ہیں مگر بایں خیال کہ کوئی شخص یہ کہے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ - اس لیے ہم اپنے زمانہ میں بھی اسکا ثبوت کامل دیے دیتے ہیں تاکہ پورے طور پر اتمام حجت ہوجاوے جب راس صدی چہاردہم کو ہم مشاہدہ کرتے ہیں تو اس امر کو موجود پاتے ہیں کہ حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب نے کتاب براہین احمدیہ کے صفحات ۵۲۹ و ۵۳۰ و ۵۳۱ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ سورہ فاتحہ مع قرآن مجید اور اوسکی معارف اور حقایق اور خواص کے مجھکو عطا ہوئی ہے اور اس کی طرف تمام لوگوں کو دعوت بھی کرتے ہیں -

اب ہم چاہتے ہیں کہ اونکے اس دعوے کی حقیقت پر نظر اور غور کریں تو بعد نظر اور غور کرنیکے اس دعوے کی حقیقت کو کالشمس فی النہار ہم ثابت پاتے ہیں کیونکہ واقعات اس مدت ۲۵ یا ۲۶ سال کو اونکے دعوے کی صداقت کے لیے شواہد قطعیہ دیکھتے ہیں اور چونکہ واقعات کا انکار نہیں ہوسکتا لہٰذا اونکا یہ دعویٰ ایک صداقت ثابت شدہ ہوگا - اب ہم ہر ہفت آیات سورہ فاتحہ کے مضامین پر نظر کرتے ہیں کہ وہ مضامین ہفت گانہ فاتحہ کے یہاں پر کیونکر واقع ہوئے - اوّل وہ زمانہ لو جو نفخ صور بسم اللہ کا زمانہ ہے تو اس بعثت مسیح موعود کے اوائل زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اوس میں آغاز کتاب براہین احمدیہ کا ہوا تھا جس میں تمام واقعات آیندہ متعلق بعثت زمانہ مسیح موعود کی خبریں بطور پیشینگوئی کے مندرج تھیں جو اس تحریر کے وقت تک صدہا واقع ہوچکیں اور آیندہ ہوتی رہیں گی دیکھو کتاب تریاق القلوب وغیرہ کو - اور اسی اوائل زمانہ میں (۱۶۰۰)

اشتہارات تبلیغ حقیقت کتاب اللہ اور نبوۃ محمدیہ کے تمام دنیا میں بھی شایع کیے گئے جن سے ایک غلغلہ اور آوازہ حقیقت قرآن مجید اور نبوۃ محمدیہ کا تمام چاردانگ عالم میں پہنچ گیا اور جملہ ادیان باطلہ کا ایوان متزلزل ہوگیا کما قیل سے چو صیتش در افواہ دنیا فتاد ✦ تزلزل در ایوان کسرے فتاد ۔ اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ متعدد تفاسیر متضمن حقایق و معارف سورہ فاتحہ کی عربی فارسی اردو میں متحدیانہ آپکے قلم سے نکلکر تمام دنیا میں شایع ہوئیں جنکے مقابلہ پر کوئی مخالف آجتک قادر نہیں ہوسکا پس اگر یہ اوائل زمانہ میں نفخ صور بسم اللہ کا اس مسیح موعود کے لیے اللہ تعالی کی طرف سے نہیں ہوا تھا تو یہ صدہا پیشین گوئیاں مندرجہ براہین احمدیہ کیوں واقع ہوئیں۔ اور پھر اشاعت (۱۶۰۰۰) اشتہار کی توفیق اوسکو کیونکر دی گئی۔ اور پھر اون تفاسیر متحدیانہ سورہ فاتحہ صرف اوسی کو قدرت کیوں دی گئی اور اوس کے مخالفین اون تفاسیر کے مقابلہ کرنے سے کیوں عاجز رہے باوجودیکہ بذریعہ اشاعت اشتہارات غیرت دہ کے اونکو غیرت بھی دلائی گئی تھی ان واقعات سے ثابت ہوا کہ یہی اوائل زمانہ یعنی راس صدی چہاردھم اس مسیح موعود کیلیے بسم اللہ کے نفخ صور کا زمانہ تھا جس میں حسب مقتضائے اسم ذات اللہ اور تقاضائے صفات رحمٰن و رحیم کے حقیقت کتاب اللہ اور نبوۃ محمدیہ کا غلغلہ تمام چاردانگ عالم میں ایسا برپا ہوگیا کہ اوسکی نظیر اس تیرہ صدی میں (بجز اوس نبی آخر الزمان کے جسکو اول بالذات یہ سورہ فاتحہ مرحمت ہوئی تھی) اور نہیں پائی جاتی۔ پھر ہم نظر کرتے ہیں کہ الحمد للہ رب العلمین کے نفخ صور کا زمانہ اس کے بعد آیا یا نہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ضرور آیا کیونکہ ہم نے مشاہدہ کرلیا کہ بعد دعوی مسیح موعود اور مہدی معہود کے شایع ہونیکے ایک عالم یعنی تمام اہل مذاہب بیرونی و اندرونی دنیا بھر کے اوسکی مخالفت اور عداوت میں مستعد و کمربستہ ہوگئے اور اوس کے قتل اور ہلاک کرنے میں کوئی دقیقہ اونہوں نے فروگذاشت نہ کیا اور جس امر کے لیے اللہ تعالی نے اوسکو مبعوث فرمایا تھا اوسکے روکنے کے لیے سبنے اجماع کرکے ہزاروں طرح کی تدابیر اور جان توڑ کوششیں کیں۔ مگر سب کے سب اپنے ان ارادوں میں نامراد اور ناکام رہ کر خود ہی ذلیل ہوگئے۔ مگر وہ مرد میدان کا اللہ تعالی کی محامد اور صفات حمیدہ کو اور نیز اوس کے رسول آخر الزمان کی عظمت شان کو دنیا میں برابر شایع کرتا رہا اور مخالفین کی عداوتوں سے اوسکا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا پس اگر یہ مدعی آیت الحمد للہ رب العلمین کی تجلیات کا مورد کامل نہیں تھا تو ایسا کچھ کیوں واقع ہوا اور اسی زمانہ کا یہ مقتضا ہوا کہ آئینہ کمالات برکات الدعا. کرامات الصادقین وغیرہ وغیرہ جیسی کتابیں اوسکی طرف سے دنیا میں شایع ہوئیں۔ اور علاوہ اسپر یہ ہوا کہ اس زمانہ میں فتوحات عظیمہ کا دروازہ بھی کھلنا شروع ہوگیا. ہمیں وجہ الرحمٰن الرحیم کی تجلیات مکرر نے اپنے ورود سے اوسکی صداقت کو اور ثابت کردیا کہ بالضرور سورہ فاتحہ اللہ تعالی کی طرف سے اوسکو عطا کی گئی ہے۔ اسی کے بعد زمانہ مالک یوم الدین کا بطور نمونہ اور ظل کے

دنیا میں ہونا بھی ضروری تھا کیونکہ اگر کل دار ومدار وعد اور وعیدوں دین اسلام کا قیامت ہی پر رکھا جاوے
تو پھر مابہ الامتیاز درمیان دین اسلام اور دیگر ادیان باطلہ کے کیا ہوگا اس لیے اس زمانہ وسط میں مکذبین
تباہی اور ہلاکت کا آنا شروع ہوگیا دیکھو واقعات لیکھرام آتھم اور غلام دستگیر وغیرہ وغیرہ کو کہ کیونکر حسب
الہامات شائع شدہ ہلاک اور تباہ ہوگئے اور موافقین مخلصین اپنے مراتب اخلاص اور عرفان کے موافق
کامیاب اور بامراد ہوئے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مامور من اللہ کے زمانہ اوسط میں ایک نمونہ یوم الدین کا ضرور
واقع ہوجاتا ہے تاکہ اوسکی صداقت ہر ایک اہل بصیرت پر واضح اور لائح ہوجاوے اور مخلصین میں
اخلاص واسطے عبادت الٰہی کے ترقی کرے اور خاص اللہ تعالیٰ کی ہی جناب میں استعانت کرنے سے
اونکو اعانت الٰہی پہنچے سو ایسا ہی واقع ہوا کہ اوسوقت میں ہزاروں بندگان خدا نے اوسکے ہاتھ پر
شرک خاصہ نصاریٰ سے توبہ کی اور عبادت الٰہی کو شرک عیسوی سے خالص اور منزہ کیا والحمد بعد کہ بجائے
ربنا المسیح کے (جسمیں نادان اہل اسلام بھی کسی قدر اونکے شریک حال ہوگئے ہیں) اب خالص
ربنا اللہ کا نعرہ ہر ایک مخلص کی زبان سے بلند ہوا اور یہی تجلی ہے ایاک نعبد وایاک نستعین
کی جو جماعت احمدیہ میں ہر ایک شخص اہل بصیرت کو مشاہد ہو رہی ہے حتیٰ کہ عیسائی دجاجلہ ان تجلیات احمدیہ
سے فرار کرنے لگے ہیں اس لیے اب کسی بڑے پادری دجال کی بھی مجال نہیں کہ کسی احمدی بھائی کا مناظرات
میں مقابلہ کرسکے پس اگر اس تجلی ایاک نعبد وایاک نستعین کا یہ مسیح موعود مورد نہیں تھا
تو پھر یہ دجاجلہ ہر ایک احمدی سے کیوں فرار کرنے لگے ہیں۔ اب دعا اھدنا الصراط المستقیم جو اس فاتحہ
میں تعلیم فرمائی گئی ہے اوس میں سر یہ ہے کہ اولاً تو جب کوئی بادشاہ اپنی رعایا میں سے کسی کو کوئی درخواست
اپنی طرف سے ارشاد فرماوے کہ ہمارے دربار میں اس قسم کی درخواست گذرانو تو اس حکم کے نفاذ سے
ہر ایک اہل بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ بادشاہ کو اوس مطلوب شے کا عطا کرنا مقصود ہے لا غیر۔ ثانیاً تمام
انبیا اولیا اور حکما کا اس امر پر اجماع چلا آتا ہے کہ دعا میں بہت بڑی تاثیر ہے یہانتک کہ یہ مقولہ مشہورہ ہے
کہ الدعاء لاستجلاب المطالب کالفکر لاستجلاب العلوم اس لیے اس دعا کے سکھانے
سے ثابت ہوا کہ اس امت کے لیے اس زمانہ میں تمام امور دینیہ اور دنیویہ میں صراط مستقیم کا عطا فرمانا بذریعہ مسیح موعود
ومہدی معہود جناب الٰہی کو منظور ہے کیونکہ تمام بحر و بر میں افراط و تفریط واقع ہو رہی ہے جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے
ظہر الفساد فی البر والبحر ایضاً فرمایا وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء
علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا پس اولاً وبالذات تو یہ صراط مستقیم اوس رسول کو
عطا فرمایا گیا جسپر اولاً یہ سورہ نازل ہوئی اور اس زمانہ آخری میں وہ صراط مستقیم مسیح موعود کو عطا ہوا ہے

کہ وہ تمام اپنی تعلیمات میں افراط و تفریط کو ترک کر کر اوساط کو اختیار کر رہا ہے دیکھو اعتقادات الٰہیات کو۔ اوسکی کتابوں میں نہ تو وہ تعلیم ہے جس سے صفات الٰہیہ کی نفی ہوتی ہو اور نہ اس طرح پر اثبات صفات کا ہے جس سے تشبیہ جسمانی لازم آوے نہ بالکل جبر ہے نہ بالکل تفویض ہے نہ نفی ہے کلام الٰہی کی جیساکہ مخالفین مکالمات الٰہیہ کی نفی کر رہے ہیں اور نہ اوس طرح پر اثبات ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے زبان اور موتھہ کا ہونا لازم آجاوے تعلیم اخلاق میں کیسی تہذیب فرما رہا ہے کہ لایعنی علوم اور فکرات سے قوت نظریہ کے بچانیکے لیے تعلیم فرماتا ہے اور نظر و فکر کو معطل کر دینے سے بھی بچاتا ہے قوت شہویہ کو اس طرح پر تہذیب فرما رہا ہے کہ لذات کے انہماک سے بھی روکتا ہے اور جس امر کی اجازت عقلاً و شرعاً ہووے اوس کے استعمال کے لیے تعلیم فرماتا ہے اور چونکہ اس زمانہ میں عموماً قوت غضبیہ میں بڑا افراط ہو رہا تھا جو موجب فساد اور نقص امن کا ہے اس لیے اوسکی تعلیم میں بموجب فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ کے اوس قوت کا بالکل فرو کر دینا پایا جاتا ہے جو مقتضا اوس کی صفت خاصہ یضع الحرب کا ہے کیونکہ قوت غضبیہ کی اصلاح بغیر اس تدبیر کے نہیں ہو سکتی تھی کہ العلاج بالضد مقولہ مشہورہ ہے۔ پس جبکہ اوسکی کتابوں میں ہر ایک امر کے لیے صراط مستقیم کی تعلیم پائی جاتی ہے تو اس سے بحکم دلیل انی کے ثابت ہوا کہ صراط مستقیم کی تجلیات کا وہی الفرد مورد ہے۔

اب واضح ہو کہ سورہ فاتحہ کی آخری آیت ہفتم یعنی صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی تجلی کا مورد اگرچہ آنحضرت صلعم کا آخری زمانہ اولاً و بالذات تھا مگر چونکہ آپ خاتم النبیین (صلعم) ہیں اور آپکے زمانہ بعثت و نبوت کا سلسلہ قیامت تک جاری ہے اس لیے واسطے اتمام حجت آخری زمانہ کے اور نیز اسلیے کہ اس آخری زمانہ میں شیطان اور باطل ہی بڑی قوت اور زور کے ساتھ حق اور اسلام کا مقابلہ کر رہا ہے اس آیت آخری سورہ فاتحہ کی تجلیات زمانہ مسیح موعود میں ہی بڑی زور و شور سے واقع ہوتی لکھی ہوئی ہیں اور تمام انبیاء اس آخری زمانہ کو راز الٰہی کی خبر دیچکے ہیں جیساکہ ورس ہفتم میں لکھا ہوا ہے۔ ولاکن فی الایام التی یصوت فیہا الملک السابع بالبوق السابع یتم سر اللہ الذی بشرت بہ عبیدہ الانبیاء ترجمہ اسکا اردو میں گذر چکا دیکھو ورس ۵ و ۶ و ۷ کو (۵) تب اوس فرشتہ نے جسے یئنے سمندر اور زمین پر کھڑے دیکھا اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیا (۶) اور اوسکی جو ہمیشہ زندہ ہے اور جس نے آسمان کو اور سب کچھ جو اوسمیں ہے اور زمین کو اور سب کچھ جو اوسمیں ہے اور سمندر کو اور سب کچھ جو اوس میں ہے پیدا کیا قسم کر کے کہا کہ اب تک زمانہ نہیں ہے (۷) بلکہ ساتویں فرشتہ کی آواز کیوقت میں جب وہ پھونکنے پر ہوگا خدا کا راز جیسا اوس نے اپنے بندوں نبیوں کو ظاہر کیا پورا ہوگا تھی حاصل کلام یہ ہے کہ زمانہ مسیح موعود میں جو حقیقت کتاب اللہ اور نبوت محمدیہ کے کمال ظہور کا زمانہ ہے فتح اسلام بڑے زور و شور سے واقع ہوگی جس کا غلغلہ آسمان تک بلند ہوگا اسی لیے فرشتہ نے آسمان کی بھی قسم کھائی اور کلام نبوت

میں اوسکے مطابق یوں واقع ہوا کہ لوکان الایمان معلقا بالثریا لنالہ رجل من فارس اور اسوقت تمام اطراف زمین میں آوازہ دین اسلام کا پہنچیگا اسی لیے فرشتہ نے زمین کی قسم کھائی اور سمندر بھی بسبب کثرت جہازہائے دخانی اور بادی کے اس صیت اور آوازہ سے خالی نہ رہیں گے اسی لیے سمندر کی بھی قسم کھاکر یاد دلایا اور مخالفین دین اسلام کے مغضوب اور ضالین کے مصداق ہوکر ہلاک اور تباہ یا ضایع ہوجاویں گے کما قال اللہ تعالیٰ لیظہرہ علی الدین کلہ اور اب واقعات بتلا رہے ہیں کہ یہ زمانہ اب شروع ہوگیا ہے کیونکہ اب اون حوادث کا وقوع شروع ہے جو کبھی پہلے زمانوں میں مجموعی طور پر نہیں ہوا تھا دیکھو گیارہ بارہ برس سے طاعون تمام دنیا میں کس زور سے حملہ کر رہا ہے اور زلازل شدیدہ نے بہت سے ملکوں کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ جس طرح پر خسعت ارض اس زمانہ میں واقع ہوئے ایسے خسف اس تیرہ سو ۱۳۰۰ سال میں کب واقع ہوئے تھے اور کسی مقام پر طوفان گردباد سے اور کہیں زمینی یا آسمانی آگ سے تباہی واقع ہوئی۔ پس ان واقعات نے ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ زمانہ وہی ہے جس میں تجلیات انعمت علیہم کی مسیح موعود اور اوسکی جماعت کے لیے وارد ہو رہی ہیں۔ اور مغضوب علیہم اور ضالین کے مصداق اوسکے مخالفین ہیں اور یہ زمانہ تو صرف ایک قیامت کا نمونہ ہی ہے مگر قیامت میں تو اس کا پورا ظہور ہوگا کیا سچ فرمایا مسیح موعودؑ نے ؎ خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے ✽ جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے ✽

تم اقول ؎ کہیں بھونچال ہوکر دشمنوں کے گھر گراتی ہے ✽ کبھی ہوکر وبادہ صورتِ طاعون لاتی ہے ✽

قال المسیح الموعود علیہ السلام ؎ غرض رُکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے ✽ بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے ✽

اور جیسا کہ ان درسوں سے ثابت ہوا کہ اوس مصحف مفتوح میں تمام علوم اولین اور آخرین کے بطور راز کے جمع کیے گئے ہیں اور انبیاء مجملاً اون کی خبر دیتے رہے ہیں اس لیے اہل اسلام میں بھی اس سورہ فاتحہ کا نام اُمّ الکتاب بھی ہے اتقان فی علوم القرآن میں لکھا ہے اخرج ابن ابی حاتم عن ابن سابط قال فی ام الکتاب کل شئ ھو کائن الی یوم القیامۃ پس جبکہ واقعات زمانہ مسیح موعودؑ نے بموجب مکاشفات یوحنا باب دس کے صداقت دعویٰ مندرجہ براہین احمدیہ پر شہادت دے دی۔ فاین المفر للتکذیب والانکار فاعتبروا یا اولی الابصار۔ منتخب از احسن البیان فی براہین القرآن

یکم نومبر سنہ ۱۹۰۶ء

ایک نیا معترض نمبر۲

سال گذشتہ میں خواجہ غلام الثقلین صاحب ایڈیٹر عصر جدید نے ایک مضمون سلسلہ احمدیہ کے خلاف بعنوان قادیانی تحریک شایع کیا تھا جسکے انہی دنوں میں تین جواب شایع کیے گئے تھے۔ ایک الحکم میں ایک بدر میں اور ایک اس رسالہ میں۔ انہیں سے آخری مضمون کا جواب اب خواجہ صاحب نے عصر جدید کے گذشتہ ستمبر کے پرچے میں بعنوان قادیانی تحریک نمبر۲ شایع کیا ہے۔ مضمون اول میں خواجہ غلام الثقلین صاحب نے چار اصول سلسلہ احمدیہ کی صداقت کے پرکھنے کے لیے قائم کیے تھے یعنی عدل و انصاف۔ کفایت شعاری۔ سعی و محنت اور اتفاق قومی۔ مَینے انکی اس بحث کی غلطی کو ظاہر کر کے دکھایا تھا کہ یہ وہ اصول نہیں جو کلام ربانی میں حق اور باطل کے درمیان امتیازی نشانوں کے طور پر قائم کیے گئے ہوں۔ نہ ہی ان باتوں پر زور دیکر ہم کسی مفید نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ بلکہ امتیازی نشان سچے اور جھوٹے مدعیٔ نبوت میں وہ ہے جس کو قرآن کریم نے اس پختہ اور حتمی وعدہ کے رنگ میں بیان کیا ہے کہ انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا۔ اب میری بحث کے حصہ اول پر خواجہ صاحب نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جس سے اگر مَیں یہ قیاس کر لوں کہ انہوں نے اسے صحیح تسلیم کر لیا ہے تو شاید غلطی پر نہ ہوں۔ مگر بحث کے حصہ دوئم پر ایڈیٹر صاحب عصر جدید کو سخت اعتراض ہے مگر اس اعتراض کے کرنے میں خواجہ غلام الثقلین کے ہی الفاظ میں اگر مَیں یہ کہوں کہ "یا تو حد درجہ کا دھوکہ دیا جاتا ہے یا انتہا درجہ کی سادہ لوحی برتی جاتی ہے" تو خواجہ صاحب کے مہذب طرفدار مجھے معذور سمجھیں۔ خواجہ صاحب نے نہایت ناانصافی سے میری اصل بات کو بیان نہ کیا کیا اچھا ہوتا کہ وہ میری اصل بحث کو جو صرف تین ہی ورق تھے نقل کر کے اسپر رائے زنی کرتے تا انکے ناظرین کو صحیح طور پر موازنہ کرنیکا موقع ملتا کہ مباحثین میں سے کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔ میری اس کل بحث کو خواجہ غلام الثقلین صاحب نے نہایت ظلم کر کے ان مختصر الفاظ میں پیش کیا ہے کہ "وہ چلتی کا نام گاڑی"، اور پھر یہ فرض کر کے اسپر چند ایک اعتراض کیے ہیں۔ مَیں خواجہ صاحب کی اس ناانصافی کو اور کسی طرح سے ظاہر نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ اسی مضمون کا ایک حصہ اسجگہ دوبارہ نقل کر دوں اور مَیں عصر جدید کے ایڈیٹر صاحب سے اس بات کی التجا کرتا ہوں کہ اس مضمون کو اپنے پرچے میں نقل کر کے اسکا جواب تحریر فرماویں تا کہ انکے ناظرین کسی دھوکے میں نہ رہیں اگر انکو واقعی احقاق حق منظور ہے تو اس میں انکا کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ مضمون یہ ہے:

"اب چند سطروں میں مَیں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت و تائید کے کیا کیا وعدے کیے اور کیونکر وہ وعدے پورے ہوئے ہیں۔ مَیں یہ جانتا ہوں کہ دنیا میں جو لوگ کوئی کام کرتے ہیں وہ کامیاب بھی ہوتے ہیں اور ناکام بھی۔ پس خالی کامیابی یا ناکامی سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی اپنے

ان خاص بندوں کے ساتھ جنپر وہ اپنا کلام نازل فرماتا ہے اور جنکو دنیا کی اصلاح کے لیے مامور فرماتا ہے یہ سنت قدیمہ ہے کہ وہ پہلے ایسے حالات میں جب چاروں طرف سے ناکامی ہی ناکامی نظر آتی ہے انکو بذریعہ وحی مطلع فرماتا ہے کہ وہ آخر میں غالب اور منصور کیے جاویں گے اسکی دو غرضیں ہوتی ہیں اول یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو ہر قسم کے غموم و ہموم کے اوقات میں جب لوگ ان کی باتوں کو رد کرتے ہیں اور ہر قسم کے مصایب اور تکالیف اور ایذاؤں کے زمانے میں جو مخالفین کی طرف سے انکو پہنچائی جاتی ہیں۔ خدا کے زندہ اور طاقتور کلام سے تسلی ملتی رہے اور دوسرے یہ کہ انبیاء علیہم السلام کا ناکامیوں کے بعد آخر کامیاب ہونا دنیا کے لیے ایک نشان ٹھہرے اور تا معلوم ہو کہ انکی کامیابی اتفاقی امر نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کے خاص ارادہ اور منشاء سے یہ انکی نصرت ہوئی ہے۔ اور تا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم پر اس کے بندوں کو یقین تام حاصل ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت اُسوقت یہ خبر دی جب انکی کامیابی ناممکن معلوم ہوتی تھی۔ اسی لیے قرآن شریف کی تمام کی سورتیں ابتدا سے لیکر آخر تک اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں سے بھری پڑی ہیں کہ آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے ساتھی غالب اور منصور و مظفر ہونگے اور ہر ایک روک جو انکی کامیابی کی راہ میں آویگی اُٹھا دیجاویگی۔ اور پھر آخر مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام وعدوں کو پورا فرما کر تمام مخالفین پر اتمام حجت کی چنانچہ جب یہ آخری اور عظیم الشان فتح اور کامیابی کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر یعنی ہم نے کھلی کھلی فتح عطا فرمائی تا وہ تمام اعتراض جو پیغمبر پر کیے جاتے ہیں خود ہی دنیا کی نظروں میں مردود ثابت ہو جائیں۔ کیونکہ جب نصرت الٰہی تمام و کمال کو پہنچ گئی اور مخالفین کی کل کوششیں جو سالہا سال تک وہ کرتے رہے بالکل ناکام اور نامراد ہوئیں اور حسب وعدہ الٰہی یہ سب باتیں ہوئیں تو یہ ایک ایسی کھلی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر پیدا ہو گئی جس کے مقابل کسی اعتراض کی گنجایش ہی نہ رہی۔ تعجب ہے کہ مکہ کے بت پرستوں نے تو اس بات کو سمجھ لیا جب انہوں نے فتح مکہ کے بعد کہا کہ آج ہم آنحضرت کی صداقت پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ وہ نصرت اور تائید کے تمام وعدے پورے ہوئے جو آپکے ساتھ کیے گئے تھے اور اسوقت یہ سوال نہ کیا کہ فلاں فلاں اعتراض ابھی آپ کو دور کرنے چاہئیں اور آج کل کے نام کے مسلمان اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ذنبک سے مراد اسجگہ وہ ذنوب ہیں جو مخالفین آپ کی طرف منسوب کرتے تھے اور اعتراض کے رنگ میں پیش کرتے تھے ورنہ فتح کو گناہوں کی معافی سے کیا تعلق۔

اب اس خدائے تعالیٰ کی قدیم سنت کے مطابق ہمارے حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اُسوقت آپ کی نصرت اور تائید اور مخالفین کی کوششوں کے ناکام اور نامراد رہنے کے وعدے دیے۔ جب آپ ایک گمنامی کیحالت میں پڑے ہوئے تھے۔ خدائے تعالیٰ کی یہ وحی اگر صرف چند آدمیوں کے سماع تک ہی محدود ہوتی

اور تحریر میں نہ آجاتی تو بھی مخالفین کو انکار کی گنجایش ہوتی کہ شاید یہ وحی اسوقت کی نہ ہو مگر ایک ایسے وقتمیں یہ سب پیشگوئیاں براہین احمدیہ میں شایع ہو چکی ہیں جس کو آج پچیس سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اور جبکہ نہ ابھی حضرت میرزا صاحب کا دعویٰ تھا۔ نہ ہی کوئی مخالف تھے اور نہ ہی ان کے پاس لوگوں کی آمد و رفت تھی بلکہ اسوقت آپکو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ مثلاً ان الہامات پر غور کرو۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح وانتھی امر الزمان الینا الیس ھذا بالحق۔ یاتیک من کل فج عمیق۔ یاتون من کل فج عمیق۔ ینصرك اللہ من عندہ یرفع اللہ ذکرك۔ فحان ان تعان و تعرف بین الناس لا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس اصحاب الصفة وما ادراك ما اصحاب الصفة تریٰ اعینھم تفیض من الدمع۔ یصلون علیك ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان۔ یعنی جبوقت خدا کی مدد اور فتح آئے گی اور زمانہ ہماری طرف رجوع کریگا اُسوقت کہا جائیگا۔ کہ کیا یہ کاروبار خدا کیطرف سے نہ تھا۔ ہر ایک گہری راہ سے تیرے پاس نصرت آئیگی اور ہر ایک دور کی راہ سے تیری پاس لوگ آئیں گے۔ خدا اپنے پاس سے تیری مدد کریگا۔ خدا تیرے ذکر کو دنیا میں بلند کریگا۔ وہ وقت چلا آتا ہے کہ تیری مدد کیجائیگی اور دنیا جہان میں تیرے نام کو شہرت دیجائیگی لوگ کثرت سے تیری طرف رجوع کریں گے۔ سو تیرے پر واجب ہے کہ تو انسے بد خلقی نہ کرے اور ان کی کثرت دیکھکر تھک نہ جائے۔ اور اصحاب الصفہ بھی ہونگے۔ اور تُو جانتا ہے کہ اصحاب الصفہ کیسے لوگ ہونگے؟ وہ بہت قوی الایمان ہوں گے۔ اور تُو دیکھے گا کہ انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے وہ تیرے پر درود بھیجیں گے۔ یہ بسبب اس نعمت کے جو تیرے ذریعہ انکو ملے گی۔ اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے خدا ہم نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی جو ایمان کی طرف بلاتا ہے سو ہم ایمان لائے۔

یہ سب پیشگوئیاں ایسے وقت کی ہیں جب حضرت مرزا صاحب کو دوسرے لوگ تو ایک طرف رہے خود اس چھوٹے سے گاؤں کے بہت لوگ بھی نہ جانتے تھے اور آپ ایک نہایت گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے اور پھر اسیوقت یہ پیشگوئیاں بذریعہ براہین احمدیہ کے دنیا میں شایع بھی ہوگئیں۔ یہ وحی کئی قسم کی پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً اول یہ کہ مخالف یہ کوشش کریں گے کہ تُو ناکام رہے اور لوگ تیری طرف رجوع نہ کریں۔ مگر آخر ہمارا ارادہ پورا ہوگا۔ اور لوگ تجھے قبول کرتے جائیں گے انہی معنی پر مشتمل ایک اور الہام بھی ہے یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہٖ یعنی لوگ خدا کے اس نور کو بجھانیکی کوشش کرینگے مگر خدا اسے پورا کرکے ہی رہیگا۔ دوئم یہ کہ دور دور سے مالی مدد اور تحایف وغیرہ تیرے پاس پہنچیں گے۔ سوئم یہ کہ دور دور کے بلاد اور ممالک سے لوگ چلکر تیرے پاس آوینگے۔ چہارم یہ کہ لوگ تیرے تباہ کرنیکے لیے کوشش کرینگے مگر خدا اپنی نصرت تیرے شامل حال رکھیگا اور تیرا محافظ رہیگا یہی مطلب دوسری جگہ یعصمك اللہ ولو لم یعصمك الناس۔ کہکر ادا کیا گیا ہے۔ یعنی لوگ تیرے ہلاک کرنے کی

کوششیں کریں گے مگر خدا تجھے بچائیگا۔ پنجم یہ کہ کل دنیا میں تیری شہرت ہو جائے گی۔ ششم یہ کہ لوگ اسقدر کثرت سے آویں گے کہ قریب ہے کہ تو ان سے تھک جائے۔ ساتویں یہ کہ بعض لوگ اپنے وطنوں کو چھوڑ کر ہجرت کرکے تیرے پاس آرہیں گے اور تیرے گھر کے کسی حصہ میں رہیں گے وہ اصحاب الصفہ کہلائیں گے۔

اب دیکھو کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے یہ تمام وعدے کس صفائی سے پورے کیے اور آئندہ وہ کیسی صفائی سے پورے ہو رہے ہیں۔ اب نہ یہ اتفاقی امر ہے نہ منصوبہ بازی ہے۔ کیونکہ پچیس ۲۵ برس پہلے ان باتوں کی خبر دیگئی ہے۔ اور پھر وہ سب بعینہٖ اسی طرح پوری ہوئیں۔ اگر ایسی منصوبہ بازی کی کوئی نظیر دنیا میں ہے تو پیش کرو۔ مگر یاد رکھو کہ اسکی نظیر سوائے زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کہیں ہیں نہیں ملتی جس طرح وہاں دکھوں اور مصیبتوں اور تنہائی کے وقت میں ایک شخص پکار پکار کر کہتا تھا کہ میرے خدا کیطرف سے ہونیکا یہ نشان ہے کہ آخر میں ہی غالب ہونگا اور تمھاری سب کوششیں نامراد رہیں گی۔ اور آخر ایسا ہی ہوا باوجودیکہ دشمنوں نے کوئی دقیقہ ہلاک اور تباہ کرنیکا باقی نہ چھوڑا تھا۔ ایسا ہی یہاں بھی بڑی گمنامی اور تنہائی کیحالت میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدے دیے کہ میں تمھیں مرجع خلایق بناؤنگا۔ اور خدا کے یہ وعدے اسی وقت مشتہر بھی ہو گئے پھر ان الہامات کے ساتھ ایک جگہ یہ بھی لفظ ہیں کہ املوا یعنی ان باتوں کو لکھ چھوڑو۔ کیونکہ یہ سب اپنے وقت پر واقع ہونگی۔ اور پھر دشمنوں نے وہ کوششیں کیں کہ کوئی کسر تباہ کرنے میں باقی نہ چھوڑی۔ اور ایک قوم بھی اس ملک میں ایسی نہ رہی جس نے پورا زور مخالفت کا نہ لگایا ہو اور ہر طرح کے منصوبے کیے گئے مگر خدا نے اپنے وعدے کے مطابق ایسی نصرت اور تائید اور حفاظت کی جس کی نظیر سوائے انبیاء کے اور کہیں نہیں ملتی۔

میں خواجہ غلام الثقلین صاحب کو پھر یہ کہتا ہوں کہ وہ ٹھوکر نہ کھائیں۔ اعتراض کس پر نہیں ہوا اور اعتراضوں کے جوابوں سے کتنے لوگ قایل ہوئے۔ صحیح اصول جو صداقت کے پرکھنے کا قرآن کریم نے بتایا ہے وہ وہی ہے جو میں نے یہاں بیان کیا ہے۔ ہم نہ منصوبہ باز ہیں نہ دھوکہ دینے والے اور نہ ہی دھوکہ خوردہ۔ نہیں بلکہ علی بصیرت ہم اس سلسلہ کی سچائی کو دیکھ رہے ہیں۔ جب ہم خدائے تعالیٰ کی ہستی کے زندہ نشان دیکھ رہے ہیں تو پھر اس ذوالجلال کے آگے سے بھاگ کر کہا جائیں۔ اگر مذہب کی غرض خدا کی ہستی پر یقین پیدا کرنا ہے تو خواجہ صاحب یاد رکھیں کہ اس غرض کو آج سلسلہ احمدیہ کے سوا روئے زمین پر اور کوئی پورا کرنے والا نہیں۔ یہ جز اصلاح خواجہ صاحب کر رہے ہیں یا کرنیکے مدعی ہیں وہ خشک لفاظی ہے۔ جب انسان کو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر زندہ ایمان اور یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے تو پھر سب اصول کی پابندی کے وہ قابل ہو جاتا ہے۔ عدل و انصاف کفایت شعاری۔ قومی اتفاق۔ سعی و محنت۔ سب اسی کے نتیجے ہیں۔

میں بڑے زور سے اس بات کا اعادہ کرتا ہوں کہ یہ نصرت اور تائید جو اس سلسلہ کی ہو رہی ہے وہ خدا کے سوا

اور کسی کی طرف سے نہیں۔ کیونکہ اسی نے پچیس برس پہلے ان سب باتوں کی خبر دی ورنہ انسان عاجز کیا چیز ہے وہ تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں کل زندہ رہونگا۔ اس میں یہ طاقت کہاں کہ کہے کہ ساری دنیا میری مخالفت کریگی پر سب ناکام ہوں گے اور میں ہی کامیاب ہونگا۔ اگر کوئی جواب ان امور کا آپکے پاس ہی تو اسے شایع کریں۔"

اب میں پھر اسی بات کو دوہراتا ہوں کہ اگر کوئی جواب ان امور کا آپکے پاس ہے تو اسے شایع کریں میری دلیل کو میرے الفاظ میں نقل کر کے اس کا جواب دیں۔ اور پھر اپنے ہی ناظرین سے فیصلہ کے طالب ہو ویں۔ باقی رہا انکا یہ سوال کہ سچا نبی قتل بھی ہو سکتا ہے یا نہیں یہ ایک الگ بحث ہے۔ میری بحث تو یہ ہے کہ نصرت اور تائید اسطرح پر جو سلسلہ نبوت کے ساتھ خاص ہے جھوٹے مدعی کو کبھی نہیں ملتی۔ سو آپ اسکا جواب دیں۔ سچے اور جھوٹے مدعی نبوت میں امتیازی نشان خواجہ صاحب نے نہیں بتایا بلکہ خود سوال کر کے اس کے جواب سے اسطرح پر اعراض کیا ہے۔ کہ "اول ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنس اپنے اس امتیازی نشان کو واپس لیں اور آیت مذکورہ کے سمجھنے میں استفادہ کے خواہشمند ہوں۔" خواجہ غلام الثقلین صاحب کو ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ یہ مباحثہ کا طریق نہیں ہے میں نے آپکے رسالہ کو پڑھا ہے مگر آپکے قلم سے کوئی ایسے اچھوتے اور نادر مضامین قرآن شریف پر میں نے نہیں دیکھے جو آپ کی اس خواہش کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو سکوں بلکہ جہاں تک میں نے دیکھا ہے قرآن شریف کے معانی کرنے میں آپ سخت غلطی کھاتے ہیں جیسا کہ میں ابھی دکھا بھی دونگا۔ پس آپکا یہ خواہش کرنا کہ میں آپسے استفادہ کا خواہشمند ہوں ایک بیہودہ خواہش ہے۔ اور اصول مناظرہ کے خلاف۔ استفادہ کی خواہش تو آپ کو کرنی چاہیئے تھی کیونکہ آپ ایک مدعی نبوت کے خلاف میدان میں نکلے تھے۔ بہرحال جب تک آپ اس خودستائی اور کبر کو نہ چھوڑیں گے جو آپ کی تحریر سے مترشح ہوتا ہے مناظرہ سے آپ کو فایدہ بھی نہ ہوگا۔ باقی رہا اپنے امتیازی نشان کو واپس لینے کا سوال سو جب آپ میری تحریر کا کچھ جواب لکھیں گے تو پھر میں آپکا جواب دونگا بالفعل میں نے اپنی اصلی تحریر ہی دوبارہ پیش کی ہے کیونکہ آپنے ظلم کی راہ سے میری تحریر کو بگاڑ کر کچھ کا کچھ بیان کیا اور حالانکہ میں نے صاف لفظوں میں یہ لکھا تھا کہ "میں یہ جانتا ہوں کہ دنیا میں جو لوگ کوئی کام کرتے ہیں وہ کامیاب بھی ہوتے ہیں اور ناکام بھی پس خالی کامیابی یا ناکامی سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا"، پھر بھی آپنے میرے الفاظ اور دلایل کی کچھ پروا نہ کر کے یہ لکھدیا کہ گویا میں اس بات کا قایل ہوں کہ "جو مذہب چل جائے وہ ضرور سچا ہے"

چار باتیں خواجہ غلام الثقلین نے آیت انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیوۃ الدنیا کے ان معنوں کی تردید میں جو میں نے بیان کیے ہیں پیش کی ہیں جو انکے اپنے الفاظ میں نقل کی جاتی ہیں۔

"خدا نے بیان کیا ہے کہ ہم نے انسان کو صرف عبادت واطاعت کے لیے پیدا کیا ہے اور شیطان نے خدا کی عزت کی قسم کھائی ہے کہ وہ سب کو گمراہ کر دیگا۔ الا عبادک منہم المخلصین" مگر صرف تیرے

خاص بندوں کو۔ خدانے دوسری جگہ کہا ہے۔ لقد صدق علیہم* ابلیس ظنہ۔ شیطان اپنے اس خیال میں سچا ہوگیا۔ اب علمائے فرقہ احمدیہ بتائیں کہ کون قابل اطاعت اور لایق پرستش ہے؟ خدا یا ابلیس اور اس دنیا میں کس کی اطاعت کرنیوالے زیادہ ہیں؟۔

۲۔ بنی اسرائیل کی عورتوں کو چھوڑ کر فرعون اور قوم فرعون اُن کے بچوں کو قتل کر دیتی تھی۔ اور اس کی نسبت قرآن مجید میں کہا گیا ہے وفی ذٰلکم بلاءٌ من ربکم عظیم پس حکماء سلسلہ احمدیہ جواب دیں کہ طریقہ فرعون حق پر تھا یا ملت ابراہیمی۔ اور قتل ہونیوالوں کی اس زندگی میں خدانے کیا مدد کی۔

۳۔ مسیح مصلوب ہوئے اور یہود نے فتح حاصل کی ان دونوں میں کون حق پر تھا اور کس کی اطاعت کا خدانے حکم دیا ہے۔

۴۔ خلفاء اربعہ اور سبطین میں سے منجملہ چھ کے پانچ نفس دشمنوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔ اس صورت میں حیات دنیا میں اُنکی کیا مدد خدانے کی جبکہ اُس نے وعدہ کیا ہے ان حقاً علینا نصر المؤمنین۔ ان چند مثالوں سے ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر مرزائیوں کی تفسیر صحیح ہے تو دنیا میں اکثر ظالم۔ فاجر۔ بدکار۔ فاسق جھوٹے قابل اطاعت اور خدا کے سچے رسول۔ ماموراور مومن ہیں اور سب کو اُنہیں کی پیروی کرنی چاہیئے۔ اگر یہ معنی صحیح ہیں (اور جاہلوں کو بہکانے کے واسطے کوئی اخبار یا رسالہ یا کتاب فرقہ احمدی کی ایسی نہیں نکلتی جس میں نشان کامیابی پر زور نہیں دیا جاتا) تو قرآن شریف کی باقی تعلیم اخلاق وصبر وتحمل وتقویٰ وغیرہ کی فضول اور بیکار ہے"

بحث تو یہ تھی کہ سچے اور جھوٹے مدعی نبوت میں امتیازی نشان قرآن کریم نے کیا قرار دیا ہے۔ اب خواجہ غلام الثقلین خود ہی بتادیں کہ ان پیش کردہ امور میں سے سوائے تیسرے کے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے باقی مدعئ نبوت کون کون ..... ہیں۔ کیا شیطان مدعئ نبوت ہے؟ کیا بنی اسرائیل کے شیر خوار لڑکے مدعی نبوت تھے؟ کیا خلفائے اربعہ اور سبطین مدعئ نبوت تھے اگر نہیں تو ان باتوں کو امر زیر بحث سے کیا تعلق ہے؟ بحث میں تداخل سے کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے جو امر بحث کے لیے پیش ہے آپ اس کے خلاف یا تائید میں جو دلایل چاہیں پیش کریں۔ بے تعلق باتوں کو پیش کرنے سے سوائے اس کے کچھ فایدہ نہیں کہ آپ یہ کہہ سکیں کہ آپنے میرے مضمون کا جواب لکھدیا ہے اور ممکن ہے آپ خود بھی ان بے تعلق باتوں کو دلایل سمجھ کر دکھو کھا رہے ہوں۔ میں ان باتوں کا جو آپنے پیش کی ہیں کوئی جواب بالفعل نہیں دینا چاہتا سوائے اس کے کہ یہ بے تعلق باتیں ہیں۔ علاوہ ازیں آپ جو یہ لکھتے ہیں کہ شیطان کے تابعدار زیادہ لوگ ہیں کیا شیطان کی عبادت کرنی چاہیئے یا خدا کی۔ کیا آپ دکھا سکتے ہیں کہ مَینے یہ کہیں لکھا تھا کہ جس مذہب کے زیادہ پیرو ہوں یا جس خیال کے زیادہ حامی ہوں وہ سچا ہوتا ہے؟ یا یہ لکھا تھا کہ چونکہ سلسلہ احمدیہ میں دنیا کے دیگر مذاہب سے

* خواجہ صاحب جو آیات قرآنی اس مضمون میں نقل کی ہیں وہ اگلی قرآن دانی کے دعوے کا کیا ثبوت دیتی ہیں۔ ناظرین خود غور کر لیں۔

بڑھکر لوگ داخل ہیں اس لیے یہ سلسلہ سچا ہے؟ کیا آپ انہی لایعنی باتوں پر اس بات کے خواہشمند ہیں کہ مَیں آپ سے استفادہ کی درخواست کروں! پھر آپ بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا قصہ تو پیش کرتے ہیں مگر عمداً اس بات کا اخفا کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے مقابل میں فرعون اور اسکا تمام لشکر ہلاک ہوا اور اسکو اللہ تعالیٰ بار بار حضرت موسیٰ کی صداقت کا نشان قرار دیتا ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ ’’مسیح مصلوب ہوا اور یہود نے فتح حاصل کی‘‘ اور ان دونوں دعووں میں اپنے قرآن کریم کے صریح الفاظ کی تردید کی ہے کیونکہ مسیح کے متعلق قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ ما صلبوہ اور آپ کہتے ہیں مسیح مصلوب ہوا۔ اور یہود کے متعلق جنہوں نے حضرت مسیح کی تکذیب کی تھی۔ کلام ربانی میں تو یوں ارشاد ہوا ہے فآمنت طائفۃ من بنی اسرائیل وکفرت طائفۃ فایدنا الذین اٰمنوا علیٰ عدوھم فاصبحوا ظاھرین (الصف) یعنی ایک گروہ بنی اسرائیل کا حضرت عیسیٰ پر ایمان لایا اور ایک گروہ نے انکار کیا۔ پس جو لوگ ایمان لائے تھے ان کے دشمنوں کے مقابلے میں ہم نے ان کی تائید کی اور وہ غالب ہو گئے۔ اور اس نص صریح کے خلاف آپکا ادعاء یہ ہے کہ یہود نے (یعنی ان یہود نے جنہوں نے حضرت مسیح کی تکذیب کی تھی) فتح پائی۔ یہ ہے آپکا علم قرآن۔ فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اور ابھی آپکے دماغ میں یہ خیال سمایا ہوا ہے کہ آپ کو قرآن کریم سے کچھ واقفیت ہے۔

ایک اور موقع پر خواجہ غلام الثقلین نے یہ آیت پیش کی ہے کلما جاءھم رسول بما لا تھوٰی انفسھم ففریقاً کذبتم وفریقاً تقتلون۔ اس مضمون کی آیتیں دو جگہ قرآن شریف میں آئی ہیں یعنی اول سورہ بقرہ میں افکلما جاءکم رسول بما لا تھوٰی انفسکم استکبرتم ففریقاً کذبتم وفریقاً تقتلون اور دوسری جگہ سورۃ المائدہ میں۔ کلما جاءھم رسول بما لا تھوٰی انفسھم فریقاً کذبوا وفریقاً یقتلون۔ لیکن جس طرح پر خواجہ صاحب لکھتے ہیں اس طرح پر یہ آیت قرآن شریف میں کہیں نہیں آئی۔ تکذیب اور قتل کے سوال کو الگ چھوڑ کر کوئی عقلمند اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ جس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے۔ اس کے پورا ہونیکے بغیر وہ اسے واپس نہیں بلاتا اور نہ ہی دشمن اس پر ایسا قابو پا سکتے ہیں کہ اس مقصد کے حصول میں اسے ناکام کر سکیں یہ ایک ایسی موٹی بات ہے کہ کوئی شخص جو خدائے تعالیٰ کی طاقت اور علم پر ایمان رکھتا ہے اس کے ماننے سے انکار نہیں کر سکتا۔ اور بموجب آیت۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض جیسا مدارج فضیلت میں کمی بیشی ہوتی ہے ایسا ہی رسولوں کے کام بھی سب کے برابر نہیں ہوتے کسی کے سپرد بڑا کام ہوتا ہے کسی کے سپرد چھوٹا۔ مثلاً جو کام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوا وہ ایسا عظیم الشان کام تھا کہ دوسرے کسی رسول کے سپرد نہیں ہوا۔ پس اس کام کی عظمت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائیدیں اور نصرتیں بھی ایسی ہی عظیم الشان ہوتیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی وعدہ تھا کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر لوگ قادر نہ ہوسکیں گے جیسا کہ فرمایا واللّٰہ یعصمک من الناس۔ پس آنحضرتؐ کی تائید اور نصرت کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ آپ کی حفاظت قتل سے کیجاتی۔ چنانچہ مخالفین باوجود بار بار کے منصوبوں اور سخت کوششوں کے اور ہر طرح کی قوت کے اسباب پر قادر نہ ہوسکے کہ آپ کو قتل کریں۔ ایسا ہی ہمارے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں یہ وعدہ فرمایا تھا جو بیس۲۰ سال سے شایع ہوچکا ہے کہ آپ کے قتل پر کوئی شخص قادر نہ ہوسکیگا۔ پس یہ بھی ایک تائید اور نصرت الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپکے شامل حال ہوئی اور یہ اسی رنگ کی تائید اور نصرت ہے جو ابتدا سے انبیاء علیہم السلام کے شامل حال ہوتی رہی مگر جیسا کہ پہلے اوپر ذکر کیا ہے بعض انبیاء کے سپرد چھوٹے کام ہوتے ہیں اور بعض کے سپرد بڑے۔ اگرچہ بلحاظ کیفیت وہ سب ایک سے ہی ہوتے ہیں۔ سو اگرچہ قتل انبیاء کے مضمون کو سچے اور جھوٹے مدعیٔ نبوت کے درمیان امتیازی نشان سے کوئی تعلق نہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج بھی نہیں کہ ایک نبی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے کوئی چھوٹا کام سپرد کیا ہے اس کام کو کرنے کے بعد قتل کیا جاوے اور شہادت کا مرتبہ پاوے۔ محض قتل سے ناکامی لازم نہیں آتی۔ یہ محض بطور جواب لکھا گیا ہے یعنی اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جاوے کہ قرآن شریف میں کسی نبی کے قتل ہونیکا ذکر ہے۔ دراصل یہ مضمون الگ بحث چاہتا ہے جس کا یہ موقع نہیں ہے۔ نصرت اور تائید کے مفہوم میں بہت سے امور داخل ہیں۔ لیکن اس امر کو کہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرتیں کس کس رنگ میں انبیاء علیہم السلام کے شامل حال ہوتی ہیں میں کسی دوسرے وقت بیان کرونگا جب خواجہ غلام الثقلین میرے اصل مضمون کا کچھ جواب لکھیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت علی یا حضرت امام حسن یا حسین رضی اللہ عنہم کی توہین جو خواجہ غلام الثقلین نے اس جماعت کے بعض افراد کی طرف منسوب کی ہے وہ محض جہلا کی تقلید ہیں ہے ورنہ اگر وہ خود اس سلسلہ کی ساری تحریروں کو پڑھتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ ان مقدسوں میں سے ہم کسی کی بے ادبی ہرگز نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہمارے دلوں میں ان کی کسقدر عزت اور عظمت ہے۔ حضرت مسیحؑ کی بے ادبی وہ لوگ کیطرح کر سکتے ہیں جن کا امام اور پیشرو خود مماثلت مسیح کا دعویٰ کرتا ہے۔ ہاں الزامی رنگ میں عیسائیوں کو جواب دینے کے لیے ان کے فرضی یسوع کی حقیقت بعض وقت کھولی گئی ہے۔ ایسا ہی حضرت امام حسین کے متعلق جو ہمارا عقیدہ ہے اس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کھولکر اور وضاحت کے ساتھ اشتہار میں بیان کیا ہے اور حضرت علی اور حضرت امام حسین کے متعلق اگر کچھ ان لوگوں کے جواب میں لکھا گیا ہے جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسے مقدسوں کو گالیاں نکالنا درود شریف پڑھنے سے بڑھکر موجب ثواب سمجھتے ہیں تو یہ محض انکی فرضی اور خیالی تصویر کے متعلق ہے جو انہوں نے حضرت علی یا حضرت امام حسین کی اپنے دلوں میں بٹھائی ہوئی ہے۔

خواجہ غلام الثقلین صاحب کی قرآن کریم سے ناواقفیت کے متعلق صرف ایک بات اور بیان کرکے میں اس مضمون کو

ختم کرتا ہوں۔ افسوس ہے کہ اسی مضمون میں جس میں مجھے اپنے آپ سے استفادہ کا خواہشمند ہونیکی خواہش ظاہر کرتے ہیں اس قدر فاش غلطیاں قرآن کریم کے سمجھنے میں انہوں نے کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں "شاید یہ کہا جاوے کہ نشان بالاتفاق مامورمن اللہ کے ساتھ خاص ہے یعنی جو شخص خدا کی طرف سے مرسل ہونیکا دعویٰ کرے اور اسکو کامیابی ہو تو وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اور ہم بھی یہ خیال کرتے ہیں کہ آیت لو تقول علینا بعض الاقاویل سے مدلیکر یہی معنے پہنائے جائینگے۔ اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ اے محمدؐ اگر تو ہماری طرف غلط باتیں منسوب کرے تو ہم تیری گرفت کرلیں گے اور رگِ گردن تیری منقطع کردیں گے اس آیت کے معنے بیان کرنے میں بھی یا تو حددرجہ کا دھوکہ دیا جاتا ہے یا انتہا درجہ کی سادہ لوحی برتی جاتی ہے دعویٰ صرف اس قدر ہے کہ اگر سچا پیغمبر (بفرض محال) جھوٹ الہام بنانے لگے۔ تو اسکو سخت سزا ملیگی اس سے اگر یہ لازم بھی آئے کہ اس دنیا میں سزا ملے گی تو یہ کہاں سے لازم آیا کہ جھوٹے پیغمبر کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوگا" خواجہ صاحب تو ہم پر دو الزاموں میں سے ایک دیتے ہیں کہ یا ہم حد درجہ کا دھوکہ دینے والے ہیں یا انتہا درجہ کی سادہ لوحی برتنے والے۔ مگر جو تحریف انہوں نے اس آیت کریمہ کے معنے کرنے میں کی ہے وہ انکو صرف الزام اول کی مستحق قرار دیتی ہے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اس آیت کے معنے ہیں کہ "اے محمدؐ اگر تو ہماری طرف الخ" مگر میں پوچھتا ہوں کہ آیا اس میں خطاب واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے؟ اور کیا لو تقول علینا کے معنے تو ہماری طرف منسوب کرے ہیں؟ میں اس بات کو بیان نہ کرتا اگر خواجہ صاحب کا اس تحریف سے یہ ظاہر کرنیکا منشا نہ ہوتا کہ یہ آیت عام دلیل کے رنگ میں نہیں۔ اصل میں خطاب کے بدل دینے سے ان کی غرض اسی مدعا کو حاصل کرنا ہے اور اسی لیے میں اس کو تحریف قرار دیتا ہوں کیونکہ ایک خاص مقصد کو مدنظر رکھکر معنے بدلائے گئے ہیں۔ خواجہ غلام الثقلین صاحب کا یہ کہنا کہ اسکے معنے یہ ہیں کہ اگر سچا پیغمبر جھوٹ الہام بنانے لگے دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور آیت کا مفہوم بالکل مہمل ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ آیت کہ لو تقول علینا الخ کفار کے لیے بطور جواب کے ہے جو قرآن کریم کو قول شاعر اور قول کاہن یعنی افترا قرار دیتے تھے۔ وہ یہ کہاں مانتے تھے کہ آنحضرتؐ رسول تو سچے ہیں مگر بعض باتیں انہوں نے افترا کرکے اپنے پاس سے ملا دی ہیں۔ ہاں اگر کفار کا یہ خیال ہوتا کہ آنحضرتؐ پیغمبر تو سچے ہیں مگر بعض باتیں افترا کرکے آپ نے ملا دی ہیں تو یہ جواب ہوسکتا تھا کہ سچا پیغمبر اگر کچھ جھوٹی باتیں افترا کرکے بیان کرے تو ہم اس کو سزا دیا کرتے ہیں مگر وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منجانب اللہ نہ سمجھتے تھے۔ اسی سارے رکوع کو پڑھکر دیکھ لو کہ یہاں کس بات کا ذکر ہے فلا اقسم بما تبصرون ۝ وما لا تبصرون ۝ انه لقول رسول کریم ۝ وما هو بقول شاعر قلیلا ما تؤمنون ۝ ولا بقول کاهن قلیلا ما تذکرون ۝ تنزیل من رب العلمین ۝ ولو تقول علینا بعض الاقاویل ۝ لاخذنا منه بالیمین ۝ ثم لقطعنا منه الوتین ۝ فما منکم من احد عنه حاجزین ۝ وانه لتذکرة للمتقین ۝ وانا لنعلم ان منکم مکذبین ۝

وانہ لحسرۃ علی الکافرین ۔ وانہ لحق الیقین ۔ فسبح باسم ربک العظیم ۔
اس رکوع کا ترجمہ ناظرین کسی مترجم قرآن شریف سے دیکھ سکتے ہیں۔ ماحصل ان آیات کا یہ ہے کہ کفار قرآن شریف کو قول شاعر اور قول کاہن قرار دیتے تھے یعنی ایک مفتری کا کلام یہ نہیں کہ بعض حصوں کو افترا اور بعض کو خدا کا کلام قرار دیتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بالمقابل یہ فرمایا کہ یہ افترا کسی مفتری کا نہیں بلکہ خدا کا اتارا ہوا کلام ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ یہ افترا کیا ہوتا تو ہم آپ کی شہ رگ کاٹ دیتے پس اگر یہ کوئی دلیل صحیح کفار کے جواب میں ہے تو اسکا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ جو شخص خدا پر افترا کرے اللہ تعالیٰ اسے لمبی مہلت نہیں دیتا۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ بعض اقوال پیش کرے جن کو خود بنایا ہو اور منسوب انکو اللہ تعالیٰ کی طرف کرے۔ دلیل کے لیے عمومیت ضروری ہے اور اگر اس میں یہ عمومیت نہیں کہ مفتری کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے تو پھر یہ دلیل نہیں رہتی۔ خواجہ غلام الثقلین کی یہ کوشش کہ اس آیت کے معنے سچے پیغمبر پر صادق آتے ہیں کہ وہ افترا کرے تو پکڑا جاتا ہے ایک ایسی بیہودہ کوشش ہے جس پر ایک بچہ بھی ہنسے گا۔ اور یہ صرف قرآن کریم کی تحریف ہے۔ اعتراض تو کفار کا یہ تھا کہ یہ نبی سب کچھ اپنی طرف سے افترا کرتا ہے اور سچا نبی نہیں اور جواب یہ دیا گیا کہ اگر سچے نبی ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر کسی بات میں افترا کرتے تو ہم انکو ہلاک کر دیتے۔ کیا یہ کفار کے اعتراض کا جواب ہے؟ پس جبتک خواجہ صاحب نہ دکھاویں کہ اس موقع پر کفار کا اعتراض یہ تھا کہ آنحضرت باوجود سچے نبی ہونیکے چند باتیں اپنی طرف سے بھی ملا دی ہیں۔ اور اگرچہ باقی قرآن تو خدا کی طرف سے ہی ان پر نازل ہوا ہے لیکن فلاں فلاں آیتیں انہوں نے اپنی جانب سے ملا دی ہیں اسوقت تک وہ اس الزام کے نیچے ہیں کہ محض اس لیے کہ بحث میں انکو کوئی ہارا ہوا نہ کہے انھوں نے عمداً یہ تحریف قرآن شریف میں کی ہے۔

میں اس مضمون کو لمبا کرنا نہیں چاہتا مگر ایک بات کا بیان کرنا ضروری ہے کہ مینے اس مضمون میں خواجہ صاحب کے مضمون کے بعض حصے نقل کیے ہیں مگر خواجہ صاحب نے آیات کو بالکل غلط بیان کیا ہے اور اگرچہ میں انکی طرف ناظرین کی توجہ دلا چکا ہوں مگر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کی تصحیح بھی کر دیجاوے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ خدا نے کہا ہے لقد صدق الابلیس ظنہ۔ حالانکہ کلام پاک میں یوں وارد ہوا ہے۔ ولقد صدق علیہم ابلیس ظنہ۔ دوسری آیت کا جزو آپنے یوں نقل کیا ہے وفی ذلک بلاء من ربکم عظیم۔ اصل الفاظ یوں ہیں وفی ذلکم بلاء من ربکم عظیم تیسری آیت کا جزو آپنے ان حقا علینا نصر المؤمنین بیان کیا ہے حالانکہ اصل میں ہے کان حقا علینا نصر المؤمنین چوتھی جگہ آپنے لکھا ہے یقتلون الانبیاء بغیر الحق۔ مگر صحیح یہ ہے یقتلون الانبیاء بغیر حق۔ پانچویں جگہ لکھا ہے کلما جاءھم رسول بما لا تھوی انفسہم ففریقا کذبتم وفریقا تقتلون۔ یہ بالکل غلط ہے اور اسکی تصحیح

مَیں پہلے کر چکا ہوں۔ خواجہ غلام الثقلین نے اپنے مضمون میں آٹھ آیتیں یا آیتوں کے اجزا نقل کیے ہیں جن میں سے دو یعنی انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیٰوۃ الدنیا اور ولو تقول علینا بعض الاقاویل تو ہمارے رسالہ سے لی ہیں اور باقی چھ میں سے پانچ غلط ہیں۔ اور غلطیاں بھی اس قسم کی ہیں جو قرآن کریم سے ان کی ناواقفیت ظاہر کرتی ہیں۔ اس بات کو تو مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ سہو کاتب سے یا بعض وقت دوسرے اسباب سے کسی غلطی کا ہو جانا کوئی ایسا امر نہیں جو قابل تذکرہ ہو۔ مگر چھ آیتوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں سے پانچ کا غلط ہونا صاف اس بات کو بتا رہا ہے کہ لکھنے والے کو قرآن کریم سے کوئی مس نہیں۔ خواجہ صاحب کے لیے کچھ مشکل نہ تھا کہ وہ قرآن کریم سے مقابلہ کر کے آیات کو درست کر لیتے مگر تصرف الٰہی سے ایسا ہوا تا انکا وہ دعویٰ قرآن دانی جو محض تکبر کی وجہ سے کیا گیا تھا ان کے اپنے ہاتھوں سے توڑا جاوے۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ غلطیاں اکثر ایسی ہیں جو زبان عربی اور قرآن کریم سے لکھنے والے کو ناآشنا بتاتی ہیں مثلاً ذٰلکم کی جگہ ذٰلک کا استعمال۔ ابلیس پر ا۔ل کا بڑھانا۔ کان کی جگہ ان لکھنا۔ وغیرہ۔ افسوس ہے تو یہ کہ باوجود تعلیم یافتہ ہونے اور تہذیب کے ادعا کے خواجہ صاحب نے وہ مقام مقابلہ اختیار کیا ہے جس کے وہ لایق نہ تھے۔ اتنے بڑے دعوے پر طبع آزمائی کرنا ہر ایک آدمی کا کام نہیں ہوتا مسلمانوں میں کفایت شعاری پھیلانے اور رسوم بد کے مٹانے کا کام جو وہ کر رہے تھے اچھا کام تھا کیا ضرورت تھی کہ خواہ نخواہ ایسی باتوں میں دخل دیتے جن کے وہ لایق نہ تھے۔

وطن کا کذب صریح

بیچارہ ایڈیٹر وطن اپنی خیانت کے اُس اظہار سے جو اس کی اشاعت کفر کے متعلق ایڈیٹر الحکم نے کیا۔ اور پھر اپنے ہی فریق کے مولوی صاحبان کی طرف سے کا فرضال مضل ابوجہل وغیرہ قرار دیا جانے پر جل بھن کر خاک سیاہ ہو گیا ہے۔ اور اپنے اس دل کے جوش کا اظہار ناپاک گالیوں میں کیا ہے۔ کچھ مسلمانوں کو سلسلہ احمدیہ کے خلاف طرح طرح کے جھوٹ بولکر جوش دلاتا ہے کہ اس معاملہ میں جہاں سلسلہ احمدیہ کی طرف سے ایڈیٹر وطن پر الزام لگایا گیا تھا ان کو لاتعاونوا علی الاثم والعدوان کی مخالفت کر کے ایڈیٹر وطن کی حمایت کرنی چاہیئے تھی۔ مگر میرا یہاں ان باتوں کے ذکر کرنیکا مقصود نہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کا دستور ہے کہ سیر ہو کر گالیاں نکالنے کے بعد بھی اپنے مضمون کو نہایت نرم بتاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال وطن کے تازہ پرچہ سے ہی ملتی ہے جس کے چودہ کالموں کو ایڈیٹر مذکور نے گالیوں سے اور ناپاک افتراؤں سے سیاہ کیا ہے اور ابھی اگر کوئی ان سے پوچھے تو کہیں گے کہ ہم نے نہایت نرم الفاظ میں سلسلہ احمدیہ کا تذکرہ کیا ہے۔ نقاش والا مضمون جو پہلے اخبار وطن میں چھپ چکا ہے۔ اس کے متعلق ایڈیٹر صاحب

وطن اسی مضمون میں یہ لکھتے ہیں کہ "یہ اس جماعت کے رسالوں اور اخباروں اور افراد کے سالہا سال کی جگر دوز چوٹوں اور سفیہانہ حملوں کا ایک نرم ترین جواب تھا۔ اس لیے ہمیں اب اس سے بھی سخت تر گالیاں سننے کے منتظر رہنا چاہیئے۔ اور ہمیں اس کی کچھ پروا بھی نہیں۔ ہاں اس "نرم ترین جواب" کے متعلق ناظرین کو اس بات کا بتانا ضروری ہے کہ اسکا لکھنے والا اسے کس قدر نرم سمجھتا تھا جو اس کے اپنے خط سے جو اس تازہ مضمون میں وطن نے شایع کیا ہے ظاہر ہوتا ہے۔ نقاش صاحب کی بحث کہیں سلسلہ احمدیہ کے کسی فرد سے ایڈیٹر وطن کی قابلیت پر ہو گئی جس کا تذکرہ اس کے اپنے خط میں ان الفاظ میں موجود ہے "میں نے ایڈیٹر وطن کے تبحر علمی اور حب اسلامی کی تعریف کرکے کہا کہ ہر مسلمان پر اس فرد اکمل** کا جسقدر احسان ہے کسی دوسرے کا شاید ہی ہو میرا یہ کہنا تھا کہ نعل در آتش ہو گیا۔ جو کچھ اس نے کہا اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں جو کچھ میں نے غصہ میں جواب دیا اوسے سنانے سے فایدہ نہیں ... میں نے قسم کھائی کہ اس شخص نے سلطان اور ایڈیٹر وطن کو جسقدر برا بھلا کہا ہے اگر ایک ایک کے بدلے سو سو نہ سنائی ہو تو نقاش نہیں کوئی پاجی چنانچہ اسی ہفتے میں دو مضمون اور دو نظمیں لکھیں ... لیکن سب میں زیادہ زبردست اور ناپاک دلوں میں ناسور ڈال دینے والا مضمون ... وطن کے لیے رکھ چھوڑا ہے جو اس کے ساتھ ارسال خدمت ہے"۔ یہ وہ مضمون تھا جسکو ایڈیٹر وطن نرم ترین جواب قرار دیتے ہیں اب مضمون نویس تو کہتا ہے کہ اگر احمدیوں کے ایک ایک کے بدلے سو سو نہ سنائی ہو تو وہ نقاش نہیں کوئی پاجی ہے اور ایڈیٹر وطن کہتے ہیں کہ یہ نرم ترین جواب تھا۔ اس میں ہم کچھ نہیں کہتے دونوں صاحب گہرے دوست ہیں آپس میں فیصلہ کرلیں چاہیں ایڈیٹر وطن یہ اعتراف کرلیں کہ وہ خود کاذب ہیں اور چاہے اس مضمون کو نرم ترین قرار دیکر اپنے دوست کو پاجی کے خطاب کا مستحق بنا دیں۔ ہمیں اس بحث سے کوئی سروکار نہیں۔

میں نے جس بات کے لیے یہ نوٹ کرنا ضروری سمجھا ہے۔ وہ ایڈیٹر وطن کا ایک صریح جھوٹ ہے جو اس نے نہایت دلیری سے اپنے اخبار میں شایع کیا ہے۔ یہ جھوٹ اس تجویز کے متعلق ہے جس کے پیش کرنیکی حسرت اس زندگی میں ایڈیٹر صاحب کے لیے دوزخ کا کام دیتی رہے گی۔ ان اسلامی معاصرین پر جنہوں نے اشاعت کفر کے متعلق آپکے جواب کو ناکافی قرار دیکر آپ کو اس بات کا مستحق قرار دیا ہے جس کے وہ مستحق ہیں اظہار ناراضگی کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"ہمیں حکم ہے کہ اعدائے دین* کے مقابلہ میں ایسی مضبوطی سے صف بستہ ہیں کہ کانہم بنیان مرصوص کے مصداق ہوں تاکہ دشمنوں کو رخنہ انداز ہوکر ہماری صفوں کو پراگندہ کرنیکا موقع نہ ملے مگر ایک ہم باجمعیت مسلمان ہیں کہ نہ صرف دشمنوں کو رخنہ اندازی کا ہی موقع دیتے ہیں بلکہ ذرا انکا ایک دشمن حملہ آور ہو خود آپس میں کٹنے مرنے سے دریغ نہیں کرتے ہمارے مخالف ہماری اس کمزوری سے

** سبحان اللہ ایک ایسے شخص کو جو حرم الربوٰا کے مقابل سود کو جائز قرار دیتا۔ قربانی کو منسوخ کرنا چاہتا اور ولیم میور کی کتابوں اور سوانح اسلام کو مفید اسلامی کتابوں کے نام سے شایع کرتا ہے۔ فرد اکمل قرار دیا گیا ہے بے شک یہ کمال ضلالت ہے مگر اکمل ہم نہیں کہتے۔ منہ

* اسجگہ اعدائے دین سے مراد سلسلہ احمدیہ کو لیا گیا ہے۔ منہ

خوب واقف ہیں اور اس سے حتی الوسع فایدہ اُٹھاتے ہیں۔

"ان اسلامی معاصرین کو حق کا ایسا ہی پاس تھا تو پہلے وطن اور مرزائی معاصرین کے تعلقات پر ابتدا سے نظر ڈالتے کہ مرزائی رسالہ ریویو کس طرح سابقہ شرائط سے منحرف ہوگیا اور حالانکہ مسلمانوں کی امداد کو بڑی نفرت سے رد کرنیکا ادعا کرتا رہا مگر درحقیقت وطن کی تحریر پر اوسے جو امدادی رقمیں پہنچیں اونکو شیر مادر کی طرح ہضم کر گیا۔ اور جب اونکو اگلوانیکی کوشش کیگئی۔ تو کیسے پیچ و تاب کھائے"

اسی جگہ نیچے یہ نوٹ دیا ہے کہ "ادھر خود یہ عالی ظرفی دکھائی کہ رسالہ کے گذشتہ نمبر تک وطن سے واپس منگوا لیے"
مولوی انشاء اللہ صاحب کے اس جھوٹ کی حقیقت یہ ہے۔ کہ جب آپ شرائط قرار دادہ سے منحرف ہوئے۔ اور اپنے اخبار میں اسبات کا اعلان کیا تو پہلا خط جو مینے انکو لکھا اس میں یہ لکھا تھا کہ آپ اخبار میں یہ اعلان کر دیں کہ جس شخص نے وطن کی تحریک پر کوئی چندہ بھیجا ہو وہ واپس منگوا لے چنانچہ اس میرے خط کے پہنچنے کا اعتراف مولوی صاحب نے اخبار میں کیا مگر اسے شایع نہ کیا۔ پھر دوسرا خط لکھا گیا وہ بھی شایع نہ کیا اسپر مینے الحکم کے ذریعہ انکو بار بار توجہ دلائی کہ میرے خطوط کو اخبار میں چھاپ دو مگر مولوی صاحب کے اس بیماری کا علاج میرے پاس کیا تھا کہ وہ الزام بھی دیتے رہیں اور خود ایک مرتبہ نہیں تین مرتبہ کہنے پر بھی میرے اعلان کو شایع نہ کریں آخر مجبور ہو کر مینے اپنے رسالہ اور الحکم میں اسے شایع کیا۔ اور جن لوگوں نے جن کی تعداد بہت تھوڑی تھی روپیہ واپس منگوایا انہیں واپس بھیجدیا۔ ایسی کمی کو پورا کرنیکا ذمہ کئی احباب پہلے سے اٹھا چکے تھے۔ پس ہمیں فکر ہی کیا تھا۔ کچھ دنوں بعد پھر مولوی انشاء اللہ صاحب کا ایک خط آیا کہ مفصلہ ذیل چار آدمیوں کا چندہ واپس کردو۔ یعنی بابو امام بخش صاحب پنشنر ال۔ بابو اکبر علی صاحب سب اُورسیر منڈانہ۔ منشی کریم بخش صاحب منصرم ستام پٹیالہ۔ منشی شمس الدین صاحب شملہ۔ اس خط کے لکھنے میں مولوی انشاء اللہ صاحب نے ایمانداری ہی کام نہ لیا۔ کیونکہ ان لوگوں کی درخواستوں کے بغیر یا کبھی ایڈیٹر وطن کو لکھنے کے بغیر انہوں نے چندہ واپس طلب کیا جسکا قیاس ہم نے اسی بات سے کر لیا تھا کہ ان میں آخر الذکر دو شخص ہمارے احمدی بھائی تھے۔ اور یہ صاف معلوم ہوگیا کہ ایڈیٹر وطن اپنے ہی خیال سے یہ سب کارروائی کر رہا ہے اور اصل روپیہ دینے والوں کو پتہ بھی نہیں۔ چنانچہ بجواب انکو یہ لکھا گیا کہ یہ لوگ خود اپنا چندہ طلب کریں تو ہم براہ راست انکو بھیجدیں گے ایسا ہی جو شخص اور واپس طلب کرے اسے بھی بھیجدیں گے۔ مگر چونکہ ایڈیٹر صاحب اپنے گھر کو تو خوب جانتے تھے اسلیے انہوں نے نہ ان لوگوں کو خطوط لکھے نہ ہی اخبار میں یہ تذکرہ کیا۔ مگر ہم نے احتیاطاً اپنے دفتر سے خطوط لکھ دیئے کہ کیا آپ لوگ اپنا چندہ واپس لینا چاہتے ہیں ان میں سے دو احمدی تھے یعنی ایک منشی شمس الدین صاحب اور دوسرے منشی کریم بخش صاحب۔ جن کے جواب کو ناظرین قیاس کر سکتے ہیں۔ تیسرے منشی امام بخش صاحب نے جواب میں لکھا کہ دیئے چندہ جو دیا ہے وہ محض حُب اسلام سے نہ دیگر کسی وجہ سے مَیں ہرگز اسکو واپس کرنے پر آمادہ نہیں ہوں بلکہ اسکو شرم سمجھتا ہوں" چوتھے صاحب کا کوئی جواب ابتک نہیں آیا۔ اگر اب بھی وہ لکھیں تو ہم انکا روپیہ واپس کرنے کو تیار ہیں۔ اب کوئی صاحب منصف ہو کر بتاویں کہ کیا ایڈیٹر صاحب وطن

کی یہ ایمانداری تھی کہ خود بخود ہی لکھدیتے۔ ہمنے انکی اس شرمناک کارروائی کو اُسوقت ظاہر نہیں کیا اور پردہ پوشی کی مگر اب انھوں نے خود اسکو ظاہر کروایا۔ افسوس ہے کہ ان کرتوتوں کے ساتھ ابھی آپ کو فرد اکمل کہلانیکا شوق ہے ایڈیٹر وطن کے لیے شرم سے ڈوب مرنیکی جگہ تھی کہ اسنے ایسی خلاف امانت اور تقویٰ کارروائی کی۔ مگر چونکہ اس کے عیب کو چھپایا گیا اسپر وہ اور بھی دلیر ہو کر لکھتے ہیں کہ ہم لوگوں کے روپے کو شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے۔ اسکا جواب میں صرف یہی دیتا ہوں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ کیا اب بھی ایڈیٹر وطن میں یہ جرأت ہے کہ وہ اس بات کا اعلان کرے کہ ہم کسی کا روپیہ جو واپس لینا چاہے ایک منٹ کے لیے بھی رکھنا پسند نہیں کرتے۔ مولوی انشاء اللہ صاحب! اگر خدا کا خوف آپکے دل میں کچھ نہیں تو مخلوق سے ہی شرم کیجیے اور اس جھوٹے الزام کو واپس لیجیے ورنہ اگر اب اسکو پڑھکر بھی آپ خاموشی اختیار کریں تو آپ کی یہ خاموشی اس بات پر دال ہوگی کہ آپنے کذب صریح بولا اور پھر اپنی عزت قایم رکھنے کے لیے اسے واپس بھی نہیں لیا۔

دوسرا الزام یہ دیا گیا ہے کہ رسالوں کے واپس لینے میں ہم نے کم ظرفی دکھائی میں اب صاف کہتا ہوں کہ وہ کم ظرفی ہم نے نہیں آپنے دکھائی۔ آپ کی اس کرتوت کی بھی ابتک ہمنے پردہ پوشی کی تھی مگر آپ نے خود ہی اسکا افشا بھی کرایا۔ آپنے ہمارے دفتر میں خط لکھا کہ جلد ۳ و جلد ۴ انگریزی کی مجھے بھیجدیں اور آیندہ رسالہ باقاعدہ بھیجتے رہیں۔ جسطرح آپنے رسالہ کے اشتہار کا روپیہ پیشگی لے کر اشتہار شروع کیا تھا۔ اسقدر سختی ہم نے نہ کی اور جلدیں آپ کو بھیجدیں بہت دنوں بعد جب قیمت آپسے طلب کی گئی تو آپنے بجائے قیمت ادا کرنیکے اصل جلدیں واپس کردیں۔ کیا یہ آپکی کم ظرفی تھی یا ہماری۔ ہمنے باوجود ڈاک کے ٹکٹوں کے نقصان کے آپ کو کچھ نہیں کہا اور جلدوں کے واپس آجانیکو کافی سمجھا۔ وہ آپنے ہمارے آدمی کے سپرد کردیں اسطرح پر آپ کا خرچ تو انپر کچھ نہیں ہوا ہاں اگر چیز خرید کر واپس کردینا عالی ظرفی ہے۔ تو بے شک اس کے واپس لینے میں ہم نے کم ظرفی دکھائی شاید آپ کو یہ خیال تھا کہ یہ جلدیں مفت بھیجی گئی ہونگی لیکن یہ تب ہوتا کہ ہم خود بخود بھیجتے اور آپ کو خوب معلوم ہے کہ ہم یا تو غربا کو مفت دیتے ہیں یا غیر مذاہب والوں کو وہ بھی اکثر یورپ امریکہ میں۔ آپنے ان دونوں پہلوؤں میں اپنا کوئی استحقاق ثابت نہ کیا تھا۔ جو آپ کو رسالے مفت دیے جاتے۔ افسوس ہے کہ جس قدر آپ کے ساتھ رعایت کی گئی اور آپ کی شرمناک کارروائیوں کا اخفا کیا گیا اسی قدر آپ کی جرأت بڑھ گئی۔

بھی لے لیں تو ایک ماہ میں خرچ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد میں سو گیا صبح نماز کے بعد الہام ہوا۔ اتقنط من رحمة الله۔ الذی یربیکم فی الارحام۔ ترجمہ۔ کیا تو خدا کی رحمت سے ناامید ہوتا ہے وہ خدا جو تمہیں رحموں میں پرورش کرتا ہے +

ریویو

چشمہ مسیحی اور **دینیات کا پہلا رسالہ** دوسری مرتبہ اور **احمدی کا من** تیسری مرتبہ۔ سید عبدالحی عرب نے چھپوائے ہیں۔ قیمتیں علی الترتیب ۲ر ار ار ہیں عرب صاحب موصوف سے مقام قادیان سے مل سکتے ہیں۔

الحجاب و تربیۃ المسلمات۔ فصل الخطاب فی المراة والحجاب کا ترجمہ منشی محمد خلیل الرحمٰن نے کیا ہے ۶۰ صفحے کا رسالہ ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں دکھایا ہے کہ قاسم امین بیگ صاحب مصری جو آپ پردہ کے اُٹھانے میں ساعی ہو رہے ہیں خود ایک زمانہ میں بے پردگی کی مذمتوں کو اپنی کتابوں میں بیان کرتے رہے ہیں۔ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں چھپی ہے۔

رسوم جاہلیت۔ تصنیف مولوی نجم الدین صاحب سیوہاری ہے اور خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں چھپی ہے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر کے عربوں کی رسوم وغیرہ کا مفصل تذکرہ ہے۔ اور ایک قابل قدر کتاب ہے۔ قیمت عہ ۱۶۶ صفحے۔

اپیل کا جواب۔ جہاں تک میں بالفعل کہہ سکتا ہوں سوائے دو چار احباب کے اور کسی نے میری اپیل کی طرف توجہ نہیں کی نہ کسی احمدی انجمن کی طرف سے مجھے کسی باقاعدہ کارروائی کی اطلاع ملی ہے سوائے جماعت سیالکوٹ کے۔ تمام دل اللہ تعالیٰ کے ہی تصرف میں ہیں۔ البتہ جناب منشی غلام رسول صاحب سب انسپکٹر باگھا پرانہ کی کوشش قابل تذکرہ ہے جنہوں نے اس اپیل کو پڑھکر ۳۸ خریدار اردو کے اور دو انگریزی کے جملہ چالیس خریدار بھیجے ہیں۔ جزاہ اللہ احسن الجزا۔ امید ہے دوسرے احباب بھی کوششوں میں لگے ہوئے ہونگے۔ ہاں اسقدر ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ کوئی صاحب چاہیں تو بجائے خریدار بننے کے وہی چندہ اشاعت میگزین کے لیے دیدیں۔

فہرست چندہ اعانت دہندگان بابت ستمبر و اکتوبر ۱۹۰۶ء

چودھری رستم علی صاحب۔ انبالہ۔ عـــہ۔ منشی محمد لطیف صاحب۔ بنگلہ رستم والہ۔ ۳ر۔ جماعت جہلم۔ عہ۔ لوکل کمیٹی قادیان۔ للعہ۔ جماعت شملہ معرفت بابو برکت علی صاحب ۱۲؍ للعہ۔ بابو عبدالرحمٰن صاحب شملہ ہے بابو پریم داس صاحب۔ راولپنڈی۔ ۸ر۔ عالمگیر خانصاحب جبلپور۔ عہ۔ بابو محمد صاحب [illegible] للعہ

سید اطہر حسین صاحب - سہرام - للعہ - منشی عبدالعزیز صاحب - نائب تحصیلدار - ضلع کانگڑہ عہ - میاں احمد صاحب - گجرات - ۸ عہ - منشی محمد علی صاحب - کسولی عہ - جماعت بنارس - سے - بابو برکت علی صاحب - عہ بابو عبدالرحمٰن صاحب شملہ - عہ - میر اکبر صاحب عرائض نویس - مردان - صہ - جماعت سیالکوٹ بمفصلات للعہ میاں حسین بخش صاحب - سبادہ - مے - چودھری دل محمد صاحب - دھرم کوٹ رندھاوا - ۸ للعہ - بابو احمد الدین صاحب - وان - صہ - سید ناصر شاہ صاحب - دومیل - عہ - سید فخر الاسلام - نکودر - ۸ - معرفت منشی عبدالعزیز صاحب - کلک گوجرانوالہ سہ (یہ رقم اُنہوں نے اپنے خرچ سے دورہ کر کے جمع کی) میاں احمد صاحب دھرم کوٹ رندھاوا - عا - ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب - لاہور - صہ - سید محمد رفیق صاحب - پیکنگ چین - ۸ عہ بابو نور الدین صاحب - امرتسر - ۸ عہ - منشی قائم علی صاحب - بہلول پور - ۱۴ - بشیر الدین صاحب - حیدرآباد سندھ ۲ میاں اللہ بخش صاحب غلام حسین صاحبان - امرتسر - لعہ - بابو پریم داس صاحب - راولپنڈی - ۸ - سید ظہور اللہ صاحب - راجور - لعہ - منشی طفیل احمد صاحب - چندوسی - ۸ - جماعت سمبڑیال - عا - میاں شہاب الدین صاحب - صرتع - ۸ - منشی رستم علی صاحب - انبالہ عہ - بابو عبدالرحمٰن صاحب - انبالہ - عا منشی میران بخش صاحب - انبالہ - عہ - ڈاکٹر لعل الدین صاحب - جیند - عا - مرزا محمد احسن بیگ صاحب کامٹھہ - ریاست کوٹہ ۸ للعہ - جماعت گورال معرفت اکمل آف گولیکے - عہ - مولوی عزیز بخش صاحب ڈیرہ غازیخان ۸ عہ سید جلال صاحب - بربرہ - عا - ڈاکٹر بشارت احمد صاحب - عا - ایک احمدی طالب علم - ۱۴ - دولو ساکن بھینی - ۰ - جماعت لاہور معرفت حکیم محمد حسین صاحب قریشی - لاہور - عہ - خلیفہ رشید الدین صاحب آگرہ - ۸ للعہ - مولوی محمد رحمت اللہ صاحب - الہ آباد ۸ للعہ - شیخ احمد اللہ صاحب - سیالکوٹ - لعہ - میاں نور الدین صاحب - پھورچہ - عہ - مرزا سلطان احمد صاحب - میانوالی - ۸ للعہ -

مدرسہ تعلیم الاسلام

عید فنڈ۔ یہ رسالہ احباب کے ہاتھ میں شاید عید کے دو تین دن بعد پہنچیگا۔ اس لیے سب احباب کو اور جملہ احمدی انجمنوں کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ عید فنڈ کے جمع کرنے میں بہت کوشش کریں کیونکہ عید کے ہی دو موقع ایسے ہیں جب مدرسہ کے فنڈ میں ایک ایسی معقول رقم کی ایزادی ہو سکتی ہے جو اس کے کثیر اخراجات کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ اگر سب احمدی احباب توجہ کریں تو اس موقع پر بیس پچیس ہزار روپیہ کا جمع ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ عید فنڈ کا ایک روپیہ فی کس مقرر ہے اور ایسے مبارک موقع پر ایک روپیہ کا دینا کچھ بڑی بات نہیں ہے۔ ہاں صاحب وسعت احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ ضرورتیں بڑھ گئی ہوئی ہیں۔ وہ ایک روپیہ کو اپنے لیے کافی نہ سمجھیں انکی زیادہ رقم بعض کم وسعت احباب کی کمی کی تلافی کریگی۔

ضرورت۔ مدرسہ میں تین چار مدرسین کی ضرورت ہے۔ گریجوایٹ ہوں۔ سینیر یا جونیر ٹرینڈ ہوں۔ انڈر گریجوایٹ ہوں۔ درخواستیں بنام ہیڈ ماسٹر صاحب مدرسہ تعلیم الاسلام۔

(مطبع میگزین قادیان دارالامان میں مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔)

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✣ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ | بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۶ء | نمبر ۱۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰ - دسمبر ۱۹۰۶ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ ۶؏

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(غالباً) ۱۰- نومبر ۱۹۰۶ء- رؤیا- دیکھا کہ مَیں ایک گھوڑے پر سوار ہوں اور کسی طرف جا رہا ہوں جاتے ہوئے آگے بالکل تاریکی ہوگئی- تو مَیں واپس آگیا اور میرے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں- واپس آتے ہوئے بھی راستہ میں گرد و غبار کے سبب بہت تاریکی ہوگئی اور گھوڑے کی باگ کو مَیں نے ٹٹولکر ہاتھ میں پکڑا ہے- چند قدم چلکر روشنی ہوگئی- آگے دیکھا کہ ایک بڑا چبوترہ ہے اسپر اُتر پڑا- وہاں چند ایک لڑکے ہیں- انہوں نے شور مچایا کہ مولوی عبد الکریم آگئے- پھر مَیں نے دیکھا کہ مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم آرہے ہیں- اُنکے ساتھ مَیں نے مصافحہ کیا اور السلام علیکم کہا- مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر مجھے بطور تحفہ دی ہے اور کہا- کہ بشپ جو پادریوں کا افسر ہے وہ بھی اسی سے کام چلاتا ہے- وہ چیز اس طرح سے ہی جیسا کہ خرگوش ہوتا ہی- بادامی رنگ اسکی آگے ایک بڑی نالی لگی ہوئی ہے اور نالی کے آگے ایک قلم لگا ہوا ہے- اس نالی کے اندر ہوا بھر جاتی ہی- جس سے وہ قلم بغیر محنت کے باسانی چلنے لگتا ہی- مَیں نے کہا کہ مَیں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا- مولویصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا- مَیں نے کہا اچھا مَیں مولویصاحب کو دیدونگا- اس کے بعد بیداری ہوگئی- **تعبیر**- عورتوں سے مراد کمزور لوگ ہوسکتے ہیں اور خدا نے قرآن شریف میں اُمت کے نیک بندوں کو بھی فرعون کی عورت اور مریم سی تشبیہ دی ہے اور قلم سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد علی صاحب کے دل میں ایسی طاقت پیدا کردے کہ وہ مخالفوں کے رد میں اعلےٰ مضامین لکھیں- واللہ اعلم بالصواب- ۱۳- نومبر ۱۹۰۶ء- ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منہا او مثلہا- الم تعلم ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر- (یعنی کسی نشان کو ہم منسوخ نہیں کرتے یا فراموش نہیں کراتے مگر اس سے بہتر نشان عطا کرتے ہیں کیا تو نہیں جانتا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے-) اور گویا مَیں کسی کو کہتا ہوں- لا تخف ان اللہ معنا- اور کشفی نظر میں ایک نواب میرے سامنے آیا اور ساتھ ہی یہ الہام ہو- ای سیف اپنا رُخ پھیر لے- جسکی نسبت یہ تفہیم ہوئی- کہ اسکی بعض شرکاء خاندان جو اس سے تنازع کرتے ہیں کسی وقت اسپر غالب آجائیں گے اور سیف سے مراد نواب ہے چند روز کا الہام- رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیاراً- ۱۵- نومبر ۱۹۰۶ء- الہام

قادر ہے وہ بارگاہ ٹوٹا کام بنادے- بنا بنایا توڑ دے کوئی اسکا بھید نہ پاوے- (۲) کمترین کا بیڑا غرق ہوگیا- (کسی کے قول کی طرف اشارہ ہی) (۳) تیری دعا قبول کی گئی- ۱۸- نومبر ۱۹۰۶ء- رؤیا- (۱) دیکھا کہ ہمارے باغ میں کئی ایک آدمی ایک جڑھ اگا رہے ہیں- پھر غیب سے آواز آئی- مبارک- (۲) پھر ایک نظارہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا اسکے بعد الہام ہوا- ما وقفت موقفاً اغیظ من ھذا- ان بطش ربک لشدید- ۲۲- نومبر ۱۹۰۶ء- رب احفظنی فان القوم یتخذونی سخرۃ- ۲۳- نومبر ۱۹۰۶ء- ان اللہ منّ علیکم و اعطیک ما اعطیک- ان الذین لا یلتفتون الیک

لا یلتفتون الی اللہ -م

م- چند روز کا الہام ہوا قسم ہے اللہ کی [illegible] ۲۰ دسمبر ۱۹۰۶ء [illegible] الیس اللہ بکاف عبدہٗ- پھر الہام ہوا- مبارکباد-

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

اسلامی اور عیسائی مذہبی جنگ

اس بات کا ذکر پہلے حصہ مضمون میں گذر چکا ہے کہ اسلام اور عیسائیت نے مذہب کے لیے تلوار اُٹھانیکے بارے میں کیا کیا تعلیمات پیش کی ہیں۔ اب یہ دکھانا باقی ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں خلق خدا کا خون ناحق گرانے کی کونسی قوم مرتکب ہوئی ہے۔ اور کس نے لوگوں کو بیدریغ تہ تیغ کرنے سے ظلم کا بیڑا اُٹھایا۔ یہ ایک ایسا مسلم امر ہے کہ جس کے ماننے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ کہ اوائل میں مسلمان ایک بے ضرر اور ناتواں قوم تھی۔ اور وہ نہایت امن اور صلح اور حکمت و موعظت سے اپنے دین کی اشاعت میں لگے ہوئے تھے۔ لیکن سخت ظالم اور بداندیش دشمنوں نے انہیں ناحق طرح طرح کی عقوبتوں میں ڈالنے کی سبقت کی۔ اور دردناک دکھوں اور اذیتوں سے ایسا ستاتے کہ مصایب صبر اور برداشت کی انتہا سے تجاوز کر گئے۔ آخر جانوں کا بچانا ضروری ہوا۔ مسلمانوں نے یوں مجبور ہو کر اوس کمزوری اور غربت کیحالت میں ایک خونخوار اور جنگجو دشمن کے مقابلہ میں آخر تلوار اُٹھائی۔ اُدھر عیسائیوں کو دیکھو کہ انہوں نے جب مذہب کے لیے تلوار ہاتھ میں لی تو اوسوقت وہ روم جیسی بڑی بھاری سلطنت کے مالک ہو کر دنیاوی اقتدار اور طاقت حاصل کر چکے تھے۔ اور ایک عالم پر اپنے رعب و حکومت کا سکہ جما چکے تھے۔ پھر مسلمان تو اونہیں لوگوں سے لڑے جنہوں نے اونکو دُکھ دیے اور اونکے امن کو چھینا اور اونپر مظالم سے ہاتھ صاف کیے۔ لیکن عیسائی بہادر اپنی ہی با امن اور صلح جو غیر عیسائی رعایا کو یسوع مسیح کی خدائی منوانیکے لیے تہ تیغ کرتے رہے۔ اور مسلمان تو مذہبی عقوبتوں کے انسداد کے لیے لڑتے رہے۔ پر عیسائیوں نے اپنے مذہب کے لیے زور بازو دکھا کر مذہبی عقوبت اور ایذا رسانی کا اصل قایم کیا۔ یہی ایک بڑا نمایاں فرق عیسائی اور اسلامی مذہبی جنگوں کے درمیان ہے۔

یہ صحیح بات ہے کہ پولوس نے عیسوی مذہب میں داخل ہونیکے لیے بہت سی آسانیاں ایجاد کر دی تھیں

لیکن باوجود ان آسانیوں کے حضرت مسیح سے تین سو برس بعد تک یہ مذہب کوئی بڑی نمایاں ترقی نہ کر سکا اس سارے زمانہ میں صرف روم میں ہی عیسائی مذہب کا بڑا زور اور چرچا رہا مگر تین سو برس تک عیسائیوں کی تعداد اس سلطنت میں نہایت قلیل تھی یہاں تک کہ جب بادشاہ قسطنطین اس مذہب میں داخل ہوا تو اوس وقت بڑی مشکل سے بیس میں ایک شخص عیسائی نظر آتا تھا۔ چنانچہ اسی کی تائید میں گبن نے جلد ۲ فصل ۱۵ میں تحریر کیا ہے کہ "آریجن کی معتبر شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر عیسائیوں کی کثرت کے سامنے عیسائیوں کی تعداد کی نسبت بہت ہی کم تھی۔ اس تعداد کے حق میں جو اندازہ انطاکیہ اور روم کی مثالوں سے سمجھ میں آتا ہے وہ بھی ہمیں اس بات پر قیاس کرنے کی اجازت نہیں دیتا کہ اس سلطنت کی رعایا کے بیسویں حصہ سے زیادہ لوگوں نے قسطنطین کے عیسائی ہونے سے پہلے اپنے آپ کو علم صلیب کے نیچے منسلک کیا ہو"۔

قسطنطین کا عیسائی دین قبول کرنا کیا تھا اسکی کایا پلٹ دینا تھا۔ پہلے تو ترغیب و تحریص سے عیسائی بنانے کی کوشش کی گئی مگر اس طریق کو ناکافی سمجھ کر بعد میں جبر اور زور و ظلم سے عیسائیوں کی تعداد کا بڑھانا شروع ہوا۔ وہ عیسائی جو پہلے کسی زمانہ میں رومیوں کے ظلموں کے شاکی تھے کہ محض عیسائی مذہب کی خاطر انپر ظلم روا رکھا جاتا ہے۔ اب خود اس بات کو روا رکھنے لگے کہ غیر عیسائیوں کو محض ان کے مذہب کیوجہ سے دکھ دینا جائز ہے۔ ظاہری طاقت اور سلطنت ہاتھ میں آتے ہی عیسائیوں نے اس بات کو اپنا فرض سمجھ لیا کہ بت پرستی کو بجبر نیست و نابود کرنا چاہیئے۔ چنانچہ گبن لکھتا ہے کہ "زمانہ تھیوڈوسیس میں جس طرح بت پرستی کو برباد کیا گیا وہ تمام دنیا میں کسی قدیم اور مشہور وہم پرستی کو صفحہ ہستی سے قطعی طور پر مٹا دینے کی ایک ہی مثال ہے۔ اور اس لیے یہ حق ہے کہ انسانی دل کی تواریخ میں اس کو ایک ہی بے نظیر واقعہ تسلیم کیا جائے عیسائی اور خصوصاً کلیسیا کے عہدہ دار اور پادری بڑی بے صبری سے قسطنطین کا اس توقف میں ساتھ دے رہے تھے جو اس کی طرف سے عیسائی دین کے بجبر پھیلانے میں ظہور میں آرہا تھا۔ اور اسی طرح بے صبری کے ساتھ انہوں نے بڑے ویلنٹینین کے زمانے میں انتظار کیا جب مذہب کی خاطر کسی کو دکھ نہ دیا جاتا تھا کیونکہ وہ اپنی فتوحات کو اوس وقت تک مکمل اور پایدار نہ سمجھتے تھے جب تک کہ اون کے حریف زندہ چھوڑے جاتے۔ امبروس اور اوس کے بھائیوں نے جو اثر گریشین پر اس کی نوجوانی کی وجہ سے اور تھیوڈوسیس پر اس کی پاکبازی کی وجہ سے حاصل کر لیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بادشاہوں کے دلوں میں مذہب کی خاطر لوگوں کو دکھ اور تکلیفیں پہنچانے کے اصول نے مضبوط جگہ پکڑ لی"۔ ایسا ہی مشہور مورخ لیکی اپنی تواریخ اخلاق یورپ میں بیان کرتا ہے "کہ دینی اخلاق کا بہت بڑا حصہ اون تحریروں سے اخذ کیا گیا جن میں لکھا گیا تھا کہ مذہب کی خاطر قتل عام کرنا خدا کا خاص اور تاکیدی حکم ہے اور قتل بھی ایسا جس سے زیادہ بے رحمانہ اور خون آشام قتل کا تاریخ سے پتہ نہیں ملتا

اور ایسا ہی ان تحریروں پر بنائے اخلاق رکھی گئی جن میں تمام اخلاقی امور سے بڑھکر بت پرستی کو دنیا سے جبراً مٹانے کو خاص فوقیت اور ترجیح دیگئی تھی۔ اور جنمیں مذہب کی خاطر ایذا رسانی کی روح کو بڑے فصیح اور پُرجوش کلام کے پیرائے پہنائے گئے تھے ...... اُس مذہب کے خلاف جسکا نشان مٹایا جارہا تھا یہ نیا مذہب یعنی عیسائی مذہب اس بات کا مدعی تھا کہ اسے لوگوں کے افعال اور راؤں کی آزادی کو روکنے اور ان میں دخل دینے اور انہیں اپنے منشاء کے مطابق چلانیکا حق ہے اور اس کے معلم مذہبی معاملات میں ایسی آزادانہ رائے دینے کو جو انکی رائے سے کچھ اختلاف رکھتی ہو نہایت خطرناک اور سیاہ جرم قرار دیتے تھے۔"

ڈریپر لکھتا ہے کہ "مذہبی لوگوں میں عام رائے یہی تھی کہ لوگوں کو اونہیں باتوں پر ایمان رکھنے کے لیے مجبور کرنا جائز ہے جن پر گروہ کثیرہ ایمان لاچکا تھا اور اگر کوئی انکار کرے تو اُسے سزا دینا بھی درست ہے۔" چنانچہ مشہور و معروف عیسائی پادری سینٹ اگسٹائین کے بارے میں لیکی نے تحریر کیا ہے کہ "کچھ عرصہ کے لیے اوس نے مذہبی ایذا رسانی سے پہلو تہی کیا بلکہ اس کی مذمت بھی کرتا رہا لیکن تھوڑے عرصہ میں اوسکو معلوم ہوگیا کہ جن اصول مذہب کو وہ قبول کرچکا ہے انکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مذہب کی خاطر ایذا رسانی کے اصل کو تسلیم کیا جائے۔ چنانچہ آخر مذمت کرنے سے رجوع کرکے اس نے اپنی ساری ذہانت اسی بات کے ثابت کرنے میں صرف کی اور بار بار اسپر زور دیا اور مذہب کی خاطر ایذا رسانی کے مسئلے کا وہ خود واضع اور حامی و وکیل بن گیا۔ جن دلایل کی بناپر اگسٹائین ایذا رسانی کی حمایت کرتا تھا اکثر اون میں وہی تھے جو مَیں نے ابھی بیان کیے ہیں۔ بعض کا ماخذ تو یہ عقیدہ تھا کہ سوائے عیسائی مذہب کے نجات کہیں نہیں مل سکتی۔ اور بعض عہدنامہ عتیق کے واقعات سے ماخوذ تھے وہ کہا کرتا تھا کہ کفار کو سزا دینا خواہ وہ سزا موت ہی کیوں نہ ہو دراصل اونپر رحم ہے۔ کیونکہ اس سے وہ اور دوسرے غیر عیسائی اوس ابدی عذاب سے نجات پاجاتے ہیں جس کے وہ مستوجب ہیں۔ کتب مقدسہ میں لکھا ہوا تھا کہ الحاد زناکاری کے مساوی ہے۔ اور خطرناک اور بدترین قسم کا قتل ہے کیونکہ اس سے روح قتل ہوجاتی ہے۔ یہ کفر کی ایک شکل ہے اور یہ تمام دلایل ایسے ہیں کہ انکی بناپر اونکو سزا دینا جائز اور حق ہے۔ اور عہدنامہ جدید میں جو ثابت نہیں ہوتا کہ حواریوں نے کہیں جبر اور زور سے کام لیا ہو تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اونکے زمانہ میں کسی فاضل پیشوائے مذہب نے یہ دین قبول نہیں کیا تھا۔ لیکن کیا الیاس نے اپنے ہاتھوں سے بعل کے کاہنوں کو ہلاک نہ کیا؟ اور کیا حزقیاہ اور جوسیا۔ شاہ نینوا اور بخت نصر نے نیا دین قبول کرنیکے بعد اپنی سلطنتوں میں سے جبراً بُت پرستی کو تباہ نہیں کیا؟ اور کیا اونکی کھلے طور پر اس نیک عمل کے لیے تحسین اور تعریف نہیں کی گئی؟ یہ سینٹ اگسٹائین ہی تھا کہ جس نے مذہبی ایذا رسانی کے خیال کو ادا کرنیکے لیے یہ جملہ ایجاد کیا کہ انہیں مذہب میں داخل ہونے کے لیے مجبور کرنا چاہیئے۔"

غرض جس طرح جونہی کہ عیسائی مذہب کو دنیاوی سلطنت ہاتھ لگ گئی اوسی وقت سے اپنی ہی رعایا کو جن کے ہاتھ سے انکو کچھ بھی گزند نہ پہنچا تھا اور نہ کسی قسم کا خطرہ تھا سخت بے رحمی سے مذہبی عقوبتوں کا تختۂ مشق بنایا یہ ایسے ظالمانہ کام تھے کہ مسلمانوں میں جو بڑے ظالم بادشاہ بھی گذرے ہیں اون سے بھی ایسے ظلم ظہور میں نہیں آئے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ کسی مسلمان بادشاہ نے ملک گیری کی خاطر بہت کشت وخون کیا ہو اور بعض وقت ناحق خون بھی گرایا ہو۔ لیکن یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ اونہوں نے کبھی ایسے مکروہ فعل کا ارتکاب کیا ہو کہ جو لوگ اون کے ماتحت امن کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہوں اونہیں ایذائیں پہنچائی ہوں اور نہ تیغ کیا ہو صرف اس وجہ سے کہ اُنہوں نے ان کا دین قبول نہ کیا ہو۔ ایک عیسائی مضمون نویس لکھتا ہے کہ "مسلمانوں میں جو روح دوسرے مذاہب کے خلاف پھونکی گئی تھی اس کی کافی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ جب کبھی کسی ملک کو وہ فتح کرلیتے تو اوس کے مندروں اور گرجوں کو مسجدیں بنا لیتے"۔ مگر جس حال میں کہ مسلمانوں کے مفتوحہ ممالک میں ہزاروں پُرانے مندر اور گرجے آجتک قایم کھڑے ہیں تو ایک یا دو واقعات کی بنا پر کسی امر کو عام طور پر قیاس کرلینا سخت غلطی ہے۔ جس مذہبی تعصب اور جوش میں آکر عیسائی پیشواؤں اور بادشاہوں نے قدیم رومیوں کے دیوتاؤں کے مندروں کو (جو یونانی فن تعمیر کی نہایت عمدہ اور بلند شان یادگاریں تھیں) تباہ کیا اوس کی مثال دنیا کی وحشی ترین قوموں کی تواریخ میں بھی کہیں پائی نہیں جاتی۔ اور جب ہم ساتھ ہی یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایسے ظلم عیسائیوں نے جنگوں کے وقتوں میں نہیں کیے کہ جب کسی حریف کو پورے طور پر مغلوب کرنے کے جوش کی وجہ سے وہ کسی حد تک معذور سمجھے جاسکیں بلکہ عیسائی سلاطین کے مظالم با امن زمانہ میں اپنی ہی صلح جو رعایا پر دیدہ و دانستہ محض اون کے عیسائی مذہب کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے کیے گئے تو اوس وقت انکی درشتی اور مکروہیت اور بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔ ہم ذیل میں گبن کی ایک عبارت کا اقتباس کرتے ہیں جس سے ناظرین کو پتہ لگ جائیگا کہ عیسائیوں میں تعصب اور مذہبی جوش میں آکر ایذا رسانی کی روح کس حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ "سائی نے جیئس کو جو مشرقی علاقہ کا حکمران تھا اور از ان بعد دو نوابوں جونیس اور گنڈنیٹیئس کو جو مغربی ممالک کے دو نامور اور مشہور و معروف حاکم تھے خاص حکم نامہ عطا کیا گیا تھا جس کی رو سے انکو حکم دیا گیا تھا کہ تمام مندروں کو بند کردیں اور تمام آلات بت پرستی کو جبراً ضبط کر کے ضایع کردیں۔ اور تمام تبرکات اور جائداد کو ضبط کر کے بادشاہ یا گرجا یا فوج کے فایدہ کے لیے تصرف میں لادیں۔ چاہیے تھا کہ یہ غارتگری یہیں روک دی جاتی اور وہ عریان عمارات جنہیں اب بتوں کی عبادت بند ہوگئی تھی اس مذہبی جوش کے تباہ کن حملوں سے بچالی جاتیں۔ بہت مندر اون میں یونانی فن تعمیر کے بہت عالی شان اور خوبصورت یادگار تھے۔ اور بادشاہ کا اس میں اپنا فایدہ تھا کہ اپنے شہروں کی عظمت اور شان کو یوں تباہ نہ ہونے دیتا اور اپنے مقبوضات کی قدر و قیمت

میں نقصان واقع نہ ہونے دیتا۔ لازم تھا کہ ان شاہانہ عمارات کو بحال رہنے دیا جاتا تاکہ یہ یسوع مسیح کی فتوحات کی مستقل یادگاریں رہ جاتیں۔ فنون اور علوم کے تنزل کے زمانوں میں (جو عیسائی مذہب کے ساتھ شروع ہوگئے تھے) یہ بہت کام آنیوالی تھیں۔ ان میں میگزین بن سکتے۔ کارخانے جاری ہوسکتے تھے۔ اور مجالس اور مجموں کے کام آسکتے تھے اور شاید ایسا بھی ہوسکتا تھا کہ جب ان مندروں کی دیواریں عیسائی رسوم کے ذریعہ سے پورے طور پر پاک اور صاف کر لیجاتیں تو ان میں خدا کی پرستش کرنے سے پرانی بت پرستی کے گناہ دور ہوکر پاک ہوجاتے......... بادشاہوں کے قوانین سے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اون میں کسی قدر رفق اور نرمی کے آثار موجود تھے لیکن اون کی کوششیں کچھ ایسی سرد مہری سے لبریز اور ڈھیلی اور بے جان ہوتی تھیں جو کلیسیا کے بڑے بڑے مقدس بزرگوں اور پیشواؤں کے مذہبی جوش اور جبر و غضب کی موج کو روکنے کے لیے کافی نہ تھیں ملک فرانس میں مقدس مارٹن بشپ طورس اپنے درویشوں کو ہی لیکر اپنے وسیع علاقہ کے بتوں اور مندروں اور مقدس درختوں کو تباہ کرنے کے لیے نکل پڑا۔"

وہ واقعہ بھی ہمارے سامنے ہے کہ کسطرح مارسلس نے جو ملک شام کا ایک بشپ تھا اپنے ملک کے مشتری دیوتا کے مندر کو تباہ کرنے کا عزم کیا۔ مگر اوسکی عمارت ایسی مضبوط اور پائدار تھی کہ بڑے بڑے مضبوط آلات بھی کچھ کام نہ دے سکے۔ پھر اپنے دل کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اس جوشیلے بشپ نے اوس مندر کی بنیادوں میں سرنگیں لگائیں۔ کارتھیج کا وہ عظیم الشان زہرہ کا مندر جو دو میلوں میں محیط تھا اور روم کا وہ شاہی گنبد جسکو کل دیوتاؤں کے مندر کے نام سے منسوب کرتے تھے چھین کر گرجے بنائے گئے۔ اور جن پادری صاحبان کو مسلمانوں کی جنگجو اور خونریز قوم ہونے پر یہ ایک قطعی دلیل معلوم ہوتی ہے کہ قسطنطنیہ کے سینٹ صوفیا کے گرجے کی مسجد بنالی گئی تھی اونہیں چاہیئے کہ وہ اپنے دین عیسوی کی اون مثالوں کو یاد کریں کہ جنمیں بیشمار مندر گرجے بنائے گئے۔ لیکن اگر عیسائی صاحبان نے کل کے کل مندروں کو چھوٹے چھوٹے بتوں کی پرستش دور کرکے اور اونکی بجائے ایک بڑے بت کی پرستش کو قایم کرکے گرجوں میں تبدیل نہیں کیا تو یہ کوئی خوبی کی بات یا قابل تحسین امر نہیں۔ کیونکہ خود گبن نے لکھا ہے کہ "مذہبی دیوانوں کی بے ترتیب بیقاعدہ اور بے اختیار افواج رومی دنیا کے ہر صوبہ و علاقہ میں امن سے بستی ہوئی رعایا پر حملے کرتی رہتی تھیں۔ اور قدیم زمانہ کی نہایت اعلیٰ درجہ کی عمارات کے کھنڈرات اسوقت تک بھی اون وحشیوں کے حملوں کو یاد دلا رہے ہیں جن کی طبایع خاص طور پر ایسی خطرناک تباہیوں کے لیے استعداد اور میلان رکھتی تھیں اور جنہوں نے بڑی محنت سے ان کھنڈروں کے بنانے میں اپنا وقت صرف کیا۔" پس اگر مندروں کے گرجا بنانے میں ظلم کے ساتھ کسی قدر انسانیت بھی تھی تو ان مندروں کے ویران کرنے میں پوری پوری وحشیانہ حرکات نظر آتی ہیں کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ

عیسائیوں نے بت پرستی کے مندروں کو تباہ کیا اور بت پرستی کا مذہب مٹایا اور بت پرستوں کو ایذائیں پہنچائیں لیکن نیا مذہب بجبر منوانے کے لیے اونہوں نے بہت خونریزی نہیں کی۔ اور نہ ہی کسی رومی عیسائی بادشاہ نے اپنی رعیت کے لیے کبھی یہ اعلان کیا کہ یا تو عیسائی مذہب قبول کرو اور یا موت قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ لیکن اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ چونکہ وہ بت پرست لوگ عیسائیوں کی رعیت تھے اور غلاموں کی طرح اون کے مطیع اور فرمانبردار تھے اس لیے اونہیں اپنے مالکوں کی بات ماننے کے لیے چنداں سختی کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ گبن نے لکھا ہے کہ "اگر اون بت پرست لوگوں میں بھی اپنے مذہب کے لیے اوسی جوش اور جرأت کی روح منفوذ ہوتی جو ان عیسائیوں کے دلوں میں بھری ہوئی تھی تو عیسوی مذہب کی یہ فتوحات خونریزی کے رنگ سے رنگین ہوتیں۔ اور جوپیٹر اور اپولو (رومیوں کے دیوتاؤں) کے شہیدوں کو اپنے معبودوں کے قدموں پر اپنی جانوں اور مالوں کو قربان کرنیکا فخر حاصل کرنیکا موقع نصیب ہوتا۔ لیکن بت پرستوں کی بےقید اور غافل طبایع کے ساتھ ایسے جوش اور استقلال کو مناسبت نہیں تھی۔ متعصب عیسائی بادشاہوں کے سخت اور متواتر حملوں کے بالمقابل ایک ایسا نرم اور قبول کرنے والا مادّہ تھا جس کی وجہ سے ان حملوں کا زور خود بخود ٹوٹ جاتا تھا۔ اور بیچارے بت پرست قانون تھیوڈوسیس کی سزاؤں اور دکھوں سے اسی طرح بچتے رہے کہ وہ ہر بات میں اطاعت اختیار کر لیتے اور ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے۔ بجائے اس کے کہ وہ یہ کہتے کہ ہمارے دیوتاؤں کا حکم شہنشاہ کے حکم سے بڑھکر قابل تسلیم ہے۔ وہ ایک دلسوز اور غم آلود بڑبڑاہٹ کے ساتھ اپنی شکایتوں کو اپنے آپ تک ہی محدود رکھکر اپنی اون پاک آبائی رسوم سے باز آجاتے جو اون کے بادشاہ انکو ترک کرنے کا حکم کرتے۔ اگر کسی وقت اون کے دلوں میں کچھ جوش بت پرستی کے لیے پیدا بھی ہوتا یا یہ خیال انکے دلوں میں آتا کہ شاید ان کے راز کا افشا نہ ہوگا اور اس بنا پر کبھی وہ اپنی توہم پرستی کی طرف رجوع کرتے۔ تو پھر نہایت عاجزی سے تائب ہو کر عیسائی مجسٹریٹوں کی درشتی کے پنجہ سے بچ جاتے۔ اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہوگا کہ جب کبھی انہوں نے بت پرستی کے رسوم کو ادا کرنے کی گستاخی کی ہو تو بعد میں اپنی اس گستاخی کا کفارہ اس طرح پر نہ دیا ہو کہ کراہیت اور نفرت کو دل میں چھپا کر ظاہر طور پر انجیل کے جوئے کو اپنی گردن پر قبول کر لیا ہو۔ ایسے نالایق نو مریدوں کے روز افزوں گروہوں سے گرجے پُر ہو رہے تھے جو محض نفسانی اور دنیاوی اغراض حاصل کرنے کے لیے اپنے بادشاہ کے مذہب کو اختیار کر رہے تھے۔ اون کی اصل حالت یہ تھی کہ ظاہراً جب وہ تمام حرکات مذہبی کو بڑے ذوق سے ادا کرتے نظر آتے اور عیسائیوں کی دعائیں پڑھتے تھے تو اوس وقت بھی دلوں کے اندر وہ سچے اخلاص کے ساتھ اپنے قدیم دیوتاؤں کے آگے دعائیں کرنے سے دلوں کو تسلّی دے۔ ایسے تھے جہاں ان بت پرستوں میں مذہب کی خاطر تکالیف اُٹھانے کے لیے صبر اور استقلال نہ تھا ساتھ ہی ان میں اپنے جابر حکام کا مقابلہ کرنیکی

روح اور جرأت نہ تھی۔ اور لاکھوں انسان جو اپنے مندروں کی بربادی کے شاکی تھے وہ بھی اپنے دشمنوں کے بغیر کسی مقابلہ کے مطیع ہو گئے۔ شام کے کسانوں اور سکندریہ کے عام لوگوں نے جو عام عیسائی مذہبی جوش کی مخالفت کا اظہار کیا۔ وہ صرف بادشاہ کے نام اور اس کی حکومت کے رعب سے فرو کر دیا گیا"

کوئی سمجھدار انسان اس عذر کو قبول نہیں کر سکتا کہ عیسائیوں نے جو یہ دست تطاول دراز کیا ہوا تھا اور بت پرستوں کو ناحق کی عقوبتوں اور ایذاؤں کا تختۂ مشق بنا رکھا تھا ان سختیوں کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ انہیں توہم پرستی اور بت پرستی کی ناپاک رسموں سے سخت نفرت تھی بلکہ اون کی غرض تو صرف یہی تھی کہ عیسائی مذہب میں لوگ زیادہ داخل ہوں اور یہ غرض نہ تھی کہ بدی کی بیخکنی ہو۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اُنہوں نے آپ ہی بت پرستی کی خرابیوں کو اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ مسئلہ تثلیث بت پرستوں سے ہی لیا گیا تھا علاوہ ازیں اُنہوں نے یہودیوں کو جو خدائے واحد کے پرستار تھے اس سے بھی زیادہ جوش و جنون سے ایذائیں پہنچائیں۔ اور اگرچہ بت پرستوں کو بپتسمہ نہ لینے کی صورت میں صریح طور پر سزائے قتل کا مستحق نہ قرار دیا گیا ہو۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خدا کو واحد ماننے والے یہودیوں پر محض اس لیے کہ انہوں نے یسوع مسیح کو ماننے سے انکار کیا نہایت سخت بے رحمی سے یہ مسئلہ عمل میں لایا گیا یعنی لاکھوں یہودیوں کو بغیر کسی اور قصور کے اور محض اس وجہ پر کہ انہوں نے عیسائی مذہب کو قبول نہ کیا طرح طرح کی ایذا رسانیوں کے ساتھ قتل کیا گیا۔ عیسائیوں نے جیسے خطرناک اور سخت مظالم یہودیوں پر کیے ہیں وہ ایسے ہیں کہ دنیا بھر کی بے رحمیوں کی تواریخ میں اون کی نظیر نہیں ملتی۔ جب سے عیسائیوں کو دنیاوی اقتدار اور سلطنت حاصل ہوئی او سوقت سے لے کر ایک عرصہ دراز تک اور بعض ممالک میں زمانہ حال تک ہر ایک عیسائی ملک میں ہر ایک عیسائی سلطنت کے ماتحت یہودیوں پر نہایت بیرحمانہ مظالم برابر کیے جاتے رہے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ چند سطروں میں ان وحشت انگیز مقدس عیسائی ظلموں کو بیان کیا جا سکے۔ چنانچہ اسی کی تائید میں پادری جارجن* نے لکھا ہے کہ "ان یہودیوں کے درد انگیز حالات جن کے اموال و املاک تاخت و تاراج کر لیے گئے۔ اور اونہیں برہنہ کر کے ملک بدر کیا گیا اور فاقوں سے مارے گئے اور طرح طرح سے دُکھ دیے گئے۔ اور قیدخانوں میں ہلاک کیے گئے۔ اور پھانسی دیے گئے۔ اور عیسائیوں کے ہاتھوں سے جلا کر راکھ کر دیے گئے اگر لکھے جائیں تو کئی جلدیں بھر جائینگی" (جلد ۲ صفحہ ۳۲۷)

---

* ان مظالم کے واقعات اور اقتباس کتاب کرائمز آف کرسچینٹی یعنی جرائم عیسائیت سے لیے گئے ہیں۔ جو عیسائی آزاد خیالوں کی ایک کتاب ہے۔ منہ

قسطنطین کا عیسائی ہونا یہودیوں کے سخت اور دراز عقوبتوں کے مصائب کے سلسلے کا پیش خیمہ تھا۔ لکھا ہے کہ جو یہودی یروشلم کی مرمت کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے قسطنطین نے اون کے کان کاٹ ڈالے۔ اور یوٹیکیس اسپر یہ زیادہ کرتا ہے کہ اس بادشاہ نے اون سب کو بپتسمہ لینے اور ایسٹر (عیسائیوں کی عید) کے موقع پر سور کا گوشت کھانے پر مجبور کیا۔ پھر اسی قسطنطین نے فلسطین کے علاقہ میں جتنے شہر یہودیوں کے تھے سب جلا دیے اور جو یہودی ملا اوسے قتل کرا دیا۔ نہ عورتوں پر رحم کیا اور نہ بچوں کو ہی چھوڑا۔ عیسائی سلطنت میں جیسے جیسے طاقت اور زور بڑھتا گیا ویسے ہی یہودیوں پر دکھوں کی صعوبت اور انکی ایذا رسانی زیادہ ہوتی گئی۔ گبن نے تحریر کیا ہے کہ منارکا میں "صرف سینٹ سٹیفن کے تبرکات نے آٹھ دن کے اندر اندر پانچسو چالیس ۵۴۰ یہودیوں کو عیسائی مذہب میں لانے کا کام دیا۔ ہاں ان تبرکات کے ساتھ کچھ مدد ایسی ایسی خوشگوار ایذا رسانیوں کی بھی تھی جیسے ان کے معبدوں کو جلا دینا اور جو کافر عیسائی مذہب کو قبول نہ کرتے تھے اور مقابلہ کرتے تھے انکو پہاڑوں میں بھگا کر بھوک سے مار ڈالنا۔ وغیرہ" سکندریہ میں یہودی شہر بدر کیے گئے۔ اون کے گھر لوٹ لیے گئے۔ اور اون کے معبد چھین کر گرجے بنائے گئے۔ جسٹینین اور بھی بڑھ گیا۔ گبن نے لکھا ہے کہ "جسٹینین کے اعتقاد میں غیر عیسائیوں کا مار دینا جرم قتل کی تعریف میں نہیں آتا تھا۔ اور وہ پاکدلی کے ساتھ عیسائی مذہب کی اشاعت تلوار اور آگ سے کرتا رہا" بشپوں نے بھی سخت ظالمانہ افعال سے یہودیوں کو عیسائی بنانے کی کوششیں کیں ساتویں صدی کے شروع میں "نوے ہزار ۹۰۰۰۰ یہودیوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ بپتسمہ حاصل کریں۔ جنہوں نے انکار کیا اون کے اموال ضبط کر لیے گئے۔ اور اونکو سخت اذیتیں پہنچائی گئیں اور اس میں شک معلوم ہوتا ہے کہ آیا اونہیں اپنا وطن چھوڑنے کی اجازت بھی دی یا نہیں" (گبن)۔ ۶۳۳ء میں کونسل طالیدو نے یہ حکم نافذ کیا کہ یہودیوں کے تمام بچے اون کے والدین سے چھین لیے جائیں۔ اور اونکو عیسائی کنیسوں میں بھیجدیا جائے یا مذہبی لوگوں کے حوالہ کیے جائیں کہ وہ انہیں عیسائی دین کی تعلیم دیں۔ (دیکھو فلیوری کی تاریخ کلیسیا فصل ۸) اسی مجلس نے یہ حکم بھی نافذ کیا کہ اگر کوئی نو عیسائی کسی یہودی سے باتیں کرتا ہوا پایا جائے تو اوسکو غلام سمجھا جائے اور جس یہودی سے باتیں کرے اوسکو پبلک کے سامنے کوڑے لگائے جائیں۔ ۶۹۴ء میں طالیدو کی چودھویں مجلس نے یہودیوں کے بچوں کو چھین لینے کا پھر حکم دیا۔ بعض حالات میں یہودیوں کے بچوں کو کنیسوں میں محبوس رکھنے کا حکم دیا گیا تھا تاکہ عیسوی مذہب میں نجات پاکر وہ ہمیشہ کی لعنت سے بچ جاویں۔

۶۱۵ء میں ملک فرانس میں پیرس کی کونسل نے قانون نافذ کیا کہ کوئی یہودی کسی عیسائی پر

کوئی مقدمہ نہیں کر سکے گا کہ وہ بشپ سے بپتسمہ کا فضل نہ پالے۔ سنہ ۶۳۰ء میں کثیر التعداد یہودیوں کو مجبور ہو کر اوس ملک سے بدر ہونا پڑا کیونکہ یہ قانون بنایا گیا تھا کہ تمام لوگ جو یسوع مسیح پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس سلطنت سے باہر چلے جاویں۔

صلیبی جنگوں میں یہودیوں پر خاص طور سے خطرناک ظلموں کی بوچھاڑ ہوئی تھی۔ چنانچہ گبن نے لکھا ہے "وردن۔ طریویز۔ منٹز۔ سپائرز۔ ورمس۔ میں ہزاروں بدنصیب یہودی لوٹ لیے گئے اور نہ تیغ کر دیے گئے یہ ایسی سخت مصایب کا زمانہ تھا کہ ہیڈرین کے حادثہ کے بعد یہودیوں نے کبھی ایسا خونریز صدمہ نہ دیکھا تھا۔ کچھ جو بچ گئے وہ بشپوں کی ہمت سے بچے کیونکہ اونہوں نے منافقانہ طور پر دین عیسوی قبول کر لیا تھا۔ لیکن جو یہودی اپنے مذہب پر اڑے تھے اُنھوں نے پورے مذہبی جوش سے عیسائیوں کے مذہبی جوش کا مقابلہ کیا۔ اور اپنے گھروں کو مضبوط طور پر محفوظ کر کے اپنے بیوی بچوں اور مال و دولت کو دریاؤں میں پھینکدیا۔ اور آپ بھی دریاؤں میں کود کر اپنے دشمنوں کے عناد اور بغض یا اگر بطور تنزل کہا جائے تو اون کے لالچ کو مایوس کر دیا۔ جو کسی طرح ... سے ٹھنڈا ہوتے ہی نہ تھے۔"

اسی طرح ملمین نے لکھا ہے۔ "اس قوم (یہودیوں) کے خوفناک قتل جو جرمنی کے آباد شہروں اور دریائے رائین کے کناروں پر صلیب کے سپاہیوں کے ہاتھ سے وقوع میں آتے رہے وہ بائبل کے بعد تر دشمنوں کو مطیع بنانے سے کم کار ثواب نہ سمجھے جاتے تھے۔" بیسنیج کا بیان ہے کہ "ورمز میں یہودی لوگ بشپ کے محل میں پناہ گزین ہوئے وہیں اونہیں مجبور کیا گیا کہ دو باتوں میں سے کوئی ایک اختیار کر لو خواہ دین عیسوی قبول کر و یا اپنے سر تلوار سے قلم کراؤ۔ بعض نے عیسائی دین قبول کر لیا۔ لیکن جنھوں نے قبول نہ کیا وہ خودکشی پر مجبور ہوئے۔ ترِیویز میں جب عیسائی غازیوں کو حملہ کی نیت سے اوس طرف آتے سنا تو یہودی ماؤں نے اپنی لڑکیوں کو گلے گھونٹ کر مار ڈالا۔" بویریا میں بارہ ہزار یہودی بے رحمی سے قتل کر دیے گئے۔ جہاں کہیں عیسائی مجاہد جاتے وہاں یہودی بیچاروں کی قسمت تلوار یا بپتسمہ ہی ہوتا۔ انگلستان میں بھی اونکو ایسی ہی بدنصیبیوں کا سامنا ہوتا رہا۔ اور وہ نہایت بیرحمی اور بیدردی سے قتل کیے گئے اور لوٹ لیے گئے۔ ہیکر لکھتا ہے کہ "ہر کو وہ نے اسبات کی حلف اُٹھائی کہ آگ اور تلوار سے یہودیوں کی بیخکنی کر دیں گے اور اون کے محافظوں کے پنجوں سے اونہیں چھین لیں گے۔ ان محافظوں کی تعداد اتنی تھوڑی تھی کہ سارے ملک جرمنی میں بہت تھوڑی جگہیں ایسی شمار میں آسکتی تھیں جہاں وہ باغی شمار ہو کر قتل نہ کیے گئے ہوں یا جلائے نہ گئے ہوں .... بسل میں یہودیوں کو جلانیکے لیے ایک چوبی مکان طیار کیا گیا اور جتنے یہودی وہاں تھے جن کی تعداد بہت بڑی تھی اوس مکان میں اکٹھے بلائے گئے اور صرف عام لوگوں کے شور مچانیکی وجہ سے بغیر تحقیقات اور کسی عدالت کے حکم کے اوس مکان کے

دروازے بند کرکے اوس کو آگ لگادی گئی۔ اور سب کے سب یہودیوں کو وہیں جلاکر راکھ کردیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی عدالتی تحقیقات بھی ہوتی تو ان کو اوس سے بھی کوئی فایدہ نہ ہوتا"

اس سے تھوڑا عرصہ بعد فرے برگ میں ایسا ہی واقعہ ہوا اور پھر سپیر زمیں یہودیوں سے ایسے ظلم کیے گئے کہ وہ جان سے تنگ آ گئے اور اپنے مکانوں میں داخل ہوکر اونہیں آگ لگادی اور خود اون میں اپنے بال بچوں سمیت جلکر کباب ہوگئے۔ چند آدمی جو اون میں سے بچ رہے اونکو مجبوراً بپتسمہ دیا گیا۔ مُردوں کی لاشوں کو شراب کے خالی پیپوں میں بند کرکے دریائے رائین میں اس لیے پھینکدیا گیا کہ اون سے کہیں ہوا خراب نہ ہوجائے .... سٹراسبرگ میں یہودیوں کے قبرستان میں ایک بڑا تختہ بناکر دو ہزار زندہ یہودیوں کو جلادیا گیا۔ تھوڑے سے آدمیوں نے بپتسمہ لینے کا وعدہ کرلیا تو اونہیں اور اون کے بال بچوں کو اُتار لیا گیا۔ بعض عورتوں کی جوانی اور حسن دیکھکر ترس غالب ہوا۔ اور اونکی مرضی کے خلاف اونکو موت سے بچا لیا گیا۔ بعضے جو زور سے بھاگ نکلے تھے اونکا پیچھا کرکے بازاروں میں مار ڈالا گیا"

ملک ہسپانیہ میں فرڈیننڈ اور ازابیلا کی تخت نشینی کے موقع پر عیسائیوں نے یہودیوں اور مسلمانوں پر برابر ناگفتہ بہ ظلم کیے۔ ۳۰۔ مارچ ۱۴۹۲ء کو ان عیسائی بادشاہوں نے یہ اعلان کیا کہ تمام غیر عیسائی لوگ جنہوں نے بپتسمہ حاصل نہیں کیا اخیر جولائی تک اس سلطنت کی حدود سے باہر نکل جائیں۔ اس حکم میں یہ بھی لکھا تھا کہ کسی ایسے شخص کو چاندی یا سونا ساتھ لیجانیکی اجازت نہیں۔ انکی اس مصیبت کو لنڈو اس طرح بیان کرتا ہے۔ "ان خانمان برباد تباہ حال بدقسمت لوگوں کو جو جو مصیبتیں جھیلنی پڑیں وہ احاطہ بیان میں نہیں آسکتیں۔ بعض کشتیوں کو ہی آگ لگ گئی اور وہ بیچارے یا تو آگ میں بھونے گئے اور یا غرق ہوگئے۔ اور جو اس بلا سے بچے وہ چونکہ بہت کوٹ کوٹ کر لادے گئے تھے اس لیے وہ بھی ڈوب ہی مرے۔ اکثر ونکی برگشتگی قسمت نے کشتیوں کو توڑ کر .... اونہیں کسی بنجر کنارے پر جا ڈالا۔ جہاں بھوک اور پیاس نے ہی پیغام اجل سنا دیا۔ اور جو یہاں سے بھی جانبر ہوگئے اون کی زندگی اون کے لیے اور قسم کی تباہیوں اور مصیبتوں سے لبریز ثابت ہوئی۔ بعضے ناخداؤں نے شرارت کی وجہ سے عمداً بحری سفر کو لمبا کردیا تا کہ اون بدبخت مظلوموں کا زاد سامان و اسباب پانی اور خوراک خریدنے پر صرف کراکے اور نہیں تو اونہیں قلاش اور بے نوا ہی کردیا جائے"

ان بے گھر اور بے در مفلوک الحال بدنصیبوں میں سے بعض ساحل جینوا پر جا لگے۔ وہاں بھی اونکے لیے وہی تباہی طیار تھی۔ لیکن بعض بڑے رحم دل عیسائیوں نے وہاں انکے حال پر ترس کھاکر انکی مدد کی۔ اور وہ مدد بھی یہی تھی کہ اگر جان اور کھانیکا سامان چاہتے ہو تو صلیب پر ایمان لے آؤ ورنہ کچھ نہیں ملے گا۔ ایسی حالتیں

اب انکو سوائے تسلیم کے چارہ ہی کیا ہو سکتا تھا۔ ایسا ہی پرتگال میں ان مغضوب علیہم لوگوں کے لیے وہی سختیاں تقدیر میں لکھی تھیں۔ وہاں کے رئیس ڈان عمانوئیل کو فرڈی ننڈ اور اذابیلا نے اپنی لڑکی کا بیاہ اس شرط پر دیا کہ وہ مسلمانوں اور یہودیوں کو اپنے ملک سے نکال دیوے۔ چنانچہ ماہ دسمبر ۱۴۹۶ء میں حکم نافذ کیا گیا تھا کہ تمام یہودی جنہوں نے عیسائی دین قبول نہیں کیا وہ دو مہینے کے عرصہ میں ملک پرتگال کے حدود سے باہر چلے جاویں۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد پھر یہ حکم جاری کیا گیا کہ یہودیوں کے تمام بچے جو چودہ سال سے کم عمر کے تھے والدین سے جبراً چھین لیے جائیں اور عیسوی دین میں اون کی تربیت کیجائے۔ ان پاکیزگی کے مدعی عیسائیوں نے اس وحشیانہ فرمان کی بڑی دلچسپی سے تعمیل کی۔ اور اس درد انگیز اور وحشت خیز نظارہ کو لنڈو اس طرح سے بیان کرتا ہے کہ "آہ! وہ کیسا وحشت انگیز اور دردناک نظارہ تھا کہ جب اون بیکس اور مصیبت اور مامتا کی ماری ماؤں کی گودوں اور چھاتیوں سے اونکے پیارے ننھے بچے سختی اور زور سے چھین لیے گئے۔ اور بیچارے مقہور و مظلوم باپ جو معصوموں کو شفقت پدری کی گودوں میں لیے ہوئے تھے اونہیں کھینچ گھسیٹ کر اون سے اونکے بچے لے لیے گئے۔ اس وقت کے آہ و نالے اور فغاں اور ٹھنڈی سانسیں اور عورتوں کی چیخیں اور رونے کے نعرے جن سے کرۂ ہوا پُر ہو گیا تھا نہایت ہی درد انگیز تھے۔ ان ظلموں سے تنگ آکر بعض لوگوں پر ایسی حالت طاری ہو گئی تھی کہ انہوں نے اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں سے کوؤں میں پھینک کر ہلاک کر دینے کو بہتر سمجھا۔ بعض بیچارے جانوں سے ہی ایسے ہاتھ دھو بیٹھے کہ خودکشی کر لینا ہی اوس وقت پسند کیا۔" لیکن اونکی مصیبتیں ابھی یہیں تک ختم نہ ہوئیں۔ بلکہ وہ ایک اور تازہ قانون بنایا گیا کہ جن یہودی بچوں کی عمر چودہ اور بیس سال کے اندر ہو اونکو بھی جبراً والدین سے چھین کر بپتسمہ دیدیا جاوے۔ اس طرح بے شمار بچوں کو گروہ در گروہ بالوں اور بازوؤں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے گرجوں میں لاتے اور جبر اور سختی سے بپتسمہ کا پانی اور نئے نام قبول کراتے۔ اور یہ بچے کیتھلک سلسلہ کے معاہدوں کے حوالے کر دیے جاتے۔ پھر انکے والدین بھی گرفتار کر کے اونکو یہ طمع دیجاتی کہ اگر تم عیسائی دین قبول کر لو تو تمہیں تمہاری اولاد دیدی جاوے گی۔ خدانخواستہ اگر اونمیں سے کوئی انکار کر بیٹھتا تو تین دن متواتر بے آب و دانہ زندان میں محبوس رکھے جاتے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسے شیطانی اور وحشت انگیز قانون کے برخلاف کوئی فانی انسان استقلال دکھا سکے۔ لیکن یہودی لوگ باوجود ان تمام ایذاؤں کے متزلزل نہ ہوئے جو قوم یہود کے لیے باعث فخر امر ہے۔ مگر اونکے استقلال دکھانے پر اونکو چھوڑا نہیں جا سکتا تھا چنانچہ آخرکار یہ حکم جاری کیا گیا کہ جس طرح نوجوان بچوں کو بجبر بپتسمہ دیا گیا ہے۔ اسی طرح باقی لوگوں کو بھی دیا جاوے۔ چنانچہ ہر طبقہ کے مرد اور عورتیں کیا جوان اور کیا بوڑھے کشاں کشاں گرجوں میں لائے گئے اور وہاں اُنکو زندگی کا بپتسمہ دیا گیا۔ اور عیسائیوں کے ہجوم فرط جوش میں تماشا دیکھ دیکھکر خوش ہوتے اور قہقہے لگاتے تھے" (مکمتا)

عیسوی دین نے اپنی اشاعت کے لیے جس جس طرح خلق خدا کا خون بہایا اوس کی بہت تھوڑی مثالیں اسجگہ لکھی گئی ہیں۔ جسطرح اس دین کی ترقی کے لیے اون مشہور خونریز افعال کا شارلمین مرتکب ہوا جس نے مذہب کو بزور شمشیر پھیلایا۔ اور جسطرح بیگناہ مسلمانوں کو ٹھنڈی چھری سے ملک ہسپانیہ میں ذبح کیا گیا یہ دو اور قابل ذکر نمونے ہیں جن سے صاف عیاں ہو رہا ہے کہ مذہب پھیلانے کے لیے مدت دراز تک جبر اور عقوبت کے اصول پر یہ دین قایم رہا۔ اس میں کلام نہیں کہ ان اصول کی حمایت اور پاسداری وہی لوگ کرتے تھے جو مذہبی عہدہ دار ہوتے تھے۔ اونہیں ان ناہنجار اصول کے ساتھ کچھ ایسی مناسبت تھی کہ جہاں کہیں کبھی کسی بادشاہ کے دل میں مظلوموں کی رحم انگیز آہ و فریاد پر ترس بھی آتا اور اون کی التجاؤں کو رحم کی وجہ سے منظور کرنیکی طرف وہ رغبت بھی کرتا تو یہ پادری صاحبان اپنے رسوخ اور دباؤ سے اونکو اس انسانی طریق سے باز رکھتے۔ لکھا ہے کہ جب فرڈی ننڈ اور اذابیلا کا یہ حکم شایع ہوا کہ جو کوئی یہودی تثلیث اور صلیب کے مذہب پر ایمان نہیں لاوے گا وہ حدود ہسپانیہ سے باہر نکل جاوے تو اوس وقت ایک بڑا باحیثیت اور رسوخ والا یہودی بادشاہ کے حضور میں پہنچکر اوسکے پاؤں پر گر پڑا اور اس حکم کو منسوخ کرنیکے عوض میں بہت بڑی رقم پیشکش کرنیکی درخواست کی۔ اسپر بادشاہ اور اوس کی رانی کا دل پگھل آیا اور وہ اس درخواست کے قبول کرنے پر کچھ آمادہ بھی ہو گئے۔ لیکن پادری صاحبان انجیلی تعلیم کے مطابق ہمیشہ سے دشمنوں سے ایسی محبت کرتے چلے آئے ہیں کہ وہ اس بات کو گوارا ہی نہیں کر سکتے تھے کہ عیسائی حکومت میں وہ لوگ زندہ رہنے پائیں۔

لمین لکھتا ہے کہ "محکمہ انکویزیشن کے افسر یہودی کی اس درخواست پر ڈر گئے (کہ مبادا بادشاہ لالچ میں آکر یہ منظور کر لے) بادشاہ اور اسکی ملکہ کا دل انسانیت کے خیالات اور انصاف کے برخلاف لوہے کی طرح سخت بنا دیا گیا تھا مگر اندیشہ یہ تھا کہ رقم کے پیش کرنے سے جو مفاد نظر آتا تھا وہ اپنا اثر نہ کر جائے۔ اسی وقت طامس یسوع مسیح کا ایک بت جو صلیب پر لگا ہوا تھا لیکر بادشاہ کے آگے بڑھا اور بت کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا کہ یہ وہ ہے جسے یہودا نے تیس درم نقرئی کے عوض بیچ ڈالا تھا۔ اب اگر آپ اوسے بہت بھاری معاوضہ پر بیچیں گے تو خدا کے سامنے اس بات کی جوابدہی کرنی ہو گی۔ سنگدل پادری کی اس بات سے بادشاہ کانپ اُٹھے اور بیچارے یہودیوں کو سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ یا تو عیسائی دین قبول کریں اور یا ملک چھوڑ بھاگیں"

یہ ہے عیسائی دین کے مذہبی جنگوں کا کچا چٹھا اور یہ نہ صرف عیسائی بادشاہوں کی بلکہ زیادہ تر اون لوگوں کی کرتوتیں ہیں جن کو روح القدس نے یسوع مسیح کی خوشخبری اور اسکا دین پھیلانے کے لیے الہام کیے۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ جب ہر ایک عیسائی آنکھیں بند کر کے اندھا دھند لوگوں کو جبراً عیسائی بنانیکے کام میں

لگا ہوا تھا تو ان سخت ظالمانہ اور وحشیانہ فعلوں کو دیکھکر ایک بھی آواز نہ دیتا کہ یہ اشاعت دین عیسوی نہیں بلکہ سراسر ظلم اور ناحق کی خونریزی ہے۔ سیکڑوں برسوں تک ساری عیسائی دنیا مذہب پھیلانے کے لیے اس قسم کی ناگفتہ بہ ظالمانہ کارروائیوں کو اپنے مذہب کا ایک نہایت ضروری مسئلہ سمجھتی رہی۔ اس میں شک نہیں کہ اگر یہ تیرہ و تار جابرانہ اور بیرحمانہ اذیتیں شاذ و نادر ہوتیں یا ان کے مرتکب کبھی کوئی ظالم مزاج سفاک طبع بادشاہ ہی کہیں کہیں ہوتے۔ اور عام طور پر عیسائی اور اون کے پیشوا پادری لوگ اپنی مساعی کو ان شیطانی افعال کے انسداد کرنے اور بے گناہوں کی جانوں کو ناحق کے خون سے بچانے میں لگاتے تو اوس حال میں عیسائی مذہب جن الزاموں کا مرتکب ثابت ہے اونسے کسی حد تک بری رکھا جا سکتا تھا۔ لیکن جن حالات اور واقعات کے نیچے یہ دردانگیز اور خطرناک ظلم کیے گئے۔ اون سے ان سیاہ کاریوں کی تصویر اور بھی تاریک ہو جاتی ہے کیونکہ یہ ظلم اُن لوگوں پر کیے گئے اور یہ ایذائیں اُن بندگان خدا کو پہنچائی گئیں جو یہ نہیں کہ بطور حریف میدان مقابلہ میں کھڑے تھے بلکہ بحیثیت رعایا انکے ظل حکومت میں بستے تھے اور انہی عیسائیوں کو اپنا ملجا اور ماوا سمجھتے تھے۔ کسقدر دردانگیز نظارہ ہے کہ انہوں نے اپنی ہی بیکس رعایا پر زور بازو دکھایا جو مقابلہ کرنا ہی نہ چاہتی تھی اور اگر چاہتے تو کر ہی نہ سکتے تھے۔ پس یہ خونریزی کی ایک نہایت ہی خطرناک تصویر ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔

عیسائیوں کے مذہبی جنگوں کا مختصر الفاظ میں ذکر کرنے اور اون کے اپنے ہی گواہوں کی شہادتیں پیش کرنے کے بعد اب میں اسلامی غزوات کا کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں جن کے بارے میں پادری صاحبان نے شور مچا رکھا ہے جن پر وہی مثل صادق آتی ہے کہ وہ اپنی آنکھ کا شہتیر تو نہیں دیکھتے پر دوسرے کی آنکھ کا تنکا اونکو نظر آجاتا ہے۔ پہلے اس بات کا بیان تو ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے جابر اور طاقتور دشمنوں نے محض اونکے اسلام قبول کرنے پر اونہیں ایسی ایسی اذیتیں پہنچائیں کہ جن سے بڑھکر کوئی عقوبت نہیں ہو سکتی تھی اور اسطرح مظلوم مسلمانوں کو مجبور ہو کر آخر تلوار ہاتھ میں لے کر اپنی جانوں کو بچانا پڑا۔ جو جو دُکھ اور مصیبتیں مسلمانوں کو دشمنوں نے پہنچائیں اور جس جس طرح اونکی ذلت کی اوسکی نظیر ان مصایب میں بھی نہیں ملتی جو عیسائیوں کے ہاتھ سے یہودیوں کو پہنچیں۔ مسلمانوں کی تعداد ابھی تھوڑی ہی تھی لیکن کم بخت دشمنوں نے اونہیں سخت دُکھ اور ذلتیں پہنچائیں اور ہر روز زیادہ تکلیفیں دینے پر تلے رہے۔ یہ حال دیکھکر اکثروں نے اپنے وطن مالوف اور گھر بار کو چھوڑ پردیس میں جا ٹھکانہ کیا۔ دو دفعہ تو حبش کے ملک کی طرف بھاگ کر پناہ گزین ہوئے۔ قریش نے وہاں بھی اونکا تعاقب کیا لیکن ناکام لوٹے۔ ان ظالموں کے ظلم اتنے بڑھ گئے کہ آخر خود آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے مسلمانوں کو بھاگ کر مدینہ میں پناہ لینی پڑی۔

قریش کی یہ حالت ہو رہی تھی کہ وہ عرب میں اسلام کی اشاعت ہوتی نہ دیکھ سکتے اور نہ سن سکتے تھے جب حبش تک اونہوں نے مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑا تو مدینہ میں کیوں امن سے بیٹھنے دیتے۔ بلکہ اب تو انہوں نے اپنی طاقتوں کو جمع کر کے یہی ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں پر ایک زبردست حملہ کر کے اونکو یکبارگی تباہ کر دیا جائے اور اسلام کی بیخ ہی اکھاڑ دیجائے۔ مسلمانوں کی مصیبتوں اور دکھوں میں یہ پہلا موقع تھا کہ جب اونہیں ان سفاک ظالم حملہ آوروں کے ہاتھ سے اپنا آپ لڑ کر بچانے کی اجازت ہوئی کیونکہ کفار سوائے اس کے راضی نہ ہوتے تھے کہ مسلمان دین اسلام سے مرتد ہو کر اون کے دین میں ہی شامل رہیں۔ اس امر کے متعلق قرآن مجید سے بہت شہادت ملتی ہے جس کے معتبر اور صحیح ہونے پر کوئی سوال نہیں ہو سکتا۔ اس شہادت میں سے بعض تو گذشتہ اشاعت مین ذکر کر دیگئی تھی لیکن اس جگہ بھی چند آیات لکھدی جاتی ہیں۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۴ اس طرح پر ہے ولا یزالون یقاتلونکم حتّٰی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا۔ جسکا ترجمہ یہ ہے۔ اور (یہ کفار) سدا تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہانتک کہ انکا بس چلے تو تمھیں تمھارے (دین اسلام) سے برگشتہ کر دیں۔ اس آیت سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہو رہی ہے کہ کفار نے مسلمانوں کو ستانے اور گزند و اذیت پہنچانے اور اونکو اسلام چھوڑا کر بت پرستی کی طرف رجوع کرانیکے ارادہ سے تلوار اٹھائی تھی دشمنوں کی تعداد کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی لیکن آسمانی تائیدوں سے انہوں نے کئی میدانوں میں دشمنوں کی کثیر التعداد افواج کو پس پا کیا۔ اسپر قریش کا غضب زیادہ زیادہ بھڑکتا گیا۔ اور اب وہ اس بات پر تل پڑے کہ سب کے سب مسلمانوں کو تلوار سے صاف کر دیا جائے۔ بعض مسلمانوں کو اپنی قلت تعداد دیکھکر کچھ خوف بھی تھا اور اسی بات کا آیت مذکورہ سے پہلی آیت میں مذکور ہے۔ جس میں لکھا ہے کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسیٰ ان تکرھوا شیئًا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئًا وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔ یعنی تمھارے لیے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا اور تمکو ناگوار بھی گذرے گا۔ اور عجب نہیں کہ ایک چیز تمکو بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تمکو بھلی لگے اور وہ تمھارے حق میں بری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اسی طرح مسلمانوں کو جنگ کرنے کے لیے جو ضرورت پیش آئی اوسکا ذکر اس آیت میں بھی ہے یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ۔ یعنی (اے پیغمبر مسلمان تم سے) ادب والے مہینوں کی نسبت یعنی اونمیں لڑائی کرنیکی نسبت دریافت کرتے ہیں (کہ کیا حکم ہے) تو (انکو) سمجھا دو کہ ادب والے مہینوں میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ مگر اللہ کی راہ سے روکنا اور خدا کو (جیسا کہ اوسکے ماننے کا حق ہے)

نہ ماننا اور راہ رب دالی مسجد (یعنی خانہ کعبہ) نہ جانے دینا۔ اور (ان لوگوں کو جو) اُس (مسجد میں رہنے اور اس میں عبادت کرنے) کے اہل (ہیں یعنی مسلمانوں) کو اس میں سے نکال دینا (کہ خانۂ خدا میں خدا کی عبادت نہ کرسکیں) اللہ کے نزدیک (اس سے بھی) بڑھکر (گناہ) ہے"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کفار نے محض مسلمانوں کو اپنے مذہبی فرائض اور خدا کی راہ سے روکنے کے لیے ہی تلوار اُٹھائی۔ اور مسلمانوں کو اپنے حقوق اور جانوں کی حفاظت کے لیے جنگ سے ہی جواب دینا ضروری ہوا۔ ایک عقلمند اور سمجھدار انسان اس بات کو خوب سمجھ سکتا ہے کہ جو صورت پیش آگئی تھی اس میں اس طرح جنگ کے لیے حکم دینا نہ صرف جائز اور برحق بلکہ نہایت ضروری ہوگیا تھا۔ مسلمانوں نے اس لیے تلوار نہیں اُٹھائی کہ کافروں کو جبراً مسلمان بنائیں جیسا کہ پادری صاحبان کے اجداد کے کارناموں سے ظاہر ہے۔ اونکا لڑنا تو صرف اس لیے تھا کہ وہ اپنے آپ کو اسلام چھوڑ کر بت پرستی اختیار کرنے کی لعنت سے بچائیں۔

قرآن شریف میں بہت ... سی ایسی آیات ہیں کہ جن سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ کفار ہمہ تن ہو کر اسی بات کے لیے کوششیں کرتے تھے کہ کسی طرح مسلمان لوگ اسلام کو چھوڑ دیں اور بت پرست بن جائیں۔ اور اسی غرض کے لیے وہ اُنہیں طرح طرح سے ستانے اور شرمناک اذیتوں سے اپنے نامۂ اعمال سیاہ کرتے۔ جیسے سورۃ النساء رکوع ۱۱ میں۔ ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواءً ہے جسکا ترجمہ یہ ہے۔ "اُنکی خواہش یہ ہے کہ جس طرح خود کافر ہیں اوسی طرح تم بھی کفر کرنے لگو (اور وہ) اور تم (سب) ایک ہی طرح کے ہو جاؤ" پھر سورہ ممتحنہ کی دوسری آیت ہے۔ ان یثقفوکم یکونوا لکم اعداءً ویبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء وودوا لو تکفرون۔ ترجمہ (یہ کافر) اگر (کہیں) تم پر قابو پا جائیں تو کھلم کھلا تمھارے دشمن ہو جائیں۔ اور ہاتھ اور زبان دونوں سے تمھارے ساتھ بُرائی کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ اور اُن کی اصلی تمنا یہ ہے کہ کاش تم (بھی ان ہی کی طرح) کافر ہو جاؤ۔ ایسا ہی آیت مندرجہ سورۃ النساء رکوع ۱۲ میں ہے۔ وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیاً واجعل لنا من لدنک نصیرا۔ ترجمہ۔ اور (مسلمانو!) تمکو کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور اون بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لیے (دشمنوں سے) نہیں لڑتے (جو عاجز آکر خدا سے) دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو اس بستی (یعنی مکے) سے کہیں نجات دے جہاں کے رہنے والے (ہم پر) ظلم کر رہے ہیں۔ اور (خود ہی) اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور (خود ہی) اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا۔

ایسے ہی سورۃ النساء کی ذیل کی آیات پر بھی غور کرو کہ کتنے لوگ جو اسلام کی صداقت کو دل سے مانتے تھے کفر کی حالت میں رہنے کے لیے مجبور کیے گئے۔ ان الذین توفّٰھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم۔ قالوا کنّا مستضعفین فی الارض۔ قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا۔ ترجمہ۔ جو لوگ (مشرکین میں پڑے رہنے اور اپنے دین کی خرابی سے) اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں فرشتے اونکی جان قبض کیے پیچھے اونسے پوچھتے ہیں کہ تم کس حالت میں رہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو وہاں بے بس تھے (اس پر فرشتے اون سے) کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی (اتنی لمبی چوڑی) زمین (اسقدر) گنجایش نہیں رکھتی تھی کہ تم اوس میں (کسی طرف کو) ہجرت کر کے چلے جاتے۔

الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا۔ ترجمہ۔ مگر (ہاں) جو مرد اور عورتیں اور بچے اسقدر بے بس ہیں کہ اونسے کوئی حیلہ کرتے نہیں بن پڑتا اور نہ اُنکو (باہر نکل جانے کا) کوئی راستہ سوجھ پڑتا ہے۔

ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغماً کثیراً وسعۃ۔ ترجمہ اور جو شخص خدا کی راہ میں (یعنی خدا کے لیے) اپنا وطن چھوڑ دے گا تو (روئے) زمین میں اس کو (رہنے سہنے کے لیے) وافر جگہ اور (ہر طرح کی) کشایش ملے گی۔

ان مندرجہ بالا آیات پر غور کرنے سے ناظرین کو اچھی طرح سمجھ آجائیگا کہ مسلمانوں کو کن حالات کے ماتحت جنگ کے لیے ہاتھ اُٹھانا پڑا۔ اسلام کے دینی جنگوں اور مسیحی مذہبی جنگوں کی طرف جب غور کیجاتی ہے تو صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ان دونوں کے محرکات اور اغراض بالکل ایک دوسرے کے برعکس تھے۔

مسیح کے پرستاروں نے تو اس لیے تلوار اُٹھائی کہ بے بس اور ضعیف بت پرستوں اور یہودیونکو بزور اپنے مذہب میں شامل کریں۔ اور برخلاف اس کے مسلمانوں نے صرف اسلیے شمشیر کو میان سے نکالا جبکہ اونہوں نے دیکھ لیا کہ اب دین اسلام میں ہمارا رہنا بغیر اس کے محال اور ناممکن ہے۔ ایسا ہی مسیحی لوگوں نے اوسوقت لڑائی کرنا اختیار کیا جب وہ سلطنت دنیا حاصل کر چکے تھے۔ اور مسلمانوں کو ابتدائی ضعف اور بے بسی کیحالت میں زبردست اور خونخوار دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ ایسے صریح امور ہیں کہ کوئی پادری صاحب ان سے انکار نہیں کر سکتے اور انکو مانکر اعتراض اسلام پر نہیں رہتا بلکہ عیسائیت پر جا پڑتا ہے۔ اس کے ماسوا قرآن شریف کی تعلیم ہے کہ مسلمانوں کو صرف اوس وقت تک لڑنیکی اجازت ہے کہ جب تک کفار کا فتنہ جاری رہے۔ اور جب اونکی شرارتیں ختم ہو جائیں تو پھر

جنگ کا حکم موقوف۔ چنانچہ قرآن شریف کی آیت ذیل پر غور کرو۔ وقاتلوھم حتّٰی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للّٰہ فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظٰلمین۔ ترجمہ۔ اور وہاں تک اون سے لڑو کہ (ملک میں) فساد (باقی) نہ رہے اور دین کا اختیار کرنا خدا کے لیے ہو جائے پھر اگر کافر (فساد سے) باز آجائیں تو (تم بھی لڑنا چھوڑ دو) عداوت ظالموں کے سوا کسی پر جائز نہیں۔ چونکہ اس آیت شریف کے الفاظ کے غلط معنے بیان کر کے مخالفین نادان لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس جگہ اس آیت کے معنے ذرا کھول کر بیان کر دیں۔ لفظ فتنۃ جو اس آیت میں آیا ہے اس کے اصلی معنے آگ سے جلانے کے ہیں۔ اسلیے اصطلاحی طور پر مصیبت ابتلا یا خانہ جنگی یا قتل یا دین حق سے برگشتہ کرنے کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس آیت میں اس کے یہ آخری معنے ہی مراد ہیں یعنی دین حق سے برگشتہ کرنا۔ چنانچہ راڈول جس نے قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ کیا ہوا ہے۔ اوس نے بھی اسجگہ دین حق سے برگشتہ کرنیکے معنے کیے ہیں۔ اور اوسی صفحہ پر حاشیہ میں دوسرے معنے خانہ جنگی بیان کیے ہیں۔ اور اس لفظ کی دوسری تشریح یوں کی ہے کہ فتنہ سے مراد خانہ جنگی ہے یعنی کفار کا مسلمانوں کو مکہ سے نکالنا۔ ان مترادف معنوں میں کوئی سا ایک اختیار کیا جائے اسلیے اس آیت کے معنے یہی قرار پاتے ہیں کہ مسلمانوں کو اوسوقت تک کفار سے جنگ کرنیکی اجازت ہے جب تک کفار اون کے اسلام قبول کرنیکی وجہ سے اونکو ستاتے اور دکھ دیتے رہیں اصل میں عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہی معنے صحیح ہیں۔ لیکن جملہ ویکون الدین للّٰہ کے متعلق اس سے بھی زیادہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ اسکے عام طور پر لوگ یہ معنے کر کے دھوکہ میں آجایا کرتے ہیں.. کہ "اور پرستش صرف خدا کی ہو" یا "خدا کا دین (اسلام) ہی دنیا پر جاری ہو" یہ دونوں معنے اصل منشائے قرآن شریف اور سیاق و سباق کے مخالف ہیں۔ کیونکہ اسی آیت کے ان الفاظ کی ان سے تردید ہوتی ہے جن میں لکھا ہے کہ "جب وہ فساد سے باز آجائیں تو اونسے کوئی عداوت نہ رکھی جائے۔ کیونکہ دشمنی صرف ظالموں سے رکھنی ہی جائز ہے"۔ اب اگر اسکا مطلب یہی ہوتا کہ مسلمانوں کو اوسوقت تک لڑائی نہیں چھوڑنی چاہیے جب تک کہ تمام کفار اسلام میں داخل نہ ہو جاویں۔ تو الفاظ فان انتھوا یعنی "اگر وہ فساد سے باز آجائیں" غیر ضروری اور باطل ٹھہرتے ہیں۔ اور انکو یہاں لانیکی ضرورت نہ تھی۔ اس آیت میں بھی مسلمانوں کو اس حکم کا صاف طور پر پابند کر دیا گیا ہے کہ جب کفار اونپر ظلم کرنا اور اونہیں دکھ دینا چھوڑ دیں تو تمام عداوتوں کو مسلمان ترک کر دیں۔ اسلیے جملہ یکون الدین للّٰہ کے یہ معنے نہیں ہو سکتے کہ صرف اسلام ہی تمام دنیا کا مذہب ہو جانا چاہیے۔ جب اس آیت کا ماقبل اور مابعد دیکھا جاتا ہے اور اس کے صحیح معنوں کی طرف توجہ کیجاتی ہے تو یہ بات صاف عیاں ہوتی ہے کہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے اور فرائض و شعائر دین اسلام کے ادا کرنے میں کوئی دقت اور رکاوٹ نہ رہے اس لیے قرآن شریف بھی تاکید فرماتا ہے۔ کہ جنگ صرف اوسوقت تک ہی جاری رہے جسوقت تک مسلمانوں کے

دشمن اونکو دکھ دیتے رہیں۔ اور جب ادن کے مظالم سے کامل آزادی قایم ہوجاوے تو پھر دینی جہاد جاری رکھنے کے لیے کوئی جائز اور شرعی وجہ باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا قطعی دلایل سے یہ بات ثابت ہے کہ مسلمانوں نے سوائے اس ایک بنیاد کے کہ کفار کے ظلموں سے اپنے آپ کو بچایا جاوے اور مذہبی آزادی قایم کیجاوے دینی جہاد نہیں کیا۔

اس آیت کے جو معنے ہم نے کیے ہیں وہ از خود تراشیدہ نہیں بلکہ صحیح لغت اور سیاق وسباق کی بنا پر کیے گئے ہیں۔ اور تواریخ اسلام ہمارے معنوں کی زور سے تائید کرتی ہے۔ یہ کیسی ظاہر بات ہے کہ اگر قرآن کریم میں یہ حکم ہوتا کہ اسوقت تک جنگ جاری رکھا جائے جبتک کہ کفار مسلمان نہ ہوجائیں تو اس منشاء کو پورا کرنے کے لیے سب سے پہلے خود آنحضرت سرور کائنات صلعم ہتھیار اُٹھاتے۔ اب یہ مسلم بات ہے کہ یہ آیتیں ابتدائی اسلامی جنگوں کے متعلق نازل ہوئیں اختلاف صرف اتنا ہی ہے۔ کہ آیا یہ جنگ بدر کے متعلق ہیں یا جنگ اُحد کے متعلق۔ لیکن ان دونوں جنگوں کے بعد کہیں اس بات کا پتہ نہیں ملتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کہیں کفار پر ابتدائی حملہ کیا ہو جہانتک تاریخ کو تحقیق کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مسلمان صرف کفار کے حملوں سے اپنے بچاؤ کیلیے جنگ کرتے رہے مثلاً مشہور و معروف جنگ احزاب ہی لے لو جس میں عرب کے بت پرستوں کے خطرناک اور زبردست حملے سے بچنے کے لیے یہی ایک ذریعہ سمجھا گیا۔ کہ شہر مدینہ کے گرد خندق کھودی جائے۔ چنانچہ اسی لحاظ سے اس لڑائی کو جنگ خندق بھی کہتے ہیں۔ اسکے بعد جب اس آیت کے نازل ہوئے کئی سال گذر چکے تھے۔ اور جنگ اُحد کو بھی ۵ سال گذر چکے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سولہ سو اصحاب کی جماعت کے ساتھ حج کرنے کے ارادہ سے مکہ معظمہ کیطرف روانہ ہوئے۔ یہ حرمت کے مہینے تھے۔ اور عربوں میں قدیم الایام سے یہ رسم چلی آتی تھی۔ کہ ان مہینوں میں تمام عداوتیں چھوڑ دیجاتیں اور جنگ معطل کر دیے جاتے اور اس رسم کی تمام اہل عرب میں اتنی عزت وحرمت تھی کہ کسی کو اس کے توڑنے کی جرأت نہ ہوسکتی تھی۔ لیکن مسلمانوں کو ستانے کے لیے قریش نے اپنے اس آبائی طریق کی بھی عزت چھوڑ دی اور جونہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں پہنچے قریش نے اُنہیں آگے بڑھنے سے روک دیا اور مکہ معظمہ کی زیارت کرنیسے مانع ہوئے اس موقع پر ایک عارضی صلح نامہ فریقین کے درمیان اس غرض کے لیے تحریر ہوا۔ کہ کچھ سالوں کے لیے دونوں فریق تمام عداوتیں چھوڑ دیں گے۔ یہ عارضی صلح قرآن شریف کے اُس حکم کے ماتحت کی گئی جو آیت زیر بحث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو صرف یہی حکم ہے۔ کہ وہ کفار کے ساتھ اُسی حالت میں لڑائی کریں۔ جبتک وہ ان سے جنگ کرتے رہیں۔ اور اذیتیں پہنچاتے رہیں۔ لیکن یہاں جب اُنہوں نے عداوتوں کے چھوڑنے اور مسلمانوں کو دُکھ دینے سے باز رہنے کا وعدہ کرلیا تو مسلمان بھی اُسوقت تک اُن سے لڑائی معطل کرنے کے لیے پابند ہوگئے اگر آیت زیر بحث کے معنے یہ کیے جاویں کہ آنحضرتؐ کو اور مسلمانوں کو اسوقت تک جنگ کرنی چاہیئے۔ جبتک دین اسلام تمام دنیا میں پھیل جائے اور ایک بھی کافر باقی نہ رہے تو چاہیئے تو یہ تھا کہ کفار سے

لڑائی جاری رکھی جاتی پس صلح حدیبیہ اُس حکم الٰہی کے منشاء کے برخلاف ہوئی۔ جسکا منشاء یہ تھا کہ جب تک سارا عرب یا ساری دنیا مسلمان نہ ہو جائے اُسوقت تک لڑائی کو روکا نہ جائے۔ ان تمام حالات سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے بھی اس آیت کے کبھی وہ معنے خیال نہیں کیے۔ جو نکتہ چین اور حرف گیر دشمن الفاظ کو مروڑ کر کرنا چاہتے ہیں۔ پس اس آیت کے صرت یہی معنے ہیں۔ کہ مسلمان صرف اُسوقت تک جنگ جاری رکھیں۔ جبتک کہ کفار کے ہاتھوں سے دُکھ اُٹھانے سے محفوظ ہو جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے پچھلے جنگ پہلے زمانہ کے جنگوں سے کسی حال میں مختلف نہیں۔ اور آپنے کبھی ایک بھی ایسا جنگ نہیں کیا کہ جس میں کسی قوم یا قبیلہ پر اسلام قبول کرانے کیلیے جبر کیا گیا ہو۔ نکتہ چین دشمنوں نے اسلام کے برخلاف یہ بھی شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ جنگ کے متعلقہ پہلے قرآنی احکام کو پچھلے احکام سے مختلف بیان کرتے ہیں۔ اور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ابتدائی جنگ صرف دفاعی تھے اور ایسے ہی احکام انکے متعلق ہیں۔ لیکن پچھلے احکام جو جنگوں کے لیے نازل ہوئے۔ انہیں کفار کو جبراً اسلام قبول کرانے کے اصول درج ہیں۔ لیکن اگر واقعہ میں ایسا اختلاف پہلے اور پچھلے احکام قرآنی میں موجود ہوتا تو اسی قسم کا اختلاف آنحضرت صلعم کے ابتدائی اور آخری جنگوں کے موقعوں پر عملی طور پر بھی ثابت ہوتا۔ کیونکہ اس میں ذرہ بھی شک نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلعم کا سب سے بڑا فرض یہ تھا کہ ان احکام کی پورے طور پر تعمیل کرتے۔ بلکہ قرآن کریم سے تو یہ پتہ ملتا ہے کہ کفار کے ساتھ لڑنے کے لیے صرف آپکی ذات مبارک ہی حکماً مجبور تھی۔ جیساکہ سورۃ النساء کی آیت (۸۶) فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک وحرض المؤمنین عسی اللہ ان یکف بأس الذین کفروا سے ظاہر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے (اے پیغمبر) تم اللہ کی راہ میں (دشمنوں سے) لڑو۔ نہیں حکم کیا گیا مگر تیری ذات کو۔ اور (ہاں) مسلمانوں کو (بھی لڑائی کے لیے) اُبھارو۔ قریب ہے کہ اللہ کافروں کے مقابلہ کو روک دے" اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جنگ کے لیے جتنے احکام تھے ان سب کے سب سے پہلے مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم تھے۔ اور اگر آپکی پہلی اور پچھلی لڑائیوں میں ہم کوئی ایسا فرق بیان نہ کر سکیں جس سے معلوم ہو کہ ایک دفاعی تھے اور دوسرے بجبر مسلمان کرنے کے لیے تو اس کا نتیجہ بلا تامل یہی ہوگا کہ ابتدائی احکام کی طرح دوسرے احکام جنگ بھی صرف مسلمانوں کی حفاظت اور کفار کی اذیتیں روکنے کے لیے تھے۔ اب اس بات کا فیصلہ کرنیکے لیے کہ آنحضرت صلعم کے جنگوں میں کوئی ایسا فرق واقعی موجود نہ تھا ہم اسجگہ آپکے آخری جنگ کی کچھ کیفیت لکھدیتے ہیں۔ جو ہجرت کے نویں سال میں واقع ہوا اس جنگ کا نام جنگ تبوک ہے اور سورۂ توبہ کا بہت بڑا حصہ خصوصاً ۳۸ آیت سے لیکر اخیر سورۃ تک ساری سورۃ اسی جنگ کے بیان سے بھری پڑی ہے یہی وہ غزوہ ہے کہ جس میں اُن لوگوں کو جو کفار کے برخلاف جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے جھنڈے کے نیچے نہیں پہنچے تھے منافق کہا گیا ہے۔ اور جن کے برخلاف آنحضرت کو

حکم تھا کہ یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنٰفقین واغلظ علیھم یعنی اے پیغمبر کافروں اور منافقوں دونوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ اور جسکا پچھلے مضمون میں ذکر آچکا ہے۔ چونکہ یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے آخری غزوہ تھا اس لیے اگر کوئی جنگ بجبر مسلمان کرنیکے لیے کیا گیا ہو تو ضرور ہے کہ یہ جنگ اس غرض سے کیا گیا ہو اس لیے ہمیں یہ بات دیکھنی ضروری ہے کہ آیا اس غزوہ سے کسی قوم کو بجبر مسلمان بنانا مقصود تھا اور یا کسی دشمن کے حملہ سے بچنے کے لیے اس جنگ کی تیاری کی گئی تھی۔ ہم اس بات کے ثبوت کے لیے اپنے ناظرین کو تواریخی کتب سے لمبی لمبی عبارتیں نقل کرکے تھکانا پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ ذیل کے دو نوٹ جو میور نے اپنی تصنیف کے حاشیوں پر لکھے ہیں کافی طور پر تسلی کر دیتے ہیں۔ جن میں سے ایک کا عنوان "رومی باجگذار ونکا شام کی سرحد پر جمع ہونا" اور دوسرے کا عنوان "محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) مقابلہ کے لیے مہم کی تجویز کرتے ہیں۔ موسم بہار ہجری ۹ھ" ہے۔ یہی غزوۂ تبوک تھا۔

غرض اسی طرح صاف ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی جنگ کسی قوم کو بجبر اسلام میں داخل کرنیکے لیے نہیں کیا۔ ہاں سورۃ توبہ میں یہ وارد ہے فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین۔ ترجمہ۔ پھر (اے مسلمانو!) "اگر یہ لوگ (کفر و شرک سے) توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو تمھارے دینی بھائی ہیں" ایسے لوگوں کو چھیڑنا نہیں۔ یہی وہ آیت ہے کہ جس سے مخالف لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مسلمانوں کو حکم ہے کہ ہر ایک کافر کو جو اسلام پر ایمان نہیں لاتا قتل کر دیا جائے۔ ناظرین خود ہی انصاف کر سکتے ہیں کہ اس آیت کا ایسا نتیجہ کیسے خلاف وضع اور سیاق ہے۔ لیکن چونکہ کوتہ اندیش دشمنان اسلام ان الفاظ کے غلط معنے سمجھتے اور بیان کرتے ہیں۔ اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ان آیات کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔ اور اس غرض کے لیے سورۃ توبہ کی چند ابتدائی آیات پہلے لکھی جاتی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سورۃ میں کوئی بھی ایسی آیت نہیں جس سے یہ نتیجہ نکل سکے کہ مسلمانوں کو عام طور پر جنگ کرنیکا حکم دیا گیا تھا کہ تمام کفار کو بزور شمشیر مسلمان بنایا جائے۔

(۱) براءۃ من اللہ ورسولہٖ الی الذین عاھدتم من المشرکین ؕ (۲) فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر واعلموا انکم غیر معجزی اللہ ؕ وان اللہ مخزی الکٰفرین ؕ (۳) واذان من اللہ ورسولہٖ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریء من المشرکین ؕ ورسولہ ؕ فان تبتم فھو خیر لکم ۚ وان تولیتم فاعلموا انکم غیر معجزی اللہ ؕ وبشر الذین کفروا بعذاب الیم ؕ (۴) الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا ولم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم

عہدھم الیٰ مدتہم ؕ ان اللہ یحب المتقین ۰ (۵) فاذا انسلخ الاشہر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصدٍ ۚ فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم ؕ ان اللہ غفورٌ رحیمٌ ۰ (۶) وان احدٌ من المشرکین استجارک فاجرہ حتیٰ یسمع کلٰم اللہ ثم ابلغہ مامنہٗ ؕ ذٰلک بانھم قومٌ لا یعلمون ۰ کیف یکون للمشرکین عھد عند اللہ وعند رسولہٖٓ الا الذین عاھدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم ؕ ان اللہ یحب المتقین ۰ (۸) کیف وان یظھروا علیکم لا یرقبوا فیکم الًّا ولا ذمۃ ؕ یرضونکم بافواھھم وتاٰبیٰ قلوبھم واکثرھم فسقون ۰ (۹) اشتروا باٰیٰت اللہ ثمنًا قلیلًا فصدوا عن سبیلہٖ ؕ انھم ساٗء ما کانوا یعملون (۱۰) لا یرقبون فی مؤمن الًّا ولا ذمۃ ؕ واولٰئک ھم المعتدون ۰ (۱۱) فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین ؕ ونفصل الاٰیٰت لقومٍ یعلمون ۰ (۱۲) وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر ۙ انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون ۰ (۱۳) الا تقاتلون قومًا نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدءو کم اول مرۃٍ ؕ اتخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مؤمنین ۰ ترجمہ (۱) جن مشرکوں کے ساتھ تم نے (صلح کا) عہد و پیمان کر رکھا تھا۔ اب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے انکو صاف جواب ہے۔ (۲) تو اے مشرکو امن کے چار مہینے (ذی قعد۔ ذی الحج۔ محرم۔ رجب) ملک میں چلو۔ اور جانتے رہو کہ تم اللہ کو (کسی طرح بھی) عاجز نہیں کر سکو گے۔ اور آخر کار اللہ کافروں کو (مسلمانوں کے ہاتھ سے دنیا میں) رسوا کرنیوالا ہے (۳) اور حج اکبر کے دن اللہ اور اسکے رسول سے لوگوں کو (آگاہ کرنیکے لیے عام) منادی کیجاتی ہے کہ اللہ اور اسکا رسول ان مشرکوں سے دست بردار ہیں۔ پس (اے مشرکو) اگر تم توبہ کرو۔ تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر (اب بھی خدا اور اس کے رسول سے) پھرے رہو۔ تو جان رکھو کہ تم اللہ کو کسی طرح بھی ہرا نہیں سکو گے۔ اور کافروں کو عذاب دردناک کی خوشخبری سناؤ۔ (۴) ہاں ان مشرکین سے جنکے ساتھ تم نے (صلح کا) عہد کیا تھا۔ پھر انہوں نے (ایفائے عہد میں) تمہارے ساتھ کسی قسم کی کمی نہیں کی۔ اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی (وہ لوگ مستثنیٰ ہیں)۔ تو ان کے ساتھ جو عہد و پیمان ہے اسے اس مدت تک جان سے ٹھہرا رکھا ہے پورا کرو کیونکہ اللہ ان لوگوں کو (جو بدعہدی سے بچتے ہیں) دوست رکھتا ہے۔ (۵) پھر جب امن کے ماہ نکل جائیں۔ تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور انکو گرفتار کرو۔ اور انکا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ ان کی

تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر وہ لوگ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو انکا راستہ چھوڑ دو (یعنی ان سے کسی طرح کا تعرض نہ کرو کیونکہ) اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۶) اور مشرکین میں سے اگر کوئی شخص تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اسکو پناہ دو یہاں تک کہ وہ (اطمینان سے) کلام خدا کو سن لے پھر اسکو اسکے امن کی جگہ واپس پہنچا دو یہ (رعایت ان لوگوں کے حق میں) اسوجہ سے ہے کہ یہ لوگ (اسلام کی حقیقت سے) واقف نہیں۔ (۷) اللہ کے نزدیک اور اسکے رسول کے نزدیک مشرکوں کا عہد کیونکر (معتبر ہو (کہ انہوں نے عہد شکنی کرکے اپنی بے اعتباری کرلی) مگر جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب (صلح کا) عہد کیا تھا اور انہوں نے اب تک اسکو نہیں توڑا تو جبتک وہ تم سے سیدھے رہیں تم بھی سیدھے رہو۔ کیونکہ اللہ ان لوگوں کو جو (بد عہدی سے) بچتے ہیں دوست رکھتا ہے۔ (۸) کیسے (معتبر ہو سکتا ہے مشرکین کا عہد) ان کا حال یہ ہے کہ اگر یہ لوگ تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہاری بارہ میں نہ قرابت کا پاس ملحوظ رکھیں گے اور نہ عہد و پیمان کا۔ زبانی باتوں سے تم کو راضی کرنا چاہتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں۔ اور انمیں اکثر ایسے ہیں جو عہد کو توڑتے ہیں۔ (۹) یہ لوگ (دنیا کے لالچ میں آکر) خدا کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑا سا فایدہ حاصل کرکے لوگوں کو خدا کے راستے سے روکنے لگے۔ کیا ہی بُری حرکتیں ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں (۱۰) کسی مسلمان کے بارہ میں نہ تو قرابت کا پاس ملحوظ رکھتے ہیں نہ عہد و پیمان کا اور یہی لوگ برسر زیادتی ہیں (۱۱) پھر (اے مسلمانو!) اگر یہ لوگ .... توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور جو لوگ سمجھدار ہیں انکے لیے ہم اپنی آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ (۱۲) اور اگر یہ لوگ (عہد کے بعد) اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں۔ اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے پیشواؤں کی قسمیں کچھ بھی اعتبار کے قابل نہیں۔ انسے خوب لڑو۔ تاکہ یہ لوگ (اپنی شرارتوں سے) باز آجاویں (۱۳) (اے مسلمانو!) تم ان لوگوں سے (دل کھولکر) کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا اور تمہارے ساتھ جنگ کرنے میں ابتدا بھی انہوں نے ہی کی۔ کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو۔ پس اگر تم ایمان رکھتے ہو تو انسے کہیں بڑھکر خدا حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

ان آیات کے صحیح مفہوم اور معانی سمجھنے کے لیے انکی شان نزول کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو دکھ دینے اور اسلام کی ترقی کو روکنے کے جرموں کا ارتکاب نہ صرف اہل مکہ ہی نے کیا تھا بلکہ تمام عرب کے بت پرست آپس میں متفق ہوکر شریک تھے شروع شروع میں حضور سرور کائنات صلعم اون لوگوں کو اسلام کی تبلیغ فرماتے تھے جو مکہ کے حج کے لیے عرب کے تمام اطراف سے جمع ہوتے تھے۔ اس ذریعہ سے عرب کی تمام قوموں کو اسلام کی خبر تو پہنچ گئی۔ لیکن اونکے دلونمیں بت پرستی نے ایسا گھر کیا ہوا تھا کہ بجائے اسکے کہ وہ اسلام کی طرف کچھ توجہ کرتے انہوں نے اسلام کے ساتھ نہایت سخت دشمنی کا پہلو اختیار کرلیا۔ قریش کے ہاتھ میں کعبہ کی حفاظت اور انتظام تھا۔

وہ آتے جاتے لوگوں کو دین اسلام کے برخلاف جوش دلاتے رہتے تھے۔ اُنکا رسوخ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ انکی دشمنی کے ڈر کے مارے کوئی قوم اسلام کی مدد کرنا تو ایک طرف رہا مخالفت کرنے سے بھی خاموش نہ رہ سکتی تھی۔ اس لیے اگر کسی قوم میں سے کسی شخص کے دل میں اسلام کی صداقت پر ایمان بھی پیدا ہو جاتا تو بھی کھلے طور پر اظہار کرنا نہایت مشکل تھا۔ اور اگر کوئی اپنے اسلام لانیکا علانیہ طور پر اظہار کر بھی دیتا تو اوسپر وہی بلائیں نازل ہوتیں جو مسلمانان مکہ پر نازل ہو رہی تھیں۔ پس اسطرح عرب کی تمام بت پرست قومیں جو ہر سال مکہ میں جمع ہوا کرتی تھیں لازمی طور پر اسلام کی دشمن ہوتی گئیں جب اسلام کی طاقت بڑھنی شروع ہوئی اور قریش شکست پر شکست کھا کر پستے گئے۔ تو عرب کی بت پرست قوموں میں سے اونکے ہمدرد اور معاون نکل نکل کر مسلمانوں کے ساتھ صلح کے معاہدے کرتے رہے۔ یہ معاہدے اکثر معین اوقات کے لیے ہوتے تھے۔ لیکن کفار کچھ ایسے اندھے ہو گئے تھے کہ اپنے ان صلحنامونکی کچھ بھی پروا نہ کرکے جہاں کہیں موقع پاتے مسلمانوں کو ستانیسے باز نہ آتے۔ چنانچہ جنگ تبوک میں جب آنحضرت صلعم کو تمام اصحاب کی جماعت لیکر جانا پڑا تھا تو اسوقت بھی کفار نے مسلمانوں سے عہد شکنی کرکے انکو دُکھ دیے۔ چنانچہ قرآن شریف میں کفار کی اس بار بار کی عہد شکنی کو صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جیسے سورہ انفال آیت نمبر ۵۸ میں ان بت پرست قومونکا حال بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے۔ الذین عٰھدت منھم ثم ینقضون عھدھم فی کل مرۃ وھم لا یتقون۔ ترجمہ (اے پیغمبر) وہ لوگ جن سے تم نے (صلح کا) عہد و پیمان کیا پھر اپنے عہد کو ہر بار توڑتے ہیں اور وہ (بدعہدی سے) نہیں ڈرتے۔ اور واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علیٰ سوآءٍ ان اللّٰہ لا یحب الخائنین۔ ترجمہ۔ اگر تمکو کسی قوم کی طرف سے دغا کا اندیشہ ہو تو مساوات کو ملحوظ نظر رکھکر (ان کے عہد کو اُٹھا) ان ہی کی طرف پھینک مارو۔ کیونکہ اللہ دغابازونکو دوست نہیں رکھتا۔ لیکن آنحضرت صلعم کو واضح طور پر حکم دیا گیا کہ اگر کفار مسلمانوں سے صلح کے خواستگار ہوں اور اسپر قایم رہنے کا وعدہ کریں تو صلح کر لیں۔ چنانچہ آیات ذیل اس بات کی شاہد ہیں۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللّٰہ انہ ھو السمیع العلیم ۰ وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللّٰہ۔ ترجمہ۔ لیکن (اے پیغمبر) اگر (کافر) صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اوسی کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو کیونکہ وہی سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ اور اگر اونکا ارادہ تم سے دغا کرنیکا بھی ہو تاہم تم کچھ پروا نہ کرو کیونکہ اللہ تمکو کافی ہے۔ (انفال آیت ۶۳ و ۶۴) اور اسی امر پر پہلی آیتوں میں بھی تاکید درج ہے چنانچہ ان تستفتحوا فقد جآءکم الفتح وان تنتھوا فھو خیرٌ لکم وان تعودوا نعد ولن تغنی عنکم فئتکم شیئًا ولو کثرت وان اللّٰہ مع المؤمنین۔ ترجمہ (اے اہل مکہ) تم جو فیصلہ مانگتے تھے (کہ جو برسرحق ہے اوسکی فتح ہو) تو (لو) فیصلہ بھی تمھاری سامنے آموجود ہوا

اور اگر آیندہ کے لیے باز رہو گے تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ اور اگر تم پھر جنگ شروع کرو گے تو پھر ہم بھی رجوع کرآئیں گے۔ اور تمھارا جتھا کتنا ہی بہت کیوں نہ ہو کچھ بھی تمھارے کام نہیں آئیگا۔ کیونکہ خدا مومنوں کے ساتھ ہے۔ (انفال ۱۹) جو حالات اوپر مذکور ہوئے ہیں وہی سورۂ توبہ کی شان نزول ہے۔ یہ لوگ جو آئے دن عہد و پیمان قایم کرتے اور توڑتے اور مسلمانوں کو ستانے اور دکھ دینے سے باز نہ آتے تھے اونکے لیے آخری فیصلہ یہی تھا کہ براءۃ کا اعلان کردیا جائے۔ جب کفار اور بت پرست اقوام عرب کو جو مکہ کی زیارت کیلئے جمع ہوئے تھے اس سورۃ کی پہلی آیات (جیساکہ احادیث میں درج ہے) سنائی گئیں تو ان لوگوں نے حضور سرور کائنات صلعم کے رسولوں اور ایلچیوں کو کہا کہ اون (آنحضرت صلعم) کو کہدو کہ ہم نے جو عہد و پیمان تم سے کیے ہوئے تھے اونکو توڑ دیا ہے۔ اور اب نیزوں اور تلواروں کے سوا کوئی معاہدہ ہمارے اور تمھارے درمیان نہیں رہا۔

اس کے بعد اب ہر ایک آیت کو علیحدہ علیحدہ لیکر یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اس سورۂ شریف میں قرآن مجید نے دین اسلام پھیلانے کے لیے لوگوں کو دکھ اور گزند پہنچانا اور جبر کرنا کہیں جائز نہیں رکھا۔ پہلی آیت کے الفاظ سے صریح طور پر پایا جاتا ہے کہ براءۃ اونہیں مشرک لوگوں سے ہوئی ہے جو مسلمانوں سے عہد و پیمان صلح کا کرچکے تھے اس لیے جو احکام اس سے بعد کی آیتوں میں ہیں وہ اسکے تابع ہیں اور اونہیں بت پرستوں کے بارے میں ہیں جنکے ساتھ براءۃ کا اعلان کیا گیا۔ ساری دنیا تو درکنار انکے سوا جو دوسرے بت پرست تھے وہ بھی ان احکام میں شامل نہیں کیے گئے۔ دوسری آیت میں بت پرستوں کو کہا گیا ہے کہ "تم خدا کو ہرا نہیں سکو گے" اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ کفار کا منشا رکیا تھا وہ مسلمانوں سے کوئی دکھ اٹھا کر اونکے مظالم کو روکنے کے لیے جنگ نہیں کرتے تھے بلکہ لڑنے سے اونکی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کی طاقت کو کمزور اور تباہ کردیں۔ اور اونہیں مغلوب کرکے اپنا مطیع اور منقاد بنالیں۔ تاکہ اسلام کی ترقی رک جائے۔ تیسری آیت دو مدعاؤں پر دلالت کرتی ہے۔ ایک تو یہ امر اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلان تمام کفار دنیا کے لیے نہیں تھا بلکہ صرف اونہیں لوگوں کے لیے تھا جو اوس حج اکبر کے دن پر مکہ میں جمع ہوئے تھے۔ یعنی صرف اونہیں عربی بت پرستوں کے بارے میں یہ اعلان تھا کہ جو مسلمانوں سے دشمنی رکھتے تھے اور دوسرا امر جو اس تیسری آیت سے ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اس جنگ میں جو ان کفار کے ساتھ ہوا تھا حملہ آوری کی ابتدا کے الزام سے آنحضرت صلعم بری ہیں۔ کیونکہ اسمیں لکھا ہے کہ اللہ اور اسکا رسول مشرکین سے بری ہیں۔ یعنی انکا کوئی الزام آپ پر قایم نہیں ہوسکتا کیونکہ پہل آپکی طرف سے نہیں۔ چوتھی آیت شریفہ اسبات کو ثابت کرتی ہے کہ جنگ کا اعلان تمام عہد کرنیوالے بت پرستوں کے ساتھ بھی نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہ قومیں جو لڑائیوں اور عداوتوں کے بعد مسلمانوں سے صلح کا عہد و پیمان کرکے اوسپر قایم تھیں اس اعلان کے اثر سے بالکل علیحدہ تھیں۔ جنگ تو صرف اون قوموں کے ساتھ مقصود تھا جو مسلمانوں سے عہد و پیمان

کرکے اسکو توڑتے رہتے یا ان لوگوں کے ساتھ جو خفیہ طور پر انکو مسلمانوں پر حملہ کرنیکے لیے امداد کرتے رہتے تھے۔ پانچویں آیت یہ بات عیاں کرتی ہے کہ اگر یہ کفار اسلام قبول کرلیں تو انکی سب ظلم و زیادتیاں معاف کردیجائیں۔ ان کافروں نے مسلمانوں پر ظلموں اور تعدیوں کا اندھیر مچا رکھا تھا۔ لیکن باوجود اس کے مسلمانوں کو یہی حکم دیا جاتا کہ اگر وہ مسلمان ہوجائیں تو انپر رحم کریں اور انہیں معاف کردیں۔ عیسائیوں کی طرح لوگوں کو عیسائی بنانیکے لیے اذیتیں پہنچانے کا حکم نہ تھا بلکہ یہاں تو مذہب کے لیے عفو اور رفق اور تالیف کا حکم ہے۔ سخت دشمنوں اور سخت ترین دشمنوں کو معاف کرنیکا اصول بھی دنیا میں اسلام نے ہی جاری کیا ہے۔ اسلامی وحدت ایک سلسلۂ اخوت قایم کرتی ہے۔ اور جب ایک دوسرے کا بھائی ہوجاتا ہے تو پھر عداوت اور بغض سب قدرتاً معاف ہوجاتے ہیں چنانچہ اسکے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے جسکا منشا یہ ہے کہ تم بھی تخلق باخلاق اللہ کرو۔ یعنی جیسے وہ بخشنے والا اور مہربان ہے ایسے ہی اگر یہ کافر تمام شرارتوں سے توبہ کریں اور دین اسلام اختیار کریں جس سے انکی آیندہ شرارتوں کا خطرہ بکلی مفقود ہوجاوے تو تمھیں بھی انکی پہلی شرارتوں کا بدلہ لینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جیسے خدا تعالیٰ ایک بڑے گنہگار کو جب وہ سچے دل سے توبہ کرے بخشدیتا ہے اور اس کے تمام گناہ معاف کردیتا ہے اسی طرح تم بھی کافروں کو جب وہ تمھارے دینی بھائی ہوجائیں معاف کردو۔ چھٹی آیت پہلے سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ اس خیال باطل کا قلع قمع کرتی ہے کہ مسلمان کافروں کے ساتھ اسلیے جنگ کرتے تھے کہ بجبر انکو دین اسلام میں داخل کریں۔ اس آیت شریفہ میں یہ مذکور ہے کہ جب کوئی مشرک ان لوگوں میں سے جنکے ساتھ تمھاری جنگ ہورہے ہیں تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیدو۔ اور دین اسلام کی اسے تبلیغ کرو۔ پھر جب اسے دین اسلام کی خوبیاں سمجھا دی جاویں تو اسپر کسی قسم کا جبر مت کرو بلکہ اسکو اسکی امن کی جگہ میں پہنچا دو۔ اب اگر اسلام میں یہ حکم ہوتا جو اسکے دشمن اسپر جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ جو مشرک اسلام قبول نہ کرے اسے قتل کردیا جاوے تو اس موقع پر یہ حکم ہونا چاہیئے تھا کہ اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے کہو کہ دین اسلام قبول کرو اور اگر وہ قبول نہ کرے تو اسے اسی وقت قتل کرڈالو۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ اس آخر زمانہ کی وحی میں بھی وہی حکم ہے جو ابتدائی زمانہ کی وحی میں تھا کہ دین اسلام میں کسی قسم کا جبر نہیں بلکہ ہدایت اور گمراہی کی راہیں اب الگ الگ ہوگئی ہیں۔ یہاں بھی یہی کہا کہ دین اسلام کی تبلیغ کے بعد مشرک کو اپنی جائے امن میں پہنچا دو۔ قرآن شریف کے حکم اور آنحضرت صلعم کے عمل سے صاف طور پر یہ بات واضح ہورہی ہے کہ لا اکراہ فی الدین (یعنی دین میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں) کے اصول کی تبلیغ ہر زمانہ میں اسلام میں ہوتی رہی۔ اور یہ تعلیم کبھی منسوخ نہیں ہوئی جو وحی آخری زمانہ میں ہوئی وہ بھی اسی کی تصدیق اور تائید کرکے اسکو مستند کرتی ہے۔ ساتویں آیت میں یہ بیان ہے کہ کفار کا مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان صلح کا کرنا اب ممکن ہی نہیں۔ اور اس کے وجوہ آٹھویں آیت میں درج ہیں جسمیں اسی سوال کا اعادہ کیا گیا ہے جو پہلی آیت میں لکھا گیا ہے۔ کفار مسلمانوں کے ساتھ صلح کا عہد و پیمان کرکے مسلمانوں کے

.........کسی قصور کے باعث اوس سے انحراف نہیں کرتے تھے بلکہ اوسکی وجہ یہ ہوتی تھی کہ جب وہ مسلمانوں سے عداوت پر اُتر آتے تو اوسوقت خون اور عہد کے تعلقات کو بالائے طاق رکھدیتے۔ وہ تو مسلمانوں کے ساتھ مخلصانہ طور پر عہد کرنے سے دلی طور پر مخالف تھے۔ اونکی منشاء یہ ہوتی تھی کہ مسلمانوں کو باتیں کرکے غافل کر چھوڑیں۔ یہی وجہ تھی کہ باربار وہ عہد کرتے اور باربار اپنے عہدوں کو توڑتے رہتے تھے۔ جب کبھی اونکی شرارتوں کی سزا دینے کے لیے مسلمان آمادہ ہوتے تو وہ آکر صلح کا پیمان کر لیتے۔ اور جب وہ دیکھتے کہ مسلمان اب کسی اور طرف متوجہ ہیں تو وہ اپنے عہد و پیمان اور تعلقات خون سے بالکل بے لحاظ ہوکر مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیتے۔ نویں آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کفار صرف اتنی بات میں ہی راضی نہ تھے کہ وہ اپنے ہی دین کی رسوم کو آزادی سے ادا کر سکیں۔ بلکہ اونکی خوشی اس میں تھی کہ مسلمانوں کو اسلام ترک کرنے پر مجبور کریں۔ وہ اس لیے نہیں لڑتے تھے کہ مسلمانوں کی طرف سے اونپر اسلام قبول کرنیکے لیے کوئی کسی طرح کا جبر ہوتا تھا بلکہ وہ اس لیے لڑتے تھے کہ مسلمانوں کو اسلام ترک کرنے پر مجبور کرنا چاہتے تھے۔ نہ اسلیے کہ بت پرستی سے انہیں کوئی جبراً روکتا تھا بلکہ اس لیے کہ وہ اس بات کو گوارا نہیں کرتے تھے کہ دوسرے لوگ بت پرستی کو چھوڑیں۔ جیسا کہ آیت شریفہ سے پایا جاتا ہے اونکی اصلی غرض یہ تھی کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکیں۔ دسویں آیت اسی بات کو دوبارہ بیان کرتی ہے کہ جب کوئی مسلمان کفار کے ہاتھ آجاتا ہے تو وہ اوس کے ساتھ بہت بدسلوکی کرتے ہیں اور صلحناموں اور خون کے تعلقات کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ گیارہویں آیت میں مسلمانوں کو دوبارہ اس بات کا تاکیدی حکم ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوجائیں وہ تمھارے دینی بھائی ہیں اونسے لڑائی بند کردو اور اونکی گذشتہ غلطیوں کو معاف کردو۔ بارہویں آیت میں اس بات کی تصریح ہے کہ اگر کوئی قوم عہد صلح کرنیکے بعد پھر عہد شکنی کرے تو انکے پیشواؤں سے لڑائی کرو۔ تیرہویں آیت میں مشرکین عرب کے ان تین خاص جرموں کا ذکر ہے جنکے لیے مسلمانوں کو لڑنے کا حکم دیا گیا۔ وہ تین جرائم یہ ہیں:- (۱) رسول خدا اور اونکے اصحاب کو ملک سے نکالنے کے منصوبے بنانا (۲) مسلمانوں پر حملہ کرنے میں ابتدا کرنا۔ (۳) جو معاہدہ صلح وہ قایم کر چکے ہیں اوسکی خلاف ورزی کرنا۔ اور مسلمانوں کو ازسرنو دُکھ دینا شروع کر دینا۔

مفصلہ بالا امور سے یہ بات اچھی طرح عیاں ہو رہی ہے کہ قرآن کریم میں کہیں یہ حکم نہیں کہ غیر مسلمان اقوام کو مذہب کی خاطر دُکھ دیں۔ نہ اسکی کہیں تاکید ہے اور نہ جواز ہے۔ چونکہ عرب کے بت پرستوں نے محض اس لیے کہ مسلمانوں کو بالکل تباہ کردیں اور اونکا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیں اونسے جنگ شروع کی۔ اس لیے یہ ایک صحیح اور قدرتی امر تھا کہ اونہیں تلوار سے ہی سزا دیجاتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ثابت ہوتا جس سے یہ پایا جائے کہ آپنے اسلام پھیلانے کے لیے کسی وقت

تلوار اُٹھائی اور جبر جائز رکھا ہو۔ اور قرآن شریف میں کہیں بھی ایسا حکم صراحت یا کنایت سے موجود نہیں کہ جس میں یہ لکھا ہو کہ اسلام پھیلانے کے لیے جبر اور تلوار سے کام لو۔ کوئی متنفس دنیا میں یہ بات کہہ نہیں سکتا کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی قوم پر بجبر اسلام منوانیکے لیے چڑھائی کی ہو۔ ہمیں اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ ہجرۃ مقدسہ سے چھٹے سال بعد آپ نے مختلف سلاطین کے نام خط لکھے۔ لیکن ایک بھی ایسا خط نظر نہیں آتا جس میں کسی بادشاہ کو اس بات کی دھمکی ہی دی ہو کہ اگر اسلام قبول نہیں کرو گے تو تم پر فوجکشی کیجائیگی۔ ان خطوط میں سے ایک تو اصل ہی مل گیا ہے جسکا عکس کسی گذشتہ اشاعت میں دیا جا چکا ہے۔ اس خط کو دیکھنے سے قطعی فیصلہ اس امر کا ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے کفار بادشاہوں کو صرف اسلام پیش کیا تھا۔ نہ اسلام یا بصورت انکار تلوار۔ معتبر اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ اسی مضمون کے مراسلات دوسرے بادشاہوں کو لکھے گئے تھے۔ پادری لوگوں نے دنیا کو دھوکہ میں ڈالنے کے لیے بڑا شور مچایا ہوا ہے کہ سورہ توبہ کی پہلی ۹ آیتوں میں مسلمانوں کو بہت سخت تاکیدی حکم ہے کہ ہمیشہ اسلام پھیلانے کے لیے تعدی اور جبر کرتے رہیں۔ لیکن یہ کیسی مضبوط اور زبردست بات ہے اور عیسائی نکتہ چینوں کے لیے نہایت شرم کا موجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کے نزول کے بعد کوئی جنگ کیا ہی نہیں۔ جتنے جنگ ہوئے وہ انسے پہلے ہو گذرے تھے۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سورۃ کی کسی آیت کے یہ معنے سمجھتے کہ اوس میں خدا نے حکم کیا ہے کہ کفار کو جبراً مسلمان بنانیکے لیے اونسے جنگ کرنا چاہیئے تو اونسے بڑھکر اسلام کی اشاعت کا چاہنے والا اور ذمہ وار کون ہو سکتا ہے۔ وہ تو یہ حکم سنتے ہی اپنی افواج کو تمام اطراف میں لوگوں کو مسلمان بنانیکے لیے بھیجدیتے۔ لیکن باوجودیکہ آپ سورۂ توبہ کے نزول اور اس کے موقع حج پر اعلان کے بعد سال بھر سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے لیکن ایک بھی لڑائی آپنے نہ کی۔ کیا اس سے اس امر کا کافی ثبوت نہیں ملتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان آیات کے کیا معنے سمجھتے تھے۔ جو معنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عملی زندگی سے ثابت ہیں اونسے کفار کو جبراً مسلمان کرنیکے لیے جنگ کرنے کا کسی نوع سے بھی جواز ثابت نہیں۔

پھر زمانۂ نبوت کے بعد حضرات خلفائے راشدین کی سوانح پر جب ہم غور کرتے ہیں تو کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے کسی قوم کو مجبوراً مسلمان کرنے کے لیے فوج کشی کی ہو۔ اور نہ یہ بات ہی ثابت ہوتی ہے کہ کسی قوم کو کسی حال میں تبدیل مذہب پر مجبور کیا ہو۔ جو لڑائیاں انہوں نے کیں مجبوراً کیں۔ رومیوں اور ایرانیوں کے حملوں نے انکی ضرورت پیدا کی تھی۔ ان حملوں کی وجہ یہ تھی کہ رومی اور ایرانی سلطنتوں کے گرد و نواح کے لوگوں نے دین اسلام قبول کر لیا تھا اور یہ بات ان سلطنتوں میں رہنے والوں کو ناگوار گذرتی تھی۔ اسطرح جھنجلا کر یہ لوگ اسلام کی ترقی کو روکنے اور مسلمانوں کو دُکھ دینے کی نیت سے حملے کرتے اور مسلمانوں کو اپنی حفاظت کی ضرورت آخر

جنگو نپر مجبور کرتی۔ اگر مسلمانوں کا ان ممالک کو فتح کرنا اس نیت سے ہوتا کہ ان لوگوں کو بجبر مسلمان کیا جائے تو کامل فتح کر لینے کے بعد غیر مسلم قوموں کو پوری مذہبی آزادی دینے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ اور یہ بات مسلّم ہے کہ جن جن ملکوں کو مسلمانوں نے فتح کر کے اپنے قبضہ میں کیا وہاں انہوں نے ہر ایک مفتوح قوم کو کامل مذہبی آزادی عطا کر رکھی تھی اور یہ مسلّم حقیقت ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے مذہبی آزادی کا وہ اصول جس کی برکتوں سے آج دنیا مالا مال ہو رہی ہے مروّج کیا۔ جس طرز اور اصول پر اور جن اغراض کو مدّ نظر رکھ کر مسلمانوں نے ان سلطنتوں کو فتح کیا تھا۔ وہ ذیل کی عبارت سے بہت اچھی طرح سمجھ میں آ سکتے ہیں جو ایک آزاد خیال دہریہ نے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی کے ۶۳۷ء میں یروشلم کی فتح کے ذکر میں لکھا ہے کہ

"خلیفہ والاشان شہر یروشلم میں نہایت امن کے ساتھ بغیر کسی قسم کی خونریزی کے داخل ہوا۔ اور جب وہ اس شہر کے قسیس اعظم کو ہم رکاب لیکر شہر میں سے آثار قدیمہ دیکھتا ہوا گذرا تو وہ اس کے ساتھ نہایت لطف و اکرام سے گفتگو کرتا تھا۔ اس نے عیسائیوں کو انکے گرجوں میں پوری آزادی کے ساتھ اپنی مذہبی رسوم کو ادا کرنیکی اجازت دی۔ اور مذہبی آزادی کھلے طور پر عطا کر دی۔ اسکا مختصر فیصلہ اس قابل ہے کہ اسکی بڑی عزت کے ساتھ حفاظت کیجائے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از جانب عمرؓ ابن الخطاب بطرف باشندگانِ ایلیا۔ واضح ہو کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ اور تمہارے مال و جان کی نگہبانی کریں گے اور تمہارا کوئی گرجا اور معبد گرایا نہیں جائیگا۔ اور سوائے تم لوگوں کے تمہارے معبدوں میں کسی دوسرے کو دخل نہ ہوگا۔ نہ کوئی تمہاری بغیر انکو استعمال کر سکیگا"۔ یہ منصف مزاج مصنف آگے چلکر لکھتا ہے کہ "عمرؓ کی جوانمردانہ وجاہت اور انسانیت اور صلاح الدین کی کریمانہ شجاعت اور مروّت (جس نے گذشتہ زمانہ میں عیسائیوں کو یروشلم کے لینے کے منصوبوں میں پچھاڑا) خونخوار عیسائی بادشاہوں کی درندگی اور وحشیانہ پن کے ساتھ ایک نمایاں اور زندہ مقابلہ رکھتی ہے" (دیکھو کرائمز آف کرسچینیٹی یعنی عیسائیت کے جرم)۔

عیسائیوں کی تواریخ جن مکروہ اور دردانگیز کشت و خون کے واقعات سے لبریز ہے۔ وہ ایسے ہیں کہ پچھلے مسلمان بادشاہوں میں بھی کوئی انکا مرتکب ثابت نہیں ہوتا۔ ممکن ہے۔ کہ بعض مسلمان بادشاہوں نے اپنی سلطنت کو وسیع کرنیکی غرض سے ملکوں پر حملے کیے ہوں اور انکو فتح کر کے اپنے ماتحت کیا ہو۔ لیکن جب فتح کے بعد ملک میں امن قایم ہو جاتا۔ اور لوگ انکے ماتحت صلح اور امن سے رہنے لگتے۔ تو مذہب کی خاطر بادشاہ اپنی رعیت پر کبھی بھی سختی نہ کرتا اور نہ کبھی انکے معابد گراتے۔ اور نہ کبھی انکے مذہبی امور میں دخل دینا پسند کرتے۔ کوئی ملک مسلمان بادشاہوں کے قبضہ میں ایسا نہیں تھا۔ کہ جس میں دوسرے مذہب کے لوگ آباد نہ تھے۔ لیکن وہ کبھی اُن پر مذہب کی خاطر ظلم نہ کرتے بلکہ اپنی رعیت کو مذہبی رسوم ادا کرنیکے لیے کامل آزادی عطا کرتے تھے۔ اگر ہم اسلام اور عیسوی مذہب کی

حقیقت اور اصلیت کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذہبی جنگوں کا مقابلہ کرنا چاہیں تو صلیبی لڑائیوں سے حقیقتِ حال اچھی طرح منکشف ہوسکتی ہے۔ اسجگہ ہم یورپین مصنفوں کی قلم سے نکلے ہوئے مضامین کا کچھ اقتباس درج کرتے ہیں۔ جو اس پہلو میں عیسائی مذہب کے برخلاف قطعی طور پر فیصلہ کن شہادت ہے۔ عیسائیونکی مذہبی لڑائیونکو مقدس جنگ کہتے تھے اور انکا محرک مذہبی خبط ہوتا تھا۔ لیکن دراصل یہ ایسی ناپاک اور خبیث لڑائیاں تھیں کہ دنیا کو ایسی لڑائیونکا دیکھنا ہی کبھی نصیب نہوا تھا۔ گبن نے لکھا ہے کہ "صلیبی جنگ کرنیوالے ضرورت کے موقع پر اپنے گرفتار کردہ لوگوں کے بچوں اور جوانوں کے گوشت بھون بھون کر کھاتے تھے"۔ یسوع کے ان حلیم اور رحم دل سپاہیوں کے لیے مردم خواری کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اور نہ ہی وہ مقدس جنگ ان لوگونکی عصمت محفوظ رکھ سکے۔ ہم اسجگہ ایک ہی فقرہ میکاڈ کا لکھ دیتے ہیں جو اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ کس حد تک بدچلنی اور بدکاری ان لوگوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ عیسائی مورخ لکھتا ہے کہ "اگر اس زمانہ کی تاریخ کا اعتبار کرسکتے ہیں تو یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ صیہون کی خلاصی کے مجاہدین میں بابل کی خرابیوں میں سے کوئی بھی کم نہ تھی۔ نہایت تعجب انگیز اور ناشنیدنی نظارہ! صلیبی جنگیوں کے خیمونکے نیچے قحط اور بلانوشی وحشت خیز طور پر باہم پیوستہ تھے۔ ناپاک محبت اور عشقبازی اور لہو ولعب کے لیے بیحد جوش اور حد و نہایت سے گذری ہوئی عیاشی موت کی تصویروں کے ساتھ ملے ہوئے تھی"۔ انکی کشت وخون کے نظارے بہت خوفناک تھے۔ جب انطاکیہ فتح کیا تو اوسوقت بھی انسانیت اور رحم کے جامہ کو تار تار کر بیدریغ ہو کر مسلمانوں میں ایسا قتل عام کیا گیا کہ خون کے دریا چلا دیے اور لاشوں کے خرمن جمع کر دیے "لاطینی وحشی درندوں کی طرح امڈ پڑے بوڑھوں کی عزت واکرام جوانوں کی بیکسی اور بے بسی نازنینوں کے حسن ان درندوں پر کچھ بھی اثر نہ کرتے تھے مسلمانوں کے گھر دنمیں گھس گھس انکو تباہ کرتے اور اگر کہیں مسجد نظر آجاتی تو پھر انکی وحشت اور بھی زیادہ جوش میں آتی"۔ (ملز) مقام مارا میں ایسی وحشیانہ قتل عام کے علاوہ مردم خوری کی وحشیانہ حرکت بھی کی گئی آخر کار جب یروشلم پر قبضہ ہو گیا اور مقصود ہاتھ آگیا تو انکے کشت وخون بھی حد نہایت تک پہنچ گئے۔ اس نظارہ کو گبن الفاظ ذیل میں بیان کرتا ہے۔ "عیسائی خدا کے غلط کار پرستاروں نے ایک خونخوار قربانی اپنے خدا کی نذر کی۔ مقابلہ سے اونکا جوش وغضب زیادہ بڑھتا۔ اور انکی بے رحم غضب و غیظ کے جوش کو نہ کوئی عمر اور نہ کوئی جنس ہلکا اور فرو کرسکتی۔ متواتر تین دن تک ایسی طرح قتل عام میں لگے رہے کہ جو کچھ سامنے آیا بلا تمیز اوسکو تہ تیغ کیا۔ اور لاشونکے اتنے ڈھیر لگ گئے کہ اونکی بدبو سے وبا شروع ہو گئی۔ ستر ہزار مسلمانوں کو بے رحمی سے قتل کرنے اور بے شمار یہودیونکو اونکے معبد میں ہی جلا دینے کے بعد بھی اونکے قبضہ میں بہت سے قیدی تھے جنہیں اپنی فایدہ کی خاطر یا تنگی کیوجہ سے انہوں نے قتل سے بچا رکھا"۔ (جلد ۶ صفحہ ۴۵۹) جب میدان جنگ کا جوش خروش ختم ہو گیا اور شہر فتح ہو گیا تو اُسوقت کا جو نظارہ تھا اوسکو میکاڈ بہت خوبی کے ساتھ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"جن اسیران جنگ کو خواہ انسانیت کے سبب اور خواہ اپنی بے استطاعتی کے باعث سے قتل نہ کیا تھا یا جنکی جانیں بہت سارے معاوضہ کی امید میں بچا رکھی تھیں وہ سب بے دریغ تہ تیغ کر دیے گئے۔ مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے مکانوں اور میناروں کے اوپر سے کود کر مریں۔ ہزارہا بیگناہ مسلمان گرفتار کر کے زندہ جلا دیے گئے۔ جو بیچارے خوف کے مارے تہ خانوں میں جا چھپے تھے وہاں سے بھی اونکو کھینچ کھینچ کر نکالا گیا اور عام پبلک مقامات میں لا کر اونہیں اذیتیں پہنچائی گئیں۔ اور مُردہ لاشوں کے ڈھیر دنیر ڈھیر جمع کیے جاتے رہے۔ ظالم اور جلاد صلیب پرستوں کے دل ایسے پتھر ہو گئے ہوئے تھے کہ نہ تو عورتوں کے آنسو اور نہ بچوں کی چیخیں اور نہ اوس مقام کا نظارہ ہی اونکے جوش غضب کو فرو کر سکتا کہ جہاں اونکے خداوند یسوع مسیح نے اپنے دکھ دینے والوں کو معاف کیا تھا" اس وحشیانہ نظارے کا حال بیان کرتے ہوئے ملز نے یوں لکھا ہے "مفتوح لوگوں کو پبلک مقامات پر کھینچ کھینچ کر لاتے اور مظلوموں کی طرح قتل کرتے۔ عورتیں اپنے ننھے ننھے شیر خوار بچوں کو چھاتیوں سے لگائے ہوئے اور لڑکے اور لڑکیاں وغیرہ تہ تیغ کیے گئے۔ یروشلم کی چوک اور بازار تو درکنار جہاں پہلے کوئی آدمی بھی نہ رہتا تھا وہاں بھی مردوں اور عورتوں کی لاشیں اور بچوں کے کچلے ہوئے اعضا بکھرے پڑے تھے۔ اون کثیر التعداد ظالم جلاد دشمنوں سے ایک بھی ایسا نہ نکلا کہ جسکا دل رحم سے پگھلا ہو یا لطف سے پھسلا ہو" یروشلم کی فتح کرتے ہی جو نظارہ انکے مظالم سے پیدا ہوا تھا اوسکو مؤرخین اس طرح بیان کرتے ہیں "ایک مسجد عمر میں ہی اسقدر مخلوق قتل کی گئی تھی کہ خون کی نہروں میں صحن مسجد کے اندر لاشیں تیرتی پھرتی تھیں۔ کٹے ہوئے بازوؤں اور ہاتھوں کو خون کی موجوں نے بہا بہا کر اون لاشوں پر پہنچا دیا تھا کہ جن سے انکا تعلق نہ تھا۔ اس ایک مقدس مقام میں دس ہزار جانوں کا خون بہایا گیا۔ اس موقع پر صرف مقتولوں کی بے سر لاشوں کو دیکھکر ہی دہشت ناک نظارہ پیدا ہوتا تھا بلکہ خود قاتل خون سے ایسے لتھڑے اور رنگے ہوئے تھے کہ اُن کی شکلیں ایک مہیب منظر آنکھوں کے سامنے لاتی تھیں۔ مغلوب لوگوں کے لیے کوئی پناہ نہ رہی۔ جلاد جابروں کا جوش و جنون ایسا بے تمیز اور حد و نہایت سے تجاوز کر رہا تھا کہ نہ تو مقابلہ ہی سے ٹھنڈا ہوتا اور نہ منت و زاری ہی سے کچھ افاقہ ہوتا۔ ہزاروں کی گردنیں تیغ و تبر سے جدا کیں اور ہزاروں کو گرجوں اور کنیسوں کی چھتوں سے گرا کر مار ڈالا"

اس خونخواری کے بعد تھوڑا عرصہ ہی گذرا تھا کہ مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نے سلطان صلاح الدین کی سرپرستی میں یروشلم کو خونخوار عیسائیوں کے پنجہ سے واپس لینے کی توفیق عطا فرمائی۔ اب ایک طرف عیسائی لوگوں کے وہ ظلم جو چند روزہ فتح کے عرصہ میں مسلمانوں پر کیے گئے۔ اور دوسری طرف مسلمان جوانمردوں کا فتح یروشلم کے بعد مردانہ شعار اور انسانیت کا برتاؤ۔ دونوں قوموں کا مقابلہ اور موازنہ کرنیکے لیے زندہ مثال ہے۔ ایک آزاد خیال یورپین عیسائی نژاد نے اسکے ذکر میں جو کچھ لکھا ہے وہ منصف مزاج لوگوں کو اس امر پر یقین دلانیکے لیے کافی ہے کہ عیسائی دین کے مقابلہ پر حلم اور رفق اور رحم اور لطف دین اسلام میں بڑھا ہوا ہے۔ ذیل میں ہم اوس کے

الفاظ کا ترجمہ کر دیتے ہیں۔ مصنف جرائم مسیحیت (کرائمز آف کرسچینٹی) لکھتا ہے "۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین عیسائیوں کو طبریہ پر شکست فاش دیکر یروشلم کی طرف بڑھا۔ وہ اس بات کو دل سے چاہتا تھا کہ اس مقدس شہر کی زمین پر خون کا رنگ نہ چڑھے اسی خیال سے سب سے پہلے اوس نے لوگوں میں عام طور پر اعلان کرا دیا کہ اگر وہ بغیر لڑائی کے اطاعت قبول کر لیں گے تو اونہیں شام میں ہی رہنے کے لیے جگہ اور روپیہ دیا جائیگا۔ لیکن عیسائیوں نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ کئی دن لڑ لڑا کر پھر سلطان کے رحم کے خواستگار ہوئے" اسپر گبن نے لکھا ہے کہ "سلطان صلاح الدین نے شہر کا قبضہ لینا اور انکی جانوں کو قتل سے بچانا منظور کر لیا۔ یونانی اور ایشیائی عیسائیوں کو اوس ملک میں آباد رہنے کی اجازت دیدی۔ لیکن یہ شرط لگا دی کہ چالیس دنوں کے اندر رومی اور فرنگی عیسائی اس ملک کو خالی کر دیں اور اونکو بحفاظت تمام مصر اور شام کی بندرگاہوں تک پہنچانیکا خود ذمہ اُٹھایا اور انتظام کر دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ ہر مرد کیلیے دس اور ہر عورت کے لیے پانچ اور ہر بچے کیلیئے ایک طلائی مُہر ادا کیجاسکے اور جو لوگ اپنی آزادی خریدنے کے لیے بالکل استطاعت نہیں رکھتے اونکو غلامی میں ہی رہنے دیا جائے" پھر آگے چلکر یہ مصنف لکھتا ہے کہ "ہزارہا غریبوں کا معاوضہ صلاح الدین نے اپنی گرہ سے ادا کیا۔ پھر ملک عادل نے سلطان کی مثال کی اتباع کر کے دو ہزار غلاموں کی آزادی کیلیے اپنے خزانہ سے معاوضہ دیا۔ اسطرح قریب قریب حصہ آبادی باقی رہ گئی جسکا معاوضہ ادا نہ ہو سکا۔ اور اکثروں نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کر لیا۔ وحشی اور خونخوار عیسائی مجاہد تو ہر جگہ بلاتمیز زن و مرد اور بچوں کو قتل عام کرتے۔ لیکن اونکی روش کے برخلاف سلطان صلاح الدین کے حضور میں جو عیسائی عورت اپنے اسیر خاوند اور بچہ اپنے باپ اور بھائی کو چھڑانیکی درخواست کرتی اوسکی حال زار پہ سلطانی رحم جوش میں آتا اور اونکی آہ و زاری پر اوسکا دل پگھل آتا اونکے خاوندوں۔ باپوں اور بھائیوں کو نہ صرف رہا ہی کرنیکا حکم دیتا بلکہ اونکو انعام و اکرام سے مالامال کر کے رخصت کرتا۔ میکاڈ اس بلند ہمت اور جوانمرد غیر عیسائی سلطان کی تعریف کرتا اور اس احسان کی گرمجوشی سے شکر گذاری کرتا ہے کہ "اوس نے ماؤں کو اونکے بچے اور عورتوں کو اونکے خاوند جو قیدیوں میں آ گئے تھے واپس دیدیے۔ بعض عیسائیوں نے اپنے قیمتی مال و اسباب وہیں چھوڑے اور اپنے ماں باپ کو جو ضعیف تھے کندھوں پر اُٹھا کر لے چلے اور جنکے رشتہ دار بیمار و ناتوان تھے وہ اونکو سر پر لیے ہوئے جا رہے تھے۔ صلاح الدین یہ حال دیکھکر بہت مؤثر ہوا اور اپنے دشمنوں کو اس نیکی اور خوبی کا اس موقع پر قابل تعریف فیاضی دکھا کر معاوضہ دیا مصیبت زدہ لوگوں کے حال پر ترس کھا کر اوس نے ہسپتالوں کے نائٹوں یعنی خبر گیروں کو یہ اجازت دی کہ وہ شہر میں ہی رہیں اور جاتری لوگوں کی مدارات کرتے رہیں۔ اور جو لوگ بوجہ ضعف ناقابل ہو گئے ہوں اور ایسا ہی ان لوگوں کو بھی جو بوجہ سخت بیماریوں کے سفر کے ناقابل تھے یروشلم میں رہنے کی اجازت دی" گبن نے بہت خوب لکھا ہے کہ "سلطان صلاح الدین کے ان رحم اور شفقت کے عملوں نے اوسے خاص تعریف اور عزت کا ہمیشہ حق دیدیا ہے۔۔۔۔

صلاح الدین کی انسانیت اور قریب قریب کے عیسائی بادشاہوں کی شیطنت میں عجیب اور پُر اثر مقابلہ ہے" ملز کہتا ہے کہ بیروشلم سے نکلکر اکثر عیسائی انطاکیہ کیطرف چلے گئے۔ لیکن بوہیمند عیسائی بادشاہ نے اونکو پناہ دینے سے انکار کیا اور اونہیں خوب پٹواکر نکالا۔ جہاں کہیں مسلمانوں کے ملکونمیں وہ چلتے پھرتے تو وہاں اونکی اچھی طرح خاطر اور مدارات ہوتی"

یہ حوالجات امر زیر بحث کو ثابت کرنیکے لیے کافی ہیں اور ہمیں اب حوالوں کے اقتباس کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ یہ بات بہت اچھی طرح اور واضح طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کی مذہبی لڑائیونکا باہم مقابلہ کرنیسے نہ صرف اسی بات کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ اسلام اور مسلمان بادشاہوں کے برخلاف جو جو اعتراض لوگ نادانی سے کر رہے ہیں وہ بے بنیاد اور غلط ہیں بلکہ اسبات کا بھی یقینی ثبوت ملتا ہے کہ مذہب کی خاطر نوع انسان کا خون ناحق اور بیدریغ کرنے کا سنگین الزام مذہب عیسوی کے برخلاف صریح طور پر قایم ہے۔ کسی مسلمان بادشاہ نے کبھی کوئی ایک عیسائی بھی بجبر اسلام منوانے کی خاطر نہیں مارا۔ حالانکہ ہسپانیہ اور دیگر ممالک میں ہزاروں بلکہ لاکھوں بیگناہ مسلمانوں کو عیسائیوں نے محض اس لیے قتل کر ڈالا کہ اونہوں نے صلیب پرستی قبول کرنیسے انکار کیا تھا۔ سیکڑوں مسجدیں گراکر عیسائیوں نے گرجا بنا لیے۔ لیکن کوئی شاذ و نادر ہی ایسا واقعہ ہوا ہوگا جس میں مسلمانوں نے کسی گرجا کو مسجد بنا لیا ہو۔ اسلام اور عیسائیت کی حقیقت ظاہر کرنیکے لیے دراصل ذیل کا ایک ہی واقعہ بیان کر دینا کافی ہو سکتا ہے۔ جب امیر المومنین خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یروشلم کو فتح کر لیا تو آپنے اتنا ہی نہ کیا کہ عیسائیوں کے گرجا کی مسجد نہ بنائی بلکہ جب بطریق اعظم نے کہا کہ آپ ہمارے گرجا میں اپنی نماز پڑھ لیں تو آپنے اسبات کو منظور نہ کیا اور کہا کہ اگر میں تمھاری درخواست منظور کروں تو آیندہ زمانہ میں مسلمانوں کو میرے اس فعل کے تتبع کے لباس میں عہد توڑنے کی گنجایش نکل سکے گی"! لیکن جب وہی شہر تھوڑے سے عرصہ کیلیے عیسائیوں کے ہاتھ آگیا تو اونہوں نے مسجد کو بدلکر گرجا بنا لیا۔ اب اخیر میں ہمیں اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مصنف (جرائم عیسائیت) کرائمز آف کرسچینٹی کی منصفانہ رائے کا اسجگہ کچھ اقتباس کر دیا جائے۔ وہ لکھتا ہے کہ "نہ خود حضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلعم نے ہی کسی عیسائی پر جو اونکے ساتھ امن سے رہنا چاہتا تھا کچھ زیادتی کی۔ بلکہ بقول گبن اونس نے اونکی حفاظت اور تجارت کی آزادی۔ جائداد کی ملکیت اور مذہبی عبادات کے ادا کرنیکے پورے حقوق بے تامل کھلے دل سے عطا کیے اسلامی سلطنتوں میں عیسائی گرجوں کی اجازت تھی۔ حالانکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ کوئی عیسائی سلطنت ہرگز یہ گوارا نہ کرتی کہ اوسمیں کوئی اسلامی مسجد بھی ہوتی۔ ہندوستان میں بھی شاہان اسلام نے ہندوؤں کے بت خانونکا باقی رہنا برداشت کیا۔ عربی خلفا نے اپنے عہد میں تمام ایشیائی لوگوں کی مذہبی آزادی بحال رکھی۔ بطریق بشپ اور پادری خانگی امور میں سول مجسٹریٹوں کی محافظت میں تھے۔ لایق عیسائی وزیر اور حکیم بنائے جاتے مالگذاری کی تحصیلات کے عہدوں پر ممتاز کیے جاتے۔ اور بعض دفعہ شہروں اور صوبونکے حاکم بھی بنائے جاتے۔ جب صلاح الدین نے یروشلم کو عیسائیوں کے ہاتھوں سے

چھوڑا البتہ تو لاطینی اور یونانی اور مشرقی عیسائیوں میں تمیز مقرر کردی جسکی رو سے اول الذکر یعنی لاطینی عیسائی تو اسیران جنگ شمار کیے جاتے۔ لیکن دوسرے یعنی یونانی اور مشرقی عیسائیوں کو بدستور سلطانی رعیت کے حقوق عطا کیے گئے اور اونہیں عام طور پر اپنے دیوتاؤں کو اپنے طرز مذہب پر پرستش کرنیکی اجازت تھی۔ اونکے مذہب میں کوئی دست اندازی کیجاتی تھی اس تحمل آمیز رعایت کا آجتک اوسیطرح رواج ہے اور کسی نے اسکی خلاف ورزی نہیں کی۔ ترکی حکومت کے ماتحت آجتک یہودی اور عیسائی اوسی آزادی خیالات کے حقوق کے مزے اُڑا رہے ہیں جو اونکے اجداد کو خلفاء نے عطا فرمائی تھی۔ بہت سارے مظلوم جنکو عیسائیوں کے تعصب کے ظلم نے ملک چھوڑ بھاگنے پر مجبور کیا اونکو اُن مسلمانوں ہی کے زیر حکومت پناہ ملتی رہی جنکو نادان معترض "دکھ دینے والے مسلمان" کر کے پکارتے ہیں"۔ اسی مصنف نے عیسائیوں کے صلیبی جنگوں کے نتایج کا خلاصہ اسطرح بیان کیا ہے "غیر عیسائیوں کو لڑکر ملک سے بدر کر دینے کے سبب سے مذہبی دیوانگی کا جوش اور بھی بڑھا۔ اور اپنے وطن میں ملحدین کے برخلاف تلوار زیادہ تیز کی گئی" جارٹن لکھتا ہے کہ "خدا کے لیے پھانسی دینے اور زندوں کو جلانے کا عالمگیر رواج تیرھویں صدی کو دیکھنا نصیب ہوا" ملیمن نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اس مقدس جنگ سے یہ مسئلہ بھی مضبوط ہو گیا کہ عیسائی مذہب پر ایمان نہ لانیوالے مسیح کے ذاتی دشمن ہیں۔ اگر وہ مسیح پر ایمان نہ لائیں تو اونہیں سزا دیجاوے اور پاکبازی کی تلوار سے قتل کر کے اونکا خاتمہ کر دیا جائے۔ ان بیشمار خرابیوں کے علاوہ جو صلیبی جنگوں کے سبب سے ظہور میں آئیں یہ انکا ہی نتیجہ تھا کہ شمالی بت پرستوں اور البیجنس پر قتل عام کی تلوار چلائی گئی اور بہت سی دوسری عالمگیر خونریزیوں اور ظلموں کی بنیاد ڈالدی جن کے ذریعہ سے بعد میں پادریوں نے یورپ کو تباہ کر دیا"۔

ہم نے اس مضمون میں صرف واقعات کا ذکر کر دیا ہے اور یہ بات ناظرین پر چھوڑ دی ہے کہ وہ خود انصاف سے نتیجہ نکال لیں کہ آیا اہل اسلام نے لوگوں کو بجبر اپنا دین منوانیکے لیے ظلم کرنے کے اصول پر عمل کیا یا عیسائیوں نے۔ اور آیا اسلام نے نہایت وحشیانہ بیرحمی سے مخلوق خدا کا خون ناحق گرایا یا عیسائی مذہب نے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ عیسائیوں کے عملی نمونہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ بُردباری اور تحمل اس مذہب میں موجود ہی نہیں جب دنیا میں اسلام آیا تو اس نے تحمل اور بُردباری کے اصول دنیا کو تعلیم کیے۔ پھر عیسائیوں نے بھی بردباری اور تحمل کو اسلام سے سیکھا۔ لیکن وہ بجائے محسن کُش اور ناشکر گذار ہیں کہ اسلام ہی کو ناحق ایسے جرائم کا مرتکب قرار دے رہے ہیں۔

عیسائی مذہب کا انجام

نائنٹینتھ سنچری اینڈ آفٹر کے پچھلے نمبر میں پروفیسر فاسٹر کی کتاب بنام فائنیلٹی آف دی کریسچین ریلجنس کا

ایک قابل قدر خلاصہ چھپا ہے۔ اس کتاب میں اسبات کا جواب دیا گیا ہے کہ "کیا عیسائی دین سچے آخری دین ہے؟" اسمیں یسوع مسیح کے معجزات پر ایمان کے بارے میں بہت بحث کی گئی ہے اور جو خیالات اوسمیں پیش کیے گئے ہیں وہ عام مذہبی عیسائیوں کے خیالات اور عقاید سے بہت مخالف ہیں۔ لیکن باوجود اس کے کثیر التعداد پادری لوگ اس کتاب کے عقاید اور خیالات سے متفق ہیں چنانچہ بپٹسٹ فرقہ کے پادریوں کے ایک جلسہ میں ۲۲ کے مقابل ۴۸ راؤں سے یہ تجویز قرار پائی۔ "تجویز ہوا کہ یہ جماعت بحیثیت ایک کانفرنس ہونیکے ظاہر کرتی ہے کہ ہمارا پختہ یقین ہے کہ جو خیالات اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں وہ کتاب مقدس کے عقاید کے بالکل مخالف ہیں اور اس کی تعلیمات اور میلان اون حقایق کے بالکل برخلاف ہیں جو عیسائی دین کی روح و روان ہیں"۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۲ پادری صاحبان کے خیالات کا اس کتاب کی طرف میلان تھا۔ کسی دوسرے موقع پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ "اسکے نتایج کو کلیسیا کے عہدہ داروں نے قبول کر لیا ہے" اور "یونیورسٹی میں توریت اسکو علم فلسفہ الہیات کی ایک عمدہ کتاب مانا گیا ہے"۔ عیسائی دین کا سارا دارومدار یسوع مسیح کے قبر سے زندہ اُٹھنے کے مسئلہ پر ہے۔ پروفیسر فاسٹر نے اس امر پر لکھا ہے کہ "اس بات کی اصل وجہ یہی ہے کہ یسوع کا جسمانی طور پر قبر سے جی اُٹھنا عیسائی دین کے عقاید کا بنیادی پتھر ہے۔ اور اس مذہب پر اس نے ایسی مضبوط مُہر لگا دی ہوئی ہے کہ اکثر لوگوں کے نزدیک دین عیسوی کی زندگی اور موت صرف اسی واقعہ کے تاریخی ثبوت پر منحصر ہے۔ خود پولوس نے لکھا ہے کہ "اگر یسوع کا زندہ اُٹھنا ثابت نہ ہو تو ہمارا ایمان ہی باطل ہے اور ہم گناہوں کی حالت میں ہی گرفتار ہیں"۔ کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم اپنے آپ ہی یہ سوال کر کے دیکھیں کہ کیا ہم ایسی حالت میں ہیں کہ اس پولوسی مسئلہ کے ساتھ تجربۃً تنقیح عمل ؟ یسوع کی موت کے بعد جو کچھ واقعہ گذرا اوسپر اپنی رائے قایم کرنیکے لیے ہم انجیلوں کے بیانات اور پولوس کی شہادت پر حصر کرنیکے پابند ہیں۔ لیکن یہ بیانات ایسے متوافق ہرگز نہیں کہ انکی بنا پر ہمارا کانشنس مسیح کے جی اُٹھنے کو ایک صحیح واقعہ ماننے کے لیے مجبور ہو۔

یسوع کے زندہ جی اُٹھنے کے مسئلہ کی اتنی اہمیت اسکی کمزوری شہادت کی نسبت سے بہت ہی بعید ہے انکے بیانات سے صرف ایک بے ثبات تصویر نظر آتی ہے جو یقین کی نگاہ کے آگے کسی صورت میں ٹھہر نہیں سکتی۔ کیا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی سب سے اعلیٰ اور مقدس مذہبی زندگی کا مدار ایسے واقعہ پر رکھدیں جسکی کوئی بھی کامل اور واضح تصویر بنا ہی نہیں سکتا؟ اور کیا سچ مچ یہ لازمی ہے کہ اسی واقعہ پر ہم اپنی نجات کی بنا رکھدیں؟ کیا اس کے سوا نجات کی کوئی بنیاد نہیں؟ کیا ہمارے دین کے حقایق خدا کی محبت اوسکا فضل اوسکے احکام اور اوسکی سلطنت بجائے خود قابل اعتبار امور نہیں ہیں؟ کیا اگر ہم توبہ کریں اور صدق ایمان کے ساتھ اوسکے فضل کے خواستگار ہوں تو ہمیں مغفرت نہیں مل سکتی؟ اگر یسوع کی روح ہم میں آباد ہے اور ہمیں خدا کی سلامتی سے پُر کرتی ہے

تو کیا وہ ہمیں تسلی نہیں دے سکتا؟ اگر یسوع کا جسمانی طور پر جی اُٹھنا اور کسی خاص زمانہ تک اپنے شاگردوں کو نظر آنا ثابت نہو تو کیا ابدی زندگی میں ہمارا ایمان بے بنیاد ہوگا؟ عہدنامہ عتیق کے بزرگوں کا کیا حال ہوا جو یسوع کے جسمانی جی اُٹھنے پر ایمان نہ لائے تھے؟"

یسوع کی اعجازی ولادت کو پروفیسر فاسٹر صرف اسی صورت میں ناقابل تسلیم بیان کرتا ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت مریم روح القدس کے ذریعہ حاملہ ہوئی تھیں۔ لیکن جس طرح سے مذہب اسلام میں اسکو پیش کیا گیا ہے اور قرآن کریم میں اوسکا ذکر ہے اسکے ماننے میں کوئی اعتراض نہیں۔ چنانچہ پروفیسر فاسٹر کی رائے اسی کے مطابق ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ "ایک اور مثال اسی قسم کے دلایل کی کافی ہوگی۔ دلیل یہ دیگئی ہے کہ مسیح کا کنواری سے پیدا ہونا ممکن ہے کہ پارتھینو جینیسس کے آخری درجہ کی صورت ہو جسکے متعلق پروفیسر لوب نے ثابت کیا ہے کہ ادنیٰ درجہ کی حیوانی زندگی کے علاوہ بھی اسکی نظیریں ملتی ہیں اور یہ یقین ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک ذی روح میں اسکا ہونا ممکن ہے (پارتھینو جینیس توالد تناسل کی ایک خاص حالت ہے جس میں ایک مادہ میں ذکور اور اناث کے مادے موجود ہونیکے سبب سے بن باپ توالد تناسل کا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے) پس دلیل کے رو سے مسیح کا کنواری سے پیدا ہونا اسی اجتماع مادتین سے پیدایش کے کمال کی ایک مثال ہے۔ اس جملے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ پیدایش عمل دستکاری کے ذریعہ سے واقعہ ہوئی یا کسی اور طرح سے۔ اُس مصنوعی ترکیب میں جہاں ایک عالم اور ماہر فن نے بہت تجارب حاصل کرنیکے بعد دونوں قسم کے مادّوں کو ایک جسم میں دستکاری کے ذریعہ سے باہم مرکب کردیا ہو اور کنواری کے پیٹ سے ایسی طرز میں بچہ پیدا ہونے کے درمیان کہ جہاں طبی اور عملی دستکاری کا دخل ہی نہ ہوا ہو مشابہت بہت ناقص ہوگی۔ شاید اس دلیل بیان کرنیوالے کے ذہن میں غالباً وہی اجتماع مادتین ہے جو قدرتی رنگ سے ظہور پذیر ہوا کرتا ہے۔ ہاں اس حالت میں ایک مشکل سے نکلکر اوسکو اوس سے بڑی مشکل میں گرنا پڑا ہے۔ اس اجتماع مادتین کے صحیح معنے تو یہی ہوسکتے ہیں کہ کنواری ہی بچے کی ماں ہے اور کنواری ہی بچے کا باپ ہے۔ اس اصول پر بچے کا قدرتی اصل بیّن طور سے ایسا مکمل ہوجاتا ہے کہ گویا درحقیقت اوس کی پیدایش میں باپ بھی ذریعہ ہوا تھا (کیونکہ اسکی ماں میں دونوں مادّے موجود تھے) لیکن اس تشریح سے اوس بیان کی غلطی ثابت ہوتی ہے جس میں یسوع کی آبائی نسب روح القدس کی طرف منسوب کیجاتی ہے۔ یعنی اس تشریح سے جس واقعہ کی تشریح کرنا مقصود ہے وہ واقعہ ہی غلط ہوجاتا ہے"

اسجگہ اس بات کا ذکر کرنا بیجا نہ ہوگا کہ قرآنی اصول کے رو سے مسیح روح القدس کا بیٹا نہ تھا۔ بلکہ روح القدس نے صرف مریم کو بطور پیشگوئی صرف اس امر سے اطلاع دی تھی کہ اوسکے بغیر باپ کے لڑکا پیدا ہوگا۔ ورنہ مسیح کا بن باپ پیدا ہونا کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں مسیح کو اور نبیوں کی طرح انسان ہی بیان کیا گیا ہے۔

اور معجزات کے بارے میں اسلامی اعتقاد عیسائیوں کے اعتقاد سے بہت امور میں مختلف ہے۔ نبی اسلام کا سب سے بڑا معجزہ خود قرآن شریف ہے۔ جس کے مثل لانے سے ہر ایک زمانہ میں مخالفین عاجز رہے اور اب بھی عاجز ہیں یہ ایک معجزہ ہے اور اس زمانہ میں بھی ویسا ہی عظیم الشان اور قطعی ہے جیسا کہ حضرت سرور کائنات صلعم کے زمانہ میں تھا۔ دوسرے اسلام میں قرآن کریم کی عظمت اور اسکی تعلیمات کی اخلاقی اور روحانی فوقیت پر معجزات کی نسبت زیادہ زور ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ معجزات بھی قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیے گئے ہیں جنکو آیات کہا گیا ہے کیونکہ وہ آپ کی صداقت کے نشان ہیں۔ لیکن یہ نشانات ایک خاص زمانہ تک محدود نہ تھے۔ انکی صداقت کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ اسلام کے آسمانی نشانات ہمیشہ ہر زمانہ میں خدا کے برگزیدہ لوگوں کے ہاتھوں سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ کو اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے نشانات کے ظاہر کرنیکے لیے مامور فرمایا ہوا ہے۔ ان خارق عادت نشانات کی حقیقی تشریح یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے افعال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک عادی اور معمولی اور دوسرے غیر معمولی۔ معمولی کام معمولی طور پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن جب کوئی خدا کا بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنا ایسا پیوند قایم کر لیتا ہے جو خارق عادت ہوتا ہے تو پھر خدا بھی اوسکے ہاتھوں پر اپنے اعجازی اور خارق عادت نشانات ظاہر فرماتا ہے۔ دونوں قسم کے کام خدا کے کام ہوتے ہیں۔ اور خاص حالات کے ماتحت مشیت الٰہی کے موافق ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

عیسائی مشنری اور مسلمان

پادری سی ٹی ولسن نے ڈی ایسٹ اینڈ دی ویسٹ کی گذشتہ اشاعت میں ایک مضمون [illegible] "شام میں موجودہ حالات اور مشنوں کو مسلمانوں سے امیدیں" لکھا ہے۔ مصنف نے مسلمانوں کی [illegible] کے ضعف کی وجہ اپنے آقا (مسیح) کا ایک قول قرار دیا ہے کہ "وے جو تلوار اٹھاتے ہیں تلوار [illegible] جائیں گے"۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ اونیسویں صدی کے آخری حصہ میں انگلستان [illegible] ایرانیوں۔ ترکمانوں اور بعض اور مسلمان قوموں پر بار بار فتوحات حاصل ہوئیں"۔ مگر پادری [illegible] پیشگوئی کے پورا ہونیکے لیے اتنے دور دراز زمانہ تک سراغ پہنچانیکی تکلیف کی ضرورت نہ تھی۔ اگر وہ [illegible] تواریخ پر ذرا غور کر لیتے تو اونہیں صاف نظر آجاتا کہ اسلام سے پہلے عیسائیوں نے یہودیوں اور بت پرستوں کے برخلاف تلوار اٹھائی تھی اور اس کے بعد عیسائیوں کے ممالک مسلمانوں نے فتح کر لیے تھے۔ اسلیے اگر

بعض حالات کی بنا پر مسیح کی پیشگوئی کا اونیسویں صدی کے آخری حصہ میں پورا ہونا ثابت ہو سکتا ہے تو یہ ثبوت توزیادہ اجلی اور واضح طور پر اس سے ایک ہزار برس پہلے مل سکتا ہے۔ اس پیشگوئی کو یوں منطبق کرنیسے صرف اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اگر عیسائی مشنریوں کے ہاتھ میں کچھ پولیٹکل طاقت ہوتی تو وہ پھر ایکدفعہ دنیا کو اپنی اون پہلی خونریزیوں کا نظارہ دکھا دیتے جیسا بیچارے یہودیوں کا شکار کیا تھا + راقم مضمون اسبات کو ثابت کرنیکی کوشش کرتا ہے کہ عیسائی مشنریوں کا شفاخانے بنانا اور مدرسے قایم کرنا بڑی بھاری فوجیں ہیں جو اسلامی قلعوں کی بنیادوں کو اکھاڑ رہی ہیں - یعنی بالفاظ دیگر راقم کا خیال ہے کہ عیسائیوں کے شفاخانوں اور مدرسوں اور عیسائیوں کی دنیا میں ترقیات کو دیکھکر مسلمانوں کو اس بات کا یقین آرہا ہے کہ عیسائی دین سچا ہے۔ ہم نے عموماً عیسائی مشنریوں کو یہی باتیں باربار لاتے دیکھا ہے لیکن تعجب آتا ہے کہ وہ ذرا خیال نہیں کرتے کہ یہ باتیں کیسی بیہودہ اور فضول ہیں۔ عیسائی ممالک کو فتح کرکے مسلمانوں نے بہت کامیابی کے ساتھ اون ملکوں میں ... اور مدارس اور کالج قایم کیے۔ لیکن صدیوں تک عیسائیوں نے جہالت اور وحشت کی تاریکیوں سے قدم باہر نہ نکالا تو اوسوقت عیسائی مذہب جھوٹا تھا۔ اور اب کچھ مادّی ترقی کرکے سچا دین ہوگیا ہے؟ اگر مسیحی لوگ اسبات کے خواہاں ہیں کہ ہم اونکے بعض خیراتی کاموں کی قایم کرنیسے یہ نتیجہ نکالیں کہ "عیسائیوں کا خدا محبت کا خدا ہے" جیسا کہ ولسن صاحب نے تحریر کیا ہے تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ عیسائیوں کے اون مظالم اور بیرحمیوں سے ہم کیا نتیجہ نکالنے کا حق رکھتے ہیں جو اونہوں نے بت پرستوں اور یہودیوں اور مسلمانوں پر کیے؟ اور یہ ایسے ظلم تھے کہ سوائے عیسائی دین پھیلانیکے اور کوئی باعث انکا بظاہر نظر نہیں آتا۔ اپنے مذہب کی محبت کے شوق میں پادریصاحب کو مسلمانوں کے وہ الطاف اور احسانات فراموش نہیں کرنے چاہییں جو وہ کفار پر کرتے رہے۔ انکی ایسی کوششوں سے تواریخ کے صفحات نہیں مٹ سکتے۔

راقم مضمون کو اس بات کا بھی یقین ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات مسیحی مذہب کے متعلق دن بدن اسکے حق میں مؤید ہوتے جاتے ہیں۔ اسکی تائید میں وہ "ایک آزاد خیال مسلمان" کی سند پیش کرتا ہے جسے اوس نے کہیں یہ کہتے سنا تھا کہ "دنیا کی ابتدا مسیحی دین سے ہوئی ہے اور خاتمہ بھی اسی پر ہوگا" اور ایک اور مسلمان کا کلام بھی پیش کیا ہے کہ "سیدنا عیسیٰ خدا تھا" اور اسکی تائید میں ایک آیت نقل کرکے اوسپر حاشیہ چڑھایا ہے کہ اسکا مطلب سوائے اسکے اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ خدا تھا؟ ہم اسکو ایک بھلے مانس کا بیان فرض کرکے مسٹر ولسن کیخدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اونکا آزاد خیال شیخ اور دوسرا مسلمان محض اسی قسم کے دو خردماغ انسان ہیں جیسے کثرت سے عیسائی ممالک میں اور بعض مسلمان ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ یہ کذب فحش ہے کہ دنیا کی ابتدا عیسائی تھی اور ایسا ہی صاف اور عظیم دروغ یہ ہے کہ دنیا کا انجام بھی عیسائی ہی ہوگا۔ ایسا ہی

کبھی کوئی مسلمان جسکو قرآن شریف کی کچھ بھی واقفیت ہے ایک لمحہ کے لیے بھی مان نہیں سکتا کہ قرآن کریم میں یسوع کو خدا کہا گیا ہے۔ بلکہ قرآن شریف تو بہت صراحت اور زور کے ساتھ مسیح کی خدائی اور اوسکی کفارہ کے مسئلہ کی تردید کرتا ہے۔ آگے چلکر مسٹر ولسن نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو بچپن ہی سے یہ بات سکھلائی جاتی ہے کہ "عیسائی نجات کی تجویز" جھوٹ ہے۔ یہ بالکل سچ ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ عیسائی صاحبان نے خود عقلی بلوغ کو پہنچکر اسبات کو سمجھ لیا ہے کہ انکی نجات کی تجویز سراسر باطل اور لغو امر ہے۔ عیسائی مشنریوں کو چاہیئے کہ مسلمانوں پر اپنے مذہب کی صداقت ظاہر کرنیکے لیے کوئی معزز رستہ اختیار کریں۔ ہسپتالوں اور مدرسوں کے قایم کرنیکو دلیل ٹھہرانا معقول پسند انسانوں کے نزدیک نہایت خفیف اور مضحکہ انگیز بات ہے۔

گرجوں کو دلکش بنانیکے نئے حیلے

پہلے تو عیسائی لوگ وعظ کر کے لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف مائل کرنیکی کوشش کیا کرتے تھے لیکن اب غیر عیسائیوں کو مذہب عیسوی کی طرف اور عیسائیوں کو گرجوں کی طرف کھینچکر لانیکے لیے نئے طریقے پرانے طریقوں کی نسبت بہت زیادہ مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ اخبار سول ملٹری گزٹ مورخہ ۲۔ نومبر میں نیویارک سے ڈیلی میل کے نامہ نگار کے حوالہ سے بعنوان "گرل ورکرز" لکھا ہے "ایمنز ایپسکوپل میتھوڈسٹ چرچ جو منایونک کے فلاڈلفیا محلہ میں واقعہ ہے وہاں کے پادری نے اپنی امامت کو بہت زیادہ دلکش بنانیکے لیے ایک نیا طریقہ دریافت کیا ہے جس سے دونوں نمازوں کے وقت لوگوں کا بہت بڑا ہجوم ہو جاتا ہے۔ اوس نے یہ تجویز نکالی ہے کہ اپنے مقتدیوں میں سے نوجوان۔ دلربا کنواری نازنین لڑکیوں کی ایک جماعت بنا کر اونکو اس کام پر لگایا ہے کہ گرجا میں آنیوالوں اور آئے گئے اجنبیوں کے ساتھ ہو کر انہیں مناسب جگہوں پر بٹھائیں۔ اور اپنے ناز و انداز سے اونسے چندے اور گرجا کے جبوب جمع کریں۔ ان لڑکیوں کی نوبتیں مقرر کی ہوئی ہیں۔ اور ہر ہفتے ۱۲ لڑکیوں کو اس مقدس کام کے لیے آنا پڑتا ہے انکا لباس بھی سمجھ سوچکر بہت خوشنما بنایا ہوا ہے جس سے حسن شباب کی رونق دوبالا ہو کر لوگوں کو زیادہ گرفتار دام بناتی ہیں۔ سفید رنگ کے نہایت اجلے بھولے بھالے جامے پہنے۔ اور سروں پر عجیب طرز کی خوشنما لیسدار ٹوپیاں پہنے ہوئے بڑے ناز و انداز کے ساتھ گرجا کے دروازہ کے آگے آنیوالے لوگوں کے دل کھینچنے اور استقبال کرنیکے لیے کھڑی ہوتی ہیں۔ اس نئی تجویز نے پہلے تجربہ میں بڑی کامیابی دکھائی۔ وہ نوجوان جو اصلاح کے نزدیک بھی نہ پھٹکتے تھے اب اس کشش کی بدولت دور و نزدیک سے گروہ در گروہ کھینچے چلے آتے ہیں۔ پادری صاحب جسکا نام ایورنڈ ایورٹ ڈی ڈکر ہے اپنی اس کامیابی کو دیکھکر باغ باغ ہو رہا ہے۔ اور وہ بیان کرتا ہے کہ اسکی نسبت مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ ان نوجوانوں کو

اس نوبت پر جمع کرنیکی لاینحل مشکل اس تجویز سے حل ہوجائیگی۔ جنکو اپنا شغل اور معیشت اسطرف آنیکی اجازت نہیں دیتا تھا۔ دو گرجا کے خواص حامی مشہور و معروف کاروباری لوگ ہیں اور ان سب کو اسمیں مسادی خوشی حاصل ہو رہی ہے۔ خزانچی نے کہا ہے یہ بات کافی ہے کہ گذشتہ سال کے اسی اتوار کی نسبت اس دفعہ کی آمدنی میں ۱۵۰ فیصدی ترقی ہوئی ہے"

ہم اس بات سے واقف نہیں کہ اس پادری نے اپنے اس طریق سے نوجوان لوگوں میں روشنی پھیلانے کی بنا انجیل پر رکھی ہے کہ نہیں۔ لیکن ہمارا قیاس یہی ہے کہ چونکہ وہ عیسائی پادری اور امام ہے اس لیے ضرور ہے کہ اوسکو اس نئے طریق کے جواز کا حق انجیل کی تعلیم سے ہی ملا ہوگا۔ اور غالباً وہ اسی خیال میں ہوگا کہ اوس نے اس نئے طریق سے اون لوگوں میں روشنی پھیلانے کے لیے یسوع مسیح کی پیروی اختیار کی ہے جو اگر یہ طریق ایجاد نہ کیا جاتا تو محروم رہ جاتے۔ اسی طرح عیسائی مشنری بھی اسی قسم کے دل بہلانیوالے حیلوں سے لوگوں کو عیسائی بنانیکی کوشش نہیں لگ رہتے ہیں۔ ان واقعات سے ایک معقول انسان خوب سمجھ سکتا ہے کہ عیسائی دین میں دلی طہارت کا حاصل کرنا کہانتک مقصود ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ نوجوان جو غیر معمولی طور پر گرجا میں جمع ہوتے ہیں اونکو تو صرف اون حسین اور دلربا مہوشوں کی محبت کا جوش کھینچکر یہاں لاتا ہے۔ ورنہ پہلے بھی وہی گرجا اور وہی پادری ہوتے تھے اور وہ کبھی اوس راہ میں آنا پسند نہ کرتے تھے۔ وہ لوگ جو اسلامی پردہ کے مخالف بنکر اس بات کے مؤید ہیں کہ مردوں اور عورتوں کا آزادی سے کھلے طور پر باہمی میل جول انسان کے دل پر کوئی برا اثر نہیں پیدا کرتا ہے۔ اس موقع پر اونسے سوال کیا جاتا ہے کہ یہ نوجوان یہاں بجز اوس کشش کے اور کیوں آتے ہیں؟ اس میں شک نہیں کہ مردوں اور عورتوں کے باہم اختلاط میں ایک خوشی ہوتی ہے۔ لیکن یہ خوشی عموماً شہوانی ہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مقدس دین اسلام نے جس میں کامل طہارت نفس اعلیٰ مقصد رکھا گیا ہے عورتوں اور مردوں کے کھلے طور پر ملنے جلنے کو منع کرتا ہے۔

شرقیوں اور غربیوں میں اخلاق کے مفہوم کا فرق

بیان کیا جاتا ہے کہ جوزف ایف سمتھ جو عیسائی فرقہ مارمن کا پیشوا ہے بجرم کثرت ازدواج گرفتار کیا گیا ہے۔ اوس کے سزا پانے میں بعض شکوک ظاہر کیے جاتے ہیں۔ اس بات کا خوف ہو رہا ہے کہ شاید وہ شادیاں ہی ثابت نہ ہوں۔ اور عورتیں اوس سے تعلق مناکحت کا انکار ہی کر دیں۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ بصورت ثبوت نکاح وہ مستوجب سزا ٹھہرے گا اور اگر اونکا تعلق ناجائز یعنی زنا کاری کا ثابت ہوا تو وہ بری ہوگا۔ یہی ایک بڑا فرق مشرقی اور مغربی

دنیا کے مفہوم اخلاق میں ہے۔ یعنی مسلمانوں اور عیسائیوں میں جو مفہوم اخلاق ہے وہ اسی امر سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی اسلامی عدالت میں پیش ہو کر زنا کے ارتکاب کا اقبالی ہو تو وہ سخت ترین سزا پانیکا مستوجب ٹھہریگا۔ لیکن وہی اقبال اگر ایک عیسائی عدالت میں کرے تو اوسکے لیے بریت کا ذریعہ ہوگا۔ اگر قدیم زمانہ کے نبیوں اور داناؤں نے کوئی تعلیم نیکی کی دی ہے اور خود عیسائیوں کے جدید ترین معتقدات میں بھی یہ بات داخل ہے کہ ضرور انکی تعلیم نیکی کی ہے تو اوس کے رو سے زنا چونکہ تمام بدکاریوں سے گندہ ترین گناہ ہے اس لیے اس سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو عملی طور پر عیسائی دین کی رو سے اگر ایک بیاہا ہوا عیسائی کسی غیر عورت سے چاہے تو بیشک ناجائز تعلق رکھے۔ اور جب تک کہ وہ عورت دوسرے کسی نام سے موسوم ہے اوسوقت تک اس کے ساتھ ناجائز تعلق رکھنے میں عیسائی دین کو کوئی اعتراض نہیں۔ ہم لوگ جو مشرق میں رہتے ہیں اہل مغرب کے اس مفہوم اخلاق کی عظمت اور خوبی سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں۔ اور اسی طرح یہ بات سمجھنے سے بھی ہمارے دماغ بہت دور ہیں کہ کثرت ازدواج کیوں گناہ ہے اور ایسی حالت میں ایک انسان زنا کے ارتکاب کا اقبال کرکے کیونکر چھٹکارا پا سکتا ہے؟ یہ تو حقیقت میں مردوں اور عورتوں کے درمیان ناجائز تعلقات کے عملی طور پر جواز کی اجازت دینا ہے۔

رسوم جاہلیت

پچھلے ماہ میں ریویو کے عنوان کے نیچے ہمنے اس کتاب کا ذکر کیا تھا۔ مگر وہاں گنجایش نہ ہونیکے سبب سے بہت مختصر سا نوٹ کیا گیا تھا۔ یہ کتاب واقعی جیساکہ ہمنے پہلے لکھا تھا ایک قابل قدر کتاب ہے۔ اس میں اسلام سے پیشتر کے عربوں کی حالت بیان کیگئی ہے اور انکی رسوم انکے اعتقادات انکے توہمات تمام امور پر جاہلیت کے اشعار اور دوسرے تاریخی ذریعوں سے روشنی ڈالی گئی ہے ایک مدعی نبوت کے زمانے کے دو پہلو بہت ہی قابل غور ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ اسکے ظہور سے پہلے ان لوگوں کی کیا حالت تھی جن میں وہ ظاہر ہوا اور دوسرے یہ کہ اسنے انکے اندر کیا تبدیلی پیدا کی یا یہ کہ اسکی انتقال کے وقت ان لوگوں کی کیا حالت ہوگئی۔ ان دونوں پہلوؤں کو قرآن کریم نے مختصر مگر نہایت پُر معنی الفاظ میں یوں بیان کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تو پیشتر کی حالت کے متعلق فرمایا۔ ظهر الفساد فی البر والبحر اور پھر آپکے رفع الی اللہ سے پہلے یوں خطاب فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ گویا آپ کا ظہور کمال فساد کے وقت ہوا اور اصلاح کو کمال کی حد تک پہنچا کر آپ اپنے مولیٰ حقیقی کی طرف واپس گئے یہ وہ روشن سے روشن ثبوت ہے جو کسی نبی کی صداقت پر ہو سکتا ہے کیونکہ جس صورت میں نبی کے دنیا میں آنیکی

اصل غرض یہی ہے کہ وہ اصلاح کرے تو سب سے اول یہی دیکھنا ضروری ہوا کہ اس کے آنے کے وقت کس قدر اصلاح طلب حالت تھی اور کیسی اصلاح اسنے کر دکھائی۔

رسوم جاہلیت کیا ہے ظهر الفساد فی البر والبحر کی تفسیر کا ایک حصہ ہے۔ ایک حصہ ہیں اس لیے کہنا ہوں کہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے کل دنیا بگڑ چکی تھی اور اسوقت دنیا کے کسی ملک میں بھی روحانی کی روشنی کا نور باقی نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ آپ کو پہلے انبیاءؑ کی طرح ایک قوم کی طرف نہ بھیجا جائے بلکہ کل دنیا کی اصلاح کے لیے آپ کی بعثت ہو۔ بلکہ پہلے انبیاء میں تو ایک ہی وقت میں نہ صرف مختلف ممالک میں الگ الگ انبیاء کا ہونا ثابت ہے بلکہ ایک ہی قوم اور ایک ہی ملک میں بھی کئی کئی نبی ہوتے تھے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ آپکے مرشد حضرت یحییٰ علیہما السلام تھے۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ قوت قدسی عطا فرمائی گئی جس کا دائرہ کل دنیا کی اصلاح کو محیط ہو گیا۔ پس اسبات کو سمجھنے کے لیے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی عظیم الشان اصلاح اور تبدیلی کر دکھائی یہ نہایت ضروری ہے کہ اول خصوصاً ملک عرب کی پہلی حالت کو دیکھا جاوے یہی پہلی حالت اس کتاب رسوم جاہلیت میں بیان کی گئی ہے۔ اور اس کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسی کیسی ظلمتوں کی خطرناک گھٹاؤں کو آفتاب اسلام نے پاش پاش کیا۔ یہی وہ ظلمتیں تھیں جنکے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے۔ ظلمت بعضها فوق بعض یعنی صرف ایک قسم کی ظلمت نہ تھی کہ عقاید میں ہی نقص ہو یا صرف اعمال ہی بُرے ہوں یا ملک کی تمدنی حالت ہی اصلاح طلب ہو۔ یا ملکی فساد ہی دفع کرنیکے قابل ہو بلکہ تاریکیوں پر تاریکیاں چڑھی ہوئی تھیں۔ بت پرستی کا اندھیر۔ بدکرداریوں کا اندھیر۔ خطرناک مظالم کا اندھیر۔ توہمات اور تخیلات کا اندھیر۔ فاسد عقاید کا اندھیر۔ خانہ جنگیوں کا اندھیر۔ باہمی عداوتوں کا اندھیر۔ غرضکہ کس کس اندھیر کو بیان کیا جاوے۔ کسی ایک بدی کو دیکھا جائے تو اُسکا دور کرنا ایک انسانی طاقت سے بڑھکر کام نظر آتا ہے چہ جائیکہ ایک شخص ۲۳ سال کے عرصہ میں ان ساری تاریکیوں کو پاش پاش کر کے ایک ملک کے ملک کی کایا پلٹ دے۔

غرضکہ اس کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس کس قسم کے فاسد عقیدوں اور بدکاریوں اور ظالمانہ کارروائیوں اور توہمات اور تخیلات میں سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو باہر نکالا۔ روح سننے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سے پُر ہو کر آپ پر درود اور صلوٰۃ بھیجتی ہے۔ اور آپکی قوت قدسی حیرت میں ڈالتی ہے۔

اس کتاب کے ملنے کا پتہ جو میں پہلے نہیں لکھ سکا یہ ہے۔ "دارالکتب ایجنسی" متصل کوتوالی انارکلی لاہور۔ قیمت ۱۲؍ ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی سب عمدہ ہے۔ ایسی کتابیں اس قابل ہیں کہ انکی قدر کر کے مصنفین کی حوصلہ افزائی کیجاوے۔ کاش جسقدر روپیہ مسلمانوں کا ناولوں کی تصنیف اور خریداری پر خرچ ہوتا ہے اسکا کوئی حصہ ہی مذہبی واقفیت کے پیدا کرنے میں خرچ ہو۔

اطلاع

اس دقت کو محسوس کرکے جو ہمارے بھائیوں کو مختلف مدات کا چندہ مختلف اشخاص کے نام بھیجنے میں پیش آتی ہے۔ صدر انجمن احمدیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ یکم جنوری ۱۹۰۷ء سے ہر ایک قسم کا چندہ بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیئے۔ خواہ وہ چندہ مدرسہ کا ہو۔ یا زکوٰۃ کا روپیہ یا مقبرہ بہشتی کا چندہ یا وصیت کا روپیہ یا آمدنی کا دسواں حصہ یا عید فنڈ یا مسکین فنڈ کا روپیہ یا میگزین کا روپیہ۔ غرضکہ سوائے لنگرخانہ کے روپیہ کے جو حضرت اقدس کے نام براہ راست آنا چاہیئے۔ ہر قسم کا چندہ جو قادیان میں بھیجا جاتا ہے محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام آنا چاہیئے لنگرخانہ کا چندہ اگر کسی اور چندے کے ساتھ شامل کرکے بھیجنا ہو تو اختیار ہوگا کہ وہ بھی محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام ہی بھیجدیں اور محاسب اسے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کر دیگا۔ مگر اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیئے کہ کوپن میں فرستندہ کا پورا پتہ خوشخط لکھا ہوا ہو اور نیز مفصل ہدایت ہو کہ کتنا کتنا روپیہ کس کس کیطرف سے کس کس مد کا ہے۔ میگزین کی قیمت ہے یا اعانت میگزین یعنی اشاعت اسلام کا روپیہ ہے مدرسہ کا روپیہ ہے یا عید فنڈ کا روپیہ ہے یا مسکین فنڈ یا یتیم فنڈ کا ہے یا بہشتی مقبرہ کا چندہ ہے یا وصیت کا روپیہ ہے یا آمدنی کا دسواں حصہ ہے یا زکوٰۃ کا روپیہ ہے یا کسی جائیداد کی قیمت ہے جو رسالہ الوصیت کے ماتحت انجمن کو دیگئی ہے یا کسی مکان کا کرایہ ہے یا زمین کا محاصل ہے جو صدر انجمن احمدیہ کی ملکیت میں ہے۔

غرضکہ پورے بسط کے ساتھ کوپن میں اس امر کو واضح کرنا چاہیئے جس سے محاسب کو کسی قسم کی غلطی نہ لگے۔ تمام قوم کی رسیدیں باضابطہ دیجاوینگی اور ماہ بماہ رقوم آمدنی کسی رسالہ یا اخبار میں شایع ہوتی رہیں گی جس شخص کو باضابطہ رسید دفتر محاسب سے نہ پہنچے اُسے ضروری ہوگا کہ فی الفور اپنی مرسلہ رقم کی تحقیق کرے ایسا ہی اگر مطبوعہ رسید و نیز میں کسی قسم کی غلطی ہو یا کسی نام کا اندراج نہ ہو تو بھیجنے والے کا فرض ہوگا کہ فی الفور خط و کتابت کرے۔ المشتہر خاکسار **محمد علی** سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

نوٹ۔ اس امر کا یاد رکھنا از بس ضروری ہے کہ رسالہ الوصیت کے ماتحت کئی قسم کا چندہ ہے۔ شرط اول مقبرہ بہشتی کی یہ ہے کہ کچھ چندہ حسب حیثیت مقبرہ بہشتی کی زمین اور باغ اور دیگر لوازم کی طیاری کے لیے دینا ہوگا۔ سو یہ چندہ چندہ مقبرہ بہشتی کہلاتا ہے۔ دوسری شرط وصیت کی ہے کہ وصیت کرے یا جائیداد کی قیمت کر کے روپیہ داخل کرے یا آمدنی کا دسواں حصہ دے۔ سو اسکو الگ لکھنا چاہیئے کیونکہ ان دونوں شرطوں کا الگ الگ پورا ہونا ضروری ہے۔

آنکھوں کے بیماروں کو مژدہ

میاں ڈاکٹر عبد اللہ صاحب ساکن راہوں۔ ضلع جالندھر۔ جنہوں نے لنڈن اسٹریلیا۔ افریقہ میں آنکھوں کے علاج سے بہت شہرت حاصل کی ہے۔ اور انکے پاس بہت کثرت سے سارٹیفکٹ بھی موجود ہے۔ انگریزی اور یونانی دو طرح کی آنکھیں بناتے ہیں۔ ہماری جماعت کے مخلص ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ لوگوں کو انسے نفع پہنچیگا۔ دستخط (نورالدین)

مطبع میگزین قادیان دار الامان میں مینیجر میگزین کے اہتمام سے ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

مذاہب عالم پر نظر

جلد (۶)

از جنوری سنہ ۱۹۰۷ء لغایت دسمبر سنہ ۱۹۰۷ء

ایڈیٹر ——— محمد علی

قیمت عہ۔ مطبع میگزین قادیان میں منیجر میگزین کے اہتمام سے چھپکر شایع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) بابت ماہ جنوری ۱۹۰۷ء نمبر (۱)

فہرست مضامین

فہرست مضامین ریویو آف ریلیجنز

جلد ۶ سنہ ۱۹۰۷ء

متفرق مضامین

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۶۔ دسمبر ۱۹۰۶ء بشّرھم بایّام اللہ وذکّرھم تذکیرا۔ ترجمہ۔ انکو خوشخبری دے اللہ تعالیٰ کے دنوں کی اور انکو نصیحت کر نصیحت کرنا۔ ۳۔ جنوری ۱۹۰۷ء کی صبح کو حضور نے تین چار روز کے الہام اور خواب سنائے۔ - (۱) سَاُکْرِمُکَ اِکْرَامًا عجبًا وکان اللہ علٰی کل شیء مقتدرا۔ ترجمہ۔ عنقریب میں تیری عجیب عزت ظاہر کرونگا اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ رؤیا۔ شریف احمدؐ کو خواب میں دیکھا کہ اُس نے پگڑی باندھی ہوئی ہے اور دو آدمی پاس کھڑے ہیں ایک نے شریف احمدؐ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ وہ بادشاہ آیا۔ دوسرے نے کہا کہ ابھی تو اس نے قاضی بننا ہے فقط۔ فرمایا۔ قاضی حَکَم کو بھی کہتے ہیں قاضی وہ ہے جو تائید حق کرے اور باطل کو رد کرے۔

فرمایا۔ چند سال ہوئے ایکدفعہ ہم نے عالم کشف میں اسی لڑکے شریف احمدؐ کے متعلق کہا تھا کہ اب تو ہماری جگہ بیٹھ اور ہم چلتے ہیں۔ اور جب یہ پیدا ہوا تھا۔ تو اُسوقت عالمِ کشف میں مَیں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک روپیہ اُترا اور میرے ہاتھ پر رکھا گیا اسپر لکھا تھا۔ مُعَمَّر اللہ۔

عید فنڈ

عام تحریک کے علاوہ مَیں خصوصیت سے اس فنڈ کا ذکر دوبارہ اسلیے کرتا ہوں کہ عید کا موقعہ قریب ہے اور اس دن اکثر دوستوں کو پوری ہمت دکھانیکا موقع ہے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ عید سے پہلے کسی دن ہر ایک احمدیہ انجمن اپنا ایک اجلاس عید فنڈ کی تحریک کے لیے کرے اور اس اجلاس میں سب دوستوں کو توجہ دلائی جاوے کہ سال میں یہ ایک ایسا موقعہ ہے کہ اگر پوری کوشش کیجاوے تو مدرسہ کے خرچ کا بڑا حصہ ایک ہی عید پر جمع ہو سکتا ہے۔ اور پھر وصولی میں پوری کوشش کیجاوے۔ جو احباب دس یا پندرہ روپے ماہوار سے کم آمدنی رکھتے ہوں اگر وہ بخوشی خاطر ایک روپیہ نہ دے سکیں تو ان سے ۸ ہی لے لیے جاویں اور اس کمی کو ذی وسعت احباب دو دو پانچ پانچ دس دس روپے دیکر پورا کردیں۔ جو شخص دو سو روپیہ ماہوار یا اس سے زیادہ آمدنی رکھتا ہے اسکو ایسے موقعہ پر پانچ روپیہ کا دینا کچھ بھی مشکل نہیں اور اسیقدر اس سے لینا چاہیئے۔ اور جنکی آمدنی پانچسو روپے ماہوار ہو انسے کم از کم دس روپے عید فنڈ کے لیے لیے جاویں۔ ہر ایک شخص اپنے بال بچہ کے لیے عید کے دن ایک اچھی رقم خرچ کرتا ہے۔ یہ جو کچھ آپ لوگ خرچ کریں گے یہ آپ سب کے بچوں کی بہتری کے لیے ہے۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ اب کی دفعہ ایسی کوشش کیجاویگی کہ ہر جگہ کی جماعت سے عید فنڈ کا جو روپیہ آوے وہ اس مقام کی جماعت کی صحیح تعداد کو ظاہر کرتا ہو۔

ریویو:- الاستخلاف۔ چھوٹی تقطیع کے ۱۲۸ صفحو نپر مصنف اکمل آف گولیکی کی اکتسویں تصنیف ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت بلافصل کا قرآن کریم سے ثبوت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عملی تھیوصوفی

اس مختصر مضمون میں تھیوصوفی کے نظری حصہ پر بحث کرنا میرا منشاء نہیں۔ کیونکہ اکثر ناظرین کو ایسی بحث دلچسپی سے خالی اور خشک نظر آئے گی۔ اسجگہ صرف ہمیں اسبات کی تحقیق منظور ہے کہ وہ مذہبی فلسفہ جسے عملی تھیوصوفی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اوسکو دوسرے مذہبوں سے کیا رشتہ اور تعلق ہے؟ اس بات کی ضرورت ایک صاحب کی درخواست کی تعمیل کے لیے پیش آئی ہے جنہوں نے اندنوں ایک ورق چھپا ہوا ارسال کیا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عملی تھیوصوفی کا انسان کی زندگی پر اثر کیا ہے۔ یہ صرف چار فقروں میں درج ہے جنکا ترجمہ نیچے کیا جاتا ہے۔

۱۔ عملی تھیوصوفی انسان کو دوسروں کے خیالات کے متعلق بردبار اور متحمل بنا دیتی ہے۔ اس لیے اس کے سیکھنے والے کے دل میں کسی دوسرے مذہب کی نسبت نفرت اور حقارت نہیں رہتی۔ اور وہ دوسروں سے اپنے آپکو بالاتر نہیں سمجھتا۔ جن لوگوں نے اس کے نور کو ڈھونڈا اور اوس کی اطاعت اختیار کی اونکو طمانیت قلب میسر آگئی۔ اور جو لوگ اس کے احاطہ میں آیندہ داخل ہونا پسند کرینگے اون کو بھی ضرور یہ نعمت اس کی بدولت نصیب ہوگی ہی ہوگی۔ اس کے مفید افعال کا سب سے بڑا خاصہ یہ ہے کہ اپنے ماننے والوں کے خیال۔ گفتار۔ اور افعال و اعمال کو معجزانہ طور پر پاک کر دیتی ہے۔ ۲۔ تھیوصوفی کی تعلیمات ایسی روشنی بخش ہیں کہ جتنا کوئی زیادہ انہیں مطالعہ کرتا ہے اوسی قدر بڑھکر اوسکو اپنے مذہب کے حقایق و معارف پر بصارت اور عرفان حاصل ہوتا جاتا ہے۔ اور انسانی زندگی کے اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنیکے لیے کسی شخص کو اپنا مذہب چھوڑنیکی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیونکہ سالکان راہ طریقت نے ہر مذہب میں اس اعلیٰ مقصد کے حصول کی راہ کو بیان کر دیا ہوا ہے۔ ۳۔ اگر اہل دنیا عملی طور پر قوانین قدرت کی پیروی کرتے۔ اور اپنے عقاید اور مسائل کے محاسن لوگوں پر سرگرمی سے بیان کرتے وقت دوسروں کے عقاید اور

مسائل کی نسبت بدزبانی کرنے سے باز رہتے تو دنیا پر صلح اور امن اور راحت اور خوشحالی کی سلطنت قایم رہتی۔ اور اگر بہر حال مقابلہ ہی کی ضرورت ہوتی۔ تو نہایت لطف اور حلم اور عزت کے ساتھ مقابلہ کرتے۔ اور صرف اس نیت پر کرتے۔ کہ لوگوں میں سے جہالت کی تاریکی دور ہو۔ اور وہ ہدایت کا نور پا دیں۔ ہم عملی تھیوصوفی کی کوشش یہ ہوتی ہے۔ کہ نفرت اور حقارت اور بدظنی اور تکبر کو نکالکر باہمی محبت شفقت نیک ظنی اور انکسار لوگوں میں بڑھے۔ اور سچے تھیوصوفسٹ بنی نوع انسان کی ہمدردی دل و جان سے حتی المقدور کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اور اپنے عیش و آرام کو ایسی طرح قربان کر دیتے ہیں۔ کہ کسی وقت بھی اُنہیں اوسکا معاوضہ لینے کا خیال تک بھی نہیں آتا۔ کسی جبر اور مصیبت کی حالت میں وہ صداقت کے راستے سے منحرف نہیں ہوتے۔ وہ حالات کے غلام نہیں ہوتے۔ بلکہ اُنہیں اپنے مقاصد کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں۔ اور ہمیشہ صدق ورزی اور حق جوئی اور عدل و انصاف اور دوسرے ابدی قوانین کی نہایت وفاداری سے اتباع کرنے پر مائل اور آمادہ رہتے ہیں۔ جو عام طور پر نوع انسان کی حقیقی ترقیات کے مؤید ہوتے ہیں اگرچہ ان کی خدمات کا بڑا حصہ انکے گرد و پیش ہی کے حالات میں صرف ہوتا ہے تاہم اونکا دست اعانت ہمیشہ بیدریغ ہر ایک محتاج کی دستگیری کے لیے کھُلا رہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ایک ایسی مخیّر طاقت ہیں جس میں اپنی خواہش اور جوش نفس موجود نہیں۔ جس کے خیالات اور اعمال دنیا اور اوس کے مالک پر اپنی رضامندی سے قربان ہیں۔ اور جس کی زندگی کا سب سے بڑا مدعا اوس عظیم اور احسن قانون یعنی برہما خدا یا اللہ کی معرفت حاصل کرنا۔ اور خود کامل طور پر اوس قانون کے ساتھ پیوند قایم کرنا ہے۔"

ان چاروں فقروں کا خلاصہ اگر بیان کیا جائے تو صرف اس قدر ہوگا کہ عملی تھیوصوفی تمام لوگوں کو خوشحال بناتی ہے اور باہمی تنفر و حقارت کی بجائے محبت اور شفقت قایم کرتی ہے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ یہ اعلیٰ ترین مقصد ہر ایک شخص کو اپنے اپنے مذہب کا متبع رہنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس موقع پر ہم پہلے دو مقاصد کے متعلق کوئی بحث نہیں چھیڑنا چاہتے۔ کیونکہ ہر ایک مذہب کا سب سے بڑا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ اوس میں داخل ہو کر انسان حقیقی خوشحالی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اون میں باہمی اخوت کا پیوند محکم ہو جاتا ہے۔ اور میرا مطلب اسجگہ یہ بحث کرنیکا نہیں کہ آیا تھیوصوفی ان دعووں میں سچی ہے یا نہیں یا وہ کونسا مذہب ہے جو عملی طور پر ان دعووں کو پورا کرکے دکھاتا ہے۔ مگر تیسرا امر جو پیش کیا جاتا ہے وہ ایسا نرالا ہے کہ دعوے کے صدق و کذب کو الگ چھوڑ کر ایسا دعویٰ عقلی طور پر محال ہے۔ اور سردست اسی امر کو میں ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ بات یہ پیش کیجاتی ہے کہ تھیوصوفی کی تعلیمات روشنی بخش ہیں اور اس لیے اون کے مطالعہ سے انسان اپنے مذہب کے حقایق و معارف کی بہت بڑی معرفت اور قدر حاصل کر لیتا ہے۔ اور کسی شخص کو اپنا مذہب انسانی زندگی

کے اعلیٰ ترین مقصد کو پانیکے لیے ترک کرنیکی ضرورت نہیں۔ ان نتایج کی ظاہری صورت تو ایسی چکنی چپڑی اور دلکش ہے کہ بہت تھوڑے لوگ ایسے ہونگے جو ان کے مطلب کی تہ تک پہنچنے کے لیے ذرا تامل کرکے تدبّر اور تفکر سے کام لیتے ہوں۔ کثرت سے ایسے لوگ ہی پائے جاتے ہیں جنہیں ان کے بیہودہ اور باطل ہونیکی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ اتنے بڑے مختلف اور مخالف مذہبوں میں جس مصالحت کی حالت کو تھیوصوفی یا اس کے پرستار قایم کرنیکا دعویٰ کرتے ہیں وہ حقیقت میں صرف ایک دھوکہ ہے لیکن چونکہ اس زمانہ کا یہ طریق ہو رہا ہے کہ عام طور پر مذہبی امور میں سہل انگاری سے کام لیا جاتا ہے۔ اس لیے زمانہ حال کے لوگوں کے دلوں میں یہ بات گھر کر جانیوالی ہے کہ اپنے دین و مذہب پر جمے بھی رہیں اور مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ دراصل یہ بات کہ اعلیٰ ترین مقصد اپنے آبائی مذہب میں رہنے سے حاصل ہو سکتا ہے صدق اور مذہب حقہ سے لاپروائی اور بے سمجھی سے پیدا ہوئی ہے۔ بہت سے لوگ جو تفکر اور تدبر سے کام نہیں لیتے اس دھوکہ میں آجائیں گے کہ تمام مذاہب کی مصالحت ہو جانا انسانی ترقی کے لیے ایک نہایت ضروری اور مفید مرحلہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے سبب سے تمام ترقیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں اگر کسی انسان کے دینی خیالات کا دریافت کرنا اور اونکی غلطیاں ظاہر کرنا مضر خیال کیا جائے تو پھر یہ بھی ضروری ہوگا کہ اوس کے سیاسی۔ اخلاقی اور تمدنی خیالات کی نسبت سوال کرنا بھی ویسا ہی مضر سمجھا جائے۔ مذہبی اختلافات اور مباحثات کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ صدق غالب آجاتا ہے۔ لیکن جو صلح تھیوصوفسٹوں کے گمان میں بیٹھی ہوئی ہے اوس کا انجام لازماً یہی ہوگا کہ غلط کاری اور فاسد عقاید دنیا پر پھیل جائیں۔

اب ہم ذرا زیادہ توجہ کے ساتھ عملی تھیوصوفسٹوں کے اس ایراد پر غور کرتے ہیں۔ اونکی طرف سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ تھیوصوفی کی تعلیم کی دستگیری سے ہر ایک آدمی اپنے آبائی مذہب کے محاسن اور حقایق کی زیادہ معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ کونسی تعلیمات ہیں جن سے یہ فواید حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کے لیے ہم تھیوصوفی کی تعلیم کو دوسری جگہ سے لیتے ہیں مقاصد تھیوصوفیکل سوسایٹی میں تھیوصوفی کی تعلیم کے بڑے بڑے اصول یہ درج ہیں۔

(الف) کرم۔ یہ وہ قانون ہے جس کی بدولت اوس خوشی کے ذریعہ سے جو برادرانہ خیالات اور اعمال سے حاصل ہوتی ہے اور اوس دُکھ اور درد سے جو معاندانہ خیالات اور افعال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ رشتہ اخوت میں مضبوطی اور ترقی ہوتی ہے۔ یہ وہ قانون ہے کہ جس کو عمل میں لانیکے لیے کسی شخص یا کسی چیز کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ خیالات اور افعال کے نیک و بد کی جبلی تاثیرات کا قانون ہے۔

(ب) تمام بنی نوع انسان کا دنیا میں بار بار جنم لیتے رہنا یہانتک کہ اونہیں زندگی کا ایسا سرسبز خزینہ ہاتھ آجائے اور ایسا وسیع علم ملجائے کہ جس کے بعد موت کا آنا ناممکن ہوجائے۔ (ج) ہر متنفس میں حیوانی اور الٰہی طاقتوں اور آیندہ ہستی کے انتخاب کی قوت۔ اور انتخاب کے نتایج کا موجود ہونا۔ ہر انسان اپنا نجات دہندہ آپ ہوسکتا ہے۔ اپنی قسمت میں سُکھ یا دکھ لاسکتا ہے۔ جیسا چاہے اپنے اندر الٰہی نور پیدا کرسکتا ہے اور کیسی ہی ناکامیوں اور نامرادیوں کا اوسے مقابلہ کرنا کیوں نہ پڑے وہ تھوڑا تھوڑا شروع کرکے بڑھکر اس کے قریب آسکتا ہے۔ اور اوس دن کے نزدیک پہنچ سکتا ہے کہ جب وہ آپ ہی الٰہی نور بن جانیکی خوشی حاصل کرسکے۔ اور اسطرح اپنی ابدی زندگی کا علم پاسکے۔ (د) کہ اس عالم میں انسان کے وجود سے خارج کوئی ایسی طاقت موجود نہیں جو کسی انسان کو کسی قسم کا دُکھ یا تکلیف سزا کے رنگ میں پہنچا سکے یا جس سے انسان کو ڈرنے کی ضرورت ہو"۔ تھیوصوفی کے ان اصول کا ذکر جو ذیل کے الفاظ میں کیا گیا ہے اوس سے خداتعالیٰ کی ہستی سے قطعی انکار اور بھی زور کے ساتھ واضح ہوتا ہے۔

"قادر مطلق خدا سے انکار کرکے اصول تھیوصوفی اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک جلیل القدر اور غیر متبدل قانون کا دور دوران ہے جسکو انسان اپنے اندر کامل انصاف کے ساتھ عمل میں لارہا ہے خواہ وہ اسے سمجھتا بھی نہ ہو"

تھیوصوفی کی اس تعلیم اور ان اصول کے ہوتے ہوئے سوائے دہریوں کے کون تھیوصوفسٹ کہلا سکتا ہے اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ اصل میں تھیوصوفی دہریت کی ایک قسم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض پیروان تھیوصوفی خدا کی ہستی کا اقرار بھی کرلیا کرتے ہیں بلکہ یہ بھی کہدیا کرتے ہیں کہ تھیوصوفی کی پیروی سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے گہرا تعلق انسان پیدا کرسکتا ہے مگر یہ سب جھوٹے دعوے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ پنڈت شونرائن اگنی ہوتری اسی قسم کے تھیوصوفسٹوں میں سے تھا یہاں تک کہ تھیوصوفی کے انکار خدا پر اس نے بڑے بڑے مضامین بھی لکھے اور یہ کہا کہ اصل تھیوصوفی ہستی باری تعالیٰ کے اقرار پر مبنی ہے مگر اب چند ہی سال کے عرصہ میں وہ خود پورا دہریہ بن گیا ہے اور نہایت کھلے لفظوں میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کیا بلکہ بعض دریدہ دہن دہریوں کی طرح خدائے تعالیٰ کو گالیاں بھی نکالی ہیں۔ اور پھر تعجب یہ ہے کہ ایسے لغو عقاید کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہر شخص اپنے ہی مذہب میں رہ کر تھیوصوفی کا پیرو بھی ہوجاتا ہے جو سراسر جھوٹا دعویٰ ہے۔ خدا تعالیٰ کی ہستی اور نیک و بد اعمال کی سزا و جزا پر ایمان کی تلقین ہر ایک مذہب حقہ کا بنیادی اصل ہے جو الہام سے قایم ہوا ہے۔ لیکن تھیوصوفی کی تعلیم یہ ہے کہ انسان بذات خود ہی کامل اور کافی ہے۔ اور کوئی ایسی اعلیٰ قدرت موجود نہیں جس سے اسکو کچھ خوف

کرنیکی ضرورت ہو۔ تھیوصوفی کے حامی اصحاب ازراہ مہربانی اسبات کو ذرا واضح اور عیاں کردیتے کہ کیونکر ایک انسان ایک ہی وقت میں تھیوصوفسٹ بھی رہ سکتا ہے اور اپنے مذہب پر بھی چل سکتا ہے؟ یعنی خدا کے وجود کا اقرار بھی کرے اور انکار بھی تو بہتر ہوتا۔ پھر یہ ایک صاف بات ہے کہ جو مذہب تھیوصوفی کی تردید کرتا ہو اوس پر ایک تھیوصوفسٹ تو ہرگز قایم نہیں رہ سکتا۔ اور یہ بھی ایک کھلی بات ہے کہ جب ایک مذہب دوسرے مذہب کے مسائل کو غلط قرار دیکر اونکی تردید کرتا ہو تو یہ لازمی امر ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک تو جھوٹا ضرور ہوگا۔ غرض اسطرح دونوں ایسے مذاہب جو ایک دوسرے کے متضاد اور مخالف تعلیم دیتے ہوں راست نہیں ہوسکتے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ مدعا جسکو تھیوصوفی کی اصطلاح میں "اعلیٰ ترین مقصود" کہتے ہیں کسی ایک مذہب پر چلنے سے حاصل ہوسکتا ہے تو اوسکا اوس دوسرے مذہب پر چلکر حاصل ہونا ممکن نہیں ہوسکتا جو پہلے مذہب کے بنیادی مسائل کی تردید اور تغلیط کرتا ہو۔ ہمارے تھیوصوفسٹ دوست فرماتے ہیں کہ تمام سالکان طریق نے اس اعلیٰ ترین مقصود تک پہنچنے کی راہ کو ہر ایک مذہب میں عیاں کردیا ہوا ہے۔ لیکن مذہب کے طریق پر سب سے پہلا سالک تو اوسکا بانی ہوتا ہے۔ وہ اول السالکین جب اپنا مذہب قایم اور مروج کرتا ہے تو تمام موجودہ مذہبوں کو غلط اور پُرخطا بیان کرتا ہے۔ جب یسوع مسیح یہودیوں کے درمیان ظاہر ہوا تو جن راہوں پر اوسوقت یہودی چل رہے تھے اونکو خطاؤں اور غلطیوں سے پُر بیان کرکے اونکی تردید کرتا رہا۔ اور کہتا رہا کہ اوس اعلیٰ ترین مقصود کو پانیکی طرف یہ راہ ہدایت نہیں کرسکتی بلکہ دن بدن اوس سے دور لیجارہی ہے۔ تھیوصوفسٹوں کے اعتقاد کے مطابق تو دونوں یعنی یسوع مسیح اور یہودی راستی پر تھے۔ لیکن یہ امر محال صریح ہے۔ پھر جب آنحضرت سرورکائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملک عرب میں مبعوث ہوئے تو اونہوں نے بت پرستوں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی غلط اعتقادوں کی مذمت کی۔ یہ ایک اظہر من الشمس حقیقت ہے کہ حق کو پانیکے لیے بدی اور غلطی کی مذمت اور ان سے نفرت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ ہم نیک اور بد یا صدق اور کذب سے یکجائی طور پر محبت رکھ سکیں۔ انمیں سے ایک کے ساتھ محبت رکھنے سے دوسرے سے نفرت لازم آتی ہے۔ اور اگر راستی سے محبت کے دعوے کے باوجود انسان ناراستی سے نفرت نہیں کرتا یا نیکی سے محبت کرنیکا دعویٰ کرتا ہے مگر بدی سے نفرت نہیں کرتا تو یہ جان لینا چاہیئے کہ جسے وہ راستی اور نیکی سمجھ رہا ہے وہ راستی اور نیکی نہیں کیونکہ نور سے محبت رکھکر ایک شخص ظلمت کو پسند نہیں کرسکتا اور اصلی مقصود کو حاصل کرنیکے لیے بدی سے نفرت کرنا سچائی سے محبت کرنیکے برابر ضروری ہوتا ہے۔

مذہب کے بارے میں دو مختلف خیال موجود ہیں جن میں سے ایک افراط کی طرف چلا گیا ہے اور دوسرا تفریط کی طرف۔ اور یہ دونوں ہی غلط ہیں۔ انمیں ایک خیال تو تھیوصوفسٹوں اور ویدانتیوں کا ہے جن کی ساری کوشش اس امر میں خرچ ہو رہی ہے کہ وہ ہر دلعزیزی سے ہر انسان کو یہ اعلان کرکے خوش کرلیں کہ نجات ہو

اعلیٰ ترین مقصود ہے وہ ہر ایک آدمی اپنے آبائی مذہب میں ہی رہکر حاصل کر سکتا ہے۔ یہ امر بظاہر تو ایسا شیریں اور دلکش معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان سنتے ہی اسکا گرویدہ ہوجائے لیکن حقیقت میں سچائی اور حق کا سب سے بڑا دشمن یہی ہے۔ یہ ایسا ناپاک اور مکروہ خیال ہے کہ اسکے رو سے تمام انبیاء و مرسلین جنکا منصب یہی تھا کہ لوگوں کو دین حقہ کی طرف دعوت اور تبلیغ کریں۔ پرلے درجے کے گنہگار اور پاپی ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ اپنے اپنے زمانہ کے موجودہ مذہبوں کی (انکی غلطیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے) مذمت کرتے اور راہ حق ظاہر کرتے تھے اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ تھیوصوفی نے خدا کی ہستی کا انکار نہیں سکھایا۔ تو بھی یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ کوئی شخص اپنے آبائی مذہب پر پورا کاربند بھی رہے اور تھیوصوفسٹ بھی بنا رہے۔ کیونکہ تھیوصوفی کا اصل منشا تو یہ ہے کہ ہر بانی مذہب کو سخت غلطیوں کا مرتکب قرار دے۔ جب ہم اس امر کو بغور دیکھتے ہیں کہ ذلیل ترین توہم پرستی اور اعلیٰ ترین معقول مذہب لوگوں کی دل و دماغ میں یکجائی طور پر ہمرتبہ رکھنا تھیوصوفی کی تعلیم کا بڑا بھاری اصل ہے تو اس اصل کی بیہودگی صاف عیاں ہوجاتی ہے۔ کیونکہ تھیوصوفی مثلاً ایک بت پرست کو تعلیم دیتی ہے۔ کہ تمہیں بت پرستی پر ہی کفایت اور قناعت کرنی چاہیئے۔ اور کسی اعلیٰ طریق وملت کی تلاش کی ضرورت نہیں۔ اگر دنیا کے دانا لوگ اس جہالت کی تعلیم کے اثر میں دبے رہتے تو تمام مخلوق گندہ ترین اوہام پرستی کے گڑھوں میں آجتک غرق پڑی رہتی۔ یہ تو ویدانتی افراط کا پہلو ہوا۔ اب تفریط کا پہلو جو عیسائی صاحبان کے موجودہ مذہب کی تعلیم کا لب لباب ہے قابل غور ہے۔ یہ بھی ایک نرالا ہی مذہب ہے جو یہ تعلیم دیتا ہے کہ یسوع سے پہلے جو ہزاروں سال سے دنیا آباد تھی اوس میں کسی کو بھی نجات کے طریق سے خدا نے آگاہ نہ کیا۔ پھر جب یسوع پیدا ہوا تو وہ طریق صرف اوسپر ہی منکشف کیا گیا۔ اور اب بھی وہ یسوع کے پوجاریوں کا ہی حق محفوظ ہے۔ اونکے سوائے کوئی شخص نجات نہیں پا سکتا۔ یہ ایسا تنگ ظرفی کا خیال ہے کہ کوئی سمجھدار انسان اسکو ایک لمحہ کیلیے بھی قبول نہیں کر سکتا۔ اسکا ماحصل یہی ہے کہ وہ لاکھوں پاکباز خدا کے قدوس نبی جو یسوع سے پہلے گذرے۔ یہ اونہیں سے کسی کو بھی نجات کی راہ پر قدم دھرنا نصیب نہ ہوا۔ اور سب کے سب اس مقصود عالی سے محروم ہی گذر گئے۔ پس حق اس عیسائی اور ویدانتی افراط وتفریط کے وسط میں ہے۔ اور اس انعام سے خدا تعالیٰ نے صرف دین اسلام ہی مشرف فرمایا ہے۔ اسلامی نجات کسی افراط اور تفریط کے خیال پر مبنی نہیں۔ اسلام کھلے طور پر بیان کررہا ہے کہ وہ راہ جو اس اعلیٰ ترین مقصود تک پہنچاتی ہے ہر زمانہ میں خدا کے پاک اور مقدس بندوں پر منکشف ہوتی رہی۔ لیکن اون کے بعد اونکی امتیں اون صداقتوں میں بہت کچھ کوڑا کرکٹ ملادیتی رہیں اس لیے وہ صداقتیں جو اونہیں ہوتی تھیں بہت تاریک غبار کے نیچے دب جاتی رہیں۔ اور جب جب دنیا سے راستی اور ایمان کا وجود اٹھ جاتا تب تب ہی اللہ تعالیٰ نئے سرے سے اپنے انبیاء کو بھیجکر پھر صداقتوں اور ایمان کو دنیا پر قایم کرتا

اسی طرح جب دنیا کے سارے مذاہب بگڑ چکے تو خدا تعالیٰ نے اپنے کمال فضل سے دنیا پر دین اسلام کو نازل فرمایا
اسلام کا یہ فرض ٹھہرایا گیا کہ ان تمام ادیان میں سے حق و باطل کو الگ الگ کر دکھائے۔ اور گمراہی اور غلط کاری
کی مذمت اور حق کی تبلیغ کرے۔ یہی ایک معتدل اور معقول بات ہے جو خدا کے انصاف کے ساتھ موافقت رکھتی
ہے۔ اسلام اس بات کا معترف ہے کہ خدا تعالیٰ ہر ملک اور ہر قوم میں ہادی اور نبی لوگوں کو نجات کی راہ بتلانے
کے لیے مبعوث فرماتا رہا۔ تمام انبیاء خدا کی توحید کی تعلیم دیتے اور نیک عملوں کی ضرورت سے لوگوں کو متنبہ
کرتے تھے۔ لیکن امتداد زمانہ کے سبب سے انکی تعلیموں میں لوگوں نے بہت کچھ نقص ڈالدیئے حق و باطل کو ملادیا
اسلامی تعلیم کے رو سے دنیا کے تمام بڑے مذہبوں کے بانی خدا کے سچے انبیاء ہی تھے۔ وہ خود صراط نجات کے رہنما
اور رہرو تھے اور لوگوں کو وہ راہ دکھاتے تھے۔ الہامی مذہبوں میں جو اختلاف نظر آرہا ہے اس کی وجہ صرف
یہی ہے کہ پیچھے سے لوگوں نے بعض تعلیمات کو ترک کر دیا اور بعض میں بہت کچھ اپنی طرف سے ملا لیا۔ اس طرح مذہب حقہ
کی صورتوں کو بدلکر اپنے اپنے اوہام سے نئے پیرایے پہنا دیے۔ پھر جب کہ عام طور پر مذہبوں میں غلطیوں اور
نقصوں کا نبیوں کے بعد واقعہ ہوجانا مسلم الثبوت ہے تو تھیوصوفسٹوں کے اس خیال باطل کی اسلام کیسے
تائید کر سکتا ہے کہ ہر مذہب اپنی بگڑی ہوئی حالت اور سچے مذہب سے اتنے بڑے اختلافات پیدا کر لینے کی صورت
میں اس قابل ہو سکتا ہے کہ اوسپر چلنے سے انسان اوس مقصود عالی کو پا سکے۔ پس اسلام نے یہ وسط کی راہ
اختیار کی جس میں نہ تو تھیوصوفسٹوں کی طرح یہ افراط کا پہلو لیا کہ ہر ایک قسم کی توہم پرستی اور بت پرستی پر چلکر
انسان نجات پا سکتا ہے۔ اور نہ ہی عیسائیوں کی طرح اس غلطی میں پڑا کہ خدا کے کل راستباز اور مقدس اور نبی
اور بزرگ ہمیشہ سے نجات کی راہوں سے محروم چلے آئے ہیں اور دنیا کی نجات صرف ایک شخص کی جان پر بعض
حادثات مصیبت کے وقوع پر منحصر ہے جو اونیس سو سال ہوئے گذر چکا ہے۔ قرآن مجید واضح الفاظ میں فرماتا
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں میں نذیر مبعوث کیے۔ پس ہر ایک مسلمان جو قرآن شریف پر ایمان رکھنا
اپنا فرض جانتا ہے وہ یہ بات بھی مانتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ہندیوں۔ فارسیوں اور دوسری
قوموں میں بھی خدا کی طرف سے نبی آئے۔ اور اون کے مذاہب بھی الہام ہی کے ذریعہ سے اونہیں پہنچے۔
اب ان سارے بگڑے ہوئے مذہبوں میں سے عیسائی مذہب ہی ایسا ہے جو سب سے پیچھے آیا۔ پس جب ہم اس مذہب پر
غور کر کے دیکھتے ہیں کہ اس تھوڑے سے عرصہ ہی میں مسیح کی اصلی تعلیم کو عیسائیوں نے کیسا بگاڑ دیا ہے اور
اصل اصول مذہب کو چھوڑ کر طرح طرح کی غلطیوں میں کس طرح مبتلا ہو گئے ہیں تو اس بات کے سمجھنے میں کچھ دقت
باقی نہیں رہتی کہ پہلے نبیوں کی تعلیم کو بھی اونکی امتیں اسی طرح بگاڑتی رہیں اور سچا مذہب جس کی تمام انبیاء
تمام قوموں میں تعلیم دیتے چلے آئے ہیں وہی تھا جس کی تعلیم آخرکار قرآن کریم نے دی۔ پس سچی بات یہی ہے

کہ اصل میں تمام مذاہب خدا کی طرف سے ہی تھے اور ابتدائی حالت میں سچی تعلیم دیتے تھے۔ پھر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا طرح طرح کی غلطیوں اور بدعتوں کا اونمیں دخل ہوتا گیا۔ اپنے ابتدائی زمانوں میں ہر ایک مذہب اپنے متبعین کو اوس اعلیٰ ترین مقصود تک پہنچانیکے لیے کافی تھا۔ لیکن اون کی موجودہ حالتیں ایسی فاسد اور بگڑی ہوئی ہیں کہ غلطیوں اور بدعتوں نے حقایق پر محکم تسلّط کر لیا ہوا ہے۔ اس لیے اونمیں اب وہ طاقت نہیں رہی کہ منزل نجات تک کسی کو پہنچا سکیں۔ دنیا کے تمام موجودہ ادیان میں سے آج صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے۔ جس کے اصول میں غلطیوں اور بدعتوں کو دخل نہیں ہو سکا اور نہ ہو سکے گا۔ اور جس میں سراسر حق اور صدق ہی بھرا ہوا ہے۔ یہ دین ہی منزل نجات تک یقین کے ساتھ پہنچا سکتا ہے۔ اگرچہ بعض امور میں مسلمانوں نے بھی پہلی قوموں کی طرح غلط راہیں اختیار کر لی ہیں لیکن یہ صرف اسلام کی ہی خوش نصیبی ہے کہ اس کی اصلی تعلیم جو قرآن مجید میں درج ہے آجتک ایسی محفوظ چلی آئی ہے کہ معاند منقدوں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس حفاظت کی نظیر دنیا کی اور کسی مذہبی کتاب میں نہیں ملتی۔ وہ تعلیم جیسی حضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اوسی طرح حرفاً حرفاً محفوظ اور موجود ہے۔ اور یہی ایک تعلیم ہے جسکو محفوظ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ اور اعلان کیا ہوا ہے۔ چنانچہ اسی لیے اس آخری زمانہ میں خدا تعالیٰ نے اپنے قدیم وعدوں کے موافق اپنا مرسل مسیح موعودؑ مبعوث فرمایا ہے کہ تا وہ لوگوں میں اسلام کو پھیلادے اور تمام غلطیوں اور بدعتوں سے پاک کرے۔

بعض معترض یہ اعتراض بھی کریں گے کہ اگر یہی بات ہے تو پھر کیا صرف اسلام ہی میں نجات مل سکتی ہے؟ اور کیا ایک ایسی چیز جس کی ہر انسان کو اتنی بڑی ضرورت ہے ہر جگہ سے دستیاب نہیں ہو سکتی؟ دراصل اس قسم کے سوالات اوسوقت ہی دل میں پیدا ہو سکتے ہیں جب انسان نجات کی اصل حقیقت سے ناواقف ہو۔ کاش ہمارے تھیوصوفسٹ دوست اس بات کو سمجھتے کہ نجات کی اصل حقیقت کیا ہے۔ تو پھر ممکن نہ تھا کہ اون کے دل میں ایسے خدشات واقع ہوتے اور اون کی زبان سے ایسے کلمات نکلنے پاتے کہ انسان انسان پرستی اور بت پرستی کے ذریعہ سے بھی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اونکو یہ بھی ایک غلطی لگی ہوئی ہے کہ کسی نہ کسی رنگ میں عبادت کر لینے کو اور نجات کو ہم معنے سمجھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں ہم معنے نہیں۔ نجات حاصل کرنے کے لیے تو خدا تعالیٰ کی سچی معرفت درکار ہے۔ اسی معرفت کی تکمیل سے انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اوس کے برگزیدوں میں داخل ہو سکتا ہے۔ تھیوصوفی اور ویدانت کے ماننے والوں نے سمجھ رکھا ہے کہ تمام اقوام مختلف اسماء سے

اس ایک خدا ہی کی پرستش کر رہی ہیں۔ لیکن وہ ایسا سمجھنے میں ہی غلطی پر ہیں۔ اگر ذات باری کو ہر قسم کی صفات سے معرا سمجھ لیا جاوے تو یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ تمام قومیں ایک ہی خدا کی پرستش کر رہی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام قومیں جو جدا جدا طور پر اپنے اپنے رنگ میں خدا کے نام رکھکر اس کی پرستش کرتی ہیں ان میں سے ہر ایک کا اپنا مفہوم اس کی نسبت جدا ہی ہوتا ہے۔ مگر یہ مختلف مفہوم جو حقیقت الامر سے گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ منزل مقصود تک پہنچانے کیلئے کافی نہیں ہو سکتے۔ صرف ایک ہی چیز ہے جو نجات کی رہنمائی کر کے اس اعلیٰ ترین مقصد کو حاصل کرنیکا صحیح اور یقینی ذریعہ ہو سکتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی سچی معرفت اور اس کے صفات کا صحیح علم ہے۔ اور آج یہ سوائے اسلام کے کسی دین میں پایا نہیں جاتا۔ بنی اسرائیل خدا کی توحید پر ایمان رکھنے والی قوم تھی لیکن مسیح کے مبعوث ہونے سے پہلے ان میں سے معرفت الٰہی گم ہو چکی تھی اور یہی وجہ تھی کہ یسوع مسیح نے آکر انکی مذمت شروع کی اور انکو گمراہ کہا۔ اسوقت بھی وہ خدائے واحد کی عبادت تو کرتے تھے لیکن اس کی معرفت سے خالی ہو گئے تھے۔ اسی ضرورت کو پورا کرنیکے لیے خدا تعالیٰ نے اپنا مقدس نبی مسیح ناصری بھیجا کہ تا انہیں سچی معرفت الٰہی اور نجات کی طرف پھر لاوے۔ ایسا ہی جب حضرت سرور انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ سلم دنیا میں تشریف لائے تو اسوقت عیسائی لوگ طرح طرح کی ظلمتوں اور غلطیوں میں مبتلا ہو رہے تھے اور اس معرفت حقہ کو بالکل کھو بیٹھے تھے جس کی یسوع مسیح نے تعلیم دی تھی۔ قرآن شریف اسبات کی شہادت دیتا ہے کہ اسوقت روئے زمین پر کوئی قوم ایسی نہ تھی جنہیں خدا کا سچا علم اور اسکی معرفت محفوظ رہی ہو۔ جب تمام دنیا ہی بگڑ کر راہ نجات سے دور جا پڑی تو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ملک عرب میں اپنے حبیب پاک پیغمبر برحق سرور کائنات محمد صلعم کو مبعوث فرمایا کہ لوگوں میں حقیقی معرفت الٰہی کو پھیلاویں اور طریق نجات کی طرف رہنمائی کریں۔

محمدؐ است چراغ و امام ہر دو جہاں + محمدؐ است فروزندۂ زمین و زماں
خدا نگویمش از ترس حق مگر بخدا + خدا نماست وجودش برائے عالمیاں + احمد آخر زماں کو اولیں را جائے فخر + آخریں را مقتدا او ملجا و کہف و حصار
اندر آں وقتیکہ دنیا پر ز شرک و کفر بود + ہیچکس را خوں نشد دل جز دل آں شہریار + کشتۂ قوم و فدائے خلق و قربان جہاں + نے بجسم خویش میلش نے بنفس خویش کار
در جہاں از معصیتہا بود طوفان عظیم + بود خلق از شرک و عصیاں کور و کر در ہر دیار + آمر شیاطین را تسلط بود بر ہر روح و نفس + پس تجلی کرد بر روح محمد کردگار +
منت او بر ہمہ سرخ و سیاہی ثابت است + آنکہ بہر نوع انساں کرد جاں خود نثار + یا نبی اللہ توئی خورشید رہہائے ہدیٰ + بے تو نارد رو براہ عارفے پرہیزگار +
یا نبی اللہ لب تو چشمۂ جاں پرور است + یا نبی اللہ توئی در راہ حق آموزگار + عارفاں را منتہائے معرفت علم خفیت + صادقاں را منتہائے صدق عشقت قرار
بے تو ہرگز دولت عرفاں نمی یابد کسے + گرچہ میرد در ریاضتہا و جہد بیشمار + (حضرت مسیح موعودؑ)

تمام ادیان موجودہ میں سے صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس میں خدائے تعالیٰ کی صفات کا صحیح صحیح علم موجود ہے اور اسکی معرفت کے یقینی ذرایع پائے جاتے ہیں اور اس کے سوا کوئی مذہب ایسا نظر نہیں آتا جو صفات الٰہی اور اسکی معرفت کے بارے میں غلطیوں اور خرابیوں سے بھرا ہوا نہ ہو۔ عیسائی دین کے پرستار ساری دنیا کو اپنے دین میں لانیکی بڑی قلموں کی کوشش کیا

اور حیلہ سازیوں میں آج کل کے تمام اہل مذاہب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ لیکن انکا اپنا مذہب بھی ایسی ہی خرابیوں اور غلطیوں سے لبریز ہے اور جو الزام بدترین او ہام پرستی کے مذاہب پر عاید ہوتا ہے وہی عیسائی مذہب پر بھی عاید ہوتا ہے۔ اور تو اور اس نے تو بنی اسرائیل کی تعلیم توحید پر بھی پانی پھیر دیا۔ خدا کی توحید کی بجائے ایک تثلیث کی بنا ڈالی۔ اور ایک خدا کی قدرت کو تین شرکاء کے حوالہ کر دیا۔ اور ایک انسان یعنی یسوع کو خدا قرار دیدیا۔ خدائے تعالیٰ واحد لاشریک کی معرفت اور اس کے صفات کے علم میں یہ ایسی سخت غلطی اور خرابی ہے کہ کوئی بھی اس غلطی میں پڑ کر نجات کی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

مسیح کی آمد ثانی

(مرقومہ مولوی شیر علی صاحب بی اے)

اخبار "اگز یمنر" بمبئی کے پرچہ اگست ۱۹۰۶ء میں ایڈیٹر صاحب نے ایک مسلمان نامہ نگار کی مراسلت پر حاشیہ افزائی میں قلم فرسائی کرتے ہوئے مسیح کی آمد ثانی کے متعلق بعض عجیب خیالات ظاہر کیے ہیں۔ میں نے انکے حواشی کو بنظر غور مطالعہ کیا ہے۔ انہیں پڑھکر مجھے سخت مایوسی ہوئی کیونکہ بجائے اس کے کہ کسی حق جو کو ان سے کچھ ہدایت اور فایدہ متصور ہو اُلٹا وہ اُسکو ایک گورکھ دھندے میں ڈالکر اسکے دماغ کو چکر دینے کا موجب ہیں۔ ان حواشی کو پڑھنے سے انسان جن نتایج تک پہنچ سکتا ہے انکو میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

اوّل۔ بقول اسکے زلزلوں۔ وباؤں قحطوں اور جنگوں کے متعلق یسوع کی پیشگوئیاں مبہم اور مشتبہ المعانی ہیں۔ پھر یسوع کے دوبارہ نزول کے نشانات کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ "بہرحال یہ بھی مبہم آثار ہیں۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ جس میں ایسے حوادث واقع نہوئے ہوں...... کوئی صدی ایسی نہیں کہ جس میں مذہبی لوگوں میں یہ اعتقاد کامل طور پر راسخ نہ ہوا ہو کہ مسیح کے آنیکے سارے نشانات پورے ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں" دوم۔ یہ کہ جس قسم کے معجزات سچے نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں وہ جھوٹے نبی بھی دکھا سکتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص سچی پیشگوئیاں کرے اور پھر بھی وہ جھوٹا نبی ہی ہو۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے کہ "اگر ہم مان بھی لیں کہ میرزا غلام احمد صاحب نے بعض ایسی پیشگوئیاں کی ہیں جو اپنے وقوع میں سچی اور کامیاب نکلیں۔ تو اس سے تو خداوند یسوع مسیح کی بات پوری ہوتی ہے کہ جھوٹے نبی اُٹھیں گے اور بڑے نشان اور اعجوبے دکھائیں گے جن سے خدا کے برگزیدے بھی دھوکہ کھا جائیں گے۔ علاوہ بریں ہوا زمین اور سمندر کے نشان ایسے مبہم ہوتے ہیں کہ ان سے کچھ بھی ہدایت نہیں مل سکتی۔ پیشگوئیاں اعتراضوں سے خالی نہیں ہو سکتیں کیونکہ ان دنوں بہتیرے جھوٹے نبی بھی ہوں گے اور سچے نبی بھی ہوں گے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ صرف اُس نبی کو ہی جھوٹا

سمجھا جائے جس نے ایسی پیشگوئیاں کی ہوں جو پوری نہ ہوں۔ سوم۔ یہ کہ یسوع کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کی تعبیر لفظی ہی کرنی چاہیئے اور ایلیا کے دوبارہ آنیکی پیشگوئی پر یسوع کی آمد ثانی کی پیشگوئی کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ وہ صرف آدمی تھا اور یسوع خدا۔ عادل اور شفیع تھا"

یہ وہ تین نتیجے ہیں جو اگزیمنر کے مطالعہ کرنیسے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اب میں آگے چلکر یہ بات ثابت کرنیکی کوشش کرونگا کہ کسطرح انسے ایک طالب حق بجائے راہ ہدایت پانیکے اُلٹا گمراہ ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یسوع نے زلزلوں اور وباؤں وغیرہ کے متعلق جو پیشگوئیاں کی تھیں اور جو اناجیل میں درج ہیں وہ کسیقدر مبہم ضرور ہیں۔ کیونکہ ان حوادث کی شدت اور صراحت کے مدارج واضح طور پر بیان نہیں کیے گئے۔ لیکن یہ راوی کا قصور ہے جس نے انکو ایسے مبہم الفاظ میں بیان کیا ہے اس میں یسوع کا قصور نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ انجیلوں کے لکھنے والوں کی نسبت جہانتک معلوم ہوسکا ہے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے یسوع کے الفاظ کو امانت اور احتیاط سے نقل نہیں کیا۔ یہ ظاہر ہے کہ یسوع نے ان واقعات کو معمولی طرز میں بیان نہیں کیا تھا۔ کیونکہ معمولی وضع میں یہ واقعات ایسے معمولی ہیں کہ ہر روز مرّہ وقوع ہوتے رہتے ہیں۔ اسلیے انکو بمنزلہ نشانات نہیں سمجھا جاسکتا۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ یہ الفاظ بطور پیشگوئی بیان ہوئے تھے تو ساتھ ہی ہمکو یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ یسوع کی مراد انسے کوئی غیر معمولی حوادث تھے جنکو دوبارہ نزول مسیح کا نشان ٹھہرایا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ انسے مراد معمولی حوادث ہیں اور ان معمولی حوادث کے وقوع سے ہی پیشگوئی کا پورا ہونا متصور ہے تو اس سے یسوع کے ذمہ اس بات کا الزام عاید ہوتا ہے کہ اس نے ایسی باتوں کو پیشگوئیوں کے نام سے بیان کیا کہ جنکو پیشگوئی کہنا ہی سخت ظلم ہے۔ "اگزیمنر" کے ایڈیٹر صاحب ان پیشگوئیوں کو مبہم قرار دیکر اپنے آقا یسوع مسیح پر خود یہ الزام قایم کرتے ہیں اگر عیسائی مشنریوں کو یہ خواہش ہو کہ یسوع مسیح کو اس الزام سے چھڑائیں کہ اس نے مبہم پیشگوئی کی۔ تو انہیں چاہیئے کہ اس بات کو قایم کریں کہ یہ تمام باتیں جو یسوع نے بیان کی تھیں غیر معمولی رنگ کے واقعات کے متعلق تھیں۔ اس پیشگوئی کو اس طرز پر مطالعہ کرکے ہمیں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسکو پورا ہونیکے لیے خدا نے اسی زمانہ کو مقدر کیا ہوا تھا۔ یہ پیشگوئی اس زمانہ میں بہت عجیب طریق سے پوری ہوئی۔ چنانچہ اخبار پایونیر کا فاضل ایڈیٹر اُن حوادث کا ذکر کرکے جو سال سنہ ۱۹۰۶ء کے ابتدائی مہینوں میں واقع ہوئے تھے لکھتا ہے کہ "ایسے دہشتناک عالمگیر تہلکے کی مثال پہلی صدی مسیحی سے لیکر آجتک کہیں پائی نہیں جاتی" (دیکھو پایونیر ۲۲۔ اپریل سنہ ۱۹۰۵ء)۔ اس کیفیت سے صاف عیاں ہو رہا ہے کہ زلزلوں وغیرہ کے متعلق مسیح کی پیشگوئی پہلی دفعہ اس زمانہ میں واقع ہوئی۔ اور مسیح کی وفات کے بعد سے آجتک جو قریب دو ہزار سال کا زمانہ ہے اس طویل مدت میں کوئی ایسا حادثہ نہیں گذرا جو اسکا ثانی ہوسکے۔ ان زلزلوں اور مصایب کا ایک غیر معمولی اور نہایت خطرناک صورت میں آنا ہی ایسے امور ہیں جو ہمیں اس بات کے ماننے پر مجبور کرتے ہیں کہ ان حوادث سے یسوع مسیح کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور اگر یہ فوق الطاقت اور غیر معمولی انداز حوادث درمیان سے اُڑا دیا جائے تو پھر یہ صرف معمولی روزمرّہ

کی پیش آمد باتیں رہ جائیں گی جن کو پیش گوئی سمجھنا نادانی ہے۔ اور اسطرح نہ صرف یسوع کی اُس عزت میں فرق آئیگا بلکہ سارے مسیحی دین کے حامیوں اور راویوں اور مفسروں اور کتابوں کی بھی وقعت اُٹھ جائیگی گو اور بھی بہت ساری باتیں اس بات کے ثبوت کی مؤید ہیں۔ لیکن واقعات عالم پر نگاہ کر کے اور تمام معتبر شہادات اور نشانات پر غور کر کے یہی بات قرار دینی پڑتی ہے کہ یسوع کی پیشگوئی کے ظہور کا یہی وقت ہے۔ ہاں البتہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ وہ جس کے ظہور کا زمانہ پہنچا ہوا ہے کہاں ہے تو اس بات کا پتہ ہم دیتے ہیں کہ وہ قادیان میں نازل ہو چکے ہیں اور انکا مبارک نام میرزا غلام احمدؑ ہے۔ جو تمام نشانات کے ساتھ اس منصب پر مبعوث ہوئے ہیں۔

(الف) یسوع مسیح کی باتیں اس زمانہ کے حالات پر ٹھیک طور سے صادق آتی ہیں۔ مثلاً جیسے یسوع نے کہا ہے کہ "قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھ آویگی اور جگہ بجگہ بڑے بڑے بھونچال آویں گے۔ اور مری اور کال پڑیگا" لوقا ۲۱/۱۰ ایسا ہی متی ۲۴/۷ میں بھی یہی مضمون درج ہے تو پھر کیا ان الفاظ میں ان ایام کا خاکہ نہیں کھنچا ہوا جبکہ ساری دنیا کے مختلف مقامات میں قحطوں۔ وباؤں اور زلزلوں کی مصیبتیں احاطہ کر رہی ہیں؟ کیا کوئی شخص تواریخ میں کوئی ایسا زمانہ پیش کر سکتا ہے کہ جس میں اس قسم کے غیر معمولی حوادث مجموعی طور پر نوع انسان نے دیکھے ہوں۔ اور جس میں یسوع کی پیشگوئی ایسی صفائی اور وضاحت کے ساتھ پوری ہوئی ہو۔ پھر لطف یہ ہے کہ جسطرح یسوع کے الفاظ میں یہ واقعات متصل بیان ہوئے ہیں اُسی طرح انکا وقوع بھی یکبارگی متواتر اور تھوڑے عرصہ میں ہوا۔ یسوع نے متی ۲۴/۲۲ میں یہ بھی کہا ہے کہ "اور اگر وے دن گھٹائے نہ جاتے تو ایک تن بھی نجات نہ پاتا" کیا یہ بات طاعون پر صادق نہیں آتی جو ہندوستان میں تباہی پھیلا رہی ہے؟ جس شدت اور غضب کے ساتھ ہر سال طاعون پھوٹ نکلتی ہے اُسے دیکھکر ہر آدمی بے ساختہ بول اُٹھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اگر یہ دن کم نہ کیے جاویں تو ایک متنفس بھی اس سے نجات نہیں پا سکتا۔ ایسا ہی یہ الفاظ آج کل کے کثرت زلازل پر بھی صادق آ رہے ہیں جسے خود ایڈیٹر صاحب اگزیمنر زلزلوں کی وبا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ ابھی تو یہ اُس وبا کی چھوٹی سی ابتدا ہوئی ہے۔ گذشتہ زلزلوں سے جسقدر تباہ کن خرابیاں دنیا میں واقع ہوئی ہیں وہ اُن خرابیوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں جو دنیا پر آنیکے لیے پردۂ تقدیر میں ابھی مقدر ہیں۔ وہ دن دور نہیں کہ جب ہر متنفس کے مُنہ سے یہی نکلے گا کہ "اگر یہ دن گھٹائے نہ جاویں تو ایک متنفس بھی نجات نہیں پا سکتا"۔ مسیح موعودؑ نے خدائے تعالیٰ سے الہام پا کر یہ پیشگوئی شائع کی ہوئی ہے کہ ایک ایسی تباہی دنیا پر آنیوالی ہے کہ جسکی مثال نہ پہلے زمانوں میں ہے اور نہ آیندہ کبھی ہوگی۔ اُنہوں نے بہت سے زلزلوں میں ایک بڑی خطرناک اور وحشت انگیز زلزلہ کی خبر دی ہوئی ہے کہ جس کی مانند جب سے تاریخ شہادت دیتی ہے کبھی واقع نہیں ہوا اور نہ آیندہ کبھی ہوگا۔ قرآن شریف میں بھی اس زلزلہ کی پیشگوئی موجود ہے یاایھا الناس اتقوا ربکم۔ ان زلزلة الساعة شیٴ عظیم۔ یوم ترونھا تذھل کل مرضعة عما ارضعت وتضع

كل ذات حمل حملها وترى الناس سكارىٰ وما هم بسكارىٰ ولكن عذاب الله شديد (الحج) ترجمہ "لوگو! اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرو۔ کیونکہ موعود گھڑی کا زلزلہ ایک بڑی سخت مصیبت ہوگی جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانیوالی ماں ڈر کے اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیگی۔ اور جتنی حمل والیاں ہونگی سب کے حمل گر پڑیں گے اور مارے بدحواسی کے لوگ متوالے نظر آئیں گے۔ حالانکہ وہ متوالے نہ ہوں گے بلکہ خدا کا عذاب جو بہت سخت ہے اس کے خوف سے لوگ بدحواس ہو رہے ہونگے۔" قرآن شریف میں آنیوالے خطرناک زلزلہ کے متعلق صرف یہی آیت نہیں بلکہ اور بھی کئی آیات ایسی ہیں جن میں آنیوالے زلزلہ کی خبر دی ہوئی ہے۔ خدا کا کلام جو مسیح موعودؑ پر نازل ہوا اُس سے ہمیں علم حاصل ہوتا ہے کہ وہ خوفناک دن جس میں یہ قرآنی پیشگوئی پوری ہونیوالی ہے بہت قریب پہنچ گیا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس زلزلہ کو حضرت مسیح موعودؑ خود بھی دیکھیں گے جنکی عمر اسوقت ستر برس کے قریب پہنچ چکی ہے۔ یسوع مسیح کے ان الفاظ سے بھی یقینی طور پر یہی زلزلہ مراد تھی اُس نے کہا ہے "پر انپر افسوس جو ان دنوں پیٹ والیاں اور دودھ پلانے والیاں ہوں"۔ کیونکہ یسوع مسیح کے یہ الفاظ قرآن شریف کے اُس بیان کے ساتھ ملتے جلتے ہیں جو آنیوالے زلزلہ کے متعلق مذکور ہیں۔

(پ) یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صرف انجیل ہی ایسی کتاب نہیں کہ جس میں مسیح کے دوبارہ نزول کی پیشگوئی درج ہو۔ یہ پیشگوئی تو قرآن شریف اور احادیث میں بھی درج ہے۔ بلکہ ان میں تو یہ انجیل کی نسبت بہت وضاحت اور عمدگی کے ساتھ مندرج ہے۔ پیغمبر خدا حضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اُن نشانات کی ہی وضاحت اور تعیین کی ہے جو انجیل میں گول مول اور مبہم پیرایہ میں درج تھے۔ بلکہ آپ نے مسیح کی دوبارہ آمد کے متعلق اور بھی بہت سارے کھلے کھلے نشانات جن میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجایش نہیں بیان فرمائے جو صفائی سے پورے ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ دراصل دوبارہ آمد کے متعلق انجیل کی مبہم باتیں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی کھلی پیشگوئیوں کے بالمقابل ہیچ نظر آتی ہیں۔ یہ ایک مسلّم امر ہے کہ جب کسی پیشگوئی کا کھلے طور پر پورا ہونا ثابت ہو جائے تو ہر شخص پر اُسپر ایمان لانا واجب ہو جاتا ہے۔ اسوقت اس بات کے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ کس کے مُنہ سے یہ پیشگوئی نکلی تھی۔ مثلاً اگر مسیح کی کوئی پیشگوئی اس زمانہ میں بیّن طور پر پوری ہو تو اگرچہ آریہ سماجیوں اور بدھ لوگوں نے مسیح کو پہلے کبھی سچا نبی نہیں مانا۔ لیکن اُنپر اس کی اس پیشگوئی کی سچائی کا ماننا ضروری ہوگا جو اُنہوں نے واقع ہوتی دیکھ لی ہے۔ اسی طرح اگر ہمارے نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ کی کوئی پیشگوئی جو ۱۳۰۰ برس پہلے کی بیان فرمائی ہوئی ہے۔ صاف اور واضح طور پر اسوقت پوری ہوتی دیکھی جاوے تو عیسائیوں کو حق نہیں پہنچ سکتا کہ وہ محض اس خیال سے اسے رد کر دیں کہ وہ مسلمانوں کے پیغمبر صلعم کے مُنہ سے نکلی ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پیشگوئیاں جو مسیح کے دوبارہ نزول کے بارے میں تھیں۔ اس زمانہ میں پوری ہو رہی ہیں۔ اور انکے پورا

ہونیسے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ چونکہ سچی پیشگوئی سچا نبی ہی کرسکتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پیشگوئیاں سچی ثابت ہوئیں اس لیے آپ سچے نبی ہیں اور اپنے منجانب اللہ ہونے کے تمام دعووں میں راستباز۔ دوم۔ یہ کہ حضرت مسیح موعود اپنے تمام دعاوی میں برحق ہیں۔ کیونکہ انکی بعثت سے تمام نشانات اور پیشگوئیاں جو مسیح کی دوبارہ آمد کے متعلق ہیں پوری ہوئی ہیں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعودؑ کے بارے میں جسقدر نشانات بیان فرمائے ہیں اُن سب کو یہاں درج کردیتا۔ اور یہ دکھلاتا کہ کس کس طرح وہ سب پورے ہوچکے ہیں لیکن قلّت گنجایش مانع ہے۔ پھر بھی ناظرین کی آگاہی کے لیے اسجگہ مَیں اُس ایک ہی پیشگوئی کے بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جسکا حوالہ اناجیل میں بھی ہے اور جس کی بنا پر اگرمینز کے ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ مَیں حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کے دعوے کو اُسوقت تک نہیں مان سکتا جب تک کہ انکی صداقت کا کوئی نشان آسمان پر مجھے نہ دکھایا جائے۔ مجھے معلوم نہیں کہ ایڈیٹر صاحب نے یہ بات کس دل سے لکھی ہے۔ اگر انہوں نے حق پژوہی کی فطرتی تحریک سے لکھی ہے تو مَیں انکو اس فیصلہ کے لیے زیادہ انتظار میں نہیں چھوڑتا۔ شاید ایڈیٹر صاحب نے بھی کبھی سنا ہوگا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یہ بھی پیشگوئی ہے ...... کہ ہمارے مسیح موعود یا مہدی کے زمانہ میں آسمان پر عظیم الشان نشان اسکی تصدیق کے لیے ظاہر ہوگا۔ اور وہ نشان یہ ہوگا کہ رمضان کے مہینے میں چاند کو گرہن لگنے کی پہلی رات اور سورج کو گرہن لگنے کے دنوں میں سے درمیان کے دن گرہن لگیگا۔ یعنی ایک ہی ماہ رمضان میں ۱۳ تاریخ کو چاند اور ۲۸ تاریخ کو سورج کا گرہن ہوگا۔ یہ عظیم الشان نشان آسمان پر ماہ رمضان المبارک ۱۳۱۱ ہجری مطابق ۱۸۹۴ عیسوی کو ظاہر ہوا۔ یہ وہی نشان تھا جو متی ۲۴ میں درج ہے کہ "تب ابن آدم کے لیے آسمان پر نشان دکھایا جائیگا" یہ یقینی امر ہے کہ انجیل متی کی آیت سے مراد یہی نشان ہے۔ اور اس بات کی تصدیق انجیل کی اس آیت سے بھی بہت اچھی طرح ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ "ان دنوں ترت سورج اندھیرا ہوجائیگا اور چاند روشنی نہیں دیگا" اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہی نشان ابن آدم کے لیے آسمان پر ظاہر ہونیوالا تھا جسکو دنیا نے دیکھنا تھا۔ یہ پیشگوئی جو کسوف و خسوف کے متعلق ہے تیرہ سو برس سے آنحضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلعم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہے۔ اور نہایت عمدگی اور صفائی کے ساتھ اُنہیں تاریخوں میں واقع ہوئی ہے جو حضور ممدوح صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھیں۔ اور اسکا وقوع آسمان پر ہوا جہاں ہر ایک آدمی اسکو دیکھ سکتا تھا اور کسی طرح سے شک کی گنجایش نہیں ہو سکتی تھی۔ ایسے بدیہی اور بیّن نشان سے عیسائی صاحبان انکار نہیں کرسکتے ......

...... اور نہ ہی کوئی اس بات سے انکار کرسکتا ہے کہ متی ۲۴ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(ج) یہودی اور مسیحی حلقوں میں یہ بات مانی جاتی ہے کہ مسیح موعودؑ کا نزول آدم علیہ السلام سے ساتویں ہزار میں واقع ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اب آدم علیہ السلام سے ساتواں ہزار جارہا ہے۔ اس لیے یہی وقت مسلّم طور پر ظہور مسیح موعودؑ کا ہے۔ خدا نے دنیا کو چھ دنوں میں بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ لیکن زبور ۹۰ اور قرآن شریف کے رو سے ثابت ہے کہ خدا کا

ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چھ ہزار سال تک تو دنیا مشقت اور محنت میں گذاریگی اور ساتویں ہزار میں جو سبت اور آرام کا دن مقرر تھا۔ اس میں خدا کے بندے مسیح موعودؑ کی بادشاہت میں امن اور آرام سے بسر کریں گے۔ یہ ساتواں ہزار ابھی شروع ہوا ہے۔ اور اگر مسیح موعودؑ اسوقت ظاہر نہ ہو تو پھر اسکا ظاہر ہونا ہی محال اور ناممکن ہے

(د) عیسائیوں کے حساب کے مطابق بائبل کی پیشگوئیوں کے رو سے بھی یہی وقت مسیح موعودؑ کے ظہور کا ثابت ہوتا ہے۔ عیسائیوں کی طرف سے کئی رسالے اور کئی کتابیں اسی مضمون پر لکھی اور شایع کیگئی ہیں جنہیں بڑے وثوق کے ساتھ بائبل کی پیشگوئیوں کے مطابق یہی زمانہ ظہور مسیح موعود کا قرار دیا گیا ہے۔ مَیں اسجگہ ان بہت ساری کتب ورسائل میں سے صرف ایک ہی کا حوالہ دیتا ہوں جسکا نام "ملینل دان" ہے۔ یہ کتاب ۱۸۸۹ء میں شایع ہوئی ہے۔ فاضل مصنف نے اس میں بڑے غور و فکر سے بائبل کی پیشگوئیوں پر تدبر کر کے نہایت تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ مسیح موعودؑ کا ظہور ۱۸۷۳ء میں ضرور ہوگا۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اسوقت سے لیکر ۱۹۱۴ء تک وہ اپنے مقدسوں کو جمع کرتا رہیگا۔ اور تب اسکی بادشاہت ایسی مضبوط طور پر قایم ہو جائیگی کہ جسکو سارے لوگ دیکھ سکیں گے۔ لیکن اسوقت سے پہلے اسکو سوائے چند خاص برگزیدوں کے کوئی نہ پہچانیگا۔

(ہ) دانیال نبی کے ۱۲ باب کی آخری آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ ۱۲۹۰ ہجری میں ظاہر ہوگا۔ اور ۴۵ سال تک اسکا دور دوراں رہیگا۔ ان آیات میں وہ جملہ جسکا ترجمہ "اور وہ مکروہ چیز جو خراب کرتی ہے قایم کیجائیگی" کیا گیا ہے دراصل اس کے معنے یہ ہیں کہ بُت توڑے جائینگے۔ اصل عبرانی میں یہ الفاظ ہیں (ولطیط شقوس) یعنی اور بُت توڑ دیے جائینگے۔ یہ آنحضرت فخر موجودات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ آپ ہی کے عہد رحمت مہد میں بت توڑے گئے۔ اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مسیح موعودؑ کا ظہور بھی اُسی زمانہ میں ہوا جو اس پیشگوئی میں درج ہے یعنی سب سے پہلے ۱۲۹۰ ہجری کے قریب ہی انہوں نے دعوی ماموریت کیا۔ انہوں نے یہ بھی پیشگوئی کی کہ میرا زمانہ ۴۰ سال کے قریب ہوگا۔ پھر جب ہم عیسائیوں کی اسبات پر غور کرتے ہیں کہ وہ بھی بائبل کی دوسری آیت کی بنا پر مسیح موعود کے نزول کا یہی زمانہ شمار کرتے ہیں تو اس آیت کے ان معنوں کو اور بھی تقویت پہنچتی ہے۔

متی ۲۴/۲۴ میں مسیح سے منقول ہے کہ "کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اُٹھینگے اور ایسے بڑے نشان اور کرامتیں دکھاویں گے کہ اگر ہو سکتا تو وے برگزیدوں کو بھی گمراہ کرتے" اب مَیں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ان الفاظ کو کیا وقعت حاصل ہے۔ راقم اگزیمنر اسی آیت کی بنا پر حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے سے انکار کرتا ہے۔ لیکن یہ دیکھنا ضروری ہے کہ حقیقت میں اس پیشگوئی سے مراد کیا ہے؟ کیا اس کے یہی معنے ہیں کہ ہم کسی نبی کو نہ مانیں خواہ اس کے ہاتھ سے کیسے ہی سچے اور عیاں معجزات بھی ظاہر کیوں نہ ہوئے ہوں؟ کیا اس کا یہی مطلب ہے کہ ایسے نبی سے بھی انکار ہی کیا جائے جس کے ہاتھ سے ایسے معجزات ظاہر ہوئے ہوں جو سچے نبیوں سے ہی ہو سکتے ہیں؟ کیا وہ نشانات جن کے ظہور سے سچے نبی شناخت کیے

جاتے ہیں جھوٹے نبی بھی دکھا سکتے ہیں؟ اگر یہی حال ہے تو پھر سچے اور جھوٹے نبیوں کی شناخت میں فرق کیا اور کہاں ہے؟ اور اس بات کا بھی پھر کیا ثبوت باقی رہتا ہے کہ انبیائے سابقین جن کی صداقت پر ایمان لایا جا چکا ہے حقیقت میں صادق ہی تھے؟ جبکہ وہی نشان جو انبیائے سابقین کے ہاتھوں سے ظاہر ہوئے اور انکی شناخت اور تصدیق کا ثبوت ٹھہرائے گئے وہ نبوت کے جھوٹے مدعیوں سے بھی ظاہر ہو سکتے ہیں تو اس بات کو کیوں مانا جائے کہ وہ لوگ برحق نبی تھے اور یہ جھوٹے؟ یہ مسیحی ایڈیٹر صاحب تو ایسے بیباک نکلے ہیں کہ انہوں نے سچے اور جھوٹے نبیوں کی شناخت کے علم کے سر پر پانی پھیر دیا ہے۔ اور یہ قرار دیدیا ہے کہ پہلے نبیوں نے جو نشان دکھائے تھے اور جنپر انکی صداقت کا مدار سمجھا گیا تھا وہ بیسویں صدی کے جھوٹے نبی بآسانی دکھا سکتے ہیں۔ پھر جبکہ یہی حال ہے تو سچے اور جھوٹے نبی میں امتیاز اور شناخت کا کونسا معیار باقی رہتا ہے۔ اسطرح تو سارے پہلے نبی جھوٹے ہی قرار پاتے ہیں۔ اگر یسوع کی اس کلام کا مطلب یہی ہے کہ ہر ایک مدعی نبوت کا بلا امتیاز انکار ہی کیا جائے خواہ اسکی تائید میں کیسے ہی زبردست اور بین نشانات کیوں نہ ظاہر ہوئے ہوں۔ تو اس کی یہ بات نہایت ہی قابل نفرت اور مضر ہے۔ کیونکہ یہ تو پہلے سچے نبیوں کو جھوٹا قرار دینے کے لیے ایک وجہ بنتی ہے۔ اور اسطرح یہ کلام سچے اور جھوٹے اور کاذب و صادق میں سے تمیز اٹھا دیتا ہے اور سچ اور جھوٹ کو مخلوط کر دیتا ہے۔ اگر وہ نشانات جو سچے نبیوں نے دکھائے جھوٹے نبی بھی دکھانے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور سچے کو جھوٹے نبی سے تمیز اور شناخت کرنیکے لیے کوئی معیار موجود نہیں تو پھر خود عیسائیوں کے ہاتھ میں یسوع کی صداقت کی کونسی دلیل باقی رہ جائیگی اور کیوں یہودیوں کو مسیح کے جھوٹا ٹھہرانے میں حق پر نہ مانا جاوے؟ اول تو یسوع کے جو معجزات بیان کیے جاتے ہیں۔ وہ نرے خوش اعتقادوں کے بنائے ہوئے قصے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ کوئی تاریخی ثبوت اسبات کا پیش نہیں کیا جاتا کہ جن باتوں کے ظہور کا یسوع سے بطور معجزہ دعویٰ کیا جاتا ہے وہ کبھی دنیا میں واقع بھی ہوئی تھیں۔ لیکن اگر فرض محال کے طور پر انکے وقوع کو مان بھی لیا جائے تو بھی ایڈیٹر صاحب "اگزیمنر" کے اصول کے مطابق وہ یسوع کی سچائی کا کسی طرح ثبوت نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انکا اپنا بیان ہے کہ ایسے معجزات جھوٹے نبی بھی دکھا سکتے ہیں۔ پس مسیح کے سچا نبی ہونے کے لیے کوئی امتیازی نشان باقی نہیں رہ جاتا اور یہودیوں کی شہادت اسکے کذب پر ناطق ٹھہرتی ہے۔

افسوس تو یہ ہے کہ پادری صاحبان ایسے تعصب کی تاریکی میں پھنسے ہوئے ہیں کہ حق کے دیکھنے کی طرف مائل بھی نہیں ہوتے۔ انکی یہ عادت ہوگئی ہے کہ وہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب کو بے سوچے سمجھے جھوٹا نبی کہدیتے ہیں اور یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ یہ اسی طرح کا جھوٹا نبی ہے جنکی نسبت یسوع نے کہا ہوا ہے کہ بتیرے جھوٹے مسیح اٹھیں گے اور بڑے بڑے نشانات دکھائیں گے۔ جب ان لوگوں کے منہ سے یہ باتیں سنی جاتی ہیں تو انکی حالت پر رونا آتا ہے۔ ہم انسے اتنا دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا جھوٹے ہی آتے رہیں گے یا کوئی سچا بھی آئیگا؟ اور کیا سچے اور جھوٹے نبی کی

شناخت کے لیے کوئی معیار ہے بھی کہ نہیں؟ اور کیا ساری بائبل ایسی نکمی ہے کہ کسی مدعی نبوت کی صداقت پرکھنے کے لیے کوئی محک پیش نہیں کرتی؟ کیا یسوع کی اتنی بات کہ بہتیرے جھوٹے نبی آئیں گے اور حیرت انگیز نشانات دکھائیں گے" اسبات کے لیے کافی ہوگئی ہے کہ ہر ایک مدعی نبوت کا بے سوچے سمجھے انکار کر دیا جائے؟ کیا انسان میں اتنی عقل بھی نہیں رہی کہ ایک مدعی نبوت جو دلایل اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتا ہے انپر غور کرے اور اپنے لیے فیصلہ کرے کہ آیا وہ مدعی سچا ہے یا جھوٹا؟ کیا ہر ایک مدعی نبوت کا بے سوچے سمجھے انکار کرنا اور اس کے دعاوی اور دلایل کی طرف بالکل آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھنا اور نہ انکی طرف کان دھرنا اور نہ ہی کچھ غور کرنا عیسائیوں کے آقا یسوع کی وصیت ہے؟ کیا سچے اور جھوٹے میں امتیازی نشان کوئی نہیں؟ اگر کوئی نشان ایسے نہیں تو عیسائی کسطرح ایمان رکھتے ہیں کہ یسوع جھوٹا نبی نہ تھا؟ اگر ایسے نشانات کا ہونا ممکن ہے تو کیوں ذرا تامل اور غور سے نہیں دیکھتے کہ آیا حضرت میرزا غلام احمد صاحب کی تائید میں اس قسم کے نشانات ظاہر ہوئے ہیں کہ نہیں؟ پھر اگر وہ اسطرح جھوٹے ثابت ہوں تو پادریوں کا فرض ہے کہ ان تمام علامات کو ظاہر کرکے جو سچے نبی کو جھوٹے نبی سے تمیز کرنیکے لیے مقرر ہیں دنیا کو انکے جھوٹے نبی ہونیکا ثبوت دیں۔ صرف منہ سے اتنا کہدینا کہ وہ جھوٹا نبی ہے بڑی بھاری بیباکی ہے۔ پھر راقم اگزیمنر نے ایک اور بیہودہ بات لکھی ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے ایسی پیشگوئیاں کی ہیں جن کے پورا ہونے میں انکو کامیابی حاصل ہوئی تو بھی وہ سچے نہیں مانے جاسکتے۔ کیونکہ یسوع نے کہا ہوا ہے کہ "بہتیرے جھوٹے نبی اٹھیں گے اور حیرت انگیز نشان دکھائیں گے"۔ پھر یہ لکھا ہے کہ پیشگوئیاں قابل اعتراض ہیں۔ کیونکہ ان دنوں جھوٹے نبی بھی ہوں گے اور سچے نبی بھی ہوں گے۔ اور کسی مدعی نبوت کی پیشگوئیوں کا جھوٹا نکلنا اسکے کذب دعوی پر دال نہیں ہوسکتا۔ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جن سے بائبل کی بیخ و بنیاد اکھڑ جاتی ہے۔ اگر یسوع کے کلام کے وہی معنے سمجھے جائیں جو ایڈیٹر اگزیمنر نے بیان کیے ہیں تو پھر یسوع کی باتیں چونکہ گمراہ کرنیوالی ہیں اور خدا کے کلام سے جو موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء پر نازل ہوا تھا مخالف ہیں اس لیے قطعی طور پر مردود ہیں۔ اس اخبار کے رو سے سچے نبی کو جھوٹے نبی سے تمیز کرنیکے لیے کوئی محک نہیں۔ یہانتک کہ کسی مدعی نبوت کی پیشگوئیوں کا سچا ہونا اسکی صداقت کی دلیل نہیں اور اسکی پیشگوئیوں کا جھوٹا ہونا اس کے کذب پر دلیل نہیں۔ انکے نزدیک جھوٹے نبی بھی سچی پیشگوئی کرنیکی قدرت رکھتے ہیں۔ یہ کیسی شرمناک بات ہے کہ مسیحی مشنری بائبل سے ایسی ناواقف ہیں۔ بائبل میں تو کھلے طور پر سچے اور جھوٹے نبی کی شناخت کے آثار لکھے ہیں۔ اس میں صاف لفظوں میں لکھا ہوا ہے کہ سچی پیشگوئی کے معجزے جھوٹے نبیوں سے صادر نہیں ہوسکتے۔ لیکن یہ بیسویں صدی کچھ ایسی آئی ہے کہ اس کے مسیحی مشنری جو بائبل اور گذشتہ نبیوں کی تواریخ سے واقفیت کے مدعی ہیں کہتے ہیں کہ سچے اور جھوٹے نبیوں کو شناخت کرنیکے لیے کوئی محک موجود نہیں۔ پیشگوئیاں محض مبہم ہوتی ہیں اور ان سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ اور جھوٹے نبی بھی ایسے معجزے دکھا سکتے ہیں۔ جو سچے نبیوں کی صداقت کا نشان ہوتے ہیں۔ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی یہ بات خیال میں نہیں لاتے

کہ اگر سچے اور جھوٹے نبی کو پہچاننے کے لئے کوئی معیار موجود نہیں تو سچے نبیوں کو جن میں یسوع کو بھی وہ شامل کرتے ہیں
کس ثبوت پر سچا مانا جا سکتا ہے۔ افسوس کہ تعصب اور جہالت نے ایسا احاطہ کیا ہوا ہے کہ لوگ سچی بات کو اپنی توہم پرستی اور
انسان پرستی کے نقصوں کو چھپانیکے لئے ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ یا انکی سمجھ ہی ایسی مسخ ہو گئی ہے کہ وہ اُن حقایق سے انکار
کرنے پر جلد آمادہ ہو جاتے ہیں جو ان کے مسلمات میں داخل ہوتی ہیں۔ مثلاً عیسائی صاحبان کی حالت اس موقع پر
غور کرنیکے قابل ہے۔ میں اسجگہ ناظرین کو یہ بات دکھاتا ہوں کہ عیسائیوں کے مذکورہ بالا اعتقاد کے برخلاف بائبل
میں سچے اور جھوٹے نبیوں کو شناخت کرنیکا معیار موجود ہے۔ اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جھوٹا نبی وہی ہوتا ہے جس کی
پیشگوئی پوری نہیں ہوتی۔ میں اس بات کے ثبوت میں کتاب استثنار کی وہ آیات پیش کرتا ہوں جن کے پڑھنے سے صاف
الفاظ میں میری بات ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ استثنار ۱۸/۲۰-۲۲ میں لکھا ہے "لیکن وہ نبی جو گستاخی کرے کہ
کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے۔
تو وہ نبی قتل کیا جاوے۔ اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں۔ تو جان رکھ کہ
جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اُس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی
بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے۔ تو اس سے مت ڈر"

ان آیات میں صاف طور پر سچے اور جھوٹے نبی کی شناخت کا معیار لکھا ہے۔ کیونکہ بڑے کھلے لفظوں میں لکھا
ہے کہ وہ شخص جس کو خدا نے نبی نہیں بنایا اور صرف افترا کر گستاخی سے نبوت کا مدعی بنا ہے وہ ہلاک ہوتا ہے پھر یہ بھی
واضح طور سے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص خدا پر افترا کرتا ہے اور جھوٹی پیشگوئی خدا کے نام سے ظاہر کرتا ہے تو وہ
واقع نہیں ہوتی یا پوری نہیں ہوتی۔ اسکا صاف ماحصل یہی ہے کہ سچی پیشگوئی سچے نبی کا نشان ہے۔ اسیطرح
اگر عہدنامہ جدید کی طرف توجہ کریں تو وہاں بھی اسی قسم کے معیار ملتے ہیں جن سے سچا اور جھوٹا پہچانا جاتا ہے۔ چنانچہ
متی ۷/۱۵-۱۶ میں لکھا ہے "پر جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے لباس میں آتے پر باطن
میں پھاڑنیوالے بھیڑیے ہیں۔ تم انہیں انکے پھلوں سے پہچانوگے۔" یہاں یسوع جھوٹے نبیوں کو بُرے
درختسے تشبیہ دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ (متی ۷/۱۹) "ہر ایک درخت جو اچھا پھل نہیں لاتا کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔
پس انکے پھلوں سے تم انہیں پہچانوگے۔" اب اس کلام سے ثابت ہے کہ انجیل میں بھی جھوٹے نبیوں کی شناخت کا
معیار دیا گیا ہے کیونکہ یسوع کہتا ہے کہ جھوٹے نبی بُرے درخت کی طرح کاٹے جائیں گے۔ یہ وہی معیار ہے جو خدا
نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ جھوٹا نبی جلد ہلاک کیا جاویگا۔ اور یہ بھی کہ وہ سچے نبیوں کی طرح کامیاب ہونیکے
لئے مہلت نہیں پاتے۔ کیونکہ اگر جھوٹے نبی بھی سچے نبیوں کی طرح ہی کامیاب ہوتے تو سچے اور جھوٹے کو پہچاننے
کے لئے کوئی تمیز باقی نہ رہتی۔ اب جبکہ یہ بات پورے طور پر عیاں ہو چکی ہے کہ نہ صرف عہدنامہ عتیق میں ہی اسکا

ثبوت پایا جاتا ہے بلکہ عہد نامہ جدید میں بھی سچے اور جھوٹے نبیوں کی شناخت کا معیار مذکورہ بالا موجود ہے تو میں اس بات کی تحقیق کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود میرزا غلام احمد صاحب اپنے دعوے میں ان معیاروں کے لحاظ سے سچے ثابت ہوتے ہیں یا نہیں؟ غور کا مقام ہے کہ آج حضرت میرزا غلام احمد صاحب تیئس سال کے عرصہ سے خدا کے نام پر پیشگوئیاں شایع کر رہے ہیں۔ دو سو سے زیادہ ایسی پیشگوئیاں ہیں جن کو انہوں نے خدا کے نام سے پہلے شایع کیا اور پھر وہ پوری ہوئیں۔ اور انکا پورا ہونا ایسا نہیں کہ خانہ ساز باتیں اور خوش اعتقادی کے قصے ہوں بلکہ یہ ثابت ہے کہ نہایت بیّن اور اظہر طور پر پوری اور واقع ہوئیں اور ہزارہا لوگ مختلف اقوام اور ملل کے موجود ہیں جو انکے چشم دید گواہ ہیں۔ مَیں اسجگہ بطور نمونہ انکی چند پیشگوئیوں کو درج کرتا ہوں اور وہ یہ ہیں۔

(الف) حضرت میرزا غلام احمد صاحب ایک گاؤں میں رہتے ہیں۔ اس گاؤں کا نام قادیان ہے اور پنجاب کے دارالخلافہ لاہور سے قریباً پچاس کوس کے فاصلہ پر بجانب مشرق آباد ہے۔ ابتدائے زمانہ میں جب وہ اپنے گاؤں میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور کوئی بھی ان کو نہ جانتا تھا تو انہوں نے پہلے پہل ایک ضخیم کتاب لکھی جسکا نام براہین احمدیہ ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے بہت سارے الہامات خدا کی طرف سے شایع کیے۔ ان الہامات میں یہ الہام بھی درج ہے۔ فحان ان تعان وتعرف بین الناس.... یأتون من کل فج عمیق یأتیك من کل فج عمیق۔ ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس "یعنی وہ دن قریب آرہے ہیں کہ تیری مدد کیجائے گی اور تو لوگوں میں پہچانا جائیگا.... لوگ تیرے پاس دور دراز سے آئیں گے۔ تحفے دور دراز راہوں سے تیرے پاس آئینگے.... خدا کے بندوں سے جو تیرے پاس جمع ہوں گے..... مُنہ نہ پھیرنا۔ اور لوگوں سے مت تھکنا" ایسی گمنامی کیحالت میں یہ الٰہی الہامات الٰہی تائید کے وعدے دیتے اور ایک ایسے زمانہ کی پیشگوئی کرتے تھے کہ جس میں حضرت ممدوح کو سارے آفاق میں شہرت حاصل ہو جائے گی۔ اور تمام ملکوں کے لوگوں کو انکی طرف توجہ ہو جائیگی۔ پھر یہ الہامات جس وقت شایع کیے گئے تھے وہ ایسا زمانہ تھا کہ جب کوئی انسان گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ کبھی پورے بھی ہو سکتے ہیں حضرت ممدوح اپنے گاؤں میں خلوت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور کوئی نہ جانتا تھا کہ وہ کون ہیں۔ ان الہامات کو شایع ہوئے چوتھائی صدی کے قریب گذرا ہے اب وہ باتیں جن کے واقع اور پورا ہونے سے انسانی عقلیں اور اندازے بالکل مایوس تھے ایسے خارق عادت طور پر واقع اور پوری ہو رہی ہیں کہ انسان دیکھ دیکھ کر حیرت میں پڑ رہے ہیں۔ تمام دنیا کی مختلف ممالک اور تمام ممالک کے مختلف حصص میں کثرت سے لوگ انکی بیعت میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہندوستان۔ برہما۔ عراق۔ عرب۔ ایران۔ افغانستان۔ مصر۔ شام۔ مشرقی افریقہ۔ بربرا۔ یہانتک کہ امریکہ میں بھی آپکے مرید موجود ہیں۔ اور عام طور پر تمام دنیا میں آپ کو اسقدر شہرت حاصل ہو گئی ہے کہ سمجھدار دنیا میں کوئی بد نصیب مرد و عورت اور بچہ ایسا ہو گا جو انکے نام سے آشنا نہ ہو چکا ہو۔ اور انکے دعاوی سے کسی نہ کسی رنگ کی دلچسپی نہ رکھتا ہو۔ دور دراز سے لوگ ہر روز قادیان

ہیں انکے پاس آتے ہیں اطرح طرح کے ہدیے تحایف لاتے اور بھیجتے ہیں۔

(ب) آریہ سماج قادیان کے بعض ممبروں کو حضرت ممدوح نے پنڈت دیانند صاحب بانی آریہ سماج کی ناکام موت کی قبل از وقت اطلاع دی۔ چنانچہ اوسی پیشگوئی کے مطابق پنڈت دیانند صاحب تھوڑی دن بعد مر گئے۔ بعض پنڈت جی کے ماننے والے آریہ سماجی جن کو اس پیشگوئی سے قبل از وقت اطلاع دی گئی تھی ابھی تک قادیان میں زندہ موجود ہیں اور وہ اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں۔

(ج) لیکھرام ایک مشہور آریہ لیڈر تھا جس نے اسلام کی نسبت سخت بدزبانی کا رویہ اختیار کیا تھا۔ اسکی نسبت بھی حضرت ممدوح نے پیشگوئی کی کہ وہ چھ سالوں میں مارا جائے گا۔ اور اسکے قتل کا دن مسلمانوں کی عید کے دوسرے دن ہوگا۔ یہ پیشگوئی بھی نہایت صفائی سے لفظاً لفظاً پوری ہوئی۔ حضور ممدوح کے پاس ہزارہا لوگوں کی جن میں ہندو مسلمان عیسائی وغیرہ شامل ہیں تحریرات موجود ہیں۔ جنہوں نے اس پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھا اور اس کے واقع اور پورا ہونیکی گواہی دی ہے۔

(د) براہین احمدیہ میں ہندوستان میں طاعون پھیلنے کی پیشگوئی درج ہے۔ اور یہ بھی پیشگوئی کی ہوئی ہے کہ طاعون اسوقت دور ہوگی جب لوگ حضور ممدوح کی طرف رجوع کر کے انکی خدمت میں گذارش کریں گے کہ وہ اس کے دفعیہ کے لیے دعا فرمائیں۔ الہام مذکورہ بالا کے الفاظ یہ ہیں۔ یا مسیح الخلق عدوانا یعنی اے خلق کے مسیح اس وباسے ہمارے بچنے کے لیے دعا کر"۔ پھر جبکہ طاعون ابھی پنجاب میں داخل نہ ہونے پائی تھی تو انہوں نے خدائے تعالیٰ سے اطلاع پا کر پیشگوئی کی تھی کہ پنجاب میں بھی سخت قسم کی طاعون زور سے عنقریب پھیلے گی۔ یہ ساری باتیں جیسی کہی گئی تھیں ٹھیک اُسی طرح پوری ہوئیں۔

(ہ) ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کے واقع ہونے سے بہت پہلے انہوں نے پیشگوئی شایع کی ہوئی تھی کہ اس دیار میں کسی جگہ خطرناک زلزلہ سے محل اور مقامات کچھ ایسی سخت آفت آنیوالی ہے کہ وہ ریزہ ریزہ ہوکر گر کر زمین سے ملجائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا جسکے ثبوت کی چنداں ضرورت نہیں۔

(و) حضور ممدوح کے دشمنوں نے طرح طرح کے منصوبے بنا کر انپر مختلف اوقات میں ۷ خطرناک فوجداری مقدمات کیے ان ساتوں مقدمات میں سے ہر ایک مقدمہ جب ہونے لگتا تو اس سے بہت عرصہ پہلے آپ پیشگوئی کر دیتے کہ کوئی مقدمہ اس رنگ کا ہونیوالا ہے۔ چنانچہ پھر ویسا ہی مقدمہ ظاہر ہوجاتا۔ اور ہر ایک مقدمہ میں اپنی کامیابی اور دشمنوں کی ذلت اور ناکامی کی پیشگوئی کرتے اور اُسی طرح ہوتا رہا۔ اور ہر قدم پر ہر ایک شق پیشگوئیوں کی بلا استثنا پوری اور واقع ہوتی رہی۔

(ز) حضور ممدوح کے چار بیٹے ہیں۔ اور ہر ایک بیٹے کی پیدایش ایک نشان الٰہی ہے کیونکہ ہر ایک کی پیدایش سے

پہلے ایک پیشگوئی کی گئی۔ اور اُسی کے مطابق لڑکے پیدا ہوتے رہے۔

(ج) براہین احمدیہ میں لکھا یہ الہام درج ہے شاتان تذبحان۔ یعنی دو بکریاں ذبح کیجائیں گی" یعنی آپکے دو مرید اپنے ایمان کی خاطر قتل کیے جائیں گے۔ چنانچہ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ آپکے دو مرید اسی پیشگوئی کے مطابق کابل میں قتل کیے گئے۔ باوجودیکہ سلطنت کابل نے ان کو بارہا کہا کہ اگر تم میرزا صاحب پر ایمان سے توبہ کرو اور اُنکو چھوڑ دو تو تمھیں نہ صرف رہائی ہی دیجاویگی بلکہ تمھارا بہت اعزاز و اکرام بڑھایا جاویگا۔ لیکن انہوں نے دنیا پر دین کو مقدم کیا اور جان پر ایمان کو فوقیت دی۔ دونوں مسیحوں میں یہ کیسا مقابلہ ہے کہ ایک کے مرید تو اپنے ایمان پر بڑی خوشی سے جان قربان کرتے ہیں۔ اور بادشاہ وقت کی طرف سے انعام و اکرام کے وعدوں کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ اور خود بھی بڑی دولت وجاہ حشمت کے مالک ہیں۔ لیکن دوسرے کے مرید ایسے تھے کہ مشکل کی گھڑی میں اپنے مسیح سے منحرف ہوگئے۔ بلکہ اُسپر لعنت کی اور تھوڑے سے روپے لیکر اسکو گرفتار کرا دیا۔

حضرت ممدوح کی بیشمار پیشگوئیوں میں سے جو سب کی سب پوری اور واقع ہوئیں یہ چند پیشگوئیاں مختصر الفاظ میں بطور نمونہ درج کردی گئی ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر آپ سچے نبی نہ ہوتے تو وہ پیشگوئیاں جو آپنے خدا کے نام پر شایع کی تھیں پوری اور واقع نہ ہوتیں۔ کیونکہ کتاب استثنا ر ۱۸ باب میں لکھا ہے کہ جو پیشگوئی خدا کے نام پر کیجائے اور وہ حقیقت میں خدا کی طرف سے نہ ہو تو وہ پوری اور واقع نہیں ہو سکتی۔ لیکن چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی تمام پیشگوئیاں بلا استثنا ہمیشہ پوری نکلتی رہیں اس لیے اسکا نتیجہ صرف یہی نکلتا ہے کہ وہ سچے نبی ہیں۔ اب عیسائیوں کے ہاتھ میں کوئی دلیل نہیں کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کی تصدیق سے انکار کرسکیں کیونکہ جو معیار بائبل میں سچے نبی کی شناخت کا لکھا ہے اس کے مطابق آپ سچے نبی ثابت ہیں۔ پس اگر بائبل سچی ہے تو میرزا غلام احمد صاحب بھی اپنے تمام دعاوی میں سچے ہیں۔ اور عیسائی لوگ جنکا بائبل پر ایمان ہے اسبات کے پابند ہیں کہ وہ ان کو سچا نبی سمجھیں۔ آپ کی پیشگوئیوں کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ آپکی ایک جدید تصنیف موسوم بہ حقیقۃ الوحی میں درج ہے۔ ان پیشگوئیوں کو بغور مطالعہ کرنیسے پتہ ملجائیگا کہ یہ پیشگوئیاں محض قیاسی نہیں۔ بلکہ بہت سادہ اور صاف الفاظ میں ایسے زمانہ میں شایع کی گئی تھیں کہ جسوقت ان پیش گفتہ واقعات کے وقوع کو قیاس کرنا قطعی طور پر انسانی طاقت سے باہر تھا۔ آپ کی پیشگوئیوں میں ایک اور امر قابل غور ہے کہ انمیں انکی اپنی کامیابی اور دشمنوں کی نامرادی اور انکی فتح اور دشمنوں کی شکست کا ذکر ہوتا ہے۔ اور انکے پورا ہونے میں اسبات کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ خدا کی تائیدات آپکے شامل حال رہتی ہیں۔ آپکی پیشگوئیوں میں صرف آیندہ واقعات ہی کا ذکر نہیں ہوتا بلکہ اُن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خدا کا زبردست ہاتھ انکی تائید میں لگا ہوا ہے۔ انکے دعوے کی تصدیق ایک اور طرح سے بھی ہر ایک سمجھدار انسان پر منکشف ہو سکتی ہے۔ میںنے ابھی

بیان کیا ہے کہ بائبل کے دونوں عہدناموں عتیق اور جدید میں لکھا ہے کہ جھوٹے نبی کو بجائے اس کے کہ خدا کی طرف سے کوئی نصرت نصیب ہو وہ اپنے اس گستاخانہ افترا علی اللہ کے لیے ماخوذ ہو کر ہلاک کیا جاتا ہے۔ اس معیار پر بھی حضرت میرزا غلام احمد صاحب اپنے دعاوی میں سچے ثابت ہوتے ہیں۔ گذشتہ تیس سالوں سے وہ خدا کیطرف سے الہام پانیکے مدعی ہیں۔ اور اپنے الہامات کو منجانب اللہ شایع کرتے رہے ہیں۔ لیکن بجائے اسکے کہ جھوٹے مدعیان نبوت کی مقررہ سزا کی رو سے مارے جاتے وہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی پا رہے ہیں۔ انکی شہرت تمام دور و نزدیک میں قایم ہو رہی ہے۔ لاکھوں لوگ انکے مریدوں کے حلقہ میں داخل ہو رہے ہیں اور بیشمار لوگ انکی طرف حسن عقیدت سے آ رہے چلے آتے ہیں۔ اگرچہ ہر طبقہ و حیثیت کے لوگوں میں انکے دشمن بھی ہیں۔ اور ان دشمنوں نے انہیں تباہ کرنیکے لیے کوئی دقیقہ اپنی کوششوں اور منصوبہ بازیوں کا اٹھا نہیں رکھا۔ لیکن خدا کے ہاتھ نے ہمیشہ انکی ہی دستگیری کی اور انکے دشمنوں کو ناکام اور [illegible] خاسر بنایا۔ انہوں نے جو تخم ریزی کی وہ بہت عمدگی کے ساتھ پھلی اور بڑھی ہے۔ اور مخالفین کا کوئی صدمہ اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکا۔ اب یہ بہت بڑا پھلدار درخت ہو گیا ہے۔ اور تمام ابتدائی خطروں سے نکل چکا ہے۔ انکی مشن بہت مضبوط طور پر قایم ہو گئی ہے اور انہیں ہر میدان میں نصرت اور فتح نصیب ہوتی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کو تباہ نہیں کیا۔ بلکہ آپکے کاروبار اور مساعی کو نہایت خارق عادت کامیابی اور برکت بخشی۔ یہ آپکے صدق دعوے پر ایک زبردست دلیل ہے۔ کیونکہ اگر وہ جھوٹے نبی ہوتے تو پھر خدائے تعالیٰ آپ کو وہ تمام کامیابیاں اور برکات کیوں عطا کرتا جو وہ اپنے صادق انبیاء ہی کو دیا کرتا ہے؟ اور کیوں آپ پر اپنا غضب نازل نہ فرماتا کہ آپ اس غصہ کی بجلی سے بھسم ہو جاتے؟ یسوع کے اس قول کی طرف غور کرو کہ "درخت کو اس کے پھلوں سے پہچانو"۔ خدائے تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہوا تھا کہ میں جھوٹے نبی کو تباہ کر دونگا تاکہ سچے اور جھوٹے مدعیانِ نبوت میں ایک امتیاز پیدا ہو جائے لیکن حضرت میرزا غلام احمد صاحب کو خدا نے تباہ نہیں کیا بلکہ انہیں فتح پر فتح اور کامیابی پر کامیابی دیتا جاتا ہے۔ کتاب براہین احمدیہ جو حضور ممدوح کی سب سے پہلی کتاب ہے اس میں آپنے پیشگوئی درج کی ہوئی ہے کہ انہیں بڑی عمر دیجائیگی۔ اور یہ کہ انکی سخت مخالفت کی جائے گی، اور یہ کہ بہت لوگ انہیں قتل کرنیکے منصوبے کریں گے اور یہ کہ خدا انہیں ہر ایک دشمن کے حملے سے بچائیگا۔ اور انہیں طبعی موت سے وفات دیگا۔ اور یہ کہ جب تک وہ اپنا کام پورے طور پر سرانجام نہ دے چکیں گے اور اپنے سلسلہ کی اشاعت کو دنیا میں مستحکم بنیاد پر قایم نہ کر لیں گے وہ دنیا سے اٹھائے نہیں جائینگے اور یہ کہ خدا انکی صداقت کو زبردست نشانوں سے ظاہر کریگا۔

سب سے زیادہ حیرت میں ڈالنے والی یہ بات ہے کہ انہوں نے اکثر مرتبہ اپنے مخالفوں کو مباہلہ کے لیے چیلنج کیا۔ انہوں نے اپنی صداقت کا ایک یہ بھی نشان اعلان کیا ہوا ہے کہ جو شخص انکی موت کے لیے دعا کریگا وہ دعا اسی پر الٹ کر

پڑیگی اور وہ خود جلد دُکھ درد کی موت سے ہلاک ہوگا۔ اور مقابلہ کرنیوالا ضرور اُنکی زندگی ہی میں مر جائیگا۔ وہ ہمیشہ بڑی تحدی کے ساتھ تمام دنیا کو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ جسکا جی چاہے انکی سچائی اس معیار پر پرکھ لے۔ اُنہیں اپنی صداقت پر اتنا کامل ایمان ہے کہ اگر کثیر حصہ دنیا کے لوگوں کا انکے برخلاف انکی موت اور ہلاکت کیلیے دعا کرنے پر آمادہ ہو تو بھی وہ سب کے سب ہی خدا کے غضب سے تباہ ہو جائینگے۔ کیونکہ خدا کا عظیم ہاتھ اُنکی تائید میں ہے اور ہر ایک حریف جو انکی مخالفت کیلیے کھڑا ہوگا اسے ہلاکت کا یقینی پیالہ پلایا جاوے گا۔ مَیں ناظرین کی اطلاع کے لیے یہ امر لکھنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں دیکھتا کہ اُنکے اس دعوے کے موافق بعض لوگوں نے انکی تباہی کے لیے خدا سے دعائیں بھی کیں۔ لیکن ان سب کو موت کا وہی خمیازہ اُٹھانا پڑا جو حضور ممدوح نے بطور پیشگوئی کہا ہوا تھا۔ اور اسطرح ان کے صدقِ دعوے کا اور بھی بھاری ثبوت ہم پہنچا ہے۔ جن لوگوں نے انکے برخلاف مباہلہ کی تلوار کو لیکر انہیں ہلاک کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ اُلٹے انکے اپنے ہی گلے کٹ گئے اُنمیں سے چند مشہور معروف لوگوں کے نام ذیل میں لکھدیے جاتے ہیں۔

۱۔ مولوی غلام دستگیر ساکن قصور ضلع لاہور۔ ۲۔ مولوی محمد اسمٰعیل ساکن علیگڑھ۔ ۳۔ پنڈت لیکھرام مشہور و معروف آریہ لیڈر۔ ۴۔ مولوی محمد حسن فیضی ساکن بھیں ضلع جہلم۔ ۵۔ فقیر مرزا ساکن دوالمیال ضلع جہلم۔ ۶۔ چراغدین ساکن جموں یہ سب بڑے مشہور و معروف لوگ تھے اور انہیں ہر ایک کا حال عجیب دلچسپی سے لبریز ہے۔ لیکن میں اسجگہ صرف سب سے آخری یعنی چراغدین ساکن جموں کے حالات لکھنے پر کفایت کرتا ہوں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ مَیں چراغدین کے ذاتی حالات میں دخل دوں۔ البتہ جہاں تک میرے مضمون کو تعلق ہے اس حد تک لکھنا ضروری سمجھا گیا ہے۔ کچھ عرصہ گذرا ہے کہ چراغدین مذکور نے دعویٰ کیا کہ مَیں خدائے تعالیٰ کی طرف سے مامور و مرسل کرکے اس بات کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں کہ تا عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان دینی اختلاف کو مٹا کر صلح کرادوں۔ اس نے ایک کتاب موسومہ بہ منارۃ المسیح شایع کی جسمیں اسنے اسبات کا اعلان کیا کہ مسیح کے دوبارہ نزول سے مراد میرا نزول تھا۔ اور میرزا غلام احمد جو مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں جو بجائے اس کے کہ اسلام اور عیسائی مذہب میں صلح کرائیں اُلٹے عیسائیت کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ رہے ہیں۔ درحقیقت دجّال ہیں۔ اس نے خدا سے ایک دعا یہ بھی کی۔ کہ اے خدا میرزا غلام احمد کو میری زندگی میں ہلاک کردے۔ اور مباہلہ لکھدیا۔ ابھی اس دعا کو کیے تھوڑے دن گذرے تھے کہ خدا کے غضب نے بہ رنگ طاعون اسکو آدبایا۔ پہلے اسکی بیخ و تخم کو پکڑا یعنی اسکے دو لڑکوں کو یکے بعد دیگرے تہ خاک کیا۔ اور پھر اس نامرادی اور حسرت اور بدبختی اور دُکھ دیکھنے کے بعد وہ خود بھی پنجۂ طاعون میں گرفتار ہو کر واصلِ جہنم ہوا۔ کیسا عبرت انگیز وہ وقت تھا کہ جب اس بدنصیب کذّاب کو اپنی جان سے نا امیدی ہوئی

تو اسوقت پکار اُٹھا کہ ہائے! اب خدا نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اور یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ دعا تو اس نے خدا سے
یہ کی تھی کہ میرزا صاحب کے دشمنوں کو طاعون سے بچا۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ آخر کار وہی طاعون اسکے لیے الٰہی مواخذہ
ثابت ہوئی جس سے بچنے کے لیے وہ دعا کرتا رہا تھا۔ اس جھوٹی کذّاب کے بعد اسکا ایک اور بدنصیب جانشین پیدا
ہوا ہے۔ جو اپنے آپ کو عبد الحکیم خاں کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اس نے بھی اپنے پیشوا چراغدین کی نقشِ قدم پر
اعلان کیا ہے کہ میں خدا کا مرسل و مامور ہوں۔ اور مجھ پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے۔ اس نے بھی پیشگوئی کی ہے
کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ احمد دجّال ہے اور تین سال کے عرصہ میں مارا جائیگا۔ یہ تعجب کرنیکی بات نہیں کہ
خدا نے ایسے کذّاب اسی ملک پنجاب میں ہی کیوں پیدا کیے۔ اصل حکمت الٰہی اس میں یہ ہے کہ چونکہ خدا کا سچا مرسل
اسی سرزمین میں موجود ہے۔ اس لیے اس جگہ ہی مفتریان کذّاب بھی کھڑے ہو کہ تا صادق اور کاذب میں حقیقی
طور پر امتیاز عیاں ہو کر کافۃ الناس پر حجت الٰہی پوری ہو۔ ایک مدعی اور صرف ایک ہی مدعی عہدہ مسیح موعود ہر میدان
میں ہر طرح سے مرسلانہ انداز سے اپنے کاروبار رسالت میں کامیابی پر کامیابی حاصل کر رہا ہے اور اس کے حریف مدعیان
سارے ہلاکت۔ بدبختی۔ نامرادی۔ محرومی۔ اور تباہی کے گہرے گڑھے میں گر رہے ہیں۔ پس اس معیار کے رو سے جس
شخص نے خدا سے الہام نہ پایا پر گستاخی سے افترا کر جھوٹا دعویٰ کیا کہ ہمیں خدا نے الہام کیا ہے اسپر خدا کا غضب وارد
ہوا۔ لیکن جو شخص سچا ہے اسکی ہر میدان میں خدا مدد کرتا ہے اور اپنے ملائکہ کی افواج ہمیشہ اسکی نصرت کے لیے استادہ
رکھتا ہے۔ اور اسکو مخالفوں پر ہمیشہ فتح دیتا ہے۔ سچے اور جھوٹے نبی کو پہچاننے کے لیے یہ ایک زبردست اور حتمی فیصلہ
ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے عیسائی دوست اس زبردست اور مسلمہ معیار پر حضرت میرزا صاحب ممدوح کو
نہیں پرکھتے۔ حضرت ممدوح نے کئی دفعہ عیسائیوں کو کہا ہے کہ وہ انکے صدق دعویٰ کے پرکھنے کے لیے مباہلہ کریں۔
لیکن کسی عیسائی نے اس مقابلہ پر جرأت نہیں کی۔ اگر یسوع فی الحقیقت خدا ہے اور انکی دعائیں سنتا ہے تو
کیوں وہ اسکے حضور میں دعا نہیں کرتے کہ وہ میرزا غلام احمد کو تباہ کرے۔ میرزا غلام احمد صاحب سے بڑھکر کس نے
یسوع مسیح کے غصّے کو بھڑکایا ہو گا کیونکہ انہوں نے تو یہ دعویٰ کیا ہوا ہے کہ گویا وہ آپ ہی مسیح ہیں۔ ایسے رقیب
و حریف پر یسوع کی خدائی کا غصّہ بے تحاشا بھڑک اُٹھنا چاہیئے۔ کیا عیسائی لوگ اسبات کو دیکھ کر حضرت
ممدوح کے دعوے کی تصدیق سے ابھی متامل ہیں کہ جو شخص انکے برخلاف دعا کرنے اُٹھا وہی اُلٹا غضب الٰہی میں
گرفتار ہو کر ہلاک ہوا۔ ہاں اگر عیسائیوں کو اس بات کا یقین نہیں آتا تو یقین حاصل کرنا کچھ دور نہیں وہ آپ ہی
اس میدان میں آ کر امتحان کر لیں۔ دو چار مشنری صاحبان کے امتحان کرنے سے ہی معاملہ صاف ہو جائیگا۔ مشنری
لوگ خود بھی بڑی جرأت رکھنے کے مدعی ہیں اور لوگوں میں بھی انکی بہادری کی شہرت قایم ہے کہ اپنے دین کی
خاطر جان قربان کر دینا وہ ایک آسان بات سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم نے تو انکو اس میدان امتحان میں بُزدل ہی پایا

چوزہ دل یعنی مرغی کے بچہ کے برابر بھی دل رکھنے والے نہیں پایا۔ اگر وہ جرأت رکھتے ہیں تو کیا اتنے بڑے مشنریوں میں سے کوئی بھی اپنے مذہب کے لیے اتنی غیرت نہیں رکھتا کہ وہ میرزا غلام احمد صاحب کے ساتھ مقابلہ مباہلہ کر کے اس شخص کو جسے وہ دروغ گو سمجھتا ہے گھر تک پہنچانے کے لیے میدان میں نکلے۔ یسوع نے نہیں کہا ہوا ہے کہ جھوٹے نبی بُرے درخت کی طرح کاٹے جائیں گے۔ اگر انہیں یسوع کے صدق پر ایمان ہے اور اگر انہیں یسوع کی باتوں پر ایمان ہے اور اگر حضرت میرزا غلام احمد صاحب کو دل سے وہ جھوٹا نبی سمجھتے ہیں اور اسپر انکا ایمان ہے تو انہیں کیوں جرأت پیدا نہیں ہوتی کہ اس قضیہ کا دعا کے مقابلہ سے فیصلہ کر چھوڑیں۔ کیا انہیں یسوع کی طرف سے کوئی بے اعتباری دل میں کھٹکتی ہے؟ کیا انکو یہ بھروسہ نہیں کہ ایک جھوٹے مدعی کے برخلاف یسوع انکی دستگیری کریگا؟ اس کنارہ کشی اور خاموشی سے یہی حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ عیسائی لوگ دل میں خوب جانتے ہیں کہ میرزا غلام احمد صاحب کا خدا غالب اور زبردست خدا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں یسوع ایک ناتوان اور ضعیف انسان ہے۔ یہ کیسی تعجب کی بات ہے کہ جھوٹے نبی کی تباہی کی بائبل پیشگوئی کرتی ہے۔ اور میرزا غلام احمد صاحب پیشگوئی کرتے ہیں کہ جو شخص انکے ساتھ مباہلہ کریگا ہلاک ہوگا۔ الغرض اگر وہ معیار جو یسوع اور موسیٰ نے بتایا ہوا ہے سچا ہے تو اسمیں کچھ شک نہیں رہتا کہ میرزا غلام احمد صاحب بھی خدا کی طرف سے سچے مرسل ہیں۔ عیسائی لوگوں کو اس بات سے شرم کرنی چاہیئے کہ وہ اس عظیم الشان دعوے کو یوں ہی خفیف سی بات کہکر ٹال دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ چونکہ یسوع نے کہا ہوا ہے کہ بہتیرے جھوٹے نبی اُٹھیں گے۔ اس لیے یہ بھی اسی طرح کا جھوٹا نبی ہے۔ اس سے تو یہی سمجھ آسکتا ہے کہ حضرت میرزا صاحب ممدوح کے دعوے کے زبردست صدق کے برخلاف انکے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں اس لیے اس لایعنی بات پر حصر کر کے جاہلوں کو تسلی دے چھوڑتے ہیں۔ بحالات موجودہ بالا حضرت ممدوح کے صادق و مصدوق نبی ہونے میں ذرا بھر شک نہیں رہتا۔ پس جبکہ ہر ایک پہلو سے انکا نبوت کا دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ انہیں مسیح موعودؑ تسلیم نہ کیا جاوے۔ یہ ایک احمقانہ عذر ہے کہ یہ وہ مسیح نہیں جو ناصرہ میں اُنیس سو ۱۹۰۰ سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ کیونکہ کسی کے دوبارہ نزول سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہی شخص بجسمہٖ دوبارہ آئیگا۔ اس قسم کی باتیں ہمیشہ پیشگوئی کے رنگ میں ہوتی ہیں اور انکی تعبیر یہی ہوتی ہے کہ کوئی شخص اسکا بروز آئیگا جسکو اسکے ساتھ روحانی اور اخلاقی مناسبت اور مشابہت ہوگی یہ مسئلہ عیسائیوں میں بھی پہلے ہی طے شدہ ہے اور یسوع کی صداقت اسی پر منحصر ہے۔ بنی اسرائیل کا اعتقاد تھا کہ یسوع مسیح سے پہلے ایلیا کا دوبارہ نازل ہونا ضروری ہے۔ جب تک ایلیا پہلے نہیں آئیگا اسوقت تک مسیح کا آنا ناممکن ہے۔ پس جب مسیح نے آکر دعویٰ کیا تو یہودیوں نے اعتراض کیا کہ چونکہ ابھی ایلیا نازل نہیں ہوا اس لیے تُو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ اسپر یسوع نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک پیشگوئی تھی اور اسکی تعبیر یہ نہیں ہو سکتی کہ وہی ایلیا بجسمہٖ نازل ہوگا بلکہ اسکی تعبیر یہ ہے کہ اسکے روحانی رنگ اور اخلاق پر اسکا بروز یوحنّا بپتسمہ دینے والا یعنی حضرت یحییٰ نازل ہو چکے ہیں۔ پس اگر دوبارہ نزول کے معنے اسی شخص کا

دوبارہ آنا ہے تو پھر نہ حضرت یحییٰ ایلیا ہو سکتے ہیں۔ اور نہ یسوع ہی سچا قرار پا سکتا ہے یہی جسمانی رفع اور نزول ثانی کا مقدمہ دنیا میں ایک دفعہ جناب یسوع مسیح کے ہاں سے فیصلہ پاچکا ہے جس کے رو سے آپ نے حضرت یحییٰ کے نزول کو ایلیا موعود کا نزول قرار دیا۔ ایک طرف یہودی اس فیصلہ کے منکر اور دوسری طرف جناب یسوع اس فیصلہ کے جج دو فریق ہیں۔ اب مَیں عیسائی صاحبان سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ان دونوں میں سے وہ کس فریق کو سچا سمجھتے ہیں؟ اگر یہودیوں کو سچا سمجھا جائے تو پھر نہ ابھی تک ایلیا موعود نازل ہوا ہے اور نہ یسوع مسیح ہی آیا ہے۔ جس شخص نے یسوع مسیح بننے کا دعویٰ کیا وہ کذاب بلکہ اکذب قرار پاتا ہے۔ مسیح کے آنیکے لیے پہلے ایلیا کے آنیکی انتظاری کرنا ضروری ہے۔ لیکن اگر حضرت مسیح سچے ہیں اور انکا فیصلہ صحیح اور واجب العمل ہے تو عیسائی پابند ہیں کہ وہ طوعاً وکرہاً اسبات پر ایمان لائیں کہ کسی شخص کے دوبارہ نزول سے مراد اسکا بروز ہوتا ہے جو اسکے رنگ و اخلاق پر نازل ہوا ہے۔ ہائے افسوس! آج عیسائی بھی یہودی ہوگئے اور انکے نقش قدم پر چلکر حق سے آنکھیں بند کرکے مسیح موعود کا اسی بنا پر انکار کرنے لگ گئے کہ دوبارہ نزول مسیح سے مراد اسی مسیح کا آنا ہے۔ جیسا یہودیوں میں دوبارہ نزول ایلیا سے مراد اُسی ایلیا کا آنا سمجھا جاتا تھا۔ اور جسکو یسوع مسیح نے غلط اور باطل قرار دیا۔ عیسائیوں نے بھی وہی راہ اختیار کرلی ہے کہ جس نے یہودیوں کو سیدھے جہنم میں ڈالا تھا۔ اور وہ راہ حق جو یسوع مسیح نے بیان کی تھی اسپر عمل نہیں کرتے۔

بعض عیسائی صاحبان یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ چونکہ یسوع مسیح خدا تھا اس لیے اسکے دوبارہ نزول سے مراد کوئی انسان نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا کا بروز انسان ناممکن ہے۔ لیکن یہ کوئی دلیل نہیں۔ یسوع کی خدائی کوئی مسلمہ حقیقت نہیں اسلیے معقولات میں اسکو بنائے ثبوت نہیں شمار کیا جاسکتا۔ اس بات کا کہیں کوئی ثبوت نہیں کہ وہ خدا تھا۔ اس میں خدائی قدرت تو درکنار بعض انسانوں کے برابر بھی خارق عادت اور اعجازی طاقت ظاہر نہیں ہوتی۔ اگر وہ ہمارے نبی کریم صلعم سے آدھی کامیابی بھی حاصل کر دکھاتا۔ اور اپنے اصحاب میں ان سے آدھی روحانی قوت نفخ کر دکھاتا اور انکی طرح اپنے دشمنوں پر غالب ہو دکھاتا۔ تو پھر بھی خدائی کے لیے کوئی جھوٹ موٹ کا بہانہ مل جاتا۔ لیکن یہاں تو سارے حالات ہی اُلٹے ہیں۔ اس میں اگر کچھ روحانیت تھی تو وہ ایسی کمزور کہ اُس کے مریدوں میں کچھ بھی اسکا اثر نہ ہوسکا۔ اور بجائے اس کے کہ اپنے دشمنوں پر فتح پاتا وہ خود ہی مغلوب اور مجروح ثابت ہوا۔ کیا وہ شخص جس کی اپنی تعلیم کا یہ اثر ہو کہ اسکے بڑے مقرب اور مخلص حواری ذرا سی طمع اور دکھ کی حالت میں تیس۳۰ روپے کی رقم پر ایسے پھسل گئے کہ اسکو گرفتار کرادیا۔ کیا ایسا عاجز انسان جو دُکھ کے وقت خدا کو ایلی ایلی لما سبقتنی کہکر پکارتا رہا۔ ایسا کم طاقت اور عاجز انسان خدا ہو سکتا ہے؟ اگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں یسوع آدھا بلکہ اس سے بھی تھوڑا کامیاب ہو کر دکھا جاتا تو عیسائیوں کی مفروضہ تثلیث خدائی کا کوئی جزو نہ سمجھے جانے کے لیے اسکے حق میں کوئی وجہ ہو سکتی تھی۔ لیکن کہاں یسوع اور کہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ

علیہ وسلم اگر یسوع جیسا کمزور انسان خدا ہو سکتا ہے تو اُس شہ زور مظہر انوار نامتناہی۔ صدر بزم آسمان۔ حجۃ اللہ رسول صلعم کو کیا مرتبہ دیا جانا چاہیئے۔ جس کی مدح انسان کے احاطہ ہمت سے باہر ہے۔ ~ چوں زمن آید ثنائے سرور عالی تبار✢ عاجز از مدحش زمین و آسمان ہر دو دار✢ آں عنایتہا کہ محبوب ازل دارد بدو✢ کس بخوابے ہم ندیدہ مثل آں اندر دیار✢ سرور خاصان حق شاہ گروہ عاشقاں✢ آنکہ روحش کرد طے ہر منزل وصل نگار✢ آں مبارک پے کہ آمد ذات با آیات اور رحمتے زاں ذات عالم پرور و پروردگار✢ آنکہ دارد قرب خاص اندر جناب پاک حق✢ آنکہ شان او نفہمد کس زخاصان دکیا از ہمہ چیزے فزوں تر در ہمہ نوع کمال✢ آسمانہا پیش اوج ہمت او ذرہ وار✢ (حضرت مسیح موعودؑ)

خدا بننے کی قدرت نمائی تو خیر یسوع کو تو عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق خدائی تائید بھی نصیب نہیں ہوئی۔ ایسے شخص کو خدا بنانا کتنی جہالت کا کام ہے کہ جسکو تھوڑے سے یہودیوں نے پکڑ کر نہایت ذلت کے ساتھ جا بجا گھسیٹا اور آخر کار صلیب پر چڑھا کر بقول عیسائیوں کے ماردیا۔ ایسا بیکس انسان جسپر یہودیوں نے تھوکا خدا نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسی کفر کی بات ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ خداوند قادر مطلق نے ایسا شرمناک عاجز ہو کر یہودیوں کے ہاتھ سے ایسی ذلت گوارا کرلی۔ وہ کیسا خدا ہے! جسے یہودی کھینچتے اور مارتے اور مُنہ پر تھوکتے ہیں۔ وہ کیسا خدا ہے! جسکو یہودی طرح طرح کی عقوبتوں سے دار پر کھینچتے اور بقول عیسائیان واصل جہنم کردیتے ہیں۔ ایسے بیہودہ خیالات سے انسانی عقل کو سوں بھاگتی ہے۔ اے عیسائی صاحبان کیا آپ کا وہی خدا تھا جسکو اُس یہودی قوم نے جو دنیا میں ایک بیکس قوم ہے اور جسکو آپ لوگ کُتّوں کی طرح سمجھتے اور سلوک کرتے ہیں دار پر (بقول آپکے) قتل کیا تھا؟ کیا عیسائیوں کو ایسا خدا رکھنے سے شرم نہیں آتی؟ الغرض یسوع میں نہ کوئی خدائی قدرت نظر آتی ہے اور نہ وہ خدا ہو سکتا ہے۔ البتہ چاروں طرف سے عاجز آکر بعض وقت عیسائی لوگ یسوع کے معجزات اسکی خدائی کے ثبوت میں بطور دلیل پیش کردیتے ہیں اول تو یہ معجزات ایسے ہیں کہ جن کے وقوع کا کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں۔ لیکن اگر فرض کرلیا جائے کہ اُس سے یہ معجزات ظاہر ہوئے بھی تھے تو بھی اُسکی خدائی کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی بہت نبیوں نے ایسے ہی معجزات دکھائے۔ اگر یسوع کو چند ایسے معجزات کی بنا پر خدا ماننا جائز ہے تو وہ تمام لوگ جن سے ایسے ہی معجزات صادر ہوئے اس خطاب کے کیوں مستحق نہ سمجھے جاویں؟

ایڈیٹر صاحب "اگزیمنر" یہ بھی فرماتے ہیں کہ یسوع کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ آسمان سے دوبارہ اُترے تو بڑے جاہ وجلال کے ساتھ نازل ہو اور فرشتوں کا لشکر اسکے ہمراہ ہو اور کرنا ساتھ پھونکی جارہی ہو۔ یہ ایڈیٹر صاحب کی روشن دماغی کا نتیجہ ہے۔ یہ وہ روشنی کا زمانہ ہے کہ ساری دنیا نے معقولات میں بہت ترقی کرلی ہوئی ہے لیکن یہ بدنصیبی صرف بعض انجیلی واعظوں کے حصہ میں آئی ہوئی ہے کہ ان کے دماغوں میں اس روشنی نے ذرا دخل نہیں پایا۔ کیسا جہولانہ خیال ہے کہ ان باتوں کا جسمانی ظہور مانا جائے کہ یسوع آسمانوں سے اُتریگا۔ بادلوں کے پردہ میں

سوار ہوگا۔ اور کرنا بجانیوالوں اور فرشتوں کا لشکر اسکے ساتھ ہمرکاب اُڑتا ہوا چلا آرہا سب کو دکھائی دیگا۔ اگر یہی بات صحیح ہے تو بھلا آسمانپر کیوں اس جلال کے ساتھ نہ چڑھا؟ کیوں اس نے اس بات کو گوارا کیا کہ اسکا آسمانپر چڑھنا ایسے مستور اور مخفی طور پر ہو کہ اوروں کو تو کہیں رہا اپنے شاگردوں کو بھی پتہ نہ لگے؟ کیا آسمانپر چڑھتے وقت بھی اس کو یہی ڈر تھا کہ یہودی اُسے پکڑکر آسمان کے دروازوں سے نیچے کھینچ لاویں گے اور پھر صلیب پر کھینچ دینگے؟ کیونکر وہ آسمانپر سیدھا تمام لوگونکی نظروں کے سامنے نہ چڑھا؟ بیشک یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ بیسویں صدی کے سے اتنے معقول اور روشنی کے زمانہ میں بھی ایسے عیسائی موجود ہیں جو ابھی تک آسمان کی طرف آنکھیں اُٹھائے کھڑے تاک رہے ہیں کہ اب انکا یسوع بادلوں پر سوار فرشتوں اور کرنا بجانیوالوں کی فوج کو ساتھ لیے آسمان سے اُترتا ہے۔

عیسائی نرے وہم پرستی کی بلا میں ہی گرفتار نہیں بلکہ ضعف ایمانی کی وجہ سے سریع الاعتقادی میں بھی ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہ تو مسلم الثبوت بات ہے کہ انجیل نویسوں نے یسوع مسیح کے اصل الفاظ کو انجیلوں میں نقل نہیں کیا اور اس بات پر کوئی دلیل کسی پایہ کی موجود نہیں کہ جس کے زور پر یہ امر مانا جائے کہ موجودہ انجیلوں میں یسوع مسیح کے کلمات جیسے کہ اسکے مُنہ سے نکلے تھے بلاکم وکاست محفوظ طور پر درج ہیں انجیلیں یسوع سے بہت عرصہ بعد لکھی گئی تھیں اور کوئی معقول انسان یہ یقین نہیں کرسکتا کہ انکی عبارتیں یسوع کے مُنہ کا کلام بلاکم وکاست ہے۔ اور اگر بفرض محال مانا بھی جائے کہ مسیح کے دوبارہ نزول کی پیشگوئی ٹھیک انہیں الفاظ میں لکھی گئی ہے جو یسوع نے کہے تھے تو بھی عیسائیوں کی غلطی ہے کہ وہ اس پیشگوئی کے لفظاً لفظاً پورا ہونیکے منتظر ہو رہے ہیں۔ اگر یہی بات صحیح ہے تو بتائیں کہ یسوع کا یہودیوں نے کیوں انکار کیا؟ یہی مصیبت تو اُنپر بھی پڑی تھی کہ وہ مسیح کے آنیکی پیشگوئی کے لفظی طور پر پورا ہونیکی انتظار میں تھے۔ انکی کتابوں میں یہ پیشگوئی تھی کہ وہ ایک بادشاہ ہوگا۔ اور داؤد کے تخت کا وارث ہوگا۔ لیکن یسوع جس نے مسیح ہونیکا دعویٰ کیا وہ اُن کے سامنے ایک مسکنت کے لباس میں آیا۔ پس وہ اُس کے منکر ہوگئے اور اُس سے نفرت کی۔ اسی طرح یہودی لوگ ایلیا کے دوبارہ نزول کی پیشگوئی کو بھی لفظی طور پر پورا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ اور جب یسوع نے انہیں سمجھایا کہ دراصل اس سے مراد ایلیا کا ایک بروز ہے جو اس کے اخلاق اور روحانی قوتیں لے کر آئیگا۔ تو انہوں نے یسوع کی اس تعبیر کو رد کیا۔ اور جھوٹ سمجھا۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ پیشگوئی کے ظاہر الفاظ کے ساتھ یہ تعبیر نہیں ملتی۔ پس صرف اس پیشگوئی کے لفظی پورا ہونیکی انتظار ہی نے انہیں یسوع کا منکر بنا دیا۔ جناب یسوع صاحب نے یہ مسئلہ حل کرکے عیسائیوں کے لیے ایک سبق چھوڑا تھا کہ وہ یہودیوں کی طرح اس قسم کی غلطیوں میں مبتلا نہ ہونے پائیں۔ بلکہ ان کی حالت سے عبرت پکڑیں۔ لیکن کیسے افسوس کی بات ہے کہ انہوں نے اپنے اُستاد کی باتوں سے کچھ فایدہ نہیں اُٹھایا۔ اور نہ ہی یہودیوں کی مثال سے کچھ عبرت حاصل کی ہے۔ اب جب انکی نوبت آئی ہے تو وہ بھی یہودیوں کی طرح مسیح موعود کو

ماننے سے اسی وجہ پر انکار کرتے ہیں کہ وہ آسمان سے بادلوں کی سواری پر فرشتوں اور کرنا بجانیوالوں کی فوج کو ساتھ لیے نازل نہیں ہوا۔

عیسائی صاحبان کو سمجھنا چاہیئے کہ ایسی پیشگوئیوں میں روحانی امور ہوتے ہیں اور انکے ظاہری الفاظ کے موافق ظہور کا انتظار کرنا سخت غلطی ہوتی ہے۔ اسی پیشگوئی کے دوسرے حصوں سے واضح ہو رہا ہے کہ مسیح کا دوبارہ نزول اس طریق میں نہیں ہوگا جیسا عیسائیوں کو خیال لگا ہوا ہے نہ وہ بادلوں پر سوار آسمان سے نازل ہوگا اور نہ کوئی ایسا فرشتوں کا لشکر اُسکے ساتھ ہوگا جس کو مادّی نظر سے لوگ دیکھ سکیں اور نہ ہی کرنا کی آوازیں ایسے محسوس طور پر سنائی دینگی۔ متی ۲۴/۴۲ میں یسوع نے مسیح کے دوبارہ نزول کی نسبت کہا ہے کہ "یہ آمد رات کے وقت چور کی طرح ہوگا" اس سے ظاہر ہے کہ وہ نہ روز روشن میں آئیگا اور نہ کرناؤں کی آوازوں اور فرشتوں کے گیتوں کے ساتھ آئیگا۔ بلکہ وہ چور کے بھیس میں آئیگا اور اسکو وہی لوگ شناخت کریں گے جو بیدار ہونگے۔ مسیح کا دوبارہ نزول بھی پہلے نزول کی طرح غیر مترقبہ یعنی اچانک ہوگا۔ اے ہمارے خداوند جو تُو زمینوں اور آسمانوں کا مالک ہے ہم تیرا کس زبان سے شکر ادا کریں کہ تُو نے ان حقایق سے ان لوگوں کو محروم رکھا جو دنیا کے دانا اور عقلمند لوگ ہیں، اور اُن لوگوں پر یہ اسرار منکشف فرمائے جو انکے سامنے ابھی بچے ہی ہیں۔ اے خداوند تُو نے مسیح کو نازل فرمادیا لیکن حیف فقیھوں اور فریسیوں پر کہ انہوں نے اسکو نہیں دیکھا اور نہیں پہچانا۔ پر اُن لوگوں نے اُسے دیکھ لیا اور پہچان لیا جو بچوں کی طرح ہیں اور وہ تیرے فضل سے بہت خوش ہو رہے ہیں کہ اس برات کا دُلہا اُن کے بیچ ہے۔

انجیلوں کے مطالعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کا دوبارہ نزول نہ صرف اچانک ہوگا بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کسی مشرقی سرزمین پر مبعوث ہوگا۔ چنانچہ متی ۲۴/۲۷ میں لکھا ہے کہ "کیونکہ جیسے بجلی پورب سے کوند کے پچھم تک چمکتی ویسا ہی ابن آدم کا آنا بھی ہوگا۔ کیونکہ جہاں مردار ہو وہاں گدھ بھی جمع ہوں گے۔" اس آیت میں صاف لکھا ہوا ہے کہ مسیح کسی مشرقی ملک میں نازل ہوگا۔ مردار اور گدھوں کا ذکر کرکے یسوع نے ہمیں اس نزول کی اس ملک میں وجہ بتائی ہے۔ یعنی جن نقصوں اور خرابیوں کی اصلاح کے لیے مسیح کا آنا مقدر ہے وہ خرابیاں خصوصیت کے ساتھ اُس مشرقی ملک میں جمع ہونگی۔ اور اس لیے وہ اُسی مشرقی علاقہ میں نازل ہوگا۔ کیونکہ جہاں مردار ہے وہاں پر ہی گدھیں جمع ہونگی۔ دراصل مردار سے مراد دجّال ہے۔ اور مسیح موعودؑ کی بعثت کی علت غائی یہی ہے کہ وہ دجّال کے فتن کو تباہ کرے۔ اور میں نے ریویو آف ریلیجنز جلد ۴ نمبر ۱۱ میں ایک مضمون میں ثابت کر دکھایا ہے کہ دجّال کی پیشگوئی کا صحیح مصداق وہی پادری صاحبان ہیں جو تثلیث اور کفارہ کے عقاید کو پھیلا رہے ہیں۔ مسیح موعودؑ اس مشرقی سرزمین میں نازل ہوا ہے اور جیسے بجلی مشرق سے کوند کے مغرب پر چمکتی ہے

اسی طرح اُس کے نزول کی خوشخبری زمانہ حال کے سریع خبر رسانی کے ذرایع سے مشرق سے مغربی دنیا میں پہنچ رہی ہے۔ مشرق ہی سے مغرب میں مسیح موعودؑ کے نزول کی خبریں سُنی جا رہی ہیں۔ مسیح کے مشرق میں نزول کا مزید ثبوت یسعیاہ باب ۴۱/۲ میں بھی ملتا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ "کس نے اُس راستباز کو پورب کی طرف برپا کیا" یہ کلمات یسوعؑ کے کلام کی تائید کر رہے ہیں کہ وہ موعودؑ پورب میں مبعوث ہوگا۔ معلوم نہیں کہ عیسائی صاحبان کب اپنے آپ کو اس دھوکہ سے نکالیں گے اور بائبل کے منشاء کو سمجھکر اسپر عمل کریں گے؟ انہیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ مسیح کے نزول کیلیے آسمان کی طرف بادلوں کو پڑے تاکیں۔ کیونکہ وہ تو آسمانپر گیا ہی نہیں۔ وہ تو صلیب پر مرا ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ مسیح کا صلیب پر مرنیکا ثبوت ہی اسکے آسمانپر جانیکا پیش خیمہ سمجھا جاتا ہے لیکن اسکے اپنے کلام سے ثابت ہے کہ وہ صلیب پر سے زندہ اُتارا گیا۔ اُس نے کہا کہ ان حرامکار لوگوں کو سوائے یونس نبی کے معجزہ کے کوئی دوسرا نشان نہیں دکھایا جائیگا۔ جیسے یونس نبی مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہا ویسے ہی ابن آدم بھی قبر کے شکم میں زندہ رہا۔ اناجیل گواہ ہیں کہ خدا نے پلاطوس کی عورت کی طرف ایک فرشتہ ارسال کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کا ارادہ مسیح کو بچانیکا تھا جب خدا کسی غرض کیلیے ملائکہ کو نازل فرماتا ہے تو یہ اُس غرض کے پورا ہونے پر یقینی دلیل ہوتی ہے۔ مقدس تواریخ میں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں ملے گا کہ جس میں وہ امر جس کیلیے خدا نے کبھی فرشتہ نازل فرمایا پورا نہ ہوا ثابت ہو پھر ماسوا اس کے یسوع اس مصیبت سے نجات پانیکے لیے بہت رو رو کر بڑے اضطراب قلب کے ساتھ دعائیں کرتا رہا جیسا کہ عبرانیوں ۵/۷ سے ظاہر ہے۔ "اُسی نے اپنے مجسّم ہونیکے دنوں میں بہت رو رو کر اور آنسو بہا کر اُس سے جو موت سے بچا سکتا تھا دعائیں اور منّتیں کیں۔ اور تحمل کے سبب اُس کی سُنی گئی۔" اور ضرور تھا کہ اُس کی دعا سُنی جاوے چنانچہ اس کی قبولیت بھی نہ صرف اسی آیت کے آخری جملہ سے ظاہر ہوتی ہے بلکہ زبور ۲۰/۶ "اب میں جانتا ہوں کہ خداوند اپنے مسیح کا چھڑانے والا ہے۔ وہ اپنے دہنے ہاتھ کی نجات دینے والے زور سے اپنے مقدس آسمانپر سے اس کی سُنے گا" اور نیز زبور ۲۲/۲۴ سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کے ایسے ابتلا کے وقت کی دردمندانہ دعا سُنی گئی۔ مسیح کی دعا یہی تھی کہ وہ موت کا پیالہ جو یہودی لوگ اُس کو صلیب پر چڑھا کر پلانا چاہتے تھے اُس سے ٹالا جاوے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنی باریک حکمتوں سے اُس پیالہ موت کو اس سے ٹالدیا اور اس کو صلیب پر سے زندہ اُتروالیا۔ مسیح کی دعا صرف اتنی ہی تھی اگر وہ یہ دعا کرتا کہ صلیب پر ہی نہ چڑھایا جاؤں اور یہودیوں کے پنجے میں گرفتاری سے بچوں تو یہ بھی پوری ہوتی لیکن جتنی دعا اس نے کی اُتنی ہی پوری ہوگئی۔ اس بات کی کافی شہادت موجود ہے کہ مسیح کی دعا کے موافق خدا نے اُسکو دشمنوں کے ہاتھ سے نجات دیدی۔

ایک ایسے آدمی کی نسبت جسکو کسی نے مردہ سمجھ لیا اور وہ بعد میں زندہ نکلا آپ کیا خیال کر سکتے ہیں؟ سلیم العقل انسان تو یہی سمجھیں گے کہ وہ زندہ ہی تھا مردہ نہ تھا۔ لیکن مسیح کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ صاف ہے۔ تمام واقعات جو اس کے صلیب پر سے اُتارے جانیکے متعلق انہیں عیسائیوں کی دست مالیدہ اناجیل میں موجود ہیں وہ سب مسیح کے صلیب سے

زندہ اُتارے جانیکے گواہ اور دلایل ہیں۔(۱) پلاطوس چاہتا تھا کہ یسوع کو چھوڑ دے کیونکہ وہ سمجھ گیا کہ انہوں نے اسے ڈاہ سے حوالہ کیا (دیکھو متی ۲۷/۱۷-۱۸) (۲) خدا تعالیٰ نے خوفناک رؤیا میں پلاطوس کی جورو کو جتا دیا کہ وہ اپنے خاوند کو مسیح کو عذاب دینے سے روکے چنانچہ متی ۲۷/۱۹ میں لکھا ہے کہ "جب وہ مسند پر بیٹھا اس کی جورو نے اُسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ مینے آج خواب میں اس کے سبب بہت تصدیع پائی" (۳) اس کے بعد بھی پلاطوس نے ہرچند یہودیوں کو مسیح کے چھوڑنے پر راضی کرنیکی کوشش کی جو متی ۲۷/۲۱-۲۴ سے ثابت ہے۔ آخر پانی لیکے بھیڑ کے آگے اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس راستباز کے خون سے پاک ہوا۔ تم جانو" (متی ۲۷/۲۴) اس سے صاف ظاہر ہے کہ پلاطوس کے دل میں اُسکی راستبازی کی عظمت تھی اور وہ اسکے دکھ کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ (۴) متی ۲۷/۴۱-۴۴ میں چوروں اور فقیہوں کا مسیح کو ٹھٹھا مارنا اور اسکا خدا پر بھروسہ رکھنا وغیرہ اسکو بچانیکے لیے الٰہی غیرت کو جوش دلانیکا ایک ذریعہ ہے۔ اور اس حالت میں ایک راستباز کا بچایا جانا ضروری ٹھہرتا ہے۔ (۵) مسیح کا ایلی ایلی لما سبقتنی دعا کرنا اور اسکا قبول ہونا جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ (۶) پلاطوس کا مسیح کو صلیب دیے جانا اُسوقت تک معلق کرنا کہ سبت قریب آپہنچے۔ تاکہ اس حیلہ سے یہودیوں کی اشک شوئی بھی ہو جائے اور اسکو بچا بھی لیا جائے۔ چنانچہ جمعہ کے روز ایسے وقت میں اسکو صلیب پر چڑھایا گیا کہ جس کے تین گھنٹہ بعد سبت شروع ہو جانیکی وجہ سے اُسکو صلیب سے اُتارنا پڑا۔ (۷) سپاہیوں نے اُنکے پہلے اور دوسرے کی ٹانگیں جو اسکے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے توڑیں۔ لیکن یسوع کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ (دیکھو یوحنا ۱۹/۳۲) ظاہر ہے کہ نرے صلیب پر دو تین گھنٹے رہنے سے انسان مر نہیں جاتا۔ کیونکہ صلیب کے کیل کسی ایسے اعضائے رئیسہ میں نہیں لگائے جاتے تھے جنپر زندگی کا مدار ہوتا ہے۔ صرف ہاتھوں اور پاؤں میں کیل لگائے جاتے تھے۔ اس لیے ضرور ہوتا تھا کہ کم از کم تین دن تک مجرم صلیب پر لٹکا رہے۔ لیکن ان تین دنوں میں بھی وہ مرتا نہ تھا۔ جان سے مارنیکے لیے جب اُتارتے تو اسکی پیٹھ یعنی صلب کی ہڈی اور ٹانگیں توڑتے تھے۔ چونکہ اصل علت غائی (یعنی مجرم کا مار دینا) صلب کی ہڈی توڑنے سے حاصل ہوتی تھی اس لیے اسیوجہ پر اسکا نام بھی صلیب رکھا گیا۔ مسیح تین گھنٹے کے اندر ہی صلیب سے اُتار لیا گیا اور اسکی کوئی ہڈی بھی نہ توڑی گئی۔ (۸) اس غشی کی حالت میں ایک نے بھالے سے اسکی پسلی چھیدی تو فی الفور اس سے لہو اور پانی نکلا۔ یہ امر طبی طور پر کئی دفعہ ثابت ہو چکا ہے کہ مُردہ میں لہو اور پانی کا اسطرح نکلنا ناممکن محض ہے۔ جب صلیب سے اُتارے جانیکے بعد اسکے بدن میں زخم کرنیسے خون اور پانی کا جاری ہونا ثابت ہے تو کیونکر مانا جا سکتا ہے کہ وہ مر گیا تھا۔ پھر لُطف یہ ہے کہ یوحنا ۱۹/۳۵ میں جہاں اسبات کا ذکر ہے وہاں بڑے زور سے لکھا ہے کہ اس واقعہ کی زبردست شہادت موجود ہے۔ گویا یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جسکی تائید کی شہادت انجیل میں ملتی ہے۔ جو کسی دوسرے امر اس کے مخالف کے لیے نہیں ملتی۔ (۹) صلیب سے اُتاری جانیکے بعد یسوع کو یوسف ارمتیا کے حوالہ کرنا۔ اور یوسف ارمتیا کا یسوع کا شاگرد ہونا اور اسکا پلاطوس سے درخواست

یہودیوں سے پوشیدہ کرنا۔ اور عود اور مُر لگانا۔ اور ایسے باریک کپڑے میں لپیٹنا کہ سانس نہ رُکے۔ اور ایک نئے تہ خانہ میں اسکو رکھنا وغیرہ۔ یہ سب ایسے صریح ثبوت اور قرائن غالب ہیں کہ جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح صلیب سے زندہ اُتارا گیا تھا۔ اور زندہ ہی ایک تہ خانہ میں رکھا گیا تھا۔ اور چونکہ یہودی لوگوں کا اُن دنوں بہت غلبہ تھا یہانتک کہ حاکم وقت بھی انکی منصوبہ بازیوں سے ڈرتے تھے جیساکہ پلاطوس کے واقعہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اور وہ مسیح کے ایسے خطرناک جانی دشمن تھے کہ ہرگز اسکو زندہ دیکھنا ہی نہ چاہتے تھے اس لیے مسیح کے خیرخواہوں نے جو یہودیوں سے بہت خائف ہو رہے تھے اسی بات کو پسند کیا کہ حکمت عملی سے مسیح کی جان بچالیں۔ اور ظاہر طور پر یہودیوں کے جوش و غضب سے بچنے کے لیے یہ مشہور کر رکھیں کہ گویا وہ مر گیا ہے۔ حالانکہ وہ حقیقت میں زندہ ہی صلیب سے اُتارا گیا۔ زندہ ہی رکھا گیا۔ زندہ ہی تہ خانہ میں رہا۔ اور وہاں سے نکلکر اسکے گلیل کے سفر کے واقعات بھی اس کے زندہ رہنے کا مزید ثبوت ہیں۔ ایام تحقیقات میں یہودیوں نے اُسکو پیٹ بھر کھانا نہ دیا۔ وہ بھوک اور غم کے مارے کمزور ہوتا گیا اور اس کمزوری کے افاقہ پانیکے لیے عطریات اور عمدہ غذائیں ایک پُرفضا الغ کے نئے کمرے میں اسکے لیے مہیا کی گئیں۔ پھر جب ذرا طاقت پائی اور چلنے کے قابل ہوا تو یہی مناسب سمجھا کہ وہاں سے کسی طرح بھاگ جاوے۔ آخر ایک باغبان کے بھیس میں یروشلم سے بھاگ کر جلیل کی راہ لی۔ جلیل یروشلم سے قریباً ایک سَو میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور یسوع مسیح نے پاپیادہ ہی وہاں تک سفر کیا۔ کئی دفعہ حواریوں سے ملکر کھانا اور مچھلی کھائی۔ مچھلی کا شکار کیا اپنے زخم اپنے حواریوں کو دکھائے۔ اور اچھی طرح سے دکھائے۔ یہ سارے واقعات اس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی شبہ نہیں چھوڑتے کہ وہ صلیب سے زندہ اُتارا گیا۔ اور زندہ ہی رہا۔ مسیح کا صلیب سے زندہ اُتارا جانا صرف انہیں امور سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اور بھی بہت سی باتیں اس بات کو ثابت کرتی ہیں۔

اگر یہ مانا جاوے کہ وہ صلیب پر مر گیا تو اسکے معنے یہ ہونگے کہ وہ راستباز نہ تھا۔ ایک شخص جو نبوت کا مدعی ہو اور وہ صرف تین سال نبی رہ کر نہایت ناکامی سے دشمنوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر مارا جاوے۔ کسی کی ایسے شخص کے متعلق خواہ کچھ ہی رائے کیوں نہ ہو۔ لیکن کتاب استثنا ۱۸/۲۰ کے رو سے تو وہ کذاب اور مفتری علی اللہ ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ خود یسوع نے بھی اسی کے ہمرنگ تعلیم دی ہوئی ہے کہ جھوٹا نبی مارا جاتا ہے یہاں تو صرف مارا جانا ہی نہیں مانا جاتا بلکہ صلیب پر مارا جانا بیان کیا جاتا ہے۔ حالانکہ بائبل کی رو سے جو کاٹھ (صلیب) پر مارا جاتا ہے وہ لعنتی ہوتا ہے۔ اگر یسوع کا صلیب پر مرنا تسلیم کیا جائے تو یہ بھی ماننا ضروری ہوگا کہ وہ لعنتی موت سے مرا۔ لیکن عیسائی لوگ اُسے لعنتی سمجھنے میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ اور غور نہیں کرتے کہ لعنت کا مفہوم کیسا بُرا ہے۔ لعنت اگرچہ چار حرف کا ایک لفظ ہے جو بآسانی ہونٹوں سے نکل سکتا ہے۔ لیکن اسکا صحیح مفہوم نہایت ہی خطرناک ہے۔ اگر عیسائی صاحبان اسکے مفہوم کو سمجھنا چاہیں تو وہ ایک ہی واقعہ سے اسکو سمجھ سکتے ہیں

کیا وہ اُس ایک کو نہیں جانتے جو ملعون ہوا تھا؟ اُسکو عام طور پر شیطان کہا جاتا ہے اور اُسکو ہی ملعون کہا گیا تھا شیطان کے حال کو دیکھکر ملعون کے مفہوم کو وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ کسی کی نسبت یہ کہنا کہ وہ لعنتی ہوگیا ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ شیطان بن گیا ہے۔ وہ خدا کا دشمن ہوگیا ہے۔ اور خدا کے غضب میں ماخوذ ہوگیا ہے۔ مسیح کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنا کہ وہ گویا شیطان ہوگیا اور خدا کا دشمن ہوگیا اور خدا کے غضب میں گرفتار ہوگیا اور خدا سے دور اور خدا اس سے دور ہوگیا کفر نہیں تو اور کیا ہے؟ ہم تو گمان نہیں کرسکتے کہ عیسائی لوگ اپنے آقا کی نسبت ایسے مفہوم کے پیدا ہونیکا اعتقاد رکھتے ہوں کہ وہ گویا شیطان ہوگیا تھا اگر یہ مانا جائے کہ وہ شیطان نہ ہوا تھا تو پھر ماننا پڑیگا کہ وہ لعنتی نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں۔ اور ایک ہی شے کے وصفی نام ہیں۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہے کہ وہ صلیب پر نہیں مرا۔ اس بات کو ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ اور آسمان پر نہیں چڑھا تو پھر سوال ہوگا کہ باقی زندگی کے ایام اس نے کہاں بسر کیے۔ اگرچہ مسیح کی باقی زندگی کے حالات کے نہ معلوم ہونیکا یہ نتیجہ نہیں ہوسکتا کہ وہ آسمان پر چڑھ گیا۔ کیونکہ دنیا میں اور بھی بہت لوگ ایسے گذرے ہیں جن کی نسبت یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں رہے اور کہاں مرے۔ اور اس وجہ سے انکا آسمان پر جانا نہیں مانا جاتا۔ لیکن مسیح کے گلیل میں پہنچکر حواریوں کو مختلف علاقوں میں روانہ کرنیکے بعد خود وہاں سے ہجرت کرنیکے بعد کے واقعات ایسے نہیں کہ دنیا کو معلوم نہ ہوں۔ البتہ یہ خدا کا فضل ہے کہ اس زمانہ میں وہ حالات بروئے کار آکر عیاں ہو رہے ہیں۔ اور بہت ساری نئی باتیں بھی طشت از بام ہو رہی ہیں۔ مسیح کے صلیب پر مرنے اور زندہ آسمان پر چڑھنے اور کفارہ کے لیے لعنتی ہونے اور خدا بننے کے سخت کذب آمیز معتقدات کے مفاسد حدِ انتہائی کو پہنچ چکے ہیں۔

اب ارادہ الٰہی ہوگیا ہے کہ اس جھوٹ کو تباہ کر دیوے۔ اور اس کے گند سے خلق کو بچا دے۔ اسلیے اس نے وہ یقینی ثبوت عیاں کر دیے ہیں کہ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یسوع فی الحقیقت آسمان پر نہیں چڑھا تھا۔ ملک کشمیر کے دار الخلافہ شہر سری نگر کے محلہ خانیار میں ایک پرانی قبر موجود ہے جسکو "نبی صاحب" کی مزار "شہزادہ نبی" کی مزار "یوزآسف نبی" کی مزار بھی کہتے ہیں۔ اس کی نسبت یہ روایت مستند طور پر انہیں موجود ہے کہ وہ کسی مغربی ملک سے وہاں تشریف لائے تھے اور قریباً انیس سو (۱۹۰۰) برس سے انکی قبر وہاں موجود ہے۔ تاریخوں اور زبانی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ انپر ایک کتاب بھی نازل ہوئی تھی جس کو بشریٰ کہتے تھے۔ اب یہ لفظ بشریٰ عربی اور عبری زبانوں میں مشترک طور پر آتا ہے اور اس کے معنے انجیل یعنی خوشخبری کے ہیں اس بشریٰ سے ہیں اس نبی کی تعلیمات بھی لکھی ہوئی ہیں جو اکثر موجودہ اناجیل سے ملتی جلتی ہیں۔ یہ نبی جو انیس سو (۱۹۰۰) سال سے سری نگر میں مدفون ہے تمثیلوں میں باتیں کرتا تھا۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ اکثر تمثیلیں انجیلی تمثیلوں کے مشابہ ہیں۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ شہزادہ نبی یسوعؑ کے سوا اور کسی نے کہلانا پسند نہیں کیا۔ اس لیے یہ وہی یسوع مسیحؑ صاحب

ہیں۔ اور یہ گمان کرنا کہ یہاں کوئی ہندوؤں کا رشی منی دفن ہوگا غلط ہے کیونکہ وہ نبی کے نام سے موسوم ہیں اور یہاں نبی بدون اسرائیلی گھرانے کے دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا۔ ہندوؤں کے بزرگوں کو نبی کے نام سے کبھی نہیں پکارا گیا۔ نبی تو زبان عربی اور عبری کا لفظ ہے۔ ہندوؤں میں اس کے ہم معنی اور الفاظ ہیں اور انکے بزرگ انہیں اسماء سے مشہور ہیں جو زبان سنسکرت میں آتے ہیں۔ باقی رہے مسلمان سو مسلمانوں کا ایک ہی نبی گذرا ہے جو سب نبیوں کا سردار اور پہلوں پچھلوں کا مقتدا تھا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)۔ انکا زمانہ بھی بہت پیچھے کا ہے اور انکا مدفن معلّٰی بھی معلوم ہے۔ اور انکے بعد مسیح موعودؑ سے پہلے کوئی نبی نہیں گذرا۔ پس یہ اسرائیلی گھرانے کے نبی کی قبر ہے اور اسکے زمانہ اور نام اور کاموں سے فیصلہ ہوتا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام ابن مریم کا مدفن ہے۔ یہ بات کہ یہ مدفون انیس ۱۹۰۰ سو سال گذرے ہیں کہ مغرب کی طرف سے یہاں آیا۔ اور یہ کہ اپنی کتاب کا بشریٰ نام رکھا اور یہ کہ وہ بھی تمثیلوں میں باتیں کرتا تھا۔ جس میں سے بعض موجودہ اناجیل کی تمثیلوں سے ملتی جلتی ہیں۔ اور یہ کہ اسکی تعلیم انجیل کی تعلیم سے مشابہ ہے۔ اور یہ کہ وہ شہزادہ کہلاتا تھا۔ صاف ثابت کرتی ہے کہ یہ نبی حقیقت میں یسوع مسیح ہی تھا۔ پھر جب ہم یہودیوں کے منصوبوں کی طرف دیکھتے ہیں اور یسوع مسیح کی مغلوبانہ حالت اور اپنے وطن مالوف سے بھاگ کر کسی ایسے علاقہ میں پناہ لینے کی ضرورت جہاں پر یہودی پہنچ ہی نہ سکیں اور اسکی ہوا تک بھی سن نہ پاویں پر غور کرتے ہیں تو اس بات پر یقین زیادہ واثق ہو جاتا ہے۔

ایک اور امر اس بات کو اور بھی صاف کر دیتا ہے۔ مسیح کے مشن میں یہ بات بھی داخل تھی کہ بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کو جمع کرے۔ یعنی جو اسرائیلی فرقے متفرق ہو کر شام سے گم ہو گئے ہوئے تھے انہیں جمع کرے۔ ریویو آف ریلیجنز کے متواتر مضامین میں یہ امر ثابت کرکے دکھا دیا گیا ہے کہ کشمیری اور افغان لوگ بنی اسرائیل کے اُن گم شدہ فرقوں کی نسل سے ہیں۔ یسوع مسیح تمام بنی اسرائیل کی طرف نبی ہو کر آیا تھا۔ انکی نبوت صرف ان دُو قبیلوں کے لیے محدود نہ تھی جو شام میں موجود تھے۔ بلکہ ان سب کی طرف بھی وہ نبی تھے جو وہاں سے نکلکر مشرقی ملکوں میں جا آباد ہوئے تھے۔ اور بنی اسرائیل کی طرف نبی ہونیکی وجہ سے اسکا فرض تھا کہ وہ دس گم شدہ قبایل بنی اسرائیل کو بھی وہ پیغام الٰہی پہنچاوے جس کی تبلیغ کے لیے مبعوث ہوا تھا۔ پس یہ ضروری تھا کہ شام کے رہنے والے دونوں قبیلوں میں تین سال منادی کرکے وہ مشرق کی طرف بڑھتا کہ تا وہاں بنی اسرائیل کے باقی متفرق شدہ قبایل کو تبلیغ کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو سمجھا جاتا کہ وہ اپنے منصب کے فرض کو پورا کرنے سے قاصر رہا۔ مسیح کی ہجرت کے مذکورہ بالا مقاصد کی تائید یسیعا ۵۲ سے بھی ہوتی ہے۔ کتاب جیوش انسائکلوپیڈیا جلد ۵ صفحہ ۲۱۴ کے پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ طالمود میں یہ پیشگوئی درج ہے کہ یسوع مسیح جب ظاہر ہو جاویگا تو پھر کچھ عرصہ بعد گم ہو جاویگا اور نوّے دن اسکا پتہ نہ لگیگا یہ گمنامی کا زمانہ ہوگا۔ ان نوّے دنوں سے حضرت مسیح کی

عمر کے پچھلے نوّے سال مراد ہیں۔ ایسا ہی آنحضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک حدیث
مروی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ برس ہوئی تھی۔ جو طالمودی روایت کی تائید کرتی ہے یعنی ۳۰ سال
شام میں رہا اور ۹۰ سال وہاں سے گم ہو کر نصیبین۔ افغانستان۔ پنجاب اور کشمیر میں رہکر بادہ حیات
لبریز کیا۔ اور سری نگر میں مدفون ہوا۔ غرض اب مسیح کو آسمان پر زندہ تلاش کرنا غلطی ہے وہ تو خانیار کے
محلہ میں اپنی قبر کے اندر لیٹا ہوا ہے۔ اسے آسمانوں سے بادلوں پر سوار اور فرشتوں اور نرسنگے بجانیوالوں
کے لشکروں کے ساتھ اُترتے دیکھنے کی انتظاری کچھ سود نہیں دیگی۔ وہ طبعی موت سے فوت ہو چکا ہے اور
اسکا زندہ ہونا ناممکن ہے۔ جس طرح ایلیا کے دوبارہ نزول سے کوئی دوسرا شخص اس کے روح اور اخلاق پر
اُترنا مراد تھا اسی طرح اس کے دوبارہ نزول سے کسی ایسے شخص کا اُترنا مراد ہے جو اس کے اخلاق اور قوت
روحانیت پر نازل ہوگا۔ اور وہ موعود اب آچکا ہے۔ جو آپ لوگوں کے درمیان ہے۔ اور جو ٹھیک وقت
مقررہ پر نازل ہوا ہے۔ اس کے ساتھ اپنی صداقت کے ثبوت اُسی طرح موجود ہیں جس طرح پہلے نبیوں کے
ساتھ ہوا کرتے تھے۔ اگر آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت مسیح
علیہ السلام پر ایمان ہے تو آپ کو میرزا غلام احمد صاحب کی نبوت پر بھی لازماً ایمان لانا پڑے گا۔

سلسلہ کی ضرورتیں اور سالانہ رپورٹ

اس رسالہ کے اصلی صفحات میں مَیں نے آجتک ضروریات سلسلہ کے متعلق بہت کم تحریک کی ہے مگر چونکہ جس طرح
اس سلسلہ کی صداقت کے دلایل اور نشانات سے احباب کو آگاہ رکھنا اس رسالہ کا فرض ہے ایسا ہی اس کی ضروریات سے
انکو واقف کرنا بھی اسکا فرض ہے اس لیے اس نمبر کے باقی چند صفحات میں اس دوسری غرض کے حصول کی
کوشش کرتا ہوں۔ اس سے پہلے کوئی تین ماہ کا عرصہ ہوا ہے مَیں نے بعنوان "میری اپیل" ایک اشتہار حضرت مسیح
موعود علیہ السلام کا شایع کیا تھا۔ جس میں جماعت کو اس رسالہ کی اعانت کے لیے اور اسکے بیرونی ممالک میں
اشاعت کے بڑھانے کے لیے توجہ دلائی تھی۔ وہ اپیل بیکار نہیں گئی۔ اگرچہ اسکا جواب جماعت کے اس حصہ کیطرف سے
جسپر زیادہ امید تھی ابتک کچھ نہیں ملا۔ اور نہ ہی کسی مقامی انجمن نے اسپر کوئی کارروائی کر کے اطلاع دی ہے
مگر بہت سے دلوں پر اسکا اثر ہوا اور مَیں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ وہ اوراق ضایع نہیں ہوئے نہ ہی ان احباب کی
بے توجہی سے جنکو مدنظر رکھکر مَیں نے اس اپیل کو لکھا تھا مَیں دل شکستہ ہوتا ہوں کیونکہ وہ لوگ بجائے خود طرح

طرح کی خدمات میں لگے ہوئے ہیں اور ہر امر کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وقت مقرر ہوتا ہے۔ سو جب وہ وقت آجاتا ہے تو وہ خود اپنی جانب سے دلوں میں ایک تحریک پیدا کر دیتا ہے۔ انسان صرف الفاظ میں تحریک کر کے بعض باتیں دوسروں کے کانوں تک پہنچا سکتا ہے مگر دلوں میں تحریک کرنا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ سو اس موقع پر بھی میں صرف یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اس سلسلہ کی کیا کیا ضرورتیں ہیں اور وہ کیونکر پوری ہو سکتی ہیں پھر جس قدر اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق دے اسی قدر ان خدمات کی بجا آوری میں وہ حصہ لے سکیگا۔

قبل اس کے جو میں ان ضرورتوں کو ظاہر کروں یا گذشتہ کارروائی کے حال سے آپکو مطلع کروں میں .... دو باتوں کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اول یہ کہ اس سلسلہ کا لوگوں کو اپنی مدد کی طرف بلانا اس رنگ میں نہیں جو دنیا کے دوسرے لوگ اختیار کرتے ہیں اور دویم اسکی اغراض میں کوئی دنیوی غرض داخل نہیں۔ امر اول کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہر ایک نبی نے اپنے وقت میں یہ آواز دی ہے کہ من انصاری الی اللہ اور ایسا ہی اس زمانہ میں خدا کے برگزیدہ مسیح موعودؑ کے مُنہ سے بھی یہی آواز نکلی ہے مگر ان لوگوں کا جو خدا کی طرف سے آتے ہیں لوگوں کو اپنی نصرت کے لیے بلانا معمولی دنیوی رنگ میں نہیں ہوتا اور انکی آواز کا منشاء یہ نہیں ہوتا کہ ہمارا یہ کام یا سلسلہ بغیر تمہاری مدد کے چل نہیں سکتا۔ کیونکہ اُس سلسلہ کو جو خدا کی طرف سے ہو چلانیوالا خود اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ پس کسی انسان کی مدد اُس سلسلہ کی طرف ان معنوں میں منسوب نہیں ہو سکتی کہ اس کے بغیر وہ کام چل نہ سکتا تھا۔ بلکہ حکمت اس آواز من انصاری الی اللہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو بیکسی اور تنہائی کی گھڑیوں میں سالہا سال پہلے یہ خبر دیتا ہے کہ وہ خود انکی تمام ضروریات کا متکفل اور دکھوں اور مصیبتوں کی گھڑیوں میں انکا حامی اور ناصر ہوگا اور خود لوگوں کے دلوں میں یہ القا کریگا۔ کہ وہ اس خدائی سلسلہ کی مدد کے لیے اپنی جانوں اور مالوں کو قربان کریں۔ پس ماموروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نصرت کا وعدہ پہلے سے ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے حضرت مسیح موعودؑ کے لیے بھی ایسا وعدہ نہ دو چار یا دس سال سے بلکہ پچیس برس پیشتر کتاب براہین احمدیہ میں موجود ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء اور یاتیک من کل فج عمیق۔ یعنی تیری مدد ایسے لوگ کرینگے جنکی طرف ہم خود آسمان سے مدد کرنیکے لیے وحی کرینگے اور ہر ایک دور کی راہ اور گہری راہ سے تیرے پاس نصرتیں آئیں گی۔ ایسے ہی اور وعدے نصرت کے براہین احمدیہ میں بکثرت موجود ہیں اور جو شخص براہین احمدیہ کو پڑھے گا وہ خود دیکھ سکتا ہے کہ اس وحی کے مہبط کو ان نصرت کے وعدوں پر کیسا یقین کامل ہے کہ انہی وعدوں کے بالآخر پورا ہونیکو اس کلام کے منجانب اللہ ہونیکا نشان قرار دیا ہے۔ پس جس صورت میں ایسے عظیم الشان وعدے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور پھر اس شخص کو ان وعدوں پر یقین بھی ایسا کامل ہو تو یہ ہرگز ممکن نہیں کہ وہ معمولی

عمر کے پچھلے حصہ میں اس رنگ میں کسی سے مدد طلب کرے بلکہ اسکا من انصاری الی اللہ کی آواز دینے سے یہ منشار
مد نظر ہے کہ تا جن لوگوں کی قسمت میں یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے مقدر کی ہوئی ہے وہ اسکی آواز کو سنکر اس سعادت
میں شامل ہونے کے لیے دوڑیں۔ پس وہ لوگ بھی جنکو خدائے تعالیٰ اس نصرت میں حصہ لینے کی توفیق دیتا ہے
اپنی طرف سے احسان رکھکر نصرت نہیں کرتے بلکہ خود خدائے تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں کہ اسنے اس سعادت میں سے انکو بھی
حصہ دیا۔ دوسرا امر مینے یہ بیان کیا تھا کہ الٰہی سلسلوں کی اغراض میں کوئی دنیوی غرض داخل نہیں ہوتی۔ بلکہ محض
خدائی دین کی ترقی اور حق کی اشاعت انکی اصل غرض اور اہم مقصد ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ دنیا کے لیے اور
دنیوی ترقیوں کے لیے کام کرتے ہیں مگر وہ محض خدا کے لیے اور دین کی ترقی کے لیے کوشش کرتے ہیں۔

پس اے میرے دوستو! تمکو بھی ایک خدا کا برگزیدہ وہی آواز من انصاری الی اللہ کی اسوقت دے رہا ہے
جو پہلوں کو دیگئی۔ اور وہ تمکو بلاتا ہے کہ تم دین اسلام کی ترقی اور اسکی اشاعت کے لیے جان توڑ کر کوشش کرو
تمہیں اسوقت ایک عجیب موقع دیا گیا ہے اور میں اس سلسلہ کا ایک ادنیٰ ترین خادم ہونیکی حیثیت سے آپ لوگوں کو جو اس سلسلہ
میں داخل ہیں یہ مبارکباد دیتا ہوں کہ اسوقت دین کا میدان تمہارے لیے خالی چھوڑا گیا ہے تمام قوموں نے دنیا کا ایک ایک پہلو اختیار کر لیا
ہے۔ کوئی قوم ملکی ترقی کے درپے ہے۔ کوئی تجارتی ترقی کے کوئی صنعتی ترقی کے کوئی تمدنی ترقی کے کوئی تعلیمی ترقی کے
کوئی روپے اور مال کی ترقی کے۔ مگر اصل جڑھ جو دین ہے اسکو سب لوگ بھول گئے اور دنیا کے پیچھے ہمہ تن ہو گئے ہیں۔ دین کا پہلو
اسوقت صرف ایک ہی قوم نے اختیار کیا ہے اور وہ ہے احمدی قوم جسکا امام دین کو زندہ کرنے کے لیے آیا ہے۔ احمدی قوم ہی اسوقت دنیا میں وہ
اکیلی قوم ہے جس نے یورپ اور امریکہ میں اشاعت اسلام کا کام سب سے پہلے شروع کیا۔ کیا تعجب کی بات نہیں کہ مسلمانوں میں لاکھوں کے سرمایہ
سے انگریزی اخبار اور رسالے جنکی غرض محض دنیوی اور ملکی ہے نکالے جاویں مگر دین کی اشاعت کے لیے چند ہزار کے سرمایہ سے بھی کوئی رسالہ
نہیں نکالا جاتا؟ کیا قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے دین کے لیے اپنی جانیں اور اپنے مال قربان کر کے سچا نمونہ نہیں دکھایا؟ شاید بعض لوگ
یہ کہیں گے کہ تعلیمی ترقی اور تمدنی ترقی اور مالی اور تجارتی ترقی اور ملکی ترقی یہ سب کچھ دین کے لیے ہی ہے مگر یہ سب جھوٹ ہے۔ ایک تعلیمی
درسگاہ جو اسوقت سارے ہندوستان میں اسلام کی سب سے بڑی تعلیمی درسگاہ سمجھی جاتی ہے اسیکا نمونہ دیکھ لو کہ اس میں سے جو قابل فخر
نوجوان تعلیم حاصل کر کے نکلے ہیں وہ بجائے دینداری کا نمونہ ہونیکے دین کی تخریب کے درپے ہیں۔ مگر ابتدا سے یہی مقدر تھا کہ دین اسلام دوبارہ
مسیح موعودؑ کے ذریعہ سے ترقی پکڑیگا۔ اسیواسطے اس مسیح موعودؑ کے ساتھیوں کو آخرین منھم کہکر صحابہؓ کا ایک ہی گروہ قرار دیا گیا۔
مگر یہ مقام جیسے خوشی کا مقام ہے بڑے خوف کا مقام بھی ہے۔ خوشی تو اسلیے کہ اللہ تعالیٰ اس پاک گروہ کے ساتھ اس جماعت کو ملانا چاہتا
ہے جن کے دل نور ایمان سے بھر گئے تھے اور خوف کا مقام اسلیے کہ اس پاک گروہ کے ساتھ ملنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جو لوگ اس سلسلہ میں
داخل ہوتے ہیں وہ اُن مقدسوں کی طرح واقعی طور پر دین کو دنیا پر مقدم کر دکھاویں جیسا بیعت کے وقت اقرار کرتے ہیں اور دین کے لیے ویسی ہی
جانفشانیاں کر کے دکھاویں جیسی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیں۔ مگر ان باتوں کا حاصل ہونا آسان نہیں اور خوف ہے کہ جو شخص دین کے لیے

پوری سرگرمی سے قدم نہیں اُٹھاتا اور پہلے راستبازوں کے نمونہ پر نہیں چلتا وہ اس جماعت سے الگ کر دیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ کا تو یہ ارادہ ہو چکا ہے کہ وہ دین اسلام کو حجج اور دلایل سے کل دینوں پر غالب کرکے دکھاوے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی اس نے وہی خارق عادت نشان اپنی ہستی پر قایم کیے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کیے تھے۔ وہ نشان ہیں اقتداری پیشگوئیاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بالفاظ نمایاں صحابہؓ نے دکھائی تھیں انکی وجہ کیا تھی یہی کہ انکو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان کامل حاصل ہو گیا تھا اور انہوں نے اس دنیا کی بے ثباتی کو خوب سمجھ لیا تھا۔ یہ کامل ایمان کیونکر حاصل ہوا؟ ان نشانات سے جو انکو دکھائے گئے اور انمیں سب سے بڑا نشان وہی اقتداری پیشگوئیاں تھیں یعنی ابتدائے زمانہ رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں جب آپکی حالت بالکل تنہائی اور بیکسی کی تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکی سورتوں میں بڑے زور کے ساتھ یہ خبر دی جنکا اعلان شب و روز کفار میں کیا جاتا تھا کہ آپکو غالب کیا جائیگا اور آپکے کل مخالفین کو اپنے منصوبوں میں جو آپکے خلاف وہ کرینگے ناکام اور نامراد رکھا جائیگا۔ اور پھر ان تمام وعدوں کو جو دنیا کے لوگوں کی نظر میں ایک مجنون کی بڑ تھی نہایت صفائی سے پورا کرکے دکھایا۔ ایسا ہی اس زمانہ میں اللہ تعالےٰ نے آج سے پچیس۲۵ برس پیشتر اپنے ایک بندے کے ساتھ جو اُسوقت تنہائی اور گمنامی کی حالت میں تھا بڑے زور کے ساتھ یہ متواتر وعدے کیے کہ میں تجھے ایک بڑی جماعت دونگا اور دور دور سے لوگ تیرے پاس آئینگے اور طرح طرح کے منصوبے تمھارے برخلاف کیے جائینگے اور سخت مخالفت کیجائیگی مگر مخالفوں کو ناکام کرونگا یہ وعدے اسیوقت جو آج سے پچیس۲۵ سال پہلے کا زمانہ ہے کتابوں میں شایع ہو کر ہر ایک ملت اور ایک فرقہ کے لوگوں تک پہنچا دیے گئے اور آج وہی تمام وعدے نہایت صفائی کے ساتھ پورے ہو رہے ہیں۔ سو اے احمدی قوم اللہ تعالیٰ اپنی ہستی کا وہ بین ثبوت جو اس نے صحابہ کرامؓ کو دیا تھا آپ لوگوں کو بھی دے چکا اور خدا کی حجت پوری ہو چکی اور کھلے کھلے نشان ظاہر ہو چکے۔ اب وقت ہے کہ تم بھی دین کے لیے ویسی ہی جانفشانیاں کرکے دکھاؤ جیسی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیں۔ بلکہ تمھارے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سی سہولتیں بھی کر دی ہیں کیونکہ صحابہؓ کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب جان جیسی پیاری چیز دین کے لیے قربان کرنی پڑتی تھی اور وہ خوشی سے کرتے تھے۔ اور طرح طرح کے دکھ اور صعوبتیں اُٹھاتے اور مالوں اور جائدادوں سے الگ کیے جاتے تھے۔ مگر اس آخری گروہ کو خدا تعالیٰ نے ایسے زمانہ میں پیدا کیا ہے جب دین کے لیے جنگوں کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ اسوقت کسی شخص کو دین کے لیے مارا نہیں جاتا۔ پس اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل سے اسوقت یہ آسانی کر دی ہے کہ آپ لوگ اپنی جانفشانی کا ثبوت محض انفاق مال سے دے سکتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد میں اب سلسلہ کی ضروریات کو مختصر طور پر ظاہر کرتا ہوں (۱) اوّل۔ سب سے پہلی ضرورت اس سلسلہ کی لنگرخانہ اور مہمان خانہ کا قیام ہے۔ یہی وہ سب سے پہلی شاخ اس سلسلہ کی ہے جسکی اللہ تعالیٰ نے بنیاد رکھی تاکہ طالبان حق امام پاک کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل کریں اور اللہ تعالےٰ کی ہستی کے وہ تازہ بتازہ نشان دیکھیں جو وہ اپنے بندے کے ذریعہ سے اس زمانہ میں ظاہر کر رہا ہے۔ علاوہ مہمانداری کے اخراجات کے اخراجات عمارت بھی درکار ہیں کیونکہ جیسے جیسے یہ سلسلہ ترقی کرتا ہے ویسے ویسے مہمانوں کی تعداد ترقی کرتی اور نئی عمارتوں کی ضرورت پیش آتی ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے آج سے کئی سال پیشتر فرمایا تھا کہ وسع مکانک۔ اس حصہ کا ہر ایک بیعت کنندہ کو سب سے مقدم خیال رکھنا چاہیے نہ صرف اسلیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مقدم کیا ہے بلکہ اسلیے بھی کہ اسکا اہتمام خود حضرت اقدس کے ہاتھ میں ہے اور یہ فکر ہر ایک کو چاہیے کہ ایسا نہ ہو کہ کمی آمد اور کثرت اخراجات کی تشویش آپ کے اوقات گرامی میں کبھی خلل انداز ہو۔ تمام متفرق اخراجات کو جیسے خط و کتابت اور تصنیف و عمارت لنگرخانہ وغیرہ ملا کر اس مد کا خرچ ڈیڑھ ہزار روپے ماہوار سے کم نہیں اور سالانہ جلسہ کا خرچ مزید براں ہے۔ دوم۔ دوسری

ضرورت اس سلسلہ کی بچوں کی تعلیم ہی جس کے لیے حضرت اقدسؑ کی حکم سے یہاں ایک مدرسہ آٹھ سال سے قایم ہی۔ اس زمانہ میں دہریت اور مادہ پرستی کے خیالات کی زہریلی ہوا سے بچے صرف اسیطرح متاثر ہونیسے بچ سکتے ہیں کہ انکی تعلیم اور تربیت شروع سے ہی ایسے طور سے کیجاوے کہ ان خیالات کا مقابلہ وہ کرسکیں۔ ایساہی گذشتہ سال میں حضرت اقدسؑ نے اس ضرورت کو محسوس فرمایا کہ اس جماعت میں ایک سلسلہ واعظین اور علماء کا ہمیشہ قایم رہنا چاہیئے جسکے لیے علاوہ ہائی سکول کے جس میں مروجہ تعلیم کیساتھ خاص طور پر تعلیم دینی دیجاتی ہی ایک شاخ دینیات کی اس دوسرے منشاء کو پورا کرنیکے لیے کھولی گئی ہی۔ اس سال میں مدرسہ نے ایک غیر معمولی ترقی کی ہی۔ تعداد طلباء جو کئی سال سے ڈیڑھ سو سے زیادہ نہ ہوتی تھی اس سال میں دو سو سے بھی بڑھ گئی ہی۔ اور ایساہی بورڈنگ ہوس میں جہاں صرف چالیس بورڈر ہوتے تھے آجکل ایک سو بورڈر سے بھی زیادہ ہیں مدرسہ کے محکمہ تعلیم کی زیر نگرانی آجانیسے اور تعداد طلباء کے بڑھنے سے لازماً اخراجات بھی بڑھ گئے ہیں۔ اور سات ہزار روپیہ سالانہ کی بجائے جو ۱۹۰۵ء میں خرچ ہوا تھا اس سال میں نو ہزار روپیہ خرچ ہوا ہی۔ اب اسوقت چند ضرورتیں مدرسہ کے متعلق درپیش ہیں جنکو میں سلسلہ وار بیان کرتا ہوں (۱) ۱۹۰۷ء میں مدرسہ کے لیے چھیالیس ہزار روپے سے زیادہ کی منظوری دیگئی ہے جس میں سے تیس ہزار روپیہ عمارت کا ہی جسکا ذکر میں آگے کرونگا اور ۱۶ ہزار روپیہ معمولی اخراجات کا ہی۔ جو صاحبان مدرسہ کا چندہ پہلے دے رہی ہیں میں انکی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں مدرسہ کے معمولی اخراجات پہلے کی نسبت تگنی چوگنے ہو رہی ہیں۔ پہلا چندہ کافی نہیں رہا۔ اب مدرسہ کی ضروریات کی لحاظ سے انکو چندہ کی رقم بھی بڑھانی چاہیے۔ اور نیز یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ اگر کوئی صاحب ایسے ہوں جو ابھی تک مدرسہ کا چندہ نہ دیتے ہوں تو انکو بھی شامل کیا جاوے (۲) ماہوار چندوں کے علاوہ ایک یہ تجویز کیگئی تھی کہ دونوں عیدوں پر ہر ایک احمدی ایک روپیہ مدرسہ کی اعانت میں داخل کرے اس فنڈ کا نام عید فنڈ رکھا ہی۔ اگر جماعت متفق ہوکر صرف اسی فنڈ کا روپیہ جمع کرنیکی کوشش کرے تو آسانی سے سال تمام کا معمولی خرچ ایک ہی عید پر جمع ہوسکتا ہی۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ اسکی طرف کوئی توجہ نہیں کیجاتی حالانکہ عید جیسے موقع پر ایک روپیہ کا دینا کچھ بھی دشوار امر نہیں۔ اب عید قریب ہے اور میں تمام احمدی انجمنوں اور احمدی احباب کیخدمت میں دردِ دل سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ مدرسہ کی مالی حالت بہت نازک ہے۔ اگر ایک عید پر ہی پوری توجہ سے کام لیا جاوے تو پندرہ بیس ہزار روپے کا جمع ہونا کوئی مشکل امر نہیں اسکی طرف پوری توجہ کریں اور ہر ایک جگہ ہر ایک احمدی اس فنڈ میں شریک ہونا اپنا فرض سمجھے۔ ہاں ذی وسعت احباب ایک روپیہ کو اپنے لیے کافی نہ سمجھیں بلکہ پانچ پانچ دس دس روپے دیکر غریب احباب کی کمی کو پورا کرنیکی کوشش کریں میں امید کرتا ہوں کہ اس موقع پر ہر ایک احمدی جماعت عید فنڈ کا اسقدر روپیہ جمع کرنیکی کوشش کریگی جسقدر اسکے کل ممبروں کی تعداد ہی۔ (۳) تمام احمدی احباب اپنے بچوں کو اسی جگہ تعلیم دینا ضروری سمجھیں اس میں انکی اور انکی اولاد کی بہتری ہے۔ یہاں سے جسقدر نوجوان تعلیم کا کورس پورا کرکے نکلے ہیں خدا کے فضل سے علوم دینی سے خوب واقف اور نیکی اور چال چلن میں نمونے ہیں۔ (۴) بڑا درد پہنچتا ہے جسوقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ ابھی تک ہماری قوم میں دین کیلیے اپنی زندگی وقف کرنیوالے بہت تھوڑے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے ایسے کھلے کھلے نشانات صداقت کے دیکھے ہیں انہیں تو چاہیئے تھا کہ دیوانہ وار یہاں آگرتے۔ مگر بہت ہی افسوس ہے کہ بہت کم اس پہلو کیطرف توجہ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی ایک قوم اسوقت دنیا میں نمونہ قایم کرنیوالی تھی۔ کیا افسوس کا مقام نہیں کہ آپ لوگ دین کے لیے اسقدر کوشش اور قربانی بھی نہ کرسکیں جسقدر لوگ دنیا کے لیے کر رہے ہیں حالانکہ تم ایک روشن صداقت اور حق پر قایم ہو۔ مدرسہ کے لیے ہمیں چند ایسے قربانی کرنیوالوں کی ضرورت ہے یہ تو میں یقین رکھتا ہوں کہ ایسے بہت آئیں گے مگر افسوس ان پر ہوگا جنکو اسوقت موقع ہی اور وہ سست ہو رہے ہیں (۵) پانچویں ضرورت مدرسہ کے متعلق عمارت کی ہے۔ اگرچہ روپیہ تو بہت درکار ہوگا مگر اس سال صرف تیس ہزار روپیہ عمارت پر خرچ کرنا صدر انجمن احمدیہ نے منظور کیا ہے۔ ایک دوست نے اس منظوری کیوقت یہ سوال کیا تھا کہ اسقدر روپیہ جمع بھی ہے؟ جسکا جواب یہی دیا گیا تھا کہ ہمارا روپیہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں جمع ہے اور ہم پوری امید رکھتے ہیں کہ جس خرچ کی ہمیں ضرورت ہوگی وہ ضرور پہنچائیگا۔ عمارت کے خرچ کو پورا کرنیکے لیے ذیل کی چند تجاویز پیش کیجاتی ہیں۔ ۱۔ ذی وسعت احباب اگر اسیقدر ضروری اس عمارت کی بنانیکو سمجھیں جیسا وہ اپنے لیے گھروں کی ضرورت سمجھتے ہیں اور اسپر سیکڑوں بلکہ ہزاروں روپے خرچ کرتے ہیں تو بہت سے دوست ایسے نکل سکتے ہیں جو ایک

ایک کمرہ مدرسہ کا جسپر پندرہ سو روپیہ خرچ ہوگا یا ایک ایک کمرہ بورڈنگ کا جسپر پچیس سو روپیہ خرچ ہوگا اپنے خرچ سے فی سبیل اللہ بنوادیں۔ میں ایسے کئی دوستوں کے نام لکھ سکتا ہوں مگر دل چاہتا ہے کہ وہ خود ہی اس کارخیر میں ابتدا کریں۔ اگر دینی ضرورت کو اپنی ضرورتوں کی طرح ہی سمجھ لیا جاوے تو بہت سے ہمت والے جوانمرد پیدا ہوسکتے ہیں جو اسکام کو اپنے ذمہ لیں ہاں یہ ضروری نہ ہوگا کہ سارا روپیہ یکمشت ہی دیدیں بلکہ اثنائے سال میں تھوڑا تھوڑا کرکے دیتے رہیں تو بھی مکانات کے بنانے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ ب۔ اس سے کم وسعت والے احباب دو دو یا تین تین ملکر ایک ایک کمرہ بنوادیں ایسے کمروں کے نام ان احباب کے نام پر رکھے جاویں گے ج۔ معقول چندے اس غرض کیلیے دیے جاویں ..... د۔ وہ احباب جنکے پاس کوئی سرمایہ جمع ہو تجارتی طور پر اسی یہاں لگا کر مکان بنوادیں اور انکا کرایہ ماہوار لیتے رہیں۔

سوم۔ اشاعت اسلام۔ اس مد کا کام بالفعل بذریعہ میگزین یعنی ریویو آف ریلیجنز کے ہو رہا ہے۔ اس سال میں اس مد میں خدا کے فضل سے بہت ترقی ہوئی ہے۔ اردو خریداروں کی تعداد میں دو سو کا اضافہ ہوا ہے۔ انگریزی میں ۲۵ کا مفت اشاعت میں دو سو کے قریب ماہوار پرچے پہلے سال کی نسبت زیادہ بھیجے جاتے ہیں بیرونی اشاعت کل قریباً پانسو ہے۔ دو کتابیں بھی مفت اشاعت کیلیے طبع کرائی گئی ہیں جو انگریزی میں ہیں۔ اب آیندہ کے لیے سب سے مقدم ضرورت وہ ہے جسے میں اپیل میں ظاہر کرچکا ہوں یعنی پرچہ کو دس ہزار کی اشاعت تک پہنچانا۔ یہ حضرت اقدسؑ کا ارشاد ہے اور اسلیے امید ہے سب احباب کوشش کریں گے۔ اعانت کا سلسلہ بھی وسیع ہونا چاہیئے تاکہ اس سال اور بھی زاید پرچے بھیجے جاسکیں۔ مگر ایک نئی ضرورت انگریزی مطبع کی اسجگہ قایم کرنیکی ہے جس کی ضرورت اور خرچ کو پورا کرنیکی تجویز پچھلے مہینہ ظاہر کرچکا ہوں۔ کثرت سے احمدی احباب نے اس تجویز کو پسند کیا ہے بلکہ بعض غیر احمدی احباب نے بھی خوشی سے مطبع کا چندہ دینا خود ہی منظور فرمایا ہے۔ یہ چندہ ایک روپیہ کی کمی کو پورا کردیگا۔ اسکی طرف جلد توجہ بکار ہے تاکہ اگر ابتدائی سال میں رقم جمع شدہ کا اندازہ لگ جائے تو ولایت سے مشین اور ٹائپ منگوانیکی تجویز کیجاوے۔ چہارم۔ چوتھی مد سلسلہ کی مقبرہ بہشتی ہے جسکے لیے سال گذشتہ میں بہت کم توجہ ہوئی ہے اس میں بجائے وصیت کے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر جایداد کا حصہ وصیت کرنیمیں قانونی مشکلات ہوں تو دسواں حصہ آمد کا دیدیا جاوے دیگر اعانتی چندے اسی دسویں حصہ سے وضع کیے جاوینگے۔ پنجم۔ ایک ضروری مد صدقات کی ہے۔ یہاں کچھ مساکین اور کچھ یتامیٰ ہیں جنکی پرورش پر قریب دو سو روپیہ ماہوار کے خرچ آتا ہے۔ زکوٰۃ کیطرف اگر جماعت پوری توجہ کرے تو بہت سی برکات کا باعث ہوگا دینے والوں کے اپنے مالوں کیلیے بھی اور سلسلہ کیلیے بھی۔ ششم۔ ایک بکڈپو ہے جس میں علاوہ مروجہ تعلیم مدارس کی کتابوں کے اور بھی بہت سی کتابیں فروخت کیلیے ہیں۔ اور اب ایک ماہوار رسالہ تعلیم الاسلام نکالا جاتا ہے جس میں نہایت لطیف تفسیر قرآن کریم کی درج ہوتی ہے۔ اس غرض سے کہ یہ رسالہ ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہو۔ اس کی قیمت صرف ۸؍ رکھی گئی ہے۔ ہفتم۔ اگرچہ اخبارات کے مالی اور انتظامی امور صدر انجمن احمدیہ سے تعلق نہیں رکھتے مگر اصل بات یہ ہے کہ الحکم اور بدر اس سلسلہ کے لیے دو ایسے ضروری خبر رساں ہیں کہ سلسلہ کے حالات سے آگاہی کیلیے انکا ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہونا ضروری ہے۔ وہ تازہ نشان اور تازہ الہامات اور دیگر تازہ اخبار جو ہر شخص سننے کیلیے یہاں نہیں رہ سکتا اسکو یہ دونوں اخبار بھائیوں تک پہنچاتے ہیں۔ قادیان میں رہکر میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ جب یہ اخبار نکلکر آتے ہیں تو پہلے انکو پڑھکر (خصوصاً ضروری حصص کو) پھر دوسرا کام کرتا ہوں۔ الحکم تو اس سلسلہ میں نو دس سال کا پرانا اور قیمتی اخبار ہے مگر بدر نے جو ترقی میرے مکرم دوست صادق کے ہاتھ میں آکر کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔

نوٹ: ترسیل زر اور خط وکتابت کے متعلق ٹائٹل پیج پر ضروری ہدایات پڑھیں۔

ازمحکمہ صاحب ڈائرکٹر بہادر زراعت پنجاب

ہدایت دربارہ دور کرانے ناقص بیج کپاس کے پیشتر از تخم ریزی

ا۔ تخم کپاس کو ہر سال ایک خاص قسم کے چھوٹے چھوٹے کیڑوں سے بہت بہت نقصان پہنچتا ہے۔ یہ کیڑے کھلے ہوئے ٹینڈوں کے اندر جب وہ پودہ ہی پر لگے ہوتے ہیں۔ گھس جاتے ہیں۔ اور بنولوں (بڑیووں) کا تیل چوستے رہتے ہیں۔ اس طرح پر جن بنولوں (بڑیووں) کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ وہ بوئے جانے پر اول تو اُگتے ہی نہیں۔ اور جو اُگتے بھی ہیں تو پودے کمزور پیدا کرتے ہیں۔ اس قسم کے ناقص تخم کو چُن کر علیحدہ کر لینا آسان بات نہیں البتہ ایک اور آسان طریقہ ہے جس سے ناقص اور عمدہ تخم علیحدہ علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ ۲۔ ناقص تخم عمدہ تخم کی نسبت ہلکا ہوتا ہے۔ اور پانی پر تیرتا ہے جب کہ عمدہ تخم پانی میں ڈوب جاتا ہے۔ ۳۔ تمام زمینداروں کو چاہیئے کہ بونے سے پہلے اُسی روز بنولوں (بڑیووں) کو گوبر، چکنی مٹی اور پانی میں خوب مَلیں۔ پھر اس مَلے ہوئے تخم کو پانی سے بھرے ہوئے برتن میں ڈالدیں۔ عمدہ تخم تہ میں بیٹھ جائیگا۔ اور ناقص تیرتا رہیگا ناقص تخم کے علیحدہ کرنیکے لیے یہ نہایت ہی سیدھا سادہ اور آسان طریقہ ہے۔ جس میں محنت کم ہے۔ اور فائدہ زیادہ۔

فہرست چندہ اعانت دہندگان۔ ماہ نومبر ۱۹۰۶ء

سید امیر علی و سید عبدالستار صاحبان۔ کٹک ۱۲؍۔ سید مدثر شاہ صاحب۔ پشاور۔ ۸؍۔ میاں سلیمان صاحب۔ راجوہ۔ وردان حیدرآباد دکن ۸؍۔ مولوی محمد حسین صاحب نمبردار۔ پر جیت پورہ ۴؍۔ قایم علی صاحب۔ مدرس۔ چک نمبر ۱۲۷۔ بہلول پور ۴؍۔ محمد الہی صاحب ایس۔ ڈبلیو۔ انسپکٹر کوہاٹ ۱۲؍۔ چودھری احمدالدین صاحب نقلنویس و محرر لوکل فنڈ کوہاٹ ۸؍۔ مولوی عزیز بخش صاحب ڈیرہ غازیخان ۲؍۔ بابو برکت علی صاحب شملہ ۱۵؍۔ بابو عبدالرحمن صاحب شملہ ۴؍۔ جماعت کریام معرفت مولوی غلام احمد صاحب ۴؍۔ عالمگیر خانصاحب۔ جبلپور ۴؍۔ بابو عبدالرحمن صاحب۔ انبالہ ۴؍۔ منشی طفیل احمد صاحب۔ چندوسی ۸؍۔ غلام رسول صاحب مدرس بجواڑہ ۸؍۔ ایک احمدی طالب علم۔ قادیان ۴؍۔ زین الدین محمد ابراہیم صاحب۔ بمبئی ۱۲؍۔ ڈاکٹر محمد فیاض خاں صاحب۔ قلعہ دانو ۸؍۔ منشی محمد حافظ صاحب۔ سرینگر ۸؍۔ ڈاکٹر سید جلال صاحب۔ بربرہ ۲؍۔ منشی حامد حسن خانصاحب میرٹھ ۴؍۔ منشی عبدالمجید صاحب مادہوپور ۸؍۔ بابو محمد عثمان صاحب الہ آباد ۸؍۔ میاں عبدالعزیز صاحب تیجہ کلاں ۲؍۔ مرزا محمد احسن بیگ صاحب کشن گنج۔ کامٹہ ۸؍۔ شیخ عبدالرحمن صاحب۔ قادیانی۔ کشن گنج۔ کامٹہ ۸؍۔ ابو عبداللہ غلام محمد صاحب بہلوال ۸؍۔ بابو برکت علی صاحب شملہ ۱۵؍۔ بابو عبدالرحمن صاحب۔ شملہ ۱۵؍۔ جماعت بنارس ۳؍ (باقی آیندہ)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

ضروری ہدایتیں

خط وکتابت کے لیے، یا روپیہ بھیجتے وقت ان چند ہدایتوں کو سب احباب مدنظر رکھیں۔ (۱) ہر قسم کا روپیہ جسکا تعلق صدر انجمن احمدیہ سے ہے۔ مثلاً مدرسہ یا میگزین یا مقبرہ یا زکوٰۃ یا مساکین فنڈ یا یتیم فنڈ یا رسالہ تعلیم الاسلام کا روپیہ صرف بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیئے اور کوپن میں یا الگ خط میں اس کی تفصیل ہونی چاہیے کہ کس شخص کی طرف سے کس مد کا روپیہ ہے (۲) ہر ایک رقم کی باضابطہ رسید دفتر محاسب سے دیجاویگی اور جس شخص کو رسید دفتر کی نہ پہنچے اسی خط وکتابت کرکے دریافت کرنا چاہیئے۔ (۳) لنگرخانہ کا روپیہ حضرت اقدسؑ کے نام آنا چاہیئے۔ لیکن جہاں اور مدات کا چندہ ساتھ ہو۔ تو محاسب صدر انجمن احمدیہ کے نام بھیجیں اور تفصیل ساتھ دیں۔ وہ حضرت اقدسؑ کیخدمت میں پیش کر دیں گے۔ (۴) میگزین کے متعلق کل خط وکتابت مینیجر یا نایب ناظم میگزین سے کریں اور کسی شخص کے نام پر خط وکتابت نہ کریں مگر مضامین کے متعلق ایڈیٹر میگزین سے خط وکتابت کریں۔ (۵) مدرسہ کے متعلق کل خط وکتابت ہیڈ ماسٹر یا نایب ناظم مدرسہ تعلیم الاسلام سے اور بورڈنگ ہوس کے متعلق سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس سے کریں۔ (۶) مقبرہ بہشتی کے متعلق کل خط وکتابت نایب ناظم مقبرہ بہشتی سے کریں اور ایسا ہی وصیتیں وغیرہ بھی اسی کے نام بھیجیں۔ (۷) چونکہ وقتاً فوقتاً عہدہ داران میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اسلیئے جو احباب قادیان میں خط وکتابت کرتے ہیں۔ انکی اپنی سہولت جواب کے جلدی ملنے میں اور کام کرنیوالوں کی سہولت اسی میں ہے کہ دستخط کنندہ کے نام پر کبھی خط وکتابت نہ کریں بلکہ صرف عہدہ پر کریں جیسا کہ اوپر ہدایت کیگئی ہے ایک دفتر کا خط دوسرے دفتر میں چلے جانیسے یا کسی خاص آدمی کے نام پر چلا جانیسے جواب میں عموماً بہت توقف ہو جاتا ہے اور خط کے ضایع ہو جانیکا اندیشہ بھی ہے۔

المعلن
محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ٦ — بابت ماہ فروری ۱۹۰۷ء — نمبر (۲)

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ فروری ۱۹۰۷ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا۔ چندہ سالانہ ۵ ؏

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲۲-جنوری ۱۹۰۷ء- انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا- ترجمہ "بیشک اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ اے اہل بیت تم میں سے ناپاکی کو دور کرے اور تمھیں پاک کرے اور مطہر بنائے" اس وحی کے بعد مَیں کسی کو آواز مار کر اسطرح سے پکارتا ہوں فتح فتح گویا اُس کا نام فتح ہے :: ایک پرانا الہام کوئی تیس سال کا جو پہلے بھی حضرتؑ نے کئی دفعہ سنایا ہے- اور آج پھر سنایا- غالباً کہیں پہلے چھپا نہیں گیا- اسواسطے آج لکھا جاتا ہے (۱) فارتدّ اعلیٰ اٰثرھما و ھب لہ الجنۃ اتنے میں طاقت بالا اسکو کھینچ کر لے گئی :: (۲) یہودا اسکریوطی- ۲۳-جنوری ۱۹۰۷ء- انی انا الرحمٰن اصرف عنک سوء الاقدار- ترجمہ "تحقیق میں رحمٰن ہوں- مَیں بُری قضاء و قدر تجھ سے پھیر دونگا یعنی بعض بلائیں جو مقدر ہیں وہ ظہور میں نہیں آئیں گی" یکم فروری ۱۹۰۷ء- (۱) روشن نشان (۲) ہماری فتح ہوئی- ۲-فروری ۱۹۰۷ء- (۱) انما یرید اللہ لکم الیسر- (۲) الحق بشیعۃ موسیٰ- ورضی اللہ بہ قولا- (۳) انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا- ترجمہ- خدا تعالیٰ نے تمھاری آسانی اور آرام کا ارادہ کیا ہے اس شخص یا اُن اشخاص کو موسیٰ کے خاص گروہ (یعنی اس عاجز کے گروہ میں) داخل کر دیا گیا- اور اللہ تعالیٰ اس سے بموجب اس کے قول کے راضی ہوا- اے اہل بیت خدا نے یہ ارادہ کیا ہے- کہ تمھاری پلیدی دور کرے اور تمھیں پاک کرے جیسا کہ حق ہے پاک کرنیکا- ۹-فروری ۱۹۰۷ء- (۱) خدا نے تیرے پر رحم کیا- (۲) رحمک اللہ - ترجمہ- خدا نے تجھ پر رحم کیا- (۳) انک انت الاعلیٰ- ترجمہ- بے شک تُو ہی بلند ہے- (۴) امید بھاری- (۵) ہر ایک مکان سے خیر دعا ہے- (۶) ان اللہ مع الابرار- ترجمہ- بے شک خدا نیکوں کے ساتھ ہے- (۷) انت من الابرار (ترجمہ- تُو نیکوں میں سے ہے) تمام دنیا میں سے ایک- (۸) مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک گڑھا قبر کے اندازہ کی مانند ہے اور ہمیں معلوم ہوا کہ اُسمیں ایک سانپ ہے اور پھر ایسا خیال آیا کہ وہ سانپ گڑھے میں سے نکلکر کسی طرف بھاگ گیا ہے- اس خیال کے بعد مبارک احمد نے اس گڑھے میں قدم رکھا- تو اُسکے قدم رکھنے وقت محسوس ہوا کہ وہ سانپ ابھی گڑھے میں ہے اور اس سانپ نے حرکت کی اور پھر ساتھ ہی اُس سانپ نے باہر کی طرف نکلنا شروع کیا- جبھی باہر کی طرف بھاگنے لگا- تب ایسا دکھائی دیا کہ گویا وہ ایک اژدہا ہے اور اس کی دو ٹانگیں ہیں ایک ٹانگ تو کسیقدر پتلی ہے اور دوسری ٹانگ اسقدر موٹی ہے جیسی گینڈے کی ٹانگ یا ہاتھی کی ٹانگ-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مقدمہ تفسیر مقطعات

مقطعات قرآنی کا کلام الٰہی ہونا بتواتر ایسا ہی ثابت ہے جیسا دیگر آیات قرآنی کا کلام الٰہی ہونا۔ پس مقطعات کے قرآن ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے اور قرآن مجید میں تدبر کرنیکا جابجا حکم صادر ہے مگر تدبر کرنا اُسی کلام میں ہوسکتا ہے جسکا علم ممکن الحصول ہو۔ ورنہ تکلیف مالایطاق لازم آوے گی۔ اب آیات ذیل پر غور کرو۔ (۱) افلا یتدبرون القرآن ام علیٰ قلوب اقفالھا۔ اس آیت میں سخت وعید وارد ہوئی ہے اُن لوگوں کے لیے جو قرآن مجید میں تدبر نہ کریں اور تدبر نہ کرنے سے دلوں پر تالے لگ جاتے ہیں یعنی انوار غیبی نازل نہیں ہوتے۔ پس تدبر کرنا مقطعات قرآنی میں بھی ضروری ہے۔ مگر بیتہ ایسا مندرجہ قرآن مجید جو آگے آتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔ (۲) بلسان عربی مبین۔ انہ لقول فصل وما ھو بالھزل۔ قال علیٰ ھو الفصل لیس بالھزل۔ ان آیات سے ثابت ہے کہ مقطعات قرآنی جو کلام الٰہی ہیں وہ بھی عربی مبین ہیں جن سے حقایق اور معارف قرآنی ظاہر ہوسکتے ہیں اور ہزل اور مہمل کلام نہیں ہیں کیونکہ شان حکیم سے ایسا ہونا بہت مستبعد ہے (۳) لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ جس شخص کو شرایط استنباط کے حاصل ہوں اسکو ان مقطعات کا علم بقدر اسکی استعداد کے حاصل ہوسکتا ہے فسالت اودیۃ بقدرھا (۴) ھدًی للمتقین ھدًی للناس۔ ایسی آیات سے ظاہر ہے کہ کل قرآن ھدًی للناس ہے اور کوئی کلام ہو ہدایت جب ہی ہوسکتا ہے کہ اسکے معانی معلوم ہوسکیں اور جس کلام کے معنے معلوم نہ ہوسکیں وہ کیونکر ہدایت ہوسکتا ہے اور چونکہ کل قرآن ہدایت ہے اس لیے مقطعات کا ہدایت ہونا بھی ضروری ہوا۔ (۵) ولیذکر اولوا الالباب ظاہر ہے کہ تذکر یعنی نصیحت کا حاصل کرنا یا نصیحت پر عمل کرنا یا دوسروں کو نصیحت کرنا جب ہی ممکن ہے کہ وہ کلام نصیحت کا سمجھ میں آسکتا ہو ورنہ کیونکر تذکر اسکا ہوسکتا ہے اور شان حکیم سے بہت بعید ہے کہ ایسے کلام کے ساتھ نصیحت کرے جو کسی کی سمجھ ہی

ہیں نہ آسکے (۶) قد جاءکم برھان من ربکم۔ وانزلنا الیکم نوراً مبینا۔ چونکہ مقطعات قرآنی کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہے، لہٰذا اُسکا بُرہان اور نور مبین ہونا بھی ثابت اور کوئی کلام ہو برہان جب ہی ہو سکتا ہے کہ معلوم المعنی ہو سکے ورنہ برہان کیونکر ہو سکتا ہے۔

حدیث۔ (۱) ترکت فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ و سنّتی اس حدیث سے ثابت ہے کہ تمسک کرنا قرآن مجید اور سنّت نبوی کے ساتھ ضلالت اور گمراہی سے محفوظ رکھتا ہے ہاں کلام ذوالوجوہ کے ساتھ تمسک کرنیکی جو شرایط قرآن مجید نے خود بیان فرمائی ہیں اسکا پابند ہونا ضروری ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ اس رسالہ میں مذکور ہوں گے۔

عقل۔ (۱) لو ورد شئ لا سبیل الی العلم بہ لکانت المخاطبۃ بہ تجری مجری مخاطبۃ العربی باللغۃ الزنجیۃ (تفسیر کبیر) اگر کوئی کلام ایسا وارد ہو جس کے علم کی طرف کوئی راہ ہی نہ پیدا ہو تو ایسے کلام کے ساتھ خطاب کرنا ایسا ہے کہ مثلاً عرب کے ساتھ زبان زنگی میں خطاب کیا جاوے۔

(۲) المقصود من الکلام الافہام فلو لم یکن مفہوماً لکانت المخاطبۃ بہ عبثاً و سفہاً وانہ لا یلیق بالحکیم (تفسیر کبیر) مقصود کلام سے مخاطب کا سمجھا دینا ہوتا ہے پس اگر وہ کلام مفہوم نہ ہو سکے تو پھر ایسے کلام کے ساتھ خطاب عبث ہے بلکہ بیوقوفی ہے جو شان حکیم کے لایق نہیں اس تفسیر کے لکھنے کے لیے ان دلایل عقلیہ اور نقلیہ نے خاکسار کو تحریک کی۔ اور بعد اس کے کہ حضرت مسیح موعود اور مہدی معہود علیہ السلام سے واسطے لکھنے اس تفسیر کے دعا کی درخواست کی اور مکرر درخواست کی۔ اور پھر اس دعا کے لیے آنحضرتؑ سے ضمنی وعدہ بھی لے لیا اور مکرر وعدہ لے لیا تب اسکا لکھنا شروع کیا اگر ناظرین اس میں کوئی نکتہ عمدہ پادیں تو آنحضرت علیہ السلام کا فیضان ہے نہ میری طرف سے واللہ علیم بذات الصدور۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی ذات رحمٰن و رحیم سے امید ہے کہ یہ فعل میرا خالی از اجر بھی نہ ہوگا کلام نبوۃ میں بھی وارد ہوا ہے۔ عن ابن مسعود رضؓ قال قال رسول اللہ صلعم من قرأ حرفاً من کتاب اللہ فلہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالھا لا اقول الم حرف الف حرف ولام حرف ومیم حرف رواہ الترمذی والدارمی (مشکوٰۃ شریف) شارحین حدیث اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ مراد الف سے مسمی اسم الف کا ہے یعنی مثلاً اَ لَ مَ جیسا کہ الم ترکیف فعل ربک میں ہے۔ پس چونکہ اسم الف میں تین حرف ہیں اور الم سورہ بقرہ میں ان حروف کے اسماہی کا تلفظ ہوتا ہے۔ اس لیے صرف ایک اسم الف میں تین نیکیوں کا ثواب حاصل ہوا جو وہ بھی دس گنا ہوا علیٰ ہٰذا القیاس لام میں بھی اور میم میں بھی تین تین حرف ہیں تو نبس تیس نیکیوں کا ثواب الم سورہ بقرہ

وغیرہ میں حاصل ہوا کیونکہ مقطعات کا تلفظ انکے اسماسے ہی کیا جاتا ہے نہ انکے مسمی سے تو اس حساب سے الم بقر میں نوّے نیکیوں کا ثواب حاصل ہوا ہاں الم ترکیف کے الم میں صرف تیس نیکیوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے کیونکہ اسمیں اسما کا تلفظ نہیں ہوتا جس میں تین تین حرف ہیں بلکہ مسمی اَ لَ مَ کا تلفظ ہوتا ہے جو ایک ایک ہی حرف ہے انتہی مضمون الحاشیہ۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ مقطعات قرآنی بالضرور ذو الوجوہ ہیں اُنسے مراد بطور قطعیت کے ایک وجہ پر محصور نہیں ہوسکتی ہاں البتہ جو مراد اُنسے بیان کیجاوے اس میں کوئی فضیلت ایسی موجود ہو اور مابہ الامتیاز ایسا پایا جاوے کہ دوسرے متکلمین کے کلاموں مقطعات میں وہ فضیلت نہ پائی جاسکے کہ کلام الملوک ملک الکلام اور نیز محکمات قرآنی کے مطابق ہو اور اُن محکمات کے لیے مؤید ہو ورنہ وہ مراد غیر مقبول ہوگی اور اس امر کا قاعدہ انشاء اللہ تعالے قرآن مجید سے ہی بیان ہوگا

وبہ نستعین وعلیہ التکلان

"التبیان فی تفسیر مقطعات القرآن"

"یعنی حروف مقطعات سُور قرآنیہ کا بیان"

"حقیت کتاب اللہ الٰہی و نبوّت محمدیہ"

نمبر ۳

قال اللہ تعالے وماکنت تتلو من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینك اذًا لارتاب المبطلون بل ھو اٰیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم وما یجحد باٰیاتنا الا الظالمون پ ۲۱

استدلال مندرجہ آیت ہذا کا خلاصہ جس میں ترجمہ بھی آجاوے گا یہ ہے کہ اے پیغمبر قرآن مجید کا اعجاز صرف اسلیے ہی نہیں ہے کہ تم نے تو کتب اولین کا احاطہ کرلیا ہو اور تمھارے مکذبین ان کتب کا علم حاصل نہ ہو کیونکہ تم نے قرآن مجید سے پہلے ایک کتاب بھی نہیں پڑھی ہے چہ جائیکہ سب کتابیں پہلے انبیا کی پڑھ لی ہوں اور تم تو اپنے داہنیں ہاتھ سے بھی نہیں لکھ سکتے جو بہ نسبت بائیں ہاتھ کے داہیں سے باسانی بھی لکھا جاسکتا ہے اور اگر تم نے کتابیں بھی پڑھ لی ہوتیں یا خط وکتابت بھی کرسکتے تب بھی درصورت موجود ہونے دیگر وجوہ اعجاز قرآنی کے شک کرنیکا محل نہیں تھا ہاں اُسوقت کسی قدر بیہودوں کے شبہات کا محل ہوسکتا تھا لیکن تاہم علاوہ اس پہ یہ کہ اس قرآن مجید کا اعجاز صرف اس وجہ سے بھی نہیں ہے کہ باوجود تمھارے اُمّی ہونیکے وہ تمام کتب سابقہ کا مجموعہ ہے بلکہ وہ تو آیات بیّنات یعنی کُھلی ہوئی ادلہ

روشن حجتیں ہیں اُن لوگوں کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ باوجود جامع ہونے قرآن مجید کے تمام انبیائے اوّلین کی صداقتوں کو الفاظ مختصرہ میں معارف اور حقایق بے نہایت بھی اُسمیں پائے جاتے ہیں اور مکذّبین جن کو علم پہلی کتابوں کا بھی ہے تو بھی اُسکی مثل بناکر نہیں لاسکتے اسلیے مکذّبین کا انکار ہماری ان آیات سے صرف بوجہ ظلم کے ہے یعنی بجائے عجز کے گو یا ادعائے قدرت کا کرتے ہیں پس اس سے بڑھ کر اور کونسا ظلم ہوگا ظلم کی یہی تعریف ہے کہ وضع الشئی فی غیر محلہ کسی شے کا غیر محل میں رکھدینا.

واضح ہو کہ بوقت نزول اس آیت کے کسی مخالف مکذّب سے یہ منقول نہیں ہوا کہ اُس نے آنحضرت صلعم کے اُمّی ہونے سے انکار کیا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ہر ایک آیت قرآن مجید کی اسوقت تک بتواتر منقول ہوتی چلی آتی ہے پس آنحضرت صلعم کے اُمّی ہونے میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں ہوسکتا لہٰذا آپ کا اُمّی ہونا قطعیات سے ہوگیا۔ پس اگر ہم کلمات قرآنیہ میں ایسے معارف اور حقایق پادیں جو نہ کسی پہلی کتاب آسمانی میں مل سکتے ہوں اور نہ کسی فصیح و بلیغ کے کلام میں اسکا وجود پایا جاوے تو بطور قطع واجب کے ثابت ہوگا کہ یہ کلام طاقت بشری سے باہر ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے خصوصاً جبکہ پیشین گوئیاں انذار اور بشارات کی بھی پوری ہوتی ہوئی دیکھ لیویں۔

اب ہم یہاں پر بطور مثال کے مقطعات قرآنی کو اس لیے پیش کرتے ہیں کہ اگرچہ حروف مقطعات کو ہر ایک اُمّی بھی اپنے کلام میں استعمال کرسکتا ہے مگر جس شان سے اور جس مناسب موقع اور محل پر قرآن کریم نے انکا استعمال فرمایا ہے اس شان عظیم اور صفت خاصہ کے ساتھ کوئی فصیح اور بلیغ نہ پہلے استعمال کرسکا اور نہ اب استعمال کرسکتا ہے اور اسپر علاوہ پیشین گوئیوں کا پورا ہونا ہی جنکی طرف مقطعات مشیر ہیں کما سیاتی چونکہ حروف مقطعات معانی متشابہات سے ہیں یعنی ذوالوجوہ ہیں اور چند مرادیں اُنسے ہوسکتی ہیں لہٰذا حروف مقطعات سے مراد لینے میں ایک قاعدہ اور اصل کو مضبوطی سے پکڑ لینا ضروری ہے تاکہ ضلالت اور بدعت سے تحفظ حاصل ہو۔ اب اس اصل کو ہم ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ اصل یہ ہے کہ جو کچھ مراد اُنسے لیجاوے وہ مراد محکمات مندرجہ سورۃ اور دیگر نصوص قرآنیہ کے مخالف نہو بلکہ مؤید ہو اور مضمون سورہ کیطرف اُس مراد میں اشارہ بھی ہو اور جو سورۃ کے مضمون میں کوئی پیشین گوئی ہو اور بالضرور ہوگی مقطعات اُسکی طرف ناظر بھی ہوں تاکہ اُسکا نشان نبوت ہونا بھی ثابت ہوجاوے کیونکہ حروف مقطعات فواتح اکثر سورتوں کی آیت شمار کیے گئے ہیں یہ قاعدہ اس آیت سے نکالا گیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ

هو الذي انزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن ام الكتاب واخر متشابهات فاما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاويله وما يعلم تاويله الا الله والراسخون في العلم يقولون آمنا به كل من عند ربنا وما يذكر الا اولوا الالباب ٥ (ترجمہ تفسیری) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات پاک ہے جس نے حسب مقتضائی صفت

عزیز و حکیم کی کتاب مختصر اور جامع تم پر نازل کی اور چونکہ باوجود اختصار کے معارف اور حقایق بے نہایت کا الفاظ مختصرہ میں موجود ہونا کیونکر متصور ہو سکتا ہے اسلیے اس میں آیات محکمات بھی ہیں جو سوائے ایک معنے اور ایک وجہ کے دوسرا احتمال اسمیں پیدا نہیں ہو سکتا اور وہی اصل کتاب ہیں جنکی طرف بوقت اشکال اور اشتباہ کے رجوع کرنا ضروریات سے ہے اور بعض دوسری آیات متشابہات ہیں جو بہت سے معانی کا احتمال رکھتی ہیں مگر واسطے تحفظ کے معانی بدعیہ اور شرکیہ سے انکا محکمات کی طرف لوٹانا ضروری ہے کیونکہ وہ محکمات اُمّ الکتاب ہیں اور ذوالوجہیں نہیں پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے یعنی میلان کفر و بدعت کی طرف ہے تو وہ اتباع کرتے ہیں ایسی وجہ یا مراد کا اس کتاب میں سے جو متشابہ ہے حق و باطل کے ساتھ واسطے خواہش فساد ڈالنے تناقض کے یا فتنہ کفر و بدعت میں ڈالنے کیلیے اور نیز واسطے طلب کرنے اس کی تاویل کے موافق اپنی رائے فاسد کے جو موافق محکمات کے نہو حالانکہ نہیں جانتا بطور قطع وحصر کے تاویل اُسکی کوئی مگر اللہ تعالیٰ اور راسخون فی العلم وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس متشابہ پر کیونکہ کل محکم اور متشابہ ہمارے اسی پروردگار کی طرف سے ہے جو عزیز و حکیم ہے اور نہیں سمجھتے ہیں متشابہات کی وجوہ صحیحہ کو۔ مگر وہ لوگ جو مغز علوم سے خبردار ہوں اصل نمبر الف تو اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتی ہے اور اصل نمبر ج اس لیے ضروری ہے کہ باتفاق قراء کے اکثر مقطعات فواتح سور کی ایک آیت شمار کیے گئے ہیں اور آیت سے مراد کلام الٰہی میں متبادر یہی ہے کہ وہ ایک نشان نبوت کا بھی ہووے ورنہ پھر اسکا آیت کہنا چہ معنی دارد کیونکہ ہر ایک اُمّی ایسے مقطعات کو استعمال کر سکتا ہے۔ پھر ما بہ الامتیاز کلام الٰہی اور کلام انسانی میں کیا ہوگا۔ لہٰذا مقطعات کا استعمال کلام الٰہی میں ایسا ہونا ضروری ہوا کہ اس صفت خاصہ کے ساتھ کوئی فصیح و بلیغ استعمال نہ کر سکے تاکہ نشان نبوت ہونا اسکا واضح ہوجاوے۔ اور ہم نے مقطعات قرآنی کی کلام الٰہی ہونیکو اسی لیے پیش نظر رکھا ہے کہ مخالفین اسلام نے مقطعات قرآنی کو مورد اعتراضات بنا رکھا ہے حالانکہ انمیں ایسے ایسے معارف پائے جاتے ہیں کہ انسانی کلام میں ابتک موجود نہیں ہو سکے اور نہ ہو سکیں گے۔ اب ہم اس اصل مذکور کے نمبر ب کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ عرب عرباء اور نیز دیگر فصحاء و بلغائے عجم کا بھی یہ دستور قدیم سے آجتک چلا آیا ہے کہ جب کسی کتاب یا قصیدہ وغیرہ کو شروع کرتے ہیں تو اسکے آغاز اور ابتدا میں تحسین کلام کا بہت اہتمام کیا کرتے ہیں تاکہ سامع ابتدا ہی میں ہمہ تن گوش ہوکر تمام نظم یا نثر کو برغبت تامہ سنے اور اس صنعت یا عمل کو باصطلاح علم بلاغت حسن ابتدا کہتے ہیں اور حسن ابتدا کے بہت سے افراد ہیں سب سے بہتر اور عمدہ ترین افراد حسن ابتدا میں سے علم بلاغت میں صنعت براعت الاستہلال کی ہے دیکھو مطول مختصر معانی اور نیز دیگر کتب علم بلاغت مختلف زبانوں کو۔ براعت کے معنے ہیں کسی ہنر یا

فضیلت میں فایق اور کامل ہونا اور استہلال کے معنے ہیں وقت ولادت کے بچہ کا آواز کرنا۔ اور علم بلاغت میں صنعت براعت الاستہلال اسکو کہتے ہیں کہ ابتدائی خطبہ یا کتاب یا مطلع قصیدہ میں ایسے الفاظ کا لانا جو مشعر ہوں مقاصد اور مطالب مندرجہ اُس کتاب وغیرہ کی طرف اور وہی مقاصد متکلم کے نزدیک اہم المقاصد ہوں الد وجہ تسمیہ اس صنعت کے ساتھ براعت الاستہلال کی یہی ہے کہ جسطرح پر وقت پیدا ہونے بچہ کے اسکی آواز کرنیسے لڑکا یا لڑکی ہونا بچہ کا پہچانا جاتا ہے اسی طرح اُن الفاظ متناسبہ سے جو شروع کتاب یا قصیدہ وغیرہ میں متکلم بلیغ و فصیح لاتا ہے اُنسے بھی سامع کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کتاب یا قصیدہ وغیرہ میں فلاں مضمون یا فلاں احوال متکلم کا مقصود بالذات ہے اگرچہ اصلی مقصود کی تائید کے لیے دیگر مضامین بھی بالتبع متکلم لایا ہو اور چونکہ براعت کے معنے بھی اس صنعت میں پائے جاتے ہیں۔ لہذا اس صنعت کا نام براعت الاستہلال رکھا گیا ہے کیونکہ فصحا اور بلغا کے نزدیک کلام بلیغ کے کمالات میں سے یہ صنعت بھی ایک بڑا کمال ہے جس سے اُس کلام کو دیگر کلاموں سے فوقیت اور براعت حاصل ہو جاتی ہے مثال اسکی کلام عرب سے مثلاً یہ شعر ہے ؎

بشریٰ فقد انجز الاقبال ما وعدا ٭ وکوکب المجد من افق العلے صعدا ۔ترجمہ۔ یعنی خوشخبری ہو کہ بے شک جو وعدہ اقبال نے کیا تھا اُسنے اُسکو پورا کر دیا۔ اور ستارہ بزرگی کا اوپچے کنارہ آسمان پر چڑھ گیا۔ اس شعر سے جو مطلع قصیدہ ابو محمد خازنی کا ہے سامع ذکی کو معلوم ہو جاوے گا کہ یہ قصیدہ کسی فرزند ارجمند کی ولادت کی مبارکباد میں لکھا گیا ہے کیونکہ ستارہ بزرگی اور اقبال کا کنارہ بلند آسمان میں صعود یا طلوع کرنا بوقت ولادت فرزند ارجمند کے واسطے طیاری زائچہ کے عرب میں ایک دستور مشہور تھا علے ہذا القیاس یہ شعر ؎ ھی الدنیا تقول بملأ فیھا ٭ حذار حذار من بطشی وفتکی ۔ یعنی یہ دنیا اپنے پورے منہ بھرے ہوئے آواز سے کہہ رہی ہے کہ ڈرو اور پرہیز کرو میری پکڑ اور قتل کر ڈالنے سے یہ شعر قصیدہ ابوالفتح ساوی کا مطلع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قصیدہ کا مضمون کسی کی تعزیت میں لکھا گیا ہے اور واقعی یہ قصیدہ فخرالدولہ کے مرثیہ میں لکھا گیا ہے۔ زبان اردو نک میں بھی اس صنعت کا استعمال کیا گیا ہے چنانچہ اردو میں قصیدہ سودا کا مثلاً یہ مطلع ہے ؎ اُٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل۔ تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل سامع ذکی۔ اس مطلع کے سننے سے معلوم کر لیویگا کہ اس قصیدہ میں موسم بہار کا ذکر ہوگا کیونکہ جن مہینوں میں خزاں واقع ہوتی ہے اُسکا نام فارسی میں بہمن و دے ہے جو تقریباً ماگھ اور پھاگن کے مطابق ہوتے ہیں اور اردی بہشت فارسی میں ماہ بہار کا نام ہے جو تخمیناً کسی قدر جیٹھ اور کچھ اساڑھ میں واقع ہوتا ہے۔ اور اردی بہشت کے معنے مانند بہشت کے ہیں اور ذوق کے قصیدہ میں مثلاً یہ شعر ہے ؎ واہ وا کیا معتدل ہے باغ عالم میں ہوا۔ مثل نبض صاحب صحت ہے ہر موج صبا۔

اس مطلع سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی صحت یابی کی مبارکباد میں یہ قصیدہ لکھا گیا ہے کیونکہ اعتدال نبض کا دلیل
صحت کی ہوتا ہے۔ ہم نے یہ طول کلام اس لیے کیا ہے کہ ناظرین پر یہ بات واضح ہو جاوے کہ صنعت براعت الاستہلال کو
ہر ایک زبان میں فصحا اور بلغا استعمال کیا کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے بھی حسب مقتضا اپنی صفت
رحمانیت اور رحیمیت کے سورتوں قرآن مجید کو بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم کے اس صنعت
براعت الاستہلال کے ساتھ شروع کیا ہے تاکہ جو اصول فصاحت اور بلاغت کے اذہان بشریہ میں مرکوز
ہیں آغاز کلام الٰہی کا اُنہیں کے موافق ہو تاکہ انسانوں کے لیے اوقع فی النفس ہونیکا فایدہ دیوے اور
اس صنعت براعت الاستہلال کو دو طریق سے استعمال فرمایا ہے۔ اوّل تو حروف مقطعات سے جس کو
بجز اُن ربانی علماء کے جو علوم دینیات میں عالی درجہ کی پائگاہ رکھتے ہیں مرادات صحیحہ اسکی دوسرے اہل علم
ظاہری کے نہیں سمجھ سکتے۔ اور دوسرا طریق عام و خاص اہل علم کے لیے اختیار کیا جو اہل علم و فضل ظاہری ہر
کے بھی تدبر کرنے سے بشرط تطہر معلوم کر سکیں۔ اور یہ دوسرا طریق اُن سورتوں میں پایا جاتا ہے جن میں
حروف مقطعات نہیں ہیں اُنکی اوائل آیات میں بھی یہ صنعت پائی جاتی ہے مثلاً سورۃ نساکی اوّل
ہی آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ یا ایّھا النّاس اتّقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ
وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیرا ونساءً واتقوا اللہ الذی تساءلون
بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا۔ ترجمہ۔ اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے
تمکو ایک نفس واحد سے پیدا کیا اور پھر اُس سے اُس کے جوڑے کو پیدا کیا اور اُن دونوں سے بہت سے
مرد اور عورات کو پھیلا دیا ہے۔ اور ڈرو تم اُس اللہ سے جسکے واسطے سے تم باہم سوال کرتے ہو اور قرابتوں کا
پاس ولحاظ رکھو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مطلع اور خبردار ہے یعنی وہ ہر ایک تمہارے فعل کی جزا و سزا دیگا
ان خیرا فخیر وان شرا فشر۔ یہ پیشین گوئی انذار اور بشارت کی ہوئی جو وقوع میں بھی آ گئی ہے اس سورہ کا
نام سورۃ النساء ہے اول تو اس نام سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ابواب النکاح کے قوانین بالضرور اس میں
موجود ہوں گے سو بالضرور قوانین نکاح کے اس میں موجود ہیں۔ آیت مذکورہ میں وبث منھما رجالاً
کثیرا ونساء فرمایا گیا ہے اس لیے ہر ایک عاقل سمجھ لیویگا کہ بسبب کثرت رجال و نساء کے قوانین تمدنی
بھی اس سورۃ میں بیان کیے گئے ہونگے اور جو کچھ بے اعتدالیاں ابواب نکاح میں بایام جاہلیت واقع
تھیں اُنکی اصلاح بھی کی ہوگی۔ اور محرمات عورتوں کا ذکر بھی اس سورہ میں ضرور ہوگا سو واقع میں
سب احکام اس سورۃ میں موجود اور مذکور ہیں۔ اور کثرت رجال و نساکی مقتضی اس امر کی تھی کہ قوانین
تمدنی بھی اس سورۃ میں موجود ہوں سو یہ جملہ احکام تمدنی خواہ مالی ہوں یا جانی فوجداری ہوں یا دیوانی

ان سب کی اصلاح بھی اس سورۃ میں کی گئی ہے اور چونکہ حالت تمدنی میں بتقاضائے بشریت اتلاف حقوق بھی واقع ہوجاتا ہے اُس اتلاف کے دور کرنے کے لیے بھی آئین ہونے ضروری ہیں سو وہ بھی اس سورۃ میں موجود ہیں اور ان قوانین کے اجرا کے لیے حکام اور افیسروں کا ہونا بھی ضروری تھا لہٰذا رعایا اور حکام کے درمیان جو حقوق باہم ہونے چاہیئے تھے اُنکی تفصیل بھی اس سورۃ میں موجود ہے۔ اور چونکہ کثرت رجال و نسا کی حالت میں موت و فوت کا واقع ہونا بھی ضروری ہے اس لیے قانون وراثت کا بیان بھی ضروری تھا جو باحسن طریق چند آیات اس سورۃ میں بیان ہوا ہے پھر یتامیٰ اور بیوگاں کی تربیت کے لیے بھی ہدایات کافی موجود ہیں۔ کثرت رجال و نسا کی حالت میں جو ایک نفس واحدہ سے پیدا کیے گئے ہوں اُنھیں باہم قرابت اور رشتہ داری کے سبب جن جن امور کا باہم برتنا چاہیئے اُنکا ذکر بھی اس سورۃ میں موجود ہے اس لیے الارحام اوّل ہی سورۃ میں فرمایا گیا ہے وغیرہ وغیرہ علیٰ ہذا القیاس وہ احکام و قوانین جو آیت بث منہما رجالاً کثیرا و نساء پر متفرع ہوتے ہیں اُن سب کا ذکر اس سورۃ میں موجود ہے۔ پھر ان جملہ حقوق العباد کے علاوہ خالق اور مخلوق کے درمیان جو تعلق ربوبیت اور عبودیت کا ہے جسکی طرف اتقوا ربکم اور اتقوا اللہ اشارہ کررہا ہے اس لیے حقوق اللہ کا بیان بھی اس سورۃ میں مفصلاً مذکور ہوا ہے اور چونکہ کثرت رجال و نسا کی حالت میں بسبب موجود ہونے قوائے غضبیہ و شہویہ کے باہم عداوتیں بھی ہوجاتی ہیں اور پھر باہم حملجات اعدا کے واقع ہوتے ہیں اُن حملجات کے دفعیہ کے واسطے نہایت مناسب ارشاد موجود ہیں غرضکہ کہاں تک بیان کیا جاوے قاری خود جبکہ اس سورۃ کو تدبّر کے ساتھ پڑھیگا تو اُسکو ثابت ہوگا کہ اس آیت میں جملہ مضامین سورۃ کی طرف اشارہ ہے اور سورۃ کے اوّل ہی میں آیت کے الفاظ ایسے لائے گئے ہیں جنہیں صنعت براعت الاستہلال کی حاصل ہوتی ہے اور ان اللہ کان علیکم رقیبًا میں مخالفین و مکذبین کے لیے ایک بڑا انذار فرمایا گیا ہے جو اشارہ کررہا ہے اُن پیشین گوئیوں کی طرف جو سورۃ ہذا میں مندرج ہیں مثلاً فرمایا اللہ تعالیٰ نے یا ایہا الذین اوتوا الکتاب اٰمنوا بما نزلنا مصدقا لما معکم من قبل ان نطمس وجوھا فنردھا علیٰ ادبارھا او نلعنھم کما لعنا اصحاب السبت وکان امر اللہ مفعولاً۔ ترجمہ اے اہل کتاب تم ایمان لاؤ اُس چیز پر جو نازل کی ہے ہم نے درانحالیکہ تصدیق کرنیوالی ہے اُس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے پہلے اس سے کہ ہم بگاڑ دیویں مونہوں کو پس لوٹا دیویں ہم اُن مونہوں کو اُنکی پیٹھوں پر یا پھٹکار دیویں ہم اُنکو جس طرح کہ پھٹکار دیا تھا ہفتہ والوں کو اور اللہ تعالےٰ کا حکم تو ہو کر ہی رہیگا۔ چنانچہ یہ وعید جو یہود اہل کتاب کے لیے تھا آنحضرت صلعم کی حیات میں ہی واقع ہوچکا

دیکھو سورہ حشر کو یا مثلاً یہ پیشین گوئی کہ عسی اللہ ان یکف باس الذین کفروا واللہ اشد باسا واشد تنکیلا ۔ ترجمہ ۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے زور کو روک دیوے اور اللہ تعالیٰ کا زور سب سے زیادہ قوی اور سزا اسکی سخت تر ہے ۔ یہ پیشین گوئی بھی آنحضرت صلعم کی حیات میں ہی واقع ہوچکی جسکا ذکر متعدد جگہ پر قرآن مجید میں موجود ہے یا مثلاً یہ پیشین گوئی جو اسی سورۃ میں بیان فرمائی گئی ہے ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا ۔ وغیرہ وغیرہ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کے لیئے کوئی راہ غلبہ کا اوپر مومنین کے ہرگز ہرگز نہیں گردانیگا چنانچہ بہ تواتر ثابت ہے کہ یہ جملہ پیشین گوئیاں مخبر صادق کی حیات میں اور بعد وفات بھی واقع ہوچکیں حتیٰ کہ زمانہ آخر مسیح موعود میں تو بڑے زور وشور سے واقع ہورہی ہیں اور آیت ان اللہ کان علیکم رقیبا ان جملہ پیشین گوئیوں کے وقوع کی طرف ناظر ہے لہذا یہ آیت ایک نشان نبوت کا بھی ہوگئی اور یہی معنے ہیں آیت کے اور نیز الفاظ نظم آیت کے عجیب وغریب پراز معانی لطیفہ ارشاد ہوئے ہیں جو اندک تدبر سے انکی لطافت ثابت ہوتی ہے مثلاً یاایھا الناس میں لفظ ناس لایا گیا اور آگے لفظ نسا بھی موجود ہے اور یہ دونوں لفظ نسیان سے مشتق ہیں دیکھو صحاح وغیرہ کتب لغات کو اس لیے لفظ اتقوا بھی بمقابلہ نسیان مکرر کے مکرر لایا گیا پہلا اتقوا ربکم کے ساتھ ہے اور دوسرا اتقوا اسم اللہ کے پہلے ہے کیونکہ اتقاد وہی طرح سے ہوسکتا ہے یا تو ترغیب کے ساتھ ہوگا جو ربکم میں پائی جاتی ہے اور یا اتقوا ترہیب کے ساتھ ہوگا جو اتقوا اللہ میں ہے پس دونوں اتقوا کو ملاکر حاصل مطلب یہ ہوا کہ ہرگاہ تمکو اُس ذات پاک رب نے تمدن کے ساتھ ایسا تربیت فرمایا کہ بسبب تمدن باہمی کے حوائج ہرایک شخص کے بسبب باہمی تعاون کے بخوبی روا ہوتے چلے جاتے ہیں اور ہرایک فرقہ اہل حرفہ دوسرے فرقہ اہل حرفہ یا غیر اہل حرفہ کا معاون ومددگار ہے تو ایسے رب کی تعمیل امر تمکو بالضرور کرنی چاہیئے جس نے بسبب اجتماع ابناء جنس کے باہم اسباب الفت اور محبت کے پیدا کردیئے ہیں خصوصاً جبکہ یہ لحاظ بھی ہو کہ تم سب کی اصل ایک نفس واحدہ ہے اور قاعدہ ہے کہ جزو کی میل کل کی طرف اور کل کی خواہش جزو کی طرف ہوا ہی کرتی ہے کما قیل سے بنی آدم اعضائے یکدیگر اند ؛ کہ در آفرینش زیک جوہر اند ؛ چو عضوے بدرد آورد روزگار ؛ دگر عضوہا را نماند قرار ؛ تو کز محنت دیگراں بیغمی ؛ نشاید کہ نامت نہند آدمی ؛ پس بالضرور تمکو احکام تمدنی کی بجاآوری میں اُس رب پالنہار سے ڈرنا چاہیئے اتقوا ربکم ۔ اور اگر بسبب مکرر وقوع نسیان کے جو ناس اور نسا سے وقوع میں آجاتا ہے ہماری اس ربوبیت اور تربیت کو فراموش کردو تو پھر ہماری شان الوہیت سے ڈرنا چاہیئے کیونکہ صفت الوہیت مشعر ہے کمال درجہ کی حکمت اور قدرت کو اور حکمت اور قدرت اسکی کب مقتضی ہوسکتی ہے اس امر کی کہ تو اپنی اصلاح تمدن کو مہمل چھوڑ دیا جاوے اور باوجود تقاضائے حکمت اور قدرت کے جو واسطے اصلاح تمدن کے ہے فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو یکساں کردیا جاوے

کلا و حاشا یہ ہے حکمت تکرار اتقوا کی اور چونکہ خلط رجال و نسا کی حالت میں نسیان اور غفلت کا وقوع زیادہ تر متصور تھا لہٰذا تاکید پر تاکید ارشاد فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال قطع رحم و کفران نعم وغیرہ سے غافل نہیں ہے بلکہ تمہارے ہر ایک کام کو دیکھ رہا ہے کہ حقوق قرابتوں کے اور دیگر حقوق ابنائے جنس کے اور حقوق اللہ وغیرہ وغیرہ تم کس طرح پر ادا کرتے ہو۔ اور مثلاً ایک نکتہ یہ ہے کہ رجال کو بوصف کثیر موصوف کیا گیا اور نسا کو بوصف کثرت موصوف نہ فرمایا اُس میں سر یہ ہے کہ ایک عورت میں دو مرد شریک نہیں ہو سکتے اور ایک مرد چند عورتوں سے تا چہار تک نکاح کر سکتا ہے۔ پس خود کثرت رجال کی کثرت نسا پر دال ہے اس لیے نسا کو کثرت کے ساتھ متصف کرنیکی ضرورت باقی نہیں رہی والعاقل تکفیہ الاشارۃ غرضکہ نظم قرآنی کے الفاظ میں وہ وہ اسرار و معارف مندرج ہیں کہ یہ مختصر تحریر اُنکی گنجایش نہیں رکھتی لہٰذا ہم اس آیت سورہ نسا کو یہیں پر ختم کر کے حروف مقطعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں واضح ہو کہ حروف مقطعات کا استعمال دو حال سے خالی نہیں یا قدیم سے ہے یا بعد استعمال قرآن مجید کے جاری ہوا ہے اگر قدیم سے ہے تو قرآن مجید نے اگر انکا استعمال بموجب محاورات قدیمہ کے مع وجوہ اعجاز کے کیا تو پھر آجکل کے مخالفین کا اسپر کیا ایراد وارد ہو سکتا ہے اور اگر بعد استعمال قرآن مجید کے دیگر حکما اور علما نے انکا استعمال کیا ہے تو قرآن مجید اُن سب کا مقتدا رہا ہاں فرق اسقدر ہے کہ قرآن مجید کے مقطعات میں عجائب و غرائب اسرار ہیں اور اُنہیں پیشین گوئیوں مندرجہ سورۃ کی طرف بھی اشارات ہیں جو اپنے اپنے وقت میں پوری ہوئیں اور ہوتی جاتی ہیں اور دیگر حکما و علما کے استعمال مقطعات میں نہ وہ اسرار موجود ہیں اور نہ کسی پیشین گوئی کو متضمن ہیں وشتان بینہما۔ قال ابو العالیہ ان کل حرف منہا فی مدۃ اقوام و اٰجال اٰخرین (کبیر) وحمل ہٰذہ الحروف علیٰ حساب الجمل عادۃ معلومۃ عند الناس (کبیر) ہاں ہمارے اس دعوے کا ثبوت (کہ مقطعات قرآنی میں صنعت براعت الاستہلال کے پائی جاتی ہے) علاوہ دلیل عقلی مذکورہ علم بلاغت کے دلایل نقلیہ سے بھی ہے۔ اوّل۔ آنکہ قال ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فی کل کتاب سر و سرہ فی القراٰن اوائل السور و قال علیؓ ان لکل کتاب صفوۃ و صفوۃ ہٰذا الکتاب حروف التہجی (کبیر) پس حضرت علی رض اور حضرت صدیق رض کا یہ قول تفسیر کبیر وغیرہ میں موجود ہے کہ اوائل سورتوں کے حروف مقطعات کے ایک سر ہیں اسرار کلام الٰہی سے اور قرآن مجید کی آیت مذکورہ اول والراسخون فی العلم میں بھی اسکی طرف اشارہ ہے کما قال تعالیٰ وما یذکر الا اولوا الالباب* کیونکہ الباب لُب کی جمع ہے اور ظاہر ہے کہ سر اور لُب اور خلاصہ یہ تینوں لفظ قریب المعنی ہیں چونکہ صنعت براعت الاستہلال میں

---

* ترجمہ۔ اور نہیں یاد رکھتے اُن تاویلوں کو مگر صاحبان مغز علوم کے۔ منہ

بھی مقاصد مہمہ کا لُبّ اور خلاصہ ہی ہوا کرتا ہے تو اُسی سِرّ اور لُبّ کا نام بالفاظ دیگر اصطلاح علم بلاغت
میں براعت الاستہلال رکھا گیا ہے **ولامشاحة فی الاصطلاح** ۔ دلیل دُوم۔ تفسیر سورہ
(اور اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں ہوا کرتا)
روم میں آنحضرت صلعم نے بضع سنین کو عدد آٹھ کے ساتھ معین فرما دیا تھا کما ثبت فی محلہ
اور آٹھ ہی سال کے بعد پیشین گوئی سورہ روم کی واقع ہوئی بعد تدبّر کے معلوم ہوا کہ الٓمٓ کی اعداد
بھی بحساب جمل صغیر آٹھ ہی ہوتے ہیں الف کا ایک عدد لام کے تین میم کے چار کیونکہ حساب جمل صغیر
میں دہائی کو اکائی کر لیا جاتا ہے اور سیکڑوں کو دہائی کر لیا جاتا ہے اور سورہ روم میں اہم المقاصد
اسی پیشین گوئی کا واقع ہونا ہے کیونکہ **یومئذٍ یفرح المؤمنون** میں پیشین گوئی عظیم الشان
فتح بدر کی بھی ہے کہ وہ بھی نزول سورۃ سے بعد آٹھ سال کے واقع ہوئی۔ دلیل سوم قتادہ
سدی کلبی وغیرھم کا قول یہ ہے کہ حروف مقطعات قرآن یا سورتوں کے نام ہیں (کبیر)
اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر یہ نام بلا کسی وجہ تسمیہ کے رکھے گئے ہیں تو قول باطل ہوا جاتا ہے کیونکہ
لغات عربیہ کا تو ایک یہ بڑا خاصہ ہے کہ کوئی لغت ایسا نہیں پایا جاتا جسمیں وجہ تسمیہ موجود نہ ہو پس کیونکر
ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں کے نام جو عربی مبین ہے مہملات ہوں حاشا وکلا اور جبکہ
وجہ تسمیہ اُنہیں موجود ہے تو اس سے بہتر اور کوئی وجہ تسمیہ کی نہیں ہو سکتی کہ اُن ناموں میں
سورتوں کے مقاصد مہمہ کی طرف اشارات ہوں اندرینصورت بھی صنعت براعت الاستہلال کی موجود ہوگی
شاہ ولی اللہ صاحب بھی فوز الکبیر میں تحریر فرماتے ہیں پس حروف مقطعہ اسمائے سور اند بایں معنی کہ جملاً
دلالت میکنند برانچہ مفصلاً در سورہ مذکور مے شود شبیہ بآنکہ نام کتابے چیزے مقرر کنند کہ حقیقت
آں کتاب را پیش ذہن سامع واضح گرداند دلیل چہارم۔ نسبت الٓمٓ سورہ بقرہ کے مروی ہے
کہ سورہ بقر الواح موسیٰ سے عنایت ہوتی ہے یعنی الف سے مراد اوائل لام سے الواح میم سے
موسیٰ۔ اس سے اصل توراۃ کے مضمون کی طرف اشارہ ہوا جو سورہ بقر میں مندرج ہے۔ لہٰذا
اس روایت کا رجوع بھی براعت الاستہلال ہی کی طرف ہوا۔ اس دعوے کے لیے اور بھی ادلہ
ہیں جو تفسیر کبیر وغیرہ سے مفہوم ہو سکتے ہیں۔ حضرت امام آخر الزمان مہدی علیہ السلام نے اس کی
تفسیر میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک شے کے لیے چار علل ہوتی ہیں۔ علت
فاعلی علت مادّی علت صوری اور علت غائی۔ الٓم میں الف انا کا ہے لام اللہ کا اور میم
اعلم کا یعنی الٓمٓ۔ انا اللہ اعلم کا مخفف اور مختصر ہے کما قال ابن عباس فی الٓمٓ انا اللہ
اعلم و فی الٓمٓصٓ انا اللہ افصل و فی الٓرٓ انا اللہ اریٰ و ھٰذا روایۃ ابی صالح و

سعید بن جبیر عنہ پس الم علت فاعلی ہے ذٰلک الکتاب بمنزلہ علت مادی کے ہو لاریب فیہ بمنزلہ علت صوری کے اور ھدی للمتقین بمنزلہ علت غائی کے ہوا چونکہ یہ قول حضرت امامؑ کا ایک عجیب و غریب نکتہ ہے۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ جسقدر سورتوں کے اوائل میں الم آیا ہے اُنہیں اس لطیفہ کو مع وجہ اعجاز کے جاری کریں تاکہ ہر ایک حرف کے بیان کرنیمیں ہمکو ایک نیکی مرحمت ہو جیساکہ کلام نبوت میں وارد ہوا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے اور ہر ایک حرف کی تلاوت سے مومن متبع کو بحکم من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا (جو شخص ایک نیکی کریگا اُسکے لیے دس گنا اُس نیکی کا ثواب ملیگا) کی دس نیکیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرحمت ہوتی ہیں یعنی دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہی کما مر اگر کوئی کہے کہ باوجود واضح ہونے قرآن مجید کے ایسے دقیق اشارات قرآن مجید میں کیوں رکھے گئے ہیں تو جواب اُس کا یہ ہے کہ علاوہ دیگر مقاصد مہمہ قرآنیہ کے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اذہان بشریہ کو وقتاً فوقتاً بتدریج ترقی بخشتا ہے۔ اس لیے جا بجا تدبر تعقل اور تذکر کی تاکید بار بار ارشاد فرمائی گئی ہے اور کلام نبوت میں بھی وارد ہوا ہے (لکل اٰیۃ ظہر و بطن الحدیث) یعنی ہر ایک آیت کے لیے ایک ظاہر ہے اور باطنی علوم بھی اُسمیں موجود ہیں تاکہ انسان تدبر اور تذکر میں ترقی کرتا کرتا کمالات انسانی کو حاصل کرلیوے اور اُسکا قلب انوار الٰہی کا مورد بنجاوے اور اس تدبر کی برکت سے مورد انوار غیبیہ کا ہوتا ہے ؎ اے برادر بے نہایت درگہ است ؛ ہرچہ بروے میرسی بروے مایست ؛ کما قال اللہ تعالیٰ لترکبن طبقا عن طبق یعنی البتہ تم چڑھتے ہوئے چلے جاؤ گے ایک حالت سے دوسری بڑی حالت پر۔ چونکہ قرآن مجید ام الکتاب اور خاتم الکتب ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے علاوہ مقاصد واضحہ کے ایسی صنائع اور بدائع مذکورہ کا بھی استعمال اس خاتم الکتب میں فرمایا ہے تاکہ کسی درجہ کا انسان اُسکے فیضان عام سے محروم نہ رہے۔ کما قیل ؎ بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد۔ برنگ اصحاب صورت را بہو ارباب معنی را چونکہ سورہ بقر میں ہر چہار علل کا ثبوت مع پیشین گوئی ہائے عظیم الشان کے مندرج ہے۔ لہٰذا الم کا آیت نبوت ہونا بھی ثابت ہوا مثلاً یہ آیت ذیل ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا اعلم ہونا اور قرآن مجید کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامل ہدایت نامہ نازل ہونا ثابت ہوتا ہی فرمایا اللہ تعالیٰ نے وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودہا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین

سورہ بقر

یعنی اور اگر ہو تم بیچ شک کے اُس چیز سے کہ اُتاری ہم نے اپنے بندے پر پس لے آؤ ایک سورۃ مثل اُسکی سے اور بلاؤ شاہدوں اپنوں کو سوائے اللہ کے اگر ہو تم سچے پس اگر نہ کرسکے تم اور ہرگز نہ کرسکو گے تم پس ڈرو اُس آگ سے جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں طیار کی گئی ہے واسطے منکروں کے۔ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کا اعلم ہونا ثابت ہوا اور قرآن مجید کا لاریب فیہ ہونا بھی ثابت ہوا کیونکہ کوئی فصیح و بلیغ ایک چھوٹی سی سورۃ کی مثل بنالانے پر بھی قادر نہ ہوسکا باوجودیکہ مخالفین مکذبین نے جلاوطن ہونا اختیار کیا مقاتلہ کرکے قتل و غارت ہوگئے اور باوجودیکہ فصاحت اور بلاغت میں شہرۂ آفاق بھی تھے اور اس تحدی مذکورہ میں جو متعدد آیات میں سخت مبالغہ ہے اور الفاظ غیرت دہ کے ساتھ مطالبہ بھی کیا گیا ہے لیکن ایک چھوٹی سی سورۃ بھی نہ بنا سکے فثبت الاعجاز اور جبکہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے اُسکا ہونا ثبوت کو پہنچ گیا تو ھدی للمتقین ہونے میں اُسکے کیا کلام رہا پس الم یعنی انا اللہ اعلم جو ان پیشین گوئیوں کی طرف اشارہ کررہا ہے اُسکا نشان نبوت ہونا بھی ثابت ہوا وھو المطلوب علیٰ ہذا القیاس کئی متعدد جگہ پر بھی ثبوت موجود ہیں۔ اور یہی دلیل مسیح موعودؑ کی حقیت کی اُسکی کتب متحدیانہ میں جو تائیداً للاسلام لکھی گئی ہیں بعینہٖ جاری ہوسکتی ہے۔

سورہ[2] آل عمران ۔ سورہ آل عمران میں بھی علل اربعہ موجود ہیں الم یعنی انا اللہ اعلم علت فاعلی ہے نزل علیک الکتاب بمنزلہ علت مادی کے بالحق مصدقا لما بین یدیہ بمنزلہ علت صوری کے ھدی للناس بمنزلہ علت غائی کے اور ان علل اربعہ کا بیان دلایل یقینیہ کے ساتھ اس سورہ میں موجود ہے مع پیشین گوئیوں کے مثلاً یہ آیت قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الیٰ جھنم وبئس المھاد یعنی کہدو تم واسطے منکروں کے کہ تم بہت جلد مغلوب ہوجاؤ گے اور جمع کیے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور بُرا وہ بچھونا ہے۔ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کا اعلم ہونا ثابت ہوا کہ جو پیشین گوئی مخالفین کے لیے فرمائی گئی تھی وہ آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں واقع ہوگئی اور قرآن مجید کا لاریب فیہ ہونا اور ھدی للناس ہونا بھی حیز ثبوت کو پہونچ گیا جو الم میں اشارۃً مذکور ہوا تھا پس الم کا نشان ہونا بھی مع صنعت براعت الاستہلال کے ثابت ہوا وھو المطلوب۔

سورہ[3] عنکبوت ۔ سورہ عنکبوت بھی الم سے شروع کی گئی ہے اور اُس کے اول میں صرف الم یعنی انا اللہ اعلم پر جو فعّالٌ لما یرید ہے اکتفا کیا گیا ہے باقی علل کا بیان اول سورہ میں نہیں ہوا کما قال اللہ تعالیٰ قل اللہ ثم ذرھم کہدو تم کہ اللہ نے اُتاری ہے کتاب پھر چھوڑ دو اُنکو اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات حمیدہ کا بیان فرمایا ہے کیونکہ اُسم اللہ ذات جو انا اللہ اعلم میں ہے،

وہ جامع تمام صفات کاملہ کا ہے۔ اور بعض انبیا کی کامیابی اور مخالفین کی ہلاکت اور تباہی اس لیے بیان فرمائی گئی ہے کہ اسی طرح پر آنحضرت صلعم کامیاب ہو دیں گے اور آپکے مخالفین نامراد اور ہلاک ہوجاویں گے اور اثنائے سورہ میں قرآن مجید کی حقیت پر برہان قایم کرتے ہوئے مومنوں کے لیے اُسکا رحمت ہونا بیان فرمایا اور منکرین کے لیے پیشین گوئی خسران کی بیان فرمائی گئی۔ کما قال اللہ تعالیٰ اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلیٰ علیھم ان فی ذٰلک لرحمۃ وذکریٰ لقوم یؤمنون الیٰ قولہ تعالیٰ والذین اٰمنوا بالباطل وکفروا باللہ اولٰئک ھم الخاسرون۔ ترجمہ۔ کیا نہیں کافی ہے اُنکو یہ کہ اُتاری ہمنے اوپر تیرے یہ کتاب پڑھی جاتی ہے اُنکے اوپر بے شک بیچ اسکے البتہ رحمت ہے اور نیز نصیحت واسطے اُس قوم کے جو ایمان لاتے ہیں اس قول الٰہی تک اور جو لوگ کہ ایمان لائے جھوٹ پر اور کفر کیا ساتھ اللہ کے وہ لوگ وہی ٹوٹا پانیوالے ہیں۔ اس آیت سے انا اللہ اعلم کا ثبوت کامل ہوگیا کیونکہ یہ پیشین گوئی آنحضرت صلعم کی حیات میں ہی واقع ہوگئی۔ اور نیز بیانپر اس آیت میں علل اربعہ کی تفصیل بھی بیان فرمادی گئی کیونکہ اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب بمنزلہ علت فاعلی اور مادی کے ہے اور یتلیٰ علیھم بمنزلہ علت صوری کے اور ان فی ذٰلک لرحمۃ وذکریٰ لقوم یؤمنون بمنزلہ علت غائی کے اور نیز فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ میں وما انتم بمعجزین فی الارض ولا فی السماء وما لکم من دون اللہ من ولیّ ولا نصیر یعنی اور نہیں ہو تم عاجز کرنیوالے زمین میں یعنی نہ تمھارے دوست وآشنا عاجز کرسکتے ہیں اور نہ آسمان میں یعنی فرشتے اور انبیا جنکو تم نے معبود قرار دے رکھا ہے اور نہیں واسطے تمھارے سوائے اللہ کے کوئی کارساز اور مددگر نیوالا یہ پیشین گوئی بھی واقع ہوگئی اور الٓمٓ میں ان جملہ پیشین گوئیوں کی طرف اشارہ ہے پس الٓمٓ ایک نشان نبوت کا ہوا مع صنعت براعت الاستہلال کے وہو المدعا۔

سورۃ روم ۔ یہ سورہ بھی الٓمٓ سے شروع ہوئی ہے اس میں بھی صنعت براعت الاستہلال کی مع اعجاز پیشین گوئی کے موجود ہے مختصر بیان اُسکا یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے وقت میں ملک روم نصاریٰ کے قبضہ میں تھا اور ملک فارس کا آتش پرستوں کے تصرف میں تھا اتفاقاً دونوں سلطنتوں میں لڑائی واقع ہوئی مسلمان چاہتے تھے کہ روم کی فتح ہو کیونکہ وہ اہل کتاب ہیں اور مشرکین عرب کی خواہش تھی کہ اہل فارس کی فتح ہو کیونکہ یہ بھی مشرک وہ بھی مشرک ع کند ہمجنس باہمجنس پرواز + اتفاقاً فارس کی فتح ہوئی تو مشرکین عرب بہت خوش ہوئے اس سورۃ میں پیشین گوئی فرمائی گئی کہ اگرچہ روم اسوقت میں مغلوب ہوگئی ہے لیکن چند سالوں کے بعد روم ہی فارس پر غالب اور فاتح ہوجاویگی چنانچہ ایسا ہی

کچھ واقع ہوا اور یہ ایک بڑا معجزہ ہے کہ دو سلطنتوں کے درمیان ایسا فیصلہ قطعی فتح اور شکست کا کر دیا جاوے خصوصاً اُس سلطنت کی نسبت جو غالب ہو چکی ہے معہذا پھر اُس کی مغلوبی کی پیشین گوئی یقینی طور پر مشتہر کر دی جاوے ایسی پیشین گوئی بجز اُس علام الغیوب کے کون کر سکتا ہے اس لیے یہ سورہ بھی الف لام میم یعنی انا اللہ اعلم کے ساتھ شروع کی گئی اور یومئذ یفرح المؤمنون میں ایک دوسرا نکتہ ہے کہ فتح بدر کے ایام میں یہ پیشین گوئی واقع ہوئی ہے پس اندرین صورت الم میں صنعت براعت الاستہلال کی مع تضمن پیشین گوئی کے حاصل ہو گئی اور تیسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ پیشین گوئی وقت نزول اس سورۃ سے آٹھ برس کے بعد واقع ہوئی ہے اور الم کے عدد بھی بحساب جمل صغیر آٹھ ہی سال ہوتے ہیں کما مر یعنی الف کا عدد ایک لام کے تین اور میم کے چار کیونکہ حساب جمل صغیر میں دہائی کو اکائی شمار کیا جاتا ہے اور سیکڑہ کو دہائی۔ علیٰ ہذا القیاس سبحان اللہ کیا سچ فرمایا مخبر صادق نے کہ لا تنقضی عجائبہ یعنی اُس کے عجائبات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

سورہ لقمٰن میں اول ہی سے علل اربعہ کا بیان فرمایا گیا ہے الم بمنزلہ علت فاعلی کے ہے تلک آیات الکتاب بمنزلہ علت مادی کے الحکیم یعنی حکمت اور دانش کی بھری ہوئی کتاب بمنزلہ علت صوری کے اور ھدی و رحمۃ للمحسنین بمنزلہ علت غائی کے ہے اور انہیں امور کی تشریح اس سورۃ میں موجود ہے مع تضمن پیشین گوئی کے چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے واذا تتلی علیہ ایاتنا ولی مستکبرا کان لم یسمعھا کان فی اذنیہ وقرا فبشرہ بعذاب الیم یعنی اور جب پڑھی جاتی ہیں اُس منکر پر ہماری آیتیں تو مُنہ پھیر کر غرور کرتا ہوا چلدیتا ہے جیسی اُسنے ہماری آیتوں کو سنا ہی نہیں گویا اُسکے دونوں کانوں میں گرانی ہے یعنی ٹینٹ ہیں تو ایسے شخص کو خوشخبری عذاب دردناک کی سنادو۔ چنانچہ جسقدر ایسے معاند آنحضرت صلعم کے تھے وہ علاوہ عذاب آخرۃ کے عذاب دنیاوی میں بھی ہلاک اور تباہ ہوگئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اعلم ہونے پر علاوہ اس ثبوت کے یہ ثبوت بھی دیا گیا ہے یا بنی انھا ان تک مثقال حبۃ من خردل فتکن فی صخرۃ او فی السموات او فی الارض یات بھا اللہ ان اللہ لطیف خبیر۔ یعنی اے بیٹے میرے بہ تحقیق اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی عمل ہو اور وہ کسی پتھر کے اندر رکھا ہوا ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو تو اُسکو بھی اللہ تعالیٰ واسطے حساب کتاب کے حاضر کر دیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور باخبر ہے۔ یہ مقولہ لقمان کا ہے جو عرب کے نزدیک بھی مسلم ہیں الحاصل الم میں بطور براعت الاستہلال کے مضمون سورۃ موجود ہے اور پیشین گوئی مندرجہ سورۃ واقع ہو گئی لہٰذا

الٓمٓ نشان نبوت کا بھی ہو گیا و ہو المدعا۔

سورہ سجدہ جو الٓمٓ سے شروع کی گئی ہے اُس میں بھی علل اربعہ اول ہی میں بیان فرمائی گئی ہیں الٓمٓ بمنزلہ علت فاعلی کے تنزیل الکتاب بمنزلہ علت مادی کے اور لاریب فیہ من رب العلمین بمنزلہ علت صوری کے اور لتنذر قوما ما اتاھم من نذیر من قبلک لعلھم یھتدون بمنزلہ علت غائی کے۔ اور انہیں کی توضیح اور تشریح اس سورۃ میں موجود ہے اور پیشین گوئی بھی موجود ہے مثلاً یہ آیت ہے ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون اور البتہ چکھاویں گے ہم ادنیٰ عذاب دنیا کا جو قریب تر ہو بڑے عذاب سے ورے اور پہلے تاکہ یہ منکرین ہماری طرف رجوع کریں عذاب ادنیٰ سے۔ مراد فتح بدر ہو یا دیگر فتوحات اسلام کی مثل فتح مکہ وغیرہ اور شکست مخالفین کی۔ بہر حال یہ پیشین گوئی واقع ہوئی اور انا اللہ اعلم کا مضمون صادق ہوا پس الٓمٓ علت فاعلی مع بقیہ علل کے یہاں پر موجود ہے اور الٓمٓ کا آیت نبوت ہونا بھی حیز ثبوت کو پہنچ گیا اور صنعت براعت الاستہلال کی بھی حاصل ہو گئی۔ و ہو المقصود

سورہ اعراف المٓصٓ سے شروع ہوئی ہے الٓمٓ سے تو وہی انا اللہ اعلم مراد ہے اور صٓ سے آنحضرت صلعم کا نبی صادق ہونا مراد ہے اور مضامین سورۃ کا بھی لُبّ لباب ہے باقی مطالب اُس کے لیے مؤید ہیں اور نیز پیشین گوئی فتح مکہ اور تباہی یہود کی بھی مذکور فرمائی گئی ہے جو آنحضرت صلعم کی حیات میں ہی پوری ہوئی جس سے انا اللہ اعلم کا مضمون مشاہد کرا دیا گیا اور اسی سے آپ کا نبی صادق ہونا بھی معلوم ہوا اور مثلاً یہ آیت جو ذیل میں ہے آپکی صداقت پر بڑی کامل دلیل ہے ورحمتی وسعت کل شئ فساکتبھا للذین یتقون ویؤتون الزکوٰۃ والذین ھم بآیاتنا یؤمنون الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل آخر آیت تک۔ یعنی اور میری رحمت ہر ایک چیز کو شامل ہے بس قریب ہے کہ ہم اُسکو اُن لوگوں کے لیے لکھیں گے جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاویں گے یعنی وہ ایمان والے جو اس رسول نبی اُمّی کی پیروی کرتے ہیں جنکی بشارتیں توراۃ اور انجیل میں لکھی ہوئی ہیں اور نبی اُمّی صلعم میں وہ تمام بشارتیں موجود پائی جاتی ہیں۔ اس آیت کے آگے پھر تاکیداً فرمایا جاتا ہے فالذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون ۝ یعنی پس جو لوگ اس نبی اُمّی پر ایمان لائے اور اُسکی حمایت کی اور اُسکو مدد دی اور جو نور یعنی قرآن مجید اُسکے ساتھ بھیجا گیا ہے۔

اُن کی پیروی کی وہی لوگ دین و دنیا میں کامیاب ہونیوالے ہیں۔ ف۔ واضح ہو کہ حضرت موسیٰؑ نے جناب باری میں یہ دعا کی تھی کہ اے پروردگار تو سب بخشنے والوں سے بہتر بخشنے والا ہے تو ہمارے لیے دنیا در آخرت دونوں کی بہتری لکھدے۔ اس آیت سے پہلے یہ دعا موسیٰ کی مذکور ہے اس سوال موسیٰ علیہ السلام پر یہ جواب مذکور مرحمت ہوا تھا اور اس نبی اُمّی کے زمانہ بعثت کو فصل ۳ کتاب اعمال ورس ۲۲ و ۲۳ میں مابین تشریف بری عیسیٰ و بار دگر آمد مسیح موعود قرار دیا گیا ہے اور حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے پیشین گوئی تورات سفر استثنا فصل ۱۸ کو بحق اس نبی اُمّی کے تسلیم کیا ہے ایسی ہی پیشین گوئیوں کا حوالہ اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یجدونہ مکتوبًا عندھم فی التوراۃ والانجیل اس لیے سورہ اعراف میں المٓصٓ کے ساتھ صنعت براعت الاستہلال کی بیان فرمائی گئی اور حرف صٓ سے اشارۃً آنحضرت صلعم کے صادق نبی ہونے پر کیا گیا اور دیگر انبیا علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی کامیابی اور اُنکے مخالفین کی ہلاکت اس غرض سے بیان کیگئی ہے کہ اسی طرح پر یہ نبی صادق بھی کامیاب ہو جاوے گا اور آپکے مخالفین نامراد اور ناکام ہو جاویں گے چنانچہ ایسا ہی کچھ واقع ہوا۔ پس المٓصٓ کا نشان نبوت ہونا بھی ثابت ہو گیا اور یہی مطلب ہے اُس کے آیت ہونے سے اور علل اربعہ بھی اوّل سورۃ میں موجود ہیں۔

سورہ یونس الٓرٰ سے شروع کیگئی ہے جو اشارہ ہے طرف انا اللہ ربکم کے یا انا اللہ رب العٰلمین کے اس میں علل اربعہ کا بیان موجود ہے انا اللہ ربکم علت فاعلی ہے اور تلک اٰیات الکتاب علت مادّی اور الحکیم یعنی حکمت اور دانش سے بھری ہوئی کتاب علت صوری ہے اور ان انذر الناس و بشر الذین اٰمنوا الیٰ آخرہ علت غائی ہے ربکم کی ر الٓرٰ میں اس لیے لائی گئی ہے کہ صفت ربوبیّت عامہ اللہ تعالےٰ کی اس قرآن مجید کے انزال کے لیے مقتضی ہوئی ہے جیسا کہ فرمایا اسی سورۃ میں یا ایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمۃ للمؤمنین یعنی اے لوگو! تحقیق تمھارے رب کی طرف سے یہ ایک نصیحت نامہ آیا ہے اور تمھارے امراض قلبی کے لیے شفا ہے اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔ عرب کا حال قبل بعثت کے کس کو معلوم نہیں ہے؟ اور پھر بعد بعثت کے بذریعہ قرآن مجید کے جو اُنکی اصلاح ہوئی وہ بھی کس کو نہیں معلوم؟ پس یہ پیشین گوئی کامل طور پر پوری ہو گئی لہٰذا الٓرٰ کا صنعت براعت الاستہلال ہونا ثابت ہونے سے نبوت کے واضح ہو گیا وھو المدعا خصوصًا جبکہ یہ لحاظ بھی کیا جاوے کہ مکذبین سے مثل ایک سورۃ کے بنالانے پر بڑی زور و شور سے تحدی کی گئی ہے کما قال اللہ تعالیٰ ام یقولون افترٰہ قل فاتوا بسورۃ مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یأتھم تاویلہ کذٰلک کذب الذین من قبلہم فانظر کیف کان عاقبۃ الظالمین ۝ ترجمہ تفسیری کیا یہ مکذب کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے قرآن کو خود بنا لیا ہے اس کے جواب میں

کہدو چونکہ تم بھی اہل زبان ہو تو بنالاؤ تم ایک سورۃ جو مثل اسکے ہو خوبی نظم اور فصاحت و بلاغت اور معنے میں مع تضمن پیشین گوئیوں کے یعنی تھوڑے سے الفاظ میں معانی و علوم بھی بہت سے موجود ہوں اور مشتمل ہو دلایل اور حجتوں پر جن سے تمام شبہات دور ہوتے ہوں اور اپنی مدد کے لیے بلالو جسکو تم بلا سکتے ہو اگر تم سچے ہو اس گمان میں کہ یہ قرآن آنحضرت صلعم کا افترا ہے۔ یہ امر تو ان سے نہیں ہو سکا بلکہ جھٹلایا انہوں نے اس چیز کو جس کے علم پر انہوں نے احاطہ نہیں کیا تھا اور ابھی تک نہیں آئی انکے پاس اسکی حقیقت اور تاویل اسی طرح ان لوگوں نے جھٹلایا تھا جو انسے پہلے ہو چکے ہیں پس دیکھو کہ کیسا ہوا انجام ظالموں کا یعنی ان مکذبین پر بھی ویسا ہی عذاب انجام کار کو نازل ہوگا الرٰ کے آیت ہونے کے اور دیگر وجوہ بھی ہیں۔

سورۃ ہود بھی الرٰ سے شروع ہوئی ہے اور اسکے اول میں علل اربعہ بھی موجود ہیں جو اندک غور کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں اور چونکہ مقتضی صفت ربوبیت عامہ کا مکذبین کے لیے درصورت تکذیب کیے جانیکے انذار کرنا بھی ہے تاکہ شرارتوں اور ظلموں سے پرہیز کریں اور اس سورۃ میں متعدد جگہ حسب مقتضی صفت ربوبیت کے مخالفین کو انذار فرمایا گیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القریٰ وھی ظالمۃ ان اخذہ الیم شدید۔ یعنی اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہوتی ہے جب بستیوں کے لوگ ظلم اور شرارت پر کمر باندھیں بیشک اسکی پکڑ بڑی دردناک اور سخت ہے اور جیساکہ فرمایا ان ربک فعال لما یرید بے شک تمہارا پروردگار جس امر کو چاہتا ہے کر ڈالنے والا ہے یعنی اسکے ارادہ عذاب کو کوئی روکنے والا نہیں اس لیے یہ سورۃ بھی الرٰ یعنی انا اللہ رب العٰلمین سے شروع کی گئی اور چونکہ جو وعیدیں آنحضرت صلعم کے مخالفین کو اس سورۃ میں بیان فرمائی گئی تھیں واقع ہو گئیں جسکا اشارہ الرٰ میں حسب مقتضی صفت ربوبیت کے موجود ہے اس لیے الرٰ کا صنعت براعت الاستہلال ہونا مع نشان نبوت کے ثابت ہوا فہو المدعا۔

سورہ یوسف بھی الرٰ سے شروع کی گئی ہے اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے بطور ایک نظیر کے اپنی صفت ربوبیت کو قصہ حضرت یوسفؑ میں اس لیے بیان فرمایا ہے کہ اہل بصیرت سمجھ لیویں کہ آنحضرت صلعم جو سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں انکی نسبت ہماری یہ صفت ربوبیت بطریق اولیٰ متوجہ ہو رہی ہے گو اوائل میں مثل حضرت یوسف کے کسیقدر مصائب بھی پیش آویں جیساکہ حضرت یوسف کو مشقت چاہ پیش آئی اور آنحضرت صلعم کو بوقت ہجرت کے غار ثور کی محنت پیش آئی اور جیسا حضرت یوسف کے بھائیوں نے انکے قتل کا ارادہ کیا اور انکو قتل سے نجات دیگئی۔ آنحضرت صلعم کو بھی قبایل عرب نے جو آپکی برادری سے تھے قتل کرنا چاہا اور اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت نے آپ کو قتل سے محفوظ رکھا اگر حضرت یوسفؑ کو بعد واقعہ ہجرت و سجن کے تخت عزت پر بٹھایا گیا تو آنحضرت صلعم کو بعد واقعہ ہجرت کے فتح بدر ہو کر مسند خلافت علیا اور ختم نبوت کے عرش پر جانشین فرمایا گیا اگر حضرت یوسفؑ کو نبوت جزمی عطا ہوئی تو آنحضرت صلعم کو خطاب [رحمۃ للعالمین]

ارسلناک الا رحمۃ للعلمین مرحمت ہوا اور حضرت یوسفؑ نے اپنے چند بھائیوں کو مخاطب کرکے لا تثریب علیکم الیوم کہا۔ آنحضرت صلعم نے بھی بوقت فتح مکہ کے کل اپنے برادران اور قبایل سے جو سخت دشمن تھے مگر ایمان لے آئے۔۔۔ لا تثریب علیکم الیوم فرمایا حضرت یوسفؑ کو انتظام ایک ملک کے لیے تدبیر معاش سکھائی گئی۔ آنحضرت صلعم کو انتظام تمام ممالک دنیا کا قیامت تک تعلیم فرمایا گیا جو بعد آپکی وفات کے بذریعہ خلفاء کے ہوا اور ہوتا ہے اور ہوتا رہیگا جیساکہ اس چودھویں صدی میں بذریعہ مسیح موعودؑ کے برنگ جمالی رافت اور رحمت کے سامان امن و امان ہو رہا ہے علیٰ ہذا القیاس دیگر امور مندرجہ سورہ کو سمجھ لینا چاہیئے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں ارشاد فرمایا کہ لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب یعنی بے شک البتہ ہے انکے قصوں میں عبرت حاصل کرنا صاحبان علوم باطنی کے لیے اور جبکہ آنحضرت صلعم کے لیے وہ امور جو مقتضی صفت ربوبیت الٰہیہ کے تھے واقع بھی ہو گئے تو اس لیے الٓرٰ یعنی انا اللہ اریکم کا آیت نبوت ہونا مع صنعت براعت الاستہلال کے حاصل ہو گیا خصوصاً جبکہ دیگر ادلہ مندرجہ سورۃ پر بھی نظر کیجاوے مثلاً دیکھو یہ آیت ذٰلک من انباء الغیب نوحیہ الیک وما کنت لدیھم اذ اجمعوا امرھم وھم یمکرون یعنی اے پیغمبر یہ غیب کی باتیں ہیں جن کو ہم وحی کے ذریعے تمکو معلوم کراتے ہیں باوجودیکہ تم انکے پاس موجود نہیں تھے جبکہ یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنا ارادہ مصمم کر لیا تھا کہ یوسف کو کوئیں میں ڈالدیویں اور وہ اسکی ہلاکت کے لیے تدبیریں کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپکی نبوت پر ایک برہان قایم کی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت یعقوبؑ کو تو حضرت یوسفؑ کا کوئیں میں ڈالا جانا بھی معلوم نہ ہوا باوجودیکہ انکے شہر وطن کنعان کے قریب ہی وہ کنواں تھا پس دیگر حالات اور واقعات مندرجہ سورہ متعلق یوسفؑ کے اونکو کیا خبر ہو سکتی تھی لیکن آنحضرت صلعم کو بڑی تفصیل کے ساتھ بعد مدتہائے دراز کے ان واقعات کی خبر پہنچ دیدی پس واسطے اثبات انکے دعوے نبوت کے یہی دلیل کافی ہے لہٰذا آپ کا نبی برحق و رحمۃ للعالمین ہونا ثابت ہوا جو مقتضی شان رب العالمین کا ہے وہو المدعا۔

سورہ رعد ۱۱ الٓمٓرٰ سے شروع ہوتی ہے یعنی انا اللہ اعلم اریکم جو علت فاعلی ہے اور تلک ایات الکتاب بمنزلہ علت مادی کے ہے اور والذی انزل الیک من ربک الحق بمنزلہ علت صوری کے۔ اور یہاں پر علت غائی بہ تصریح تو مذکور نہیں مگر آیت ولکن اکثر الناس لا یؤمنون سے مفہوم ہوتی ہے یعنی جبکہ یہ کتاب حق ہے کہ دلایل عقلیہ و نقلیہ سے اسکا ثبوت کامل موجود ہے تو پھر علت غائی اس کی یہ ہے کہ ہر ایک ذی عقل کو اسپر ایمان لانا چاہیئے ولاکن اکثر لوگ جو مصداق ناس بمعنے ناسی مشتق نسیان سے ہیں اسپر ایمان نہیں لاتے اور چونکہ حرف را میں اشارہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کی طرف ہے تو اسکی صفت ربوبیت جو آنحضرت صلعم کی طرف متوجہ ہے اسکا تقاضا یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً ہم لوگوں

غلبہ حاصل ہوتا ہے اور مخالفین کو بتدریج شکست ہوتی رہے حتیٰ کہ بالآخر مکہ معظمہ بھی فتح ہو جاوے اس لیے
اللہ تعالیٰ اس سورہ میں فرماتا ہے ولا یزال الذین کفروا تصیبھم بما صنعوا قارعۃ او تحل
قریباً من دارھم حتیٰ یاتی وعد اللہ ان اللہ لا یخلف المیعاد ۝ یعنی جن لوگوں نے
کفر و انکار کیا اُنکو ہمیشہ اُنکی بدکرداریوں کی سزا میں کچھ نہ کچھ مصیبت پہنچتی رہے گی جو اُنکو کھڑکھڑاتی رہی اور
نہیں تو اُنکے گھر کے قریب ہی وہ مصیبت نازل ہوتی رہیگی یہانتک کہ خدا کا آخری وعدہ یعنی فتح مکہ پورا ہو
بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا۔ دیکھو اس آیت میں کیسی زبردست پیشین گوئی ہے کہ کفار مکہ اپنے
ظلموں کی سزا میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے اور کوئی نہ کوئی مصیبت اُنپر واقع ہوتی رہے گی اگر یہ نہیں تو اُنکی
بستی کے قریب ہی کوئی ایسا حادثہ اور قارعہ واقع ہوگا جو اُنکو بھی اُسکا صدمہ اور قرع بسبب قرب کے
پہنچتا رہیگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو فتح مکہ کے لیے ہو چکا ہے وہ آموجود ہوگا اور اس وعدۂ الٰہی میں
کسی طرح کا خُلف نہیں ہو ویگا کیونکہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے یعنی انا اللہ اعلم اور اُسکی صفت ربوبیت
آنحضرت صلعم اور آپکے متبعین کی طرف واسطے تربیت کے متوجہ ہے اور ایسا ہی واقع ہوا کیونکہ یہ امر بتواتر اخبار
ثابت ہے کہ بالآخر مکہ معظمہ فتح ہو گیا اس لیے الٓمٓرٰ کا براعت الاستہلال ہونا مع نشان نبوت کے ثابت ہوا
وہو المطلوب۔

سورۂ ابراھیم بھی الٓرٰ سے شروع ہوئی ہے اور اول ہی آیت میں علل اربعہ کا بیان ہے مثل
سابق کے غور کرکے معلوم کرلو اور مخالفین کے لیے یہ وعید فرمایا گیا ہے کہ ویل للکافرین من عذاب
شدید اور افسوس ہے منکروں کے لیے عذاب سخت سے چنانچہ یہ ویل اور خرابی مخالفین پر دنیا ہی میں وارد
ہو چکی۔ اور حضرت ابراہیم کی طرف سے اس سورہ میں یہ دعاء ذیل نقل فرمائی گئی ہے جو مستجاب ہو کر آنحضرت
صلعم کی بعثت سے پورے طور پر واضح ہو گئی وہو ہذا ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی
زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی
الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون یعنی اے پروردگار ہمارے بسائی ہے
میّنے بعض اولاد اپنی ایسے بیابان میں جہاں کھیتی نہیں ہوتی تیرے معزز گھر یعنی کعبہ کے پاس اے پروردگار
ہمارے تاکہ یہاں یہ لوگ نمازیں پڑھیں پس تو ایسا کر کہ تمام لوگوں کے دل اُنکی طرف مایل ہو جاویں
اور رزق دے اُنکو تمام پھلوں سے تاکہ وہ تیرا شکر کرتے رہیں۔ اس دعا کے مصداق آنحضرت صلعم
کامل طور پر ہوئے آگے ان آیات سے مخالفین کو انذار کیا جاتا ہے کہ ولا تحسبن اللہ غافلا عما
یعمل الظالمون یعنی اور یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ مخالفین ظالموں کے اعمال سے غافل ہے پھر فرمایا کہ فلا

تحسبن اللہ مخلف وعدہ رسلہ ان اللہ عزیز ذو انتقام پس مت سمجھو تم کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے اپنے رسولوں سے کیے ہیں اُنکے خلاف کریگا کیونکہ بے شک اللہ زبردست بدلا لینے والا ہے۔ غرضکہ ربوبیت عامہ الٰہیہ کی جو آنحضرت صلعم کیطرف متوجہ تھی اُس نے وہ شان دکھلائی کہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔ لہٰذا الٓر بمعنے انا اللہ ربکم میں صنعت براعت الاستہلال کی مع آیت ہونے نبوت کے حاصل ہوگئی وہو المدعا۔

سورۃ حجر [۱۵] یہ سورہ حجر بھی الٓر یعنی انا اللہ ربکم سے شروع کیگئی ہے جو علت فاعلی ہے تلک آیات الکتاب بمنزلہ علت مادی کے ہے اور قرآن مبین بمنزلہ علت صوری کے ہے۔ اور علت غائی یہاں پر بتصریح بیان نہیں فرمائی گئی لیکن عقل سلیم والا اس آیت سے سمجھ سکتا ہے ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین یعنی کافرین و مخالفین ایک دن ارمان کرینگے کہ اے کاش ہم مسلمان ہوتے۔ اس آیت سے علت غائی بھی سمجھی جاتی ہے تقریر اُسکی یہ ہے کہ اس کتاب کے انزال سے مقصود یہ تھا کہ کفار و مشرکین دین اسلام میں داخل ہو جاتے لیکن نہ داخل ہوئے پس ایک دن ایسا آنیوالا ہے کہ بڑی حسرت اور افسوس سے منکرین کہیں گے کہ کاش ہم اس کتاب پر ایمان لاتے اور اسلام میں داخل ہو جاتے کیونکہ یہی وہ کتاب موعود ہے جسکی صفت قرآن مبین ہے یعنی بیان کرنیوالی ہے تمام حقایق اور معارف الٰہیہ کی۔ پس اس تقریر سے علت غائی مفہوم ہوگئی۔ اور پھر شان ربوبیت الٰہیہ اب صرف اس ہی کتاب کیطرف ایسی متوجہ ہے کہ اُسکے لیے اس سورہ میں فرمایا گیا کہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون اور یہ وعدہ جو مقتضٰے ربوبیت کا ہے کیسا پورا ہوا کہ ابتدا سے اس آخری زمانہ تک ہر طرح سے محفوظ اور مصئون ہے اور اب وہ سامان اور اسباب حفاظت کے مہیا اور طیار ہوگئے ہیں کہ ہر ایک اہل بصیرت بطور قطع و جزم کے کہہ سکتا ہے کہ تا قیام قیامت کتاب محفوظ رہے گی۔ پس بسبب پورا ہو جانے پیشین گوئیوں مندرجہ سورۃ کے جس کی طرف الٓر حروف مقطعات اشارہ کررہے ہیں۔ آپکی نبوت کی حقیقت واضح ہوگئی۔ لہٰذا الٓر کا براعت الاستہلال ہونا مع نشان نبوت کے واضح ہوگیا۔ فہو المدعا۔ اور ظاہر ہے کہ پہلی کتب سماویہ اس حفاظت سے محروم ہیں کما ثبت فی محلہ

سورۃ مریم [۱۹] بعد بسم اللہ کے کٓھٰیٰعٓصٓ سے شروع کی گئی ہے اور بسم اللہ سے علت فاعلی کا ثبوت ملتا ہے اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے انبیا و اولیا کا ذکر حسب ذیل کیا ہے۔ زکریا۔ ابراہیم ادریس۔ اسمٰعیل۔ عیسیٰ۔ یحییٰ۔ مریم۔ موسیٰ۔ اسحٰق۔ یعقوب۔ آدم۔ نوح اور فضائل انسانی جس کی طرف کھیعص مشعر ہے یعنی کرامت اور ہدایت اور یقین کرنا اللہ تعالےٰ کی ذات صفات اور افعال پر مع ہر سہ مرتبہ یعنی علم الیقین۔ عین الیقین اور حق الیقین کے اور عزت

اور صدیقیت خصال حمیدہ ان سب کو عطا فرمائی گئی ہیں اور پھر اُنکی نسبت ارشاد فرمایا ہے کہ اولئک الذین انعم اللہ علیہم من النبیین من ذریۃ ادم وممن حملنا مع نوح ومن ذریۃ ابراھیم واسرائیل وممن ھدینا واجتبینا اذا تتلی علیہم ایات الرحمن خروا سجدا وبکیا (ترجمہ تفسیری) یہ وہ لوگ ہیں جنپر اللہ تعالی نے اپنا انعام کرکے انکا اکرام کیا ہے آدم کی اولاد میں سے اور اُن لوگوں کی نسل ہیں جنکو ہم نے ہدایت اور یقین دیکر کشتی میں نوح کے ساتھ سوار کرلیا تھا اور ابراہیم ویعقوب کی نسل سے کرکے دین و دنیا کی عزت دی تھی اور اُن لوگوں میں سے ہیں جنکو ہم نے راہ راست دکھا کر صدیقیت کے مرتبہ پر منتخب فرمایا تھا اور اُنکا مرتبہ صدیقیت کا اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ جب اُنپر آیتیں خدائے رحمن کی تلاوت کیجاتی تھیں تو سجدہ میں گر پڑتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ چونکہ یہ فضائل اللہ تعالی کی خاص رحمت رحیمیت ربوبیت سے انسان کو مرحمت ہوتی ہیں اور اب آنحضرت صلعم اور آپکے متبعین مومنین کیطرف اُس رحمن ورحیم کی رحمت اور ربوبیت بکمال درجہ متوجہ ہے لہذا فرمایا جاتا ہے کہ ان الذین امنوا وعملوا الصلحات سیجعل لھم الرحمن ودا یعنی بے شک جو لوگ ایمان لائے آنحضرت صلعم اور قرآن پر اور عمل نیک کیے بموجب فرمان کتاب وسنت کے اُنکے لیے وہ خدائے رحمن دوستی پیدا کردیوے گا۔ مراد یہ ہے کہ وہ رحمن ورحیم اُنسے ایسی محبت کریگا کہ جملہ فضائل مذکورہ جن کی طرف کھیعص مشعر یعنی کرامت ہدایت یقین کے تینوں مرتبہ مذکورہ عزت اور صدیقیت عطا فرمادیویگا اور اُنکے مخالفین کو ہلاک تباہ کردیوے گا جیساکہ فرمایا کہ وتنذر بہ قوما لدا یعنی تاکہ ڈراوے تم اس قرآن کے ساتھ جھگڑالو اور اکھڑ قوم کو آخر سورۃ تک چنانچہ اُنپر عذاب دنیوی ایسا ہی کچھ واقع ہوا جو بتواتر منقول ہوتا چلا آتا ہے خواہ بذریعہ قرآن مجید کے اُسکا تواتر ہو یا بذریعہ اخبار کے پس ثابت ہوا کہ حروف مقطعات کھیعص میں صنعت براعت الاستہلال کے بھی حاصل ہے اور آیت نبوت ہونا بھی اُسکا واضح ہے وھو المطلوب۔

سورہ طہ اس سورۃ میں بھی علت فاعلی کیطرف بسم اللہ الرحمن الرحیم سے اشارہ کیا گیا ہے اور لفظ القرآن سے علت مادی مفہوم ہوتی ہے اور الا تذکرۃ لمن یخشی سے علت غائی معلوم ہوتی ہے اور تنزیلا ممن خلق الارض والسموات العلی سے علت صوری اور طہ سے مراد طاہر ہادی ہے جو آنحضرت صلعم کے صفات میں سے ہیں اس سورۃ میں حضرت موسی کا قصہ بہت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کیونکہ آنحضرت صلعم بموجب سفر استثنا باب ۱۸ کے مثیل موسی کے ہیں اور قرآن مجید نے بھی سورہ مزمل میں اس مماثلت کی تصدیق فرمائی ہے جیساکہ فرمایا انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا فعصی فرعون الرسول فاخذناہ

اخذا وبیلا (ترجمہ تفسیری) یعنی اے منکرین تم جو مثل فرعون کے سرکشی کر رہے ہو اس لیے ہم نے تمھاری اس رسول کو تمہارے اوپر گواہ کر کے بھیجا ہے تاکہ تمپر اتمام حجت کر کے ہمارے مواخذہ کے لیے ایک گواہ ہو جاوے جیساکہ فرعون کیطرف موسیٰ کو رسول کر کے بھیجا تھا سو فرعون نے اُسکی نافرمانی کی تھی اسلیے موسیٰ بھی فرعون کی نافرمانی کا گواہ ہو گیا تھا تب ہم نے اُسکو ایک بڑے وبال میں دھر پکڑا۔ چنانچہ جن مکذبین نے آنحضرت صلعم کو طاہر اور ہادی نہ مانا وہ دین و دنیا میں مثل فرعون اور فرعونیوں کے ہلاک و تباہ کیے گئے جیساکہ ابو جہل کی نسبت یہ مقولہ مشہور ہے کہ مات فرعون هٰذه الامة پس اسلیے طٰه کا براعت الاستہلال ہونا مع نشان نبوت کے ثابت ہوا وھو المدعا۔

سورۃ الشعراء۔ طٰسٓمٓ سے شروع ہوئی ہے جس میں اشارہ ہے طرف پیشین گوئی سینین موسیٰ کے یا یوں کہو کہ طور سینین کے موعود محمدؐ نبی کیطرف اشارہ ہے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فصل ۱۸ سفر استثنا میں آنحضرت صلعم کی بشارت مفصلاً مذکور ہے۔ جو طور سینین پر ہوئی تھی اور اُسی میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جو اُس نبی اُمّی کو نہ مانیگا وہ قوم میں سے ہلاک اور تباہ کر دیا جاویگا اور جملہ انبیائے بنی اسرائیل کے اور نیز اُنکے علما اور نیز حواریین حضرت عیسیٰ کے بھی اس نبی موعود کے منتظر رہے ہیں اور جو اہل کتاب یا اہالی مکہ وغیرہ کے آنحضرت صلعم کی تکذیب کے درپے ہوئے وہ ہلاک اور تباہ ہو گئے۔ چنانچہ اس سورۃ میں اُنکی ہلاکت کا ذکر بھی فرمایا گیا ہے لہٰذا اس سورۃ میں اُسی پیشین گوئی کو یاد دلایا گیا ہے جو طور سینا پر حضرت موسیٰ نے نبی آمی بیان فرمائی تھی کما قال اللہ تعالیٰ وانه لفي زبر الاولين اولم يكن لهم اٰية ان يعلمه علمٰؤا بني اسرائيل ولو نزلناه على بعض الاعجمين فقرأه عليهم ما كانوا به مؤمنين كذٰلك سلكناه في قلوب المجرمين لا يؤمنون به حتى يروا العذاب الاليم فيأتيهم بغتة وهم لا يشعرون یعنی بیشک اس قرآن و رسول کی پیشین گوئی اگلے پیغمبروں کی کتابوں میں موجود ہے اسپر علاوہ یہ کیا لوگوں کے لیے اُسکی صداقت کا یہ نشان نہیں کہ بنی اسرائیل کے تمام علما اس پیشین گوئی کو جانتے ہیں اور اگر ہم اس قرآن کو بزبان عجمی عجمیوں پر اُتارتے اور وہ بزبان عربی اُسکو اُنپر پڑھتا تب بھی یہ لوگ اُسپر ایمان نہ لاتے اسی طرح پر تکذیب و انکار کو ہم نے مکذبین مجرمین کے دلوں میں داخل کر دیا ہے وہ ایمان نہیں لاویں گے جبتک عذاب دردناک کو نہ دیکھ لیویں اور دفعۃً اُنپر عذاب آجاوے اور اُنکو کچھ خبر نہ ہو۔ اس آیت میں اور اس کے اوپر کی آیات میں بھی آنحضرت صلعم کی حقیّت نبوت پر چند دلایل قایم کیے گئے ہیں اوّل یہ کہ یہ قرآن بلسان عربی مبین ہے یعنی تھوڑے اور مختصر الفاظ میں تمام مقاصد دینیہ کو بیان کرنیوالا ہے اور وہ بھی کمال وضاحت کے ساتھ۔ دوم جو شخص اُسکے اس اعجاز بلاغت کو جو بسبب اُسکے زبان عربی مبین میں ہونیکے ہے نہ سمجھ سکے۔ اُس کے لیے یہ دلیل پیش کی کہ جسقدر کتابیں پہلے انبیا کی ہیں اُن سب میں اس قرآن اور رسول عربی کی پیشین گوئی موجود ہے اور

وقوع پیشین گوئی کا کسی کے حق میں جو ہزاروں برس کی ہو ایک بڑا ثبوت کامل ہے اُسکے منجانب اللہ ہونیکا کیونکہ ایسی پیشین گوئی کا علم بجز اُس علام الغیوب کے طاقت بشری سے باہر ہے۔ سوم اگر کوئی شخص ایسا غبی ہو کہ نہ اعجاز بلاغت قرآن مجید کو سمجھ سکے اور نہ اُسکو کتب سابقہ کی اطلاع ہو تو اُس کے لیے اسکے صدق کی کیا یہ دلیل نہیں ہے کہ علماء بنی اسرائیل مثل عبد اللہ بن سلام اور اُنکا گروہ اور اکثر رہبان و احبار یہود و نصاریٰ کے اُن بشارات کو جانتے ہیں اور ایمان بھی لے آئے ہیں اور بعض معاندین کی تکذیب اُس کے صدق کے لیے کچھ مضر نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ تکذیب بسبب تعصب اور عناد مذہبی کے ہے کیونکہ مکذبین کا عناد اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ اگر یہ قرآن عجمی زبان میں اُترتا اور وہ عجمی بغیر تعلیم عربی زبان کے اُسکو عربی میں بیان کرتا تب بھی یہ معاند ایمان نہ لاتے اگرچہ اُنکے دلوں میں اُسکا صدق بہت جہتوں سے ہوتا۔ پس ایسلیے ایسے معاندین بغیر عذاب دیکھے ایمان نہیں لائینگے۔ چنانچہ وہ عذاب بغتۃً بصورت فتح بدر یا فتح مکہ وغیرہ کے آموجود ہوا اور پیشین گوئی مندرجہ تورات وغیرہ اور نیز مندرجہ قرآن مجید پوری ہوگئی۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ طسم میں صنعت براعت الاستہلال کی بھی ہے اور نشان نبوت کا بھی موجود ہے۔ وہو المدعا۔

سورہ نمل۔ طس سے شروع کی گئی ہے۔ اس سورۃ میں علاوہ قصہ حضرت موسیٰؑ کے جنکے مثیل آنحضرت صلعم ہیں حضرت سلیمانؑ کا قصہ بھی مفصلاً بیان فرمایا گیا ہے جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ طور کے موعود نبی کو خلافت اُن ملکوں کی بھی عطا ہوگی جو حضرت سلیمانؑ کے قبضہ میں تھے پس حرف طا سے اشارہ طور کیطرف ہوا اور س سے اشارہ حضرت سلیمانؑ کی طرف ہوا۔ اور بیان کرنے قصہ سلیمانؑ سے مقصود دفع کرنا اُس استبعاد کا ہے جو مخالفین بسبب ظاہری فقر و افلاس آنحضرت صلعم کے فتوحات اسلامیہ کو بہت بعید اور مستبعد سمجھتے تھے اور نیز وہ مخالفین اپنی ناکامیوں اور نامرادیوں کو بسبب کثرت اپنی دولت اور قوت و شوکت کے قریب محال کے جانتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ ویقولون متیٰ ھٰذا الوعد ان کنتم صادقین قل عسیٰ ان یکون ردف لکم بعض الذی تستعجلون (ترجمہ تفسیری) اور مخالفین کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو تو بتاؤ؟ اے پیغمبر تم اُنکو جواب دیدو کہ وہ عذاب تمہارے قریب آلگا ہے جسکے لیے تم جلدی مچا رہے ہو۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی آنحضرت صلعم کی حیات میں پوری ہوئی اور آپکے جانشینوں کے قبضہ میں بعہد خلافت نبوت کے وہ ملک جو حضرت سلیمان کے قبضہ میں تھے مع بیت المقدس کے آگئے اس لیے طس میں طور کی پیشین گوئی بھی پوری ہوئی جسکا اعلام و الہام حضرت موسیٰ کو کیا گیا تھا اور نیز حسب الحکم آیت ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون کے خلفا کے عہد میں تمام ممالک بیت المقدس تک فتح ہوگئی جس بیت المقدس کو سلیمانؑ نے تعمیر کیا تھا اس لیے طس میں

صنعت براعت الاستہلال کی بھی حاصل ہوئی اور آیت نبوت بھی ہوگئی وہو المدعا۔

سورہ قصص[۱۸] - طٰسٓمٓ سے شروع ہوئی ہے اس سورۃ میں حضرت موسیٰ کے واقعات من ابتدائے ولادت تا غرق فرعون بیان فرمائے گئے ہیں اور آنحضرت صلعم کی کامیابی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور مکذبین کو فتوحات اسلامیہ سے انذار کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سفر استثنا باب ۱۸ میں ثابت ہوچکا ہے کہ آپ مثیل موسیٰ ہیں تو بالضرور مثال موسیٰ کے کامیاب بھی ہونگے اور مخالفین آپکے بالضرور ہلاک تباہ ہوجاوینگے چنانچہ ایسا ہی کچھ واقع ہوا لہٰذا یہ سورۃ بھی طٰسٓمٓ سے شروع کیگئی یعنی طور سینا کے موعود نبی محمد صلعم جنکی پیشگوئی موسیٰ نے کی اور اس پیشین گوئی کا انتظار خود حضرت عیسیٰ کو مع انکے حواریونکے رہا تھا دیکھو یوحنا ۱۴/۱۲۔ ولنعم ماقیل سے مسیح از مقدم او مژدہ گو ٭ کلیم از مشعل او شعلہ جو ۔
چنانچہ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وماکنت ثاویا فی اھل مدین تتلوا علیھم اٰیاتنا ولکنا کنا مرسلین وماکنت بجانب الطور اذ نادینا ولٰکن رحمۃ من ربك لتنذر قوما ما اتٰھم من نذیر من قبلك لعلھم یتذکرون (ترجمہ تفسیری) اور تم مدین کے لوگوں میں رہنے والے نہیں تھے کہ تم نے انپر ہماری تعلیم کے ہماری آیتیں پڑھی ہوں ولاکن ہم تمکو اپنا رسول کرکے بھیجنے والے ہیں اور نہ تم طور کی طرف موجود تھے کہ تم نے واقعات وحی موسیٰ کے بچشم خود دیکھی ہوں بلکہ یہ تمام حالات تمکو وحی کے ذریعہ سے بتائے گئے ہیں اور یہ رسالت تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے بڑی رحمت ہے تاکہ ڈراؤ تم اس قوم کو جنکے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانیوالا نہیں آیا اور تاکہ تمہارے ڈرانیسے یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ اس آیت میں آنحضرت صلعم کی رسالت کی صداقت پر اسطرح پر استدلال فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم نہ تو مدین وغیرہ کے لوگوں میں بود و باش رکھتے تھے جنسے حضرت موسیٰ کے حالات ابتدائی اور واقعات انتہائی کے آپ پڑھ لیتے اور نہ ان پیشین گوئیوں تورات کی آپ کو خبر تھی جو آپکے دعوائے نبوت کی تصدیق کررہی ہیں اور امی ہونا آپ کا تو قطعی طور پر پہلے ہم ثابت کرچکے ہیں۔ پس بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے ہی رحمت کرکے آپ کو بھیجا ہے پس آپکا نبی موعود بنی اسمٰعیل سے ہونا ثابت ہوا جو برادران بنی اسرائیل کے ہیں اسلیے طٰسٓمٓ کا براعت الاستہلال ہونا مع نشان نبوت کے بھی ثابت ہوا۔ وہو المطلوب۔

سورہ یٰسٓ[۱۹] - اس سورہ میں حرف یا خطاب کا ہے اور حرف س سے سید الانبیاء کیطرف اشارہ ہے اور اس دعوے پر یہ دلیل دیگئی ہے کہ والقراٰن الحکیم یعنی قسم ہے قرآن مجید کی جس میں سراپا حکمت اور دانائی کی باتیں ہیں چونکہ پہلی کتب انبیا میں یہ اعجاز فصاحت و بلاغت کا نہیں ہے جو قرآن مجید میں ہے یعنی انمیں نہ تمام انسانی قویٰ کی رعایت کرکے ایسے احکام صادر ہوئے ہیں جو قیامت تک کیلیے باعتبار زمانہ کے اور بلحاظ جملہ ممالک دنیا کے اور بلحاظ مکانوں کے جملہ مختلف استعداد انسانوں کے لیے حسب مقتضی حکمت کے ہوں مگر یہ قرآن مجید ایسا حکیم ہے کہ یہ جملہ امور دینی و دنیوی مختصر الفاظ میں مع تمام معارف اور حقایق دینیہ کے مشتمل ہے اس لیے بصفت حکیم متصف کیا گیا ہے اور آنحضرت صلعم

نے ایسے برکات قرآن حکیم کی وجہ سے تمام کمالات انسانیہ کے مراتب عالیہ پر اور فضائل بشریہ کے مدارج پر نہایت سرعت کے ساتھ ترقی فرمائی ہے کیونکہ جملہ مراتب قرب الٰہیہ کے لیے یہی قرآن مجید صراط مستقیم ہے اور ظاہر ہے کہ خط مستقیم ہی بہ نسبت باقی خطوط کے اقصر الخطوط ہوا کرتا ہے پس اس لیے آنحضرت صلعم سید الانبیا ہوئے۔ اب اس شبہ کو دفع کیا جاتا ہے کہ یہ ترقی درجات کی سیادت کے مراتب پر شاید وہبی نہو بلکہ کسبی ہو تو ارشاد ہوتا ہے کہ کسبی کیونکر ہو سکتی ہے بلکہ وہبی ہی ہے انک لمن المرسلین کیونکہ اتنی سی بعثت تمام ایسی ترقیات غیر متناہی کا حاصل کرنا دشوار کیا بلکہ محال تھا اور جن لوگوں کو یہ سیادت آپکی نظر نہیں آتی اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اُنکے آگے اور پیچھے اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ کی دیواریں کھڑی ہیں اور اوپر سے عناد اور تعصب کی چھت سے پاٹکر ڈھانک دیئے گئے ہیں جیساکہ آگے کی آیات میں مذکور ہے اس لیے ایسے لوگ آپکی صراط مستقیم اور درجہ سیادت کو نہیں دیکھ سکتے آگے اس سورۃ میں اسی مقصود کے اثبات کے لیے امثال و نشانات و شواہد اور قصص عبرت انگیز اور منکرین کے اعتراضوں کے جواب ارشاد فرمائے گئے ہیں اور اُنکو دنیا اور نیز آخرت کے عذابوں سے انذار فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ مکذبین آپکے دنیاکی عذابوں میں تو مبتلا ہو چکے پس عذاب دنیوی آخرت کے عذابوں کے وقوع کے لیے بڑا ثبوت کامل ہے اور مومنین مخلصین جنہوں نے آنحضرت صلعم کی نبوت عامہ کو مع ایمان درجہ سیادت کے مان لیا وہ بھی کامیاب اور بامراد ہوگئے اور ہوتے جاتے ہیں اور ہو وینگے۔ پس اسلیے یٰسٓ میں صنعت براعت الاستہلال کی بھی حاصل ہوگئی اور آیت نبوت بھی ہوگئی۔ وہو المدعا۔ اور آپ کی سیادت کے فضائل میں جو احادیث صحاح وارد ہیں جیساکہ انا سید ولد آدم وغیرہ (رواہ مسلم وغیرہ وغیرہ من کتب الاحادیث) اُنکا ذکر ہم یہاں پر اس لیے نہیں کرتے کہ شاید سامعین کو طوالت سے ملالت ہو جاوے اور نیز ہمکو یہاں پر مقطعات سے براعت الاستہلال ہونیکا ثبوت قرآن مجید سے دینا ہے نہ احادیث سے اور یٰسٓ میں براعت کا ثبوت مع آیت ہونیکے نبوت کے لیے اس بیان سے بخوبی ثابت ہوگیا و بس وہو المطلوب۔

سورہ صٓ ۲۰ والقرآن ذی الذکر۔ کفار کا مقولہ یہ تھا کہ آنحضرت صلعم نعوذ باللہ کذاب ہیں لہٰذا اس سورۃ میں آپ کا نبی صادق ہونا دلایل سے بیان فرمایا گیا ہے اسلیے صٓ والقرآن ذی الذکر اشارہ ہے آپکے نبی صادق ہونیکی طرف اور واسطے واقع ہونے فتوحات اسلامیہ کے اس سورہ میں قصہ حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ وغیرہم کا بھی بطور نظیر اور شہادت کے ذکر فرمایا گیا ہے اور جو مخالفین تکذیب کے درپے ہیں اُنکو عذاب کے لیے انذار بھی فرمایا گیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ جند ما ھنالک مھزوم من الاحزاب یعنی یہ ایک لشکر ہے شکست کھایا ہوا جو تمہاری مخالفت پر آمادہ ہو رہا ہے منجملہ اور مخالفان خدا کے۔ پس جیسے اوروں کو شکست واقع ہوئی ہے ویسی ہی انکو بھی شکست ہو ویگی اسی مدعا کے اثبات کے لیے

بطور شواہد کے چند اور قصص انبیاء علیہم السلام کے بھی بیان فرمائے گئے ہیں اور آخر سورۃ کو انذاری پیشگوئی فرما کر ختم کر دیا گیا ہے کہ ان ھو الا ذکر للعٰلمین ولتعلمن نبأہ بعد حین یعنی قرآن کچھ اور چیز نہیں ہے مگر تمام دنیا جہان کے لوگوں کے لیے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے اور اُن کیلیے موجب شرف کا ہے جسکی حقیقت کچھ دنوں کے بعد تم معلوم کر لوگے۔ اب کس کو نہیں معلوم کہ ابتدا میں اسلام کیا تھا اور اہل اسلام کیا تھے اور پھر آنحضرت صلعم کی آخری حیات میں اور بعد خلافت نبوت کیا ہو گئے اور اسلام کیا ہو گیا اور اب اس آخری زمانہ میں اسلام بذریعہ مسیح موعودؑ کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا اس لیے حرف صٓ اور والقرآن ذی الذکر سے جو اشارہ آپ کے صادق اور مرفوع الذکر ہونے پر کیا گیا تھا وہ کس زور و شور سے صادق و مصدوق ہو گیا پس حرف صٓ کا مع والقرآن ذی الذکر کے باوجود موجود ہونے صنعت براعت الاستہلال کے آیت نبوت کا ہونا بھی ثابت ہو گیا وہو المطلوب اور مکذبین کا مقولہ کہ وقال الکافرون ھٰذا ساحر کذاب کیسا باطل اور سراسر کذب نکلا صدق اللہ تعالیٰ صٓ والقرآن ذی الذکر۔ یعنی تم صادق نبی ہو قسم ہے قرآن صاحب شرف کی۔ ذکر کے معنے شرف کے بھی آتے ہیں۔

سورۃ مومن۔ یہ سورۃ حٰمٓ سے شروع کی گئی ہے کیونکہ اکثر آیات میں اس سورۃ کی یہود کا رد موجود ہے اس لیے الواح موسیٰ کیطرف اس میں اشارہ کیا گیا ہے جو مسلمات یہود سے ہے اور قرآن مجید میں اکثر تورات اصلی کو الواح موسیٰ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ وکتبنا لہ فی الالواح من کل شیٍٔ موعظۃ وتفصیلا لکل شیٍٔ اور ہم نے موسیٰ کے لیے ہر ایک شے سے جو متعلق آنحضرت صلعم کے ہے مثلاً نصیحت لکھدی تھی اور ہر ایک شے کی اس میں تفصیل تھی یعنی الواح موسیٰ میں آنحضرت صلعم کی تمام بشارات موجود تھیں۔ ایضاً قال تعالیٰ والقی الالواح واخذ براس اخیہ یجرہ الیہ یعنی اور موسیٰ نے تختیوں کو ڈال دیا اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ ایضاً قال تعالیٰ ولما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح اور جب موسیٰ سے غصہ فرو ہو گیا تو تورات کی تختیوں کو اُٹھا لیا۔ الغرض چونکہ تورات تختیوں پر لکھی ہوئی تھی اس لیے قرآن مجید نے اُسکو الالواح سے تعبیر فرمایا ہے۔ پس اس لیے یہاں ح سے مراد الواح اور م سے مراد موسیٰ ہیں۔ چونکہ آنحضرت صلعم کی بشارات و دلائل نبوت الواح موسیٰ میں بکثرت موجود تھیں اور اب تک موجود ہیں باوجودیکہ یہ تورات اصلی الواح نہیں لہٰذا بخطاب یہود اُنکی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ وقال رجل مؤمن من آل فرعون یکتم ایمانہ اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینات من ربکم وان یک کاذبا فعلیہ کذبہ وان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم ان اللہ

لایهدی من هو مسرف کذاب یعنی اور ایک مرد نے فرعون کے لوگوں میں سے جو اپنے ایمان کو
پوشیدہ رکھتا تھا کہا کہ کیا تم ایسے مرد کو قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ صرف خدا ہی کو اپنا رب بتلاتا ہے حالانکہ وہ لایا ہے
تمھارے پاس کھلے نشانات تمھارے رب کی طرف سے اگر بالفرض باوجود ان بینات کے جھوٹا بھی ہو تو جھوٹ کا
وبال اُسی پر پڑیگا۔ اور اگر سچا ہے تو جس عذاب کا تمکو وہ وعدہ کرتا ہے کوئی نہ کوئی عذاب تمپر آ رہے گا کیونکہ اللہ
تعالیٰ حد سے تجاوز کرنیوالے جھوٹے کو کامیابی کی راہ ہدایت نہیں کیا کرتا ہے۔ اس آیت میں وہ استدلال
نقل فرمایا گیا ہے جو ایک فرعون کے معزز ملازم نے فرعون سے بطور معارضہ کے حضرت موسیٰ کے صدق نبوت پر
استدلال کیا تھا جبکہ فرعون نے حضرت موسیٰ کے قتل کرنیکا عزم بالجزم کر لیا تھا اور یہ قصہ اُسکا اس سے
پہلی آیت میں مذکور ہے تقریر اس معارضہ کی یہ ہے کہ موسیٰ کے دو دعوے یا دو قول ہیں اول تو وہ ہر بات پر
کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہی ہے دوسرا قول اُسکا دعویٰ رسالت کا ہے۔ اور فرعون بھی دعویٰ ربوبیت کا
اپنے لیے کرتا ہے پہلا قول موسیٰ کا عقل سلیم کے نزدیک بہت صحیح معلوم ہوتا ہے اور فرعون کا دعویٰ غیر صحیح
ہے کیونکہ انسان جو خود ہزاروں ضرورتوں کا محتاج ہے اُس کے لیے ربوبیت عامہ کی صفت کیونکر حاصل ہو سکتی
ہے پس اس قول پر تو موسیٰ کا قتل کرنا ہرگز نہیں چاہیئے اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ ۔ اور دوسرے
دعوئے رسالت پر اُس سے معجزات بینات ظاہر ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معجزات اُس کے
رب کی طرف سے صادر ہوئے ہیں کیونکہ اگر وہ معجزات طاقت انسانی میں ہوتے تو فرعون بھی اُسکا معارضہ بالضرور
کر سکتا مگر وہ فرعون اُن معجزات میں سے کسی ایک کا بھی معارضہ بطور غلبہ کے نہیں کر سکا پس ظاہر ہے کہ موسیٰ
کے رب نے اُن معجزات کے ذریعہ اُس کی تصدیق کردی ہے اگر باوجود اس تصدیق کے بفرض محال اس دعویٰ میں
وہ جھوٹا بھی ہو تو اُس کے ماننے میں ہمارا تمھارا کوئی حرج نہیں کیونکہ تم اپنے رب کے روبرو یہ عذر کر سکتے ہو کہ اے
پروردگار تو نے اُسکے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرما کر اُس کی تصدیق کردی تھی وقد جاءکم بالبینات من
ربکم۔ اور اگر وہ اس دعوئے رسالت میں سچا ہے کیونکہ معجزات اُسکی تصدیق کر رہے ہیں تو پھر جن عذابوں کی
تمھارے لیے وہ پیشین گوئی کرتا ہے تو اگر وہ سب نہیں تو بعض عذاب تو تمکو ضرور پہنچ ہی رہیں گے کیونکہ یہ تو ممکن
ہی نہیں کہ درصورت صدق دعوئے رسالت کے کوئی عذاب اُن عذابوں میں سے نہ پہنچے جن سے وہ انذار کرتا
ہے کیونکہ پھر تو رسالت ہی لغو اور بیفایدہ ہو جاویگی ہٰذا خلف پھر ایسے رجل عظیم الشان کا قتل کرنا کسی صورت
میں ہرگز نہیں چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس استدلال کو بمقابلہ یہود و اُن لوگوں کی نقل فرمایا ہے جو آنحضرت
صلعم کے قتل کا ارادہ کر رہے تھے اُنکو یہ استدلال مومن آل فرعون کا یاد دلایا ہے تاکہ اس استدلال سے جو
اُنکی کتابوں میں مختصراً مذکور ہے (جیساکہ فصل ۱۰ درس ہفتم خروج میں اجمالاً مع بینات موسوی کے مذکور ہوا ہے)

آنحضرت صلعم کے دعویٰ رسالت کو تسلیم کر لیویں اور آنحضرت صلعم کو خوشخبری نصرت کی بھی بیان فرمائی ہے
کیونکہ سچے نبی کی یہی نصرت الٰہی بڑی نشانی ہے کما قال اللہ تعالیٰ انا لننصر رسلنا و الذین اٰمنوا
فی الحیوٰۃ الدنیا یعنی ہم اپنے رسولوں کی اور جو اُن پر ایمان لائے دنیا میں بھی مدد کرتے رہتے ہیں اور مکذبین
کے لیے یہ انذار فرمایا گیا کہ الذین کذبوا بالکتاب و بما ارسلنا بہ رسلنا فسوف یعلمون ٥
یعنی جن لوگوں نے جھٹلایا کتاب اللہ کو اور اُن بشارتوں نبی عربی کی تکذیب کی جنکو ہم نے اپنے پیغمبروں کی
معرفت بھیجا ہے سو بالآخر اس تکذیب کا نتیجہ وہ جان لیویں گے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ الواح موسیٰ میں جو
جو بشارتیں نبی آخر الزمان کی مذکور تھیں یا آپ کی نبوت پر استدلال جو الواح موسیٰ سے مستنبط ہوتا تھا
اس سورۃ میں وہ اکثر یاد دلائی گئی ہیں اور مکذبین کو تکذیب کے نتایج سے آگاہ کیا گیا ہے اور یہ جملہ انذار
و بشارات مذکور کامل طور پر وقوع میں آچکے۔ اس لیے حٰمٓ میں صنعت براعت الاستہلال کی بھی حاصل
ہو گئی اور نشان نبوت بھی جو آیت کے معنے ہیں حاصل ہوا۔ وہو المطلوب ہم نے اس آیت کی تفسیر مفصل
اخبار الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳ میں کی ہے فلیرجع الیہ۔

سورۃ السجدہ ۲۲ - یہ سورہ بھی حٰمٓ سے شروع کی گئی ہے اس سورہ میں بھی اشارہ الواح موسیٰ
کی طرف اوّل ہی سے کیا گیا ہے کیونکہ فصل ۱۸ سفر استثنا میں جو لکھا ہوا ہے کہ القنہ کلامی تو اس سے ظاہر ہے
کہ تلقین کسی کلام کے دفعۃً نہیں ہوسکتی بلکہ پارہ پارہ کلام یعنی آیت آیت سے متفرق طور پر ہوسکتی
ہے اسی نکتہ کیطرف اس آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ کتاب فصّلت اٰیاتہ یعنی یہ کتاب ہے کہ آیات اُس کی
جدا جدا مفصل بیان کیگئی ہیں۔ پھر اُسی میں لکھا ہے کہ قوم بنی اسرائیل کے بھائیوں میں یعنی جو بنی اسمٰعیل
ہیں وہ نبی موعود مبعوث ہوگا اور ظاہر ہے کہ بنی اسمٰعیل کی زبان عربی ہے تو اُس کتاب کا عربی میں ہونا
بھی ضروری ہوا تاکہ اُس کتاب کے سمجھنے میں قوم عرب کو کوئی دقت واقع نہ ہووے اس لیے فرمایا گیا قرآنا
عربیا چونکہ اُسی کتاب مذکورہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ اُس نبی موعود کے مخالفین ہلاک و مستاصل ہوں گے
اس لیے فرمایا گیا بشیرًا و نذیرًا چنانچہ اُس نبی موعود کے زمانہ بعثت میں وہ وعدہ و بشارت مومنین
کے حق میں اور وعید و انذار مخالفین کے حق میں پورے طور پر واقع ہوگیا۔ علاوہ اسپر فصل ۲۱ یشعیا میں
لکھا ہے کہ نبوت عرب اور بنی قیدار میں ہوگی۔ اسی طرح پر اس سورۃ میں اکثر جگہ پر الواح موسیٰ کیطرف
بھی اشارات ظاہرہ کیے گئے ہیں اس لیے حا سے مراد الواح اور میم سے موسیٰ مراد ہیں پس اس بیان سے
حٰمٓ کا صنعت براعت الاستہلال کا ہونا مع نشان نبوت کے واضح ہوگیا وہو المطلوب۔ مگر غور کرنے
سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اکثر آیات اس سورۃ میں الواح موسیٰ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مثلاً آیت ان الذین

کفروا بالذکر لما جاءھم وانه لکتاب عزیز لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید ۵ بہ تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا ساتھ اس قرآن کے جو یاد دلانیوالا ہے جبکہ وہ آگیا اُنکے پاس اور بے شک وہ بڑی عزت والی کتاب ہے نہیں آسکتا ہے باطل اُسکے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے اُتاری ہوئی ہے یہ کتاب حکمت والے سراہے گئے کی طرف سے - لفظ ذکر کا اگرچہ مصدر ہے مگر اس سے مبالغۃً مذکر مراد ہے یعنی یاد دلانیوالی اُن پیشین گوئیوں کو جو الواح موسیٰ میں لکھی ہوئی ہیں - عزت والی اسوجہ سے کہ باوجود امتداد زمانہائے دراز کے اور ہوجانے تراجم مختلفہ محرفہ کتاب تورات کے اور وقوع حوادث شدیدہ کے یہ پیشین گوئیاں الواح موسیٰ یعنی تورات موجودہ میں ابتک موجود ہیں اگر اُس عزیز و غالب کی طرف سے نہ ہوتیں تو باوجود حوادث مذکورہ کے وہ پیشین گوئیاں کیونکر قایم رہ سکتیں - اور اُس میں یہ بھی لکھا تھا کہ جھوٹا نبی ہلاک کیا جاویگا خواہ اُسکے روبرو ہو یا اُس کے پیچھے یہی صفت اس کتاب میں موجود ہے لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه دیکھو مسیلمہ کذاب وغیرہ متنبی کیسے ہلاک ہوئے پھر دیکھو اس سورۃ میں کیا کیا عجائب غرائب امور حکمت الٰہی اور حمد الٰہی کے مختصر الفاظ میں پائے جاتے ہیں پس ثابت ہوا کہ تنزیل من حکیم حمید ہی ہے لا غیر بہرحال حٰمٓ یعنی یہ سورۃ الواح موسیٰ کو یاد دلانے والی ہے پس اسلیے حٰمٓ میں بڑا عمدہ استہلال مع نشان نبوت کے حاصل ہوگئی -

سورۃ شوریٰ ۲۳ - حٰمٓ ۵ عٓسٓقٓ عین عظمت یا عزت سے لیا گیا س سور سے ماخوذ ہے ق قرآن کی طرف اشارہ ہے یعنی عزت اور عظمت سور قرآن کی الواح موسیٰ میں مذکور ہے واضح ہو کہ فصل ۳۳ سفر استثنا میں آنحضرت صلعم کو خداوند کر کے لکھا ہے جہاں پر فاران کو آپکا مستقر قرار دیا گیا ہے بعض یہود نے آپ کو اس پیشین گوئی کا مصداق اس لیے قرار نہ دیا کہ وہ کم فہمی سے اسکا مطلب یہ سمجھے کہ خود خدا ہی آویگا اُن کو یہ بڑا دھوکہ ہوا کہ حضور صلعم تو بشر ہیں اور فصل ۳۳ میں خدا کا آنا لکھا ہے فاین المصداق - حالانکہ یہ بھی اُنکو معلوم تھا کہ کسی رسول یا نبی کو یہ امر ہرگز ہرگز نہیں پہنچتا کہ اپنے تئیں خدا کہے - پس مراد الٰہی اس پیشین گوئی سے صرف یہی تھی کہ اُسپر کلام الٰہی کی تجلی ہو دیگی جو بصورت سور قرآنی سکے اُسپر وہ تجلی الٰہی نازل ہو دیگی - اور آنحضرت صلعم اُن صفات الٰہیہ کے لیے تجلی گاہ ہو ویں گے جو اس سورۃ میں مذکور ہیں جیسا کہ عزیز حفیظ علی قدیر عظیم ولی نصیر قوی وغیرہ وغیرہ یعنی آپ مع آپکی کتاب کے عزت علو عظمت وغیرہ میں جملہ انبیاء سے زیادہ تر اور بڑھکر ہو ویں گے یا مثلاً سمیع بصیر علیم خبیر لطیف وغیرہ وغیرہ صفات الٰہیہ جو اس سورۃ میں مذکور ہیں وہ سب آپکی طرف متوجہ ہونگے

اس لیے کوئی حرکت اور سکون آپ کے مخالفین کا ایسا نہیں ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے علم سے پوشیدہ رہ سکے اور اس کی سزا واقع نہ ہو یا مومنین مخلصین کے اعمال صالحہ اور نیات صحیحہ میں سے کوئی عمل صالح اور نیت خالص اور نیک مخفی نہیں رہیگا جسکا اجر اُنکو نہ دیا جاویگا یا مثلاً صفات رب غفور رحمٰن رحیم شکور حمید وغیرہ وغیرہ جو اس سورۃ کے اندر مذکور رہیں وہ سب آپکی طرف اور نیز آپ کے متبعین کیطرف متوجہ ہو ویں گی کہ جو بشریت کی کمزوریاں ہیں وہ سب حسب مقتضی ان صفات کے معفو یا مغفور ہو جاوینگی اور آپکے مساعی اور کوشش بین مقبول درگاہ الٰہی ہو کر منتج نتائج عمدہ کے لیے ہوینگی جس سے ہمیشہ انوار عزت و عظمت آپکے اور سور قرآنیہ کی فاران سے چمک کر قیامت تک تمام دنیا میں روشن و تاباں رہیں گی اور اُن لوگوں کو جو مومنین مخلصین ہیں مدام روشن و تاباں کرتے رہیں گے اور یہی مراد الٰہی تھی نزول خداوند تعالیٰ سے فاران میں اس سے زیادہ عظمت و عزت آپکی اور سور قرآنیہ کی اور کیا ہوتی۔ لہٰذا اس غلطی مذکورہ میں یہود وغیرہ پڑ کر ہلاک اور تباہ ہو گئے۔ پس جبکہ حٰمٓ عٓسٓقٓ دونوں مقطعات ان مقاصد کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ جو اس سورہ شوریٰ کے اہم المقاصد سے ہیں لہٰذا ہر ایک کلمہ یعنی حٰمٓ اور نیز عٓسٓقٓ جدا جدا نشان نبوت کا ہو گئے مع حصول صنعت براعت الاستہلال کے۔ وہو المطلوب۔

سورہ زخرف ۲۴ ۔ یہ سورہ بھی حٰمٓ سے شروع ہوئی ہے اس سورۃ میں حا حواریین سے لی گئی ہے اور میم مسیح سے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حواریین مسیح نے دوسرے مسیح کے آنیکی پیشین گوئی بعد آنحضرت صلعم کے دولت اسلامی میں آخر زمانہ کے لیے کی ہے جیساکہ دلیل نمبر اول میں مبرہن بہ تفصیل گذر چکا (فلیرجع الی ریویو جلدہ نمبر ۱۱) اس سورۃ میں بھی مثیل ابن مریم کا آنا آخری زمانہ میں اشراط قیامت سے گردانا گیا ہے چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان ھو الا عبد انعمنا علیہ وجعلناہ مثلاً لبنی اسرائیل ولو نشاء لجعلنا منکم ملائکۃ فی الارض یخلفون ۞ وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بہا واتبعون ھٰذا صراط مستقیم ولا یصدنکم الشیطان انہ لکم عدو مبین ولما جاء عیسیٰ بالبینات قال قد جئتکم بالحکمۃ ولابین لکم بعض الذی تختلفون فیہ فاتقوا اللہ واطیعون ان اللہ ھو ربی وربکم فاعبدوہ ھٰذا صراط مستقیم فاختلف الاحزاب من بینہم فویل للذین ظلموا من عذاب یوم الیم ھل ینظرون الا الساعۃ ان تاتیہم بغتۃ وھم لا یشعرون پ ۲۵ ع ۱۲ اور البتہ وہ ابن مریم جو مثل ہے بنی اسرائیل کے لیے ساعۃ قیامت کے لیے دلیل یا نشانی ہے۔ پس مت شک کرو تم اُس کی عبودیت میں اور میرا اتباع کرو یہی

* ترجمہ اسکا آگے آویگا۔ منہ

صراط مستقیم ہے اور نہ روکے تم کو شیطان اس صراط مستقیم سے بہ تحقیق وہ تو تمہارا دشمن کھلا ہوا ہے
اور جب عیسیٰ کھلے نشان لیکر آیا تھا تو اُس نے کہا تھا کہ میں تمہارے لیے حکمت اور دانش کی باتیں
لیکر آیا ہوں اور تا کہ بیان کروں میں بطور فیصلہ قطعی کے وہ باتیں جنہیں تم سخت اختلاف کر رہے ہو
پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو صرف اسی کی
عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے تب بہت سے گروہ در گروہ باہم اپنی طرف سے اُس سے اختلاف کرنے لگو
پس اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا افسوس ہے عذاب دن دردناک سے۔ کیا یہ لوگ اس ساعۃ کا
انتظار کر رہے ہیں جو اُنپر یکایک آجاویگی اور اُنکو خبر بھی نہ ہووےگی **ف** انّہٗ کی ضمیر کو ہم نے اُس
ابن مریم کی طرف راجع کیا ہے جو مثل ہے یعنی ضرب المثل کا مصداق ہے۔ کیونکہ اوپر کی آیات میں ابن
مریم کے لیے دو جگہ پر لفظ مثل کا موجود ہے اولاً ولما ضرب ابن مریم مثلاً اور ثانیاً ان ھو
الا عبد انعمنا علیہ وجعلناہ مثلاً لبنی اسرائیل۔ اور جبکہ بیان کیا گیا ابن مریم بطور
مثل کے نہیں ہے ابن مریم مگر ایک بندہ جسپر ہم نے انعام کیا اور گردانا ہم نے اُسکو مثل واسطے بنی اسرائیل
کے۔ اب مثل کے معنے سمجھنے چاہئیں تفسیر کبیر میں لکھا ہے المثل فی اصل کلامہم
بمعنے المثل وھو النظیر ویقال مِثْلٌ ومَثَلٌ ومَثِیْلٌ سِبہٌ وشَبہٌ وشَبِیْہٌ۔ ان آیات
مذکورہ میں یہ تصریح نہیں فرمائی گئی کہ ابن مریم کو جو بنی اسرائیل کے لیے یہاں پر مثل قرار دیا گیا وہ
کس امر میں مثل تھے۔ اندک غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ سلسلہ خلافت نبوت کا حضرت ابن مریم پر ختم
ہو گیا تھا اس لیے وہ خاتم انبیاء بنی اسرائیل ہونے میں مثل ہوئے جیسا احادیث سے بھی یہ امر یعنی زمانہ فترت رسل کا
[illegible] ابن مریم و آنحضرت صلعم کے ثابت ہوتا ہے اور یہی سِرّ تھا اُنکے بغیر باپ کے پیدا ہونے میں۔ چونکہ ابن مریم
کے بغیر باپ کے پیدا ہونے [illegible] الفقرہ کا یہ [illegible] تھا کہ ابن مریم میں تو قوت ملکیت و روحانیت
کی بہ نسبت دیگر عباد اللہ مقربین کے زیادہ معلوم ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ومریم
ابنت عمران التی احصنت فرجھا فنفخنا فیہ من روحنا یعنی سچے مومنوں کے لیے
اللہ تعالیٰ مریم بیٹی عمران کے مثل بیان فرماتا ہے جنہوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا تو پھر ہم نے اُنکے
پیٹ میں اپنی روح پھونک دی پس اس نفخ روح سے ثابت ہے کہ ملکیت اُنہیں زیادہ تھی۔ تو پھر
آخر زمانہ اُمت محمدیہ میں ابن مریم کا کوئی مثیل کیونکر ہو سکتا ہے اور وہ ملکیت اور روحانیت جو مثل
ابن مریم کی ہو اُمت محمدیہ میں کیونکر پیدا ہو سکتی ہے تو اُسکا جواب اولاً اللہ تعالیٰ نے اسی جگہ پر یوں
ارشاد فرمایا ہے ولو نشاء لجعلنا منکم ملائکۃ فی الارض یخلفون مطلب یہ کہ اے اُمت

محمدیہ تمہارا درجہ تو ہم نے بہت بڑا عالی کیا ہے اس لیے اگر ہم چاہیں تو ایک ابن مریم کیا بہت سوں کو تم میں سے ابن مریم سے بڑھکر فرشتے کر دیویں کہ وہ زمین میں خلافت و امامت کرتے رہیں ثانیاً علاوہ اسپر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ فاسدہ کے دفع کرنیکے لیے ابن مریم کو اسجگہ پر مثل بھی قرار دیا ہے اور لفظ مثل یا مثیل کا بالضرور تعدد کو چاہتا ہے اور وجود تعدد کے لیے ہی یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں بغیر وجود تعدد کے یہ الفاظ مثیل وغیرہ استعمال نہیں ہو سکتے چونکہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس لیے جانتا تھا کہ خود اہل اسلام میں بھی ابن مریم کی نسبت ایسی ایسے خیالات فاسدہ پیدا ہو جاویں گے جو موہم ہونگے ابن مریم کے تفرد اور توحد پر بعض صفات ملکیت کے لیے اس لیے اُس علیم و حکیم نے اسجگہ پر ابن مریم کو بلفظ مثل ارشاد فرما دیا تاکہ اس خیال تفرد کا قلع اور قمع ہو جاوے اور کوئی ایسی خصوصیت ابن مریم کے لیے باقی نہ رہے کہ وہ دوسرے انبیاء یا اولیاء امت محمدیہ سے ممتاز شمار کیا جاوے۔ اور پھر اس آیت میں اُمت محمدیہ کیلیے وہ مراتب عالیہ اسجگہ پر بیان فرما دیئے کہ ایک ابن مریم کیا بہت سے اُمتی ابن مریم سے بڑھکر ہو سکتے ہیں یعنی اُس سے بڑھکر بمنزلہ ملائکہ کے ہو سکتے ہیں دیکھو فصل ۳۳ سفر استثنا درس دوم کو جس میں دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آپکا آنا لکھا ہے۔ الحاصل جبکہ لفظ مثل کے لیے تعدد ضروری ہوا تو ابن مریم بمنزلہ ایک قول دائر سائر کے ہو گیا جسکو مثل کہتے ہیں اس لیے اُس مثل کے لیے اُمت محمدیہ میں سے ایک فرد کامل کو آخر زمانہ میں حسب آیات زیر تفسیر مبعوث فرمایا جاویگا جسکی نسبت ارشاد ہے وانہ لعلم للساعۃ یعنی بے شک وہی مثل بنی اسرائیل کا جو ابن مریم ہے ساعت قیامت کے لیے ہمارے علم ازلی میں ایک دلیل اور نشان مقرر ہو چکا ہے جو آخر زمانہ میں ایک مسیح غلام احمد فرد کامل اُس مثل کا مصداق ہوگا تاکہ ہمارے فعل سے بھی اُسکا تعدد ثابت ہو جاوے۔ کیا خوب کہا خود حضرت ابن مریم موعودؑ نے سے حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب ؛ خوبوں کو بھی تو تمنے مسیحا بنا دیا ؛ کیا شک ہے ماننے میں تمھیں اس مسیح کے ؛ جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا ؛ کیونکہ آیت زیر تفسیر سے مماثلت کا ثبوت بخوبی ہو گیا۔ اور جو ضمیر فلا تمترن بہا میں ہے اُسکا مرجع عبودیت ابن مریم ہے کیونکہ وہی مرجع پہلے اُس سے قریب مذکور ہوا ہے جو ان ھو الا عبد انعمنا علیہ سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس آیت میں عبودیت ابن مریم کو بڑی تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو مقتضی حصر کا ہے یعنی نفی و اثبات کا مقتضی جو حصر کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے اُسی کی طرف ضمیر بہا کا رجوع ہونا ضروری ہوا اور پھر تاکید پر تاکید یہ فرمائی گئی کہ واتبعون یعنی تم نصارٰی کی پیروی مت کرو جو ابن مریم میں صفات الوہیت ثابت کر رہے ہیں بلکہ میری پیروی کرو اور پھر ارشاد فرمایا کہ یہی صراط مستقیم ہے جو بحکم خیر الامور اوسطہا کے متوسط ہے درمیان عقیدہ نصارٰی اور عقیدہ یہود کے جو ابن مریم کے نعوذ باللہ ولد الزنا ہونے کے قائل ہیں۔ پھر اس کے آگے ارشاد ہوا کہ شیطان تمکو اس عقیدہ صحیحہ سے روکے گا ایسا نہ ہو کہ شیطان تمکو وساوس میں ڈالکر روک دیوے اور تم اجماع نصارٰی اور بلکہ اجماع عوام مسلمین کے مخالف ہوئے جاتے ہو کیونکہ شیطان تو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اس لیے اُسکا اتباع مت کرو کہ اسکے مخالف عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید فوت ہوئی جاتی ہے الحاصل ان آیات میں آخری زمانہ کے ابن مریم کا ذکر فرمایا

گیا ہے اور چونکہ واقعات والہامات نے یہ شہادت دیدی ہے کہ مسیح موعودؑ کو اوّلاً بخطاب مریم مخاطب کیا گیا تھا اور بعد نفخ روح یعنی واقع ہونے الہامات کے اُسکو بخطاب ابن مریم مخاطب کیا گیا ہے دیکھو براہین احمدیہ کو۔ اس لیے ان آیات میں جو آخری ابن مریم کی پیشین گوئی ہے اُسکو صرف بنام ابن مریم ہی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے نہ بنام عیسیٰ کے جو خاص اسکا علم یعنی ابن مریم کا ہے ان اگلی آیات میں جو پہلے ابن مریمؑ کی بعثت کا ذکر فرمایا ہے اُن آیات میں اُسکو علم کے ساتھ ذکر کیا اور منجملہ سوانح مہمہ پہلے ابن مریم کے اُنہیں سے اُن حالات مہمہ کے ساتھ ابن مریم کو ذکر فرمایا جو آخری ابن مریم کے پیش آنیوالے تھے تاکہ اہل بصیرت اس امر کو بخوبی سمجھ لیویں کہ بالضرور عیسیٰ محمدی اکثر صفات میں مثل اُسی ابن مریم کے ہوگا جو بنی اسرائیل کے لیے مثل قول دائر و سائر کے شہرت پا رہا تھا اور عجیب لطف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن مریم کو جو یہاں مثل قرار دیا تھا اُس کی صداقت کے اثبات کے لیے تمام شعرا اور ناثروں کے اذہان کو بھی اسطرف متوجہ کر دیا کہ وہ اپنے اشعار و نیز نثروں میں خوبان جہاں کو مسیح ابن مریم کے ساتھ تمثیل دیتے ہیں ع خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا ۔ پس یہ قول اور فعل الٰہی کیا مسیح ابن مریم کے ابطال الوہیت کے لیے کافی نہیں؟ بالضرور کافی ہے ایساہی سوانح ابن مریم میں سے اب وہ سوانح بیان فرمائے جو آخری مسیح کے لیے وقوع میں آنیوالے تھے۔ چنانچہ اوّلاً اسکے بیّنات کا ذکر فرمایا کیونکہ آخری ابن مریم کو صدہا واقع نشانات اور بیّنات عطا فرمائے گئے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ ولما جاء عیسیٰ بالبینات پھر جو حکمت اور وہ انس کی باتیں علاوہ الفاظ ظاہری تورات کے اُسکو دیگئی تھیں اُن کو بیان فرمایا قال قد جئتکم بالحکمۃ اس لیے کہ آخری مسیح کو حکمت یعنی حقایق اور معارف قرآنی دیئے گئے ہیں ومن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا پہلے مسیح کے وقت میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں باہم سخت اختلافات واقع ہو رہے تھے اور باہم ایک فریق دوسرے فریق کو کافر قرار دے رہا تھا وہی آخری مسیح کے وقت میں علما اور اہل مذاہب اسلامیہ کا حال طابق النعل بالنعل تھا اس لیے اُسکو حکم عدل کرکے مبعوث فرمایا کما قال ولابین لکم بعض الذی تختلفون فیہ پہلے مسیح کے وقت میں تقویٰ اللہ کا نام و نشان اہل کتاب میں باقی نہ رہا تھا یہاں پر بھی بسبب بُعد زمانہ خیر القرون کے کوئی شِق تقویٰ اللہ کی باقی نہ رہی تھی اس لیے ارشاد ہوا کہ فاتقوا اللہ یعنی اس اختلاف اور تکفیر باہمی وغیرہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ایسی جرأت گستاخانہ نہ کرو اور جملہ امور میں افراط و تفریط کو ترک کرکے میری اطاعت کرو کما قال واطیعون اور پہلے مسیح میں مثل نصاریٰ کے وہ صفات ثابت نہ کرو جس سے اُسکا رب ہونا لازم آجاوے جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ ربنا المسیح و نعوذ باللہ منہ کیونکہ ان اللہ ھو ربی و ربکم اور عبادت خالص اُسی کی کرو۔ یہی اُس پہلے مسیح کی تعلیم تھی اور اس مسیح آخری کی بھی یہی تعلیم ہے کما قال فاعبدوہ ۔ پہلے مسیح نے اپنی اس تعلیم کو (کہ نہ مجھ میں کوئی صفت ربوبیت کی ہے اور نہ میں اُن عیوب کفر وغیرہ کے ساتھ متہم ہوں جو یہود مجھ پر لگاتے ہیں) صراط مستقیم فرمایا کہ ھٰذا صراط مستقیم وہی مقولہ مسیح موعود آخری زمانہ کا ہے جو فرما رہا ہے کہ ھٰذا

صراط مستقیم یعنی یہ تمہارا افراط ہے کہ پہلے مسیح کو صفات ربوبیت کے ساتھ متصف کر رہے ہو اور آخری مسیح کو کافر بلکہ اکفر دجّال کذّاب کہکر تفریط کے گڑھے میں گر رہے ہو یہ صراط مستقیم نہیں ہے بلکہ کتاب وسنت کے بالکل مخالف ہے اگرچہ تم اپنے خیالات کی سند میں اجماع کو پیش کرو کیونکہ کوئی اجماع بغیر سند کتاب وسنت کے مستند نہیں ہو سکتا باوجودیکہ ان مسائل میں اجماع بھی ہرگز نہیں صرف تمہارے آپس کے خیالات مختلفہ ومتشتتہ ہیں اور وہ بھی نہایت دور از عقل اور پھر مختلف ہیں کما قال فاختلف الاحزاب من بینہم یعنی وہ اقوال مختلفہ تمہاری طرف سے پیدا ہوئے ہیں نہ کتاب وسُنّت صحیحہ کے منشا سے۔ اور اجماع تو صاحبان عدل کا مقبول ہوا کرتا ہے نہ معاندین اور ظالمین کا اور یہ کسقدر بڑا ظلم ہے کہ کتاب وسُنّت صحیحہ میں تو ہرگز ہرگز نظر وفکر نہیں کیجاتی اور اپنے خیالات کی تقلید پر اصرار کیا جارہا ہے۔ پس اسکا نتیجہ بجز عذاب الٰہی کے اور کیا ہو سکتا ہے کما قال فویل للذین ظلموا من عذاب یوم الیم۔ پس ثابت ہوا کہ ان ظالمین کو جو دلایل عقلیہ ونقلیہ پر نظر نہیں کرتے اُسی ساعت کا انتظار ہے جو اُنپر بیخبری کیحالت میں دفعۃً آجاویگی مگر پھر بعد وقوع کیا ہو سکتا ہے کما قال تعالیٰ ھل ینظرون الا الساعۃ ان تاتیھم بغتۃ وھم لا یشعرون اسی طرح پر آخری مسیح موعودؑ نے بھی ہزاروں دلایل عقلیہ اور نقلیہ قوم کے روبرو پیش کیے ہیں اور نشانات ارضی وسماوی اللہ تعالیٰ نے اُس کی تائید میں دکھلا دیئے ہیں۔ مگر مخالفین مکذبین ہرگز ہرگز اُنکی طرف ایک ذرہ بھر توجہ نہیں کرتے بالآخر زلزلۃ الساعۃ جو قیامت کا نمونہ ہوگا اُس سے بھی انذار کیا گیا ہے کما فی الالہامات تاکہ قبل آمد عذاب کے کوئی ایسا رجل رشید نکل آوے جو سمجھ جاوے۔ الحاصل اس سورۃ میں وہ پیشین گوئی یاد دلائی گئی ہے جو آخری مسیح کے لیے مذکور ہوئی ہے اور حوارین مسیح نے بھی اس پیشین گوئی مسیح آخری کو بموجب کتاب اعمال فصل تین کے بعد موجود ہونے دولت اسلامیہ کے آخری زمانہ کے لیے قطعاً تسلیم کیا ہے اس لیے اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے حٰمٓ کے ساتھ صنعت براعت الاستہلال کی بیان فرمائی مع انذارات مندرجہ سورۃ کے اس لیے حٰمٓ سے ایک نشان نبوت کا مع صنعت براعت الاستہلال کے حاصل ہوا۔ وہو المدعا۔ اور چونکہ حوارین مسیح کی پیشین گوئی کا دارومدار الواح موسیٰ ہی پر ہے اس لیے حٰمٓ سے مراد الواح موسیٰ بھی ہو سکتی ہے۔ والبیان البیان بتغیر ما۔ بہرحال حٰمٓ سے مراد خواہ الواح موسیٰ ہو یا حوارین مسیح ہو مطلب اور مدعا دونوں طرح پر ثابت ہے۔

سورۃ دخان [۲۵] ۔ یہ سورۃ بھی حٰمٓ سے شروع کی گئی ہے اگرچہ چند مضامین مندرجہ اس سورہ میں کے الواح موسیٰ کیطرف اشارات کر رہے ہیں جن کی طرف حٰمٓ ناظر ہے۔ مگر یہاں پر ایک لطیف اشارہ آیت ذیل سے لکھتے ہیں تاکہ نظم قرآنی کی لطافت مضامین کیطرف انتقال کرنیکے لیے اذہان مومنین مخلصین کے عادی ہو جاویں قال اللہ تعالیٰ اھم خیر ام قوم تبع والذین من قبلھم اھلکناھم انھم کانوا مجرمین۔ ترجمہ بھلا یہ لوگ قوّت اور شوکت میں بڑھکر ہیں یا شاہ یمن تبع کی قوم کے لوگ اور وہ لوگ جو ان سے پہلے ہو گذری ہیں

ہم نے اُن سب کو ہلاک کر مارا اس لیے کہ وے جرموں کا ارتکاب کرنیوالے تھے۔ ف۔ واضح ہو کہ تبع یمن کے بادشاہ کا خطاب ہوا کرتا تھا جیسا کہ مصر کے بادشاہ کو فرعون کہتے تھے اور جیسا کہ کسریٰ بادشاہ فارس کا خطاب تھا اور قیصر بادشاہ روم کا خطاب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ سلطنت یمن کی اُسوقت درمیان عرب کے ایک عظیم الشان سلطنت تھی اس لیے دیگر ملوک عرب کے بادشاہ یمن کے توابع ہوتے تھے اور اس لیے شاہ یمن کو تبع کہتے تھے یعنی کل ملوک عرب کا متبوع جس کی جمع تابعہ آتی ہے آیت مذکورہ میں مراد تبع سے ابوکرب اسعد بن ملیل ہے جو آنحضرت صلعم پر ایمان لے آیا تھا اور اسی تبع کی نسبت کلام نبوت میں وارد ہوا ہے کہ ما ادری اکان تبع نبیا او غیر نبی۔ وقالت عائشۃ کان تبع رجلا صالحا وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ کان نبیا (تفسیر کبیر ابو السعود وغیرہ) مگر قوم تبع کی مشرک تھی جنکا ہلاک اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے قبل بعثت نبی صلعم کے تبع کے ایمان لانیکا قصہ مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ تبع کا بیٹا اہل طیبہ یعنی اہل مدینہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اس لیے تبع نے مدینہ طیبہ کی تخریب کے لیے چڑھائی کی تھی وہاں پر کعب اور اسد سے جو اجداد یہود بنی قریظہ میں سے تھے اُس کی ملاقات ہوئی یہ دونوں بڑے علما و احبار یہود میں سے گذرے ہیں ان دونوں کو آنحضرت صلعم کی بشارات الواح موسیٰ سے یہانتک معلوم ہو گئی تھیں کہ مدینہ طیبہ آپکا ہجرت گاہ ہوگا اور مولد آپکا مکہ ہوگا چنانچہ کتاب سفر استثنا فصل ۳۳۔ اور کتاب اشعیا فصل ۲۱ میں یہ مضمون ابتک پایا جاتا ہے ہاں بجائے طیبہ کے تیما لکھا ہوا ہے جو بنی اسمٰعیل میں سے کسی کا نام نامی تیما تھا اُسکا آباد کیا ہوا تیما یعنی طیبہ ہے ان دونوں احبار نے تبع کو بہت فہمایش کی اور کہا کہ یہ مدینہ طیبہ ہجرتگاہ آخری نبی عظیم الشان کا ہوگا تو اس لیے اسکے تخریب کے درپے نہ ہو تبع نے ان دونوں کی فہمایش اور ہدایت کو قبول کر لیا بلکہ ان دونوں احبار کو اپنے ہمراہ یمن کو لے گیا اور اہالی یمن وغیرہ کو توریت کی طرف یہ دونوں احبار مع تبع کے دعوت بھی کرتے رہے دیکھو تفسیر کبیر ابو السعود اور تبصیر الرحمٰن وغیرہ کو تبصیر الرحمٰن میں لکھا ہے فمن ھناک کان اصل الیھودیۃ بالیمن یعنی اسیوجہ سے یہودیت کی اصل یمن میں قایم ہوئی (آمدم برسر مطلب) اس آیت میں قوم تبع کو جو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا اسکی کیا وجہ ہے حالانکہ آل فرعون کا ذکر بھی سابق اس سے ہو چکا ہے اور فرعون تو وہ شخص زورآور تھا جس نے دعویٰ انا ربکم الاعلیٰ کا بھی کیا اور ما علمت لکم من الہ غیری بھی اُسکا مقولہ تھا اور بادشاہ بھی بہت بڑا تھا پھر قوم تبع کے ذکر کرنیکی اس آیت میں کونسی وجہ موجہ ہو سکتی ہے؟ پس واضح ہو کہ چونکہ قبل بعثت آنحضرت صلعم کے یہ قصہ تبع کے ایمان لانیکا اور کعب و اسد احبار یہود کی ہدایت و فہمایش سے آپکی ہجرتگاہ طیبہ کا معلوم ہونا اور مولد مکہ معظمہ کی تعظیم کرنا تبع کا اور ملک یمن میں یہود اہل کتاب کی بستی اور آباد ہونیکا عرب کے اہل کتاب وغیرہ کو مسلم اور معلوم تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے واسطے انتقال کرنے ذہن سلیم کے طرف اس قصہ تبع کے اور نیز طرف

قصۂ اُن دونوں احبار کے جو الواح موسیٰ سے آپکی بشارات اور ہجرتگاہ اور مولد سے بخوبی واقف اور خبردار تھے حٰمٓ
کے ساتھ براعت الاستہلال فرمائی اور تبع کے ذریعہ الواح موسیٰ کیطرف توجہ دلائی جس سے ایک نشان نبوت کا بھی واضح ہو گیا
کہ الواح موسیٰ میں بکثرت و شہرت تمام آپکی صفات و بشارات موجود ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار - اس لیے حٰمٓ
میں صنعت براعت الاستہلال کی مع ایک نشان نبوت کے باشارہ لطیف حاصل ہوئی اور دیگر وجوہ سے بھی یہ صنعت حاصل ہوسکتی ہے۔
سورہ جاثیہ - یہ سورہ بھی حٰمٓ سے شروع کیگئی ہے اور حواریین مسیح کیطرف اسمیں اشارہ ہے جنھوں نے ایام راحت
قرآنی کی بشارت اور ایام تازگی بخش دولت اسلامی کی پیشین گوئی بڑے زور و شور سے کی ہے چنانچہ نسخہ عربیہ ۱۸۱۱ء کتاب
اعمال باب ۳ میں یہ پیشین گوئی ابتک موجود ہے، وجمیع الانبیاء منذ اصموئیل والذین بعدہ کلھم تکلموا و اخبروا
عن ھذہ الایام (کتاب اعمال باب ۳) ترجمہ فارسی ۱۸۷۸ء میں ہے، (۲۴) وجمیع انبیا نیز از اصموئیل و آنانیکہ بعد از و تکلم
کردند ازیں ایام اخبار نمودند - اردو ترجمہ ۱۸۴۴ء میں ہے، (۲۴) اور سب نبیوں نے اصموئیل سے لیکے اُن تک جو اُسکے بعد ہیں
جنھوں نے خبر دی ہے ان دنوں کی بھی خبر دی ہے - چنانچہ ہم نے اس بشارت کو دلیل نمبر اول ریویو جلد ۵ نمبر ۱۱ میں مفصلاً
بیان کیا ہے - اسی بشارت کیطرف اللہ تعالیٰ اس سورہ میں ارشاد فرماتا ہے قل للذین اٰمنوا یغفروا للذین
لا یرجون ایام اللہ لیجزی قوما بما کانوا یکسبون آخر رکوع ۸ تک پڑھو یعنی اے پیغمبر ایمان والوں سے کہدو کہ
جو لوگ ان ایام اللہ کی (جو آنحضرت صلعم کے ایام بعثت میں آئے ہیں اور جنکی پیشین گوئی تمام انبیا کرتے چلے آئے ہیں) کچھ
پروا اور امید نہیں رکھتے اُنسے درگذر کریں تاکہ خود اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اُنکی اُن کرداروں کی سزا دیوے جو وہ کررہے
ہیں - وف - ان آیات میں آخر رکوع ۸ اتک ایمان والوں کے لیے بشارت دیگئی ہے اور مکذبین ایام اللہ اسلامیہ کے
لیے انذار فرمایا گیا ہے اور بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت کا ان ایام اللہ کی بشارت دینے کے لیے عطا فرمانا اور ان
ایام اللہ کے ثبوت حقیقت کے لیے روشن حجتوں کا مرحمت کرنا ذکر فرمایا ہے تاکہ آیندہ کچھ اختلاف باہمی بشرط انصاف واقع
نہ ہو اور پھر بموجب اُن بشارات انبیا کے جو ان ایام اللہ کی نسبت ہیں آنحضرت صلعم کے لیے شریعت کاملہ کا عطا
ہونا ارشاد ہوا ہے اور ان ایام اللہ کے زمانہ میں جو قرآن مجید کے نزول کا زمانہ ہے اُن تمام دلایل واضحہ کا نزول
جنکا کوئی معارضہ نہ کرسکے اور ہدایت کاملہ کا جس میں کسی طرح کا شبہ بشرط انصاف واقع نہ ہوسکے اور رحمت تامہ کا مرحمت
ہونا ایقان والوں کے لیے ذریعہ کتاب اللہ کے بیان فرمایا گیا ہے اور ان ایام تازگی بخش کا بمنزلہ حیات کے مومنین کے
لیے ہونا بیان ہوا ہے اور جن مکذبین نے ان ایام اللہ سے کچھ حصہ نہ لیا اُنکو بمنزلہ موتیٰ کے ذکر فرمایا گیا ہے گو وہ بظاہر
زندہ ہوں - خلاصہ یہ کہ حٰمٓ کو خواہ حواریین مسیح کیطرف اشارہ گردانیں یا الواح موسیٰ سے ماخوذ قرار دیویں مطلب
ہر دو صورت حاصل ہے کیونکہ کتاب اعمال حواریین میں بھی بحوالہ الواح موسیٰ کی ہی یہ بشارات ذکر کی گئی ہیں بلحاظ اس حٰمٓ
میں صنعت براعت الاستہلال کی مع نشان نبوت کے حاصل ہو گئی - وہو المدعا۔

سورہ احقاف ۲۷ - یہ سورۃ بھی حٰمٓ سے شروع کیگئی کیونکہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہی قل ارأیتم ان کان من عند اللہ وکفرتم بہ وشھد شاھد من بنی اسرائیل علی مثلہ فاٰمن واستکبرتم ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین ایضاً قال تعالیٰ ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماما ورحمۃ وھذا کتاب مصدق لسانا عربیا لینذر الذین ظلموا وبشریٰ للمحسنین (ترجمہ تفسیری) اے پیغمبر لوگوں سے یہ کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہووے اور تم نے اس سے انکار کیا حالانکہ ایک بڑا گواہ بنی اسرائیل میں سے اسبات پر گواہی دیچکا ہی کہ الواح موسیٰ میں اس قرآن کی مثل کی بشارت موجود ہی اور اسی مثلیت کیوجہ سے کہ یہ قرآن اُسی پیشین گوئی کا مثل یعنی مصداق ہے وہ ایمان بھی لاچکا ہے لہذا تم نے تکبر کیا تو کیا تم ابتک ظالم نہ ہوئے کہ باوجود اسقدر ثبوتوں کے ایمان نہ لائے بیشک ظالم ہوئے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کیا کرتا - حالانکہ اس قرآن سے پہلے کتاب موسیٰ کی یعنی الواح موسیٰ بھی موجود ہے جو من قبل القرآن جملہ انبیا اور اولیا اور علما کے لیے امام اور رحمۃ تھی کیونکہ اُس میں اس قرآن اور اس خاتم النبیین کی بشارات موجود ہیں اور یہ قرآن ایسی کتاب ہی کہ اُس الواح موسیٰ کی تصدیق کررہی ہے علاوہ اسپر یہ کہ پہلی کتابوں سے زیادہ ترجامع حقایق اور معارف الہیہ کی ہی کیونکہ عربی زبان میں ہے جو گویا زبان ہے نہ عجم یعنی گونگی تاکہ ایسی اشد ظالموں کو اُنکے ظلم کے انجام سے ڈراوے اور محسنین کو بشارت دیوے - ف - اس آیت میں چند ثبوت آپکی نبوت کے بیان فرمائے گئے ہیں اول تو بسبب صدور معجزات اور اعجاز قرآن کے اُس کتاب قرآن کا من عند اللہ ہونا ثابت ہوتا ہی - ثانیاً حضرت عبداللہ بن سلام جیسے علما و احبار لوگوں کی شہادت کہ یہ کتاب قرآن اور نبی آخر الزمان دونوں وہی ہیں جنکی پیشین گوئی الواح موسیٰ میں موجود ہے - ثالثاً اُن الواح موسیٰ میں بشارات محمدیہ کا اُسوقت تک موجود ہونا اور اہل کتاب کا تورات کو امام اور رحمۃ اپنے لیے مسلم قرار دینا - لیکن کتاب تورات اُنکے لیے امام اور رحمۃ تب ہی ہوسکتی ہے جب اُسکی بشارات کو بھی تسلیم کیا جاوے لیکن اگر اُسکی پیشین گوئیاں جھوٹی ہوں تو پھر وہ کتاب امام اور رحمۃ کیونکر ہوسکتی ہے - رابعاً تورات کی تصدیق تب ہی ہوسکتی ہے جب قرآن کی تصدیق کیجاوے ورنہ اُسکی تکذیب لازم آویگی - خامساً اُس موعود کتاب کا عربی زبان میں ہونا کیونکہ سفر استثنا فصل ۱۸ وغیرہ میں اُس کتاب کا نزول بنی اسمٰعیل میں لکھا ہوا ہی جو برادران بنی اسرائیل سے ہیں اور ظاہر ہے کہ بنی اسمٰعیل ملک عرب میں آباد ہوئے النبوۃ فی العرب و بنی قیدار - اور اُنکی زبان عربی ہے پس بنی اسمٰعیل پر جو کتاب نازل ہو اُس کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہوا غور کرو کہ کتاب دانیال و کتاب عزیر و نحمیا جو مجموعہ تورات میں موجود ہیں وہ اولاً کالدی زبان میں تھیں بعد کو عبرانی میں مترجم ہوئی ہیں اور قرآن مجید بھی یہی ارشاد فرماتا ہی کہ نہیں بھیجا ہمنے کوئی رسول مگر اُسکی قوم کی زبان میں - سادساً تاثیرات روحانی اور فیوض رحمانی کا حاصل ہوجانا بعد قرآن مجید پر ایمان لانیکے جو اس سے آگے کی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے کہ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا الآیۃ -

دیکھو ان امور سنہ کو مضامین سورۃ ہذا میں چونکہ اس سورہ میں یہ ثبوت بحوالہ الواح موسیٰ کے بیان فرمائے گئے ہیں جنکا اشارہ حٰمٓ میں موجود ہے یعنی اس حٰمٓ میں صنعت براعت الاستہلال کے مع نشان نبوت کے حاصل ہو گئی وہو المدعا۔

سورۃ ق [۲۸] - یہ سورۃ حرف ق سے شروع کی گئی ہے۔ اوّلاً واضح ہو کہ دلالت کی دو قسمیں ہیں اوّل دلالت لمی ہوتی ہے یعنی علت کے وجود سے معلول کا پہچان لینا جیساکہ وجود شمس سے نہار کا علم حاصل ہو جاتا ہے دوسری قسم دلالت کی دلالت انّی ہوتی ہے یعنی معلول سے علت کا علم حاصل ہو جانا۔ یہاں پر حرف ق سے دونوں دلالتیں مراد ہو سکتی ہیں یعنی قیامت کے قایم کرنے پر میں قادر ہوں ق سے مراد اگر قادر ہو تو دلالت لمی ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اُسکا فاعل حقیقی ہے اور اگر ق سے مراد قیامت ہو تو دلالت انّی ہوئی کیونکہ اُس فاعل مختار کی معلول ہے چونکہ اس سورۃ میں قیامت اور مقدمات قیامت ہی کا زیادہ تر مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتوں کا ثبوت دیکر واسطے جزا و سزا کے قایم کرنا قیامت کا ثابت فرمایا ہے تاکہ ظالم سے حق مظلوم کا دلایا جاوے اور فاسقین مکذبین اور متقین کو اُس روز ممتاز کر دیا جاوے اور اگر جزا و سزا جو بروز قیامت ہونیوالی ہے واقع نہ ہو تو پھر ظالم اور مظلوم اور متقی و فاجر برابر ہو جاویں۔ لیکن یہ تساوی اللہ تعالیٰ کی ذات قدوس و حکیم سے نہایت مستبعد ہے اس لیے یہ سورہ حرف ق سے شروع کیگئی ہے اور مکذبین کے لیے عذاب دنیا و عذاب قیامت سے انذار فرمایا ہے دیکھو سورہ کے مضامین کو۔ اور مومنین کے لیے دین و دنیا کی بشارات ارشاد فرمائی گئی ہیں جیساکہ فرمایا وازلفت الجنۃ للمتقین غیر بعید چونکہ متقین لوگ قیامت میں تو جنت میں داخل ہی کر دیئے جاوینگے نہ یہ کہ قریب جنت کے کیے جاوینگے۔ اس لیے یہ وعدہ الٰہی متقین کے لیے دنیا ہی میں شروع ہو جاتا ہے اسی لیے فرمایا گیا کہ متقین کے لیے جنت کو قریب کر دیا جاتا ہے یعنی دنیا میں۔ پس وہ جنت دنیا ہی میں اُنسے غیر بعید ہو جاتی ہے اور چونکہ یہ پیشین گوئی آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں متقین کو حاصل ہو گئی اور مکذبین کے لیے تمام انذاری پیشین گوئیاں مندرجہ سورۃ واقع ہو چکیں اور خصوصاً زمانہ مسیح موعودؑ میں جو قریب قیامت کے آگا ہی بکثرت واقع ہو رہی ہیں اس لیے حرف ق سے صنعت براعت الاستہلال کی مع نشان نبوت کے حاصل ہو گئی۔ وہو المطلوب۔

سورہ ن [۲۹] - یہ سورہ حرف ن سے شروع کیگئی ہے کیونکہ اس سورہ میں بھی حرف ن سے دلالت لمی اور دلالت انّی دونوں موجود ہیں کیونکہ ن اشارہ ہے طرف نور احدیت کے جو آپکی نبوت عامہ کی بعثت کے لیے مقتضی ہوا پس اندریں صورت حرف ن سے دلالت لمی حاصل ہو گئی یا حرف ن اشارہ ہے آپکی نبوت عامہ کیطرف جو مقتضی ہے اُسی نور احدیت کا اندریں صورت دلالت انّی حاصل ہو گئی چنانچہ سورۃ نور میں بھی آپکے نور نبوت کیطرف اشارہ فرمایا گیا ہے جسکی تفصیل و تفسیر حضرت امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ میں ایسی بیان فرمائی ہے کہ مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر کی مصداق ہے چونکہ اس سورۃ میں اہم المقاصد آنحضرت صلعم کی نبوت کا ہی اثبات ہے اور نور احدیت کا بھی ثبوت دیا گیا ہے اور مکذبین کے لیے وعید عذابہائے دنیا اور آخرت کی بیان فرمائی گئی ہے اور مومنین کے لیے بشارتیں اور خوشخبریاں

دیکھتی ہیں اور جب ان پیشین گوئیوں کے واقعات بھی ہو گذرے اور تازہ بتازہ مسیح موعود و مہدی معہود کے زمانہ میں واقع ہو رہی ہیں اسلیے حرف ن سے صنعت براعت الاستہلال کے مع نشان نبوت کے حاصل ہوگئی۔ آنحضرت صلعم کی نبوت کا ثبوت تو اول ہی سورۃ میں بیان فرمایا گیا ہے اور نور احدیت کا بیان مثلاً اس آیت میں ہے قال اللہ تعالیٰ یوم یکشف عن ساق و یدعون الی السجود فلا یستطیعون خاشعۃ ابصارھم ترھقھم ذلۃ (ترجمہ تفسیری) اور جب ان کذبین سجدہ کیلیے خالص واسطے اللہ تعالیٰ کے بلائے جاوینگے تو وہ سجدہ نہ کرسکینگے کیونکہ حیات دنیا میں انہوں نے خالص اللہ تعالیٰ کے لیے بغیر شائبہ کسی طرح کے شرک کے سجدہ نہیں کیا تھا اور نور آفتاب احدیت کی چمک سے آنکھیں انکی چندھیا ئی اور جھکی ہوئی ہونگی اور ذلت اور رسوائی انکے چہرہ پر چھا رہی ہوگی آخر آیات تک۔ غرضکہ ن سے صنعت براعت الاستہلال مع نشان نبوت کے حاصل ہے خواہ پہلی سورۃ ق اور یہ ن کو آیت گردانو یا آیت نہ گردانو مگر کلام الٰہی کا ہر ایک ایسا کلمہ جو اشارہ لطیفہ پر مشتمل ہو آنحضرت صلعم کے لیے جو محض امی تھے جیسا کہ اولاً ثابت ہو چکا بالضرور ایک نشان ہوتا ہے۔ وھو المطلوب۔

اسجگہ پر حروف مقطعات کی تفسیر میں جو کچھ اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے وہ ایک قطرہ ہے دریائے زخار میں سے۔ اور ایک ذرہ ہی ریگستان میں سے۔ اور علم تمام مرادات مقطعات قرآنی کا حصر کسی خاص معنو میں یا کسی تفسیر خاص میں کرنا طاقت بشری سے خارج ہے اور یہی معنے اس آیت کے ہیں ما یعلم تاویلہ الا اللہ کے چنانچہ تبصیر الرحمٰن میں لکھا ہے کہ ولا یعلم تاویلہ علی سبیل الحصر اور یہ معنے اس آیت کے نہیں ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے معنے مقطعات کے کوئی انسان خواہ رسول ہو یا غیر رسول نہیں جان سکتا کیونکہ یہ معنے اگلی آیت وما یذکر الا اولوا الالباب کے مخالف ہیں پس اسلیے ان مقطعات کے تمام مرادات سوائے اسکے جو ہم نے اس رسالہ میں لکھے ہیں اور بھی ہو سکتی ہیں مگر ان شرایط کو یاد رکھنا چاہیے جو ہم اول رسالہ میں تحریر کر آئے ہیں یعنی اول یہ کہ وہ مرادات محکمات قرآنی اور مضامین سورۃ کے مخالف نہ ہوں بلکہ مؤید ہوں دوئم یہ کہ صنعت براعت الاستہلال کی بھی اس مراد سے حاصل ہوتی ہو یعنی خلاصہ مضمون سورۃ کیطرف ناظر ہو سوم یہ کہ وہ مراد کسی ایسی پیشین گوئی کیطرف اشارہ کررہی ہو جو واقع ہوگئی ہو یا آیندہ متوقع الوقوع ہو ان شرایط کے ساتھ (خواہ وہ پیشین گوئی مبشر ہو یا انذاری) اگر ہزارہا معانی بھی ان مقطعات کے کیے جاویں گے تو وہ معانی مقبول ہو سکتی ہیں ورنہ غیر مقبول۔ اب دریافت کیا جاتا ہے کہ جسقدر مقطعات اس چودھویں صدی تک انسانوں نے اپنی حوائج اور ضروریات میں استعمال کیے ہیں آیا ان میں یہ فضایل اور خصایص پائی جاتی ہیں کلا و حاشا ہرگز نہیں پائے جاتے اور نہ آیندہ پائی جا سکتے ہیں کیونکہ اسجگہ قید پیشین گوئی کی ایسی ہے کہ سوائے رسول اور نبی صادق کے آیندہ زمانوں کی اخبار کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول۔ اور جو اسباب معینہ یا ذرایع معلومہ سے آیندہ کے واقعات کی خبر منجمین وغیرہم بیان کیا کرتے ہیں وہ صرف ظن و تخمین ہوتا ہے نہ علم غیب کا۔ اور وہ بھی حساب لگا کر بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے لتعلموا عدد السنین والحساب ایضاً فرمایا ذالک تقدیر العزیز العلیم مثلاً ہم منازل قمر یا شمس کا حساب لگا کر کہہ سکتے ہیں کہ فلاں تاریخ فلاں وقت میں چاند گرہن ہوگا یا سورج گرہن واقع ہوگا اسکو علم غیب نہیں کہتے کیونکہ اسمیں تو بذریعہ چند معلومات کے مجہولات کا علم حاصل کیا جاتا ہے لا غیر فقط

یہانتک جو ہم نے بیان کیا اگرچہ بظاہر اثبات حقیقت کتاب اللہ اور نبوت محمدیہ کیلیے صرف ایک دلیل ہے لیکن اگر بنظر انصاف و غور کے بلا تعصب اور عناد اس کل بیان میں نظر کیجاوے تو تیس ۳۰ دلایل حقیت کتاب اللہ اور نبوت محمدیہ کے بیان ہو چکے کیونکہ ۲۹ سور تو ایسی جو مقطعات ہیں اور نہیں سے ہر ایک مقطعات ایک نشان الٰہی ہے جو حقیت کتاب اللہ اور نبوت محمدیہ کو ثابت کر رہا ہے اور آیات فواتح سورہ نساء کو بھی ہم نشان حقیت کتاب اللہ و نبوت محمدیہ کا ثابت کر چکے ہیں اور دو عدد دلایل حقیت کے ریویو جلد ۵ نمبر ۱۱ میں بیان ہو چکے ہیں پس یہ سب ۳۲ عدد دلایل حقیت کے بیان ہو چکے خصوصاً جبکہ آپکی امیت پر بھی لحاظ کیا جاوے جیسا کہ اول رسالہ میں۔ آیندہ نمبر ۳ سے انشاء اللہ تعالیٰ دلایل حقیت شروع کیے جاوینگے۔ بحولہ و قوتہ تعالیٰ۔ و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

(احسن البیان)

مبارک احمد کی والدہ اُس سانپ کی طرف دوڑی اور ایک چاقو سے اُسکی پتلی ٹانگ کاٹ دی۔ پھر وہ اژدہا مکان کی دوسری طرف آگیا۔ اور مَیں اُسکی طرف گیا اور میرے ہاتھ میں ایک چاقو تھا میںنے بڑی ٹانگ اس اژدہا کی اُس چاقو سے کاٹ دی۔ بہت آسانی سے کٹ گئی جیسے مولی یا گاجر۔ اور بہت کچھ پانی زہریلا اس سانپ کا چاقو کے ساتھ آلودہ رہا۔ مَیں نے اس چاقو کو ایک آگ میں جو قریب ہی سلگ رہی تھی ڈالدیا اور اُس سے بڑی بدبو آئی۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اسکے زہر سے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ مگر کوئی نقصان نہ پہنچا۔ مگر بہرحال اس اژدہا کا کام تمام کردیا۔ اور پھر ہم تینوں اس مکان سے جب باہر آئے۔ تو ڈاکٹر عبداللہ سامنے آتے نظر آئے۔ جب قریب پہنچے تو مسکرا کر مجھے کہنے لگے۔ کہ تار آئی ہے کہ دو پُل ٹوٹ گئے۔ مَیں نے دریافت کیا کہ کون کونسا پُل اور کس کس مقام کا پُل ٹوٹا ہے اُنہوں نے جوابدیا کہ یہ تو معلوم نہیں مگر یہ معلوم ہے کہ وہ دو پُل جو ٹوٹے ہیں وہ پنجاب کے پُل ہیں پھر بعد اس کے الہام ہوا (۹) العید الاٰخر تنال منه فتحاً عظیماً۔ ترجمہ ایک اور عید ہے۔ جس میں تو ایک بڑی فتح پائیگا۔ (۱۰) زندگی ہا رام ہوجانا پہلی زندگی سے۔ ۱۰۔ فروری ۱۹۰۷ء دعنی اقتل من اٰذاك۔ ان العذاب مربع ومدور۔ ترجمہ۔ مجھے چھوڑ۔ تا مَیں اُس شخص کو قتل کردوں جو تجھے ایذا دیتا ہے دشمنوں کے لیے عذاب ہر چہار طرف سے ہے اور ارد گرد سے گھیرے ہوئے ہے (۲) وضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك۔ لك رحمةٌ یعنی ہم نے تیرا وہ بوجھ اُتار دیا۔ جس نے تیری کمر توڑدی تھی۔ تیرے لیے ایک رحمت ہے۔ ۱۲۔ فروری ۱۹۰۷ء (۱) ایک اور خوشخبری (۲) نثنی علیك۔ الخیر والبرکة۔ ترجمہ۔ ہم تیری ثنا کرتے ہیں۔ خیر اور برکت۔ (۳) آسمان ٹوٹ پڑا سارا۔ کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہونیوالا ہے (یہ انسان کا مقولہ ہے گویا اللہ تعالیٰ انسان کی طرف سے فرماتا ہے کہ کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہونیوالا ہے) (۴) اولٰئك قوم لا یشقی جلیسهم۔ ترجمہ۔ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ انکا ہم نشین خدا کی رحمت سے محروم نہیں رہ سکتا۔ ۱۵۔ فروری ۱۹۰۷ء۔ ایک ہفتہ تک ایک بھی نہیں رہیگا ۱۶۔ فروری ۱۹۰۷ء کل فتح بعدہٗ ترجمہ۔ بعد اسکے تجھے فتح ہوگی۔

؛ فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دہشتناک آسمانی امر ہے اور محاورہ عرب میں آسمان سے مراد بادل بھی ہوتا ہے مگر ہم کسی خاص پہلو پر زور نہیں دے سکتے کہ کیا مراد ہے۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

ضروری ہدایتیں

خط وکتابت کیلیے یا روپیہ بھیجتے وقت ان چند ہدایتوں کو سب احباب مدنظر رکھیں۔ (۱) ہر قسم کا روپیہ جسکا تعلق صدر انجمن احمدیہ سے ہے۔ مثلاً مدرسہ یا میگزین یا مقبرہ یا زکوٰۃ یا مسکین فنڈ یا یتیم فنڈ یا رسالہ تعلیم الاسلام کا روپیہ صرف بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیئے اور کوپن میں یا الگ خط میں اسکی تفصیل ہونی چاہیئے کہ کس شخص کیطرف سے کس مد کا روپیہ ہے (۲) ہر ایک رقم کی باضابطہ رسید دفتر محاسب سے دیجاویگی اور جس شخص کو رسید دفتر کی نہ پہنچے اسی خط وکتابت کرکے دریافت کرنا چاہیئے (۳) لنگر خانہ کا روپیہ حضرت اقدس کے نام آنا چاہیئے۔ لیکن جہاں اور مدات کا چندہ ساتھ ہو تو محاسب صدر انجمن احمدیہ کے نام بھیجیں اور تفصیل ساتھ دیں۔ وہ حضرت اقدس کیخدمت میں پیش کردینگے (۴) میگزین کے متعلق کل خط وکتابت مینجر یا نایب ناظم میگزین سے کریں اور کسی شخص کے نام پر خط وکتابت نہ کریں مگر مضامین کے متعلق ایڈیٹر میگزین سے خط وکتابت کریں (۵) مدرسہ کے متعلق کل خط وکتابت ہیڈ ماسٹر یا نائب ناظم مدرسہ تعلیم الاسلام سے اور بورڈنگ ہوس کے متعلق سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس سے کریں (۶) مقبرہ بہشتی کے متعلق کل خط وکتابت نایب ناظم مقبرہ بہشتی سے کریں اور ایسا ہی وصیتیں وغیرہ بھی اسی کے نام بھیجیں (۷) چونکہ وقتاً فوقتاً عہدہ داران میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اس لیے جو احباب قادیان میں خط وکتابت کرتے ہیں۔ انکی اپنی سہولت جواب کے جلدی ملنے میں اور کام کرنیوالونکی سہولت اسی میں ہے کہ دستخط کنندہ کے نام پر کبھی خط وکتابت نہ کریں بلکہ صرف عہدہ پر کریں جیسا کہ اوپر ہدایت کیگئی ہے ایک دفتر کا خط دوسرے دفتر میں چلا جانیسے یا کسی خاص آدمی کے نام پر چلا جانیسے جواب میں عموماً بہت توقف ہوجاتا ہے اور خط کے ضایع ہونیکا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ (۸) جو حصہ آمدنی کا احباب رسالہ الوصیت کے مطابق بھیجتے ہیں چونکہ اسکا حساب رکھنا ضروری ہے اس لیے آیندہ وہ تمام روپیہ محاسب صدر انجمن احمدیہ کے نام آنا چاہیئے اور اسکی تقسیم جو لنگر خانہ و مدرسہ و میگزین و مقبرہ میں ہونی ہو اسکی اطلاع بھی محاسب کو دیں وہ خود ان مدات میں تقسیم کردیگا۔ المعلن محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان۔

آنکھوں کے بیماروں کو مژدہ

میاں ڈاکٹر عبد اللہ صاحب ساکن راہوں ضلع جالندھر جنہوں نے لنڈن۔ اسٹریلیا افریقہ میں آنکھوں کے علاج سے بہت شہرت حاصل کی ہے۔ اور ان کے پاس بہت کثرت سے سارٹیفکٹ بھی موجود ہیں انگریزی اور یونانی دو طرح سے آنکھیں بناتے ہیں ہماری جماعت کے مخلص ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ لوگوں کو انسے نفع پہنچیگا۔ دستخط (نور دین)

اور جو ان ہدایتوں کے ابتک خاکسار راقم کے نام روپیہ بھیجدیتے ہیں جس سے بہت سا وقت ضایع ہوتا ہے۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء نمبر (۳)

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا۔ چندہ [illegible]

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۵۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ (۱) من ذا الذی ھو اسعد منك۔ ترجمہ۔ وہ کون ہے جو تجھ سے زیادہ سعادتمند ہے۔ (۲) ایک ہفتہ تک ایک بھی باقی نہیں رہیگا۔ (۳) ویل لکل ھمزۃٍ لمزۃٍ۔ ترجمہ۔ ہر ایک چغلخور اور عیب گیر پر لعنت ہے۔ ۱۸۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ (۱) کل الفتح بعدہٗ۔ سب فتح اس کے بعد ہے۔ (۲) مظھر الحق و العلاء۔ کان اللّٰہ نزل من السّماء۔ ترجمہ۔ وہ حق اور غلبہ کا مظہر ہوگا گویا خدا آسمان سے اتریگا یعنی ایک نشان ظاہر ہوگا جو تمام فتوحات کا مجموعہ ہوگا گویا خدا آسمان سے اُتریگا۔ ۲۰۔ فروری ۱۹۰۶ء (۱) انّی مع الرّسول اقوم و الوم من یلوم۔ ترجمہ۔ میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا۔ اور اس کے ملامت کنندہ کو ملامت کرونگا۔ (۲) پس پاشندہ ہجوم۔ (اڑھائی بجے بعد آدھی رات) افسوسناک خبر آئی ہے۔ فرمایا اس الہام پر ذہن کا انتقال بعض لاہور کے دوستوں کی طرف ہوا مگر یہ انتقال ذہن بیداری میں ہوا۔ الہام بھی شاید اس کے متعلق ہو۔ (۴) بہتر ہوگا کہ اور شادی کرلیں۔ فرمایا معلوم نہیں کہ کس کی نسبت یہ الہام ہے۔ ۲۵۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ (۱) "من النّاس و العامۃ" یعنی من خواص النّاس و العامۃ۔ یہ طاعون کی طرف اشارہ ہے کہ اس مرتبہ طاعون کے حملہ میں کچھ خاص لوگ بھی مرینگے جو معزز ہوتے ہیں یا سفید پوش ہوتے ہیں اور عام لوگوں میں بھی مری پہنچیگی۔ (۲) لو لا الاکرام۔ لھلك المقام۔ ترجمہ۔ اگر تیری عزت کا پاس نہ ہوتا۔ تو میں تمام قادیان کو ہلاک کر دیتا۔ اس الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیان میں سے بھی کچھ لوگ طاعون سے مریں گے اور یہ مرنا الہام انّہ اوی القریۃ کے منافی نہیں کیونکہ اوی سے مراد الہام الٰہی میں یہ ہے کہ آخر قادیان کے لوگ بچائے جائیں گے بکلی استیصال نہیں ہوگا۔ ۲۶۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ تحفۃ الملوك۔ اس کے معنے ابھی نہیں کھلے۔ بہرحال ملوک سے اسکو کچھ نسبت ہے۔ ۲۳۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ و ان یروا ایۃ یعرضوا و یقولوا سحرٌ مستمر۔ ترجمہ جب کوئی نشان دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ معمولی بات ہے کوئی خارق عادت امر نہیں یا کوئی فریب ہے۔ سیھزم الجمع و یولّون الدّبر۔ ترجمہ۔ عنقریب لوگ بھاگ جائیں گے اور پیٹھیں پھیر لیں گے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ وقت آتا ہے کہ خدا کے نشانوں سے انکار کی جائے نہیں رہیگی اور نشان پڑھتے گھلیں گے کہ منہ بند ہو جائیں گے۔ رؤیا میں گویا میں کہتا ہوں یا کسی نے کہا ہے کہ ایک جنازہ جا رہا ہے پڑھیں گے گویا کسی کا جنازہ ہے جو پڑھا جاویگا۔ لا تحزن انّ اللّٰہ معنا۔ ترجمہ غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے کیسی درست کراس میں تسلّی دیگئی ہے گویا میں تسلّی دونگا۔ ۲۸۔ فروری ۱۹۰۶ء سخت زلزلہ آیا اور آج بارش بھی ہوگی۔ چنانچہ اسی دن بارش ہوگئی اور ۲۰۔ مارچ ۱۹۰۶ء کی بعد رات کو سخت زلزلہ آگیا جسکی خبر تمام اخباروں میں چھپی ہے۔ ۲۰۔ مارچ ۱۹۰۶ء۔ روز شنبہ۔ (۱) انّما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرّجس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

آخری زمانہ کا مصلح

دنیا میں جتنے بڑے بڑے مذاہب موجود ہیں وہ سب آخری زمانہ میں ایک مصلح۔ شفیع۔ مہدی یا مسیح کی آمد کے منتظر ہیں۔ اس انتظار کی بنا ان پیشگوئیوں پر ہے جو خود بانیٔ مذہب کے منہ سے نکلی ہوئی ہیں اور ابتک اصلی صورتیں یا کسی قدر بدلی ہوئی صورت میں مشہور چلی آتی ہیں اگرچہ بعض صورتوں میں یہ پیشگوئیاں مفصل اور واضح ہیں اور بعض حالات میں مجمل اور مبہم لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مختلف مذاہب میں جتنی پیشگوئیاں اس بارہ میں آئی ہیں وہ سب کی سب موعود مصلح کے نزول کے زمانہ اور مقام کے بارے میں باہم متفق ہیں۔ اور اگرچہ حقیقی اور واقعی طور پر مفصل اور واضح وہی پیشگوئی ہے جو بانیٔ اسلام علیہ الف الف صلوٰۃ والتحیات والسلام کے مبارک دہن سے نکلی ہوئی ہے۔ لیکن دوسرے مذاہب نے بھی جو نقشہ دیا ہے خواہ وہ کیسا ہی مجمل اور مبہم کیوں نہ ہو وہ بھی اسی نتیجہ پر ہمیں پہنچاتا ہے جس پر اسلامی پیشگوئیاں نہایت صفائی اور وضاحت سے دلالت کرتی ہیں۔ اولاً در بارہ وقت نزول کچھ ذکر کیا جاتا ہے اس موعود مصلح کے نزول کے وقت کے بارہ میں قریباً سب مذاہب کی پیشگوئیوں کا لب لباب یہ ہے کہ وہ "آخری دنوں" یا "آخری زمانہ" یا "زمانہ کے خاتمہ" پر نازل ہوگا۔ چنانچہ زردشتی پیشگوئی اس زمانہ کا نام "وقت کا خاتمہ" رکھتی ہے۔ یہودی اور عیسوی اور اسلامی پیشگوئیوں میں "آخری ایام" لکھا ہے۔ اور اہل ہنود میں اس زمانہ کا نام "کلجگ" رکھا ہے۔ ان تمام الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ زمانہ ہے جو آدم سے چھ ہزار برس بعد آنیوالا ہے۔ اور خود طبیعتیں بتا رہی ہیں کہ یہ وہی آخری دن ہیں جن کا وعدہ دیا گیا تھا۔ ان کے ماسوا ہر ایک مذہب میں اور بھی بعض علامات اور قرائن ایسے پائے جاتے ہیں جن سے یہ زمانہ معین کیا جا سکتا ہے۔ یہ تمام پیشگوئیاں اس امر میں متفق ہیں کہ پیغمبر آخر زمان کا نزول ایسے زمانہ میں ہوگا جبکہ دنیا پرستی اور طرح طرح کے مفاسد کی افواج ایسے زور شور سے جمع ہو جائیں گی جس کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں نہ گزری ہو۔ اور ہر ایک مذہب بیان کرتا ہے کہ موعود پیغمبر کے نزول کے ساتھ نیکی اور بدی اور خدا پرستی اور دنیا پرستی کے درمیان اسوقت ایک سخت خطرناک جنگ ہوگا اور آخر کار حق پرستی اور راستی کی افواج فتح پائے گی۔ چنانچہ زردشتی مذہب کی پیشگوئیوں کی رو سے

اس موعود مسعود کے نزول کے وقت شیطان قطعی اور آخری طور پر مغلوب ہو کر تباہ کیا جائیگا۔ اور دنیا ایک نیا رنگ اختیار کریگی۔ اور اس نئے دور میں ابدی خوشی کی حکومت تمام دنیا پر قایم ہو جاویگی۔ اور شیطان اور اس کے چیلے چانٹے سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔ اسی طرح عیسائیوں کی مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ "جب ہزار سال ہو چکیں گے شیطان اپنی قید سے چھوٹیگا۔ اور نکلیگا کہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں کونوں میں ہیں یعنی جوج و ماجوج کو فریب دے۔ اور انہیں لڑائی کیلیے جمع کرے۔ وے شمار میں سمندر کی ریت کی مانند ہیں۔ اور وے زمین کی وسعت پر چڑھ گئے۔ اور انہوں نے مقدسوں کی چھاونی اور عزیز شہر کو گھیر لیا۔ تب آسمان پر سے خدا کے پاس سے آگ اُتری۔ اور ان کو کھا گئی۔ اور شیطان جس نے انہیں فریب دیا تھا آگ اور گندھک کی جھیل میں ڈالا گیا" (دیکھو مکاشفہ ۲۰ ۸ تا ۱۰)۔ ایسا ہی ہندوؤں میں جو آخری زمانہ کا اوتار مانا جاتا ہے اُس کی نسبت یہی انکا اعتقاد ہے کہ "وہ ان سب کو برباد کر دیگا جو شریر اور بدکار ہیں" اسی طرح اسلامی پیشگوئیوں سے بہت واضح طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ مسیح اور دجال کے درمیان ایک جنگ عظیم ہوگا۔ بعض نادان لوگوں نے جنہوں نے اسلامی پیشگوئیوں کو بنظر غائر تو کیا سرسری نظر سے بھی مطالعہ نہیں کیا اس جنگ کو جسمانی جنگ سمجھا ہے۔ اور اپنے خون آشام دلوں کی ہوسیں نکالنے اور جہلا کو دھوکہ دینے اور اسلام سے دشمنی کا بزنگ دوستی اظہار کرنے کے ارادہ سے اس کی اصلیت پر ایک مکروہ پردہ ڈال رکھا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے ایک روحانی جنگ مراد ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسلامی عقاید کی رو سے ثابت ہے کہ مسیح علیہ السلام نے کہیں یہ تعلیم نہیں دی کہ وہ آپ ہی خدا اور خدا کا بروز تھے۔ بلکہ وہ یہی کہتے تھے کہ مَیں خدا کا ایک عاجز بندہ اور مخلوق ہوں۔ لفظ دجّال کا انگریزی میں انٹی کرئیسٹ ترجمہ کرتے ہیں اور اس کے لُغوی معنے ہیں مخالف مسیح۔ جبکہ حقیقی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ مسیح خدا کا ایک بندہ تھا تو جو لوگ یہ اعتقاد رکھنے والے ہیں کہ وہ "خدا" اور "خدا کا بیٹا" تھے وہی درحقیقت مخالف مسیح ہیں یعنی دجّال ہیں۔ اسی لیے اسلامی پیشگوئیوں میں جب موعودؑ کے پہلے کام کا ذکر کیا گیا ہے جو دفع شر ہے تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ دجّالی فتنہ کو دور کریگا۔ اور جب اس کے دوسرے کام کا ذکر کیا گیا ہے جو جلب خیر ہے تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ ایمان کو از دنیا میں لائے گا۔

ان تمام پیشگوئیوں سے متفقہ طور پر یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ آخری ایام جن میں مسیح موعودؑ کا ظہور ہوگا ان میں بدی کا بہت سخت غلبہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے سوائے اس بدی کی کیفیت کسی مذہب نے بیان نہیں کی۔ مگر عیسائی مذہب کی پیشگوئیوں سے بھی کسی قدر اس کا پتہ لگتا ہے۔ مثلاً جیسے مسیح کہتا ہے "جب ابن آدم آئیگا تو کیا دنیا پر ایمان پائے گا؟" اس سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں مسیح موعودؑ کا نزول ہوگا وہ خطرناک طور پر ایمانی زوال کا زمانہ ہوگا۔ ایسا ہی ۲ تمطاؤس ۳ باب میں لکھا ہے کہ "تو یہ جان رکھ کہ آخری دنوں میں برے وقت آویں گے۔ کیونکہ آدمی خود غرض زر دوست۔ لاف زن۔ گھمنڈی۔ کفر کرنیوالے۔ ماں باپ کے نافرمانبردار۔ ناشکر۔ ناپاک۔ بیدرد۔ کینہ ور۔ تہمتی۔ بدپرہیز۔ بیرحم۔

نیکی کے دشمن۔ دغاباز۔ بے لحاظ پھولنے والے۔ خدا کے چاہنے کی بنسبت عشرت کے زیادہ چاہنے والے۔ اور دینداری کی صورت میں ہو کے اُس کی قدرت کا انکار کریں گے۔ تُو ایسیوں سے دور رہ۔ کیونکہ ان میں سے وہ ہیں جو گھروں میں گھسا کرتے ہیں۔ اور ان چھچھوری رنڈیوں کو جو گناہوں تلے دبی ہیں۔ اور طرح طرح کی شہوتوں کے بس میں پھنس گئی ہیں۔ اور ہمیشہ تعلیم پاتی ہیں۔ اور سچائی کی پہچان تک ہرگز نہیں پہنچ سکتیں گرفتار کرتے ہیں" یہ تمام مفاسد معمولی قسم کے ہیں لیکن جس زور شور کے ساتھ جمع ہو کر اس زمانہ میں انکا غلبہ ہوا ہے جس کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔ اس سے یہ صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ کے نزول کا یہی زمانہ ہے۔ اسلامی پیشگوئیوں میں اس زمانہ کے خاص قسم کے فتنۂ عظیم کا ذکر بہت وضاحت سے اور کھلے طور پر آیا ہے۔ بعض پیشگوئیوں میں اس فتنۂ عظیم کا نام فتنۂ دجّال رکھا گیا ہے اور بعض میں صلیب پرستی کا غلبہ ظاہر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر اس بات کا ذکر کر آئے ہیں یہ دونوں نام ایک ہی فتنۂ عظیم کے ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف کے مطالعہ سے بیّن طور پر ثابت ہوتا ہے کہ صلیبی مذہب ہی ایسا دین ہے جو حضرت مسیح کی اصلی تعلیم کے سخت مخالف ہے۔ اس لیے آخری زمانہ جس میں نزول مسیح موعودؑ ہونا مقدر تھا اس کی سب سے بڑی اور پہلی علامت یہی تھی کہ مسئلہ تثلیث اور کفارہ جو صلیب پرستی کی روح رواں ہیں دنیا پر محیط ہو جائیں گے۔ یہ ایسی علامت ہے کہ جس میں کوئی غلطی واقعہ نہیں ہو سکتی کیونکہ موعودہ فتنہ کی حقیقت اسی سے منکشف ہوتی ہے جس زمانہ میں حضور سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اسوقت عیسائی مذہب میں اس جوش کا کچھ بھی اثر نظر نہ آتا تھا جو محض قیاس سے اس کے کسی آیندہ زمانہ میں غلبہ کی پیشگوئی کیجا سکتی۔ اور پھر اس کے بعد بھی مدت تک یہ مذہب اسی حالت میں پڑا رہا۔ پھر اس آخری زمانہ میں جیسا کہ مقدر تھا اور پیشگوئیوں میں درج تھا صلیب پرستی کا دخان تمام قطعات عالم پر محیط ہو گیا اور ہر اقلیم میں جوق جوق مشنیں پھیل گئیں اور طرح طرح کے حیلوں سے دنیا کو اس باطل پرستی میں پھنسانیکے پھندے لگا دیئے گئے۔ صلیب پرستی کے مذہب کی گذشتہ تواریخ پر نگاہ ڈالنے سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ جو غلبہ اس نے اس زمانہ میں پایا ہے وہ کسی گذرے ہوئے زمانہ میں کبھی اسکو نصیب نہیں ہوا۔ اس لیے یہی وہ سب سے بڑا فتنہ ہے جس کے ساتھ مصلح موعود کو اس آخری زمانہ میں سابقہ پڑنا تھا۔ اور چونکہ یہ فتنہ ہر چہار اکناف عالم پر پھیل چکا ہے اس لیے یہی وہ آخری زمانہ ہے جس میں موعود نبی کا نزول مقدر تھا۔ اس سے بڑھکر بڑا فتنہ اور کونسا ہوگا کہ یسوع مسیح جیسے عاجز انسان کو خالق الارض والسمٰوات حیّ و قیوم قادر مطلق خدا مانا جاتا ہے۔ قرآن شریف سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے نام پر جو ایسی گندی تعلیم دنیا پر شائع کیجاتی ہے اسکی انکو کچھ بھی خبر نہ تھی جبکہ قرآن شریف جیسی مقدس شہادت موجود ہو تو مسلمانوں کے لیے اس بات کا سمجھنا کیسا آسان ہے کہ فتنۃ الدجال سے مراد وہ حقیقت صلیبی مذہب کے باطل عقاید کا ہی دنیا پر پھیلنا ہے جو تمام دینی حقائق و معارف کے سراسر مخالف اور معارض ہے۔ قرآن شریف کی سورۃ المائدہ آیت ۱۱۷ میں مسیح کی تعلیم لکھی ہے کہ ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم یعنی مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے میرے خدا میں نے ان لوگوں کو وہی بات

کہی جو تو نے مجھے امر کیا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ قرآن شریف سے تو مسیح کی تعلیم یہ نظر آتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھتے ہیں اور لوگوں کو خدائے واحد لاشریک کی عبادت کی تاکید کرتے ہیں۔ اور موجودہ عیسائی مذہب انکو پیش کرتا ہے کہ وہ آپ ہی خدا تھا۔ اب مقام انصاف ہے کہ اگر یہ فتنہ عظیم دجالی فتنہ نہیں تو اور کونسا فتنہ ایسا ہو سکتا ہے جس کو دجالی فتنہ کہا جائیگا۔ اسلام میں تو یہ بات بہت کھول کھولکر بیان کی گئی ہے اور اس کے علاوہ اور بھی کئی علامات ایسی ہیں کہ جن سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ دجال کے فتنہ کے متعلق جتنی اسلامی پیشگوئیاں ہیں ان سب سے مراد عیسائی دین کے باطل عقاید کی اشاعت اور غلبہ ہے۔ منجملہ اُن امور کے ایک یہ امر قابل غور ہے کہ معتبر احادیث میں لکھا ہے کہ فتنہ دجال کے اثر سے بچنے کے لیے سورہ کہف کی پہلی دس آیات کو پڑھتے رہنا چاہیئے۔ جیسا کہ عام طور پر ایک حکیم نسخہ سے مرض تشخیص کر سکتا ہے اسی طرح جس مرض کا علاج ان دس آیات میں کیا گیا ہے وہ مرض ان آیات کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے جب ان دس آیات کو غور سے پڑھا جاتا ہے تو صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ ان آیات میں سب سے بڑا زور الوہیت مسیح کے ابطال پر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ کلام الٰہی کے ان فقرات سے ظاہر ہے۔ وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا مالھم بہ من علم ولا لاٰبائھم کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ ترجمہ:۔ "اور اُن لوگوں کو ڈرانے کیلیے جو کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنا لیا۔ نہ انہیں اس بات کا کوئی صحیح علم ہے اور نہ ہی ان کے باپ دادوں کو کچھ پتہ ہے۔ ان کے مُنہ سے یہ بہت بڑی بات نکلی ہے۔ وہ سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں کہتے۔" غرض ان آیات سے بھی یہی ثابت ہے کہ فتنہ الدجال سے مراد یہی صلیب پرستی ہے جس نے عاجز انسان کو خدا بنا دیا ہے۔ اگر عیسائی مذہب کے دلدادہ لوگ اس بات سے غصہ مناتے ہیں کہ انکے مذہب کو کیوں فتنہ الدجال کہا جاتا ہے تو یہ غصہ انکا بیجا ہے کیونکہ ہم تو یہ امر واقعہ بیان کر رہے ہیں حقیقت میں رنج تو ہمارا بجا ہے کہ جب وہ ہم خدا کی توحید کے ماننے والوں کے سامنے ایک عاجز انسان کو خدا بیان کرتے ہیں جو ہر طرح سے انسانی خواص اور حالات کے ماتحت پیدا ہوا اور پرورش پائی۔ بلکہ توحید پر ایمان رکھنے والوں کو تو اس عقیدہ کے سننے سے بہت ہی رنج پہنچتا ہے۔ اور انکی پرلے درجہ کی دل شکنی ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ کہ مسیح ابن مریم خدا تھا ایسا دل شکنی کرنیوالا کفر ہے کہ جس سے بڑھکر اور کوئی دل شکن کفر کبھی بولا ہی نہیں گیا۔ اگر مسیح ہی خدا تھا تو پھر ساری انبیاءٔ کی تعلیمات باطل اور بیفایدہ ٹھہرتی ہیں۔ یہ تو ایسا بڑا باطل عقیدہ ہے کہ خود انجیل بھی اس کی تائید نہیں کرتی۔ کیونکہ جب کسی شخص نے مسیح کو کہا کہ "بھلے نیک استاد"، تو مسیح اس بات سے بہت جھنجلایا کہ مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں ہو سکتا مگر وہ ایک ہی نیک ہے جو خدا ہے۔ یہ ایسی روشن بات ہے جس کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ مسیح "وہ ایک" نہ تھا۔ علاوہ بریں الفاظ "خدا کا بیٹا" کوئی ایسے مخصوص نہیں کہ صرف یسوع مسیح پر ہی بولے گئے ہوں۔ بلکہ یہ بائبل کا محاورہ ہے کہ اس میں ہر ایک نیک بندہ خدا پرست کو "خدا کا بیٹا" کہا گیا ہے۔ خود مسیح نے ہی اسکی تشریح کر دی ہوئی ہے چنانچہ یوحنا ۱۰/۳۲–۳۳ میں لکھا ہے۔ "یہودیوں نے اُسے جواب دیا کہ ہم تجھے اچھے کام کیلیے نہیں

بلکہ اس لیے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تو کفر کہتا ہے اور انسان ہو کر اپنے تئیں خدا بناتا ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا کہ مینے کہا تم خدا ہو؟ جبکہ اس نے انہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو۔ تم اسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے کہ مینے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں"۔ یہاں صاف مذکور ہے کہ مسیحؑ نے اپنے لیے ان الفاظ کو دوسرے برگزیدوں کی طرح ہی بیان کیا ہے بلکہ کہا ہے کہ بعض دوسروں کو تو خدا کہا گیا ہے اگر خدا کا بیٹا کہلانے سے کوئی شخص خدا ہو سکتا ہے تو خدا کہلانے سے خدا کا بھی کوئی بزرگ سمجھنا پڑیگا۔ اگر مسیح کی نسبت یہ الفاظ کوئی خاص معنے رکھتے تو اسکا یہ بیان بالکل غلط اور عبث ہوتا۔ غرض یہ تمام باتیں ثابت کرتی ہیں کہ مسیح نہ اپنے آپ کو خدا سمجھتے اور نہ خدا بنائے جانے میں خوش تھے۔ اور آجکل صلیب پرست لوگ جو جبراً اُن کو خدا بنانے پر اتنا زور لگا رہے ہیں وہ اُن کی تعلیم اور منشا کے بالکل برخلاف کرتے ہیں اور یہی مخالفت فتنہ الدجّال کے نام سے موسوم ہوئی ہے۔ کیونکہ دجّال مسیح کے خلاف کارروائی کرنیوالیکا نام ہے۔

مسلمانوں میں جو پیشگوئیاں مسیح موعودؑ کے نزول کے متعلق ہیں ان سے پایا جاتا ہے کہ اُس کے نزول سے پہلے ایمان دنیا سے اُٹھ جائیگا اور جب وہ آئیگا تو دوبارہ ایمان کو قایم کریگا۔ اسی مضمون کی بعض پیشگوئیاں عیسائیوں کی کتب مقدس میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آخری زمانہ میں لوگوں کے دلوں سے ایمان گم ہو جائیگا اور تمام لوگ حُبّ دنیا کیطرف ہی جھک پڑے ہوں گے۔ یہ امر بھی اُن معیاروں میں سے ایک مضبوط معیار ہے جس سے ثابت ہو سکتا ہے کہ نزول مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں کے ظہور کا یہی زمانہ ہے۔ غور کا مقام ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں تمام دنیا کے اکثر لوگ بلکہ تمام لوگ ہی خداپرستی اور دینداری کو ترک کر بیٹھے ہیں۔ خدا پر ایمان سلب ہو گیا ہے۔ اور جب دنیا ایسی غالب آگئی ہے کہ دین کی طرف سے غفلت اور بے پروا ہی عام چھا گئی ہے۔ دہریت اور مادہ پرستی نے دلوں پر ایسا غلبہ پالیا ہے کہ کوئی پہلا زمانہ اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔ اگرچہ اُن لوگوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جو علی الاعلان دہریہ اور مادہ پرست کہلاتے ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ خدا پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں وہ بھی نرے ظاہر ہی میں خداپرست ہیں اُن کے دل سچے ایمان اور اطمینان سے بالکل خالی اور معرا ہیں۔ دنیا کی محبت میں لوگ ایسے مجنون اور سرگردان ہو رہے ہیں کہ نہ کسی سے خدا پر ایمان رکھنے والیکا پتہ لگتا ہے اور نہ کوئی منکر خدا کی تمیز ہو سکتی ہے بعضوں کے ہونٹوں پر ایمان کا نام گو جاری نظر آتا ہے۔ مگر وہ ایمان حلق سے نیچے اُترا ہی نہیں حقیقت میں زمین پر سے ایمان بالکل اُٹھ گیا ہے۔ بلکہ جیسا کہ ہمارے مقدس نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا ہے کہ آخری زمانہ میں ایمان ثریا پر چلا جائیگا اور مسیح موعودؑ اس کو واپس لائیگا ایمان ثریا میں اُٹھ گیا ہے۔

ان کے ماسوا ایک اور قسم کے آثار عیسائی اور اسلامی پیشگوئیوں میں پائے جاتے ہیں جن سے مسیح موعودؑ کے نزول کے زمانہ کی شناخت ہو سکتی ہے۔ مگر دونوں مذہبوں کی پیشگوئیوں میں فرق اتنا ہے کہ عیسائی پیشگوئیاں جب

معمول کچھ مبہم سی ہیں۔ اور اسلام میں ان کا بہت واضح اور معین رنگ ہے چنانچہ انجیل میں لکھا ہے کہ مختلف ملکوں میں قحط اور مری پڑے گی۔ اور زلزلے آئیں گے۔ اور متی باب ۲۴ میں لکھا ہو کہ ان دنوں کی مصیبت کے بعد تُرت سورج اندھیرا ہو جائیگا۔ اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا" وغیرہ وغیرہ۔ تواریخ عالم اس بات سے لبریز ہے کہ دنیا میں ہمیشہ قحط اور مری پڑا کرتی ہے اور زلزلے آیا کرتے ہیں۔ اور کوئی سال خالی نہیں جاتا کہ جس میں سورج اور چاند کو گرہن نہ لگتا ہو۔ اگر مسیح کا کلام ان معمولی امور کو بیان کرنے تک ہی محصور ہوتا تو اسکو لغو اور مہمل ماننے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ مگر ان پیشگوئیوں کو پیشگوئیاں سمجھکر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس کلام سے مراد کوئی ایسے خاص قسم کے واقعات اور حوادث ہیں جو غیر معمولی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اسلامی پیشگوئیاں بہت واضح اور اجلیٰ ہیں جو نہ صرف ان نشانات پر روشنی ہی ڈالتی ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی کئی علامات بیان کرتی ہیں۔ جیسے متی نے لکھا ہے کہ سورج اندھیرا ہو جائیگا اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ بہت مجمل اور مہمل الفاظ ہیں۔ لیکن اسلامی احادیث میں آیا ہے کہ مہدی کے زمانہ کی ایک یہ علامت بھی ہوگی کہ اسوقت ماہ رمضان کی تیرھویں تاریخ کو چاند کو اور اٹھائیسویں کو سورج کو گرہن لگے گا۔ اور یہ ایک ایسی علامت ہوگی کہ جو دنیا میں اس سے پہلے کبھی واقعہ ہی نہیں ہوئی ہوگی۔ اور جسکو اپنے مطلب کے موافق بنا لینے پر کوئی انسان قادر نہیں ہوگا۔ اب یہ ایک ایسی واضح پیشگوئی تھی کہ جو اپنے ظاہری الفاظ میں نہایت صفائی کے ساتھ ۱۸۹۴ء میں پوری ہوئی۔ اس کے مطابق ہی ۱۳ تاریخ ماہ رمضان کو چاند کو گرہن ہوا اور ۲۸۔ تاریخ اسی ماہ رمضان کو سورج گرہن ہوا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے اصل الفاظ جو دارقطنی میں بروایت محمد الباقر بن زین العابدین درج ہیں ان لمھدینا اٰیتین لم تکونا منذ خلق السموات والارض ینکسف القمر لاول لیلۃ من رمضان وتنکسف الشمس فی النصف منہ ولمثلہ البیہقی وغیرہ من المحدثین۔ ترجمہ۔ ہمارے مہدی کیلیے دو نشان ہیں جو کبھی کسی دوسرے کے لیے آفرینش دنیا سے ہی واقعہ نہیں ہوئے۔ اور وہ یہ ہیں کہ ماہ رمضان کے چاند کو گرہن لگنے والی راتوں میں سے پہلی رات چاند کو گرہن لگے گا اور سورج گرہن لگنے کے ایام کے نصف میں سورج گرہن ہوگا۔ اور اسی کی مانند بیہقی اپنی کتاب میں اور بعض دوسرے محدثین حدیثیں لائے ہیں۔ ہمارے ناظرین غالباً اس بات سے واقف ہوں گے کہ سورج اور چاند کو گرہن لگنے کے لیے قدرت نے وقت مقرر کیے ہوئے ہیں۔ اور ان اوقات کے شمار کا انحصار قمری مہینوں پر ہوتا ہے۔ چاند کو گرہن اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ پورا مدور ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵ قمری مہینے کی تاریخیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں چاند کا دائرہ پورے طور پر گول ہوتا ہے۔ اور قانون الٰہی ایسا ہی ہے کہ ہمیشہ انہیں تین تاریخوں میں چاند کو گرہن ہوتا ہے انکے سوائے نہیں ہو سکتا۔ ان تاریخوں میں سے ۱۳ تاریخ پہلی تاریخ ہوتی ہے۔ اسی طرح سورج ہمیشہ قمری مہینے کی ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹ تاریخوں میں گرہن میں آتا ہے۔ اور ان تاریخوں کی درمیانی تاریخ ۲۸ ہوتی ہے پس

اس حدیث کے موافق ۱۳ ماہ رمضان چاند کے گرہن کیلیے اور ۲۸ ماہ رمضان مذکور سورج گرہن لگنے کیواسطے مقرر تھی۔ جو اسی کے مطابق واقعہ ہوگیا۔

اس کے علاوہ زمانہ نزول مسیح موعودؑ کی ایک اور علامت لکھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ خطرناک طاعون اُس زمانہ میں پھیلکر لوگوں کو تباہ کریگی۔ اب غور کا مقام ہے کہ جس شدت کے ساتھ طاعون مسلط ہو کر اس ملک ہندوستان میں مخلوق کو ہلاک کر رہی ہے وہ اس بات کیلیے کافی گواہ ہے کہ یہی زمانہ آخری موعود زمانہ ہے۔ چالیس لاکھ سے زیادہ انسان اس مہلک وبا کا شکار ہو چکے ہیں۔ اگرچہ ہندوستان جیسے وسیع ملک کی آبادی کے سامنے یہ تعداد ۱/۷۵ حصہ کے قریب ہوتی ہے لیکن اگر اتنی تعداد انسانوں کی کسی دوسرے ملک میں بھیجی جائے تو اس سے وہ ملک ہی آباد ہوجائے جن جن علاقوں میں طاعون کا دور دوران ہوا ہے ان میں اکثر دیہات تو اس نے اسی طرح بالکل ویران کر دیئے ہیں کہ ان میں ایک متنفس بھی زندہ نہیں رہا۔ اور تمام در و دیوار لاوارث ہو گئے۔ اور بے شمار قریوں اور بستیوں میں ایسی تباہی ہوئی کہ آبادی کا دسواں حصہ بھی باقی نہ بچا۔ ابھی اسکا خاتمہ نہیں ہوا ابھی تو شروع ہی ہوئی ہے اور دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے تنزل کا نام تک نہیں آیا۔ خدا معلوم کیا کرکے رہیگی۔ اس خطرناک نشان کی رو سے بھی ثابت ہوتا ہی کہ زمانہ موعودہ یہی زمانہ ہے۔

اس کے علاوہ قرآن شریف میں وارد ہوا ہے کہ اس آخری زمانہ میں ایسے متواتر اور خطرناک زلازل ہوں گے کہ لوگوں پر ظاہر ہو جائیگا کہ وہ معمولی زلزلے نہیں۔ بلکہ غیر معمولی ہیں۔ اگرچہ ابھی تک وہ خطرناک زلزلہ جس کی طرف قرآن شریف کا خاص اشارہ ہے واقعہ نہیں ہوا جس کی نسبت لکھا ہے کہ زمین بہت خطرناک شدت سے جنبش دیجائیگی۔ لیکن ابتدائی زلزلے ہی جو رونداد ہو رہے ہیں ان کی شدت اور غیر معمولیت ایسی نمایاں ہو رہی ہے کہ تمام عالم کی توجہ انہیں کی طرف مبذول ہوگئی ہے۔ دنیا کے تمام باخبر لوگ اور اہل جرائد اور اہل قلم اس بات پر متفق ہیں کہ یہ زلزلے دنیا میں غیر معمولی طور پر واقعہ ہوئے ہیں۔ چنانچہ پاؤنیر جیسے معتبر اخبار نے بھی کچھ عرصہ گذرا ہے کہ بہت صفائی کے ساتھ لکھا تھا کہ یہ ایسے شدید اور خطرناک اور تباہ کن زلزلے واقعہ ہوئے ہیں کہ جن کی مثال اگر ممکن ہوسکتی ہے تو شاید پہلی عیسوی صدی میں ہوگی۔ ورنہ تاریخ دنیا نظیر پیش کرنے سے ساکت ہے۔ اور حال میں ہی اخبار سول میں یہ لکھا گیا ہے کہ تمام سمجھدار آدمی یہ سوال کرتے ہیں کہ زمین کو کیا ہوگیا کیونکہ تاریخی زمانہ میں ایسے تباہی افگن زلازل کی کثرت اور کہیں نظر نہیں آتی۔ اس نشان کی رو سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ موعودہ آخری زمانہ یہی زمانہ ہے۔ اس کے ماسوا اس زمانہ کا یہ بھی ایک نشان لکھا ہوا تھا کہ مکہ معظمہ کا حج روکا جائیگا۔ اسی طرح اونٹ جو کہ بار برداری اور سواری کیلیے سب سے اعلیٰ درجہ کی سواری شمار ہوتی تھی اس کا معطل ہونا اور اس کی بجائے نئی قسم کی سواریوں کا ایجاد ہوجانا۔ دریاؤں کا پایاب ہونا اور کثرت بکثرت نہریں بنائی جانا۔ علوم اور صحایف کا زور سے انتشار ہونا وغیرہ نشانات آخری زمانہ کے ہیں جس میں مسیح موعود کا نزول مقدر تھا۔ اور یہ سب نشانات پورے ہوگئے ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ یہی زمانہ موعودہ آخری زمانہ ہے

جس میں مسیح موعودؑ نے نازل ہونا تھا۔

ان تمام مذکورہ بالانشانات کے علاوہ ایسی پیشگوئیاں بھی ہیں کہ جن کی رو سے زمانہ کے شمار کی بنا پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ کے نزول کا زمانہ شروع ہوگیا ہے۔ مسیح موعودؑ آخری زمانہ کا مصلح اور آدم ثانی کے ناموں سے بھی مخاطب کیا گیا ہے اور آدم اول سے آدم ثانی تک جو زمانہ گذر رہا ہے وہ چھ حصوں میں منقسم ہے۔ جو ہر ایک حصہ ایک ہزار سال کا ہوتا ہے پھر آدم ثانی کے نزول سے ساتواں ہزار شروع ہوگا یعنی ساتواں حصہ دنیا کے وقت کا شروع ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ کی ابتدا مسیح موعودؑ کے نزول کا زمانہ مقدر تھی۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی الہامی کتب میں اس آخری حصہ کے بارہ میں بہت ساری پیشگوئیاں ہیں۔ اگرچہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں اکثر امور میں باہم اتفاق نہیں۔ لیکن باوجود ان اختلافات کے ان تمام پیشگوئیوں میں یہ امر مشترک ہے کہ اس آخری دَور دنیا میں بدی کی طاقت قطعی اور آخری طور پر تباہ کیجائیگی۔ یہ امر عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں بڑے زور سے مانا جاتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس کی بنا کوئی سچی پیشگوئی ہے۔ ایسا ہی اہل مذہب زردشت بھی اسی قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں (دیکھو جیویش انسائیکلوپیڈیا ضمن مضمون بعنوان ملینیم) حقیقت میں یہ خیال ہر ایک مذہب میں ایسا شہرت یافتہ ہے اور ایسی مضبوط بنا رکھتا ہے کہ جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کیلیے مجبور ہیں کہ اس کی اصل سچی الہامی پیشگوئی ہے اب ہم دیکھتے ہیں کہ قمری حساب کی رو سے حضرت آدم علیہ السلام سے آجتک چھ ہزار سال گذر چکے ہیں۔ اسلام میں یہ پیشگوئی اور بھی واضح الفاظ میں موجود ہے۔ چنانچہ قرآن شریف سورۃ السجدہ میں لکھا ہے یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیه فی یوم کان مقدارہ الف سنة مما تعدون۔ ترجمہ "آسمان سے زمین تک امر کا انتظام کرتا ہے۔ پھر یہ امر اس کی طرف ایک دن میں چڑھیگا جسکی مقدار تمھاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال ہوگی"۔ یہاں امر سے مراد دنیا کی اصلاح ہے کہ جس میں ایمان جو دنیا سے اُٹھ گیا تھا دوبارہ زندہ ہوا۔ اور اس آیت کریمہ کی منشا یہ ہے کہ وہ ایمان جو دنیا پر دوبارہ قایم ہوا ہے اسپر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ وہ بھی دنیا سے رخصت ہوجائیگا اور آسمان پر اُٹھالیا جائیگا۔ صحیح احادیث میں لکھا ہے کہ راستی کا یہ غلبہ تین قرنوں تک رہیگا جو تخمیناً تین سو برس کے قریب ہوتی ہیں۔ یعنی حضرت سلطان الانبیاء شہنشاہ مرسلین سیدنا محمد مصطفےٰ صلعم کے بعد تین سو برس تک راستبازی کا دنیا پر غلبہ رہے گا۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا تاریکی کا زمانہ آئیگا جو ایک ہزار برس تک رہیگا۔ جس میں شیطان کے زنجیر کھولے جائیں گے۔ اور بدی راستبازی پر غالب آرہیگی۔ اس زمانہ کے لوگوں کو اصطلاح شرعی میں فیج اعوج کہا گیا ہے جس کے معنے ہیں بگڑی ہوئی جماعت۔ اس ایک ہزار سال کی ایک تاریک رات کے بعد جب دجالی فتنوں کا اثر حد نہایت کو پہنچ چکیگا اور لوگ گمراہ ہوچکیں گے۔ تو پھر صداقت کا آفتاب دنیا پر طلوع فرماکر اندھیرے کی افواج کو پس پا کریگا۔ اور نور وہدایت کی شعاعوں سے عالم کو منور فرمائیگا۔ اسطرح گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرہ سو برس بعد مسیح موعودؑ کا ظہور ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ تیرہ سو برس گذر کر

ہجری سنہ چودھویں صدی شروع ہوگئی ہوئی ہے۔ اب ان دونوں حسابوں کے شمار کی رو سے یہی بات قرار پاتی ہے کہ نزول وظہور مسیح موعودؑ کا یہی زمانہ ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کسی مامور و مرسل کے ظہور و نزول کے زمانہ اور اس کی صداقت کی معرفت کیلئے صرف ایسی پیشگوئیاں ہی اکیلا معیار نہیں۔ پیشگوئیاں عموماً استعارہ کے رنگ میں ہوتی ہیں۔ اور عوام الناس اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ وہ ان کے لفظی طور پر پورے ہونیکے منتظر رہتے ہیں۔ اور اس باعث سے سخت غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور نفس مطلب کو پانیسے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسلیے ہم نے اس بحث میں پیشگوئیوں کی تفصیل پر کچھ نہیں کیا۔ بلکہ ان کی تفصیل میں داخل نہیں ہوئے۔ ہم نے وہ موٹے امور بیان کردینے پر یہاں اکتفا کیا ہے جو مختلف مذاہب میں متفق علیہ ہیں۔ اور انہیں امور کا تذکرہ کیا ہے جو ہر مذہب میں قریباً ہر رنگ مانے جاتے ہیں۔ اور جو متفق علیہ ہونیکی وجہ سے حقیقی طور پر نفس امر کا مغز۔ اور اصل اصول ہیں۔ اور دوسرے تمام امور ان کی تفاصیل اور تشریحات ہیں۔ آخری زمانہ کے مصلح کے ظہور اور نزول کے زمانہ کے متعلق ہم نے چند ایسے اصولی امور بیان کردیئے ہیں جن پر ہر مذہب کو مشترک طور پر اتفاق ہے ہم نے ایسے امور کو ایا ہی نہیں جن میں اختلاف موجود تھا۔ اسی طرح اب ہم ذیل میں یہ امر دکھائیں گے کہ اس آخری مصلح کا ظہور و نزول پیشگوئیوں کی رو سے اسی ملک میں ہونا ضروری تھا یسعیاہ ۴۱/۲ میں مامور آخر زمان کے نزول کے متعلق لکھا ہے "کس نے اُس راستباز کو پورب کی طرف سے برپا کیا" اسی طرح مشہور و معروف فارسی مصلح زردشت موعود مصلح آخر زمان کے متعلق کہتا ہے کہ وہ مشرقی علاقہ میں ہی پیدا ہوگا۔ ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام بھی اپنی استعاروں اور تماثیل سے بھری ہوئی زبان میں یہی فرماتے ہیں کہ وہ موعودؑ پورب ہی میں نازل ہوگا۔ کیونکہ آپ نے کہا ہے کہ مسیح کا آنا بجلی کی چمکار کی طرح ہوگا جو مشرق میں چمکتی ہے۔ جس سے صاف یہی پایا جاتا ہے کہ مسیح موعودؑ کا نزول مشرق ہی میں ہوگا۔ ایسا ہی حضور فخر موجودات سرور رسل محمد مصطفےٰ صلعم نے مشرق ہی کی طرف اپنی مبارک انگلی سے اشارہ کرکے فرمایا کہ مسیح موعودؑ اور دجّال کے درمیان اسی طرف سے جنگ شروع ہوگا۔ اور اسپر اور وضاحت سے فرمایا کہ مسیح موعودؑ ایک ایسی مقام میں نازل ہوگا جو دمشق سے مشرق کی سمت واقعہ ہے۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ ان تمام پیشگوئیوں میں مشرق بالاتفاق کے معنے کیا ہیں؟ اس کے متعلق ہم اتنا لکھنا چاہتے ہیں کہ عہد نامہ عتیق کی رو سے جو علاقہ دریائے دجلہ اور فرات سے پار مسوپوٹامیہ آرمینیا اور ایران سے ورے واقع ہے وہ مشرق ہے۔ ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت رسول کریم محمد مصطفےٰ صلعم کی پیشگوئیوں میں عرب اور شام سے مشرق کی طرف کے ممالک پر مشرق کا لفظ چسپاں ہوسکتا ہے۔ لیکن زردشت کی پیشگوئی میں بھی جو خود ایران کا رہنے والا ہے اس آخری موعودؑ کے نزول کی جگہ مشرق ہی بیان کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موعود کے نزول کیلیے کوئی ایسی سرزمین مقدر ہے جو فارس سے بھی مشرق ہی کو واقع ہے۔ غرض ہندوستان سے مغرب کی طرف اقالیم میں جس قدر پیشگوئیاں اس موعودؑ کے متعلق موجود ہیں اُن سب میں مقام

نزدول موعود مشرق ہی قرار دیا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان میں جو یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ کلجگ کے خاتمہ پر ایک عظیم الشان اوتار نازل ہوگا اس میں اس کے نزول کیلیے ہندوستان سے باہر کسی ملک کا اشارہ نہیں کیا گیا۔ اُن تمام پیشگوئیوں میں مشرق کا ذکر موجود ہونا اور ہندی پیشگوئی میں کسی غیر ملک یا سمت کا ذکر نہ پایا جانا اس بات کو صاف طور پر ثابت کر رہا ہے کہ اس بلند مرتبت مصلح آخر زمان کے نزول کیلیے یہی ملک ہندوستان ازل سے مقدر تھا۔ اس مختصر بحث کا فایدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ مختلف قوموں کی مختلف پیشگوئیوں میں جو بطور اجمال مصلح آخر زمان کا ذکر موجود ہے اس سے اس کے نزول کے زمانہ اور مقام کا سمجھنا بہت مشکل نہیں رہتا۔

ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ کوئی صاحب ان مسیح موعود کے نزول کی متعلقہ پیشگوئیوں سے کوئی اور نتیجہ ایسا نکال سکتا ہے جو ہمارے نتیجہ پیش کردہ سے مختلف ہو۔ لیکن یہ یقینی اور قطعی امر ہے کہ اگر ان متفرق پیشگوئیوں کے عام مفہوم اور متفقہ نتیجہ کو لیا جاوے تو وہی نتیجہ نکلیگا جو ہم نے پیش کیا ہے۔ تمام انبیاء کی تاریخ اس بات پر شہادت دیتی ہے کہ پیشگوئیوں کے معنے کرنے میں انکے عام مفہوم کو مدنظر رکھنا چاہیئے اور پیشگوئیوں کی تفصیلات پر زیادہ زور نہیں دینا چاہیئے۔ اگر ہم تمام مذاہب کی متفرق پیشگوئیوں میں سے قدر مشترک نتیجہ نکالنا چاہیں تو سوائے اس نتیجہ کے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ آخری زمانہ میں ایک مصلح کے آنیکی پیشگوئی متفقہ مفہوم کے ساتھ بہت ساری اقوام میں مروج ہے۔ اس پیشگوئی کا اس طریق سے اکثر مذاہب میں موجود ہونا اور اسلام میں اس کے متعلق نشانات کا معین ہونا دو ایسے اہم اور ضروری امور ہیں جن سے کوئی اور نتیجہ نکالنا ممکن ہی نہیں۔ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ اس نتیجہ کے سوا کوئی اور نتیجہ اس پیشگوئی کا تراشنا پر از خطر راہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی بنا نہ صرف پیشگوئی کی سرسری شہادت پر ہی ہوگی بلکہ ایسے خیالات پر ہوگی جو تمام ایسے حقایق اور واقعات سے جدا ہونگے جو علی الاطلاق ان پیشگوئیوں کے معنوں پر روشنی ڈالنے والے ہیں۔ یہ بات اس مثال سے اور بھی واضح ہو سکتی ہے۔ کہ اس زمانہ میں کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام ابھی دنیا پر تشریف نہ لائے تھے تو بنی اسرائیل مسیح کی انتظار میں تھے۔ پھر جب مسیح آئے اور انہوں نے اپنے دعوئے نبوت کی منادی کی تو وہی منتظر بنی اسرائیل اُسے کذاب اور مفتری علی اللہ سمجھنے لگ گئے۔ اس تکذیب کی وجہ یہ نہ تھی کہ بنی اسرائیل مصلح کی ضرورت سے بیخبر تھے۔ اور اس بات سے ناواقف تھے کہ قدیمی پیشگوئی کے عام مفہوم کی رو سے وہ زمانہ ہی نزول مسیح کا زمانہ تھا بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ پیشگوئی کی بعض خاص باتوں پر بہت زور دیتے تھے۔ مثلاً بہت ساری پیشگوئیوں میں سے ایک پیشگوئی جو مسیح کے نزول کی خبر دیتی تھی اُس میں یہ شرط لگی ہوئی تھی کہ گذشتہ نبیوں میں سے حضرت الیاسؑ (ایلیا) آسمان سے دنیا پر پھر تشریف لاویں گے۔ اور مسیح اس وقت نازل ہونگے جب الیاسؑ آچکیں گے۔ چونکہ ابھی تک یہ شرط اُن کے نزدیک پوری نہ ہوئی تھی یعنی الیاسؑ آسمان سے نہ اُترے تھے اسلیے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو

جھوٹا مدعی نبوت سمجھتے تھے۔ اور اُن کا خیال تھا کہ یہی اُن بہت سارے جھوٹے مسیحوں میں سے ایک مسیح ہے جن کی نسبت لکھا تھا کہ بہتیرے جھوٹے مسیح آئیں گے۔ اسی طرح مسیح کے متعلق اور پیشگوئیوں میں بھی اسی قسم کے کئی اور پہلو تھے جو لفظی طور پر یسوع کے متعلق پورے نہ ہوئے تھے۔ اور اس لیے یہودی لوگ اُن کی مخالفت پر تُلے ہوئے تھے یہودیوں نے اس غلط فہمی سے بہت خطرناک ٹھوکر کھائی۔ اور بڑی تباہی اُٹھائی۔ بلکہ کثیر حصہ اُس نکبت اور ذلت اور بدنصیبی کا جو انکو قومی طور پر ملا ہوا ہے وہ سب اسی ایک غلطی کی بدولت ہے کہ وہ ہر شق سے پیشگوئی کے لفظاً پورا ہونے پر اعتقاد بنائے ہوئے تھے۔ اس لیے کسی مدعی نبوت کے دعوے کے صدق وکذب کی شناخت اور فیصلے کیلیے سب سے محفوظ طریق یہ ہے کہ یہ امر دیکھ لیا جائے کہ بہ ہیئت مجموعی کیفیت عامہ کے ساتھ وہ پیشگوئی اس کے حالات کے ساتھ موافق ہے یا نہیں۔ یہاں تک تو اصول عامہ مشترکہ و مسلمہ سے ہمارے بیان کی ترجیح ثابت ہے۔ اب دوسرا امر یہ ہے کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب کے دعوئے مسیحیت و مہدویت کے بارے میں اندرونی شہادت دیکھی جاوے۔ لیکن قبل اس کے کہ اس امر کی تفصیل کیطرف رجوع کیا جائے یہ ضروری ہے کہ عوام الناس میں جو یہ خیال بیٹھا ہوا ہے کہ یہ پیشگوئیاں لفظی طور پر پوری ہونی چاہئیں اور اس کی وجہ سے وہ کئی قسم کی غلط فہمیوں میں پڑے ہوئے ہیں انکو دُور کیا جائے۔ عیسائی اور مسلمان دونوں اس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ اس پیشگوئی سے مراد یہی ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم ناصری اسرائیلی ہی دنیا پر آخری زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے جہاں وہ اتنے عرصہ سے چڑھے بیٹھے ہیں۔ اور زندہ ہیں۔ یہ خیال ایسا ہے کہ نہ اس کی بنیاد ہی صحیح ہے اور نہ اس کی بالائی عمارت ہی راست ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر ہرگز نہیں چڑھے! وہ انسان تھے اور برگزیدہ انسانوں کی طرح عزت کے ساتھ اسی زمین پر راہئ ملک بقا ہوئے۔ اور اسی زمین کو اپنے مدفن بننے کی عزت بخشی۔ چنانچہ اُنکی مزار منور محلہ خانیار واقع شہر سری نگر ملک کشمیر میں اس وقت تک محفوظ اور موجود ہے۔ مسیح علیہ السلام کے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ اُٹھایا جانیکا اعتقاد جیسا کہ بے بنیاد اور بعید از حقیقت ہے اسی طرح اُسکا آسمان سے اُترنا بھی وہمی قصہ ہے۔ جس کی تہ میں حقیقت کچھ بھی نہیں۔ لوگوں کی عادت ہو گئی ہے کہ جہاں کہیں مسیح کا نام آجائے اور اس کے متعلق کسی واقعہ یا پیشگوئی کی تشریح کی ضرورت ہو تو وہ اُسوقت تک صبر نہیں کرتے جبتک کہ اُسپر کوئی ایسا رنگ نہ چڑھالیں جو اُنکی اپنی نظر میں دائرہ انسانی سے فائق ہو۔ اُسی طرح مسیح آخر زمان کے متعلق یہ عقیدہ گھڑا ہوا ہے کہ پہلا مسیح ہی آسمان پر زندہ چڑھ گیا تھا اور اس زمانہ میں وہی آسمان سے اُتریگا۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام ہی نے خود اس مسئلہ کا فیصلہ کیا کہ نزول ثانی سے کیا مراد ہوتی ہے۔ یہودی جو الیاسؑ کے نزول ثانی کے لیے آسمان کی طرف تاک لگائے بیٹھے تھے اُنکو مسیح نے کھول کھولکر بیان کر سنایا کہ اس نزول سے مراد یہ نہیں کہ فی الحقیقت وہی الیاسؑ دوبارہ نازل ہونگے بلکہ مراد اس سے یہ تھی کہ کوئی شخص حضرت الیاسؑ کی قوت قدسی اور روحانیت سے بہرہ اندوز ہو کر آئیگا۔

اور یہ پیشگوئی حضرت یحییٰؑ (یوحنا بپتسمہ دینے والے) کے وجود میں پوری ہوگئی ہے جو حضرت الیاسؑ کی روحانیت اور قوت قدسی لیکر تشریف لائے ہیں۔ حضرت مسیحؑ نے نزول الیاس سے کبھی انکار نہیں کیا۔ لیکن وہ ہمیشہ اس کی یہی تشریح کرتے تھے کہ اس سے مراد نزول حضرت یحییٰ تھی۔ غرض حضرت مسیحؑ مقدس تواریخ میں پہلے بزرگ ہوئے ہیں جنہوں نے مسئلہ بروز کی حقیقت اور الہامی اصطلاح میں نزول ثانی کے فلسفہ کو منکشف فرمایا۔ اور یہ ضروری تھا کہ اُن کے منہ سے ہی یہ مسئلہ بھی صاف ہو جاوے کیونکہ لوگوں نے اسی قسم کی غلط فہمی اُن کی ذات خاص کے متعلق بھی کرنی تھی۔ پھر جبکہ وہ آپ ہی ان اصطلاحات کا فیصلہ کر چکے تھے اور ان سے مراد جو اصلی ہے اسکی تشریح بیان فرما چکے تھے تو جب انہوں نے یہ کہا "کہ مسیح دوبارہ آئیگا" تو اس کا مطلب ان کی بیان کردہ تشریح سے جدا کیونکر سمجھا جانا ممکن ہے جب انہوں نے ایک طرف الیاسؑ کے نزول ثانی کی یہ تشریح کی اور دوسری طرف اپنے نزول ثانی کی خبر دی تو اگر انکی منشا میں اپنے نزول کے یہ معنے ہوتے کہ وہ خود آسمان سے نازل ہونگے تو ضرور تھا کہ وہ اپنے حواریوں کو کھلے الفاظ میں فرما دیتے کہ اگرچہ الیاسؑ کے دوبارہ نزول کی خاص تشریح پر میں نے اتنا زور دے رکھا ہے لیکن میرا نزول ثانی ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ میں آپ ہی آؤنگا جب تک کہ یہ ثابت نہو کہ مسیح علیہ السلام نے اپنے نزول ثانی کے متعلق واضح الفاظ میں کہیں فرما دیا تھا کہ اس سے مراد یہی ہے کہ میں آپ ہی دوبارہ آسمان سے نازل ہونگا۔ اور میرا آنا الیاسؑ کے آنیکی طرح نہیں ہوگا اس وقت تک ہم پابند ہیں کہ نزول ثانی کے وہی معنے لیں جو اس نے الیاسؑ کے معاملہ میں آپ بیان کیے ہوئے ہیں۔ جب یسوع مسیح نے اپنے حواریوں کو یہ یقین دلایا کہ وہ سچا نبی ہے۔ اور اپنے صدق کی دلیل یہ ٹھہرائی کہ ایک شخص کے نزول ثانی سے مراد یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کی روحانیت اور قوت قدسی پاکر مبعوث کیا جائیگا تو یہ لازمی امر ہے کہ اپنے نزول ثانی کی پیشگوئی کی بھی وہی مراد انہوں نے رکھی ہو۔

بعض عیسائی اخباروں نے اس دقت کو حل کرنیکے لیے ایسی تشریحات پیش کی ہیں جنہیں دیکھکر ہنسی آتی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ چونکہ الیاسؑ ایک بشر تھا اسلیے اُسکا دوبارہ آنا محال اور ناممکن تھا اور اس لیے ضروری تھا کہ اس کے نزول ثانی کی پیشگوئی سے مراد کسی اور شخص کا نزول ہو جو اسکی روحانیت اور قدسی قوت لیکر آئے۔ لیکن خداوند یسوع مسیح تو خدا تھے۔ اُنکا دوبارہ دنیا پر آنا عین احاطہ امکان کے اندر ہے۔ اور یہ ممکن نہیں ..... کہ کوئی بشر اُس کی روحانیت اور قدسی قوت سے حصہ پاسکے اور پھر اُس کی بجائے نازل ہوسکے عیسائیوں نے جو جدت طبع اس موقع پر دکھلائی ہے وہ کسی پہلو سے قابل تحسین و تعریف نہیں ہوسکتی بلکہ مضحکہ خیز ہے یہاں مسیح کی الوہیت اور عدم الوہیت کا تو مسئلہ ہی نہ تھا بلکہ سوال یہ تھا کہ خود مسیح نے اپنے نزول ثانی کی کیا تشریح کی۔ جب مسیح کی اپنی تشریح موجود ہے تو کسی عیسائی کو اُسکے مقابلہ میں کوئی اور تشریح پیش

کرنیکا کیا حق ہے۔ اگر اپنے نزول ثانی سے مسیح کے دل میں کوئی اور مطلب ہوتا تو اسکا فرض تھا کہ وہ کم ازکم اپنے شاگردوں ہی کو جمع کر کے انہیں سمجھاتا کہ "اے میرے دوستو! تمھیں اس امر کیطرف توجہ کرنی چاہیئے کہ میں نے تمھارے سامنے کئی مرتبہ الیاسؑ کے نزول ثانی کی تشریح بیان کی ہے۔ کہ اس سے مراد کسی دوسرے شخص کا نزول ہے جو الیاسؑ کی روحانیت اور قوت قدسی پر آئے گا۔ یہ تشریح میرے دعوئے مسیحیت کی حقیقت ثابت کرنیکے لیے ازبس ضروری تھی۔ کیونکہ اگر یہ تشریح نہ کیجاتی تو میرے دعوے کا سارا تانا بانا ہی غلط اور اکارت ہو جاتا۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میرے نزول ثانی سے مراد بھی یہی ہے کہ کوئی دوسرا شخص میری بجائے نازل ہوگا۔ اے میرے عزیزو! الیاس صرف ایک انسان تھا اور اس لیے اسکا دوبارہ نازل ہونا ناممکن محض تھا۔ لیکن میں خدا ہوں اور میرا دوبارہ اس وجود میں آنا ممکن ہے۔ اور اگر تم یہ کہو کہ اس وقت الیاس کے نزول ثانی کی پیشگوئی کیوں کی گئی تھی تو اسکا جواب یہی ہے کہ میرا قیاس ہے کہ اس نبی نے بھی پیشگوئی کرنیکے وقت گمان کر لیا ہوگا کہ الیاس بھی خدا ہے اور اسکا دوبارہ آنا ممکن ہے"۔ علاوہ بریں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جب مسیح نے الیاسؑ کے نزول ثانی کی پیشگوئی کی تشریح کی تو اس نے کبھی نہیں کہا کہ الیاس آیا ہی نہیں۔ بلکہ وہ کہتا ہے "اور الیاس جو آنیوالا تھا یہی ہے۔ چاہو تو قبول کرو" (متی ١١/١٤) "اور اس کے شاگردوں نے پوچھا پھر فقیہہ کیوں کہتے ہیں کہ پہلے الیاس کا آنا ضروری ہے؟ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ الیاس البتہ پہلے آویگا اور سب چیزوں کا بندوبست کریگا۔ پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ الیاس تو آچکا لیکن انھوں نے اسکو نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی ان سے دکھ اٹھاویگا۔ تب شاگردوں نے سمجھا کہ اس نے ان سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا" (متی ١٧/١٠-١٣) اس حوالہ سے ثابت ہے کہ یسوع مسیح کو الیاس کے آنیکی ضرورت کی بڑی قدر تھی مگر اس نے یہ نہیں کہا کہ الیاس چونکہ محض بشر تھا اس لیے وہ دوبارہ نازل نہیں ہوا۔ یا اس لیے کہ اس کے منصب کا کام کوئی دوسرا آدمی کر سکتا تھا۔ اس نے تو اسی بات پر بار بار زور دیا کہ حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والا (یحییٰؑ) ....

حضرت الیاس کی روحانیت اور قوت قدسی لے کر آیا اور وہی الیاس تھا۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ روحانی طور پر وہی الیاس تھا۔ اوپر جو بائبل کی دوسری آیت درج کی گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کا اپنا نزول ثانی بھی اسی کیفیت کے ساتھ ہوگا۔ کیونکہ اس نے کہا ہے کہ "الیاسؑ تو آچکا۔ لیکن انہوں نے اسکو نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی ان سے دکھ اٹھاویگا"۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ الیاس کو دوسرے نزول کے وقت دکھ دیا گیا تھا۔ کیونکہ اسوقت لوگوں نے نہ جانا کہ وہ الیاس تھا۔ اس لیے انہوں نے اس کو دکھ دیئے اور ستایا۔ اسی طرح مسیح کو بھی دوسرے نزول کے وقت دکھ دیئے جائیں گے۔ کیونکہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ وہ مسیح ہے۔

ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ عیسائیوں کی طرح مسلمانوں نے بھی یہ اعتقاد باطل پکا رکھا ہے کہ مسیح ناصری اسرائیلی ہی دوبارہ نازل ہوں گے۔ عیسائی تو انسان پرستی میں گرفتار تھے ہی لیکن تعجب کی بات ہے کہ اس خدا پرست مسلمان قوم کے افراد بھی اس بداعتقادی میں مبتلا ہو گئے۔ جن کی مقدس کتاب قرآن شریف باواز بلند پکار پکار کر مسیح علیہ السلام کی وفات بیان کر رہی ہے۔ اور اس کے آسمان پر چڑھنے کو غلط قرار دے رہی ہے۔ قرآن شریف کی سورۃ المائدہ کے اخیر میں لکھا ہے۔ واذ قال اللہ یا عیسیٰ ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ قال سبحانک مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب ○ ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم وکنت علیھم شھیدا مادمت فیھم۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علےٰ کل شیء شھید ○ ترجمہ۔ جب خدا پوچھیگا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا لوگوں کو تُو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو خدا کے سوا معبود بنالو۔ تو عیسیٰ جواب دیں گے اے خدا جو تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں انہیں ایسی باتیں تعلیم کرتا جو مجھے حق نہیں پہنچتا۔ اگر میں نے کچھ کہا ہوتا تو اس کو تُو جانتا ہے۔ کیونکہ جو بات میرے جی میں ہے اُسکو تُو جانتا ہے اور جو تیرے جی میں ہے میں اُسکو نہیں جانتا۔ تُو تو ہر غیب کو بہت اچھی طرح جاننے والا ہے۔ میں نے انہیں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو تُو نے مجھے نہ فرمائی ہو۔ اور جو کہا وہ یہی تھا کہ اللہ جو میرا اور تمہارا رب ہے اس کی ہی بندگی کرو۔ اور جب تک میں ان میں تھا تو میں انپر شاہد تھا۔ مگر جب تُو نے مجھے وفات دیدی تو پھر انپر تُو ہی نگہبان تھا۔ اور تو ہی ہر شے پر شاہد ہے۔

مسیح علیہ السلام کے اس جواب سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اُس کو لوگوں نے اُس کی زندگی میں خدا نہیں بنایا۔ بلکہ اُس کے مرجانیکے بعد اُسے خدا بنایا گیا۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود دوبارہ واپس دنیا پر نہیں آسکتے۔ کیونکہ اگر وہ دنیا میں واپس آئے ہوتے تو اُن کا یہ کہنا (کہ میں نہیں جانتا کہ میرے مرنیکے بعد لوگ کن غلط راہوں اور گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے) غلط اور بیجا قرار پاتا ہے۔ ایسی صورت میں ضرور تھا کہ وہ اس جگہ بھی اپنی معمولی استباز ی سے ایسا بیان دیتے کہ جس سے اُن کا علم پایا جاتا۔ مسیح کی الوہیت کے اعتقاد کی ابتدا مسیح کی موت کی دلیل ہے۔ یعنی جب یہ ثابت ہو جائے کہ مسیح کو لوگوں نے اللہ سمجھ لیا ہے تو اُسوقت اس آیت شریفہ کے منشاء کے موافق یہ سمجھنا لازمی ہوگا کہ حضرت مسیح فوت بھی ہو گئے ہیں اس کے ماسوا اور بھی ثبوت اس قسم کے موجود ہیں جن سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ابن مریم۔ اسرائیلی نبی کا

دوبارہ دنیا پر تشریف لانا ناممکن ہے۔ ہر ایک مرسل و مامور الٰہی جو دنیا میں تشریف لاتا ہے تو اسکی بعثت کے دو بڑے اغراض ہوتے ہیں ایک دفع شر اور دوسری جلب خیر۔ وہ دنیا سے ہر قسم کے باطل۔ باطل خیالات۔ باطل رسوم۔ باطل عقاید۔ باطل اصول وغیرہ کو منہدم کر کے ان کی بجائے راستبازی نیک عملی اور اصول و عقاید و رسوم صحیحہ قایم کرتا ہے۔ کوئی نبی اللہ صرف دفع شر ہی کیلیے مامور و مبعوث نہیں کیا گیا۔ بلکہ دفع شر ایک ابتدائی مرحلہ ہوتا ہے جس کے بعد اعلیٰ اصول نہایت برجستگی اور مضبوطی کے ساتھ قایم کیے جاتے ہیں۔ اور اگر دفع شر سے یہ مقصود حاصل کرنا مدنظر نہ ہو تو پھر یہ بالکل بے حیثیت اور بیقدر بات ہے۔ اسی طرح مسیح موعود کا حال بھی ہے وہ اس قانون الٰہی سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ جب ہم پیشگوئیوں کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ کی بعثت کی پہلی غرض یہ ہے کہ وہ کسر صلیب کریگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فتنہ دجّال کو پاش پاش کریگا۔ اس پیشگوئی میں مسیح کو عیسیٰ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اس پیشگوئی میں اس دوسری اہم شق یعنی جلب خیر کا بیان نہیں ہوا جو مسیح موعودؑ کی دوسری بعثت کی غرض ٹھہرائی گئی ہے اسکا ذکر دوسری پیشگوئی میں ہے جس میں لکھا ہے۔ لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس۔ یعنی اگر ایمان ثریا پر بھی معلق ہو گیا ہوگا تو ایک فارسی الاصل مرد اُسے پھیر لادیگا۔ اس پیشگوئی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں دنیا سے ایمان مفقود ہو جاویگا اور مسیح موعود اس گم شدہ ایمان کو بحال کرنیکے لیے مبعوث ہوگا۔ اسی کے مطابق مسیح نے بھی کہا ہے۔ "جب ابن آدم آویگا تو کیا وہ دنیا پر ایمان پاویگا؟" ان الفاظ سے بھی وہی مطلب نکلتا ہے جو مندرجہ بالا حدیث سے سمجھ میں آتا ہے اور مسیح کے مبعوث ہونیکی وہی غرض معلوم ہوتی ہے جو اس حدیث سے مفہوم ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ دنیا پر ایمان از سر نو بحال کر کے دنیا کی اصلاح کریگا۔ اسطرح مسیح موعودؑ کی زندگی کا اصلاحی حصہ دنیا پر ایمان بحال کر کے دنیا کی اصلاح کرنا ہے۔ اس پیشگوئی میں اس مصلح کو فارسی الاصل کہا گیا ہے۔ دو مختلف خطابوں کے وجود سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان دو پیشگوئیوں سے مراد دو مختلف شخص ہیں۔ حقیقت میں یہ دونوں پیشگوئیاں ایک دوسری کا تکملہ ہیں۔ ان میں سے ایک اکیلی پیشگوئی مسیح موعودؑ کے منصب کے سارے فرائض کی تفصیل نہیں کرتی بلکہ ہر ایک صرف ایک حصہ کو بیان کرتی ہے جو ایک دوسرے کے متوافق ہے اور در اصل دونوں کے ملنے سے ایک پیشگوئی بنتی ہے۔ اسی مصلح کو پہلے مسیح کہکر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کسر صلیب کریگا اور پھر فارسی الاصل کہکر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ دنیا پر ایمانی قوت کو پھر بحال کریگا۔ اب ایمان اسوقت تک بحال نہیں ہو سکتا جس وقت تک زمانہ موجودہ کے غالب فتنہ کو جو صلیبی اور دجالی فتنہ ہے پہلے فرو نہ کر لیا جائے۔ اور ایسے فتنہ اور باطل مسائل کا تباہ کرنا اُس فتنہ تک

بالکل بے سود ہوتا ہے جبتک کہ خدا تعالیٰ پر علیٰ وجہ البصارت اور سچا ایمان بحال نہ کیا جاوے۔ غرض ان دو پیشگوئیوں میں ایک ہی مصلح کے منصب کے دو حصوں کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ اُس پیشگوئی میں جو مسیحؑ کے مُنہ سے نکلی ہوئی ہے لکھا ہے کہ مسیح آپ آنکر دنیا میں ایمان بحال کریگا۔ اس سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ "رجل من ابناء فارس" اور مسیح دونوں ایک ہی شخص کے نام ہیں۔

فارسی الاصل (رجل من ابناء فارس) کے متعلق جو پیشگوئی وارد ہوئی ہے اسکی جڑھ قرآن شریف میں موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ الجمعہ میں آیا ہے۔ ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ واٰخرین منھم لمّا یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم۔ ترجمہ۔ خدا تو وہ ہے کہ جس نے اُمّی لوگوں میں سے یہ رسول مبعوث کیا۔ کہ اُنہیں اس کی آیات سنائے اور اُنہیں پاک بنائے اور کتاب وحکمت کی انکو تعلیم دے۔ گو وہ پہلے عیاں طور پر غلطی میں پڑے ہوئے تھے۔ اور نیز آخری زمانہ میں ایک ایسی قوم ہوگی جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئی وہ قوم بھی انہیں لوگوں کے ہمرنگ ہوگی اور ان میں بھی اسی طرح نبی مبعوث ہوگا جو اُنہیں خدا کی آیات سنائے گا۔ اور اُنہیں پاک بنائے گا۔ اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیگا۔ اور خدا غالب اور حکمت والا ہے۔ زمخشری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ یہ اٰخرین منھم سے کونسی قوم مراد ہے۔ اسپر آنحضور پُرنور صلعم نے سلمان فارسیؓ کے کندھوں پر ہاتھ رکھکر فرمایا۔ لوکان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من ابناء الفارس۔ یعنی اگر ایمان اُٹھایا جاکر ثریا میں معلق ہوگا تو ان فارسی لوگوں میں سے ایک شخص ایسا اُٹھیگا کہ وہ وہاں سے بھی ایمان واپس لے آویگا۔ آیت کریمہ میں جن لوگوں کے درمیان اس فارسی الاصل نبی کی بعثت لکھی ہے اُنہیں اٰخرین کہا گیا ہے۔ اور یہی وہ لفظ ہے جو بجنسہ یا جس کے مترادف الفاظ اُن تمام پیشگوئیوں میں لکھے ہوئے ہیں جو مسیح موعودؑ کے نزول کے متعلق ہیں۔ ان تمام باتوں سے اور نیز اس آیت کی اُس تفسیر سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے ۔ صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ شخص فارسی الاصل جو اسلامی پیشگوئیوں میں لکھا ہے وہ مسیح موعودؑ یا خاتم الخلفاء کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کہ "ایمان ثریا پر معلق ہوگا" سے صریح اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہ واقعہ اُنسے بہت عرصہ بعد ہوگا۔ اسلیے "شخص فارسی الاصل" سے مراد حضرت امام ابوحنیفہ یا امام بخاری رحمہما اللہ نہیں ہوسکتے۔ اسکی ایک تو یہ وجہ ہے کہ اس شخص کیلیے

لازمی ہے کہ وہ خدا کا مامور ہو لیکن ان دونوں بزرگوں میں سے کسی سے مامور من اللہ ہونیکا دعویٰ ثابت نہیں۔ اور اس کے علاوہ انکا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ایسا قریب تھا کہ جس میں یہ ممکن نہیں خیال کیا جا سکتا کہ ایمان دنیا کر اُٹھ گیا ہو۔ اور خصوصاً ایسی حالتمیں جبکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہوا ہے کہ میرے بعد تین سو برس تک قوت ایمانی اور نکوکاری اور تقویٰ کا غلبہ رہیگا اور اس کے بعد فیج اعوج کا زمانہ شروع ہوجائیگا جو ایک ہزار سال کی اندھیری رات ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں حضرات خیر القرون کے اندر ہی گذرے ہیں۔ خدا انکی مساعی جمیلہ کو اور بھی برومند کرے اور ان پر بڑی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔ جیسا کہ تین سو برس بعد آنحضرت سرور کائنات تک کوئی بزرگ اس "فارسی الاصل" کا مصداق نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح ایک ہزار سال اس کے بعد تک بھی ایک ایسے زمانہ کی پیشگوئی ہے کہ جو فیج اعوج کا زمانہ ہوگا اور ایمان میں ایسے رخنے دن بدن پڑتے جائیں گے کہ آخر وہ دنیا سے قریباً اُٹھ ہی جائیگا۔ اس لیے اس ایمانی زوال کے زمانہ میں کوئی شخص اس پیشگوئی متعلقہ "شخص فارسی الاصل" کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ اب یہ بات دیکھنے ہیں کہ اس پیشگوئی کا مصداق کون صحیح طور پر قرار پا سکتا ہے جبکہ گذشتہ بحث میں قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوچکا ہے کہ زمانہ بعثت مصلح آخر زمان یہی زمانہ ہے۔ اور مسیح و مہدی اور "شخص فارسی الاصل" وغیرہ سب اسی مصلح کے نام ہیں۔ اور ٹھیک وقت پر حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوکر دعویٰ بھی کردیا ہے۔ تو اب اسبات کا فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ آیا ان تمام امور پر غور کرنیسے اس پیشگوئی کا صحیح مصداق یہ مدعی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ جب واقعات صحیحہ پر بکمال غور اور انصاف سے نظر ڈالی جاتی ہے تو صاف ثابت ہوجاتا ہے کہ عیسوی پیشگوئی "مسیح کے نزول ثانی" کی بابت اور اسلامی پیشگوئی جو "شخص فارسی الاصل" کی بعثت کے متعلق لکھی ہے وہ دونوں اسی مدعی کے وجود میں پوری ہوتی ہیں۔ اس بات کو ذرا زیادہ صفائی کے ساتھ سمجھنے کے لیے ہم پہلے اُس زمانہ پر نظر ڈالتے ہیں جبکہ ابھی انہوں نے دعویٰ نہ کیا تھا۔ ۱۸۸۰ء میں انہوں نے ایک ضخیم کتاب لکھی جسکا نام براہین احمدیہ رکھا۔ یہ کتاب دعوے سے قریباً دس برس پہلے کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مسیح کے نزول ثانی کے عقیدہ میں کچھ اختلاف نہیں کیا۔ بلکہ عام عقیدہ کے مطابق یہ بیان کیا ہے کہ اس سے یہی مراد ہے کہ وہ خود ہی آئیں گے۔ لیکن اسی کتاب میں انہوں نے اپنے رُویا اور مکاشفات درج کیے ہیں جن سے انکی روحانی مماثلت حضرت مسیح کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اور ایسے الہامات بھی لکھے ہیں جن میں انکو "مسیح" اور "شخص فارسی الاصل" کے خطابوں سے مخاطب کیا گیا ہے۔ اگرچہ بادی النظر میں بعض لوگوں کے لیے یہ شہادت کچھ متعارض سی معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت اس موعود کے صاف گوئی اور صدق دعوے پر ایک قطعی اور فیصلہ کن شہادت ہے۔ یہ کیسی بے بناوٹی اور صفائی طبع پر دلیل ہے کہ ایک شخص جو خود مسیح موعود بننے کا دعویٰ کرتا ہے وہ جب ابھی اپنے اس منصب پر مامور نہیں ہوا۔ نہیں جانتا کہ کل کو مجھے کیا عزت بخشی جاویگی۔ نہایت سادگی اور بے تکلفی سے وہی اعتقاد بیان

کرتا ہے جو عام طور پر مسلمانوں میں مروج ہے۔ خود بے تکلفی اور سچائی سے ایک طرف یہ عقیدہ بیان کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ الہامات درج کرتا ہے جو اُسے خدا کی طرف سے ہوئے اور جن کا مصداق ابھی تک نہیں سمجھا یا گیا۔ ایک طرف اس اعتقاد کا اظہار اور دوسری طرف یہ الہامات جو اعتقاد کے مخالف تھے ایک ہی کتاب میں لکھے موجود ہونا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ یہ الہامات ملہم کے دل کے بنائے ہوئے نہیں۔ بلکہ کسی ایسے زبردست کی طرف سے القا ہوئے ہیں جو کلام میں اپنے غالب ہے۔ اگر ایسا ہوتا کہ انکے دل میں خود مسیح موعود بننے کی اُمنگ ہوتی اور یہ الہامات اسی مقصود کو حاصل کرنیکے لیے خود تراشیدہ ہوتے۔ اور اس دعوے کی پٹڑی جمانیکے لیے پہلے منصوبہ بازی کا پیش خیمہ ہوتے تو اتنی احتیاط تو ضرور ہی کیجاتی اور کم از کم اتنا تو نہ لکھا جاتا کہ وہ مسیح ناصری ہی دقت موعودہ پر خود دوبارہ نازل ہوگا۔ یہ ایک ایسی زبردست بات ہے کہ جس سے الہام اور ملہم کی صداقت کا بڑا پختہ اور مضبوط ثبوت بہم پہنچتا ہے

ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ ان الہامات میں صاحب الہام کو مسیح ابن مریم کا روحانی طور پر مثیل کہا گیا ہے۔ جس کی نسبت لکھا ہوا ہے کہ وہ آخری زمانہ میں آئیگا۔ اور چونکہ یہ شہادت اس وقت بیان کی گئی تھی جس وقت انہیں خود مسیح موعود بننے کا ذرہ خیال بھی نہ تھا اس لیے اس کے امر واقع اور قطعی ہونیکا بڑا زبردست ثبوت ہے۔ براہین احمدیہ (جسکو شایع ہوئے چوتھائی صدی گذر چکی ہے) کے مندرجہ بعض الہامات اور رؤیا کو ہم ذیل میں لکھدیتے ہیں۔

ایک رُؤیا یہ ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "ایک موقعہ پر مسیح نے میرے ساتھ بیٹھکر ایک ہی برتن میں اور ایک ہی دسترخوان پر گائے کا گوشت کھایا۔ یہ کشفی حالت کا واقعہ تھا اور ایسا صاف کشف تھا جو بیداری کے ہمرنگ تھا اور بڑی غربت اور محبت سے اُس نے مجھے کہا کہ میں تمہارا بھائی ہوں"۔ اسی طرح ایک اور رؤیا بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی حالت میں، یہ اور وہ ایک ہی تھے۔ ایک الہام میں انہیں مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ "یا عیسیٰ انی متوفیک" یعنی اے عیسیٰ میں تجھے طبعی موت دیکر دنیا سے اُٹھاؤنگا۔ جس میں یہ بات مرکوز ہے کہ تجھے لوگوں کے ہاتھوں سے قتل نہ ہونے دونگا۔ ایک اور الہام میں لکھا ہے۔ لو کان الایمان معلقاً بالثریا لناله رجل من ابناء فارس یعنی اگر ایمان ثریا میں معلق ہو گیا ہو گا تو ابنائے فارس سے ایک مرد اسی پھیر لاویگا اس میں ملہم کو رجل من ابناء فارس کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے۔ اور پیشگوئی کے بیان میں اوپر یہ ذکر آچکا ہے کہ نبی آخر زمان کا ایک نام رجل من ابناء فارس بھی ہے۔ ایک اور الہام میں ہے خذوا التوحید التوحید یا ابناء فارس یعنی خدا کی توحید کو اے ابنائے فارس بہت محکم طور پر اختیار کرو۔ پھر ایک اور الہام یوں ہے۔ الذین یکفرون ویصدون عن سبیل اللہ رد علیہم رجل من فارس شکر اللہ سعیہ یعنی جو لوگ ایمان نہیں لائے اور خدا کی راہ سے لوگوں کو ہٹاتے ہیں۔ اُنکو ایک فارسی الاصل نے شکست دیدی۔ ان ساری پیشگوئیوں میں اس ملہم کو رجل من ابناء فارس اور فارسی الاصل کہا گیا ہے

اس کے متعلق ہم اس موقعہ پر اسی بات کے بیان کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب کے آباو اجداد فارس ہی سے آکر اس ملک میں آباد ہوئے تھے۔ جس پر تاریخ شاہد ہے۔

ان ابتدائی اور خارجی امور کے فیصلہ سے ہم اب اس حالت میں ہو گئے ہیں کہ اس نبی آخر زمان کے دعوے کی تصدیق کو سمجھنے کیلیے اندرونی شہادت پر غور کریں تا کہ ہر ایک منصف مزاج بلا لحاظ مذہب و ملت اس امر کو مان سکے واضح ہے کہ ایسی شہادت جو ہر حق جو کو اطمینان دلا سکے وہ معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس غرض کیلیے ہم ایک معجزہ ہی پیش کرنیکے لیے منتخب کریں گے۔ جس پر ایسا اعتراض نہیں عاید ہو سکتا جو عام طور پر مسلمہ معجزات پر وارد ہو سکتا ہے۔ ڈیود ہیوم نے معجزات پر ایک مضمون لکھا ہے اس مضمون میں وہ کہتا ہے "ساری تواریخ کے صفحات میں کسی معجزے کے مصدق کافی تعداد میں ایسے انسان نہیں پائے جاتے جنکی عقل تحصیل علمی۔ اور لیاقت اعتراضوں کے داغوں سے ایسی صاف ہو کہ جس سے ہمیں انکی ذات کی نسبت کسی طرح کی غل و غش کا احتمال نہ ہو۔ اور ایسا بے ریب خلوص اور صدق نیت رکھتے ہوں جس سے یقین ہو سکتا ہو کہ وہ دوسرے لوگوں کو گمراہی اور دھوکہ میں ڈالنے کے لیے حیلہ بازیوں کے ہر قسم کے اشتباہ سے بالاتر ہیں۔ اور لوگوں کی نظروں میں ایسی صاحب قبولیت اور عزت ہوں کہ اگر انکا کوئی ایک جھوٹ بھی معلوم ہو جائے تو اس سے انکی اس وقعت میں بہت فرق آنیکا اندیشہ ہو۔ اور ساتھ ہی اس کے ان واقعات کی شہادت دیتے ہوں جو ایسے پبلک طور پر اور ایسے مشہور حصہ دنیا میں واقع ہوئے ہوں کہ جہاں انکے نقصوں کا معلوم ہونا ناممکن نہ ہو۔ یہی سب وہ ضروری حالات ہیں کہ جن سے کسی انسان کی شہادت پر ہمیں پورے طور پر اطمینان ہو سکتا ہے"۔ یہ فقرات ایک ایسے شخص کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں جو معجزات کا بڑا منکر ہے۔ اور انہیں اُسنے وہ تمام وجوہ جمع کر دیے ہیں جن سے کسی معجزہ پر اعتراض اور انکار عاید ہو سکتا ہے۔ معجزات کی حقیقت کا انکار کرنیکے لیے یا ان کے غلط ثابت کرنیکے لیے ان سے بڑھکر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ عام طور پر جتنے مسیحی معجزات عیسائی دنیا میں مانے جاتے ہیں انمیں یہ تمام نقص بھی موجود ہیں اور پھر بھی وہ برابر اعجازی عزت دیے جاتے ہیں۔ لیکن ہم اسجگہ ایک ایسا معجزہ بیان کرتے ہیں جس کے برخلاف کوئی بھی ایسا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اور جس سے ان دعاوی کی حقیقت بوجہ احسن ثابت ہوتی ہے

جس معجزہ کے بیان کرنیکا ہم نے ذکر کیا ہے اسکا ثبوت ہر قسم کے اعتراض سے بری ہے۔ کیونکہ جس شہادت پر اس کی بنیاد ہے وہ ایسے آدمیوں کی گواہی نہیں .... جن کی نسبت کسی حیلہ یا دوسروں کو گمراہ کرنے یا دھوکہ دینے کا منصوبہ بنانیکا گمان ہو سکے۔ یہ ایک مشہور و معروف کتاب میں لکھی ہوئی گواہی ہے جو پچیس برس سے زیادہ عرصہ ہوا ہے کہ ہزارہا لوگوں میں شایع ہوئی۔ اور اب تک اسکی اشاعت روز افزوں ترقی پر ہے۔ اس کتاب کا نام براہین احمدیہ ہے اور حضرت میرزا غلام احمد صاحب کی تصنیف ہے۔ اور چار دفعہ چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کی چار جلدیں ہیں جو ۱۸۸۰ء

سے ۱۸۸۴ء تک کے عرصہ میں چھپیں۔ تیسری جلد ۱۸۸۲ء میں چھپی تھی اور اس کے صفحہ ۲۳۶ پر مصنف صاحب نے الہام الٰہی کی حقیقت کا بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کامل الہام وہ ہوتا ہے جس میں امور غیبی پر بطور پیشگوئی انسان خدا کی طرف سے مطلع کیا جاتا ہے۔ اور صفحہ ۲۳۸ پر لکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس قسم کے الہامات سے مجھے شرف بخشا ہے۔ چنانچہ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ "اس الہام کی مثالیں ہمارے پاس بہت ہیں۔ لیکن وہ جو ابھی اس حاشیہ کی تحریر کے وقت یعنی مارچ ۱۸۸۲ء میں ہوا ہے۔ جس میں یہ امر غیبی بطور پیشگوئی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس اشتہاری کتاب کے ذریعہ سے اور اس کے مضامین پر مطلع ہونے سے انجام کار مخالفین کو شکست فاش آیگی۔ اور حق کے طالبوں کو ہدایت ملیگی۔ اور بدعقیدگی دُور ہوگی۔ اور لوگ خدا تعالیٰ کے القا اور رجوع دلانے سے مدد کرینگے۔ اور متوجہ ہونگے اور آئیں گے وغیرہا من الامور" اور اُن الہامی کلمات میں سے بعض اسجگہ لکھے جاتے ہیں۔ الرحمٰن علم القرآن لتنذر قوماً ما انذر اباؤھم و لتستبین سبیل المجرمین قل انی امرت و انا اول المؤمنین۔۔۔۔۔۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔۔۔۔۔ یریدون ان یطفؤا نور اللہ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکٰفرون۔ سنلقی فی قلوبھم الرعب۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح وانتھٰی امر الزمان الینا۔ الیس ھٰذا بالحق۔ ۔۔۔۔ و یمکرون و یمکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔۔۔۔۔ الا ان روح اللہ قریب۔ الا ان نصر اللہ قریب۔ یاتیک من کل فجٍ عمیق۔ یاتون من کل فجٍ عمیق۔ ینصرک اللہ من عندہ ینصرک رجال نوحی الیھم من السمآء۔۔۔۔۔ لا الٰہ الا اللہ فاکتب و لیطبع و لیرسل فی الارض۔۔۔۔۔ واتل علیھم ما اوحی الیک من ربک۔ ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس۔ اصحاب الصفۃ وما ادرٰک ما اصحاب الصفۃ۔ تریٰ اعینھم تفیض من الدمع۔ یصلون علیک۔ ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان وداعیاً الی اللہ وسراجاً منیرا۔ املوا۔ ترجمہ۔ رحمٰن خدا نے خود تجھے قرآن اس لیے سکھلایا ہے۔ کہ تُو ان لوگوں کو ڈر سناوے جنکے باپ دادوں کو ڈر نہیں سنایا گیا۔ اور کہ تو مجرموں کی راہ کھولکر بیان کرے۔ کہدو! مجھے خدا نے اس منصب پر مامور فرمایا ہے۔ اور مَیں خدا کے حکم کو ماننے میں سب سے اول ہوں۔۔۔۔ خدا ہی وہ پاک ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دیکر مبعوث کیا۔ کہ تا اُسکا دوسرے تمام دینوں پر حُجج قاطعہ اور براہین ساطعہ سے غلبہ قایم کرے۔۔۔۔ منکر لوگ آرزو کریں گے کہ اُس نور کو جو خدا نے روشن کیا ہے اپنے مُنہ سے بجھا دیں۔ لیکن خدا ضرور ضرور اپنے نور کو کامل کریگا۔ ہم انکے دلوں میں بہت جلد رُعب القا کریں گے۔ جب خدا کی نصرت اور فتح آئیگی اور تمام معاملہ ہماری طرف پُہنچیگا تو پھر کہا جائیگا کہ کیا یہ سچ نہیں؟۔۔۔۔ تیری مخالفت کیلیے وہ باریک تدبیریں کرینگے اور خدا انکی ہلاکت

کے بیے حکمت اور تدبیر کو کام فرمائیگا اور یہ یقینی بات ہے کہ ہر مدبر سے خدا بڑھکر تدبیر کرنیوالا ہے۔ دیکھو! خدا کی رحمت یقیناً قریب ہے۔ دیکھو! خدا کی نصرت یقیناً بہت جلد پہنچنے والی ہے۔ ہر ایک دور و دراز راہ سے تیری طرف نصرت آئیگی۔ ہر ایک دور و دراز راہ سے لوگ تیری طرف اُمڈے چلے آئیں گے۔ خدا اپنے پاس سے تیری نصرت کریگا وہ لوگ جنہیں آسمان سے خدا وحی کریگا تیری مدد کیلیے آئیں گے۔ .... خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسلیے ان باتوں کو لکھ لو اور چھپوا کر تمام ملکوں میں شایع کر دو ..... اور جو کچھ تیرے خدا نے تجھ پر وحی کی ہے وہ لوگوں کو سنا دو۔ اور خلق اللہ سے چیں بجبیں نہ ہونا نہ ہی ان سے جب وہ جوق جوق تیرے پاس آویں تھکنا۔ تجھے اصحاب صُفہ بھی دیے جائیں گے اور تجھے کیا ادراک ہے۔ کہ اصحاب صُفّہ کیا ہونگے۔ وہ ایسے لوگ ہونگے کہ جنکی آنکھوں سے تُو آنسو بہتے دیکھے گا۔ اور وہ تیرے پر درود بھیجیں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے خدا ہم نے ایک بلانیوالے کی آواز سُن لی ہے۔ جو ہمیں ایمان کی طرف دعوت کرتا ہے۔ اور ایک داعی الی اللہ کی دعوت سُن لی ہے جو چمکتا ہوا آفتاب ہے۔ یہ سب باتیں لکھ لو۔"

مصنفِ براہین احمدیہ کے کثیر التعداد الہامات میں سے تھوڑے سے الہام ہمنے اسجگہ بطور نمونہ لکھے ہیں۔ جو انہیں خدا کی طرف سے ۱۸۸۲ء میں وحی ہوئے تھے اور اُس سال اُسی کتاب میں شایع بھی کر دیے گئے تھے۔ ان الہامات کا اردو میں ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔ انکے پڑھنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے۔ کہ مُلہم کی آیندہ زندگی کا دوران کیسا ہوگا۔ ایسا ہی کتاب مذکور کی چوتھی جلد میں کئی پیشگوئیاں اسی قسم کی لکھی ہوئی موجود ہیں۔ یہ جلد اُس سے دو سال بعد یعنی ۱۸۸۴ء میں شایع ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر ہمیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سے بھی چند پیشگوئیاں یہاں نقل کر دیں۔ چنانچہ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۴۸۵ پر ذیل کی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔ "چنانچہ کسیقدر عربی الہامات جو بعض عظیم الشان پیشگوئیوں اور احسانات الٰہیہ پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں مع ترجمہ لکھے جاتے ہیں۔ تا اگر خدا چاہے۔ تو طالب صادق کو ان سے فایدہ ہو اور نا مخالفوں کو بھی معلوم ہو کہ جس قوم پر خداوند کریم کی نظر عنایت ہوتی ہے اور جو لوگ راہ راست پر ہوتے ہیں۔ انسے کیونکر خداوند کریم اپنے مکالمات اور مخاطبات میں بہ مہربانی پیش آتا ہے۔ اور کیونکر ان تفصیلات سے پیش از وقوع اطلاع دیتا ہے جن کو اُس نے لطیف راہ سے اپنے وقتوں پر تیار کر رکھا ہے۔" اس تمہیدی عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مصنف کتاب کو کامل یقین ہے۔ کہ جو جو وعدے اُس کے ساتھ خدائے تعالیٰ نے کیے ہوئے ہیں۔ وہ سب ضرور پوری ہو کر رہیں گے۔ پھر اس کے بعد کتاب مذکور میں الہامات شروع ہوتے ہیں اور یہ حاشیہ نمبر ۳ میں مندرج ہیں۔ جو صفحہ ۵۶۲ تک جاتا ہے۔ ذیل میں ہم ان میں سے تھوڑے سے الہام مع اصل ترجمہ درج کرتے ہیں۔ ۱۔ انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی فحان ان تعان و تعرف بین الناس۔ ۲۔ ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکوراً (صفحہ ۴۸۹)

ترجمہ۔ تُو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میری توحید اور تفرید سو وہ وقت آگیا جو تیری مدد کیجائے اور تجھ کو لوگوں ہیں
مشہور و معروف کیا جائے۔ کیا انسان پر یعنی تجھ پر وہ وقت نہیں گذرا کہ تیرا دنیا میں کچھ بھی ذکر و تذکرہ نہ تھا۔
یعنی تجھ کو کوئی نہیں جانتا تھا کہ تو کون ہے۔ اور کیا چیز ہے اور کسی شمار و حساب میں نہ تھا یعنی کچھ نہ تھا۔ یہ گذشتہ
تلطفات و احسانات کا اشارہ ہے تا محسن حقیقی کے آیندہ فضلوں کیلیے ایک نمونہ ٹھہرے اور ثبات ثابت کرے کہ
ملہم جو اسوقت بالکل گمنام اور کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا تھا اور اُسکو اپنے گاؤں سے باہر کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اُسپر
ایک ایسا وقت آنیوالا ہے۔ کہ اُسکی شہرت اور عزت اور اُس کی تعلیمات کا غلبہ تمام دنیا پہ پھیل جائیگا۔ پھر صفحہ
۴۹۰ پر ہے۔ "نُصرت بالرعب و احییت بالصدق ایہا الصدیق۔ نصرت و قالوا لات
حین مناص۔ اردت ان استخلف فخلقت ادم۔ انی جاعل فی الارض۔ یعنی تو رعب کے ساتھ
مدد کیا گیا اور صدق کے ساتھ زندہ کیا گیا اے صدیق! تُو مدد کیا گیا۔ اور مخالفوں نے کہا کہ اب گریز کی جگہ نہیں۔ یعنی
امدادِ الٰہی اس حد تک پہنچ جائیگی کہ مخالفوں کے دل ٹوٹ جائیں گے اور انکے دلوں پر یاس مستولی ہو جائیگی اور حق
آشکارا ہو جائیگا۔ میں نے اپنی طرف سے خلیفہ کرنیکا ارادہ کیا سو میں نے آدم کو پیدا کیا میں زمین پر کرنیوالا ہوں۔ یہ
اختصاری کلمہ ہے۔ یعنی اُسکو قایم کرنیوالا ہوں۔ اسجگہ خلیفہ کے لفظ سے ایسا شخص مراد ہے کہ جو ارشاد اور
ہدایت کے لیے بین اللہ و بین الخلق واسطہ ہو۔ خلافت ظاہری کہ جو سلطنت اور حکمرانی پر اطلاق پاتی ہے مراد
نہیں ہے۔ اور نہ وہ بجز قریش کے کسی دوسرے کے لیے خدا کی طرف سے شریعت اسلام میں مسلم ہو سکتی ہے بلکہ
یہ محض روحانی مراتب اور روحانی نیابت کا ذکر ہے۔ اور آدم کے لفظ سے بھی وہ آدم جو ابوالبشر ہے مراد نہیں
بلکہ ایسا شخص مراد ہے۔ جس سے سلسلہ ارشاد اور ہدایت کا قایم ہو اور روحانی پیدایش کی بنیاد ڈالی جائے
گویا وہ روحانی زندگی کی رو سے حق کے طالبوں کا باپ ہے۔ اور یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ جس میں روحانی سلسلہ
کے قایم ہونیکی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ اُس سلسلہ کا نام و نشان نہیں" پھر اس کے بعد روحانی
آدم کا روحانی مرتبہ بیان فرمایا (صفحہ ۴۹۲-۴۹۳) اس مشہور و معروف کتاب کے صفحوں کے صفحے ایسے الہامات سے بھرے ہوئے
ہیں۔ جو اس ملہم کی عظیم الشان آیندہ کامیابیونکی پیشگوئی کرتے ہیں۔ لیکن اس موقع پر ہم نے انہیں چند الہامات
کے لکھنے پر اکتفا کیا ہے کیونکہ ہماری غرض یہ نہیں تھی کہ ہم سارے الہاموں کو اس موقع پر جمع کریں ہم امید کرتے ہیں
کہ یہ دو اقتباس ہی اس بات کے لیے کافی ہونگے کہ ہمارے ناظرین کو یہ بات ثابت ہو جائے کہ کس گمنامی کے زمانہ
میں کیسی بڑی اور عظیم الشان کامیابیونکی پیشگوئی ظاہر کیگئی ہے۔ ان واقعات کی بنا پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئیاں
ایسی عظیم الشان اور واضح اور صاف ہیں کہ جن کی نظیر موجود نہیں۔ وہ سب حقایق ہیں۔ اور یہ حقایق ایسے ہیں۔
کہ جو شخص انکی صداقت کا ثبوت سمجھنے کیلیے ذرا بھی کوشش کرے تو اُسپر اُسکا کھل جانا بہت آسان ہے۔

یہ اُس قسم کا معجزہ نہیں کہ جسکے دیکھنے اور تصدیق کرنیوالوں پر کسی قسم کے اعتراضات ہوسکیں۔ کیونکہ اسکی شہادت اور تصدیق زبانی نہیں بلکہ نہایت صاف اور واضح الفاظ میں تحریری تصدیق اور شہادت ہے جو چوتھائی صدی سے چھپکر شایع ہوچکی ہے۔ اور جسکے بیان و الفاظ میں کوئی تغیر نہ واقعہ ہوا ہی اور نہ ہوسکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی غالی اور مداح کے مبالغہ کا رنگ کارگر ہوسکتا ہے۔ کتاب براہین احمدیہ جس میں یہ پیشگوئیاں درج ہیں اسکی ہر جلد کے ٹائٹل پیج پر اور اسکے ہر اشتہار پر تاریخہائے اشاعت لکھی ہوئی موجود ہیں۔ اور یہ ایک ایسی ثابت شدہ بات ہے کہ جس سے کوئی سمجھدار انسان انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر کسی صاحب کے انکار کا جنون یہانتک بڑھ گیا ہو اور اس کی اشاعت کے زمانہ کا مزید ثبوت حاصل کرنیکے درپے ہو تو وہ سرکاری کاغذات میں سے تسلی کرلیوے۔ اور شہر لنڈن کے برٹش میوزیم میں دیکھ لیوے جہاں اسکی جلدیں موجود ہیں۔ براہین احمدیہ کوئی ایسی گمنام کتاب نہ تھی کہ جس کی اشاعت بھی ہوگئی ہو اور پبلک نے اسکو دیکھا بھی نہ ہو۔ بلکہ یہ ایک ایسی مشہور کتاب ہے کہ شایع ہوتے ہی سارے ہندوستان میں اسکی دھوم مچگئی۔ اور کئی مخالف و موافق ریویو اسپر شایع ہوئے۔ یہ تو ایک پہلوان کی طرح ملک کے میدان میں کھڑے ہوکر سارے اہل مذہب کو للکار للکار کر پکار رہی تھی کہ جو کوئی چاہے میرا مقابلہ کرے اور اسلام کی تائید میں جو دلایل قرآن شریف سے مجھ میں لکھے ہیں اُنہیں توڑنے اور اپنے مذہب کی تائید میں اُسی قسم کے زبردست دلایل دکھلانے میں کامیاب ہو تو دس ہزار روپیہ کا انعام مصنف سے پائے۔ پھر طرفہ یہ کہ اس مضمون کے ہزارہا اشتہارات اردو و انگریزی میں چھاپکر سارے ہندوستان بلکہ ساری دنیا کے ہر ملت و مذہب کے لوگوں کو پہنچائے گئے۔ ان ساری باتوں سے پایا جاتا ہے کہ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں تھی اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ یہ اسی زمانہ میں شایع ہوچکی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اور مذکورہ بالا عظیم الشان پیشین گوئیاں بھی اسی زمانہ کی شایع شدہ ہیں۔ اسلیے اس بات سے انکار کی کوئی گنجایش نہیں ہوسکتی کہ یہ پیشین گوئیاں اسی طرح اسکے ساتھ ہی بکثرت شایع ہوئیں۔ اور ہر دشمن و دوست اور اپنے پرائے کے ہاتھ میں پہنچیں اور ایسے زمانہ میں پہنچیں جو آج سے پچیس سال پیشتر تھا۔ امر اشاعت کے بعد دوسرا امر دیکھنے والا ان پیشگوئیوں کا نفس مضمون ہے۔ ان میں خبر دیگئی ہے کہ ملہم پر ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے کہ جب ہر دور کی راہ سے لوگ اُس کے پاس جوق جوق آئیں گے۔ اور ان زایرین کی اتنی کثرت ہوگی کہ وہ تھکا دینے والی ہوگی۔ یہ بھی خبر دیگئی ہے کہ اسکی سخت مخالفت کیجائیگی۔ اور تمام مخالفت خدا کے دست قدرت سے دُور کردیجائیگی۔ یہ پیشگوئیاں ایک معجزہ ہیں۔ اور اس امر کے مزید ثبوت کے لیے یہ امر دکھانا ضروری ہے کہ جسوقت ملہم نے اسکو بیان کیا تھا اسوقت نہ تو اسکا کوئی مرید ہی تھا اور نہ ہی کوئی مخالف ایسا تھا جو اُسے تباہ کرنے اور نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہو۔ اب اس پیشگوئی کے پورا ہونے اور معجزہ کی تکمیل کو ثابت کرنیکے لیے ضروری ہے کہ یہ تمام باتیں جیسی کہی گئی ہیں اُسی طرح انکا پورا ہونا بھی ثابت کیا جائے۔ اس لیے

ہم اب اس بارہ میں عہدہ برآ ہونیکی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور سب سے پہلے امر اول کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اس امر کے ثبوت میں جو شہادت موجود ہے وہ صرف چند ایسے آدمیوں کی شہادت نہیں جن کو اس کے ساتھ کسی نہ کسی قسم کا ذاتی تعلق ہے۔ نہ ہی وہ لوگ گواہی میں پیش کیے جاتے ہیں جن کی نسبت کسی طرح سے ایسا گمان ہو سکتا ہو کہ انکی نیت میں دوسروں کو دھوکہ اور گمراہی میں ڈالنا مرکوز تھا۔ یہاں تو کسی دوست کی شہادت پیش ہی نہیں کیجاتی بلکہ دشمنوں کی شہادت دیجاتی ہے۔ حضرت ممدوح کے خطرناک جانی دشمن اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جسوقت کتاب براہین احمدیہ اور اُس کے مندرجہ مذکورہ بالا الہامات شایع کیے گئے تھے اُس زمانہ میں وہ کنج خلوت میں تنہا اور گمنام انسان تھا۔ اور یہ ایسا مسلمہ امر ہے کہ لاکھوں لوگوں نے طرح طرح سے مخالفت میں حیلہ سازیاں اور منصوبے کیے اور بہت کچھ ناحق باتیں بھی بنائیں۔ لیکن اس امر کا کسی طرح سے انکار نہ کرسکے۔ علاوہ بریں جو الہامی عبارات اوپر درج کی گئی ہیں اُنسے صاف طور پر پیدا ہو رہا ہے کیونکہ ان پیشگوئیوں کی اشاعت سے پہلے ایک عبارت موجود ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ان مبارک پیشگوئیوں میں اللہ تعالیٰ جو اپنے بندہ کو اسکی تائید کی خبریں پیش از وقوع بتلاتا ہے اور بڑے بڑے عمیق رازوں اور اسرار عالیہ کا بہت حیرت انگیز طور پر انکشاف فرماتا ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جو شخص ان باتوں کو غور سے دیکھتا ہے اور صاف اور پاک نظر سے اُنکی عظمت اور وقوع پر غور کرتا ہے اسکو بلا اختیار ایک ضروری اور جازم یقین سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ خدا کے مُنہ کی باتیں ہیں۔ اور اُسی کی عطا کردہ تائیدیں ہیں۔ اور یہ کہ یہ تمام مواہب لدنیہ اور برکات و انوار الہیہ جن سے ہر ایک مذہب محروم ہو چکا ہے صرف اسلام ہی میں موجود اور محصور و محدود ہیں۔ اور اسکے سوائے کہیں پائی نہیں جاتیں۔ ان کشوف اور الہامات کے اسقدر عرصہ دراز قبل از وقوع لکھنے کا یہ باعث تھا کہ جسوقت یہ آیندہ زمانہ میں پورے ہوں تو اسکی حقیقت حقہ کو ہر ایک آدمی بہ یقین کامل سمجھ لے اور یہ بات عیاں ہو جائے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اور اُس کے بزرگ مُنہ کی باتیں ہیں۔ پس اس رنگ میں ان امور کا لکھنا خود ثابت کرتا ہے کہ یہ پیشگوئیاں بطور ایک معجزہ کے پیش کیگئی تھیں۔ اور اگر انکا پورا ہونا معجزہ نہ ہوتا تو اسیوقت یہ اعتراض کیا جاتا۔ انہی پیشگوئیوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اُس کی سخت مخالفت کیجائیگی۔ اور یہ امر محتاج بیان نہیں کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب کی جسقدر مخالفت کیگئی ہے اسکی نظیر صرف انبیاء کے حالات میں مل سکتی ہے کوئی پہلو مخالفت کا مخالفوں نے نہیں چھوڑا۔ اور انپر الزام لگانیمیں جھوٹ کی کسی شق کو اُٹھا نہیں رکھا۔ اگر ان پیشگوئیوں کی اشاعت کے وقت حضرت ممدوح کا کوئی بھی مرید ہوتا تو کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ مخالف اس امر سے خاموش بیٹھے رہتے۔ لیکن وہ اسوقت ایسے گمنام تھے کہ جس جس مخالف نے اس وقت ان پیشگوئیوں کو دیکھا یا سُنا اُس نے مضحکہ اُڑایا اور ٹھٹھا مارا۔ کیونکہ وہ ان کو امر محال اور ناممکن سمجھتے تھے۔ اور قیاس کیونکر ایسی باتوں کے کسیوقت پورا ہونیکو مان سکتا تھا۔ کیونکہ معمولی اس

بات کا وجود بھی نہ تھا۔ قادیان جیسے گمنام گاؤں میں جہاں نہ کوئی دینی مکتب مدرسہ تھا اور نہ کوئی ذریعہ حصول علوم موجود تھا
اور نہ ہی وہ کسی مشہور و معروف شہر کا کوئی حصہ ہی تھا وہاں بیٹھے ہوئے ایک گمنام خلوت نشین درویش مزاج للکار کر کہہ رہا ہے
کہ عنقریب ایک وقت آنیوالا ہے کہ میری زیارت کے لیے میری خدمت کے لیے مجھ سے فیض حاصل کرنیکے لیے چار اطراف عالم سے
لوگ بھاگے چلے آوینگے۔ اور بہت کثرت سے آوینگے۔ ایسی حالت میں اسپر مضحکہ نہ اُڑایا جاتا تو اور کیا کیا جاتا۔ کون مان سکتا
تھا کہ ایسی باتیں کبھی پوری ہو سکیں گی، اور ایک تیسری بات بھی ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ ان پیشگوئیوں کے بیان
کرنیکے وقت حضرت ممدوح ایک گمنام انسان تھے۔ جنہیں شہرت جانتی ہی نہ تھی۔ اور کوئی انکا مرید اور ساتھی نہ تھا۔ یہ وہ
شہادت ہے جو خود مضمون الہامات سے ملتی ہے۔ ہم نے ابھی کچھ حصہ اسکا اوپر دونوں پیشگوئیوں کے ذکر میں لکھدیا ہے جنہیں سے
ایک میں لکھا ہے کہ وہ وقت قریب آرہا ہے کہ جب لوگوں میں تو پہچانا جائیگا جسکا ماحصل یہ ہے کہ اُسوقت لوگ آپ کو نہ
جانتے تھے۔ اور ایک اور الہام سے پکا تنہا اور گمنام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہے هل اتى على الانسان
حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا الخ یعنی کیا تجھ پر وہ وقت نہیں آیا کہ جب تیرا ذکر ہی دنیا میں نہ تھا"
یعنی کوئی نہ جانتا تھا کہ تُو کون ہے۔ اس الہام میں ملہم کو اپنی موجودہ حالت آیندہ کامیابی کی زمانہ میں یاد کرائی گئی ہے ایسا
ہی ایک اور الہام ہے جس میں بطور دعا یہ پیشگوئی درج ہے اور وہ یہ ہے۔ رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین
یعنی اے میرے خدا مجھے تنہائی کی حالت میں رہنے دیجو۔ اور تو خیر الوارثین ہے" اس سے ثابت ہے کہ اُسوقت ملہم تنہا اور گمنام تھا۔
اب صرف ایک اس بات کو ثابت کرنا باقی ہے کہ آیا فی الحقیقت یہ پیشگوئیاں وقوع میں آئیں اور پوری ہوئیں یا نہیں؟
یہ ایک ایسی عیاں بات ہے کہ جو مزید ثبوت کی محتاج نہیں۔ حضرت ممدوح نے جس سلسلہ کو قایم کیا ہے اسکا نام سلسلہ
عالیہ احمدیہ ہے۔ اور یہ سلسلہ قریباً دنیا کے ہر گوشہ میں پھیلا ہوا ہے۔ اور ہر ایک آدمی اس سے واقف ہے اگر کسی صاحب کو
اس بات پر اطمینان نہ ہو اور وہ اس آفتاب کی طرح عیان حقیقت پر مزید ثبوت چاہتے ہوں۔ وہ خود اسکی تحقیقات کرکے
اطمینان حاصل کرلیں۔ اس گمنام اور تنہا شخص کے مریدوں کی تعداد اب کئی لاکھ ہوگئی ہے اور دن بدن ترقی پر ہے لوگ
جوق درجوق اطراف عالم سے ہر روز قادیان میں حضور ممدوح کی خدمت میں چلے آتے ہیں اور برکت صحبت اور دیدار سے
شرف فیض حاصل کرتے ہیں۔ اور کئی مرتبہ سال میں اسقدر جم غفیر جمع ہو جاتا ہے کہ مصافحہ کیلیے ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے
ہی انسان تھک جاتا ہے۔ اور یہ حال دیکھ دیکھ کر خدا کے کلمات لا تصعر لخلق الله ولا تسئم من الناس
آفتاب نصف النہار کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں۔ اور انہیں پورا ہوتے دیکھ کر ایمان وعرفان بڑھتا ہے۔ اگر بنظر عمیق غور
کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ پیشگوئی بہت ہی عظیم الشان اور بہت ہی قابل قدر ہے۔ اور یہ ایسا زبردست اور
صریح النبوت معجزہ ہے کہ جس کے برابر ثبوت کی صفائی کے پہلو سے انبیائے بنی اسرائیل کی تواریخ میں کوئی نظیر نہیں
پائی جاتی۔ اس الہام میں یہ پیشگوئی ہے کہ ملہم ایک عظیم الشان انسان ہوگا۔ اور سخت ترین مخالفتوں کی بوچھاڑ میں

اسکی فتوحات اور کامیابیاں کامل ہو جائینگی۔ اس سے صاف طور پر عیاں ہو رہا ہے کہ خطرناک مقابلہ حق و باطل کا ہوگا۔ اور اہل باطل اس ملہم کو نیست و نابود کرنیکے لیے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھیں گے۔ یہی مطلب الہام یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھہم واللہ متم نورہ سے پایا جاتا ہے۔ ایک دوسرے الہام کا یہ مضمون ہے کہ آخر کار جب باوجود خطرناک مخالفتوں کے خدا تعالیٰ کی نصرت یہانتک اسکا ساتھ دیگی کہ وہ کامیاب اور ناصر و منصور ہو جائیگا۔ تو دشمن ان کامیابیوں کو دیکھ کر مایوسی میں گرفتار ہو جائیں گے۔ اور اُنکو اسوقت معلوم ہو جائیگا کہ انکی مخالفتوں نے انہیں کچھ بھی فایدہ نہ دیا۔ بلکہ خدا کے زبردست ہاتھ نے ملہم کی تائید ایسی زبردستی سے کی کہ انکے سب منصوبے خاک میں مل گئے۔ غرض براہین احمدیہ میں بہت سارے الہامات سے پتہ ملتا ہے کہ اس ملہم کی سخت مخالفت کیجائیگی۔ اور انجام کار تمام مخالفین خاک میں مل جائیں گی۔

واضح رہے کہ اس کتاب کے شایع ہونیسے آٹھ برس بعد تک ملہم ایسی ہی حالت میں رہا۔ نہ کوئی سلسلہ ہی قایم ہوا اور نہ ہی کوئی مخالفت پیش آئی۔ پھر اسکے بعد خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک نیا سلسلہ جسکا نام اوپر سلسلہ احمدیہ بیان کر دیا گیا ہے قایم کیا گیا۔ اس سلسلہ کے قایم ہوتے ہی مخالفوں میں عداوت کا ایسا جوش پیدا ہوا کہ چاروں طرف سے بہت زور کی مخالفت اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اس کی پرورش ایسے زور آور طور پر ہوئی کہ کسی انسان کا بجز تائید ربانی کے اس کے مقابل میں کامیاب ہونا تو درکنار کھڑے رہنا بھی ممکن نہ تھا۔ سارا ہندوستان ایک سرے سے دوسرے سرے تک مخالفت پر تل پڑا۔ مولوی لوگوں نے قلمیں اُٹھا کر مسیح موعودؑ کی تکفیر کے فتوے دیکر جاہلوں میں جوش پھیلایا۔ اور حضرت ممدوح کے مریدوں کو بھی کافر ٹھہرا کر ہر قسم کے جور و غضب و افترا کو انکے برخلاف کام لانیکو جائز قرار دیا۔ اس بیچاری غریب اور تھوڑی سی جماعت کو طرح طرح کے مظالم کا شکار بنایا۔ انہیں اپنی سوسائٹی سے کاٹ دیا۔ اور انکا مسجدوں میں داخل ہونا منع کر دیا۔ اور فتویٰ دیدیا کہ ان کے مسجد میں داخل ہونے سے مسجد ناپاک ہو جاتی ہے۔ اور انکی میتوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن ہونے سے روکنے کا فتویٰ دیا اور اعلان کر دیا کہ یہ ناپاک ہیں۔ اور انکے دفن ہونے سے قبرستان ناپاک ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی فتویٰ دیا گیا کہ انکے نکاح نکاح نہیں ہر ایک مسلمان پر جائز بلکہ واجب ہے کہ انکی عورتیں اور انکے اموال و املاک ہر طرح سے چھین لے۔ اور یہ بھی فتویٰ دیا گیا کہ جو شخص اس مدعی مسیحیت و مہدویت کو قتل کریگا اسکو بہت بڑا ثواب ملے گا۔ اور یہ بھی فتویٰ دیا گیا کہ انکو نقصان پہنچانیکے لیے ہر قسم کا جھوٹ۔ فریب۔ دغا۔ خیانت بدنیتی وغیرہ جائز بلکہ کار ثواب ہیں۔ الغرض اس طرح جہلا کو مخالفت پر آمادہ کرنے اور انکے غیظ و غضب کو بھڑکانے میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی۔ یہ ایسی حالت ہو گئی تھی کہ اگر انسان ہی کا منصوبہ ہوتا تو یہ سلسلہ کبھی کا تباہ ہو گیا ہوتا۔ لیکن یہ خدائی ہاتھ اور خدائی وعدے تھے کہ جس نے یہ ساری مخالفت تہ خاک ملا دی۔ اور اس سلسلہ کی ترقی شروع ہو گئی۔ اور اسکی قوت و تعداد روز افزوں ہوتی گئی۔ یہانتک کہ آج تک تین لاکھ سے زیادہ انسان حلقہ بیعت میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہ تمام باتیں اس بات کا صریح ثبوت ہیں کہ یہ ایک عظیم الشان

معجزہ ہے جس سے اس مدعیٔ مسیحیت و مہدویت کے دعاوی کی تصدیق اور خداوند قادر مطلق اور علام الغیوب کی ہستی کا ثبوت کامل طور پر ملتا ہے۔ آج سے پچیس بلکہ اس سے بھی زیادہ برس پہلے جبکہ ملہم اکیلا اور بے یارو مددگار تھا۔ نہ اُسکو کچھ شہرت ہی حاصل تھی اور نہ کوئی مرید ہی رکھتا تھا۔ تو اس حال میں اُسکو بشارت دی گئی کہ تُو اکیلا نہیں چھوڑا جائیگا۔ بلکہ تجھے متبعین کی جماعت کثیر دیجائیگی۔ اور دنیا کے ہر اطراف و اکناف اور دُور دُور سے لوگوں کا اتنا ہجوم تیرے پاس آتا رہیگا کہ تُو تھک جائیگا۔ اور وہ تیرے سلسلہ کی اشاعت میں تیری مدد کریں گے۔ پھر ایک اور امر جو پیشین گوئی میں درج تھا یہ تھا کہ مخالف لوگ اپنی کوششوں اور حیلہ بازیوں سے اُس نور کو بجھانا اور مٹانا چاہیں گے جو خدا تعالیٰ نے تیرے ہاتھ سے منوّر کرایا ہے۔ لیکن انکی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی اور سب منصوبے نیست و نابود کیے جائیں گے۔ ان پیشگوئیوں کی اشاعت اور انکے پورے ہونے کے ثبوت پر ایسا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا جو عام طور پر معجزات کی صداقت سمجھنے پر ہوسکتے ہیں۔ کوئی عقلمند انسان کبھی باور نہیں کرسکتا کہ یہ حیرت انگیز انکشاف اسرار غیبیہ جن کے سمجھنے سے قیاس و وہم قطعی طور پر عاجز ہیں۔ کسی انسانی تخمینہ و اندازہ سے بیان کیے جاسکتے ہیں بلکہ صرف اُس علام الغیوب قادر مطلق خدا کے الہام ہی کے ذریعہ سے ایسے امور قبل از وقت بیان کیے جانے ممکن ہیں۔ اُسوقت کوئی سبب ایسا موجود نہ تھا کہ جس سے کوئی فہیم سے فہیم یا دانا سے دانا انسان بھی ایک لحہ کے لیے قیاس کرسکتا کہ ایسا گمنام اور خلوت نشین بے یار و مددگار انسان جسے دنیا میں کوئی جانتا بھی نہ تھا اور جو ایک گمنام گاؤں میں بگوشۂ عزلت پڑا ہوا تھا کسی دن لاکھوں انسانوں کا امام و پیشوا ہوسکے گا۔ اگر انسانی طاقت ایسے امور اس طرح منکشف کرسکتی ہے تو پھر اسکی اور مثالیں بھی موجود ہونی ضروری ہیں۔ یہ ایسی عظیم الشان پیشگوئی ہے کہ جس کے ہر پہلو پر نگاہ ڈالنے سے اس کی عظمت ہی ثابت ہوتی ہے۔ جب ہم اس پیشگوئی پر نظر کرتے ہیں کہ لوگ اس کے پورا ہونے کی راہ میں مخالفت کی وجہ سے طرح طرح کی رُکاوٹیں ڈالیں گے۔ اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ تھا کہ ان تمام رُکاوٹوں کو پیس پا کرکے وہ اپنے وعدوں کو پورا کرکے چھوڑیگا۔ اور وقوع میں بھی اسی طرح آیا۔ تو کیا کسی انسان کی طاقت ہے کہ وہ ساری دنیا کو ایسا چیلنج کرے اور پھر یقیناً کامیاب ہو؟ ہرگز نہیں! بلکہ انسان تو یقین کے ساتھ اتنا بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کل تک زندہ رہیگا۔

یہانتک تو ہم نے مختصر طور پر ثبوت پیش کردیے ہیں۔ اب انہیں بیان کرنیکے بعد ہم ہر ایک راستی کے طلبگار۔ دہریہ عیسائی۔ ہندو۔ مسلمان یا دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی خدمت میں اپیل کرتے ہیں۔ جو لوگ خدا کو مانتے ہیں اور اُسکی ہستی اور قدرتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ انکی خدمت میں اس کے بزرگ نام سے ہم اپیل کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اُسکو نہیں مانتے اور اُسکی ہستی پر یقین نہیں رکھتے انکی خدمت میں انصاف اور راستی کے نام سے ہم اپیل کرتے ہیں۔ اور اُن سے استفسار کرتے ہیں کہ بحالات مندرجہ بالا یہ شہادت جو ہم نے لکھی ہے اس بات کے ثبوت کے وجوہ پیدا کرنیکے لیے کافی ہے کہ نہیں کہ ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے سے جو معجزہ ظاہر ہوا ہے وہ انسانی طاقت اور قیاس سے باہر ہے؟

ہر ایک حق جو حق پسند پر لازم ہے کہ اس شہادت کا موازنہ کرے اور ان واقعات پر غور کرے۔ اور اس غور و خوض کے بعد اگر کوئی معقول وجہ اُسے ایسی نظر آوے کہ جس سے کوئی معقول اعتراض اس نتیجہ کے یقینی ہونے پر عاید ہو سکتا ہے تو از راہ انصاف پروری و حق جوئی اُس سے مجھے اطلاع دیں کہ مَیں اُسکے دور کرنیکی اور انکو اطمینان دلانے کی کوشش کروں۔ بہت لوگ مسیح موعودؑ کے متعلق بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور بہت لکھیں گے۔ لیکن ہم معقول پسند لوگوں کے انصاف کو اپیل کرتے ہیں کہ سب سے پہلے وہ ان امور کی تحقیقات کر لیں۔ اور اس معجزہ پر اپنا فیصلہ ظاہر کرنیکے بعد کسی اور طرف متوجہ ہوں۔

قرآن کریم کی حفاظت اور جمع

(۱) قرآن کریم کی حفاظت کا الٰہی وعدہ

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون (سورۃ الحجر آیت ۹) یعنی "اس قرآن کو ہم نے آپ ہی نازل کیا ہے اور اسکی حفاظت ہم خود ہی کرینگے"۔ خداوند کریم جو عیب اور نقص سے پاک ہے اس کے وعدوں کو جب دیکھا جاتا ہے اور پھر اُنکے پورا ہونے پر غور کیا جاتا ہے تو اسکی عظمت اور جلال پر دل اور بھی زیادہ ایمان اور عرفان سے معمور ہوتا ہے اور جس عیاں اور زبردست طور پر اُسکے وعدے پورے ہوتے ہیں انکا اعتراف نہ صرف مومن ہی کو ہوتا ہے بلکہ غیر مومن بھی طوعاً و کرہاً اُسپر گواہی دینے کیلیے مجبور ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ الٰہی جو آیت مندرجہ عنوان میں دیا گیا تھا جس عظمت اور صفائی کے ساتھ اُس کے پورا ہونیکی حقیقت دنیا پر آجتک ثابت اور ظاہر ہوئی ہے وہ ایسی روز روشن کی طرح چمکتی ہے کہ بڑے بڑے مخالفان قرآن کریم بھی انکی واقفیت اور حقیقت پر بے ساختہ شہادت دے اُٹھے ہیں۔ ہم اسجگہ ایک بڑے پرلے درجہ کے دشمن اسلام کے الفاظ ہی نقل کرنے پر کفایت کرینگے جسکا نام سر ولیم میور ہے اور جس نے پادریوں کو صلیب پرستی کی مسلمانوں میں ترویج اور تبلیغ و اشاعت کی امداد اور اسلام کی مخالفت کیلیے کتاب لائف آف محمدؐ لکھی اور شایع کی تھی۔ اس کتاب کے دیباچہ کے صفحہ ۲۱ (طبع سوم) پر اس نے قرآن کریم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جہانتک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس (قرآن کریم) کی طرح بارہ[12] صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو"۔ اور پھر ایک دوسرے عیسائی وان ہیمر کا قول نقل کرتا ہے کہ "ہم ایسے ہی یقین کے ساتھ قرآن (شریف) کو بعینہٖ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مُنہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اسی

خدا کا کلام سمجھتے ہیں" جس میں صاف اعتراف اس بات کا پایا جاتا ہے کہ جو قرآن شریف اسوقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے یہ بلا کم وکاست وہی قرآن کریم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ اور اسکی کسی عبارت یا کسی لفظ میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی۔

یہاں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے اسباب اور حالات تھے جن کی وساطت سے یہ مقدس ترین کتاب ہمیں بغیر کسی تحریف اور آمیزش کے ٹھیک اسی طرح پہنچی جس طرح ہمارے سید ومولی حضرت محمد مصطفےٰ صلعم پر نازل ہوئی تھی؟ ان اسباب کا تعلق مذہب اسلام کی تاریخ کے دو مختلف زمانوں کے ساتھ ہے یعنی اول زمانہ حیات نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرا زمانہ خلفائے راشدین جنہوں نے کمال دیانت اور امانت کے ساتھ اس مقدس کلام کو آئندہ نسلوں تک ٹھیک اسی طرح پہنچایا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے چھوڑا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور کی طرف سے ایک کتاب مسمی بہ تاویل القرآن اُردو زبان میں شایع ہوئی تھی جس کے مصنف نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ اس کتاب میں گمنام مصنف نے آیت مذکورہ عنوان کے متعلق بھی خامہ فرسائی کرنیکی جرأت کی ہے اور لکھا ہے کہ اس آیت میں الذکر سے مراد مطلق قرآن شریف نہیں بلکہ تمام کتب سماوی مراد ہیں پس قبل ان اسباب کو بیان کرنے کے جنکا ذکر اوپر ہوا ہے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مصنف تاویل القرآن کی غلطی کو ظاہر کیا جاوے۔ اس میں شک نہیں کہ لفظ ذکر جیسا قرآن شریف کے لیے بولا گیا ہے دوسری کتب سماوی کے لیے بھی بولا گیا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا اس خاص موقعہ پر جہاں آیت زیر بحث میں یہ لفظ آیا ہے وہاں مراد اس سے قرآن کریم ہے۔ یا جملہ کتب سماوی۔ سو خود قرآن کریم کے پڑھنے سے اور آیت زیر بحث کے ماقبل اور مابعد پر غور کرنیسے یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔ آیت مذکورہ سورہ حجر کی نویں آیت ہے ، اور سورہ شریفہ اسطرح پر شروع ہوتی ہے۔ الٓر۔ تلك آيات الكتب و قرانٍ مبين۔ اور پھر چھٹی آیت سے آیت زیر بحث تک کلام الٰہی میں یوں وارد ہوا ہے و قالوا يايها الذى نزل عليه الذكر انك لمجنون۔ لوما تاتينا بالملٓئكة ان كنت من الصدقين۔ ما ننزل الملائكة الا بالحق وما كانوا اذاً منظرين۔ انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون

ترجمہ:" اور کافروں نے کہا کہ اے شخص جس پر الذکر اُتارا گیا ہے تو تو دیوانہ ہی۔ اگر تو سچا ہے تو فرشتوں کو ہمارے سامنے کیوں نہیں لاکھڑا کرتا۔ سو ہم فرشتوں کو نہیں بھیجا کرتے مگر فیصلہ کے لیے۔ اور (جب فرشتے نازل ہونگے تو) پھر انکو مہلت بھی نہ ملیگی۔ بیشک ہم ہی نے الذکر اُتارا ہے اور بیشک ہم ہی اسکی حفاظت بھی کرینگے"۔ ان چار آیتوں میں دو جگہ لفظ الذکر آیا ہے۔ اور سلسلہ کلام سے ظاہر ہے کہ جو کچھ الذکر سے پہلی یعنی چھٹی آیت میں مراد ہے وہی مراد آخری یعنی نویں آیت یا آیت زیر بحث میں ہے۔ لیکن پہلی جگہ لفظ الذکر سے صاف مراد قرآن شریف ہی وہی قرآن مبین جسکا ذکر شروع سورۃ میں ہے۔ کیونکہ کافروں کا خطاب صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے ہی پس الذکر سے مراد قرآن شریف ہی ہوا نہ جملہ کتب سماوی۔ اور یہی مراد اس لفظ سے دونوں جگہ ہے۔ اسی بات کی تائید قرآن کریم کی اور آیات سے بھی ہوتی ہے مثلاً سورۃ حٰم السجدہ کی آیات ۴۱-۴۲ میں بعینہٖ اسی مضمون کو دوہرایا گیا ہے۔ ان الذین کفروا بالذکر لما جاءھم وانہ لکتاب عزیز۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ ترجمہ:۔ جن لوگوں کے پاس (قرآن جیسی) نصیحت آئی اور انہوں نے اسکو نہ مانا (وہ بھی اپنا انجام کار دیکھ لیں گے) اور یہ (قرآن) تو بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ کہ جھوٹ نہ تو اس کے آگے (ہی کیطرف) سے اُسکے پاس پھٹکنے پاتا ہے اور نہ اس کے پیچھے (کیطرف) سے (کیونکہ) حکمت والے سزاوار حمد (وثنا یعنی خدا) کی اُتاری ہوئی ہے۔" ایسا ہی اور بھی کئی آیات ہیں جو صاف طور سے اعلان کر رہی ہیں کہ قرآن شریف میں شروع ہی سے یہ الٰہی وعدہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو ہر قسم کی تحریف۔ آمیزش۔ تغیر و تبدل اور بربادی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھے گا۔ ابتدائی زمانہ سے ہی مسلمانوں کا یہ اعتقاد چلا آتا ہے کہ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کو ہر قسم کے حملوں اور تصرف سے محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ حضرت مجاہد اور قتادہ جو تابعین میں سب سے پہلے مفسران قرآن ہیں وہ بھی اسپر اتفاق رکھتے ہیں کہ آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون۔ اور آیت لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید سے یہی مطلب ہے کہ اس کلام پاک میں کوئی ایسا لفظ نہیں ڈالا جائے گا جو کلام الٰہی نہ ہو۔ اور نہ ہی کوئی حصہ کلام الٰہی اس میں درج ہونے سے رہ جائیگا یا درج ہونیکے بعد نکالا جاسکیگا۔ ایسا ہی یہ دونوں بزرگ اور انکے علاوہ تمام مفسرین قرآن کریم اس بات پر متفق ہیں کہ الذکر سے مراد ان دونوں آیات میں قرآن کریم ہی ہے۔ دیکھو تفسیر ابن جریر جلد ۱۴ صفحہ ۶ و جلد ۲۴ صفحہ ۷۱-۷۲۔ غرض یہ ایک ایسی بین اور ثابت شدہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کے پہلے اور پچھلے مفسرین ان آیات حفاظت قرآن کریم کے متعلق وہی اعتقاد رکھتے تھے جو آجکل مسلمانوں میں متفقہ طور پر مروّج و مسلّم ہے۔ اور اس امر کی کافی شہادت موجود ہے۔ اب ایسی صریح اور ثابت شدہ حقیقت پر جو آفتاب نصف النہار کی طرح چمک رہی ہے بے اعتباری کا پردہ ڈالنا ایک بیہودہ اور احمقانہ کوشش نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے۔ مصنف تاویل القرآن نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ کسی وعدے کا وجود اس بات کو ثابت نہیں کرسکتا کہ اُسکا ایفا بھی ہوگیا۔ اور اس لیے وعدہ خود ثبوت نہیں ہوسکتا۔ ان کے اس خیال کے ساتھ تو ہم اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن انہیں اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ اس وعدے کے ساتھ ایسے واقعات موجود ہیں جن پر نگاہ انصاف ڈالنے سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ اس وعدہ کا ایفا نہایت صفائی اور عمدگی کے ساتھ ہوا ہے۔ کیونکہ اگر یہ وعدہ پورا نہ ہوا ہوتا تو اور قرآن کریم میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کو دخل ہوگیا ہوتا۔ تو یہ ضروری تھا کہ ان دو باتوں میں سے ایک ضرور واقع

ہوتی یعنی یا تو جن لوگوں نے ان تصرفات و تغیرات کو دیکھا تھا یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم وہ اس کے کلام الٰہی ہونیکا انکار کرتے۔ یا ان آیات بینات کی جن میں حفاظت قرآن کا وعدہ ہے موجودہ تفسیر کے سوا کوئی اور تعبیر و تاویل کرتے لیکن یہ یقینی اور قطعی بات ہے کہ اسوجہ پر کسی نے قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے سے انکار نہیں کیا۔ بعض لوگ مرتد ضرور ہوئے مگر اس بنا پر کہ یہ وعدہ پورا نہیں ہوا کوئی مرتد نہیں ہوا اور نہ ہی کسی صحابی نے آیات وعدہ حفاظت قرآن کی کوئی اور تفسیر یا تاویل کی۔ بلکہ سب کے سب بالاتفاق اسی اعتقاد پر جمے رہے اور ایک صحابی کا نام بھی نہیں بتایا جاسکتا جس نے ان دو شقوں میں سے کوئی ایک اختیار کی ہو۔ بلکہ جن معنوں کا پتہ ہمیں تابعین سے ملتا ہے جن کے معلم اجلہ صحابہ تھے وہ وہی معنے ہیں جو ہم نے اوپر اختیار کیے ہیں اور جن کی بنا پر شروع سے لیکر آجتک تمام مسلمان قرآن کریم کی حفاظت کے الٰہی وعدے کو سچا یقین کرتے چلے آئے ہیں۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان لفظوں کے یہی معنے کرتے تھے۔ انکے سوا کوئی اور مطلب ان الفاظ کا ان سے کہیں ثابت نہیں۔ اگر وہ ان الفاظ کے کوئی اور معنے کرجاتے تو ضرور تھا کہ وہ ہم تک بھی پہنچتے۔ جیسا کہ ایک اور پیشگوئی کی تفسیر اور معنے بیان کرنے میں ہوا اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایکدفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اسرعکن لحوقابی اطولکن یدا جس کے ظاہر معنے یہ ہیں کہ تم میں سے مجھے بعد وفات وہی پہلے ملے گی جس کے لمبے ہاتھ ہیں۔ چنانچہ وہ حدیث جو صحیح مسلم میں بروایت حضرت عائشہ اُم المومنین درج ہے۔ ذیل میں نقل کیجاتی ہے عن عایشۃ اُم المؤمنین قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسرعکن لحاقابی اطولکن یدا فکن یتطاولن ایتھن اطول یدا قالت فکانت اطولنا یدا زینب لانہا کانت تعمل بیدھا وتصدق

ترجمہ۔ "حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے مجھ کو جلدی وہ ملے گی۔ جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی نے فرمایا۔ یہ بات سُنکر تمام ازواج مطہرات اپنے اپنے ہاتھ اِس بات کے دریافت کرنیکے لیے ناپنے لگیں کہ کس کے سب سے لمبے ہاتھ ہیں۔ پھر آخر کار زینب رض کے ہاتھ اُنکی سخاوت کی وجہ سے اس حدیث کی منشاء کے مطابق سب سے لمبے ثابت ہوئے" ان مقدس بیبیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سُنکر اس کے یہی معنے سمجھے کہ گویا اِس سے مراد جسمانی طور پر لمبے ہاتھ ہیں۔ اور اسی غلط فہمی سے ایکدوسرے سے ہاتھوں کو ناپنا شروع کردیا۔ لیکن احادیث کی کتابیں ایسی احتیاط اور امانتداری سے لکھی گئی ہیں کہ کسی قسم کی رعایت کے بغیر تمام امور کو درج کردیا گیا ہے۔ اُنکی یہ غلطی بھی حدیثوں میں صاف طور پر درج ہے اور اس کے صحیح معنے بھی کھلے طور پر لکھے ہوئے موجود ہیں چنانچہ امام نووی نے اِس حدیث کے معنے یہ لکھے ہیں۔ معنی الحدیث انہن ظنن ان المراد بطول الید طول الید الحقیقیۃ وھی الجارحۃ

فكن يذرعن ايديهن بقصبة فكانت سودة اطولهن جارحة وكانت زينب اطولهن يدا فى الصدقة وفعل الخير فماتت زينب اولهن فعلموا ان المراد طول اليد فى الصدقة والجود قال اهل اللغة يقال فلان طويل اليد وطويل الباع اذا كان سمحا جوادا- یعنی اس حدیث کے یہ معنے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلعم کی بیویوں نے یہی سمجھا تھا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد فی الحقیقۃ لفظی طور پر لمبے ہاتھ ہی ہیں۔ اور اس لیے انہوں نے اپنے ہاتھوں کی لمبائی کو ناپنا شروع کر دیا۔ ناپنے سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کی بیوی سودہؓ کے ہاتھ جسمانی طور پر لمبے تھے۔ اور حضرت زینبؓ صدقہ وخیرات میں سب سے دست دراز رکھتی تھیں۔ اور وہ ہی سب سے پہلے فوت ہوئیں۔ اُسوقت انکو معلوم ہو گیا کہ اس حدیث کے اصل معنے یہ تھے کہ لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت اور خیرات اور صدقہ میں سب سے سبقت اور فوقیت تھی نہ کہ جسمانی پیمایش۔ اہل لغت ایسے فقرات کے یہی معنے کرتے ہیں چنانچہ جب کہتے ہیں کہ فلان طویل الباع یا فلان طویل الید تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے کہ فُلاں شخص بہت بڑا سخی اور فیاض طبع ہے۔ (دیکھو نووی حاشیہ مسلم) ایسا ہی حضرت امام بخاری اور مشہور ومعروف صاحب فتح الباری بھی اس امر پر متفق ہیں کہ اس حدیث کے معنے ازواج مطہرات نے پہلے یہی سمجھے تھے۔ لیکن بعد میں اُنپر منکشف ہو گیا کہ اسکے معنے وہ نہیں جو انہوں نے سمجھے ہوئے تھے بلکہ سخاوت اور فیاضی میں سبقت مراد تھی۔ (دیکھو بخاری باب صدقات)

غرض اسلامی لٹریچر میں دین کو ایسا مقدم رکھا گیا ہے کہ کسی شخص نے کسی کی کبھی کچھ رعایت نہیں کی اور نہ ہی کسی کا پاس خاطر سے کبھی کسی امر کا اخفا یا کم وبیش کر کے لکھا گیا۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے ایک حدیث کے سمجھنے میں غلطی کھائی تو اکثر معتبر کتابوں میں اسکا ذکر موجود ہے۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی تھی اگرچہ یہ پیشگوئی قرآن کریم کا کوئی حصہ نہ تھی لیکن آنحضرت صلعم کی فرمائی ہوئی تھی اس لیے وہ اپنے صحیح منطوق کے ساتھ پوری ہوئی۔ یعنی حضرت بیوی زینبؓ جو جود وسخا اور کرم وفیض میں سب بیویوں سے بڑھی ہوئی تھیں سب سے پہلے فوت ہوئیں اور سودہؓ پہلے فوت نہ ہوئیں جنکے ہاتھ جسمانی طور پر لمبے تھے جبکہ ایسی معمولی درجہ کی باتوں کے اختلافات اور معانی احادیث میں اسقدر دیانتداری اور احتیاط کے ساتھ درج ہیں تو قرآن کریم کی حفاظت کے وعدوں کی آیات جو ایک پہلو سے اصول اسلام میں شمار ہوتی ہیں اور ایسی اہم اور ضروری ہیں کہ ہر ایک کو انکے معانی کے ساتھ بڑا بھاری تعلق ہے تو ایسے اہم امر کی متعلقہ آیات کے لفظی معنوں اور اس عظیم الشان وعدہ کے ظاہری رنگ میں پورا ہونے میں ذرہ بھی اختلاف اور انحراف واقعہ ہوتا تو نہایت ضروری تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کثیر اس طرف جاتی کہ اس پیشگوئی سے مراد اسکا ظاہری الفاظ میں پورا ہونا نہیں بلکہ اس سے کچھ اور مطلب ہے۔ اور وہ مطلب بیان کرتے اور آیندہ نسلوں کو اس سے مطلع کرتے۔ لیکن حدیث کے کتنے بڑے ذخیرے میں

کہیں کبھی جگہ صحیح اور مستند تو کیا کوئی ضعیف سی ضعیف حدیث بھی اس بات کی تائید میں نہیں ملتی جس میں صراحت سے نہ بھی کنایۃً ہی یہ اشارہ ہو کہ یہ وعدہ الٰہی اپنے ظاہری معنوں میں پورا نہ ہوا تھا اور اسکی تاویل یہ کی گئی تھی کسی حدیث میں اس بات کا صراحتاً یا کنایتاً ذکر نہ ہونا ایک ایسی زبردست دلیل قرآن کریم کے محفوظ رہنے کی ہے کہ اسکے بعد کسی دلیل کے دینے کی حاجت نہیں رہتی - اور اس سے قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے اور ان کی زندگیوں میں ایک حرف کی بھی تحریف یا تغیر تبدل یا کمی زیادتی نہیں ہوئی بلکہ صحابہ رضؓ کرام کے بعد بھی ہم یہی بات دیکھتے ہیں چنانچہ وہ بزرگ قوم تابعین جنہوں نے بڑی محنتوں اور مشکلات سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور دین کی خاطر صحابہؓ سے قرآن شریف سیکھا تھا اور احادیث حاصل کی تھیں اور انکی صحبت سے بہرہ اندوز ہوئے تھے اس امر پر متفق ہیں کہ ان آیات سے یہی مراد ہے کہ قرآن شریف میں کوئی تصرف اور آمیزش کبھی راہ نہ پائے گی - اور خدا اس کی خود نگہبانی کرتا رہے گا - اس تمام تحریر سے یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ آنحضرت صلعم کے اصحابؓ قرآن شریف کی حفاظت کی پیشگوئی مندرجہ قرآن کریم کا پورا ہونا ظاہری الفاظ کے موافق مانتے تھے - اور اسپر یقین کامل رکھتے تھے کہ یہ کلام الٰہی ہے - اور یہ وعدہ الٰہی ہے - اگر کسی طرح سے وہ اس وعدہ الٰہی میں تجاوز محسوس کرتے اور اس بات کو دیکھ پاتے کہ قرآن شریف میں کوئی تصرف اور تحریف کسی طرح سے واقعہ ہو گیا ہے تو ایسے جوانمرد راستبازی کے عاشق سچائی کے حامی اور شیدائی کبھی خاموشی اختیار نہ کرتے - لیکن ساری اسلامی تواریخ کے اوراق دیکھ لو کہیں ایک حرف بھی ایسا نہ پاؤ گے کہ جس سے صراحتاً نہ سہی اشارتاً ہی اس کی تائید ہوتی ہو - کہیں یہ نہیں دیکھو گے کہ صحابہؓ کی جماعت بلکہ ان کے کسی ایک فرد متنفس نے بھی اس وجہ پر آنحضرت صلعم کی صداقت پر حرف رکھا ہو - اسلامی تاریخ دوسرے مذاہب کی تاریخ کی طرح مخفی اور تاریک نہیں بلکہ نہایت مکمل اور مفصل اور معتبر تاریخ موجود ہے - اسلیے یہ خیال کرنا سراسر غلط اور دھوکہ دہ ہو گا کہ ایسا عظیم الشان اور اہم امر واقعہ ہوا ہو اور چھوڑ دیا گیا ہو یا وہ متاخرین کی نظروں سے ہی اُٹھا رہا ہو - صحابہؓ کے حالات دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسے لوگ نہ تھے کہ اس پیشگوئی کو بظاہر ناکام دیکھ لیتے اور خاموش بیٹھے رہتے - وہ ایسے دلیر اور سچائی کے لیے شجاع تھے کہ اگر کہیں ذرہ سا شک بھی انکی طبیعت میں کسی امر پر پیدا ہوتا تو وہ بہت آزادی سے بیان کرتے - یہانتک کہ اگر کوئی شبہ یا وسوسہ ان کے دلوں میں کسی وقت رہگیر ہوتا تو وہ آنحضرت سرور کائنات صلعم کے حضور میں بھی آزادی تمام پیش کر دیتے - اور کبھی نہ رُکتے - ہم اُن کی اس جرأت کے متعلق بطور مثال ایک واقعہ کو پیش کرتے ہیں - اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے رؤیا میں دیکھا کہ آپ (صلعم) مع جماعت طواف بیت اللہ کر رہے ہیں - چونکہ یہ رؤیا منجانب اللہ تھا - اس لیے چودہ سو سے کچھ زیادہ جماعت صحابہؓ لے کر آپ (صلعم) مدینہ سے مکہ معظمہ کیطرف بارادہ حج روانہ ہو پڑے ...... جب آپؐ مع جماعت حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو قریش مکہ اپنی جمعیت لیکر مقابلہ کیلیے آگئے

اور مزاحم ہوئے اور کہا کہ ہم اس سے آگے تمھیں بڑھنے نہیں دینگے۔ بہت ساری قیل و قال کے بعد اس مقام پر فریقین کے درمیان صلح تجویز ہوئی جس کا نام صلح حدیبیہ ہے اس صلح کی رو سے نہ صرف آنحضرت صلعم کو وہیں سے مدینہ کی طرف واپس ہونا ہی پڑا بلکہ اور بھی بعض ایسی باتیں منظور کرنی پڑیں جو صحابہؓ کو ناگوار گذریں۔ یہ شرائط عام طور پر مسلمانوں پر شاق گذریں کیونکہ انہیں حج کرنے کے بغیر وہیں سے واپس جانا پڑا۔ اسپر حضرت عمرؓ حضور رسالت مآب صلعم میں حاضر ہوئے اور مسلمانوں کے خیالات کو بدیں الفاظ پیش کیا۔ فقال عمر بن الخطاب فاتیت نبي الله صلی الله علیه وسلم فقلت الست نبي الله حقا؟ قال بلی! قلت السنا علی الحق وعدونا علی الباطل؟ قال بلی! قلت فلم نعطی الدنیة فی دیننا اذا۔ قال انی رسول الله ولست اعصیه وهو ناصری قلت اولیس کنت تحدثنا انا سنأتی البیت فنطوف به؟ قال بلی! افاخبرتك انا نأتیه العام قال قلت لا قال فانك آتیه ومطوف به۔ یعنی حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے فرمایا۔ پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ خدا کے برحق رسول نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں بیشک میں خدا کا رسول برحق ہوں! پھر مینے عرض کیا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں بیشک! پھر مینے عرض کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ایسی مضر شرائط کو قبول کریں جو ہمارے دین کو نقصان پہنچانیوالی ہیں۔ اسپر آپ نے فرمایا کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ میں خدا کا رسول ہوں اور میں اسکے حکم کی نافرمانی نہیں کرتا اور وہی میرا مددگار ہے۔ مینے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپنے یہ نہ فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ میں پہنچیں گے اور طواف کرینگے؟ آپنے فرمایا ہاں! لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال وہاں پہنچیں گے؟ پھر مینے جواب دیا نہیں! پھر آپنے فرمایا کہ بیشک تم بیت اللہ میں پہنچوگے اور طواف کروگے (بخاری کتاب الشروط)۔ اب جائے غور ہے کہ جو جرأت اور استقلال اور ہمت خدا تعالیٰ نے حضرت عمرؓ ابن الخطاب کو عطا کی ہوئی تھی اس سے دنیا میں کوئی شخص بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اور جس طرح وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی خادم تھے وہ بھی تمام جہان کو معلوم ہے۔ ایسا جلیل القدر انسان اپنے مکرم معظم مخدوم کی خدمت میں صرف اتنی بات پر اتنی بڑی جرأت سے بھرے ہوئے سوال کرتا ہے۔ اور وہ بات ہی کیا تھی صرف یہی کہ آنحضرت صلعم نے کفار مکہ کے روکنے سے حج کے ارادہ کو سال آیندہ پر ملتوی کر دیا تھا۔ اور صلح کے شرائط منظور کرکے حدیبیہ ہی سے مدینہ کی طرف مراجعت کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ جب ہم حضرت عمرؓ کا ایمان آنحضرت صلعم پر دیکھتے ہیں اور انکی اس بات پر غور کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے آپ کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے اور یہ بھی جانتے اور مانتے تھے کہ وہ جو کام کرتے ہیں خدا ہی کے حکم سے کرتے ہیں۔ پھر ایسے ایمان کے باوجود ایسے سوال انکے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ حق کیلیے ایسے بہادر تھے کہ ذرا سی بات کو بھی فروگذاشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اسوقت تک صبر نہ کیا جبتک کہ انکی

خاطرخواہ تسلی نہ ہوگئی اور امر حق اُنکو نہ معلوم ہوگیا کہ حضور سرورِ کائنات صلعم کا رؤیا بالکل صحیح اور حق تھا لیکن اسمیں یہ شرط نہ تھی کہ حج اسی سال میں ہوگا بلکہ اس میں صرف حج کا وعدہ دیا گیا تھا جسکا وقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم تھا۔ اور محض حدیبیہ سے لوٹ جانے اور اس سال میں حج کرنے سے قاصر رہنے سے یہ نہیں قرار دیا جاسکتا کہ وہ رؤیا غلط تھا۔ وہ رؤیا ضرور پورا ہوا لیکن آیندہ سال میں۔ صحابہؓ نے جبتک اس تسلی بخش تفسیر رؤیا سے خبر نہ پالی اُسوقت تک خاموش نہ ہوئے اور انکے دلوں کی بےچینی دور نہ ہوئی۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو یہ ایک ہی حدیث اسبات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب کبھی کسی امر میں شبہ یا وسوسہ پیدا ہوتا تو انکی عادت تھی کہ نہایت آزادی کے ساتھ اسکو حضرت رسالت مآب صلعم کے حضور میں پیش کر دیتے۔ اور جب تک تسلی نہ ہوتی خاموش نہ ہوتے اسلیے یہ یقینی بات ہے کہ اگر قرآن شریف میں ایک ذرہ تحریف یا تغیر و تبدل یا تصرف بھی واقعہ ہوتا تو اس پیشگوئی کی صداقت پر بہت زبردست اعتراض انکی طرف سے وارد ہوتے۔ اور یہ ضروری تھا کہ ایسے اعتراضات آیندہ نسلوں میں بھی مشتہر اور معروف ہوتے۔ لیکن تمام اسلامی کتب میں کہیں کوئی ایسی روایت موجود نہیں۔ اس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ کبھی کوئی وسوسہ قرآن کریم کی تحریف و تصرف کی بابت پیدا ہی نہیں ہوا۔ اور اس سے یہ بات صریح طور سے ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف ہر قسم کے تصرفات و تحریفات و تغیرات سے پاک رہا ہے اور جس طرح آنحضرت صلعم سے صحابہؓ نے سیکھا تھا اسی طرح بلا کم و کاست آجتک موجود ہے۔ جس سے اس پیشگوئی کا منجانب اللہ ہونا اور اس کی صداقت ثابت ہے۔

مصنف تاویل القرآن نے محض بے سمجھی سے ابن ماجہ کی ایک حدیث نقل کی ہے جسکا مطلب اس نے یہ لکھا ہے کہ قرآن شریف پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب یہ سب کا سب اُٹھا لیا جائیگا یہانتک کہ ایک آیت بھی باقی نہ چھوڑی جائیگی۔ اور اس مطلب سے اُس نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جبکہ یہ جایز ہے کہ سارا قرآن شریف دنیا سے اٹھ جائے اور ایک آیت بھی اسکی روئے زمین پر باقی نہ رہے تو پھر بھی وعدہ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون میں کچھ فرق نہیں آسکتا تو پھر اگر قرآن شریف کا کوئی حصہ گم ہوجائے یا اسمیں کوئی تصرف اور تحریف کر لیجائے تو اس وعدہ حفاظت میں کیونکر فرق آنا جایز تسلیم ہو سکتا ہے۔ اول تو اس پردہ نشین عیسائی مصنف نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ ابن ماجہ مسلمانوں میں اُن کتب میں سے نہیں مانی جاتی جن کی سند پر انکو سب سے اول درجہ پر ایمان ہے مسلمان اس کی روایات کو قرآن شریف کی آیات اور صحیح بخاری وغیرہ کی صحیح احادیث پر حاکم نہیں سمجھتے قرآن شریف کے وعدہ کے مقابلہ میں ایسی بات کو لکھ کر اپنے اس دعوے کی تائید کرنا کہ حفاظت الذکر سے قرآن شریف کی حفاظت مراد نہیں راقم کی مطلق حماقت اور بے سمجھی پر دلیل بیّن ہے۔ ماسوائے اسکے یہ امر سمجھنا اسکو لیے بہت ضروری تھا کہ قرآن شریف کے اُٹھائے جانے سے مراد یہ نہیں کہ اسکی عبارت اور الفاظ کسی زمانہ میں دنیا

سے اُٹھا لیے جائیں گے۔ یہ تو نہایت لغو تعبیر ہے۔ اس کا صاف اور مسلم مطلب یہی ہے کہ مغز قرآن جہان سے اُٹھ جائیگا۔ یعنی ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ جب لوگوں کی زبان پر قرآن ہوگا مگر انکی عملی زندگیوں سے وہ خارج ہوگا۔ بخاری اور مسلم میں جو احادیث صحیحہ اس مضمون پر آئی ہیں انسے صاف پایا جاتا ہے کہ علم قرآن علما کے نہ ہونیکی وجہ سے قبض کرلیا جائیگا نہ کہ اس کے الفاظ کے قبض کرلیے جانیکی وجہ سے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کتاب العلم میں یہ حدیث آئی ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلماء یعنی عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ علم کو لوگوں میں سے چھین کر نہیں لے جائیگا بلکہ علماء کے قبض کرنیسے علم قبض کریگا۔ ایسا ہی بیہقی نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جب اسلام سے کچھ نہ رہیگا مگر صرف اسکا نام۔ اور قرآن سے کچھ نہ رہیگا مگر اس کے الفاظ۔ چنانچہ مشکوٰۃ کتاب العلم میں یہ حدیث آئی ہے۔ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدیٰ۔ علماءھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود۔ یعنی حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ جب اسلام میں سے کچھ نہ رہیگا مگر اسکا نام۔ اور قرآن میں سے کچھ نہ رہیگا مگر اسکے الفاظ۔ انکی مسجدیں معمور ہونگی لیکن ہدایت کے نہ ہونیکے سبب سے حقیقت میں ویران ہونگی۔ اور انکے علماء بگڑ کر ایسے خراب ہو گئے ہونگے کہ پردۂ آسمان کے نیچے اُنسے بڑھکر بُرا کوئی نہ ہوگا۔ اُنسے ہی فتنہ نکلیگا اور انہیں میں عود کرکے داخل ہوگا۔

اب صاف ظاہر ہے کہ قرآن اُٹھائے جانیسے یہ مراد نہیں ہوسکتی کہ گویا جسقدر قرآن لوگوں کے گھروں میں الکھے اور چھپے پڑے ہیں یا جسقدر قرآن کتبخانوں اور دکانوں اور مسجدوں اور مقدس مقامات میں موجود ہیں وہ سب کے سب کسی روز دنیا سے اُٹھا لیے جاویں گے۔ اور جن لوگوں نے بڑی محنتوں سے اسکو کلًا یا جزًا حفظ کیا ہوا ہے انکے حافظوں سے بھی اسکو سلب کیا جائیگا جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی عبادات بھی دنیا سے معدوم ہوجائیں گی اور اسوجہ سے اسلام ہی دنیا سے رخصت ہوجائیگا۔ ایسا کبھی ممکن نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی کبھی ابن ماجہ کی یہ منشا ہوسکتی ہے۔ خدا تعالیٰ تو اپنے اس دین قویم کو ابدالآباد تک زندہ رکھے گا۔ اور اب تو جو ہزار سال کی نحوست کی کالی رات کی گھٹائیں اسپر منڈلا رہی تھیں وہ بھی گذر گئی ہیں اور آفتاب نصف النہار ہدایت و معرفت الٰہی چڑھ آیا ہے اور وہ دن آگئے ہیں کہ جب ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کی پیشگوئی اپنا اصلی رنگ دکھائیگی۔ مصنف تاویل القرآن کے بُرا ماننے اور اپنے دل کی معاندانہ ہوائی امنگوں کو

اس رنگ میں بیان کرنیسے کیا ہو سکتا ہے کاش وہ حدیث ابن ماجہ کے ان الفاظ کا مطلب سمجھنے کے لیے اپنے ناقص علم پر ہی حصر نہ کرتا بلکہ اگر انصاف اور حق پژوہی سے اُسے غرض تھی تو کسی واقف کار سے پوچھ لیتا اور مذکورہ بالا احادیث کے سوا ذرا ترمذی۔ احمد حنبل۔ اور دارمی سے اسی امر کی شہادت لے لیتا۔ تو پھر اس کو اچھی طرح معلوم ہو جاتا کہ تمام محدثین کا اس کے کونسے معنوں پر اتفاق ہے۔ اور کون شخص مصنف تاویل القرآن کے ساتھ متفق ہے۔ مشکوٰۃ کتاب العلم میں ایک حدیث لکھی ہے جو ذیل میں نقل کیجاتی ہے۔ عن زیاد بن لبید قال ذکر النبی صلی اللہ علیه وسلم شیئاً فقال ذاك عند اوان ذهاب العلم۔ قلت یا رسول الله کیف یذهب العلم ونحن نقرأ القرآن ونقرءه ابناءنا ویقرؤه ابناءنا ابناءهم الی یوم القیامة فقال ثکلتك امك زیاد ان کنت لاراك من افقه رجل بالمدینة اولیس هذه الیهود والنصارٰی یقرؤن التوراة والانجیل لایعملون بشیء مما فیهما یعنی زیاد بن لبید سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ کسی امر کے واقعہ ہونے کے متعلق فرمایا کہ وہ علم کے گم ہو جانیکے زمانہ میں واقعہ ہوگا۔ میں نے اسپر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علم مفقود ہو جاویگا جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں۔ اور ہماری اولاد اپنی اولاد کو پڑھائے گی اور یہ سلسلہ روز قیامت تک چلا جائیگا۔ یہ بات سُنکر آنحضرت صلعم نے فرمایا اے زیاد! تیری ما تجھ سے محروم ہو جائے!! میں تو سمجھتا تھا کہ مدینہ میں تُو ایک بڑا دانا آدمی ہے۔ کیا یہ یہود اور نصارٰی تورات و انجیل کو نہیں پڑھتے لیکن وہ انکی کسی بات پر عمل نہیں کرتے"۔ اب اس حدیث سے ہمارے مقصود پر اور بھی زیادہ روشنی پڑتی ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم نے بیان فرمایا کہ کسی زمانہ میں علم گم ہو جائیگا تو معًا ایک صحابی نے یہ سمجھکر کہ علم کے معنے صرف پڑھنے پڑھانے کے ہیں عرض کیا کہ جبکہ ہم خود قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں اور ہماری اولاد میں یہ سلسلہ تعلیم و تعلم قرآن شریف تا قیامت جاری رہیگا تو پھر علم گم کیونکر ہو جائیگا۔ چنانچہ اسکی تشریح خود آنحضور صلعم نے یہود اور نصارٰی کی مثال پیش کر کے فرما دی۔ یعنی علم سے مراد یہ نہیں کہ کتاب الٰہی کو طوطی کی طرح پڑھتے ہیں بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ اسپر عمل کیا جائے۔ اور علم گم ہونے سے یہی مطلب ہے کہ گویا لوگوں میں سے عمل قرآن اُٹھ جائیگا نہ کہ اسکے الفاظ اور عبارات۔

مصنف تاویل القرآن نے ہماری تائید میں اپنے ذاتی نمونہ سے ایک بیّن ثبوت دیدیا ہے۔ کہ جبکہ انجیلی تعلیم کی رو سے اُسکا فرض تھا کہ وہ ایسے امور میں خصوصیت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی حق پژدہی اور انصاف اور دیانتداری اور تقوے سے کام لے۔ اور دجل و مکر سے نہ اپنے نفس کو دھوکہ دینے کی کوشش کرے اور نہ دوسروں کو گمراہی اور فریب میں ڈالنے کی طرف متوجہ ہو۔ تو اس تعلیم کے موجود ہوتے ہوئے بھی اس نے اسپر عمل نہیں کیا۔ ہم اُسکی نسبت

اتنی بدظنی تو نہیں کر سکتے کہ وہ اس تعلیم سے ناواقف ہوگا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ضرور واقف ہوگا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اُس نے اسپر عمل کیا ہے؟ اسکا جواب یہی ہے کہ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!! اس نے اس معاملہ میں انصاف اور دیانت سے کام نہیں لیا بلکہ اپنے نفس کو بھی دھوکہ میں ڈالا اور دوسرے لوگوں کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ کیا کوئی منصف مزاج انسان ایک لمحہ کے لیے بھی گمان کر سکتا ہے کہ ابن ماجہ کی روایت سے وہی مطلب قطعی طور پر نکلتا ہے جو مصنف تاویل القرآن نے لکھا ہے۔ کیا اسکی حق جوئی اور انصاف پسندی اسی میں تھی کہ ایک اہم کی بغیر علم اور بغیر تحقیقات اور بغیر مسلمات اپنی طرف سے منگھڑت تاویل کر دیتا۔ اور دوسری کتب میں اُسی حدیث کو نہ دیکھتا اور اگر دیکھا تھا تو عمداً لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اغماض کرتا۔ دراصل اُس حدیث کے یہی معنے ہیں کہ لوگ جانتے ہونگے اور پڑھتے اور لکھتے اور سنتے ہونگے مگر عمل نہیں کریں گے۔

جو باتیں اوپر لکھی جا چکی ہیں اُنسے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام صحابہؓ بہت واضح طور سے آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون کے یہی معنے سمجھتے تھے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہوا ہے کہ وہ قرآن کریم کو اُن ہر قسم کے تصرفات اور تحریفات سے محفوظ رکھیگا جو پہلی کتابوں کی تباہی کا موجب ہوئے۔ کوئی انسان کسی طرح سے اسمیں سے نہ کچھ نکال سکیگا اور نہ اس میں ایک نقطہ بڑھانے پر قادر ہوسکیگا بجنسہٖ جیساکہ نازل ہوا ویساہی تاقیامت موجود رہیگا۔ اور اس اہم اور زبردست وعدہ الٰہی کے متعلق کسی نے کبھی کوئی ذرا سا وسوسہ بھی پیش نہ کیا۔ آجتک جو کئی صدیاں گذر چکی ہیں بجنسہٖ وہی قرآن مجید ہم تک پہنچا ہے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوا تھا اور جسطرح آپنے اپنے صحابہؓ کو تعلیم کیا تھا۔ اس میں ایک سرمو کا فرق نہیں ہوا۔ ایک طرف اس زبردست وعدہ کا وجود اور دوسری طرف تواریخ کی سچی شہادت سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرآن شریف پر کسی قسم کا تصرف نہیں ہونے پایا اور اسکی تحریف و تبدیل ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی نہیں ہوئی۔ ان صریح شہادتوں کے علاوہ اور بھی بہت ساری باتیں ایسی ہیں جن سے یہ بات بطور نتیجہ دکنایہ ثابت ہوتی ہے۔ بطور مثال اسجگہ ہم ایک امر کا ذکر کرتے ہیں کہ اُسی زمانہ میں جب قرآن شریف کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وعدہ دیا گیا تھا کہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ ترجمہ۔ اے رسول! جو کچھ تم پر تمھارے رب کی طرف سے اترا ہے وہ لوگوں کو پہنچا دو۔ کیونکہ اگر تم اس کی تبلیغ نہ کروگے تو سمجھا جائے گا کہ تم نے اپنا منصب پیغام رسانی پورا نہیں کیا اور اللہ تمھیں لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ اس قسم کا وعدہ اور بھی بہت ساری آیات میں پایا جاتا ہے پس آنحضرت صلعم سے یہ بھی ایک وعدۂ الٰہی تھا کہ تمھارے دشمنوں کے بُرے خیالات اور گندے منصوبوں

اور ظالمانہ حملوں سے تمہاری حفاظت ہم خود کریں گے۔ اور اسی زمانہ میں حفاظت قرآن کا وعدہ بھی ہوا تھا۔ اور دونوں وعدے ایک ہی زبردست اور بے عیب ہستی کی طرف سے تھے جو تمام جہان کا مالک و خالق ہے۔ پہلے وعدہ کے پورا ہونیکا تعلق تو آنحضرت صلعم کی زندگی تک ہی تھا۔ اور دوسرے وعدہ کی ایفاء آپ کی وفات کے بعد سے شروع ہونیوالی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشن کو دو خطرناک خطرات کا سامنا تھا۔ اول یہ کہ آپ دشمنوں کے منصوبوں اور حملوں کا شکار ہو کر قتل ہو جاتے سو اگر یہ واقعہ اسطرح ہو جاتا تو پھر آپکا سارا کاروبار اور تمام سلسلہ اور کتاب الٰہی جو ابھی نازل ہو رہی تھی ناقص اور ناتمام رہ جاتے۔ اور دوسرا خطرہ یہ تھا کہ آپ کی وفات کے بعد اس مقدس کتاب میں بھی پہلی کتابوں کی طرح انسانی تصرفات سے تحریف و تبدل واقعہ ہو جاتا اور اسطرح اسلام تباہ ہوتا۔ آپ سے پہلے بعض انبیا کو لوگوں نے قتل بھی کر ڈالا تھا اور وہ کتابیں جو آپ سے پہلے انبیا پر لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی تھیں وہ انکے بعد محرف و مبدل ہو گئیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلعم کے مشن کو ان دو وعدوں سے نہایت مکمل کر دیا۔ انکی جان کی حفاظت ایسی کر دکھائی کہ باوجود دشمنوں کی اسقدر زور آوری اور جمعیت اور قوت کے اور باوجود آنحضور کی جمعیت کی قلت اور کمزوری کے خدا تعالیٰ نے انہیں ہر ایک حملہ و منصوبہ سے بچائے رکھا۔ اور کسی قاتل و غاصب کا انپر کوئی حملہ و منصوبہ پیش نہ جا سکا۔ جب انصاف اور غور سے اس زمانہ کے حالات پر نظر کیجاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وعدہ کا پورا ہونا کتاب کی حفاظت کے وعدہ کے ایفا سے بہت مشکل تھا۔ لیکن اس بات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ یہ وعدہ بلا کم و کاست پورا ہو چکا۔ مکہ میں بھی مخالفوں نے طرح طرح کے منصوبوں سے آنحضرت صلعم کی جان پر حملے کیے اور مدینہ میں بھی آپ کو قتل کرنیکے منصوبے کیے گئے۔ لیکن وہ سب میں ناکام و نامراد رہے۔ جب اس ایک وعدہ کا پورا ہونا اپنی آنکھوں کے سامنے صحابہؓ نے دیکھ لیا کہ خدا تعالیٰ نے کیسی حکمتوں سے دشمنوں کو انکے منصوبوں اور حملوں میں پس پا کیا۔ اور ایک تنہا اور بیکس یتیم کی اسقدر مخالفتوں اور زبردست منصوبوں اور حملوں کے مقابلہ میں کسطرح جان بچائی اور اس کا کام پورا کرایا تو اُن کا یقین اور ایمان اس بات پر اور بھی زیادہ ہو گیا کہ ایسا زبردست خدا دوسرا وعدہ بھی ضرور پورا کریگا۔ چنانچہ وہ بھی آجتک پورا ہوتا رہا۔ اور اسی طرح ہوتا رہیگا۔ اور ان وعدوں کے پورا ہونے سے اسلام کے منجانب اللہ ہونیکا بین ثبوت ملتا ہے۔ اس کے بعد اب میں ان اسباب کو بیان کرونگا جو قرآن کریم کی حفاظت کا ذریعہ بنے مگر اس پہلے حصہ کے خاتمہ پر ایک بات کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ توریت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ تم نے اسے نہ گھٹانا اور نہ بڑھانا۔ مگر شریعت میں جسقدر احکام انسانوں کو دیے گئے بعض نے انکی خلاف ورزی بھی کی۔ اور یہ ایک مسلّم امر ہے۔ ایسا ہی توریت کی

حفاظت بھی چونکہ خدا نے انسانوں کے سپرد کی اس لیے ضروری تھا کہ اس میں گھٹایا بڑھایا جانا اور تحریف بھی ہوتی۔ مگر قرآن شریف کی حفاظت کو خدا تعالیٰ نے کسی انسان کے سپرد نہیں کیا بلکہ وہاں حفاظت کی ذمہ داری خود اُٹھائی۔ اور یہی فرمایا کہ ہم خود ہی اس کی حفاظت کریں گے جس سے الٰہی منشا رصاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کسی قسم کی تحریف یا تغیر تبدل دخل نہ پائے۔ اگر کوئی صاحب دل ہو تو اس کے لیے تو یہ ایک نکتہ ہی کافی ہے کہ توریت کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے سپرد کیا اور قرآن کریم کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ یہ کوئی بے معنی امتیاز نہیں اور خدا اور انسان برابر نہیں ہو سکتے۔ پس اس سے قیاس کر لینا چاہیئے کہ توریت میں کیوں تحریف ہوئی اور قرآن شریف کیوں ہر ایک قسم کی تحریف سے ایسا پاک رہا کہ اس کا اقرار ایک سخت ترین دشمن اسلام کو بھی کرنا پڑا۔ اگر مصنف تاویل القرآن کے دل میں کچھ بھی خوف خدا ہو اور وہ اس بات پر تدبّر کرے اور اس کی نیت میں حق طلبی ہو تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ اکیلی یہی بات ہی اس کی ساری تاویل القرآن کا شافی اور اطمینان بخش جواب ہے۔ (باقی آیندہ)

طاعون کی ترقی

گذشتہ سال میں طاعون کی رفتار اسقدر سست ہوگئی تھی کہ بہت لوگ امید کرنے لگ گئے تھے کہ اسکا دورہ ختم ہوگیا ہے۔ مگر خدائے تعالےٰ اپنے مرسل سے یہ وعدہ کر چکا ہے کہ ان اللہ لایغیر ما بقوم حتّٰی یغیروا ما بانفسہم یعنی جبتک لوگ ایک تبدیلی پیدا نہ کرینگے اسوقت تک وہ اپنے عذاب کو دُور نہ کریگا۔ سو عین اس وعدے کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ طاعون کی ترقی اس دفعہ گھبرا دینے والی ہے۔ ایک جنوری کے مہینہ میں پینسٹھ ہزار کے قریب انسان ہندوستان میں اس مرض سے مرا ہے۔ اور ماہ فروری کے صرف چار ہفتوں میں ایک لاکھ سے بھی زیادہ انسان شکار طاعون ہوا یعنی ۲۔ فروری سے لیکر ۲۔ مارچ تک ایک لاکھ ایک ہزار اڑسٹھ انسان مر چکے ہیں اور یہ ابھی وہ موتیں ہیں جو سرکاری رپورٹوں میں آئیں اسکے علاوہ بہت سی موتیں طاعون کی ایسی بھی ہوتی ہیں جنکو دوسری بیماریاں ظاہر کیا جاتا ہے۔ طاعون کی اس خطرناک ترقی میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ سب سے زیادہ حصہ اموات کا پنجاب میں واقعہ ہوتا ہے مثلاً فروری کے ایک لاکھ طاعونی اموات میں سے اُنتالیس ہزار پانچسو سترہ اموات طاعونی یا چالیس ہزار کے قریب صرف پنجاب میں ہوئیں۔ جو کُل کا ۲/۵ حصہ ہے۔ اس نسبت کو دیکھ کر ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ پنجاب میں یہ مرض دیگر صوبوں کی نسبت بہت زیادہ ترقی پر ہے۔ اور یہی حالت ہر سال رہتی ہے یعنی حالانکہ طاعون ہندوستان کے تمام صوبوں میں پھیلی ہوئی ہے مگر جو ترقی پنجاب میں اسنے کی ہے اور کسی جگہ نہیں کی۔ اس سے کیسا اس رُویا کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے جس میں حضرت مسیح موعودؑ نے دیکھا تھا (اور یہ اس وقت کا رُویا ہے کہ جب ابھی اس ملک میں برائے نام ہی طاعون تھا) کہ سیاہ رنگ کے پودے جو طاعون کے درخت ہیں پنجاب کے مختلف مقامات

مَیں خدا ہوں صاحب جود اور بخشش جسپر چاہتا ہوں رحمت نازل کرتا ہوں۔ ۱۳ مارچ ۱۹۰۶ء (۱) لاہور میں ایک بے شرم ہے (۲) ویل لك ولافكك ترجمہ اے مخالف تیرے پر لعنت اور تیرے جھوٹ پر۔ (۳) انی نعیت۔ ترجمہ یعنے ایک شخص کی موت کی خبر دی۔ (۴) انی انا اللہ لا الٰہ الّا انا۔ ترجمہ میں ہی خدا ہوں میرے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ (۵) انّ اللہ مع الصادقین۔ ترجمہ خدا سچوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ (یہ پیشگوئی آج پوری ہوگئی کہ آج ہی سول میں خبر آئی ہے کہ ڈوئی جس کے عذاب کے بارے میں خبر دی تھی مر گیا یہ وہی ڈوئی ہے جسکو مباہلہ کے لیے بلایا گیا تھا) (۶) ایک امتحان ہے بعض اُس میں پکڑے جائیں گے اور بعض چھوڑے جائینگے۔ (۷) انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا ترجمہ خدا نے ارادہ کیا ہے اے اہل خانہ کہ تمہاری پلیدی کو دُور کرے اور تمہیں پاک کرے جیساکہ حق ہے پاک کرنیکا۔ (یہ تیسری مرتبہ الہام ہوا واللہ اعلم بالصواب) (۸) اعجبنی موتکم۔ ترجمہ تمہاری موت نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ (۹) یورپ اور دوسرے عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی طاعون پھیلے گی جو بہت ہی سخت ہوگی (۱۰) ریاست کابل میں قریب پچاسی ہزار کے آدمی مرینگے۔ (۱۱) واستوت علی الجودی۔ یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی) یعنی پانی خشک کیا جائیگا اور جو کچھ ہمارا ارادہ ہے ہم پورا کر لینگے اور کشتی جودی پر ٹھہر جائے گی۔

لغات القرآن جلد دویم :۔ یہ قیمتی کتاب اب مکمل ہوگئی ہے۔ قرآن شریف کا ترجمہ سمجھنے کیلیے ایسی کتاب کا پاس ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہ کتاب اب صدر انجمن احمدیہ کے کتب خانہ میں ہے کیونکہ حکیم فضلدین صاحب نے جن کی شراکت سے عرب عبد الحیی صاحب نے اس کتاب کو چھاپا تھا اپنا تمام کتب خانہ صدر انجمن احمدیہ کے نام ہبہ کر دیا ہے۔ اس کتاب کے ایک کالم میں معتبر عربی لغاتوں سے قرآن کریم کے عربی لغات اور دوسرے کالم میں اس کا اردو ترجمہ ہے۔ عربی جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں اس سے فایدہ اُٹھا سکتے ہیں بلکہ نہ جاننے والوں کو علم عربی کے حاصل کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ قیمت حصہ اوّل عہ حصہ دویم عہر مکمل عالہ علاوہ محصول ڈاک۔ صرف ایک ہی جگہ سے مل سکتی ہے۔ یعنی دفتر مقبرہ بہشتی صدر انجمن احمدیہ قادیان سے۔ تعمیل بذریعہ وی پی ہوگی۔ حضرت اقدسؑ کی بعض دیگر تصانیف بھی اس جگہ سے مل سکتی ہیں۔

آنکھوں کے بیماروں کو مژدہ

میاں ڈاکٹر عبد اللہ صاحب ساکن راہوں ضلع جالندھر۔ جنہوں نے لنڈن۔ آسٹریلیا افریقہ میں آنکھوں کے علاج سے بہت شہرت حاصل کی ہے۔ اور ان کے پاس بہت کثرت سے سارٹیفکٹ بھی موجود ہیں۔ انگریزی اور یونانی دو طرح سے آنکھیں بناتے ہیں۔ ہماری جماعت کے مخلص ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ لوگوں کو انسے نفع پہنچے گا۔ دستخط (نورالدین)

میگزین پریس قادیان دارالامان میں بہ اہتمام مینیجر میگزین کے طبع ہوا

اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ تفہیم یہ ہوئی کہ اے اہل خانہ خدا تمہارا امتحان کرنا چاہتا ہے تا معلوم ہو کہ تم اسکے ارادوں پر ایمان رکھتے ہو یا نہیں۔ اور تا وہ اے اہل بیت تمہیں پاک کرے جیسا کہ حق ہے پاک کرنیکا۔ اور پھر انہیں کی طرف اشارہ کرکے الہام ہوا۔ (۲) ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر۔ اور پھر الہام ہوا۔ (۳) یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم۔ اے لوگو تم اپنے رب کی پرستش کرو۔ وہ خدا جس نے تمہیں پیدا کیا اس میں تفہیم یہ ہوئی کہ اے اہل بیت کسی دوسرے کو تکیہ گاہ مت بنا وہی خدا تیرا متکفل اور رازق ہے جس نے پیدا کیا۔ اور پھر الہام ہوا۔ (۴) یاایھا الناس اتقوا ربکم اللہ خلقکم ترجمہ یہ ہے کہ اے اہل بیت خدا سے ڈرو۔ اور اسکی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرو۔ اور نہ کوئی بات منہ سے نکالو۔ وہی خدا ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اور پھر میری طرف سے بطور حکایت الہام ہوا۔ (۵) اے میرے اہل بیت خدا تمہیں شر سے محفوظ رکھے۔ اور پھر مجھے مخاطب کرکے الہام ہوا۔ (۶) انت منّی وانا منک انت الذی طار الیّ روحہ۔ یعنی تو مجھ سے ظاہر ہوا۔ اور میں اس زمانہ میں تجھ سے ظاہر ہونیوالا ہوں۔ تو وہ ہے جسکی روح نے میری طرف پرواز کیا۔ ۷۔ مارچ ۱۹۰۷ء (۱) ربنا افتح بیننا و بینہم۔ (۲) أعجبتم ان تموتوا۔ (۳) ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں۔ (۴) پچیس دن (یا یہ کہ پچیس دن تک) (۵) من الناس والعامۃ (ای من خواص الناس والعامۃ)۔ ترجمہ۔ اے خدا ہم میں اور ہمارے دشمنوں میں فیصلہ کر۔ کیا تم تعجب کرتے ہو کہ تم موت کا شکار ہو جاؤ۔ ...... طاعون خاص لوگوں میں بھی پڑیگی اور عام لوگوں میں بھی۔ ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کن لوگوں کی طرف یا کس کی طرف اشارہ ہے۔ اور پچیس دن کے الہام میں یہ اشارہ ہے کہ ۷ مارچ سے پچیس دن پورے ہونیکے سر پر یا ۷ مارچ ۱۹۰۷ء سے پچیس دن تک کوئی واقعہ ظاہر ہوگا اور ضرور ہے کہ تقدیر الٰہی اس واقعہ کو روک رکھے جب تک کہ ۷۔ مارچ ۱۹۰۷ء سے پچیس دن گذر نہ جاویں یا یہ کہ ۷۔ مارچ ۱۹۰۷ء سے پچیس دن تک یہ واقعہ ظہور میں آجائیگا اگر صرف پچیس دن کے لحاظ سے معنے کیے جائیں۔ تو اس طور سے ضرور ہے کہ اس واقعہ کے ظہور کی یکم اپریل سے امید رکھی جائے۔ کیونکہ الہام الٰہی کے رو سے ساتویں مارچ پچیس دن کے شمار میں داخل ہے اس صورت میں پچیس دن مارچ کی اکتیس ۳۱ تاریخ تک پورے ہو جاتے ہیں تو اس طور پر پیشگوئی کے ظہور کا مہینہ اپریل ٹھہرتا ہے مگر یہ سوال کہ وہ واقعہ کیا ہے جس کی پیشگوئی کی گئی ہے اسکا ہم اس وقت کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے۔ بجز اس کے کہ یہ کہیں کہ کوئی ہولناک یا تعجب انگیز واقعہ ہے کہ ظہور کے بعد پیشگوئی کے رنگ میں ثابت ہو جائیگا اور ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ واقعہ ہماری ذات کے متعلق ہے یا ہمارے دوستوں کے متعلق یا دشمنوں کے متعلق۔ جس امر کو خدا نے پوشیدہ کیا ہے ہم ظاہر نہیں کر سکتے۔

بعد اس کے ۱۲۔ مارچ ۱۹۰۷ء کا مکرر یہ بھی الہام ہے۔ (۱) یا عیسیٰ انّی متوفیک ورافعک الیّ۔ (۲) انت منّی وانا منک۔ (۳) ظھورک ظھوری۔ (۴) انت الذی طار الیّ روحہ (۵) انّی انا اللہ ذوالجود والعطا۔ (۶) انزل الرحمۃ علیٰ من اشاء۔ ترجمہ۔ اے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے وفات دونگا اور اپنی طرف اٹھالونگا۔ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے۔ تیرا ظہور میرا ظہور ہے۔ تو وہ ہے جسکی روح نے میری طرف پرواز کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قرآن کریم کی حفاظت اور جمع

(۲) وہ دلائل جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کُل قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ کی ہدایت کے مطابق لکھا گیا تھا

اب جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی کہ آیت کریمہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون وغیرہ میں خدا تعالیٰ نے جو وعدہ حفاظت الذکر کا کیا ہے وہ صرف قرآن شریف ہی کی حفاظت کے متعلق ہے اور اس کے سوائے کسی دوسرے نبی کی کوئی کتاب اس وعدہ میں شامل نہیں۔ اور تمام مسلمانان سابقین و متاخرین کا بلا اختلاف یہی اعتقاد رہا ہے تو اب یہ دکھانا ضروری ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ کس طرح پورا ہوا۔ اس لیے اسجگہ ہم وہ ظاہری اسباب بیان کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو پورا کرنیکے لیے پیدا کر دیے تھے۔ سب سے پہلے اور نہایت ضروری بات یہ تھی کہ جس شخص پر یہ کلام الٰہی نازل ہوتا تھا اس کے سامنے ہی ضبط تحریر میں بھی آجائے تا بعد میں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہو۔ چنانچہ جب کوئی حصہ قرآن شریف کا نازل ہوتا تھا اُسی وقت اسکو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم لکھوا دیتے اور مشتہر کرا دیتے اور اکثر صحابیوں کو حفظ کرا دیتے۔ یہانتک کہ اس انتظام کے ساتھ سارے کا سارا قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی زیر حفاظت اور زیر نگرانی لکھا گیا۔ اگرچہ اہل عرب میں قوت حافظہ بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اور ہزارہا اشعار اور بڑے بڑے نسب نامے زبانی یاد رکھنا اُن میں عام طور پر مروج تھا۔ مگر رسم تحریر اُنمیں اسلام سے پہلے موجود تھی۔ اور بعض وقت ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب کبھی کوئی شاعر اعلیٰ درجہ کی نظم کہتا یا کوئی اعلیٰ درجہ کی نثر تصنیف کرتا تو اُسے لکھ کر کسی نمایاں پبلک مقام پر معلق کر دیتا کہ اُسی اس کے ہموطن دیکھ سکیں اور اُس کی تعریف کریں۔ چنانچہ مشہور معلقات جو آجتک سبعہ معلقہ کے نام سے موسوم ہیں۔

اسی طرح لٹکائے گئے تھے۔ عربی زبان میں سبعہ سات کو کہتے ہیں اور ان کو سبعہ معلقہ اس لیے کہتے ہیں کہ دراصل یہ سات نظمیں ہیں جو سات مختلف شعراء زمانہ جاہلیت کی کہی ہوئی ہیں۔ جن کو یکے بعد دیگرے انکے مصنفوں نے لکھکر کعبہ کی دیوار پر معلق کر دیا۔ جہاں بہت عرصہ تک وہ لٹکی رہیں۔ بہت سے واقعات جو احادیث کے ذریعہ سے محفوظ ہوکر ہم تک پہنچے ہیں ثابت کر رہے ہیں کہ سارا قرآن شریف حضور فخر موجودات سرور کائنات محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ضبط تحریر میں آچکا تھا۔ بلکہ خود قرآن شریف میں ہی بہت سے ایسے حوالے موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اُسی زمانہ میں لکھا بھی گیا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان دو ذرائع شہادت کے متعلق کچھ ذکر کریں ہم سر ولیم میور کی لائف آف محمدؐ کے دیباچہ کے صفحہ ۲۸ سے ذیل کی عبارت کا اقتباس کرتے ہیں جس میں عیسائی مصنف نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اس امر کی شہادت کثرت سے موجود ہے کہ قرآن شریف حضور رسالت پناہ محمد مصطفٰے صلعم کی آنکھوں کے سامنے لکھا جا چکا تھا۔ اور یہ ایسی زبردست شہادت ہے کہ جس کو قبول کرنے سے اسلام کے ایسے خطرناک مخالف کو بھی گریز کی جگہ نہ مل سکی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "لیکن اس بات کو ماننے کیلیے بہت زبردست وجوہ موجود ہیں کہ (حضرت) رسول (کریم صلعم) کی زندگی میں متفرق طور پر قرآن شریف کے نسخے لکھے ہوئے صحابہؓ کے پاس موجود تھے اور ان نسخوں میں سارا قرآن یا قریباً سارا لکھا ہوا موجود تھا۔ اس میں شک نہیں کہ (حضرت) محمد (مصطفٰے صلعم) کے دعوے نبوت سے بہت پہلے مکہ میں فن تحریر مروج تھا۔ اور مدینہ میں جاکر تو خود پیغمبر (خدا صلعم) نے اپنے مراسلات لکھوانے کیلیے کئی صحابی مقرر کیے ہوئے تھے ..... جو لوگ بدر میں گرفتار ہوکر آئے تھے انہیں اس شرط پر وعدہ رہائی دیا گیا تھا کہ وہ بعض مدنی آدمیوں کو لکھنا سکھلا دیں۔ اور اگرچہ اہل مدینہ اہل مکہ کے برابر تعلیم یافتہ نہ تھے لیکن وہاں بھی بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جو اسلام سے پہلے لکھنا جانتے تھے۔"

خود قرآن شریف میں بھی بہت کثرت سے اس امر کی شہادت موجود ہے کہ یہ اُسوقت لکھا ہوا موجود تھا۔ پہلے تو لفظ کتاب ہی قابل غور ہے جو بار بار مختلف صورتوں میں قرآن کریم کی نسبت آیا ہے۔ اور کتاب کے معنے لکھی ہوئے کے ہیں۔ ایسا ہی قرآن شریف کو صحف بھی کہا گیا ہے جس کے معنے لکھے ہوئے کاغذ کے ہیں۔ چنانچہ سورۃ البینہ میں ہے رسول من اللہ یتلوا صحفا مطھرۃ ۰ فیھا کتب قیمۃ۔ یعنی اللہ کا رسول مقدس اوراق پڑھکر سُناتا ہے جن میں مضبوط کتابیں موجود ہیں۔ اب یہ اوراق مقدس قرآن شریف کے اوراق ہیں اور کتب قیمہ اسکی سورتیں ہیں۔ کیونکہ نہ صرف کامل قرآن شریف ہی کو الکتاب کہا گیا ہے۔ بلکہ اسکی ہر ایک سورۃ کو بھی کتاب کا نام دیا گیا ہے۔ ایسا ہی سورہ عبس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کلا انھا تذکرۃ ۰ فمن شاء ذکرہ ۔ فی صحف مکرمۃ ۰ مرفوعۃ مطھرۃ ۔ بایدی سفرۃ ۔ کرام بررۃ ۔ ترجمہ۔ قرآن تو سراسر نصیحت ہے پس جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے اور (وہ قرآن) اوراق میں (لکھا) ہے جن کی تعظیم کیجاتی ہے

(اور وہ) اونچی جگہ رکھے ہوئے (ہیں اور) پاک (ہیں) (اور ایسے) لکھنے والوں کے ہاتھوں میں (رہتے ہیں) جو بزرگ (اور) نیکو کار ہیں"۔ لفظ صحف جو یہاں استعمال ہوا ہے وہ صحیفہ کی جمع ہے۔ اور یہ وہی لفظ ہے جو ان تمام مجموعوں کیلیے بولا جاتا ہے جو زید نے حضرت عثمان اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں جمع کیے تھے۔

بس یہ امر نہایت صفائی سے ثابت ہے کہ خود قرآن کریم نے اپنے لیے لفظ کتاب اور صحیفہ استعمال کیے ہیں اور ان دونوں لفظوں کے عربی زبان میں "لکھی ہوئی کتاب" معنے ہیں۔ جو ہر ایک لغت عرب سے ثابت ہے۔ اور آج تک عام طور پر لفظ مصحف کا قرآن کریم کے لیے بولا جاتا ہے۔ جو وہ بھی صحیفہ سے ماخوذ ہے۔ اور اس کے معنے ایک ایسی کتاب ہیں جس میں بہت سے صحیفے جمع ہوں۔ یعنی لکھے ہوئے اوراق ہوں۔

قرآن شریف کے دیگر مقامات سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اسکی سورتیں ابتدائی زمانہ میں ہی لکھی ہوئی تھیں۔ چنانچہ سورۃ الواقعہ میں جو ابتدائی مکی سورتوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی نسبت فرماتا ہے انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون۔ لا یمسہ الا المطہرون۔ یعنی یہ (قرآن) بڑی قدر و منزلت کا قرآن ہے ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا۔ اسے وہی چھوتے ہیں جو پاک ہیں۔ ان آیات سے دو باتیں پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں ایک تو یہ کہ قرآن ایک محفوظ کتاب ہے یعنی یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جسے کوئی محرف و مبدل نہیں کر سکتا۔ دوسرا یہ کہ قرآن کریم اسی ابتدائی زمانہ میں لکھا جا چکا تھا کیونکہ ناپاکوں کو اسے چھونے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ ایک بڑی موٹی بات ہے کہ مس کرنے کے لیے کسی شے کا وجود جسمانی رنگ میں ہونا ضروری ہے الفاظ کو مس نہیں ہو سکتا۔ اگر وہی الفاظ ضبط تحریر میں آکر کتاب کی صورت بن جائیں تو وہ ایک جسم بنجاتا ہے اور چھوا جا سکتا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ قرآن کریم اسی ابتدائی زمانہ میں لکھا جا چکا تھا اور کتاب کی صورت میں تھا۔ اگر یہ لکھا ہوا نہ ہوتا تو اسپر لفظ مس کا اطلاق ہی نہ ہوتا۔*

راڈول ایک یورپین ہے جس نے قرآن شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس نے اپنے انگریزی ترجمہ میں اس موقعہ پر مفصلہ ذیل حاشیہ دیا ہے جو ہمارے ناظرین کے لیے دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا اور وہ یہ ہے "اس جملہ سے کم از کم اتنا تو پتہ ملتا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کے لکھے ہوئے نسخے اسوقت عام طور پر زیر استعمال تھے۔ حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ فرماتی ہیں کہ جب وہ مسلمان ہونے لگے تو انہوں نے مجھے کہا کہ سورہ طٰہٰ کا نسخہ میرے ہاتھ میں دیدو۔ آیات ۷۷-۸۰ جنکا اوپر ذکر ہوا ہے وہ بحکم خلیفہ محمد ابو القاسم بن عبد اللہ قرآن کریم کی تمام جلدوں پر لکھی جانی شروع ہوئیں" (دیکھو ترجمہ قرآن راڈول صفحہ ۴۵) یہ بات صحیح نہیں کہ اس جملہ سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے صرف بعض حصے ہی لکھے گئے تھے۔ اس عبارت سے کسی طرح یہ نہیں پایا جاتا کہ کوئی حصہ قرآن شریف کا ایسا بھی رہ گیا تھا کہ جو لکھا نہ بھی گیا ہو۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ سارا قرآن لکھی ہوئی کتاب تھی نہ کہ بعض حصے اُسکے لکھنے سے رہ گئے یا چھوڑے گئے تھے۔ پس ان آیات میں یہ شہادت صریح طور پر موجود ہے

* یہ ظاہری معنے اس آیت کے ہیں اور ان معنوں کو اختیار کرنے سے دوسرے معنوں کا انکار لازم نہیں آتا۔ منہ

کہ سارا قرآن شریف لکھا ہوا تھا۔ اور اگر کوئی شخص اس کے برخلاف یہ کہے کہ بعض حصے لکھے ہوئے تھے اور بعض نہیں تو اسکا فرض ہے کہ اپنی بات کو ثابت کرنیکے لیے اس کے مخالف شہادت پیش کرے۔ لیکن ساری قرآن کریم اور ساری احادیث شریفہ میں کہیں اس قسم کی مخالف شہادت کا ایک شمہ بھی نہیں پایا جاتا۔ بلکہ تمام مسلمان قرآن شریف کے ہر ایک لفظ کی برابر وہی تکریم و تعظیم کرتے اور اس کے منجانب اللہ منزل ہونے پر ایمان رکھتے تھے اسلیے ایسا گمان کرنا کہ کوئی حصہ اسکا لکھا گیا تھا اور کوئی نہ لکھا گیا تھا سراسر نادانی اور نامعقولیت ہے۔ ساری اسلامی تاریخ میں کہیں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں نظر آتا کہ جس سے یہ نتیجہ نکالنے کا کسی کو حق پہنچ سکے کہ قرآن شریف کی بعض سورتوں کو بعض سے متفاوت اور مختلف سمجھا جاسکے۔ اور یہ خیال کیا جاسکے کہ بعض سورتیں لکھی گئی تھیں اور بعض کو اس لایق نہیں سمجھا گیا تھا کہ وہ لکھی جاتیں۔ یا یہ کہ ساری سورتوں کی مساوی احتیاط نہیں کی گئی۔ یا یہ کہ قرآن شریف کے ہر ایک لفظ کی حفاظت کے لیے مساوی خواہش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اور بزرگان دین نے نہ کی تھی بعض کی کی اور بعض کی نہ کی یا کچھ کم کی۔ قرآن شریف خود فرماتا ہے کہ وہ ایک کتاب ہے مقدس اوراق میں لکھی ہوئی ہے۔ جسے پاکوں کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ اور یہ الفاظ قرآن کریم کے ہر ایک لفظ کے متعلق ہیں۔ نہ کسی خاص حصہ یا خاص سورت کے متعلق۔

ماسوائے اسکے ایک اور دلیل جو قرآن شریف کے لکھا ہوا ہونے پر خود قرآن کریم سے ہی ملتی ہے یہ ہے کہ کفار مکہ کہتے تھے کہ یہ قرآن گویا (نعوذ باللہ منہا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ ہی بنا لیا ہوا ہے۔ خدا کی طرف سے الہامی نہیں۔ ایسے لوگوں کو چیلنج کیا گیا تھا۔ امیقولون افترٰہ ۔ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین۔ یعنی (اے پیغمبر) کیا کافر کہتے ہیں کہ اس (شخص یعنے تم) نے قرآن کو اپنے دل سے بنالیا ہے تو (ان لوگوں سے) کہو کہ اگر تم سچے ہو تو تم بھی (اہل زبان ہو) اسی طرح کی بنائی ہوئی (زیادہ نہیں) دس (ہی) سورتیں لے آؤ اور خدا کے سوا جسکو (مدد کے لیے) تم سے بلاتے بن پڑے بلالو“ یہ آیتیں سورۃ ہود میں ہیں۔ اور سورۃ ہود مکہ میں اُسوقت نازل ہوئی جبکہ ابھی ہجرت بھی نہ ہوئی تھی۔ ایسے ہی سورہ بنی اسرائیل جو اس سے بھی پہلے کی نازل شدہ ہے اسکی ۹۱ آیت میں یہ چیلنج درج ہے۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھٰذا القراٰن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔ یعنی (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ اگر آدمی اور جن جمع ہو کر (اسبات پر آمادہ) ہوں کہ اس قرآن کی طرح کا (اور کلام) بنلائیں تو وہ کبھی اس جیسا نہیں بنا لاسکتے اگرچہ اُنمیں سے ایک کی پشتی پر ایک (کیوں نہ) ہو“ پھر سورۃ البقرہ کی آیات ۲۱-۲۲ میں یہ تحدی درج ہے۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم

صٰدقین۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکٰفرین۔ یعنی" اور وہ جو ہم نے اپنے بندے (محمد) پر (قرآن) اُتارا ہے اگر تم کو اس میں شک ہو (اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ کتاب خدا کی نہیں بلکہ آدمی کی بنائی ہوئی ہے) اور (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو اس جیسی ایک ہی سورۃ (تم بھی بنا) لاؤ۔ اور سا اللہ کے سوا جو (تمہاری حمایت کو) آموجود ہوں اُنکو بھی بلا لو پس اگر (اتنی بات بھی) نہ کرسکو اور ہر گز نہ کرسکوگے تو (دوزخ کی) آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے۔ جو منکروں کے لیے تیار ہے"

یہ آیت مدنی ہے۔ اب ان مکی اور مدنی سورتوں میں کہیں یہ چیلنج ہے کہ اس قرآن جیسی دس سورتیں بنالاؤ اور کہیں یہ تحدی ہے کہ ایک ہی سورۃ اس کے مقابلہ میں بنالاؤ۔ ان باتوں سے صاف طور پر عیاں ہو رہا ہے کہ قرآن شریف کی سورتیں ان چیلنجوں کے وقت لکھی ہوئی تیار تھیں۔ کیونکہ سورتیں لکھی موجود نہ ہوتیں تو ایسا چیلنج بے معنے ہوتا۔ اور کوئی بات بالفعل مقابلہ کے لیے موجود نہ ہوتی۔ کفار کو کیا پڑا تھا کہ وہ قرآن شریف سالم کو یا اسکی بعض سورتوں کو زبانی حفظ کرتے اور پھر مقابلہ کیلیے بلائے جاتے۔ جب تک کہ لکھا ہوا قرآن موجود نہ ہوتا اسوقت تک انکو مقابلہ کیلیے بلایا نہ جاسکتا تھا کیونکہ ضروری ہے کہ جس چیز کا مقابلہ کرنیکے لیے کسی کو تحدی کیجائے تو وہ چیز بھی اس کے سامنے رکھی ہو ورنہ وہ مقابلہ ہی کیا کرسکتا ہے اور اگر قرآن شریف کی سورتیں لکھی ہوئی موجود نہ ہوتیں تو یقیناً کفار کیطرف سے یہی جواب دیا جاتا کہ پہلے ہمیں وہ سورتیں تو دکھاؤ جنکا مقابلہ چاہتے ہو۔

قرآن شریف کی شہادت کے علاوہ اعلیٰ طبقہ کی صحیح احادیث میں بہت سارے واقعات ایسے درج ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ہوتی تھی تو وہ اسی وقت لکھ لی جاتی تھی صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پہلے پہل آپؐ کو وحی ہوئی تو اُسوقت آپ غار حرا میں تھے۔ جبرائیل آپؐ کے پاس آیا۔ اور کہا اقرأ یعنی پڑھو آپنے جواب دیا کہ مَیں نہیں پڑھ سکتا۔ تین دفعہ جبرائیل نے یہی کہا۔ اور اس کے بعد پھر آپ کو سورۃ علق کی ابتدائی آیات پڑھائیں۔ اب فرشتہ کا یہ کہنا کہ تم پڑھو اور آنحضرتؐ کا یہ جواب دینا کہ مَیں پڑھ نہیں سکتا صاف بتا رہا ہے کہ یہ وحی آپ کو کسی قرطاس پر لکھی ہوئی دکھائی گئی تھی۔ اور کہ آنحضرت صلعم خود نہ لکھ سکتے اور نہ پڑھ سکتے تھے۔ سب سے پہلی وحی کا لکھی ہوئی دکھایا جانا۔ اور یہ کہا جانا کہ پڑھو! اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ جو وحی تم پر ہوگی اسکو احتیاط سے لکھتے رہنا تا کہ ہر ایک اسکو پڑھ سکے یہ تو صرف ایک لطیف اشارہ ہے مگر اسکے علاوہ کثرت سے احادیث پائی جاتی ہیں جنمیں صراحت سے یہ ذکر ہے کہ قرآن کریم کی ہر ایک آیت یا سورۃ جیسے کہ وہ نازل ہوتی فوراً اُسی وقت حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھ لی جاتی۔ چنانچہ حدیث ذیل میں حضرت عثمانؓ نے قرآن شریف کی آیات کے لکھے جانیکا طریق بیان کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں "کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ ایسے اوقات میں جب آپ پر چند سورتیں ایک ہی وقت میں نازل

ہوتی رہتی تھیں جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ان شخصوں میں سے جو قرآن کریم کو لکھا کرتے تھے کسی ایک کو بلا بھیجتے اور اسکو فرما دیتے کہ یہ آیت فلاں سورۃ میں جہاں ایسا ایسا ذکر ہے لکھو۔" فتح الباری میں (جلد ۹ صفحہ ۱۹) اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔ وروی احمد واصحاب السنن الثلثة وصححه ابن حبان والحاکم من حدیث عبد الله بن عباس عن عثمان بن عفان قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم مما یأتی علیه الزمان ینزل علیه من السور ذوات العدد فکان اذا انزل علیه الشیٔ یدعو بعض من یکتب عنده فیقول ضعوا هٰذا فی السورة التی یذکر فیها کذا۔ اس حدیث سے یہ نہیں پایا جاتا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطرح صرف ایک ہی دفعہ عمل کیا۔ بلکہ اس بات کا کھلے طور سے بیان ہے کہ آپ کا ہمیشہ یہی عمل تھا کہ جب کبھی کوئی آیت یا سورۃ نازل ہوتی تو کسی کاتب الوحی کو بلوا کر فوراً لکھوا لیتے۔ جو شخص اس عمل حضرت رسالت پناہ صلعم کی روایت کرتا ہے وہ حضرت عثمانؓ جیسے جلیل القدر صحابی ہیں جو ابتدائی زمانہ میں ہی اسلام لے آچکے ہوئے تھے اور آنحضرت صلعم کے ساتھ بہت قریبی رشتہ بھی رکھتے تھے یعنی آپ کے داماد بھی تھے پس یہ امر نہایت صفائی سے ثابت ہے کہ ہر ایک سورۃ قرآن شریف کی اور ہر ایک آیت قرآن شریف کی آنحضرت صلعم کے حکم و ہدایت سے آپ کے سامنے اسی وقت لکھ لیجاتی جبکہ وہ نازل ہوتی۔ اور مزید احتیاط آپ یہ فرماتے کہ جب کبھی دو یا دو سے زیادہ سورتیں ابھی غیر مکمل ہوتیں تو جس مقام اور سورۃ اور موقعہ پر وہ آیت لکھنی چاہیئے تھی اُسی جگہ لکھنے کی ہدایت فرماتے تاکہ کاتب ایک سورۃ کی آیات کو کسی دوسری سورۃ کی آیات سے مخلوط نہ کرسکیں۔ ایک طرف قرآن کریم کے لکھا جانیکے متعلق ایسی زبردست شہادت موجود ہے اور دوسری طرف اسکے نہ لکھا جانیکے متعلق کوئی کمزور سے کمزور روایت بھی پیش نہیں کیجاتی۔ ان تمام امور سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ سارے کا سارا قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی لکھا گیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اس امر پر اکیلی ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت ساری روایات صحیح احادیث میں ایسی موجود ہیں جو اس گواہی کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً بخاری باب کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں براء کی روایت سے یہ حدیث ہے قال لما نزلت لا یستوی القاعدون من المؤمنین والمجاهدون فی سبیل الله قال النبی صلی الله علیه وسلم ادع لی زیدا ولیجیٔ باللوح والدواة والکتف او الکتف والدواة ثم قال اکتب لا یستوی القاعدون الخ یعنی جب آیت لا یستوی القاعدون من المؤمنین والمجاهدون فی سبیل الله (سورۃ النساء آیت ۹۵) نازل ہوئی تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زید کو میرے پاس بلالاؤ اور کہو کہ دوات اور لوح ساتھ لادے۔ پھر جب وہ آپہنچا تو اُسے حکم دیا کہ لا یستوی الخ۔ ساری آیت لکھو۔ ایسے ہی بخاری کے اسی باب میں ایک اور حدیث آئی ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زید کو مخاطب کرکے فرمایا کہ انک کنت تکتب الوحی

لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی بیشک تو آنحضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتا تھا۔ اس مکرم عہدہ کتابت وحی پر حضرت زیدؓ تو مامور ہی تھے اور اس ماموریت کی وجہ سے کثیر حصہ مدنی وحی کا انہوں نے ہی لکھا تھا۔ لیکن انکے سوا اور بھی وحی نبوت لکھنے والے اصحاب تھے۔ جنہوں نے کی سورتیں مکہ میں لکھیں اور بعض مدنی آیات کو جب کبھی حضرت زید موجود نہ ہوتے تو انکی غیر حاضری میں اوروں نے لکھا۔ ان معظم اور مقدس بزرگوں کے اسمار کی فہرست میں حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عثمان۔ حضرت عمر۔ حضرت علی۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (جو ایک وقت میں مرتد بھی ہوگیا تھا اور فتح مکہ کے بعد پھر مسلمان ہوا تھا) حضرت زبیر بن عوام۔ حضرات خالد و ابان ابنائے سعید۔ ابی بن کعب حنظلۃ بن الربیع۔ معیقیب بن ابوفاطمہ۔ عبداللہ بن ارقم۔ شرجبیل بن حسنہ۔ عبداللہ بن رواحہ۔ رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ دیکھو فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۹ باب کاتب وحی رسول اللہؐ۔ اس بات سے یہی نہیں سمجھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلعم کے اصحاب میں صرف اتنے ہی لکھے پڑھے لوگ تھے۔ اور صرف انہوں نے ہی قرآن شریف کی نقلیں بھی کیں۔ یہ تو صرف ان لوگوں کے نام ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی لکھنے کیلیئے بلا لیا کرتے تھے اور جن کے نام کاتبان وحی کی حیثیت سے احادیث میں موجود ہیں۔ مگر احادیث میں بھی اُن سب بزرگوں کے اسمار درج نہیں جو وحی نبوت کی کتابت کا کام کرتے تھے۔ بلکہ صرف چند نام درج ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ تو وہ احادیث ہیں جن سے یہ بات صریح طور سے ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت اُسی وقت ضبط تحریر میں لائی جاتی تھی جس وقت نازل ہوتی تھی۔ لیکن انکے ماسوا بہت سارے ایسے واقعات موجود ہیں۔ جو دوسرے طور پر اس ثبوت کو اور بھی مضبوط کرتے ہیں۔ مثلاً صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنے اصحاب سے مخاطب ہوکر فرمایا لاتکتبوا عنی شیئاً غیر القرآن۔ یعنی مجھ سے سوائے قرآن کوئی شے مت لکھو۔ یہ ہدایت اس غرض سے احتیاطاً حفظ ماتقدم کے طور پر کیگئی تھی کہ قرآن شریف کے ساتھ حضور سرور کائنات صلعم کی اپنی باتیں کہیں لوگ نہ ملادیں۔ اور یہ بات بھی اس سے ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کے نہایت احتیاط اور صحت کے ساتھ لکھے جانیکا کیسا انتظام کیا ہوا تھا۔ اس ہدایت کا ماحصل یہی ہے کہ قرآن شریف لکھا جاتا تھا۔ اور سارے کا سارا لکھا گیا۔ اگر قرآن شریف کی ہر ایک آیت اور سورۃ لکھنے کا دستور نہ ہوتا تو اس ہدایت کی ضرورت ہی کیا ہوسکتی تھی۔ اور آنحضرت صلعم کی دوسری باتوں کے لکھے جانے میں اعتراض ہی کیا ہوسکتا تھا۔ اور انکے قرآن شریف سے مخلوط ہونے سے احتیاط کی ضرورت ہی کیا ہوسکتی تھی بخاری کی کتاب العلم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن مقامات پر لکھنے والوں کی طرف سے کسی اختلاط کا اندیشہ نہ تھا وہاں بعض احادیث لکھ لینے کی انہیں اجازت دیگئی۔ جس سے یہ بات اور بھی مضبوط ہوتی ہے۔

پھر جب حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو اُسوقت کی سرگذشت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف اُس زمانہ

میں ہی لکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ زمانہ جاہلیت میں بہت غضبناک اور پُرجوش طبیعت رکھتے تھے اور غالی بت پرست تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ آنحضرت صلعم شرک اور بت پرستی کے مذہب کی بیخ اکھاڑنے کے درپے ہیں تو اس جوش میں آکر یہ ارادہ کیا کہ میں آنحضرتؐ کو ہی جان سے مار دونگا۔ ایک دن یہ بات دل میں ٹھان کر گھر سے ہی برہنہ شمشیر نکالے ہوئے آنحضرتؐ کی طرف روانہ ہوئے کہ جہاں کہیں وہ ملیں گے وہیں اُنکو قتل کردونگا۔ راستے میں جاتے ہوئے اُنکو یہ خبر بھی ملی کہ انکی اپنی ہمشیرہ فاطمہ اور اسکا خاوند سعید بن زید مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ بات سُنکر وہ اور بھی غصہ میں بھڑکے اور وہیں سے سیدھے اپنی بہن کے گھر پہنچے کہ تا پہلے انکا کام ہی تمام کیا جائے۔ حضرت عمرؓ اپنی بہن کے گھر پہنچے تو اُسوقت اُن کے گھر میں ایک تیسرا آدمی بھی موجود تھا جسکا نام خباب تھا۔ اور جسکو حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ وہ مسلمان ہے۔ خباب کے پاس اُسوقت ایک جلد موجود تھی جس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ اور وہ اُسوقت حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ اور اسکے خاوند کو سورہ طٰہٰ پڑھا رہا تھا۔ جب اُنکو معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ آ رہے ہیں تو فوراً خباب تو ایک گوشہ میں جا چھپے اور فاطمہ ہمشیرہ حضرت عمرؓ نے وہ جلد اُٹھا کر اپنے پاس چھپالی لیکن انکا چھپنا چھپانا بالکل بے سود تھا کیونکہ حضرت عمرؓ انکے نزدیک ایسے مقام پر پہنچ گئے ہوئے تھے کہ انہوں نے خباب کا پڑھانا اور انکا پڑھنا سُن لیا تھا۔ پس جب آپ کمرہ کے اندر داخل ہوئے تو اندر قدم رکھنے کے ساتھ ہی پہلا سوال یہ کیا کہ تم کیا پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپنے کچھ نہیں سنا ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا نہیں میں نے سُنا ہے اور مجھے یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین قبول کر لیا ہے۔ یہ بات کہتے ہی انہوں نے اپنے بہنوئی کو پکڑ لیا کہ اسکا کام تمام کریں۔ یہ ماجرا دیکھتے ہی انکی ہمشیرہ اپنے خاوند کو چھڑانے کیلئے آن جھپٹی۔ اس ہنگامہ میں فاطمہ کو سخت زخم لگا۔ حضرت سعید اور فاطمہ دونوں بیوی میاں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اب تمہاری مرضی ہے جو چاہو ہم سے سلوک کرو۔ جب حضرت عمرؓ نے اپنی ہمشیرہ کا خون بہتے دیکھا تو اپنی اس حرکت پر بہت پشیمان ہوئے۔ اور انہیں کہا کہ جو کتاب تم پڑھ رہے تھے وہ لاؤ اور مجھے بھی دکھاؤ۔ کہ میں بھی دیکھوں تو سہی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا لا کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ خود لکھے پڑھے تھے جب انہوں نے باصرار طلب کیا تو انکی ہمشیرہ ڈریں کہ مبادا کہیں لیکر وہ اس کتاب کو ضایع ہی نہ کر دیں۔ اس لیے اس نے حضرت عمرؓ سے عہد لیا اور انہوں نے اپنے بتوں کی قسم کھائی کہ میں یہ کتاب ضایع نہیں کرونگا۔ بلکہ دیکھکر واپس کردونگا۔ پھر اُس نے کہا کہ تم مشرک نجس ہو اس لیے اسکو چھونے کے لیے طہارت کی ضرورت ہے۔ اسپر حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور پھر انکی ہمشیرہ نے وہ جلد اُنکے ہاتھ میں دیدی جس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس میں سے کچھ حصہ پڑھا اور بہت تعجب کیا کہ یہ ایسی عجیب کتاب ہے اور بہت ہی عزت کی۔ پھر خباب نے انکا میلان دیکھکر کہا کہ آپ اسلام قبول کرلیں۔ یہ ایک لمبی واردات ہے ہم اسکو اسی جگہ تک لکھکر چھوڑتے ہیں اس سے صاف ثابت ہے کہ

اس ابتدائی زمانہ میں ہی مسلمانوں میں عام طور پر لکھے ہوئے قرآن شریف مستعمل تھے۔ البتہ بعض وقت نادان لوگ بے سمجھی سے یہ اعتراض کردیا کرتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ بعض سورتیں اسوقت لکھی گئی تھیں لیکن یہ نہیں کہ سارا قرآن لکھا ہوا تھا یعنی جسقدر نازل ہوتا جاتا ہو سب ہی لکھ لیا جاتا ہو۔ یہ اعتراض لغو ہے۔ اول تو یہ بیان کہ سورہ طٰہٰ اسوقت یعنی حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنیسے پہلے لکھی ہوئی موجود تھی اس لیے نہیں کیا گیا کہ سورہ طٰہٰ کی کسی خاص فضیلت کا اظہار مقصود تھا۔ تاکہ کوئی شخص یہ خیال کرسکے کہ راوی نے اس واقعہ کو سورۃ مذکور کی خاص فضیلت کے ظاہر کرنے کی نیت سے بیان کیا تھا۔ قصہ تو ایک اور غرض کیلیے بیان کیا گیا تھا اور یہ ذکر اتفاقی طور پر درمیان میں آگیا۔ اس لیے اس سے یہ بات بہت واضح طور سے عیاں ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا ابتدائی زمانہ میں کیا عمل تھا۔ قرآن شریف کے ابتدائی زمانہ سے ہی لکھے جانیکے متعلق یہ واقعہ ہی ایک ایسا ثبوت ہے کہ اگر اس کے سوا کوئی اور شہادت نہ بھی موجود ہو اور یہی ایک شہادت موجود ہو تو اس سے ہی یہ بات کافی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ جتنی سورتیں اُسوقت تک نازل ہو چکی تھیں وہ سب لکھی ہوئی موجود تھیں۔ اور انکے لکھنے کی رسم اُنہیں جاری تھی۔ یہ بات کسی طرح مانی نہیں جاسکتی کہ صرف سورہ طٰہٰ ہی لکھی گئی اور باقی کوئی سورۃ اُسوقت تک نہ لکھی گئی تھی۔ سورہ طٰہٰ کو کوئی ایسی خصوصیت حاصل نہ تھی کہ جس ترجیح کی وجہ سے یہ تو لکھی جاتی اور دوسری سورتوں کو نہ لکھا جاتا۔ بلکہ یہ تو ایک ایسی سورۃ ہے جو نمازوں میں بعض اور سورتوں کی طرح عام طور پر نہیں پڑھی جاتی تھی۔ اور اس کے سوا کئی ایسی سورتیں ہیں جن میں کئی تو اس سے لمبی اور کئی اس سے چھوٹی ہیں جن کو عام طور پر نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ اس لیے یہ بات سمجھنی بہت آسان ہے کہ جب ایسی سورۃ کا لکھے ہوئے موجود ہونا ثابت ہے تو دوسری سورتوں کا ضبط تحریر میں اُسی وقت سے محفوظ ہونا بطرز اولی ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ انکی لکھی ہوئی جلدیں تو بکثرت استعمال میں آتی ہونگی۔ اس لیے سورہ طٰہٰ کے لکھے ہوئے موجود ہونے اور اس لکھی ہوئی سورۃ کے حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ فاطمہ کے خاندان میں موجود اور مستعمل ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام مسلمان اس سورۃ کو اور اس کے علاوہ تمام سورتہائے نازل شدہ کو اسطرح استعمال کرتے تھے۔ ایسا ہی حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ کا انکو یہ کہنا کہ نجس ہونیکی حالت میں کوئی شخص قرآن شریف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا یہ بھی اس بات پر شہادت ہے کہ لکھے ہوئے نسخے قرآن کریم کے اس کثرت سے استعمال میں تھے کہ ایک نئے مسلمان شدہ شخص کو بھی یہ پتہ تھا کہ نجاست کیحالت میں قرآن شریف کو مس کرنا منع ہے۔ ان تمام باتوں سے بہت صاف ثبوت اس بات کا ملتا ہے کہ قرآن شریف کی ساری سورتیں اُسی زمانہ میں لکھی ہوئی مسلمانوں میں استعمال ہوتی تھیں۔ جس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد ابھی بہت کم تھی۔ اور وہ مکہ میں تھے۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن شریف کو جمع کیا

تو اسوقت کے واقعات سے بھی جو پیش آئے تھے اور جو کتب میں صحیح اور مستند طور سے درج ہیں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی لکھی جا چکی تھی۔ اُسوقت سورہ توبہ کی دو آیتوں کے متعلق یہ واقعہ پیش آیا کہ باوجود حضرت زید کو یہ علم ہونیکے کہ وہ آیات قرآن شریف کی ہیں انکو نہ لیا گیا جب تک وہ لکھی ہوئی نہ ملیں۔ چنانچہ حضرت زید خود یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں جو صحیح بخاری میں موجود ہیں۔ فتتبعت القراٰن اجمعه .... حتّٰی وجدت اٰخر سورة التوبة مع ابی خزیمة الانصاری لم اجدها مع احد غیره لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حتّٰی خاتمة براءة۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ’’میں نے قرآن شریف کو تلاش کر کے جمع کرنا شروع کیا یہانتک کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ مجھے ابو خزیمہ انصاری کے پاس سے ملا جو اور کسی کے پاس نہ تھا اور وہ یہ ہے لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم۔ خاتمہ سورہ براءة تک‘‘ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید کو یہ علم تھا کہ یہ آیتیں سورہ توبہ کے آخر میں ہیں اور پھر انکو تلاش کرتے تھے جس سے سوائے اسکے کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ تلاش تحریر کی تھی۔ (دیکھو صحیح بخاری باب جمع القرآن) جس حدیث کا یہ ایک حصہ ہے اس کی تشریح مصنف فتح الباری نے ان الفاظ میں لکھی ہے۔ فلم یأمر ابوبکر الا بکتابة ما کان مکتوبًا ولذٰلك توقف زید عن کتابة الاٰیة من اٰخر سورة براءة حتّٰی وجدها مکتوبة مع انه کان یستحضرها هو ومن ذکر معه اور پھر لکھتا ہے۔ وکان القراٰن مکتوبًا فی الصحف ولکن کانت مفرقة فجمعها ابوبکر فی مکان واحد۔ ترجمہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سوائے اُس کے جو لکھا ہوا موجود تھا کسی اور شے کے لکھنے کا حکم نہ دیتے تھے یعنی انہوں نے قرآن شریف جمع کرانے میں اتنی بڑی احتیاط فرمائی کہ جس طرح اور جو کچھ آنحضرت صلعم کی حیات میں لکھا جا چکا تھا وہی لکھنے دیا۔ اسی وجہ سے زید کو جو سورۃ توبہ کے آخری حصہ کی آیات کو جانتا تھا کہ یہ بھی قرآن ہی کا حصہ ہیں ان کے درج کرلینے میں بہت تامل رہا جب تک کہ اسے وہ لکھی ہوئی نہ مل گئیں۔‘‘ اور سارا قرآن قلمی لکھا ہوا تھا۔ مگر قلمی لکھے ہوئے حصے متفرق لوگوں کے پاس تھے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے کوشش کر کے انہیں ایک جگہ اکٹھا کر دیا‘‘ ایک اور روایت ابن ابی داؤد سے یوں آئی ہے۔ قال قام عمر فقال من کان تلقّٰی من رسول الله صلی الله علیه وسلم شیئًا من القراٰن فلیأت به وکانوا یکتبون ذٰلك فی الصحف والالواح والعسب قال وکان لا یقبل من احد شیئًا حتّٰی یشهد شاهدان۔ ترجمہ۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے قرآن شریف کو جمع کرنیکا کام ہاتھ میں لیا تو حضرت عمر رضؓ نے عام طور پر اعلان کر دیا کہ جس کسی کے پاس قرآن شریف کا کوئی حصہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہوا ہے وہ لے آوے۔ اُن دنوں میں لوگ قرآن شریف کو کاغذ اور الواح اور کھجور کی ٹہنیوں پر لکھا کرتے تھے۔ کسی شخص سے کوئی حرف بھی لکھا ہوا منظور نہ کیا جاتا تھا جب تک کہ دو گواہوں کی گواہی نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ خالی تحریر بھی کافی نہ تھی جب تک دو گواہ یہ گواہی نہ دیں کہ وہ تحریر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھی گئی تھی۔ جیسا کہ فتح الباری میں بھی لکھا ہے۔ وکان غرضھم ان لایکتب الا من عین ماکتب بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا من مجرد الحفظ۔ یعنی اسقدر احتیاط سے غرض انکی یہ تھی کہ سوائے اس کے کچھ نہ لکھا جاوے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے لکھا گیا تھا اور مجرد حافظہ سے کچھ نہ لکھا جاوے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والقرآن فی العسب والقضم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسوقت دنیا سے اُٹھائے گئے جب قرآن شریف صرف کھجور کے پتوں اور کھالوں پر لکھا ہوا تھا۔ ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت اور ہر ایک سورۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت آپ کی زندگی میں اور آپ کے سامنے لکھی گئی تھی۔ یہ ایسی متفقہ اور مضبوط شہادت ہے کہ اس کے برخلاف ایک بھی حدیث ایسی نہیں ملتی کہ جس میں یہ ذکر ہو کہ فلاں سورۃ یا فلاں حصہ قرآن شریف کا لکھا نہ گیا تھا۔ جیسا کہ ان دشمنان حق و راستی کی علی العموم عادت ہوتی ہے اسی طرح مصنف تاویل القرآن نے بھی نہایت ظالمانہ عناد اور فساد نیت سے راستی اور تحقیق سے آنکھیں بند کر کے قرآن شریف کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لکھے جانیکی ثابت شدہ حقیقت پر پردہ ڈالنے کی عبث کوشش کی ہے۔ اور قرآن شریف کے لکھا جانیکی اس طرح بے اعتباری کرنا چاہتا ہے کہ گویا صحابہؓ میں ایسے آدمی ہی موجود نہ تھے جو لکھنا جانتے ہوں۔ چنانچہ یہ باطل پرست دشمن حق محض دجل اور دھوکہ دہی کی راہ سے لکھتا ہے کہ "صحابہ میں لکھے پڑھے الناد رکالمعدوم تھے" اور پھر لکھتا ہے کہ "جب ہم زید بن ثابت کی قابلیت تحریر کی کیفیت معلوم کرتے ہیں تو یہ عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ زید مدینہ میں اگر مسلمان ہوئے اور بالکل صاحبزادہ تھے قلم پکڑنا بھی نہ جانتے تھے۔ حضرت کی جو کچھ کتابت کا کام تھا وہ یہود کرتے تھے۔ پس بتاؤ کہ چودہ پندرہ برس اس سے پہلے وحی قرآن کس نے لکھی"۔ پھر "عبد اللہ بن ابی سرح" کا ذکر کر کے کہ وہ مرتد ہو گیا تھا۔ یہ دشمن حق محض کذب اور افترا کے طور پر لکھتا ہے کہ "جب مومنوں میں اہل قلم کا یہ توڑا ہوا اور ایسی ایسی ناکامیاں ہوئیں تو مصلحت اسی میں دیکھی گئی کہ قرآن لکھا ہی نہ جاوے ایمانداروں کے سینہ میں محفوظ رہے اور ایسا ہی ہوا"۔ اگرچہ وہ دین جس کی بنا ہی اتنے بڑے جھوٹ پر ہو کہ گویا ایک عورت کے پیٹ سے پیدا شدہ انسان خدا ہے۔ اور اُسی خدا کے ملعون ہو جانے میں نجات کی کلید ہے۔ راستبازی نہیں سکھلا سکتا۔ اور اس لیے اس کے ماننے والے دینی امور میں افترا اور جھوٹ کے کام لینے کے عادی ہیں لیکن جس دلیری اور بے حیائی سے اس گمنام مصنف نے ایسے ہی بیہودہ اگراض میں جھوٹ کا اتنا انبار جمع کیا

اسکی نظیر عیسائی صاحبان میں بھی نہیں ملتی۔ اور یہ شخص ان سب جھوٹ پوجنے اور بولنے والوں سے بڑھ چڑھ کر نکلا ہے اسکی تحریر کا یہ مطلب ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے صحابیوں میں کوئی لکھا پڑھا نہ تھا۔ صرف زید کچھ پڑھا ہوا ہوگا لیکن وہ کم عمر بچہ تھا اور فن تحریر سے ایسا ناواقف تھا کہ اُسے قلم پکڑنا بھی نہ آتا تھا۔ اور دوسرا شخص عبداللہ بن ابوسرح کچھ لکھا پڑھا تھا مگر وہ مرتد ہی ہوگیا۔ چونکہ انکے سوا کوئی شخص ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود نہ تھا جو قرآن لکھ سکتا اسلیے اسکا لکھنا ہی موقوف کردیا گیا۔ یہ ایسی جاہلانہ اور نامعقول بات ہے۔ کہ ہر ایک انسان جو اسلامی تاریخ سے تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتا ہے خوب سمجھ سکتا ہے کہ اس شخص نے کیسی بے حیائی سے کام لیا ہے۔

ہم نے بطور اختصار اس رسالہ میں کچھ ثبوت اس امر کا دیا ہے کہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کی حیات اور آپ کی زیر نگرانی نزول ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت احتیاط اور حفاظت سے لکھا جاتا رہا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ شہادت بھی ناظرین کے اتنی بات سمجھنے کے لیے تو کافی ہوگی کہ اس شخص نے جھوٹ بولنے میں کیسی دلیری کی ہے۔ عیسائی مصنفوں نے آجتک جتنے اسلام کی دشمنی میں جھوٹ بولے ہیں اور بڑی بڑی تصانیف پُر از عناد لکھی ہیں کوئی پہلو جھوٹ کا اُنسے اُٹھا نہ رہا جو انہوں نے لکھا نہ ہو۔ لیکن مسئلہ زیر بحث کی شہادت ایسی زبردست اور آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور مشہور تھی کہ انہیں ہرگز اس بات کی جرأت نہیں ہو سکی کہ اسکے مخالف کوئی جھوٹ بنا کر مُنہ کالا کریں۔ اور کسی نے بھی ان حقایق کا انکار نہیں کیا۔ لیکن یہ گمنام صاحب ایسے نکلے ہیں کہ اپنے سب بڑے مصنفوں کے لکھنے کے سر خاک ڈالدی اور خود کسی گمنامی کے مقام میں جا چھپے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسکے اس کام پر اُسکی اپنی فطرت بھی اسکو ملامت اور لعنت کرتی ہوگی - اسی وجہ سے اپنا نام کتاب پر نہیں لکھا۔

اس مختصر رسالہ میں ہم نے چند ایسے بزرگ صحابیوںؓ کے گرامی نام بطور نمونہ لکھ دیے ہیں جو پڑھنے اور لکھنے میں مہارت کامل رکھتے تھے۔ صحابہؓ میں اس کثرت سے پڑھے لکھے حضرات موجود تھے کہ کاتبان وحی میں بعض لوگوں نے بیالیس صحابیوںؓ کے نام لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ عام طور پر مسلمانوں میں انہیں ایام میں قرآن شریف کے مختلف حصص مختلف لوگوں میں لکھے ہوئے موجود تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانیکا ایک ہی واقعہ اسکی ثبوت کے لیے کافی گواہ انصافاً سمجھا جاسکتا ہے۔ جہاں صرف ایک قرآن شریف کے لکھنے میں بیالیس لکھے پڑھوں کی تعداد کام میں لگائی گئی ہو تو کیا قیاس ہو سکتا ہے کہ اُس جماعت میں لکھے پڑھے لوگ موجود نہ تھے یا شاذ و نادر تھے۔

قرآن کریم کا لکھنا درکنار رہا تو جو کلمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نکلے۔ یا جس طرح آپ عمل کر کے دکھلاتے وہ باتیں بھی لکھ لیجاتیں۔ چنانچہ بخاری کتاب العلم میں اسکا ذکر موجود ہے اور عبداللہ بن عمرو و دیگر اصحاب کے نام اس ضمن میں قابل ذکر ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی احادیث کو لکھ لیا کرتے تھے۔ پھر اسکے ماسوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بادشاہوں اور دوسری قوموں کی طرف مراسلات لکھکر ارسال

کیسے جانتے تھے جسکو خود عیسائی لوگ جانتے ہیں بلکہ انہی کے گھروں سے ایک ایسا مراسلہ آنحضرت صلعم کے سامنے کا لکھا ہوا بھی نکل آیا ہے جس کا ہم نے بھی اپنے کسی گذشتہ رسالہ میں فوٹو چھاپ دیا تھا۔ اس کے ماسوا حدیبیہ میں جب صلحنامہ لکھا گیا تھا تو وہ بھی مسلمانوں نے ہی لکھا تھا چنانچہ اس کے کاتب حضرت علی کرم اللہ وجہ تھے۔ اسکے علاوہ یہودی اقوام سے عبرانی زبان میں خط و کتابت بکثرت ہوتی رہتی تھی۔ چنانچہ اسکا ذکر حدیث میں بروایت ابو داؤد باب روایت حدیث اہل الکتاب میں آیا ہے۔ جو کتاب العلم کا ایک باب ہے۔ اور کتابۃ العلم کا باب الگ ہے جسکی حدیثوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ بہت سے صحابی لکھنا جانتے تھے۔ مرد تو درکنار وہاں عورتیں بھی پڑھی لکھی تھیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات میں بھی پڑھی لکھی عورتیں تھیں۔ اکثر صحیح احادیث سے پایا جاتا ہے کہ حضرت عایشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما وغیرہ پڑھی لکھی تھیں۔ اب ایسے روز روشن کی طرح چمکتے ہوئے ثبوت کی موجودگی میں مصنف تاویل القرآن کا یہ کہنا کہ صحابہؓ میں کوئی لکھا پڑھا ہی نہ تھا دو باتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ یا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس بات کے کہنے والا مجہول اور نادان مطلق ہے۔ اور یا یہ کہ وہ جان بوجھکر عناد اور شرارت کی وجہ سے ان واقعات کو مخفی کرنا اور لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ اور ہمارا قیاس ہے کہ وہ ایسا مجہول مطلق تو نہیں ہوگا ہاں حق پوشی اور دجل جو ان لوگوں کا عام شیوہ ہے اسپر عمل کیا ہوگا۔ اس نے یہ بھی چالاکی کی ہے کہ دیدہ و دانستہ ان تمام تاریخی واقعات کے لکھنے سے اعراض کیا ہے جن سے اسکی اپنی باتوں کی تغلیط ہوتی ہے۔ اس نے اپنے دعوے کی بنا صرف ایک حدیث پر رکھی ہے۔ اور وہ بنا بھی حدیث کے اصل معنوں پر نہیں بلکہ ایک معاندانہ خیال پہلے اپنے دماغ میں قایم کرکے اس نے ایک حدیث نقل کردی اور اسکے معنے اپنے پاس سے اپنے خیال کے مؤید بنا لیے ہیں۔ وہ حدیث جس کو مصنف تاویل القرآن نے نقل کیا ہے اور جسپر اپنے دعوی کی بنا رکھی ہے کہ زید صرف ایک بچہ ہی تھا اور اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ قلم کس طرح پکڑا جاتا ہے یہ ہے قال زید بن ثابت امرنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فتعلمت لہ کتاب یہود و قال انی واللہ ما امن یہود علی کتابی فتعلمتہ فلم یمر بی الا نصف شہر حتی حذقتہ فکنت اکتب لہ اذا کتب واقرا لہ اذا کتب الیہ۔ اسکا لفظی ترجمہ یہ ہے۔ زید بن ثابت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا پس میں نے آپکے لیے یہودیوں کی کتابت کو سیکھا۔ اور آپنے فرمایا کہ قسم بخدا مجھے اپنے خطوط لکھوانے میں یہودیوں پر اعتبار نہیں۔ پس مینے اسکو سیکھا اور نصف ماہ کے عرصہ ہی میں اس میں خوب ماہر ہو گیا۔ پس جب کبھی کوئی مراسلہ آپکے لکھنا ہوتا تو میں ہی لکھتا اور جب کوئی مراسلت کہیں سے آتی میں ہی پڑھ کر سناتا"۔ یہاں زید نے بیان تو یہ کیا ہے کہ اس نے کس طرح عبرانی رسم تحریر سیکھی۔ اور اس کو سر ولیم میور نے بھی اپنی لایف آف محمدؐ کے دیباچہ کے صفحہ ۱۴ کے حاشیہ میں تسلیم کیا ہے۔ لیکن مصنف تاویل القرآن نے الفاظ کو توڑ مروڑ کر اس کے

یہ معنے بنانے چاہے ہیں کہ گویا یہ زید کا اپنا اقبال ہے کہ وہ عربی لکھنا نہیں جانتا تھا اور یہودیوں سے عربی لکھنی سیکھی تھی۔ کیسی عیاری سے عمداً اس نے کتاب یہود کے اصل معنے بدل کر منگھڑت معنے کیے ہیں یعنی اصل معنی اسکے تو تھے "عبرانی میں لکھنا" لیکن اس نے اسکے معنے کیے ہیں "یہودیوں سے لکھنا سیکھا" اور اس جملہ کے معنے جو یعنے انکو لیے "عبرانی لکھنا سیکھا" تھے انہیں تبدیل کرکے "یعنے انکی خاطر یہودیوں سے لکھنا سیکھا" بنا دیئے۔ افسوس تو یہ آتا ہے کہ یہ لوگ دنیا میں صلاحیت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن انہیں حق پوشی اور جھوٹ سے کام چلانے سے ذرا شرم نہیں آتی۔ جو شخص عربی زبان میں تھوڑی سی بھی مہارت رکھتا ہو وہ خوب جانتا ہے کہ "کتاب یہود" کے معنے کسی حالت اور کسی طریق میں "یہودیوں سے لکھنا سیکھنے" کے نہیں ہو سکتے۔ اسکے معنے تو صاف طور پر یہی ہیں کہ "یہودی یعنی عبرانی رسم خط سیکھا" علاوہ بریں خود متن روایت سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زید اس میں قرآن شریف کے لکھنے کا ذکر کر رہا ہے کیونکہ قرآن شریف کے لکھنے کے کام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہودیوں کو متعین نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ کثیر حصہ قرآن شریف کا مکہ معظمہ میں نازل ہوا۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ وہاں کوئی یہودی نہ تھا۔ اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ ہجرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مکہ معظمہ میں جتنا قرآن شریف نازل ہو چکا تھا وہ سب کا سب متفرق طور پر لکھا ہوا لوگوں کے پاس موجود اور انکے استعمال میں تھا۔ اور زید تو مدینہ کے باشندہ تھے اور ہجرت کے بعد وہ مسلمان ہوئے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کون شخص تھے جنہوں نے مکہ معظمہ میں قرآن شریف کو لکھا؟ وہاں یہود تو موجود نہ تھے پس یہود کے سپرد یہ کام کیونکر ہو گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہود پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بے اعتباری ظاہر فرمائی وہ قرآن کریم کے لکھنے کے متعلق نہ تھی اور نہ ہی حدیث میں کتابت وحی کا ذکر ہے بلکہ آپ نے یہ فرمایا کہ ما امن یہود علے کتابی۔ یعنی میں اپنی خط و کتابت میں یہود کا اعتبار نہیں کرتا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہودیوں سے عبرانی میں بعض خطوط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھوانے پڑتے تھے اور انہی کا ذکر اس حدیث میں ہے اور کتابت وحی یعنی قرآن کریم کے لکھنے کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ پھر اس روایت میں صریح طور سے یہ بھی لکھا ہے فکنت اکتب لہ اذا اکتب واقرأ لہ اذا کتب الیہ جس سے سارا عقدہ اسبات کا کھل جاتا ہے کہ اس بیان سے غرض کیا تھی۔ اول تو یہاں عبرانی لکھنے کا ذکر ہے اور قرآن کریم زبان عربی میں تھا پھر اس عبارت سے یہ بات عیاں ہے کہ یہ مراسلات کے متعلق تھی۔ یعنی اگر کوئی مراسلت عبرانی میں لکھنی پڑتی یا جب کوئی مراسلت عبرانی زبان میں آتی سیکھنے کا حکم دیا۔ اور اس نے اسکی تعمیل کی۔ اسکے سوا اور کونسا مطلب اس ساری عبارت سے نکل سکتا ہے؟ کچھ شرم تو چاہیئے! کوئی دیانتدار مصنف ایسی شرارت نہیں کر سکتا جو معنے کی تحریف میں اس روپوش مصنف نے دکھائی ہے۔ لفظ تو صرف اسقدر ہیں کہ جب آپ لکھنا چاہتے تو میں آپ کی طرف سے لکھتا اور جب آپکی طرف کچھ لکھا جاتا تو میں پڑھکر سناتا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر خط و کتابت کا ہے۔ اور وحی یا قرآن کریم کے لکھنے کا اس حدیث میں اشارہ بھی نہیں۔ ایسا ہی جس باب کے

ص کہیں سے آتی تو اس کے لکھنے اور سمجھنے کے لیے یہودیوں پر اعتبار نہ کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو عبرانی زبان

نیچے یہ حدیث بیان کیگئی ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ اسے کتابت وحی سے کچھ تعلق نہیں۔ اب رہا یہ امر کہ زید نے اتنے تھوڑے سے یعنی پندرہ دن کے عرصہ میں کیونکر عبرانی زبان کا لکھنا سیکھ لیا۔ سو سمجھنا چاہیئے کہ عبرانی اور عربی ایسی ملتی جلتی زبانیں ہیں کہ ایک کے آتے ہوئے دوسری کا سیکھنا نہایت آسان کام ہے۔ عبرانی صرف عربی کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے پس جس صورت میں ایک شخص عربی زبان کی رسم الخط سے پورا واقف ہے اسکے لیے عبرانی کا رسم الخط سیکھنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ عربی اصل اور عبرانی اس میں سے مشتق زبان ہے۔ پس جو شخص عربی زبان میں مہارت کامل رکھتا ہو اسکے لیے عبرانی کا سیکھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اتنے قلیل عرصہ میں زید کا عبرانی زبان میں مہارت حاصل کر لینا اس بات پر بھی دلیل ہے کہ وہ عربی زبان کے لکھنے پڑھنے میں کامل مہارت اور ید طولے رکھتے تھے۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ بہت ذہین اور بڑی قوت حافظہ رکھتے تھے۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت نے اس منزل کو زید کیلیے بہت آسان کر دیا تھا۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو مصنف تاویل القرآن کی قلعی کھولنے کے لیے یہی ایک امر کافی ہے کہ اس نے اس ایک ہی روایت کے معنوں میں کیسی تحریف سے کام لیا ہے۔ اس ایک ہی واقعہ سے اُس کی نیت اور اسکے ارادہ کے فساد کا پتہ لگ جاتا ہے یہ کتاب مشنری پادریوں کو اسلام پر حملہ کرنے میں مدد دینے کے لیے لکھی گئی ہے۔ اور پادریوں کی سوسائٹی ہی کی طرف سے شایع بھی ہوئی ہے۔ اس سے عیسائی دین کے مشنریوں کی ناگفتہ بہ حالت اور انکے خیالات اور ان کی دیانت و امانت و تقوی و طہارت اور حق پوشی بہت اچھی طرح واضح ہوتی ہے اور یہ بات بھی روشن ہوتی ہے کہ دوسرے مذاہب کی نسبت علی العموم اور اسلام کیلیے خصوصاً یہ لوگ کیسے درندگی کے خیالات رکھتے ہیں کہ اس کی مخالفت میں حق کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے۔ دراصل عیسائی لوگ اس عظیم الشان نعمت کو جو خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو عطا ہوئی ہے کہ انکی مقدس کتاب سیکڑوں سالوں کے گذرنے سے بھی ویسی ہی بے عیب اور تصرفات سے پاک انکے پاس موجود ہے جیسے کہ آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی تھی اور جسطرح آپ نے لکھوائی تھی۔ دیکھکر حسد کی آگ میں جل رہے ہیں۔ وہ تو اس بات سے ہی محروم ہیں کہ انکی کتاب یسوع کے زمانہ میں لکھی گئی ہو۔ انکے پاس تو کوئی خدا کی انجیل ہی موجود نہیں۔ کوئی انجیل متی کی تصنیف ہے اور کوئی لوقا و مرقس وغیرہ کی۔ اور جس دیانت اور امانت کے ساتھ قرآن شریف کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اور پھر آپ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور انکے بعد علی التواتر مسلمانوں نے آئندہ نسلوں تک پہنچایا اُس انعام الٰہی سے عیسائی لوگ بالکل محروم ہیں۔ کہاں قرآن شریف اور کہاں متی و مرقس وغیرہ کی اناجیل۔

مصنف تاویل القرآن نے قرآن شریف کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لکھے جانیکے برخلاف صرف یہی ایک حدیث پیش کی ہے۔ اسی سے ناظرین خوب سمجھ سکتے ہیں کہ عیسائی مشنریوں کے قرآن شریف کی حفاظت

حملے اور اعتراض کیسے لغو اور بیہودے ہیں۔ اس شخص نے یہیں تک بس نہیں کی بلکہ اپنی عقلمندی کا اور بھی بڑھکر ثبوت دیا ہے اور لکھا ہے کہ قرآن شریف کے لکھنے کے لیے جو چیزیں استعمال میں لائی جاتی تھیں وہ ایسی تھیں کہ دیر تک محفوظ نہ رہ سکتی تھیں۔ یہ چیزیں کیا تھیں؟ کاغذ۔ الواح سنگ۔ چمڑا کھجور کی تختیاں اور ہڈیاں تھیں جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ کاغذ چمڑے اور الواح سنگین پر لکھنا تو دیر تک محفوظ رہ سکتا تھا لیکن دوسری اشیاء پر محفوظ نہیں رہ سکتا۔ لیکن وہ لکھتا ہے کہ ان تین چیزوں پر قرآن شاذونادر ہی لکھا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ چیزیں بہت کمیاب تھیں۔ اور اس لیے قرآن کا کثیر حصہ صرف ہڈیوں۔ اور کھجور کی تختیوں پر لکھا گیا جو محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں۔ اور اسی وجہ سے اکثر حصہ قرآن شریف کا محو اور گم ہوگیا۔ "دروغگو را حافظہ نباشد" ایک مشہور ضرب المثل ہے اور اسجگہ مصنف تاویل القرآن کی حالت پر خوب صادق آتی ہے۔ بحث تو یہ اُٹھائی تھی کہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لکھا ہی نہ گیا تھا۔ اب اس مقام پر وہ کہتا ہے کہ قرآن شریف کا اکثر حصہ ایسی اشیاء پر لکھا گیا جو دیرپا نہ تھیں اور اس لیے وہ گم اور محو ہوگیا۔ یعنی اس امر کو اب مان لیا کہ قرآن شریف لکھا ضرور گیا تھا۔ مگر ایسی چیزوں پر لکھا گیا تھا .... جو دیرپا نہ تھیں یعنی اکثر حصہ ہڈیوں پر لکھا گیا تھا اور اسکی وجہ یہ بیان کی ہے کہ چمڑا۔ کاغذ اور پتھر کی تختیاں بہت کمیاب تھیں۔ یہ بات بھی محض اس نے اپنے دماغ سے اپنے دروغ کو فروغ دینے کے لیے تراشی ہے اور کوئی روایت بیان نہیں کرتا جس سے اسے یہ پتہ لگا ہو کہ درحقیقت قرآن شریف ہڈیوں پر لکھا گیا تھا کیونکہ کاغذ اور چمڑا اور پتھر کی تختیاں ملک عرب میں ملتی نہ تھیں۔ اوّل تو ہڈیاں اور لکڑی کی تختیاں تحریر کے مطلب کے لیے چمڑے یا کاغذ سے ناقص نہیں۔ بلکہ کاغذ کی نسبت زیادہ دیرپا ہیں۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف کی لمبی لمبی سورتوں کے لکھنے کے لیے یہ چیزیں پورا کام بھی نہ دے سکتی تھیں اور کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً کاغذ اور چمڑے پر ہی قرآن شریف لکھا جاتا تھا۔ اور قیاس بھی اسی بات کو چاہتا ہے۔ کاغذ اور چمڑا بکثرت عرب میں ملتے تھے دوسری چیزیں محض ایسی حالت میں استعمال کیجاتی ہونگی جب مثلاً سفر میں ہونے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے کاغذ یا چمڑا نہ مل سکے۔ اسکے مؤید وہ روایت ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانیکا ذکر ہے۔ وہاں جب حضرت عمرؓ اپنی ہمشیرہ کے گھر پہنچے تو اسوقت حضرت فاطمہؓ ہمشیرہ حضرت عمرؓ سورہ طٰہٰ پڑھ رہی تھیں حضرت عمرؓ کو دیکھتے ہی انہوں نے اساو اپنے کپڑوں میں فوراً چھپا لیا۔ اگر اتنی لمبی سورۃ کسی ہڈی یا لکڑی پر لکھی ہوتی تو اسکا اس طرح کپڑوں میں چھپانا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ اسقدر لمبی سورۃ ایک ہی ہڈی یا لکڑی پر تو لکھی نہ جا سکتی تھی بلکہ اسکے لیے بہت سی ہڈیاں اور لکڑیاں بکار ہونگی جن کا یکایک اپنے پاس ہی چھپا کر رکھ لینا ممکن نہ تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حصہ قرآن شریف کا کاغذوں پر یا چمڑے پر جو کاغذ کی طرح بنایا جاتا ہے لکھا جاتا تھا ہاں بوقت ضرورت دوسری چیزوں پر بھی لکھ لیا جاتا تھا۔ پس تمام شہادت مذکورہ بالا سے یہ امر نہایت

صفائی سے ثابت ہے کہ کامل و مکمل قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپکے سامنے اور آپکی ہدایت کے مطابق لکھا جا چکا تھا اس کے بعد ہم وہ دلایل بیان کریں گے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سارا قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حفظ بھی کر لیا تھا۔

ڈوئی کی موت میں خدائی فیصلہ کا اظہار

ایک عظیم الشان پیشگوئی پوری ہوئی۔

ذیل میں اس اشتہار کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے جو حال میں ڈوئی کی تباہی اور ہلاکت کی پیشگوئی کے پورا ہونے پر امریکہ اور یورپ میں شایع کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ ایک ایسی پیشگوئی تھی جو قبل از وقوع بکثرت بلاد غربی میں شایع ہو چکی تھی اسلیے اس کے پورا ہونے پر دوبارہ ان لوگوں کو اس نشان کی طرف توجہ دلانا ازبس ضروری تھا تاکہ سعید طبیعتوں کے لیے حق کی طرف رہنمائی کا ایک ذریعہ بن سکے۔

ہم نے بہت دفعہ طالبانِ حق کو ان عجیب و غریب پیشگوئیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ سے کھلے طور پر ظاہر ہو رہی ہیں اور جن کا پورا ہونا ایسا نشان ہے جو قوت ایمانی کو بڑھاتا اور اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اسکی صفات کاملہ پر یقین کامل پیدا کرتا ہے بشرطیکہ انسان دل کو تعصب سے خالی کر کے اسپر پورا غور کرے اور سوچے کہ آیا یہ امور انسانی طاقت کے اندر ہیں؟ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ابتک ان بلاد میں کسی شخص نے یہ خواہش ظاہر نہیں کی کہ وہ ان پیشگوئیوں کے متعلق پوری تحقیق کر کے ان نتایج سے جنپر وہ خود پہنچے دنیا کو فایدہ پہنچاوے۔ ایک طرف جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسطرح بلاد غربی کے رہنے والے چھوٹی چھوٹی اور بے حقیقت باتوں کے پیچھے پڑ کر اپنا روپیہ اور وقت ضایع کرتے ہیں جیسا کہ سپرچولزم میں جنوں اور بھوتوں کے تماشوں کے دیکھنے اور دیگر ایسی لغویات میں۔ اور دوسری طرف مذہب کے متعلق جب کوئی بات پیش کیجاتی ہے تو کیسی عدم توجہی سے پیش آتے ہیں تو ہمیں بڑی حیرت ہوتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ کوئی شخص بلاتحقیق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں پر امنا و صدقنا کہدے بلکہ ہم صرف انہیں اسبات کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ان پیشگوئیوں پر محققانہ نظر سے غور کریں اور انکے متعلق پوری تحقیق اور اعلیٰ درجہ کی غور و پرداخت کو کام میں لاویں۔ دوسری طرف ہم اس بات کو بھی خوب سمجھتے ہیں کہ بُعد مکانی کا اثر بھی بُعد زمانی کی طرح ہوتا ہے اور دُور کے واقعات بھی گذشتہ زمانہ کے واقعات

کی طرح انسان کی توجہ پر اسقدر اثر نہیں کرتے جیسا قریب کے واقعات۔ مثلاً جو ہلاکت اور تباہی ہندوستان میں طاعون سے واقع ہو رہی ہے اور جس طرح طاعون زدہ علاقوں کے لوگ اس سخت عذاب الٰہی کو محسوس کرتے ہیں دُور کے رہنے والے اسقدر اس سے متاثر نہیں ہو سکتے۔ مگر ان اوراق میں جس پیشگوئی کا ذکر ہم کرنا چاہتے ہیں وہ ایسی نہیں جس میں بُعد مکانی کا کچھ اثر ہو۔ کیونکہ یہ پیشگوئی مغربی بلاد میں بکثرت شایع ہو چکی ہے اور نہ صرف ہم نے ہی اشتہارات کے ذریعہ سے اس پیشگوئی کو یورپ اور امریکہ میں شایع کیا بلکہ خود ان بلاد کے بڑے بڑے اخباروں نے اسے لاکھوں انسانوں کے اندر شایع کیا۔ نہ صرف اشاعت پیشگوئی کے لحاظ سے ہی اسکا وقوع بلاد غربی میں ہوا بلکہ جو شخص اس پیشگوئی کی رو سے ہلاکت کا نشانہ تھا وہ خود انہی ملکوں کا رہنے والا اور ایسا مشہور آدمی تھا کہ یورپ اور امریکہ میں کوئی شخص اسکے نام سے ناواقف نہ ہوگا اور اس کے ہزارہا مرید امریکہ اور دوسرے عیسائی ممالک میں موجود تھے۔ اسلیے ان واقعات کو جو اس پیشگوئی کے پورا کرنیوالے ہیں۔ اب ہم بلادِ غربی کے طالبانِ حق کے سامنے ہی پیش کرتے ہیں۔ کہ اس شہادت پر پورا پورا غور کرکے وہ اپنے فیصلہ کو پبلک کے سامنے پیش کریں کہ آیا ان سے پیشگوئی کا سچا اور منجانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے کہ نہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ان ممالک میں بہت سے ایسے سعید لوگ بھی موجود ہیں جو ایک صداقت کی خاطر قومی اور مذہبی تعصبات کی روکوں کی کچھ بھی پروا نہیں کرینگے اور جن میں یہ اخلاقی جرأت موجود ہے کہ جب سچائی کو سمجھ جائیں تو پھر ہر قسم کے مقابلہ کے باوجود اس کے اظہار میں کسی قسم کی بزدلی نہ دکھائیں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ صداقت کی محبت فطرت انسانی کے اندر مرکوز ہے۔ اور اگرچہ بسا اوقات یہ تعصبات کے نیچے دبی رہتی ہے مگر آخر کار سب روکوں کو توڑ ڈالتی اور اپنر غالب آجاتی ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ کا ذکر ہے کہ جب ہندوؤں کا ایک بڑا مذہبی پیشوا لیکھرام نام حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہوا تو بہت سے ہندوؤں نے اخلاقی جرأت سے کام لیکر اس استفتا پر جو اس غرض کے لیے پبلک کے سامنے پیش کیا گیا تھا اپنی یہ شہادت درج کی کہ واقعی پیشگوئی لیکھرام کے متعلق پوری ہوئی اور یہ پیشگوئی انسانی طاقت سے بالاتر اور منجانب اللہ تھی۔ چونکہ مغربی لوگوں میں تحقیق حق کی روح اور بھی آزادی سے کام کر رہی ہے اس لیے ہم پوری امید رکھتے ہیں کہ ڈوئی والی پیشگوئی کے واقعات اور اس کے پورا ہونیکی شہادت پر غور کامل کرکے بہت سے لوگ حق کی خاطر یہ گواہی دینے کیلیے تیار ہونگے کہ یہ پیشگوئی سچی نکلی اور حضرت مسیح موعودؑ کی دعا جو ڈوئی کے متعلق تھی وہ سُنی گئی۔

قبل اسکے کہ ان واقعات کا ذکر کیا جاوے جن سے پیشگوئی کا پورا ہونا ثابت ہوتا ہے ہم ناظرین کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ اس اشتہار سے ہماری غرض صرف یہی ہے کہ تائید حق ہو اور لوگ اس حق کو دیکھیں اور اس صداقت کو قبول کریں جو روزِ روشن کی طرح چمک رہی ہے اگرچہ شپّرِ چشم اسکا انکار کریں۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور علم کامل کا ایسا قطعی اور صاف ثبوت ملتا ہے اور اسکی ہستی پر ایسا یقین تام پیدا ہوتا ہے

کہ اس ثبوت کو پیش نہ کرنا یا دبا رکھنا ہمارے نزدیک سخت گناہ ہے۔ اور اسی کے اظہار کے لیے ہم جو کچھ لکھتے ہیں لکھتے ہیں۔
ڈوئی کی زندگی کے بعض واقعات کو ہم اس کی موت کے بعد اگر ظاہر کرتے ہیں تو نہ اس لیے کہ ایک ہلاک شدہ حریف
کی تباہی پر خوشی ظاہر کریں بلکہ اس لیے کہ حق ظاہر ہو اور لوگ اس سچائی کو دیکھیں اور سمجھیں جن واقعات کو ہم ظاہر
کرتے ہیں انہیں ہماری غرض مُردہ کی عیب شماری نہیں بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ ان واقعات کے ظاہر ہونے سے صداقت کا
اظہار ہو اور سچائی کا بول بالا ہو۔ ڈوئی پر طرح طرح کی تباہیاں لانے اور پھر انجام کار اسے غایت درجہ کے دکھ اور حسرتوں
کے ساتھ ہلاک کرنے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فیصلہ کو ظاہر فرمایا ہے جس کی اطلاع اس نے اپنے مرسل کو کئی
سال پہلے دی تھی۔ یہ وہ خدائی فیصلہ ہے جو خدا کے ایک سچے مرسل اور مامور کو ایک کذّاب اور مفتری سے الگ کرتا
ہے۔ اور صادق اور کاذب مدعیٔ نبوت میں فرق کر کے دکھاتا ہے

جان الگزنڈر ڈوئی سکاٹلینڈ کا اصل باشندہ تھا اور امریکہ میں پہلے پہل ۱۸۸۸ء میں پہنچا اور سان فرانسسکو
میں اترا اس سے پہلے کچھ مدت وہ تسمانیا کے جیلخانہ میں بھی رہ چکا تھا۔ ۱۸۹۲ء میں اس نے وعظ کرنا شروع کیا۔ اور اسکے
بعد ایک الگ فرقہ کی بنیاد رکھنی شروع کی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میں لوگوں کو بیماریوں سے شفا دے سکتا ہوں اور
اسی دعوی کی وجہ سے کئی زود اعتقاد اور توہم پرست لوگ اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان لوگوں کے روپے سے
وہ ایک امیر آدمی بن گیا۔ اور ۱۹۰۰ء میں موجودہ شہر صیہون کی زمین خریدی جس کے ٹکڑے پھر اپنے ہی مریدوں کے
ہاتھ ایک بڑے گراں نرخ پر بیچے اور یہ ظاہر کیا کہ عنقریب مسیح موعود اسی شہر میں نازل ہوگا۔ ۲۔ جون ۱۹۰۱ء کو اس نے
یہ دعویٰ اپنا شایع کیا کہ میں الیاس ہوں جو مسیح کی آمد کے لیے لوگوں کو تیار کرنے آیا ہوں۔ اس دعویٰ سے اس کے
روپئے اور مریدوں میں اور بھی ترقی ہوئی۔ روپئے کی کثرت یہانتک ہوئی کہ سال کے شروع میں وہ دس لاکھ ڈالر
یعنی تیس لاکھ سے بھی زیادہ روپیہ اپنے مریدوں سے نئے سال کے تحفے کے طور پر مانگا کرتا تھا۔ اور جب سفر کرتا تو
اعلیٰ درجہ کے عیش و عشرت کے سامان اس کے ساتھ ہوتے ۱۹۰۲ء میں اس نے یہ پیشگوئی شایع کی کہ اگر مسلمان صلیبی
مذہب کو قبول نہ کریں گے تو وہ سب کے سب ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ اور بھی وہ ہر طرح سے اسلام کی ہتک اور توہین
نہایت بیباکی سے کرتا۔ جب اس نے اسلام پر ایسے ایسے حملے کیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ مسیح موعودؑ کے دل میں
غیرت کا جوش ڈالا۔ اور آپ نے ستمبر ۱۹۰۲ء میں اسے انگریزی میں ایک چٹھی لکھی جو اسی رسالہ ریویو آف ریلیجنز ستمبر
۱۹۰۲ء کے پرچہ میں شایع ہو چکی ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعودؑ نے اسے مباہلہ کے لیے دعوت کی۔ خلاصہ اس ساری
چٹھی کا یہ تھا کہ دونوں فریق دعا کریں کہ جو شخص ہم میں سے جھوٹا ہے خدا تعالیٰ اسے سچے کی زندگی میں ہلاک کرے
یہ ڈوئی کی اس پیشگوئی کا جواب تھا جو اس نے تمام اہل اسلام کی ہلاکت کے لیے کی تھی۔ یہ چٹھی بڑی کثرت سے امریکہ
کے اخباروں میں شایع ہوئی۔ اور انگلستان کے بعض اخباروں نے بھی اسے شایع کیا۔ یہانتک کثرت سے

اسکی اشاعت ہوئی کہ ہمارے پاس بھی ایسی بہت سی اخباریں پہنچ گئیں جن میں اس مباہلہ کا ذکر تھا۔ ان میں سے چند کے نام مع تاریخ ذیل میں دیئے جاتے ہیں ان میں بہت سی روزانہ اخباریں ہیں اور جس قدر اخباریں ہمارے پاس پہنچی ہیں انپر قیاس کرکے یہ کہا جاسکتا ہے کہ امریکہ اور یورپ کی ہزاروں نہیں تو سیکڑوں اخباروں میں یہ مباہلہ شایع ہوا۔ اور لاکھوں انسانوں کے اندر اسکی شہرت ہوئی اور عام طور پر ان ممالک میں اس کا چرچا پھیل گیا۔ صرف چند امریکہ کے اخباروں کے نام ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

نمبر شمار	نام اخبار مع تاریخ و سنہ	خلاصہ مضمون
(۱)	شکاگو انٹر پریٹر ۲۸۔جون ۱۹۰۳ء	عنوان "کیا ڈوئی اس مقابلہ میں نکلیگا" دونوں تصویریں پہلو بہ پہلو دیکر لکھتا ہے کہ مرزا صاحب کہتے ہیں ڈوئی مفتری ہے اور میں دعا کرنیوالا ہوں کہ وہ اُسے میری زندگی میں نیست و نابود کردے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ جھوٹے اور سچے میں فیصلہ کا یہ طریق ہے کہ خدا سے دعا کیجاوے کہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاوے۔
(۲)	ٹیلیگراف ۵۔جولائی ۱۹۰۳ء	مرزا غلام احمد صاحب پنجاب سے ڈوئی کو چیلنج بھیجتے ہیں کہ "اے وہ شخص جو مدعی نبوت ہے آ۔ اور میرے ساتھ مباہلہ کر ہمارا مقابلہ دعا سے ہوگا اور ہم دونوں خدا تعالیٰ سے دعا کرینگے کہ ہم میں سے جو شخص کذاب ہے وہ پہلے ہلاک ہو۔"
(۳)	ارگوناٹ سان فرانسسکو بیکم دسمبر ۱۹۰۲ء	عنوان "انگریزی اور عربی (یعنی عیسائیت اور اسلام) کا مقابلہ دعا" مرزا صاحب کے مضمون کا خلاصہ جو ڈوئی کو لکھا ہے یہ ہے کہ "تم بھی ایک جماعت کے لیڈر ہو اور میرے بھی بہت سے پیرو ہیں پس اس بات کا فیصلہ کہ خدا کی طرف سے کون ہے ہم میں اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے خدا سے دعا کرے اور جس کی دعا قبول ہو وہ سچے خدا کی طرف سے سمجھا جاوے" دعا یہ ہو گی کہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے خدا اُسے پہلے ہلاک کرے۔ یقیناً یہ ایک معقول اور منصفانہ تجویز ہے۔
(۴)	لٹریری ڈائجسٹ نیویارک ۲۰۔جون ۱۹۰۳ء	تصویر بدیگر مباہلہ کا مفصل ذکر کرتا ہے یعنی یہ کہ دونوں فریق ڈوئی اور ہم دعا کریں کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں اور اس کے سامنے ہلاک ہو۔
(۵)	نیویارک میل اینڈ ایکسپریس ۲۸۔جون ۱۹۰۳ء	عنوان مباہلہ یا مقابلہ دعا کے نیچے اسی مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۶)	ہیرلڈ روچسٹر ۲۵۔جون ۱۹۰۳ء	ڈوئی کو مباہلہ کیلئے بلایا گیا ہے اور پھر مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۷)	ریکارڈ بوسٹن ۲۷۔جون ۱۹۰۳ء	مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۸)	ایڈورٹائزر بوسٹن ۲۵۔جون ۱۹۰۳ء	مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۹)	پائلاٹ بوسٹن ۲۷۔جون ۱۹۰۳ء	ایضاً
(۱۰)	پاتھ فائنڈر واشنگٹن ۲۷۔جون ۱۹۰۳ء	"

نمبر شمار	نام اخبار مع تاریخ و سنہ	خلاصہ مضمون
(۱۱)	انٹراوشن شکاگو ۲۷- جون ۱۹۰۳ء	مباہلہ کا ذکر ہی پھر ۲۸ جون کے پرچے میں دونوں تصویریں دیکر مفصل ذکر کیا ہے۔
(۱۲)	ڈیموکریٹ کرانیکل روچیسٹر ۲۵ جون ۱۹۰۳ء	مباہلہ کے بعد دونوں تصویریں بھی دی ہیں اور حضرت کی تصویر کے نیچے یہ لفظ ہیں "مرزا غلام احمد صاحب ہندوستان کا مسیح جس نے ڈوئی کو دعا کی مقابلہ کیلئے چیلنج دیا ہے۔"
(۱۳)	شکاگو کا ایک اخبار تاریخ اور نام پھٹ گیا	
(۱۴)	برلنگٹن فری پریس ۲۷ جون ۱۹۰۳ء	مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۱۵)	ووسٹر سپائی ۲۸ جون ۱۹۰۳ء	″
(۱۶)	شکاگو انٹراوشن ۲۸ جون ۱۹۰۳ء	″
(۱۷)	البنی پریس ۲۵ جون ۱۹۰۳ء	″
(۱۸)	جیکسنول ٹائمز ۲۸ جون ۱۹۰۳ء	″
(۱۹)	بالٹی مور امریکن ۲۵ جون ۱۹۰۳ء	″
(۲۰)	بفلو ٹائمز ۲۵ جون ۱۹۰۳ء	″
(۲۱)	نیویارک میل ۲۵ جون ۱۹۰۳ء	″
(۲۲)	بوسٹن ریکارڈ ۲۷ جون ۱۹۰۳ء	مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۲۳)	ڈیزرٹ ایوننگ نیوز ۲۷ جون ۱۹۰۳ء	″
(۲۴)	ہیلینا ریکارڈ یکم جولائی ۱۹۰۳ء	″
(۲۵)	گروم شائر گزٹ ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء	″
(۲۶)	نونیٹن کرانیکل ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء	″
(۲۷)	ہیوسٹن کرانیکل ۳ جولائی ۱۹۰۳ء	″
(۲۸)	سونیو تانز ۲۹ جون ۱۹۰۳ء	″
(۲۹)	رچمنڈ نیوز یکم جولائی ۱۹۰۳ء	″
(۳۰)	گلاسگو ہیرالڈ ۲۷- اکتوبر ۱۹۰۳ء	″
(۳۱)	نیویارک کمرشل ایڈورٹائزر ۲۶- اکتوبر ۱۹۰۳ء	اگر ڈوئی اشارتاً یا صراحتاً اس چیلنج کو منظور کریگا تو وہ بڑی دکھ اور حسرت کے ساتھ ہلاک ہوگا اور اگر وہ اس چیلنج کو قبول نہ کریگا تو بھی اس کے صیہون پر [تباہی آئیگی]
(۳۲)	دی مارننگ ٹیلیگراف نیویارک ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۳ء	مباہلہ اور ڈوئی پر بددعا کرنے کا ذکر ہے۔

نوٹ:- یہ اخبار صرف وہ ہیں جو ہم تک پہنچے ہیں۔ اس کثرت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیکڑوں اخباروں میں یہ ذکر ہوا ہوگا۔ منہ

مگر باوجود اس کثرت اشاعت پیشگوئی کے ڈوئی نے اِس چیلنج کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور نہ ہی اپنے اخبار لیوز آف ہیلنگ میں اسکا کچھ ذکر کیا۔ مگر اسلام کے متعلق اس نے وہی بدزبانی کا طریق جاری رکھا چنانچہ ۱۴۔ فروری ۱۹۰۳ء کو اس نے اپنے اخبار میں یہ فقرے شایع کیے ''میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ دن جلدی آئے جب اسلام دنیا سے نابود ہو جائے۔ اے خدا تُو میری اس دعا کو قبول کر۔ اے خدا تُو اسلام کو ہلاک کر''* اور پھر ۱۵۔ اگست ۱۹۰۳ء کو اسلام کا ذکر کر کے لکھا کہ ''انسانیت پر اس سخت بدنما دھبہ کو (یعنی اسلام کو) صیہون ہلاک کر کے چھوڑیگا''

پس جب وہ نہ تو اسلام کے متعلق دریدہ دہنی سے باز آیا اور نہ ہی کھلے طور پر میدان مقابلہ میں نکلا تو حضرت مسیح موعودؑ نے ایک اور اشتہار جاری کیا جو صرف زبان انگریزی میں ترجمہ ہو کر بلاد یورپ اور امریکہ میں بکثرت شایع ہوا۔ اس اشتہار کا بھی انگریزی اور امریکن اخبارات میں بہت چرچا ہوا۔ چنانچہ بعض ان اخبارات کے اقتباس ہم نومبر اور دسمبر ۱۹۰۳ء کے رسالے میں شایع بھی کر چکے ہیں۔ اور یہ اقتباس ثابت کرتے ہیں کہ اس اشتہار کی اشاعت بھی بکثرت ہوئی۔ اس اشتہار کا عنوان یہ تھا ''پگٹ اور ڈوئی کے متعلق پیشگوئیاں'' اور جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہوتا ہے اب یہ خالی مباہلہ کی دعوت نہ رہی تھی بلکہ اس میں صراحت کے ساتھ ڈوئی کی ہلاکت کی پیشگوئی بھی کی گئی تھی۔

نوٹ۔ انگریزی میں چونکہ یہ اشتہار پورا پہلے شایع ہو چکا ہے اس مقام پر انگریزی میں ہم نے صرف ایک ہی اخبار کے اقتباس پر اکتفا کیا ہے۔ لیکن اردو میں چونکہ یہ اشتہار پہلے کبھی شایع نہیں ہوا اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس سارے اشتہار کو ناظرین کے فایدہ کے لیے اس جگہ شایع کر دیں۔ وہ اشتہار یہ ہے۔

''زمین جب گناہ اور شرک سے آلودہ ہو جاتی ہے اور اُس حقیقت سے بے خبر ہو جاتی ہے جو انسان کی پیدایش کی اصل غرض ہے۔ تب خدا کی رحمت تقاضا کرتی ہے کہ ایک کامل الفطرت انسان کو اپنی ذات سے پاک تعلق بخشکر اور اپنے مکالمہ سے اُسکو مشرف کر کے اور اپنی محبت میں اسکو انتہا تک پہنچا کر۔ اُسکے ذریعہ سے دوبارہ زمین کو پاک و صاف کرے۔ انسان خدا تو نہیں ہو سکتا مگر بڑے بڑے تعلقات اُس سے پیدا کر لیتا ہے جب وہ بالکل خدا کیلیے ہو جاتا ہے اور اپنے تئیں صاف کرتا کرتا ایک مصفا آئینہ کی طرح بن جاتا ہے۔ تب اُس آئینہ میں عکسی طور پر خدا کا چہرہ نمودار ہوتا ہے۔ اُس صورت میں وہ بشری اور خدائی صفات میں ایک مشترک چیز بنجاتا ہے اور کبھی اس سے صفات الٰہیہ صادر ہوتی ہیں کیونکہ اُس کے آئینہ وجود میں خدا کا چہرہ منعکس ہے اور کبھی اُس سے بشری صفات صادر ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ بشر ہے اور ایسے انسانوں کو دیکھنے والے کبھی دھوکہ کھا کر اور صرف ایک پہلو کا کرشمہ دیکھ کر انکو خدا سمجھنے لگتے ہیں اور دنیا میں مخلوق پرستی اسی وجہ سے آئی ہے اور

* [illegible] گو الفاظ میں ایک پیشگوئی کی تھی مگر اس پیشگوئی کے بعد سے الفاظ میں اسلام کی ہلاکت کے لیے دعا اور مباہلہ کا ہی اختیار کر رکھا تھا کیونکہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کو مسلمانوں کی طرف سے وکیل سمجھتا تھا۔ [illegible]

صدہا انسان اسی دھوکہ سے خدا بنائے گئے ہیں۔ مگر ہمارے اس زمانہ میں جسقدر عیسائیوں کا وہ فرقہ جو حضرت مسیحؑ کو خدا جانتا ہے اس دھوکہ میں مبتلا ہے اسقدر کوئی اور قوم مبتلا نہیں۔ مسیح سے صدہا برس پہلے جو لوگ خدا بنائے گئے تھے جیسے راجہ رام چندر۔ راجہ کرشنؑ۔ گوتم بدھ ہمارے اس زمانہ میں انکے پیرو متنبہ ہوتے جاتے ہیں کہ یہ انکی غلطیاں تھیں۔ مگر افسوس حضرت مسیح کے پیرو ابتک اس زمانہ میں بھی خواہ نخواہ خدائی کا خطاب ان کو دے رہے ہیں اگرچہ اس خیال کا بطلان ایسا بدیہی تھا کہ کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ مگر افسوس کہ عیسائی ابھی تک اس زمانہ کی ہوا سے بھی دور بیٹھے ہیں بلکہ بعض لوگوں نے جب دیکھا کہ ایسے لغو خیالات کا زمانہ ہی دن بدن مخالف ہوتا جاتا ہے تو انہوں نے اپنے معمولی طریقوں سے مایوس ہو کر یہ ایک نیا طریق اختیار کیا کہ کوئی ان میں سے الیاس بن گیا اور کسی نے یہ دعویٰ کر دیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں اور میں ہی خدا ہوں اس کل فقرہ سے مراد میری یہ ہے کہ لنڈن میں تو مسٹر پگٹ نے خدائی اور مسیحیت کا دعویٰ کیا اور امریکہ میں مسٹر ڈوئی الیاس بن بیٹھے اور پیشگوئی کر دی کہ مسیح ابن مریم پچیس ۲۵ برس تک دنیا میں آجائیگا دونوں میں فرق یہ ہے کہ ڈوئی نے تو بزدلی دکھلائی اور الیاس بننے میں بھی اپنی پردہ دری سے ڈرتا رہا اور مسیح نہ بنا بلکہ مسیح کا خادم بنا اور پگٹ نے بڑی ہمت دکھلائی کہ خود مسیح بن گیا نہ صرف مسیح بلکہ خدا ہونے کا بھی دعویٰ کیا۔ اب لنڈن والونکو کسی بیماری آفت مصیبت کا کیا اندیشہ ہے جن کے شہر میں خدا اترا ہوا ہے مگر میں نے سنا ہے کہ لنڈن میں کچھ یہودی بھی رہتے ہیں اس لیے بے شک یہ اندیشہ ہے کہ انکو طبعاً یہ خیال پیدا ہو کہ یہ تو وہی مسیح ہے جو صلیب سے بوجہ غشی کے غلطی کے ساتھ زندہ اتارا گیا اور پھر موقع پا کر مشرقی بلاد کی طرف بھاگ گیا۔ آخر اب ایسے طور سے اسکو صلیب دیں کہ کام تمام ہو جائے اور پھر کسی طرف بھاگ نہ سکے۔ اور ساتھ ہی یہ فکر بھی ہے کہ مبادا عیسائیوں کو بھی خیال آجائے کہ پہلا کفارہ پرانا اور بودہ ہو چکا ہے اور شراب خوری اور فسق و فجور کی کثرت نے ثابت بھی کر دیا ہے کہ اس کفارہ کی تاثیر جاتی رہی ہے اس لیے اب ایک نئے خون کی ضرورت ہے۔ سو میں ہمدردی سے کہتا ہوں کہ مسٹر پگٹ کو ان ہر دو فرقوں سے چوکس رہنا چاہیئے۔ القصہ ان دنوں میں جبکہ زمین میں ایسے ایسے جھوٹے اور ناپاک دعوے کیے گئے ہیں۔ اس لیے خدا نے جو زمین پر بدی اور ناپاکی کا پھیلنا پسند نہیں کرتا مجھے اپنا مسیح کر کے بھیجا تا وہ زمین کی تاریکی کو اپنی توحید سے روشن کرے اور شرک کی نجاست سے دنیا کو مخلصی بخشی۔ پس میں وہی مسیح موعود ہوں جو ایسے وقت میں آنیوالا تھا اور میں صرف اپنے منہ سے نہیں کہتا کہ میں مسیح موعود ہوں بلکہ وہ خدا جس نے زمین و آسمان بنایا میری گواہی دیتا ہے اس نے اس گواہی کے پورا کرنیکے لیے صدہا نشان میرے لیے ظاہر کیے اور کر رہا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اسکا فضل اس مسیح سے مجھ پر زیادہ ہی جو مجھ سے پہلے گذر چکا ہے۔ میرے آئینہ میں اس کا چہرہ اس سے زیادہ وسیع طور پر منعکس ہوا ہے جو اسکی آئینہ میں ہوا تھا

اگر مَیں صرف اپنے مُنہ سے کہتا ہوں تو مَیں جھوٹا ہوں۔ لیکن اگر وہ میرے لئے گواہی دیتا ہے تو کوئی مجھے جھوٹا قرار نہیں دے سکتا۔ میرے لیے اُسکی ہزارہا گواہیاں ہیں جن کو مَیں شمار نہیں کر سکتا۔ مگر منجملہ ان کے ایک یہ بھی گواہی ہے کہ یہ دلیر دروغ گو یعنی پگٹ جس نے خدا ہونیکا لنڈن میں دعویٰ کیا ہے وہ میری آنکھوں کے سامنے نیست و نابود ہو جائیگا۔ دوسری یہ گواہی ہے کہ مسٹر ڈوئی اگر میری درخواست مباہلہ قبول کریگا اور صراحتاً یا اشارۃً میرے مقابلہ پر کھڑا ہوگا تو میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ اس دنیائے فانی کو چھوڑ دیگا یہ دو نشان ہیں جو یورپ اور امریکہ کے لیے خاص کیے گئے ہیں کاش وہ انپر غور کریں اور ان سے فایدہ اُٹھاویں۔

یاد رہے کہ ابتک ڈوئی نے میری اس درخواست مباہلہ کا کچھ جواب نہیں دیا اور نہ اپنے اخبار میں کچھ اشارہ کیا ہے اس لیے مَیں آج کی تاریخ سے جو ۲۳۔ اگست سنہ ۱۹۰۳ء ہے اُسکو پورے سات ماہ کی اور مہلت دیتا ہوں اگر وہ اس مہلت میں میرے مقابلہ پر آگیا اور جس طور سے مقابلہ کرنیکی مَینے تجویز کی ہے جسکو مَیں شایع کر چکا ہوں اس تجویز کو پورے طور پر منظور کر کے اپنے اخبار میں عام اشتہار دے دیا تو جلد تر دنیا دیکھ لے گی کہ اس مقابلہ کا انجام کیا ہوگا۔ مَیں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں۔ اور وہ جیسا کہ بیان کرتا ہے پچاس برس کا جوان ہے جو میری نسبت گویا ایک بچہ ہے۔ لیکن مَینے اپنی بڑی عمر کی کچھ پروا نہیں کی۔ کیونکہ اس مباہلہ کا فیصلہ عمروں کی حکومت سے نہیں ہوگا بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا مالک اور احکم الحاکمین ہے وہ اِسکا فیصلہ کریگا۔ اور اگر مسٹر ڈوئی اس مقابلہ سے بھاگ گیا تو دیکھو آج میں تمام امریکہ اور یورپ کے باشندوں کو اس بات پر گواہ کرتا ہوں کہ یہ طریق اُسکا بھی شکست کی صورت سمجھی جائے گی اور نیز اس صورت میں پبلک کو یقین کرنا چاہیئے کہ یہ تمام دعویٰ اُسکا الیاس بننے کا محض زبان کا مکر اور فریب تھا اور اگرچہ وہ اس طرح سے موت سے بھاگنا چاہے گا لیکن درحقیقت ایسی بھاری مقابلہ سے گریز کرنا بھی ایک موت ہے پس یقین سمجھو کہ اس کے صیہون پر جلد تر ایک آفت آنے والی ہے۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ضرور ایک صورت اسکو پکڑ لے گی۔ اب مَیں اس مضمون کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اے قادر اور کامل خدا جو ہمیشہ نبیوں پر ظاہر ہوتا رہا اور ظاہر ہوتا رہیگا یہ فیصلہ جلد کر۔ کہ پگٹ اور ڈوئی کا جھوٹ لوگوں پر ظاہر کر دے۔ کیونکہ اس زمانہ میں تیرے عاجز بندے اپنے جیسے انسانوں کی پرستش میں گرفتار ہو کر تجھ سے بہت دُور جا پڑے ہیں سو اے ہمارے پیارے خدا انکو اس مخلوق پرستی کے اثر سے رہائی بخش اور اپنے وعدوں کو پورا کر جو اس زمانہ کے لیے تیرے تمام نبیوں نے کیے ہیں ان کانٹوں میں سے زخمی لوگوں کو باہر نکال اور حقیقی نجات کے سرچشمہ سے انکو سیراب کر۔ کیونکہ سب نجات تیری معرفت اور تیری محبت میں ہے کسی انسان کے خون میں نجات نہیں۔ اے رحیم کریم خدا انکی مخلوق پرستی پر بہت زمانہ گذر گیا ہے اب

انپر تُو رحم کر اور انکی آنکھیں کھولدے۔ اے قادر اور رحیم خدا سب کچھ تیرے ہاتھ میں ہے اب تُو ان بندوں کو اس اسیری سے رہائی بخش اور صلیب اور خون مسیح کے خیالات سے انکو بچالے۔ اے قادر کریم خدا انکے لیے میری دعا سن اور آسمان سے انکے دلوں پر ایک نور نازل کر تا وہ تجھے دیکھ لیں کون خیال کر سکتا ہے کہ وہ تجھے دیکھیں گے کس کے ضمیر میں ہے کہ وہ مخلوق پرستی کو چھوڑ دینگے اور تیری آواز سنیں گے پر اے خدا تُو سب کچھ کر سکتا ہے تُو نوحؑ کے دنوں کی طرح ان کو ہلاک مت کر کیونکہ وہ تیرے بندے ہیں بلکہ انپر رحم کر اور انکے دلوں کو سچائی کے قبول کرنیکے لیے کھولدے۔ ہر ایک قفل کی تیرے ہاتھ میں کنجی ہے جبکہ تُو نے مجھے اس کام کیلیے بھیجا ہے سو میں تیرے منہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں نامرادی سے مروں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جو کچھ اپنی وحی سے مجھے تُو نے وعدے دیئے ہیں ان وعدوں کو تُو ضرور پورا کریگا کیونکہ تو ہمارا خدا صادق خدا ہے۔ اے میرے رحیم خدا اس دنیا میں میرا بہشت کیا ہے بس یہی کہ تیرے بندے مخلوق پرستی سے نجات پا جائیں سو میرا بہشت مجھے عطا کر اور ان لوگوں کے مردوں اور ان لوگوں کی عورتوں اور انکے بچوں پر یہ حقیقت ظاہر کر دے کہ وہ خدا جسکی طرف توریت اور دوسری پاک کتابوں نے بلایا ہے اس سے وہ بیخبر ہیں اے قادر کریم میری سن لے کہ تمام طاقتیں تجھکو ہیں آمین ثم آمین۔

اس اشتہار میں جس کے لیے لمبے اقتباس اخبار گلاسگو ہیرلڈ اور نیویارک کمرشل ایڈورٹائیزر سے ہم پہلے دے چکے ہیں۔ مفصلہ ذیل امور خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

(۱) یہ اشتہار پہلی چٹھی کی طرح صرف ایک چیلنج یعنی مباہلہ کی دعوت ہی نہ تھی بلکہ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے اس میں ڈوئی کے انجام اور اس کی ہلاکت کی صریح خبر موجود تھی۔

(۲) مندرجہ ذیل الفاظ خاص طور پر توجہ کے قابل ہیں "مسٹر ڈوئی اگر میری درخواست مباہلہ قبول کریگا اور صراحتاً یا اشارتاً میرے مقابلہ پر کھڑا ہوگا تو میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ اس دنیائے فانی کو چھوڑ دے گا" پس پیشگوئی صاف الفاظ میں یہ تھی کہ خواہ صراحتاً یا اشارتاً ڈوئی مقابلہ پر کھڑا ہوا تو اسکا انجام بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ ہوگا اور وہ مسیح موعودؑ کی زندگی میں اور انکی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہوگا۔

(۳) خواہ ڈوئی موت سے بھاگنا چاہے مگر وہ بھاگ نہیں سکتا "یقین سمجھو کہ اس کے صیہون پر جلد تر ایک آفت آنیوالی ہے"

(۴) حضرت مسیح موعودؑ نے ڈوئی کی طرف سے مباہلہ کے جواب کا انتظار نہیں کیا بلکہ اپنی طرف سے مباہلہ کر دیا اور خدا کی فیصلہ کے لیے جو ڈوئی کے جھوٹ کو ظاہر کرنیوالا ہو اپنی طرف سے دعا شایع کر دی۔ قبل اس اشتہار کی اشاعت کے امریکہ کے تمام اخباروں میں پہلے چیلنج کے متعلق شور پڑ چکا تھا اور چاروں طرف کے اخباروں میں یہ سوال پوچھا جا رہا تھا کہ ڈوئی نے کیا جواب دیا ہے دوسری طرف ۲۳۔ اگست کو تازہ اشتہار بھی شایع کیا گیا اور ڈوئی اور اس کے مریدوں کو بھی کثرت سے بھیجا گیا۔ اسپر ۲۶ ستمبر ۱۹۰۳ء کو ڈوئی نے اپنے اخبار میں اپنی عادت کے مطابق بدزبانی کے ساتھ یہ جواب دیا۔ "لوگ

مجھے بعض اوقات کہتے ہیں کہ کیوں تم فلاں فلاں بات کا جواب نہیں دیتے۔ جواب۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں ان کیڑوں مکوڑوں کو جواب دونگا۔ اگر میں اپنا پاؤں ان پر رکھوں تو ایک دم میں انکو کچل سکتا ہوں۔ مگر میں انکو موقع دیتا ہوں کہ میرے سامنے سے دور چلے جائیں اور کچھ دن اور زندہ رہ لیں۔“ پھر اسکے بعد اپنے اخبار میں حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر کر کے آپ کو ”بیوقوف محمدی مسیح“ کے نام سے پکارا۔ اور ۱۲۔ دسمبر ۱۹۰۳ء کو لکھا کہ ”اگر میں خدا کی زمین پر خدا کا پیغمبر نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں۔“ دوسری طرف اسلام کی تباہی کی پیشگوئی پر بھی اسی طرح اصرار رہا چنانچہ جنوری ۱۹۰۴ء کے ایک پرچہ میں اس نے لکھا ”میرا یہ کام ہے کہ لوگوں کو مشرق اور مغرب سے اور شمال اور جنوب سے نکال کر جمع کروں اور انکو اس صیہون اور دوسرے ایسے صیہون کے شہروں میں آباد کروں یہانتک کہ وہ وقت آجاوے کہ جب تمام مسلمان صفحۂ دنیا سے نابود کر دیئے جاویں۔ اے خدا تو ہمیں وہ وقت دکھا۔“ ایسا ہی ۵ دسمبر ۱۹۰۳ء کو اس نے اپنی یہ خواب شایع کی کہ ایک فرشتہ نے مجھے کہا ہے کہ تو اپنے دشمنوں پر غالب آئیگا۔ یہ خواب اس مفتری نے محض حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کے لیے بطور جواب شایع کی تھی۔ کیونکہ اس پیشگوئی میں اسکی ہلاکت کی خبر تھی۔

اب ان تمام امور پر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی طرف سے مباہلہ شایع کر دیا۔ اور یہ پیشگوئی کی کہ اگر ڈوئی اشارتاً بھی اب مقابلہ پر آیا تو وہ بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ آپ کی آنکھوں کے سامنے نیست و نابود کر دیا جاویگا اور اس کے صیہون پر سخت آفت آویگی۔ دوسری طرف ڈوئی نے بھی اگرچہ کھلے الفاظ میں مباہلہ کو قبول نہ کیا کیونکہ وہ جھوٹا تھا اور اسکا دل اندر سے ڈرتا تھا۔ مگر وہ بے ادبی کے الفاظ میں حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر کرتا رہا اور بڑے تحقیر آمیز الفاظ میں کیڑوں اور مکوڑوں کے ساتھ آپ کو مشابہت دیکر یہ کہا کہ میں ایسی باتوں کا کھلے لفظوں میں جواب دینا بھی اپنی ہتک سمجھتا ہوں۔ اور پھر اپنی طرف سے یہ خواب بھی شایع کی کہ میں غالب آؤنگا جو گویا حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کا کہ وہ ہلاک ہوگا جواب تھا۔ اور خدا سے یہ دعا بھی مانگی کہ اے خدا تو ہمیں جلد وہ دن دکھا کہ سارے مسلمان ہلاک ہوں جن میں وہ حضرت مسیح موعودؑ کو شامل سمجھتا تھا۔ پس یہ تمام باتیں صفائی سے ثابت کرتی ہیں کہ ڈوئی نے اپنے آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کے مباہلہ اور آپ کی پیشگوئی کا نشانہ بنایا اور وہ آپ کے بالمقابل نکل کھڑا ہوا اور آپکی اور تمام مسلمانوں کی ہلاکت کے لیے دعائیں بھی کیں اور ان دعاؤں کو شایع بھی کیا۔ پس پیشگوئی کا امریکہ وغیرہ ممالک میں شایع ہونا بڑی صفائی سے ثابت ہے۔ اب دوسری بات یہ دیکھنی ہے کہ آیا یہ پیشگوئی پوری بھی ہوئی یا نہیں۔ پیشگوئی کا ماحصل یہ تھا کہ ڈوئی جو حضرت مسیح موعودؑ سے عمر میں قریباً گیارہ سال چھوٹا تھا آپ کی زندگی میں مر جائیگا۔ اور کہ وہ شخص جو پیشگوئی کے شایع ہونیکے وقت بادشاہوں کی طرح محلوں میں رہتا تھا اور جس کے اشارہ پر ہزارہا آدمی اسکے آگے جھک جاتے تھے جس کا روپیہ کروڑوں میں گنا جاتا تھا اور جس کی صحت نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی اور جس کا نہ صرف یہی دعویٰ تھا کہ میں ہر قسم کی بیماریوں سے محفوظ رہونگا بلکہ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ میں لوگوں کو بھی بیماریوں سے شفا دے سکتا ہوں وہ شخص

انجام کار اسی زندگی میں بڑی بڑی حسرتیں اور دکھ اُٹھائیگا اور وہ صیہون جسے وہ مسیح کے آنیکے لیے تیار کر رہا تھا اسپر آفت آئے گی۔ اب جو حالات ڈوئی کی پیشگوئی کے بعد اخباروں میں شایع ہوتے رہے ہیں وہ نہایت صفائی سے اس پیشگوئی کے پورا ہونیکو ثابت کر رہے ہیں۔ پیشگوئی کے شایع ہونیکے وقت یعنی اگست ۱۹۰۳ء میں ڈوئی کے اس کے اپنے بیان کے مطابق ایک لاکھ سے زیادہ مرید تھے۔ سفر میں اسکی ذاتی ضروریات کیلیے ایک اتنا بڑا عملہ افسروں اور ملازموں کا اسکے ساتھ رہتا تھا جیسے کسی نواب یا راجہ کے ساتھ۔ اس کے واعظ دنیا کی تمام ممالک میں اور خصوصاً عیسائی ممالک میں بکثرت پھیلے ہوئے تھے جنکی تنخواہیں وہ دیتا تھا۔ صیہون میں اس کے کارخانے لاکھوں روپے کما رہے تھے۔ ایک صیہون کے شہر کا تو وہ واقعی مالک تھا مگر اس کے ساتھ ہی وہ اور بھی کئی اس قسم کے صیہون آباد کرنیکی تجاویز کر رہا تھا۔ وہ ایسا مضبوط تھا اور اس کی جسمانی صحت ایسی اچھی تھی کہ وہ بیماری کو شیطان کی طرف منسوب کر کے کہا کرتا تھا کہ میں کبھی بیمار نہیں ہونگا۔ پیشگوئی کے شایع ہونے کے دو سال بعد تک اسکی دولت اور اسکے سلسلہ میں ویسی ہی ترقی رہی (اگرچہ یہ فوری اثر ہوا تھا کہ وہ انہی دنوں میں یعنی پیشگوئی کے شایع ہونیکے معاً بعد ولدالزنا ثابت ہوا۔ اور اس نے اپنی ماں پر آپ زنا کی تہمت لگائی اور خود اخباروں میں اس بات کو شایع کیا کہ جس شخص کے ساتھ اسکی ماں کا نکاح ہوا تھا وہ اسکا اصلی باپ نہ تھا بلکہ اس کی ماں کا نکاح سے پہلے کسی دوسرے امیر آدمی کے ساتھ ناجائز تعلق تھا اور وہ نکاح کے ایک یا دو مہینہ بعد ہی پیدا ہو گیا تھا مگر چونکہ عیسائی ممالک میں نہ زنا کاری کو عیب سمجھا جاتا ہے اور نہ ولدالزنا ہونیکو کوئی ذلت خیال کیا جاتا ہے اس لیے ہم نے اس بات کا تذکرہ انگریزی اشتہار میں نہیں کیا۔ ان ممالک میں کثرت فسق و فجور سے ان باتوں کو عیب کی باتیں نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے اگرچہ یہ واقعی ایک بڑی بھاری ذلت تھی جو مباہلہ اور پیشگوئی کا فوری اثر تھا مگر ہم نے اس قوم کے اخلاقی حالات کے لحاظ سے اسکا تذکرہ نہیں کیا) سب سے پہلی بڑی مصیبت جو عذاب کے رنگ میں اسپر وارد ہوئی وہ فالج کا گرنا تھا جو یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء کو ہوا۔ پھر ایک دوسرا حملہ فالج کا اسپر ۱۹۔ دسمبر کو اسی سال میں ہوا اور اس حملے نے اسے اُٹھنے کے قابل نہ چھوڑا اور نہ ہی وہ کسی کام کے قابل رہا۔ پس جب وہ سخت بیماری سے بالکل لاچار ہو گیا تو صیہون کے کاروبار کو اپنے ماتحتوں کو سپرد کر کے خود ایک جزیرہ میں جس کی آب و ہوا صحت کے لحاظ سے اچھی تھی چلا گیا۔ مگر یہ اس کے دکھوں اور مصیبتوں کا انتہا نہ تھا بلکہ ابتدا ہی ثابت ہوا۔ اور اسکے بعد وہ دکھ اور حسرتیں اس نے اٹھائیں جو اس سے پہلے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔ جب وہ صیہون کو چھوڑ کر چلا گیا تو اس کے مریدوں کو معلوم ہوا کہ اس کی اندرونی زندگی نہایت ناپاک اور سیاہ کاری کی تھی۔ اور اسپر نہایت خطرناک الزام لگائے گئے۔ معلوم ہوا کہ جبکہ وہ مریدوں کو شراب بلکہ تمباکو نوشی سے بھی روکتا تھا تو خود گھر جا کر مزے سے شراب پیا کرتا تھا چنانچہ اسکی کوٹھڑی سے جس میں وہ کسی دوسرے کو جانیکی اجازت نہ دیتا تھا شراب برآمد بھی ہوئی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے تعلقات بعض کنواری لڑکیوں سے مشکوک تھے۔

اور وہ تجویز کرنی چاہتا تھا کہ سات کنواری لڑکیاں اس کی خدمت میں رہا کریں۔ قریب پچاسی لاکھ روپئے کی اسکی خیانت بھی ثابت ہوئی کیونکہ یہ روپیہ صیہون کے حساب میں سے کم تھا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک لاکھ سے زیادہ روپیہ اس نے صرف بطور تحائف خوبصورت صیہون کی عورتوں کو دیدیا تھا۔ ان الزامات سے ڈوئی اپنی بریت ثابت نہ کر سکا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکے مرید سارے کے سارے اسکی ان ناپاک اور گندی کارروائیوں سے اس سے مرتد ہوگئے اور اسکو گالیاں دیتے تھے اور اسکے بیٹے اور عورت نے بھی ان الزامات کی تائید میں اسکی خفیہ کارروائیوں کا اظہار کیا۔ اسطرح چند ماہ کے عرصہ میں ہی اسکی ساری عزت خاک میں مل گئی۔ کروڑوں روپیوں میں سے ایک پیسہ بھی اس کے ہاتھ میں نہ رہا اور سارے مرید یکدفعہ ہی اس سے بیزار ہو گئے۔ اور اسکی سیاہ کاریاں جو اسکے اپنے مریدوں نے ظاہر اور شایع کیں ساری دنیا نے دیکھیں اور اسپر لعنت بھیجی۔ اس سے بڑھکر دکھوں اور حسرتوں کا اور کیا نقشہ ہو سکتا ہے؟ ڈوئی نے یہ کوشش کی کہ عدالتوں کے ذریعہ صیہون پر اور روپئے پر قبضہ حاصل کرے مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی۔ وہ صیہون کا شہر جہاں ہزاروں آدمی اس کے اشارے پر جھکا کرتے تھے جب وہ واپس اس شہر میں آیا تو ایک بھی آدمی اس کے استقبال کیلیے موجود نہ تھا۔ اس نے چاہا کہ اپنے مریدوں کے سامنے اپیل کرکے انکو پھر اپنا مطیع کرے مگر چاروں طرف اسکے لیے مایوسی ہی مایوسی تھی۔ جسمانی طور پر اسکی حالت ایسی خراب ہوگئی تھی کہ وہ خود اٹھکر ایک قدم بھی نہ چل سکتا تھا بلکہ اسکے حبشی ملازم اسے ایک جگہ سے اٹھاکر دوسری جگہ لیجاتے تھے۔ تین ہی چیزوں پر اسے ناز تھا اور تینوں اسکے پاس نہ رہیں نہ صحت رہی نہ دولت رہی نہ مرید رہے۔ اور اسطرح چند ہی ماہ میں ایک بڑے عروج کی حالت سے وہ سخت ذلت کیحالت میں گر گیا۔ چاروں طرف سے حسرتیں اور دکھ ہی اسکو نظر آتے تھے اور اسکی یہ حالت تھی کہ اسی دنیا میں وہ دوزخ میں پڑا ہوا تھا۔ دکھ اور مصیبتیں انتہا کو پہنچ گئیں۔ اس کے بعد وہ دیوانہ ہوگیا اور حواس بالکل جاتے رہے اور یہ اسکی زندگی کی آخری حالت تھی۔ اور اب اسکی موت کے ساتھ اس عظیم الشان پیشگوئی کے پورا ہونے کی تکمیل ہوگئی ہے۔ اسکی موت کا واقعہ ۹ مارچ ۱۹۰۷ء کی صبح کو آٹھ بجے کے قریب ہوا۔

جسقدر شہرت ڈوئی نے حاصل کی وہ بہت بڑی شہرت تھی مگر اسکی ذلت جو پیشگوئی کے بعد ظاہر ہوئی وہ اس پہلی شہرت سے بھی بڑھ گئی۔ اس کا عروج اور ترقی واقعی حیرت انگیز تھے مگر اس سے کہیں بڑھکر حیرت انگیز اسکا دکھوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہونا تھا۔ اسکا دعوی یہ تھا کہ میں الیاس ہوں اور مسیح کی آمد کے لیے راستہ تیار کرنے اور برگزیدوں کو جمع کرنے آیا ہوں اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمی اسکے ساتھ بھی ہوگئے مگر جب پیشگوئی کے پورا ہونیکا وقت آیا تو اسکی تمام جماعت نے ہی اسکو مفتری ٹھہرایا اور اسکے خدا کی طرف سے ہونے سے انکار کیا۔ وہ دعوی کرتا تھا کہ میں یسوع مسیح کا رسول ہوں اور یسوع مسیح کی طرح میری زندگی بھی گناہوں سے پاک ہے اور دوسروں کیلیے

دیسا ہی نمونہ ہے جیسے مسیح کی زندگی تھی مگر اس کے اپنے بیٹے اور عورتوں نے اسکی خفیہ سیاہ کاریوں کو طشت ازبام کیا اور تمام دنیا نے دیکھ لیا کہ جو کچھ وہ وعظ کرتا تھا خفیہ طور پر اسکے خلاف عمل کرتا تھا۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ بیماری گناہ ہے اور کہ میں لوگوں کی بیماریاں محض اپنی دعا سے اچھی کر سکتا ہوں مگر نہ صرف اسکی لڑکی ہی اس کی آنکھوں کے سامنے چیخ چیخ کر ہلاک ہوگئی اور وہ کچھ نہ کر سکا بلکہ جب وہ خود مفلوج ہوا تو نہ اسکی اپنی دعائیں اور نہ ہی اسکے ایک لاکھ مریدوں کی دعائیں کچھ اثر کر سکیں حالانکہ اس کے مفلوج ہونے سے اس کے تمام دعووں پر پانی پھرتا تھا۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ تمام مسلمان میری آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو جائیں گے۔ مگر وہ خود اسلام کے سچے مسیح کی آنکھوں کے سامنے اسکی پیشگوئی کے مطابق طرح طرح کی حسرتیں اور دکھ اٹھا کر ہلاک ہوگیا۔ اسکی موت کے سوال کو الگ رکھکر بھی اگر غور کیا جاوے تو اسکی نظیر ملنی مشکل ہے کہ ایک انسان اوج ترقی سے یکمرتبہ اس طرح قعر ذلت میں گر گیا ہو۔ یہ تھا ایک برگزیدہ کے مباہلہ کا اثر۔

وہ خدائی فیصلہ جو حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے مانگا تھا کہ ای خدا تو کھلے طور پر ڈوئی کے جھوٹ کو دنیا پر ظاہر فرما وہ فیصلہ ظاہر ہو چکا ہے۔ اور جو پیشگوئی اسکے انجام کے متعلق تین سال پہلے امریکہ اور یورپ میں شایع ہو چکی تھی وہ نہایت صفائی سے پوری ہو چکی ہے۔ پیشین گوئی میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ ڈوئی حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں بڑے بڑے دکھ اٹھا کر اور بڑی بڑی حسرتوں کے ساتھ ہلاک ہو جائیگا۔ پیشگوئی کے یہ لفظ تھے کہ وہ میری آنکھوں کے سامنے اور میرے دیکھتے دیکھتے حسرت اور دکھ کے ساتھ اس دنیا کو چھوڑ جائیگا۔ یہ ایسے لفظ ہیں جن کے نہ کوئی دوسرے معنے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی تشریح کے محتاج ہیں۔ یہ الفاظ ایسے وقت میں شایع کیے گئے تھے جب ڈوئی کے عروج کا ستارہ اوج پر تھا اور یہ وہم بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ ایسا ذلیل ہو جائیگا ہاں اسکے انجام سے سوائے عالم الغیب خدا کے کوئی واقف نہ تھا۔ اور اس نے جیسا کہ وعدہ فرمایا ہے کہ لا یظھر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول اپنے ایک برگزیدہ رسول پر اس انجام کو ظاہر فرمایا اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ خدا کے سچے مرسل کے سامنے ہلاک ہوگا۔ فانی انسان اپنے محدود علم سے کبھی ایسی دور از قیاس بات اور آیندہ کے مخفی اور باریک رازوں پر آگاہی پا سکتا تھا۔ کچھ عرصہ گذرتا ہے جب ڈوئی ان خطرناک مصائب اور ذلتوں کا شکار ہو رہا تھا۔ تو اسوقت بھی ہم نے اس پیشگوئی کا ذکر کیا تھا جس پر امریکہ کے ایک اخبار نے یہ لکھا تھا کہ ڈوئی جیسے مفتری کے لیے ایسے انجام کا بتا دینا کچھ غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اور کہ ہر شخص کہہ سکتا تھا کہ ڈوئی کا انجام نہایت برا ہوگا۔ ایسا دعویٰ کرنا تو ایک آسان امر ہے مگر اسکو ثابت کر دکھانا محال ہے۔ اگر واقعی ہر شخص ایسا کہہ سکتا تھا تو زیادہ نہیں دو چار آدمیوں کی ہی ایسی شہادت دکھائی جاوے جنہوں نے یہ لکھا ہو کہ ڈوئی بڑی بڑی حسرتوں کے ساتھ اور سخت دکھ اٹھا کر ان کے

دیکھتے دیکھتے اور انکی آنکھوں کے سامنے مر جائیگا۔ قیاس سے کوئی انسان اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکتا تھا۔ بلکہ باوجود اخباروں کی مخالفت کے اسکا کام دن بدن ترقی پر تھا مریدوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اور روپیہ زیادہ سے زیادہ چلا آتا تھا۔ باوجود مخالفت کے وہ کروڑپتی آدمی اور ایک شہر کا مالک بن گیا۔ باوجودیکہ اخبار والے بہتیرا کچھ اسکی مخالفت میں لکھتے تھے پر اسکا اثر کچھ بھی نہ تھا کیونکہ اسکے مریدوں کی تعداد روزافزوں ترقی پر تھی یہانتک کہ تھوڑے ہی دنوں میں ایک لاکھ آدمی اسکو ساتھ ہوگئے۔ اور چھ کروڑ روپیہ اس کے پاس جمع ہو گیا۔ اور یہ مرید اسکے انہی لوگوں میں سے تھے جو بڑے مہذب اور تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔ پس جب تک کہ ڈوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ میں نہیں آیا۔ اسوقت تک وہ ترقی ہی کرتا چلا گیا۔ اگر کوئی اور شخص بھی ہے جس نے اس عروج اور اقبال کے وقت ڈوئی کی نسبت یہ پیشگوئی کی تھی کہ وہ سخت دکھوں اور حسرتوں کے ساتھ ہلاک ہو جائیگا۔ اور یہ دُکھ اور حسرتیں پیشگوئی کرنیوالے کی زندگی میں ہی اسکو آلیں گی اور اسکی آنکھوں کے سامنے ہی وہ ہلاک بھی ہو جائیگا تو ہم یہ تسلیم کرلیں گے کہ واقعی اس پیشگوئی میں جو حضرت مسیح موعودؑ نے کی کوئی خارق عادت بات نہ تھی اور یہ محض انسانی عقل کا قیاس تھا۔ لیکن اگر ان ہزار ہا تحریروں میں سے جو ڈوئی کی متعلق لکھی گئی ہیں ایک بھی اس مضمون کی تحریر نہیں نکل سکتی تو ایک سمجھدار آدمی کا جس کے دل میں کچھ بھی خدا کا خوف باقی ہے یہ فرض ہے کہ وہ اس پیشگوئی کے منجانب اللہ ہونے کو تسلیم کرے اور اسکی سچائی کی شہادت کو ادا کرے اور ایسا ہی اس شخص کی صداقت کی شہادت ادا کرے جسپر یہ پیشگوئی اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمائی۔ ایک طالب حق کے لیے اس پیشگوئی کو منجانب اللہ سمجھنے کے لیے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اسکا پورا ہونا ایسے واقعات کے ذریعہ سے ہوا جو معمولی حالات سے الگ تھے۔ ڈوئی کی ہلاکت کے سامان جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے اُنپر غور کر کے ایک سمجھدار آدمی آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ یہ سامان خدائے تعالیٰ نے خاص طور پر پیدا کر دیئے تھے۔ اور کسی معمولی واقعہ کا نتیجہ نہ تھے۔ بڑی تباہی جو اسکے صیہون پر آئی وہ یہ تھی کہ اسکے مرید اسکی سیاہ کاریوں پر اطلاع پا کر اس سے برگشتہ ہوگئے اگر وہ مرض فالج میں مبتلا نہ ہوتا تو اسکا سارا کاروبار بھی اپنے ہاتھ میں ہی رہتا اور اسکی مخفی کارروائیاں ظاہر نہ ہو سکتیں۔ پس عذاب الٰہی فالج کی صورت میں اسپر گرا اور اسی سے اسکی تمام تباہی کی بنیاد پڑی جب مرید برگشتہ ہوگئے اور سارا روپیہ اور حکومت اس کے ہاتھ سے جاتی رہی اور تمام دنیا میں اسکی ذلّت ہو گئی تو اس صدمہ سے وہ دیوانہ اور آخر کار ہلاک ہو گیا۔ یہ واقعات خود بتاتے ہیں کہ اسکی ہلاکت معمولی طور پر نہیں ہوئی اگر ایسا ہوتا کہ اس عروج اور اقبال کی حالت میں ڈوئی کسی معمولی مرض سے مر جاتا تو پیشگوئی جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ بڑی بڑی حسرتیں اور دُکھ اُٹھائیگا پوری نہ ہوتی۔ مگر منشاء ایزدی یہی تھا کہ یہ پیشگوئی پوری شدومد کے ساتھ اور نہایت صفائی سے پوری ہو۔ اسلیے یہ تمام غیر معمولی واقعات اور سامان اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیئے۔

اب ہم نے وہ تمام واقعات بیان کر دیئے ہیں جن سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ڈوئی کے متعلق پیشگوئی کا شایع ہونا اور پورا ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس بات کو ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ ان واقعات سے جو نتیجہ معقولی طور پر اور انصاف کے ساتھ نکل سکتا ہے وہ نکالیں۔ اخبارات کا یہ فرض ہے کہ ان واقعات کو اصلی رنگ میں پبلک کے سامنے پیش کریں۔ خصوصاً ان اخبارات کا جنہوں نے خود قبل از وقت اس پیشگوئی کو شایع کیا اور اس مباہلہ کا اعلان کیا جو ڈوئی کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا تھا۔ اب اس کے پورا ہونے پر پبلک کو اطلاع دینا بھی انکا فرض ہے۔ صرف اتنی بات کہ یہ مباہلہ اسلام اور عیسائیت کے دو وکیلوں کے درمیان تھا اور وکیل اسلام کو خدا نے اس میں غلبہ دیا حق کے اظہار سے رُک جانا جوانمردی کا کام نہیں۔ خدائے تعالیٰ نے اس مباہلہ میں اپنا فیصلہ ظاہر فرمایا ہے اور ہر ایک خدا ترس کو خدائی فیصلہ کی عزت کرنی چاہیئے۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ کسی شخص کو ہلاک کرکے نشان ظاہر کرنا خدائے تعالیٰ کی صفت رحم کے مخالف ہے۔ کیونکہ ایک شخص کی ہلاکت میں ہزاروں کی زندگی ہے اور یہ محض اس کا رحم ہے کہ ایک مفتری اور مجرم کو ہلاک کرکے ہزاروں کو زندگی کی راہ دکھائی۔

اس کے بعد ہم نے اس اشتہار میں حضرت اقدسؑ کی دو تازہ پیشگوئیاں جو یورپ اور امریکہ کے متعلق ہیں بیان کی ہیں یعنی ایک تو بڑے بڑے زلزلوں کے آنیکی پیشگوئی۔ اور دوسری یورپ اور دیگر عیسائی ممالک میں طاعون کے پھیلنے کی پیشگوئی۔ چونکہ یہ پیشگوئیاں اردو رسالے میں الگ سلسلہ الہامات میں شایع ہوگئی ہیں اسلیے یہاں انکے درج کرنیکی ضرورت نہیں۔ مگر ایک اور ضرورت اسجگہ محسوس ہوئی ہے اور وہ یہ کہ بعض لوگوں نے انکار کیا ہے کہ ڈوئی کے متعلق کوئی پیشگوئی شایع نہیں ہوئی سو ذیل میں دو اخباروں سے اقتباس ہم درج کرتے ہیں جن میں ایک انگلستان کا اخبار اور ایک امریکہ کا اخبار ہے۔ جن میں اس اشتہار کی جو اوپر ہم نے نقل کیا ہے بعض عبارتیں نقل کرکے ریمارک کیے گئے ہیں جس شخص میں کچھ بھی شرم و حیا کا مادہ ہے وہ ان اقتباسوں کو پڑھنے کے بعد پیشگوئی کی قبل از وقت اشاعت سے انکار نہیں کر سکتا۔ اخبار گلاسگو ہیرلڈ مورخہ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء لکھتا ہے "نامہ نگار لنڈن" پچھلے چند ہفتوں میں ایک اشتہار بعنوان "ڈوئی کے متعلق مسیح موعودؑ کی پیشگوئیاں" ممالک یورپ و امریکہ میں مشتہری کی غرض سے قادیان ملک پنجاب سے شایع ہوا ہے۔ یہ ایک عجیب قابل ذکر تحریر ہے جو چھ صفحہ کا پرچہ ہے زبان انگریزی میں بمقام لاہور چھپی ہے۔ لیکن مسیح موعود ایشیا کا رہنے والا ہے کیونکہ اس پرچہ میں مترجم کا فوٹو درج ہے اور پیشگوئی کے نیچے مرزا غلام احمد صاحب کے دستخط ثبت ہیں۔

"عیسائی مذہب کی غلطی"۔ یہ امر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اس اشتہار کے مضمون کو بلا حصہ تبصرہ یا کسی قسم کی رائے زنی کے لکھا جاوے دعوی پیش کردہ میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں۔ مرزا غلام احمد صاحب بڑی صفائی اور تفصیل سے ظاہر کرتے ہیں کہ میں وہی مسیح موعود ہوں جس نے آخری زمانہ میں آنا تھا۔ لیکن مسیح کے متعلق تمام پرانے

خیال کے عیسائیوں کے خیال سے انکا خیال مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ انسان خدا بن جائے۔
ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدید اور گہرا تعلق پیدا کرلے اور اسطرح سے خدائے تعالیٰ کا مظہر ہو جاوے۔
بعض اوقات ایسے انسان سے صفات الٰہی ظاہر ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صورت کا عکس اسکے آئینہ دل پر
پڑتا ہے اور ساتھ ہی اسکے انسانی صفات بھی ظہور میں آتی ہیں کیونکہ فطرتاً وہ ایک بشر ہوتا ہے یہی باعث ہے کہ بعض لوگ جن کو
روحانیت میں کم دخل ہے وہ ایسے انسان کے بارہ میں دھوکہ کھا جاتے ہیں کیونکہ انکی ایک جانب نظر ہوتی ہے اور
دوسری طرف سے بالکل اندھے ہوتے ہیں ایک انسان میں صفات الٰہی کا انعکاس پاکر اس ظل کو اصل خیال کرنے لگ جاتے ہیں اور
ایسے شخص کو واقعی خدا تعالیٰ سمجھتے ہیں لیکن عیسائیوں کا وہ فرقہ جنھوں نے حضرت مسیح کو خدا بنایا ہے جس غلطی میں وہ
پڑے ہوئے ہیں اور جو دھوکہ انکو لگا ہے وہ دیگر تمام مشرک قوموں کی غلطی اور دھوکہ سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ مرزا غلام احمد
صاحب کے نزدیک جو بات عیسائی مذہب کے متعلق بہت مایوسی پیدا کرنیوالی ہے وہ یہ ہے کہ جب عیسیٰ کی خدائی کا جھوٹا
عقیدہ موجودہ ترقی یافتہ زمانہ کی طبایع کے نزدیک قبول کرنیکے قابل نہ رہا تو ایک جھوٹے خیال کو قایم رکھنے کیلیے
نئے نئے بیہودہ طریق پیش کیے جاتے ہیں اور ایک جھوٹے عقیدہ کو بحال رکھنے کیلیے نئے جھوٹے دعوے تراشے جاتے ہیں

ڈاکٹر ڈوئی اور مسٹر پگٹ:۔ مرزا غلام احمد صاحب کے نزدیک سخت قابل نفرت اور نہایت بیہودہ دعاوی وہ
ہیں جو ڈاکٹر ڈوئی اور مسٹر پگٹ نے کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یورپ میں مسٹر پگٹ مسیحیت وخدائی کا دعویٰ کرتا ہے
اور اپنے آپ کو زمین و آسمان کا مالک قرار دیتا ہے۔ اور مغربی کرہ میں چکاگو کا ڈاکٹر ڈوئی کھڑا ہوا ہے اور کہتا ہے
کہ میں الیاس ہوں جس نے یسوع مسیح سے پہلے آنا تھا۔ اور ۲۵ سال آیندہ کے اندر یسوع مسیح کی آمد کی پیشگوئی کرتا
ہے۔ اس کام کے اختیار کرنے میں ان دو جھوٹے دعوے کرنیوالوں نے جو دلیری کی ہے اس میں ایک خفیف سا
فرق ہے۔ سکاٹ لینڈ کا مفتری یعنی ڈوئی کمزور دل معلوم ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ اسکا یہ دعویٰ ہے کہ وہ بحیثیت
ایک نوکر کے اپنے مالک (مسیح) کے واسطے راستہ تیار کرنے آیا ہے لیکن الیاس ہونیکا دعویٰ کرنے میں بھی بزدلی
دکھلاتا ہے۔ مسٹر پگٹ ڈوئی سے زیادہ دلیر ہے۔ یعنی جھوٹے دعوے کے کرنے میں اسنے زیادہ دلیری اور جرأت
دکھلائی ہے اور کہتا ہے کہ میں وہی مسیح ہوں جو پہلے آیا تھا۔ نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھکر وہ خود خدا ہونے کا
دعویدار ہے یہ تمام اسکی لغویات اور کفر کی باتیں ہیں۔

در صدہا نشانات آسمانی:۔ مرزا غلام احمد صاحب کہتے ہیں کہ اس لیے کہ زمین بدکاریوں اور جھوٹے عقیدوں
اور جھوٹے دعووں سے آلودہ ہو گئی تھی سچا مسیح سرزمین پنجاب میں نازل کیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ خدائی کا دعویٰ نہیں
کرتا۔ لیکن اسکا مسیحیت کا دعویٰ بھی اپنی طرف سے نہیں ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ میری تائید میں جو سیکڑوں
نشانات آسمانی ظاہر ہوئے ہیں انکے ذریعے اللہ تعالیٰ نے میری صداقت کی شہادت دی ہے۔ میں سچ سچ کہتا

ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو برکات و فضل مجھ پر نازل کیے ہیں وہ ان فضلوں سے بدرجہا بڑھکر ہیں جو اُس مسیح پر نازل ہوئے تھے جو مجھ سے پہلے گذر چکا ہے۔ میرے وجود کے آئینہ میں اللہ تعالیٰ کے چہرہ کا عکس اُس پہلے یسوع کی نسبت بہت زیادہ پڑا ہے۔ اگر یہ تمام میری اپنی ہی لاف و گزاف ہے جس کی اور کوئی سند نہیں تو میں جھوٹا ہوں لیکن اگر اللہ تعالیٰ میری صداقت کی شہادت دیتا ہے تو کوئی نہیں جو مجھے جھٹلا سکے۔

"دعوت مقابلہ:- خصوصاً ڈاکٹر ڈوئی اور مسٹر پگٹ کی قسمت کا فیصلہ مسیح موعود کی صداقت کا ایک نشان ہوگا۔ مترجم کے نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ستمبر سال گذشتہ میں بذریعہ ایک ماہواری رسالہ آف ریویو آف ریلیجنز قادیان کے مسیح موعود کی جانب سے ڈاکٹر ڈوئی کو دعوت مقابلہ کی گئی تھی۔ کیونکہ ڈاکٹر ڈوئی نے پیشگوئی کی تھی کہ تمام مسلمان ہلاک ہو جاویں گے اس لیے کہ وہ یسوع مسیح کو خدا اور ڈوئی کو الیاس نہیں مانتے اس تحریک سے جو دعوت مقابلہ کی گئی اس کے الفاظ یہ ہیں۔ "اس امر کا فیصلہ کہ مسلمانوں کا خدا سچا خدا ہے یا ڈوئی کا خدا سچا ہے ان لاکھوں جانوں کو ضایع کرنیکے بغیر بھی ہو سکتا ہے جن کے ضایع ہونے کی ڈوئی پیشگوئی کرتا ہے وہ طریق فیصلہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی تباہی کی دھمکی دینے کی بجائے اسکو چاہیئے کہ وہ صرف مجھی حریف مقابل منتخب کر لے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ جو ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ پہلے ہلاک ہو جاوے۔ اس تجویز کے قرار دینے میں مینے خود بخود ابتدا نہیں کی بلکہ ڈوئی کی جرأت کے سبب سے اللہ تعالیٰ کی غیرت نے چاہا ہے کہ ایسا ہی ہو"

"ایک پیشگوئی:- اس دعوت مقابلہ کا بظاہر کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔ لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دعوت مقابلہ خالی از نتیجہ بھی نہیں رہی۔ کیونکہ ڈاکٹر ڈوئی نے اپنے فرقہ کے پرچہ نامی "لیوز آف ہیلنگ" کی گذشتہ اشاعت میں عیسائیوں کو تثلیث کے عقیدہ کا الزام دیا ہے اور یہودیوں اور مسلمانوں کے ساتھ جو توحید الٰہی پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہمدردی ظاہر کی ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب اپنی پیشگوئی مورخہ ۲۳- اگست گذشتہ میں ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اپنی دعوت مقابلہ کے جواب کا سات ماہ آیندہ تک انتظار کریں گے۔ اگر اس عرصہ میں ڈاکٹر ڈوئی نے اس مقابلہ کو منظور کر لیا اور اسکی شرائط کو پورا کیا تو تمام دنیا اس مقابلہ کا انجام دیکھ لے گی۔ میری عمر ستر سال کے قریب ہے حالانکہ ڈاکٹر ڈوئی صرف ۵۵ سال کی عمر کا ہے۔ لیکن چونکہ اس امر کا انفصال عمر پر نہیں ہے۔ اسواسطے میں ان عمر کے سالوں کی تفاوت کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ مرزا غلام احمد صاحب کہتے ہیں کہ اگر اب بھی ڈوئی مقابلہ سے انکار کریگا تو امریکہ کے پیغمبر کے دعاوی جھوٹ اور افترا ثابت ہو جاویں گے۔ مسٹر پگٹ کے بارہ میں مسیح موعود کی پیشگوئی ہے کہ وہ خدائی کا متکبر مدعی میری حیات میں تباہ ہو جاوے گا۔

"ایک دلیری کا دعویٰ:- شاید اس امر کا لکھنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ مترجم اپنے نوٹ کے آخری فقرہ میں ماہ گذشتہ کے رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ایک آرٹیکل کی طرف توجہ دلاتا ہے جس میں درج ہے کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا

بلکہ وہاں سے اپنی جان بچا کر بھاگ آیا تھا اور بعد ازاں بمقام سری نگر ملک کشمیر وفات پائی جہاں محلہ خانیار میں اب تک اس کی قبر موجود ہے۔"

اخبار نیویارک کمرشل ایڈورٹائزر لکھتا ہے "دُور دراز ملک ہند سے ایک چھپا ہوا اشتہار مرزا غلام احمد کی طرف سے آیا ہے جو پنجاب قادیان سے لکھتے ہیں ..... انہوں نے الیاس ثالث کو مقابلہ میں بلایا ہے کہ وہ اپنے دعوے کو ثابت کر کے دکھاوے مگر ابھی تک صیہون شہر کے مسیح نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنے دعویٰ الوہیت* کے ثبوت میں ہندوستانی مسیح کہتا ہے کہ جب خدا نے دیکھا کہ زمین پر بدی اور ناپاکی پھیل گئی ہے تو اس نے مجھے پنجاب کی زمین میں مبعوث کیا کیونکہ اس کے کام عجیب ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "مَیں وہ سچا مسیح ہوں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونیوالا تھا۔ یہ خدا نے مجھے کہا ہے اور مَیں صرف اپنے مُنہ سے نہیں کہتا کہ مَیں مسیح موعود ہوں بلکہ وہ خدا جس نے زمین و آسمان بنایا ہے میری گواہی دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی یہ شہادت سیکڑوں آسمانی نشانوں کے ذریعے ظاہر ہوئی ہے جو اس نے میری تائید میں دکھائے ہیں۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اسکا فضل اس مسیح سے مجھ پر زیادہ ہے جو مجھ سے پہلے گذر چکا ہے۔ میرے آئینہ میں اس کا چہرہ اس سے زیادہ وسیع طور پر منعکس ہوا ہے جو اسکے آئینہ میں ہوا تھا۔ اگر یہ صرف میرے مُنہ کی باتیں ہیں اور اور کوئی گواہی میرے پاس نہیں تو مَیں جھوٹا ہوں لیکن اگر خدا تعالیٰ میرے لیے گواہی دیتا ہے تو کوئی مجھے جھوٹا قرار نہیں دے سکتا۔ ہزاروں دفعہ اس نے میرے لیے گواہی دی ہے اتنی دفعہ کہ مَیں شمار بھی نہیں کرسکتا۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی گواہی ہے کہ یہ دلیر دروغ گو یعنی پگٹ جس نے خدا ہونیکا لنڈن میں دعویٰ کیا ہے وہ میری آنکھوں کے سامنے نیست و نابود ہو جائیگا۔ دوسری یہ گواہی ہے کہ مسٹر ڈوئی اگر میری درخواست مباہلہ قبول کرے گا اور صراحتاً یا اشارۃً میرے مقابلہ پر کھڑا ہوگا۔ تو میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ اس دنیائے فانی کو چھوڑ دیگا۔ یہ دو نشان ہیں جو یورپ اور امریکہ کے لیے خاص کیے گئے ہیں کاش وہ انپر غور کریں اور انسے فایدہ اُٹھاویں۔

یاد رہے کہ ابتک ڈوئی نے میری اس درخواست مباہلہ کا کچھ جواب نہیں دیا اور نہ اپنے اخبار میں کچھ اشارہ کیا۔ اس لیے آج کی تاریخ سے جو ۲۳- اگست ۱۹۰۳ء ہے اسکو پورے سات ماہ کی اور مہلت دیتا ہوں اگر وہ اس مہلت میں میرے مقابلہ پر آگیا۔ اور جس طور سے مقابلہ کرنیکے لیے تجویز کی ہے جسکو مَیں شایع کر چکا ہوں اس تجویز کو پورے طور پر منظور کرکے اپنے اخبار میں عام اشتہار دیدیا تو جلد تر دنیا دیکھ لے گی کہ مقابلہ کا انجام کیا ہوگا۔ مَیں عمر میں ستّر کے قریب ہوں اور وہ قریباً پچپن سال کی عمر کا ہے۔ اور اس لیے میرے مقابلہ میں گویا ایک جوان آدمی ہے لیکن مَیں نے اپنی عمر کی کچھ پروا نہیں کی۔ کیونکہ اس مباہلہ کا فیصلہ عمروں کی حکومت سے نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا مالک اور احکم الحاکمین ہے۔ وہ اسکا فیصلہ کریگا۔ اور اگر مسٹر ڈوئی اس

* مسیح کی الوہیت کا غلط عقیدہ یہانتک اس قوم کے دل میں جم گیا ہے کہ اب بجائے اسکے محض دعویٰ سے ڈوئی کی الوہیت کے معتقد ہوگئے۔ منہ

مقابلہ سے بھاگ گیا۔ تو دیکھو آج میں تمام امریکہ اور یورپ کے باشندوں کو اسپر گواہ کرتا ہوں کہ یہ طریق اسکا بھی شکست کی صورت سمجھی جاوے گی۔ اور نیز اس صورت میں پبلک کو یقین کرنا چاہیئے کہ یہ تمام دعویٰ اسکا الیاس بننے کا محض زبان کا مکر اور فریب تھا اور اگرچہ وہ اس طرح سے موت سے بھاگنا چاہیگا لیکن درحقیقت ایسے مقابلہ سے گریز کرنا بھی اس کے لیے موت ہی ہوگا۔ اور یقین سمجھو کہ اسکے صیہون پر جلد تر ایک آفت آنیوالی ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ایک صورت ضرور اسکو پکڑلے گی''

اس بات کو مدنظر رکھکر کہ احمد نے ڈوئی کو سخت مشکلات میں پھنسا دیا ہے یہ قرین قیاس ہے کہ موخر الذکر ان مشکلات میں پھنسا رہیگا بہ نسبت اس کے کہ کھلے میدان میں مقابلہ پر آئے اور دنیا کو سخت دُکھ اور حسرتوں کے ساتھ چھوڑے''

ان خلاصوں سے پیشگوئی کا شایع ہونا نہایت واضح طور سے ثابت ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ طالبان حق اس کھلے کھلے نشان سے ضرور فایدہ اُٹھائیں گے۔

قرآن کریم کی تفسیر

بہت مدت سے میرا دل اس بات کو چاہتا تھا کہ ریویو آف ریلیجنز کا ایک حصہ قرآن شریف کی ایک تفسیر عام فہم اردو زبان میں ہوتا کتاب الٰہی کا سچا علم اور تعلیم ہمارے احباب میں ترقی کرے۔ مگر حالات اجازت نہ دیتے تھے اصل بات یہ ہے کہ ہر امر کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ اور اس آرزو کے پورا ہونیکا یہ وقت آگیا ہے تھوڑے عرصہ سے رسالہ تعلیم الاسلام کا نکالنا تجویز ہوا جس کی اہم غرض قرآن شریف کی ایک تفسیر کا مہیا کرنا تھا۔ اس رسالہ کو شروع ہوئے ۹ ماہ گذر چکے ہیں اور اس عرصہ میں تین سو سے زاید صفحات قرآن شریف کی تفسیر کے اس میں نکل چکے ہیں۔ اس تفسیر کے متعلق صرف اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب جو کچھ درس قرآن میں فرماتے ہیں وہ معہ شئی زاید اس تفسیر میں موجود ہوتا ہے۔ تفسیر کو ترتیب مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب دیتے ہیں نیز جہاں تک اس تفسیر کو دیکھا ہے۔ نہایت بیش قیمت پایا ہے اور حضرت مولوی صاحب نے بھی اکثر اوقات اس کی بہت تعریف کی ہے۔ عام فہم ہے۔ اور الفاظ اور ان کے معانی کی پوری تشریح کیجاتی ہے۔ احمدی قوم کی یہ ایک بڑی بھاری ضرورت تھی۔ جو اس رنگ میں پوری ہوئی۔ اب میری غرض اس ذکر کرنے سے یہ ہے۔ کہ یہ رسالہ ایک ایسا قیمتی رسالہ تھا جو ہر ایک فرد کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے تھا اسی غرض سے اسکی قیمت صرف عہ سالانہ رکھی گئی تھی۔

مگر اس وجہ سے کہ جماعت کو اس رسالہ کے اغراض اور اس کے مضامین سے کماحقہ آگاہی نہ ہوئی۔ اس کی اشاعت بھی ابتک بہت محدود رہی اس کی توسیع اشاعت کا سوال جبکہ دیر سے غور ہو رہا تھا۔ اب اس طرح پر حل کیا گیا ہے کہ اس رسالہ کو رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ساتھ ملا دیا جاوے اور اس کی قیمت میں بھی تخفیف کیجاوے ابتک اس رسالہ میں قریباً تیس ۳۰ بتیس ۳۲ صفحے تفسیر کے علی العموم رہے ہیں مگر آیندہ صرف بیس ۲۰ صفحے ہوں گے مگر چونکہ یہ بیس ۲۰ صفحے میگزین کی لکھائی کے مطابق ہونگے اس لیے ان میں مضمون انشاء اللہ اسی قدر ہوگا جس قدر پہلے تیس ۳۰ یا بتیس ۳۲ صفحوں میں ہوتا تھا اور اس کی لکھائی اور چھپائی پر ویسی ہی محنت صرف کیجاویگی جیسے ابتک میگزین پر کیجا رہی ہے۔ اور یہ حصہ بطور ضمیمہ ریویو آف ریلیجنز ہوگا جس کی قیمت صرف ۱۲ ؍ سالانہ ہوگی۔ اور موجودہ خریداران ریویو کو اختیار ہوگا جو صاحب چاہیں اسے بطور ضمیمہ خریدیں اور جو نہ چاہیں نہ خریدیں ریویو کی اصل قیمت وہی ہوگی جو اب تک رہی ہے یعنی صرف عہ سالانہ اور صرف ضمیمہ کے خریداروں سے ۱۲ ؍ سالانہ زیادہ لیے جائینگے یہ اتنی تھوڑی قیمت ہے کہ اس میں انجمن کا کوئی فایدہ مدنظر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ اس وجہ سے کہ قرآن شریف کا علم حاصل کرنا ہر ایک سچے احمدی کا کام ہے۔ کیونکہ اصل غرض بعثت امام علیہ السلام کی قرآن کریم کی تعلیم دوبارہ دنیا میں زندہ کرنیکی ہے اس لیے انجمن نے پسند کیا ہے کہ جہانتک ممکن ہو۔ رعایت کے ساتھ ایک مکمل تفسیر قرآن کریم کی سب احباب کے ہاتھوں تک پہنچائی جائے۔ ۱۲ ؍ میں سے ۴ ؍ سالانہ کا خرچ تو صرف ٹکٹ وغیرہ کا ہی ہو جائیگا اس طرح سے صرف ۸ ؍ میں ایک دو سو چالیس صفحوں کی گنجان اور خوش خط چھپی ہوئی کتاب سال میں اس ضمیمہ کے خریداروں کو پہنچ جاویگی۔ میں امید کرتا ہوں کہ ریویو آف ریلیجنز کے خریدار اس نادر موقعہ سے فایدہ اُٹھائیں گے۔

اس تفسیر میں اس بات کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے کہ جو جو اعتراضات قرآن شریف پر کیے گئے ہیں۔ ان کا جواب بھی ساتھ ساتھ دیا جاویگا۔ اسی لیے کسی قدر لمبی بھی ہو جاویگی۔ نیا انتظام ماہ مئی سے شروع ہوگا اور اپریل کا رسالہ غالباً اپنے وقت پر ہی روانہ ہوگا۔ لہذا ۱۹۰۷ء کے آخر تک صرف ۸۔ ماہ باقی ہونگے اور ان ۸۔ ماہ کے لیے ضمیمہ کا چندہ صرف ۸ ؍ رہیگا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ کم از کم ان آٹھ ماہ کیلیے ہماری احباب ضرور اس تفسیر کو منگوا کر پڑھیں گے۔ پھر انشاء اللہ وہ خود اسکی قدر کرنے لگیں گے۔ درخواستیں بہت جلد آنی چاہیئیں کیونکہ ضمیمہ صرف اسی قدر چھپوایا جائیگا جس قدر درخواستیں اس کیلیے آئیں گی۔ تفسیر کے پچھلے حصہ کی بھی چند کاپیاں موجود ہیں اگر احباب خریدنا چاہیں تو تھوڑی سی درخواستوں کی تعمیل ہو سکے گی۔ اس حصہ کی قیمت بھی قریباً ساڑھے تین سو صفحے تفسیر کے ہونگی عہ ہے

نوٹ نمبر ا ضمیمہ الگ بھی جاری کیا جا سکتا ہے یعنی جو لوگ ریویو آف ریلیجنز نہ خریدتے ہوں انکے نام بھی ضمیمہ جاری ہو سکتا ہے مگر ایسے احباب کیلیے اسکی قیمت ایک روپیہ سالانہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں اخراجات بڑھ جاتے ہیں ایسا ہی جو لوگ سال ختم ہونے کے بعد اکٹھا خریدیں گے انکو بھی ایک روپیہ قیمت ادا کرنی ہوگی۔

نوٹ نمبر ۲۔ ضمیمہ کی قیمت میں ان رعایتوں میں سے کوئی رعایت نہ ہوگی۔ جو ریویو کی قیمت میں طلباء وغیرہ کے ساتھ کیجاتی ہے۔ کیونکہ اس قیمت پر بمشکل اصل لاگت ہی واپس آئے گی۔
جملہ درخواستیں بنام نائب ناظم میگزین قادیان اور روپیہ بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ آنا چاہیئے۔

چند نتیجہ خیز تازہ واقعات

زیں نشانہا بدرگاں کور و کر اند ٭ صد نشاں بینند و غافل بگذرند

(۱) سب سے اوّل قابل ذکر وہ حیرت انگیز اور ہولناک واقعہ ہے جسکو تمام پنجاب اور کشمیر میں لوگوں نے دیکھا۔ یہ واقعہ ۳۱ مارچ کا ہے۔ گذشتہ رسالہ میں ۷ مارچ کی تاریخ کے نیچے حضرت مسیح موعودؑ کی یہ پیشگوئی شایع ہو چکی ہے جس کو ہمارے ناظرین ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ الہام کی تاریخ سے پچیس دن تک یا پچیس دن گذرنے پر کوئی ہولناک اور تعجب انگیز واقعہ" ہوگا۔ اب ۷۔ مارچ سے پچیس دن ۳۱ مارچ کو پورے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب پورے پچیس دن گذر گئے اور پچیسویں دن کا آخری حصہ تھا یعنی ۳۱ مارچ پانچ بجے شام کے قریب اسوقت آسمان پر ایک ایسا حیرت انگیز اور ہولناک واقعہ ظاہر ہوا جسکو سینکڑوں میلوں تک لوگوں نے دیکھا۔ اور سخت حیرت زدہ اور ہراساں ہوئے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ میں اور لوگوں کو تو چھوڑو مسلمانوں کی کیا حالت ہو رہی ہے سینکڑوں نشان اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور پھر ایسے لاپرواہیں کہ گویا کچھ بھی نہیں دیکھا۔ کیا یہ بھی کسی قیاس سے پیش از وقت بتایا جاسکتا تھا کہ ۳۱ مارچ کو ایک نشان ظاہر ہوگا جو تمام لوگوں کو حیرت میں ڈالدیگا اور ہولناک ہوگا؟ آہ! کیسے کھلے کھلے نشان خدا کی ہستی کے اور ایک مامور من اللہ کی صداقت کے ان لوگوں کو دکھائے گئے مگر بہت ہی کم ہیں جو فایدہ اٹھاتے ہیں۔ مگر اس انکار کو خدا تعالیٰ بے سزا نہیں چھوڑتا جوں جوں لوگوں کا انکار بڑھ رہا ہے اور نشان پر نشان دیکھکر وہ منہ پھیر رہے ہیں ویسے ہی قہار خدا کا غضب بھی دن بدن زیادہ تیز ہو رہا ہے۔ خواندہ اور جاہل۔ دہریہ اور خدا ماننے والے سب کی ایک ہی حالت ہو رہی ہے اور فرق کرنا مشکل ہے۔ مگر یہ جو کچھ ظلم لوگ کر رہے ہیں اسکا وبال آخر انہی پر پڑ رہا ہے۔ ایک ایک نشان جو ظاہر ہو رہا ہے کیسا دل کو تسکین بخشنے والا اور اطمینان دینے والا ہے مگر اکثر لوگ عمداً خواب غفلت سے بیدار ہونا نہیں چاہتے۔ اس ہولناک اور حیرت انگیز واقعہ کی جس کے ظہور کا پچیس دن پیشتر وعدہ دیا گیا تھا اور ۳۱۔ مارچ کی تاریخ بتائی گئی تھی۔ اب تفصیل کی کچھ حاجت باقی نہیں ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص اس سے واقف ہو چکا ہے۔ نہ اس پیشگوئی کی صداقت کے لیے کسی لمبی تفتیش کی ضرورت ہے۔ یہ واقعہ ایسا نہیں کہ اگر کسی کی آنکھوں سے مخفی رہ گیا ہو تو اس کے کانوں نے معتبر ذرایع سے نہ سن لیا ہو۔ باقی رہی پیشگوئی کی قبل از وقت اشاعت سو جو شخص چاہے اس رسالہ کی گذشتہ

ماہ کی اشاعت میں یعنی ۲۰۔ مارچ کے پرچہ میں سلسلہ الہامات میں اسے دیکھ سکتا ہے اور ایسا ہی اخبار بدر اور الحکم میں اسے دیکھ سکتا ہے۔ اس ستارہ کا گرنا معمولی شہاب کے رنگ میں نہیں بلکہ ایسے ایسے عجیب حالات اس کے بیان کیے گئے ہیں جو کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا کہ پہلے بھی اسکی آنکھوں نے کبھی دیکھے ہوں بلکہ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کے ۳۔ اپریل کے پرچہ میں یہ لکھا ہے کہ بہت سے نامہ نگار یہ سوال کرتے ہیں کہ ایسے شہاب کے گرنیکی کوئی پہلے بھی نظیر موجود ہے اور نہ ایڈیٹر اخبار نے ہی اور نہ کسی دوسرے شخص نے اسکی کوئی نظیر بیان کی ہے۔ یہ نظارہ ایسا ہولناک تھا کہ بعض جگہ جن لوگوں نے اسے دیکھا وہ بیہوش ہو گئے بعض ڈر کر گھروں کو بھاگ گئے۔ اخبار سول کے ۶۔ اپریل کے پرچہ میں ضلع گوجرانوالہ کے ایک نامہ نگار کا خط چھپا ہے کہ اس ضلع کے تین مواضع میں آسمان سے آگ کے گولے برسے اور لوگ بہت ہی خوف زدہ ہو گئے ہیں ڈلہوزی اور کشمیر سے دو انگریزوں کے خطوط بھی چھپے ہیں ایک ۶۔ اپریل کے پرچہ میں اور دوسرا ۱۰۔ اپریل کے پرچہ میں جو اس واقعہ پر حیرت ظاہر کرتے ہیں۔ ڈلہوزی سے جس انگریز نے لکھا ہے وہ کہتا ہے کہ مختلف بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہاب نہیں بلکہ ایک ہی وقت میں شہابوں کی بکثرت بارش ہوئی جن میں سے بعض دیکھے گئے اور بعض نہیں دیکھے گئے۔ کشمیر سے جس انگریز نے لکھا ہے اسنے بھی اس واقعہ پر بہت حیرت ظاہر کی ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں ابھی تحقیقات کرونگا کیونکہ یہ معاملہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا واقعہ تھا۔ خود قادیان میں اس کثرت سے اس واقعہ کے ہولناک اور حیرت انگیز ہونیکے متعلق خطوط پہنچے ہیں کہ ان سب کا حوالہ دینے کے لیے بھی کئی صفحے بکار ہیں۔ مگر ہم مزید شہادت کے لیے پیسہ اخبار کے چند نامہ نگاروں کی تحریریں نقل کرتے ہیں جو روزانہ پیسہ کے ۸ تاریخ کے اخبار میں چھپی ہیں۔

تحصیل جہلم۔ ۳۱۔ مارچ کو بروز اتوار تقریباً ۴ بجے شام کے ایک شعلہ آتش آسمان پر مغرب سے نمودار ہوکر مشرق کی طرف جا کر غائب ہو گیا اور اخیر ایک بادل سا نظر آیا...... یہ خدا کی قدرت دیکھکر سب حیران رہ گئے۔

سنگھنتل ریاست جموں۔ کل شام ۴ بجے عجیب قدرت دیکھنے میں آئی (اور پھر اسی واقعہ کا ذکر کرکے اخیر پر لکھتا ہے) سب لوگ خوف زدہ ہو رہے ہیں۔

ضلع گورداسپور۔ کل شام ۳۱۔ مارچ بوقت ۴ بجکر ۵ منٹ پر ایک ستارہ یعنی ایک سخت تیز روشنی بشکل ایک مشعل کے جس کے پیچھے ایک گز نہایت ہی سفید و شفاف چاندی کا سا دستہ معلوم ہوتا تھا۔ جنوب سے شمال کو جاتا ہوا معلوم ہوا۔ اور پھر آخر وہ ایک جگہ زمین پر گرتا ہوا بھی معلوم ہوا جس جگہ وہ گرا اسجگہ سے تین مختلف جگہ سے دھواں نمودار ہوا اور اس کے بعد ایک بڑی ہولناک گرج سنائی دی مجھے جہانتک معلوم ہوا ہے سات سات میل کے فاصلہ پر یہی حال ظہور میں آیا ہے۔ لوگ بیچارے دیہاتی اس کیفیت کو دیکھکر سخت حیرت زدہ ہو رہے ہیں۔

ضلع گجرات۔ عجائبات قدرت حق میں سے ایک کا مشاہدہ ہوا...... ہزارہا لوگ دیکھکر حیران ہوئے۔

ضلع راولپنڈی۔ ۳۱۔ مارچ کو دوپہر سے تا بوقت زوال مختلف جگہوں پر اس علاقہ میں آسمان سے شعلے آتش کے

بشکل برج آتشی گرتے نظر آئے۔ اور زمین کے نزدیک آتے ہی دھواں بنکر غائب ہو گئے۔

گڈاری تحصیل جہلم۔ کل ۳۱۔ مارچ کو بوقت ساڑھے تین بجے شام کے ایک شعلہ آتشیں ایسا نظر آیا کہ جس کے سامنے سورج کی روشنی بھی مات ہو گئی تھی۔.... دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں ایک دو آدمی نے نہیں دیکھا بلکہ صدہا نے دیکھا ہے لوگ بہت ششدر ہیں شاید یہ بھی قیامت کے مقررہ آثار میں سے کوئی نشان ہو۔

ضلع فیروزپور۔ ۳۱۔ مارچ کی آسمانی آگ نے عوام الناس کو خائف کر رکھا ہے (پھر واقعہ کو بیان کر کے لکھا ہے) اکثر آدمی خوف سے گھروں کو بھاگ آئے۔ اس سے لوگ بہت ہراساں ہو رہے ہیں۔

(۲) یہ نشان تو آسمان سے ظاہر ہوا ہے۔ اب میں ایک ایسے نشان کا ذکر کرتا ہوں جو انہی دنوں میں زمین پر ظاہر ہوا۔ اور اس طرح ان نشانوں نے ملکر حضرت خلیفۃ اللہ کے اس دعوے کی تصدیق کی ہے جو اس شعر میں کیا گیا ہے کہ ؎ آسماں بارد نشاں الوقت میگوید زمیں۔ ایں دو شاہد از پئے تصدیق من استادہ اند۔ بعض نا عاقبت اندیش کوتہ نظروں نے یہ کہا ہے کہ منشی الٰہی بخش کی موت پر احمدی بغلیں بجائیں گے مگر وہ یاد رکھیں کہ موت ہر ایک انسان پر آنیوالی ہے یہ سراسر نادانی اور حماقت کا قول ہے ہم نے موت کے آنے سے کب انکار کیا اور کب کہا ہے کہ ہم نہیں مرینگے بلکہ میں بصیرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ موت کو خود ان لوگوں نے بھلایا ہوا ہے۔ جو خدا کے نشان دیکھتے ہیں اور ان سے منہ پھیر کر ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ اگر کبھی انکے دلوں میں یہ خیال گذرتا کہ آخر انہوں نے بھی مرنا ہے تو اسقدر لاپروائی اور غفلت کبھی نہ دکھاتے اور ایسی استہزا کبھی نہ کرتے۔ آہ! دل میں درد پیدا ہوتا ہے کہ کن لفظوں میں انہیں سمجھائیں کہ وہ خود اپنے لیے ہلاکت خرید رہے ہیں۔ اور امن و سلامتی کی راہوں سے منہ پھیر رہے ہیں۔ کاش کوئی اہل دل ان میں سے ان واقعات پر غور کرے اور انکو سمجھاوے۔ منشی الٰہی بخش ایک شخص تھے جو ابتدا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کی تصدیق کرتے تھے اور الہاماً تصدیق کرتے تھے انکی مخالفت کی ابتدا یہ ہوئی کہ جب وہ غالباً ۱۸۹۸ء میں ایکدفعہ قادیان آئے تو حضرت مسیح موعود نے انکو بیعت کے لیے کہا۔ اس موقعہ پر شیطان نے ان کے قدم کو پھسلا دیا۔ اور تعلی میں آکر انہوں نے کہا کہ میں کیوں بیعت کروں تم میری بیعت کرو کیونکہ خدا نے تو مجھے موسیٰ کر کے بھیجا ہے۔ پھر واپس جا کر یہ کہنا شروع کیا کہ مجھے الہام ہوتے ہیں کہ یہ شخص جھوٹا ہے اسپر حضرت مسیح موعود نے انکو کہا کہ تم اپنے وہ الہام اگر شایع کر دو تو خدائے تعالیٰ مجھ میں اور تم میں فیصلہ کر دیگا۔ چنانچہ یہ الہامات انہوں نے ۱۹۰۰ء میں کتاب عصائے موسیٰ میں شایع کیے جن کا ماحصل یہ تھا کہ مصنف عصائے موسیٰ یعنی الٰہی بخش کو لمبی عمر دیجائیگی اور مرزا صاحب کو اور ان کے سلسلہ کو اس کے سامنے نیست و نابود کیا جاویگا۔ اور کہ الٰہی بخش نہیں مریگا جبتک وہ اپنی غرض کو جو اس سلسلہ کی تباہی ہے پورا نہ کر لے۔ چنانچہ بعض عبارتیں اور الہامات اسکو ذیل میں درج ہیں۔ صفحہ ۱۹ متع المسلمین بطول حیاتک و بطول بقاءک۔ ینفع اللہ المسلمین بطول حیاتک و بطول بقاءک۔ پھر صفحہ ۳۱ پر لکھا ہے ”کسی فرعون مجوزہ کے مقابلہ پر یا کسی اور دینی خصومت یا غیرت کے باعث اسم مبارک حضرت موسیٰ وغیرہ استعمال ہوئے ہیں جیسا کہ مثل مشہور ہے لکل فرعون موسیٰ“ اس عبارت میں اپنے آپ کو موسیٰ ٹھہرایا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نعوذ باللہ فرعون ٹھہرایا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ جس طرح موسیٰ کے سامنے فرعون مع اپنے لشکر کے تباہ ہوا تھا اور موسیٰ نے ایک سلسلہ قایم کیا تھا۔ اسی طرح میرے (الٰہی بخش کے) سامنے مرزا صاحب ہلاک ہونگے اور انکا سلسلہ نیست و نابود ہو جائیگا۔ اور میرا سلسلہ قایم ہوگا۔

چنانچہ اسی کو زیادہ وضاحت سے صفحہ ۶۸ پر لکھا ہے جہاں یہ الہام لکھا ہے کہ ان ترن انا اقل منک مالا و ولدا فعسی ربی ان یؤتین خیرا من جنتک ویرسل علیہا حسبانا من السماء فتصبح صعیدا زلقا۔ اور پھر اس الہام کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ضرور پورا ہوکر رہیگا۔ معنے اس الہام کے یہ ہیں کہ اگر مال اور اولاد کے اعتبار سے تو مجھ کو اپنے سے کم سمجھتا ہے تو قریب ہے کہ میرا پروردگار تیری باغ سے بہتر باغ مجھ کو عطا فرمائے اور تیرے باغ پر آسمان سے کوئی ایسی بلا نازل کرے جو وہ چٹیل میدان ہوکر رہ جاوے۔ اس الہام کو حضرت مسیح موعودؑ پر اسطرح چسپاں کیا ہے کہ وہ ایک بڑے سلسلہ کا فخر کرتے ہیں۔ اور پھر یہ پیشگوئی کی ہے کہ وہ مع اپنے سلسلہ کے نیست و نابود ہوجائیں گے اور الٰہی بخش ایک سلسلہ اس سے بھی بڑا قایم کریگا۔ اور پھر اسی صفحہ پر اپنے متعلق یہ الہام لکھا ہے کہ کرمنا بنی آدم یعنی الٰہی بخش دنیا میں ایک مکرم معظم انسان بنجائیگا اور حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق لکھا ہے جعلنٰہ کالرمیم اسکو خاکستر کی طرح کردیا جائیگا۔ اب کوئی شخص خوف خدا کو دل میں لیکر بتائے کہ الٰہی بخش کے اس گمنامی میں جس میں وہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت تھا یا اس سے بھی زیادہ گمنامی میں اس شخص کی آنکھوں کے سامنے جسکی ہلاکت کی وہ پیشگوئیاں کرتا تھا طاعون کے ساتھ ہلاک ہوجانیسے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اور پھر یہ اکیلی مثال نہیں بلکہ جو شخص اسطرح پر مقابل آیا اسی کو خدا نے ہلاک کیا۔ مگر مخالفت انسان کو ایسا نابینا کردیتی ہے کہ وہ پچھلوں کی موت سے سبق حاصل نہیں کرتا بلکہ اور گستاخی میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و اٰمنتم یعنی اگر تم شکر کرو اور اسکے نشانوں پر ایمان لے آؤ تو وہ تمھیں عذاب دیکر کیا کریگا۔ مگر افسوس ہے کہ یہ لوگ شکر اور ایمان کی راہوں کو چھوڑ کر خود ہی اپنے آپ کو اس کے عذاب کا مورد بنا رہے ہیں۔ اور نہ صرف الٰہی بخش کی پیشگوئیاں اسپر الٹی پڑیں۔ بلکہ حضرت مسیح موعودؑ نے اسکی ہلاکت کی پیشگوئی کھلے الفاظ میں کی تھی۔ دیکھو اربعین نمبر ۴ صفحہ ۱۲ حاشیہ و دیگر مقامات۔ اس حاشیہ میں لکھا ہے "میں ہرگز یقین نہیں کرتا کہ میں اسوقت سے پہلے مروں جب تک کہ میرا قادر خدا ان جھوٹے الزاموں سے مجھے بری کر کے آپ کا ذلیل ہونا ثابت نہ کرے۔ الا ان لعنۃ اللہ علی الکاذبین اسی کے متعلق قطعی اور یقینی طور پر مجھ کو ۱۱۔ دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء روز پنجشنبہ کو یہ الہام ہوا۔ برمقام فلک شدہ یارب۔ گر امیدے دہم مدار عجب" اب اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے اس کے متعلق یہ پیشگوئی کی ہے کہ تو نے مجھے مسرف و کذاب ٹھہرا کر (جیسا کہ اس نے لکھا تھا کہ مجھے مرزا صاحب کے متعلق الہام ہوا ہے ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب) یہ کہتا ہے کہ میں تیرے سامنے ہلاک کیا جاؤنگا اور تو ایک سلسلہ قایم کریگا۔ مگر میرا خدا مجھے یہ کہتا ہے کہ میں ہرگز نہ مرونگا جبتک کہ تیرا کاذب ہونا ثابت نہ ہوجائے یعنی تو میری آنکھوں کے سامنے نامرادی کے ساتھ ہلاک ہوکر میری صداقت کی شہادت نہ دیجائے۔ اور پھر لعنت کے ساتھ مباہلہ بھی کیا ہے یعنی خدائے تعالیٰ جھوٹے کو عذاب کے ساتھ ہلاک کرے سو طاعون کے ساتھ ہلاک ہوکر الٰہی بخش ایک شہادت دنیا کیلئے دے گیا ہے جسکی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سنے۔ یہ کسقدر صاف صاف اور کھلے کھلے نشان تھے کہ جو شخص اسطرح مقابل پر نکلا وہی ہلاکت کے گڑھے میں گرا۔ اور دنیا نے اس کے انجام کو دیکھ لیا ایسی ایک مثال بھی مامور من اللہ کی صداقت کی شہادت کیلئے کافی تھی مگر خدائے تعالیٰ نے اس زمانہ کی بے ایمانی اور قساوت قلبی کو دیکھ کر اسکی بہت سی مثالیں موجود کردیں پر افسوس کہ ابھی لوگ توجہ نہیں کرتے۔ (۳) تیسرا نشان جو میں بیان کرنا چاہتا تھا وہ قادیان کے آریوں کی طاعون سے ہلاکت ہے جو انہی دنوں میں واقعہ ہوئی مگر چونکہ اس رسالہ [illegible]

ہُن اُسد الیکھا خدا نال جاپیا اے (تشریح) یعنی عنقریب میرا دشمن ہلاک ہو جائیگا اور پھر اسکا خدا سے معاملہ پڑیگا۔ ۲۔ میرے دشمن ہلاک ہو گئے۔ ۳۔ ان اللہ مع الابرار۔ یعنی آیندہ عنقریب ہلاک ہوں گے۔ خدا نیکوں کے ساتھ ہے۔
۴۔ کوئی درباری میرے حلقۂ اطاعت سے گذرنے نہ پائے کوئی درباری اس جرم پر سزا سے محفوظ نہیں رہیگا۔ (تشریح) یعنی جو شخص خدا سے تعلق رکھنے والا ہے اسکا تعلق قایم نہیں رہ سکتا جبتک وہ مجھے قبول نہ کرے اور جو شخص اس حکم سے لاپرواہ ہے وہ سزا سے محفوظ نہیں رہیگا۔ ۵۔ سلطان عبد القادر (تشریح) اس الہام میں میرا نام سلطان عبد القادر رکھا گیا کیونکہ جسطرح سلطان دوسرے پر حکمران اور افسر ہوتا ہے اسی طرح مجھ کو تمام روحانی درباریوں پر افسری عطا کی گئی ہے یعنی جو لوگ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے ہیں انکا تعلق نہیں رہیگا جبتک وہ میری اطاعت نہ کریں اور میری اطاعت کا جُوا اپنی گردن پر نہ اُٹھائیں یہ اسی قسم کا فقرہ ہے جیسا کہ یہ فقرہ کہ قدمی ھٰذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ یہ فقرہ سید عبد القادر رضی اللہ عنہ کا ہے جسکے معنے ہیں کہ ہر ایک ولی کی گردن پر میرا قدم ہے۔ ۶۔ احل لہ الطیبات قل ما فعلت الا ما امرنی اللہ۔ (تشریح) اس سلطان عبد القادر کے لیے وہ تمام چیزیں حلال کی گئیں جو پاک ہیں کہہ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جو خدا کے حکم کے برخلاف ہو بلکہ وہی کیا جو خدا نے مجھے فرمایا۔ پھر بعد اس کے کشفی رنگ میں وہ مقبرہ مجھے دکھلایا گیا جسکا نام خدا نے بہشتی مقبرہ رکھا ہے۔ اور پھر الہام ہوا۔ کل مقابر الارض لا تقابل ھٰذہ الارض یعنی زمین ہند کے تمام قبرستان اس زمین کے مقابلہ نہیں کر سکتے یعنی اس زمین کو جو برکتیں دی گئیں وہ برکتیں تمام پنجاب اور ہندوستان میں کسی اور قبرستان کو نہیں دی گئیں ✤ پھر میں نے دیکھا کہ ایک راہ پر چل رہا ہوں اور میرے ساتھ میرا لڑکا مبارک احمد اور اس کی والدہ ہے اور مجھے خیال گذرتا ہے کہ مرزا غلام قادر مرحوم بھی (جو میرے بھائی ہیں) میرے ساتھ ہیں اور راہ میں اسقدر زنبور ہیں کہ ٹڈی دل کی طرح زمین پر پھیل رہی ہیں اور ایک میری ناک کے اندر بیٹھ گیا ہے اور پھر اُڑ گیا مگر کسی نے ضرر نہیں پہنچایا اور پھر ہم سب ایک مسجد میں داخل ہو گئے ہیں اور مسجد میں بھی کروڑہا زنبور ہیں مگر ہم انکے شر سے محفوظ رہے ہیں۔ ۲۹۔ مارچ ۱۹۰۷ء۔ ۱۔ اے ازلی ابدی خدا۔ مجھے زندگی کا شربت پلا۔ ۲۔ احق اللہ امری ولا تنفکا من ھٰذہ المرحلۃ۔ ترجمہ۔ خدا نے میری بات کو سچا کر دیا اور تم دونو اس مرحلہ سے نہیں چھوٹو گے۔ ۳۔ دولت اعلام بذریعہ الہام بہشتی کمرہ میں نزول ہوگا۔ ۴۔ ھل نراے جزاء الاحسان الا الاحسان (ترجمہ) نہیں دیکھتے ہم احسان کی جزا بجز احسان کے۔ یکم اپریل ۱۹۰۷ء لولا الاکرام لھلک المقام یا یہ کہا لولا خیر الانام لھلک المقام۔ ۳۔ اپریل ۱۹۰۷ء۔ ۱۔ انی مع الرسول اقوم والوم من یلوم واعطیک ما یدوم۔ ترجمہ۔ میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا اور جو اسے ملامت کرتا ہے اسے ملامت کرونگا اور تجھے وہ چیز دونگا جو ہمیشہ رہے۔ ۴۔ اپریل ۱۹۰۷ء۔ (۱) لائف آف پین۔ (۲) یا اللہ رحم کر (۳) انی مع اللہ فی کل حال۔ ترجمہ۔ میں ہر حال میں اللہ کے ساتھ ہوں۔

(۴) اخترطنا سیفه - ترجمہ - ہم نے اسکی تلوار کو کھینچا ہے - (۵) خدا کے سات نکو کار بندے ہر جگہ پر بیٹھے ہیں -
۵ - اپریل ۱۹۰۷ء[1] حٰم - تلك آیات الکتاب المبین - (۲) راز کھل گیا - تفہیم - وہ جو حٰم ہے اس میں
خدا کے نوشتہ کے کئی نشان ہیں جو ظاہر ہونیوالے ہیں - حٰم مقطعات میں کسی کا نام ہے - یہی تفہیم ہے -
(۳) الذین اعتدوا منکم فی السبت (یہ قوم مخالف کی طرف اشارہ ہے ساتھ کا فقرہ بھول گیا ہے
واللہ اعلم) ترجمہ - وہ لوگ جنہوں نے سبت کے معاملہ میں زیادتی کی - ۶ - اپریل ۱۹۰۷ء[1] مُت ایها الخوّان
ترجمہ - مَر اے بڑے خیانت کرنیوالے - (۲) تمت کلمة الله - ترجمہ - پوری ہوئی اللہ کی بات - (۳) ان الله
مع الذین اتقوا - ترجمہ - اللہ تعالیٰ اُنکے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کریں - (۴) الذین یذکرون الله
قیاماً وقعوداً - ترجمہ - وہ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے - (۵) رحم الله - ترجمہ - اللہ نے رحم کیا -
(۶) فضلناك علیٰ ما سواك - ترجمہ - تیرے سوائے جتنے ہیں ان سب پر ہم نے تجھے بزرگی دی -
۷ - اپریل ۱۹۰۷ء[1] والله انی غالب وسیظهر شوکتی - وکلّ هالكٌ الامن قعد فی سفینتی
اعن الخ - ترجمہ - بخدا میں غالب ہوں اور عنقریب میری شوکت ظاہر ہو جائیگی اور ہر ایک مریگا سوائے اُسکے جو میری
کشتی میں بیٹھ گیا - (۲) الہام کے الفاظ یاد نہیں رہے اور معنے یہ ہیں کہ فلاں کو پکڑ اور فلاں کو چھوڑ دو -
یہ فرشتوں کو حکم الٰہی ہے - (۳) ایک اور قیامت برپا ہوئی - ۹ - اپریل ۱۹۰۷ء - بلاد دمشق - سرّك
سرّی - ترجمہ - تیرا بھید میرا بھید ہے - ۱۱ - اپریل ۱۹۰۷ء - دہلی میں واصل جہنم واصل خاں فوت ہو گیا - حکیم
واصل خاں دہلی کا تو فوت ہو چکا ہے - تفہیم یہ تھی کہ اس کے عزیز و نہیں سے کوئی طاعون سے مر جائیگا کیونکہ جہنم کا لفظ اور الہامات
میں بھی طاعون کیلیے استعمال ہوا ہے -

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ❁ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۰۷ء نمبر (۵)

فہرست مضامین

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۴ اپریل ۱۹۰۷ء۔ اجیب دعوۃ الداع۔ ترجمہ میں دعا کرنیوالے کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء (۱) فتح ہے تمہاری (۲) تمہارے نام کی (۳) انّ شانئک ھو الابتر (۴) حدّ ظباۃ (۵) انت منّی بمنزلۃ موسیٰ (۶) احمد غزنوی (نہ معلوم کیا اشارہ ہے) (۷) پھر قرآن مجلّد دیکھا اُس کی جلد پر شیرازہ کے قریب لکھا ہوا تھا۔ سلامٌ قولاً من ربّ رحیم۔ ۱۷ اپریل ۱۹۰۷ء (۱) خدا دو مسلمان فریق میں سے ایک کا ہوگا پس یہ پھوٹ کا ثمرہ ہے۔ (۲) انّی مع الافواج اٰتیک بغتۃً (۳) انّی مع اللہ الکریم (۴) طوفان آیا وہی طوفان۔ شر آئی۔ ۲۱ اپریل ۱۹۰۷ء۔ ساریکم اٰیاتی فلا تستعجلون۔ ترجمہ قریب ہی میں تمہیں اپنے نشان دکھلاؤنگا۔ پس تم جلدی نہ کرو (۲) یہ دو گھر ہی مر گئے۔ (اسمیں خاص دو گھروں کی طرف اشارہ ہے) ۲۳ اپریل ۱۹۰۷ء (۱) اصلح بینی و بین اخوتی۔ (۲) سلامٌ قولاً من ربّ رحیم۔ یہ الہام کہ اصلح بینی و بین اخوتی۔ اسکے یہ معنے ہیں کہ اے میرے خدا مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اصلاح کر یہ الہام درحقیقت تتمہ اُن الہامات کا معلوم ہوتا ہے جن میں خدا تعالیٰ نے اس مخالفت کا انجام بتلایا ہے اور وہ یہ الہام ہیں۔ خرّوا علی الاذقان سجّداً۔ ربّنا اغفر لنا انّا کنّا خاطئین۔ تاللہ لقد اٰثرک اللہ علینا و ان کنّا لخاطئین لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم و ھو ارحم الراحمین۔ یعنی بعض سخت مخالفوں کا انجام یہ ہوگا کہ وہ بعض نشان دیکھ کر خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گرینگے کہ اے ہمارے خدا ہمارے گناہ بخش ہم خطا پر تھے اور مجھے مخاطب کرکے کہیں گے کہ بخدا خدا نے ہم پر تجھے فضیلت دی اور تجھے چُن لیا اور ہم غلطی پر تھے کہ تیری مخالفت کی۔ اسکا یہ جواب ہوگا کہ آج تم پر کوئی سرزنش نہیں خدا تمہیں بخش دیگا وہ ارحم الراحمین ہے۔ یہ اُسوقت ہوگا کہ جب بڑے بڑے نشان ظاہر ہونگے آخر سعید لوگوں کے دل کھل جائیں گے اور وہ دل میں کہیں گے کہ کیا کوئی سچا مسیح اس سے زیادہ نشان دکھلا سکتا ہے یا اس سے زیادہ اسکی نصرت و تائید ہو سکتی تھی تب یکدفعہ غیب سے قبول کیلئے ان میں طاقت پیدا ہو جائیگی اور وہ حق کو قبول کرلینگے۔ ۲۰ اپریل ۱۹۰۷ء۔ رؤیا میں دیکھا کہ بشیر احمد کھڑا ہے وہ ہاتھ سے شمال مشرق کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے کہ زلزلہ اس طرف چلا گیا۔ ۳۰ اپریل ۱۹۰۷ء۔ سلام علیک۔ یکم مئی و ۳۰ اپریل ۱۹۰۷ء (۱) پوری ہوگئی۔ فلیدع الزبانیۃ ترجمہ۔ پس چاہیئے کہ اپنے حامیوں کو بلالے تا پورا زور لگالیں (۲) اے سیاہ خانۂ دشمن کہ تو ویراں کردی (وبا) (۳) وان شکرتم لازیدنکم۔ ترجمہ۔ اگر تم شکر کرو تو میں زیادہ دونگا۔ یکم مئی ۱۹۰۷ء (۱) قرب اجلک (۲) یاتیک تحائف کثیرۃ ۲ تا ۷ مئی ۱۹۰۷ء۔ و امّا نرینّک بعض الذی نعدھم او نتوفینّک۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علے رسولہ الکریم

حفاظت قرآن کریم

[۳- وہ دلایل جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سارا قرآن شریف آنحضرت صلعم کی زندگی میں ہی صحابہ رضی اللہ عنہم حفظ کر چکے تھے]

گذشتہ پرچہ میں ہم یہ بات ثابت کر آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی حفاظت کے متعلق بہت احتیاط کو کام فرمایا کرتے تھے اور آپ کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی تو فوراً اُسی وقت اپنے کسی کاتب الوحی کو طلب فرماکر وہ آیت شریفہ اُس سے لکھوا لیتے۔ اسی طرح سارے قرآن شریف کی ایک ایک آیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک اور مقدس آنکھوں کے سامنے لکھی گئی...... علاوہ ازیں روایات معتبرہ متواترہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ جب کبھی کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی تو اسی وقت مجلس میں سب حاضرین کو خواہ وہ دشمن ہوتے یا دوست ضرور سنا دیا کرتے تھے۔ اور آپ کی مقدس جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض تو وہ تھے جو بہ سبب اکثر آپ کی مجلس میں حاضر ہونے کے تازہ وحی الٰہی کو اسی وقت آپ کے دہن مبارک سے سُنکر حفظ کر لیتے۔ اور جو حاضر نہ ہوتے وہ دوسروں سے سُنکر حفظ کر لیتے یا لکھوا کر اپنے پاس رکھکر بتدریج حفظ کر لیتے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہو کہ قرآن کریم صرف چند اخلاقی باتوں اور نیک نصایح یا تمدنی اور فوجداری قوانین کا مجموعہ ہی نہ تھا جس کے مطالب کو یاد رکھنا کافی سمجھا جاتا بلکہ قرآن کریم کے ایک ایک حرف پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اور ان کے بعد آجتک اہل اسلام کا یہ ایمان رہا ہو کہ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس پاک کتاب کا ایک ایک لفظ خدا کے مُنہ سے نکلا ہوا ہے۔ اور ان کے اس محبوب و مقصود کا کلام ہے جس کو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت پالیا تھا۔ اور ہر حرف میں بیشمار برکات بھری ہیں۔ انکا ایمان تھا کہ اسکا ہر لفظ ایک بیش بہا آسمانی خزانہ ہے جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انکو عطا کیا ہے۔ اس لیے اسکو نہایت محفوظ ترین مقام یعنی قلب میں محفوظ رکھنے کیطرف اسقدر متوجہ رہتے۔ وہ الٰہی جوانمرد بندگان خدا تھے (خدا کی بے اندازہ برکتیں اور رحمتیں اُنپر ہمیشہ نازل ہوتی رہیں) کہ ہر نوع کی تنگی اور تکلیف کا مقابلہ

کیا۔ اپنے اہل و اقارب سے جدا ہوئے۔ یار و مددگار سے مہجور ہوئے۔ گھر بار چھوٹے۔ جان و مال قربان کیے۔ غرض جو کچھ تھا سب کچھ اسی پر قربان کر دیا۔ پر اسکی حفاظت کے مقصد کو ادھورا نہ چھوڑا۔ ان کے کانوں میں جب کوئی نئی آیت پڑتی تو اس سے انکی جانوں میں ایک نئی روح نفخ ہوتی۔ اور نئی ہمت اور نیا استقلال شامل حال ہوتا۔ قرآنی آیات انکی پاک روحوں کی غذا تھیں۔ اور ہر نئی آیت ایک نئی لذت بخشتی تھی اس لیے وہ ہمیشہ اسی جد وجہد میں لگے رہتے کہ اپنی روحوں کو اس غذا سے سیر رکھیں۔ چنانچہ اسی لیے وہ ہر آیت کو بڑی احتیاط کے ساتھ یاد کر لیتے تھے وہ آیات کے نزول کا اسطرح انتظار کرتے رہتے تھے جسطرح ایک سخت پیاسا آدمی پانی کا انتظار کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بکثرت اسی لیے رہتے تھے کہ جب کوئی تازہ آیت نازل ہو تو اسکو فوراً سن لیں اور حفظ کرنے میں سبقت کریں۔ انکی حالتوں کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ حضور رسالت مآب صلعم میں رہنے کے کسقدر مشتاق تھے۔ چنانچہ اکثر کا تو یہ حال تھا کہ کسی قدر کاروبار تجارت وغیرہ بطور حصول معاش کر کے باقی تمام وقت اس محبوب حقیقی فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد پروانہ وار گذارتے۔ پھر اف خ پے قوم کو اتنا وقت جدائی کا بھی شاق گذرتا تھا جو اپنے مشاغل ضروریہ کیوجہ سے غیر حاضر رہتے تھی ان سے اکثروں نے ایک دوسرے سے ملکر یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ باری باری ایک اپنا کام کر آوے اور دوسرا حضور میں حاضر رہے اور اگر کوئی آیت نازل ہو تو اسکو محفوظ کر کے اپنے غیر حاضر بھائی کو پہنچائے۔ اور پھر وہ اپنے کام پر چلا جائے اور دوسرا حضور میں موجود رہے۔ اس طریق سے گویا وہ تمام وقت ہی حاضر بحضور رہتے تھے اور جب کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی تو فوراً اسکو محفوظ کر لیتے تھے۔ چنانچہ بخاری میں لکھا ہے، کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے مضافات میں ایسے مقام میں رہتے تھے جہاں ایک انصاری انکے ہمسایہ تھے۔ جن کیساتھ انہوں نے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ دونوں نوبت بہ نوبت آنحضرت سرور کائنات صلعم کے دربار میں حاضر رہیں۔ اور جو کچھ سنیں یا دیکھیں اس سے ایک دوسرے کو مطلع کرتے رہیں۔ یعنی ایک روز ایک اپنے معاش کیلیے کام کرتا اور دوسرا دربار نبوت میں حاضر رہتا اور دوسرے روز وہ اپنے کام میں مشغول ہوتا اور اول الذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں رہتا تو اس دن کی وحی اور مکاشفات وغیرہ کی تمام خبریں اس دوسرے شخص کو لا سناتا اور جس دن وہ حاضر دربار رسالت رہتا تو وہ اخبار مجھے لا سناتا" (صحیح بخاری) اس کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بعض ایسے بزرگ بھی تھے جنہوں نے ہجرت کے بعد مخالفوں کے دکھ پہنچانے اور اذیت دینے کی وجہ سے تنگ اور مجبور ہو کر اپنے معاش کے کاروبار ہی چھوڑ دیئے تھے۔ ایسے بزرگ اپنا سارا وقت مسجد نبوی ہی میں گذارتے اور ہر وقت اس بات پر آمادہ رہتے کہ جب کوئی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو اسی وقت یاد کر لیں۔ انکا شغل تلاوت قرآن ہی تھا۔

یہ طرز حفاظت قرآن شریف کی اس آلہی وعدے کے ماتحت عمل میں آرہی تھی جو خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا تھا۔

نری خوش اعتقادی سے ایسی احتیاط پیدا نہیں ہوسکتی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کے پڑھنے پڑھانے اور یاد کرنے پر بہت سخت تاکید فرماتے رہتے تھے جیسا کہ مسلم کی حدیث ذیل سے ثابت ہوتا ہے۔ عن عقبۃ بن عامر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و نحن فی الصفۃ فقال ایکم یحب ان یغدو کل یوم الی بطحان او العقیق فیاتی بناقتین کوماوین فی غیر اثم ولا قطع رحم قلنا یا رسول اللہ کلنا نحب ذٰلک قال افلا یغدو احدکم الی المسجد فیعلم او یقرأ ایتین من کتاب اللہ خیر لہ من ناقتین وثلٰث خیر لہ من ثلٰث واربع خیر لہ من اربع ومن اعدادھن من الابل (رواہ مسلم) یعنی عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور ہم اسوقت صفہ میں تھے۔ آپ نے پوچھا کہ تم میں سے کون اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ ہر روز بطحان یا عقیق کو جائے۔ اور بڑی کوہان والی دو اونٹنیاں بغیر کسی کو گزند پہنچائے گناہ کیے اور قطع رحم کیے کے لائے۔ ہم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم سب اس بات سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی صبح کو مسجد میں آکر کتاب اللہ (قرآن کریم) کی دو آیتیں پڑھاتا یا پڑھتا نہیں۔ جو اس کے لیے دو اونٹنیوں سے بڑھکر ہیں اور تین آیتیں تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں جتنی آیتیں پڑھے پڑھائیگا وہ اتنے ہی اونٹوں سے بہتر ہونگی ؛ ایسا ہی بخاری میں یہ حدیث آئی ہے عن عثمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم من تعلم القراٰن وعلمہ۔ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سب سے بہتر وہی ہے جو قرآن شریف کو سیکھتا اور سکھاتا ہے؛ ایسا ہی بخاری اور مسلم دونوں میں یہ حدیث صحیح موجود ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے۔ عن عایشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الماھر بالقراٰن مع السفرۃ الکرام البررۃ۔ والذی یقرأ القراٰن یتتعتع فیہ وھو علیہ شاق لہ اجران۔ یعنی قرآن کے ماہر ان فرشتوں کے ساتھ ہوتے ہیں جو بہت عزت والے اور بزرگ ہیں اور جو شخص قرآن شریف کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے۔ اور نہایت مشکل سے اسکے حروف کو ادا کرتا ہے تو اس کے لیے دوچند اجر ہے؛ ایک اور حدیث یہ ہے عن ابن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاحسد الا علی اثنین رجل اٰتاہ اللہ القراٰن فھو یقوم بہ اٰناء اللیل واٰناء النھار ورجل اٰتاہ اللہ مالا فھو ینفق منہ اٰناء اللیل واٰناء النھار۔ یعنی ابن عمر سے روایت ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رشک صرف دو آدمیوں کے ساتھ کرنا جایز ہے ایک تو اس شخص کے ساتھ کہ جسے اللہ نے قرآن پڑھایا ہو اور وہ دن رات اس کی تلاوت میں مشغول ہے اور اسپر عمل کرتا ہے۔ دوسرے اس آدمی کے ساتھ جسے خدا نے مال دیا ہو اور وہ رات دن اُسے خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہو۔ پھر ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے ایک حدیث آئی ہے عن ابی

موسی الاشعری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المؤمن الذی یقرأ القرآن کالاترجۃ طعمہا طیب وریحہا طیب والمؤمن الذی لا یقرأ القرآن کالتمرۃ طعمہا طیب ولا ریح لہا۔ یعنی ابوموسیٰ اشعریؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اسکی مثال نارنجی کی طرح ہوتی ہے کہ اسکا ذایقہ بھی خوشگوار اور خوشبو بھی طیب ہوتی ہے اور جو مسلمان قرآن نہیں پڑھتا اسکی حالت کھجور سے مشابہ ہوتی ہے جسکا ذایقہ تو اچھا ہوتا ہے لیکن اُس میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی + اب اس آخری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گروہوں میں تمیز کردی ہے یعنی ایک تو وہ گروہ علیحدہ بیان کیا ہے جو صرف قرآن شریف پر عمل ہی کرتا ہے اور اسکی تلاوت میں غفلت کرتا ہے ایسے گروہ کو بے خوشبو کہا ہے اور دوسرا دہ گروہ اس پہلے گروہ سے ممتاز کیا ہے جو عمل بھی کرتا ہے اور تلاوت بھی کرتا رہتا ہے اس گروہ کو خوشبودار ثمر سے مشابہت دی ہے اور اسکی ترجیح بیان فرمائی ہے۔ اس سے اور نیز دوسری حدیثوں سے نہایت صفائی سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن شریف پر عمل کرنیکی تاکید ہی نہ فرماتے تھے بلکہ تلاوت قرآن شریف کی بھی اسی قدر تاکید فرماتے تھے۔ آنحضرت صلعم کی تعلیم میں حفظ قرآن کو جس احتیاط اور التزام کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے اس سے قرآن پر عمل کرنیکے پہلو کو کہیں جدا نہیں کیا گیا۔ اصل علت غائی حفاظت اور تلاوت کی یہی ہے کہ اسکو عملی زندگی میں ہمیشہ زندہ رکھا جاوے۔ اور جذب برکات و نفعات اور کشف و اخذ انوار ربانی اور تزکیۂ نفس اور حصول معرفت و قرب الٰہی کیلیے بار بار پڑھکر اسپر تدبر اور تفکر کیا جائے۔

ہم نے اسجگہ مشتے نمونہ از خرواری کی مصداق پر عمل کیا ہے۔ ورنہ جس قدر تاکیدی احکام قرآن شریف کی تلاوت پر مداومت کے متعلق احادیث میں پائے جاتے ہیں اور جتنی اہمیت اس امر کو دیگئی ہے ان صحیح اور مستند روایات کا کتب احادیث میں اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے کہ انکا یہاں نقل کرنا باعث طوالت ناظرین کی ملالت کا باعث ہوگا۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں استذکار اور تعاہد قرآن پر ایک علیحدہ باب باندھا ہے۔ اس باب میں بہت سی احادیث اس مضمون کی ہیں کہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت قرآن پر مداومت کی تاکید فرمائی ہے ایسا ہی ایک اور باب بعنوان "تعلیم الصبیان القرآن" قایم کیا ہے جس میں قرآن کریم کے اولاد کو تعلیم کرنیکے احکام ہیں۔ اور ایک تیسرا باب بعنوان "خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ" قایم کیا ہے یعنی بہترین انسان وہ ہے جو قرآن شریف پڑھتا اور پڑھاتا ہے۔ اور ایک چوتھا باب "القراءۃ عن ظہر القلب" یعنی قرآن شریف کو زبانی یاد کرنے کے احکام اور مراتب کے متعلق باندھا ہے + یہ مسلّم امر ہے کہ مسلمانوں میں تنقید و تحقیق وصحت روایات کے لحاظ سے بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانا گیا ہے اور اس کتاب میں ہم اسقدر احادیث پاتے ہیں کہ ان سب کا نقل کرنا مشکل ہے اس لیے بنظر اختصار اسجگہ صرف ابواب کے نام لکھدینے پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور ان تمام احادیث کا

مفصلاً ذکر نہیں کرتے۔ ابواب کے نام ہی اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن حفظ کرنے کی ہر مومن کو تاکید اکید فرماتے رہتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسکو یاد کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے اور بہت بڑی ثواب اور اجور کا ذریعہ جانتے تھے۔ انہی احکام کی تعمیل میں پہلے زمانوں کے مسلمان اگر سارا نہیں تو بعض بعض حصص قرآن شریف کے ضرور یاد کر لیا کرتے تھے۔ اگرچہ اس زمانہ میں بھی ہر ایک اسلامی ملک میں ہزارہا حافظ قرآن شریف کے اور قاری موجود ہیں جو سارا قرآن شریف کمال صحت کے ساتھ حافظہ میں یاد رکھتے ہیں جن کی مثال دنیا کی کسی غیر اسلامی قوم میں موجود نہیں۔ لیکن عرب کے خاص حالات ایسے تھے کہ ان کے لیے قرآن شریف کو ازبر کرنا بہت ہی آسان تھا چنانچہ ولیم میور جیسا معاند اور مخالف اسلام بھی اپنی کتاب لائف آف محمدؐ کے دیباچہ کے صفحہ ۱۷ میں اسی خصوصیت کو تسلیم کرتا ہوا لکھتا ہے "عرب لوگ نظم کے بہت سرگرم اور جاندادہ مشتاق تھے لیکن ان کے پاس ایسے اسباب موجود نہ تھے کہ جن سے وہ اپنے شاعروں کے کلام کو ضبط تحریر میں لا سکتے۔ اس لیے بہت مدت تک ان میں یہی رواج رہا کہ اپنے شعراء کے کلام اور اپنی قوم اور آبا و اجداد کے تاریخی واقعات کو دل کی زندہ الواح پر ہی بہت عمدگی اور صحت کے ساتھ طبع کر لیتے۔ اس طرز سے ان میں قوت حافظہ کمال درجہ ترقی پر پہنچ گئی ہوئی تھی۔ اور یہی قوت حافظہ اس نئی پیدا شدہ روح کے ساتھ پورے اخلاص اور شوق سے قرآن (کریم) کے حفظ کرنے میں کام آئی" ہم نے چند احادیث جو اوپر لکھی ہیں ان سے یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ آنحضرت صلعم یہ بھی چاہتے تھے کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم علم قرآن میں ایکدوسرے پر فوقیت اور سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی چند ایسے اسباب موجود تھے کہ جن کی وجہ سے قرآن شریف کے حفظ کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کے لیے صحابہؓ کوشش کرتے رہتے تھے۔ از انجملہ ایک یہ بات تھی کہ نمازوں میں امامت کرانے کے لیے وہ شخص ہی معزز عہدہ امامت کے لیے منتخب کیا جاتا تھا جو دوسروں سے علم قرآن میں بڑھا ہوا ہو۔ چنانچہ اس عزت کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر قرآن شریف کو یاد کرنے میں محنت کرتا۔ تمام صحیح احادیث اسی بات کو ثابت کرتی ہیں۔ شاید ہمارے بعض غیر مسلم ناظرین آجکل کے بعض ملاؤں کی حالت دیکھکر حقیقت اور عظمت امامت سے واقف نہ ہوں گے کیونکہ آجکل اکثر جگہوں میں اس منصب کی بہت غلط استعمالی ہو رہی ہے۔ اور اسکا اطلاق بھی نہایت نامعقول طور سے ہوتا دیکھنے میں آ رہا ہے۔ اس لیے ہم اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس امامت سے مراد وہ امامت نہیں جو آجکل کے بعض مسجدی مُلّاں لوگ کما رہے ہیں جس میں مردہ شوی اور روٹیاں وصول کرنا پیشہ کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ یہ امامت دراصل مسلمانوں میں ایک نہایت عزت کا مقام اور اعلیٰ مرتبہ تھا۔ خود حضور صلعم بھی امام تھے۔ اور شریعت اسلامی میں اس امامت کے معزز اور مقتدر عہدہ پر ماموریت کا قاعدہ اسی شخص کے حق میں بلالحاظ قومیت و وجاہت و عمر آتا

جو علم قرآن میں دوسروں سے بڑھا ہوا ہوتا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے عن عمرو بن سلمۃ قال کنا بماء ممر الناس اذا اتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانوا اذا رجعوا مروا بنا فاخبرونا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کذا وکذا وکنت غلاما حافظا فحفظت من ذلک قرآنا کثیرا فانطلق ابی وافدا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نفر من قومہ فعلمہم الصلوۃ وقال یومکم اقرؤکم فکنت اقرؤھم لما کنت احفظ فقدمونی فکنت اؤمھم۔

یعنی عمرو بن سلمہ سے روایت ہے کہ ہم (یعنی ہماری قوم) ایکدفعہ کسی مقام پر ڈیرہ افگن ہوئی جو پانی کے قریب تھا۔ اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جاتے تھے وہ اسی راہ سے جاتے تھے جو ہمارے پاس سے گذرتا تھا جب وہ واپس آتے تو ہمیں تمام الہامات جو حضور صلعم سے تازہ سُنکر آتے سنا جاتے تھے۔ میں ابھی بچہ ہی سا تھا (قریب آٹھ سال کے عمر تھی) پر میری قوت حافظہ بہت تیز تھی۔ جو جو میں سُنتا جاتا تھا میں حفظ کرتا جاتا تھا یہانتک کہ اکثر حصہ قرآن شریف کا اسی طرح ان مہمانوں سے ہی میں نے حفظ یاد کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد میرا باپ اپنی قوم کے بہت سارے عمائد کو ساتھ لے کر اسلام قبول کرنیکے لیے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں آنحضرت صلعم نے انہیں داخل اسلام فرمایا اور ان کو نماز کی تلقین فرمائی۔ اور حکم دیا کہ تم میں نماز میں امامت وہ شخص کرایا کرے جو سب سے زیادہ قرآن جانتا ہو۔ چونکہ میں نے قرآن کا بہت حصہ پہلے ہی حفظ کیا ہوا تھا اس لیے امامت کا حق میرا ہی تھا پس مجھے ہی سب نے امام منتخب کیا۔ اور میں ہی نمازوں میں انکا امام ہوتا رہا"

یہ حدیث ابوداؤد میں درج ہے اور بخاری اور دوسرے محدثین نے بھی اسکو لکھا ہے۔ ایسا ہی جب کبھی کوئی نئی قوم اسلام میں داخل ہوتی تو ان میں امامت کے فرایض ادا کرنے اور مسائل اسلام کی تلقین وتعلیم دینے کے لیے وہی شخص بھیجنے کے لیے منتخب کیا جاتا تھا جو علم قرآن میں فایق اور سابق ہوتا تھا۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ قرآن شریف جاننے والوں کی صرف اسیقدر عزت کیجاتی تھی۔ بلکہ یہ تو انکی اکرام واعزاز کا صرف ایک ہی شعبہ بیان ہوا ہے۔ اُن لوگوں کی ہر پہلو سے عزت اور توقیر و تعظیم کیجاتی تھی۔ اور ہر موقعہ پر انہیں معزز اور مکرم سمجھا جاتا تھا۔ منجملہ اور وجوہ کے یہ بھی ایک وجہ تھی کہ جس سے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے قرآن شریف کو اپنے مقدس دلوں کی الواح پر نہایت احتیاط کے ساتھ منقوش کیا ہوا تھا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلوت وجلوت میں قرآن شریف کی اکثر تلاوت فرماتے رہتے اور اپنا نمونہ پیش کرتے رہتے تھے۔ ناظرین یہ خیال نہ کریں کہ آنحضور صلعم صرف نمازوں ہی میں لمبی لمبی سورتیں پڑھنے پر اکتفا کیا کرتے تھے۔ بلکہ ہمارے سامنے ایسے کئی واقعات موجود ہیں کہ سفر کو جاتے ہوئے اونٹ پر سواری کیحالت میں آپ کئی سورتیں پڑھ جایا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری میں یہ روایت ہے۔ رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکۃ وھو یقرأ علی راحلتہ سورۃ الفتح۔ یعنی

مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے روز دیکھا کہ جب اپنے اونٹ پر سوار ہی تھے تو آپؐ نے سورۃ الفتح پڑھی۔" آنحضور صلعم کو دوسروں سے قرآن سُننے سے بھی بڑی محبت تھی۔ اور یہ محبت آپ میں ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر بھی صحابہؓ کا قرآن کریم پڑھنا سُنا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری باب نسیان القرآن میں اس قسم کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو جب ایک شخص نماز میں قرآن پڑھ رہا تھا تو آپ سُن رہے تھے۔ اسی طرح بخاری میں یہ روایت بھی درج ہے عن عبد اللہ قال قال لی النبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرا علیّ قلت یا رسول اللہ آقرأ علیك و علیك انزل قال نعم فقرأت سورۃ النساء حتّی اتیت علی ھٰذہ الاٰیۃ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بك علی ھٰؤلاء شھیدا۔ قال حسبك الاٰن فالتفت الیہ فاذا عیناہ تذرفان۔ یعنی عبد اللہ سے روایت ہے کہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مجھے فرمایا کہ کچھ قرآن سُناؤ۔ مَیں نے جواب میں عرض کیا کہ حضور! کیا مَیں آپ کو سُناؤں اور آپ پر تو نازل ہوا ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ (اور دوسری روایت میں ہے کہ مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ دوسرے کو پڑھتا سنوں) یہ بات سُنکر مَیں نے سورۃ النساء پڑھنی شروع کی یہانتک کہ جب مَیں اس آیت پر پہنچا۔ فکیف اذا جئنا الاٰیہ۔ تو آپ نے فرمایا اسوقت بس کرو جب مَیں نے آپکی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو چل رہے تھے۔" یہ چند واقعات جو محض بطور نمونہ درج کیے گئے ہیں بتلا رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا نمونہ دکھا کر صحابہؓ کو قرآن پڑھنے کی رغبت دلایا کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں مسلمانوں کا آجکل کے نام کے مسلمانوں جیسا حال نہ تھا۔ وہ تو اپنی زندگیوں کی علت غائی یہی سمجھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں اور آپکے نمونوں پر عمل کرتے رہیں۔ اسی میں انکی خوشی ہوتی تھی اس لیے آپکی ایسی ترغیبات کبھی بے اثر نہیں جاتی تھیں۔ وہ پاک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین قرآن شریف کے ایک ایک لفظ کو بڑی امانت اور احتیاط کے ساتھ اپنے دلوں کے خزانوں میں جمع کر لیتے اور اسکی تلاوت اور تعلیم و تعلّم پر مداومت فرض اولیٰ سمجھتے تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت اور تعلیم و تعلّم کا رواج ایسا عالمگیر طور پر مسلمانوں میں ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشگوئی فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ علم قرآن جہان سے اُٹھ جائیگا تو صحابہؓ کو اس بات سے بہت تعجب پیدا ہوا۔ اور زیاد ابن لبید صحابی اسی تعجب و حیرت میں فوراً بے ساختہ بول اُٹھا کہ یا رسول اللہ علم قرآن دنیا سے کیسے مفقود ہو سکتا ہے جبکہ ہم سب خود اسے پڑھتے رہتے ہیں اور اپنی اولاد کو اسکی تعلیم دیتے ہیں اور ہماری اولاد اپنی آیندہ نسلوں کو قیامت کے دن تک قرآن سکھلاتی اور پڑھاتی رہیگی۔" قرآن شریف کی حفاظت کے انتظام کی بابت تو صحابیوں کے ایسے کلام سے بخوبی آ سکتی ہے۔ اس سے اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم قرآن شریف کی حفاظت کے زبردست انتظام میں الٰہی

سرگرمی اور کوشش کرتے تھے کہ انکے خیال میں یہ بات سما سکتی ہی نہ تھی کہ اس حالت کے بعد قرآن پر کوئی زمانہ ایسا آسکتا ہے کہ وہ دنیا سے اُٹھ جائیگا۔ اُن لوگوں میں قرآن شریف کی محبت ایسی بھری ہوئی تھی کہ مارے محبت کے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو بھی اُسوقت نہ سمجھا اور جھٹ عرض خدمت کرنا شروع کر دیا۔ درصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ نہ تھا کہ دنیا سے قرآن کریم کے الفاظ مفقود ہو جائیں گے۔ بلکہ آپکے ان الفاظ سے مراد یہ تھی کہ ایک زمانہ ایسا آنیوالا ہے کہ جس میں لوگ قرآن شریف پر عمل کرنا چھوڑ دینگے۔ اس حدیث کو ترمذی اور بعض دیگر محدثین نے بیان کیا ہے اور ہم نے اسکو گذشتہ رسالہ میں نقل بھی کر دیا ہے۔ اس سے یہ بات اچھی طرح عیاں ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ایک ایک آیت صحابہؓ میں ایسی عام طور پر شایع ہو چکی اور سب کو یاد تھی کہ یہ بات انکے دماغوں میں آہی نہ سکتی تھی کہ کسی وقت کُل تو کیا اسکا کوئی حصہ بلکہ کوئی جملہ۔ لفظ۔ حرف یا نقطہ ہی گم ہو سکے گا۔ اور یہ بات بھی انکی سچی تھی اور علاوہ ازیں انکو قران اور آنحضرت صلعم نے سکھلایا بھی یہی تھا کہ یہ کبھی گم نہیں ہوگا اور ہمیشہ محفوظ رہیگا۔ پھر وہ اس بات کو کیونکر مان سکتے تھے کہ کوئی زمانہ اس کے گم ہونیکا بھی آسکتا ہے۔ پھر جب انہیں اصل مطلب حضور سرور کائنات کے کلام کا سمجھ آگیا تو پھر خاموش ہو گئے اور انکی تسلّی ہوگئی۔ کہ آپکے کلام سے قرآن شریف کی حفاظت کے اعتقاد میں کوئی نقصان نہیں بلکہ لوگوں کا اسپر عمل میں کمزور ہو جانا مراد ہے۔

یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن شریف کو حفظ کرنا اور اسکی تلاوت میں لگے رہنا اپنی زندگی کی بڑی بھاری خوشی سمجھتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کریم کی تلاوت پر مواظبت کے حکمونکی نہایت جوش اور باقاعدگی سے تعمیل کرتے تھے۔ تلاوت میں کثرت کا انہیں اتنا شوق تھا کہ بعض صحابی ہر رات قرآن شریف ختم کر لیا کرتے تھے اور یہ حالت دیکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں ایسا طریق اختیار کرنے کی ہدایت دینی پڑی کہ جو انپر بار گراں نہ ہو۔ چنانچہ بخاری میں ایک باب اس مضمون پر ہے کہ کتنے دنوں میں قرآن ختم کرنا چاہیئے۔ اس باب میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے کہ ایک صحابی کی نسبت آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا کہ وہ ہر رات قرآن شریف کا ختم کرتا ہے۔ اسپر آپنے اُسے بلاکر ہدایت کی کہ قرآن پڑھنے میں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیئے آہستگی سے تلاوت کرنی چاہیئے۔ ایک رات میں نہیں بلکہ سات دنوں میں یا پانچ دنوں میں یا کم از کم تین دنوں میں ختم کرنا چاہیئے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہؓ میں ایسے بزرگ بھی موجود تھے جنہیں قرآن شریف کے حفظ پر اتنی دسترس تھی کہ وہ ایک رات میں ہی سارا ختم کر لیا کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم دینے سے کہ کم از کم تین دنوں میں قرآن ختم کرنا چاہیئے یہ منشاء تھی کہ قرآن کو طوطے کی طرح بلا مطلب سمجھے نہیں پڑھتے رہنا چاہیئے بلکہ اسکو غور و خوض اور تدبر و تفکر سے پڑھنا چاہیئے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ عبداللہ بن عمرو نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! مَیں کتنے عرصہ میں قرآن شریف کو ختم کیا کروں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیس ۳۰ دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا کہ مَیں تو بہت جلدی ختم کرسکتا ہوں۔ پھر آپ نے اس کے کہنے پر اس مدت کو تخفیف کرکے ۲۵ روز کر دیا۔ پھر اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے تھوڑے عرصہ میں ختم کرسکتا ہوں۔ پھر آپ نے کچھ کمی کردی۔ یہانتک کہ ہوتے ہوتے صرف پانچ دنوں کی میعاد کردی گئی۔ اور اس کو منع کیا گیا کہ ایک رات میں قرآن شریف کو ختم نہ کیا کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلعم نے کم از کم میعاد تین روز مقرر کی تھی۔ چنانچہ اس جگہ وہ اصل حدیث جو مسند دارمی میں لکھی ہے درج کیجاتی ہے اور وہ یہ ہے عن عبد اللہ بن عمرؓ قال یارسول اللہ فی کم اختم القرآن قال اختمہ فی شھر قلت انی اطیق قال اختمہ فی خمسة و عشرین قلت انی اطیق قال اختمہ فی عشرین قلت انی اطیق قال اختمہ فی خمس عشرة قلت انی اطیق قال اختمہ فی خمس قلت انی اطیق قال لا۔ یعنی عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ اس نے حضور صلعم سے عرض کیا یارسول اللہ! مَیں کتنے عرصہ میں قرآن ختم کیا کروں فرمایا ایک ماہ میں اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے جلدی ختم کرسکتا ہوں تو فرمایا پچیس ۲۵ دنوں میں ختم کیا کرو اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے بھی جلدی ختم کرسکتا ہوں فرمایا بیس ۲۰ دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا کہ مَیں تو اس سے بھی جلدی ختم کرسکتا ہوں فرمایا پندرہ دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے بھی .... جلدی ختم کرسکتا ہوں فرمایا دس دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے بھی جلدی ختم کرسکتا ہوں فرمایا پانچ دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے بھی جلدی ختم کرسکتا ہوں تو پھر آپ نے فرمایا بس یعنی اب اس سے کم میعاد نہیں ہوسکتی۔ ایسا ہی فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۸۳ پر یہ حدیث منقول ہے۔ عن ابن مسعود اقرؤ القران فی سبع ولا تقرؤہ فی اقل من ثلث یعنی قرآن کریم کو سات دنوں میں پڑھا (ختم کیا) کرو۔ اور تین دنوں سے کم مدت میں ہرگز ختم نہ کرو۔ ایسا ہی اسی کتاب میں ایک اور حدیث منقول ہے جو یہ ہے عن عایشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یختم القران فی اقل من ثلث یعنی حضرت عایشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عموماً قرآن شریف کو تین دنوں سے کم عرصہ میں ختم نہیں کیا کرتے تھے۔

اب ان روایات و احادیث معتبرہ سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ اصحاب رسول کریم صلعم کو قرآن کریم کے پڑھنے کے ساتھ اتنا شوق بڑھا ہوا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے رہتے تھے کہ کون جلدی ختم کرتا ہے یعنی کس کو زیادہ صفائی اور صحت کے ساتھ حفظ پر ضبط اور قدرت حاصل ہے۔ اور بعض نے تو ایسا کمال حاصل کیا ہوا تھا کہ صرف ایک ہی رات کے اندر سارا قرآن شریف الحمد سے لیکر الناس تک ختم کر لیتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم کو پڑھنے کی میعاد مقرر کرنی پڑی۔ اور صحابہؓ کو اس کے متعلق بار بار پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوتی رہی۔ اور یہ قرآن شریف کے پڑھنے میں ایسی تیز روانی ہی تھی کہ جس کی وجہ سے آنحضور سرور کائنات صلعم کو ایسی زودی کو روکنے اور میعاد اقل

ص عشر قلت انی اطیق قال اختمہ فی

مقرر کرنیکی ضرورت پیش آئی۔ اس سلسلہ دلایل سے یہ بات بدیہی طور پر پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ صحابہؓ کو قرآن شریف عموماً حفظ ہوتا تھا۔ کیونکہ ایسی جلدی پڑھنا حفظ ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔ دیکھکر پڑھنے سے محال ہے۔ اور جب ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ رات ہی رات میں وہ لوگ قرآن شریف ختم کرتے تھے تو اس سے اور بھی اس بات پر وضاحت سے ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ انکو حفظ یاد تھا۔ والا اگر قرآن شریف انکو یاد نہ ہوتا تو رات ہی رات میں اسکا پڑھ لینا کیسے ممکن ہو سکتا تھا۔

اس کے علاوہ یہ بات اسطرح بھی ثابت ہوتی ہے کہ اکثر معتبر اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی کثیر جماعت کو قرآن کریم حفظ تھا۔ چنانچہ قراء کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ قرا کے معنے وہ نہیں جو آجکل لوگ سمجھے ہوئے ہیں کہ کوئی شخص کسی طرز خوش الحانی سے یا بعض قرأتی فنون کے اصول پر قرآن شریف پڑھ سکے اور اسکو ایک سورۃ بھی یاد نہ ہو اسکو قاری کا خطاب دیا جاتا ہے۔ بلکہ قرا کا اصل مفہوم یہ ہے کہ "قرآن شریف اوروں کو سکھلانے کے لیے حفظ کرنیوالے لوگ" چنانچہ صاحب فتح الباری نے لفظ قرا کے یہی معنے کیے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ قرا کے معنے یہ ہیں۔ الذین اشتہروا بحفظ القرآن والتصدی لتعلیمہ۔ "وہ لوگ جو قرآن شریف کو حفظ کرنے اور دوسروں کو قرآن شریف سکھلانے کیلیے مشہور تھے" اس میں شک نہیں کہ اس لفظ کے ذیل میں آنیوالوں کے لیے ضروری ہے کہ انہیں کامل طور پر علم قرآن بھی ہو۔ ہمیں افسوس ہے کہ مسلمانوں میں بعض معزز الفاظ کی اس کثرت سے غلط استعمال کیجاتی ہے کہ گویا اس لفظ کے اصل مفہوم کی توہین تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مثلاً یہی لفظ قاری یا قاضی یا علما وغیرہ کوئی موروثی عہدے نہیں بلکہ انہیں ایک حقیقی کمال کی حاجت پڑی ہوئی ہے۔ اور انکے مصداق بننے کے لیے وہ ذاتی جوہر ضروری ہیں جو اصل حقیقت مفہوم لفظ ہیں۔ مگر آجکل تو یہ حال ہے کہ کسی کا بزرگ کسی گذشتہ زمانہ میں ایسا صاحب کمال گذرا ہو جو ان خطابات کا مستحق ہو اور پھر اونکے بعد نسلوں کی نسلیں اور پشتوں کی پشتیں ترقی معکوس کی قعر میں ایسی گرتی چلی آئی ہوں کہ ان علمی جوہروں کا کوئی شمہ بھی ان میں باقی موجود نہ ہو مگر پھر بھی وہ قاری وغیرہ کہلاتے رہتے ہیں دراصل حقیقت الفاظ کی ایسی بد استعمالی کا اثر ان بزرگان دین کی شان پر جاکر پڑتا ہے جو صحیح طور پر ان کے مصداق تھے اور ہیں۔ کیونکہ جب کسی کا کوئی واقف ایسا ہو کہ جس کی نسبت اسکو علم ہے کہ وہ علم قرآن تو درکنار معمولی نوشت و خواند سے بھی بے بہرہ ہے اور اسکو عام مسلمان لوگ قاری یا قاضی یا علما وغیرہ کہتے ہیں تو جب کسی بزرگ پر یہ لفظ استعمال کیا جائیگا جو حقیقی مصداق ان الفاظ کا تھا تو عوام الناس اس کی شان بھی ویسی ہی ذلیل سمجھیں گے جیسے کہ وہ اپنے سامنے والے دوست کی سمجھتے ہیں۔ ہمیں اتنی بات لکھنے کی اس لیے ضرورت پڑی ہے کہ لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ جن قرا کا بیان اس رسالہ میں ذکر ہو رہا ہے وہ معمولی انسان نہ تھے بلکہ وہ ایسے صاحب کمالات ظاہری و باطنی بزرگ تھے کہ جنہوں نے اپنی زندگیوں کو قرآن شریف کے سیکھنے اور سکھانے کیلیے وقف کر دیا ہوا تھا اور اپنی جانوں کو اسپر نثار اور قربان کر رکھا تھا۔ وہ پاک ارواح بزرگ علم قرآن کے فضل سے آراستہ تھے احادیث سے ثابت ہے کہ ستر قرا کو کفار نے

آنحضرت صلعم کے زمانہ میں بئر معونہ کے قریب قتل کر دیا تھا۔ یہ کوئی سُنی سُنائی بات نہیں بلکہ نہایت معتبر شہادت سے ثابت ہے، جو بخاری اور دیگر کتب احادیث میں درج ہے۔ اب جبکہ یہ امر ثابت ہے کہ صرف ایک ہی مقام پر کفار نے اتنی بڑی تعداد حافظان قرآن شریف کو نہایت بیرحمی اور ظلم کے ساتھ تہ تیغ کیا تو یہ نتیجہ قطعی اور یقینی ہے کہ اس مقدس جماعت صحابہؓ میں کثرت سے قرا موجود تھے۔ "باب القراء من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی ذیل میں حضرت امام بخاریؒ نے بہت سی احادیث بیان فرمائی ہیں۔ از انجملہ ایک یہ ہے۔ ذکر عبد اللہ بن عمرو عبد اللہ بن مسعود فقال لا ازال احبہ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول خذوا القراٰن من اربعۃ من عبد اللہ بن مسعود وسالم ومعاذ وابی بن کعب۔ یعنی عبد اللہ ابن عمرو نے عبد اللہ بن مسعود کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں ہمیشہ اس سے محبت کرتا رہونگا کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے سُنا ہے کہ چار آدمیوں عبد اللہ بن مسعود و سالم و معاذ و ابی بن کعب سے قرآن سیکھو۔ اس حدیث سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ قرآن کا علم اور قرآن کی تعلیم دینا انہیں چار بزرگوں میں محدود تھا اور دوسرے صحابہؓ میں یہ قابلیت پیدا نہ ہوئی تھی۔ اور نہ ہی اس حدیث کے الفاظ میں یہ بات موجود ہے کہ گویا کہ ان چاروں کے سوائے کوئی دوسرا صحابی قرآن کو یاد نہ رکھتا تھا۔ اور اسکو پڑھا نہ سکتا تھا۔ یہ بات ثابت ہے کہ تمام صحابہؓ قرآن شریف کا کچھ نہ کچھ حصہ جانتے تھے اور یہ امر بھی عیاں ہے کہ انمیں کثیر التعداد ایسے لوگ تھے جو قرآن شریف کے حافظ تھے۔ یعنی جن کو قرآن شریف از بریاد تھا۔ لیکن قرآن شریف کا معلم بننے کے لیے ضروری ہے کہ اس شخص میں فہم قرآن بھی اعلیٰ درجہ کا ہو اور علم قرآن بھی بہت بڑھکر ہو۔ اس حدیث میں ان لوگوں کی معلمیت کی حیثیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور انکی اس قابلیت کا اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ لوگ اچھی طرح قرآن سکھانیکی قابلیت رکھتے تھے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ قرآن شریف کی تمام سورتوں کو اچھی طرح سکھا سکتے تھے اس لیے خود پورے قرآن شریف کے حافظ تھے۔ اور ایک یہ وجہ بھی ہے کہ صحابہؓ کی جماعت بہت کثیر تھی اسلیے ہر ایک آدمی کو یہ موقعہ میسر نہیں آسکتا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے آیات قرآنی سُن سکتا۔ اکثروں نے اگر کچھ حصہ آنحضرت صلعم سے سنا بھی ہوگا تو کثیر حصہ بالواسطہ سیکھا پس شاید ان چار کا نام اسواسطے لیا کہ انہوں نے اکثر حصہ قرآن شریف کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے بلا واسطہ سُنا اور سیکھا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ایک عبد اللہ بن مسعود اس سے اگلی حدیث میں کہتے ہیں کہ میں نے ستّر سے زیادہ سورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ حاصل کیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس زمانہ کی یہ حدیث ہو اُس زمانہ میں قرآن شریف پڑھانیکی قابلیت انہیں زیادہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث درمیانی زمانہ نبوت کی ہے۔ اور اس کے بعد قرآن شریف کی اشاعت بڑھتی گئی اور ہزاروں طبائع اہل قابلیت پیدا ہوتی گئیں۔ غرض اسی قسم کی کوئی خصوصیتیں ہونگی جنکی وجہ سے آنحضرت صلعم نے ان چاروں کا نام اس حدیث میں لیا ہے۔ ورنہ احادیث صحیحہ معتبرہ سے ثابت ہے

کہ صحابہؓ میں بکثرت ایسے لوگ موجود تھے جن کو نہ صرف قرآن شریف ازبر یاد ہی تھا بلکہ انکو فہم قرآن بھی اعلیٰ درجہ کا عطا کیا گیا تھا۔ ان لوگوں میں سے بطور مثال ہم حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ہی کا نام نامی پیش کرتے ہیں۔ حضرت صدیق رضؓ صاحب کمالات ظاہری و باطنی یار غار رسول کریم صلعم تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی قرآن دانی اور قرآن فہمی کا سب سے فایق ہونا کئی موقعوں پر بیان فرمایا۔ مثلاً آپ کے آخری ایام کے ہی چند واقعات نے لو۔ آخری ایام کے واقعات ہم اس لیے لیتے ہیں کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ شاید بعد میں دوسرے صحابہؓ نے فوقیت حاصل کر لی ہو۔ ان واقعات میں سے ایک واقعہ تو یہ ہے کہ جب سورۃ النصر نازل ہوئی تو ذکر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔ جب بعض لوگوں نے تعجب کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر تم سے بہتر قرآن سمجھتا ہے کیونکہ اس سورۃ میں یہ اشارہ تھا کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے کوچ کر جانیکا وقت قریب آ گیا ہے۔ اور اسی لیے حضرت ابوبکرؓ رو بھی پڑے تھے۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد میں جسقدر دریچے ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں سوائے حضرت ابوبکر کے دریچہ کے۔ اس میں بھی یہ اشارہ تھا کہ جو دسترس آپ کو علم قرآن میں حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں۔ تیسرا واقعہ یہ ہے کہ آخری بیماری کے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو امام مقرر فرمایا۔ اب یہ بات صحیح اور معتبر احادیث سے ثابت ہے کہ نمازوں کے لیے امام وہی شخص منتخب ہونا چاہیئے جو سب سے بڑھ کر علم قرآن میں فوقیت رکھتا ہو۔ جبکہ امامت کے لیے قرآن شریف کے علم میں برتری ایک شرط اولیٰ آپنے ہمیں بتلائی تو جس شخص کو آپنے امامت کے لیے منتخب کیا ضرور ہے کہ اس کو علم قرآن میں تمام جماعت صحابہؓ پر ہر طرح کی فوقیت آپکے نزدیک مسلم ہو۔ یہاں تو ابوبکر رضؓ کو سب صحابہ رضؓ میں سے بڑھکر قرآن جاننے والا مانا گیا۔ لیکن وہاں اُس حدیث میں جہاں چاروں کا ذکر کیا گیا ہے انکا گرامی اسم نہ بیان کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جن ناموں کا ذکر ہے وہ حصر کے طور پر نہیں بلکہ کسی خصوصیت کی وجہ سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جہاں بہت سارے ایسے شخص موجود ہوں جنکا علم قرآن مساوی سمجھا جاتا ہو تو وہاں اس انتخاب کے لیے اس شخص کے دوسرے حالات دیکھنے پڑتے ہیں۔ مثلاً اگر بہت سے لوگ علم قرآن میں مساوی ہوں جیسے مثلاً چند آدمی قرآن شریف حفظ یاد رکھتے ہوں تو وہاں اور معیاروں سے کام لینا پڑتا ہے۔ اب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی نسبت بھی ثابت ہے کہ انکو قرآن شریف ازبر یاد تھا اور اسی طرح قرآن کو یاد رکھنے والے بہت سے اور صحابی وہاں موجود تھے۔ اس لیے محض اس مشترکہ لیاقت کی بدولت قرعہ امامت بنام حضرت ابوبکر رضؓ پڑنا محال تھا۔ ضرور ہے کہ انہیں یہ جوہر بھی موجود ہو کہ قرآن شریف انکو ازبر تھا اور یہ قابلیت بھی دوسروں سے بڑھکر تھی کہ قرآن شریف کا فہم انہیں سب سے بڑھکر تھا۔ اس بات میں کسی قسم کے شک کو کوئی گنجایش نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ قرآن شریف کے حافظ بھی تھے

چنانچہ انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بھی بنا رکھی تھی جس میں وہ ہر روز بلا ناغہ بیٹھکر قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ملک کفار نے انکو ایک دفعہ اس سے روکا بھی تھا اور یہ کہا تھا کہ اسطرح قرآن سُنا سُنا کر تم ہماری عورتوں اور بچوں کو مسلمان کر لوگے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضور سرور کائنات صلعم کے حضور میں ہر وقت کی حاضر باشی کا شرف انکو سب سے بڑھکر نصیب ہوا۔ ان امور سے صاف طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ قرآن شریف کے حافظ بھی تھے۔ اور فہم و علم قرآن میں تمام صحابہؓ سے بڑھے ہوئے تھے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکو منصب امامت اور جادہ خلافت پر ممتاز نہ فرماتے پھر اسی طرح عبد اللہ بن عمروؓ نے ایک یہ حدیث بیان کی ہے جو نسائی میں موجود ہے اور جس کے راوی معتبر اور صحیح مانے گئے ہیں اور وہ یہ ہے عن عبد اللہ بن عمرو قال جمعت القرآن فقرأت فی کل لیلۃ فبلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرأہ فی شھر۔ یعنی عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ میں نے سارا قرآن اپنے حافظہ میں جمع کر لیا یعنی ازبر کر لیا اور میری عادت تھی کہ ہر رات ایک ختم قرآن کر چھوڑا کرتا تھا۔ اس امر کی اطلاع حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گئی تو آپنے مجھے ہدایت فرمائی کہ ایسا مت کیا کرو بلکہ قرآن شریف کو ایک مہینے میں ختم کیا کرو۔" غرض اسی طرح صحابہ کبارؓ کی جماعت میں بہت سے صحابی ایسے ثابت ہوتے ہیں جن کو قرآن شریف ازبر تھا۔ اور چاروں خلیفے یعنی حضرت ابو بکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی اور طلحہ۔ سعد۔ ابن مسعود۔ سالم۔ رضی اللہ عنہم کے نام حافظان قرآن میں صحیح روایات میں موجود ہیں۔ مرد تو خیر قرآن شریف کے حافظ اور عالم تھے ہی صحابہؓ میں عورتیں بھی اسکے حفظ کرنیکی عزت سے محروم نہ رہیں۔ بلکہ ان میں بھی قرآن شریف کے علم حاصل کرنیکا شوق اور حفظ کا رواج تھا۔ چنانچہ حضرت عایشہ رضؓ حضرت حفصہ رضؓ اور حضرت ام سلمہ رضؓ وغیرہ کے گرامی اسمار تاریخ صحیح کی اس فہرست کو زینت دے رہے ہیں۔ مہاجرین کے علاوہ انصار رضؓ میں بھی قرآن شریف کے لیے ایسی ہی محبت اور شوق تھا۔ لیکن اسجگہ فہرست دینے سے طول ہوتا ہے۔ یہ بھی ڈر ہے کہ کہیں بے سمجھی سے کام لینے والے متعصب لوگ یہی نہ سمجھ لیں کہ قرآن کریم کے حافظ صرف اتنے لوگ ہی تھے جن کے نام لکھے گئے ہیں۔ ایسا گمان واقعات سے بہت بعید ہوگا۔ کیونکہ ابھی ہم دکھلا آئے ہیں کہ صرف ایک ہی موقعہ پر کفار نے ستر قرا کو قتل کر دیا تھا۔ جس سے کثرت قرا کا ثبوت کافی طور پر ملتا ہے۔ اسکے علاوہ غزوہ یمامہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھوڑے دن بعد واقعہ ہوا قریباً اسی قدر قرا شہید ہوئے۔ جن میں مذکورین کے زمرہ سے صرف حضرت سالمؓ تھے۔ جب جنگ یمامہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ جنگ یمامہ میں ہمارے اکثر قرا کام آگئے۔ اس لیے اب ضروری ہے کہ قرآن شریف ایک ہی جلد میں جمع کر دیا جائے۔ اس موقعہ پر انہوں نے صرف سالمؓ کا نام نہ لیا تھا بلکہ کہا تھا کہ قال ابو بکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقراء القرآن۔ یعنی حضرت ابو بکر رضؓ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضؓ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ غزوہ یمامہ میں قرآن شریف کے قرا بہت سے قتل ہو گئے ہیں۔ اگر صرف وہی لوگ حافظ اور قرا قرآن ہوتے

جن کے نام لکھے گئے ہیں تو حضرت عمرؓ کو چاہیئے تھا کہ صرف سالمؓ ہی کا نام لیتے کیونکہ نامزدہ لوگوں سے تو صرف ایک سالمؓ ہی وہاں کام آئے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کے الفاظ سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہاں کثرت سے قرا شہید ہوگئے۔ جس سے یہ بات بیّن طور پر ثابت ہوتی ہے کہ قرا و حفاظ قرآن بکثرت تھے۔

بخاری میں یہ ایک حدیث منقول ہے عن انس قال مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یجمع القرآن غیر اربعة ابو درداء و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابو زید۔ یعنی انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور سوائے چار اشخاص ابو دردا، و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابو زید کے کسی نے قرآن جمع نہ کیا۔ اور ایک روایت میں جو بخاری ہی میں ہے بجائے ابو دردا، کے ابی بن کعب کا نام ہے جمع کے علم معنے تو احادیث میں کتاب کی صورت میں جمع کرنیکے آئے ہیں پس اگر یہی معنے اس حدیث میں مراد لیے جائیں تو اس سے قرآن شریف کے حافظوں کی تعداد کا حصر نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی تعارض ان احادیث صحیحہ سے واقع ہوتا ہے جو اوپر نقل کیگئی ہیں۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر چار آدمی قرآن شریف کو ایک جا جمع کر چکے تھے اور کتاب کی صورت میں کلام ان کے پاس موجود تھا تو حضرت عمرؓ نے اتنا خوف کیوں ظاہر کیا اور حضرت زیدؓ نے اس کام کو اتنا مشکل کیوں سمجھا سو اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ یا حضرت ابو بکرؓ اور زیدؓ کا منشا ان اصل مسودات کو جمع کرنا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق آپ کے کاتبوں نے لکھے تھے۔ اس لیے انکا مطلب اس سے حل نہ ہوتا تھا کہ کسی کا اپنے طور پر جمع کیا ہوا قرآن شریف انکو ملجائے۔ اور یہی معنے اس حدیث کے کرنے پڑیں گے جس میں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور قرآن کسی چیز میں جمع نہ تھا۔ یعنی مطلب اسکا یہ ہوگا کہ وہ مسودات جو آنحضرتؐ کی ہدایت کے مطابق لکھے گئے تھے وہ ایک جگہ جمع نہ کیے گئے تھے اور یہ بالکل صحیح ہے۔ اس سے صحیح اور معتبر احادیث میں کسی قسم کا تعارض باقی نہیں رہتا۔ اور اگر لفظ جمع کے دوسرے معنے مراد لیے جاویں یعنی کل قرآن شریف کا حفظ کرنا تو اس صورت میں حدیث کے معنے سمجھنے کے لیے پہلے واقعات کو دیکھنا چاہیئے۔ اور یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ حضرت انسؓ نے اس روایت کو کس حال اور کس موقعہ اور کس غرض سے بیان کیا تھا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ یثرب میں (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے مدینہ منورہ ہوگیا) دو قومیں خزرج اور اوس رہتی تھیں۔ ان قوموں میں عرب جاہلیت کے زمانہ کیطرح باہمی سخت عداوت اور بغض تھا۔ پھر جب یہ دونوں قومیں مسلمان ہوگئیں تو ان میں سے دشمنی دور ہوگئی اور سب ایک دوسرے کے بھائی ہوگئے۔ لیکن ترقیات دینی میں رشک ضرور رہا۔ حضرت انسؓ قوم خزرج میں سے تھے۔ ایک موقعہ پر قوم اوس کے بعض افراد نے اپنے چار آدمیوں کی نسبت بڑے فخر سے ذکر کیا۔ اور ان کی شہرت اور عظمت پر بڑا ناز ظاہر کیا۔ اس فخریہ بات کا جواب دوسری رقیب قوم کیطرف سے بھی ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت انسؓ نے اپنی قوم کے چار آدمیوں کے نام لیکر انکی ایک بہت بڑی خدمت

اسلام کی اور بڑا نمایاں کام بیان کیا۔ یعنی قوم خزرج میں سے یہ چار ایسے بزرگ ہوئے ہیں کہ جنہوں نے قرآن شریف کو جمع کیا۔ جس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اُن کو قرآن شریف از بر تھا اور یا یہ کہ انہوں نے متفرق مسودوں سے خود قرآن شریف کو نقل کر لیا ہوا تھا۔ بغرض بہر حال حضرت انسؓ کا یہ بیان تو صرف ایک رقیب قوم کے مقابل میں بطور جواب تھا۔ جب اس بات پر غور کیجاتی ہے کہ یہ چاروں بزرگ جن کا نام حضرت انسؓ نے اپنی روایت میں لیا ہے انکی ہی قوم میں سے تھے تو اس بات کے ثبوت پر زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے ورنہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو عبد اللہ بن مسعودؓ اور سالمؓ اور کئی دوسرے مشہور انصار و مہاجرین کے ناموں کو چھوڑ کر انہی چاروں پر حصر کر لینا کہاں درست ہو سکتا تھا۔ وہ تو ایسے بزرگ تھے کہ جنکی قرآن دانی آفتاب عالمتاب کی طرح مسلم اور روشن ہے۔ اور حضرت انسؓ ایسے ناواقف نہ تھے کہ اگر کلیہ طور پر روایت کرتے تو مشاہیر قرآن دانوں اور جامعان قرآن کے اسمار کو ناواقفیت کی وجہ سے چھوڑ دیتے پس ظاہر ہے کہ یہ کلمات انکے اپنی قوم کی عظمت قوم اوس کے مقابلہ پر ظاہر کرنیکے لیے تھے۔

یہانتک تو ہم نے حضرت انسؓ کی روایت کی اصل حقیقت سے اپنے ناظرین کو آگاہ کر دیا ہے۔ لیکن اگر بفرض محال یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ان احادیث میں باہمی اختلاف اور تناقض ہے تو بھی جس امر کو ثابت کرنیکے لیے ہم نے یہ صفحات لکھے ہیں اسکا ثبوت دینے کے لیے سب باہم متفق ہو جاتی ہیں۔ ہم نے اس دوسرے حصہ مضمون میں یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی مقدس جماعت میں بعض لوگ موجود تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ سے کل قرآن شریف سیکھا اور اسکو یاد کیا ہوا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی صحابی اپنے دلوں کی الواح پر قرآن شریف منقوش اور محفوظ رکھتے تھے۔ انکی تعداد کی تعیین نہ ہمارے مضمون کے ساتھ کچھ تعلق رکھتی ہے اور نہ ہم نے اسکا ذمہ ہی اُٹھایا تھا۔ اگر کم سے کم چار ہی صحابی ایسے ثابت ہوں جنکو قرآن شریف پورے طور پر حفظ تھا تو اس حال میں بھی ہم اپنے دعوے میں عہدہ برآ ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت انس کی روایت کسی دوسرے امر میں دوسری احادیث سے کچھ اختلاف بھی رکھتی ہے تو وہ اس بات کو تو طرح ثابت کرتی ہے کہ کم از کم (بقول انکے) چار صحابی تو ایسے تھے کہ جن کو قرآن از بر تھا اور جنہوں نے قرآن جمع کیا ہوا تھا لیکن ہم نے حضرت انس کی روایت کی غرض کو بیان کر کے ناظرین پر واضح کر دیا ہے کہ انکی روایت سے کل حافظان قرآ کی تعداد کا حصر نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک قبیلہ کے حافظوں کی تعداد اس میں دی گئی ہے۔ برخلاف اسکے صحیح اور معتبر سندوں سے جماعت کثیرہ ویسی ثابت ہوتی ہے جنہوں نے اپنے الواح قلوب میں قرآن شریف محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اس جماعت کے علاوہ بھی عام صحابہ کو قرآن شریف یاد تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کے سوا جنکو سارا قرآن یاد تھا باقی تمام صحابہؓ کو اکثر حصص قرآن شریف کے یاد تھے۔ کسی کو کوئی حصہ اور کسی کو کوئی حصہ۔ اسطرح بھی قرآن شریف تمام صحابہ میں محفوظ تھا۔ تمام صحابہؓ علیٰ قدر استطاعت قرآن شریف کو کلاً یا جزءً یاد کرتے رہتے تھے اور فطرتی طور پر اس کے یاد کرنیں

قرآن شریف کے تدریجی نزول نے لکھنے کیلئے بہت آسانی کردی ..... تھی۔ ایک آیت یا سورۃ کے نزول کے بعد دوسری آیت یا سورۃ کے نزول تک اتنا وقفہ انکو مل جاتا تھا کہ بآسانی وہ پہلی آیت یا سورۃ کو یاد کرلیں۔ یہ ظاہر بات ہے کہ سارا قرآن شریف تئیس سال کے عرصہ میں آہستہ آہستہ نازل ہوا تھا۔ اور اگر آجکل کے زمانہ میں مسلمانوں کے کم سن بچے ایک یا دو برسوں میں قرآن شریف کو بآسانی حفظ کر سکتے ہیں تو وہ عرب (صحابہؓ) جنکی عجیب و غریب قوت حافظہ تمام دنیا میں مسلم تھی اور جو قرآن شریف کو یاد کرنا بڑا ضروری اور اہم فرض سمجھتے تھے انہیں اپنی بڑھی ہوئی عمروں میں بہت تھوڑے عرصہ میں قرآن یاد کر لینا کچھ مشکل نہ تھا اور پھر جبکہ انکو تئیس سال کی لمبی مہلت اسکے یاد کرنے کے لیے دیگئی تو اس بات کے سمجھنے میں کچھ بھی مشکل نہیں رہتی کہ قرآن شریف کا یاد کرلینا ان لوگوں کے لیے نہایت آسان تھا اور اسی لیے اس کثرت سے حافظ ان کے اندر موجود تھے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ قرآن شریف کا یاد کرنا بعض اغراض کے لیے ہر مسلمان کے لیے لازمی تھا خواہ اسکا تھوڑا حصہ یاد کرے یا بہت یا سارا ہی کرے۔ کیونکہ ہر مسلمان پر نماز ایک ضروری فرض ہے اور نماز میں قرآن شریف ضروری طور پر پڑھا جاتا تھا۔ بغیر قرآن شریف کے بعض حصص پڑھنے کے نماز ہوتی ہی نہیں گویا نماز پڑھنے کا حکم من وجہ قرآن کے کل یا جزو کے حفظ کرنے کا حکم ہے۔ جو ہر مسلمان پر مسلمان رہنے کے لیے فرض ہے۔ اور نماز صرف ایک دفعہ ہی نہیں بلکہ دن میں کم از کم پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے اور ہر دفعہ کی نماز میں کئی کئی رکعتیں ہوتی ہیں اور ہر رکعت میں علاوہ معینہ سورۃ قرآن یعنی فاتحہ کے کوئی نہ کوئی حصہ قرآن شریف کا ضرور پڑھنا پڑتا ہے۔ صحابہؓ کی نسبت ثابت ہے کہ وہ عموماً نمازیں دل کے سچے لگاؤ سے پڑھا کرتے تھے اور خشوع و خضوع سے اپنے اس فرض کو ادا کیا کرتے تھے۔ اور نماز کو اپنا ہتھیار اور خدا سے قرب کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ انکی نسبت یہ ثابت ہے کہ وہ نمازوں میں دیر تک قیام کیا کرتے اور زیادہ لمبے عرصہ تک قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ ان پانچوں نمازوں کے علاوہ ایک اور نماز ہے جو رات کے آخری حصہ میں پڑھی جاتی ہے اور جسکو نماز تہجد کہتے ہیں۔ ان لوگوں کو اس خاص نماز کے ساتھ بہت وابستگی اور شوق تھا اور جتنے آجکل کے لوگ غافل ہیں اسی قدر زور کے ساتھ وہ لوگ اس نماز پر مداومت کرنیوالے تھے۔ اس نماز تہجد میں خصوصیت کے ساتھ وہ لوگ بڑے بڑے حصص قرآن شریف کے پڑھا کرتے تھے۔ بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز تہجد میں بہت قرآن شریف پڑھا کرتے یہانتک کہ آپ کی نسبت بعض احادیث میں آیا ہے کہ بعض دفعہ ایک ہی رکعت میں قرآن شریف کے آٹھ نو پارے یعنی ⅓ حصہ قرآن شریف کے قریب پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور صحابہؓ کی طرز زندگی یہی تھی کہ وہ آنحضرت صلعم کے عمل و فعل کو اپنے مسلک کے لیے نمونہ سمجھتے تھے۔ اور آپ ہی کے نمونہ پر چلتے تھے۔ اور اس لیے وہ بھی تہجد میں قرآن شریف زیادہ

زیادہ پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض صحابہؓ کے تہجد میں قرآن شریف پڑھنے کا جو اتفاقاً ذکر آگیا ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ ایک صحابی کی نسبت لکھا ہے کہ انہوں نے ایک رکعت میں سورۃ البقرہ کو پڑھا۔ اور یہ سورۃ قرآن شریف کا بارھواں حصہ یعنی اڑھائی پارے ہیں۔ تہجد کی نماز کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ حکم تھا ہی کہ قم الیل الا قلیلا نصفہ الایۃ۔ یعنی نصف رات یا اس کے قریب قیام کیا کرو اور اسی حکم الٰہی کی تعمیل میں آپ اسقدر کھڑے ہوا کرتے تھے کہ صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکے پاؤں بھی سوج جاتے تھے۔ مگر صحابہؓ کو بھی یہ حکم تھا۔ کہ فاقرؤا ما تیسر منہ اور سارے معذوریت کے اسباب گن کر کہ خدا یہ بھی جانتا ہے کہ بعض تم میں سے بیمار ہوں گے اور بعض جہاد کریں گے اور بعض سفر میں ہوں گے پھر بھی حکم دیا کہ قرآن شریف تہجد میں پڑھا ضرور کرو ہاں بیمار مسافر مجاہد کے لیے اجازت ہے کہ بہت نہیں تو تھوڑا ہی پڑھ لے۔ قرآن شریف میں اس تاکید کو پاکر صحابہؓ کہاں غافل رہ سکتے تھے۔ کثرت سے روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا بڑا حصہ قرآن شریف کا رات کو تہجد میں پڑھا کرتے تھے بلکہ بعض تو اس قدر مبالغہ اس میں کرتے تھے کہ آنحضرتؐ کو یہ ہدایت دینی پڑی کہ اتنے وقت میں کم سے قرآن شریف ختم نہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نمونہ صرف تہجد ہی کی نمازوں تک محدود نہ تھا بلکہ آپ جماعت کی نمازوں میں بھی بہت قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے جماعت کراتے وقت پہلے سورۃ النساء پڑھی اور پھر اس کے بعد سورۃ آل عمران پڑھی۔ یہ دونوں سورتیں قرآن شریف کا آٹھواں حصہ ہوتی ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جبکہ صرف ایک ہی نماز میں قرآن شریف کا اتنا بڑا حصہ پڑھا گیا تو کسقدر تکرار کا قرآن شریف کے پڑھے جانے میں ثبوت ملتا ہے۔ بہت ساری حدیثیں اس بات کی گواہ ہیں کہ اکثر صبح کی نماز کی ایک رکعت میں سورۃ البقرہ جیسی لمبی سورتیں پڑھی جاتی تھیں۔ شام کی نمازوں کے لیے اتنا وقت نہیں مل سکتا کہ لمبی سورتیں انہیں پڑھی جاسکیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الطور جیسی سورتیں انہیں بھی پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی لمبی سورۃ ہے جس میں پچاس کے قریب آیات ہیں۔ اسی طرح جب کبھی صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی کہیں نماز میں امامت کا موقعہ ملتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر وہ بھی عمل کرتے اور انکی طرح نمازوں میں لمبی لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ کئی دفعہ انکی لمبی سورتیں پڑھنے کی شکایتیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ ایکدفعہ ایک صحابی نے عشاء کی نماز میں سورۃ البقرہ تمام کی۔ مقتدیوں میں ایک شخص تھے جو دن کی محنت سے تھکے ماندے تھے اور وہ جلد آرام کرنیکے واسطے جانا چاہتے تھے انکو اس لمبی قرأت سے تکلیف ہوئی اور اسپر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی۔ ایسا ہی یہ بھی ثابت ہے کہ وہ لوگ اپنی تنہائی کی نمازوں میں بھی لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے بلکہ ان نمازوں میں تو جی کھول کھول کر وہ لوگ قرأت لمبی پڑھتے تھے۔ اب اس سے یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ وہ لوگ صرف قرآن شریف کو ایک دفعہ یاد ہی نہ کر لیا کرتے تھے بلکہ جتنا قرآن انکو یاد ہوتا تھا اسپر نمازوں میں اور نمازوں سے باہر اس کثرت سے تکرار کی مواظبت اور مداومت کرتے رہتے تھے کہ وہ ہمیشہ حافظہ میں تازہ رہتا تھا۔ اگر قرآن شریف کی ایک آیت بھی لکھی نہ جاتی تو حافظوں کے الواح میں اس کے نقش ایسی

کثرت اور عمق کے ساتھ کندہ تھے کہ ایک نقطہ بھی اس کا ضایع نہ ہونے پاتا۔ قرآن شریف نمازوں میں اور نمازوں سے باہر پڑھنے کی اسقدر کثرت سے آنحضرت صلعم اور صحابہؓ کی عادت تھی کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعض عورتیں صحابہؓ نے نمازوں میں بار بار پڑھی جاتی سنکر ہی یاد کر لی تھیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ اگر تمام دوسرے ذرایعہ حفاظت قرآن شریف کے معدوم بھی کر دیئے جاتے تو صرف نمازوں ہی میں اس کے پڑھے جانیکا رواج اس بات کے لیے کافی تھا کہ اس میں کسی طرح کا تصرف نہ ہونے پاتے اور یہ پورے طور پر ہر قسم کی آلایش اور حملے سے محفوظ رہے۔ پس یہ تمام واقعات جب باہم متفق ہوتے ہیں تو قرآن شریف کے محفوظ رہنے پر ایسے بیّن دلایل پیدا ہو گئے ہیں کہ جن کی مثال دنیا میں کہیں پائی نہیں جاتی۔ کونسی الہامی کتاب دنیا میں ایسی ہے جس کی حفاظت کے لیے ایسے اسباب قویہ پیدا ہوئے ہوں تمام دنیا کی الہامی کتابوں میں نہ کسی کا ایسا دعویٰ ہے اور نہ ہی کسی کے پاس حفاظت کے ایسے ثبوت ہیں۔

عیسائی مشنوں کے بد اثر

ستمبر ۱۹۰۴ء میں بمقام روم انٹرنیشنل فری تھاٹ کانگرس کا ایک جلسہ منعقد ہوا منجملہ اور کاروائیوں کے اس جلسہ میں مسٹر ڈبلیو ہی فورڈ نے عیسائی مشنوں پر اپنی رپورٹ پیش کی۔ یہ رپورٹ اصل میں فرانسیسی زبان میں مرتب کی گئی تھی لیکن ایسے صحیح حالات کو منکشف کرنیوالی تھی۔ اور اسے ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اکثر یورپین زبانوں میں ترجمہ ہو کر مختلف عیسائی ملکوں میں دست بدست شایع ہو گئی اسی طرح انگریزی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو کر بعض معزز رسالوں اور اخباروں میں شایع ہوا ہے چنانچہ لٹریری گائڈ کے نومبر۔ دسمبر ۱۹۰۵ء اور جنوری ۱۹۰۶ء کے مسلسل پرچوں میں یہ رپورٹ چھاپی گئی ہے۔ اب مسٹر ہی فورڈ نے ایک کاپی اس رپورٹ کی ہمارے پاس اس غرض سے بھیجی ہے کہ یہ ساری یا اسکا کچھ حصہ ملک ہند میں شایع کیا جائے اس رپورٹ کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ میں تو عیسائی مشنوں کے ضرر کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسرے حصہ میں ایسی دنیاوی مجالس کے انعقاد کا مذکور ہے جو مشنوں کے ان گندے اثروں کے روکنے کے لیے تجویز کی گئی ہیں۔

ہماری غرض اس رپورٹ کے شایع کرنیسے یہ ہے کہ ہم ایسے مسلّم واقعات کی بنا پر عیسائی مذہب کے کفارہ کے مسئلہ کے اخلاقی اور روحانی بد اثروں کو پبلک کے سامنے پیش کریں۔ جن کو خود عیسائی تسلیم کرتے ہیں۔ اور جن کے ہاتھ سے وہ خود نالاں ہو رہے ہیں۔ عیسائی مشنری اس بات پر بڑے نازاں ہیں کہ عیسائی اقوام کی اخلاقی حالت دنیا کی تمام اقوام سے بڑھکر ہے اور یہی فخر وہ اپنے مذہب کی فوقیت ثابت کرنیکے لیے مجالس میں اور ایسے لوگوں کے

سامنے پیش کیا کرتے ہیں جو انکی ظاہری صورتیں دیکھ کر انکی مختلف قسم کی جائز و ناجائز ترغیبات کے پھندے میں پھنسنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں اور جن کی زندگی کی سب سے بڑی غرض چند دنیاوی فواید کے حصول کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ لیکن جب کوئی شخص تعصب سے آزاد ہوکر ان کے اس قسم کے دعووں کو تحقیق کی نظر سے دیکھتا ہے تو اس کو فوراً ہی انکی بیہودگی اور نامعقولیت پر یقین ہو جاتا ہے۔ ہم اس بات کے کہنے میں صرف اکیلے ہی نہیں۔ بلکہ خود وہ لوگ جو نسلاً بعد نسل عیسائی چلے آئے ہیں انہی نتائج پر پہنچے ہیں۔ اور یہی وجہ آخر انکے عیسائی مذہب سے علیحدگی اختیار کرنے کی ہوئی ہے۔ چنانچہ چند نتائج جو اس رپورٹ میں پیش کیے گئے ہیں حسب ذیل ہیں۔ اول۔ یہ کہ یورپین تاثیرات سے جو بدیاں دیسی لوگوں میں سرایت کرگئی ہیں۔ انسے کلیسیا کی اپنے لوگوں کی اخلاقی حالت میں اصلاح پیدا کرنیکی کوششوں پر ناکامی کی ایسی مہر لگ گئی ہے کہ جس سے بادی النظر میں یہ بات یقین کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ دوسری قوموں کی اصلاح کے کام کے کسی طرح لایق نہیں۔ دوم۔ یہ کہ باوجود یورپ کے مہذب ممالک میں عیسائی مذہب کے تنزل اور تدریجاً پگھلتے جانیکے جاہل اقوام میں اس دین کی ترقی نسل انسانی کی باقاعدہ معمولی ترقی کے لیے ایک خطرناک دھمکی ہے۔ اور تمام جہان کی تہذیب اور صلاحیت اور امن کو ہمیشہ کے خطرہ میں رکھنے کا ایک موجب ہے۔ اسی رپورٹ کے مصنف صاحب نے ایک اور ریمارک عیسائی تہذیب کے متعلق بھی لکھا ہے جسکا ناظرین کے ملاحظہ کی غرض سے ذیل میں اقتباس کیا جاتا ہے "آجتک یورپین تہذیب کے تعارف سے دوسرے ممالک کے لوگوں نے یہی سمجھا ہوا ہے کہ یہ انجیل۔ شراب کی بوتل رائفل بارود اور مختلف لباسوں میں طرح طرح کی برائیاں۔ کامل غلامی اور آخر کار ہلاکت کے ہم معنی ہے"

اب ہم اصل رپورٹ کی طرف آتے ہیں اس رپورٹ کا عنوان ہے "عیسائی مشنیں اور ان کے خطرات" ذیل میں اس کا ترجمہ درج ہے (۱) کلیسیائی روح یعنی مشن کی تاثیرات نے دنیا میں شایع ہو کر ایسے مفاسد پھیلائے ہیں کہ اب اس امر کی دو چند ضرورت ہے کہ اس کے کرتبوں کو قطعی طور پر رد کئے اور اونکو نیست و نابود کرنیکے کام کو ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں مغربی یورپ کے دلوں کا نور تہذیب اور شائستگی کے اس بلند معراج پر پہنچ گیا ہے کہ اب تمام قسم کی کلیسیاؤں کی مذہبی پابندیوں کی تنگنائی کی حدود اسے روک نہیں سکتیں۔ اور سب قسم کے پروہتوں کے جنگل سے خواہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی پوپ کے پیرو ہوں یا پراٹسٹنٹ۔ دور نکل گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ عیسائی پادری جس وہم پرستی اور سوشل فتنہ و آشوب کی عیسائی زمانہ میں اُن سرزمینوں کے اندر جو عیسائی سرزمینیں مشہور ہیں تخم ریزی کر کے قوم کیلیے دونوں اندرونی اور بیرونی طور پر نہایت مذموم نتایج کے پیدا کرنیکا موجب ہوئے ہیں اور جس سرزمین نے پرظلم صدیوں کی تاریکی اور تباہی کے زمانہ دراز میں انکی طاقت کے عروج کی ابتدا اور انتہا اور تنزل کو دیکھا اور مشاہدہ کیا ہے وہاں بھی اسی وجہ سے اتنے تجربہ کے بعد اب ان پادریوں کی قطعی طور پر کچھ عزت و وقعت نہیں رہی۔ تہذیب کی حقیقی حمایت اور امن عامہ اور ترقی دنیا کے اسباب کی سچی محافظت کی خاطر یہ امر کچھ کم ضروری نہیں کہ ان

پادریوں کو اسی وہم پرستی اور سوشل فتنہ و آشوب کے غیر عیسائی سرزمین میں لیجانے اور پھیلانے سے باز رکھا جاوے۔ اس امر میں کوشش کرنا ہم پر فرض ہوگیا ہے کیونکہ حماقت اور نامرادی کی مُہر عیسائی مشنوں کی تمام کارروائیوں پر لگ چکی ہے

ریورنڈ جے جانسٹن "اے سنچری آف مشنز" صفحہ ۷ اپر اپنی ناکامیوں کے بارے میں لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں اور غیر عیسائیوں کی جتنی تعداد گذشتہ صدی میں تھی وہ اس سے اب بیس کروڑ زیادہ ہے۔ اور اسی عرصہ میں جن لوگوں نے دین عیسوی قبول کیا اگر انکو بال بچوں سمیت گنا جاوے۔ تو انکا شمار زیادہ سے زیادہ تیس لاکھ ہوگا۔ اسپر وہ لکھتا ہے کہ ہمیں ہر ایک حسرت واقعہ پر رونا آتا ہے کہ غیر عیسائیوں کی تعداد شمار اس مشنوں کے عروج کی صدی میں بھی ستر گنا زیادہ بڑھی۔

(۲) اب سوال یہ ہے کہ یہ لوگ بھی جو عیسائی مذہب میں داخل ہوئے ہیں وہ نسل انسانی میں کس طبقہ کے لوگ ہیں؟ اسی ریورنڈ جانسٹن نے اس سوال کا بھی جواب دیا ہے اور لکھا ہے کہ "عیسائی لوگوں کے غور کے لیے یہ بہت اچھی بات ہے کہ سوائے معدودے چند کے یہ سارے نومرید عیسائی جاہل اور وحشی اقوام میں سے ہیں۔ جنکا اعلیٰ طبقہ کے لوگوں پر کچھ بھی اثر نہیں۔ انہیں پانچویں حصہ کے قریب اون قوموں کے لوگ ہیں جو نئی تہذیب کی ترقی کے سامنے جس کے لوازمات میں سے بدکاری اور بیماری ہیں صفحۂ دنیا سے نابود ہو رہی ہیں۔ کیونکہ جہاں عیسائی تہذیب گئی ہے وہاں بدکاری اور بیماری بھی ضرور ساتھ گئی ہیں۔ وہی مصنف مجبور ہو کر ایسی شہادت بھی دیتا ہے جس سے پادریوں کے ان حملوں کی حماقت کا جو وہ غیر مذاہب پر کر رہے ہیں پورا پورا ثبوت ملتا ہے۔ یہ شہادت ان رنگروٹوں کے اندرونی حالات اور چال چلن کے متعلق ہے جو بہت سی متفرق اقوام میں سے اکٹھے کیے گئے ہیں اور جنگ آور کلیسیا کے اسقدر متفرق جھنڈوں کے نیچے جمع ہوئے ہیں جنپر صرف فرقہ پراٹسٹنٹ ہی کا خرچ ساڑھے چوبیس لاکھ پونڈ یعنی تین کروڑ ستاسٹھ لاکھ پچاس ہزار روپے ہوتا ہے۔ اور ۶۲۲۴ مشنری بطور ایجنٹ اس خدمت پر مامور ہیں جن کی تعداد کی نسبت ہر ایک لاکھ ستاسٹھ ہزار غیر عیسائیوں کے لیے ایک ایجنٹ ہوتی ہے۔ ان رنگروٹوں کی اس متفرق فوج کی اندرونی وقعت اور اخلاقی حالت کا بیان کرنیکے ضمن میں جانسٹن صاحب نے بیدلی سے جو شہادت دی ہے وہ ہمارے لیے ان مشنری حملہ گریوں کی بیہودگی اور حماقت کو کچھ کم زور کے ساتھ واضح نہیں کرتی۔ "اے سنچری آف مشنز" کے صفحہ ۷ اپر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ "وقت آگیا ہے کہ خدا کے کلیسیا کو اس امر واقعہ سے گریز نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسپر غور کرنا چاہیئے کہ کسی ایسے مذہب کی ترقی کو ہماری نئی مشنیں روک نہیں سکتیں جنکے قبضہ میں مقدس کتب ہیں۔ ہندو دھرم۔ بدھ مت اور اسلام صرف اپنے اپنے حال میں قایم ہی نہیں بلکہ ہر سال لاکھوں لوگ ان میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ ان سلسلوں میں سے اگر کہیں کوئی ایک عیسائی ہو جاتا ہے تو اسکی بجائے انہیں ادنیٰ قوموں میں سے ہزاروں لوگ داخل ہو جاتے ہیں"۔ لیکن قابل افسوس نتایج ان ایک سو مشنری سوسائیٹیوں کی کل کارروائیوں کے جو برطانیہ اعظم۔ امریکہ اور یورپین براعظم کی دوسری

حصص کی طرف سے قایم ہیں۔ اور جن کی طرف سے ۶۲۳۰ تنخواہ دار ملازم کام کر رہے ہیں۔ اور جن کے ساتھ ۲۷۰۰۰ دیسی انجیل کی منادی کرنے کے لیے اجیر مقرر ہیں۔ اور ان دیسی جماعتوں کے لیے ۲۵۰۰ پاسٹر یعنی نگران مقرر ہیں۔ اور یہ سب ملکر دو سو سے زیادہ زبانوں میں بائبل کے احمقانہ ترجمے پھیلاتے اور حماقت اور بیوقوفی سے بھرے رسالے جہان میں شایع کرتے پھرتے ہیں۔ اگر پڑھنے والوں کو طنتہ میں تسلی نہ ہو اور ان کارروائیوں کی قسم سے بھری ہوئی تباہی اور مایوسی خیز جہالت کی مزید وضاحت کی ضرورت سمجھیں تو پادری وی برون ایم ڈی سکرٹری سکاٹس مشن سوسائٹی کا صاف اقبال جو ذیل میں لکھا جاتا ہے کافی سے بھی زیادہ ہوگا۔ اس کے الفاظ ایسے قیمتی ہیں کہ ایک ایک لفظ اُن ایمانداروں کی پیشانیوں پر آب زر سے منقوش ہونا چاہیئے جن کی مالی امداد اور سرپرستی کے سہارے یہ مشنری ناؤ غیر عیسائی سمندروں پر تیر رہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "اگر وہی اسباب اور وہی محنت اور مجاہدہ اور وہی دولت جو گذشتہ پچاس سالوں کے درمیان غیر عیسائی لوگوں میں مشنیں بھیجنے پر بے دریغ خرچ کیا گیا ہے عقلمندی سے انگلستان اور امریکہ کے اندر ہی خدا کی معمولہ سنت کے موافق خرچ کیا جاتا تو اسقدر لوگ سیدھی راہ پر آ سکتے تھے کہ جسکا سواں یا ہزارواں حصہ بھی بیرونجات میں فایدہ نہیں ہوا۔" (دیکھو ہسٹری آف دی پروپیگیشن آف کرسچینٹی امنگ دی ہیدن جلد ۳ صفحہ ۳۹۹) اب یہ ایسا قول و دل جملہ ہے کہ نہ تو اس سے زیادہ تشریح کی حاجت ہے اور نہ اسپر کسی زیادہ حاشیہ کی گنجایش ہے۔

اب اس مرحلہ پر ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ساری مشنری جدوجہد اور کارروائیوں سے کس قسم کا مصالحہ طیار ہوا ہے؟ جب ہم اس سوال پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ثابت ہوتا ہے کہ غیر عیسائی ممالک میں گرجا قایم کرنے سے نہ صرف وقت ہی ناحق ضایع ہوا اور مال ہی بے فایدہ اور رائگان خرچ کیا گیا بلکہ سب سے بڑھکر نہایت دردانگیز اور نوحہ خیز بات جو اس سے پیدا ہوئی ہے وہ ایک نہایت سنگین خطرناک اخلاقی تباہی ہے جو ایک طرف عیسائیوں کی رشوت دہی اور شر آموزی سے اور دوسری طرف دیسیوں کو ریاکاری سے عیسائی بنانے کے لیے طرح طرح کی مضبوط ترغیبیں دینے سے پیدا ہوئی ہے۔ (۳) ہر ایک شخص جس نے پوری بے تعصبی حق جوئی اور انصاف پسندی سے اس طرز عیسائیت کو غور سے دیکھا اور تجربہ کیا ہے جسکی مختلف عیسائی مشنری ایجنسیوں کے ہاتھ سے نئے دیسی میدانوں میں تخم ریزی ہوئی اور جو وہاں نشوونما پا رہی ہے۔ اس کے روزانہ مشاہدوں اور لمبے تجربوں سے اس بات کی کافی اور زبردست شہادت ملتی ہے کہ مشنری لوگوں کی تاثیرات کا دیسی لوگوں کے دلوں پر کیسا مخرب اخلاق اثر ہوا ہے۔ چنانچہ نمونہ کے طور پر میں ایک فاضل بدھ مہنت کا برہما اور سیلون میں مشنری محنتوں کے ثمرات کے متعلق بیان نقل کرتا ہوں "برہما اور سیلون میں جتنی مختلف عیسائی مشنیں کام کر رہی ہیں اُن سب کے کاموں کے متعلق میرا علم مجھے کوئی اچھی رائے قایم کرنے سے مانع ہے۔ کیونکہ لوگوں کو عیسائی بنانے کے لیے جو جو طریق یہ لوگ کام میں لاتے ہیں۔ وہ ایسے مکروہ ہیں کہ کوئی معقول انسان اپنے اہل ملک کو انکی طرف راغب ہوتے دیکھنا پسند نہیں کر سکتا۔ سیلون میں جو مختلف عیسائی

فرقوں نے لوگوں کو عیسائی بنایا ہے۔ یہ ایک ایسی جماعت بنی ہے کہ جو دونوں طرفوں سے محروم ہیں۔ اِدھر خود ہندو لوگ انسے متنفر اور اُدھر اعلیٰ درجہ کے یورپین لوگوں کی نظروں میں قابل حقارت ہیں۔ وہ لوگ اُن کو روٹیوں کے عیسائی کہتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں یہ لوگ صرف اسی خیال سے عیسائی مذہب میں داخل ہوتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ پادری صاحب کی سفارش سے یا انہیں کہیں نہ کہیں کوئی چھوٹی موٹی سرکاری ملازمت ملجائیگی اور یا کسی ادنیٰ درجہ کے تجارتی کاروبار میں انہیں کوئی اسامی ہاتھ آجائیگی۔ ان ملکوں میں جس قسم کی عیسائیت شایع ہو رہی ہے وہ ایسی ہے کہ جس کی کسی معقول ملک میں گنجایش نہیں ہو سکتی۔ مشرقی مشنری عموماً اس دلیل کو بڑے زور سے پیش کیا کرتے ہیں کہ مغربی اقوام کو یہ عظمت اور طاقت صرف عیسائی دین ماننے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ کیونکہ خدا نے ان لوگوں کو تمام دنیا کے انسانوں پر حکومت عطا کی ہے جنہوں نے خدا کی خدمت کی ہے۔ اس امر میں ان لوگوں نے عجیب عیاری اور چالاکی سے کام لیا ہے کہ ہمارے ملک کے نیم تعلیم یافتہ لوگوں سے یہ اصل واقعہ بہت ہشیاری سے مخفی رکھا ہے کہ ان قوموں کو اُسی نسبت سے عظمت اور وجاہت حاصل ہوئی ہے جس نسبت سے انہوں نے اس عیسائیت کے عقاید کو خیر باد کہا ہے۔ اور جس نسبت سے انہوں نے اس دین کے مسئلہ "اپنے ہمسایہ سے ایسا پیار کر جیسا کہ تو اپنے آپ سے پیار کرتا ہے" کو ترک کر کے اسکی جگہ اس کے برعکس ایک منٹ میں تین سو گولیاں چلانے والے ہتھیار تیار کیے ہیں اسی نسبت سے انکو قوت و شان حاصل ہوئی ہے۔ اس سے بڑھکر بڑی بات یہ ہے کہ وہ اس بات کا بھی دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ اسی دین عیسوی کی بدولت ہم آج دنیا بھر میں سب سے دانا اور تعلیم یافتہ ہیں۔ اور ہمیں مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اپنے مفلوک الحال جاہل ہندو لوگوں کی طرف دیکھو! تم سب عیسائی دین کو نہیں مانتے جھوٹے مذہب پر عقیدہ رکھتے ہو۔ اور اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ زمین چپٹی ہے۔ اور اسکی ناف میں ایک بڑا بھاری پہاڑ ہے اور سورج اور چاند اسکے گرد گھومتے ہیں اور اسی وجہ سے دن اور رات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن ہم خدائے واحد کے ماننے والے حق الیقین کے طور پر جانتے ہیں کہ زمین چپٹی نہیں بلکہ نارنجی کی طرح گول ہے اور سورج کے گرد گھومتی ہے اور ہم انجن بنانا۔ تار لگانا۔ بندوق طیار کرنا اور ایسے ایسے فنون اور ہنر جانتے ہیں یہ سب عیسائی دین کی بدولت ہی ہمکو حاصل ہوا ہے یہ ایسے تجاہل عارفانہ کرنیوالے ہیں کہ ڈارون اور بریڈلا اور ان کے سوا جس شخص نے اس بات کے اظہار کی جرأت کی کہ حق ان اناجیل سے باہر ہے ان سب کو جو جو عقوبتیں اور تکالیف ان زمانہ میں پہنچائی گئیں وہ گویا اس سے بھی واقف نہیں۔ لیکن اب تدریج اور آہستگی سے زمانہ سمجھا رہا ہے۔ اور ترقی کی طرف قدم مار رہا ہے۔ اس سے پہلے پہلے تو مشنری لوگوں کے تاخت و تاراج سے بہت نقصان پہنچ چکا ہے جسکا کثیر حصہ تو سیلون کو برداشت کرنا پڑا اور تھوڑا حصہ برہما والونکو۔ کیونکہ جس نسبت سے اُن کی

تعلیمات کی اشاعت ہوئی ہے اسی نسبت سے نقصان ہوا ہے۔ سیلون کا تو اب یہ حال ہو رہا ہے کہ جو لوگ اعلیٰ درجہ کی چائے کی کاشت کرنیوالے ہیں۔ اب وہ عیسائی اور بہر کو کسی صورت میں رکھنا پسند نہیں کرتے جب میں سیلون میں تھا تو وہ لوگ اکثر مجھے کہا کرتے تھے کہ ہم اپنے ذخیروں میں کسی عیسائی کو گھسنے تک نہ دیں گے۔ ہم کسی بدھیا ہندو یا مسلمان کو رکھ لیں گے۔ مگر کوئی عیسائی نہ رکھیں گے۔ اب انکو اس بات کا پتہ لگنا شروع ہو گیا ہے کہ طرح طرح کی چھوٹی چھوٹی خیانتیں اور ہر قسم کی دغابازیاں جتنی ان دیسی عیسائیوں سے صادر ہوتی ہیں وہ کسی اور کے ہاتھ سے نہیں ہوتیں۔ اور اسکی وجہ دریافت کرنا کوئی مشکل کام نہیں بلکہ بہت آسان ہے۔ کچھ تو اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ محض پیٹ کی خاطر اپنا دین فروخت کر دیتے ہیں اس سے بدتر انسان اور کون ہو سکتا ہے۔ لیکن سب سے بڑی وجہ وہ تعلیم ہے جو انکو عیسائی دین میں دیجاتی ہے'' (۴) ملک سیام میں بھی عیسائی مشنری لوگوں کی غلط کوششوں سے ایسے ہی ثمرات پیدا ہوئے ہیں ایلے بیسٹر کہتا ہے کہ ''میں ڈرتا ہوں کہ پراٹسٹنٹ مشنریوں نے اتنا روپیہ سیام میں خرچ کیا ہے پر وہاں فی دس ہزار پونڈ یعنی ڈیڑھ لاکھ روپے کے بدلے ایک نیک سیامی عیسائی نہیں بنا سکے۔ اگر کسی نے اس دین کو قبول بھی کیا ہے تو وہ بہت شاذونادر ہے۔ اکثر مشنریوں کی کارروائی رائگان جاتی ہے'' چین کے روٹیوں کے عیسائی بھی مشہور ہیں۔ لنڈن مشنری سوسائٹی کی رپورٹ بابت ۱۸۹۰ء میں پادری لیبٹل کہتا ہے کہ ''ایچانگ میں جتنی انجیلیں فراخ دلی کے ساتھ تقسیم کیجاتی ہیں اکثر ان میں سے جوتوں کے تلوے بنانیکے کام میں لائی جاتی ہیں'' اور یہ بھی لکھا ہے کہ کوئی معزز چینی کسی مشنری کو اپنے گھر میں گھسنے نہیں دیتا۔ انریبل پج ہیٹن اسٹریلیشیا میں انکے نتائج کے متعلق اس سے بھی زیادہ زور سے لکھتا ہے۔ پہلے یہ بات لکھکر کہ ''کوئی انسان وہاں کسی مشنری لڑکے کے ساتھ کسی طرح کا تعلق ہرگز نہیں رکھنا چاہتا۔ ہاں جب کہیں ان کے سوا کوئی مل نہ سکے تو پھر بہت اکراہ کے ساتھ اسے کام پر لگایا جاتا ہے'' وہ اسطرح مشنری لوگوں کی محنتوں کے ثمرات کو بطور خلاصہ لکھتا ہے ''ایک بڑا کھلا واقعہ باقی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کسی جنوبی سمندر کے جزیروں میں رہنے والے کو عیسائی بنانے کی کوشش کرنے میں مشنری لوگ ایک معصوم اور محنتی وحشی کو نکما بدمعاش بنا دیتے ہیں'' اسی طرح اس امر کے متعلق اور بہت سی شہادتیں موجود ہیں لیکن ہمارے خیال میں یہ تھوڑی سی مذکورہ بالا شہادتیں ہی عیسائی مذہب کے دیسیوں کے دلوں پر تاثیرات کا عام خاکہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہونگی۔ (۵) بحرالکاہل کے عیسائیوں کا حال بیان کرتے وقت ایک بڑی مشہور بات بلا تامل سامنے آجاتی ہے۔ جو عیسائی مشنوں کے بداثر کو خاص طور پر عیاں کرتی ہے۔ ان پرامن جزیروں میں رہنے والوں میں عیسائی مذہب کے پھیلنے کے ساتھ دیسی ریاست کی قطعی تباہی اور نئے عیسائیوں اور انکے دوسرے ہم وطنوں کے درمیان خطرناک تباہ کن اور خونخوار لڑائیوں کی بنیاد پڑ گئی۔ ٹاہٹی میں مشنری لوگوں نے جس طرح سے

بعض لوگوں کو عیسائی بنایا ہے اسکا ذکر کوٹز بیو نے کیا ہے اور اس کے ضمن میں لکھا ہے کہ "یہ تبدیل مذہب ایک شرارۂ آتش کو بارود کے میگزین میں ڈالنے کی طرح تھا جو آگ لگتے ہی فوراً پھٹ نکلا..... نو مرید بنانیکے شوق میں ان بھیڑیوں کے غضب نے ان لوگوں پر تسلّط کر لیا جو کبھی بہت حلیم انسان تھے۔ خون کی ندیاں بہ نکلیں اور ساری قوم تباہ ہو گئی" جو لوگ ان سارے نقصانات کے لیے جو عیسائی مذہب کی تعلیم سے پہیلے ہیں صرف اسی قدر تلافی کافی سمجھتے ہیں کہ اس سے تہذیب اور تعلیم پھیلی ہے۔ انکے لیے میں ذیل کی چند سطور کو جو اسی مصنف کی لکھی ہوئی ہیں یہاں نقل کرتا ہوں "یہ سچ ہے کہ مشنریوں کے مذہب نے جہاں بہت حصہ بدی کا پھیلایا ہے۔ اسکی بدولت غیر عیسائی اوہام پرستی اور نامعقول عبادات دُور ہو ئیں۔ لیکن انکی بجائے نئی قسم کی غلط کاریوں کو اس نے رواج دیدیا ہے۔ ایک طرف چوری وغیرہ کی خرابیوں کو روکا ہے پر دوسری طرف تعصب اور ریاکاری کو پھیلایا ہے اور دوسرے مذہبوں کی نسبت سخت حقارت اور نفرت کے خیالات پیدا کر دیئے ہیں جو کسی زمانہ میں ٹاہٹیوں کے خوش مزاج اور عالی اور فراخ حوصلہ لوگوں کو معلوم ہی نہ تھے۔ اس نے ایک طرف انسانی قربانی کی رسم کو جڑھ سے اُکھاڑا ہے لیکن جتنے انسان بت پرستوں کے دیوتاؤں پر قربان ہوا کرتے تھے۔ انکی نسبت بہت زیادہ جانیں خود عیسائیت پر قربان ہوئیں" (دیکھو نیو ایج جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۶۸) - کوٹز بیو کا سفر ۱۸۲۳-۱۸۲۶ء کے درمیان ہوا۔ اور عیسائی مشنری اس علاقہ میں اس سے تیس سال پہلے پہنچے ہوئے تھے۔ جولائی ۱۸۷۵ء کے ویسٹ منسٹر ریویو میں عیسائی مذہب کے ایک سو سال کے بعد کے نتیجہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۷۷۵ء میں کک نے دریافت کیا کہ ٹاہٹی میں دو لاکھ انسان آباد ہیں۔ مگر امریکہ کی مہم تحقیقات سے پہلے جب آبادی کا تخمینہ مردم شماری سے کیا گیا تو نوّے ہزار تھا۔ سینڈوچ جزائر میں آبادی کی اسقدر کمی ہو رہی ہے کہ جس کی نظیر تاریخ میں پائی ہی نہیں جاتی۔ جن لوگوں نے پہلے پہلے اس علاقہ میں سفر کیا تھا وہ چار لاکھ آبادی شمار کرتے تھے۔ اب آبادی پینسٹھ ہزار سے بھی کم ہو گئی ہے۔ تباہی اس حد تک پہنچ رہی ہے کہ ہر پچیس سال میں آبادی نصف کے قریب کم ہو جاتی ہے۔ ان خوشنما جزائر میں جو مشنری شکاریوں کے لیے بہت خوش شکار گاہ ہے۔ عیسائی دین لوگوں کو انسانیت اور تہذیب سکھانے میں جس طرح ناکام اور نامراد ہوا ہے وہ بے شمار لوگوں کے آنسوؤں اور خون سے جو اس مدعی صلاحیت انجیل کے نام پر قربان ہوئے ہیں صفحۂ تاریخ پر لکھا ہوا ہے۔

شاید کسی کو یہ خیال گذرے کہ ہم نے جو کچھ ان بیرونی ملکوں کے متعلق لکھا ہے اسپر عیسائی دین کی سخت مخالفت کی وجہ سے بہت کچھ اپنا رنگ چڑھایا ہے۔ اس لیے ہم جان ولیمز کی شہادت کو لکھتے ہیں۔ جو بڑا نامی گرامی مشنری ہے اور جس نے مدت العمر ان لوگوں میں مشن کا کام کیا ہے۔ ہم اس کی وہی بات درج نہیں کریں گے جس سے یہ ظاہر ہو کہ عیسائی وعظ سے کس قسم کی اخلاقی حالت پیدا ہوئی ہے۔ بلکہ ہم اس کی شہادت سے یہ بات

دکھائیں گے کہ عیسائی مذہب کی بدولت کس قسم کے مظالم برپا ہوئے چنانچہ رارا ٹانگا کے باشندوں کے حال کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں۔ "اس پیاری جگہ کے باشندے زمانہ قدیم سے چوری کرنیکے بہت عادی چلے آتے تھے چونکہ اکثر لوگوں نے ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی عیسائی مذہب قبول کیا تھا اس لیے جونہی کہ جوش کا ولولہ جو تبدیل تمدن سے پیدا ہوا تھا کم ہوا تو فوراً وہ اپنی انہی عادات کی طرف رجوع کر گئے جو بچپن سے ان میں متمکن ہو رہی تھیں" (دیکھو مشنری انٹرپرائزز ان ساؤتھ سی آئلنڈز ۱۸۳۷ء صفحہ ۱۲۶)۔ غرض تہذیب اخلاق کو یکلخت اختیار کر کے ان پیچھے رہے ہوئے لوگوں کو شائستگی کا مطیع بنانے اور سر توڑ زور اور پوری اخلاقی قدر دانی پر کاربند رکھنے کے لیے امانت اور مروت کی راہوں سے مانوس کرنیکی بجائے عیسائی مشنریوں نے انہیں ایک نئی وہم پرستی کے ورطہ میں ڈالدیا جس سے انہیں خونخوار تومریدی کا تازہ جوش پیدا ہو گیا۔ اس مضمون پر ہمارا مشنری ایک پُر وحشت بات لکھتا ہے جو ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ "یہ بات غور کے قابل ہے۔ کہ کسی بڑے جزیرہ میں عیسائی دین بغیر زور شمشیر کے مروج نہیں ہوا لیکن یہ بات بیان کرنا ٹھیک ہے کہ ہر موقع پر حملہ کی ابتدا غیر عیسائیوں کے ہاتھوں سے ہوتی رہی"۔ یہ بات کہ یہ حملے کس قسم کے تھے۔ ذیل کی عبارت سے معلوم ہو سکتی ہے۔ "مقام منگارا میں جنگ کی یہ وجہ ہوئی کہ اتوار کے دن بت پرست لوگ گانے اور کھیلنے کا جشن کیا کرتے تھے۔ اور عیسائیوں کو دھمکاتے تھے۔ اس لڑائی میں عیسائی فتحیاب ہوئے۔ لیکن اپنے دشمنوں سے سخت بے رحمی کا سلوک کیا۔ وہ لوگ رحم کے طلبگار ہوئے انہوں نے انکی ایک نہ سنی بلکہ بے رحمی کے ساتھ انکو چیر کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا" (۶) دیسی لوگوں کے مستعد ولیست اور بے حیل و حجت قبول کرنیوالے دلوں میں مخالف مذہب کے نصب کرنے سے اکثر اور عموماً گندی قسم کی وہم پرستی کا دوبارہ زندہ ہونا مراد ہوتی ہے۔ اگرچہ بہت سی مثالیں اس قسم کی موجود ہیں لیکن ہم اسجگہ صرف ایک ہی واقعہ کو بطور مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ جس سے جزیرہ سینڈوچ کے بدنصیب باشندوں کا حال اور انکے عیسائی ہو جانیکے بعد کی مصیبتیں واضح ہونگی۔ جولائی ۱۸۵۶ء کے وسٹ منسٹر ریویو میں ایک شخص نے فریاد کی ہے کہ "چند مشنری جوشیلوں کی کوششوں سے سارا ملک عنقریب تباہ ہو جانے کو ہے۔ ہزارہا ایکڑ زمین جس میں بہت عمدہ فصل پیدا ہوتے تھے۔ اب ریگستانی میدان ہو رہے ہیں کھانے کی چیزیں اسقدر گراں ہو گئی ہیں کہ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ خود بادشاہ نے سفیر امریکہ سے کچھ روٹی منگوا بھیجی۔ ماہی گیری بالکل ترک کر دیگئی ہے۔ اور سوائے مشن سکولوں کے کہیں آبادی اور رونق نظر نہیں آتی۔ ان مدرسوں میں لوگوں کو تعلیم دیجاتی ہے۔ کہ کل کی کچھ فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ اور باغ کے خوش رنگ پھولوں کی طرح لباس پہننا اور کوّوں کی طرح کھانا چاہیئے۔ پھر اسکے علاوہ یہ بھی تعلیم دیجاتی ہے۔ کہ سب لوگ آزاد اور مساوی رتبہ پر پیدا کیے گئے ہیں اس قسم کے خیالات ان لوگوں میں اس حد تک سرایت کر گئے ہیں کہ وہ حمق اور عُجب میں غرق ہو گئے ہیں۔ امرا کی خدمت کرنیسے انکار کرتے ہیں اور انکو بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔ اور بنگھم (ایک امریکن مشنری) کو

اپنا حقیقی بادشاہ سمجھتے ہیں'' اسی طرح ڈاکٹر لیٹورنیو کی شہادت تاہیٹیوں کے متعلق نقل کیجاتی ہے۔ وہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ تاہیٹی میں بہت خطرناک خونخوارانہ جنگیوں سے عیسائی مذہب پھیلایا گیا۔ عیش عشرت میں حد سے ترقی ہوگئی باہم جنگ و جدل اور نفاق بڑھ گیا اور ان تمام بدیوں پر ریاکاری کا برقع ڈالکر پردہ پوشی کیجاتی ہے۔ عورتیں جہاز و نپر دن کے وقت نہیں جاتیں وہ رات کے وقت جہازوں پر خود جاتی یا لوگوں کے ساتھ جاتی تھیں۔ شہوانی عاشقانہ خواہشیں ان لوگوں میں ایسی زور سے پائی جاتی تھیں کہ باوجود انگریزی حکومت کے زبردست انتظام کے عورتیں اور بچے عموماً اس قسم کی گندی اغراض پر عیسائی بنائے جاتے تھے اور مردوں اور عورتوں میں باہمی گفتگو پرلے درجہ کی بےحیائی سے ہوتی تھی۔''

ان باتوں سے ہمیں صاف نظر آ رہا ہے کہ کس طرح عیسائی مذہب کی نو مریدی اور بدچلنی ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں جو لوگ روٹی کی غرض سے عیسائی ہوتے ہیں وہ نہ تو دینی پہلو سے اور نہ عقلی پہلو سے سچے عیسائی ہو سکتے ہیں اور ہر زمانہ اور ملک میں جبر اور دغا انجیل کی منادی کے لیے پسندیدہ ذرائع خیال کیے جاتے اور عمل میں لائے جاتے رہے ہیں۔ اور کہیں یہ دونوں ناپاک ذرائع باہم ملکر کام کرتے رہے ہیں اور ان طریقوں کا عملدرآمد کسی ایک زمانہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ کلیسائی تاریخ کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قسطنطین سے لیکر وحشیانہ ملکوں کے آباد ہونے تک اور پوپوں کے سیاستی اقتدار سے لیکر عیسائی عقیدہ کی یورپ کے مذہبوں پر فوقیت حاصل کر لینے کے زمانہ تک پرلے درجہ کی شرارت اور جہالت اور وحشت سے مسلمانوں یہودیوں اور پراٹسٹنٹوں وغیرہ کے برخلاف یہی طریق عمل میں آتے رہے ہیں۔

(۷)

عیسائی مشنری جس طرح سے دیسی لوگوں کے مذہبوں پر حملے کرتے ہیں وہ حمق اور جہالت سے پر ہے۔ اگر ایک قسم کی بت پرستی اور توہم پرستی کا استیصال کیا جاتا ہے تو ایک دوسری قسم کی بت پرستی اور توہم پرستی کا عقیدہ انکے دلوں میں راسخ کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انکی مذہبی تعلیم باوجودیکہ وہ ایک اعلیٰ قوم کے لوگ ہیں اور جو لوگ انکے زیر مشق ہیں وہ ادنیٰ اور کم تہذیب یافتہ قوموں کے لوگ ہیں انپر کوئی مفید اثر پیدا نہیں کرتی اور نہ انکی ادنیٰ حالت کو اعلیٰ حالت میں بدل سکتی ہے۔ مصنف کانکویسٹس آف دی کراس (فتوحات صلیب) صاف طور پر اس دھوکہ کا بیان کرتا ہے جس میں مشنری باغ میں کام کرنیوالے مزدور مبتلا ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ ''بعض لوگ جو مشن میں نہایت ذوق و شوق سے کام کرتے تھے وہ یہ حال دیکھکر بالکل گھبرا گئے اور مایوسیوں سے دلبرداشتہ ہوکر کام ہی چھوڑ بیٹھے۔ اور بستی (نیوزیلینڈ) کو خیرباد کہکر بہتر مقامات کی تلاش میں نکل پڑے۔ انہیں سے ایک نامی گرامی صاحب نے اپنے الوداعی وعظ میں اس بات کو مانا ہے کہ میری شکست کا سب سے زیادہ تلخ پہلو یہ ہوا ہے کہ پچیس سالوں کی لگاتار کوشش اور محنت کے بعد اب مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ نیوزیلینڈ میں اس سے زیادہ عیسائی نہیں ہو سکے جو اس دن موجود تھے جبکہ میں پہلے پہل اسجگہ آیا تھا'' (دیکھو صفحہ ۸۶)۔ اگر شاذ و نادر کہیں مشنریوں کی کوششوں میں کچھ کامیابی بھی ہوئی تو اسکی وجہ غیر لوگوں کا عیسائی دین قبول کرنا نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ خالص

مادّی امداد حاصل کرنیکا نتیجہ ہے۔ چنانچہ جیمز گلمور اپنی تصنیف "امنگ دی منگولز" (مغلوں کے درمیان) میں لکھتا ہے کہ "اکثر لوگ جو میری انجیل کی منادی سے بہت بڑی دلچسپی ظاہر کیا کرتے تھے اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ جب وہ بیمار ہوا کرتے تھے تو مَیں اُنہیں طبی امداد دیا کرتا تھا۔ اُنہیں روحانی آرام اور روشنی کی نسبت جسمانی تندرستی کی بہت جستجو رہتی تھی۔" ایساہی سر ایچ ایچ جانسٹن کی شہادت بھی ایسی ہی پُرزور ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "افریقہ کی مشنوں کا امداد اور شکریہ اور عزت پانیکا کوئی استحقاق اسوجہ سے نہیں کہ انہوں نے عیسائی دین کو پھیلایا ہے۔ خالص عیسائی پہلو سے جب اس معاملہ پر نگاہ کیجاتی ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ لوگ کچھ بھی کامیاب نہیں ہوئے۔ اکثر بڑے بڑے اضلاع میں جہاں وہ بیس بیس برسوں سے کام کر رہے ہیں اگر دیانت اور امانت کے ساتھ شمار کیا جائے تو بیس مخلص عیسائی بھی نہیں نکلتے یعنی بیس دیسی بھی ایسے دستیاب نہیں ہو سکتے جو ان نو آموختہ مسائل کو کسی حد تک سمجھتے ہوں اور اپنے اخلاق اور وضع کو انکے موافق بنانیکی کوشش کرتے ہوں۔ افریقہ کے دوسرے حصوں میں اور خصوصاً برٹش مقبوضات میں جہاں کثرت سے برائے نام عیسائی آباد ہیں وہاں انکی بدولت اس مذہب کی بہت بے اعتباری پھیل رہی ہے۔ کیونکہ جسقدر کسی بستی کے بدمست شرابخوار۔ دروغگو۔ بدمعاش اور نجس لوگ ہیں وہ سب کے سب عیسائی مذہب میں شمار ہوتے ہیں ہمارے پُرانے افریقہ کے مغربی مقبوضات میں خاص شہر کے مگدلینی لوگ۔ عیسائی دین کے ماننے والے ہیں۔ یہانتک کہ ایسے لوگ جو فسق و فجور کی وجہ سے سب سے بدنام ہیں وہ بھی اس بات پر ناز کرتے ہیں کہ ہم نے کبھی کمیونین سنڈے کو گرجا جانے سے ناغہ نہیں کیا۔ .... مجھے اس بات کا بیان کرتے ہوئے بہت افسوس آتا ہے کہ سوائے معدودے چند کے افریقہ کے دیسی پادری۔ معلّم۔ مناد وغیرہ جو میرے دیکھنے میں آئے ہیں اور جن سے مجھے تعارف ہوا ہے سب کے سب کسی نہ کسی کم و بیش گناہ اور بدکاری میں مبتلا ہیں۔ انکی ساری کوششوں کا ماحصل یہی ہے کہ اپنی بے لگام بدچلنی اور بے حیاریا کاری پر پردہ ڈالے رکھیں۔ اور ظاہر طور پر مذہب کا دکھاوا کرتے رہیں۔ اور یہ ایسی گندی روش ہے کہ جو ایک سلیم الطبع اور امانت پسند دل کے لیے تمام بدچلنیوں سے زیادہ بدتر ہے۔ یہ ظاہر تھا کہ اُنکے پتھر دلوں میں مذہب کا ایک ذرہ بھر بھی اثر نہیں ہوا۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ وحشیانہ بہادری اور تہور کی روح جو انکے وحشی آباؤ اجداد میں موجود تھی انکی جھوٹی اور بزدلانہ طبیعتوں میں داخل ہی نہیں ہوئی۔ یہ سخت الفاظ ہیں لیکن یہ سوچے سمجھے بغیر نہیں لکھے گئے۔" (دیکھو نائنٹینتھ سنچری ریویو بابت نومبر ۱۸۸۷ء)

(۸)

اگر ان عام امور کو علیحدہ رکھکر ہم چین۔ ہندوستان اور جاپان میں عیسائی مذہب کی تاریخ پر ایک نظر ڈالکر دیکھیں تو یہاں بھی وہی قصّہ نفاق اور عیاری کا دیکھنے میں آئے گا۔ ان ملکوں میں دیسیوں کو عیسائی مذہبی حریف فرقوں نے ایک آلہ یا کٹھ پتلی بنایا ہوا ہے۔ یہ تمام فرقے اس بات پر تُلے ہوئے نظر آرہے ہیں کہ کالے لوگوں کو مغربی یورپ کے روحانی اور سیاسی جوئے کے نیچے لے آویں۔ اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ ناجائز حقوق جو یہ مشنری چین میں

تلاش کرنے اور حاصل کر چکے تھے وہی اُس آگ کے بھڑکانیکا موجب ہوئے تھے جو چند سال ہوئے ہیں کہ چینی اور یورپ کی
دوسری گورنمنٹوں کے درمیان بھڑک اُٹھی تھی۔ ان مشنری ایجنسیوں نے جس حق حفاظت کا چینی سلطنت کے برخلاف
دعوے کیا وہی خطرناک طور پر چینی لوگوں میں بے امنی پھیلانیکا ذریعہ ہوا۔ اور اس حق کی رعایت کو (جو اکثر قابل اعتراض
ذرایع سے حاصل کیا جاتا ہے) ان عیسائیوں نے اپنی فوقیت اور عظمت کے ثبوت میں ایک چیتھڑا اس کی طرح پہنا ہوا ہے
جولائی ۱۸۹۶ء کے کوارٹرلی ریویو میں ایک نامہ نگار نے اس بات کو خوب تشریح سے لکھا ہے کہ ان کارروائیوں
کا دیسیوں کے دلوں پر کیا اثر ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "ایک بزدل حاکم کے علاقہ میں جب کسی مشنری کا گذر ہوتا ہے تو
وہ اُسے ایک وبا سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کے آنیسے اُس کے انتظام میں خلل واقع ہوجاتا ہے۔ اُس کے اقتدار اور رعب میں
فرق آجاتا ہے۔ یہانتک کہ اُس حاکم کی اپنی تباہی تک نوبت پُہنچ جاتی ہے۔ موجودہ طرز میں ہر ایک رومن کیتھلک مشنری
اور خصوصًا ہر فرانسیسی نژاد سلطنت چین کے لیے ابتلا کا موجب ثابت ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ آئے دن ہمیشہ کہیں
نہ کہیں سے کسی فساد کی خبر ہمارے سننے میں آجاتی ہے" مشنریوں کے اس باطل دعویٰ کا کہ انہیں ایک دشمن اور ظلم رسیدہ
قوم کے اندر ایک الگ کی الگ حکومت دیجاوے جس کا ملکی حکومت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ان اقوام پر جو فطرتًا متحمل اور بُردبار ہیں
یہ اثر ہوا ہے کہ انکا جایز غصہ ان پادریوں کے خلاف جن پر "باہر سے آئے ہوئے شیطان" کا خطاب نہایت عمدہ طور پر
چسپان ہوتا ہے اور بھی بھڑک اُٹھا ہے۔ اس وقت یہ سخت ضروری ہوگیا ہے کہ یورپ کی مہذب اور شائستہ قومیں ان
کمینہ مشنریوں کے ایسے متکبرانہ اور خطرناک باطل دعووں کی حمایت کو چھوڑ دیں۔ ان مشنریوں کے غیر معتدل جوش سے اکثر
جنگوں کی افواہیں سُنی جاتی ہیں اور جنگ برپا ہوجاتے ہیں اور یورپ کی قوموں کو بڑے خرچ سے مہمیں تیار کرنے اور تاخت
وتاراج اور لوگوں کے ملک چھیننے پر آمادہ کرنیکا موجب ہوتے ہیں۔ یہ مشہور بات ہے کہ ٹیپنگ کا غدر جس نے پندرہ سال تک
چین میں امن قایم نہ ہونے دیا اور سیکڑوں میلوں میں اچھے اچھے آباد قصبے اور خوشنما کھیت تباہ کر دیئے اور کئی بار
قتل عام اور محاصرے ہوئے۔ اور ایسے خطرناک مظالم ہوئے کہ جن کا ذکر ہی نہیں ہو سکتا۔ اور قحط پڑے۔ ان سب کا
باعث انہیں مشنریوں کے وہ رسائل ہوئے تھے جو جاہل قوموں میں انہوں نے شایع کیے تھے۔ اور پھر مجنونانہ کوشش
سے انکے قدیم مذہب کو ترک کرا کے عیسائی مذہب کا بہروپ قایم کرنا چاہتے تھے۔ (فرار پریمیٹو مینزمس وغیرہ صفحہ ۲۶۲)
یہ بھی مشہور بات ہے کہ حال میں جو چین کی تقسیم واقع ہوئی اور پھر اس کے بعد روس و جاپان میں خطرناک جنگ چھڑا تھا
وہ بھی انہیں عیسائی پادری صاحبان کی شرارتوں اور چالاکیوں کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ ہرڈی برانڈ جو کسی زمانہ میں سلطنت
جرمنی کی طرف سے چین میں سفارت کے عہدہ پر ممتاز تھا اس نے کرسٹاک ویلیٹ اخبار میں ۲۔ اگست سنہ ۱۹۰۰ء کو
ایک مراسلت شایع کرائی تھی۔ اس میں اس نے کھلے طور پر کیتھولک اور پراٹسٹنٹ مشنریوں کو اسبات کا مجرم
قرار دیا تھا کہ چین میں جو واقعات پیدا ہوئے اور جن سے یورپ کی قوموں کو متفق ہو کر کارروائی کرنی پڑی وہ سب انہی کی

مذہبی بے چینی

آسمان نے کچھ ایسا رنگ بدلا ہے کہ جہاں جاؤ وہیں مذہبی سمندروں میں بے چینی کا جوش پھیلا ہوا ہے۔ لیکن یہ مذہبی شورش اور بے چینی جس قدر زور اور مضبوطی کے ساتھ عیسائیت میں محسوس ہو رہی ہے اس کی مثال دوسری جگہ نہیں ملتی۔ ہمیں ہر دن اس مذہب میں ہی نئے طریقوں اور نئے عقاید کے پیدا ہونیکی خبریں ملتی ہیں۔ اور ہر روز اس مذہب کے پیرووں کے گروہ میں تخفیف ہوتی چلی جاتی ہے۔ آجکل اخباروں کے کالموں میں نئی تھیولوجی کے بہت زور شور سے تذکرے ہو رہے ہیں۔ ریورنڈ آر جے کیمبل جو سٹی ٹمپل کے بڑے جوشیلے نان کنفارمسٹ پادری ہیں۔ انہوں نے پرانے عیسائی مسائل کی ایک لغو اور نئی تشریح کی ہے جس کو نئی تھیولوجی یعنی نیا علم الٰہی کہا گیا ہے (اسے بائبل کی خوش نصیبی کہو یا بدنصیبی) نام نئے نئے عقاید جو پُرانے عقاید کی بیخکنی کرنیوالے ہیں۔ وہ سب کے سب اسی بائبل سے مستنبط ہوتے ہیں۔ اور جس طریق سے یہ استنباط کیا جاتا ہے وہ اس کتاب کے لیے جو کسی زمانہ میں بہت عزیز تھی بہت دردناک ہے۔ کیونکہ اس کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر ان کے ایسے معنے تجویز کرنیکے لیے اسپر سخت عذاب کیا جاتا ہے تو یہ بالکل باطل ثابت ہوتے ہیں لیکن جب مسٹر کیمبل جیسے عالی دماغ اصحاب انکو تشریحات رکیکہ سے معقولیت کے دائرہ میں لانیکی کوشش کرتے ہیں تو پھر ایسی تاریکی میں ڈوبتے ہیں کہ انکے کوئی معنے ہی نہیں بن سکتے۔ مسٹر کیمبل اپنے اس طریق کی (نئی تھیولوجی) کے نام سے منادی کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یسوع کا کنواری سے پیدا ہونیکا مسئلہ کائنات کی ابتدائی پیدایش کی خام اور گمراہ کن تاویل ہے یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ الوہیت کی روح نے مادہ سے خدائی صفات اپنے اندر رکھنے والے ایک انسان کو پیدا کیا۔ کفارہ سے مراد انسان کی لازمی الوہیت ہے یعنی اسکا خدا تعالیٰ کے ساتھ غیر مقطوع تعلق ہے وغیرہ۔ اخبار انڈین ڈیلی ٹیلیگراف لکھتا ہے کہ یہ نئی تھیولوجی حقیقت میں تھیوسوفی ہے۔ اور یہ بھی لکھتا ہے کہ یسوع کے کلام کے مخفی معنے جو مسٹر کیمبل یا تھیوصوفسٹوں نے دریافت کیے ہیں۔ وہ عمداً یسوع نے اپنے شاگردوں پر واضح نہیں کیے تھے۔ کیونکہ وہ موتیوں کو سؤروں کے آگے ڈالنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

ہماری غرض یہ نہیں کہ ہم اس نئی تھیولوجی کی کوئی منطقی تعریف بیان کریں اور اسکے اصول اور عقاید کی تفصیل کریں۔ اور نہ ہم یہ چاہتے ہیں۔ کہ اس کا فیصلہ کریں۔ کہ آیا یہ نئی تھیولوجی حقیقت میں تھیوصوفی کا نام ہے۔ ہم اسباب کو بیان کرنیکی کوشش کریں گے کہ اس ساری مذہبی بے چینی کے اصل اسباب کیا ہیں۔ کیونکہ جہاں کھلے طور پر اس مذہبی بے چینی نے دہریت اور مادہ پرستی کی صورت اختیار نہیں کی وہاں بھی روحوں میں خدا کی ہستی اور الہام الٰہی کے انکار اور شکوک چھپے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نئی تھیولوجی منتشر دلوں کو کچھ اطمینان بخش نہیں سکتی۔ کیونکہ جہاں ایک طرف پرانے دینی مسائل کو

ص ۳۷۔ کبھی اس کی مذمت کے معنی یہ نہیں تھی کہ عیسائی عقاید کو اگر صاف صاف الفاظ میں بیان کیا جاوے

باطل قرار دیکر مُسترد کیا جاتا ہے۔ وہ مسائل جو انکی بجائے پیش کیے جاتے ہیں۔ وہ بھی اُسی طرح کے بے دلیل دعوی ہیں مذہبی بے چینی کی اصل وجہ یہ تھی کہ جو عقاید اور اصول مذہبی پیش کیے جاتے ہیں انکا کوئی ایسا ثبوت ساتھ نہیں جو طبیعتوں کو سیر کرے اور دلوں میں ایک اطمینان اور سکینت کی حالت پیدا کرے۔ پس جتنے نئے عقیدے چاہو تراشتے جاؤ جبتک انکے ساتھ تسلی بخش ثبوت نہ ہوگا یہ سب محض بیکار اور ویسے ہی لغو اور باطل دعاوی ہیں جیسے وہ جن کی بجائے یہ پیش کیے جاتے ہیں۔ اور کوئی اصلی تمیز نئے اور پرانے عقاید میں نہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ دنیا پر مذہبی بے چینی کا ہمیشہ ایک دَورہ آیا کرتا ہے۔ اُسی قسم کا دَورہ اِس زمانہ میں بھی آیا ہوا ہے جو ہم پر گذر رہا ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جو بے چینی اس زمانہ میں ہو رہی ہے۔ وہ پہلے سب زمانوں سے بڑھکر ہے۔ بہت لوگ اس غلط وہم میں پڑے ہوئے ہیں کہ جدید علمی معلومات نے مذہبی اصول کو سخت صدمہ پہنچایا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ سائنس اور علم نے مذہب کی بنیاد کو مستحکم کردیا ہے۔ لوگوں کے دل یقین اور ایمان سے اس لیے نہیں خالی ہوئے کہ سائنس نے خدا کی ہستی اور حیات بعد از موت کا انکار کیا ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مذہب جو ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اُس کے اپنے اندر اتنی قوت نہیں کہ وہ اپنے دعووں کا ثبوت دیکر لوگوں کا اطمینان کر سکے۔ جو لوگ اپنے آپ کو دہریہ اور لامذہب کہتے ہیں۔ وہ ان ریاکاروں کی نسبت زیادہ دیانتدار اور زیادہ صاف باطن ہوتے ہیں جن کے ہونٹوں پر مذہبی عقیدوں کے کلمات جاری ہوتے ہیں لیکن انکے دل ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہیں۔ یہ مسلّم امر ہے کہ جس شئے کا کوئی ثبوت نہ ہو وہ بظاہر خواہ کیسی ہی خوش کن کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ عبث ہوتی ہے۔ اور جس چیز کا ثبوت موجود ہو۔ وہ معقول ہوتی ہے سائنس صرف تسلی بخش ثبوت کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور اسکا مطالبہ جائز اور صحیح ہے۔ ہم اس موقعہ پر ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ جس سے ان باتوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ ہر ایک مذہب کی یہ تعلیم ہے کہ خدا کے حضور دعا کرنی چاہیئے اور یہ کہ خدا دعاؤں کو سُنتا اور قبول کرتا ہے۔ اب یہ صرف ایک دعویٰ ہے اور دعا کی قبولیت کے ثبوت کا مطالبہ بالکل واجب اور معقول مطالبہ ہے۔ یہ بات دعا کی قبولیت کا ثبوت نہیں ہوسکتی کہ بعض وقت کوئی امر جس کے لیے دعا کیجاوے حاصل ہوجائے۔ کیونکہ کئی ایسے امور بھی ہیں جن کی نسبت دعا کیجاتی ہے۔ اور وہ حاصل نہیں ہوتے۔ بلکہ دعا کے بغیر بھی بعض مطالب حاصل ہوجاتے ہیں۔ اس لیے صرف اس مدعا کا حاصل ہونا ہی جس کیلیے دعا کیجاوی قبولیت دعا کا ثبوت نہیں۔ دعا کی قبولیت کے ثبوت کے لیے حصولِ مدعا کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ضروری ہوتی ہیں۔ مثلاً جب کوئی انسان کسی امر کے لیے خدا کے حضور میں دعا کرے اور خدا کے حضور سے اُسکو دعا کا جواب ملے اور بعد کے واقعات اس جواب کی صداقت کا ثبوت دیں اور وہ اسکے مطابق ظہور میں آوے تو یہ ایک ثبوت ہوگا اس بات کا کہ واقعی دعا قبول ہوگئی۔ جس مذہب میں اس قسم کا ثبوت ملجاوے اسکو کوئی معقول انسان ردّ نہیں کرسکتا۔ لیکن جب تک کہ ایسا ثبوت ہم نہ پہنچے اُسوقت تک قصور اس مذہب کا ہے۔ جو اپنے دعووں کے ثبوت دینے سے عاری ہے۔ اور جو شخص ایسے نامعقول مذہب کو ترک کرتا ہے اسکا کچھ قصور نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا عیسائی

دین دعا کی قبولیت کا ایسا ثبوت پیش کرتا ہے؟ اور اگر خود وہ مذہب ہی ثبوت دینے سے عاری اور قاصر ہے تو خدا اور الہام سے منکروں کا مطالبہ کہ کوئی ثبوت بیّن دینا چاہیئے صحیح اور جائز ہے۔ سائنس پر اس بات کا طعن رکھنا صحیح نہیں ہوسکتا کہ اس نے دعا پر سے لوگوں کا ایمان اٹھا دیا ہے۔ کیونکہ سائنس کا مطالبہ صرف عقلی رنگ میں ہے۔ اگر عیسائی مذہب دعا کی قبولیت کا ثبوت دینے سے قاصر رہ کر سائنس کے مطالبہ کو پورا نہیں کر سکتا تو اس کے بعد یہ سوال ہوگا کہ کیا دنیا میں کوئی ایسا مذہب ہے بھی کہ نہیں کہ جو اس قسم کا بیّن ثبوت اپنے ان دعاوی کی تائید میں پیش کر سکتا ہو؟ ہم نقارہ کی چوٹ سے میدان میں آ کر اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ایسا مذہب دنیا میں موجود ہے اور وہ ایک ہی مذہب ہے جو اس معیار پر اپنے دعووں کا ثبوت دے سکتا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اس مذہب کا نام بتائیں اور اس کے پیش کردہ ثبوتوں کا نمونہ پیش کریں۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اس امر کا بیان کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ کن کن راہوں سے دین حق کو دنیا میں زندہ رکھتا ہے مذہب کی زندگی سے مراد یہ ہے کہ وہ مذہب اپنے پیرووں میں تقویٰ و طہارت کی روح نفوذ کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور انہیں نفس امارہ پر غلبہ پانے کی قوت بخش سکتا ہو۔ اور اس میں ایک ایسی مقناطیسی جذب ہو کہ ہر قسم کے دنیاوی لالچوں اور غرضوں کو قربان کر کے لوگ اسکی طرف اُمڈے چلے آویں۔ اور اپنے دعووں کی تائید میں ایسے نشانات لامعہ اور براہین قاطعہ ساتھ رکھتا ہو کہ جس سے طالبان حق کے دلوں کو سچا اور علیٰ وجہ البصیرت ایمان اور اطمینان حاصل ہو جائے مذہب حقہ کی زندگی کی یہی علامات ہیں۔ اب ان معیاروں پر لگا کر پرکھنے سے عیسائی دین ایک بے جان اور مردہ دین ثابت ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا قانون مستمرہ اور سُنت جاریہ جو صحیح مذہبی تاریخ سے ثابت ہوتے ہیں اس طرح پر واقع ہوئے ہیں کہ جب کبھی دنیا میں سخت ایمانی ضعف چھا جاتا ہے۔ اور دنیا کے مذہبوں میں الٰہی طاقت و تاثیر اور قوت جذب اور اعجاز و معجزہ نمائی اور زوردار براہین نہیں رہتیں تو اسوقت خدا تعالیٰ کمال فضل اور رحم سے کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے کہ جس کے مقدم خیر سے مذہب حقہ میں نئی زندگی کی روح نفوذ پاتی ہے اور مرجھائے ہوئے نخل ایمان پھر تر و تازہ ہو جاتے ہیں۔ اسی قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ مختلف زمانوں کے اندر مختلف ممالک میں انبیاءؑ نازل فرماتا رہا ہے۔ پھر جب مسیح سے چھ سو برس بعد عیسائی دین پر اُسی قسم کی موت وارد ہوئی جسکو تیرہ سو برس کا عرصہ گذر چکا ہے تو اسوقت خدا تعالیٰ نے حضرت سرور کائنات خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ پھر اُسی قانون اور ان تمام پیشگوئیوں کے مطابق جو قریباً ہر مذہب میں پائی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اپنے موعود مسیحؑ کو قادیان میں نازل فرمایا ہے جنکا نام نامی حضرت میرزا غلام احمد صاحب ہے۔ حضرت ممدوح مسیح و مہدی موعود ہونے کا نرا دعویٰ لیکر ہی نہیں آئے بلکہ وہ اپنے ساتھ اصول اسلام کی حقیت اور حقانیت کے انکشاف کے لیے نشانات سماوی اور براہین قاطعہ لائے ہیں۔ انہوں نے دین میں وہ قوت پیدا کر دی ہے کہ جو اس کے ماننے والوں میں نئی زندگی اور تقویٰ و طہارت کی روح پھونکتی ہے۔ انکو اللہ تعالیٰ نے ایسی زبردست مقناطیسی قوت عطا کی ہے کہ باوجودیکہ دنیا کی تمام قومیں انکی مخالفت میں طرح طرح کے حیلے اور

کوششیں کر رہی ہیں۔ لیکن لوگ انکی طرف کھینچے ہوئے چلے آتے ہیں۔

اب ہم اس کلام کو جو بطور جملہ معترضہ درمیان آپڑی تھی اجگہ ختم کر کے اصل مدعا کی طرف عود کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ دعا کی قبولیت کا ایسا قطعی ثبوت پیش کرتے ہیں جو آج دنیا بھر میں کسی مذہب کا کوئی ماننے والا پیش نہیں کر سکتا۔ اور وہ ثبوت یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتے ہیں۔ اور اس دعا کا جواب پاتے ہیں۔ اور جو کچھ جواب میں انکو بتایا جاتا ہے اسکو قبل از وقت شایع کر دیتے ہیں۔ پھر ان شایع شدہ امور کی بعد کے واقعات تائید کرتے ہیں۔ اور یہ تائید ایسی ہوتی ہے کہ جسپر کوئی انسانی کوشش اور منصوبہ پہنچ ہی نہیں سکتا۔ اور ایسی ہی اعجازی اور فوق الطاقت طور پر وہ امر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ وہ مدت سے اس بات کو شایع کر رہے ہیں کہ انکے منجانب اللہ ہونیکا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انکی دعائیں قبول کیجاتی ہیں۔ اور انکی قبولیت کا ثبوت یہ ہے کہ خدا انہیں قبل از وقت ان امور سے اطلاع دیدیتا ہے جن کیلیے دعا کیجاتی ہے اکثر وہ قبل از وقت ایسی اخبار غیبیہ کو شایع کر دیتے ہیں۔ اور جن اخباروں اور کتابوں میں انہوں نے انکو شایع کیا ہے وہ انکے دعووں کا قطعی ثبوت ہوجاتی ہیں۔ بہت سے ایسے نشانات ہیں کہ جن میں انکے سخت ترین دشمن بھی گواہ ہیں۔ اسجگہ ہم انکی قبولیت دعا کا نمونہ دکھانیکے لیے صرف ایک واقعہ پر کفایت کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ سر سید احمد خاں مرحوم جو مذہبی خیالات میں یورپ کی مادہ پرستی کے اثر کے نیچے دبے ہوئے تھے انہوں نے ایک رسالہ لکھا جس میں دعا کی قبولیت اور اس کی تاثیر سے انکار کیا۔ حضرت مسیح موعودؑ دعا کی قبولیت اور اس کی تاثیرات پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان رکھتے ہیں۔ انہوں نے سر سید مرحوم کے اس خیال کی تردید میں کتاب برکات الدعا لکھی اور اس میں معقولی بحث کے ذریعہ سے انکے خیالات کی غلطی کو بیّن اور زبردست دلایل سے ثابت کر کے پھر بطور نمونہ ایک دعا پیش کی اور اپنی کتاب برکات الدعا کے صفحہ ۲۸ پر لکھا۔ اے کہ گوئی گر دعاہا را اثر بودے کجاست ◆ سوئے من بشتاب بنمائم ترا چوں آفتاب ◆ ہاں مکن انکار زیں اسرار قدرتہائے حق ◆ قصہ کوتہ کن ببیں از ما دعائے مستجاب ◆ آخری مصرعہ میں حضرت ممدوح نے
[illegible]
یہ دعویٰ کیا ہے۔ کہ میں دعائے مستجاب کا نمونہ دکھا سکتا ہوں۔ جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائیگی۔ کہ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس کے نیچے ایک حاشیہ دیا ہوا ہے جس میں ناظرین کو صفحہ ۲ و ۳ و ۴ ٹائٹل پیج کا ملاحظہ کرنیکی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جب ہم ان صفحوں کو دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں ایک سرخی "نمونہ دعائے مستجاب" لکھی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور اس کے نیچے لیکھرام پشاوری آریہ سماج کے ایک لیڈر کی موت کی پیشگوئی لکھی ہوئی ہے۔ یہ کتاب ۱۸۹۳ء میں شایع ہوئی تھی۔ اور اسوقت لیکھرام ایک نوجوان صرف ۳۲ سال کی عمر کا تھا۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے وہ خود قادیان میں پہنچا تھا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ سے آسمانی نشان طلب کیا تھا۔ اس نے بہت سی چٹھیات لکھی تھیں۔ اور اپنی آخری چٹھی میں اس نے اپنی موت کے متعلق نشان طلب کیا تھا۔ چنانچہ وہ تحریر حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتاب استفتا میں شایع کر دی ہے۔ جس میں اسنے لکھا ہے کہ آسمانی نشان کے لیے اپنے رب العرش

سے دعا مانگو۔ اور وہ نشان میرے متعلق ہو۔ اسپر حضرت ممدوح نے خدا کے حضور میں دعا کی۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے انکی دعا کی قبولیت میں یہ جواب دیا گیا کہ اس تاریخ یعنی ۲۰۔ فروری ۱۸۹۳ء سے چھ سال کے اندر تیرا دشمن ہلاک ہو جائیگا۔ اس کے متعلق بہت سی پیشگوئیاں تفصیل کے ساتھ شایع کی گئی تھیں۔ اور برکات الدعا میں بھی پیشگوئی کے الفاظ اور اس کی تفہیم درج تھی۔ لیکھرام کی موت کے متعلق مختلف کتابوں میں جو خبریں پیش از وقت شایع کی گئیں۔ وہ اُسی وقت سے نہ صرف دوستوں ہی کے قبضہ میں پہنچ گئیں۔ بلکہ دشمنوں کے ہاتھوں میں بھی پہنچائی گئیں۔ جو اُس وقت سے ہی ان کے قبضہ میں موجود ہیں۔ اس طرح اسکی قبل از وقت اشاعت میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ چار سال تک بڑی اشاعت پا جانیکے بعد ۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو یہ پیشگوئی بڑی آب و تاب سے پوری ہوئی اور لیکھرام پیشگوئی کی تمام تفصیلات کے مطابق مارا گیا۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے دعا کی قبولیت کا ثبوت بہت واضح طور پر بہم پہنچتا ہے۔ یہ پیشگوئی ایسی صفائی کے ساتھ پوری ہوئی کہ بیشمار اہل ہنود اور غیر متعلق مسلمان جن کے سامنے یہ واقعہ پیش ہوا۔ بہت صفائی کے ساتھ شہادت دے اُٹھے۔ کہ یہ پیشگوئی ان تمام تفصیلوں کے مطابق کہ جو سالہا سال پہلے سے شایع ہو چکی تھیں پوری ہوئی۔ کوئی معقول انسان جو ان تمام واقعات کو نظر غور سے دیکھتا ہے۔ اس پیشگوئی کی صداقت اور دعا کی قبولیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ چونکہ بہت ساری واقعات ثابت شدہ میں سے صرف ایک واقعہ کا بیان کر دینا اثبات دعویٰ کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اس لیے ہم حضرت مسیح موعودؑ کی قبولیت دعا کے بیشمار ثابت شدہ واقعات میں سے صرف ایک ہی واقعہ کے لکھنے پر کفایت کرتے ہیں اگر ضرورت ہوئی تو ہم بہت ساری اسی قسم کے امور پیش کر دیں گے جن کی واقعیت آفتابِ نصف النہار کی طرح عیاں اور ثابت ہے۔ اسجگہ ہم نے ایک ایسی اصول کا ثبوت پیش کر دیا ہے جو ہر ایک سمجھدار انسان کیلیئے اطمینان کا موجب ہو سکتا ہے لیکن اگر ایسا ثبوت کسی اصول مذہب کی حقیقت کا موجود نہ ہو۔ تو اُس صورت میں معترض پر الزام نہیں۔ بلکہ ایسے مذہب پر الزام ہے جو ایسے مسائل کو لوگوں کے اندر جبراً ڈالنا چاہتا ہے۔ جن کی حقیقت کا ذرا بھی ثبوت موجود نہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سے اصول ہیں جن کو عدم ثبوت حقیقت کی وجہ سے رد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہر ایک نیا مذہب خدا کی ہستی کی تسلیم سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن جس بات کا کوئی ثبوت نہ دیا جائے۔ وہ صرف ایک خیالی بات ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں اور اسی طرح دوسرے مذہبی اصول کے ثبوت میں حضرت مسیح موعودؑ ایسے ثبوت پیش کرتے ہیں جن کو ماننے بغیر کوئی چارہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اس مضمون کو زیادہ لمبا کرنا نہیں چاہتے۔ سمجھنے والوں کے لیے ایک اشارہ بھی کافی ہو سکتا ہے۔ البتہ بے چینی کا بادل جو تمام مذہبی دنیا پر چھایا ہوا نظر آرہا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان مذہبوں میں اپنے دعاوی اور اصول کی حقیقت کا ثبوت موجود نہیں۔ اور وہ چیز جو ایمان اور اطمینان کو واپس لا سکتی ہے۔ وہ خدا کی ہستی اور جزا و سزا اور قبولیت دعا وغیرہ جیسے مذہبی اصول کا قطعی اور یقینی ثبوت ہی ہے۔ اب دنیا میں وہی مذہب کامیاب ہوگا جو بنی نوع انسان کے آگے اپنے حقایق و معارف کا ثبوت بدیہی طور پر رکھ دے گا۔ اور وہ تمام ادیان جن کی محض بے دلیل دعووں پر ہی بنا ہے برساتی کیڑوں کی طرح سو جائیں گے۔

اپنی تمام جماعت کے لیے ضروری نصیحت

چونکہ مَیں دیکھتا ہوں کہ ان دنوں میں بعض جاہل اور شریر لوگ اکثر ہندوؤں میں سے اور کچھ مسلمانوں میں سے گورنمنٹ کے مقابل پر ایسی ایسی حرکتیں ظاہر کرتے ہیں جن سے بغاوت کی بُو آتی ہے بلکہ مجھے شک ہوتا ہے کہ کسی وقت باغیانہ رنگ انکی طبایع میں پیدا ہو جائیگا اسلیے مَیں اپنی جماعت کے لوگوں کو جو مختلف مقامات پنجاب اور ہندوستان میں موجود ہیں جو بفضلہ تعالیٰ کئی لاکھ تک انکا شمار پہنچ گیا ہے نہایت تاکید سے نصیحت کرتا ہوں کہ وہ میری اس تعلیم کو خوب یاد رکھیں جو قریباً چھبیس ۲۶ برس سے تقریری اور تحریری طور پر انکے ذہن نشین کرتا آیا ہوں یعنی یہ کہ اس گورنمنٹ انگریزی کی پوری اطاعت کریں کیونکہ وہ ہماری محسن گورنمنٹ ہے انکی ظلِّ حمایت میں ہمارا فرقہ احمدیہ چند سال میں لاکھوں تک پہنچ گیا ہے اور اس گورنمنٹ کا احسان ہے کہ اسکے زیر سایہ ہم ظالموں کے پنجہ سے محفوظ ہیں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہے کہ اس نے اس گورنمنٹ کو اس بات کے لیے چن لیا تاکہ یہ فرقہ احمدیہ اس کے زیر سایہ ہو کر ظالموں کے خونخوار حملوں سے اپنے تئیں بچاوے اور ترقی کرے کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ تم سلطان روم کی عملداری میں رہکر یا مکہ اور مدینہ ہی میں اپنا گھر بنا کر شریر لوگوں کے حملوں سے بچ سکتے ہو نہیں ہرگز نہیں بلکہ ایک ہفتہ میں ہی تم تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کیے جاؤ گے تم سن چکے ہو۔ کہ کس طرح صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف جو ریاست کابل کے ایک معزز اور بزرگوار اور نامور رئیس تھے جن کے مرید پچاس ہزار کے قریب تھے وہ جب میری جماعت میں داخل ہوئے تو محض اسی قصور سے کہ میری تعلیم کے موافق جہاد کے مخالف ہو گئے تھے امیر حبیب اللہ خاں نے نہایت بیرحمی سے انکو سنگسار کرا دیا پس کیا تمہیں کچھ توقع ہے کہ تمہیں اسلامی سلاطین کے ماتحت کوئی خوشحالی میسر آئیگی بلکہ تم تمام اسلامی مخالف علماء کے فتووں کی رو سے واجب القتل ٹھہر چکے ہو سو خدا تعالیٰ کا یہ فضل اور احسان ہے۔ کہ اس گورنمنٹ نے ایسا ہی تمہیں اپنے سایہ پناہ کے نیچے لیا جیسا کہ نجاشی بادشاہ نے جو کہ عیسائی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو پناہ دی تھی مَیں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا جیسا کہ نادان لوگ خیال کرتے ہیں نہ اس سے کوئی صِلہ چاہتا ہوں بلکہ مَیں انصاف اور ایمان کی رو سے اپنا فرض دیکھتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کی شکر گذاری کروں اور اپنی جماعت کو اطاعت کے لیے نصیحت کرتا ہوں۔ سو یاد رکھو! اور خوب یاد رکھو! کہ ایسا شخص میری جماعت میں داخل نہیں رہ سکتا جو اس گورنمنٹ کے مقابلہ پر کوئی باغیانہ خیال دل میں رکھے اور میرے نزدیک سخت بدذاتی ہے کہ جس گورنمنٹ کے ذریعہ سے ہم ظالموں کے پنجہ سے بچائے جاتے ہیں اور اسکے زیر سایہ ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے اس کے احسان کے ہم شکر گذار نہ ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے ھل جزاء الاحسان الا الاحسان یعنی احسان کا بدلہ احسان ہے اور حدیث شریف میں بھی ہے کہ جو انسان کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا شکر بھی نہیں کرتا یہ تو سوچو کہ اگر تم اس گورنمنٹ کے سایہ سے باہر نکل جاؤ۔ تو تمہارا ٹھکانہ کہاں ہے ایسی سلطنت کا بھلا نام تو لو۔ جو تمہیں اپنی پناہ میں لے لیگی۔ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہارے قتل کرنیکے لیے دانت پیس رہی ہے کیونکہ انکی نگاہ میں تم کافر اور مرتد ٹھہر چکے ہو سو تم اس خداداد نعمت کی قدر کرو اور تم یقیناً سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے سلطنت انگریزی تمہاری بھلائی کیلیے ہی اس ملک میں

قایم کی ہے اور اگر اس سلطنت پر کوئی آفت آئے تو وہ آفت تمہیں بھی نابود کر دیگی۔ یہ مسلمان لوگ جو اس فرقہ احمدیہ کے مخالف ہیں تم انکے علماء کے فتوے سن چکے ہو یعنی یہ کہ تم انکے نزدیک واجب القتل ہو اور انکی آنکھ میں ایک کُتّا بھی رحم کے لایق ہے مگر تم نہیں ہو۔ تمام پنجاب اور ہندوستان کے فتوے بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کے فتوے تمہاری نسبت یہ ہیں کہ تم واجب القتل ہو اور تمہیں قتل کرنا اور تمہارا مال لوٹ لینا اور تمہاری بیویوں پر جبر کرکے اپنے نکاح میں لے آنا اور تمہاری میت کی توہین کرنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دینا نہ صرف جائز بلکہ بڑا ثواب کا کام ہے۔ سو یہی انگریز ہیں جنکو لوگ کافر کہتے ہیں جو تمہیں ان خونخوار دشمنوں سے بچاتے ہیں اور انکی تلوار کے خوف سے تم قتل کیے جانے سے بچے ہوئے ہو۔ ذرا کسی اور سلطنت کے زیر سایہ رہ کر دیکھ لو کہ تم سے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ سو انگریزی سلطنت تمہارے لیے ایک رحمت ہے۔ تمہارے لیے ایک برکت ہے اور خدا کی طرف سے تمہاری وہ سپر ہے۔ پس تم دل و جان سے اس سپر کی قدر کرو اور تمہارے مخالف جو مسلمان ہیں ہزارہا درجہ ان سے انگریز بہتر ہیں کیونکہ وہ تمہیں واجب القتل نہیں سمجھتے۔ وہ تمہیں بے عزت کرنا نہیں چاہتے کچھ بہت دن نہیں گذرے کہ ایک پادری نے کپتان ڈگلس کی عدالت میں میری پر اقدام قتل کا مقدمہ کیا تھا اس دانشمند اور منصف مزاج ڈپٹی کمشنر نے معلوم کر لیا کہ وہ مقدمہ سراسر جھوٹا اور بناوٹی ہے اس لیے مجھے عزت کے ساتھ بری کیا بلکہ مجھے اجازت دی کہ اگر چاہو تو جھوٹا مقدمہ بنانے والوں پر سزا دلوانے کیلیے نالش کرو سو اس نمونہ سے ظاہر ہے کہ انگریز کس انصاف اور عدل کے ساتھ ہم سے پیش آتے ہیں۔ اور یاد رکھو کہ اسلام میں جو جہاد کا مسئلہ ہے میری نگاہ میں اس سے بدتر اسلام کو بدنام کرنے والا اور کوئی مسئلہ نہیں ہے جس دین کی تعلیم عمدہ ہے جس دین کی سچائی ظاہر کرنے کیلیے خدا نے معجزات دکھلائے اور دکھلا رہا ہے ایسے دین کو جہاد کی کیا ضرورت ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ظالم لوگ اسلام پر تلوار کے ساتھ حملہ کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اسلام کو تلوار کے ذریعہ سے نابود کر دیں سو جنہوں نے تلواریں اٹھائیں وہ تلوار سے ہی ہلاک کیے گئے سو وہ جنگ صرف دفاعی جنگ تھے۔ اب خواہ نخواہ ایسے اعتقاد پھیلانا کہ کوئی مہدی خونی آئیگا اور عیسائی بادشاہوں کو گرفتار کریگا یہ محض بناوٹی مسائل ہیں جنسے ہمارے مخالف مسلمانوں کے دل سیاہ اور سخت ہو گئے ہیں اور جن کے ایسے عقیدے کسی زمانہ میں جاہلوں کیلیے بغاوت کا ذریعہ ہو سکتے ہیں بلکہ ضرور ہونگے سو ہماری کوشش ہے کہ مسلمان ایسے عقیدوں سے رہائی پاویں۔ یاد رکھو کہ وہ دین خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا جس میں انسانی ہمدردی نہیں خدا نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ زمین پر رحم کرو تا آسمان سے تم پر رحم کیا جائے۔ والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد مسیح موعود۔ عافاہ اللہ وایّد۔ ۷۔ مئی ۱۹۰۰ء

پادری صاحبان کی تہذیب

افسوس ہے کہ اب تک پادری صاحبان مذہبی مباحثات میں انہی کمینہ ہتھیاروں یعنی دریدہ دہنی اور گندہ زبانی سے کام لیتے

میں جن میں ان کے بزرگوں نے ہندوستان میں آکر کمال حاصل کیا تھا۔ کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ رسالہ تجلی کے متعلق ذکر کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا کہ یہ لوگ دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم تحقیق سے کام لیتے ہیں اور مباحثات میں نرمی کا طریق اختیار کرتے ہیں مگر جب انکو مخالف کے مقابل کلام کرنی پڑتی ہے تو گندہ کلامی میں اپنی نظیر آپ ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابتک ایڈیٹر صاحب تجلی نہایت خوشی سے اکبر مسیح کی گندہ تحریروں کو اپنے رسالہ میں درج کرتے اور اس پر فخر کرتے ہیں اگرچہ ساتھ ساتھ مانتے بھی چلے جاتے ہیں کہ اسکی تحریریں سخت ہیں۔ اکبر مسیح نے جو لکھنے کا طرز اختیار کیا ہے کوئی بھلامانس آدمی اُسے اختیار نہیں کرسکتا اور نہ ہی کوئی شریف انسان ایسی تحریروں کے شایع کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ بات بات پر ہنسی اور ٹھٹھا کرتا ہے اور بیباک نوآریہ دھرم پال کی طرح ظرافت سے لوگوں کو خوش کرنا چاہتا ہے۔ اس شخص کی غرض تحریر سے احقاق حق نہیں بلکہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ اسکے مخالف پر ہنسی اُڑائیں۔ ان باتوں سے وہ خدا کے قایم کردہ سلسلہ کو نیست و نابود نہیں کرسکتا۔ بہتیرے جھک مار کر خود کیڑوں مکوڑوں کی طرح دُور ہو گئے اور جو کچھ آج اکبر مسیح کرنا چاہتا ہے وہ اس سے پہلے جعفر زٹلی بھی کر چکا ہے۔ اسکی تحریروں سے اگر کچھ ظاہر ہوتا ہے تو صرف اسکی اپنی کمینہ خصلتوں کا اظہار۔ یہ لفظ بعض صاحبان کو سخت معلوم ہونگے۔ مگر اس شخص کی تحریر کا ایک ایک فقرہ ایسی شرارت اور گند سے بھرا ہوا ہے کہ میں ان الفاظ کے لکھنے پر مجبور ہوں۔ بات بات میں حضرت مسیح موعود کو کذاب دجّال مفتری کہنا تو اسکا معمولی شیوہ ہے بلکہ نام کی بجائے بھی کذاب اور دجّال کا لفظ استعمال کرتا ہے مگر ان الفاظ پر بھی کفایت نہ کرکے وہ ایک اوباشانہ طریق دریدہ دہنی کا اختیار کرتا ہے۔ فروری و مارچ کے پرچہ تجلی میں وہ ابتدائی مضمون میں ہی لکھتا ہے "اسی طرح بعض لمبی ڈاڑھی والے فریبی بدمعاش بھولے بھالے عیسائی اور مسلمان دینداروں کی اس انتظاری سے نفع کمانیکی سوچتے ہیں۔ اور اچھے خاصے بجاتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھ چکے بیسوں آئے جنہوں نے اپنے آپ کو مہدی آخر الزمان بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کیا"۔ یہ ایک ہی مثال اس ثبوت کیلئے کافی ہے کہ کیسی بےحیائی کا شیوہ ان لوگوں نے اختیار کیا ہے۔ تجلی کے ایڈیٹر کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر وہ اس طریق کو نہیں چھوڑیگا اور چار لاکھ معزز انسانوں کے ایک پیشوا کو اسطرح بیحیائی سے گالیاں نکالنے سے باز نہیں آیگا تو آخر قلم اور کاغذ ہمارے پاس بھی موجود ہے۔ اور ہم بھی سختی سے لکھ سکتے ہیں۔ لیکن اسکا کچھ فایدہ نہیں۔ میں ابھی اس مضمون کا کوئی جواب نہیں لکھتا صرف ایک بات کا ذکر کرتا ہوں جس پر اکبر مسیح نے بار بار زور دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ گویا اس سلسلہ کے جھوٹا ہونیکا یہی ثبوت کافی ہے کہ عیسائی اور مسلمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کذاب اور مفتری کہتے ہیں اور ماننے والے صرف چند لوگ ہیں جن کو کسی جگہ تو وہ "قادیان کے چند احمقوں" کے نام سے

موسوم کرتا ہے۔ یہ شخص اپنے غیظ میں اسطرح جلا ہوا ہے کہ قادیان کو دوسرے کمینہ مخالفوں کی طرح کادیان لکھکر جی خوش کرتا ہے۔ افسوس یہی کچھ بات اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہ گیا ہے۔ موتوا بغیظکم۔ باوجود اس ساری دریدہ دہنی اور غیظ و غضب کے اخیر میں نہایت بیحیائی سے یہ بھی کہتا ہے کہ عیسائیوں کو حکم ہے "اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانیوالوں کیلئے دعا مانگو" محبت کیا اگر تم لوگوں کے ہاتھ میں کچھ طاقت ہو تو تم ٹکڑے ٹکڑے کرنیکے لئے تیار ہو مگر چونکہ طاقت نہیں اسلئے کمزور آدمی کی طرح گالیاں نکال کر دل خوش کر رہے ہو۔ یہی ثبوت محبت کا۔

موسوم کرتا ہے اور کسی جگہ ان کے متعلق لکھتا ہے ”عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند“ اور کسی جگہ انکو جاہل اور ابلہ کہتا ہے۔ اور کسی جگہ ”مخبوط الحواس“ اور ”بھاڑے کے ٹٹو“ قرار دیتا ہے۔ مگر اس احمق سے کوئی پوچھے کہ یہ باتیں تو آپ کے اس فرضی خدا پر صادق آتی ہیں جس کو یہودیوں نے ذلیل اور رسوا کیا اور اس کی کچھ پیش نہ گئی۔ تین چار لاکھ آدمی کی جماعت کو ”خرے چند“ کہنا تو محض آپ لوگوں کی حماقت اور خباثت کا ثبوت ہے۔ مگر کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ ایک شخص جسکے آگے تم وحشیوں کی طرح گھٹنے ٹیکتے اور اسے خدا خدا کرکے پکارتے ہو گیارہ۱۱ ماہی گیروں کی شہادت سے عیسیٰ بن گیا تھا۔ اگر کچھ بھی تمہارے اندر خوف خدا یا خوف یسوع ہے تو بتاؤ کہ چار لاکھ معزز انسانوں کی جماعت پر ”خرے چند“ کا لفظ صادق آتا ہے یا گیارہ۱۱ ماہی گیروں پر جو مچھلیاں پکڑتے پکڑتے ساتھ ہو لیے تھے۔ افسوس کہ تم میں کچھ بھی ایمان باقی نہیں رہا ورنہ میں تم سے یہ پوچھتا کہ ایمان سے کہو اگر آج ایک شخص آکر یہ کہے کہ میں خدا ہوں اور گیارہ۱۱ جاہل ناخواندہ ماہی گیر اسکے ساتھ ہو لیں اور اور کوئی اسے ماننے نہیں بلکہ جھوٹا مفتری کذاب کہیں۔ اور اسکی طاقت کا یہ حال ہو کہ عدالتوں میں گھسیٹا جائے اس کے منہ پر تھوکا جائے۔ کوڑے لگائے جائیں اور آخر گلے میں پھانسی کا رسہ ڈالا جاوے تو کیا تم ایسے شخص کو ان چند مچھووں کی شہادت پر مان لوگے۔ افسوس کہ تم لوگ گریبان میں منہ ڈالکر کچھ نہیں سوچتے ورنہ تم تو کبھی کسی مسیحیت کے دعویدار کی تکذیب کا نام نہ لیتے۔ ہاں وہ بات ہے ع بےحیا باش ہرچہ خواہی کن۔ اسی بےحیائی اور دلیری سے دوسری جگہ لکھتا ہے کہ ”انجام کار حاکم وقت کے روبرو فریقین کا مچلکہ ہو جاوے اور مسیحیت عیسیٰ کی تمیمی مشتبہ رہ جاوے۔“ یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ کا مچلکہ بھی لیا گیا تھا۔ اگر تم اس دروغگوئی کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکو تو اپنے پر آپ ہی لعنت کر لو۔ مگر یہ بتاؤ کہ ”مسیحیت عیسیٰ کی تمیمی“ وہاں تو ”مشتبہ“ نہیں رہ گئی تھی جہاں چوروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ ایک مسیحیت کے دعویدار کو صلیب پر لٹکانیکا حکم حاکم وقت سے ملا تھا۔ اور اس نے چپکے سے اسے قبول کیا۔ اور اس کے منہ پر تھوکا گیا اور وہ کچھ نہ کر سکا اور کوڑے لگائے گئے اور سارا سلوک بدترین مجرموں کا سا کیا گیا۔ اور آخر ہاتھوں میں کیل ٹھونکے گئے اور صلیب پر لٹکایا گیا اور پھر یاد آیا کہ اے میرے خدا ای میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اگر کچھ شرم اور حیا باقی ہے تو بتاؤ کہ اسوقت مسیحیت بلکہ بقول تمہارے خدائی عیسیٰ کی تمیمی مشتبہ تو نہ رہ گئی تھی۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ جب سپاہیوں نے کہا کہ اگر تو سچا مسیح ہے تو صلیب سے زندہ اتر آ۔ پر کچھ نہ کر سکا۔ بتاؤ یہ سلوک عیسیٰ کی تمیمی مسیحیت کو مشتبہ کرنیوالا ہے یا مچلکہ کا لینا جو وہ بھی تمہارا جھوٹ ہے جو تم نے اپنی عادت کے مطابق بنا لیا ہے مگر اس بےحیائی کا تم میں ہونا کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ تم شاید روٹیوں کی خاطر عیسائی ہوئے ہوئے اور شاید روٹیوں کی خاطر اب جو کچھ لکھ رہے ہو لکھ رہے ہو۔ ایک شخص جو چند روٹیوں کی خاطر دین کو فروخت کرتا ہے وہ جو کچھ بھی کرے قابل معافی ہے۔ ہاں جب صاحب تحقیق ہونیکا دعویٰ کرے تو اسکی اصلیت دکھلانی پڑتی ہے۔ اور تم جو بار بار اس بات کا ذکر کرکے خوش ہوتے ہو کہ سب لوگ حضرت مسیح موعود کو کذاب اور مفتری کہتے ہیں بتاؤ تو سہی کہ تمہارے فرضی خداوند کو سب لوگ کیا کہتے تھے۔ بلکہ کذاب مفتری کے علاوہ

شرابی اور کھاؤ پیو اور بدکاروں کا یار ہونیکا بھی خطاب دیتے تھے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کا سواں حصہ بھی اس کے ساتھ نہ ہوئے تھے۔ تمہارے لیے تو بہتر تھا کہ ایسے گندے عقیدے ایسی لغو شہادت پر رکھتے ہوئے کبھی دوسروں کے عقیدہ پر اعتراض کا نام نہ لیتے۔ ہاں یہ وہ بات ہے۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ غیر مسلم قوموں میں سے حضرت مسیح موعودؑ پر تھوڑے لوگ ایمان لائے ہیں کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ غیر یہودی اقوام میں سے آپکے فرضی خدا پر اسکی زندگی میں کتنے ایمان لائے تھے۔ اور یہاں تو بفضل خدا غیر مسلم اقوام عیسائیوں سکھوں ہندوؤں میں سے اس سے زیادہ تعداد ہے جتنی آپکے فرضی خدا کے بھگوڑے حواریوں کی تھی۔ تم یہودیوں میں سے ہی اپنے فرضی خدا کے اتنے پیرو دکھا دو جو اس فرضی خدا کو حوالات میں دینے کے وقت بھاگ نہ گئے ہوں اور ایمان پر ثابت قدم رہے ہوں اور انکار نہ کر دیا ہو۔ سب سے بڑا بہشت کی کنجیوں کا مالک تو پطرس تھا وہ بھی لعنت کر چکا۔ شاید وہی لعنت اب تم پر پڑی ہے جو اسقدر بیحیائی سے جھوٹ بولتے ہو۔ اگر تم کسیقدر حیا سے کام لیکر بھلے مانسوں کی طرز تحریر اختیار کرو تو ہم تمہاری سب باتوں کا جواب دینے کے لیے تیار ہیں۔ اور ایڈیٹر صاحب تجلی کو یہ بھی واضح ہو کہ یہ جو انہوں نے لکھا ہے کہ ”ہمارے دوست پر مرزا صاحب یا ان کے خیالات کا ذکر کرتے ہوئے کچھ ایسا مرزائی پرتو پڑ جاتا ہے کہ انکی طرز تحریر انہیں کے طریق پر ڈھل جاتی ہے“ یہ محض ایک ڈھکوسلا ہے جو انہوں نے ایک گندی تحریر کے شایع کرنے اور اپنے غیظ و غضب کے اظہار کیلیے نکالا ہے۔ کیوں یہ نہ کہو کہ یہ حضرت عیسیٰ کی پرتو ہے بلکہ اگر حضرت مرزا صاحب کی تحریروں میں آپکو کوئی سختی معلوم ہو تو اسے بھی اسی بات کا نتیجہ سمجھ لو کہ آخر وہ مثیل مسیح ہیں پس اس پہلے مسیح کی سختی کا بھی کچھ اثر مماثلت میں ظاہر ہونا چاہیئے۔ وہ بڑے بڑے فقیہوں اور فریسیوں کو سانپوں کے بچے اور گدھے اور حرامکار وغیرہ الفاظ سے پکارا کرتے تھے۔ پہلے ابن مریم کے کلام سے سختی کے الزام کو دور کر لو۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ کی سختی پر اعتراض کرو۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو حق طلبی کی خواہش ہو تو وہ دیکھ سکتا ہے۔ کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ نے کہیں کچھ سختی بھی کی ہے تو اسکی ابتدا انکی طرف سے نہیں ہوئی۔ بلکہ مدت تک مخالفین سے سخت گالیاں سننے کے بعد آخر کچھ ایسے الفاظ لکھے ہیں جو واقعی ان لوگوں پر جنکے متعلق لکھے گئے ہیں صادق آتے ہیں۔ پس یہ سختی قابل اعتراض نہیں۔ بلکہ خاص مصالح کے لحاظ سے جواب میں بعض سخت لفظ استعمال کیے گئے ہیں اور ایسی سختی سے کسی نبی کا کلام خالی نہیں۔

پنجاب میں طاعون

ہندوستان میں تو اس سال طاعون کی ترقی حیرت انگیز تھی ہی مگر خاصکر پنجاب میں اسکی تباہی ایسی ہو رہی ہے کہ

جس کی نظیر پہلے نہیں ملتی۔ فروری کے مہینہ میں کل ہندوستان میں طاعونی اموات کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زیادہ تھی۔ اور یہ بھی درحقیقت بڑی تباہی تھی مگر اس ہلاکت کو دیکھکر جو اسوقت پنجاب میں ہو رہی ہے یہ تعداد گویا کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ اسوقت فی ہفتہ پچاس ہزار سے زیادہ اموات طاعون کی صرف پنجاب میں ہو رہی ہیں۔ یا پندرہ دنوں میں ایک لاکھ آدمی اسکا شکار ہو جاتا ہے۔ مفصلہ ذیل نقشہ سے پنجاب کی طاعونی اموات کا مقابلہ کل ہندوستان کی طاعونی اموات سے ظاہر ہوتا ہے

	پنجاب میں طاعونی اموات	کل ہندوستان میں طاعونی اموات
ہفتہ مختتمہ ۹۔ مارچ	۱۴۸۵۴	۴۱۶۶۷
" ۱۶۔ مارچ	۱۹۵۶۵	۴۹۴۴۰
" ۲۳۔ مارچ	۲۳۴۸۸	۵۴۰۰۳
" ۳۰۔ مارچ	۲۷۹۰۰	۵۳۶۸۱
" ۶۔ اپریل	۳۴۶۵۱	۶۲۸۸۶
" ۱۳۔ اپریل	۳۹۰۸۴	۷۵۴۷۲
" ۲۰۔ اپریل	۴۷۰۰۰	۷۶۰۰۰
" ۲۷۔ اپریل	۵۴۲۰۴	۷۶۷۱۱

ان اعداد کو جمع کرنیسے معلوم ہوگا کہ آٹھ ہفتوں میں یعنی ۳۔ مارچ سے شروع ہو کر ۲۷۔ اپریل تک ۴۸۹۸۶۰ اموات طاعون سے ساری ہندوستان میں ہوئیں جن میں سے نصف سے زیادہ یعنی ۲۶۰۹۴۷ صرف پنجاب میں ہوئیں۔ حالانکہ پنجاب بلحاظ مردم شماری کے ہندوستان کا گیارھواں حصہ ہے مگر طاعون کی ہلاکت نصف سے زیادہ پنجاب میں ہو رہی ہے۔ موجودہ رفتار اور بھی اس شدت کی خطرناک حالت کو ظاہر کرتی ہے کیونکہ اپریل کے آخری ہفتہ میں ۷۶۷۱۱ ہفتہ وار اموات میں سے جو طاعون سے واقع ہوئی ہیں ۵۴۲۰۴ صرف پنجاب میں ہیں اور باقی ۲۲۵۰۷ کل ہندوستان میں یعنی دو تہائی سے زیادہ صرف پنجاب میں موتیں ہو رہی ہیں۔ ان اعداد کو الگ رکھکر اگر پنجاب کے اکثر شہروں اور دیہات کی حالت کو دیکھا جاوے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ گاؤں کے گاؤں تباہ ہوگئے۔ بعض مقامات بالکل اُجڑ گئے۔ اس دفعہ لاہور اور دہلی میں بھی طاعون کا خطرناک زور رہا۔ چنانچہ لاہور میں تمام کالج اور سکول وغیرہ ایک مہینہ سے بند ہیں۔ اور اکثر لوگ بھاگ گئے باقی جو ہیں وہ سراسیمہ ہیں ایسا ہی دیگر مقامات میں یہی حال ہو رہا ہے۔ لیکن اتنی ہلاکت اور تباہی جو قیامت کا نمونہ ہو رہی ہے بالکل جائے تعجب نہیں رہتی جب لوگوں کی قساوت قلبی کو دیکھا جاتا ہے جونہی طاعون کا دورہ ذرا کم ہوتا ہے پھر وہی فسق وفجور بلکہ عین طاعون کے دنوں میں بھی فسق وفجور کی حالت ویسی ہی رہتی ہے اور دلوں میں خوف خدا کا کچھ اثر نہیں پایا جاتا۔ اگر یہ قساوت قلبی کم ہو گئی ہوتی تو یقیناً اب تک طاعون کی تباہی بھی کم ہو جاتی مگر ایک خدا کا برگزیدہ پنجاب میں طاعون آنیسے پہلے یہ شایع

کر چکا تھا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ - یعنی جبتک لوگ اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کرینگے تب تک خدا بھی اس عذاب کو دُور نہیں کریگا آج سے نو سال پہلے پنجاب کی اس خطرناک حالت کا نقشہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے ایک اشتہار مجریہ ۶- فروری ۱۸۹۸ء میں کھینچا تھا چنانچہ ایک حصہ اس اشتہار کا بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے -

"اور ایک ضروری امر ہے جس کے لکھنے پر میرے جوش ہمدردی نے مجھے آمادہ کیا ہے اور مَیں خوب جانتا ہوں کہ جو لوگ روحانیت سے بے بہرہ ہیں اسکو ہنسی اور ٹھٹھے سے دیکھیں گے - مگر میرا فرض ہے کہ مَیں اسکو نوع انسان کی ہمدردی کیلئے ظاہر کروں اور وہ یہ ہے کہ آج جو ۶- فروری ۱۸۹۸ء روز یکشنبہ ہے مَینے خواب میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں اور وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں - مَینے بعض لگانے والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ "یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے" میرے پر یہ امر مشتبہ رہا کہ اُسنے یہ کہا کہ آیندہ جاڑے میں یہ مرض بہت پھیلیگا یا یہ کہا کہ اُس کے بعد کے جاڑے میں پھیلیگا - لیکن نہایت خوفناک نمونہ تھا جو مَینے دیکھا - اور مجھے اس سے پہلے طاعون کے بارہ میں الہام بھی ہوا اور وہ یہ ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ - اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ - یعنی جبتک لوگوں کی وبا معصیت دُور نہ ہو تب تک ظاہری وبا بھی دُور نہیں ہوگی - اور درحقیقت دیکھا جاتا ہے کہ ملک میں بدکاری کثرت سے پھیل گئی ہے اور خدا تعالیٰ کی محبت ٹھنڈی ہوکر ہوا و ہوس کا ایک طوفان برپا ہو رہا ہے - اکثر دلوں سے اللہ جلّ شانہٗ کا خوف اُٹھ گیا ہے اور وباؤں کو ایک معمولی تکلیف سمجھا گیا ہے جو انسانی تدبیروں سے دُور ہو سکتی ہے - ہر ایک قسم کے گناہ بڑی دلیری سے ہو رہے ہیں ...... نیک چلنی اور نیک بختی اختیار کرکے اس بلا کے دُور کرنیکے لیے خدا تعالیٰ سے دعائیں کریں تا یہ بلا رُک جائے یا اُس حد تک نہ پہنچے کہ اس ملک کو فنا کر دیوے - یاد رکھو کہ سخت خطرہ کے دن ہیں اور بلا دروازے پر ہے - نیکی اختیار کرو اور نیک کام بجا لاؤ - خدا تعالیٰ بہت حلیم ہے لیکن اُسکا غضب بھی کھا جانیوالی آگ ہے اور نیک کو خدا تعالیٰ ضایع نہیں کرتا - مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ ؎ بترسید از خدائے بے نیاز و سخت قہارے ؎ نمی پندارم کہ بد بینند خدا ترسے نکو کارے ؎ مرا با ور نمی آید کہ رُسوا گردد آں مردے ؎ کہ می ترسد از آں یارے کہ غفارست و ستارے ؎ گر آں چیزے کہ می بینم عزیزاں نیز دیدندے ؎ ز دنیا توبہ کردندے بچشم زار و خونبارے ؎ خور تاباں سیہ گشت است از بدکاری مردم ؎ زمیں طاعوں ہمی آرد پئے تخویف و انذارے ؎ بہ تشویش قیامت ماند ایں تشویش گر بینی ؎ علاجے نیست بہر دفع آں جز حسن کردارے ؎ نشاید تافتن سر زاں جناب عزّت و غیرت ؎ کہ گر خواہد کُشد در یکدمے چوں کرم بیکارے ؎ من از ہمدردی ات گفتم تو خود ہم فکر کُن بارے ؎ خرد از بہر ایں روز ست اے دانا و ہشیارے ؎ -

---

(۲) زبردست نشانوں کے ساتھ ترقی ہوگی۔ (۳) انزلنا ها علیٰ رقیمة من موسیٰ۔ (۴) انّی مهین من اراد اهانتك۔ (۵) سنسمه علی الخرطوم۔ (۶) ربّ انّی مغلوب فانتصر۔ (۷) ساُریکم اٰیاتی فلا تستعجلون۔ ترجمہ۔ یا تو ہم بعض وہ اپنی پیشگوئیاں جو وعید کے طور پر کفار کے حق میں ہیں تجھکو دکھلا دیں گے اور یا تجھ کو وفات دیدینگے۔ زبردست نشانوں کے ساتھ ترقی ہوگی۔ ہم نے اس ارادہ کو موسیٰ کی تحریر پر اُتارا ہے یعنی موسیٰ نے ایسا ہی ارادہ بذریعہ تحریر ظاہر کیا سو ہم نے اس سے اتفاق رائے کیا میں اس شخص کی اہانت کرونگا جو تیری اہانت کرتا ہے اسکی ناک پر یا مُنہ پر ہم آگ کا داغ لگائیں گے۔ اے میری خدا میں مغلوب ہوں تُو انتقام لے۔ میں تمھیں اپنے معجزات دکھلاؤں گا مجھ سے جلدی مت کرو۔

۱۲ مئی ۱۹۰۷ء۔ ایک شخص مجھے کشفی طور پر دکھلایا گیا۔ مگر میں اسکی شکل بھول گیا۔ صرف یہ یاد رہا کہ وہ ایک سخت دشمن ہے کہ اپنی تقریر اور تحریر میں گالیاں دیتا ہے۔ اور سخت بدزبانی کرتا ہے۔ بعد اس کے الہام ہوا۔ بدی کا بدلا بدی ہے اسکو پلیگ ہوگئی (یعنی ہوجائیگی) پس میں یقین کرتا ہوں۔ کہ جلد یا کچھ دیر سے تم سنوگے۔ کہ کوئی ایسا سخت دشمن پلیگ کا شکار ہوجائیگا۔ اگر ایسا کوئی دشمن جسپر تمھارے دل بول اُٹھیں (کہ یہ الہام کا مصداق ہوسکتا ہے) طاعون میں مبتلا نہ ہوا تو تمھارا حق ہے کہ تکذیب کرو۔ بعد اس کے مجھے دکھلایا گیا۔ کہ ملک میں بہت غفلت اور گناہ اور شوخی پھیل گئی ہے اور لوگ تکذیب سے باز آنیوالے نہیں جبتک خدا اپنا قوی ہاتھ نہ دکھائے بعد اس کے الہام ہوا۔ اس کا نتیجہ سخت طاعون ہے جو ملک میں پھیلے گی کئی نشان ظاہر ہوں گے۔ کئی بھاری دشمنوں کے گھر ویران ہوجائیں گے وہ دنیا کو چھوڑ جائیں گے۔ ان شہروں کو دیکھکر رونا آئیگا۔ وہ قیامت کے دن ہونگے۔ زبردست نشانوں کے ساتھ ترقی ہوگی۔ ایک ہولناک نشان۔ یعنی انمیں سے ایک ہولناک نشان ہوگا۔ شاید وہی زلزلہ ہو جسکا وعدہ ہے۔ یا آسمان سے کوئی اور نشان ظاہر ہو۔ یا طاعون قیامت کا نمونہ دکھلاوے۔ پھر خدا تعالیٰ مجھے مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ میری رحمت تجھ کو لگ جائیگی اللہ رحم کریگا ۱۹۰۷ء ا عجبیناك۔ یعنی ہم اسقدر نشان دکھلائیں گے کہ تُو دیکھتے دیکھتے تھک جائیگا۔ اور پھر ۱۳ مئی ۱۹۰۷ء روز دوشنبہ کو الہام ہوا۔ سننجیك۔ سنعلیك سنکرمك اکراما عجبا۔ یعنی عنقریب تجھ کو دشمنوں کے شر سے نجات دینگے۔ اور ہم تجھے انپر غالب کردینگے۔ اور ہم تجھے ایک عجیب طور پر بزرگی دیں گے۔

نئی کتابیں

ریویو کے لیے بعض کتابیں بہت دنوں سے آئی ہوئی تھیں مگر بوجہ عدم گنجائش میں اس فرض کے ادا کرنے

قاصر رہا ہوں۔ اب بھی صرف مختصر نوٹ ہر ایک کتاب کے متعلق کرونگا۔ سب سے اوّل قابل تذکرہ لاہور کے مشہور پنجابی شاعر میاں ہدایت اللہ کی کتاب **البرہان الصریح فی تائید المسیح** ہے جس میں مصنف نے پنجابی شعروں میں نہایت خوبی سے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت آخری زمانہ کے علامات وغیرہ کا ذکر کیا ہے اہل پنجاب ایسی کتابوں سے بہت فایدہ اُٹھا سکتے ہیں قیمت ۲؍ ر دفتر بدر قادیان سے یا خود مصنف سے کوچہ چابکسواراں لاہور سے مل سکتی ہے۔

دوسری کتاب منشی وجاہت حسین کی تالیف **اختلاف اللسان** ہے جس میں زبان اردو کی یہ خدمت کی گئی ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کی زبان کے الفاظ اور محاورات کے فرق کو ظاہر کیا گیا ہے اور اس پر بحث کی گئی ہے شائقین زبان کے لیے ایک مفید کتاب ہے قیمت ۱۰ ر ۸۴ صفحے۔ مصنف سے لاہور قاضی خانہ کے پتہ سے مل سکتی ہے

تیسری کتاب **الاسماء الحسنے** مؤلفہ شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ذکر ہے اور علاوہ ننانوے (99) اسمائے مشہورہ کے بہت سے اور اسماء بھی دیئے گئے ہیں جو قرآن شریف یا حدیث سے مستنبط ہوسکتے ہیں۔ سلسلہ دینیات میں ایک مفید کتاب ہے سو سے زیادہ صفحوں کی کتاب ہے قیمت ۵؍ مؤلف سے طلب کرو۔

چوتھی کتاب **مجربات نوردین** ہے اس میں طبیب حاذق حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کے بیاض سے نسخے اور آپکے خاص مجربات مفتی فضل الرحمن صاحب نے جمع کیے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب کا نام ہی اس کتاب کی عمدگی کو ظاہر کر رہا ہے۔ ابھی اس کتاب کی جلد اوّل ہی شایع ہوئی ہے جو سوا سو (125) صفحہ سے زاید ہے قیمت ۱۰ ر قادیان سے مفتی فضل الرحمن سے یا کارخانہ الحکم سے طلب کرو۔

صدر انجمن احمدیہ کا کتب خانہ حکیم فضلدین صاحب کے اپنا کتب خانہ صدر انجمن کے نام ہبہ کر دینے سے وہ تمام کتب جو پہلے حکیم فضلدین صاحب سے مل سکتی تھیں اب نائب ناظم صاحب دفتر مقبرہ بہشتی سے ملیں گی۔ کتاب لغات القرآن ہر دو حصے۔ خزینۃ المعارف دو نئی تصنیف شدہ کتابیں ہیں لغات القرآن ہر دو حصص کی قیمت ۸؍ ہے حصہ اوّل عہ حصہ دویم ۸؍

آنکھوں کے بیماروں کو مژدہ

میاں ڈاکٹر عبداللہ صاحب ساکن راہوں۔ ضلع جالندھر جنھوں نے لنڈن۔ آسٹریلیا، افریقہ میں آنکھوں کے علاج سے بہت شہرت حاصل کی ہے۔ اور ان کے پاس بہت کثرت سے سارٹیفکٹ بھی موجود ہیں۔ انگریزی اور یونانی دو طرح سے آنکھیں بناتے ہیں ہماری جماعت کے مخلص ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ لوگوں کو انسے نفع پہنچیگا۔

دستخط (نوردین)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) — بابت ماہ جون سنہ ۱۹۰۷ء — نمبر (۶)

فہرست مضامین

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر مقبرہ بہشتی قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں ان کا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مشرح مفصل فہرست، رکا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی۔

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار اللہ - اردو	۸ر	قاعدہ عربی اردو	۱ر	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵ر	شہادۃ القرآن اردو	۴ر
اجرومیہ - عربی	۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عہ	" فارسی	۳ر	صیان القرآن "	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ اردو اسماء الہیہ	۲ر	مسک العارف اردو	۱۰ر	تحفہ قیصرہ اردو	۲ر	کشف الغطا "	۲ر
پارہ الم عربی	۲ر	نشان آسمانی "	۲ر	تحفۃ الندوہ "	۰ر	لغات القرآن حصہ اول	عہ
پنج ارکان اسلام - اردو	۱ر	واقعات صحیحہ "	۲ر	تقریریں "	۲ر	" حصہ دوم	عہ۸ر
تفسیر جلالین - عربی	عہر	یسرنا القرآن حصہ اول	۱ر	تقریروں کا مجموعہ "	۳ر	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	" دوم	۱ر	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب - اردو	۲ر	" لاہور لودھیانہ "	۴ر
تقریر جلسہ مذاہب مع تقدیم اردو	۲ر	" سوم	۱ر	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ "	۶ر	مشکوٰۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت - اردو	۲ پائی	ہدیۃ ناقب اردو	۲ر	حمامۃ البشریٰ عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن "	۶ر
شمائل مترجم - فارسی	عہر	الہدیٰ عربی	۶ر	حجۃ الاسلام - اردو	۱ر	مبادی الصرف	۱ر ۲ پائی
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق - لودیانہ اردو	۴ر	خطوط شیعہ کا جواب "	۲ر	نسیم دعوت - اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ - اردو	۹ پائی	" دہلی "	۸ر	خطبہ الہامیہ عربی ترجمہ فارسی و اردو	عہ	نور الدین حصہ اول اردو	۲ر
سلاسل القراءۃ - عربی نمبر ۱	۴ر	اعجاز احمدی عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اول	۸ر	" " دوم "	۴ر
" " ۲	۸ر	احسن الکلام اردو	۳ پائی	" " دوم "	۴ر	ہدیہ سعدیہ - عربی	۲ر
" " ۳	۱۳ر	ابطال الوہیت مسیح "	۱ر	خزینۃ المعارف حصہ اول دوم	۴ر	فصل حق - اردو	۱ر
" " ۴	۱۳ر	آیات الرحمٰن "	۸ر	" " سوم و چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح - اردو	۸ر
آریہ دھرم - اردو	۴ر	دعوت الحق اردو	۵ر			آسمانی فیصلہ "	۲ر ۲ پائی
دینیات کا پہلا رسالہ اردو	۱ر	شرح ترمذی ۱	عہر				
		شرح ترمذی ۲	عہر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	دافع البلاء "	۱ر
طریق النجات ۱	۸ر	احمدی کامن پنجابی	۱ر	دعوت دہلی - اردو	۱ر ۲ پائی	غنیۃ الطالب عربی	عہ
" " ۲	۸ر	براہین احمدیہ حصہ اول	۵ر	دعوت الندوۃ۔	۱ر ۲ پائی		
" " ۳	۸ر	" " دوم	۴ر	رازِ حقیقت - اردو	۱ر	شفاء السقام "	عہر
" " ۴	۱۵ر	" " سوم	۱۰ر	سرمہ چشم آریہ "	۱۲ر		
غسل مصفیٰ - اردو	عہ ۸ر	* چہارم کمل براہین احمدیہ	عہ سیے	ست بچن "	۱۰ر		

* براہین احمدیہ کا حصہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تینوں حصے بڑے اہتمام سے دوبارہ چھپوائے گئے ہیں۔

نوٹ۔ ان قیمتوں میں محصول ڈاک شامل نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

قرآن کریم کی حفاظت

۴- آیتوں اور سورتوں کی ترتیب

ہم نے پہلے دلایل قویہ سے یہ بات ثابت کر دکھائی ہے کہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی لکھا گیا اور آپ کی زندگی میں ہی قرا اور حفاظ نے تمام و کمال حفظ کر لیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ مسلم بات ہے کہ اس مقدس اور مبین کتاب الٰہی کا نزول تدریج کے ساتھ ہوتا رہا اور تئیس سال کے عرصہ میں پورا ہوا۔ چنانچہ بعض سورتیں تو ایسی ہیں جو ایک ہی دفعہ اکٹھی نازل ہوئیں اور بہت سی اس قسم کی ہیں کہ جن کا نزول تدریجی ہوا۔ اور بہت لمبے عرصہ میں پوری ہوئیں۔ ایسا بھی ہوتا رہا کہ ابھی ایک سورۃ مکمل نہ ہونے پاتی تھی کہ دوسری سورۃ نازل ہونی شروع ہو جاتی۔ بعض وقت ایسا بھی ہوتا کہ دو مختلف سورتوں کی آیات ایک ہی وقت میں نازل ہو جاتیں۔ غرض قرآن شریف ایک جلد اور ایک وقت میں اکٹھا نازل نہیں ہوا بلکہ آیات اور سورتیں تئیس سال کے عرصہ میں تدریج کے ساتھ نازل ہوئیں۔ اور ترتیب نزولی ایسی نہ تھی کہ جس سے ہر ایک سورۃ کی آیات علی التواتر نازل ہو کر اسکو پورا کر لیتے بعد دوسری سورۃ شروع ہوتی۔ بلکہ حسب اقتضائے منشاء الٰہی مختلف سورتوں کی آیات مختلف اوقات میں نازل ہوئیں۔ اور اسوقت جو قرآن شریف مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اس میں ترتیب آیات ترتیب نزولی کے موافق نہیں بلکہ یہ وہ ترتیب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حین حیات بلکہ عین نزول آیات کے موقعہ پر اشارہ وحی الٰہی سے کی تھی۔ اس موقعہ پر ایک معترض یا ایک منتقد یہ سوال کریگا کہ آیا یہ ترتیب قرآنی جو نزولی ترتیب کے مطابق نہیں ہے کس نے کی تھی؟ کیا خود آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی قرآن شریف کو اس طرح ترتیب دیا تھا یا کسی اور نے ترتیب دی تھی؟ پھر اگر قرآن شریف کی کوئی ترتیب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی تو کیا یہ موجودہ ترتیب قرآنی وہی ترتیب ہے یا اس سے مختلف؟ یعنی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا موجودہ قرآن شریف بلحاظ ترتیب سور و آیات وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے چھوڑا تھا یا یہ قرآن اس قرآن سے مختلف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب دیا تھا؟

اس مضمون میں انہی مذکورہ بالا سوالات پر غور کرنا ہمارا اصل مقصد ہے۔ ہم نے اس امر کے متعلق ہر قسم کی اندرونی اور

خارجی شہادات پر بہت عمیق نظر سے غور کیا ہے۔ اور بڑی گہری تحقیقات اور معقول اور منصفانہ تدبّر اور تفکر کے بعد ہم اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہر قسم کی اندرونی اور بیرونی شہادات اس بات کو قطعی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں کی موجودہ ترتیب سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دوسرے کا کام نہ تھا بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے خیال کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ بلکہ آپ نے یہ ترتیب قرآنی وحی الٰہی کی ہدایت کے موافق دی تھی۔ اور موجودہ قرآن شریف بعینہٖ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب دیا تھا۔ اس سے ایک سر مو کا بھی فرق نہیں۔ اگرچہ اس امر پر اندرونی شہادات موجود ہے مگر اس مضمون میں اس شہادت کے لیے گنجایش نہیں۔ اس لیے ہم صرف خارجی شہادت کو یہاں پیش کریں گے۔ مگر اتنی بات ہم ضرور کہیں گے کہ یہ محض ایک جھوٹا خیال ہے کہ قرآن شریف کی موجودہ ترتیب ٹھیک نہیں۔ اور اس سے بہتر ترتیب بھی ہو سکتی ہے۔ اس خیال کا ذرہ بھر بھی ثبوت کسی معترض کے ہاتھ میں نہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ اس ترتیب سے بہتر ترتیب قطعاً ناممکن ہے۔ یعنی ہر ایک سورۃ قرآنی اور اسکی ہر ایک آیت ایسی منتظم۔ اور موزون طور سے مرتب اور برمحل رکھی ہوئی ہے کہ یہ ہو سکتا ہی نہیں کہ اس سے بہتر کوئی ترتیب ہو سکے۔ ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ ربط وضبط کلام کے لحاظ سے ایسے اعجازی نظام سے رکھا ہوا ہے کہ ایک لفظ کا تغیر و تبدل بھی ممکن نہیں۔ وہ شخص جو اس نظام قرآنی پر کسی قسم کا حرف رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ بعض آیات ماقبل و مابعد میں مضمون کا ربط نہیں یا کوئی مضمون چھوٹا ہوا ہے وہ صرف اپنی جہالت اور حماقت سے ایسی بات منہ سے نکالنے کی جرأت کرتا ہے۔ ایسے لوگ نہ تو عربی زبان کے محاورات سے ماہر نہ ربط کلام کے فن کے واقف ہوتے ہیں اور نہ قرآن شریف کو ہی غور اور تدبر سے پڑھنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ ورنہ یہ تعجیل کار معترض اگر قرآن شریف ہی پر غور و خوض اور تدبر کریں تو انپر یہ بات منکشف ہو جائے کہ انکے اعتراض سب غلط اور بیجا ہیں اور قرآن شریف کی ہر ایک آیت اور سورۃ بلکہ اسکا ہر ایک لفظ صحیح موقعہ اور محل پر منتظم ہے اور کوئی مضمون غیر منسلک اور غیر متعلق نہیں مگر اس موقعہ پر اندرونی شہادت کو پیش کرنیکی نہ گنجایش ہے اور نہ ہم اسے اسجگہ پیش ہی کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے صرف ایک حصہ ثبوت یعنی خارجی شہادت کو ہی پیش کیا جائیگا۔ یہ شہادت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ قرآنی آیتوں اور سورتوں کی موجودہ ترتیب نہ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور نہ زیدؓ نے کی تھی بلکہ یہ وہی ترتیب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی ہدایت سے کی تھی۔ اس زبردست گواہی سے نہ صرف حدیثیں ہی بھری پڑی ہیں بلکہ خود قرآن شریف بھی اس پر شاہد ہے۔

چنانچہ دیکھو سورۃ القیامہ آیت ۱۹۔۱۰ ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرأنٰہ فاتبع قرانہ۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن کا جمع کرنا اور اسکا تجھکو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو) پڑھا دینا ہمارا کام ہے پس جب ہم اسے پڑھ چکیں تو تم اسی کے پڑھنے کی پیروی کیا کرو۔ اس آیت کریمہ سے یہ بات پورے طور سے پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ جمع قرآن شریف مع ترتیب آیات و سور صرف اللہ تعالیٰ کی وحی سے عمل میں آئی۔ یہ آیت شریفہ صاف بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جسطرح قرآنی آیات وحی کے ذریعہ سے نازل ہوئیں۔ اسی طرح انکی ترتیب اور جمع بھی اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دی

یہی وجہ ہے کہ خود قرآن شریف نہ صرف اسی بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ کلام الٰہی ہے بلکہ یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ اسکا جمع کرنا اور اسکی ترتیب دینا سب امر الٰہی سے ہوا ہے گویا یہ قرآن شریف جیسا کہ خدا کا کلام ہے اسی طرح خدا ہی نے اسکو مرتب اور جمع کیا۔ اور جس طرح اس کلام کو وحی کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ میں ڈالا گیا اور انکو اسکی تبلیغ کا شرف بخشا گیا اسی طرح اسکے مرتب اور جمع کرنیکی عزت بھی اسی حقیقی عزت آثار سردار والا تبار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیگئی۔ واضح رہے کہ اس آیت میں لفظ جمع جو وارد ہوا ہے اس سے مراد ترتیب اور جمع دونوں ہیں۔ کیونکہ بغیر کسی خاص ترتیب کے جمع ممکن نہیں۔ جمع سے مراد ہی یہ ہے کہ ترتیب دیکر جمع کیا گیا۔ اور اس لفظ کے اسجگہ واقع ہونیسے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ قرآن شریف اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا تھا جس ترتیب سے وہ جمع کیا گیا۔ یعنی اصل ترتیب قرآنی ترتیب نزولی سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس آیت میں جمع اور نزول کو دو الگ الگ امر بتایا گیا ہے۔ اگر ترتیب نزولی ہی وحی الٰہی کا منشا ہوتا تو جمع اور نزول کو الگ الگ بیان نہ کیا جاتا کیونکہ پھر نزول کے ساتھ ساتھ ہی جمع کا کام بھی ہوجاتا اور جمع کی کوئی الگ ضرورت نہ رہتی۔ مگر آیت موصوفہ میں اللہ تعالیٰ نے جمع کو ایک الگ فعل بیان فرمایا ہے اور پڑھنے یعنی نزول کو الگ۔ پس اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وحی الٰہی نے ترتیب جمع اور ترتیب نزول کو الگ الگ رکھا اور نزول اور جمع دونوں کو اپنے ذمہ لیا۔ پس جس طرح وحی الٰہی کا نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سارا ہوچکا اسی طرح اسکی جمع اور ترتیب بھی ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی یہ کام بھی تکمیل کو پہنچ جاتا اور ایسا ہی ہوا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات قرآن شریف کی صاف صاف اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ترتیب قرآنی وحی الٰہی سے ہوئی جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ کذلک لنثبت بہ فؤادک ورتلنٰہ ترتیلا۔ (الفرقان آیت ۳۲) یعنی کافر کہتے ہیں کہ سارا قرآن مکمل اور مرتب ایک دفعہ ہی کیوں نازل نہ کر دیا گیا۔ انکو کہدو کہ مصلحت الٰہی یہی ہے تاکہ کلام الٰہی کو جزواً جزواً نازل کرنے سے ہم تمہارے دل کو تسکین دیتے رہیں۔ اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا اور اسکی تالیف بھی نہایت عمدہ کی۔ ترتیل کے معنے کسی لغت عربی کو دیکھو تو اس میں تالیف یعنی ترتیب بھی شامل ہے۔ لسان العرب میں ہے رتل الکلام احسن تالیفہ وابانہ وتمہل فیہ یعنی اسکی تالیف یعنی ترتیب کو نہایت عمدہ کیا اور اسے کھول کھول کر اور ٹھہر ٹھہر کر بیان کیا۔ بلکہ سیاق وسباق عبارت خود بتا رہا ہے کہ یہاں ترتیب کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کیونکہ کافروں کا اعتراض تھا قرآن سارا ایکدفعہ مرتب ہو کر نازل کیوں نہیں ہوا جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں بہت سے مصالح الٰہی ہیں اور یہ بھی کہ کلام الٰہی کے نزول سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تسکین ہوتی رہے۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ مرتب کیوں نہیں سو ترتیب و تالیف بھی ہم ہی کر رہے ہیں اور کریں گے۔ اور اخیر پر اسکو مکمل اور مرتب بنا دیں گے ایسا ہی آیت وصلنا لھم القول سے بھی یہ پایا جاتا ہے کہ اجزاے قرآنی کی ترتیب کا کام بموجب دعویٰ قرآن کریم وحی الٰہی سے ہی ہوا۔

اب ہم حدیث صحیح کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا تاریخ اور حدیث صحیح سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نہیں کہ

موجودہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسی ترتیب الٰہی کے ساتھ جسکا ذکر آیات مذکورہ بالا میں ہے ہمارے ہاتھوں تک نہایت امانت اور دیانت کے طریق سے محفوظ پہنچا ہے۔ اس امر کیلیے سب سے پہلے یہ بات دیکھنی ضروری ہے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن شریف اسی طرح جمع مرتب اور منتظم چھوڑا گیا یا نہیں۔ اس امر کے ثبوت میں صحیح روایات اور معتبر احادیث کا بڑا ذخیرہ موجود ہے اور ہم پہلے آیتوں کی ترتیب اور پھر سورتوں کی ترتیب پر غور کریں گے اور ہر ایک امر تحقیق طلب میں امور ذیل پر بحث کریں گے۔ (۱) کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے قرآن شریف کو کوئی ترتیب دی ہوئی تھی؟ (۲) کیا قرآن شریف جس نہج سے نازل ہوا تھا اُسی طرح اسکو ترتیب دیا گیا یا ترتیب جمع ترتیب نزولی سے مختلف تھی؟ (۳) کیا موجودہ ترتیب قرآن شریف اس ترتیب سے مختلف ہے، یا وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو دی تھی؟ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ ہی میں مسلمان لوگ نمازیں پڑھتے تھے اور نمازوں میں بڑا حصہ صرف قرآن شریف ہی کا پڑھا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ نمازوں کے علاوہ بھی قرآن شریف کی تلاوت پر مداومت اسوقت سے ہی مسلمانوں میں مروج ہے۔ پھر جبکہ اتنی بڑی کتاب جس میں اتنے مختلف مضامین ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلعم کی حیات میں حفظ کر لی تھی اور باقاعدہ طور پر نمازوں میں پڑھتے تھے اور ایک دوسرے کو پڑھاتے اور سکھاتے تھے تو کسطرح ممکن ہے کہ یہ ساری کام بغیر جمع قرآن کے عمل میں لائے جاسکتے تھے لیکن افسوس عیسائی معترضوں کی بے سمجھی اور ناواقفی پر کہ انمیں جس کو اسلام پر اعتراض کرنیکی سوجھی اُس نے اس بات کو بطور اعتراض ضرور پیش کیا ہے۔ ہر معترض نے وہی دلیلیں اس اعتراض کی تائید میں دوہرائی ہیں جو کسی اول المعترضین نے پیش کی تھیں۔ ان لوگوں نے تاریخ کی قطعی اور ضروری شہادت کو ہمیشہ نظر انداز کر کے اپنے اعتراض کی بنا صرف اسی امر پر رکھی ہوئی ہے کہ انکے زعم باطل میں قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں میں کوئی ربط وضبط موجود نہیں۔ عام معترض عیسائی تو کہیں رہے ولیم میور صاحب جنہوں نے بڑے زور سے دعویٰ کیا تھا کہ ہمنے لائیف آف محمدؐ کو بڑی تحقیقات اور تاریخی استناد پر لکھا ہے۔ وہ بھی اس موقعہ پر آکر انہی پرانے عیسائی معترضوں کی اتباع سے الگ نہ رہ سکا۔ اور تاریخ کی سچی اور عیاں شہادت کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکا۔ ہم ذیل میں میور صاحب کی لائیف آف محمدؐ کے دیباچہ سے ایک جملہ نقل کرتے ہیں جس سے ناظرین پر نہ صرف یہ بات ہی عیاں ہو جائیگی کہ عیسائی معترضین کس کس قسم کے اعتراض پیش کرتے ہیں بلکہ یہ بات بھی ظاہر ہو جائیگی کہ خود سر ولیم میور صاحب نے تاریخی شہادت سے کسطرح اغماض اور اعراض کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”بہرحال ہم یہ بات مان نہیں سکتے کہ اس زمانہ میں کامل قرآن شریف کسی معین ترتیب سے پڑھا جاتا تھا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ موجودہ قرآن شریف کی نسبت مسلمانوں کا ایمان ہے کہ یہ اسی ترتیب کے موافق ہے جو آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کی تھی۔ لیکن ہم اسکو تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ اگر کسی معین ترتیب کا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) خود فیصلہ کر دیتے اور اسپر آپ عمل کرتے تو ضروری تھا کہ وہی ترتیب آئندہ محفوظ رکھی جاتی۔ مگر جو قرآن شریف ہمارے زمانہ تک محفوظ چلا آیا ہے وہ مضامین اور زمانہ کے لحاظ سے اپنے مختلف حصوں میں کسی معقول اور قابل فہم

ترتیب کا متبع نہیں۔ اور یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اس موجودہ ترتیب کے ساتھ اس کے پڑھنے کا حکم کرتے ہوں۔ ہمیں اس بات پر شبہ ہے کہ جتنی تعداد قرآنی سورتوں کی اسوقت موجود ہے انکی یہ تعداد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود مقرر کی تھی یا نہیں۔ بہرحال اتنا تو ضرور ہے کہ اکثر سورتوں کی اندرونی ترتیب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت سے نہیں" سر ولیم میور نے اس مضمون پر کچھ حاشیے لکھے ہیں ان حواشی کے پڑھنے سے مصنف کے دل کا وہ اضطراب ظاہر ہو رہا ہے جو مذہبی تعصب اور تاریخ کے صحیح ثبوت کی موجودگی کے جھگڑے سے پیدا ہو رہا ہے۔ کبھی تعصب غالب آجاتا ہے اور دوسرے معترضین کا اتباع کر کے وہ یہ کہدیتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں نہ سورتوں کی کوئی ترتیب تھی نہ آیتوں کی۔ نہ سورتیں الگ الگ تھیں نہ انکی تعداد مقرر تھی نہ ان میں آیتوں کی تعداد کا پتہ تھا مگر پھر جب تاریخ یعنی حدیث صحیح کی طرف دیکھتا ہے تو اسے مجبوراً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ سب کچھ تھا مثلاً جہاں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں قرآن شریف کی معین ترتیب کے موجود ہونیکا انکار کیا ہے وہاں ساتھ ہی اس کے میور صاحب کو یہ بات مجبوراً حاشیہ میں تسلیم کرنی پڑی ہے کہ "یہ بات لکھی ہوئی موجود ہے کہ بعض صحابہؓ سارے قرآن شریف کی معین وقت میں تلاوت کر سکتے تھے جس سے یہ بات قرار دینی پڑتی ہے کہ اس میں بعض حصص قرآنی کا باہمی تعلق اور ربط ضرور تھا" ایک اور حاشیہ میں اسنے یہ بات مانی ہے کہ "آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات میں چار پانچ تو ایسے صحابی موجود تھے جو کامل قرآن شریف کو نہایت صحت کے ساتھ ازبر رکھتے تھے اور اکثر ایسے موجود تھے جو قریباً سارا قرآن ازبر رکھتے تھے" علاوہ ازیں جہاں اس نے سورتوں کی تعداد کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خود مقرر کرنیسے انکار کیا ہے تو تردید کے خیال سے معاً ذیل کا حاشیہ لکھدیا ہے۔ "لیکن اسبات کو ماننے کے وجوہ موجود ہیں کہ بڑی بڑی سورتیں اور انکی آیات جو زیادہ تر مستعمل تھیں وہ معین ہو چکی تھیں اور اپنے اپنے ناموں اور خاص نشانوں سے معروف اور موسوم تھیں۔ اور صحیح حدیثوں سے آنحضرت (محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کا خود بعض بعض سورتوں کا موسوم اور معروف کرنا ثابت ہے۔ مثلاً جب غزوہ حنین میں بعض لوگ بھاگ گئے تو اسوقت انکو آنحضرت صلعم نے اصحاب بقرہ کر کے پکارا تھا" اور پھر حاشیہ میں ہی لکھتا ہے کہ "احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اکثر صحابیوں نے قرآن شریف کی بعض سورتیں حفظ کر لی ہوئی تھیں۔ چنانچہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے قرآن شریف کی ستر سورتیں سیکھی تھیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرض کے ایام میں ستر سورتیں تلاوت فرمائی تھیں جن میں سات لمبی سورتیں تھیں۔ ان حدیثوں سے کم از کم قرآنی سورتوں میں ایک حد تک معین تقسیم ضرور ثابت ہوتی ہے۔ البتہ سورتوں کی ترتیب کا اس سے پتہ نہیں لگ سکتا" اور پھر لکھتا ہے کہ "جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورتہائے قرآنی کا استعمال کیا کرتے تھے تو اس سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہوتی ہے کہ سورتوں کی ترتیب کا کسی حد تک آپنے ضرور فیصلہ کر دیا ہوا تھا" اسی امر کے متعلق آگے چلکر ایک اور حاشیہ میں ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ "حدیث مذکورہ بالا جس میں سورتوں کی وہ تعداد لکھی ہے جو بعض صحابہؓ کو یاد تھیں۔ اور نیز وہ تعداد جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

آخری وقت میں پڑھی تھیں مذکور ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورتیں اسوقت مکمل اور مرتب صورت میں موجود تھیں۔"

ولیم میور صاحب کے دیباچہ کے متن اور مذکورہ بالا حواشی کو پڑھنے سے صاف پتہ ملتا ہے کہ اُنکے دلی بغض و تعصب نے مجبور کرکے اور اُنکی آنکھیں حق نیوشی سے بند کرکے وہ سطور لکھوا دیں جن میں متن میں انہوں نے انکار ترتیب کیا ہے لیکن تاریخ کی سچی شہادت نے ان حواشی کو اسی کے ذیل میں قلمبند کرنے پر اُسے مجبور کیا۔ اب یہ حواشی ایسے ہیں کہ جن سے خود ہی اُس نے اپنے نفسانی جوش سے لکھے ہوئے فقروں کی کُلّی طور پر تردید کر دی ہے۔ اگرچہ حواشی کے لکھنے میں بھی مصنف صاحب نے تعصب کی وجہ سے بخل سے کام لیا ہے لیکن انکا تضاد ایسا عیاں ہے کہ کوئی احتیاط اور غور سے پڑھنے والا اسپر نوٹس لیے بغیر عبور نہیں کر سکتا۔ اور مصنف کے دل کے اضطراب کیحالت سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔ متن میں تو لکھا ہے کہ قرآن شریف کی آیتوں اور سورتوں میں کوئی معین ترتیب اور ربط موجود نہیں تھا۔ اور حواشی میں تاریخی شہادت اس کے موجود ہونیکے ثبوت میں پیش کی گئی ہے۔ متن میں لکھا ہے کہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں کے نام ہی مقرر کیے اور نہ ہی انکی تعداد معین فرمائی۔ لیکن حاشیہ میں صاف لکھا ہے کہ اس بات کی تاریخی شہادت موجود ہے کہ سورتوں کی تعیین و تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی تھی اور انکی صورتوں کو بھی آپ نے معین فرما دیا تھا۔ بعض کلمات جو نفسانی بخل کی وجہ سے مصنف نے انکے ساتھ حاشیہ میں لکھے ہیں جیسے "بعض حصص" اور "کسی حد تک" وغیرہ یہ صرف انکی طبیعت کے جوش تعصب کا اقتضا تھا۔ یہ غور کا مقام ہے کہ جبکہ حاشیہ میں صاف طور پر اس بات کو ولیم میور جیسے متعصب معاند نے تسلیم کیا ہے کہ قرآن شریف کی ستر سورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مرتب اور منتظم موجود تھیں جن میں وہ لکھتے ہیں کہ سات لمبی سورتیں بھی شامل تھیں تو پھر باقی کی چوالیس سورتوں کی نسبت جو نمازوں میں عام طور پر پڑھی جاتی تھیں کیونکر گمان ہو سکتا ہے کہ وہ اُسوقت اس حالت میں موجود نہ تھیں۔ اور لُطف کی بات یہ ہے کہ خود مصنف نے ان باقی چوالیس سورتوں میں ترتیب کے نہ ہونیکے متعلق کوئی شہادت پیش نہیں کی۔ پس اگر اور کوئی شہادت ترتیب سور و آیات پر نہ بھی ہوتی تو ایک مخالف معترض کے اس بیان سے ہی یہ یقین کرنیکے لیے کافی وجوہات پیدا ہوتے ہیں کہ سورتیں اور آیات منتظم اور مرتب صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھیں۔ اور پھر اسی نتیجہ کے مؤید اس مخالف مصنف کا یہ اقبال ہے کہ بعض صحابہ ایسے بھی موجود تھے جو نہ صرف بعض حصص کو صرف حافظہ سے دوہرا سکتے تھے بلکہ کل کے کل قرآن شریف کو اسی طرح دوہرا سکتے تھے۔ اور اعلیٰ درجہ کی "احتیاط صحت" کے ساتھ وہ یہ کر سکتے تھے۔

عیسائی مصنفوں اور منقدوں کا یہ پُرانا لغو اعتراض کہ قرآن شریف کی آیات اور سور میں کوئی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی اسکی اصل بنا صرف عربی زبان سے ناواقفیت پر ہے۔ جیسا کہ مَیں نے پہلے کہا ہے اس مختصر مضمون میں اتنی گنجایش نہیں ہو سکتی کہ ہم اس اندرونی شہادت پر غور کر سکیں یا تفصیل سے ترتیب کے متعلق کچھ لکھ سکیں۔ مثال کے لیے مَیں ایک قطعہ پیش

کرتا ہوں جس سے ناظرین کو اتنی بات سمجھ آجائیگی کہ جہاں مخالفین نے ٹھوکر کھائی ہے وہاں ایک بڑی بھاری خوبی پوشیدہ ہے اور جن آیات کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ان میں کوئی ربط نہیں وہاں در اصل ایک ایسا گہرا تعلق مخفی ہے جو بتا رہا ہے کہ یہ ترتیب انسانی تجویز سے نہیں بلکہ حکیم خدا کی طرف سے ہے۔ سورہ بقرہ کی یہ چار آیتیں لو۔ ولنبلونکم بشئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین ۰ الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون ۰ اولئک علیہم صلوات من ربھم ورحمة واولئک ھم المھتدون ۰ ان الصفا والمروة من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما ومن تطوع خیراً فان اللہ شاکر علیم۔ خلاصہ مطلب ان آیات کا یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مومنوں کو کچھ خوف اور بھوک اور مال اور جان اور پھلوں کے گھاٹے سے آزمائیں گے۔ اور خوشخبری دو صبر کرنیوالوں کو (یعنی) ان لوگوں کو کہ جب انکو کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو یہی بات انکے مُنہ سے نکلتی ہے کہ ہم اللہ کے ہی ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جانیوالے ہیں ایسے لوگوں پر انکے رب کی طرف سے صلوات اور رحمت ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں بیشک صفا اور مروہ خدا کے شعائر میں سے ہیں پس جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اسپر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کا بھی طواف کرے اور بات تو یہ ہے کہ جو کوئی بھی نیکی خوشی اور رغبت سے کرتا ہے پھر اللہ بھی بڑا قدردان اور خوب واقف ہے" اب ایک شخص جو تدبر اور غور سے کام نہیں لیتا یہ خیال کریگا کہ اس آخری آیت کا جس میں صفا اور مروہ کے طواف کا ذکر ہے پہلی آیات سے جن میں مصایب پر صبر کرنیکا ذکر ہے کوئی تعلق نہیں اور وہ جھٹ بول اُٹھیگا کہ یہ کلام بے ربط ہے اور آیات میں کوئی ترتیب نہیں اور درحقیقت اس قسم کی نافہمیوں سے ہی یہ اعتراض پیدا ہوا ہے۔ مگر تدبر سے کام لینیوالا اور کلام الٰہی میں غور کرنیوالا خوب سمجھ سکتا ہے کہ اس آخری آیت کو آیات ماسبق سے ایک ایسا گہرا اور عجیب تعلق ہے جو ظاہر کر رہا ہے کہ یہ ترتیب وحی الٰہی سے ہے نہ کسی انسان کی کوشش اور فکر کا نتیجہ۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماسبق کی آیات میں ایک اصل کو بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر بعض وقت اپنے بعض مصالح سے کچھ مصایب بھی کسی کسی قسم کے بھیج دیا کرتا ہے۔ پر جو لوگ ایسے وقت میں صبر کرتے ہیں انکے لیے بڑی بھاری خوشخبری ہے یعنی انپر خدائے تعالیٰ کی بڑی بڑی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ اب یہ صرف ایک دعویٰ تھا۔ آخری آیت اسی کی دلیل ہے۔ وہاں فرماتا ہے کہ صفا اور مروہ وہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ کو ایک مصیبت پیش آئی تھی اور انہوں نے نہایت استقلال اور صبر کے ساتھ اسے برداشت کیا تھا یعنی وہ اسجگہ تنہا ایک بچہ کے ساتھ چھوڑی گئیں مگر انہوں نے رضا بالقضا کا سچا نمونہ دکھایا اور اس ابتلا کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا خوشی سے قبول کیا۔ اسکا اجر خدا تعالیٰ نے اس وعدہ کے مطابق جو پہلی تین آیتوں میں کر چکا ہے یہ دیا کہ انپر بڑی بڑی رحمتیں اور برکتیں نازل کیں۔ اور انکے بچہ حضرت اسمٰعیل کو ایک عظیم الشان قوم کا مورث اعلیٰ بنایا اور انکا نام ہمیشہ کے لیے دنیا میں ایک یادگار چھوڑا اور انکی نسل میں خاتم النبیین کو پیدا کیا۔ بلکہ ان مقامات کو بھی جہاں وہ تنہا چھوڑی گئے تھے

ایسی عزت بخشی کہ وہ ایک دنیا کے لیے مرجع اور طواف گاہ بنے پس یہ ثبوت ہے کہ جو لوگ مصایب پر خدا تعالیٰ کی رضا اور اسکی خوشنودی کیلیے صبر کرتے ہیں ان پر واقعی خدا کی طرف سے رحمتیں اور برکات نازل ہوتی ہیں۔ اور پھر آخر میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ معاملہ کوئی ابراہیم کے ساتھ یا کسی گذشتہ زمانہ سے مخصوص نہیں بلکہ ابتک جو خدا کی خاطر نیکی کرتا ہے خدا اس نیکی کی بڑی قدردانی فرماتا ہے۔ اسکا ثبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے جان نثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں کے واقعات ہیں کہ انہوں نے مصایب پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے اجر عظیم انکو عطا فرمائے۔ غرضکہ ان آیات میں جنپر ایک کوتہ اندیش بے ربطی کا اعتراض کر سکتا ہے۔ ایسا عجیب تعلق موجود ہے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیات کا یہ تعلق اور جوڑ اسی حکیم خدا کی طرف سے ہے جسنے قرآن کریم جیسی عجیب کتاب کو نازل فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے کہ قرآن شریف کی آیات میں بے ترتیبی کا ادعا صرف قرآن کریم کے نکات لطیفہ اور معانی دقیقہ کے نہ سمجھنے پر اور ان سے آگاہ نہ ہونے پر مبنی ہے۔ اور چونکہ صرف اسی ایک فرضی خیال پر تمام تاریخی شہادت کی طرف سے بھی بے توجہی کی گئی ہے اس لیے اس خیال کی غلطی کو ظاہر کرنیکے بعد اب ہم ان تاریخی شہادت کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ طالبان حق کے دل ہر دو ہر سے ثبوت سے پورا اطمینان اور تسکین پاویں۔ یہ دعویٰ کہ ایک ایک آیت جب نازل ہوتی تھی تو اسے یونہی بلا ترتیب رہنے دیا جاتا تھا اور کوئی نہ جانتا تھا کہ کونسی آیت کس سورۃ کی ہے اور کہاں رکھی جاویگی بدیہی طور پر ایک لغو دعویٰ ہے اور کسی تردید کا محتاج نہیں جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ قرآن شریف حفظ کیا جاتا تھا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کم و بیش کچھ نہ کچھ حصہ حفظ کرتے جاتے تھے تو اگر آیات کی ہی کوئی ترتیب نہ تھی تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ کوئی معین حصہ کوئی شخص حفظ کر لیتا کیا یہ قیاس میں آسکتا ہے کہ ہر ایک شخص بجائے خود ایک ترتیب دیکر قرآن شریف کو حفظ کرتا ہو اور اسطرح جتنے صحابی حفظ کرنیوالے ہوں اسیقدر مختلف ترتیبیں آیات کی مروج ہوں؟ پھر یہ بھی ثابت ہے کہ قرآن شریف لکھا بھی جاتا تھا اور بعض سورتوں کی مکمل نسخوں کا عام طور پر استعمال میں ہونا بھی تاریخ صحیح سے ثابت ہے پس ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ہر ایک نسخہ ایک جداگانہ ترتیب سے لکھا جاتا تھا؟ یہ کیسا پر از حماقت دعویٰ ہے کہ ایک ہی ترتیب سب صحابی ملحوظ نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ہر ایک حفظ کرنیوالا ایک الگ ترتیب کا پیرو ہو اور ہر ایک نسخہ جو لکھا جاتا ہو وہ جداگانہ ترتیب سے لکھا جاتا ہو اور نہ کوئی دو پڑھنے والے اور نہ کوئی دو نسخے ایک ہی سورۃ کے باہم کسی ایک ترتیب پر متفق ہوں اور نہ ہی حافظ اور تحریر کا باہم کسی ایک ترتیب پر اتفاق ہو۔ گویا ایک ایک سورۃ کی ہزارہا الگ الگ ترتیبیں موجود تھیں۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ جب نمازوں میں قرآن شریف پڑھا جاتا تھا تو کیا ہر ایک پڑھنے والا ایک الگ ترتیب سے کوئی حصہ پڑھ دیا کرتا تھا؟ ایسی صورت میں کوئی مقتدی یہ کب کہہ سکتا تھا کہ اس نے کونسا حصہ قرآن شریف کا پڑھا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ایسی ضخیم کتاب جو اسطرح شب و روز عام مجمعوں میں اور گھروں کے اندر پڑھی جاتی تھی وہ ایک ایسی بے ترتیب صورت میں تھی کہ کسی فقرہ کے متعلق کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ یہ کہاں کا فقرہ ہے۔ اور ہزارہا آدمی جو شب و روز

اس کی تلاوت کرتے تھے وہ سب جس طرح کسی کا جی چاہا کوئی فقرہ آگے اور کوئی فقرہ پیچھے پڑھ دیتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہر ایک سورۃ کی آیات تو معین تھیں اور اس طرح صحابہؓ کو یہ علم تو دیا گیا تھا کہ فلاں سورۃ میں فلاں فلاں آیات ہیں مگر ہر ایک سورۃ کی آیات کی بجائے خود کوئی ترتیب نہیں تھی تو یہ دعویٰ بھی اس دلیل سے مردود ثابت ہوتا ہے جس سے وہ پہلا دعویٰ کہ سارا قرآن شریف ایک بے ترتیبی کی حالت میں پڑا ہوا تھا غلط ثابت ہوتا ہے۔ ان دعاوی کی لغویت کو ثابت کرنے کے لیے اگر اور کوئی دلیل ہمارے ہاتھ میں نہ بھی ہوتی تو صرف یہی ایک دلیل جس کی بنا معتبر سے معتبر روایات پر ہے کافی تھی کہ قرآن شریف حفظ کیا جاتا تھا۔ کیونکہ بغیر ایک ترتیب کی پیروی کے حفظ کرنا محال تھا۔ مثلاً اسی دعوے پر غور کرو کہ ہر ایک سورۃ میں آیات تو معین تھیں مگر انکی ترتیب معین نہ تھی۔ اب سو سو آیات کی بہت سی سورتیں موجود ہیں۔ پس اگر ان سو آیتوں میں کوئی ایک ترتیب نہ تھی اور ہر ایک لکھنے والا اور ہر ایک پڑھنے والا ایک الگ ترتیب کی پیروی کرتا تھا۔ تو سو آیات کی جداگانہ ترتیبیں اسقدر تعداد تک پہنچتی ہیں کہ لاکھ آدمیوں میں سے کوئی دو بھی ایک ترتیب پر متفق نہ ہو سکتے تھے۔ اس صورت میں ہر ایک سورۃ گویا لاکھوں الگ الگ سورتیں تھیں اور قرآن کریم بھی ایک نہ تھا بلکہ لاکھوں الگ الگ قرآن شریف تھے۔ ایک لمحے کے لیے بھی اگر ایک شخص حق طلبی اور خدا ترسی کو دل میں لیکر غور کرے تو وہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ بالکل محال تھا کہ بغیر ایک ترتیب کی پیروی کے قرآن شریف کی تعلیم اور تعلّم کا سلسلہ جاری رہ سکتا۔ نہ ہی ہزارہا صحابیوں میں سے ایک دوسرے کی نسبت یہ کہہ سکتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے کونسا حصہ یا کونسی سورۃ پڑھ رہا ہے اور واقعی صحیح پڑھ رہا ہے یا غلط۔ علاوہ ازیں صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جب ایک شخص کوئی سورۃ یا کوئی حصہ کسی سورۃ کا پڑھتا اور اس سے کوئی غلطی ہو جاتی یا کوئی آیت درمیان سے رہ جاتی تو سننے والے معاً اس کی غلطی کو نکال دیتے۔ حالانکہ اگر ترتیب آیات کوئی نہ ہوتی تو یہ محال تھا کیونکہ کسی دوسرے کی نسبت کسی شخص کو کیا علم ہو سکتا تھا کہ وہ کس آیت کو پڑھتا ہے ایسی صورت میں غلطی کا نکالنا قطعاً ممکن نہ تھا۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی آیات میں ضرور کوئی خاص ترتیب ملحوظ رکھی جاتی تھی جسکے موافق لوگ اُسے پڑھتے تھے اور حفظ کرتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ ترتیب ترتیب نزولی کے موافق تھی یا اس سے الگ کوئی اور ترتیب تھی۔ اسکا جواب معتبر تاریخی شہادت سے ہمیں یہی ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب نزولی سے الگ ایک ترتیب آیات کو دیا کرتے تھے۔ نزول آیات کے لحاظ سے ایسا ہوتا تھا کہ بعض وقت ایک سورۃ کی کسی حصہ کے نزول کے بعد دوسری کسی سورۃ کا حصہ نازل ہو جاتا۔ پس ایسی حالت میں نزولی ترتیب ممکن نہ تھی۔ علاوہ ازیں صحیح روایات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں فلاں جگہ رکھا جاوے۔ جیسا کہ حضرت عثمانؓ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ عن عثمان ابن عفان قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما یأتی علیہ الزمان ینزل علیہ من السور

ذوات العدد فکان اذا انزل علیہ الشیٔ یدعو بعض من یکتب عندہ فیقول ضعوا ھٰذا فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ ہمیشہ کا معمول تھا کہ جب کئی سورتوں کی آیتیں نازل ہوتیں تو آپ صریح طور پر اس موقعہ کی ہدایت فرما دیا کرتے تھے جہاں کوئی آیت بلحاظ ترتیب رکھی جانی ضروری ہوتی پس اس صریح اور بین شہادت سے بھی یہ ظاہر ہے کہ آیات کی ترتیب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھی۔ ایسی شہادت کی موجودگی میں کوئی سمجھدار آدمی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور آیات کو ترتیب دیتے تھے اور وہ ترتیب ترتیب نزولی سے جداگانہ تھی۔

اب دو باتیں حل ہو چکیں یعنی ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیات قرآنی کو ترتیب دیتے تھے اور دوسری یہ کہ وہ ترتیب ترتیب نزولی سے الگ تھی۔ اس لیے اب صرف یہ تیسرا سوال حل کرنیکے قابل باقی ہے۔ کہ کیا وہ ترتیب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اسی کے موافق موجودہ ترتیب آیات قرآنی کی ہے۔ یا یہ موجودہ ترتیب ترتیب نبوی سے الگ ہے۔ یہ امر تو بین ہے کہ موجودہ ترتیب بھی ترتیب نزولی سے الگ ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب نزولی سے الگ ترتیب دی تھی۔ پس اگر کوئی شہادت اس امر کی نہ پائی جائے کہ قرآن کریم کی تاریخ میں کسی وقت آیات کی ترتیب کو بدل دیا گیا تھا تو یہ نتیجہ قطعی اور یقینی ہوگا کہ موجودہ ترتیب بعینہٖ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اس سوال کا جواب دینے کے لیے تاریخ قرآن کریم کو ہم دو زمانوں پر تقسیم کرتے ہیں یعنی اول حضرت عثمانؓ سے پہلے اور دوم حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ اور آپکے بعد۔ ان میں سے ایک زمانہ کے متعلق یعنی حضرت عثمانؓ کے زمانہ کے بعد جو زمانہ گذرا ہے اس کے متعلق اسلام کے کسی سخت سے سخت دشمن اور اندھے سے اندھے نکتہ چین نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ جو ترتیب حضرت عثمانؓ کے وقت میں اور آپکے شایع کردہ صحیفوں میں موجود تھی اس میں آجتک ایک سر مو کا فرق بھی آیا ہے۔ پس اس بات کو ثابت کرنیکے لیے قرآن کریم کی ترتیب آجتک نہیں بدلی۔ اور یہی ترتیب سورتوں اور آیتوں کی اسوقت قرآن کریم میں موجود ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں آپ کی ہدایت کے ماتحت دیگئی تھی۔ اب صرف یہ دکھانا باقی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لیکر حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک کسی موقعہ پر اصلی ترتیب کو تبدیل نہیں کیا گیا۔ اور حضرت عثمان کے زمانہ کے صحیفوں میں وہی ترتیب ملحوظ رکھی گئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھی۔ ایک موٹی سے موٹی سمجھ کا آدمی بھی اتنی بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو ترتیب کے بدلنے کیلیے کوئی چیز محرک نہ تھی۔ یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص ترتیب قرآن شریف کی تلاوت میں ملحوظ رکھتے تھے اور اس ترتیب پر صحابہؓ نے قرآن شریف کو حفظ کیا ہم اوپر دکھا چکے ہیں اور یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ یہ ترتیب ترتیب نزولی سے الگ تھی۔ اب جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے یا کسی اور شخص نے اس ترتیب کو جبکہ صحابہؓ اور حافظان قرآن قایم ہو چکے تھے تبدیل کر دیا تھا۔ یہ بار ثبوت اسپر ہے کہ وہ ایسی تبدیلی کی شہادت پیش کرے۔ اور جبتک کوئی ایسی شہادت نہ ہو اسکا دعویٰ یقینی اور قطعی طور سے باطل ثابت ہوگا مگر

ہم جب حدیث صحیح کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ایک شمہ بھر بھی ایسی شہادت ہمیں نہیں ملتی۔ اور نہ ایسا یقین کرنیکے کوئی وجوہات پائے جاتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے وقت تک کوئی ایسا زمانہ نہ گذر گیا تھا کہ ساری صحابہؓ کے بالمقابل ایک آدمی کو یہ جرأت ہوسکتی کہ وہ اس ترتیب کو بدل دے جس پر سب قایم تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت ہوئے ابھی بارہ ۱۲ سال ہی گذرے تھے۔ اور ہزارہا صحابہؓ اسوقت زندہ تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے قرآن شریف سنا ہوا تھا۔ اگر کوئی تبدیلی ترتیب میں اسوقت وقوع میں آتی تو ایسا واقعہ خاموشی سے نہ گذر سکتا تھا بلکہ ایک ایسا شور برپا ہوتا جسکے ذکر سے تاریخ کے صفحوں کے صفحے بھر جاتے۔ اور اول تو یہی بات سوچنے کی ہے کہ حضرت عثمانؓ کو غرض کیا تھی کہ وہ ترتیب بدلتے۔ اور کونسی ضرورت پیش آئی تھی کہ ترتیب بدلی جاتی۔ نہ کوئی ضرورت پیش آئی نہ کوئی غرض کسی کو تھی نہ ہی اس امر کا کہ ترتیب بدل دی گئی تھی کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی ذکر پایا جاتا ہے۔ پس ایسا دعویٰ کہ حضرت عثمانؓ نے ترتیب کو بدل دیا تھا سراسر حماقت اور لغویت سے پُر ہے۔ اور حد درجہ کی جہالت یا سخت تعصب کا نتیجہ ہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو صحیفے نقل کرائے وہ سارا انکا اپنا یا زید کا کام نہ تھا بلکہ دیگر صحابیؓ بھی اس میں شامل تھے۔ اور وہ تمام صحابہؓ جو علم اور حفظ قرآن شریف میں خاص شہرت رکھتے تھے انہی کی زیر نگرانی حضرت عثمانؓ نے یہ کام کرایا تھا۔ اسکو بھی چھوڑو۔ ہم کہتے ہیں کہ کم از کم کوئی یہی دکھادے کہ حضرت عثمانؓ پر اسوقت کسی نے یہ الزام دیا تھا کہ آپنے قرآن شریف کی سورتوں یا آیتوں کی ترتیب بدلدی ہے۔ اگر کوئی الزام آپ پر دیا گیا تو وہ یہ تھا کہ آپنے مسلّم قرأت کے سوا بعض اور قرأتوں کو روکا مگر اسکی اصلیت کیا تھی یہ میں دوسرے موقعہ پر دکھاؤنگا جب قرأت مختلفہ کا مضمون کچھ لکھونگا۔ بہرحال آیتوں کی ترتیب کے بدل دینے کی ایک ذرہ بھر بھی شہادت موجود نہیں۔ اور ایسی شہادت کی عدم موجودگی میں یہ ماننا پڑیگا کہ قرآن شریف کی ترتیب آیات وہی رہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھی۔

ایک امر کے قطعی ثبوت کے لیے دو ہی قسم کی شہادت ہوسکتی ہے اول یہ کہ اسکے خلاف کوئی شہادت موجود نہ ہو دوسری یہ کہ اسکی تائید میں زبردست شہادت موجود ہو۔ قسم اول کی شہادت ہم اوپر بیان کرچکے ہیں اور یہ دکھا چکے ہیں کہ قرآن کریم کی تاریخ میں کوئی وقت بھی ایسا نہیں آیا کہ جس میں اسکی آیتوں کے موجودہ انتظام میں کوئی ذرہ بھر بھی تغیر و تبدل واقع ہوا ہو۔ اس قسم کے ثبوت کے علاوہ کثرت سے دلایل بدیہیہ یقینیہ قسم ثانی کے بھی موجود ہیں۔ جو اور بھی وضاحت سے اس امر کو پایۂ ثبوت پہنچاتی ہیں۔ یہ وہ دلایل ہیں جو احادیث صحیحہ سے مستنبط ہوتی ہیں۔ جیسے مثلاً حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے باب فضل سورۃ البقرہ کے ضمن میں ایک حدیث نقل کی ہے۔ عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ بالآیتین من آخر سورۃ البقرۃ فی لیلۃ کفتاہ۔ جسکا ترجمہ یہ ہے کہ "حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی رات میں سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے تو یہ اسکے لیے کافی ہیں" یہ حدیث جسکا یہاں ترجمہ دیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ

میں منقول ہے۔اس سے دو باتیں مستنبط ہوتی ہیں۔ اولاً اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن شریف کی ایک ترتیب کی نگہداشت فرماتے تھے۔ اور وہ ترتیب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم پر منکشف فرمائی۔ اور پھر ان سب کا اُسی ترتیب پر عمل رہا کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی سورۃ کی آخری دو آیتوں کی طرف اشارہ نہ فرماتے۔ اور نہ ہی صحابہؓ آپ کے اس اشارہ کو سمجھ سکتے۔ یہ حدیث اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ ہر ایک آیت قرآنی کے لیے ابتدا ہی سے ایک معین اور معروف مقام قرآن شریف میں ہے۔ اور کسی قاری یا حافظ یا عام پڑھنے والے کو حق نہیں پہنچتا کہ اُنکی ترتیب میں ایک بال کے برابر بھی تبدیل کر سکے۔ ثانیاً۔ اس حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آج اس زمانہ میں سورۃ البقرہ کا جن آیات پر خاتمہ ہوتا ہے وہی آیات سورۃ البقرہ کے خاتمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رحمت مہد میں شروع سے لکھی ہوئی تھیں۔ اور اس سے یہ بات بہت اچھی طرح پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ قرآن شریف کی موجودہ ترتیب وہی ترتیب ہے جو شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ اور جو آپکی حیات میں عام طور پر زیر عمل و استعمال تھی۔ اسی کی تائید میں ایک دوسری حدیث میں یوں آیا ہے کہ سورہ بقرہ کی آیتہ اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ سے شروع ہو کر اخیر سورۃ یعنی وانصرنا علی القوم الکافرین تک پڑھے۔ جس سے اس بات کی اور بھی واضح طریق سے تعیین ہوتی ہے کہ یہی دو آیتیں جو اب سورہ بقرہ کے اخیر میں ہیں یہی دونوں مسلم اور مشہور طور پر آنحضرتؐ کے وقت میں بھی اسی سورۃ کی آخری آیتیں تھیں۔ ایسا ہی ایک اور حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ خروج دجّال میں سورۃ الکہف کی پہلی دس آیتیں پڑھنے کا حکم کیا ہے۔ اب اس جگہ غور کا مقام ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں قرآن شریف کی کوئی ترتیب موجود نہ ہوتی یا اصل ترتیب میں کوئی فرق اور تبدل واقع ہونیوالا ہوتا تو خروج دجّال کے متعلق جو کسی آیندہ زمانہ میں ہونیوالا تھا اس وقت کے مسلمانوں کیلیے سورۃ الکہف کی پہلی دس آیتوں کا نشان دینا ایک بے معنی بات ہوتی۔ اور اُن آیتوں کا پتہ ہی نہ ملتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا اس حدیث میں تھی۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں وارد ہے جسکا جی چاہے دیکھ لے۔ عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حفظ عشر اٰیات من اول الکہف عصم من الدجّال۔ سورۃ الکہف کی ان پہلی دس آیتوں میں مسیح کے ابن اللہ مانے جانیکے اعتقاد کی زور سے تردید درج ہے اور یہی ایک اہم مسئلہ ہے جس سے قرآن شریف کی رو سے دجّال کی شناخت ہوتی ہے۔ جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد انہی دس آیتوں سے تھی۔ جو اب سورہ کہف کے ابتدا میں موجود ہیں۔ اور یہ کہ انکی ترتیب میں آجتک اسقدر زمانہ گذر جانیکے باوجود بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوسکی۔ اس حدیث سے یہ بات مضبوط طور پر ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف کی ایک ترتیب موجود تھی اور وہ ترتیب ہی آجتک غیر متبدل طور پر چلی آئی ہے۔ ان کے ماسوا اور بھی بہت سی حدیثیں اس مضمون پر موجود ہیں۔ لیکن ہمارے

نزدیک اس بات کا قطعی فیصلہ کرنیکے لیے اسی قدر کافی ہیں۔ زیادہ طول ناظرین کی خاطر عاطر کے لیے بارگراں ہو جائیگا
خیال سے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ پھر اگر ضرورت سمجھی گئی تو اور شہادت بھی لکھی جائے گی۔ تمام اسلامی لٹریچر میں
ایک حدیث بھی ایسی نہ پاؤ گے کہ جس میں موجودہ ترتیب آیات قرآنی کے خلاف کسی اور ترتیب کا ذکر تو کیا اشارہ تک ہی
موجود ہو۔ غرض ہر قسم کی سالبہ و مثبتہ و داخلی و خارجی گواہیوں سے یہ بات بلا گنجایش وہم استثنا ثابت اور مبرہن ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کو خود جمع و مرتب فرمایا تھا اور وہی ترتیب بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل کے
ہمیشہ مسلمانوں میں مستعمل اور مروّج رہی اور آجتک موجود ہے۔ اور زمانہ موجودہ میں نسخہ جات قرآنی اسی ترتیب کے مطابق
نہایت احتیاط کے ساتھ لکھے چھاپے اور شایع کیے جاتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کو غیر مرتب چھوڑ
جاتے تو ضرور تھا کہ صحابہؓ کی اتنی بڑی جماعت میں مختلف ترتیبیں رواج پا جاتیں۔ اور اُن مختلف ترتیبوں کا انکی کثیر التعداد
ذخیرۂ احادیث میں کہیں نہ کہیں حوالہ یا اشارہ و کنایہ ہی موجود ہوتا۔ لیکن احادیث کے سارے دفتر تلاش کرلو۔ اسلامی
تاریخ کی ایک ایک سطر چھان مارو۔ اس بات کا کہیں بھی ذکر تو کیا اشارہ بھی نہ پاؤ گے۔ جبکہ ساری اسلامی کتب احادیث
میں یہ بات بطور اشارہ بھی کہیں موجود نہیں کہ اس ایک مسلمہ ترتیب آیات قرآنی کے سوا کوئی اور ترتیب قرآن شریف
کی آیات کی کبھی کسی نے کی ہو تو یہ امر صریح طور پر ثابت ہے کہ قرآن شریف کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی
اور وہی ترتیب صحابہؓ میں مروّج تھی اور پھر وہی ترتیب نہایت احتیاط سے محفوظ ہو کر تمام اسلامی دنیا میں تا ایندم
مروّج ہے۔ کہیں کسی جگہ کسی تبدیلی و تغیر کا ذکر نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک حدیث ایسی ہے جسمیں لکھا
ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قرآن شریف کو ترتیب نزولی کے موافق جمع کیا تھا۔ لیکن اگر ہم فرض کے طور پر
اس حدیث کو صحیح بھی مان لیں تو بھی ہمارے مدعا کے خلاف نہیں بلکہ اسی نتیجہ کی تائید کرتی ہے جسپر ہم پہنچے
ہیں۔ یعنی اسی بات کی مؤید ہے کہ موجودہ ترتیب قرآنی ہی ایک ترتیب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
مروّج تھی۔ اگر حضرت علیؓ کا ترتیب نزولی کے مطابق قرآن شریف جمع کرنیکا بیان صحیح بھی ہے تو اسکا مذکور بغرض
بیان واقعہ اختلاف ترتیب ہائے قرآنی نہیں کیا گیا بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ چونکہ عام طور پر ترتیب نبوی مسلمانوں
میں مسلم اور مروّج ہو چکی تھی حضرت علیؓ کی طرف اس منسوبہ واقعہ کو بطور استعجاب بیان کیا گیا۔ لیکن حضرت علیؓ
کا اس نزولی ترتیب کو کبھی عام طور پر مشتہر کرنیکا منشا نہ تھا اور نہ ہی انکا یہ منشا تھا کہ اس ترتیب سے قرآن کریم کی
تلاوت کیجاوے۔ انکا منشا صرف اسقدر ہوگا کہ ایک تاریخی شہادت نزول کی موجود رہے۔ ہاں اس حدیث سے
یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی تیسری ترتیب بھی موجود ہوتی تو ضرور تھا کہ اسکا ذکر بھی کہیں نہ کہیں کسی پیرایہ میں موجود
ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی طرف منسوبہ ترتیب پر کبھی عمل نہیں کیا۔ کیونکہ آپنے جو ترتیب
کی تھی وہ الہام الٰہی کی بنا پر ربط و ضبط مضمون اور سیاق و سباق عبارت کے لحاظ سے کی تھی۔ وہ نزول

آیات کے زمانہ کے لحاظ سے نہ تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ نزول آیات قرآنی کی تاریخی ترتیب کو محفوظ کر لیا جائے۔ چنانچہ اسی خیال کو دل میں رکھکر انہوں نے ترتیب محولہ بالا کر خصوصی ہوگی۔ یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتی کہ حضرت علیؓ نے یہ ترتیب رواج دینے کی نیت سے کی ہو۔ بلکہ وہ خود اسی ترتیب نبوی کے رواج کے مؤید اور قائل تھے۔ چنانچہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور یہ تجویز کیا گیا کہ قرآن شریف کے نسخے خاص نگرانی کے ساتھ لکھکر لوگوں میں تقسیم کیے جائیں۔ اور اس کام کا اہتمام ایک منتخب مجلس کے سپرد کیا گیا تو ان تمام ممبروں کی مجلس کے اراکین عظام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے۔ اور فضیلت قرآن دانی کی وجہ سے آپ کا اس بارہ میں بہت کچھ دخل تھا۔ انہوں نے اسوقت ہرگز ہرگز اس ترتیب کا ذکر بھی نہیں کیا جو انہوں نے وحی الٰہی کی تاریخ محفوظ کرنیکے لیے کی تھی۔ اور نہ ہی کسی اور ترتیب کا سوائے اس موجودہ ترتیب کے کوئی تذکرہ کیا بلکہ نہایت محنت شاقہ اور احتیاط کے ساتھ نبوی ترتیب کے مطابق قرآن شریف کے نسخے لکھوائے اور صحیح کیے اور کرائے۔ اور انکو مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خیال میں اس کے سوائے کوئی اور ترتیب بھی ہوتی تو یہ بات انکی شان سے بالکل بعید تھی کہ وہ خاموشی سے اسی ترتیب موجودہ کو اپنی معلومات اور کانشنس کے برخلاف لکھے جاتے اور مروج کیے جاتے بلکہ نہ صرف اجازت ہی دیتے بلکہ خود عقد ہمت باندھکر اسی ترتیب نبوی کے مطابق قرآن شریف لکھاتے اور اسکو عام طور پر مسلمانوں میں رواج دینے کی کوشش کرتے۔ وہ تو ایسے دلیر اور شجاع تھے کہ کسی قسم کا دباؤ اور لحاظ انکے سچے خیالات کے اظہار اور تعمیل سے انکو نہ روک سکتا تھا۔ اس لیے اگر انکو کچھ اختلاف ہوتا تو فوراً اعتراض کر دیتے اور اگر اعتراض نہ کرتے تو کم از کم اس مجلس میں شریک ہونیسے ہی انکار کر دیتے۔ بلکہ برخلاف اسکے جس ترتیب پر تمام جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق اور عمل تھا جو موجودہ ترتیب قرآن کریم کی ہے۔ اسی پر بلا اعتراض حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی متفق اور عامل تھے۔ اور اوپر اسباب کو واضح کر دیا گیا ہے کہ ترتیب نبوی دراصل ترتیب سیاقی ہے اور اس ترتیب سے بالکل مختلف ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ترتیب نزولی کے لحاظ سے وحی الٰہی کی تاریخ کا علم محفوظ رکھنے کے لیے کی تھی۔ قرآن شریف کے نزول کی ترتیب کو بغرض حفظ تواریخ محفوظ کر لینے میں کیا مضایقہ تھا؟ سوال تو صرف یہی تھا کہ آیا انہوں نے اس ترتیب کو ترتیب قرآنی کے نام سے موسوم کر کے عام طور پر مروج کرنیکی کوشش تو درکنار ارادہ بھی کبھی کیا؟ لیکن اُنکے قول و فعل سے نہ انکی اس بارہ میں کوشش ہی ظاہر ہوتی ہے اور نہ ہی انکا ارادہ ثابت ہوتا ہے۔ پس پھر کیونکر یہ ترتیب اس میدان میں ذکر کے قابل ٹھہر سکتی ہے۔ اس ترتیب کو تو قرآن شریف کی ترتیب ہی نہیں کہہ سکتے۔ اگر بالفرض یہ امر کسی طرح مانا جائے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن شریف کو ترتیب موجودہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رواج دینے پر کسی مصلحت سے سکوت کیا ہوگا۔ اگرچہ انکی شان میں ایسے گمان سے انکی بے ادبی اور ہتک متصور ہے۔ لیکن اگر یہ امر ایسا ہی ہوتا تو پھر اسکی اصلاح اور تلافی اس زمانہ میں بآسانی ہو سکتی تھی جبکہ خدا تعالیٰ نے اُنکے اپنے سر پر خلافت کی عزت و جلال کا

تاج رکھا۔ جب آپ کی خلافت کا زمانہ آیا تو اسوقت تو اُنکے لیے کوئی روک نہ تھی۔ اگر قرآن شریف کی مسلمہ مروجہ ترتیب میں انکو کوئی اختلاف ہوتا تو فوراً سب سے پہلے اسکی اصلاح کرنا انکا فرض تھا۔ اُنہوں نے تو اپنے زمانہ خلافت میں بھی اُسی ترتیب کو رواج دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے زمانہ میں مروّج تھی اور پھر جسکے مطابق انہوں نے خود حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن شریف لکھوائے اور تقسیم کیے تھے۔ لیکن باوجود اتنے بڑے اقتدار اور رسوخ کے انہوں نے نہ تو کبھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور نہ ہی حضرات عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کی خلافتوں میں، اور نہ ہی اپنے زمانہ میں اس ترتیب موجودہ پر (جو در اصل ترتیب نبوی ہے) اعتراض کیا۔ اور نہ کبھی خلوت میں اور نہ کبھی جلوت میں، اس بات کا ذکر ہی کیا کہ موجودہ ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی کی ہوئی نہیں اور نہ ہی کبھی یہ ذکر کیا کہ قرآن شریف کی آیتیں اور سورتیں جس ترتیب کے ساتھ موجود ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے نہیں کی تھی۔ بلکہ ترتیب نزولی صحیح ترتیب تھی اور اسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔

ان تمام حالات سے یہ بات آفتاب کی طرح روشن اور ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں کی وہ ترتیب جسکے مطابق حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن شریف کے نسخے مسلمانوں میں تقسیم کیے گئے تھے۔ حقیقت میں یہ وہی ترتیب ہے جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے الہام الٰہی سے کیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کے متعلق اختلاف موجود ہوتا۔ بعض روایات میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کو بعض کلمات کا خاص لہجہ میں پڑھنا بڑا مرغوب تھا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکا اطرح پڑھنا ناجائز قرار دیا۔ اسپر حضرت ابن مسعودؓ حضرت عثمانؓ سے کشیدہ خاطر ہوگئے۔ لیکن باوجود اس کشیدہ خاطری کے انہوں نے کبھی کسی وقت اس ترتیب آیات قرآنی پر کوئی جرح و اعتراض نہیں کیا جسکے مطابق حضرت عثمانؓ کے حکم سے قرآن شریف لکھے اور تقسیم کیے گئے تھے۔ نہ ہی انہوں نے کبھی ظاہر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے سوا کوئی اور ترتیب آیات قرآنی مروّج تھی۔

ان مذکورہ بالا واقعات سے یہ امر قطعی طور سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کی تقسیم اور ہر ایک سورۃ میں آیتوں کی ترتیب جیسے کہ فی زمانا موجود ہے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کا معمول تھا کہ جب کوئی نئی آیت نازل ہوتی تو ساتھ ہی آپ اسکے قرآن شریف میں لکھے جانیکے لیے جگہ بھی مقرر فرما دیا کرتے تھے کبھی کسی صحابی نے اپنے خیال کے موافق کسی آیت کو قرآن شریف میں کسی جگہ لکھنے کی جرأت نہیں کی۔ اور نہ کسی کو ایسا کرنیکا حق پہنچتا تھا۔ مثلاً سورۃ البقرہ جسکو قرآن شریف میں دوسرا نمبر حاصل ہے اسکا اکثر حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی مدنی زندگی کے ابتدائی حصہ میں نازل ہوا تھا۔ لیکن اسکی بعض آیتیں آنحضرت صلعم کی وفات کے زمانہ کے قریب نازل ہوئی تھیں۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ وہ آیات جو ممانعت ربوا کے متعلق ہیں آپکے آخری ایام میں نازل ہوئیں۔ یہ آیتیں ترتیب میں ان آیات کے پیچھے

رکھی گئی ہیں جو خیرات اور صدقات کے متعلق ہیں۔ اب ان آیات کو جن میں صدقات و خیرات کے احکام ہیں۔ اور ان آیات کو جن میں ربوا کی ممانعت ہے، ایک جگہ لکھنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ دونوں احکام غربا اور مساکین کے فایدہ اور آسانی کے لیے دئے گئے ہیں جن سے ایسے لوگوں کی بہبودی منصوّر ہے۔ جس موجودہ سوسائٹی کی قرآن شریف نے اصلاح کرنی تھی اسکی حالت اسوقت ایسی تھی کہ دونوں احکام کا متفرق اوقات میں دیا جانا ضروری تھا جن لوگوں کو اکل ربوا سے منع کرنا تھا ضروری تھا کہ ان میں پہلے اس حکم کے ماننے کی استعداد پیدا کر دیجاتی۔ اس لیے ایک حکم پہلے دیا گیا جو اس راہ میں ایک بڑی بھاری اور پہلی منزل تھی۔ پھر جب اس حکم کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی استعداد انمیں پیدا ہو گئی اور اس پر شرح صدر سے عمل کرنا اُن لوگوں پر آسان ہو گیا۔ تو پھر دوسری منزل ان پر منکشف کی گئی یعنی دوسرا حکم انہیں دیا گیا۔ حقیقت میں یہ دونوں احکام آپسمیں بہت گہرا رشتہ رکھتے ہیں اور ضروری تھا کہ بلحاظ ربط مضمون و سیاق عبارت اسی ترتیب کے ساتھ اکٹھے جمع کیے جائیں۔ قرآن شریف کی سورتوں کی تقسیم بھی خود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ سلم نے فرمائی تھی۔ چنانچہ احادیث صحیحہ میں اکثر سورتوں کے نام اسی زمانہ سے لکھے ہوئے موجود چلے آتے ہیں۔ اور یہ سچی بات ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کی تقسیم اور ہر ایک سورۃ میں آیات کی ترتیب جسطرح کہ اب مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی کی ہوئی ہے۔ اور یہ ایک ایسی صاف بات ہے کہ نہ تو جماعت صحابہ کبار رضی اللہ عنہم میں سے ہی کسی نے کبھی اسمیں اختلاف کیا اور نہ ہی متاخرین میں سے کبھی کسی کو اختلاف کرنیکی گنجایش پیدا ہوئی۔ آجتک کسی شخص کی نسبت یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے کبھی کہا ہو کہ موجودہ قرآن شریف میں کوئی ایک آیت بھی اپنے اصلی مقام اور اصلی سورۃ سے بلکہ کسی دوسری جگہ یا دوسری سورۃ میں رکھی ہوئی ہے۔ یا یہ ہی کہا ہو کہ فلاں آیت کسی زمانہ میں اس موقعہ پر موجود نہ تھی جہاں کہ وہ اب لکھی ہوئی ہے۔ ایک اور بات اس امر پر زیادہ روشنی ڈالتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اکثر احادیث میں آیات قرآنی کے حوالے بتقید نمبر شمار دیے ہوئے ہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے جس سے اس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے کہ ترتیب آیات قرآنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مکمل ہو چکی ... تھی۔ ہم نے اپنے مدعا کی تائید میں بہت سی مثالیں اوپر پیش کی ہیں۔ اسجگہ ایک اور مثال اسی ذیل میں پیش کیجاتی ہے تاکہ ہمارے ناظرین پر یہ امر ذرا اور واضح ہو جائے۔ صحیح بخاری میں ایک حدیث وارد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک دفعہ نماز میں سورۃ انفال کی چالیسں آیات پڑھیں۔ پھر اسی حدیث کو محدث عبدالرزاق نے بھی ایک اور سلسلہ رواۃ کی روایت سے نقل کیا ہے فرق دونوں میں صرف اسقدر ہے کہ دوسری روایت میں بجائے اس ذکر کے کہ ابن مسعودؓ نے چالیسں آیتیں پڑھیں یہ ذکر ہے کہ سورہ انفال کو اس موقع تک پڑھا جہاں و نعم النصیر ہے (دیکھو فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۱۲) اب جب ہم اس سورۃ کی چالیسں آیتیں شمار کرتے ہیں تو آخری آیت جن الفاظ پر ختم ہوتی ہے وہ وہی الفاظ ہیں

جو محدث عبد الرزاق نے اپنی حدیث میں لکھے ہیں۔ گویا یہ دونوں بیان باہم متوافق ہیں۔ اس بات سے یہ امر بہت عمدگی سے پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ قرآن شریف جس ترتیب کے ساتھ آجکل ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے وہی ترتیب زمانہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مروّج اور معروف تھی۔ ایسے ہی ایک اور حدیث بخاری سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کے لیے اُٹھتے وقت سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات پڑھا کرتے تھے۔ اور چونکہ آپ کی پیروی میں مسلمان بھی یہ آیتیں پڑھتے تھے۔ اس لیے تعالٰی نے ہمیں یہ موقعہ دیا ہے کہ اُس ترتیب کا مقابلہ موجودہ ترتیب سے کر سکیں۔ اب تعامل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دس آیتیں جو رات کو اُٹھکر پڑھی جاتی ہیں وہ ہیں جو ان فی خلق السمٰوات والارض سے شروع ہوکر اخیر سورۃ تک چلتی ہیں اور جب موجودہ ترتیب کو دیکھتے ہیں تو یہی آیتیں اب بھی آل عمران کی آخری آیتیں ہیں اس بات سے بھی یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف کی یہی ترتیب مروّج اور مستعمل تھی جو آجکل مروّج ہے۔ اور یہ کہ سورتوں کی تقسیم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔ اس کے بعد دوسرا مسئلہ جسپر غور کرنیکی ضرورت ہے وہ سورتوں کی ترتیب ہے۔ اس مسئلہ پر بحث کرنیکے لیے سب سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ سوائے اُس حال کے جبکہ سارے قرآن شریف کی تلاوت کرنا منظور ہوتا نمازوں میں یا نمازوں کے باہر قرآن کریم پڑھنے کیلیے یہ امر ضروری نہیں خیال کیا جاتا تھا کہ سورتوں کی ترتیب ملحوظ نظر رکھا جائے۔ ہم نے اوپر احادیث کی سند سے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت میں بہت سارے ایسے بزرگ موجود تھے جنکو سارا قرآن شریف ازبر تھا۔ اور وہ لوگ اسے اپنے حافظوں میں تر و تازہ اور ضبط رکھنے کے لیے ہمیشہ تلاوت کرتے رہتے اور مقررہ مدت میں ختم کیا کرتے تھے چنانچہ اسی پر صحیح بخاری میں ایک باب باندھا ہوا ہے جس کا عنوان یہ ہے "کتنی مدت میں قرآن شریف ختم کرنا چاہیئے" اس باب کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں دی ہیں جن میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو تین دن سے کم عرصہ میں قرآن شریف کا ختم کرنا منع فرمایا تھا۔ اور ایک دوسرے صحابی کو سات دنوں سے کم عرصہ میں قرآن شریف کا ختم کرنا منع کیا۔ ان حدیثوں سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو سارا قرآن شریف حفظ تھا وہ ہمیشہ اسکی تلاوت کرتے رہتے تھے اور معمولاً سات دنوں میں ختم کیا کرتے تھے۔ قرآن شریف جتنی بڑی کتاب ایسے محتاط طریق سے حافظہ میں جب ہی محفوظ رہ سکتی تھی کہ اس کی تلاوت پر مداومت کیجائے۔ چنانچہ خود سرور کائنات صلعم نے فرمایا کہ قرآن شریف کو یاد رکھنے کے لیے اسکی ہمیشہ تلاوت کرتے رہنا چاہیئے ورنہ یہ یاد نہیں رہیگا۔ اسلیئے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن شریف کی تلاوت پر مداومت کرتے تھے۔ اب اس بات کا سمجھنا بہت آسان ہے کہ قرآن شریف کو بار بار پڑھنا اور ہر دفعہ ایک معینہ مدت کے اندر ختم کرنا اس امر کا متقاضی ہے کہ اسکی سورتوں کی کوئی ترتیب اور تقسیم موجود ہو۔ ورنہ مداومت کے ساتھ پڑھنا اور ختم کرنا ممکن نہ تھا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آیا حدیث شریف بھی اسکی تائید کرتی ہے کہ نہیں؟ اس کے متعلق اسقدر لکھنا کافی ہے کہ احمد۔ ابو داؤد وغیرہم نے ایک

حدیث نقل کی ہے جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ سورتوں کی تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی۔ ہم اسجگہ اس حدیث کو نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ عن اوس ابن ابی اوس حذیفة الثقفی قال کنت فی الوفد الذین اسلموا من ثقیف .... فقال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرأ علی حزبی من القراٰن فاردت ان لا اخرج حتی اقضیہ قال فسالنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنا کیف تحزبون القراٰن قال نحزبہ ثلاث سور وخمس سور وسبع سور وتسع سور واحدی عشرة وثلاث عشرة وحزب المفصل من ق حتی نختم۔ ترجمہ۔ اوس فرماتے ہیں کہ ثقیف کے اس وفد میں جو اسلام قبول کرنے آئے تھے میں بھی موجود تھا... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کہا کہ میں نے اپنی قرآن شریف کی منزل کو پورا کرنا ہے اس لیے میں ارادہ کرتا ہوں کہ جبتک ختم نہ کرلوں اُسوقت تک باہر نہ نکلوں۔ اسپر ہم نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کس طرح قرآن کو حصوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تین سورتوں اور پانچ سورتوں اور سات سورتوں اور نو سورتوں اور گیارہ سورتوں اور تیرہ سورتوں اور ق سے شروع ہو کر اخیر قرآن تک کے جسکو مفصل کہتے ہیں (سات) حصے ہیں۔

معتبر ذرایعہ اور معقول وجوہ سے ثابت ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے رو سے قرآن شریف کے سات حصے یعنی سات منازل ہیں۔ ہر منزل ایک دن میں پڑھی جاتی ہے۔ اور اس طریق سے سارا قرآن شریف سات دنوں میں ختم ہوتا ہے۔ دوسری معتبر صحیح احادیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کو تاکید فرمائی کہ قرآن شریف سات دنوں میں ختم کیا کریں۔ اس حدیث کے راوی پہلی حدیث کے راویوں سے جدا ہیں۔ ان دونوں مضمون واحد کی حدیثوں کا مختلف راویوں کی روایت سے بیان ہونا ایک دوسرے کی گواہی کے اعتبار پر دلیل ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں ایکدوسری کی سچائی اور استناد کی تصدیق کرتی ہیں۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ان حدیثوں کی صحت میں کسی قسم کے شک کو جگہ دیجاوے۔ اب ہمیں یہ صاف نظر آرہا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث سے سورتوں کی ترتیب کا وجود واضح طور پر ثابت ہے کیونکہ وہی منزلیں جن میں قرآن شریف کے اس حدیث کے رو سے حصے کیے ہوئے ہیں آجتک مسلمانوں میں مروج ہیں۔ اور ساری اسلامی دنیا انہی پر کاربند اور عامل ہے۔ پس اس تعامل سے بھی صاف شہادت اس حدیث کی صداقت کی ملتی ہے۔ ان سات حصوں کو مسلمانوں کی اصطلاح میں سات منزلیں کہتے ہیں۔ اور ہر ایک منزل میں اسی قدر سورتیں ہیں جو اس حدیث میں مذکور ہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں لکھا ہے ساتویں منزل ٹھیک اس کے مطابق سورة ق سے شروع ہوتی ہے۔ پہلی چھ منزلوں میں کل اڑتالیس سورتیں ہیں اور یہی وہ تعداد ہے جو احادیث سے ثابت ہے۔ اس جگہ ایک بات ناظرین کو یاد رکھنی چاہیے کہ حدیث مذکورة الصدر میں سورة فاتحہ جو قرآن شریف میں سب سے پہلے لکھی ہوئی ہے شمار نہیں کیگئی۔ اور یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ سورة بقرہ سے شروع کرکے تین سورتوں کی ایک منزل۔ پھر اس کے بعد کی پانچ سورتوں کی دوسری منزل

پھر اس کے بعد کی سات سورتوں کی تیسری منزل۔ پھر اس کے بعد کی نو سورتوں کی چوتھی منزل پھر اسکے بعد کی گیارہ سورتوں کی پانچویں منزل۔ پھر اسکے بعد کی تیرہ سورتوں کی چھٹی منزل اور ق سے (جو انچاسویں سورۃ ہے) شروع ہو کر اخیر تک ساتویں منزل ہوئی۔ اگر فاتحہ کو شامل کر کے شمار کیا جائے تو اس حساب سے سورۃ ق پچاسویں سورۃ ہوتی ہے۔ اور اگر اسکو شامل کر کے شمار نہ کیا جائے تو پھر سورۃ ق انچاسویں سورۃ ہوتی ہے۔ اور اس حدیث میں مؤخر الذکر حساب کو ملحوظ رکھا گیا ہے یعنی پہلی چھ منزلوں میں اڑتالیس سورتیں اور پھر انچاسویں سورۃ ق سے ساتویں منزل شروع ہوتی ہے۔ جسطرح ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ آیات قرآنی کی ترتیب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی اسی طرح اس حدیث سے واضح طور پر یہ بات عیاں ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کی تھی۔ اور آجتک اُسی ترتیب پر مسلمان قایم ہیں یعنی موجودہ ترتیب جو مسلمانوں میں مروّج اور جاری ہے وہ بجنسہٖ اور بلاتفاوت وہی ترتیب ہے جس میں ایک سر مو بھی فرق نہیں آیا۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جبکہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک پورے طور پر نازل نہیں ہو چکا تھا۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آخری زمانہ تک آیتیں اور سورتیں نازل ہوتی رہی تھیں تو پھر کسی ترتیب کا وجود ہی کیونکر حیطہ امکان میں آسکتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ جبتک مورد وحی خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ رہے اسوقت تک قرآن شریف کا نزول مکمل نہیں سمجھا جاسکتا۔ لیکن اس بات سے آیتوں اور سورتوں کی ترتیب میں کوئی فرق اور ہرج واقع نہیں ہوتا۔ جتنا حصہ قرآن شریف کا نازل ہو چکا تھا اسکو بھی قرآن ہی کہا جاتا تھا اور لفظ قرآن کے معنوں میں یہ بات آسکتی ہے۔ لیکن اس حدیث میں بنی ثقیف کے اسلام لانیکا حال درج ہے پس یا سوقت کی حدیث ہے جب وہ لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اب یہ بات ثابت ہے کہ ثقیف ہجری کے نویں سال میں مسلمان ہوئے تھے۔ اور اسی سال میں سورۃ توبہ نازل ہوئی تھی جو تاریخی سلسلہ نزول میں سب سے اخیر سورۃ تھی۔ اس لیے اس حدیث کے زمانہ میں مذکورہ بالا اعتراض باقی نہ رہا تھا کیونکہ جس زمانہ کا ذکر اس حدیث میں ہے اُس زمانہ میں قریباً سارا قرآن شریف نازل ہو چکا تھا۔ اور اس میں جو سورتوں کی تقسیم کے بارہ میں مذکور ہے اس سے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی سند سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اسپر کوئی اعتراض معقول خیال نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ بعض آیات اسکے بعد نازل ہوئیں۔ لیکن جتنی آیات بعد میں نازل ہوئیں وہ سب جہاں الہام الٰہی نے ہدایت کی وہاں رکھدی گئیں ہاں اس میں شک نہیں کہ ایک چھوٹی سی سورۃ جسکا نام سورۃ النصر ہے اس سے بعد نازل ہوئی۔ لیکن یہ ایک چھوٹی سی سورۃ تھی اور اسکو مناسب جگہ رکھدیا گیا تھا۔ ناظرین اس بات کو بھی یاد رکھیں کہ اس حدیث میں صرف چھ پہلی منزلوں کی سورتوں کی تعداد بیان کی گئی ہے۔ لیکن آخری منزل کی سورتوں کی تعداد نہیں بیان کی۔ اسکی نسبت صرف اتنا ہی کہا گیا کہ ق سے شروع ہو کر خاتمہ تک ساتویں منزل ہے۔ کیونکہ ابھی اس آخری منزل میں ایک سورۃ شامل ہونا باقی تھی۔ چنانچہ وہ بھی نازل ہو کر یہ منزل ختم ہو گئی۔ اس سورۃ کے نزول اور ساتویں منزل میں شمول سے اس شمار میں ہرگز کوئی فرق نہیں آیا جو پہلی چھ منزلوں کے متعلق بیان ہوا ہے۔

اس بات کی بھی کوئی شہادت موجود نہیں کہ سورتوں کی ترتیب کو آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابوبکر یا عثمان رضی اللہ عنہما نے کسی طرح تبدیل کر دیا ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برخلاف تو کبھی کسی نے کوئی اعتراض اس قسم کا نہیں کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکے نقش قدم کو اختیار کیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو نقلیں قرآن شریف کی کی گئی تھیں وہ اُن بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگرانی اور اہتمام میں تیار کرائی گئی تھیں جن کو علم قرآن میں زیادہ ماہر اور واقف مانا گیا تھا۔ اور اکثر انمیں حضرت ابی بن کعب جیسے بزرگ تھے۔ جن کو قرآن شریف از بر تھا۔ علاوہ ازیں جو دلایل ہمنے اوپر قرآنی آیات کی ترتیب کے متعلق پیش کی ہیں وہی دلایل مناسب تغیر کے ساتھ قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب پر حاوی ہوتی ہیں۔ لیکن چونکہ بعض حدیثوں میں مختلف ترتیبوں کا بھی ذکر آیا ہے اس لیے اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ہمیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسکے متعلق بھی فیصلہ کر دیا جائے۔ اس بارہ میں سب سے پہلے صحیح بخاری کے باب تالیف القرآن کیطرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ اس باب میں جو احادیث درج ہیں ان میں سب سے پہلی حدیث یوں ہے عن یوسف بن ماھك قال انی عند عایشة ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اذ جاءھا عراقی فقال ای الکفن خیر۔ قالت ویحك وما یضرك۔ قال یا ام المؤمنین اربنی مصحفك قالت لم قال لعلی اُولف القرآن علیہ فانہ یقرا غیر مؤلف قالت وما یضرك ایة قرأت قبل انما نزل اول ما نزل منہ سورة من المفصل فیھا ذکر الجنة والنار حتّٰی اذا ثاب الناس الی الاسلام نزل الحلال والحرام ولو نزل اول شئ لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابدا ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابدا لقد نزل بمكة علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانی لجاریة العب بل الساعة موعدھم والساعة ادھی وامر وما نزلت سورة البقرة والنساء الا وانا عندہ قال فاخرجت لہ المصحف فاملت علیہ ای السور۔ اس حدیث کا ماحصل جہانتک ہمارے مضمون سے تعلق ہے یہ ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک شخص عراق سے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اپنے قرآن شریف کی مجھے زیارت کرائیں۔ حضرت ام المومنینؓ نے سوال کیا کہ تمھاری غرض اس سے کیا ہے؟ اس نے جواب میں گذارش کیا کہ قرآن شریف کی تلاوت میں کسی ترتیب کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اور میں آپکا قرآن اس لیے دیکھتا ہوں کہ میں اس مقدس کتاب کی صحیح ترتیب سے آگاہ ہو جاؤں۔ اسپر حضرت ام المومنین نے اسے ملامت کی اور کہا کہ اس میں کیا ہرج ہے کہ کوئی حصہ پہلے پڑھا جائے حقیقت میں اسکا جو حصہ پہلے نازل ہوا تھا وہ مفصل سورتوں میں سے ایک سورة تھی جس میں بہشت اور دوزخ کا مذکور تھا لیکن جب اسلام کا چرچا بڑھا اور لوگ داخل ہونے شروع ہوئے تو پھر جواز اور ممانعت کے احکام نازل ہونے لگے۔ اگر سب سے پہلے ہی حکم نازل ہوتا کہ شراب مت پیو تو لوگ کہتے کہ ہم شراب کبھی نہیں چھوڑیں گے اور اگر سب سے پہلے یہ نازل ہوتا کہ زنا مت کرو تو وہ انکار کرتے ۔۔۔۔ یہ باتیں

کرکے پھر حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا اپنا قرآن نکال لائیں اور بعض سورتوں کی آیتیں اسکو پڑھ کر سنائیں۔" اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ترتیب قرآن کے متعلق ایک عراقی نے حضرت عایشہ کے سامنے اپنا اعتراض پیش کیا۔ یہ شخص صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں سے نہ تھا اور نہ ہی کوئی دیر کا مسلمان تھا بلکہ ایک نو مسلم تھا جسے ابھی قرآن شریف سے چنداں واقفیت ہی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اسی حدیث میں حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا کا جواب بھی درج ہے۔ عراقی کی یہ بات کہ قرآن شریف کی کوئی ترتیب تلاوت میں ملحوظ نہیں رکھی جاتی محض ایک بیہودہ بات تھی اور اسکی نادانی کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ اسی لیے حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا اُسے ملامت کرنے پر مجبور ہوئیں۔ پھر اُسے اس بات کی ضرورت کو سمجھایا کہ کیوں ترتیب نزولی کے مطابق قرآن شریف نہیں لکھا گیا بلکہ اس سے مختلف ترتیب رکھی گئی۔ حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل نے یہ سوال کیا تھا کہ کیوں قرآن شریف نزولی ترتیب کے مطابق نہیں لکھا جاتا۔ کیونکہ حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے سوال کا جواب یہ دیا کہ اس میں کوئی ہرج کی بات نہیں کہ کوئی آیت جو پہلے نازل ہو چکی ہو کسی مابعد کی آیت کے پیچھے رکھی جائے۔ جو جلد قرآن شریف کی حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا نے اس عراقی کو دکھلائی تھی اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسکی ترتیب نزولی ترتیب سے مختلف تھی۔ اور یہ بات اس امر سے بھی زیادہ واضح ہوتی ہے کہ اپنی بات کی تائید میں حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا نے کئی سورتوں میں سے مختلف آیتیں اسکو پڑھ سنائیں۔ اور اتنی دیر تک اس کو سمجھاتی رہیں کہ اس عراقی کے ذہن نشین ہو کر اسکی خوب تسلی ہو گئی۔ اور حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا کے قرآن شریف کو دوسرے قرآنوں کے موافق پاکر الٹا خالی پھر گیا اور قرآن شریف ساتھ نہ لے گیا۔ کیونکہ اگر دوسرے مروجہ قرآنوں سے اسکی ترتیب مختلف ہوتی تو ضرور تھا کہ وہ شخص اس قرآن شریف کو ساتھ لے جاتا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب جسکا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ صرف ساری قرآن کی تلاوت کے موقع پر ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ اور نمازوں میں قرآن شریف پڑھنے کے وقت یا نمازوں کے باہر جب تھوڑا تھوڑا حصہ پڑھنا منظور ہوتا تھا تو اسوقت اس ترتیب کے لحاظ رکھنے کی چنداں ضرورت نہ سمجھی جاتی تھی۔ مثلاً نمازوں میں اس ترتیب کی نگہداشت کی ضرورت نہیں اگر ایک پہلی رکعت میں کوئی سورۃ یا کسی سورۃ کا کوئی حصہ پڑھا جائے[۱] بلکہ جہاں کہیں جس سورۃ یا سورۃ کے حصہ کو پڑھنے پر جی چاہے پڑھ لیا کرتے تھے۔ حدیثوں میں اس کی کثرت سے شہادت موجود ہے۔ اسی طرح دو یا دو سے زیادہ سورتیں کسی ایک رکعت میں پڑھ لی جاتی تھیں اور بعض حالات میں نمازوں میں پڑھنے کے لیے بعض سورتوں کو جمع کر لیا جاتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نمازوں میں عموماً بیس سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ جن میں اٹھارہ تو آخری منزل قرآن کی چھوٹی چھوٹی سورتیں تھیں جن کو مفصل کہتے ہیں۔ یہ مفصل سورتیں سورۃ قٓ سے شروع ہوتی ہیں۔ اور دو سورتیں حٰمٓ کی تھیں یعنی جو حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں یعنی تہجد کی دس رکعتوں میں یہ بیس سورتیں اس طرح پڑھا کرتے تھے کہ ہر رکعت میں دو دو سورتیں پڑھتے تھے۔

[۱] جو دوسری رکعت میں ہے اس بات کی پابندی نہیں کی جاتی تھی کہ وہ حصہ بلحاظ مصحف مسلسل طور پر پڑھا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص تالیف فرمائی تھی جو حضرت ابن مسعودؓ کے ذریعہ سے ہمارے تک محفوظ ہو کر پہنچی ہے اور جسکو تالیف ابن مسعود کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس تالیف کو قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اور نہ ہی اسپر ہمیشہ عملدرآمد کیا جاتا تھا۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اس ترتیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں ایک یا ایک سے زیادہ مرتبہ ان سورتوں کو پڑھا اور چونکہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نمازوں میں قرآن شریف کی معمولی ترتیب کو ملحوظ نہ رکھا کرتے تھے تو اس خاص تالیف سے اصل ترتیب قرآنی کی قدر و منزلت میں کچھ بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ اسکا ذکر ہی اس لیے کیا گیا کہ یہ اصل ترتیب سے علیحدہ تھی اور یہ علیحدہ ذکر قرآن شریف کی ترتیب معمولہ کے وثوق کی ایک اور شہادت کا کام دیتا ہے۔ نہ صرف تہجد کی نمازوں تک ہی یہ بات محدود تھی بلکہ عام نمازوں میں بھی سورتوں کی ترتیب معمولہ کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا جیسے مثلاً ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے قرآن شریف کی تیسری سورۃ یعنی سورۃ النسا پہلی رکعت میں پڑھی۔ اور دوسری رکعت میں دوسری سورۃ یعنی آل عمران پڑھی۔ اس واقعہ کے درج کتب ہونیکی بھی یہی وجہ ہے کہ اصل ترتیب سے اختلاف کی مثال محفوظ رہے۔ اس قسم کی بہت ساری مثالیں کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ اور چونکہ یہ امر لازمی نہ تھا کہ نمازوں میں قرأت کے وقت مسلمہ ترتیب کے موافق ہی قرآن کریم کی سورتیں پڑھی جائیں۔ اس لیے ان واقعات کے تحریر میں مقید اور محفوظ کیے جانیسے اس حقیقت کی تصدیق کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی سارے قرآن کی تلاوت کے وقت وہی ترتیب سور تمہائے قرآن کریم مروّج اور مستعمل تھی جسپر آجکل مسلمانوں کا عمل ہے ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ تالیف ابن مسعود کی بیس سورتیں جنہیں مفصل کہا جاتا ہے کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ اس بات کو دیکھکر بعض لوگوں نے بے سمجھی سے یہ خیال کر لیا ہے کہ گویا حضرت ابن مسعودؓ کے پاس جو نسخہ قرآن شریف کا تھا اس میں سورتوں کی ترتیب دوسرے نسخوں سے مختلف تھی۔ اس بات کی تائید میں صرف یہی ایک حدیث پیش کیجاتی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ اور جس میں بیس چھوٹی چھوٹی سورتوں کے نماز تہجد میں پڑھے جانے کی تالیف کا ذکر ہے۔ لیکن جب ہمیں اس بات کا ثبوت صاف صاف ملتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب مروجہ کا لحاظ نمازوں میں ضروری نہیں سمجھا گیا تھا تو اس شہادت کا کچھ اثر اصل ترتیب قرآنی پر نہیں پڑتا۔ اور اگر فرض محال کے طور پر اس بات کو مان بھی لیں کہ حضرت ابن مسعودؓ کا کسی اور ترتیب سور قرآنی پر عمل تھا۔ اور اسی اپنی ترتیب کے مطابق ہی انہوں نے اپنا قرآن شریف لکھا ہوا تھا۔ تو اس سے یہ بات نہیں پائی جاتی کہ انکی ترتیب ہی صحیح تھی۔ اور قرآن شریف حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پاس تھے اور عام طور پر مسلمانوں میں مروج تھے انہیں غلط ترتیب سے مدون [illegible] نہیں۔ اگر ابن مسعودؓ کی کوئی جدا ترتیب تھی تو وہ انہیں تک محدود رہی کسی صحابی نے اس کی طرف کبھی التفات ہی نہیں کیا۔ بلکہ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت نے اسی بات پر اتفاق کیا کہ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ نے جو نسخے قرآن کریم کے لکھوائے جو حضرت ابو بکر کے وقت میں جمع کیے ہوئے صحیفے سے نقل کیے گئے تھے وہ اس ترتیب کے مطابق تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ اور جس پر حضور ممدوح صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قرآن شریف کی نقلیں کرنے کا اہتمام کیا گیا تو اس اہتمام کو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ اور حضرت ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما وغیرہم جیسے اولوالعزم اور بلند شان قرآن دان صحابہؓ نے اپنے ذمہ لیا ہوا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس عالی خدمت کے لیے بارہ صحابی منتخب کیے جن کا مفصل ذکر آگے آئیگا۔ یہ وہ بزرگ منتخب کیے گئے تھے جو سارے مسلمانوں کی قوم میں قرآن فہمی اور قرآن دانی میں سب سے بڑھے ہوئے اور مسلم تھے۔ اور ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک اور منزہ تھے۔ ان دوازدہ بزرگوں نے نہایت احتیاط اور جانفشانی سے اس خدمت کو ادا کیا۔ وہ اس بات سے بے خبر نہ تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نمازوں میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ وہ اس بات سے پورے طور پر ماہر تھے کہ نمازوں میں قرآن شریف کی مروجہ اور مسلمہ ترتیب کی رعایت رکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں سورتوں کی ترتیب کا لحاظ نہ رکھتے تھے۔ ایسے بزرگوں کی یہ معظم اور مکرم جماعت جنکو قرآن دانی میں کمال دسترس رکھنے کی وجہ سے اس عظیم الشان خدمت کے لیے صحابہؓ کی متفقہ رائے سے انتخاب کیا گیا تھا انکی نسبت یہ گمان کرنا کہ جس بات کو حضرت ابن مسعودؓ جانتے تھے اس سے وہ بیخبر تھے۔ ایک نہایت ہی عبث بات ہے جو کسی عقلمند دماغ میں گنجایش نہیں پاسکتی اور طرفہ اسپر یہ کہ اس امر کے جاننے والے صرف اکیلے حضرت ابن مسعودؓ ہی ہوں۔ اور اتنی قوم صحابہؓ میں سے ایک بھی انکی تائید یا تصدیق کرنیوالا نہ ہو۔ البتہ اگر سورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب نہ کرجاتے اور انکی ترتیب شخصی اختیار پر چھوڑی جاتی تو اس حال میں اس قیاس کو جگہ ہو سکتی تھی کہ وہ ترتیب جو بزعم معترضین حضرت ابن مسعودؓ نے کی تھی اسکی صحت اور عدم صحت پر غور کیا جائے اور اس بات کو بھی پیش کیا جاسکتا تھا کہ انکی ترتیب دوسرے صحابہؓ کی ترتیب کی نسبت صحیح ہے یا کہ انکی ہی صحیح ترتیب ہے اور دوسری ترتیب صحیح نہیں۔ لیکن اس قضیہ کا فیصلہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ہونا تھا۔ نہ کہ شخصی آرا پر۔ اب اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ مذکورہ بالا تالیف ابن مسعودؓ سے علاوہ حضرت ابن مسعودؓ نے قرآن شریف کی باقی سورتوں کو کسی اور طریق سے ترتیب دیا تھا۔ اور ان چند سورتوں میں بھی انہوں نے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد کی نمازوں میں پڑھتے خیال کر لیا کہ یہ بھی صحیح ترتیب ہے مگر یہ خیال انکا غلط تھا نہ تو یہ ہی ثابت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کو تحقیق ہی کیا اور نہ کسی اور صحابی سے ہی پوچھا۔ صرف اپنے خیال کو دخل دیکر ایک بات کا یکطرفہ فیصلہ کر لیا۔ اور اسی لیے انکے نام سے ہی یہ تالیف منسوب ہے۔ لیکن اس قیاس کو جگہ دینے میں انہوں نے غلطی کھائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو نمازوں میں سورتوں کی معینہ ترتیب کی رعایت نہ رکھتے تھے اور صحابہ کبارؓ اس بات سے بہت اچھی طرح واقف تھے کہ نمازوں میں

جس ترتیب سے قرآن شریف کی سورتیں پڑھی جاتی ہیں وہ صحیح ترتیب قرآنی نہیں۔ انہیں بزرگوں کی روایت سے ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں کسی سورۃ کا کوئی حصہ پڑھ لیا کرتے تھے اور پھر اسکے بعد کی دوسری رکعت میں کسی اور سورۃ کا کوئی حصہ پڑھ لیتے تھے۔ اور اس بات کا مضایقہ نہیں رکھا جاتا تھا کہ پچھلی رکعت میں جو سورۃ یا اسکا حصہ پڑھا جاتا وہ اصل ترتیب آنی کے موجب پہلی رکعت میں پڑھے ہوئے حصہ سے آگے کا حصہ ہوتا یا پیچھے کا۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ کسی صحابی نے جب کسی مسجد میں نماز میں امامت کی اور اس نے پہلی رکعت میں پہلے سورۃ اخلاص پڑھی اور پھر کوئی اور سورۃ پڑھی اور یہ ماجرا آنحضرت صلعم کے حضور پہنچا تو آپ خاموش رہے اور اسپر کوئی اعتراض نہ کیا۔ انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ جمعہ کے روز صبح کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سورۃ السجدہ جو بتیسویں سورۃ ہے اور دوسری میں الدہر جو چھہتر ویں سورۃ ہے پڑھا کرتے تھے۔ اس سے یہ تو نہیں پایا جاتا کہ ایک سورۃ کے بعد دوسری رکعت میں وہی سورۃ پڑھی جائے جو ترتیب مسلمہ کے سلسلہ میں اُس سے آگے آتی ہے۔ وہ بزرگ لوگ خدا انپر بیحد رحمت کی بارش برساوے اصل ترتیب قرآنی سے واقف تھے۔ اور اسی پر انکا عمل تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کسی ایسی تالیف پر ایک جدا ترتیب کی بنا رکھدی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض وقت کی نمازوں میں ظاہر ہوئی۔ انہوں نے اپنے فیصلہ کی اسکو بنا ٹھہرانے میں سخت غلطی کھائی۔ لیکن عام اصولی لحاظ سے انکی ترتیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرآن کی ترتیب سے کچھ چنداں مختلف نہ تھی جیسے حضرت عثمانؓ کے قرآن میں طوال یعنی لمبی سورتیں ابتدا میں لکھی ہوئی تھیں اسی طرح انہوں نے بھی انکو پہلے ہی لکھا ہوا تھا البتہ اتنا فرق بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے سورۃ النسار کو سورۃ آل عمران سے پہلے رکھا تھا۔ گویا تیسری سورۃ کو چوتھی اور چوتھی کو تیسرے نمبر پر لکھا۔ اب یہ بھی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سورۃ نسار کو آل عمران سے پہلے پڑھا تھا سو غالباً اسی سے حضرت ابن مسعودؓ نے رائے قایم کرلی ہوگی۔ اب صرف یہی دو اختلاف ہیں جو انکی ترتیب میں پائے جاتے ہیں جنپر معترض شور مچاتے ہیں یا اگر کوئی اور اختلاف ہوگا تو وہ بھی اسی قسم کا ہوگا۔ پس یہ ایسی غلطی ہے کہ جو یا تو حضرت ابن مسعودؓ کی طرف منسوب کیجا سکتی ہے اور یا اس کے ذمہ وار وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس بات کو فرض کرلیا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب جو حضرت ابن مسعودؓ نے کی تھی وہ ان دو باتوں میں اس اصل ترتیب قرآنی سے مختلف تھی جو باضابطہ اور مستند طور پر امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھواکر مسلمانوں میں شایع کی تھی۔ حقیقت میں اگر دیکھا جائے کہ ترتیب کے متعلق اس قسم کا اختلاف ہوا اور اس اختلاف پر بحث وتنقید بھی ہوئی اور پھر وہی ایک ترتیب جاری وساری ہوئی جو آجتک مسلمانوں میں مروج ہے تو اس سے اس بات کے ثبوت پر اور بھی

اور بھی زیادہ روشنی پڑتی ہے کہ وہی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی جو حضرت عثمانؓ کے صحیفوں میں ملحوظ رکھی گئی۔ اصول میں تو حضرت ابن مسعودؓ اور دوسرے صحابی رضی اللہ عنہم باہم متفق ہیں۔ اور جو اختلاف ہوا وہ حضرت ابن مسعودؓ کے قیاس کی غلطی سے پیدا ہوا۔ اگر حضرت ابن مسعودؓ کی ترتیب میں کوئی اختلاف تھا تو وہ صرف اسی وجہ سے تھا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض نمازوں میں قرآن شریف کی سورتیں کسی اور ترتیب سے پڑھتے دیکھکر انپر اپنی رائے کو محصور کر لیا۔ شاید انہوں نے نظر عمیق اور غور و تحقیق سے اس بات کو نہ دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح بعض نمازوں میں سورتیں پڑھتے سُنکر انہوں نے گمان کر لیا کہ شاید ان چند سورتوں کی ترتیب ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدل دی ہے۔ لیکن دوسرے تمام صحابہ اس بات کو جانتے تھے کہ نمازوں میں ترتیب اصلی کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں تھا۔ ہم آجکل یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر قرآنی سورتوں کی ترتیب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل نہیں کی تھی تو پھر حضرت ابن مسعودؓ کو کیا ہو گیا تھا کہ انہوں نے بھی اسی ترتیب کو مان کر اسپر عمل شروع کر دیا جو حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہؓ کے زیر عمل تھی؟ ۱۱۴ سورتوں کی ترتیب میں اس طرح سے انکا اتفاق بجز اس صورت کے کبھی ممکن نہ تھا کہ وہ دونوں صرف اس ایک ہی شخص کی ہدایت پر کاربند ہوتے جس نے سورتوں کو ترتیب دیا تھا۔ اور ایسی سند جسپر دونوں بزرگ متفق ہو سکتے تھے وہ صرف ذات مبارک حضرت سرور کائنات صلعم تھی۔ لیکن جہانتک تحقیقات صحیحہ کا دائرہ وسیع ہوتا ہے ہم اس بات کے ماننے پر زیادہ زور سے مجبور ہو جاتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے کسی ترتیب خلاف ترتیب نبوی پر عمل نہیں کیا۔ اور جس ترتیب کی طرف معترض اشارہ کرتے ہیں وہ بھی معنوی اور حقیقی طور پر ترتیب نبوی کے موافق تھی۔ ہم ایسی باتیں قیاسات کی بنا پر نہیں لکھتے بلکہ ہمارے ہاتھ میں بدیہی ثبوت موجود ہیں۔ جیسے حضرت امام بخاریؒ نے ایک حدیث کو نقل کیا ہے جس میں ابن مسعودؓ نے سورۃ بنی اسرائیل۔ الکہف طٰہٰ مریم۔ اور انبیاء کو درمیان قرآن شریف میں ٹھیک اسی ترتیب سے بیان فرمایا جس ترتیب سے یہ سورتیں اصل ترتیب قرآنی میں واقع ہیں۔ اس قسم کی شہادتوں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضرات ابن مسعود اور عثمان رضی اللہ عنہما کے نسخوں کی ترتیب ایک ہی تھی۔ اور اگر فرض کے طور پر کسی اختلاف کو بھی مانا جائے تو وہ اختلاف نہایت ہی خفیف اور چھوٹا سا تھا۔ اور اسکی وجہ صرف حضرت ابن مسعودؓ کی غلط فہمی تھی۔

ایسے لوگ جو قرآن شریف کی موجودہ اور مسلمہ ترتیب پر حملہ کرنے کے شایق ہیں انہوں نے صرف حضرت ابن مسعودؓ کا نام ہی نہیں لیا۔ بلکہ اس اختلاف کو ثابت کرنیکے لیے دو اور بزرگوں کا نام نامی بھی لیتے ہیں۔ ان دو بزرگوں میں ایک تو حضرت ابی بن کعب اور دوسرے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ حضرت ابی بن کعب کو انہوں نے مفت میں اس ذیل میں لا ڈالا ہے کیونکہ کسی طرح سے اعتبار کے قابل شہادت موجود نہیں جس سے اس امر کا ادنیٰ سا ثبوت بھی مل سکے کہ وہ کسی مختلف ترتیب کے قایل اور عامل تھے۔ انکی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ چوتھی سورۃ یعنی النساء کی جگہ آل عمران کو جو تیسری سورۃ ہے رکھتے تھے۔ اور تیسری کی جگہ چوتھی رکھتے تھے۔ اگر یہی اختلاف تھا تو یہ نہایت خفیف سی بات تھی۔ اور ممکن ہے کہ انہوں نے بھی حضرت ابن مسعودؓ کی طرح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازوں میں پڑھتے سُنکر ایسا سمجھ لیا ہو۔ لیکن ہم آگے چلکر ثابت کریں گے کہ حضرت ابی بن کعب اس اختلاف کے مرتکب نہیں ہوئے۔ اور اگر کبھی انہوں نے اس قسم کا اختلاف کیا بھی تھا تو واقعات پر مطلع ہوتے ہی وہ اس پر قایم نہ رہے اور اپنے ہی عمل سے ثابت کر دیا کہ ترتیب نبوی وہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صحیفوں میں ملحوظ رکھی گئی۔ ایسا ہی حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے قرآن شریف کو نزولی ترتیب کے موافق جمع کیا تھا چنانچہ اسکی تائید میں ایک حدیث پیش کیجاتی ہے جس میں انکا قول اس مضمون کا نقل کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہوں نے اسوقت تک آرام نہ کیا تھا جبتک کہ سارے قرآن شریف کی سورتوں کو تاریخی یعنی نزولی ترتیب دیکر جمع نہ کر لیا۔ لیکن یہ حدیث مجروح ہے۔ کیونکہ باوجودیکہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سریر خلافت پر بھی رونق افروز ہوگئے پر کوئی ایسا قرآن جسکا اس حدیث میں ذکر ہے نہ شایع ہوا اور آیندہ نسلوں کے ہاتھوں میں نہ پہنچایا گیا اسکے علاوہ صحیح احادیث جن کا اعتبار بہرحال اس حدیث سے بہت زیادہ ہے انسے اس واقعہ کی صحت کے خلاف ثبوت ملتا ہے۔ فتح الباری کے صفحہ ۱۰ پر خود حضرت علیؓ کی روایت سے ایک حدیث درج ہے عن عبد خیر قال سمعت علیا یقول اعظم الناس فی المصاحف اجرا ابو بکر رحمۃ اللہ علی ابی بکر ھو اول من جمع کتاب اللہ۔ یعنی قرآن شریف کے جمع کرنیوالوں میں سب سے بڑے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن جمع کیا" ایک طرف وہ حدیث جس میں یہ لکھا ہے کہ بعد وفات حضرت سرور کائنات صلعم حضرت علیؓ کو اسوقت تک چین نہ آیا جب تک انہوں نے قرآن جمع نہ کر لیا اور دوسری طرف یہ حدیث حضرت علیؓ کی اپنی روایت سے اسکی تردید کرتی ہے کیونکہ اسکے رو سے ابو بکر صدیقؓ ہی ایک شخص تھے جنہوں نے سب سے پہلے قرآن کریم کو جمع کیا۔ اور یہ حدیث اپنے ثبوت میں اکیلی نہیں بلکہ دوسرے تاریخی واقعات اسکے مؤید اور مصدّق ہیں۔ جن میں ایک بات تو یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی کسی دوسری ترتیب کا نہ ذکر ہی کیا اور نہ ہی موجودہ اور مسلمہ ترتیب سے مختلف ترتیب والا قرآن کسی سے قبول ہی کیا۔ لیکن اس کے ماسوا بھی ایک اور ایسی بردست بات ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو حضرت علی اور نہ حضرت ابی رضی اللہ عنہما اس ترتیب سے مخالف کسی دوسری ترتیب پر عملدرآمد رکھتے تھے جو حضرت عثمانؓ کے صحیفوں میں ملحوظ رکھی گئی تھی کیونکہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں بزرگوں کی سرپرستی میں قرآن کریم کی نقلوں کا کام بعہد خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سرانجام پایا تھا۔ اور اسوقت انکو اس کام میں حضرت عثمانؓ کے برابر دسترس حاصل تھی اور جسطرح انہوں نے ہمکو موجودہ قرآن مجید پہنچایا اسی طرح اگر کوئی اور ترتیب ان کے خیال میں ہوتی تو بجائے اس کے اسکو بآسانی ہم تک پہنچا سکتے تھے۔ اور کوئی مانع نہ تھا۔

اس موقعہ پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث پر نظر ڈالی جاوے جو قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب کے متعلق برعکس نتایج کے ساتھ پیش کیجاتی ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے عن ابن عباس قال قلت لعثمان ما حملکم علی ان عمدتم الی الانفال وھی من المثانی والی براءۃ وھی من المئین فقرنتم بھما و لم تکتبوا بینھما سطر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و وضعتموھما فی السبع الطوال فقال عثمان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ما ینزل علیہ السورۃ ذات العدد فاذا نزل علیہ الشئ یعنی منھا دعا بعض من کان یکتب فیقول ضعوا ھؤلاء الآیات فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکانت الانفال من اوائل ما نزل بالمدینۃ وبراءۃ من اخر القراٰن وکان قصتھا شبیھۃ بھا فظننت انھا منھا فقبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یبین لنا انھا منھا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ”میں نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ آپ نے کیوں سورۃ انفال کو سورۃ برات کے ساتھ ایسے متصل طور سے لکھا ہے کہ انکے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہی نہیں۔ اور اس طرح ان دونوں سورتوں کو سات لمبی سورتوں میں شامل کر دیا ہے۔ اسپر حضرت عثمانؓ نے جواب میں فرمایا کہ آنحضرت صلعم کی عادت تھی کہ جب بہت سورتیں اپر نازل ہوتیں اور انمیں کی کسی سورۃ کی آیت کا نزول ہوتا تو کسی کاتب وحی کو بلوا لیتے اور اُسکو حکم دیتے کہ وہ آیت فلاں سورۃ کی فلاں موقع پر لکھ دے۔ سورۃ انفال مدینہ میں ابتدائی زمانہ میں حضور صلعم پر نازل ہوئی تھی اور برات کا نزول آخری زمانہ میں ہوا تھا۔ اور ان دونوں کا مضمون باہم متوافق اور ملتا جلتا تھا۔ اس لیے میں نے یہ یقین کیا کہ دوسری سورۃ پہلی سورۃ میں سے ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم وفات پا گئے اور انہوں نے ہمیں واضح طور سے یہ نہ فرمایا تھا کہ یہ سورۃ اسی میں سے ہے۔“

بعض لوگ غلط فہمی سے اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ گویا جمع اور ترتیب قرآن حضرت عثمانؓ نے اپنے اختیار اور سمجھ کے موافق کی ہے۔ اور اس لیے اس حدیث کو اس دعوے کی تائید میں بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس سے قطعاً یہ بات مستنبط نہیں ہوتی کہ حضرت عثمانؓ کی رائے کو ترتیب قرآنی میں کوئی دخل تھا۔ بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی آیات کی طرح سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے کی ہوئی تھی اور اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ کی وہ کمال درجہ کی احتیاط ثابت ہوتی ہے کہ جس سے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے فرمان اور عمل کو نہایت امانت کے ساتھ اس کام میں برتا۔ حالانکہ ساری سورتوں کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کا عام طور پر قاعدہ تھا مگر اس سورۃ کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پاکر اپنی رائے کو اتنا بھی دخل نہ دیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی اسپر لکھ دیتے۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ اس میں ذکر کردہ واقعہ کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک لفظ اور ایک ایک سورۃ کے متعلق واضح طور سے حکم دیدیا ہوا تھا کہ اسکو فلاں موقعہ پر قرآن میں رکھا جائے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ربط وضبط عبارت اور سیاق وسباق مضمون کے لحاظ سے قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب فرمائی تھی۔ اور نوعیت مضمون میں ہم رنگی کے لحاظ سے ہی سورۃ انفال اور براءۃ کو ایک دوسرے سے ایسا متصل رکھا گیا تھا۔ درحقیقت اگر سورۃ براءۃ کے معاملہ کو علیحدہ رکھکر غور کیا جائے تو اس حدیث سے نہ صرف صاف طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ہر آیت کی نسبت کھلے طور پر حکم دیا تھا کہ اسکو کس موقعہ پر رکھا جائے۔ بلکہ آپ صلعم نے

صحابہ کبارؓ کو ہر ایک سورۃ کا موقعہ اور ترتیب بھی کھلے طور سے بتا دیے تھے۔ اور یہ بھی عیاں کر دیا کہ کونسی سورۃ کس سورۃ کے بعد لکھنی چاہیئے۔ اور آپ ہی نے ربط مضمون کے لحاظ سے سورتوں کی ترتیب کی تھی۔

اب ہم اس حدیث کے اُس حصہ پر غور کرتے ہیں جو ان دونوں سورتوں کے متعلق ہے اور یہ دیکھتے ہیں کہ کیا اس سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے انکی ترتیب کے متعلق مطلقاً کچھ نہیں فرمایا تھا؟ یہ امر ثابت ہے کہ سورۃ براءۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال پہلے نازل ہو چکی تھی اس لیے یہ کہنا کہ آپ کو اسکا موقعہ بتانیکی مہلت نہ مل سکتی تھی غلط قرار پاتا ہے اصل واقعہ یہی ہے کہ آنحضرت صلعم کی اپنی منشا ہی ایسی تھی کہ ان دونوں سورتوں کو ایک دوسری کے ساتھ اسی طرح متصل رکھا جاوے اور انکے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو ہر سورۃ کے پہلے لکھی جاتی تھی نہ لکھی جائے۔ یہ دونوں سورتیں گو بظاہر الگ الگ رکھی گئی ہیں اور دو مختلف ناموں سے موسوم ہیں۔ لیکن ایک طرح سے یہ دو حصے ایک ہی سورۃ کے ہیں۔ سورۃ براءۃ کی پہلی انہی آیات کا حج کے موقعہ پر جو لوگ جمع ہوئے تھے انہیں اعلان کیا گیا تھا۔ اس طرح سے براءۃ ایک جدا سورۃ بھی ہو گئی۔ اس لیے آنحضرت صلعم نے کبھی کسی وقت کھولکر صحابہؓ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ سورۃ براءۃ سورۃ انفال کا حصہ ہے۔ اور دوسری طرف کبھی اسپر بسم اللہ بھی نہیں پڑھی۔ کیونکہ مضمون کے ہمرنگ ہونیکی وجہ سے گویا یہ اور سورۃ انفال ایک ہی سورۃ کے قائم مقام تھیں یہی واقعات ہیں جو کچھ حضرت عثمانؓ نے تشریح کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے بیان کیا۔ اور یہ سمجھایا کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے متعلق فرمایا و عمل کیا اسی طرح ہم عمل کرتے ہیں۔

ان تمام حالات اور واقعات سے یہ بات ایسے یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ جس سے انکار ممکن نہیں کہ قرآن شریف کی سورتوں کی تقسیم اور ہر سورۃ میں آیتوں کی ترتیب آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی کی تھی۔ اگرچہ جس قدر شہادت بیان ہو چکی ہے وہ اس امر کے ثبوت میں کافی سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن اس کی تائید میں اندرونی شہادت کا بہت بڑا ذخیرہ اس کے سوا بھی موجود ہے۔ جس طرح کہ ہر آیت کا دوسری آیت سے تعلق اور ربط ہے اسی طرح سورتیں بھی ربط اور تعلق مضمون کے سلک میں باہم منسلک ہیں۔ لیکن چونکہ یہ بذات خود ایک لمبا مضمون ہے اور علیحدہ بحث چاہتا ہے اسلیے ہم اسکو اس جگہ نہیں چھیڑتے۔ البتہ اس موقعہ پر یہ اعتراض پیدا ہو گا کہ جس حال میں قرآن شریف کامل طور پر آنحضرت صلعم کی حیات میں ہی قید تحریر اور الواح حافظہ پر محفوظ اور مضبوط ہو چکا تھا۔ اور اگر اس کی آیات اور سورتوں کی ترتیب اور تنظیم آپ (صلعم) ہی نے کر دی تھی تو پھر حضرات ابوبکر یا عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں اس کے جمع کرنیکے کیا معنے ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب ہم اگلے رسالہ میں دیں گے۔

بابی یا بہائی مذہب (۱)

ہماری اکثر ناظرین اس بات سے آگاہ ہوں گے کہ ملک ایران میں ایک نیا مذہبی سلسلہ نکلا ہوا ہے جو بابی یا بہائی مذہب کے نام سے موسوم ہے۔ مگر اکثر مسلمانوں نے غلط فہمی سے اس مذہب کو بھی اسلام ہی کے دائرہ کے اندر سمجھ لیا ہوا ہے جسکی وجہ صرف یہ ہے کہ اس مذہب کے مشنریوں نے عوام الناس کو دھوکہ میں ڈالنے کے لیے عجیب نفاق اور دورنگی کی طرز اختیار کی ہوئی ہے۔ انکی اصل حالت یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں جاتے ہیں تو وہاں انہیں اپنے حال و قال کو مسلمانوں کا سا ظاہر کرتے ہیں اور انکے سامنے شعار اسلامی ادا کرتے ہیں۔ اور اس بھیس میں ہوکر اُن لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں اور اپنی مخفی تعلیمات کو ایسے طریق سے لوگوں کے دلوں میں جانشین کرتے ہیں کہ وہ معلوم ہی نہیں کر سکتے۔ لیکن جب سے بہائی مشنری لوگ مغربی ممالک میں پہنچے ہیں تو انہوں نے یہ دیکھکر کہ وہ طرز جسپر اسلامی ملکوں میں وہ عمل کرتے ہیں وہاں کچھ سود بخش نہیں ہوسکتی اور لوگوں کو دام میں لانیکے قابل نہیں ایک اور ہی طریق اختیار کیا ہے۔ وہاں وہ عیسائیوں میں اس سلسلہ کو مؤثر بنانیکے خیال سے عیسائیوں کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔ اور علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہمارے سلسلہ کو اسلام سے کوئی تعلق اور سروکار نہیں۔ لیکن جہاں کہیں مشرقی ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ انکو سابقہ پڑتا ہے وہاں ابتک برابر یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے ایسے پیرایہ میں بابی مذہب کا ذکر کرتے ہیں جس سے یہ سمجھا جائے کہ بابی مذہب صرف اسلام ہی کی ایک شاخ ہے۔ اور طرفہ یہ کہ ظاہر میں تو مسلمانوں کو اپنا گرویدہ بنانیکے لیے انکے مطاع اور مخدوم حضرت سرور کائنات صلعم کی بہت تعظیم و تکریم دکھاتے ہیں لیکن اس بھیس میں دراصل انکی غرض اسلام کے اصولی مسائل کی بیخ اُکھاڑنا ہوتی ہے۔ چنانچہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ایک بابی یہاں بھی آیا تھا اور وہ کئی دن تک برابر نمازیں اور جمعہ ہمارے ساتھ پڑھتا رہا۔ حقیقت میں یہ ایک منافقانہ سلسلہ ہے جس میں حقیقی اور اصلی مسائل سے لوگوں کو عام طور پر بے خبر رکھا جاتا ہے اور اہم مذہبی تالیفات کو پبلک کی نظر سے مخفی رکھنے میں سعی بلیغ کیجاتی ہے۔ اور اسکے مشنری مسلمانوں میں مسلمان بنکر بود و باش رکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسا دھوکہ دینے والا طریق ہے جس سے کھلے طور پر عقاید اور مسائل کی تبلیغ کی نسبت بہت زیادہ لوگ اس دام میں پھنس جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ باب اور بہاء اللہ کی سوانحعمری بہت مختصر طور پر لکھکر انکی تعلیمات پر غور کریں اور اُن امور پر بحث کریں جو انکی مشن کی تائید میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اور اس مذہب کے آغاز کے اسباب کا کچھ ذکر کریں۔ واضح رہے کہ اصل بانی اس مذہب کا ایک شخص محمد علی باب نامی ہوا ہے۔ جس نے اپنے نام سے اس مذہب کو نسبت دیکر بابی مذہب اس کا نام رکھا۔ پھر اس کے بعد اُسکا ایک خلیفہ جانشین ہوا جس نے اپنا نام بہاء اللہ اختیار کیا۔ اور اس سلسلہ کا دوسرا نام اس شخص کے نام سے منسوب ہوکر بہائی مذہب ہوگیا۔ پہلے پہل تو عرصہ تک اس مذہب کے ماننے والے بابی کہلانا

اپنا فخر سمجھتے تھے لیکن آجکل کے زمانہ میں وہ لوگ بہائی کہلانے کو ہی پسند کرتے ہیں۔ گویا انکے نزدیک باب کے سلسلہ پر بہاءاللہ کا سلسلہ غالب آگیا ہے۔ اسجگہ ہم ان کے مختصر حالات ناظرین کی اطلاع کے لیے لکھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں اس مذہب کے بانی کا نام میرزا علی محمد تھا۔ جو شہر شیراز ملک ایران کا رہنے والا ایک تاجر کا بیٹا تھا۔ اسکے سن ولادت کی نسبت اختلاف ہے۔ کونٹ گوبینو کی تحقیقات کے مطابق اسکی پیدایش کا سال ۱۸۲۴ء ہے۔ لیکن خود بابیوں کی بعض تحریروں کے مطابق اسکی پیدایش ۱۸۱۹ء میں ہوئی تھی۔ اس بات کو ہمارے ناظرین اچھی طرح جانتے ہیں کہ شیعہ مذہب اسلام کا ایک فرقہ ہے اور اب ملک ایران اس مذہب کا گھر ہو رہا ہے۔ اہل تشیع حضرت علی خلیفہ چہارم کی خاص طور پر تکریم کرتے ہیں اور انکی خاص تقدیس وعصمت کے قایل ہیں۔ اور اُن کی اولاد کے بارہ بزرگوں کو علی الاطلاق معصوم مانتے ہیں۔ ان لوگوں کا مذہب ہے کہ انمیں سے گیارہ امام تو انسانوں کی طرح زندگی بسر کرکے دنیا سے گذر چکے ہیں لیکن بارھواں امام جسکا نام امام مہدی ہے اور جو کئی صدیوں سے پیدا ہو چکا ہے وہ کسی غار میں اسوقت زندہ چھپا ہوا ہے۔ وہ آخری دنوں میں نکلے گا اور شیعہ مذہب کو ساری دنیا میں پھیلائے گا۔ شیعہ مذہب کے بھی کئی فرقے بنے ہوئے ہیں جن میں ایک غالی فرقہ شیخی کے نام سے مشہور ہے۔ اس فرقہ کے بانی کا نام شیخ احمد تھا اور اس نے انتہائی درجہ کا غلو اس مذہب کے لوگوں میں پھیلایا علی محمد باب نہ صرف شیعہ ہی تھا بلکہ اس نے سید کاظم رشتی کی مریدی بھی اختیار کی ہوئی تھی جو اُن دنوں میں فرقہ شیخی کا پیشوا تھا۔ اس فرقہ میں دوسرے شیعہ فرقوں کی نسبت خصوصیت یہ ہے کہ اس فرقہ کے لوگ امام مہدی معہود کی تعظیم کرنے میں حد و نہایت سے بڑھے ہوئے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انکے منتظر امام مہدی اور مومنین کے درمیان ہمیشہ ایک شخص ایسا ضرور ہوتا ہے جو دونوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ جب سید کاظم فوت ہونے لگا تو اُس نے اپنی جانشینی کے لیے کسی شخص کے حق میں فیصلہ نہ کیا اور صرف اتنا کہکر ہی چلدیا کہ حق خود ہی ظاہر ہو جائیگا۔ علی محمد بڑا ہشیار آدمی تھا اُس نے اپنے پیر سید کاظم کے ان مبہم الفاظ کو لیکر انسے یہ فایدہ اُٹھایا کہ اپنا ایک سلسلہ قایم کر لیا اور ان الفاظ کو پیش کرکے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنیکا عجیب رستہ نکال لیا۔ اور پھر ایسے ہی لفظ جو علی محمد باب نے کہے بہاءاللہ کے ہاتھ آکر اسکے دعاوی کی بنیاد اور مؤید بن گئے۔ سید کاظم کی وفات کے موقعہ پر علی محمد شیراز میں تھا۔ اسکی موت کے تھوڑے دنوں بعد ملاحسین نامی اس کے پاس پہنچا۔ یہ ملاحسین بھی سید کاظم کا مرید اور علی محمد کا پیر بھائی تھا اور اس فرقہ میں ایک بڑا با رسوخ آدمی تھا۔ جب دونوں باہم ملکر اپنے مرشد کے حالات اور اسکی وفات کا ذکر کر رہے تھے تو اُسی گفتگو کی اثناء میں علی محمد نے اپنا دعویٰ پیش کر دیا کہ دراصل "حق" سے مراد سید کاظم مرحوم کی میرا ظہور ہی تھا اور وہ وسیلہ جسکے واسطے سے امام مہدی کے ساتھ لوگوں کا تعلق قایم ہو سکتا ہے وہ باب ہے اور باب میں ہی ہوں۔ یہ امر واضح طور پر کھل نہیں سکا کہ اس دعوے کا اعلان کرنیکے ابتدائی زمانہ میں علی محمد اپنے فرقہ شیخی کے عقاید سے کسقدر تجاوز اور بُعد اختیار کیا۔ لیکن جب یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ اس فرقہ کے اکثر لوگوں نے اسے بلاقیل وقال اپنا پیشوا تسلیم کر لیا۔ تو پھر یہ گمان غالب یقین کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ ابتدا میں اس نے فرقہ شیخی کے عقاید سے کچھ

انحراف نہ کیا تھا اور اگر کوئی اختلاف کیا بھی تھا تو وہ ایسا خفیف تھا کہ جو اُن لوگوں کو محسوس نہ ہو سکا۔ اسمیں کلام نہیں کہ علی محمد جیسا کہ موقعہ گیری میں ہشیار تھا ویسے ہی طلاقت لسان اور فصاحت بیان مین بھی ید طولی رکھتا تھا۔ چنانچہ اسکی جادو بیانی کا پہلا کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ ملا حسین نے اس دعوے کو وہیں تسلیم کر لیا۔ فرقہ شیخی میں ملا حسین بڑی وجاہت اور رسوخ رکھتا تھا اور اپنی قوم کی متفقہ تعظیم و تکریم پر ایسی ملکیت رکھتا تھا کہ سارے لوگ سید کاظم کی خلافت کے لیے اسی پر آنکھ رکھے ہوئے تھے۔ لیکن جب اسی شخص نے علی محمد کے دعوے کو مان لیا۔ اور اسکے سلسلہ میں داخل ہونیمیں سبقت کر دی تو پھر اسکی دیکھا دیکھی سارا فرقہ کا فرقہ ہی علی محمد کی طرف اُمڈ پڑا۔ اور جوق در جوق لوگ اسکی مریدی میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ چونکہ علی محمد کو فرقہ شیخی نے باب مان لیا تھا اور عام طور پر اسکو باب کے نام سے مخاطب کیا جانا شروع ہو گیا اس لیے ہم آیندہ جہاں باب کا ذکر کریں گے اس سے مراد مرزا علی محمد باب ہی ہوگا۔ باب کی ہشیاری اور زمانہ فہمی نے یہیں تک اسکو چین نہ لینے دیا۔ بلکہ رفتہ رفتہ وہ اپنے مورث کے عقاید سے قوم کو پرے لیجاتا رہا اور بڑھتے بڑھتے بڑے بڑے دعووں کو اپنی خواہشات کے پرواز کا آماج گاہ بنایا۔ چنانچہ باب سے بڑھکر اس نے یہ ظاہر کیا کہ میں "نقطہ" ہوں۔ اس سے اسکی مراد یہ تھی کہ میں وہ نقطہ ہوں جس میں مجھسے پہلے کے سارے سلسلے جمع ہو گئے ہیں۔ درحقیقت باب کے دعوے ایسے مہمل سے ہیں کہ دیوانوں کی بڑسے زیادہ کچھ بھی انہیں سے سمجھا نہیں جا سکتا۔ اور اس لیے کوئی معین اور نتیجہ خیز بات انسے سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ پھر یہ کہ جو مصطلحات انہوں نے اختیار کیے ہوئے ہیں وہ خود وضاحت اور فہم کے دشمن ہیں۔ حال میں ایک عورت مسماۃ ایزابیلا ڈی برننگھم نے ایک رسالہ "مکاشفات بہاء اللہ" کے مضمون پر شایع کیا ہے۔ اس رسالہ میں جو دعوے باب کی طرف اس مصنفہ نے منسوب کیے ہیں انکو ذیل میں لکھا جاتا ہے "باب کے وجود سے اسلامی پیشگوئی جو بارھویں امام کے "واپس آنیکے" متعلق تھی پوری ہوئی۔ اسی طرح زردشتوں کے ہاں جو پیشگوئی مشہور ہے کہ "جب تین برگزیدے ظاہر ہونگے تو زمانہ جدید کی صبح ہوگی" وہ پیشگوئی بھی باب کے آنیسے پوری ہوئی۔ "باب ہی اسرائیلی ایلیا تھا۔ ایلیا کے روحانی معنے ہیں اور ایک مشن کی علامت اور پیشرو کا پیغام ہے۔" "باب ہی کے آنیسے عیسائیوں کے ہاں کی "اس فرشتہ" والی پیشگوئی پوری ہوئی۔ جو نرسنگے کی آواز کے ساتھ ابن آدم کے آنیسے پہلے آئیگا۔ نرسنگے کی آواز سے مراد وہ بروزی کلام تھا جو باب کے ذریعہ سے بولا گیا۔" غرض کچھ تو باب کے دعووں میں تعلی تھی ہی لیکن بمصداق مریدان مے پرانند۔ اسکے مریدوں نے سارے جہان کے سلسلوں کی پیشگوئیوں کا مصداق بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ باب کے اپنے ہی دعوے اور کلام ایسے مجمل اور بے معنی ہیں کہ کسی پیشگوئی مزعومہ کا پورا ہونا اسکی ذات سے قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ ایک طرف یہ ابہام اور دوسری طرف اپنے قیاسی مکاشفات کو لوگوں کی نظروں سے مخفی رکھنے میں جہد بلیغ کام میں لائی جاتی ہے چنانچہ اس سلسلہ کی سب سے اہم کتاب بیان ہے جسکو بابی لوگ باب کی الہامی کتاب سمجھتے ہیں۔ یہ کتاب آج تک بابیوں کے سوا کسی کو دکھائی نہیں جاتی۔ بلکہ بابیوں میں بھی اُنہیں لوگوں کو دکھائی جاتی ہے جو انکے نزدیک منتخب اور انکی طرز پر قابل اعتبار لوگ ہیں۔ جو لوگ اس کتاب کو

دیکھنے کا حق رکھتے ہیں یا جنہوں نے اسکو دیکھا ہے وہ باب کے کسی دعویٰ کا اسکی طرف سے کوئی ثبوت پیش نہیں کرتے۔ اس لیے جن پیشگوئیوں کا مصداق باب کے مرید اسکو بنانیکی کوشش کرتے ہیں انکی نسبت ذرہ بھر بھی ثبوت موجود نہیں کہ انہیں سے کوئی ایک بھی اس کے ذریعہ سے پوری ہوئی ہو۔ اور اس کمی کو باب کے حامی پورا کرنیسے بالکل عاجز اور ناکام ہیں۔ کسی پیشگوئی کا پورا ہونا صرف ایک شخص کا یہ دعویٰ کرنیسے تو مانا نہیں جا سکتا۔ کہ میں اسکو پورا کرنے آیا ہوں۔ بلکہ کسی شخص کا کسی پیشگوئی کا مصداق ثابت ہونیکے لیے ضروری ہے کہ کھلے کھلے نشانات اور اوصاف اور بیّن علامات اس پیشگوئی کے مصداق کی تائید میں پیش کیے جائیں۔ اور براہین قاطع و ساطع سے ثبوت دیا جائے۔ لیکن باب کے متعلق صرف اتنا ہی نہیں کہ اس کی تصدیق کے لیے کوئی نشان اور دلیل موجود نہیں بلکہ اس کے برخلاف صریح علامات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسکے وجود سے کوئی بھی ان پیشگوئیوں سے پوری نہیں ہوئی۔ اور اس سے بھی زیادہ تر غور کرنیکی بات یہ ہے کہ اسکے مرید فرط شوق اور غلبۂ وہم پرستی میں پھنسکر اسکی نسبت ایسی ایسی باتیں پیش کرتے ہیں جن کا اس نے دعویٰ ہی کبھی نہ کیا تھا۔ جیسے مثلاً مریدوں نے اسکی نسبت یہ مشہور کر رکھا ہے کہ وہ "ایلیا" تھا یا وہ "مکاشفات والا فرشتہ" تھا۔ لیکن یہ صرف مریدوں کی بے اعتدالی کی باتیں ہیں۔ خود اس نے تقریر و تحریر میں کبھی ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ اُسکا دعویٰ صرف اسقدر تھا کہ وہ "باب" تھا یعنی امام مہدی اور شیعوں کے درمیان واسطہ تھا جسکے وسیلہ سے امام مہدی کی بارگاہ تک شیعہ لوگ پہنچ سکتے ہیں۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ اس نے آپ مہدی بننے کا کبھی دعویٰ کیا تھا تو پھر کہیں ثابت نہیں کہ اس نے اس دعوے کا کبھی ثبوت بھی دیا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ امام مہدی کی پیشگوئیوں سے اسلامی کتب اسقدر لبریز ہیں کہ کوئی معتد فرقہ ایسا نہیں جو اسکے ظہور کا قایل یا منتظر نہ ہو۔ سُنّیوں اور شیعوں کی حدیثوں کی کتب میں اتنا بڑا اختلاف ہے جسکو ناظرین جانتے ہیں۔ لیکن باوجود اس اختلاف کے مہدی کے ظہور کے دونوں قایل ہیں۔ اور گو دونوں میں اسکی شناخت اور اوصاف کے متعلق اختلاف ہے لیکن اسکے ظہور کے متعلق ایک زبردست نشان کے صدور کی پیشگوئی کے بیان میں دونوں فرقوں کی کتابیں باہم متفق ہیں۔ چنانچہ دونوں گروہوں کی مسلمہ کتب حدیث میں مہدی کے ظہور کی بڑی علامت یہ لکھی ہے کہ ماہ رمضان میں اُن مقررہ تاریخوں پر جن کا ذکر حدیثوں میں موجود ہے چاند اور سورج کو گرہن لگے گا۔ اس نشان کی ظہور مہدی کے زمانہ کے ساتھ خصوصیت ظاہر کرنے کے لیے حدیثوں میں لکھا ہوا ہے کہ ابتدائے آفرینش عالم سے ایسا اجتماع کسوفین کبھی کسی مدعی کے وقت میں واقع ہی نہیں ہوا۔ اب یہ زبردست نشان جو ظہور مہدی کے لیے ایک زبردست شہادت تھی باب کی زندگی میں واقع نہیں ہوا۔ یعنی باب کے ظہور کے زمانہ میں نہیں ہوا۔ بلکہ یہ نشان ۱۸۹۴ء مطابق ۱۳۱۱ ہجری میں واقع ہوا۔ اور باب اس زمانہ سے بہت پہلے مارا جا چکا تھا۔ بلکہ باب تو درکنار بہائی سلسلہ کا مزعوم مسیح یعنی بہاء اللہ بھی اس کے صدور سے پہلے اس جہان سے کوچ کر چکا تھا۔ غرض اسباب سے صاف روشن ہے کہ نہ صرف باب کے دعاوی کی تصدیق کا کوئی ثبوت ہی موجود نہیں ہے بلکہ یہ کہ اُسکے دعوے صریح طور پر غلط

اور بے بنیاد تھے۔ ہمارے ناظرین اس بات کے مشتاق ہوں گے کہ دعوے کو اعلان کرنیکے بعد باب کا جو حال ہوا اسے سنیں۔ اس لیے ہم اسجگہ تھوڑا سا وہ حال بھی لکھ دیتے ہیں کہ باب نے جب اپنا دعویٰ مشتہر کر دیا تو اس کے بعد اسکا اپنا کیا حال ہوا ابتدا میں کچھ عرصہ تک تو نئے مدعی کے نئے دعووں کے ساتھ یہ نیا فرقہ ترقی کرتا رہا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ پہلے پہل باب اور اسکے مرید شعائر و احکام اسلام پر چلتے تھے۔ یہ بات محض قیاسی نہیں بلکہ بہت مضبوط وجوہ سے ثابت ہے چنانچہ دعویٰ کا اعلان کرنیکے تھوڑا عرصہ بعد ہی وہ حج بیت اللہ کرنے گیا۔ اور پھر باب اور اس کے مرید ہر جگہ سُنیوں اور شیعوں کے مولویوں اور مجتہدوں کے ساتھ مباحثات کر کے اپنا مسلمان ہونا ثابت کرنیکی کوششوں میں مشغول رہے۔ حقیقت میں بابی مذہب ابتدا سے ہی دو رُخی چال پر بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جس کے ظاہر اور باطن کو ایک دوسرے سے بالکل جدا اور مختلف صورتوں میں رکھنے کی کوشش اسکے اہمیات میں ابتدا ہی سے داخل ہے۔ چنانچہ زمانہ آغاز میں جب بابی لوگ اپنے مسلمان ہونیکو ثابت کرنے کیلیے مباحثات کے جنون میں پڑے ہوئے تھے تو اُسوقت بھی اس میں اباحت پسند لوگوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔ چونکہ اہل زمانہ کا میلان عام طور پر دینی پابندیوں سے گریز اور ادائے شعائر میں آسانی اور اباحت پسندی کی طرف زیادہ ہو رہا ہے۔ اس لیے ابتدا ہی میں باب نے اپنے دو رُخی سلسلہ کے ظاہر و باطن کو بڑی ہشیاری سے جدا کر دیا تھا۔ چنانچہ گو ظاہر میں اس کی اور اس کے مریدوں کی کوششوں کا سارا مدار انکے اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے پر ہی معلوم ہوتا تھا جس سے انکی غرض ایک تو یہ تھی کہ موجودہ سوسائٹی سے اپنے تعلقات میں انقطاع واقع نہ ہو۔ اور دوسرے اس التباس آمیز پیرایہ میں لوگوں کو اپنے دام تزویر میں لانیکے لیے اجنبیت سلسلہ کی دقتیں پیش نہ آئیں۔ لیکن دراصل اندرونی طور پر باب کی تعلیم اسلام اور اُس کے احکام کی اتباع سے جدا کرنیکے مقصد پر مبنی تھی۔ البتہ اس اصلی غرض کو بڑی کوشش سے مخفی رکھنے کا سبق بڑی احتیاط سے دیا جاتا تھا۔ بظاہر تو باب اور اس کے مرید پبلک اور حکام پر اپنا مسلمان ہونا اور دائرہ اسلام کے اندر ہونا ہی ثابت کرنیکی کوششوں میں سرگردان معلوم ہوتے تھے لیکن یہ انکے حالات کی اصل حقیقت نہیں اصل مذہب مخفی رکھا جاتا تھا اور وہ اسلامی فرایض اور احکام سے لوگوں کو پرے ڈالنا اور اس کی بجائے اباحت پھیلانا تھا اور اب بھی ہے اس کے ماسوا انکے مذہب میں پولیٹیکل اور سوشل بے اعتدالی پھیلانیکے اجزا ایسے مخفی طور پر بھرے ہوئے تھے کہ حکومت ایران اور پیشوایان مذہب اہل تشیع اور خود اہل تشیع اسکو بہت خطرناک سمجھنے لگی تھی۔ اس لیے باب کو اپنے مذہب کی اشاعت اور اپنے اصول و عقاید کی تبلیغ سے منع کر دیا گیا۔ مگر وہ ایسا ہشیار آدمی تھا کہ بظاہر تو سیاست ملکداری کے رعب سے ایسا نظر آتا تھا کہ اُس نے اس فرمان کی اطاعت کر لی ہے۔ لیکن مخفی طور پر اس نے اسکی کوئی پروا نہ کی اور برابر اپنے عقاید و اصول کی اشاعت میں لگا رہا۔ آخر اُس کے اصرار اور نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کو قاہری پہلو اختیار کرنا پڑا۔ بابی لوگ اعتدال سے ایسے بڑھے کہ امن عامہ میں انکے وجود سے خلل پیدا ہونے لگا یہانتک کہ حکام کے ساتھ بھی وہ لوگ اُلجھ پڑے۔ آخر دولت ایران کے مدبّروں نے اس بے امنی کو روکنے اور امن عامہ

قایم رکھنے کے خیال سے یہی مناسب سمجھا کہ باب کو زندان میں بھیجدیا جائے۔ چنانچہ اسکو قیدخانہ میں بھیجدیا گیا۔ لیکن جسوقت اسکو قید کیا گیا وہ ایسا زمانہ تھا کہ اسکا فرقہ خاصی ترقی کرچکا تھا۔ اور اس کے سلسلہ کے جوشیلے واعظ بڑی سرگرمی کے ساتھ مختلف حصص ملک میں اس نئے مذہب کے پھیلانے میں مصروف تھے۔ ان واعظوں میں سے تین ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ ان میں سے ایک وہی ملا حسین بشرویہ تھا جس کی نسبت ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ سید کاظم کی وفات پر فوراً علی محمد کے پاس یہ خبر لیکر پہنچا کہ ہمارے پیر نے اپنی خلافت کا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہکر فوت ہوگیا کہ حق خود ہی ظاہر ہوگا اور جس کی بات سنتے ہی علی محمد نے اپنے دعوے کی ٹہری جمائی اور سب سے پہلے وہی اسکے دعوے کا مصدق ہوگیا تھا۔ چونکہ علی محمد نے "باب" سے شروع ہوکر "نقطہ" انتہائی تک اپنے دعووں میں پرواز کرلیا تھا۔ اور اس سے آگے بڑھ جانیکی وجہ سے "باب" کا عہدہ خالی تھا اس لیے ملا حسین اسکے شاگرد اوّل نے عہدہ "باب" کی خالی گدی پر اپنے آپ کو بٹھادیا۔ دوسری ایک عورت تھی جس کا نام "زرین تاج" تھا یہ عورت حسن وجمال میں ایسی شہرہ آفاق تھی کہ اس کے کمال حسن کی وجہ سے بابی اسکو قرۃ العین کہتے تھے۔ نہ صرف خوبی صورت ہی کی وجہ سے اس عورت میں کشش تھی بلکہ اسکی زبان میں بھی ایسی طلاقت اور ملاحت تھی کہ جب تقریر کرتی تو سامعین کے دل کھینچ لیتی۔ چنانچہ جب حکومت کے تشدد کی وجہ سے اکثر بابیوں نے اپنے مذہب کو چھوڑکر توبہ کرنیکا مصمم ارادہ کرلیا تو اسکی تقریروں نے انکے دلوں میں اسی مذہب پر جمے رہنے کے لیے ازسرنو آمادگی کی روح پھونک دی۔ اور انکی ہمت کے عقدوں کو مضبوط کردیا۔ اسکی آتش بیانی کے شعلوں نے اُن کے تذبذب کو جلاکر استقلال اور عزیمت کو اس کی جگہ نصب کردیا۔ تیسرے شخص کا نام محمد علی بالفروشی تھا۔ جو نیز اپنے سلسلہ کے واعظین میں بہت مشہور و معروف تھا۔ غرض علی محمد کے قید ہوجانیسے اسکے مذہب کی اشاعت میں کوئی فرق نہ آیا۔ جابجا بابی لوگ اسکے پھیلانے میں طرح طرح کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں بے امنی بڑھ گئی اور حکومت سے خانہ جنگی شروع ہوگئی جس میں بہت سے بابی کام آئے۔ لیکن اس طرح بابیوں کے مرنیسے فتنہ وفساد میں تخفیف نہ ہوئی۔ بلکہ بڑھتے ہی گئے۔ اس لیے دولت ایران کے مدبروں نے یہی مصلحت مقتضائے وقت قرار دی کہ ان مفاسد کو قطعی طور پر روکنے کا علاج یہی ہے کہ انکی جڑھ یعنی علی محمد کو ہی ہلاک کردیا جائے۔ چنانچہ اسی قرارداد کے رو سے اسکو چہریک سے جہاں وہ تین سال سے قید تھا تبریز میں پابجولان پہنچایا گیا۔ اور اسے اپنے پرفتن دعوے سے باز آنیکی ہدایت کی گئی۔ لیکن اسنے توبہ سے انکار کیا اور یہی کہتا رہا کہ میں "نقطہ" ہوں۔ آخرکار اسکو دونوں ہمراہیوں سمیت توپ سے اُڑا دیئے جانیکا حکم نافذ کیا گیا۔ ان میں سے ایک نے تو یہ حکم سنکر توبہ کرکے اپنی جان بخشی کرالی اور دوسرا اپنے پیشوا کے ساتھ سنہ ۱۸۵۰ء میں مارا گیا۔ اسوقت علی محمد ایک تیس سالہ نوجوان تھا۔ اور اس کے سلسلہ کی عمر چھ سال سے زیادہ نہ تھی۔ ابھی اسکے پرواز کی اُمنگیں دل ہی میں تھیں اور حصول عروج کی متفاوت منصوبوں کی ہوائیں اور انکے حصول کی انتہائی تجویزیں اور ارادے دماغ ہی کے صندوقچہ میں مقفل تھے کہ اس غیور خدا نے جو ایسے جھوٹے مدعیوں کے دعووں کو پختہ ہونیکے آخری مرحلہ تک نہیں پہنچنے دیتا۔ اور جو ہمیشہ ایسے

منصوبہ بازوں کی راہ ہی میں رگ جان کاٹ لیتا ہے۔ اس نے عیار مدعی کاذب کو بھی اُٹھتے ہی حلق سے پکڑا اور اسکی رگ جان کاٹ دی۔ اسکی جوانان مرگ موت جو دعوے سے تھوڑے سال بعد واقع ہوگئی اسکے گستاخیوں سے بھرے ہوئے بے اعتدالیوں سے لبریز اتراؤ اور تکبر سے پُر دعووں کے بدلے میں آسمانی سزا تھی۔ جو اسکے کذاب اور مفتری علی اللہ ہونے پر آسمانی مُہر ہے۔ یہ بات قرآن شریف میں بھی لکھی ہے اور بائبل میں بھی درج ہے کہ نبوت اور الہام کا جھوٹا مدعی بہت جلد مارا جاتا ہے۔ چنانچہ کتاب استثناء ۱۸-۲۰ میں لکھا ہے "پر وہ نبی جو میرے نام سے کوئی بات کہنے کا دعوی کریگا۔ جو مینے اس کو کہنے کا حکم نہیں دیا۔ یا جو دوسرے معبودوں کے نام پر بولے گا وہ نبی قتل کیا جاویگا" اور قرآن شریف کی سورۃ الحاقہ ۶۹ کی آیات ۴۴-۴۷ میں لکھا ہے ﴿ولو تقول علینا بعض الاقاویل ۞ لاخذنا منہ بالیمین ۞ ثم لقطعنا منہ الوتین ۞ فما منکم من احد عنہ حاجزین﴾۔ یعنی اگر یہ نبی ہمپر کوئی جھوٹی بات بناتا تو یقیناً ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور اسکی رگ جان کاٹ ڈالتے۔ اور تم میں سے کوئی ہم کو اس سے باز رکھنے والا نہ ہوتا" اس آیت کے مضمون سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں سچے اور جھوٹے نبی کی شناخت کے لیے یہ مابہ الامتیاز مقرر کیا ہوا ہے کہ جو شخص اس دعوی میں کذاب اور مفتری علی اللہ ہوتا ہے اسکو جلد ہلاک کیا جاتا ہے۔ چونکہ علی محمد اس بات کا مدعی تھا کہ گویا اسکو اللہ کیطرف سے الہام ہوتا ہے (اگرچہ اسکا مفہوم الہام الگ تھا) اور اس دعوے میں مفتری علی اللہ اور کذاب تھا۔ اس لیے اسکو بائبل اور قرآن شریف کے مندرجہ مابہ الامتیاز کے رو سے ہلاکت نصیب ہوئی۔ اسکی بیوقت جوانان مرگ موت اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ اپنے دعووں میں حق پر نہ تھا۔ جب علی محمد "باب" اور "نقطہ" اپنے ہوا و ہوس کے سلسلہ کو ادھورا چھوڑ کر بہزار حسرت و ذلت اس طرح بیوقت مارا گیا تو ایک شخص میرزا یحیی نامی ساکن نور بابیوں کا پیشرو مانا گیا۔ بابی لوگ عتاب سلطنت دیکھکر مرعوب ہوئے ہوئے تھے انہوں نے اسکی پیروی کو قبول کرنے میں کوئی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ ایسے خوف کے وقت میں غنیمت سمجھا۔ بابی فرقہ کے پیشرووں میں نئے نئے لقب اختیار کرنیکا بڑا شوق رہا ہے چنانچہ میرزا یحیی نے بھی پیشوائی کے جادہ پر بیٹھتے ہی "صبح ازل" کا لقب اپنے لیے اختیار کیا۔ اس کے دو سال بعد ۱۸۵۲ء میں بابیوں کی پولٹیکل اصلیت جسکو وہ بڑی کوشش سے چھپاتے رہتے تھے کسیقدر عیاں ہوگئی۔ انہوں نے مخفی در مخفی منصوبہ بازیوں سے شاہ ایران کی جان پر حملہ کیا۔ لیکن بادشاہ کی خوش قسمتی سے انکو کامیابی نصیب نہ ہوئی بلکہ بہت سارے بابی موقع پر گرفتار ہوگئے۔ اور خطرناک پولٹیکل منصوبہ انکا ظاہر ہوا جسکی وجہ سے بہت سارے بابی ماخوذ ہو کر قتل کیے گئے۔ اور وہ مشہور قرۃ العین بھی اسی منصوبہ باز گروہ کے ساتھ اپنی گستاخیوں کی سزا کو پہنچی یعنی ہلاک کیگئی۔ یہ حالات دیکھکر اور اپنے سلسلہ کے منصوبوں کو اس طرح ناکام ہوتا پاکر صبح ازل کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اور وہاں رہنا اسکو دوبھر معلوم ہونے لگا۔ آخر وہاں سے کسی دوسرے ملک میں بھاگ جانیکی ٹھان لی۔ چنانچہ وطن سے بھاگ کر شہر بغداد میں آٹھہرا۔ اور اسی جگہ اپنا قیام اختیار کیا۔ اور وہیں اپنے مذہب کی اشاعت امن سے کرتا رہا۔ اس شخص پر کچھ ایسا رُعب طاری ہوا تھا کہ بغداد میں آکر بھی اس نے خلوت نشینی اختیار کی

اور اشاعت و ترقی سلسلہ کا کام اپنے چھوٹے بھائی مرزا حسین علی کے سپرد کر دیا۔ مرزا حسین علی بابی برادری میں ایک ادنیٰ حالت میں تھا۔ اور باب کے مرنیکے دس سال بعد تک وہ اسی حال پر قانع رہا۔ ۱۸۵۹ء میں اس نے اس مذہب کی تائید میں ایک کتاب لکھی جسمیں مباحثات درج تھے اس کتاب میں اسنے مرزا یحییٰ صبح ازل کی روحانی حکومت تسلیم کی۔ باب کی کتابوں میں ایک اور موعود کی پیشگوئی درج تھی جسکو اس نے من یظہرہ اللہ کے نام سے موسوم کیا ہوا تھا۔ باب نے اسکے ظہور کا کوئی زمانہ معین نہیں کیا تھا۔ اور اسکی آمد کے کوئی نشان بھی مقرر نہ کیے تھے البتہ اتنا لکھا ہوا تھا کہ جب وہ آئیگا تو سب اسکو قبول کریں گے۔ اب باب کے ان لفظوں کی زہر کا اثر حسین علی کے دماغ میں سرایت کرنے لگا۔ اپنے بھائی صبح ازل کی خلوت نشینی اور اسکی نیابت کی پوزیشن سے فایدہ اٹھانیکا خیال پیدا ہو گیا چنانچہ ۱۸۶۳ء میں موقعہ پاکر اعلان کر دیا کہ وہ موعود من یظہرہ اللہ جسکے آنیکی باب نے اپنی کتابوں میں خبر دی تھی وہ میں ہی ہوں۔ پھر پیشوایان سلسلہ بابی کے معمولی مذاق اور شوق کے مطابق اسنے بھی اپنا لقب "بہار اللہ" اختیار کر لیا۔ اس سلسلہ کو صبح ازل کی پیشوائی میں چنداں فایدہ نہ ہوا تھا۔ اور عام طور پر بابیوں کو محسوس ہو رہا تھا کہ باب اور قرۃ العین کیطرح کا کارکن اور زبان آور شخص سلسلہ کی پیشوائی کیلیے ہونا چاہیئے خلوت نشین پیشوا انکے نزدیک مفید نہ تھا۔ حسین علی اپنے بھائی کی نیابت کے زمانہ میں لوگوں کو اپنی کارروائیوں کا ثبوت دے چکا تھا۔ اور عام ہمدردی حاصل کر چکا تھا جب اسکی طرف سے دعوے کا اعلان ہوا تو سب نے بڑی خوشی سے اسکو قبول کیا۔ جب حسین علی کو دعوے کے قبول کرانے میں اسقدر فوری کامیابی ہوگئی تو خلوت نشین صبح ازل کی بھی آنکھیں کھلیں۔ وہ حجرہ سے باہر نکلا اور حسین علی کے دعوے کا انکار کیا۔ اگرچہ بہت بڑی جماعت حسین علی کے ساتھ ہو چکی تھی لیکن کچھ حصہ بابی لوگ صبح ازل کے ساتھ بھی ہو گئے۔ اسوقت سے بابی سلسلہ دو فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک بہائی فرقہ اور دوسرا ازلی فرقہ کہلانے لگا۔ یعنی ایک وہ لوگ جو بہار اللہ (حسین علی) کے دعووں کے مصدق ہوئے اور دوسرے وہ لوگ جو صبح ازل کے ساتھ ملے رہے۔ ان دونوں فرقوں میں باہمی عناد بڑھتا گیا اور جھگڑے فساد اس حد تک بڑھتے گئے کہ آخر ترکی حکومت کو یہ انتظام کرنا پڑا کہ یہ دونوں فرقوں کے پیشوا علیحدہ علیحدہ دور جگہوں میں سکونت رکھیں چنانچہ ۱۸۶۸ء میں بہار اللہ کو شہر عکہ علاقہ شام میں اور صبح ازل کو نا گستہ جزیرہ سائپرس میں بھیجدیا گیا۔ بہار اللہ تو اسی جگہ ۱۶ مئی ۱۸۹۲ء کو فوت ہوا۔ اور اسی جگہ اسکا مدفن بنایا گیا۔ بہار اللہ کے مرنیکے بعد اسکا بیٹا عباس افندی اسکا گدی نشین ہوا لیکن ایک دوسرا بیٹا محمد علی اپنے بھائی عباس آفندی کی کامیابی کو پسند نہ کر کے آپ گدی نشینی کا مدعی ہوا۔ عباس آفندی کا سکہ پہلے بیٹھ چکا تھا اسلیے محمد علی کی دال گلنی مشکل ہو گئی لیکن تاہم اپنی ایک جماعت قلیل اسکی طرفداری پر بھی استادہ ہو گئی اور اس کے دعوے کو تسلیم کیا۔ اگرچہ عباس آفندی کا رسوخ بیرونی جماعت میں بہت بڑھا ہوا ہے لیکن خاص عکہ میں محمد علی کا رسوخ زیادہ ہے اور بہار اللہ کے مدفن کی حفاظت اور گدی نشینی اسی کے حصہ میں آئی ہوئی ہے۔ بہائی سلسلہ مشرق ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ مغرب میں جا پہنچا ہے خیر اللہ نامی بہائی مشنری ریاستہائے متحدہ امریکہ میں بھی اپنے مذہب کے مسائل کی اشاعت و منادی کیلیے پہنچ گیا۔ اور سنہ ۱۹۰۰ء میں امریکہ میں تین ہزار کے قریب لوگ اس سلسلہ میں داخل ہو چکے تھے۔ اور اگر اسکی ترقی کی رفتار آجتک یہی رہی ہوگی تو اس میں داخل ہونیوالے لوگوں کی تعداد آجتک بہت ترقی کر گئی ہوگی۔

مسلمان اور جہاد

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۷۔ مئی ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار بعنوان "اپنی تمام جماعت کے لیے ضروری نصیحت" شایع فرمایا تھا جو انگریزی میں بھی سول اینڈ ملٹری گزٹ اور پایونیر اور بعض دیگر اخبارات میں شایع ہوا۔ اس اشتہار کو پڑھکر ایک صاحب سید محمد نام نے ایک چٹھی اخبار سول مورخہ ۲۲۔ مئی ۱۹۰۷ء میں شایع کی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب نے جو مولوی عبد اللطیف کی سنگساری کے متعلق لکھا ہے کہ امیر کابل نے انکو جہاد کی تعلیم کی مخالفت کی وجہ سے سنگسار کرایا یہ غلط ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "اگر مرزا صاحب کا ایسا لکھنے سے یہ منشاء ہے اور انکے اشتہار کے مفہوم عامہ سے یہی منشاء انکا ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کے متعلق جو عقیدہ امیر حبیب اللہ یا عام مسلمانان ہند یا دیگر ممالک کے مسلمانوں کا ہے وہ کسی وقت مسلمانان ہند کی وفاداری میں خلل اندازی کا باعث ہو سکتا ہے تو ہم زور سے یہ کہیں گے کہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے" اور پھر لکھتا ہے کہ "پبلک کی اطلاع کے لیے اس امر کا ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ عبد اللطیف کا اصل قصور جسکے سبب سے اسکی جان جاتی رہی یہ تھا کہ وہ مرتد ہو گیا اور یہ ایسا جرم ہے جسکی سزا شریعت اسلامی میں موت ہے۔ مرتد وہ اس طرح سے ہوا کہ وہ مرزا غلام احمد کا جو مسلمانوں کے نزدیک مسلّم مرتد ہے مرید ہو گیا تھا"

اس کوتہ اندیش اور جہاد کے فدائی نامہ نگار کے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ نے ایک چٹھی اخبار سول میں شایع کرنیکے لیے بھیجی جو ۲۸۔ مئی ۱۹۰۷ء کے اخبار میں چھپی ہے اس چٹھی کا عنوان جو خود اخبار سول نے تجویز کیا ہے وہ وہی عنوان ہے جس کے نیچے مینے یہ مضمون لکھا ہے یعنی "مسلمان اور جہاد" اصل چٹھی جسکا ترجمہ سول میں چھپا ہے یہ ہے:۔ "۷۔ مئی ۱۹۰۷ء کو مینے اپنی جماعت کے لیے ایک اشتہار شایع کیا تھا جس کا خلاصہ مطلب یہ تھا کہ اگرچہ گورنمنٹ انگریزی کی اپنی رعایا کے ہر ایک فرقہ پر حقوق ہیں کیونکہ تمام لوگ اسکی پُر امن سلطنت کے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں اور اسکے سایہ حمایت کے نیچے ہر ایک ظالم کے پنجہ سے محفوظ ہیں اور سب پر واجب ہے کہ اُس کا شکر کریں اور عملی طور پر اپنی اطاعت کو دکھلاویں۔ لیکن سب سے زیادہ میری جماعت پر فرض و واجب ہے کہ اس گورنمنٹ کے سایہ عنایت و حمایت کا قدر کریں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے آسمان کے نیچے اس جماعت کے محفوظ رہنے کیلیے صرف یہی گورنمنٹ مقرر کر رکھی ہے جسکی ظل حمایت میں یہ جماعت ہر ایک ظالم کے پنجہ سے محفوظ ہے ورنہ اگر مکّہ اور مدینہ میں بھی یہ لوگ رہنا چاہیں تب بھی انکی جان کی خیر نہیں۔ کیونکہ ہر ایک ملک کے مُلّانوں کی طرف سے انپر واجب القتل ہونیکا فتویٰ ہے اس تحریر میں نظیر کے طور پر مینے یہ بھی بیان کیا تھا کہ مولوی عبد اللطیف صاحب کا امیر کابل کے حکم سے سنگسار ہونا میرے اس بیان کا شاہد ناطق ہے کہ وہ میری بیعت کرنیکی وجہ سے کس بیرحمی سے سنگسار کیے گئے اور صرف جہاد کا منکر ٹھہرا کر پتھروں کے ساتھ انکو ہلاک کیا گیا۔ یہ ہی خلاصہ میرے اشتہار ۷۔ مئی ۱۹۰۷ء کا۔ اس میرے بیان کے رد کرنیکے لیے ایک صاحب سید محمد۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۷ء میں لکھتے ہیں کہ عبد اللطیف کا اصل قصور جس کی وجہ سے وہ سنگسار کیا گیا یہ تھا کہ وہ مرتد ہو گیا تھا اور

ارتداد ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا شریعت اسلامی کی رو سے قتل ہے۔ اس کا مرتد ہونا اس وجہ سے تھا کہ وہ مرزا غلام احمدؐ کا پیرو بن گیا جو تمام مسلمانوں کے درمیان مرتد تسلیم کیا گیا ہے (یعنی مرزا غلام احمدؐ بھی واجب القتل ہے کیونکہ مرتد ہے) اب میں مختصر طور پر اپنی محترم گورنمنٹ کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ صاحب راقم نے اپنی اس تحریر میں قبول کر لیا ہے کہ ہم سب لوگ جو اس عادل گورنمنٹ کے سایہ کے نیچے کئی لاکھ تک پہنچ گئے ہیں انکی شریعت کے رو سے واجب القتل ہیں پس جبکہ یہ حال ہے تو ہم اس گورنمنٹ کا سچے دل سے قدر کریں یا نہ کریں اور اسکو چھوڑ کر کہاں جائیں اور کدھر جائیں۔ اسوقت میں امیر حبیب اللہ خان پر کوئی حملہ مولوی عبد اللطیف کے مارے جانیکی وجہ سے نہیں کرتا کیونکہ انہوں نے اپنی شریعت کی رو سے انکو واجب القتل سمجھا سو قتل کر دیا اور اپنے زعم میں بڑے ثواب کا کام کیا کہ انکو سنگسار کر دیا اور انکے عیال و اطفال جلاوطن کر کے ہمیشہ کے لیے قید میں ڈالے گئے۔ لیکن اس تمام تحریر سے میری غرض تو یہ تھی کہ ہماری اس عادل گورنمنٹ نے ایسا فتویٰ نہیں دیا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہیئے پس ہم اس گورنمنٹ کے کیونکر شکر گذار نہ ہوں۔ اس لیے میں نے لکھا تھا کہ میری تمام جماعت کے لوگ اس بات کو حفظ کر لیں کہ اگر وہ بھی مولوی عبد اللطیف کی طرح اس گورنمنٹ کے سایہ عاطفت سے باہر قدم رکھیں گے تو وہ بھی ایسے ہی سنگسار کیے جائیں گے۔ پس انکو چاہیئے کہ نہ کسی بناوٹ سے بلکہ سچے دل سے اس گورنمنٹ کی اطاعت کریں اور ہر ایک وقت پر خدمت کے لیے تیار رہیں۔ یاد رہے کہ میں امیر حبیب اللہ خاں کی کوئی شکایت نہیں کرتا اور خاص طور پر انپر کوئی الزام نہیں لگاتا انہوں نے ملّانوں کے فتووں پر عمل کر دکھایا اور ہر ایک اسلامی سلطنت اس فتوے پر عمل کرنیکے لیے تیار ہے امیر حبیب اللہ خاں کی کوئی خصوصیت نہیں اسی وجہ سے میں اپنے اس شایع کردہ اشتہار میں لکھ چکا ہوں کہ اگر ہماری یہ جماعت مکّہ اور مدینہ میں بھی ہوتی تب بھی وہ ایسی ہی سنگسار کیجاتی جیسا کہ کابل میں مولوی عبد اللطیف کیا گیا۔ رہا جہاد پس ہم جو ان مخالف مسلمانوں کی نظر میں مرتد اور واجب القتل ٹھہرے تو اسکی یہ وجہ نہیں کہ ہم خدا اور اس کے رسول اور قرآن شریف سے منکر ہیں جسکو شک ہو ہماری کتابیں دیکھ لے بلکہ اصل وجہ یہی ہے کہ ہم اس بات سے منکر ہیں کہ اب بھی کسی جہاد کی ضرورت ہے اور یا کسی ایسی مہدی اور مسیح کی ضرورت ہے کہ کسی وقت خونریزی کر کے اسلام کو پھیلائیگا۔ اور اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ ایسے اعتقاد جاہلوں کے لیئے خطرناک ہیں انہیں اعتقادوں نے سرحدی وحشیوں کا ستیاناس کیا ہے جس نے مہدی ہونیکا دعویٰ کیا اور تلوار اٹھائی اسکے ساتھ ہو گئے یہ عقیدے جو پہلے سے جاہل لوگوں کے دلوں میں ہوتے ہیں خواہ نخواہ وحشی لوگوں کو ایسے مہدی کی طرف کھینچتے ہیں اسلام کی پاک تعلیم اور اس کے روشن نشان کسی جہاد کے محتاج نہیں یہ محض غلطیاں ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ عقلمند لوگ ایسے اعتقادوں سے دن بدن دست بردار ہوتے جاتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے مخالف مسلمان گورنمنٹ کے سچے مطیع نہیں ہیں بلکہ بلاشبہ مطیع ہیں مگر کاش اگر ایسا اعتقاد نہ ہوتا تو اچھا تھا۔

طاعون سے حفاظت

ذیل کا اعلان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے اخبارات میں شایع ہوا ہے ہم بھی اہل ملک کے فایدہ کیلیے اسے

یہاں درج کرتے ہیں تا کوئی طالب حق اور کوئی سعید دل اس سے فایدہ اُٹھائے - یہ اعلان متعلق اس الہام الٰہی کے ہے جو مدت ہوئی کتابوں اور اخباروں میں شایع ہو چکا ہے یعنی انی احافظ کل من فی الدار جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس گھر یعنی تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہے میں اسکی حفاظت کرونگا اور اسی طاعون سے محفوظ رکھونگا - اس اعلان کے شایع ہونے پر بعض مخالفین نے کم فہمی سے اور بعض نے حسب عادت محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہ اعتراض کیا ہے کہ کشتی نوح میں کل من فی الدار سے مراد کُل پیرو لیے گئے ہیں - اور اسکے ثبوت میں کشتی نوح کے یہ الفاظ پیش کیے ہیں "پس جو شخص میری تعلیم پر پورا پورا عمل کرتا ہے وہ اس میرے گھر میں داخل ہو جاتا ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ کے کلام میں یہ وعدہ ہے انی احافظ کل من فی الدار یعنی ہر ایک جو تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہے میں اسکو بچاؤنگا - اسجگہ یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہیں جو میرے اس خاک و خشت کے گھر میں بود و باش رکھتے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری پیروی کرتے ہیں میرے روحانی گھر میں داخل ہیں" چنانچہ اس عبارت کو نقل کر کے ایک معترض جو جھوٹ کو شیر مادر سمجھتا ہے لکھتا ہے "اس تشریح سے اس الہام کا مطلب صاف کھل گیا کہ مرزا صاحب کا کوئی پیرو طاعون سے نہیں مریگا" افسوس ہے کہ ان لوگوں کی کجدلی یہانتک بڑھگئی ہے کہ راستی اور حق کی مطلق کچھ پروا نہیں کرتے ہم ایسے شخص کو بجز لعنة اللہ علی الکاذبین کے اور کیا کہیں یہ کہاں سے نتیجہ نکلا کہ کوئی پیرو بھی نہیں مریگا - پھر جہاں سے اس چالاک معترض نے یہ فقرہ لیا ہے اس سے پہلے بڑی وضاحت کے ساتھ سب کچھ بیان کیا گیا ہے دیکھو کشتی نوح کے ابتدا میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے "خدا نے چاہا ہے کہ اس زمانہ میں انسانوں کے لیے ایک آسمانی رحمت کا نشان دکھاوے سو اسنے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تو اور جو شخص تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہوگا اور وہ جو کامل پیروی اور سچے تقوی سے تجھ میں محو ہو جائیگا وہ سب طاعون سے بچائے جائیں گے..... لیکن وہ جو کامل طور پر پیروی نہیں کرتا وہ تجھ میں سے نہیں" اب اس عبارت سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تین قسم کے لوگوں کے متعلق ہے اوّل خود مورد وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام - دوم - جو شخص اسکے گھر کی چار دیوار کے اندر ہوگا - سوم - اور وہ جو کامل پیروی اور سچے تقوی سے اس میں محو ہو جائیگا - تیسری قسم کے لوگوں کے متعلق کامل پیروی اور اطاعت اور سچے تقوی کی شرط ہے - اور پھر تھوڑا آگے چلکر اسکی اور بھی تشریح کی ہے "اور نسبتاً اور مقابلةً اس سلسلہ پر اسکا خاص فضل رہیگا گو کسی کی ایمانی قوت کے ضعف یا نقصان عمل یا اجل مقدر یا کسی اور وجہ سے جو خدا کے علم میں ہو کوئی شاذ و نادر کے طور پر اس جماعت میں بھی کیس ہو جائے" پس کشتی نوح میں دونوں وعدے الگ موجود ہیں - مگر یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا گیا کہ جو شخص بیعت کریگا اسکو طاعون نہیں ہوگی - اس میں شک نہیں کہ الدار کے روحانی معنے بھی ہیں اور جسمانی بھی مگر روحانی معنوں کے لیے یعنی اس صورت میں جب بیعت کرنیوالے اس وعدے میں شامل کیے گئے ہیں تو انکے ساتھ یہ شرط موجود ہے کہ وہ کامل طور پر تعلیم پر چلنے والے اور کامل پیروی اور اطاعت کرنیوالے ہوں اور کھلے الفاظ میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ "ایمانی قوت کے ضعف یا نقصان عمل یا اجل مقدر یا کسی اور وجہ سے جو خدا کے علم میں ہو" ان میں سے بعض لوگ اس بیماری سے مر بھی جائیں گے - پس جہانتک دار کے جسمانی معنے ہیں اللہ تعالیٰ نے کھلے رنگ میں اس پیشگوئی کو

پورا فرمایا اللہ کوئی شخص نہیں جو کہہ سکتا ہو کہ باوجود قادیان میں کئی دفعہ طاعون کے نمودار ہونیکے اس دار کے رہنے والوں میں سے جو قریب ستّر کے پہنچ جاتے ہیں ایک شخص بھی مرا۔ باقی رہے دار کے روحانی معنے سو اسکا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کہ کون وہ شخص ہے جو اس وعدہ میں آتا ہے۔ ہاں جس رنگ کے معنے لو اسی رنگ میں پیشگوئی پوری ہوئی۔ اب ہم اس اعلان کو نقل کرتے ہیں:

" من اظلم ممّن افتریٰ علی اللہ کذبًا او کذّب بآیٰتہٖ۔ افسوس کہ اس ملک کے اکثر لوگ جو مولوی کہلاتے یا ملہم ہونیکا دم مارتے ہیں جب خدا تعالیٰ کا کلام ان کو سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ افترا ہے انہیں لوگوں پر اتمام حجت کرنیکے لیے میں نے کتاب حقیقۃ الوحی تالیف کی ہے کب تک یہ لوگ ایسا کرینگے۔ آخر ہر ایک فیصلہ کے لیے ایک دن ہے اور ہر ایک قضا و قدر کی نزول کے لیے ایک رات ہے اسوقت میں نمونہ کے طور پر خدا تعالیٰ کا ایک کلام ان لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں اور بالخصوص اسجگہ مخاطب میرے مولوی ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری اور مولوی عبد الجبار اور عبد الواحد اور عبد الحق غزنوی ثم امرتسری اور جعفر زٹلی لاہوری اور ڈاکٹر عبد الحکیم خان اسسٹنٹ سرجن تراوڑی ملازم ریاست پٹیالہ ہیں اور وہ کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے انّی احافظ کلّ من فی الدار و احافظک خاصّۃً۔ ترجمہ اس کا بموجب تفہیم الٰہی یہ ہے کہ میں ہر ایک شخص کو جو تیرے گھر کے اندر ہے طاعون سے بچاؤنگا اور خاصکر تجھے۔ چنانچہ گیارہ برس سے اس پیشگوئی کی تصدیق ہو رہی ہے اور میں اس کلام کے منجانب اللہ ہونے پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ خدا تعالیٰ کی تمام کتب مقدسہ پر اور بالخصوص قرآن شریف پر۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ خدا کا کلام ہے پس اگر کوئی شخص مذکورہ بالا اشخاص میں سے یا جو شخص انکا ہمرنگ ہے یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ یہ انسان کا افترا ہے تو اُسے لازم ہے کہ وہ قسم کھا کر ان الفاظ کے ساتھ بیان کرے کہ یہ انسان کا افترا ہے خدا کا کلام نہیں۔ و لعنۃ اللہ علیٰ من کذّب وحی اللہ۔ جیسا کہ میں بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ خدا کا کلام ہے و لعنۃ اللہ علیٰ من افتریٰ علی اللہ۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ خدا اس راہ سے کوئی فیصلہ کرے۔ اور یاد رہے کہ میری کسی کلام میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ہر ایک شخص جو بیعت کرے وہ طاعون سے محفوظ رہیگا بلکہ یہ ذکر ہے کہ والذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلمٍ اولٰئک لھم الامن وھم مھتدون۔ پس کامل پیروی کرنیوالے اور ہر ایک ظلم سے بچنے والے جس کا علم محض خدا کو ہے۔ بچائے جائیں گے اور کمزور لوگ طاعون سے شہید ہو کر شہادت کا اجر پاویں گے اور طاعون انکے لیے تمحیص اور تطہیر کا موجب ٹھہریگی۔ اب میں دیکھوں گا کہ اس میری تحریر کے مقابل پر بغرض تکذیب کون قسم کھاتا ہے مگر یہ امر ضروری ہے کہ اگر ایسا مکذّب اس کلام کو خدا کا کلام نہیں سمجھتا تو آپ بھی دعویٰ کرے کہ میں بھی طاعون سے محفوظ رہونگا اور مجھے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا ہے تا دیکھ لے افترا کی کیا جزا ہے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ الراقم میرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعودؑ

تازہ وحی ۲۸ مئی ۱۹۰۷ء۔ شریف احمد (حضرت مسیح موعودؑ کا تیسرا صاحبزادہ) سخت بیمار تھا۔ الہام ہوا عمّرہ اللہ علیٰ خلاف التوقع (خدا اسکو امید سے بڑھکر عمر دیگا) امّرہ اللہ علیٰ خلاف التوقع (خدا اسکو امید سے بڑھکر امیر کریگا) ء انت لا تعرفین القدیر (کیا تو خدائے قادر کو نہیں پہچانتی۔ مخاطب اسکی والدہ ہیں) مرادک حاصل۔ اللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین۔

صدر انجمن احمدیہ قادیان

(۱) صدر انجمن احمدیہ کی اہم اور اصلی غرض اشاعت اسلام ہے۔

(۲) صدر انجمن احمدیہ کے متعلق اسوقت حسب ذیل کام ہیں۔

اوّل۔ ایک ہائی سکول کا انتظام جس میں انٹرنس تک دنیوی تعلیم دیجاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عربی اور دینیات کی اسقدر تعلیم دیجاتی ہے جس سے ایک باقاعدہ تعلیم پانیوالا طالب علم قرآن شریف کا ترجمہ اور دین کی بہت سی ضروری باتیں سیکھ لیتا ہے اور اسلام کی صداقت اور غیر مذاہب کے بطلان کے بہت سے دلایل سے آگاہ ہوجاتا ہے۔ اس مدرسہ کے متعلق ایک بورڈنگ ہوس ہے جس میں سوا سو (۱۲۵) کے قریب لڑکے ہیں علاوہ ازیں ایک گرلز سکول اور دیہات میں تین برانچ سکول ہیں۔

دوم۔ ایک دینیات کے مدرسہ کا انتظام جس میں زیادہ تر تعلیم عربی اور دینیات کی دیجاتی ہے اور اس کے ساتھ طب اور تھوڑے تھوڑے مروجہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں کتابت بھی سکھائی جاتی ہے۔ جو لوگ صرف انگریزی اور عربی دینیات کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں ان کے لیے بھی انتظام کیا گیا ہے۔

سوم۔ ایک میگزین ماہوار کا انتظام جو انگریزی میں بلاد یورپ اور امریکہ اور بعض دیگر ممالک میں کئی سو مفت بغرض اشاعت اسلام تقسیم ہوتا ہے۔ اور اردو میں قریب دو ہزار کے اشاعت اسکی ہندوستان میں ہے۔ اس رسالہ کے اردو حصہ کے ساتھ ایک ضمیمہ تفسیر القرآن کا بھی ہے جو اصل رسالہ سے الگ ہے جس میں ہر قسم کے مشکلات اور اعتراضات کو نہایت صفائی سے حل کیا جاتا ہے۔

چہارم۔ ایک کتب خانہ جس میں بہت سی حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیفات اور بعض دیگر اسلامی تصنیفات اور مدرسہ کی مروجہ کتابیں اور بعض احمدی احباب کی تصنیفات ملتی ہیں اسکی ایک مختصر فہرست دوسری جگہ دی گئی ہے۔

پنجم۔ ایک قبرستان کا انتظام اور اس کے متعلق وصایا وغیرہ کا اہتمام۔

ششم۔ ایک یتیم فنڈ جس سے حسب گنجایش بعض یتامیٰ کی مدد کیجاتی ہے۔ ایسا ہی ایک مساکین فنڈ ہے جس سے بعض مساکین کو جو مدرسہ میں پڑھتے ہیں مدد دیجاتی ہے اور زکوٰۃ کا روپیہ بھی حسب منشائے شریعت اسلامی جسقدر جمع ہو تقسیم کیا جاتا ہے۔

صدر انجمن احمدیہ کی ضروریات سب سے اول لنگرخانہ ہے۔ اس کا انتظام براہ راست حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم بیعت کرنیوالوں کے لیے ضروری ہے کہ کچھ نہ کچھ چندہ لنگرخانہ ادا کریں اور اس سلسلہ کی اعانت کریں۔ اسکی اخراجات میں صرف مہمانوں کی آمد و رفت کے اخراجات ہی نہیں بلکہ تعمیر اور خط و کتابت حضرت اقدسؑ اور طبع کتب وغیرہ کے اخراجات کثیر بھی ہیں۔

دوسری۔ ضرورت ہائی سکول اور مدرسہ دینیات کے متعلق ہے۔ اسکے لیے بھی تمام بیعت کنندگان کے لیے چندہ دینا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ماہوار مستقل خرچ ایک ہزار روپے کے قریب ہے اور عمارت کا کثیر خرچ درپیش ہے۔

تیسری ضرورت یہ ہے کہ تمام احمدی احباب اور ایسے غیر احمدی احباب جو تعلیم کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ انکے بچے دیندار ہوں انہیں

اس مدرسہ میں تعلیم کے لیے بھیجیں۔ **چوتھی** ضرورت میگزین کی متعلق ہے اسکا چندہ اردو میں عہ سالانہ ہے اور ضمیمہ یعنی تفسیر القرآن کا چندہ ۱۲ سالانہ ہے۔ اصل میگزین ۴۰ صفحوں پر ضمیمہ ۲ صفحو نمبر ہے۔ انگریزی رسالہ کی قیمت للعہ سالانہ ہے۔ سب احباب کے لیے ضروری ہے کہ خود اسکے خریدار بنیں۔ اور جو رسالہ مفت تقسیم کیا جاتا ہے اس میں بھی حسب استطاعت اعانت کرکے اشاعت اسلام کے لیے انجمن کی مدد کریں۔ **پانچویں** ضرورت یتیم فنڈ اور مسکین فنڈ میں مدد کی ہے۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت اور ہر قسم کے صدقات اس مد میں بھیجے جاویں۔ قابل استعمال کپڑے وغیرہ بھی بہت کام آسکتے ہیں۔ **چھٹی** ضرورت زکوٰۃ کے روپیہ کے یہاں بھیجنے کی ہے۔ اس روپیہ سے بہت مفید کام ہو رہا ہے تمام احمدی مرد اور عورتیں جو صاحب نصاب ہیں سالانہ اپنی زکوٰۃ کا حساب کرکے اسجگہ بھیجدیں۔ **ساتویں** ضرورت یہ ہے کہ جو کتابیں انجمن کے کتب خانہ سے مل سکتی ہیں وہ یہاں سے منگوائی جاویں اس سے بھی انجمن کو مدد پہنچتی ہے۔ بعض احباب نے اپنی کتابیں انجمن کے نام ہبہ کر دی ہیں ایسی مثالیں بھی قابل تقلید ہیں۔

نوٹ مقبرہ بہشتی کے شرائط کو جو لوگ پورا کرنا چاہیں وہ اپنی آمد کا دسواں حصہ دیں یا اپنی جائداد کے دسویں حصہ کے متعلق وصیت کریں۔

ضروری ہدایات (۱) ہر ایک قسم کا روپیہ جس کا تعلق صدر انجمن احمدیہ کی کسی مد سے ہو بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیئے مگر لنگر خانہ کا روپیہ حضرت مسیح موعودؑ کے نام بھیجیں اگر دوسری مدات کے ساتھ ملا ہوا ہو تو محاسب کے نام بھیجکر اسے اطلاع دیں کہ وہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پیش کر دے۔ (۲) منی آرڈر کے کوپن میں پوری رقم اور اسکی تفصیل کہ کن کن اغراض کے لیے ہے (یا اگر لمبی تفصیل ہو تو علیحدہ خط میں دیں) اور فرستندہ کا نام اور پتہ خوشخط درج ہوں۔ (۳) ہر ایک رقم کی رسید باضابطہ دفتر محاسب سے دیجاویگی۔ پس جس شخص کو رسید دفتر کی محاسب کے دستخطی وقت پر نہ پہنچے اسے خط و کتابت کرکے دریافت کرنا چاہیئے ایسی رسیدیں حتی الوسع کچھ مدت کے لیے محفوظ رکھی جاویں۔ **نوٹ**۔ ۴ر سے کم رقم کی رسید نہ دیجاویگی۔ (۴) مدرسہ کے متعلق ہر ایک قسم کی خط و کتابت نائب ناظم مدرسہ یا ہیڈ ماسٹر مدرسہ سے کریں اور بورڈنگ ہوس کے متعلق سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس سے۔ (۵) جو احباب مدرسہ میں اپنے لڑکے بھیجیں انکا ایک ماہ کا خرچ پیشگی ہیڈ ماسٹر صاحب یا سپرنٹنڈنٹ صاحب کے نام بھیجیں اور یہ یاد رکھیں کہ خرچ ہمیشہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس بھیجا جاوے لڑکے کو نہ دیا جاوے سپرنٹنڈنٹ صاحب حسب ہدایت اور حسب ضرورت اسے لڑکے کی بہتری کے لیے خرچ کریں گے۔ اور ماہوار حساب بھیجتے رہیں گے۔ (۶) میگزین کے متعلق کل خط و کتابت منیجر میگزین یا نائب ناظم میگزین کے نام ہو کریں۔ اور ایڈیٹر کے نام سوائے ان خطوط کے جنکا تعلق مضامین رسالہ سے ہو اور کوئی خط و کتابت نہ کریں۔ (۷) مقبرہ بہشتی کے متعلق اور وصیت وغیرہ کے متعلق نائب ناظم مقبرہ بہشتی سے خط و کتابت کریں اور انہی سے رسالہ الوصیت طلب کریں مفت بھیجا جاویگا۔ وصیت کی فارمیں بھی انہی سے طلب کریں اور انہی کے نام وصایا بھیجیں۔ (۸) کتابیں بھی نائب ناظم مقبرہ بہشتی سے طلب کی جاویں جو بذریعہ وی پی مطلوب کتب بھیجینگے اور جگہ سے طلب نہ کی جاویں (۹) امور متعلقہ صدر انجمن میں سکرٹری صدر انجمن احمدیہ سے خط و کتابت کریں (۱۰) وظایف مسکین فنڈ کے متعلق درخواستیں صرف دو دفعہ سال میں پیش ہونگی یعنی نومبر اور مئی میں پس جو صاحب درخواستیں بھیجیں وہ اسبات کو محفوظ رکھیں کہ انکا جواب سوائے ان دو اوقات کے نہیں مل سکیگا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ بدون منظوری مجلس کسی کو ناظم کوئی وظیفہ کے لیے درخواست کی گئی ہے یا کرنیکا منشا ہو بیان نہ بھیجیں۔ المعلن خاکسار محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۶ بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۰۷ء نمبر ۸

فہرست مضامین

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر مقبرہ بہشتی قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کے لیے نہایت ضروری ہے ۔ مشرح فہرست ۱/ کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار اللہ اُردو	۸/	قاعدہ عربی اُردو	۱/	تذکرۃ الشہادتین اُردو	۵/	شہادۃ القرآن اُردو	۴/
اجرومیہ عربی	۰/	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عہ	〃 فارسی	۳/	صیان القرآن 〃	۳/
الذکر یعنی ترجمہ نماز و اسمائے الٰہیہ	۲/	مسک العارف ۔ اُردو	۱/	تحفہ قیصرہ اُردو	۲/	کشف الغطا 〃	۲/
پارہ الٓمّ عربی	۲/	نشان آسمانی 〃	۲/	تحفۃ الندوہ 〃	۰/	انہار القرآن حصہ اوّل	عہ/
پنج ارکان اسلام اُردو	۱/	واقعات صحیحہ 〃	۲/	تقریریں 〃	۲/	〃 حصہ دوم	۸/
تفسیر جلالین عربی	عہ/	یسرنا القرآن حصہ اوّل	۱/	تقریروں کا مجموعہ 〃	۳/	لیکچر سیالکوٹ اُردو	۱/
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲/	〃 دوم	۱/	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب 〃	۲/	〃 لاہور مہوتسو 〃	۴/
تقریر جلسہ اہنسا جیبی تقطیع اُردو	۲/	〃 سوم	۱/	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ 〃	۶/	مشکوٰۃ الانوار عربی	۴/
جام شہادت اُردو	۰/	ہدیہ ثاقب اُردو	۲/	حمامۃ البشریٰ عربی	۸/	مواہب الرحمن 〃	۴/
حمائل مترجم ۔ فارسی	عہ/	الہدیٰ عربی	۶/	حجۃ الاسلام اُردو	۱/	مبادی الصرف	۱/
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اُردو	۸/	الحق لودیانہ ۔ اُردو	۶/	خطوط شیعہ کا جواب 〃	۲/	نسیم دعوت ۔ اُردو	۴/
سلسلہ دینیہ ۔ اُردو	[illegible]	〃 دہلی ۔ 〃	۸/	خطبہ الہامیہ مع ترجمہ فارسی اُردو	عہ/	نور الدین حصہ اوّل 〃	۲/
سلاسل القرأۃ ۔ عربی نمبر۱	۴/	اعجاز احمدی ۔ عربی	۳/	خلافت راشدہ حصہ اوّل اُردو	۸/	〃 〃 دوم 〃	۴/
〃 نمبر۲	۸/	احسن الکلام اُردو	ـ/	〃 〃 دوم 〃	۴/	ہدیہ سعدیہ عربی	۲/
〃 نمبر۳	۱۳/	ابطال الوہیت مسیح 〃	۱/	خزینۃ العارف حصہ اوّل دوم	۴/	فضل حق ۔ اُردو	۱/
〃 نمبر۴	۱۳/	آیات الرحمٰن 〃	۸/	〃 〃 سوم و چہارم	۸/	سیرۃ المسیح 〃	۸/
آریہ دھرم ۔ اُردو	۴/	دعوت الحق ۔ 〃	۵/	اعلام الناس حصہ دوم	۴/	آسمانی فیصلہ 〃	[illegible]
دینیات کا پہلا رسالہ 〃	۱/	شرح ترمذی ۔ نمبر۱ 〃 نمبر۲	عہ/ عہ/	دعوت دہلی ۔ اُردو	۱/	دافع البلاء 〃	۱/
طریق النجات ۔ نمبر۱	۸/	احمدی کا من نظم پنجابی	۱/	دعوت الندوہ ۔ 〃	۱/	غنیۃ الطالب عربی	عہ/
〃 〃 نمبر۲	۲/	براہین احمدیہ حصہ اوّل	۵/	راز حقیقت ۔ 〃	۱/	شفاء السقام 〃	عہ/
〃 〃 نمبر۳	۸/	〃 〃 دوم	۴/	سرمہ چشم آریہ ۔ 〃	۱۲/	نوٹ ۔ ان قیمتوں میں	
〃 〃 نمبر۴	۱۵/	〃 〃 سوم	۱۰/				
		〃 چہارم	عہ/				
مسل مصطفےٰ اُردو	[illegible]	مکمل براہین	۲/	ست بچن ۔ 〃	۱۰/	محصولڈاک شامل نہیں۔	

مکمل براہین احمدیہ جس میں جلد چہارم بار اوّل کی چھپی ہوئی ہے عہر کو دفتر مقبرہ بہشتی سے مل سکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

حفاظت قرآن کریم

۶- اعتراضوں کے جواب

اگرچہ جسقدر شہادت پہلے پانچ عنوانوں کے نیچے دیجاچکی ہے وہ اس بات کے ثابت کرنیکے لیے کہ قرآن کریم ہر ایک قسم کی تحریف اور تصرف سے محفوظ ہم تک پہنچا ہے اعلیٰ درجہ کی قطعی اور یقینی شہادت ہے اور کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ لیکن چونکہ اس سوال کے تمام پہلوؤں پر بحث کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اس لیے ذیل میں ہم ان تمام اعتراضوں کو جو عیسائیوں نے قرآن کریم کے محفوظ ہونے پر کیے ہیں نقل کرکے انکا جواب دیتے ہیں تاکہ کسی مخالف کو یہ کہنے کی گنجایش باقی نہ رہے کہ فلاں اعتراض کا جواب نہیں دیا گیا۔ جہاں تک میں نے مخالفین کی تحریروں پر غور کیا ہے مندرجہ ذیل اعتراضات پر زور دیا گیا ہے۔

(۱) یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ موجودہ قرآن شریف میں بعض فقرے ناقص اور ٹوٹے ہوئے ہیں اور کہ اصل میں وہ فقرے کمل تھے۔ پس ضرور ہے کہ بعض حصے ضایع ہوگئے ہوں۔

(۲) ایک اور اعتراض یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کے بعض نسخوں کو جو بعض صحابہؓ کے پاس تھے اور جن کی قرائیں حضرت عثمانؓ والے صحیفہ سے مختلف تھیں تلف کرا دیا یا اُن کی اشاعت کو روک دیا۔ پس ان نسخوں کے تلف کرانے سے ضرور قرآن شریف کے کچھ حصے ضایع ہوگئے ہوں گے۔

(۳) ایک اعتراض یہ ہے کہ بعض حصوں کو ہمیشہ کے لیے قرآن شریف میں داخل کرنیکا منشاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہوگا یا نہ تھا یا بعض حصے منسوخ ہوگئے ہونگے اور ممکن ہے کہ زید نے ان امور پر اطلاع نہ پانیکی وجہ سے انکو قرآن شریف میں داخل کر دیا ہو۔

(۴) چوتھا اور بڑا بھاری اعتراض یہ سمجھا جاتا ہے کہ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

وقت میں بعض عبارتیں قرآن شریف میں پڑھی جاتی تھیں جو اب نہیں پڑھی جاتیں جس سے موجودہ قرآن کریم کے ناقص ہونیکا نتیجہ نکالا جاتا ہے۔

(۵) پانچواں اعتراض یہ ہے کہ مسلمانوں میں بعض فرقے ایسے موجود ہیں (جس سے معترض کی مراد فرقہ شیعہ ہے) جو اس بات کو مانتے ہیں کہ قرآن شریف محفوظ نہیں رہا بلکہ ناقص ہے اور اس میں سے بعض حصے نکال دیئے گئے ہیں۔
مختلف مضامین کو پڑھکر جو قرآن کریم کی جمع پر لکھے گئے ہیں ہمنے یہ چند اعتراض مختصر الفاظ میں بطور خلاصہ ان مضامین سے نکالے ہیں۔ اور ان میں تازہ سے تازہ تصانیف جو اسلام کے خلاف لکھی گئی ہیں شامل ہیں۔
اب ہم اسی ترتیب کے ساتھ ان اعتراضوں کا ایک ایک کرکے جواب دینگے۔ اعتراض اوّل کا بڑا حامی ایک مضمون نویس ہے جس نے اسلام (محمڈنزم) پر انسکلو پیڈیا برٹینیکا میں مضمون لکھا ہے۔ یہ مضمون نویس لکھتا ہے کہ حضرت عثمانؓ والے نسخے مکمل نہیں تھے کیونکہ ان میں بعض فقرے ایسے پائے جاتے ہیں جو کھلے طور پر ناقص اور ادھورے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان عبارتوں کا کچھ حصہ جس سے انکی تکمیل ہوتی تھی ضایع ہوگیا ہے۔ ایک طالب حق اور ایک سمجھدار انسان بڑی آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کی اُس مضبوط اور قطعیۃ الدلالت شہادت کے بالمقابل جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ایسا وہم کچھ بھی وقعت نہیں رکھتا بلکہ اسکو دعویٰ بلا دلیل کی ذیل میں رکھکر رد کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ قرآن شریف کا کوئی فقرہ ایک شخص کی نظر میں ادھورا دکھائی دیتا ہے اس لیے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اصل فقرہ ضرور کچھ اور ہوگا اور کچھ حصہ اس کا ضایع ہوگیا ہوگا۔ ہم تو تاریخی شہادت پیش کرتے ہیں کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا وہ سب صحابہؓ نے حفظ کر لیا اور مردوں اور عورتوں نے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا اور اس کے جواب میں یہ وہم پیش کیا جاتا ہے کہ چونکہ کسی صاحب کو کوئی فقرہ مکمل معلوم نہیں ہوتا اس لیے کچھ حصہ ضایع ہوگیا ہوگا۔ معتبر تاریخی شہادت کے خلاف ایسے توہمات کو پیش کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ اب یہ بھی ثابت ہے کہ جسوقت حضرت زیدؓ نے تحریری جمع کے کام کو شروع کیا تو آپنے نہ صرف قرآن شریف کے حافظوں سے ہی مدد لی بلکہ ان تمام تحریروں کو بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی ہدایت سے لکھی گئی تھیں جہاں جہاں وہ تھیں وہاں سے ہی جمع کیا۔ اور اسطرح پر ہر ایک آیت اور ہر ایک لفظ کے متعلق پوری پوری تحقیقات کرکے اسکو صحیفوں میں لکھا۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بعض فقرے ادھورے ہیں یہ خود مخالفین کی عربی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے جہاں کمال فصاحت و بلاغت کسی فقرہ میں پائی جاتی ہے اسکو بوجہ اپنی ناواقفیت کے وہ ادھورا کہدیتے ہیں اور جہاں نہایت باریک اور گہرا تعلق آیات میں ہے وہ بوجہ ایک سطحی نظر سے اسکو دیکھنے کے یہ کہدیتے ہیں کہ ان آیات میں کوئی ربط نہیں ہے۔ پھر ایسے ایسے توہمات کو جو ناواقفیت سے پیدا ہوتے ہیں اعلیٰ درجہ کی تاریخی شہادت کے بالمقابل اعتراضوں کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

پھر گویا اسی بات کی تائید میں کہ بعض فقرے ناقص پائے جاتے ہیں وہی مضمون نویس انسکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ "چند چھوٹے چھوٹے اور الگ الگ ٹکڑے اب تک ایسے پائے جاتے ہیں جو کہ اصل میں قرآن شریف کے حصے تھے مگر زیدؓ نے انکو شامل نہیں کیا" اب ان احادیث پر مفصل بحث چوتھے نمبر کے اعتراض میں آئے گی یہاں میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اعتراض اوّل کے ساتھ اسکو چسپاں کرنیسے معترض کا منشا یہ ظاہر کرنیکا ہے کہ جو فقرے ناقص پائے جاتے ہیں انہیں کے ٹکڑے ابتک حدیثوں میں موجود چلے آتے ہیں۔ اگر یہ ثابت کردیا جاوے کہ بعض فقرے جنکو معترضین ادھورے سمجھتے ہیں وہ ان ٹکڑوں کے ساتھ شامل کرنیسے جو ایسی حدیثوں میں پائے جاتے ہیں درحقیقت کامل ہو جاتے ہیں تو پھر یہ مضمون بھی قابل بحث ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اعتراضوں کی بنا صرف توہمات پر ہے اور کوئی مثال پیش نہیں کیجاتی کہ مثلاً قرآن شریف کا فلاں فقرہ ناقص ہے اور فلاں حدیث میں جو یہ کہا گیا ہے کہ فلاں ٹکڑہ کسی وقت قرآن شریف کا جزو تھا۔ اگر اس ٹکڑہ کو اس ناقص فقرہ کے ساتھ ملا دیا جائے تو انکے ملنے سے ایک کامل فقرہ بن جاتا ہے۔ اگر ایسی کوئی مثال پیش کی جائے تو پھر اعتراض کی صورت بھی بنتی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ ٹکڑے جو احادیث میں بیان کیے گئے ہیں انکے لیے کوئی ایسی جگہ قرآن شریف کے اندر نہیں ملتی کہ جہاں انکو رکھا جاسکے اور اسی سے ان ٹکڑوں کی اصل حقیقت کا پتہ لگتا ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگر ان تمام اعتراضوں پر یکجائی نظر سے غور کیا جاوے تو وہ خود ہی ایک دوسرے کا بطلان کرتے ہیں بات یہ پیش کیجاتی ہے کہ قرآن شریف کے بعض حصے گم ہو گئے اور اسکی تائید میں یہ واقعات پیش کیے جاتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے سوائے ان صحیفوں کے جو اپنی نگرانی میں تیار کرائے تھے باقی تمام صحف قرآنی کو جلا دیا اور انکی نقلیں شایع نہ ہونے دیں اور کہ بعض احادیث میں یہ ذکر ہے کہ بعض ٹکڑے اصل میں قرآن شریف میں پائے جانے تھے جو اب اس میں داخل نہیں ہیں اور کہ بعض فقرے موجودہ قرآن میں ناقص ہیں اور کہ شیعہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بعض حصے جن میں حضرت علیؓ کے فضائل کا ذکر تھا وہ قرآن سے نکالدیئے گئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے مصحف تیار کرا کے اطراف میں بھیجے اور دوسرے نسخوں کو جلانیکا حکم دیا تو اسکو بعد وہ اختلاف جو صحف عثمانی اور دیگر صحایف میں بتلائے جاتے ہیں یا تو موجود رہے اور یا قطعاً نابود ہو گئے اگر ایسے اختلاف صحف عثمانی کی اشاعت سے قطعاً رک گئے تھے تو پھر وہ احادیث جن میں یہ ذکر ہے کہ فلاں ٹکڑہ قرآن شریف میں داخل تھا بالکل غلط ثابت ہوتی ہیں۔ اور اگر ایسے اختلاف بعد میں بھی کچھ نہ کچھ محفوظ چلے آئے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے نسخے قرآن کریم کے دنیا سے کیوں نابود ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کی سلطنت میں اگر یہ ممکن نہ تھا تو اس کے بعد کون روکنے والا تھا۔ جن لوگوں نے ان اختلافات کو نسلاً بعد نسل محفوظ رکھا تھا کیوں کچھ وقت گذرنے کے بعد جب اسلام کی سلطنت متفرق ہو گئی انہوں نے انکو اپنے نسخوں میں درج نہ کر لیا اور کون مانع ہوا۔

پھر ایک دوسری مشکل اس میں یہ پیش آتی ہے کہ اگر وہ حصص جنکو کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان نے چھوڑ دیا تھا محفوظ رہے یا کل نہیں تو ان میں سے بعض ہی محفوظ ہے تو چاہیئے تھا کہ وہ یا تو اعتراض نمبر اوّل اور یا اعتراض نمبر پنجم کے مطابق ہوتے۔ یعنی ان سے یا تو فرضی نقص بعض فقرات کا دُور ہوتا یا حضرت علیؓ کی فضیلت ان میں پائی جاتی۔ مگر تعجب یہ ہے کہ یہ ٹکڑے جنکا ذکر احادیث میں ہے نہ تو فرضی نقص کو پورا کرتے ہیں نہ ہی حضرت علیؓ کی فضیلت کی بُو تک انہیں پائی جاتی ہے۔ جو حصص گم ہوئے تھے انکا تو نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اور جو حدیثوں میں ٹکڑے پائے جاتے ہیں وہ گم شدہ حصص میں سے نہیں ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں اور اس سے ایک دانشمند آدمی ایک مفید نتیجہ پر نہیں پہنچتا؟ ایک چیز کے گم ہونیکا دعویٰ کیا جاتا ہے اور اس کی تائید میں یہ پیش کیا جاتا ہے کہ فلاں جگہ سے وہ چیز یا اس کے کچھ اجزا برآمد ہوگئے ہیں مگر جب اس برآمد شدہ مال کو دیکھا جاتا ہے تو یہ قطعاً اس مال کا کوئی حصہ ثابت نہیں ہوتا جس کے گم ہونیکا دعویٰ کیا گیا تھا۔ پس اس دعویٰ کے بطلان پر یہی ایک دلیل کافی ہے۔ پھر کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ حضرت علیؓ کی فضیلت کے بعض حصص قرآنی حضرت عثمانؓ نے چھوڑے اور حضرت علیؓ خود ہی حضرت عثمانؓ کے بعد خلیفہ ہوئے مگر وہ اپنی فضیلت کے حصص کو دوبارہ قرآن شریف میں درج نہ کر سکے۔ پس یہ تمام اعتراض خود ہی ایک دوسرے کی بیخکنی کرنیوالے ہیں۔ مگر ہم اپنے ناظرین کی مزید اطمینان کے لیے ان میں سے ہر ایک اعتراض پر الگ الگ بحث کر کے بھی انکا جھوٹا ہونا دکھاویں گے۔

اب ہم دوسرے اعتراض کو لیتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے یہ حکم دیا کہ سوائے ان اصلی صحف کے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وقت میں تیار ہوئے تھے۔ اور ان مصحفوں کے جو ان صحف سے خود حضرت عثمانؓ نے نقل کرائے تھے باقی تمام نسخے قرآن شریف کے جلا دیئے جاویں۔ اب ان مصحفوں میں سے جو جلائے گئے یعنی جن کے جلانیکا حکم دیا گیا دو مصحفوں کو صحف عثمانی کے بالمقابل معترضین خاص وقعت دیتے ہیں یعنی حضرت ابن مسعودؓ کا مصحف اور حضرت ابی بن کعبؓ کا مصحف۔ ان مصحفوں اور عثمانی مصحفوں میں جو اختلاف بتایا جاتا ہے اس کے متعلق انسکلوپیڈیا برٹینیکا کے مضمون نویس کی رائے اس قابل ہے کہ اسے مخالفانہ نکتہ چینی کا جہاں تک ایسی نکتہ چینی مجنونانہ رنگ اختیار نہیں کرتی بہترین نمونہ سمجھا جاوے۔ یہ وہی مضمون نویس ہے جس کے مضمون محمدنزم کا میں پہلے بھی حوالہ دے چکا ہوں۔ وہ لکھتا ہے۔ "ساتھ ہی اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف کی دوسری صورتیں فی الفور نابود نہیں ہوگئی تھیں خصوصیت سے ہمیں ابی کے نسخہ کے متعلق کچھ اطلاع ملتی ہے۔ جو فہرست اس کی سورتوں کی دیگئی ہے اگر وہ صحیح ہے تو یہ ماننا پڑیگا کہ ابی کے نسخہ میں وہی کچھ تھا جو ہمارے موجودہ قرآنوں میں ہے اس صورت میں یہ ماننا پڑتا ہے کہ ابی کے مصحف کی بنا بھی انہی اصل صحف پر ہوگی جو حضرت زیدؓ نے جمع کیے تھے۔ یہی بات ابن مسعود کے مصحف پر بھی صادق آتی ہے اور اسکی فہرست مضامین بھی ہم تک پہنچی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لمبی سورتوں یعنی طوال کو پہلے رکھنے کے اصول پر ابن مسعود

نے زید سے بھی بڑھکر عمل کیا۔ اس کے مصحف میں پہلی سورۃ یعنی فاتحہ اور ایک سو تیرھویں اور ایک سو چودھویں سورتیں یعنی معوذتین نہیں لکھی گئیں۔ اس کے برخلاف ابی نے اپنے مصحف میں دو دعائیہ فقرے زیادہ لکھ رکھے تھے جن کو ہم (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سمجھ سکتے ہیں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس قسم کے اختلاف ہوئے ہونگے کہ آیا ایسے دعائیہ جملے قرآن شریف کا جزو ہیں یا نہیں۔ ان دونوں مصحفوں کی بعض قرائتیں جو مصحف عثمانی کی قرائتوں سے مختلف ہیں محفوظ رہی ہیں اور انکے پرانے اختلافات قرأت کی بھی ایک بڑی تعداد محفوظ ہو کر ہم تک پہنچی ہے۔ ان میں سے ایک کثیر حصہ قرائتوں کا ایسا ہے جو موجودہ قرأت سے بہت کم درجہ کا ہے لیکن بعض قرائتیں ایسی بھی ہیں جو مروجہ قرأت کے ہم پلہ ہیں اور چند ایک ایسی ہیں جنکو موجودہ قرأت پر ترجیح دیجا سکتی ہے"

لیکن اس مضمون نویس کی صحیح صحیح رائے ناظرین کے سامنے پیش کرنیکے لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسی جگہ سے ایک اور فقرہ کا ترجمہ بھی ہدیہ ناظرین کیا جاوے اس فقرہ میں جو منقولہ بالا فقرہ کے ساتھ ملحق ہے اور جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے وہ دلایل دیے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل قرآن شریف وہی ہے جو عثمانی مصحفوں اور انکی نقلوں میں موجود ہے۔ "صرف ایک ہی شخص ایسا معلوم ہوتا ہے جس نے واقعی طور پر حضرت عثمانؓ کے مصحفوں کے جاری ہونیکے وقت کچھ مخالفت کی اور یہ ابن مسعود تھا۔ وہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سب سے پرانے مریدین میں سے تھا۔ اور بہت موقعوں پر اس نے آپ کی خدمات بھی کی تھیں۔ لیکن اسکے خیالات کا دائرہ وسیع نہ تھا۔ اگرچہ وہ اسلامی مذہبی علم کلام میں ایک بڑا رکن مانا جاتا ہے اس کی مخالفت کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ اب جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اس وقت بہت سے ایسے مسلمان زندہ موجود تھے جنھوں نے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے قرآن شریف سنا ہوا تھا۔ اور پھر جب اس بات کو بھی دیکھتے ہیں کہ کمزور خلیفہ عثمان کی بعض دوسری تجاویز کی مذہب کے متعصب حامیان نے بڑی سخت مخالفت کی۔ اور کہ ان لوگوں کا مخالفانہ جوش عثمان کے بعض حریص پرانے رفیقوں کے سبب سے اور بھی تیز ہو گیا یہانتک کہ آخرکار انہوں نے خلیفہ کو قتل کر دیا۔ اور بالآخر اس بات پر غور کرتے ہیں کہ خلیفہ کی موت کے بعد جو خانہ جنگیاں ہوئیں ان میں مختلف فریق اس بات کی تلاش میں لگے رہتے تھے کہ کوئی ایسی وجوہ انکے ہاتھ میں آجائیں جنسے وہ اپنے مخالفین پر کفر کا فتویٰ لگا سکیں۔ جب ہم ان تمام باتوں پر غور کرتے ہیں تو انسے صاف طور پر مصحف عثمانی کے اصل قرآن ہونیکا نتیجہ نکلتا ہے کیونکہ کسی فریق نے یہانتک کہ حضرت علیؓ کے فریق نے بھی اس معاملہ میں حضرت عثمانؓ پر اعتراض نہیں کیا۔ اور نہ اس مصحف کو چھوڑا جو زید نے تیار کیا تھا جو حضرت عثمانؓ اور انکے خاندان کا مخلص وفادار تھا"

میںنے یہ لمبے فقرے اس غرض سے نقل کیے ہیں تاکہ ناظرین خود اعتراض کی وقعت کو دیکھ سکیں اور معلوم کر سکیں کہ مخالفین اگر سوچ سمجھکر چلیں تو موجودہ قرآن کے اصل قرآن ہونے پر کہانتک اعتراض کر سکتے ہیں۔ میں یہ بھی کہہ چکا ہوں

کہ اس مضمون نویس کی رائے مخالف نکتہ چینی کو عمدہ سے عمدہ پیرایہ میں بیان کرتی ہے اور اس لیے اس کی تردید سے ان تمام اعتراضوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے جو معترضین نے کیے ہیں میرے خیال میں کیا انگریزی اور کیا اردو تحریروں کو جہانتک پڑھا جائے اس سے باوقعت اعتراض کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اس بات کا ظاہر کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلام پر بعض دیسی عیسائی صاحبان نے مجنونانہ اعتراض بھی کیے ہیں۔ یہ لوگ جو پیٹ کی خاطر عیسائی ہوتے ہیں صرف اسی بات کو اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح پادری صاحب کو خوش کریں اور اس کے لیے انہیں بہتر سے بہتر طریق یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے مذاہب پر اعتراض بنائے جاویں۔ ایسی ایک تحریر کی مثال تاویل القرآن ہے جس کا مصنف قرآن کریم کی حفاظت کے دعویٰ کو سُنکر مجنون وار اعتراض شروع کر دیتا ہے اور اسکے ایک ایک لفظ سے غیظ ٹپکتا ہے وہ اس دعویٰ کو سُن بھی نہیں سکتا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں پر رعشہ پڑ جاتا ہے۔ اور اس غیظ میں وہ مجنونوں کی طرح بلا سوچے سمجھے لکھتا چلا جاتا ہے۔ اس کی ایمانداری کا حال مَیں پہلے بتا چکا ہوں کہ کس طرح صریح تحریف معنوں میں کرتا ہے۔ یہ شخص اپنے تاریخ قرآن کو ان الفاظ سے شروع کرتا ہے۔ ’’میری زندگی کی برسوں کے دن تھوڑے رہے اور برے‘‘ اور پھر تشریح دعویٰ کرتا ہوا لکھتا ہے کہ ’’اس امر کا کہ قرآن شریف کا کوئی بڑا حصہ ساقط ہو گیا اور جو بچ گیا وہ بدنظمی سے مرتب ہوا اکثر محققین کو اعتراف کرنا پڑا‘‘ اور پھر اخیر پر لکھتا ہے کہ ’’جو قرآن اب ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے وہ اصل قرآن کا ایک ایڈیشن ہے اس وقت اس سے زیادہ بہتر اور معتبر ایڈیشن بھی موجود تھے۔ جیسے نسخہ ابوبکر یا نسخہ عبد اللہ بن مسعود یا نسخہ ابی بن کعب یا نسخہ علی یا ان سب کے علاوہ کوئی اور .... حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے اہتمام سے جو نسخہ قرآن تیار ہوا تھا وہ حضرت عثمان کے نسخہ سے ضرور افضل تھا۔ گو ابن مسعود یا ابی بن کعب یا حضرت علی کے قرانوں کی ٹکر کا نہ تھا.... ہم بھی ان سب مصاحف قرآن کی نسبت جو حضرت عثمان کے ہاتھوں شہید ہو گئے یہی کہتے ہیں کہ اگر آج کو وہ یا انکی نقول بھی ہم تک پہنچتیں تو ان سب سے بہت بڑا ذخیرہ علم دین کا حاصل ہوتا ایسا کہ جس کے مقابل صحیفہ عثمانی دریا کے مقابل گڑھا متصوّر ہوتا‘‘ اور پھر ایک دوسری جگہ یہی شخص یوں بڑ ہانکتا ہے ’’یہ بالکل مبالغہ نہیں کہ جو بدنظمی و بے احتیاطی قرآن کے حق میں ابتدائً سرزد ہوئی۔ دنیا میں کسی کتاب کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ گو وہ صحیفہ قرآن جو حضرت عثمان نے جمع کرایا ہم تک بے کم و کاست پہنچا۔ مگر وہ قرآن جو آنحضرتؐ چھوڑ گئے گم ہو گیا۔ اور یہ جو باقی ہے صرف اُسکی یادگار ہے کچھ بے ترتیب حصص جو اپنی قسمت سے بچ رہے‘‘ اور پھر ایک جگہ سبعۃ احرف کی بحث کرتا ہوا لکھتا ہے ’’پس ہم کو یہ ماننا پڑا کہ وہ قرآن جو حضرت پر نازل ہوا وہ ہفتگانہ قرآن تھا۔ اور لفظ قرآن کا اطلاق حقیقت میں ان ساتوں حروف کے مجموعہ پر ہوتا تھا۔ اور اب جو قرآن موجود ہے یعنی صحیفہ عثمانی وہ زیادہ سے زیادہ صرف کسی ایک حرف پر مشتمل ہے اور اس لیے اگر بہت رعایت کریں تو اسکو

صرف ایک ساتواں حصہ سالم قرآن اصلی کا کہہ سکتے ہیں"۔ ایسے شخص کا جواب صرف یہی کافی ہے کہ وہ معترضین جن کی مخالفت کیحالت اس مصنف کی طرح جنون کی حد تک نہیں پہنچ گئی وہ خود اس کے ان تمام لایعنی دعووں اور مجنونانہ بڑوں پر لعنت بھیجتے ہیں اور یہ گواہی دیتے ہیں جیساکہ میور نے اور انسکلوپیڈیا برٹینیکا کے مضمون نویس نے دی کہ جس حفاظت سے قرآن کریم ہم تک پہنچا ہے اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی اور کہ تمام واقعات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اصل قرآن وہی ہے جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اور جو مصحف ہائے عثمانی کی نقل ہے۔ اور کہ مصحف عثمانی ہی اصل قرآن تھا۔ اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی یا تغیر تبدل نہیں ہوا۔

اب ہم اصل اعتراض کی طرف واپس آتے ہیں۔ اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ ابن مسعود اور ابی بن کعب کے مصحف بلحاظ ترتیب اور بلحاظ عبارتوں کے عام طور پر مصحف عثمانی کے مطابق ہی تھے۔ اور یہ مطابقت یہانتک تھی کہ راقم مضمون اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ ابن مسعودؓ اور ابیؓ نے اپنے مصحف ان صحف کی بنا پر تیار کیے تھے جو زیدؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں جمع کیے تھے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہی جمع ہوچکا تھا اور اسی بنا پر ابن مسعود یا ابی بن کعب یا زید کے مجموعے تیار ہوئے تھے۔ یہی وجہ انکی مطابقت کی تھی کیونکہ وہ سب ایک ہی سرچشمہ سے لیے گئے تھے ہاں فرق صرف اسقدر تھا کہ حضرت زیدؓ نے جو صحف میں قرآن شریف کو جمع کیا تو اس میں حد درجہ کی احتیاط سے کام لیا گیا اور تمام اصل تحریریں لکھی گئیں۔ اور تمام صحابہؓ کے اتفاق اور مشورہ سے یہ جمع وقوع میں آئی لیکن ابن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ کی کوششیں صرف ذاتی تھیں اس لیے انکا کسی موقعہ پر غلطی کھاجانا بھی ممکن تھا۔ بہرحال جو اختلاف ان مصحفوں کی مصحف عثمانی سے بتائے جاتے ہیں وہ صرف دو قسم کے تھے۔ یعنی اوّل یہ کہ ابن مسعودؓ کے مصحف میں معوذتین اور فاتحہ قرآن کریم کے اندر نہ لکھی گئی تھیں اور ابیؓ کے مصحف میں دو دعائیہ فقرے زاید لکھے ہوئے تھے۔ اور دوم کچھ قرأتوں کا اختلاف تھا۔ لہٰذا میں ان دو اختلافوں کی حقیقت پر غور کرونگا۔ اور تاویل القرآن کے مصنف کے بے سروپا اور لایعنی دعوے اس قابل نہیں ہیں کہ انکی طرف توجہ بھی کیجاوے اور خود اس کے ہم مذہبوں کی تحریریں اسکے مجنونانہ دعووں پر نفرین بھیجتی ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے مصحف صرف صحف ابی بکر کی نقل تھے۔ اور نقل کرنیوالے بھی خود وہی حضرت زیدؓ تھے جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے وقت صحف کو جمع کیا تھا۔ اور حضرت علیؓ کے مصحف کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ بھی واقعات کے سامنے باطل ثابت ہوتا ہے اگر حضرت علیؓ کے پاس ایسا کوئی مصحف تھا تو کیوں کبھی اسکی اشاعت نہ ہوئی بالفرض اگر حضرت عثمانؓ مانع ہوئے تھے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے وقت میں کون مانع ہوا تھا۔ اور کم از کم یہ تو ضرور تھا کہ اگر اور کبھی موقعہ اس کی اشاعت کا نہ ملا تھا تو حضرت علیؓ اپنی خلافت میں ہی اسکو شایع کرتے اور دنیا میں پھیلاتے۔ اور عجیب تر یہ کہ حضرت عثمانؓ

کے وقت میں مصحف نقل کرانے میں خود حضرت علیؓ بھی مددگار ہوئے اور اپنے مصحف کا کبھی نام تک نہ لیا۔

ہمارے سامنے اب اس اعتراض کے متعلق یہ سوالات حل طلب ہیں۔ کیا ابیؓ اور ابن مسعودؓ کے پاس اپنے اپنے مصحف الگ تھے۔ کیا انکا مصحف عثمانی سے کوئی اختلاف تعداد سور اور قرأتوں میں تھا اور اگر تھا تو کسقدر۔ پہلے ابی کو لو۔ کوئی معتبر حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ ابی کا مصحف الگ تھا جسکا مروجہ قرآن سے اختلاف تھا یا یہ کہ اس مصحف میں علاوہ قرآن شریف کی ایک سو چودہ سورتوں کے دو دعائیہ جملے اخیر پر زاید لکھے ہوئے تھے۔ ایسی احادیث جلال الدین سیوطی کی اتقان میں ملتی ہیں۔ اور اس لیے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ سیوطی کی احادیث پر ہم کہاں تک اعتبار کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے میں ناظرین کو شاہ عبدالعزیز دہلوی کے عجالۂ نافعہ کا حوالہ دیتا ہوں جو اصول علم حدیث پر ایک مختصر سا مگر نہایت قیمتی رسالہ ہے۔ شاہ صاحب نے احادیث کو چار طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ طبقہ اوّل میں جو سب سے زیادہ معتبر ہے وہ موطا امام مالک اور بخاری اور مسلم کو رکھتے ہیں۔ دوسرے طبقہ میں ابوداؤد ترمذی اور نسائی کو رکھا ہے۔ اور انکو بلحاظ اعتبار کے طبقہ اوّل سے کم درجہ کی تسلیم کیا گیا ہے۔ تیسرے طبقہ میں ایسی کتابیں رکھی گئی ہیں جن کی عام طور پر قبولیت نہیں ہوئی اور نہ ایسی احادیث کو محض ان کتابوں میں ذکر کیا جانیکی وجہ سے قابل سند مانا گیا ہے بلکہ ان میں ایسی روایتیں بھی ہیں جنکے راویوں کے ثقہ ہونے پر اور انکی راستگوئی پر بڑی جرح ہوئی ہے۔ اس طبقہ میں احادیث کی ایسی کتابیں جیسے طبرانی۔ طحاوی۔ بیہقی۔ مستدرک حاکم۔ مسند ابن ماجہ۔ مسند دارمی اور اور چند کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سب سے آخری طبقہ احادیث کا چوتھا طبقہ ہے۔ جس کے متعلق شاہ صاحب یوں لکھتے ہیں۔

طبقہ رابعہ۔ احادیثے کہ نام و نشان انہا در قرون سابقہ معلوم نبود و متاخراں انہارا روایت کردہ اند پس حال انہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند و انہارا اصلی نیافتہ اند تا مشغول بروایت انہا مے شدند یا یافتند و در انہا قدحے و علتے دیدند کہ باعث شد ہمہ انہارا بر ترک روایت انہا۔ و علی کل تقدیر ایں احادیث قابل اعتماد نیستند .... و مایہ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی در رسائل و نوادر خود ہمیں کتابہا است۔ یعنی چوتھے طبقہ کی حدیثیں وہ ہیں جن کا پہلے زمانوں میں کہیں نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا اور متاخرین نے ہی انکو روایت کیا ہے پس ایسی حدیثیں دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو پہلے لوگوں نے خوب تحقیق کی اور ان حدیثوں کو اصلی نہ پایا اس لیے انکی روایت نہ کی یا اگر انہوں نے انکو پایا تو ان میں ایسی قدح اور علت دیکھی کہ سب کے سب نے ان روایتوں کو چھوڑ دیا دونوں صورتوں میں یہ احادیث قابل اعتبار نہیں ہیں .... اور شیخ جلال الدین سیوطی کی تصنیفوں کی کل پونجی اپنے رسالوں اور نوادر میں اسی قسم کی کتابیں ہیں۔

پس اول تو اسی سے قیاس کر لینا چاہیئے کہ اتقان کی حدیثوں پر کہانتک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یہ حدیثیں محققین کے نزدیک بالکل ناقابل اعتبار ہیں اور یا تو محض وضعی ہیں یا ایسی کمزور اور ناقابل اعتبار کہ کسی محدث نے انکی روایت کو نہیں لیا۔ اب ایک اور امر قابل ذکر ہے۔ اور وہ یہ کہ نہ صرف ان احادیث کو اعلیٰ طبقہ کی احادیث سے کچھ تائید نہیں ملتی بلکہ تردید ہوتی ہے۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابی بن کعب بھی اس کمیٹی میں تھے جس کے سپرد حضرت عثمانؓ نے مصحفوں کا نقل کرانا کیا تھا۔ بعض اور احادیث ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں بھی ابی بن کعب نے جمع قرآن کے کام میں مدد دی۔ لیکن اگر بفرض محال اس بات کو بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ابی کے پاس ایک الگ مصحف بھی تھا جس میں انہوں نے علاوہ قرآن شریف کی سورتوں کے دو دعائیہ جملے بھی لکھے ہوئے تھے تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ وہ دعائیہ جملے فی الواقع جزو قرآن شریف تھے بلکہ اس سے تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ابی بن کعب انکو قرآن شریف کی دو سورتیں سمجھتے تھے۔ اور اگر ابی کا یہ خیال بھی ہو تو بھی اس سے مصحف عثمانی پر کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ ہزارہا صحابہؓ کی متفقہ شہادت ایک طرف اور ابی کا خیال ایک طرف۔ قبل اس کے جو ابی کے اس خیال کو مصحف عثمانی پر حملہ کرنیکے لیے پیش کیا جاوے ان صحابہؓ کا نام تو معترضین کو لینا چاہیئے جنہوں نے ابی کے اس خیال کی تائید کی۔ ابن مسعودؓ جن کے خیالات بعض امور کی نسبت اجماع صحابہؓ سے الگ تھے وہ بھی ابی کی تائید نہیں کرتے اور ان دو جملوں کو قرآن کریم کا جزو قرار نہیں دیتے۔ اب اگر ایک شخص تحقیق کر کے اعتراض کرتا تو اسے تو یہ لازم تھا کہ پہلے وہ شہادت کا وزن کرتا اور پھر دیکھتا کہ آیا اعتراض کی صورت بھی بنتی ہے۔ قرآن کریم کوئی ایک یا دو شخصوں کی جائداد تو تھی نہیں کہ جو کچھ وہ کہدیں وہی صحیح تسلیم کر لیا جائے اور یہ خیال کر لیا جائے کہ باقی صحابہؓ کو کوئی علم ہی نہ تھا۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ صرف ایک ابی کو یہ معلوم ہوتا کہ فلاں دو دعائیہ جملے قرآن شریف کا جزو ہیں اور باقی ہزارہا صحابی اس سے بالکل بے خبر رہتے اور انکے کانوں تک یہ بات ہی کبھی نہ پہنچتی۔ قرآن کریم کی ہر ایک آیت اس کے نزول کے وقت دشمنوں اور دوستوں کے درمیان کثرت سے شایع ہو جاتی تھی۔ اب ایک شخص سے ایک غلطی بھی ہو سکتی تھی جس کی اصلاح ہزارہا دوسرے شخصوں کی شہادت سے ہو سکتی تھی۔ بلکہ یہ ایک خصوصیت قرآن کریم کو حاصل ہے کہ اس کی ہر ایک آیت ہزارہا لوگوں کے سینوں میں فی الفور محفوظ ہو جاتی تھی۔ اور اسطرح پر قرآن شریف کا محافظ کوئی فرد واحد نہ تھا۔ بلکہ ہزارہا محافظ تھے۔ اور ایک آدمی کی غلطی کی اصلاح دوسروں کی شہادت سے فی الفور ہو سکتی تھی۔ پس تمام صحابہؓ کی متفقہ شہادت ہی ایک ایسا امر ہے جو غلطی کرنیسے بچا سکتا ہے۔ اب اگر مصحف عثمان اور مصحف ابی میں کوئی اختلاف تھا تو اس کی صورت یہ نہ تھی کہ حضرت عثمان ایک بات کہتے ہوں اور ابی اس کے مخالف کوئی دوسری بات کہتے ہوں بلکہ یہ اختلاف ابی کا تمام جماعت صحابہؓ سے تھا۔ حتیٰ کہ ابن مسعود سے بھی

اختلاف تھا۔ پس ایسی صورت میں کسی معترض کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ کہدے کہ ممکن ہے کہ حق ابی کے ساتھ ہو یعنی ابی کی بات سچی ہو۔ کیونکہ ابی کی رائے اکیلی تھی اور اس کے خلاف تمام صحابہؓ کی متفقہ شہادت تھی پس جبکہ یہ بھی ثابت ہے کہ ہر ایک آیت نازل ہونیکے وقت عام طور پر شایع ہوجاتی تھی۔ اور دوسری طرف ابی کے خیال کا مؤید صحابہؓ میں سے ایک آدمی بھی نہیں ملتا بلکہ وہ کھُلے طور پر ابی کی بات کو غلط قرار دیتے ہیں تو یہ ماننا پڑیگا کہ ابی غلطی پر تھا کیونکہ یہ تو قرین قیاس ہے کہ ایک شخص سے غلطی ہوجائے اور دوسرے اسکی اصلاح کردیں مگر یہ ممکن نہیں کہ قرآن شریف کا کوئی حصہ نازل ہوا ور اس کا علم سوائے ابی کے اور ایک صحابی کو بھی نہ ہو۔ یہ سب باتیں اس روایت کو جو اتقان میں موجود ہے قابل اعتبار فرض کرکے لکھی گئی ہیں۔ اور در اصل جیساکہ میں دکھاچکا ہوں یہ روایت ہرگز قابل اعتبار نہیں ہے۔

اب ہم ایک اور پہلو سے اسی معاملہ پر نظر کرتے ہیں۔ اتقان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو جملے جن کو حفد اور خلع کی سورتوں کے نام سے نامزد کیا گیا ہے دعائے قنوت کے دو حصے ہیں۔ اور اسطرح پر ہیں۔ فقرہ اوّل۔ اللّٰھم انا نستعینك و نستغفرك و نثنی علیك الخیر و نخلع و نترك من یفجرك۔ فقرہ دوم۔ اللّٰھم ایاك نعبد و لك نصلی و نسجد و الیك نسعی و نحفد و نرجو رحمتك و نخشی عذابك ان عذابك بالکفار ملحق۔ ترجمہ فقرہ اوّل کا یہ ہے۔ اے اللہ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اور تیری ہی حفاظت طلب کرتے ہیں اور تیری نیک ثنا کرتے ہیں اور جو شخص تیری نافرمانی کرتا ہے ہم اس سے بیزاری ظاہر کرتے اور اُسے چھوڑتے ہیں۔ اور دوسرے فقرہ کا ترجمہ یہ ہے اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی لیے نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں اور تیری طرف ہی بھاگ کر آتے ہیں اور تیری ہی خدمت کرتے ہیں اور تیری رحمت کی امید کرتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں کیونکہ تیرا عذاب کافروں کو جالگتا ہے۔

یہ وہی دعائے قنوت ہے جس کو مسلمان نماز میں پڑھتے ہیں اور یہ دعا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی ہے۔ دعائے قنوت کی اور بھی بعض صورتیں صحیح احادیث میں آئی ہیں اور مندرجہ ذیل دعا بہت مشہور ہے۔ اللّٰھم اھدنی فی من ھدیت و عافنی فی من عافیت و تولنی فی من تولیت و بارك لی فیما اعطیت و قنی شر ما قضیت فانك تقضی و لا یقضی علیك انه لا یذل من والیت و لا یعز من عادیت تبارکت ربنا و تعالیت۔ مشکوٰۃ باب الوتر۔ اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ دعائے قنوت کی یہ دونوں صورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں مروی ہیں اور قرآن کریم سے انکو کوئی تعلق نہیں ہے۔ مسلمانوں میں سے کیا سابقین اور کیا متاخرین سب دعائے قنوت کو پڑھتے رہے ہیں جسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا انکو سکھائی تھی۔ پس صحابہؓ کے

علم کی حد صرف اسی بات تک نہ تھی کہ دعائیہ جملے جنکو ابی بموجب روایت اتقان اپنے مصحف میں شامل کرتے تھے۔ انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قرآن کا حصہ بتا کر نہیں سکھائے تھے بلکہ انکو یہ بھی علم تھا کہ یہ دعائیہ جملے انکو سکھائے بھی گئے ہیں مگر انکو جزو قرآن قرار نہیں دیا گیا اس طرح پر صحابہؓ کی شہادت برخلاف ابی کے صرف لاعلمی کی شہادت ہی نہ تھی کہ وہ کہتے ہوں ہمیں کبھی یہ جملے سکھائے ہی نہیں گئے بلکہ انکی شہادت یہ تھی کہ یہ جملے تو ہمیں سکھائے گئے ہیں مگر ساتھ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ یہ قرآن کا جزو نہیں اسی لیے صحابہؓ میں سے کسی نے ابی کی بات کی تائید نہیں کی بلکہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس دعاء القنوت کو پڑھا اور اپنے صحابہؓ کو بھی سکھایا مگر کبھی اسکو جزو قرآن نہیں کہا۔ ممکن ہے کہ ابی کو صرف اس بات سے غلطی لگی ہو کہ یہ جملے نماز میں پڑھے جاتے ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ اور بھی بہت سارے دعائیہ جملے نماز میں پڑھے جاتے تھے جو جزو قرآن نہیں تھے۔ اور یہ جملے بھی قرآن شریف کی آیات کی طرح فاتحہ کے بعد نہ پڑھے جاتے تھے اور نہ کبھی اس بات کو کافی سمجھا گیا کہ سورۃ فاتحہ کے بعد آیات قرآنی پڑھنے کی بجائے انہی دو جملوں کو پڑھ لیا جائے۔ پس اگر ابی نے ان دعائیہ جملوں کو مصحف میں لکھا یا قرآن کریم کا حصہ سمجھا تو یہ محض انکا خیال تھا اور غلط خیال تھا اور ہزارہا صحابہؓ کی قطعی شہادت اس کے خلاف بتاتی ہے کہ یہ جملے جزو قرآن ہرگز نہیں تھے کیونکہ اوّل تو حضرت ابوبکرؓ کے وقت جمع قرآن میں کل صحابہؓ اس کام میں شامل تھے۔ اور وہ جمع کسی ایک آدھ آدمی کی رائے سے نہیں ہوئی پھر جب حضرت عثمانؓ نے اسی قرآن کریم سے نئے نسخے لکھوائے تو اس وقت بھی نقل کے اہتمام میں بہت سے صحابہؓ شامل تھے علاوہ ازیں کسی صحابی سے کوئی روایت نہیں پائی جاتی کہ یہ قرآن شریف کا جزو ہیں اور مصحف عثمانی میں یہ نقص رہ گیا ہے کہ انکو داخل نہیں کیا گیا۔ بلکہ اگر ابی کا کوئی اختلاف تھا تو انہوں نے خود حضرت عثمان کے ساتھ انہی نقلوں کے اہتمام میں شامل ہو کر اپنی غلطی کو تسلیم کیا کیونکہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے اس بات پر زور دیا ہو کہ یہ فقرے بھی مصحف کے اندر لکھے جانے چاہئیں اور بموجب ایسی ہی روایات کے آخر اپنا مصحف حوالہ حضرت عثمانؓ کر کے حضرت عثمانؓ کے مصحف کی صحت کو قبول کیا۔ میں نہیں سمجھتا اس سے بڑھکر اور واضح تر شہادت مصحف عثمانی کی صحت کی کیا ہو سکتی ہے۔

اختلاف قرأت کے سوال کو میں بالفعل چھوڑتا ہوں کیونکہ یہ مضمون لمبا ہے اور الگ عنوان کے نیچے بحث چاہتا ہے چنانچہ اسپر اگلے رسالہ میں بحث آئیگی۔ اب ہم ان اختلافات پر غور کرتے ہیں جو ابن مسعود کی طرف منسوب کیے گئے ہیں یعنی یہ کہ وہ معوذتین کو اپنے مصحف میں نہ لکھتے تھے۔ اس کے متعلق بخاری میں حسب ذیل حدیث کتاب تفسیر میں آئی ہے۔ عن زر قال سالت ابی بن کعب قلت ابا المنذر ان اخاك ابن مسعود یقول کذا و کذا۔ فقال ابی سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لی قیل لی فقلت قال نحن نقول کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اسی کی دوسری روایت یوں ہے۔ عن زر

بن جیش قال سالت ابی بن کعب عن المعوذتین فقال سالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال قیل لی فقلت فنحن نقول کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس حدیث کے الفاظ میں کچھ ابہام ہے ترجمہ اس کا یوں ہے کہ زر کہتے ہیں میں نے ابی بن کعب سے پوچھا کہ ابن مسعود معوذتین کے بارہ میں ایسا ایسا کہتے ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے فرمایا مجھے ایسا ہی کہا گیا ہے سو میں نے بنا دیا انہوں نے کہا پس ہم وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ابن مسعود معوذتین کے بارہ میں کیا کہتے تھے آیا واقعی اپنے مصحف میں نہ لکھتے تھے اور اگر نہ لکھتے تھے تو کس وجہ سے کیونکہ ممکن ہے وہ اسے کلام الٰہی سمجھتے ہوں مگر یہ کہتے ہوں کہ انکا لکھنا قرآن شریف میں ثابت نہیں یا اور کچھ کہتے ہوں بہرحال حدیث کے الفاظ میں تصریح نہیں۔ ہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا جواب ابی بن کعب نے یہ دیا کہ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معوذتین کے متعلق دریافت کیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب کیا تھا یہ اسی سے معلوم ہو جائیگا کہ ابی ان سورتوں کو قرآن شریف کا جزو سمجھتے اور مصحف میں لکھتے تھے۔ پس یہی جواب انکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملا تھا۔ ظاہر الفاظ حدیث کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ دونوں سورتیں اسی طرح وحی کی گئی ہیں۔ پس میں نے اس وحی کو لوگوں تک پہنچا دیا۔ مگر بعض دوسری احادیث سے جو کم پایہ کی ہیں یعنی بلحاظ اعتبار کے وہ اس قابل نہیں کہ ہم انکی صحت پر وثوق کر سکیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعود اپنے مصحف میں ان سورتوں کو لکھتے نہ تھے چنانچہ ایک روایت احمد کی ہے ان عبد اللہ بن مسعود کان لا یکتب المعوذتین فی مصحفہ اور ایک اور روایت ان الفاظ میں ہے کان عبد اللہ بن مسعود یحک المعوذتین عن مصاحفہ ویقول انھما لیستا من کتاب اللہ۔ یعنی عبد اللہ بن مسعود معوذتین کو اپنے مصاحف سے کھرچ ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ کتاب اللہ میں سے نہیں ہیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن مسعود کا یہ خیال بعد کا تھا کیونکہ وہ لکھے ہوئے کو کھرچتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل انکا کسی علم کی بنا پر نہ تھا بلکہ اجتہاد کی بنا پر تھا۔ بہرحال کسی دوسرے صحابی نے انکے اس فعل کی تائید نہیں کی۔ جیسا کہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے قال البزار ولم یتابع ابن مسعود علی ذلک احد من الصحابۃ و قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قرأھما فی الصلوٰۃ۔ بزار کہتے ہیں کہ ایک بھی صحابی نے ابن مسعود کی اس بات میں پیروی نہیں کی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے معوذتین کو نماز میں پڑھا۔ صرف اسیقدر نہیں کہ دوسرے صحابہؓ نے ابن مسعود کی بات کی تائید نہیں کی بلکہ خود ابی نے ہی انکی مخالفت کی اور اپنے علم کی بنا پر یہ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو جزو قرآن ہی بنایا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ دو ہی آدمی ایسے بتائے جاتے ہیں جن کے مصاحف میں کسی اختلاف کا ذکر بعض روایات میں موجود ہے اور

وہ دونوں لیتے ہیں کہ نہ صرف ایک دوسرے کی تائید نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے کی مخالفت میں انکی رائے عام رائے صحابہؓ کے موافق ہے اور مصحف عثمانی کو صحیح قرار دیتی ہے ابی دعائے قنوت کو قرآن میں لکھتے ہیں تو ابن مسعود باقی صحابہؓ کے ساتھ انہیں غلطی پر قرار دیتے ہیں۔ ابن مسعود معوذتین کو قرآن میں نہیں لکھتے تو ابی دوسرے صحابہؓ کے ساتھ انہیں غلطی پر قرار دیتے ہیں۔ پس ایک اکیلے آدمی کی رائے ہزارہا آدمیوں کی متفقہ شہادت کے خلاف جو علم کی بنا پر مبنی ہے کیا وقعت رکھتی ہے۔

بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرت سے صحابہؓ صحیح علم اسبات کا رکھتے تھے کہ معوذتین قرآن کریم کا حصہ ہیں اور یہ علم انکا بلا واسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم سے تھا۔ ابی کی شہادت کا اوپر ذکر ہو چکا اور بھی بہت سے صحابیوں سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار ان سورتوں کو نماز میں پڑھا دعائیہ جملوں کے طور پر نہیں بلکہ قرأت کے طور پر۔ یعنی بجائے کوئی اور حصہ قرآن کا پڑھنے کے انہیں سورتوں کو پڑھا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جو دعائیہ جملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پڑھا کرتے تھے جیسے دعاء القنوت وہ قرأت کی بجائے نہ ہوتے تھے مگر معوذتین کو قرأت کے طور پر پڑھا۔ اور یہی صحابہؓ کو سکھایا چنانچہ کئی صحابیوں کی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انکو ہدایت فرمائی کہ انکو نماز میں پڑھا کرو چنانچہ ایک صحابی سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقرأہ المعوذتین وقال لہ اذا انت صلیت فاقرأھما۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ابن مسعودؓ کو کیا غلطی لگی۔ اصل میں بات یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں قل اعوذ برب سے شروع ہوتی ہیں دوسری طرف قرآن شریف میں یہ حکم ہے اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ۔ یعنی جب تو قرآن شریف پڑھے تو اللہ کے نام کے ساتھ پناہ مانگ۔ ادھر ان دونوں سورتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کس طرح پناہ مانگنی چاہیئے۔ ابن مسعودؓ نے یہ خیال کیا کہ اس کلام میں صرف وہ طریق سکھایا گیا ہے جس طرح پناہ مانگنی چاہیئے۔ یہ خیال ہی خیال نہیں بلکہ ایک روایت میں ابن مسعودؓ کے یہ الفاظ موجود ہیں انما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یتعوذ بھما یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ انکے ساتھ پناہ مانگی جاوے۔ جس سے انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ یہ قرآن کریم کا جزو نہیں بلکہ پناہ مانگنے کا طریق سکھاتی ہیں۔ حالانکہ آنحضرتؐ کے اس حکم کا کہ ان کے ساتھ پناہ مانگی جاوے یہ نتیجہ نہیں نکلتا تھا کہ وہ خدا کا کلام یعنی جزو قرآن نہیں ہیں۔ اس سے حضرت ابن مسعودؓ کی غلطی کا صاف پتہ لگتا ہے۔ قاضی ابو بکر باقلانی نے ابن مسعودؓ کے اس فعل کی تشریح یوں کی ہے اور اسی کی تائید قاضی عیاض نے بھی کی ہے۔ کہ ابن مسعودؓ نے انکے جزو قرآن ہونے سے انکار نہیں کیا بلکہ صرف یہی کہا کہ انکو قرآن کریم کے اندر نہ لکھا جاوے جسکی وجہ شاید یہ ہو کہ انہیں آنحضرتؐ سے انکا لکھنا ثابت نہ ہوا ہو۔ خواہ کچھ ہی صورت ہو اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابن مسعودؓ کے اس خیال کی ایک بھی صحابی نے تائید نہیں کی اور اس لیے چونکہ صحابہؓ کی متفقہ

شہادت اس کی رائے کے خلاف ہے اس لیے تاریخی طور پر بھی ہمیں اس کے خیال کو قطعاً غلط ٹھہرانا پڑتا ہے۔ اور یہ اعتراض کہ وہ فاتحہ کو بھی اپنے مصحف میں نہ لکھتے تھے اس سے بھی زیادہ کمزور ہے کیونکہ کسی معتبر حدیث سے اسکا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا صرف چوتھے طبقہ کی احادیث میں سے جنکا ذکر اوپر ہوا ایک حدیث اس بات کو بیان کرتی ہے۔ جس کا ذکر جلال الدین سیوطی نے اتقان میں کیا ہے اس حدیث میں جو واقعہ ابن مسعود کی طرف منسوب کیا گیا ہے اگر وہ صحیح ہے تو اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سورہ فاتحہ کو تمام قرآن کے لیے بطور خلاصہ سمجھا جاتا تھا۔ شاید اسی وجہ پر انہوں نے قرآن کے اندر اسے نہ لکھا ہو۔ یا وہ یہ سمجھتے ہوں کہ جس طرح معوذتین صرف قرآن کے ختم کرنیکے لیے ہیں فاتحہ اس کے شروع کرنیکے لیے ہے اور انہیں قرآن کے اندر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ بہرحال ایک آدمی کے محض خیال کو ہزارہا آدمیوں کی متفقہ شہادت کے خلاف جو وزن دیا جاسکتا ہے وہی ابن مسعودؓ کی ان باتوں کو صحابہؓ کے اتفاق کے مقابل دینا ہوگا۔ اختلاف قرأت کا سوال جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں الگ حل کیا جاوے گا۔

تیسرا اعتراض صرف ایک وہم ہی وہم ہے۔ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا تھا اسی کے مطابق آپ کاتبان وحی سے لکھواتے اور اسی کے مطابق حافظان قرآن حفظ کرتے۔ اگر جمع قرآن صرف تنہا زیدؓ کا ہی کام ہوتا۔ اور اس میں دوسرے صحابہ اس کے معاون نہ ہوتے تو ایسے شکوک کے لیے جگہ مل سکتی تھی کہ ممکن ہے زید سے بعض فقرات رہ گئے ہوں یا بعض فقرات ایسے انہوں نے درج کردیے ہوں جن کو قرآن شریف میں شامل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا نہ تھا۔ لیکن جیسا کہ بہت سی احادیث کی متفقہ شہادت سے جو مختلف سلسلہ رواۃ سے ہم کو پہنچی ہیں ثابت ہوتا ہے زید کے معاون جمع قرآن کے کام میں کل صحابہؓ تھے جنہوں نے قرآن شریف کو لکھا ہوا تھا وہ اپنے اپنے لکھے ہوئے کاغذ لیکر حاضر ہوئے اور جنہوں نے حفظ کیا ہوا تھا انکے حافظوں سے مدد لی گئی حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں بھی صحابہؓ کا جمع قرآن کے کام میں زید کے ساتھ شامل ہونا ثابت ہے۔ اور حضرت عثمانؓ کیوقت میں جب نسخے لکھے گئے اسوقت بھی دیگر صحابہ کا زید کے ساتھ شامل ہونا ثابت ہے۔ پس اس صورت میں جبکہ ابھی بہت سے لوگ ان صحابہؓ میں سے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن شریف کو حفظ کرلیا تھا زندہ تھے۔ یہ بالکل ناممکن تھا کہ کچھ فقرات جو اصل میں قرآن شریف میں شامل تھے غلطی سے شامل ہونیسے رہ جاتے یا بعض فقرات ایسے شامل ہوجاتے جن کے شامل کرنیکا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا تھا۔ ایسی غلطی کا ارتکاب اکیلا آدمی سے ہوسکتا تھا۔ مگر جہاں ایک طرف حفاظ موجود ہوں دوسری طرف کل کی کل تحریریں اکٹھی کی گئی ہوں اور پھر وہ صحابہؓ جو دن رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف سُنتے تھے وہ موجود ہوں وہاں ایسی غلطی کا ارتکاب ناممکن ہے۔ کیونکہ جو غلطی ایک شخص کرتا اسکی اصلاح دوسرے کرسکتے تھے۔ ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ ایک آدھ صحابی سے کوئی غلطی ہوسکتی تھی بلکہ ہم اس بات کو لکھ چکے ہیں کہ اگر ابی اور ابن مسعود کی مصاحف والی روایتیں

درست ہیں تو ان بزرگوں سے بعض غلطیاں ہوجانیکی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی ہی رائے کے مطابق سب کام کیا۔ مگر ہم جس بات پر زور دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ زید کی جمع اور پھر نسخ مصاحف کے وقت ایسی امکانی غلطیوں کی اصلاح کے اتنے بڑے ذرایع موجود تھے کہ غلطی کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔ چہ جائیکہ اسکا وقوع ثابت ہو۔ زید نے بڑی محنت سے قرآن شریف کو جمع کیا جو کامل سورتیں نازل ہوئی تھیں انکو سورۃ سورۃ کرکے جمع کیا اور جہاں متفرق آیتیں نازل ہوئی تھیں ایک ایک آیت کرکے تلاش کیا اور پھر ان تمام تحریروں پر تائیدی شہادت حافظان قرآن کی موجود تھی۔ اگر خالی تحریر کا ہی اعتبار کیا جاتا تو کہا جاسکتا تھا کہ کوئی آیت رہ گئی ہوگی مگر وہاں حافظان قرآن بھی سینکڑوں تھے اور یہ وہ لوگ تھے جو سارا قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپکے سامنے حفظ کرچکے تھے۔ اور اس لیے زید خوب جانتے تھے کہ کس حصہ یا کس آیت کی تلاش ابھی کرنی چاہیئے۔ چنانچہ جمع قرآن کے بارہ میں جو حدیث آئی ہے اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہاں زید کہتے ہیں فلاں آیت کو میں نے تلاش کیا یہانتک کہ اسے فلاں شخص کے پاس پایا۔ یعنی آیت کا علم تھا اور تحریر کو تلاش کیا یہانتک کہ تحریر بھی مل گئی۔ پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ایک یا دو حافظوں پر ہی سارا اعتبار نہیں کیا بلکہ کل کے کل کو جمع کیا۔ ممکن تھا کہ ایک حافظ سے کہیں غلطی ہوجائے مگر اسکی اصلاح دوسرے فی الفور کرسکتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی ایسی غلطی کی اصلاح کا دوسرا ذریعہ تحریر تھی کیونکہ ہر ایک آیت بعد نزول فی الفور ضبط تحریر میں بھی لائی جاتی تھی۔ یہ ایسا پختہ انتظام تھا کہ کسی غلطی کے امکان کو باقی نہیں چھوڑتا کیونکہ باوجود ایک قسم کی قطعی شہادت کے موجود ہونیکے زید مطمئن نہ ہوتے تھے جبتک کہ دوسری قسم کی شہادت نہ ملجائے۔ حافظ کی تائید تحریر سے اور تحریر کی حافظ سے ہوتی تھی۔ اسی دوہری شہادت کی طرف حدیث جمع قرآن میں زیدؓ اشارہ کرتے ہیں جب وہ یہ فرماتے ہیں کہ میں تحریروں اور آدمیوں کے سینوں سے قرآن شریف کو اکٹھا کرنے لگا۔ باقی رہا ناسخ منسوخ کا سوال سو اس کا اس مضمون زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں اور چونکہ یہ ایک لمبا مضمون ہے اس لیے اس کو بھی میں الگ عنوان کے نیچے بحث کے لیے چھوڑتا ہوں لیکن جو اعتراض کیا گیا ہے اس کے جواب میں اتنا کہدینا ضروری ہے کہ اگر ہم اس بات کو فرض بھی کریں کہ کوئی آیت کبھی منسوخ کی گئی تو صحابہؓ اس سے بیخبر نہ ہوسکتے تھے کیونکہ جس چیز کو آپنے منسوخ کرنا ضروری سمجھا ہو اس کا اعلان اور اسکی اشاعت بھی اسی طرح کی ہوگی جس طرح کسی آیت کے نزول کی۔

اب ہم چوتھے اعتراض کی طرف آتے ہیں۔ جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ بعض احادیث میں ابتک قرآن کریم کے وہ فقرات محفوظ ہیں جو حضرت ابوبکر یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے وقت شامل نہیں کیے گئے۔ حالانکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جزو قرآن سمجھے جاتے اور قرآن شریف میں پڑھے جاتے تھے۔ درحقیقت یہی اعتراض سب سے بڑا اعتراض ہے۔ اور اسپر کسی قدر مفصل بحث درکار ہوگی۔ ہم اس بات سے تو انکار نہیں کرتے کہ ایسی حدیثیں موجود ہیں

مگر یہ کہتے ہیں کہ وہ قابل اعتبار ہرگز نہیں ہاں بعض مقامات پر بعض الفاظ کے معنوں کی غلط فہمی کی وجہ سے بھی اعتراض پیدا ہوئے ہیں۔ قبل اس کے کہ ان احادیث پر ہم ایک ایک کر کے بحث کریں یہاں چند عام ریمارک کرتے ہیں جو امید ہے ناظرین کو اصل بحث کے سمجھنے میں مدد دیں گے۔ قرآن شریف کی حفاظت کو ثابت کرنے کے لیے ہمیں دو باتیں ثابت کرنی ہیں اوّل یہ کہ قرآن شریف میں کوئی لفظ یا کوئی فقرہ بڑھایا نہیں گیا اور دوم یہ کہ اصل میں سے کچھ چھوڑا نہیں گیا جو موجودہ قرآن میں نہ ہو۔ ان میں سے امر اوّل کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ کوئی حدیث معتبر یا غیر معتبر۔ اصلی یا غیر اصلی ایسی نہیں پائی جاتی جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ فلاں آیات یا الفاظ جو اسوقت قرآن شریف میں پڑھے جاتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں نہ پڑھے جاتے تھے۔ سوائے اس ایک حدیث کے جس میں یہ ذکر ہے کہ ابن مسعودؓ معوذتین کو مصحف کے اندر نہ لکھتے تھے یا لکھے ہوئے کو کھرچتے تھے۔ اس پر بحث گذر چکی ہے اور میں دکھا چکا ہوں کہ یہ ابن مسعود کی صریح غلطی تھی وہ اکیلے اس خیال میں پڑ گئے تھے حالانکہ سارے کے سارے صحابہؓ حتیٰ کہ ابی بھی اس میں انکی مخالفت کرتے تھے۔ غلطی کی بنیاد اس خیال پر تھی کہ معوذتین صرف تعوذ کے لیے ہیں اور انکو قرآن شریف کے خاتمہ پر پڑھ لینا چاہیئے۔ قرآن شریف کے اندر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے خیال کیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جس سے ہر ایک سورۃ قرآن شریف کی شروع ہوتی ہے وہ صرف افتتاح کے لیے ہے اور جزو سورۃ نہیں ہے۔ ایسا ہی خیال معوذتین کے متعلق ابن مسعود کا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ایک اکیلے شخص کا خیال جو وہ بھی صریح طور پر واقعات کی غلط فہمی پر مبنی ہو تمام صحابہؓ کی متفقہ شہادت کے بالمقابل کیا وقعت رکھ سکتا ہے درانحالیکہ انکی شہادت کی بنیاد قطعی اور یقینی علم پر تھی نہ ابن مسعود کی طرح محض ایک خیال یا اجتہاد پر۔ اس ایک حدیث کے سوائے اور کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ فلاں آیت یا سورۃ قرآن میں شامل نہ تھی اور اس امر کی تو قطعاً کوئی شہادت نہیں کہ زیدؓ یا عثمانؓ نے اپنی طرف سے کوئی آیت یا سورۃ ملا دی تھی۔ اب جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ قرآن شریف میں کچھ بڑھایا نہیں گیا تو دوسری بات کا ثابت ہونا کہ اس میں سے کچھ گھٹایا نہیں گیا نہایت آسان ہو جاتا ہے کیونکہ پہلے امر کا ثبوت بھی اس دوسرے امر کے ثبوت کا ممد ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ نہ بڑھانے کے وجوہات کیا ہوئے اگر قرآن شریف ایسی بے احتیاطی سے جمع کیا جاتا جیسا کہ مخالفین خیال کرتے ہیں کہ اس میں سے سورتوں کی سورتیں یا آیتیں رہ گئیں تو پھر اس بے احتیاطی کا اثر دوسرے پہلو پر بھی پڑنا چاہیئے تھا یعنی جیسے کچھ گھٹایا گیا تھا کچھ بڑھا بھی دیا جاتا۔ یا جیسے کچھ حصص رہ گئے تھے کچھ اور بھی داخل ہو جاتے کیونکہ دونوں طرف یکساں ہی اثر ہونا چاہیئے تھا۔ مگر چونکہ قرآن شریف میں بڑھ جانے کی شہادت کسی کمزور حدیث سے بھی نہیں ملتی اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت زیدؓ نے پرلے درجہ کی احتیاط اور تحقیق سے جمع کا کام کیا۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ جس احتیاط اور تحقیق نے قرآن شریف میں کچھ زیادتی ہو جانے سے اس کلام

پاک کو محفوظ رکھا وہی اس میں سے کم ہو جانیسے بھی اسکو محفوظ رکھنے کا ذریعہ بن گئے۔ اور اصل بات یہی ہے کہ حضرت زیدؓ اعلیٰ درجہ کی تحقیق کو کام میں لائے اور سامان حفاظت بھی سارے موجود تھے یعنی ایک طرف حافظان قرآن جن کو قرآن شریف کا ایک ایک حرف حفظ تھا اور دوسری طرف اصلی تحریریں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھیں۔ پس ایک طرف سامان حفاظت کا پورا پورا موجود ہونا اور دوسری طرف حضرت زیدؓ کی اسقدر احتیاط۔ یہی وہ باعث تھے کہ جن کی وجہ سے قرآن شریف میں نہ کوئی زیادتی ہوئی اور نہ ہی کوئی کمی ہوئی۔

دوسری بات جسکو میں خصوصیت سے بیان کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ حدیثوں سے استدلال کا طریق جو یورپین مصنف اختیار کر رہے ہیں بالکل غلط ہے۔ یہ لوگ عموماً اپنے نتایج کی بنیاد حدیث کی مجموعی شہادت پر نہیں رکھتے بلکہ جہاں اعتراض کرنیکی غرض ہو یا پہلے دل میں کوئی خیال بیٹھا ہوا ہو تو ایک کمزور سے کمزور حدیث بلکہ بعض وقت وضعی حدیث کو بنیاد ٹھہرا کر اسپر ایک عمارت کھڑی کر دیتے ہیں۔ خواہ اس حدیث کے خلاف معتبر احادیث میں کتنی ہی وزنی شہادت کیوں موجود نہ ہو۔ اور خواہ وہ نتیجہ جو نکالا گیا ہے حدیث کی مجموعی شہادت کی رو سے کتنا ہی لغو ثابت ہوتا ہو۔ اب جو ذخیرہ احادیث کا ہمارے سامنے موجود ہے اس میں ہر ایک قسم کی احادیث شامل ہیں اور محدثین نے شاقہ محنتوں کے ساتھ معتبر اور غیر معتبر احادیث کو الگ کرنیکی کوشش کی ہے۔ اس لیے ایک محقق یا منتقد کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ احادیث کے ملے جلے ذخیرہ میں سے ایک حدیث لیکر جو نتیجہ اس سے نکل سکے نکالے بلکہ قبل ایسا نتیجہ نکالنے کے اسکو کئی امور پر غور کرنا چاہیئے۔ احادیث کے مجموعوں میں سے وہ مجموعہ جو امام بخاری نے جمع کیا اور جو صحیح بخاری کے نام سے موسوم ہے سب سے زیادہ معتبر ہے۔ اور جہاں احادیث سے متضاد شہادت ملتی ہو یعنی بعض احادیث کی شہادت بعض کے مخالف ہو تو مامون طریق ایسی صورت میں یہ ہے کہ بخاری کی حدیث کو مقدم کیا جاوے۔ کیونکہ خود امت کا اجماع اسبات پر ہو گیا ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف ہے۔ پس احادیث سے شہادت لیتے وقت پہلا قاعدہ جو ایک محقق یا منتقد کو مدنظر رکھنا چاہیئے یہ ہے کہ معتبر اور غیر معتبر احادیث میں فرق کیا جاوے۔ بغیر اس قاعدہ کو مدنظر رکھنے کے ہم صحیح نتیجہ تک کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں ہم صرف اس صورت کا ذکر کر رہے ہیں جب بعض احادیث سے بعض کے مخالف شہادت پیدا ہوتی ہو۔ لیکن جہاں حدیث کا اختلاف قرآن سے ہو تو ایسی صورت میں حدیث کو رد کرنا پڑیگا۔ خواہ وہ کسی قسم کی ہو۔ دوسرا قاعدہ جو احادیث کی شہادت کو وزن کرتے وقت مدنظر رکھنا چاہیئے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جب احادیث ایک سی ہی معتبر یا غیر معتبر ہوں۔ تو دیکھنا چاہیئے کہ زیادہ شہادت کس طرف ہے۔ مگر سب سے ضروری اور یقینی معیار یہ ہے۔ کہ عملی تواتر کس بات کو صحیح ٹھہراتا ہے۔

اب ہم ان تین معیاروں کی رو سے ان احادیث کو پرکھیں گے۔ جو حفاظت قرآن کریم کے سوال کے متعلق ہیں لیکن اس سے پہلے ان احادیث کا بیان کرنا ضروری ہے جن پر اعتراضوں کی بنا رکھی گئی ہے۔ ان

احادیث کو میں تاویل القرآن سے لیتا ہوں۔ جو سخت معاندانہ رنگ میں لکھی گئی ہے۔ اور جس کے مصنف نے ایسی احادیث کے جمع کرنے میں سخت محنت اُٹھائی ہے۔ اگرچہ اوپر مینے یہ کہا تھا۔ کہ ہم اس کتاب کے مجنونانہ دعووں کی طرف کوئی توجہ نہ کرینگے لیکن تاہم اس مضمون میں ان تمام باتوں کا جواب دیدیا گیا ہے یا دیا جاویگا جن کی بنا ایسے امور پر ہے۔ جو احادیث کی شہادت سے پیدا ہوں۔ خواہ ایسی احادیث معتبر ہوں یا غیر معتبر۔ احادیث پیش کردہ یہ ہیں (۱) صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ میں ابوالاسود سے یہ روایت ہے۔ کہ ابوموسیٰ اشعری نے بصرہ میں حسب ذیل الفاظ قرار کی ایک جماعت کے سامنے بیان کیے۔ انا کنا نقرأ سورۃ نشبھھا فی الطول والشدۃ ببرأۃ فانسیتھا غیر انی قد حفظت منھا۔ لوکان لابن اٰدم وادیان من مال۔ لابتغی وادیا ثالثا۔ ولا یملاء جوف ابن اٰدم الا التراب۔ وکنا نقرأ سورۃ کنا نشبھھا باحدی المسبحات فانسیتھا غیر انی قد حفظت منھا یا ایھا الذین اٰمنوا لم تقولون مالا تفعلون فتکتب شھادۃ فی اعناقکم فتسئلون عنھا یوم القیٰمۃ۔

(۲) مسلم کتاب الرضاع میں حضرت عایشہ سے حسب ذیل روایت ہے۔ عن عایشۃ انھا قالت کان فیما انزل من القراٰن عشر رضعات معلومات ثم نسخن بخمس معلومات فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی فیما یقرأ من القراٰن۔

(۳) مسلم کتاب الحدود میں حسب ذیل روایت ہے۔ عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما یقول قال عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ وھو جالس علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ بعث محمدا صلی اللہ علیہ وسلم بالحق وانزل علیہ الکتاب فکان مما انزل اللہ علیہ اٰیۃ الرجم قرأناھا ووعیناھا وعقلناھا۔ فرجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا بعدہ فاخشی ان طال بالناس زمان ان یقول قائل ما نجد الرجم فی کتاب اللہ تعالیٰ فیضلوا بترک فریضۃ انزلہ اللہ وان الرجم فی کتاب اللہ حق علی من زنا اذا احصن من الرجال والنساء اذا قامت البینۃ او کان الحمل او الاعتراف۔ اور ایسا ہی سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب الرجم میں یہ روایت ہے۔ عن عبد اللہ بن عباس ان عمر یعنی ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطب فقال ..... فالرجم حق علی من زنا من الرجال والنساء اذا کان محصن اذا قامت البینۃ او کان حمل او اعتراف وایم اللہ لولا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ عزوجل لکتبتھا۔

(۴) عن عایشۃ قالت کانت سورۃ الاحزاب تقرأ فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مائتی آیات فلما کتب عثمان المصاحف لم نقدر منھا الا ما ھو الآن (کتاب الاتقان جلد ۲ صفحہ ۳۰)

(۵) عن مالک ان اولھا لما سقط معہ البسملۃ فقد ثبت انھا کانت تعدل البقرۃ لطولھا۔ وفی مصحف ابن مسعود مائۃ واثنتا عشرۃ سورۃ لانہ لم یکتب المعوذتین وفی مصحف ابی ستہ عشرۃ لانہ کتب فی اٰخر سورتی الحفد والخلع (اتقان جلد اول صفحہ ۸۱)

یہ وہ پانچ حدیثیں ہیں جن کی نسبت یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ بعض آیات یا فقرے یا سورتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قرآن شریف میں پڑھی جاتی تھیں۔ اس وقت قرآن شریف میں موجود نہیں۔ اب پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا کوئی ایسی احادیث بھی ملتی ہیں جن سے ان احادیث کی تردید ہوتی ہو۔ اگر ایسی احادیث ملتی ہوں تو پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوگا کہ ان میں سے کونسی احادیث زیادہ قابل اعتبار ہیں شہادت کا وزن زیادہ تر کس طرف ہے۔ اور عملی تواتر اور مسلمہ واقعات تاریخی کونسی احادیث کو صحیح ٹھہراتی ہیں۔ جیسا کہ ہم اس مضمون کے پہلے حصوں میں دکھا چکے ہیں۔ ایسی معتبر احادیث بہت کثرت سے ملتی ہیں جن سے ان احادیث کے بیانات کی تردید ہوتی ہے۔ اس لیے اب ہم ان تین امور پر غور کریں گے۔ جن کا ذکر ابھی ہوا۔ مگر قبل اس کے کہ ہم اس بحث کو چھیڑیں۔ یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے۔ کہ اخیری دو حدیثیں جو اتقان میں سے لیگئی ہیں۔ اس قابل نہیں کہ انپر کوئی توجہ کیجاوے۔ کیونکہ جیسا کہ شاہ عبد العزیز نے اپنے عجالہ نافعہ میں جو اصول علم حدیث پر لکھا گیا ہے۔ یہ بتادیا ہے۔ کہ جلال الدین سیوطی کی تصانیف میں ایسی احادیث پائی جاتی ہیں۔ جنکا نام ونشان ابتدائی زمانہ میں نہیں ملتا۔ اور اس لیے ایسی احادیث کسی طرح قابل اعتبار نہیں۔ پس اگر ان احادیث کی تردید معتبر احادیث سے نہ بھی ہوتی ہو۔ تو بھی یہ اس قابل نہیں کہ انکی بنا پر کوئی اعتراض کیا جاوے۔ بلکہ وہ خود اپنی تردید کیلیے آپ ہی کافی ہیں اسطرح پر اتقان کی دونوں حدیثوں کے رد کرنیکے بعد مسلم کی تین حدیثیں رہ جاتی ہیں۔ پس اصول اول کے مطابق جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ سب سے پہلے ہم بخاری کو دیکھیں گے۔ کہ آیا اس میں کوئی ایسی حدیث پائی جاتی ہے۔ جو مسلم کی ان احادیث کی تردید کرتی ہو۔ کیونکہ صحیح بخاری وہ کتاب ہے جس کو بالاجماع اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانا گیا ہے۔ اور مسلم یا کسی دوسری کتاب کو ایسا مرتبہ حاصل نہیں۔ پس اگر مسلم کی کوئی حدیث یا کسی اور کتاب کی حدیث بخاری کی تردید کرتی ہو۔ تو ہمیں ایسی حدیث کو رد کرنا پڑیگا۔ لیکن ان احادیث کی شہادت کی تردید نہ صرف بخاری سے ہی ہوتی ہے۔ بلکہ خود انہی کتابوں یعنی مسلم وغیرہ میں کثرت سے ایسی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ جو ان تین حدیثوں کی تردید کرتی ہیں۔ چونکہ حفاظت قرآن کے مضمون میں ہم ان احادیث کا مفصل ذکر اپنی اپنی جگہ کرتے آئے ہیں۔ اور انہی کی بنا پر ہم نے یہ قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر آجتک محفوظ چلا آیا ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی یا تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ لہذا ان احادیث کے اعادہ کی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔

اب ہم ان تینوں حدیثوں کو ایک ایک کرکے لیتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ یہ کہاں تک قابل اعتبار ہیں۔ پہلی حدیث میں ابو موسیٰ اشعری کے خطبہ کا ذکر ہے۔ جو اس نے قراء بصرہ کے سامنے دیا۔ اور جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ وہ یعنی ابو موسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابہؓ دو سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ جن میں سے اب صرف ایک ایک فقرہ ہی اسے یاد رہ گیا۔ اور پہلی سورۃ کے فقرہ کا مضمون یہ ہے۔ کہ اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوتیں تو وہ ایک تیسری وادی کی تلاش کرتا اور ابن آدم کے پیٹ کو سوائے مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور دوسری سورۃ کے فقرہ کا یہ مضمون ہے۔ کہ اے ایماندارو تم وہ بات کیوں کہتے ہو۔ جو کرتے نہیں۔ اس کی شہادت تمہارے خلاف لکھی جائے گی اور قیامت کے دن تم سے اس کے متعلق باز پرس کیجائے گی۔ خود مسلم سے جو بیرونی اور اندرونی شہادت اس روایت کے متعلق ملتی ہے وہ اسکو مردود ٹھہراتی ہے۔ بیرونی شہادت کے لیے سب سے پہلے اس کے سلسلہ رواۃ کو دیکھنا چاہیئے۔ اس روایت کے راویوں کے سلسلہ میں سب سے پہلے سوید بن سعید ہے اور اس لیے سب سے پہلے ہم اسی کو لیتے ہیں۔ کہ اسکی روایت کہاں تک قابل اعتبار ہوسکتی ہے۔ راویوں کی جرح پر ذہبی کی میزان الاعتدال سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے۔ اس کتاب میں سوید بن سعید کے متعلق یہ لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے جن میں سے مسلم بھی ہیں۔ اس کی روایت کو لیا ہے۔ لیکن اکثر نے اس کی روایت کو مردود سمجھا ہے۔ اور اس بات پر قریباً قریباً سب کا اتفاق ہے۔ کہ وہ بہت بوڑھا ہوگیا تھا۔ اور آخر کار اندھا ہوگیا۔ اور اسوقت وہ بعض ایسی حدیثیں بیان کردیتا تھا۔ جو درصل اس کی حدیثیں نہ تھیں۔ امام بخاری کے اس کے متعلق یہ الفاظ ہیں۔ انہ ضعیف جداً۔ ایسا ہی ایک واقعہ کا اس کتاب میں ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا میلان شیعہ مذہب کی طرف تھا۔ لکھا ہے کہ ایک شخص اس کے پاس کتاب الفضائل لایا تو اس نے علیؓ کو اول اور ابوبکرؓ کو آخر کردیا۔ بہت سے لوگوں نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اسکو کذاب کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ متہم بالزندقہ ہے۔ یہ اس راوی کا حال ہے۔ جس کے منہ سے مسلم نے اس حدیث کو لیا ہے۔ اور جب اسکی نسبت اسقدر بے اعتباری کی شہادت ملتی ہے۔ تو ہمیں ضرورت نہیں کہ اب ہم اس حدیث کے دوسرے راویوں پر غور کریں۔

ایک اور قسم کی خارجی شہادت خود مسلم سے ملتی ہے۔ جس سے حدیث زیر بحث کی وقعت کچھ بھی نہیں رہتی۔ اس حدیث سے پہلے خود مسلم نے اسی مضمون کی چار اور حدیثیں نقل کی ہیں صرف اس فرق کے ساتھ کہ سوید کی حدیث میں جو الفاظ ابی موسیٰ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ انکے متعلق یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ وہ قرآن شریف کی

دو سورتوں کے ٹکڑے تھے۔ لیکن ان چاروں حدیثوں میں اس بات کا نام ونشان نہیں پایا جاتا چنانچہ مسلم کتاب الزکوۃ باب لوان لابن اٰدم وادیین لابتغیٰ ثالثا میں سب سے پہلی حدیث یہ ہے۔ حدثنا یحیی بن یحیی وسعید بن منصور وقتیبۃ بن سعید قال یحیی انا وقال الاخران ثنا ابو عوانۃ عن قتادۃ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوکان لابن اٰدم وادیان من مال لا تبغی وادیا ثالثا ولا یملاء جوف ابن اٰدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب۔ یعنی یحیی بن یحیی اور سعید بن منصور اور قتیبۃ بن سعید ان تینوں نے حضرت انس سے یہ روایت مسلم کو پہنچائی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر آدمی کے لیے دو وادیاں مال کی بھی ہوتیں۔ تو بھی وہ تیسری کی خواہش کرتا۔ اور آدمی کے پیٹ کو سوائے مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ یعنی آخر موت سے ہی اس کی خواہشات اور حرص کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اور جو شخص خدا کی طرف رجوع کرتا ہے خدا بھی اس پر رجوع بہ رحمت کرتا ہے۔ اب اس روایت کے بموجب حضرت انسؓ یہ روایت کرتے ہیں۔ کہ وہی لفظ یعنی لوکان لابن اٰدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے۔ اور انکو قرآن کا جزو قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اب مسلم کی یہ دونوں روایتیں ایک دوسرے کے مخالف شہادت دیتی ہیں۔ یعنی ایک طرف تو سوید کی روایت جس کے رو سے لوکان لابن اٰدم الخ کو کسی بھولی ہوئی سورۃ قرآنی کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ اور دوسری طرف یحیی بن یحیی اور سعید بن منصور اور قتیبۃ بن سعید تینوں کی متفق علیہ روایت ہے جس کے رو سے انہی الفاظ کو قرآن شریف کا جزو نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ قرار دیا گیا ہے اس لیے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ ان دونوں روایتوں میں سے ہم زیادہ اعتبار کس پر کر سکتے ہیں۔ سوید کے متعلق جو رائے محدثین کی ہے۔ اسکو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں اب ان تینوں راویوں میں سے سعید بن منصور اور یحیی بن یحیی دو کو ذہبی نے میزان الاعتدال میں صریح الفاظ میں ثقہ بیان کیا ہے۔ اور تیسرے یعنی قتیبہ بن سعید کے متعلق لکھا ہے۔ کہ اس کا حال کچھ معلوم نہیں۔ بہرحال اس حدیث کی شہادت پہلی حدیث سے بہت بڑھکر وزنی ہے۔ کیونکہ وہاں تو صرف ایک آدمی کی روایت ہے اور وہ بھی ایسا جسکو اکثر محدثین نے ناقابل اعتبار اور ضعیف اور متروک الحدیث مانا ہے اور بعض نے زندیق اور کذاب تک کہا ہے۔ اور یہاں کم ازکم دو ایسے راویوں کی شہادت ہے۔ جن کو سب محدثین نے ثقہ تسلیم کیا ہے اس لیے ہم آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ اس حدیث کی شہادت حدیث زیر بحث سے بہت زیادہ قابل اعتبار ہے۔ پس جب یہ حدیث قابل تسلیم ہے۔ تو حدیث زیر بحث ضرور مردود ٹھہرتی ہے۔ پھر اس کے علاوہ تین اور حدیثیں اسی مضمون کی مسلم نے بیان کی ہیں۔ اور ان سب میں ان الفاظ لوکان لابن اٰدم الخ

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کے الفاظ اور آپ کی حدیث قرار دیا گیا ہے۔ اور کسی ایک میں بھی یہ نہیں کہا گیا۔ کہ وہ جزو قرآن تھے۔ ان تین میں سے ایک حدیث میں ابن عباس کی طرف جو اس کے پہلے راوی ہیں۔ یہ الفاظ منسوب کیے گئے ہیں۔ فلا ادری أمن القرآن هو ام لا۔ یعنی میں نہیں جانتا کہ یہ قرآن کا جزو ہے یا نہیں مگر اس کے ساتھ ہی ایک دوسری روایت میں انہی الفاظ فلا ادری أمن القرآن کے تعلق میں ابن عباس کا ذکر نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی پچھلے راوی کے لفظ ہیں۔

ان تمام واقعات پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ خود مسلم نے اس ایک حدیث کے خلاف چار اور حدیثیں بیان کر کے اسکو ایک حد تک ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ اور کم از کم یہ تو ظاہر ہے۔ کہ جب ایک ہی کتاب میں ہم پانچ حدیثیں ایسی پاتے ہیں جن میں چار کی شہادت پانچویں کے مخالف ہے، اور پھر ان چار حدیثوں کو پانچویں حدیث کی نسبت بلحاظ راویوں کے زیادہ قابل اعتبار بھی پاتے ہیں۔ تو ان چار حدیثوں کی شہادت کے بالمقابل پانچویں حدیث کی شہادت کو رد کرنا پڑیگا۔ اس بارہ میں یہ امر بھی قابل تذکرہ ہے۔ کہ خود مسلم نے ان چار حدیثوں کو پہلے اور اس پانچویں حدیث کو جو انکے مخالف ہے سب سے اخیر بیان کر کے یہ جتا دیا ہے۔ کہ یہ حدیث انکے مقابل بہت کم وزن رکھتی ہے۔ یہ صرف قیاس ہی قیاس نہیں بلکہ مسلم نے صحیح مسلم کے دیباچہ میں خود اس بات کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ کہ جن حدیثوں کو اس نے زیادہ قابل اعتبار سمجھا ہے۔ انکا ذکر بھی پہلے کیا ہے اور جن حدیثوں کو کمزور سمجھا ہے۔ انکا ذکر بعد میں کیا ہے چنانچہ انکے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ فاما القسم الاول فانا نتوخى ان نقدم الاخبار التي هي اسلم من العيوب من غيرها وانقى من ان يكون ناقلوها اهل استقامة في الحديث واتقان لما نقلوا۔ لم يوجد في روايتهم اختلاف شديد ولا تخليط فاحش كما قد عثر فيه على كثير من المحدثين وبان ذلك في حديثهم فاذا نحن تقصينا اخبار هذا الصنف من الناس اتبعنا ها اخبارًا يقع في اسانيدها بعض من ليس بالموصوف بالحفظ والاتقان كالصنف المقدم قبلهم .... یعنی امام مسلم کہتے ہیں۔ کہ ہم نے اس قاعدہ کی پیروی کی ہے کہ ان حدیثوں کو پہلے رکھیں۔ جو دوسری حدیثوں کی نسبت عیبوں سے زیادہ محفوظ ہیں۔ اور انکے نقل کرنیوالے حدیث میں اہل استقامت اور اہل اتقان ہیں ان باتوں میں جنکو انہوں نے نقل کیا اور انکی روایت میں اختلاف شدید یا بڑا اخلط نہیں پایا جاتا۔ جیسا کہ اکثر محدثین کو انپر اطلاع ہوئی ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں۔ کہ جب ہم اس قسم کی حدیثوں کو بیان کر چکتے ہیں، تو ان کے بعد اس قسم کی حدیثیں لاتے ہیں۔ جن کی سندوں میں بعض ایسے راوی بھی ہیں جو حفظ اور اتقان میں پہلے راویوں کی طرح نہیں۔ ان الفاظ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود مسلم نے حدیث زیر بحث کو وہ وقعت نہیں دی۔ جو ان حدیثوں کو جن سے اس کے مخالف شہادت پیدا ہوتی ہے۔

حدیث زیر بحث کے بطلان کو اور بھی واضح کرنیکے لیے اب ہم اس اندرونی شہادت پر غور کرتے ہیں۔ جو خود اس حدیث سے پیدا ہوتی ہے۔ اول تو خود اس فقرہ کی عبارت اس طرز کی ہے کہ کوئی شخص جس نے قرآن شریف کو پڑھا ہے۔ اسے قرآن شریف کا جزو قرار نہیں دے سکتا۔ ثانیاً وہ الفاظ جو ابو موسیٰ اشعری کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ اس حدیث کے جھوٹا ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں۔ کنا نقرأ سورۃً یعنی ہم ایک سورۃ پڑھا کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس حدیث کے مطابق وہ اکیلے ہی ایسے آدمی نہ تھے جنکو وہ سورۃ حفظ یاد ہو۔ بلکہ انکی طرح دوسرے صحابہؓ کو بھی یاد تھی۔ اس لیے یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ یہ سورۃ تمام صحابہؓ میں شہرت رکھتی تھی۔ اب اگر اس بات کو فرض کر لیا جاوے۔ کہ یہ ممکن تھا۔ کہ ابو موسیٰ اشعری ساری سورۃ کو یکایک بھول جائیں۔ اور صرف ایک ہی فقرہ انکو یاد رہ جائے۔ تو یہ کیونکر ہوا۔ کہ باقی تمام صحابی بھی اسکو ساتھ ہی بھول گئے۔ کوئی صحابی نہ اس سورۃ کا ذکر کرتا ہے۔ نہ نام لیتا ہے کہ کبھی کوئی ایسی سورۃ قرآن شریف کا ایک حصہ تھی نہ ہی کسی صحابی نے اور انہی میں ابو موسیٰ اشعری بھی شامل ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے وقت میں جب قرآن شریف جمع کیا جارہا تھا زید کو یہ اطلاع دی کہ ایسی کوئی سورۃ بھی قرآن شریف میں داخل ہے۔ حالانکہ اسوقت عام طور پر اعلان کیا گیا تھا۔ کہ جس شخص کے پاس کوئی حصہ قرآن کا ہو۔ جو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہو۔ وہ اسے لے آوے پھر نہ معلوم اس وقت ابو موسیٰ اشعری اور وہ دوسرے صحابہؓ جنکو یہ سورۃ حفظ تھی۔ کہاں تھے۔ یا کیوں انہوں نے اسے پیش نہ کیا۔ ایسا ہی حضرت عثمانؓ کیوقت میں جب مصاحف کی نقل بڑے اہتمام سے کرائی گئی اسوقت بھی کسی کی اطلاع میں یہ بات نہ آئی۔ کہ ایسی کوئی سورۃ بھی قرآن شریف میں ہے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کے وقت سے لیکر جب قرآن شریف جمع کیا گیا۔ کسی قاری نے یا حافظ نے باوجود اسکے کہ صحابہؓ میں بہت سے لوگ ایسے موجود تھے۔ کبھی اس بات کو پیش نہ کیا۔ کہ جو قرآن شریف حضرت ابو بکرؓ نے جمع کرایا تھا۔ اس میں ایک اتنی بڑی لمبی سورۃ کا نام ونشان تک پایا نہیں جاتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ابو موسیٰ اشعری اور دوسرے تمام صحابہؓ جنکو سورۃ حفظ تھی۔ اور ایسا ہی تمام حافظان قرآن اس سورۃ کو حضرت ابو بکرؓ کی جمع سے پہلے ہی بھول چکے تھے۔ اور تمام تحریریں بھی جنپر یہ سورۃ لکھی ہوتی تھی۔ اسوقت سے پہلے تلف ہو چکی تھیں۔ تو کم از کم اتنا تو ہوتا۔ کہ یہ چند لفظ جو ابو موسیٰ اشعری کو یاد رہ گئے تھے۔ یعنی لو کان لابن آدم وادیان من مال الخ قرآن شریف میں درج کر دیے جاتے۔ ابو موسیٰ اشعری صحابہؓ کو یاد دلاتے کہ ہم سب فلاں سورۃ پڑھا کرتے تھے۔ جسکو اب ہم سب بھول گئے ہیں۔ اور یہی ایک فقرہ یاد رہ گیا ہے۔ تو ضرور تھا۔ کہ صحابہؓ کو بھی یہ بات یاد آجاتی۔ اور عجیب بات یہ ہے۔ کہ ابن مسعودؓ اور ابی کے پاس جو کہا جاتا ہے۔ کہ الگ نسخے قرآن شریف کے تھے۔ انمیں بھی اس سورۃ کا نام ونشان نہیں۔ پھر جب ابو موسیٰ نے اس بات کو بیان کیا۔ تو اسوقت بھی ہزارہا صحابیوں میں

کسی ایک نے بھی اسکی تائید نہ کی۔ اور تعجب پر تعجب یہ کہ وہ لوگ جو ایک ایک حدیث کیلیے مہینوں کے سفر کرتے اور محنت شاقہ اُٹھاتے انہیں سے بھی کوئی ایک اس تحقیق کے درپے نہ ہوا۔ کہ اتنی بڑی لمبی سورتیں قرآن شریف کی جو کہ ابو موسیٰ کو بھول گئی تھیں۔ انکا کہیں پتہ لگاتا۔ بلکہ خود ابو موسیٰ نے بھی کوئی کوشش نہ کی۔ کہ جو سورتیں اسکو بھول گئی تھیں۔ انکو تازہ کرنیکے لیے کچھ محنت اُٹھاتا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ حدیث میں جو بات بیان کی گئی ہے۔ وہ ایسی لغو اور دُور از قیاس ہے۔ کہ ایک سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی اسپر یقین نہیں کر سکتا۔ پس خارجی اور اندرونی شہادت دونوں نہایت صفائی سے اس بات کو بیان کرتی ہیں۔ کہ حدیث زیر بحث سراسر جھوٹی ہے۔ اور اسکی صداقت پر ایک ذرہ بھر بھی شہادت نہیں ملتی۔ اور یہ امر کہ مسلم نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں لکھدیا ہے۔ یہ کوئی اس کی شہادت پر صداقت نہیں۔ دراں حالیکہ ہم یہ بھی دکھا چکے ہیں۔ کہ خود مسلم بھی اسکو بہت ضعیف اور کمزور سمجھتا تھا۔ اور دوسری حدیثوں کو جن سے اس کے مخالف شہادت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے بہت زیادہ قابل اعتبار سمجھتا تھا۔

باقی دو حدیثیں جو مسلم نے بیان کی ہیں۔ اور جن کو اعتراض کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر انہیں سے ہر ایک پر ایسی ہی لمبی بحث کیجائے تو یہ مضمون بہت طول پکڑ جائیگا۔ ہم نے صرف مثال کے طور پر یہ بتا دیا ہے۔ کہ ایسی حدیثوں پر خواہ وہ مسلم میں ہی موجود ہوں۔ کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اور تحقیق سے ایسی حدیثیں بالکل جھوٹی ثابت ہوتی ہیں۔ پس باقی ماندہ دو حدیثوں کے متعلق ہم صرف انکی اندرونی شہادت کے متعلق ہی مختصر طور پر کچھ ذکر کرینگے۔ انہیں سے ایک حدیث کا جو نمبر ۲ پر دیگئی ہے۔ یہ مضمون ہے کہ حضرت عایشہ نے یہ بیان کیا تھا۔ کہ قرآن شریف میں ایک آیت تھی جسمیں صراحت سے یہ ذکر تھا۔ کہ دس بار دودھ چوسنے سے حرمت رضاعی ثابت ہوتی ہے۔ اور کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اور اس کی بجائے ایک اور حکم نازل ہوا جس میں دس بار کی بجائے پانچ بار کا دودھ چوسنا حرمت رضاعی کے لیے کافی سمجھا گیا اور کہ یہ آخری حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت قرآن شریف میں پڑھا جاتا تھا۔ جو کچھ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسا حکم حضرت عایشہ کے سوا دوسروں کو بھی معلوم تھا۔ اور وہ اسکو قرآن شریف میں پڑھا کرتے تھے۔ درحقیقت اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگر کوئی ایسا حکم نازل ہوتا۔ تو اس کی شہرت عام ہوتی۔ کیونکہ یہ حکم ایسا تھا۔ جو روزمرہ استعمال میں آنیوالا تھا۔ عرب میں بچوں کو عموماً دودھ دایا سے پلایا جاتا تھا۔ اور ایسی صورت میں یہ ضرور تھا۔ کہ ہر ایک شخص کو اس بات کا علم ہوتا۔ کہ کون کونسی عورتیں اسپر رضاعت کیوجہ سے حرام ہیں۔ پس اگر ایسی کوئی آیت قرآن شریف میں نازل ہوتی۔ تو اس کا علم کبھی ایک شخص تک محدود نہ رہ سکتا تھا۔ بلکہ اسکی اطلاع اور شہرت عام ہونی چاہیئے تھی۔ محدثین نے یہ اصول قایم کیا ہے۔ کہ اگر کسی حدیث میں کسی ایسے واقعہ کا تذکرہ ہو۔ جسکی اطلاع اور شہرت عام

ہونی چاہیئے۔ مگر وہ لوگ جنکو اس کا علم ہونا چاہیئے تھا۔ اس کے متعلق کچھ اطلاع نہ دیں۔ اور اس سے لاعلمی ظاہر کریں۔ تو ایسی حدیث کے وضعی ہونیکی یہ شہادت کافی ہے۔ درحقیقت اگر غور کیا جائے۔ تو یہ اصول نہایت معقول ہے جب ہم اس کے رو سے حدیث زیر بحث کو پرکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث اصلی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایسا حکم رضاعت کے متعلق عام طور پر لوگوں کے علم میں آنا چاہیئے تھا اور ضروری تھا کہ کثرت سے روایات اس کے متعلق ہوتیں۔ حدیث میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ایک آیت عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پڑھی جاتی تھی۔ اب جب حضرت ابوبکرؓ نے قرآن شریف کو جمع کرنا شروع کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف چھ ماہ کا عرصہ گذرا تھا۔ مگر باوجود اس کے کہ اسقدر تھوڑا عرصہ گذرا تھا ایک شخص نے بھی حضرت ابوبکرؓ یا زیدؓ کو اطلاع نہ دی کہ ایسی کوئی آیت بھی قرآن شریف میں ہے بلکہ حضرت عایشہؓ نے بھی جنکی طرف یہ روایت منسوب کیجاتی ہے ایسی اطلاع نہیں دی اور بالفرض اگر وہ زیدؓ کو اطلاع نہ دے سکتی تھیں تو کیا اپنے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی نہ دے سکتی تھیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت میں بھی حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا زندہ تھیں مگر اسوقت بھی ایسی کسی آیت کا انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ عمرہ کو تو کئی سال بعد حضرت عایشہ ایسی آیت کا پتہ بتائیں لیکن خود اپنے والد کو جمع قرآن کے وقت نہ بتائیں اور اسوقت جبکہ عام اعلان کیا گیا تھا کہ جس شخص کے پاس کوئی آیت ہے وہ اسے لے آوے خاموشی اختیار کریں۔ اور پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ حضرت عایشہؓ کے سوا کوئی شخص ایسی آیت کا نام تک نہیں لیتا۔ علاوہ اس کے جیسا کہ پچھلی حدیث کی بحث میں دکھایا جا چکا ہے خود مسلم کے اسی باب کی دیگر احادیث ہی اس حدیث کے جھوٹا ہونیکی شہادت ملتی ہے۔ کیونکہ ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی صحابی کو ایسی کسی آیت کی کوئی خبر نہ تھی۔ بلکہ اسی باب میں ایسی احادیث خود حضرت عایشہؓ اور دیگر صحابیوں سے مروی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیے گئے ہیں کہ کتنی دفعہ کی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اگر ایسی کوئی صاف آیت قرآن شریف میں وارد ہوتی کہ پانچ یا دس دفعہ دودھ چوسنے سے حرمت قطعی ہو جاتی ہے۔ تو ایسے سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں پوچھے جاتے۔ نہ ہی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ انہی سوالوں کے وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی کیونکہ اس کا کوئی تذکرہ حدیث میں نہیں پایا جاتا حالانکہ اگر ایسا واقعہ ہوتا تو اس کا تذکرہ حدیث میں بھی ضرور ہوتا۔

رہی تیسری حدیث سو اس کا بھی اب اسجگہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ بات غور کے قابل ہے کہ اگر اس حدیث کے وہی معنے صحیح ہوں جو مخالف معترض کھینچ تان کر بیان کرنیکی کوشش کرتے ہیں تو جو الفاظ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں وہ انکی زبان سے نکلے ہوئے کبھی ثابت نہیں ہو سکتے۔

حضرت عمر رضؓ کے الفاظ سے معترض یہی نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ گویا حضرت عمر رضؓ اور دوسرے صحابہؓ کو ایک ایسی آیت یاد تھی جس میں زانی مردوں اور عورتوں کی سزا کا ذکر تھا۔ لیکن یہ آیت قرآن میں درج نہیں ہوئی۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا تھا کہ یہ آیت پڑھی جاتی تھی اور یاد کی جاتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اور ان کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اس پر عمل کرتے اور اس کے مطابق حکم کیا کرتے تھے۔ اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ ہم اس بات کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ کا جمع قرآن میں سب سے بڑا دخل تھا اور جمع شدہ قرآن شریف انکی خلافت کے زمانہ میں انکے قبضہ میں ہی تھا تو پھر کیا وجہ پیدا ہوئی کہ انہوں نے اس آیت کو درج فرمایا؟ اس آیت کے متعلق صرف تین قیاس کیے جاسکتے ہیں (۱) یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضؓ اور دوسرے صحابہؓ کا اس پر اتفاق تھا کہ یہ قرآن شریف کی آیت ہے (۲) یا یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضؓ کی یہ رائے تھی کہ یہ قرآن شریف کی ایک آیت ہے اور دوسرے صحابہ رضؓ اس سے متفق نہ تھے (۳) یا یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ نہ حضرت عمر رضؓ اور نہ دوسرے صحابہ رضؓ ہی اس کے آیت قرآنی ہونے پر متفق تھے۔ ان قیاسات میں سے صرف پہلا قیاس ہی ایسا ہے جس سے معترضین کی نکتہ چینی کو کچھ رونق مل سکتی ہے۔ لیکن اگر ایسا ہی ہوتا کہ حضرت عمر رضؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ اس بات پر متفق ہوتے کہ یہ قرآن شریف کی آیت ہے تو انکو کس بات نے روکا تھا کہ اسے درج قرآن نہ کیا؟ اس لیے یہ قیاس بالکل باطل ٹھہرتا ہے۔ اور خصوصاً جب اُن لوگوں کے اخلاص اور دیانت و امانت اور تقویٰ و طہارت کی طرف توجہ کیجاتی ہے اور انکے اس دخل پر غور کی جاتی ہے جو جمع قرآن میں انکو حاصل تھا۔ اور نیز جب اس بات کو دیکھا جاتا ہے کہ اس حکم کے اخفا سے انکا کوئی ذاتی فایدہ نہ تھا تو ایسی حالتوں کے باوجود اس کا درج قرآن نہ ہونا اس قیاس کے بطلان پر قوی دلیل ہے۔

اسی طرح دوسرا قیاس بھی غلط ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس بات کی کہیں ذرا بھی شہادت نہیں ملتی کہ کبھی حضرت عمر رضؓ نے ایسا بیان کیا ہو اور صحابہ رضؓ نے انکی تردید کی ہو۔ اور اگر بالفرض یہ مانا جائے کہ واقعی طور پر حضرت عمر رضؓ کے ایسے بیان کی دوسرے صحابیوں نے تردید کی تھی۔ تو حضرت عمر رضؓ جب کسی دوسرے صحابی کو اپنا مؤید نہ پاتے تو خود ہی اپنی غلطی سے منحرف ہو جاتے۔ ان دونوں قیاسوں کے بطلان کے بعد صرف تیسرا قیاس ہی ایسا ہے جس پر یہ مقدمہ ٹھہر سکتا ہے۔ لیکن اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ قیاس اس حدیث کے ساتھ کس طرح توافق کھا سکتا ہے۔ کیونکہ ظاہر میں دونوں متضاد بیانات کی طرح نظر آتے ہیں۔ مگر اصل بات یوں نہیں۔ تھوڑا سا غور کرنے سے یہ امر ظاہر ہو جائیگا کہ اگر اس حدیث کے معنے تیسرے قیاس کے ساتھ متوافق نہ ہوں تو یہ حدیث ہی بے معنی اور عبث ٹھہر جاتی ہے۔ حضرت عمر رضؓ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کچھ زمانہ گذر جائیگا تو لوگ یہ کہنا شروع کر دیں گے کہ زانیوں کو سنگسار کرنیکا حکم کتاب اللہ میں موجود نہیں۔ حالانکہ زانی مردوں اور زانیہ

عورتوں کو سنگسار کرنیکا حکم کتاب اللہ میں صحیح طور پر موجود ہے۔ اگر کتاب اللہ سے مراد قرآن شریف سمجھا جائے تو یہ ایک صریح تضاد ہی اور اس لیے حدیث مذکور سراسر بے معنی ہے۔ کیونکہ پھر معنے یہ ہوں گے کہ سنگساری کا حکم قرآن شریف میں موجود ہے مگر مرور زمانہ کے بعد لوگ کہنے لگیں گے کہ ایسا حکم قرآن شریف میں نہیں۔ لیکن لفظ "کتاب اللہ" جو اس حدیث میں وارد ہے اگر اس کے مفہوم کو ذرا وسعت دیجاوے تو یہ اختلاف دُور ہو جاتا ہے۔ سو واضح رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ "کتاب اللہ" سے مراد قرآن شریف ہی ہو۔ کیونکہ یہی لفظ قرآن شریف میں بھی آیا ہے اور وہاں اسکے معنے احکام الٰہی کے ہیں۔ چنانچہ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ الخ میں "کتاب اللہ" کے معنے قرآن شریف نہیں بلکہ احکام الٰہی ہیں۔ سو ان معنوں کے رو سے حدیث کے معنے درست ہو جاتے ہیں اور قرآن شریف کی حفاظت پر جو اعتراض بنایا گیا تھا وہ دُور ہو جاتا ہے۔

متذکرہ بالا بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مؤخر الذکر حدیث کے سوا کسی حدیث کی صحت پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اور آخری حدیث بھی اُن معنوں میں صحیح تسلیم ہو سکتی ہے جو معترضین کے معنوں سے بالکل مختلف اور اوپر لکھے ہوئے معنوں کے موافق ہیں۔ البتہ بعض نکتہ چین لوگ یہ اعتراض پیش کر سکتے ہیں کہ ایسی وضعی حدیثوں کا مسلمانوں میں کیونکر اتنا رواج ہو گیا اور کیونکر انکو مشہور و معروف جامعان احادیث نے اپنی کتب میں درج کر لیا؟ اس امر کا بڑا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ حدیثیں اسلام میں لاکھوں تک مروج ہیں اور انہیں اکثر بناوٹی اور موضوع حدیثیں بھی ہیں۔ بہت سی ایسی احادیث زندیقوں نے وضع کیں جو بظاہر اسلام کے قائل مگر درپردہ دشمن تھے اور شیعوں نے بھی بعد میں بہت سی احادیث بنالیں چنانچہ انہیں میں سے ایک حدیث کے راوی اول کے حالات سے ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ زندیق قرار دیا گیا تھا اور اس کا میلان رفض کی طرف پایا جاتا تھا۔ لیکن امام مسلم رح نے اس کی روایت پر اگرچہ بہت اعتبار تو نہ کیا لیکن قبولیت میں جگہ دیدی۔ اسکی غالب وجہ یہ تھی کہ جس وقت امام مسلم رح نے اس حدیث کو نقل کیا تھا اسوقت اس شخص کے دل کے اندرونی خیالات دیکھے نہیں گئے تھے۔ اس میں کلام نہیں کہ محدثینؒ نے صحیح اور وضعی حدیثوں کے پرکھنے اور انکے الگ کرنے میں بڑی سعی کی لیکن آخر وہ انسان ہی تھے عالم الغیب نہ تھے جہاں تک انسانی عقل پہنچکر کوشش کرتی ہے انہوں نے اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا مگر بشری نقصانوں سے وہ کیونکر بچ سکتے تھے غرض ایسی وضعی احادیث جن میں اسلام پر باریک رنگ میں حملے کیے گئے تھے زندیقوں نے وضع کر کے انکو شہرت دی اور اسطرح مسلمانوں میں وہ رواج پا گئیں۔ اور رواج پاکر معتبر شمار ہونے لگ گئیں۔ علاوہ ازیں اس قسم کی وضعی حدیثوں کے بنانے اور رواج دینے میں شیعوں کا بھی ہاتھ رہا ہے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ پہلے پہل تو یہ لوگ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقوق خلافت کو فوقیت اور ترجیح ہی دیتے تھے۔

لیکن جب انکے سامنے یہ بات پیش کی گئی کہ انکے اس دعوے کی تائید میں کوئی آیت قرآنی نہیں تو پھر انہوں نے خلفائے ثلاثہ کو سنا شروع کیا اور ان پر جھوٹا الزام لگانا شروع کیا کہ انہوں نے جان بوجھکر وہ آیات قرآن میں درج نہیں کیں۔ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقوق کی مؤید تھیں۔ اس عقیدے کو رواج دینے کے لیے اس قسم کی حدیثیں بنائی گئیں جن سے قرآن کریم میں نقصان کا واقع ہونا معلوم ہو۔ تا اسی سے یہ استدلال ہو سکے کہ جب نقصان ہو گیا ہے تو ضرور ہے کہ بعض حصص جن میں حضرت علیؓ کی فضیلت تھی نکال دیئے گئے ہوں اور ممکن ہے کہ کسی جامع حدیث نے ایسی باتوں کو صرف اس امر پر محمول کر لیا ہو کہ یہ آیتیں منسوخ ہو چکی تھیں لیکن اس سے ان آیات کا قرآن شریف میں سے منسوخ ہونے یا فروگذاشت سے نہ لکھے جانیکا ثبوت نہیں ملتا۔

اگر بفرض محال ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ احادیث زیر بحث معتبر ہیں تو اس صورت میں ہمکو اس بات کا دیکھنا ضروری ہوگا کہ آیا کوئی شہادت ان کے متعارض اور مخالف تو موجود نہیں۔ کیونکہ اگر ایسی متعارض اور مخالف شہادت موجود ثابت ہوگی تو پھر اس بات کے جانچنے کی ضرورت ہوگی کہ دونوں میں سے کس طرف کی شہادت زیادہ قابل وثوق واعتبار ہے۔ اس موقعہ پر جب ہم دیکھتے ہیں تو ایک طرف تو اکیلے ابو موسیٰ اشعری کی گواہی ہے کہ دو سورتیں صحابہؓ پڑھا کرتے تھے۔ اور جس وقت اس نے یہ حال بیان کیا تو اسوقت اس کو یاد نہ رہی تھیں۔ اور دوسری طرف ساری جماعت صحابہ کبارؓ کی گواہی ہے کہ انکے علم میں ہی کسی ایسی سورۃ کا وجود کبھی نہیں ہوا۔ جو جو لوگ قرآن خوان تھے اور جن جن کے پاس قرآن شریف موجود تھا انہیں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس نے اتنا بھی کہا ہو کہ ہم نے ایسی دو سورتوں کی بابت سنا ہی تھا۔ اب ظاہر ہے کہ ایک ابو موسیٰ اشعری کی گواہی اتنی بڑی معتبر جماعت صحابہؓ کی شہادت کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھ سکتی ہے۔ اور خصوصاً جبکہ یہ معاملہ ایسا تھا کہ اگر اس کا کچھ بھی وجود ہوتا تو کثیر جماعت کے علم میں اس کا آنا ضروری تھا۔ ایسی صورت میں اکیلے شخص کی گواہی کو تمام صحابیوں کی گواہی پر کوئی ترجیح نہیں دیجا سکتی۔ بلکہ ترجیح کا سوال تو الگ رہا شمار اور موازنہ میں بھی نہیں لائی جا سکتی۔ البتہ اگر اس کے ساتھ بہت نہیں تو دو تین صحابہؓ ہی متفق ہوتے تو کسی منتقد کے دل میں شک پیدا ہونیکی وجہ ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جو صرف ایک معمولی درجہ کی خبر رکھنے والے صحابی کی شہادت پر مبنی ہے اور ہزار ہا اصحاب رسول کریم صلعم جو اُس سے زیادہ خبر اور دخل اور حافظہ رکھنے والے تھے اسکا انکار کرتے ہیں۔ اسپر بھی اسکو پیش کرنا اور اسپر ناز کرنا پہلے درجہ کی نادانی اور نامعقولیت ہے۔ یہی حال باقی ان حدیثوں کا ہے جو پیش کیجاتی ہیں۔ ایسی ہر ایک حدیث صرف ایک ہی شخص کی گواہی پر مبنی ہے جس کا کوئی دوسرا مؤید نہیں۔ اکیلے ابو موسیٰ اشعری ہی کی روایت پر بیان کیا جاتا ہے کہ دو سورتیں قرآن شریف کی گم ہو گئی تھیں انکے سوائے ایک بھی ایسا صحابی نہیں ہوا

جس نے انکی ہاں میں ہاں ملائی ہو اور انکے اس غلط خیال کی تائید کی ہو۔
ایسے ہی حضرت عایشہؓ ایک آیت کا گم ہو جانا بیان کرتی ہیں۔ لیکن وہ بھی اپنے بیان کی تائید میں ہزارہا صحابہؓ میں سے ایک گواہ بھی پیش نہیں کرتیں۔ جہاں ابن مسعود ایک امر بیان کرتا ہے تو ابیؓ اور دوسرے تمام صحابیؓ اس کی تردید کرتے ہیں۔ اور اگر ابی نے کوئی امر بیان کیا ہے تو ابن مسعود اور دوسرے ساری صحابہؓ اس کے مخالف ہیں۔ غرض جہاں کہیں اس قسم کی کوئی روایت آتی ہے وہ صرف ایک ہی شخص کا بیان ہے اور کوئی بھی دوسرا انکے بیان کا مؤید اور گواہ نہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ صرف ایک شخص کی گواہی سے یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ جاتی کہ فلاں آیت قرآن شریف کی تھی۔ کیونکہ یہ امر واقعہ ہے اور کثیر التعداد احادیث اس کی مصدق و مؤید ہیں کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت نازل ہوتے ہی عام طور پر شایع کردیجاتی تھی اور قراء اور حفاظ اسکو فوراً یاد کر لیا کرتے تھے۔ جس حدیث میں زید کا بعہد خلافت حضرت ابوبکر صدیقؓ قرآن جمع کرنیکا ذکر ہے اس کے اخیر میں جو روایت لکھی ہے کہ سورہ براۃ کی ایک آیت گم ہوگئی ہوئی تھی اور وہ صرف ابوخزیمہ کے پاس دستیاب ہوئی تھی اس روایت سے اس نتیجہ کا انکار لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ وہاں صرف تحریر کا ذکر ہے۔ اور دوسری حدیثوں سے ثابت ہے کہ اسی زمانہ میں قرآن شریف کے بہت لوگ حافظ اور قاری موجود تھے جن کو سارا قرآن ازبر تھا اور جو ازبر تلاوت کیا کرتے تھے الغرض کوئی معقول انسان اس بات پر کبھی قایم نہیں رہ سکتا کہ صرف ایک شخص کی شہادت کو تمام جماعت کی شہادت کے مقابلہ میں ترجیح دے اور ان سب کو غلطی پر سمجھے۔

پھر ان احادیث کی صحت پرکھنے کے لیے تیسرا معیار تواتر عملی یا تعامل ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے عاشق تھے کہ جو بات ان کے مبارک دہن سے سنتے یا جو کام انکو کرتے دیکھتے یا انکے جو فرمان کانوں سے سن لیتے تو فوراً ان کو عمل میں لے آتے۔ اور اسی طرح ان سے انکی اولاد اور توابع نے اور انسے انکی اولاد اور توابع نے لیکر عمل کیا اور نسلاً بعد نسلاً متواتر عمل کرتے چلے آئے ہیں یہاں تک کہ وہ سب کچھ ہم تک پہنچ گیا۔ اسکو تعامل کہتے ہیں جو باتیں تعامل میں آچکی تھیں احادیث کی کتابوں میں نہ بھی لکھی جاتیں تو بھی کچھ حرج نہیں تھا۔ آنحضرت صلعم کے بعد سب سے زیادہ قیمتی چیز مسلمانوں کے ہاتھ میں قرآن شریف تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ ہر ایک مسلمان اس بات پر تلا رہتا تھا کہ اس بیش بہا نعمت کو ہر قسم کے آمیزش اور تصرف سے محفوظ رکھکر آیندہ نسلوں کو پہنچا دے۔
اب اگر بطور محال فرض کرلیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم سے بعض نسخے قرآن شریف کے معدوم کر دیئے تو یہ امر دیکھنا ضروری ہوگا کہ آیا اکیلے حضرت عثمانؓ کا دخل اتنا بڑھا ہوا تھا اور انکی طاقت ایسی وسیع ہوگئی ہوئی

تھی کہ اتنی بڑی قوم کے قبضہ اور حافظہ سے ہر ایک آیت اور سورۃ مٹا سکیں۔ اور اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ ابن مسعودؓ جیسے مشہور لوگوں سے انہوں نے قرآن کے نسخے چھین لیے تھے تو یہ کیونکر سمجھا جا سکتا ہے کہ جو نقلیں عام طور پر ان لوگوں کے قرآنوں کی مسلمانوں میں مشتہر اور مروج ہو چکی تھیں وہ بھی انہوں نے لوگوں سے لے لی تھیں؟ اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ قرآن شریف کی بکثرت نقلیں اسی زمانہ میں مسلمانوں میں عام طور پر مروج ہو چکی تھیں اگر ان لوگوں کو حضرت عثمان والے نسخہ قرآن میں کوئی نقص معلوم ہوتا تو وہ حق کے لیے ایسے دلیر تھے کہ فوراً اسکو عیاں کر دیتے اور کسی کے رعب و سیاست سے نہ دبتے۔ لیکن بطور تنزل اگر اتنا بھی مان لیا جائے کہ اس بیچ کسی مسلمان کو حضرت عثمانؓ کے نسخہ قرآن میں کوئی نقص معلوم ہوا تھا تو اتنا تو کوئی ضرور کرتا اور اسکے کرنے میں اسکو کوئی دقت بھی نہ تھی کہ جو نسخہ صحیح اس کے اپنے پاس یا کسی اور کے پاس معلوم ہوتا اسکو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں چھپا کر ہی محفوظ رکھ لیتا۔ اگر کوئی ایسا کرتا تو حضرت عثمانؓ کے دَورِ خلافت کے ختم ہونیکے بعد ایسے قرآن کی نقلیں فوراً جا بجا پھیل جاتیں۔ اور خصوصاً جب حضرت علیؓ کا زمانہ آیا تھا تو چونکہ انہیں حضرت عثمانؓ کے قرآن شریف کے مختلف نسخوں کو لیکر ایک مکمل نسخہ بنانیکی تدبیر کر کے اپنے زمانہ میں مروج رکھنے کی کوئی خاص غرض نہ تھی اسلیے انکے زمانہ میں ایسا نسخہ قرآن شریف بہت آسانی اور عمدگی کے ساتھ وسیع اشاعت بلا تکلف حاصل کر سکتا تھا۔ اس طرح حضرت علیؓ کے زمانہ میں بہت سارے ایسے قرآنوں کے نسخے مروج ہو جاتے۔ اور اگر انہیں حضرت عثمانؓ کے جمع کردہ نسخہ سے ذرہ بھی اختلاف ہوتا اور اسکی اشاعت و رواج کو روکنے کی جرأت اپنے میں نہ پاتے تو اتنا تو ضرور ہوتا کہ دوسرے جس کسی نسخہ قرآن کو اس نسخہ سے زیادہ اچھا سمجھتے۔ اسکو ہی شایع کرتے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ایسی احتیاط اور امانت سے کامل قرآن شریف نقل کرایا تھا کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسکی صحت پر صاد تھا بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ وہ تمام صحابہؓ کا متفق طور پر لکھایا ہوا قرآن تھا۔ یہ ایسا مقبول کام تھا کہ وہ لوگ جو حضرت عثمانؓ سے ایسے ناراض ہوئے تھے اور انہیں آتشِ غضب ان کے برخلاف اس حد تک بھڑک اٹھی تھی کہ امیر المؤمنینؓ کے خون میں ہاتھ رنگ لیے تھے ان لوگوں نے بھی اس قرآن میں کوئی نقص نہ پایا اور نہ بیان کیا۔ اور نہ ہی انہوں نے اس سے کوئی عمدہ نسخہ قرآن شریف پیش کیا اور نہ ہی کسی سورۃ تو کجا ایک آیت کی کمی بیشی ہی بیان کی۔ بلکہ یہاں تک کہ انہوں نے باوجود اسقدر حرفگیری کے اتنا بھی اشارہ نہ کیا کہ کوئی ایک لفظ بلکہ حرف ہی حضرت عثمانؓ نے بدلا ہے۔ غور کی جگہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا یعنی جب وہ باغیوں کے ہاتھوں سے مقتول ہو گئے۔ تو پھر جن حصص قرآن کو حضرت عثمانؓ نے دبا رکھا تھا اور شایع نہ کیا ان کے شایع کرنیمیں کونسی رکاوٹ کسی کو مانع ہو سکتی تھی۔ اگر یہ بھی مانا جائے کہ حضرت عثمانؓ کی سیاست ایسی غالب آئی تھی کہ انہوں نے تمام ایسے نسخے چنوا کر ضایع کر دیئے تھے تو انکی شہادت کے بعد بھی

بہت سارے قراء اور حفاظ زندہ تھے جن کے دلوں کی الواح پر قرآن شریف کا حرف حرف زمانہ نزول سے ہی منقش اور منضبط تھا۔ انکو حضرت عثمانؓ مٹانے پر کیسے قادر ہو سکتے تھے۔ انکا تو کسی فانی ہاتھ کی کوشش سے محو ہونا ناممکن محض تھا۔ قرآن شریف کے تمام ایسے حصے جن کے دبا رکھنے کا الزام حضرت عثمانؓ پر بیجا اعتراض کرنیوالے لگاتے ہیں وہ سب کے سب حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ساتھ ہی رواج عام میں آجاتے۔ اور قرآن میں شامل کر دیے جاتے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تاریخ اس گواہی کے لیے طیار ہے کہ کسی اس قسم کی بات کا پتہ دیوے؟ بچی بات تو یہ ہے کہ تاریخ میں ہرگز ہرگز اسکا کوئی سراغ نہیں چلتا باوجودیکہ مسلمانوں کو اسی ابتدائی زمانہ میں ہی باہمی اختلافات نے علیحدہ علیحدہ کر دیا تھا۔ اور اس کے بعد طرح طرح کے اختلافات انمیں پیدا ہوتے گئے۔ لیکن باوجود ان سب اختلافات کے مختلف لوگوں اور مختلف فرقوں میں صرف ہی ایک قرآن جو حضرت عثمانؓ نے لکھوایا تھا بلا کسی قسم کے اختلاف کے ہمیشہ سے مروج اور مسلم چلا آیا ہے۔ اگر واقع میں کوئی اختلاف موجود ہوتا تو ضرور تھا کہ قرآن شریف کے نسخوں میں کسی نہ کسی طرح اسکو دخل ہو جاتا۔ لیکن تمام مسلمان جن میں بعض ایک دوسرے کے خونی دشمن بھی ہوتے ہیں اور تمام اسلامی فرقے جو بعض بعض کے خون آشام حریف ہیں صرف ایک ہی قرآن شریف ہمیشہ سے مانتے چلے آتے ہیں۔ ان جمہوری اتفاق سے یہ امر پایۂ ثبوت کو زیادہ وضاحت سے پہنچتا ہے کہ اس قرآن شریف میں کسی شخص کو کسی طرح کا اختلاف نہ تھا۔ اور یہ کہ یہی قرآن شریف ہے جو آنحضرت صلعم کے منشا کے موافق جمع کیا گیا تھا۔

بعض شیعہ لوگ اس بارہ میں کسی وقت طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں انکے جواب کے لیے ہم میور صاحب کی "لایف آف محمدؐ" سے چند فقرات اقتباس کرنے پر کفایت کرتے ہیں۔ اس شخص نے خود ہی اعتراض اُٹھایا ہے اور آپ ہی اس کا جواب دیا ہے۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے۔ "اس بات کو تسلیم کرکے کہ ہمارے ہاتھوں میں بلا تغیر و تبدل وہی نسخہ موجود ہے جو حضرت عثمانؓ نے شایع کرایا تھا۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ نسخہ قرآن شریف زیدؓ والے قرآن شریف کے ساتھ سوائے خفیف اصلاحات کے بالکل مطابق ہے؟ اس بات کے ماننے کیلیے پورے پورے دلایل موجود ہیں۔ کہ واقع میں ایسا ہی ہے۔ کسی پرانی روایت اور معتبر حدیث سے ذرہ بھر بھی شک کرنیکی وجہ پیدا نہیں ہوتی کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دعوے کی تائید میں قرآن شریف میں ایک ذرہ بھر تصرف کیا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ متاخرین شیعوں نے غلطی سے یہ بات گھڑ رکھی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بعض سورتیں اور بعض آیتیں عمداً درج قرآن نہ کرنے دی تھیں۔ اور وہ سورتیں اور آیتیں ایسی تھیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دعاوی کی مؤید تھیں۔ لیکن شیعوں کی یہ بات بالکل اعتبار کے قابل نہیں۔ جب حضرت عثمانؓ کا نسخہ قرآن طیار ہو گیا تو حضرت علیؓ کے پیرووں اور بنو امیہ میں کوئی ظاہری اختلاف پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور

اخوت و وحدت اسلامی میں کوئی فرق واقع نہ ہوا تھا۔ حضرت علیؓ کے دعوے ابھی تک منصۂ ظہور میں آئے ہی نہ تھے۔ کوئی ایسی غرض کافی طور پر نظر نہیں آتی کہ جس نے ایسے وقت میں حضرت عثمانؓ کو ایسے مکروہ اور سیاہ جرم کے ارتکاب پر آمادہ کر دیا ہو جو مسلمانوں کے نزدیک سب سے زیادہ تاریک گناہ ہے۔ پھر ماسوا اس کے جب حضرت عثمانؓ نے قرآن جمع کر کے اسکو مستند طور پر شایع کیا تھا تو وہ ایسا وقت تھا کہ جبکہ ابھی ہزارہا ایسے لوگ زندہ موجود تھے جنہوں نے وقت نزول سے ہی قرآن شریف کو سنکر حفظ کر لیا ہوا تھا۔ اور اگر کوئی سورۃ یا آیت ایسی ہوتی جو حضرت علیؓ کے دعوے کے مؤید تھی تو ضرور تھا کہ وہ ہزارہا لوگوں کے ہاتھوں میں محفوظ ہوتی جو حضرت علیؓ کے ساتھ خاص اخلاص اور تعلق رکھتے تھے۔ یہ دونوں ایسی باتیں تھیں کہ انسے اصل قرآن میں کسی قسم کے تصرف و تغیر کا دخل پانا ممکن ہی نہیں تھا۔ پھر اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے فوت ہوتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خیر خواہوں کی جماعت کا غلبہ ہو گیا اور ایسی آزاد طاقت حاصل کر لی کہ انکو خلیفہ بنا دینے میں کامیاب ہو گئے۔ کیا یہ گمان صحیح ہو سکتا ہے کہ جب اس طرح ان لوگوں کو قوت اور دولت مل گئی تھی تو اسوقت وہ اسی ناقص قرآن شریف کے رواج کی اجازت دے رکھتے؟ اور ناقص بھی ایسا کہ ان کے اپنے پیشوا حضرت علیؓ ہی کے دعووں کی آیات اور سورکے اندراج سے ناقص۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ بھی اسی قرآن کو بلا قیل و قال ہمیشہ استعمال کرتے رہے۔ اور ان کے مخالف بھی اسی قرآن کو پڑھتے رہے اور خفیف سے خفیف اعتراض بھی اس کے خلاف نہیں کیا۔"

اسجگہ یہ بات بھی ذکر کر دینے کے قابل ہے کہ شیعوں کی ساری جماعت ہی ایسا اعتقاد نہیں رکھتی کہ قرآن شریف کے کچھ حصے گم ہو گئے تھے یا وہ سورتیں جو حضرت علیؓ کے دعووں کی مؤید تھیں انکو حضرت عثمانؓ یا زیدؓ نے عمداً چھوڑ دیا تھا۔ ان لوگوں میں بھی زیادہ ایسے ہوئے ہیں اور ہیں جو مانتے ہیں کہ قرآن شریف ہر قسم کی آلایش اور تصرف سے پاک ہے۔ اور یہی قرآن شریف جو بین الدفتین دنیا میں موجود ہے زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانہ صحابہؓ اور زمانہ تابعین میں تھا۔ اور یہی بلا تغیر و تبدل حرفے و حرکتے موجود ہے۔ یہی اعتقاد بڑے بڑے فضلاء اور محققین اہل تشیع کا ہے۔ البتہ جاہل لوگ ایسا اعتقاد رکھتے ہیں کہ بعض حصص قرآن شریف گم ہو گئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم تفسیر صافی میں سے جو اہل شیعہ کی ایک بڑی معتبر تفسیر ہے اور آجکل انکے مدارس میں بطور درس داخل ہے چند فضلائے اہل تشیع کے آرائے لکھتے ہیں۔ جو انہوں نے اس قرآن شریف کی نسبت جو آج کل دنیا میں رائج ہے ظاہر فرمائی ہیں۔ چنانچہ اس تفسیر میں ملا محسن جاہل شیعوں کے خیالات کی تردید کرتا ہے اور لکھتا ہے۔ فقد روی جماعۃ من اصحابنا و قوم من حشویۃ العامۃ ان فی القرآن تغیراً او نقصاناً و الصحیح من مذھب اصحابنا خلافہ و بلغت حد الم تبلغہ

فیما ذکرناہ لان القرآن معجزۃ النبوۃ وماخذ العلوم الشرعیۃ والاحکام الدینیۃ و علماء المسلمین قد بلغوا فی حفظہ وحمایتہ الغایۃ حتیٰ عرفوا کل شی اختلف فیہ من اعرابہ وقرأتہ وحروفہ وایاتہ فکیف یجوز ان یکون مغیرًا او منقوصًا مع العنایۃ الصادقۃ والضبط الشدید۔ یعنی ہمارے دوستوں کی ایک جماعت اور عوام حشویہ نے یہ روایت کی ہے کہ قرآن شریف میں تغیر اور نقصان ہے اور ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب اسکے خلاف ہے اور نیز ان لوگوں کی رائے اس حد تک پہنچی ہے کہ ہم اسکو بیان نہیں کر سکتے اور اصل بات یہ ہے کہ قرآن نبوت کا اعجاز اور علوم شرعیہ اور دینی احکام کا ماخذ ہے اور علمائے اسلام نے یہانتک اس کی حفاظت اور حمایت کی ہے کہ انہوں نے ہر چیز پر جس میں اعراب اور قرأت اور حروف اور آیات کے بارہ میں اختلاف کیا گیا ہے عرفان تام اور واقفیت عام پیدا کر لی ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ ایسے ضبط شدید اور حفاظت صحیحہ کی موجودگی میں کسی قسم کا تغیر یا کمی ہوئے پائی ہو۔ دیکھو تفسیر صافی مصنفہ ملا محسن صفحہ ۱۴۱ پھر آگے چلکر مصنف مذکور اسی صفحہ پر لکھتا ہے۔ ان القرآن کان علی عہد رسول اللہ مجموعًا مولفًا علی ماھو علیہ الاٰن واستدل علی ذٰلک بان القرآن کان یدرس ویحفظ جمیعہ فی ذٰلک الزمان حتیٰ عین علی جماعۃ من الصحابۃ فی حفظہم لہ وانہ کان یعرض علی النبی وصلی علیہ وان جماعۃ من الصحابۃ مثل عبد اللہ بن مسعود وابی بن کعب وغیرھما ختموا القرآن علی النبی عدۃ ختمات وکل ذٰلک یدل بادنی تامل علی انہ کان مجموعًا غیر مبتور ومبثوث وذکر ان من خالفہ فی ذٰلک من الامامیۃ والحشویۃ لا یعتد بخلافھم فان الخلاف فی ذٰلک مضاف الی قوم من اصحاب الحدیث نقلوا اخبارًا ضعیفۃ۔ یعنی یہی قرآن رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں اسطرح جمع شدہ اور اکٹھا تھا جس طرح اب کل ہے اور اسپر یہ دلیل ہے کہ قرآن حمید مکمل و مجموعی طور پر اس زمانہ مبارک میں پڑھا جاتا اور حفظ کیا جاتا تھا۔ اور صحابہؓ کی ایک جماعت مثل عبد اللہ و ابی بن کعب وغیرہ نے چند مرتبہ قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ختم کیا۔ اور ان باتوں پر ادنیٰ تامل اور تفکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن مرتب و مدون تھا۔ تتر بتر نہیں تھا۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ امامیہ یا حشویہ میں سے جن لوگوں نے اس رائے کی مخالفت کی ہے انکی اس کے مقابل میں کوئی حقیقت اور شمار نہیں ہے کیونکہ یہ خلاف صرف اصحاب حدیث سے ہوا ہے جنہوں نے ضعیف خبریں نقل کر دی تھیں۔

پھر مفسر مذکور اپنی تفسیر میں بہت سارے ایسے بڑے بڑے مسلم اور مستند علما و فضلا و محدثین امامیہ کے

اعتقاد کا اقتباس کرتا ہے کہ جن کی عظمت اور لیاقت کی شہرت کا سکہ تمام شیعہ دنیا میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے بہت ساری حوالے ایسے نقل کیے ہیں جن میں یہ لوگ صاف اور کھلے الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ یہ قرآن جو بین الدفتین مسلمانوں میں رائج ہے یہ ٹھیک وہی قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا اور اس میں کوئی تغیر و تبدل واقعہ نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جو امامیہ فرقہ میں بہت مستند اور مسلم حدیث ہے۔ اور جس کے استناد پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔ یہ حدیث بھی اسی بات کی تائید کرتی ہے کہ یہی قرآن شریف جو دنیا میں عام طور سے مروج ہے لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً وہی ہے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوا تھا اور جس طرح آپ نے ترتیب دلائی تھی اور اس میں کسی تبدل و تغیر کو کسی طرح سے دخل نہیں ہوا۔

ان مذکورہ بالا حوالوں سے کافی طور پر ثابت ہے کہ علمائے محققین فرقہ امامیہ کو بھی مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کے علماء کے ساتھ اس بات میں اتفاق ہے کہ یہ قرآن شریف جو بین الدفتین مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے ٹھیک وہی ہے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوا تھا۔ اور کہ اس میں کسی قسم کی دسترس کسی غیر کی نہ اسکی ترتیب میں اور آیات و لفظ و حرف میں بلکہ کسی حرکت کے بدلنے میں بھی ہو سکی۔ اگر یہ نادان معترض قرآن شریف کے اس اعجاز کی طرف نظر غور اٹھا کر دیکھتے کہ جبکہ حضرت عثمانؓ کا شائع کردہ قرآن آجتک دنیا میں اسقدر وسیع طور سے مروج اور شائع ہو چکا ہے اور اسلامی قولم اسقدر دور دور پھیل گئی ہیں مگر مختلف ممالک میں رہنے اور مختلف زبانوں کے بولنے کے باوجود جہاں کہیں جاؤ تیرہ سو برس سے یہی قرآن موجود ہے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف اور تغیر واقعہ نہیں ہو سکا۔ تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ صرف تیرہ برس کے ایسے پاک زمانہ ہی میں اس میں کسی کے دستبرد کو راہ مل جاتی۔ وہ تو ایسا زمانہ تھا کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد صرف تیرہ سال ہی گذرے تھے اور مسلمانوں میں وحدت موجود تھی۔ اور ایک ملک اور قریباً ایک ہی زبان کے سمجھنے والے تھے۔ اور ان میں کثیر التعداد ایسے قراء و حفاظ موجود تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر قرآن حفظ کیا ہوا تھا۔ اور تازہ تازہ زمانہ تھا۔ اور اس کے بعد ہمارے زمانہ تک مختلف قوموں میں ہزارہا اختلافات واقعہ ہوئے۔ ہزارہا قومیں مختلف ملکوں میں رہنے والی اور مختلف زبانیں بولنے والی اسلام میں داخل ہو گئیں پھر جبکہ اس تیرہ سو برس کے لمبے زمانہ میں ایک حرکت بھی بدل نہیں سکی تو اُس پہلے زمانہ کی نسبت کسی تبدیلی یا فروگذاشت کا خیال کرنا ہی سراسر حق کا خون کرنا ہے۔ وہ ابتدائی زمانہ ایسا تھا کہ جس میں وہ اسباب جن سے قرآن شریف ہر آلایش اور تصرف سے محفوظ رکھا جا سکتا تھا بہت کثرت سے موجود تھے اصحاب رسول کریم صلعم اور تمام متقدمین اس بات کو علی وجہ البصیرت مانتے اور جانتے تھے کہ قرآن شریف میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوا۔ امام بخاری نے ایک حدیث

لکھی ہے اور یہ ایسی حدیث ہے کہ جس کی صحت پر کبھی کوئی جرح واقع نہیں ہوئی۔ اور وہ یہ ہے کہ جب ابن عباس اور محمد بن حنفیہ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلعم نے کیا چھوڑا ہے تو دونوں نے متفق اللفظ ہو کر جواب دیا کہ ماترك الا ما بين الدفتين یعنی آپ نے وہی کچھ چھوڑا ہے جو بین الدفتین موجود ہے"۔ واضح رہے کہ بین الدفتین کی اصطلاح وہ ہے جو اس قرآن شریف کے لیے پہلے بولی گئی تھی جو حضرت عثمانؓ نے شایع کیا تھا۔ انکا مطلب یہ تھا کہ یہی قرآن جو حضرت عثمانؓ نے شایع کیا ہے آنحضرت صلعم نے پیچھے چھوڑا ہے۔

پیشگوئی متعلقہ ڈوئی کی تصدیق

ڈوئی کے متعلق جو پیشگوئی حضرت مسیح موعودؑ نے شایع کی تھی اس کی اشاعت زیادہ تر امریکہ کے اخباروں کے ذریعہ سے ہی ہوئی تھی۔ اس لیے اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر اس کے پورا ہونیکی تفصیل کو بھی بعض صاحبان اخبارات امریکہ کے پاس بھیجا گیا تا وہ ان واقعات پر غور کریں۔ اور اس کے پورا ہونیکے متعلق اپنی رائے ظاہر کریں۔ اب ان میں سے بعض اخبارات کی رائے ہم تک پہنچی ہے اور اگر اس امر کو مدنظر رکھا جاوے کہ اس رائے کا اظہار کرنیوالے وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں مذہبی اور قومی تعصب کی وجہ سے جو سیکڑوں سالوں سے انکے خونوں میں رچ گیا ہے اسلام اور اس کے بانی علیہ الصلوۃ والسلام کے خلاف ایک کینہ بیٹھا ہوا ہے جس نے بسبب دیرینہ ہونیکے ایک طبعی رنگ پکڑ لیا ہے۔ غرض اس طبعی تعصب اور عداوت کو مدنظر رکھکر جب ہم ان رائوں کو پڑھتے ہیں جو پیشگوئی کے پورا ہونے پر دی گئی ہیں تو ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زبردست دلائل اور یقینی واقعات نے ان لوگوں کو مجبور کیا ہے کہ پیشگوئی کی صداقت کو تسلیم کریں۔ افسوس ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ جسقدر رائے زنی ان اخبارات میں ڈوئی والی پیشگوئی کے متعلق ہوئی ہے وہ سب ہم تک پہنچ جاوے۔ صرف معدودے چند اخبار والوں نے اپنے اخبار بھیجدیے ہیں۔ جن سے ہمکو اسقدر اطلاع ملی ہے جس کا حوالہ ذیل میں درج ہے۔

ٹروتھ سیکر نیویارک کا ایک دہریہ اخبار ہے۔ اس اخبار میں قبل اسکے بھی کہ ہماری طرف سے تفصیل واقعات بھیجی جاوے اور توجہ دلائی جاوے اس پیشگوئی کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اب جو کچھ اس اخبار میں ۱۵ جون ۱۹۰۷ء کے پرچہ میں لکھا گیا ہے اسکو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"جس پیشگوئی کا ذکر مندرجہ بالا عنوان کے رسالہ میں ہے اس سے مراد وہ رسالہ ہے جو ڈوئی کی موت

میں خدائی فیصلہ کے عنوان سے لکھکر شایع کیا گیا تھا) اس کی طرف ہم اس سے پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں۔
ڈوئی جو کہ مر چکا ہے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) مفتریوں کا بادشاہ کہا کرتا تھا۔ اس نے
نہ صرف یہ پیشگوئی کی تھی کہ صیہون (یعنی اسکا قایم کردہ سلسلہ) تمام مسلمانوں کو ہلاک کر دے گا۔ بلکہ وہ ہر روز
خدا سے یہ دعا بھی کیا کرتا تھا کہ وہ وقت جلد آوے جب ہلال (یعنی اسلام) دنیا سے نیست و نابود ہو جاوے۔
جب اس بات کا علم ہندوستانی مسیح کو ہوا تو انہوں نے الیاس ثانی کے نام کا ایک چیلنج عام طور پر دنیا میں
شایع کیا جس میں اس کو اس مباہلہ کی طرف بلایا گیا تھا کہ دعا کیجاوے کہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے خدا اسے
دوسرے کی زندگی میں ہلاک کرے۔ قادیان کے رہنے والے نے یہ پیشگوئی کی کہ اگر ڈوئی چیلنج کو قبول کر لے گا تو
وہ میری آنکھوں کے سامنے دنیا کو بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ چھوڑیگا۔ مرزا صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر ڈوئی
نے اس چیلنج کے قبول کرنیسے انکار کیا تو اسکی ہلاکت میں صرف چند روزہ توقف ہوگا۔ موت دونوں صورتوں
میں اسکے لیے تیار ہے اور اس کے صیہون پر جلد تر آفت آویگی۔ یہ تھی عظیم الشان پیشگوئی۔ کہ صیہون تباہ
ہو جائیگا۔ اور ڈوئی احمدؐ کی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو جائیگا۔ الیاس کو اس طرح چیلنج کرنا جس میں موت صداقت
کا معیار تھا مسیح موعودؑ کے لیے ایک خطرہ والا امر تھا کیونکہ چیلنج کرنیوالا شخص دوسرے سے عمر میں پندرہ سال
بڑا تھا۔ اور ایک ایسی سرزمین میں جہاں ایک طرف طاعون زور پر ہو اور دوسری طرف مذہب کی خاطر قتل
کر دینے والے لوگ کثرت سے موجود ہوں ظاہری واقعات چیلنج کرنیوالے کے زیادہ دیر تک زندہ رہنے کے
خلاف تھے۔ مگر وہ جیت گیا۔ × × × × × × × × × × × × × × × × × × ×
× ×

"نبیوں کی جنگ بعید زمانہ سے چلی آتی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ جبتک دو بالمقابل میدان میں ہونگے
یہ جنگ جاری رہیگی۔ جس زمانہ کا ذکر بائبل کے لکھنے والوں نے کیا ہے۔ اس زمانہ میں معجزات میں مقابلے
ہوا کرتے تھے۔ ہارون نے جو حضرت موسیٰؑ کے جانشین تھے ایک اسی قسم کا مقابلہ کیا جس کا انتظام فرعون نے
کیا تھا۔ انہوں نے اپنا عصا فرعون کے سامنے پھینکا تو وہ سانپ بن گیا۔ فرعون نے بھی مصر کے جادوگروں کو بلایا
جنہوں نے یہی کام دوبارہ کر دکھایا یعنی انکی سونٹیاں جب زمین پر ڈالی گئیں تو وہ بھی سانپ بن گئیں مگر ہارون
کامیاب ہوئے کیونکہ انکا عصا جادوگروں کی سونٹیوں کو نگل گیا۔"

اس تحریر کے حصہ اول میں پیشگوئی کے پورا ہونیکو صریح الفاظ میں تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر آخری حصہ میں جو کچھ
اس اخبار کے دہریہ ایڈیٹر نے لکھا ہے وہ بھی ایک قابل غور امر ہے۔ اگرچہ اس نے بسبب اپنے دہریہ پن کے اس
جنگ کو جو ہمیشہ سے جھوٹے اور سچے مدعیوں کے درمیان ہوتا چلا آیا ہے استہزا کے رنگ میں بیان کیا ہے۔ مگر اسکو
اس پیرایہ بیان کو چھوڑ کر اگر حقیقت الامر پر غور کیا جاوے تو بات بالکل سچی ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور ساحروں کا

مقابلہ کیا تھا۔ حق اور باطل کی ایک جنگ تھی جس میں حق کامیاب ہوا اور باطل ناکام و نامراد ہوا۔ حضرت موسیٰؑ خدا کے ایک برگزیدہ نبی تھے۔ اور مقابلہ میں انہوں نے اپنی کسی تدبیر پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر آپکا ایمان تھا کہ تُو کامیاب ہوگا۔ وہ اکیلے تھے اور ان کے بالمقابل ایک بادشاہ اور اس کے تمام وہ ہتھیار جو اکٹھے کر سکتا تھا۔ یہ ساحر سارا بھروسہ اپنی تدبیروں پر رکھتے تھے۔ پھر خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو کامیاب اور ساحروں کو ناکام کر کے دکھا دیا کہ اسکا زبردست ہاتھ کس کی تائید میں کام کر رہا ہے اگر حضرت موسیٰؑ کا بھروسہ بھی صرف اپنی تدبیروں پر ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ایک تنہا آدمی ہزاروں آدمیوں کے منصوبوں پر غالب آتا۔ غرض حضرت موسیٰؑ اور ساحروں کا جنگ صادق اور کاذب کا یا حق اور باطل کا جنگ تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے حق کو غالب کیا اور باطل کو ذلیل و خوار کیا اور اسطرح پر اپنے فیصلہ سے دنیا پر یہ ظاہر کر دیا کہ اسکی طرف سے کون ہے اور کاذب کون ہے۔ حضرت موسیٰ کی ہی یہ کوئی خصوصیت نہیں بلکہ ہر نبی کی زندگی میں یہی نظارہ حق اور باطل کے جنگ کا دیکھا جاتا ہے اور ہر جگہ اسی کلام الٰہی کا صدق ظاہر ہوتا ہے جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ یہی نقشہ حق اور باطل کے جنگ کا اس زمانہ کے مصلح خدا کے برگزیدہ مامور جری اللہ فی حلل الانبیاء حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کے لیے کئی دفعہ دکھایا ہے۔ بہتیرے باطل پرست اور تاریکی کے فرزند اس حق اور نور کے بالمقابل اُٹھے مگر ہر دفعہ حق ہی غالب ہوا اور باطل ہلاک ہو کر اپنی سزا کو پہنچا۔ ڈوئی بھی ایسا ہی ایک باطل کا وکیل تھا جو حق کے مقابلہ پر آ گیا۔ اور جیسا کہ اس اخبار کے دہریہ ایڈیٹر نے لکھا ہے ایک طرف حضرت مسیح موعودؑ کا عمر میں ڈوئی سے پندرہ سال بڑے ہونا پھر ایک ایسی سرزمین میں ہونا جہاں ہر روز ہزارہا انسان طاعون کا شکار ہوتے ہیں اور تمام انسانوں کی زندگیاں معرض خطر میں پڑی ہوئی ہیں۔ اور پھر جہاں مذہبی تعصب اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ اختلاف مذہبی کی وجہ سے ایک شخص کا قتل کر دینا کچھ بھی مشکل امر نہیں ہے۔ اور دوسری طرف ڈوئی کا نہ صرف پچاس سال کی عمر کا ایک مضبوط اور تندرست جوان ہونا بلکہ ساتھ ہی اسکے ہر طرح سے آسایش اور راحت کے سامان میسر ہونا اور حفظان صحت کے ہر قسم کے سامانوں کا موجود ہونا۔ یہ ایسے امور تھے جن کے ہوتے ہوئے اس مباہلہ اور پیشگوئی میں کہ جھوٹا صادق کی زندگی میں اور اس کی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہوگا ایک دانشمند انسان قیاس سے حکم حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف ہی لگاتا۔ مگر جو انسانی تدبیر اور دانش کہتی تھی وہ نہ ہوا بلکہ جو خدا کا وعدہ تھا کہ بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ ڈوئی ہلاک ہوگا اور اس کے صیہون پر ایک خطرناک آفت آئیگی وہی وعدہ پورا ہو کر رہا اور اس اپنے وعدہ کو پورا فرما کر اللہ تعالیٰ نے دنیا کو یہ کھولکر دکھا دیا ہے کہ حق کہاں ہے اور باطل کہاں اور صادق کون ہے اور کاذب کون تھا۔ ایسے کھلے کھلے نشان کو

دیکھکر نہ ماننے والا وہی شخص ہو سکتا ہے جو حضرت موسیٰ کے ساحروں پر غلبہ کو اور ہر ایک راستباز نبی کے کاذبوں اور مفتریوں پر غلبہ کو ایک بے حقیقت چیز سمجھتا ہو یا یوں کہو کہ ٹروتھ سیکر اخبار کے ایڈیٹر کی طرح محض دہریہ ہے۔ مَیں تو یہ کہونگا کہ اس دہریہ نے بھی ایک سچی بات کہدی ہے یعنی یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کا ڈوئی کے مقابلہ میں کھلے کھلے طور پر کامیاب نکلنا ویسا ہی ہے جیسا حضرت موسیٰؑ کا ساحروں کے بالمقابل کامیاب ہونا۔ پس جو شخص ایک کی کامیابی کو اس کی راستبازی اور صداقت پر دلیل سمجھتا ہے اسے دوسرے کی کامیابی کو بھی اس کی صداقت اور راستبازی پر دلیل سمجھنا چاہیئے۔ کاش اگر یہ لوگ یعنی وہ جو انبیاء علیہم السلام کو ماننے والے ہیں مسلمان یا عیسائی غور کرتے تو اس مقابلہ سے انکے ایمان تازہ ہوتے کہ حضرت موسیٰؑ اور ساحروں کا قصہ بھی ایک کہانی نہیں بلکہ ایک کھلی کھلی حقیقت ہے جس کی ایک زندہ مثال خدا نے اس زمانہ میں ظاہر کر کے بلکہ ایک نہیں کئی مثالیں ظاہر کر کے اس پہلی حقیقت کو بھی تقویت پہنچائی ہے۔ مگر آنکھوں پر پردے ہیں جنکو خدا کا فضل ہی دُور کر سکتا ہے اور دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں جنکو خدا کے رحم کا ہاتھ ہی کھول سکتا ہے۔ ایک دہریہ نے تو ایک سچی بات کہدی مگر یہ لوگ جو خدا کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں انکے مُنہ سے اتنی سچی بات بھی نہیں نکل سکتی۔

اسی پیشگوئی پر ایک رائے اخبار ہیرلڈ۔ بوسٹن کی نیچے درج کیجاتی ہے جو اس اخبار کے ۲۳۔ جون ۱۹۰۷ء کے پرچے میں ظاہر کی گئی ہے۔ اس کا عنوان یوں ہے۔ مرزا غلام احمدؐ مسیح ایک عظیم الشان انسان ہے انہوں نے ڈوئی کی حسرتناک موت کی پیشگوئی کی۔ اور اب طاعون۔ طوفان اور زلزلہ کی پیشگوئی کرتے ہیں۔" اس عنوان کے نیچے لکھا ہے۔

"رسال ۱۹۰۳ء میں اگست کے تیئیس ۲۳ دن گذرے تھے۔ جب مرزا غلام احمدؐ قادیانی (ہندوستان) نے الگزنڈر ڈوئی کی موت کی پیشگوئی کی جو الیاس ثالث کہلاتا تھا اور جس کی موت گذشتہ مارچ میں واقع ہوئی اور اب مرزا غلام احمد قادیانی پھر ۲۳۔ جون کو کہتے ہیں۔ کہ اب اس ملک کی باری بھی قریب آگئی ہے۔ ایسے زلزلے آئیں گے جن کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہ ملے گی۔ اور وہ قیامت کا نمونہ ہونگے۔ اور یورپ اور دوسرے عیسائی ممالک میں ایک قسم کی طاعون ظاہر ہوگی جو بہت سخت ہوگی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے آنیسے خدا تعالیٰ کے غضب کے مخفی ارادے ظہور میں آ گئے ہیں۔ پھر دنیا پر نوح کا زمانہ آئیگا اور جو حالت لوط کی زمین پر گذری تھی اسکو تم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرو گے × × × × × × × × × یہ صاحب جو ہندوستان کے بسنے والے ہیں دنیا کے مشرقی ممالک میں کئی سال سے مشہور ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ مَیں وہ سچا مسیح ہوں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونیوالا تھا اور خدا نے اپنے فضل کی بارش مجھ پر

کی ہے۔ ریاستہائے متحدہ کی توجہ انکی طرف پہلے پہل سنہ ۱۹۰۳ء میں ہوئی۔ اور اس کی وجہ انکا ایک مباہلہ الیاس ثالث کے ساتھ تھا۔ ڈوئی کی موت کے بعد ہندوستانی نبی کی شہرت بہت بلند ہوگئی ہے کیونکہ کیا یہ سچ نہیں کہ انہوں نے ڈوئی کی موت کی پیشگوئی کی تھی۔ کہ یہ انکی یعنی مسیح کی زندگی میں واقع ہوگی۔ اور بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ اسکی موت ہوگی۔ ڈوئی کی عمر انسٹھ سال کی تھی اور پیشگوئی کرنے والے کی چھہتر سال کی۔ یہ وہ لفظ تھے جن میں ڈوئی کی موت کی پیشگوئی کی گئی تھی" (اس کے بعد اصل الفاظ پیشگوئی کے ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ کے اشتہار "ڈوئی اور پگٹ کی موت کی پیشگوئیوں" سے لیے گئے ہیں۔ یہ پیشگوئی دعا کے الفاظ تک نقل کی گئی ہے۔ پھر اس کے بعد یہی اخبار والا لکھتا ہے۔

"ڈوئی نے اول اول اس چیلنج کی طرف جو کہ دور مشرق سے آیا تھا کوئی توجہ نہ کی۔ مگر ۲۶ ستمبر سنہ ۱۹۰۳ء کو اس نے اپنے صیہون شہر کے اخبار میں یہ لکھا کہ لوگ بعض وقت مجھے کہتے ہیں کہ تم فلاں فلاں بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ جواب! کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں مچھروں اور مکھیوں کو جواب دوں گا" اس کے بعد ایسے ہی اور فقرات اس کے نقل کیے ہیں۔ پھر لکھتا ہے۔

"ڈوئی ایسی حالت میں مرا جبکہ اس کے تمام دوستوں نے اسے چھوڑ دیا اور اس کی دولت اور اقبال جاتے رہے۔ وہ مفلوج اور دیوانہ ہوگیا۔ اور ایک نہایت ہی بُری موت مرا اور اس کا صیہون بھی اندرونی جھگڑوں اور فسادوں کے سبب سے نہایت خراب حالت میں ہوگیا۔

اب مرزا صاحب پھر صفائی کے ساتھ اس بات کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس چیلنج یا پیشگوئی میں وہ کامیاب ہوئے ہیں اور ہر ایک طالب حق کو بھی بلاتے ہیں کہ چونکہ حق اسی طرح ظاہر ہوا جس طرح انہوں نے کہا تھا اس لیے طالبان حق کو چاہیئے کہ اسے قبول کریں"

اس کے بعد پگٹ کا کچھ حال لکھا ہے جس نے خدا ہونیکا دعویٰ کیا تھا۔ لکھا ہے کہ اس نے اپنے پیرووں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ۲۴۔ اگست سنہ ۱۹۰۱ء کو میں تم سب کو لیکر آسمان پر چڑھ جاؤں گا مقررہ وقت پر وہ سب ایک میدان میں جمع ہوئے اور انتظار کرنے لگے کہ کب یکایک انکو آسمان پر اُٹھا لیا جاویگا۔ مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ اسکی توجیہ پگٹ نے یوں کی کہ تم نے گناہ کرکے خداوند کو ناراض کردیا ہے اس لیے وہ تمھیں قبول کرنے سے انکار کرتا ہے ...... اب اس جگہ میں جو پگٹ کے رہنے کا مقام ہے جسے مکان محبت کہا جاتا ہے۔ نکاح اور شادی کوئی نہیں ہوتی ..... اور نہایت فحش اور گندے کام ہوتے ہیں جنکی وجہ سے عام طور پر پگٹ کی تعلیم سے بیزاری پیدا ہوگئی ہے"

پھر اس کے بعد ان پیشگوئیوں کو نقل کیا گیا ہے جو آئندہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہیں (باقی آئندہ)

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۲۔جولائی ۱۹۰۶ء ۔ ایک اشتہار مشتمل بر سب و شتم و فتوی کفر و ارتداد جہلم میں از سر نو چھپکر حضرت اقدس کے پاس پہنچا۔ الہام ہوا۔ حالیا مصلحت وقت دراں می بینم۔ فرمایا کہ یہ بات سچ ہے کوئی نبی یا رسول ایسا نہیں آیا جو اسکو ستایا نہیں گیا اور عجیب بات یہ ہے کہ جھوٹوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسقدر ستائے گئے اور کوئی دُکھ نہیں جو نہیں دیا گیا مگر مسیلمہ کذاب وغیرہ جھوٹے نبی جب اُٹھے تو انکو کسی نے نہیں ستایا اور ہزارہا آدمی انکے ساتھ شامل ہو گئے جبتک کہ خدا نے انکو ہلاک کیا۔ پھر حضرت عیسیٰ کے وقت تین شخصوں نے جھوٹے طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ مگر کسی یہودی نے انکو صلیب پر نہیں چڑھایا لیکن حضرت عیسیٰ کے ساتھ جو کچھ کیا اس کے بیان کی حاجت نہیں اس سے ثابت ہے کہ یہ اندھی دنیا ہمیشہ سچے سے دشمنی کرتی رہی ہے اور سچوں کو دکھ دیتی رہی ہے۔ بعض ہماری جماعت کے لوگوں نے ارادہ کیا کہ ایسے افترا کرنیوالوں پر گورنمنٹ میں نالش کریں مگر یہ درست نہیں ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ دنیا کی عدالتوں کی طرف جاویں ایک ہی ہے جو ہمارے دل پر اطلاع رکھتا ہے وہ جسطرح چاہے کریگا۔ اسقدر کافی ہے جو اس اشتہار کے مقابل پر خدا تعالیٰ نے آج ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو میرے پر ظاہر فرمایا۔ اور وہ یہ ہے۔ رب اخرجنی من النار۔ الحمد للہ الذی اخرجنی من النار۔ انّی مع الرسول اقوم۔ والوم من یلوم۔ واعطیک مایدوم۔ ولن ابرح الارض الی الوقت المعلوم۔ ترجمہ۔ اے میرے رب مجھے آگ سے نکال۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے آگ سے نکالا۔ میں رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا اور اسکو ملامت کرونگا جو اسے ملامت کرے اور تجھے وہ چیز عطا کرونگا جو ہمیشہ رہے اور وقت معلوم تک میں زمین پر رہونگا۔ پھر دیکھا کہ میرے مقابل پر کسی آدمی نے یا چند آدمیوں نے پتنگ چڑھائی ہے اور وہ پتنگ ٹوٹ گئی اور میں نے اسکو زمین کی طرف گرتے دیکھا۔ پھر کسی نے کہا۔ غلام احمد کی جے۔ یعنی فتح۔ ۲۰۔جولائی ۱۹۰۶ء ۔(۱) انّی مع الرسول اقوم واردم ما یردم۔ ترجمہ۔ میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا اور اس بات کا قصد کرونگا جس کا وہ قصد کرے (۲) کشفی رنگ میں مغز بادام دکھائے گئے اور کشف کا غلبہ اسقدر تھا کہ میں اُٹھا کہ بادام لوں۔ (۳) ربّ ارنی حقائق الاشیاء۔ ترجمہ۔ اے میرے رب مجھے اشیاء کے حقائق دکھلا۔ (۴) ایسوسی ایشن۔ (۱) ہیضہ کی آمد ہونیوالی ہے (۲) انّی مہینٌ من اراد اہانتک۔ انّی معین من اراد اعانتک۔ (۳) اور خواب میں دیکھا کہ میں نے ایک عورت کو تین روپے دیئے ہیں اور اُسے کہتا ہوں کہ کفن کے لیے میں آپ دونگا گویا کوئی مر گیا ہے اس کی تجہیز و تکفین کے لیے طیاری کی ہے۔ یکم اگست ۱۹۰۶ء (۱) ربّ اجعلنی غالبًا علٰی غیری۔ ترجمہ۔ اے میرے رب مجھے میرے غیر پر غالب کر۔ (۲) میری فتح۔ (۳) انّی مع الافواج اتیک بغتۃً۔ ترجمہ۔ میں اپنی فوجوں سمیت تیرے پاس اچانک آؤنگا۔

صدر انجمن احمدیہ قادیان

(۱) صدر انجمن احمدیہ کی اہم اور اصلی غرض اشاعت اسلام ہے۔

(۲) صدر انجمن احمدیہ کے متعلق اسوقت حسب ذیل کام ہیں۔

اوّل۔ ایک ہائی سکول کا انتظام جس میں انٹرنس تک دنیوی تعلیم دیجاتی ہے اور اسکے ساتھ عربی اور دینیات کی اسقدر تعلیم دیجاتی ہے جس سے ایک باقاعدہ تعلیم پانیوالا طالب علم قرآن شریف کا ترجمہ اور دین کی بہت سی ضروری باتیں سیکھ لیتا ہے اور اسلام کی صداقت اور غیر مذاہب کے بطلان کے بہتسے دلایل سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اس مدرسے کے متعلق ایک بورڈنگ ہوس ہے جس میں سوا سو کے قریب لڑکے ہیں علاوہ ازیں ایک گرلز سکول اور دیہات میں تین یا پانچ سکول ہیں۔

دوم۔ ایک دینیات کے مدرسہ کا انتظام جس میں زیادہ تر تعلیم عربی اور دینیات کی دیجاتی ہے اور اسکے ساتھ طب اور تھوڑی تھوڑی مروجہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں کتابت بھی سکھائی جاتی ہے جو لوگ صرف انگریزی اور عربی دینیات کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں انکے لیے بھی انتظام کیا گیا ہے۔

سوم۔ ایک میگزین ماہوار کا انتظام جو انگریزی میں بلاد یورپ اور امریکہ اور بعض دیگر ممالک میں کئی سو مفت بغرض اشاعت اسلام تقسیم ہوتا ہے۔ اور اردو میں قریباً دو ہزار کے اشاعت اسکی ہندوستان میں ہے اس رسالہ کے اردو حصہ کے ساتھ ایک ضمیمہ تفسیر القرآن کا بھی ہے جو اصل رسالہ سے الگ ہے۔ جس میں ہر قسم کے مشکلات اور اعتراضات کو نہایت صفائی سے حل کیا جاتا ہے۔

چہارم۔ ایک کتب خانہ جس میں بہت سی حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیفات اور بعض دیگر اسلامی تصنیفات اور مدرسہ کی مروجہ کتابیں اور بعض احمدی احباب کی تصنیفات ملتی ہیں اس کی ایک مختصر فہرست دوسری جگہ دی گئی ہے۔

پنجم۔ ایک قبرستان کا انتظام اور اس کے متعلق وصایا وغیرہ کا اہتمام

ششم۔ ایک یتیم فنڈ جس سے حسب گنجایش بعض یتامیٰ کی مدد کیجاتی ہے۔ ایسا ہی ایک مسکین فنڈ ہے جس سے بعض مساکین کو جو مدرسہ میں پڑھتے ہیں مدد دیجاتی ہے اور زکوٰۃ کا روپیہ بھی حسب منشائے شریعت اسلامی جسقدر جمع ہو تقسیم کیا جاتا ہے۔

صدر انجمن احمدیہ کی ضروریات سب سے اوّل لنگر خانہ ہے۔ اس کا انتظام براہ راست حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ میں ہے تمام بیعت کرنیوالوں کیلیے ضروری ہے کہ کچھ نہ کچھ چندہ لنگر ادا کریں اور اس سلسلہ کی اعانت کریں۔ اسکے اخراجات میں صرف مہمانوں کی آمد ورفت کے اخراجات ہی نہیں بلکہ تعمیر اور خط و کتابت حضرت اقدسؑ اور طبع کتب وغیرہ کے اخراجات کثیر بھی ہیں۔ **دوسری**۔ ضرورت ہائی سکول اور مدرسہ دینیات کے متعلق ہے۔ اس کے لیے بھی تمام بیعت کنندگان کیلیے چندہ دینا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ماہوار مستقل خرچ ایک ہزار روپے کے قریب ہے اور عمارت کا کثیر خرچ در پیش ہے۔ تیسری ضرورت یہ ہے کہ تمام احمدی احباب اور ایسے غیر احمدی احباب جو تعلیم کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ انکے بچے دیندار ہوں انہیں اس مدرسہ میں تعلیم کیلیے بھیجیں چوتھی ضرورت

میگزین کے متعلق ہے اس کا چندہ اُردو میں عا سالانہ ہے اور ضمیمہ یعنی تفسیر القرآن کا چندہ ۱۲ سالانہ ہے۔ اصل میگزین ۴۸ صفحوں پر ضمیمہ ۲۰ صفحوں پر ہے۔ انگریزی رسالہ کی قیمت للعہ سالانہ ہے۔ سب احباب کے لیے ضروری ہے کہ خود اس کے خریدار بنیں۔ اور جو رسالہ مفت تقسیم کیا جاتا ہے اس میں بھی حسب استطاعت اعانت کرکے اشاعت اسلام کیلیے انجمن کی مدد کریں۔ پانچویں۔ ضرورت یتیم فنڈ اور مسکین فنڈ میں مدد کی ہے۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت اور ہر قسم کے صدقات اس مد میں بھیجے جاویں قابل استعمال کپڑے وغیرہ بھی بہت کام آسکتے ہیں۔ چھٹی ضرورت زکوٰۃ کے روپیہ یہاں بھیجنے کی ہے۔ اس روپے سے بہت مفید کام ہو رہا ہے تمام احمدی مرد اور عورتیں جو صاحب نصاب ہیں سالانہ اپنی زکوٰۃ کا حساب کرکے اسجگہ بھیجدیں۔ ساتویں ضرورت یہ ہے کہ جو کتابیں انجمن کے کتب خانہ سے مل سکتی ہیں وہ یہاں سے منگوائی جاویں اس سے بھی انجمن کو مدد پہنچتی ہے بعض احباب نے اپنی کتابیں انجمن کے نام ہبہ کر دی ہیں ایسی مثالیں بھی قابل تقلید ہیں۔

نوٹ۔ مقبرہ بہشتی کے شرائط کو جو لوگ پورا کرنا چاہیں وہ اپنی آمد کا دسواں حصہ دیں یا اپنی جائداد کے دسویں حصہ کے متعلق وصیت کریں۔

ضروری ہدایات (۱) ہر ایک قسم کا روپیہ جس کا تعلق صدر انجمن احمدیہ کی کسی مد سے ہو بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیے مگر لنگرخانہ کا روپیہ حضرت مسیح موعودؑ کے نام بھیجیں اگر دوسری مدات کے ساتھ ملا ہوا ہو تو محاسب کے نام بھیجکر اسی اطلاع دیں کہ وہ حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کر دی۔ (۲) منی آرڈر کے کوپن میں پوری رقم اور اسکی تفصیل کہ کن کن اغراض کیلیے ہے دیا اگر لمبی تفصیل ہو تو علیحدہ خط میں دیں) اور فرستندہ کا نام اور پتہ خوشخط درج ہوں۔ (۳) ہر ایک رقم کی رسید باضابطہ دفتر محاسب سے دیجاویگی پس جس شخص کو رسید دفتر کی محاسب کے دستخطی وقت پر نہ پہنچے اسے خط وکتابت کرکے دریافت کرنا چاہیے۔ ایسی رسیدیں حتی الوسع کچھ مدت کیلیے محفوظ رکھی جاویں۔ نوٹ۔ ۴ سے کم رقم کی رسید نہ دیجاویگی۔ (۴) مدرسہ کے متعلق ہر ایک قسم کی خط وکتابت نائب ناظم مدرسہ یا ہیڈ ماسٹر مدرسہ سے کریں اور بورڈنگ ہوس کے متعلق سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس سے۔ (۵) جو احباب مدرسہ میں اپنے لڑکے بھیجیں انکا ایک ماہ کا خرچ پیشگی ہیڈ ماسٹر صاحب یا سپرنٹنڈنٹ صاحب کے نام بھیجیں اور یہ یاد رکھیں کہ خرچ ہمیشہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس بھیجا جاوے لڑکے کو نہ دیا جاوے سپرنٹنڈنٹ صاحب حسب ہدایت اور حسب ضرورت اسے لڑکے کی بہتری کیلیے خرچ کرینگے اور ماہوار حساب بھیجتے رہیں گے۔ (۶) میگزین کے متعلق کل خط وکتابت مینیجر میگزین یا نائب ناظم میگزین کے نام پر کریں۔ اور ایڈیٹر کے نام سوائے ان خطوط کے جنکا تعلق مضامین رسالہ سے ہو اور کوئی خط وکتابت نہ کریں۔ (۷) مقبرہ بہشتی کے متعلق اور وصیت وغیرہ کے متعلق نائب ناظم مقبرہ بہشتی سے خط وکتابت کریں اور انہی سے رسالہ الوصیت طلب کریں جو مفت بھیجا جائیگا۔ وصیت کی فارمیں بھی انہی سے طلب کریں اور انہی کے نام وصایا بھیجیں۔ (۸) کتابیں بھی نائب ناظم مقبرہ بہشتی سے طلب کیجاویں جو بذریعہ وی۔پی مطلوبہ کتب بھیجینگے اور جگہ سے طلب کیجاویں۔ (۹) امور متعلقہ صدر انجمن میں سکرٹری صدر انجمن احمدیہ سے خط وکتابت کریں (۱۰) وظائف مسکین فنڈ کے متعلق درخواستیں صرف دو دفعہ سال میں پیش ہونگی یعنی نومبر اور مئی میں پس جو صاحب درخواستیں بھیجیں وہ اسبات کو ملحوظ رکھیں کہ انکا جواب سوائے ان دو اوقات کے نہیں مل سکیگا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ بدون منظوری مجلس کبھی طالبعلم کو جسکے وظیفہ کیلیے درخواست کیگئی ہے یا کرینگا

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) | بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۷ء | نمبر (۹)

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۔ ۲۰۔ ستمبر ۱۹۰۷ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا۔ چندہ سالانہ عہ/

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر مقبرہ بہشتی قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مشرح فہرست ۱/ کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی۔

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار اللہ اردو	۸/	قاعدہ عربی اردو	۱/	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵/	شہادۃ القرآن۔ اردو	۴/
اجرومیہ عربی	۱۰/	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	۵ء	" فارسی	۳/	صیان القرآن "	۳/
الذکر یعنی ترجمہ نماز و اسمائے الٰہیہ	۲/	مسک العارف اردو	۱۰/	تحفہ قیصریہ اردو	۲/	کشف الغطاء "	۲/
پارہ الٓمٓ عربی	۲/	نشان آسمانی "	۲/	تحفۃ الندوہ "	۱۰/	لغات القرآن حصہ اول	عہ
پنج ارکان اسلام اردو	۱/	واقعات صحیحہ "	۲/	تقریریں "	۲/	" حصہ دوم	عہ ۸/
تفسیر جلالین عربی	عہ ۸/	یسرنا القرآن حصہ اول	۱/	تقریروں کا مجموعہ "	۳/	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱۰/
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲/	" دوم	۱/	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب "	۲/	" لاہور مہوتسو "	۴/
تقریر جلسہ مذاہب جیبی تقطیع اردو	۲/	" سوم	۱/	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ "	۶/	مشکوٰۃ الانوار عربی	۴/
جام شہادت اردو	۱۰/	ہدیہ ثاقب اردو	۲/	حمامۃ البشریٰ عربی	۸/	مواہب الرحمٰن "	۴/
حمائل مترجم۔ فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶/	حجۃ الاسلام اردو	۱/	مبادی الصرف	۱۰/
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸/	الحق لودیانہ اردو	۶/	خطوط شیعہ کا جواب "	۲/	نسیم دعوت۔ اردو	۳/
سلسلہ دینیہ۔ اردو	۵/	" دہلی "	۸/	خطبۃ الہامیہ عربی ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور الدین حصہ اول "	۲/
سلاسل القراۃ۔ عربی نمبر۱	۴/	اعجاز احمدی۔ عربی	۳/	خلافت راشدہ حصہ اول اردو	۸/	" " دوم "	۴/
" " نمبر۲	۸/	احسن الکلام اردو	—	" " دوم	۴/	ہدیہ سعدیہ عربی	۲/
" " نمبر۳	۱۲/	ابطال الوہیت مسیح "	۱/	خزینۃ المعارف حصہ اول و دوم	۴/	فضل حق۔ اردو	۱/
" " نمبر۴	۱۴/	آیات الرحمٰن	۸/	" " سوم و چہارم	۸/	سیرۃ المسیح "	۸/
آریہ دھرم۔ اردو	۴/	دعوت الحق "	۵/	اعلام الناس حصہ دوم	۴/	آسمانی فیصلہ "	۲/
دینیات کا پہلا رسالہ "	۱/	شرح ترمذی۔ نمبر۱ / نمبر۲	عہ / عہ ۸/	دعوت دہلی۔ اردو	۱۰/	دافع البلاء "	۱/
طریق النجات۔ نمبر۱	۸/	احمدی کامن نظم پنجابی	۱/	دعوت الندوہ "	۱۰/	غنیۃ الطالب۔ عربی	عہ
" " نمبر۲	۷/	براہین احمدیہ حصہ اول	۵/	راز حقیقت "	۱/	شفاء السقام "	عہ
" " نمبر۳	۸/	" دوم	۴/	سرمہ چشم آریہ "	۱۲/	نوٹ۔ ان قیمتوں میں	
" " نمبر۴	۱۵/	" سوم	۱۰/	ست بچن "	۱۰	محصول ڈاک شامل نہیں۔	
غسل مصفیٰ اردو	عہ ۸/	" چہارم / مکمل براہین	عہ سے				

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن کریم کی حفاظت

۷۔ سبعۃ احرف اور اختلاف قرأت

اختلاف قرأت کے متعلق یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس سے دو طرح پر قرآن شریف کی حفاظت میں نقص کا ثبوت ملتا ہے۔ اول اس طرح پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض قرأتوں کی اجازت دی تھی مگر چونکہ ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صفحہ ہستی سے مٹا دیا اس لیے انکے ضایع ہونے سے گویا قرآن شریف کا ایک بڑا حصہ ضایع ہو گیا کیونکہ یہ قرأتیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی بتائی تھیں۔ اور دوسرے اس طرح پر کہ اب جو مختلف قرأتیں موجود ہیں انکو سامنے رکھکر ایک شخص کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا کہ کونسی قرأتیں اصلی اور حقیقی طور پر کلام الٰہی ہیں اور کہ موجودہ قرآن کریم میں یونہی ایک قرأت کو اختیار کر لیا گیا ہے۔ یہ اعتراض ایک حد تک اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ سبعۃ احرف مذکورہ احادیث سے مراد قرأت منفرقہ لی جاتی ہیں اور حرف اور قرأت کے معنوں میں امتیاز نہیں کیا جاتا۔ اس لیے سب سے پہلے سبعۃ احرف کی تشریح صفائی بیان کے لیے ضروری ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جو اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی دی تھی وہ قرآن شریف کو سبعۃ احرف یعنی سات حروف پر پڑھنے کی اجازت تھی۔ اور احادیث صحیحہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ احرف یا حرف کا ہی فرمایا ہے۔ سب سے پہلے اس لفظ کے لغوی معنوں پر غور کرنا ضروری ہے۔ حرف کے معنے عربی لغاتوں میں یہ دیئے گئے ہیں زبان یا محاورہ یا طرز ادا جو بعض عرب اقوام کے ساتھ مخصوص ہو۔ تاج العروس میں مشہور حدیث کے اس ٹکڑے کو کہ نزل القرآن علےٰ سبعۃ احرف بیان کرکے اس کے معنوں کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ ای علی سبع لغات من لغات العرب یعنی قرآن شریف نازل ہوا سات لغتوں پر عرب کی لغتوں سے۔ یا اس کے معنے ہیں جیسا کہ بعض دوسری لغت کی معتبر کتابوں میں دیئے گئے ہیں سات طرزوں پر جو الفاظ کے ادا کرنے سے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ مثلاً یہ کہا جائے کہ

فلان یقرأ بحرف ابن مسعود تو مراد ہوتی ہے کہ فلاں شخص ابن مسعود کی طرز ادا پر پڑھتا ہے۔ لفظ حرف کے ان معنوں سے یہ ظاہر ہے کہ جن اختلافات حروف کا ذکر بعض حدیثوں میں ہے وہ اختلاف اس وجہ سے پیدا ہوئے تھے کہ عرب کی مختلف قومیں بعض وقت ایک ہی لفظ کو مختلف طور پر ادا کرتی تھیں۔ اور اس کی مثالیں ہر زبان میں موجود ہیں کہ ایک قوم ایک لفظ کو ایک طرح پر ادا کرتی ہے اور اسی ملک کی دوسری قوم اس لفظ کو دوسری طرح پر ادا کرتی ہے۔

اب ہم ان تمام احادیث کو جن میں اختلافات حروف کا ذکر آیا ہے بیان کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آیا واقعی طور پر احادیث کا بھی یہی منشا ہے۔ اسکے متعلق مندرجہ ذیل احادیث معتبر کتب احادیث سے لی گئی ہیں۔

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرأنی جبریل علی حرف فراجعته فلم ازل استزیده ویزیدنی حتی انتهی الی سبعة احرف (بخاری) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے قرآن شریف ایک حرف کے مطابق پڑھایا میں نے اس سے مراجعت کی یعنی بار بار اس بات کو دوہرایا کہ زیادہ حروف میں پڑھے پس وہ تعداد کو بڑھاتا گیا یہانتک کہ سات پر پہنچ گیا۔ یہی حدیث انہی الفاظ کے ساتھ مسلم نے بیان کی ہے مگر اس میں اتنے الفاظ ابن شہاب کی روایت سے اور زیادہ ہیں۔ قال ابن شهاب بلغنی تلك السبعة الاحرف انما هی فی الامر یکون واحدا لا یختلف فی حلال ولا حرام۔ یعنی ابن شہاب نے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ سات حروف ایسے امر میں ہیں جو ایک ہی ہے (یعنی مختلف حروف میں پڑھنے سے معنوں میں کوئی تغیر نہیں آتا) اور اس سے حلال اور حرام میں کوئی فرق نہیں آتا۔

(۲) عن عمر بن الخطاب یقول سمعت هشام بن حکیم یقرأ سورة الفرقان فی حیاة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاستمعت لقرأته فاذا هو یقرأ علی حروف کثیرة لم یقرئنیها رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فکدت اساوره فی الصلوة فتصبرت حتی سلم فلببته بردائه فقلت من اقرأك هذه السورة التی سمعتك تقرأ قال اقرأنیها رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقلت کذبت فان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قد اقرأنیها علی غیر ما قرأت فانطلقت به اقوده الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقلت انی سمعت هذا یقرأ بسورة الفرقان علی حروف لم تقرئنیها فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ارسله اقرأ یا هشام فقرأ علیه القرأة التی سمعته یقرأ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کذلك انزلت ثم قال اقرأ یا عمر فقرأت القرأة التی اقرأنی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کذلك انزلت ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرؤا ما تیسر منه

(بخاری) قریباً انہی الفاظ میں یہ روایت صحیح مسلم میں بھی آئی ہے۔ ماحصل اس حدیث شریف کا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں میں نے ہشام بن حکیم کو سورۃ فرقان پڑھتے سنا جب میں اس کے پڑھنے کو غور سے سننے لگا۔ تو میں نے معلوم کیا کہ وہ بہت سے ایسے حروف پر پڑھتا ہے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو نہیں پڑھایا۔ قریب تھا کہ میں نماز میں ہی اس پر حملہ کرتا۔ مگر میں نے اپنے آپکو روکے رکھا یہانتک کہ ہشام نے سلام پھیرا۔ پھر میں نے انکی چادر انکے گلے میں ڈال لی اور کہا کہ یہ سورۃ جو میں نے تمہیں پڑھتے سنا ہے کس نے تم کو پڑھائی انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو پڑھائی۔ میں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان حروف کے غیر پر پڑھایا جن پر تم پڑھتے ہو پھر میں انکو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لیکر چلا گیا اور عرض کیا کہ میں نے انکو یعنی ہشام کو ایسے حروف پر سورۃ فرقان پڑھتے سنا ہے جن پر آپ نے مجھ کو نہیں پڑھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں چھوڑ دو اور فرمایا ہشام تم پڑھو انہوں نے وہی قرأت پڑھی جو میں نے انہیں پڑھتے سنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح پر یہ نازل ہوئی۔ پھر فرمایا اے عمر تم پڑھو۔ میں نے اسی طرح پر پڑھا جس طرح آپ نے مجھکو پڑھایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح یہ نازل ہوئی ہے۔ یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے پس جو تم پر آسان ہو وہ پڑھو۔

(۳) عن ابن مسعود قال سمعت رجلا یقرأ وسمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ خلافها فجئت به النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرته فعرفت فی وجهه الکراهیة فقال کلاکما محسن فلا تختلفوا فان من کان قبلکم اختلفوا فهلکوا (بخاری)۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو قرآن شریف پڑھتے سنا اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور طرح پر پڑھتے سنا تھا پس میں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ اور آپ کو اس بات کی خبر دی میں نے دیکھا کہ آپکے چہرہ پر ناراضگی کے آثار ہیں۔ آپ نے فرمایا تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو۔ پس اختلاف مت کرو کیونکہ جو تم سے پہلے گذرے ہیں انہوں نے اختلاف کیا تو ہلاک ہو گئے۔

(۴) عن ابی بن کعب قال کنت فی المسجد فدخل رجل یصلی فقرأ قرأة انکرتها علیه ثم دخل اٰخر فقرأ قرأة سوی قرأة صاحبه فلما قضینا الصلوٰة دخلنا جمیعا علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقلت ان هذا قرأ قرأة انکرتها علیه ودخل اٰخر فقرأ سوی قرأة صاحبه فامرهما النبی صلی اللہ علیه وسلم فقرأ فحسن شانهما فسقط فی نفسی من التکذیب ولا اذ کنت فی الجاهلیة فلما رای رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ما قد غشینی ضرب فی صدری ففضت عرقا وکانما انظر الی اللہ فرقا فقال لی یا ابی ارسل

الی ان اقرأ القراٰن علیٰ حرف فرددت الیہ ان ھوِن علیٰ امتی فرد الی الثانیة اقرأہ علیٰ حرفین فرددت الیہ ان ھون علیٰ امتی فرد الی الثالثة اقرأہ علیٰ سبعة احرف (مسلم) ابی بن کعب کہتے ہیں کہ مَیں مسجد میں تھا تو ایک آدمی آیا اور نماز پڑھنے لگا اور اس نے قرأت پڑھی جسپر مینے اعتراض کیا۔ پھر ایک اور آدمی آیا اور اسنے پہلے سے بھی اختلاف کے ساتھ قرأت پڑھی۔ جب ہم نماز سے فارغ ہو چکے تو ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مینے عرض کیا کہ اس شخص نے ایک قرأت پڑھی جسکے متعلق مینے اسپر اعتراض کیا۔ پھر دوسرا شخص آیا تو اسنے اس سے بھی مختلف قرأت پڑھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو حکم دیا اور انہوں نے پڑھکر سنایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی قرأت کو پسند فرمایا۔ اسپر میرے دل میں ایک ایسا تکذیب کا خیال یکایک گذرا کہ جاہلیت میں بھی ایسا خیال نہ گذرا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کیسا وسوسہ میرے دل میں گذرا ہے تو آپنے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور میرا پسینہ چلنے لگا۔ گویا مارے خوف کے مَیں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر آپنے فرمایا اے ابی مجھے یہی حکم دیا گیا تھا کہ ایک ہی حرف پر قرآن کو پڑھوں۔ پھر مینے اس بات کو لوٹایا اور عرض کیا کہ میری اُمت پر آسانی کی جاوے پھر دوبارہ مجھے یہ فرمایا گیا کہ دو حرفوں پر پڑھو۔ مینے پھر اس بات کو لوٹایا اور عرض کیا کہ میری اُمت پر آسانی کیجاوے پھر تیسری مرتبہ مجھے اجازت دیگئی کہ سات حرفوں پر پڑھ لو۔

(۵) عن ابی بن کعب قال لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل فقال یا جبرئیل انی بعثت الی امة امیین منھم العجوز والشیخ الکبیر والغلام والجاریة والرجل الذی لم یقرأ کتابا قط ۔ قال یا محمد ان القراٰن انزل علیٰ سبعة احرف (ترمذی) ابی بن کعب سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل سے ملے اور فرمایا اے جبرئیل مَیں اُمّی لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں جنمیں بوڑھی عورتیں اور بوڑھے مرد اور لڑکے اور لونڈیاں اور ایسے آدمی ہیں جنھوں نے کبھی کتاب نہیں پڑھی۔ جبرئیل نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن سات حرفوں پر اُتارا گیا ہے۔

(۶) عن ابی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان عند اضاة بنی غفار فاتاہ جبریل فقال ان اللہ یامرک ان تقرئی امتک القراٰن علیٰ حرف الحدیث (مسلم) مسلم کی اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سات حروف پر پڑھنے کی اجازت ملی تو آپ اضاة بنی غفار کے پاس تھے۔ باقی حدیث کا وہی مطلب ہے جو پہلے بیان ہوا۔

(۷) عن جابر قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نقرأ القراٰن وفینا الاعرابی والعجمی فقال اقرءوا فکل حسن وسیجئ اقوام یقیمونہ کما یقام القدح یتعجلونہ

ولا یتاجلونہٗ (ابو داؤد) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر آنکلے اور ہم قرآن پڑھ رہے تھے اور ہمارے درمیان اعرابی اور عجمی لوگ تھے آپ نے فرمایا پڑھتے جاؤ سبھی ٹھیک پڑھ رہے ہیں اس کے بعد ایسی قومیں آئیں گی جو قرآن کو بڑی صفائی سے پڑھیں گی ایسی صفائی سے جیسا کہ تیر سیدھا کیا جاتا ہے مگر وہ اس کا اجر اسی زندگی میں تلاش کریں گی اور عاقبت کی پروا نہیں کریں گی۔

یہ چند احادیث ہیں جو قرأت مختلفہ کے متعلق آئی ہیں۔ ایک بات جسپر ان ساتوں حدیثوں سے متفقہ شہادت ملتی ہے۔ یہ ہے کہ جو کچھ اختلافات تھے وہ قرآن کریم کی عبارت کے اختلاف نہ تھے بلکہ بعض الفاظ کو مختلف طور پر پڑھنے یا ادا کرنیکے اختلاف تھے۔ اس بات کو صاف کرنیکے لیے ان چند امور کو جو ان احادیث سے پیدا ہوتے ہیں ایک ایک کر کے زیر بحث لانا ضروری ہے۔ سب سے پہلے جو اہم سوال پیدا ہوتا ہے اور جس سے قطعی شہادت ان اختلافات کی حقیقت کے متعلق ملتی ہے وہ وقت کا سوال ہے یعنی اس امر کی تحقیق کرنا کہ سات حروف میں قرآن شریف کو پڑھنے کی اجازت کس وقت دیگئی۔ پس ان احادیث کو آگے رکھکر ہمنے یہ دیکھنا ہے کہ آیا سات حروف میں قرآن شریف کا نزول ابتدا سے ہی تھا۔ یا کسی خاص وقت کسی خاص ضرورت کے لحاظ سے اجازت حروف مختلفہ میں ادا کرنیکی بعد میں دیگئی۔ کیونکہ اگر جب سے نزول قرآن شریف کا شروع ہوا۔ اسی وقت سے سات حروف میں اس کا نزول تھا تو اس میں ایک معترض کو اس اعتراض کی گنجایش نکل سکتی ہے کہ وہی سات حروف ہمیشہ کے لیے چلے آنے چاہیئے تھے اور اگر وہ ساتوں حروف ہم تک نہیں پہنچے تو اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ کچھ حصہ قرآن شریف کا ضایع ہو گیا۔ لیکن اگر سات حروف کا نزول بعد میں ہوا اور ابتداً قرآن شریف کا نزول ایک ہی حرف میں تھا تو ایسا اعتراض کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سات حروف میں نزول کسی خاص ضرورت کی وجہ سے ہوا۔ اور ان سات حروف کو اصل قرآن شریف سے جیسا کہ وہ ابتدا سے نازل ہو رہا تھا کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ بعض ضرورتوں کی وجہ سے ایک وقت کے لیے بعض لوگوں کو ایسی اجازت دی گئی۔

استدلال اول زمانہ اجازت سات حروف کے متعلق چھٹی حدیث سے پیدا ہوتا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اضاۃ بنی غفار کے قریب تھے جب آپکو سات حروف پر قرآن شریف کے پڑھنے کی اجازت دیگئی۔ اضاۃ بنی غفار ایک مشہور مقام مدینہ میں ہے۔ پس زمانہ کے متعلق اسقدر تو ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مختلف حروف کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ہوئی اسطرح سے کہ مکہ میں جسقدر قرآن شریف آنحضرت پر نازل ہوا وہ ایک ہی حرف پر نازل ہوا اور یہ ایسا قطعی اور یقینی نتیجہ ہے کہ کوئی دلیل اسے توڑ نہیں سکتی۔ مگر یہ امر کہ مدینہ میں کسوقت یہ اجازت ملی اسکی اس حدیث سے کچھ تعیین نہیں ہو سکتی۔ لیکن ایک اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دراصل یہ اجازت اسوقت دیگئی جب فتح مکہ کے بعد کثرت سے عرب لوگ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے اور

مختلف قوموں کو قرآن کریم کے سکھانے کی ضرورت پیش آئی۔ جس سے اس اجازت کا زمانہ ہجرت نبوی کا نواں سال قرار پاتا ہے۔ یہ حدیث وہ ہے جسکو بخاری اور مسلم دونوں نے قریباً یکساں لفظوں میں بیان کیا ہے اور جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام بن حکیم کے اختلاف کا ذکر ہے۔ حضرت عمرؓ نے ہشام کو قرآن شریف کی ایک سورۃ پڑھتے سنا اور آپ اسکے پڑھنے سے بہت حیران ہوئے کیونکہ انکی قرأت میں اس قرأت سے جو ہمیشہ سے حضرت عمرؓ پڑھتے اور سنتے چلے آئے تھے بعض اختلاف تھے۔ جس تعجب سے حضرت عمرؓ نے حضرت ہشامؓ کی اس قرأت کو سنا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ پہلا ہی موقعہ تھا جو حضرت عمرؓ کو قرأت میں ایسے اختلاف کے سننے کا موقعہ ہوا۔ اب تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ہشامؓ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے پس انکا سورۃ فرقان جیسی لمبی سورۃ پڑھنا اسکے بھی کچھ عرصہ بعد کا واقعہ ہونا چاہیئے کیونکہ مسلمان ہوتے ہی وہ ایک آدھ دن میں اتنی اتنی لمبی سورتیں یاد نہ کر سکتے تھے۔ کہ نماز میں انہیں پڑھنا شروع کر دیں۔ پس اسقدر تو یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ یہ واقعہ جس کا حدیث میں ذکر ہے فتح مکہ کے کچھ مدت بعد کا ہے اور اس کا زمانہ نویں سال ہجرت سے پہلے کا نہیں ہو سکتا۔ اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ سات حروف میں پڑھنے کی اجازت برسوں پہلے ہو چکی ہو مثلاً آنحضرتؐ کی مدنی زندگی کے ابتدا میں ہی ہو چکی ہو؟ یہ بات ظاہر ہے کہ جب ایسی اجازت ملی ہوا سیوقت سے اسپر عمل بھی شروع ہو گیا ہو۔ اور اگر مثلاً اجازت ابتدائے مدنی زندگی میں ہی مل گئی ہو اور اسپر عمل نو سال بعد تک نہ ہوا ہو تو اس میں اور اس صورت میں کہ اجازت ہی نویں سال ہجری میں ملی ہو کچھ فرق نہیں۔ پس اب تحقیق طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ ممکن ہے کہ قرآن شریف سات حروف پر تو ابتدائی زندگی مدنی سے ہی پڑھا جاتا ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہ ہوئی ہو؟ اگر حضرت عمرؓ عرب کے کنارے کی قوموں میں سے ایک شخص ہوتے اور ایک آدھ دفعہ آنحضرتؐ کے پاس تشریف لاکر پھر اپنے گھر میں چلے گئے ہوتے تو یہ ممکن تھا کہ اجازت سات حروف کی مدت سے مل چکی ہو اور انکو اطلاع نہ ہوئی ہو۔ مگر حضرت عمرؓ دن رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے والے تھے۔ اور اگر کبھی اپنے کاروبار بھی کرتے تھے اور غیر حاضری کا اتفاق ہو جاتا تو آپنے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ ایک اپنے ہمسائے کو اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجدیتے جو آپ کو تازہ وحی اور نئے امور سے اطلاع دیدیتے پس ایسے شخص کے متعلق یہ کسی صورت میں خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اگر سات حروف میں پڑھنے کی اجازت مل گئی ہو اور اسپر عمل بھی شروع ہو گیا ہو تو وہ برسوں یا مہینوں اس سے بیخبر رہے ہوں۔ ان تمام واقعات پر غور کر کے ہم اس یقینی اور قطعی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سات حروف میں پڑھنے کی اجازت نویں سال ہجرت کے قریب ہوئی جب عرب کی مختلف قومیں کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہونی شروع ہوئیں اور اس سے پہلے یہ اجازت نہ تھی یا اگر اجازت تھی تو اسپر قطعاً عمل نہیں ہوا۔ یعنی فی الواقع قرآن شریف کا مختلف حروف پر پڑھا جانا فتح مکہ سے پہلے ثابت نہیں ہے۔ اور جسقدر حدیثیں اس کے متعلق آئی ہیں انسے اشارتاً

اور کنایتاً بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ فتح مکہ سے پہلے قرآن شریف سات حروف پر پڑھا گیا ہو۔ چنانچہ جن لوگوں نے سبعۃ احرف پر بحث کی ہے خواہ وہ کسی نتیجہ پر پہنچے ہوں مگر اس امر کے وہ قائل ہیں کہ یہ اجازت اسوقت ملی جب عرب بکثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہونے لگے اور یہ فتح مکہ سے بعد کا زمانہ ہے۔

اس ساری بحث سے ایک اہم نتیجہ پیدا ہوتا ہے جس سے سبعۃ احرف کی حقیقت پر ایسی روشنی پڑتی ہے کہ کسی شک و شبہ کی گنجایش باقی نہیں رہتی۔ تیرہ ۱۳ سال مکہ میں اور آٹھ سال سے زیادہ مدینہ منورہ میں یعنی اکیس سال تک قرآن شریف ایک ہی حرف پر نازل ہوا اور ایک ہی طرز پر پڑھا جاتا رہا اور ایک ہی طرح پر لکھا جاتا رہا۔ نہ کوئی اختلاف قرأت تھا اور نہ قرآن شریف کی کسی عبارت میں مختلف حروف کا وجود تھا۔ یہی اصل قرآن شریف ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر پڑھتے رہے پڑھاتے رہے اور لکھواتے رہے یہی وہ قرآن شریف ہے جسے حضرت ابو بکرؓ نے تحریر میں جمع کرایا یہی وہ قرآن شریف ہے جس کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے اطراف میں بھیجیں اور یہی وہ قرآن شریف ہے جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ جسطرح اکیس سال تک کسی دوسرے حرف یا قرأت کا وجود نہ تھا اسی طرح اس قرآن شریف میں جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اور وہ ایک ہی قرآن شریف ہے جو ساری اسلامی دنیا میں شایع ہو رہا ہے اس میں بھی نہ کوئی اختلاف قرأت ہے اور نہ اختلاف حروف ہے۔ بالفاظ دیگر اس کی عبارت وہی عبارت ہے جو اکیس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں پڑھی جاتی تھی۔ پس جو قرأتیں چھوڑی گئیں وہ اصل میں قرآن شریف کا جزو نہ تھیں بلکہ ایک خاص وقت اور ایک خاص ضرورت کے لیے انکی اجازت دیگئی تھی۔ اس کے متعلق میں اور شہادتیں بھی پیش کرونگا مگر جہانتک نفس اجازت کے سوال سے کوئی نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے اس سے صاف شہادت اس امر کی ملتی ہے کہ اکیس سال تک مختلف حروف اور قرأتوں کا سوال ہرگز نہیں اُٹھا۔ ایک ہی حرف پر قرآن شریف نازل ہوتا تھا اور ایک ہی قرأت تھی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس اکیس سال کے زمانہ میں قرآن شریف کا بہت بڑا حصہ نازل ہو چکا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ قریباً قریباً سارا ہی قرآن شریف نازل ہو چکا تھا۔ پس ایک ایسے وقت میں جبکہ مختلف اقوام کثرت کے ساتھ دین اسلام میں داخل ہونی شروع ہوئیں مختلف حروف میں قرآن شریف کے پڑھنے کی اجازت دینا صاف بتا رہا ہے کہ یہ اجازت صرف انہی قوموں کی وجہ سے تھی۔ اور اس سے اصل عبارات قرآنی میں کوئی تغیر تبدل نہیں آیا۔ اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ اختلافات حروف عبارتوں یا جملوں کے اختلاف نہ تھے بلکہ ایسے اختلاف تھے جو ایک ہی لفظ کے بولنے میں مختلف قوموں کے درمیان پیدا ہونے لازمی ہیں۔ یہ قومیں زبان تو عربی ہی بولتی تھیں مگر جیسا کہ ہر ایک زبان کا قاعدہ ہے خصوصاً جہاں علم کا عام رواج نہ ہو اور لوگ پڑھے ہوئے نہ ہوں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر اصل محاورہ سے کچھ فرق پڑ جاتا ہے ایسا ہی ان قوموں کے محاورہ میں یعنی بعض الفاظ کو ادا کرنیکے طریق میں تھوڑا تھوڑا فرق تھا

ایسے اختلافات کی بعض مثالیں پہلے بھی بیان ہو چکی ہیں۔ مثلاً لفظ حتّٰی جو اصل لفظ ہے اور محاورہ قریش کے مطابق ہے اسے ثقیف اور ہذیل عتی پڑھتے تھے۔ ایسے ہی اور بعض اختلافات کی مثالیں دیگئی ہیں (دیکھو فتح الباری) مثلاً اسدی تعلمون ت کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ بعض قومیں ماء غیر اٰسن کی جگہ ماء غیر یاسن پڑھتی تھیں اور ایسا ہی بعض قومیں ایسے الفاظ میں ہمزہ پڑھتی تھیں جہاں دوسری نہ پڑھتی تھیں۔ یہ سارے ایسے فرق ہیں جو ہر جگہ پر اور ہر زبان میں اختلاف محاورہ سے پیدا ہو جاتے ہیں۔

اسی کی تائید میں بعض اور شہادتیں بھی ہیں۔ جیسا کہ فتح الباری میں یہ مذکور ہے۔ ونقل ابو شامة عن بعض الشیوخ انه قال انزل القراٰن اولا بلسان قریش ومن جاورهم من العرب الفصحاء ثم ابیح للعرب ان یقرؤه بلغاتهم التی جرت عاداتهم باستعمالها علی اختلافهم فی الالفاظ والاعراب ولم یکلف احد منهم الانتقال من لغته الی لغة اخری للمشقة ولما کان فیهم من الحمیة ولطلب تسهیل فهم المراد کل ذٰلك مع اتفاق المعنی۔ یعنی ابو شامہ نے ایک بزرگ سے یہ نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اول نزول قرآن کریم کا زبان قریش میں اور ان فصیح عربوں کی زبان میں تھا جو انکی ہمسائگی میں رہتے تھے۔ پھر دوسری عرب قوموں کے لیے یہ اجازت دی گئی کہ اسے اپنی لغات یعنی محاورہ میں جس کے استعمال کے وہ شروع سے عادی تھے پڑھ لیا کریں باوجود انکے اختلاف کے الفاظ میں اور اعراب میں اور ان میں سے کسی کو اس بات پر مجبور نہ کیا گیا کہ وہ اپنے محاورہ کو چھوڑ کر دوسرے کا محاورہ اختیار کرے۔ اس لیے کہ ایسا کرنا انکے لیے بہت دشوار تھا۔ اور ان میں اپنے اپنے محاوروں کے لیے حمیت بھی تھی۔ اور اس سے معنوں کے سمجھنے میں بھی انکے لیے آسانی تھی۔ اور یہ سب کچھ اتفاق معنی کے ساتھ تھا یعنی یہ اختلافات محاورہ انکے ایسے نہ تھے جن سے معنوں میں کچھ بھی فرق پڑتا ہو۔ یہ نقل بھی ہمارے اس نتیجہ کی مؤید ہے جو زمانہ اجازت قرأت حروف مختلفہ سے پیدا ہوتا ہے۔

اگر ان احادیث پر جو اوپر سبعة احرف کے متعلق نقل کی گئی ہیں غور سے نظر کیجاوے تو ان سے بھی اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ اس اجازت کے دینے کی غرض کیا تھی۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ھون علی امتی۔ میری امت پر آسانی کر جس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ آپ محسوس کرتے تھے کہ بعض لوگوں کو قریش کے محاورہ میں سارے الفاظ ادا کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں انکے لیے آسانی کی درخواست کی کہ وہ اپنے محاورہ میں ہی ان الفاظ کو ادا کریں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپنے فرمایا ان امتی لا تطیق ذٰلك۔ یعنی میرے لوگ اس بات کی برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ سب ایک ہی حرف میں قرآن شریف کو پڑھ سکیں۔ ایک تیسری حدیث میں ہے کہ آپنے فرمایا ان لوگوں میں بعض بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں اور بچے اور ناخواندہ لوگ ہیں

غرض یہ تھی کہ یہ لوگ ایسے اپنے محاورہ کے عادی ہوگئے ہیں کہ دوسرے محاورہ میں الفاظ ادا نہیں کرسکتے جسطرح ہر ایک لفظ کو بولنے کی عادت ہوگئی ہے اسی طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اگر وہ تعلیم یافتہ ہوتے تو قریش کی فصیح اور علمی زبان میں ہر ایک لفظ کو آسانی سے ادا کرسکتے مگر چونکہ امی لوگ تھے ایسا نہ کرسکتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی انکو تکلیف میں نہ ڈالا۔ بلکہ یہ اجازت دی کہ جسطرح وہ کسی لفظ کو بولنے کے عادی ہوگئے ہیں اسی طرح پڑھ لیا کریں۔ اور بخاری کی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں فاقرؤا ما تیسر منہ یعنی جسطرح پر تمہارے لیے آسانی ہو اسی طرح پڑھ لیا کرو اس سے بھی وہی نتیجہ نکلتا ہے۔ پھر ایک پانچویں حدیث میں ہے کہ اعرابی اور عجمی سب لوگ قرآن پڑھ رہے تھے اور آپ نے فرمایا سب ہی خوب پڑھ رہے ہیں۔ اور ایک ایسی قوم کی مذمت کی کہ لفظوں کو تو بہت سنوار سنوار کر ادا کریں گے مگر معنوں تک نہیں پہنچیں گے۔

ایک اور بات جس سے سبعۃ احرف کی بحث پر روشنی پڑتی ہے یہ ہے کہ جو لوگ ابتدائے اسلام میں مشرف باسلام ہوئے تھے ان میں اس قسم کے اختلافات کا کچھ تذکرہ نہیں پایا جاتا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میں کوئی اختلاف قرأت نہیں دکھایا جاسکتا۔ مسلمانوں میں سے سابقین کے اندر ایسے اختلافات کا نہ پایا جانا بھی صاف طور پر یہی بتا رہا ہے کہ اجازت مختلف حروف میں پڑھنے کی خاص اغراض کیلیے تھی اور اس ہی اصل عبارت قرآنی میں کوئی تغیر تبدل نہیں ہوا قرآن کریم کا نزول لسان قریش میں ہوا کیونکہ انہی کی زبان علمی اور بڑا از فصاحت و بلاغت سمجھی جاتی تھی۔ دوسری قوموں کے محاورے محض اس اصل زبان کا کسی لفظ میں بگاڑ تھا مگر ان لوگوں کے لیے جو ایسے الفاظ کو اپنی قوم کے محاورہ کے مطابق ادا کرنیکے عادی ہوگئے تھے۔ ان الفاظ کو زبان قریش کے محاورہ میں ادا کرنا بہت مشکل تھا۔ اور چونکہ ہر ایک مسلمان کیلیے کچھ نہ کچھ حصہ قرآن کریم کا جاننا ضروری تھا خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اور خواہ بوڑھا ہو یا بچہ۔ کیونکہ نماز ہر ایک مسلمان پر فرض تھی اور نماز میں قرآن شریف لازمی طور پر پڑھا جاتا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کو جو یکایک اپنے محاوروں میں اس قسم کا تغیر پیدا کرنیکے ناقابل تھے کہ ہر ایک لفظ کو صحیح طور سے قریش کے محاورہ پر ادا کرسکیں یہ اجازت دی گئی جس کی بناء وحی الٰہی پر تھی کہ وہ بعض الفاظ کو اسی طرح پر ادا کرلیں جسطرح اپنے محاورہ میں کرتے تھے۔

یہ سوال کہ مختلف محاورات بالتعیین محاورہ قریش سے اور آپس میں کس قدر مختلف تھیں اب اس پر بحث کرنیکی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن جیسا کہ کئی مثالیں دیکر پہلے بھی بیان کیا گیا ہے یہ اختلافات نہایت خفیف تھے۔ تاریخی شہادت جہانتک میسر آسکتی ہے وہ بھی اس نتیجہ کی مؤید ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ہم اس سے بھی انکار نہیں کرتے کہ جیسا کہ ایسے محاورات میں بعض اوقات ہوجاتا ہے بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ انکا قائم مقام دوسرے محاورہ میں کوئی اور لفظ ہوتا ہے۔ اس لیے جب قرآن کریم کو دوسرے حروف پر یعنی دوسرے محاوروں کے مطابق پڑھنے کی اجازت دیگئی ہوگی۔ تو اسطرح سے کسی لفظ کو دوسرے محاورہ میں اس کے ہم معنی لفظ سے ادا کرنیکی اجازت بھی

دیدی گئی ہوگی۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ مختلف حروف سے مراد ایک معنی کو مختلف الفاظ سے ادا کرنا تھا۔ اگرچہ یہ انہوں نے محض قیاس سے لکھا ہے اور حضرت عمرؓ اور ہشام والی حدیث سے دھوکہ کھایا ہے لیکن ممکن ہے کہ ایسی کوئی مثال بھی انکے ذہن میں ہو۔ کہ ایک محاورہ میں ایک معمولی لفظ کو دوسرے محاورہ میں اسکے ہم معنی لفظ سے جہاں پہلا لفظ اس دوسرے محاورہ میں موجود نہ ہو ادا کرنیکی اجازت دیگئی اور اس سے انہوں نے ایک عام قاعدہ بنا لیا۔ علاوہ ان مثالوں کے جو اوپر بیان ہوئیں اور جو ظاہر کر رہی ہیں کہ اختلاف احرف عموماً نہایت خفیف اختلافات تھے جو بعض الفاظ کو خاص طرز پر ادا کرنیکی وجہ سے یا اعراب میں کسی قدر فرق کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے خود قیاس بھی اس بات کو چاہتا ہے کہ یہ اختلاف ایسے ہی معمولی اختلاف تھے جیسے ایک ہی ملک کے رہنے والے اور ایک ہی زبان کے بولنے والے لوگوں میں بعض وقت پائے جاتے ہیں۔ آخر ان سب قوموں کی زبان عربی ہی تھی اور اسی زبان میں وہ شعر کہتے تھے جن میں باہم ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے تھے۔ اور باہمی انکا میل جول بھی بہت ہوتا تھا اور میلے لگا کرتے تھے جہاں وہ سب اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ یہ سب باتیں اسی نتیجہ کی مؤید ہیں کہ اختلافات احرف نہایت خفیف قسم کے اختلافات تھے۔

اعتراض اسپر یہ کیا گیا ہے کہ اگر واقعی یہ اختلافات ایسے ہی خفیف ہوتے تو صحابہؓ ان اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ اسقدر سختی کیوں کرتے جیسا کہ مثلاً حضرت عمرؓ کے متعلق حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے اول تو نماز میں ہی ہشام کو روکنا چاہا اور پھر آخر انکی گردن میں چادر ڈالکر انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لیگئے اور جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا تب تک انہیں چھوڑا نہیں۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ عمرؓ اور ہشام کی قرأت میں کوئی بہت بھاری اختلاف ہوگا جس سے معنوں میں بھی تغیر آتا ہوگا جو حضرت عمرؓ نے ہشام کے ساتھ اسقدر سختی کا برتاؤ کیا جیسے کسی بڑے مجرم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ بلکہ بعض نادان یا مجنون معترض تو یہانتک کہنے کیلیے تیار ہوگئے ہیں کہ ہشام کی قرأت حضرت عمرؓ کی قرأت سے اسقدر اختلاف رکھتی تھی کہ دونوں گویا الگ الگ عبارتیں تھیں۔ اگر درحقیقت ایسا ہوتا تو حضرت عمرؓ کو یہ کیونکر پتہ لگ گیا کہ حضرت ہشام سورہ فرقان پڑھ رہے ہیں جیسا کہ انہوں نے انکی قرأت کو سنتے ہی پہچان لیا۔ رہی یہ بات کہ اسقدر اختلاف تھا جس سے معنوں میں بھی اختلاف ہوا ہوگا ورنہ حضرت عمرؓ سختی نہ کرتے۔ یہ قیاس بھی غلط ہے کیونکہ احادیث میں صریح طور پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ یہ اختلاف قرأت ایسا نہ تھا جس سے معنوں میں بھی کچھ اختلاف ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن شریف کے ایک ایک لفظ اور حرف اور حرکت کے لیے ایسے محتاط تھے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ فرق کو بھی وہ برداشت نہ کر سکتے تھے انہوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ قرآن شریف کے معنے سمجھ لینے ہی کافی ہیں بلکہ وہ اسکے الفاظ اور حروف اور حرکات کو منجانب اللہ سمجھکر اور خدا کا کلام یقین کر کے محافظت کرتے تھے۔ پس وہ اسقدر ادنیٰ اختلاف کو بھی جو اختلاف حروف سے پیدا ہو ابرداشت نہ کر سکے جبتک کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے انہوں نے سن نہیں لیا کہ یہ اجازت محض ایک ضرورت کیلیے دیگئی ہے انہوں نے صبر نہ کیا جبتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو یہ سمجھا نہیں دیا کہ ان قوموں کیلیے جو الگ محاورہ بولتی ہیں بعض الفاظ کا قریش کی محاورہ پر ادا کرنا سخت مشکل ہے اس لیے خود اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت دی ہے کہ وہ دوسرے حروف یعنی محاوروں میں بعض الفاظ کو پڑھ لیں۔ غرض حضرت عمرؓ کی ناراضگی کی وجہ صرف یہ تھی کہ اسوقت تک انکو یہ علم نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دوسرے حروف پر قرآن شریف کو پڑھنے کی اجازت بھی دی ہے۔ اس لیے وہ کسی تھوڑی سے تغیر و تبدل کو بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔

ایک اور اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور ہشام دونوں ایک ہی قبیلہ کے تھے پس اگر اختلاف حروف محض اختلاف محاورہ سے ہی پیدا ہوتے تو حضرت عمرؓ اور ہشام کی قرأت میں کچھ فرق نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ حالانکہ حدیث سے ثابت ہے کہ ان میں اختلاف ہوا اس سے ہمارے بعض علما نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ اختلافات حروف سے مراد ایک ہی معنی کا مختلف الفاظ سے ادا کرنا تھا اور بعض معترضین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اختلاف حروف قرآن شریف کی عبارتوں کا اختلاف تھا۔ مگر محض عمرؓ اور ہشام کے ہم قبیلہ ہونے اور پھر اختلاف قرأت کے ہوجانے سے ایسے نتایج نکالنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ اوّل تو اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جب بذریعہ وحی سات حروف پر قرآن شریف کو پڑھنے کی اجازت ہوگئی تو یہ اجازت خاص خاص اقوام سے مخصوص نہ رہ سکتی تھی۔ قرآن کریم ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام صحابیوں کو نہ سکھلاتے تھے بلکہ بعض صحابی بھی بعض کو سکھاتے تھے اور اسطرح ایک قوم کی خصوصیات دوسری قوم میں جاسکتی تھیں دوئم یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اگر ایک قوم ایک لفظ کو ایک خاص طرز پر جو دوسری قوم میں مروج ہے ادا نہ کرسکے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ دوسری قوم بھی پہلی قوم کی طرز پر اس لفظ کو ادا نہیں کرسکتی۔ یہ بات مثال سے آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاویگی۔ ہذیل اور ثقیف حتّٰی کی بجائے عتی پڑھتے تھے۔ حتّٰی قریش کے محاورہ میں تھا اور اسکی بجائے انکو محاورہ میں عتی تھا۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ قریش عتی نہ بول سکتے تھے۔ اگرچہ عام طور پر وہ حتّٰی ہی بولتے تھے اور یہی اصل لفظ تھا مگر وہ اگر چاہتے تو عتی بھی پڑھ سکتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث سے یہ ثابت ہے کہ ابن مسعود حتی حین کی بجائے بموجب محاورہ ہذیل اور ثقیف عتی حین پڑھتے تھے اور حضرت عمرؓ نے انکو منع بھی کیا تھا کہ ہذیل کی لغت میں قرآن شریف لوگوں کو مت پڑھاؤ بلکہ قریش کی لغت میں پڑھاؤ۔ اصل بات یہ تھی کہ قریش دوسری اقوام کے محاورات کے مطابق الفاظ کو ادا کرنیکے عادی ہوگئے تھے کیونکہ مکہ معظمہ میں جو انکا صدر مقام تھا مختلف قوموں کے لوگ ہر سال موسم حج میں اور میلوں وغیرہ پر جمع ہوا کرتے تھے۔ اور قریش کو چونکہ ہر ایک قوم اور قبیلہ سے لین دین اور تجارت کا واسطہ پڑتا تھا۔ اور علاوہ ازیں علمی مناظرے اور مقابلے بھی باہمی ہوتے رہتے تھے۔ اس لیے قریش کو ہر ایک قوم کے محاورہ سے واقفیت پیدا کرنی

لازمی ہوگئی تھی۔ اب ہشامؓ جب مسلمان ہوئے تو یہ وہ وقت تھا جب فتح مکہ کے بعد فوج در فوج عرب کی قومیں اسلام میں داخل ہو رہی تھیں۔ اور غالباً حضرت ہشام نے سورہ فرقان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے وقت سنا جب آپ کسی قوم کو پڑھا رہے تھے۔ اور اسی طرح پر انہوں نے یاد کر لیا اور چونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت تھی کہ فاقرءوا ما تیسر منہ یعنی جس طرح آسان ہو اسی طرح پڑھ لو اس لیے حضرت ہشام نے قریش کے محاورہ کے مطابق اسے ادا کرنے کی کوشش نہ کی۔ اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس طرح پر پڑھنے سے منع فرمایا جس طرح وہ پڑھ رہے تھے۔ ان واقعات سے ناظرین آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ کیوں ہشام اور حضرت عمرؓ میں باوجود دیکہ دونوں ایک ہی قبیلہ کے تھے اختلاف ہوا۔ حضرت عمرؓ اس زمانہ میں قرآن شریف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھ چکے تھے جب ایک ہی حرف پر قرآن شریف پڑھا جاتا تھا۔ اور ہشام نے ایسے وقت سیکھا جب دوسری قوموں کی اسلام میں کثرت کے ساتھ داخل ہونے سے انکو انکے اپنے محاورہ کے مطابق ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف پڑھانے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ پس یہی وجہ اختلاف کی تھی۔

سات حروف میں پڑھنے سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ قرآن شریف کا ہر ایک لفظ سات طرز پر پڑھا جاتا تھا۔ بلکہ مطلب قرآن شریف کے سات حروف پر اُتارا جانے کا صرف یہ ہے کہ جن محاورات میں پڑھے جانے کی اجازت تھی وہ سات تھے یا یوں کہو کہ ایک لفظ کی مختلف قرأتیں جو اختلاف محاورہ سے پیدا ہوتی تھیں وہ سات لغتوں میں سے ایک میں ہوتی تھیں۔ یہ اختلافات تعداد میں بھی کچھ زیادہ معلوم نہیں ہوتے کیونکہ حدیث میں جسقدر اختلافات کا ذکر کیا گیا ہے وہ تعداد بہت تھوڑی ہے۔ اگر اختلاف بہت سے ہوتے تو احادیث میں ضرور انکا ذکر زیادہ ہوتا۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ بہت سی قرأتیں بعض مفسرین اسوقت بھی بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ قرأتیں اور سبعۃ احرف ایک چیز نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ سبعۃ احرف والی قرأتیں بہت تھوڑی اس لیے ہم تک پہنچی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے انکا قرآن شریف میں لکھنا بند کر دیا تھا۔ تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ جو چیزیں احادیث میں محفوظ ہو کر آئی ہیں ان میں سے کوئی بھی لکھی ہوئی نہ تھی۔ اور ہزارہا واقعات بغیر معرض تحریر میں کبھی آنیکے احادیث میں پوری طرح سے محفوظ ہیں۔ اختلاف کے کم ہونے کی وجہ ان قوموں کا باہمی میل جول تھا جو اکثر میلوں مجلسوں۔ مشاعروں اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ ہوتا رہتا تھا۔ اور انہی تعلقات کا یہ نتیجہ تھا کہ انکے اختلاف بڑھنے نہ پاتے تھے۔ سات لغات جن میں قرآن شریف کے بعض الفاظ کو ادا کرنے کی اجازت دیگئی تھی وہ تھیں جو عرب میں افصح ترین تھیں مگر بعض کا خیال یہ ہے کہ سات سے انحصار تعداد مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ علاوہ محاورہ قریش کے جس میں قرآن شریف کا نزول ہو رہا تھا کچھ اور محاورات بھی ایسے تھے جن میں بعض الفاظ قرآنی کو ادا کرنے کی اجازت دیگئی تھی۔

جسقدر بحث اوپر ہو چکی ہے اس سے ایک بے تعصب انسان کے دل کو تسکین دینے والی شہادت اس امر کی ملتی ہے کہ وہ

اختلافات قرأت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں سبعۃ احرف سے پیدا ہوئے تھے وہ قرآن کریم کا جزو نہ تھے نہ اس کی اصل عبارتوں میں داخل تھے۔ بلکہ جو ضرورت انکی اجازت کے لیے پیدا ہوئی تھی وہ ایک مقامی ضرورت تھی اور تھی بھی عارضی۔ قریباً کل کا کل قرآن شریف اس اجازت سے پہلے نازل ہو چکا تھا۔ جسقدر زیادہ غور ان قرأتوں پر ہم کرتے ہیں اسی قدر زیادہ اطمینان اس نتیجہ کے متعلق حاصل ہوتا ہے کہ سات حروف میں پڑھنے کی اجازت محض بعض قوموں کی آسانی کے لیے تھی۔ اور اس سے اصل قرآن کریم میں کسی قسم کا تغیر تبدل نہیں آیا۔ بلکہ قرآن شریف وہی تھا اور ہمیشہ وہی رہا ہے جو ابتدا سے نازل ہوا تھا۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود جب نماز جماعت میں قرآن شریف پڑھتے تھے تو آپ بھی ان حروف میں نہ پڑھتے تھے جن میں بعض دوسرے لوگ پڑھ لیتے تھے بلکہ آپ ہمیشہ قرآن شریف کو اسی طرح نمازوں میں پڑھتے رہے جس طرح یہ اصل میں نازل ہو چکا تھا۔ اس نتیجہ کو ان واقعات سے بھی تائید ملتی ہے کہ حضرت ابیؓ اور ابن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم جیسے صحابیوں نے جب کسی دوسرے حرف پر قرآن شریف کسی کو پڑھتے سنا تو وہ بہت متعجب ہوئے اور گھبرائے کیونکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازمیں ان دوسرے حروف میں سے کسی پر قرآن شریف پڑھتے تو ان جلیل القدر صحابہؓ کو جو اکثر پانچوں نمازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتے تھے خود اطلاع مل جاتی اور پھر دوسرے لوگوں کو پڑھتے سنکر انہیں تعجب نہ آتا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے بھی کہ نمازوں میں آپ قرآن شریف کو اسی طرح پڑھتے رہے جس طرح وہ کلام پاک ابتدا میں نازل ہو چکا تھا یہ ثبوت ملتا ہے کہ دوسرے حروف کی غرض محض ایک خاص غرض تھی اور اس سے اصل عبارت قرآنی میں نہ کوئی کمی بیشی ہوئی اور نہ کوئی تغیر تبدل ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ایک اور شہادت بھی اسی کی مؤید ہمیں ملتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ قرآن شریف کو جب لکھواتے تھے تو تب بھی اسی نزول کے مطابق لکھواتے تھے جو قرآن کریم کا پہلا اور اصلی نزول تھا۔ اور جو حصص قرآن کریم کے سبعۃ احرف کی اجازت کے بعد بھی نازل ہوئے تو وہ بھی آپ نے لسان قریش کے مطابق ہی لکھائے کیونکہ اصل نزول قرآن شریف کا اسی زبان میں تھا۔ یہی وجہ تھی جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کریم کے کام پر مامور کیا تو انکو یہ ارشاد فرمایا کہ اصلی تحریریں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی ہیں انہیں اکٹھا کریں کیونکہ وہ مطمئن تھے کہ ان تحریروں میں قرآن شریف کسی دوسرے حرف کے مطابق نہیں لکھا گیا بلکہ جس طرح پر قرآن کریم کو محفوظ رکھنے کا منشا وحی الٰہی کا تھا اسی طرح پر لکھا گیا ہے اور دوسرے حروف کو آپ نے تحریر میں کوئی دخل نہیں دیا۔ قراء سے تو ایسا ممکن تھا کہ باوجود قریش ہونے کے ان میں سے کسی نے کوئی دوسرا حرف کسی موقع پر اختیار کر لیا ہو جیسا کہ ابن مسعود کے حال سے معلوم ہوتا ہے مگر تحریر میں یہ بات ممکن نہ تھی۔ پس ایک طرف تحریر میں قرآن شریف کو اسی طرح محفوظ رکھنا جو اسکا پہلا نزول تھا اور دوسری طرف خود نمازوں میں اسی قرأت کو پڑھنا جو پہلے نزول کے مطابق تھی یعنی لسان قریش

ہیں یہ دو اور نہایت زبردست شہادتیں اس بات پر ہیں کہ مختلف حروف کی اجازت دینے سے آپ کا یہ منشا کبھی نہ تھا اور نہ ہی وحی الٰہی کا یہ منشا تھا کہ وہ دوسری قرأتیں بھی ہمیشہ کے لیے جزو قرآن کریم سمجھی جاویں بلکہ وہ ایک خاص ضرورت تھی اور اصل الفاظ قرآنی وہی تھے جن میں شروع سے یہ پاک کلام نازل ہو رہا تھا۔

اسقدر بحث کے بعد اب ہم اعتراض اول پر غور کرتے ہیں جس کا ذکر شروع مضمون میں کیا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مختلف حروف یا قرأتوں کی اجازت دی ان کی حقیقت ہم کھولکر بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ بھی دکھا چکے ہیں کہ یہ صرف ایک وقتی ضرورت کیلیے تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ حکم نہیں دیا کہ انکو تحریر میں لایا جاوے نہ ہی کبھی خود جماعت کراتے وقت ان قرأتوں کو اختیار کیا حالانکہ آپ پر وہ نازل ہوئی تھیں۔ علاوہ ازیں باوجودیکہ قرآن کریم کو سات حروف میں پڑھنے کی اجازت وحی الٰہی سے تھی اور ان سب قرأتوں کو نازل شدہ ہی بیان کیا گیا ہے مگر پھر بھی قرآن شریف کے متعلق جب عام طور پر ذکر کیا جاتا تھا تو یہی کہا جاتا تھا کہ قرآن کریم لسان قریش میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ابن مسعود کو لکھا تھا کہ قرآن شریف کو لغت ہذیل میں مت پڑھاؤ کیونکہ نزول قرآن شریف کا لسان قریش میں ہے۔ اب حضرت عمرؓ خوب اس بات سے اطلاع رکھتے تھے کہ سات حروف پر قرآن شریف کا نزول ہوا ہے کیونکہ خود انہی کو حضرت ہشام کے ساتھ اختلاف کا واقعہ بھی پیش آیا تھا پھر باوجود اس علم کے یہ لکھنا کہ قرآن شریف لسان قریش میں نازل ہوا ہے اسکو لغت ہذیل میں مت پڑھاؤ کیا معنے رکھتا ہے ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے ایسے جلیل القدر صحابہؓ خوب سمجھتے تھے کہ دیگر حروف میں نزول سے کیا مراد ہے اور کہ وہ ایک خاص وقت اور خاص ضرورت کے لحاظ سے ہے اور اس سے اصل نزول قرآنی میں کچھ فرق نہیں آیا۔ اسی طرح پر جب حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کے نسخے بغرض اشاعت بہ بلاد متفرق لکھوانے شروع کیے تو آپ نے بھی کاتبوں کو یہی ہدایت دی کہ جب کسی لفظ کی طرز تحریر میں اختلاف ہو (کیونکہ کتابت پر کبھی شخص مامور تھے) تو اسے لسان قریش میں لکھا جائے کیونکہ قرآن شریف لسان قریش میں نازل ہوا ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ حضرت زیدؓ مدینہ کے رہنے والے تھے اور انکی طرز تحریر ممکن تھا کہیں قریش سے اختلاف رکھتی ہو جیساکہ ان نسخوں کے لکھتے وقت بھی تابوت کی طرز تحریر پر اختلاف ہوا اور آخر اسی طرز پر یہ لفظ لکھا گیا جس طرح قریش لکھتے تھے اور فیصلہ کرتے وقت پھر حضرت عثمانؓ نے یہی فرمایا کہ قرآن شریف لسان قریش میں نازل ہوا ہے۔ اور تمام صحابی اس میں انکے ساتھ متفق تھے کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ان تمام صحابہؓ کو یہ پتہ نہ تھا کہ قرآن شریف کا نزول بعض دیگر حروف پر بھی ہوا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اصل بات یہ تھی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو جانتے تھے کہ دیگر حروف میں قرآن شریف کے کسی لفظ کے پڑھے جانے سے کیا مطلب ہے اور اس کی کیا ضرورت ہے۔ اور اسی لیے آپ نے نہ عام نمازوں میں کسی دوسرے حرف کی قرأت کو اختیار کیا نہ تحریر میں اس کو آنے دیا اسی طرح پر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی ان اختلافات حروف کی حقیقت کو خوب

سمجھتے تھے۔ قرآن شریف جس طرح دیگر حروف کی اجازت سے پہلے ایک ہی تھا اسی طرح اس اجازت کے بعد بھی ایک ہی رہا اور اس میں کوئی فرق کوئی تغیر تبدل نہیں ہوا۔ ایک لمحہ کے لیے بھی کسی صحابی نے خیال نہیں کیا کہ دیگر حروف میں قرآن شریف کے نزول سے نزول اول میں جو لسان قریش میں تھا کچھ ایزادی ہو گئی ہے یا کچھ تغیر تبدل ہو گیا ہے۔ پس وہی قرآن شریف آج ہمارے ہاتھوں میں ہے جو دیگر حروف کی اجازت سے پہلے تمام صحابہ پڑھتے اور لکھتے تھے اور جو دیگر حروف کی اجازت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے خود نمازوں میں پڑھا اور لکھوایا۔ اسی قرآن شریف کو حضرت ابوبکرؓ نے جمع کرایا اور کوئی قرأت دوسرے حروف کی اس میں اسوقت بھی درج نہیں کی گئی نہ ہی کسی صحابی نے اسوقت یہ اعتراض کیا پھر اسی سے حضرت عثمانؓ نے نقلیں کرائیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ والے صحف میں دوسرے حروف کی کوئی قرأت نہ تھی تو حضرت عثمانؓ نے یہ حکم کیوں دیا کہ جب جماعت قریش اور زید بن ثابت کسی بات میں اختلاف کریں تو اسے لسان قریش میں لکھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں طرز تحریر کا ذکر ہے نہ قرأت کا چونکہ اول لکھنے والے زید رضی اللہ عنہ تھے اور وہ مدنی تھے قریش نہ تھے۔ اس لیے اب جو قرآن شریف لکھا گیا جسکی اشاعت تمام بلاد میں ہونی تھی تو اس میں یہ احتیاط بھی کر لی گئی کہ طرز تحریر قرآن کریم کا بھی بالکل قریشی طرز پر ہو۔ چنانچہ ایک ہی اختلاف جو اسوقت زید بن ثابت اور قریشیوں میں ہوا وہ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے لفظ تابوت کی طرز تحریر کے متعلق تھا۔ لفظ تابوت اس سورۃ میں واقع ہوتا ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور یہ وہ وقت تھا جب حضرت زیدؓ کاتب الوحی کا کام کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسے اپنی طرز پر لکھ لیا۔ مکی سورتوں میں کسی ایسے اختلاف طرز تحریر کا ذکر نہیں۔ کیونکہ وہاں لکھنے والے سب وہی لوگ تھے جو قریش میں سے تھے۔ اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ نے تمام اصلی تحریریں اکٹھی کی تھیں۔ اسقدر اور بھی دوبارہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ یہ اختلاف جو لفظ تابوت کی طرز تحریر کے متعلق پیدا ہوا صرف اسقدر تھا کہ یہ لفظ لمبی ت کے ساتھ لکھا جاوے یا گول ۃ کے ساتھ اس سے قرأت کا اختلاف ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

اب ہم قطعی اور یقینی شہادت کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان ٹکڑوں کو جلانے کا حکم دینے سے جو بے احتیاطی سے کسی صحابی نے کسی دوسرے حرف پر لکھ لیے ہوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوئی حصہ قرآن شریف کا نہیں جلایا یا ضایع کیا۔ اگر انہوں نے اختلافات حروف کو قطعی طور پر نیست و نابود بھی کر دیا تو بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے قرآن شریف کے ایک حصہ کو ضایع کر دیا کیونکہ یہ حروف قرآن شریف کا جزو کبھی نہیں تھے۔ اور اس لیے کسی ایسے لفظ کے مروج نہ رہنے سے جو قرآن شریف کا جزو کبھی نہ تھا یہ نتیجہ نکالنا کہ قرآن شریف کا ایک حصہ گم ہو گیا یا تاویل القرآن کے مجنون معترض کی طرح یہ بڑ ہانکنا کہ قرآن شریف کا ایک بہت بڑا حصہ ساقط ہو گیا اور جو کچھ رہ گیا وہ اسکی یادگار رہ پرلے درجہ کی نادانی اور حماقت ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کونسی نئی کارروائی کی؟ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے

جو کچھ کیا وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے بھی کیا تھا۔ اگر دیگر حروف کی قرأتیں قرآن شریف کا جزو تھیں تو آنحضرتؐ نے خود یہ حکم کیوں نہ دیا کہ جس طرح کاتب اصل نزول قرآن کریم کو لکھتے ہیں اسی طرح دیگر حروف کی قرأتوں کو لکھیں؟ کیوں نمازوں میں جماعت کراتے وقت کبھی کسی حرف کی قرأت اور کبھی کسی کی قرأت نہ پڑھی؟ پھر حضرت ابوبکرؓ نے جب تحریری جمع قرآن کا حکم دیا تو کیوں انہوں نے یا کسی صحابی نے یہ تجویز پیش نہ کی کہ ساتوں حروف پر الگ الگ قرآن شریف جمع ہونے چاہییں یا ساتوں حروف کی قرأتیں ایک ہی مجموعہ میں داخل کی جاویں؟ کیوں اصل تحریریں جمع کرنے کا حکم دیا گیا؟ جس سے یہ غرض تھی کہ مجموعہ مصحف میں کوئی دیگر حروف کی قرأت داخل نہ ہو جاوے۔ پھر حضرت عمرؓ کو دیکھا جاتا ہے تو وہ بھی ابن مسعود کو لکھتے ہیں کہ ہذیل کی لغت پر قرآن شریف لوگوں کو مت پڑھائیے کیونکہ قرآن شریف لسان قریش میں نازل ہوا ہے۔ پس انہی کے نقش قدم پر حضرت عثمانؓ چلے اور انہوں نے بھی حروف مختلفہ کی قرأت کو قرآن شریف میں داخل نہ ہونے دیا ہاں ساتھ یہ بھی اہتمام کیا کہ جو ایسے نسخے لوگوں نے خود لکھ لیے تھے جن میں بعض دیگر حروف کی قرأتیں لکھ لی تھیں یا کوئی اور غلطی ... ہو گئی تھی کیونکہ کافی احتیاط نہ کی گئی ان تمام نسخوں کو جلا دیا جاوے اور اس طرح کرنے میں بھی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے منشا کو پورا کیا۔ جو واقعات اس وقت پیش آئے اور جن کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے یہ کارروائی کی وہ تفصیلاً دوسری جگہ بیان ہو چکے ہیں۔ اسلام اس زمانہ میں عرب سے باہر دور دراز ملکوں میں پھیل چکا تھا۔ اور بلاد متفرقہ کے لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور ہو رہے تھے۔ ان لوگوں کو قرآن کریم سکھانا عرب کی اقوام کو ابتدائے اسلام میں قرآن کریم سکھانے سے ایک الگ رنگ رکھتا تھا۔ عرب کے لوگوں کی تو بولی ہی عربی تھی اور انکے لیے قرآن کریم سیکھنا ایک آسان امر تھا مگر اس آسانی کے ساتھ ابتدا میں ایک مشکل بھی ملی ہوئی تھی۔ اور وہ یہ کہ بعض ان اقوام کے لہجے الگ تھے اور وہ لوگ بچپن سے بعض الفاظ کو خاص طرح پر پڑھنے کے عادی ہو گئے تھے اور یکا یک اپنے لہجہ اور طرز ادا میں تبدیلی کرنا انکے لیے سخت مشکل تھا۔ مگر جو عجمی لوگ اسلام میں داخل ہوتے تھے انکے لیے نہ تو عربوں والی آسانی تھی اور نہ ہی ان جیسی مشکل تھی۔ انکے لیے قرآن کریم کے پڑھنے کے لیے عربی زبان کا سیکھنا بھی ضروری تھا۔ مگر اس طرح پر سیکھنے میں انکے لیے یہ برابر تھا کہ لسان قریش پر پڑھنا سیکھیں یا کسی دوسرے حرف پر۔ اب بعض صحابی جو بعض الفاظ کو کسی دوسرے حرف پر ادا کر لیتے تھے انہی دوسرے حروف پر ان عجمیوں کو بھی قرآن شریف سکھانے لگے۔ اور چونکہ عجمی لوگ اس بات سے تو ناواقف تھے کہ ان اختلافات کی اصل وجہ کیا ہے اور کس ضرورت کے لیے یہ اجازت دی گئی تھی انکے درمیان ان قرأتوں پر اختلاف ہونے لگے یہاں تک کہ یہ اختلاف بہت بڑھ گیا اور بعض بعض کی تکفیر اسی وجہ پر کرنے لگے۔ یہ وہ حالت تھی جسے دیکھ کر حذیفہ رضی اللہ عنہ گھبرا گئے اور حضرت عثمانؓ کے پاس آ کر ذکر کیا کہ اختلاف کی کیا حالت ہو گئی ہے اور اس سے کیا کیا بد نتائج پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور یہی صلاح قرار پائی کہ جو نسخے ایسے خود لوگوں نے لکھ لیے ہیں جن میں کہیں دوسرے

حرف کی قرأت بھی داخل ہو گئی ہے انکی اشاعت بند کر دیجاوے تاکہ ان اختلافات کا سرے سے ہی قلع قمع ہو جاوے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود بھی یہ منشا کبھی نہ تھا کہ دوسرے حروف کی قرأتیں ہمیشہ مروج رہیں۔ وہ ایک خاص
ضرورت تھی جو اسوقت رفع بھی ہو چکی تھی کیونکہ ان قوموں کے اسلام پر قریباً چودہ پندرہ سال گذر چکے تھے۔ اور وہ بھی
اب اس قابل تھے کہ لسان قریش کے مطابق جس میں قرآن کریم کا اصل نزول تھا کلام الٰہی کو پڑھ سکیں۔ اور نئی
نسل تو شروع سے جس طرح عادی کیجاوے ہو سکتی تھی۔ ان تمام امور پر غور کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا کہ
قرآن شریف کے نسخے بڑی احتیاط کے ساتھ اجلہ صحابہؓ کی نگرانی میں لکھوائے جائیں اور سوائے صحف ابی بکر کے جس سے
نقلیں کرائی گئی تھیں باقی تمام نسخے جلا دیئے جائیں۔ پس دوسرے نسخوں کے جلانیسے اصل غرض حضرت
عثمانؓ کی قرآن کریم کی حفاظت تھی تاکہ وہ غلطیاں جن کا بے احتیاطی سے لکھے ہوئے نسخوں میں راہ پا جانا ممکن تھا اور ایسا
ہی بعض دوسری قرأتیں جو کسی صحابی نے غلطی سے قرآن کریم کے اندر داخل کر دی ہوں قرآن کریم میں مل جائیں
پس حضرت عثمانؓ کا فعل حفاظت قرآن کریم کا ممد تھا جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
دیگر حروف کی قرأتوں کو قرآن کریم کے اندر داخل کرنے اور لکھنے کا حکم دیا تھا اسوقت تک حضرت عثمانؓ کے فعل پر
کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

اب ہم دوسرے اعتراض کو لیتے ہیں۔ اس اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض قرأتیں جو مفسرین اپنی تفسیروں میں لکھتے
ہیں انکی موجودگی میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اصل الفاظ قرآن کریم کے کون سے ہیں اور دوسری قرأتیں کون سی۔
قبل اس کے کہ ان قرأتوں کی اصلیت پر بحث کیجاوے ایک فیصلہ کن امر ایسا موجود ہے کہ جس سے قطعی طور پر ثابت
ہوتا ہے کہ یہ قرآن شریف جو بین الدفتین موجود ہے وہی کتاب پاک ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے
درمیان چھوڑی۔ اور وہ یہ ہے کہ اتنی وسیع اسلامی دنیا میں اسقدر عرصہ کے درمیان ہر ایک قسم کے اختلاف کے
باوجود یہی ایک ہی قرآن کریم موجود رہا ہے اور موجود ہے اور کوئی نسخہ قرآن شریف کا ایسا نہیں دکھایا جا سکتا جو
اس کے ساتھ کسی حرکت یا حرف یا لفظ کا اختلاف رکھتا ہو۔ اور نہ ہی مزعومہ قرأتوں میں سے کوئی قرأت بجائے
اصل الفاظ کے کبھی قرآن شریف میں لکھی گئی ہے۔ ایک بھی نسخہ قرآن شریف کا ایسا نہیں دکھایا جا سکتا جس میں اس
قرآن کریم سے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے کسی لفظ کو چھوڑ کر کوئی دوسری قرأت اس کی بجائے لکھدی گئی ہو۔ کیا یہ امر اس بات
کی کافی شہادت نہیں ہے کہ قرآن شریف محفوظ اور بلا تغیر تبدل چلا آیا ہے؟ غور کرو کہ تیرہ سو سال کا عرصہ ایک کتاب پر
گذرتا ہے۔ اور اس کے بعض نسخے تو مشرق میں پائے جاتے ہیں اور بعض مغرب میں ایسے ایسے ممالک میں جن میں باہمی
تعلق کوئی نہیں ہے۔ پھر ایسی ایسی مسلمان اقوام کے اندر اس کے نسخے پائے جاتے ہیں جن کو بچھڑے ہوئے ایک
عرصہ بعید گذر گیا اور پھر انکے درمیان کسی قسم کے تعلقات نہیں رہے۔ اور پھر ایسے ایسے مسلمان فرقوں کے ہاتھوں

ہیں اسکے نسخے موجود ہیں جو ایک دوسرے کی جان کے دشمن رہے ہیں اور ہیں۔ مگر باوجود اختلاف زمانہ۔ اختلاف ممالک اختلاف زبان۔ اور اختلاف عقاید کے قرآن شریف ایک ہی رہا ہے اور ایک ہی ہے۔ خارجی شیعہ کی جان کا دشمن اور شیعہ خارجی کی جان کا دشمن۔ باتیں تو ایک شخص کا اختیار ہے جتنی چاہے بنا لے مگر کیا کوئی نسخہ قرآن کا بھی کسی کے ہاتھ میں ایسا ہی جو اس قرآن کریم سے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اختلاف رکھتا ہو؟ اب غور کرو کہ اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ دوسری قرأتوں کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ کوئی بڑا آدمی قرآن شریف کے بعض الفاظ کو دوسری طرح بھی پڑھ لیا کرتا تھا۔ ان روایتوں کو صحیح فرض کر کے بھی یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ قرأتیں واقع میں کلام الٰہی نہیں یا قرآن شریف کا جزو تھیں۔ نہیں بلکہ اس سے اسقدر نتیجہ بھی نہیں نکلتا کہ جو لوگ ان قرأتوں کو پڑھتے تھے وہ درحقیقت انہیں قرآن کریم کا جزو سمجھتے تھے یا یہ کہ جس لفظ کی بجائے وہ کوئی دوسری قرأت اختیار کرتے تھے اس لفظ کو کلام الٰہی کا جزو نہ مانتے تھے اور اس کی بجائے اپنی قرأت کو قرآن شریف کے اصل لفظ مانتے تھے۔ یہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ اگر درحقیقت وہ اپنی قرأتوں کو ایسا سمجھتے تو پھر کون شخص مانع تھا کہ وہ اپنے نسخہ جات قرآن میں انہی قرأتوں کو لکھ بھی لیتے اور جو الفاظ اصل نسخوں میں موجود تھے انکو نکال ڈالتے اور اسطرح پر سیکڑوں متفرق نسخے قرآن شریف کے تیار ہو جاتے جن کی اشاعت ہو کر آج اگر ایک اسلامی شہر میں ایک نسخہ ملتا تو دوسرے میں کوئی اور ہی نسخہ ملتا۔ مگر چونکہ ایسی نسخوں کا وجود دنیا میں نہیں پایا جاتا معلوم ہوا کہ ایسا اختلافی نسخہ کبھی کوئی موجود ہی نہ تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ انکو اسلامی حکومت کا ڈر تھا اس لیے وہ ان قرأتوں کو لکھ نہ سکتے تھے اور نہ کسی لفظ میں تغیر و تبدل کر سکتے تھے تو یہ جھوٹ ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب وہ کھلے طور سے دوسری قرأتوں کو پڑھ لیتے تھے اور اسوقت حکومت کا ڈر نہ تھا تو لکھتے وقت کہاں سے ڈر آ گیا۔ بلکہ پڑھنے سے تو زیادہ تشہیر ہوتی تھی۔ اور نسخہ میں لکھا ہونے سے سوائے چند راز داروں کے اور کسی کو اطلاع نہ ہو سکتی تھی۔ پس یا تو یہ بھی جھوٹ ہے کہ وہ دوسری قرأتوں کو پڑھتے تھے اور اعتراض دور ہو گیا۔ یا اگر یہ صحیح ہے کہ وہ پڑھ لیتے تھے تو معلوم ہوا کہ ان قرأتوں کو اسقدر وقعت نہ دیتے تھے کہ انہیں جزو قرآن کریم خیال کرتے ہوں اور اسی وجہ سے انکو تحریر کے اندر نہ لاتے تھے اور نہ قرآن کریم کے ان نسخوں میں جو انکے پاس تھے کوئی تغیر تبدل کرتے تھے۔ بہرحال معلوم ہوا کہ قرأت کے اختلاف سے خواہ اسکی کچھ ہی حقیقت ہو یہ مراد لینا کہ قرآن شریف کی اصل عبارتیں محفوظ نہیں رہیں اور بعض لوگ ایک لفظ کو قرآن شریف کا جزو سمجھتے ہیں تو بعض دوسرے کو بالکل غلط خیال ہے بلکہ ایسا خیال کرنا سراسر نادانی ہے۔

اب ان قرأتوں کی اصل حقیقت پر ہم غور کرتے ہیں۔ اس بات کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ جن قرأتوں کا ذکر ... روایتوں اور تفاسیر میں پایا جاتا ہے وہ اور سبعہ احرف والی قرأتیں ایک نہیں اگرچہ ان میں کوئی سبعہ احرف والی قرأت موجود ہو۔ مگر دونوں کو بعینہٖ ایک سمجھنا اور سبعہ احرف سے مشہور سات قرأتیں مراد لینا سخت غلطی ہے

اور اس غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک تو حرف کا لفظ قرأت کی جگہ مستعمل ہونے لگا اور دوسرے قرأتوں کی تعداد بھی سات ہی مشہور ہو گئی اور یہی تعداد احرف کی تھی جسکا ذکر حدیث میں تھا اس سبب بعض لوگوں نے کم فہمی سے سبعۃ احرف اور سات قرأتوں کو ایک سمجھ لیا۔ موجودہ قرأتوں کو جہانتک میں سمجھتا ہوں مفصلہ ذیل عنوانوں کے نیچے رکھا جا سکتا ہے۔ اوّل۔ وہ قرأتیں جو سبعۃ احرف سے پیدا ہوئیں۔ حضرت عثمانؓ نے جو منع فرمایا وہ صرف یہ تھا کہ دیگر حروف کی قرأتوں کو قرآن شریف میں لکھا نہ جائے۔ لیکن بعد میں اگر کسی شخص نے انکو پڑھ لیا ہو تو ایسا ممکن تھا اور خصوصًا احادیث میں انکا تذکرہ رہ گیا۔ لیکن موجودہ قرأتوں میں سے سبعۃ احرف والی قرأتوں کو الگ کرنا مشکل کام ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ بعض لوگوں نے یہ قاعدہ تجویز کیا ہے کہ جو قرأتیں اپنی طرز تحریر میں قرآن شریف سے نہیں ملتیں وہ سبعۃ احرف والی قرأتیں ہیں مگر یہ محض اٹکل ہے۔ اور اسکی شہادت یا ثبوت ہمارے ہاتھ میں کوئی نہیں۔ اور جیسا کہ دکھایا جا چکا ہے ان قرأتوں کی اجازت ایک وقتی ضرورت کے لیے تھی۔ اور ان کا پڑھنا یا جاننا کسی مسلمان کے لیے ضروری نہ تھا۔ اور نہ اب ضروری ہے پس ہمیں اس تحقیقات کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دوم بعض اس قسم کے اختلاف جیسے واؤں کی گنتی میں جو نہایت خفیف اختلاف ہیں۔ سوم ایسا ہو سکتا ہے کہ اختلاف محاورہ کی ضرورت کے علاوہ بعض جگہ وحی الٰہی سے کسی دوسری قرأت کی اجازت بھی دیدی گئی ہو۔ اصل عبارت تو اسی وقت لکھی گئی اور محفوظ رہی اور آجتک اسی طرح مصاحف میں لکھی جاتی ہے اور ایسی قرأت ایک وقت کے لیے کسی نے پڑھ لی کیونکہ یہ بھی محض اجازت تھی اور اس کا قرآن شریف میں پڑھنا لازمی نہ تھا بلکہ رخصت کے طور پر تھا مگر ایسی قرأت کی صحت اسوقت تک تسلیم نہیں کیجا سکتی جبتک اعلیٰ درجہ کی معتبر اور صحیح احادیث سے ثبوت نہ ملے۔ اور اگر ایسا ثبوت ملجائے تو اس سے بعض وقت بعض الفاظ کے معنوں پر روشنی پڑ سکتی ہے۔ چہارم بعض قرأتیں اسطرح پیدا ہو گئیں کہ ایک لفظ کی تشریح یا تفسیر کو قرأت سمجھ لیا گیا۔ مثلاً ایک صحابی نے قرآن شریف پڑھتے وقت ایک لفظ کی کسی دوسرے لفظ سے تشریح کر دی یا اپنے نسخہ قرآن میں کسی لفظ کے معنے کو حاشیہ پر لکھ دیا تو سننے والوں یا دیکھنے والوں نے اسے بھی ایک قرأت سمجھ لیا۔ ایسی غلطیوں کے ازالہ کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے جو کوششیں کیں وہ کافی سے زیادہ تھیں اور کوئی ایسی غلط فہمی قرآن کریم میں راہ نہیں پا سکی۔

سب سے آخر اب ہم ان قرأتوں کا ذکر کرتے ہیں جو تعداد میں سب سے زیادہ ہیں ان قرأتوں کے پیدا ہونیکی وجہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے مصاحف لکھوا کر مختلف دیار و امصار میں بھجوائے۔ تو ایسے مصاحف نقطوں اور اعرابوں سے خالی تھے اس لیے مختلف مقامات میں بعض الفاظ مختلف طور سے پڑھے جانے لگے۔ اگر اس اختلاف قرأت کے یہ معنے لیے جاویں کہ ہر ایک شخص ایک خاص طرز پر پڑھتا تھا اور اسی کو صحیح اور اصل قرأت

قرآن شریف کی سمجھتا تھا اور اپنے شاگردوں کو اسی طرح پڑھاتا تھا اور ایک دوسرا شخص اس کے برخلاف پڑھتا اور پڑھاتا تھا تو یہ دعویٰ دو وجہ سے باطل ثابت ہوتا ہے۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر قرآن شریف واقع میں مختلف بلاد میں مختلف قاری مختلف طرز پر پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ اور ہر جگہ وہی قرأت صحیح سمجھی جاتی تھی اور دوسروں کی قرأتوں کو غلط سمجھا جاتا تھا۔ تو پھر کیا وجہ ہوئی کہ ایسی قرأتیں قرآن شریف کی اصل قرأت کو جیسا کہ وہ ہماری ہاتھوں میں ہے بدل نہ دیا اور اصل کی بجائے وہی قرأت مروج نہ ہوگئی؟ یعنی کیوں ایسی قرأتیں قرآن شریف کے نسخوں میں لکھ نہ لی گئیں؟ قرأتوں کے پیدا ہونیکا وقت تو وہ بتایا جاتا ہے جب زیر زبر اور نقطے قرآن شریف کے الفاظ پر موجود تھے۔ کیونکہ صحابہؓ اور تابعین کے زمانہ میں ان قرأتوں کا نام و نشان نہیں پایا جاتا بلکہ یہ قراء کی جماعت بعد میں پیدا ہوئی۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ جو نسخے قرآن شریف کے لکھے ہوئے ایسے مقامات پر موجود تھے وہ کچھ اور تھے اور یہ پڑھانیوالے یا قاری لوگ کسی اور طرح پڑھاتے تھے۔ ایک سمجھدار انسان ایک سکینڈ کے لیے بھی اس بات کو مان نہیں سکتا۔ کہ ایک مقام پر عام رواج تو کسی اور قرأت کا ہو اور قرآن شریف میں جو وہاں عام طور پر شائع ہو رہا ہو کوئی اور قرأت موجود ہو۔ یعنی قرآن شریف میں لکھا ہوا کچھ ہو اور پڑھا یا کچھ جاتا ہو۔ مثلاً سوال یہ ہے کہ جب یہ لوگ بچوں کو قرآن شریف پڑھانا شروع کرتے تھے تو کونسے نسخے انکے سامنے کھول کر رکھتے تھے تاریخ بلند آواز سے شہادت دے رہی ہے کہ قرآن شریف کا کوئی نسخہ کسی اور قرأت والا کسی وقت مسلمانوں میں کسی مقام پر بھی رائج نہیں ہوا۔ پس اگر پڑھانیکے لیے وہی قرآن شریف تھا جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اور اسی کے مطابق پڑھایا جاتا تھا تو دوسری قرأتوں کی وقعت کیا رہی اور وہ کیا کام دیتی تھیں؟ اگر یہ کہو کہ پڑھاتے وقت کوئی اور قرأت اختیار کیجاتی تھی تو کوئی عقلمند انسان اس بات کا باور نہیں کرسکتا کہ بچے کے سامنے لکھی ہوئی عبارت تو کچھ اور ہو اور اسکو پڑھایا کچھ اور جاتا ہو۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ انہیں دوسری قرأتوں کے مطابق ہی قرآن شریف لکھا بھی جاتا تھا تو ہم کہتے ہیں کہ اسکا ثبوت تاریخ سے دو کہ کبھی اختلاف والے نسخے قرآن شریف کے مروج تھے۔ اور ان نسخوں کو دکھانا بھی چاہیئے آخر وہ کیا ہوئے سیکڑوں برسوں کے پرانے نسخے جسقدر ملتے ہیں وہ تو وہی ہیں جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہیں اگر ایسے کوئی نسخے ہر مقام پر الگ الگ لکھے ہوئے موجود تھے تو بتاؤ کہ انکو کس نے جلایا اور کسطرح ساری اسلامی دنیا میں سے کیا شرق میں اور کیا غرب میں اور سارے اسلامی قرنوں میں سے وہ یکایک نابود ہوگئے؟ پس ثابت ہوا کہ اگر دوسری قرأتوں کو کبھی کسی نے پڑھا بھی تو اسنے خود بھی انکو اسقدر وقعت نہیں دی کہ وہی قرأتیں دوسروں کو بھی پڑھاتا اور انکو رواج دیتا۔ یا اس قابل سمجھتا کہ وہ لکھی جاکر آئندہ نسلوں تک پہنچ سکیں۔

دوسری دلیل جو اس خیال کو باطل ٹھہراتی ہے یہ ہے کہ اگر مختلف مقامات میں مختلف قرأتیں پڑھی اور پڑھائی جاتیں تو کم از کم اتنا تو ہوتا کہ پڑھنے میں ہی یہ قرأتیں ایسا رواج پا جاتیں کہ ایسے مقام پر نسلاً بعد نسل یہی قرأتیں

اختیار کر لی جائیں۔ کیونکہ جیسا کہ کہا جاتا ہے ان قرأتوں کو یا ان میں سے بعض کو اختیار کرنیوالے بڑے بڑے آدمی تھے پس دو حال سے خالی نہیں یا تو ان لوگوں نے جو قرأتیں مشہور کیں ان میں سے کسی کو مسلمانوں نے عام طور پر اختیار نہیں کیا اس صورت میں یہ قرأتیں کچھ وقعت نہیں رکھتیں کیونکہ نہ صرف وہ تحریر کے مخالف ہی پائی گئیں بلکہ جمہور نے بھی انکو قبول نہیں کیا۔ اور یا جمہور نے ان قرأتوں کو صحیح تسلیم کر کے اختیار کر لیا مگر یہ اسوجہ سے باطل ٹھہرتا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اب بھی ضرور وہی اختلاف قرأت میں باقی رہے ہوتے۔ مگر یہ صورت نہیں ہے بلکہ جس طرح ایک ہی قرآن شریف تحریر میں موجود ہے اسی طرح ایک ہی قرآن شریف حافظوں میں موجود ہے اور اگر تجربۃً ایک قرآن پڑھنے والا اسلامی دنیا کے ایک سرے سے اور ایک دوسرے سرے سے لیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ دونوں ایک ہی طرح پڑھتے ہیں اور انکی قرأتوں میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس سے ہم یقینی طور پر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ پہلے بھی کبھی کسی زمانہ میں قرآن شریف کے پڑھنے میں قرأتوں کا اس طرح اختلاف نہیں ہوا جس طرح کہا جاتا ہے کیونکہ اگر کوئی اختلاف ہوتا تو چاہئے تھا کہ اس کا دائرہ دن بدن وسیع ہوتا چلا جاتا۔ نہ ہی تاریخ سے یہ پتہ لگتا ہے کہ ایک زمانہ تک ایسے اختلاف رہے اور پھر یکایک وہ سب کے سب خود ہی رفع ہو گئے۔ اسلام ایک خاص دائرہ کے اندر محدود نہیں رہا بلکہ ابتدا سے ہی دور دور ملکوں میں پھیل گیا تھا۔ اور کوئی انسانی طاقت ایسی نہ تھی جو کافہ مسلمین کو باوجود اختلاف کے پہلے موجود ہونیکے ایک ہی قرأت پر جمع کر دیتی۔ ہاں ایک طاقت تھی اور وہ وہی تھی جس نے پہلے ہی یہ فرمایا تھا انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون۔ پس جس طاقت سے پہلے یہ لفظ بولے گئے تھے اسی طاقت نے وہ کام بھی کر دکھایا جو انسانی طاقتوں سے ممکن نہ تھا۔

اب ہم اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں اس بات کو فرض کر کے کہ حضرت عثمانؓ نے جو مصحف لکھوائے تھے ان پر نقطے اور حرکات نہ تھے اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آیا نقاط اور حرکات کے نہ ہونے سے اختلاف قرأت کا پیدا ہونا ممکن تھا۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شروع سے حفاظت قرآن کے دو سامان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیے اور یہی دو سامان آپ کے بعد بھی ہر وقت اور ہر زمانے میں اپنا کام کرتے چلے آئے۔ ایک قرآن کریم کے ہر ایک لفظ کا ضبط تحریر میں لایا جانا اور دوسرا اس کا سینوں میں محفوظ کیا جانا۔ یعنی تحریر اور حافظ۔ جب حضرت ابو بکرؓ کے وقت میں جمع قرآن کا کام کیا گیا تو اسوقت بھی اس دوہری شہادت سے کام لیا گیا۔ اور جس طرح قرآن کریم کے لکھے ہوئے نسخے دن بدن پھیلتے چلے جاتے تھے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ کثرت کے ساتھ قرآن شریف کے حفظ کرنیکا سلسلہ جاری تھا۔ اسطرح حضرت عثمانؓ کے وقت میں ہزاروں حافظ قرآن شریف کے موجود تھے جن میں سے بعض تو وہ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن کریم کو حفظ کر چکے تھے اور بعض وہ تھے جنہوں نے صحابہؓ سے سیکھکر حفظ کیا۔ اس لیے حضرت عثمانؓ نے جب لکھے ہوئے نسخے باہر بھیجے تو یہ نسخے بھی حافظ کی شہادت کو ساتھ رکھتے تھے۔

کیونکہ قرآن کریم کے حافظ اسلامی دنیا میں ہر جگہ موجود تھے۔ پس اگر بالفرض ان نسخوں پر نقطے اور حرکتیں نہ بھی تھیں تو اس سے کوئی حرج لازم نہیں آتا۔ کیونکہ قرآن کریم کی حفاظت جیسی تحریر میں تھی اسی طرح حافظہ میں بھی تھی۔ اگر کسی جگہ ایک نسخہ لکھا ہوا قرآن شریف کا پہنچا تو ہزاروں حافظ بھی موجود تھے۔ اور حفاظت کے ان دونوں سامانوں کے ہوتے ہوئے کسی تغیر تبدل کا واقع ہونا ناممکن تھا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جیسا کہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابتدائی زمانہ اسلام میں قرأتوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ اور بہت بڑی تعداد قرأتوں کی بہت سی حدیثوں کی طرح بعد میں پیدا ہو گئی ان قرأتوں کا بعینہٖ وہی حال ہے جیسے حدیثوں کا یعنی دن بدن انکی کثرت ہوتی چلی گئی۔ امام بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے دو اڑھائی ہزار حدیث کو لیا۔ اسی نسبت سے قرأتوں کو جانچ لینا چاہیئے۔ صحابیوں اور تابعین کے درمیان قرأت کی روایت کرنیوالے بہت ہی کم لوگ پائے جاتے ہیں مگر بعد میں ایک ایسی قوم پیدا ہو گئی جنہوں نے قرأت کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ اور بہت سی قرأتیں جاننے کو فخر سمجھا۔ اسی سے کثرت قرأت کی شروع ہوئی۔ اس لیے کسی قرأت کو قبول کرنیکے لیے اعلیٰ درجہ کی معتبر اور یقینی شہادت چاہیئے۔ صرف مفسرین کے اقوال یا بعض قراء کے اقوال سے ایسی معتبر اور یقینی شہادت نہیں ملتی بلکہ صحیح احادیث سے ہی صرف ایسی شہادت مل سکتی ہے۔ مگر یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر کسی قرأت کو صحیح حدیث سے کسی صحابی تک پہنچا دیا جائے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ قرأت واقعی قرآن شریف میں بھی داخل ہے صحابہؓ کے درمیان جو کچھ اختلاف مختلف حروف کی قرأت کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اس کی حقیقت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس ساری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا بلکہ جس طرح اس کلام پاک کو خدا نے اُتارا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو اور ان مقدس بزرگوں نے بعد کی نسلوں کو پہنچایا۔ اور بلا شک و شبہ ایک ایک حرف اس کا بغیر کسی کمی زیادتی یا تغیر تبدل کے وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا تھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جس صورت میں مختلف قرأتوں کا کسی زمانہ میں بھی رائج ہونا ثابت نہیں تو آخر ان قرأتوں سے مراد کیا ہے۔ سو جہاں تک میں نے غور کیا ہے بات صرف اسقدر معلوم ہوتی ہے کہ جہاں معنوں میں کوئی اہم تغیر پیدا ہونیکے بغیر ایک لفظ کو کسی اور طرح پر بھی پڑھا جا سکتا تھا اسی کو قرأت کہہ دیا گیا ہے نہ کہنے والے کا یہ منشا تھا کہ وہ لفظ اس طرح پر نازل نہیں ہوا جس طرح پر لکھا ہوا قرآن میں موجود ہے اور نہ ہی کبھی یہ مطلب تھا کہ وہ لفظ دونوں طرح پر نازل ہوا ہے۔ اسلامی دنیا میں کسی شخص نے کسی جگہ ایک لمحہ کے لیے بھی کسی قرأت کو یہ وقعت نہیں دی کہ قرآن کریم کے اصل لفظ کو نکال کر وہ قرأت داخل کر دیتا۔

مثال سے یہ بات اور بھی واضح ہو سکتی ہے۔ فاتحہ جیسی سورۃ جسے ہر نماز میں کئی دفعہ کھلے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ اس کے اصل الفاظ کے متعلق کب کسی کو کوئی شک پیدا ہو سکتا تھا مگر اس سورۃ میں بھی بعض قرأتیں دکھائی ہیں مثلاً مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں دو اور قرأتیں مَلَكَ يَوْمَ الدِّيْنِ اور مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بتائی جاتی ہیں

مطلب ان قرأتوں کا صاف ظاہر ہے یعنی لفظ کی صورت کو بدلنے کے بغیر دو طرح پر اور یہ لفظ پڑھا جا سکتا ہے جس سے معنوں میں بھی کچھ فرق نہیں آتا۔ اب اس کے یہ معنے نہیں کہ کبھی اس بارے میں بھی شک ہوا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لفظ کو کس طرح پڑھتے تھے۔ بلکہ لفظ اور معنی کے تغیر کے بغیر ایک صورت اسی لفظ کے ادا کرنے کی تھی۔ زیادہ سے زیادہ کسی قرأت کے متعلق صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسکی اجازت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی مگر کسی قرأت کو یہ مرتبہ دینے کے لیے مضبوط سے مضبوط شہادت بکار ہے جو اعلیٰ درجہ کی صحیح احادیث پر مبنی ہو۔ اور ایسی کسی قرأت سے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں قرآن کریم کی اصل عبارتوں کی حفاظت میں کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ اختیاری قرأتیں تھیں جنکی اجازت دیگئی۔ اور انکو واجب نہیں کیا گیا۔

اس تمام بحث سے یہ معلوم ہوگا کہ جن معنوں میں اختلاف قرأت کا لفظ عام طور پر بولا جاتا ہے ان مفہوم کے رو سے قرآن کریم میں درحقیقت کوئی اختلاف قرأت نہیں۔ عام طور پر جب ہم کسی نسخہ یا کتاب کے اختلاف قرأت کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ امر مشتبہ ہے کہ اصل میں اس نسخہ یا کتاب میں فلاں عبارت تھی جو اس میں موجود ہے یا دوسری عبارت تھی جو بطور قرأت ثانی پیش کیجاتی ہے۔ قرآن کریم میں ایسا اشتباہ ہرگز نہیں بلکہ یقین کامل کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں جس کے متعلق قطعی شہادت اور بین ثبوت پیش کر دیا گیا ہے کہ اصل عبارت قرآن کریم کی وہی تھی جو آج بین الدفتین موجود ہے ایسا ہی اختلافات قرأت سے بعض وقت مراد غلطی کی بھی ہوتی ہے یعنی مروجہ نسخہ میں کسی طرح سے کوئی غلطی راہ پا گئی ہو یا کوئی نقص رہ گیا ہے چنانچہ بائبل وغیرہ کی کتابوں کے متعلق جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد انہی معنوں میں سے کوئی معنے ہوتے ہیں جن کا ذکر ہم نے بیان کیا مگر قرآن کریم کے متعلق اس لفظ کا استعمال ان معنوں میں ہرگز درست نہیں کیونکہ قرآن کریم کے تمام نسخے جنہیں اسلامی دنیا نے قبول کیا ہے ابتدا سے لیکر آجتک ایسی غلطیوں سے محفوظ رہے ہیں اور تیرہ صدیوں سے ایک ہی نسخہ چلا آتا ہے جسکی حفاظت یقینی دلایل اور روشن شہادت سے ثابت ہے۔

حفاظت قرآن کا مضمون یہاں ختم ہو جاتا ہے مگر ایک بحث جس کا ہم وعدہ کر چکے ہیں ابھی باقی ہے یعنی ناسخ منسوخ کی بحث۔ دراصل اس بحث کو حفاظت قرآن کے مضمون سے چنداں تعلق نہیں لیکن چونکہ بعض معترض اسکو حفاظت قرآن پر حملہ کرنیکے لیے درمیان میں لاتے ہیں اسلیے اسی عنوان حفاظت قرآن کے نیچے ہی ہم انشاء اللہ تعالیٰ ناسخ منسوخ کی بحث بھی کریں گے۔

عقیدہ آمد مہدی
میں
مولوی محمد حسین بٹالوی کی دورخی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار "اپنی تمام جماعت کے لیے ضروری نصیحت" کے عنوان سے کچھ مدت ہوئی

شایع کیا تھا یہ اشتہار انگریزی میں ترجمہ ہوکر سول اینڈ ملٹری گزٹ میں بھی شایع ہوا۔ اسپر ایک صاحب سید محمد نام نے پیشاور سے اس اخبار میں یہ اعتراض شایع کرایا کہ مرزا صاحب کا مسلمانوں کے عقیدہ مہدی کو خطرناک کہنا درست نہیں ہے اور کہ مرزا صاحب کے مرید اگر کابل میں قتل کیے گئے تو اس سے امیر صاحب پر کوئی الزام نہیں آتا۔ کیونکہ مرزا صاحب اور انکے تمام مریدین درحقیقت مرتد اور واجب القتل ہیں۔ اسپر پھر ایک مضمون حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے اس اخبار میں شایع کرایا گیا جو اس رسالے میں بھی جون کے پرچہ میں "مسلمان اور جہاد" کے عنوان سے نکل چکا ہے۔ اسکے بعد مولوی محمد حسین بٹالوی نے ۱۹۔جولائی کے پرچہ سول میں اپنے آپ کو ثالث بالخیر تجویز کرکے ایک محاکمہ شایع کرایا ہے۔ مولوی صاحب کا خود اپنے آپ کو ثالث تجویز کرنا اور بے تعصبی سے فیصلہ کرنیکا دعویٰ کرنا بعینہٖ ایسا ہے جیسا ایک بھوکا بھیڑیا ایک بکری کا انصاف کرنیکے لیے بیٹھے۔ مولوی صاحب عرصہ دراز سے اس سلسلہ کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں اور بانی سلسلہ کے واجب القتل ہونیکا فتوے دیکر مدت تک مسلمانوں کو اُکساتے رہے۔ اور کئی مرتبہ آپ دانت بھی پیستے تھے کہ اگر ہم کسی اسلامی سلطنت کے ماتحت ہوتے تو فی الفور آپ کا سر تلوار سے جدا کر دیتے۔ مگر یہ ساری حسرتیں انکے دل میں ہی رہیں اور خدا تعالیٰ نے یہی چاہا کہ یہ حسرتیں اس دنیا میں انکے لیے دوزخ کا کام دیں جسکا مزا اسی زندگی میں چکھنا خدا کے ماموروں سے عداوت رکھنے والوں کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ مولوی صاحب نے اپنے اشاعۃ السنہ میں اس سلسلہ کی مخالفت میں خود اپنے آپ کو مجنون قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اپنی جوش مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے مولوی صاحب لکھتے ہیں قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند۔ اس مخالفت کے نقشہ کو مدنظر رکھکر پھر غور کیا جائے کہ یہ شخص پبلک کے سامنے بے تعصب جج بنکر فیصلہ دینا چاہتا ہے بیشک آپ ایسے ہی بے تعصب جج ہو سکتے ہیں جیسے فرعون حضرت موسیٰؑ کے لیے۔ یا فقیہ اور فریسی حضرت عیسیٰؑ کے لیے یا ابوجہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے۔

کچھ تمہید کے بعد مولوی صاحب پہلے تو فخر کے طور پر اپنے خدمت کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد کا حوالہ دیتے ہیں۔ اور پھر اپنا مقابلہ حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ کرکے کہتے ہیں کہ میں نے تو گورنمنٹ کی یہ خدمت کی ہے جس کے عوض میں مجھے گورنمنٹ سے خوشنودی کی چٹھیاں ملی ہیں تمھیں بھی اگر کوئی چٹھیاں ملی ہیں تو پیش کرو۔ مولوی صاحب نے معلوم نہیں اس بات کو کیوں نہیں سمجھا۔ بات تو سیدھی تھی۔ آپنے محض گورنمنٹ کی خوشنودی کی چٹھیاں لینے کے لیے یا تھوڑی سی اور دنیوی منفعت اُٹھانیکے لیے چند فقرات لکھ دیئے سو آپ کو وہ مل گئیں۔ لیکن خدا کے مسیح کو خوشنودی کی چٹھیوں سے کوئی غرض نہ تھی اور نہ ہے۔ اس نے محض خدا کے لیے ایک کام کیا اور اپنا فرض سمجھکر کیا۔ سو اس کا صلہ بھی وہ خدا سے ہی چاہتے ہیں نہ گورنمنٹ سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن اصدق من اللہ قیلا۔ دیکھیے سورۃ الشوریٰ۔ من کان یرید حرث الاٰخرۃ نزد لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منھا وما لہٗ فی الاٰخرۃ من نصیب۔ یعنی جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو

ہم اس کی کھیتی میں اس کیلیے برکت دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو ہم بقدر مناسب اس کو دنیا دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصّہ نہیں۔ سو مولوی صاحب دنیا کی کھیتی کے طالب ہوئے اور چار مربع زمین انہیں مل گئی۔ یہ عین خدا کی سُنّت کے مطابق ہے۔ رہیں آپ کی تحریریں سو آپ جس طرح سے مہدی کے عقیدہ میں آخر کار اسی سلسلہ کے خوشہ چین بنے ہیں اور آپنے اس خوشہ چینی کو اپنی ہتک نہیں سمجھا اگرچہ اس کا اقرار کرنیسے آپ کو شرم آتی ہے اسی طرح جہاد کے مسئلہ میں بھی آپنے حضرت میرزا غلام احمد صاحب کی تحریروں سے اگر خوشہ چینی کر لی ہو تو کیا عجب ہے۔ بہر حال جس غرض کے لیے آپنے یہ رسالہ جہاد لکھا تھا یعنی چٹھیات خوشنودی کا حاصل کرنا وہ آپ کو مل گئیں اور اگر آپ اس امر پر فخر کرتے ہیں تو یہ کسی دوسرے کا کام نہیں کہ آپ کو سمجھاوے کہ یہ غرض ایک کمینہ غرض ہے۔ اسی رسالہ الاقتصاد کے فارسی ایڈیشن پر لکھا ہے کہ اشاعت آں در مختلف زبانہا (عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی) بوقوع آمدہ اور آج اُنیس سال بعد آپ سول میں لکھتے ہیں کہ عربی ایڈیشن اس رسالہ کی اب تیار ہوگی اور وہ امیر کے نام پر نامزد کیجاوے گی۔ معلوم نہیں ان دونوں باتوں میں سے کونسی صحیح ہے۔ اور پھر آپ کو اگر یہ رسالہ امیر کے نام پر ہی نامزد کرنا تھا تو کابل میں جسوقت آپ تشریف لے گئے تھے اسوقت امیر صاحب کے پیش کیوں نہیں کیا۔ سنا ہے امیر عبدالرحمن صاحب نے بھی ایک رسالہ جہاد پر لکھا تھا معلوم نہیں اُسوقت آپنے اگر شہ روز را گوید شب است ایں بباید گفتن اینک ماہ و پروین پر عمل کیا تھا اگر آپ اسوقت اپنا رسالہ پیش کرتے اور پھر زندہ بچ کر آتے تو ہم بھی مان لیتے کہ مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم انکار جہاد کے سبب سے نہیں مارے گئے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے مضمون میں ایک تو آمد مہدی کے عقیدہ کے بارہ میں کچھ رائے ظاہر کی ہے اور دوسرے بعض حملے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور سلسلہ احمدیہ پر کیے ہیں۔ چونکہ ہماری غرض زیادہ تر مہدی کے متعلق مولوی محمد حسین کی دورُخی کا ظاہر کرنا ہے اس لیے اول ہم اسی حصّہ مضمون کو لیتے ہیں۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں "یہ کہنا بھی جھوٹ ہے کہ مسیح اور مہدی کی آمد کا عقیدہ خطرناک ہے کیونکہ فاضل مسلمان یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ موعود مسیح اور مہدی تلوار کے ذریعہ اسلام پھیلائیں گے۔ صحیح بخاری کے مطابق جو اہل سُنّت والجماعت کے درمیان متفق طور پر ایک مستند کتاب مانی جاتی ہے مسیح موعود تمام جنگوں کا خاتمہ کردیگا اور اسلام کو صرف آسمانی نشانوں اور روحانی طاقتوں کے ذریعہ سے پھیلائیگا۔ امام مہدی بھی اسیوقت آئیگا اور نہ کوئی خونریزی ہوگی اور نہ جہاد ہوگا۔ اسلام باامن طریقوں سے پھیلایا جائیگا۔ میںنے اس مضمون پر ایک لمبا آرٹیکل لکھا ہے اور یہ عنقریب شائع کیا جانیوالا ہے مگر مَیں نہایت زور کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ مسیح اور مہدی کی آمد کے متعلق اسلامی عقیدہ کسی طرح بھی ملک کے امن کے لیے خطرہ پیدا نہیں کرتا۔"

یہ ہے سلسلہ احمدیہ کے ایک سب سے پُرانے اور کینہ ور مخالف کا پر زور اعلان۔ اور جہاں عام لوگ اس اعلان کو

تعجب کی نگاہ سے دیکھیں گے احمدی احباب اسے خوشی کے ساتھ پڑھیں گے کہ آخر ایک ایسے مخالف کو بھی وہی عقیدہ تسلیم کرنا پڑا جو انکے امام نے آج سے اٹھارہ سال پہلے انکو سکھایا۔ اگرچہ مولوی صاحب نے یہ احتیاط کی ہے کہ اس اعلان کو انگریزی زبان میں پہلے شایع کیا جائے مگر یہ راز اب چھپا نہیں رہ سکتا اور آخر وہ وقت آ گیا ہے کہ مولوی صاحب کو دو رُخی چھوڑ کر ایک پہلو اختیار کرنا پڑیگا۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ فاضل مسلمان یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ موعود مسیح اور مہدی جنگ کریگا اور یضع الحرب کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ عقیدہ اہل حدیث کا ہے یا سُنّیوں کا یا شیعہ کا؟ آمد مہدی کے عقیدہ میں اسوقت ہم مسلمانوں کو تین فرقوں میں تقسیم کر سکتے ہیں اوّل وہ لوگ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بنی فاطمہ سے مہدی پیدا ہوگا جو ظاہری اور روحانی خلیفہ ہوگا۔ اور تلوار سے تمام دنیا کو فتح کریگا اور جو کافر اسلام قبول نہ کرے اسکو مار ڈالے گا۔ دوسرے وہ لوگ جو قطعاً مہدی کے آنیکے منکر ہیں اور تیسرے وہ لوگ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح اور مہدی آئیگا مگر اس کا کام تلوار چلانا نہ ہوگا بلکہ آسمانی نشانوں اور یقینی دلایل کے ساتھ وہ اسلام کی فوقیت سب مذاہب پر ثابت کریگا۔ قسم اوّل میں عام اہل اسلام شامل ہیں خواہ وہ سُنّی ہوں یا وہابی ہوں یا شیعہ ہوں۔ قسم دوئم میں ایسے لوگ شامل ہیں جیسے سر سید احمد خاں اور انکے پیرو جو نیچری کہلاتے ہیں۔ اور جو مذہب اور مذہبی عقاید سے آزادی حاصل کر رہے ہیں۔ یا ابن خلدون جیسے آدمی جو مہدی کی احادیث کو مجروح یقین کرکے اسکی آمد سے قطعاً منکر ہیں اور ایسی تمام احادیث کو وضعی بتاتے ہیں۔ اور قسم سوئم میں صرف ایک ہی جماعت کا نام لیا جا سکتا ہے اور وہ ہے سلسلہ احمدیہ جس کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اللہ تعالیٰ سے الہام پا کر یہ اعلان کیا کہ مہدی کے متعلق جنگ کرنیکی اور لوٹ کا روپیہ تقسیم کرنیکی تمام روایتیں جھوٹی ہیں۔ مگر مسیح اور مہدی کے آنیکی پیشگوئی ایسی ہے جو قرآن شریف میں بھی پائی جاتی ہے اس تقسیم کے مطابق جسکو مَیں ابھی ثابت کرونگا کہ مولوی محمد حسین نے بھی قبول کیا ہے۔ وہ ''فاضل مسلمان'' جن کا ذکر مولوی صاحب نے اخبار سول میں کیا ہے صرف صرف احمدی مسلمان ہی ہیں اور کوئی شخص اس سلسلہ سے باہر مولوی صاحب کے اس دعویٰ کے مطابق فاضل کہلانیکا حق نہیں رکھتا۔ والفضل ماشھدت بہ الاعداء۔ اس سے زیادہ خوشی کی جگہ احمدیوں کے لیے کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے فضل کو ایک سخت سے سخت دشمن بھی قبول کرتا ہے اور نہ صرف وہ انہی کو فاضل کا خطاب دیتا ہے بلکہ تمام دوسرے مسلمانوں سے جو مہدی کے جنگ کرنیکے قائل ہیں اس خطاب کو چھین کر اسکو سلسلہ احمدیہ کے لیے ہی خاص کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک کوئی مسلمان فاضل کہلانیکا حق نہیں رکھتا جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ مہدی جنگ نہیں کریگا بلکہ صرف آسمانی نشانوں اور روحانی طاقتوں کے ساتھ ہی دین کو پھیلائیگا۔ اور مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آج تک یہ عقیدہ کہ مسیح اور مہدی آئیگا مگر وہ جنگ نہیں کریگا بلکہ آسمانی نشانوں اور روحانی طاقتوں کے ساتھ دین اسلام کو پھیلائیگا سوائے سلسلہ احمدیہ کے کسی نے ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ خود مولوی محمد حسین بٹالوی نے

باوجود اس دورنگی کے جو اس عقیدہ کے متعلق وہ شروع سے اپنی تحریروں میں اختیار کرتا رہا ہے جس کا میں بھی ذکر کرونگا آجتک ایسا عقیدہ مہدی کے متعلق ظاہر نہیں کیا جس کا وہ آج زور کے ساتھ دنیا میں اعلان کرتا ہے حالانکہ اس عقیدہ کے سارے الفاظ مولوی صاحب نے اس سلسلہ سے چرائے ہیں جس کی وہ ساتھ ساتھ مخالفت بھی کرتے جاتے ہیں۔

سب سے اول عام مسلمانوں کی اطلاع کے لیے میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ مولوی محمد حسین صاحب باوجود مولوی اور اہل حدیث کا ایڈووکیٹ کہلانے کے کس کس قسم کی چالیں اس عقیدہ کے متعلق آجتک چلتے رہے ہیں۔ مولوی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ساری دنیا کی آنکھوں میں مٹی ڈال سکتے ہیں اور کہ انکی چالبازیوں کو کوئی سمجھ نہیں سکتا مگر انکو یقین کرنا چاہیئے کہ صاف گوئی اور جو بات دل میں ہو اسی کا کھلے طور سے اظہار کرنا دنیا میں خوبی کے اوصاف ہیں اور جو طریق انہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ کسی طرح عزت کے قابل نہیں ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب نے اول میں مضمون لکھنے سے پہلے پبلک میں نہ تحریر سے اور نہ زبانی آجتک یہ کبھی عقیدہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ اس مہدی سے کے آنیکے منکر ہیں جس کے منتظر عام مسلمان ہیں نہ ہی کبھی انہوں نے اس عقیدہ کی مخالفت کی کہ مہدی آکر کفار یعنی غیر مسلموں کے خون سے زمین کو بھر دیگا۔ جو شخص چاہے ۱۸۷۷ء سے لیکر انکے اشاعۃ السنہ کی ورق گردانی کرے مگر وہ ایک لفظ بھی ایسا اس دعوے کی تردید میں نہیں پائیگا اور آج مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ فاضل مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں رہ سکتے کہ مہدی آکر جنگ کریگا یا تلوار کے ذریعہ اسلام پھیلائیگا اور غالباً مولوی صاحب اگر یہ بھی کوئی نئی چال نہیں تو انہی فاضل مسلمانوں میں اپنی شمولیت جتانا چاہتے ہیں اور پھر اس عقیدہ کا زور سے اعلان کرنا گویا کہ یہ آپ کا اور دوسرے مسلمانوں کا مدتوں سے عقیدہ چلا آتا ہے ایک قسم کی دھوکہ بازی ہے۔ میں اس فیصلہ کے لیے ناظرین کو اشاعۃ السنہ کے ورق گردانی کا محتاج نہیں کرنا چاہتا بلکہ اپنے اس دعوے کو جو اوپر کیا ہے مولوی محمد حسین کے اپنے اقرار سے صحیح ثابت کرکے دکھاؤنگا لیکن اس سے پہلے ان واقعات کا ظاہر کرنا ضروری ہے جنکی وجہ سے مولوی صاحب کو یہ اقرار کرنا پڑا تھا۔

۱۸۹۸ء میں (غالباً اسی سال مولوی صاحب نے کچھ زمین کے لیے بھی گورنمنٹ سے درخواست کی تھی) مولوی محمد حسین نے انگریزی زبان میں ایک فہرست مضامین رسالہ اشاعۃ السنہ چھپوائی جس کا عنوان تھا "اشاعۃ السنہ کے اُن مضامین کی فہرست جن میں گورنمنٹ کے خلاف بغاوت یا گورنمنٹ کا مقابلہ کرنیکی ممانعت ثابت کی گئی ہے اور جہاد کی اصل حقیقت کو دکھایا گیا ہے۔" اس فہرست میں ایک جگہ ۱۸۸۶ء کے رسالہ کے صفحہ ۹۴ کے حوالہ سے ایک مضمون اس عنوان کا درج ہے "احادیث متعلقہ مہدی پر جرح اور وہ دلایل جن سے ان حدیثوں کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے۔" اصل میں یہ عنوان جو اس فہرست مضامین میں درج کیا گیا تاکہ گورنمنٹ یہ سمجھے کہ مولوی صاحب نے کوئی ایسا مضمون لکھا ہے اور خوش ہوکر کوئی اور چٹھی خوشنودی کی یا چند بیگھے زمین کے دیدے۔ بالکل غلط تھا نہ ہی ۱۸۸۶ء کے صفحہ ۹۴ پر اور نہ ہی ساری اشاعۃ السنہ میں کسی اور جگہ کوئی ایسا مضمون درج ہے جس میں احادیث

متعلقہ مہدی پر جرح کیگئی ہو یا کوئی ایسے دلایل دیئے گئے ہوں جن سے ان حدیثوں کا غلط ہونا ثابت ہو۔ اور ایسا عنوان محض دھوکہ دینے کے لیے قایم کیا گیا ہے۔ جس مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے وہ نواب صدیق حسن خاں کی حمایت میں لکھا گیا تھا۔ جو ان دنوں بوجہ ان خطرناک مضامین کے جو جہاد اور مہدی کے متعلق انہوں نے اپنی کتابوں میں شایع کیے تھے گورنمنٹ کی عتاب کے نیچے تھے۔ یہ عقائد کیا تھے میں آگے چلکر بیان کرونگا یہاں صرف اسقدر ظاہر کرنا مقصود ہے کہ چونکہ نواب صدیق حسن خاں اہل حدیث کا لیڈر اور مجدد تسلیم کیا جا چکا تھا۔ مولوی محمد حسین کے لیے اسکی حمایت ضروری تھی۔ کیونکہ مولوی صاحب خود اپنی قلم سے انکو مجدد لکھ چکے تھے۔ دوسری طرف مولوی صاحب کو خود بھی خطرہ ہوا کہ مبادا کھلے طور سے اس کے عقاید کی تائید کرکے آپ بھی اسی بلا میں گرفتار ہو جاویں۔ لہذا مہدی کی آمد کے عقیدہ کے متعلق یہ پہلا موقع تھا جب مولوی صاحب کو دو رخی اختیار کرنیکی ضرورت پیش آئی چنانچہ نواب صاحب کی حمایت کے مضمون میں ایک فقرہ یہ بھی لکھدیا کہ مہدی کی آمد سے بعض اہل حدیث زمانہ گذشتہ کے اور زمانہ حال کے منکر ہیں اور اسکی تشریح ایک فٹ نوٹ میں کی جو وہ بھی اصل مضمون کی طرح گول مول ہے اور اپنا عقیدہ کچھ ظاہر نہیں کیا کہ میں بھی منکر ہوں یا قائل ہوں چونکہ یہ فٹ نوٹ ہی صرف ایک ایسی عبارت ہے جسکی بنا پر حکام کو دھوکہ دینے کے لیے مولوی صاحب نے یہ ظاہر کیا تھا کہ میں اشاعۃ السنہ میں مہدی کی حدیثوں پر جرح کر چکا ہوں اور انکا غلط ہونا ثابت کر چکا ہوں اس لیے ہم اوّل اس فٹ نوٹ کو اسجگہ پورا درج کرتے ہیں تاکہ ناظرین سمجھ سکیں کہ مولوی صاحب نے کس قدر تقوے کو چھوڑ کر کام کیا ہے۔ اصل فقرہ جس کے نیچے فٹ نوٹ لکھا گیا یہ ہے ’’ عام اہل اسلام ماتحت برٹش گورنمنٹ رئیس ہوں خواہ رعایا جن میں حضرات نکتہ چین بھی داخل ہیں (بجز بعض اہلحدیث زمانہ قدیم و زمانہ حال)[*] قیامت سے پہلے مہدی کے آنیکے معتقد ہیں ‘‘۔ اسجگہ فٹ نوٹ یہ درج ہے۔

’’[*] زمانہ قدیم میں قاضی ابن خلدون حضرمی اعتقاد آمد مہدی سے منکر گذر چکے ہیں اور اس زمانہ میں ایسے کئی اہل حدیث موجود ہیں۔ ان لوگوں کا انکار عقلی وجوہات سے اور ان خوارق و عجائبات کو جو مہدی کے علامات و مقدمات تسلیم کیے جاتے ہیں) ناممکن سمجھنے کی وجہ سے نہیں ہے۔ جیسا کہ نیچر کو مذہب ماننے والوں کا انکار عقلی وجوہات و اعتقاد عدم امکان خوارق و عجائبات پر مبنی ہے بلکہ انکا انکار صرف نقلی اصول پر اور ان احادیث کو جو مہدی کے باب میں وارد ہیں صحیح نہ ماننے۔ اور بعد فرض تسلیم صحت انکی قطعیت کو (جو اعتقادیات میں بحکم نصوص قرآنیہ شرط ہے چنانچہ اشاعۃ السنہ نمبر (۵) جلد (۸) میں بصفحہ (۱۳۲) وغیرہ ثابت ہو چکا ہے) نہ ماننے کے سبب سے ہے۔ اعلیٰ طبقہ کتب حدیث (صحیح بخاری و صحیح مسلم) مہدی موعود کے ذکر سے ساکت ہے چنانچہ پہلے بھی (جبکہ نواب صاحب یا کسی اور مسلمان پر مسئلہ مہدی کے سبب سے کوئی اعتراض نہ ہوا تھا) اشاعۃ السنہ نمبر ۱۲ جلد ۷ میں بصفحہ ۳۶۸ ہم اس امر کو جتا چکے ہیں۔ دوسرے طبقہ کی کتابوں میں جو اس مضمون کی حدیثیں پائی جاتی ہیں وہ غوایل جرح سے خالی نہیں۔

قاضی ابن خلدون حضرمی نے اپنی کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر میں ان احادیث کو ایک ایک کرکے رد کر دیا ہے۔ ہمارے نواب صاحب نے جرح و کلام ابن خلدون کا اپنی کتاب حجج الکرامہ و اذاعہ وغیرہ میں جواب دیا ہے پر وہ جواب جرح ابن خلدون کو اُٹھا نہیں سکتا بلکہ اور پختہ کرتا ہے ہم اس باب میں عنقریب ایک مستقل مضمون لکھیں گے اور اس میں ان احادیث پر تفصیلی بحث کریں گے۔ اس نوٹ میں صرف اس امر کا جتانا مدنظر تھا کہ بعض اہل حدیث زمانہ سابق وحال مہدی سے منکر بھی ہیں عام مسلمانوں یا نواب صاحب کے معتقد ہونے سے بھی مسلمانوں یا کل اہلحدیث کو معتقد نہ سمجھنا چاہیئے"

اب ناظرین خود اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ اس فٹ نوٹ میں نہ تو احادیث مہدی پر کوئی جرح ہے اور نہ ہی کوئی دلایل ہیں جن سے انکا غلط ہونا دکھایا گیا ہو۔ نہ ہی اس مضمون میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ عام مسلمانوں کا جو عقیدہ مہدی کے متعلق ہے اسکو کمزور کرکے دکھایا جاوے۔ بعض اہلحدیث زمانہ قدیم و زمانہ حال کو مہدی کے عام عقیدہ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ مگر یہاں بھی مولوی صاحب نے گول مول پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے۔ زمانہ قدیم کا حوالہ دینے میں تو مولوی صاحب کو کوئی حرج نظر نہیں آتا تھا اس لیے جھٹ ابن خلدون کا نام لے دیا۔ مگر زمانہ حال کے اہلحدیث میں سے ایک کا نام بھی نہ لیا۔ یہانتک کہ خود اپنا نام بھی نہیں لیا بلکہ متن اور فٹ نوٹ دونوں جگہ مبہم ہی رکھا۔ جب مولوی صاحب ابن خلدون کا نام لینے میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے تو زمانہ حال کے ان اہل حدیث کے ناموں کو کیوں چھپایا جو ابن خلدون کی طرح مہدی کی آمد سے قطعاً منکر تھے؟ اس مضمون سے اسقدر ظاہر ہے کہ اُسوقت جب یہ مضمون مولوی محمد حسین صاحب نے لکھا انہوں نے مسلمانوں کو دو جماعتوں پر ہی تقسیم کیا۔ ایک وہ جو مہدی خونی کے آنیکے معتقد ہیں اور جن میں مولوی صاحب کے اپنے اقرار کے بموجب "عام اہل اسلام ماتحت برٹش گورنمنٹ رئیس ہوں خواہ رعایا" شامل ہیں۔ اور دوئم وہ جو مہدی کے آنیکے قطعاً منکر ہیں جن میں "بعض اہل حدیث زمانہ قدیم و زمانہ حال" اور نیچری شامل ہیں۔ تیسرا کوئی گروہ مسلمانوں کا مولویصاحب نے نہیں بتایا اور نہ دراصل اسوقت تک کوئی تیسرا گروہ پیدا ہوا تھا۔ اگر وہ بات جو مولوی صاحب آج سول میں لیکر دوڑے ہیں اسوقت بھی اُنکے ذہن میں تھی تو انہیں چاہئیے تھا کہ یہ بھی ظاہر کرتے کہ جو دراصل فاضل مسلمان ہیں انکا عقیدہ ان ہر دو گروہ سے الگ ہے۔ مگر یہ کیونکر کرتے یہ بات آج آپکے ذہن میں آئی جب خدا کے ایک برگزیدہ نے بیسیوں کتابوں میں کھول کھول کر اسے بیان کیا اور بار بار سمجھایا۔ اسقدر غباوت کے ساتھ کہ ایک بات کو برسوں سُننے کے بعد آپ اسے سمجھ سکے مولوی صاحب کا یہ حق نہیں کہ اپنے لیے "فاضل" کا لفظ تجویز کریں۔ ہاں اگر حضرت مسیح موعودؑ کے بیان کرنیکے بعد جلد ہی آپ اسکو سمجھ جاتے تو ہمیں بھی ان مخصوص معنوں میں اس خطاب کے ساتھ آپ کو یاد کرنے میں کوئی عذر نہ ہوتا۔ ایک اور امر قابل توجہ اس مضمون میں یہ ہے کہ مولوی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ "ہم اس باب میں عنقریب ایک مضمون لکھیں گے" اور اب اکیس سال

گذرنیکے بعد پھر اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ میں آپنے یہی لکھا ہے کہ عنقریب ایک بسوط مضمون اس بارہ میں شایع کریں گے اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ مولوی صاحب کے اس موعودہ مضمون کا کب تک انتظار کرنا چاہیئے۔ آخر یہ کوئی عظیم الشان کتاب کی تصنیف تو تھی نہیں دو لفظوں میں مولوی صاحب یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم آمد مہدی کے قائل ہیں یا انکار والوں کے ساتھ ہیں یعنی جمہور اہل اسلام میں شامل ہیں یا "بعض اہلحدیث زمانہ قدیم و زمانہ حال" کے ساتھ ہیں۔ بہرحال مولوی صاحب نے اس مضمون میں دو رُخی اختیار کی اور صفائی سے کوئی بات نہیں کی اگرچہ اس میں میلان انکی طبیعت کا انکار مہدی کے عقیدہ کی طرف پایا جاتا ہے جو ابن خلدون اور نیچریوں کے عقیدہ سے ملتا ہے۔ گو نیچریوں کے انکار کی بنا اور وجوہات پر ہے اور ابن خلدون کے انکار کی بنا اور وجوہات پر۔

اس کے بعد ایک اور زمانہ اس سے بارہ [۱۲] سال بعد مولوی صاحب پر آیا جب پھر انہیں اس عقیدہ کے متعلق خیالات کا اظہار کرنا پڑا اور وہی دو رُخی کا پہلو یہاں بھی اختیار کیا اگرچہ اس مرتبہ انکا میلان اقرار کی طرف پایا جاتا ہے۔ جب ۱۸۹۸ء میں مولوی صاحب نے فہرست مضامین اشاعۃ السنہ چھپوائی تو اگرچہ انہوں نے اسکو بہت کچھ مخفی رکھنا چاہا مگر ایک کاپی اس کی اتفاقاً حضرت مسیح موعودؑ کے پاس بھی پہنچ گئی اس فہرست میں مولوی صاحب نے یہ لکھا تھا کہ ان مضامین کے ذیل میں جو بغاوت گورنمنٹ اور جہاد کے خلاف میں نے لکھے ہیں ایک مضمون اس بات کی اثبات میں بھی لکھا ہے کہ مہدی کے آنیکے متعلق جس قدر احادیث ہیں وہ سب غلط ہیں جیساکہ مَیں دکھا چکا ہوں دراصل تو یہ بات صحیح نہ تھی مگر اس فہرست میں گورنمنٹ کے حکام کو خوش کرنیکے لیے مولوی صاحب نے یہ لکھ مارا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ مولوی صاحب قطعی طور پر منکرین مہدی کے ساتھ جا ملے ہیں۔ چنانچہ اسی فہرست کی بنا پر حضرت مسیح موعودؑ نے علماء سے ایک استفتا کیا جس میں سوال یہ تھا کہ ایسا شخص جو مہدی کے آنیسے منکر ہو جیسا احادیث کے رو سے اس کا آنا عام مسلمان مانتے ہیں تو اس کے حق میں کیا فتویٰ ہے تمام علماء نے جس میں بہت سے اہل حدیث بھی شامل تھے یہی فتویٰ دیا کہ ایسا شخص ضال مضل کافر دجال وغیرہ وغیرہ ہے۔ چنانچہ جب مولوی صاحب کے اس اقرار کے ساتھ جو وہ فہرست شایع کر چکے تھے کہ وہ مہدی کے آنیکی تمام حدیثوں کو غلط ثابت کر چکے ہیں شایع کیا گیا تو اب مولوی صاحب کو پھر آخر پلٹنا پڑا تاکہ کفر کا فتویٰ جو انپر لگ چکا تھا ٹل جائے چنانچہ آپنے بجواب رسالہ کشف الغطا ایک رسالہ انگریزی میں بنام جواب کشف الغطا لکھا۔ اور اس رسالہ میں یہ ظاہر کیا کہ نہ ہی فہرست مضامین میں، اور نہ ہی فٹ نوٹ محولہ فہرست میں انہوں نے کبھی انکار مہدی کیا ہے چنانچہ فٹ نوٹ مذکورہ کا ترجمہ اس تمہید کے ساتھ اس رسالہ میں دیا گیا ہے۔

"اس بیان کے متعلق کہ بعض اہلحدیث اس عقیدہ (مراد عام عقیدہ آمد مہدی ہے) کو نہیں مانتے راقم نے ایک فٹ نوٹ میں یہ تشریح کر دی تھی کہ بعض اہل حدیث کی یہ رائے ہے کہ احادیث متعلقہ مہدی قابل اعتبار

نہیں ہیں۔ مگر مَیں نے اپنے عقیدہ کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ یہ وعدہ کیا تھا کہ الگ مضمون میں ایسا کروں گا اور یہ وعدہ میں آجتک پورا نہیں کر سکا،،

اس تمہیدی نوٹ سے صاف پایا جاتا ہے کہ مولوی صاحب ۱۸۹۹ء میں اس بات سے ڈرتے تھے کہ اپنے آپ کو ان الحدیث کے ساتھ ملائیں جو انکار مہدی کرتے تھے۔ اور فہرست میں جو حدیثوں کو آپ کھلے طور پر (Incorrect) غلط کہہ چکے تھے اس کی تاویل یوں کی۔ "یہ کہنے سے کہ احادیث متعلقہ مہدی پر جرح ہو سکتی ہے یہ منشار نہیں جیسا کہ قادیانی ان الفاظ سے یہ مطلب نکالنا چاہتا ہے کہ وہ (false) غلط ہیں۔ بلکہ امر واقع یہ ہے کہ غیر صحیح احادیث کو بھی صحیح (correct) کہا جا سکتا ہے۔ مگر انکو اُسوقت ضعیف (weak) سمجھا جاتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ جن لوگوں کی روایت سے وہ ہم تک پہنچی ہیں وہ اچھا حافظہ نہ رکھتے تھے۔ اگر ایسی احادیث نہ صحیح (trustworthy) ہوں اور نہ ضعیف تو انکو حسن کہا جاتا ہے،، (صفحہ ۲ جواب کشف الغطا)

یہ چال دو رُخی کو قایم رکھنے کے لیے ضروری تھی۔ فہرست میں تو مولوی صاحب نے کہا تھا کہ وہ ثابت کر چکے ہیں کہ احادیث متعلقہ مہدی (incorrect) یعنی غلط ہیں۔ اب یہاں یہ تشریح کرتے ہیں کہ غیر صحیح یعنی غلط کو بھی صحیح کہا جاتا ہے۔ لیکن ان یصطلح کے مطابق مولویصاحب نے یہ ایک اصطلاح قایم کر لی ہے کہ غیر صحیح کو بھی صحیح کہا جاتا ہے۔ اس سے بہتر تھا کہ مولویصاحب یہ لکھدیتے کہ انکار مہدی کو بھی اقرار مہدی کہا جاتا ہے تو پھر انپر کوئی بھی گرفت نہ ہو سکتی تھی۔ مگر مہدی کے انکار سے انکار مولویصاحب نے اور بھی صراحت سے اسی رسالہ جواب کشف الغطا میں کیا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۳ پر لکھا ہے۔

"امر واقع یہ ہے کہ راقم نے تحریر کے ذریعہ یا زبانی کبھی یہ بیان نہیں کیا کہ وہ مہدی موعود کے آنے پر ایمان نہیں رکھتا۔ نہ ہی کبھی اس نے اس کی آمد کی سب حدیثوں کو جھوٹی کہا ہے اور نہ ہی کبھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ ایک خونخوار مہدی کی آمد کے خیالات کو وہ مسلمانوں کے دلوں سے مٹانیکی کوشش کر رہا ہے۔ القصہ یہ دعوے سب کے سب بے بنیاد ہیں۔ نہ ہی وہ کہیں اشاعۃ السنہ میں پائے جاتے ہیں اور نہ ان اشتہاروں میں جو راقم نے شایع کیے"

مولوی صاحب کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔ اور انکی تشریح کی کوئی حاجت نہیں۔ اسی رسالہ میں آگے چلکر مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ مَیں نے دوسرے مولویوں کو کبھی یہ نہیں کہا کہ مَیں ایک ایسے مہدی پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کا انتظار کرتا ہوں جو عیسائیوں اور دوسرے کافروں سے جنگ کریگا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی یقین دلاتے ہیں کہ اس کے خلاف بھی انہوں نے مولویوں کو کچھ نہیں کہا چنانچہ صفحہ ۲۲ پر کفر کے فتوے کا جو مولویوں نے منکر مہدی پر لگایا تھا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "انہوں نے یہ نہیں کہا کہ راقم مہدی کے آنیکا انکار کرتا ہے اور کہ انکا فتویٰ اسکے خلاف تھا۔ راقم یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ اگر انسے یہ دریافت کیا جاوے کہ کیا کبھی اس نے ایسے عقیدہ کا

اظہار تحریر میں یا زبانی کیا ہے تو وہ نفی میں جواب دیں گے ۔،،

مَیں اس بات کو انصاف پسند ناظرین پر چھوڑتا ہوں کہ کیا اس قسم کی ہیرا پھیریاں اور چالبازیاں ایک مولوی کا کام ہے ۔ ستّر برس کی مولوی صاحب کی عمر ہوگئی اور اپنے رازدار مولویوں تک کو یہ پتہ نہ لگنے دیا کہ آپکا عقیدہ مہدی کے متعلق کیا ہے ۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ایک طرف گورنمنٹ کو اور دوسری طرف پبلک کو مولوی صاحب اپنے اصل عقیدہ مہدی کے متعلق دھوکہ میں رکھنا چاہتے ہیں اور ایک گول مول بات کرکے اسی سے کبھی کچھ مطلب اور کبھی کچھ مطلب نکال لیتے ہیں ؟ اور اس ساری کارروائی سے غرض صرف یہ ہے کہ خوشنودی کی چٹھیاں اور زمین بھی ملجائے اور کفر کے فتوے کے بارگراں سے بھی بچے رہیں ۔ مگر ایک متقی انسان اس قابل شرم طریق کو اختیار نہیں کرسکتا ۔ وہ تو جو کچھ اس کا عقیدہ ہو اسے معاً ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا ہاں اگر ایک وقت اسے غلطی لگ گئی ہے تو دوسرے وقت اصلاح کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں مگر دو رُخی کا طریق اختیار کرنا نہایت شرمناک طریق ہے ۔

اب ستّر سال کی عمر میں مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بخاری میں لکھا ہوا ہے کہ مسیح موعود جنگوں کا خاتمہ کردیگا اور اسلام کو آسمانی نشانوں اور روحانی طاقتوں کے ذریعہ پھیلائیگا ۔ شاید مولوی صاحب کو اس ساری عمر میں پہلی دفعہ بخاری پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے یا یہ حدیث ہی آپکی نظر سے پوشیدہ رہی بہرحال یہ وہی حدیث ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پندرہ سال سے پیش کر رہے ہیں جن کا مولوی صاحب آجتک مقابلہ کرتے رہے بہرحال یہ مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ ان میں سے ایک جو مولوی بلکہ اہلحدیث کے ایڈووکیٹ کہلاتے ہیں انہوں نے بھی آخر مہدی کے خطرناک عقیدہ سے توبہ کرکے ایک اچھا اور صحیح عقیدہ اختیار کرلیا خواہ مسلمانوں کے عام عقیدہ کی رو سے اب وہ کافر اور دجال ہی بنیں ۔ یہانتک تو مولوی صاحب نے اچھا کیا مگر اس سے بڑھکر جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ گویا یہی عقیدہ تمام مسلمانوں کا یا تمام فاضل مسلمانوں کا ہمیشہ سے ہے یہ بالکل جھوٹ ہے ۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس کو آجتک کسی مسلمان نے سوائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیش نہیں کیا ۔ اور اسی سلسلہ کا عقیدہ جو اکر اب مولوی صاحب نے سول میں پیش کیا ہے مگر افسوس ہے کہ یہ اقرار نہ کیا کہ اس عقیدہ میں سلسلہ احمدیہ کی خوشہ چینی کی گئی ہے ۔

یہ تو مولوی صاحب کا عقیدہ متعلق مہدی کے ہے ۔ اب ہم چند الفاظ میں عام مسلمانوں کا عقیدہ بیان کرتے ہیں چونکہ مولوی صاحب اہلحدیث فرقہ کے ممبر ہیں بلکہ اس فرقہ کا اپنے آپ کو ایڈووکیٹ لکھتے ہیں اس لیے یہ کافی ہوگا کہ اہلحدیث کی کتابوں میں سے عقیدہ آمد مہدی کی اصلیت دکھادی جاوے ۔ علاوہ ازیں مولوی محمد حسین صاحب نے خود اسی مضمون میں جو نواب صدیق حسن خاں کے ڈیفنس میں انہوں نے لکھا تھا اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ جو عقیدہ آمد مہدی کے متعلق نواب صاحب نے اقتراب الساعۃ میں اہلحدیث کی طرف سے شایع کیا ہے وہی عقیدہ مہدی کے متعلق تمام مسلمانوں کا ہے ۔ چنانچہ اس مضمون کے صفحہ ۹ ۴ پر مولوی صاحب لکھتے ہیں ۔ "اور اگر صرف تجویز

واعتقاد مہدی موعود بغاوت ہے تو اس سے مؤلف کتاب اقتراب کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ عام اہل اسلام ماتحت برٹش گورنمنٹ رئیس ہوں خواہ رعایا جن میں حضرات نکتہ چین بھی داخل ہیں (بجز بعض اہلحدیث زمانہ قدیم و زمانہ حال) قیامت سے پہلے مہدی کے آنیکے معتقد ہیں پھر چاہیئے تھا کہ بعض اہل اسلام رعایا برٹش گورنمنٹ کو (جنکا یہ اعتقاد ہے) باغی مقرر کر کے انکو پھانسی دینے یا دریائے شور سے پار بھجوانے کا مشورہ دیا جاتا" اور پھر صفحہ ۶۰ پر اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ نواب صدیق حسن خاں نے اقتراب الساعۃ میں یہ لکھا ہے کہ موعود مہدی کا یہ کام ہوگا کہ تمام کفار کو اسلام قبول کرنیکے لیے مجبور کریں اور جو اسلام قبول نہ کرے اسکو قتل کردیں مولوی صاحب لکھتے ہیں "اور مہدی موعود کی نسبت یہ کہنا یا ایسا اعتقاد رکھنا ترغیب بغاوت نہیں چنانچہ پہلے بھی ہم صفحہ ۹، ۴۷ و ۵ رسالہ یہ بات کہہ چکے اور بیان کر چکے ہیں کہ تمام اہل اسلام رؤسا اور رعایا برٹش گورنمنٹ کا (بجز چند مستثنیٰ اشخاص) یہی اعتقاد ہے" چونکہ اس مضمون میں نواب صدیق حسن خاں کی کتابوں کے حوالہ سے آمد مہدی کا عقیدہ بیان کیا جاوے گا لہٰذا اس بات کا ظاہر کرنا بھی ضروری ہے کہ اہلحدیث نواب صدیق حسن خاں کو کیا سمجھتے ہیں اور انکے نزدیک انکی کیا وقعت ہے۔ اور اس میں بھی ہم مولوی صاحب کی تحریر کا ہی حوالہ دیں گے۔ مولوی صاحب نواب صاحب کے اول المعتقدین میں سے ہیں اور سب سے پہلے آپنے ہی نواب صاحب کے مجدد ہونیکا دنیا میں اعلان کیا۔ چنانچہ اسی رسالہ کے صفحہ ۴ پر آپ لکھتے ہیں۔ کہ "ہاں نواب صاحب کو اس فرقہ کے بعض اشخاص نے مجدد ضرور تسلیم کرلیا ہے اور سب سے پہلے جس نے یہ لقب ان کے لیے تجویز کیا ہے وہ یہی خاکسار ایڈیٹر ہے"

اب اگرچہ مولوی صاحب غیر مقلد ہونیکا عذر لوگوں کو سناکر نواب صاحب کی مجددیت کی کتنی ہی تاویل کریں مگر جس شخص کی بات ہی قابل اتباع نہیں وہ مجدد خاک کا ہوگا؟ تعجب ہے کہ اس امر کو تو تسلیم کیا جائے کہ اس حدیث شریف کے مطابق کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایک ایسے شخص کو مبعوث کریگا جو دین کی تجدید کریگا نواب صدیق حسن خاں کی مجددیت کا اعلان کیا جائے اور پھر یہ کہا جائے کہ اس کی کوئی بات قابل اتباع نہیں۔ اور بالفرض اگر مولوی محمد حسین انکا اتباع نہ بھی کریں تو اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ عام اہلحدیث اپنے مجدد کی ہی اتباع کریں گے۔

ایک بات اور بھی صاف کرنی ضروری ہے۔ جس کتاب سے میں اہلحدیث کا عقیدہ متعلق آمد مہدی پیش کرنا چاہتا ہوں وہ اقتراب الساعۃ ہے جس کے ٹائٹل پیج پر مصنف کا نام نور الحسن لکھا گیا ہے جو نواب صدیق حسن خاں کا بیٹا تھا۔ مگر بہت سے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مصنف اس کتاب کے نواب صاحب خود ہی تھے چنانچہ جب نواب صاحب پر الزام لگائے گئے تو منجملہ دوسری کتابوں کے جو انکی تصنیفات میں تھیں اقتراب الساعۃ بھی ایک کتاب تھی بلکہ مولوی محمد حسین نے خود بھی جو ڈیفنس نواب صاحب کی طرف سے لکھا ہے اس میں انہوں نے اس بات سے انکار نہیں کیا کہ یہ تصنیف نواب صاحب کی ہے بلکہ اسکو نواب صاحب کی تصنیف تسلیم کرکے ڈیفنس لکھا ہے۔ اس لیے ہم اقتراب الساعۃ سے اہلحدیث کے عقاید کو پیش کرتے ہیں اور یہ وہ عقاید ہیں جن کو مولوی محمد حسین نے بھی

تسلیم کیا ہے کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ مہدی کے متعلق یہی ہے۔

اقتراب الساعہ سنہ ۱۳۰۱ ہجری یا ۱۸۸۴ء میں شایع ہوئی۔ اس کتاب میں مہدی کے عقیدہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۷۱ پر مہدی سوڈانی کا تذکرہ ہے کہ وہ تمام عیسائیوں کو تہ تیغ کریگا اور ایسا ہی دوسرے تمام کفار کو۔ اسکا ذکر کرکے صفحہ ۱۸۱ پر نواب صاحب لکھتے ہیں ”میں کہتا ہوں جو مضمون اس جواب کا ہے بے شبہ مہدی موعود بھی کام کریں گے یعنی مسلمانوں کو اتباع کتاب و سنت پر کفار کو اسلام پر مجبور کردیں گے ساری دنیا میں سوائے دین اسلام کے کوئی دین دوسرا باقی نہ رہے گا جو انکی مخالفت کریگا وہ ہلاک ہوجاویگا خواہ نام کا مسلمان ہو یا اور کوئی ہو“ اسی کتاب کے صفحہ ۹۴ پر مختصر الفاظ میں مہدی کی تبلیغ کو اسطرح بیان کیا گیا ہے کہ وہ ”جزیہ لینا موقوف کردیں گے۔ خدا کی طرف تلوار کے ذریعہ سے بلاویں گے جو نہ مانے گا مارا جاویگا“ پھر صفحہ ۸۰ پر مہدی کے غلبہ کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے۔ ”پھر تمام زمین مہدی کے ہاتھ میں آجاویگی۔ اسلام اپنا کاندھا ڈالدیگا سارے بادشاہ روئے زمین کے داخل اطاعت ہوجاویں گے مہدی اپنا ایک لشکر طرف ہندوستان کے روانہ کریں گے یہاں کے بادشاہ طوق گردن ہو کر انکے پاس حاضر کیے جاویں گے۔ سارے خزانے ہند کے بیت المقدس بھیجدیئے جاویں گے وہ سب خزائن حلیہ بیت المقدس ہوں گے“ اور پھر صفحہ ۱۴۹ پر اس کی اور بھی تفصیل ان الفاظ میں کی ہے کہ ”انکے ہاتھ پر لڑائیاں ہونگی یہ خزانے نکالیں گے شہر کے شہر فتح کریں گے مشرق سے مغرب تک لے لیں گے۔ ہندوستان کے بادشاہوں کو گردن میں طوق ڈالکر ان کے سامنے لاویں گے انکے خزائن بیت المقدس کا زیور ہوگا“ اس کے بعد نواب صاحب لکھتے ہیں ”میں کہتا ہوں ہند میں اب تو کوئی بادشاہ بھی نہیں ہے یہی چند رئیس ہنود یا مسلمان ہیں سو کچھ حاکم مستقل نہیں بلکہ برائے نام ہیں بڑے بادشاہ اس ولایت کے یورپین ہیں غالباً اسوقت تک بھی یہی عالم یہاں کے رہیں گے انہیں کو انکے روبرو لے جاوینگے یا اسوقت تک کسی اور قوم کی حکومت اسجگہ قایم ہوجاوے اللہ ہی کو خبر ہے“ ایسے اعتقادات کا اظہار بار بار کیا گیا ہے مثلاً حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۳ میں ہے۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذکر الھند لکم جیش یفتح اللہ علیھم حتی یاتوا بملوکھم مغللین بالسلاسل یغفر اللہ ذنوبھم فینصرفوا حین ینصرفوا فیجدون ابن مریم بالشام اخرجہ نعیم بن حماد و ایں صریح است در انکہ مراد غزوہ ہند در زمان مہدی و عیسیٰ علیہم السلام است و لہٰذا در روایت دیگر آمدہ کہ ابوہریرہ نزد وفات خود وصیت کرد بابلاغ سلام خود بحضرت عیسیٰ علیہ السلام گو با ایں غزوہ و عیسیٰ را در زمان واحد گمان کردہ پس شبہ نیست کہ مراد بداں غزوہ آخرین ہند است کہ دراں ملوک او را گرفتار کردہ بیارند“ اور پھر حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۷ میں ہے۔ ”پس تمام روئے زمین بقبضۂ اقتدار مہدی علیہ السلام آید و اسلام قرار گیرد و گردن انداز د و جمیع ملوک ارض حلقۂ اطاعتش بگوش کشند و لشکرے بر ہندوستان فرستد و فتح گردد و ملوک ہند را غل کردہ پیش او آرند و خزائن ایں کشور را زیور

بیت المقدس سازند و در بیں حال ہفت سال مکث کند" یعنی اس کے بعد تمام زمین مہدی علیہ السلام کے قبضہ اقتدار میں آجائیگی اور اسلام قرار پکڑیگا اور گردن ڈالیگا اور روئے زمین کے تمام بادشاہ اس کی اطاعت قبول کریں گے اور وہ ہندوستان پر ایک لشکر بھیجے گا اور یہ ملک فتح ہو جائیگا۔ اور ہندوستان کے بادشاہوں کو زنجیروں میں جکڑ کر اس کے سامنے لاویں گے اور اس ملک کے خزانوں کو بیت المقدس کا زیور بنائیں گے۔ ایسا ہی سراج وہاج مولفہ نواب صدیق حسن خان (جلد دویم صفحہ ۲۴۵ باب نزول عیسیٰ بن مریم میں ہے۔ " ویضع الجزیۃ قال النووی الصواب فی معناہ انہ لا یقبلھا ولا یقبل من الکفار الا الاسلام ومن بذل منھم الجزیۃ لم یکف عنہ بھا بل لا یقبل الا الاسلام او القتل ھکذا قالہ الخطابی وغیرہ من العلماء رحمھم اللہ تعالیٰ والصواب عند المؤلف ایضاً ھذا المعنی" جس کا ماحصل یہ ہے کہ حدیث ویضع الجزیۃ کی تشریح کرتے ہوئے نواب صاحب نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ یعنی عیسیٰ جزیہ کو قبول نہیں کریگا اور کفار سے سوائے اسلام کے کچھ قبول نہیں کریگا۔ اور پھر لکھا ہے کہ مؤلف یعنی نواب صدیق حسن خان کے نزدیک یہی معنی صحیح ہیں۔

ان عقاید کے خطرناک ہونے پر جو کچھ مولوی محمد حسین نے لکھا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایسا عقیدہ باغیانہ نہیں کہلا سکتا جبتک کہ ساتھ اس کے یہ دو باتیں بھی نہ کہی جاویں اوّل یہ کہ مہدی کا ظہور اسی سلطنت کے زمانہ میں ہوگا اور دویم یہ کہ مسلمانوں کو اس کی اعانت کرنیکے لیے تیار ہونا چاہیئے۔ اب اوّل تو اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس عقیدہ کو اس اشتہار میں جو مولوی محمد حسین کے مضمون کی بنا ہے باغیانہ نہیں کہا اور نہ ہی یہ کہا ہے کہ سب مسلمان جو مہدی کے متعلق ایسا عقیدہ رکھتے ہیں وہ درحقیقت گورنمنٹ کے باغی ہیں۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ ایسا عقیدہ خطرناک ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اس قسم کی مہدویت کا دعویٰ کرے تو اس کا نتیجہ لازماً ہنگامہ ملک میں بد امنی ہوگی۔ اس کا جواب یہ دینا کہ جبتک اس کے ساتھ سارے نشان ظاہر نہ ہوں گے کوئی اسکو قبول نہیں کریگا دھوکہ دینا ہے کیونکہ مہدی سوڈانی کے ساتھ کون سے نشان ظاہر ہوئے تھے جو ہزارہا مسلمان اس کے جھنڈے تلے اکٹھے ہوگئے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو شخص تلوار لیکر دعویٰ کرے اس کے تو اس دعوے سے ہی عوام اس کے گرد اکٹھے ہو جانیکے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور نشانوں کا نام بھی نہیں لیتے ہاں جب ایک شخص صلح کا پیغام لیکر آیا تو اسوقت باوجود ہزارہا نشانوں کے دکھانیکے اسے قبول نہ کیا گیا۔ بہرحال اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ عقیدہ خطرناک ہے۔ اور یہی الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھے تھے جن پر مولوی محمد حسین کو اسقدر طیش آیا ہے۔ مگر جو دو وجوہ اس عقیدہ کے باغیانہ ہونے کی مولوی محمد حسین نے دیئے ہیں ان میں بھی سراسر دھوکہ دیا گیا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جبتک یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ مہدی اسی سلطنت یعنی سلطنت انگریزی کے زمانہ میں ظاہر ہوگا تب تک یہ عقیدہ باغیانہ نہیں لیکن کیا مولوی صاحب

یہ بتا سکتے ہیں کہ اس عقیدہ کا یہ بھی کوئی جزو ہے کہ اس سلطنت کے زمانہ میں مہدی نہیں آئیگا جو حدیثیں مہدی کی ہندوستان پر چڑھائی کرنیکی پیش کیجاتی ہیں کیا ان میں سے کسی حدیث میں یہ بھی لفظ ہیں کہ جبتک انگریزی سلطنت ہندوستان میں رہے گی اسوقت تک مہدی کا ظہور نہیں ہوگا؟ اگر ایک جھوٹا دعویدار کل ہی کھڑا ہو جائے تو کیا مولوی صاحبان اسکو یہ جواب دیں گے کہ مہدی انگریزی سلطنت کے زمانہ میں ظاہر نہیں ہو سکتا اس لیے ہم تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے؟ یہ عذر نہایت نامعقول ہے۔ اور نواب صدیق حسن خان نے تو مہدی کے بہت ہی جلدی ظاہر ہونیکی بڑی امید ظاہر کی ہے بلکہ یہانتک لکھا ہے کہ غالباً یہی انگریز اس کے سامنے طوق ڈالکر حاضر کیے جاوینگے مگر ان باتوں کو چھوڑ کر بھی اس عقیدہ پر جو خطرناک ہونیکا الزام ہے وہ ایسے بیہودہ عذروں سے دُور نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں کہ ضرور مہدی اسی سلطنت کے زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ دوسرا عذر مولوی صاحب نے یہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے لیے اس کی مدد کرنا ضروری نہیں اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کا آنا ہی لغو ہے۔ پھر اقتراب الساعۃ میں لکھا ہے کہ لوگ اس کے گرد اسطرح جمع ہونگے جسطرح یعسوب کے گرد مکھیاں۔ مولوی محمد حسین نے خود اس عقیدہ کے خطرناک ہونیکو تسلیم کیا ہے۔ سول میں جو مضمون مولویصاحب نے لکھا ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ مہدی کا عقیدہ اسلیے خطرناک نہیں کہ فاضل مسلمان ایسے مہدی کا انتظار نہیں کرتے جو جنگ کریگا۔ اس سے بھی یہ تو پایا جاتا ہے کہ جو مسلمان جنگ کرنیوالے مہدی کا انتظار کرتے ہیں انکا عقیدہ خطرناک ہے۔ اور مولوی صاحب اس کے خطرناک ہونیکو تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے پہلے ۱۸۹۳ء میں جب مولوی محمد حسین نے فہرست مضامین اشاعۃ السنہ انگریزی زبان میں چھپوائی تھی جسکی غرض یہ تھی کہ گورنمنٹ کے افسروں کو اپنی خدمات دکھائی جاویں تو اس فہرست کے سر پر عنوان مولوی صاحب نے یہ لکھا تھا "اشاعۃ السنہ کے ان مضامین کی فہرست جن میں گورنمنٹ کے خلاف بغاوت یا گورنمنٹ کا مقابلہ کرنیکی ممانعت ثابت کی گئی ہے اور جہاد کی اصل حقیقت کو دکھایا گیا ہے" اور پھر اسی فہرست میں ایک مضمون کا حوالہ ان الفاظ میں دیا "احادیث متعلقہ مہدی پر جرح اور وہ دلایل جن سے ان حدیثوں کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے" اب ہر ایک شخص آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اس مضمون کو جس میں محمد حسین بٹالوی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس میں ان حدیثوں کا غلط ہونا ثابت کیا گیا ہے جو مہدی کے متعلق ہیں۔ اس فہرست میں درج کرنیسے صاف منشاء لکھنے والے کا یہ پایا جاتا ہے کہ وہ عام عقیدہ مہدی کو جو حدیثوں پر مبنی ہے گورنمنٹ کے خلاف بغاوت یا گورنمنٹ کے مقابلہ میں داخل سمجھتا ہے۔ مولوی صاحب خود ہی بتا دیں کہ آیا جو عنوان فہرست کا تھا مضامین بھی اسی کے مطابق اس میں لکھے گئے تھے۔ یا کوئی ایسے مضامین بھی تھے جن کا تعلق عنوان سے کوئی نہ تھا۔ مولوی صاحبان کا اختیار ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو جو چاہیں کہیں کیونکہ راستبازوں سے ہمیشہ دنیا کا یہی سلوک چلا آیا ہے لیکن اگر ایک بھی انصاف پسند ان میں موجود ہے تو اسے اپنے بھائیوں کو توجہ دلانی چاہیئے کہ یہ کیسا ظلم صریح ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو

تو اسو جہ سے گالیاں دیجاتی ہیں کہ وہ خونی مہدی کے عقیدہ کو خطرناک کہتے ہیں لیکن ایک شخص کو باوجود اس صاف اقرار کے کہ مہدی کی آمد کا عام عقیدہ جس کی بنا حدیثوں پر ہے گورنمنٹ کی بغاوت یا گورنمنٹ کے مقابلہ کے برابر ہے کچھ بھی نہیں کہا جاتا اور اتنا بھی اس سے پوچھا نہیں جاتا کہ تم کس شیخی پر حضرت مرزا صاحب کے ان الفاظ کو کہ مہدی کا عقیدہ خطرناک ہے محل اعتراض ٹھہراتے ہو جب تم خود اسی عقیدہ کو ان مضامین کی فہرست میں درج کر چکے ہو جن کو تم نے گورنمنٹ کی بغاوت اور گورنمنٹ کے مقابلہ کے مضامین ٹھہرایا تھا۔

ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ مسلمانوں میں بعض نے مہدی کے آنیکا انکار کیا ہے مگر دو باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اوّل یہ کہ ایسے منکرین کا اثر کبھی عامہ اہل اسلام پر نہیں ہوا۔ ۱۸۸۶ء میں خود مولوی محمد حسین نے ایسے منکرین کو چند مستثنیٰ اشخاص بتایا ہے اور وہ بھی اہل حدیث ہیں سے جن میں سے نام صرف ایک ہی کا بتایا ہے۔ اسکے علاوہ انہوں نے بعض فرقوں کا نام لیا ہے جو منکرین معجزات ہیں جیسے نیچری زمانہ حال میں یا جیسا کہ اب سول میں مولوی صاحب نے لکھا ہے معتزلہ اور جہمیہ فرقہ کے لوگ۔ مگر باوجود ان منکرین کے مولوی صاحب کو خود یہ اقرار کرنا پڑا ہے جو انکے مضمون ڈیفنس نواب صدیق حسن خاں میں ۱۸۸۶ء میں پایا جاتا ہے اور پھر تیرہ سال بعد جواب کشف الغطا میں موجود ہے کہ ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمانوں کا عقیدہ مہدی کے متعلق وہی ہے جو نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتابوں حجج الکرامۃ اقتراب الساعۃ وغیرہ میں ظاہر کیا ہے یعنی یہ کہ مہدی موعود تلوار کے ذریعہ سے اسلام کو پھیلائیں گے اور جو کافر مسلمان ہونیسے انکار کریگا اُسکو تلوار سے کاٹ ڈالیں گے۔ پس پہلی بات جو ایسے منکرین مہدی کے متعلق یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ اس کا اثر عام طور پر کچھ بھی نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اس سے اصل خطرناک عقیدہ میں کچھ تزلزل واقع ہوا ہے۔ مہدی کا انکار جہاں کہیں جن چند مستثنیٰ اشخاص میں پایا جاتا ہے صرف اسی حد تک رہا ہے کہ ایک شخص نے اپنی رائے کو ظاہر کر دیا مگر فرقہ احمدیہ نے جو خونی مہدی کا انکار کیا ہے تو محض رائے تک محدود نہیں رکھا بلکہ بڑے زور سے خونی مہدی کے آنیکے خیال کو باطل ثابت کیا ہے اور نہایت پُرزور کوششیں اسکو مسلمانوں کے دلوں سے دُور کرنیکی کی ہیں اور لاکھوں دلوں کو اس سے صاف کر دیا (حتیٰ کہ اس سلسلہ کے ایک سخت سے سخت مخالف کو بھی اس عقیدہ کا قایل کر دیا) اور بہت سی کتابیں عربی فارسی اردو انگریزی میں شایع کر کے اسے مختلف بلاد اسلامی میں شایع کیا۔ یہ ایک خصوصیت ہے جو خونی مہدی کے انکار میں سلسلہ احمدیہ کو حاصل ہے۔ دوسری بات جو یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے پہلے مہدی کا انکار کیا ہے وہ مطلق اس کے آنیسے منکر ہے ہیں خواہ وہ ابن خلدون ہو یا جہمیہ یا معتزلہ یا نیچری فرقہ کے کوئی ممبر یا کوئی اس زمانہ کا چھپا ہوا اہلحدیث جسکو آجتک کھلے لفظوں میں انکار کرنیکی جرأت بھی نہیں ہوئی۔ اسطرح پر ان سب منکرین مہدی نے گویا اصلی پیشگوئی کا ہی انکار کیا ہے مگر سلسلہ احمدیہ ان سب منکرین سے الگ کھڑا ہے وہ اصل پیشگوئی کو سچا ٹھہراتا ہے مگر صرف یہ

کہتا ہے کہ جو خیال عام طور پر مسلمانوں نے دلوں میں بٹھا لیا ہے کہ مہدی کے ہاتھ پر اسلام کا غلبہ تلوار کے ذریعہ سے ہوگا یہ خیال غلط ہے۔ مہدی ضرور آنیوالا ہے اور آ گیا ہے مگر جو غلبہ اس کے ہاتھ سے اسلام کو حاصل ہونیوالا ہے وہ حجج و براہین کے ذریعہ اور آسمانی نشانوں سے ہوگا نہ تلوار کے ذریعہ سے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تعلیم دلوں پر اثر کرنیوالی ہے۔ جن لوگوں نے ایسے مہدی کا آنا مانا جو تلوار کے زور سے تمام روئے زمین پر غلبہ کریگا انہوں نے بھی غلطی کی اور جنہوں نے قطعاً اس پیشگوئی سے ہی انکار کر دیا انہوں نے بھی غلطی کی۔ اور ان غلطیوں کا ظاہر کرنیوالا سلسلہ احمدیہ کا مقدس بانی ہوا جس نے بیّن دلایل سے یہ ثابت کر دکھایا کہ جسطرح یہودیوں کو ایک مسیح کے آنیکا وعدہ دیا گیا تھا مگر تمنائے نفس سے انہوں نے اس مسیح کی آمد کے ساتھ ایسی باتوں کو ملا لیا کہ وہ تلوار لیکر آئیگا اور دنیا کی بادشاہت اسکو ملے گی۔ اور تلوار کے ذریعہ وہ یہودیوں کو دوسری قوموں پر غلبہ دیگا اور اسی لیے جب وہ آنیوالا مسیح صلح اور امن کا پیغام لیکر آیا تو اسے رد کیا گیا۔ اسی طرح خدائی وعدہ یہ تھا کہ اخیر زمانہ میں ایک مسیح اور مہدی آنیوالا ہے مگر اس کے ساتھ یہ باتیں لوگوں نے از خود ملا لیں کہ وہ مہدی اور مسیح تلوار پکڑ کر دنیا کی کُل قوموں سے جو مسلمان نہیں ہیں جنگ کریں گے اور جو دین اسلام میں داخل نہ ہوگا اسے مار ڈالیں گے اور زمین کو خون سے بھر دیں گے پیشگوئیاں تو دونوں صحیح تھیں اور ہیں مگر جو غلط امیدیں لوگوں نے دلوں میں بٹھا رکھی ہیں وہ غلط ہیں اور وہی ان لوگوں کی راہ میں روک ہو گئی ہیں جنکو خدا کے مُرسل کا پہچاننا نصیب نہیں ہوا۔ پس دوسری خصوصیت جو سلسلہ احمدیہ کو خونی مہدی کے انکار کے متعلق حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اس نے دوسرے منکرین کی طرح یہ غلطی نہیں کھائی کہ اصل پیشگوئی کا ہی انکار کر دے بلکہ جو بات صحیح تھی اسے صحیح کر دکھایا اور جو غلط تھی اسے غلط کر دکھایا اور یہی عقیدہ سلسلہ احمدیہ کا آج مولوی محمد حسین نے لیکر سول میں پیش کر دیا ہے۔

ایک بات اور صرف مولوی صاحب کو کہنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ دو رُخی کو تو انہوں نے آخر چھوڑ دیا مگر اب ناشکرگذاری کا پہلو لے لیا۔ اگر انہوں نے سلسلہ احمدیہ کے عقیدہ مہدی کو صحیح سمجھ کر اسے اختیار کیا تھا تو انہیں واجب تھا کہ اس سلسلہ کے شکرگذار رہتے اور بانیٔ سلسلہ کے مسلمانوں پر اس عظیم الشان احسان کا تذکرہ کرتے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ اور یہ مولوی صاحب نے بالکل جھوٹ کہا ہے کہ انکار مہدی سے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاتا۔ کیونکہ وہ خود ایک دفعہ اسی انکار کی وجہ سے کافر دجال ضال مضل قرار دیئے جا چکے ہیں اگر وہ پچھلی اشاعت کو کافی نہ سمجھتے ہوں تو ہم از سرنو یہ فتویٰ شایع کر سکتے ہیں۔ بقیہ الزامات کا جواب انشاء اللہ اگلی اشاعت میں دیا جاویگا۔

پیشگوئی متعلقہ ڈوئی پر کچھ اور رائیں

اخبار ڈنوِل گزٹ ۷ جون ۱۹۰۷ء کے پرچہ میں لکھتا ہے :-

ہندوستان میں ایک مسیح -

ہندوستان میں قادیان ضلع گورداسپور سے ایک رسالہ ہمارے گزٹ کے پتہ پر آیا ہے جسکا نام ہے ڈوئی کی موت میں خدائی فیصلہ کا اظہار یا ایک عظیم الشان پیشگوئی کا پورا ہونا - ہماری اشاعت ہندوستان میں بہت ہی کم ہے لہٰذا اس رسالہ کا ہمارے نام آنا ایک تعجب کی بات تھی مگر جب اس کے مضامین کو پڑھا گیا تو وہ تعجب اور بھی زیادہ ہو گیا - اس رسالہ کا مضمون رسالہ ریویو آف ریلیجنز اپریل کے پرچہ سے منقول ہے جو قادیان میں مذہب اسلام کی تائید میں شایع ہوتا ہے - اور مرزا غلام احمد صاحب کے جو مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں حالات اور تعلیم کو بیان کرتا ہے یہی وہ احمد ہے جو کہتا ہے کہ ۱۹۰۲ء میں جب ڈوئی نے اسلام پر ایک حملہ کیا اور اسکی تباہی کی پیشگوئی کی - تو انہوں نے یہ پیشگوئی شایع کی کہ شکاگو کا الیاس میری آنکھوں کے سامنے بڑے دکھ اور حسرتوں کے ساتھ ہلاک ہوگا - اسوقت ڈوئی دنیوی اقبال کے معراج پر تھا - کثیر دولت کا مالک تھا اور ہزاروں مرید اسکے ایسے معتقد تھے کہ اسکی ہر ایک بات کو تسلیم کرتے تھے اور وہ ایک تندرست اور توانا آدمی تھا جو احمد سے کئی سال عمر میں چھوٹا تھا اس لیے اگر احمد اور انکے پیرو اس پیشگوئی کے جو چند ماہ ہوئے پوری ہو گئی نہایت صحت کے ساتھ پورا ہونے پر فخر کریں تو ان پر کوئی الزام نہیں -

مگر احمد لوگوں کو یہی نہیں کہتا کہ ڈوئی کے متعلق جو میری پیشگوئی صحت کے ساتھ پوری ہوئی ہے اسی کی بنا پر مجھے قبول کر لو - انکا عجیب و غریب دعویٰ انکے اپنے الفاظ میں یہ ہے - "میں وہ سچا مسیح ہوں جو اخیری زمانہ میں آنیوالا تھا - یہ خدا نے مجھے فرمایا ہے - میں صرف اپنے دعوے سے ہی مسیح موعود نہیں بنتا - بلکہ خدائے تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو میرے دعوے کی صداقت کے گواہ بنایا ہے - خدا کی گواہی ان سیکڑوں آسمانی نشانوں میں ظاہر ہوئی ہے جو خدائے تعالیٰ نے میری تائید میں دکھائے ہیں ...... ہزاروں دفعہ بلکہ میں گن بھی نہیں سکتا کہ کتنی دفعہ خدا نے میرے دعوے کی سچائی کو ظاہر کیا ہے -"

ایسی شہادت کی کسیقدر تفصیل جس کا دعویٰ احمد نے کیا ہے بڑی دلچسپی سے پڑھی جائیگی - مگر اس رسالہ میں جو ہمارے پاس پہنچا ہے سوائے ڈوئی کی پیشگوئی کے پورا ہونیکے اور زلزلہ اور طاعون کے متعلق بعض اور عام پیشگوئیاں پورا ہونیکے اور کوئی ذکر نہیں ہے - یہ بھی اس رسالہ میں ذکر ہے کہ حال میں ہی احمد نے سخت زلزلوں کے آنیکی چند اور پیشگوئیاں کی ہیں مگر انکی ٹھیک ٹھیک جگہ نہیں بتلائی کہ وہ کہاں آئیں گے - اور خطرناک مصائب کا دنیا پر آنا بھی بتایا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

قریباً ۸۔ اگست ۱۹۰۷ء (۱) شرّفنا بکلام منّا۔ ترجمہ۔ ہم نے اپنے کلام سے مشرف کیا۔ (۲) شرّفنا باکرام منّا۔ ترجمہ۔ ہم نے اپنے اکرام سے مشرف کیا۔ (۳) سلامٌ۔ (۴) انّی مبشرک۔ ترجمہ۔ میں بشارت دینے والا ہوں۔ (۵) انّ اللّٰہ معنا۔ ترجمہ۔ خدا ہمارے ساتھ ہے (۶) انی مع اللّٰہ۔ ترجمہ۔ میں خدا کے ساتھ ہوں۔ ۱۳۔ اگست ۱۹۰۷ء (۱) عبرت بخش سزائیں دی گئیں۔ (۲) انی من الناظرین۔ ترجمہ۔ میں دیکھنے والوں میں سے ہوں۔ (۳) انی انزلت معک الجنۃ۔ ترجمہ تیرے ساتھ بہشت کو اُتارا ہے۔ ۱۴۔ اگست ۱۹۰۷ء۔ آج ہمارے گھر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ آ گئے۔ عزّت اور سلامتی۔ ۱۷۔ اگست ۱۹۰۷ء۔ انّ خبر رسول اللّٰہ واقعٌ۔ ترجمہ۔ رسول اللہ نے جو خبر بتلائی تھی وہ واقع ہونے والی ہے۔ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی پیشگوئی کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔ ۱۸۔ اگست ۱۹۰۷ء۔ صبح نماز سے پہلے کشف میں دیکھا کہ "ایک بڑا ستارہ ٹوٹا ہے جو خوب زور سے چمکتا ہوا شمال مشرق کی جانب سے سیدھا سر تک آکر گم ہو گیا ہے"۔ فرمایا۔ آج ہی ہماری لڑکی نے بھی رؤیا میں دیکھا کہ آسمان پر ستارے ٹوٹتے ہیں اور دھواں ہو کر چلے جاتے ہیں ایک فرشتہ پاس کھڑا ہے جو کہتا ہے کہ یہ دشمن مرتے ہیں۔ فرمایا۔ یہ خواب شاید ہماری خواب کی تعبیر ہے۔ ہماری لڑکی کو خواب بہت آتے ہیں اور اکثر سچے ہوتے ہیں۔ ۱۹۔ اگست ۱۹۰۷ء۔ آید آں روزے کہ مستخلص شود۔ ۲۳۔ اگست ۱۹۰۷ء۔ (۱) انّ الّذین کفروا وصدّوا عن سبیل اللّٰہ سینالھم غضب من ربھم۔ ترجمہ۔ تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور خدا تعالیٰ کے راہ سے روکا۔ انکو ان کے رب سے غضب پہنچیگا۔ (۲) یوم تأتی السماء بدخانٍ مبین۔ ترجمہ۔ جس دن آسمان کھلے طور پر دھواں لائیگا۔ (۳) انّ خبر رسول اللّٰہ واقع۔ ترجمہ۔ اللہ کے رسول نے جو خبر دی تھی وہ واقع ہونیوالی ہے۔ (۴) لا تحزن انّ اللّٰہ معنا۔ ترجمہ۔ غم نہ کر تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (۵) انّ ربّی کریمٌ قریبٌ۔ ترجمہ۔ تحقیق میرا رب سخی ہے اور نزدیک ہے۔ (۶) انہ فضل ربّی۔ انہ کان بی حفیا۔ ترجمہ۔ میرے رب نے فضل کیا وہ مجھ پر مہربان ہے۔ (۷) انّی معک یا ابراھیم۔ ترجمہ۔ میں تیرے ساتھ ہوں اے ابراہیم۔ (۸) لا تخف صدقتُ قولی۔ ترجمہ۔ تو کچھ خوف نہ کر میں نے اپنی بات کو سچی کر دکھایا۔ یعنی سچی کر کے دکھاؤنگا۔ ۲۷۔ اگست ۱۹۰۷ء۔ صاحبزادہ میاں مبارک احمد صاحب سخت تپ سے بیمار ہیں اور بعض دفعہ بیہوشی تک نوبت پہنچ جاتی ہے .... انکی نسبت آج الہام ہوا۔ قبول ہو گئی۔ نو دن کا بخار ٹوٹ گیا۔ یعنی یہ دعا قبول ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ میاں صاحب موصوف کو شفا دے۔ یہ پختہ طور پر یاد نہیں رہا کہ کس دن بخار شروع ہوا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے میاں صاحب کی صحت کی بشارت دی اور نویں دن تپ کے ٹوٹ جانیکی خوشخبری پیش از وقت عطا کی ہے نویں دن کی تصریح نہیں کی اور نہ ہو سکتی ہے لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ تپ کی شدید حالت جس دن سے شروع ہوئی وہ ابتداء مرض کا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تمام مریدوں کیلئے عام ہدایت

مجھے معلوم ہوا ہے کہ جناب ویسرائے گورنر جنرل ہند اس تجویز کو طاعون کے علاج کے لیے پسند فرماتے ہیں کہ جب کسی گاؤں یا شہر کی کسی محلہ میں طاعون پیدا ہو تو یہ بہترین علاج ہے کہ اس گاؤں یا اس شہر کے اس محلہ کے لوگ جن کا محلہ طاعون سے آلودہ ہے فی الفور بلا توقف اپنے اپنے مقام کو چھوڑ دیں اور باہر جنگل میں کسی ایسی زمین میں جو اس تاثیر سے پاک ہے رہائش اختیار کریں سو مَیں دلی یقین سے جانتا ہوں کہ یہ تجویز نہایت عمدہ ہے اور مجھے معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی شہر میں وبا نازل ہو تو اُس شہر کے لوگوں کو چاہیئے کہ بلا توقف اس شہر کو چھوڑ دیں ورنہ وہ خدا تعالیٰ سے لڑائی کرنیوالے ٹھہریں گے۔ عذاب کی جگہ سے بھاگنا انسان کی عقلمندی میں داخل ہے کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ جب خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ فتوحات ملک شام کے بعد اُس ملک کو دیکھنے کے لیے گئے تو کسیقدر مسافت طے کرنیکے بعد معلوم ہوا کہ اس ملک میں سخت طاعون کا زور ہے تب حضرت عمرؓ نے یہ بات سنتے ہی واپس جانیکا قصد کیا اور آگے جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تب بعض لوگوں نے عرض کی کہ یا خلیفۃ اللہ کیوں آپ ارادہ کو ملتوی کرتے ہیں کیا آپ خدا کی تقدیر سے بھاگتے ہیں؟ تو اُنہوں نے فرمایا کہ ہاں مَیں ایک تقدیر سے بھاگ کر دوسری تقدیر کی طرف جاتا ہوں۔ سو انسان کو نہیں چاہیئے کہ دانستہ ہلاکت کی راہ اختیار کرے۔

خوب یاد رکھو کہ جو کچھ یہ گورنمنٹ عالیہ کر رہی ہے اپنی رعایا کی بہبودی کے لیے کر رہی ہے اور رعایا کی جان کی حفاظت کے لیے ابتک کئی لاکھ روپیہ ضایع ہو چکا ہے۔ اس شخص جیسا کوئی نادان نہیں کہ جو گورنمنٹ کے ان کاموں کو بدظنی سے دیکھتا ہے۔ سولے میری جماعت! تم اطاعت کرنے میں سب سے پہلے اپنا نمونہ دکھلاؤ اسی میں تمہاری بہتری ہے تم اب خدا کے فضل سے چار لاکھ کے قریب ہو اور تمہارا نمونہ بہتوں کی جان کو بچائیگا۔ مَیں تمہیں حکم کرتا ہوں کہ اگر تمہارے کسی شہر میں خدانخواستہ یہ وبا ظاہر ہو جائے تو سب سے پہلے تم اس زمین کو چھوڑ دو جو طاعون سے آلودہ ہے ہاں مَیں اسیقدر پر کفایت نہیں کرونگا کہ تم اُس زمین کو چھوڑ دو بلکہ لے خدا کے بندو! مَیں ابتک سے بھی تمہیں اطلاع دیتا ہوں

کہ یہ طاعون خود بخود اس ملک میں نہیں آئی بلکہ اُس خدا کے ارادہ اور حکم سے آئی ہے جس کے حکم کے ماتحت ذرّہ ذرّہ زمین اور آسمان کا ہے۔ اور مجھے معلوم کرایا گیا ہے کہ کثرت گناہوں کی وجہ سے وہ تمہارا خدا اہل زمین پر ناراض ہے سو تم توبہ اور استغفار کو لازم حال رکھو اور جیساکہ تم اس زمین کو چھوڑو گے جو طاعون سے آلودہ ہے ایسا ہی تم اُن خیالات کو بھی چھوڑ دو جو گناہوں سے آلودہ ہیں۔ اے میری جماعت میں ہمیشہ تم میں نہیں رہونگا یہ میرے کلمات یاد رکھو کہ کوئی حادثہ زمین پر ظاہر نہیں ہوتا جبتک آسمان پر پہلے قرار نہ پالے۔ سو وہ خدا جو آسمان اور زمین کا خدا ہے اس سے ڈرو اور ایک سچی تبدیلی پیدا کرلو تا تم عذاب سے بچائے جاؤ اور یاد رکھو کہ یہ طریق شوخی اور شرارت کا طریق ہے کہ جس گورنمنٹ کے ماتحت تم امن سے زندگی بسر کر رہے ہو اور اسکی عنایات کو آزما چکے ہو تم اسپر بدگمانی کرو یا اسکے حکم کے مطابق نہ چلو اور تمہاری یہ بدقسمتی ہوگی کہ اسکی ان احکام سے جو سراسر تمہاری بھلائی کے لیے ہیں مُنہ پھیرلو۔ میں وہی بات کرتا ہوں جو تمہاری بھلائی کے لیے ہے مجھے ضرورت نہیں کہ میں گورنمنٹ کی خوشامد کروں کیونکہ ایک ہی آقا ہے جسکا میں نے دامن پکڑا ہے وہی جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ اُسوقت تک کہ میں مروں کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہونگا مگر اس بات کو کیونکر چھپایا جائے کہ درحقیقت یہ گورنمنٹ ہمارے لیے ایک محسن گورنمنٹ ہے اور بجز اس کے کہ ہم اس گورنمنٹ کے سایہ میں امن سے زندگی بسر کریں۔ ہمارے لیے ایک بالشت بھی ایسی زمین نہیں جو ہمیں پناہ دے سکے سو جس خدا نے ہمارے آرام اور امن کیلیے اس گورنمنٹ کو منتخب کیا ہے اسکی ہم ناشکرگذار ہوں گے اگر اس گورنمنٹ کا شکر نہ کریں۔ اور اگر میں اس رائے میں غلطی کرتا ہوں تو مجھے بتاؤ کہ اگر ہم اس گورنمنٹ کے ملک سے علیحدہ ہو جائیں تو ہمارا ٹھکانا کہاں ہے۔ تم سُن چکے ہو کہ ہمارے مخالف مولوی جنکے ہم زبان اس ملک میں اور دوسرے ملکوں میں کروڑہا انسان ہیں صدہا رسالوں اور اشتہاروں اور اخباروں میں ہماری نسبت کفر کے فتوے شایع کر چکے ہیں اور نیز واجب القتل ہونیکی نسبت فتوے دے چکے ہیں بلکہ گذشتہ دنوں میں مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی جو موحدین کا ایڈووکیٹ کہلاتا ہے اور ایک اور صاحب سید محمد نام بھی فتوی ہمارے واجب القتل ہونیکے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شایع کر چکے ہیں۔ اب بتلاؤ کہ اس گورنمنٹ کے سوا تمہارا گذارہ کہاں ہے اور کونسی اسلامی سلطنت تمہیں پناہ دے سکتی ہے سو تم ہوشیار ہو جاؤ اور سچے دل سے اس گورنمنٹ کی اطاعت کرو اور کسی صلہ کی بھی خواہش نہ کرو کیونکہ یہ صلہ تھوڑا نہیں ہے کہ تمہاری عزت اور جان کا محافظ خدا تعالیٰ نے اسی گورنمنٹ کو ٹھہرایا ہے۔

یہاں اپنی جماعت کی اطلاع کے لیے اسقدر اور بڑھا دینا بھی ضروری ہے کہ گورنمنٹ نے بڑی مہربانی سے یہ ارادہ کیا ہے کہ جو لوگ ان تجاویز پر عمل کریں انکو ہر طرح سے مدد دے اور انکی سہولت کے لیے انتظام کرے۔ اسلیے ہم یہ بھی امید کرتے ہیں کہ ایسے اضلاع میں جیسے مثلاً سرحدی اضلاع میں جہاں باہر میدانوں میں نکلنے میں جانوں کا خطرہ ہے اور خصوصاً احمدیوں کو

چند ضرورتیں

(۱) **احمدیہ انجمنیں**۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ ہر ایک مقام پر احمدیہ انجمنیں بنائی جاویں اس کے لیے قواعد طبع کرکے بعض مقامات پر بھیجدیئے گئے ہیں جن احباب کو نہ پہنچے ہوں وہ طلب کریں۔ اور بہت جلد انجمنیں بنا کر فہرستیں افراد سلسلہ احمدیہ کی تیار کیجاویں۔ اور انکی اطلاع دفتر صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بھیجی جاوے۔ (۲) **زکوٰۃ**۔ مد زکوٰۃ سے چند وظایف بعض طلبائے مدرسہ اور بعض طلبائے دینیات اور بعض دیگر غربا کو دیئے جاتے تھے۔ مگر تین چار ماہ سے یہ مد مقروض ہو رہی ہے اور ضروری اخراجات رُکے پڑے ہیں۔ صاحب نصاب احباب توجہ فرماویں۔ (۳) **واعظین**۔ کی ضرورت ہے کہ وہ جہاں جہاں احمدی احباب ہوں دَورہ کرکے باقاعدہ انجمنیں بنادیں اور انسے چندوں کی وصولی کا انتظام ماتحت قواعد شایع شدہ کریں۔ چونکہ ایسے واعظین کی جو دَورہ کرکے احمدی احباب کو اس سلسلہ کے مقاصد اور اغراض سے اور اسلام کی پاک تعلیم سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتے رہیں مستقل ضرورت ہے اس لیے مدرسہ میں ایک شاخ دینیات بھی کھولی گئی ہے جسکی اصل غرض ایسے واعظین کا پیدا کرنا ہے۔ علاوہ دینیات کے اس شاخ میں طب پڑھائی جاتی ہے۔ اور فن کتابت بھی سکھایا جاتا ہے۔ چند ایسے طلبا بھی لیے جاسکتے ہیں جن کی تعلیم کی متکفل ہر طرح سے انجمن ہوگی مگر انکو یہ معاہدہ دینا ہوگا کہ وہ حسب منشائے انجمن تعلیم کی تکمیل کریں گے اور درمیان میں اس تعلیم کو نہ چھوڑینگے۔ اور بعد تکمیل تعلیم کم از کم پانچ سال کیلیے حسب منشائے انجمن کام کرینگے۔ اسکے متعلق جو احباب چاہیں ۱۵-اکتوبر ۱۹۰۸ء سے پہلے پہلے انکی درخواستیں دفتر ہذا میں پہنچ جانی چاہییں۔

(الملتمس۔ خاکسار محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان۔)

نقشہ اجرت اشتہارات در رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی و اردو

	پورا صفحہ		نصف صفحہ		چوتھائی صفحہ		
	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو	نوٹ ۱۲۰۰ اردو / ۱۲۰۰ انگریزی / ۸۵۰
سالانہ	للعـہ	صـہ	صعـہ	سـہ	صعـہ	عسـہ	
ششماہی	صعـہ	سـہ	صعـہ	عـہ	عـہ	ےعـہ	
سہ ماہی	صعـہ	عـہ	عـہ	ھعـہ	۸معہ	ـعے	
ایک دفعہ	۸معہ	ـعے	صہ	صہ	ـعے	ـعے	

تمام درخواستیں بنام نائب ناظم میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۷ء نمبر (۱۰)

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- اکتوبر ۱۹۰۷ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا- چندہ سالانہ عار

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کے لیے نہایت ضروری ہے مشرح فہرست ۱ر کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار اللہ اردو	۸ر	قاعدہ عربی اردو	۱ر	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵ر	شہادۃ القرآن اردو	۴ر
اجرومیہ عربی	۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	۵عـ	〃 فارسی	۳ر	صیبان القرآن 〃	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ نماز و اسمائے الٰہیہ	۲ر	مسک العارف اردو	۱۰ر	تحفہ قیصریہ اردو	۲ر	کشف الغطا 〃	۲ر
پارہ الم عربی	۲ر	نشان آسمانی 〃	۲ر	تحفۃ الندوہ 〃	۰ر	لغات القرآن حصہ اول	عہ
پنج ارکان اسلام۔ اردو	۱ر	واقعات صحیحہ 〃	۲ر	تقریریں 〃	۲ر	〃 حصہ دوم	عہ ۸ر
تفسیر جلالین عربی	عہ ۸ر	یسرنا القرآن حصہ اول	۱ر	تقریروں کا مجموعہ 〃	۳ر	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱۰ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	〃 〃 دوم	۱ر	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب 〃	۲ر	〃 لاہور مہوتسو 〃	۴ر
تقریر جلسہ اہنٹی جیبی تقطیع اردو	۲ر	〃 〃 سوم	۱ر	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ 〃	۶ر	مشکوٰۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت۔ اردو	۰ر	ہدیۂ ثاقب اردو	۲ر	حمامۃ البشریٰ عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن 〃	۴ر
حمائل مترجم۔ فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶ر	حجۃ الاسلام اردو	۱ر	مبادی الصرف	۱۰ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق لودیانہ اردو	۶ر	خطوط شیعہ کا جواب 〃	۲ر	نسیم دعوت۔ اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ۔ اردو	ـر	〃 دہلی 〃	۸ر	خطبہ الہامیہ عربی ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور الدین حصہ اول 〃	۲ر
سلاسل القرأۃ عربی نمبر۱	۴ر	اعجاز احمدی۔ عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اول اردو	۸ر	〃 〃 دوم 〃	۴ر
〃 نمبر۲	۸ر	احسن الکلام اردو	-ر	〃 〃 دوم 〃	۴ر	ہدیہ سعدیہ عربی	۲ر
〃 نمبر۳	۱۳ر	ابطال الوہیت مسیح 〃	۱ر	خزینۃ المعارف حصہ اول دوم	۴ر	فصل حق۔ اردو	۱ر
〃 نمبر۴	۱۳ر	آیات الرحمٰن 〃	۸ر	〃 〃 سوم چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح 〃	۸ر
آریہ دھرم۔ اردو	۴ر	دعوت الحق 〃	۵ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصلہ 〃	۲ر
دینیات کا پہلا رسالہ 〃	۱ر	شرح ترمذی۔ نمبر۱ / نمبر۲	عہ ۸ر / عہ ۸ر	دعوت دہلی اردو	۱۰ر	دافع البلاء 〃	۱ر
طریق النجات نمبر۱	۸ر	احمدی کا من نظم پنجابی	۱ر	دعوت الندوہ 〃	۱۰ر	غنیۃ الطالب۔ عربی	عہ
〃 〃 نمبر۲	۷ر	براہین احمدیہ حصہ اول	۵ر	راز حقیقت 〃	۱ر	شفاء السقام 〃	عہ
〃 〃 نمبر۳	۸ر	〃 〃 دوم	۴ر	سرمہ چشم آریہ 〃	۱۲ر	نوٹ۔ ان قیمتوں میں	
〃 〃 نمبر۴	۱۵ر	〃 سوم	۱۰ر	ست بچن 〃	۱۰ر	محصول ڈاک شامل نہیں۔	
غسل مصفیٰ۔ اردو	عما ۸ر	〃 چہارم*	عما				
		مکمل براہین	۳ر				

نوٹ۔ تمام خط و کتابت ان کتابوں کے متعلق دفتر میگزین قادیان سے ہونی چاہیے۔

مکمل براہین احمدیہ جس میں جلد چہارم بار اوّل کی چھپی ہوئی ہے ۳ر کو دفتر میگزین سے مل سکتی ہے

* براہین احمدیہ کا حصہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑے اہتمام سے دوبارہ چھپوائے گئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حفاظت قرآن کریم

۸- ناسخ و منسوخ کی بحث

متاخرین میں سے کثیر گروہ علماء کا خصوصاً مفسرین قرآن اس بات کے قایل ہوئی ہیں کہ قرآن شریف میں منسوخ آیتیں موجود ہیں اس لیے جہانتک اس بحث کا تعلق قرآن کریم کی حفاظت کے مسئلہ سے ہے میں اسپر دو الگ الگ پہلوؤں سے بحث کروں گا یعنی اوّل ان لوگوں کے خیال کے مطابق جنہوں نے قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ کو مانا ہے۔ اور دوم ان کے خیال کے مطابق جو اس کتاب پاک میں ناسخ و منسوخ کا انکار کرتے ہیں۔ اس سے میری غرض یہ ہے کہ اگر قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ کا ہونا تسلیم بھی کیا جائے تو اس سے حفاظت قرآن کریم پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اسطرح پر ناسخ و منسوخ کی بحث کا تعلق حفاظت قرآن کریم کے مضمون سے کچھ نہیں رہتا۔ مگر چونکہ معترضین اس بحث کو اسی مضمون میں لاتے ہیں اس لیے میں نے بھی مناسب سمجھا ہے کہ اس کا فیصلہ اسی جگہ میں کیا جاوے۔ مگر اس بحث میں داخل ہونیسے پہلے میں اس بات کو پھر کھولکر بیان کرتا ہوں کہ ناسخ و منسوخ کی بحث بجائے خود ایک مستقل بحث ہے۔ اور یہ خیال کرنا کہ قرآن کریم کے اندر ناسخ و منسوخ کے ہونیسے اس لیے انکار کیا جاتا ہے کہ اس کو ماننے سے حفاظت قرآن کریم پر کوئی زد پڑتی ہے محض حماقت ہے، سب سے پہلے میں اسی بات کو ثابت کروں گا کہ قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ کے تسلیم کرنیسے حفاظت قرآن کریم پر قطعاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

سب سے اوّل یہی امر قابل غور ہے کہ باوجودیکہ اکثر علمائے اسلام نے قرآن کریم کے اندر ناسخ و منسوخ کے ہونیکو تسلیم کیا ہے۔ مگر ان میں سے کبھی کسی نے یہ خیال نہیں کیا کہ اس کے تسلیم کرنے سے حفاظت قرآن کریم پر کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے وہی مفسرین جو بہت سی آیات قرآنی پر

ناسخ ونسوخ کی قلم چلاتے ہیں حفاظت قرآن کریم کو پُرزور دلایل کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔ اور جب ہم غور سے دیکھتے ہیں تو ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں پاتے۔ قرآن کریم میں ناسخ ونسوخ کے قایل یہ کہتے ہیں کہ بعض تغیرات آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے اپنی زندگی میں کیے نہ یہ کہ آپ کی وفات کے بعد کوئی تغیر وقوع میں آیا۔ اگر مسئلۂ نسخ کے قایل یہ دعویٰ کرتے کہ صحابہؓ نے اپنی مرضی سے کسی آیت کو ناسخ اور کسی کو منسوخ قرار دیا اور کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا تھا تو پھر وہ حفاظت قرآن کے قایل نہ رہ سکتے تھے مگر انکا ادعا محض اسقدر ہے کہ جن آیات کو وہ لفظاً یا معناً منسوخ کہتے ہیں انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی منسوخ قرار دیا تھا۔ اور وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جسکے تسلیم سے کسی عقلمند کو چارہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی قرآن کریم کو ترتیب دیا اور اس کو صحابہؓ کے حافظوں میں جمع کر دیا۔ اور اسی جمع کو پھر تحریر میں خلیفۂ اول حضرت ابوبکرؓ لائے۔ اور یہی دعویٰ ہمارا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن صحابہؓ کو سکھایا تھا اور جس سورۃ یا آیت یا لفظ یا حرف کو جزو قرآن کریم قرار دیا تھا وہ اسی طرح ہم تک پہنچا ہے۔ اور اس میں کچھ فرق نہیں آیا۔ مگر بعض وقت معترضین یہ کہتے ہیں کہ جس صورت میں قرآن شریف کی بعض آیات بعض سے منسوخ بھی ہوجایا کرتی تھیں۔ تو ممکن ہے کہ کوئی آیت جو دراصل منسوخ التلاوۃ ہو غلطی سے حضرت زیدؓ نے اسکو صحیفہ کے اندر لکھدیا ہو۔ یا کوئی آیت دراصل منسوخ التلاوۃ نہ ہو مگر حضرت زیدؓ نے اس خیال سے کہ وہ منسوخ ہوچکی ہے اسے چھوڑ دیا ہو۔ نسخ کے قایل اسکا یہ جواب دیں گے کہ دراصل یہ اعتراض ایک غلط خیال پر مبنی ہے۔ کسی آیت کا ناسخ ہونا یا کسی کا منسوخ ہونا ایسے امور نہ تھے کہ جس صحابی نے جس آیت کو چاہا ناسخ کہدیا اور جس کو چاہا منسوخ کہدیا بلکہ جیسا کہ کوئی آیت وحی الٰہی یعنی قرآن کریم کا جزو بغیر اس کے نہ سمجھی جاسکتی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زبان مبارک سے فرمائیں ایسا ہی یہ ممکن نہ تھا کہ صحابہؓ بغیر اسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فرمائیں کسی آیت کو ناسخ اور کسی کو منسوخ مان لیں۔ علاوہ ازیں جمع قرآن تنہا حضرت زید رضی اللہ عنہ کا کام نہ تھا کہ کسی آیت کو غلطی سے منسوخ التلاوۃ سمجھکر انہوں نے چھوڑ دیا ہو اور کسی فرضی منسوخ التلاوۃ آیت کو غلطی سے قرآن شریف میں داخل کر دیا ہو بلکہ جمع قرآن میں سارے صحابہؓ انکے ساتھ شامل تھے۔ اسلیے ایسی خیالی غلطی کا امکان بھی نہ تھا۔ یہ اعتراض درحقیقت صرف ایک وہم پر مبنی ہے کہ شاید ایسا ہوا ہو یا ایسا ہوا ہو۔ ایسے وہم کا جواب صرف اسیقدر کافی ہے کہ ایسا نہیں ہوا کیونکہ معترض کو تو یہ دکھانا چاہیئے کہ درحقیقت فلاں فلاں حدیث سے یہ معلوم

ہوتا ہے کہ فلاں منسوخ آیت قرآن کریم میں داخل ہوگئی اور فلاں آیت غلطی سے منسوخ سمجھی جاکر داخل ہونے سے رہ گئی۔ علاوہ ازیں ہم قطعی اور کھلا کھلا ثبوت اس امر کا پیش کر چکے ہیں کہ بین الدفتین بغیر تغیر تبدل یا کمی بیشی ایک حرف کے وہی قرآن کریم موجود ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو سکھایا اور لکھایا تھا۔ ایسے قطعی ثبوت کے سامنے ایسے توہمات پیش کرنا سراسر حماقت ہے۔

اس بیان سے معلوم ہو گا کہ قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ کو تسلیم کرکے بھی قرآن شریف کی حفاظت کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد اب ہم ناسخ اور منسوخ کی اصل بحث کی طرف آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا درحقیقت ہمارے سامنے کوئی ایسی یقینی شہادت موجود ہے جس کی بنا پر ہم وحی الٰہی کے کسی حصہ یا کسی آیت کو منسوخ اور کسی دوسرے کو ناسخ کہہ سکیں۔ اس بحث کا فیصلہ ہم صرف ان دلایل پر کریں گے جو قائلین نسخ کے دعویٰ کی تائید یا تردید میں حدیث یا قرآن کریم سے ہمیں مل سکتے ہیں۔ منسوخ کی تین قسمیں مانی جاتی ہیں۔ اول وہ آیات جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے مگر تلاوت منسوخ نہیں ہوئی اور وہ قرآن شریف میں موجود ہیں۔ دوم وہ آیات جن کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ بیان کیے جاتے ہیں۔ سوم وہ آیات جن کا حکم منسوخ نہیں ہوا مگر تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔ ان میں سے قسم ثانی کی آیات یعنی وہ جنکو منسوخ التلاوۃ اور منسوخ الحکم کہا جاتا ہے چنداں ہماری راہ میں نہیں۔ اگر کوئی اس قسم کی آیات تھیں تو یہ امر مسلّم ہے کہ وہ قرآن شریف میں نہیں پائی جاتیں اور نہ ہی ان کے احکام قابل تعمیل ہیں۔ بجز ایک استثناء کے کسی حدیث سے ایسی کسی آیت کا پتہ نہیں ملتا۔ اور اس حدیث کے معنوں میں بھی غلط فہمی ہوئی ہے جس کا ذکر ہم آگے چلکر کرینگے۔ تیسری قسم کی آیات جن کا حکم باقی اور جن کی تلاوت منسوخ مانی جاتی ہے۔ ان کے متعلق میں کسی دوسری جگہ یہ ثابت کرونگا کہ ایسا ہونا ممکن نہ تھا۔ یہاں صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اگر کوئی اس قسم کی آیتیں فی الواقع ہوتیں تو صحابہؓ انکی حفاظت اسی طرح کرتے جسطرح وہ قرآن کریم کی آیتوں کی کرتے تھے کیونکہ ان کے احکام کی پیروی ایسی ہی ضروری تھی جیسے قرآن شریف کی۔ پس کوئی وجہ نہ تھی کہ انکی حفاظت نہ کی جاتی یا کوئی ان میں سے ضایع ہو جاتی مگر جب حدیث کو دیکھا جاتا ہے تو ایسے کسی فقرہ کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ اسطرح سے زیادہ قابل غور اور قابل بحث صرف وہ فقرات یا آیتیں رہ جاتی ہیں جن کو منسوخ الحکم اور ثابت التلاوۃ مانا جاتا ہے جس سے مراد قرآن کریم کی بعض آیات ہیں جن کے احکام کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اب قابل تعمیل نہیں ہے۔ زیادہ ضروری حصہ ہماری بحث کا انہی آیات کے متعلق ہوگا۔ مندرجہ ذیل وجوہات سے

ہر قسم کے ناسخ و منسوخ اور خصوصاً اس آخری قسم کی ناسخ و منسوخ آیات کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔
اس بحث میں سب سے پہلے جو سوال ہمارے سامنے پیش ہوتا ہے اور جس کا جواب ایک محقق طبیعت کے لیے ان تمام مشکلات کو حل کر دینے والا ہے جو اس مسئلہ کی بحث میں پیش آتی ہیں وہ یہ ہے کہ آیا جب بعض آیات یا فقروں کو منسوخ کہا جاتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سند پر ایسا کہا جاتا ہے یا کسی اور شخص کے خیال کے تتبع میں؟ قرآن کریم کا ہر ایک لفظ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے سنکر اسے محفوظ کیا اور آپ کے ارشاد کے مطابق ایک ایک لفظ ضبط تحریر میں لایا گیا ایک لفظ یا ایک حرف بھی قرآن کریم کا جزو نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لفظ یا وہ حرف اسی طرح صحابہؓ کو سکھایا اور اسی طرح ان کو لکھوایا۔ پس جب کسی آیت یا حکم کو قرآن کریم میں داخل نہیں سمجھا جا سکتا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا قرآن کریم میں داخل ہونا بیان نہ فرمایا ہو۔ تو کسی آیت یا حکم کو جو پہلے قرآن کریم میں بنایا گیا تھا اس کتاب پاک سے باہر یا منسوخ نہیں سمجھا جا سکتا جبتک کہ یہ ثابت نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسے خارج یا منسوخ کیا۔ اور اگر ایسا ثبوت موجود نہ ہو تو یہ نتیجہ قطعی ہوگا کہ کسی آیت یا حکم کو منسوخ نہیں کہا جا سکتا۔ جیسا کہ کسی لفظ کو ہم قرآن کریم کا جزو نہیں کہہ سکتے جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے اسی طرح کسی لفظ کو منسوخ بھی نہیں کہا جا سکتا جبتک کہ یہ ثابت نہ ہو کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منسوخ قرار دیا تھا۔ جسطرح کوئی انسان خواہ وہ کوئی صحابی ہو یا کوئی اور ایک لفظ کو بھی قرآن کریم کے اندر داخل نہ کر سکتا تھا۔ اسی طرح کسی کو یہ حق بھی نہ پہنچتا تھا کہ بغیر اس کے کہ وحی الٰہی نے بتایا ہو کسی لفظ یا آیت یا حکم کو منسوخ کہہ سکے۔

دوسرا سوال جس سے ناسخ و منسوخ کی بحث پر روشنی پڑتی ہے یہ ہے کہ جن آیات قرآنی کو منسوخ کہا جاتا ہے آیا ان کی تعیین ہم اسی طرح یقین واثق کے ساتھ کر سکتے ہیں جسطرح یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سورتیں یا آیات قرآن کریم کا حصہ ہیں یا منسوخ نہیں۔ بلا تحقیق کسی بات کو ایک دوسری کی پیروی میں مانتے چلے آنا تو دوسری بات ہے مگر ایک محقق اس امر پر غور کر نیسے ایک کھلے کھلے نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ جب ساری اسلامی دنیا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فلاں فلاں آیات یا احکام قرآن کریم میں داخل ہیں اور قابل عمل ہیں تو اگر فی الواقع کوئی آیت یا حکم منسوخ ہو جاتا تو اس کے متعلق بھی ویسا ہی اتفاق ہونا چاہیئے تھا۔ اگر تمام صحابہؓ نے بالاتفاق یہ شہادت دی ہو کہ ایک آیت قرآن کریم میں داخل ہے اور

اسی اتفاق کے ساتھ یہ بیان نہ کیا ہو کہ اس کا حکم منسوخ ہے تو محض ایک یا دو صحابیوں کے کہنے پر ہم اسے منسوخ نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ جسطرح تمام صحابہؓ کے اتفاق سے قرآن کریم کا مجموعہ تیار ہوا اسی طرح کے اتفاق سے منسوخ التلاوۃ یا منسوخ الحکم آیات کا مجموعہ بھی تیار ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جسطرح کی شہادت سے ہم کسی آیت کو قرآن کریم میں داخل سمجھ سکتے ہیں اسی قسم کی شہادت اس کی تلاوت یا حکم کے منسوخ کرنیکے لیے بھی بکار ہے۔ پس دوسرا امر جس سے منسوخ آیات کا وجود یا عدم ثابت ہو سکتا ہے یہ ہے کہ کیا نسخ کی شہادت صحابہؓ کے اتفاق سے ملتی ہے یا نہیں۔ اگر کسی آیت کے نسخ پر صحابہؓ کا اتفاق ہو گیا ہے تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ وہ آیت واقعی منسوخ تھی اور اگر ایسا اتفاق نہیں پایا جاتا تو ہم اسے منسوخ نہیں مان سکتے۔ اسجگہ ایک شبہ کا دُور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہا جائیگا کہ ایک ایک آیت قرآن کریم کی الگ الگ کر کے کہاں سب صحابہؓ نے اس کی روایت کی ہے کہ ہم نسخ کے لیے ایسی روایتوں کو ضروری سمجھیں بلکہ جسطرح مثلاً زید نے ایک قرآن شریف اکٹھا کیا اور اسی کو سب نے قبول کر لیا اسی طرح اگر کسی صحابی نے کسی آیت کا منسوخ ہونا بیان کیا ہے تو یہی سمجھ لیا جائیگا کہ سب صحابہ اسے منسوخ ہی کہتے تھے پس اس سے بڑھکر اور کسی شہادت کی ہمیں ضرورت نہیں۔ یہ ایک دھوکہ ہے۔ قرآن شریف کے متعلق تو یہ قطعی اور یقینی ثبوت متواتر احادیث سے ہمیں ملتا ہے کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے یاد بھی کرا دیتے اور لکھوا بھی دیتے تھے۔ اسطرح پر بہت سے صحابہؓ نے اکثر حصہ قرآن شریف کا اور بعض نے کُل قرآن شریف کو حفظ کر لیا۔ پھر جب حضرت زید نے سارے صحابہؓ کے مشورہ سے تحریر میں قرآن شریف کو جمع کیا تو اس قرآن شریف کو سب نے قبول کیا۔ پس انہوں نے نہ صرف اس کے جمع کرنے میں مدد دی بلکہ پھر اسی مجموعہ کو انہوں نے صحیح مجموعہ تسلیم کر کے یہ شہادت دیدی کہ یہی قرآن شریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو سکھایا تھا اور اسطرح سے انکا اجماع اسی قرآن پر ہو گیا اور تمام صحابہؓ کی متفقہ شہادت سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس قرآن شریف کا ایک ایک لفظ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو سکھایا تھا کہ یہ وحی الٰہی ہے۔ پس جب ہم نسخ کے متعلق متفقہ شہادت صحابہ رضی اللہ عنہم کی مانگتے ہیں تو اس سے یہ مراد نہیں کہ ہر ایک صحابی نے الگ الگ روایت کی ہو کہ فلاں آیت منسوخ ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اسی قسم کی شہادت اور اجماع صحابہؓ کا منسوخ آیتوں کے متعلق ہونا چاہیئے جسطرح قرآن کریم کے متعلق ہے پس اگر خالی اسیقدر روایت ہو کہ فلاں صحابی نے ایک آیت کو منسوخ سمجھا تو یہ شہادت قبول نہیں کی جا سکتی جبتک کہ کسی نہ کسی طرح سے یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ تمام صحابہؓ اسکو فی الواقع منسوخ ہی سمجھتے تھے۔

تیسرا معیار نسخ کا یہ ہے کہ آیا کسی آیت کے منسوخ ہونیکی شہرت ایسی ہی عام ہے جیسے کہ ایک آیت

قرآنی کے نازل ہونیکی۔ قرآن کریم میں نسخ کے قائل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ صرف وہی آیات منسوخ ہوسکتی تھیں جن میں کوئی امر یا نہی ہو۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ جب کوئی آیت جس میں کوئی امر یا نہی ہو نازل ہوتی تھی تو اسی وقت اس کی اشاعت ہوجاتی تھی کیونکہ تمام مسلمانوں کو اس امر یا نہی سے آگاہ کرنا ضروری تھا کہ تا وہ اس امر پر عمل کریں یا منہیات سے بچیں۔ پس اگر ایسی آیت بعد میں کبھی منسوخ ہوجائے اور اسطرح پر اس امر یا نہی کا عمل بھی باطل ہوجائے تو اس نسخ کی شہرت ویسی ہی ضروری تھی جسطرح پہلا اسکے نازل ہونیکی تاکہ اب لوگ اس امر کو چھوڑ دیں یا پہلے منہیات کو منہیات نہ سمجھیں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ جسقدر اوامر یا نہی قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب قابل عمل ہیں جب تک کہ یہ قطعی طور پر ثابت نہ ہو کہ کسی خاص امر یا نہی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ ارشاد فرمادیا تھا کہ یہ قابل عمل نہیں اور جب تک کہ ایسا اعلان عام نہ کیا جاوے کہ فلاں امر یا نہی اب قابل عمل نہیں۔ کیونکہ جبتک عام مسلمانوں تک اسکا علم نہ پہنچایا جاتا اس کا کوئی فایدہ نہ تھا۔ اس معیار نسخ کے خلاف شاید یہ دلیل دیجاوے گی کہ عام اعلان کسی آیت یا کسی امر یا نہی کے منسوخ ہونیکا اس لیے ضروری نہ تھا کہ پہلے جب ایک حکم دیا گیا تو اس کے خلاف کوئی دوسرا حکم دینے سے خود پہلا حکم منسوخ ہوگیا اور یہ کہنے کی ضرورت باقی نہ رہی اور نہ ہی کسی کو اطلاع دینے کی ضرورت باقی رہی کہ فلاں حکم منسوخ ہوگیا ہے۔ یہ محض ایک دل خوش کن خیال ہے ورنہ عملی رنگ میں کبھی ایسا نہ ہوسکتا تھا۔ کیونکہ اول تو قرآن شریف کی آیات کی ترتیب نزولی کبھی محفوظ نہیں رکھی گئی اور تمام آیات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ایک الگ ترتیب دیتے رہے۔ پس یہ کون کہہ سکتا تھا کہ فلاں آیت پہلے نازل ہوئی ہے اور فلاں پیچھے۔ اسطرح پر اگر ہم بفرض محال اس بات کو تسلیم بھی کرلیں کہ دو متضاد احکام کے دینے سے (جو لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا کا مصداق تھا) یہ ظاہر ہوجاتا تھا کہ ایک ان میں سے منسوخ ہوگیا ہے مگر یہ کسی طرح معلوم نہ ہوسکتا تھا کہ کونسا حکم یا کونسی آیت ناسخ ہے اور کونسا حکم یا کونسی آیت منسوخ۔ اسطرح پر گڑبڑ پڑکر ناسخ منسوخ بن جاتیں اور منسوخ ناسخ بن جاتیں۔ پس اگر کبھی وحی الٰہی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشار تھا کہ معنوں کو دیکھکر کسی آیت کو ناسخ اور کسی کو منسوخ سمجھ لیا جاوے تو یہ ضروری تھا کہ وہ تمام واقعات محفوظ رکھے جاتے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی انکی حفاظت کا اہتمام کرتے جن سے یہ معلوم ہوجاتا کہ فلاں آیت ناسخ ہے اور فلاں منسوخ ہے۔ مگر چونکہ ایسے واقعات کو جن میں سب سے زیادہ ضروری ترتیب نزولی کا محفوظ رکھنا تھا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محفوظ رکھنے کی کوئی ہدایت فرمائی اور نہ ہی صحابہؓ کو بھی اس طرف توجہ ہوئی اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وجہ آیتوں کو منسوخ قرار دینے کی ایک خیالی وجہ ہے

اور واقعات اسکی تردید کرتے ہیں۔ دوسری بات جس سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ جب ایک آیت کے مفہوم کے مخالف دوسری آیت نازل ہو تو پہلی کو منسوخ سمجھ لینا چاہیئے۔ یہ ہے کہ جو احکام منسوخ ہو چکے تھے انکی اطلاع تو سب مسلمانوں کو کرنی ضروری تھی مگر چونکہ ہر ایک مسلمان سارے قرآن کو یاد نہ رکھ سکتا تھا اس لیے یہ خیال غلط ہے کہ ہر ایک مسلمان خود بعض آیات کا دوسری آیات کے ساتھ مقابلہ کرنیسے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا تھا کہ فلاں آیت منسوخ ہے۔ سوم اگر یہ بھی فرض کر لیا جاوے کہ ہر مسلمان کو ایسا علم ہو سکتا تھا یا ہونا چاہیئے تھا یا کم از کم یہ کہ جن لوگوں کو ایسی ضرورت واقع ہو سکتی تھی انکو یہ علم بھی حاصل ہو سکتا تھا۔ تو پھر یہ مشکل پیش آتی ہے کہ ہر ایک شخص یہ فیصلہ کیونکر کر سکتا تھا کہ کونسی آیت کس کو منسوخ کرتی ہے۔ ایسے فیصلہ کے لیے اعلیٰ درجہ کا علم قرآن اور علم زبان درکار تھا جو ہر ایک شخص کو میسر نہ آسکتا تھا۔ چہارم سب آدمی کبھی اس بات پر متفق نہ ہو سکتے تھے کہ فلاں آیت کے معنے یہی ہیں نہ کچھ اور۔ یہ ایک امر واقع ہے کہ جن آیات کو بعض لوگوں نے دوسری آیات کے معنے کے مخالف سمجھکر منسوخ قرار دیا ہے انہی کے معنوں کی تطبیق ان دوسری آیات کے ساتھ دوسرے لوگوں نے کر دکھائی ہے۔ صحابہؓ میں بھی اور بعد کے علمائے اسلام میں بھی۔ اصل بات یہ ہے کہ نسخ کی شہادت کی بنا دو آیتوں کے معنوں میں کسی اختلاف پر رکھنا خود اسکو بے بنیاد قرار دینا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں گویا یہ صاف تسلیم کیا جاتا ہے کہ کسی آیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوخ نہیں قرار دیا بلکہ کسی شخص نے پڑھتے کرتے وقت جب اپنے آپ کو دو آیات میں تطبیق کے ناقابل پایا تو ایک کو منسوخ کہدیا پس نسخ کی بنا نہ وحی الٰہی پر اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ پر ہوئی بلکہ محض شخصی رائے پر اسکی بنیاد رکھنی پڑی اور میں آگے چل کر دکھاؤنگا کہ امر واقع یہی ہے کہ نسخ کی بنا صرف اسیقدر ہے۔ اور یہ ایک ایسی کمزور بنیاد ہے کہ ایک عقلمند انسان ایک لحہ کے لیے بھی اگر اس پر غور کرے تو اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

اب ذیل میں میں وہ احادیث نقل کرتا ہوں جن میں نسخ کا ذکر پایا جاتا ہے اور پھر انہی مذکورہ بالا معیاروں سے انکو پرکھ کر دکھایا جاوے گا کہ قرآن شریف میں نسخ ایسی کمزور شہادت پر ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے۔ میں نے صرف بخاری کی احادیث لی ہیں کیونکہ احادیث کا یہی ایک مجموعہ ہے جس پر پورا اعتبار کیا جاسکتا ہے (۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ قرأ فدیة طعام مسکین قال ھی منسوخة (بخاری کتاب التفسیر) یعنی حضرت ابن عمر سے یہ روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے وہ آیت پڑھی جس میں فدیة طعام مسکین وارد ہوتا ہے (اس سے مراد ہے وعلی الذین یطیقونه

فدیة طعام مسکین) تو آپ نے فرمایا کہ یہ منسوخ ہے (۲) عن رجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال احسبہ ابن عمر وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ قال نسختھا الآیة التی بعدھا (بخاری کتاب التفسیر) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ایک سے روایت ہے راوی کہتا ہے میں گمان کرتا ہوں کہ وہ ابن عمرؓ ہی تھا کہ یہ آیت وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ جو سورۃ بقرہ کے آخری رکوع میں ہے اس کے بعد کی آیت سے (جس سے مراد آیت لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت ہے) منسوخ ہو گئی ہے۔ (۳) عن ابن عباس قال کان المال للولد وکانت الوصیة للوالدین فنسخ اللہ من ذلک ما احب فجعل للذکر مثل حظ الانثیین وجعل للابوین لکل واحد منھما السدس والثلث وجعل للمرأة الثمن والربع وللزوج الشطر والربع (بخاری کتاب التفسیر) یعنی ابن عباس فرماتے ہیں کہ دستور یہ تھا کہ متوفی کے مال کا وارث بیٹا ہو اور ماں باپ کے لیے وصیت ہوا کرتی تھی۔ پھر خدا نے اس میں سے جسقدر چاہا منسوخ کر دیا اور مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر رکھا اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا اور تیسرا حصہ دیا اور عورت کے لیے آٹھواں اور چوتھا حصہ مقرر کیا اور خاوند کے لیے نصف اور چوتھائی۔ (۴) بخاری کتاب التفسیر میں عطاء کا قول ہے کہ قال ابن عباس نسخت ھذہ الآیة عدتھا عند اھلھا فتعتد حیث شاءت وھو قول اللہ تعالیٰ غیر اخراج قال عطاء ان شاءت اعتدت عند اھلہ وسکنت فی وصیتھا وان شاءت خرجت لقول اللہ تعالیٰ فلا جناح علیکم فیما فعلن قال عطاء ثم جاء المیراث فنسخ السکنی فتعتد حیث شاءت ولا سکنی لھا۔ اس میں تین آیتوں کا ذکر ہے۔ یعنی اول والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر۔ اور دوسری یہ آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا وصیة لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج۔ فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف۔ اور تیسری آیت یوصیکم اللہ والی جس میں عورت کے لیے چوتھا یا آٹھواں حصہ دیا گیا ہے۔ عطاء کا قول ہے کہ ان میں سے تیسری نے دوسری کے ایک حصہ کو اور دوسری نے پہلی کو منسوخ کیا۔ (۵) عن ابن عباس ولکل جعلنا موالی قال ورثة والذین عاقدت ایمانکم کان المھاجرون لما

قد موا المدینة یرث المہاجری الانصاری دون ذوی رحمہ للاخوۃ التی اخی النبی صلے اللہ علیہ وسلم بینھم فلما نزل لکل جعلنا موالی نسخت (بخاری کتاب التفسیر) یعنی ابن عباس کہتے ہیں کہ ولکل جعلنا موالی میں موالی سے مراد ورثا ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں کہ والذین عقدت ایمانکم یہ کہا کہ جب مہاجر مدینہ میں آئے تو مہاجر انصاری کا وارث ہوتا تھا بسبب اس اخوت کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان قایم کی تھی۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی ولکل جعلنا موالی تو یہ دستور منسوخ ہوگیا۔ (۶) بخاری باب غزوۃ الرجیع میں ستر قرا کے شہید ہونیکے واقعہ میں لکھا ہے۔ قال انس فقرأنا فیھم قرانا ثم ان ذلک رفع بلغوا عنا قومنا انا قد لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا۔ یعنی انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے ان کے بارہ میں ایک قرأت پڑھی پھر وہ اُٹھالی گئی اور وہ یہ تھی کہ ہماری طرف سے ہماری قوم کو یہ خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب کو ملے ہیں وہ ہم سے راضی ہوا اور اس نے ہم کو راضی کیا۔

یہ چند روایات بخاری کی ہیں جن میں خاص آیات کے نسخ کا ذکر آیا ہے۔ ان کے علاوہ حضرت عمرؓ کا ایک قول بھی ہے عن ابن عباس قال عمر رضی اللہ عنہ اقرؤنا أُبَیّ واقضانا علی وانا لندع من قول اُبَیّ وذالک ان ابیا یقول لا ادع شیئا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد قال اللہ تعالیٰ ما ننسخ من ایۃ او ننسھا۔ یعنی ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اُبی ہم سب میں اچھے قاری ہیں اور علیؓ سب سے اچھے قاضی یعنی فیصلہ کرنیوالے ہیں اور ہم ابیؓ کے قول میں سے کچھ چھوڑتے ہیں اور یہ اس لیے کہ ابی کہتے ہیں کہ میں کسی چیز کو نہیں چھوڑونگا جسکو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما ننسخ من ایۃ او ننسھا۔

اب جو معیار صحت نسخ کے ہم اوپر قایم کر چکے ہیں انکے رو سے ان احادیث کو پرکھتے ہیں سب سے پہلا معیار یہ تھا کہ نسخ کی سند خود مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونی چاہیئے۔ مگر ان احادیث میں سے ایک بھی ایسی نہیں جس میں سند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو۔ اکثر احادیث ان میں ایسی ہی ہیں جن میں ابن عمر یا ابن عباسؓ کا قول ہے اور سب میں انہی دو صحابہؓ تک روایت پہنچتی ہے۔ سوائے چھٹی حدیث کے جس کی صورت بالکل الگ ہے اور جس پر آگے چلکر مفصل بحث کیجاویگی۔ مگر ایک بھی حدیث ایسی نہیں ہے جس میں کسی صحابی نے یہ کہا ہو کہ فلاں آیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوخ فرمایا تھا۔ اور یہ بات صرف بخاری کی روایات نسخ پر ہی صادق نہیں آتی بلکہ جتنی احادیث قرآن کریم میں نسخ کے متعلق آئی ہیں ان سب کا یہی حال ہے یعنی روایت سو صرف اسیقدر پتہ لگتا ہے کہ فلاں صحابی کی یہ رائے تھی کہ فلاں آیت منسوخ ہے اور یہ ذکر کسی میں نہیں

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی آیت کو منسوخ قرار دیا یا کسی صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تھا کہ فلاں آیت منسوخ ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی آیت کو منسوخ فرماتے تو وہ روایت بھی اسی طرح ہمکو پہنچتی کہ آنحضرتؐ نے ایسا فرمایا تھا۔ ان احادیث سے اگر کچھ معلوم ہوتا ہی تو صرف یہ کہ ابن عباس اور ابن عمر نے بعض آیتوں کو منسوخ سمجھا یا خیال کیا۔ مگر صرف ابن عباس یا ابن عمر کے کہنے پر ہم کسی آیت قرآنی کو منسوخ نہیں کہہ سکتے۔ جسطرح ہم کسی عبارت کو قرآنی عبارت تسلیم نہیں کرسکتے جبتک کہ ہمکو یہ ثبوت نہ پہنچے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ یہ قرآن کریم میں داخل ہے اسی طرح کسی آیت قرآنی کو ہم منسوخ نہیں مان سکتے جبتک کہ یہ ثبوت نہ ملے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ یہ منسوخ ہے۔ مگر چونکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا حالانکہ بہت سی روایات نسخ کی موجود ہیں کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی آیت کو منسوخ فرمایا اس لیے قرآن شریف میں نسخ کا ابطال ہمارے تجویز کردہ معیاروں میں سے پہلے معیار کے رو سے ہی ہو جاتا ہے۔

اب دوسرے معیار کے رو سے ان احادیث کو پرکھ کر دیکھتے ہیں تو یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ کیا کسی آیت کا منسوخ ہونا صحابہؓ کی متفقہ شہادت سے بھی ثابت ہوتا ہے؟ اس کا جواب بھی نفی میں ہے کیونکہ ہر ایک حدیث میں جو نسخ کے متعلق آئی ہے صرف ایک صحابی کی رائے یا خیال بیان کیا گیا ہے کہ فلاں آیت منسوخ ہے۔ بلکہ کوئی صحابی یہ بھی نہیں کہتا کہ فلاں آیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کُل صحابہؓ منسوخ سمجھتے تھے۔ اور نہ ایک آدمی کے دعوے کی کوئی دوسرا صحابی تائید کرتا ہے۔ اگر دو آیتوں کو ابن عمر منسوخ کہتے ہیں تو ابن عباس کوئی اور ہی دو پیش کرتے ہیں بلکہ جیسا کہ میں آگے چلکر دکھاؤنگا ایک آیت کو ابن عمر منسوخ سمجھتے ہیں تو ابن عباس اسکی تردید کرتے ہیں۔ کیا ایسی حالت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ صحابہؓ فلاں آیت کو منسوخ سمجھتے یا کہتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ پھر ایسی کمزور شہادت پر اتنی بڑی بات کیونکر تسلیم کیجا سکتی ہے۔ اسپر تو تمام صحابہؓ کا اتفاق ہو کہ فلاں آیت قرآنی ہے اور نسخ کے لیے یہ کہا جائے کہ ایک ہی صحابی کی رائے کو مان لو۔ کوئی سمجھدار آدمی اس سے اتفاق نہیں کرسکتا۔ اور یہ مسئلہ دوسرے معیار کے رو سے بھی باطل ثابت ہوتا ہے۔

تیسرا معیار یہ تھا کہ آیا کسی آیت کے منسوخ ہونیکا علم صحابہؓ کو عام طور پر ایسا ہی تھا جیسا کہ اس کے نزول کا؟ اسکا جواب بھی اگر روایات نسخ کو دیکھا جاوے تو نفی میں ہی ملتا ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جب اسبات کی شہادت ہی نہیں ملتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی آیت کو منسوخ فرمایا تھا تو یہ امر خود ہی واضح ہو جاتا ہے کہ نہ صحابہؓ کا اسپر اتفاق ہو سکتا تھا نہ ہی اسکا علم صحابہؓ میں عام ہو سکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ابن عمر یا ابن عباس یا شاید ایک آدھ اور صحابی نے اپنے کسی شاگرد کے سامنے

اس خیال کا اظہار کیا کہ اسکی رائے میں فلاں آیت منسوخ ہے۔ اگر وحی الٰہی پر نسخ کی بنا ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا کہ جسطرح نزول وحی کے وقت آیات کی اشاعت اور تشہیر کرتے تھے اسی طرح جب آپکو وحی الٰہی سے کسی آیت کا منسوخ ہونا معلوم ہوتا تو اس کی بھی عام اشاعت اور تشہیر کرتے۔ ورنہ جو کچھ قرآن شریف میں ہے وہ سب قابل عمل ہی سمجھا جانا ضروری ہے۔ ایک طرف تو ایک حکم کو عام طور پر شایع کیا جاوے کہ ہر ایک مسلمان پر ایسا کرنا یا ایسے کام سے بچنا فرض ہے اور اگر وہ اس کی تعمیل نہ کریگا تو سخت سزا کا مستوجب ہوگا اور دوسری طرف چپکے سے اس حکم کو منسوخ بھی کر دیا جاوے اور سوائے ایک دو صحابیوں کے کسی کو خبر تک نہ ہو کہ فلاں آیت منسوخ ہوگئی ہے۔ کوئی دانشمند انسان اسکو قرین قیاس نہیں سمجھ سکتا۔ مگر چونکہ تمام روایات جو نسخ کے متعلق ہیں ان سے اس بات کی شہادت کوئی نہیں ملتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی آیت کو منسوخ فرمایا تھا اس لیے محض کسی صحابی کے قول کی وجہ سے ہم اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ قرآن شریف تو کہتا ہے کہ میرا ہر ایک حکم قابل عمل ہے اور اس پر عمل کرنا مسلمانوں کے لیے واجب ہے اور ایک صحابی اسے منسوخ کہتا ہے۔ اگلے حصہ مضمون میں میں ان روایات پر ایک ایک کرکے بحث کروں گا اور یہ دکھاؤں گا کہ یہ محض کسی صحابی کا خیال تھا اور اس میں بھی لفظ نسخ خاص معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

طاعون اور پیشگوئی

ہندوستان میں اور خصوصاً پنجاب میں طاعون کی وجہ سے ایک خوفناک بربادی واقع ہو رہی ہے۔ اس وبا کے روکنے کے لیے کئی کوششیں کی گئیں مگر کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ اور نہ آیندہ کسی کامیابی کی امید ہو سکتی ہے لیکن اس بات کو دیکھکر سخت حیرت ہوتی ہے کہ اگرچہ لوگ ایسی سخت وبا میں مبتلا ہیں۔ مگر کوئی شخص اس آفت کے حقیقی باعث کیطرف توجہ نہیں کرتا۔ یہ بے توجہی اس وجہ سے نہیں ہے۔ کہ اس بیماری کا حقیقی باعث معلوم کرنیکے لیے کوئی ذریعہ نہیں اس بلائے آسمانی کے نزول کا باعث معلوم کرنیکے لیے کافی ذرایع موجود ہیں۔ مگر دنیا ایسی غافل ہے۔ کہ وہ اس طرف توجہ ہی نہیں کرتی کہ یہ بلا کیوں نازل ہوئی اور اس کا کیا علاج ہے۔

اس مضمون کے لکھنے سے میری یہ غرض نہیں کہ میں اس بیماری کے جسمانی اور ظاہری اسباب پر بحث کروں۔ یہ ڈاکٹروں اور حکیموں کا کام ہے۔ میری غرض اس امر کی طرف توجہ دلانا ہے جو ان ظاہری اسباب کے پیدا ہونیکا باعث ہوا۔ اور یہ دکھانا ہے کہ خدا تعالیٰ نے کیوں ایسے اسباب پیدا کیے جن سے اس بیماری کا ظہور ہوا۔

طاعون کی پیشگوئی قرآن مجید میں - بغیر کسی لمبی تمہید کے مَیں ناظرین کے آگے قرآن مجید پیش کرکے دکھاتا ہوں کہ اس پاک کتاب میں کھلے الفاظ میں طاعون کے ظہور کی اصل وجہ بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ سورہ نحل میں آیت ہے "اذا وقع القول علیھم اخرجنا لھم دابۃ من الارض تکلمھم ان الناس کانوا بایٰتنا لایوقنون - یعنی جب لوگوں پر حجت پوری ہوجائیگی تو ہم زمین سے ان کے لیے ایک کیڑا پیدا کریں گے جو انکو زخمی کریگا۔ یہ اس لیے ہوگا کہ لوگ ہمارے نشانوں پر یقین نہیں کرینگے۔ اس آیت میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ لوگوں پر ایک بلا بطور سزا نازل ہونیوالی ہے۔ دوم یہ کہ یہ سزا ایک ایسے کیڑے کے ذریعہ دیجائیگی جو زمین میں سے نکلے گا۔ سوم یہ کہ یہ سزا لوگوں پر اس امر کی وجہ سے واقع ہوگی کہ لوگ خدا کے نشانوں کو جھٹلائینگے۔ یہی پیشگوئی قرآن شریف کی ایک اور آیت میں بھی درج ہے جو حسب ذیل ہے۔ وان من قریۃ الا نحن مھلکوھا قبل یوم القیٰمۃ او معذبوھا عذابًا شدیدًا - کان ذٰلک فی الکتٰب مسطورًا - (سورہ بنی اسرائیل) یعنی کوئی ایسی بستی نہیں مگر ہم انکو قیامت کے دن سے پہلے یا تو بالکل ہلاک ہی کردیں گے یا سخت عذاب میں گرفتار کریں گے۔ یہ بات کتاب میں لکھی جاچکی ہے اور اس کا فیصلہ ہوچکا ہے۔ اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ قیامت سے پہلے دنیا پر ایک سخت عذاب نازل ہونیوالا ہے جس سے کئی بستیاں تو بالکل نابود کیجائینگی اور کئی بالکل نابود تو نہیں ہونگی مگر وہ بھی عذاب الٰہی کا مزہ خوب چکھیں گی۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ پیشگوئی کُل روئے زمین کے متعلق ہو کیونکہ قرآنی محاورہ کے رو سے یہ پیشگوئی دنیا کے ایک خاص حصہ کی بستیوں کے متعلق ہوسکتی ہے۔ مگر اگر یہ کُل دنیا کے متعلق بھی ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں بہرحال یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جو اس آخری زمانہ میں طاعون کے کیڑوں کے ذریعہ پوری ہورہی ہے جو زمین سے نکلتے ہیں اور انسانوں کو زخمی کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ کیڑا لوگوں کو اس لیے کاٹے گا کہ وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کا انکار کریں گے اسکا مطلب دوسری قرآنی آیات سے واضح ہوجاتا ہے۔ سورۃ القصص میں ہے۔ ماکنا مھلکی القریٰ حتّٰی نبعث فی امھا رسولا یتلوا علیھم اٰیٰتنا وماکنا مھلکی القریٰ الا واھلھا ظٰلمون۔ یعنی ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے جب تک کہ ہم اُن میں سے ایک بستی میں جس کو دوسری بستیوں کی ماں کہا جاسکتا ہے ایک رسول مبعوث نہ کریں اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اُس صورت میں کہ اُن بستیوں کے رہنے والے ظالم ہوں + اس آیت میں ہمیں بتلایا گیا ہے کہ کوئی عام عذاب الٰہی نازل نہیں ہوتا جب تک کہ پہلے ایک رسول مبعوث نہ ہو جو لوگوں کو ڈرائے اور آسمانی نشان دکھائے۔ اور جب دنیا اُن آسمانی نشانوں کا انکار کرتی ہے اور اپنی برے اعمال سے باز نہیں آتی تب خدا تعالیٰ کا غضب اُترتا ہے اور ظالموں کو ہلاک کرتا ہے۔ پس صاف ثابت ہوا کہ وہ عذاب جو آخری دنوں میں دابۃ الارض کے

ذریعہ ظاہر ہوگا اور جس سے ایک دنیا ہلاک ہوگی وہ عذاب نہیں آئیگا جب تک کہ عذاب کے ظہور سے پہلے ایک خدا کا رسول پیدا نہ ہو جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے اور آسمانی نشان دکھاوے۔ قرآن کریم کی اور آیات بھی ہیں جو اسی نتیجہ کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً سورہ بنی اسرائیل میں ہے ماکنا معذبین حتّٰی نبعث رسولًا۔ یعنی ہم عذاب نازل نہیں کرتے جبتک کہ ایک رسول کو نہ بھیج لیں۔ پھر سورہ اعراف میں ہے ما ارسلنا فی قریۃ من نبی الا اخذنا اھلھا بالبأساء والضراء لعلھم یضّرعون۔ یعنی ہم نے کبھی کسی گاؤں میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں کو قحط اور بیماری کے ساتھ پکڑا تاکہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور عاجزی کریں۔ ان تمام آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کبھی کوئی عام عذاب نازل نہیں کرتا جبتک کہ پہلے ایک نذیر پیدا نہ کرے۔ پس ان آیات سے یہ نتیجہ نکلا کہ وہ آخری دنوں کا عذاب جو زمین کے کیڑے کے ذریعہ سے ظاہر ہوگا وہ عذاب نہیں آئیگا جب تک کہ پہلے ایک ڈرانیوالا خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث نہ ہو۔ وہ ڈرانیوالا کون ہوگا۔ اس کا معلوم کرنا بھی دشوار نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے کھلے کھلے الفاظ میں خبر دی کہ آخری ایام میں اُمت محمدیہ میں سے ایک شخص مبعوث ہوگا جس کا نام مسیح ہوگا کیونکہ سلسلہ محمدیہ میں اسی طرح ہوگا جسطرح کہ اسرائیلی مسیح موسوی سلسلہ میں تھا۔ ایک طرف قرآنی آیات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اُس عذاب سے پہلے جو زمین کے کیڑے کے ذریعہ ظاہر ہوگا اور جس میں ایک دنیا مبتلا ہو جائیگی ضروری ہے کہ ایک رسول پیدا ہو جو لوگوں کو ڈرائے اور نشان دکھائے۔ دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے کلمات طیبات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری ایام میں ایک رسول پیدا ہوگا جو مسیح کہلائیگا۔ پس دونوں باتوں کو ملانے سے ثابت ہوا کہ وہ رسول جس کا مبعوث ہونا زمین کے کیڑے کے ظاہر ہونے سے پہلے ضروری ہے وہ رسول وہی ہے جو مسیح موعود کے نام سے دنیا میں آئیگا اور آسمانی نشان دکھائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی طاعون کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے ہمیں صرف یہی نہیں بتلایا کہ آخری زمانے میں ایک خدا کا رسول پیدا ہوگا۔ بلکہ آپ کے کلمات مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس رسول کے زمانہ میں طاعون نمودار ہوگی۔ جو اگر کُل دنیا پر نہیں تو کم از کم ایک حصّہ دنیا پر پھیل جائیگی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ خدا انسانوں کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کریگا۔ اور یہ عذاب مسیح موعود اور اس کے اتباع کی دعا کا نتیجہ ہوگا۔ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے الفاظ کو ذیل میں درج کرتا ہوں۔ اوّل مشکوٰۃ باب حرم المدینہ میں لکھا ہے۔ علیٰ انقاب المدینۃ ملائکۃ لا یدخلھا الطاعون ولا الدجال۔ یعنی مدینہ کے دروازے پر فرشتے ہیں۔ طاعون اور دجّال اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ اس جگہ

طاعون اور دجال کا ایک ہی جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ وہ دونوں ایک ہی زمانے میں ہوں گے۔ لیکن یہ امر ثابت شدہ ہے۔ کہ مسیح اور دجال کا زمانہ بھی ایک ہی ہے۔ کیونکہ دجال مسیح کے ہاتھ سے ہلاک ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ طاعون بھی مسیح کے زمانے میں ظاہر ہوگی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دجال کی طرح طاعون بھی اگر کل دنیا پر نہیں۔ تو کم از کم دنیا کے ایک بڑے حصہ پر پھیل جائیگی۔ دوم۔ مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ میں لکھا ہے۔ فیرغب نبی اللہ عیسےٰ و اصحابہ فیرسل اللہ علیہم النغف فی رقابھم فیصبحون فرسیٰ کموت نفس واحدۃ ثم یھبط نبی اللہ عیسےٰ و اصحابہ الی الارض فلا یجدون فی الارض موضع شبر الا ملاءہ زھمھم ونتنھم یعنی خدا کا نبی مسیح اور اس کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع یعنی دعا کریں گے۔ پس خدا ان لوگوں پر ایک کیڑا بھیجے گا۔ جو انکی گردنوں میں پیدا ہوگا۔ اور لوگ یکایک اس طرح مر جائینگے گویا وہ سب ایک ہی آدمی تھی پھر آخر مسیح اور اس کے ساتھی زمین میں جائیں گے۔ اور ایک بالشت بھر زمین بھی نہیں پائیں گے۔ جو بدبو سے بھری ہوئی نہ ہو۔ اس حدیث میں یہ صاف طور پر بتلایا گیا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں اسکی دعا سے ایک سخت وبا پھیلے گی جو ایک دم میں لوگوں کا خاتمہ کر دیا کریگی۔ یہ الفاظ کہ گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کیا جائیگا۔ صاف طور پر موجودہ طاعون کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں جو لفظ دابۃ آیا ہے اس سے مراد بھی ایک کیڑا ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ جس عذاب کا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ آخری دنوں میں دابۃ من الارض کے ذریعہ نمودار ہوگا اور جس کے پہلے ضروری ہے کہ ایک خدا کا رسول مبعوث ہو وہ عذاب یہی ہے جو اب طاعون کی شکل میں دنیا پر نازل ہوا ہے اور قرآن شریف کا لفظ دابۃ اور احادیث کا لفظ نغف یعنی کیڑا ان سے یہی طاعون کا کیڑا مراد ہے جو لوگوں کو کاٹتا ہے۔ ایک طرف خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آخری دنوں میں ایک عذاب نازل ہوگا جو زمینی کیڑے کے ذریعہ ظاہر ہوگا اور ضرور ہے کہ اس عذاب کے ظہور سے پہلے ایک رسول ظاہر ہو اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آخری دنوں میں ایک خدا کا رسول مسیح کے نام پر دنیا میں ظاہر ہوگا اور اس کے ظہور کے بعد ایک عذاب وبا کی شکل میں نازل ہوگا جس کا موجب ایک کیڑا ہوگا۔ ان دونوں پیشگوئیوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی واقعہ کی خبر دیتی ہیں۔ جو طاعون کی شکل میں آج پوری ہو رہی ہیں۔

اس جگہ یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ مرزا غلام احمدؑ وہی آخری زمانہ کا موعود رسول ہے جس کے ظہور کے بعد اس عذاب کا ظہور ہونا تھا۔ اس کے جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ مرزا غلام احمدؑ کے موعود رسول ہونیکا ہر ایک ثبوت موجود ہے۔ وہ اپنے نشانات کے ساتھ ظاہر ہوا ہے اور اسنے اپنے دعوے کو نہایت ہی

زبردست دلایل کے ساتھ ثابت کر دیا ہے مگر مجھے ضرورت نہیں کہ اُن سب نشانات اور دلایل کو تفصیل کے ساتھ بیان کروں۔ کیونکہ یہی نشان جو میری اس چٹھی کا مضمون ہے احمدؑ کی سچائی ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ طاعون ایک بڑا نشان تھا جس نے موعود رسول کے ظہور کے بعد ظاہر ہونا تھا اور یہ نشان حسب پیشگوئی پورا ہوا جب احمدؑ نے موعود رسول ہونیکا دعویٰ کیا تو اسوقت ملک میں طاعون کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ مگر آپکے دعوی کے بعد اپنے وقت پر طاعون نے ظہور کیا اور احمدؑ کے موعود رسول ہونیکی شہادت دی۔ مگر اگر کوئی شکی طبیعت اسقدر شہادت کے ساتھ سیر نہیں ہو سکتی تو میرے ترکش میں ابھی اور تیر بھی ہیں اور مَیں امید کرتا ہوں کہ جس کی طبیعت میں رتّی بھر بھی انصاف ہوگا وہ یقین کر لے گا کہ احمدؑ جسکی شہادت میں یہ نشانات ظاہر ہو رہے ہیں درحقیقت آخری زمانہ کا موعود رسول ہے۔

احمدؑ کی پیشگوئیاں طاعون کے متعلق۔ طاعون کی پیشگوئی صرف قرآن مجید میں اور احادیث نبوی میں ہی نہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود احمدؑ نے اُسوقت طاعون کے آنیکی پیشگوئی نہایت ہی کھُلے الفاظ میں کی جبکہ دنیا میں اس بیماری کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ چہارم حصہ صدی سے زیادہ عرصہ گذرا ہے کہ احمدؑ نے ایک کتاب براہین احمدیہ لکھی۔ اس کتاب میں آپنے کئی الہامات درج کیے جن میں آنیوالے واقعات کی خبر دی گئی تھی۔ اس کتاب کے صفحہ ۵۱۹ پر مندرجہ ذیل خدا کا کلام درج ہے انت مبارك في الدنيا والآخرة۔ امراض الناس و برکاتہ ان ربك فعال لما يريد۔ یعنی تجھے اس دنیا میں بھی برکت دیگئی ہے اور آنیوالے عالم میں بھی برکت دیگئی۔ تو خدا کی دی ہوئی برکات کے ساتھ لوگوں کی بیماریوں کی خبر لے۔ تیرا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس وحی الٰہی میں کھُلے الفاظ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک زمانہ آنیوالا ہے کہ لوگوں میں بیماریاں پھیلیں گی۔ یہ امر کہ برکاتہ سے کیا مطلب ہے آیندہ جاکر واضح ہو جائے گا۔ براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۶۸ پر ایک اور الہام درج ہے جو حسب ذیل ہے من دخلہ کان آمنا۔ یعنی جو شخص اس (مکان) میں داخل ہوگا وہ امن میں آجائے گا۔ یہ الہام ایک مسجد کے متعلق ہے جو آپکے مکان کا ایک حصّہ ہے۔ اس الہام میں بھی ایک آنیوالی مصیبت کی خبر دی گئی ہے اور یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ اُس مصیبت سے جو دنیا پر آنیوالی ہے آپکا مکان ایک جائے پناہ ہوگا اور جو اس مکان میں داخل ہوگا وہ اس مصیبت سے امن میں رہیگا۔ یہ امر کہ یہ الہام طاعون کے نمودار ہونیکی خبر دیتا ہے آپکے ایک اور الہام پر بحث کرتے ہوئے واضح ہو جائیگا۔

۱۸۸۸ء میں آپنے ایک اشتہار شایع کیا جس میں آپنے لوگوں کو اس امر کی طرف بلایا کہ وہ آپکے ہاتھ پر بیعت کریں۔ اُس اشتہار میں ایک الہام الٰہی درج ہے جسکی بنا پر آپنے یہ بیعت کا اشتہار دیا۔ طاعون کے متعلق وہ الہام بھی خاص توجہ کے لایق ہے۔ اُس میں ایک آنیوالے طوفان کی خبر دیگئی ہے جو نوح کے طوفان کے مشابہ ہوگا۔

اور احمد کو ایک کشتی تیار کرنیکا ارشاد کیا گیا ہے۔ اسی الہام کی بنا پر آپ نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا۔ وہ طوفان آگیا ہے اور ملک کے بڑے حصہ پر پھیل گیا ہے اس امر پر میں انشاء اللہ تعالیٰ آگے جا کر بحث کروں گا کہ احمد کی کشتی پر سوار ہونیسے کسطرح اس طوفان سے نجات ملتی ہے۔ اس بات کے بیان کی ضرورت نہیں کہ جس طوفان کی اس الہام میں خبر دیگئی ہے اُس سے پانی کا طوفان مراد نہیں۔ کیونکہ اگر پانی کا طوفان مراد ہوتا تو احمد کو ایسی کشتی بنانے کا حکم دیا جاتا... جیسی نوح علیہ السلام نے تیار کی تھی یعنی تختوں اور میخوں والی کشتی۔ اس لیے اس طوفان سے مراد ایک ایسی مصیبت ہے، جو اپنی شدت میں طوفان نوح سے مشابہ ہے۔ اور اس امر سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ موجودہ طاعون طوفان نوحؑ سے کچھ کم نہیں۔ اس لیے یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ پیشگوئی جو ایک آنے والے طوفان کی خبر دیتی تھی وہ پوری ہو چکی ہے۔ الہام کے اصل الفاظ حسب ذیل ہیں۔ اصنع الفلک باعیننا ووحینا۔ ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انھم مغرقون۔ یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی تیار کر اور اُن لوگوں کے لیے سفارش یا دعا نہ کر جو ظالم ہیں کیونکہ وہ غرق ہونیوالے ہیں۔

پھر ۱۳۱۱ہجری مطابق ۱۸۹۴ء میں جب رمضان شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ تاریخوں پر کسوف وخسوف کی پیشگوئی پوری ہوئی تو احمد نے اس نشان کے متعلق ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ہے نور الحق حصہ دوم۔ اس کتاب کے صفحہ ۳۸ پر طاعون کے عذاب کے ایسے کھلے الفاظ میں پیشگوئی کی گئی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے وحاصل الکلام ان الکسوف والخسوف اٰیتان مخوفتان واذا اجتمعا فھو تھدید شدید من الرحمٰن واشارۃ الٰی ان العذاب قد تقرر واکد من اللہ لاھل العدوان۔ یعنی کسوف اور خسوف دو ڈرانیوالے نشان ہیں اور اُن کا ایک ہی مہینہ میں جمع ہونا خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک سخت دھمکی ہے کہ سرکشوں کے لیے عذاب مقدر ہو چکا ہے اور اُس کا ظاہر ہونا فیصلہ پا چکا ہے اور ضروری ٹھہر چکا ہے۔ ان الفاظ میں ایک عذاب کی کھلے طور پر پیشگوئی کی گئی تھی اور بڑے پُرزور الفاظ میں بتایا گیا کہ لوگوں کے لیے عذاب مقدر ہو چکا ہے۔

پھر کتاب حمامة البشریٰ صفحہ ۷۹ پر جو ۱۸۹۴ء میں شایع ہوئی آپ تحریر فرماتے ہیں۔ فلما طغی الفسق المبید بسیلہ۔ تمنیتُ لوکان الوباء المتبرٗ فان ھلاک الناس عند اولی النھٰی۔ احب واولی من ضلال یخشرٗ۔ یعنی جب ہلاک کرنیوالے گناہوں کا طوفان حد سے بڑھ گیا تو میں نے دعا کی کہ اے خدا ایک تباہ کرنیوالی وبا بھیج۔ کیونکہ عقلمند کے نزدیک انسانوں کا مر جانا گمراہی سے جو ٹوٹے میں ڈالتی ہے بدرجہا بہتر ہے یہ دعا اُسوقت شایع کی گئی جب ملک میں طاعون کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ یہ دعا دو طرح سے قابل توجہ ہے۔ ان اشعار میں صرف ایک تباہ کرنیوالی وبا کے لیے دعا ہی نہیں کی گئی بلکہ یہ اشعار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس

حدیث کو بھی یاد دلاتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا کہ مسیح موعود کی دعا سے ایک سخت وبا نمودار ہوگی۔ اب ایسا ہی ہوا جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا۔ مسیح موعود نے دعا کی کہ اے خدا تو ایک مہلک بیماری پیدا کر اور خدا تعالیٰ نے آپکی دعا کو قبول کیا اور اپنے قدیم وعدہ کے مطابق ایک تباہ کرنیوالی وبا کو بھیجا۔

اس موقعہ پر ہر ایک شخص خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو بلا اختیار پکار اُٹھیگا کہ درحقیقت وہ نبی ایک عظیم الشان نبی تھا جس نے آج سے ۱۳۰۰ برس پہلے ایسی صاف پیشگوئی کی اور نیز وہ شخص بھی بڑی شان کا آدمی ہے۔ جسکی دعا کو خدا تعالیٰ نے اس طرح سُنا۔ ان واقعات سے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی سچائی اور مسیح موعود کی صداقت ہی ثابت نہیں ہوتی بلکہ خدا تعالےٰ کی ہستی کا ایک بیّن ثبوت ملتا ہے۔ کس نے عرب کے مقدس نبی کو بتلایا کہ ۱۳۰۰ برس کے بعد مسیح موعودؑ وبا کے لیے دعا کریگا اور وہ کون ہے جس نے مسیح موعودؑ کی دعا کو سُنا اور اس کی تمنا کے مطابق ایک وبا کو دنیا میں بھیجا۔ ہر ایک شخص کو ماننا پڑیگا کہ بے شک خدا کے سوا ایسا کوئی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی دہریہ ہے تو پہلے اُس کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے الفاظ کو پیش کرو جنہیں بتلایا گیا ہے کہ مسیح موعودؑ کی دعا سے ایک وبا پیدا ہوگی پھر اُس کے سامنے حمامۃ البشریٰ کھولکر رکھو جس میں طاعون کے ظہور سے بہت عرصہ پہلے مسیح موعودؑ ایک وبا کے لیے دعا کرتا ہے اور پھر اُس کو اُس وبا کی طرف متوجہ کرو جو اس دعا کے جواب میں اس ملک میں ظاہر ہوئی اور پھر اُس سے پوچھو کہ خدا تعالیٰ کے سوا اور کون ایسا کر سکتا ہے۔ یہ واقعات ہیں جن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور مَیں نہیں دیکھتا کہ ایک دہریہ باوجود ان صریح دلایل کے کسطرح خدا تعالیٰ کی ہستی سے انکار کر سکتا ہے۔

پھر اتنا ہی نہیں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ طاعون کا موجب ایک کیڑا ہوگا اور آجکل کی تحقیقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کی تصدیق کرتی ہے اور آپکے الہام کی صداقت کی شہادت دیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسطرح معلوم ہو سکتا تھا کہ اُس وبا کا باعث ایک کیڑا ہوگا اگر خدا تعالیٰ جو ہر ایک پوشیدہ بات کو جانتا ہے آپ کو اطلاع نہ دیتا۔ الغرض اگر حضرت مسیح موعودؑ سوائے مذکورہ بالا اشعار کے طاعون کے متعلق اور کوئی پیشگوئی بھی شایع نہ کرتے تو صرف یہی اشعار آپ کی صداقت کے لیے کافی ثبوت تھے۔ ناظرین کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح موعودؑ کی صداقت کے نشانوں میں قبولیت دعا بھی ایک نشان ہے اور موجودہ صورت میں قبولیت دعا کا ایک عجیب نمونہ پایا جاتا ہے جو آپ کی سچائی کا صریح نشان ہے۔

پھر آپ کی کتاب سراج المنیر میں طاعون کے متعلق ایک اور پیشگوئی ہے یہ کتاب ۱۸۹۷ء میں شایع ہوئی لیکھرام کی موت کا ذکر کرتے ہوئے جو آپ کی پیشگوئی کے مطابق واقع ہوئی آپ اس کتاب کے صفحہ ۵۹ پر لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ سورہ اعراف میں فرماتا ہے ان الذین اتخذوا العجل سینالھم غضب من ربھم وذلۃ فی الحیوۃ الدنیا وکذلک نجزی المفترین یعنی جنہوں نے گوسالہ پرستی کی انپر غضب کا عذاب پڑیگا اور دنیا کی زندگی میں انکو ذلت پہنچے گی اور اسی طرح ہم دوسرے مفتریوں کو سزا دیں گے اور یہ ایک

لطیف اشارہ ان گوسالہ پرستوں کی طرف بھی ہے جو اس دوسرے گوسالہ یعنی لیکھرام کی پرستش کرنے میں ظلم اور خونریزی کے ارادوں تک پہنچ گئے خدا کے علم سے کوئی شے باہر نہیں وہ خوب جانتا تھا کہ ہندو بھی لیکھرام کی پرستش کر کے اسکو گوسالہ بنائیں گے اس لیے اُس نے کذٰلک کے لفظ سے لیکھرام کے قصّے کی طرف اشارہ کر دیا۔ توریت خروج باب ۳۲ آیت ۳۵ سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر گوسالہ پرستی کے سبب سے موت بھیجی تھی یعنی ایک وبا اُن میں پڑ گئی تھی جس سے وہ مر گئے تھے...... اُسی مقام کے متعلق اس عاجز کو الہام ہوا ہے یامسیح الخلق عدوانا یعنی اے خلقت کے لیے مسیح ہماری متعدی بیماریوں کے لیے توجہ کر۔ اور براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۹ میں اسی کی طرف اشارہ ہو جیسا کہ وہ عزّ اسمہٗ فرماتا ہے انت مبارک فی الدنیا و الأخرۃ امراض الناس وبرکاتہ ان ربک فعال لما یرید۔ یعنی تجھے دنیا اور آخرت میں برکت دی گئی ہے خدا کی برکتوں کے ساتھ لوگوں کی بیماریوں کی خبر لے کہ تیرا رب جو چاہتا ہے کرتا ہو دیکھو یہ کس زمانہ کی خبریں ہیں اور نہ معلوم کس وقت پوری ہونگی ایک وہ وقت ہے جو دعا سے مرتے ہیں اور دوسرا وہ وقت آتا ہے کہ دعا سے زندہ ہوں گے۔"

مندرجہ بالا عبارت میں ایک صریح پیشگوئی اس امر کی پائی جاتی ہے کہ اس ملک میں وبا پھیلے گی حضرت مسیح موعودؑ نے صرف قرآن شریف کے الفاظ سے ہی یہ نتیجہ نہیں نکالا بلکہ آپ نے اپنے الہامات کو بھی درج کیا ہے جن میں بتلایا گیا ہے کہ اس ملک میں طاعون پھیلنے والی ہے۔ اور آخر لوگ آپکی طرف توجہ کریں گے اور وبا کے دُور ہونے کے لیے دعا کی درخواست کریں گے۔ پھر ۶۔ فروری ۱۸۹۸ء کو آپنے ایک اشتہار شایع کیا جس میں لوگوں کو آنیوالی طاعون سے ڈرایا اس اشتہار میں طاعون کی مندرجہ ذیل پیشگوئی پائی جاتی ہے "اور ایک ضروری امر ہے جس کے لکھنے پر میرے جوش ہمدردی نے مجھے آمادہ کیا ہے اور مَیں خوب جانتا ہوں کہ جو لوگ روحانیت سے بے بہرہ ہیں اسکو ہنسی اور ٹھٹھے سے دیکھیں گے مگر میرا فرض ہے کہ مَیں اسکو نوع انسان کی ہمدردی کے لیے ظاہر کروں اور وہ یہ ہے کہ آج جو ۶ فروری ۱۸۹۸ء روز یکشنبہ ہے مَینے خواب میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں اور وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں مَینے بعض لگانیوالوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے میری پر یہ امر مشتبہ رہا کہ اُس نے یہ کہا کہ آیندہ جاڑے میں یہ مرض بہت پھیلے گا یا یہ کہا کہ اس کے بعد کے جاڑے میں پھیلے گا لیکن نہایت خوفناک نمونہ تھا جو مَینے دیکھا۔ اور مجھے اس سے پہلے طاعون کے بارہ میں الہام بھی ہوا اور وہ یہ ہے ان اللّٰہ لا یغیّر ما بقوم حتّٰی یغیّروا ما بانفسھم۔ انّہٗ اوی القریۃ۔ یعنی جبتک دلوں کی وبا معصیت دُور نہ ہو تب تک ظاہری وبا بھی دُور نہیں ہوگی۔" اس اشتہار کے آخر میں چند فارسی شعر ہیں جن میں آنیوالی طاعون کا خوفناک رنگ میں نقشہ کھینچا گیا ہے۔ مَیں اُن میں سے بعض اشعار بطور نمونہ یہاں درج کرتا ہوں۔ آپ لکھتے ہیں

گر آں چیزے کہ می بینم عزیزاں نیز دیدندے ❋ ز دنیا توبہ کردندے بچشم زار و خونبارے
خور تاباں سیہ گشت است از بدکاریٔ مردم ❋ زمیں طاعوں ہمیں آرد پئے تخویف و انذارے
بہ تشویش قیامت ماند ایں تشویش گر بینی ❋ علاجے نیست بہر دفع آں جز حسن کردارے
من از ہمدردی ات گفتم تو خود ہم فکر کن بارے ❋ خرد از بہر ایں روز است اے دانا و ہشیارے

یہ اشتہار اُسوقت شایع کیا گیا جب پنجاب طاعون سے پاک تھا صرف ایک دو گاؤں میں طاعون ابھی پھوٹی ہی تھی اور وہ مناسب ذرایع استعمال کرنیسے دوسرے دیہات میں پھیلنے سے روکی جاسکتی تھی۔ مگر اس اشتہار کے مطابق وہ بیماری کُل پنجاب میں خوفناک رنگ میں پھیل گئی اور جو نقشہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے اشتہار میں کھینچا ہے وہ اب ہر ایک کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے اور الہامات اور پیشگوئیاں بھی ہیں جن میں طاعون کے آنیکی خبر دی گئی تھی۔ مگر جو الہامات اور پیشگوئیاں مَیں پیش کر چکا ہوں وہ اس امر کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ایسے وقت میں طاعون کے آنیکی صاف اور کُھلے کُھلے الفاظ میں پیشگوئی کی جب کہ ملک میں طاعون کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اسطرح نہ صرف قرآن شریف اور احادیث میں آخری زمانہ کے رسول کے عہد میں ایک لمبی اور شدید وبا کے پھیلنے کی پیشگوئی پائی جاتی ہے بلکہ اُس رسول نے خود اس وبا کے پھیلنے کی قبل از وقت خبر دی اور اب کچھ بھی شک اس امر میں باقی نہیں رہتا کہ اِس وبا کا آنا اس رسول کی صداقت کے لیے ایک نشان ہے۔ جن کتابوں اور اشتہارات کا مَینے ذکر کیا ہے وہ سب موجود ہیں اور ہر ایک شخص ان کو دیکھ سکتا اور اپنی تسلّی کر سکتا ہے۔

بائبل اور طاعون:- اس جگہ اس پیشگوئی کا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے جو نئے عہدنامہ میں طاعون کے متعلق موجود ہے۔ جب حواریوں نے حضرت مسیح سے سوال کیا کہ آپکی دوبارہ آمد کے کیا نشان ہوں گے تو حضرت مسیح نے جواب دیا کہ ایک قوم دوسری قوم پر چڑھائی کریگی اور ایک سلطنت دوسری سلطنت پر چڑھائی کریگی اور مختلف مقامات میں قحط ہونگے اور مری پڑیگی اور زلزلے آئیں گے۔ اب اس پیشگوئی کے مطابق نہ صرف مری پڑی ہے بلکہ دوسرے سب علامات جن کا حضرت مسیح نے ذکر کیا ہے وہ سب ایسی صحیح طور پر پوری ہوئی ہیں کہ کوئی شخص اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر شک نہیں کر سکتا۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ جب کبھی اس پیشگوئی کا ذکر کیا جاتا ہے تو ہندوستان کے پادری خصوصاً ایک صاحب پادری اکبر مسیح سخت غیظ میں آجاتے ہیں۔ اور بڑی طیش میں آکر کہتے ہیں کہ مسیح ان علامات کے ظہور کے بعد ظاہر ہونا چاہیئے تھا نہ پہلے۔ یہ صاحبان خیال کرتے ہیں کہ مسیح موعود کی سچائی کا صرف یہی پیشگوئی ایک ثبوت ہے گویا یہ ہمارے مشن کا ایک ستون ہے اور اگر یہ ستون ہٹا لیا جائے تو یہ ساری عمارت گر کر نابود ہو جائیگی۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی انکے سامنے اس پیشگوئی کا ذکر کیا جاتا ہے

تو یہ لوگ نیلے پیلے ہو جاتے ہیں اور لڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ انکو معلوم ہونا چاہیئے کہ مسیح موعودؑ کے دعوی کا انحصار انجیل کی اس پیشگوئی پر ہرگز نہیں ہے۔ ہمنے اسی لیے انجیل کا ذکر قرآن شریف۔ احادیث اور مسیح موعودؑ کے الہامات کے بعد کیا ہے تا عیسائیوں کو معلوم ہو کہ ہم طاعون کی پیشگوئی کے لیے انجیل کے ہرگز محتاج نہیں ہیں۔ انجیل متی میں اس پیشگوئی کا ہونا مسیح موعودؑ کے دعوی کی قوت کو زیادہ نہیں کرتا اور اگر ہم فرض کرلیں کہ یہ پیشگوئی انجیل متی میں موجود نہیں ہے تو اس سے مسیح موعودؑ کے دعوی میں ذرا بھی کمزوری واقع نہیں ہوتی۔ طاعون کی پیشگوئی قرآن شریف میں موجود ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیشگوئی کو بیان کیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے خود بارہا قبل از وقت اس پیشگوئی کو شایع کیا۔ اس لیے ہمیں انجیل متی کی ذرا بھی پروا نہیں۔ ہم خدا تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں کہ اسنے ہمیں متی۔ لوقا۔ یا یوحنا کی احتیاج سے بچالیا۔ اگر ہم ان کتابوں کا ذکر کریں تو یہ ہمارا عیسائیوں پر احسان ہے کہ ہم ان کی کتابوں کی بعض پیشگوئیوں کا قرآن شریف اور احادیث اور مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں کے ساتھ ذکر کرکے انکی کتابوں کو ایک عزت دیتے ہیں۔ طاعون کی پیشگوئی چار جگہ موجود ہے۔ متی کی انجیل میں۔ قرآن مجید میں احادیث میں اور مسیح موعودؑ کی تحریروں میں۔ مؤخر الذکر تین جگہوں میں طاعون کا مسیح موعود کے ظہور کے بعد ظاہر ہونا لکھا گیا ہے اس لیے اگر متی کی انجیل میں کوئی ایسا لفظ ہے جس سے یہ پایا جاتا ہے۔ کہ طاعون پہلے ظاہر ہوگی اور مسیح موعودؑ بعد میں آئیگا تو ہمیں یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ متی نے پیشگوئی کی روایت میں غلطی کی کیونکہ باقی تین پیشگوئیاں یعنی قرآن مجید۔ احادیث اور مسیح موعودؑ کی پیشگوئیاں متعلق طاعون یہ بیان کرتی ہیں کہ طاعون بعد میں ظاہر ہوگا اور مسیح پہلے آئیگا۔ اور واقعات بھی متی کے بیان کی تغلیط کرتے ہیں اور قرآن شریف اور احادیث کی پیشگوئی کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ مدعی پہلے ظاہر ہوا اور اس کی تصدیق میں قرآنی پیشگوئی اور مخبر صادق کی خبر کے مطابق اور خود اس مدعی کے الہامات کے مطابق طاعون بعد میں ظاہر ہوا پس اگر متی نے کوئی ایسا لفظ لکھا ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ طاعون مسیح موعود سے پہلے آئیگا تو ہمیں متی کی روایت کو غلط ٹھہرانا چاہیئے۔ اور قانون قدرت اور خود انبیاءؑ کی تاریخ بھی متی کے بیان کے مخالف ہے کیونکہ گذشتہ تاریخ اور سنت اللہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ پہلے ایک ڈرانیوالا آتا ہے جو تبلیغ کرتا ہے اور نشانات دکھلاتا ہے اور جب دنیا اسکو رد کرتی ہے اور اسکی آواز کو نہیں سنتی اور وہ انپر حجت پوری کرچکتا ہے اسوقت اور نہ پہلے عذاب نازل ہوتا ہے اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ پہلے ایک ڈرانیوالا آئے اور بعد میں عذاب آئے اگر لوگ عذاب کے مستحق ہوں۔ نہ یہ کہ عذاب پہلے آئے اور ڈرانیوالا بعد میں۔ عارضی طور پر وبائیں وغیرہ لوگوں کے گناہوں کی سزا کے لیے آسکتی ہیں مگر ایک مسلسل اور ہلاک کردینے والا عذاب جو قیامت برپا کردے ایسا عذاب نہیں آسکتا جب تک پہلے ایک نذیر ظاہر نہ ہو۔ مَیں عیسائیوں سے پوچھتا ہوں کہ جس عذاب کا نقشہ انجیل متی میں کھینچا گیا ہے کیا ایسا عذاب ایک ڈرانیوالے کے آنیکے بغیر آسکتا ہے؟ کیا جب وبائیں اور قحط

اور جنگ دنیا کا قریباً خاتمہ کر دینگے اُسوقت تمھارا مسیح ظاہر ہوگا؟ کیا وہ کھنڈرات پر چلنے اور خون کے دریاؤں اور سڑی ہوئی لاشوں کی سیر کرنیکے لیے آسمان سے اُتریگا؟ ایسے وقت میں اُسکے اُترنے سے کیا فایدہ؟ غرض اس سے زیادہ کوئی حماقت کی بات نہیں کہ یہ خیال کیا جائے کہ جب دنیا وباؤں اور لڑائیوں اور زلزلوں اور قحطوں سے تباہ ہو چکے گی اُسوقت اُنکے لیے ایک واعظ آئیگا۔ عیسائیوں کے لیے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ اگر متی نے کوئی ایسا اشارہ کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا پہلے تباہ ہوگی اور مسیح بعد میں آئیگا تو اُسے متی کی اپنی غلطی قرار دیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو وہ وقت قریب آرہا ہے کہ انکو خود اس پیشگوئی کو جھوٹا کہنا پڑیگا۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ انجیل کی وہ پیشگوئی جس میں زلزلوں۔ وباؤں اور قحطوں اور جنگوں کی خبر دی گئی ہے ایک حیرت انگیز طور پر پوری ہو رہی ہے اور متی کے خیال کے مطابق بھی اب مسیح کا آنا قریب ہے۔ اب اگر کچھ عرصہ تک مسیح آسمان سے فرشتوں اور نقاروں کے ساتھ نہ اُترے تو عیسائیوں کو مایوس ہو کر کہنا پڑیگا کہ متی پر افسوس جس نے ہمیں دھوکہ دیا۔ مسیح آچکا تھا اور نشانات ظاہر ہو چکے تھے مگر ہم آسمانوں کی طرف ہی دیکھتے رہے اور وقت گذر گیا۔ غرض ہم عیسائیت پر ایک احسان کرتے ہیں جب ہم اناجیل کی پیشگوئی کا قرآن مجید احادیث اور مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور ہم یسوع مسیح کو ایک عزت دیتے ہیں جب ہم اپنے پیارے نبی اور اپنے مقدس احمدؑ کے مبارک ناموں کے ساتھ اس کے نام کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اگر پادری صاحبان کو یہ امر پسند نہیں تو ہم ان پیشگوئی کو جو پادریوں کے ہاتھ میں ہے بڑی خوشی سے ردّی کی طرح پھینکنے کے لیے تیار ہیں کیونکہ ہمیں اس پیشگوئی کی ذرا بھی حاجت نہیں۔ پادریوں کو معلوم ہے کہ مسیح کے اقوال کئی سال بعد قلمبند کیے گئے اور ان میں غلطی کا داخل ہو جانا بالکل ممکن تھا۔ پھر معلوم نہیں پادری صاحبان کیوں اسقدر متی کے ایک ایک لفظ پر اڑتے ہیں جبکہ واقعات متی کی غلطی کو ثابت کر چکے ہیں۔

اب مَیں ثابت کر چکا ہوں کہ قرآن مجید میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں اور مسیح موعودؑ کی تصانیف میں آخری زمانہ کے رسول مسیح موعودؑ کے زمانہ میں طاعون کا ظاہر ہونا بیان کیا گیا ہے اور یہ سب پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں اور مسیح موعودؑ کی صداقت کی شہادت دیتی ہیں۔ اب مَیں چند اور امور ذیل میں لکھتا ہوں جن سے اور بھی کھلے طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضرور یہ طاعون مسیح موعودؑ کی صداقت کا ایک نشان ہے۔

احمدؑ کی پیشگوئی اپنے دار کے متعلق۔ پہلا امر جس سے ثابت ہوتا ہے کہ طاعون مسیح موعودؑ کا ایک نشان ہے یہ ہے کہ مسیح موعودؑ نے اپنے نفس کے متعلق اور اپنے گھر کے متعلق بارہا یہ پیشگوئی شایع کی ہے کہ نہ صرف مَیں بلکہ ہر ایک شخص جو میرے گھر کی چاردیواری کے اندر رہتا ہے طاعون سے محفوظ رہیگا تا لوگوں پر ظاہر ہو کہ طاعون میرے لیے بطور نشان کے ظاہر ہوئی ہے۔ آپ کی اس پیشگوئی کی بنیاد ایک الہام پر ہے

جو حسب ذیل ہے۔

انی احافظ کل من فی الدار۔ یعنی ہر ایک شخص جو اس گھر میں رہتا ہے میں اُس کی حفاظت کروں گا۔
ہم روزمرہ اس پیشگوئی کی صداقت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ قادیان میں ایک سے زیادہ دفعہ طاعون نمودار ہوئی یہاں تک کہ وہ مکان بھی طاعون سے مؤثر ہوئے جو آپ کے گھر کے بالکل متصل ہیں مگر آپ کے گھر میں جسقدر لوگ رہتے تھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب کے سب محفوظ رہے۔ آپ کا گھر ہر وقت بھرا رہتا ہے کیونکہ اُس میں نہ صرف آپ کے اہل و عیال بود و باش رکھتے ہیں بلکہ اور بھی بہت سے لوگ بمعہ اپنے بیوی بچوں کے آپ کے مکان کے اندر رہتے ہیں۔ طاعون کے دنوں میں آپ کبھی اپنے مکان کو نہیں چھوڑتے۔ بلکہ اپنے احباب کو بھی جہانتک ممکن ہو اپنے مکان میں جگہ دیتے ہیں تا وہ بھی خدا کی خاص حفاظت سے حصہ لیں۔ علاوہ اسکے طاعون کے ایام میں گرد و نواح کے لوگ جوق در جوق آتے ہیں اور آپ کی مسجد مبارک جو آپ کے مکان کا ایک حصہ ہے ایسے لوگوں سے بھری رہتی ہے جو طاعون زدہ علاقوں سے آتے ہیں تا آپ کی زیارت سے مشرف ہوں اور آپ کے ساتھ مصافحہ کریں اور اپنے لیے دعا کرائیں۔ لیکن باوجودیکہ اسقدر آپ [illegible] اندر اور مسجد میں آدمیوں کا ہجوم رہتا ہے آپ کا مکان خدا تعالیٰ کے فضل سے محفوظ چلا آرہا ہے۔ اور احمدؑ نے بارہا یہ اعلان کیا ہے کہ اگر کسی کو اس نشان میں جو آپ کے مکان کی حفاظت کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ شک ہو تو وہ اپنے لیے اور اپنے گھر میں رہنے والوں کے لیے ایسی ہی حفاظت کا اعلان کرے اگر وہ ایسا کریگا تو یقیناً خدا تعالیٰ اُسکو اور اس کے گھر کو تباہ کریگا تا سچ اور جھوٹ میں تمیز ہو اور یہ ثابت ہو جاوے کہ مسیح موعودؑ اور اُس کے گھر والوں کی حفاظت واقعی خدا تعالیٰ کی طرف سے اور خدا تعالیٰ کے ارادہ سے ہے۔ ممکن ہے کہ بہت سے مکانات طاعون کے حملہ سے محفوظ رہیں مگر صرف محفوظ رہنا اور امر ہے اور حفاظت کا قبل از وقت اعلان کرنا اور اُس اعلان کے مطابق محفوظ رہنا یہ اور امر ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں کوئی نشان نہیں مگر دوسری صورت اپنے اندر ایک نشان رکھتی ہے میں پہلے براہین احمدیہ کے ایک الہام منہ دخلہ کان اٰمنا کا ذکر کر آیا ہوں۔ یہ الہام بھی اسی حفاظت کے متعلق ہے جسکا انی احافظ کل من فی الدار میں وعدہ دیا گیا ہے۔

احمدؑ کی پیشگوئی قادیان کے متعلق

دوسرا امر جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ طاعون مسیح موعودؑ کے لیے بطور نشان کے بھیجی گئی ہے مسیح موعودؑ کی پیشگوئی قادیان کے قریہ کے متعلق ہے۔ آپ کے الہامات آپ کے گاؤں کے متعلق حسب ذیل ہیں۔

(۱) انہ اوی القریۃ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے اس گاؤں کو ہلاکت سے بچا لیا۔ (۲) لولا الاکرام لھلک المقام۔ یعنی اگر تیری عزت کا پاس نہ ہوتا تو یہ گاؤں نابود کر دیا جاتا۔ (۳) انی احافظ کل من فی الدار۔ یعنی میں ہر ایک شخص کی جو اس گھر میں رہتا ہے حفاظت کروں گا۔ لفظ اوی جو پہلے الہام میں آیا ہے اُس سے

ایسی پناہ اور حفاظت مراد ہوتی ہے جو تکلیف میں مبتلا ہونیکے بعد ملے۔ اس کی مثال قرآن شریف میں موجود ہے۔ حضرت مسیح اور آپ کی والدہ ماجدہ کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ واٰوینٰھما الیٰ ربوۃ ذات قرار و معین یعنی ہم نے ان دونوں کو ایک ایسے ٹیلے (یعنی اونچی اور پہاڑی زمین) میں جگہ دی جو بڑے آرام کی جگہ تھی اور جہاں چشمے اور نہریں بہتی تھیں اس میں ملک کشمیر کی طرف اشارہ ہے جہاں حضرت مسیح نے صلیب کے دردناک واقعہ کے بعد پناہ حاصل کی۔ اب کس کو معلوم نہیں کہ حضرت مسیح واقعی ایک مصیبت میں گرفتار ہوئے اور تکلیف اٹھائی اور انکو سخت درد اور دکھ اٹھانیکے بعد پناہ دیگئی۔ یہی لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی آیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے الم یجدك یتیماً فاٰوی۔ یعنی کیا خدا تعالیٰ نے تم کو یتیم پاکر پناہ نہیں دی۔ یہاں بھی لفظ آوی ایسی پناہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو ایک ابتلا کے بعد دیگئی۔ ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ آوی ایسی صورت میں استعمال ہوتا ہے جب پہلے ایک ابتلا اور تکلیف پہنچے اور اس کے بعد پناہ دی جاوے۔ اب یہی لفظ پہلے الہام یعنی انه اوی القریة میں قادیان کے متعلق استعمال کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیان میں طاعون کا آنا ضروری تھا کیونکہ اگر قادیان طاعون سے بالکل محفوظ رہتی تو لفظ اوی اسپر صادق نہیں آسکتا تھا اس طرح لفظ اوی میں دو پیشگوئیاں تھیں۔ ایک یہ کہ قادیان میں طاعون نمودار ہوگی۔ دوم یہ کہ قادیان طاعون میں مبتلا ہونیکے بعد ہلاکت سے بچالیا جائیگا۔ اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بہتسے گاؤں ایسے بھی ہیں جو طاعون سے بالکل نابود کیے جائیں گے اور قادیان بھی اس قابل تھا کہ انہیں دیہات کی طرح طاعون سے بالکل نابود کر دیا جاتا مگر خدا تعالیٰ مسیح موعودؑ کی خاطر حسب مفہوم لفظ اوی طاعون میں مبتلا کرنیکے بعد اسکو اپنی پناہ میں لے لیگا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ لفظ اوی کی یہ تشریح بعد میں نہیں سوجھی بلکہ قبل از وقت اس لفظ کے معنی لکھ لکھ کر بیان کر دیئے گئے تھے اور یہ بتلا دیا گیا تھا کہ اس لفظ کے مفہوم کے رو سے ضرور ہے کہ قادیان میں طاعون نمودار ہو مگر خدا تعالےٰ اسکو ہلاکت سے بچالے گا دیکھو کتاب دافع البلاء صفحہ ۵۔ باقی کے دو الہام بھی اسی نتیجہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ چنانچہ دوسرا الہام یہ ہے لولا الاکرام لھلك المقام۔ یعنی اگر تیری عزت کا پاس نہ ہوتا تو یہ مقام اس قابل تھا کہ بالکل نابود کر دیا جاتا کیونکہ یہ نہایت ہی سخت اور بدکار دشمنوں کا مقام ہے۔ تیسرے الہام یعنی انی احافظ کل من فی الدار سے بھی یہی پایا جاتا ہے خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ تیرا گھر طاعون سے محفوظ رہے گا صاف بتلا رہا تھا کہ اس گاؤں میں طاعون آنیوالی ہے کیونکہ اگر کل گاؤں ہی طاعون سے کلی طور پر محفوظ رہنا تھا تو ایک گھر کی تخصیص کے کیا معنے۔ ایک اور بات بھی قابل غور ہے جو لفظ گاؤں کے متعلق استعمال کیا گیا ہے۔ وہ اوی ہے اور جو لفظ خاص دار کے واسطے استعمال کیا گیا ہے وہ اُحافظ ہے۔ ان دو الہاموں میں دو مختلف لفظوں کا استعمال کرنا توجہ کے قابل ہے۔ جو لفظ خاص دار کے واسطے استعمال کیا گیا ہو اُسکے

سے کامل حفاظت کے ہیں اور جو لفظ عام گاؤں کے واسطے استعمال کیا گیا ہے اُس کے معنے ایسی حفاظت کے ہیں جو مصیبت کے بعد دی جاوے۔ ایک اور الہام میں جو دار کے متعلق ہے امن کا لفظ آیا ہے اور لفظ احافظ اور امن دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی پورے طور پر بچایا جانا بغیر مصیبت میں مبتلا ہونے کے۔ عام گاؤں کے متعلق ان دونوں لفظوں میں سے کوئی بھی استعمال نہیں کیا گیا۔ برخلاف اسکے۔ گاؤں کے متعلق ایک ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس میں مصیبت میں مبتلا ہونا اور پھر بچایا جانا پایا جاتا ہے۔ سو اس لفظ کے مفہوم کے مطابق قادیان طاعون میں مبتلا ہوا مگر تھوڑے سے عذاب کے بعد بچا لیا گیا۔

مسیح موعودؑ کی کشتی:۔ مسیح موعودؑ نے جو پیشگوئی اپنے اتباع کے متعلق کی ہے وہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طاعون مسیح موعودؑ کی سچائی کا ایک نشان ہے۔ آپ نے ایک کتاب شایع کی ہے جس کا نام ہے کشتی نوح۔ اس کتاب میں آپ نے اپنی تعلیم کو شایع کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے اتباع میں سے جو لوگ اس تعلیم پر پورے طور پر کاربند ہونگے اُنکو خدا تعالیٰ طاعون سے محفوظ رکھے گا۔ اس کے متعلق آپکا ایک الہام حسب ذیل ہے۔ ان الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئٰک لھم الامن واولئٰک ھم المھتدون۔ یعنی اُن لوگوں کے لیے امن ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے نہیں ملایا۔ اور ایسے لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ آپ کا ایک اور الہام اس مضمون کے متعلق حسب ذیل ہے **آگ سے ہمیں مت ڈراو آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے**۔ ان الہامات سے پایا جاتا ہے کہ آپکے سچے اتباع جو کامل طور پر آپ کی تعلیم پر چلتے ہیں اور حقیقی طور پر دین کو دنیا پر مقدم کرتے ہیں طاعون سے محفوظ رہیں گے لیکن صرف زبان سے مان لینا مگر تعلیم پر پورا پورا کاربند نہ ہونا طاعون سے حفاظت حاصل کرنیکے لیے کافی نہیں اسجگہ پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر سارے مرید اس حفاظت میں شریک نہیں ہیں اور اگر بعض اسی طرح طاعون میں مبتلا ہو سکتے ہیں جیسے دوسرے لوگ مبتلا ہوتے ہیں تو پھر ہم کسطرح پہچانیں گے کہ طاعون مسیح موعودؑ کا نشان ہے اور مسیح موعودؑ پر ایمان لانا اور اُس کے نصائح پر کاربند ہونا طاعون سے بچنے کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ مگر پیشتر اسکے کہ میں اس سوال کا جواب دوں میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ آپ ایک دوا کا مفید ہونا کسطرح پہچانتے ہیں۔ کیا آپ صرف اُسی دوا کو مفید سمجھتے ہیں جو ہمیشہ اور ہر ایک بیمار کی صورت میں کارگر ہو یا ایسی دواؤں کو بھی مفید قرار دیتے ہیں جو اکثر بیماروں کی صورت میں کارگر ہوتی ہیں۔ مثلاً طاعون کا ٹیکا بطور حفظ ماتقدم کے جاری کیا گیا تھا اور اب پھر اُسکو جاری کرنے کی تجویز ہو رہی ہے اور اُسکو نہایت ہی مفید علاج قرار دیا گیا ہے مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ علاج کُل صورتوں میں کارگر ثابت ہو چکا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ پس اس علاج کو جسکو مسیح موعودؑ پیش کرتا ہے اسی طرح پرکھو جسطرح تم ہر ایک علاج کو پرکھا کرتے ہو۔ اگر وہ لوگ جو اس آسمانی ٹیکو کیطرف

رجوع کرتے ہیں دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ محفوظ رہیں اور نسبتاً ان میں ایک نمایاں امن اور سلامتی پائی جائے تو یقیناً ہمیں اس علاج کو مفید علاج قرار دینا چاہیئے یقین رکھو کہ یہ طاعون کا یقینی علاج ہے اور اس کے سوا اور کوئی علاج نہیں مگر اس کو آزمانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی پوری خوراک استعمال کی جائے۔ اگر ایسے لوگ جو صرف اس دوا کو چکھتے ہیں مگر پوری خوراک نہیں کھاتے طاعون سے مر جائیں تو اس سے دوا پر الزام نہیں آتا۔ کیا پانی کا ایک قطرہ پیاس کو بجھا سکتا ہے یا روٹی کا ایک ٹکڑا بھوکے کو سیر کر سکتا ہے۔ اگر تم اس علاج کو اسی طرح آزماؤ جس طرح تم باقی علاجوں کو آزمایا کرتے ہو تو تم یقیناً دیکھو گے کہ اس علاج کو استعمال کرنے یا استعمال کرنیکا دعویٰ کرنیوالے دوسرے لوگوں کی نسبت اللہ تعالےٰ کے فضل سے زیادہ محفوظ اور زیادہ امن میں ہیں۔ مثلاً قادیان میں ایک دو دفعہ بیماری آئی ہے مگر خدا تعالےٰ کے محض فضل سے احمدی جماعت عام طور پر محفوظ رہی حالانکہ کل بڑے بڑے آریہ جنہوں نے احمدی سلسلہ کے مقابل میں ڈیرہ جمایا تھا اور مدرسہ تعلیم الاسلام کے مقابل میں ایک مردانہ اور ایک زنانہ سکول کھولا تھا اور احمدی سلسلہ کے اخباروں کے مقابلہ میں ایک اخبار جاری کیا تھا اور ہمارے جلسوں کے مقابل میں جلسے قایم کرنے شروع کیے تھے اُن سب کو طاعون نے اپنا لقمہ بنایا اور اب نہ وہ اخبار رہا نہ وہ مدرسے رہے اور نہ وہ جلسے رہے اور نہ ہی وہ آریہ رہے۔ آریوں کی یہ ہلاکت اور احمدی جماعت کی اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ حفاظت ایک عقلمند آدمی کے لیے غور کا مقام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خدا تعالیٰ اس سلسلہ کے ہر ایک ممبر کو طاعون سے محفوظ رکھ سکتا ہے مگر ایسا کرنا نہ صرف اسکے قانون کے برخلاف ہے بلکہ اس سے بہت سے بُرے نتایج پیدا ہو سکتے ہیں۔ اگر ہر ایک شخص جو حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے طاعون سے بچایا جاوے اور اُن میں سے کوئی بھی طاعون سے نہ مرے تو پھر کون ایسا شخص ہے جو اپنی جان بچانے کے لیے مسیحؑ کے ہاتھ پر ہاتھ نہ رکھے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بدمعاش اور شریر لوگ بھی اس سلسلہ کو طاعون سے حفاظت کا ذریعہ سمجھ کر اس سلسلہ کی پناہ ڈھونڈیں گے مگر خدا تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس سلسلہ میں ناپاک اور گندے لوگ داخل ہوں اور ابتدا ہی میں یہ سلسلہ ایسے ناپاک اور پلید لوگوں کے ملنے سے خراب ہو جائے۔ خدا تعالیٰ اس سلسلہ سے بہت پیار کرتا ہے اور اسکو پاکیزہ اور مقدس بنانا چاہتا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ یہ سلسلہ ناپاک لوگوں کے ملنے سے ناپاک ہو جائے۔ وہ نہایت ہی بدقسمت سلسلہ ہے جس میں ابتدا ہی میں گندے لوگ داخل ہو کر سلسلہ کو ناپاک کر دیں۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ اس علاج کا کارگر ہونا اور طاعون کا آپ کی سچائی کا ایک نشان ہونا ایک اور ذریعہ سے بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ طاعون آپکے اتباع کی تعداد کو گھٹائے طاعون کے آنیسے انکی تعداد میں اور بھی نمایاں ترقی ہوگی اور آخر کار لوگ اس سلسلہ کی ترقی کو حیرت سے دیکھیں گے اور تعجب کریں گے کہ کیا وجہ ہے کہ طاعون کے ایام میں اور فرقوں کی تعداد گھٹ گئی ہے مگر اس فرقہ کی تعداد میں بجائے کمی کے ایک حیرت انگیز ترقی واقع ہوئی ہے۔ اگر طاعون کے ایام میں یہ فرقہ بجائے گھٹنے کے بڑھ جائے تو یہ اس امر کا صریح

ثبوت ہوگا کہ یہ بیماری اس سلسلہ کے فایدہ کے لیے آئی ہے اور اس کی سچائی کا ایک نشان ہے خصوصاً جب کہ اس فرقہ کے مقابل میں دوسرے فرقوں میں دیکھا جائے گا کہ طاعون کے آنیسے انکی تعداد میں ایک بڑی کمی اور نقصان واقع ہوا ہے۔ پس طاعون کے ایام میں اس سلسلہ کے ممبروں کی نمایاں اور حیرت انگیز ترقی اس امر کا یقینی ثبوت ہوگا کہ جس آسمانی ٹیکے کے لیے مسیح موعود بلاتا ہے وہ اس مرض کا یقینی علاج ہے اور جن لوگوں نے اس ٹیکے کو قبول کیا ہے انکے لیے یہ ٹیکا نہایت مبارک ثابت ہوا ہے۔ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ طاعون مسیح موعودؑ کی سچائی کا ایک نشان ہے، یہ پیشگوئی قرآن مجید میں پائی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعودؑ کے زمانہ میں طاعون کے آنیکی خبر دی۔ خود حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات اس کے آنیکی خبر دیتے تھے۔ اور علاوہ اسکے حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بھی اعلان دیا کہ آپ خود وہ خود طاعون سے محفوظ رہیں گے بلکہ ہر ایک شخص جو آپکے گھر کی چار دیواری میں ہے طاعون سے بچایا جائیگا اور آپکے سلسلہ کے ممبر عام طور پر طاعون سے سلامتی اور امن میں رہیں گے اور طاعون کے آنیسے جب دوسری قوموں میں کمی اور نقصان واقع ہوگا آپ کی جماعت اور بھی ترقی کرے گی۔ اس کے علاوہ بائبل کی پیشگوئیاں بھی یہی بیان کرتی ہیں کہ طاعون کا ظاہر ہونا مسیح موعودؑ کا نشان ہوگا۔ ان تمام امور سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ طاعون مسیح موعودؑ کی سچائی کی شہادت دینے کے لیے نمودار ہوئی ہے۔ جن امور کو میں نے پیش کیا ہے وہ سب ایسے ہیں کہ کوئی شخص ان سے انکار نہیں کرسکتا اس لیے جو نتیجہ ان سے پیدا ہوتا ہے کہ طاعون مسیح موعودؑ کا ایک نشان ہے یہ بھی قطعی ہے۔

طاعون کا خاتمہ:- طاعون کا انجام ابھی دور ہے۔ مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہونیوالا ہے وہ اس سے بدتر ہے جو ہو چکا ہے۔ آپ کا ایک تازہ الہام ہے کہ شہروں کو دیکھ کر رونا آئے گا۔ آپکے ایک اور تازہ الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ اور دوسرے عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی طاعون پڑیگی جو بہت سخت ہوگی۔ آپ کا ایک تیسرا الہام ہے کہ کابل کی ریاست میں پچاسی ہزار کے قریب آدمی مریں گے۔ ممکن ہے کہ یہ پیشگوئی بھی طاعون ہی کے ذریعے پوری ہو۔ مگر باوجود اس کے ایک ایسا وقت بھی آنیوالا ہے کہ طاعون کا نام و نشان بالکل مٹ جائیگا۔ حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام اُس زمانہ کی مندرجہ ذیل الفاظ میں خبر دیتا ہے۔ یاتی علٰی جھنم زمان لیس فیھا احد۔ یعنی اس جہنم (طاعون) پر ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے جبکہ اس میں ایک شخص بھی نہیں رہے گا۔ اس الہام میں طاعون کے نابود ہونیکی خبر دی گئی ہے مگر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ طاعون کس طرح نابود ہوگی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے جن الہامات میں طاعون کے آنیکی خبر دیگئی تھی انہی میں یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ طاعون کس طرح جائیگی۔ طاعون کے جانے کے متعلق آپکے الہامات حسب ذیل ہیں۔ اوّل۔ انّ اللّٰہ لا یغیّر ما بقوم حتّٰی یغیّروا ما بانفسھم۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس وبا کو دُور نہیں کریگا جب تک کہ لوگ گناہوں کی وبا کو دُور نہ کریں۔ دوم۔ یا مسیح الخلق عدوانا۔ اے جو دنیا کے لیے مسیح بنا کر بھیجے گئے ہو اس متعدی بیماری میں ہماری خبر لو اور مدد کرو۔ سوم۔ یا ولی اللہ کنت

جو کچھ میں لکھ چکا ہوں وہ اس بات سے

لا اعرفک - یعنی زمین مسیح موعودؑ کو مخاطب ہو کر کہتی ہے - اے اللہ کے دوست - میں تجھے نہیں پہچانتی تھی - ان تمام الہامات سے پایا جاتا ہے کہ ایک ایسا وقت آنیوالا ہے جبکہ زمین کی قومیں ان عذابوں سے تنگ آ کر آخر مسیح موعودؑ کیطرف رجوع کریں گی - اور درخواست کرینگی کہ ہم پہلے آپ کو نہیں پہچانتے تھے - اب آپ ہمارے لیے دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ اس وبا رسے نجات دے - براہین احمدیہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک اور الہام ہے جو اسی کے متعلق ہے اور جو حسب ذیل ہے انت مبارك فی الدنیا والاٰخرة - امراض الناس وبرکاته - ان ربك فعال لما یرید - یعنی تجھ کو اس دنیا میں برکت دیگئی اور آنیوالے عالم میں برکت دیگئی - تو خدا کی برکات کے ساتھ لوگوں کی بیماریوں کی خبر لے - تیرا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے - چوتھائی صدی سے زیادہ عرصہ گذرا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو یہ الہام ہوا اور اس میں دو پیشگوئیاں تھیں - اوّل یہ کہ لوگوں میں بیماریاں پھیلیں گی - دوم یہ کہ آخر مسیح موعودؑ کی دعاؤں کی برکت سے رفع ہونگی - چونکہ الہام کا ایک حصہ پورا ہو چکا ہے اس لیے یقین کیا جا سکتا ہے کہ دوسرا حصہ بھی پورا ہو گا - اس الہام اور اس قسم کے دیگر الہامات کا ذکر کرتے ہوئے آپ سراج منیر صفحہ ۶۰ پر لکھتے ہیں - "دیکھو یہ کس زمانہ کی خبریں ہیں اور نہ معلوم کس وقت پوری ہونگی ایک وہ وقت ہے جو دعا سے مرتے ہیں (لیکھرام کی موت کی طرف اشارہ ہے) اور دوسرا وہ وقت آتا ہے کہ دعا سے زندہ ہوں گے" میں نے جو کچھ کہنا تھا کہدیا ہے - ناظرین کو چاہیئے کہ اسپر غور فرماویں - و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین - (نامہ نگار)

بابی مذہب (۲)

بابی مذہب کے فرقے

ہم نے کسی گذشتہ اشاعت میں جہاں بابی مذہب کے متعلق ایک مضمون لکھکر اس سلسلہ کی تاریخ کو زمانہ وفات بہاء اللہ تک (جو ۱۸۹۲ء میں واقعہ ہوئی تھی) پہنچایا تھا ...... یہ کہا تھا کہ بہاء اللہ کے پیرو بہائی سلسلہ کو بابی سلسلہ کا ناسخ مانتے ہیں - اور سلپنے مذہب کا نام بھی بہائی مذہب ہی تجویز کرتے ہیں مگر ہم اس کا ذکر بابی مذہب کے نام سے ہی کرینگے کیونکہ ایک تو عام طور پر مشہور نام اس مذہب کا بابی مذہب ہی ہے - اور دوم اصل بات یہ ہے کہ اگر علی محمد باب دعویٰ نہ کرتا تو حسین علی بہاء اللہ کے دعاوی کتم عدم سے ظہور پذیر ہی نہ ہونے پاتے اس لیے ہم اس سلسلہ کا نام بابی سلسلہ ہی زیادہ پسند کرتے ہیں - باب کا بہاء اللہ پر کچھ تھوڑا احسان نہیں کیونکہ اس نے صرف اتنا ہی نہ کیا کہ بہاء اللہ کے دعوے کے لیے ایک رستہ تیار کر دیا بلکہ بہائی دعوے کا اصل اصول ہی باب تھا - اگرچہ بہاء اللہ ایسا ناشکر گذار نکلا کہ اس نے

البیان کی نسبت جو بابی مذہب کی کتاب مقدس ہے ظاہر کیا کہ یہ کتاب بالکل باطل اور بیکار ہے۔ لیکن اسے یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا کہ یہ سلسلہ اس نے آپ ہی شروع کیا تھا۔ یہ عزت علی محمد باب کو ہی حاصل ہے اور اس لیے حق یہی ہے کہ یہ سلسلہ اپنے اصلی بانی مبانی کے نام سے موسوم کیا جائے۔

اسجگہ پر ہم اپنے ناظرین کی آگاہی کے لیے وہ چند باتیں درج کرتے ہیں جن سے یہ پتہ لگ سکے کہ کن وجوہ پر بہاء اللہ کے معتقد بابی کہلانے سے عار کرتے ہیں اور بہائی کہلانیکو ترجیح دیتے ہیں۔ بابی مذہب میں جو اوّل اوّل دو فرقے پیدا ہوئے ان میں سے ایک کا نام ازلی ہے اور دوسرے کا بہائی۔ ازلی فرقے کا بانی مرزا یحیٰی تھا۔ یہ شخص بھی باب کا معتقد تھا اور اپنے آپ کو "صبح ازل" کہا کرتا تھا۔ اسی لیے اس فرقہ کا نام بھی ازلی فرقہ ہوا۔ اسی طرح بہائی سلسلہ کا حسین علی بانی بنا۔ چونکہ یہ شخص اپنے آپ کو بہاء اللہ کہتا تھا اس لیے اس کے فرقہ کا نام بہائی مشہور ہوا۔ اس بات کا ذکر گذشتہ مضمون میں آچکا ہے کہ باب کا اصلی خلیفہ مرزا یحیٰی تھا۔ باب کے مرنیکے بعد مرزا یحیٰی نے اپنی طرف سے باب کے مذہب میں کمی بیشی کو دخل نہ ہونے دیا۔ بلکہ اس کے مذہب پر پورے طور سے کاربند رہا۔ ایک گروہ جو بابی تعلیمات اور عقاید پر کاربند رہنا پسند کرتا تھا وہ تو بدستور مرزا یحیٰی کی اطاعت میں مخلص اور منقاد رہا اور بہائی سلسلہ کے فضول اور واہیات عقاید سے متنفر رہا۔ لیکن ایک دوسرا گروہ جو بہائی کہلایا اور بہاء اللہ کی طرف ہو گیا اس نے اپنا ایک نیا مذہب ہی تجویز کر لیا جس سے بابی تعلیمات اور عقاید بالکل جدا اور مختلف تھی۔ بہائی مذہب کی ایسی کامل علیحدگی دیکھکر سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہاء اللہ کا باب کے ساتھ کیا تعلق تھا؟ ہم اس سوال کا ذیل میں جواب دیتے ہیں۔ لیکن یہ ایسا امر ہے کہ اس کی تشریح کے لیے ہمیں علی محمد باب کے دعاوی کی طرف رجوع کرنا پڑیگا۔

واضح رہے کہ بابی سلسلہ کے بانی کا پہلا دعوی یہ تھا کہ "میں باب یعنی دروازہ ہوں"۔ بہائی لوگ اسکی تعبیر یوں کرتے ہیں کہ علی محمد کی اس دعوے سے اصل غرض یہ تھی کہ جسطرح یوحنا بپتسمہ دینے والا (حضرت یحیٰیؑ) جو ایلیا ثانی تھا یسوع مسیح (جو یہودیوں کا مسیح موعود تھا) کے آنیسے پہلے آیا تھا اور جسطرح اسکا یسوع مسیح سے پہلے آنا ضروری تھا اسی طرح وہ یعنی باب بھی بہاء اللہ کے آنیسے پہلے آیا اور اسی طرح اس کا آنا بہاء اللہ کے آنیسے پہلے ضروری تھا گویا باب کے معنے ایک پیچھے آنیوالے کی خوشخبری دینے والا تھا۔ لیکن یہ ان لوگوں کی سراسر غلط فہمی ہے۔ دراصل علی محمد نے باب کا نام اس غرض سے ہرگز اختیار نہ کیا تھا بلکہ اس نام کو اس نے شیخی فرقہ سے لیا تھا۔ اس بات کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ علی محمد شیخی فرقہ کا ایک سرکردہ مرید تھا۔ اور اس فرقہ کا اعتقاد تھا کہ امام مہدی موعود زمانہ غیبوبت صغری میں چار دروازوں سے اپنے معتقدوں اور مریدوں سے کلام کریگا یہ چار متواتر باب تھے جن سے انکی مراد یہ تھی کہ امام مہدی معہود اور انکے مخلص متبعین کے درمیان چار شخص ایسے ہونگے جن کے ذریعہ اُن کے درمیان تعلق و رشتہ ہو گا۔ اور یہی وہ واسطہ تھا جسکی بنا پر علی محمد نے باب کا لقب اختیار کیا۔ اور انہی معنوں میں شیخی فرقہ کے سارے ممبروں نے

پہلے پہل علی محمد کے باب ہونیکے دعوے کو قبول کر لیا تھا۔ اس وقت وہ صرف نزول امام مہدی کا قایل تھا۔ لیکن جب اُس نے دیکھ لیا کہ لوگوں نے اس کے اس دعوے کو بلا قیل و قال تسلیم کر لیا ہے تو پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ درمیانی عہدہ ”باب“ تو اپنے ایک مرید کو دیدیا اور آپ مہدی ہونیکا دعویٰ کر دیا۔ جیساکہ خود بابی لوگ کہتے ہیں۔ مگر در اصل نیا لقب جو علی محمد نے اختیار کیا تھا وہ ”نقطہ“ تھا۔ اور اس لفظ سے مراد اسکی یہ تھی کہ میں وہ مرکزی نقطہ ہوں کہ جسمیں پہلے تمام سلسلے منتہی ہوتے ہیں۔ اس لقب کو اُس نے اس نیت سے اختیار کیا تھا کہ اسکے یہ معنے سمجھے جائیں کہ ایک آخری مصلح کے آنیکے متعلق جتنی پیشگوئیاں ہو چکی ہیں وہ سب اسی نقطہ کے لیے تھیں اور اسی کے حق میں پوری ہو چکی ہیں۔ پس اس خیال سے علی محمد نے لقب ”باب“ سے آگے بڑھکر لقب نقطہ اختیار کر لیا۔ لیکن اس لقب نے ایسی شہرت حاصل نہ کی جتنی کہ لقب باب کر چکا تھا۔ عام طور پر اسکو لقب باب ہی سے پہچانا جاتا ہے۔ جیساکہ پیچھے ذکر آچکا ہے باب کی سب سے بڑی تصنیف کتاب ”البیان“ ہے۔ جو اسکے سارے مشن کا لب لباب اور مخزن ہے۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس کتاب میں ایک آنیوالے موعود کی نسبت پیشگوئیاں درج ہیں اور اس موعود کا نام من یظہرہ اللہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی پیشگوئیاں باب نے اپنے سارے دعوے کر چکنے کے بعد لکھیں۔ اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ جب بہت ساری کوششوں کے بعد اسکو یقین ہو گیا کہ اس کے اپنے دعوے کچھ ایسے سرسبز نہیں ہو سکے۔ اور سب طرف سے ناکامی ہی ناکامی نظر آئی۔ تو اس نے اپنے مریدوں کے دلوں سے اس ناکامی کے احساس کو دور کرنیکی یہ تجویز کی کہ انہیں ایک اور آنیوالے کی انتظار میں لگا رکھے تا اسکی مشن کی آخری کامیابی کی امیدیں انکے دلوں میں زندہ رہیں اور روز بروز استحکام پکڑتی جائیں۔ اسی خیال کو مدنظر رکھکر اس نے انہیں ایک عظیم الشان موعود کے آنیکی انتظار میں ڈالدیا جسکی نسبت اس نے ظاہر کیا کہ وہ بڑی شان و شوکت سے آئیگا اور بابی مذہب کو اسکی بدولت بڑا غلبہ نصیب ہوگا۔ غرض جب باب اپنے دعویٰ کی کامیابی سے مایوس ہوا اور جماعت معتقدین کا شیرازہ بگڑتا دیکھا تو اُسوقت اُسے انکو یہ تسلی دینی پڑی۔

ہم آگے چلکر اس بات کو دکھائیں گے کہ حسین علی میں جس نے آخرکار بہاء اللہ کا لقب اختیار کر لیا۔ اکثر سرکردہ بابیوں نے کوئی ایسا وصف نہ پایا جس سے وہ ان پیشگوئیوں کا مصداق ٹھہرایا جا سکتا۔ بلکہ بڑے تعجب کی بات تو یہ ہے کہ وہی شخص جسپر باب کو کمال درجہ کا اعتبار اور اعتماد تھا۔ اور جو اس کا سب سے بڑا مصاحب تھا حسین علی کی تردید اور مخالفت کرتا رہا طرفہ یہ ہے کہ تمام لوگ جو حسین علی کے مخالف تھے وہ اس کے دعاوی کے تردید میں البیان ہی کو پیش کرتے تھے علی محمد باب کو فوت ہوئے تیرہ ۱۳ سال گذر چکے تھے کہ جب حسین علی نے اپنے دعویٰ کی پٹڑی جمانی شروع کی وہ لوگ جنکو باب کی صحبت میں بکثرت رہنے کا موقعہ ملتا تھا اور جنہوں نے اس قسم کی پیشگوئیاں اسکی اپنی زبان سے بار بار سُنی تھیں انہوں نے ہی حسین علی کے دعویٰ کی مخالفت کی۔ اور اسے قبول کرنے سے انکار کیا۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ

جنسے بہاء اللہ کے ظہور کے متعلقہ مزعومہ پیشگوئیوں پر سخت شکوک وارد ہوتے ہیں۔

حسین علی (بہاء اللہ) علی محمد باب سے دو برس بڑا تھا اور اس کے بعد بھی بہت لمبی عمر تک زندہ رہا۔ بہائی لوگوں کا بیان ہے کہ حسین علی کی آمد کے متعلق پیشگوئیوں سے سارا البیان لبریز ہے۔ یہ حسین علی باب کا مخلص مرید تھا اور ہمیشہ اُس کی خدمت میں رہا کرتا تھا اور اسکی پیشگوئیوں کو بھی وہ سنتا ہوگا۔ اب یہ حیرانی کی بات ہے کہ جس موعود کی آمد کی نسبت باب ہمیشہ پیشگوئیوں کا بڑے زور شور سے ذکر کرتا رہتا تھا وہی شخص اسکی صحبت میں دن رات پڑا رہتا ہو لیکن باب اسکو شناخت کرنیسے قاصر رہا ہو کیسی تعجب کی بات ہے کہ اس موعود کے عشق میں وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ایسا جان گداختہ ظاہر کرتا رہتا ہو کہ کوئی عاشق بھی اپنے کسی معشوق کے ہجر اور فراق میں ایسی گشتگی نہ دکھاتا ہو۔ اور وہ محبوب و معشوق جس کے دیدار کے لیے وہ سسکتا ہو در اصل اسکے قدموں میں پڑا رہتا ہو اور اس کے مسائل اور عقاید کا معتقد بنا ہوا ہو۔ اور اسکی حلقہ بگوشی اپنا فخر سمجھ رہا ہو۔ لیکن وہ عاشق اسکو بالکل دیکھ ہی نہ سکا ہو۔ باب کا یہ بھی قول ہے کہ جو شخص اُس موعود کے منہ سے ایک آیت سُنکر پڑھیگا تو اسکو اتنا اجر ملیگا جو ہزار دفعہ سارا البیان پڑھنے سے بھی نہیں حاصل ہو سکے گا" لیکن اسجگہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حسین علی ہی وہ شخص موعود تھا جسکی نسبت اتنی بڑی پیشگوئیوں پر باب ہمیشہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں زور دیتا تھا تو اس بات میں کونسا حرج تھا کہ یہ پتہ بھی بتا دیتا کہ یہی حسین علی وہ شخص موعود ہے۔ تاکہ بابی لوگ بجائے اس کے کہ اسکے اشارات اور کنایات کو سنتے رہتے اور اسطرح اصل مقصد سے دُور پڑے رہتے اس موعود موجود کی طرف رجوع کر کے اپنے دلوں کا اطمینان حاصل کرتے اور اس کے مُنہ سے ایک جملہ یا آیت ہی سُنکر (بقول باب) اجر عظیم حاصل کر لیتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ باب نے حسین علی کو اسلیے نہ پہچانا تھا کہ خدا نے اسکو جتایا نہ تھا۔ کہ یہی وہ شخص ہے۔ کیونکہ وہ اس بات سے زیادہ ظاہر کرنیکا پابند نہ تھا جو اسپر ظاہر ہوئی تھی تو یہ بات صحیح نہیں ہو سکتی موعودوں کے متعلق سنت اللہ ایسی واقعہ نہیں ہوئی کہ انکو عام طور پر پوشیدہ رکھا جاوے خداتعالیٰ کی طرف سے موعود اس لیے آتے ہیں کہ وہ ظاہر ہوں اور اپنے دعووں کو روشن کریں اور لوگوں کی ہدایت کا موجب ہوں۔ البتہ ایک ایسی عمر تک جب تک کہ ان کے قویٰ پورے طور پر نشوونما نہیں پالیتے اور وہ موعودی عمر بلوغت کو نہیں پُہنچ جاتے اسوقت تک کبھی کبھی خدا انکو پوشیدہ بھی رکھا کرتا ہے اور انکی تربیت اور پرورش بھی پوشیدہ ہی کرایا کرتا ہے۔ گو انکی فطرت اسوقت بھی پھوٹ پھوٹ پڑتی ہے۔ لیکن اسجگہ معاملہ برعکس ہے حسین علی عمر میں علی محمد باب سے بھی دو سال بڑا ہے مگر وحی الٰہی علی محمد پر نازل ہوتی ہے۔ خدا کی طرف یہ لغو کام ہم کیونکر منسوب کر سکتے ہیں کہ اصل موعود کی بجائے ایک دوسرے شخص پر وحی نازل کرے کہ ایسا ایسا شخص ظاہر ہونیوالا ہی حالانکہ خود وہ موعود اس وحی کے زیادہ قابلیت رکھتا ہی اور موجود بھی ہے۔ اگر باب اس بلوغ کو پُہنچ چکا تھا جس میں وحی الٰہی نازل ہو سکتی ہے تو حسین علی بدرجہ اولیٰ اس بلوغ کو پُہنچ چکا تھا ایسی حالت میں باب کا حسین علی کو نہ پہچاننا اور باب کے مرنیکے بھی تیرہ

برس بعد حسین علی کا باب کی پیشگوئیوں کی بنا پر اپنے لیے ایک لقب تجویز کرنا اور دعوے کا اعلان کرنا اسکی اپنی تکذیب کا ثبوت ہے۔

سب سے بڑھکر تعجب کی بات تو یہ ہے کہ بہائی لوگ بہار اللہ کی آمد کو البیان کی پیشگوئیوں پر مبنی قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ کتاب اس قسم کی پیشگوئیوں سے لبریز ہے لیکن وہ اس کتاب کو پیش نہیں کرتے چند جملے ایسے ہیں کہ جنکو بار بار یہ لوگ اپنی تقریروں اور تحریروں میں دوہراتے رہتے ہیں۔ جو نقل در نقل ہوتے چلے جاتے ہیں اور خود وہ لوگ جو ان کا حوالہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں دیتے اور انکی بنا پر بعض دعوے ثابت کرنا چاہتے ہیں ان جملوں کی اصل کتاب میں اپنی آنکھوں سے دیکھنے سے بھی محروم ہیں۔ اگر یہ لوگ البیان کو جان بوجھکر عام لوگوں میں شایع نہیں کرتے تو اس سے یہ نتیجہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس میں ضرور ایسی باتیں درج ہونگی جو حقیقت میں بہار اللہ کے دعویٰ کی سخت مخالف پڑتی ہونگی۔ اور اگر ایسا حال ہے کہ خود بابیوں کو بھی اس کتاب کی زیارت نصیب نہیں ہوسکتی یا صفحۂ دنیا پر یہ کتاب موجود ہی نہیں تو اس کی نسبت یہ دعویٰ کرنا کہ اس میں بہار اللہ کی آمد کے متعلق کوئی پیشگوئی درج ہے باطل اور عبث ٹھہرتا ہے۔ انصاف تو یہ ہے کہ جب تک اصل ثابت نہ کیا جائے اسوقت تک یہ بہت نامعقول بات ہے کہ پبلک پر من یظہرہ اللہ کے متعلق اس میں پیشگوئی کے وجود کا تقاضا کیا جائے۔ یہ بات بھی بہت حیرت انگیز ہے کہ ایک کتاب جو خدا کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجی گئی ہو جس میں خدا کا کلام ہو۔ وہ کتاب اپنا مقصد جسکے اتمام کے لیے وہ نازل ہوئی ہے غیر مکمل اور ناقص چھوڑ کر روئے زمین سے ہی نیست و معدوم ہوجائے۔ یہ ایک ایسا امر ہے۔ جو اس کتاب کے بطلان پر دلیل غالب ہے۔ اب پھر جب ہم بہار اللہ کی طرف توجہ کرتے ہیں تو ہم یہ بات تو اس میں دیکھتے ہیں کہ باب کی نسبت وہ تعظیم اور تکریم سے گفتگو کرتا ہے۔ لیکن وہ اسکو بھی نوع انسان کے لیے کسی طرح مفید نہیں سمجھتا۔ چنانچہ اس کے مرنیکے بعد تیرہ سال ہی کے عرصہ میں اسکی شریعت کو بالکل منسوخ کر دیا۔ اور یہ اعلان کر دیا کہ اس سلسلہ کی غرض دنیا میں کوئی باقی نہیں رہی۔ اس میں کلام نہیں کہ بعض باتوں میں تقاضا اور مصلحت وقت کے لحاظ سے بہار اللہ مجبور تھا کہ باب سے اختلاف کرتا۔ چنانچہ ایسے اہم امور میں اس نے باب سے اختلاف کیا ہے اور یہ ایک ایسی راہ تھی کہ جسپر اگر بہار اللہ نہ چلتا تو ضرور تھا کہ اس سارے کاروبار کا تار و پود بگڑکر تباہ ہوجاتا۔ لیکن البیان جیسی ضروری کتاب جس کی نسبت خود باب نے کہا ہوا تھا کہ ایسی بے مثل ہے کہ کوئی شخص اس کے ایک حرف اور نقطہ کی برابری نہیں کرسکتا۔ ایسی ضروری اور اہم کتاب سے حسین علی کا قطعی طور پر انکار کرنا ایک ایسی کارروائی بہار اللہ کی طرف سے تھی کہ جسکو کوئی معمولی سے معمولی سچا بابی ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا اور پسند نہیں کرسکتا تھا۔ جیساکہ ہم ابھی اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ باب پہلے پہل تو صرف امام مہدی کی آمد کا پیش خیمہ بنتا تھا۔ لیکن بعد میں وہ آپ ہی تخت مہدیت پر بیٹھ گیا۔ اور علانیہ اور مخفی طور پر لوگوں پر ظاہر کرتا رہا کہ ایرانی حکومت کے برخلاف جہاد کرنا بڑے ثواب کا کام ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی سلطنت کو اسکی

ان باتوں کی خبر پہنچگئی کہ اس شخص نے رعیت کو برانگیختہ کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اس لیے بابیوں پر سر اُٹھاتے ہی حکومت کی طرف سے سختی ہونی شروع ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ جب تک بابی لوگ حکومت ایران کے برخلاف جنگ وجدال پر تُلے رہے اسوقت تک حکومت کی طرف سے بھی اُنپر عقوبت روا رکھی گئی۔ لیکن جب انہوں نے ہتھیار ڈالدیئے اور اطاعت اختیار کرلی تو پھر مذہبی عقاید کے اختلاف کی بنا پر حکومت کی طرف سے کوئی چھیڑ چھاڑ انکے برخلاف نہ رہی۔ اور اگرچہ ابھی تک انتظاماً سرگروہوں کو زندان ہی میں محفوظ رکھا گیا تھا۔ لیکن مذہب کے اختلاف کی وجہ سے کوئی بابی اس کے بعد قتل نہیں کیا گیا۔ باب کی زندگی میں بابیوں نے شاہ کے برخلاف طرح طرح کی سازشیں کیں اور مقابلے کیے اور اسکے مرنیکے بعد بھی کچھ عرصہ تک وہ اسی جنون میں سرگشتہ رہے لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ اور انجام کار جس سزا کے مستوجب تھے اسکو پہنچتے رہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ باب نے ایرانی حکومت کے برخلاف جہاد کا اعلان کیا تھا چنانچہ اس بات کا مفصل ذکر مصنف رسالہ ایقاظ الغافل نے اپنے رسالہ میں جو اُس نے بابیوں کی تردید میں لکھا تھا صفحہ ۱۱ پر درج کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ "باب نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ جو لوگ میرا انکار کریں اُنپر جہاد کرو۔ اور یہ بھی اعلان کیا کہ میرے منکروں کو قتل کرنا جائز اور نیکی کا کام ہے۔" اس میں کلام نہیں کہ یہ بیان باب کے ایک مخالف مصنف کا ہے اور اس وجہ سے کوئی شخص اس کی صداقت پر شبہ کرنیکا حق رکھ سکتا ہے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عملی طور پر بابیوں نے اپنے مذہب کے پھیلانے اور باب کی حمایت میں تیغ اُٹھائی اور بہت کُشت وخون کی تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ باب کی طرف سے کنایت یا صراحت سے کوئی ایسی تعلیمات ضرور انہیں دیگئی ہونگی۔ جنسے بزور شمشیر اپنے سلسلہ کا پھیلانا انہوں نے ایک کار خیر سمجھ لیا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اگر باب کی طرف سے کوئی ایسی تعلیم نہ ہوتی جسکی کسی تاویل کا اثر اسکے مریدوں پر ایسا ہوتا تو اسکے مرید ہرگز ایسا نہ کرتے۔ پھر جب خود باب کا تلوار اُٹھانا ثابت ہے تو مخالف کا بیان صاف طور پر سچا سمجھا جاتا ہے۔ تاریخی واقعات اسی کی شہادت دیتے ہیں۔ یہ ثابت ہے کہ بابیوں نے شاہ ایران کے افواج کے ساتھ باقاعدہ جنگ کیے۔ یہ بھی غور کا مقام ہے کہ اگر باب کی طرف سے جہاد کے خیال انکے دماغوں میں نہ جمائے جاتے تو وہ کیونکر باقاعدہ افواج بن سکتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی غور طلب امر ہے کہ متفرق طور پر اگر کہیں کوئی بابی رہتا تھا تو اسکے امن میں حکومت کی طرف سے کبھی کوئی خلل نہیں ڈالا گیا۔ نہ کوئی مزاحمت ہوئی اور نہ کوئی اس طرح قتل ہی ہوا۔ اس قسم کا کوئی واقعہ اگر ہوا ہوگا تو وہ شاذونادر ہوا ہوگا۔ ہم کو تاریخ تو یہ دکھلا رہی ہے کہ کئی مقامات پر بابی افواج شاہی افواج کے مقابلہ میں آئیں اور باقاعدہ نبرد آزمائی کے اسباب وسامان سے مسلح اور مرصع ہوکر خوب لڑیں۔ ایسے مقابلوں میں جو کشت وخون ہوتا ہے اسکو حکومت کی طرف سے عقوبت اور اذیت کے نام سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ بابیوں نے خود سلطنت کے امن میں خلل اندازی کی اور شاہی افواج کو زخمی کیا اور اُنپر حملے کیے اور خود مقابلوں میں مارے گئے۔

باب کے مرجانیکے بعد اس کے جانشینوں نے جہاد کی تعلیم کو تو چھوڑ دیا لیکن کچھ عرصہ تک وہ بھی گورنمنٹ کی مخالفت کرتے

رہے یہانتک کہ ایکدفعہ بادشاہ کے قتل کے لیے بھی ایک سازش کی۔ البتہ مرزا یحیٰی جو باب کا اصلی جانشین تھا اس نے اپنی زندگی امن سے بسر کی۔ لیکن بابیوں کی گذشتہ کارروائیوں نے گورنمنٹ کو انکی طرف سے ایسا بدظن کر دیا تھا کہ انکے حالات و حرکات کی نگرانی کی طرف بہت توجہ رکھنی ضروری سمجھی گئی۔ گذشتہ مضمون میں ذکر آچکا ہے کہ حسین علی مرزا یحیٰی کا چھوٹا بھائی تھا اور تیرہ سال تک برابر اپنے بھائی کو اپنا روحانی پیشوا مانتا رہا۔ اور اس کی اطاعت اور خوشنودی اپنا مایۂ فخر سمجھتا رہا۔ لیکن پھر موقع پاکر اس نے آپ ہی ایسا بڑا دعویٰ کر دیا جو مرزا یحیٰی کے وہم میں بھی نہ تھا۔ اس شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ میں خدا کا مظہر ہوں یعنی انسانی شکل میں خدا ہوں۔ اور میں وہی ہوں جس کی نسبت باب نے پیشگوئی کی تھی۔ یہ حسین علی چونکہ ایک بڑا ہشیار آدمی تھا اس نے جب اس بات کو محسوس کیا کہ سلطنت کی مخالفت کے اظہار سے بہت ناکامیوں اور نقصان کا تحمل ہونا پڑتا ہے اور باب کی حرکات سے سلطنت کو ایسی بدگمانی ہوگئی ہے کہ وہ اس فرقہ کیطرف سے مطمئن نہیں رہی تو اس نے اپنی پالیسی ہی بدل ڈالی اور اپنی تعلیم میں بہت بڑا زور تحمل اور بردباری پر دینا شروع کر دیا۔ اور یہ وعظ کرنا اپنا طریق بنا لیا کہ تم سب سختیوں اور مصیبتوں کو بڑے صبر اور بردباری سے برداشت کرو۔ اس طرز تعلیم سے اسکی غرض یہ تھی کہ تا باب کے مسائل جہاد اور اسکی کارروائیوں سے جو بدظنی حکومت کو ہوگئی تھی وہ دُور ہو جائے۔ اسکی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آگئی تھی کہ جہادی تعلیم سے باب اور اسکی جماعت پر طرح طرح کی مصیبتیں آئیں اور کئی کئی طرح وہ ہلاک ہوئے۔ اس لیے اُن کے بعد صلح پسندی کی راہ ہی سلامتی اور امن کا موجب ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ بار بار اسی تعلیم کو زور سے پھیلاتا۔ چنانچہ اپنی ایک کتاب میں وہ لکھتا ہے "ہم نے بہت الواح میں اپنے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ جن باتوں سے انہیں گزند پہنچے اُن سے پرہیز کریں۔ اور جنسے نفع پہنچے انہیں عمل میں لائیں۔ اے بندگانِ خدا! ہر طبقہ کے لوگوں سے محبت اور شفقت سے عمر بسر کرو۔ بدامنی پھیلانا اور اس قسم کے سارے کاموں سے تم کو منع کیا جاتا ہے۔ خداوند عالمین کی یہ بہت بڑی ممانعت ہے۔ اگرچہ پہلے دنوں میں اس قسم کے الفاظ اس اعلیٰ قلم سے نکلے تھے جو صریح طور پر اس جدید حکم الٰہی کے مخالف تھے۔ اسجگہ اس قسم کے جملوں کی ایک مثال لکھی جاتی ہے تحقیق ریاکاری سے گردنیں لمبی ہوگئی ہیں۔ اے دنیا کو فتح کرنیوالے تیری حماقت کی تلواریں کہاں ہیں؟ ان الفاظ میں جھگڑا اور بغاوت غرض نہیں رکھی گئی تھی۔ مقصود ان سے یہ تھا کہ ظالموں کی ظلم اور مشرکوں کی شرارت کا اظہار کیا جائے تا ہر ایک آدمی کو معلوم ہو جائے کہ زمین کے فراعنہ کا ظلم اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس سے ایسی آیت کے اعلیٰ قلم سے نکلنے کی ضرورت ہوئی۔ لیکن اب میں خدا کے بندوں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ کسی ایسے بیان پر عمل نہ کریں اور ایسے افعال سے لوگوں پر مصیبت نہ ڈھائیں۔ کیونکہ اس بڑے ظہور میں مدد کرنا صرف عقلمندی اور کھول کھولکر بیان کرنے پر منحصر ہے" یہ جملے بہاء اللہ کی ایک تصنیف سے مقتبس ہیں۔ ان سے صاف عیاں ہو رہا ہے کہ باب کے کلام میں ایسے الفاظ موجود تھے جو باب کے مریدوں کو واقعی طور پر تلوار اٹھانے پر مجبور کرتے تھے لو یہ کہ بہاء اللہ کے احکام اس بارہ میں کہ تم

صلح اور امن سے رہو ان احکام سے بالکل مخالف تھے جو اس سلسلہ کے ابتدائی زمانہ میں بابیوں کو باب کی طرف سے دیئے گئے تھے۔ ان باتوں سے صاف ثابت ہے کہ باب نے اپنے متبعین کو جہاد کرنیکا حکم دیا اور بہاء اللہ کی تحریر... اس امر کی تائید کرتی ہے۔ اگر بہاء اللہ صرف اتنا ہی کرتا کہ وہ باب کے اس مذکورہ بالا قابل اعتراض حکم کو منسوخ کرتا تو پھر بھی یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ اس کا مشن باب کے مشن کی تکمیل کے لیے تھا لیکن اس نے اسیقدر پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اسنے ساری البیان ہی کو منسوخ قرار دیدیا اور جن مقتدر بابیوں نے اسکے مشن کو قبول کرنیسے انکار کیا انکی نسبت سخت توہین آمیز کلمات ظاہر کیے۔ باب کی ساری تحریرات کو منسوخ اور مردود کر دیا۔ چنانچہ جب ایک مشہور و معروف بابی نے علی محمد کی تحریرات کی بنا پر بہاء اللہ کو قبول کرنیسے انکار کیا۔ تو بہاء اللہ نے اس شخص کی نسبت اپنی اس کتاب میں جس کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے اور جسکا نام ٹائٹل پیج پر نہیں لکھا ہوا۔ یہ کلمات لکھے "وہ کہتا ہے کہ مجھے یحیی سے پچاس کتابیں ملی ہیں... لیکن خدا اور دنیا اس بات پر گواہ ہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے نقطہ یعنی علی محمد کی صرف دو جلدیں دعا کی یحیی کے پاس تھیں اور اس نے انہی کی نقل کر لی ہوئی ہے۔ شاید یہی نقلیں اسنے ادی کو دی ہونگی۔ یہ دو کتابیں تو خیر اگر اس کے پاس ہزاروں کتابیں بھی ہوں تو بھی اسکو ایک ذرہ فایدہ نہیں ہوگا۔ ان کتابوں سے وہ کیا فایدہ اٹھائیگا۔ لاکھوں من پتھروں کے بوجھ سے ایک ہیرا اچھا ہے اور سیکڑوں پونڈ لوہا اور پیتل ایک قیمتی پتھر کا مقابلہ نہیں کر سکتا" اب یہاں غور کا مقام ہے کہ بہاء اللہ نے باب کی تحریرات کو پتھروں، اور لوہے اور پیتل کا بوجھ بنایا ہے اور اپنے نوشتوں کو ہیرے اور الماس بیان کیا ہے۔ پھر آگے چلکر اسنے لکھا ہے "مجھے اپنی جان کی قسم کہ ساری دنیا کی تصانیف میرے (بہاء اللہ کے) ایک لفظ کی بھی برابری نہیں کر سکتیں۔ اگر تو من یظہرہ اللہ کی آیات میں سے ایک آیت بھی پڑھے تو خدا کے نزدیک اس بات سے زیادہ قابل قدر ہے کہ تو سارا البیان حفظ کر لے" پھر البیان ہی کو اپنے اس دعوے کی تائید میں پیش کرتا ہے کہ میرے دعوے کے رد میں کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کیجا سکتی جسکی بنا البیان کی کسی عبارت پر ہو۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ مصنف البیان نے اس بات کا اظہار کیا ہوا ہے کہ جب وہ موعود آئیگا تو وہ البیان کو نہیں پڑھے گا اور نہ ہی اس کی شناخت یا مخالفت البیان کے ذریعہ سے کیجائے گی۔

دراصل جب بنظر تنقید باب اور بہاء اللہ کے رشتہ کو جانچا جاتا ہے تو صرف ایک سوانگ سا نظر آتا ہی۔ جائے غور ہے کہ خود باب بہاء اللہ سے چھوٹا تھا جب باب نے دعوی کا شور مچایا تو اسوقت بہاء اللہ بھی مرید تھا۔ اور اسوقت اس نے خود کوئی دعوی نہ کیا ہوا تھا نہ ہی وہ ان چند آدمیوں میں سے تھا جن کو باب اپنے سلسلہ کا حامی اور مربی سمجھ کر خاص محبت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ باوجود اس کے یہ مانا جاتا ہے کہ باب کی تصانیف بہاء اللہ کے حق میں پیشگوئیوں سے لبریز ہیں۔ اور ان میں اس موعود کے لیے خاص اظہار محبت اور اشتیاق بھرا ہوا ہے۔ باب کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ ایک ایسے آدمی سے متعلق پیشگوئی کرتا جو اس سے عمر میں بڑا تھا اور اس کا مرید بھی تھا۔ کیا اسوقت یہ بہاء اللہ جسکو خدا کا اوتار مانا جاتا ہے

اُسوقت آپ وہ کام کرنیکے لایق نہ تھا جو بقول اُس کے اُسکا بھیجا ہوا رسول کرتا تھا؟ اِس بات کی کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ ایک بے معنی پیشگوئیوں اور مجمل معموں کا دفتر لکھ مارتا جبکہ وہ شخص جو اُس پیشگوئی کا مصداق اور اُن معموں کا کھولنے والا تھا۔ خود اسکے سامنے موجود تھا؟ اسطرح گویا بہاءاللہ کے نزدیک باب کی ساری مشن لایعنیات کا تودہ قرار پاتا ہے۔ پھر باب کا یہ دعویٰ تھا کہ البیان الہامی کتاب ہے۔ جسکی مثال تو کیا اُسکے ایک حرف بلکہ ایک نقطہ کے برابر بھی ساری دنیا میں کوئی بنانے پر قادر نہیں ہوسکتا سبحان اللہ ایک وہ زمانہ ہے کہ البیان کی نسبت اتنا بڑا دعویٰ دنیا میں کیا جاتا ہے کہ اس کا ایک ایک نقطہ عدیم المثل اور بے نظیر ہے اور ساری دنیا ملکر بھی اسکے ایک نقطہ کی برابری نہیں کرسکتی۔ پھر وہی البیان ہے اور وہی حسین علی اس کا حامی ہے جو باب کے مرنیکے صرف تیرہ ۱۳ سال بعد ہی اس البیان کو نکما اور بیکار ثابت کرتا ہے اور اسکو منسوخ قرار دیتا ہے۔ باب اور اس کے البیان کا اتنا بڑا شور دنیا میں پڑا تھا لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں ان دونوں کی نسبت اسی سلسلہ کے جانشین اعلان کرتے ہیں کہ وہ بے معنے اور بیفایدہ ہیں۔ اس باتکے سمجھنے کے لیے ایک صحیح دماغ رکھنے والا انسان حیرت میں پڑجاتا ہے کہ اسی البیان کا ایک طرف تو اسقدر ابطال کیا جاتا ہے اور دوسری طرف بہائی دعویٰ کی بنا کی تعمیر اسی کی پیشگوئیوں کی اجزاء اور مصالحہ سے کیجاتی ہے۔ معلوم نہیں کہ بہاءاللہ کس سمجھ کا انسان ہے کہ خود اپنے دعوے کو البیان کی پیشگوئیوں پر مبنی کرتا ہے۔ پھر جب چند سمجھدار اور ذیقدر بابیوں نے باب کے کلام سے یہ ثابت کیا کہ یہ شخص اپنے دعوے میں غلطی اور کذب پر ہے تو اس نے اس کے جواب میں البیان ہی کو سخت سست کہنا شروع کردیا اور یہ ثابت کرنیکے درپے ہوگیا کہ یہ ایک لایعنی اور بے معنی کتاب ہے جس سے کوئی نفع کسی قسم کا مخلوق کو نہیں پہنچ سکتا پس اسکے منہ کی باتیں ہی اسکی تردید کے لیے کافی ہیں ایسی مخترعات کو دیکھکر انسان تحیر میں پڑجاتا ہے کہ معقول لوگوں کو یہ کسطرح باور کرائی جاسکتی ہیں۔ کیونکہ ایسے صریح تضاد کو کوئی عقلمند قبول نہیں کرسکتا۔

ان واقعات سے یہ ظاہر ہورہا ہے کہ بہائی لوگوں کے نزدیک جب بہاءاللہ کا دنیا میں ظہور ہوگیا تو پھر باب کا مشن بالکل بیکار اور معطل ہوگیا۔ اس سے اسی قدر نہیں ہوا کہ صرف وہی پیشگوئیاں علی الاعلان مردود قرار دی گئیں جو اس نئے مدعی کے دعوے کے ساتھ موافقت نہ رکھتی تھیں۔ بلکہ ساری کی ساری کتاب جن میں یہ پیشگوئیاں بھی تھیں بالکل منسوخ اور بیکار قرار دیگئی۔ آجتک نہ بہائی لوگوں نے اور نہ خود بہاءاللہ نے ہی کبھی اس قسم کی کوشش کی ہے کہ وہ اس بات کی تشریح کرکے ثابت کردیتے کہ کیونکر ایک مدعی جو اپنے دعووں کو بعض پیشگوئیوں پر مبنی کرتا ہے پھر وہ آپ اُن ہی پیشگوئیوں کو جب وہ ان صاف اور واضح مطالب اور بیانات کے ساتھ مقابلہ کیجاتی ہیں جو اس کے دعوے کے سخت مخالف ہیں اور انہیں پیشگوئیوں کے اندر موجود ہیں رد کرسکتا ہے۔ دراصل اگر غور سے دیکھا جائے تو بہاءاللہ کا البیان کی تردید کرنا اس کے اپنے دعوے کی تردید کا ثبوت بیّن ہے۔ کیونکہ حقیقت میں البیان ہی تو اسکے دعوے کا حقیقی ماخذ تھا۔

جو بابی اس کے پیچھے لگے ہیں وہ بھی ایسے حیران ہیں کہ اس دورُخی اور پیچیدگی کو سمجھ نہیں سکتے اور نہ ہی اس کے سمجھانے سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ غرض اس طرح خود بہاء اللہ نے اپنا تعلق باب اور البیان سے قطعی طور پر قطع کر لیا ہے۔ اور قطع تعلق سے اسکا یہ سمجھ بیٹھنا کہ میرا دعویٰ محفوظ رہا پرلے درجہ کی نادانی ہے جب باب اور البیان سے اسکو کوئی تعلق نہیں رہا۔ اور بقول اسکے باب کا سارا مشن منسوخ اور باطل ہو گیا تو اسکا نتیجہ یہ ہے کہ بہاء اللہ کا سارا تار و پود جڑھ سے اُکھڑ گیا۔ یہ ہے رشتہ بہاء اللہ کا باب کے ساتھ۔

ناظرین کے لیے اس بات کا جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اگرچہ بہاء اللہ نے ظاہری طور پر باب کی نسبت سخت زبانی نہیں کی بلکہ ہمیشہ تکریم اور تعظیم سے اس کا ذکر کرتا رہا۔ لیکن جن بابیوں نے اس کے دعووں کی تردید اور مخالفت کی ان کو پرلے درجہ کی سخت زبانی اور سب و شتم سے یاد کرنا اس کا عام شیوہ تھا۔ بہاء اللہ کے نزدیک وہ لوگ دوہرے گنہگار تھے۔ ایک گناہ تو ان کا یہ تھا کہ وہ بہاء اللہ کی تردید میں باب کے کلام کو پیش کرتے تھے۔ دوسرا گناہ انکا یہ تھا کہ وہ اس سے آسمانی نشانات کا مطالبہ اور تقاضا کرتے تھے چنانچہ اس بات کو بہاء اللہ نے اپنی تحریرات میں ذکر کیا ہے۔ جس سے امر زیادہ یقین ہو جاتا ہے۔ لیکن بہاء اللہ کی طرف سے بجائے نشان نمائی اور دلایل کے دشنام دہی سے انکو جواب دیئے گئے۔ بہاء اللہ انکو کہتا تھا کہ باب نے کہا ہوا ہے کہ اگر بہاء اللہ زمین کو آسمان کہے گا اور آسمان کو زمین بیان کریگا تو کوئی اس کی مخالفت نہ کر سکیگا اور نہ ہی کوئی اُس سے یہ پوچھ سکیگا کہ یہ کیسی نامعقول بات ہے۔ پھر ایک جگہ پر مذبذب بابیوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے "ہر ایک قریہ میں ایسے غافل لوگ موجود ہیں جو ابلیس کی طرح شبہات اور شکوک پیدا کرنے میں مصروف ہیں"۔ پھر انہیں کی نسبت وہ کہتا ہے "وہ اس طرح کنارہ کش ہوتے ہیں جس طرح گدھے شیر سے ڈر کر بھاگ اُٹھتے ہیں"۔ بہاء اللہ کے بابی مخالفوں میں ہادی دولت آبادی ایک بڑا بھاری سرگروہ مخالفت تھا۔ اس سے بہاء اللہ بہت جلا ہوا ہے اور اسکی نسبت اپنی تحریرات میں اکثر مقامات پر کذاب اور جعلساز وغیرہ سخت نُسست کلمات کہے ہیں۔ اس کے علاوہ جو لوگ ابھی تک بابی اصول کے معتقد اور البیان پر ایمان رکھتے تھے ان کو بھی بہاء اللہ ان لوگوں کی طرح غلطی پر سمجھتا تھا جنہوں نے البیان کو قبول نہیں کیا چنانچہ کتاب الاقدس میں جو ص بہاء اللہ کی خاص اور اہم تصنیف ہے اور جس میں اس نئے بابی فرقہ کے قوانین اور تعلیمات لکھی ہیں۔ اس قسم کے بیانات اکثر ملتے ہیں جو ذیل میں بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں "تحقیق آسمانی نشانوں کے ساتھ زمین منور ہو گئی ہے لیکن البیان کے پیرو جیرتناک شکوک میں لتھڑے پڑے ہیں..... تحقیق وقت آ گیا اور قمر شق ہو گیا۔ مبارک وہ شخص ہے جو مدعی کے دعوے کی تصدیق کرتا ہے اور بدبخت ہر ایک مکار منکر ہے۔ خبردار رہو! کہ کہیں پیروان البیان کے وساوس اور شبہات تیرے سد راہ نہ ہو جائیں..... اور اس بات کو جان لو کہ البیان کے پیرو اس فضل کو قبول کرنے سے منکر ہو گئے ہیں۔ اور یہ ایسا فضل ہے کہ جسکی نظیر دنیا کی آنکھ نے کبھی دیکھی نہ تھی۔ یہ لوگ اپنی ہی ہوا و ہوس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور اس شخص کا انکار کر رہے ہیں جو طلوع قوت کے مقام سے آیا ہے۔ اور خدا کے نشانوں سے

منکر ہو رہے ہیں۔ اسطرح ان کی روحوں نے انکے اعمال کو انکی آنکھوں میں زینت دے رکھی ہے مگر حقیقت میں وہ آج اُن لوگوں میں ہیں جو گمراہ ہیں۔ یہ لوگ وہم پرستی کرتے ہیں پر اسکو پہچانتے نہیں۔ اور بتوں کے آگے سر جھکاتے ہیں پر اسکو سمجھتے نہیں۔ یہ لوگ اپنے سروں کو عمامہ و دستار سے مزین کرتے ہیں۔ لیکن خود گمراہ ہو گئے ہیں۔ اور دوسرونکو بھی گمراہ کرتے ہیں" اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہاء اللہ کی معرفت کے لیے البیان کی تردید اور مخالفت کرنا جزو لازمی ہے۔ اور بہاء اللہ کے دل میں البیان کی تردید کا خیال یہاں تک پڑا ہوا ہے کہ وہ جس کسی میں اس کی نسبت ذرہ بھر انس پاتا ہے اسی کی مخالفت پر کمر باندھ لیتا ہے۔ یحییٰ جو باب کا جائز اور مسلم جانشین تھا جس کے ماتحت بہاء اللہ تیرہ سال تک خاموش مطیع رہا اسکو بھی بہاء اللہ نے اپنی تحریرات میں بہت کچھ برا بھلا کہا اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ محض دنیا پرست اور دنیاوی اعزاز اور اموال کا متلاشی تھا۔ غرض بابی سلسلہ میں ایک عجیب تلاطم پڑ گیا۔ اور اسکی قلعی کھلنے کے خود بخود ہی سامان جمع ہو گئے۔ ایک طرف بابی لوگ بہاء اللہ کے دعوے کی تردید اور تغلیط کرتے ہیں اور اسکو مفتری اور کذاب ثابت کرتے ہیں دوسری طرف بہائی اپنے قدیم رہنما باب سے تمام تعلقات وفاداری قطع کر کے اسکو اور اسکے مشن کو اور اسکی مقدس کتابوں کو علی الاطلاق بیکار اور باطل قرار دیتے ہیں۔

بہاء اللہ اپنی طرف سے ہمیشہ اس کوشش میں رہتا تھا کہ میرا سلسلہ میرے مرنیکے بعد بھی چلتا رہے اور بابی سلسلہ کی طرح اس میں تفرقہ واقع نہ ہونا پائے۔ اس نے اس خیال سے بہت امور بطور پیشدستی کیے۔ اُس نے دیکھا کہ باب کی اس پیشگوئی کا کہ میرے بعد بھی کوئی جانشین ہونیوالا ہے جو مجھ سے بھی بڑا ہوگا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سلسلہ فرقوں میں منقسم ہو گیا۔ اس لیے اس نے اس بات کو مدنظر رکھکر سب سے بڑی پیشدستی یہ کی اور بڑے زور سے اس بات کا اعلان کیا کہ میرے بعد ایک ہزار سال تک کوئی مدعی پیدا نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص ایک ہزار سال سے پہلے کسی وقت دعوی کریگا تو وہ یقیناً کذاب اور مفتری ہوگا۔ لیکن اسکی یہ پیش بندی اس کے مطلب کے لیے کافی ثابت نہ ہوئی اور بہائی سلسلہ میں بھی تفرقہ واقع ہو ہی گیا۔ حسین علی کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام غصن اعظم اور دوسرے کا نام غصن اکبر تھا غصن شاخ کو کہتے ہیں اور اکبر اور اعظم اپنے اپنے مفہوموں سے بڑی کے معنے رکھتے ہیں غصن اعظم نے بڑے اہم دعاوی پیش کیے۔ لیکن غصن اکبر کے حمایتیوں نے اسکے دعووں کی بہاء اللہ کی اس پیش بندی کی بنا پر تردید کی کہ ایک ہزار سال بہاء اللہ کے بعد تک کوئی مدعی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور چونکہ اس نے ایک ہزار سال کے اندر ہی دعوی کیا ہے اس لیے غصن اعظم مفتری اور کذاب ہے۔ غصن اعظم کے دعوے کی تردید میں غصن اکبر کے ایک مرید نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس رسالہ میں اس نے تمام تردیدی دلایل جمع کر دیئے ہیں۔ لیکن جسطرح عموماً سلسلہ بابی کی تصانیف پر مصنف کا نام نہیں لکھا جاتا اور وہ گمنام طور پر شایع کیجاتی ہیں اسی طرح اس مصنف نے بھی اپنی کتاب پر اپنا نام نہیں دیا۔ اور گمنام ہی رہنا پسند کیا ہے۔ ان دونوں شخصوں کے عقاید اور مسائل میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ بلکہ لکھا ہے

کہ انہیں اسی قدر اختلاف ہے جتنا یہود اور عیسائیوں کے عقاید میں اختلاف ہے۔ یا عیسائیوں اور مسلمانوں میں اختلاف ہے۔ یا مسلمانوں اور بابیوں یا بابیوں اور بہائیوں کے درمیان اختلاف ہے۔ غرض غصن اکبر کے مرید غصن اعظم کے مریدوں کو ایسے الزامات کا ملزم قرار دیتے ہیں کہ انہوں نے ان کے برخلاف ایسی حالت اختیار کی ہے کہ جو ہر ایک نئے مذہب کے دشمن اس کی مخالفت میں اختیار کر لیا کرتے ہیں۔ یعنی نئے فرقہ کو سخت مصایب اور عذابوں میں ڈالنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ اسطرح فرقہ مخالف کا تذکرہ کرتے ہوئے اس رسالہ کے مصنف نے الفاظ ذیل لکھے ہیں جو یہاں اقتباس کیے جاتے ہیں: "تم انکو (یعنی اس فرقہ کے لوگوں کو جس سے مصنف متعلق ہے) عہد شکنی کا مرتکب قرار دیتے ہو۔ اور انکے حق میں سب و شتم کرتے ہو اور انکی تذلیل اور توہین کرتے ہو اور ان پر لعنتیں کرتے ہو۔ اور ہر ایک حیلہ سے لوگوں کو انسے باز رکھنے کے درپے ہو رہے ہو۔ اور انہیں انکی صحبت میں اٹھنے اور بیٹھنے سے منع کرتے ہو۔ بلکہ مَیں نے سنا ہے کہ ایک فریق نے یہانتک بھی غلو کیا ہے کہ انکی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی سخت گناہ ہے۔" اسی مصنف نے ایک موقعہ پر الفاظ مندرجہ ذیل لکھے ہیں جن سے بابیوں کے اُن اخلاق پر روشنی پڑتی ہے جنکا انکو بڑا بھاری فخر ہے۔ وہ لکھتا ہے "یہ تمھارے لیے کسطرح جائز اور درست ہو سکتا ہے کہ اس محبوب کے رفع کے بعد اتنے تھوڑے عرصہ ہی کے اندر تم سب و شتم اور لعنتوں کے دروازے کھول بیٹھے ہو۔ تم نے لعنتوں اور گالیوں سے اپنی زبانوں کو ناپاک کر لیا ہے۔ اور تم کذب اور افترا کے متاع کو بازار میں لائے ہو۔ اور غیبت اور ریا کاری کے دروازے کھول دیے ہیں تم نہ تو اپنے نفسوں پر ہی رحم کرتے ہو اور نہ ہی دین ایمان الٰہی پر ترس کھاتے ہو۔" غصن اکبر کا اصلی نام محمد علی ہے اور غصن اعظم کا نام عباس آفندی ہے غصن اعظم دعویٰ کرتا ہے کہ مَیں بہاء اللہ کے بعد خدا کا مظہر ہوں لیکن غصن اکبر (محمد علی) کے پیرو اسکی تردید کرتے ہیں اور یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ بہاء اللہ نے خود کہا ہوا ہے کہ میرے بعد ہزار سال تک کوئی مدعی نہیں پیدا ہوگا اور جو شخص ہزار سال گذرنے سے پہلے دعویٰ کریگا وہ کذاب اور مفتری ہوگا۔ اس لیے بہاء اللہ کے اس فرمانے کے موجب غصن اعظم مفتری اور کذاب ہے۔ بہاء اللہ نے کہا تھا کہ "اب مظہریت کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ جو کوئی شخص ہزار سال گذرنے سے پہلے دعویٰ کریگا وہ خواہ کون ہی ہو اور کیا کچھ ہی لائے وہ سب جھوٹ اور افترا ہوگا۔" اور پھر یہ بھی کہا ہے "کہ ابدی قلم اور اسم اعظم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہزار سال گذرنے سے پہلے سارے نشان لیکر بھی آوے۔ اُسپر ہرگز ایمان نہ لاؤ۔ یہ سال قرآنی حساب کے مطابق بارہ مہینوں کا سال ہوگا۔ اور بموجب حساب البیان کے اُنیس (۱۹) مہینوں کا ہوگا جو ہر ایک مہینہ ۱۹ دنوں کا شمار ہوتا ہے۔۔۔۔۔ جو شخص ہزار سال کی مدت کے اندر دعویٰ کریگا وہ یقیناً کذاب اور مفتری علی اللہ ہوگا۔" ایسا ہی عباس آفندی کے مرید دوسرے فرقہ کے بانی کو کذاب اور مفتری سمجھتے ہیں۔ الغرض انہیں باہمی اسی قدر دشمنی اور اختلاف بڑھا ہوا ہے جسقدر باب اور بہاء اللہ کے پیرووں کے درمیان تھا۔

یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہاء اللہ نے غصن اعظم کی نسبت بہت مبالغہ آمیز کلمات کہے ہوئے تھے۔ لیکن اسکے مخالف بدیں وجہ اسکی مخالفت کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو بہاء اللہ کا ہم پلہ سمجھتا ہے اس لیے وہ اسکو کذاب مفتری سمجھتے ہیں۔ مثلاً اگر بہاء اللہ نے اس کو رب کہا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ خود بہاء اللہ رب الارباب تھا۔ پھر اگر بہاء اللہ نے اسکے متعلق یہ کہا کہ "یہ وہ شخص ہے جسکے گرد آسمان گھوم رہے ہیں" تو بہاء اللہ اس سے بھی بہت بڑ تھا کیونکہ اس نے اپنی نسبت کہا ہے کہ لتعطین الالوهية من تشاء ولتنزعن الالوهية عمن تشاء۔ یعنی بہاء اللہ جسکو چاہے خدائی دے سکتا ہے اور جس سے چاہے خدائی لے سکتا ہے۔ یہ ہیں بیہودہ گوئیاں ان دونوں فرقوں کی جن میں سے ایک دوسرے کے لیڈر کو مفتری اور کذاب کا خطاب دیتا ہے غصن اعظم اپنے لیے من ارادہ اللہ کا خطاب تجویز کرتا ہے غصن اکبر کے پیرووں کا یہ دعویٰ ہے کہ غصن اعظم کے پیرووں نے اصل بہائی مذہب سے مندرجہ ذیل امور میں انحراف کیا ہے۔ اولاً بر توحید ذاتش و تفرید کینونتش اقرار ندارید واگر خود را بلسان مقر دانید عملاً انکار نمودہ اید زیرا کہ اثبات شبہ و مثل برائے حضرتش مینمائید و ثانیاً قبل از الف سنتش را تغییر دادہ آید و اوامرش را قابل نسخ و ہدم دانستہ اید و ثالثاً در حق حضرت من ارادہ اللہ غلو نمودہ اید و کما امرتم بہ فی الکتاب ناظر نشدہ اید و رابعاً حضرت غصن اللہ اکبر را رد نمودہ اید و معزول فرض کردہ اید و خامساً احترام حرم و آل اللہ را مرعی نداشتہ اید و سادساً بسب و لعن مشغول شدہ اید و لسان را بگفتار زشت آلودہ اید۔ خلاصہ ان الزامات کا یہ ہے کہ اول غصن اعظم کے پیرووں نے بہاء اللہ کی توحید کو نہیں مانا گویا دوسرا شریک خدائی کا غصن اعظم کو ٹھہرایا۔ دوم ہزار سال ختم ہونیسے پہلے بہاء اللہ کے اقوال کو منسوخ مانا۔ تیسرا غصن اعظم کے متعلق غلو کیا۔ چوتھا غصن اکبر کو رد کیا۔ پانچواں اللہ کے حرم اور آل یعنی بہاء اللہ کی بیوی اور بچوں کی عزت نہیں کی۔ اور چھٹے بہائیوں کے ایک گروہ پر سب و لعنت کی۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲۳- اگست ۱۹۰۶ء۔ سینالهم غضب من ربهم۔ ترجمہ۔ قریب ہے کہ انکو انکے رب کا غضب پہنچیگا۔ ۲۶- اگست ۱۹۰۶ء۔ من کان فی نصرة الله کان الله فی نصرته۔ ۱- ستمبر ۱۹۰۶ء۔ لکم البشریٰ فی الحیوة الدنیا ترجمہ۔ تمہارے لیے اس دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے۔ ۲- ستمبر ۱۹۰۶ء۔ امن یجیب المضطر اذا دعاه قل الله ثم ذرهم فی خوضهم یلعبون۔ ۵- ستمبر ۱۹۰۶ء۔ توکلوا علیه ان کنتم مؤمنین۔

۵۔ستمبر ۱۹۰۷ء۔ **سلام منّا**۔ تو ہر ایک بلا سے بچایا جائے گا۔ ۱۶۔ستمبر ۱۹۰۷ء۔ بوقت شام **انّا نبشرك بغلامٍ حلیم**۔ ترجمہ۔ ہم تجھے ایک حلم والے لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ ۱۸۔ستمبر ۱۹۰۷ء۔ رؤیا۔ فرمایا چند روز ہوئے میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا تھا کہ وہ مرتدین میں داخل ہو گیا ہے میں اس کے پاس گیا وہ ایک سنجیدہ آدمی ہے۔ میں اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا اُس نے کہا کہ مصلحت وقت ہے۔ ۱۹۔ستمبر ۱۹۰۷ء۔ (۱) **خدا خوش ہوا**۔ (۲) **یا عبدی انی معك**۔ ترجمہ۔ اے میرے بندے میں تیرے ساتھ ہوں۔ ۲۰۔ستمبر ۱۹۰۷ء (۱) **انی معك ومع اهلك لكم البشریٰ فی الحیٰوة الدنیا**۔ ترجمہ۔ میں تیرے ساتھ ہوں اور تیرے اہل کے ساتھ ہوں تمہارے لیے اس دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے۔ (۲) **انی احافظ کل من فی الدار**۔ ترجمہ۔ میں ان سب کی حفاظت کروں گا جو اس دار میں ہیں۔ ۲۱۔ستمبر ۱۹۰۷ء (۱) **والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ ما ودعك ربك وما قلیٰ**۔ (۲) **انی معك ومع اهلك**۔ ترجمہ۔ میں تیرے ساتھ اور تیرے اہل کے ساتھ ہوں۔ (۳) **انی معك یا ابراهیم**۔ ترجمہ۔ میں تیرے ساتھ ہوں اے ابراہیم۔ (۴) **انی مبارك** +

صاحبزادہ میاں مبارک احمد کی وفات:۔ میاں مبارک احمد ۱۶۔ستمبر ۱۹۰۷ء یوم دوشنبہ نماز فجر کے وقت فوت ہوگئے۔ انا للّٰه و انا الیه راجعون۔ انکی درمیانی صحت کی بشارت گذشتہ رسالہ میں شایع ہوئی تھی مگر تھوڑے ہی افاقہ کے بعد بیماری پھر عود کر آئی اور جیسا کہ پہلے سے شایع شدہ پیشگوئی میں ذکر تھا وہ چھوٹی ہی عمر میں یعنی نویں سال میں وفات پا گئے۔ (۱) انکے متعلق انکی پیدایش سے پہلے یہ الہام تھا۔ انی اسقطه من الله و اصیبه۔ جو تریاق القلوب مطبوعہ ۱۹۰۲ء میں شایع ہو چکا ہے جہاں اسکی تاویل بھی بالفاظ ذیل درج ہے کہ یہ لڑکا نیک ہوگا اور رو بخدا ہوگا اور خدا کی طرف اسکی حرکت ہوگی۔ اور یا یہ کہ جلد فوت ہو جائیگا۔ اس بات کا علم خدائے تعالیٰ کو ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات اسکے الہام کے موافق ہے۔ (۲) سال گذشتہ میں ماہ مئی میں بذریعہ اخبارات و رسالہ ہذا یہ الہام شایع ہو چکا ہے "**دشمن کا بھی ایک وار نکلا**" جسکی تشریح اسیوقت ان الفاظ میں کی گئی تھی۔ کہ کوئی ایسا امر رنجیدہ خدا کی طرف سے ہماری نسبت یا ہماری جماعت کے کسی فرد کی نسبت صادر ہوگا جس سے دشمن خوش ہو جائیگا۔" (۳) سال حال میں مارچ کے مہینہ میں کثرت سے ایسے الہامات ہوئے جن سے اہل بیت پر کسی ابتلا کا آنا معلوم ہوتا تھا جیسے **انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا**۔ جسکی تفہیم اسیوقت یہ ہوئی تھی جو ساتھ ہی شایع ہو چکی ہوئی ہے کہ اے اہل خانہ خدا تمہارا امتحان کرنا چاہتا ہے اور پھر الہام ہوا "**ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر**" انکے علاوہ بعض الہامات اور رؤیا ایسے بھی تھے جو شایع نہ ہوئے تھے۔

صدر انجمن احمدیہ قادیان

(۱) صدر انجمن احمدیہ کی اہم اور اصلی غرض اشاعت اسلام ہے۔

(۲) صدر انجمن احمدیہ کے متعلق اسوقت حسب ذیل کام ہیں۔

اوّل- ایک ہائی سکول کا انتظام جس میں انٹرنس تک دنیوی تعلیم دیجاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عربی اور دینیات کی اسقدر تعلیم دیجاتی ہے جس سے ایک باقاعدہ تعلیم پانیوالا طالب علم قرآن شریف کا ترجمہ اور دین کی بہت سی ضروری باتیں سیکھ لیتا ہی اور اسلام کی صداقت اور غیر مذاہب کے بطلان کے بہت سے دلایل سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اس مدرسہ کے متعلق ایک بورڈنگ ہوس ہی جس میں سو ۱۰۰ کے قریب لڑکے ہیں علاوہ ازیں ایک گرلز سکول اور دیہات میں تین برانچ سکول ہیں۔

دوم- ایک دینیات کے مدرسہ کا انتظام جس میں زیادہ تر تعلیم عربی اور دینیات کی دیجاتی ہے اور اس کے ساتھ طب اور تھوڑے تھوڑے مروجہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں کتابت بھی سکھائی جاتی ہے جو لوگ صرف انگریزی اور عربی دینیات کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں انکے لیے بھی انتظام کیا گیا ہے۔

سوم- ایک میگزین ماہوار کا انتظام جو انگریزی میں بلاد یورپ اور امریکہ اور بعض دیگر ممالک میں کئی سو مفت بغرض اشاعت اسلام تقسیم ہوتا ہی۔ اور اُردو میں قریباً دو ہزار کے اشاعت اس کی ہندوستان میں ہے اس رسالہ کے اُردو حصہ کے ساتھ ایک ضمیمہ تفسیر القرآن کا بھی ہی جو اصل رسالہ سے الگ ہے۔ جس میں ہر قسم کے مشکلات اور اعتراضات کو نہایت صفائی سے حل کیا جاتا ہے۔

چہارم- ایک کتب خانہ جس میں بہت سی حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیفات اور بعض دیگر اسلامی تصنیفات اور مدرسہ کی مروجہ کتابیں اور بعض احمدی احباب کی تصنیفات ملتی ہیں اس کی ایک مختصر فہرست دوسری جگہ دیگئی ہے۔

پنجم- ایک قبرستان کا انتظام اور اس کے متعلق وصایا وغیرہ کا اہتمام۔

ششم- ایک یتیم فنڈ جس سے حسب گنجایش بعض یتامیٰ کی مدد کیجاتی ہی۔ ایسا ہی ایک مسکین فنڈ ہی جس سی بعض مساکین کو جو مدرسہ میں پڑھتے میں مدد دیجاتی ہی اور زکوٰۃ کا روپیہ بھی حسب منشائے شریعت اسلامی جسقدر جمع ہو تقسیم کیا جاتا ہے۔

صدر انجمن احمدیہ کی ضروریات | سب سے اوّل لنگرخانہ ہے۔ اس کا انتظام براہ راست حضرت مسیح موعودؑ کی ہاتھ میں ہے تمام بیعت کرنیوالوں کے لیے ضروری ہی کہ کچھ نہ کچھ چندہ لنگرخانہ ادا کریں اور اس سلسلہ کی اعانت کریں۔ اسکے اخراجات میں نہ صرف مہمانوں کی آمد و رفت کے اخراجات ہی ہیں بلکہ تعمیر اور خط و کتابت حضرت اقدس اور طبع کتب وغیرہ کے اخراجات کثیر بھی ہیں۔ دوسری ضرورت ہائی سکول اور مدرسہ دینیات کے متعلق ہی۔ اس کے لیے بھی تمام بیعت کنندگان کے لیے چندہ دینا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ماہوار مستقل خرچ ایک ہزار روپے کے قریب ہے اور عمارت کا خرچ درپیش ہی تیسری ضرورت یہ ہی کہ تمام احمدی احباب اور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۴

ایسے غیر احمدی احباب جو تعلیم کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کے بچے دیندار ہوں انہیں اس مدرسہ میں تعلیم کیلیے بھیجیں چوتھی ضرورت میگزین کے متعلق ہو اسکا چندہ اُردو میں عا۲ر سالانہ ہو اور ضمیمہ یعنی تفسیر القرآن کا چندہ ۱۲ ر سالانہ ہو۔ اصل میگزین ۴۸ صفحوں پر ضمیمہ ۲ صفحو نپر ہے۔ انگریزی رسالہ کی قیمت للعہ رسالانہ ہو سب احباب کیلیے ضروری ہو کہ خود اس کے خریدار بنیں۔ اور جو رسالہ مفت تقسیم کیا جاتا ہو اس میں بھی حسب استطاعت اعانت کرکے اشاعت اسلام کیلیے انجمن کی مدد کریں۔ پانچویں۔ ضرورت یتیم فنڈ و مسکین فنڈ میں مدد کی ہے۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت اور ہر قسم کے صدقات اس مد میں بھیج جاویں قابل استعمال کپڑے وغیرہ بھی بہت کام آسکتے ہیں چھٹی ضرورت زکوٰۃ کے روپیہ کے یہاں بھیجنے کی ہے۔ اس روپے سے بہت مفید کام ہو رہا ہو تمام احمدی مرد اور عورتیں جو صاحب نصاب ہیں سالانہ اپنی زکوٰۃ کا حساب کرکے اسجگہ بھیجدیں۔ ساتویں ضرورت یہ ہے کہ جو کتابیں انجمن کے کتب خانہ سے مل سکتی ہیں وہ یہاں سے منگوائی جاویں اس سے بھی انجمن کو مدد پہنچتی ہے۔ بعض احباب نے اپنی کتابیں انجمن کے نام ہبہ کر دی ہیں ایسی مثالیں بھی قابل تقلید ہیں۔

نوٹ۔ مقبرہ بہشتی کی شرائط کو جو لوگ پورا کرنا چاہیں وہ اپنی آمد کا دسواں حصہ دیں یا اپنی جائداد کے دسویں حصہ کی متعلق وصیت کریں

ضروری ہدایات (۱) ہر ایک قسم کا روپیہ جس کا تعلق صدر انجمن احمدیہ کی کسی مد سے ہو بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیے مگر لنگر خانہ کا روپیہ حضرت مسیح موعودؑ کے نام بھیجیں اگر دوسری مدات کے ساتھ ملا ہوا ہو تو محاسب کے نام بھیجکر اسے اطلاع دیں کہ وہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پیش کر دے۔ (۲) منی آرڈر کے کوپن میں پوری رقم اور اسکی تفصیل کہ کن کن اغراض کیلیے ہو دیا اگر لمبی تفصیل ہو تو علیحدہ خط میں دیں) اور فرستندہ کا نام اور پتہ خوشخط درج ہوں (۳) ہر ایک رقم کی رسید باضابطہ دفتر محاسب سے دیجاویگی پس جس شخص کو رسید دفتر کی محاسب کے دستخطی وقت پر نہ پہنچے اسے خط و کتابت کرکے دریافت کرنا چاہیئے۔ ایسی رسیدیں حتی الوسع کچھ مدت کے لیے محفوظ رکھی جاویں۔ نوٹ ۸ ر سے کم رقم کی رسید نہ دیجاویگی (۴) مدرسہ کے متعلق ہر ایک قسم کی خط و کتابت نائب ناظم مدرسہ یا ہیڈ ماسٹر مدرسہ سے کریں اور بورڈنگ ہوس کے متعلق سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس سے (۵) جو احباب مدرسہ میں اپنے لڑکے بھیجیں انکا ایک ماہ کا خرچ پیشگی ہیڈ ماسٹر صاحب یا سپرنٹنڈنٹ صاحب کے نام بھیجیں اور یہ یاد رکھیں کہ خرچ ہمیشہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس بھیجا جاوے لڑکے کو نہ دیا جاوے سپرنٹنڈنٹ صاحب حسب ہدایت اور حسب ضرورت اسی لڑکے کی بہتری کیلیے خرچ کرینگے اور ماہوار حساب بھیجتے رہیں گے۔ (۶) میگزین کے متعلق کُل خط و کتابت مینیجر میگزین یا نائب ناظم میگزین کے نام کریں۔ اور ایڈیٹر کے نام سوائے ان خطوط کے جن کا تعلق مضامین رسالہ سے ہو اور کوئی خط و کتابت نہ کریں۔ (۷) مقبرہ بہشتی کی متعلق اور وصیت وغیرہ کے متعلق نائب ناظم مقبرہ بہشتی سے خط و کتابت کریں اور انہی سے رسالہ الوصیت طلب کریں جو مفت بھیجا جاویگا۔ وصیت کی فارمیں بھی انہی سے طلب کریں اور انہی کے نام وصایا بھیجیں۔ (۸) کتابیں نائب ناظم میگزین سے طلب کیجاویں جو بذریعہ وی۔ پی مطلوبہ کتب بھیجیں گے اور جگہ سے طلب نہ کیجاویں۔ (۹) امور متعلقہ صدر انجمن میں سکرٹری صدر انجمن احمدیہ سے خط و کتابت کریں (۱۰) وظائف مسکین فنڈ کی متعلق درخواستیں صرف دو دفعہ سال میں پیش ہوں گی یعنی نومبر اور مئی میں پس جو صاحب درخواستیں بھیجیں وہ اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ انکا جواب سوائے ان دو اوقات کے نہیں مل سکیگا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ بدوں منظوری مجلس کسی طالبعلم کو جس کے وظیفہ کیلیے درخواست کی گئی ہو یاکرنیکا منشا ہو یہاں نہ بھیجیں۔ المعلن خاکسار محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

(مطبع میگزین قادیان دارالامان میں منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) — بابت ماہ نومبر ۱۹۰۷ء — نمبر (۱۱)

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - نومبر ۱۹۰۷ء کو مینیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عہ

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں ان کا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مشرح فہرست ۲/ کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار اللہ اردو	۸ر	قاعدہ عربی اردو	ار	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵ر	شہادۃ القرآن اردو	۴ر
اجرومیہ عربی	۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عہ	" فارسی	۳ر	صیان القرآن "	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ نماز و اسمائے الٰہیہ	۲ر	مسک العارف اردو	۱۰ر	تحفہ قیصرہ اردو	۲ر	کشف الغطاء "	۲ر
پارہ الٓمٓ عربی	۲ر	نشان آسمانی "	۲ر	تحفۃ الندوہ "	۰ر	لغات القرآن حصہ اوّل	عہ
پنج ارکان اسلام۔ اردو	ار	واقعات صحیحہ "	۲ر	تقریریں "	۲ر	" حصہ دوم	۸ر
تفسیر جلالین عربی	۸ر	یسرنا القرآن حصہ اوّل	ار	تقریروں کا مجموعہ "	۳ر	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	" دوم	ار	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب "	۲ر	" لاہور مہوتسو "	۴ر
تقریر جلسہ مذاہب جیبی تقطیع اردو	۲ر	" سوم	ار	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ	۶ر	مشکوٰۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت۔ اردو	۰ر	ہدیہ ثاقب اردو	۲ر	حمامۃ البشریٰ عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن "	۴ر
حمائل مترجم۔ فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶ر	حجۃ الاسلام اردو	ار	مبادی الصرف	۱ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق لدھیانہ اردو	۶ر	خطوط شیعہ کا جواب "	۲ر	نسیم دعوت اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ۔ اردو	۔ر	" دہلی۔ "	۸ر	خطبہ الہامیہ بہ ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور الدین حصہ اوّل اردو	۲ر
سلاسل القراۃ۔ عربی نمبر۱	۴ر	اعجاز احمدی۔ عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اوّل "	۸ر	" " دوم "	۴ر
" نمبر۲	۸ر	احسن الکلام اردو	۔ر	" " دوم "	۴ر	ہدیہ سعدیہ عربی	۲ر
" نمبر۳	۱۳ر	ابطال الوہیت مسیح "	ار	خزینۃ المعارف حصہ اوّل دوم	۴ر	فضل حق۔ اردو	ار
" نمبر۴	۱۳ر	آیات الرحمٰن "	۸ر	" " سوم چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح "	۸ر
آریہ دھرم۔ اردو	۴ر	دعوت الحق۔ "	۵ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصلہ "	۲ر
دینیات کا پہلا رسالہ "	ار	شرح ترمذی نمبر۱ / " نمبر۲	۸ر / ۸ر	دعوت دہلی اردو	۱۰ر	دافع البلاء "	ار
طریق النجات نمبر۱	۸ر	احمدی کا من نظم پنجابی	ار	دعوت الندوہ "	۱۰ر	غنیۃ الطالب۔ عربی	عہ
" " نمبر۲	۷ر	براہین احمدیہ حصہ اوّل	۵ر	راز حقیقت۔ "	ار	شفاء السقام "	عہ
" " نمبر۳	۸ر	" " دوم	۴ر	سرمہ چشم آریہ "	۱۲ر	نوٹ۔ ان قیمتوں میں محصولڈاک شامل نہیں۔	
" " نمبر۴	۱۵ر	" " سوم					
غسل مصفّٰی اردو	عا ۸ر	" چہارم*	عا	ست بچن "	۱۰ر		
		تکمیل براہین					

مکمل براہین احمدیہ جس میں جلد چہارم بالکل اصل چھپا ہوا ہے دفتر میگزین سے مل سکتی ہے۔

* براہین احمدیہ کا حصہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑے اہتمام سے دوبارہ چھپوائے گئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن کریم کی حفاظت

۹ - ناسخ و منسوخ کی بحث

ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ گذشتہ رسالہ میں اسی عنوان کے مضمون کے ذیل میں ہم نے چند حدیثیں نقل کی تھیں اور وعدہ کیا تھا کہ ان کے متعلق آیندہ پرچے میں ہم مفصل بحث کریں گے ہم آج یہ مضمون اسی امر کے متعلق لکھتے ہیں اور اس میں ان ساری حدیثوں پر ایک ایک کرکے بالترتیب بحث کرنیکا ارادہ کرتے ہیں سب سے پہلی حدیث حضرت ابن عمر سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ **فدیۃ طعام مسکین** والی آیت منسوخ ہے صحیح بخاری میں سلمہ بن اکوع سے اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی ہے۔ یعنی یہ کہ انہوں نے بھی فرمایا تھا کہ **فدیۃ طعام مسکین** والی آیت منسوخ ہے۔ اب ان دونوں کے خلاف ایک تیسری حدیث ہے جو وہ بھی صحیح بخاری میں ہی مذکور ہے جس میں حضرت ابن عباس سے یہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ **فدیۃ طعام مسکین** والی آیت منسوخ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ حدیث بخاری کی اس جگہ لکھی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے **قال ابن عباس لیست بمنسوخۃ ھو الشیخ الکبیر والمرأۃ الکبیرۃ لا یستطیعان ان یصوما فلیطعمان مکان کل یوم مسکینا** جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "ابن عباس نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جو روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے انکو چاہیئے کہ اپنی بجائے ہر روز ایک مسکین کو کھانا دیا کریں"۔ اسی طرح ابو داؤد میں حضرت ابن عباس سے اسی آیت کے متعلق دو حدیثیں مروی ہیں ان دونوں حدیثوں میں وہی مضمون ہے جو بخاری کی مندرجہ بالا حدیث میں ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک حدیث کا یہ مضمون ہے کہ آیت **وعلی الذین یطیقونہ فدیہ طعام مسکین**۔ میں ان بوڑھے مردوں اور عورتوں کو جو روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر روزہ کے

بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے۔ بس اور اسی قسم کی اجازت حاملہ اور بچے والی عورتوں کیلیے ہے کہ جب انہیں جنیں یا بچے کو روزہ کی وجہ سے صدمہ پہنچنے کا احتمال ہو تو وہ بھی روزہ نہ رکھیں اور صرف ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں چنانچہ وہ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین قال کانت رخصة للشیخ الکبیر والمرأة الکبیرة وهما یطیقان الصیام ان یفطرا و یطعما مکان کل یوم مسکینا والحبلی والمرضع اذا خافتا قال ابو داود یعنی علی اولادهما افطرتا واطعمتا۔ اب ایک طرف ابن عمر کا قول ہے اور اسکے مقابل ابن عباس کا قول ہے۔ ایک ہی آیت کو ایک صحابی منسوخ بیان کرتا ہے اور دوسرا اسی آیت کو غیر منسوخ بیان کرتا ہے۔ یہ اختلاف اس بات کا قطعی طور پر فیصلہ کر دیتا ہے کہ صحابہؓ کی اس امر میں رائے وحی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر مبنی نہ تھی بلکہ صاف عیاں ہو رہا ہے کہ انکی رائیں بعض آیات کے قیاسی معنے سمجھنے پر مبنی تھیں۔ حضرت ابن عمر آیت کے ایک طرز پر معنے کر کے قیاس کرتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ ابن عباس اسی آیت کے دوسری طرح پر معنے کر کے فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں گویا وہ ابن عمر کے قول کی تردید کرتے ہیں۔ الغرض یہ بات قطعی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اگر کسی صحابی نے کسی آیت کو منسوخ خیال کیا تو اسکی بناء وحی الٰہی پر نہ تھی بلکہ محض اس صحابی کے قیاس پر تھی۔ مگر چونکہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت وحی الٰہی سے نازل ہوئی ہے اس لیے کسی قرآنی آیت کو کسی صحابی کی محض قیاسی رائے پر منسوخ نہیں سمجھا جا سکتا جبتک کہ وہی ذرایع جو اس کے منجانب اللہ نازل ہونے پر ایمان دلانیکا موجب ہوئے ہیں اس کے نسخ کا حکم نہ دیں۔ جیسے ابن عمر نے آیت زیر بحث کے اپنی طرز پر خاص معنے کیے اور ابن عباس نے انکی غلطی ظاہر کی اور آیت کے منسوخ ہونیکو باطل ٹھہرایا اسی طرح اگر کوئی اور شخص کسی آیت کے معنے ایسے کر دے جس سے اس کا کوئی تعارض دوسری آیات سے نہ رہے تو اس سے کوئی نقص لازم نہیں آتا اور جب آیات کے معنوں کا تعارض دور ہو گیا تو ان کے منسوخ ہونیکا خیال خود ہی باطل ہو جائیگا۔ اس سارے سلسلہ واقعات سے یہ بات بدیہی طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ جن لوگوں نے کسی آیت کو منسوخ مانا ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ خدا کی وحی نے ایسا ہی ظاہر کیا تھا۔ بلکہ انکے اپنے قیاس ہی کی غلطی انہیں ایسے اعتقاد پر قایم کرنے کی محرک ہوئی۔ اسطرح سے کہ انہوں نے اس آیت کی قیاسی تاویل ایسی سمجھی جو اس کے اصل مفہوم سے دور تھی اور پھر وہ تاویل کسی دوسری آیت کے معانی کے معارض پڑی۔ پس انہوں نے اپنی قیاسی تاویل کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی بلکہ الٹے اس آیت کو یا آیت معارض کو منسوخ قرار دیدیا۔ حالانکہ غلطی تو انکے اپنے قیاس کی تھی۔ ہم یہ بات اپنے پاس سے نہیں کہتے بلکہ بڑے بڑے فاضل علماء جنہوں نے قرآن شریف کے معنے سمجھنے میں بہت مجاہدات کیے ہیں ان قیاسی تاویلات کی غلطی کو ہمیشہ بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ پہلے زمانہ کے بعد اسلام کی تاریخ پر ایک زمانہ ایسا آیا کہ لوگوں کو قرآن شریف کی تفسیر نویسی کا بہت

شوق ہوگیا۔ چونکہ یہ ایک بہت اہم کام تھا اور اس کا اتمام ایک ہی زمانہ میں اکمل اور اصح طور پر کسی انسان سے ہونا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے مفسرین کو بعض آیتوں کے سمجھنے اور تفسیر کرنے میں بڑی بڑی دقتیں پیش آتی رہیں۔ بعض مفسروں کی عادت اسی طرح رہی کہ جہاں کہیں کسی آیت کے معنے سمجھنے میں مشکل شکل پیش آئی وہاں نسخ کا عذر لکھکر آگے چلدیئے۔ یہاں تک کہ بعضے مفسروں نے تو سیکڑوں آیتوں کو اسی عذر پر منسوخ لکھ مارا۔ پہلے خود ہی بعض آیتوں کے غلط معنے قیاسی طور پر تجویز کر لیتے اور پھر جب وہ دوسری آیات کے معارض پڑتیں تو انکو منسوخ قرار دیدیتے۔ حتیٰ کہ یہ عام عقیدہ ہوگیا اور بجائے اصلیت کی طرف توجہ کرنیکے آیتوں کو منسوخ قرار دینے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے لگے۔ مگر آخر کار بعض لوگوں کو اس طرف بھی توجہ ہوئی اور خود انہیں میں سے ایسے لوگ ہوتے رہے جو انکی غلطیوں کو منکشف کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جلال الدین سیوطی نے بھی باوجود نادر پسندی کے اس مسئلہ کی ایک حد تک تردید کی اور سوائے اکیس آیتوں کے باقی آیات کی نسبت جس کسی نے منسوخ ہونیکا خیال کیا تھا اسکو غلط قرار دیکر اسکی تردید کی۔ پھر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ان اکیس آیتوں پر بھی جب تحقیق کی نظر کی تو ان میں سے صرف پانچ آیتوں کے معنوں میں ایسی دقت سمجھنی جسکی وجہ سے انکو منسوخ ماننا پڑا اور باقی سولہ آیات کی نسبت محقق سیوطی کے خیال کی تردید بزور دلایل قطعیہ کی۔ اور لکھا کہ فاضل سیوطی نے انکے معنے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ غرض نسخ کے مسئلہ کے متعلق عقیدہ رکھنے کا سارا لب لباب ان پانچ آیتوں میں محدود ہوگیا۔ پھر جب ہم ان رہی ہوئی پانچوں آیتوں کے معانی کیطرف نہایت عمیق نظر سے توجہ کرتے ہیں تو ہم کو صاف نظر آجاتا ہے کہ یہ آیات بھی منسوخ نہیں بلکہ انکی تاویل اور معنے کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ اگر ہم انکے صحیح معنے اختیار کریں تو پھر صاف نظر آجاتا ہے کہ یہ آیات کسی کی معارض نہیں پڑتیں اور اس لیے انکے منسوخ ہونیکا اعتقاد رکھنا غلطی پر مبنی ہے۔ اس لیے قبل اسکے کہ ہم نفس مضمون کی طرف توجہ کریں یہ امر ضروری نظر آتا ہے کہ جن آیات میں آخر کار گھر گھرا کر منسوخ ہونیکا اعتقاد محدود ہوجاتا ہے انکی نسبت یہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ آیات غلط تاویل کی وجہ سے منسوخ سمجھی گئی ہیں ورنہ در حقیقت اپنے صحیح مفہوم اور تاویل کے ساتھ وہ کسی آیت قرآنی کے مفہوم کے معارض نہیں پڑتیں اور اس لیے وہ بھی منسوخ نہیں۔ اس کا یہ فایدہ ہوگا کہ مسئلہ ناسخ و منسوخ کو جو کچھ تھوڑی سی تقویت اس ظاہری تعارض سے ملتی ہے جو دراصل غلطی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے وہ بھی دور ہوجائیگی۔

اس جگہ سب سے پہلے ہم انہیں آیات پر بحث کرینگے جو حدیث مندرجہ بالا میں مذکور ہیں۔ ان میں سب سے پہلی آیت کے متعلق تو ہم نے ابھی اوپر ذکر کیا ہے کہ ابن عباس اسکے منسوخ ہونیکے اعتقاد کا مخالف تھا۔ بلکہ اس نے ثابت کر دکھایا کہ اسکے اصل معنے کسی آیت قرآنی کے معنوں کے مخالف اور معارض نہیں پڑتے اور اسلامی دنیا کا تعامل بھی انہی

معنوں کی سچائی پر شہادت دیتا ہے۔ دوسری حدیث میں بھی حضرت ابن عمرؓ کا قول ہی بیان کیا گیا ہے کہ سورۃ البقرہ کی آیت و ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ آیت لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا الخ سے منسوخ ہوگئی ہے۔ اب کوئی شخص ان دونوں آیات کے ٹھیٹھ لفظی ترجموں کو ہی دیکھے اور سمجھے تو اُس پر عیاں ہو جائیگا کہ یہ دونوں آیات ہرگز ہرگز ایک دوسری کے متضاد اور مخالف نہیں۔ اور اس لیے انہیں سے کوئی آیت دوسری آیت کو منسوخ نہیں کرتی۔ ہاں اگر لفظ منسوخ کے کوئی اور معنے لیے جائیں جو اسکے عام اور مشہور مفہوم سے جدا ہیں تو پھر انہیں سے کسی کو کسی کا ناسخ اور منسوخ قرار دینا یا کہنا شاید کسی ایسی اصطلاح کی رو سے بجا ہو۔ پہلی آیت کا ترجمہ تو یہ ہے "جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ اور اگر تم کھولو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے حساب لے گا تم سے اللہ اور پھر بخشے گا جسکو چاہے اور عذاب کریگا جسکو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے "اللہ بوجھ نہیں ڈالتا کسی شخص پر مگر اسکی طاقت کے مطابق۔ اسی کو ملتا ہے جو کمایا اور اسی پر جو کیا۔ اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چُوکیں۔ اے رب ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا رکھا تھا ہم سے اگلوں پر۔ اے رب ہمارے اور نہ اُٹھوا ہم سے جسکی طاقت نہیں ہم کو۔ اور درگذر کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر۔ تو ہمارا صاحب ہے۔ تو مدد کر ہماری قوم کافر پر۔" ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت میں و ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ اور دوسری میں لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ یہ آپس میں متضاد ہیں اور ایک دوسری کے مفہوم سے معارض اور مخالف مفہوم رکھتی ہیں۔ لیکن یہ ان لوگوں کی سمجھ کی غلطی ہے۔ یہ دونوں مضمون ہرگز ایک دوسرے سے معارض نہیں پڑتے۔ صراحتاً تو کیا کنایتاً بھی انہیں تضاد ثابت نہیں ہو سکتا۔ نسیان اور فراموشی انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ پس نسیان کی وجہ سے خطاؤں اور قصوروں کا اس سے سرزد ہونا ایک معمولی امر ہے۔ پھر اگر انسان فطرتی نسیان کی وجہ سے کوئی قصور کر بیٹھے جسکے کرنیکے لیے اسکو عمد اور نیت کو ہرگز دخل نہ ہو تو ایسی حالت میں انسان کو یہ دعا تعلیم کی گئی ہے ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ان دعائیہ الفاظ سے پہلے ہی یہ الفاظ آئے ہیں لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا اور ماحصل ان الفاظ کا صاف ظاہر ہے یعنی ایسے امور جو انسان کی طاقت سے باہر ہیں خدا انکے بجالانیکا حکم کسی کو نہیں دیتا جیسا کہ نسیان سے اگر کوئی خطا ہو جائے تو اسکے لیے اللہ تعالیٰ یہی دعا تعلیم کرتا ہے کہ اے خدا تو ایسی خطائیں بھی معاف کر۔ خود خدائے تعالیٰ کا انسان کو یہ دعا سکھانا صاف بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی خطاؤں کو قابل درگذر سمجھتا ہے اور ان پر مواخذہ نہیں کرتا یہی تشریح لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا کی ہے۔ پھر دوسری آیت ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا انسان کو علم دینا ہے کہ انسان کے اندرونی حالات

اور ارادانسے خدا تعالیٰ ہر وقت واقف اور عالم ہے۔ انسان دل ہی دل میں سخت سے سخت گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔لیکن کوئی گناہ اس سے مخفی نہیں رہتا وہ خدا جو دلوں کی مخفی باتوں کو جانتا ہے ایسے گناہوں کو بھی سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑیگا جو انسان پوشیدہ طور سے کرتا ہے۔ اب ناظرین خود ہی غور کرسکتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں کے مضامین میں ذرہ بھر تعارض نہیں۔ ایک آیت تو ایسے گناہوں کا حال اور انکا علاج بیان کرتی ہے جو محض انسان کے فطرتی نسیان اور فراموش کاری کی وجہ سے اس سے بے ساختہ اور بے ارادہ واقع ہوگئے ہوں اور دوسری آیت میں اُن گناہوں کا ذکر ہے جو انسان مخفی طور پر دل ہی دل میں کرتا ہے اور انکے کرنے میں اسکے عمد اور ارادہ کا دخل ہوتا ہے۔ ان دونوں آیتوں میں سے کسی ایک کو منسوخ سمجھنا سراسر غلطی ہے۔ یہ دونوں ایسی ضروری آیتیں ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا نہ ہونا بہت سے ضروری معارف سے محروم کردینے کا موجب ہوتا ہے۔ اگر آیت ان تبدوا ما انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ کو منسوخ مانا جائے تو بہت ساری آیات کے سمجھنے میں لاینحل دقتیں پیش آتی ہیں۔ مثلاً ریاکاری ایک ایسا گناہ ہے کہ جو دل ہی دل میں چھپا ہوتا ہے مگر یہ ایک مکروہ گناہ ہے اور سزا کا مستوجب بناتا ہے۔ اگر یہ آیت منسوخ سمجھی جاوے تو پھر ریاکاری کے لیے یا ایسے گناہوں کے لیے جو دل ہی دل میں مخفی طور پر سرزد ہوتے ہیں جیسے نفاق کبر وغیرہ گویا کوئی سزا نہیں ہونی چاہیئے حالانکہ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے بھاری گناہ ہیں۔ پھر الفاظ لا یکلف اللہ نفساً الّا وسعھا جن کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ کو منسوخ کرتے ہیں۔ انمیں وہ معنے موجود ہی نہیں جو قائلان ناسخ و منسوخ خیال کرتے ہیں۔ یہ آیت صرف اسی جگہ قرآن شریف میں نہیں آئی بلکہ اس کے قریب قریب ہم معنے الفاظ میں اس سے بہت پہلے کئی آیات مکہ میں نازل ہوئیں۔ چنانچہ تین مکی سورتوں میں تین مقامات پر یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ سورۃ الانعام (پارہ ۸) ع۱۸ میں لا نکلف نفساً الّا وسعھا ایسا ہی سورۃ الاعراف ع۵ میں لا نکلف نفساً الّا وسعھا اور پھر اسطرح سورۃ المؤمنون ع۴ میں یہی الفاظ موجود ہیں۔ اور یہ تینوں سورتیں مکی ہیں۔ اب جس صورت میں یہ آیت مکہ میں نازل ہوچکی تھی اور اسکا تعارض آیت ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ تو پھر یوں کہنا چاہیئے کہ ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ نے لا نکلف نفساً الّا وسعھا کو منسوخ کیا نہ کہ برعکس کیونکہ پہلے کی آیت لا نکلف نفساً الّا وسعھا ہے پھر جب آیت ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ آیت لا نکلف نفساً الّا وسعھا کو منسوخ کرچکی تو اس منسوخ شدہ آیت کی ہم معنے آیت لا یکلف اللہ نفساً الّا وسعھا پھر نازل ہوئی اور آیت ناسخ ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ کو منسوخ کیا۔ کیا کوئی بھلا آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی اس بات کو قبول کرسکتا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ ان دونوں آیتوں کے معنوں میں تعارض کوئی

نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی فوز الکبیر میں لکھا ہے کہ اس آیت کو منسوخ نہیں سمجھا جا سکتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "میں کہتا ہوں کہ حقیقت میں یہ عام کو خاص کرنیکی ایک صورت ہے۔ بیشک دوسری آیت اس بات کی تشریح کرتی ہے کہ **ما فی انفسکم** سے مراد حدیث النفس نہیں بلکہ اس سے مراد صحت نیت۔ خلوص یا ریاکاری ہے۔ حدیث النفس ایک ایسی چیز ہے کہ اس پر انسان کو کچھ قدرت نہیں ہوتی اور اس کے عمد کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ انسان پر کوئی بوجھ ایسا نہیں ڈالتا جس کے تحمل کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔ ایسا ہی اس آیت کے امام رازی نے بھی یہی معنے کیے ہیں اور اس کے منسوخ نہ ہونیکی تائید میں بہت ساری دلایل لکھی ہیں۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں۔ صاحب فتح الباری فی شرح صحیح بخاری نے اس حدیث کی شرح میں ایک یہ پہلو بھی لکھا ہے کہ اس حدیث میں نسخ کے معنے وہی لیے جا سکتے ہیں جو متقدمین کے نزدیک مختار اور مستعمل تھے۔ اور ان متقدمین کے نزدیک نسخ کے معنے عموم کو مختص کرنا ہے"۔ پس اس بات کے ماننے کے لیے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بہت دلایل قویہ موجود ہیں۔ ایسی آیت کو منسوخ خیال کرنا ہی بڑی غلطی ہے۔ لفظ نسخ کے ان معنوں کے لحاظ سے اس حدیث کے یہ معنے ہونگے کہ پہلی آیت میں جو حکم درج ہوا ہے وہ عام ہے جس سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک جو کچھ دل میں مخفی رکھکر کرتا ہے یا اسکو علانیہ کرتا ہے ان سب کا محاسبہ ہوگا۔ لیکن دوسری آیت کے نزول سے اس عمومیت میں یہ تخصیص پیدا کی گئی کہ جو خطا ایسے طور سے سرزد ہو کہ جس میں انسان کے ارادہ اور نیت کو دخل نہ ہو وہ قابل مواخذہ اور سزا نہیں۔

تیسری حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ پہلے پہل اسلام میں ایسا ہوتا تھا کہ متوفی کا ترکہ صرف اس کے لڑکوں کو ملتا تھا اور متوفی کے والدین کا اس میں کوئی حق نہیں رکھا گیا تھا۔ البتہ والدین اس صورت میں کچھ حصہ ترکہ متوفی حاصل کر سکتے تھے جب متوفی انکے حق میں کوئی وصیت اس بارہ میں کر جاتا تھا۔ لیکن اس رواج کا ایک حصہ سورۃ النساء کی اس آیت سے منسوخ ہو گیا جس میں ورثاء کے مفروض اور معین حصص مقرر کیے گئے ہیں۔ اس حدیث کے اپنے الفاظ صاف طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ یہاں ایک رواج کا ذکر ہے جو ایام جاہلیت میں اس ملک میں مروج تھا۔ جاہلیت کے زمانہ میں ملک عرب کا رواج تھا کہ متوفی کے ترکہ کی صرف اولاد نرینہ ہی وارث اور حقدار ہوتی تھی لڑکیوں کو اور دیگر وارثوں کو کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ عربوں کا خیال تھا کہ ترکہ کے حقدار وہی لوگ ہوتے ہیں جو قوم کی طرف سے جنگ میں جائیں جیسا کہ فتح الباری میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر جب خدا کے فضل سے آفتاب اسلام طلوع ہوا تو اس نے مروجہ رسوم کو دفعتاً جڑھ سے نہ اکھاڑا۔ بلکہ نہایت حکیمانہ طور سے بڑے تحمل کے ساتھ ایک ایک پرانی رسم و رواج کو چنا مگر تدریج اور سہولت اور حکمت کے ساتھ۔ اس میں کلام نہیں کہ اس تدریجی نزول احکام کے سبب سے مسلمانوں کی یہ

حالت تھی کہ جب تک کوئی حکم کسی امر کے متعلق نازل نہ ہوتا تھا اسوقت تک وہ لوگ صرف ان قدیم جاہلیت کے رسوم و رواج پر عمل کرتے رہتے۔ اسی طرح ورثہ کے متعلق بھی جب تک کہ قرآن شریف میں سورۃ النساء کے مندرجہ احکام نازل ہو کر ان قدیم مستعملات کی اصلاح کا موجب نہ ہوئے اُسوقت تک پُرانی رسموں کے مطابق ہی وراثت تقسیم کرتے تھے۔ پھر جب خدا تعالیٰ کی طرف سے احکام جاری ہو گئے تو انہوں نے فی الفور پرانی رسوم کو چھوڑ کر خدا کے حکموں پر عمل شروع کر دیا۔ جب وہ آیات نازل ہوئیں جن میں عورتوں کے لیے بھی ترکہ میں حصّے رکھے گئے ہیں اور لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے ساتھ ترکہ والدین کا حقدار بنایا گیا ہے (للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر) تو آنحضرت صلعم نے ان آیتوں کو بھی حسب دستور صحابیوں کو سنایا۔ یہ حکم سنتے ہی بعض صحابیوں نے تعجب اور حیرت کے مارے آنحضرت صلعم سے سوال کیا۔ ”کیا ہم پر واجب کیا گیا ہے کہ اب اس چھوٹی لڑکی کو بھی ترکہ میں حصّہ دیا کریں جو گھوڑے پر سوار ہونا اور دشمن کو ہزیمت دینا نہیں جانتی“ (فتح الباری) یہ امر واقعی ہے کہ عربوں میں قدیم قانون یہی تھا کہ لڑکیوں اور عورتوں کو ترکہ میں سے حصّہ نہ ملے۔ اور یہی وہ قانون ہے جس کے منسوخ ہونیکی طرف ابن عباس نے حدیث محولہ بالا میں اشارہ کیا ہے۔ ابن عباس نے کسی آیت قرآنی کا نہ تو یہاں اس سے معارض ہونیکا ذکر ہی کیا ہے اور نہ ہی کسی طرح سے اس کے اس بیان سے کسی آیت قرآنی کے منسوخ ہونیکا مذکور ثابت ہوتا ہے۔ پس یہاں منسوخ سے مراد کوئی قرآنی آیت نہیں۔ بلکہ اس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ لفظ نسخ صحابہؓ وسیع معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ اسی طرح پانچویں حدیث جس کا اوپر ذکر آیا ہے اسکا راوی بھی ابن عباس ہی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ جب مہاجرین مدینہ میں قرار گزین ہوئے۔ تو آنحضرت صلعم نے انہیں اور انصار میں بعض کا بعض کے ساتھ بھائی بندی کا رشتہ بنا دیا۔ اور اس رشتہ اخوت کی بنا پر مہاجر اپنے متوفی بھائی انصاری کا ترکہ پاتا تھا۔ لیکن جب آیت ولکلٍ جعلنا موالی (یعنی ہر ایک کے لیے ہم نے ولی بنا دیئے ہیں) نازل ہوئی تو اسوقت یہ دستور جو ترکہ کے متعلق مروج تھا منسوخ ہو گیا۔ اسجگہ بھی کسی قرآنی آیت کے منسوخ ہونیکا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ ایک ایسا دستور منسوخ ہوا ہے جو کسی قرآنی آیت کی بنا پر مروج نہ تھا۔ جب آنحضرت صلعم ہجرت کر کے مدینہ شریف پہنچے اور صحابہؓ کی جماعت آپکے ہمراہ تھی۔ تو آپنے مدینہ کے مسلمان باشندوں میں سے ہر ایک کو جنہیں انصار کہتے ہیں حکم دیا کہ وہ ایک ایک مہاجر کو اپنا بھائی بنالیں۔ چنانچہ اس کے مطابق ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری میں برادری کا پیوند قائم ہو گیا۔ اور یہ رشتہ اخوت ایسا مؤثر اور مضبوط ہوتا گیا کہ اسکا تعلق ترکہ تک بھی پہنچ گیا۔ گویا یہ رشتہ حقیقی برادری کا ہو گیا۔ یہانتک کہ ایک بھائی کی وفات کے بعد دوسرا بھائی حقیقی بھائی کی طرح اس کے ترکہ کا وارث قرار پاتا۔ یہ کوئی اسلامی رسم نہ تھی بلکہ اس کی بنا عرب کی قدیم رسوم تعلق داری تھی۔ کیونکہ عربوں میں یہ رسم تھی کہ دو غیر شخص جب

آپس میں بھائی بن جاتے تو وہ ایسا گہرا تعلق ہو جاتا کہ ایک دوسرے کا وارث جائز سمجھا جاتا اور اسکے مرنے پر اسکے ترکہ کا حقیقی بھائی کی طرح حقدار ہوتا۔ اسی رسم کو اس تعلق برادری میں داخل کر دیا گیا جو انصار اور مہاجرین کے درمیان قایم کیا گیا۔ چنانچہ ایک عرصہ تک مسلمان اسپر عمل کرتے رہے۔ لیکن اس کے بعد یہ رواج قرآن شریف کی آیت سے منسوخ قرار دیا گیا۔ جس کا ذکر اس حدیث میں ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے ولکل جعلنا موالی مما ترك الوالدان والاقربون والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم۔ ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر۔ یعنی ہر ایک آدمی کے جو کچھ والدین اور اقربا ترکہ چھوڑ مریں اس کے لیے ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں۔ اور جن کے ساتھ تم نے اپنے دائیں ہاتھ بڑھا کر بھائی چارہ گانٹھا ہے انکو انکا حصہ دو۔ خدا ہر شئے پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔" یہ سورۃ النساء کی آیت ہے جو پانچویں سیپارہ میں درج ہے۔ فاتوھم نصیبھم کی تشریح میں حدیث میں لکھا ہے والذین عقدت ایمانکم من النصر والرفادۃ والنصیحۃ وقد ذھب المیراث ویوصی لہ۔" اور ان لوگوں کو جن کے ساتھ اخوت کا معاہدہ کیا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مدد اور تحائف اور نصیحت ہے۔ انکو ترکہ نہیں پہنچتا مگر انکے حق میں وصیت کیجا سکتی ہے۔" غرض اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی قرآنی آیت اس آیت کے نزول سے منسوخ ہو گئی تھی۔ بلکہ ایک ایسی رسم منسوخ ہو گئی تھی جسکو مسلمانوں نے اقتضائے ضرورت وقت کے لیے بصورت عدم وجود گی حکم قرآن شریف بطور مستعار عربوں کی قدیم رسوم سے لیا ہوا تھا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس کے لیے قرآن شریف کا وجود مانا گیا ہے۔ کیونکہ قدیم رسوم کی اصلاح کرنا اور صحیح اور معتدل اصول اور قوانین کا پیش کرنا ہی قرآنی مشن تھا۔

اب ہم چوتھی حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ ذرہ پیچیدہ سی حدیث ہے۔ سورۃ النساء ہع میں یہ آیت ہے والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا۔ فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف۔ واللہ بما تعملون خبیر۔ تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیوائیں چھوڑ مریں انہیں چاہیئے کہ چار مہینے اور دس دن صبر کریں۔ اور جب یہ میعاد پوری ہو چکے تو جس طرح جائز طور پر وہ اپنے نفوس سے برتاؤ کریں تم اسکے جواب دہ نہ ہو گے جو کچھ تم کرتے ہو خدا کو اسکی پوری خبر رہتی ہے۔" پھر آگے چلکر اسی سورۃ میں یہ آیت ہے والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً وصیۃ لازواجھم متاعاً الی الحول غیر اخراجٍ فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن من معروف واللہ عزیز حکیم" اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور بیوائیں چھوڑ مریں ان بیواؤں کے گذارہ کے لیے ایک سال بھر کا گذارہ اور گھر سے نہ نکالا جانا وصیت ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے نکل جائیں تو جو کچھ مناسب اور بہتر طور سے وہ اپنے نفوس کیلئے کریں تو اس کا تمہاری گردن پر کوئی الزام اور مواخذہ نہیں۔ خدا غالب حکمت والا ہے۔" پھر انکے سوا سورۃ النساء ہع میں آیت

ہ و لھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد۔ فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بھا او دین۔ یعنی اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو تمھارے ترکہ میں تمھاری بیواؤں کا چوتھا حصہ ہے اور اگر تمھاری اولاد ہے تو تمھارے ترکہ میں سے ان کا آٹھواں حصہ ہے لیکن یہ حصے تمھاری وصیت اور قرضے کے ادا ہو جانیکے بعد ہونگے"۔ یہ آیتیں ہیں جس میں عورت کا مرد کے ترکہ میں سے حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ اب بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تینوں آیات ایک دوسرے کی معارض ہیں۔ اور ان کے نزدیک ان آیات کے بعض احکام ایک دوسرے کے مقابل میں منسوخ ہیں۔ اب ہم اسجگہ اس حدیث کی طرف توجہ کرتے ہیں جو صحیح بخاری میں وارد ہے۔ اور اسپر تفصیلی نظر ڈالتے ہیں۔ سب سے پہلے تو مجاہد کی روایت آتی ہے۔ مجاہد حضرت ابن عباس کے مشہور شاگرد ہیں۔ وہ پہلی آیت والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر و عشرا کی تفسیر کے بیان میں کہتے ہیں کہ چار ماہ دس دن کی میعاد ضروری تھی اور اسپر عمل کرنا بھی ضروری تھا۔ اسکے بعد خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول الخ اسطرح اللہ تعالیٰ نے سات ماہ اور بیس دنوں کی میعاد بیوہ عورتوں کے لیے ... بڑھا کر اسکو پورا سال کر دیا۔ اور اسکو اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو ایک سال بھر اسی خاوند کے گھر میں وصیت کے مطابق رہے اور اگر چاہے تو گھر چھوڑ جائے۔ یہ بات آیت کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ اسکو مجبوراً گھر سے نہ نکالا جاوے لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے خود چھوڑ کر چلی جاوے تو وارثوں پر کوئی الزام نہیں مگر عدت یعنی چار ماہ اور دس دن کا انتظار بہرحال ضروری ہوگا"۔ یہ مجاہد کی رائے تھی اور انکا خیال تھا کہ ان دونوں آیتوں میں سے نہ کوئی کسی کی ناسخ ہے اور نہ منسوخ اب حضرت ابن عباس کے ایک اور مشہور شاگرد ہیں جن کا نام عطا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "ابن عباس کی یہ رائے تھی کہ آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج الخ کے نزول سے وہ آیت جس میں بیوہ کے لیے چار ماہ دس دن کی عدت مقرر ہے منسوخ ہو گئی ہے"۔ پھر آگے چلکر وہ کہتے ہیں متاعا الی الحول غیر اخراج سے مراد یہ ہے کہ بیوہ عورت کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عدت کے ایام ان دونوں طریقوں سے جس طریق پر چاہے شمار کرے۔ یعنی اگر وہ چاہے تو اپنے ایام عدت ایک سال شمار کرے اور سال بھر متوفی خاوند کے گھر میں رہے اور وہیں سے اپنی مرضی کے موافق ضروریات زندگی لیتی رہے۔ اور اگر وہ پسند کرے تو خاوند متوفی کے گھر سے اس مدت سے پہلے کسیوقت چلی جاوے۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس بات کا تمپر کوئی الزام نہیں کہ جسطرح وہ چاہیں اپنے نفوس کے ساتھ معروف طریق پر برتاؤ کریں۔ اس کے بعد ورثہ اور ترکہ کی آیات نازل ہوئیں انکے نزول سے سال بھر کے گذارہ اور خاوند کے گھر رہنے کا حکم منسوخ ہوگیا۔ اور یہ اختیار رہا کہ وہ اپنی عدت کے

دنوں کو جس طرح چاہے شمار کرے لیکن اسکو گذارہ لینے کا کوئی حق نہیں۔" عطا کی رائے کچھ ایسی مبہم سی ہے کہ اس پر حصر کرنا نہایت مشکل ہے۔ درحقیقت ان آیات میں کوئی ناسخ و منسوخ نہیں۔ ایسا کہنا صرف انکے معنوں کی غلط فہمی ہے۔ پہلی آیت میں اس مدت کا ذکر کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیواؤں کے لیے انکے خاوندوں کے مرنیکے بعد شادی سے رُکے رہنے کے لیے مقرر کی ہے۔ اس زمانہ کا نام اصطلاح شرعی میں عدت ہے۔ اور مراد اس عدت سے یہ ہے کہ کوئی بیوہ اپنے خاوند کی وفات سے چار ماہ دس دن کے اندر کسی دوسرے سے شادی کرنیکا حق نہیں رکھتی۔ قرآن شریف میں عدت کے تغیر و تبدل کے لیے کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ جس سے اس آیت کو منسوخ سمجھا جاسکے۔ البتہ سورۃ الطلاق میں اُن عورتوں کے لیے جو حاملہ ہوں بجائے اس عدت کے یہ حکم ہے کہ جبتک بچہ پیدا نہ ہو جائے اُسوقت تک وہ کسی دوسرے مرد سے شادی نہ کریں۔ لیکن اس بات کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ یہ حکم عدت کے حکم کی ترمیم اور تنسیخ نہیں۔ بلکہ یہ علیحدہ صورت ہے اور اس لیے علیحدہ حکم ہے۔ پھر وہ آیت جس میں خاوند کی وصیت کے موافق ایک سال تک خاوند کے گھر میں بیوہ کے رہنے کی اجازت کا ذکر ہے وہ بھی عدت کی آیت کو منسوخ نہیں کرتی۔ کیونکہ عدت کی غرض تو یہ ہے کہ اس میں بیوہ عورت کے لیے خاوند کے مرجانیکے بعد ایک مقررہ مدت تک کسی دوسرے شخص سے شادی کرنیکی اجازت نہیں ہوتی۔ گویا اس میعاد کے اندر شادی جائز ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر یہ عدت ترمیم ہوتی تو ایسا ہونا چاہیئے تھا کہ بجائے چار ماہ دس دن کے کوئی اور کم یا بیش میعاد مقرر کیجاتی اور اس میعاد کا یہی نام رکھا جاتا اور اس میں بیوہ عورت کو کسی مرد سے نکاح کرنیکی اجازت نہ ہوتی۔ لیکن سال کی میعاد جو دوسری آیت میں ہے وہ ان اغراض کے لیے نہیں کہ بیوہ عورت کو بجائے چار ماہ دس ایام کے ایک سال بھر کسی سے نکاح نہیں کرنا چاہیئے۔ ایسا تو ہرگز اس آیت سے ظاہر نہیں ہوتا۔ ماسوائے اس کے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ یہ آیت اس آیت سے پہلے نازل ہوئی تھی پھر جبکہ یہ آیت ہی پیچھے نازل ہوئی تو کیونکر مانا جاسکتا ہے کہ ایک ایسی آیت جو پہلے نازل ہوچکی تھی وہ بعد میں نازل ہونیوالی آیت کو منسوخ کرے۔ یہ کیسی ناممکن اور خلاف قیاس بات ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ سورۃ النساء میں جو حق ترکہ بیوہ کے لیے رکھا گیا ہے کیا اس کے نزول سے ایک سال کے گذارہ کی وصیت والی آیت منسوخ ہوگئی ہے؟ ان دونوں آیتوں میں رشتہ ناسخ و منسوخ قائم کرنیکا خیال بھی از خود تراشیدہ ہے۔ سارے قرآن شریف میں کہیں اس بات کا بطور اشارہ بھی ذکر نہیں اور نہ ہی کسی حدیث نبوی میں کوئی اشارہ اس قسم کا کہیں آیا ہے۔ اور اس خیال کے حامی ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کرسکتے کہ کبھی کوئی مقدمہ اس قسم کا آنحضرت صلعم کے حضور میں پیش ہوا ہو جس میں آپنے صراحت یا کنایت سے ہی ایسا فیصلہ کردیا ہو کہ بیوہ عورت کے لیے جو ایک سال بھر خاوند متوفی کے مکان میں رہنے اور گذارہ

یعنے کی وصیت کے نیچے اجازت تھی وہ اسوقت تک تھی جب تک کہ اس کے لیے ترکہ خاوند متوفی میں سے بصورت موجودگی اولاد آٹھواں اور بصورت عدم موجودگی اولاد چوتھا حصہ پانیکا حکم نازل نہ ہوا تھا۔ پھر جب یہ حکم نازل ہوا تو وہ حق منسوخ ہوگیا۔ بلکہ برخلاف اس کے قرآن شریف میں یہ حکم صریح ہے کہ بیوہ عورت کو ترکۂ خاوند متوفی سے حصہ دینے سے پہلے متوفی کی وصیت اور قرضے ادا کردینے ضروری ہیں۔ اور جو کچھ وصیت اور قرضہ سے بچے وہ ورثا میں تقسیم ہو۔ ان باتوں کے سوا ایک اور واضح قرینہ ایسا موجود ہے کہ جس سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ بیوہ کے لیے خاوند متوفی کے گھر میں سال بھر رہنا اور گذارہ لینا جو وصیت کے ماتحت رکھا گیا ہے منسوخ نہیں ہوا۔ شریعت اسلام نے اصولی طور پر عورتوں کے لیے حقوق میں بہت نرمی رکھی ہوئی ہے۔ جہاں کہیں قرآن شریف میں عورتوں کے ساتھ برتاؤ اور ان کے حقوق کی ادائیگی اور نگہداشت کا حکم دیا ہے وہاں ضرور دیکھا جائیگا کہ اس قسم کی تاکید ہے کہ انکے ساتھ ایسی نرمی سے برتاؤ کیا جائے کہ ان کے حقوق سے کچھ زیادہ ہی سلوک انسے کیا جائے۔ یہ غور کا مقام ہے کہ اس آیت کے ساتھ ہی جس میں بیوہ عورت کو خاوند متوفی کی وفات کے بعد اس کے گھر میں ایک سال رہنے اور گذارہ لینے کی وصیت کی اجازت دی گئی ہے ایک اور آیت بالکل ساتھ ملی ہوئی ہے جس میں اسی قسم کا حق مطلقہ عورت کے لیے رکھا گیا ہے چنانچہ یہ دونوں آیتیں اسطرح پر ہیں والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا وصیة لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسھن من معروف۔ واللہ عزیز حکیم ۔ وللمطلقت متاع بالمعروف حقا علی المتقین۔ ترجمہ: جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیوائیں چھوڑ مریں انہیں چاہیئے کہ اپنی بیواؤں کے لیے وصیت کرسکتے ہیں کہ ایک سال تک ان کے لیے اسی گھر سے کھانے پینے کے خرچ دیئے جائیں اور ان کو وہاں سے نکالا نہ جائے۔ ہاں اگر وہ اپنی مرضی سے نکل جائیں تو تم پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ جو چاہیں وہ مناسب طور پر اپنے آپسے سلوک کریں۔ اللہ تمام عزتوں اور حکمتوں کا مالک ہے۔ اور مطلقہ عورتوں کے لیے بھی مناسب طور پر کھانے پینے کا خرچ دیا جائے۔ یہ متقیوں پر ایک حق ہے۔

ان دونوں موقعوں پر لفظ متاع استعمال ہوا ہے۔ جس کے لفظی معنے ہیں۔ کوئی مفید شے یا ضروریات زندگی لین کی مشہور و معروف لغت میں لکھا ہے کہ متاع جب مطلقہ عورت کے لیے مستعمل ہوتا ہے تو اسکے معنے ضروریات زندگی مثل غذا۔ لباس۔ اثاث البیت وغیرہ ہوتے ہیں۔ اب جس طریق پر مطلقہ عورت کے لیے حق مہر کے علاوہ معقول متاع کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح بیوہ عورت کے لیے مہر اور حصہ ترکہ معینہ کے علاوہ یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ اسکو سال بھر تک گذارہ اور رہایش خاوند متوفی کے گھر میں دی جاوے۔ یہ قیاس درست

نہیں کہ آیت ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد۔ فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بھا او دین۔ (اور تمہارے مردو! اگر تمہارے ہاں اولاد نہیں تو تمہارے ترکہ میں سے تمہاری بیواؤں کو چوتھا حصہ ملے۔ لیکن اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہاری بیواؤں کیلیے تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ مقرر ہے۔ جو تمہاری وصیتوں اور قرضہ کے ادا کرنیکے بعد دیا جاوے) کے نازل ہونیسے آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا۔ وصیۃ لازواجھم۔ متاعا الی الحول غیر اخراج الخ گویا منسوخ ہو چکی ہے۔ اور یہ خیال ایسا ہی بے بنیاد ہے جیسا کہ کوئی یہ خیال کرلے کہ گویا وہ آیت جس میں مطلقہ عورت کو حق مہر ادا کرنیکا حکم ہے اس کے نزول سے آیت متاع بالمعروف منسوخ ہوگئی ہے۔ مطلقہ عورت کو اپنے خاوند کی جائداد پر سوائے اپنے حق مہر کے اور کسی چیز کا حق نہیں لیکن باوجود اس بات کے پھر بھی شریعت اسلام میں اسکی بہت رعایت لیگئی ہے اور متاع بالمعروف کی سفارش کی گئی ہے۔ اسی طرح بیوہ عورت کا اپنے متوفی خاوند کی جائداد پر مقررہ آٹھویں یا چوتھے حصہ سے بڑھکر کوئی حق نہیں۔ لیکن باوجود اس بات کے خاوند کو سفارش کی گئی ہے۔ کہ وہ اپنی بیوی کے حق میں وصیت کر چھوڑے۔ کہ میرے مرنیکے بعد ایک سال تک اسے میرے گھر میں بود و باش رکھنے سے روکا نہ جاوے اور اسکی ضروریات زندگی بہم پہنچائی جائیں۔ یہ دونوں حالات ایک ہی سطح پر مساوی ہیں۔ مطلقہ عورت کو حق مہر اور اس کے ساتھ متاع بالمعروف لینے کا حق دیا گیا ہے۔ اور بیوہ کو حق مہر متوفی خاوند کے ترکہ میں سے شرعی حصہ اور ایک سال کی رہایش اور خورونوش (متاع الی الحول غیر اخراج) کا حق دیا گیا ہے۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں متاع بالمعروف اور متاع الی الحول غیر اخراج خاوند کی مرضی اور اختیار پر چھوڑے گئے ہیں۔

ایسا ہی ایک اور حدیث انہی آیتوں کے متعلق ہے۔ جو مسئلہ نسخ اور حفاظت قرآن پر اچھی طرح روشنی ڈالتی ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ابن زبیر کی روایت سے درج ہے جس کے الفاظ یہ ہیں قال ابن الزبیر قلت لعثمان بن عفان والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا قال قد نسختھا الآیۃ الاخری فلم تکتبھا او تدعھا قال یا ابن اخی لا اغیر شیئا منہ من مکانہ جسکا ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔ "ابن زبیر سے روایت ہے کہ کہا اس نے کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو کہا کہ آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا ایک دوسری آیت سے منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپنے اسکو قرآن میں کیوں لکھا ہے؟ اسپر حضرت عثمانؓ نے جواب میں کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے! میں کوئی چیز جو قرآن میں آئی ہے بدلنے کا حق نہیں رکھتا" اب یہ دونوں آیتیں جنپر ہم بحث کر رہے ہیں۔ والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا سے ہی شروع ہوتی ہیں۔ لیکن اس حدیث میں کہیں کوئی اشارہ اس امر کے متعلق نہیں پایا جاتا کہ ان دونوں

میں سے کونسی آیت کے منسوخ ہونیکی طرف ابن زبیر کا اشارہ تھا۔ البتہ امام بخاری نے اِس قسم کا اشارہ دیا ہے کیونکہ انہوں نے یہ آیت اِس مضمون کے سر پر بطور سُرخی لکھی ہے اور اسی پر باب باندھا ہے والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر و عشرا فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف و اللہ بما تعملون خبیر۔ ایسے جس حال میں امام بخاری رح نے اس آیت کا یہ پتہ لکھا ہے اور اسپر آجتک کسی قسم کا کسی نے اختلاف نہیں کیا تو جب تک کہ اختلاف ثابت نہ ہو اُسوقت تک ہم کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس حدیث سے کوئی اور آیت مشاراً الیہ سمجھیں۔ یہاں یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ ابن زبیر کے نزدیک آیت مذکورہ بالا جس میں چار ماہ اور دس دنوں کی عدت بیوہ عورتوں کے لیے خاوندوں کے مرنیکے بعد نکاح سے رُکے رہنے کے لیے مقرر کیگئی ہے وہ اس دوسری آیت سے جس میں متاع الی الحول غیر اخراج آیا ہے منسوخ ہو چکی ہے۔ دراصل ابن زبیر نے اس آیت کے معنے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے اور یہ سمجھا ہے کہ اس سے بجائے چار ماہ اور دس دن ایام عدت کے ایک سال کی عدت کردی گئی ہے۔ لیکن ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ یہ دونوں آیتیں اپنے اپنے جدا مضامین اور مقاصد رکھتی ہیں اور کوئی بھی ان میں ناسخ و منسوخ نہیں ایک میں تو یہ حکم درج ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند مرجائے اور وہ بیوہ رہ جائے تو جب تک کہ اُس کے مرنیکے بعد چار ماہ اور دس دن نہ گذر جائیں اُسوقت تک وہ بیوہ عورت کسی سے نکاح نہیں کر سکتی۔ اور دوسری آیت میں خاوند کو سفارش کی گئی ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے حق میں اس مضمون کی وصیت کریں کہ میرے مرنیکے بعد میری بیوہ کو سال بھر تک میرے ہی گھر میں رہنے سے نہ روکا جاوے اور اُسکی ضروریات زندگی اسی جگہ سے دیجاویں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں آیتیں اپنے اپنے مضامین اور مقاصد جدا جدا رکھتی ہیں ایک میں بعد مرگ خاوند بیوہ عورت کو چار ماہ اور دس دن تک نکاح سے رُکے رہنے کا حکم ہے اور دوسری میں خاوند کو اپنی عورت کے حق میں بعض رعایتوں کی سفارش کی گئی ہے اس لیے ابن زبیر کا یہ خیال کہ یہ آیتیں ایک دوسری کی ناسخ ہیں قابل التفات نہیں۔ اب حضرت عثمان رض کے جواب کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ ابن زبیر کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ جو چیز قرآن میں آچکی ہے اسکو کسی طرح نہیں بدل سکتا اس سے صاف روشن ہوتا ہے کہ آپکے نزدیک کوئی آیت قرآنی بجز حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منسوخ نہیں ہو سکتی تھی اور نہ ہی کسی غیر شخص کی رائے سے قرآن شریف میں کوئی تبدیلی کیجا سکتی تھی حضرت عثمان رض نے ابن زبیر کو یہی بات سمجھائی کہ جس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزو قرآن قرار دے دیا ہے کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ اُس میں کسی قسم کی تبدیلی کرے۔ آپنے ابن زبیر یا کسی اور کے کہنے یا سمجھنے یا قیاس کرنے پر کہ فلاں آیت قرآن منسوخ ہو چکی ہے اسکو درج قرآن نہیں کرنا چاہیئے مطلق التفات

نہ کیا۔ بلکہ انکو صاف جواب دیا کہ جس کلام کو خدا کا مقدس رسول صلعم قرآن شریف کا جزو ہونا ہم کو بتا گیا ہے ہم اس میں کوئی دست اندازی کر نہیں سکتے۔ حضرت عثمان کے اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ قرآن شریف کے بارہ میں وہ کیسے محتاط تھے۔ وہ پاک دل انسان کہتا ہے کہ مَیں ایک حرف بھی بدل نہیں سکتا۔ پھر وہی سلیم اور محتاط دل حضرت عثمانؓ کا اسوقت بھی تھا جبکہ آپنے قرآن شریف کی نقلیں کرنیکا حکم دیا تھا۔

یہانتک تو ہم نے ان پانچوں حدیثوں پر بحث کی ہے جن کی نسبت بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انکا حکم منسوخ ہے۔ ہم نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ ان میں دو حدیثیں تو اس بات کی گواہ ہیں کہ قرآن شریف کی آیتسے عرب کی ایک قدیم اور زمانہ جاہلیت کی رسم منسوخ ہوئی۔ کسی قرآنی آیت کا منسوخ ہونا ان سے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا اور دوسری حدیثوں کے متعلق ثابت کیا ہے کہ یا تو لفظ نسخ سے ایک خاص مفہوم یعنی عام کا خاص کرنا مراد ہے اور یا خود اس آیت کے معنوں کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے کہ ایسے معنے اختیار کیے جاتے ہیں جو دوسری آیت کے معارض پڑتے ہیں۔ اور اس وجہ سے ان کے ناسخ یا منسوخ ہونیکا خیال گذرا ہے یہ بات یقینی طور پر ثابت کردی گئی ہے کہ قائلین ناسخ و منسوخ اپنے اس خیال کی تائید میں آنحضرت صلعم سے ایک لفظ بھی سند میں پیش نہیں کرسکتے صرف مفسرین کی شخصی رائے اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ کوئی آیت قرآن شریف میں ناسخ اور کوئی منسوخ ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلے ہوئے الفاظ ایسے ہرگز نہیں جنسے یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ کوئی آیت قرآن شریف کی منسوخ ہے۔ ابن عباس اور ابن عمر اپنی اپنی راؤں کے خود ذمہ وار ہیں۔ اور پھر ان میں آپسمیں ہی اختلاف بھی ہے۔ چنانچہ یہ بات بھی اوپر ہم نے دکھا دی ہے۔ اب ہم اس ایک حدیث کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ جس میں بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ایک ایسی آیت قرآنی کا ذکر ہے جو منسوخ الحکم اور منسوخ التلاوۃ ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت انسؓ ہیں آپنے جہاں ان ستّر قاریوں کا ذکر کیا ہے جن کو کفار نے بئر معونہ پر بخت بے رحمی سے قتل کیا تھا وہاں یہ الفاظ بھی کہے ہیں۔ "اور ہم انکی نسبت ایک قرآن پڑھتے تھے جو بعد میں اُٹھالیا گیا اور وہ یہ تھا کہ ہماری قوم کو یہ خبر سنا دو کہ تحقیق ہمکو اپنے مولے کے حضور میں بار نصیب ہوگیا ہے۔ اور ہمارا مولےٰ ہم سے خوش ہے اور ہم اُس سے خوش" اس مقام پر بعض لوگوں نے لفظ قرآن سے دھوکہ کھایا ہے اور یہ سمجھا ہے کہ اس سے مراد کوئی قرآنی آیت ہے جس کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہوگئے ہیں۔ لیکن ان لوگوں نے قرآن اور القرآن کے معنوں میں جو باریک امتیاز ہے اُسکی طرف توجہ نہیں کی اور اس لیے ایک بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ عربی زبان میں قرأ پڑھنے کو کہتے ہیں۔ اور قرآن اسی سے مشتق ہے جس کے معنے عام طور پر کسی پڑھنے والی چیز کے ہیں اور جو کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس کا نام القرآن ہے لفظ قرآن اسم نکرہ ہے القرآن

اسم معرفہ ہے جو اُس کتاب مقدس کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی البتہ اس میں شک نہیں ہے کہ چونکہ قرآن کا اکثر استعمال ... کلام الٰہی کے لیے ہی ہوتا تھا دوسرے معنے کے لحاظ سے اس کا استعمال بہت ہی کم ہوگیا۔ اس حدیث مندرجہ بالا میں لفظ قرآن سے القرآن مراد کسی طرح نہیں۔ بلکہ عام طور پر کوئی پڑھنے والی چیز مراد تھی جیسے لغت عرب کا عام محاورہ ہے قرأت الکتاب قرآنا۔ یہاں صرف قرآن کا لفظ واقع ہوا ہے اور القرآن نہیں۔ خود بخاری نے بھی اس لفظ قرآن کو اس حدیث میں القرآن نہیں سمجھا اور اسی لیے انہوں نے اسکو کسی ایسے باب کے ضمن میں بیان نہیں کیا جو خصوصیت سے قرآن شریف کے متعلق باندھے گئے ہیں جیسے باب تفسیر القرآن۔ فضائل القرآن یا جمع القرآن وغیرہ ہیں۔ بلکہ صرف ایک ایسے باب کے نیچے اس حدیث کو بیان کیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک خاص واقع کا بیان کرتی ہے یعنی باب غزوۂ بئر معونہ میں اصل مراد اس سے یہ تھی کہ ایک عبارت تھی جسے بعض لوگوں نے پڑھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا پڑھنا روک دیا اور اس کی وجہ معلوم کرنی مشکل نہیں کیونکہ ایسے کلام جو قرآن شریف کی آیتوں کی طرح پڑھے جاتے تھے انکو اگر روکا نہ جاتا تو بعد میں قرآن شریف کی آیات کے ساتھ مخلوط اور مشتبہ ہو جانیکا احتمال تھا اس لیے ان کا روک دینا ہی انسب تھا۔ غرض یہ صاف ظاہر ہے کہ حدیث محولہ بالا کو قرآن شریف میں نسخ ہونے سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن اگر بفرض محال یہ بھی مان لیا جائے کہ یہاں لفظ قرآن القرآن ہی کے مترادف واقع ہوا ہے۔ اور اس سے مراد قرآن شریف ہی کا کوئی حصہ ہے۔ تو اس صورت میں بھی اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فی الواقعہ قرآن شریف میں کوئی تنسیخ واقع ہوئی۔ اس حدیث میں یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ آنحضرت صلعم نے اس فقرہ کی نسبت فرمایا تھا کہ وہ قرآن شریف میں سے ہے۔ اور نہ یہ بات ہی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ نے کبھی اسکو قرآن شریف میں لکھے جانیکا حکم دیا ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی شخص نے غلط فہمی سے اس فقرہ کو قرآن شریف کی آیت سمجھ لیا تھا۔ اور اس سے زیادہ انسؓ کے بیان کا اور کوئی مفہوم نہیں بن سکتا۔ لیکن آنحضرت صلعم نے اس فقرہ کو اس طرح پڑھنے سے منع کر دیا۔ پس جب تک کہ حدیث صحیح سے یہ بات ثابت نہ ہو کہ آنحضرت صلعم نے اس عبارت کی نسبت فرمایا تھا کہ یہ قرآن شریف کا جزو ہے اُس وقت تک ہم کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے جزو قرآن سمجھیں۔ بلکہ اگر کسی ایک آدھ صحابی نے غلط فہمی کیوجہ سے اسکو جزو قرآن سمجھ بھی لیا تو یہ اسکی اپنی غلطی تھی۔ یہاں تو یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم نے اسکو ایسا سمجھنے اور ایسا سمجھکر اسکو پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جب ستر قاری کفار کی دغابازی سے شہید ہوئے۔ تو آنحضرت صلعم نے انکی اس حالت زندگی کا صحابہؓ کے آگے ذکر فرمایا جس میں وہ شہید ہو جانیکے بعد تھے۔ گویا وہ شہید ہی اپنی زبان سے اپنی حالت یوں بیان کر رہے تھے کہ "ہماری قوم کو خبر سنا دو کہ ہم خدا کے حضور میں باریاب ہو گئے ہیں۔ اور وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اُس سے راضی ہیں۔" یہ کلام چونکہ بہت مؤثر تھا اور ایک مؤثر

واقعہ کے متعلق تھا اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ میں اس کا اتنا بڑا رواج ہو گیا کہ اکثر صحابہؓ اسکو بار بار پڑھا کرتے تھے اور ممکن ہے کہ کسی نے اسکو خدا کا کلام ہی سمجھ لیا ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اندیشہ سے کہ مبادا کوئی شخص غلطی سے اسے خدا کے کلام میں داخل کر دے اور جزو قرآن قرار دیدے یہ حکم دیدیا کہ اس کو آیندہ کوئی شخص پڑھا ہی نہ کرے۔ یہ ہے حدیث شریف کا سارا منشاء اس کے سوائے اس حدیث سے اور کچھ واضح نہیں ہوتا۔

اگرچہ ہم نے حدیث کے الفاظ کے مفہوم سے ہی یہ دکھا دیا ہے کہ اس میں قرآن شریف کی کسی آیت کے منسوخ ہو۔ نے کا ذکر نہیں مگر اس کے سوا بھی بہت ساری اور باتیں ہیں جن سے یہی بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کسی شخص کو ایک کام کے کرنیکی ہدایت کیجاتی ہے یا اسے ایک کام کے کرنے سے منع کیا جاتا ہے تو وہ ہدایت اور ممانعت اسوقت منسوخ سمجھی جاتی ہے جب اس شخص پر سے اسپر عملدرآمد کرنیکا بوجھ بالکل اُٹھا لیا ئے۔ لیکن عبارت زیر بحث میں نہ کوئی حکم کسی کام کے کرنیکا ہے اور نہ کوئی ممانعت کسی فعل سے روکنے کے لیے ہے تو اسحالت میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کے منسوخ ہونیسے کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ اس عبارت میں تو چند شہیدوں کی آیندہ زندگی کا کچھ حال تھا جو دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ کیا انکی اس حالت میں کوئی تبدیلی واقع ہو گئی تھی؟ اسکا جواب تو ہر ایک ایماندار نفی میں ہی دے گا۔ پھر جبکہ وہ حالت گذشتگان جسکا ظاہر کرنا اس عبارت کی غرض اولی تھی کسی طرح متغیر نہیں ہوئی تو اس کے منسوخ سمجھنے سے غرض کیا سمجھی جائے۔ جو لوگ قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ کے قائل ہیں وہ بھی یوں ہی بلا وجہ آیات قرآنی کے نسخ کے معتقد نہیں۔ بلکہ انکا اعتقاد یہی ہے کہ نسخ صرف ان آیات قرآنی میں واقع ہوا ہے جن میں یا تو کوئی امر ہے یا کوئی نہی ہے۔ اور اس کے لیے وہ لوگ یہ وجہ پیش کرتے ہیں کہ اوامر و نواہی سوسائٹی کی حالت پر تغیر و تبدل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک وقت میں حالت سوسائٹی کسی خاص قسم کے اوامر و نواہی کا تقاضا کرتی تھی سو اس قسم کے اوامر و نواہی نازل ہو گئے۔ لیکن جب حالات بدل گئے تو ضروریات بھی بدل گئیں۔ اس لیے اسکے مطابق بعض اوامر و نواہی بدلائے گئے یعنی منسوخ ہو گئے اور انکی جگہ نئے اوامر و نواہی نازل کیے گئے۔ تو اس اصول پر بھی اول تو وہ عبارت جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے نہ کوئی امر ہے اور نہ کوئی نہی۔ اس لیے اس کے متعلق کسی طرح نسخ کا اعتقاد ہی جائز نہیں۔ پھر علاوہ بریں اگر بطور فرض محال اس کے لیے نسخ جائز بھی سمجھا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اُن شہیدوں کی اس حالت میں کسی قسم کا تغیر آگیا تھا۔ لیکن چونکہ انکی اس حالت میں کسی قسم کا تغیر ممکن ہی نہیں۔ تو اس عبارت کے منسوخ ہونیکا خیال بھی باطل ہے جس میں انکی اس حالت کا ذکر تھا۔ ماسوا اس کے اس بات کا بھی کوئی ذکر کسی نے نہیں کیا کہ اگر واقع میں یہ منسوخ ہو چکی تھی تو کونسی قرآنی آیت اس کی جگہ نازل ہوئی تھی جس نے اسکو منسوخ کیا۔ کیونکہ جن ہر دو آیات قرآنی کی بنا پر ناسخ و منسوخ کا اعتقاد بنایا گیا ہے ان دونوں کی منشاء بھی یہی سمجھی گئی ہے کہ جب ایک آیت

منسوخ ہوتی ہے تو وہ اسوقت تک منسوخ نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی بجائے کوئی آیت نازل نہ ہو۔ یعنی کسی آیت کو منسوخ کرنیکے لیے ضروری ہو کہ اس کی جگہ کوئی اور آیت نازل کیجائے۔ چنانچہ ان میں سے ایک آیت ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا ہے۔ جس کا ترجمہ ہے "ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے یا اسے فراموش ہونے نہیں دیتے جبتک کہ اس سے بہتر یا اس جیسی نہیں لے آتے"۔ اور دوسری آیت واذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ ہے جس کے معنے بھی یہی ہیں کہ ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں غرض معتقدان نسخ کے عقیدہ کے رو سے بھی کسی آیت کو منسوخ نہیں مانا جا سکتا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس منسوخ شدہ آیت کی بجائے کوئی دوسری آیت جو اس سے بہتر ہو یا اس جیسی ہو نازل نہیں ہوئی۔ اور یہ امر محض قیاس اور قرینہ پر مبنی نہ ہو بلکہ صریح اور واضح طور پر پتہ دیا جائے کہ یہ آیت فلاں آیت کی ناسخ ہے جو اس کے آنیسے منسوخ ہوگئی ہے۔ اور چونکہ نہ تو اس حدیث میں ہی اس بات کا ذکر ہے اور نہ اس کے سوا کسی اور شخص نے ہی کبھی اس بات کا پتہ دیا ہے کہ قرآن شریف میں فلاں آیت موجود ہے جو اس عبارت کی بجائے نازل ہوئی تھی۔ اس لیے ہم اس بات پر مجبور ہیں کہ اس کے نسخ کے متعلق ہر ایک قرینہ سے بعید ہو یا قریب جسے حدیث زیر بحث سے سمجھا جاوے اس کی تردید کریں۔

اب باقی ایک حدیث رہتی ہے۔ جو بجائے اس کے کہ قرآن شریف میں منسوخ آیات کے وجود کے اعتقاد کی تائید کرے ایسے معتقدان ناسخ و منسوخ کے اس عقیدہ کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑتی ہے۔ یہ حدیث اوپر نقل ہو چکی ہے اور اس کا ترجمہ بھی اوپر دیا جا چکا ہے مگر چونکہ یہاں اسکے متعلق بحث در پیش ہے اس لیے ہم پھر اسکا ترجمہ ذیل میں دیتے ہیں۔ "ابن عباسؓ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بے شک ہم میں ابیؓ بہترین قاری ہے اور علیؓ ہم میں بہترین قاضی ہے۔ اور بیشک ہم ابیؓ کی کوئی قرأت ترک کرتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ابیؓ کہتے ہیں کہ میں ترک نہیں کرونگا کوئی چیز جو میں نے پیغمبر خدا صلعم سے سنی۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا فراموش کراتے ہیں تو اسکی بجائے اس سے بہتر یا اس جیسی لاتے ہیں" اس حدیث کے مطابق حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ نے بعض عبارات کو اسی آیت کے نفس مضمون پر غور کرکے ترک کر دیا جو اس حدیث کے اخیر میں درج ہے۔ لیکن ابیؓ نے انکو نہ چھوڑا۔ اب بغیر اس بات پر غور کرنیکے کہ وہ کیا چیز تھی جس کو انہوں نے ترک کر دیا لیکن ابیؓ نے نہ کیا۔ یہ بات حدیث مذکورۃ الصدر سے واضح اور عیاں ہے کہ جو کچھ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ کے نزدیک منسوخ تھا وہ فی الحقیقت اسی وقت متروک ہو گیا تھا۔ اور قرآن شریف میں داخل ہی نہیں کیا گیا تھا۔ اور نہ ہی کبھی قرآن شریف کا جزو سمجھکر پڑھا جاتا تھا۔ اس حدیث کے رو سے صرف ابیؓ ہی ایک تنہا انسان .... ایسا ظاہر ہوتا ہے جو اسکو پڑھتا رہا۔ اور اگرچہ وہ

بنتر بن قاری مانا گیا تھا مگر تمام دوسرے صحابہؓ اس کے اسبارہ میں مخالف تھے۔ اس کا لب لباب یہی ہے کہ اگر کوئی عبارت کسی وقت منسوخ ہوئی تھی تو اسکو قرآن شریف میں جگہ نہیں دیگئی۔ اور نہ ہی اس قسم کی کوئی بات قرآن شریف میں موجود ہے۔ تمام صحابہؓ اسی بات کو حق جانتے ہیں۔ یہی معنے اس حدیث کے ہیں۔ اور اس کے سوا اس کے کوئی معنے نہیں ہو سکتے۔ اس لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ تمام احادیث جن میں کسی صحابی کی نسبت ایسا ذکر درج ہے کہ وہ گویا قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ کے وجود کا قایل تھا انکے معنے ایسے اختیار کرنے چاہییں جو حدیث زیر بحث کے ساتھ متعارض نہ ہوں۔ ہم نے اوپر اس مضمون کی ساری حدیثوں کا ذکر کر دیا ہے اور یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ان حدیثوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فی الواقع قرآن کریم میں کوئی منسوخ شدہ آیت بھی ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی حدیث اس امر کی متعلق ہے بھی تو وہ اسیقدر کہ اس میں کسی صحابی کی شخصی رائے پر ہی مدار ہے اور انکی ایسی شخصی رائے بعض عبارتوں کے مفہوم میں غلط فہمی کی وجہ سے قایم ہوئی تھی۔ اور یہ ایسی غلطیاں تھیں کہ اکثر موقعوں پر اس قسم کی اکثر غلطیوں کو دوسرے صحابیوں نے بتا بھی دیا تھا۔ یہ حدیث انہیں نتایج کی تائید کرتی ہے جنپر اس سے پہلے ایک علیحدہ تحقیقات کر کے ہم پہنچے تھے۔ اور اس بات کا قطعی طور پر فیصلہ کر دیتی ہے کہ قرآن شریف میں کوئی منسوخ آیت موجود نہیں۔

ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ مسئلہ ناسخ و منسوخ کے قائل آیات منسوخہ کو تین قسموں پر منقسم کرتے ہیں۔ (۱) وہ آیات جو منسوخ الحکم ہیں مگر منسوخ التلاوۃ نہیں (۲) وہ آیات جو منسوخ التلاوۃ ہیں مگر منسوخ الحکم نہیں (۳) وہ آیات جو منسوخ التلاوۃ بھی ہیں اور منسوخ الحکم بھی۔ پہلی قسم میں وہ عبارات اور آیات ہیں جو قرآن شریف میں موجود ہیں لیکن وہ لوگ یہ مانتے ہیں کہ جن اوامر اور نواہی پر وہ مشتمل ہیں وہ خارج از عمل ہو چکے ہیں کیونکہ ان آیتوں کو دوسری آیتوں نے منسوخ کر دیا ہے۔ مگر حدیث زیر بحث کے رو سے کسی ایسی آیت کا موجود ہونا ہی ممکن نہیں کیونکہ اس کے رو سے جو چیز منسوخ شدہ سمجھی گئی وہ ترک کر دی گئی تھی۔ ہم نے اس قسم کی تمام معتبر حدیثوں پر مفصل بحث کر دی ہے جن کی نسبت وہ لوگ مانتے ہیں کہ انمیں اس قسم کی آیتوں کے بعض حوالے ہیں۔ اس کے بعد دوسری قسم کی آیتیں ہیں یہ قسم تو ایسی ہے کہ جو بادی النظر میں ہی باطل ہے۔ کیونکہ جب کسی آیت کی نسبت یہ کہا جائے کہ اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا مگر اس کے الفاظ منسوخ ہوئے ہیں تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ دراصل وہ امر یا نہی تو بحال ہے۔ لیکن جن الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اسکو نازل کیا تھا وہ قابل تلاوت نہیں نعوذ باللہ من ذٰلک اور اس نے حکم تو رہنے دیا مگر تلاوت الفاظ کو روکدیا۔ یہ ایک پرلے درجہ کی لایعنی بات ہے جسکو کوئی عقلمند مان ہی نہیں سکتا۔ اگر کسی آیت کا حکم بحال رہے تو

اس کے الفاظ کے نسخ سے کیا مراد سمجھی جا سکتی ہے؟ اگر اس کے یہ معنے ہیں کہ یہ الفاظ پہلے قرآن شریف کی جزو تھے اور یہی سمجھے جاکر پڑھے جاتے تھے۔ لیکن بعد میں ایسا کیا گیا کہ جو حکم انمیں تھا وہ بدستور مسلمانوں پر فرض اور واجب العمل رہا لیکن انکی تلاوت حکماً روک دیگئی۔ تو پھر یہ پوچھا جائیگا کہ اس راہ کو اختیار کرنیکی کن وجوہ سے ضرورت پیش آئی تھی۔ یا وہ کیا فایدے تھے جن کا حصول اس طرز کے اختیار کرنیسے متصور تھا؟ کیا اسکی یہ وجہ تھی کہ وہ الفاظ جن میں وہ حکم نازل کیا گیا تھا اس قابل نہیں سمجھے گئے کہ وحی الٰہی میں درج رہیں؟ کوئی شخص مسئلہ ناسخ و منسوخ کا قائل ہو کر اس سوال کا جواب یہ نہیں دے سکتا کہ وہ الفاظ کتاب اللہ میں درج ہونے کے قابل تھے نہ ہی روئے زمین پر کوئی معقول اور سمجھدار انسان ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جو ایسی صریح بنفسہٖ متضاد باتوں کے ماننے کے جرم کا ارتکاب کرے کہ ایک وحی الٰہی کے لفظ وحی الٰہی میں رہنے کے قابل نہیں۔ اس کے سوا کوئی اور سبب بیان ہی نہیں ہو سکتا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس طریق کو اختیار کرنیسے کونسے فواید متصور تھے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جس کا کوئی جواب نہیں۔ اور ہم کسی آدمی کو اس کا ذرہ بھر کے برابر فایدہ دکھلا نہیں سکتے۔ بلکہ برعکس اس کے ایسے طریق کو اختیار کرنیسے بہت بڑے نقصانوں کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کا قرآن شریف کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ اور یہ ایسا پختہ وعدہ ہے کہ جسکا عملدرآمد سیکڑوں برسوں سے بڑے فخر کے ساتھ تجربہ ہوتا چلا آیا ہے۔ پس اس الٰہی وعدہ حفاظت قرآن کریم کا فایدہ ان اوامر ہی کو پہنچ سکتا ہے جو قرآن شریف میں شامل ہیں اور منسوخ نہیں ہوئے۔ اور وہی اوامر آجتک زندہ اور موجود رہنے کا فخر رکھتے ہیں۔ اور اسی وعدہ الٰہی کی حفاظت میں آئے ہوئے اوامر ہی نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں کو پہنچے ہیں لیکن ایسے اوامر جن کے الفاظ (بقول معتقدان نسخ) قرآن شریف میں باقی نہیں رہے وہ چونکہ فی الحقیقت جزو قرآن نہیں رہے بلکہ خارج اور منسوخ از قرآن ہو چکے ہیں انکی حفاظت کا وعدہ الٰہی ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ منسوخ التلاوۃ آیات میں جو اوامر اور نواہی تھے انکا کھویا جانا یا مخلوط ہو جانا کسی حال میں امکان سے خارج نہیں ہو سکتا۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو اس ضرورت الٰہی کی تشریح کر سکے۔ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا طریق اختیار کیا۔ آجتک کسی نے اس کا فایدہ ظاہر نہیں کیا اور ہم علیٰ وجہ البصیرت اور یقین کامل کے ساتھ کہتے ہیں کہ تا قیامت کوئی متنفس ایسا نہیں ہوگا جو واقعی طور پر اس کا کوئی ایک فایدہ بھی انشراح صدر کے ساتھ خود سمجھ سکے یا کسی دوسرے پر اسکو عیاں کر سکے۔ کیونکہ جب یہاں فایدہ کا وجود ہی نہیں تو اسکا سمجھنا سمجھانا کہاں سے وجود میں آسکتا ہے؟ لیکن بفرض محال اگر درحقیقت اس میں کوئی فایدہ ہوتا تو کم از کم اتنا تو آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کرتے کہ اس قسم کے تمام اوامر کو ایک جگہ جمع کرنیکا حکم دیکر جمع کرا دیتے۔ کیونکہ اس طرح علیحدہ جمع کرانیسے ایک تو انکی حفاظت بھی کسی حد تک ہو جاتی اور مسلمانوں کو

اس بات کا علم بھی ہو جاتا کہ یہ اوامر اگرچہ قرآن میں شامل نہیں مگر جزو قرآن ضرور ہیں۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی برعکس ہے۔ آنحضرت صلعم نے نہ صرف انکے جمع کرنیکا حکم ہی نہ دیا اور جمع ہی نہ کرایا بلکہ کہیں کسی معتبر حدیث میں اتنا بھی ذکر نہیں آیا کہ کوئی ایک آیت بھی اس قسم کی ہے۔ پس یہ امر ثابت ہے کہ جس طرح ان آیات کا وجود کوئی نہیں جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ منسوخ الحکم ہیں مگر منسوخ التلاوۃ نہیں۔ اسی طرح اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ کوئی ایسی آیات فی الواقع موجود بھی ہیں جن کی تلاوت منسوخ مگر انکا حکم قایم ہے۔

دوسری قسم کے بعد اب تیسری قسم کی آیات پر غور کرنا باقی رہتا ہے جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ انکی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہو گئے ہیں۔ یعنی قائلین مسئلہ ناسخ و منسوخ کہتے ہیں کہ ایسی آیات بھی نازل ہوئی تھیں جن کی تلاوت بھی منسوخ ہو گئی۔ اور وہ اوامر یا نواہی جو ان میں تھے وہ بھی منسوخ ہو گئے اور اسوجہ سے انکو قرآن شریف سے دونوں لفظی اور معنوی طور سے خارج کر دیا گیا۔ وہ لوگ اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ بعض حالات ایسے پیش آتے تھے کہ اس وقت کی ضرورت کا تقاضا بارگاہ ایزدی میں اس بات کی ضرورت پیش کرتا تھا کہ خاص اوامر یا نواہی وحی کے ذریعہ سے نازل کیے جائیں۔ لیکن جب سوسائٹی کی حالت میں ترقی اور تبدیلی واقعہ ہو جاتی تو ان اوامر و نواہی میں بھی تبدیلی اور ترقی کی ضرورت سامنے آجاتی۔ پس اس ضرورت کی وجہ سے پہلے اوامر و نواہی اُٹھائے جاتے اور منسوخ کیے جاتے اور انکی بجائے نئی آیات جن میں نئے اوامر و نواہی ہوتے نازل کیے جاتے۔ ہم اس مصلحت یا ضرورت پر کوئی بحث نہیں کرتے بلکہ اسکا ثبوت مانگتے ہیں اور جبتک ہمیں اسکا ثبوت نہ دیا جاوے ہم اس کے معقول یا غیر معقول ہونیکی بحث میں پڑنیکی حاجت ہی نہیں سمجھتے۔ صرف اتنا کہدینا تو ثبوت نہیں کہلا سکتا کہ اس قسم کی آیات کے نازل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ یا ایسے حالات پیش آسکتے تھے۔ ثبوت اسکا تو اس طرح پہنچ سکتا ہے کہ کوئی صحیح اور معتبر حدیث صاف اور واضح طور پر اسکی تائید میں پیش کیجائے اور اس سے دکھلایا جاوے کہ فی الواقعہ کوئی ایسی آیات پہلے تھیں جنکو آنحضرت صلعم آیات قرآن کریم کہتے تھے۔ پھر بعد میں انکی جگہ اور آیات نازل ہونیکے سبب سے وہ منسوخ ہو گئیں۔ اور قرآن شریف کے نسخوں میں سے خارج کر دیگئیں۔ ضرور ہے کہ یہ ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا جاوے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ معتبر احادیث سے اس بارہ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ وہ بالکل ساکت ہیں ان میں کہیں اس قسم کے ایک واقعہ کا بھی مذکور نہیں پایا جاتا چاروں طرف سے پھر پھرا کر اس امر کی تائید میں صرف ایک عبارت یعنی بلغوا اعنا قومنا والی حدیث بعض لوگ پیش کرتے تھے جسکو ہم نے اوپر نقل بھی کر دیا ہے اور اسپر بحث بھی کی ہے۔ اور اس بحث میں ثابت کر دکھایا ہے کہ اول تو یہ عبارت قرآن شریف کی جزو کبھی نہیں ہوئی اور کہیں ثابت نہیں کہ آنحضرت صلعم نے جو مورد وحی تھے کبھی اسکو قرآن شریف کی جزو بیان کیا اور دوم یہ کہ اس عبارت میں نہ کوئی امر ہی تھا اور نہ کوئی نہی موجود تھی

بلکہ چند شہیدوں کی حالت بعد شہادت کا کچھ ذکر اس میں درج تھا جنکو کفار نے صرف اس قصور کے بدلے نہایت بے رحمی سے قتل کر ڈالا تھا کہ وہ کیوں اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

رہی سب سے آخری حدیث اس کی نسبت وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ گویا یہ حدیث تیسری قسم کی عبارات کے وجود کا ثبوت ہے۔ یعنی ایسی عبارات کے وجود کا ثبوت ہے کہ جو پہلے تو قرآن شریف کی جزو تھیں۔ لیکن بعد میں انکا مفہوم اور الفاظ سب منسوخ ہوکر قرآن شریف سے خارج کر دیگئیں۔ اس نتیجہ کی بنا حضرت عمرؓ کے وہ کلمات ہیں جو حضرت ابن عباس کی روایت سے ہمیں پہنچے ہیں کہ بموجب منشا آیت ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا ابی بن کعب کی بعض قرائتیں ترک کر دی گئی تھیں۔ اس موقع پر ہم اس آیت کے معنوں کے متعلق بحث نہیں کرنا چاہتے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد ہم ایک مستقل مضمون لکھیں گے جس میں اس آیت کے معنوں پر مکمل اور مفصل بحث کیجائیگی اور بدلایل قویہ یہ امر روشن کیا جائے گا کہ نسخ آیات سے اسجگہ قرآن شریف کا کیا منشا رہے۔ یہاں صرف سوال یہ ہے کہ ابی کی بعض قرأتوں یا اقوال کے ترک کیے جانیسے حضرت عمرؓ کی مراد کیا تھی اور اپنے دعوے کی تائید میں جو آیت آپنے پیش کی اس دعوےٰ اور دلیل میں تعلق کیا تھا۔ واضح رہے کہ اصل متن حدیث میں لفظ قول آیا ہے اور ہم نے قول کا ترجمہ قرأت کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی حدیث بخاری میں دوسری جگہ منقول ہے اور دوسری کتب میں بھی آئی ہے۔ وہاں کہیں تو بجائے قول کے لفظ قرأت آیا ہے اور کہیں لحن آیا ہے۔ اور یہ دونوں لفظ قریباً ایک ہی مراد رکھتے ہیں۔ لفظ قرأت اس حدیث میں آیا ہے جو ابن خلاد سے مروی ہے اور لحن اس حدیث میں ہے جو صدقہ سے روایت کی گئی ہے۔ لیکن صدقہ کی حدیث کی بخاری نے توثیق کی ہے۔ چنانچہ یہ حدیث باب القراء من الصحابۃ میں درج ہے۔ ہم اسجگہ اصل حدیث بخاری کو نقل کر دیتے ہیں اور وہ یہ ہے عن ابن عباس قال عمر ابی اقرأنا وانا لندع من لحن ابی و ابی یقول اخذتہ من فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا اترکہ لشیٔ قال اللہ تعالیٰ ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔ "ابن عباس نے روایت کیا کہ عمر نے کہا۔ ابی ہم سب میں بہترین قاری ہے اور ہم ابی کے بعض لحنوں یعنی طرز ادائے الفاظ کو ترک کرتے ہیں۔ اور ابی کہتا ہے کہ میں نے انکو رسول خدا صلعم کے منہ سے سُنا تھا۔ پس میں اس میں سے کچھ بھی ترک نہیں کرونگا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ہم کوئی آیت منسوخ نہیں کرتے نہ ہی کسی آیت کو فراموش کراتے ہیں جبتک کہ اس کی جگہ اس کی مثل یا اس سے بہتر آیت نہیں لے آتے"۔

ان تینوں روایات کی متفقہ شہادت سے یہ بات قطعی طور پر فیصلہ پاجاتی ہے کہ حضرت عمرؓ کی مراد الفاظ قول یا لحن یا قرأت سے قرأت ہی تھی۔ ہمارے ناظرین اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہوں گے کہ عربوں میں

اختلاف قوم و ملک اور رہم بول چال کے لحاظ سے زبان میں کچھ اختلاف واقع ہوا تھا۔ اس قسم کے اختلاف کو قرأت کہتے ہیں اور قرآن شریف میں بھی مختلف اصول کے لحاظ سے کسیقدر مختلف قرأتوں کی اجازت دیگئی تھی اسپر مفصل بحث پہلے عنوان سبعۃ احرف کے نیچے ہم کر چکے ہیں اسجگہ یہ ذکر کیا گیا تھا کہ ابن مسعود اور ابیؓ کی طرف بعض قرأتوں کا اختلاف منسوب کیا جاتا ہے اور یہ بات بعض احادیث سے ثابت ہوتی ہے پس یہی وہ قرأتیں تھیں جن کی طرف حضرت عمرؓ کا اشارہ تھا۔ ہم نے اس امر کے متعلق بھی احادیث نقل کی تھیں کہ حضرت عمرؓ نے محاورہ قریش کے سوا دیگر محاوروں کی قرأتوں کو ترک کرنیکا حکم دیدیا تھا۔ یہ حدیثیں نتیجہ زیر بحث کی مؤید ہیں۔ ابیؓ بہترین قاری تھے۔ لیکن انہوں نے ان قرأتوں کے ترک کرنے سے انکار کیا جو آنحضرت صلعم کے دہن مبارک سے سنی تھیں۔ حالانکہ تمام دوسرے صحابی متفق اللفظ ہو کر کہتے تھے کہ ایسی قرأتوں کی ضرورت اب نہیں رہی۔ پس یہ حدیث بھی اسی مضمون پر متضمن ہے کہ ان قرأتوں کو ترک کر دیا جائے۔ اور ہم نے اوپر ثابت کر دیا ہے کہ قرأت سے مراد بعض الفاظ کے تلفظ کے طریق میں بعض جزوی اختلافات ہیں یا بعض چھوٹے چھوٹے اختلافات محاورہ سے مراد ہے۔ اس لیے اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی عبارت قرآن شریف میں سے منسوخ ہو کر خارج کی گئی تھی بلکہ یہ اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ حضرت ابیؓ بعض قرأتوں پر باصرار قایم تھے۔ اور دوسرے صحابہؓ کے نزدیک ان قرأتوں کو خارج از رواج کرنا ضروری تھا۔

اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت ما ننسخ من اٰیۃ الخ جو حضرت عمرؓ نے اس موقع پر پڑھی تھی اس کا اختلاف قرأت کے روکنے سے کیا تعلق تھا۔ اس آیت میں نسخ کا ذکر ہے عام اس سے کہ یہ نسخ الفاظ کا یا آیات منزلہ کا یا احکام الٰہی کا جو مسلمانوں یا پہلی امتوں کو دیئے گئے سمجھا جائے۔ لیکن اس بات پر بحث کرنا احاطہ مضمون ہذا سے خارج ہے اس لیے ہم یہاں اس آیت کے اس پہلو پر بحث نہیں کریں گے۔ البتہ اتنا واضح کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ آیات قرآنی خواہ وہ کسی خاص مطلب اور محل کے لیے نازل ہوئی ہوں مگر یہ جایز ہے کہ ان سے مسائل مستنبط کیے جائیں۔ کیونکہ جہاں کہیں کسی مسئلہ کے متعلق کوئی صریح آیت نہیں ہوتی وہاں قرائن بعیدہ سے کسی ایسی آیت قرآنی سے مسئلہ مستنبط کیا جانا جایز ہے جو اسکو قریب مطلب رکھتی ہو۔ اور یہی صورت اس قسم کے استنباط کی کافی سمجھی جاتی ہے۔ اب اسجگہ اگرچہ آیت مسئلہ زیر تحریر کے متعلق کوئی صریح حکم نہیں رکھتی لیکن اس امر کے متعلق کہ بعض قرأتیں جنکی ضرورت نہ رہی تھی انکو چھوڑ دینا ہی جائز تھا استنباط سے کام لینا ضروری ہو گیا۔ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلعم کے آخری ایام میں جب عرب کے قبیلوں کے قبیلے اسلام میں داخل ہونے لگے تو اسوقت بتقاضائے ضرورت

وقت آپنے مختلف قبائل کو جو زبان محاورہ میں کچھ اختلاف رکھتے تھے انکے اس اختلاف کی وجہ سے مختلف قرأتوں سے قرآن شریف کے پڑھنے کی اجازت دی۔ اس کی ضرورت پڑھنے والوں کی طبعی ناقابلیت سے پیدا ہوئی تھی جسکو ہم نے ایک پہلے مضمون میں واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ ان نومسلم لوگوں میں بعض قبایل ایسے تھے کہ وہ قریش کے محاورہ کے مطابق تلفظ ادا کرنیکی قوت سے بالکل محروم تھے۔ اکثر ان میں ایسے پیران فرتوت تھے جن کو لکھنا پڑھنا نہ آتا تھا۔ تو ایسی حالت میں جب وہ لوگ مسلمان ہوتے تو انکے لیے یہ ناممکن بات تھی کہ اسیوقت قرآن شریف کو اصل قرأت نزولی کے مطابق صحیح طور پر پڑھ سکتے۔ اس لیے چونکہ دقّت زیادہ تھی اور ایسے اختلاف قرأت سے دین میں کوئی حرج واقعہ ہونیکا اندیشہ نہ تھا۔ پس آنحضرت صلعم نے وحی الٰہی سے ان نومسلموں کو اس ابتدائی حالت اسلام میں بعض الفاظ انکے اپنے رسم محاورہ کے موافق پڑھنے کی اجازت دی۔ گویا فی الحقیقت یہ اجازت بعض حالات کے موجود ہونیکی شرط سے مشروط تھی۔ اور ظاہر ہے کہ حالات کے بدلنے سے اجازت کا بھی جاتے رہنا ضروری تھا۔ پس جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو اسوقت اسلام بہت ترقی کر گیا تھا۔ عرب تو آنحضرت صلعم کی حیات میں مسلمان ہو چکا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لاکھوں لوگ غیر از عرب مسلمان ہوگئے۔ اور اسلام ایک جمیعت اور استقامت پکڑ گیا۔ اور وہ قومیں جن کو انکی ابتدائی حالت اسلام کی وجہ سے یہ رعایت قرأت میں دیگئی تھی اب اسلام میں بہت ترقی کر گئیں۔ اور محاورہ قریش میں خوب ماہر ہوگئیں تو اسوقت اس رعایت اور اجازت اختلاف قرأت کی ضرورت معدوم ہوگئی۔ اس لیے عام طور پر وہ قرأتیں متروک اور منسوخ ہوگئیں۔ لیکن ابیؓ اور ابن مسعود بعض قرأتوں کے جاری رکھنے پر اصرار کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو انکا اجراء منظور نہ تھا اس لیے انہوں نے انکو منع کیا اور یہ آیت پیش کی اور اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا۔ اور حق یہ ہے کہ صحابہؓ مسائل کا اکثر استنباط قرآن ہی سے کیا کرتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس آیت کو حضرت عمرؓ نے اس موقع پر پیش کیا وہ آیت نسخ آیات کے متعلق ہے۔ اور جب کوئی قانون مختص الزمان یا مختص الحالات نافذ کیا جاتا ہے اور وہ ضروریات مقامی اور حالات جو اس قانون کے نفاذ کا موجب ہوئے تھے معدوم ہو جاتے ہیں تو وہ قانون بھی منسوخ سمجھا جاتا ہے۔ یہی وہ عام مفہوم ہے جس میں لفظ نسخ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے ایسے موقعہ پر اس آیت کو پڑھا جس سے انکا مطلب یہ تھا کہ جس حال میں اس آیت قرآنی کی رو سے کوئی امر بھی منسوخ ہو سکتا ہے تو یہ اختلاف قرأت بھی جو ان حالات اور ضروریات مقامی کے نہ رہنے سے منسوخ ہوگیا ہے خارج از عمل کر دیا جائے۔ یہی وہ استنباط تھا جو حضرت عمرؓ نے اس آیت سے سمجھا اور اپنے دعوے کی تائید میں پیش کیا۔ پس اس آیت کا اس حدیث کے ساتھ جو رشتہ ہے وہ ظاہر اور ثابت ہے۔

اب ایک سوال اس حدیث کے متعلق باقی ہے کہ الفاظ علی اقضانا جو اس حدیث میں ابیّ اقرؤنا کے ساتھ کہے گئے ہیں۔

اس سے کیا منشا ہے۔ اگر سوچا جائے تو یہ جملہ بھی ہمارے ہی مطلب کی تائید کرتا ہے۔ اگرچہ اگر ہم کوئی تعلق نہ بھی دکھا سکتے تو اس سے معنوں کی صحت میں کوئی فرق نہ آسکتا تھا۔ کیونکہ دوسری جگہ جہاں یہی حدیث بخاری نے لکھی ہے وہاں یہ جملہ علی اقضانا موجود نہیں جیسا کہ منقولہ بالا حوالہ سے ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں حدیثوں کے سلسلہ میں ہمکو ایسا بھی نظر آرہا ہے کہ کسی حدیث میں ایک واقعہ بیان ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ایک اور واقعہ بیان ہوتا ہے۔ حالانکہ ان دونوں واقعات میں کوئی بعید ترین تعلق ہوتا ہے جو انکے اکٹھا ذکر کرنیکا موجب ہوتا ہے۔ مثلاً اسی معاملہ میں ظاہر ہو رہا ہے کہ اگر کوئی اور تعلق ثابت نہ بھی ہو تو بھی اسقدر تعلق تو ضرور عیاں ہے کہ دو صحابیوں کے اعلیٰ فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن بات صرف یہیں تک ہی محدود نہیں اس سے بڑھکر اور گہرا تعلق انکے درمیان موجود ہے۔ اس حدیث میں آیا ہے کہ ابیؓ بہترین قاری قرآن شریف کے تھے۔ مگر باوجود اس کے ان کا بہترین قاری ہونا مسلم تھا مگر اس سے ان کو یہ حق حاصل نہیں ہو گیا تھا کہ وہ قرآن شریف میں اتنا دخل دیتے کہ جو قرأت چاہتے اسی کو قرآن میں شامل رکھتے۔ یہ منصب قاری کا نہ تھا بلکہ ایسے شخص کا تھا جسکو قرآن شریف سے مسائل کے استنباط کرنیکی اعلیٰ درجہ کی قوت عطا کی گئی ہو اور جو اعلیٰ درجہ کی قوت فیصلہ سے مرصع ہو۔ چنانچہ اس منصب کے لیے حضرت علیؓ مسلّم تھے اور یہی وجہ تھی کہ اس موقع پر قرآن شریف کا ذکر کرنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام نامی کا اس حیثیت میں ذکر کیا گیا۔ غرض یہ ایک قضیہ حضرت عمرؓ کے سامنے تھا کہ ابی بعض قرأتوں کے اجرا پر اصرار کرتا تھا اور دوسرے صحابیؓ جن میں حضرت علیؓ بھی تھے اسکی مخالفت کرتے تھے۔ اسپر حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس میں شک نہیں کہ ابی ایک جلیل القدر قاری ہیں لیکن وہ اس امر میں حکم نہیں ہو سکتے۔ انکی فضیلت کی حد قرأت تک ہی ختم ہے۔ یہ منصب ایسے شخص کا ہے جس میں قوت فیصلہ اور قوت استنباط مسائل از قرآن شریف اعلیٰ درجہ کی ہو اور چونکہ حضرت علیؓ اسبات کا شرف رکھنے میں مسلّم ہیں اس لیے خلیفۃ المؤمنین نے جو ان مجالس کے صدر اور امیر تھے اس بات کے ساتھ اتفاق کر کے وہی فیصلہ کیا جسپر حضرت علیؓ پہنچے تھے اور وہی دوسرے صحابہؓ کی بھی رائے تھی۔ اور ان کلمات کے بیان سے یہ ظاہر فرمایا کہ جو کچھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں وہی مختار ہونا چاہیئے۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانوں میں عام صحابہؓ کا متفق طور پر باستثنائے ابی و ابن مسعود اسی پر اتفاق تھا۔ بلکہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں آکر ابی بھی اسی پر متفق ہو گئے۔ پھر اگر کسیقدر اختلاف کی آواز سنائی دیتی تھی تو وہ ابن مسعود کی آواز تھی۔

اسی کی تائید میں ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے۔ یہ ثابت شدہ بات ہے کہ کسی حدیث میں ایک جملہ بھی ایسا موجود نہیں جو کسی امر الٰہی پر متضمن ہو اور جس کی نسبت یہ امر صریح طور پر ظاہر کیا گیا ہو کہ وہ کسیوقت

جزو قرآن شریف تھا اور پھر حکم کے بدل جانیکی وجہ سے وہ بعد میں منسوخ ہوگیا۔ جبکہ یہ حال ہے کہ کوئی ایک آیت بھی اس طرح سے منسوخ شدہ کہیں پائی نہیں جاتی تو یہ ایک قطعی اور مضبوط ثبوت اس بات کا ہمارے ہاتھ میں ہے کہ حسب اقتضائے وقت و حالات اختلاف قرأت کی اجازت دی گئی تھی۔ لیکن اس زمانہ کے بعد حالات کے بدل جانے پر وہ اجازت واپس لے لیگئی۔ پس جو معانی اور مفہوم ہم نے اختیار کیے ہیں انکی تائید میں یہ ایسے واقعات ہیں کہ جن سے انکار ممکن نہیں۔ یہ واقعات فریق مقابل کے خیالات اور قیاسات کو بے بنیاد ثابت کرتے ہیں بفرض محال اگر حضرت عمرؓ کی منشاء اس سے یہ بھی ہوتی کہ قرآن شریف کی بعض آیات منسوخ ہوگئی ہیں جن کو ترک کر دیا گیا ہو (گو لفظ لحن اور قرأت جو معتبر احادیث میں آئے ہیں اسکی کھلی کھلی تردید کرتے ہیں) تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ ان آیتوں کا پتہ و نشان قطعی طور پر صفحۂ دنیا سے محو ہو جاتا؟ اگر ہم یہ بھی خیال کرلیں کہ حضرت عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ آیات قرآنی کا نسخ ہونا ممکن ہے تو بھی ایک ذرہ بھر کے برابر اس قسم کی شہادت موجود نہیں کہ واقع میں کوئی آیت منسوخ بھی ہوئی تھی۔ اور یہی وہ بات ہے جس کا ثابت کرنا ہمارا مقصد تھا۔ ہمیں اس بحث میں پڑنیکی کوئی ضرورت نہیں کہ کسی آیت قرآنی کا منسوخ ہونا ممکن تھا یا نہیں۔ ہمارا نفس مضمون امکان اور عدم امکان نسخ سے بہت پرے ہے۔ ہم نے تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ آیا فی الحقیقت کوئی آیت قرآنی منسوخ ہوئی؟ اور یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو چکی ہے کہ کوئی آیت بلکہ کوئی لفظ قرآن شریف کا ایسا نہیں جو منسوخ سمجھا جاسکے۔ اور یہی ثابت کرنا تھا۔ (باقی آیندہ)

ہندوستان میں عیسائی مذہب کے پھیلانیکی نئی تجاویز

دو مشہور پادری صاحبان نے اس وقت دو نئی تجویزیں عیسائی مذہب کے ہندوستان میں کامیاب بنانے کے لیے کی ہیں۔ ان میں سے ایک تجویز تو بشپ مدراس کی ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ ہندوستان میں پادریوں کو تمام کوشش نیچ ذاتوں پر جیسے چوہڑے چمار پاریہ وغیرہ ایسی قوموں پر کرنی چاہیئے کیونکہ عیسائی مذہب کو زیادہ تر قبول کرنیوالے لوگ انہی میں سے نکلتے ہیں اور انکے مقابل اونچی ذاتوں میں عیسائی مذہب کو کوئی کامیابی نہ حاصل ہوئی ہے اور نہ آیندہ حاصل ہونیکی امید ہے۔ دوسری تجویز مسٹر سیلٹر کی ہے جو مسلمانوں میں مشن قایم کرنے پر زور دیتے ہیں وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے جو تعلیم خدائے تعالیٰ کے متعلق پیش کی ہے وہ سچی تعلیم ہے اور اسلام زندہ اور سچے خدا کو پیش کرتا ہے اور وہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ فطرت انسانی کے مطابق جو مذہب کے اصول ہوسکتے ہیں اسلام ان پر ایک سادہ ایمان لانیکے لیے بلاتا ہے مگر انکے نزدیک اسلام میں بعض ایسی باتیں موجود نہیں جن کا ہونا مذہب کی زندگی

کے لیے ضروری ہے۔ اور مثال کے طور پر وہ مسیح کے اپنی امیدوں کو پیش کرتے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ ضروری بات جو مسٹر سلیٹر نے پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کو مسلمانوں کے ساتھ بحث مباحثہ کے رنگ میں جس کا نتیجہ سخت کلامی ہوتی ہے پیش نہیں آنا چاہیئے بلکہ اسلام کے ساتھ جو انکے تعلقات ہیں ان میں ایک ہمدردی کا رنگ اختیار کرنا چاہیئے۔

اس دوسری تجویز سے پادری صاحب کی کوئی غرض ہو ہمیں اس کے پڑھنے سے ایک خوشی بھی ہے عیسائیوں نے جو مباحثات کے رنگ میں اسلام کے خلاف ایک بڑا بھاری انبار لٹریچر کا تیار کیا ہے وہ عموماً پرلے درجہ کا گندہ لٹریچر ہے اور نہایت سخت حملے کیے گئے ہیں۔ پس اگر مسٹر سلیٹر کی تجویز سے اور کچھ نہیں تو اسیقدر فائدہ ہو جائے کہ پادری صاحبان اسلام اور اس کے مقدس بانی اور رہبروں پر حملے کرنیکا گندہ طریق بدل دیں تو یہ انکی ایک بڑی بھاری خدمت عیسائی مذہب کے لیے ہوگی اور جو حقارت اور نفرت پادریصاحبان کی اس گندہ دہانی اور درشت کلامی سے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہو چکی ہے اس کے رفع کرنے میں بھی یہ طریق مفید اور موثر ہوگا اور اس طرح پر مسلمانوں سے نہیں بلکہ یہ انکی اپنی قوم سے ہمدردی ہوگی۔ مسٹر سلیٹر کہتے ہیں کہ پادریوں نے ابتک مسلمانوں میں تبلیغ کی طرف توجہ نہیں کی یا زیادہ کوشش نہیں کی۔ یہ بات تو بالکل غلط ہے۔ پادری صاحبان نے جہاں تک ان کا زور تھا لگایا مگر وہ خوب جانتے ہیں کہ اسلام پر انکے داؤ چل نہیں سکتے۔ ہاں ہندوستان میں پادری صاحبان نے اسلام کے متعلق جو پہلو اختیار کیا ہے وہ ایک نہایت غلط طریق ہے اور اسکی اصلاح کی بیشک بڑی بھاری ضرورت ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ مسلمانوں کے سامنے عیسائی مذہب کی کوئی خوبیاں بیان کرتے انہوں نے یہ طریق اختیار کر رکھا ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور مسلمانوں کے مقدس بزرگوں پر ایسی بیجا تہمتیں اور گندے الزام لگاتے ہیں اور انکا ذکر ایسے پُرحقارت اور فحش طریق میں کرتے ہیں جو مسلمانوں کے دلوں کو سخت دکھ پہنچانیوالا ہے۔ انکی یہ رنجدہ تحریریں معمولی درشت کلامی کی حد سے جو بحث مباحثہ میں بعض اوقات ہو جاتی ہے بہت آگے گذری ہوئی ہیں حتیٰ کہ خود بعض عیسائیوں نے بھی اس قسم کی تحریروں پر ان لوگوں کو ملامت بھی کی چنانچہ آج سے بہت سال پیشتر شمس الاخبار لکھنؤ سے جو باہتمام پادری کریون صاحب نکلتا تھا ۱۵- اکتوبر ۱۸۷۵ء کے پرچہ میں پادری عماد الدین کی تصنیفات کا اور انسے جو دکھ مسلمانوں کو پہنچا تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "اگر ۱۸۵۷ء کی مانند پھر غدر ہوا تو اس شخص کی بدزبانیوں اور بیہودہ گوئیوں سے ہوگا" انکا یہ کہنا صرف پادری عماد الدین کی دریدہ دہنی کی وجہ سے تھا جس نے مسلمانوں کا دل دکھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ورنہ مسلمان خوب جانتے ہیں کہ پادری صاحبان اور گورنمنٹ ایک چیز نہیں۔ گورنمنٹ کے تو احسانات مسلمانوں پر اسقدر ہیں کہ جنکا وہ کسی طرح شکریہ ادا نہیں کر سکتے اور پادریصاحبان نے انکو اسقدر دکھ پہنچایا ہے کہ جسکا رنج انکے دلوں سے کبھی دور نہیں ہو سکتا

پادری صاحبان میں سے خصوصاً ان لوگوں کی تحریروں میں نہایت ہی بیباکی سے کام لیا گیا ہے جو دیسی عیسائی کہلاتے ہیں کوئی گندہ سے گندہ لفظ ایسا نہیں جو ان بیباکوں نے سرور انبیاء فخر بنی آدم کے لیے استعمال نہ کیا ہو۔ انکی بعض تحریریں شروع سے لیکر اخیر تک ایسی گندی ہیں کہ کوئی مسلمان نہیں جو انکی ایک سطر پڑھے اور کانپ نہ اُٹھے۔ یہ حال ابتدائی تحریروں کا ہی نہیں بلکہ ابتک بعض پادری صاحبان کی تحریروں میں یہی رنگ چلا جاتا ہے۔ ابھی تھوڑے دنوں کا ذکر ہے کہ ایک پادری صاحب نے کتاب امہات المومنین لکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات پر نہایت ناپاک اور گندے حملے کیے۔ چنانچہ اس صوبہ کی ایک انجمن یعنی انجمن حمایت اسلام لاہور نے گورنمنٹ پنجاب کی خدمت میں ایک عرضداشت بھی اس کے متعلق بھیجی تھی اور اسمیں گورنمنٹ کو توجہ دلائی تھی۔ کہ یہ کتاب سخت دل آزار طریق میں لکھی گئی ہے۔ اگرچہ جہاں تک ہم دیکھتے ہیں اب وہ اس وحشیانہ اور گندے طریق کو کسی قدر چھوڑ رہے ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اگر کوئی پادری صاحب عیسائیت کے لیے اپنے دل میں سچی ہمدردی رکھتے ہیں تو ان کا سب سے پہلا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کو اس دل آزار اور گندہ طریق سے روکیں۔ ایسے ناپاک حملے اگر وہ لوگ اسلام اور اسکے مقدس بانی پر کر سکتے ہیں تو انسے بچا ہوا کون ہے بلکہ جیسے سخت حملے یہودیوں اور اب دہریوں نے حضرت مسیح علیہ السلام پر اور عیسائی مذہب پر کیے ہیں اور جس طرح پر اول الذکر نے نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو ہی ناجائز ثابت کرنا چاہا ہے اس سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہیئے تھا کہ کسی مذہب کی صداقت پر بحث کرنیکا یہ طریق نہیں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود ان سب باتوں کے ابتک جو پرچے یا رسالے پادری صاحبان کے اہتمام سے نکلتے ہیں انہوں نے اس گندہ طریق کو چھوڑا نہیں۔ اور بجائے اس کے کہ انکی تحریروں سے ملک پر ایک نیک اثر پڑے اردو لٹریچر پر ایک زہریلا اثر انکا ہو رہا ہے اور انہی کی دیکھا دیکھی آریہ سماج نے بھی یہی طریق اختیار کر لیا ہے بعض ایسے رسالے جو بڑی تہذیب اور نرمی کے دعووں کے ساتھ نکلنے شروع ہوئے تھے وہ بھی خود آخر اسی طریق میں جا پڑے۔ ایک مثال اس کی بائبل سوسائٹی لاہور کا مذہبی رسالہ تجلی ہے۔ اس کے ایڈیٹر صاحب ایک مدت تک یہ وعظ کرتے رہے کہ مذہبی مباحثات میں بڑی نرمی اختیار کرنی چاہیئے اور ملائمت سے ایک دوسرے کو اسکے مذہب کے نقص یا اپنے مذہب کی خوبیاں بتانی چاہیئیں مگر جب خود اس میدان مباحثہ میں نکلے تو انہوں نے اور انکے نامہ نگاروں نے ایک ایسا گندہ طریق اختیار کیا کہ رحمت خدا بر نباش اول کی مثل یاد آتی ہے۔ استہزا، تحقیر، دل آزاری دریدہ دہنی میں وہ پہلوں پر سبقت لے گئے۔ خدا اس قوم کو ہدایت دے کہ ایک عورت کے بیٹے کو خدا بنانیکے لیے خدا کے قدوسوں اور راستبازوں کو کسقدر گالیاں دیتے ہیں۔ اگر انکا جی گالیاں دے کر ہی خوش ہوتا ہے تو وہ دیتے رہیں ہمارا اس سے کچھ نہیں بگڑتا مگر وہ یاد رکھیں کہ ایک خدا ابھی سر پر موجود ہے

جو بیباکوں اور شریروں سے ضرور مواخذہ کریگا۔ اسی رسالہ تجلی نے جس کا مینے ذکر کیا ہے منجملہ دیگر دل آزار طریقوں کے ایک یہ طریق بھی اختیار کر رکھا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام سوائے کذاب کے نہیں لیتا اور اسی نام سے اپنی تحریروں میں بار بار خدا کے اس برگزیدہ کا ذکر کرتا ہے۔ ہم نے اسکو ایک رسالہ میں یہ توجہ دلائی تھی کہ اس سے حاصل تو تم کو کچھ نہیں ہوگا۔ اور نہ ان طریقوں سے تم خدا کے کاموں کو روک سکتے یا خدا کے سلسلہ کو نقصان پہنچا سکتے ہو ہاں اس طرح تم ایک تین چار لاکھ انسانوں کی معزز جماعت کا دل دکھاتے ہو جس کا جواب ہم کو یہ دیا گیا ہے کہ ہم چونکہ بانی سلسلہ احمدیہ کو کذاب ہی سمجھتے ہیں اس لیے انکا ذکر اس نام سے کریں گے۔ اگر پادری صاحبان کے نزدیک یہ دلیل ہے تو انکو اختیار ہے جس طرح چاہیں ذکر کریں یا اس سے بھی گندہ الفاظ استعمال کریں مگر اتنا سوچ لیں کہ اگر ایک یہودی جو حضرت مریم صدیقہ پر (نعوذ باللہ من ذلک) زنا کا بہتان لگاتا اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کو ناجائز ٹھہراتا اور اس بات کا یقین رکھتا ہے اور پھر حضرت مسیح کو نبوت کے دعویٰ میں بھی جھوٹا سمجھتا ہے۔ ایسا یہودی اگر بجائے حضرت عیسیٰ یا انکی والدہ کا نام لینے کے اسی قسم کے الفاظ سے انکا ذکر کرے اور اپنے اعتقاد کو ہی دلیل پیش کرے تو اس سے انکے دلوں کو کسقدر رنج پہنچے گا یہی رنج وہ اسوقت بلا وجہ سلسلہ کے تین چار لاکھ انسانوں کو پہنچا رہے ہیں۔ اور ہم جو کبھی یہودیوں کے ان الزامات کا ذکر کرتے ہیں جو وہ حضرت مسیح پر لگاتے ہیں تو نہ اس لیے کہ ہم ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں ہرگز نہیں ہمارے نزدیک یہ کفر ہے اور ہم ان انبیاء کے برا کہنے والوں پر اسی طرح لعنت بھیجتے ہیں جیسا آج ان دوسروں پر جو خدا کے قدوسوں اور راستبازوں کو گالیاں دیتے اور انکو کذاب کذاب کر کے پکارتے ہیں۔ ہماری غرض تو صرف ان لوگوں کو توجہ دلانا ہے کہ تمھیں گالیاں دیکر خوش نہ ہونا چاہیئے کہ ہم نے جیت لیا اسی طرح تمہارے بڑوں نے اپنے اپنے وقت میں انبیاء کو طرح طرح کے دکھ دیئے ہم تو صرف اسلیے ان باتوں کو پیش کرتے ہیں کہ تا اگر کسی کے دل میں حق کی طلب کا کچھ نشان ہے تو وہ ان باتوں سے سبق لے اور اس گندہ طریق سے توبہ کرے اور اپنے بیباک بھائیوں کو سمجھاوے کیونکہ وہ شخص جسکو آج اس کے اصل مرتبہ نبوت سے بڑھا کر خدا بنایا جاتا ہے اسپر بھی اپنے وقت میں اسی طرح ہنسی اور ٹھٹھا کیا گیا اور گالیاں دی گئیں اور تم تو آج ایک برگزیدہ کو کذاب لکھکر خوش ہوتے ہو اسے خدا جانے کیا کیا دل آزار کلمے کہے گئے ہونگے جو خدا کو اپنے کلام میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کرنا پڑا۔ وقولهم على مريم بهتانا عظيما۔ یاد رکھو کہ انہی لوگوں کے نقش قدم پر تم چلتے ہو اور جسطرح آج تم انپر لعنت بھیجتے ہو پیچھے آنیوالی نسلیں تم پر لعنت بھیجیں گی۔ کہ تم نے خدا کے برگزیدہ کا ایک نہایت ہی گندہ اور نہذیب سے گرے ہوئے طریق سے مقابلہ کیا۔ ہم خدا کے کسی برگزیدہ کو بھی برا نہیں کہتے کیونکہ ہماری کتاب تو ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ خدا نے ہر امت میں رسول بھیجے جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنے

اپنے ملکوں میں اصلاح کی مگر پیچھے آنیوالی نسلوں نے انکے دین کو بگاڑ دیا جسطرح عیسائیوں نے مسیح کے دین کو بگاڑ دیا۔ اور اس لیے خدا نے اپنے وعدوں کے موافق ایک مصلح اس آخری زمانہ میں تمام قوموں کے لیے بھیجا۔

پھر اصل مضمون کی طرف توجہ کر کے ہم کہتے ہیں کہ پادری صاحبان کی تحریروں کو دل آزاری کے طریق سے ہٹانا کوئی آسان کام نہیں لیکن چونکہ مسٹر سیلٹر کی تجویز اصلاح مباحثات کے متعلق سی کے قریب قریب معلوم ہوتی ہے اس لیے اگر وہ پوری کوشش اس میں کریں تو جو فایدہ وہ اس سے اٹھانا چاہتے ہیں اس سے قطع نظر کر کے ہم اسقدر ضرور کہیں گے کہ یہ عیسائی مذہب پر انکا تھوڑا احسان نہو گا کہ ایک ایسی بڑی غلطی کو اس کے واعظین میں سے دُور کر دیں جس غلطی کی وجہ سے بہتسے انسانوں کا دل دُکھ رہا ہے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ جسقدر نفرت اب عام عیسائی واعظین کیطرف سے دلوں میں ہے وہ جاتی رہے گی۔ البتہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ عیسائی واعظین کو چاہیئے کہ عیسائیت کو اس رنگ میں مسلمانوں کے سامنے پیش کریں کہ یہ گویا اسلام کا تکملہ اور تتمہ ہے جو اس کی صداقتوں کو سچا کر کے دکھاتا ہو یہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ عیسائی مذہب اسلام کا تکملہ ورتتمہ کن معنوں کی رو سے ہو سکتا ہے؟ اور اسلام کی توحید اور اسلام کی تعلیم میں وہ کونسا نقص اور کونسی کمی ہے جسکو عیسائیت نے پورا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ عیسائی مذہب کے اصول سچے مذہبی اصول کی بگڑی ہوئی صورت کو پیش کرتے ہیں اور اسطرح پر کہہ سکتے ہیں کہ عیسائی مذہب اسلام کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اگر عیسائی مذہب اصل مذہبی صداقتوں کو اسطرح بگاڑ کر پیش نہ کرتا جسطرح وہ اسکی موجودہ تعلیم میں پیش کی گئی ہیں تو علم اور سائینس کی رَو کے آگے یہ اسطرح بہ نہ جاتا۔ اور اگر مذہب تعلیم یافتہ دنیا کے سامنے عیسائی مذہب کی صورت میں پیش نہ ہوتا تو کبھی آج مذہب سے وہ نفرت نہ ہوتی جو مغرب میں ہو رہی ہے۔ صرف عیسائی مذہب کے خراب اصول ہی مذہب کو بدنام اور ذلیل کرنیکا باعث ہوئے ہیں۔ جن باتوں کو اسلام کی تکمیل کرنے والی بتایا جاتا ہے وہی وہ باتیں ہیں جن کو آج تعلیم یافتہ لوگ کھلے طور پر رد کر رہے ہیں۔ اور جن کو قرآن شریف نے آج سے تیرہ سو سال پہلے رد کیا تھا۔ بہر حال ہمیں اس بات پر کچھ اعتراض نہیں بلکہ خوشی ہے کہ پادری صاحبان اپنے مذہب کی خوبیاں اور کمال بیان کریں کیونکہ ایک تو اس سے عیسائی مذہب کا موازنہ اسلام کے ساتھ ہو سکے گا اور دوئم پادری صاحبان کی توجہ بجائے گالیاں نکالنے کے اس طرف ہو جائیگی۔

اس تجویز کے کرتے ہوئے اسکا مجوز یہ بھی کہتا ہے کہ اسلام میں ایک بڑا بھاری نقص یہ ہے کہ اس میں کسی مسیح کے آنیکی امید نہیں دلائی گئی اس میں تو شک نہیں کہ عیسائی مذہب کی طرح اسلام مسیح کے متعلق خدائی دعووں سے خالی ہے اور یہ اگر پادری صاحبان کے نزدیک نقص ہے تو ہو اسلام عیسائی مذہب کی طرح یہ نہیں سکھاتا کہ عورت کا بیٹا واقعی خدا بن سکتا ہے ہاں اسکی تعلیم یہ ہے کہ ایک انسان باخدا انسان بن سکتا ہے مسیح کے آنیکی پیشگوئی تو اسلام میں موجود ہے معلوم نہیں پادری صاحب کو یہ دھوکہ کیونکر لگا کہ اسلام میں مسیح کے آنے کا

انتظار کوئی نہیں۔ بلکہ اسلام نے تو وہ امیدیں پوری ہوتی بھی دیکھ لیں اور مسیح کو پالیا حالانکہ عیسائی لوگ ایک فضول انتظار میں آسمان کی طرف آنکھیں لگائے بیٹھے ہیں اور ابتک خدا کے مسیح کی شناخت سے محروم ہیں۔ یہی حال اس سے پہلے یہودیوں کا ہوا تھا کہ انکو ایک مسیح کا وعدہ دیا گیا لیکن جب وہ مسیح اپنے وقت پر آیا تو چونکہ اس کے آنیسے انکی ساری امیدیں پوری نہ ہوئیں اس لیے انہوں نے اسکو قبول نہ کیا سو یہی حال اب ہو رہا ہے مسیح آگیا مگر جیسا کہ پہلے سے بتایا گیا تھا اس کا اسی طرح انکار کیا گیا جسطرح پہلے لوگوں نے کیا۔

عام طور پر عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیح کی آمد ثانی کے وقت کل قومیں عیسائی مذہب میں داخل ہو جاوینگی مگر جس تجویز کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ یہ خیال کرتا ہے کہ مغربی تعلیم کے پھیلنے سے مسلمان کثرت سے عیسائی مذہب میں داخل ہو جاوینگے۔ یہ محض اپنے آپ کو یا دوسرے لوگوں کو دھوکہ دینا ہے۔ دنیا خوب دیکھ رہی ہے کہ مغربی تعلیم کے پھیلنے سے خود عیسائی ممالک میں عیسائی مذہب کا کیا حال ہوا ہے اور کسطرح سمجھدار آدمی اسے رد کرتے چلے جاتے ہیں اسپر یہ امید رکھنا کہ ایسی تعلیم کے ہندوستان میں پھیلنے سے لوگ عیسائی بنجائیں گے تجربہ کے سر پر خاک ڈالنا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ آیا مغربی تعلیم کے پھیلنے سے اسلام پر سے مسلمانوں کا اعتقاد اُٹھ جائیگا یا وہ لامذہب ہو جاویں گے۔ جیسا کہ عیسائی مذہب پر اس تعلیم کا اثر ہوا ہے یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہم زور سے نفی میں دیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ مغربی تعلیم کے دلدادوں میں عملی کمزوری بہت پائی جاتی ہے مگر جہانتک ہم دیکھتے ہیں اسلام کے بنیادی اصول ویسے ہی محکم ہیں اور نہ صرف یہی کہ مغربی تعلیم کا ان بنیادی اصول پر کوئی برا اثر نہیں ہوا بلکہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خود مغرب میں جو ایک عالمگیر مذہب کے لیے نئے نئے اصول قرار دیئے جا رہے ہیں وہ اسلامی اصول کے ساتھ ملتے جلتے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ جیسے جیسے عیسائی مذہب کا اثر دلوں سے کم ہوتا جاویگا اسلامی اصول دلوں میں جگہ پکڑتے جاویں گے جہانتک واقعات کو دیکھکر ہم کہہ سکتے ہیں وہ وقت آ رہا ہے کہ اسلام ساری دنیا میں پھیلے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ **لیظہرہ علی الدین کلہ** کا تو تیرہ سو (۱۳۰۰) سال کا ہے۔ رہی یہ بات کہ مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں میں کسیقدر عملی کمزوری یا کسی قدر مذہب کی طرف سے لاپروائی کیوں پائی جاتی ہے اس کی وجہ اصل میں یہ ہے جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہم ایک دفعہ لکھ چکے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب سے خود واقفیت نہیں ہے۔ جہاں مغرب میں مدت تک عام تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی ملتی رہی اور اسطرح پر عام تعلیم کے پھیلنے سے اور ادھر اپنے مذہب سے واقفیت حاصل کر کے سمجھدار لوگوں نے عیسائی مذہب کے اصول کی غلطی کو دیکھ لیا ہندوستان میں اسکے برعکس ظہور میں آیا یعنی مادی تعلیم پر تو پوری کوشش صرف کی گئی اور مذہبی تعلیم کی طرف سے بالکل لاپروائی کی گئی اس لیے جوں جوں مادی مغربی تعلیم کا چرچا پھیلا مذہب کی تعلیم گم ہو گئی پس جو کچھ لاپروائی مذہب کی طرف سے ایسے لوگوں کے دلوں میں پائی جاتی ہے وہ محض اسوجہ سے ہے کہ

وہ اپنے مذہب کے اصول سے اور انکے فلسفہ سے آگاہ نہیں۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ جس طرح مغرب میں مذہب کی واقفیت کے سبب سے عیسائی مذہب سے بیزاری پیدا ہوئی ہے اس کے برعکس ہندوستان میں اسلامی مذہبی تعلیم سے ناواقفیت کے سبب سے اسلام کی طرف سے بعض دلوں میں ایک لاپروائی اور غفلت سی پیدا ہو گئی ہے جس نے اعمال میں مسلمانوں کو سُست کر دیا ہے۔

جو کچھ ہم نے یہاں اسلام کے متعلق کہا ہے کہ دراصل مذہبی ناواقفیت کی وجہ سے مسلمانوں میں عملی رنگ میں سُستی پیدا ہو گئی ہے اور کہ مذہب اسلام اپنے اندر ایک ایسی طاقت رکھتا ہے کہ وہ ہر ایک مادّی تعلیم یا دہریت کا بڑی آسانی سے مقابلہ کر سکتا ہے اس کو ایک مسلمان کی متعصبانہ رائے نہیں سمجھنا چاہیئے۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ عیسائی صاحبان بھی تعصب کو الگ کر کے اسے مانتے ہیں چنانچہ حال میں ہی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہو کے عیسائی ایڈیٹر نے اس بات کو کھلے الفاظ میں تسلیم کیا ہے اور جہاں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ عیسائی مذہب ایک مادّی تعلیم کے مقابلہ میں ناکام ثابت ہوا ہے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اسلام کے اصول میں ایسی کوئی بات نہیں جو سائنس کے رُو سے غلط ٹھہرتی ہو۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے " اس میں کچھ شک نہیں کہ مادّی تعلیم کا اثر ہندوستان کے مذاہب پر یہ ہوا ہے کہ عقائد میں کمزوری واقع ہوئی ہے۔ اور ہندوستانی طالب علم جو کالجوں میں سے ہو کر نکلے ہیں وہ اپنے آباؤ اجداد کے عقائد پر قائم نہیں رہے۔ یہ تو غالباً ایک ظاہر بات تھی کہ انگریزی تعلیم کا اثر ایک ہندو پر یہ ہو تا کہ اسکے عقائد متزلزل ہو جاتے لیکن ایک مسلمان پر ایسا اثر ہونا ضروری نہ تھا کیونکہ جس شخص نے سائنس میں اعلیٰ درجہ کی ترقی کی ہے اس کے لیے بھی اسلام کے قبول کرنے میں عقلی مشکلات کا کچھ سامنا نہیں۔ پس مسلمانوں کے عقائد میں کمزوری واقع ہونا اس وجہ سے نہیں ہے کہ علم یعنی سائنس اور طالب علم کے ایمان میں اصولی طور پر کوئی تضاد ہے بلکہ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ دن رات کالج میں ایک مادّی تعلیم میں ڈوبا رہتا ہے۔ اس کی شہادت ہمیں اس امر سے بھی ملتی ہے کہ ایک ہندوستانی کالج میں اکثر مسلمان طلبا ایسی حالت میں ہو کر نہیں گذرتے جیسے کہ انگریز انڈر گریجوایٹ جنپر ایک زمانہ مذہب اور دہریت میں کشمکش کا گذرتا ہے بلکہ مسلمان طالب علم یونہی مذہب سے الگ ہو جاتے ہیں اور مذہب کے متعلق لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ دوسرے معاملات جیسا کہ معاملات ملکی یا تمدنی اصلاح یا قوم کی ترقی ان چیزوں کی انکی آنکھوں میں وقعت بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور مذہب کو اسطرح پر پیچھے ڈالدیا جاتا ہے کہ اسکا احساس بھی انہیں کوئی نہیں رہتا"

اسی مضمون میں ایک بات اور قابل ذکر ہے۔ اسلام پر بڑا حملہ یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں شریعت نے چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی انسانوں پر ایک بوجھ ڈالا ہے یعنی پابندیاں اور قیدیں مقرر کر رکھی ہیں۔ ہمارا معجوز تو یہ امید رکھتا ہے کہ ان قیود سے گھبرا کر آخر مسلمان عیسائی مذہب کی طرف رجوع کریں گے اور درحقیقت جب ہم دیکھتے ہیں

تو امر واقع بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نو تعلیم یافتہ مسلمانوں کی مذہب سے لاپرواہی یا بیقیدی جو کچھ ہے وہ عملی رنگ میں ہے یا ان امور میں جو عملی طور پر بجا لانے پڑتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا پادری صاحبان کی ایسی امیدیں صحیح ہیں کہ جوں جوں مسلمان تعلیم یافتہ ہوجاویں گے وہ اسلامی شریعت کی پابندیوں اور قیود سے گھبرا کر عیسائی مذہب کی طرف مائل ہوجائیں گے؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے ہمیں ایک نظر ان دونوں مذہبوں کے اصول پر ڈالنی چاہیئے۔ کیونکہ مقدم اصول ہیں اور چھوٹے چھوٹے امور میں جو پابندیاں ہیں وہ محض فروع ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ عیسائی صاحبان کا یہ اپنا اقرار ہے کہ نئی تعلیم کے سامنے عیسائی مذہب کے اصول ٹھہر نہیں سکتے اور بہت سے لوگوں نے جن میں اسقدر اخلاقی جرأت تھی عیسائی مذہب کے ان اصول کو جو انیس سو برس سے چلے آتے تھے خیرباد کہدیا ہے اور کھلے طور پر دہریت کو قبول کر لیا ہے۔ برخلاف اسکے اسلام کے مذہبی مخالف بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ اسلام کے اصول پر سائنس کا کوئی حملہ نہیں پڑتا پھر ایسی امید رکھنا کہ مسلمان تعلیم پاکر عیسائی مذہب کی طرف آئیں گے ایک خیال خام ہے امر واقع اس کے خلاف ہے یعنی عیسائی تعلیم پاکر عیسائیت کے اصول کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں اور ایسے مذہبی اصول پر قائم ہوتے جاتے ہیں جو اسلام نے سکھائے ہیں۔ پس یہ امید تو مسلمانوں کو رکھنی چاہیئے کہ عیسائی تعلیم پاکر اسلام میں داخل ہوجائیں گے کیونکہ اسوقت بھی وہ مائل ہوتے چلے جارہے ہیں مگر کوئی شخص یہ نہیں دکھا سکتا کہ جو تعلیم یافتہ مسلمان مذہب کی طرف سے کسی قدر آزادی اور بیقیدی بھی دکھاتے ہیں وہ بھی اس کے اصول سے بیزار ہوں یا عیسائی مذہب کے اصول کو پسند کرنیوالے ہوں۔ حالانکہ عیسائیوں میں ایسے تعلیم یافتہ بکثرت ہیں جو عیسائیت کے اصول سے بیزار یا اسلام کے اصول کو پسند کرنیوالے ہیں۔ اب باقی یہ سوال رہتا ہے کہ شریعت کی پابندیوں کو چھوڑ کر اسلام کے اصول کو نہ چھوڑنیکا کیا فائدہ ہے کیونکہ جب ایک حصہ رد کر دیا گیا تو دوسرا حصہ کیا فائدہ دے سکتا ہے؟ سو جہانتک ہم دیکھتے ہیں عملی بیقیدی کی وجہ بھی اصول اسلام سے ناواقفیت اور ایمان کی کمزوری ہی معلوم ہوتی ہے۔ شرعی پابندیاں کیا چیز ہیں؟ وہ ان اصول پر جو اسلام نے سکھائے ہیں پورے طور پر قائم ہونیکی ایک راہ ہے۔ پس جب اصول پر پورا پورا ایمان ہو۔ تو عملی کمزوری اور بیقیدی کی کوئی وجہ نہیں۔ سو آخر بات وہی آرہتی ہے کہ ساری بلا صرف مذہب کی طرف سے لاپروائی کی وجہ سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پانچ وقت نماز پڑھنا یا تیس دن تک روزے رکھنا یا شراب اور قمار بازی سے قطعی پرہیز کرنا یا بدنظری سے بچنا یہ بڑی بڑی قیود اور مشکلات ہیں لیکن جب ایک آدمی یقین کامل کے ساتھ سمجھ لیتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی توحید پر پوری طرح قائم ہونیکی یہی راہ ہے تو اس کے لیے یہ مشکلات مشکلات نہیں رہ جاتیں جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ وانہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین الذین یظنون انہم ملٰقوا ربہم یعنی

"خدا کا قرب حاصل کرنیکے لیے صبر یعنی مصائب کی برداشت جیسے روزہ وغیرہ .... اور صلوۃ یعنی نماز اور دعا کے ساتھ مدد طلب کرو اس میں شک نہیں کہ ... یہ امور بھاری معلوم ہوتے ہیں مگر ان لوگوں کیلیے یہ کچھ بھی بھاری نہیں جن کو یہ یقین حاصل ہو گیا ہے کہ یہی راہیں اللہ تعالیٰ کو پانیکی ہیں" سو جس صورت میں مادی تعلیم کا اصول اسلام پر کوئی حملہ نہیں ہے تو عملی پابندیوں کی طرف ان لوگوں کا واپس لے آنا کچھ مشکل امر نہیں جو اصول کو مانتے مگر انکی اصل حقیقت سے بیخبر ہونیکی وجہ سے عملی رنگ میں سست یا بیقید ہو رہے ہیں۔

دوسری تجویز عیسائی مذہب کو کامیاب بنانیکی بشپ صاحب مدراس کی طرف سے ہے۔ یہ بشپ صاحب مدت سے پادری صاحبان اور ان لوگوں کو جو پادریوں کو مدد دیتے ہیں اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ بڑے بڑے شہروں میں مشن قایم کرنا یا بڑی ذاتوں کے ہندوؤں کو عیسائی مذہب میں لانیکی کوشش کرنا روپیہ کو ضایع کرنا ہے۔ اور کہ انکی بجائے چوہڑوں اور پاریہ لوگوں کی طرف مشنریوں کو توجہ کرنی چاہیئے۔ چنانچہ کسی گذشتہ رسالہ میں ہم نے انکے ایک ایسے مضمون کا حوالہ دیا بھی تھا جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا تھا کہ عیسائی مذہب کو صرف ہندوستان کی نیچ ذاتوں میں جیسے چوہڑے چمار ہیں کامیابی ہوئی ہے۔ اور تعلیم یافتہ لوگوں میں قطعاً کوئی کامیابی نہیں ہوئی اسی کی تائید میں وہ اب بھی اپنی تجویز پیش کرتے ہیں جو بعض مشنریوں کو ناگوار گذرتی ہے چنانچہ حال میں ہی انہوں نے اپنی صفائی ذیل کے مضمون میں پیش کی ہے۔

"جو تجویز مینے پیش کی تھی وہ یہ تھی کہ ہمکو اپنی کوششیں خصوصیت کے ساتھ ان قوموں پر لگانی چاہئیں جو عیسائی مذہب کے قبول کرنیکے لیے رضامند اور تیار ہیں خواہ وہ شمال میں ہوں اور خواہ جنوب میں۔ اور ان قوموں پر کوشش کم خرچ کرنی چاہیئے جن کو گذشتہ پچاس سال سے انجیل کے جاننے کا پورا موقع دیا جاتا رہا ہے۔ مگر انہوں نے اس کے قبول کرنیکے لیے کوئی مستعدی ظاہر نہیں کی مجھے افسوس ہے کہ اس تجویز پر کسی کو دکھ پہنچے کیونکہ میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ یہ تجویز عام عقل انسانی پر اور اس نمونہ پر مبنی ہے جو ہمارے مبارک خداوند اور اس کے حواریوں نے دکھایا مینے خود سولہ ۱۶ سال سے شمالی ہند کے شہروں کی تعلیم یافتہ جماعت اور اونچی ذاتوں میں مشنری کام کو دیکھا ہے اور گذشتہ سات سال سے پاریہ لوگوں اور جنوبی ہند کی دوسری نیچ قوموں میں اس کام کو دیکھ رہا ہوں اور مینے گذشتہ صدی کی ہندوستان میں موجودہ مشنوں کی تاریخ کو بھی مطالعہ کیا ہے اور میں اس بات پر کامل یقین رکھتا ہوں کہ ہندوستان میں اگر کبھی تبدیلی مذہب عام طور پر ہو سکتی ہے تو وہ صرف اسی راہ سے ہو سکتی ہے کہ پاریہ قوم اور ہند کی دوسری اصلی قوموں کو اپنے مذہب میں لایا جاوے اور ان میں ترقی کرنیکی قابلیت پیدا کیجاوے اور اس لیے کلیسیا کی صحیح پالسی آیندہ پچاس سالوں کے لیے یہی ہے کہ جہانتک

ممکن ہو اس کام پر کل کوشش صرف کیجاوے اور اسی کو تکمیل کو پہنچایا جاوے۔ جنوبی ہندوستان میں جس قدر مشنری کام کا تجربہ ہے وہ یہی بات ثابت کرتا ہے کہ سب سے عمدہ طریق شودروں تک پہنچنے کا یہی ہے کہ پہلے پاریہ قوم کو عیسائی مذہب میں لایا جاوے۔ ... پھر جبکہ شودر جو آبادی کا نوے فیصدی حصہ یا اس سے بھی زیادہ ہیں عیسائی ہوجاویں تو عیسائی مذہب کی فتح ہے اور اُسوقت ہندوستان ایک عیسائی ملک ہوگا"

مشنریوں کی یہ کوشش کہ ایک رذیل قوم کو جسے ہندوؤں نے انسانوں میں ہی شامل نہیں کیا۔ تعلیم دیکر انہیں ترقی کی قابلیت پیدا کیجائے بیشک انسانی ہمدردی پر مبنی ہوسکتی تھی اگر اصل غرض صرف انکو عیسائی بنانا نہ ہوتی۔ اور یہ بھی کوئی قابل اعتراض امر نہ ہوتا اگر پادریصاحبان کی غرض محض ان لوگوں کی جہالت اور ناواقفیت اور انکی گری ہوئی حالت سے فایدہ اُٹھانیکی نہ ہوتی۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ اس قابل ہی نہیں کہ وہ مذہب کی حقیقت کو سمجھ سکیں یا عیسائی مذہب کے پیچیدہ اصول کو سمجھ سکیں انکو عیسائی مذہب میں داخل کرنیسے سوائے تعداد بڑھانیکے اور کوئی فایدہ بھی ہے؟ اگر یہ لوگ عیسائی ہوتے ہیں تو صرف اس خیال پر کہ انکے ناموں کے ساتھ جو ذلت لگی ہوئی ہے وہ ایک دو نسلوں میں جاتی رہیگی اور جیسا کہ پنجاب کے چوہڑوں کی حالت میں ہوا ہے۔ دوسری نسل میں وہ صاحب بنکر اپنے مالکوں سے بھی بڑھ جائیں گے۔ تعجب ہے کہ ایک طرف عیسائی صاحبان اسلام پر بیجا الزام یہ لگاتے ہیں کہ لوگوں کو بجبر مسلمان کیا گیا اور دوسری طرف اس تہذیب کے زمانہ میں خود ایسی کارروائیاں کرتے ہیں۔ جو بجبر دین میں داخل کرنیسے بھی بدتر ہیں یعنی لوگوں کی جہالت سے فایدہ اُٹھاتے ہیں۔ پنجاب کے جو چوہڑے عیسائی ہوئے ہیں انکے متعلق خود پادریصاحبان نے تسلیم کیا ہے کہ انکو عیسائی مذہب کی کچھ بھی واقفیت نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی بپتسمہ دینے کیلئے یہ ضروری سمجھا جاتا ہے۔ کہ انکو عیسائی مذہب کی کچھ خبر ہو۔

بابی مذہب (۳)

بہاء اللہ کی شریعت

اگرچہ ہم پچھلے پرچہ میں یہ ذکر کر چکے ہیں کہ بابی مذہب بہت سے فرقوں میں منقسم ہوگیا ہے لیکن اس میں بہاء اللہ کے پیروؤں کا ہی زیادہ زور ہے اور غصن اعظم اور غصن اکبر کے پیرو ہر دو بہاء اللہ کو مانتے ہیں اس لیے اب بابی مذہب دراصل بہائی مذہب ہی ہے۔ بہاء اللہ کی سب سے بڑی تصنیف کتاب الاقدس خیال کی جاتی ہے۔ اور اس کتاب میں وہ شریعت بھی ہے جو بہاء اللہ نے اپنے پیروؤں کو دی تھی اور اس میں اسکے دعاوی بھی بڑے بسط کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔ ان احکام کی پیروی کے متعلق خود کتاب الاقدس میں بہاء اللہ یہ لکھتا ہے

تمسکوا بالکتاب الاقدس الذی انزله الرحمٰن من جبروته المقدس المنیع انه لمیزان الله بینکم یوزن به کل الاعمال من لدن قوی قدیر۔ یعنی کتاب الاقدس کو مضبوط پکڑو جو کہ رحمٰن نے اپنی مقدس اور مضبوط طاقت کے ساتھ نازل کی ہے یہ تمھارے درمیان خدا کی میزان ہے جس سے قوی قدیر کی طرف سے کل اعمال تولے جاویں گے۔ صفحہ ۴۸۔ اسی کتاب کے شروع میں اس کا مصنف لکھتا ہے کہ اس نئے سلسلہ میں یعنی بہاء اللہ کے سلسلہ میں جو باب کے سلسلہ کو منسوخ کرنیوالا ہے دو باتیں سب آدمیوں پر فرض کی گئی ہیں اول یہ کہ وہ اسکے ظہور کو خدا کا ظہور سمجھیں اور دوسرا یہ کہ ان خدائی حدود یعنی احکام پر جو کتاب الاقدس میں دیئے گئے ہیں پورے طور پر عمل کریں کیونکہ وہ لکھتا ہے لا نهما معا لا یقبل احدهما دون الاخر۔ یعنی یہ دونوں باتیں اکٹھی ہونی چاہئیں اور ان میں سے ایک سوائے دوسری کے قبول نہیں ہوسکتی یعنی اگر شریعت پر عمل کیا جائے اور بہاء اللہ کے دعووں کو تسلیم نہ کیا جائے تو وہ بھی فضول ہے اور اگر دعوے کو تسلیم کیا جائے اور شریعت پر عمل نہ کیا جاوے تو وہ بھی فضول ہے۔ پس چونکہ بہاء اللہ نے اپنے احکام کی پیروی کو اسقدر ضروری سمجھا ہے اس لیے اس کے دعاوی پر غور کرنے سے پہلے ہم ان احکام کو بیان کرتے ہیں جو اس مذہب کی شریعت کہلاتی ہے۔

جو احکام کتاب الاقدس میں پائے جاتے ہیں وہ اسلامی احکام میں ہی کسی قدر تغیر و تبدل ہے۔ اور تبدیلی کی غرض محض یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی قدر تخفیف ہو جائے چنانچہ اسلام کے چاروں اصولی احکام یعنی نماز روزہ زکوٰۃ اور حج کو ضروری قرار دیا ہے مگر ان میں تھوڑا تھوڑا ادل بدل کر دیا گیا ہے مثلاً اسلام میں اگر پانچ نمازیں ہیں تو بہاء اللہ نے انکی تعداد کم کر کے تین نمازیں اپنے پیروؤں پر فرض کی ہیں۔ اور ان تینوں نمازوں میں کل رکعتوں کی تعداد نو بتائی گئی ہے۔ قد کتب علیکم الصلوٰۃ تسع رکعات من الله منزل الایات حین الزوال وفی البکور والاصال وعفونا عدة اخری۔ اس میں شیعہ مذہب کا کچھ اثر بھی پایا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی تین اوقات میں ہی نماز پڑھتے ہیں اور ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو جمع کر لیتے ہیں۔ نماز کو سن بلوغت پر پہنچنے سے فرض قرار دیا گیا ہے نماز کی صورت قریباً وہی معلوم ہوتی ہے جو اسلام میں ہے اور سجدہ کا حکم تو صاف الفاظ میں ہے۔ مسلمان کعبہ کی طرف منہ کرتے ہیں اس کی بجائے بہاء اللہ نے عکا کی طرف نماز میں منہ پھیرنے کی ہدایت کی ہے۔ واذا اردتم الصلوٰۃ ولوا وجوهکم شطری الاقدس المقام المقدس الذی جعله الله مطاف الملأ الاعلیٰ ومقبل اهل مدائن البقاء ومصدر الامر لمن فی الارضین والسموات۔ یہ سب تعریف مقام عکا کی ہے جہاں بہاء اللہ مدت تک قید خانے میں رہا۔ جماعت کے حکم کو منسوخ قرار دیا گیا ہے اور یہ ہدایت ہے کہ سوائے نماز جنازہ کے باقی سب نمازیں اکیلے اکیلے پڑھی جاویں۔ جیسا کہ لکھا ہے کتب علیکم الصلوٰۃ فرادیٰ قد رفع حکم الجماعة الا فی صلوٰۃ المیت

نماز کے پہلے وضو کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ بوڑھے آدمیوں اور بیماروں کے لیے نماز بالکل معاف کر دی گئی ہے مسافر کے لیے بجائے نماز کے حسب ذیل ہدایت ہے۔ ولکم ولھن فی الاسفار اذا نزلتم واسترحتم المقام الامن مکان کل صلوٰۃ سجدۃ واحدۃ واذکروا فیھا سبحان اللہ ذی العظمۃ والاجلال والموھبۃ والافضال والذی عجز یقول سبحان اللہ انہ یکفیہ بالحق انہ لھو الکافی الباقی الغفور الرحیم و بعد اتمام السجود لکم ولھن ان تقعدوا علی ھیکل التوحید وتقولوا ثمانی عشرۃ مرۃ سبحان اللہ ذی الملک والملکوت۔ یعنی سفر میں بجائے نماز کے ایک ہی سجدہ کافی ہے اور اسکے بعد اٹھارہ مرتبہ تسبیح۔

دوسرا اصول اسلامی روزہ ہے۔ اسکو بھی بہاء اللہ نے فرض ٹھیرایا ہے مگر چونکہ بابی مہینہ اُنیس دن کا ہوتا ہے (سال اُنیس مہینوں کا ہوتا ہے اسطرح سال میں ۳۶۱ دن ہوئے) اس لیے روزوں کی تعداد بھی بجائے تیس یا انتیس کی اُنیس رہ جاتی ہے۔ بیمار اور مسافر کے لیے روزہ بالکل معاف ہے اور ایسا ہی حاملہ عورت کے لیے اور دودھ پلانیوالی کے لیے بھی معاف ہے۔ روزوں کے مہینہ سے پہلے چند دن کھانے پینے کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں اور نیروز کو عید کا دن قرار دیا گیا ہے۔ روزہ طلوع آفتاب سے غروب تک ہے۔

زکوٰۃ کو بھی بہاء اللہ نے فرض قرار دیا ہے۔ نصاب کے متعلق اسی جگہ یہ کہتا ہے کہ ہم اس کے متعلق آیندہ تم کو ہدایت دیں گے۔ مگر اس کے بعد کوئی ہدایت زکوٰۃ یا اس کے نصاب کے متعلق کتاب الاقدس میں نہیں ملتی البتہ اس سے پہلے ایک ہدایت ہے کہ سو مثقال سونے میں سے اُنیس مثقال بہاء اللہ کو دیئے جاویں جس کا ذکر بعد میں کیا جاویگا۔ بیت اللہ کا حج سب بابیوں پر فرض کیا گیا ہے چنانچہ صفحہ ۱ پر یہ ہدایت موجود ہے۔ قد حکم اللہ لمن استطاع منکم حج البیت دون النساء عفی اللہ عنھن رحمۃ من عندہ۔ یعنی سوائے عورتوں کے جس شخص کو استطاعت ہو اس کے لیے خدا کا یہ حکم ہے کہ وہ بیت اللہ کا حج کرے۔ مگر عورتوں کو اللہ نے رحم کر کے معاف کر دیا ہے۔ تعجب ہے کہ اسقدر شریعت اسلامی میں تبدیلیوں کے باوجود حج بیت اللہ کو قایم رکھا ہے مگر ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی بابی اس حکم کی تعمیل کرتا ہو۔ نہ ہی یہ حکم کسی اور شریعت سے بابیوں کے نزدیک منسوخ ہوا ہے۔

تعدد ازواج کو بھی بہاء اللہ نے جایز رکھا ہے مگر دو بیویوں سے زیادہ نکاح میں لانیکی اجازت نہیں۔ کتاب الاقدس کے صفحہ ۲۲ پر بہاء اللہ لکھتا ہے۔ کتب اللہ علیکم النکاح ایاکم ان تجاوزوا عن اثنتین والذی اقتنع بواحدۃ من الاماء استراحت نفسہ ونفسھا ومن اتخذ بکرا لخدمتہ لاباس علیہ کذلک کان الامر من قلم الوحی بالحق مرقوما تزوجوا یا قوم لیظھر منکم من یذکرنی بین عبادی۔ یعنی نکاح تم پر فرض ہے مگر دو سے زیادہ نکاح نہ کرو اور جو شخص ایک ہی عورت پر کفایت کرتا ہے

وہ اس کے لیے اور اس عورت کے لیے دونوں کے لیے اچھا ہے۔ اور جو شخص ایک کنواری عورت اپنی خدمت کے لیے رکھے تو کوئی حرج نہیں۔ اے میری قوم نکاح کرو تا کہ تم میں سے وہ لوگ ظاہر ہوں جو میرا ذکر میرے بندوں میں کریں۔ مہر کی ادائیگی نکاح کے لیے ضروری ٹھہرائی گئی ہے مگر اس کی حد شہروں اور گاؤں کے لیے الگ الگ مقرر کر دی گئی ہے۔ یعنی شہر کے لیے انیس مثقال سونا۔ اور گاؤں کے لیے اسیقدر چاندی۔ اس سے زیادہ بھی مہر دیا جا سکتا ہے مگر پچانوے مثقال سے کسی صورت میں زیادہ نہیں ہونا چاہیئے۔ نکاح اور طلاق کے متعلق کچھ اور بھی ہدایات ہیں۔ جب کوئی شخص سفر کے لیے باہر نکلے تو اسپر فرض ہے کہ اپنی عورت کے ساتھ ایک میعاد مقرر کرے کہ اسقدر عرصہ میں وہ واپس آجائیگا۔ پھر اگر اس میعاد کے گذرنیکے بعد کوئی واقعی عذر اسکو ایسا پیش آجائے کہ اس مدت میں وہ واپس نہ ہو سکتا ہو تو اسپر فرض ہے کہ اس عذر کی اطلاع اپنی عورت کو دے۔ اور سخت کوشش اس امر کی کرے کہ جسقدر میعاد عذر کی بنا پر لی گئی ہے اس کے اندر واپس ہو جائے۔ لیکن اگر وہ یا تو عذر ہی نہ کرے اور پہلی مقررہ میعاد کے بعد واپس نہ آئے اور یا اگر عذر حقیقی اس کا کوئی ہو اور دوسری دفعہ کی میعاد مقررہ کے اندر واپس نہ آئے تو عورت کو نو مہینے انتظار کر کے دوسری جگہ نکاح کر لینا چاہیئے۔ طلاق کے متعلق یہ حکم ہے کہ اگر عورت اور خاوند میں کوئی کدورت واقع ہو جائے یا باہمی نفرت ہو تو مرد فی الفور طلاق نہیں دے سکتا بلکہ اسکو ایک سال تک انتظار کرنا چاہیئے۔ پھر اگر اس انتظار کے بعد اصلاح نہ ہو تو خاوند طلاق دے سکتا ہے۔ مگر بعد طلاق کے جبتک عورت دوسری جگہ نکاح نہ کرے رجوع کا ہر وقت اختیار ہے۔ اگر خاوند اور عورت دونوں سفر کرتے ہوں اور سفر میں ہی ان میں کوئی اختلاف ہو جائے تو خاوند پر واجب ہے کہ ایک سال کا نفقہ دے کر عورت کو اپنے گھر کو واپس کرے۔ طلاق کے بعد عدت بھی ہے مگر اس کی میعاد نہیں بتائی گئی۔

وراثت کے قانون میں بھی اصولاً اسلامی قانون وراثت کی پیروی کی گئی ہے مگر ورثا کے حصص کی ایک عجیب ہی تقسیم ہے۔ اصل الفاظ کتاب الاقدس کے یہ ہیں۔ قد قسمنا المواریث علیٰ عدد الزاء منها قدر لذریاتکم من کتاب الطاء علیٰ عدد المقت وللازواج من کتاب الحاء علیٰ عدد التاء والفاء وللاباء من کتاب الزاء علیٰ عدد التاء والکاف وللامهات من کتاب الواو علیٰ عدد الرفیع وللاخوان من کتاب الهاء عدد الشین وللاخوات من کتاب الدال عدد الراء والمیم وللمعلمین من کتاب الجیم عدد القاف والفاء۔ یعنی ورثہ کو عدد زا یعنی سات حصوں پر تقسیم کیا جاوے۔ ایک حصہ لڑکوں لڑکیوں کے لیے۔ ایک حصہ خاوند یا عورت کے لیے۔ ایک باپ کے لیے۔ ایک ماں کے لیے۔ ایک بھائیوں کے لیے۔ ایک بھینوں کے لیے۔ ایک معلمین کے لیے حصوں کی نسبت حساب جمل میں بتائی گئی ہے۔ اولاد کے لیے کتاب الطاء علیٰ عدد المقت یعنی ۹×۵۴۰=۴۸۶۰

ازواج کے لیے ۸ × ۴۸۰ - باپ کے ۷ × ۴۲۰ - ماں کے لیے ۶ × ۳۶۰ - بھائیوں کے لیے ۵ × ۳۰۰ - بہنوں کے لیے ۴ × ۲۴۰ - معلموں کے لیے ۳ × ۱۸۰ - یا نسبت نکالنے سے علی الترتیب یہ حصص ہوئے - ۸۱ و ۶۴ و ۴۹ و ۳۶ و ۲۵ و ۱۶ و ۹ - اس حکم کے ساتھ ہی یہ الفاظ بڑھائے گئے ہیں انا لما سمعنا ضجیج الذریات فی الاصلاب زدنا ضعف مالھم ونقصنا عن الاخری - یعنی اولاد کا حصہ دوگنا کر دیا گیا اور دوسروں کا کم کر دیا گیا - اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو اولاد کا حصہ بیت العدل میں جائے گا - (بیت العدل کیا چیز ہے اسکی تشریح آگے چلکر کیجائیگی) اور اس سے یتیموں اور بیواؤں کی مدد کی جائیگی - اور اگر اولاد ہو مگر دوسرے ورثا جن کو اس تقسیم کے رو سے حصص دیئے جانے چاہئیں موجود نہ ہوں تو کل مال کی دو تہائی اولاد میں تقسیم ہوگی اور ایک تہائی بیت العدل میں دیجائیگی - اگر نہ اولاد ہو اور نہ یہ دوسرے ورثا ہی ہوں مگر اور قریبی رشتہ دار موجود ہوں جیسے بھائیوں اور بہنوں کی اولاد تو دو تہائی ترکہ کی انکو پہنچے گی - اگر وہ بھی نہ ہوں تو یہی حصہ ماں اور باپ کے بھائیوں بہنوں کو دیا جاویگا - یا اگر وہ مرچکے ہوں تو انکی اولاد کو - اور باقی ایک تہائی ہر صورت میں بیت العدل میں جائیگی - اگر کوئی وارث بھی موجود نہ ہو تو کل مال متروکہ بیت العدل میں جائیگا - لیکن اس ساری تقسیم میں رہائش کا مکان اور پہننے کے کپڑے متوفی کے شامل نہ ہونگے وہ صرف لڑکوں کا حصہ ہوں گے لڑکیوں کو یا دوسرے رشتہ داروں کو ان میں سے کوئی حصہ نہیں ملیگا - یہانتک کہ عورت یا خاوند کو بھی نہیں ملیگا - (صفحہ ۸ و ۹ کتاب الاقدس)

کچھ متفرق ہدایات بکھری ہوئی اور بھی ملتی ہیں - مثلاً ایک یہ ہے کہ انیس سال گذرنے کے بعد گھر کا سارا اسباب بدل دو - کتب علیکم تجدید اسباب البیت بعد انقضاء تسع عشرۃ سنۃ کذلک قضی الامر من لدن علیم خبیر - اصل میں انیس کے ہندسہ کو بابیوں میں ایک خاص عزت حاصل ہے - چنانچہ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے - انکا مہینہ بھی انیس دن کا ہوتا ہے اور سال انیس مہینوں کا ہوتا ہے - شائد اسی مناسبت کے لحاظ سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ انیس سال بعد گھر کا اسباب بدل دو - اسی طرح پر مہر کے لیے انیس مثقال سونا یا چاندی مقرر کی گئی ہے جس کے پاس سو مثقال سونا ہو وہ انیس مثقال خدا کو دے - یہ انیس دن کا مہینہ اور انیس مہینوں کا سال علی محمد باب کی ایجاد ہے اور اسی سے بہاء اللہ نے لیا ہے - مگر اس کی اصل وجہ معلوم نہیں - یہ بھی حکم ہے کہ جہانتک ممکن ہو گھر بہت خوشنما بنائے جایا کریں اور انکی بہت اچھی طرح حسب حیثیت آرائش کی جایا کرے - لیکن ان میں کوئی تصویر نہ رکھی جائے - یہ بھی حکم ہے کہ کوئی شخص آیات الٰہی یعنی بہاء اللہ کی تصانیف کو کھڑے ہو کر لوگوں کو ہرگز نہ سنائے - پڑھنے والے کو چاہیئے کہ وہ ایک مرتفع پلیٹ فارم پر کرسی بچھا کر بڑے ادب اور تکریم سے بیٹھکر سنائے - یہ بھی لکھا ہے کہ "خدا اس بات کو بہت عزیز رکھتا ہے کہ تم لوگ کرسیوں اور بلند

پلیٹ فارموں پر نشست کیا کرو - یہ بھی حکم ہے کہ کسی کا ہاتھ کبھی مت چومو - یہ بھی حکم ہے کہ قمار بازی اور افیون خوری منع ہیں۔ حکم ہے کہ گرمیوں کے موسم میں چوبیس گھنٹوں کے درمیان دونوں پاؤں کو ایک دفعہ غسل دینا چاہیئے - اور موسم سرما میں ۷۲ گھنٹوں میں ایک دفعہ انہیں دھونا چاہیئے۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی باریک تفصیلات لکھی ہیں جن کا یہاں درج کرنا تضییع اوقات کا موجب ہوگا۔ اس لیے انکو نہیں لکھا جاتا - یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ بہاء اللہ نے کوئی مکمل شریعت اپنے پیرووں کے لیے تجویز کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض بہت چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہدایات لکھدی ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ بہت ناقص قانون ہے جس میں سب سے پہلی اور بڑی بے سمجھی کی بات تو یہ ہے کہ کوئی بنیادی اصول بیان ہی نہیں کیے گئے۔ اور اکثر ایسے معاملات جو نہایت ضروری تھے اس قانون میں شامل ہی نہیں کیے گئے - یہ ایسے نقص ہیں جو اُن لوگوں سے سرزد نہیں ہو سکتے جن میں وضع قوانین کے ساری لوازم موجود ہوتے ہیں -

مذکورہ بالا شاخ قوانین سے آگے چلکر بعض جرائم کی تعزیرات کے متعلق بھی احکام اور ہدایات نافذ کی گئی ہیں - جو ذیل میں درج ہیں۔ حکم ہے کہ "جو شخص عمداً کسی کے گھر کو آگ لگائے اس شخص کو جلا دیا جائے" لیکن آگے چلکر جہاں خون کر دینے کی سزا موت تجویز کی گئی ہے وہاں اس جلانیکی سزا کی شدت میں بھی تخفیف کیگئی ہے - اور لکھا ہے کہ "اگر تم انکو عمر قید کا حکم دو تو کتاب میں تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں"۔ بہائی مذہب کی اخلاقی حالت کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس میں زناکاری کو کسی جرم فوجداری میں داخل نہیں کیا گیا۔ بلکہ اتنا بھی نہیں کہ یورپ کی طرح نقصان رسیدہ فریق کو کوئی ہرجانہ ہی دلانا تجویز کیا گیا ہو - اس کے لیے صرف یہی لکھا ہے "تحقیق خدا نے حکم دیا ہے کہ ہر ایک مرد اور عورت جو زنا کا ارتکاب کریں وہ بیت العدل میں ۹ نو مثقال سونا داخل کردیں"۔ پھر اگر وہی مرد یا عورت دوبارہ اس جرم میں ماخوذ ہوں تو انپر تعزیر بڑھادی گئی ہے یعنی انسے بجائے ۹ نو کے ۱۸ اٹھارہ مثقال سونا وصول کر کے بیت العدل میں داخل کیا جائے - چور کی سزا جلاوطنی اور قید رکھی ہے - لیکن حکم ہے کہ اگر کوئی شخص اسی جرم میں تیسری دفعہ گرفتار ہو تو اسکی پیشانی پر ایک ایسا داغ لگا دیا جائے جس سے وہ جہاں جائے پہچانا جا سکے۔

اس کے بعد بہاء اللہ نے کچھ اپنے حقوق مریدوں پر قایم کیے ہیں یہ حقوق ظاہر عبارت میں خدا کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ لیکن بہائی اصطلاح میں خدا سے مراد بہاء اللہ ہے - اپنے لیے جو حقوق مقرر کیے ہیں انکی متعلق لکھا ہے کہ جس شخص کے پاس ایک سو مثقال سونا موجود ہو وہ اس میں سے اُنیس مثقال خدا لئے خالق زمین و آسمان کو دیدے - (جیسا کہ اوپر تشریح کیا گیا ہے یہاں خدا سے مراد بہاء اللہ ہے) اے لوگو! خبر دار رہو!! ایسا نہ ہو کہ تم اس کے فضل عظیم سے اپنی روحوں کو محروم رکھو - ہم نے تمکو یہ حکم دیا ہے اگرچہ ہم نہ تمھاری اور

نہ انکی جو آسمان اور زمین میں ہیں امداد کے محتاج ہیں × × × کہو! اس سے مقصود یہ ہے کہ تمہاری جایئدادیں پاکیزہ ہو جائیں اور تم کو وہ مرتبے نصیب ہوں جو سوائے خدا کی مرضی کے کسی کو مل نہیں سکتے۔ اے لوگو! خدا (بہاء اللہ) کے حقوق ادا کرنے میں خیانت نہ کرو اور نہ ہی ان میں اسکی اجازت کے بغیر کسی قسم کا تصرف کرو" واقعہ میں جو املاک اور مال اس طرح راہ خدا میں خیرات کے لیے وقف کیا جاتا تھا اس کا مالک کامل اور واحد بہاء اللہ تھا اور اس کے مرنے کے بعد وہ اس کے بیٹوں کی ملکیت تھی اس کے متعلق کتاب الاقدس میں لکھا ہے "در تحقیق جو مال خیرات کے لیے وقف کیا جاتا ہے وہ خدا (یعنی بہاء اللہ) کو پہنچتا ہے جو نشانات کا ظاہر کرنیوالا ہے۔ کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ اس میں کسی طرح کا تصرف مطلع وحی الٰہی کی اجازت کے بغیر کرے۔ اور اس کے بعد اس جایئداد پر غصنون کو کامل قبضہ کر لینے کا حق ہوگا۔ (غصنون سے مراد بہاء اللہ کے دونوں بیٹے ہیں جن میں ایک کا نام غصن اعظم اور دوسرے کا غصن اکبر تھا) پھر جب یہ دونوں جہان سے گذر جائیں تو اسوقت یہ جایئداد بیت العدل میں داخل ہوگی بشرطیکہ اس زمانہ تک بیت العدل پورے طور پر مستحکم اور قایم ہو گیا ہو۔ غرض اس طرح تمام مال جو اس خیراتی فنڈ میں خواہ خمس اور خواہ دوسری قسم سے جمع ہوتا تھا وہ اپنی حین حیات بہاء اللہ لیتا رہا پھر جب وہ مر گیا تو اس کے لڑکے حقدار ہو گئے۔ بیعت العدل جس کا ذکر یہاں آیا ہے بہائی قوم کی ایک منتخب جماعت کے زیر اہتمام تھا جو اس کے امین ہوتے تھے۔ اس کا انتظام یہ تھا کہ تمام قصبوں میں جہاں کہیں بابی لوگ موجود تھے بیت العدل کی شاخیں قایم ہونیکا حکم تھا اور مقامی بابیوں میں سے کم از کم آٹھ یا ان سے زیادہ ممبر ایک شاخ کے امین اور مہتمم مقرر کرنیکا فرمان تھا۔ مگر ابھی تک بیت العدل کی بجائے بہاء اللہ کے لڑکوں کا ہی کل جایئداد پر تصرف ہے۔

ہم نے بہائی شریعت کے چند بڑے بڑے قوانین لکھکر اپنے ناظرین کے آگے پیش کر دیے ہیں۔ زیادہ تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس لیے اسی قدر پر اکتفا کیا گیا۔ ہم کو امید ہے کہ ہمارے دوست اسکو دلچسپی سے پڑھیں گے اور حق و باطل میں فرق معلوم کرنیکی کوشش کریں گے۔ بہائی شریعت پر عملدرآمد کرنا تمام بہائی لوگوں کے لیے فرض ہے۔ کتاب الاقدس کے آغاز میں بڑے زور سے اس اصول کو لکھا گیا ہے کہ بہاء اللہ کے دعاوی کا قبول کرنا اور اس کے قوانین پر چلنا دو ایسے لازم و ملزوم امر ہیں کہ اگر ایک کو مانا جائے اور دوسرے پر عمل نہ کیا جائے تو اس کا ماننا بالکل عبث اور بیہودہ ہوتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص یہ مانے کہ بہاء اللہ اپنے دعووں میں صادق ہے اور اس کے قانون پر عمل نہیں کرتا تو اس کا ایسا ایمان اسکو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اس کے قانون پر عمل کرے پر اس کے دعاوی کی تصدیق نہ کرے تو اس کا عمل کرنا بھی اس کے لیے کچھ فائدہ نہیں رکھتا۔ اور جہاں کہیں کوئی امر (حکم) بیان کیا ہے وہاں ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ

گویا وہ حکم الٰہی ہے۔ جس موقع پر نماز پڑھنے کے طریق لکھے ہیں وہاں یہ لکھا ہے کہ "یہ خدا کی حدود ہیں جن کو قلم اعلیٰ نے کتب اور الواح میں رقم کیا ہے۔ خدا کے اوامر و نواہی کو مضبوط پکڑو اور ان لوگوں کی طرح مت بنو جو خود ساختہ قوانین اور رسوم کے پابند ہوتے ہیں۔ اور خدا کے قانون کو پس پشت ڈال چھوڑتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ درحقیقت وہم پرستی میں مبتلا ہوتے ہیں"۔ پھر یہ لکھا ہے "اور راستبازوں اور مخلصوں کو خدا کی حدود میں تمام فرقوں کے لوگوں کے لیے آبحیات اور وہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں ان کے لیے برومندی اور عقل کا چراغ ملتا ہے۔ × × × خبردار رہو کہ تم کسی بات سے پہلو تہی مت کرو جو واضح طور پر الواح میں درج ہو چکی ہے"۔

شاید ناظرین کو معلوم ہوگا کہ بعض مغربی ممالک میں بھی بہائی مذہب لوگوں نے اختیار کر لیا ہے لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ بہاء اللہ تو اپنے مذہب پر چلانے کے لیے اپنی شریعت پر عملدرآمد کا اسقدر زور دیتا ہے کہ گویا اس کے نزدیک جو شخص عامل بالشرع نہ وہ بہائی ہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن جن بابی لوگوں نے یورپ اور امریکہ میں اس مذہب کی اشاعت کی کوششوں کا کام اختیار کیا ہے وہ کبھی کہیں اس بات کا تذکرہ بھی نہیں کرتے کہ بہاء اللہ نے کوئی شریعت بھی مرتب کی تھی۔ اور اس شریعت پر ہر روز عملدرآمد کرنا ہر ایک فرد بہائی کے لیے فرض ہے۔ اور یہ کہ یہ ہدایات ایسی مستحکم اور مستقل ہیں کہ بہاء اللہ نے کہا ہے کہ ہزار سال آئندہ تک ان میں کوئی تغیر اور ترمیم ممکن ہی نہیں۔ بلکہ بعض امور غلط طور پر مشہور ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ بہاء اللہ نے ایک سے زیادہ بیویاں کرنا منع کیا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ انکی سراسر غلط فہمی اور ناواقفیت ہے۔ کیونکہ بہاء اللہ نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ مرد ایک وقت میں دو عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بہاء اللہ کے پیرو اس مذہب کو جہاں جاتے ہیں وہاں کے حالات کے لحاظ سے پیش کرتے ہیں انکو اس سے غرض نہیں کہ وہ حق کو پیش کریں خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے بلکہ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح لوگ انکے مذہب میں داخل ہو جاویں خواہ اس کے اصول اور فروع پر عمل کریں یا نہ کریں۔ مغرب میں اس مذہب کو ایک ایسے اباحتی مذہب کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے۔ کہ جس میں گویا سوائے بہاء اللہ کے ماننے کے اور کوئی پابندی نہیں ہے۔ اور چونکہ امریکہ کے زر پرست اور دنیا میں منہمک لوگ ایسے ہی مذہب کو چاہتے ہیں اس لیے ان میں سے بعض نے اس مذہب کو قبول کر لیا ہے اور انکو مشکل ہی کیا ہے ایک انسان کو خدا تو وہ پہلے ہی مانتے ہیں اب اس دوسرے کو ماننے میں کیا حرج ہے۔ اس کے بعد ہم بہاء اللہ کے دعاوی اور ان دعاوی کے مفروضہ ثبوت پر بحث کریں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

۸- اکتوبر ۱۹۰۶ء (۱) خیر اور نصرت اور فتح انشاء اللہ تعالیٰ۔ (۲) وما منّا الّا له مقام معلوم۔ ترجمہ۔ اور ہم میں سے ہر ایک کے واسطے ایک مقام معلوم ہے۔ (۳) ینصرك رجال نوحی الیهم من السماء۔ ترجمہ۔ تجھے وہ لوگ مدد دیں گے جن کو ہم آسمان سے وحی کریں گے۔ (۴) قد افلح من زکّٰها وقد خاب من دسّٰها۔ ترجمہ۔ اُس نے نجات پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور وہ نامراد ہوا جس نے اُس کو گاڑ دیا۔ (۵) وما کنا معذبین حتّٰی نبعث رسولاً۔ ترجمہ۔ اور ہم کسی بستی پر عذاب نہیں لاتے۔ جب تک کہ اس میں رسول نہ بھیج لیں۔ (۶) حنیف مسیح ۔ ۱۶- اکتوبر ۱۹۰۶ء۔ انّی انا الرحمٰن۔ لا یخزی عبده ولا یُهان۔ عشقك قائمٌ و وصلك دائمٌ۔ ۲۱- اکتوبر ۱۹۰۶ء۔ من عادا ولیًّا لی فکانما خرّ من السماء۔ ترجمہ۔ جس نے میرے ولی کے ساتھ دشمنی کی گویا آسمان سے گرا۔ (۲) انّی موجود فانتظر۔ ترجمہ مَیں موجود ہوں انتظار کر۔ (۳) لا یُهدّ بناءك و توتی من ربّ کریم۔ ترجمہ۔ تیری بنا توڑی نہ جاویگی اور تو رب کریم سے دیا جائیگا۔ (۴) وضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك ورفعنا لك ذکرك۔ فرمایا۔ انّی موجودٌ کا الہام ان لوگوں کے جواب میں معلوم ہوتا ہے جو خدا کے مرسل کے مقابل پر ایسی شوخی اور تکذیب سے پیش آتے ہیں کہ گویا خیال کرتے ہیں کہ خدا موجود نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں موجود ہوں معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر کچھ ہو رہا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ کسقدر بیجا حملے اور حد سے زیادہ زبان درازیاں ہو رہی ہیں۔ (۱) اریك ما اریك و من عجائب ما یرضیك۔ ترجمہ۔ مَیں تجھے دکھاؤنگا جو کچھ دکھاؤنگا اور نیز وہ عجائب باتیں دکھاؤں گا جنسے تو خوش ہوگا۔ (۲) آپکے لڑکا پیدا ہوا ہے (یعنی آیندہ کسی وقت لڑکا پیدا ہوگا) (۳) رُدّ الیها روحها وریحانها۔ یعنی تمہاری بیوی کی طرف تازگی اور تازہ زندگی واپس کی گئی۔ (۴) وامّا ترینّ احداً منهم۔ اور اگر مخالفین یا معترضین میں سے تیرے پاس کوئی آوے (ترینّ کے اسجگہ یہی معنے ہیں) (۵) انّا نبشّرك بغلام حلیم۔ ہم تجھے ایک حلیم لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ (۶) ینزل منزل المبارك ترجمہ۔ وہ مبارک احمد کی شبیہ ہوگا۔ (۷) ساقیا آمدنِ عید مبارک بادت۔ (۸) ان الله مع الذین اتقوا والذین هم محسنون۔ ترجمہ۔ تحقیق اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور نیکی کرتے ہیں۔ فرمایا۔ بعض متوحش خوابیں بھی ہیں جیسا کہ بعض کو قبرستان میں دفن کیا ایک گوسپند مسلوخ دیکھا معلوم نہیں اس کی حقیقت کیا ہے اور کونسا محل ہے۔

۲۶ اور ۲۷ نومبر ۱۹۰۷ء کو خدا تعالیٰ نے مخاطب کرکے فرمایا۔ ساھب لك غلاماً ذکیا۔ رب ھب لی ذریۃ طیبۃ۔ انا نبشرك بغلام اسمہ یحییٰ۔ الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل۔ اخذھم اللہ بقی وحدہ لاشریك معہ۔ قل جاء الحق وزھق الباطل موت قریب۔ ان اللہ یحمل کل حمل۔ من خدمك خدم الناس کلھم۔ ومن اذاك اذی الناس جمیعا۔ آمدن عید مبارک بادت عید تو ہے چاہو کرو یا نہ کرو۔ ترجمہ میں ایک پاک اور پاکیزہ لڑکے کی خوشخبری دیتا ہوں۔ اے میرے خدا پاک اولاد مجھے بخش میں تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتا ہوں جس کا نام یحییٰ ہے (معلوم ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ زندہ رہنے والا) تو دیکھیگا کہ تیرا رب ان مخالفوں سے کیا کریگا جو تیرے معدوم کرنیکے لیے حملے کرتے ہیں خدا انکو پکڑیگا اور یہ خدا کا بندہ اکیلا رہیگا اسکے ساتھ کوئی شریک ہوگا۔ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا یعنی باطل بھاگ جائیگا۔ ایک شخص کی موت قریب ہے خدا ہر ایک بوجھ آپ اٹھائیگا (اسکے معنے ابتک معلوم نہیں ہوئے۔ آیندہ خدا قادر ہے کہ تفصیل ظاہر کردے) جو شخص تیری خدمت کرتا ہے اس نے ایسا کام کیا کہ گویا سارے جہان کی خدمت کی اور جو شخص تجھے دکھ دیتا ہے اس نے ایسا کام کیا کہ گویا ساری دنیا کو دکھ دیا۔ اس کے بعد ایک اور الہام ہے جس کے اظہار کی اجازت نہیں۔ شاید بعد میں اجازت ہو جائے۔ اس کا پہلا فقرہ یہ ہے۔ دیکھ میں ایک نہایت چھپی ہوئی بات پیش کرتا ہوں۔ ۲۰ نومبر ۱۹۰۷ء روز یکشنبہ کو الہام ہوا۔ ایک وبا پڑے گی۔ معلوم نہیں کہ یہ کس قسم کی وبا ہوگی۔

لنگرخانہ:۔ میں تمام احباب اور خصوصاً احمدی انجمنوں کو خصوصیت سے اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ چندہ لنگرخانہ میں بہت کمی واقع ہوگئی ہے۔ اور ادھر علاوہ گرانی نرخ کے کثرت آمد و رفت مہمانان سے اخراجات بہت بڑھ رہے ہیں۔ دسمبر کا جلسہ بھی قریب ہے۔ سب احباب توجہ کریں۔ اور جہانتک استطاعت ہو خاص طور پر اسکے لیے چندہ کریں۔

محمد علی

نقشہ اجرت اشتہارات در رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی و اردو

میعاد	پورا صفحہ		نصف صفحہ		چوتھائی صفحہ	
	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو
سالانہ	للعہ	صہ	دعہ	سہ	دعہ	عہ
ششماہی	دعہ	سہ	دعہ	عہ	عہ	ءعہ
سہ ماہی	دعہ	عہ	عہ	ءعہ	معہ/	سمہ/
ایک دفعہ	معہ/	سمہ/	صہ/	صہ/	ہے/	سے

تمام درخواستیں بنام نائب ناظم میگزین۔ قادیان۔ ضلع گورداسپور آنی چاہییں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۶ — بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۷ء — نمبر ۱۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰- دسمبر ۱۹۰۷ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عام

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کیلیے نہایت ضروری ہے۔ شرح فہرست کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی۔

کتاب	قیمت
انوار اللہ اردو	۸ر
اجرومیہ عربی	۰ر
الذکر یعنی ترجمہ نماز و اسمائے الٰہیہ	۲ر
پارہ الٓمٓ عربی	۲ر
پنج ارکان اسلام - اردو	۱ر
تفسیر جلالین عربی	۸عہ
تفسیر فوز الکبیر - عربی فارسی	۲ر
تقریر جلسہ اہب جینی تقطیع اردو	۲ر
جام شہادت - اردو	۰ر
حمائل مترجم - فارسی	عہ
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر
سلسلہ دینیہ - اردو	۰ر
سلاسل القرأۃ - عربی نمبر۱	۴ر
" " نمبر۲	۸ر
" " نمبر۳	۳ار
" " نمبر۴	۳ار
آریہ دھرم اردو	۴ر
دینیات کا پہلا رسالہ "	۱ر
طریق النجات نمبر۱	۸ر
" " نمبر۲	۷ر
" " نمبر۳	۸ر
" " نمبر۴	۵ار
غسل مصفّٰی - اردو	۸عار
صبر جمیل بر قول خلیل - ایک دلچسپ نظم مولوی خلیل سہارنپوری کے اعتراضوں کے جواب میں	۰ر
قاعدہ عربی اردو	۱ر
قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عـہ
مسلک العارف اردو	۱۰ر
نشان آسمانی "	۲ر
واقعات صحیحہ "	۲ر
یسرنا القرآن حصہ اوّل	۱ر
" " دوم	۱ر
" " سوم	۱ر
ہدیہ ثاقب اردو	۲ر
الہدیٰ عربی	۶ر
الحق لدھیانہ اردو	۶ر
" دہلی "	۸ر
اعجاز احمدی - عربی	۳ر
احسن الکلام اردو	-ر
ابطال الوہیت مسیح "	۱ر
آیات الرحمٰن "	۸ر
دعوت الحق "	۵ر
شرح ترمذی - نمبر۱	۸عہ
شرح ترمذی نمبر۲	۸عہ
احمدی کا من نظم پنجابی	۱ر
براہین احمدیہ حصہ اوّل	۵ر
" " دوم	۴ر
" " سوم	۱۰ر
تذکرۃ الشہادتین اردو	۵ر
" فارسی	۳ر
تحفہ قیصرہ اردو	۲ر
تحفۃ الندوہ "	۰ر
تقریریں "	۲ر
تقریروں کا مجموعہ "	۳ر
سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب "	۲ر
جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ "	۶ر
حمامۃ البشریٰ حصہ اول عربی	۸ر
حجۃ الاسلام اردو	۱ر
خطوط شیعہ کا جواب "	۲ر
خطبہ الہامیہ عربی مع ترجمہ فارسی اردو	عہ
خلافت راشدہ حصہ اوّل اردو	۸ر
" " دوم "	۴ر
خزینۃ المعارف حصہ اوّل دوم	۴ر
" " سوم و چہارم	۸ر
اعلام الناس حصہ دوم	۴ر
دعوت دہلی اردو	۱۰ر
دعوت الندوہ "	۱۰ر
راز حقیقت "	۱ر
براہین احمدیہ حصہ چہارم*	عاـ
مکمل براہین احمدیہ اردو	۳ روپے
سرمہ چشم آریہ اردو	۱۲ر
مکتوبات و خطبات محمدیہ - رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط اور خطبے بڑی محنت سے جمع کر کے اردو میں ترجمہ کیے گئے ہیں۔	۴ر
شہادۃ القرآن اردو	۴ر
صیان القرآن "	۳ر
کشف الغطاء "	۲ر
لغات القرآن حصہ اوّل	عہ
" حصہ دوم	عہ
لیکچر سیالکوٹ اردو	۱ر
" لاہور مہوتسو "	۴ر
مشکوٰۃ الانوار عربی	۴ر
مواہب الرحمٰن "	۴ر
مبادی الصرف	۱ر
نسیم دعوت اردو	۳ر
نور القرآن حصہ اوّل "	۲ر
" " دوم "	۴ر
ہدیہ سعدیہ عربی	۲ر
فضل حق اردو	۱ر
سیرۃ المسیح "	۸ر
آسمانی فیصلہ "	۲ر
دافع البلاء "	۱ر
غنیۃ الطالب - عربی	عہ
شفاء السقام "	عہ
ست بچن اردو	۱۰ر

نوٹ - ان قیمتوں میں محصولڈاک شامل نہیں۔

* براہین احمدیہ کا حصّہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑی اہتمام سے

تمام خط و کتابت ان کتابوں کے متعلق دفتر میگزین قادیان سے ہونی چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن کریم کی حفاظت

۱۰ مسئلہ ناسخ و منسوخ

ہم پہلے نمبر و نمبر میں یہ امر ثابت کر آئے ہیں کہ سارے مجموعہ احادیث میں آنحضرت سرور کائنات صلعم سے ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس میں صراحتًہ تو درکنار کنایۃً ہی اتنا لکھا ہو کہ قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت بھی موجود ہے جو منسوخ ہو۔ یا یہ امر مذکور ہو کہ قرآن کریم میں پہلے ایک یا کئی آیتیں مندرج تھیں لیکن بعد میں منسوخ ہوجانیکی وجہ سے انکو اس میں سے خارج کر دیا گیا۔ یعنی کسی صحیح حدیث میں (جو آنحضرت صلعم تک پہنچتی ہو) یہ نہیں لکھا کہ قرآن مجید کے اندر کوئی ایک بھی آیت موجود ہے جو لفظًا یا معنًا منسوخ ہو چکی ہو۔ اور نہ ہی کوئی ایسی صحیح حدیث اس بات کی مقر اور مؤید ہے کہ آنحضرت صلعم پر ایسے احکام کسی وقت نازل ہوئے تھے جو جزو قرآن تھے اور قرآن میں شامل کر دیئے گئے تھے اور پھر کچھ عرصہ بعد وہ منسوخ ہوگئے اور قرآن سے نکالدیئے گئے اس میں شک نہیں کہ بعض حدیثیں اس قسم کی موجود ضرور ہیں جن میں لکھا ہے کہ بعض صحابہؓ بعض آیات قرآنی کو منسوخ خیال کرتے تھے۔ لیکن اس قسم کے خیالات حقیقت میں آنحضرت صلعم کے قول و فعل سے ماخوذ نہ تھے بلکہ ان کے اپنے شخصی قیاس اور خیالات تھے۔ اور ان کی اپنی سمجھ پر مبنی تھے۔ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اس بات کو بیان کرکے ہم گویا صحابہؓ کی شان اور عزت پر ہاتھ مارنا چاہتے ہیں۔ ہم سچے دل سے انکی وہی عزت کرتے ہیں جو انکا حق ہے۔ وہ پاکباز لوگ خدا کے لیے ساری دنیا سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اور ہر ایک ذلت اور دکھ کو انہوں نے اس کے لیے برداشت کیا تھا۔ وہ سچے جاں نثار اور صادق مخلص تھے اور آنحضرت صلعم کے پکّے فدائی اور دین کے خدمتگذار تھے۔ انہیں کی کوششوں سے آج روئے زمین پر دین پھیلا ہوا ہے۔ وہ خدا سے راضی اور خدا ان سے راضی ہوا۔ اے خدا تو اس مقدس قوم صحابہؓ پر بے شمار رحمتیں نازل فرما! لیکن اسلام نے ہم کو شخصیت پرستی کی تعلیم نہیں دی کہ ہم کسی کی ذاتی عزت کی خاطر خدا کے دین کی کسی بات کو چھپائے رکھیں۔ پھر ان لوگوں کی عزت ہی محض دینی عزت ہی۔ اور یہی انکی ابدی زندگی پر دال ہے۔ اس لیے ہم ان تمام امور میں ان کی اتباع کرتے ہیں جو انہوں نے آنحضرت صلعم سے

سیکھ کر سن کر۔ اور ان کو عمل کرتے دیکھکر خود اختیار کیے۔ انپر ایمان لائے اور اپنے اعمال میں داخل کیا۔ اور اپنی قولی اور فعلی زندگیوں سے ہمیں ان کے اختیار کرنے اور انپر ایمان لانیکا سبق دیکر پابند کیا۔ ہم ان کی تمام خوبیوں کی اتباع اپنے اوپر واجب جانتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ہم ان کو بشر مانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ نبیوں کی طرح معصوم نہ تھے۔ اور کسی غلطی کا ان میں سے کسی کے عقیدہ میں راہ پاجانا ناممکن نہ تھا۔ چنانچہ ان میں باہمی اختلاف........

........بھی ہوتے تھے۔ اور وہ ایک دوسرے کی رائے کا خلاف بھی کرتے تھے اور ان کے اجتہادوں میں بھی اختلاف واقع ہو جاتے تھے۔ اس لیے محض کسی صحابی کا قول کسی دینی امر میں ایسی حجت نہیں کہ جس کی تردید ہم قرآن شریف یا حدیث صحیح سے نہ کرسکیں۔ لیکن اگر کسی ایسے امر پر جسکی سند خدا و رسول سے نہ ہو اول صحابہؓ متفق ہوں اور اکثر دوسرے ایسے امر کے عملدرآمد یا اظہار پر خاموش ہوں تو اسکو بھی ماننا ہم اپنی ذمہ واری میں داخل سمجھتے ہیں۔ لیکن جہاں کسی ایسے امر میں ایک صحابی کے ساتھ کوئی دوسرا صحابی متفق نہ ہو۔ اور اس امر میں دین الٰہی میں حرج صریح ظاہر ہو تو اس حالت میں ہم بغیر دلایل کے ایک بات کو تسلیم نہیں کر سکتے ہاں یہ بات درست ہے کہ وہ لوگ دین خدا اور کلام الٰہی کو بوجہ مصاحبت آنحضرت صلعم بہت زیادہ سمجھتے تھے۔ لیکن اس بات کی مخالفت کوئی بھی نہیں کرسکتا کہ وہ بشر تھے اور بشریت سے جدا نہ تھے۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ بجز رسول خدا کے دین کی کامل جزئیات پر کوئی شخص پورے طور سے حاوی ہو۔ ہم مثال کے طور پر اسی مسئلہ ناسخ و منسوخ کو پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کا نشان نہ تو قرآن شریف میں پایا جاتا ہے اور نہ آنحضرت صلعم سے کوئی ذرہ اسکی نسبت نظر آتا ہے۔ بلکہ جس کسی ایک آیت پر کسی ایک صحابی کو اس کے منسوخ ہونیکا خیال پیدا ہوا تو اس کے ساتھ کمتر ہی کوئی دوسرا صحابی متفق ہوا بلکہ ایک آیت کو ایک صحابی نے منسوخ سمجھا تو دوسرے نے اس کی تردید کی اور معنوں میں تطبیق کر کے دکھائی۔ پھر ایسا قول جس میں کسی آیت کو منسوخ کہا گیا ہے اگر حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ کا ہوتا تو بھی کوئی بات ہوتی۔ علاوہ ازیں یہ بھی مقام غور ہے کہ قرآن مجید وہ کتاب ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ اور انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون یعنی یہ قرآن مجید لوح میں محفوظ ہے اور اس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کو ایسی بڑی غیرت ہے کہ کسی بشر کو اس کے لیے اہل نہ بنایا۔ اور نہ کسی غیر پر اس کی حفاظت کا ذمہ ڈالا۔ بلکہ خود اس سرکار احدیت مدار غفار ستار نے اس مقدس و مجید قرآن کی حفاظت اپنے حی و قیوم ہاتھ میں رکھی۔ اصل بات صرف اسقدر ہے کہ بعض آیات کے معنوں میں تطبیق سے عاجز آکر کسی صحابی نے یہ بھی خیال کرلیا کہ ان میں سے ایک آیت منسوخ ہو چکی ہے اور اس بات کی طرف توجہ نہیں کی کہ اس سے کس قدر نقص لازم آتے ہیں۔

ناسخ و منسوخ کے قائل اپنے دعویٰ کی دلیل میں دو آیتیں قرآن کریم کی پیش کرتے ہیں اس حصہ مضمون میں ہم انہی دونوں آیتوں کے معنوں پر بحث کریں گے اور یہ دکھائیں گے کہ ان آیات سے قرآن کریم میں نسخ کا استدلال پکڑنے میں کیسی غلطی کی گئی ہے

وہ آیات یہ ہیں۔ (۱) ما ننسخ من اٰیة او ننسها نأت بخیر منها او مثلها۔ الم تعلم ان اللہ علی کل شیئ قدیر۔ ترجمہ۔ جو آیت ہم منسوخ کرتے یا فراموش کراتے ہیں اس کی بجائے یا تو اس سے بہتر اور یا اس جیسی آیت لاتے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر شئے پر بڑا قادر ہے۔ (۲) و اذا بدلنا اٰیة مکان اٰیة واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثرھم لا یعلمون۔ ترجمہ۔ اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ بدلتے ہیں۔ اور خدا خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم مفتری ہو (مگر ایسا نہیں) بلکہ اکثر ان میں ایسے ہیں جو کچھ بھی نہیں جانتے۔ یہی دو آیتیں ہیں جو مسئلہ ناسخ و منسوخ کے حامی اپنی حمایت اور تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اور انکے معنے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان دونوں میں قرآن شریف کی آیتوں کا بدلنا یعنی منسوخ ہونا مراد ہے۔ لیکن سیاق و سباق کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے جو معنے اختیار کیے ہیں وہ صحیح نہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں لفظ آیت متنازعہ فیہ ہے۔ اگرچہ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ آیت سے مراد صرف قرآن شریف کے جملے یا قرآن شریف کی آیات ہیں لیکن دراصل اس کے معنے اسی حد تک محدود نہیں۔ یہ لفظ وسیع المعانی ہے۔ آیت کے اصل معنے علامت کے ہیں۔ اور آیت قرآن سے مراد اس قدر حصہ کلام الٰہی کا ہے جس پر کلام منقطع ہوتا ہو۔ اور اسی طرح یہ لفظ آیت کبھی دوسری کلام یا کتب الٰہی کی آیات کو ظاہر کرتا ہے اور آیت سے مراد حکم بھی ہے خواہ وہ حکم ایک ہی آیت قرآنی میں ہو یا کسی سورۃ کی ایک فصل یا زیادہ فصلوں میں ہو اور آیت کے معنے رسالت کے بھی ہیں۔ اور معجزہ بھی اس کے معنے ہیں۔

اس بحث میں امر تنقیح طلب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں لفظ آیت کے کیا معنے ہیں؟ اوّل ہم یہی فرض کرتے ہیں کہ اس جگہ یعنی مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں لفظ آیت سے مراد قرآن کریم کی آیات یا جملے ہی ہیں اب دونوں جگہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ ایک آیت کو منسوخ کرکے یا اسکو بدل کر اس کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں پس آیت سے مراد آیت قرآنی لیکر بھی نتیجہ صرف یہ نکلتا ہے کہ ان دونوں مقاموں میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بیان فرمایا ہے کہ کوئی آیت منسوخ اسطرح پر ہوتی ہے کہ اس کی جگہ ایک دوسری آیت بھیجدی جاتی ہے۔ پس ان معنوں کی رو سے اس صحیفہ مبارک میں جو ہمارے ہاتھوں میں ہے کوئی آیت منسوخ موجود نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر کوئی آیت بفرض محال منسوخ بھی ہوئی تو وہ منسوخ شدہ آیت قرآن کریم میں باقی نہیں بلکہ اس کی جگہ ایک دوسری آیت نازل فرمائی گئی۔ پس بہرحال یہ تو ماننا پڑا کہ خواہ کچھ ہی معنے لفظ آیت کے لیے جائیں یہ خیال کہ قرآن شریف میں کچھ منسوخ آیتیں موجود ہیں بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ اب اگر ایسی کوئی منسوخ آیتیں تھیں تو حدیث صحیح سے ہی انکا پتہ لگنا چاہیئے۔ مگر جیسا کہ ہم گذشتہ مضمون میں بسط اور تفصیل کے ساتھ دکھا چکے ہیں کسی صحیح حدیث سے کسی ایسی آیت قرآنی کا پتہ نہیں لگتا جو پہلے قرآن کریم کے اندر درج تھی اور بعد میں منسوخ کرکے نکال دی گئی اور اس کی جگہ ایک دوسری آیت نازل کر دی گئی پس معلوم ہوا کہ صحیح حدیث لفظ آیت کے ان معنوں کی تائید نہیں کرتی جو ہم نے بغرض دلیل تسلیم کر لیے تھے۔ کیونکہ اگر کچھ آیات منسوخ ہوئیں تو ضرور صحیح احادیث میں کوئی نہ کوئی تذکرہ اس قسم کا موجود ہوتا کہ فلاں آیت قرآنی فلاں وقت منسوخ

ہو کر اس کی بجائے فلاں آیت نازل ہوئی۔ اس لیے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ مراد آیت قرآنی لینا درست نہیں۔

اس کے ماسوا ان دونوں آیتوں کے یہ معنے جو مؤید نسخ آیات قرآنی سمجھے جاتے ہیں سیاق و سباق اور ربط وضبط عبارت و مضمون سے بھی غیر صحیح قرار پاتے ہیں۔ مثلاً پہلے اگر آیت ما ننسخ من اٰیۃ الخ ہی لی جائے جو پارہ اول کے تیسرے ربع کے اخیر میں ہے تو وہاں اس سے پہلے جو آیت واقع ہے اس میں یہودیوں کی عداوت کا مذکور ہے اور ان کے اس خیال کی تغلیط درج ہے کہ الہام بجز بنی اسرائیل کے کسی اور کو نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح اس کے بعد کی آیتوں میں بھی اسی قسم کا مضمون درج ہے۔ پھر دوسری آیت جو اس مسئلہ کی تائید میں پیش کی جاتی ہے و اذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ الخ (النحل ع) اس آیت کو بھی اگر بغور دیکھا جائے تو ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ ایک نئے رکوع کی ابتدائی آیت ہے۔ اور اس کے بعد کی متصلہ آیات میں یہ مضمون چلتا ہے کہ قرآن شریف خدا کی طرف سے ضرورت حقہ کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ آنحضرت صلعم کا خود ساختہ اور تصنیف کردہ کلام نہیں۔ گویا مضمون مابعد سے یہ امر کسی طرح پایا نہیں جاتا کہ یہاں آیت کے بدلنے سے مراد قرآنی آیت ہے۔

اب ہم لفظ آیت کے وہ صحیح معنے دریافت کرنے کی کوشش کریں گے کہ جو سیاق و سباق آیات کے لحاظ سے بھی صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ اس غرض کے لیے ہم آیت زیر بحث کے ساتھ ماقبل یا مابعد کی چند آیات کو بھی نقل کرتے ہیں تاکہ تمام آیات پر یکجائی نظر کرنے سے اصل معنوں پر روشنی پڑے۔ ہم اس طریق کو اس ترتیب سے شروع کرتے ہیں کہ ان دونوں میں سے جو آیت پہلے آئی ہے اسے پہلے لکھتے ہیں اور جو بعد میں آئی ہے اس کو پیچھے لکھتے ہیں۔ چنانچہ ہم آیت ما ننسخ من اٰیۃ الخ کو پہلے لیتے ہیں۔ سو واضح رہے کہ یہ آیت سورۃ البقرہ ع کی تیسری آیت ہے اور پہلے پارہ میں ہے۔ (۱) ما یود الذین کفروا من اھل الکتٰب و لا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم ؕ و اللہ یختص برحمتہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم۔ ترجمہ۔ جو لوگ اہل کتاب میں سے منکر ہیں نہ تو وہ ہی دل سے چاہتے ہیں۔ اور نہ ہی جو لوگ مشرک ہیں پسند کرتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب سے کچھ نیک بات اترے۔ اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص بنا دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (۲) ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا ؕ الم تعلم ان اللہ علی کل شئ قدیر۔ ترجمہ۔ جو منسوخ کرتے ہیں ہم کسی آیت میں سے یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو پہنچا دیتے ہیں ہم اس سے بہتر یا اس جیسی۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۳) الم تعلم ان اللہ لہ ملک السمٰوات و الارض ؕ و ما لکم من دون اللہ من ولی و لا نصیر۔ ترجمہ۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ اور اللہ کے سوائے تمہارا کوئی حامی اور مددگار نہیں۔ (۴) ام تریدون ان تسئلوا رسولکم کما سئل موسیٰ من قبل ؕ و من یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سواء السبیل۔ ترجمہ۔ اے مسلمانو! کیا تم بھی چاہتے ہو کہ سوال

شروع کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے ہیں پہلے موسیٰ سے اور جو کوئی کفر کو ایمان کے بدلے لیوے وہ بھولا سیدھے راہ سے۔ (۵) ودّ کثیرٌ من اهل الکتٰب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارًا حسدًا من عند انفسهم من بعد ما تبین لهم الحق فاعفوا و اصفحوا حتّٰی یاتی اللّٰه بامرهٖ ان اللّٰه علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ اہل کتاب میں سے بہتوں کا دل یہی چاہتا ہے کہ تم کو ایمان لانیکے بعد مرتد کرکے کافر بنادیں اپنے نفسوں ہی کے حسد سے۔ بعد اس کے کہ کھل چکا انپر حق سو تم درگذر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب تک کہ لاوے اللہ اپنے امر کو تحقیق اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ مفسرین میں سے جو لوگ اس عقیدۂ ناسخ و منسوخ پر قایم ہوئے ہیں وہ یہ لکھتے ہیں کہ آیت زیر بحث اُس وقت نازل ہوئی تھی جب یہودی لوگ اس ناسخ و منسوخ کے عقیدہ کی مذمت میں حد سے تجاوز کر گئے تھے۔ پھر آیت ان کے طعن و تشنیع کے جواب میں نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ اس کی تائید میں وہ ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ "یہودی لوگ مسلمانوں کو سخت طعن و تشنیع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ تم کو ایک کام کا حکم سناتا ہے اور پھر اسی حکم کردہ کام سے ممانعت کرتا ہے۔ اور پہلے حکم کے برخلاف ایک نیا حکم دیدیتا ہے۔ وہ ایک بات آج کہتا ہے اور دوسرے دن ہی اس کو بدل ڈالتا ہے" دراصل ایک یہی حدیث ہے جس کو مدنظر رکھکر ان لوگوں نے اس آیت کے یہ معنے سمجھ رکھے ہیں کہ گویا اس سے قرآن شریف کی آیات کا منسوخ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح شان نزول کے متعلق بہت سی احادیث قابل اعتبار نہیں یہی حال اس حدیث کا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مسئلہ ناسخ و منسوخ کا عقیدہ دل میں جاکر پھر اسپر حدیثی ثبوت کا رنگ چڑھانے کے لیے یہ حدیث بنائی گئی ہے کیونکہ یہ واقعہ ہی غلط معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے ناسخ و منسوخ اوامر و نواہی کے متعلق مسلمانوں کو طعن و تشنیع کیا ہو۔ وہ خود ہی عقیدہ ناسخ و منسوخ کا رکھتے تھے اور اس کو عیب نہ جانتے تھے۔ ایسی حالت میں ان کی زبانِ تشنیع کیسے کھل سکتی تھی۔ نہ تو ان کے طریق و راہ رسم سے ہی ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ مسئلہ ناسخ و منسوخ کے متعلق مسلمانوں پر طعن کرتے اور نہ ہی تاریخی شہادت اس بات کو ثابت کرتی ہے۔ اس کے ماسوا جبکہ قرآن کی کوئی آیت کبھی منسوخ نہ ہوئی ہو اور کوئی آیت ناسخ نہ بنی ہو۔ تو کونسا موقعہ ایسا سمجھا جاسکتا ہے کہ جس میں یہودیوں کے دلوں میں مسلمانوں کو اس مسئلہ کے بارہ میں تشنیع کرنیکا خیال پیدا ہوسکتا۔ اور اگر بالفرض کوئی آیت یا آیات قرآنی واقع میں منسوخ اور ناسخ ہوتیں تو بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کیونکر یہودی لوگ جو خود ہی اس کے ملزم تھے مسلمانوں کو اسی الزام کا تختۂ مشق بناتے۔ شاید کسی کے دل میں یہ گذرے کہ اس بات کا ثبوت ہی کیا ہے کہ یہودی مسئلہ ناسخ و منسوخ کے قائل تھے۔ سو واضح رہے کہ یہ بات ایسی صریح الثبوت ہے کہ جسپر کوئی شک وارد ہو ہی نہیں سکتا۔ ہم نے صرف قیاسی طور پر یہ بات نہیں لکھی۔ ہمارے پاس کافی شہادت اس بات کے ثبوت میں موجود ہے۔ غالباً ہمارے ناظرین جانتے ہوں گے کہ یہودیوں کی مسلّم اور مستند دینی کتاب طالمود ہے۔ جس میں موسوی شریعت کے احکام مندرج ہیں اور جو ان لوگوں کی اکثر

مسائل شرعیہ میں رہنما کتاب ہے۔ اور جس پر قریباً تمام یہودیوں کا اتفاق ہے۔ اس کتاب میں ناسخ و منسوخ کے عقیدہ کی تعلیم موجود ہے۔ چنانچہ راڈول ایک فاضل عیسائی جس نے قرآن شریف کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس نے جہاں آیت زیر بحث کا ترجمہ کیا ہے وہاں اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ "مسئلہ ناسخ و منسوخ کی تعلیم طالمود میں بھی موجود ہے" یہ غور کا مقام ہے کہ حدیث مذکورہ بالا کی بنا تو صرف اس بات پر ہے کہ یہودی لوگ مسئلہ ناسخ و منسوخ کے متعلق مسلمانوں کو ملزم کیا کرتے تھے۔ لیکن ہم نے اوپر واضح کر دیا ہے کہ یہودی آپ ہی اس مسئلہ کے قائل اور سخت حامی تھے۔ اور انکی اعلیٰ درجہ کی کتب میں اس مسئلہ کی بڑے زور سے تعلیم دی گئی تھی۔ ان کی نسبت یہ گمان کرنا کہ گویا وہ مسلمانوں کو اس مسئلہ کے لیے طعن کیا کرتے تھے صریح غلطی ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے جب ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ کے اوراق میں اس کی کہیں شہادت ہی نہیں تو پھر ایسے گمان کا بطلان اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔ اب یہ حدیث جو اس آیت کے لیے گویا بطور شان نزول پیش کی جاتی ہے اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ قرآن کریم کی آیات میں اس کثرت سے تنسیخ و ترمیم ہوتی تھی کہ بعض احکام جو آج لوگوں میں شایع کیے گئے دوسرے دن ہی ان کو منسوخ کر ڈالا گیا۔ اور ان کی بجائے نئے اوامر بھیجے گئے۔ اگر فی الواقعہ قرآن شریف کی آیات اسی طرح منسوخ اور مرمم ہوتی تھیں جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے تو کیا پھر بھی ایک حدیث ایسے اہم اور ضروری امر پر وارد ہوتی جو ایسی کثرت سے واقع ہوتا تھا۔ بلکہ یہ ضرور تھا کہ اس کے متعلق اور بھی بہت ساری حدیثیں ہوتیں۔ اور صحیح حدیثوں میں اس کا مذکور ضرور ہوتا۔ لیکن ساری اسلامی کتب میں آنحضرت صلعم سے ایک حدیث بھی ایسی پائی نہیں جاتی جس میں لکھا ہو کہ قرآن شریف کی کوئی آیت منسوخ ہو گئی تھی۔ جب اس بات پر غور کیا جاتا ہے کہ کوئی ایک بھی ایسی حدیث نہیں جو کسی قرآنی آیت کے منسوخ ہونیکی تائید کرتی ہو۔ تو فوراً یہ قیاس غالب ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث ہی وضعی اور جھوٹی ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ آنحضرت صلعم قرآن کریم کی آیات اور امر کو آئے دن منسوخ اور ترمیم کرتے رہتے ہوں۔ اور اس کا ذکر کسی حدیث میں نہ ہو۔

یہانتک تو ہم نے آیت زیر بحث کے شان نزول کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اب ہم اس کے صحیح مفہوم کے دریافت کرنیکی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس کے سیاق و سباق سے ثابت ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت قرآن شریف میں قوم ہے اس میں ان یہودیوں کا حال خصوصیت کے ساتھ لکھا ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیتوں میں آیا ہے کہ وہ صرف اسی وحی یعنی کتاب منزل من اللہ کو مانتے تھے جو انپر یعنی بنی اسرائیلی نبیوں پر نازل ہوئی تھی۔ اور آنحضرت صلعم کی وحی سے منکر تھے۔ غرض اوپر یہودیوں کے تعصب اپنے خود پسندی اور غرور کا ذکر ہے اور دکھایا گیا ہے کہ یہ لوگ ایسے تنگ ظرف اور کوتاہ نظر ہیں۔ اور خدا کی خدائی کو ایسا محدود اور محصور سمجھتے ہیں اور اُس کو ایسا قوم پرست اور طرفدار جانتے ہیں کہ سوائے ان کی قوم بنی اسرائیل کے الہام الٰہی کے نزول کے لیے کسی غیر بنی اسرائیل کو اہل ہی نہیں سمجھتا۔ اور کسی کو بجز یہودی نبیوں کے وہ الہام کے شرف سے مشرف نہیں فرماتا اور کسی غیر بنی اسرائیل کو اس عزت سے ممتاز نہیں فرماتا۔ وہ

لوگ اس عقیدہ میں ایسے غالی ہو گئے تھے کہ آنحضرت صلعم کی وحی کے بھی منکر تھے۔ ان لوگوں نے الہام الٰہی کو اسرائیلی گھرانے کے لیے پیٹنٹ سمجھ رکھا تھا۔ اور یہ دیکھ ہی نہ سکتے تھے کہ کوئی غیر اسرائیلی وحی الٰہی کا شرف پائے۔ ان کے دل چاہتے ہی نہ تھے کہ کوئی بھلائی کسی دوسرے کو نصیب ہو۔ اور کوئی شرف کسی غیر اسرائیل کو حاصل ہو۔ چنانچہ اس کے بعد کی آیت میں انکے دلوں کی حالت بیان کی گئی ہے کہ "وہ دل سے چاہتے ہی نہیں کہ کوئی بھلائی تم کو پہنچے"۔ یعنی تمھیں بھی الہام الٰہی کی عزت ملے۔ درصل جس لفظ کا ترجمہ ہم نے بھلائی کیا ہے وہ قرآن شریف کی آیت میں لفظ خیر ہے۔ خیر کے معنے ہی اس جگہ وحی الٰہی کے ہیں۔ اور یہی معنے لفظ رحمت کے ہیں۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء کے معنے یہ ہیں کہ خدا جس شخص کو پسند کرتا ہے اپنے فیضان وحی سے مستفیض کرنیکے لیے مخصوص اور منتخب کر لیتا ہے۔ یہی معنے سیاق و سباق عبارت سے سمجھ میں آتے ہیں اور اسی پر مفسرین کا اتفاق ہے۔ اہل کتاب کو نفس وحی تو بُرا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اُنہیں تو یہ بات ناگوار گذرتی تھی کہ آنحضرت صلعم جو اسمٰعیلی ہیں اس شرف سے کیوں مشرف ہوئے۔ چنانچہ امام رازی بھی یہی معنے اسجگہ لکھتے ہیں کہ انکو یہ بات نہ بھاتی تھی کہ تم یعنی اہل عرب جو بنی اسمٰعیل ہیں اس فیضان عظیم سے ممتاز ہوں۔ بلکہ اس کا حق بنی اسرائیل کے لیے مخصوص اور پیٹنٹ رہنا چاہیے تھا۔ غرض اس قسم کے واقعات اسوقت بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل میں پیدا ہو رہے تھے۔ اور بنی اسرائیل اپنے سروں میں یہی گھمنڈ لیے بیٹھے تھے کہ ہماری قوم ہی ہمیشہ کے لیے مکالمہ اور الہام الٰہی کے شرف کے لیے مخصوص ہے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ اس فضل کے اہل نہ رہے تھے۔ خدا نے ایک اور قوم کو مختص اور ممتاز کر لیا تھا۔ اور آیت ماننسخ من اٰیۃ الخ میں اس بات کا کھلے طور سے ذکر کر دیا کہ یہودی لوگ جو اس قدر رگیں پھلا پھلا کر کہہ رہے ہیں کہ اس فضل الٰہی کا سوائے ہماری قوم کے کسی کو حق ہی نہیں پہنچتا۔ یہ بات انکی غلط اور باطل ہے۔ ہم تو جب چاہتے ہیں کسی شریعت کو منسوخ کر دیتے ہیں اور اس کی یاد ہی دنیا سے اُٹھا دیتے ہیں اور اس کی بجائے ویسا ہی سلسلہ یا اس سے بھی بہتر سلسلہ قایم کر دیتے ہیں۔ یہ ایک طبعی سلسلۂ حالات سے جس کو آیت مذکورہ بالا نے اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے۔ کہ ہم نے بنی اسرائیل کے سوا ایک اور قوم میں اہلیت دیکھکر ان کو شرف الہام سے ممتاز کیا ہے اور بنی اسرائیل کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہے یہانتک کہ ان کی شریعت کی بجائے نئی شریعت دیدی ہے۔ اسے پہلی آیت میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل جو یہ گمان پکائے بیٹھے ہیں کہ ان کی قوم سے باہر کوئی شخص مکالمہ و مخاطبہ الٰہی سے مشرف نہیں ہو سکتا یہ ان کی غلطی ہے خدا تو اپنے بندوں میں سے بلا قید قومیت جسے چاہتا ہے اسے اس فیض عظیم کے لیے چُن لیتا ہے۔ یہ آیات بنی اسرائیل کی غلط خیالیوں کو رفع کرنے اور ان کے اعتراضوں کا جواب دینے اور فضل الٰہی کا کسی قوم سے مخصوص نہ ہونے بلکہ یہ ظاہر کرنیکے لیے نازل ہوئیں کہ خدا رب العالمین ہے اُس کا فضل عام ہے جسے چاہتا ہے اس کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ جب اُنکی غلطی کا اسطرح ازالہ واللہ یختص برحمتہ من یشاء کے ساتھ کیا گیا۔ اور اُن کو کھول کر بتا یا گیا کہ آنحضور سرورکائنات صلعم اور انکی

امت کو اللہ تعالیٰ نے اس فضل عظیم کے لیے مختص اور منتخب کر لیا ہے۔ تو پھر یہ بات واضح کرنی ضروری تھی کہ جس شریعت (موسوی)، پر ان کو ناز ہے وہ شریعت بھی منسوخ کر دی گئی۔ اور اس کی بجائے شریعت محمدی نازل کی گئی۔ اور یہ بات بیان فرمائی کہ ہم نے شریعت کو یونہی بیفایدہ منسوخ نہیں کیا۔ بلکہ ہم جب آیت کو منسوخ کرتے یا فراموش کراتے ہیں تو اس کی بجائے ضرور اس سے بہتر یا کم از کم اس جیسی آیت نازل کر دیتے ہیں۔ غرض آیت ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا الخ میں آیت کے معنے شریعت ثابت ہوتے ہیں اور جس شریعت کے منسوخ ہونے کی طرف اشارہ ہے وہ شریعت موسوی ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں ناسخ آیات کے دو درجے رکھے گئے ہیں۔ پہلا درجہ تو یہ ہے کہ جو آیت منسوخ یا فراموش کرائی جاتی ہے اس کی بجائے اس سے بہتر آیت نازل کی جاتی ہے۔ اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس آیت کی بجائے اس جیسی آیت نازل ہوتی ہے۔ لفظ آیت جو اس مقام پر واقع ہوا ہے اس کے معنوں کو زیادہ وضاحت سے سمجھنے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اگر ہم اس جگہ اس سے قرآنی آیت ہی مراد لیں تو اس ایک آیت کو منسوخ کرکے اس کی جگہ ویسی ہی دوسری آیت بھیجنے سے کیا مطلب ہوا؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک بے معنی سی بات ہو جاتی ہے کہ خدا ایک آیت قرآنی نازل فرماتا ہے پھر اس کو منسوخ کرکے اس جیسی ایک اور آیت نازل کرتا ہے۔ لیکن اگر آیت سے مراد اس جگہ پہلی شریعت کو لیا جاوے تو یہ دقت نہیں رہتی اور آیت کے معنے واضح ہو جاتے ہیں۔ قرآنی احکام موسوی شریعت کے لحاظ سے دو قسم کے کہلا سکتے ہیں۔ اول ایسے احکام جنہوں نے پہلے احکام کو منسوخ کیا اور ان کی بجائے ان سے بہتر احکام دیئے اور دوسرے ایسے احکام جن کو منسوخ کرکے ان جیسے احکام نازل فرمائے۔ پہلی قسم کے احکام تو ایک ظاہر بات ہے شریعت موسوی میں بلحاظ ضروریات زمانہ اور قوم کے ایک خاص حکم دیا گیا تھا اب ان ضروریات کے بدل جانے سے اللہ تعالیٰ نے اس کی بجائے ایک بہتر حکم نازل کیا جو ہمیشہ کے لیے اور ہر حال پر حاوی ہے۔ مگر شریعت موسوی میں ایسے احکام بھی تھے جو ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے ہو سکتے تھے پس ایسے احکام کو خدا نے شریعت قرآنی میں بھی رکھا جیسے قرآن شریف میں لکھا ہے یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم۔ یعنی اے ایمان والو تم پر روزہ اسی طرح واجب کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر واجب تھا جو تم سے پہلے تھے جس کا مطلب یہی ہے کہ جیسے پہلی شریعت (موسوی) پر چلنے والوں کے لیے واجب تھا ویسے ہی مسلمانوں پر بھی روزہ واجب کیا گیا ہے پس جب شریعت موسوی منسوخ ہوئی تو جو احکام اس میں ایسے تھے جو ہمیشہ کیلئے ہر زمانہ پر چلوی ہونے چاہئیں ان کی مثل قرآن کریم میں احکام نازل فرمائے گئے۔ اس طرح سے ان الفاظ کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ ہم ایک آیت کو منسوخ کرکے اس کی جگہ اس سے بہتر یا ایسی ہی آیت نازل کرتے ہیں لیکن اگر آیت کے یہ معنے نہ لیے جائیں تو یہ فقرہ بے معنی ہوا جاتا ہے۔

اس امر پر زیادہ روشنی ڈالنے کے لیے ہم اسجگہ پر شریعت موسوی کی حقیقت پر ذرا غور کرتے ہیں۔ یہ شریعت بھی الٰہی شریعت تھی جو وحی الٰہی کے ذریعہ سے قایم ہوئی تھی۔ اس کی بنا دو حصوں پر تھی۔ ایک حصہ تو اس میں ایسے احکام تھے جو عالمگیر اور مستقل تھے اور دوسرے حصہ میں مختص القوم اور مختص الزمان احکام تھے۔ یعنی اس شریعت میں بعض احکام ایسے تھے جنپر تمام دنیا کے لوگ ہمیشہ اور مستقل طور پر عملدرآمد کر سکتے تھے۔ اور اکثر احکام وہ تھے جو بنی اسرائیل کے لیے مخصوص تھے اور جن پر ان حالات کے روسے عمل کرنا اُنپر مؤکد کیا گیا تھا۔ جو اُنپر مقامی اور زمانی ضروریات کی وجہ سے وارد تھے۔ اس لیے قرآن شریف کے نزول سے پہلی قسم کے احکام تو بحال رہے یا بالفاظ دیگر ان جیسے احکام اس شریعت میں بھی نازل ہوئے لیکن دوسری قسم کے احکام مطلق طورپر منسوخ ہو گئے اور انکی بجائے بہترین احکام نازل ہو گئے۔ یہ ایک ایسا طبعی سلسلہ ہے کہ فی الحقیقت ہر ایک شریعت جو کسی پہلی شریعت کو منسوخ کر کے اسکی بجائے قایم ہونیکا دعوے کرے اُس کیلیے اس راہ سے گذرنا ضروری ہے۔ اور یہی مراتب اس میں بالطبع مرعی اور مرکوز ہونے لازمی ہیں یہی وجہ تھی کہ اس آیت زیر بحث میں اسی فطری قانون کا بیان کیا گیا ہی مگر اس میں کسی ناسخ و منسوخ شریعت کا نام نہیں ظاہر کیا گیا۔ یہ معنے آیت کے سیاق و سباق کے لحاظ سے ایسے صاف ہیں کہ انپر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آیا لفظ آیت کا استعمال ان معنوں میں محاورۂ عرب کے روسے صحیح ثابت ہوتا ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ بیشک محاورۂ عرب کے لحاظ سے یہ معنے لفظ آیت کے صحیح ہیں بلکہ یہی معنے اس کے لفظ آیت کے وسیع مفہوم میں داخل ہیں اور لغت کے حوالہ سے ہم اوپر دکھا چکے ہیں۔ کہ لفظ آیت کے معنوں میں رسالت حکم وغیرہ معانی داخل ہیں۔ اور یہ تو ایک مسلم بات ہے کہ لفظ آیت جسطرح قرآن شریف کی آیات پر بولا جاتا ہے پہلی آسمانی کتب کی آیات پر بھی عام طور پر بولا جاتا ہے۔ اسجگہ مخاطب اہل کتاب یعنی یہودی لوگ ہیں اور انہی کو یہ کہا گیا ہے کہ تم قرآن شریف کے وحی ہونیسے انکار کر رہے ہو حالانکہ اگر کوئی آیت جو پہلے ہم نے نازل کی تھی اب منسوخ ہو گئی ہے تو اسکی بجائے اس سے بہتر یا اس جیسی آیت ہم نے اور بھی تو نازل کر دی ہے پس پہلی کتب کو منزل من اللہ مانکر تم اس کتاب الٰہی سے کیونکر انکار کر سکتے ہو جس کی کوئی آیت تمھاری پہلی کتابوں کی آیات سے کم درجہ کی نہیں بلکہ ان جیسی یا ان سے بھی بہتر ہے۔ ایسا ہی جو آیات آیت زیر بحث کے بعد میں ہیں ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان آیات قرآنی میں اہل کتاب کو انکے اس خیال کی وجہ سے کہ وحی الٰہی بنی اسرائیل سے باہر کسی کو نہیں ہو سکتی ملزم کیا گیا ہے۔ اگلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ اس ضرورت کو ظاہر فرماتا ہے کہ وہ خدا ساری زمین کا خدا ہے اور ایک ہی قوم کا خدا نہیں کہ ہمیشہ اسی کے ساتھ تعلق رکھے۔ الم تعلم ان اللہ لہ ملک السموات والارض۔ اے مخاطب! کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کُل کی سلطنت خدا کیلیے ہی ہے۔ یعنی خدا کوئی قومی بادشاہ نہیں کہ ایک قوم کو دوسری پر ترجیح دے۔ اسکی سلطنت ساری زمین پر ہے جب تک بنی اسرائیل میں نیکی اور راستبازی تھی تب تک اس قدوس کا تعلق بھی ان سے تھا اور وہ انسے ہمکلام ہوتا تھا اب اس نے اپنی سلطنت میں سے اپنے کسی اور بندہ کو ممتاز فرمالیا تو تم اسپر ایسا اعتراض کیوں کرتے ہو؟

جس سے خدا کی خدائی کا ہی محدود ہونا لازم آتا ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح پر فرمانے سے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ اب مختص الاقوام قوانین یعنی شرائع کی ضرورت نہیں رہی۔ بلکہ وہ اپنی زمین پر جو سب اسی کا ملک ہے ایک ہی قانون رائج کرنا چاہتا ہے جس کی پیروی اس کے سب بندے کرسکیں۔ ان معانی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ننسخہا سے کیا مراد ہے۔ اور اگر یہ معنے نہ لیے جاویں اور اسجگہ مراد قرآنی آیات کا منسوخ ہونا لیا جاوے تو یہ ایک بے معنی بات ہو جاتی ہے کہ ہم ایک آیت کو منسوخ کرکے اس جیسی ہی دوسری نازل کر دیتے ہیں۔

ایک امر اور تشریح طلب ہے۔ اس آیت میں صرف آیات کے منسوخ کردینے کا ہی ذکر نہیں بلکہ ان کے بھلا دینے کا بھی ذکر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیات کے بھلا دینے سے کیا مراد ہے۔ اسجگہ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ چونکہ ننسھا کی ایک دوسری قرأت ننسکہا بھی ہے اس لیے آیت سے مراد سوائے قرآنی آیات کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ ننسکہا کے معنے ہوئے تجھکو بھلا دیتے ہیں۔ مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توریت انجیل کی آیات تو حفظ کی نہیں تھیں جو وہ آپکو بھلا دیجاتیں بلکہ آپ کو صرف قرآنی آیات یاد تھیں اور اس لیے انہی پر بھلانیکا لفظ بھی صادق آسکتا تھا۔ یہ سارے نتائج اس بنیاد پر مبنی ہیں کہ دوسری قرأت ننسکہا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ اس کا ثبوت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ننسکہا پڑھنے کی اجازت بھی دی تھی۔ بخاری کی روایت میں تو صرف ایک ہی دوسری قرأت کا ذکر ہے اور وہ ننسئہا ہے جس کے معنے تاخیر میں ڈالنے کے ہیں سو وہ ہماری ہی معانی کی مؤید ہے گو ہم اس بات کے لیے بھی تیار نہیں کہ بغیر کسی حدیث سے اس بات کے ثابت ہونیکے کہ یہ قرأت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پڑھی گئی تھی اسکو واقعی قرأت ثانیہ تسلیم کرلیں پس ایک ایسی قرأت کو جس کا ذکر کسی صحیح حدیث میں بھی نہیں ہم کیونکر ایسی معتبر تسلیم کرلیں کہ اسکی بنا پر قرآن شریف کے معنوں کو اُلٹ پلٹ کردیں۔ ننسہا تو قرآن شریف میں موجود ہے اور ساری اسلامی دنیا اسکو اسطرح پڑھتی آئی ہے۔ پس جو شخص ننسکہا کو معتبر بتاتا ہے یہ بار ثبوت اُس کے ذمہ ہے کہ یہ ثابت کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قرأت کا پڑھنا یا اسکے پڑھنے کی اجازت دینا ثابت ہے۔ جب ایسا ثبوت پیش کیا جائیگا تو پھر ہم اس قرأت ثانی پر اور اس امر پر غور کریں گے کہ اس سے اصل الفاظ کے معانی پر کیا اثر پڑسکتا ہے یا اسجگہ واحد مخاطب کون ہے۔ بالفعل ایسی بحث کی ضرورت نہیں۔ ہاں اسقدر ہم یہاں ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر معترض کی سب باتوں کو بفرض محال تسلیم کرکے ہم آیت کے معنے کریں تو کیا معنی بنیں گے۔ اس صورت میں خلاصہ آیت کا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایک وحی نازل فرماتا تھا۔ پھر اسی وقت یعنی قبل اس کے کہ ایسی آیت لکھی جاوی یا صحابہؓ میں مشتہر ہووے اس آیت کو بھلا بھی دیتا تھا پھر بجائے اس کے کہ وہی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کراوے یا دوبارہ آپ پر نازل فرمادے اس کی جگہ اسی جیسی ایک اور آیت نازل کرتا تھا۔ اب کیا کوئی سمجھدار آدمی ایسا مطلب ان الفاظ کی طرف منسوب کرسکتا ہے؟ اس ساری کارروائی کے نیچے حقیقت کیا تھی؟ اور اس سے کیا مطلب تھا کہ بجائے وہی آیت یاد دلانیکے

ایک نئی آیت اسی جیسی اور نازل کیجاتی۔ کسی صحیح حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ کوئی آیت اسطرح پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول گئی تھی کہ پھر اس کا کچھ پتہ نہ ملا۔ بخاری نے ایک باب نسیان القرآن پر باندھا ہے مگر اس میں اسطرح پر کسی آیت کے بھول جانیکا ذکر نہیں۔ صرف ایک ہی حدیث ہے کہ آپ نے رات کے وقت ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اور فرمایا کہ فلاں سورۃ کی فلاں آیت جو مجھے بھول گئی تھی اس نے یاد دلا دی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ بھولنا اس قسم کا نہیں۔ لیکن اگر لفظ آیت کو وسیع معنوں میں لیا جاوے تو یہ دقت نہیں رہتی کیونکہ بہت سے احکام یا آیات جو پہلے انبیاء پر نازل ہوئی تھے وہ ایک دراز مدت کے گذرنیکی وجہ سے فراموش ہو گئے تھے اور باقی تبدیل ہو گئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے حسب مصلحت ان سے بہتر یا ان جیسے احکام یا آیات اور نازل فرمائے۔ اور اسطرح پر سب شرائع کی تکمیل شریعت محمدی میں کر کے فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم اور یہ وہ الفاظ ہیں جو پہلے کسی شریعت کے متعلق نہ فرمائے تھے۔

اب ہم دوسری آیت کو لیتے ہیں جو قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ ہونیکی تائید میں بیان کی جاتی ہے۔ اور دو آیتیں جو اس کے بعد آتی ہیں ان کو بھی نقل کرتے ہیں چونکہ اس آیت سے نیا رکوع شروع ہوتا ہے اس لیے پہلی آیتوں کو ہم نے نہیں لیا۔ واذا بدلنا اٰیۃً مکان اٰیۃٍ و اللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثرھم لا یعلمون۔ ترجمہ۔ اور جب ہم آیت کی جگہ آیت بدلتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جو وہ نازل فرماتا ہے تو کافر کہتے ہیں تو مفتری ہے اصل بات یہ ہے کہ اکثر ان میں سے نہیں جانتے۔ قل نزلہ روح القدس من ربك بالحق لیثبت الذین اٰمنوا و ھدی و بشری للمسلمین۔ ترجمہ۔ کہو اتارا ہے اسکو روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے ضرورت حقہ کے ساتھ تاکہ ثابت کرے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ہدایت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔ ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین۔ اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک انسان اسے سکھاتا ہے جس شخص کی طرف سکھانے کی نسبت کرتے ہیں اس کی بولی تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔ اگر ہم اسجگہ آیت کا مطلب صرف ایک جملہ ہی لیں۔ تو ہر ایک پہلی کتاب کا ایک جملہ ایک آیت کہلا سکتا ہے۔ پس اس آیت زیر بحث کے معنے یہ ہوں گے کہ کسی پہلی کتاب الہامی کی ایک آیت قرآن شریف کی کسی آیت سے منسوخ ہوئی اور بس۔ لیکن سیاق و سباق اور متن آیت سے یہ پایا جاتا ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں کہ قرآن شریف کی کوئی آیت بدلی گئی ہو۔ پہلی آیت کی بحث میں ہم نے لکھا ہے کہ قرآن شریف میں نسخ کے ذکر کی شان نزول یہ لکھی ہے کہ یہودی مسلمانوں پر نسخ کے قائل ہونیکی وجہ سے ہنسا کرتے تھے اور اوپر ہم دکھا چکے ہیں کہ اگر اس روایت کا یہ منشا لیا جائے کہ واقعی قرآن شریف میں آج ایک حکم نازل ہوتا تھا اور کل اسکو منسوخ کر کے دوسرا حکم دیا جاتا تھا تو یہ روایت صحیح نہیں ہو سکتی۔ ہاں ایک اور معنے اس روایت کے ہو سکتے ہیں جن کا پتہ احادیث سے بھی ملتا ہے اور وہ یہ جیسا کہ میں آگے چلکر اس آیت کے

معنوں میں مفصل بیان کروں گا مسلمان سابقہ شرائع کے بعض احکام پر یا بعض عرب کے رواج کے مطابق اسوقت تک
عمل کرتے رہتے تھے جبتک قرآن شریف کے ذریعہ وہ بات منسوخ نہ ہو جاتی اور لفظ نسخ کا ان معنوں میں استعمال بھی ان
احادیث سے ثابت ہے جو ہم نے گذشتہ پرچہ میں نقل کی تھیں۔ پس ان معنوں کی رو سے یہ روایت صحیح ہو سکتی ہے اور
اسی کی تائید اب اس دوسری آیت سے اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ آیت سورۃ النحل کی ہے اور النحل مکی سورۃ
ہے۔ پس بہر حال یہ ماننا پڑیگا کہ وہ آیت بھی مکی ہی ہے۔ لیکن جو شان نزول نسخ کے ذکر کی مدنی آیت میں مانی جاتی
ہے وہی مکی آیت میں بھی ماننی پڑیگی۔ مگر پھر یہ کہنا کہ یہ مکی آیت (جہاں کوئی یہودی رہتا ہی نہ تھا) یہودیوں کے طعن
و تشنیع کرنے پر نازل ہوئی تھی کیسا غلط اور خلاف واقع بیان ہے۔ اور اگر اس آیت میں کسی شان نزول کی ضرورت
نہیں تو دوبارہ ایک اسی مضمون کی آیت نازل کرنیکے لیے کیوں ایسی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ دونوں آیتوں کا مضمون
واحد ہے اس لیے ہمیں ماننا پڑیگا کہ دونوں کی شان نزول ایک ہی طرح کی تھی۔ اور وہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا
ہے کہ یہ مانا جائے کہ ان دونوں کے مضمون میں قرآن کریم سے پہلے احکام یا پہلے رواج یا پہلے شرائع کی تبدیل ہونے یا
منسوخ ہونیکا ذکر ہے۔ وھو المقصود۔

اب ہم اس آیت کے معنوں پر بحث کرتے ہیں۔ یہ آیت تو صرف اس قدر بتاتی ہے کہ جب خدا نے ایک آیت کو
بدلکر اس کی جگہ دوسری آیت نازل کی تو کفار نے اعتراض کیا کہ یہ نرا افترا اور خود ساختہ مجموعہ ہے۔ اب یہ مسلم امر ہے کہ
جب آنحضرت صلعم نے اعلان فرمایا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر وحی ہو رہا ہے تو کفار نے اُسی وقت یہ کہنا
شروع کر دیا کہ یہ افترا ہے اور یہ نہیں ہوا کہ وہ اسکو افترا کہنے سے رُکے رہے ہوں جبتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ایک حکم قرآنی کو کسی دوسرے حکم قرآنی سے منسوخ بتایا ہو۔ بالفاظ دیگر یہ نہیں ہوا کہ کفار نے قرآن شریف کو پہلے تو افترا نہیں
کہا مگر اسوقت کہا جب اس کے ایک حکم کا ناسخ دوسرا نازل ہوا (اگر کوئی ایسا حکم کبھی نازل ہوا جس کا پتہ ہمیں احادیث
صحیحہ سے نہیں ملتا) اگر یہ سچ ہوتا کہ کفار نے قرآن شریف کو اسوقت تک افترا نہ کہا ہوتا جبتک کہ خود قرآن شریف
میں کوئی مثال نسخ کی پیدا نہ ہو گئی ہوتی۔ تو اس صورت میں اس آیت کا مفہوم یہ لیا جا سکتا تھا کہ اس میں کسی قرآنی
آیت یا قرآنی حکم کے منسوخ یا مبدل ہونیکا ذکر ہے۔ لیکن قطعی امر ہے کہ شروع سے ہی کفار کل قرآن شریف کو افترا
کہتے چلے آئے اور اس لیے یہ بات بھی بدیہی طور پر ثابت ہے کہ یہاں کسی حکم یا آیت قرآنی کا منسوخ یا مبدل ہونا مراد
نہیں۔ بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ پہلی شریعت کا کوئی حکم یا کوئی آیت منسوخ اور مبدل ہو کر اس کی جگہ قرآن شریف کا کوئی
حکم یا آیت نازل ہو کر قایم ہوئی۔ پس جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایک حکم یا آیت منسوخ ہوئی اور اس کی بجائے دوسری
نازل ہوئی تو یہ کہنا اس کے مساوی ہوتا ہے کہ گویا کسی پُرانے قانون یا رواج کی بجائے کوئی نیا الہام یا قانون نازل
ہوا ہے۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی غور کے لایق ہے کہ اگر بفرض محال قرآن شریف کی ہزاروں آیات نازل ہوئیں اور پھر وہ منسوخ ہوئیں اور ان کی جگہ نئی آیتیں اُتریں تو یہ سب اسلام کا اندرونی معاملہ ہے اس سے کفار کو تعلق ہی کیا تھا کہ انہیں یہ بات ناگوار گذرتی۔ کوئی عقلمند آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی گمان نہیں کرسکتا کہ کافروں کو یہ بات بری معلوم ہوتی تھی کہ کیوں قرآن شریف کے حکم (اگر ایسا ہوا تھا) آئے دن منسوخ اور ناسخ ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ انکے جوش وغضب کو تو اس لیے بھڑکاؤ لگتا تھا کہ وہ رسوم اور رواج جن پر وہ چلتے تھے اور قوانین اور دستور جو انہیں باپ دادوں سے مروج چلے آتے تھے انکو قرآن شریف نے منسوخ کرکے انکی جگہ اعلیٰ درجہ کے حکیمانہ اور مستقل فطری قوانین قایم کردیئے۔ انکا غصہ اسی لیے بھڑکا تھا کہ ان سے انکے عادی رسم ورواج ترک کرانیکا بیڑا قرآن شریف نے اُٹھایا تھا۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کفار کو قرآن شریف کے اندرونی نسخ سے جوش اُٹھتا تھا ان کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ رنج اور شماتت کے لیے ایسے وجوہ کا ہونا ضروری ہے جن کا فریق رنج رسیدہ اور آمادہ بشماتت کے ساتھ باواسطہ یا بلاواسطہ سابقہ پڑے۔ جن باتوں سے کسی کو کسی طرح کا سابقہ پڑتا ہی نہیں انپر شماتت ورنج ہی کیونکر ہوسکتا ہے۔ بلکہ کفار تو اس بات کو جانتے تھے کہ اگر قرآن شریف کے اندر سلسلہ ناسخ ومنسوخ موجود ہوتا تو یہ تو اس کی کمزوری پر دال تھا اور اس کے جلد بے اثر اور ضایع ہوجانیکا پیش خیمہ تھا۔ یہ تو انکے لیے موجب شادمانی اور خوشی تھا نہ کہ رنج اور شماتت کا محرک۔ اگر قرآن شریف میں نسخ کو ویسا ہی دخل ہوتا جیساکہ حامیان نسخ غلطی سے سمجھتے ہیں تو اس کی ایسی حالت دیکھ دیکھ کر کفار لوگ خوشیاں مناتے اور بغلیں بجاتے۔

اس کے علاوہ ایک اور ضروری بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ مکی سورتوں میں عموماً خدا تعالیٰ کی توحید اور آنحضرت صلعم اور اسلام کی آیندہ کامیابیوں اور اقتدار اور عظمت کا ذکر ہے۔ ان میں بہت تھوڑے اوامر ونواہی موجود ہیں۔ اور جو سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں انہیں اوامر ونواہی مندرج ہیں۔ قرآن شریف کا مطالعہ کرنیسے پتہ لگتا ہے کہ قریباً وہ تمام حصہ قرآن شریف کا جس میں شریعت کے مدینہ میں نازل ہوا تھا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اقتدار اور توحید غیر متبدل ہیں اور جیساکہ انہیں نسخ کا دخل ناممکن ہے اسی طرح ان پیشگوئیوں کا منسوخ یا مبدل ہونا خارج از قیاس ہے جو آنحضور سرور کائنات صلعم اور اسلام کی آیندہ کامیابیوں کے متعلق ہیں۔ اور یہ دو مضمون مکی سورتوں میں ہیں۔ پس اس بات سے یہ امر ثابت ہے کہ مکی سورتوں میں اور آنحضرت صلعم کی مکی زندگی میں یعنی اس حصہ قرآن میں جو آپ (صلعم) کی ہجرت سے پہلے نازل ہوچکا تھا یہ قیاس کرنا ہی باطل اور غلط ہے کہ نسخ وتبدیل انہیں کسی طرح راہ پاسکتے تھے۔

اسلام کا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ اس خطرناک تاریکی شرک کو دُور کرے جو عالم پر محیط تھی۔ اور اس کی بجائے

توحید کی جہان افروز روشنی سے دنیا کو منور کرے۔ اسی لیے مکہ میں (جو ابتدائی عمر اسلام کی تھی) جتنا قرآن نازل
ہوا وہ سب سے پہلے توحید کی تعلیم سے لبریز اور شرک اور بُت پرستی کی مذمت اور تردید سے مملو ہے۔ اور آنحضور
سرور کائنات صلعم کی سب سے پہلی مشن اسی امر پر مشتمل رہی۔ دوسرے درجہ پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ یہی تعلیم جو اسلام
پیش کرتا ہے اسلم اور اصح ہے۔ اور نجات اخروی کا موجب ہے۔ کیونکہ یہ دین اور اسکا لانیوالا خدا کی طرف سے ہیں
اور اس بات کا ثبوت ذہن نشین کرنیکے لیے یہ جتانا ضروری تھا کہ یہ دین جس کو کفار لوگ مساکین اور غربا کی
آماجگاہ سمجھ رہے ہیں اور یہ رسول صلعم جو اسوقت اسباب دنیا نہیں رکھتا انپر وہ زمانہ آنیوالا ہے کہ ہر ایک اعلیٰ
اور نیک مراد اور ہر ایک قسم کی کامیابی انہیں کے لیے مخصوص ہو جائے گی۔ اسوقت ایک طرف دشمنوں کا زور
اور اُنکی جمعیت اور اُنکا تمول اور اُنکی عزت دوسری طرف آنحضرت صلعم کی بے سروسامانی اور قلت جماعت
اور غربت اور پھر اس حال میں علی الاعلان دشمنوں کی ذلت اور آپ (صلعم) کی عزت اور اُنکی تباہی آپ
(صلعم) کی کامیابی اور اُنکی نکبت اور آپ (صلعم) کی عظمت اور اُنکی شکست اور آپ (صلعم) کی فتح کا
اظہار اور انکا اپنے اپنے وقتوں پر پورا ہونا ان کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل قطعی تھی۔ پس قرآن شریف نے
اسلام کی اُس بے نوائی اور ابتدائی درماندگی کی زندگی میں جو مکہ میں اسکو بسر کرنی پڑی یہی رویہ اختیار رکھا۔
اور بار بار اس کی فتوحات آیندہ کے نعرے بلند کیے۔ تیسرا کام یہ تھا کہ وہ ذریعہ جس کے ساتھ ایک مومن اپنے
خالق و مالک کے ساتھ تعلق وابستہ رکھ سکتا ہے اور اس کے حضور میں اپنی گذارشوں کو قبول ہونے کے لیے
پہنچا سکتا ہے اور فواحش سے بچ سکتا ہے اسکی تعلیم کیجائے چنانچہ اس غرض کے لیے نمازوں کے قیام پر بھی
مکہ ہی سے زور دینا شروع کیا گیا تھا۔ باقی سارا قرآن جس میں روزہ۔ خیرات۔ صدقات۔ حج۔ نکاح۔ طلاق
وراثت۔ ممانعت خمر و قمار بازی حدود سرقہ زنا تہمت وغیرہ۔ کے متعلق احکام اور امر و نواہی ہیں مدینہ منورہ
میں نازل ہوا۔ کم از کم حامیان نسخ کو بھی طوعاً و کرہاً ماننا پڑتا ہے کہ مکی سورتوں میں جس قسم کے مضامین درج ہیں
اگر انکے ناسخ و منسوخ ہونیکا اعتقاد رکھا جائے تو وہ گناہ کبیرہ تک نوبت پہنچانیکے اندیشہ کا موجب ہوگا۔ پس
اس لحاظ سے نسخ کا قرآنی آیات میں دخل سمجھنا مدنی سورتوں کی حد سے متجاوز نہیں ہو سکتا۔ یعنی اگر کسی طرح سے
نسخ یا تبدل کی دسترس گمان ہو سکتی ہے تو وہ مدنی سورتوں میں ہی ہو سکتی ہے۔ اس لیے اگر کسی آیتِ قرآنی کے
منسوخ یا مبدل ہونیکا خیال بھی کیا جائے تو وہ صرف کوئی مدنی سورۃ ہی ہو سکتی ہے۔ اور جو واقعات محرک
نسخ بیان کیے جاتے ہیں اگر وہ واقع ہوئے بھی تھے تو صرف مدینہ ہی میں ہوئے تھے۔ اور وہ زمانہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا آخری اور تمدن کا زمانہ تھا۔ جن حدیثوں میں قرآن شریف کی بعض آیتوں کے
منسوخ یا مبدل ہونیکا ذکر بعض صحابہؓ نے کیا ہے انہیں بھی وہی آیات لکھی ہیں جو مدنی ہیں۔ اور شاہ ولی اللہؒ

نے جہاں ناسخ و منسوخ کی بحث کی ہے وہاں بڑے زور سے تردید کرکے صرف پانچ آیات ایسی لکھی ہیں جن کو انہوں
نے منسوخ مانا ہے۔ لیکن وہ پانچوں آیتیں بھی مدنی ہی ہیں۔ غرض اس بات پر حامیان نسخ کا بھی غالباً اتفاق
ثابت ہوتا ہے کہ کوئی مکی آیت کسی دوسری آیت کی ناسخ نہیں ہوئی۔ البتہ ان کے نزدیک بعض مدنی آیتیں
ناسخ سمجھی جاتی ہیں اور چونکہ آیت زیر بحث مکی ہے اس لیے اس کے معنوں کو اس طرز کے نسخ کے متعلق کرنا ہی
غلط ہے۔ یہ ایک ایسا زبردست امر ہے کہ اسپر غور کرنیسے آیت زیر بحث کے معنے خوب واضح ہو جاتے ہیں۔ یہ مانی
ہوئی بات ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی اسوقت تک کوئی ایسی آیات قرآنی نازل نہ ہوئی تھیں جن میں اوامر
ونواہی اور شریعت درج تھی۔ اور خصوصاً وہ آیات اور اوامر جن کو ناسخ کہا جاتا ہے ہرگز ہرگز اسوقت تک وحی
نہ ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور وہ ساری آیتیں مدنی ہیں پس یہ قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت
میں قرآنی آیات یا احکام کے منسوخ ہونیکا ذکر ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ اس لیے اس آیت میں لفظ آیت کے
معنے کوئی قرآنی آیت یا حکم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس سے مراد وہ اوامر اور رسومات ہیں جو نزول قرآن شریف
سے پہلے لوگوں میں مروج تھے اور جن کو قرآن شریف قلع قمع کرکے منسوخ اور تبدیل کرتا ہے۔ ہم نے آیت
ما ننسخ من ایۃ او ننسھا الخ میں لفظ آیت کے جو معنے جن دلایل سے ثابت کیے ہیں ان کے علاوہ یہ دلیل
بھی اسپر بہت اچھی طرح صادق آتی ہے۔ اگرچہ یہ آیت مدنی ہے لیکن اس میں بھی وہی کیفیت تقریباً پائی جاتی ہے
جو مکی آیت میں ہے کیونکہ یہ آیت یعنی ما ننسخ من ایۃ الخ اس زمانہ میں نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلعم
مدینہ میں ابھی تازہ وارد ہوئے تھے اور احکام و شرائع بجز بہت تھوڑے اور ابتدائی اوامر و نواہی کے نازل
ہی نہوئے تھے۔ پس یہ آیت بھی کسی قرآنی امر و نہی کے نسخ پر دلیل نہیں ہو سکتی۔

اب ایک اور بات غور کے لایق ہے اور وہ یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں یہ الفاظ وارد ہیں۔ واللہ اعلم
بما ینزل یعنی اللہ بہتر جانتا ہے جو کچھ نازل کرتا ہے۔ پھر اسکے بعد دوسری آیت جو اس کے متصل ہے اس میں
لکھا ہے قل نزلہ روح القدس من ربك بالحق لیثبت الذین اٰمنوا وھدًی و بشریٰ
للمسلمین۔ تو کہہ اسکو اتارا ہے پاک فرشتہ نے تیرے رب کی طرف سے ضرورت حقہ کے ساتھ تاکہ ثابت کرے
ایمان والوں کو اور ہدایت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔ اب اگر آیت زیر بحث سے وہی مطلب لیا جائے
جو نسخ کے حامی لیتے ہیں کہ اس میں کسی ایک آیت قرآنی کے منسوخ یا مبدل ہونے اور اس کی بجائے کسی دوسری
آیت کے نازل ہونیکا ذکر ہے یا یہ کہ عام طور پر بعض قرآنی آیات کے منسوخ ہونیکا بیان ہے تو اس بات کا ماننا لازمی
ہوگا کہ یہ دونوں اوصاف یعنی واللہ اعلم بما ینزل اور قل نزلہ روح القدس الخ صرف اس ایک
یا اُن چند آیات تک ہی محدود رہتے ہیں جن کی نسبت یہ بیان کیا گیا ہے کہ گویا وہ کسی ایک یا چند آیات قرآنی کے

ناسخ ہیں۔ اس حالت میں سارے قرآن کریم کی نسبت یہ اوصاف ہرگز سمجھے نہیں جا سکتے۔ لیکن اگر نسخ اور تبدیل سے مراد یہ لیجاوے کہ گویا پہلی کتاب یا شریعت کی بجائے فرقان حمید نازل ہوا ہے تو پھر یہ دونوں صفتیں سارے قرآن پر اطلاق پاتی ہیں۔ اب یہ بات محتاج بیان نہیں کہ ایسا کلام کہ "اللہ جس چیز کو نازل کرتا ہے اس کو بہتر جانتا ہے" اور "اسکو پاک فرشتہ نے رب کی طرف سے اُتارا ہے" اور "ضرورت حقہ کے ساتھ اُتارا ہے" اور "تا کہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور راہ کی سوجھ اور خوشخبری مسلمانوں کو" صرف اس ایک یا چند آیات قرآنی کے لیے محدود نہیں ہو سکتا جو کسی ایک یا چند آیات قرآنی کی ناسخ ہوں۔ بلکہ یہ سارے قرآن شریف پر حاوی ہے اور ساری قرآن شریف کی صفت ہے ہم صرف اتنے قیاس سے ہی اس بات کے ثبوت کو اپنی تائید پر محتوی نہیں سمجھتے بلکہ قرآن کریم میں اکثر مقامات پر قریباً قریباً اسی قسم کے جملے وارد ہیں اور مسلم ہے کہ جہاں کہیں ایسے جملے ہیں وہ سب قرآن کامل کے لیے ہیں نہ کہ کسی خاص جزو قرآنی کے لیے۔ اور کوئی خصوصیت اس مقام پر ایسی موجود نہیں جس سے انکا مصداق سمجھنے کے لیے ہم سارے قرآن کو محروم کر دیں اور ایک یا چند آیتوں کو مختص اور منتخب کر لیں۔ اس کے علاوہ ایک قرینہ اسجگہ پڑا ہوا ہے یعنی نزلہ کی ضمیر بما ینزل کی طرف ہے۔ اور بما ینزل میں ذکر اس آیت کا ہے جسکی متعلق پہلے فرمایا واذا بدلنا اٰیۃً مکان اٰیۃٍ۔ اب چونکہ روح القدس کے اُتارنیکا تعلق کل قرآن شریف سے ہے اس لیے معلوم ہوا کہ اسی کل کا ذکر پہلے بھی واللہ اعلم بما ینزل میں موجود ہے پس اذا بدلنا اٰیۃ میں سیاق وسباق اور اصطلاح قرآنی کی روسے عیاں طور پر کامل قرآن شریف کیطرف اشارہ ہے۔ ایسا ہی اس کے بعد کی آیت بھی اسی نتیجہ پر پہنچاتی ہے۔ کیونکہ کفار شرارت کی وجہ سے آنحضرت صلعم پر یہ بہتان باندھتے تھے کہ گویا آپ کو کوئی شخص گھر کے اندر مخفی طور پر تعلیم دیتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ انکا یہ اتہام ان چند مزعومہ ناسخ آیات کے متعلق نہ تھا بلکہ سارے قرآن شریف کے متعلق تھا۔ پس یہ امر ثابت ہے کہ ان ساری متصلہ آیات میں مشار الیہ مشترک اور ایک ہے اور وہ کامل قرآن شریف ہے۔ اس کے علاوہ ہم اس بات کو بھی دیکھتے ہیں کہ خود آنحضرت سرور کائنات صلعم بھی ہمیشہ یہی اعلان کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر تازہ وحی نازل فرمائی ہے اور اسکے نزول سے تمام پہلی رسمیں اور مروجات اور شریعت منسوخ اور تبدیل ہو گئی ہیں۔ گویا آپ سے تبدیل آیت کے یہی معنے ثابت ہیں کہ تبدیل شریعت واقع ہوئی۔ اور یہی منشاء اصلی اس آیت کی ہے۔ کفار کہتے تھے کہ یہ عبارات جن کو آنحضرت صلعم قرآن کہتے ہیں اور منجانب اللہ بیان کرتے ہیں دراصل آپ کا افترا ہے۔ کلام الٰہی نہیں۔ اس غلط فہمی اور اعتراض کا جواب قرآن شریف نے اسطرح دیا ہے کہ ان منکروں کا یہ اعتراض سراسر نادانی اور جہالت پر مبنی ہے یہ وحی کسی انسان کی بناوٹ اور افترا نہیں۔ بلکہ رب العالمین کی طرف سے ضرورت حقہ کے ساتھ روح القدس کے ذریعہ سے اس مقدس رسول (صلعم) پر نازل ہوئی ہے۔ اور اس بات کے ثبوت کیلیے اتنا سمجھ لینا بھی کافی ہے کہ اس مقدس

کتاب کا مسلمانوں پر کیسا نیک اور پاکیزہ اثر ہوا اور کیسی ایمانی استقامت اُن کو نصیب ہوئی کہ باوجودیکہ سخت شدید جانکاہ اور جانگداز مصیبتوں اور ابتلاؤں میں ڈالے گئے اور دشمنوں کے منصوبوں اور مظالم سے نہایت بیرحمانہ طور پر دُکھوں کی آگ میں جھونکے گئے مگر پھر بھی انکی استقامت کے قدم میں لغزش نہ آئی۔ بلکہ ہر نئی مصیبت ان کی عزیمت اور ہمت اور ایمانی جوش اور استقامت کو بڑھاتی تھی۔ اس بیچارگی اور بے سروسامانی کیحالت میں انہوں نے خدا تعالیٰ کو شناخت کیا اور اس کی تمام پیشگوئیوں پر ایمان لائے جو انکی بیکسی کے زمانہ میں وحی ہوئیں اور اس بات کی خوشخبریوں سے مملو تھیں کہ عنقریب وہ زمانہ آنیوالا ہے جب انپر سے یہ بیکسی اور بیچارگی کی تاریکی اُٹھ جائیگی اور گوہر مقصود ہر بلندی کے تاج سے انکے ہی دامن میں آپڑیگا۔ اور وہ تنگی اور افسردگی کا زمانہ جاتا رہے گا اور فرخندہ حالی اور تروتازگی کی ہوائیں ہر کوچہ سے انپر چلنے لگیں گی اور ان کے ستانیوالے دشمن گرائے جائیں گے اور انکے آستانہ پر کھینچکر لائے جائیں گے۔ وہ خدا کیسا زبردست حکمتوں والا ہے کہ اس نے یہ سارے وعدے پورے کیے اور انپر ثابت کر دیا کہ سوائے خدا کے کوئی ایسی اقتداری پیشگوئی دینے کی قدرت نہیں رکھتا۔ غرض یہ ساری آیات کفار کے اعتراض کے جواب میں تھیں۔ ہم نے اس مضمون میں صرف تین[۳] آیتوں کو ہی درج کیا ہے لیکن اگر کوئی صاحب قرآن شریف کا تدبر اور غوض سے مطالعہ کریں تو انکو معلوم ہو جاوے گا کہ سارا رکوع ہی اس مضمون پر متضمن ہے۔ کہ کفار قرآن شریف کو آنحضرت صلعم کا افترا کہتے اور قرآن شریف انکی اس بیباکانہ تہمت کا رد کرتا ہے۔ اس میں کہیں آیات قرآنی کے منسوخ ہونیکا کوئی ذکر نہیں اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ قرآن شریف نے صرف اس زمانہ کے کفار کے اعتراضوں کے جواب دینے کا بیڑا اُٹھایا ہوا تھا۔ یہ بات اسی حد تک ختم نہیں ہوتی۔ حقیقت میں ہمیشہ ہر زمانہ میں کفار جھنجلا کر وہی باتیں بطور اعتراض کیا کرتے ہیں جو ان کے اجداد کی کر چکے ہیں۔ بلکہ اس پہلو میں جس کمال تک مکی کفار پہنچے تھے انکے جانشینوں میں سے جو سارے عالم میں اسلام کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں کوئی بھی ایسا نہیں نکلا کہ انکی برابری ہی کر سکے۔ آجتک اتنا عرصہ گذر چکا ہے کہ مختلف سرزمینوں اور مختلف ممالک میں بڑے بڑے لایق اور پڑھے لکھے لوگ فرداً اور مجموعاً اسلام کی بیخکنی کی کوشش میں اسپر اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے رہے۔ لیکن وہی چکی اور وہی اس کا پیسنا ہمیشہ رہا۔ وہی اعتراضات اور وہی الزام اور بیجا اتہام اسلام پر مخالف لوگ کرتے چلے آئے جو زمانہ نزول قرآن شریف میں عربی کفار کرتے تھے۔ البتہ طرز بیان اور صورت حال میں اپنے تغیرات کے ساتھ زمانہ انہیں بھی تغیرات کا دخل کرتا گیا۔ اور اس لیے اُن نئی وردی والے اعتراضات کے لیے ہمیشہ نئی کشن کی ضرورت ہوتی رہی۔ اور چونکہ یہ زمانہ اپنی علمی معلومات اور ترقیات میں تمام گذشتہ ازمنہ سے بڑھ چڑھکر ہے اور اسلام کی مخالف افواج کے حملوں کا زور بہت زیادہ ہے جس کی مثال پہلے زمانوں میں نہیں پائی جاتی اس لیے اس زمانہ میں ایک نہایت

قومی لشن کی ضرورت تھی اور اُس کے لیے ایک بڑے زبردست ہادی کی حاجت تھی۔

الغرض ہم نے گذشتہ اور اس مضمون میں دلایل قاطعہ سے یہ بات ثابت کر دکھائی ہے کہ ناسخ و منسوخ کے مسئلہ کی تائید نہ تو کسی طرح قرآن شریف سے ہوتی ہے اور نہ ہی حدیث نبوی میں کوئی ایسا ثبوت پایا جاتا ہے جو اس مسئلہ کو کسی طرح کا سہارا دے۔ جب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ ناسخ و منسوخ کا مسئلہ نہ تو قرآن شریف کی کسی آیت سے ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی کسی حدیث نبوی میں اس کا کوئی مذکور ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ کی روایتوں میں جو اس کا وجود پایا جاتا ہے اس کی وجہ کیا تھی؟ ناظرین اس بات کو جانتے ہوں گے کہ استناد روایات اور تنقید احادیث میں کیا کچھ بلیغ کوششیں علمی اور عملی طور پر اہل اسلام نے کی ہیں۔ اور جس محنت اور احتیاط سے انکی حفاظت کی گئی ہے اسکا بھی آپکو علم ہوگا۔ پھر باوجود ان ساری باتوں کے ہم کو ایک روایت ایسی نہیں ملتی جو آنحضرت صلعم تک پہنچتی ہو اور اس میں قرآنی آیتوں کے ناسخ و منسوخ ہونیکا ذکر ہو۔ اس سے اتنا تو ضرور سمجھا جاتا ہے کہ صحابہؓ کو ناسخ و منسوخ آیات قرآنی سمجھنے کا علم آنحضرت صلعم سے تو نہیں ملا تھا۔ کیونکہ اگر آپ سے یہ علم انکو ملتا تو ضرور تھا کہ وہ اسکی روایت کو آنحضرت صلعم تک پہنچاتے۔ اور کتب احادیث میں موجود ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے نزول سے شریعت اور مروجات سابقہ کے منسوخ ہونیکے خیال سے کسی کے دل میں یہ خیال بھی جاگزین ہو گیا ہوگا۔ کسی گذشتہ مضمون میں ہم نے ایک حدیث نقل کی تھی جس میں جاہلیت کی کسی رسم کا قرآن شریف کی کسی آیت کے نزول سے دُور ہو جانے پر صحابہؓ نے یہی ناسخ و منسوخ کی اصطلاح استعمال کی۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ ابھی شریعت اور اوامر و نواہی نازل نہیں ہوئے تھے تو اسوقت صحابہؓ شریعت سابقہ یا عرب کے بعض مروجات اور رسومات پر عمل کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب تک کہ وحی الٓہی کسی امر کے متعلق نازل نہ ہو اس سے منع نہ فرماتے تھے۔ قرآنی شریعت بتدریج نازل ہوتی گئی اور جیسے جیسے یہ شریعت نازل ہوتی گئی ویسے ہی رفتہ رفتہ شریعت سابقہ اور مروجات اور رسومات قدیمہ منسوخ اور متروک ہوتے گئے۔ اسی امکان کو دیکھکر بعض صحابیوں نے گمان کر لیا ہوگا کہ جبکہ پہلی شریعت اور قدیم رسم و رواج کا قرآن شریف کی آیتوں کے نزول سے معطل اور منسوخ ہو جانا ممکن ہے تو پھر ان قرآنی احکام کا معطل اور مبدل اور منسوخ ہونا بھی اسی طرح مقرون امکان ہے۔ پس اس کمزور خیال کی دوسری کمزوریوں سے تائید اور تقویت ہوتی گئی چنانچہ جب کوئی صحابی بعض قرآنی آیات کے مضامین میں تطبیق دینے سے عاجز ہوا تو فوراً ایک کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ کہدیا یہی وجہ ہے کہ ایک آیت کو ایک صحابی منسوخ کہتا ہے اور دوسرا اس کی تردید کرتا ہے۔ اور اس کا باعث یہی ہے کہ جس کی سمجھ نے کسی آیت کی تطبیق کے لیے کام نہ کیا اُس نے ناسخ و منسوخ کا عذر پیش کر دیا اور جس نے سمجھ لیا اس نے اس کی مخالفت کر دی۔ غرض یہ غلطی اسی طرح بڑھتی گئی اور گو متفرد طور پر

اس کی اصلاح اسی زمانہ میں ہوتی گئی لیکن ان کے بعد بھی جن لوگوں نے اسپر غور کیا اور اسکی حقیقت کی تہ تک جانیکی کوشش کی انہوں نے اس کی اصلاح میں بہت کچھ ہمت کی۔ مگر افسوس کہ مرطوب اللسان مفسرین کی روشنیٔ طبع نے اسلام کو اس ابتلا میں ڈالنے میں بہت بڑا حصہ لیا۔ خدا انپر رحم کرے۔

اب رہی یہ بات کہ لفظ نسخ اسلام کی ابتدائی دینی لٹریچر میں کن معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ سو واضح رہے کہ اسلامی ادب متقدمین میں لفظ نسخ بہت وسیع معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ اور جو معنے اس کے آجکل مخصوص کر لیے گئے ہیں کہ اس سے صرف کسی شئے کا معطل اور بیکار ہو جانا مراد ہے انکے نزدیک اسکا مفہوم اس سے بہت مختلف ہے ایک معنے اس کے تعمیم کی تخصیص کرنا ہے۔ صاحب فتح الباری شرح صحیح بخاری نے آیت ماننسخ الخ کی تفسیر کے باب میں لکھا ہے ویحتمل ان یکون المراد ما ننسخ فی الحدیث التخصیص فان المتقدمین یطلقون لفظ النسخ علیہ کثیراً۔ یعنی یہ گمان غالب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں نسخ کے معنے تخصیص کے ہیں کیونکہ متقدمین لفظ نسخ کو ان معنوں میں بکثرت استعمال کرتے تھے۔ اسی مصنف نے ایک اور حدیث کی تفسیر کے ضمن میں اسی قسم کا ریمارک لکھا ہے۔ پس اگر لفظ نسخ سے یہی مراد سمجھی جاوے تو پھر ان آراء اور قیاسات پر کوئی اعتراض نہیں رہتا جو بعض صحابیوں نے بعض حدیثوں میں ظاہر کیے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس مفہوم کے اختیار کرنیسے کوئی امر قرآنی بیکار اور معطل نہیں ہو جاتا بلکہ خاص حالات میں مخصوص ہو کر بحال رہتا ہے۔

اس کے ماسوا نسخ کے متعلق ایک اور مفہوم بھی ہے۔ بعض وقت ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص نے قرآن شریف کی کسی آیت سے کوئی غلط نتیجہ اخذ کیا۔ پھر جب کوئی دوسری آیت نازل ہوئی جس سے اس پہلی آیت کے معنے بھی اسکی سمجھ میں اچھی طرح آگئے تو اسکی غلط فہمی دور ہو گئی۔ پس اس شخص نے لکھدیا کہ گویا پچھلی آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور حقیقت میں اسکا مافی الضمیر یہی تھا کہ اس دوسری آیت نے نازل ہو کر اس کی پہلی غلط فہمی کو دور کر دیا ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ جو ایک مشہور و معروف امام ہے اپنی کتاب الفرقان کے صفحہ ۲۰-۲۱ پر لکھا ہے وکانوا یسمون ما عارض الآیۃ ناسخا لھا فالنسخ عندھم اسم عام لکل ما یرفع دلالۃ الآیۃ علی معنی باطل وان کان ذلک المعنی لم یرد بھا وان کان لا یدل علیہ ظاھر الآیۃ بل قد...... وقد فھمہ منھا قوم فیسمون ما رفع ذلک الابھام والافھام نسخاً یعنی اور ان لوگوں کی عادت تھی کہ جو بات انہیں کسی آیت کے مخالف نظر آتی تھی اسکو کہا کرتے تھے کہ گویا وہ اسکو منسوخ کرتی ہے پس انکے نزدیک نسخ ایک عام اسم ہے جو ہر ایک ایسے امر پر مستعمل ہو سکتا ہے جو کسی آیت کے معنوں کی غلط فہمی دور کرتا ہو۔ گو یہ معنے کبھی اس آیت کی منشا ہی میں نہ ہوں اور گو ظاہری طور پر وہ آیت انپر دلالت نہ کرتی ہو۔ لیکن بعض لوگوں نے اس کے وہ معنے اختیار کیے ہوں اور یہ سمجھ لیا ہو کہ نسخ سے مراد وہ شئے ہے

جو کسی ابہام اور غلط فہمی کو دُور کرے۔ چنانچہ خود امام ابن تیمیہ لفظ نسخ کے ایسے استعمال کی ایک مثال پیش کرتا ہے اور بعض ان آیات کو بطور حوالہ نقل کرتا ہے جن کو بعض حدیثوں میں منسوخ کہا گیا ہے۔

اب ہم اس مضمون کو اسی جگہ ختم کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ مسئلہ ناسخ و منسوخ کی تردید کے لیے کافی دلایل اور ثبوت ہم پہنچا دیئے گئے ہیں۔ اور ہم دعا کرتے ہیں کہ یہ مضمون خلق خدا کو غلط فہمی سے نکالنے کا موجب ہو۔ آمین۔

بابی مذہب - ۴

بہاء اللہ کے دعاوی

اگرچہ جیسا کہ کسی گذشتہ اشاعت میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ باب کے بعد بابی مذہب فرقوں میں اور پھر وہ فرقے شاخوں میں تقسیم ہو گئے۔ لیکن یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہو چکی ہے کہ اس سلسلہ کا سارا دارومدار بہاء اللہ کے دعاوی پر ہے۔ بہائی مذہب میں بہاء اللہ کی آمد کوئی معمولی بات نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ تمام مرسلین و انبیاء جو باوقات مختلف ایک موعود کی بشخبری سناتے چلے آئے تھے۔ وہ سب پیشگوئیاں اسی بہاء اللہ کے حق میں تھیں۔ اور بہاء اللہ ہی وہ موعود ہے جو ان سارے نبیوں کی پیشگوئیوں کے مطابق آیا۔ چنانچہ خود بہاء اللہ بھی اپنی ایک تصنیف میں اسی بارہ میں اپنے متعلق الفاظ ذیل لکھتا ہے۔ ھذا ھو الذی ذکرہ محمد رسول اللہ ومن قبلہ الروح و قبلہ الکلیم ...... وھذا الصراط الاقوم کان مکنونا فی افئدۃ الانبیاء ومخزونا فی صدور الاصفیاء و مسطورا من القلم الاعلیٰ فی الواح ربکم مالک الاسماء۔

ترجمہ "یہ وہی ہے جسکے آنیکی نسبت محمد رسول اللہ صلعم نے پہلے خبر دی تھی۔ اور اُن سے پہلے حضرت مسیح نے اور اُنسے پہلے حضرت موسیٰ نے پیشگوئی کی تھی ×××× یہی وہ سب سے بہتر صراط مستقیم ہے جو نبیوں کے دلوں میں مستور چلا آتا تھا۔ اور خاصان خدا کے سینوں میں جمع پڑا تھا۔ اور جو تمہارے مالک (خدا) ملک الاسماء کی الواح میں قلم اعلیٰ کے ساتھ لکھا ہوا تھا"۔ پس اسطرح سب سے پہلی بات جو بہائی سلسلہ کے متعلق یاد رکھنے کے قابل ہے یہ ہے کہ بہاء اللہ اس بات کا مدعی ہے کہ میں اُن پیشگوئیوں کے مطابق آیا ہوں جو پہلے انبیاء کسی موعود کے بارہ میں کرتے چلے آئے ہیں۔

شاید ہمارے ناظرین اس بات سے آگاہ ہوں گے کہ الہامی کتابوں کو ماننے والی اقوام میں ایک موعود کی آنیکی انتظار لگی ہوئی ہے۔ بہاء اللہ جیسا ہوشیار مدعی اس پہلو سے فایدہ اُٹھائے بغیر کب رہ سکتا تھا۔ اس نے جہانتک اُس کا بس چلا اکثر اقوام کو مخاطب کر کے کہا کہ مَیں وہی ہوں جس کی تم انتظار میں بیٹھے ہو۔ چنانچہ کتاب الاقدس میں مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوکر انہیں یہ کہا قل یاملاء الفرقان قد اتی الرحمٰن بسلطان مشہود۔ (دیکھو صفحہ ۱۰۰) اور اسی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ قرآن میں بہاء اللہ نباء عظیم ہے۔ پھر بحر العرفان میں جو بہاء اللہ کے ایک مرید کی تصنیف ہے اس میں کھولکر لکھا ہے کہ جہاں کہیں قرآن شریف میں یوم القیامۃ کا ذکر آیا ہے اُس سے مراد بہاء اللہ کی آمد کا زمانہ ہی ہے الخ یہ کہ ایسا ہی لفظ ساعۃ سے بھی قرآن شریف میں یہی مراد ہے۔ مسلمانوں کے عقاید کے مطابق آخری زمانہ کے منتظر موعود کے بارہ میں اسی قدر دعویٰ کیا ہے۔ اور باقی اقوام کا موعود ہونیکے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہم آگے چلکر ذکر کریں گے۔ اور اس بات پر بحث بھی کسی آیندہ مضمون میں کریں گے کہ آیا اُس کے یہ دعوے صحیح ہیں یا غلط اور آیا اُسکے پاس کوئی ثبوت اور دلایل اپنے ایسے دعووں کی تصدیق کے لیے موجود ہیں یا نہیں۔ یہاں پر اسقدر دیکھنے کے بغیر ہم آگے نہیں چل سکتے کہ آیا مسلمانوں کو جس موعود کی انتظار تھی وہ اسی قسم کا ہے جس قسم کا بہاء اللہ اور اس کی جماعت بیان کرتی ہے یا کوئی اور؟ سب سے پہلے تو یہ بات ہی غلط ہے کہ کبھی کسی اسلامی فرقہ میں رحمٰن کے بذات خود آنیکی انتظار کی گئی۔ ابتدائے اسلام سے آجتک کوئی بھی فرقہ اسلام میں ایسا نہیں ہوا جس کو یہ خیال ہی ہوا ہو کہ کبھی کسی زمانہ میں خدائے رحمٰن خود جامۂ انسانیت پہنکر نزول فرمائیں گے۔ اسلام کا سب سے اہم کام تو دنیا میں اس قسم کے عقاید کا قلع قمع کرنا ہے۔ وہ تو خود عیسائیوں اور دوسری اقوام کے ایسے حلولی عقاید کے ابطال اور اصلاح پر زور لگا رہا ہے وہ خود ہی ایسے مکروہ عقاید کے جال میں کیسے پھنس سکتا ہے۔ صریح تو درکنار ایک بھی قرآنی پیشگوئی یا کسی حدیث نبوی کا جملہ ایسا نہیں جس سے کسی تاویل یا کنایہ سے ہی کبھی کسی فرقۂ اسلامی نے ایسا عقیدہ بنالیا ہو کہ گویا خدا بذاتِ خاص کسی وقت دنیا پر انسان بنکے آئیگا۔ اسلام تو جڑھ سے ہی ایسے اصول اور خیالات کا دشمن ہے۔ ہاں جہالت کا کوئی علاج نہیں اور اگر کوئی اس قسم کا نادان نادانی اور ناواقفیت سے کوئی ایسی بات کہدے تو اس کا اسلام ذمہ وار نہیں۔ اور جو کوئی ایسا سمجھے وہ اسلامی عقیدوں کا مخالف ہوگا۔

اس موقع پر اس بات کا سمجھنا ضروری ہوگا کہ آخری زمانہ میں جس موعود کی آمد کے مسلمان منتظر ہیں وہ کون اور کیسا ہے۔ ہم نے اسی رسالہ کے بعض نمبروں میں اس مضمون پر مفصل بحث کی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی تفصیل کی اب یہاں ضرورت نہیں۔ کیونکہ آمد موعود آخر زمان کے متعلقہ پیشگوئیاں کوئی چھپی ہوئی نہیں بلکہ عام طور پر معروف ہیں اور ہم نے بھی انکو کئی دفعہ اس رسالہ میں درج کیا ہے۔ اس لیے اس جگہ مجمل طور پر

بیان کرتے ہیں کہ احادیث میں اس کے متعلق بہت کثرت سے پیشگوئیاں ہیں۔ لیکن ان تمام کی بنیاد قرآن شریف ہے۔ اور قرآن شریف نے اس موعود کی حقیقت کو سمجھانے کے لیے نہایت پُر لطف حکیمانہ پیرایہ اختیار کیا ہے اور اس کو یوں بیان کیا ہے کہ سلسلہ محمدی اور سلسلہ موسوی اس پہلو میں مشابہت رکھتے ہیں کہ آنحضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلعم جو سلسلہ اخریٰ کے بانی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جو سلسلہ اولیٰ کے بانی ہیں دونوں میں ایک مشابہت اور مماثلت ہے جس کو قرآن شریف سورۃ المزمل میں آیت انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً میں بیان فرماتا ہے۔ اور ایسا ہی اور موقعوں پر بھی ذکر کیا ہے۔ مگر دونوں سلسلوں کی مماثلت ایسی نہیں کہ جس کا یہیں تک خاتمہ ہو۔ بلکہ یہ دونوں سلسلے نقطۂ ابتدائی سے لیکر انتہائی تک باہم دو متوازی خطوط کی طرح چلے جاتے ہیں جو بحالت استقامت کسی طول تک متوازی ہونے سے نہیں رُکتے۔ چنانچہ اس مماثلت پر روشنی ڈالنے کے لیے خود قرآن شریف کی سورۃ النور میں لکھا ہے۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔ یعنی اللہ اُن لوگوں کے ساتھ جو تم میں سے ایمان لائے اور عمل صالح کرتے ہیں وعدہ کرتا ہے کہ اُن میں سے آنحضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے خلیفے بھی اُسی طرح بنائیگا جس طرح اُن لوگوں میں سے خلیفے بنائے گئے تھے جو تم میں سے پہلے تھے (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اتباع میں سے۔)

اب یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ سلسلہ موسوی میں حضرت مسیح علیہ السلام خلیفہ آخری تھے۔ گویا یہ سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت مسیح ناصری علیہ السلام تک ختم ہوتا ہے۔ پس سلسلہ محمدیہ کے لیے بھی ضروری تھا کہ جیسا وہ ایک مثیل موسیٰ سے شروع ہوا اسی طرح مثیل مسیح تک اس کے ساتھ متوازی چلا جائے۔ اور یہ بات اوپر ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلعم کو قرآن شریف میں مثیل موسیٰ کہا گیا ہے۔ اور آپکے خلیفوں کو مثیل خلفائے موسیٰ کہا گیا ہے۔ جیسے موسوی سلسلہ میں ایک آخری خلیفہ کی آمد کی پیشگوئیاں زور شور سے چلی آتی تھیں اور اُمتِ موسیٰ علیہ السلام اُس کی راہ تک رہی تھی اسی طرح محمدی سلسلہ میں آخری خلیفہ کی انتظار میں تمام فرقے چشم براہ تھے۔ اور جس رنگ و روپ میں موسوی خلیفہ آخرالزمان آیا تھا وہی رنگ و روپ سلسلہ عالیہ محمدیہ کے آخری موعود خلیفہ کا بھی ہونا ضروری تھا۔ گویا محمدی خلیفۂ آخرزمان کو موسوی خلیفۂ آخرزمان یعنی مسیح علیہ السلام سے روحانیت اور تعلیم میں مماثلت ہوگی۔ اور جیسا کہ غالب اوصاف کے لحاظ سے سلسلہ موسوی کے اس آخری خلیفہ کا نام مسیح تھا ویسے ہی سلسلہ عالیہ محمدیہ کے اس آخری خلیفہ کا نام وصفی طور پر مسیح ہونا ضروری تھا۔ پھر ان دونوں کے زمانوں کے فاصلے اور کارناموں اور وصفوں میں مشابہت کا ہونا اور آخرالذکر کا ایسے زمانہ میں نازل ہونا کہ جیسے زمانہ میں اول الذکر کی نسبت طرح طرح کے بدعقاید کی تاریکی دنیا پر غالب

آگئی اور اس کی حمایت یعنی کفارہ کی آڑ میں جرائم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ یہ سب امور اسی بات کے مؤید ہیں۔ اور دونوں کا حلیہ نبوت میں نازل ہونا ضروری ہے۔

جس قرآنی آیت کو ہم نے اوپر پیش کیا ہے وہ سلسلہ محمدیہ کے آخر الزمان مصلح موعود کے نزول وظہور کے متعلقہ پیشگوئیوں کا لب لباب ہے۔ اور صحیح اور معتبر حدیثوں میں بہت وضاحت کے ساتھ اس موعود کا نام مسیح ظاہر کیا گیا ہے۔ اور اس کے نزول کا نام مسیح ابن مریم کا نزول ثانی رکھا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ ان دونوں سلسلوں کے آخری موعودوں میں روحانی طور پر ایسی اتم اور اکمل مماثلت اور مشابہت مقدر کی گئی ہے کہ اُن کے نام بھی ایک ہی پسند کیے گئے ہیں۔ بعض لوگ جو حقیقت معاملات پر غور کرنیکی عادت نہیں رکھتے اور عبارات کو صرف سطحی معنوں پر محمول کرتے ہیں وہ اس خیال میں بیٹھے ہیں کہ گویا سلسلہ محمدیہ ایک ایسا ناقص سلسلہ ہے کہ اس کی تکمیل کے لیے وہی سلسلہ موسوی کے خلیفہ آخر الزمان مسیحؑ دوبارہ دنیا پر تشریف لائیں گے۔ یہ اُن کی سراسر نادانی ہے۔ کیونکہ جب دونوں سلسلے قرآن شریف سے باہم مشابہ اور مماثل اور دو خطوط مستقیم متوازی کی طرح ثابت ہوتے ہیں۔ تو پھر اُن کا ایک آخری زمانہ میں ایک مسیح کے وجود میں پیوستہ ہوجانا باطل ٹھہرتا ہے۔ علاوہ بریں قرآن شریف تو اسی غلطی سے لوگوں کو بچانے کے لیے ڈنکے کی چوٹ سے پکار رہا ہے کہ وہ موسوی سلسلہ کا خلیفہ مسیح اپنی طبعی موت سے فوت ہوچکا ہے۔ اور فوت شدگان کا دوبارہ دنیا پر آنا بھی قطعی طور پر ممنوع ثابت ہے تو پھر وہ کیسے دوبارہ آسکتا ہے۔ اس کے علاوہ آیت استخلاف میں جو وعدہ خلیفوں کا دیا گیا ہے۔ اُس میں صاف لکھا ہے کہ سلسلہ عالیہ محمدیہ میں جو خلیفے خلفائے سلسلہ موسویہ کی طرح مامور کیے جائیں گے وہ جیسے کہ موسوی خلیفے اُمّت موسوی سے منتخب ہوتے تھے ویسے ہی محمدی خلیفے بھی اُمّت محمدی سے ہی چنے جائیں گے۔ چنانچہ وہ آیت شروع ہی اُمّت محمدیہ کو مخاطب کرکے کہتی ہے کہ تم میں سے اہلیت رکھنے والوں کو خلیفہ کیا جائیگا۔ یہ کہیں اشارہ بھی نہیں کیا گیا کہ کسی وقت اُمّت محمدیہ کے لیے کوئی ایسا خلیفہ مقرر کیا جائیگا جو کسی وقت پہلے موسوی اُمّت میں خلیفہ رہ چکا ہو۔

باقی رہا نام کا ایک ہونا سو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے الہامی کلام میں اس قسم کے استعارات بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں جس کو از سرنو حل کرنیکی ضرورت ہو۔ بلکہ مختلف زمانوں میں پیش ہوکر حل ہوتا رہا۔ خدا تعالیٰ کی یہ کیسی بڑی حکمت ہے اور کیسی ایمان بڑھانے والی بات ہے اور اس کی ہستی اور اس کی جلیل قدرتوں پر کیسی بدیہی ثبوت بخش ہے کہ جس مسیحؑ کی نسبت کسی آیندہ زمانہ میں ایک قسم کا جھگڑا برپا ہونیوالا تھا اسی کے آگے اسی نوعیت کے واقعات اور قضیہ کو پیش کیا۔ اور اسی کے ہاتھ سے اسکا فیصلہ کراکر ایک مستقل دستاویز اس کی سے کر زمانہ میں محفوظ رکھی تا اُنیس ۱۹ سو برس کے بعد جو اسی

شخص کے متعلق ایسا مسئلہ پیش ہونیوالا تھا اور ایک فریق غلطی اور ہٹ دھرمی سے اُس غلط پہلو پر اڑنیوالا تھا وہ اسی کے ہاتھ سے ملزم ہو کر اپنی اصلاح کرے یا اُن میں سے جن کو واژونے بخت نے گھیرا ہو اُن پر حجت الٰہی پوری ہو اور اس کے بُرے نتائج کا خمیازہ اُٹھانے کے لیے اسباب مہیا ہوں۔

جسطرح بعض مسلمان اس وقت ایک غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ وہی مسیح عیسیٰؑ جو سلسلہ موسوی کے خلیفہ تھے آخری زمانہ میں نازل ہونگے۔ اسی طرح حضرت مسیح موسوی کے زمانہ میں یہودی لوگ اس غلط فہمی میں غرق تھے کہ حضرت الیاس دوبارہ دنیا میں نازل ہوں گے۔ جسطرح حال کے مسلمانوں میں سے حقیقی علم اُٹھ گیا ہے اور الہامی استعارات اور کلام کے سمجھنے کی قوت سے محروم ہو کر صرف لفظی استخوان خوری کی بلا میں مبتلا ہو گئے ہیں اور تمام پیشگوئیوں کا لب لباب یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ دین محمدی کی تکمیل کے لیے ایک موسوی خلیفہ یعنی مسیحؑ جو اُس سلسلہ میں عہدۂ نبوت پر ممتاز تھا آئے گا۔ اسی طرح اُس زمانہ کے یہودی حضرت الیاسؑ کے متعلق اسی بدبختی میں گھرے ہوئے تھے۔ غرض یہ دونوں قومیں اس مرحلہ پر پہنچکر ایک دوسری کے مشابہ ہو گئی ہیں۔ اور کیسا صادق و مصدوق وہ نبی صلعم ثابت ہوتا ہے (جس کے قدموں کی خاک پر ہماری ہزار ہزار جان قربان ہے اور جس کے احسانوں کے پہاڑوں کے نیچے ہم ایسے دبے ہوئے ہیں کہ کبھی نکل سکتے ہی نہیں) جس نے بڑے رنج کے ساتھ اس پیشگوئی کو آج سے تیرہ سو برس پہلے بیان کیا ہوا تھا کہ میری اُمت بھی ایک زمانہ ادبار کا آنیوالا ہے جب یہ یہودیوں کی ملتیں اختیار کریں گے اور اُن کے ساتھ مشابہت تامہ پیدا کرلیں گے۔ اور یہ پیشگوئی آج ظہور میں آرہی ہے۔ وہ کیسی غیرت اور حمیت اسلامی ہے کہ جس دین کو افضل الرسل دنیا پر لاوے پھر وہ دین کسی نبی کے خلیفہ نبی کی امداد کا محتاج سمجھا جاوے۔ اگر حضرت موسیٰؑ ہی کا نام لے بیٹھے تو خیر اتنی ذلت اسلام کی تو نہ ہوتی۔ اگر غیرت باقی ہوتی اور غلطی میں ڈوبنا بھی ہوتا تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ عظمت اپنے گھر کی طرف کھینچی جاتی۔ یعنی اگر ایسی پیشگوئی ہوتی کہ مسیح موسوی دوبارہ آئیں گے تو غلطی اس طرف کرتے کہ موسوی مسیحؑ نہیں بلکہ اُمت محمدیہ سے خدا کسی کو مسیح کا مثیل بنا دیگا۔

غرض اگر یہ لوگ ذرہ اُن تمام پیشگوئیوں پر غور کرتے جو اس موعود آخر الزمان کے متعلق قرآن و حدیث میں ہیں۔ اور تدبّر اور تفکّر کرتے اور بارگاہ احدیت میں اس مشکل کے حل کے لیے دعا کرتے تو از خود ہی سب حقیقت منکشف ہو جاتی۔ تمام لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ اسلام میں جس موعود کی آمد کی پیشگوئیاں ہیں اسکو دو ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی مسیح اور مہدی۔ ابن ماجہ کی صحیح اور مستند حدیث لا مھدی الا عیسیٰ سے ثابت ہے کہ یہ دونوں خطاب ایک ہی شخص کے ہیں۔ دو خطاب گو جدا ہیں لیکن دو وجود جدا نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اگر مسیح موسوی کا دوبارہ آنا پایۂ ثبوت کو پہنچ سکے تو خطاب مہدی بھی شاید اسی کو دیا جانا مقصود ہو۔

یعنی دونوں پہلو سمجھے جا سکتے ہیں یا تو مسیح کو خطاب مہدی کا دیا جائے یا مہدی کو مسیح کا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں قرآن شریف اس زور اور تکرار سے مسیح موسوی کے دوبارہ آنیکو روکتا ہے اور ناممکن ثابت کرتا ہے کہ اس کا خیال ہی سر میں لانا احتمال معصیت رکھتا ہے۔ پس لازماً مہدی ہی اس خطاب مسیح پانے میں کامیاب ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ مہدی اُمت محمدیہ میں سے ہی خلیفہ موعود مسلّم ہے جس میں کسی شک کے دخل کا امکان نہیں۔

اب مسلمانوں کے سارے فرقوں میں صرف مہدی اور مسیح موعود کی آمد کے انتظار کے سوا کسی اور شخص کی آمد کا کبھی اعتقاد تو درکنار خیال بھی نہیں ہوا۔ غلط فہمی بھی صرف اسی حد تک متداثر رہی کہ مہدی اور مسیح دو جدا اشخاص ہیں۔ یعنی مہدی اُمت محمدیہ میں سے پیدا ہوگا اور عیسیٰ مسیح موسوی آئیں گے۔ لیکن بہاء اللہ نے نہ تو یہ دعویٰ ہی کیا ہے کہ میں مہدی یا مسیح ہوں اور نہ اس صحیح عقیدہ کے مطابق ہی اُس نے کبھی یہ کہا کہ میں مہدی اور مسیح ہوں۔ اس لیے اس کا مہدویت اور مسیحیت کے دعوے کے بغیر کسی اور موعود کا دعا کرنا اسکی نادانی پر محمول ہونیکے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ جبکہ کسی اور موعود کا نہ صراحتہً اور نہ کنایتہً ہی اسلام میں کہیں ذکر ہے تو پھر اُسکا یہ کہنا کہ میں اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق موعود ہوں صریح غلط نہیں تو اور کیا ہے۔ ماسوا اس کے اگر وہ مہدی اور مسیح ہونیکا دعویٰ کرنا کسی وجہ سے بھول بھی گیا تھا تو کم از کم اتنا تو کرتا کہ اسلامی اعتقاد کے موعود کے مطابق اپنے اوصاف ہی بیان کرتا۔ مگر یہ بھی نہیں۔ بلکہ جسقدر اس نے دعوے کیے وہ سب اسلامی عقاید کے بالکل مخالف تھے۔ اس کا مسلمانوں کو مخاطب کرنا اور انہیں سے ایک جماعت مریدین بنا لینا اور یہ ظاہر کرنا کہ میں اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق آیا ہوں جب تک فی الواقعہ اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق نہ ہو اُسوقت تک کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

ہم بہاء اللہ کے دعاوی کو پرکھنے کے لیے اسلام کی پیشگوئیوں کے صرف لفظی مفہوم پر ہی مقید نہیں رہنا چاہتے۔ کیونکہ یہ بعید از انصاف ہوگا۔ ہم اس کے معاملہ میں بھی ان پیشگوئیوں کے سمجھنے کے لیے اس کامل وسعت کی رعایت رکھتے ہیں جو انکے حقیقی مفہوم تک پہنچنے کے لیے علمی طور پر ضروری ہے۔ ان پیشگوئیوں کے وسیع معنے سمجھنے میں انکے عام اسلوب اور اصل خاکہ کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے۔ اور ان تمام وسعتوں اور گنجایشوں کی رعایت دینے کے بعد بھی بہاء اللہ کے دعوے اسلام کے خلاف ثابت ہوتے ہیں۔ اُس کی تو اپنی حالت یہ ہے کہ اپنی تصانیف میں ایک بات پر مستقل نہیں رہ سکا۔ ایک تصنیف میں جو کوئی دعویٰ کیا گیا ہے وہ دوسرے کے معارض اور مخالف ہے۔ اور اسی طرح دوسرا تیسرے کے اور تیسرا چوتھے کے وعلیٰ ہٰذا۔ یہ ایک ایسا صریح تعارض ہے کہ جسپر غالی بہائیوں کی بھی آنکھیں بند نہ رہ سکیں۔ باوجودیکہ طرفہ فیصلہ کر لینے کے اُنہیں اُنکی فطرتوں نے ملزم کر کے اس بات پر مجبور کیا کہ بہاء اللہ کی

اس اجتماع نقیضین کو کسی تعبیر سے ممکن کر دکھائیں۔ چنانچہ بعض مریدوں نے اس کی طرف سے یہ دعویٰ کیا کہ دراصل بہاء اللہ ان پیشگوئیوں کے مطابق نہیں آیا تھا جو مہدی و مسیح کے متعلق ہیں بلکہ اور ہی پیشگوئیوں کے مطابق آیا۔ جیسے مثلاً مصنف بحر العرفان جو بہاء اللہ کا ایک پکا اور وفادار معتقد تھا اپنی ایک تصنیف میں لکھتا ہے کہ بہاء اللہ کی آمد درحقیقت حضرت حسین کی دوبارہ آمد ہے۔ یعنی بہاء اللہ دراصل حضرت حسین ہے جو دوبارہ دنیا پر آیا ہے۔ جب قرآن و حدیث کے رو سے اسکا دعویٰ بے بنیاد سمجھ لیا تو پھر اس ضعیف بات پر سہارا لینے کی طرف رجوع کیا جو بعض شیعہ مانتے ہیں۔ شیعوں میں ایک گروہ اس بات کو مانتا ہے کہ حضرت مہدی کے بعد حضرت حسین دوبارہ دنیا پر نزول فرماویں گے۔ مگر بذات خود ایسا اعتقاد کسی مستند پیشگوئی کی بنیاد پر نہیں۔ نہ کہیں قرآن شریف میں اسکا ثبوت ہے اور نہ کسی حدیث نبوی میں اسکا کوئی مذکور ہے۔ اور نہ ہی سارے شیعہ صاحبان اس امر کے معتقد ہیں یہ صرف بعض بے سمجھ غلو پسند شیعہ دماغوں کی تفریط ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص اس کے مطابق بھی دعویٰ کرے تو وہ بھی نادانی اور غلطی ہے۔ لیکن بہاء اللہ کے معاملہ میں تو نوبت یہانتک پہنچنے ہی نہیں پاتی۔ بات کا تو اُستاشاگردوں کے مابین ہی قصہ تمام ہو جاتا ہے۔ اُستاد کچھ کہتا ہے شاگرد اس کے مرنیکے بعد اُسکو حسین بناتا ہے اُستاد نے کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ میں حسین ہوں اور وعدہ کے موافق دوبارہ دنیا پر آیا ہوں۔ اب جس حال میں اُستاد یعنی خود مدعی ایک دعوے کو پیش کرنے کے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو کسی مرید یا شاگرد کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اُس کے لیے کوئی ایسا دعویٰ یا خطاب تجویز کرے۔ غرض یہ ایسی بات ہے کہ جسکو ایک مسلمان کبھی قبول کر ہی نہیں سکتا۔ بابیوں کو بڑی مشکل تو علی محمد باب کو مہدی موعود قبول کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ باب کا دعویٰ تھا کہ مسلمانوں میں جس موعود کے متعلق پیشگوئیاں موجود ہیں اور جس کی وہ انتظار کر رہے ہیں وہ سب میرے ظہور سے پوری ہوگئیں۔ اور میں "نقطہ" ہوں یعنی میں وہ نقطہ ہوں جس میں تمام پیشگوئیاں اکٹھی ہو کر ختم ہو جاتی ہیں۔ اب ایک طرف علی محمد باب کا دعویٰ کہ میں نقطہ ہوں یعنی تمام اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق موعود ہو کر آیا ہوں۔ اور دوسری طرف بہاء اللہ کا یہی دعویٰ کہ میں بھی تمام اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق موعود ہو کر آیا ہوں۔ باہم نقیض ہیں۔ اگرچہ یہ امر ثابت ہے کہ ان دونوں کے دعاوی کو اسلامی پیشگوئیوں سے کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ بالکل انکے مخالف ہیں۔ لیکن جہانتک باب اور بہاء اللہ کے تعلقات ہیں اس حد تک بھی یہی نظر آتا ہے کہ باب کے دعوے کی موجودگی میں بہاء اللہ کا دعویٰ مضحکہ کی ہوا میں اُڑ جاتا ہے۔

بہاء اللہ نے قرآن شریف کے بعض الفاظ کو عجیب طرح سے کھینچ تان کر اپنی آمد کا مؤید ثابت کرنے

میں بھی بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ ایک کتاب میں اُس نے پہلے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ "میری آمد سے قیامت کا دن قایم ہو گیا ہے"۔ پھر آپ ہی پوچھتا ہے "اگر یہ قیامت کا دن ہے تو بہشت اور دوزخ کہاں ہیں؟" اور آپ ہی اسکا جواب دیتا ہے "اے شک کرنیوالے! میرا دیکھ لینا جنت ہے اور نہ میرا وجود دوزخ ہے" پھر سوال کرتا ہے "کیا مردے زندہ ہو گئے ہیں؟" اور آپ ہی اُسکا جواب دیتا ہے "ہاں! اس رحمٰن کی روح آگئی ہے اور اُسے دیکھکر دوسری ارواح جسموں کی قبروں کے اندر خوشی کے مارے اُچھل اور کود رہی ہیں"۔ گویا یہی مراد مُردوں کے قیامت کے دن زندہ ہونیسے ہے پھر سوال کرتا ہے کہ کیا آسمان پھٹ گئے ہیں؟ یعنی وہ وعدہ پورا ہو گیا ہے جو قرآن شریف نے اذا السماء انشقت میں کیا تھا اور آپ ہی اسکا جواب دیتا ہے کہ "آسمان تو اسوقت پھٹ گئے تھے جب تم غفلت اور ضلالت کے گڑھوں میں پڑے ہوئے تھے"۔ ایک اور سوال کرتا ہے "کیا ارواح سب جمع ہو گئے ہیں؟" اسکا جواب دیتا ہے "ہاں! بخدائے لایزال ارواح تو اسی وقت جمع ہو گئے تھے جب کہ تم ابھی خواب غفلت کی مہد میں لیٹے ہوئے تھے"۔

اسی طرح بہاء اللہ کا ایک مرید بڑی سنجیدگی سے اس بات پر دلایل پیش کرتا ہے کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں یوم القیامۃ کا ذکر ہے وہ دراصل استعارہ کے الفاظ میں بہاء اللہ کے ظہور ہی سے مراد ہے۔ چنانچہ اس کی تائید میں وہ سورۃ الروم کی آیت ویوم تقوم الساعۃ یومئذ یتفرقون یعنی جس دن وہ گھڑی (قیامت) قایم ہوگی تو لوگ ایک دوسرے سے جُدا جُدا ہو جائیں گے" پیش کرتا ہے۔ (دیکھو بحر العرفان صفحہ ۲۴۴) - اس آیت کے پیش کرنیسے وہ یہ استدلال کرتا ہے کہ قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ جس میں تفرقہ اور جُدائی کا ہونا ممکن نہیں۔ اس لیے اس آیت میں الساعۃ سے مراد بہاء اللہ ہی کی آمد ہے۔ مگر یہ مطلب سوائے آیت کے معنوں کو کھلے طور پر بگاڑنے کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو شخص چاہے قرآن شریف کو کھولکر دیکھ سکتا ہے کہ اس آیت میں اور اس کے ماقبل اور مابعد کی آیتوں میں قیامت کے دن کا ذکر ہے جس دن کوئی معبود اور شفیع فایدہ نہ دے گا۔ ایسا ہی قرآن شریف کی سورہ العنکبوت کی آیت ثم یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض و یلعن بعضکم بعضاً وماوٰکم النار۔ بھی بہاء اللہ کی آمد کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے۔ اور اس میں طریق استدلال یہ ہے کہ چونکہ بہاء اللہ اور اس کے مریدوں کو لوگوں نے لعنتوں کے طوق پہنائے اور انکی تکفیر اور انکار کیا اس لیے یہ آیت بھی بہاء اللہ کی آمد ہی کی پیشگوئی ہے۔ یہ ایک ایسی بعید از قیاس بات ہے کہ جسے بادی النظر میں ہی ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی پرلے درجہ کی ناواقفیت اور حماقت کہنے پر مجبور ہو جاتا

اور یہ اس بات کا ایک صریح ثبوت ہے کہ یہ لوگ قرآن شریف سے بالکل نابلد اور بے بہرہ ہیں۔ اس آیت سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کا ذکر ہے۔ اور یہ ساری آیت اس طرح پر ہے۲ ویلعن بعضکم بعضا۔ وماؤکم النار ومالکم من ناصرین۔ یعنی "ابراہیم نے کہا۔ تحقیق تم نے خدا کے سوا بتوں کے ساتھ اس دنیا کی زندگی میں محبت اختیار کر رکھی ہے۔ پھر قیامت کے دن بعض تمہارے بعض کا انکار کرینگے اور ایک دوسرے پر لعنتیں بھیجیں گے۔ اور تمہارا اٹھکانہ آگ ہوگا۔ اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔" یہ ہے آیت اور اس کا ترجمہ جس کو بہاء اللہ کی آمد کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں صریح طور پر حضرت ابراہیم کا خطاب اپنی قوم کو ثابت ہے۔ اور حقیقی طور پر قیامت کا ذکر ہے۔ کوئی سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ یہ آیت کسی طرح سے بہاء اللہ کی آمد کے متعلق ہو سکتی ہے۔

الغرض اس طرح مسلمانوں کے ہاں اپنی موعودیت جتلا کر بہاء اللہ نے یہ خیال کیا کہ یہاں تک بس نہیں کرنی چاہیئے دوسری قوموں کو بھی اپنے دام میں لانیکی کوئی کوشش کرنی چاہیئے۔ چنانچہ اسکے بعد عیسائیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اور انہیں کہا کہ میں یسوع مسیح کی پیشگوئیوں کے مطابق آیا ہوں۔ چنانچہ کتاب الاقدس میں اس بات پر زور دیا اور لکھا کہ "اے اہل انجیل! اب آسمان کا دروازہ کھولا گیا ہے۔ اور وہ جو اوپر چڑھ گیا تھا اب نیچے آگیا ہے۔ اور وہ بر و بحر میں ندا کر رہا ہے۔ اور سب لوگوں کو اپنے ظہور کی خوشخبری سنا رہا ہے جو عظمت کی زبان سے نکلی ہوئی تھی۔ تحقیق وہ وعدہ اب پورا ہو گیا ہے اور وہ موعود اب سامنے کھڑا ہے۔" اس عبارت سے اس کی مراد یہ نہ تھی کہ گویا وہ خود یسوع مسیح ہے جو عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق آسمان پر چڑھ گیا تھا۔ کیونکہ اس بیان کے بعد ہی اس نے ایک اور عبارت لکھی ہے اور اس میں لکھا ہے کہ میں وہ روح الصدق ہوں جو بائبل میں مذکور ہے ہم اس عبارت کو نیچے نقل کر دیتے ہیں۔ "کہو! میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ تحقیق جو کچھ الٰہی کتب میں لکھا تھا۔ وہ پورا ہو گیا۔ تحقیق وہ جسکو پرانے عہدنامہ میں "یہوہ" کہا گیا ہے اور نئے عہدنامہ میں "روح القدس" بیان کیا گیا ہے اور قرآن میں "نبا عظیم" لکھا گیا ہے وہ یہی ہے۔"

یہ بات تو اوپر ثابت ہو چکی ہے کہ بہاء اللہ کا دعویٰ اسلامی پیشگوئیوں کی رو سے بالکل لغو اور بے ہودہ تھا اول تو نہ اس نے خود اور نہ اس کی طرف سے اسکو کسی مرید نے کبھی یہ دعویٰ پیش کیا کہ گویا وہ اس عہدہ پر ممتاز ہو کر آیا تھا جسکو اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق مسلمان منتظر تھے۔ اور دوسرے جو دعوے اس نے کیے تھے اس کے متعلق کسی پیشگوئی کے وجود کا اسلام کے اندر کوئی ثبوت نہ دیا۔ اب ہمیں یہ

۲ وقال انما اتخذتم من دون اللہ اوثانا مودۃ بینکم فی الحیوۃ الدنیا ثم یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض

دیکھنا ضروری ہے کہ آیا وہ کسی عیسائی پیشگوئی کے مطابق مدعی ہوا تھا۔ یا اُس کے مزعومہ دعاوی کی تائید میں کوئی پیشگوئی عیسائی مذہب میں موجود ہے۔ سو واضح رہے کہ اناجیل میں دو الگ الگ پیشگوئیاں مذکور ہیں۔ ایک تو مسیح ؑ کی آمد ثانی کے بارہ میں ہے اور دوسری روح الصدق یعنی فارقلیط کی آمد کے متعلق ہے۔ یہ موخر الذکر پیشگوئی یوحنا کی انجیل کے باب ۱۶ - آیات ۱۲-۱۳ میں یسوع کی طرف سے بالفاظ ذیل منقول ہے "مجھے ابھی تمکو اور بھی بہت کچھ کہنا ہے۔ لیکن اب تم میں انکے برداشت کی طاقت نہیں مگر جب وہ یعنی روح الصدق آئیگا تو تمھیں صدق کی طرف رہنمائی کریگا۔ ...... اور آنیوالی چیزیں تمکو دکھائیگا" اور اسی انجیل کے ایک اور مقام پر لکھا ہے "وہ تمھیں ایک اور تسلی دینے والا دیگا کہ تا وہ ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے" مسیح کی دوبارہ آمد کے متعلق پیشگوئی مفصل طور پر متی کی انجیل میں لکھی ہوئی ہے۔ اور یہ دونوں جُدا جُدا پیشگوئیاں ہیں۔ انکو باہم مخلوط کرنا سخت غلطی ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک فارقلیط والی پیشگوئی تو روح القدس کے نزول سے پوری ہوگئی۔ یہ روح القدس عیسائی تثلیث کا جزو ثالث ہے جو حواریوں پر نازل ہوا تھا۔ اور دوسری پیشگوئی انکے اعتقاد میں ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔ وہ اس کے مطابق اُسی مسیح کے نزول کے منتظر بیٹھے ہیں۔ کیونکہ انکے خیال میں وہ مسیح آسمان پر چڑھ گیا تھا اور وہی دوبارہ نازل ہوگا۔ لیکن ان پیشگوئیوں کی اس تعبیر سے مسلمانوں کو اتفاق نہیں۔ کیونکہ جو کچھ عیسائیوں نے سمجھ رکھا ہے وہ محض ایک خیالی بات ہے جسکی تائید سوائے اوہام غالبہ کے اور کسی دلیل معقول اور واقعہ صحیحہ سے نہیں ہوتی۔ اور مسلمان جو کچھ اس کا مطلب سمجھتے ہیں وہ معقولات اور منقولات صحیحہ معتبرہ اور مستندہ اور دلایل قویہ پر مبنی ہے چنانچہ فارقلیط موعود کی جو پیشگوئیاں ہیں وہ آنحضرت محمد مصطفٰے صلعم بانیٔ اسلام کے ظہور سے پوری ہوئیں اور یہی مسلمانوں کا ایمان ہے۔ اور نزول ثانی مسیح سے مراد اسلام میں اُمت محمدی میں سے ایک شخص موعود کی آمد ہے جو مسیح ناصری کی روحانیت لیکر نازل ہوگا۔ اس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے کہ اس موعود سے مراد حضرت مسیح ناصری اسرائیلی کا آنا نہیں کیونکہ وہ قرآن شریف کی شہادت سے اپنی عمر طبعی گذار کر اس دار فانی سے عالم بقا کو رخصت ہو چکے ہیں۔ اور اس عالم میں جو لوگ جا پہنچتے ہیں اُنکا لوٹ کر یہاں آنا ممتنع ہے۔ اور سوائے اس کے سلسلہ محمدیہ اپنی اہمیت اور عظمت کے لحاظ سے ایسے مسیح کی خدمت کا محتاج نہیں اور نیز اُنکا نبی اسرائیلی اور اُمت محمدی میں سے ہونا دونوں مختلف امور ہوتے ہیں۔ اس لیے اس سے مراد ایک عظیم الشان شخص کا اُمت محمدیہ میں سے آنا ہی جو اپنے خواص اور فضائل میں مسیحیت کا رنگ رکھتا ہو اور اس دین کی خدمت کی ذمہ واری کا بوجھ اُٹھانیکی قابلیت رکھتا ہو۔

غرض اس سارے بیان سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بہاء اللہ کی آمد عیسائیوں کی مسلمہ پیشگوئی کے

موافق بھی نہیں ثابت ہو سکتی۔ بلکہ اُس کے دعوے کا تار پود ہی شکستہ ہوجاتا ہے اور گر کر خاک میں مل جاتا ہے۔ نہ صرف واقعات کی بحث اور تطبیق ہی بہاء اللہ کے دعوے پر پانی پھیرتے ہیں بلکہ اسکا اپنا اقبال ہی اس کو اس دعوے میں جھوٹ اور افترا کا ملزم قرار دیتا ہے۔ اس نے شاہ ایران کے نام ایک عرضداشت میں نہایت وضاحت کے ساتھ اسی پیشگوئی کا جو اناجیل میں فارقلیط کے متعلق ہے آنحضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مصداق قرار دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایک پیشگوئی جو کسی ایک موعود کے متعلق ہو اسکے دو مصداق تو ہو نہیں سکتے۔ اور خصوصاً جس حال میں بہاء اللہ خود ہی اُس پیشگوئی کو آنحضرت صلعم پر چسپاں کرتا ہے اور اسکو ثابت کرنے پر ہر طرح زور دیتا ہے تو پھر کونسی گنجایش باقی رہتی ہے کہ اسی پیشگوئی کا مصداق اسکو بھی سمجھا جائے۔ پس یہ بات بہاء اللہ کے اپنے مصداق ہونیکے ادعا کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ اور اس کو اس کے اپنے ہی کہنے سے ملزم کرتی ہے۔ بہائی عقاید کے وکلا نے اپنی طرف سے زور دیکر اسکو کچھ کا کچھ بنانے میں فرق تو نہیں کیا۔ ہر ایک وادی میں عقل کے جاسوس کو پھیرا اور جہاں کہیں کسی موعود کے متعلق کوئی بات نظر آئی وہ سب بہاء اللہ کے دامن میں ڈالنے کی کوشش کا بیڑا اُٹھایا۔ اور مدعی سُست گواہ چُست ضرب المثل کو اپنے حسب حال کر دکھایا۔ اور تو کہیں رہے مصنف "بحر العرفان" کی کوتہ اندیش قلم کے توسن نے اس عرصہ میں سب سے بڑھکر قدم بڑھایا۔ اور دروغگو را حافظہ نباشد کا نمونہ بن دکھایا۔ ایک طرف بہاء اللہ کو تمام پیشگوئیوں کے مطابق اُتارا۔ اور دوسری طرف عیسائیوں کی مسلمہ تمام پیشگوئیوں کو مرسلین کے سردار محمد مصطفےٰ صلعم کے حق میں ثابت کرکے بہاء اللہ کے پوزیشن کو اور بھی خراب کر دیا البتہ بعض دوسرے حامیوں نے ذرا آگے قدم بڑھایا۔ اور ہر طرف سے گھر گھرا کر انگوروں کے باغ کے مالک والی تمثیل جو انجیل میں لکھی ہے بہاء اللہ پر اسی کا رنگ چڑھایا۔ اس تمثیل کو اُس کے وجود پر لگانے کا یہ راستہ نکالا کہ نوکروں کا جو اس میں ذکر ہے اس سے مراد نبیوں کو ٹھہرایا۔ اور انگوروں کے باغ کے مالک کا بیٹا مسیح ناصری کو سمجھایا۔ اور بہاء اللہ کو باغ کا مالک بیان کیا جو سب سے پیچھے آیا۔ اور اور وہ جو حقیقت میں ہر ایک فضیلت اور عظمت کا مالک اُمّی عربی محمد صلعم ہے اس کے لیے صرف مُہر انبیاء کا مقام مقرر کرایا۔ اور اُن کے سلسلہ کو ایک خاص مشن بنایا۔ ان ساری متزلزل سراسیمگیوں کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا بنا کہ بہاء اللہ نہ روح الصدق یعنی فارقلیط رہا اور نہ مسیح ثانی ہوا۔

(نوٹ۔ یہ مضمون ناتمام رہا ہے باقی اگلے سال میں آئیگا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نئی سوانح عمری

سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانئ اسلام - ایک چھوٹی سی کتاب کا نام ہے جسکو شریمتی پرکاش دیوجی پرچارک براھمہ دھرم نے لکھکر حال میں ہی شایع کیا ہے - اگرچہ کتاب چھوٹی ہے مگر بلحاظ مضامین کے نہایت قیمتی ہے - قابل مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کو ایسی منصفانہ طرز سے مگر ساتھ ہی ایسی قابلیت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ بہت سے اعتراضات جو اکثر متعصب مخالفین اسلام جیسے آریہ صاحبان یا پادری صاحبان کیا کرتے ہیں - جیسے جنگوں کے متعلق یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج کے متعلق - وغیرہ - انکی تردید ساتھ ساتھ ہی ہوتی چلی گئی ہے - شروع سے اخیر تک اس کتاب کو پڑھ جاؤ مگر ایک فقرہ بھی ایسا نہ پاؤ گے جو دُکھ دینے کے لیے لکھا گیا ہو - آجکل کا عام طریق یہ ہے کہ جب ایک غیر مذہب والا دوسرے مذہب کے متعلق لکھتا ہے تو خوبیوں کو بھی عیب بنا کر دکھانیکی کوشش کرتا ہے مگر شریمتی پرکاش دیوجی نے اس تحریر میں اس صلح کا رنگ اختیار کیا ہے جسکی طرف اسلام بلاتا ہے - ہم امید کرتے ہیں کہ یہ چھوٹی سی تصنیف ملک کے لیے نہایت مفید ہوگی اور اسی قسم کی اور تصانیف شایع ہو کر صلح کی بنیاد ڈالنے والے مذہبی لٹریچر میں ترقی ہوگی - اُمید ہے کہ ہندو صاحبان جو اسلامی مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے محروم ہیں اس مختصر سی کتاب کو پڑھکر بانئ اسلام کی زندگی کے صحیح واقعات اور آپکے صحیح حالات کے اطلاع حاصل کرسکیں گے - ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ مسلمان بھی اس کتاب کو خریدیں اور پڑھیں یا اپنے ہندو دوستوں کو بطور تحفہ دیں - تاکہ بہت سی غلطیاں جو تعصب کے ساتھ پھیلائی گئی ہیں دُور ہوں - کتاب کی قیمت صرف ۵ر ہے - ملنے کا پتہ یہ ہے - مینیجر براھمہ دھرم پرچار آفس لاہور -

نقشہ اجرت اشتہارات در رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی و اردو

میعاد	پورا صفحہ انگریزی	پورا صفحہ اردو	نصف صفحہ انگریزی	نصف صفحہ اردو	چوتھائی صفحہ انگریزی	چوتھائی صفحہ اردو
[illegible]انہ	للعہ	صہ	صعہ	ہہ	صعہ	عہ
[illegible]ہی	صعہ	ہہ	صعہ	عہ	عہ	ععہ
[illegible]ہی	صعہ	عہ	عہ	عتہ	ہعہ ۸	ہے ر
[illegible]دفعہ	ہعہ ۸	ہے ر	صر	صر	ہے ر	ہے ر

فی سطر اردو عہ انگریزی ۸ر

تمام درخواستیں بنام نائب ناظم میگزین - قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہییں -

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ | بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۸ء | نمبر ۱

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰ - جنوری سنہ ۱۹۰۸ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عگر

صدر انجمن احمدیہ قادیان

یہ انجمن اس وقت حسب ذیل کام کر رہی ہے

(۱) اشاعت اسلام - اس غرض کیلیے رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی میں جاری کیا گیا ہے جس کی ایک کثیر تعداد یورپ اور امریکہ اور جاپان میں مفت بھیجی جاتی ہے - اس خرچ کے پورا کرنیکیلیے یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ سب احباب جو اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں اعانت کا کچھ نہ کچھ چندہ دیں یا اپنے خرچ پر ایک ایک دو دو چار چار دس دس رسالے باہر بھجوادیں فی رسالہ جو باہر بھیجا جائے چندہ للعہ سالانہ ہے - مگر انگریزی رسالہ کی قیمت ہندوستان کیلیے للعہ سالانہ ہے - بعض کتب انگریزی میں طبع کرکے اسی غرض کے لیے مفت تقسیم کیجاتی ہیں - رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو میں بھی شایع ہوتا ہے جسکا چندہ عہ سالانہ ہے - ان احمدی احباب کو جو استطاعت رکھتے ہیں چاہیئے کہ اس رسالہ کو خریدیں اور پڑھیں کیونکہ اس میں نہایت قیمتی اور اہم مضامین درج ہوتے ہیں اور ہر قسم کے اعتراضات اور وساوس دور کیے جاتے ہیں - ان مضامین سے واقفیت حاصل کرنا ہر ایک مسلمان کیلیے ضروری ہے سب احباب کا فرض ہے کہ علاوہ خود خریدار بننے کے اس رسالہ کی خریداری کی تحریک اپنے احباب میں بھی کریں - رسالوں کے علاوہ اس مد کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی ہے جس میں حضرت اقدس اور بعض احباب کی تصانیف اور بعض مفید اسلامی کتب فروخت کیجاتی ہیں -

(۲) تعلیم دینی و دنیوی - اس غرض کے لیے ایک مدرسہ انگریزی انٹرنس تک تعلیم دینے کیلیے ہے جس میں علاوہ مروجہ مضامین کے دینیات اور عربی کی تعلیم بھی دیجاتی ہے اور ایک مدرسہ عربی مولوی فاضل تک تعلیم دینے کیلیے ہے جس میں علاوہ مولوی فاضل کی تعلیم کے دینیات کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم اور اس کے ساتھ تھوڑی انگریزی اور کسیقدر دیگر مضامین مروجہ اور طب کی تعلیم بھی دیجاتی ہے - ایک گرلز سکول لڑکیوں کی تعلیم کیلیے بھی ہے اور تین برانچ سکول دیہات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مسیح کے بارہ میں قرآنی فیصلہ

حضرت مسیح کے متعلق افراط وتفریط اور قرآنی فیصلہ

شاید ہی کوئی نبی گذرا ہوگا جس کے متعلق اس قدر افراط وتفریط ہوئی ہو جیسا کہ حضرت مسیح کے متعلق۔ ایک قوم تو وہ ہے جس نے اُسے خدا بنایا۔ اس سے دعائیں مانگیں اسے ہی خالق الارض والسمٰوات سمجھا بلکہ اس کی ماں کو بھی خدا بنایا اور اسکی پرستش کی۔ انکے مقابل ایک اور قوم ہے جس نے اسے نعوذ باللہ مفتری اور کذاب کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے ملعون ٹھہرایا انکی پاک ولادت پر ناجائز حملے کیے اور طرح طرح کے بہتان انپر اور انکی والدہ صدیقہ پر لگائے۔ ان فساد ونکی اصلاح کے لیے خدائے تعالیٰ نے اپنا کلام اپنے پاک اور پیارے بندے محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ جس میں ایک طرف تو یہ فرمایا کہ ہم اس کلام میں حضرت مسیح کی ان تمام الزامات سے تطہیر کرتے ہیں جو ایک کور باطن قوم نے انپر یا انکی والدہ پر لگائے۔ اور دوسری طرف یہ فرمایا کہ ہم ان باطل اور فاسد عقیدوں کی اصلاح کرتے ہیں جو ایک حق اور حقیقت سے بے خبر قوم نے حضرت مسیح کے متعلق بنا لیے ہیں چنانچہ قرآن کریم نے حضرت مسیح کے بارہ میں خدائی فیصلہ کو دنیا میں ظاہر فرمایا۔ اور خدا کی اس پاک کلام پر ہمارا ایمان اور بھی بڑھتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے نزول کے تیرہ سو سال بعد آج دنیا میں تمام طالبان حق اسی نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں جس کا اعلان تیرہ صدیاں ہوئیں ملک عرب میں خدا کے ایک برگزیدہ نبی فداہ ابی وامی نے کیا

تھا۔ اور جہاں یہود میں ایسے لوگ دن بدن بڑھتے جاتے ہیں جو حضرت مسیح کے حق میں ناشایستہ الفاظ کے استعمال کو چھوڑ کر آنجناب کی عزت کرتے ہیں عیسائیوں میں ایک بہت بڑا گروہ اس باطل عقیدہ سے بیزار ہو گیا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح خدا تھے یا خدائی کے حصہ دار تھے۔ اور دونوں قومیں اسی سچے عقیدہ کو اختیار کر رہی ہیں جو قرآن کریم نے سکھایا تھا۔

باوجود اس عظیم الشان انقلاب کے جو مسیح کے متعلق عقیدہ میں واقع ہو رہا ہے اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو حق سے منہ پھیر لینے میں اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ ایک صاحب جن کا نام ڈاکٹر چیتو پدھیا ہے انہوں نے رسالہ "ہندوستان ریویو" کی اگست کی اشاعت میں عنوان "قرآن میں مسیح" کے نیچے ایک مضمون لکھا ہے۔ اور اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن شریف میں جو جو الفاظ مسیح کے بارہ میں وارد ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسیح انسان نہ تھا بلکہ خدا تھا۔ یہ ڈاکٹر صاحب اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ مختلف مذہبوں کے حالات اور تصنیفات کو مَیں نے خوب پڑھا ہے اور تجربہ کیا ہے۔ اور آخر تحقیقات اور غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عیسائی مذہب کا فرقہ رومن کیتھلک برحق مذہب ہے اور اسی لیے مَیں نے اسکو اختیار کیا ہے۔ ڈاکٹر مذکور نے اپنے مضمون کا خلاصہ نتیجہ کے طور پر یوں بیان کیا ہے "یسوع مسیح کے حق میں بار بار "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" اور اسی قسم کے اور الفاظ کا اقرار اور اس کے سارے معجزات پر ایمان لانے کے بعد جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسے مُردوں اور زندوں پر قدرت حاصل تھی۔ اندھوں۔ بہروں۔ کوڑھیوں اور مفلوجوں کو چنگا کرتا تھا۔ مٹی سے پرند پیدا کرتا تھا۔ اور ایک دفعہ ایک دسترخوان کو آسمانی کھانوں سے پُر کر دیا تھا۔ بالفاظ دیگر اس کے متعلق تمام ایسے اوصاف پر ایمان لانے کے بعد جو محض خدا کے لیے مخصوص ہیں اور سوائے خدا کے کسی غیر کے لیے مانے نہیں جاتے یہ ایک

ڈاکٹر چیتو پدھیا

بالکل غیر معقول بات ہے کہ اسکی الوہیت کو تسلیم نہ کیا جاوے۔ اس کی مثال تو یہی ہے
کہ ایک انسان کی طاقت اور حقوق شاہانہ تو سب تسلیم کیے جائیں لیکن باوجود اسکی
اقتدار شاہانہ پر کامل ایمان رکھنے کے اسکو بادشاہ کہنے سے پرہیز کیجائے۔ قرآن شریف
کی اُن تمام عبارات سے جو مسیح کے متعلق آئی ہیں جائز اور معقول طور پر جو نتیجہ مفہوم
ہو سکتا ہے مسیح کی الوہیت ہے۔ اس کے سوائے کوئی اور بات نہیں۔" ڈاکٹر صاحب کے اس
دعوے کے خیال سے کہ گویا میں نے تمام مذاہب پر غور کیا ہے اور ہر ایک مذہب کی
تصانیف کو پڑھا ہے اور کامل تحقیقات کے بعد رومن کیتھلک مذہب اختیار کیا ہے ہم نے
سمجھا تھا کہ اتنی تحقیقات کے مدعی کی تحریر میں کوئی معقولیت اور حقیقت ضرور ہوگی۔
لیکن مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ہی ہم کو معلوم ہوگیا کہ ڈاکٹر صاحب معمولی انسان
پرستی کے گڑھے سے باہر نہیں ہوئے۔ وہ بھی معمولی طرز کے عیسائی ہیں اور انکا
دوسرے مذاہب سے واقفیت کا دعویٰ سچائی سے بہت دُور ہے۔ چنانچہ اسی مضمون میں
جسپر انہوں نے اتنا بڑا زور دکھایا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جن قرآنی عبارتوں کو انہوں نے
اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کیا ہے اور انکے اپنے مطلب کے موافق معانی اور مطالب
بیان کیے ہیں اور ان معانی پر اپنے دعوے کی بنیاد قائم کر کے ایک خیالی عمارت کی
بنا ڈالی ہے وہ عیسائیوں کی اُس طرز سے بالکل جدا نہیں ہوئی جو انکا مذہبی خاصہ ہوگیا
ہے کہ الفاظ کو توڑ مروڑ کر اور سیاق و سباق پر غور کرنے کے بغیر جو معنے کسی عبارت سے چاہیں
نکال لیتے ہیں۔ جو کچھ آیات و الفاظ قرآنی اقتباس کر کے انہوں نے اپنی تائید کرنے کی
کوشش کی ہے وہ سراسر خلاف حق اور خلاف موضوع ہیں۔ ہم ڈاکٹر صاحب کو جاہل اور
ناقابل تو نہیں کہتے۔ ہم مانتے ہیں کہ وہ اور علوم میں ید طولیٰ رکھتے ہوں گے لیکن اس
امر حق کو ظاہر کرنے کی مودبانہ اجازت چاہتے ہیں کہ علم قرآن سے انکو مس حاصل نہیں اور علوم
عربیہ میں دستگاہ کا دعویٰ انکا بہتے پانی پر گھر کی بنا ڈالنے کی مانند ہے۔ اس میں شک

نہیں کہ انہوں نے بہت سی قرآنی آیتیں اپنی تائید میں نقل کی ہیں۔ لیکن صرف اس بات سے
کہ کوئی شخص قرآن شریف کی بہت سی آیتوں کو کسی جگہ نقل کردے اسکی عظمت اور علم عربی
سے واقفیت اور قرآن شریف کے علوم میں مہارت کامل ثابت نہیں ہو سکتی۔ ہم کو فی الحال
دوسری علمی شاخوں سے تعلق نہیں کیونکہ وہ ہمارے مدعائے مضمون سے دور ہیں اس لیے
ہم ڈاکٹر صاحب کی لیاقت کے متعلق کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ ہم انکے دعوی کو اس حد
تک بقول سعدی ؎ تا مرد سخن نگفتہ باشد۔ عیب و ہنرش نہفتہ باشد۔ بنظر عزت دیکھتے
ہیں جس حد تک اسلام کے ساتھ اس کا تعلق نہیں۔ البتہ قرآن شریف کے علوم میں انکی
عدم واقفیت بیان کرنیکے لیے ہم کو انکی اپنی تحریر نے مجبور کر دیا ہے۔ کیونکہ جو کچھ انہوں نے
اس بارہ میں لکھا ہی وہ ایسا لچر اور بے معنی ہے کہ معمولی سمجھ کا انسان جس کا دماغ کسی خبط
اور تعصب کے پنجہ میں گرفتار نہ ہو ڈاکٹر صاحب کی اس تحریر پر ہنسی اُڑائیگا۔ ڈاکٹر صاحب جیسا
نامی مدعی اور انکی ایسی تحریر جس سے انکی قرآن سے پرلے درجہ کی ناواقفیت ظاہر ہوتی ہے
تعجب اور افسوس دلانیوالی بات ہے۔ سب سے پہلی غلطی تو ڈاکٹر صاحب نے یہ کی۔ ہے کہ انہوں نے
جن اوصاف کو اوصاف الٰہی سمجھا ہے اور انکا مسیح میں موجود ہونا بروئے قرآن قرار دیا ہے
انپر ضروری تھا کہ پہلے اُسی کتاب (قرآن) سے یہ ثابت کر دکھاتے کہ اس میں یہی صفتیں خدائے
واحد لاشریک لہٗ کی ہیں۔ مگر وہ اس طرف ہرگز نہیں آئے۔ ایک طرف قرآن شریف مسیح یا
کسی غیر اللہ کی الوہیت کے عقائد اور دعاوی کو نہایت مضبوط اور تیز اوزاروں کے
ساتھ جڑھ سے اُکھاڑتا ہے۔ اور دوسری طرف بقول ڈاکٹر صاحب مسیح کو تمام خدائی
اوصاف سے متصف کرتا ہے یہ دو تضاد باہم کیونکر جمع ہو سکتے ہیں؟ ہم اس بات کے
قائل ہیں کہ یہ نہایت ہی نامعقول بات ہے کہ کسی آدمی کو تمام شاہی اختیارات اور حقوق اور
وقار اور شان و شوکت کے وصف سے متصف مانا جائے۔ لیکن اسکو بادشاہ کا خطاب دینے سے
انکار کیا جائے۔ یہ بیشک پرلے درجہ کی ہٹ دھرمی ہوگی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا قرآن کریم نے

فی الواقع ایسا کیا ہے کہ وہ تمام اوصاف جو خدا کے لیے بیان کیے ہیں اور وہ تمام قوتیں اور قدرتیں جن کا خدا کی ذات میں ہونا مانا ہے انہی تمام اوصاف اور انہی تمام قدرتوں کا مسیح میں پایا جانا دوسری جگہ بیان کیا ہے؟ اور پھر جس طرح خدا تعالیٰ کو تمام عجزوں اور کمزوریوں اور احتیاجوں سے بری اور برتر مانا ہے اسی طرح مسیح کو بھی تمام قسم کے عجزوں اور کمزوریوں اور احتیاجوں سے بری مانا ہے؟ جس شخص نے سرسری نظر سے بھی قرآن کریم کو پڑھا ہے وہ ایسے دعوے کو سراسر حماقت خیال کریگا۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریر ہمارے سامنے موجود ہے ہم نے اسکو غور سے پڑھا ہے اور شروع سے لیکر اخیر تک پڑھا ہے ہمیں کسی جگہ یہ بات نظر نہیں آئی کہ ڈاکٹر صاحب نے ان اوصاف میں سے جو انہوں نے قرآن شریف کی طرف منسوب کرکے مسیح کے لیے پیش کی ہیں کسی ایک کو بھی قرآنی عقاید کے رو سے الٰہی صفت ثابت کیا ہو۔ ڈاکٹر صاحب کی ناواقفیت کا ثبوت تو اسی جگہ ملجاتا ہے جب وہ لکھتے ہیں کہ "کلمۃ اللہ" اور "روح من اللہ" مسیح کو قرآن میں کہا گیا ہے۔ اور یہ اوصاف الٰہی ہیں گویا "کلمۃ اللہ" اور "روح من اللہ" خالق کے لیے بولے گئے ہیں نہ مخلوق کے لیے پس اس لیے مسیح بھی خدا ہے۔ یا یہ کہ اس نے چند معجزے دکھلائے جو انسانی طاقت سے بڑھکر تھے پس مسیح خدا ہے۔ اب ہم ان ڈاکٹر صاحب کی ہر ایک دلیل کو بہ تفصیل و ترتیب لیکر ذیل میں اس کا جواب دیتے ہیں۔

معترض کا دعویٰ ہے
تردید دلائل

لیکن اس ترتیب کو ہاتھ میں لینے سے پہلے ہم اس جگہ اتنا ثابت کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے پہلے اپنے کہنے کے برخلاف اس مضمون میں نہایت چشم بستہ تعصب سے کام لیا ہے۔ انہوں نے حق پسندی اور بے تعصبی سے قلم نہیں اٹھایا بلکہ پہلے الوہیت مسیح کی عمارت کا ایک خیالی محل دماغ میں تیار کرکے اور اپنے عیسائیانہ اعتقاد کو دل میں مضبوط کرکے پھر چاروں طرف سے گھیر کر رطب و یابس استدلال کو اس کے گرد لاڈالنے کی کوشش کی ہے جن کا نہ کوئی سر ہے اور نہ کوئی پیر۔ محض ایک تودہ متضادات ہے۔ اپنے مضمون کی ابتدا میں انہوں نے لکھا ہے کہ "مسیح کی متعلق جو کچھ قرآن شریف میں مذکور ہے وہ معمولی سے زیادہ وقعت کے قابل ہے اور اس کی دو وجوہ ہیں

(۱) یہ کہ یہ نبی اسلام (صلعم) کی اپنے منہ کی باتیں نہیں بلکہ یہ وہ باتیں ہیں جو انکو خدا تعالیٰ نے وحی کیں"۔ یہاں اپنے مطلب کے لیے صاف طور پہ مانا ہے کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے اور آنحضرت سرور کائنات صلعم کا اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ اور زور سے اس دلیل کو اپنے حق میں پیش کیا ہے۔ لیکن تھوڑی دُور آگے چلکر اس اپنے قول کی خود ہی تردید کردی اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ تمام قرآن اور خصوصاً وہ حصہ جس میں مسیح کا ذکر ہے الہامی کلام نہیں بلکہ مختلف ذرایعہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ جہاں چند امور لکھ کر یہ نتیجہ لکھا ہے کہ "ان سے یسوع مسیح کی معجزانہ ولادت ثابت ہوتی ہے" وہ لکھتے ہیں کہ "یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسیح کی پیدایش کا حال اُن ملحد فرقوں کی تحریرات سے لیا تھا جن کو نیرو، ڈامیشن، ڈایوکلیشن اور دوسرے رومی بادشاہوں کے مظالم نے ملک بدر کر کے عرب میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور جن کی بدعت خیز اور کفر آمیز تحریرات کو بعہد قسطنطین اعظم ۳۲۵ء کی کونسل نسیا میں غیر مستند قرار دیکر مردود اور متروک کر دیا گیا تھا"۔ پھر آگے چلکر بعض معجزات کا ذکر کر کے لکھا ہے "یہ صاف ظاہر بات ہے کہ یہ معجزہ عشاء ربانی کی کسی یادگار سے لیا گیا تھا جو پیغمبر اسلام (صلعم) کو کسی ذریعہ سے ہاتھ آگئی تھی"۔ پھر آگے چلکر جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ قرآن شریف مسیح کے ابن اللہ ہونے اور صلیب پر مرنے سے انکار کرتا ہے۔ یہی ڈاکٹر جس نے اپنے مضمون کی ابتدا میں یہ تسلیم کیا تھا کہ قرآن شریف میں جس قدر بیان مسیح کے متعلق ہے وہ سب الہامی ہے وہی ڈاکٹر صاحب اسی مضمون کے اخیر میں آکر لکھتے ہیں کہ "تو پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ جب حضرت محمد (مصطفےٰ صلعم) نے ملک عرب کے لیے ایک قومی مذہب کی بنا ڈالنی پر عزم بالجزم کر لیا تو انہوں نے عمداً بڑی احتیاط سے اس خیال کو بصیلدیوں سے لیکر اسکو اپنے سانچے میں ڈھال لیا اور اسطرح اپنے اور عیسوی دین کے درمیان ایک ایسی پُر امتیاز سد تیار کرلی جس کا دُور ہونا محال ہو گیا"۔

اسطرح پر یہ مضمون نویس شروع میں تو لکھتا ہے کہ مسیح کے متعلق قرآن میں جو کچھ لکھا ہے

وہ معمولی سے بڑھکر قابل وقعت ہے۔ اور اس وقعت کی اہمیت کی وجہ صرف وہ یہ لکھتا ہے کہ یہ کلام انسانی نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے جو آنحضرت صلعم پر وحی ہوا تھا۔ اب آگے آکر وہی شخص لکھتا ہے کہ فلاں واقعہ آنحضرت صلعم نے فلاں قوم سے لیا۔ اور فلاں مذکور فلاں جگہ سے اخذ کیا وغیرہ وغیرہ۔ اب اس عقلمند عیسائی فاضل ڈاکٹر سے کوئی پوچھے کہ آپ کی دونوں باتوں میں کونسی بات سچی اور قابل وثوق سمجھی جائے۔ اس بات سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس بزرگ پادری کو بھی معمولی عیسائی ہتکنڈوں سے چھٹکارا نہیں ہوا۔ حق پژوہی اس کے نزدیک نہیں آئی جہاں کہیں اپنے مطلب کی بات دیکھی اسی کو اس موقع پر چسپان کر دیا۔ خواہ آگے جاکر اسی کی آپ مخالفت کر دی۔ لیکن اس وقت لوگوں کو دھوکہ دیکر اپنا مطلب بیان کر لیا۔ ہمیں عیسائیوں کیحالت دیکھ کر افسوس آتا ہے کہ یہ لوگ باوجود علم وفضل کے اتنے بڑے دعووں کے ابھی تک اس پُرانی عیسائی جہالت اور تعصب کے گڑھوں سے باہر نہیں نکلے۔ اور تحقیق حق میں بے تعصبی سے کام لینے کے شرف سے ابھی تک محروم پڑے ہیں۔

قرآن میں مسیح کے بارہ صفات تثلیثی کا ازالہ

اب ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہاں ان اوصاف کی فہرست درج کرتے ہیں جو ڈاکٹر صاحب مذکور نے قرآن شریف کی طرف منسوب کر کے مسیح کے معاملہ میں لکھی ہیں اور جن پر اس نے اپنی تحریر کی بنیاد رکھی ہے۔ اور وہ یہ ہیں (۱) مسیح کو قرآن میں "کلمۃ اللہ" کہا گیا ہے۔ (۲) اسے "روح اللہ" کہا گیا ہے۔ (۳) اسے "شفیع روز قیامت" کہا گیا ہے۔ (۴) اس کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک مخصوص اور غیر معمولی تعلق سمجھا گیا ہے۔ (۵) اسکی نسبت لکھا گیا ہے کہ وہ کنواری مریم کے پیٹ میں روح القدس کے ذریعہ سے گیا (۶) اسکی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ معصوم پیدا ہوا۔ (۷) اس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ زمین پر تمام دنیا کے لوگوں کے لیے خدا کا نشان اور اس کی طرف سے رحمت بنکر نازل ہوا (۸) قرآن شریف میں مسیح کی موت اور اس کا جی اُٹھنا بھی مانے گئے ہیں (۹) اس کی نسبت تسلیم کیا گیا ہے کہ اس میں خلق کرنے اور مردوں کو زندہ کرنیکی قدرت تھی (۱۰) قرآن شریف کے

رو سے ہر ایک یہودی۔ عیسائی اور مسلمان کو اپنے مرنے سے پہلے ایمان لانا پڑتا ہے کہ یسوع مسیح اس کا خداوند اور نجات دہندہ ہے۔ (۱۱) یہ بھی مانا گیا ہے کہ یسوع مسیح ہی قیامت کے دن تمام لوگوں کا آخری فیصلہ کرنیوالا ہوگا (یعنی اسی کے حکم سے لوگ بہشت یا دوزخ میں جائیں گے) (۱۲) یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ صلیب پر فوت ہوا۔ اور پھر اُٹھا کر خدا کی گود میں بٹھایا گیا۔

یہ ہیں بارہ صفتیں جو ڈاکٹر صاحب نے مسیح کی الوہیت کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ اور جنکی نسبت لکھا ہے کہ گویا قرآن شریف میں ان باتوں کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن ان میں بعض باتیں تو ایسی ہیں جن کا کہیں نام ونشان تک قرآن شریف میں نہیں اور باقی جو ہیں۔ وہ سب سراسر غلط مفہوم اور غلط معنے کیے گئے ہیں۔ ہم ان تمام باتوں پر ایک ایک کر کے بحث کر کے ناظرین کو دکھاتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے کہانتک حق پسندی اور دیانتداری سے کام لیا ہے:

کلمۃ اللہ کا استعمال قرآن میں

۱۔ "**کلمۃ اللہ**" یہ جملہ قرآن شریف میں صرف مسیح کے بارہ میں ہی نہیں آیا بلکہ کئی اور مقامات پر بھی وارد ہوا ہے چنانچہ سورہ لقمان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللہ ان اللہ عزیز حکیم (آیت ۲۶) ترجمہ:۔ اگر تمام روئے زمین کے درخت قلمیں بنجائیں اور اگر سمندر پھیلکر سات سمندر سیاہی کے ہو جائیں تو کلمات اللہ ختم نہیں ہو سکیں گے کیونکہ اللہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔ ایسا ہی سورۃ الکھف کی آیت ۱۰۹ میں ہے قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا۔ ترجمہ:" کہو اگر سمندر میری رب کے کلمات کے لیے سیاہی بنجائیں اور ہم اسی قسم کے کئی سمندر بھی اگر لے آئیں تو وہ سب قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں ختم ہو جائیں گے۔" ان آیات میں کلمات اللہ کا استعمال صاف بتاتا ہے کہ کہ اگر حضرت مسیح کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے تو اس سے کوئی انکی خصوصیت یا خدائی ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ جیسے دوسرے کلمات اللہ مخلوق ہیں اور انکی تعداد اسقدر ہے کہ اگر سارے

سمندر بھی سیاہی بنجائیں تو بھی سب کلمات اللہ لکھنے میں نہیں آسکتے۔ اسی طرح مسیح بھی اگر کلمۃ اللہ ہیں تو اسی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہیں۔ گویا قرآن شریف کی اصطلاح میں کلمۃ اللہ کوئی ایسی خصوصیت نہیں جو مسیحؑ کا خاصہ قرار دی گئی ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور تھا کہ مسیحؑ کی ذات تک ہی اس کو محدود رکھا جاتا اور کسی دوسری آیت میں جو مسیح کے متعلق نہیں اس کو استعمال نہ کیا جاتا۔

دو آیات جن میں مسیح کو کلمۃ اللہ کہا ہے

اب ان آیات کو لو جن میں حضرت مسیح کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے اول سورہ آل عمران کی آیت ۴۴ ہے۔ اذ قالت الملئکۃ یمریم ان اللہ یبشرك بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم۔ ترجمہ "جب ملائکہ نے کہا اے مریم! اللہ نے تمھیں اپنے پاس سے ایک کلمہ کی بشارت دی ہے اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا" پھر سورۃ النسار کی آیت ۱۶۹-۱۷۰ مسیح کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ یا اھل الکتب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ و کلمتہ القھا الی مریم وروح منہ۔ فامنوا باللہ ورسلہ۔ ولا تقولوا ثلثۃ۔ انتھوا خیرا لکم انما اللہ الہ واحد سبحانہ ان یکون لہ ولد۔ لہ ما فی السموات وما فی الارض وکفی باللہ وکیلا۔ لن یستنکف المسیح ان یکون عبدا للہ ولا الملئکۃ المقربون۔ ترجمہ۔ اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو مت کرو۔ اور اللہ تعالیٰ پر سوائے امر حق کے اور کچھ نہ کہو۔ تحقیق مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول تھا اور اس کا کلمہ تھا جو اس نے مریم کی طرف القا کیا۔ اور اس سے ایک روح تھی۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ! اور تثلیث کے قائل مت بنو۔ اس سے بچے رہو۔ اسی میں تمھاری بہتری ہے کیونکہ اللہ تو اکیلا معبود ہے۔ وہ اس عیب سے پاک ہے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔ وہ تو جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے سب کا مالک ہے۔ اور وہی اکیلا اللہ کافی کارساز ہے۔ مسیح کو خدا کا بندہ ہونے سے کسی قسم کی عار نہیں اور نہ ہی ان فرشتوں کو جو خدا

کے مقرب ہیں"۔ قبل اس کے کہ ہم ان آیات کا صحیح مفہوم پیش کریں ہم اس بات کو ضروری سمجھتے ہیں کہ اس جگہ اس غلطی یا دھوکہ دہی کا اظہار کریں جو عیسائی مصنف ان آیات کو اپنے مطلب کے موافق بنانیکے لیے انکا ترجمہ کرنے میں کرتے ہیں۔ پہلی آیت جو مسیح کے بارہ میں ہے اور جس میں اسے کلمہ کہا گیا ہے جو ڈاکٹر صاحب نے پیش کی ہے اور جس کو عموماً عیسائی لوگ پیش کرنیکے عادی ہیں اس میں صرف "کلمۃ" بغیر ال کے آیا ہے اور اس لیے اس کے معنی میں عموم اور تنکیر پائی جاتی ہیں۔ لیکن پادری صاحب نے ان آیات کا ترجمہ کرنے میں لفظ "دی ورڈ" استعمال کیا ہے جو معرفہ ہے۔ قرآن شریف سے تو اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم کو صرف اتنی اطلاع دیگئی تھی کہ "خدا سے ایک کلمہ" کی بشارت تجھے دیجاتی ہے۔ اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ صرف حضرت مسیح علیہ السلام ہی ایک ایسے شخص تھے جو تمام مخلوقات میں "کلمۃ اللہ" کو لقب کے لیے مخصوص تھے۔ بلکہ صاف معنے اس کے یہی ہیں کہ منجملہ کلمات اللہ مسیح بھی ایک کلمہ تھے۔

اسی طرح دوسری آیت میں اصل جملہ قرآنی "وکلمتہ القٰھا الی مریم" ہے جس کا ترجمہ ہے "اور خدا کا ایک کلمہ ہے جو اس نے مریم کی طرف القا کیا"، لیکن ڈاکٹر صاحب مذکور اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "خدا کا کلمہ جو خدا نے مریم کے اندر ڈالدیا"۔ آیت قرآنی میں تو لفظ الی لکھا ہوا ہے اور اس کے معنے کبھی اندر نہیں ہوئے۔ بلکہ اس کے معنے طرف کے ہیں۔ آیت کے یہ معنے کرنے سے کہ خدا نے اپنا کلمہ مریم کے اندر ڈالدیا ڈاکٹر صاحب کی غرض یہ ہے کہ آیت کا مفہوم یہ معلوم ہو کہ گویا خدا کا کلمہ کوئی مجسم چیز تھی جو مریم کے اندر داخل ہو گئی اور وہاں گوشت پوست بن کر انسان کی صورت بن گئی۔ اصل میں اس غلطی کا ارتکاب عمداً یا سہواً سب عیسائی صاحبان کرتے ہیں اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یوحنا کی انجیل کے بعض بے تکے الفاظ کے ساتھ وہ قرآن کریم کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں مثلاً یوحنا کی انجیل میں ابتدا میں ہی لکھا ہے کہ "ابتدا میں کلام تھا ..... اور کلام خدا تھا" اور پھر آگے چلکر لکھا ہے کہ "کلام مجسم ہوا اور وہ فضل اور راستی سے بھرپور ہو کر ہمارے درمیان رہا"۔ اب جس وقت عیسائی صاحبان قرآن شریف

قرآنی آیات کے معنوں میں پادری صاحبان کی غلطی یا دھوکہ دہی

یوحنائی اصطلاحوں کو قرآن میں داخل کرنیکی کوشش

میں ان الفاظ کو پڑھتے ہیں کہ اے مریم! خدا تجھے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہی تو اس سے مراد وہی کلمہ یا کلام سمجھتے ہیں جس کا ذکر یوحنا کی انجیل کے ابتدا میں ہے کہ ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا تھا گویا انکے نزدیک حضرت مریم کو جو بشارت دی گئی اس کا مفہوم یہی تھا کہ اس کلام کے پیدا ہونیکی بشارت دیجاتی ہی جو بقول یوحنا خدا تھا۔ یا جب قرآن شریف میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف ایک کلمہ القا کیا تو اس سے یہ معنے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس طرح یوحنا کی انجیل میں لکھا ہی کہ کلام مجسم ہوا یہی معنے قرآن شریف کے ان الفاظ کے بھی ہیں گویا کلمہ مجسم ہوکر مریم کے اندر داخل ہوگیا۔ اسی واسطے ڈاکٹر چیتو پادھیائی صحیح معنے کرنیکی بجائے کلمۃ القہا الی مریم کے یہ معنے کیے ہیں کہ ایک کلمہ تھا جو مریم کے اندر داخل کیا۔ پس ناظرین کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن شریف کے معنے کرنے میں یوحنا کی اصطلاحوں کو داخل کرنا سراسر نادانی ہی کیونکہ یہ تفسیر نہیں بلکہ معنوں کو عمداً بگاڑنا ہے۔ قرآن شریف کے الفاظ کے معنوں کو سمجھنے کے لیے ہمیں یا تو قرآنی اصطلاحات کو دیکھنا چاہیئے اور یا زبان عربی کی اصطلاحات اور لغات کو اور ان خیالات یا عقاید کو اس میں دخل نہیں دینا چاہیئے جو پہلے سے ذہن میں جما رکھی ہیں۔ اسی اصول کے لحاظ سے ہم اب لفظ کلمہ کی تحقیق کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ مسیح کی متعلق اس لفظ کے استعمال سے کیا مراد ہے۔ پہلے ہم اس بات پر بحث کریں گے کہ قرآن شریف کی رو سے وہ کونسی امور ہیں جو لفظ کلمہ کے مفہوم میں داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ اس سے ڈاکٹر صاحب کے بیان کی اصل حقیقت معلوم ہو جائیگی۔ سب سے پہلے ہم اُس آیت کو لیتے ہیں جو ڈاکٹر مذکور نے دوسرے نمبر پر لکھی ہی۔ اور وہ یہ ہی۔ یا اھل الکتٰب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق پھر اس کے بعد متصل ہی مسیح ابن مریم کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ اس آیت کے ربط و سیاق مضمون سے صاف عیان ہو رہا ہی کہ اس کے مخاطب عیسائی لوگ ہیں اور انکو ہی یہ کہا گیا ہی کہ تم لوگ اپنے دین میں غلو مت کرو۔ اور خدا پر سچی بات کے سوا اور کچھ نہ کہو اور وہ اعتقاد جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہی مخفی نہیں رکھا گیا بلکہ ساتھ ہی اس کو

کلمۃ اللہ کے مفہوم میں کونسی امور داخل نہیں

بھی کھولدیا ہو کہ لا تقولوا ثلثۃ "تم تثلیث کے قایل مت بنو" پس نتیجہ اس آیت کا یہ ہے کہ اس میں مسیح کے الوہیت کا جزو ثانی ہونیکی تردید کیگئی ہو اور اس کی خدائی سے انکار کیا گیا ہے۔ اس لیے اسی آیت کے جملہ کلمۃ القھا الی مریم کے خواہ کچھ ہی معنے لیے جاویں۔ لیکن ایسے معنے نہیں لیے جاسکتے جن سے مسیح خدائی کا حصہ دار بنتا ہو کیونکہ اسی کی تو تردید اس آیت میں کی گئی ہے۔ اور یہ آیت اسی تثلیث کی تردید او تغلیط کے مضمون سے پر ہے۔ اور اس میں تثلیث کو غلو فی الدین اور افترا علی اللہ کہا گیا ہے۔ اب چونکہ مسیح کی خدائی کا انکار اسی آیت میں صراحت کے ساتھ موجود ہو اس لیے اس کے کسی لفظ کے ایسے معنے نہیں لیے جاسکتے جن سے مسیح کی طرف خدائی منسوب ہوسکے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی آیت میں اس کی خدائی کا انکار بھی کیا گیا ہو اور اسی آیت میں اس کو خدا بھی مان لیا گیا ہو۔ یعنی کلمہ کا مفہوم یہ رکھا گیا ہو کہ وہ خدا تھا یا خدائی کا شریک۔ اس آیت کے توصاف طور پر یہی معنے ہیں اے اہل کتاب (نصاریٰ) مسیح کو خدا مت کہو۔ وہ تو صرف ایک رسول خدا ہو اور اس کا ایک کلمہ ہے جو اس نے مریم کی طرف القا کیا۔ اور خدا کی طرف سے ایک روح تھی۔ تثلیث پر ہرگز ہرگز ایمان مت رکھو۔ کیونکہ خدا تو واحد لاشریک ہے۔ مسیح اس کا ایک عاجز بندہ ہی۔ اور وہ خود اقبال کرتا ہو کہ میں خدا کا ایک بندہ ہوں۔ اور اس بات میں وہ اپنا فخر اور اپنی عزت جانتا ہو کہ میں بندۂ خدا ہوں۔ اس کو اس کے اظہار میں شرم اور ندامت نہیں۔ وہ کیا بلکہ بڑے بڑے مقرب فرشتے بھی خدا کے بندے ہونیسے شرمندہ نہیں۔ بلکہ وہ اپنی عزت اسی حقیقت میں جانتے ہیں۔ اب یہ آیت اپنے الفاظ اور مفہوم میں ایسی صاف ہے کہ اس کی کوئی اور تعبیر ممکن ہی نہیں۔ اس کے تمام اجزا مسیح کی الوہیت کی تردید پر زور دیتے ہیں اور اس اعتقاد کی مذمت کرکے اس سے عیسائیوں کو ہٹاتے ہیں۔ کاش ڈاکٹر صاحب اس ساری آیت پر غور کرتے اور اپنے ہی دل میں اس کو سوچتے اور خدا کا خوف کرکے حق کے پرکھنے کیطرف مائل ہوتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہو وہ سراسر دروغ بیفروغ اور قرآن شریف کی شان میں نہایت پرلے درجہ کا ہتک آمیز کفر ہے۔ ایسی تشریحات سے انہوں نے یہ

ثابت کر دکھایا ہی کہ انہیں مسلمانوں کو جن کی رگ و ریشہ میں قرآن شریف نے توحید پھونک دی ہوئی ہی رنج دینا اور ستانا منظور ہی۔ کیونکہ قرآن شریف کی نسبت سب سے بڑی ہتک یہی ہی کہ اس کی نسبت کہا جائے کہ اس میں کوئی لفظ ایسا ہی جو مسیح کی الوہیت ثابت کرتا ہی۔

کلمہ کا مفہوم

اب اس بحث کے دوسرے پہلو کو لیتے ہیں یعنی یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ کلمہ کے مفہوم میں کونسا امر داخل نہیں ہی۔ اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اس کے مفہوم میں کونسا امر داخل ہی۔ اور مسیح کے متعلق لفظ کلمہ کے استعمال سے کیا مراد ہے۔ واضح رہے کہ "کلمہ" ایک لفظ عربی زبان کا ہی جس کے معنی معروف ہیں خواہ وہ ایک لفظ ہو۔ یا ایک فقرہ ہو۔ یا ایک تقریر ہو۔ اب قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون۔ یعنی اس کا حکم ایسا ہے کہ جب کسی شے کیلیے ارادہ کرتا ہی تو اس کے لیے کہتا ہی ہو جا پس وہ ہو جاتی ہی۔ گویا یہ کن ایک کلمہ ہی جس کے کہنے سے اللہ تعالیٰ ہر ایک شے کو پیدا فرماتا ہی۔ اور اسی کیفیت کی وجہ سے تمام مخلوق کو کلمۃ اللہ کہا جاتا ہی۔ کیونکہ ہر ایک شے کی پیدائش خدا کے کلمہ کن سے ہوتی ہی۔ اور مخلوقات کی انتہا اور حد نہیں اسی وجہ سے قرآن شریف میں لکھا ہی قل لو کان البحر مداداً لکلمٰت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مدداً۔ یعنی اگر میرے رب کے کلمات کیلیے سمندر سیاہی ہو جائیں تو وہ کلمات اتنی کثرت سے ہیں کہ یہ سارے سمندر بلکہ ان جیسے کئی اور سمندر بھی ختم ہو جائیں پر کلمات ختم نہ ہونے پائیں۔

مسیح کو کلمہ کہنے کی خصوصیت

البتہ اس جگہ کوئی شخص یہ سوال کر سکتا ہی کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت مسیح کو خصوصیت سے کلمہ کہا گیا ہی۔ سو اس بات کو سمجھنا چاہیئے کہ کلمہ اس کو اس لیے نہیں کہا گیا کہ اس کی الوہیت ثابت کیجائے۔ کیونکہ خود لفظ کلمہ سے کسی کی الوہیت کا ثبوت ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مسیح کی بارہ میں تو صرف اس لفظ کو اس کی پیدائش کی طرف اشارہ کر کے اس پر استعمال کیا گیا ہی۔ اس موقع پر اگر ناظرین ذرا ان آیات پر نگاہ ڈالیں گے جو اس کی پیدائش کے متعلق ہیں تو ان پر عیاں ہو جائیگا کہ یہ لفظ مسیح کے حق میں کیوں استعمال کیا گیا ہی۔ چنانچہ جس آیت میں مسیح کو کلمہ کہا گیا ہی اس کے

ساتھ ہی یہ آیت آتی ہے۔ قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر۔ قال کذلک اللہ یخلق مایشاء۔ اذا قضی امرًا فانما یقول لہ کن فیکون۔ یعنی جب فرشتوں نے مریم کو خبر دی کہ خدا نے تجھے بیٹے کی بشارت دی ہے تو وہ متعجب ہوئی اور کہنے لگی اے میرے رب میرے ہاں کیسے بیٹا ہو سکتا ہے مجھے تو ابھی تک کسی بشر نے چھوا بھی نہیں۔ خدا نے کہا کہ مَیں جسے چاہتا ہوں پیدا کر دیتا ہوں۔ کیونکہ خدا جب کسی امر کا فیصلہ کر دیتا تو اتنی ہی بات کہتا ہے کہ (کن) ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔" اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کی پیدائش ایک ایسے اعجازی رنگ میں ہوئی تھی کہ جس میں باپ کا دخل نہ ہوا۔ اور اس لیے اس کو کلمہ کہا گیا۔ کیونکہ وہ معمولی طرز پر باپ کے نطفہ سے ماں کے شکم میں نہ آیا اور وہ اس معمولی طریق سے حاملہ نہ ہوئی بلکہ خدا کے کلمہ کن سے حاملہ ہوئی اس لیے اسے کلمہ کہا گیا۔

مسیح کی مماثلت آدم سے

اسی کی تائید قرآن شریف کی دوسری آیات بھی کرتی ہیں چنانچہ جو آیات اوپر لکھی گئی ہیں انہیں کے سلسلہ میں آگے چلکر جو آیت آتی ہے اس میں مسیح کی پیدائش کو آدم کی پیدائش کے مشابہ کہا گیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل اٰدم۔ خلقہٗ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔ یعنی اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثل آدم کی مثل سی ہے اسے اس نے مٹی سے پیدا کیا اور پھر کہا کہ ہو جا پس وہ ہو گیا۔" یہاں دونوں کی پیدائش کا ذکر ہے اور دونوں پیدائشوں کو ہمرنگ اور ایک دوسرے کے مشابہ بیان کیا گیا ہے۔ دونوں کی نسبت کہا گیا ہے کہ خدا نے انکو کن کہکر پیدا فرمایا۔ گویا بالفاظ دیگر صرف کلمہ الٰہی سے یہ دونوں پیدا ہوئے۔ لیکن مسیح کی الوہیت کا اس میں کوئی ثبوت نہیں مل سکتا کیونکہ اگر کلمہ کے خطاب سے الوہیت قایم ہو سکتی ہے تو پھر مسیح سے بڑا خدا آدم کو ماننا چاہئے لیکن آدم کی نسبت کبھی عیسائیوں یا موسائیوں نے یہ اعتقاد ظاہر نہیں کیا کہ وہ خدا تھا یا خدائی کی کسی جزو میں شریک تھا۔ پس اگر آدم خدا نہیں تو مسیح بھی خدا نہیں۔ اور اگر مسیح خدا ہے تو آدم اس سے بڑا خدا ہے۔ کیونکہ یہ تو صرف بغیر باپ پیدا ہوا۔

پر آدم کی پیدائش باپ اور ماں کے بغیر ہوئی۔ قرآن شریف کی آیت بالا کا یہی مقصود ہے کہ کوئی
مخلوق خدا خدا نہیں ہوسکتی۔ پس مسیح بھی خدا نہیں ہوسکتا۔ اس کی نرالی پیدائش اس کی
خدائی کیلیے کوئی دلیل نہیں ہوسکتی۔ جیسے کہ آدم کی اس سے بھی نرالی پیدائش اس کی خدائی
کیلیے کوئی دلیل نہیں مانی گئی۔ دراصل کلمہ کہنے سے تو مراد یہ ہے کہ وہ خدا کی ایک مخلوق ہے اور
مخلوق کہنے میں اس چیز یا فرد کی خالقیت یا خدائی کا خود انکار ہے۔ پس مسیح کو کلمہ کہنا بالفاظ دیگر اسکی
خدائی کا انکار ہے نہ کہ اقرار جیسا کہ ڈاکٹر چنتو پادھیا نے خیال کیا ہے۔

مفسرین کے اقوال

اس مضمون پر ناظرین کی وسعت معلومات کیلیے ہم بعض مفسرین کی رائے بھی اس بارے
میں کہ کلمہ کا لفظ مسیح پر کس وجہ سے بولا گیا ہے لکھتے ہیں۔ سب سے پہلی وجہ جس پر تمام مفسرین کا اتفاق
ہے یہ ہے کہ چونکہ وہ بن باپ صرف خدا کے کلمہ کن کہنے سے پیدا ہوا اس لیے اس کو کلمہ کہا گیا ہے۔
بعض مفسروں کی یہ رائے ہے کہ چونکہ مسیح احکام الٰہی کی تبلیغ اور مخلوق کو وعظ کرنے میں تھکتے
نہ تھے اور ہمیشہ لوگوں میں تبلیغ کرتے رہتے تھے اس لیے انکو کلمہ کہا گیا۔ اور چونکہ عربی زبان میں قاعدہ
ہے کہ جب کوئی شخص کسی صفت میں بہت سبقت حاصل کر لیتا ہے تو اس وقت اس کو وہ
صفت مجسم ہی کہتے ہیں جیسے ایک بڑے سخی اور فیاض کو جود کہتے ہیں۔ اسی طرح کلام الٰہی کی
کثرت سے تبلیغ کی وجہ سے مسیح کو بھی کلمہ کہا گیا۔ بعض نے یہ لکھا ہے کہ چونکہ مسیح کی آمد کے
متعلق بہت عرصہ پہلے سے پیشگوئیاں چلی آتی تھیں اور اکثر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام انکی
آمد کی پیشگوئیاں کرتے چلے آئے تھے اس مناسبت کی وجہ سے کہ انکی نسبت بہت عرصہ پہلے
سے خدا کے انبیاء کہتے چلے آئے تھے انکو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔ گویا مسیح کو اس لیے کلمہ کہا گیا ہے کہ
آپ سے بہت عرصہ پہلے خدا کے نبی آپکی نسبت خدا سے پیشگوئی پاکر کلام کرتے چلے آئے تھے۔ یہ ہے
لب لباب تمام اقوال مفسرین کا۔

ایک اور معنی

اس جگہ ہم ایک اور معنے بھی لکھتے ہیں جو قرآن کریم کے الفاظ پر چسپاں ہیں اور وہ
یہ ہیں کہ سورۃ آل عمران کی چالیسویں آیت میں حضرت مریم کو مخاطب کرکے کہا گیا ان اللہ

یبشرك بكلمة منه جس کے معنے یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنے ایک کلمہ یعنی پیشگوئی کے ذریعہ تجھے بشارت دیتا ہے۔ وہ بشارت ایک بیٹے کے متعلق تھی جس کا نام بھی پیشگوئی میں بتادیا گیا ہے اور اگرچہ اس جگہ بیٹے کا لفظ موجود نہیں مگر دوسری آیت میں موجود ہے اور قرائن سے یہاں بھی صاف معلوم ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس کے آگے اس کا نام بھی لکھ دیا گیا ہے۔ اسی مضمون کی تائید سورۃ مریم کی آیت ۱۳ سے ہوتی ہے۔ اور پھر سورۃ النساء کی آیت ۱۶۹ میں لکھا ہے۔ كلمته القٰها الى مريم۔ اس سے بھی یہی معنے ثابت ہوتے ہیں۔ اس میں کلمہ کے ساتھ فعل القٰی ہے۔ القا میں جسمانی فعل کو دخل نہیں ہوتا۔ قرآن شریف میں کئی جگہ یہ لفظ آیا ہے اور اس میں ہر جگہ اس لفظ کے معنے الہام کرنیکے ہیں۔ پس اس کا صاف طور پر یہی مطلب ہے کہ مسیح اس پیشگوئی کے ایفا میں پیدا ہوا تھا جو خدا نے مریم پر منکشف فرمائی تھی۔

۲۔ روح الله :۔ اسلام کے مخالف پادری مصنفوں کی نقش قدم پر ڈاکٹر مذکور نے بھی الوہیت مسیح کے ثبوت میں اس امر کو پیش کیا ہے کہ قرآن شریف میں مسیح کو روح منّ اللہ کہا گیا ہے اور کہ یہ خاصہ مسیح ہے اور اس کی الوہیت کی دلیل ہے۔ اس نے انگریزی میں اس کا ترجمہ "خدا کی روح" کیا ہے۔ اگرچہ اس بیان سے بھی مسیح کی خدائی ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ "کلمہ" کا "جس کے مترادف انگریزی میں "آف" لکھا ہے اضافت تملیکی کا مظہر ہے نہ کہ عینیت کا ثبوت۔ اور ہر ایک شے خدا کی ہے۔ لیکن ڈاکٹر مذکور نے اپنی طرف سے التباس کر کے یہیں فرق نہیں کیا۔ اور اصل متن قرآن کو محرف کرنیکی کوشش میں یہاں بھی کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اس میں شک نہیں کہ مسیح کی نسبت قرآن شریف میں صرف ایک جگہ پر سورۃ النساء کی آیت ۱۶۹ میں روح کا لفظ بولا گیا ہے۔ لیکن وہاں اس کی خدائی ثابت کرنیکے لیے نہیں۔ بلکہ اس کی ولادت پر سے مخالفین کے اعتراضوں کو دور کرنے اور اس کی ولادت کو جائز ثابت کرنیکے لیے ہے۔ وہ ٹکڑہ آیت کا یہ ہے۔ عيسى ابن مريم رسول الله وكلمته القٰها الى مريم وروح منه۔ یہاں صاف طور پر "روح منہ" لکھا ہے یعنی عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ کا ایک رسول تھا

روح منّ اللہ
خدا نہیں ہو سکتا

.... اور اس کی طرف سے ایک روح تھی۔ اب اصل الفاظ قرآنی یعنی "خدا کی طرف سے ایک روح" کوئی خصوصیت حضرت مسیح کی ظاہر نہیں کرتے۔ اسی قسم کے الفاظ قرآن کریم میں اوروں کے لیے بھی استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیت فاذا سویته ونفخت فیه من روحی فقعوا له سٰجدین۔ دو موقعوں پر حضرت آدم کے لیے آئی ہے ایک سورہ حجر آیت ۲۹ اور دوسرے سورہ ص آیت ۷۲ میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے "جب میں نے اس کی شکل برابر کرلی اور اس میں اپنی روح پھونکدی تو تم نے اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا"۔ اب اس آیت میں کھلے طور پر لکھا ہے کہ خدا فرماتا ہے میں نے اس میں "اپنی روح پھونکدی"۔ اور پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ "تم اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ"۔ اب ناظرین اس عبارت میں جو آدم کی نسبت ہے اور اس میں جو مسیح کی نسبت ہے فرق بین دیکھ لیں وہاں تو "روح منه" ہے اور یہاں "روحی" ہے یعنی خدا کہتا ہے کہ میری روح اور وہاں کسی کو سجدہ کرنیکا حکم نہیں یہاں فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ تم اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ۔ پس اگر "روح منه" مسیح کی خدائی کی دلیل ہو سکتی ہے تو پھر روحی اور فقعوا له سٰجدین تو آدم علیہ السلام کی خدائی کے لیے اس سے بہت بڑھکر مضبوط دلیل ہے اور اگر اس دلیل کی بنا پر مسیح خدا ہے تو آدم تو اس سے بھی بڑا خدا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے آدم علیہ السلام کو عیسائی لوگ خدا نہیں مانتے اور ان دلائل کو اس کی خدائی کا ثبوت نہیں ٹھہراتے اور سمجھتے۔ پس یہ کیسی نامعقول بات ہوگی کہ بحالات مذکورہ بالا مسیح کو خدائی میں حصہ دار ٹھہرایا جائے۔ افسوس کہ عیسائی صاحبان ہر بات سے مسیح کی خدائی نکالنے کی عجلت کرتے ہیں۔ اور اس زبردست خدائے برحق کا کچھ خوف نہیں کرتے جس کے قبضہ میں مسیح اور اس سے بھی بڑے بڑے انسان ہیں۔

روح کا لفظ صرف مسیح اور آدم پر ہی نہیں آیا۔ بلکہ تمام نوع انسان کے متعلق اس کا استعمال قرآن شریف میں موجود ہے چنانچہ آیت ذیل نمونہ کے لیے پیش کیجاتی ہے

وبدا خلق الانسان من طین ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهین

ثم سوٰہ و نفخ فیہ من روحہ۔ ترجمہ (خدانے) انسان کو مٹی سے پیدا کرنا شروع کیا پھر حقیر پانی کے نچوڑسے اس کی نسل بنائی۔ پھر اسے شکل دی اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ دیکھو سورہ سجدہ آیت ۷-۸- اب ظاہر ہے کہ تمام نوع انسان میں خدانے اپنی روح پھونکی۔ اگر یہی خدا کی روح دلیل خدائی ہے تو پس ہر انسان ایک خدا ہے اور مسیح کا رقیب ہے۔ پھر اس کے ماسوا سورہ مریم میں جو فرشتہ مریم کی طرف بشارت لیکر آیا اس کو بھی وہاں خدا کی روح لکھا ہے۔ فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا۔ پس ان تمام دلائل سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ "روح منہ" مسیح کی خدائی کی دلیل نہیں ہوسکتی نہ وہ خدائی کے ثلث کا حصہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ اور نہ وہ معمولی طبقہ بشریت سے اوپر ایک قدم رکھ سکتا ہے۔ وہ ایک معمولی ذی روح تھا۔ جس کے ساتھ تمام حوائج ولوازم بشریت لگے ہوئے تھے۔

مسئلہ شفاعت

۳- **شفیع**:- دین اسلام میں شفاعت کا مسئلہ ایک نہایت صاف اور معقول مسئلہ ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور افضلیت میدان نبوت میں ہر ایک پہلو سے مسلم ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں سے کوئی بھی آپکے فضائل سے برابری نہیں کرسکتا۔ تمام انبیاءؑ علی قدر مراتب ستارے ہیں اور وہ قمر منیر ہے۔ اگر دوسرے قمر ہیں تو وہ آفتاب عالمتاب ہے۔ وہ فارقلیط اور کونے کا پتھر ہے۔ وہ ہدایت اور معرفت کی تعلیم دینے میں سب سے اکمل واتم ہے۔ محمدؐ است امام و چراغ ہر دو جہاں محمدؐ است فروزندہ زمین و زماں۔ خدا نگویمش از ترس حق مگر بخدا۔ خدا نماست وجودش برائے عالمیاں۔ پس شفاعت کے لیے سب سے بڑا حق اور مدار اسی سردار عالمین پر ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی سب سے بڑھکر اور سب سے بڑی شفیع روز محشر آنحضرت صلعم ہیں۔ اور پھر دوسرے انبیاءؑ اور مقدس بندگانِ خدا بھی علی قدر مراتب شفیع ہوں گے۔ ڈاکٹر چیتو پادھیا نے سورہ آل عمران کی آیت ۴۴ وجیھا فی الدنیا والاخرۃ پیش کرکے اس کی تفسیر میں بیضاوی کا ایک قول کہ

"اس دنیا میں نبی اور آئندہ دنیا میں شفیع" اقتباس کیا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مسیح ہی ہمارا شفیع ہوگا۔ ہمیں تو افسوس کرتے ہوئے بھی افسوس آتا ہے کہ یہ لوگ کس عقلمندی کے مدعی ہیں کہ معمولی معمولی سیدھی باتوں کا بھی اُلٹا ہی نتیجہ نکالتے ہیں۔ کیا وجیہاً فی الدنیا والاٰخرۃ سے معقولیت اور دیانت کے ساتھ یہی نتیجہ نکل سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! پھر ڈاکٹر صاحب نے بیضاوی کے سب الفاظ نہیں لیے بلکہ جو لفظ اپنے مطلب کے خلاف تھے انکو چھوڑ دیا۔ کیونکہ وہاں یہ بھی ساتھ ہی لکھا ہے کہ حضرت مسیح دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنی اُمت کے مستحق لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ نہ تو قرآن شریف میں ہی کہیں یہ لکھا ہے کہ مسیح تمام دنیا کا شفیع ہوگا اور نہ کسی تفسیر و حدیث میں ایسا وارد ہے جس عبارت کو ڈاکٹر مذکور نے پیش کیا ہے اس کو ہم نے ناظرین کے پیش کر دیا ہے۔ جس لفظ عربی سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ وجیہ ہے۔ لیکن یہ لفظ نہ تو ان معنوں کی تائید کرتا ہے اور نہ ہی مسیح کا خاصہ ہے۔ بلکہ قرآن شریف میں اور برگزیدوں کے لیے بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے چنانچہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۶۹ وکان عند اللہ وجیھا۔ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی لفظ وجیہہ آیا ہے کہ وہ خدا کے نزدیک وجیہہ تھا۔ پس اگر شفاعت عالم کا مدار وجیہہ کے خطاب میں ہی محصور ہے تو پھر موسیٰ علیہ السلام بھی شفیع العالمین سمجھے جانے چاہییں۔ ہمیں اس امر کے بیان کرنے میں کوئی عذر نہیں کہ ہم مسلمان تمام انبیاء علیہم السلام کو شفیع مانتے ہیں جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور مسیح بھی چونکہ ایک نبی ہی تھے اس لیے وہ بھی اسی طرح شفیع اُمت ہوں گے۔ اور انکی نسبت یہ کہنا کہ وہ شفیع ہے یہ معنے نہیں رکھ سکتا کہ گویا وہی شفیع ہے اور دوسرا کوئی نہیں۔ یہ محض غلط اور بے بنیاد بات ہے۔

۴۔ **خدا کا قرب**:۔ مسیح کی چوتھی خصوصیت جو ڈاکٹر مذکور نے لکھی ہے یہ ہے کہ قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کو تمام دوسرے انبیاء اور مقربین سے بڑھکر خارق عادت قرب الٰہی حاصل ہے اور اس بیان کی بنا ومن المقربین پر رکھی ہے۔ یہاں آیت قرآنی میں

خدا کا مقرب ہونے میں مسیح کی خصوصیت نہیں

کلمہ من پڑا ہوا ہے جو بعضیہ کہلاتا ہے۔ اور جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی مقربوں کی جماعت میں سے ایک فرد ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ وہی مقرب ہے اور دوسرا کوئی نہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب مذکور نے اس بیان کو اس غرض کے لیے لکھا ہے کہ وہ مسیح علیہ السلام کے اس قرب الٰہی کا ثبوت دیں جو دوسرے انبیاء و صالحین کو حاصل ہوتا ہے تو ہمیں اس سے انکار نہیں لیکن انکو اس سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسا قرب مسیح ہی کو نہیں بلکہ تمام راستبازوں کو حاصل ہے اور اگر ایسا قرب دلیل الوہیت ہو سکتی ہے تو پھر ایک مسیح کیا لا انتہا تعداد مقربین کی خدائی کی مسند پر بٹھائے جانے چاہییں۔ اور ملک السمٰوات والارض ان میں تقسیم کر دینا چاہیئے۔ کم سے کم اتنا تو انکو سوچنا چاہیئے تھا کہ من المقربین میں تو ایک کثیر جماعت مسیح کی ہم پلہ اور ہم رتبہ ثابت ہوتی ہے۔ اس سے اسکی خدائی کے لیے خصوصیت تو کوئی نکل نہیں سکتی۔ پھر اس بات کو بھی سوچیے کہ مقربین کا لفظ ایک اسی جگہ قرآن شریف میں نہیں آیا۔ بلکہ بہت جگہوں میں آیا ہے۔ دیکھو سورۃ الواقعہ والسّٰبقون السّٰبقون اولٰئک المقربون۔ اور فاما ان کان من المقربین اور سورۃ التطفیف کتٰب مرقوم یشھدہ المقربون اور عینا یشرب بھا المقربون۔ یہ تمام آیات صاف بتاتی ہیں کہ مقرب ہونے میں حضرت مسیح کو کوئی ایسی خصوصیت حاصل نہیں جو دوسرے برگزیدوں کو حاصل نہ ہو۔

۵۔ روح القدس سے حاملہ ہونا:۔ روح القدس سے حاملہ ہونیکا اعتقاد عیسائیوں کا ہے قرآن شریف میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ مگر ڈاکٹر چیتو پادھیا کا یہ خیال ہے کہ گویا قرآن شریف میں یہ لکھا ہے کہ مسیح کنواری مریم کے رحم میں روح القدس سے حمل کے ذریعہ سے پیدا ہوا تھا۔ جن آیات سے ڈاکٹر صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے ہم اس جگہ انکو لکھکر ڈاکٹر صاحب کی غلطی ظاہر کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلٰما زکیا۔ قالت انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا۔ قال کذٰلک قال

حضرت مسیح کا بعض روح القدس سے حاملہ ہونا مذکور نہیں بلکہ محض خدا کی قدرت سے

ربک ھو علیّ ھین (سورہ مریم آیت ۱۷۔۲۰) یعنی ہم نے اس (مریم) کی طرف اپنی روح بھیجی۔ پس وہ اس پر پوری بشر کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ مریم نے کہا میں رحمٰن خدا سے تیری بدی سے بچنے کیلیے پناہ مانگتی ہوں اگر تو اس سے ڈرنیوالا ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو تیرے رب کا بھیجا ایک رسول اس لیے آیا ہوں کہ تجھے ایک زکی لڑکا دوں۔ مریم نے کہا کہ مجھے کیسے لڑکا ہو سکتا ہے کیونکہ مجھے تو کسی بشر نے چھوا بھی نہیں اور میں بدکار بھی نہیں اس نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا (یعنی تیرے ہاں ضرور ایک لڑکا ہوگا) تیرے رب نے کہا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے۔" اسی طرح ایک اور جگہ پر آیا ہے۔ اذ قالت الملئکة یا مریم ان اللّٰہ یبشرک بکلمةٍ منه اسمه المسیح عیسی ابن مریم ××× قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر۔ قال کذلک اللّٰہ یخلق ما یشاء اذا قضی امرًا فانما یقول له کن فیکون (سورة آل عمران آیات ۴۰ تا ۴۲) ترجمہ جب فرشتہ نے کہا اے مریم اللہ نے تجھے اپنے ہاں سے ایک کلمہ کی بشارت دی ہے اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ ××× اس پر مریم نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے کیسے بیٹا پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ مجھے تو کسی بشر نے چھوا نہیں۔ پھر اس نے کہا کہ خدا اسی طرح جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے۔ اور جب کسی امر کا فیصلہ کر دیتا ہے تو وہ صرف کُن (یعنی ہو جا) کہتا ہے۔ اور وہ چیز ہو جاتی ہے" پادری صاحب کا زور انہی دونوں آیتوں پر تھا۔ لیکن ان میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ حضرت مریم روح القدس سے حاملہ ہوگئی تھیں اور نہ ہی کنایہ اور تاویل بعیدہ سے ہی الفاظ قرآنی کے معنوں سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پہلی آیت میں لکھا ہے کہ خدا کی روح آدمی کی شکل میں مریم پر ظاہر ہوئی۔ لیکن اس آیت میں روح سے مراد وہی فرشتہ ہے جو دوسری آیت سے واضح ہوتا ہے۔ اس کے ماسوا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مریم کو فرشتہ یا روح نے یہ بشارت رؤیا میں سنائی اور رؤیا ہی میں اس نے اس کو بشکل آدم دیکھا۔

ان الفاظ سے بھی کہ "میں تجھے ایک بیٹا دونگا" یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ مریم روح القدس سے حاملہ ہوئی۔ کیونکہ روح یا فرشتہ تو صرف خبر لانیوالا تھا اور اس کی گفتگو سے سوائے بشارت دینے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں ایک اور آیت ہو جو انہوں نے

کسی وجہ سے اپنے مضمون میں نہیں لکھی اور وہ ہے والتی احصنت فرجها فنفخنا فیه من روحنا یعنی وہ عورت جس نے اپنے شرمگاہ کو بچایا پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی لیکن ان الفاظ سے بھی مریمؑ کا روح القدس سے حاملہ ہونا نہیں سمجھا جاسکتا کیونکہ یہی لفظ قرآن شریف میں کئی مقامات پر حضرت آدم کے لیے بولے گئے ہیں چنانچہ سورہ ص کی آیت ۷۲ کہ فاذا سویته ونفخت فیه من روحی فقعوا له سٰجدین اور سورۃ الحجر میں بھی یہی آیت نمبر ۲۹ پر آئی ہے جس کا ترجمہ ہے "جب میں اس کی پوری شکل بنالوں اور اس میں اپنی روح ...... نفخ کرلوں تو تم سب سجدہ میں اسکے آگے گر پڑنا"

یہی کچھ ہیں قرآنی آیات جن سے زیادہ سے زیادہ پادری لوگ اپنا مطلب نکال سکتے ہیں لیکن ایک بھی حرف قرآن مجید میں ایسا نہیں کہ جس سے اس بات کا کسی طرح ثبوت مل سکے کہ مریم روح القدس سے حاملہ ہو گئی تھی یہ اعتقاد تو قرآنی تعلیم کے سراسر مخالف ہے ہاں عیسائی صاحبان کا یہ اعتقاد ہے سو وہ اپنی کتابوں سے جو مطلب چاہیں نکالیں قرآن شریف کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر بھی وہ اپنا مطلب نہیں نکال سکتے۔

۶۔ عصمت: ڈاکٹر چیتو پادھیا نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح معصوم اور گناہوں سے پاک پیدا ہوئے تھے۔ اور اس مفروضہ اعتقاد کو قرآنی اعتقاد بنا کر اس کو اسکی الوہیت کی ایک محکم دلیل ٹھہرایا ہے۔ اس کی تائید میں آیت انا رسول ربك لاهب لك غلاما زکیا (سورۃ مریم - ۱۹) ترجمہ (فرشتہ نے مریم سے کہا) میں تیرے رب کا رسول ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں" پیش کرتے ہیں۔ یہاں جس عربی لفظ پر ڈاکٹر صاحب نے استدلال کی بنا قائم کرتے ہیں وہ زکی ہے۔ لیکن یہ ایسا لفظ نہیں کہ جو صرف مخصوص طور پر مسیح پر ہی بولا گیا ہو بلکہ قرآن شریف میں اور مقامات پر بھی آیا ہے۔ چنانچہ جہاں یہ آیت واقع ہے اس سے چند آیات ہی پہلے اسی قسم کا لفظ حضرت یحیٰیؑ (جس کو عیسائی یوحنا بپتسمہ دینے والا کہتے ہیں اور جس کے ہاتھ سے مسیح نے بپتسمہ پاکر اس کی مریدی اختیار کی تھی) کے حق میں آیا ہے چنانچہ وہ آیت یہ ہے

زکی کے لفظ کا استعمال مسیح سے خاص نہیں عام ہے

یا یحییٰ خذ الکتٰب بقوۃٍ و اٰتیناہ الحکم صبیا۔ وحنانا من لدنا و زکوٰۃ وکان تقیا۔ ترجمہ۔ اے یحییٰ کتاب کو مضبوط طور پر قبول کرو۔ اور ہم نے اُسے بچپن ہی میں حکمت اور رحم آمیز طبع اور پاکیزگی اپنے ہاں سے دی"۔ واضح رہے کہ اس موقع پر جس لفظ کا ترجمہ پاکیزگی کیا گیا ہے وہ زکوٰۃ ہے۔ اور یہ حضرت یحییٰ کی صفت میں بیان کیا گیا ہے۔ زکی اور زکوٰۃ دونوں ایک مادہ سے ہیں اور ایک ہی معنے رکھتے ہیں۔ مسیح بھی مزکی لڑکا تھا اور یحییٰ بھی مزکی لڑکا تھا دونوں اس مرتبہ میں برابر تھے۔ پس اگر زکی ہونا دلیل الوہیت ہو سکتی ہے تو دونوں مساوی المرتبہ بزرگ الوہیت کے شریک اور حقدار ہیں۔ مگر ہم حضرت یحییٰ کے حال کو اسی جگہ چھوڑ دیتے ہیں اور یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ زکی لفظ ایسا عظیم الشان نہیں کہ جو عام انسانی سوسائٹی کے طبقات سے وراء مفہوم رکھتا ہو۔ قرآن شریف میں تو ایسے بچوں پر بھی یہ لفظ بولا گیا ہے جو غیر نبی تھے چنانچہ سورۃ الکہف کی آیت ۷۳ میں ہے۔ اقتلت نفسا زکیۃ بغیر نفس۔ یعنی ایک عظیم الشان انسان جس کا نام موسیٰ تھا وہ اپنے مخاطب کو کہتا ہے کہ کیا تُو نے ایسے نفس کو بغیر کسی جرم کے قتل کر دیا ہے جو زکی ہے؟ پھر وہ مخاطب اپنے اس فعل کی تشریح کرتا ہے واما الغلام فکان ابواہ مومنین فخشینا ان یرھقھما طغیانا وکفرا۔ فاردنا ان یبدلھما ربھما خیرًا منہ زکوٰۃ و اقرب رحما یعنی اور وہ لڑکا جو تھا اس کے ماں باپ صالح تھے۔ ہم کو اس بات کا خوف ہوا کہ وہ کفر اور بغاوت میں مبتلا ہو کر انکی عزت کو برباد نہ کرے۔ پس ہمنے ارادہ کیا کہ انکا رب اس کی بجائے انکو اور لڑکا بدلے میں دے جو زکی ہونے میں اس سے بہتر اور رحم میں اقرب ہو"۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ایک ایسے لڑکے کو زکی کہا گیا ہے جسکے حالات سے وہ واقف نہیں۔ اور انکا مخاطب اس کے بُرا ہو کر طاغی اور کافر ہونے پر اطلاع رکھتا ہے اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی بات کی تردید کرتا ہے لیکن اس امر کی تردید نہیں کی کہ ایسے لڑکے کو زکی مت کہو۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ خدا اسکو والدین کو ایسا بیٹا دیگا جو اس کی نسبت زکی ہونیکی صفت میں بہتر ہوگا۔ پس زکی کا استعمال کسی بچے کے حق میں اس کی خدائی کی دلیل نہیں ہو سکتی

زکی ہونا جس کو پادری صاحبان نے عصمت سے تعبیر کیا ہے ایک ایسی صفت ہے جس کی موجودگی اور معدومیت اور ترقی و تنزل ممکن ہیں۔ ترقی و تنزل کا ثبوت تو قرآن شریف نے ہی دیدیا ہے کیونکہ جب کہا ہے کہ اسکی والدین کو خدا ایسا بیٹا دیگا جو زکی ہو نہیں اس سے بہتر ہوگا۔ تو بس یہ مقابلہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس میں ترقی و تنزل کا دخل ضرور ہے۔ یہ کوئی مسیح کا ہی خاصہ نہیں کہ وہی زکی پیدا ہوا بلکہ ہر ایک بچہ جو پیدا ہوتا ہے تو اس وقت زکی ہی ہوتا ہے۔ اور عام طور پر اسکو معصوم کہتے ہیں۔ کوئی قوم و مذہب اس اعتقاد کے برخلاف اور اعتقاد نہیں رکھتی۔ اسی لیے بچوں کے افعال کیلیے کوئی قیود اور تعزیرات بھی مقرر نہیں ہوتیں۔ البتہ بعد میں ایک ایسا زمانہ آجاتا ہے کہ وہ زکی نہیں رہتے۔ یا اس رتبہ میں کم ہوجاتے ہیں۔

ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت یحییٰ کی نسبت جو صفت زکی ہونیکی بیان کیگئی ہے اس کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ عطیہ انکی ذات کے لیے تھا۔ اور اس میں انکی آیندہ زندگی کی پاکیزگی کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ لیکن جو خطاب حضرت مریمؑ کو لاھب لك غلاماً زکیا۔ کا ہوا ہے اس کا اثر فعلیہ طور پر حضرت مریم پر ہے۔ اور وصفی طور پر حضرت مسیح پر۔ یعنی فعلیہ طور پر اسطرح سے کہ حضرت مسیح کی اعجازی پیدائش کو دیکھکر یہودیوں سے اور تو کچھ نہ بن پڑا انہوں نے حضرت مریم کے چال چلن پر ناگفتہ بہ الزام لگانے شروع کردیئے۔ چنانچہ اس کا ذکر قرآن شریف میں چند موقعوں پر آیا ہے۔ یعنی (نعوذ باللہ) یہ الزام لگاتے تھے کہ گویا یہ بچہ ولادت جائز سے پیدا نہیں ہوا۔ چونکہ انکی پیدائش کسی مکروہ اور خبیث طریق سے نہ ہوئی تھی۔ اور مریمؑ کے چال چلن پر کوئی داغ نہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انکو اس الزام کی تردید پہلے سے ہی کر چھوڑی کہ مخالفین کا اعتراض انکی ولادت کی نسبت غلط ہوگا۔ مریمؑ تو اپنے چال چلن میں بری ہے۔ اور مسیح پر اسکا یہ اثر تھا کہ یہودیوں کے ہاں حرامزادہ بچوں کو ناپاک سمجھا جاتا تھا۔ یہانتک کہ انکے ہیکل میں قدم رکھنے سے ہیکل ناپاک ہوجاتی تھی۔ بلکہ ان کی دس پشتیں ناپاک ہوتی تھیں اور انکی دس پشتوں تک کوئی ہیکل میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ (دیکھو کتاب استثنا ۲۳ ۲)

اصل غرض مسیح کو زکی کہنے کی حضرت مریم کی بریت ہے

چونکہ ناپاکی ایک الزام تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو اس الزام سے بری ہونیکی خبر دی۔ اس احسان الٰہی کا ناجائز فائدہ اُٹھانا اور اس کو مسیح کی خدائی کے لیے دلیل ٹھہرانا پرلے درجہ کا ظلم ہے۔

۷۔ آیۃ للناس۔ ورحمۃ منا۔ (لوگوں کیلیے نشان۔ اور خدا سے رحمت)

حضرت اسماعیل آیت اللہ ہے

ڈاکٹر چتو پادھیا نے مسیح کی خدائی کی دلائل میں قرآن شریف سورہ مریم کی آیت ۲۱ بھی نقل کی ہے جو اس طرح پر ہے ولنجعلہ آیۃ للناس ورحمۃ منا۔ (اور ہم اسے ان لوگوں کے لیے نشان اور اپنی طرف سے رحمت بنائیں گے۔) یہاں ناس کے ماقبل ال ہے اور اس کے معنے تخصیص کے ہیں جس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کے لیے آیت اور رحمت بنیگا جو اس وقت مخاطب تھے۔ اس سے یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ وہ تمام دنیا کے لیے ایسا ہوگا۔ اس قسم کے مطالب کو ظاہر کرنے کیلیے قرآن شریف میں لفظ عالمین آیا ہے۔ اور ایک ہی ہے جو اولین اور آخرین کیلیے رحمت بنایا گیا جس کا نام (صد ہزار بشویم دہن بمشک و گلاب۔ ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست) سب سے پیارا نام۔ مقدس اور معزز نام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جس کو رحمۃ للعلمین کا خاصہ اور خطاب دیا گیا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے سامنے دم مار سکے۔ پس اگر مسیح ایک خاص قوم کے لیے رحمت تھے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل دنیا کے لیے رحمت قرار دیئے گئے ہیں۔ پس رحمت ہونا خدائی کی دلیل نہ ہوئی۔

لفظ آیت پر عیسائی استدلال

ڈاکٹر صاحب نے مسیح کو خدا بنانیکے لیے لفظ آیت پر بہت زور دکھایا ہے۔ مگر انکی تنگ نظری نے انکو اتنا دیکھنے نہیں دیا کہ یہ ایک معمولی لفظ ہے جو قرآن شریف میں بکثرت آیا ہے جس کو ایک ایسا آدمی جس نے سطحی طور پر بھی قرآن شریف پر نظر ڈالی ہو سمجھ سکتا ہے۔ ہم بجگہ ان چند آیات کو نقل کر دیتے ہیں جنمیں یہ لفظ آیت اوروں کیلیے آیا ہے وہ یہ ہیں۔ (۱) وجعلنا الیل والنہار آیتین فمحونا آیۃ الیل وجعلنا آیۃ النہار مبصرۃ۔ ترجمہ اور ہم نے رات اور دن دو آیتیں بنائی ہیں رات کی آیت کو ہم محو کرتے ہیں اور دن کی آیت کو روشن کرتے

ہیں (سورہ اسرار۔ آیت ۱۳) (۲) ام حسبت ان اصحٰب الکہف والرقیم کانوا من ایاتنا عجبا۔ ترجمہ۔ کیا تُونے گمان کیا کہ اصحاب کہف اور رقیم ہماری عجیب آیات میں ہو تھے۔ (سورۃ الکہف آیت ۸) (۳) ان فی خلق السموات والارض و اختلاف الیل والنہار والفلك التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا به الارض بعد موتها وبث فیها من کل دابة۔ وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لایات لقوم یعقلون۔ ترجمہ تحقیق آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور دن اور رات کے اختلاف میں اور جہازوں میں جو سمندر میں چلتے ہیں اور لوگوں کو نفع پہنچاتے ہیں۔ اور بارش میں جو خدا آسمان سے نازل کرتا ہے اسکے ساتھ مردہ زمین جی اٹھتی ہے۔ اور چار پاؤں کو زمین پر پھیلا نیمیں۔ اور ہواؤں کو چلانیمیں اور بادلوں میں جو آسمانوں اور زمین کے درمیان خدمتگذاری کیلیے پابند ہیں سمجھنے والوں کے لیے آیات ہیں۔ (سورۃ البقرہ۔ ۱۵۹)۔ ان قرآنی حوالوں میں صاف طور پر آیت کا لفظ جا بجا لکھا ہے اور جنکی نسبت لکھا ہے انکی خدائی کی کوئی دلیل نہیں سمجھی گئی۔ اگر یہ سارے حوالے ڈاکٹر صاحب کو تسلی دینے کے لیے کافی نہ ہوں تو ایک اور حوالہ قرآن شریف کی سورۃ البقرہ آیت ۲۶۱ کا دیتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ اوکالذی مر علی قریة وھی خاویة علی عروشها۔ قال انی یحی ھذہ اللہ بعد موتها فاماته اللہ مائة عام ثم بعثه۔ قال کم لبثت۔ قال لبثت یوما او بعض یوم۔ قال بل لبثت مائة عام۔ فانظر الی طعامك و شرابك لم یتسنه۔ وانظر الی حمارك ولنجعلك اٰیة للناس۔ ترجمہ۔ یا اس آدمی کی طرف (غور کرو) جو ایک ایسے قصبہ کے پاس سے گذرا جو اُجڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ اس اُجڑے ہوئے شہر کو اسکی موت کے بعد خدا کیسے زندہ کریگا۔ پس خدا نے اسے ایک سو برس مار دیا اور پھر اسکو اُٹھایا اور پوچھا کہ تم کتنا عرصہ رہے ہو۔ اس نے جوابدیا کہ میں تو ایک دن یا دن کا کوئی حصّہ ہی رہا ہوں۔ خدا نے کہا نہیں! بلکہ تُو تو ایک سو برس رہا ہے۔ تو اپنی غذا اور شراب کی طرف دیکھ کہ ابھی تک باسی نہیں ہوئی

اور گدھے کی طرف نظر کر اور ہم تکو لوگوں کے لیے آیت بنائیں گے" اب اس بیان میں ایک نبی کو ایۃ للناس بنایا گیا ہو جس کا نام بھی یہاں قرآن نے ذکر نہیں کیا۔ اور ایۃ للناس وہی جملہ بلا کم و کاست ہے جو مسیح کے بارہ میں ہو اور جسکو دیکھکر ڈاکٹر صاحب مسیح کی خدائی کے ثبوت ہاتھ آجانیکی خوشی میں بغلیں بجاتے ہیں۔ بلکہ خدا نے تو حیوانوں کو بھی اپنی آیت کہا ہو چنانچہ ایک اونٹنی کو آیت کہا ہو۔ اب ناظرین خود سوچ اور سمجھ سکتے ہیں کہ کیا یہ جملہ جو ڈاکٹر صاحب نے مسیح کی خدائی کے ثبوت میں پیش کیا ہو کسی طرح بھی اس کی خدائی پر کوئی دلیل کہلا سکتا ہو؟ کوئی معقول دماغ ایک لمحہ کیلیے بھی ڈاکٹر صاحب کی دلیلوں کو مان نہیں سکتا۔ جیسا کہ ایۃ للناس سے مسیح کی خدائی ثابت نہیں ہوتی اسی طرح رحمۃ منا سے بھی اسکی خدائی کا کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ ہم اسکو مختصر کرتے ہیں اور صرف ایک ہی مثال اس لفظ کے استعمال کی پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور وہ سورۃ انبیار کی آیت ۲۱ ہو جو انحضرت صلعم کے بارہ میں ہے یعنی رحمۃ للعلمین۔ جسکا کچھ ذکر ہم نے اوپر بھی کر دیا ہو۔ اگرچہ اس لفظ کی اور بھی بہت ساری مثالیں قرآن شریف سے پیش کیجا سکتی ہیں۔ لیکن یہاں ہم زیادہ گنجایش نہیں دیکھتے۔

۸۔ مسیح کی موت اور اس کا جی اُٹھنا۔ ڈاکٹر صاحب مذکور نے سورۃ مریم کی آیت ۳۴ (والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا ترجمہ۔ اور مجھ پر اس دن سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا تھا اور جس دن میں مرونگا اور جس دن میں زندہ اُٹھونگا) پیش کر کے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہو کہ مسیح کا صلیب پر مرنا اور اسکا قبر میں سے زندہ جی اُٹھنا قرآن شریف نے بھی عیسائی اعتقاد کے موافق مانا ہو۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ یہ ایسی بات ہے جس میں مسیح کو کوئی خصوصیت نہیں دیگئی۔ اسی قسم کی آیات۔ اکثر لوگوں کے حق میں قرآن شریف میں آئی ہوئی ہیں۔ چنانچہ سورۃ ہائے $\frac{۲۲}{۱۴}$ و $\frac{۳۴}{۱۴}$ و $\frac{۳۸}{۸}$ وغیرہ کا ملاحظہ کرنیسے معلوم ہوتا ہو کہ تمام نوع انسان کیلیے یہی طریق مقرر ہو کہ پیدا ہوتا ہو۔ پھر مرتا ہو اور پھر زندہ کیا جاتا ہو سورہ $\frac{۲۲}{۱۱}$ کے پڑھنے سے عیاں ہوتا ہو کہ سب لوگ پہلے پیدا ہوتے ہیں پھر موت دیئے جاتے ہیں اور پھر

مسیح کی موت اور بعثت اور دوسرے لوگوں کی موت و بعثت یکساں ہے

زندہ کیے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جسطرح آیت محولہ بالا کی تشریح میں لکھا ہے کہ وہ تیسرے دن جی اُٹھا۔ اسطرح ہر ایک آدمی دوسرے لوگوں کی نسبت بھی اپنے پاس سے تیسرا دن یا چوتھا ہے لکھ سکتا ہے۔ آیت محولہ میں تو صرف اسیقدر ذکر ہے جو تمام نوع انسان کیلیے ہے یعنی پیدا ہونا مرنا اور دوبارہ اُٹھائے جانا۔ علاوہ ازیں جہاں جہاں مسیح کی پیدائش وغیرہ کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے وہاں ساتھ ہی اس کے بلکہ اس سے پہلے حضرت یحییٰ کی پیدائش کا ذکر آیا ہے اور جس جس رنگ میں اس ایک شان کو بیان کیا گیا ہے وہی رنگ دوسرے کا ظاہر کیا گیا ہے۔ دونوں کے متعلق جتنے الفاظ ہیں وہ قریباً قریباً برابر اور یکساں ہیں۔ چنانچہ جو الفاظ مسیح کے بارہ میں ڈاکٹر صاحب نے اسکی خدائی کی دلیل ٹھہرانیکے لیے پیش کیے ہیں وہی الفاظ یحییٰ کے متعلق بھی اسی سورۃ مریم کی آیت ۱۵ میں ہیں۔ اس میں لکھا ہے وسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا۔ تو پھر اگر وہ آیت مسیح کی صلیبی موت اور اس کے تین دن کے بعد قبر میں سے جی اٹھنے کا ثبوت ہے۔ تو یہ آیت بھی حضرت یحییٰ کی صلیبی موت اور انکے قبر میں سے تین دن بعد جی اٹھنے کا ثبوت ٹھہرانا چاہیئے۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ انہی الفاظ کے یسوع کے حق میں اور معنے بیان کیے جائیں اور یحییٰ کے حق میں اور۔ انہی سے یسوع کو خدا بنایا جائے اور یحییٰ کو انسان۔ یہ سلسلہ تو ہر ایک انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے کہ وہ پہلے پیدا ہوتا ہے۔ پھر مرتا ہے اور پھر زندہ کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی خاصہ مسیحی نہیں۔ اس میں ہر ایک بشر اسکے ساتھ شریک اور ہمرتبہ ہے۔

یہانتک ہی انہوں نے بس نہیں کی بلکہ اس اپنے دعوے کی تائید میں سورہ آل عمران کی آیت ۴۸ بھی پیش کی ہے اور وہ یہ ہے۔ اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ۔ اور اس سے یہ مطلب نکالا ہے کہ مسیح صلیب پر مر گیا اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر چڑھ گیا۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی سراسر بے سمجھی ہے قرآن شریف تو مسیح کے صلیب پر مرنیکا انکار کرتا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء کی آیت ۱۵۶ میں اس کا ذکر بھی کیا ہے کہ وما صلبوہ یعنی مسیح کو یہودیوں نے صلیب پر نہیں مارا۔ یہ دونوں آیات ملاکر پڑھنے سے صاف روشن ہوتا ہے کہ مسیح

مسیح صلیب پر نہیں مرے

صلیب پر نہیں مرا۔ بلکہ وہ طبعی موت سے اس جہان فانی سے عالم بقا کی طرف رحلت فرما ہو گیا۔
دوسرا امر رفع ہے۔ رفع کے معنے انہوں نے آسمان پر اُٹھائے جانیکے کیے ہیں۔ لیکن یہ انکی غلطی ہے
دراصل رفع کے معنے قرآنی اصطلاح میں مراتب اور مدارج کا بلند کرنا ہے۔ ہم اسکے معنوں کی بحث
میں نہیں پڑتے۔ اس بات کو چھوڑ دیتے ہیں کہ اس کے کیا معنے ہیں۔ اس کے کوئی بھی معنے لیے
جائیں لیکن یہ کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا کہ مسیح بجسدہ العنصری زندہ یا مردہ آسمان پر
اُٹھایا گیا۔ کیونکہ قرآن شریف نے یہ قانون بلا استثنا پیش کیا ہے کہ جو پیدا ہوا ہے وہ اسی زمین پر
رہیگا اور یہیں مریگا۔ (دیکھو ۱۶/۱۲ منہا خلقنا کم و فیہا نعید کم و منہا نخرجکم
تارۃ اخری)۔ اس کے ماسوا رفع کا لفظ صرف مسیح کے لیے ہی نہیں آیا۔ بلکہ یہ لفظ اوروں کے
لیے بھی آیا ہے۔ چنانچہ ۱۹/۸ میں ورفعناہ مکانا علیا۔ ۹/۱۷۵ میں ولو شئنا لرفعناہ
بہا ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ اور ۲۲/۱۱ میں والعمل الصالح یرفعہ
قرآن شریف میں درج ہیں۔ ان تمام آیات میں لفظ رفع موجود ہے اور اسکے ساری مفعول مسیح کے
ساتھ رفع کے پہلو سے ہم پایہ ہیں۔ پس رفع کے یہ معنے جو ڈاکٹر صاحب نے لیے ہیں غلط ہیں اور نہ ہی
یہ خاصہ مسیح میں ثابت ہے اسکے معنے رفع روحانی ہے رفع جسمانی نہیں۔ (باقی آیندہ)

برنباس کی انجیل

ایک مدت تک بعض بیجا عیسائی مناظرین برنباس کی انجیل کے وجود سے ہی انکار کرتے رہے مگر آخر
اس کتاب کا انگریزی ترجمہ شایع ہو گیا جو کہ اطالین زبان کے نسخہ سے کیا گیا ہے یہ ایک ضخیم کتاب ہے جو ہمارے
پاس پہنچ گئی ہے لیکن اس وقت ہم خود اس کے متعلق کوئی مفصل مضمون لکھنا نہیں چاہتے اور
نہ ہی اس رسالہ میں اسقدر گنجایش ہے بلکہ ایک عیسائی سہ ماہی پرچہ دی ایسٹ اینڈ دی ویسٹ
کی گذشتہ اشاعت میں جو ایک مضمون اسی مضمون پر پادری ریگ نے شایع کیا ہے اسپر مختصر سی بحث کرینگے

اس مضمون کا عنوان پادری صاحب نے "برنباس کی محمدی انجیل" رکھا ہے اور محمدی کہنے کی یہ وجہ ظاہر کی ہے کہ دوسری فرضی اناجیل کے خلاف جو عیسائی صاحبان کی تصانیف ہیں یہ ایک فرضی انجیل ہے جو کسی ایسے مسلمان کی تصنیف ہے جو عیسائی مذہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گیا۔ اور اپنے نئے عقیدہ کی حمایت میں ایک فرضی انجیل لکھ دی۔ اس کو کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینے کی وجہ سوائے اسکے کچھ نہیں کہ اس میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کی پیشگوئیاں صراحت کے ساتھ پائی جاتی ہیں اور یہ بات عیسائی صاحبان کو پسند نہیں کیونکہ اس سے اسلام کی صداقت کا ایک اور ثبوت ملتا ہے اگرچہ انکے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ کہ جس طرح اور ہزارہا ثبوتوں کو رد کیا ہے اسی طرح اس انجیل کو بھی پرانی سمجھ کر جو ثبوت اس سے ملتا تھا اسے رد کر دیتے۔ کیونکہ انجیل کو کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینے کے لیے یہ کافی وجہ نہیں کہ اس میں پیغمبر اسلام کے ظہور کی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں۔ ہم پادری صاحبان کو اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ اسلام اپنے ثبوت کیلیے برنباس کی انجیل یا کسی دوسری انجیل کا محتاج نہیں ہے بلکہ ہزارہا چمکتے ہوئے ثبوت اور روشن نشان اپنے ساتھ رکھتا ہے اور جس صورت میں عیسائی صاحبان ان سب ثبوتوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں تو یہ امید رکھنی عبث ہے کہ وہ برنباس کی انجیل یا کسی دوسری انجیل یا کسی اور کتاب کی پیشگوئی کی بنا پر صداقت کو قبول کرنیکے لیے تیار ہو جاوینگے لیکن خود پادری صاحبان کیلیے یہ طریق درست نہیں ہے کہ جس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشگوئی ملے اسے فرضی قرار دیدیں یوحنا کی انجیل میں کسقدر وضاحت کے ساتھ آنحضرتؐ کے ظہور کی پیشگوئیاں موجود ہیں پھر اسکو بھی فرضی قرار دینا چاہیئے۔ اور ایسا ہی دوسری کتابوں میں جن کا مجموعہ بائبل کہلاتا ہے بہت سی ایسی پیشگوئیاں موجود ہیں جن کی تفصیل کیلیے اس جگہ گنجائش نہیں ہے۔

صرف ایک یوحنا کی انجیل کو لے لو۔ کسقدر صفائی کے ساتھ اس میں حضرت عیسیٰ کے بعد ایک اور شارع کے آنیکی پیشگوئی کی گئی ہے جیسا کہ یوحنا ۱۶/ ۱۲-۱۳ میں مذکور ہے کہ "میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمھیں کہوں پر اب تم انکی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ روح حق آوے تو وہ

تمھیں ساری سچائی کی راہ بتادیگی کیونکہ وہ اپنی نہ کہیگی لیکن جو کچھ وہ سنیگی سو کہیگی اور تمھیں آیندہ کی خبریں دیگی "۔ اب دیکھو کسقدر صفائی سے یہ پیشگوئی ایک اور نبی کے آنیکو بتا رہی ہے جو اس بات کا مصداق ہو کہ ما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحی۔ یعنی اپنی کوئی بات نہ کہے بلکہ جو بات خدا کی طرف سے وحی ہو وہی کہے بالفاظ دیگر جو کچھ سُنے وہی کہے۔ کیا عیسائی صاحبان اس پیشگوئی کا مصداق سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو ٹھہرا سکتے ہیں؟ مگر کیا باوجود اس پیشگوئی کی موجودگی اور ایک مدعی کے جس نے وہی باتیں کہیں جو پیشگوئی میں تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عیسائی صاحبان نے سچا نبی مان لیا؟ ایسا ہی دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آنیکی پیشگوئی جس کا پورا ہونا سوائے فتح مکہ کے اور کہیں نہیں دکھایا جاسکتا۔ یا فاران کی چوٹیوں سے خداوند کے جلال کا ظاہر ہونا جو وہ بھی نبی عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کیلئے سوا اور کسی طرح پوری ہوئی ہوئی پیشگوئی نہیں کہلا سکتی۔ یہ سب واضح اور صریح پیشگوئیاں بائبل میں موجود ہیں پس جب عیسائیوں کی قبول کردہ مجموعہ کتب الہامی میں ایسی کھلی کھلی پیشگوئیاں موجود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں پوری ہوئیں تو کسی مسلمان کو وضعی پیشگوئیاں بنانیکی کیا ضرورت تھی۔

مگر اس موقع پر ہم برنباس کی اس انجیل کی جو شایع کی گئی ہے اصلیت یا غیر اصلیت پر بحث نہیں کرنا چاہتے بلکہ اس کی تحقیق کسی اور موقع کیلیے چھوڑتے ہیں تعجب یہ ہے کہ خود پادری رنگ صاحب نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ایک انجیل برنباس حواری کی تھی اور چھٹی صدی عیسوی تک اس کا نام فہرستوں میں بھی پایا جاتا ہے مگر بعد میں وہ گم ہوگئی اور یہ بھی مانا ہے کہ ممکن ہے کہ اس موجودہ انجیل برنباس میں وہ پہلی انجیل برنباس کل کی کل موجود ہے یا اس کا کوئی حصہ یا خلاصہ مضمون موجود ہو چنانچہ اس مضمون میں پادری صاحب نے لکھا ہے کہ "اس میں شک نہیں کہ گاسپل آف برنباس (انجیل برنباس جو اب شایع ہوئی ہے) اسقدر بعد کے زمانہ کی معلوم ہوتی ہے اور اسکی طرز اسقدر نئے زمانہ سے ملتی جلتی ہے کہ ایک محقق کیلیے ابتدائی زمانہ کی غیر اصلی اناجیل والی دلچسپی اسمیں کوئی نہیں۔

لیکن یہ بات قرین قیاس ہو کہ اس کے اوراق میں وہ مشہور قدیم زمانہ کی انجیل برنباس کل کی کل یا اس کا جزو یا خلاصہ مضمون موجود ہو جس کا نام چھٹی صدی کی ایک متعصبانہ فہرست میں اس حیثیت سے پایا جاتا ہو کہ اس کو قبول نہ کرنا چاہیئے"

پادری صاحب کے مضمون کا خلاصہ انکے مندرجہ ذیل فقرہ سے معلوم ہو سکتا ہے "چونکہ اس انجیل سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ لکھنے والیکو بہ نسبت قرآن کے بائبل کی واقفیت بہت زیادہ ہے اس لیے غالباً یہ کسی ایسے شخص کی تصنیف ہے جس نے عیسائی مذہب کو ترک کر دیا تھا۔ اور جہانتک قیاس سے کام لیا جا سکتا ہو اس تصنیف میں اس نے یہ کوشش کی ہو کہ اپنے آپ کو نہیں تو اپنے نئے ہم مذہبوں کو یہ یقین دلا سکے کہ اسکی تبدیلی مذہب راستی پر مبنی ہو۔ یہ بھی ممکن ہو کہ اس کی کسی قدر غرض یہ ہو کہ مسلمانوں کو اس مذہب کی زیادہ واقفیت دلائی جاوے جس میں خود اس کتاب کے مصنف نے پرورش پائی تھی۔ اور قرآن میں جو تاکید عیسیٰ بن مریم کے ادب اور عزت کے لیے پائی جاتی ہو یہانتک کہ اسکو بجز حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور سب نبیوں سے افضل مانا گیا ہو اس ادب اور عزت کو مسلمانوں کے دلوں میں اور بھی بڑھایا جاوے۔ اس کتاب کی بنیاد اس اصلی قصہ کا بیان کرنا ہو جو چار تسلیم کردہ اناجیل میں یسوع مسیح کے مشن کے متعلق بیان کیا گیا ہو۔ اور یہ محمدی انجیل نہ صرف ان تمام بڑے بڑے معجزات کو ہی بیان کرتی ہو جو مذکورہ چار اناجیل میں بیان کیے گئے ہیں بلکہ اپنے پاس سے دو اور معجزے بھی اسکے لیے تجویز کرتی ہے۔ یعنی معجزانہ طور پر فصل کا بمقام نائین بڑھا دینا اور یشوع والا معجزہ کا (جو سورج کو ٹھہرانے کے متعلق ہو) دوبارہ کر دکھانا۔ × × × × ساری کتاب میں یسوع کا چال چلن ایسا بیان کیا گیا ہو جو نہایت درجہ کے ادب و عزت اور تعریف کے قابل ہو۔ اور اسکے مشن اور اسکی وحی کو منجانب اللہ مانا گیا ہو اس کی پیدائش کو معجزانہ تسلیم کیا گیا ہو۔ اسکے ہر قدم میں فرشتوں کی تائید اور نصرت بتائی گئی ہو۔ اور اس کے اس زمین سے الگ ہونیکے وقت خارق عادت واقعات کا ہونا قبول کیا گیا ہو۔ مگر وہ بار بار الوہیت بلکہ مسیحیت کے دعوے کا بھی انکار کرتا ہو۔ اور اپنے شخص

کیلیے کسی قسم کی پرستش کی اجازت نہیں دیتا۔ اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آیندہ ظہور کی پیشگوئیاں اس کے منہ میں ڈالی گئی ہیں اور انہی کو سچا مسیح اور خدا کا رسول قرار دیا گیا ہے۔"

پادری رَیگ اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ انجیل برنباس میں ایسے ایسے فقرات پائے جاتے ہیں جو اپنے اندر اعلیٰ درجہ کی شوکت اور بلند خیالی رکھتے ہیں اور جن کو سُنکر ہر ایک نیک آدمی خواہ وہ مسلمان ہو یا عیسائی فایدہ اُٹھا سکتا ہے۔ ایسے دو فقرے پادری صاحب نے نقل بھی کیے ہیں جن میں سے ایک فقرہ کا ترجمہ ذیل میں درج ہے۔

"خدا اس بندہ سے جو صدق دل سے اس کی فرمانبرداری کرے یوں فرماتا ہے کہ مَیں تیرے اعمال کو جانتا ہوں اور اس بات کو بھی جانتا ہوں کہ تُو میرے لیے نیک عمل کرتا ہے۔ چونکہ مَیں ابدالآباد تک ہوں تیری محبت میرے فضل سے سبقت نہ لیجائیگی۔ چونکہ تُو مجھے خدا اپنا خالق سمجھ کر اور اپنے آپ کو میرے ہاتھ سے بنا ہوا سمجھکر میری عبادت کرتا ہے اور مجھ سے سوائے اس کے کچھ طلب نہیں کرتا کہ میرا فضل اور رحم تجھے صدق دل سے میری فرمانبرداری کی توفیق دے اور چونکہ تُو اپنی طرف سے میری فرمانبرداری کیلیے کوئی حد نہیں ٹھہراتا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلیے میری فرمانبرداری کرنیکی خواہش رکھتا ہے ایسا ہی مَیں بھی کرونگا کیونکہ مَیں تجھے ایسا اسکا اجر دونگا گویا کہ تُو میرے برابر ہے کیونکہ مَیں نہ صرف تجھے بہشت کی تمام نعمائیں دونگا بلکہ مَیں اپنا آپ بھی تجھکو دونگا تاکہ جسطرح تو ہمیشہ کیلیے میری فرمانبرداری کرنیسے خوش تھا ویسے تیرا اجر بھی مَیں ابدی کرونگا۔"

یہ پادری رَیگ صاحب کے مضمون کا خلاصہ ہے۔ ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب اس کتاب پر ایک بسوط مضمون لکھیں گے۔ اور ناظرین کو اس کی اصل حقیقت سے آگاہ کریں گے۔

مختصر نوٹ اور ریویو

رضا بالقضا } رسالہ تجلی اکتوبر و نومبر کے نمبر میں الف میم نے چراغدین کی یادگار میں

ایک مضمون بعنوان "مرزا غلام احمد کے فرزند کی وفات" لکھا ہے جس کی تمہید یوں شروع کی ہے کہ "جب کوئی خدا کا بندہ اپنی آرزو کو الٰہی مشیت کے موافق کرنا سیکھ لیتا ہے بلکہ اپنے لیے کسی آرزو کا رکھنا بھی گناہ سمجھتا ہے جو الٰہی مرضی کے تابع نہ ہو تو اس کو ہر حالت میں خوشی ہوتی ہے"۔ یہ بالکل سچ ہے اور اس سے بھی سچی بات یہ ہے کہ یہ تعلیم اسلام کی ہے بلکہ اسلام کے لفظ کا مفہوم ہی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو کامل طور پر اپنے مولیٰ کی مرضی کے تابع کر دے۔ ایسے لوگوں کی نسبت اللہ تعالےٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے۔ بلیٰ من اسلم وجھہ للّٰہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ یہی سچے مسلمان ہیں۔ اور انکی نسبت فرمایا کہ انکے لیے نہ کوئی خوف ہے، اور نہ ہی وہ کسی طرح کا غم کرتے ہیں۔ اور اسلام اس تعلیم کو اپنے ہر ایک پیرو کے رگ و ریشہ میں داخل کرنا چاہتا ہے کیونکہ پانچ وقت کی نماز میں جس سورۃ کا ہر رکعت میں پڑھنا لازمی قرار دیا ہے وہ شروع ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ الحمد للّٰہ رب العٰلمین یعنی انسان خواہ کسی حالت میں ہو۔ خواہ اسکو کیسا ہی غم پہنچا ہو۔ خواہ اس کا کیسا ہی مالی نقصان ہوا ہو۔ خواہ اس کا کیسا ہی عزیز سے عزیز اس سے جدا ہو گیا ہو۔ اس کو ہر حال میں حمد الٰہی ہی کرنی چاہیئے پس جو شخص اس سچی تعلیم کے مطابق ہر حال میں حمد الٰہی کرتا ہے وہ خدا کا شکوہ کب کر سکتا ہے اور کب کہہ سکتا ہے کہ اے خدا تو نے ایسا کیوں کیا یا ایسا کیوں نہ کیا۔ اس تعلیم کا کامل نمونہ اس زمانہ میں ہم نے حضرت مسیح موعودؑ میں دیکھا ہے۔ اور اسی مضمون کے متعلق جو تجلی میں آپ کے صاحبزادہ کی وفات کے متعلق لکھا ہے ہم اپنی عینی شہادت دیتے ہیں کہ آپنے صبر کا کامل نمونہ دکھلایا یہانتک کہ اپنے پیارے بچہ کی وفات پر جس کی تیمارداری میں آپ نے کئی راتوں تک جاگتے رہے سوائے ان الفاظ کے کہ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون آپکے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا اور ایک لحہ کیلیے بھی کوئی گھبراہٹ نہیں ہوئی بلکہ اسی دن عین جنازہ پر جماعت کو تسلی دیتے اور رضا بالقضا کی تاکید فرماتے رہے۔ اگر مضمون نویس کو طلب حق ہو تو اس کے لیے یہی نمونہ کافی ہے کہ کم از کم آیندہ کیلیے اس دل آزار اور گندہ طریق کو چھوڑ دے جو

اس نے سلسلہ احمدیہ کے مقدس بانی کا ذکر کرنا نہیں اختیار کر رکھا ہی۔

قبولیت دعا کا راز اسی مضمون میں یہ اعتراض بھی کیا گیا ہی کہ حضرت مرزا صاحب ایک طرف تو اس امر کو مدعی ہیں کہ خدائے تعالیٰ میری دعاؤں کو سُنتا اور قبول کرتا ہی اور دوسری طرف وہ اپنے ایک پیارے بچہ کو دعا کر کے زندہ نہیں رکھ سکتے۔ یہ اعتراض نہایت درجہ کی نافہمی اور روحانیت سے بے بہرہ ہونیکو ظاہر کرتا ہی۔ یہ پرلے درجہ کی گستاخی ہی جو بندہ ہو کر کوئی یہ کہے کہ جو کچھ مَیں کہوں وہی خدا کرتا ہی خواہ ایسے کلمات کو مسیح کی طرف منسوب کیا جاوے یا کسی اور کی طرف۔ قبولیت دعا کی بارہ میں یہ بالکل سچ ہی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی ادعونی استجب لکم۔ تم دعا کرو مَیں قبول کرونگا۔ مگر وہی خدا یہ بھی فرماتا ہی کہ ولنبلونکم بشیئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون۔ یعنی ضرور ضرور ہم تمکو آزمائیں گے کسیقدر خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلونکے گھاٹے سے پس خوشخبری دے صبر کرنیوالوں کو وہ جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہی تو وہ کہتے ہیں ہم اللہ کے ہی ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں۔ ان لوگوں پر اپنے رب کی طرف سے برکتیں اور رحمت نازل ہوتی ہی اور یہی وہ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔ اس کلام میں دوہری تاکید سے یہ ظاہر فرمایا ہی کہ ایسا ضرور ہوگا کہ خدا کے برگزیدوں پر بھی طرح طرح کی مصائب آئیں گی۔ اور انہی لوگوں کو صبر دکھانے پر سچے ہدایت یافتہ کہا گیا ہی۔ اب ظاہر ہی کہ دعا تو انسان کرتا ہی اور مصیبت کے وقت بھی کریگا۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہی کہ بعض اوقات ہم اپنی مشیت سے ضرور مصائب مومنین پر وارد کرینگے۔ اور یہ امور انکی ترقی کیلیے ہونگے اور اپنے رحمتوں اور برکتوں کا موجب ہونگے۔ اسلام نے جو اصول دعا کی بارہ میں سکھلایا ہی وہ تو یہی ہی کہ بعض اوقات خدائے تعالیٰ اپنے بندے کی دعا سُنکر اپنی تقدیر کو ٹال دیتا ہی اور بعض وقت اپنی بات اپنے بندے

سے منواتا ہے۔ اور یہی سچی محبت کا اقتضا ہے۔ جیسا دو دوست ہوں تو بعض وقت ایک کی بات دوسرا مان لیتا ہے اور بعض وقت دوسرا پہلے کی بات مان لیتا ہے۔ پس اگر حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مستجاب الدعوات ہونیکا ہے تو انہی معنوں کے رو سے جن کی رو سے قرآن شریف اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کو مستجاب الدعوات ٹھہراتا ہے۔ قرآن شریف میں ایسی تعلیم ہرگز نہیں اور نہ ہی حضرت مرزا صاحب نے کبھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہر ایک دعا میں اللہ تعالیٰ ضرور ضرور بندہ کی آرزو کے مطابق ہی کریگا۔ اگر انجیل میں یہ تعلیم ہو تو ہو۔ اور یہ جو ڈوئی کے ساتھ الف میم نے مقابلہ کیا ہے کہ جسطرح ڈوئی کی لڑکی کے جلکر مر جانے پر اور ڈوئی کی دعا سے شفایاب نہ ہونے پر حضرت مرزا صاحب نے اسے ملزم کیا تھا اسی طرح اب وہ خود ملزم ہوتے ہیں یہ مقابلہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ جسطرح الف میم آج مسیح کیلیے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ کون بیمار اسکے پاس آیا جو شفایاب ہو کر نہ گیا۔ اور کس مُردے کو اس نے قُم کہا جو زندہ نہ ہو گیا اسی طرح ڈوئی کا دعویٰ قرآن کی تعلیم کے خلاف یہ تھا کہ ہر ایک بیمار میری دعا سے شفایاب ہو جاتا ہے پس اسپر تو اعتراض ہو سکتا تھا کہ جب تمھاری اپنی لڑکی تمھاری دعا سے شفایاب نہ ہوئی تو اور کوئی کیا ہو گا۔ لیکن جو شخص قرآنی تعلیم کے مطابق مستجاب الدعوات ہونیکا دعویٰ کرتا ہے اسپر ایسا اعتراض نہیں ہو سکتا کہ تیرا اپنا لڑکا کیوں دعا سے زندہ نہ رہا۔ ہاں اگر خدا کی اس مشیت پر وہ راضی نہ ہوتے اور قرآنی تعلیم کے خلاف بے صبری سے کام لیتے تو البتہ محل اعتراض تھا۔

مسیح کے حق میں اطرا } اسی مضمون میں مسیح کے حق میں ایسی بیجا مبالغہ سے کام لیا ہے جو ایک خدائے واحد کے پرستار کے نزدیک بڑے سے بڑا کفر ہے۔ یہ چند سطریں راقم مضمون کی جہالت کا کافی ثبوت ہیں۔ "ذرا سوچو تو کیا مسیح کبھی بیمار ہوئے تھے؟ کیا کبھی کوئی مریض اپنا یا پرایا انکے قدموں پر سے بے شفا لوٹا تھا؟ کس بیمار کے بستر پر وہ بلائے گئے اور اس کو شفائے کلی حاصل نہیں ہوئی؟ کب انہوں نے قم کہا کہ تن بیجان اُٹھ نہ کھڑا ہوا؟ کون مردہ انکے پاس لایا گیا جو جلایا نہیں گیا؟ کیا کبھی انکے لوگوں میں کوئی بیمار کا بیمار رہا؟ کیا انکے دوستوں میں سے

کسی کو انکی موجودہ ہوتے ہوئے قبر نکل گئی"؟ ایک طرف بے ایمانی ہو تو ایسی اور اس کے مقابل توہم پرستی تو ایسی۔ بھلا اگر مسیح کے عزیزوں میں انکے جیتے جی کوئی نہیں مرا تو ہم انسے صبر کا نمونہ خاک سیکھیں گے؟ ہمیں تو فخر ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے عزیز صحابہؓ بھی آپکی آنکھوں کے سامنے فوت ہوئے اور شہید ہوئے اور آپکے عزیز بچے بھی فوت ہوئے اور آپنے اپنی اُمت کو صبر کا نمونہ دکھایا۔ پر تمہارے اعتقاد کے مطابق ایسی مصائب کے اوقات میں جو اس زندگی میں ہر انسان پر آنی ضروری ہیں مسیح نے کیا نمونہ دکھایا۔ اس قسم کے لغو اور بیہودہ دعووں کا انجام تو وہی ہوتا ہے جو ڈوئی کا ہوا پر حضرت مسیحؑ نے ایسا دعوے کبھی نہیں کیا تم جھوٹ انکی طرف منسوب کرتے ہو۔ بیماروں کے شفا دینے اور مردوں کے زندہ کرنے پر ہم پہلے بھی بہت دفعہ لکھ چکے ہیں اور اگلے رسالہ میں بھی ڈاکٹر چیتو پادھیا کے جواب میں اس کا کچھ تذکرہ آئیگا۔ مگر کیا انجیل خود ایسی مثالوں سے خالی ہے جن میں مسیح کو کسی طرح پر ناکامی ہوئی ہو۔ ایک شخص انجیر کے درخت کی طرف بھاگتا ہے اور اسپر پھل نہیں پاتا۔ اور نہ ہی اس کو پھلدار بنا سکتا ہے کیا وہ شخص جس کو ایک سرسبز درخت پر اتنی قدرت حاصل نہیں کہ اس میں پھل پیدا کردے گلی اور سڑی ہوئی ہڈیوں میں جان ڈال سکتا ہے؟ ایک شخص کے چیدہ حواریوں میں سے بعض کھلے طور پر مرتد ہوکر دشمن کے ساتھ ملجاتے ہیں اور بعض مصیبت کے وقت لعنت بھیجنے اور بھاگنے کیلیے تیار ہو جاتے ہیں تو جس شخص کے روحانی بیماریوں سے شفا دینے کا یہ حال ہے کیا اس کے متعلق جسمانی بیماریوں کے شفا دینے کا ایسا دعوے صحیح ہے؟ اگر ایسے کھلے کھلے معجزے مُردوں کو زندہ کرنیکے مسیح دکھاتے تھے تو کیوں الیاس کو زندہ کرکے یہود کے اعتراض کا جواب نہ دیدیا؟ کیوں خود مرنیکے بعد یہودیوں کو نہ دکھایا کہ دیکھو میں زندہ ہوکر اب آسمان کی طرف جاتا ہوں؟ ۔ ایسے بیہودہ عقیدے تاریکی اور جہالت کے زمانہ میں تو رائج تھے ہی مگر افسوس ہے کہ پادری صاحبان اب بھی اسی رام کہانی کو دوہراتے ہیں جس کو انکے اپنے خواندہ لوگ ایک جھوٹا قصہ سمجھتے ہیں۔

اشاعت اسلام کا سوال } اشاعت اسلام کا سوال بہت قابل توجہ ہے ہم نے یہ کام رسالہ انگریزی کے ذریعہ سے شروع کیا تھا اور بعض چھوٹی چھوٹی کتابوں کی اشاعت کا بھی خیال تھا مگر احمدی جماعت کی توجہ اس کی طرف ویسی نہیں رہی۔ اشاعت اسلام کیلئے جو رقم ۱۹۰۶ء میں وصول ہوئی تھی۔ سال گذشتہ میں اس سے کم رقم وصول ہوئی ہے میں یہ خیال نہیں کر سکتا کہ ہمارے احباب اس کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں کیونکہ خود حضرت امامؑ نے بڑی پُر زور الفاظ میں اس کی تحریک فرمائی تھی۔ اور اس کو سلسلہ کا ایک اہم مقصد بیان فرمایا تھا چنانچہ اسی بنا پر جو قواعد احمدیہ انجمنوں کیلیے تجویز ہوئے تھے ان میں حضرت امامؑ کی اجازت اور آپکے حکم سے اشاعت اسلام کے چندہ کو لنگر اور مدرسہ کے چندہ کی طرح ضروری قرار دیا گیا تھا۔ مگر اس کی طرف بھی اکثر احمدی احباب اور احمدی انجمنوں نے توجہ نہیں فرمائی۔ اُردو میگزین کی اشاعت میں جو مقصد مدنظر تھا وہ بھی صرف اشاعت رسالہ انگریزی کو ہی مدد پہنچانا تھا۔ مگر اسکی خریداری میں بھی سال حال میں بہت سی کمی ہوگئی ہے۔ میگزین اُردو کی خریداری اور انگریزی کی اعانت دونوں کا کم ہوجانا بہرحال جملہ احمدی احباب اور احمدی انجمنوں کیلیے قابل توجہ امر ہے۔ کیونکہ اسکا اثر بلا دِ غیر میں جو اشاعت بذریعہ زبان انگریزی کیجاتی ہے اس پر پڑتا ہے۔ خصوصاً میں ان احباب کو بغیر نام لینے کے ہی توجہ دلاتا ہوں جنہوں نے ۱۹۰۶ء کے ابتدا میں ہمیں بڑی بڑی امیدیں دلائی تھیں۔ اگر اس وقت ابتدائے سال میں بڑی بڑی انجمنوں اور ذی مقدرت احباب کی طرف سے زور کی تحریکات اور توجہ کا اطمینان ہو تو ہم ابھی سے اس کارروائی کو وسیع پیمانہ پر شروع کر سکتے ہیں ورنہ سال گذشتہ کی کمی کو مدنظر رکھکر کام کرنا پڑیگا۔ مَیں امید رکھتا ہوں کہ اس تحریک پر کسی عملی کارروائی کی اطلاع ان احباب۔ اور انجمنوں کی طرف سے جلدی مجھے ملیگی۔ جو اشاعت اسلام کے سوال میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور اپنی اپنی جگہ انجمنیں اردو میگزین کی خریداری کی توسیع کے سوال پر بھی غور کریں گی۔ اسی اثنا میں مَیں اس امر کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ انگریزی مطبع کیلیے جو سال گذشتہ میں تحریک کی گئی تھی اس تجویز کو بھی ابھی ملتوی کرنا پڑا ہے۔ کیونکہ

جس قدر رقم بکار تھی اس کی چوتھائی کے قریب بمشکل جمع ہوئی ہے اور جس صورت میں اعانت کی رقم میں کمی واقع ہو رہی ہے تو مطبع کے خیال کو بالفعل چھوڑ کر اور اس کے لیے کسی آئندہ وقت کے منتظر رہ کر اس امر کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے جو بہر حال مقدم ہے۔

مجموعہ فتاوی احمدیہ } متفرق اوقات پر جن جن مسائل کا استفسار حضرت اقدس مسیح موعودؑ علیہ السلام یا حضرت مولوی نورالدین صاحب سے کیا گیا ہے اور جن استفساروں کے جواب ابتک متفرق طور پر کتابوں یا اخباروں میں ہی درج تھے ان سب کو مولوی محمد فضل خاں احمدی ساکن چنگا تحصیل گوجرخان ضلع راولپنڈی نے مجموعہ فتاوی احمدیہ کے نام سے ایک جگہ جمع کر دیا ہے تین حصے ہیں۔ حصہ اول ۱۸۴ صفحے قیمت عہ ر حصہ دوئم ۹۰ صفحے قیمت ۸ ر حصہ سوئم ۲۸ صفحے قیمت ۲ ر محصولڈاک علاوہ۔ کتاب مصنف سے مل سکتی ہے۔

ردّ چکڑالوی } اس کے مصنف منشی محمد ظہیرالدین ساکن اروپ ضلع گوجرانوالہ ہیں جو آجکل سب ایڈیٹر الحکم ہیں۔ کتاب کا مضمون اس کے نام سے ظاہر ہے۔ تعجب ہے کہ باوجود مصنف کی موجودگی کے سہو کاتب کا ہی غلبہ رہا خصوصاً قرآن شریف کی آیات میں بہت غلطیاں رہ گئی ہیں۔ مگر یاد رہے کہ یہ کتاب انوار احمدیہ مشین پریس میں چھپی ہے اور چھپائی صاف ہے

اپنے مضمون کے لحاظ سے کتاب لاجواب ہے قریباً ۱۰۰ صفحے قیمت صرف ۵ ر

مبادی الصرف والنحو } از تصنیف حضرت مولوی نورالدین صاحب۔ محمد عبدالحیی صاحب عرب سے ۲ ر کو ملتی ہے۔

شری نہ کلنک درشن } تصنیف شیخ عبدالصمد صاحب احمدی (بادشاہ منہج) سنور۔ ریاست پٹیالہ۔ جس میں بحوالہ کلکی پوران۔ یہ بحث کی گئی ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا ظہور اس زمانہ میں کرشن کا ظہور ہے ۱۷۲ صفحے قیمت صرف ۸ ر۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲۔ دسمبر ۱۹۰۶ء۔ وقت صبح ساڑھے پانچ بجے۔ (۱) انت منی بمنزلۃ النجم الثاقب۔

(۲) انھم ما صنعوا ھو کید ساحرٍ ولا یفلح الساحر حیث اتیٰ۔ (۳) انت منی بمنزلۃ روحی۔ (۴) انت منّی بمنزلۃ النجم الثاقب۔ (۵) جاء الحق و زھق الباطل۔

(۱) انّی معک و مع اھلک۔ احمل او زارک۔ (۲) میں تیرے ساتھ اور تیرے تمام پیاروں کے ساتھ ہوں۔ (۳) انّی معک یا مسرور۔ (۴) وقع واقعٌ وھلک ھالکٌ۔ (۵) وضعنا الناس تحت اقدامک۔ (۶) وضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک ورفعنا لک ذکرک۔ (۷) اجیبت دعوتک (۸) سنریھم اٰیاتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم۔ (۹) اجیبت دعوتکما۔ ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ (۱۰) انّی معک یا ابراھیم۔ (۱۱) انّی انا ربّک الاعلیٰ۔ (۱۲) اخترت لک ما اخترت۔ (۱۳) بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید۔ (۱۴) ستائیس کو ایک واقعہ۔ (ہمارے متعلق) اللہ خیر و ابقیٰ۔ (۱۵) خوشیاں منائیں گے۔ (۱۶) بعد سنۃٍ واحدۃٍ۔ (۱۷) صلوٰتک خیر و ابقیٰ۔ ان صلوٰتک سکن لھم۔ (۱۸) دخلتم الجنۃ وما علمتم ما الجنۃ ذٰلک الیوم الاٰخر۔ ۲۰۔ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ (۱) آج ہماری بخت بیداری۔ (۲) ان شانئک ھو الابتر۔ (۳) خدا نے اسے لیا (۴) واللہ واللہ سدّھا ہو یا آوَلا (یہ پنجابی فقرہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کج طبع آدمی درست ہوگیا ہے) (۵) وقت رسید۔

ایام جلسہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ وحی نازل ہوئی۔

یا ایّھا النبی اطعموا الجائع والمعتر۔ (یعنے اے نبی بھوکوں اور سوالیوں کو کھانا کھلاؤ۔)

ہیں ہیں۔ ان اخراجات کو پورا کرنیکے لیے حضرت اقدسؑ نے یہ لازمی قرار دیا ہے کہ سب احباب مدرسہ کے لیے حسب استطاعت چندہ دیں نیز جن احباب کے بچے تعلیم کے قابل ہیں وہ انکو تعلیم کے لیے اسجگہ بھیجیں۔

(۳) **مساکین اور یتامیٰ کی مدد**۔ اسکے لیے تین الگ الگ فنڈ ہیں۔ ایک مساکین کے لیے۔ ایک یتامیٰ کیلیے۔ اور تیسری مد زکوٰۃ کی ہے قربانی کی کھالوں کا روپیہ مسکین فنڈ میں جمع ہوتا ہے اور مساکین اور یتامیٰ کیلیے ذی مقدرت احباب مستقل طور پر بھی مدد کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کا روپیہ بھی احباب کو چاہیئے کہ حتی الوسع یہاں بھیجا کریں۔

(۴) **مقبرہ بہشتی کا انتظام**۔ جس کے لیے رسالہ الوصیت کو دیکھنا چاہیئے۔

ضروری ہدایات

تمام احباب جو مذکورہ بالا کاموں کے لیے خط وکتابت کرنا چاہیں وہ ان ہدایات کو مد نظر رکھیں۔

(۱) ہر ایک قسم کا روپیہ جو مذکورہ بالا اغراض کے لیے بھیجا جاوے وہ صرف بنام **محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان** آنا چاہیئے۔ مگر لنگر خانہ کا روپیہ براہ راست حضرت اقدسؑ کے نام بھیجا جاوے لیکن اگر دوسری مدات کے ساتھ ملا ہوا ہو تو محاسب کے نام بھیجکر اسے اطلاع دیدیں۔

(۲) منی آرڈر کے کوپن میں پوری تفصیل کہ روپیہ کن اغراض کیلیے ہے دینی چاہیئے اگر تفصیل لمبی ہو تو علیحدہ خط میں دیں۔

(۳) ہر ایک رقم کی رسید باضابطہ دفتر محاسب سے دیجاویگی پس جس شخص کو ایسی رسید نہ پہنچے اسے اپنی رقم کے متعلق خط وکتابت کرنی چاہیئے۔ نوٹ ۴ سے کم رقم کی رسید نہ دیجاوے گی۔

(۴) جو رقم دستی دفتر محاسب میں دیجاوے اسکی ایک کچی رسید محرر کی دستخطی اسیوقت دیجاویگی اور اسکے بعد رسید

(۵) تمام مدات کے کھاتے دفتر محاسب میں رہینگے۔ اور جو حساب کتاب میگزین کے چندہ یا کسی دوسرے چندہ کے متعلق دریافت کرنا ہو وہ سب دفتر محاسب سے دریافت کریں۔

(۶) سوائے حساب کتاب مالی کے باقی خط وکتابت ذیل کے پتوں پر ہونی چاہیئے۔ میگزین اور بک ڈپو۔

مندرجہ ذیل کتب موجودہ بک ڈپو کی طرف ہم شائقین کو خاص طور پر توجہ دلاتے ہیں

یہ کتابیں بذریعہ وی پی (مفصل فہرست الگ ملتی ہے) منیجر میگزین قادیان سے طلب کرو۔

(۱) **صداقت و فلسفۂ اسلام پر۔ براہین احمدیہ** جس میں نہایت پرزور دلائل کے ساتھ صداقت اسلام اور آنحضرت صلعم کے منجانب اللہ ہونیکو ثابت کیا گیا ہے مکمل کتاب جس میں حصہ چہارم کا وہ اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا ۵ر کو ملتی ہے۔ **اسلام کا فلسفہ** وہ لطیف لیکچر جو پانچ سوالوں کے جواب میں جلسہ اعظم مذاہب میں حضرت اقدس کی طرف سے پڑھا گیا تھا جیبی تقطیع قیمت صرف ۲ر **رپورٹ جلسہ مذاہب**

(۲) **عیسائی مذہب پر۔ سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب** ۲ر **جنگ مقدس** یعنی عیسائیوں سے مباحثہ جس میں علم کلام کے نئے اصول کو ہاتھ میں لیکر بحث کی گئی ہے۔ قابل دید کتاب ہے ۶ر **نور القرآن** حصہ اوّل ۲ر حصہ دوم ۴ر **ابطال الوہیت مسیح** ۔ ۱ر

(۳) **آریہ مذہب پر۔ سرمہ چشم آریہ** جو آریہ مذہب کے اعتراضوں کے جواب میں اور انکے اصول کی تردید میں ایک لاثانی کتاب ہے ۔ ۲۵۰ صفحے قیمت ۱۲ر **نور الدین** ۔ ترک اسلام کے ۱۴۱ سوالوں کا لاجواب جواب ہے جو علامہ حضرت حکیم نور الدین صاحب کی تصنیف ہے ۲۵۶ صفحے ۸ر **آریہ دھرم** جس میں نیوگ پر بحث ہے ۴ر **نسیم دعوت** ۳ر

(۴) **شیعہ مذہب پر۔ خلافت راشدہ** حصہ اول ۱۸۰ صفحے ۸ر حصہ دوم ۸۰ صفحے ۴ر مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کی لطیف تصنیف جس میں شیعہ مذہب کی ایسی تردید کی گئی ہے جسکا جواب کسی شیعہ سے بن نہیں سکا بحث کا اسلوب بالکل نیا ہے۔ **خطوط شیعہ کا جواب** ۲ر

(۵) **سکھ مذہب پر۔ ست بچن** ۲۰۰ صفحے قیمت ۱۰ر اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ باوا نانک صاحب اسلامی طریق کے پیرو تھے۔ سکھ مذہب پر حجت قاطع ہے۔

(۶) **سلسلہ احمدیہ کی حقیقت میں۔ عسل مصفیٰ** ۔ ایک قابل دید کتاب ۸۲۸ صفحوں کی ہے جو بسبب ایک جامع کتاب ہونیکے ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔ سلسلہ احمدیہ کے متعلق ہر ایک مسئلہ پر اور احادیث تفاسیر وغیرہ کے تمام اقوال پر سیر کن بحث ہے۔ باقی کے لیے دیکھو مفصل فہرست۔

(۷) **لغات القرآن** ایک نہایت قابل قدر لغات قرآن شریف کی ہے جس میں بالمقابل کالموں میں متن لغات عربی اور اسکا اردو ترجمہ دیئے گئے ہیں۔ قرآن شریف کا ترجمہ سیکھنے کے لیے از بس ضروری ہے۔ حصہ اول ۳۸۴ صفحے قیمت عہ ر حصہ دوم ۴۰۸ صفحے قیمت عہ ر

(۸) **یسرنا القرآن** یہ اگرچہ بچوں کا قاعدہ ہے مگر ایک نہایت مفید چیز ہے جس سے بچوں کو قرآن شریف کے پڑھنے میں اعلیٰ درجہ کی سہولت ہو گئی ہے۔ چھ ماہ میں بچہ قرآن شریف پڑھ لیتا ہے تین حصہ میں ہے۔ فی حصہ ۱ر کل ۳ر

(۹) **مکتوبات و خطبات محمدیہ** یہ آنحضرت صلعم کے خطوط اور خطبے بڑی محنت سے جمع کیے گئے ہیں اور ساتھ اردو میں ترجمہ دیا گیا ہے۔ قیمت ۴ر **خزینۃ المعارف** تفسیر فاتحہ اردو از حضرت مرزا صاحب حصہ اول و دوم ۴ر حصہ سوم و چہارم ۸ر

(۱۰) **شرح ترمذی جلد اول و دوم** یہ دو ضخیم مجلد ہیں جن میں حدیث کی مشہور کتاب ترمذی کی جو صحاح ستہ میں سے ہے شرح ہے۔ قیمت بلحاظ ضخامت کے گویا کچھ بھی نہیں فی جلد عہ ر

جس میں علاوہ مذکورہ بالا لیکچر کے دیگر مذاہب کے جواب بھی ہیں ۲۰۴ صفحے قیمت ۱۸ر

انوار احمدیہ مشین پریس میں شیخ یعقوب علی تراب احمدی کے اہتمام سے طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ — بابت ماہ فروری ۱۹۰۸ء — نمبر ۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ فروری ۱۹۰۸ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا - چندہ سالانہ عا

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یکم جنوری ۱۹۰۸ء - دُبدبۂ خسرویم شد بلند، زلزلہ در گور نظامی فگند - (۲) اِنّی معک اینما تذھب تسیر - ۲ - جنوری ۱۹۰۸ء انّی معک و مع اھلک - (۲) انّی معک فی کل حالٍ - و عند کل مقال - (۳) انّی معک فی کل موطنٍ - نصرٌ من اللّٰہ و فتح قریب - (۴) وھم من بعد غلبھم سیُغلبون - (۵) و امّا نرینّک بعض الذی نعدھم او نتوفینّک (۶) نصرکم اللّٰہ نصراً مؤزّرا (۷) انّی معک یا ابراھیم

۱۸ - جنوری ۱۹۰۸ء (۱) یہ پیشگوئی کی آخری حد ہے (۲) وہ وعدہ ٹلیگا نہیں جبتک خون کی ندیاں چاروں طرف سے بہ نہ جائیں - ۱۹ - جنوری ۱۹۰۸ء انّی معک و مع اھلک ھٰذہ - ۵ - جنوری ۱۹۰۸ء - مرحوم امیر خان کی بیوہ جس دن اس کا خاوند فوت ہوا میں نے دیکھا کہ اس بیوہ کی پیشانی پر ۵ یا ۶ یا ۷ کا عدد لکھا ہوا ہے میں نے وہ مٹا دیا اور اسکی پیشانی پر ۶ کا عدد لکھدیا ہے - ۲۱ - جنوری ۱۹۰۸ء ملعونین اینما ثقفوا اخذوا - (۲) ان الصفا و المروۃ من شعائر اللّٰہ - ۲۶ - جنوری ۱۹۰۸ء حرّقھما اللّٰہ - (۲) قتلھما اللّٰہ - (۳) میری فتح ہوئی (۴) انّا رادّوہ الیک (۵) انت منّی بمنزلۃ سمعی - ۲۸ - جنوری ۱۹۰۸ء - ۱ انّی معک یا ابراھیم - (۲) از خدا یا بند مردانِ خدا -

---

ضروری ہدایات

تمام احباب جو خط و کتابت کرنا چاہیں وہ ان ہدایات کو مدنظر رکھیں -

(۱) ہر ایک قسم کا روپیہ جو بھیجا جاوے وہ صرف بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیئے - مگر لنگر خانہ کا روپیہ براہ راست حضرت اقدس کے نام بھیجا جاوے لیکن اگر دوسری مدات کے ساتھ ملا ہوا ہو تو محاسب کے نام بھیجکر اسے اطلاع دیدیں -

(۲) منی آرڈر کے کوپن میں پوری تفصیل کہ روپیہ کن کن اغراض کیلیے ہے دینی چاہیئے اگر تفصیل لمبی ہو تو علیحدہ خط میں دینی چاہیئے

(۳) ہر ایک رقم کی رسید باضابطہ دفتر محاسب سے دیجاویگی پس جس شخص کو ایسی رسید نہ پہنچے اسے اپنی رقم کے متعلق خط و کتابت کرنی چاہیئے -

نوٹ ۴ سے کم رقم کی رسید نہ دیجاوے گی -

(۴) جو رقم دستی دفتر محاسب میں دیجاوے اسکی ایک کچی رسید مہر کی دستخطی دیجاویگی اور اسکے بعد رسید باضابطہ پہنچیگی -

(۵) تمام مدات کے کھاتے دفتر محاسب میں رہینگے - اور جو حساب کتاب میگزین کے چندہ یا کسی دوسرے چندہ کے متعلق دریافت کرنا ہو وہ سب دفتر محاسب سے دریافت کریں -

(۶) سوائے حساب کتاب مالی کے باقی خط و کتابت ذیل کے پتوں پر ہونی چاہیئے - میگزین اور بک ڈپو کے متعلق مینیجر میگزین سے مدرسہ اور بورڈنگ کے متعلق ہیڈ ماسٹر مدرسہ سے - مقبرہ کے متعلق افسر مقبرہ سے - مساکین یتامیٰ کے متعلق افسر صیغہ صدقات سے - دیگر امور عامہ میں سکرٹری صدر انجمن احمدیہ سے - (سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مسیح کے بارہ میں قرآنی فیصلہ

۹- خلق اور احیائے موتے

طب امراض مسیح کی خصوصیت نہیں

گذشتہ اشاعت میں ہم ڈاکٹر چتو پادھیا کی پیشکردہ آٹھ مزعومہ خصوصیتوں میں جن کا ہونا وہ مسیح میں بیان کرتے ہیں بحث کر چکے ہیں- اور باقی چار پر اس رسالہ میں بحث کریں گے- ان میں سب سے اول یہ بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں حضرت مسیح کی نسبت یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اس میں خلق کرنے اور مردوں کو زندہ کرنیکی قدرت تھی- اور اس بات پر انہوں نے بہت زور دیا ہے بلکہ اسی اثنا میں یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ مسیح کے بیماروں کو شفا دینے کے معجزات میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں جو دوسروں کو حاصل نہ ہو اور ایک شخص اپولونیس (آف ٹیانا) کا نام بھی لیا ہے کہ وہ مسیح کا ہمعصر تھا اور وہ بھی بیماروں کو شفا دیا کرتا تھا- اور پھر یہ بھی مانا ہے کہ قدیم زمانہ میں بھی اور موجودہ زمانہ میں بھی مختلف اقوام اور مذاہب اور مختلف ممالک میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں- مگر ساتھ اس کے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مٹی سے جاندار چیزوں کے پیدا کرنیکی اور مردوں کو زندہ کرنیکی طاقت کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب نہیں کی گئی- ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ تو سراسر غلط ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا سوائے مسیح کے کسی دوسرے کی طرف منسوب نہیں کیا گیا- کیونکہ بہت سے فرقے اپنے

اپنے پیشواؤں کی طرف ایسے ہی معجزات منسوب کرتے ہیں بلکہ مسلمانوں میں بعض اولیا کی طرف بھی ایسے معجزات منسوب کیے گئے ہیں۔ اور خود بائبل میں بعض انبیاءؑ کے ایسے ہی معجزات کا ذکر ہے جیسا کہ حضرت مسیح کے معجزات انجیل میں ہیں لیکن چونکہ ہماری بحث عام طور پر معجزات مسیح سے متعلق نہیں اور نہ ہی ڈاکٹر چنتو پادھیا کے مضمون کا یہ مقصد تھا بلکہ وہ صرف قرآن شریف سے مسیح کی بعض خصوصیتیں ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ہم بھی اس مضمون میں صرف الفاظ قرآنی پر بحث کریں گے کہ آیا کہاں تک قرآن شریف نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مسیح میں خلق کرنیکی قوت تھی اور مُردوں کو زندہ کرنیکی طاقت تھی اور کہ یہ اسی کی خصوصیات ہیں اور دوسرے کسی نبی میں یہ طاقت نہ تھی۔ علاوہ ازیں چونکہ ڈاکٹر صاحب نے اس بات کو تسلیم کرلیا ہے کہ بیماروں کو شفا دینا کوئی حضرت مسیح کی خصوصیت نہ تھی۔ بلکہ معمولی انسان بھی اس قسم کے کرتب دکھا سکتے ہیں اور دکھاتے ہیں اس لیے ہم بالفعل صرف انہی دو معجزوں یعنی خلق طیور اور احیائے موتی پر ہی بحث کریں گے۔

خلق صرف خدا کا خاصہ ہے

قبل اصل بحث کے انہی دو معجزات پر روشنی ڈالنے کے لیے دو باتیں بطور تمہید بیان کیجاتی ہیں۔ اول یہ کہ قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ اس بات کو بیان کیا ہے کہ خلق کی صفت صرف خدا کا خاصہ ہے اور کسی دوسرے کو نبی ہو یا غیر نبی یہ صفت نہیں دیگئی۔ بلکہ صرف اس اکیلے خدا کا یہ خاصہ ہے جس کی ذات واحد ہے اور اس میں دوسرا کوئی شریک نہیں خواہ مسیح ہو یا کوئی اور۔ اس کے متعلق میں قرآن کریم کے چند مقامات پیش کرتا ہوں۔ دیکھو سورۃ النحل آیت ۱۹ و ۲۰۔ والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئًا وھم یخلقون ۝ اموات غیر احیاءٍ وما یشعرون ایان یبعثون۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جن کو کفار

خدا کے سوا (حاجت روا سمجھ کر) پکارتے ہیں وہ ایسے ہیں کہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں (نہ خالق) یہ مردے ہیں جن میں جان نہیں اور انکو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ کب اُٹھا کھڑے کیے جاویں گے"۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ان لوگوں میں جن کو سوائے خدا کے معبود سمجھ کر پکارا جاتا ہے حضرت مسیح بھی شامل ہیں جنکو حق میں نصاریٰ نے یہ غلو کیا کہ اُن کو خدا سمجھ کر پکارا اور قرآن شریف میں بصراحت موجود ہے کہ حضرت مسیح کو نصاریٰ نے خدا بنا لیا ہے۔ پس ایسے تمام معبودوں کے متعلق یہ فرمایا کہ ان میں سے کسی میں کچھ خلق کرنیکی طاقت نہ تھی۔ اور نہ کبھی ان معبودوں نے کوئی چیز پیدا کرکے دکھائی اور نہ ہی خدا کے سوا دوسرا کوئی شخص کچھ خلق کر سکتا ہے۔ پس یہاں نہ صرف عام طور پر سوائے خدا کے کسی دوسرے میں خلق کی طاقت کے ہونیکا صاف طور پر انکار ہے بلکہ خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں میں ایسی طاقت کے ہونیکا انکار بھی ہے جن کو خدا بنایا گیا اور جن میں اول نمبر پر حضرت مسیح ہی ہیں۔ پھر سورۃ الرعد کی آیت ۱۶ کے آخری حصہ کو دیکھو۔ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیھم ط قل اللہ خالق کل شئ وھو الواحد القھار ترجمہ "یا ان لوگوں نے اللہ کے ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اسی کی سی مخلوقات پیدا کر رکھی ہے اور انکی نظر میں وہ مخلوقات مشتبہ ہو گئی ہے (یعنی یہ پتہ نہیں لگتا کہ خدا کی مخلوق کونسی ہے اور انکے معبودوں کی مخلوق کونسی) اے پیغمبر! تو انکو کہدے کہ ایک اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے (اس کے سوا کسی دوسرے نے کوئی چیز خلق نہیں کی) اور وہ ایک ہے اور سب پر غالب ہے"۔ اس آیت میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کچھ مخلوق تو خدا کی ہو اور کچھ دوسروں کی اور اسطرح پر مخلوق مل جل گئی ہو۔ بلکہ ساری مخلوق ایک

خدا کی ہے اور جن لوگوں کو خدا کے سوا معبود بنایا جاتا ہے جن میں حضرت مسیح بھی شامل ہیں انہوں نے کوئی خلق نہیں کی۔ پھر سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هل من خالق غير الله کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے جس نے کوئی چیز پیدا کی ہو؟ ہرگز نہیں۔

مُردے اس دنیا میں واپس نہیں آسکتے

دوسرا اصل جسے ناظرین کو احیائے موتیٰ کا مضمون سمجھنے میں یاد رکھنا چاہیئے یہ ہے کہ جس شخص پر موت قطعی طور پر وارد ہو چکی ہے اسکو پھر اس دنیا میں واپس نہیں بھیجا جاتا۔ اسپر قرآن کریم کی کئی آیات گواہ ہیں جن میں سے اسجگہ صرف تین بیان کیجاتی ہیں۔ اول سورۃ الزمر کی آیت ۴۲ جہاں قرآن کریم فرماتا ہے الله يتوفى الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها[2] فيمسك التي قضى عليها الموت ويرسل الاخرى الى اجل مسمى ان في ذلك لأيت لقوم يتفكرون - ترجمہ "اللہ تعالیٰ لوگوں کا قبض روح کرتا ہے موت کے وقت اور جو لوگ مرے نہیں انکے سوتے وقت (انکا قبض روح کیا جاتا ہے) پھر جن کی نسبت خدا موت کا حکم قطعی صادر کر چکا ہے انکو روکے رکھتا ہے (یعنی اس دنیا میں واپس نہیں بھیجتا) اور دوسری روحوں کو (یعنی جنکی نسبت موت کا حکم قطعی صادر نہیں ہوا جیسا سوتے ہوئے وغیرہ) انکو ایک وقت مقرر تک پھر دنیا میں بھیجدیتا ہے۔ تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں"۔ یہ بطور ایک اصل کے بیان کیا گیا ہے جس میں یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ جس کے متعلق خدا کے ہاں سے موت کا حکم قطعی صادر ہو چکا ہے۔ اس کی روح پھر اس دنیا میں واپس نہیں بھیجی جاتی۔ بلکہ انکی واپسی کیلیے یوم البعث ہی مقرر ہے اسی کی تائید قرآن کریم کی دوسری آیات ہوتی ہے۔ جیسا کہ سورہ مومنون کی آیت ۹۹ و ۱۰۰ جہاں فرماتا ہے۔ حتى اذا جاء احدهم الموت

قال رب ارجعون ۙ لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا ؕ انہا کلمۃ ھو قائلھا ؕ ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون - ترجمہ ان آیات کا یہ ہے کہ "جب ان میں سے کسی کی موت آجاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے پھر ایک مرتبہ دنیا میں بھیج تاکہ جس کو مینے ترک کیا ہے اس میں نیک عمل کروں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا - یہ صرف ایک بات ہے جسے وہ کہتا ہے (مگر چونکہ یہ سنت اللہ کے خلاف ہے اس لیے اس کی یہ درخواست منظور نہیں ہو سکتی) اور لوگوں کے مرے پیچھے عالم برزخ ہے جہاں انکو اس دن تک رہنا ہوگا جبکہ دوبارہ زندہ کرکے اُٹھائے جائیں گے یعنی روز قیامت تک"۔ ان آیات سے بھی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر کہ ایک دفعہ موت قطعی وارد ہو کر پھر ایک شخص کو اسی دنیا میں بھیجا جائے یہ سنت اللہ کے خلاف ہے اور کسی صورت میں خدائے تعالیٰ اس امر کو جائز نہیں رکھتا بلکہ مرنیکے بعد تمام روحوں کو عالم برزخ میں رہنا ہوتا ہے اور دوبارہ زندگی بھی ایک ہی دفعہ ہوگی جو یوم البعث یعنی قیامت کا دن یا سب مردوں کے زندہ کیے جانے کا دن ہے۔

اب مَیں تیسری آیت کو جو اسی مضمون پر شاہد ہے بیان کرتا ہوں - اور وہ یہ ہے وحرام علی قریۃ اھلکنھا انھم لا یرجعون - سورہ انبیاء - آیت ۹۵ اور جس بستی کے لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے انپر یہ امر قطعی طور پر ممنوع ہو چکا ہے (کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں لوٹ کر آئیں) وہ ہرگز لوٹ کر نہیں آئیں گے - اس آیت میں بھی یہ امر قاعدہ کلیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے - کہ مُردوں کا اسی دنیا میں لوٹ کر آنا قطعی طور پر خدا کے ہاں ممنوع ہو چکا ہے اور خدائے تعالیٰ نے اسی کو اپنی سنت قرار دیا ہے کہ جو مر چکے ہیں وہ ہرگز لوٹ کر اس دنیا میں نہ آئیں گے - اسجگہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان اعتراضوں کا جو اس آیت کے معنوں پر وارد ہو سکتے ہیں - جواب دیا جاوے -

سب سے پہلے اس کے بعد کی عبارت کو لینا چاہیئے کہ آیا اس سے انہی معنوں کی تائید ہوتی ہے یا نہیں۔ مابعد کی تین آیتوں کے ساتھ ملا کر عبارت اسطرح پر ہے وحرام علی قریۃ اھلکنھا انھم لا یرجعون ۝ حتّٰی اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون ۝ واقترب الوعد الحق فاذا ھی شاخصۃ ابصار الذین کفروا یویلنا قد کنا فی غفلۃ من ھٰذا بل کنا ظٰلمین ۝ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم انتم لھا واردون ۝
"اور جس بستی (کے لوگوں) کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے وہ ہرگز واپس نہیں آئیں گے یہانتک کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے جلدی نکلتے چلے آویں گے اور (قیامت کا) وعدہ برحق نزدیک آپہنچا تو کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور وہ بول اٹھے ہائے ہماری کمبختی ہم اس سے غفلت میں رہے بلکہ ہم قصوروار تھے۔ تم اور وہ سب جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو اور تم سب کو اس میں داخل ہونا ہوگا۔" سب سے پہلے یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس آیت کے معنے کرنے میں بعض لوگوں کو الفاظ حتّٰی اذا فتحت الخ سے دھوکہ لگتا ہے۔ حالانکہ جو شخص نظر غور سے ان آیات کو پڑھیگا وہ آسانی سے دیکھ لیگا کہ خلاصہ مضمون ان کا یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی سنت یوں رکھی ہے کہ جب وہ کسی بستی پر یعنی بستی کے رہنے والے انسانوں پر موت وارد کر دیتا ہے۔ تو پھر وہ لوٹ کر اس دنیا میں نہیں آتے جبتک کہ ایک وقت مقرر جس کو وعدالحق کہا گیا ہے نہ آپہنچے۔ یعنی قیامت کا دن جس دن کافر حیرت میں رہ جائیں گے کہ ہم تو ان باتوں کا انکار کرتے تھے مگر آخر یہ سب سچی نکلیں اور ہم قصوروار نکلے پھر اس دن انکو مع انکے معبودوں کے جہنم میں ڈالا جائیگا۔ اب یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف جب قیامت کا ذکر فرماتا ہے تو اس کے بعض آثار سے اس کا ذکر شروع کرتا ہے۔

اب قرب قیامت کے علامات میں یاجوج ماجوج کا خروج بھی ہے اس لیے قیامت کا ذکر اس علامت سے شروع کیا گیا ہے یعنی مُردوں کا واپس آنا ایک خاص وقت تک ممنوع ہے اور وہ وقت وہ ہے کہ اس کے قرب کے آثار میں یاجوج و ماجوج کا خروج ہے یعنی یاجوج و ماجوج ہر بلندی پر قابض ہو جائیں گے پھر وہ اصل وعدہ قیامت کا بھی آپہنچیگا جیسا کہ الفاظ و اقترب الوعد الحق سے ظاہر ہے جبکہ ان مُردوں کو دوبارہ زندہ کرکے جو کافر اور منکبر تھے انکو جہنم میں ڈالا جائیگا مگر نیکوں کو اس جہنم سے بچایا جائیگا جیسا کہ الفاظ ان الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ اولٰئك عنها مبعدون سے ظاہر ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی قانون کا اعادہ فرمایا ہے جسکا مذکور دوسری آیات میں بھی ہے کہ موت قطعی وارد ہونیکے بعد کسی کو اس دنیا میں واپس نہیں بھیجا جاتا بلکہ مُردوں کے لیے دوبارہ اُٹھائے جانیکا وقت ایک ہی مقرر ہے اور وہ قیامت کا دن یا یوم البعث ہے جس کے آثار کو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا امر غور طلب اس آیت کے معنی میں یہ ہے کہ آیا لوٹ کر دنیا میں آنیکی ممانعت صرف ان مُردوں کے لیے ہے جن کی بستیاں جیسا کہ آیت کا ظاہر مفہوم لیا جاتا ہے ہلاک کر دی گئیں یا تمام کے لیے۔ اس کے لیے چند باتیں یاد رکھنی چاہییں اول یہ کہ لفظ ہلاک کے مفہوم میں کوئی ایسا امر داخل نہیں جس سے نافرمانی کی وجہ سے مارا جانا مراد لیا جا سکے۔ اهلكه کے معنی زبان عربی میں یہ ہیں کہ اسپر موت وارد کر دی۔ اس کا خاتمہ کر دیا۔ اسکی زندگی لے لی۔ اور یہ لفظ اگر مجرمین کے حق میں استعمال ہوا ہے تو نیکوں کے حق میں بھی ہوا ہے۔ جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے۔ قل ارءيتم ان اهلكني الله ومن معي او رحمنا

فمن یجیر الکفرین من عذاب الیم۔ اے پیغمبر! کافروں سے کہدے کہ بتاؤ اگر اللہ مجھ کو اور ان کو جو میرے ساتھ ہیں ہلاک کردے یا ہم پر رحم کرے تاہم کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائیگا۔ اور سورہ مائدہ کے شروع شروع میں ہی فرمایا قل فمن یملک من اللہ شیئًا ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم و امہ ومن فی الارض جمیعًا۔ کہہ کس کا زور خدا کے آگے چلتا ہے جبکہ اس نے ارادہ کیا کہ مسیح ابن مریم اور انکی والدہ اور ان تمام لوگوں کو جو اسوقت روئے زمین پر تھے ہلاک کر دے۔ اور حضرت یوسفؑ کے متعلق ہی حتّی اذا ھلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہٖ رسولا۔ (المؤمن) یہانتک کہ جب حضرت یوسف ہلاک ہوگئے تو انکے مرنیکے پیچھے اسقدر تم لوگوں نے انکے حق میں غلو کیا کہ کہنے لگے اب انکے بعد کوئی اور رسول ہی مبعوث نہ ہوگا۔

دوسرا لفظ حل طلب قریۃ ہے۔ مگر اس کے سمجھنے میں بھی کوئی دقت نہیں کیونکہ یہ تو ظاہر ہے اور خود ضمائر صاف بتارہی ہیں کہ بستی کے ہلاک کرنے سے مراد واقعی گھروں کا تباہ کرنا نہیں ہے بلکہ اس بستی کے رہنے والوں کا ہلاک کرنا ہے۔ اور قریہ ہر ایک ایسے مقام کو کہتے ہیں جہاں انسان ملکر رہتے ہوں پس بستی سے مراد بستی کے رہنے والے یعنی انسان ہی لیے جائیں گے۔ پس ماحصل آیت کا یہ ہوا کہ جب ہم کسی انسان یا انسانوں کی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں تو پھر انکو لوٹا کر اس دنیا میں نہیں بھیجتے۔

اسی معنی کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اس حدیث کو جو میں نیچے بیان کرتا ہوں بہت سے محدثین نے بیان کیا ہے اور نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے لیا ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال لقینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا جابر مالی اراک منکسرا

قلت یارسول اللہ استشھد ابی وترك عیالا ودینا فقال الا ابشرك مالقی اللہ بہ اباك قلت بلی۔ قال ما کلم اللہ احدا قط الامن وراء حجاب واحیا اباك فکلمہ کفاحا قال یا عبدی تمن علی اعطك قال یارب تحیینی فاقتل فیك ثانیۃ قال الرب تعالیٰ قد سبق منی انھم لا یرجعون۔ "جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہا مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ملے اور فرمایا اے جابر کیا وجہ ہے میں تمھیں غمگین پاتا ہوں مینے جواب دیا اے رسول خدا میرا باپ شہید ہو گیا اور پیچھے بڑا کنبہ اور قرضہ چھوڑ گیا ہے آپنے فرمایا کیا میں تجھ کو خوشخبری سناؤں کہ تیرے باپ کو خدا کے ہاں سے کیا ملا ہے۔ مینے عرض کیا فرمایئے۔ فرمایا نہیں کلام کی خدا نے کبھی کسی سے مگر پردہ کے پیچھے سے اور خدا نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور اس سے دوبدو گفتگو کی اور فرمایا اے میرے بندے کوئی خواہش کر میں تجھے تیری خواہش کے مطابق عطا کروں گا۔ اس نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے زندہ کردے تاکہ میں دوسری مرتبہ تیری راہ میں قتل کیا جاؤں۔ فرمایا رب تعالیٰ نے یہ وعدہ میری طرف سے پہلے سے ہو چکا ہے کہ انھم لا یرجعون یعنی جو لوگ ایک دفعہ مر چکے ہیں وہ دوسری دفعہ زندہ کرکے اسی دنیا میں نہ بھیجے جاویں گے"۔ گویا چونکہ یہ خواہش سنت اللہ کے خلاف تھی اس لیے پوری نہ کی گئی۔

اب اس حدیث پر غور کرو کہ کس طرح صاف الفاظ میں اسی معنی کی تائید کرتی ہے جو ہم نے آیت وحرام علی قریۃ اھلکنھا انھم لا یرجعون کے بیان کیے ہیں۔ اول یہ امر قابل غور ہے کہ اسجگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو جو اس کی راہ میں شہید ہوا ہے یہ فرمایا کہ تم جو کچھ چاہو مانگو تمھیں دیا جائیگا وہ بندہ یہ خواہش کرتا ہے کہ دوبارہ زندہ کیا جائے تاکہ خدا کی راہ میں دوبارہ اپنی جان دے

مگر یہ خواہش اسکی پوری نہیں کی جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ہماری طرف سے پہلے وعدہ ہو چکا ہے جس کا خلاف کسی صورت میں نہیں ہو سکتا اور وہ وعدہ یہ ہے کہ مُردوں کو لوٹایا نہیں جائیگا یعنی انکو دوبارہ اس دنیا میں نہیں بھیجا جائیگا۔ اس قانون الٰہی کو اسقدر اٹل قرار دیا گیا ہے۔ کہ باوجود اسکے کہ خدائے تعالیٰ نے خود فرمایا تھا کہ جو کچھ تم مانگوئیں تمھیں دونگا مگر پھر بھی جب اس قانون کی خلاف خواہش کی گئی تو اسکے پورا کرنے سے انکار کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ایسا قانون ہے جس میں کسی قسم کے استثنار کو بھی دخل نہیں۔ کیونکہ اگر اس قانون میں کوئی استثنار ہو سکتا تو ضرور اللہ تعالیٰ اسے اسوقت کر دکھاتا جبکہ خود ہی وعدہ بھی کیا تھا کہ جو کچھ مانگو دیا جائیگا۔ مگر باوجود اس وعدہ کے استثنار نہ کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ قانون مُردوں کو دوبارہ اس دنیا میں نہ بھیجنے کے متعلق ایسا اٹل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی کسی استثنار کو اس میں روا نہیں رکھا چہ جائیکہ کسی نبی کے ذریعہ اس قانون کو بدلدیتا۔ یا اس کے خلاف جائز رکھتا۔ دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ جس وعدہ کا اس حدیث میں حوالہ دیا گیا ہے اسکے الفاظ انهم لا یرجعون ہیں اور یہی الفاظ بعینہٖ اس آیت کے اخیر میں بھی ہیں جسپر ہم بحث کر رہے ہیں یعنی وحرام علی قریة اهلکنها انهم لا یرجعون جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا ہی وعدہ یاد دلا رہا ہے۔ جو اس آیت میں کیا گیا ہے اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم اس امر پر بحث نہیں کرتے کہ خدائے تعالیٰ کو یہ قدرت نہیں ہے۔ وہ ہر امر پر قادر ہے۔ مگر جب وہ اپنا ایک قانون خود بیان فرما دے اور پھر اسکو ایسا اٹل بھی قرار دیدے کہ اس میں کسی قسم کے استثنار کو دخل نہیں۔ تو ہمارا فرض ہے کہ خدا کے کلام کے معنی کرنے میں اس قانون کو زیر نظر رکھیں اور کوئی ایسے معنے کسی لفظ کے نہ کریں جو اس کے خلاف ہوں۔ مُردوں کو

واپس نہ بھیجنا اس کو خدا نے اپنا اٹل وعدہ اور اپنی لاتبدیل سنت قرار دیا ہے پس اس خدا کے وعدہ اور اس سنت اللہ کے خلاف خدا خود بھی نہیں کرتا چہ جائیکہ کوئی نبی یا رسول ایسا کرے۔

معجزہ احیائے موتیٰ

اب حضرت مسیح کے معجزات کو لو چونکہ زیادہ زور عموماً مزعومہ احیائے موتیٰ پر دیا جاتا ہے اس لیے پہلے ہم اسی معجزہ کو لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح کو مخاطب کرکے قرآن شریف میں فرماتا ہے واذ تخرج الموتیٰ باذنی جب تو مُردوں کو زندہ کرتا تھا میرے اذن سے۔ اب یہ بات غور طلب ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا منشاء ان الفاظ سے یہ ہے کہ جو لوگ درحقیقت مر چکے تھے یا قبروں میں پڑ چکے تھے انکو حضرت مسیح زندہ کرکے دوبارہ دنیا میں لے آیا کرتے تھے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم نہایت صراحت سے اس بات کا انکار کرتا ہے کہ کوئی مُردہ دنیا میں واپس آئے اور جس پر قطعی حکم موت کا وارد ہو چکا ہے وہ دوبارہ زندہ کیا جائے۔ پس اس سے مراد کسی صورت میں یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت مسیح جسمانی طور پر مُردوں کو زندہ کرتے تھے کیونکہ یہ امر خدائے تعالیٰ کی ایک دوسری سنت کے خلاف ہے۔ اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر یہ معنے صحیح نہیں تو کیا قرآن کریم میں مُردوں کا کسی اور طرح پر زندہ کیا جانا مذکور ہے؟۔ اور اس کے بعد یہ سوال ہوگا کہ آیا اگر ایسا ذکر قرآن میں ہے تو حضرت مسیح کا مُردوں کو زندہ کرنا ان معنوں کی رو سے مراد ہو سکتا ہے؟ ہم ان دونوں سوالوں کا جواب نیچے الگ الگ دیتے ہیں۔

احیائے موتیٰ قرآن کریم کی اصطلاح میں روحانی احیاء مراد ہے

اول یہ امر ہے کہ قرآن کریم مردوں کے زندہ ہونے یا زندہ کرنیکو کن معنوں کے رو سے جائز ٹھہراتا ہے کیونکہ جسمانی مُردوں کا زندہ ہونا کلام الٰہی کے رو سے قطعی ممنوع ہے۔ سو واضح ہو کہ قرآن کریم میں اکثر جگہ مردوں کا زندہ کرنا ان معنوں کے رو سے بیان کیا گیا ہے کہ ان میں روحانی زندگی پھونکی جائے۔ یہ آیات اس کثرت سے

قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں کہ سب کو بیان کرنا موجب طوالت ہوگا اس لیے صرف دو تین آیات پر اکتفا کیا جائیگا ورنہ در اصل بار بار قرآن شریف میں زمین کے مُردہ ہونے اور لوگوں کے مُردہ ہونیکا اور بذریعہ انبیائؑ اور سب سے بڑھکر بذریعہ خاتم النبیینؐ افضل الرسل علیہ الف الف صلوٰۃ و سلام انکے زندہ کیے جانیکا ذکر ہے۔ غور کرو ذیل کی آیات پر۔ سورۃ الانعام رکوع ۱۵ آیت ۱۲۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اومن کان میتًا فاحییناہ وجعلنالہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمت لیس بخارج منھا ط یعنی غور کرو کہ "ایک شخص جو پہلے مُردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کو ایک نور عطا فرمایا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں چلتا ہے۔ وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں گھرا پڑا ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا" اب صاف ظاہر ہے کہ اسجگہ جس کو مُردہ کہا گیا ہے وہ اصلی یعنی جسمانی طور پر مردہ نہیں بلکہ روحانی مُردہ ہے جو بسبب اپنے کفر اور شرک اور بداعمالی کے مُردہ ہے۔ اور پھر اس مُردہ کے زندہ کرنیسے یہ مراد نہیں کہ کوئی جسمانی مُردہ تھا پھر اس کی لاش کفن کے اندر سے اُٹھ کھڑی ہوئی یا قبر میں سے باہر نکل آئی بلکہ زندہ کرنیسے مراد اسے روحانی زندگی کا عطا کرنا ہے جس کی تفسیر خود ہی اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی یوں بیان فرمادی کہ اسکو زندہ کرنیسے مراد یہ ہے کہ اسے ایک نور عطا کردیا جس سے وہ لوگوں کے درمیان ممتاز ہوگیا۔ اور پھر اس زندہ کیے ہوئے مُردہ کے مقابل پر ان لوگوں کو بیان فرمایا جو ابھی تک کفر اور شرک کے اندھیروں میں گھرے پڑے ہیں اور انسے نکل نہیں سکتے گویا وہ ابھی تک مُردہ ہی ہیں۔ پھر غور کرو سورۃ الانفال آیت ۲۴ پر جو تیسرے رکوع سورہ مذکور میں ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یاایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ مانو اللہ اور اس کے رسول کا حکم جب وہ رسول تم کو بلاتا ہے تاکہ تمہیں زندہ

کرے۔ اسجگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احیائے موتیٰ کا ذکر ہے اور صاف فرمایا
کہ یہ رسول تمکو زندہ کرتا ہے۔ اسجگہ بھی زندہ کرنیسے مراد روحانی زندگی کا عطا کرنا ہے
ان لوگوں کو جو روحانی طور پر مر چکے تھے نہ کہ جسمانی طور پر مُردوں کو زندہ کرنا۔ اسجگہ
ہم ان لوگوں سے جو مسیح کے لیے ناحق کی خصوصیتیں پیدا کرتے ہیں یہ دریافت
کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ مسیح کے مُردوں کو زندہ کرنیکا ذکر ہو تو اس سے جسمانی
مُردے مراد لیے جاویں اور آنحضرتؐ کے مردوں کو زندہ کرنیکا ذکر ہو تو روحانی؟ کیا
اس فرق کی کوئی وجہ قرآن شریف سے بھی معلوم ہوتی ہے؟ یا انہوں نے مسیح کو ناحق
کا ایک بت بنا رکھا ہے کہ اس کے لیے معمولی الفاظ کے معنے کچھ اور ہو جاتے ہیں۔
کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ غور و تدبر سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ اندھی تقلید میں خدا
کے کلام کو بدنام کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد سورۃ النحل کی آیات ۸۰ و ۸۱ پر غور کرنا
چاہیئے جو چھٹے رکوع سورۃ میں ہیں۔ انک لا تسمع الموتیٰ ولا تسمع الصم الدعاء
اذا ولوا مدبرین ۰ وما انت بھدی العمی عن ضلالتھم ان تسمع الا من
یؤمن بایٰتنا فھم مسلمون ۰۔ ترجمہ۔ "اے پیغمبر! تم مُردوں کو اپنی باتیں نہیں سنا
سکتے ہو* ایسی حالت میں جبکہ وہ (مُردے اور بہرے) پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں
اور نہ ہی تم اندھوں کو انکی گمراہی سے روک کر راہ دکھا سکتے ہو۔ تم نہیں سنا سکتے
اپنی باتیں مگر انہی کو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور یہی مسلم ہیں۔" اب ہم
پوچھتے ہیں کہ یہاں کونسے مُردے اور بہرے اور اندھے مراد ہیں۔ کیا یہ جسمانی مردے
تھے جو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے تھے اور کلام الٰہی کو سنتے نہ تھے؟ نہیں بلکہ یہ وہی
مُردے تھے جن کو نبی کریم زندہ کر رہے تھے۔ اور ایسے مُردوں کو اپنے اپنے وقت
میں دوسرے انبیاء نے بھی زندہ کیا اور حضرت مسیحؑ نے بھی ایسے ہی مُردوں کو زندہ
کیا۔ اسی کی تائید میں ایک اور مقام کا حوالہ دیکر بس کرتا ہوں۔ یہ ہیں سورہ فاطر

* اور نہ ہی بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہو۔

کی آیات ۱۹-۲۰-۲۱- انما تنذر الذین یخشون ربھم بالغیب واقاموا الصلوٰۃ ومن تزکّٰی فانما یتزکّٰی لنفسہٖ والی اللہ المصیر۔ ومایستوی الاعمٰی والبصیر۔ ولا الظلمٰت ولا النور۔ ولا الظل ولا الحرور۔ وما یستوی الاحیاء ولا الاموات ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور- ترجمہ۔ "اے پیغمبر! تم تو انہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہو جو بے دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور نماز کو قایم کرتے ہیں اور جو شخص پاکیزگی کی راہ کو اختیار کرتا ہے وہ اپنے ہی فایدہ کے لیے تزکیہ نفس حاصل کرتا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہوسکتے اور نہ اندھیرا اور روشنی ایک سے ہوسکتے ہیں اور نہ ہی چھاؤں اور دھوپ برابر ہوسکتے ہیں اور نہ زندے اور مُردے برابر ہوسکتے ہیں اللہ جس کو چاہتا ہے سُناتا ہے اور تم ان لوگوں کو جو قبروں میں مدفون ہیں سُنا نہیں سکتے۔" اب ان تمام مثالوں میں مراد صرف مسلمان اور کافر لیے گئے ہیں۔ نہ کہ واقعی اندھے یا درحقیقت وہ مُردے جو قبروں میں پڑ چکے ہیں بلکہ جیساکہ سیاق وسباق مضمون سے ظاہر ہے یہ سب نام روحانی صفات کو ظاہر کرنیوالے ہیں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہاں ان روحانی مُردوں کو نہ صرف مُردہ کا خطاب ہی دیا گیا ہے بلکہ انکو قبروں میں مدفون بتایا گیا ہے۔

روحانی اور جسمانی مُردوں کے احیاء میں امتیاز

اس تمام بحث سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ موتٰی سے مراد قرآن شریف نے صرف جسمانی مُردے ہی نہیں لیے بلکہ اکثر مقامات میں اور خصوصًا ان مقامات میں جہاں مردوں کو زندہ کرنیکا ذکر ہے موتٰی سے مراد روحانی مُردے لیے ہیں خصوصًا اسلیے کہ ایسے مقامات میں جیساکہ ثابت کیا جاچکا ہے جسمانی مُردے مراد ہی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ جسمانی مُردوں کا اس دنیا میں واپس آنا سنت اللہ کی رو سے ممنوع ہے

جسمانی مُردوں کی واپسی کے لیے خدا نے بار بار قرآن شریف میں ایک ہی دن کا ذکر فرمایا ہے جو یوم البعث یعنی قیامت کا دن ہے جب سب مُردے اُٹھائے جائیں گے۔ اور یہ بات ایسی صاف اور واضح ہے کہ جو شخص ادنیٰ تدبر سے بھی قرآن شریف کو پڑھیگا اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ ایسا ہی یہ بات بھی قرآن شریف کے متفرق مقامات پر غور کرنیسے معلوم ہو جاتی ہے کہ جہاں انبیاء علیہم السلام کے مُردوں کو زندہ کرنیکا ذکر ہے وہاں مراد روحانی نفخ ہے یعنی روحانی زندگی کا ان لوگوں میں پھونک دینا جو روحانی طور پر نہ کہ جسمانی طور پر مُردوں میں داخل ہو چکے تھے۔ اور بہ سبب کفر اور شرک میں غرق ہونیکے انکی روحانی زندگی قطعاً معدوم ہو گئی تھی۔ پس کوئی شخص جو قرآن شریف کو پڑھتا ہے اس امر سے انکار نہیں کرسکتا کہ کلام الٰہی میں دو قسم کے مُردوں کا ذکر ہے یعنی جسمانی مُردے اور روحانی مُردے۔ اور دونوں کے لیے ایک ہی لفظ موتیٰ یا اموات کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور پھر ان دو قسموں کے مُردوں کے احیاء کا بھی ذکر ہے۔ جسمانی مردوں کے احیاء کے لیے تو یوم قیامت مقرر کیا گیا ہے اور روحانی مُردوں کے احیاء کے لیے کسی نبی کی بعثت۔ جو ان میں روحانی زندگی پھونک دیتا ہے۔ اور یہ ایک صاف اور بین فرق ہے جس کو قرآن شریف نے ملحوظ رکھا ہے جیسا کہ اکثر یہ فرما کر کہ زمین مُردہ تھی یہ بڑھایا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے از سرِ نو اپنی رحمت کی بارش سے اسے زندہ کیا جس سے مراد روحانی زندگی کا بہ برکت بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمانا ہے۔ قرآن شریف اور اس مسیح کے معجزات کے تذکرہ کو سمجھنے کے لیے اس مضبوط امتیاز کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے۔ اور اس امتیاز کو مدنظر نہ رکھنے کی وجہ سے ہی بعض لوگوں نے الفاظ کا صحیح مفہوم سمجھنے میں غلطیاں اور ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اس امتیاز کے ساتھ ہم کسی خاص موقع پر جہاں مُردوں کے زندہ کرنیکا ذکر ہے یہ بتا سکتے ہیں

کہ آیا وہاں مراد جسمانی مُردے ہیں یا روحانی مُردے۔

مسیح کا احیاءِ موتٰی کس قسم میں داخل ہے

پس اس اصل کو ہاتھ میں لو اور اب دیکھو کہ حضرت مسیح کے مُردے زندہ کرنیکا ذکر جہاں قرآن شریف نے کیا ہے وہاں مراد جسمانی مُردوں کا زندہ کرنا ہے یا روحانی مُردوں کا۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن شریف نے حضرت مسیح ابن مریم کو دوسرے رسولوں کی طرح ایک رسول قرار دیا ہے پس اس سے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ انکا احیائے موتٰی بھی اسی قسم کا ہوگا جیسا دوسرے انبیاءؑ کا کیونکہ خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جب دوسرے انبیاءؑ کے مُردے زندہ کرنیسے مراد قرآن شریف میں روحانی مردوں میں روحانیت کا پُھونکنا ہے تو مسیح کے مُردے زندہ کرنیسے بھی وہی مراد لی جانی چاہیئے۔ دوسری بات جو حضرت مسیح کے اس اعجاز کا فیصلہ کرتی ہے یہ ہے کہ جسمانی مردوں کا اس دنیا میں واپس آنا قرآن شریف نے ممنوع فرمایا ہے اور انکا واپس نہ آنا ایک ایسی سنت اللہ قرار دیا ہے جس میں کسی قسم کا تغیر تبدل نہیں ہو سکتا۔ پس جیسا کہ قرآن شریف کا دعویٰ ہے کہ لو کان من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔ ایسا ہی قرآن کریم کے الفاظ کے معنے کرنیوالے کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ ایسے معنے کرے جس سے قرآن شریف میں اختلاف پیدا نہ ہو۔ اس لیے ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ اس اٹل قانون کو بیان کر کے کہ خدا ہرگز ہرگز مُردوں کو اس دنیا میں واپس بھیجا نہیں کرتا قرآن شریف یہ کہکر اپنی تردید آپ نہ کر سکتا تھا کہ مسیحؑ نے جسمانی مُردے زندہ کر کے انکو واپس اس دنیا میں بھیجا تھا۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں؟ کہ جس بات کو خدائے تعالیٰ اپنے لیے بھی جائز قرار نہیں دیتا کیونکہ وہ اسکے اپنے وعدہ اور اپنی سنت کے خلاف ہے اسے مسیح کے لیے جائز قرار دے بلکہ اسکا بار بار تذکرہ کرے۔ پس دونوں قرینوں سے جن میں سے ایک مثبت اور دوسرا منفی ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب قرآن شریف مسیحؑ کے مُردوں کو زندہ کرنیکا ذکر کرتا ہے تو اس سے مراد روحانی مُردے لیتا ہے اور انہی روحانی مردوں میں زندگی پھونکے جانیکا

ذکر کرتا ہے۔

احیائے موتٰی کے معجزہ پر مزید روشنی ڈالنے کے لیے میں اسی آیت میں سے ایک اور بات بھی پیش کرتا ہوں جس میں مسیح کے احیائے موتٰی کا ذکر ہے مگر یہ ایک ایسی بات ہے جو مسیح کے دوسرے معجزات مثلاً خلق طیور اور سلب امراض کے معجزات پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ جہاں دو موقعوں پر ان معجزات کا ذکر ہے وہاں ان کو خدا کی طرف سے ایک انعام اور برکت بیان کیا گیا ہے۔ اور اس انعام کے علاوہ خدائے تعالیٰ کے دیگر انعاموں کا بھی ذکر ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اذ قال اللہ یٰعیسی ابن مریم اذکر نعمتی علیك و علی والدتك اذ ایدتك بروح القدس تکلم الناس فی المھد وکھلا و اذ علمتك الکتٰب و الحکمة و التورٰىة و الانجیل و اذ تخلق من الطین کھیئة الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیرا باذنی و تبرئ الاکمه و الابرص باذنی و اذ تخرج الموتٰی باذنی۔ "جب فرمائیگا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے میری نعمت کو جو تجھ پر اور تیری والدہ پر ہوئی یاد کر جب میں نے تجھ کو روح القدس سے مدد دی تو باتیں کرتا تھا لوگوں سے چھوٹی عمر میں اور بڑا ہو کر اور جب سکھائی میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل اور جب بناتا تھا تو مٹی سے میرے حکم سے پرند کی صورت پھر پھونکتا تھا اس میں پھر ہو جاتا تھا وہ اڑنیوالا میرے اذن سے اور جب تو شفا دیتا تھا اندھے اور مبروص کو میرے اذن سے اور جب زندہ کرتا تھا تو مُردوں کو میرے اذن سے" اب اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اسجگہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح پر اپنی چند نعمتوں کا ذکر فرماتا ہے۔ جن میں علاوہ معجزات زیر بحث کے روح القدس سے تائید کرنا اور کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل کا سکھانا ہے۔ اور گویا انہی باتوں کے لیے بطور نتیجہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ پھر حضرت مسیح سے مُردوں کا زندہ کرنا

اور ایسے دوسرے کام ظاہر ہونے لگے۔ گویا روح القدس کی تائید کا اور کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کے سکھانیکا یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت مسیح کے ہاتھ سے مُردے زندہ ہونے لگے۔ اب جسمانی مُردوں کو زندہ کرنیکے قائلین خود اس بات کو سوچ لیں کہ آیا یہ جوڑ ملتا ہے۔ یعنی تائید روح القدس اور کتاب اور حکمت سکھانے کا یہی نتیجہ ہے کہ چند بیماروں کو شفا دیدی اور مٹی کے چند پرند بنا کر انکا پرواز دکھادیا اور چند مرے ہوئے آدمیوں کو زندہ کر دکھایا۔ روح القدس کی تائید اور خدا کی طرف سے کتاب اور حکمت کی تعلیم کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ آپ سے وہ روحانی زندگی کا نفخ صادر ہوتا جو دوسرے انبیائؑ سے ہوتا رہا نہ یہ کہ چند مُردے زندہ کر دیئے یا چند بیماروں کو اچھا کر دیا جسکا تعلق روحانیت سے کچھ بھی نہیں۔ قرینہ صاف بتا رہا ہے کہ اس ذکر کے بعد کہ حضرت مسیح پر یہ فضل الٰہی ہوا کہ روح القدس سے اسکو تائید دی گئی اور کتاب اور حکمت خود خدا نے اسے سکھائی یہ ذکر ہونا چاہیئے کہ اس فضل الٰہی سے آپکے اندر وہ قوت قدسی اور وہ روحانیت کی طاقت پیدا ہوگئی جس سے آپنے روحانی مُردوں کو زندہ کر دیا اور روحانی بیماروں کو بالکل چنگا کر دیا نہ یہ کہ ایک بالکل بے تعلق ذکر شروع ہو جائے کہ روح القدس کی تائید کے بعد اور کتاب اور حکمت کی منجانب اللہ تعلیم کے بعد حضرت مسیح کے ہاتھ سے ایک دو جسمانی بیماریاں اچھی ہونے لگیں اور چند مُردے پھر زندہ ہو کر اسی فاسقانہ زندگانی میں مبتلا ہوگئے جس پر انکا خاتمہ ہوا تھا۔ یہ ایک مسلم امر ہے جس سے نہ مسلمانوں کو اور نہ ہی عیسائیوں کو انکار ہو سکتا ہے کہ جسمانی بیماریوں سے شفا دینا معجزہ نہیں کہلا سکتا ایسے لوگ ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں پیدا ہوتے رہے ہیں جو بذریعہ توجہ سلب امراض کرتے رہے ہیں۔ اور خود حضرت مسیح کے ہمعصر ایسے بہت سے موجود تھے جو بیماریوں سے اسی طرح شفا دیتے تھے یہ اقرار اناجیل میں بھی موجود ہے اور تمام عیسائیوں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے

حتیٰ کہ ڈاکٹر چیتو پادھیا کو بھی یہ ماننا پڑا ہے۔ پس ایک ایسے عظیم الشان انعام کا ذکر کرکے کہ ہم نے روح القدس سے حضرت مسیح کو مدد دی اور اسے کتاب اور حکمت سکھائی یہ ذکر موزون نہ تھا کہ ہمارے انعاموں میں سے ایک بڑا بھاری انعام اور حضرت مسیح کا بھاری معجزہ انکے ذریعہ سے بعض بیماروں کا اچھا ہونا تھا۔ علاوہ ازیں بنی اسرائیل جن میں سلب امراض کے مشاق بہت لوگ موجود تھے کیونکر سلب امراض کو نبوت یا مسیحیت کا ثبوت سمجھ سکتے تھے جو حضرت مسیح انکے سامنے اسے فخر سے بیان کرتے حالانکہ فریسیوں کے شاگرد ایسے ہی کمالات رکھتے تھے جیساکہ انجیل متی ۱۲ باب ۲۷ آیت اور لوقا ۱۱ باب ۱۹ آیت سے ثابت ہوتا ہے اور خود حواری اسی کمال کی ایک ایسے شخص میں موجود ہونیکی شہادت دیتے ہیں جو حضرت مسیح کی مریدی میں بھی کبھی داخل نہ ہوا تھا۔ متی ۹ باب ۳۸ - ۴۰ آیت۔ لوقا ۹ باب ۴۹ آیت۔ پس یہ بات کسی صورت میں قرین قیاس نہیں کہ ایک معمولی بات پر جو سلب امراض کے متعلق تھی اتنا زور دیا جاتا بلکہ جیساکہ سیاق و سباق عبارت صفائی سے ثابت ہوتا ہے۔ بڑا انعام الٰہی جس کا ذکر حضرت مسیح کررہے ہیں روحانی بیماریوں سے شفا دینا۔ اور روحانی مردوں میں روح کا پھونکنا تھا۔ کیونکہ روح القدس کی تائید اور کتاب اور حکمت کی تعلیم اسی امر کی مقتضی ہیں کہ اس کے بعد آپکے ہاتھ سے لوگوں کو روحانی فایدہ پہنچتا اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انبیاء علیہم السلام کو روح کی تائید دینے سے یہ منشاء الٰہی ہوتا ہے کہ انکے ہاتھ سے چند بیماروں کو بعض امراض سے شفا ہو جاوے بلکہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں اور ان تمام لوگوں کو جو سلسلۂ نبوت پر ایمان رکھتے ہیں یہ ماننا پڑیگا کہ روح القدس کی تائید سے خدا کا منشا یہی ہوتا ہے کہ لوگ انبیاء کے ذریعہ سے ہدایت پاویں۔ اور روحانی مُردوں میں روحانی زندگی پھونکی جاوے۔

پس قرآن کریم اور اناجیل کی متفقہ شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کا

قابلِ ذکر معجزہ چند جسمانی بیماریوں کو اچھا کرنا نہ تھا بلکہ انکے اندر ایمان کی روح کا پھونکنا اور اُن روحانی امراض کا دُور کرنا تھا جو یہود کے اندر موجود چلی آتی تھیں کیونکہ وہ ابتک شریعت کے الفاظ کی تو پیروی کرتے تھے مگر اسکی اصل روح سے بالکل ناواقف تھے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت مسیح کے معجزات سلب امراض جسطرح پر اناجیل میں بیان کیے گئے ہیں ان سے ایک طالب حق کی طبیعت تسلی نہیں پاتی۔ مگر قرآن کریم نے بار بار اس امر کا ذکر کر کے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ روحانی لنگڑوں کو قوت گویائی دیں اور روحانی بہروں کو قوت شنوائی۔ روحانی اندھوں کو آنکھیں عنایت کریں اور روحانی مُردوں کے اندر ایک نئی زندگی پھونک دیں گویا اس بات کو صفائی سے بیان کر دیا ہے کہ جب یہ حضرت مسیح کے مردوں میں زندگی پھونکنے یا بیماروں کو شفا دینے کا ذکر کرتا ہے تو اس سے مراد اسی قسم کی زندگی بخشنا اور اسی قسم کی شفا دینا ہے جو ایک نبی کی شان کے شایاں ہے جسے روح القدس کی تائید دیگئی ہو اور کتاب اور حکمت سکھائی گئی ہو۔ قرآن شریف میں کفار کو اتنی دفعہ بار بار مُردے اندھے گونگے بہرے کہا گیا ہے کہ جب کسی نبی کے متعلق ایسے بیماروں کو شفا دینے یا مُردوں میں روح پھونکنے کا ذکر ہو تو اس سے جسمانی بیماریاں یا جسمانی زندگی مراد لینا قرآن کریم سے قطعاً ناواقفیت ظاہر کرتا ہے۔

اب ہم دوسرے معجزہ کو دیکھتے ہیں کہ آیا قرآن شریف یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح درحقیقت ایسے ہی پرند بنا کر ان میں روح پھونکا کرتے تھے جیسے ہم اُڑتے پھرتے دیکھتے ہیں۔ یا اسکی تہ میں بھی حقیقت کچھ اور ہے۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ حقیقی خلق صرف خدا کی صفت ہے اور دوسرا اس میں کوئی شریک نہیں۔ پس لازماً ان الفاظ انی اخلق من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ کے کوئی ایسے معنی لینے پڑیں گے جو ان آیات کے مخالف نہ ہوں جنسے ثابت ہوتا ہے

مٹی کے پرندوں میں نفخ کرنے سے کیا مراد ہے

کہ حقیقی خلق سوائے خدا کے کسی دوسرے کا کام نہیں۔ اس لیے اسکے معنے دو طرح سے ہم لے سکتے ہیں یا تو وہ معنی جو سیاق و سباق عبارت کے لحاظ سے درست معلوم ہوتے ہیں اور ایک نبی کی بلند شان کے شایاں ہیں یعنی جسطرح مُردے زندہ کرنیسے اور بیماریوں سے شفا دینے سے مراد روحانی مُردوں کو زندہ کرنا اور روحانی بیماریوں سے شفا دینا ہے اسی طرح اس معجزہ کے پیچھے بھی ایک روحانی حقیقت ہے کیونکہ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مٹی کی شکلو نہیں حضرت مسیح کی نفخ کا یہ اثر ہوتا تھا کہ وہ مٹی کی شکلیں پرواز کرنے لگتی تھیں۔ اب ایک انسان جو روحانیت سے خالی ہے وہ گویا ایک مٹی کی شکل ہے اور ایک نبی کے نفخ سے اس میں روحانیت یا پرواز کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ زمین کی طرف جھکے رہنا یا زمین کے ساتھ لگے رہنا دراصل روحانی مُردگی ہے۔ اور جب انسان میں روحانیت آجاتی ہے تو اسکی روح اعلیٰ طبقوں میں پرواز کرنے لگتی ہے۔ طیر سے مشابہت اسلیے دی کہ وہ بھی ہوا میں اُڑتا ہے۔ انسان کو طیر کی شکل میں بنانے سے مراد یہ ہے۔ کہ اس میں پرواز کی طاقت یعنی روحانیت حاصل کرنیکی طاقت تو ہے مگر جب تک خدا اپنے نبی کے ذریعہ سے اس میں نفخ روح نہ کرے تب تک اس طاقت سے وہ کوئی فایدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ خلق کے معنے اندازہ کرنیکے بھی ہیں۔

احیائے موتیٰ اور خلق طیور کے ایک اور معنے

اب ہم احیائے موتیٰ اور خلق طیور کے ایک اور معنے بیان کرتے ہیں جنکے رو سے ان معجزات کو جسمانی رنگ میں لیا جا سکتا ہے اور ان آیات سے تعارض بھی نہیں ہوتا جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خلق کی صفت سوائے خدا کے کسی کو نہیں دی گئی اور کہ جنپر موت کا قطعی حکم وارد ہو جاتا ہے وہ پھر اس دنیا میں نہیں بھیجے جاتے پہلے اسجگہ بھی ہم احیائے موتیٰ کے سوال کو ہی لیتے ہیں ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ قبض روح دو طور پر کیا جاتا ہے۔ ایک تو قضیٰ علیہا الموت کے

ماتحت اور ایسی روح اس دنیا میں واپس نہیں بھیجی جاتی۔ اور دوسرے عارضی طور پر قبض روح جسکی مثال نیند بیان فرمائی۔ مگر نیند کے علاوہ بعض صورتیں اور بھی ایسی ہیں جنہیں قبض روح کیا جاتا ہے مگر چونکہ قطعی حکم موت کا وارد نہیں ہوتا اس لیے ایسی روح واپس بھیجدی جاتی ہے۔ جیسے مثلاً بیہوشی وغیرہ میں۔ اور بعض صورتیں بیہوشی یا مرض کی ایسی ہوتی ہیں کہ ظاہر میں وہ موت ہی معلوم ہوتی ہے۔ پس ایسی صورت میں قبض شدہ روح واپس ہو سکتی ہے اور چونکہ ایسے شخص کو ظاہر میں مُردہ ہی کہا جائیگا اگرچہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے اسپر ابھی موت کا قطعی حکم وارد نہیں ہوا۔ پس ایسی صورت میں اگر ایک نبی کی دعا سے خدائے تعالیٰ ایسے مریض پر بجائے موت کا قطعی حکم وارد کرنیکے اسکی روح کو واپس بھیجدے تو اسکے قانون کی خلاف ورزی بھی نہیں ہوتی۔ اور احیائے موتیٰ بھی ایک رنگ میں جسمانی طور پر وقوع میں آجاتا ہے۔ پس یہی ایک صورت ہے جس میں حضرت مسیح یا کسی اور نبی کے جسمانی طور پر احیائے موتیٰ کا اعتقاد رکھا جا سکتا ہے۔ اور اناجیل کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کے جس مُردہ کو زندہ کرنیکا قصہ لکھا ہے وہ کوئی اسی قسم کا مریض تھا۔ یوحنا کی انجیل کو الگ کرکے جس میں دوسری اناجیل سے بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے باقی اناجیل میں ایک ہی مردہ کے زندہ کیے جانیکا تذکرہ ہے جو متی ۹ میں ہے۔ یہ ایک سردار کی لڑکی تھی جو بیمار تھی اور لوگوں نے خیال کیا کہ وہ مر گئی ہے۔ حضرت مسیح جب وہاں پہنچے تو انہوں نے فرمایا کہ واویلا مت کرو "لڑکی مری نہیں بلکہ سوتی ہے" اب یہ الفاظ اس قانون الٰہی کو بیان کرتے ہیں جو والتی لم تمت فی منامہا اور یرسل الاخرٰی میں بیان ہوا ہے۔ اور حضرت مسیح نے بعینہٖ وہی لفظ نوم یا نیند ہی استعمال کیا ہے۔ اب اس واقعہ کو احیائے موتیٰ یعنی مُردہ زندہ کرنیکی ایک مثال سمجھا جاتا ہے حالانکہ حضرت مسیح نے سنت اللہ کو مدنظر رکھکر اس مریض کو مردہ

نہیں کہا بلکہ سو یا ہوا کہا کیونکہ جب پر قطعی موت کا حکم وارد ہو جائے وہ زندہ نہ ہو سکتا تھا۔ انہی معنوں میں اگر حضرت مسیح کے ہاتھ سے کچھ اور مُردے بھی زندہ ہوئے ہوں تو ہمیں انکے تسلیم کرنیسے انکار نہیں کیونکہ اس صورت میں بھی بظاہر ایک موت کی صورت ہی ہوتی ہے اگرچہ حقیقی موت نہیں ہوتی اور اسطرح پر سنت اللہ کا خلاف بھی نہیں ہوتا۔ مگر ایسا احیائے موتیٰ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعا سے ہوتا رہا ہے اور اس میں حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں۔ علاوہ ازیں میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس سے بہت بڑھکر قابل ذکر حضرت مسیح کا روحانی احیائے موتیٰ ہے اور جہانتک تدبر کیا جاوے گا اسی احیائے موتیٰ کا تذکرہ قرآن کریم میں معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر بیماریوں سے شفا دینے کے معجزہ کے ظاہری اور موٹے معنے لیے جاویں یعنی امراض جسمانی سے شفا دینے کے تو اس کے سمجھنے میں کچھ وقت نہیں ہاں اسطرح حضرت مسیح کی وہ عظمت ثابت نہیں ہوتی جو اس حالت میں ہوتی ہے جب اس سے مراد روحانی بیماریوں سے شفا دینے کے معنے لیے جاویں۔ بعینہٖ یہی صورت طیور میں نفخ کی ہے۔ اگر اسکے ظاہری معنے بھی لیے جاویں تو بھی اس سے زیادہ کچھ مراد نہیں ہو سکتا کہ جو شکلیں پرندوں کی شکلوں جیسی حضرت مسیح بناتے تھے وہ ایک قلیل عرصہ کے لیے پرواز کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ کیونکہ اسمیں کوئی شک نہیں کہ وہ واقعی زندہ پرندہ ہو جاتے تھے کیا وجہ کہ اس سے نہ صرف حضرت مسیح میں خلق کی طاقت ماننی پڑتی ہے بلکہ تشابہ فی الخلق ہوتا ہے جسکا قرآن کریم صراحت سے انکار کر رہا ہے۔ قرآن کریم سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان شکلوں میں جان پڑ جاتی تھی صرف اسقدر ہے کہ حضرت مسیح ان میں نفخ کرتے تھے۔ بہرحال اس بات کے ماننے کے لیے کوئی دلیل ہمیں قرآن شریف سے نہیں ملتی کہ حضرت مسیح

جانوروں کو پیدا کرتے تھے یا ان میں جان ڈالتے تھے۔ خلق کے معنے صرف بنانیکے بھی ہیں اور اسجگہ تو خلق کے ساتھ کسی زندہ چیز کا نام نہیں بلکہ صاف طور پر لکھاہے انی اخلق من الطین کھیئۃ الطیر یعنی مٹی لیکر پرند کی صورت کی سی ایک چیز بناتے تھے۔ پس یہانتک تو اس فعل میں کوئی اعجاز نہیں۔ کیونکہ مٹی سے پرند کی صورت بنانا کوئی اعجازی رنگ اپنے اندر نہیں رکھتا اطرح پر خلق طیور اور احیائے موتیٰ کے معجزات سے حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس سے بہت بڑے بڑے معجزات دیگر انبیاء علیہم السلام کی نسبت مذکور ہیں۔

۱۰ حضرت مسیح پر ایمان لانے کی حقیقت

دسویں خصوصیت حضرت مسیح کی یہ بیان کی گئی ہے کہ قرآن شریف کی رو سے ہر ایک فرد بشر اپنی موت سے پہلے حضرت مسیح کے خداوند اور نجات دہندہ ہونے پر ایمان لاتا ہے۔ اس کے ثبوت میں آیت وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہٖ قبل موتہٖ پیش کی گئی ہے۔ ان الفاظ کے معنوں میں اول تو یہ کہا گیا ہے کہ اہل کتاب سے مراد یہودی عیسائی اور مسلمان ہیں اور پھر ان تینوں قوموں سے مراد کل دنیا لے لی گئی ہے۔ اور ایمان لانے کے معنے یہ کیے گئے ہیں کہ اس کے خدا اور نجات دہندہ ہونے پر ایمان لائیں گے۔ یہ دونوں غلطیاں ایسی موٹی ہیں کہ ایک بچہ بھی ڈاکٹر صاحب کی اس ناواقفیت پر ہنسے گا۔ اہل کتاب سے اسجگہ مراد یہودی اور عیسائی ہیں۔ جیساکہ آگے اور پیچھے کی آیات کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہی اس موقع پر قرآن شریف یہود کو ملزم کر رہا ہے جیساکہ کہتا ہے وبکفرھم وقولھم علیٰ مریم بھتانا عظیما۔ وقولھم انا قتلنا المسیح الخ ...... جو آیت زیر بحث سے پہلی آیت ہے۔ اور ایسا ہی اس کے معًا بعد ہے فبظلم من الذین ھادوا۔ پس

اہل کتاب میں نہ مسلمان شامل ہیں نہ اس سے کل دنیا مراد ہے بلکہ یہودی اور عیسائی شامل ہیں۔ ایسا ہی ایمان لانے سے یہ مراد سمجھنا کہ اسکو خدا مان لیں گے سخت جہالت ہے۔ ایک نبی پر ایمان لانا اسکو نبی مان لینے کے ہم معنی ہے نہ یہ کہ اُسے خدا مان لینا۔ ایسا ہی قرآن پر ایمان لانے یا توریت انجیل پر ایمان لانیسے یہ مراد نہیں ہوسکتی کہ ان کتابوں کو خدا اور نجات دہندہ مان لیا جاوے بلکہ یہ کہ انکی اصل حقیقت کو مان لیا جاوے یعنی اس بات کو کہ وہ خدا کا کلام ہیں۔ پس جب قرآن شریف بار بار زور دے رہا ہے کہ حضرت مسیح صرف ایک رسول ہیں اور خدا ہرگز نہیں ہیں تو اس سے بڑھکر جہالت کیا ہوگی کہ جب انپر ایمان لانیکا ذکر ہو تو اس سے مراد یہ لی جاوے کہ انکو خدا مان لیا جاوے۔ آیت کے معنے صاف ہیں کہ اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی دونوں مسیح کے بارہ میں غلطیوں میں پڑے ہوئے ہیں مگر انکی موت سے پہلے عین اسوقت جب اس دنیا سے چلنے کو ہوتے ہیں اصل حقیقت انپر کھل جاتی ہے اور انکو معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ افراط اور تفریط میں پڑے رہے اور کہ حضرت مسیح صرف ایک نبی تھے

۱۱ حضرت مسیح کا قیامت کے دن حکم ہونا

یہ گیارھویں خصوصیت بیان کی گئی ہے اور یہ استدلال الفاظ ویوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا سے کیا گیا ہے۔ ان الفاظ کے معنوں میں علیھم میں ضمیر سے مراد کل دنیا لی گئی ہے حالانکہ ضمیر صرف اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے جنکا ذکر اوپر ہورہا ہے اور وہ وہی یہود اور عیسائی ہیں۔ اور شہید کے معنے انصاف کنندہ حکم اور قاضی کیے گئے ہیں۔ حالانکہ اس کے معنے گواہ کے ہیں ہم حیران ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کو ابتک گواہ اور جج میں فرق معلوم نہیں۔ اور وہ گواہ کو جج بنا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی صاحبان کیسے دھوکوں میں مبتلا

ہیں۔ اور مسیح کو خدا بنانیکے لیے ان کو کیسی مضحکہ خیز کوششیں کرنی پڑتی ہیں۔ اگر اسی طرح معنے کرنے ہیں تو پھر اس آیت سے کہ اذ اجئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علی ھؤلاء شھیدا یہ نتیجہ نکالنا پڑیگا کہ قیامت کے دن ہر امت سے ایک الگ فیصلہ کرنیوالا ہوگا پھر بھی مسیح کی کوئی خصوصیت نہ رہی۔ ایک پڑھا ہوا آدمی جب جھوٹ کی حمایت کے لیے اس قسم کی بہکی ہوئی باتیں کرتا ہے تو عام عیسائیوں پر کیا افسوس ہے؟

۱۲۔ مسیح کی موت اور رفع

ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن شریف کے مطابق حضرت مسیح صلیب پر فوت ہوگئے اور پھر مرنے کے بعد خدا کی گود میں اُٹھا لیے گئے۔ انکا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ابتدائی سورتوں میں حضرت مسیح کے صلیب پر مرجانیکو قرآن شریف نے قبول کیا ہے مگر آخری سورتوں میں جب گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا الگ مذہب قائم کرلیا تو پھر مسیح کی صلیب پر موت سے انکار کردیا۔ یہ ہر دو دعاوی اس قسم کے ہیں جیسے کہ انسے پہلے۔ اور سیدھے سادے الفاظ سے اُلٹے معنے نکالنے میں ڈاکٹر صاحب نے کمال دکھایا ہے مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے کہ والسلام علیّ یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا یہ ثبوت ملتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر مرکر تیسرے دن اُٹھائے گئے۔ اور پھر یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ سے بھی یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس میں مسیح کے صلیب پر مرجانیکا اقرار ہے ہم حیران ہیں کہ آیا ڈاکٹر صاحب نے کسی نشہ میں یہ مضمون لکھا ہے ایک ادنیٰ سمجھ کا آدمی بھی بیہودہ گوئی سے اپنے کلام کو کم وقعت کرنیسے ڈرجاتا ہے موت کے معنے صلیب پر مرنیکے کس لغت میں ہیں اور متوفی کے معنے صلیب پر مارنے کے کونسی ڈکشنری میں لکھے ہوئے ہیں۔

اور اس لغت دانی پر مسلمان مفسرین پر ڈاکٹر صاحب کو اعتراض کرنیکی سوجھی ہے۔ موت اور توفّی کے الفاظ کے استعمال سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف حضرت مسیح کی صلیب پر موت کا انکار کر رہا ہے اور معمولی موت سے انکو مار رہا ہے کیونکہ متوفیك کے معنے ممیتك حتف انفك کے ہیں۔

رفع کے متعلق ہم پہلے بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اسجگہ صرف اسقدر اور ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رافعك الیّ۔ متوفیك کے بعد ہے۔ پس رفع سے مراد وہی رفع ہو سکتا ہے جو توفّی کے بعد ہو اور یہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن شریف کی رو سے تمام صالحین کا رفع موت کے بعد ہوتا ہے پس اسی قسم کا رفع حضرت مسیح کا بھی ہوا اور یہ رفع بھی حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت نہ رہی۔

ہم نے ڈاکٹر چنو پادھیا کے تمام دعاوی کی حقیقت کو کھولکر دکھا دیا ہے۔ قرآن شریف میں جن الفاظ میں حضرت مسیح کا ذکر کیا گیا ہے انسے انکی خدائی ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی کہیں یہ کہا گیا ہے کہ فلاں فلاں خدائی صفت حضرت مسیح میں بھی پائی جاتی ہے بلکہ برخلاف اسکے کھلے الفاظ میں انکا محض ایک رسول دوسرے رسولوں کی طرح ہونا اور بشر ہونا بار بار بیان کیا گیا ہے اور انکی اور انکی ماں کی بشریت کا ان پُر زور الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ کانا یاکلان الطعام یعنی وہ بشر تھے جن کو بھوک لگتی تھی اور طعام کھایا کرتے تھے پس وہ تمام انسانی کمزوریاں اپنے اندر رکھتے تھے۔

تثلیث اور مسیح کے بیٹا ہونیکا انکار جن پُر زور الفاظ میں قرآن شریف نے کیا ہے ان کے اسجگہ نقل کرنیکی ضرورت نہیں اور اسکا اقرار خود ڈاکٹر صاحب نے بھی کیا ہے۔ البتہ انکو ایک غلطی لگی ہے جسکا اظہار اسجگہ مناسب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کے بیٹا ہونیسے جو قرآن شریف نے انکار کیا ہے اسکی اصل جڑھ یہ ہے کہ آنحضرتؐ

نے یہ سمجھا ہے کہ عیسائی مسیح کو خدا کا جسمانی بیٹا خیال کرتے ہیں۔ اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن شریف نے لفظ ولد کا ہی عیسائیوں کے اس عقیدہ کے متعلق ہمیشہ استعمال کیا ہے اور لفظ ابن کا استعمال نہیں کیا۔ یہ دعویٰ انکا بھی غلط ہے کیونکہ قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ اور اسکی اسی طرح تردید کرتا ہے جس طرح ولد کے لفظ کو استعمال کرکے اسکی تردید کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر عیسائی صاحبان مسیح کو ابن اللہ انہی معنوں میں کہتے جن معنوں میں یہ لفظ انبیاء کے لیے پُرانے عہد نامہ میں استعمال ہوا ہے تو انکو یہ حق پہنچتا تھا کہ کہتے کہ ہم اس لفظ کو مجازی طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مگر جب وہ خود مسیح کے لیے اس لفظ کو خصوصیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باپ اور بیٹا ضرور ہے ایک ہی ذات ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ سخت کفر کو پہنچتا ہے اور اسی لیے قرآن شریف نے اس کے متعلق ایسے الفاظ فرمائے کہ تکاد السموات یتفطرن منہ۔ مجازی طور پر تو یہ لفظ دوسرے انبیائ کے حق میں بھی استعمال ہوا ہے اگر عیسائی صاحبان انہی معنوں میں اسکو حضرت مسیح کے لیے استعمال کریں تو مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہیں۔

بابی مذہب

بقیہ دعاوی بہاء اللہ

بابی مذہب کے مضامین کا سلسلہ کسی گذشتہ اشاعت میں ہمنے اس موقع پر چھوڑا تھا جہاں بہاء اللہ کے دعاوی کا ذکر تھا۔ اسکے دعاوی کو اس حد تک ہم بیان کرچکے ہیں جہاںتک انکا عیسائی مذہب اور اسلام کا موعود ہونیکو تعلق تھا۔ اسی قسم کا دعویٰ اسکا یہود کے متعلق بھی ہے وہ کہتا ہے کہ میرے آنیکی خبر توریت میں یہودیوں کو

بھی دی گئی ہے۔ اور میرا نام توریت میں یہوواہ رکھا گیا ہے چنانچہ بحر العرفان نام کتاب میں اسکے ایک مرید نے بہت سی مبہم عبارتیں یا ایسی عبارتیں جن میں خدائے تعالیٰ کے جلال کا ذکر ہے بہاء اللہ پر بعینہٖ اسی طرح چسپاں کی ہیں جس طرح عیسائی لوگ توریت کی عبارتوں کو حضرت مسیح پر لگایا کرتے ہیں۔

مگر ان تمام دعاوی سے بڑھکر اس کا یہ دعویٰ ہے کہ میرا ظہور خود اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انبیاء ایک معنی میں اللہ تعالیٰ کے مظہر ہوتے ہیں مگر بہاء اللہ کے کا دعویٰ اس قسم کا مظہر ہونیکا نہیں بلکہ وہ صریح الفاظ میں اپنے آپ کو خدا کہتا اور یہی نام اپنے مریدوں کے مُنہ سے اپنے لیے پسند کرتا تھا۔ چنانچہ اسکی کتاب کو پڑھ لو یہی دعویٰ نظر آتا ہے۔ اس نے بار بار اپنے آپ کو خدا۔ خالق۔ الرحیم۔ العظیم۔ عالم الغیب۔ مالک یوم الدین۔ قابض الریاح وغیرہ مدعیانہ طور پر لکھا ہے۔ اور ہر ایک الٰہی صفت جو اسکی راہ میں آئی اس نے اسکو اپنے اوپر چسپاں کر لیا ہے۔ اس نے دوسرے مذہبوں کے پابندوں کو ہی مشرک نہیں کہا بلکہ ان لوگوں کو بھی مشرک ہی کہا جو اس کے پیر بھائی تھے اور اس سے کسی وجہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ غرض اپنے مسائل کے رو سے اس نے اپنے آپ کو خدائے برحق ظاہر کیا ہے۔ اور اس لیے جو لوگ خدائے حقیقی کے ماننے والے ہیں اور اسکو خدا نہیں مانتے انکو اس نے مشرک کہا ہے۔ گویا بہاء اللہ کی الوہیت کا دعویٰ بابی مذہب کا اصل اصول ہے۔

بہاء اللہ کا دعوائے الوہیت کوئی ایسی بات نہیں جسکو ہم کھینچ تانکر ناحق اسکی طرف منسوب کرتے ہیں بلکہ یہ کھلے طور پر اسکی عبارات سے ثابت ہے۔ اور اس کے علاوہ اس نے یہانتک ہی بس نہیں کی بلکہ پہلی کتابوں کی پیشگوئیوں کو بھی اسی کے ثبوت میں اپنی طرف منسوب کرتا رہا۔ چنانچہ کتاب الاقدس میں لکھا ہے کہ عہدنامہ قدیم لیا

یہوواہ میرا ہی نام ہے۔ اب غور کرنیکا مقام ہے کہ یہ عبرانی لفظ صرف خدا ہی کا نام ہے اور کبھی کسی غیر اللہ پر مستعمل نہیں ہوا۔ جب بہار اللہ نے اس مقدس نام کو اپنے اوپر چسپاں کر لیا ہے تو اب اسکے دعوے خدائی پر کونسا شبہ باقی رہ جاتا ہے۔ بیشک اس شخص نے اپنے آپ کو کھلے طور پر خدا ظاہر کیا اور خدا تعالیٰ کی ہر ایک صفت اپنے پر لگائی۔ اور الوہیت کا دعویٰ کر کے اس نے ایک ایسا بڑا کفر کا کام کیا ہے کہ جس سے بڑھکر انسان کفر کر ہی نہیں سکتا۔ ایسے ہی انجیلوں میں جو یسوع مسیح سے ایک تمثیل انگوروں کے باغ کے مالک کی لکھی ہے۔ وہ انگوروں کا مالک یہی بہار اللہ خود بنا یا اس کے مریدوں نے اسکو بنا دیا۔ اس تمثیل کی تشریح یہ کیگئی ہے کہ خدمتگاروں سے مراد اسرائیلی نبی تھے۔ اور آنحضرت محمد مصطفےٰ صلعم نبیوں کی مہر تھے اور یسوع مسیح جو فرزند تھے وہ درحقیقت خدا کے فرزند تھے اور بہار اللہ صاحب انگوروں کے باغ کے مالک یعنی خود خدا تھے۔ پھر اس جرأت کا اسی جگہ خاتمہ نہیں بلکہ اور بھی بڑھکر زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ انکی کتابوں میں لکھا ہے کہ نبوت اور فرزندیت کے دن گذر چکے اب وہ زمانہ آیا ہے کہ خود خدا آوے سو بہار اللہ کے جامہ میں خدا آیا ہے۔ پھر اس نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے میرے ظہور کا زمانہ دراصل وہ یوم قیامت ہے کہ جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ اور اس بات پر بھی زور دیا جاتا ہے کہ جن جن امور کا قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حضور میں ظاہر ہونا قرآن شریف میں لکھا ہے وہ سب بہار اللہ کے حضور میں ظاہر ہو گئے۔ یہ بھی کھلے طور سے خدائی کا دعویٰ ہے۔ اس قسم کی عبارات اور دعاوی سے خود اسکی اپنی تصانیف لبریز ہیں اور اس کے علاوہ اسکے مریدوں کی تصانیف میں اور بھی کثرت سے ایسی باتیں لکھی ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف کی آیت وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ کو جسکے یہ معنے ہیں کہ " اس (قیامت کے) دن کئی چہرے روشنی سے چمکتے اپنے مالک (رب) کی طرف دیکھنے والے ہوں گے"

بہاء اللہ پر چسپاں کر کے یہ لکھا ہے کہ یہاں ربّ سے مراد بہاء اللہ ہے۔

ہم اس امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ بہاء اللہ کی تصانیف میں ایسے الفاظ موجود ہیں جن میں وہ اپنے آپ ایک ایسا انسان بھی بیان کرتا ہے جسکو کسی دوسرے سرچشمہ سے ہدایت اور نور ملا ہے لیکن ایسے الفاظ عموماً ان تصانیف میں جو اس نے ابتدائی دعویٰ میں لکھی تھیں پائے جاتے ہیں۔ اور جہاں کہیں بعض دوسرے موقعوں پر آئے ہیں وہاں کسی خاص مدعا سے آئے ہیں۔ اگر ہم اس کی کتاب الاقدس پڑھیں یا کسی دوسری کتاب کا مطالعہ کریں جس میں وہ الواح درج ہیں جو اس نے اپنے شاگردوں کے لیے لکھی ہیں تو انہیں بار بار لکھا ہے کہ "میں خدا ہوں جو تمام جہان کا بادشاہ۔ عالم الغیب۔ اور عالم السر۔ رب العالمین۔ اور سب سے بڑا ہے وغیرہ وغیرہ" گویا جہاں کہیں اس نے ان لوگوں کو مخاطب کیا ہے جو اسپر ایمان لا چکے تھے یا جن سے امید ہو سکتی تھی کہ وہ اسپر ایمان لے آویں گے تو اس نے انکے سامنے انہیں مخاطب کر کے اپنے آپ کو ہمہ صفت موصوف خدا وحدہٗ لاشریک بیان کیا۔ یعنی اپنے دائرے کے اندر وہ خدا تھا۔ البتہ جب کہیں کسی ایسی جگہ مکتوب لکھنے کی ضرورت ہوتی جو اپنے دائرے سے باہر ہو تو وہاں اپنے آپ کو انسان ہی لکھتا۔ اسکی ایک مثال اسکا وہ مکتوب ہے جو شاہ ایران کو اسنے لکھا تھا جہاں سے سیاست کا خوف تھا اس میں لکھا ہے "اے شاہ زمین! اس غلام کی پکار سن۔ میں ایک غلام ہوں جو خدا پر اور اسکے نشانات پر ایمان رکھتا ہوں اور میں نے اپنی زندگی اسکی راہ میں وقف کر دی ہے ..... میں لوگوں کو صرف اس خدا کی طرف دعوت کرتا ہوں جو تیرا بھی خدا ہے اور تمام عالمین کا بھی خدا ہے" پھر اسی مراسلت میں شاہ کا غصہ فرو کرنیکے لیے لکھتا ہے "اے سلطان! میں ایک معمولی انسان تھا اور سویا ہوا تھا۔ اور اس (خدا) نے مجھے علم دیا ..... اور اسنے مجھے حکم دیا کہ میں آسمان

اور زمین کے درمیان ندا کروں۔“
اب اسکے ان الفاظ کا اُن الفاظ سے مقابلہ کرو جو اس نے اپنے مریدوں کے نام کی تحریرات میں لکھے جن میں لکھا ہے کہ ”مَیں وہ ہوں جسکے کلام سے ہزاروں ابد پیدا ہو چکے ہیں اور پیدا کرنیکا اختیار ہے۔“ جو اسکی کتابوں میں بکثرت اور بار بار پائے جاتے ہیں۔
بہاء اللہ اور انبیاءِ سابقین کے دعوٰی میں فرق پر بہاء اللہ کے ایک مرید نے ایک رسالہ میں مفصل بحث کی ہے اس میں لکھا ہے کہ ”اس مظہر (بہاء اللہ) کو دوسرے مظاہر (انبیاء) پر یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ لوگ یعنی انبیاء سابقین دو مقامات پر کھڑے ہوتے تھے۔ (یعنی انہیں ایک حصہ الوہیت ہوتی تھی اور ایک حصہ انسانیت) جب کبھی انپر ایسا حال طاری ہوتا کہ وہ اپنے آپ سے محو ہو جاتے اور اپنی ہستی کو فراموش کر دیتے اور اپنے وجود کو مقام فنا میں کامل طور پر پاتے تو بیساختہ بول اُٹھتے ”انا اللہ“ یعنی مَیں خدا ہوں۔ لیکن جب اس حالت سے نکل آتے اور اپنے آپ پر مطلع اور واقف ہو جاتے تو پھر کہتے مَیں انسان ہوں۔ لیکن یہ پُر نور مظہر (بہاء اللہ) درحقیقت وہی خدا ہے جس نے انسان کے لباس میں ظہور کیا ہے ..... اسی لیے تو اس نے کہا ہے کہ دنیا میں میرے سوا کوئی نہیں۔ نقطہ (علی محمد) نے اسی لیے پیشگوئی کی ہوئی تھی کہ وہ (بہاء اللہ) ہر حال میں کہتا رہے گا کہ تحقیق مَیں خدا ہوں کوئی خدا میرے سوا نہیں اور مَیں واحد لاشریک خدا عالم الغیوب والاسرار خدا ہوں ..... تمام مظاہر جو آجتک ظاہر ہوئے اور جو یوم قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے وہ سب ایک آئینہ کی طرح ہیں۔ اور ہر ایک اپنی قابلیت کے مطابق اس آفتاب حقیقت کے متعلق گویا ہوا اور ہو گا۔ لیکن یہ مظہر (بہاء اللہ) خود وہ آفتاب ہے ..... اس لیے اس نے کہا ہے کہ توحید یہ ہے کہ تُو ایک کو ایک سمجھ

اور اسے تعدد سے بری جانے۔ نہ یہ کہ دو کو ایک جانے۔ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ اس مظہر حق (بہاء اللہ) اور اس غیب الغیب خدا کو جسے انسان دیکھ نہیں سکتا اس طریق سے ایک خیال کیا جائے کہ ایک کے افعال اور اوامر اور نواہی گویا دوسرے کے افعال اور اوامر اور نواہی سمجھے جائیں۔ اور اس سے جدائی اور بیگانگت کا کوئی خیال باقی نہ رکھا جائے۔ یہی وہ مرتبہ ہے جو آسمانوں اور زمین پر صرف ایک ہی کے لیے مخصوص ہے اور کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔"

اسی خدائی کے دعوی کے برابر ہی بہاء اللہ کا دعوی عصمت کبریٰ ہے۔ اس دعوے کے متعلق وہ مختلف مقامات ہیں جنکو رسالہ مذکور کے مصنف نے ایک جگہ بیان کیا ہے یوں لکھا ہے۔ لیس لمطلع الامر شریك فی العصمة الکبریٰ انه لمظهر یفعل مایشاء فیملکوت الانشاء قد خص الله هذا المقام لنفسه وما قدر لاحد نصیب من هذا الشان العظیم المنیع۔ انها طراز نسجته انامل القدرة لنفسه تعالیٰ انه لا ینبغی لاحد الا لمن استویٰ علی عرش یفعل مایشاء من اقر و اعترف بما رقم فی هذا الحین من قلم الاعلی انه من اهل التوحید و اصحاب التجرید۔ اور پھر لکھا ہے "عصمت کبریٰ مخصوص حق جل جلالہ است احدے دریں مقام با او شریک نہ" اور پھر لکھا ہے اما العصمة الکبریٰ لمن کان مقامه مقدسا عن الاوامر والنواهی و منزها عن الخطاء والنسیان انه نور لا تعقبه الظلمة وصواب لا یعتریه الخطاء لو یحکم علی الماء حکم الخمر وعلی السماء حکم الارض وعلی النور حکم النار حق لا ریب فیه ولیس لاحد ان یعترض علیه او یقول لم وبم والذی اعترض انه من المعرضین فی کتاب الله رب العالمین انه لا یسئل عما یفعل وکل عن کل یسئلون۔ خلاصہ ان عبارتوں کا یہ ہے کہ وہ اپنے لیے

عصمت کبریٰ کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اُس مقام میں بہاء اللہ کا شریک دوسرے انبیاء میں سے کوئی نہیں۔ بلکہ یہ مقام خدا نے اپنے نفس کیلئے مخصوص کیا ہوا ہے۔ اور کسی دوسرے کیلئے اس مقام میں کسی طرح کا حصہ مقدر نہیں کیا گیا تحقیق یہ وہ حاشیہ ہے جو قدرت کے ہاتھوں نے صرف خدا کے لیئے بنا ہے اور یہ سوائے اُسکے جو قدرت علی الاطلاق کے تخت پر جلوہ افروز ہوتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے کسی دوسرے کو سزاوار نہیں"۔ پھر آگے چلکر کہتا ہے "عصمت کبریٰ خاصہ خدائے ذوالجلال ہے اس میں اس کا کوئی ہمسر نہیں"۔ پھر کہا ہے "عصمت کبریٰ اسکے لیے ہے جو تمام اوامر و نواہی سے بالاتر ہے اور غلطی اور نسیان سے پاک ہے کیونکہ وہ ایسا نور ہے جسکے بعد تاریکی نہیں۔ اور وہ حق ہے جسکے پیچھے دروغ نہیں۔ اگر ایسا شخص پانی کو شراب۔ آسمان کو زمین۔ نور کو دوزخ کہے تو بلاشبہ وہ سب سچ ہے۔ اور کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ کوئی اعتراض کرے کیونکہ وہ ایسا ہے کہ جو کچھ وہ کرے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا کہ کیوں ایسا کیا مگر دوسرے سبھی لوگوں سے تمام امور کی متعلق سوال کیا جاویگا۔

اب ان عبارات کے مطالعہ سے روشن ہے کہ یہاں خدا سے مراد بہاء اللہ ہی رکھا گیا ہے۔ اور عصمت کبریٰ جو خدا تعالیٰ کا خاصہ بیان کیا گیا ہے وہ بہاء اللہ ہی کی طرف منسوب کیگئی ہے۔ عصمت کبریٰ بابی مذہب کی خاص اصطلاح ہے جسکا ذکر ہم آگے چلکر کریں گے۔ اسی کتاب میں جس سے اوپر کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں یہ بھی لکھا ہے کہ "تمام انبیاء خدا سے وحی کے محتاج تھے اور اسی کے حکم کی تعمیل کے پابند تھے لیکن بہاء اللہ کو ان سب پر فوقیت تھی اسکو کسی کے حکم کی پابندی کی ضرورت نہ تھی وہ اپنی مرضی اور اپنے ہی ارادہ کا مالک اور متبع تھا۔ یعنی وہ خود خدا صاحب ارادہ تھا .... چونکہ مقدس (بہاء اللہ) کا وجود درحقیقت غیب کا وجود تھا اسلیے وہ کسی وجود کو

اپنے سے برتر خیال نہیں کرتا تھا۔ اور کسی شخص یا طاقت کو اپنے اوپر حکمران نہیں سمجھتا تھا۔ اور کوئی شئے اس سے پوشیدہ نہ تھی"

بہائی سلسلہ میں عصمت کبریٰ کا مسئلہ بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر عصمت کی صفت سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متصف ہیں۔ اور اسلام میں انکی عصمت کا وسیع عقیدہ ہے۔ لیکن چونکہ بہاء اللہ اپنے آپ کو تمام نبیوں سے بڑا (بلکہ خدا) سمجھتا تھا اسلیے اسنے اپنے لیے ایک الگ عصمت تجویز کی۔ چنانچہ اپنی ایک تصنیف میں مسئلہ عصمت کبریٰ کے متعلق ذیل کی عبارت لکھی ہے "جان لو! کہ عصمت کے بہت معنے اور بہت مرتبے ہیں۔ ایک معنے سے عصمت تو اس شخص کی مانی جاتی ہے جسکو خدا غلطیوں میں گرنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ دوسرے معنوں میں معصوم وہ شخص کہلاتا ہے جسے خدا گناہوں اور نافرمانیوں اور گمراہیوں اور بدعقیدوں اور شرک وغیرہ اسی قسم کی برائیوں کے ارتکاب سے بچاتا ہے۔ لیکن عصمت کبریٰ ایک ایسے شخص کا خاصّہ ہے جو ایسے مرتبہ پر پہنچگیا ہو کہ اسے کسی امر و نہی کے ماننے اور اسپر عمل کرنیکی پابندی نہ رہی ہو۔ اور جو ہر قصور اور نسیان سے پاک کیا گیا ہو۔ کیونکہ وہ ایک نور ہے جسکے پیچھے اندھیرا نہیں آتا۔ اور وہ ایک صواب ہے جسکے ساتھ کوئی نقص نہیں ہوتا۔ اگر ایسا آدمی پانی کو کہے کہ یہ شراب ہے، یا آسمان کہے کہ یہ زمین ہے یا نور کو کہے کہ یہ دوزخ ہے تو یہ سب کچھ سچ ہے اور اس میں کوئی شبہ و شک نہیں۔ اور کسی شخص کو حق نہیں کہ یہ سوال کرسکے کہ یہ کیوں ایسا ہے۔ اور خدائے مالک الارض کی کتاب میں لکھا ہے کہ جو کوئی شخص کوئی اعتراض کریگا وہ ان لوگوں میں شمار کیا جائیگا جو صراط مستقیم سے روگردان ہوئے۔ کیونکہ یہ امر حق ہے کہ وہی ایک ہے جو اپنے افعال اور اعمال کے لیے کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہو سکتا حالانکہ دوسرے تمام لوگوں سے بلا استثنا انکے افعال و اعمال کے

متعلق باز پرس ہو گی۔ کیونکہ یہ امر حق ہے کہ وہ غیب کے آسمان سے نازل ہوا ہے اور اس کے ساتھ وہ علم ہے کہ اسکی جو مرضی ہو وہی کرے۔ اور اسکے ساتھ عظمت اور قدرت کی افواج ہیں۔ دوسرے تمام لوگوں پر یہ ذمہ واری ہے کہ وہ ان شرائع اور احکام کو جو انہیں دیئے گئے ہیں محکم پکڑیں اور انپر عمل کریں۔ اگر کوئی دوسرا ان احکام سے سرِ مو متجاوز ہو تو اسکے تمام عمل حبط اور ضایع ہو جاتے ہیں"

ہمارے ناظرین اب اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ عصمت کبریٰ کا یہ نرالا مسئلہ سلسلہ بہائیہ میں کیسا ضروری سمجھا گیا ہے۔ اور اسکی تشریح سے جو بہاء اللہ نے کی ہے اسکے اپنے قول و فعل کی ماہیت کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔ معمولی مفہوم عصمت سے تو یہ مراد ہے کہ اس انسان سے گناہ صادر نہ ہو۔ لیکن بہاء اللہ کے مذہب میں عصمت کبریٰ کے یہ معنے ہیں کہ صاحب عصمت کبریٰ عملاً و فعلاً و قولاً جو کچھ چاہے کرے پر کوئی اسکے کیے کو بنظر اعتراض نہ دیکھے نہ اسے گناہ کہے اور نہ اسپر اعتراض ہی کرے۔ اگر وہ علی الاعلان شراب نوشی کرے اور اپنے مریدوں کو کہے یہ پانی ہے جو میں نے پیا ہے تو مریدوں کو حق نہیں کہ جو کچھ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسکو مانیں۔ بلکہ جو کچھ وہ کہتا ہے اسپر ایمان لائیں اور اپنی آنکھوں کی بصارت سے کام نہ لیں۔ یعنی اندھے بنکر جو کچھ وہ کہتا جائے مانتے چلے جائیں۔ صاحب عصمت کے ذمہ پر ایک فرض جو ابد ہی کا باقی رہتا ہے۔ لیکن صاحبِ عصمت کبریٰ ہر ایک قید اور پابندی سے آزاد خود مختار اپنے ارادوں کا آپ مالک ہے اور اسکے ذمہ کسی کا کوئی فرض نہیں بلکہ اسکا فرض دوسروں کے ذمہ ہے کہ وہ اسکے ہر ایک قول و فعل پر خواہ کیسا ہی صریح اعتراض کے قابل اور واقعات اور بصیرت کے خلاف کیوں نہو آنکھیں بند کرکے اسے مانتے چلے جائیں اور ایک حرف بھی چون و چرا کا منہ سے نہ نکالیں۔ عصمت کبریٰ اور معمولی عصمت یعنی بہاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام میں یہ فرق ہے جو بہاء اللہ نے بتایا ہے

اور جیسا اسکے مرید عامل اور معتقد ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بہاء اللہ کی عملی اور اخلاقی حالت کیسی تھی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ عصمت کبریٰ کے مسئلہ کو جس طور پر اس نے بیان کیا ہے وہ ایک قابل نفرت عقیدہ اور اباحت کے دروازوں کو کھولنے والا ہے۔ ایک شخص کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ عصمت کبریٰ کا عقیدہ سکھلانیکی وجہ یہ تھی کہ تا وہ اپنے مریدوں پر اپنے عیوب کو بے عیبی اور اپنے قصوروں کو بے قصوری اور اپنے گناہوں کو بے گناہی ظاہر کرے اور نقادی کے مادہ کو انہیں دبا دیا جاوے۔ اس مسئلہ سے بہائی لوگونکو اسکے مخالفین کے اعتراضوں کا جواب دینا بھی انکے نزدیک آسان کر دیا گیا۔ خصوصاً بابی فرقہ کے ان لوگوں کو تو وہ اچھی طرح جواب دے سکتے ہیں جو بہاء اللہ کے دعوٰنکو نہیں مانتے اور اسکے حالات پر اعتراض کرتے ہیں۔ انہیں یہی جواب ابتدا ہی میں دیدیا ہے کہ بہاء اللہ کی حالت پر کوئی حرف گیری ہو سکتی ہی نہیں۔

اس سلسلہ کے مضامین میں سے آخری مضمون باب اور بہاء اللہ کے دعاوی کے پیشکردہ ثبوت کے متعلق ہوگا جسکے بغیر یہ سلسلہ نامکمل رہتا ہے اور امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ رسالہ میں یہ مضمون درج ہوگا۔

مختصر نوٹ اور ریویو

قرآن کریم کی تفسیر کے اس تفسیر کے بتیس صفحے ماہوار ریویو آف ریلیجنز کے ساتھ بطور ضمیمہ شایع ہوتے تھے۔ چنانچہ جنوری تک یہ اوراق خریداران ضمیمہ کی خدمت میں پہنچتے رہے ہیں۔ مگر مختلف وجوہات کے باعث جن میں بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ اوراق بغیر سرورق کے شایع ہوتے تھے صدر انجمن احمدیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آیندہ تفسیر القرآن بجائے اس کے کہ بطور ضمیمہ ماہوار شایع ہو سہ ماہی شایع ہوا کرے اور بجائے بتیس

صفحوں کے ساتھ صفحے شایع ہوں اور کتاب کے طور پر شایع ہوں تاکہ خریداران تفسیر کے طور پر اسے محفوظ رکھ سکیں۔ یہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ التزام کیا جاویگا کہ ہر سہ ماہی میں ایک ربع کی تفسیر پوری ہو جایا کرے اور اسطرح سال تمام میں ایک پارہ کی تفسیر خریداران کو پہنچ جاویگی۔ سہ ماہی تفسیر مارچ۔ جون۔ ستمبر اور دسمبر کی آخری تاریخوں کو شایع ہوا کرے گی۔

اسوقت چونکہ جنوری کا ضمیمہ شایع ہو چکا ہے اور نئے انتظام کے بموجب ۳۱ مارچ کو پہلا نمبر نکلنا چاہیئے تھا۔ لہٰذا یہ تجویز کی گئی ہے کہ مقررہ تاریخ پر دو ماہ کا رسالہ چالیس صفحوں کا ناظرین کو پہنچا دیا جاوے اسطرح جنوری کے نمبر کو ساتھ ملا کر یہ پہلے تین ماہ کا رسالہ ہو جاویگا اور اس کے بعد باقاعدہ سہ ماہی شایع ہو گا۔

اس تفسیر کے متعلق میں صرف اخبار بدر سے مندرجہ ذیل نوٹ نقل کر کے اپنے ناظرین سے التماس کرتا ہوں کہ وہ اس سے ضرور فایدہ اُٹھاویں۔ نوٹ حسب ذیل ہے:

"خدائے تعالیٰ کے ان مبارک لوگوں میں سے جنہیں قرآن مجید میں تدبر کرنیکی توفیق دیجاتی ہے اور جنہیں فرقان حمید کے معانی سمجھنے کے لیے فہم سلیم دیا جاتا ہے میرے مخدوم و مکرم مولوی سرور شاہ صاحب بھی ہیں آپنے ایک تفسیر لکھنی شروع کی ہے جو حقایق و معارف کی پیاسی قوم کے لیے انشاء اللہ آب حیات کا کام دینے والی ہے یہ تفسیر ریویو کے ساتھ ماہوار اور اب سہ ماہی شایع ہوا کریگی اگرچہ مولنا موصوف کی یہ تفسیر سراپا نور علیٰ نور ہے مگر زمانہ حال کی ضرورتوں کے موافق دو باتوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ یوں تو سب مسلمان کہا کرتے ہیں کہ قرآن مجید فصیح بلیغ ہے مگر بہت کم مفسرین ہیں جنہوں نے اسے ہر آیت میں ثابت کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس آیت میں جو یہ لفظ اختیار کیے گئے ہیں اور اظہار مراد کے لیے یہ اسلوب کلام جو رکھا گیا ہے تو اس میں یہ حکمتیں اور یہ خوبیاں ہیں مولنا مکرم نے اس بات کو بہت

مد نظر رکھا ہے جسے پڑھ کر ایک خاص لذت حاصل ہوتی ہے۔ دوئم ... مولویصاحب نے اس اعتراض کو (کہ قرآن کریم میں ربط نہیں) عملی رنگ میں اُٹھایا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ پہلی آیت دوسری آیت سے اور پہلا رکوع دوسرے رکوع سے ضرور ربط رکھتا ہے اسکے علاوہ بعض آیات کے معانی کے بیان میں وہ زور طبیعت دکھلایا ہے کہ پڑھنے والا عش عش کر اُٹھتا ہے اور بے اختیار مُنہ سے نکلتا ہے کہ بس یہی معنے تھے جو اس مرد خدا نے بیان کر دیئے۔"

مسیح کی معجزانہ پیدائش اور موت تجلّی میں ایک عیسائی مضمون نگار لکھتا ہے کہ الفاظ قرآنی ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل اٰدم حقیقی معنوں کی رو سے صحیح نہیں کیونکہ "پہلی مرغی اور پہلی بکری بھی آدم کے مثل ہے" مگر مسیح اپنی پیدائش کے لحاظ سے "فرد" ہیں۔ مگر یہ نہیں سوچا کہ بہت سے جانور ایسے ہیں جو بن باپ پیدا ہوتے ہیں مسیح "فرد" کیونکر ہوئے۔ قرآن شریف کی غرض مثال دینے سے یہی ہے کہ اس بات سے کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے مسیح خدا نہیں ہو سکتے بلکہ بشر ہی رہے کیونکہ جو بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوا وہ بھی بشر تھا۔ بن باپ پیدا ہونے سے کوئی فضیلت نہیں ملجاتی۔ پھر لکھتا ہے کہ قرآن کے رو سے مسیح کی موت بھی معجزانہ تھی کیونکہ اس کے متعلق فرماتا ہے "یا عیسیٰ انی متوفیک اے عیسیٰ میں ہی تجھے موت دونگا۔ پس آپ کی موت بھی معجزانہ ہوگئی" یہ عجیب منطق ہے۔ کیا دوسروں کو خدا کے سوا کوئی اور موت دیتا ہے۔ ان الفاظ میں تو صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تُو قتل یا صلیب کی موت سے نہیں مریگا بلکہ خدا تجھے طبعی موت دیگا۔ اسی مضمون میں یہ بھی لکھا ہے کہ "اسلام کا یہ عقیدہ" جو انی متوفیک میں ظاہر کیا گیا ہے "اسکے دوسرے عقاید کیلیے لازمی تھا کہ آپ ہنوز زندہ ہیں مُردہ نہیں" یہ پہلی بات سے بھی عجیب تر ہے۔ مضمون نگار کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا حضرت عیسیٰ قرآن کی رو سے مر نہیں سکیں گے اور

جو طبعی انحطاط انسان پر آتا ہے وہ انپر نہیں آئیگا اور اس لیے وہ طبعی طور پر نہ مرینگے بلکہ خدا ہی انکو موت دیگا۔ چنانچہ آگے لکھا ہے "وہ آپ دو ہزار برس گذر جانے پر بھی بُڈھے نہیں ہوئے اور قیامت تک زندہ رہیں گے" مضمون نویس پر تو یہ افسوس ہے کہ قرآن کریم کی طرف ان عقاید کو منسوب کرتا ہے جو اس میں درج نہیں اور مسلمانوں پر یہ کہ قرآن کریم کے خلاف عقیدہ رکھکر مخالفین اسلام کو حملوں کے کیسے کیسے موقعے دیتے ہیں۔

مادّیت و دہریت کی تردید اس نام کا ایک رسالہ پر کاش دیدجی پرچارک براہمو دھرم نے شایع کیا ہے جو دراصل مس فریمین کلارک صاحب کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس رسالہ کے چار حصّے یا چار باب ہیں "(۱) ہم کیونکر جانتے ہیں کہ ہم روح رکھتے ہیں (۲) ہم خدا میں کیوں یقین کرتے ہیں (۳) منکر خدا کی کائنات کی بابت تھیوری یعنی خیالات (۴) کمل اور ناکمل وحدانیت" ان چاروں باتوں پر عقلی رنگ میں بحث کی ہے۔ اس زمانہ میں جب ہر طرف مادّیت اور دہریت کا زور ہے ایسی کتاب کے مفید ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا اگرچہ ساتھ ہی ہم یہ بھی کہیں گے کہ خدا کی ہستی کا اصلی ثبوت اور اسپر کامل یقین سوائے سلسلہ انبیاءؑ کے ہرگز نہیں ملتا۔ عقلی دلایل ہمیں دائرہ احتمال سے آگے نہیں لے جا سکتیں۔

کتاب ایک سو صفحے کی ہے کاغذ اور چھپائی عمدہ ہے۔ قیمت ۴ر دو اور چھوٹے چھوٹے رسالے جن میں ایک کا نام روحانی گلدستہ ہے اور دوسرے کا ایشور ایک غیر فہیم مادّی طاقت ہے یا فہیم زندہ پرش۔ قیمت فی رسالہ ار اسی پتہ پر یعنی براہمو دھرم پرچار آفس لاہور سے مل سکتے ہیں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے :. لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ | بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۸ء | نمبر ۳

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - مارچ سنہ ۱۹۰۸ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عا

صدر انجمن احمدیہ قادیان

یہ انجمن اس وقت حسب ذیل کام کر رہی ہے۔

(۱) اشاعت اسلام۔ اس غرض کے لیے رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی میں جاری کیا گیا ہے جس کی ایک کثیر تعداد یورپ اور امریکہ اور جاپان میں مفت بھیجی جاتی ہے۔ اس خرچ کے پورا کرنیکے لیے یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ سب احباب جو اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں اعانت کا کچھ نہ کچھ چندہ دیں یا اپنے خرچ پر ایک ایک دو دو چار چار دس دس رسالے باہر بھجوادیں فی رسالہ جو باہر بھیجا جائے چندہ للعہ سالانہ ہے۔ مگر انگریزی رسالہ کی قیمت ہندوستان کے لیے للعہ رسالانہ ہے۔ بعض کتب انگریزی میں طبع کرکے اسی غرض کیلیے مفت تقسیم کیجاتی ہیں۔ رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو میں بھی شایع ہوتا ہے جسکا چندہ عاؔر سالانہ ہے۔ ان احمدی احباب کو جو استطاعت رکھتے ہیں چاہیئے کہ اس رسالہ کو خریدیں اور پڑھیں کیونکہ اس میں نہایت قیمتی اور اہم مضامین درج ہوتے ہیں اور ہر قسم کے اعتراضات اور وساوس دُور کیے جاتے ہیں۔ ان مضامین سے واقفیت حاصل کرنا ہر ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ سب احباب کا فرض ہے کہ علاوہ خود خریدار بننے کے اس رسالہ کی خریداری کی تحریک اپنے احباب مین بھی کریں۔ رسالوں کے علاوہ اس مد کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی ہے جس میں حضرت اقدسؑ اور بعض احباب کی تصانیف اور بعض مفید اسلامی کتب فروخت کی جاتی ہیں۔

(۲) تعلیم دینی و دنیوی۔ اس غرض کے لیے ایک مدرسہ انگریزی انٹرنس تک

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

بابی مذہب - ۵

باب اور بہاء اللہ کے دعاوی کا پیشکردہ ثبوت

ہم اب بڑے اہم اور ضروری سوال پر آپہنچے ہیں جو ہر ایک مذہب پر عائد ہوسکتا ہے. یعنی کہ کوئی مذہب اپنے دعویٰ کی صداقت میں کیا ثبوت پیش کرتا ہے. ہم اس مضمون میں باب اور بہاء اللہ کے دعاوی کے متعلق اس ثبوت پر بحث کریں گے جو ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے. اور ناظرین پر اس بات کا فیصلہ چھوڑتے ہیں کہ وہ ثبوت دعویٰ کو کہاں تک مستحکم اور مضبوط کرتے ہیں. مگر ہم یہ ابتداءً جتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جتنا عظیم دعویٰ ہوگا اتنا ہی اسکا ثبوت مضبوط بکار ہوگا. اور پیشکردہ ثبوت کا طرز استدلال دعویٰ کے مطابق ہونا چاہیئے سو اس بارہ میں یاد رکھنا چاہیئے کہ بہاء اللہ نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ ایک نئے مذہب کا بانی ہے جس نے صرف پہلے مذاہب ہی کو منسوخ نہیں کیا بلکہ پہلے تمام انبیاءؑ سے وہ ایسا بڑھکر ہے کہ اس کا ظہور خود اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے. اور جس خدا نے گذشتہ زمانہ میں انبیاءؑ اور رسل بھیجے تھے اب وہ گویا خود ہی انسانی جامہ پہنکر آگیا ہے. اس لیے اگر پہلے مذاہب اپنی صداقت دعویٰ کو معجزات اور پیشگوئیوں سے ثابت کرسکتے تھے تو ایسے دلایل بہاء اللہ کے دعویٰ کی صداقت کے لیے کافی وشافی نہیں ہوسکتے. بہاء اللہ کے دعویٰ کو یسوع مسیح کے دعویٰ

سے مقابلہ کرسکتے ہیں جس کے معجزات جو اناجیل میں ذکر کیے گئے ہیں اگر ہم مان لیں کہ واقعی وقوع میں آگئے تھے۔ تو بھی ثابت نہیں کرسکتے کہ وہ یعنی یسوع مسیح خدا تھا۔ ان سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ محض انسان تھا۔ اور اس میں ذرا بھر بھی خصوصیت نہ تھی بلکہ وہ اور بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح بشر رسول تھا کیونکہ اس کا بڑے سے بڑا معجزہ مُردوں کو زندہ کرنا تھا اور وہ بھی اسرائیلی انبیاء کی گذشتہ تاریخ میں اپنی نظیر رکھتا تھا۔ نہیں۔ بلکہ مسیح کے معجزات سے بڑھ چڑھ کر گذشتہ انبیائ کے معجزے مذکور ہیں لہٰذا اگر یسوع نے اور انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر کچھ نہیں دکھلایا اور اس کی قدرت کا کوئی نمونہ جو اور بشر رسول سے بڑھ کر ہو۔ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تو اسکو اسکے ثبوت کے مطابق صرف بشر رسول مان سکتے ہیں اس سے بڑھکر نہیں کیونکہ اور انبیاء جو عند الفریقین بشر تسلیم کیے گئے ہیں انہوں نے بھی یہ معجزات بلکہ انسے کئی درجہ بڑھکر دکھلائے ہیں جو عہد عتیق میں بتصریح مذکور ہیں۔ اس مقابلہ سے ہماری یہ غرض نہیں ہے کہ باب اور بہاء اللہ کی طرف سے محکم دلایل پیش کیے گئے ہیں جو انکو رسالت کا تاج تو پہناتے ہوں مگر خدائی تک نہ پہنچا سکتے ہوں۔ ناظرین کو خود معلوم ہو جائیگا کہ بابی مذہب کے دونوں بانیوں کے دعووں کی تائید میں کوئی قابل ذکر ثبوت نہیں بیان کیا گیا اور باب اور بہاء اللہ کے بڑے دعووں کی تمام عمارت صرف محض چند ڈھکوسلوں پر اور نہایت ہی رکیک تاویلوں پر تعمیر کی گئی ہے جنکو پڑھکر ہنسی آتی ہے۔

پہلے ہم باب کے دعویٰ کو لیتے ہیں۔ ہمارے سامنے اس قسم کی کوئی شہادت نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ علی محمد نے اپنے لیے کوئی دلایل بھی پیش کیے تھے۔ البیان ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے اور بابی فرقہ کی پچھلی تصنیفات جن میں بہاء اللہ کی کتابیں بھی شامل ہیں باب کے کسی معجزہ دکھانے یا اس کی کسی پیشگوئی کے پورا ہونیکی طرف کچھ اشارہ نہیں کرتیں۔ ہاں اس میں صرف ایک پیشگوئی بیان کی گئی ہے جو بہاء اللہ کے ظہور کی بابت ہے اور وہ

پیشگوئی بھی اپنی طرز میں اور بہ سبب اسکے کہ وہ شک وشبہ سے پاک نہیں ہے اور
اس قابل ہی نہیں کہ اسکو وہ مرتبہ دیا جاوے جو ان پیشگوئیوں کو دیا جاتا ہے جنسے قطعی اور
یقینی شہادت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے مسلوب الیقین ہونے پر بڑی دلیل یہ ہے
کہ اس زمانہ کے بہت سے بڑے بڑے بابیوں نے بہاء اللہ کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا اگر باب
کی پیشگوئی صاف ہوتی تو پھر انکو بہاء اللہ کے رد کرنیکی ہرگز گنجایش نہ تھی اسلیئے یہ دلیل
مفید مطلب نہیں ہوسکتی۔ خود بیان میں بھی کوئی پیشگوئی نہیں ہے سوائے اُس پیشگوئی
کے جو اوپر بیان کی گئی ہے پس باب اور بابیوں کی تحریریں بابی مذہب کے بانی کے دعویٰ
کی دلیلوں اور ثبوت سے ساکت ہیں۔ باب کے ایک پُرجوش اور عالی معتقد نے باب کا صرف
ایک ہی معجزہ بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسکے قتل کے وقت باب پر جو گولیاں چلائی
گئی تھیں وہ اسپر اپنا اثر نہیں کر سکیں۔ لیکن ایک واقعہ نے اس معجزہ پر بھی پانی پھیر دیا
ہے۔ کہتے ہیں کہ جب اسکے قتل کا حکم صادر ہوا۔ تو اسکو ایک رسّے سے باندھ کر لٹکایا گیا تھا
اور ایک دستہ فوج کو حکم دیا گیا کہ اسپر فائر کریں اسکا ساتھی تو مر گیا۔ مگر گولیاں اس تک
نہیں پہنچیں۔ اور اس واقعہ کو ایک بڑے معجزہ کی شکل میں دکھایا جاتا ہے۔ مگر گولیوں نے
اُن رسّیوں کو توڑ دیا جن کے ساتھ وہ بندھا ہوا تھا۔ اور دھوئیں کی تاریکی میں باب نے
چھپنے کی کوشش کی۔ مگر دھواں جلدی دُور ہو گیا اور وہ بھاگتا ہوا دیکھا گیا اور اپنی پہلی
جگہ پر واپس لایا گیا اور دوسرے فائر نے اسکا کام تمام کر دیا۔ اس میں کوئی معجزہ نمائی نہیں ہے
باب کا ایک امریکن معتقد اسکے ایک اور معجزہ کی مندرجہ ذیل کہانی بیان کرتا ہے کہ باب نے
اپنے مرنے سے چھ ماہ پیشتر اپنا ایک مختوم خط اپنے ایک مرید مسمی حاجی سلیمان خان کے
پاس بھیجا اور اسکو یہ تعلیم دی کہ اس مُہر کو اسوقت توڑنا جبکہ تجھ پر سخت خوف اور غم طاری ہو جاوے
جب باب کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا اور اس کے اس مرید نے اسکے بندوقوں سے مارے
جانیکی اطلاع پائی تو وہ سمجھ گیا کہ یہ وہی واقعہ ہے جسکی پہلے سے خبر دی گئی تھی اور خط کی

مُہر کو توڑ دیا۔ اور اس خط کا مضمون یہ تھا کہ اس تحریر کی تاریخ سے لیکر چھٹے ماہ بعد باب تبریز میں شہادت کا رتبہ حاصل کریگا۔ یہ تاریخ بعینہٖ اس کے قتل کی تاریخ تھی۔ اور اس خط میں اسکی لاش کے متعلق بھی ہدایات لکھی ہوئی تھیں۔ اس کے مریدرات کے وقت سنتریوں کے پاس گئے جو اس کی لاش پر پہرہ دے رہے تھے۔ جبکہ وہ شہر کی فصیل سے باہر کی خندق میں پڑی ہوئی تھی۔ اور اس کے پاس اس کے رفیق کی لاش بھی تھی۔ انہوں نے سنتریوں کو رشوت دی اور وہ لاشوں کو اُٹھا کر لے گئے۔ وہ سفید ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کے ایک صندوق میں رکھی گئیں اور بعد ازاں طہران کو منتقل کی گئیں۔ اور ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے۔ کہ ایک خانقاہ اور ایک قبر کا کسی اور جگہ انتظام کیا گیا ہے۔"

اس میں اس قصہ یا اس مختوم خط کی صداقت کا ثبوت بالکل نہیں دیا گیا۔ اس مقام پر یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ اگر تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ یہ خط لکھا گیا تھا تو یاد رہے کہ یہ خط اسوقت لکھا گیا تھا۔ جبکہ علی محمد قتل کے لیے گرفتار کیا جا رہا تھا۔ اور اس صورت میں یہ پیشگوئی اٹکل اور ظن سے بڑھکر مرتبہ نہیں رکھتی۔ بہر حال محض ایک شخص کی گواہی پر حالانکہ اس شہادت کی تائید میں اور کچھ ثبوت پیش نہیں کیا گیا ہے اس واقعہ کی صداقت ثابت نہیں ہوسکتی جس سے ایک طالب حق تشفی پا سکے۔ باب کے اور معجزات جو اس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں معجزہ کے نام کی ہتک ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک پورا راسخ الاعتقاد ملّا ایک دفعہ بغرض بحث اور اس کی صداقت کا نشان طلب کرنیکے لیے اس کے پاس گیا مگر اسکی فصاحت پر ایسا لٹو ہوا کہ فوراً اسکا مرید ہو گیا اور پھر اس نے نشان اور معجزہ طلب نہ کیا۔ ایک کی بابت بتلایا جاتا ہے کہ وہ صرف باب یا باب کے بعض شاگردوں کے برخلاف عام لوگوں کی مخالفت دیکھ کر بابی بن گیا تھا۔ ایسے ایسے واقعات کو باب کے معجزات کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اور اس کے مذہب کی سچائی کا ثبوت دیا جاتا ہے۔ علی محمد نے صرف اپنی کتاب بیان کو اپنا معجزہ قرار دیا ہے۔ اُس نے دعویٰ کیا ہے کہ

یہ کتاب معجزہ کے طور پر اس کو ملی ہے اور اس میں خدا کا کلام اور اس کی وحی درج ہے اور تمام دنیا اس کی مانند بلکہ اس کے ایک حرف یا صرف ایک نقطہ کی مانند بھی نہیں بنا سکتی۔ یہ دعویٰ جو کہ قرآن کریم کے دعوے کی نقل ہے حد درجہ کی لغویت تک پہنچایا گیا ہے۔ کیونکہ بیان کے حروف اور نقطے معمولی حروف اور نقطوں سے الگ نہیں ہیں۔ ادب کے لحاظ سے یہ کتاب کسی اعلیٰ پایہ کی نہیں۔ جب علی محمد کے سامنے بیان کی غلطیاں بیان کی گئیں۔ تو اس نے جواب دیا کہ ہم نے الفاظ اور حروف کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے معمولی استعمال سے الگ ہو کر کام دیں۔ پھر جب بہاء اللہ ظاہر ہوا تو اس نے اسی کتاب کو جسے باب لاثانی کہتا تھا محض نکمی اور بیہودہ اور منسوخ قرار دیا اور یہ اعلان کیا کہ ساری بیان اس کے اپنے کلام اور اپنی تحریر مثل کتاب الاقدس وغیرہ کے ایک جملہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی بحر العرفان بابی مذہب کی ایک کتاب ہے اس میں علی محمد کے دعویٰ اور دلایل کو بسط سے ذکر کیا گیا ہے بعض ان میں سے قابل تذکرہ ہیں نہ اس لیے کہ ان سے کچھ واقعی شہادت ملتی ہے بلکہ محض عجوبہ کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔ قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات سے علی محمد کی آمد کا اشارہ نکالا گیا ہے۔ یسئل ایان یوم القیامۃ - فاذا برق البصر - وخسف القمر - وجمع الشمس والقمر - یعنی انسان پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا۔ جب آنکھیں چندھیا جائیں گی اور چاند گرہن واقع ہوگا اور سورج اور چاند (روشنی نہ دینے میں) جمع ہو جائیں گے۔ یہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ کہ یوم القیامۃ سے مراد علی محمد کا ظہور ہے۔ اگرچہ وہی مصنف اسی کتاب کے دوسرے مقام پر یوم القیامۃ سے مراد بہاء اللہ کا ظہور قرار دیتا ہے۔ لیکن ہم اس تھوڑے سے تضاد کی پروا نہیں کرتے۔ بحر العرفان کا فاضل مصنف دعوی سے کہتا ہے کہ علی محمد کا نام کھلے طور سے ان آیات مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے اور تشریح اس کی یوں کی گئی ہے کہ خسف قمر سے مراد اسلامی شریعت کا منسوخ ہونا ہے اور جمع شمس و قمر علی محمد کے نام کے قائم مقام ہے اس طرح پر کہ شمس سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور قمر سے مراد علی ہے۔ اور ان دونوں

کے جمع ہونیسے مراد ایسا آدمی ہے جس کا نام محمد اور علی الفاظ سے مرکب ہوگا۔ اور وہ اپنے ساتھ ایک نئی شریعت لائیگا اس ترجمہ کے لحاظ سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ خسف قمر سے مراد خسف علی ہے کیونکہ اس فقرہ میں جو قمر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد اسلامی شریعت لی گئی ہے۔ گویا بابی تاویلوں کے مطابق ہمیں الفاظ کے معانی کی تتبع نہیں کرنی چاہیئے بلکہ انکے معانی کو اپنے خیال کے ماتحت کر لینا چاہیئے۔ بحر العرفان کے نازک خیال مصنف نے مذکورہ بالا محولا آیات کے بعد مندرجہ ذیل آیات کو لکھکر علی محمد کی آمد کا ایک اور ثبوت پیش کیا ہے یقول الانسان یومئذ این المفر۔ کلا۔ لا وزر۔ الی ربك یومئذ المستقر۔ یعنی اس دن انسان کہیگا۔ بھاگنے کیلیے کہاں جگہ ہے۔ ہرگز نہیں کوئی جائے پناہ نہیں تیرے رب کے حضور ہی اس دن جائے پناہ ملیگی۔ (سورۃ القیامۃ) محولا بالا آیت کے لفظ رب سے مراد علی محمد سے لی گئی ہے۔ اور یہ اس طرز سے ثابت کیا گیا ہے کہ عربی لفظ رب کی عدد جمل کے لحاظ سے دو سُو دُو عدد ہوتے ہیں۔ اور عدد جمل کے حساب سے علی محمد کے عدد بھی ۲۰۲ ہوتے ہیں جس سے صاف منطقی نتیجہ نکل آتا ہے کہ رب سے مراد علی محمد ہے ایک بابی کے لیے اس سے بڑھکر اور کیا پکی دلیل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ عدد جمل کے حساب سے ثابت کر دیا گیا ہے۔

مصنف بحر العرفان جمع شمس و قمر اور رب سے مراد علی محمد لینے میں بہت ہی اصرار کرتا ہے۔ اب ایک جگہ تو شمس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور قمر سے مراد علی۔ پر دوسری آیت میں قمر سے مراد اسلامی شریعت ہے اور یہ دونوں آیات باہم پیوستہ ہیں اور سیاق سباق ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ ہر دو کے معنے الگ الگ کیے جاویں۔ ایسے ایسے دلایل اور حجج صرف ان آیات سے ہی اخذ نہیں کیے گئے جن میں کہ قیامت کا ذکر ہے بلکہ بعض اور آیات سے بھی بابی مصنف نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ مثلاً سورہ بنی اسرائیل کی آیات مندرجہ ذیل اقم الصلوٰۃ لدلوك الشمس الی غسق اللیل و قران الفجر۔ ان قران الفجر کان

مشھودًا ومن الیل فتہجد بہ نافلۃً لک۔ عسیٰ ان یبعثک ربک مقامًا محمودًا
اس کا صاف صاف اور صحیح ترجمہ تو یہ ہے۔ کہ "زوال آفتاب سے لیکر پہلی رات کے اندھیرے تک یعنی جو اوقات زوال آفتاب سے لیکر غسق الیل تک آتے ہیں ان اوقات میں نماز پڑھا کر (یعنی ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشا کے وقتوں کی نمازیں) اور صبح کی نماز میں قرآن پڑھا کر۔ صبح کے قرآن سننے کیلیے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور رات کو اُٹھ اُٹھ کر نماز پڑھا کر یہ تیری زائد ترقی کا موجب ہوگی۔ قریب ہے کہ تیرا رب تجھکو مقام محمود پر پہنچا دیوے"۔ لیکن بحر العرفان کا بابی مصنف ان آیات سے بھی علی محمد کی آمد نکالتا ہے اور زور سے کہتا ہے کہ ان آیات میں علی محمد کا بتصریح ذکر موجود ہے۔ اس کے نزدیک پہلی آیت کے یہ معنے ہیں کہ سنہ ۱۲۶۱ ہجری تک اسلامی شرع کے مطابق نماز پڑھنی چاہیئے۔ اور اس کے بعد اسلامی شریعت منسوخ ہو جائیگی اور نوع انسان کیلیے ایک نئی شریعت آئیگی اور اس وقت کی نمازیں اس شریعت کے مطابق ہونگی۔ ولوک الشمس سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مبارک ہے اور غسق الیل سے مراد اس شریعت کا دنیا سے چلے جانا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ اور اسلامی شریعت کے منسوخ ہونیکی تاریخ غسق الیل میں بتائی گئی ہے۔ مگر یہ تاریخ بابی ترجمہ کی عینک سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ عدد جمل کے حساب سے غسق الیل کے حروف کے عدد ۱۲۳۱ ہوتے ہیں اگر وہ عدد قرآن شریف کے رسم الخط کے مطابق الیل میں ایک لام لیا جاوے۔ اور اگر بحر العرفان کی تحریر کے مطابق پڑھا جاوے تو اس کے ۱۲۶۱ عدد ہوتے ہیں۔ لہذا غسق الیل کے معنے ۱۲۶۱ قمری سالوں کا گذرنا ہے اور اگرچہ ایک طرف اسکی ابتدا رسول اللہ صلعم کی وفات سے قرار دی گئی ہے۔ مگر سنہ کا شمار کرتے وقت ابتدا ہجرت نبوی سے لی گئی ہے۔ ان تمام بے سرو پا تجاویز کی مدد سے سنہ ۱۲۶۱ ہجری کو وہ سال قرار دیا گیا ہے جس میں اسلامی شریعت کو علی محمد کی شریعت سے منسوخ مانا گیا ہے۔ مگر علی محمد کا دعویٰ اس سے بھی تین سال بعد ظہور میں آیا۔

درحقیقت قرآن کریم کی کوئی آیت نہیں جس پر بابی کا ہاتھ لگے اور پھر وہ اس آیت سے علی محمد کے ظہور کا نتیجہ نہ نکالے۔ مثلاً ان آیات کو لو جنسے سورۃ الرحمٰن شروع ہوتی ہے۔ الرحمٰن ۔ علم القرآن ۔ خلق الانسان ۔ علمہ البیان ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ رحمٰن نے قرآن سکھایا۔ اس نے انسان کو پیدا کیا اور اسکو بولنا سکھایا۔ مگر بابی تاویل یہ ہے کہ انسان سے مراد علی محمد اور بیان سے مراد اس کی تصنیف ہے۔ پھر الشمس والقمر بحسبان ۔ یعنی سورج اور چاند اپنے وقت پر کام کر رہے ہیں اس کے معنے بابی ترجمہ کے مطابق یہ ہیں کہ علمار اہل اسلام بوجہ علی محمد کے قبول نہ کرنے کے دوزخ میں ڈالے جاویں گے ۔ والنجم والشجر یسجدان ۔ پودے اور درخت خدا کی فرمانبرداری میں ہیں ۔ بابیوں کے نزدیک اس کے یہ معنے ہیں کہ عام لوگ علی محمد کے دعویٰ کو تسلیم کریں گے ۔ والسماء رفعھا و وضع المیزان ۔ یعنی اس نے آسمان کو بلند کیا اور میزان مقرر کی۔ مگر بابی تاویل کی رو سے اس کے یہ معنے ہیں کہ اسلامی شریعت اٹھ جائے گی اور نئی شریعت اور میزان اس کی جگہ لے لیگی۔

قرآن شریف کی سورتوں کے شروع میں جو مقطعات ہوتے ہیں یہ بھی بابیوں کے نزدیک علی محمد کی طرف ایما کرتے ہیں ۔ مثلاً سورۃ الشوریٰ حٰمٓ ۔ عٓسٓقٓ سے شروع ہوتی ہے ۔ مؤلف بحر العرفان خیال کرتا ہے کہ ان پانچ حروف میں علی محمد کا نام صاف اور صریح طور پر بتلایا گیا ہے۔ حٰمٓ سے مراد محمد اور عین سے مراد علی اور سین سے سید اور قاف سے قایم لی گئی ہے ۔ پس ان پانچوں حروف مقدمہ سے مراد یہ ہوئی کہ علی محمد امام منتظر ہے ۔ ہم امید کرتے ہیں ۔ کہ ناظرین ان مثالوں سے ان دلایل کا اندازہ لگا لیں گے جو علی محمد باب کی صداقتِ دعویٰ میں بطور ثبوت پیش کیے جاتے ہیں ۔

شیعوں میں حدیث کا ذخیرہ چونکہ کسی تنقید کے ماتحت نہیں آیا اس لیے اس میں بہت سی روایتیں واہیات اور لغو قصہ کہانیوں سے پُر ہیں ایسے بُرے اور بے تکے

مجموعہ ہیں۔ بعض الفاظ کو کسی خاص دعویٰ پر چسپاں کر لینا کچھ مشکل امر نہیں۔ چنانچہ علی محمد کے مریدوں نے ایسا کیا ہے۔ مثلاً ان روایات میں سے بعض ایسی بیان کی گئی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام فارس میں پیدا ہوگا۔ اور اس کا نام محمد اور علی سے مرکب ہوگا وہ نئی شریعت لائیگا اور دعویٰ مہدویت کرنیکے بعد سات سال تک زندہ رہیگا۔ اب ان چند باتوں کو تو علی محمد کے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے مگر اسی ذخیرہ میں ہزارہا اور بھی ایسے نشانات ہیں جو علی محمد کے دعویٰ کے عین متضاد ہیں۔ انکا ذکر تک بھی نہیں کیا جاتا۔ بہرحال ان احادیث سے باب کے دعویٰ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

مگر بابی مذہب میں بہاء اللہ کے دعاوی زیادہ تر شہرت رکھتے ہیں اور بابی مذہب کی دلچسپی کا زیادہ تر انحصار انہی دعاوی پر ہے۔ یہاں بھی ثبوت برائے نام ہے اور اسی قسم کا ہے جیسا باب کے دعاوی کے متعلق پیش کیا گیا ہے۔ بالخصوص بائبل کی پیشگوئیوں کے مطابق وقت کے شمار پر زیادہ زور دیا گیا ہے دانیال کے بارھویں باب میں اس قسم کی بعض پیشگوئیاں ہیں۔ مثلاً گیارھویں آیت میں جو ۱۲۹۰ دن کا ذکر کیا گیا ہے اس سے توڑ مروڑ کر یہ مراد بابیوں نے لی ہے کہ اس سے مذہب اسلام کی ابتدا سے لیکر ۱۲۹۰ قمری سال مراد ہیں اور پھر یہ کوشش کی ہے کہ کسی نہ کسی طرح وقت شمار ایسا کیا جاوے جو بہاء اللہ کے دعویٰ کے وقت کے ساتھ منطبق ہو اس میں شک نہیں کہ بائبل کا شمار بحساب قمری سالوں کے ہے جب ۱۲۹۰ قمری سالوں کو شمسی سالوں میں تبدیل کیا جاوے اور پھر اس میں ۶۲۲ سال اور بڑھا دیئے جاویں یعنی ان سالوں کو شامل کیا جاوے جو مسیح سے لیکر ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کا زمانہ ہے۔ تو عیسوی سنہ ۱۸۷۳ ہوتا ہے لیکن بہاء اللہ نے ۱۸۶۳ء میں دعویٰ کیا اور یہ دس سال کا فرق ہے اس نقص کو اس طرح پر دور کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ مذہب اسلام کی ابتدا سنہ ہجری سے دس سال پیشتر لی گئی ہے اور اس طرح پر پیشگوئی کے سال کو بہاء اللہ کے دعویٰ کے سال کے ساتھ منطبق کیا گیا

ہے مگر واقعی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے مدینہ میں ہجرت فرمانا آپکے دعویٰ رسالت سے تیرہ سال بعد واقع ہوا ہے۔ بموجب اس شمار کے ہم ۱۸۶۰ء تک پہنچتے ہیں اور اس طرح پر اس شمار کا سارا تار و پود بگڑ جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ پیشگوئیاں آخری موعود کے ظہور کے وقت کا صرف اندازہ ظاہر کرتی ہیں اور انکو ٹھیک طور پر سالوں اور مہینوں پر منطبق کرنا عبث کوشش ہے۔

مکاشفات کا بارھواں باب بھی انہی نتائج کی تائید میں پیش کیا گیا ہے جو دانیال کے بارھویں باب سے اخذ کیے گئے ہیں۔ دراصل یہ تمام تشریحات بہاء اللہ نے نہیں کیں بلکہ اس کے مریدوں نے کی ہیں پیران نمی پرند۔ مریدان می پرانند۔ اور مدعی سست گواہ چست کا معاملہ ہے۔ وہ عورت جس کا ذکر بارھویں باب کی پہلی آیت میں ہے۔ اسکو ایسا ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا اس کا لباس شمسی ہے اور قمر اس کے پاؤں تلے ہے اور اسکے سر پر بارہ ستاروں کا تاج ہے۔ بابی اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد مذہب اسلام ہے اور شمس اور قمر سے مراد دو عظیم الشان اسلامی سلطنتیں ہیں یعنی ایران اور روم کیونکہ سورج فارس کا نشان ہے اور چاند (ہلال) ٹرکی یعنی سلطان روم کا نشان ہے اور بارہ ستاروں سے مراد بارہ امام لیے گئے ہیں جن کو فرقہ شیعہ تسلیم کرتا ہے۔ شاید اسی طرح اژدہا اور اس کے سروں اور سینگوں کی بھی کچھ تاویل کی جا سکتی تھی۔ لیکن ایسی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ پھر چھٹی آیت کے ۱۲۶۰ دنوں کو لیکر شمسی سالوں میں تبدیل کیا گیا ہے اور اس طرح وقت کو ۱۸۴۴ء عیسوی کے مطابق کیا گیا ہے۔ مگر ۱۲۶۰ قمری سالوں کا ابتدا اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے سال کو قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلی پیشگوئی میں جب ۱۲۹۰ سالوں کا شمار کیا گیا تھا تو ابتدا آنحضرت صلعم کے دعویٰ سے لیگئی تھی۔ چونکہ غرض صرف پیشگوئیوں کو ان دعاوی پر چسپاں کرنا ہے اس لیے جس طرح جہاں چسپاں ہو سکے اسی طرح کر لی جاتی ہے اور کسی قاعدہ کی پابندی ضروری خیال نہیں کی جاتی۔ اسی طرح چودھویں آیت میں "ایک وقت۔ اوقات اور آدھا وقت"

سے بھی مراد چھٹی آیت کے ۱۲۶۰ سال لیے گئے ہیں وہی عبارت دانیال کے بارھویں باب کی ساتویں آیت میں ہے۔ ان الفاظ کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ ہر ایک انیس سال کے بعد چاند اپنا ایک دَور پورا کرتا ہے۔ انیس سال کا مربع ۳۶۱ ہوتا ہے لیکن ہر ایک قرن چونکہ ۱۹ سال سے کچھ کم کا ہوتا ہے اس لیے ایک سال الگ کر دیا گیا ہے اور اس طرح تین سو ساٹھ (۳۶۰) سال کا قرن بنجاتا ہے۔ بائبل کی زبان میں اسے "ایک وقت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور "اوقات" سے مراد دو ایسے وقت یعنی ۷۲۰ سال ہیں۔ اور نصف وقت برابر ہے ایک سو اسّی (۱۸۰) سال کے۔ اس طرح ہر سہ کو جمع کرنے سے ۱۲۶۰ سال ہوتے ہیں۔ یہ ۱۲۶۰ سال باب کے ظہور کا وقت بتانیکے لیے خیال کیے گئے ہیں۔ جو بہاء اللہ کا ایک پیش خیمہ تھا۔ اور ۱۲۹۰ دن یا سال مطابق دانیال باب ۱۲۔ آیت ۱۱ گویا خود بہاء اللہ کے ظہور کو بتاتے ہیں۔ اس شمار کے مطابق چاہیئے تھا کہ بہاء اللہ باب سے تیس سال بعد اپنا دعویٰ شایع کرتا۔ لیکن درحقیقت ہر دو کے درمیان صرف انیس سال کا فرق تھا۔ پس بابیوں کی یہ ساری محنت جو پیشگوئیوں کے سالوں کو باب اور بہاء اللہ کے دعاوی کے سالوں کے ساتھ منطبق کرنیکے لیے تھی رائگان گئی۔

بائبل کی پیشگوئیوں کی یہ تشریح جو بابی کرتے ہیں عیسائی صاحبان کی تشریح سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہاء اللہ کی بتائی ہوئی تشریحات نہیں بلکہ کسی اس کے مرید امریکن عیسائی کا کام ہے۔ یہ ایک واقعی امر ہے۔ کہ تمام عیسائی دنیا سمجھتی ہے کہ یسوع مسیح کی آمد ثانی کے تمام نشانات وقوع میں آچکے ہیں۔ اور اسکی آمد کا ٹھیک وقت شمار کرنیکے لیے بہت سی کوششیں کی گئی ہیں۔ ایک مترجم نے ۱۸۶۸ء کو اس کی آمد کا سال قرار دیا تھا۔ جب وہ تاریخ گذر گئی اور کوئی آنیوالا نہ آیا تو ایک کتاب میں جو کہ بائبل کی پیشگوئیوں کی تاویل کے متعلق تھی یہ ظاہر کیا گیا کہ پیشگوئیوں کے مطابق مسیح کی آمد ثانی ۱۸۷۳ء میں ہوگی پھر جب وہ وقت بھی گذر گیا تو ایک تیسری کتاب میں جو چاند کے دوروں کی بنا پر لکھی گئی تھی یہ اعلان کیا گیا کہ مسیح کی آمد ۱۸۹۸ء سے پیچھے نہیں پڑیگی۔ ضرور اس سال واقع ہو جاویگی۔

اور یہ ہرگز نہ ہوگا کہ ۱۸۹۵ء گذر جاوے اور آنیوالا مسیح نہ آوے۔ یہ انہی مصنفوں کی محنتوں کا ثمرہ ہے جس کو اب ایک بابی امریکن مصنفہ اپنی محنت کے نتایج ظاہر کرکے بہار اللہ پر چسپاں کر رہی ہے اور ان دلایل کو بہار اللہ کے مشن کی صداقت کا ثبوت قرار دیتی ہے۔ انہی تشریحات میں جو عیسائی مصنفین کر چکے تھے تھوڑے تھوڑے تغیر جو انکو بہار اللہ کے دعاوی پر چسپاں کرنے کے لیے ضروری سمجھے کرکے اب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ بہار اللہ کے دعاوی کا ثبوت ہیں مگر سوال ابھی تک ویسے کا ویسا ہے آیا بہار اللہ نے خود بھی اپنی صداقت کا کوئی ثبوت دیا ہے یا نہیں؟ افسوس سے ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ ایسا کوئی ثبوت نہیں دیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بعض موقعوں پر دعویٰ کرتا ہے کہ مَیں نشانوں کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور ایک جگہ پر کہتا ہے۔ کہ وہ خدا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ سینا پر ہمکلام ہوا تھا مجھ پر بڑے بڑے نشانوں کے ساتھ ظاہر ہوا ہے جن کے مقابلہ میں وہ تمام جو آسمانوں اور زمین میں ہیں بالکل کمزور اور ہیچ ہیں۔ (کتاب الاقدس صفحہ ۱۰۱) لیکن وہ نشانات اسی قسم کے ہونگے جیسا کہ مذکورہ بالا دلایل اور ثبوت ہیں۔ کیونکہ ہمیں اس کی کتابوں سے اسکے کسی نشان کا پتہ نہیں ملتا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بار بار گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنے اعداء کیلیے انذار اور اپنے احباب کے لیے تبشیر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے اعداء ذلیل اور خوار ہونگے اور دربدر ہونگے اور میرے احباب خوش و خرم اور کامیاب ہونگے مگر یہ تمام کہنے کی باتیں تھیں جو کبھی پوری نہیں ہوئیں اور انکا پورا نہ ہونا ہی مذہب بابی کے بطلان کیلیے کافی ہے۔ یہ سچ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اعداء کیلیے کہا اور اپنے دوستوں کے لیے بشارتیں دی ہیں مگر ایسی اخبار آپ کی حیات میں ہی کامل طور سے وقوع میں آچکی ہیں ایسی کہ دنیا کو گنجایش نہیں کہ انکا انکار کر سکے۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے آپکے تمام دشمن جو جزیرۂ عرب میں تھے ہلاک کر دیے گئے بلکہ تمام جزیرہ توحید کے ڈنکے سے گونج اُٹھا یہانتک کہ آپنے خود ارشاد فرمایا کہ ایس الشیطان ان یعبد فی العرب۔ مگر باب اور بہار اللہ

کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں اور پوری نہیں ہوئیں۔ اس سوال پر کہ نبی کا کیا مشن ہوتا ہے غور کرنیسے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ ہر ایک نبی کی رسالت کی غرض مختصر طور سے اسطرح پر بیان کیجا سکتی ہے۔ کہ اس کا یہ دعویٰ ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک ایسے راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسپر چلنے والے ابدی خوشی حاصل کر سکیں گے۔ اور جس سے مُنہ موڑنیوالے ہمیشہ کیلیے نجات سے محروم رہ جائیں گے اور اپنے لیے دُکھ کی زندگی کو خرید لیں گے۔ اب یہ دعاوی ایسے ہیں جن میں کاذب بھی صادقوں کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا طالب حق کو پہلے بڑی ضرورت یہ محسوس ہوتی ہے کہ کوئی صاف معیار ہونا چاہیئے جس سے صادق مدعی کاذب سے بالکل ممتاز ہو جاویں۔ قرآن شریف اس امتیاز کیلیے یہ معیار قرار دیتا ہے۔ کہ خدا کے صادق بندے جو اس کے فرستادہ پر ایمان لا کر اس کی اتباع کامل طور پر بجا لاتے ہیں وہ انکو وعدہ دیتا ہے کہ وہ اسی دنیا کی زندگی میں اپنے اعدا پر کامیاب ہو جائیں گے اور انکو رد کرنیوالے اور مخالف انکے سامنے ذلیل وخوار ہو جائیں گے اور یہ تبشیر اور انذار کے وعدے قبل از وقت کیے جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں کرکسی عاقل کی عقل فتویٰ نہیں لگا سکتی کہ یہ کبھی پورے بھی ہو جائیں گے کیونکہ اسوقت وہ بے بس اور بیکس ہوتے ہیں۔ نہ انکے پاس لشکر ہوتا ہے نہ دولت۔ وہ خود نہیں بولتے۔ بلکہ وہ بولتا ہے جسکے قبضۂ قدرت میں تمام اشیا ہیں۔ اور چونکہ خدا اپنے وعدوں میں بڑا سچا ہے اس لیے اسکی کہی ہوئی باتیں پوری ہو کر ہی رہتی ہیں کوئی نہیں کہ انکو ٹلا سکے۔ اور اسطرح پر وہ دونوں جماعتوں کے لیے یعنی احباب اور اعدا ر کیلیے ایک عظیم الشان معجزہ بنجاتی ہیں ایسا معجزہ کہ اسکا ثانی بمشکل دنیا میں نظر آسکتا ہے۔ اور یہ خدا کی باتیں جو وہ اپنے بندوں پر نازل کرتا ہے انکی زندگی میں ضرور پوری ہو جاتی ہیں اور اپنا ثمرہ اس جہان میں ہی دکھا دیتی ہیں دشمن ہلاک کر دیئے جاتے ہیں اور دوست کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ ہے معیار جس سے صادق نبی کاذب مدعی سے ممتاز کیا جاتا ہے دونوں اپنے دوستوں کو تبشیر کرتے اور اعدا ر کو

ہلاکت کے وعید سناتے ہیں مگر باتیں پوری اسی کی ہوتی ہیں جس سے خدا ہمکلام ہوتا ہے۔ اور اسطرح پر خدا اپنے فعل سے اسکو سچا قرار دیتا ہے۔ وکفیٰ باللہ شہیداً۔ اور وہ جو اپنی ہی طرف سے کہتا ہے اور اپنے مُنہ کی باتیں خدا کی طرف منسوب کرتا ہے ناکام اور خائب و خاسر رہتا ہے اور اسکی باتیں بالکل پوری نہیں ہوتیں۔ اور اسطرح پر خدا کی فعلی شہادت اسکے کاذب ہونے پر مُہر لگا دیتی ہے۔

اگر بہاراللہ کو اس معیار اور کسوٹی پر پرکھا جاوے تو عین معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں صادق نہ تھا۔ وہ اپنے مذہب کو صادقوں کے لیے برکت اور بدی کرنیوالوں کے لیے ہلاکت اور بربادی۔ اور ماننے والوں کے لیے رحم اور مخالفین کے لیے لعنت اور عذاب قرار دیتا ہے۔ بار بار اسنے اپنے مخالفین کے لیے بد دعائیں کی ہیں اور اپنے دوستوں کے لیے برکات مانگی ہیں مگر اس کی تمام دعائیں وما دعاء الکافرین الا فی ضلال کا مصداق ہوئیں۔ اور کوئی نتیجہ انسے پیدا نہیں ہوا۔ اس نے اپنے مخالفین پر بیشمار لعنتیں کی ہیں مگر اسکی لعنتوں نے اسکے مخالفین پر ذرا بھر بھی اثر نہیں دکھایا اور اسطرح سے دنیا پر ظاہر کر دیا ہے کہ جو وہ بولا تھا وہ خدا کی طرف سے نہ تھا بلکہ خود ہی اسکا اپنا کلام تھا۔ جو اس نے اپنے ہی منہ سے نکالا تھا وہ کتاب الاقدس اور اپنی دوسری کتابوں میں دوستوں کو بار بار یقین دلاتا ہے کہ اس کے اعدا جلدی ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ وہ کہتا ہے کہ "خوب یاد رکھو کہ میرے دشمن ذلیل کیے جاویں گے مبارک ہیں وہ جو مجھے قبول کرتے ہیں۔ اور وے ہے ہر ایک منکر کے لیے۔ ہلاکت ہے انکے لیے جنہوں نے مجھے ترک کیا ہے۔ ہلاکت ہے انکے لیے جو مُنہ پھیرتے ہیں۔ خدا انپر لعنت کرے خدا انسے جنگ کرے۔ ہلاکت ہے انکے لیے جو ان ایام اور انکے ثمرات سے غافل ہیں۔ وہ بہت جلدی چلائیں گے اور اپنی کیے پر افسوس کرینگے۔ اور انہیں کوئی ایسی روح نہ ملے گی جو انہیں تسلّی دے سکے خوشی صادقوں کا حصّہ ہے جو صداقت کے ساتھ فاتح بنے ہیں۔ خوشی انکا حصہ ہے جو عالم ہیں کیونکہ انہوں نے

سچائی کا راہ معلوم کر لیا ہے۔ خوشی انکا حصہ ہے جنہوں نے خورسندگی کو حاصل کر لیا ہے۔ مبارک ہیں وہ عورتیں جو عقیم اور بانجھ ہیں (کیونکہ وہ ایسی اولاد نہیں جنیں گی جو بہاء اللہ سے منکر ہو)۔ اور ویل ہے ان عورتوں کے لیے جو بچوں کو دودھ پلاتی ہیں۔ (کیونکہ انکے بچے بوجہ نہ ماننے بہاء اللہ کے ہلاکت اور بُرے دنوں کو دیکھیں گے۔"

قرآنی الفاظ کی عجیب تاویلیں جو اس کے مریدوں کے نزدیک بہاء اللہ کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اسکے دعاوی پر غور کرتے ہوئے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ صرف انہی رکیک تاویلوں پر بابی مذہب کا انحصار ہے۔ البتہ ایک امر قابل ذکر ہے۔ بابی مذہب کی سچائی کی بڑی حجت یہ خیال کی گئی ہے کہ اس کے پیرووں نے اپنے سخت معاند دشمنوں کے مقابلہ میں بڑا استقلال اور استقامت دکھلائی ہے۔ لیکن کسی عقیدہ کی پیروی میں خالی دکھ اُٹھانا اس عقیدہ کی صداقت پر قطعی شہادت نہیں ہو سکتی۔ قوم یہود کو دیکھو۔ کہ انہوں نے عیسائیوں کے ظلموں کے مقابلہ میں اپنے مذہب پر قایم رہنے میں کیسے صبر اور استقامت سے کام لیا ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قوم یہود کے مذہبی معتقدات سچے ہیں اور تمام دنیا کو وہ قبول کر لینے چاہیئے۔ رومن کیتھولک نے پروٹسٹنٹ فرقہ کو ایسے ایسے عذاب میں ڈالا تھا اور انکو جلا دیا تھا اور ایسا ہی رومن کیتھولک اپنی باری میں پروٹسٹنٹوں کے ہاتھ سے سخت ستائے گئے تھے پس یہ واقعات صاف طور سے ثابت کر رہے ہیں کہ کسی مذہب پر کسی کا جمے رہنا اس مذہب کی کلیہ صداقت کی دلیل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ہونی چاہیئے۔ استقامت بیشک اصول کی سچائی کی دلیل بن سکتی ہے لیکن یہ صرف خاص حالات کے ماتحت ہو سکتا ہے بابیوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ وہ صرف مُعاقَب ہی نہ تھے بلکہ معاقب بھی تھے ان ہی پر صرف ظلم نہیں کیا جاتا تھا بلکہ وہ خود اپنے مخالفوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ بابی اس خیال سے لوگوں سے لڑائی کیا کرتے تھے۔ کہ باب چونکہ مہدی معہود ہے اور امام منتظر ہے اس لیے وہ جلد ہی اپنے

دشمنوں کو مغلوب کرلیں گے اور ممالک کے فاتح بن جائیں گے لیکن وہ خود مغلوب ہوگئے اور انکو اپنی کرتوتوں کے بد نتایج بھگتنے پڑے۔ اسلیے بابی خود ان ظلموں کے جو اُن پر کیے گئے جواب دہ ہیں اور قابل ملامت ہیں۔ جب ایکدفعہ انکے باغیانہ ارادے فاش ہوگئے تو بغاوت کا شک جو انکی نسبت گورنمنٹ کو پڑ گیا تھا بمشکل دُور ہو سکتا تھا اور انکی طرف سے بہت کچھ سعیوں اور کوششوں کی ضرورت تھی جن کے ذریعہ سے وہ اپنے حاکموں کو یقین دلاویں کہ وہ سلطنت کے مخالف کوئی بدارادے نہیں رکھتے تھے۔ انکی عقوبات اور تکلیفات کا باعث اسقدر مذہبی مخالفت نہ تھی جسقدر ملکی مصلحت تھی۔ اور اسی وجہ سے یہ تکالیف اور ایذائیں بابی مذہب کے اصول کی صداقت کا ثبوت نہیں بن سکتیں۔

بہاء اللہ کے مشن کے دلایل پر بحث کرتے ہوئے ہمیں بحر العرفان کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ وہ ایک بہت ہی ضروری بابی مذہب کی کتاب ہے۔ جس میں باب اور بہاء اللہ کے دعاوی کے دلایل بیان کیے گئے ہیں۔ باب کے دعاوی کے ثبوت میں جو کچھ بحر العرفان میں لکھا گیا ہے ہم اسپر پہلے ہی غور کر آئے ہیں اس لیے ہم اب بہاء اللہ کے دعاوی پر جو دلایل پیش کیے گئے ہیں انپر غور کریں گے۔ سب سے پہلے یہ عجیب بات ہے کہ بائبل کا بکثرت حوالہ دیا گیا ہے اور اس سے بہاء اللہ کی آمد کی پیشگوئیاں نکالی گئی ہیں۔ ان میں سے چند ایک ہم ناظرین کے لیے نقل کرتے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ پڑھنے والا انکو پڑھ کر اس بات کا خواہشمند نہ ہوگا کہ وہ باقی حوالوں کو ملاحظہ کرے کیونکہ وہ محولہ حوالوں سے بیہودگی میں بڑھے ہوئے ہیں۔ پہلا حوالہ حبقوق نبی کی کتاب کا دیا گیا ہے۔ ”خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا سلاہ اسکی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی“ دانیال باب دوم آیت دوم میں بھی بہاء اللہ کی آمد کی پیشگوئی قرار دی گئی ہے ”اگر آخری ایام میں ایسا واقع ہوگا کہ خداوند کے گھر کا پہاڑ پہاڑوں کی چوٹی پر مستحکم ہوجاویگا اور تمام پہاڑیوں پر فخر کریگا اور تمام

اقوام اس کی طرف رُخ کریں گی‘‘

ایسا ہی اور بہت سے حوالے اسی قسم کے دیئے گئے ہیں ہمارے خیال میں ہے کہ ان پیشگوئیوں کو بہاء اللہ پر چسپاں کرنا کسی عیسائی ہی کا کام ہے کیونکہ وہ بائیل کی عبارات کو مسیح پر لگانے میں اسی طریق سے کام لیا کرتے ہیں عہدنامہ جدید میں صرف ایک ہی ایسی پیشگوئی ہے جو بہاء اللہ پر لگائی گئی ہے اور وہ مکاشفات باب ۲۲- آیت ۱۲ و ۱۳ میں ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں ’’اور دیکھ مَیں جلد آتا ہوں اور میرا اجر میرے ساتھ ہے تاکہ ہر ایک کو اسکے کام کے موافق بدلا دوں۔ مَیں الف اور ابیگا۔ ابتدا اور انتہا۔ اول و آخر ہوں‘‘

اسلامی مذہبی کتب کی بھی بہت سی عبارتیں بہاء اللہ پر چسپاں کی گئی ہیں۔ اور بہاء اللہ اور اس کے مریدوں نے ایسے طرز سے انکا ترجمہ کیا ہے کہ وہ طرز اختیار کرنے سے ہر ایک چیز بہاء اللہ کی آمد کی پیشگوئی بنجاتی ہے۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ قرآن شریف کی تمام آیات جو قیامت سے متعلق ہیں وہ بابیوں کے نزدیک تمام کی تمام یا تو بہاء اللہ کی آمد کے متعلق ہیں یا باب کے آنیکو ظاہر کرتی ہیں۔ خود رب کے لفظ سے مراد بعض وقت بہاء اللہ لیا گیا ہے اور بعض وقت باب۔ ان تمام حوالوں کے علاوہ سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کو بہاء اللہ کی آمد کی صاف پیشگوئی قرار دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من اٰیاتنا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ پاک ذات ہے وہ اللہ جو اپنے بندہ کو بوقت شب مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ کی طرف لے گیا جس کے آس پاس کو ہم نے برکت سے معمور کیا ہے تاکہ ہم اسکو اپنے بڑے بڑے نشان دکھلاویں۔ ناظرین تعجب سے سوال کریں گے کہ اس آیت کو بہاء اللہ کی آمد کی پیشگوئی سے کیا تعلق۔ بابی مصنف اس کا ترجمہ یوں کرتا ہے۔ آیت میں مسجد الاقصیٰ کا ذکر ہے جس سے مراد عکا بیت المقدس ہے۔ اور اس آیت میں یہ بھی ذکر ہے کہ بیت المقدس کے قرب و جوار بھی مبارک ہیں۔ مؤلف بحر العرفان کے

نزدیک مسجد الاقصیٰ کی گرد و نواح مراد نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد یروشلم کے شہر کا قرب وجوار ہے جس میں بیت المقدس ہے اور تب ایک عجیب طور سے عکّا کو جہاں بہاراللہ قید کیا گیا تھا۔ ماحولہٗ کا مصداق ٹھہرایا گیا ہے اور اطرح سے بہاء اللہ کی آمد کی پیشگوئی بنائی گئی ہے۔ اس عجیب تاویل کی تائید میں بعض احادیث بیان کی گئی ہیں جن میں عکّا کی فضیلت کا ذکر ہے۔ ان احادیث کی کوئی سند بیان نہیں کی گئی۔ اور اس لیے ہم انکی صحت پر بحث کرنیکے قابل نہیں ہیں۔ لیکن اتفاقاً کسی حدیث میں عکّا کی تعریف کا پایا جانا بابی مصنف کے واہیات دعاوی کی تصدیق نہیں سمجھی جاسکتی۔ عکّا ایک بڑا قدیمی اور مشہور شہر ہے اور اس کا ذکر بائبل میں بھی آیا ہے۔ جنگہائے صلیبی میں عکّا جنگ کا بڑا مرکز تھا۔ جس کے فتح ہونے پر مسلمانوں نے عیسائیوں کو فلسطین سے نکال دیا تھا۔ اگر کسی صحیح حدیث میں عکّا کا ذکر بھی ہے تو وہ ان واقعات کی خاطر ہے جنہوں نے اسلامی تاریخ میں ایک بڑا بھاری اور ضروری کام کیا ہے۔

قربِ قیامت کے علامات جو قرآن شریف میں مذکور ہوئے ہیں وہ تمام پورے ہوچکے ہیں مگر ان تمام علامتوں کی تشریحات ایک ہی طرز پر نہیں کی گئی ہیں۔ قربِ ساعة کی پہلی علامت دابۃ الارض کا خروج ہے۔ اور مصنف بحرالعرفان کہتا ہے کہ علی خلیفہ چہارم کی بابت یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے تئیں دابۃ الارض کہا ہے۔ خروج یاجوج وماجوج کی کوئی تشریح نہیں کی گئی۔ لیکن یہ کہا گیا ہے کہ اس کے کوئی مخفی معنے ہیں۔ ایک ستاروں کے ٹوٹنے کا نشان ہے جو کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۲۸۳ھ ہجری میں واقع ہوچکا ہے۔ کیونکہ اس سال کے ماہ رجب میں ایک لاکھ سے زیادہ شہاب قریباً ایک گھنٹہ کے عرصہ میں گرتے دیکھے گئے تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ژند کے معتقد اس واقعہ کو بہرام کی پیدائش کی علامت قرار دیتے ہیں۔ بعد ازاں یوم القیامۃ سے پہلے زمین کو ایک سخت زلزلہ آنیکی پیشگوئی کو لیا گیا ہے۔ اس کی تاویل یوں کی گئی ہے کہ ارض یعنی

زمین سے مراد قلوب یعنی انسانوں کے دلوں کی زمین ہے جو بہاء اللہ کے آنے سے ہل گئی۔ اور اطرح پیشگوئی پوری ہوگئی۔ طی السجل سے مراد اسوقت کی آسمانی شریعت یعنی اسلامی شریعت کا منسوخ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ نفخ صور سے مراد روحانی مُردوں میں روحانی زندگی کا پھونکنا لیا گیا ہے۔ تسییر الجبال سے یہ مراد ہے کہ بہاء اللہ مذہبی علماء اور ملاؤں کو شکست دیکر منتشر اور تتر بتر کردیگا۔

اگر ان تمام تاویلوں کو صحیح ہی تسلیم کر لیا جاوے تو انسے اس سے زیادہ ثابت کچھ نہیں ہوتا کہ ایک موعود فرستادہ کی آمد کے تمام نشانات جو آخری زمانہ میں آنیوالا ہے پورے ہو چکے ہیں اور اس لیے یہ زمانہ اُس موعود کے ظہور کا وقت ہے۔ مگر وہ نشانات باب یا بہاء اللہ کو وہ موعود قرار نہیں دیتے۔ باب یا بہاء اللہ کے دعاوی ثابت کرنیکے لیے یہ چاہیئے تھا کہ انکے اپنے نشان دکھلائے جاتے۔ مگر ایسا ثبوت بابی مذہب میں بالکل مفقود ہے اس لیے ایک سچائی کے طالب کو مجبوراً انکے دعاوی رد کرنے پڑتے ہیں۔ بہاء اللہ کا صرف ایک نشان جس کا بعض انگریزی بابی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس کی بددعا سے بعض بادشاہ ہلاک اور برباد ہوگئے تھے۔ جنکو بہاء اللہ نے مکتوب یا الواح بھیجے تھے جن میں انکو اپنی آمد کی خبر دی تھی اس اعلان کے ساتھ کہ "اپنی ابدی محبت کی خاطر جو اسکو اپنی مخلوق کے ساتھ ہے اس نے اپنے قدموں کو عالم غیب سے عالم شہادہ کی طرف موڑا ہے۔ اور اپنے جلال کو اس نے اپنے خاکی جسم میں پوشیدہ کیا ہے" بہاء اللہ کی اس شاہی مخلوق میں سے (یہ خطاب ان بادشاہوں کو دیا گیا ہے جن کے نام خطوط بھیجے گئے تھے) بعض نے کہتے ہیں کہ اسکے پیغام کو عزت سے قبول کیا اور وے بچائے گئے۔ لیکن اوروں نے اسکو تحقیر کی نظر سے دیکھا اور ہلاکت کے گڑھے میں ڈالے گئے۔

اب ہمیں کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں یہ دعاوی بہاء اللہ کے مشن کی صداقت کا ثبوت بننے سے اتنے ہی دُور ہیں جتنی کہ قرآن شریف اور بائبل کے الفاظ کی عجیب تاویلیں جو اوپر بیان

آریہ سماج اور مذہبی کانفرنس

ایک مختصر سا نوٹ کسی گذشتہ اشاعت میں آریہ سماج کی اس بدزبانی کی نسبت لکھا تھا جو مذہبی کانفرنس کے موقع پر آریہ سماج کے لیکچرار کی طرف سے وقوع میں آئی تھی۔ اسپر آریہ پرتی مذہبی سبھا کا معتمد علیہ اخبار آریہ پترکا اعتراض کرتا ہے کہ ہم نے جو لکھا ہے کہ مذہبی کانفرنس پر آریہ لیکچرار نے انبیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت گندہ دہانی کی ہے اور خدا کے مقدس لوگوں کے متعلق بہت بدزبانی سے کام لیا ہے۔ ان ریمارکس میں ہم نے انصاف سے کام نہیں لیا ہے۔ وہ یکم فروری کی اشاعت میں لکھتا ہے۔" ہمارے ہمعصر کی طرف سے اپنے قول کو استحکام دینے کیلیے کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی ہے اگر وہ مضمون جو ڈاکٹر چرنجیو ابھراڈواجہ۔ ایف۔ آر۔ سی۔ ایس نے مذہبی جلسہ میں پڑھا تھا۔ گندی ریمارکس سے پُر تھا یا اس میں گندے ریمارکس سے کام لیا گیا تھا تو کیوں وہ حوالۃً پیش نہیں کیے گئے تاکہ گورنمنٹ اسکی سقم وصحت کو دیکھ لیتی۔ وہ مضمون خود ایک کتاب کی شکل میں شایع کیا جاویگا۔ تب پبلک کو مضمون کے جانچنے کا کافی موقعہ ملجاویگا۔ کہ کہانتک آریہ سماج کے برخلاف لوگوں کی شکایتیں صحیح ٹھہر سکتی ہیں" اگر وہ مضمون ایک بڑے بھاری مجمع میں پڑھا نہ جاتا جو کہ مختلف مذاہب اور جماعتوں پر مشتمل تھا تو یہ عذر پیش کیا جا سکتا تھا کہ مضمون تو ابھی تک شایع نہیں ہوا اور اس کے متعلق رائے زنی کرنا کو وہ بہت سخت تھا قبل از وقت ہے۔ لیکن اس ایسے مضمون کے متعلق جو عام پبلک میں سنایا گیا ہے یہ عذر قابل سماعت نہیں ہے اور یہ بالکل بیہودہ بات ہے کہ انکو جنکے مقدس ائمہ کو انکے سامنے گالیاں دیجاویں یہ کہا جاوے کہ وہ اپنے دُکھ اور رنج کا اظہار نہ کریں جب تک کہ وہ مضمون کتاب کی شکل میں شایع نہ ہو جاوے۔ پبلک کو اس بات کا کونسا اطمینان دلایا گیا ہے کہ آریہ پرتی مذہبی سبھا

اسی اصلی مضمون کو شایع کریگی جیسا کہ وہ گذشتہ دسمبر کی چار کی شام کو پڑھا گیا تھا اور وہ اس میں قطع و برید سے کام نہیں لیگی اور اس تجربہ سے فایدہ نہیں اُٹھائیگی جو انہی چند دنوں میں اس مضمون کے متعلق اسکو حاصل ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ایک موٹی اور بہت قرین قیاس بات ہے۔ کہ اصل مضمون کے الزامات کو نرم الفاظ میں بیان کیا جاوے کیونکہ اب وہ کتاب کی شکل میں شایع ہونیوالا ہے۔ لیکن اگر اسکا دیانتداری سے اعتراف کر لیا جاوے تو ہمارے نزدیک یہ بات قابل الزام نہیں کہ کیوں پہلی سختی کو چھوڑ کر ایک نرم پیرایہ اختیار کیا گیا۔ ہاں اگر اصلیت پر پردہ ڈالنے اور اس طرح پر پبلک کو دھوکہ دینے کی غرض سے یہ کارروائی آریہ سماج نے کی تو اس طرح سماج دوہرا دُکھ دینے کے الزام کی مرتکب ہوگی۔ خود آریہ سماج کا پریزیڈنٹ بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ جوش جو عام طور پر آریہ سماج کے مضمون کے خلاف پیدا ہوا ہے بناوٹی طور پر نہیں پھیلا تھا بلکہ مضمون کا فوری اور قدرتی اثر تھا کیونکہ لیکچر ہال چھوڑنے کے بعد فوراً اس نے اس جوش کے آثار نمایاں دیکھے اور بطور دفع وقتی کے یہ کہکر کہ مجھے اس مضمون کی اصلیت سے اطلاع نہیں تھی اس بات کو ٹالنا چاہا تھا۔ علاوہ ازیں یہ جوش صرف احمدیوں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ دوسرے مسلمانوں اور عیسائیوں نے بھی اس مضمون کے خلاف اخباروں میں تحریریں شایع کیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آریوں کی اس روش سے صرف ایک فرقہ کو نہیں بلکہ ساری پبلک کو رنج پہنچا ہے۔

چونکہ آریہ پتر کا اس بات کا انکار کرتا ہے کہ آریہ لیکچرار نے کوئی بھی وہ الفاظ اپنے مضمون میں استعمال کیے ہوں اس لیے میں دو خاص مثالیں بطور حوالہ یہاں پر پیش کرتا ہوں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے حضرت مسیح کی پیدائش پر ایک سخت ناگوار حملہ کیا جسکو خواہ کسی طرح پیچ پیچ کر پیش کیا گیا ہو۔ مگر صاف طور پر یہ بتایا گیا تھا کہ نعوذ باللہ گویا ان کی ولادت ناجائز طور سے ہوئی تھی۔ اس اعتراض کرنے میں اس نے آریہ سماج کے بانی کی

اتباع کی ہے۔ اگرچہ وہ الفاظ جو اس نے استعمال کیے تھے لفظ بلفظ ستیارتھ پرکاش سے نقل نہ کیے گئے ہوں مگر تاہم اس کا بیان اس عبارت سے بہت ملتا جلتا تھا اور مضمون دونوں کا واحد تھا۔ ستیارتھ پرکاش میں متی باب اول آیت ۱۸ سے ۲۰ پر سوامی دیانند بانی آریہ سماج نے یوں حاشیہ چڑھایا ہے (اور یہ وہ الفاظ ہیں جن سے آریہ لیکچرار ناواقف نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ خود اس نے اس کتاب ستیارتھ پرکاش کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے) "کوئی تعلیم یافتہ آدمی کبھی بھی ایسی باتوں پر یقین نہیں کرسکتا جو کہ شہادت کی تمام اقسام اور قوانین قدرت کے برخلاف ہوں۔ صرف وحشیانہ حالت کے لوگ ایسی باتوں پر اعتقاد کرسکتے ہیں کیا دنیا میں کوئی ایسا متنفس ہے جو خدا کے قوانین کو توڑ سکے .... اگر یسوع کی پیدائش کی کہانی سچی تصور کیجاوے۔ تو ہر ایک غیر منکوحہ لڑکی جو حاملہ ہو جاوے کہہ سکتی ہے کہ وہ روح القدس سے حاملہ ہوئی ہے وہ یہ بھی جھوٹ بول سکتی ہے کہ خداوند کے فرشتہ نے اس کو خواب میں بتلایا ہے۔ کہ جو اس کے رحم میں ہے سو روح القدس سے ہے ..... صرف ایسے لوگ جو عقل نہیں رکھتے اور صرف روپیہ رکھتے ہیں ان باتوں پر اعتقاد کرسکتے ہیں اور آسانی سے توہم پرست بن سکتے ہیں۔ یہ اس طرح سے وقوع میں آیا ہوگا۔ کہ (نعوذ باللہ) مریم کسی سے ہمبستر ہوئی ہوگی اور اس طرح سے حاملہ ہوئی ہوگی"۔

اب جائے غور ہے کہ ایک صدیقہ کو آریہ سماج نے کیسی تہمت لگائی ہے حالانکہ قریباً نصف دنیا اسکو صدیقہ اور راستباز یقین کرتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اوروں نے بھی اس بات سے انکار کیا ہے کہ مریم روح القدس سے حاملہ ہوئی۔ لیکن آریہ سماج کے حامی طرز بیان ایسا ناپاک اختیار کرتے ہیں جس سے ناحق کا دکھ دینا مقصود ہوتا ہے۔ اگر صرف ولادت مسیح پر اعتراض کرنا ضروری تھا تو یہ اعتراض ایسے پیرایہ میں کیا جاسکتا تھا کہ بغیر کسی فرد بشر کا دل دکھانیکے عیسائیوں اور اسلام کے کسی خاص عقیدہ پر

بڑے زور سے حملہ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ کہنا کہ "مریم کسی سے ہمبستر ہوئی ہوگی" یا یہ "کہ کوئی غیر منکوحہ لڑکی جو اتفاق سے حاملہ ہو جاوے کہہ سکتی ہے کہ وہ روح القدس سے حاملہ ہے"! گویا یہ مریم پر بالفاظ دیگر زنا کی تہمت لگانا ہے۔ یہ سچ ہے کہ دہریہ لوگ ایسے الفاظ حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کے متعلق استعمال کرتے ہیں لیکن کیا یہ وطیرہ اختیار کرنا ایک مذہبی پیشوا کو مناسب ہے ؟

آریہ لیکچرار کی درشت کلامی کی دوسری مثال وہ الفاظ ہیں جو اس نے سید ولد آدم اور تمام راستبازوں کے سردار (فداہ ابی و امی) محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استعمال کرنے چاہے تھے۔ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بیان کرنے لگا اور آپ کے اخلاق حمیدہ کو بُرے پیرایہ میں لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے لگا تو اس نے حاضرین کو یہ بتلایا کہ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اس حصہ مضمون کو ایک چھپے ہوئے اخبار سے پڑھے مگر وہ غفلت سے اسے گھر بھول آیا ہے اور اس نے حاضرین کو یہ پتہ دیا کہ وہ ایک مضمون بعنوان "اسلام اور پالیٹکس"، جو اکتوبر ۱۹۰۷ء کے آریہ مسافر میں شایع ہوا ہے پڑھ لیں۔ اور اس نے یہ کہا کہ اس کا یہ ارادہ تھا کہ وہ اس مضمون میں سے خاص عبارتیں انتخاب کرکے جو بانی اسلام کے اخلاق کا خاکہ کھینچیں پڑھیگا مگر وہ اتفاق سے اسے گھر بھول آیا ہے یہ اس کی بہت خوش قسمتی تھی کہ وہ اس مضمون کو گھر پر چھوڑ آیا تھا۔ ورنہ خوف تھا کہ وہاں فساد ہو جاتا۔ اب آریہ مسافر کا یہ نمبر ہمارے ہاتھوں میں اُس بدزبانی کی بابت جو ۴ دسمبر ۱۹۰۷ء کی شام کو آریہ لیکچرار نے استعمال کی تھی ایک ایسا پکا ثبوت ہے جس کا بدلنا آریہ سماج کی طاقت سے باہر ہے۔ اب جس طرح آریہ چاہیں بھارودواج کے مضمون میں تغیر و تبدل کریں لیکن "آریہ مسافر" اُس بدزبانی کی قطعی اور محکم شہادت قایم رکھے گا۔ جو آریہ سماج نے تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق کی۔ محولہ بالا مضمون صرف یہی نہیں ظاہر کرتا کہ لیکچرار نے صرف آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیسے ناپاک الفاظ استعمال کیے۔ بلکہ یہ مضمون اس کے اس وطیرہ پر بھی روشنی ڈالتا ہے جو اس نے اور انبیاء اللہ علیہم السلام کے برخلاف اختیار کیا تھا اور ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ اس نے اور انبیاء علیہم السلام کی بابت کیا کہا ہوگا جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے مسلمانوں کے مُنہ پر بانیٔ اسلام کو گندی سے گندی گالی دینے میں ذرہ بھی تامل نہیں کیا۔

اب ہم "اسلام اور پولیٹکس" کے حوالہ سے ثابت کرتے ہیں کہ مسٹر بھاردواج نے آریہ سماج کے عام واعظین اور مصنفوں سے بڑھکر کوئی اچھا نمونہ لاہور کی کانفرنس میں نہیں دکھایا۔ مضمون لکھنے والا سب سے پہلے یہ بیان کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد محض ملکی اقتدار حاصل کرنا تھا۔ اور کہ مذہبی اصلاحات محض اس مقصد کے حصول کا بہانہ تھیں۔ چنانچہ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں:۔ "الغرض حضرت محمد صاحب نے اس اصول کو ذہن میں رکھ کر سب سے پہلے مذہبی اور مجلسی اصلاح کا کام کرنا چاہا مگر عرب کے اکھڑ وحشی اسوقت تک ان باتوں کو سُننے والے نہیں تھے۔ جب تک کہ کسی طرح انکے دل میں یہ یقین نہ کرادیا جاتا کہ یہ جو کچھ ان سے کہا جاتا ہے وہ آسمان سے اُترا ہے اور منجانب اللہ ہے لہٰذا اس مطلب کے لیے ایک پہاڑ کے درہ (غار حرا) میں خاص الخاص دوستوں کے ساتھ مشورہ کرتے کرتے بالآخر یہ رائے قایم ہوئی۔ کہ نبوت کا اعلان کیا جاوے۔ سب سے پہلے انکی بیوی خدیجہ ایمان لائی پھر اور کچھ خاص لوگ مگر جیساکہ قاعدہ ہے عرصہ تک کامیابی نہ ہوئی۔ اور تین سال تک آپ بڑے تذبذب اور کشمکش و پیچ کی حالت میں رہے۔ جب رفتہ رفتہ کچھ لوگ مرید ہو گئے تب علانیہ وعظ شروع کیا اور اسوقت بھی مکہ میں ایک سالانہ میلہ حج کا ہوا کرتا تھا۔ اس میں آپ کو اپنے اظہار خیالات کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ باوجود انواع و اقسام کے مصائب و تکالیف اور مخالف اسباب ہونیکے چودہ برس تک آپ نہایت استقلال سے مکہ میں خالص دینی اور مجلسی اصلاح کا

وعظ کرتے رہے جس سے بہت سے ہم خیال پیدا ہو گئے۔ منجملہ انکے مکہ میں تو سب سے زیادہ
کارآمد اور قابل اطمینان مددگار آپکے چاروں اصحاب تھے۔ جن سے آگے پیچھے ازدواجی
تعلقات بھی قایم کرکے رشتہ اخوت کو محکم کرلیا گیا تھا۔ اور بیرونجات میں مدینہ کے
کچھ مرید تھے۔ جو ہر طرح سے دامے درمے مدد کے لیے مستعد تھے۔ مگر یہ خوب یاد رہے
کہ چونکہ آپکے وعظ کا دستور از قسم شاستر ارتھ وغیرہ کے علمی طریقہ پر نہ تھا بلکہ بھیانک
در د چک یعنی تخویف و تحریص والی خیالی امید و بیم پر مبنی تھا اس لیے اسوقت
کوئی عالم فاضل آپ پر ایمان نہ لایا۔ بلکہ زیادہ تر عوام اور ان میں کچھ جنگجو لوگ معتقد
ہوئے مثلاً علی۔ عمر اور حمزہ وغیرہ اور یہی لوگ بعد کو آپکے پولیٹیکل کاز میں بہت کارآمد
اور مفید ثابت ہوئے۔"

راقم مضمون نے اپنے اس مضمون میں بہت افترا پردازی سے کام لیا ہے۔ اس نے
آنحضرت امام الصادقین کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
(نعوذ باللہ) پہلے خود ملکی اقتدار حاصل کرنے کے لیے یہ منصوبہ گھڑا کہ آپ نبی ہیں اور
جعلسازی سے نبوت کا دعوے کردیا اور اپنی سب کارروائی کو آسمانی قرار دیا
تاکہ جاہلوں اور عرب اکھڑوں پر بہت اثر پڑ سکے۔ اور یہ تمام کارروائی آپ اور آپکے
صحابہ کرامؓ میں مشورہ سے گھڑی گئی تھی اور پہلے ہی سے سوچکر ایسا افترا بنالیا گیا تھا۔
راقم مضمون نے یہ سب کچھ محض مسلمانوں کے دلوں کو دکھانے کیلیے لکھا ہے۔ یہ مسلمانوں
کی بڑی ہتک ہے اگر انکے سردار کو منصوبہ باز اور جعلساز اور مفتری قرار دیا جاوے۔ بھلا
یہ تو تھا ہی کہ مسلمانوں کے پیشواؤں کو آریہ سماج اپنی اخباروں میں بہت گالیاں
دیتی تھی اور دیتی ہے اور ہمیشہ انکے حق میں گندہ دہانی اور درشت زبانی سے کام
لیتی رہتی ہے مگر یہ کتنی بے انصافی اور ظلم کی بات ہے کہ مذہبی جلسہ میں مسلمانوں کو
خود درخواست دیکر بلوایا جاوے کہ کل ضرور آنا اور آریوں کا مضمون بھی سننا اور پھر

بلا کسی وجہ کے انکے روبرو انکے مقدس لوگوں اور سرداروں کو گندی گالیاں دیجاویں اور انکے حق میں ایسے کلمات استعمال کیے جاویں جو ایک بھلا مانس آدمی کسی کے حق میں بھی سننا گوارا نہیں کر سکتا۔ اخباریں پڑھ کر تو بھلا مسلمان صبر کر ہی لیتے ہیں مگر ایک مجمع میں جہاں بکثرت آدمی موجود ہوں ایسے کلمات انکے صبر کو بھی توڑ سکتے تھے اور اس طرح ممکن تھا کہ فساد ہو جاتا۔ اور خوش قسمتی سے بھاردواج اس گندہ مضمون کو گھر ہی بھول آیا تھا۔ بھول کیا آیا ہوگا عمداً اس کو نہیں پڑھ سکا کیونکہ اس نے حاضرین کو دیکھ لیا تھا کہ ان میں اب صبر کرنیکی سکت باقی نہیں ہے۔ پڑھنے والیکو اب معلوم ہو جائیگا کہ اسکا مضمون ایسے ہی گندے کلمات سے پُر تھا۔ ہندو صاحبان بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ کیسی بے انصافی کا سلوک برتا گیا۔ گویا انکو آریوں نے اپنے گھر پر بلا کر انکے بزرگوں کو گالیاں دیں۔ اور انکے سامنے انبیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ و السلام کی بیعزتی کی اور ناسزا باتیں انکے متعلق کہیں۔ اگرچہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہاں یہ مضمون نہیں پڑھا گیا تھا مگر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون کسقدر افترا پردازیوں سے پُر تھا اور کیسی گندہ زبانی سے اس میں کام لیا گیا تھا۔ لیکن "اسلام اور پولیٹکس" میں صرف اسی پر بس نہیں کی گئی ہے بلکہ جوں جوں راقم مضمون نویسی میں ترقی کرتا گیا ہے ایسا ہی وہ اسلام کے مقدسوں کو برا کہنے میں کمال کرتا گیا ہے۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کو ڈاکوؤں کا ایک گروہ قرار دیا ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سیواجی لیٹرے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اور اس طرح سے اسلامی مشن کو صرف لوٹنے تک محدود کیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ اسلام کا مشن صرف لوگوں کو لوٹنا تھا و بس۔ محولہ بالا عبارت کے بعد وہ یہ لکھتا ہے۔ "خیر جب اسقدر سامان ہو گیا۔ اور ادھر مکہ والوں کی مخالفت نے بھی خطرناک صورت اختیار کر لی تو آپ نے مع متعلقین اور مریدوں کے مکہ سے نکلکر مدینہ میں نقل سکونت کر لیا۔ کچھ دن تو یہ لوگ انصار یعنی

مدینہ کے نومسلموں کے یہاں مہمان رہے۔ لیکن ان سب کے بار کے کب تک وہ بیچارے متحمل ہو سکتے تھے بالآخر بڑی تنگی ہوئی اور اس کے دفع کرنیکے لیے لوٹ اور غارتگری کو آسمانی حکم قرار دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا ہر طرف سے جوق جوق مفلس اور آوارہ گرد جنگی عرب میں کمی نہیں تھی۔ آپکے جھنڈے کے تلے آنے شروع ہوئے۔ کیونکہ علاوہ اس دنیاوی فایدہ کے یہ بھی یقین دلایا جاتا تھا کہ مسلمان ہوتے ہی سارے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور مرنے پر خواہشات نفسانی کے بھوگنے کے لیے مکمل سامان ملتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس جتھے کی جمعیت تاخت و تاراج وغیرہ سے مرغوب ہو کر محض دنیاوی اور پولیٹیکل فوایدکے لالچ سے یا جان کے خوف سے کسی طرح سے اکثر جنگجو لوگ اس میں شامل ہوتے گئے۔ اس کے سمجھنے کے لیے ہم اسوقت کے چند مشہور لوگوں کے مسلمان ہونیکی کیفیت بیان کرتے ہیں"

اس کے آگے راقم مضمون لکھتا ہے "المختصر ہم کہانتک طول دیں اس طرح سے رفتہ رفتہ ایک ایسی جمعیت کثیر فراہم ہو گئی جو ہر وقت مرنے مارنے کو تیار رہتی تھی اور حضرت کی ہمراہی میں یا کبھی انکے حکم سے علیحدہ بھی مدینہ کے قریب سے گذرنیوالی تجارتی قافلوں کا لوٹ مار سے وہ ناک میں دم کر رکھا تھا کہ بڑے بڑے قبائل انسے کانپنے لگ گئے تھے کیونکہ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہونیکے سبب انہیں یہ قوت نہ تھی کہ انکی متفقہ طاقتوں کا مقابلہ کر سکتے۔ ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ مدینہ پہنچکر حضرت نے کھلم کھلا پولیٹیکل کام شروع کیا کہ جو سیواجی کے کارناموں سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ کیونکہ مدینہ میں جس وجہ سے لوگ انکے گروہ میں شامل ہوتے گئے یا شامل کیے گئے وہ خالص آپکے دینیات و الٰہیات پر فریفتہ ہو کر نہیں آئے تھے بلکہ زیادہ تر پولیٹیکل فوائد کو مدنظر رکھ کر جھکے تھے۔ اب ہم آپکے پولیٹکس کی نوعیت کو دکھلانیکے لیے آپ کی جنگی طرز عمل کے چند نمونے پیش کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ

کامیابی کے لیے آپ نے مکر، چھل۔بل سب کچھ روا رکھا تھا جو کہ ایک خالص مذہبی اور مجلسی ریفارمر کے کیریکٹر سے کہیں زیادہ بعید ہے ہمارے مسلمان دوست سیواجی کے طرز عمل پر بڑی بیباکی سے کٹاکش کرتے ہیں وہ ذرا ان واقعات کو جن کو ہم انہی کی تواریخ سے منتخب کر کے درج کرتے ہیں سینہ پر ہاتھ رکھکر پڑھیں گے۔‘‘

یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ راقم مضمون اپنے مضمون کے شروع میں کہتا ہے کہ لفظ پولیٹکس جہاں جہاں اسلام کے متعلق استعمال کیا ہے اس سے مراد صرف غداری ملکی انقلاب پسندی اور لغویانہ شور شر وغیرہ وغیرہ جیسے مجرمانہ افعال ہیں لیکن وہی مضمون نگار آگے جا کر اپنے ناظرین کو بتلاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ ہر قسم کے مکر و فریب سے کام لیا کرتے تھے اور ایسے ایسے کام کے مرتکب ہوا کرتے تھے جو ایک ریفارمر کے کریکٹر سے بہت بعید ہیں وہ آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کو ’’خونخوار غازی‘‘ کا لقب دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بھی الزام لگاتا ہے کہ آپ نے اپنے ذاتی اور پرائیویٹ فائدہ کے لیے بیت المال بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے یہ الفاظ ہیں ’’ورنہ کافروں سے فدیہ اور جذیہ لے کر انکو کافر رہنے دینا اور خدا پرستوں سے ایک خاص محصول وصول کر کے اپنے خانگی تصرف میں لانا بھلا کونسا دھرم پرچار کا طریقہ ہے...... آنحضرت کے مشن کی بنیاد میں اگر مذہب کا گارا چونہ تھا تو پولیٹکس کا پتھر ضرور تھا۔ جو بعد کو آپ کے مت کا ایک جزو بن گیا‘‘ پھر آگے جا کر لکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاروں اصحاب سے رشتہ داری کے تعلق کر لیے تھے یہ صرف اس لیے تھا کہ ’’حضرت کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس کے بجز چار اصحاب کے جو آپ کے جسم کی کامرانی کے چار بنیادی عنصر تھے اور کون جانشینی کا مستحق ہو سکتا تھا......
یہ خوب یاد رہے کہ یہ رشتہ داریاں بھی زیادہ تر پولیٹیکل اغراض ہی کو مدنظر رکھ کر ادھر تو اس غرض سے کی گئی تھیں کہ یہ لوگ جو ابتدا کے رازدار تھے اور سچے جان نثار۔

انکی وفاداری میں فرق نہ آوے اور ادھر چار اصحاب کو فرداً فرداً یہ توقع تھی کہ بعد حضرت کے میں ہی جانشینی کا مستحق ہونگا...... اور حضرت نے اپنی زندگی میں اس کی بابت کوئی وصیت نہیں کی تھی کچھ تو بوجہ اس کے کہ آخری عمر میں جنگ وجدل سے انکو فرصت ہی نہیں ملی تھی اور کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نازک معاملہ کو انہوں نے اپنی زندگی میں چھیڑنا اس لیے قرین مصلحت نہیں سمجھا ہوگا کہ جس کے خلاف ہوگا وہی مخالف ہو جائیگا اور اس سے احتمال تھا کہ شاید نبوت اور الہام وغیرہ کے طلسم کا بھید بھی نہ افشا ہو جائے جس کے وہ سب ابتدا ہی سے رازدار تھے" یہ تمام عبارت "اسلام اور پولیٹکس" سے نقل کی گئی ہے۔ اب ہم اس کے سخت ہجویہ عبارات کے سلسلہ کو مندرجہ ذیل فقرہ نقل کر کے ختم کرتے ہیں۔ "حضرت اور انکے ساتھیوں کے طریق عمل پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ یا الٰہی یہ کس طرح سے مذہبی مشن کہلانیکا مستحق ہو سکتا ہے جس کے اراکین کو رات دن جنگ وجدل خون خرابہ لوٹ مار اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ کے وصول تحصیل سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی"

باوجود اس تمام گندہ دہانی کے جو آریہ اخبارات کے کالموں میں رات دن شایع ہوتی رہتی ہے اور باوجود اس کے کہ آریہ لیکچرار پلیٹ فارموں پر گندے لیکچر دیتے ہیں آریہ پتر کا یقین کرتا ہے کہ اس کے ہم مذہب معصوم اور بے گناہ ہیں اور بڑی گستاخی اور شوخی سے مسلمانوں پر الزام لگاتا ہے۔ اسی قسم کے الفاظ تھے جیسا کہ اوپر لکھے گئے تھے جو بھاردواج نے اپنے لیکچر میں حاضرین کو مخاطب کر کے کہے تھے اور وہ حاضرین اکثر کے مسلمانوں میں سے تھے مگر پتر کا بیان ہے کہ مضمون بڑی شائستگی اور شستہ عبارت میں ادا کیا گیا ہے۔ ہمارے آریہ ہموطنوں کی شائستگی اور شستہ زبانی بھی نرالی ہے۔ اور اگر اسی کا نام شائستگی ہے تو پھر چوہڑے چمار بھی قابل ملامت نہیں۔

ہم اپنے آریہ دوستوں کو یقین دلاتے ہیں کہ دیانند کے افعال اور کرتوت بھی اس طرز سے بیان کیے جا سکتے ہیں مگر انکو یاد رکھنا چاہیئے کہ غلط بیانیاں جھوٹے الزامات اور پاک لوگوں کی طرف بد ارادے منسوب کرنا مذہب نہیں ہے۔ اور ایسی تحریرین جیسی کہ پتر کا میں پائی جاتی ہیں صرف آریہ سماج کے کچرو مضمون نگاروں اور لیکچراروں کو اور جرأت دلاتی ہیں۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان دشمنی اور تفرقہ کو بڑھاتی ہیں۔ ایک طرف تو تفرقہ کو دور کرنیکا واویلا مچایا جاتا ہے اور دوسری طرف تفرقہ کا سامان خود آریہ سماج بن رہا ہے۔

ہم نے بار بار اس قابل افسوس حالت کی طرف آریہ سماج کے لیڈروں کو توجہ دلائی ہے مگر اسکا اثر اُلٹا ہی ہوا ہے۔ اس لیے اب ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس معاملہ کی طرف گورنمنٹ کو توجہ دلائی جاوے۔ ہم عام طور سے مذہبی بحث کو بُرا نہین کہتے۔ نہیں بلکہ ہم جانتے ہیں کہ سخت سے سخت عبارتیں بھی قابل معافی ہو جایا کرتی ہیں جب وہ مباحثہ کے جوش میں استعمال کیجاتی ہیں۔ لیکن اس سختی کی بھی آخر کوئی حد ہونی چاہیئے۔ آریہ سماج کی تحریروں میں صرف سخت کلامی ہی نہیں بلکہ عمداً مسلمانوں کو دُکھ دینا انکا مقصود ہوتا ہے اور غلط بیانی کرکے گندے الزامات جو سراسر بہتان ہیں انکے مقدس بزرگوں پر لگائے جاتے ہیں اور طرز بیان ایسا پُر از تحقیر اور گندہ اختیار کیا جاتا ہے جس سے زیادہ بغض کے لیے ممکن نہیں۔ کیا کوئی دنیا میں مسلمان ہے کہ وہ محولہ بالا عبارتیں اور الفاظ پڑھے اور اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاوے اور کیا ایسی تحریریں اور مضامین مختلف جماعتوں اور مذاہب میں بے امنی بے چینی اور حقارت کے بڑھانے میں محسوب نہ ہونگی؟ یہ ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے۔ جوکہ ۲۰ر فروری کو فروری کے پرچہ مین نکل چکا ہے۔ جلسہ کی رپورٹ شایع ہوئی ہے۔ ہم آیندہ انشاء اللہ اس پر کچھ لکھین گے۔

اسلام

ہر ایک اپنے مذہب کو خواہ وہ کسی مذہب کا پابند ہو سچا مذہب قرار دیتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نجات اسی کے مذہب میں محدود ہے اور ہر اہل مذہب آیندہ پر رکھتا ہے کہ جو کوئی اس کے مذہب کی تکذیب کریگا وہ آخرت میں سخت عذاب میں گرفتار ہوگا۔ اور وہ کسی طرح سے بھی نجات نہیں پا سکے گا۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ اپنے ساتھ کوئی دلیل نہیں رکھتا۔ اور اس اصل کو مانکر تمام اہل مذہب اپنے مذہب کو سچا قرار دے سکتے ہیں اور کوئی نہیں جو اس کو جھٹلا سکے۔ مگر درصل یہ بات نہیں کوئی ایسا اصول ہونا چاہیئے جو کسی مذہب کی سچائی کو اسی دنیا میں چمکتے ہوئے سورج کی طرح سچا ثابت کردے۔ اب وہ روشنی کا زمانہ ہے کہ ڈاگمہ اور تحکّم اور سکھاشاہی کی سلطنت قریباً دنیا سے اُٹھتی چلی جارہی ہے۔ آجکل کے زمانہ کا نقشہ قرآن شریف میں اسطرح پر کھینچا گیا ہے وترکنا بعضھم یومئذ یموج فی بعض۔ اور ہم اس دن ایسا کریں گے کہ بعض بعض میں موجوں کی طرح حملہ کریں گے۔ یعنی اس دن ایک مذہب دوسرے مذہب پر حملہ کریگا۔ یہ نقشہ بالکل آجکل کے زمانہ پر صادق آتا ہے۔ سچ ہے نو نقد نہ تیرہ اُدھار۔ ہر ایک کہہ سکتا ہے کہ اس کا مذہب سچا ہے۔ اگر اس سے دلیل پوچھی جاوے تو فوراً جواب دیتا ہے۔ کہ اگر تم اسکو نہ مانوگے تو جہنم میں داخل ہوگے۔ بھلا یہ کوئی دلیل ہے۔ بلکہ یہ ویسا ہی دعویٰ ہے جیسا پہلا تھا بلکہ اس سے بھی بڑھکر۔ دلیل وہ ہونی چاہیئے جو نقد ہو نہ کہ اُدھار۔ اسی اصول پر اللہ تعالیٰ یہود اور نصاریٰ کا رد کرتا ہے۔ جہاں وہ فرماتا ہے کہ وقالوا کونوا ھودًا او نصاریٰ تھتدوا۔ وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودًا او نصاریٰ

تلک امانیھم۔ قل ھاتوا برھانکم۔ ان کنتم صادقین۔ اور یہود کہتے ہیں کہ یہودی
بننے سے ہدایت ملتی ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی بننے سے ہدایت ملتی ہے
اس آیت کریمہ میں تو یہودیوں اور عیسائیوں نے الگ الگ یہ دعویٰ کیا ہے کہ انکا ہی
مذہب سچا ہے اور ہر ایک یہی کہتا ہے کہ اسی کے مذہب میں ہدایت محدود ہے۔
اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بحث کا ڈھنگ سکھلاتا ہے کہ ہر ایک مدعی مذہب کو اس کے
مسلمات سے جواب دینا چاہیئے۔ اس لیے فرماتا ہے قل بل ملۃ ابراھیم حنیفا و
ما کان من المشرکین۔ یہ آیت مندرجہ بالا آیت کے ساتھ ہی آگے بیان فرمائی گئی ہے
چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں مذہبوں میں مسلم ہیں تو انکو یہ جواب دیا گیا
ہے۔ کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سچا مانتے ہو اور تمھارا اعتقاد ہے کہ وہ راستباز
انسان تھا۔ پس بموجب تمھارے امر مسلمہ کے جو شخص اس کی پیروی اختیار کرے گا وہ
ہدایت پاجاویگا اور اس سے وہ انکار نہیں کر سکتے۔ کہ ابراہیمؑ کا مذہب سچا مذہب ہے
اور ابراہیم علیہ السلام ایسے عظیم الشان انسان ہیں کہ دنیا خصوصاً عیسائی دنیا یہودی
اور مسلم دنیا انکو اپنا اب ماننا خواہ مذہبی خواہ دنیاوی اپنا فخر خیال کرتی ہے۔ حالانکہ یہودی
مت اور عیسائی مت ابراہیمؑ کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
یا اھل الکتاب لم تحآجّون فی ابراھیم وما انزلت التوراۃ والانجیل
الا من بعدہ افلا تعقلون۔ ھاانتم ھؤلاء حاججتم فیما لکم بہ علم فلم
تحاجون فیما لیس لکم بہ علم۔ واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔ ما کان
ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما وما کان
من المشرکین۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اہل کتاب (اہل کتاب سے مراد ہر دو یہودی
اور نصرانی ہیں) تم کیوں ابراہیم کے بارہ میں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ تورات اور انجیل جنکی
بنا پر یہودی مت اور عیسائی مت قایم ہوئے ہیں ابراہیم سے پیچھے اُتری ہیں۔

تمہیں اتنی عقل بھی نہیں ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانوں میں کتنا بڑا بعد ہے۔ تمہیں اتنا تو چاہیئے کہ جن باتوں میں تمکو علم ہوا کرے انہیں تو بحث کر لیا کرو اور بھلا ایسی باتوں میں کیوں بحث کیا کرتے ہو جن میں تمکو کچھ بھی علم نہیں۔ دیکھو جو اللہ کہتا ہے وہ ٹھیک ہے کیونکہ وہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ یہ سچی بات ہے کہ ابراہیم نہ تو یہودی تھا اور نہ نصرانی۔ اس کا مذہب یہ تھا کہ خدا کے احکام آگے وہ اپنی گردن ڈال دیا کرتا تھا خواہ وہ حکم الٰہی کسی وقت اُترے اور خواہ کسی پر اُترے۔ حالانکہ تم وہ ہو۔ کہ جب تم کو کہا جاوے اٰمنوا بما انزل اللہ قالوا نؤمن بما انزل علینا و یکفرون بما وراءہ۔ یعنی ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام پر تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اُن ہی احکام کو مانتے ہیں جو ہم پر اُتارے گئے ہیں اور انکار کرتے ہیں ؏ حالانکہ وھو الحق مصدقا لما معھم۔ یعنی انکے پاس جو سچائیاں ہیں انکی وہ تصدیق کرتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسکا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ویسی سچائیاں ہیں جیساکہ انکی کتب میں ہیں۔ افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض لیکن جو بعض احکام الٰہیہ کو مانتا ہے اور بعض سے انکار کرتا ہے اسکو دنیا میں ذلّت اور خواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فما جزاء من یفعل ذٰلک منکم الا خزی فی الحیٰوۃ الدنیا و یوم القیامۃ یردون الیٰ اشد العذاب یعنی جو ایسا کرے تم میں سے اس کی کیا سزا ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ اسکو دنیا ہی کی زندگی میں ذلّت اور خواری ہو گی۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہو جائیگا کہ قیامت کے دن اسکو سخت عذاب میں گرفتار ہونا ہو گا۔ اس بیان سے اتنا تو ثابت ہو گیا ہے کہ کسی کا دعویٰ کرنا کہ اس کا مذہب سچا ہے بلا دلیل قابل سماعت نہیں ہو سکتا۔ اور وہ مذہب قابل سماعت ہو سکتا ہے جس مذہب میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو سب پر مقدم کیا گیا ہے۔ اور یہی ابراہیم کا مذہب تھا۔ و ابراھیم الذی وفّٰی۔ ابراہیم

وہ تھا جس نے خدا کے تمام احکام کو پورا کر دکھایا۔ اور اپنے جان و مال سے بھی اس کی راہ میں خرچ کرنے سے دریغ نہیں کیا اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن یرغب عن ملة ابراھیم الا من سفہ نفسہ ولقد اصطفیناہ فی الدنیا وانہ فی الآخرة لمن الصالحین۔ اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین۔ اور کون حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب سے مُنہ موڑ سکتا ہے مگر وہی شخص جس نے اپنے تئیں بیوقوف بنالیا ہے۔ حالانکہ اس کے مذہب کے سچے ہونیکی بڑی دلیل موجود ہے اور وہ دلیل نقد دلیل ہے نہ اُدھار۔ اور وہ دلیل یہ ہے کہ ہم نے اسکو دنیا میں برگزیدہ کیا۔ کیا دنیا میں کوئی ایسی نظیر ہے کہ وہ جھوٹا ہو اور پھر عزت پاجاوے۔ انہ لا یفلح الظالمون۔ ظالم کبھی مظفر و منصور و بامراد ہوتے ہی نہیں۔ ابراہیم دنیا میں ایسا مظفر و منصور ہوا ہے کہ دنیا کو انکار کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ دنیا میں بڑے مذہب چار ہیں۔ یہودی۔ عیسائی۔ مسلمان۔ بُت پرست۔ پہلے تین مذہب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو راستباز۔ مقدس اور اپنا امام اور پیشوا سمجھتے ہیں۔ اور مسلمان تو ہر وقت کما صلیت علیٰ ابراھیم کا ورد رکھتے ہیں۔ چونکہ مانا گیا ہے کہ زمین گول ہے اور اس لیے زمین پر ہر وقت نماز پڑھی جاتی ہے اس لیے لابدی طور سے حضرت ابراہیم پر بھی ہر وقت درود پڑھا جاتا ہے۔ کیا کوئی دنیا میں ایسی نظیر ہے کہ ایک کاذب مدعی کی اتنی عزت کی گئی ہو جیسی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزت کی گئی ہے اور کیجا رہی ہے۔ بے شک قرآن شریف کی پیشگوئی سچی ہے جسمیں لکھا ہے۔ وترکنا علیہ فی الآخرین۔ سلام علیٰ ابراھیم۔ کذٰلک نجزی المحسنین۔ انہ من عبادنا المؤمنین۔ وجعلنا لھم لسان صدق علیا۔ اور ہم نے حضرت ابراہیم پر ہمیشہ کے لیے سلام کو پچھلے لوگوں میں رکھ چھوڑا ہے۔ ایسی ہی جزا ہم محسنوں کو دیا کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا

اور ہم نے اسکو زبان کا راستباز اور بڑے بلند مرتبہ والا بنایا۔ اب چونکہ وہ یعنی حضرت
ابراہیم علیہ السلام دنیا میں ایک مسلم راستباز انسان ہے اور اس کی کامیابی ہر ایک پر
واضح اور روشن ہے۔ آنی کھلی کامیابی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نصیب ہوئی ہے
کہ انکے مخالف بادشاہوں کے نام تک لوگ نہیں جانتے اور کوئی بھی فرد بشر نہ ہوگا
جو حضرت ابراہیمؑ کے نام سے آشنا نہ ہو۔ کہاں ہیں وہ جنہوں نے حضرت ابراہیمؑ
کو آگ میں ڈالا تھا اب آکر دیکھیں کہ کس کی عزت دنیا میں زیادہ ہے۔ تو کیا اب جبکہ
حضرت ابراہیمؑ کی کامیابی سے دنیا بھی انکار نہیں کر سکتی تو وہ خدا جس کی فرمانبرداری
انہوں نے کی تھی اور اس فرمانبرداری کا نتیجہ انہوں نے اسی دنیا میں دم نقد پا لیا تھا۔
تو کیا اس سے صاف طور پر یہ ثابت نہ ہوگا کہ اس کا مذہب سچا ہے اور اس کے مذہب کو
دنیا میں بھی بطور نسخہ کے استعمال کر لیا گیا ہے اور اس نے تشفی بخش نتایج انکو عطا
کیے ہیں جنہوں نے اسکو برتا ہے۔ اگر اربعہ متناسبہ کا قاعدہ درست ہے اور بے شک
وہ قاعدہ دنیا میں مسلم طور پر درست مانا گیا ہے تو بیشک یہ ماننا پڑیگا کہ آخرت میں بھی
حضرت ابراہیمؑ صالحین یعنی سنوار کرنیوالے گروہ میں سے ہوگا۔ یہ کامیابیاں یہ برکات
یہ شان۔ یہ جاہ و جلال اور یہ حشمت اور عظمت جو حضرت ابراہیمؑ کو اس دنیا میں حاصل ہیں
اسکا کیا سبب ہے کیا خدا تعالیٰ کوئی طرفدار ہے نہیں۔ بلکہ جو اسکا ہو جاتا ہے تو خدا بھی اسکا ہو جاتا
ہے اور نتیجۃً خدا اس کو ہر بات میں بامراد مظفر و منصور کرتا ہے۔ بلکہ وہ فرماتا ہے کہ
خدا کا کسی سے رشتہ نہیں۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ جو خدا کی طرف
ایک قدم اٹھاتا ہے خدا اس کی طرف دو قدم چلکر آتا ہے اور جو اسکی طرف چلکر آتا ہے
خدا اسکی طرف دوڑ کر آتا ہے والذین اھتدوا زادھم ھدی واتاھم تقواھم
جو ہدایت پر قایم ہوئے ہیں اللہ انکی ہدایت کو بڑھا دیتا ہے اور انکو اپنا تقویٰ عطا
کرتا ہے۔ یہ سب کچھ انکو کیوں ملا تھا۔ اسکو اگلی آیت واضح طور سے بیان کرتی ہے

اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العلمین - کیونکہ جب اسکو اس کے ربنے فرمایا کہ تو میرے حکموں کے آگے اپنی گردن ڈال دے اور اپنی مرضی کو میری مرضی کے ماتحت کرلے - تو اس نے کہا کہ مینے تو پہلے ہی تمام جہانوں کے ربکے احکام کے آگے سر تسلیم خم کیا ہوا ہے -

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اتنی کامیابی ہوئی ہے کہ مذہب اسلام بھی انہی کی دعا کا نتیجہ ہے - انکی دعا یہ تھی ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتك ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انك انت العزیز الحکیم جسکا مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے رب اور ان میں یعنی حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے جو امت مسلمہ ہوگی ایک رسول بھیجنا جو انہی میں سے ہو اور انپر تیری آیات کو پڑھے اور ان کو کتاب اور مضبوط اور پکی باتیں سکھاوے اور انکا تزکیہ نفس کرے - بیشک تو بڑا غالب ہے اور بڑی حکمت والا ہے - کیا دنیا میں کوئی ہے جو اس دعا کی استجابت سے انکار کر سکے؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا ہے اور اس نے اس دعا کو سنا ہے اور اسکو منظور کیا ہے؟ اور کیا اس دعا نے خارج طور پر اپنا اثر نہیں دکھایا؟ - پس چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود مُسلم تھا - اسنے دعا بھی امت مسلمہ کے لیے کی ہے اور اسی دعا کا نتیجہ ہے کہ اسلام دنیا میں آیا ہے - اسلیے یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ جواب دینا بالکل صحیح اور درست ہے کہ یہودی اور عیسائی بننے سے کیا ہوتا ہے - بلکہ ملت ابراہیمؑ کی پیروی کرنی چاہیئے کیونکہ وہ حنیف مُسلم تھا - اور اس کا اصول فرمانبرداری کرنا تھا اسی لیے اللہ ایک اور جگہ پر وضاحت سے بیان کرتا ہے - ومن احسن دیناً ممن اسلم وجھہ للّٰہ وھو محسن و اتبع ملۃ ابراھیم حنیفاً - و اتخذ اللّٰہ ابراھیم خلیلاً - اور کس کا مذہب اس کے مذہب سے بہتر ہو سکتا ہے جس نے اپنی تمام توجہ کو اللہ کے حضور سونپ دیا ہو

اور اپنی گردن کو اللہ کے احکام کے آگے ڈال دیا ہو اور وہ اسطرح سے اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہے کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا اتنا تو سمجھتا ہے کہ اللہ اسکو دیکھ رہا ہے۔ اور وہ ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرتا ہے یعنی اسلمت لرب العلمین کا اپنے تئیں قولاً و فعلاً مصداق بناتا ہے۔ کیونکہ ابراہیمؑ کی راہ اختیار کرنیسے انسان اللہ تعالیٰ کا دوست بنجاتا ہے۔ کیونکہ ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنایا ہوا تھا پس جو کوئی اس جیسے کام کریگا اور اس کے طریقہ پر عمل کریگا وہ بھی بفحوائے کذلک نجزی المحسنین خلیل اللہ بنجا ئیگا۔

اب تک جو ہم نے لکھا ہے وہ و قالوا کونوا ھودًا او نصاری تھتدوا کے متعلق ہم نے بیان کیا ہے۔ کہ یہودیت اور عیسائیت میں ہدایت نہیں مل سکتی بلکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے میں ہے۔ اور ہم نے مثال دیکر ثابت کر دیا ہے۔ کہ صرف اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا ہی سچا مذہب ہے۔ اور اس کا ثبوت تمام راستبازوں کی لائیفوں کے پڑھنے سے من کل الوجوہ اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔

اب ہم دوسری آیت کو لیتے ہیں جو ہم شروع میں لکھ آئے ہیں وہی ہذہ۔ قالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودًا او نصارٰی۔ تلک امانیھم۔ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ یعنی یہودیوں نے کہا کہ ہرگز کوئی نجات نہیں پا سکیگا اور جنت میں داخل نہیں ہونیکا مگر ہاں وہی جو یہودی ہوا اور عیسائیوں نے بھی کہا کہ کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا مگر وہی جو عیسائی ہوا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یہ انکی جھوٹی خواہشیں ہیں۔ ان سے کہدو کہ اپنے ان دعووں کی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔ دعویٰ بلا دلیل کسی کام کا نہیں ہوتا۔ اسطرح بلا دلیل دعویٰ ہر ایک کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نجات حاصل کرنیکا سچا اور واقعی سبب بیان کرتا ہے کہ کسطرح نجات مل سکتی ہے اور یہ بھی بیان کرتا ہے کہ دنیا کو کسطرح معلوم ہو کہ اس نے نجات

پائی ہے۔ اور دوسروں نے نہیں پائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من اسلم وجہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون یعنی ہاں وہی شخص نجات کا مستحق ہو سکتا ہے اور وہی نجات پاکر جنت میں داخل ہوگا جس نے اپنی توجہ کو اللہ کے حضور سپرد کر دیا ہے اور اپنی گردن کو اس کے حکموں کے آگے جھکا دیا ہے اور اس کے طرح سے احکام الٰہیہ کے آگے گردن ڈالنے سے اسکو یہ مدنظر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاوے اور ایسے طریقہ سے اسکی فرمانبرداری میں لگا رہتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ اسکے سامنے ہے جس کو یہ دیکھ رہا ہے اور وہ اسکو دیکھ رہا ہے پس ایسے آدمی کو اسی دنیا میں اس کے رب کی طرف سے اجر ملتا ہے۔ اور اسکی نشانی یہ ہے کہ انپر سے دنیا کے تمام خوف دور ہو جاتے ہیں اور کبھی انکو ایسا موقع نہیں آتا۔ کہ انپر حزن اور غم کو راہ ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی لائف اس کو خوب صاف اور واضح کرتی ہے۔ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں نہ اپنے نفس کی پرواہ کی ہے یہانتک کہ اولاد کے ذبح کرنیکو محض ایک رؤیا کی بناپر تیار ہو گئے ہیں اپنے مال اپنے نام اور اپنی تمام خواہشوں کی قربانی کر دی ہے تو دیکھو اس کے بدلہ میں انکو کیا ملا۔ انکی اتنی اولاد ہے کہ کبھی کسی گنتی اور شمار میں نہیں آتی۔ انکے نام پر کروڑوں مسلمان اور دیگر اقوام صلوٰۃ اور سلام بھیجتی ہیں۔ اور انکو خود یہ مرتبہ ملا کہ تمام جہان میں امام بنائے گئے ہیں انی جاعلك للناس اماما۔ انہی کی شان میں وارد ہے۔ اولاد میں حضرت موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ یوسفؑ اسحاقؑ۔ اسمٰعیلؑ۔ یعقوبؑ اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نور پیدا ہوئے۔ اور ملک انکو اتنے ملے کہ تمام بر اعظموں پر آپ ہی کے نام لیوے حکومت کر رہے ہیں۔ بے نصیب وہ ہیں جو آپکے نام لیووں میں شامل نہیں ہیں۔

اس ہمارے تمام مضمون کا خلاصہ کیا ہوا۔ خلاصہ یہ ہوا۔ کہ فرمانبرداری اللہ کو مرغوب ہے اور صرف اللہ کی فرمانبرداری کرنا ہی مذہب قابل پذیرائی ہو سکتا ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ یعنی اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی سچا مذہب ہے اور جو اس سے منہ پھیریگا اور اس کے سوائے کوئی اور مذہب تلاش کرے گا تو وہ مذہب اس سے قبول نہ کیا جاویگا اور اس لیئے نتیجہ میں وہ زیان کاروں میں سے ہوجاویگا۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین۔

پس خلاصہ ہمارے مضمون کا یہ ہوا۔ کہ بلا دلیل کوئی مذہب سچا ٹھہر نہیں سکتا اور دعویٰ بلا دلیل قابل سماعت نہیں ہوتا۔ اور کہ دلیل نقد ہونی چاہیئے نہ کہ اُدھار اور نقد دلیل صرف اسلام میں ہی ملتی ہے۔ اور اسلام پر چلکر انسان دنیا میں بھی مظفر و منصور اور کامیاب ہوجاتا ہے اور اس لیے وہ آخرت میں نجات پا جائے گا۔ اس لیے ہر ایک مسلمان پر لازم اور واجب ہے کہ وہ اپنے نام کا پاس کرے۔ اور جیسا کہ وہ مسلمان کہلاتا ہے اپنے اندر حقیقی اسلام کو بھی داخل ہونے دے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایھا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ۔ اے ایمان والو! اسلام میں کامل طور سے داخل ہوجاؤ۔ یعنی تمہارے تمام اعضا اور جوارح اسلام کے احکام کے مطابق فرمانبرداری میں لگ جاویں۔ یہ چند سطور صرف لفظ اسلام پر لکھی گئی ہیں انشاء اللہ بتوفیقہ تعالیٰ ہم آئیندہ ایک سلسلہ آرٹیکل کا شروع کریں گے کہ وہ اسلام کیا ہے اور اس کے احکام کیا ہیں۔ جنپر چلنے سے انسان خلیل اللہ بن سکتا ہے۔ واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۹- فروری ۱۹۰۸ء - (۱) انت امامٌ مبارکٌ - ترجمہ - تُو امامِ مبارک ہے۔
(۲) لعنۃ اللہ علی من کفر - ترجمہ - اللہ کی لعنت اُس پر جس نے انکار کیا۔
(۳) انّی معک فی السماء و الارض - ترجمہ - مَیں تیری ساتھ ہوں - آسمان اور زمین میں
(۴) انّی معک فی الدنیا و الاخرۃ - ترجمہ - مَیں دنیا اور آخرت میں تیرے ساتھ ہوں۔
(۵) ان اللہ مع الذین اتقوا و الذین ھم محسنون - ترجمہ - اللہ ساتھ ہے انکے جو تقوی اختیار کریں اور جو نیکو کار ہیں۔
(۶) اینما ثقفوآ اُخذوا و قتّلوا تقتیلاً - ترجمہ - جہاں کہیں پائے گئے پکڑے جائیں گے اور ہلاک کیے جاویں گے۔
(۷) لا تقتلوا زینب - ترجمہ - زینب کو قتل نہ کرو۔
(۸) "آسمان ایک مٹھی بھر رہ گیا"

۱۱- فروری ۱۹۰۸ء - یا مسیح اللہ عدوانا - ترجمہ - اے اللہ کے مسیح ہماری شفاعت کر۔

ظفرکم اللہ ظفراً مبیناً۔

۷/ مارچ ۱۹۰۸ء - "ماتم کدہ" - فرمایا اس کے متعلق کوئی تفہیم نہیں ہے - پھر غنودگی میں دیکھا کہ ایک جنازہ آتا ہے۔

تعلیم دینے کے لیے ہے۔ جس میں علاوہ مروجہ مضامین کے دینیات اور عربی کی تعلیم بھی دیجاتی ہے اور ایک مدرسہ عربی مولوی فاضل تک تعلیم دینے کے لیے ہے جس میں علاوہ مولوی فاضل کی تعلیم کے دینیات کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم اور اسکے ساتھ تھوڑی انگریزی اور کسیقدر دیگر مضامین مروجہ اور طب کی تعلیم بھی دیجاتی ہے ایک گرلز سکول لڑکیوں کی تعلیم کے لیے بھی ہے اور تین برانچ سکول دیہات میں ہیں۔ ان اخراجات کو پورا کرنیکے لیے حضرت اقدس نے یہ لازمی قرار دیا ہے کہ سب احباب مدرسہ کے لیے حسب استطاعت چندہ دیں۔ نیز جن احباب کے بچے تعلیم کے قابل ہیں وہ انکو تعلیم کے لیے اسجگہ بھیجیں۔

(۳) **مساکین اور یتامیٰ کی مدد۔** اس کے لیے تین الگ الگ فنڈ ہیں۔ ایک مساکین کے لیے۔ ایک یتامیٰ کے لیے۔ اور تیسری مد زکوٰۃ کی ہے قربانی کی کھالوں کا روپیہ مسکین فنڈ میں جمع ہوتا ہے۔ اور مساکین اور یتامیٰ کے لیے ذی مقدرت احباب مستقل طور پر بھی مدد کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کا روپیہ بھی احباب کو چاہیئے کہ حتی الوسع یہاں بھیجا کریں۔

(۴) **مقبرہ بہشتی کا انتظام۔** اس کے لیے رسالہ الوصیت کو دیکھنا چاہیئے۔

اطلاع:- خریداران انگریزی پرچہ ریویو آف ریلیجنز کی خدمت میں گذارش ہے کہ مارچ کا پرچہ شایع نہیں ہو سکے گا کیونکہ ایڈیٹر صاحب کو بوجہ چند قومی ضروریات کے کافی فرصت نہیں ملی ہے۔ انشاءاللہ ۲۰ اپریل کو ہر دو پرچہ مارچ اور اپریل کا شایع ہوگا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ بابت ماہ اپریل ۱۹۰۸ء نمبر ۴

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- اپریل ۱۹۰۸ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا چندہ سالانہ عہ

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

غالباً ۲۵۔ مارچ ۱۹۰۸ء (۱) امثال الرحمة فی اول الذکر و اخر الذکر۔ ترجمہ۔ رحمت کی مثالیں۔ پہلے ذکر والا اور آخر ذکر والا۔ (۲) حٰم تلك آیات الکتٰب المبین۔ ترجمہ۔ کھول کر بیان کرنے والی کتاب کے یہ نشان ہیں۔ (۳) لا تذروہ جاریہ۔ (۴) کبھی معدہ کے خلل سے بھی ورم ہو جاتی ہے۔ شب درمیانی ۲۸ و ۲۹۔ مارچ ۱۹۰۸ء۔ (۱) احسن اللہ امرك۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے تیرا کام اچھا کر دیا۔ (۲) احسن اللہ امری۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے میرا کام اچھا کر دیا۔ (۳) یاتین من کل فج عمیق ترجمہ۔ میرے پاس تحائف آئیں گے ہر دُور کی راہ سے۔ (۴) امید سے بڑھ کر۔ (۵) رعایا میں سے ایک شخص کی موت۔ (۶) فتح۔

۱۱۔ اپریل ۱۹۰۸ء (۱) کتب اللہ علیٰ نفسه الرحمة۔ (۲) حق علینا نصر المومنین۔ (۳) انی احافظ کل من فی الدار۔ من ھٰذہ المرض الذی ھو ساری۔ (یعنی من ھٰذہ الآفة اور مرض اسکا بدل ہے) ترجمہ۔ میں تمام گھر والوں کو اس بیماری سے بچاؤنگا اسی بیماری سے جو متعدی ہے (۴) امید سے بڑھکر فایدہ ہوا۔ (۵) دوبارہ زندگی۔ (۶) منسوخ شدہ زندگی۔ ۱۲۔ اپریل ۱۹۰۸ء انی براءٌ من ذٰلك (یہ کسی کا مقدمہ ہے) ۱۳۔ اپریل ۱۹۰۸ء۔ (۱) رحمت اور فضل کا کلام۔ (۲) شکر کا کلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عباس کی تعلیم

عباس بابی مذہب کے مذہبی آئمہ کی تثلیث کا تیسرا بڑا رکن ہے اور بہاء اللہ کے مرنیکے بعد اس مذہب کو بہت سی کامیابی اس کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔ یہ بہاء اللہ کا بیٹا ہے اور اپنے باپ کی وفات کے بعد کثیر حصہ بابیوں کا مسلّم امام ہے۔ اس کا علاتی بھائی محمد علی نام جو بہاء اللہ کی دوسری بیوی سے تھا اس کا مدمقابل تھا۔ اس کی زندگی کا حال لائیف اینڈ ٹیچنگز آف عباس افندی (عباس افندی کی سوانح اور تعلیمات) میں مندرج ہے جو کہ نیویارک کے ایک وکیل مسمی مائیرن۔ ایچ فلپس نے ۱۹۰۴ء میں لکھی ہے۔ مسٹر فلپس نے کتب بابیہ کے مطالعہ سے مفتون ہو کر عکا کا سفر بھی کیا تھا اور اس لیے اسکی کتاب ایک سچے بابی کے خیال کی رو سے زمانہ حال کے مطابق بابی مذہب کو ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ کیونکہ اس کے معلومات یا تو خود عباس سے بلاواسطہ حاصل کیے گئے ہیں۔ یا ایسے اشخاص سے لیے گئے ہیں جو عباس سے بہت قریبی اور گہرے تعلقات رکھتے ہیں اور اس کے حالات زندگی اور تعلیمات سے خوب واقف ہیں۔

اس موجودہ مضمون میں ہمیں عباس کے واقعات زندگی سے کچھ سروکار نہیں ہے

ہاں صرف اسقدر ہم اس کی زندگی کے واقعات پر بحث کریں گے جنکا اثر اسکی تعلیمات پر پڑتا ہے یا پڑا ہے۔ مختصراً اسکی سوانح یوں بتلائی جاسکتی ہیں۔ کہ یہ ایک دردناک دُکھوں اور مصایب کی زندگی کا خاکہ ہے۔ جلاوطنی اور قید کی زندگی میں جسکے ساتھ بڑے بڑے مصایب تھے شاید صرف ایک ہی بات سکینت دینے والی تھی یعنی بابیوں کا اپنے پیشوا کی اپنے اموال کے ساتھ مدد کرنا اور جہاں تک ممکن ہو مالی تنگی کی تکلیف اسے نہ پہنچنے دینا۔ مسٹر فلپس نے بہت سی مؤثرانہ کہانیاں لکھی ہیں۔ جن میں بتلایا گیا ہے کہ عباس افندی نے ان مصایب کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا ہے اور بڑی برداشت اور تحمل سے کام لیا ہے۔ خصوصاً جلاوطنی اور قید کے بڑے لمبے زمانہ میں۔ اور اس نے اپنے ہیرو کے بعض بڑے کاموں کو بڑی بسط اور تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن جبکہ اسنے عام پبلک کے سامنے نیکی کے وہ چھوٹے چھوٹے کام پیش کرنے میں بہت اچھا کام کیا ہے جو انسان کو ایک عظیم الشان انسان بنادیا کرتے ہیں اس نے بڑی محنت اور توجہ اس میں بھی صرف کی ہے کہ ہر ایک ایسی بات کو جو بابی مذہب کے لیڈروں کے چال چلن پر دھبہ لگا سکے دفع کیا جاوے۔ مسٹر فلپس کی یہ غلطی قابل عفو ہے کیونکہ اس نے بابی لیڈر کی زندگی اور تعلیمات کا مطالعہ تنقید کی غرض سے نہیں کیا ہے بلکہ ایک مداح کے خیال کی رو سے بلکہ یوں کہنا بجا ہوگا کہ اس نے ایک مومن یا پیرو کے طور پر اسکی زندگی کو پڑھا اور لکھا ہے۔ مگر تاہم ہمیں اس کی زندگی کے واقعات سے کچھ سروکار نہیں ہمیں صرف اسکی تعلیمات کو دیکھنا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں عباس بابی مذہب کے لیڈروں میں ثالث ثلاثہ ہے جنہوں نے اس بابی مت کو بنایا ہے۔ لیکن انمیں سے ہر ایک میں

یہ ایک عجیب بات ہے کہ ہر ایک نے اس مذہب کو اپنے ہی قالب میں ڈھالنا چاہا ہے۔ علی محمد (باب) نے ۱۸۴۴ء میں بابی مذہب کی بنا ڈالی اور البیان پر اپنے دعویٰ کی بنا رکھی۔ حسین علی (بہاء اللہ) نے باب کے قتل کے قریباً اٹھارہ برس بعد بابی مذہب کی امامت کا دعویٰ کیا اور یہ اعلان کیا کہ البیان اسکے اس کلام سے منسوخ ہو گیا ہے جو اس نے کتاب الاقدس میں درج کیا ہے اور اسوقت سے بابی مذہب کی کتاب مقدس یہی کتاب الاقدس سمجھی گئی ہے اور یہی کتاب اب بابی مذہب کے تمام اصول کی بنیاد ہے۔ اب بہاء اللہ کے بعد اس کا بیٹا گدی پر بیٹھتا ہے۔ اور اگرچہ جسطرح کھلے طور پر بہاء اللہ نے باب کی تعلیم کو منسوخ قرار دیا تھا عباس اسطرح بہاء اللہ کی تعلیم کو منسوخ نہیں کہتا بلکہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ اسکا اسی تعلیم اور انہی عقاید پر ایمان ہے۔ مگر ان قوانین میں جو بہاء اللہ نے قایم کیے تھے یہاں تک اس نے تغیر و تبدل کیا ہے کہ اب ان میں بہاء اللہ کا مذہب نظر آتا ہی نہیں یہ بات ہم صرف فلپس کے بیانات کی بنا پر لکھتے ہیں کیونکہ وہ عین یقین دلاتا ہے کہ تعلیمات عباس جو اس نے اپنی کتاب میں درج کی ہیں خود علم سے بلا واسطہ لی گئی ہیں اور شایع کرنے سے پہلے اس کے سامنے پڑھی گئی تھیں اور اسنے انکو صحیح تسلیم کیا تھا پس ہمیں اس کے بیانات پر شک کرنیکی کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی۔ عباس کے ہاتھوں میں بابی مذہب نے بہ نسبت مذہب کے زیادہ تر فلسفہ کا رنگ پکڑ لیا ہے۔ وہ بہ نسبت اس کے کہ اپنے مریدوں کو رہنمائی کے لیے تعلیم دے یا اصول بناے۔ فلسفیانہ مسائل کے حل کرنے میں بہت تشریحات سے کام لیتا ہے۔ اگرچہ یہ کہا گیا ہے کہ عباس تعلیم یافتہ نہیں ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجودہ زمانہ کی سائنس کے اعلیٰ درجہ کے اصول سے خوب واقف ہے اور اس نے روح اور مادے کی

اصلیت کے مسئلہ کو آج کل کی سائینس کے مطابق مسئلہ ارتقا پر قایم کیا ہے
بر خلاف بہاء اللہ کے جو بار بار خدا کو خالق قرار دیتا ہے عباس کہتا ہے کہ خدا کچھ
پیدا نہیں کر سکتا (دیکھو صفحہ ۱۶۹) اور مادہ انادی اور ازلی ابدی ہے (دیکھو
صفحہ ۱۷۰) روح اور مادہ کے متعلق عباس کی تعلیم یہ ہے کہ وہ موجودہ حالت تک
چار عالموں میں سے ہو کر پہنچے ہیں یعنی عالم معدنیات۔ عالم نباتات۔ عالم حیوانات
اور عالم انسان (دیکھو صفحہ ۱۱۹) اس آخری درجہ پر یعنی عالم انسانی میں پہنچکر ہردو
روح و مادہ کے متعلق یہ خیال کیا گیا ہے کہ وہ اپنی تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔ کیونکہ
انسان "قدرت کی آخری پیداوار اور اس کی ترقی کا مقصد اعلیٰ ہے" (صفحہ ۱۲۰)

روح کے غیر فانی ہونیکے مسئلہ پر بھی عباس کے خیالات بہاء اللہ سے
مختلف ہیں کیونکہ عباس کے خیالات اُس فلسفیانہ طرز پر واقع ہوتے ہیں جسکو
اس نے اختیار کیا ہے۔ ہر دو باب اور بہاء اللہ روح کے غیر فانی ہونے اور
بعث بعد الموت پر ایمان لاتے تھے۔ لیکن عباس کے خیالات سے ایسا
ثابت نہیں ہوتا۔ عباس کے نزدیک انسان کا شعور روح کی جسم سے جدائی کے
بعد نہیں رہتا سوائے چند حالتوں کے۔ انسان کے خیالات جذبات اور
خو بو خیال کیے گئے ہیں کہ اس کے مرنیکے بعد کسی اور جگہ میں رہتے ہیں۔ مگر
روح باقی نہیں رہتی اور یہ جذبات اور سیرت بعد میں کسی اور انسان میں حلول
کر جاتے ہیں۔ اسکے ثبوت میں یہ پیش کیا گیا ہے کہ ایک آدمی کی سیرت اور
خو بو دوسرے میں پائی جاتی ہیں۔ اس خیال میں "بروز" کے خیال کو بگاڑ کر
بیان کیا گیا ہے مگر عباس کے نزدیک حیوانی روح کے علاوہ انسان میں ایک
اور روح بھی ہوتی ہے جو الٰہی روح کہلا سکتی ہے۔ یہ روح جو کہ حقیقی طور سے انسانی
روح کہلاتی ہے عام لوگوں میں یا عام طور سے بنی آدم میں نہیں پائی جاتی۔ بلکہ

صرف چند افراد کاملہ انسانیہ میں ہوتی ہے۔ جن میں یہ کافی طور سے نشوونما پاتی ہے اور ان حالتوں میں یہ روح انسان کی موت کے بعد زندگی کی اعلیٰ حالتوں میں چلی جاتی ہے۔ اسجگہ بہتر ہوگا کہ ہم مسٹر فلپس کے اصل الفاظ میں اس عقیدہ کو بیان کریں۔ کیونکہ یہ بابی مذہب میں ایک ایسا نیا عقیدہ ہے جو کہ ہر دو باب اور بہار اللہ کو معلوم نہ تھا بابی مذہب کے علم روح کے فلسفہ کی باب میں مسٹر فلپس لکھتا ہے۔ "لیکن انسان یا تو امکان کی رو سے یا حقیقی طور سے ایک اور اصل رکھتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ تمام دوسری مخلوقات سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ الٰہی شعاع ہوتی ہے اور انسان کو بلا واسطہ خدا کی طرف سے پہنچتی ہے۔ عباس افندی نے اسکو محبت الٰہیہ کی ایک شعاع قرار دیا ہے۔ جو ہر ایک انسان کی طرف خدا کی طرف سے اسکی بلوغ کے وقت بھیجی جاتی ہے۔ یہ حقیقتہً روح انسانی ہوتی ہے۔ جب یہ انسانی کانشنس (ضمیر) سے ملتی ہے تو یہ ایک ذات یا شخصیت کا جامہ پہن لیتی ہے۔ جو صرف اپنے تئیں اور خدا کو جانتی ہو یہ روح انسانی عقل اور قوت متفکرہ کو روشن کرتی ہے اور اسکو اپنی شکل اور حقیقی روح کی شکل دیتی ہے۔ الروح کی زندگی سے بنی نوع آدم کے گروہ کے گروہ بالکل ناواقف ہیں۔ لیکن یہ روح شریف۔ عمدہ اور بلا غرض والے کاموں کی تحریکات کا ذریعہ بنتی ہے جو کام انسانی زندگی کے صفحہ کو روشن کرتے ہیں۔...... دنیا اور تمام اس کی ہزار ہا اشکال صرف اس لیے زندہ موجود رہتی ہیں کہ مسئلہ ارتقا کے مطابق شخصیت تعقل اور جذبہ کے ایسے مرکز پیدا کریں جو انسانی روح اور الٰہی شعاع کے درجہ تک پہنچ سکیں اور اس سے اتحاد کامل پیدا کر سکیں۔ اسی تکمیل کی طرف مسئلہ ارتقا کے مطابق یقیناً تمام انسانی نسل ترقی کر رہی ہے بنی آدم کے ایک بڑے حصہ نے اس نشوونما کے درجہ کو حاصل نہیں کیا ہے

جہاں یہ اتحاد ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن بہت سے آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے قویٰ کی مشق سے اس درجہ کو حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ انسان جبتک وہ اس دنیا میں ہے اپنی قسمت اور تقدیر پر بہت بڑا تصرّف رکھتا ہے۔ لیکن لوگ اس وجہ کو تلاش نہیں کرتے۔ اپنے مُنہ خدا کی طرف نہیں موڑتے عوام الناس جہالت اور حرص میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور اپنی فانی زندگی کے چندسال اپنی ذاتی خواہشات اور شہوات میں اور زمینی زندگی کے دھوکوں اور غودی کی بے حقیقت باتوں میں صرف کر دیتے ہیں۔ انکے لیے کوئی زندگی بعد الموت نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ انکے خیالات اور افعال بذریعہ اپنے آثار اور اظلال کے جاری رہتے ہیں۔ اور تمام انسانی زندگی کے عام طریقہ میں تغیر و تبدل پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ اُس درخت کے پتوں کی مانند ہوتے ہیں جو بکثرت زمین پر گر پڑتے ہیں اور زمین کی کھاد بننے کیلیے مفید ہو جاتے ہیں اور پھل جو خوب اچھی طرح طیار ہو کر پک جاتے ہیں ان پتوں کے مقابلہ میں تعداد میں بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ ہر قسم کے ہزارہا اجرام جو کبھی کامل نمو کو نہیں پہنچتے۔ قدرت (نیچر) نے انکو پیدا کر دیا ہے اور کثرت سے دنیا میں پھیلا دیا ہے تاکہ چند افراد نشو و نما کے لیے مناسب حالات پا سکیں۔ یا غیر مکمل اشکال کی ایک بڑی تعداد ارتقا کی خاطر ہر ایک درجہ پر قربان کیجاویں تاکہ چند اور کامل افراد منتخب کیے جاویں جو اس ارتقا دالے طریقہ کو جاری رکھیں۔ انسانی شخصیت کا اس الٰہی روح کے ساتھ اتحاد صرف اسیوقت مکمل ہوتا ہے جب وہ عین جوانی کے زور کے وقت ظہور پذیر ہو۔ لیکن ایک غیر مکمل اتحاد موت کے معاً بعد بھی واقع ہو سکتا ہے۔ جب کہ حواس اپنے کاموں سے معطل ہو جاتے ہیں۔" مصنف کتاب لکھتا ہے

"جب یہ اتحاد غیر مکمل ہوتا ہے تو انسانی حس جو روح کے نیچے دب جاتی ہے اب اپنے غیر مکمل ہونیکی حالت سے خوب واقف ہوکر زندگی کے دیگر حالات کیطرف انتقال کر جاتی ہے۔ جہاں اسکے تکمیل حاصل کرنیکے باقی موقعے اور ذریعے اسکی ذاتی جد و جہد پر موقوف نہیں رہتے۔ اور بطور ایک حق کی کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتے یعنی اسطرح حاصل نہیں ہو سکتے جسطرح کہ اس دنیا میں تکمیل روح کیلیے موقعے ملتے ہیں بلکہ مرنیکے بعد اسکی تکمیل صرف خدا کی رحمت اور فضل پر منحصر ہوتی ہے۔ مگر جب اتحاد کامل اور مکمل ہوتا ہے۔ تو اس سے ایک شخصیت یا ذات پیدا ہوتی ہے۔ جس میں عقل الٰہی اور روح کی تمام منتشرہ قوتیں ہوتی ہے اور وہ اپنے تئیں جانتی ہے اور وہ یہ بھی جانتی ہے کہ وہ قادر مطلق لم یزل و لا یزال ازلی ابدی خدا کا ایک جزو ہے زمانہ کی حکومت اسپر سے اُٹھ جاتی ہے۔ اگرچہ وہ ابھی تک جگہ اور شکل کی حکومت کے اندر ہی ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کسی خاص جگہ کے اندر رہتی ہے۔ اس حالت میں روح اس الٰہی سرچشمہ میں محو ہوکر جس کا اپنے تئیں یہ ایک حصہ خیال کرتی ہے زندگی کی اعلیٰ ترقیات کی طرف انتقال کرجاتی ہے اور اپنے نشو و نما کو جاری رکھتی ہے اور اپنی تکمیل کے آخری درجہ پر وہ زمانہ۔ مکان۔ جگہ اور شکل کی قیود سے دور آگے گذر جاتی ہے تب انسان اور خدا ایک ہو جاتا ہے یعنی وہی اصل ہوتا ہے اور وہی ظل۔"

اب یہ شکل اور نظری مابعد الطبیعیات کے مسائل جنکو عباس افندی نے اسقدر قابلیت سے بیان کیا ہے بہاء اللہ کی تعلیم کے مطابق نہیں ہیں۔ اور اسکی تمام تعلیم ایسے مسائل کی جیسے مسٹر فلپس نے عباس افندی کی طرف منسوب کیے، زور سے تردید کرتی ہے۔ مثلاً بہاء اللہ کتاب الاقدس میں ایک جگہ لکھتا ہے۔ لا ینکرہ الا الذین سکرت ابصارھم فی الاولیٰ و فی الاُخریٰ لھم

عذاب مهین (صفحہ ۴۹) ترجمہ۔ بہار اللہ کا کوئی انکار نہیں کر سکتا مگر وہی شخص جو دنیا کے دھندوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ انکے لیے آخرت میں ذلت کا عذاب ہے۔ یہاں کم از کم اس نے آخرت کا وجود مان لیا ہے یعنی کہ مرنیکے بعد دوبارہ بہشت ہوگی اور اشرار کو انکی شرارت کے بدلہ میں سزا ہوگی۔ ایسی بہت سی عبارتیں بہار اللہ کی تصنیفات کے بہت سے مقام میں پائی جاتی ہیں۔ جہاں کہ ہر دو ابرار اور اشرار کی حیات بعد الممات صریح اور صاف الفاظ میں تسلیم کی گئی ہے۔ اپنے منکرین کا ذکر کرتے ہوئے اسی کتاب میں ایک موقعہ پر لکھتا ہے۔ من الناس من غرته العلوم و بہا منع عن اسمی القیوم واذا سمع صوت النعال عن خلفه یری نفسه اکبر من نمرود قل این هو ایها المردود تاللہ انه لفی اسفل الجحیم۔ (دیکھو صفحہ ۱۶) ترجمہ۔ لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جنکو انکے علوم نے دھوکہ میں ڈالا ہے اور ان علوم نے انکو میرے نام قیوم (سہارا دینے والا۔ جسکے سہارے سے تمام دنیا قایم ہے) سے روک دیا ہے جب وہ جوتی کی آواز اپنے پیچھے سے سنتا ہے تو اپنے نفس کو نمرود سے بھی بڑا خیال کرتا ہے تو کہدے اے مردود وہ نمرود کہاں ہے۔ اللہ کی قسم وہ دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہے۔ اب یہ مشہور بات ہے کہ نمرود ایک بادشاہ تھا جس نے حضرت ابراہیمؑ کی مخالفت کی تھی اور بہار اللہ یہاں اقرار کرتا ہے اور بڑے پر زور الفاظ سے اقرار کرتا ہے کہ وہ یعنی نمرود فی الدرك الاسفل من النار ہے یعنی آگ کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہے اور اپنے مخالفین کو ڈراتا ہے کہ ایسی ہی سزا ان علماء کو بھی دیجاویگی جنہوں نے بہار اللہ کی مخالفت کی اور اسے رد کر دیا پھر اس قانون کا ذکر کرتے ہوئے جو زانی اور زانیہ کے متعلق کتاب الاقدس میں اس نے بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے۔ هذا ما حكم به مالك السماء

فی الاولیٰ و فی الاخریٰ قد رلهما عذاب مھین۔ صفحہ ۱۹۔ ترجمہ۔ یہ وہ حکم ہے جو آسمانوں کے مالک نے دنیا میں اجرا کے لیے دیا ہے۔ آخرت میں زانی اور زانیہ کے لیے عذاب ذلّت کا مقرر کیا گیا ہے۔

بعث بعد الموت بہت سے اور موقعوں پر ابرار اور اشرار کیلیے عوام الناس اور برگزیدہ لوگوں کے لیے کم و بیش صریح الفاظ میں تسلیم کیا گیا ہے۔ ایک جگہ پر بہار اللہ کے منکرین اصحاب السعیر قرار دیئے گیے ہیں۔ اور بار بار انپر لعنت کیگئی ہے۔ پھر خدا تعالیٰ لوگوں کے لیے گناہ بخشنے والا عفو غفور مانا گیا ہے حالانکہ ایسا اعتقاد بہار اللہ کبھی بھی نہیں رکھ سکتا تھا اگر وہ بعث بعد الموت پر یقین نہ رکھتا کیونکہ وہی مقام ہے جہاں کہ شریروں کو انکی شرارت اور اخیار کو انکی حسنات کے بدلے عقاب و ثواب ہوگا اور گنہگاروں کے گناہ بخشے جاویں گے۔ لیکن اسکا بیٹا ہر کہ ظاہراً ابھی تک اسی کے اپنے مذہب کی اشاعت کر رہا ہے۔ لیکن کھلم کھلا اس کے مذہب کے بڑے بڑے اصول کی تردید کر رہا ہے اور بالکل بابی مذہب کے خیالات کے متضاد اور متخالف فرضی دعاوی اور اصول شایع کر رہا ہے۔ تاکہ اسکے فلسفیانہ خیالات کے مطابق ہوجاویں جو وہ انسانی زندگی کی ابتدا اور انتہار کے متعلق خیال کرتا ہے۔ وہ کھلے طور سے ان تمام کے لیے بعث بعد الموت کا انکار کرتا ہے جنہوں نے روحانی تکمیل کا اعلیٰ درجہ حاصل نہیں کیا اور اسطرح اس مذہب کے اصل اصول کی سخت مخالفت کر رہا ہے جسکا وہ اپنے تئیں واعظ خیال کرتا ہے۔

ایک اور اختلاف جو عباس افندی نے اپنے باپ کی تعلیمات سے کیا ہے وہ ہے دوسرے مذاہب سے بابی مذہب کے تعلق کے بارہ میں۔ گذشتہ سال کے پرچوں میں ہم نے جو سلسلہ مضامین بابی مذہب پر لکھا تھا اس میں ہمارے

ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ بہاء اللہ نے اس زمانہ میں تمام مخلوقات کے ہادی بننے کا دعوے کیا تھا اور اس نے تمام دیگر مذاہب اور فرقوں پر لعن طعن کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ تمام مذاہب ضلالت کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کو "ابرار کیلیے برکت اور اشرار کے لیے ہلاکت قرار دیتا ہے۔" اور یہ فضل و رحمت انکے لیے ہے جو بہاء اللہ کو قبول کرتے ہیں اور یہ ہلاکت انکے لیے ہے جو اس کی تردید کرتے ہیں اور اسکی مخالفت کرتے ہیں۔ کتاب الاقدس اور بہاء اللہ کی دوسری تصنیفات ایسی عبارتوں سے پُر ہیں جیسی کہ مندرجہ ذیل عبارتیں ہیں۔ "خبردار وہ جو بہاء اللہ کے منکر ہیں ہلاکت کے گڑھے میں ڈالے جائیں گے۔" "مبارک ہیں وے جو مجھے قبول کرتے ہیں اور ہلاکت ہے انکے لیے جو مجھ سے انکار کرتے ہیں۔" "ہلاکت ہے انکے لیے جنہوں نے مجھے ترک کر دیا ہے۔" "وے ہے انکے لیے جو مُنہ موڑتے ہیں۔" "خدا انپر لعنت کرے۔" "خدا انسے لڑے۔" دوسرے مذاہب کا تو کیا ذکر ہے بہاء اللہ نے ان بابیوں سے بھی تحمّل سے سلوک نہیں کیا جو ابھی تک باب کے مذہب کے پیرو تھے لیکن انہوں نے بہاء اللہ کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس نے بڑے خطرناک الفاظ میں انپر طعن و تشنیع کی ہے۔ بعض وقت اسنے انکے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جیسے بیوقوف۔ جاہل ناکندہ تراش اور غافل لوگ جو شیطان کی طرح لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے میں مشغول و مصروف رہتے ہیں۔" اور بعض دفعہ انہیں "کانھم حمر مستنفرہ۔ فرت من قسورۃ" یعنی یہ گدھے ہیں جو شیر کے ڈر سے بھاگ گئے ہیں لکھا ہے۔ کتاب الاقدس کا مندرجہ ذیل حوالہ صاف طور سے بتلا رہا ہے۔ کہ بہاء اللہ کا دیگر مذاہب سے کیا تعلق تھا۔ "مبارک ہے وہ آدمی جو بہاء اللہ کا مصدق ہے اور ہلاکت ہے ہر ایک فریبی منکر کے لیے...... اور جان لو کہ البیان

کے متبعین نے اس فضل اور نعمت کے قبول کرنیسے انکار کیا ہے جسکی نظیر دنیا نے نہیں دیکھی...... اسطرح سے انکے نفسوں نے انکی بداعمالیوں کو انکی نظر میں خوبصورت کرکے دکھلایا ہے اور آجکل وہ ضابین کے گروہ میں شامل ہو گئے ہیں وہ توہمات کی پرستش کرتے ہیں اور جانتے نہیں۔ اور بتوں کے سامنے سجدہ کرتے اور سمجھتے نہیں۔ وہ اپنے سروں کو پگڑیوں سے مزین کرتے ہیں اور خود گمراہ ہو گئے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کر رہے ہیں۔"

درحقیقت بہاء اللہ نے جو بطور خود ایک مذہب کا بانی تھا چند ایک اصول پیش کیے ہیں اور ان اصول کے قبول کرنے پر ہی اسکے نزدیک تمام بنی نوع کی نجات منحصر تھی۔ سب سے پہلا اصل یہ تھا کہ اسکو خدا کا کامل اوتار سمجھا جاوے اور دوسرے ان احکام و قواعد کی اطاعت کیجاوے جو کتاب الاقدس میں درج کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے شروع میں ہی بڑی وضاحت سے لکھا گیا ہے کہ نجات حاصل کرنیکے لیے ضروری ہے کہ اسکو قبول کیا جاوے اور ان احکام پر عملدرآمد کیا جاوے جو اس نے کتاب الاقدس میں لکھے ہیں۔ اس کتاب کو خدا کی میزان قرار دیا گیا ہے جس کے ساتھ تمام انسانوں کے اعمال وزن کیے جاتے ہیں اسطرح کہ خواہ کیسا ہی کوئی نیکی کا کام ہو وہ کسی کام کا نہیں جبتک کہ وہ قوانین کی کتاب (کتاب الاقدس) کے مطابق نہ ہو۔ چنانچہ خود اس کے پیرووں نے یہی سمجھا اور اسی کے مطابق اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ بہاء اللہ کا قبول کرنا نجات کے لیے شرط ہے۔ مندرجہ ذیل حوالہ سیکرٹ مسٹر نیر (مقدس اسرار) کا جو بہائیزم کی تشریح کے لیے ایک امریکن تصنیف ہے جسکو مسٹر فلپس نے بھی نقل کیا ہے بہاء اللہ کے مذہب کا سچا خاکہ ہے۔ اس حوالہ کی عبارت یہ ہے۔ "جو شخص عبدالبہا کی محبت میں پکا اور مستحکم ہے اور بہاء اللہ کے

مبارک مذہب کی تائید میں کھڑا ہوجاتا ہے وہ آسمان کی بادشاہت میں داخل ہوجاتا ہے۔ لیکن وہ جو خدا کے عہد میں پکا نہیں ہے وہ دوزخیوں میں سے ہے۔ آسمان کے دروازے اس پر بند ہیں'' (صفحہ ۸۷) ''جو کوئی آج خدا کی شریعت اور عہد میں پکا ہے اور عبد البہا یعنی عباس افندی کی طرف توجہ کرتا ہے جیسا کہ بہاء اللہ نے کھلے طور پر حکم دیا تھا وہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہوجاتا ہے۔ برعکس اس کے جو شخص بہاء اللہ کے عہد کو توڑتا ہے اور عبد البہا سے منہ پھیرتا ہے جو شریعت کا مرکز ہے وہ ہر لحہ تنزل پر ہے ایسا شخص اصحاب الشمال میں سے ہے اور نار جہنم کے حروف میں سے ایک حرف ہے (صفحہ ۱۰۰) بہاء اللہ کی سچی تعلیم یہ تھی اب ہم دیکھتے ہیں کہ عباس افندی اپنے طبعی دین کے اصول بیان کرنے میں اپنے باپ کی تعلیم کا کہاں تک پاس کرتا ہے۔ اگر وہ واقعات جو مسٹر فلپس نے بیان کیے ہیں صحیح اور درست تصور کیے جاویں اور ان کے برخلاف خیال کرنیکے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عباس افندی کے نزدیک کسی خاص مذہب کا پیرو بننا ضروری نہیں ہے یا بابی یا بہائی مذہب کو اختیار کرنا روحانی ترقی کے لیے ضروری نہیں ہے۔ مسٹر فلپس اپنی کتاب صفحہ ۹۶ میں ہم کو بتاتا ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے عباس کو لکھا کہ ''میں آپ کو ایک روحانی آدمی سمجھتا ہوں مگر ساتھ ہی آپ کی بعض تحریروں کو غلط خیال کرتا ہوں اور خود اپنے اندر روحانیت رکھتا ہوں عباس نے اسکو مندرجہ ذیل جواب لکھا'' کہ میں تم کو مبارک باد دیتا ہوں کہ تم میرے اس کام میں شریک ہو۔ اور میں آپسے التماس کرتا ہوں کہ آپ اپنے کسی عقیدہ سے دست بردار نہ ہوں اور میرے نزدیک یہ بات بہت عمدہ ہے اور اسمیں کوئی حرج نہیں کہ جس مذہب پر آپ ہیں اسی پہ آپ قایم رہیں صرف ایک چیز ضروری

ہے کہ آپ سب سے بڑھکر خدا سے محبت کریں اور اسکی تلاش میں لگے رہیں" دوسرا واقعہ جو بیان کیا گیا ہے وہ ایک عیسائی لیڈی کے متعلق ہے۔ جس نے عباس سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ بہائی اصول کے پھیلانے میں اسکی مدد کرے گی بشرطیکہ اسکو اجازت دیجاوے کہ وہ عیسائی مذہب میں داخل رہے اور عیسائی عقاید پر قایم رہے۔ اور عباس نے اسکو بہت خوشی سے اسکی اجازت دی تھی "اس نے اسکو نصیحت کی تھی کہ عیسائی مذہب میں ہی داخل رہے اور عیسائی کلیسیا میں رہکر اس سچی تعلیم کو جو اس نے سیکھی ہے اسطرح پر پھیلاوے کہ گویا وہ مسیح کی تعلیم ہے"

مسٹر فلپس بابی مذہب کے اس روش کو بابی مت کے نئے ریفارمر اور واعظ کے ہاتھ میں اس مذہب کے متعلق بڑی پُر معنی اور ضروری بات خیال کرتا ہے اور واقعی اور حقیقی طور سے یہ بات بالکل صحیح اور درست معلوم ہوتی ہے۔ ان دو واقعات مذکورہ بالا کے علاوہ وہ ایک تیسرا واقعہ بیان کرتا ہے جو اسکا اپنا چشم دید واقعہ ہے۔ بدھ مذہب کی ایک عورت نے عباس سے کہا کہ وہ بہائی مت کے اصول کی اشاعت میں اسکی مدد کرنا چاہتی ہے۔ لیکن وہ ان باتوں کو لوگوں میں ایک نئے مذہب کے اصول کے طور پر بیان نہیں کر سکے گی۔ عباس نے اسکو یہ نصیحت کی کہ پہلے پہل انکو یہ عقاید ایسے طور پر سکھائے کہ گویا وہ انہی کے مذہب کی سچائیاں ہیں اور جب وہ ان میں پکے اور مستحکم ہو جاویں تب انکو یہ خبر دے کہ یہ اصول مذہب جو تم کو بتلائے گئے ہیں یہ ایک نئے مصلح نے سکھلائے ہیں اور انکو بدھ کا وعدہ یاد دلائے کہ اس نے کہا تھا کہ "ایک اور استاد آئیگا" لیکن جب اس عورت نے یہ ظاہر کیا کہ وہ اسقدر جرأت بھی نہیں کر سکتی اور کہا کہ میں دل سے بدھ مت کی پیرو ہوں اور وہ مذہب میرا جزو حیات ہو گیا ہے اسلیے میں اسکو کبھی ترک

نہیں کر سکتی۔ تو اسپر عباس نے اسکو کہا کہ جس طرح تم چاہتی ہو اسی طرح کرو اور یہ بھی کہا کہ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں کہ تم جس مذہب کی چاہو پیرو کہلاؤ۔

ان واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عباس کا یہ انداز بالکل بہاء اللہ کے انداز کے برخلاف اور متضاد تھا حالانکہ عباس اپنے تئیں اسی کا متبع کہتا ہے۔ بہاء اللہ کے نزدیک یہ نہایت ضروری تھا کہ نہ صرف اس کے دعاوی ہی کی تصدیق کیجاوے بلکہ اس کے قانون کی ذرا ذرا بات میں بھی پیروی کیجاوے جس میں اس نے عبادت اور تمدن کے بعض طریق اور قوانین مقرر کردیئے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف عباس کا طریق مسٹر فلپس یوں بیان کرتا ہے "وہ کسی آدمی سے نہیں کہتا کہ وہ اپنے مذہب کو ترک کردے بلکہ یہ کہتا ہے کہ اپنے ہی مذہب کی اصلی تعلیم اور روح کے مطابق زندگی بسر کرے۔ وہ بنی نوع کو یہ نصیحت کرتا ہے۔ کہ بہائی بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان عقائد اور اصول کو جنپر پہلے سے انکا ایمان ہے اچھی طرح سے عمل میں لانا چاہیئے" اب یہ امر نہایت صاف ہوگیا ہے کہ عباس کی تعلیم دیگر مذاہب کے متعلق بہاء اللہ کی تعلیم کے بالکل مخالف ہے اور اس کے متعلق مسٹر فلپس کی کتاب سے میں صرف ایک اور حوالہ نقل کرنا چاہتا ہوں جو اسپر اور روشنی ڈالتا ہے "جب عباس افندی سے یہ دریافت کیا گیا کہ اُن لاکھوں انسانوں کا کیا حال ہوگا جنھوں نے کبھی بہاء اللہ کو سنا ہی نہیں۔ کیا وہ اس وجہ سے بالکل ناامیدی سے گرے گذرے سمجھے جائیں گے۔ تو اس نے جواب دیا نہیں۔ ہمارے خداوند کا ظہور تمام بنی آدم کیلیے تھا۔ انکے لیے بھی جو اسکو جانیں گے اور انکے لیے بھی جو اس سے بے علم رہیں گے روح ہر جگہ وہی ہے (یعنی ہر مذہب میں بابی مذہب کی ہی روح اثر کر گئی ہے) خواہ کسی نام سے اسکو بنی آدم پکاریں وہ انکی آواز سُنیگا اور جواب دیگا اور جب اس سے بُت پرستوں کی بابت

پوچھا گیا جو بڑے شوق اور سچے دل سے پتھروں کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں اسنے جواب دیا انکی بھی سُنی جائے گی اور خدا انکی حفاظت کریگا"۔

ان دو فقروں میں ہمیں دو ایسے اصول بتائے گئے ہیں جن کو ایک سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ ان میں سے پہلا اصل یہ ہے کہ بہار اللہ کی پیدایش نے تمام بنی آدم کو نجات بخشی ہے انکو بھی جنھوں نے اسکی بابت سُنا ہے اور ان کی بھی جنھوں نے اسکی نسبت نہیں سُنا اور نہ کبھی سُن سکیں گے۔ اور دوسرا اصل یہ ہے کہ ذلیل سے ذلیل قسم کی بُت پرستی اور توہم پرستی۔ اور الٰہیات کے ادنیٰ ترین خیالات ایسے ہی مفید ہو سکتے ہیں جیسا کہ معرفت الٰہی کے بلند سے بلند اور اعلیٰ ترین خیالات۔ ہم یہاں اتنا اور زیادہ کرتے ہیں کہ یہ اصول نہ صرف بہار اللہ کی تعلیم کے متضاد ہیں بلکہ عباس کی اپنی دوسری تعلیم کے بھی سخت مخالف ہیں۔ یہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ تمام بنی آدم کی نجات بہار اللہ کی آمد سے ہوگئی ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں دوسری جگہ پر اس سے انکار کیا گیا ہے کہ لوگ مرنیکے بعد بھی زندہ ہونگے۔ اور انکی زندگی کو ان درختوں کے پتّوں سے مشابہت دی گئی ہے جو بکثرت گر پڑتے ہیں اور صرف زمین کا کھاد بنکر اسکو زرخیز بناتے ہیں۔ ان دونوں عبارتوں کی باہم توفیق اور تطبیق محال ہے۔

اسی اثنا میں یہ بات بھی بیان کرنیکے قابل ہے کہ بابی مذہب کا موجودہ امام بعض صورتوں میں اسلامی شریعت کی پیروی کرتا ہے اگرچہ انہی باتوں کے متعلق بہار اللہ کی شریعت اس کے سخت مخالف ہے۔ مثلاً مسٹر فلپس کہتا ہے کہ عباس ماہ رمضان کے روزے رکھتا ہے اور کہ اس نے خود دیکھا کہ اُس اثنا میں جبکہ وہ عکا میں ٹھہرا ہوا تھا ماہ رمضان کے آنے پر عباس نے مسلمانوں کی طرح روزے رکھے۔ اور ایسا ہی اس نے دیکھا کہ وہ اور اسلامی احکام کی پیروی بھی کرتا ہے

جن کی اسنے تفصیل نہیں دی۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "وہ مہینہ جو ئیں نے عکا میں گذارا وہ مسلمانوں کے روزوں کا مہینہ رمضان تھا جس میں جیساکہ تمام دیگر مسلمان روزے رکھتے تھے ویساہی عباس افندی اور اس کے تبعین نے بھی روزے رکھے۔ مگر یہ کام انہوں نے محض امن کی خاطر کیا اور نیز اس الزام سے بچنے کے لیے کہ انہوں نے شریعت میں کوئی تبدیلی کی ہے یا کسی قسم کا اختراع کیا ہے"۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ وجہ جو اسلامی شریعت پر عمل کرنیکے لیے بیان کی گئی ہے یعنی تا اسلامی گورنمنٹ کسی قسم کی عقوبت میں نہ ڈالے کہانتک قابل تسلیم ہے کیونکہ بہاء اللہ نے کتاب الاقدس کو اس زمانہ میں لکھا تھا جبکہ وہ عکا کی قیدخانہ میں بند تھا اور اسی کتاب میں اس نے اپنے پیرووں کیلیے ایک نئی شریعت تجویز کی تھی اور صاف طور پر لکھا تھا کہ اسلامی شریعت میری آمد سے منسوخ ہوگئی ہے۔ اس لیے اس بات پر مشکل سے یقین آسکتا ہے کہ جس شریعت کو بہاء اللہ نے اسی گورنمنٹ کے ماتحت شایع کیا اور اپنے پیرووں سے اسپر عمل کرایا اب اسکے بیٹے کو اس شریعت پر عمل کرنیسے جبر کرکے روکا جاتا ہے اور اگر یہ وجہ بھی ہو کہ امن کی خاطر وہ ایسا کر رہا ہے تو کیا ایک مذہبی مصلح کی شان کے شایاں بات ہے کہ دل میں عقیدہ کچھ رکھے اور ظاہر کسی شریعت پر عمل کرے۔ بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہیئے کہ اگرچہ بہائی مذہب میں لوگ داخل ہو جاویں مگر خدا تعالیٰ کی غیرت نے اس شریعت کو سرسبز ہونے نہیں دیا جسکو بہاء اللہ نے اسلامی شریعت کا ناسخ قرار دیکر پیش کیا تھا کیونکہ جب خود امام ہی اسپر عمل نہیں کرتا یا نہیں کرسکتا تو اور لوگ کیا کریں گے۔

عباس کے اکثر مذہبی نصائح قرآن شریف سے اخذ کیے گئے ہیں اور مسٹر فلپس ہم کو یقین دلاتا ہے کہ عباس افندی ہر روز شام کو قرآن شریف کا درس دیتا ہے

اور اس کلام پاک کی آیات کی تفسیر بیان کرتا ہے۔ اس بارہ میں بھی عباس اپنے باپ بہار اللہ کے فرمودہ کے برخلاف چلتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ بہار اللہ نے قرآن شریف کی تلاوت سے تو منع نہیں کیا تاہم اس نے اپنی کتاب الاقدس اور دوسری تصانیف کو اتنی اہم اور ضروری قرار دیا ہے کہ یہ بالکل بعید از قیاس ہے کہ اس کے مرید اپنے وقت کو قرآن شریف کی تفسیر سیکھنے اور سکھانے میں گذار دیں۔ کتاب الاقدس میں ہم لکھا ہوا پاتے ہیں "کہ کوئی شخص اگر اس کی (یعنی بہار اللہ کی) تصنیفات میں سے ایک ہی آیت پڑھیگا تو وہ اس کے لیے بہت ہی بہتر ہے بہ نسبت اسکی کہ وہ اولین اور آخرین کی تمام قدوسی کتابوں کو پڑھے" ایسے ہی فقرات اسی کتاب کے اور مقامات میں بھی پائے جاتے ہیں اور بہار اللہ کی دیگر تصانیف میں بھی بکثرت موجود ہیں۔ لیکن اب ہم بابی مذہب کے امام کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے عقاید اور اصول کی تشریح کیلیے قرآن شریف کے آگے ہاتھ پھیلا رہا ہے۔ اور قرآن مجید کو کھول کھول کر اپنے مریدوں کو سنا رہا ہے باوجود یکہ بابی مذہب کی کتب مقدسہ موجود ہیں مگر یہ قرآن شریف کو انکے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے اور اپنے باپ کی کتب مقدسہ کی پرواتک بھی نہیں کرتا۔ بہار اللہ کی اس سے بڑھکر ناکامی اور کیا ہوگی کہ اسی کا بیٹا جو اس کی جگہ پر خلیفہ ہوا اس کے مذہب کا ستیاناس کر رہا ہے۔ مثلاً کلمةً طيبة كشجرة طيبةٍ اصلها ثابت و فرعها في السماء - تؤتي اكلها كل حين باذن ربها - و مثل كلمةٍ خبيثةٍ كشجرةٍ خبيثةٍ اجتثت من فوق الارض ما لها من قرار -

بڑے اعلیٰ درجے کے فلسفیانہ مسائل اور بہترین مذہبی اصول جو عباس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں وہ وہ ہیں جو قرآن شریف سے لیے گئے ہیں۔ بطور مثال میں یہاں اُس باب کا ذکر کرتا ہوں جس میں روح کے خواص پر بحث کی گئی ہے۔ عباس کی

تعلیم کے مطابق روح کی تین حالتیں ہیں۔ پہلی حالت جو بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے جس میں نفس اپنے خواہشات ردیہ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ دوسری حالت وہ ہے جس میں انسان اپنے قصوروں کو معلوم کر لیتا ہے اور برے اعمال کی وجہ سے اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے۔ تیسری حالت وہ ہے جس میں وہ خدا سے بالکل مطمئن ہو جاتا ہے اور اس میں وہ بکلی اطمینان پکڑ جاتا ہے۔ اب یہ روح کی تین حالتیں بعینہٖ وہی ہیں جو قرآن شریف میں بیان کی گئی ہیں اور عباس نے ان اصطلاحات ثلاثہ کو بھی قرآن شریف سے لیا ہے جہاں ان تین حالتوں کو نفس امّارہ۔ نفس لوّامہ اور نفس مطمئنہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یعنی اول وہ نفس جو ہر وقت بدیوں کا حکم کرتا رہتا ہے اور دویم وہ نفس جو اپنے تئیں برے اعمال پر ملامت کرتا اور نیک اعمال کی رغبت رکھتا ہے اور سویم وہ نفس جو اپنے خالق سے بالکل راضی ہو گیا ہے اور اس میں اطمینان کلی پکڑ گیا ہے۔ گیارہ برس سے زیادہ گذرتے ہیں کہ یہی مضمون لاہور کے جلسہ اعظم مذاہب پر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے پڑھا گیا تھا۔ اور اس کا انگریزی ترجمہ اسی رسالہ میں ۱۹۰۲ء کو شایع کیا گیا تھا۔ ہم نیچے دو کالموں میں ایک طرف نفس کی ان حالتوں کا بیان جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے مضمون میں تھا اور دوسری طرف جس طرح پر عباس نے یہ حالتیں بیان کی ہیں لکھ دیتے ہیں اور بالمقابل کالموں میں ان بیانات کو رکھنے سے غرض یہ ہے کہ ناظرین مقابلہ کر کے دیکھ سکیں کہ آیا بابی تعلیم قرآن شریف سے ہی اخذ نہیں کی گئی ہے؟ یاد رہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا مضمون ۱۸۹۶ء کے اخیر میں شایع ہو چکا تھا اور یہ کتاب جس میں عباس کا مضمون ہے ۱۹۰۴ء میں شایع ہوئی ہے۔ یعنی حضرت مسیح موعودؑ کے مضمون سے قریباً سات یا آٹھ سال بعد۔

روح کی تین حالتیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں اور انکو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے جلسہ اعظم مہوتسو لاہور ۱۸۹۶ء میں بیان فرمایا تھا۔

۱۔ پہلا سرچشمہ جو تمام طبعی حالتوں کا مورد اور مصدر ہے اس کا نام قرآن شریف نے نفس امارہ رکھا ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے ان النفس لامارۃ بالسوء یعنی نفس امارہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو بدی کی طرف جو اسکے کمال کے مخالف اور اسکی اخلاقی حالتوں کے برعکس ہے جھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بدراہوں پر چلانا چاہتا ہے غرض بے اعتدالیوں اور بدیوں کی طرف جانا انسان کی ایک حالت ہے جو اخلاقی حالت سے پہلے اسپر طبعاً غالب ہوتی ہے اور یہ حالت اسوقت تک طبعی حالت کہلاتی ہے جبتک کہ انسان عقل اور معرفت کے زیر سایہ نہیں چلتا بلکہ چارپایوں کی طرح کھانے پینے سونے جاگنے یا غصہ اور جوش دکھلانے وغیرہ امور میں طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے طبعی حالتوں

روح کی تین حالتیں جن کو عباس نے بیان کیا ہے اور یہ بیان مسٹر فلپس کی کتاب عباس افندی سے لیا گیا ہے صفحہ ۱۸۵ تا ۱۸۷۔

۱۔ "احساس والی روح کی حالت اول وہ ہے جس میں وہ بدیوں میں مبتلا اور گرفتار ہوتی ہے۔ اسکی یہ حالت انعام یعنی ... چارپایوں کے ساتھ مشابہ ہوتی ہے۔ اس حالت میں قوی بہیمیہ کی روح پر حکومت ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں وہ نیکی کو بدی سے تمیز نہیں کر سکتی۔ چونکہ وہ خواہشات نفسانیہ سے مغلوب ہوتی ہے اسلیے وہ جائز و ناجائز میں امتیاز نہیں کر سکتی۔ یہ خواہش نفسانیہ کے ہاتھ میں شہوات نفسانیہ کے جذب کے لیے کام دیدیتی ہے اس حالت میں نہ وہ خدا کو جانتی ہے اور نہ انسانی معصومیت کو (انسانی فطرت کی معصومیت سے میری مراد اسکی کامل طہارت اور پاکیزگی ہے جس میں کسی خواہش اور نفسانی کی ملاوٹ اور دخل نہیں ہے) یہ تمام اشیاء کی صداقت سے بہت دور رہتی

میں تصرف کرتا اور اعتدال مطلوب کی
رعایت رکھتا ہے اُسوقت ان تینوں حالتوں
کا نام طبعی حالتیں نہیں رہتا بلکہ اُسوقت یہ حالتیں
اخلاقی حالتیں کہلاتی ہیں۔

۲۔ اور اخلاقی حالتوں کے دوسرے
سرچشمہ کا نام قرآن شریف میں نفس لوّامہ ہے
جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے ولا اقسم
بالنفس اللوّامہ یعنی میں اُس نفس کی
قسم کھاتا ہوں جو بدی کے کام اور ہر ایک
بے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے
یہ نفس لوّامہ انسانی حالتوں کا دوسرا سرچشمہ
ہے جس سے اخلاقی حالتیں پیدا ہوتی
ہیں۔ اور اس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات
کی مشابہت سے نجات پاتا ہے اور اسجگہ
نفس لوّامہ کی قسم کھانا اسکو عزت دینے
کے لیے ہے۔ گویا وہ نفس امارہ سے
نفس لوّامہ بنکر بوجہ اس ترقی کے جناب الٰہی
میں عزت پانیکے لائق ہوگیا اور اسکا نام
لوّامہ اس لیے رکھا کہ انسان کو بدی پر ملامت
کرتا ہے اور اسپر راضی نہیں ہوتا کہ انسان
اپنے طبعی لوازم میں شتر بے مہار کی طرح چلے

ہے۔ یہ روح تعلیم یافتہ نہیں ہوتی۔
اگرچہ ظاہری طور پر اور اگرچہ اپنی باتوں
سے وہ بتلاتے ہیں کہ وہ قوّت ممیزہ رکھتے
ہیں اور فرض بھی کر لیا جاوے کہ انہیں تمیز
بین الطیب والخبیث ہے مگر حقیقی
طور سے انہیں کوئی قوّت ممیزہ نہیں
ہوتی۔ ایسے آدمی بکثرت ہوتے ہیں
جو ہادیان راہ حق کی خبرگیری کے ماتحت
نہیں ہوتے جو پاک اور مطہر تحریکات
انسانیہ سے بالکل ناواقف محض ہوتے
ہیں (یعنی ایسی تحریکات جو خواہش اور
جذبہ نفسانیہ سے خراب نہ کی گئی ہوں)

۲۔ ”بعد اسکے کہ انسان معلمان الٰہی کے
نیچے آکر پناہ لیتا ہے اور بعد اس کے
جو وہ انسانی طہارت اور پاکیزگی کو سمجھ
لیتا ہے تب قوّت ممیزہ حاصل کرکے
وہ معلوم کر لیتا ہے کہ فطرت انسانیہ
کسے کہتے ہیں۔ ایسا آدمی اپنے قصوروں
کا اقرار کرتا ہے وہ اپنی نالایقی اور صفات
قبیحہ کی بابت خود اپنے سے سوال
کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ پشیمان رہتا ہے

اور چار پایوں کی طرح زندگی بسر کرے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے اچھی حالتیں اور اچھے اخلاق صادر ہوں اور انسانی زندگی کے تمام لوازم میں کوئی بے اعتدالی ظہور میں نہ آوے اور طبعی جذبات اور طبعی خواہشیں عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہوں پس چونکہ وہ بُری حرکت پر ملامت کرتا ہے اس لیے اُسکا نام نفس لوامہ ہے یعنی بہت ملامت کرنیوالا اور نفس لوامہ اگرچہ طبعی جذبات پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے تئیں ملامت کرتا رہتا ہے لیکن نیکیوں کے بجالانے پر پورے طور سے قادر بھی نہیں ہو سکتا اور کبھی نہ کبھی طبعی جذبات اس پر غلبہ کر جاتے ہیں تب گر جاتا ہے اور ٹھوکر کھاتا ہے گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے جو گرنا نہیں چاہتا ہے مگر کمزوری کی وجہ سے گرتا ہے پھر اپنی کمزوری پر نادم ہوتا ہے غرض یہ نفس کی وہ اخلاقی حالت ہے جب نفس اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا ہے اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے مگر پورے طور پر غالب بھی نہیں آسکتا۔

اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتا رہتا ہے۔ وہ نیکی اور تقدس کی طرف رغبت کرتا ہے یہ احساس والی روح حالت ثانیہ کہلاتی ہے۔ یہ خدا کی طرف روح کی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ یہ انابت اور یہ حسنات کی خواہش ذریعہ بنجاتی ہے۔ جسکے ذریعہ سے باطنی نور اور روشنی حاصل کیجا سکتی ہے۔ انسان راستی اور غیر راستی کے صفات سے خوب واقف ہو جاتا ہے۔ اسکی احساس کی قوت ترقی کرتی جاتی ہے۔ وہ اللہ کے فضل سے بصیرت حاصل کرلیتا ہے اور الہام الٰہی اُسکو پہنچتا ہے۔ یہ اسکی ترقی اور تربیت کے ذرایع ہوتے ہیں انہی ذرایع سے وہ تعلیم پاتا اور تربیت سیکھتا ہے۔ تب وہ اسرار الٰہیہ سے مطلع ہو جاتا ہے۔ بغیر کسی کی تعلیم کے وہ سچے اسرار الٰہیہ کو معلوم کرلیتا ہے۔ بغیر کسی اُستاد کے وہ فہم رسا حاصل کرلیتا ہے اور تمام حقایق الاشیاء کو پڑھ لیتا ہے۔

۳- جب وہ اس درجہ پر پہنچتا ہے تو

۳- پھر ایک تیسرا چشمہ ہے جسکو روحانی حالتوں کا مبدء کہنا چاہیئے اس سرچشمہ کا نام قرآن شریف نے نفس مطمئنہ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیة۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ یعنی اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پاگیا۔ اپنے خدا کیطرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر آ جا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پاکر روحانی قوتوں سے بھر جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے ایسا پیوند کرلیتا ہے کہ بغیر اسکے جی بھی نہیں سکتا اور جسطرح پانی اوپر سے نیچے کی طرف بہتا اور بسبب اپنی کثرت کے اور نیز روکوں کے دور ہونیسے بڑے زور سے چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نفس جو خدا سے آرام پاگیا اسکی طرف واپس چلا آ۔ پس اسی زندگی میں نہ موت کے بعد ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا کرتا ہے

اسکو تقین اور اطمینان عطا ہوتا ہے۔ وہ استقامت اور استقلال حاصل کرلیتا ہے۔ اب اس کا اعتقاد اور مذہب پہاڑ کی طرح راسخ ہوتا ہے کہ کوئی اسکو بدل نہیں سکتا۔ اگر توہمات کے سمندر اپنے امواج اس کے اوپر سے گذار دیں تو وہ اس کی استقامت میں اتنا بھی خلل نہیں ڈال سکتے جتنا کہ ایک قطرۂ آب کسی چیز کو دھکا دے سکتا ہے اور تزلزل پیدا کرسکتا ہے۔ اگر تمام امتحانات اور ابتلاؤں کی فوجیں ملکر اسپر حملہ کریں تو اسپر ذرا بھر بھی اثر نہیں ڈال سکتیں۔ وہ ایسا متیقن ہوتا ہے۔ ایسا مستقل ہوتا ہے ایسا بشاش۔ ایسا اپنے مذہب میں پکا اور خدا کی بادشاہت کو ایسا چاہنے والا۔ اپنی روحانی زندگی میں ایسا مضبوط اور راسخ ہوتا ہے کہ وہ اعدا کی تلوار کے نیچے گیت گاتا اور خوشی کے مارے رقص کرتا ہے۔ اگر تمام دنیا کے لوگ جمع ہوکر اس سے یہ چاہیں کہ وہ اپنے

اور اسی دنیا میں نہ دوسری جگہ ایک بہشت اسکو ملتا ہے اور جیسا کہ اس آیت میں لکھا ہے کہ اپنے رب کی طرف یعنی پرورش کرنے والے کی طرف واپس آ۔ ایسا ہی اسوقت یہ خدا سے پرورش پاتا ہے اور خدا کی محبت اس کی غذا ہوتی ہے اور اسی زندگی بخش چشمہ سے پانی پیتا ہے اس لیے موت سے نجات پاتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا یعنی جس نے ارضی جذبات سے اپنے نفس کو پاک کیا وہ بچ گیا اور نہیں ہلاک ہوگا مگر جس نے ارضی جذبات میں اپنے تئیں چھپا دیا وہ زندگی سے نا امید ہو گیا۔

اعتقاد اور مذہب کو چھوڑ دے تو وہ اس میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے اور اس میں ذرا بھر بھی تزلزل پیدا نہ کر سکیں گے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ واہب العطیات سے نور حاصل کرتا ہے۔ جب وہ اس درجہ پر پہنچتا ہے وہ مطمئن ہو جاتا ہے وہ خدا میں آرام اور سکینت پا جاتا ہے خواہ وہ کیسی ہی حالت میں اسکو پھینک دے۔ یہ اس کے لیے خدا میں اطمینان یافتہ ہونیکی حالت ہے وہ اپنے تئیں محسوس کرتا ہے کہ وہ فضل کے سمندر کی طرف جذب کیا جا رہا ہے۔ اسوقت خدا بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے"

اس مقابلہ سے امید ہے کہ ناظرین خود معلوم کریں گے کہ عباس کی تعلیم میں جو اعلیٰ اور بہتر تعلیم ہے وہ تمام کی تمام قرآن شریف سے اخذ کی گئی ہو۔ درحقیقت بعض اوقات اس کی اخلاقی تعلیم قرآنی آیات کا لفظی ترجمہ ہوتا ہے میں اسکی ایک مثال دیتا ہوں۔ مسٹر فلپس مندرجہ ذیل عباس کی تعلیم گردانتا ہے "تم عداوت کو محبت سے جیت سکتے ہو۔ اگر تم مہربانی اور شفقت سے اسکو ملو جو تمھیں ستاتا ہے۔ تم اس کی سخت طبیعت کو مغلوب کر سکتے ہو" اب قرآن شریف

کی مندرجہ ذیل آیت پر غور کرو۔ ادفع بالتی ھی احسنؕ فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔ یعنی احسن طریقہ سے بدی کو دُور کرو۔ پس تحقیق وہ شخص کہ تم میں اور اس میں سخت عداوت ہے اچانک تمھارا پکّا اور دلی دوست بنجاویگا دیکھو حٰم السجدہ۔ یہاں عباس کی تعلیم نے اصلی مطلب اخذ کر لیا ہے مگر قرآن شریف کی آیت کے حُسن و خوبی کو کھو دیا ہے۔

عباس کی تعلیم میں عفو کے مسئلہ پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ بالکل لغو سا معلوم ہوتا ہے "جب تم آدمیوں کو بدی کرتے دیکھو۔ تو تمھیں انکے ساتھ ناراض نہیں ہونا چاہیئے" یہ اسکی تعلیم ہے عفو کے بارہ میں۔ اس تعلیم پر عمل کرنا بعض حالات میں انسانیت سے بھی بعید ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ ہم ایک بیکس اور بے بس انسان کو دیکھتے ہیں کہ وہ لُوٹا جا رہا ہے یا دیکھیں کہ ایک بچاری غریب عورت کی بے حرمتی کیجا رہی ہے کیا ہم بحیثیت انسان ہونیکے اپنی ناخوشی اور ناراضی کا اظہار نہ کریں گے۔ تمام نیکی معاف کرنے ہی میں نہیں ہے اور خود نیکی کی محبت بعض وقت بدی کے انتقام لینے میں دریغ نہیں کریگی۔ اَلسِّنَّ بِالسِّنِّ (دانت بدلہ دانت کے) کا مسئلہ بعض اوقات بہت ہی سخت معلوم ہوتا ہے لیکن تمام موقعوں پر محض نرمی اور معافی کا سلوک اور برتاؤ بھی اس سے بڑھ کر بیہودہ مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق اعلیٰ تعلیم وہ ہے جو قرآن شریف میں پائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جزاء سیئۃٍ سیئۃٌ مثلھا فمن عفی و اصلح فاجرہ علی اللہ۔ یعنی بدی کی اتنی ہی سزا ہے جتنی کہ بدی کی گئی ہو جو شخص معاف کرے اور اسکے اس معاف کرنے میں اصلاح مدنظر ہو۔ تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ معاف کرنا اسوقت بہتر ہوتا ہے جبکہ موقع اور محل پر برتا جاوے۔ قرآن مجید بلا موقع اور محل کی عفو نہیں سکھلاتا اور نہ وہ یہ کہتا ہے کہ

ہر موقعہ پر بدی کا مقابلہ نہ کیا جاوے اور نہ وہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ بدی کنندہ کو کسی وقت بھی سزا نہیں دینی چاہیئے۔ اصل اور قاعدہ جو قرآن شریف مقرر فرماتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک سمجھدار عاقل بالغ خود سزا اور عفو کے موقع و محل کو دیکھ لیا کرے۔ وہ مظلوم اور ستم رسیدہ انسان کے سپرد کرتا ہے کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ آیا یہ موقعہ عفو کا ہے یا سزا کا۔ تب وہ طریق اختیار کیا جاوے جس سے اصلاح منصور ہو۔ قصور کرنیوالا اور خطاکار بعض حالات کے ماتحت عفو سے فائدہ اُٹھائیگا اور آئندہ کو اپنی اصلاح کرلیگا۔ لیکن دوسرے موقعوں پر ہوسکتا ہے کہ عفو اسپر اُلٹا اثر کرے اور مجرم کو اور سخت گناہوں کے کرنے پر دلیر کردے۔ اس لیے خدا کا کلام نہ تو حکم فرماتا ہے اور نہ ہی اجازت دیتا ہے کہ ہم اندھا دُھند قصورواروں کی خطاؤں اور شرارتوں کو معاف کرتے جاویں لیکن وہ ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم خوب غور کریں اور معاملہ کو پہلے اچھی طرح سوچ لیں اور یہ دیکھ لیں کہ کونسا طریق ہے جس سے حقیقی بہتری پیدا ہوسکتی ہے چونکہ دنیا میں بہت سے ایسے آدمی پائے جاتے ہیں جن میں انتقام کی قوت بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اس قوت کو افراط کی حد تک پہنچا دیتے ہیں اور ایک تکلیف اور ضرر رسانی کو مدتوں یاد رکھتے ہیں اور اسکو فراموش نہیں کرتے۔ ایسا ہی ایسے آدمی بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں جن میں طبعاً نرمی اور قصوروں سے درگذر کی عادت پائی جاتی ہے۔ جیساکہ انتقام لینے میں افراط سخت خطرناک نتائج پیدا کرتی ہے ایسا ہی بیجا نرمی کرنا بھی بڑے بڑے نتیجے پیدا کرتا ہے۔ وہ آدمی جو فحش ترین اخلاق پر اغماض کرتا ہے یا اپنی عزت پر حملہ کرنیوالے کو معاف کرتا ہے یا ایک پاک دامن عورت کی بیحرمتی گوارا کرتا ہے کہہ سکتے ہیں کہ وہ معاف کرتا ہے لیکن اس کی یہ معافی صفت عفو میں داخل نہیں ہوسکتی بلکہ یہ اس کی دیوثی میں داخل ہے جو شرافت۔ پاکدامنی اور خودداری کا استیصال کردیتی ہے۔ کوئی عقلمند آدمی اس کی تعریف نہیں کرسکتا اور

نہ اسکو اعلیٰ اخلاق میں شمار کرسکتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ قرآن مجید نے عفو کے حدود مقرر فرما دیئے ہیں اور وہ بے موقع ومحل استعمال کردہ بخشش کو عفو میں شمار نہیں کرتا ہے محض ایک قصوروار کے قصور کی سزا دینے کے دعوی سے دست بردار ہونا خواہ کیسا ہی موقع ومحل ہو اور کیسا ہی سخت گناہ اس سے سرزد ہوا ہو کسی صورت میں اُن اعلیٰ نیکیوں میں داخل نہیں ہو سکتا جنکی انسان کو خواہش کرنی چاہیئے۔

اس مضمون سے میری یہ غرض نہ تھی کہ بابی تعلیم کا قرآن شریف کی تعلیم سے مقابلہ کرکے دکھاؤں بلکہ اصل غرض بابی مذہب کے تین پیشواؤں باب[۱]۔ بہاء اللہ[۲] اور عباس[۳] افندی کی تعلیم کا مقابلہ کرکے یہ دکھانا تھا کہ یہ تینوں معلم اپنے بڑی بڑی اصول موضوعہ مخترعہ میں ایک دوسرے سے سخت اختلاف رکھتے ہیں اگرچہ ظاہرًا یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ تینوں ایک ہی مذہب کے خادم ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ چند مثالوں سے جو دی گئی ہیں ناظرین نے اس حقیقت کو معلوم کرلیا ہوگا اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھ لیا ہوگا کہ بابی مذہب میں جسقدر عمدہ تعلیم ہے وہ سب قرآن شریف سے لی گئی ہے۔

عذاب جہنم غیر منقطع نہیں

(مرقومہ حکیم فضلدین صاحب بھیروی)

ایک غلطی۔ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء میں ایک مضمون بعنوان اسلامی بہشت اور دوزخ ریویو میں لکھا گیا تھا اس مضمون کے اثنا میں اسلامی بہشت اور دوزخ کا سچا فلسفہ بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ "دوزخ بھی ایک رنگ میں انسانی ترقی کا ممد ہے

کیونکہ جو لوگ طرح طرح کی بدکاریوں اور خطرناک سیاہ کاریوں اور غفلتوں میں مبتلا ہو کر پنے روحانی صحت کو بگاڑ چکے ہیں جبتک انکی بیماریوں کا علاج نہ ہولے تب تک وہ اس قابل نہیں ہو سکتے کہ کمالات انسانی کے حصول کے لیے ترقیات کر سکیں...... اسی لیے دوزخی تدریجاً دوزخ سے نکالے جاویں گے" اس کی تائید میں قرآن شریف کی آیات اور لغت عرب سے آبد کے معنے بھی پیش کیے گئے تھے اور ایک حدیث بھی بیان کی گئی تھی جس کے متعلق یہ لکھا گیا تھا کہ وہ صحیح مسلم میں ہے۔ یہ مضمون میرے بعد ایک رسالہ ضیاء الاسلام نام میں ریویو سے نقل کیا گیا جسپر کسی شخص نے ایڈیٹر صاحب ضیاء الاسلام کو لکھا کہ حدیث مذکور مسلم میں نہیں ہے اور ایڈیٹر صاحب نے مجھے لکھا کہ یہ حدیث نہیں ملتی۔ انہی دنوں میں حضرت مولوی نورالدین صاحب کیخدمت میں بھی کسی شخص نے بطور اعتراض یہی بات لکھی جسکو آپنے جواب کے لیے حاجی حکیم فضلدین صاحب کے سپرد کیا۔ حکیم صاحب نے اس کے جواب میں اصل مضمون پر مفصل لکھا ہے اور قرآن شریف کی بہت سی آیات اور احادیث سے اسی مسئلہ کی صداقت کو ثابت کیا ہے کہ آخر کار دوزخی دوزخ سے نکالے جاوینگے۔ لہذا تمام شبہات کے ازالہ کے لیے میں اس قابل قدر مضمون کو نیچے درج کرتا ہوں ساتھ ہی اسقدر میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں کہ جس عبارت کا حوالہ میں نے دیا تھا وہ صحیح مسلم میں نہیں ہے۔ بلکہ صحیح مسلم کی حدیث جسکا مضمون دوزخ سے آخر کار دوزخیوں کا نکالے جانا ہے اور تھی۔ اور غلطی سے میں نے ایک اور عبارت کو لکھدیا۔ اگر اس غلطی کی وجہ سے جو جہانتک میں سمجھتا ہوں محض سہو ہے مجھ پر کوئی اعتراض آتا ہے تو میں اسکو تسلیم کرنیکو تیار ہوں مگر اس حدیث کا نہ ملنا اصل مضمون کے لیے کسی طرح مضر نہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث جسکی بجائے غلطی سے اور عبارت لکھی گئی تھی چونکہ حکیم صاحب کے مضمون میں تفصیل سے آتی ہے اس لیے میں اُسکو یہاں نہیں لکھتا۔ اور ناظرین کو حکیم صاحب کا مضمون بغور پڑھنے کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ (ایڈیٹر ریویو)

دوزخیوں کا دوزخ میں ہمیشہ بلا انقطاع رہنا نہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے نہ حدیث

عقل سے۔

(۱) قال النار مثوٰکم خالدین فیہا الا ما شاء اللہ ان ربک حکیم علیم ﴿
(اللہ تعالیٰ دوزخیوں کو فرمائیگا کہ یہ آگ ہی تمہارے رہنے کا ٹھکانا اس میں رہ پڑو گے۔
ہاں مگر جب اللہ تعالیٰ چاہیگا بے شک تیرا رب حکیم و علیم ہے) اس آیت شریف
میں چند امور قابل غور ہیں۔ اول مخاطب کون ہیں۔ سو اس آیت میں ایسے کفار مخاطب
ہیں جنکی نسبت فرمایا کہ یہ ایسے سخت منکر ہیں کہ اگر ہم انپر ملائک بھی نازل کردیں اور
مردے بھی انکے ساتھ باتیں کرنے لگ جائیں اور ہر چیز (جو جو چیز یہ لوگ بطور نشان
مانگتے ہیں) انکے سامنے جمع بھی کردیں تب بھی یہ نہیں مانیں گے دیکھو ولو اننا نزلنا ﴿
دوسرا لفظ مثوٰکم ہے اور مثویٰ ایسے مکان کو کہتے ہیں جہاں دائمی قیام ہو چنانچہ
یہ لفظ قرآن مجید میں کسی جنتی کے لیے بولا نہیں گیا جنکے لیے بلا انقطاع ابد الآباد کا وعدہ
ہے بلکہ دوزخیوں کے لیے ہی مستعمل ہے۔ علاوہ دوزخیوں کے اسکا مادہ اور جگہ بھی
مستعمل ہے مگر وہاں بھی دوام مراد نہیں۔ اول اکرمی مثواہ ۱۲/۱۳ حضرت یوسف کے
خریدار نے اپنی بی بی کو کہا۔ دوسرا انہ ربی احسن مثوای ۱۲/۱۳ حضرت یوسف نے
اس بی بی کی ناجائز خواہش کے جواب میں فرمایا (وہ تو میرا ایسا پرورش کرنیوالا ہے
کہ جسنے میری جگہ معزز بنائی)۔ حالانکہ تھوڑا ہی عرصہ کے بعد وہ جگہ جاتی رہی۔ تیسرا
وما کنت ثاویا فی اھل مدین ۲۸/۴ (تو مدین والوں میں موجود نہ تھا) یہاں تو اور قلیل
زمانہ مراد ہے۔ چوتھا واللہ یعلم متقلبکم ومثوٰکم ۲۶/۲ (اللہ جانتا ہے تمہارا پھرنا اور
تمہارا ٹھہرنا)

احادیث میں بھی یہی محاورہ پایا جاتا ہے۔ اول وعلی بغزان مثوی رسلی ای
مسکنہم مدۃ مقامہم و نزلہم۔ دوسرا تثویتہ ای تضیفتہ (یعنے اسکو اپنا مہمان بنایا)
تیسرا اسم رحم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المثوی لانہ یبثث المطعون بہ (رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے نیزے کا نام مثوی تھا کیونکہ وہ جسکو لگتا اسکو ہلنے نہ دیتا بلکہ وہاں ٹھہرا دیتا تھا) چوتھا الثوی الضیف (ثوی کے معنے ہیں مہمان) مجمع البحار جلد اول صفحہ ۱۶۹- اس کے سوائے کچھ اور الفاظ حدیث بھی وہاں ہیں جو بخوف طوالت لکھے نہیں گئے۔

تیسرا خالدین- یہ لفظ ابد الآباد کے لیے نہیں اسیواسطے زمانہ دراز کا بیان کرنا جب منظور ہوتا ہے تو اسکو ابداً کے ساتھ موکد کیا جاتا ہے چنانچہ صرف خلود کا لفظ قرآن مجید میں سوائے جنت ونار کے بھی آیا ہے جسکے معنے ابد الآباد نہیں۔ اول ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ ۹/۱۲ (مگر وہ جھکا زمین کی طرف (کیا معنے) اپنی خواہش کا تابع ہوگیا)۔ دوسرا یحسب ان مالہ اخلدہ ۳۰/۲۹ (وہ سمجھتا ہے کہ اسکا مال اسکو تا دیر رکھیگا) کیونکہ ابد الآباد دنیا پر رہنے کا تو کسی دنیادار کو وہم بھی نہیں ہوتا- تیسرا الّاماشاء اللہ- اس عبارت نے تو مثوی اور خالدین کی تفسیر بھی کردی یعنی مثوی اور خلود دائمی لازوال نہ ہوگا بلکہ ایک خاص مدت تک ہوگا جب اللہ تعالیٰ چاہیگا اس جگہ سے نکال لیگا۔

(۲) اما الذین شقوا ففی النار لھم فیھا زفیر وشھیق خالدین فیھا الاماشاء ربک ان ربک فعال لما یرید واما الذین سعدوا ففی الجنۃ خالدین فیھا مادامت السموات والارض الاماشاء ربک عطاء غیر مجذوذ ۱۲/۹ (جو لوگ شقی ہیں آگ میں ہونگے اور اس میں چیخیں چلائیں گے اسی میں رہ پڑے جب تک دوزخ کے آسمان اور اس کی زمین ہوگی- ہاں جب تیرا رب چاہیگا- بیشک تیرا رب جو چاہتا ہے کر سکتا ہے اور جو لوگ سعید ہوں گے وہ جنت میں رہیں گے جبتک کہ جنت کے آسمان وزمین رہیں گے- مگر جب چاہا اللہ تعالیٰ نے ہاں یہ انعام غیر منقطع ہے) اللہ تعالیٰ نے جیسے جنتیوں کے ابد الآباد رہنے کا ثبوت اور بہت جگہ

ما دامت السموات والارض

قرآن مجید میں فرمایا اسی طرح دوزخیوں کے عدم دوام کے لیے بھی بہت جگہ قرآن مجید میں بیان فرمایا جنکا بیان عنقریب آتا ہے جو آیت پہلے گذر چکی الا ماشاء اللہ اس میں سخت کفار کے حق میں فرمایا تاکہ اس آیت کی تفسیر ہو۔ دوسری استثنا کے بعد وہاں دوسرا لفظ رب لگایا جیسے اس جگہ بھی اسی طرح فرمایا تاکہ استثنا کی تفسیر کرتے وقت ربوبیت الٰہی بھی مدنظر رہے اور ربوبیت کا کام ہے ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ کو ترقی دینا اگر دوزخی ابدالآباد دوزخ میں رہیں تو انکی ربوبیت کب ہوگی۔ تیسرا اخیر دونوں آیات کا علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا اگر ان دونوں جنتی دوزخی کی حالت یکساں ابدالآباد ہی ہوتی تو اول میں جزا غیر محدود فرمانا نہ فعال لما یرید۔ چوتھا کلمہ فعال لما یرید خود اپنی تفسیر آپ کر رہا ہے کیونکہ یہ کلمہ ایسی جگہ بولا جاتا ہے جہاں کوئی کام سُننے والوں کے نزدیک مشکل ہو فرمایا تیرے رب کے نزدیک کوئی کام مشکل نہیں وہ جو چاہتا ہے کرسکتا ہے۔

(۳) لابثین فیھا احقابا ۳۰ اس آیت شریف نے تو زمانہ خلود فی النار کی صاف اور صریح تفسیر بیان فرمادی اسکے معنے ہیں دوزخی دوزخ میں چند حقبہ رہیں گے۔ احقاب جمع قلت ہے اگر جمع کثرت ہوتی تب بھی زمانہ محدود ہی تھا مگر جمع قلت نے اور بھی کم کردیا۔ حقبہ کے معنے قرآن کریم نے خود بیان فرمادیئے جہاں کہ موسیٰؑ نے اپنے ساتھی کو فرمایا۔ لاابرح حتی ابلغ مجمع البحرین او امضی حقبا ۱۵/۲۱ میں برابر چلتا ہی رہونگا یہانتک کہ یا تو وہاں پہنچ جاؤں جہاں دو بحروں کا باہم میل ہو جاتا ہے یا چلتا رہونگا۔ اسّی سال۔ لفظ حقب جسکی جمع احقاب ہے۔ اس سے مراد عام طور پر اسّی سال لیے جاتے ہیں۔ اور جیساکہ آیت سے ظاہر ہے خود حضرت موسیٰؑ نے بھی اسی لفظ سے اس سے زیادہ مدت مراد نہیں لی کیونکہ یہ واقعہ نبوت کے بعد کا ہے اور نبوت کا زمانہ عموماً چالیس سال کی عمر کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اسطرح حضرت موسیٰؑ کی عمر میں سے

اسّی سال ہی باقی رہ جاتے ہیں۔ پس لغت عرب اور پھر قرآن کریم دونوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسّی سال سے زیادہ عرصہ اس سے کسی طرح مراد نہیں۔ بلکہ لغت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ حقب کا استعمال ایک سال یا چند سالوں پر بھی ہوتا ہے اور اس آیت کے بعد جزاءً وفاقا فرماکر اور بھی اس احقاب کے معنے کی تائید فرمادی۔ اگر بفرض محال حقب کے معنے کوئی بڑے سے بڑا زمانہ بھی لیا جاوے تب بھی زمانہ غیر متناہی یا ابدالآباد نہیں ہوسکتا کہ غیر متناہی کا اندازہ کسی متناہی چیز سے نہیں ہوسکتا جیسے کہ امام ابن قیم حادی الارواح میں لکھتے ہیں لایقدر الابد بالاحقاب صفحہ ۲۴ اور حضرت ابن عباس احقابا کے معنے صرف سنین ہی کرتے ہیں یعنی چند سال) فتح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۴۔

(۴) اذٰلك خیر نزلا ام شجرة الزقوم۝ انا جعلنٰھا فتنة للظٰلمین ۱۳ (کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا زقوم کا درخت ہم نے اسکو مشرکین کے لیے فتنہ بنایا ہے) یہاں بھی دو لفظ قابل غور ہیں نزل جسکے معنے ہیں ابتدائے مہمانی جو وقت نزول مہمان دیجاتی ہے فتنہ کے معنے ہیں کندن کرنا خالص کرنا کسی چیز کو اسکے گند سے پاک کرنا جیسے کہا جاتا ہے فتنت الذھب بالنار یعنے سونے کو آگ کے ساتھ صاف کیا۔ خلاصہ یہ کہ ہم اس دوزخ کی آگ سے شرک کی میل کو جلاکر مشرکین کو پاک صاف کریں گے۔

(۵) ایحسب الانسان ان یترك سدًی۝ الم یك نطفة من منی یمنٰی۝ ثم كان علقة فخلق فسوّٰی۝ فجعل منه الزوجین الذكر والانثٰی۝ الیس ذٰلك بقٰدر علٰی ان یحیی الموتٰی ۲۹/۱۸ (کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ مہمل چھوڑا جاویگا کیا وہ تھوڑی جزو میں سے نہ تھا پھر جونک ہوگیا پھر اسے اللہ تعالیٰ نے ٹھیک ٹھاک تیار کرکے بنایا پھر اس سے نر و مادہ بنایا گیا وہ ذات قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کرے) اس آیت شریف میں اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کو ثبوت قیامت دینے کے لیے

سمجھایا ہے کہ تمہاری پیدائش میں کسقدر ترقی ہوئی کیا اتنی ترقی اس لیے کی گئی کہ تم
مر کر مٹی ہوجاؤ اور اسی پر کارخانہ ختم ہوجاوے۔ نہیں۔ تم مہمل نہیں چھوڑے جاؤگے
بلکہ جیسے آجکل اپنی پیدائش اور پرورش میں ترقی دیکھتے ہو (تم مٹی تھے پھر نباتات
بنے پھر غذا بنے پھر لہو پھر منی علیٰ ہذا القیاس جیسے بہت سی آیات سے ظاہر ہے)
اسی طرح بعد الموت بھی تمہاری ترقی ہوگی۔ اب اگر اہل النار ابدالآباد دوزخ میں ہی
رہیں گے تو انکی کیا ترقی ہوگی؟

(۶) وان ربک لذو مغفرۃ للناس علیٰ ظلمھم وان ربک لشدید العقاب ۱۳/۷
(بے شک تیرا رب لوگوں کو بخش دینے والا ہے باوجود انکے شرک کے اور تیرا رب سخت
عذاب والا ہے) مغفرت کو عذاب پر مقدم فرمایا کہ اس کی رحمت غضب پر سابق ہے
اس آیت شریف سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عذاب سے بھی مغفرت ہی مطلوب ہے۔

(۷) افحسبتم انما خلقناکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون ۱۸/۶ (کیا تم نے گمان کرلیا
کہ ہم نے تمکو عبث پیدا کیا اور تمہارا رجوع ہماری طرف نہ ہوگا) اس سے بھی معلوم
ہوتا ہے کہ دوزخیوں کا انجام کار رجوع الی اللہ ہوگا اگر رجوع الی اللہ کے معنے صرف
قیامت میں حاضر ہونا ہی لیا جاوے اور بعد اس کے ابدالآباد انکا دوزخ میں رہنا
تو پھر انکی پیدائش عبث ٹھہریگی نیز ولذالک خلقھم (اور رحم کے لیے ہی پیدا
کیا انکو) کے خلاف۔

(۸) لترکبن طبقا عن طبق ۳۰/۹ (تم درجہ بدرجہ ترقی کروگے اور ضرور کروگے)
جو دوزخ میں ابدالآباد رہیں گے وہ کس طرح درجہ بدرجہ ترقی کریں گے۔

(۹) یوم یقوم الناس لرب العلمین ۳۰/۸ وقضی بینھم بالحق وقیل الحمد للہ رب العلمین ۲۴/۸
(جبکہ لوگ رب العالمین کے لیے کھڑے ہونگے اور انکا فیصلہ حق کے ساتھ ہوگا
اور کہا جاویگا تمام حمد اللہ تعالیٰ کو ہے جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے) یہ آیت

شریف صاف اور صریح دلیل ہے اس بات پر کہ وہ فیصلہ قابل حمد ہوگا اور وہ فیصلہ ایسا ہوگا جس پر تمام عالم کیا معنے عالم جنت عالم دوزخ وغیرہ حمد بجالائیں گے اور وہ فیصلہ ایسا ہوگا کہ اس میں تمام عالموں کے حق میں ربوبیت ہوگی۔ اگر دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہے تو ان کے لیے ربوبیت کیا ہوئی حالانکہ عالمین میں وہ بھی داخل ہیں دوسرا انکے لیے الحمد للہ کس طرح ہوئی وہ تو نا امید ہوچکے۔ پس یہ آیت شریف عدم دوام بلا انقطاع کے لیے قطعی الدلالت ہے کیونکہ دوام بلا انقطاع میں نہ دوزخیوں کی حمد ہوسکتی ہے نہ انکے لیے کوئی ربوبیت ہوگی۔

(۱۰) الی ربک یومئذن المستقر ۲۹/۱۷ (۱۱) الی ربک الرجعی ۳۰/۱۲ (۱۲) الی ربک منتھاھا ۳۰/۲ (۱۳) الی ربک المنتھی ۲۷/۷ (۱۴) الی ربک یومئذن المساق ۲۹/۱۷ (۱۵) یا ایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحاً ۳۰/۹ (۱۶) یا ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم ۳۰/۷ (۱۷) بلی ان ربہ کان بہ بصیرا ۳۰/۹۔ ان تمام آیات میں جو متعلق قیامت کے ہیں رب کا لفظ لگایا ہے کہ وہاں بھی ربوبیت ہوگی اور عام تمام عالموں کے لیے ہوگی جنتی ہوں یا ناری۔ اگر دوزخی ابد الآباد دوزخ میں رہیں تو انکی کیا ربوبیت ہوئی حالانکہ مستقر اور رجعی اور منتہا اور مساق اور کدح یعنی کوشش تمام کے ساتھ ربوبیت لگی ہوئی ہے کیا معنے انکا قرار ربوبیت کے ساتھ ہوگا رجوع اور منتہا یعنی انجام بھی ربوبیت کے ساتھ ہوگا اور مساق چلنا بھی ربوبیت سے ہوگا جیسے قبر سے حشر۔ حشر سے جہنم۔ جہنم سے جنت۔ جنت سے رضوان وغیرہ الی غیر المنتھی۔ پھر عتاب کا سوال بھی رب کے لفظ کے ساتھ۔ پھر تعجب ہے کہ باوجود اسقدر ثبوت رحم اور عدم دوام نار کی پھر دوام پر ہی زور دیا جاتا ہے۔ اب غور کی جاوے کہ اہل النار کے لیے کیا الفاظ استعمال ہوئے تو ان میں خلود دائمی قطعاً کہیں پایا نہیں جاتا۔ مثلاً النار مثوٰکم۔ اسکی نسبت بھی بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا خالدین ہے اس کی نسبت بھی بیان ہو چکا۔ تیسرا ماوٰکم النار۔ یہ لفظ بجائے اس کے کہ خلود کے معنے دے اہل النار کے نکلنے پر دلالت کر رہا ہے۔ آوی ایہ پناہ کو کہتے ہیں جو کسی کو تکلیف کے بعد اس تکلیف سے بچا نیکے لیے دیجاوے۔ آوی الیہ ابویہ ۱۳ اوی الیہ اخاہ ۱۳ المہ یجدك یتیما فاوی ۳۰ حضرت یوسف نے والدین اور بھائیوں کو قحط سالی و سفر و فقر کی تکلیف سے پناہ دی اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یتامی کی مصایب سے امان دیکر بچالیا۔ اسی طرح جنۃ الماوی بھی فرمایا کہ انکو دنیا کی ریاضات قبر حشر نشر صراط وغیرہ تکالیف و فزع سے امان دیکر بچالیا۔ اب اس لفظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل النار کو کسی قسم کی وہاں پناہ ملیگی یعنے خبث شرک و فسق و فجور سے پاک کرنیکے لیے انکو وہاں پناہ دیجاویگی جیسے شفاخانہ میں بیمار کو۔ باقی رہا انکا چیخنا چلانا ڈھائیں مارنا نکلنے کی التجائیں کرنا سو یہ سرکاری ہسپتالوں میں سخت بیماری کے مبتلا بیمار و نکا نظارہ دیکھنے سے آدمی سمجھ سکتا ہے کہ چیرنے پھاڑنے زخم جلانے کاسٹک وغیرہ سخت دوائی لگانے کیوقت کسقدر وہ فریاد کرتے اور دوائی لگانے سے روکتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں خدا کے لیے چھوڑو چھوڑو مگر وہ چھوڑے نہیں جاتے جبتک وہ صحت یاب نہ ہو جاویں اسوقت انکا نظارہ بعینہ اس آیت شریف کی تفسیر کرتا ہے کلما ارادوا ان یخرجوا منہا اعیدوا فیہا ۲۱/۱۵ (جب کبھی نکلنا چاہیں گے واپس اسی میں رکھے جائیں گے) پس اس لفظ کو انما خلقنا کم عبثا۔ ان یترك سدی۔ کے ساتھ ملانے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ دوزخ میں بھی ربوبیت ہی ہو گی۔ چوتھا لفظ مصیر ہے جیسے بئس المصیر اس لفظ کے معنے صرف مرجع کے ہیں۔ اس سے بھی دوام نہیں پایا جاتا۔ پانچواں لابثین۔ بث کے معنے بھی معمولی توقف کے ہیں فلبث فی السجن بضع سنین ۱۲ حضرت یوسف چند سال سجن میں ٹھہرے رہے۔ چھٹا لفظ سیصلی نارا ہے اسکا اصل

مادہ صلی ہے اسکے معنے ہیں دعا کرنیکے اسی سے ہے صلوا علیہ اور اقیموا الصلوٰۃ۔ اور اسکے معنے ہیں بھوننے کے اُتی بشاۃ مصلیۃ ای مشویۃ (حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مچھلی بھونی ہوئی حاضر کی گئی مجمع البحار) صلی کے معنے ہیں گرم کرکے سیدھا کرنا۔ صلیت العصا بالنار اذا لینتھا و قومتھا مجمع البحار (سوٹے ٹھیڑے کو گرم کیا جاوے جب آگ سے گرم ہو کر نرم ہو جاوے تو اسکو سیدھا کیا جاوے) اور صلے کے معنے ہیں آگ سے سردی کو دور کرنا تاپنا۔ جیسے موسیٰ نے فرمایا لعلکم تصطلون ۲۰ تاکہ تم تاپو۔ اس لفظ سے بھی اہل النار کا نار سے نکلنا ہی پایا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان منکم الا واردھا کان علیٰ ربك حتما مقضیا ۱۶/۸ (ہر ایک تم میں جہنم کو وارد ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کا پختہ فیصلہ ہے) اگر اس کے معنے کیے جاویں کہ قیامت کے دن ہر ایک خواہ نبی ہو خواہ ولی وارد جہنم ہوگا تو یہ معنے دوسری آیات قرآنی کے خلاف ہیں جیسے فرمایا اولئك عنھا مبعدون ۱۷ (نیک لوگ اس جہنم سے دور رہیں گے) پس اس آیت شریف کا مطلب ورود سے یہ ہے کہ جن لوگوں نے آتش محبت الٰہی میں اپنے آپ کو گرم کرکے سیدھا کرلیا وہ تو آگ ایکدفعہ لے چکے اور جنہوں نے ایسا نہیں کیا وہ اسی آگ میں گرم کرکے سیدھے کیے جائیں گے کہ اصل غرض تو سیدھا کرنا ہی ہے اسیو اسطے یوم القیامۃ نام رکھا گیا کہ جو دنیا میں سیدھے نہیں ہوئے وہ اس روز سیدھے کیے جائیں گے۔ اس لفظ سے بھی دوام نہیں پایا جاتا بلکہ آگ سے نکلنے کے ہی سامان کیطرف یہ لفظ بھی اشارہ کرتا ہے ساتواں لفظ ہے ورود جیسے وبئس الورد المورود اس میں بھی دوام نہیں بلکہ اسمیں تو دخول بھی ضروری نہیں جیسے لما ورد ماء مدین ۲۰ آٹھواں لفظ ہے مآب اسمیں بھی دوام نہیں پایا جاتا اس کے معنے حرف مرجع کے ہیں۔ انہ کان للاوابین غفورا ۱۵/۳ یا جبال اوبی معہ والطیر ۲۲/۸ نواں مہاد ہے وبئس المھاد مہد اور مہاد کے معنے ہیں فرش بسترہ یا جھولا دونوں صورتوں میں مہاد عارضی جگہ ہے نہ دوامی۔ دسواں لفظ اصحاب ہے

جسکا ماخذ صحبت ہی جیسے فرمایا اصحاب النار مگر صحبت کا لفظ بھی دوام کے لیے نہیں ہوتا

(۱۸) یا ایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ .... ذٰلک بان اللہ ھو الحق وانہ یحیی الموتیٰ وانہ علیٰ کل شیٔ قدیر وان الساعۃ اٰتیۃ لا ریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور ترجمہ اس آیت شریف سے بھی اللہ تعالیٰ نے ترقیات غیر متناہیہ کیطرف لیجانیکا ثبوت دیا ہو اور اس ثبوت کے لیے ابتدائی حالت کی ترقی کو یاد دلایا ہے اسکی تفصیل آیت نمبر ۶ و ۹ میں گذری

(۱۹) امہ ھاویہ اسکی ماں ہاویہ ہے۔ ماں کا کام بچہ کی پرورش کرنا ہے دوسرا بچہ ہمیشہ ماں کی گود میں نہیں رہا کرتا بلکہ تھوڑے عرصہ کے بعد ترقی کرکے گود سے نکل جاتا ہے ہاں ایام پرورش میں وہ اسکی ہر قسم کی بیماری کا علاج کرتی ہے بچہ نادان اگرچہ اس علاج سے بسبب تلخ یا دوائی کے کڑوا ہونے یا سخت بیماری کے جلانے وغیرہ سے انکار بھی کرے تو وہ جبتک صحت یاب ہو جائے اسکی والدہ علاج سے دست بردار نہیں ہوتی بلکہ کلما ارادوا ان یخرجوا منھا اعیدوا فیھا کا نظارہ دکھاتی ہے۔ اس آیت میں تو زیادہ وضاحت اس بات کی بیان فرمائی کہ وہ دوزخ میں کیوں بھیجے جائیں گے۔

(۲۰) قل ارایتکم ان اتٰکم عذاب اللہ او اتتکم الساعۃ اغیر اللہ تدعون ان کنتم صادقین بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء وتنسون ما تشرکون کہہ تبلاؤ تو اگر آجاوے تمکو اللہ تعالیٰ کا عذاب یا وہ قیامت کیا سوائے اللہ کے کسی کو پکاروگے اگر تم سچے ہو (نہیں) بلکہ تم اسی کو پکاروگے پھر وہ دُور کردیگا جس عذاب کیلیے پکاروگے جب چاہیگا۔ (اس لیے کہ تم عذاب پاکر) شرک کو ترک کردوگے۔

(۲۱) الحمد للہ رب العٰلمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین۔ تمام حمد اللہ تعالیٰ کو جو تمام جہانوں کا پالنے والا بن مانگے دینے والا سچی محنت کو ضایع نہ کرنیوالا مالک ہر ایک بدلہ دینے کے وقت کا۔ اس آیت شریف سے بھی اہل النار کا نکلنا ہی پایا جاتا ہے کیونکہ

اول لفظ حمد ہے سو اگر انکا دوام فی النار مانا جاوے تو انکو مورد حمد کوئی نہیں رہتا دوسرا لفظ اللہ ہے جو جامع جمیع صفات کاملہ ہے جسمیں عفو غفران تواب رحم منعم وغیرہ صفات بکمال ہیں مگر اہل النار کا اگر دوام وخلود ہو تو بلا انقطاع انکو نہ عفو نہ غفران نہ توبہ منظور نہ انکی دعاؤں اور تضرع پر رحم نعوذ باللہ۔ گویا یہ صفات نعوذ باللہ اپنے کمال پر نہیں رہتے تیسرا لفظ رب یہ صفت بھی اگر کمال کہتی ہے تو ہمیشہ ہر ایک کی ربوبیت کریگی مگر بحالت دوام انکی ربوبیت نہیں رہتی اور یہ بھی خلاف کمال ہے چوتھا لفظ العالمین ہے۔ العالمین کے معنے ہیں ہر قسم کے جہان جسقدر جہان اب موجود ہیں یا آیندہ ہوں۔ اہل النار بھی العالمین میں داخل ہیں اگر وہ اسی ایک ہی حالت عذاب پر چھوڑے جاویں تو انکی ربوبیت باہر رہ جاتی ہے۔ پانچواں لفظ الرحمن ہے یعنی کامل رحم بلا مبادلہ کرنیوالا اگر بلا ایمان مشرک کو کبھی بھی مغفرت نہیں کرتا تو رحم بلا مبادلہ بھی نعوذ باللہ نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمانیت صرف دنیا کیلیے مخصوص نہیں فرمائی بلکہ اپنا و فی الدنیا والآخرۃ رحمانا ہونا بھی فرمایا ہے جیسے الملك یومئذ ن الحق للرحمن ۱۹/۴ (آج ساری سلطنت سچ مچ الرحمن کیلیے ہی ہے) ھذا ما وعد الرحمن ۲۳/۳ (یہ قیامت وہی ہے جو وعدہ الرحمن نے کیا تھا) یوم نحشر المتقین الی الرحمن ۱۶/۹ (جب متقین کو الرحمن کیطرف ہم جمع کرینگے) سوائے اسکے اور بھی بہت جگہ فرمایا۔ پس دوزخیوں کا دوام بلا انقطاع ماننے سے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی کامل رحمانیت پر ایمان بھی نہیں رہ سکتا۔ پانچواں لفظ الرحیم ہے جسکا ترجمہ ہر سچی محنت کو ضایع نہ کرنیوالا۔ اب دوزخی ہیں کہ لاکھوں کروڑوں پدموں در پدموں سال دعائیں کرتے اور ربنا ربنا کہتے ہیں اور بڑے سخت اضطرار کے ساتھ تضرع کرتے ہیں مگر ارحم الراحمین مجیب دعوۃ المضطرین نعوذ باللہ ایک نہیں سنتا حالانکہ عذاب کی حکمت خود بیان فرماتا ہے کہ وما ارسلنا فی قریۃ من نبی الا اخذنا اھلھا بالباساء والضراء لعلھم یضرعون ۹/۵ اس اعتقاد سے تو اللہ کی قدوس ذات پر نعوذ باللہ خلاف وعدہ کا بھی الزام عاید ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ خلق مائۃ رحمۃ - رحمۃ منہا قسمہا بین الخلائق وتسعۃ وتسعین الی یوم القیامۃ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ - بحوالہ طبرانی فی الکبیر عن ابن عباس اور ایک روایت میں ہے واخر تسعا وتسعین رحمۃ یرحم بہا عبادہٗ یوم القیامۃ کنز العمال صفحہ ۲۴۶ بحوالہ ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ اور ایک روایت میں ہے واخر تسعا وتسعین فاذا کان یوم القیامۃ اکملہا بھذہ الرحمۃ کنز العمال صفحہ ۲۴۶ - بحوالہ مسند احمد ومسلم عن سلمان اور ایک روایت میں ہے فامسک عندہ تسعا وتسعین رحمۃ وارسل فی خلقہ کلہم رحمۃ واحدۃ فلو علم الکافر بکل الذی عند اللہ من الرحمۃ لم ییأس من الجنۃ کنز العمال بحوالہ بخاری ومسلم - عن ابی ہریرۃ د اللہ تعالیٰ نے سنو رحمت پیدا کی ایک رحمت کو تمام جہاں میں تقسیم کیا اور ننانوے رحمت کو قیامت کے لیے رکھ چھوڑا جب قیامت ہوگی - تو ساری کامل سو رحمت کے ساتھ اپنی بندوں پر رحم کریگا اگر کافر کو بھی اس سو رحمت کامل کی خبر ہو تو وہ بھی جنت سے ناامید نہوں پس اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ خلود اہل النار بلا انقطاع نہیں بلکہ ایسا اعتقاد رکھنے سے سلب ایمان کا خوف ہے فنعوذ باللہ منہا -

چھٹا لفظ مالک یوم الدین ہے اس لفظ میں بھی باوجود سزا کے رحم کا بہت حصہ رکھا ہے اول تو اسکو پہلے رب العلمین الرحمٰن الرحیم فرما کر فرمایا کہ اگرچہ سزا ہوگی مگر اس میں ربوبیت رحمانیت ورحیمیت بھی ہوگی دوسرا اگرچہ سزا ہوگی مگر اجنبی حاکم کی طرح نہ ہوگی بلکہ مالکانہ رحم اسکے ساتھ ہوگا تیسرا اگرچہ سزا ہوگی مگر اس سزا میں ربوبیت ہوگی - صرف دُکھ دینا مدنظر نہ ہوگا - اگر باوجود اسکے پھر بھی سزا بلا انقطاع ہی پائی جاوے تو گویا اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات کی سخت ناقدری ہوگی وما قدروا اللہ حق قدرہ - فنعوذ باللہ من ذٰلک - سو رحمت والی حدیث میں یہ بھی ہے کہ جسقدر جانور ایکدوسرے سے رحم کرتے ہیں حیوان اور انسان یہ سب اسی ایک رحمت کے سبب سے ہی جو خلقت پر بانٹی گئی - اب ہم دیکھتے ہیں کہ والدین شریر سے شریر بدمعاش سے بدمعاش اولاد پر کسقدر رحم کرتے ہیں اور کتنی دفعہ انکے عذرات قبول کرتے ہیں تو کیا خدا تعالیٰ کا رحم انسے بھی نعوذ باللہ کمتر ہے -

(۲۲) کتب ربکم علیٰ نفسہ الرحمۃ پ ۷ (اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر رحمت لکھدی ہے) اگر دوزخیوں کو کسی رحم کی بناپر دوزخ میں نہیں بھیجیگا بلکہ محض دکھ دینے کیلیے بھیجیگا تو نعوذ باللہ یہ کیا رحم ہوگا حالانکہ گورنمنٹ دنیوی کا منشا رجیل خانہ بنانے سے یہی ہوتا ہے کہ دنیا سے بدی اُٹھ جاوے چوری قتل ڈاکہ وغیرہ مگر نعوذ باللہ خدا ارحم الراحمین کا جیلخانہ صرف دُکھ دینے کیلیے ہوگا۔

اب کچھ ثبوت خلود بالانقطاع احادیث وآثار وتفاسیر سے لکھتا ہوں (۱) سب سے اول صحیح مسلم کی حدیث ہے جو بخاری میں بھی آئی ہے جسکا آخری ٹکڑہ یہ ہے فیقول اللہ شفعت الملائکۃ وشفع النبیون وشفع المؤمنون ولم یبق الا ارحم الراحمین فیقبض قبضۃ من النار فیخرج منہا قوما لم یعملوا خیرا قط۔ مسلم وکنز العمال صفحہ ۲۲۶ جلد ۷ بحوالہ احمد وبخاری ومسلم۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ فرشتے بھی شفاعت کر چکے۔ اور نبی بھی شفاعت کر چکے اور مومن بھی شفاعت کر چکے سوائے ارحم الراحمین کے اب کوئی باقی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک مُٹھی بھر کر آگ سے ایک ایسی قوم کو نکالیگا جسنے کبھی کوئی نیکی کا کام نہیں کیا۔ اس حدیث میں خیرا کا لفظ قابل غور ہے سو اسکے معنی کیلیے اسکے مابعد کی دوسری حدیث جو اسی مضمون کی ہے اسکے معنے صاف کر دیتی ہے کیونکہ اسمیں مثقال ذرۃ من خردل من ایمان کا لفظ صریح موجود ہے۔ یعنی جنہیں رائی کے برابر ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ بھی شفاعت کرنیوالوں کی شفاعت سے نکالے جاویں گے۔ باقی ایسے لوگ رہ جائیں گے جنہیں ذرہ بھر بھی ایمان نہ ہوگا اسی لیے انکا نام عتقاء اللہ ہوگا۔ یہ لوگ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم سے نکالے جاوینگے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مُٹھی بھر کر نکالیگا۔ تو اسکی مُٹھی سے کوئی باہر نہیں رہ سکتا جیسا کہ قرآن کریم میں فرماتا ہے والارض جمیعا قبضتہ یوم القیامۃ۔ یعنی ساری زمین خدا کی ایک مُٹھی ہوگی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ملائکہ اور انبیاء کی شفاعت کے بعد تو لوگ باقی رہ گئے مگر ارحم الراحمین جب رحم کرنے پر آئے تو اسکی رحمت سے کوئی باہر نہیں رہ سکتا۔ (۲) آخر من یدخل الجنۃ رجل من جنۃ فیقول اہل الجنۃ عند جنۃ انظارا لیقین۔ سلوہ ہل بقی من الخلایق احد یعذب فیقول لا۔ کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۱۱ بحوالہ دارقطنی اور خطیب فی رواۃ مالک عن ابن عمر

(۳) لیاتین علی جھنم یوم کانھا زرع ھاج واحمر تخفق ابوابھا کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۴۵ بحوالہ طبرانی فی الکبیر عن ابی امامہ (جہنم پر ایسا زمانہ ضرور آئیگا کہ گویا وہ کھیت تھا جو لہلہا کر سوکھ گیا اس کے دروازے کھڑکھڑائے جائیں گے (۴) یاتی علی جھنم یوم ما فیھا من بنی آدم احد تخفق ابوابھا صفحہ ۲۴۵ بحوالہ الخطیب عن ابی امامہ (۵) قال عمر لو لبث اھل النار کقدر رمل عالج لکان لھم علی ذلک یوم یخرجون فیہ (حادی الارواح ابن قیم صفحہ ۴۱۹ تفسیر فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۲۷۲ فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱۱ صفحہ ۳۶۳ تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۳۵۰ (حضرت عمر کہتے ہیں اگر اہل النار دوزخ میں بقدر ریگستان جنگل عالج کے بھی ٹھہرے رہیں تب بھی انکے لیے ایک ایسا وقت ضرور ہے جس میں وہ نکالے جائیں گے) (۶) قال ابن مسعود فی ھذہ الآیۃ لیاتین علی جھنم زمان لیس فیھا احد وذلک بعد ما یلبثون فیھا احقابا وعن ابی ہریرۃ مثلہ حادی الارواح صفحہ ۴۲۴ تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۳۵۰ وتفسیر ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۶۶ فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۲۷۲ (حضرت ابن مسعود اس آیت میں فرماتے ہیں کہ جہنم پر ایک زمانہ ضرور آویگا کہ اس میں کوئی بھی نہ ہوگا اور یہ اسوقت ہوگا جبکہ دوزخی چند حقبے اس میں گذارینگے) (۷) سال حرب اسحاق بن راھویہ عن ھذہ الآیۃ فقال سالت اسحاق قلت قول اللہ تعالیٰ خالدین فیھا ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک فقال اتت ھذہ الآیۃ علی کل وعید فی القرآن حادی الارواح صفحہ ۴۲۴ ـ اور دوسری جگہ کہا ہے قال المعتمر قال عبد الرزاق اخبرنا ابن التیمی ... فی قولہ الا ما شاء ربک ان ربک فعال لما یرید قال ھذہ الآیۃ تاتی علیہ حادی الارواح وتفسیر فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۱۷۴ پر بھی قریباً یہی الفاظ ہیں بروایت جابر وابی سعید خدری ـ کیا معنے الا ما شاء ربک والا ستثنا تمام قرآن مجید پر لگتا ہے جہاں جہاں دوزخیوں کی نسبت خالدین فیھا آیا ہے وہاں وہاں استثنا بھی ضرور ہے کیا معنے وہ نکالے جائیں گے ـ (۸) حدثنا عبید اللہ ... لیاتین علی جھنم یوم تصفق فیہ ابوابھا لیس فیھا احد وذلک بعد ما یلبثون فیھا احقابا (حادی الارواح صفحہ ۴۲۴ فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۱۷۴ بروایت عبد اللہ بن عمرو ـ (۹) قال عبد اللہ عمرو وسمعت ابا مجلز یقول ـ جزاءہ فان شاء اللہ عز وجل تجاوز عن عذابہ (حادی الارواح صفحہ ۳۲۵ تفسیر ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۶۶ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی سزا ہے اگر چاہے اپنے عذاب کو معاف کردے کیا معنے کسی کا اسپر حکم اور اعتراض اور مداخلت نہیں ـ (۱۰) حدثنا عبد اللہ ... عن ابی ھریرۃ قال اما انا بالذی لا اقول انہ سیاتی علی جھنم یوم لا یبقی فیھا احد وقرأ فاما الذین شقوا ففی النار الآیۃ (حادی الارواح صفحہ ۳۲۵ میں وہ نہیں ـ کہ اسبات کا قائل نہ ہوں کہ جہنم پر ضرور ایسا زمانہ آئیگا کہ اس وقت اس میں کوئی بھی نہ ہوگا ـ (۱۱) حدثنا ابن حمید ... عن الشعبی قال جھنم اسرع الدارین عمرانا واسرعھما خرابا (حادی الارواح صفحہ ۳۲۵ تفسیر فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۲۷۲ تفسیر ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۶۶ تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۳۵۰ جہنم بہت جلد آباد اور بہت ہی جلد ویران بھی ہو جائے گا (۱۲) اخرج ابن المنذر وابو الشیخ عن ابراھیم قال ما فی القرآن آیۃ ارجی لاھل النار من ھذہ الآیۃ الا ما شاء ربک درمنثور جلد ۳ صفحہ ۳۵۰ وفتح البیان جلد ۳ صفحہ ۲۷۲ (اس آیت سے بڑھ کر امید دلانے والی اہل النار کو اللہ کوئی بھی آیت قرآن مجید میں نہیں ـ

اعلان — ۱ — ٹرنک بکس وغیرہ مستری نظام الدین احمدی شہر سیالکوٹ سے مل سکتا ہے۔ مکمل فہرست مفت۔

امانت

بابو شاہ دین صاحب	مارسہ	للعہ
شیخ تیمور صاحب	عما لہ عہ	

عمارت

جمع		خرچ	باقی
فاضل	آمد		
مالو سہ ۱۳ ار	الـ سما عہ ۷ ار ۶ پائی	اسماسہ الـ ۲ ار ۶ پائی	لو سہ ۸ ار

شفاخانہ

جمع		خرچ	فاضل
فاضل ماہ گذشتہ	آمد ماہ رواں		
سہ ۱۳ ار ۳ پائی	ہے ۲ ار ۳ پائی	مارسہ ۱۵ ار ۳ پائی	مارسہ ۱۰ ار ۳ پائی

بقایا مدرسہ یکم اپریل — الـ عہ ۳ ار ۸ پائی
رو اشاعت اسلام — الـ عما لہ ۸ ار ۳ پائی
رو صدقات — الـ سما لہ ۱۲ ار ۱ پائی
رو مقبرہ بہشتی — ما عہ ۱۵ ار ۹ پائی
رو عمارت — لو سہ ۸ ار
رو امانت — للعہ
کل — معما لہ ۹ ار ۹ پائی

مشمولہ فاضل خرچ شفاخانہ ۱۰ ار ۳ پائی
باقی یکم اپریل موجود ۱۵ ار ۹ پائی
بنک — امین
۱۵ ار ۹ پائی

چکی آٹا پیسنے کی یا لوہے کا خراس

جس میں فی گھنٹہ ۳۰ سیر پختہ آٹا پستا ہے۔ دانہ بھی دلتی ہے۔ اسے طاقتور ایک بیل ورنہ دو بیل بخوبی چلا سکتے ہیں۔ وزن تخمیناً سات من ۷ سیر پختہ ہوگا۔ قیمت اول درجہ معہ فی من دوم درجہ ۸ روپے فی من۔ دس روپے پیشگی بیعانہ آنے پر خراس وی پی کیا جاسکتا ہے ہماری ہاں ہر قسم کی ڈھلائی کا کام عمدگی سے ہوتا ہے کرایہ مال وغیرہ بذمہ خریدار ہے۔

المشتہران۔ مستریان مولا بخش و غلام حسین مالکان آئرن فیکٹری بٹالہ ضلع گورداسپور (پنجاب)

(مطبوعہ انوار احمدیہ مشین پریس قادیان دارالامان)

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ — بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۰۸ء — نمبر ۵

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۰۸ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عہ/

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۸- اپریل ۱۹۰۸ء (۱) انا فتحنا لک فتحاً مبیناً - (۲) زلزلۃ الارض فحق العذاب و تندلی (۳) بشریٰ - ۲۲- اپریل ۱۹۰۸ء - (۱) میرے لیے ایک نشان آسمان پر ظاہر ہوا - (۲) خیر و خوبی کا نشان - (۳) میری مرادیں پوری ہوئیں - ۲۶- اپریل ۱۹۰۸ء - مباش ایمن از بازیٔ روزگار (غالباً مئی ۱۹۰۸ء) انی احافظ کل من فی الدار +

چشمۂ معرفت

طالبو! تم کو مبارک ہو کہ اب نزدیک ہیں ❊ اُس میرے محبوب کے چہرہ کو دکھلانیکے دن

کتاب مستطاب چشمۂ معرفت یعنی مضمون (الہامی کتاب) جلسہ آریہ لاہور مع ضمیمہ بجواب اعتراضات مضمون آریہ جو اوایل دسمبر ۱۹۰۷ء میں محلہ وچھووالی میں منعقد ہوا تھا اور جس میں مسلمانوں کو بذریعہ خطوط و اشتہار طلب کر کے آریہ قوم کے مہاتماؤں نے دلخراش گالیوں سے اپنے مہمانوں کے دلوں کو گھایل کیا تھا۔ بفضل قادر مطلق ۳۰۴ صفحہ کے حجم میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام (ان پر ہزاروں سلام و درود) کے قلم سے لکھی گئی ہے اور ۱۵ امئی ۱۹۰۸ء تک انشاء اللہ تعالیٰ شایع ہو جاویگی۔ جن احباب کی درخواستیں پہلے سے موجود ہیں اُنکو بروقت طیاری بذریعہ وی پی فوراً روانہ کیجاویگی۔ لیکن صرف یہ قابل دریافت ہے کہ وہ بلا جلد چاہتے ہیں یا مجلد؟ **قیمت مجلد تین روپے ہے اور بلا جلد کی دو روپے آٹھ آنے۔**

مجلد کی روانگی میں کسی قدر توقف بھی واقع ہوگا۔ جدید درخواستیں بھیجنے والے اس امر کی تشریح ضرور کریں کہ مجلد روانہ ہو یا بلا جلد۔ سابقہ درخواستوں میں اگر کوئی صاحب اس کی تصریح فرماویں تو بہتر ورنہ بلا جلد بذریعہ وی پی روانہ کر دیجاویگی۔ والسلام۔

المشتہر: مہتمم کتب خانہ حضرت مسیح موعودؑ از قادیان ضلع گورداسپور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مذہبی تحریروں میں دل آزار کلمات کا استعمال

لنڈن میں حال میں ہی ایک دہریہ پر ایک فوجداری مقدمہ ہوا ہے جس میں ملزم پر یہ الزام تھا کہ اس نے عیسائی مذہب کے خلاف دل آزار اور ناشایستہ کلمات کا استعمال کیا ہے یہ کلمات کیا تھے میں آگے چلکر بتاؤں گا۔ اس مقدمہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیوری نے اپنے فیصلہ میں اُسے مجرم اور قابل سزا قرار دیا۔ انگلستان میں چونکہ سرکاری مذہب عیسائیت ہے یا عیسائیت کا ایک خاص فرقہ اس لیے اس سرکاری مذہب یا فرقہ کی حفاظت کے لیے ایک قانون مروج چلا آتا ہے جس کے رو سے اس کے خلاف بولنے والا مستوجب سزا قرار دیا جاتا ہے۔ پہلے زمانہ میں شاہی مذہب کے خلاف کوئی عقیدہ رکھنا ایک ایسا خطرناک جرم سمجھا جاتا تھا جس کی سزا آگ میں جلانا اور اس قسم کی بیرحمی کی سزا ہوتی تھی۔ بلکہ ۱۸۶۷ عیسوی تک یہ قانون تھا کہ عیسائیت کی صداقت یا عیسائی مذہب کے پیش کردہ خدا کی ہستی کا انکار خواہ وہ کیسے ہی شائشتہ الفاظ اور مناسب عبارت اور مہذب پیرایہ میں کیوں نہ ہو ایک بڑا سنگین جرم سمجھا جاتا تھا۔ مگر ۱۸۸۳ء میں آکر قانون کی صورت کسیقدر بدل گئی۔ اس سال میں مسٹر فٹ جو ایک مشہور و معروف دہریہ لیڈر ہے اسی بنا پر ایک مقدمہ اُٹھایا گیا۔ اس مقدمہ میں لارڈ کالرج نے اس رائے کا اظہار کیا۔ کہ محض انکارِ صداقت مذہب قابل سزا نہیں جبتک کہ اس انکار کا پیرایہ ناشائشتہ اور دل آزار نہ ہو چنانچہ اس کے یہ الفاظ تھے کہ "اگر بحث میں معقولیت اور

شایستگی کا لحاظ رکھا جائے تو ہر ایک شخص کو حق پہنچتا ہے کہ وہ عیسائی مذہب کے اصل اصول اور اہم عقاید پر حملہ کرے ایسی صورت میں وہ مجرم قرار نہیں دیا جاویگا"۔ اسوقت سے آجتک انگلستان کا یہی قانون سمجھا جاتا ہے چنانچہ اس تازہ مقدمہ میں بھی قانون مروجہ کے انہی معنوں کے رو سے فیصلہ کیا گیا ہے۔ گویا اسوقت تک انگلستان میں یہ قانون مروج اور زندہ سمجھا گیا ہے کہ عیسائی مذہب کے خلاف ایسے دل آزار اور ناشایستہ کلمات کا استعمال جن سے اس مذہب کے معتقدین کو رنج پہنچے قابل سزا جرم ہے۔ یعنی کسی مذہب کے اصول یا عقاید پر محض نکتہ چینی قابل مواخذہ نہیں بلکہ اس نکتہ چینی کا طریق اگر برا ہو تو وہ قابل مواخذہ ہے۔

انگلستان کی عام اخباروں کی یہ رائے ہے کہ اس آزادی کے زمانہ میں ایسا قانون متروک قرار دیا جانا چاہیئے اور مذہبی رائے یا عقائد یا اصول پر حملہ کرنیکی وجہ سے خواہ وہ کسی پیرایہ میں ہو کسی شخص کو مجرم قرار نہیں دینا چاہیئے۔ اور اس میں شک نہیں کہ انگلستان میں جسقدر غلبہ دہریت نے حاصل کیا ہے وہ اس امر کا متقاضی ہے کہ ایسے قانون کو منسوخ کیا جاوے جس کے رو سے مذہبی اختلاف کی وجہ سے کوئی شخص مجرم قرار پا سکتا ہے۔ مگر ہماری غرض اس قانون کے یہاں ذکر کرنے سے کچھ اور ہے ہم دیکھتے ہیں کہ انگلستان تعلیم اور آزادی میں ہندوستان سے بہت آگے بڑھا ہوا ہے لیکن مذہبی آزادی کے بارہ میں ہندوستان کا پلہ بھاری نظر آتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ کسی ایسے قانون کے نہ ہونیکی وجہ سے ہندوستان کی مذہبی تحریرات روز بروز شایستگی سے گری جا رہی ہیں۔ اور ایک ایسا مذہبی لٹریچر ہندوستان میں پیدا ہو رہا ہے جو اس ملک کی اخلاقی حالتوں کو حد درجہ سے گرا ہوا بناتا ہے۔ مگر ہم بالفعل اپنے اہل ملک کی خدمت میں ہی اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان طریقوں کو چھوڑ کر شایستگی اور تہذیب کا راہ اختیار کریں اور تحقیر سے ہنسی ٹھٹھے سے اور دل آزار کلمات سے دوسرے مذہبوں کے پیرووں کے دلوں کو نہ دکھائیں۔ ہندوستان میں چونکہ ہر ملت و مذہب کے لوگ موجود ہیں اس لیے ایسا قانون جیسا کہ انگلستان میں رائج ہے یہاں کام بھی نہیں دے سکتا کیونکہ

گورنمنٹ کی کوشش اس ملک میں کسی ایک خاص مذہب کی حمایت کیلئے نہیں ہوسکتی بلکہ ضرور تاً سب مذاہب کو یکساں آزادی گورنمنٹ نے دے رکھی ہے۔ اور اولاً یہ ہمارا فرض ہے کہ ایک دوسرے کے مقدس بزرگوں کا ذکر کرتے ہوئے ایسا پیرایہ اختیار نہ کریں جو دوسروں کی دل آزاری کا موجب ہو۔ مگر ہم افسوس سے دیکھتے ہیں کہ اس نیک راہ کی خلاف ورزی کو فخر سمجھا جاتا ہے۔

معمولی مذہبی مباحثات کی کتابیں تو ایک طرف رہیں ہندوستان میں تو اُن کتابوں کیحالت بھی ناگفتہ بہ ہے جو ایک قوم کی قوم کے لیے سرچشمہ ہدایت اور مقدس مذہبی کتابیں خیال کیجاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ستیارتھ پرکاش کو لو جو آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کی سب سے بڑی اور اعلیٰ پایہ کی تصنیف خیال کیجاتی ہے اس کتاب میں دیانند نے اپنے پیرووں کے لیے مذہبی اور تمدنی معاملات کی بابت زندگی کے قوانین اور قواعد لکھے ہیں اور اس کے پیرو ہندوؤں میں سے ترقی یافتہ فرقہ ہے اور اس میں ہزارہا آدمی داخل ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کتاب بھی ایسی عبارتوں سے پُر ہے جو دل آزاری اور بدزبانی میں اس درجہ سے بہت بڑھی ہوئی ہیں جس کو انگلستان جیسے ترقی یافتہ ملک میں انہی کلمات کی وجہ سے مجرم قرار دیا گیا ہے چند باب اس کتاب میں ایسے باندھے گئے ہیں جن میں دوسرے فرقوں یا دوسرے مذاہب پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ہم بائبل اور قرآن کریم پر جو نکتہ چینیاں کی گئی ہیں انکی بعض مثالیں پیش کرتے ہیں۔

کتاب پیدائش کی اُن آیتوں پر جن میں علم اور زندگی کے درخت کا ذکر کیا گیا ہے ان الفاظ میں نکتہ چینی کی گئی ہے "اگر ایسی باتوں سے انسان مکار اور دھوکا باز بنجاتا ہے توخدا پر یہ الزام کیوں نہیں عائد ہوگا کیونکہ اگر کوئی دوسرے کے ساتھ داؤ کھیلے گا تو وہ مکار اور دھوکا باز کیوں نہ کہلائیگا اور جو ان تینوں کو لعنت دی وہ بلا قصور تھے بس خدا بے انصاف بھی ہوا اور یہ لعنت خدا پر ہونی چاہیئے تھی کیونکہ وہ جھوٹ بولا اور اُنکو بہکایا"

(صفحہ ۶۲۰) باب ۱۲ ۔ پھر اس اجازت کا ذکر کرتے ہوئے جو پیدائش باب ۹ آیت ۳ میں درج ہے جس میں لکھا ہے کہ "سب جیتے چلتے جانور تمہارے کھانے کے واسطے ہیں میں نے ان سب کو نباتات کی مانند تمہیں دیا" ستیارتھ پرکاش کا مصنف یہ ریمارک کرتا ہے کہ "کیونکہ خدا کے نزدیک سب جاندار اس کے بیٹوں کی مانند ہیں چونکہ عیسائیوں کے خدا میں یہ صفت نہیں ہے بلکہ وہ قصاب کی طرح کام کرتا ہے اور سب انسانوں کو ایذا رسان بھی اسی نے بنایا ہے پھر بتلائیں کہ عیسائیوں کا خدا بے رحم ہونیکی وجہ سے گنہگار کیوں نہیں۔ (دیکھو صفحہ ۶۲۴)۔ اور پھر زبانوں کی گڈ مڈ اور خلط ملط پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ "کیا کیا جاوے عیسائیوں کے حاسد خدا نے سب کی زبان خلط ملط کر کے سب کا ستیاناش کر دیا۔ اس نے بڑا غضب کیا کیا یہ شیطان کے کام سے بھی برا کام نہیں؟ ..... عیسائیوں کا خدا سنائی پہاڑ پر رہتا تھا اور آدمیوں کی ترقی بھی نہیں چاہتا تھا۔ (دیکھو صفحہ ۶۲۵)۔ اور پھر آگے جا کر بیان کرتا ہے "اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا انسان یا پرندے کی مانند تھا کہ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر آیا جایا کرتا تھا یا وہ کسی نٹ یا جادوگر کی مانند ہوگا۔ (صفحہ ۶۲۶)۔ اور پھر صفحہ ۶۲۷ پر لکھتا ہے کہ "اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگلی آدمیوں کا ایک گروہ ہوگا ان میں سب سے بڑے آدمی کا نام انجیل میں خدا رکھ لیا ہوگا" خروج باب ۲۰ آیت ۱۶-۱۷ جس میں یہ حکم درج ہے کہ "تو اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی مت دے۔ تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر تو اپنے پڑوسی کی جورو اور اس کے غلام اور اس کی لونڈی اور اسکے بیل اور اسکے گدھے اور کسی چیز کا جو تیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر" اس پر یہ حاشیہ چڑھاتا ہے "واہ! تبھی تو عیسائی پڑوسیوں کے مال کی طرف اس طرح رجوع ہوتے ہیں جیسے پیاسے آدمی پانی کی طرف بھوکا اناج کی طرف۔ جیسی یہ خود غرضی اور طرفداری کی تعلیم ہے ویسا ہی عیسائیوں کا خدا ہوگا اگر کوئی کہے کہ ہم کل نوع انسان کو پڑوسی مانتے ہیں تو سوائے انسان کے اور کون جورو

اور غلام والے ہیں کہ جنہیں پڑوسی تصوّر نہ کریں پس ثابت ہوا کہ یہ باتیں خود غرض آدمیوں کی ہیں خدا کی نہیں" (دیکھو صفحہ ۶۲۳)

مصنف ستیارتھ پرکاش عیسائیوں کے خدا کی بابت گستاخانہ الفاظ استعمال کرنے سے ذرا بھی تامل نہیں کرتا مثلاً وہ اسے "ایک جنگلی چالاک" یا "ایک گوشت خور چالاک آدمی" قرار دیتا ہے اور اس کی ذات پاک کے متعلق بہت ہی گندے اور ناپاک صفات تجویز کرتا ہے۔ ایک مقام پر وہ کہتا ہے "عیسائیوں کا خدا اکھاڑہ کا پہلوان ہوگا تبھی تو سرہ اور راکھل پر مہربانی کی کہ انکے ہاں بیٹا ہوا ایسا خدا ہو سکتا ہے"؟ (صفحہ ۶۳۴)
اور پھر کہتا ہے کہ "ہم اس خیال میں تھے کہ صرف اسی ملک میں دیوی کے بھوپوں اور مندروں کے پوجاریوں کی عجیب پوپ لیلا ہے لیکن عیسائیوں کے خدا اور انکے پوجاریوں کی پوپ لیلا ہمارے ملک کی پوپ لیلا سے ہزار گنا بڑھ کر ثابت ہوئی" (دیکھو صفحہ ۶۴۱)

ایک آدمی جو اللہ تعالیٰ کی قدوس اور برتر ذات کے لیے ایسے گندے الفاظ استعمال کرتا ہے بھلا وہ انبیاء علیہم السلام کو بُرا کہنے سے کب رُک سکتا تھا۔ چنانچہ ستیارتھ پرکاش کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دیانند حضرات انبیاء علیہم السلام کی ذات گرامی کی نسبت فحش ترین الفاظ استعمال کرتا ہے وہ انبیاء علیہم السلام جنکی عظمت و عزت نصف دنیا سے زیادہ کی آبادی میں کیجاتی ہے اور انکا وقار اور پاس وہ قومیں کرتی ہیں جو گذشتہ تیرہ صدیوں میں تہذیب کی اشاعت کرنیوالے اور دنیا میں پھیلانیوالے تھے انکا ذکر ایسے حقارت والے ناپاک الفاظ میں کیا گیا ہے کہ جنکو سُنکر ایک خدا ترس کا دل کانپ اُٹھتا ہے۔ صفحہ ۶۲۲ میں بائبل کے مصنفوں کو "جنگلی" کہا گیا ہے۔ صفحہ ۶۲۵ پر ہم مندرجہ ذیل الفاظ پاتے ہیں۔ "دیکھئے ابراہیم عیسائیوں اور مسلمانوں کا بڑا پیغمبر سمجھا جاتا ہے کیا اس کی دروغگوئی وغیرہ اعمال بُرے ہیں یا بھلے؟ جن کے ایسے پیغمبر ہوں انکو

علم یا بہتری کا راستہ کیسے مل سکے ؟" صفحہ ۶۳۵ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی نسبت یہ ناپاک الفاظ بولتا ہے۔ "اب دیکھیے بائبل کے اعلیٰ ہادیٔ مذہب اور پیغمبر موسیٰ کی خصلتیں غصہ وغیرہ بد صفات سے پُر۔ انسان کی جان کشی کرنیوالا اور چور کی مانند شاہی سزا سے گریز کرنیوالا اور بھید چھپانے کی وجہ سے جھوٹ بولنے والا بھی ضرور ہو گا۔ ایسے شخص کو بھی خدا ملا، پیغمبر بنا۔ اس نے یہودیوں کا مذہب جاری کیا جیسا موسیٰ آپ تھا ویسا اسکا مذہب تھا عیسائیوں کے سب ہادیان مذہب موسیٰ سے لیکر اخیر تک جنگلی حالت میں تھے اُن میں علم مطلق نہ تھا وغیرہ وغیرہ" عہد جدید اور یسوع پر ویسے ہی بدنیتی سے اعتراض کیے گئے ہیں۔ متی باب ۲۶ میں جہاں کہ یہودا اسکریوطی کو شیطان نے اپنے آقا کو چھوڑنے کے لیے گمراہ کیا تھا اسپر دیانند مندرجہ ذیل حاشیہ چڑھاتا ہے۔ "یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ عیسائیوں سے پوچھنا چاہیئے کہ اگر شیطان سب کو بہکاتا ہے تو شیطان کو کون بہکاتا ہے اگر کہو کہ شیطان خود بخود بہکایا جاتا ہے تو پھر انسان بھی خود بخود بہکایا جاسکتا ہے۔ پھر شیطان کا کیا کام ؟ اور اگر شیطان کا پیدا کرنیوالا اور بہکانیوالا خدا ہے تو وہی شیطان کا شیطان عیسائیوں کا خدا ٹھہرا اور خدا ہی نے سب کو اس کے ذریعہ بہکایا ہے۔ بھلا یہ کام خدا کا ہو سکتا ہے۔ عیسائیوں کی کتاب کے مصنف اور عیسیٰ خدا کا بیٹا شیطان ہوں تو ہوں خدا شیطان نہیں اور نہ یہ کتاب خدا کا کلام۔" (دیکھو صفحہ ۶۶۳)

خود حضرت مسیح کو بھی جاہل اور وحشی کے ناموں سے پکارا گیا ہے۔ اور انکی نبوت کو ایک منصوبہ اور افترا قرار دیا گیا ہے جس کی غرض لوگوں کو اپنے دام میں پھنسانا بتائی گئی ہے۔ صفحہ ۶۵۱ پر لکھتا ہے۔ "یسوع اس لیے دنیا میں آیا تھا کہ وہ انسان کو انسان سے جدا کرے اور جس نفاق اور لڑائی فساد کی بنیاد عیسیٰ نے ڈالی وہی آجتک لوگوں میں قایم ہے یہ کیسی بُری بات ہے کہ نفاق سے ہر طرح آدمی کو تکلیف ہوتی ہے پر عیسائیوں نے

اس سے گرو منتر سمجھ لیا ہے کیونکہ جب دو شخصوں میں نفاق ڈالنا خود عیسیٰ اچھا سمجھتا تھا تو عیسیٰ کے پیرو اسے کیوں نہ اچھا سمجھیں؟ گھر کے لوگوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنایا عیسیٰ ہی کا کام ہے کسی نیک آدمی کا نہیں" (دیکھو صفحہ ۶۵۱)۔ عشائے ربانی پر (متی باب ۲۶ آیت ۲۶-۲۸) قلم فرسائی کرتے ہوئے دیانند کہتا ہے کہ "بہت خوب! کیا کوئی شائستہ آدمی ایسی بات کہہ سکتا ہے" (دیکھو صفحہ ۶۵۷)۔ حضرت مسیح کے الفاظ پر حاشیہ چڑھاتے ہوئے جہاں وہ کہتے ہیں کہ "آسمان اور زمین ٹل جائیں گے پر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی" سوامی دیانند لکھتا ہے "یہ بات بھی (یسوع کی) جہالت اور حماقت پر دلالت کرتی ہے" (صفحہ ۶۵۶)۔ ایسا ہی اور بہت سے تحقیر آمیز کلمات اور عبارتیں اس کتاب میں پائی جاتی ہیں مگر ہماری غرض کے لیے مندرجہ ذیل حوالے کافی ہونگے۔ "چونکہ عیسیٰ بڑھئی کے گھر پیدا ہوا تھا ہمیشہ لکڑی چیرنے چھیلنے کاٹنے اور جوڑنے کا کام کرتا رہا ہوگا اسے اس جنگلی ملک میں پیغمبر بننے کا شوق چڑھ آیا تو وہ عجیب قسم کی باتیں کرنے لگا کئی ایک باتیں اس کے منہ سے اچھی بھی نکلیں لیکن بہت سی بُری بھی ہیں وہاں کے جنگلی لوگ تھے اس کی باتوں پر یقین کر بیٹھے" (صفحہ ۶۵۶)۔ "سب عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح بڑا حلیم الطبع۔ بردبار۔ متحمل اور غصہ وغیرہ نقصوں سے پاک تھا لیکن ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غصہ ور تھا اور اسے موسموں کا علم نہ تھا اور اس کی جنگلی آدمیوں کی سی خصلت تھی" (صفحہ ۶۵۵)۔ "اگر اسے (یسوع مسیح) ذرا سی بھی تمیز ہوتی تو وہ ایسی لچر پوچ باتیں کیوں کہتا۔ سچ ہے جہاں درخت نہیں۔ وہاں ارنڈی کا درخت ہی بڑا سمجھا جاتا ہے ایسے ہی جنگلی اور جاہلوں کے ملک میں عیسیٰ کا ہونا بھی غنیمت تھا لیکن اس روشنی کے زمانہ میں عیسیٰ کس گنتی میں ہے" (صفحہ ۶۵۳)۔ "عیسیٰ کی باتیں علم اور قانون قدرت کے بالکل خلاف تھیں اور وہ یہ چاہتا تھا کہ لوگ اس کی باتوں کو بچوں کی طرح اندھا دھند مان لیں واقعی علی العموم اگر عیسائیوں کی عقل چھوٹے لڑکوں کی سی نہ ہوتی تو وہ ایسی بعید از قیاس اور خلاف از علم

باتیں کیوں مانتے۔ مزید براں یہ بھی ثابت ہوا کہ عیسیٰ خود بے علم اور لڑکوں کی سی عقل والا تھا ورنہ اوروں کو چھوٹے لڑکوں کی مانند بننے کی تعلیم کیوں دیتا ظاہر ہے کہ جو جیسا ہوتا ہے وہ اوروں کو بھی ویسا ہی بنانا چاہتا ہے" (دیکھو صفحہ ۶۵۲)۔ "دیکھئے عیسیٰ جنگلی آدمیوں کو یقین دلانے کے لیے بہشت کا چیف جسٹس (منصف اعلیٰ) بننا چاہتا تھا۔ صرف بھولے لوگوں کو سبز باغ دکھلایا ہے" (دیکھو صفحہ ۶۴۹)۔ "یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عیسیٰ نے اپنے مذہب کا جال اس لیے پھیلایا ہے کہ لوگوں کو اس میں اس طرح پھنسائے کہ جس طرح مچھلی کو ماہی گیر جال میں پھنساتا ہے جب خود عیسیٰ ایسا تھا تو آجکل کے پادری اگر اپنے جال میں آدمیوں کو پھنساویں تو کیا تعجب ہے"؟ (صفحہ ۶۴۹ و ۶۴۷)

ایسا ہی ستیارتھ پرکاش میں حضرت مسیحؑ کی پیدائش کے متعلق فحش اشارے کیئے گئے ہیں اور دل آزار الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جو دل آزاری اور ناشائستگی میں اس نہرو کے کلام سے بھی بدتر ہیں جسے مجرم قرار دیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیت پر کہ "جب اسکی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو انکے اکٹھے ہونیسے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی"، سوامی دیانند نے یوں حاشیہ چڑھایا ہے۔ "ان باتوں کا ماننا بیوقوف جنگلیوں کا کام ہے۔ شائستہ علماء کا نہیں بھلا جو خدا کا مقررہ قانون ہے وہ کیونکر ٹوٹ سکتا ہے اگر خدا خود اپنے قوانین تبدیل کرے تو اسکا حکم کوئی نہ مانے۔ پھر وہ ہمہ دان اور غلطی سے مبرا ہے۔ اسطرح تو پھر جس باکرہ کو حمل ٹھہر جائے اس کے بارہ میں بھی ایسا ہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ حمل خدا کی طرف سے ہے اور جھوٹ موٹ کسی کو کوئی کہدے کہ خدا کے فرشتے نے مجھے خواب میں کہدیا ہے کہ یہ حمل خدا کی طرف سے ہے جیسی یہ ناممکن بات گھڑی گئی ہے ویسا ہی سورج سے کنتی کا حاملہ ہونا بھی پرانوں میں درج ہے۔ ایسی ایسی باتوں کو آنکھ کے اندھے گانٹھ کے پورے تسلیم کرکے مغالطہ میں پڑا کرتے ہیں اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی آدمی کے ساتھ صحبت ہونیسے مریم حاملہ ہو گئی ہو گی اس نے یا کسی اور

آدمی نے یہ مشہور کر دیا ہو گا کہ اس کا حمل خدا کی طرف سے ہے" (دیکھو صفحہ ۶۴۵ و ۶۴۶)

اس کے بعد آریہ سماج کے بانی نے اپنی دشنام دہی اور گندہ دہانی کی باگ قرآن شریف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و اُمی) کی طرف موڑ دی ہے اس موقع پر مصنف کی کینہ وری نے اپنے تئیں ایک سخت اور غلیظ ترین شکل میں ظاہر کیا ہے اور اس نے نہایت بیباکی سے اللہ جلشانہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بہت بُری گالیاں دی ہیں اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ مندرجہ ذیل الفاظ بکثرت استعمال کرتا ہے۔ "بڑا شیطان" اور ایک "ثابت شدہ شیطان" (صفحہ ۷۰۶) "گویا شیطان کا شیطان خدا ہے" (صفحہ ۷۱۲)۔ خدا کو "شیطان" کہا گیا ہے (صفحہ ۷۲۳) "کیا خدا بھی ڈاکو ہے کہ لوٹ کے مال کا حصہ دار بنے گا" صفحہ ۷۰۰ پر بانی آریہ سماج لکھتا ہے۔ "واہ واہ دیکھو مسلمانوں کا خدا گویا بھان متی کا تماشہ کر رہا ہے کیا ایسی ہی باتوں سے خدا کی خدائی ظاہر ہوتی ہے" "کیا یہ شیطان سے بھی بڑھکر شیطنت کا کام نہیں ہے" (صفحہ ۶۸۳) "خدا خود ہی عظیم بُت پرستی کا بانی مبانی ہوا .... پس مسلمان اور انکا خدا بڑے بُت پرست ہیں" (صفحہ ۷۳۲)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و اُمی) کی ذات مبارک کے متعلق گندے سے گندے الفاظ اور کلمات کا انبار کا انبار جمع کر دیا گیا ہے اور آپ کو سب بنی نوع آدم سے بُرا ظاہر کیا گیا ہے۔ ۷۰۷ صفحہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "مکار، دغاباز، ملحد اور فریبی اور شریر آدمی" بتلایا گیا ہے۔ صفحہ ۷۴۳ میں لکھا ہے "محمد صاحب اگر شہوت پرست نہ ہوتے تو منہ بولے بیٹے کی جورو کو اپنی بیوی کیوں بنا لیتے" اور صفحہ ۷۴۴ میں آپ کو "حیوان کی مانند" کہا گیا ہے۔ اور صفحہ ۷۵۰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و اُمی) کو مندرجہ ذیل الفاظ کا مصداق ٹھہرایا ہے — قاتلہ اللہ انی یوفک — زانی آدمیوں کو نہ حیا ہوتی ہے اور نہ خوف۔ اور

(نقل کفر کفر نباشد)

اس کے آگے بیان کرتا ہے "ان باتوں پر غور کرنے سے کیا یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ قرآن کلام اللہ تو کجا بلکہ کسی عالم نیکوکار کی بھی تصنیف نہیں" (صفحہ ۷۵۷)

ہم یہ نہیں کہتے کہ ایسی دل آزار ناپاک اور ناشائستہ تحریروں پر مقدمہ چلانا چاہیئے مگر یہ بات تعجب میں ڈالتی ہے کہ بعینہ وہی عبارتیں جو ہندوستان جیسے جاہل ملک میں مقدس کتابوں کی آراستگی اور زیور خیال کیجاتی ہیں انگلستان جیسے آزاد اور ترقی یافتہ ملک میں قابل سزا سمجھی جاتی ہیں وہ عبارتیں جن کی رو سے دہریہ بولٹر کو لنڈن میں مجرم قرار دیا گیا ہے ان الفاظ سے زیادہ سخت اور گندی نہیں جو کہ ہم نے ستیارتھ پرکاش سے نقل کی ہیں۔ بولٹر بائبل کے خدا کو "ایک بے حیا پرانا جنگلی آدمی" کر کے پکارتا ہے اور پنڈت دیانند اسکے متعلق "جنگلی چالاک" "قصاب" "ونٹ" "شیطان سے بڑھکر شیطان" اور ایسے ناپاک الفاظ استعمال کرتا ہے۔ بولٹر نے بائبل کو ایک "گندی کتاب" کہا تھا اور دیانند عہد عتیق کے مصنفوں کو "جنگلی" کہتا ہے اور عہد جدید کے لکھنے والوں کو "شیاطین" قرار دیتا ہے بولٹر کے سخت ترین الفاظ کنواری کے جننے کے متعلق دیانند کے استعمال کردہ الفاظ سے سخت نہیں ہیں بمطابق محولہ عبارت کے جو فرد جرم میں نقل کی گئی ہے اس کے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔ "کوئی آدمی یقین نہیں کر سکتا کہ کبھی کنواری نے بھی لڑکا جنا ہے، تم کیا خیال کرو گے جب ایسا واقعہ تمہارے گھر میں ہو جاوے۔ تم مسٹر بلوڈن کے پاس نسبت کا مقدمہ روح القدس کے برخلاف کر نیکو جاتے ہو"۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان میں جہاں کہ مذہبی خیالات انگلستان کی نسبت پبلک کے دلوں پر بہت بڑی حکومت رکھتے ہیں مذہب کو اور مذہبی پیشواؤں کو برا کہنا قانونی طور سے جائز قرار دیا گیا ہے اور اس حد تک اس برا کہنے کی آزادی دیگئی ہے کہ انگلستان میں اسکا نام و نشان بھی نہیں۔ اگر ایسی ملحدانہ ناپاک اور ناشائستہ تحریریں جیسی کہ اوپر بیان

کی گئی ہیں حقیقۃً مضر ہیں تو وہ بہ نسبت انگلستان کے ہندوستان میں زیادہ مضر ہونگی اس میں شک نہیں کہ جب تک کہ مذہبی رائے ظاہر کرنیکی آزادی دنیا کو حاصل ہے تو ہر مذہب کے وکلاء کو صرف یہی حق حاصل نہیں ہے کہ اپنے مذہب کی تعریف و مدح کریں اور اسکی خوبیوں اور عمدہ اصول کو کھول کھول کر بیان کریں اور دوسرے لوگوں کو یہ ترغیب دیں کہ انکے مذہب کو دوسرے مذاہب چھوڑ کر قبول کرلیں بلکہ انکو یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مذہب کو باقی پر فوقیت دیں اور اسکو افضل قرار دیں اور دوسرے مذہبوں کی نکتہ چینی کریں اور ان عیوب اور مضار کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں جو دوسرے مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ کہانتک انکو حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے کی نکتہ چینی اور عیب گیری کرتے وقت مقدس لوگوں کو گالیاں نکالنا اور سیدھے الفاظ کو توڑ مروڑ کر انسے خلاف منشائے متکلم مطلب نکالنا اور دل آزار کلمات کا استعمال کرنا جائز ہے۔ یہ ایک علیحدہ سوال ہے جس کے جواب دینے کے لیے میں اس مضمون میں طیار نہیں ہوں۔ لیکن یہ صاف بات ہے کہ آزادی اور بے اعتدالی کے درمیان کوئی بیّن حد ہونی چاہیئے ہندوستان جیسے ملک کیحالت جہاں سب مذاہب موجود ہیں اس قسم کی نہیں ہے کہ کسی خاص مذہب کی رعایت کیجاوے بلکہ یہاں کی حالت کا یہی اقتضا ہے کہ تمام مذاہب کو یکساں آزادی دیجاوے۔ اور عام طور پر ہر ایک مذہب کے مقدس بزرگوں کے خلاف دل آزار اور ناشائستہ تحریروں سے روکا جائے۔ اگر اور کسی وجہ سے نہیں تو کم از کم اسی غرض کے لیے کہ ملک میں صلح اور آشتی پھیلے اور باہمی کینے اور عداوتیں کم ہوں۔ مباحثات میں بعض وقت سخت کلامی اور درشتی بھی ہو جاتی ہے کیونکہ جوش کا موقع ہوتا ہے مگر افسوس ہے کہ عام مذہبی تحریروں میں اس اندازہ سے گذر کر سخت کلامی اور دل آزاری میں بے اعتدالی کا پہلو اختیار کیا جاتا ہے۔

مثلاً ہم اس تنقید اور نکتہ چینی کو لیتے ہیں جو مذہب اسلام اور مذہب عیسائی پر

ستیارتھ پرکاش میں کی گئی ہے۔ جسکی حقارت آمیز روش ہم نے چند حوالوں سے ظاہر کی ہے جو اوپر بیان کیے گئے ہیں۔ اب یہ کتاب کوئی مباحثہ کی کتاب نہیں ہے اور وہ باب جنمیں عیسائی مذہب اور اسلام کا ذکر ہے انکے تمہیدی ریمارکس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ تنقید ہر دو مذاہب کے متعلق نیک نیتی اور انصاف پر مبنی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ان بابوں کے مضامین کو پڑھکر تمہید محض دکھانے کے دانت معلوم ہوتے ہیں۔ اس نکتہ چینی کے ایک ایک لفظ سے کینہ۔ بغض اور شرارت ٹپکتی ہے جس کی غرض سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ غیر مذہب والوں کے دلوں کو دکھایا جاوے کیونکہ پنڈت صاحب اس بات سے ناواقف تو تھے نہیں کہ جن مقدس ناموں کا ذکر وہ اسقدر حقارت آمیز اور ناشائستہ الفاظ میں کر رہے ہیں انکی عزت اور محبت کروڑہا انسانی دلوں میں تمام عزتوں اور محبتوں سے بڑھکر ہے پھر کوئی شایستہ پیرایہ اختیار نہ کرنیکا منشا سوائے دل آزاری کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ مصنف ستیارتھ پرکاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کو مع آپکے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ڈاکوؤں اور ٹھگوں کا ایک گروہ قرار دیتا ہے اب میں پوچھتا ہوں کہ آیا کوئی عقلمند انسان تمام تاریخ اسلام کو پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے؟ تھوڑا سا غور کرنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ٹھنڈے دل سے رائے زنی یا نکتہ چینی نہیں کی گئی ہے بلکہ ایک کینہ اور حقارت سے بھرے ہوئے دل کا یہ ابال ہے۔ کیا کوئی آدمی ڈاکوؤں اور ٹھگوں کا کوئی ایسا گروہ بتا سکتا ہے جس نے دنیا میں ایسی معجزہ نما تبدیلی پیدا کی ہو اور جس نے تہذیب اور علم کی مشعل کو روشن کیا ہو اور جس نے تمام قوموں کو پستی اور وحشت کے گڑھوں سے نکالکر تہذیب اور شایستگی کے بلند اور اونچے مناروں پر کھڑا کر دیا ہو اگر دنیا کی تاریخ فی الحقیقت یہ ظاہر کرتی ہے کہ ٹھگوں اور ڈاکوؤں کی جماعتوں نے ایسے اعلیٰ اور عظیم الشان کارنمایاں کیے ہیں اور وہ اخلاق علم سائنس اور فلسفہ میں دنیا کے امام بنے ہیں تب فی الحقیقۃ پنڈت دیانند کی نکتہ چینی خواہ

غلط ہو خواہ صحیح تنقید کے دائرہ کے اندر آ سکتی ہے لیکن وہ الفاظ اور عبارتیں جن سے ستیارتھ پرکاش کے سفید کاغذ سیاہ کیے گئے ہیں ۳ سچے واقعات کو عمداً غلط پیرایہ میں اور کینہ اور بغض سے بھرے ہوئے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جسکی غرض صرف دلوں کو دُکھانا ہے۔

ایک اور مثال لو۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و اُمّی) کو صرف اس لیے کہ آپ کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں زانی اور شہوت پرست قرار دیا گیا ہے لیکن وہی شخص جو اپنے جیسے کروڑوں نفوس انسانیہ کے مقدس امام کو گالیاں دینے کیلیے طیار ہے اپنے پیرووں پر اپنی منکوحہ بی بی کے علاوہ گیارہ عورتوں سے نیوگ کرنا اسی آیتیں فرض قرار دیتا ہے جب اس شخص کے ہاں اسکی شرعی اور جایز بیوی سے نرینہ اولاد نہ ہوتی ہو۔ لیکن یہ نیوگ گیارہ عورتوں سے دیانندی مذہب میں ایک پاک اور عمدہ کام سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک بیاہی ہوئی عورت اپنے خاوند کے سوا گیارہ دوسرے آدمیوں سے ہمبستری کر سکتی ہے اگر اسکی نرینہ اولاد نہ ہو یا اور کوئی ضرورت پیش آجاوے۔ ایسا آدمی جس نے ایسے گندے اور ناپاک اصول اپنے پیرووں کو سکھلائے کسی ایسے انسان کو ملزم قرار نہیں دے سکتا جو بوجہ نہ ہونے نرینہ اولاد کے ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرے اور انکو اپنی شرعی اور جایز بیویاں بنا لے۔ اس لیے ہم جب دیکھتے ہیں کہ دیانند حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و اُمّی) کے حق میں محض تعدد ازواج کی وجہ سے ناگفتنی کلمات استعمال کرتا ہے تو مجبوراً یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ اس کے گندے ریمارک کسی واقعی اور صحیح اعتراض پر مبنی نہیں ہیں جو تعدد ازواج کی مستحکم رسم پر قایم ہو سکے جو اسوقت ملک عرب میں شایع و متعارف تھی بلکہ یہ محض کینہ اور دشمنی کا نتیجہ ہیں۔

ہماری غرض اور ہمارا مدعا آریہ سماج کی مقدس کتابوں سے دل آزار اور حقارت آمیز کلمات اور عبارتیں نقل کرنے سے یہ نہیں ہے کہ آریہ سماج اور اسکی کتب مقدسہ کو ذلیل یا بدنام کیا جاوے بلکہ مَیں نے یہ مضمون اس لیے لکھا ہے تاکہ ہمارے تعلیم یافتہ اور

صرف تنقید کا رنگ اپنے اندر نہیں رکھتیں بلکہ

مہذب ہندو پڑوسی اس اہم معاملہ کی طرف توجہ کریں اور اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لیں کہ جبتک وہ نکتہ چینی اور اعتراض کرنے میں آریہ سماج کے بانی کے طریق اور نقش قدم پر چلتے رہیں گے جو اس نے دوسرے مذہبوں کے مقابلہ میں اختیار کیا تھا تو یہ خوب یاد رکھیں کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں باہمی پھوٹ جو سچائی اور اعلیٰ خیالات کے پھیلنے میں بھاری مانع اور روک ہے روز بروز ترقی کرتی جاویگی۔ اگر وہ یہ نہیں چاہتے کہ پھوٹ بڑھے اور ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اس بات کو پسند نہیں کریں گے تو انکے لیے یہ بہتر ہوگا کہ اپنے مذہبی رسالوں اور کتابوں کی طرز تحریر کو بدل ڈالیں اور بنی آدم کے مقدس ائمہ کی عزت کریں بجائے اس کے کہ انکے لیے ناگفتنی اور ناشنیدنی الفاظ تحریر میں لاویں۔ ایسا کرنے میں انکے اپنے مذہب کا بھی فائدہ ہے کیونکہ نرم الفاظ بہ نسبت دل آزار الفاظ کے بہت زیادہ اثر کرتے ہیں بشرطیکہ اُن الفاظ میں واقعی کوئی حقیقت یا اثر ہو۔

انہیں خوب یاد رہے کہ اگر مسلمان یا عیسائی انکے مذہب پر اسی طرح حقارت آمیز اور دل آزار الفاظ میں نکتہ چینی کریں جیساکہ وہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذاہب پر کرتے ہیں تو وہ بھی اپنی تحریروں کے لیے کافی سامان جمع کرسکتے ہیں جس سے آریہ سماج کے دلوں کو دکھ پہنچے۔ لیکن ایسا طریق فائدہ بخش نتایج پیدا نہیں کریگا۔ خوش اخلاق اور متحمل بننے اور دوسروں کے بزرگوں کی عزت کرنے میں آریہ صاحبان کا کوئی حرج نہیں اور یہ نصیحت ہم سچے دل سے اس کے تمام سرگرم ممبروں اور حامیوں کو کرتے ہیں کاش وہ سمجھیں اور ناحق کی دل آزاری سے سچے دل سے توبہ کریں ؂

چار سوالوں کے جواب

سوال اوّل :- صحیح بخاری میں ہے اصدق کلمۃ قالہا الشاعر کلمۃ لبید "الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل" یعنی شاعروں میں سے سب سے زیادہ سچا لبید کا یہ قول ہے کہ خدا کے سوا ہر شے باطل ہے حالانکہ قرآن مجید میں اس کے خلاف ہے, ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔

الجواب :- محض ایک لفظ کے ایک جگہ اثبات اور دوسری جگہ نفی سے دونوں قولوں کا متضاد ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ الفاظ کے معنوں میں بہت وسعت ہوتی ہے۔ اگر واقع میں کوئی حدیث قرآن کریم کے صریح الفاظ کے معارض اور مخالف ہو تو ہمارے نزدیک ایسی حدیث چھوڑنی چاہیئے کیونکہ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جس احتیاط اور حفاظت سے قرآن کریم ہم کو پہنچا ہے حدیث کی ویسی حفاظت نہیں ہوئی۔ مگر جیسی مثال اس سوال میں پیش کی گئی ہے اس کی بہت سی نظیریں خود قرآن کریم میں ملتی ہیں یعنی کہ ایک ہی لفظ کا اثبات بھی ہوتا ہے اور پھر اس کی نفی بھی ہوتی ہے۔ مگر اس سے اختلاف یا تعارض ثابت نہیں ہوتا بلکہ ہمیں چاہیئے کہ ایسے الفاظ کے معنوں میں غور کریں مثلاً قرآن کریم کی ان آیات پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ سورۃ القصص کے چھٹے رکوع میں فرماتا ہے انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء۔ یعنی تحقیق تو کسی کو ہدایت نہیں کرتا جسکو دوست رکھے لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسکو چاہتا ہے اس آیت کریمہ میں نبی کریم کو فرمایا ہے کہ تو ہدایت نہیں کرتا جسکو چاہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سورۃ شوریٰ کے پانچویں رکوع میں فرماتا ہے وانک لتھدی الی صراط مستقیم ترجمہ۔ اور تحقیق ضرور تو ہدایت کرتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔ دیکھیئے یہاں لتھدی ہا

فرماتا ہے۔ پہلی آیت کریمہ میں لا تھدی اور دوسری میں اثبات ہے۔ دوسری مثال یہ ہے ووجدک ضالاً۔ یعنی اور تجھ کو اللہ نے ضال پایا۔ دیکھیئے یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ضال فرمایا ہے لیکن سورۃ النجم میں اسکی نفی کرتا ہے اور فرماتا ہے وما ضل صاحبکم وما غوی۔ اے اہل مکہ تمہارا یہ ساتھی ضال نہیں ہے اور نہ غاوی ہے۔

صاحب من! جہاں یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ ایک ہی لفظ کا اثبات کیا جاتا ہے اور اسی کا انتفا، تو اسوقت بوقت اثبات اور معنے مقصود ہوتے ہیں اور بوقت انتفا اور معنے۔ انک لا تھدی کے یہ معنے ہوئے کہ یہ تیرے اختیار میں نہیں ہے کہ تو کسی کو ہدایت پر لے آوے اور انک لتھدی کے یہ معنے ہوئے کہ تو لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ہدایت ہے اسکو اختیار کرلو۔ وجدک ضالاً میں ضال کے معنے طالب کے ہیں یعنی خدا نے جب دیکھا کہ تو خدا کا طالب ہے تو اس نے تجھے ہدایت کی راہ دکھادی اور ما ضل صاحبکم میں گمراہی کے معنے ہیں چنانچہ غوی کا لفظ ہمارے اس معنے کے لیے صاف اور صریح قرینہ ہے ایسا ہی وجدک ضالاً میں ضال کے معنے سائل اور طالب کے ہیں چنانچہ ضال کے مقابلہ میں بطور لف ونشر اما السائل فلا تنھر میں سائل کا لفظ واقع ہوا ہے۔

اسی طرح بطلان کے بھی دو معنے ہیں۔ باطل کے معنے فانی کے بھی ہیں اور فنا بڑی عظیم الشان تغیر کو کہتے ہیں پس شاعر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا اور چیزیں فنا پذیر اور غیر ثابت ہیں۔ اور قرآن شریف میں جو لفظ باطل کا استعمال ہوا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو محض بے حقیقت ہو۔ قرآن شریف کی لغت میں لکھا ہے الباطل یقال للشئ لا حقیقۃ لہ۔ باطل اس چیز کو کہتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے پس دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سورۃ لقمان ماقبل آخر رکوع کی آخری آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ذٰلک بان اللّٰہ ھو الحق وان ما

یدعون من دونه الباطل و ان اللّٰہ ھو العلی الکبیر۔ یعنی یہ اس لیے کہ اللہ حق ہے اور تحقیق وہ جو اس کے سوا پکارتے ہیں باطل ہے اور تحقیق اللہ ہی بڑے علو اور بڑی شان والا ہے۔ حالانکہ ایسے معبود بھی خواہ وہ پتھر ہوں یا انسان مخلوق ہونکی حیثیت سے ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا کے نیچے آتے ہیں۔ مگر معنوں کا رنگ الگ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس غرض کے لیے وہ پکارے جاتے ہیں اس غرض کے لیے باطل یعنی بے حقیقت اشیاء ہیں۔ شعر کے لفظ بھی قابل غور ہیں شاعر کہتا ہے کل شیٔ ما خلا اللہ باطل۔ جس میں گویا ایک طرح کا مقابلہ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ایک ایسی عظیم الشان حقیقت ہے کہ اسکے مقابلہ میں تمام اشیا محض بے خفیقت ہیں۔ پس خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ شعر میں باطل کا لفظ فنا پذیر اشیاء پر استعمال ہوا ہے اور ربنا ما خلقت ھٰذا باطلاً میں باطل بے حقیقت چیز پر مستعمل ہوا ہے۔ پس اس طرح سے اختلاف اُٹھ گیا۔

سوال دوم:۔ کنز العمال کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ کی مٹی سے انسان کا خمیر ہوتا ہے وہیں وہ دفن کیا جاتا ہے۔ یہ روایتیں آپ کے نزدیک صحیح ہیں یا نہیں اور آیت کریمہ منھا خلقنا کم الخ کو اس مضمون سے کچھ تعلق ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر کنز العمال کی حدیث کا آپ پتہ بتاتے تو ہمیں دیکھنے کی سہولت ہوتی اور ہم اس کی تحقیقات کر لیتے اب بھی اسکا پتہ آپ کو یاد ہو تو ان احادیث پر غور کیا جا سکتا ہے۔ منھا خلقنا کم آیت کریمہ کے مضمون کو اُس حدیث سے کچھ تعلق معلوم نہیں ہوتا اگر وہ حدیث متحقق ہو جاوے۔ منھا سے عام روئے زمین مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما تدری نفس بای ارض تموت۔ یعنی کسی نفس کو معلوم نہیں ہے کہ وہ کس ملک یا زمین میں مریگا۔

سوال سوم:۔ قرآن مجید میں جو رکوع لگائے گئے ہیں یہ کس زمانہ میں لگائے گئے ہیں۔ انکا لگانیوالا کون ہے اور ان سے کیا غرض مدنظر رکھی گئی ہے۔ رکوع انکا نام کیوں رکھا گیا۔ رکوع کے مشہور و متعارف معنے سے اس بدعت کو کیا تعلق۔ اگر یہ فعل صحابہ و تابعین

کا ہے تو حدیثوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں۔ بعض قرآنوں میں جو وقف نبی۔ وقف جبریل وقف منزل۔ وقف غفران وغیرہ مہمل الفاظ لکھے ہیں۔ ان کے معنے کیا ہیں وقف نبی اور وقف جبریل میں تضاد کیسا۔ کیا معاذ اللہ جبریل نبی کے یا نبی جبریل کے مخالف تھے جو اپنا اپنا قلعہ علیحدہ بناتے تھے؟۔

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قرآن شریف کو نماز میں پڑھ کر خود سنایا ہے اور جہاں جہاں آپ نے رکوع کرنا بلا کسی خاص ضرورت کے ثابت ہوا ہے اس پر بطور یادگار کے رکوع کا نشان قرآن مجید کے اصل متن سے باہر لگا دیا گیا ہے۔ یہ اعتراض کہ "اگر یہ فعل صحابہ و تابعین کا ہے تو حدیثوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں" صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیوں کہ احادیث کا فن اور علم بالکل جدا ہے اور علم قرأت کا فن علیحدہ ہے۔ آپ کو مزید تحقیق کی ضرورت ہو تو آپ "کتاب منار الہدیٰ فی بیان الوقف والابتداء" کو ملاحظہ فرماویں۔ اس محولہ بالا کتاب کے صفحہ ۳ میں لکھا ہے وقال علی کرم اللہ وجہہٗ فی قولہ تعالیٰ و رتل القراٰن ترتیلا۔ الترتیل تجوید الحروف ومعرفۃ الوقوف اسکا ترجمہ یہ ہے اور کہا علی کرم اللہ وجہہٗ نے اللہ تعالیٰ کے قول میں ورتل القراٰن ترتیلا۔ الترتیل کے معنے ہیں حروف سنوار اور درست کر کے پڑھنا اور وقفوں کو پہچاننا۔ اور اس میں یہ بھی لکھا ہے وقال ابن الانباری من تمام معرفۃ القراٰن الوقف والابتداء اذلا یتاتی لاحد معانی القراٰن الا بمعرفۃ الفواصل فھذا ادل دلیل علی وجوب تعلمہ و تعلیمہ۔ یعنی اور ابن انباری نے کہا قرآن شریف کی اعلیٰ معرفت اسکو حاصل ہوتی ہے جو جانتا ہے کہ کہاں ٹھہرنا ہے اور کہاں سے شروع کرنا ہے کیونکہ قرآن شریف کے معانی کی معرفت ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اس کے فاصلوں اور فرق کو اچھی طرح سے نہ سمجھ لیا جاوے اور یہی ایک بڑی دلیل ہے کہ یہ علم پڑھنا اور پڑھانا واجب ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۵ میں لکھا ہے قال السخاوی ینبغی للقاری ان یتعلم وقف جبریل فانہ کان

یقف فی سورۃ آل عمران عند قولہ قل صدق اللہ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یتبعہ وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقف فی سورۃ البقرۃ عند قولہ فاستبقوا الخیرات وفی سورۃ المائدۃ عند قولہ سبحانک مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق وکان یقف قل ھٰذہ سبیلی ادعوا الی اللہ ثم یبتدی علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی وکان یقف کذالک یضرب اللہ الامثال ثم یبتدی للذین استجابوا لربھم الحسنیٰ وکان یقف والانعام خلقھا ثم یبتدی لکم فیھا دفءٌ وکان یقف افمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا ثم یبتدی لا یستوون وکان یقف ثم ادبر یسعیٰ فحشر ثم یبتدی فنادی فقال انا ربکم الاعلیٰ وکان یقف لیلۃ القدر خیر من الف شھر ثم یبتدی تنزل الملائکۃ فکان صلی اللہ علیہ وسلم یتعمد الوقف علیٰ تلک الوقوف وغالبھا لیس راس اٰیۃ وما ذالک الا بعلم لدنی علمہ من علمہ وجھلہ من جھلہ فاتباعہ سنۃ فی جمیع اقوالہ وافعالہ

جسکا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ قاری قرآن مجید کو وقف جبریل ضرور سیکھنا چاہیئے حضرت جبریل قل صدق اللہ پر وقف کیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپکی اتباع کیا کرتے تھے اس تمام عربی عبارت میں یہ گن کر بتا دیا گیا ہے کہ کس کس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقف کیا کرتے تھے اور کہاں سے آپ شروع کیا کرتے تھے۔ آخر میں امام سخاوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جان بوجھکر ان وقفوں پر وقف کیا کرتے تھے اور غالباً یہ ایسے وقف ہیں کہ یہ آیت کے سر نہیں ہیں یعنی آیت انسے شروع اور نیز ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ وقف وسط آیت میں واقع ہوئے ہیں اور ان وقفوں کا آپ کو اللہ جلشانہ کی طرف سے خاص علم بخشا گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ یعنی جب ہم قرآن کو پڑھیں اس ہمارے پڑھنے کی تم اتباع کیا کرو پھر

تحقیق ہم پر ہے اس کا بیان کر دینا۔ پس آپ کی اتباع کرنا عین سُنت اور اسوۂ حسنہ ہے آپ کے تمام اقوال اور افعال میں اتباع کرنی بہت ضروری اور لابدی امر ہے۔ وقف منزل کے لیے درۃ الفرید ملاحظہ ہو۔

قرآن کریم کے عجائبات میں تدبّر کرنا حضرت جبرئیل علیہ السلام کا کام بھی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بھی ہے بعض وقت آیات مغفرت کے ذکر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مغفرت کے لیے دعائیں شروع کر دیا کرتے تھے جہاں کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو وقف کرتے دیکھا اس کا نام وقف جبرئیل ہے اور جہاں آپ کو قراء نے وقف کرتے دیکھا اس کا نام وقف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جہاں آپ نے مغفرت کے لیے دعائیں مانگیں وہاں وقف غفران لکھا گیا ہے۔

سوال چہارم:۔ مرنے کے بعد انسان اپنی ازواج و اولاد سے ملیگا یا نہیں؟۔

الجواب:۔ قرآن کریم میں اس سوال کا بصراحت جواب دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم وما التنٰھم من عملھم من شئ کل امرئ بما کسب رھین۔ اور اس کا یہ ترجمہ ہے کہ "وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہیں اور انکی ذرّیت (اولاد) نے انکی اتباع کی ہے ایسی اتباع کہ اُن جیسا وہ بھی ایمان لائے ہیں ہم انکی اولاد کو انکے ساتھ ہی ملا دیں گے اور انکو کسی عمل میں بھی کمی نہیں کرینگے ہر ایک اپنی کمائی کا گرو ہے۔" پھر ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ربنا وادخلھم جنات عدن التی وعدتھم ومن صلح من اٰبائھم وازواجھم وذریٰتھم یعنی "اے ہمارے رب اور انکو داخل کر دے رہنے کے باغوں میں جو تُو نے انسے وعدہ کیا ہے اور اُنکو بھی انکے ساتھ داخل کر جو انکے آباؤ اجداد میں صلاحیت رکھتے تھے اور انکی ازواج اور ذریات کو بھی جو سنوارنے والے تھے۔" دیکھیے اس آیت کریمہ میں صاف فرما دیا ہے کہ سنوار والی ازواج اور اولاد مومن انسان کے ساتھ جنّت میں داخل ہونگی

اور پہلی آیت کریمہ میں صاف الحقنا بھم کا لفظ وارد ہوا ہے۔

اب رہا یہ کہ کافروں کو بھی انکی ازواج اور اولاد ملیگی یا نہیں۔ اسکا جواب بھی قران شریف
میں دیا ہے احشروا الذین ظلموا و ازواجھم وما کانوا یعبدون من دون اللہ
فاھدوھم الی صراط الجحیم۔ ظالموں اور انکی ازواج کو اور اُن لوگوں کو جو اللہ کے
سوا اور بتوں کو پوجتے تھے اکٹھا کرکے جحیم کی راہ کی طرف لیجاؤ۔ بات بہت صاف اور
بیّن ہے کہ اگر انسان سے مراد کافر انسان ہے تو اس کی اولاد اور ازواج اگر وہ ویسی
ہی کافر ہیں اس کے ساتھ وہ بھی جہنم میں جائیں گے اور اگر صلاحیت والے ہیں تو
انکو جنّت میں داخل کیا جاویگا کیونکہ لا تزر وازرۃ وزر اخری اور اگر انسان مومن ہے
اور اس کی ازواج اور اولاد کافر ہیں تو مومن انسان تو بہشت میں جائیگا اور کافر ازواج
اور اولاد جہنم میں داخل کیے جاوینگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ضرب اللہ مثلاً للذین کفروا
امرات نوح و امرات لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین
فخانتاھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئاً وقیل ادخلا النار مع الداخلین۔
ہر دو حضرت نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویاں کافر تھیں اور ہمارے نیک
بندوں کے نیچے تھیں انہوں نے خیانت کی پس وہ اللہ کے مقابلہ میں کچھ کر نہ سکیں اور
انکو کہا گیا کہ آگ میں داخل ہونیوالوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ اسی آیت کریمہ کے بعد
فرعون کی بیوی کو مومنوں کے لیے بطور مثال پیش کیا گیا ہے جو دعا مانگتی ہے رب
ابن لی عندک بیتاً فی الجنۃ ونجنی من فرعون وعملہ ونجنی من القوم
الظالمین۔ وہ مضطر تھی ضرور اسکی دعا بمصداق امن یجیب المضطر اذا دعاہ و
یکشف السوء اور فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ ضرور قبول ہوگئی
ہوگی اور جنت میں ضرور داخل کی گئی ہوگی۔ یہاں ہمیں اللہ تعالیٰ نے بتادیا ہے کہ ایک بد اور
کافر انسان کی بیوی اگر وہ صلاحیت رکھتی ہے جنت میں داخل کیجاویگی اور کہ نیک

بندوں کی ازواج مثلاً لوط اور نوح علیہما السلام کی بیویاں نار (دوزخ) میں داخل کیجاتی ہیں اگر وہ ازواج صلاحیت سے کچھ حصہ نہیں رکھتی ہیں بلکہ کافروں کے لیے نمونہ بنجاتی ہیں۔ اور نیک اور مومن بندوں کی ناخلف اولاد کی بابت قرآن شریف میں صاف لکھا ہے فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیاً۔ پس اُن نیکوں کے بعد انکی ایسی نااہل اور نالایق اولاد پیدا ہوئی کہ انہوں نے نماز کو ضایع کردیا اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑگئے پس وہ جہنم میں ڈالے جاویں گے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کو فرمایا گیا انہ لیس من اھلک وہ جسکو تو اپنا بیٹا بتاتا ہے وہ تیری اہل سے نہیں ہے۔ پس اگر انسان مومن ہے اور اسکی اولاد اور ازواج بھی مومن ہیں. تو وہ اسکے ساتھ جنّت میں داخل ہونگے اور اگر انسان کافر ہے اور اسکی اولاد اور ازواج بھی کافر ہیں تو وہ انکے ساتھ دوزخ میں داخل ہوں گے اور اگر انسان مومن ہے اور اس کی اولاد اور ازواج کافر ہیں تو مومن انسان تو بہشت میں جاویگا اور ازواج اور اولاد دوزخ میں۔ اور اگر انسان کافر ہے اور اسکی اولاد اور ازواج مومن ہیں تو کافر انسان دوزخ میں اور اسکی اولاد اور ازواج بہشت میں جاوینگی۔ الغرض انسان اپنی ازواج و اولاد سے ملیگا اگر ہر دو ایک ہی حالت رکھتے ہیں بالفاظ دیگر انسان کو اپنی ازواج و اولاد سے ملنے کے لیے صرف دو حالتیں ہیں یا تو ہر دو مومن ہیں تب مل سکیں گے یا اگر ہر دو کافر ہیں تب مل سکیں گے۔

ہمارے نکتہ چین

نکتہ چینی یا تنقید ایک ضروری مفید چیز ہے۔اور بجائے خود ہمیں اس بات سے کبھی رنج نہیں پہنچتا کہ کوئی شخص ہماری کسی غلطی پر ہم کو آگاہ کردے۔لیکن ہمارے نکتہ چین جب کبھی ہماری تحریروں پر قلم اٹھاتے ہیں تو انسے یہ توقع نہیں ہوتی کہ ایک حق سے پیار کرنیوالے منتقد کی طرح وہ ہماری کسی اچھی بات کو اچھا کہہ سکیں اور جو غلطی ہو اسکو ظاہر کریں بلکہ اس بغض کی وجہ سے جو سلسلہ حقہ کے ساتھ ہمارے علماء کو ہے وہ عیب جوئی میں ہی لگے رہتے ہیں۔ہم نے اس رسالہ میں بہت سے مفید مضامین محض خدائے تعالیٰ کی توفیق اور اسی کی اعانت سے لکھے ہیں۔لیکن علماء میں سے بہت کم لوگ ہونگے جو انکے متعلق کلمۃ الخیر منہ سے نکال سکیں۔یہ میں اس لیے نہیں لکھتا کہ ہمیں ان باتوں کی کچھ پرواہ ہے۔بلکہ محض علماء کی اس حالت پر رونا آتا ہے کہ جو باتیں اسلام کے لیے مفید ہیں وہ ان میں بھی ہماری تائید نہیں کرسکتے۔اسوقت میرے سامنے رسالہ الہادی جنوری ۱۹۰۸ء کا نمبر پڑا ہے اس میں ایک مضمون بعنوان "آئینہ قادیانی یعنی قادیانی قرآن دانی" لکھا گیا ہے۔جس کی غرض میں نہیں سمجھتا کہ کیا ہے۔اس میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ بعض لطیف معانی قرآن کریم کے جو حضرت مرزا صاحب نے بیان کیے ہیں وہ کسی پہلی تفسیر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ایک دو باتوں کو لیکر یہ ثابت کردینا کچھ مشکل امر نہیں بلکہ اسلام کے مخالفوں نے تو انہی ہمارے علماء کی طرح یہ کوشش بھی کی ہے کہ قرآن کریم کے کسی مضمون کو کسی پہلی کتاب کے مضمون سے ملتا ہوا ثابت کیا جائے۔مگر کیا اس سے قرآن کریم کی وحی من اللہ اور کلام الٰہی ہونے پر کوئی اعتراض وارد ہوسکتا ہے؟ الہادی کے ایڈیٹر اگر غور کریں تو وہ سمجھ سکتے ہیں کہ انکی کوشش حضرت مرزا صاحب کے خلاف پادری صاحبان کی اس

کوشش سے بہت کم درجہ پر ہے۔ جس طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ ہزارہا حقایق قرآن کریم میں ایسے بھرے پڑے ہیں جنسے پہلی تمام کتابیں خالی ہیں مگر یہ ہمارا دعویٰ نہیں کہ قرآن کریم نے ان صداقتوں کو جو پہلی کتابوں میں پائی جاتی ہیں بالکل چھوڑ دیا ہے اسی طرح ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے جو معارف اور حقایق حضرت مرزا صاحب نے بیان فرمائے ہیں انکے متعلق ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ ان میں سے کوئی نکتہ معرفت پہلی کسی کتاب یا تفسیر میں بیان نہیں کیا گیا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہزارہا معارف اور حقایق نئے بیان کیے گئے ہیں بعد کی کتابوں کو تو جانے دو براہین احمدیہ میں جو کچھ خدمت اسلام کی گئی ہے اسکا اعتراف خود مولوی محمد حسین بٹالوی نے کیا ہے اور اسکو ایسی خدمت قرار دیا ہے جس کی نظیر تیرہ ۱۳ سو سال کے اندر نہیں ملتی۔ پھر ان باتوں سے کہ فلاں آیت کی فلاں تفسیر جو مرزا صاحب نے لکھی ہے وہ تفسیر کبیر میں فلاں موقعہ پر پائی جاتی ہے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے؟ ہاں ان علمار کی حالت پر ایسی باتوں کو پڑھکر افسوس آتا ہے۔

اسی مضمون میں ہمارے ایک مضمون کے متعلق جو اسی سال میں رسالہ ہذا میں نکلا ہے کچھ نکتہ چینی کی گئی ہے اور ہماری دو باتوں کو غلط کہکر یہ نتیجہ پیش کیا ہے کہ قادیانی جماعت قرآن نہیں جانتی۔ یہ اعتراض ہمارے اس مضمون پر ہیں جو ڈاکٹر چنتو پادھیا کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ اس مضمون میں ہم نے یہ دکھایا تھا کہ آیت قرآنی ان اللہ یبشرك بکلمۃ منہ سے جو عیسائی صاحبان مسیح کی ربوبیت کا استدلال کرتے ہیں یہ محض غلط ہے۔ اس آیت کے معانی بیان کرنے اور کلمۃ من اللہ کی اصل حقیقت ظاہر کرنیکے بعد ہم نے یہ لکھا تھا کہ "اسجگہ ہم ایک اور معنے بھی لکھتے ہیں جو قرآن کریم کے الفاظ پر چسپاں ہیں اور وہ یہ ہیں کہ سورہ آل عمران کی چالیسویں آیت میں حضرت مریم کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے ان اللہ یبشرك بکلمۃ منہ جس کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنے ایک کلمہ یعنی پیشگوئی کے ذریعہ تجھے بشارت دیتا ہے" اس عبارت کو نقل کرکے ایڈیٹر صاحب الہادی لکھتے ہیں:۔

"اس آیت ان اللہ یبشرك بکلمۃ منہ میں ایڈیٹر صاحب نے ب کے معنے ذریعہ اور کلمہ کے معنے پیشگوئی کیے ہیں جو اس مقام پر قواعد زبان عربی اور آیات قرآن شریف کی رو سے بالکل غلط ہیں۔ کیونکہ بَشَّرَ کے دو مفعول آتے ہیں ایک وہ جسے بشارت دیجائے دوسرا وہ جس کی بابت یعنی جس چیز یا امر کی بشارت دیجائے۔ پہلے مفعول کے ساتھ کوئی حرف جر نہیں آتا اور دوسرا مفعول بواسطہ ب حرف جر کے آتا ہے۔

پس جسکے ساتھ ب ہوگی اسکی بابت بشارت ہوگی جیسا کہ سورہ صافات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پیدا ہونیکی بشارت دینے کے متعلق فرمایا فبشرناہ بغلام حلیم"

اس کے بعد ایڈیٹر صاحب الہادی نے قرآن شریف سے چند اور مثالیں اسی قسم کی بیان کی ہیں جن میں بشر کے دو مفعول آئے ہیں اور دوسرا مفعول جس کے ساتھ ب حرف جر ہے وہ ہے جسکی بابت بشارت دی گئی ہے۔ اگر ہم نے کہیں اس بات کا انکار کیا ہوتا۔ یا معمولی معنوں کا جو الفاظ قرآنی ان اللہ یبشرك بکلمۃ منہ کے کیے جاتے ہیں انکار کرکے کوئی اور معنی پیش کیے ہوتے تو ایڈیٹر صاحب الہادی کا اس بات پر زور دینا اور مثالیں پیش کرنا کچھ معنی رکھتا تھا مگر جس حالت میں ہم نے خود ایسے ہی معنے کیے تھے اور انہی کی بنا پر ڈاکٹر چیتو پادھیا کے استدلال کو باطل ثابت کیا تھا۔ اور دوسرے معنے کے متعلق جو پیش کیے تھے صرف یہ کہا تھا کہ "یہ معنے بھی قرآن کریم کے الفاظ پر چسپاں ہو سکتے ہیں" ان تمام مثالوں کی جو الہادی میں پیش کی گئی ہیں کوئی ضرورت نہ تھی۔ اگر ان مثالوں کے دینے سے یہ منشا ہے کہ وہ معنے الفاظ قرآنی پر چسپاں نہیں جنکے متعلق ہم نے یہ لکھا تھا تو یہ غلط ہے۔ مجھے یہ افسوس ہے کہ طرز تحریر جو الہادی میں اختیار کیا گیا ہے وہ متانت اور شائستگی کو اپنے ساتھ لیے ہوئے نہیں۔ انہوں نے نکتہ چینی

کرنے میں غلطی کھائی ہے مگر میں انکی طرح یہ نہیں کہتا کہ اس سے انکی سراسر جہالت اور ناواقفیت ثابت ہوتی ہے۔ جیسا مجھے انہوں نے کہا ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ محض اس عناد کی وجہ سے جو انکو ہمارے سلسلہ سے ہے انہوں نے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ورنہ غلطی سے کون انسان خالی ہے؟ اور اگر انکو بجائے خود یہ دعویٰ ہے کہ انسے کبھی غلطی نہیں ہوتی تو میں اسی نکتہ چینی میں انکی غلطی دکھا دیتا ہوں الفاظ کے ان معنی کو جو مینے کیے ہیں غلط ثابت کرنیکے لیے انہوں نے حسب ذیل دعوے کیے ہیں۔

اوّل یہ کہ بَشَّرَ کے دو مفعول آتے ہیں ایک وہ جسے بشارت دیجائے دوسرا وہ جس کی بابت یعنی جس چیز یا امر کی بشارت دیجائے۔

دوئم یہ کہ بشر کے بعد جسکے ساتھ ب ہوگی اس کی بابت بشارت ہوگی۔

سوئم یہ کہ معنے جو ان اللّٰہ یبشرك بکلمۃ منہ میں ب کے معنے ذریعہ کو جائز رکھا ہے وہ قواعد زبان عربی اور آیات قرآن شریف کے رو سے بالکل غلط ہیں۔

ایڈیٹر صاحب الہادی کے یہ تینوں دعوے غلط ہیں۔ پہلا دعویٰ یہ تھا کہ بشر کے دو مفعول آنے چاہییں۔ قرآن کریم میں بہت سی مثالیں اس کی موجود ہیں سورۃ الحجر میں حضرت ابراہیم فرماتے ہیں ابشرتمونی علیٰ ان مسنی الکبر۔ یہاں دوسرا مفعول کوئی نہیں۔ ایسا ہی مندرجہ ذیل مقامات قرآن شریف کے دیکھو جہاں دوسرا مفعول کوئی نہیں صرف ایک ہی مفعول ہے۔ فبشر عباد (۳۹-۱۷)۔ وبشر المؤمنین (۲-۲۲۳) و بشر الصابرین (۲-۱۵۰) بشر المؤمنین (۹-۱۱۳ و ۱۰-۸۷ و ۱۳۶) بشر المخبتین۔ (۲۲-۳۴) بشر المحسنین (۲۲-۳۸)

دوسرا دعویٰ یہ کہ جسکے ساتھ ب ہوگی۔ سورۃ الحجر میں جہاں فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو کہا قالوا بشرنٰك بالحق۔ ۱۵-۵۵۔ کیا معترض صاحب کے نزدیک وہاں یہ معنے ہیں کہ ہم تجھے الحق کی بشارت دیتے ہیں؟ اور الحق وہ چیز ہے جسکی بابت

بشارت دی گئی تھی؟ یا بشارت کسی اور چیز کی بابت تھی؟ اگر کوئی شک ہو تو قرآن شریف کا کوئی ترجمہ نکال کر دیکھ لیں۔ اسی بات کی تائید میں کہ بشر کے بعد جسکے ساتھ ب ہو ضروری نہیں کہ اسی کے متعلق بشارت بھی ہو وہ آیت بھی ہے جو میں اب پیش کرتا ہوں۔

معترض کا یہ بڑا دعویٰ ہے کہ بشر کے بعد جو ب آئیگی تو اسکے معنے ذریعہ نہ ہونگے اور قواعد عربی اور قرآن شریف کی آیات کی رو سے یہ غلط ہے۔ اب وہ قرآن کریم کی ذیل کی آیت پر غور کریں۔ فانما یسرنٰہ بلسانک لتبشر بہ المتقین و تنذر بہ قوما لدًّا - ۱۹-۷-۹- آخر سورہ مریم - اب یہاں یہ ظاہر ہے کہ بہٖ میں جو ضمیر ہے وہ قرآن کریم کی طرف ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا معترض کے نزدیک آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو اس لیے تیری زبان میں آسان کیا ہے کہ تو اس قرآن کی بابت متقیوں کو بشارت دے یا یہ کہ تو اس کے ساتھ یعنی اسکے ذریعہ متقیوں کو بشارت دے؟ اگر وہ چاہیں تو ترجمے بھی دیکھ سکتے ہیں کہ اسجگہ ب کے معنے تمام مترجمین نے ذریعہ یا ساتھ کے کیے ہیں اور بابت کے معنے کسی نے نہیں کیے۔ یعنی اسجگہ غرض یہ نہیں کہ قرآن کو ہم نے اس لیے آسان کیا ہے کہ تو قرآن کی بابت بشارت دے بلکہ مفہوم آیت کا یہ ہے کہ قرآن کو ہم نے اس لیے آسان کیا ہے کہ تو اس کے ذریعہ یا اس کے ساتھ نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دے۔ بعینہٖ جسطرح اسی آیت کے دوسرے ٹکڑے میں ہے و تنذر بہ قوما لدا۔ یعنی اس کے ذریعہ یا اس کے ساتھ ایک جھگڑالو قوم کو ڈر سنا دے۔ اس آیت کریمہ سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک تو یہ کہ خود قرآن کریم میں بشر کے بعد ب کے لانیسے ذریعہ کے معنے لیے گئے ہیں اور دوسرے یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ بشر کے بعد جس لفظ کے ساتھ ب ہو اسکی بابت بشارت ہو۔ اور یہی امر بشرنٰک بالحق سے بھی ثابت ہے جیسا کہ ہم ابھی دکھا چکے ہیں۔ اسی طرح ہم نے ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ میں ب کے معنے ذریعہ کے کیے تھے۔ یعنی خدا تجھے اپنے ایک کلمہ کے ذریعہ

بشارت دیتا ہے پس ہمارے ان الفاظ پر کہ یہ معنے بھی اسجگہ چسپاں ہو سکتے ہیں کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔ اور نہ ہی یہ معنے "آیات قرآن شریف کے روسے بالکل غلط" ثابت ہوتے ہیں بلکہ برعکس اسکے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معترض نے تعجیل سے کام لیا ہے کیونکہ اسکی غرض احقاق حق نہ تھی پبلک کے سامنے کوئی اعتراض ہماری تحریر پر پیش کرنا اس کا اصل مقصد تھا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اپنے ناظرین کو اب بھی اس دھوکہ سے نکالنے کی کوشش کریں گے جس میں انکی نکتہ چینی نے انہیں ڈال رکھا ہے۔

اسی معنے کی تائید میں ہم نے یہ الفاظ وکلمتہٗ القٰھا الیٰ مریم بھی پیش کیے تھے۔ مگر اسجگہ درحقیقت ایک غلطی ہوئی۔ یہ مضمون اصل میں انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا چنانچہ انگریزی رسالہ میں نومبر ۱۹۰۷ء میں شایع ہو چکا ہے۔ اسکا ترجمہ جنوری ۱۹۰۸ء کے رسالہ اردو میں نکلا۔ مگر اس موقع پر مترجم سے ایک غلطی ہوئی۔ اصل معنے ان الفاظ کے جو ہم نے انگریزی میں لکھے تھے یہ تھے کہ "اسجگہ عربی لفظ القا استعمال کیا گیا ہے جو کئی موقعہ پر قرآن شریف میں خدا کے اس کلام کے نازل ہونے پر بولا گیا ہے جو وہ اپنے بندوں پر وحی کرتا ہے" دیکھو ریویو آف ریلیجنز انگریزی جلد ۶ صفحہ ۴۱۲۔ دوسری سطر انگریزی میں اس سے کم و بیش الفاظ نہ تھے مگر مترجم نے کسیقدر آزادی سے اس خیال کو یوں ادا کر دیا جو درحقیقت نہ اصل الفاظ کا ترجمہ ہے اور نہ ہی مطلب کے لحاظ سے صحیح ہے کہ "اس میں کلمہ کے ساتھ فعل القی ہے۔ القا میں جسمانی فعل کو دخل نہیں ہوتا۔ قرآن شریف میں کئی جگہ یہ لفظ آیا ہے اور اس میں ہر جگہ اس لفظ کے معنے الہام کرنیکے ہیں"۔ اسمیں ایڈیٹر اپنی ذمہ واری سے بھی انکار نہیں کرتا۔ مگر درحقیقت یہ غلطی مترجم کی ہی ہے۔ باقی رہا وہ مضمون جو ہم نے خود انگریزی الفاظ میں ادا کیا ہے اس کی تائید میں ہم کئی آیات قرآنی پیش کر سکتے ہیں۔ جیسے مثلاً یلقی الروح من امرہ علیٰ من یشاء من عبادہٖ - ۴۰ - ۱۵ - ۱۔ ءالقی الذکر علیہ من بیننا۔ سورۃ القمر۔ وماکنت ترجوا ان یلقیٰ الیک الکتاب

الا رحمۃ من ربک - اور و انک لتلقی القرآن من لدن حکیم علیم جہاں لتلقی القرآن کے معنے کیے گئے ہیں ای یلقی الیک القرآن +

مذہب اسلام کے متعلق ایک دہریہ کے خیالات

نیچے ہم پروفیسر ارنسٹ ہیکل کے ان خیالات کا ترجمہ کرتے ہیں جو انہوں نے اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ کرتے ہوئے ظاہر کیے ہیں یہ پروفیسر صاحب جرمنی کے ایک مشہور سائینس دان ہیں اور یہ خیالات انہوں نے ایک ولایت کے رسالہ میں ظاہر کیے ہیں۔

"جب تم اپنے بچے کو مدرسہ میں بھیجتے ہو تو اسے پہلے ہی دن مذہبی سبق دیا جاتا ہے اور مسئلہ تثلیث سکھایا جاتا ہے اسکو یہ تعلیم دیجاتی ہے کہ ۱+۱+۱=۱ (گویا یہ تثلیث کا خلاصہ ہے) دوسرا سبق اس کا حساب کا ہوتا ہے جہاں اس کو یہ پڑھایا جاتا ہے کہ ۱+۱+۱=۳ (جس سے مسئلہ تثلیث کی لغویت ثابت ہوتی ہے) اور پھر یہ تثلیث کا مسئلہ ایسا بھی نہیں جس کے ایجاد کرنیکا فخر عیسائی مذہب کو حاصل ہو۔ بلکہ اسکا اصل بعض پرانی بت پرست یا سورج کے پوجنے والی قوموں میں پایا جاتا ہے۔ جس سے کیقدر ترقی کر کے عیسائیوں نے یہ تثلیث کا مسئلہ قایم کیا ہے ہندوستان میں بھی اسی قسم کا مسئلہ ہے جو تثلیث سے ملتا جلتا ہے۔ مگر سخت قابل اعتراض امر جو اس مذہب میں پایا جاتا ہے وہ خدا کو انسانی صفات دینا اور انسانوں کے خیالات کے مطابق اسے بنانا ہے۔ عیسائی مذہب کو توحید کا مذہب کہنا ایک بڑی بیہودہ اور نامعقول بات ہے۔ اپنی موجودہ صورت میں عیسائی مذہب ایک مشرکانہ مذہب ہے۔ کیونکہ اس میں صرف تین ہی خدا نہیں کہے جاتے بلکہ مریم اور ہزارہا اولیا ایسے بنائے گئے ہیں جن میں خدائی صفات مانی جاتی ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ توحید کا مذہب جو دنیا میں پایا جاتا ہے وہ اسلام ہے

اگر مجھے کوئی مذہب رکھنے کے لیے مجبور کیا جائے۔ تو میں مسلمانوں کے مذہب کو ترجیح دونگا انکی عبادت کو دیکھو کیسی دل پر اثر کرنیوالی اور پاکیزہ ہے انکے عبادت خانے یعنی مسجدیں بھی اسی پاکیزہ عبادت کے موزون ہیں۔ عیسائی گرجاؤں کے مقابلہ میں وہ کیسی عمدہ اور شاندار عمارتیں ہیں۔ گرجے اندر سے تصاویر اور نقش و نگار سے آراستہ ہوتے ہیں اور انکی بیرونی دیواروں پر انسانوں اور حیوانوں کی شکلیں اور ڈراؤنی تصویریں ہوتی ہیں۔ اور کیسی سادہ اور سنجیدہ قرآن شریف میں عبادت بتائی گئی ہے۔ اس عبادت کا مقابلہ ان بے معنے الفاظ سے اور ان لوگوں سے کرو جو عیسائی گرجوں میں بولے اور گائے جاتے ہیں"

اسلامی تعلیم کی خوبی

جو تعلیم اسلام کی حضرت مرزا صاحب نے اپنے اس لیکچر میں بیان کی تھی جو آریہ سماج لاہور کے گذشتہ سالانہ جلسہ پر پڑھا گیا تھا۔ اُس نے تمام سمجھ دار دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے درحقیقت اس سے زیادہ پاکیزہ اور اس سے بڑھکر وسعت والی تعلیم کیا ہو سکتی ہے کہ تمام مذاہب کے جنہوں نے اسوقت یا پہلے دنیا کے بڑے حصہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے خدا کی طرف سے مان لیا جاوے۔ اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے دنیا میں آکر یہ تعلیم دی ورنہ تمام قومیں اپنے تک ہی خدا کے کلام اور نجات کے دائرہ کو محدود سمجھتی تھیں قرآن کریم نے یہ تعلیم دنیا میں پھیلائی کہ ان من اُمّۃٍ الا خلا فیھا نذیر۔ اور پھر نبوت کے دائرہ کو انہیں نبیوں تک محدود نہیں نہیں رکھا جنکا ذکر قرآن شریف میں ہے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ ایسے بھی نبی دنیا میں آئے ہیں جنکا ذکر قرآن شریف میں نہیں کیا گیا۔ اسلام کی اسی وسعت والی تعلیم کو ہاتھ میں لیکر حضرت مرزا صاحب نے آریہ سماج کو وہ صلح کا پیام دیا تھا جس کا جواب افسوس ہر کہ آریہ سماج کی طرف سے اُلٹا ہی ملا۔

یہ مضمون انگریزی میں ترجمہ ہوکر انگریزی خوان پبلک کے سامنے پیش ہو چکا ہے۔ اور غیر مذاہب کے سمجھدار لوگوں نے بھی اسلام کی اس تعلیم کو بڑی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

لاہور کا آریہ اخبار آریہ پتر کا ان تمام حوالجات کو پڑھکر (جو اس بارہ میں پیش کیے گئے تھے کہ اسلام یہ تعلیم نہیں دیتا کہ تم دین کی خاطر لوگوں کو قتل کرو بلکہ وہ دوسرے مذاہب کے لیے بھی آزادی قایم کرتا ہے) یہ لکھتا ہے کہ ہم عربی نہیں سمجھ سکتے اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ آیا قرآن شریف کی فی الواقع یہی تعلیم ہے یا کچھ اور۔ کسقدر افسوس ہے کہ بجائے اپنی غلطی کا اعتراف کرنیکے جو ہمیشہ سے وہ اسلام پر الزام دیتے رہے ہیں یہ عذر نامعقول پیش کیا گیا ہے کہ ہم عربی آیات محولہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ آخر قرآن شریف کے اردو اور انگریزی ترجمے بھی موجود ہیں وہ وہاں سے عربی آیات کے معنے دیکھ سکتے تھے۔ اور کیا آجتک عربی سے محض جاہل ہونیکے باوجود ہی وہ اسلام پر اور قرآن شریف پر اعتراض کرتے رہے ہیں؟ اگر محض اسلام کی ابتدائی تاریخ میں جنگوں کے واقع ہونیسے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اسلام نے لوگوں کو مسلمان کرنیکے لیے تلوار اٹھائی۔ تو جسطرح جنگوں کا ہونا ایک موٹی بات ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کئی بار کفار سے صلح کرنا بھی ایک موٹی بات ہے۔ حالانکہ اگر یہ مانا جائے کہ جنگ دین کے پھیلانیکے لیے ہوتے تھے تو صلح ایک ناجایز امر ٹھہرتا ہے۔ اور صلح کرنا ایک بےمعنی بات ہو جاتی ہے۔

ولایت کے مشہور ماہوار رسالہ ریویو آف ریویوز نے بھی اس لیکچر پر نہایت عمدہ ریمارک کیے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ "جنوری کے ریویو آف ریلیجنز میں جو پنجاب سے شایع ہوتا ہے اسلام کے تحمل اور برداشت پر ایک مشہور مضمون نکلا ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک مضمون کا ترجمہ ہے جو آریہ سماج کے انتظام کے ماتحت لاہور کی مذہبی کانفرنس میں پڑھا گیا تھا۔ راقم مضمون بہت سی قرآن شریف کی آیات حوالہ میں پیش کرتا ہے جن کی بابت اس کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ

آیات تمام مسلمانوں پر فرض عین قرار دیتی ہیں کہ "وہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاویں جن کو دنیا کے کثیر حصہ نے قبول کر لیا ہے قرآن شریف کے مطابق یہ اُن انبیاء علیہم السلام کی صداقت کے لیے کافی ثبوت ہے کہ وہ دنیا کے ایک بڑے حصہ میں قبول کیے گئے ہیں اور کہ تائیدات الٰہیہ ان کو ہر موقع او رمحل پر بخشی گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے اعلیٰ اور برتر ہے کہ وہ کروڑہا انسانوں کو ایک شخص کے گرویدہ و پیرو بنا دیوے جس کو مفتری دھوکہ باز اور کذّاب جانتا ہے۔

مرزا غلام احمدؐ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ایک بڑا پکّا اور مستحکم اصول ہے یہ فی الحقیقۃ بڑا وسیع اصول ہے کیونکہ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ کوئی افترا کروڑہا مخلوقات کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ یہ تحمل کا بہت ہی وسیع اصل اور قاعدہ ہم اپنے آزاد خیال عیسائی بھائیوں کے سامنے بطور سفارش پیش کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک بالکل نئی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ مذہب جو اب تک تمام مذہبوں سے زیادہ متعصب اور غیر متحمل خیال کیا گیا تھا اپنے تمام دشمنوں اور مقابل کے لوگوں کے مشن کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہے۔"

نوٹ

یہ چونکہ اگلا نمبر غالباً ایک ضروری مضمون کی وجہ سے بڑا ہوگا اس لئے یہ رسالہ صرف ۳۲ صفحہ کا شائع کیا گیا ہے۔

منیجر

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ | بابت ماہ جون و جولائی ۱۹۰۸ء | نمبر ۶ و ۷

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - جون ۱۹۰۸ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آخری وحی

۹ - مئی سنہ ۱۹۰۸ء - ۱ - سرنگ -

۲ - الرحیل ثم الرحیل -

۱۵ - مئی سنہ ۱۹۰۸ء - ڈرو مت مومنو !

۱۷ - مئی سنہ ۱۹۰۸ء - انی مع الرسول اقوم -

جون اور جولائی کا رسالہ اکٹھا شایع کیا جاتا ہے - اور بجائے ۸۰ صفحوں کے ۱۰۸ صفحوں پر شایع ہوتا ہے - بسبب دو ضروری مضامین کے جو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر لکھے گئے ہیں یہ انتظام کرنا پڑا - اس لیے ناظرین مطلع رہیں کہ ۲۰ - جولائی کو اردو میگزین شایع نہ ہوگا اور اگلا پرچہ ۲۰ - اگست کو شایع ہوگا -

تفسیر القرآن چونکہ اس مرتبہ رسالہ کا حجم قریباً تگنا ہوگیا ہے اور مطبع بھی اور ضروری کام میں رکا ہوا ہے اس لیے تفسیر القرآن کا نمبر جو ۳۰ جون کو شایع ہونا چاہیئے تھا ۳۱ جولائی کو شایع ہوگا لہذا خریداران تفسیر القرآن ایک ماہ انتظار کریں - اگر چھپوائی کا کوئی انتظام ممکن ہوتا تو یہ دیر نہ ہوتی مگر بحالت مجبوری اسقدر التوا کیا جاتا ہے - ناظرین معاف رکھیں -

حضرت اقدسؑ کی تصنیفات

حضرت مسیح موعودؑ کی بعض تصنیفات زیر طبع تھیں جن میں سے بعض ایک حد تک مکمل اور بعض نامکمل رہی ہیں - خلیفہ مسیح موعودؑ حضرت مولوی نور الدین صاحب نے پسند فرمایا ہے کہ یہ کتابیں اسی ہیئت میں شایع ہو جائیں جس ہیئت میں حضرت اقدسؑ انکو چھوڑ گئے ہیں اس لیے ان میں اسوقت بغیر کسی قسم کے تغیر تبدل کرنیکے اب انکو شایع کیا جاتا ہے - یہ اب حضرت اقدسؑ کے گویا تبرکات ہیں - اور حضرت مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ

نوٹ - صحیح صفحہ ۲۳۵ سطر ۱۰ میں کاتب کی غلطی سے سنہ ۱۹۰۶ء کی بجائے سنہ ۱۹۰۸ء لکھا گیا ہے -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہندوستان میں مرتدین کے احکام

کچھ عرصہ ہوا ہے چیف کورٹ پنجاب نے ایک مقدمہ میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسلامی شریعت کی رو سے مسلمان عورت کے عیسائی ہو جانیسے مسلمان خاوند کے ساتھ اس کا نکاح معًا فسخ ہو جاتا ہے۔ اس فیصلہ کا اثر جیساکہ ظاہر تھا یہ ہوا ہے کہ بعض عورتوں نے طلاق کے حاصل کرنیکی غرض سے اسلامی مذہب کو چھوڑ کر عیسائی مذہب کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے مقدمات بھی عدالتوں کے سامنے آئے ہیں۔ درحقیقت مسلمان گھرانوں اور مسلمان سوسائٹی کے لیے یہ ایک ایسا خطرناک فیصلہ ہے جسکا اثر بہت دور تک پہنچتا ہے۔ اور اگر اس فیصلہ کی اصلاح نہ ہوئی تو اس قسم کے ارتداد کے واقعات جنسے اسلامی سوسائٹی میں ایک بڑا فتنہ پیدا ہوگا دن بدن بڑھتے چلے جاویں گے۔ فاضل ججان چیف کورٹ نے جنہوں نے اس مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اس مسئلہ کی تہ تک جانے اور اس کے اصل اصول کو تحقیق کرنیسے انکار کیا ہے اور اسلامی شریعت کے اصل ماخذوں پر اور اس شہادت پر جو انسے پیدا ہوتی ہے غور کرنیکو ضروری خیال نہیں کیا۔ اس فیصلہ کو پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ججوں کے سامنے ایسی شہادت اور اصل ماخذ پیش بھی نہیں کیے گئے لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر وہ پیش کر بھی دیئے جاتے تو بھی فاضل جج انکی کچھ پروا نہ کرتے

فیصلہ میں اس بات کو بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں مسلمان علما کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا عورت کے ارتداد سے نکاح فسخ ہوتا ہے یا نہیں مگر ججوں کی رائے میں کثرت علماء اسی طرف گئے ہیں کہ فسخ ہو جاتا ہے۔ ہماری رائے میں ججوں کو اس بات کے سمجھنے میں سخت غلطی لگی ہے کہ احکام مرتدین جو فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں انگریزی سلطنت کے ماتحت ہندوستان میں کس حد تک جاری کیے جا سکتے ہیں چونکہ یہ ایک اہم اور ضروری مسئلہ ہے اس لیے ہم اپنی دلایل کو جن سے ججان چیف کورٹ کی غلطی ظاہر ہوتی ہے کسی قدر تفصیل کے ساتھ نیچے درج کرتے ہیں۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ گورنمنٹ یا مجلس واضع قوانین اس معاملہ میں کوئی ایسی تجویز کریگی جس سے ان مضار کا جو چیف کورٹ کے فیصلہ سے پیدا ہوئے ہیں خطرہ باقی نہ رہے۔ علمائے اسلام کی خدمت میں بھی یہ التماس ہے کہ وہ اس مضمون کو ٹھنڈے دل سے اور غور کے ساتھ پڑھیں۔

اسلامی شریعت کا اصلی اور سب سے پہلا ماخذ قرآن کریم ہے۔ اور اس کتاب میں مرتدین کے متعلق جو آیات ہیں وہ ایسی صریح اور کھلی کھلی ہیں کہ انپر کسی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں بلکہ سیدھے سادے ترجمہ سے ہی ناظرین اصل مطلب کو سمجھ لیں گے۔ سب سے پہلے سورہ بقرہ کی یہ آیت قابل غور ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا یزالون یقاتلونکم حتیٰ یردوکم عن دینکم ان استطاعوا ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ واولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔ (سورہ بقرہ رکوع ۲۷ پارہ دوم رکوع ۱۱) اے مسلمانو! یہ کفار تم سے سدا لڑتے ہی رہیں گے یہانتک کہ انکا بس چلے تو تمھیں تمھارے دین سے مرتد کر دیں اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہوگا اور پھر کفر ہی کی حالت میں مر جائیگا یہی وہ لوگ ہیں جن کے عمل دنیا اور آخرت میں اکارت جائینگے اور یہی آگ والے ہیں اس میں رہ پڑیں گے۔ اب اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتدین کیلیے قرآن کریم

بھی کوئی سزا بتائی ہے مگر وہ سزا کیسی ہے؟ آیت میں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ جو کوئی تم میں سے مرتد ہو جایا کرے تم اس کو قتل کر دیا کرو۔ بالفاظ دیگر ارتداد کی سزا حکومت کے ہاتھ میں نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسکو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے کیونکہ فرماتا ہے کہ جو شخص مرتد ہو کر کفر کی حالت پر ہی مر جائے اس نے جو کچھ نیک عمل ایمان کیحالت میں کیے تھے وہ بھی اکارت جائیں گے اور انکا اجر نہ اسکو اس دنیا میں ملیگا نہ آخرت میں۔ اور آخرت میں اس کے لیے عذاب جہنم ہوگا۔ اس آیت میں ایک اور لفظ قابل غور ہے اور وہ ہے لفظ فیمت یعنی مرتد کے لیے یہ فرمایا کہ وہ مر جائے یہ نہیں فرمایا کہ وہ مارا جائے یا قتل کیا جائے۔ اس آیت سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ کافر دن رات زور لگاتے تھے کہ مسلمانوں کو مرتد کریں اور ان کے بس میں ہوتا تھا تو زور سے بھی انکو مرتد کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی مسلمانوں سے جنگ کرنیکی علت غائی یہ تھی کہ ان کو دین اسلام سے روکا جائے اور اس دین پر نہ رہنے دیا جائے۔ کیسی تعجب کی بات ہے کہ جو الزام مسلمانوں پر جہاد کا لگایا جاتا ہے وہ درحقیقت انکے دشمنوں یعنی کفار عرب پر عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار مسلمانوں سے اس لیے جنگ کرتے تھے کہ انکو زبردستی دین اسلام سے نکالکر پھر کفر میں داخل کریں۔ پس جہاد اپنے مشہور معنوں میں کفار کی طرف سے مسلمانوں پر ہوتا تھا نہ کہ مسلمانوں کی طرف سے کفار پر۔ بلکہ مسلمانوں کے جنگ صرف دفاعی تھے۔ وہ دین اسلام کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے لہذا جب انکو تلوار سے نیست و نابود کرنیکا مصمم ارادہ کر لیا گیا تو انکو بھی خدا کی طرف سے اپنی حفاظت کی اجازت دی گئی۔

ایک اور آیت مرتدین کے متعلق سورہ مائدہ میں ہے جو اخیر زمانہ میں نازل ہوئی ہے۔ یہ آیت اسطرح پر ہے۔ یاایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین

یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ واسع علیم - (سورۃ مائدہ رکوع ۸ - پارہ ۶ رکوع ۱۲) اے مسلمانو اتم میں سے کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے تو اللہ ایک ایسی قوم لا موجود کریگا جنکو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اسے دوست رکھنے ہونگے وہ مسلمانوں کے ساتھ نرم کافروں کے مقابلہ میں سخت ہونگے اللہ کی راہ میں کوششیں کریں گے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ کی رحمت بڑی وسیع اور وہ سب کے حال سے واقف ہے - اس آیت میں گویا مسلمانوں کو یہ سمجھایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی مرتد بھی ہو جائے تو تم کچھ فکر نہ کرو اور ایسے شخص کی کچھ پروا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک قوم کی قوم کو دین اسلام میں داخل کرے گا اور وہ قوم بھی بڑے مضبوط ایمان والی ہوگی - یہاں بھی مرتدین کے لیے کوئی سزا بیان نہیں فرمائی کہ انکو قتل کر دو یا انکے ساتھ ایسا ایسا سلوک کرو -

یہ تو دو مدنی آیات ہیں مکی آیات میں بھی مرتدین کا ذکر ایسے ہی الفاظ میں ہے یعنی وہاں بھی یہی فرمایا کہ مرتدین کے لیے آخرت میں عذاب ہوگا اور یہ نہیں فرمایا کہ تم مرتدین کو یہ سزا دو یا وہ سزا دو - سورہ نحل کی ذیل کی آیات پر غور کرو - من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولٰکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم ۵ ذٰلک بانھم استحبوا الحیٰوۃ الدنیا علی الاٰخرۃ وان اللہ لا یھدی القوم الکافرین ۵ اولٰئک الذین طبع اللہ علیٰ قلوبھم وسمعھم وابصارھم واولٰئک ھم الغافلون ۵ لا جرم انھم فی الاٰخرۃ ھم الخاسرون ۵ (سورہ نحل رکوع ۱۴) جو شخص ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے سوائے اس کے کہ وہ مجبور کیا جائے درانحالیکہ اسکا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو - ایسے سے تو مواخذہ نہیں لیکن جو شخص جی کھولکر کافر ہو

تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور انکے لیے بڑا عذاب ہے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی سے پیار کرکے اسے آخرت پر مقدم کرلیا اور بیشک اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو کفر کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنکے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگادی اور وہ غافل ہیں ضرور ہے کہ آخرت میں یہ لوگ گھاٹے میں رہیں۔ یہ آیات اس موقع پر نازل ہوئیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اور آپ کے ساتھیوں کو جنپر کفار کا بس چلتا تھا دین اسلام قبول کرنیکی وجہ سے سخت ایذائیں دیجاتی تھیں۔ اور انکو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اسلام سے بیزاری ظاہر کریں۔ ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن الفاظ میں مکی آیات میں مرتدین کا ذکر کیا گیا ہے انہی الفاظ میں مدنی آیات میں ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام مرتدین جو کچھ مکہ میں تھے وہی مدینہ میں بھی جاری وساری رہے اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اور اگرچہ شریعت کا بڑا حصہ مدینہ منورہ میں ہی نازل ہوا مگر احکام مرتدین مدینہ میں کوئی نئے نازل نہیں ہوئے ورنہ ضرور تھا کہ قرآن شریف میں ان احکام کا خاص طور پر ذکر ہوتا نہ کہ جس طرح مکہ میں مرتدین کے لیے سزا صرف عالم ثانی میں بتائی گئی تھی اسی طرح مدینہ میں بھی ان کے متعلق یہی کہا جاتا کہ وہ آخرت میں عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

غرض کہ قرآن شریف میں نہ ابتدائی سورتوں میں اور نہ آخر زمانہ کی نازل شدہ سورتوں میں کسی جگہ یہ ذکر نہیں کہ مرتدین کو قتل کر دینا چاہیئے یا یہ کہ انکو اور کسی قسم کی سزا دینی چاہیئے۔ چند جگہ اور بھی دین اسلام میں داخل ہوکر کفر کی طرف لوٹ جانیکا قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے وہاں بھی سزائے قتل کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ ناظرین کی تسکین کے لیے ہم ان آیات کو بھی ذیل میں درج کرتے ہیں۔ سورہ آل عمران رکوع ۱۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاءھم البینٰت واللہ لا یھدی القوم الظالمین ۰ اولئک جزاؤھم

ان علیہم لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ٥ خالدین فیہا لا یخفف عنہم العذاب ولا ہم ینظرون ٥ الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم ٥ ان الذین کفروا بعد ایمانہم ثم ازدادوا کفرا لن تقبل توبتہم واولئک ہم الضالون ٥ ترجمہ۔ کسطرح اللہ ہدایت دیگا ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا بعد اس کے کہ وہ ایمان لا چکے تھے اور گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں اور انکے پاس کھلے ثبوت بھی آچکے تھے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ انپر خدا کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اسی میں رہ پڑیں گے نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائیگا اور نہ ہی انکو مہلت دیجائے گی مگر جن لوگوں نے اس کے بعد (یعنی ارتداد کے بعد) توبہ کی اور اپنی اصلاح کی تو اللہ بھی بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے اور پھر کفر میں ترقی کرتے گئے انکی توبہ قبول نہیں کیجائے گی اور وہ گمراہ ہیں۔ اور سورہ نساء رکوع ۲۰ میں ہے ان الذین امنوا ثم کفروا ثم امنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا لم یکن اللہ لیغفر لہم ولا لیھدیہم سبیلا۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کفر میں ترقی کرتے گئے خدا انکو نہیں بخشے گا اور نہ ہی انکو ہدایت کرے گا۔ ایسا ہی سورہ آل عمران میں یہودیوں کی تدابیر کا جو وہ مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لیے سوچا کرتے تھے ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ وقالت طائفۃ من اھل الکتاب اٰمنوا بالذی انزل علی الذین اٰمنوا وجہ النہار واکفروا اٰخرہ لعلہم یرجعون۔ اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ اپنے لوگوں کو سمجھاتا ہے کہ اس چیز پر جو مسلمانوں پر اُتاری گئی ہے اول روز میں تم ایمان لاؤ اور آخر روز میں اس سے انکار کردو شاید اس تدبیر سے (یعنی اہل کتاب کے ایک گروہ کے ایمان لائے بعد مرتد

ہوتا دیکھکر مسلمان بھی اپنے دین سے پھر جائیں۔

یہ قرآن شریف کی وہ آیات ہیں جو ارتداد اور مرتدین کے متعلق مجھے ملی ہیں۔ انکے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم میں کسی جگہ مرتدین کو کسی قسم کی سزا دینے یا انکو قتل کرنیکا حکم نہیں ہے۔ بلکہ اگر انکے لیے کسی سزا کا ذکر کیا گیا ہے تو وہ وہی عذاب آخرت ہے جس میں وہ دوسرے کفار کے ساتھ شریک ہونگے۔ بعض آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو کئی کئی دفعہ اسلام لاتے اور مرتد ہوتے تھے۔ حالانکہ اگر مرتد کو معاً قتل کرنیکا حکم ہوتا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عملدرآمد ہوتا کہ جب کسی شخص سے ارتداد وقوع میں آئے اسے فوراً قتل کرا دیتے تو اسطرح بار بار ایمان لانا اور کفر کرنا ناممکن تھا۔ سب سے آخری آیت جس میں یہودیوں کے حیلوں اور تدابیر کا ذکر ہے اس بات پر کہ مرتدین کو قتل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عملدرآمد نہ تھا قطعی دلیل ہے۔ اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ یہودی بعض اپنے لوگوں کو یہ تجویز بتاتے تھے کہ مسلمانوں کو اسطرح مرتد کیا جائے کہ ایک گروہ کا گروہ صبح کو اسلام پر ایمان لے آئے اور شام کو اسلام کو جھوٹا کہکر انکار کر دے جس سے غرض انکی یہ تھی کہ مسلمان جب دیکھیں گے کہ اہل کتاب کا ایک بڑا گروہ اسلام کو دیکھکر اسکا منکر ہو گیا ہے تو ضرور انکے دلوں میں یہ شبہات پیدا ہوں گے کہ انہوں نے واقعی اسلام کا جھوٹا ہونا معلوم کرکے ہی اسے چھوڑا ہوگا اور کہ اگر اسلام سچا ہوتا تو اہل کتاب ایمان لانیکے بعد اسے کیوں چھوڑتے۔ اب ہمیں اس غرض کے لیے جس کے لیے ہم نے اس آیت کو نقل کیا ہے یہ ثابت کرنیکی ضرورت نہیں کہ تاریخی طور پر کوئی ایسا واقعہ ہوا بھی تھا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر اسلام میں سزائے ارتداد قتل ہوتی تو یہودیوں کے دلوں میں ایسی تجویز ہی نہ آسکتی تھی۔ کیونکہ جس صورت میں وہ جانتے تھے کہ مرتدین کو تو مسلمان قتل کر دیں گے تو وہ اپنے لوگوں کو یہ مشورہ کیونکر دے سکتے تھے کہ تم صبح کو ایمان لے آؤ اور شام کو انکار

کر دو؟ کیا وہ اپنی ہی قوم کو مروانا چاہتے تھے؟ پس یہ آیت ایک قطعی ثبوت اس امر کا ہے کہ اسلام میں سزائے ارتداد قتل نہ تھی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہودیوں کے ساتھ مدینہ میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ پڑا تھا۔ بلکہ یہ آیت ابتدائی مدنی زندگی کے وقت کی بھی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ ابتدا میں یہودیوں کے تعلقات مسلمانوں سے اچھے تھے اور انکی دشمنی بعد میں بڑھ گئی تھی۔ ان تمام آیات منقولہ بالا کو پڑھکر ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کریم میں جو اسلامی شریعت کا اصل چشمہ ہے مرتدین کے لیے سزائے قتل یا دوسری کسی سزا کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس کے بعد اب ہم احادیث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو شریعت اسلامی کا دوسرا بڑا سرچشمہ ہے۔ مگر قبل اس کے کہ ہم احادیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور قول کو اس بارہ میں بیان کریں ایک بات کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے جو بطور ایک اہم اصل کے یاد رکھنی چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول اور فعل کی حکمت سمجھنے کے لیے یا اس کی اصل غرض معلوم کرنے اور اس کی تہ تک پہنچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان حالات کو مدنظر رکھا جائے جن کے ماتحت آپنے کوئی فعل کیا یا کوئی بات بیان فرمائی۔ اکثر جگہ جہاں آپکے قول یا فعل سے غلط نتیجہ نکالا گیا ہے اس کی تہ میں اس اصل کی فروگذاشت ہے یعنی ان خاص حالات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جنکے ماتحت آپنے کوئی کام کیا یا کرنیکا حکم دیا یا کوئی بات بیان فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی ایک ہی طرز کی واقع نہ ہوئی تھی بلکہ آپ کی زندگی میں انسانی زندگی کے تمام پہلو بدل بدل کر آتے رہے تا جو ہدایات انسانی زندگی کے مختلف حالات کے لیے ضروری ہیں آپ سے وہ عملاً ثابت ہو جاویں۔ اور ضروری ہے کہ ان مختلف حالات میں جو کام آپنے کیا یا جو حکم آپنے دیا اسپر غور کرتے وقت ان حالات کو بھی مدنظر رکھا جائے جن کے ماتحت ایسا کیا گیا یا کہا گیا۔ آپ کی زندگی مختلف زمانوں میں تقسیم ہو سکتی

ہے جن میں سے ہر ایک زمانہ میں جداگانہ حالات کا اثر پایا جاتا ہے۔ سب سے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دیگئی کہ اپنے دینی دشمنوں کی سخت سے سخت اذیتوں اور تکلیف رسانیوں کے نیچے کسطرح صبر اور بُردباری سے اُنہیں زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد ہجرت اولیٰ کا زمانہ ہے جس میں اکثر مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے ملک حبش میں چلے گئے جہاں ایک عیسائی گورنمنٹ تھی۔ اس میں انکو یہ تعلیم دی گئی کہ جہاں حکومت کی طرف سے انکے مذہب میں کوئی دست اندازی نہ کیجاوے تو انکو کسطرح فرمانبرداری اور امن پسندی اور وفاداری کے ساتھ اور دوسری قوموں سے نیک سلوک کے ساتھ زندگیاں بسر کرنی چاہییں۔ اس کے بعد پھر وہ زمانہ آتا ہے جب آپ مع تمام صحابہ کے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں جا بسے۔ جہاں اور بھی قومیں مثل یہودیوں اور بُت پرستوں کے موجود تھیں اور کچھ مسلمان بھی تھے مگر مُلکی طور پر وہ سب ایک تھے اور اس جگہ ایک قسم کی جمہوری سلطنت قایم ہوگئی جس میں اعلیٰ اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیے گئے۔ اس زمانہ میں آنحضرتؐ اور مسلمانوں نے عملی طور پر یہ دکھایا کہ کیونکر مسلمان ایک مسلمان گورنمنٹ کے نیچے رہ کر بھی اپنے مذہبی مخالفوں کے ساتھ ملکی طور پر اتفاق کے ساتھ رہ سکتے ہیں اور کسطرح ایک اسلامی گورنمنٹ کو اپنے غیر اسلامی رعایا کے حقوق کی حفاظت اور نگہداشت کرنی چاہیئے۔ خواہ وہ غیر مسلم رعایا اس کے مذہب کی کیسی ہی دشمن کیوں نہ ہو۔ یہاں یثرب کے حدود کے اندر مسلمان یہودی اور بُت پرست ملکی طور پر ایک ہی قوم کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اس جمہوری انتظام کے حاکم اعلیٰ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ اسی طرح اب ایک چوتھا اور نیا زمانہ مسلمان سوسائٹی پر آتا ہے جس کا باعث خود مسلمان نہیں بلکہ انکے دشمن تھے یعنی وہ کفار جنھوں نے مکہ میں انکو امن نہ لینے دیا تھا اور جنکی اذیتوں کی خاطر وہ اپنے پیارے وطنوں کو چھوڑ کر کبھی کہیں اور کبھی کہیں پناہ گزین ہوئے تھے۔ اگر کفار قریش اپنی دشمنی

میں حد سے نہ بڑھ جاتے اور تلواریں ہاتھ میں لیکر اسلام کے نیست و نابود کرنیکے درپے نہ ہو جاتے تو اسلام کی اس حالت میں بھی کوئی تبدیلی واقع نہ ہوتی جس کا ذکر ہم نے اسجگہ کیا ہے مگر ان کوتہ اندیشوں نے جب دیکھا کہ اسلام کیسے امن کے ساتھ مدینہ میں ترقی کرتا جا رہا ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ ہم اس ابتدائی حالت میں اسکو نیست و نابود کر سکتے ہیں۔ ادھر یہودیوں کو حالانکہ وہ ملکی طور پر مسلمانوں سے اتفاق کر چکے تھے مگر تاہم انکے دلوں میں اسلام کی ترقی کو دیکھکر سخت جلن پیدا ہوتی تھی۔ اور انکا کینہ اور بغض روز بروز ترقی کرتا گیا یہانتک کہ انہوں نے بھی خفیہ طور پر کفار کے ساتھ سازشیں کیں اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا چاہا۔ پس اب اسلام پر اور مسلمانوں پر ایک ایسا زمانہ آگیا کہ چاروں طرف سے لوگ انکو ہلاک کرنیکے درپے ہو گئے۔ یہ لڑائیوں اور جنگوں کا زمانہ تھا جس میں کہا جا سکتا ہے کہ بجائے عام ملکی قوانین کے مسلمانوں کو بعض وقت جنگی قوانین جاری کرنے پڑے کیونکہ ہر طرف اور ہر وقت انہیں دشمنوں سے جنگ کا سامنا تھا۔ ایسے وقت میں اسلام سے ارتداد صرف ایک مذہبی ارتداد نہ تھا بلکہ مسلمانی افواج کو چھوڑ کر دشمنوں کے ساتھ جا ملنے کے برابر تھا۔ اور یا ایسے لوگ ملکی طور پر مسلمانوں کے دشمن اور انسے جنگ کرنے والے ہوتے تھے۔ بلکہ بیرونی دشمنوں سے زیادہ خطرناک یہ اندرونی دشمن تھے کیونکہ انکو مسلمانوں کے حالات معلوم ہوتے تھے۔ پس اگر ایسے وقت میں مرتدین کے قتل کا حکم دیا گیا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ آج کل۔۔۔۔ بھی اگر کسی مہذب گورنمنٹ کو ایسے واقعات پیش آئیں تو اسے یہی سزا تجویز کرنی پڑے گی۔ ورنہ امن نہیں رہ سکتا۔ ہاں یہ جنگوں کی حالت ایسی نہ تھی کہ آیندہ ہمیشہ کے لیے مسلمان اس حالت سے نہ نکلیں بلکہ انہی جنگوں کے اثنا میں جیسا کہ قرآن شریف اور تاریخ کے پڑھنے سے صاف پتہ لگتا ہے بعض وقت صلح بھی ہو جایا کرتی تھی اور اسوقت جنگی قوانین موقوف ہو کر پھر انکی بجائے

وہی معمولی قوانین مروج ہو جاتے تھے جو پہلے امن کی حالت مروج تھے۔ اور جبتک پھر جنگ شروع نہ ہوتے ویسی ہی حالت رہتی۔ پس اس سے بڑھ کر کیا غلطی ہو سکتی ہے کہ ان احکام کو جو ایک خاص قسم کے حالات کے ماتحت دیئے گئے تھے ایک ایسی سوسائٹی پر لگایا جاوے جس کے حالات بالکل الگ ہیں۔ یہ تو اسلام کی تعلیم کا کمال ہے کہ اسلام اپنے پیرووں کو یہ نہیں کہتا کہ ہر قسم کے حالات کے ماتحت تم ایک ہی طرح کام کیا کرو بلکہ انکو یہ سکھاتا ہے کہ جس قسم کے حالات ہوں انہی کے مطابق کام بھی کرنا چاہیئے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان تمام مختلف حالات کے واقع ہو جانے نے اہل اسلام کے لیے ہر قسم کی ہدایات عملی رنگ میں مہیا کر دی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ زندگی میں اسلام کی پولیٹکل زندگی کے تمام مختلف پہلوؤں کا نقشہ کھچا ہوا نظر آتا ہے۔ جنگ کی حالت بھی انہی حالتوں میں سے ایک حالت ہے۔ اور یہ خلاف تعلیم اسلام ہے کہ ہم ان ضوابط اور قواعد یا احکام کو جو اس خاص حالت یعنی جنگ کی حالت میں دیئے گئے تھے ایک ایسی حالت پر چسپاں کریں جہاں مسلمانوں کا نہ غیر قوم سے جنگ ہے اور نہ ہی انکی مذہبی آزادی میں کسی قسم کی دست اندازی کیجاتی ہے اور نہ ہی انکو اپنے مذہب کے پھیلانے یا اپنے اصول کی اشاعت کرنے یا اپنے عقاید کا اظہار کرنے سے روکا جاتا ہے۔ جنگ کی حالت اسلام کی اصلی حالت نہیں ہے بلکہ جیسا کہ خود اسلام کے نام سے ظاہر ہے اسلام کی اصلیت صلح ہے اور جنگ اسکو صرف بحالت مجبوری کرنے پڑے اور ایسے حالات کے ماتحت کرنے پڑے جن پر مسلمانوں کا اختیار نہ تھا یعنی انکو ٹالنے سے وہ جنگ ٹل نہ سکتے تھے کیونکہ مخالفین یہ ٹھان چکے تھے کہ تلوار سے اسلام کو نیست و نابود کر دیں۔ کیا تاریخ شہادت نہیں دیتی کہ مسلمانوں نے کس صبر

اور برداشت سے سخت مصائب اور اذیتیں اٹھائیں اور ہر طرح کے دکھوں کو برداشت کیا؟ کیا یہ سب لغو اور بے معنی تھا اور اس میں یہ سبق نہ تھا کہ آیندہ بھی جب مسلمانوں کو ایسی حالت پیش آئے تو وہ اسی طرح کا صبر کا نمونہ دکھاویں؟ پھر غور کرو کہ حبش میں ایک عیسائی گورنمنٹ کے ماتحت مسلمانوں نے کیسی شکر گذاری اور وفاداری کے ساتھ اپنے دن کاٹے۔ کیا اس سے یہ سبق نہیں ملتا کہ جب کبھی مسلمانوں کو ایسی مہربان گورنمنٹ ملے تو وہ اس کے ماتحت ایسی ہی وفاداری اور شکر گذاری سے اپنی زندگیاں بسر کریں؟ پھر دیکھو کہ یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا۔ اس حالت میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اس میں کیسی صراحت سے یہ تعلیم پائی جاتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی غیر مسلم رعایا یا ایسی غیر مسلم اقوام کی جن کے ساتھ انکا ملکی اتحاد ہو کس طرح حفاظت اور رعایت کرنی چاہیئے۔ اس معاہدہ میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ مسلمان اور تمام وہ لوگ جنہوں نے انکے ساتھ ملکی اتحاد کیا ہے ایک ہی قوم سمجھے جاویں گے۔ اور انکی صلح اور جنگ کی حالت ایک ہی ہوگی پھر صراحت سے اس بات کا ذکر ہے کہ جو یہودی مسلمانوں کی اس جمہوری سلطنت کے ساتھ اتحاد کریں۔ انکی ہر ایک رنج اور آزار سے پوری حفاظت کیجاویگی اور ان کو مسلمانوں کی طرف سے مدد اور حفاظت کا ایسا ہی حق ہوگا جیسا کہ خود مسلمانوں کو۔ اور وہ تمام اپنے اپنے مذاہب پر اسی آزادی سے رہیں گے جیسے کہ مسلمان۔ اور مجرم خواہ کسی قوم یا مذہب کا ہو اُسے برابر سزا دیجاویگی یہود کا فرض ہوگا کہ وہ بھی مسلمانوں کے دشمنوں کے مقابل مسلمانوں کی مدد کریں۔ اور تمام ان لوگوں کے جو اس معاہدہ کو قبول کریں یثرب کے اندر مال وجان۔ اور آزادی کی حفاظت کیجاویگی۔ مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کے ساتھیوں کو ایک سے ہی حقوق حاصل ہونگے اور تمام جھگڑے جو اس معاہدے کے نیچے پیدا ہوں انکا آخری فیصلہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا گیا۔

ان تمام باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا اصل میلان صلح کی طرف تھا اور جنگ اسے صرف بمجبوری کرنے پڑے۔ اسی کی تائید میں یہ امر بھی ہے کہ جنگ کے وقت میں بھی جب کبھی مخالفین مائل بہ صلح پائے جاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلح کر لیتے بلکہ ایسی شرائط کو بھی قبول فرما لیتے جن کے قبول کرنے میں بظاہر ایک قسم کی کمزوری پائی جاتی۔ مگر آپ نہ چاہتے تھے کہ جب کفار صلح کا پیغام دیں تو پھر آپ محض انکی شرائط کی سختی کی وجہ سے رُکے رہیں اور مخلوق خدا کا خون ہونے دیں۔ چنانچہ واقعہ حدیبیہ سے اس امر کی صاف شہادت ملتی ہے۔ ۱۴۰۰ اصحابؓ کے ساتھ آپ مدینہ سے حج کا عزم کر کے چلے اور جب مکہ سے تھوڑی دُور رہ گئے تو کفار نے آگے جانے سے روک دیا۔ اس روک کا نتیجہ صریحاً جنگ تھا کیونکہ آنحضرتؐ کے صحابہؓ اس طرح بے نیل مرام واپس ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ ادھر کفار نے ایسی شرائط پیش کیں جنکو قبول کرنے میں مسلمان ایک طرح سے اپنی ذلت سمجھتے تھے۔ مگر پیغمبر خدا چونکہ کسی صلح کے موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے اس لیے آپنے انہی شرائط کو قبول فرما لیا مگر جنگ نہ کیا۔ اس صلح نامہ کی شرائط میں یہ درج تھا کہ دس سال تک مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ نہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص قریش میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آملے تو مسلمانوں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اسے واپس قریش کے حوالہ کریں لیکن اگر کوئی شخص مسلمانوں میں سے قریش کے ساتھ جا ملے تو مسلمانوں کو اسے واپس طلب کرنیکا کوئی حق نہ ہوگا۔ دونوں فریقوں کے ساتھ جو قوم ملنا چاہے مل سکے گی اور مسلمان اس مرتبہ بلا حج کرنیکے واپس ہونگے مگر آیندہ سال انکو حج کرنیکی اجازت ہوگی بشرطیکہ انکی تلواریں میانوں میں ہوں اور تین دن سے زیادہ وہ مکہ میں نہ ٹھہریں۔ غرض تمام واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ کن

واقعات کے ماتحت آپ نے کوئی حکم دیا یا کوئی کام کیا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی حکم مرتدین کے قتل کرنیکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے تو وہ نہ اُسوقت دیا جب کہ آپ مکہ میں تھے نہ اُسوقت جبکہ آپ کے صحابہؓ حبش میں تھے اور نہ ہی اُسوقت جبکہ آپ پہلے پہلے مدینہ میں جاکر ٹھہرے بلکہ یہ حکم اسوقت دیا گیا جب کہ اسلام کے جنگ کفار کے ساتھ اسطرح شروع ہوگئے کہ متواتر ایک سلسلہ ہی چلا چلتا تھا۔ گویا امن کی حالت لڑائی کیحالت سے بدل چکی تھی اور اس لیے اسی کے مناسب حال حکم دینے کی ضرورت پیش آئی۔ ان حالات میں جیساکہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں اسلام کو چھوڑنا گویا مسلمانوں کی فوج سے الگ ہوکر انکے دشمنوں کے ساتھ ملنے کے برابر تھا کیونکہ لڑائی صرف دو لشکروں کے درمیان نہ تھی بلکہ کفار کا ارادہ تمام مسلمانوں کو خواہ وہ کسی قوم کے ہوں نیست ونابود کرنیکا تھا۔ اور یہ جنگ گویا مسلمان سوسائٹی کے خلاف تھی۔ پس وہ ضرورت جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور کیا کہ وہ مرتدین کے قتل کا حکم دیں خود مسلمانوں کی حفاظت تھی۔ کیونکہ ارتداد اسوقت میں خالی مذہبی عقاید سے پھر جانا نہ تھا بلکہ ایسا ہی تھا جیسا جنگ میں ایک فوج کو چھوڑکر دوسری فوج سے کوئی شخص جا ملے۔ پس سزائے قتل بھی مذہبی عقاید کو بدلنے کی وجہ سے نہ تھی کیونکہ ان حالات کے پیش آنیسے پہلے تبدیلئ مذہب پر کوئی ایسی سزا نہ دیجاتی تھی بلکہ یہ ان حالات کی بنا پر تھی جو اب پیش آگئے تھے ایک مسلمان جب اہل اسلام کو چھوڑکر مسلمانوں کے دشمنوں سے جا ملتا تو وہ ایک خطرناک جاسوس کا کام دے سکتا تھا اور ایسی صورت میں سوائے اس کے کہ وہ قتل کیا جاتا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اور ایسی سزا کو کوئی شخص بے رحمی یا ظلم نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ بالکل منصفانہ اصول پر مبنی ہے۔ اور آج بھی اگر کسی مہذب گورنمنٹ کو ایسے واقعات پیش آدیں تو وہ یقیناً ایسی ہی کارروائی کریگی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کسی طرح قابل اعتراض نہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے

کہ اس حکم کا اجرا اور رنگ کے حالات کے ماتحت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان امن کی حالت میں رہتے تھے۔ یعنی جنگوں کا سلسلہ جاری نہ ہوا تھا۔ تو اسوقت اس قسم کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ اس معاہدہ کی شرائط میں جو یہودیوں وغیرہ دیگر باشندگان یثرب کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اور ایسا ہی اس صلحنامہ کی شرائط میں جو حدیبیہ پر کیا گیا۔ قطعی اور یقینی شہادت اس امر کی موجود ہے کہ جنگوں کے نہ ہونے یا جنگوں کے التوا کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتدین کے قتل کو جائز نہیں رکھا کیونکہ ان میں ایسی شرائط موجود ہیں جو قتل مرتدین کے منافی ہیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قرآنی تعلیم کے منافی نہیں کیونکہ آپ نے مرتدین کے قتل کا حکم صرف اس صورت میں دیا جب قتل کے وجوہات کسی اور بنا پر پیدا ہوئے اور محض ارتداد کو موجب قتل قرار نہیں دیا۔

قتل مرتدین کا ایک ہی واقعہ معتبر کتب احادیث میں پایا جاتا ہے۔ جس کا ذکر مندرجہ ذیل حدیث میں ہے۔ عن انس قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم نفر من عکل فاسلموا فاجتووا المدینۃ فامرھم ان یاتوا ابل الصدقۃ فیشربوا من ابوالھا والبانھا۔ ففعلوا فصحوا فارتدوا وقتلوا رعاتھا واستاقوا الابل فبعث فی اثارھم فاتی بھم فقطع ایدیھم وارجلھم وسمل اعینھم ثم لم یحسمھم حتٰی ماتوا۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ محض ارتداد کی وجہ سے قتل نہیں کیے گئے۔ وہ پہلے مسلمان ہوئے اور انکی بیماری کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انپر یہ احسان کیا کہ صدقہ کے اُونٹوں کا دودھ پینے کے لیے انکو اجازت دی جب وہ تندرست ہوئے تو انہوں نے بجائے شکرگذاری کے یہ کیا کہ اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر ڈالا۔ اور سب اونٹوں کو لے گئے۔ اب انکا جرم ڈاکہ زنی اور قتل تھا اور آج بھی اس جرم کے مرتکب کو سزائے قتل

ہی دیجاتی ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تبدیل مذہب کی سزا نہیں دی بلکہ انکی ڈاکہ زنی اور قتل کی جرائم پر وہ سزا دی جو آج کوئی مہذب گورنمنٹ دے۔ وہ مرتد بھی تھے مگر ارتداد کے ساتھ انکے اور جرائم تھے جنہوں نے انہیں سزائے قتل کا مستوجب کر دیا۔ پس اسے مرتدین کے قتل کی مثال نہیں کہہ سکتے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اسی وجہ سے اسے مرتدین کے باب میں ذکر نہیں کیا۔ بلکہ کتاب المحاربین من اہل الکفر والردۃ کے نیچے ذکر کیا ہے۔ اور پہلے قرآن کریم کی اس آیت کو اپنی تائید میں لائے ہیں۔ انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض۔ یعنی ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں یہ ہے کہ انکو قتل کر دیا جاوے یا صلیب دیجاوے یا انکے ہاتھ اور پاؤں الٹے کاٹ دیئے جاویں یا انکو جلا وطن کر دیا جاوے۔ اسجگہ بھی قرآن کریم نے ایک صورت معافی کا ذکر کیا ہے۔ الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس صورت میں قتل کا حکم دیا تو وہ قرآن کریم کی اس آیت کے حکم کے نیچے تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرآن کریم کے حکموں کے مطابق ہی حکم دیتے تھے۔ ضرور تھا کہ اگر ان لوگونکو انکے ارتداد کی وجہ سے سزا دیجاتی تو آیت بھی کوئی اسی قسم کی پیش کیجاتی جسمیں مرتدین کا ذکر ہوتا۔ نہ کہ محاربین کا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ سزا انکے محاربہ کی وجہ سے تھی نہ ارتداد کی وجہ سے۔

کوئی اور معتبر حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ محض ارتداد کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کسی شخص کے قتل کیے جانیکا حکم دیا ہو۔ مشکوٰۃ میں جس میں بعض وقت کم معتبر روایتیں بھی لے لی جاتی ہیں اس قسم کے کسی واقعہ کا ذکر

نہیں پایا جاتا۔ برخلاف اس کے بخاری میں بعض ایسی روایتیں موجود ہیں جہاں کسی صحابی نے کسی شخص کو قتل کرنا چاہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔ ہاں اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا پایا جاتا ہے جس کا ذکر اس بحث میں ضروری معلوم ہوتا ہے وہ واقعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کا بڑا حصہ کہا جاتا ہے کہ مرتد ہو گیا تھا اور ان سب پر حضرت ابو بکرؓ نے چڑھائی کی مگر بخاری سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی ان لوگوں پر چڑھائی کی وجہ انکا ادائگی زکوٰۃ سے جو ایک قسم کا مالی ٹیکس تھا انکار کرنا تھا جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ پر اعتراض کیا کہ کیوں ان لوگوں پر چڑھائی کیجاتی ہے تو آپ نے جواب دیا۔ واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال واللہ لو منعونی عناقا کانوا یؤدونھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم علی منعھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس وجہ سے انسے جنگ نہ کیا تھا کہ وہ مرتد ہو گئے تھے بلکہ اس لیے کہ وہ زکوٰۃ کے دینے سے انکار کرتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز بھی پڑھتے تھے پس اس مثال کو قتل مرتدین کے جواز میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں تک ہم نے اُن احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا ذکر ہے اور یہ دکھایا ہے کہ کوئی ایسا واقعہ احادیث معتبرہ میں نہیں پایا جاتا جس سے یہ معلوم ہو کہ آپنے محض ارتداد کی وجہ سے کسی شخص کے قتل کرنیکا حکم دیا ہو۔ لیکن ایک حدیث میں حضرت ابن عباس کی یہ روایت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا من بدل دینه فاقتلوه۔ یعنی جو شخص اپنے مذہب کو تبدیل کرے اسے قتل کر ڈالو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس حدیث کے الفاظ کے معنے لینے میں کچھ نہ کچھ قید لگانی پڑیگی ورنہ ہر ایک تبدیلی مذہب کی خواہ کسی مذہب سے کسی مذہب میں ہو

سزا قتل ہونی چاہیئے۔ گویا عموم معنی کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور تخصیص کرتے وقت ہمیں ان حالات کو ضرور مدنظر رکھنا پڑے گا جن کے ماتحت یہ حکم دیا گیا۔ اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم بھی قریباً قریباً آخری زمانہ کا ہے کیونکہ اسکے راوی حضرت ابن عباس ہیں جن کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تیرہ چودہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اور یہ زمانہ وہ تھا جب اسلام کے خلاف جنگوں کا سلسلہ ہر طرف جاری تھا۔ اور ایسے حالات پیش آچکے تھے جن کے ماتحت ایسے حکم کا دیا جانا نہ صرف جائز بلکہ نہایت ضروری ہو گیا تھا۔ یہ صورت جیسا کہ میں اوپر بھی لکھ چکا ہوں محض ارتداد کی وجہ سے قتل کی نہ تھی بلکہ لڑائی کے سلسلہ کے سبب سے ایسے وقت میں اسلام کو چھوڑنا گویا مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ کر انکے دشمنوں کے ساتھ جا ملنے کے برابر تھا۔ پس حفاظت خود اختیاری کی ضرورت نے ایسے لوگوں کے قتل کو جائز کر دیا اور وہی یہ ضرورت تھی جس نے مسلمانوں کو تلوار ہاتھ میں لینے کے لیے مجبور کیا تھا۔ اس امر کا ثبوت کہ یہ حکم خاص حالات جنگ کے لحاظ سے دیا گیا تھا ہم کافی طور پر اوپر دے چکے ہیں۔ اسی کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کوئی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمیں ایسی نہیں ملتی جس میں آپ نے محض ارتداد کی وجہ سے کسی شخص کے قتل کیے جانے کا حکم دیا ہو بلکہ آپ کے معاہدات اور آپ کے صلحناموں میں ایسی شرائط پائی جاتی ہیں جو قتل مرتدین کے منافی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کے معنے کرنے میں ہمیں آپ کے ہی فعل کو دیکھنا چاہیئے۔ اور اس لیے معنوں کی تخصیص کرنے میں اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ جیسے کہ اس امر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ کن حالات کے ماتحت کوئی حکم دیا گیا تھا۔ اگر ایسی قید معنوں پر نہ لگائی جاوے تو حدیث من بدل دینہ فاقتلوہ خود قرآن کریم کے معارض ٹھہرتی ہے اس لیے ہم مجبور ہیں کہ ان الفاظ کے معنوں کی عمومیت میں کوئی تخصیص کریں۔

ایک سوال اسجگہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس حکم من بدل دینہ فاقتلوہ میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ عورتیں عموماً جنگوں میں شریک نہ ہوتی تھیں سوائے اس کے کہ زخمیوں کے علاج اور مرہم پٹی کے لیے جاویں۔ اور یہ ایک مسلّم امر ہے کہ تمام جنگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے قتل کرنیکی ممانعت کر دی تھی۔ اس مناہی سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیاں اس غرض سے نہ تھیں کہ وہ لوگوں کو بجبر مسلمان بنا دیں کیونکہ اگر یہ غرض ہوتی تو عورتوں کے قتل کرنے سے کیوں روکا جاتا۔ بلکہ آپ کی غرض چونکہ صرف مسلمانوں کی کفار سے حفاظت اور مجرموں کو سزائیں دینے کی تھی اس لیے آپنے عورتوں کے قتل سے روکدیا کیونکہ عورتیں جنگ میں شریک نہ ہوتی تھیں۔ اب ظاہر ہے کہ مرتد عورت کی صورت کافر عورت کیطرح ہے۔ اور چونکہ کافر عورتوں کے قتل سے روکنے کی وجہ انکا جنگوں میں شریک نہ ہونا تھا۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ مرتد عورتیں اس مناہی میں شامل نہ ہوں جو دوسری عورتوں کے لیے تھی۔ کیونکہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ مرتدین کے قتل کی وجہ صرف انکا جنگوں میں شریک ہونا تھا نہ ارتداد۔ فقہار میں اس امر پر بحث ہوئی ہے اور دو فریق ہوگئے ہیں ایک فریق کے نزدیک مرتدہ کا قتل جائز نہیں اور دوسرے کے نزدیک مرتدہ بھی مثل مرتد کے قتل ہونی چاہیئے۔ امام ابو حنیفہ فریق اول میں ہیں۔ دونوں فریق اپنے اپنے دعوے کی تائید میں ایک آدھ حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ فریق اول ابن عباس کی اس حدیث کو معتبر ٹھہراتا ہے جس میں یہ حکم ہے کہ عورتیں جب مرتد ہو جائیں تو انکو قتل مت کرو۔ اور ساتھ ہی اسکے ابن الطلاع کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی حدیث مروی نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آپنے کسی مرتد عورت کے قتل کرنیکا حکم دیا تھا۔ فریق ثانی دار قطنی کی ایک حدیث پر اپنے دعوے کا سارا دارومدار رکھتا ہے جس کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتد عورت کے قتل کیے جانیکا

حکم دیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ابن عباس کی حدیث جسکو فریق اول نے قبول کیا ہے وہ بھی دارقطنی کی ہی حدیث ہے۔ یہ امر تو ظاہر ہے کہ دونوں حدیثیں صحیح تسلیم نہیں کی جاسکتیں سوائے اس صورت کے کہ دوسری حدیث میں یہ سمجھا جاوے کہ جس مرتدہ عورت کے قتل کرنیکا حکم آپنے دیا اسکا کوئی اور جرم بھی سوائے ارتداد کے ہوجسکی سزا اسے دی گئی ہو۔ اگرچہ حدیث میں اسکا تذکرہ نہیں ہے مگر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کوئی امر ضرور ہوگا جو محفوظ نہیں رہا کیونکہ حدیث میں تفصیل اس قصہ کی کوئی نہیں ہے۔ اور اگر اس کو قبول نہ کیا جاوے تو پھر دونوں حدیثوں میں سے ایک کو غلط ٹھہرانا پڑیگا۔ ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کی تحقیق صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسکی تائید میں اور بہت سے امور پائے جاتے ہیں حالانکہ دوسری حدیث کی تائید اور کسی طرح پر نہیں ہوتی۔ حدیث اول کی تائید میں ایک تو ابن الطلاع کی تحقیق ہے۔ اور دوسری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام حکم جس کی روسے آپنے عورتوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا۔ اگر حکم من بدل دینہ فاقتلوہ کو عام سمجھا جاتا ہے جس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہوں تو نہی قتل النساء بھی عام ہے جو کافر اور مرتد عورتوں پر یکساں حاوی ہے۔ مگر درانحالیکہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ من بدل دینہ فاقتلوہ عام حکم نہیں ہوسکتا بلکہ قرآن شریف سے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیس ۲۳ سالہ عملدرآمد سے اسکا تطابق کرنیکے لیے اسکو مقید اور مخصوص کرنا ضروری ہے۔ تو اس صورت میں عورتیں خود اس سے الگ ہوجاتی ہیں کیونکہ وہ جنگوں میں شریک نہ ہوسکتی تھیں اور یہ حکم عین جنگوں کے وقت میں دیا گیا۔ اور قتل نساء کی نہی سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔ بہرحال ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ جن وجوہ پر کافر عورتوں کے قتل کی ممانعت کی گئی انہی وجوہ پر مرتد عورتیں بھی قتل کے حکم سے بچ جاتی ہیں۔ اگر اسلام کی لڑائیاں بجبر دین پھیلانیکے لیے سمجھی جاویں تو اس صورت میں بیشک یہ خیال ہوسکتا ہے کہ مرتد عورتیں بھی قتل ہونی چاہییں مگر سوائے اس کے

کوئی صورت نہیں کہ مرتد عورتوں کے قتل کو جائز رکھا جاتا۔ پس ان تمام دلایل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مرتد عورت کو کسی صورت میں قتل کیے جانیکا حکم نہ تھا۔

اب ہم اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوکر یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مرتدین کے کون کون سے حقوق تلف ہونیکا ثبوت ملتا ہے۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ قتل کا حکم اگر دیا گیا تو خاص حالات کے ماتحت اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں جب جنگوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اسوقت دیا گیا۔ اگر اس قتل کے حکم سے علیحدہ مرتدین کے حقوق پر کچھ اثر پڑتا تو ضرور تھا کہ اس کی مثال یا اس کے متعلق کوئی ہدایت احادیث میں مذکور ہوتی کیونکہ ارتداد مدینہ میں آکر شروع نہیں ہوا بلکہ بعض لوگ مکہ میں بھی مرتد ہوئے اور ایک شخص حبش میں جاکر بھی مرتد ہو گیا تھا۔ اور ایسا ہی مدینہ کی ابتدائی زندگی میں جب یہودیوں اور دوسری قوموں کے ساتھ ایک معاہدہ ہو گیا تھا ارتداد کی مثالیں پائی جاتی ہیں مگر کسی حدیث سے یہ پتہ نہیں ملتا کہ انکے کوئی خاص حقوق زائل ہو جاتے تھے۔ کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں پایا جاتا کہ عورت یا خاوند کی ارتداد سے محض ارتداد کی وجہ پر نکاح ٹوٹ کر خاوند اور عورت میں علیحدگی واقع ہو جاتی ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ جب ایک شخص واجب القتل سمجھ لیا گیا ہو اور پھر وہ بھاگ کر دشمن سے جاملے تو اسکے تمام حقوق زائل ہو جائیں گے اور قانونی طور پر اسے مقتول ہی سمجھا جائیگا۔ اور جہاں ایک طرف اسکو مرا ہوا قرار دیتے ہے سے اس کے حقوق زوجیت باقی نہ رہیں گے ایسا ہی اسکے حقوق ملکیت بھی زائل ہوکر اس کی جایداد کے وارث دوسرے لوگ ہو جائیں گے۔ مگر یہ ارتداد کے اصلی نتایج نہ تھے بلکہ اصل نتیجہ ارتداد کا قتل قرار پاکر ان حقوق کا اتلاف اس صورت میں واقع ہوتا تھا جب قتل درحقیقت کسی روک کی وجہ سے جیسا مجرم کے بھاگ جانیسے واقع نہ ہو سکے اور اس لیے مجرم کو مقتول کے حکم میں سمجھا جائے۔ بالفاظ دیگر اس کی کوئی مثال نہیں کہ مرتد امن سے مسلمانوں کے درمیان

رہے اور اس کے حقوق زوجیت وملکیت قطعی طور پر مسلوب ہو جائیں ۔ بلکہ حقوق اسی وقت سلب ہوتے تھے جب یا تو مجرم واقعی قتل ہو جائے اور یا قانونی طور پر اسے مقتول قرار دیا جاوے اور وہ محض بھاگ کر اپنی جان بچالے۔ پس سلب حقوق قتل یا قتل کے فتوے کا نتیجہ تھا اور جس شخص کو واجب القتل نہیں سمجھا گیا۔ اس کے حقوق بھی تلف نہیں ہوئے چنانچہ بخاری میں دو حدیثیں ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو واجب القتل سمجھ کر اس کے قتل کی اجازت چاہی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ان دونوں حدیثوں میں یہ ذکر نہیں کہ انکو قتل تو نہیں کیا گیا مگر انکے حقوق زوجیت وملکیت زائل کر دیے گئے۔ نہ ہی کسی اور حدیث میں ایسا ذکر ہے کہ ایک شخص کو ارتداد کی وجہ سے واجب القتل تو نہ سمجھا گیا ہو مگر اس کے حقوق زائل کر دیئے گئے ہوں ۔ (باقی آیندہ)

نوٹ:۔ مَیں اس سارے مضمون کو ایک ہی رسالہ میں ختم کرنا چاہتا تھا مگر ایک نہایت ضروری مضمون کی وجہ سے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس کے باقی حصہ کو جو فقہ کے متعلق ہے آیندہ رسالہ تک ملتوی کرنا پڑا ہے۔ (ایڈیٹر)

حَیَاتُ الاَنْبِیَآء فِی وَفَاتُ الاَنْبِیَآء

(مرقومہ مولوی سید محمد احسن صاحب)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامداً ومصلیاً

امابعد ناظرین پر واضح ہو کہ جب بتاریخ ۲۶۔ مئی ۱۹۰۸ء روز شنبہ مطابق ۲۴

ماہ ربیع الآخر ۱۳۲۶ ہجری وقت ۱۰ بجے صبح کے توفی حضرت اقدس جری اللہ فی حلل الانبیاء مسیح موعود ومہدی معہودؑ کی بمقام لاہور محلہ احمدیہ میں واقع ہوئی تو مخالفین معاندین کی طرف سے ایسا شور وغل مشعر فتنوں اور فسادات کا برپا ہوا کہ جنگل کے درندے اور شہر کے کتوں سے بھی ایسا شور وغل بعید ہے باوجودیکہ اس مدت بعثت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف سے ہر طرح سے اتمام حجت ہوچکا ہے اور کوئی دقیقہ علیٰ منہاج النبوۃ ثبوت حقیت سلسلہ احمدیہ کا باقی نہیں رہا دیکھو اس علم کی کتب مصنفہ شایع شدہ کو حتیٰ کہ حضرت اقدس علیہ السلام کی وفات شریف بھی اُسی منہاج نبوت سے واقع ہوئی جس طرح سے کہ ایسے مامورین اولوالعزم کی وفات واقع ہوا کرتی تھی صدق اللہ تعالےٰ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ چونکہ بعض ایسے لوگ نیز جو منہاج نبوۃ سے خبردار نہیں ہیں اُنپر یہ وفات حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاءؑ کی اپنے غیر وقت میں واقع ہوئی کے ساتھ شاید مشتبہ ہوگی لہٰذا اُنکے وساوس اور شبہات کے رفع کرنیکے لیے یہ چند سطور لکھی جاتی ہیں اول ان دو مقدموں کو یاد رکھنا چاہیئے جنکا ثبوت نصوص بینہ قرآنیہ سے ثابت ہے۔

مقدمہ اولےٰ واضح ہو کہ بعثت انبیاء کی چونکہ واسطے انقیاد اور فرمانبرداری اوامر ونواہی اللہ تعالیٰ کے ہوا کرتی ہے اس لیے یہ امر بھی ضروری ہے کہ امتحان اور جانچ مخلصین کی غیر مخلصین سے واضح طور پر واقع ہوجاوے تاکہ تمیز تام بین المومنین والمنافقین حاصل ہو یہ مقدمہ اگرچہ بدیہی ہے لیکن واسطے تنبیہ کے کچھ لکھا بھی جاتا ہے قال اللہ تعالیٰ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون ۝ ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین پ۲۰ یعنی کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ صرف زبان کے کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں چھوڑ دیے جاوینگے اور اُنکو آزمایا نہ جاویگا اور البتہ تحقیق ہم نے اُن لوگوں کو بھی آزمایا تھا جو اُنسے پہلے ہوگذرے ہیں یعنی یہ سنت اللہ قدیم سے جاری ہے اور چلی آتی ہے پس اللہ تعالےٰ

اُن لوگوں کو بالضرور تمیز کرکے رہیگا جو ایمان میں سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی ضرور اُن صادقوں سے علیحدہ کر دکھائیگا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود انبیاء کی بھی ایسے ایسے ابتلاؤں سے جانچ فرمایا کرتا ہے جن میں غیر انبیاء کا ثابت قدم رہنا بہت دشوار ہوتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن یعنی اور یاد کرو یاد کرو اُس وقت کو کہ جب ابراہیم کے ربنے ابراہیم کو چند باتوں میں آزمایا اور اُنھوں نے اُنکو پورا کر دکھایا۔ اس بارہ میں احادیث بھی بکثرت وارد ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے انما بعثتک لابتلیک وابتلی بک الناس ازالۃ الخفا یعنی اے محمد صلعم مینے تجھکو جو رسول کرکے بھیجا ہے مجھ کو تیرا صبر و استقلال اپنی فرمانبرداری میں ظاہر کرنا بھی منظور رہے اور دیگر بندگان الٰہی کی آزمایش اور جانچنا بھی میرا مقصود ہے۔ اس مقدمہ کے اثبات کے لیے نصوص شرعیہ اسقدر موجود ہیں کہ اگر اُن سب کو لکھا جاوے تو ایک بڑا رسالہ ان دو مقدموں کے بیان میں طیار ہو جاوے مگر یہاں پر اس مختصر پر اکتفا کیا گیا کیونکہ آئندہ بھی جو بیان آویگا وہ بھی سب اس مقدمہ کا مثبت ہوگا۔ اور عند العقل بھی کھوٹے اور کھرے ہر ایک مال میں تمیز کرنا ضروریات سے ہے

مقدمہ ثانیہ جبکہ اللہ تعالیٰ کو بعثت کسی پیغامبر کی واسطے اصلاح عالم کے اور دفع کرنے اُن مفاسد کے جو دنیا میں عالمگیر ہو جاتے ہیں منظور ہوتی ہے اور علم الٰہی میں اُن سب تفاصیل اصلاحیہ کی صورتیں متعین اور معلوم ہوتی ہیں جو اُس کی ابتدائے بعثت سے انتہائے بعثت تک مقصود الٰہی ہوتی ہیں کہ اس اس طرز سے فلاں فلاں وقت میں اپنے اپنے زمانہ میں واقع ہونگی۔ مگر چونکہ بمقتضائے حکمت الٰہی کے اُس پیغمبر کی عمر دنیوی اُن تمام اصلاحوں کی تکمیل کے لیے کافی اور وافی نہیں ہوتی اس لیے اللہ تعالیٰ اُس کے جانشینوں سے اور نیز اُس کی جماعت کے ہاتھوں سے وہ تمام باقی اصلاحیں مکمل کرا دیتا ہے جو علم الٰہی میں اس کی بعثت سے مقصود ہوتی ہیں لہذا اُسکے جانشین کی نسبت کلام الٰہی اور نیز نبی کے کلام میں اشارات بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں اور یہی

سنت اللہ ہے جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے جانشینوں میں بھی پائی جاتی ہے اور خود آنحضرت صلعم کے جانشینوں میں تو قیامت تک پائی جاویگی قرآن مجید میں بکثرت اس کے شواہد موجود ہیں مثلاً کما قال اللہ تعالےٰ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفیٰ باللہ شھیدا ۔ یعنی اللہ تعالےٰ کی ذات پاک وہ ہے جس نے اپنے رسول کو تمام ہدایات اور دین حق (جسکی حقیقت دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت ہے) دیکر بھیجا ہے تاکہ اُس دین حق کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کرے۔ اور آپکی حقیقت رسالت اور دین اسلام کی صداقت کے ثبوت کیلیے اللہ تبارک تعالیٰ کی گواہی بس ہے جو آگے آیات میں مذکور ہوتی ہے۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کی حیات میں دین اسلام کا غلبہ و اظہار تمام ادیان پر واقع نہیں ہوا تھا چنانچہ روم روس فرنگ افریقہ شام مصر اور حبشہ وغیرہا میں نصرانیت بڑے زور سے پھیلی ہوئی تھی۔ اور خراسان توران ترکستان زابلستان اور باختر وغیرہا میں مجوسیت قدرت کے ساتھ تھی علیٰ ہذا القیاس یہود ہنود اور صابئین وغیرہم بھی اُسوقت کے اہل اسلام کی نسبت دولت و شوکت میں زیادہ تر موجود تھے۔ ہاں پھر خلفائے ثلٰثہ کے وقت میں بہت جلد یہ سب ادیان و اہل ادیان مغلوب مقہور ہو گئے جن کے مغلوب ہونے سے انکے ادیان بھی مغلوب ہو گئے لیکن آنحضرت صلعم کی حیات میں ان فتوحات میں سے کوئی فتح واقع نہیں ہوئی جو موعود تھی۔ اور اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی شہادت کو یوں بیان فرماتا ہے کہ آپکے اصحاب اور مریدین کو ایسی صفات کے ساتھ متصف کیا گیا ہے جو از روئے اپنے اعتقاد اور اخلاق اور اعمال کے دین اسلام کو سب ادیان پر غالب کرتے رہیں گے حتیٰ کہ دین اسلام بتدریج اپنے اُس اعلیٰ مرتبہ کمال کو پہنچ جاویگا جو علم الٰہی میں آنحضرت صلعم کی بعثت سے مقصود اور موعود ہے دیکھو آگے کی آیات کو۔ اور پھر یہ بھی اشارہ فرماتا ہے کہ یہ سلسلہ ترقیات دین اسلام کا صحابہ کرامؓ ہی تک محدود نہیں ہے

ہم اور اس کا نام دوسرے لفظوں میں حیات ابدی یا حیات النبی صلعم

بلکہ آیندہ قیامت تک یہ ترقیات جاری رہیں گی کہ وعد اللہ الذین امنوا و
عملوا الصالحات منھم مغفرۃ و اجرا عظیما یعنی جو لوگ صحابہ کرامؓ کے
طریقہ پر ایمان لاویں گے اور اعمال صالحہ بھی مثل انکی بجالاویں گے اُنکے لیے بھی
یہی وعدہ الٰہی ہے کہ انکی کمزوریوں کو اللہ تعالیٰ ڈھانک دیویگا اور اجر عظیم دین و دنیا
میں انکو مرحمت فرمادیگا۔ واضح ہو کہ جملہ مفسرین نے جو اس آیت لیظھرہ علی الدین
کلہ کو پیش گوئی قرار دیکر وقوع اُس کا بزمانہ مسیح موعود ٹھہرایا ہے اسکا سر یہی ہے
کہ جو سلسلہ ترقیات دین اسلام کا جو آنحضرت صلعم کی ابتدائے بعثت سے انتہا تک اللہ
تعالیٰ کے علم میں تھا وہ صرف آنحضرت صلعم کی حیات میں ہی پورا نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا
تھا بلکہ وہ سلسلہ ترقیات کا زمانہ بعثت مسیح موعود تک منتہی مانا گیا ہے اور پھر مسیح موعود
کی ابتدائی بعثت سے لیکر قیامت تک جاری رہے گا جسکی میعاد اُسی علیم و خبیر کے علم
میں ہے ولنعم ماقیل کم ترک الاول للآخر۔ ان دونوں مقدموں کو بخوبی یاد
رکھنا چاہیئے کہ جسقدر وساوس اور شبہات مخالفین کے حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء
کی وفات پر مخالفین وارد کرتے ہیں ان دونوں مقدموں سے وہ سب کے سب ھباءً منثورا
ہو جاتے ہیں کیونکہ مابہ الامتیاز درمیان مامورین اور کاذبین کے یہی ایک امر ہے۔

اب ہم اوّلاً ان ہذیانات کا جواب دیتے ہیں جو کانے دجّال نے اپنے خط موسوم
حضرت حکیم الامۃ خلیفۃ المسیح مورخہ ۲۸۔ مئی ۱۹۰۸ء میں لکھے ہیں وہی ہذہ کہ آپ
مرزا کے تبصرہ اور ۱۶۔ اگست ۱۹۰۶ء والے اشتہار مباہلہ پر بھی غور فرمالیویں جسکی
پیشانی تھی خدا سچے کا حامی ہو الخ اقول۔ مباہلہ تو غلط مگر اسکو جواب میں ہم یہاں پر ایک آیت
پیش کرتے ہیں جس سے تمام شبہات کانے دجال کا قلع و قمع ہو جاویگا قال اللہ
تعالیٰ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل
انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا

و سیجزی اللہ الشاکرین یہ آیت کریمہ جنگ اُحد میں نازل ہوئی تھی جو ۳ھ
ہجری کے ماہ شوال میں واقع ہوئی تھی اب معترض سے دریافت کیا جاتا ہے کہ جو
فتوحات موعودہ جو آنحضرت صلعم کی آخر حیات تا سات آٹھ سال میں واقع ہوئیں اور شوال
۳ھ ہجری تک وہ واقع نہیں ہوئی تھیں معہذا آنحضرت صلعم کی موت یا قتل کو اللہ تعالے
۳ھ ہجری میں منافی نبوت قرار نہیں دیتا اور فرماتا ہے کہ اگر آنحضرت صلعم جو اللہ تعالی کے
رسول صادق ہیں بالفرض اگر وہ فوت بھی ہوجاویں حتّٰی کہ اگر قتل بھی کیے جاویں تو
کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل صداقت دین اسلام سے اُلٹے پھر جاؤگے یعنی تمکو ہرگز ہرگز
اُسکی صداقت رسالت سے پھرنا نہیں چاہیئے انقلبتم میں جو استفہام انکاری ہے اُسکی
تاکید انکاری اہل عربیت پر ظاہر ہے کہ فلا تنقلبوا صیغہ نہی سے بھی بڑھ کر ہے پھر
اب سوال یہ ہے کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ ایسی موت یا قتل کو جو قبل پورے ہونے اکثر
پیشگوئیوں مخبر صادق کے واقع ہوجاوے منافی صداقت نبوت کے قرار نہیں دیا گیا؟
الجواب حکمت اُس میں یہی ہے کہ جب کسی رسول کی صداقت آیات بینات سے کالشمس
فی نصف النہار ثابت ہوجاوے (جیسا کہ آپکی حالت مکی اور حالت مدنی سہ سالہ
میں صداقت آنحضرت صلعم کی ثابت ہوچکی تھی) تو اب اُس صداقت سے بسبب موت
یا وقوع قتل کے پھر جانا ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص شمس نصف النہار کے طلوع سے انکار کر بیٹھے یا
پانی کو کیچڑ ہی کہتا رہے جبکہ غلیظ بادل کے آجانے سے یا گرد باد یعنی آندھی کے اُٹھنے سے یا پانی میں تلچھٹ کے اُٹھنے سے اُس پر تاریکی
چھا گئی ہو جو ہرگز ہرگز کسی اہل عقل سے یہ انکار وقوع میں نہیں آسکتا کما قال تعالے فما
ذا بعد الحق الا الضلال کیونکہ بموجب مقدمہ اولی کے اللہ تعالی کو ایسے ابتلاؤں سے
جانچ کرنا اور امتحان لینا صادقین اور کاذبین کا بھی منظور نظر ہوا کرتا ہے اور درمیان
دو نقطوں کے خط مستقیم صرف ایک ہی کھنچ ہوا کرتا ہے ھ۵ دیکھو اسی آیت کریمہ کے اول
میں ان سب امتحانوں کا بہ تصریح ذکر بھی مع اُسکی حکمتوں کے فرما دیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

ھ۵ اعتبار پست فطرت یکدو ساعت بیش نیست + گردد آخر تہ نشین دُردیکہ کہ شد بالا نشین +

کہ اگر تم کو کچھ زخم پہنچا ہے تو کچھ غم مت کرو اور سستی اختیار نہ کرو کیونکہ اس سے پیشتر تم بھی انکو بہت سے زخم دے چکے ہو اس واسطے الابتلا میں زمانہ یکساں نہیں رہتا ہے کبھی رنج ہوجاتا ہے کبھی راحت مگر انجام کار تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ ایمان پر قائم رہو اور اس شکست ظاہری میں بڑی بڑی حکمتیں ہوا کرتی ہیں مثلاً ایماندار وں کا امتحان اور بعض کو مرتبۂ شہادت کا عنایت فرمانا اور جو مسلمان کچھ خطاوار ہوتے ہیں وہ ایسی مصیبت میں پڑکر پاک صاف ہوجاتے ہیں اور جو مخالفین بسبب ایسے ابتلاؤں کے جو مؤمنین پر واقع ہوتی ہیں سخت گستاخ ہوجاتے ہیں اسطرح اپنی پاداش گستاخی میں آکر اللہ تعالیٰ کے قہر کے نیچے مٹا دیے جاتے ہیں اور اسوقت غیرت الٰہی ایک نیا رنگ اپنی قدرت کا دکھاتی ہے اور ایسے معاندین پر غیب سے وہ غضب الٰہی نازل ہوتا ہے کہ پھر نام ونشان بھی انکا باقی نہیں رہتا ولنعم ما قیل ؎ ما آبگینہ ایم شویم از شکست تیز آزار یا بد آنکہ بود در شکست ما۔ پس ایسے ابتلاؤں کے وقوع سے صادقین کو کوئی اضطراب اور رنج لاحق نہیں ہونا چاہیئے ؎ ز رنج و راحت گیتی مرنجاں دل مشو خرم۔ کہ آئینِ جہاں گاہی چناں گاہی چنیں باشد۔ پھر یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ تم یونہی اس جنت میں (جسکی طرف بلانیکے لیے یہ رسول مقبول مبعوث ہوئے ہیں) چلے جاؤ گے اور معیار امتحان سے نہ آزمائے جاؤ گے الحاصل اس آیت زیر تفسیر سے قبل کی آیات میں ایسے ابتلاؤں اور امتحانوں میں بڑی بڑی حکمتیں بیان فرمائی ہیں ہاں اب اس بیان سے ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اندریں صورت صادق اور کاذب میں پھر بھی تمیز باقی نہیں رہ سکتی کیونکہ جبکہ صادق کے روبرو مانا کہ بہت سے کاذب مر چکے مگر اس صورت میں کاذب کے روبرو ایک صادق بھی فوت ہوگیا پس ان دونوں میں کامل مابہ الامتیاز باقی نہ رہا تو جواب اسکا خود کلام الٰہی میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ علامت اس صداقت کی جو رسول لایا ہے یہ ہے کہ جو کوئی ایسی صداقت سے پھر جاویگا اسکا پھر جانا اس صداقت الٰہی کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکے گا کہ ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً بخلاف باطل اور کاذب کے کہ وہ تو رفتہ رفتہ خود بخود فنا ہوتا چلا جاویگا کما قال اللہ تعالیٰ

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا اور جو لوگ جماعت حقہ کے اس نعمت صداقت کا جو رسول لایا ہے شکر بجالاوینگے یعنی اپنی جان و مال اور حال وقال سے اُسکی تائید میں مصروف رہیں گے تو اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں قریب تر انکو جزائے نیک جسکا وعدہ کیا گیا ہے عنایت فرماویگا کہ وسیجزی اللہ الشاکرین ایضا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ اور یہی مقدمہ ثانیہ کا مقتضا ہے پس ایسی موت منافی صداقت نبوت کے نہیں ہوسکتی بلکہ یہی حیات ابدی ہے یہی اس آیت کو بعد وفات حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء بروز محمدی کے درجواب شبہات مخالفین کے اس لیے لکھا ہے کہ سے خوشتر آن باشد کہ سرِ دلبراں ۔ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں ۔ کیونکہ بعد وفات حضرت خاتم النبیین صلعم کے حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی ایسے ہی شبہات کے دفع کرنیکے لیے اسکو تلاوت کیا تھا جیسا کہ کتب صحاح احادیث اور کتب معتبرہ سیر میں مذکور ہے چنانچہ مواہب لدنیہ اور اُسکی شرح زرقانی سے ہم یہاں ملخصاً لکھتے ہیں دیکھو مقصد عاشر جلد ہشتم صفحہ ۳۲۷ کو وھو ہٰذا ۔ کہ جب آنحضرت صلعم کی وفات کی شہرت مدینہ میں ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اپنی شمشیر برہنہ کر کے تقسم فرمایا کہ جو شخص کہے گا کہ آنحضرت صلعم وفات پاگئے تو میں اُسکو قتل کر ڈالونگا اور اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا کہ بیشک جب تک کہ آپ ہاتھ اور پاؤں منافقین کے اور زبانیں اُنکی قطع نہ فرمالیویں گے تب تک آپکی وفات واقع نہ ہو دیگی اس اثنا میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بلوائے ہوئے تشریف لائے اور آنحضرت صلعم کے چہرہ مبارک سے چادر کو اُٹھایا اور آپکی پیشانی مبارک صلعم پر بوسہ دیا اور روئے حتیٰ کہ آپکے چہرہ پر آنسو ٹپکے پھر اور قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز دو موتیں آپکے لیے اکٹھی جمع نہیں فرمادیگا یہ رد اُس قول کا ہے جو کہا گیا تھا کہ آنحضرتؐ دوبارہ زندہ ہوکر ہاتھ اور پیر منافقین کے قطع فرماویں گے اور بعض کا قول دو موتوں کی نسبت یہ ہے کہ ایک موت تو نفس آنحضرت صلعم کی مراد ہے اور دوسری موت آپکی شریعت کی کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ آپکے لیے جمع نہیں فرماویگا

اور حضرت صدیق رضؓ کا یہ قول بھی اس مراد کا مؤید ہے جو آپ نے خطبہ میں بمقابلہ حضرت عمر رضؓ کے فرمایا ہے کہ من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت۔ اور دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضؓ حضرت عمر رضؓ کو یہ بھی فرمایا کہ اے حلف کرنیوالے ذرا بیٹھو تو مگر حضرت عمر رضؓ نے بیٹھنے سے بھی انکار کیا بعد تکرار و اصرار صدیق رضؓ کے آپ بیٹھ گئے تب حضرت صدیق رضؓ نے حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کی پڑھ کر خطبہ پڑھا اور یہ آیت بھی پڑھی وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الآیہ پس بسنو خطبہ صدیقی دو کر صحابہؓ سنکر رونے لگے اور آنحضرت صلعم کی موت سب کو محقق ہوگئی اور حضرت عمر رضؓ نے بڑی ندامت کے ساتھ اپنے قول سابق سے مع اپنے ہمراہیوں کے رجوع کیا اور حضرت صدیق رضؓ نے اپنے خطبہ میں اس آیت کو بھی پڑھا تھا کہ انک میت وانہم میتون۔ حضرت عمر رضؓ نے اس خطبہ صدیقی کو سنکر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ ہم کو ان آیات سے ایسا ذہول ہوگیا تھا کہ گویا پہلے ان آیات کو ہم نے تلاوت ہی نہ کیا تھا اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے آنحضرت صلعم کی موت کو غشی شدید تصور فرمایا تھا کیونکہ جب حضرت عمر رضؓ نے آنحضرت صلعم کے پاس جاکر دیکھا تو فرمایا کہ وا غشیاہ اور جب مغیرہ بن شعبہ ہمراہی نے کہا یا عمر مات رسول اللہ صلعم تو آپ نے حضرت مغیرہ رضؓ کو جواب دیا کہ کذبت غرض حضرت عمر رضؓ کا اجتہاد یہی تھا کہ آنحضرت صلعم کی وفات ابھی واقع نہیں ہوئی اور یہ حالت صرف بیہوشی کی طاری ہوگئی ہے اور آپ خود بنفس نفیس منافقین کو اسی حیات میں سزا دیویںگے اور اپنی امت کے مخلصین کے لیے انکے ایمان و اخلاص کی شہادت ادا کرینگے کما قال اللہ تعالیٰ وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ پھر حضرت صدیق رضؓ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عباس رضؓ نے بھی حضرت

عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کی موت اپنے وقت میں واقع ہوئی ہے کہ تمام قواعد
کلیہ شریعت کے اور اصول جنگ و صلح اور نکاح و طلاق وغیرہ کے ہم کو تعلیم فرما دئے ہیں اور تمام طریق
شریعت کے روشن اور واضح کر گئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اب تعلیم رسول اللہ صلعم کی کامل
ہو چکی ہے کوئی دقیقہ اس میں باقی نہیں کما قال تعالے اکملت لکم دینکم غرضکہ یہ مناظرہ حضرت شیخین کا باہم ایک
بڑا عظیم الشان مناظرہ ہے جس سے تمام شبہات مخالفین کے جو حضرت مسیح موعودؑ
کی وفات میں وارد کرتے ہیں وہ سب کے سب دفع ہو جاتے ہیں۔ دوسری روایت میں
یہ بھی آیا ہے کہ حضرت صدیق رضؓ نے اپنے خطبہ میں یہ آیت بھی پڑھی وما جعلنا لبشر
من قبلك الخلد افان مت فهم الخالدون۔ اور روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ دوسرے
روز بیعت صدیقی سے حضرت عمرؓ نے اپنے رجوع کا خطبہ بھی پڑھا اور حمد و نعت کے بعد
فرمایا کہ جو قول مینے دیروز تم سے کہا تھا اسکو بخدا مینے نہ کتاب اللہ میں پایا اور نہ کسی ایسے
معاہدہ میں پایا جو رسول اللہ صلعم نے مجھ سے کیا ہو لیکن مجھ کو یہ امید تھی کہ ہم رسول اللہ
صلعم سے پہلے وفات پا جاوینگے اور آپکی وفات ہم سے آخر کو واقع ہوویگی لیکن اللہ
تعالیٰ نے ان امور پر جو تمھارے نزدیک بہتر تھے اپنی مصلحتوں کو پسند تر فرمایا اب یہ
قرآن مجید تمھارے پاس موجود ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھی ہدایت فرمائی
ہے لہذا تم اسی کو پکڑ لو اور اسی پر عمل کرو تاکہ ہدایت صراط مستقیم کی پاؤ یعنی اُس
راستہ کی ہدایت جسکی ہدایت رسول کریمؐ نے کی ہے تب تم اُسکے وارث قرار پاؤ گے آخر تک
اب ناظرین سے دریافت کیا جاتا ہے کہ کیا آپکے نزدیک حضرت عمرؓ جنہوں نے تمام قوانین
اسلام کو کتاب و سنت سے استنباط فرما کر ایک بڑی خلافت اور سلطنت اسلامیہ قایم کی ہے وہ دیوانہ
یا مجنون تھے جو اس تشدد کے ساتھ قتل کلمہ گویوں کے لیے آمادہ ہو گئے بھید اس میں یہی تھا
کہ بعض ایسی پیشگوئیاں مخبر صادق کی موجود تھیں جنکا وقوع حضرت عمرؓ کے اجتہاد میں
آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں ضروری تھا مگر بحکم نہیں دو مقدموں مذکورہ کے اپنے اس قول

سے ندامت کے ساتھ رجوع فرمایا دوستو یاد رکھو کہ سے نقد حال خویش را گر پے بریم ہم ز دنیا ہم ز عقبیٰ برخوریم۔ بروز محمدی کی وفات بھی اسی شان سے واقع ہوئی ہے جس طرح کہ خاتم النبیین کی وفات اب واضح ہو کہ اشتہار ۱۶۔ اگست سنہ ۱۹۰۶ء کی عبارت الہامیہ میں کوئی جملہ ایسا مذکور نہیں ہوا جس میں یہ ذکر صراحتاً ہو کہ کانا دجال عبد الحکیم خاں ...... میرے روبرو مر جاویگا اور میں اُس کے روبرو نہیں مرونگا بلکہ یہ عبارت ہے کہ "خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں"۔ کیا آنحضرت صلعم جو سید المرسلین ہیں مقبول اور سلامتی کے شہزادے نہیں ہیں؟ جو مسیلمہ کذاب کی حیات میں ہی وفات پا گئے اور اکثر وعدہائے فتوح موعودہ بعد وفات آنحضرت صلعم کے آپکے نائبوں کے ہاتھ سے واقع ہوئے چنانچہ اس امر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں متعدد مقامونپر بیان فرمایا ہے پارہ یازدہم رکوع دہم میں یوں ارشاد ہوتا ہے کہ واما نرینك بعض الذی نعدھم او نتوفینك فالینا مرجعہم ثم اللہ شہید علیٰ ما یفعلون الآیۃ الہام میں بھی یہ آیت موجود ہے یعنی اور اگر ہم تجھ کو دکھا دیویں بعض اُن وعیدوں کو جنکا ہم اُنسے وعدہ کرتے ہیں یا قبل اس کے تجھ کو وفات دیویں تو دونوں امر برابر ہیں کیونکہ انکا رجوع تو ہماری ہی طرف ہے تو وہاں بھی آپ دیکھ لوگے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود گواہ ہے اُن کامونپر جو وہ کر رہے ہیں۔ اس آیت کریمہ سے بخوبی ثابت ہے کہ رسول صادق کے مخالفین کے لیئے جو وعیدیں ہوا کرتی ہیں وہ بعد اُسکی وفات کے بھی اُسکو دکھائی جاتی ہیں اُسکی دنیاوی حیات ہی میں اُن سب کا دکھانا کچھ ضروری نہیں ہوتا ہے اور پارہ ۱۳ رکوع ۱۲ میں یوں ارشاد ہوا ہی وان ما نرینك بعض الذی نعدھم او نتوفینك فانما علیك البلاغ وعلینا الحساب ؕ اولم یروا انا نأتی الارض ننقصہا من اطرافہا واللہ یحکم لا معقب لحکمہ ؕ وھو سریع الحساب۔ یعنی اے پیغمبر جو وعیدیں ہم مخالفین

کے لیے کرتے ہیں اگر ہم تمہاری حیات ہی میں تمکو دکھلا دیویں یا اُن بعض وعیدوں کے پورا ہونیسے پہلے ہم تمکو وفات دیدیویں بہر حال تمہارے اوپر اُنکا پہنچا دینا ہی تمہارا کام ہے اور اُن مخالفین سے حساب لینا یعنی اُنکو سزا دینا ہمارا کام ہے اور کیا یہ لوگ اس بات کو نہیں دیکھتے ہیں کہ وباؤں سے اور نیز فتوحات سے ہم ملکوں کو سب طرف سے دباتے چلے آتے ہیں یعنی ہر ایک ملک میں تخم ریزی سلسلہ حقہ کی کردی ہے اور حکم تو سب اللہ ہی نافذ کیا کرتا ہے اُس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے اور وہ تو بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اور پھر پ ۲۴/۱۳ میں ارشاد ہوتا ہے کہ فاصبر ان وعد اللہ حق فاما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک فالینا یرجعون یعنی اے پیغمبر تم صبر سے بیٹھے رہو کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو سچا ہی ہے ہاں جو وعیدیں ہم مخالفین سے کرتے ہیں اُنمیں سے کچھ تو تمکو دکھا بھی دیویں گے یا اُن وعیدوں کے پورا ہونیسے پیشتر ہم تمکو وفات دیدیویں گے بہرکیف اُنکو ہماری ہی طرف لوٹ آنا ضروری ہے یعنی ہم اُنکو بعد تمہاری وفات کے بھی سزا دے سکتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو دونوں صورتیں برابر ہیں اور تم بھی تو درصورت توفی کے اے رسول مقبول ہمارے پاس آؤ گے تو تم بھی اپنی وفات کے بعد وہ سب وعد وعید دیکھ سکتے ہو یہ آیت الہام حضرت اقدس میں بتکرار وارد ہو چکی ہے چونکہ بہت سے وعدہ اور وعید بعد وفات کے پورا ہونے میں طرح طرح کی حکمتیں اور مصلحتیں بھی ہیں کہ اوّل تو امتحان اور جانچنا ہے اور دوسرے تمیز کرنا بین المخلصین و المنافقین کما قال اللہ تعالیٰ ما کان اللہ لیذر المؤمنین علیٰ ما انتم علیہ حتّٰی یمیز الخبیث من الطیب۔ یعنی اے ضعیف الایمان والو اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ جس حال میں تم ہو خبیث وطیب کی تمیز کیے بدون اُسی حال پر مومنین کو چھوڑ دیوی۔ تیسرے یہ کہ جانشینوں اور دوسرے مومنین کو بسبب اُنکی کوششوں اور سعیوں کے مدارج عالیہ عطا فرماتا ہے وغیرہ وغیرہ اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جملہ وعد وعید مامور کی حیات ہی میں پورے ہوں پچھلے انبیاء میں بھی یہی سنت اللہ رہی اور

ہم یہاں پر واسطے توضیح اور ایضاح مسئلہ وفات مسیح موعود جری اللہ فی حلل الانبیاء کے قصہ مسیلمہ کذاب کا صحیح بخاری اور اُس کی شروح وغیرہ سے ترجمتاً ملخصا تحریر کرتے ہیں دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۵۱۱ و ۶۲۸ و ۱۰۴۱ مطبوعہ مولوی احمد علی صاحب مع شرح مرحوم وہی ہذہ کہ آنحضرت صلعم کی حیات میں مسیلمہ کذاب آپ کے یہاں آیا مع اپنی جماعت کے جو اُسوقت مع اپنی جماعت کے بظاہر اسلام میں داخل ہوچکا تھا اور قوم بنی حنیفہ میں سے تھا اعمال سحریہ و نیرنجات وغیرہ میں اسکو بڑا دخل تھا اور صنعت انڈے کو شیشہ میں ڈالدینے کی اولاً اسی نے ایجاد کی ہے (کانا دجال بھی بسبب کسبیق مہارت فنون ڈاکٹری کے اُس سے بڑھکر صنائع بدائع کرجاتا ہے) اور مدت تک بظاہر بیعت میں داخل بھی رہا ہے) اور اُس کے ہمراہ بھی بعد ارتداد کے بہت سے لوگ ہوگئے ہیں جسطرح پر مسیلمہ کذاب کے ساتھ بہت کثیر آدمی ہوگئے تھے) اس مسیلمہ کذاب نے مدینہ میں آکر یہ کہنا شروع کیا کہ اگر آنحضرت صلعم بعد اپنی وفات کے مجھکو خلیفہ مقرر کردیویں تو میں آپکا پورا متبع ہوجاؤنگا کانے دجال نے بھی بذریعہ الہامات شیطانی کے حضرت اقدسؑ کی حیات ہی میں یہ طمع اور حرص کی کہ میں بھی مسیح ہوجاؤں مگر ایسی طمع خام سے کیا ہوسکتا ہے ع کلاہ خسروی و تاج شاہی۔ بہر کل کے سزد حاشا و کلا پھر آنحضرت صلعم بھی اُسکی ملاقات کرنیکے لیے بدیں غرض تشریف لائے کہ اُسکی تالیف قلب اور نیز اُسکی قوم کی تالیف قلب ہوجاوے اور جو امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے اُس کو تبلیغ فرمادیویں (کانے دجال نے بھی درخواست بخدمت حضرت مسیح موعودؑ کے پاس حاضر ہونیکا ارادہ کیا تھا مگر چونکہ اسکی شقاوت مسیلمہ سے بڑھی ہوئی تھی لہٰذا حاضر نہ ہوسکا تب حضرت مسیح موعودؑ نے بذریعہ اخباروں اور اشتہاروں کے جو امر اللہ تھا اُسکو تبلیغ فرمادیا اور اُسپر سب طرح سے اتمام حجت فرمادیا گیا) الحاصل جب آپ مسیلمہ کے پاس تشریف لائے تو آپ کے ہمراہیوں میں حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ خطیب انصار کے بھی ساتھ تھے اور آنحضرت صلعم کے ہاتھ میں ایک شاخ درخت خرما کی بھی تھی جب آپ مسیلمہ اور اُسکی جماعت کے پاس تشریف لائے تو

آپ نے کھڑے ہی کھڑے یہ تبلیغ فرمائی کہ اگر یہ مسیلمہ مجھ سے شاخ خرما کو بھی طلب کریگا تو
مَیں اُسکو ہرگز یہ شاخ خرما بھی نہ دونگا۔ کانے دجال کے مُنہ میں بھی حرص دنیا کے سبب بہت
سا پانی مُنہ میں بھر بھر آیا اور حضرت مسیح موعودؑ کی فتوحات مالی اور نیز فتوحات الہامی پر سخت
حرص کی لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے سوائے زجر و توبیخ کے مثل آنحضرت صلعم کے ایک ذرا
بھر بھی اُسکی طرف التفات نہیں فرمایا اور نبیؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس کے بارہ میں جو
کچھ اللہ تعالیٰ کا وعید ہے وہ اُس سے تجاوز نہ کرسکے گا (یعنی ہلاک ہوجاویگا اور اگر میری
اطاعت سے یہ پیٹھ پھیریگا تو ضرور بالضرور اللہ تعالیٰ اُس کے کوچے کاٹ ڈالے گا اور اسکو ہلاک
کردیگا (جسکے الفاظ یہ ہیں ولن تعد و امر اللہ فیاک ولئن ادبرت لیعقرنک اللہ)
ان الفاظ اور رویا سے بظاہر یہ وہم ضرور ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں وہ ہلاک ہوجاویگا
(جیسا کہ یہاں پر بھی جو الفاظ الہامی کانے دجال کے بارہ میں ہیں اُنسے بھی کسیقدر یہ مفہوم
ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی ہی میں کانا دجال ہلاک ہوجاویگا مگر مسیلمہ کذاب
آنحضرت صلعم کی حیات میں ہلاک نہیں ہوا بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت میں یعنی تخمیناً چھ
ماہ میں ہاتھ سے وحشی قاتل امیر حمزہ کے ہلاک ہوا جسپر وحشی کو یہ فخر تھا کہ اوائل اسلام میں
مینے خیر الناس کو قتل کیا ہے اور اواخر اسلام میں مینے شر الناس کو قتل کیا ہے) پھر آنحضرت
صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جسکو مینے اپنی رُویا میں دیکھا ہے پھر آپؐ فرماکر
واپس مکان کو تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا کہ یہ ثابت بن قیس جو خطیب بلیغ انصار
کے ہیں موجود ہیں جو تو کچھ اور گفتگو کرنا چاہتا ہے تو اُنسے گفتگو کرے اگرچہ آنحضرت صلعم
اوتیت جوامع الکلم کے مصداق تھے اور آپکی برابر کوئی دوسرا صحابی بلاغت اور فصاحت
میں برابری نہیں کرسکتا تھا مگر اس لیے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو بھی اس تبلیغ کا
ثواب حاصل ہو لہذا اُنکو ایسا کچھ ارشاد فرمایا (یہاں پر بھی حضرت مسیح علیہ السلام نے
ایک خطیب مسجد مبارک کیلیے ارشاد فرمایا تھا کہ تم اسکا جواب شافی و کافی ایسا لکھو کہ پھر اُسکو

گفتگو کرنیکی مجال باقی نہ رہی چنانچہ اُس خطیب نے (جو بہی لکھنے والا ہے) اپنے ایک خط میں کانے دجال کے رد میں ایک مضمون ایسا لکھا ہے کہ ہر ایک امر میں اُسکو ساکت کر دیا ہے اور خود اقرار کانے دجال کا اپنے سکوت کی بابت اُسی کے دستخطی خط میں لکھا ہوا موجود ہے) اور آنحضرت صلعم کی خواب جو آپنے مسیلمہ کی ہلاکت کے بارہ میں دیکھی تھی وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ مَیں سو رہا تھا جو مَینے یہ رُویا دیکھا کہ میرے دونوں ہاتھوں میں دو کنگن سونے کے ہیں رُویا ہی میں مَینے اُنکو بہت مکروہ سمجھا اور مَیں کسیقدر اُنسے غمگین بھی ہوا پس حالت نوم ہی میں مجھ کو یہ وحی ہوئی کہ اپنے مُنہ سے ان دونوں میں پھونک مار دو تب مَینے اپنے مُنہ سے اُن دونوں میں پھونک ماری تو وہ دونوں کنگن سونیکے اُڑ گئے اور فرماتے ہیں کہ مَینے انکی تعبیر یہ کی کہ انسے مراد دو کذاب ہیں جو میری نبوت نبوت کے بعد ظہور کریں گے اور وہ دونوں عنسی اور مسیلمہ ہیں (اس عبارت سے بھی بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں یہ دونوں کذاب اُڑ جاویں گے کیونکہ اول تو لفظ طیر کا اور ثانیاً لفظ ذہب کا +اسی سرعت ہلاکت پر دلالت کر رہا ہے کہ جلد* یہ دونوں اُڑ جاویں گے اور جاتے ہیں گئے) اسود عنسی صنعانی ہے اسکو ذوالخمار بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ میرے پاس ایک فرشتہ چادر اوڑھ کر آیا کرتا ہے یہ اسود عنسی ذوالخمار صحیح تر روایت میں آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں قتل ہوا اور حضرت فیروز دیلمی صحابی نے اسکو قتل کیا ہے (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بھی ایسے مخالف جو مدعی الہامات کے بڑے زور و شور کے ساتھ ہوئے ہوں دو ہی کذاب تھے اور دیگر اشخاص انہیں کی ذریات میں سے تھے اول تو عصائے موسیٰ ہی کہ الٹ پلٹ کر کے صدہا الہامات شیطانیہ کاذبہ اس میں مندرج کیے گئے ہیں:- اور وہ حضرت مسیح موعود کی حیات ہی میں طاعون سے ہلاک ہوا اور دوسرا شخص کانا دجال ہے جس کی ہلاکت بعد وفات حضرت مسیح کے اللہ تعالیٰ کے علم میں

* آپ کی حیات میں

(دیکھو آیات الرحمٰن)

م اور ذوالخمار اس لئے کہتے ہیں کہ ایک گدہا اُسکو زیر تعلیم رہکر کچھ کرشمہ دکھاتا تہا + اور خود حضرت کا اپنے موہنہ سے پہونکنا

تھی وتلک عشرہ کاملہ۔ اور یہ جو تعبیر مذکورہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمائی ہے اسکی وجہ
یہ ہے کہ ساکنین صنعا یمن اور اہل یمامہ اولاً اسلام میں داخل ہو چکے تھے اس لیے
یہ دونوں گروہ اسلام کے لیے بمنزلہ دو ہاتھوں کے پونہچوں کے ہوئے اور یہ دونوں
کذاب جنکے اقوال مزخرفہ اور باطلہ تھے بمنزلہ دو سونے کے کنگن کے ہوئے جنکے دغا
اور فریب میں اہالی صنعا اور اہالی یمامہ آگئے پس یہ دونوں شہر بمنزلہ دو ہاتھوں کے
ہوگئے اور ان دونوں کو آنحضرتؐ کے منہ کی پھونک سے اڑ جانے کو انکی ہلاکت بسرعت
سے تعبیر فرمائی گئی یہ تمام قصہ وہ ہے جسکو ہم نے صحیح بخاری اور اس کی شروح سے ملخص
کرکے لکھا ہے جسکو کچھ شک ہو وہ صحیح بخاری مولوی احمد علی صاحب بمع حواشی کے
دیکھ لیوے پس ع اس قصہ سے عبرت پکڑو تاکہ بموجب ع نقد حال خویش را گر پے بریم۔
ہم ز دنیا ہم ز عقبے بر خوریم۔ کے فواید دارین حاصل کرو۔

ایہا الدجال الاعور حضرت اقدس ع کے وہ الہامات جو اشتہار ۱۶- اگست ۱۹۰۶ء
میں شایع ہوئے تھے وہ ابتک بدستور قایم ہیں اور کوئی الہام ان میں سے منسوخ نہیں
ہوا کیونکہ جو خدا کے مقبولوں میں علامتیں ہوتی ہیں وہ انہیں بعد وفات بذریعہ انکی اولاد
روحانی اور اولاد نسبی کے آئیں وہ علامتیں قبولیت کی اب بھی موجود ہیں اور قیامت تک
باقی رہیں گی اور سلامتی کی شہزادگی بھی قیامت تک انکو حاصل رہے گی اور جن امور کو بذریعہ
الہام کے وہ لائے تھے انکے اوپر کوئی غالب نہیں ہو سکتا وجاعل الذین اتبعوک
فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ اور روحانی طور پر تیرے آگے فرشتوں کی تلواریں
کھچی ہوئی ابھی تک موجود ہیں اگر توبہ نہ کرے گا تو مثل مسیلمہ کذاب کے ان روحانی
تلواروں کا منتظر رہ کہ کسی نہ کسی وقت ان تلواروں کے وار تجھ پر وارد ہو جاویں گے اور یہ دعا
اب بھی تو کیجاتی ہے رب فرق بین صادق و کاذب انت تری کل مصلح وصادق
اور جسطرح پر حضرت صدیق رضہ کے واسطہ سے صادقین اور کاذبین میں اللہ تعالیٰ نے

تفریق فرمادی تھی اب بھی صدیق ثانی کھڑا ہوگیا ہے اللہ تعالیٰ تو اس تفریق کا پورا اختیار رکھتا ہے کہ جسوقت چاہے وہ تفریق واقع فرمادیوے۔ آگے رہے تبصرہ کے بشرات اور منذرات الہام سو واضح رہے کہ الہام انا نبشرك بغلام حلیم ینزل المبارك منسوخ نہیں ہوا تیرا علم اللہ تعالیٰ کے علم پر محیط نہیں ہو سکتا اول تو حضرت اقدس کے تین چار صاحبزادے موجود ہیں کیا بعید ہے کہ انہیں میں سے کوئی ایک لڑکا قایم مقام مبارک کے مبارک ہوجاوے یا ان تینوں صاحبزادوں کی اولاد میں سے کوئی لڑکا اُسکا قایم مقام ہو۔ زبان عرب اور نیز دیگر زبانوں کے محاورات میں بیٹوں کی اولاد کو بلکہ پوتوں کی اولاد کو بھی بیٹا کہا جاتا ہے قال الشاعر ؎ بنونا بنوا بناءنا و بناتنا۔ بنوھن ابناء الرجال الاباعد یعنی بیٹوں کی بیٹی ہماری ہی بیٹی ہیں البتہ ہماری بیٹیوں کی بیٹی دوسرے مردونکی بیٹی ہیں اور دیکھو حضرت ابراہیمؑ کو حضرت یوسفؑ کا باپ فرمایا گیا ہے حالانکہ حضرت یوسفؑ کا نسب نامہ یہ ہے یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم قال اللہ تعالیٰ کما اتمها علی ابویك من قبل ابراهیم و اسحاق ان ربك علیم حکیم علم فرائض میں بھی بصورت موجود نہ ہونے بیٹے کے پوتا قایم مقام بیٹے کا ہوجاتا ہے وعلیٰ ہذا اور پیشین گوئی کے پورا ہونیکے یہی اصول ہے کہ جن محاورات عرب کے بموجب وہ پیشین گوئی پوری ہوجاوے اُسکا صادق ماننا واجب التسلیم ہوجاتا ہے کما سیاتی تفصیلہ فانتظرہ۔ تُونے تو علم ڈاکٹری بھی پورے طور پر حاصل نہیں کیا اللہ تعالیٰ کے علم کے روبرو تیرے علم کی کیا حقیقت ہے، جو اللہ تعالیٰ کے کلام پر اعتراض وارد کرتا ہے ؎

محیط است علم ملک بر بسیط۔ قیاس تو بر وے نگردد محیط۔ اور الہام ارجعك و لا اجیحك و اخرج منك قوما بھی بحالہ قایم ہے حضرت اقدسؑ کا خاندان نسبی و صہری و روحانی و جسمانی اس کثرت سے موجود ہے کہ اس الہام کی صداقت کو کامل طور سے پورے ہونیکا یقین دلا رہا ہے جو اپنے وقت پر بکمال ظہور پورا ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اس الہام

کے پورا ہونیکے لیے یہ حیات دنیوی حضرت اقدسؑ کی ضروری نہیں تھی کیا تجھ کو نہیں معلوم کہ یزید اور اُس کے معاونین معاندین نے خاندان نبوت کے مٹانے کے لیے جان توڑ کوششیں کی تھیں اور وہاں خاندان نبوت حسینی ہیں سے ذکور میں سوائے ایک نفس واحد حضرت زین العابدین کے کوئی باقی نہیں رہا تھا مگر اُسی ایک نفس واحدہ سے تمام دنیا میں نبی کریمؐ کی اولاد نسبی بھی موجود ہے اور روحانی اولاد کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہو سکتا پھر یہاں تو بفضلہ تعالیٰ اولاد ذکور اور نیز اناث اور داماد حضرت نواب محمد علیخاں صاحب اور نیز اولاد روحانی بکثرت موجود ہیں پھر کیوں ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا انکار کرتے ہو اور وفات حضرت اقدسؑ کی باوجود موجود ہونے خلف صالحین کے اس الہام تیعمر کے کیونکر مخالف ہو سکتی ہے جیساکہ انا اعطیناك الکوثر ان شانئك هو الابتر باوجود اس کے کہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمایا گیا ہے صادق اور پھر صادق ہے کما مر تفصیلہ اور الہام الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل انك بمنزلہ رحی الاسلام اثرتك واخترتك بھی بحالہ قایم ہے جیساکہ آنحضرت صلعم با وجود یکہ مسیلمہ کذاب کی حیات میں ہی وفات پاگئے انا اعطیناك الکوثر ثابت و صادق ہے اور الہام وینصرك رجال نوحی الیھم من السمآء یاتون من کل فج عمیق تو اسوقت میں بعد وفات کے مثل شمس نصف النہار کی پورے طور پر ایسا صادق ہو رہا ہے کہ کوئی اندھا مادرزاد بھی اُسکی تکذیب نہیں کر سکتا جوق درجوق اور فوج در فوج لوگ حضرت اقدسؑ کی نماز جنازہ کے لیے ۲۷- مئی کو قادیان شریف میں حاضر ہوئے اور حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ پر بیعت کرنیکے لیے دُور دراز ملکوں سے اس موسم گرما کی شدت میں روزانہ چلے آتے ہیں اگر کسی کو شک ہو تو قادیان شریف میں حاضر ہو کر دیکھ لیوے ورنہ سٹیشن بٹالہ پر ہی اس نظارہ کو بچشم خود آکر دیکھ صدق اللہ

تعالیٰ وینصرك رجالٌ نوحی الیھم من السمآء یاتون من کل فجٍ عمیق کیا اس الہام کا پورا ہونا اس شدت اور زور کے ساتھ جو واقع ہوا موجب اخزاء مخالفین اور لعزاز مخلصین کا نہیں ہے صدق اللہ تعالیٰ انی انا ربك الرحمٰن ذو العز و السلطان من عادا ولیالی فکانما خرّ من السمآء اٰنی موجود فانتظر سینالھم غضب من ربھم وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا قد افلح من زکٰھا و قد خاب من دسّٰھا قل انی امرت لکم فافعلوا ما تؤمرون الیوم ۲ یوم البرکات یا عبداللہ انی معك والضحیٰ ۳ واللیل اذا سجی ماودعك ربك وما قلیٰ یہ جملہ جسپر نمبر اوّل لکھا ہے حضرت اقدسؑ کے موجود رہنے پر دنیا میں بطور مفہوم مخالف کے دلالت کر رہا ہے اور جملہ نمبر دو بھی اُن برکات کی طرف مشعر ہے جو ہزاروں مومنین نے حاضر قادیان ہوکر حضرت اقدسؑ کے چہرہ مبارک کی زیارت پر بشارت سے اور انحالیکہ جنازہ مبارک آپکا مکان باغ میں رکھا ہوا تھا برکات کثیرہ حاصل کیں اللّٰھم بارك علیٰ محمّد و علیٰ اٰل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم و علیٰ اٰل ابراھیم انك حمید مجید۔ اور فقرہ نمبر تین آپکی وفات پر دلالت صریحہ کر رہا ہے کہ ہزاروں آدمیوں کے چہروں پر اُداسی اور تاریکی مثل رات اندھیری کے چھائی ہوئی تھی کما فی الالہام لیکن باایں ہمہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ پروردگار نے حضرت اقدسؑ کو چھوڑ دیا ہے اور یا کسی طرح سے وہ اُنسے ناخوش ہوا ہے یہ جملہ اُن مطاعن مخالفین کا رد ہے جو حضرت اقدسؑ کی وفات کو بسبب ناراضی اور ناخوشی اللہ تعالیٰ کی سمجھ رہے ہیں پس اُنکا رد اللہ تعالیٰ نے اول سے اول ہی فرما دیا اور چونکہ ہزاروں آدمیوں نے جنکا شمار معلوم نہیں ہوسکتا قادیان میں حاضر ہوکر آپکے جنازہ کی نماز پڑھی پس یہ کیسی بشارت اللہ تعالیٰ کے فعل سے اُسکی طرف سے اُتری جسکی نظیر دوسرے مقدسوں میں بہت ہی کم پائی جاویگی پس یہ الہام دنیا ہی میں کیسا سچا ہوا لکم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا۔ خیر و نصرت و فتح انشاء اللہ تعالیٰ۔ وضعنا عنك

وزرك الذی انقض ظهرك۔ یہ جملہ الہامیہ بھی آپکی وفات کی خبر دے رہا ہے
کیونکہ بعد وفات کے تو جملہ انبیاء اس بار تبلیغ سے سبکدوش ہو جاتے ہیں و رفعنا لك
ذکرك دنیا میں کوئی بلدہ اور شہر باقی نہ رہا ہوگا جو آپکی وفات کی خبر اسی روز نہ پہنچگئی
ہو اور بڑے بڑے محققین مخالف اخباروں نے جیسا کہ پاؤنیر وغیرہ ہے آپکے رفیع الدرجات
ہونیکے مضمون اور آپکی تطہیر کے تذکرہ دنیا میں شایع کیے و الفضل ما شھدت
به الاعداء اور آپکے اہل وعیال نے وہ صبر و استقلال اس وفات پر جتلایا
جیسا کہ خاندان نبوت اور اہل بیت رسالت کے لیے ضروری تھا اور اس لیے اس
الہام میں اس طرف اشارہ صریحہ موجود ہے انی معك ذکرتك فاذکرانہ بنیھو اور
وسع مکانك مشعر ہے اس وسعۃ مکان کی طرف جو آپکی قبر کا ہونا آنحضرت صلعم کی قبر
ہیں حدیث میں آیا ہے کیونکہ جبکہ ادنی مومن کی قبر نہایت درجہ فراخ کیجاتی ہے تو
آنحضرت صلعم کی قبر کی وسعت کا کیا ذکر ہے جس میں حضرت اقدسؑ کی قبر ہی بموجب
حدیث کے ہونی ضرور تھی جیسا کہ ہم نے ۱۹۰۷ء بدر نمبر میں تحت شرح حدیث یحد ثھم
بدرجاتھم فی الجنۃ مقبرہ بہشتی کے بیان میں مفصلاً تحریر کیا ہے۔ اب آپکو چاہیئے کہ
یا خذک اللہ کے منتظر رہیں بشرطیکہ توبہ نہ کریں پس یہ وفات تو بموجب الہامات
مندرجہ تبصرہ کے ہی واقع ہوئی ہے۔ اور یہ جو الہام اُردو میں ہے کہ **مَیں تیری عمر کو**
بھی بڑھادونگا اسکی تصدیق ہم کانے دجال کے مقتدا ابو الوفا سے ہی کرائے دیتے
ہیں انشاء اللہ تعالیٰ ہاں اولاً اس الہام کی مراد جو خود تبصرہ میں شرح کے طور پر آنحضرت اقدسؑ نے
تحریر فرمائی ہے لکھے دیتے ہیں ناظرین اُسکو خوب یاد رکھیں اور وہ بلفظہا یہ ہے
کہ "جو جھوٹ اور شوخی سے باز نہیں آتے اللہ تعالیٰ اُنکی ذلت اور تباہی ظاہر کریگا"
پس مراد عمر کے بڑھا دینے کی خود حضرت اقدسؑ نے بطور شرح کے یہ بیان فرمادی
ہے اور اہل بصیرت کے نزدیک بھی یہی اصل معنے عمر کے بڑھا دینے کے ہو سکتے ہیں

کیونکہ لو فرضنا اگر عمر دنیاوی کسی شخص کی خواہ کسیقدر ہی بڑھ جاوے لیکن بعد اُس کی موت کے کوئی نام و نشان اُسکا نہ رہے یا کوئی نام لیوا بھی اُس کا باقی نہ رہے تو اسکو کوئی عقلمند عمر کا بڑھنا قرار نہیں دے سکتا کیونکہ اصلی حیات جاودانی تو یہی ہے کما قال اللہ تعالٰے ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولٰکن لا تشعرون یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاویں اُنکو مرا ہوا نہ کہو وہ مرے نہیں ہیں بلکہ زندہ ہیں۔ ولنعم ماقیل ؎ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما۔ ایضاً۔ کشتگان خنجر تسلیم را۔ ہر زماں از غیب جان دیگر است۔ اور اسکی اصل وجہ یہی ہے کہ انبیا و شہدا بلکہ صالحین بھی عالم قدس کے میدان وسیع ہیں فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر ہمیشہ حیات میں ترقی کرتے رہتے ہیں اور اُنکے حسنات کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا اس سبب سے وہ ہرگز نہیں مرتے اور وہ چشمہ خیر کہ جسکو وہ اس دنیا میں جاری کر گئے ہوتے ہیں اُس چشمہ خیر کا اجر اُنکو روز بروز موجب ترقی حیات طیبہ کا ہوتا رہتا ہے اور جس باغ اسلام کو اپنی حیات دنیوی میں وہ لگا گئے ہوتے ہیں اُسکی پھلوں اور پھولوں کا فیض جو دنیا کے لوگوں کو وقتاً فوقتاً پہنچتا رہتا ہے اسکا بھی اجر وقتاً فوقتاً اُنکو ملتا رہتا ہے جو موجب حیات طیبہ کا ہے دیکھو کلام نبوۃ میں بھی یہ وارد ہوا ہے کہ کل ابن اٰدم یختم علی عملہ اذا مات الا المجاھد فی سبیل اللہ فانہ ینمی لہ عملہ الی یوم القیامۃ متفق علیہ۔ یعنی ہر ایک انسان جب مر جاتا ہے تو اُس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہوں میں کوششیں کرنیوالا ہوتا ہے اُس کے اعمال کا نشو و نما قیامت تک جاری رہتا ہے۔ متفق علیہ الحاصل حیات اصلی اور عمر کی ترقی تو یہی ہے جو ہم نے بیان کی اور خود حضرت اقدسؑ نے تبصرہ میں اُس کی شرح فرمادی ہے کیا معترض نے گلستان بھی نہیں پڑھی کہ نوشیرواں جیسے بادشاہ کی نسبت جو اسلام میں بھی داخل نہیں ہوا تھا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

مردہ لیکن ہم اُن کی حیات کا شعور نہیں رکھتے ہو

ہیں ؎ زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل - گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند

اب ہم کاسۂ دجال کے گروہ کے اقرار سے بھی ثابت کیئے دیتے ہیں کہ حضرت اقدس کی عمر ظاہری بھی بڑھادی گئی ہے چنانچہ مرقع نمبر ۹ صفحہ ۱۲ سطرہ کی یہ عبارت جو بلفظہا نقل کیجاتی ہے کہ (مرزا صاحب رسالہ اعجاز احمدی میں عبد اللہ آتھم عیسائی کی بابت لکھتے ہیں کہ اگر پیشین گوئی سچی نہیں نکلی تو مجھے دکھاؤ کہ آتھم کہاں ہے اسکی عمر تو میری عمر کے برابر تھی یعنی قریب چوسٹھ سال کے صفحہ ۳ اس عبارت سے صاف پایا جاتا ہے کہ عبد اللہ آتھم کی موت کے وقت مرزا صاحب کی عمر چوسٹھ سال کی تھی - آیئے اب ہم یہ تحقیق کریں کہ آتھم کب مرا تھا شکر ہے کہ اُسکی موت کی تاریخ بھی مرزا صاحب ہی کی تحریروں میں پائی جاتی ہے مرزا صاحب رسالہ انجام آتھم صفحہ ۱ پر لکھتے ہیں (چونکہ مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب ۲۷- جولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام فیروزپور فوت ہو گئے ہیں) اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ ۱۸۹۶ء میں مرزا صاحب کی عمر چوسٹھ سال کے قریب تھی بہت خوب - آیئے اب یہ معلوم کریں کہ آج ۱۹۰۷ء میں ۱۸۹۶ء کو گذرے ہوئے کے سال ہوئے ہمارے حساب میں (اگر کوئی مرزائی غلطی نہ نکالے تو) گیارہ سال ہوتے ہیں بہت اچھا چوسٹھ کے ساتھ گیارہ کو ملانے سے پچھتر سال ہوتے ہیں تو ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی عمر آج کل ۷۵ سال کی ہے) انتہی بلفظہ اہ تو ناظرین کو ثابت ہوگیا ہوگا کہ جو بعض تحریروں مخالفین میں یا فرض کیا کہ بعض تحریروں موافقین میں بھی ابتدائی پیدائش سے کوئی حساب تخمینی لگا کر حضرت اقدس کی عمر ۷۰ یا ۷۱ سال کی قرار دیگئی ہے لیکن وہ ٹھیک نہیں ہے پس ابوالوفا صاحب کے حساب سے بھی بموجب اقرار خود ابوالوفا صاحب کے حضرت اقدس کی ظاہری عمر بھی ایک طرح سے بڑھ گئی کما سیأتی بیانہ جس سے منشاء الہام کا پورا ہو سکتا ہے و الفضل ما شہدت بہ الاعداء پھر ہم ثابت کہتے ہیں کہ حضرت اقدس کی کوئی جنم پتری یا الہام موجود نہیں ہے جس سے حضرت اقدس کی عمر کی کوئی تعداد معین یقینی مانی جاوی پس یہی اقرار مخالف کا ہم کو کافی و وافی ہے - جسکا بیان آگے آتا ہے -

کیونکہ کوئی جنم پتری تو موجود نہیں ہے اور حضرت اقدس ضمیمہ براہین میں تحریر فرماتے ہیں دیکھو صفحہ ۱۹۲ کو کہ "عمر کا اصل اندازہ تو صرف خدا تعالیٰ کو معلوم ہے مگر جہانتک مجھے معلوم ہے اب اسوقت تک جو سنہ ۱۳۲۳ ہجری ہے میری عمر ستر برس کے قریب ہے واللہ اعلم اور بمقابلہ ڈوئی کے سنہ ۱۹۰۳ء کے ریویو نمبر ۹ میں آپ اپنی عمر زاید از ۶۶ سال کی لکھتے ہیں اور چونکہ مخاطب شمسی ہی حساب کرنیوالا ہے اس لیے یہ حساب شمسی رہیگا۔

توضیح اب ہم یہاں پر حضرت اقدسؑ کی عمر کے الہامات میں جو اختلاف ڈالنا چاہتے ہیں اُنہیں مطابقت بھی دکھائے دیتے ہیں۔ واضح ہو کہ ایک الہام میں یہ عبارت ہے ولنحیینك حیوۃ طیبۃ ثمانین حولاً او قریباً من ذالك ان الہاموں میں حضرتؑ کی عمر کو اللہ تعالیٰ نے تخمیناً بیان فرمایا ہے کوئی تعیینِ یقینی ایسی بیان نہیں فرمائی جس سے قطعی حکم کیا جاوے کہ اسقدر ہے یعنی مابین ستر اور اسّی کے . . . . جو عدد ہو وہ ہو سکتا ہے اور ایسا تخمینہ قرآن مجید میں بھی استعمال فرمایا گیا ہے قال اللہ تعالیٰ وارسلناہ الی مائۃ الف او یزیدون یعنی ہم نے حضرت یونسؑ کو لاکھ آدمیوں کی طرف پیغمبر کر کے بھیجا یا لاکھ سے زیادہ ہوتے ہیں ف اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین تو یہ کہتے ہیں کہ عاقل بالغ کو لو تو لاکھ ہوتے ہیں اور چھوٹے صغیر بچے بھی اگر شمار کیے جاویں تو لاکھ سے زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جو لوگ اُس بستی سے بھاگ گئے تھے وہ لاکھ تھے اور داخلین وخارجین اگر دونوں لیے جاویں تو پھر لاکھ سے زیادہ ہوتے ہیں۔ اور یونہی کی کتاب میں بھی لکھا ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ۔ ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ میں نے او یزیدون کی مراد کو آنحضرت صلعم سے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ بیس ہزار ترمذی اور بعض روایات میں آیا ہے تیس ہزار ایک لاکھ۔ غرضکہ اس آیت میں حرف او کا تخمینہ کے لیے آیا ہے اور ایسے عدد تخمینی کا استعمال عرب کے محاورات کے بموجب بکثرت ہے نیز آیت ولبثوا فی کہفہم ثلثہ مائۃ سنین وازدادوا تسعا میں شمسی قمری کے حساب سے تین سو برس پر نو برس بڑھا دیئے گئے ہیں یہ کمی بیشی شمسی اور قمری کے حساب میں بھی ہوتی ہے کہ تین سو شمسی کے تین سو نو برس قمری ہوتے ہیں کیونکہ فی صدی شمسی میں تین برس کا تفاوت پڑ جاتا ہے اور قرآن مجید نے اس کمی بیشی کا رد نہیں فرمایا۔ لہٰذا اب ہم ان دونوں آیتوں کے لحاظ سے کہتے ہیں کہ او قریبا من ذالك وغیرہ کی بات تخمینی ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے بطور تخمینہ کے حسب محاورہ قرآن مجید

ھو خیر ذالک من الالہامات۔ جیسا کہ پانچ چار دو یا پانچ چار

ھ دو ... حضرت عیسیٰ کی عمر سے آدھی ... قرار دی گئی۔

اور محاورہ عرب کے عمر تخمیناً حضرت اقدس کی بیان فرمادی ہے اور عمر کی حقیقی مدت معینہ
بیان نہیں فرمائی کہ ستر اور اسّی کے درمیان میں سے کسقدر ہے اور وہ مدت صرف
علم الٰہی میں البتہ متعین ہے جسکا علم الہام میں حضرت اقدس کو نہیں دیا گیا تھا مثلاً اگر
ستر یا اکہتر برس کی آپکی عمر قرار دیجاوے تو اُسکی نسبت او قریباً من ذٰلک حسب
محاورہ عرب کے کہہ سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے بحکم یمحو اللہ ما یشاء د نیت کے
بمقابلہ مخالفین کے چار یا پانچ برس اور بڑھادی مثلاً پچھتر برس کر دی تو اس میں کونسا
محذور ہے کہ موت کی اجل اور قیامت کی گھڑی کا علم کسی کو نہیں دیا گیا کما قال اللہ
تعالیٰ ان الساعۃ اکاد اخفیہا الخ ہاں جو مقدار عمر آنحضرت اقدس کی اللہ تعالیٰ کے
علم میں تھی جسکو اجل مقدر فرمایا گیا ہے کہ قرب اجلک المقدر وہ اُسیقدر تھی
جسپر آپنے وفات پائی جو درمیان ستر اور اسّی کے ہوتی ہے لیکن اس مقدار معین کا
علم کسی کو نہیں ہے کیونکہ کوئی جنم پتری بھی موجود نہیں اور نہ کوئی الہام یقینی تعیین کیلئے ہی اب بموجب اعتبار دیگر یعنی
کمی بیشی حساب شمسی و قمری کے بھی سمجھ لو جو اعتبار لحاظ آیت ثانی کے ۳۳ برس
شمسی پر ایک برس قمری زیادہ ہو جاتا ہے اور ستر سے اوپر کچھ برس زیادہ کر لو تو بھی
ممکن ہے اور ہو سکتا ہے۔ اور ڈوئی کے مقابلہ میں بھی حضرت اقدس نے لکھا
تھا کہ میری عمر ۶۶ برس کی ہے دیکھو ریویو پرچہ نمبر ۹ سنہ ۱۹۰۲ء کو اور اس ۶۶ برس سے
مراد شمسی ہیں کیونکہ مخاطب شمسی حساب کرنیوالا ہے اگر اسکو قمری کر لو تب بھی ستر اسّی
کے درمیان ہی ہوگی اُسکو قریباً من ذٰلک فرمایا گیا غرضکہ الہامات میں کوئی تضاد
نہیں ہے فقط اذہان بشریہ کی خطا یا غلطی ہے وھذا ما الھمنی ربی فالحمد للہ۔
اور یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت اقدس کے اہلبیت اور گھر والوں میں سے کوئی متنفس طاعون
سے فوت نہیں ہوا اور انی احافظ کل من فی الدار کا الہام بکمال درجہ صادق
اور پورا ہوا جو تبصرہ کے اخیر میں لکھا ہے باوجودیکہ ہر چہار طرف حضرت اقدس کے

ع ان اللہ عندہ علم الساعۃ اور مرنیوالے کی قیامت ... من مات فقد قامت قیامتہ

دار کے دیہات میں طاعون سے لوگ بکثرت فوت ہوتے رہے مگر اللہ تعالیٰ کا قول مطابق اُس کے فعل کے اور اُسکا فعل موافق اُسکے قول کے بشر بشبر مطابق رہا صدق اللہ تعالیٰ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً والحمد للہ ثم الحمد للہ اب یہانتک جواب تبصرہ محولہ کا پورا ہوگیا۔ اور اب ہم بعض اُن شبہات کے رد کیطرف متوجہ ہوتے ہیں جو کانسے دجال نے اعلان الحق اور ابوالوفا صاحب نے اپنے ایک اشتہار میں شایع کیے ہیں ہم اولاً اشتہار کا جواب لکھتے ہیں سلمنا کہ حضرت اقدس نے محض دعا کے طور پر فیصلہ چاہا تھا لیکن اُس خط میں صاف لکھا ہوا ہے کہ یہ دعا کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشین گوئی نہیں ہے اس دعا کے وحی اور الہام نہ ہونیکا ابوالوفا صاحب کو بھی اقرار ہے آگے رہی صرف دعا بغیر وحی و الہام کے سو حضرت اقدس کا یہ دعا کرنا آپکی صداقت کی بڑی پکی دلیل ہے اگر آپکو اپنے منجانب اللہ ہونیکا قطعی طور پر یقین کامل نہ ہوتا تو ایسے الفاظ سے دعا کیوں کرتے جو اُس خط میں مذکور ہیں۔ اور ایسی دعائیں تو حضرت سید المرسلین اور خاتم النبیین کی بھی قبول نہیں ہوی ہیں کما قال اللہ تعالیٰ لیس لک من الامر شئ او یتوب علیہم او یعذبھم فانھم ظالمون یعنی اے پیغمبر آپکے لیے یہ اختیار نہیں ہے اس امر میں کہ قوم مخالف سب کے سب آپکی دعا سے مارے ہی جاویں چاہے تو خدا اُنپر رجوع کرے یا اُنکو عذاب کرے اس لیے کہ وہ ظالم ہیں۔ صحیح بخاری میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے غزوہ احد کے ذکر میں اسی آیت کی تفسیر میں یہ حدیث لکھی ہوئی موجود ہے عن سالم عن ابیہ انہ سمع رسول اللہ صلعم اذا رفع راسہ من الرکوع من رکعۃ الاٰخرۃ من الفجر یقول اللھم العن فلانا و فلانا و فلانا بعد ما یقول سمع اللہ لمن حمدہ ربنا و لک الحمد فانزل اللہ تعالیٰ لیس لک من الامر شئ الیٰ قولہ فانھم ظالمون[۲] بخاری صفحہ ۵۸۲ یعنی سالم بن عبد اللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ عبد اللہ

(حاشیہ: ابوالوفا صاحب بھی اسکو صرف دعا ہی قرار دیتے ہیں الہام نہیں ۔۔۔)

۲؎ عن حنظلہ بن ابی سفیان سمعت سالم بن عبد اللہ یقول کان رسول اللہ صلعم یدعو علی صفوان بن امیہ و سہیل بن عمرو والحارث بن ہشام

سے کہ سُنا انہوں نے کہ آنحضرت صلعم نماز فجر کی رکعت اخیر میں جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو یہ دعا مانگتے تھے کہ اے بارالٰہا تو فلانے پر لعنت کر فلانے کو تباہ کردے فلانے کو ہلاک کردے یہ بد دعا بعد پڑھ لینے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا و لک الحمد دعا کی آنحضرت صلعم بد دعائیں کرتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ لیس لک من الامر شیئ تا فانہم ظالمون کے اور دوسری روایت بخاری ہی میں ہے کہ آپ یہ بد دعا صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام پر بد دعائیں فرماتے تھے پس یہ آیت نازل ہوئی کہ لیس لک من الامر شیئ فانہم ظالمون تک۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بد دعائیں آنحضرت صلعم کی سخت مخالفین کے حق میں اُسوقت تو قبول نہیں ہوئیں بلکہ اُسکے جواب میں لیس لک من الامر شیئ نازل ہوا لہٰذا اب آپسے دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا اس بد دعا آنحضرت صلعم کے قبول نہ ہونیسے کوئی تفاوت آپکے مرتبہ نبوت میں آپکے نزدیک آسکتا ہے کلا و حاشا۔ پس اسی طرح پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی اس بد دعا کے قبول نہ ہونیسے آپکے منصب جری اللہ فی حلل الانبیاء میں بھی فرق نہیں آسکتا۔ آگے رہی آپ کی وفات سو حضرت اقدس نے اپنے رسالہ الوصیت میں اور متعدد اشتہارات اور اخبارات بدر و الحکم و ریویو آف ریلیجنز و تشحیذ الاذہان وغیرہ وغیرہ میں اپنی وفات کی خبر متعدد الہامات ربانی میں دیدی تھی بلکہ ایک پہلو سے اپنی تاریخ وفات اواخر ماہ مئی میں مقرر فرما دی تھی بلکہ ۲۷۔ تاریخ بھی معین کردی تھی رسالہ الوصیت ہی ملاحظہ ہو جو ۲۰ دسمبر ۱۹۰۵ء میں حضرت اقدس نے شایع کیا تھا اور اسی کی بنا پر مقبرہ بہشتی طیار ہوا ہے اور اُسکا وجود موجب تصدیق پیشین گوئی مخبر صادق صلعم کا ہے جسکو ہم نے بہ تفصیل اخبار بدر نمبر ۵ سنہ ۱۹۰۷ء میں بیان کیا ہے چند الہامات اُسمیں سے یہاں پر نقل کیے جاتے ہیں تاکہ ناظرین پر کالشمس فی نصف النہار واضح ہو جاوے کہ حضرت اقدس کی

وفات کا اسی طرح اسیقدر عمر اور انہیں تواریخ میں واقع ہونا ضروری تھا ورنہ نعوذ باللہ تکذیب الہامات صادقہ کی لازم آتی دھو باطل (۱) قرب اجلك المقدر ولا نبقی لك من المخزیات ذکرا قل میعاد ربك ولا نبقی لك من المخزیات شیئًا واما نرینك بعض الذی نعدھم او نتوفینك تموت وانا راض منك جاء وقتك ونبقی لك الآیات باھرات جاء وقتك ونبقی لك الآیات بینات قرب ما توعدون واما بنعمت ربك فحدث انه من یتق الله ویصبر فان الله لا یضیع اجر المحسنین (دیکھو ترجمہ اسکا رسالہ الوصیت میں) اس الہام میں اللہ تعالیٰ نے واقعات وفات حضرت اقدس ع کے سب کچھ درج فرما دیئے ہیں اور یہ بھی بتلا دیا ہے کہ بہتیرے وعد اور وعید آپکی وفات کے بعد واقع ہونگے اور حضرت اقدس ع انکو بعد اپنی وفات کے معائنہ فرما دیں گے جیسا کہ ہم نے اس الہامی آیت کریمہ کی تفسیر میں ثابت کیا ہے کیونکہ یہی سنت اللہ ہے کہ کل پیشین گوئیاں مامور من اللہ کی حیات میں واقع نہیں ہوتیں۔ (۲) خدائے تعالیٰ نے میری وفات کی نسبت اردو زبان میں مندرجہ ذیل کلام کے ساتھ مجھے مخاطب کر کے فرمایا "بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں اس دن سب پر اداسی چھا جائیگی یہ ہوگا یہ ہوگا بعد اس کے تمہارا واقعہ ہوگا تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانیکے بعد تمہارا حادثہ آئیگا" چنانچہ اس اثنا میں جو مدت مابین الوصیت اور آپکی وفات کے ہے اللہ تعالیٰ نے بہت سے عجائبات قدرت دکھلائے دیکھو کتاب حقیقت الوحی اور چشمہ معرفت کو۔ (۳) اور وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) اس سلسلہ کو پوری ترقی دیگا کچھ میرے ہاتھ سے اور کچھ میرے بعد انتہی۔ دیکھو اس کے آثار بھی اب شروع ہوگئے ہیں کہ آنحضرت اقدس ع کے قبل دفن ہونیکے ہی ہزاروں آدمیوں نے حضرت مولانا نور الدین صاحب رض کے ہاتھ پر ۲۷۔ مئی ۱۹۰۸ء کو بیعت کی اور فوج

درفوج اور جوق درجوق ہزاروں ہزار آدمی واسطے بیعت کے اِس شدت گرما میں قادیان میں چلے آتے ہیں اور کوئی متنفسر
اس بیعت سے آجتک مخالف نہیں ہوا۔ پس یہ سلسلہ احمدیہ اور جملہ کارخانہ متعلقہ اس کا بدستور قائم ہے بلکہ امید
قوی ہے کہ اب سلسلہ احمدیہ بہت ترقی کریگا۔ کیونکہ لوگوں کے جوش سلسلہ کی امداد اور ترقی دینے میں بہت ترقی
پذیر ہوتے جاتے ہیں۔ صدق اللہ تعالی وینصرك رجال نوحی الیہم من السماء† (۴) خدا فرماتا ہے
کہ یہ بیج بڑھیگا اور پھولیگا اور ہر ایک طرف سے اسکی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جاویگا۔ انتہیٰ۔
آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہوا تھا اور آنحضرت صلعم کی حیات میں یہ درخت دین اسلام کا چھوٹا سا
ایک پودے کے طور پر تھا بعد وفات بڑھا کما مر تفصیلہ سابقا (۵) پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری
ہوئی۔ چونکہ پہلا زلزلہ بھی بہار کے ایام میں آیا اِس لئے خدا نے خبر دی کہ وہ دوسرا زلزلہ بھی بہار میں ہی آئیگا۔
اور چونکہ آخر جنوری میں بعض درختوں کا پتہ نکلنا شروع ہو جاتا ہے اِس لئے اسی مہینہ سے خوف کے دن
شروع ہوں گے اور غالباً مئی کے اخیر تک وہ دن رہیں گے۔ انتہیٰ عبارت الوصیت۔ واضح ہو کہ رسالہ الوصیت
میں اس زلزلہ کا تحریر فرمانا ایک بڑا قرینہ ہے اس امر کا کہ مراد زلزلہ سے آپ کی وفات ہو کما سیاتی معہذا
اِس زلزلہ عظیمہ کی نسبت حضرت اقدس نے نصرت الحق وغیرہ میں بطور شرح وتفسیر کے تحریر فرما دیا ہے کہ یہ
زلزلہ یا تو اپنے حقیقی معنوں پر واقع ہوگا اور یا مجازی معنوں کی رو سے بھی واقع ہو سکتا ہے چنانچہ عبارت اسکی
یہ ہے ضمیمہ براہین احمدیہ صفحہ ۱۲۰ حاشیہ کی سطر دوم سے۔ لیکن میں ابھی اِس زلزلہ کے لفظ کو قطعی یقین کے
ساتھ ظاہر پر جما نہیں سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ معمولی نہ ہو۔ بلکہ کوئی اور آفت شدید ہو۔ جو قیامت کا نظارہ
دکھلاوے۔ حصہ دوم نصرت الحق صفحہ ۲۰۔ گو ظاہر الفاظ یہی ظاہر کرتے ہیں کہ وہ زلزلہ ہی ہوگا کیونکہ
ممکن ہے کہ وہ کوئی اور آفت شدید ہو۔ الخ۔ صفحہ ۹۶۔ مگر ممکن ہے کہ قدیم سنت اللہ کے موافق ان الفاظ
سے کوئی اور ایسی شدید اور خارق عادت اور سخت تباہی ڈالنے والی آفت مراد ہو جو زلزلہ کا رنگ اور خاصیت
اپنے اندر رکھتی ہو۔ صفحہ ۹۷۔ پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زلزلہ معہود

† حسب الحکم آیت ذیل کے امت محمدیہ میں مدعی ماموریت من اللہ ہونیکی صداقت کیلئے تین نشان ہیں (۱) افمن کان علی بینۃ من ربہ یعنی نشانات الٰہیہ کا مدعی کے ہاتھ سے صادر ہونا (۲) ویتلوہ شاہد منہ یعنی خلف صالح اور اسکے خلفاء کا قائم ہونا جو موید اس سلسلہ کے ہوں (۳) ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماما ورحمۃ یعنی کتاب سابقہ میں اسکی پیشگوئی کا موجود ہونا یہ تینوں امور بجز سلسلہ احمدیہ کے کسی اور دوسرے فرقہ میں موجود نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان - منہ

کبھو وقت بہار کے دن ہونگے اور جیسا کہ بعض الہامات سے سمجھا جاتا ہے غالباً وہ صبح کا وقت ہوگا یا اسکے قریب اور غالباً وہ وقت نزدیک ہے جبکہ وہ پیشگوئی ظہور میں آجاوے۔ آخر تک - اور کتب علم تعبیر میں بھی مراد زلزلہ سے حسب ذیل لکھی ہے وربما دلت الزلزلة علی اضطراب الناس بسبب امراض الناس بالنافض مع السلامة من الموت فان انهدمت الجدران کان موتا حقیقة وربما دلت علی ان الرائی یموت یعنی زلزلہ کا رؤیا میں دیکھنا دلیل ہے کہ بسبب لحوق امراض تپ لرزہ کے لوگ مضطرب ہونگے مگر موت سے سلامتی ہوگی لیکن اگر بسبب زلزلہ کے دیواریں گری ہوئی دیکھے تو وہ دلیل موت کی ہے حقیقتاً اور اکثر زلزلہ کا دیکھنا رائی کی موت پر دلالت کرتا ہے - (تعطیر الانام فی تعبیر المنام وغیرہ - اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ حضرت اقدس کو اپنے الہام کی مراد بہ تعیین کیوں نہیں معلوم ہوئی - الجواب معترض منہاج نبوت سے بالکل ناواقف ہے کیونکہ مبشرات اور منذرات کی حقیقت کا علم پورے طور پر حاصل ہونا ملہم کو ہرگز ضروری نہیں ہے - دیکھو تفسیر آیت ذیل کو لقد صدق الله رسوله الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله امنین محلقین رؤسکم ومقصرین لاتخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذلك فتحا قریبا یعنے تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی خواب صادق کر دکھائی (یعنی اللہ صادق کر دکھاویگا) وہ خواب یہ تھی کہ البتہ تحقیق تم مسجد الحرام میں داخل ہوگے سر منڈاہنوالے ہوگے اور سر کے بال کترانے والے بےخوف ہوکر پس اُسکے علم میں ہے وہ بات جس کا تمکو علم نہیں ہے اور اسکے سوائے جو ایک فتح جو نزدیک آنیوالی ہے مسلمانوں کیلئے مقرر کردی ہے - یہ رؤیا جس کا ذکر اس آیت میں مندرج ہے بین المفسرین والمحدثین ایک مشہور خواب ہے کہ نبی صلعم نے ہجرت کے چھٹے سال خواب میں دیکھا تھا کہ ہم مسجد الحرام میں واسطے حج یا عمرہ کے لئے گئے ہیں اور ارکان حج وعمرہ کے اطمینان کیساتھ ادا کر رہے ہیں سر بھی منڈوا رہے ہیں اور بال بھی کتروا رہے ہیں اور ان سب ارکان کو بےخوف وخطر بجا لا رہے ہیں - یہ خواب آپ نے اپنے اصحاب سے بیان بھی فرمایا تھا - چونکہ نبی کی خواب وحی الٰہی ہوتی ہے دیکھو حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہم السلام نے صرف یہ رویا دیکھا تھا کہ انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ماذا تری اس رویا کے دیکھنے کے بعد حضرت ابراہیم اپنے فرزند ارجمند کے ذبح کرنے کے لئے تیار ہوگئے بلکہ اس رویا میں جو ایک جملہ خبریہ تھا حضرت اسمٰعیل نے اس کو جملہ انشائیہ امر الٰہی سمجھکر عرض کیا کہ

یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین اس لئے اِس رویا کے بعد آنحضرت صلعم کا ارادۃً
اتفاقاً عمرہ کرنیکا بھی ہوگیا مگر کسی روایت میں یہ نہیں پایا جاتا کہ آپ نے یہ فرمایا ہو کہ اسی رُویا کی تعمیل کے لئے
ہم اسی سال عمرہ کرنے کیلئے جاتے ہیں اور اس کا یہی وقت ہے اور جب بمقام حدیبیہ پہنچے اور کفار مکہ نے سُنا
تو انہوں نے جنگ کی تیاری کر دی بعد الملتیا والتی مسجد الحرام میں جانا اور ارکان عمرہ کا بجا لانا
جیسا کہ رُویا میں دیکھا تھا اس سال وقوع میں نہ آیا بلکہ جو صلح واقع ہوئی وہ ایسی شروط کے ساتھ ہوئی جو بظاہر
معلوم ہوتا تھا کہ بہت دبکر صلح ہوئی ہے اگرچہ علم الٰہی میں یہ صلح بڑی بڑی فتوحات کا مقدمہ تھی جسکی نسبت
سورہ فتح میں انا فتحنا لك فتحا مبينا کلام الٰہی میں ارشاد کیا گیا ہے۔ الحاصل آپ مکہ سے واپس چلے آئے
بعض لوگوں کو یہ رویا موجب ابتلا کا بھی ہوئی اور ضعیف الایمانوں کو تو سخت ابتلاءات پیش آگئے اور فی الحقیقۃ
اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک سخت امتحان تھا کیونکہ چودہ سو آدمیوں کا ایک بڑی سفر میں آنحضرت صلعم کے ہمراہ
مکہ معظمہ کو واسطے آدائے عمرہ کے جانا اور پھر قربانیوں کو ہمراہ لیجانا اور نبی کریم کی رُویا کے بعد اس سفر عظیم کا واقع
ہونا اور صلح بھی بظاہر بہت دبکر کرنا منافقوں اور ضعیف الایمانوں کیلئے ایک بڑا موقع تکذیب کا حاصل ہو جاتا
ہے۔ مگر چونکہ اس رُویا میں العام کا لفظ نہ تھا یعنی یہ کہ اسی سال یہ رُویا واقع ہو جاویگی اس لئے قوی الایمان
لوگوں کو کوئی ابتلا پیش نہ آیا اور معترضین کو بھی جواب ملا کہ کیا اس رویا میں نبی کریم صلعم نے یہ بھی فرمایا ہے
کہ اسی سال رُویا کا مضمون واقع ہوگا لفظ لتدخلن المسجد الحرام ہے جو صیغہ استقبال کا ہے اور آئندہ
سال میں ہو سکتا ہے چنانچہ آئندہ سال میں یہ پیشین گوئی بخوبی واقع ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم
صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سچا کر دیا کہ اگلے سال آنحضرت صلعم بطرف مکہ معظمہ روانہ ہوئے
اور لشکر مسلمانوں کا آپ کے ہمراہ تھا اور آنحضرت صلعم نے مع جملہ ہمراہیان اصحاب کے عمرہ ادا کیا اور کوئی خطرہ
اور خوف واقع نہ ہوا۔ جیسا کہ رُویا میں دکھایا گیا تھا اُسی کی نسبت اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ لقد صدق اللہ
رسولہ الرؤیا بالحق صیغہ ماضی اِسی لئے ارشاد فرمایا گیا کہ قرآن مجید کا خصوصاً یہ محاورہ ہے کہ جو چیز
آئندہ ہونے والی علم الٰہی میں ہوتی ہے چونکہ وہ یقینی اور قطعی ہوتی ہے اس لئے اس کو بصیغہ ماضی تعبیر
فرماتے ہیں گویا کہ وہ واقع ہو چکی لہٰذا اس جگہ بھی بصیغہ ماضی لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا ارشاد فرمایا

گیا۔ اور مراد یہ ہے کہ آئندہ ضرور بالضرور یہ رؤیا صادق واقع ہوگی جو واقع ہوئی۔ والحمد للہ۔

پس اس قصہ صلح حدیبیہ سے جو قرآن شریف اور تفاسیر معتبرہ و مسلمہ اور احادیث صحیحہ اور کتب سیر معتبرہ میں مندرج ہے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ملہم کو پیشین گوئی کا تفصیلی علم حاصل ہونا کچھ ضروری نہیں ہے اور اکثر پیشگوئیوں میں بمصالح الٰہیہ اکثر اجمال بھی ہوا کرتا ہے جس کا علم بالفعل ملہم کو بمصالح نہیں دیا جاتا۔ پس اگر حضرت اقدس کو اس زلزلہ عظیم الشان کی نسبت یہ تعیین مراد پورا علم حاصل نہیں ہوا تو آپ کے مرتبہ مسیحی میں کیا نقص لازم آیا جس سے مراد یہ آپ کی وفات ہو سکتی ہے جو دوسرے لفظوں میں الہامًا فرمائی گئی تھی دیکھو جلد ششم بدر نمبر ۱۵ کو بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید ۔۔۔ بس کو ایک واقعہ (ہمارے متعلق) اللہ خیر و ابقیٰ

اور اس زلزلہ کی نسبت جو الہام ہے کہ ربّ اخر وقت ھذا اخرہ اللہ الیٰ وقت مسمّٰی دیکھو صفحہ ۱۰۰ حقیقۃ الوحی کو۔ ان الہاموں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی عمر بھی بڑھا دی گئی کیونکہ اگر بجائے لڑکی کے لڑکا پیدا ہوتا تو بموجب اس تعبیر کے آپ کی وفات ۷ اجولائی ۱۹۰۶ء کے قریب قریب ہو جاتی لیکن لڑکی پیدا ہونے کے سبب اس قدر عمر بڑھا دی گئی لفظ ہذا مذکر بھی دلالت کرتا ہے کہ مراد زلزلہ سے موت ہے ورنہ بصیغہ مونث آنا چاہیئے تھا۔ پھر رسالہ وصیت صفحہ ۴ اسطر تین میں یہ الہام بھی لکھا ہوا ہے زندگیوں کا خاتمہ۔ غرضیکہ اور بھی بہت سے الہامات رسالہ الوصیت وغیرہ میں لکھے ہوئے ہیں جو ان کے دیکھنے سے ناظرین کو معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور پھر اخبار بدر کے مطالعہ سے وہ الہامات جو وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں اور ہفتہ وار چھپتے رہے ہیں ان کے مطالعہ سے سب امور منکشف ہو جاوینگے چنانچہ بدر جلد ۷ نمبر ۱۵ میں یہ الہام موجود ہیں ماتم کدہ۔ دوبارہ زندگی۔ منسوخ شدہ زندگی۔ مراد انکی یہ ہے کہ اس موت ظاہری سے گھر ماتم کدہ ہو جاویگا۔ مگر پھر دوسری زندگی جو انبیا و شہداء و صدیقین کو حاصل ہوا کرتی ہے وہ دوبارہ زندگی حاصل ہوگی جو بغیر وفات کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور منسوخ شدہ زندگی سے مراد دنیا کی زندگی ہے جسکی منسوخی کے بعد یہ حیات طیبہ حاصل ہوتی ہے اور جلد ۷ نمبر ۱ بدر میں یہ الہام موجود ہے ؎ مباش ایمن از بازیٔ روزگار۔ جس کے بعد یہ الہام بھی ہوا ہے کہ مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار۔ چودھری رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر شہر انبالہ نے اس

مصرعہ میں آپ کی سنہ وفات ۱۳۲۶ھ ہجری بھی نکالی ہیں۔ قاضی اکمل صاحب کو بھی توارد ہوا ہے۔ اور بدر نمبر ۲۱ میں یہ الہام موجود ہے جو چند روز پیشتر وفات کے لاہور میں نازل ہوا ہے اَلرَّحِیْلُ ثُمَّ الرَّحِیْلُ وَالْمَوْتُ قَرِیْبٌ۔ غرضکہ اس ڈہائی سال کی مدت میں یعنی جب سے کہ رسالہ الوصیت لکھا گیا ہے متواتر الہامات وفات کے بکثرت ہوتے رہے ہیں اور وفات شریف کے قریب تک ہوتے رہے ہیں۔ پس ایسی بارش الہامات کے وقت میں اگر ڈاکٹر صاحب نے اپنے شیطان کے تخیل سے کوئی الہام شیطانی ۴۔ اگست کو یا ۴۔ اگست تک کا خیال شائع کیا تو اسمیں کیا استبعاد ہے کیونکہ جب کسی مامور مُلہم ربانی کے وقت میں ایسا انتشار روحانیت کا ہوا کرتا ہے اور اُس وقت میں الہامات ربانی کی بارش بکثرت ہونے لگتی ہے جیسا کہ اس مدت بعثت مسیح موعود میں خصوصًا اس مدت دو نیم سال میں الہامات وفات مسیح کی بارش ہوتی رہی تو شیاطین جن و انس پر بھی کچھ اُسکا چھینٹا بطریہ استراق سمع کے جا پڑا جس کا ذکر اس آیت میں ہے قال اللہ تعالیٰ وحفظنٰها من كل شيطان رجيم الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبين یعنی ہمنے آسمانوں کی حفاظت ہر ایک شیطان مردود سے کردی ہے یعنی آسمانوں میں فرشتوں کی مجالس علوی میں کوئی شیطان جانے نہیں پاتا جو فرشتوں سے غیب کی باتیں سُن سکے مگر چھپے چوری کوئی بات سن بھاگتا ہے کیونکہ شہاب کا روشن انگارا جب اُس کے پیچھے پڑتا ہے تب وہ عالم سفلی میں بھاگ آتا ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ پہلے شیاطین آسمانوں پر جا داخل ہوا کرتے تھے اور فرشتوں سے اخبار غیب کی سُن کر اپنے دوستوں اور کاہنوں سے کہدیا کرتے تھے مگر بوقت حضرت عیسیٰ کے تین آسمانوں پر جانے سے روک دیئے گئے تھے۔ لیکن آنحضرت صلعم کے وقت میں کل آسمانوں پر جانے سے روک دیئے گئے ہیں اور اب جو آسمانوں پر جانے کا قصد کرتے ہیں تو شہاب مبین سے کھدیڑ دیئے جاتے ہیں تاہم کسی درجہ تک بوجہ مصالح الٰہیہ استراق سمع اب بھی باقی رہ گیا ہے کہ جب امور غیبیہ اور قضا و قدر کا چرچا فرشتوں میں ہوتا ہے اور ملہم ربانی کیلئے ملائکہ الہام پہنچانے کا کچھ چرچا کرتے ہیں تو بطور استراق سمع کے کوئی بات ادہوری یا پوری وہ بھی سُن بھاگتے ہیں۔ مگر وہ بات ایسی یقینی قطعی نہیں ہوتی جیسا مُلہم ربانی کے الہامات یقینی ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب کوئی بات فرشتوں کی شیاطین سُننے لگتے ہیں تو شہاب مبین کی تاثیر سے وہ گھبرا دیئے جاتے

ہیں۔ اس لئے جو شخص شیاطین کیطرف سے کوئی ملہم ہوتا ہے تو وہ قطعی اور یقینی طور پر کوئی بھی دعوی نہیں کرسکتا کما قال اللہ تعالیٰ یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا یعنے شیاطین باہم ملمع باتیں دھوکا دینے کی غرض سے کرتے رہتے ہیں بخلاف ملہم مامور من اللہ کے کہ وہ اُن باتوں کو جو فرشتوں کے ذریعہ سے اُس کو الہام ہوتی ہیں قطعی اور یقینی جانتا ہے اسلئے ملہم مامور من اللہ کو بڑی کثرت کے ساتھ بھی اور شدت وقوت یقین کے ساتھ بھی وہ الہامات ہوتے ہیں۴۔ اگرچہ یہاں پر استراق سمع کا مسئلہ ناواقفین کے لئے بڑا اشتباہ میں ڈالنے والا ہے کیونکہ الہام ملایکہ ارواح لطیفہ کا اور استراق سمع شیاطین ارواح خبیثہ کا اگر باہم مطابق ہو جاویں تو پھر ان دونوں میں مابہ الامتیاز کیا ہو سکتا ہے۔ ہاں جبکہ کسی ملہم کی صداقت دلایل قطعیہ اور براہین یقینیہ اور نشانات آسمانی اور اُسکی تعلیم حقہ روحانیہ سے محقق ہو جاوے تو پھر اُس کے الہامات اور استراق سمع میں زمین وآسمان کا فرق اہل بصیرت کو معلوم ہو جائیگا کیونکہ بقول شخصے چور کے پیر نہیں ہوا کرتے۔ استراق سمع میں وہ قوت اور شوکت حاصل ہی نہیں ہو سکتی اور نہ اسمیں روحانیت اور نورانیت ہوتی ہے نہ اسکی تعلیم حق ہوتی ہے کہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت ہو صدق اللہ تعالیٰ ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب۔ اور دوسرا مابہ الامتیاز یہ بھی ہے کہ استراق سمع بعد نازل ہونے الہامات ملہم ربانی کے واقع ہوا کرتا ہے اور قبل اسکے کہ ملہم ربانی مبعوث ہو اور ملائکہ میں اُن الہامات کی چرچا ہو استراق سمع ہو نہیں سکتا کیونکہ چوری کسی مال کی تو اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ کوئی مال موجود ہووے۔ قبل موجودگی مال کے چوری کس چیز کی ہوگی۔ دیکھو یہاں پر بھی ایسا ہی حال ہے کہ قبل دعوی حضرت مسیح موعود کے کسی کاذب نے کوئی دعوے الہام کا نہیں کیا تھا۔ جو کوئی بھی مدعی الہام اس وقت میں اُٹھا ہے وہ بعد دعوے حضرت مسیح موعود کے اُٹھا ہے پس ثابت ہوا کہ دوسرے مدعیوں کے الہامات شیطانی بطور استراق کے ہیں اور مامور من اللہ کے الہامات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کیطرف سے فرشتوں میں اُنکا چرچا ہوتا تھا اور چونکہ استراق میں استماع کامل نہیں ہوتا کیونکہ شیطان کچھ بھاگتے ہوئے سنتے ہیں اسلئے استراق سمع میں ایک بڑا خطرہ غلطی واقع ہونیکا یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض امور جو متعلق کاذب کے ہوتے ہیں مگر اُسکو صادق کے حق میں سمجھ کر شیاطین القا کر دیتے ہیں اور بعض امور جو متعلق صادق کے ہوتے ہیں اُن کو کاذب کے حق میں سمجھ کر القا کر دیتے ہیں۔ اس لئے شیطان الانس غلطی میں پڑ جاتا ہے

۴ اگرچہ شہاب مبین کا سقوط ہمیشہ سے ہے مگر رجم الشیاطین اس مدت معینہ سے ہوا ہے یہ مسئلہ اپنے محل پر ثابت کیا گیا ہے اور

چنانچہ یہ امر بھی اب واقعہ ہے۔ دیکھو عصائے موسٰے اور چراغ الدین کے الہامات کو اور اس امر کا اشعار آیت ذیل میں بخوبی ہے قال اللہ تعالیٰ لقد ابتغوا الفتنۃ وقلبوا لک الامور حتی جاء الحق وظہر امر اللہ وھم کارھون ۱۲ یعنی البتہ تحقیق انہوں نے پہلے بھی فتنہ ڈالنا چاہا اور الٹ پلٹ باتیں اپنی اوہام سے کرتے رہے یہاں تک کہ جو امر حق اور سچا وعدہ الہامی تھا وہ آپہنچا اور مخالف کراہت کرنے والے ہی رہے۔ یہاں پر ہم بسبب طوالت کے ان مسائل استراق اور شہاب مبین کی تحقیق و دلائل عقلیہ سے نہیں کر سکتے کیونکہ اپنے محل پر ایسے مسائل کی حقیت ثابت ہو چکی ہے۔ بہرحال شیاطین الانس و الجن کی طرف سے یہ تقلیب امور کی جیسا کہ واقع ہو رہی ہے قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب اپنے رسالہ اعلان میں لکھتے ہیں کہ:- ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون ابتدائی الہامات مرزا کے مخالف تھے انتہٰے۔ بھلا غور کرنے کا مقام ہے کہ جن لوگوں کا اعتقاد عیسائیوں کی مذہب کی تائید کرتا ہو بلکہ اُن کے دین کے مطابق ہو اور نجات کیلئے آنحضرت صلعم پر ایمان لانیکی کوئی ضرورت نہ ہو اُن کیلئے تو عذاب الیم نہ ہو اور وہ لوگ جھوٹے بھی نہ ہوں اور جن لوگوں کا اعتقاد حقہ مذہب عیسائیوں کا دلائل یقینیہ سے ستیاناس کرتا ہو وہ جھوٹے بھی ہوں اور عذاب الیم بھی اُن کے لئے ہو تلک اذا قسمۃ ضیزیٰ باقی اِن جملہ ہذیانات کا جواب کتب مصنفہ اور ہمارے سابق خط میں دیکھو۔ اب ڈاکٹر صاحب کے اِس الہام پر بھی نظر کی جاوے کہ دجالی فتنہ تیرے ہاتھ سے پاش پاش کرایا جاویگا۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ تو اقرار ہے کہ بیس سال تک میں حضرت مرزا صاحب کا مرید رہا یعنے حضرت مرزا صاحب کو وہی مسیح موعود جس کے ہاتھ سے کسر صلیب واقع ہوگا اور دجالی فتنہ پاش پاش کیا جاویگا۔ اور دجالی فتنہ بھی پادریوں اور عیسائیوں کا ہے جو ڈاکٹر صاحب بیس پچیس سال تک اعتقاد کرتے رہے ہیں جس کے دلائل یقینیہ اور براہین قطعیہ ابتک موجود ہیں اور کسیطرح کا نقض اُن میں ڈاکٹر صاحب وارد نہیں کر سکتے۔ معہٰذا بیس پچیس برس کے بعد ایسے احقاق حق کرنیوالے اور ابطال باطل کرنیوالے کو دجال اعتقاد کر لیا۔ یہی تو ہے وہ تقلیب امور شیاطین الانس والجن کیطرف سے جو آیت کریمہ مذکورہ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ الہام اصل میں اور نیز بموجب اعتقاد بست سالہ ڈاکٹر صاحب کے فتنہ پادریوں اور اُن کے مؤیدین کی نسبت تھا جو شیاطین کو اس نے الٹ پلٹ کر دیا

ہے ورنہ ڈاکٹر صاحب اب بھی اُن براہین قطعیہ میں سے کسی ایک دلیل کا ہی نقض کر دیویں ورنہ بخوبی ثابت ہو کہ دجالی فتنہ کا پاش پاش کرنیوالا وہی شخص ہے جسکی نسبت آپ بھی بیس پچیس برس تک اعتقاد کرتے رہے اللھم ارنا الاشیاء کما ھی ونعوذ بك من شر الوسواس الخناس - اب اس الہام پر غور فرمایا جاوے کہ صادق کے سامنے شریر فنا ہو جاویگا اور اُسکی میعاد تین سال بتلائی گئی - اِس مقام میں شیطان الجن یا شیطان الانس یا دونوں نے جو الٹ پلٹ کیا ہے وہ ناظرین پر ظاہر ہے اور مزید لطف یہ ہے کہ صفحہ ۵ اعلان میں جو کچھ آپنے اُلٹ پلٹ کر کرا اور حضرت اقدس کیطرف منسوب کر دکھلایا ہے پھر معہذا اصل اشتہار حضرت اقدس کا ہی نقل کر دیا ہے بہ کس قدر جرأت و دجالیت کی ہے کجا حضرت کے الہامات اور کجا ڈاکٹر صاحب کی تحریفی عبارت سے چہ دلاورست دزدی کہ بکف چراغ دارد - ہم جواب تو اسکا پہلے لکھ چکے ہیں اے ناظرین یہاں پر کانے دجال کی دجالیت کو خود ملاحظہ فرمالیوینگے کہ کس قدر دجالیت اور تحریف و تبدیل کو عمل میں لایا گیا ہے علیٰ ہذا القیاس جو رؤیا صفحہ ششم میں لکھی ہے کہ شیطان شیطان - تعبیر اسکی ظاہر ہے کہ ایک شیطان تو ڈاکٹر صاحب ہیں اور دوسرا شیطان آپکا شیطان ہمزاد ہے اور دوسرا فقرہ آپکے شیطان کیطرف سے زخرف القول ہے کما قال تعالیٰ یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا - اور سانپ کے رؤیا کی تعبیر بھی صاف ہی ہے کہ آپکا شیطان اور نفس امارہ ہر چند کہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہے مگر پھر بھی بسبب تکبر اور عناد کے بولتا اور پھنکارتا رہتا ہے - یہ بھی وہی آپکا الٹ پلٹ کرنا اور وہی تقلیب امور ہیں جو آیت کریمہ میں مذکور فرمائے گئے ہیں اور یہ دوسری رویا آپ کی کہ وہی پتھر جسے معماروں نے رد کیا کونے کا سرا ہوگا بہت صاف ہے کیونکہ یہ الہام قدیم حضرت اقدس کا ہے کہ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُسکی سچائی ظاہر کر دیگا اب غور کرو کہ واقعات اور نشانہائے آسمانی نے ثابت کر دیا ہے کہ مصداق اس الہام کے حضرت اقدس ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ معمار لوگ تو وہی بیہودہ مولوی اور نام کے علماء ہیں جو دعوی معماری اسلام کا کرتے ہیں اور اِس پتھر کو فتوہائے تکفیر شائع کر کر رد کر دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بڑی زور آور حملوں سے اسی پتھر کو عمارت اسلام کے کونے کا سرا گردان دیا - والحمد للہ - پس ڈاکٹر صاحب جب خود اپنے اقرار کے کانے دجال ہیں پھر تو اجتک علمائے زمن کے فتوی ہائے تکفیر ابتک صادر نہیں ہوئے قولہ مرزا کی موت نے ثابت کر دیا ہے کہ مرزا متکبر اور شیطان تھا اور میرے تمام الہامات رحمانی تھے جو لفظ بلفظ پورے ہوئے - **اقول** - اگرچہ اس کا جواب زیر تفسیر آیت لیس لك من الامر شیء کی تفسیر میں آچکا ہے مگر یہاں بھی کسی قدر لکھا جاتا ہے - واضح ہو کہ انبیاء کی بعثت اور

حیات میں انکے تمام مخالفین و مکذبین ہرگز ہلاک نہیں ہوجایا کرتے ایسا ہلاک تو آنحضرت صلعم کی بعثت و حیات میں
بھی نہیں ہوا بہت سے مخالف بلکہ مدعی نبوت بھی آپکی وفات کے بعد باقی رہ گئے تھے۔ ہاں بہت سے ہلاک بھی ہوگئے
تھے پیا پھر بھی یہی ہونا چاہیئے تھا۔ تنبیہ الناظرین۔ حضرت اقدس کے جس قدر الہامات و عبد جیسے ہیں اور انہیں مثل
اجیب دعوۃ الداع وغیرہ کے عبارتیں واقع ہوئی ہیں انکو ہرگز ہرگز حضرت اقدس کی حیات ہی میں یقینی
محمول کرنا نہیں چاہیئے بلکہ انکی کوئی مدت مقرر کرنی چاہیئے دیکھو حضرت موسیٰ نے فرعونیوں پر یہ دعا کی
تھی کہ ربنا اطمس علی اموالہم واشدد علی قلوبہم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم۔ اسکے جواب میں اللہ
تعالیٰ فرماتا ہے قال قد اجیبت دعوتکما فاستقیما ولا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون۔ تمام مفسرین اس دعا
مقبول کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ یہ دعا چالیس برس کے بعد قبول کیگئی تھی چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔
قال ابن جریج ان فرعون لبث بعد ھذا الدعاء اربعین سنۃ۔ والمعنی لا تتبعان سبیل الجاہلین
الذین یظنون انہ متی کان الدعاء مجابا کان المقصود حاصلا فی الحال فربما اجاب اللہ
تعالیٰ دعاء انسان فی مطلوبہ الا انہ یوصلہ الیہ فی وقتہ المقدر والاستعجال لا یصدر الا من
الجہال۔ آخر تک۔ ترجمہ امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ تحقیق فرعون اس دعا کے بعد چالیس برس تک اپنے عیش و عشرت
اور بادشاہت میں بنا رہا ہے اور یہ مسلک جب حکم اللہ تعالیٰ کے جاہلوں کا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے یہاں
دعا قبول ہوگئی تو مقصود اسیوقت حاصل ہو جاویگا حالانکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی انسان کی دعا اسکے
مطلوب میں قبول ہوجاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اس مطلوب کو اپنے وقت مقدر پر ہی پہنچاتا ہے
لاغیر اور جلدی کرنا صرف جاہلوں کا ہی کام ہے جسکی نسبت فرمایا ولا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون
پس بالفرض اگر حضرت اقدس نے بھی کسی ایسی دعا کیلیے جو الہاماً قبول فرمائی گئی ہے اپنے فہم سے کوئی وقت
یا کوئی مدت مقرر فرمادی ہو تو پھر بھی جو حکم حضرت موسیٰ اور ہارون کے لیے جسطرح قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے
کہ ولا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون وہی حکم قرآنی حضرت اقدس کیلیے بعینہٖ اسی طرح موجود ہے۔
آیت کے نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون کا کچھ خیال ایسا ہی ہوگا کہ ہماری دعا فرعونیوں کے لیے حال میں
ہی قبول کیگئی کیونکہ ماضی کا لفظ قد کے ساتھ موجود ہے اس لیے اس وہم کے رفع کرنے کیلیے فرمایا گیا

ولا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون۔ ناظرین اس گر کو یاد رکھیں انسے فہم سے حضرت اقدسؑ کے منصب میں کچھ نقص لازم نہیں آتا ورنہ تمام انبیاؤں کی نبوت سے ہاتھ دھونا پڑیگا۔ ع۔ بر رسولاں بلاغ باشد وبس۔

اب اولاً ہم چند ہلاک شدہ لوگوں کے اسماء دکھاتے ہیں جو حضرت اقدسؑ کے مباہلہ یا سخت مقابلہ میں آ کر ہلاک اور تباہ ہوگئے ہیں تاکہ ناظرین پر واضح ہو جاوے کہ بموجب آیت لیس لک من الامر شیء کہ حضرت اقدسؑ کی دعا سے ڈاکٹر صاحب وغیرہ کا حضرت کی حیات ہی میں ہلاک ہو جانا کچھ ضروری نہیں تھا۔ چند اسمائے ہلاک شدہ یہ ہیں۔ دیکھو حقیقۃ الوحی کی صفحات نمبر کردہ کو۔ مولوی غلام دستگیر قصوری [ص ۲۲۸]۔ مولوی محمد حسن [ص ۲۲۸]۔ پنڈت لیکھرام [ص ۲۸۱] سوج رام امرتسری [ص ۲۹۶]۔ مولوی اسمٰعیل علیگڈھی [ص ۳۲۹]۔ فقیر مرزا ساکن دوالمیال ضلع جہلم [ص ۳۶۶]۔ فضل داد خان [ص ۳۸۱] نمبردار چنگا ضلع راولپنڈی۔ سعد اللہ لدھیانوی [تتمہ ص ۴]۔ عبدالقادر ساکن طالب پور پنڈوری ضلع گورداسپور [تتمہ ص ۴۸]۔ حافظ محمد دین ساکن موضع ننگر تحصیل لاہور [تتمہ ص ۵]۔ بابو الٰہی بخش اکونٹنٹ پنشنر لاہور [تتمہ ص ۹۷]۔ سوم راج قادیان [تتمہ ص ۱۵۲] اچھر چند [تتمہ ص ۱۵۲] بھگت رام قادیان مولوی عبدالمجید ساکن دہلی [تتمہ ص ۱۵۹]۔ محمد جان المعروف مولوی محمد ابو الحسن [تتمہ ص ۱۵۹] ساکن بنجگرائیں ضلع سیالکوٹ۔ عبداللہ آتھم [ص ۲۱۳]۔ آتما رام کی اولاد کی موت [ص ۲۱۶]۔ ڈوئی امریکہ [ص ۲۱۶]۔ چراغ دین [ص ۲۲۰]۔ پنڈت دیانند [ص ۲۲۱]۔ مولوی رسل بابا امرتسری [ص ۲۲۴]۔ محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ [ص ۲۲۵]۔ نور احمد موضع بھری چھٹہ [ص ۲۲۶] تحصیل حافظ آباد۔ مولوی زین العابدین لاہوری [ص ۲۲۶]۔ حافظ سلطان سیالکوٹی [ص ۲۲۷]۔ مرزا سردار بیگ سیالکوٹی [ص ۲۲۷]۔ مولوی رشید احمد گنگوہی جو سانپ کے کاٹنے سے مر گئے [ص ۲۲۷]۔ مولوی شاہ دین لدھیانوی [ص ۲۲۸]۔ مولوی عبدالعزیز [ص ۲۲۸] مولوی محمد [ص ۲۲۸]۔ مولوی عبداللہ لدھیانوی [ص ۲۲۸]۔ عبدالرحمٰن محی الدین لکھو کے والے [ص ۲۲۸] وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ بہت کثرت سے ایسے ہلاک شدہ لوگ ہیں۔ جنکے تمام اسماء لکھنے سے رسالہ طویل ہو جاویگا۔ پھر جبکہ اس کثرت سے مخالفین مکذبین مباہلہ میں آ کر یا سخت مقابلہ حضرت اقدسؑ سے کر کر ہلاک اور تباہ ہوگئے۔ تو پھر کیا حضرت اقدسؑ حی و قیوم تھے بشر نہ تھے۔ جو انکی وفات کبھی نہ ہوتی۔ پس جبکہ رسول کریمؐ نے مخالفین کے لیے دعائے ہلاکت کی اور وہ بحکم آیت لیس لک من الامر شیء ہلاک نہ ہوئے لہٰذا آپ کی صداقت میں کچھ فرق نہیں آیا تو پھر حضرت اقدسؑ نے بھی اگر ایک دو کاذب کے لیے دعائے ہلاکت کی اور وہ ہلاک نہ ہوئے۔ تو آپکی صداقت میں کیونکر فرق آسکتا ہے جبکہ مکذبین کثرت سے ہلاک ہو چکے ہیں اور آپ بشر رسول ہیں۔ بشر کیلیے وفات ضروریات سے ہے

وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ آپکی وفات کا ایسے وقت غیر مترقب میں ہی ہونا ضروری تھا بلکہ الہام شیطانی کا مطابق الہام ربانی کے ہو جانا بھی خواہ وہ ۔ اگست لفظ گو کے ساتھ ہو یا وہ ۔ اگست لفظ تک کے ساتھ ہو ۔ جسے بعد کو اسنے بنایا ہے ضروری تھا ۔ کیونکہ آپکی مماثلت اور مشابہت حضرت عیسیٰ بن مریم کے ساتھ علاوہ الہامات جری اللہ فی حلل الانبیاء وغیرہ کے بہت شدت کے ساتھ تھی ؎

چوں مرا نوری پئے قوم مسیحی دادہ اند ٭ ابن مریم مصلحت را نام من بنہادہ اند۔ اور یہ شدت مشابہت اس امر کیلیئے مقتضی تھی کہ آپکی وفات ایسی طرح سے واقع ہو ۔ کہ ابن مریم کی وفات کے ساتھ ضرور مشابہ ہو جاوے ۔ اب سنو کہ یہود مخالفین کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کی وفات سولی کی موت کے ساتھ مشتبہ کیگئی تھی کما قال اللہ تعالیٰ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم یعنی یہود مخالفین نے حضرت عیسیٰؑ کو نہ تو اور کسی طرح سے قتل کیا اور نہ اسکو سولی دیکر قتل کیا لیکن قتل صلیبی کے ساتھ انکی موت یہود کے نزدیک مشتبہ کر دیگئی اس لیے اسوقت کے یہود مخالفین کے لیے بھی مسیح موعودؑ کی وفات مطہر اسی طرح سے وفات غیر مطہرہ کے ساتھ مشتبہ کر دیگئی دیکھو اسوقت کی یہود نے بھی اپنی شرارت سے ایک جنازہ لعنتی شخص کا نکالا ۔ کیا بعید ہے کہ ان اصلی یہود نے بھی کسی شخص کو بطور سوانگ کے سولی پر چڑھایا ہو ۔ اور یہ سوانگ رد ایتاً کتب اہل اسلام میں داخل ہو گیا ہو ۔ نعوذ باللہ منہ ۔ اور کانے دجال کا شیطانی الہام اگرچہ بصورت لفظ گو کے محض کذب اور غلط ہے تاہم اسی لیئے بصورت تسلیم لفظ تک ہونیکی جو بسبب استراق سمع کے ان الہامات کثیرہ ربانی کے ساتھ جو مذکورہ و غیر مذکورہ ہیں مطابق ہو گیا اگر آجکل کی یہود کے نزدیک موت مشتبہ نہ ہوتی ۔ اور یہ امر آپکی وفات میں موجود نہ ہوتا تو مماثلت میں کمی واقع ہو جاتی اس لیے حکمت الٰہی امر اثبات پوری مماثلت کے مقتضی ہوئی کہ شیطان الجن یا شیطان الانس کا وسوسہ بطور استراق سمع کے عند الیہود مطابق آپکے الہامات وفات کے ہو جاوے ۔ لیکن کجا استراق سمع شیاطین کا اور کجا استماع ملائکہ حاملین وحی الٰہی کا جو الہام ربانی ہے ع به بیں تفاوت راہ از کجا ست تا بکجا ٭ اور الہام قدیم ایلی ایلی لما سبقتنی جو حضرت اقدسؑ کو ہوا تھا وہ بھی آخر مرض الموت میں پورا ہو گیا صرف فرق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے ایلی ایلی لما سبقتنی سے " اے میری خدا اے میرے خدا مجھ کو تو نے کیوں چھوڑ دیا " کہا تھا اور حضرت اقدسؑ نے " اے میری پیاری خدا اے میرے پیاری خدا " فرمایا ۔ جس سے حضرت اقدسؑ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ

ایک محبت اور پیار زیادہ حضرت عیسیٰ سے ثابت ہوا۔ کیونکہ مادہ حلت ربت الہام سے اللہ تعالیٰ کی محبت ثابت کر کر لما سبقتنی کو منسوخ فرما دیا تھا اور یہ الہام شیطانی کہ مرزا پیسپھڑی کی مرض سے ہلاک ہو گیا۔ سراسر جھوٹ اور غلط ہو گیا بلکہ یہ الہام شیطانی بھی اس تقلیب امور میں داخل ہے جو آیت مذکورہ میں مندرج ہے کہ آپ کا آپکا کوئی ہم دوست مرض پھیپھڑی سے ذلت کے ساتھ ہلاک ہو جاویگا باقی ہفوات کا جواب ہم پہلے خط مندرجہ بدر میں دیچکے ہیں اعادہ بے طوالت ہوگی۔ ناظرین اس خط کو ملاحظہ فرمائیں۔ اور بیان آپکی غلط فہمی الہامات حضرت اقدس کا ظاہر ہے کہ آپ حقیقی عبد الحکیم عند اللہ کب ہیں۔ جیسا کہ ابوجہل ابو الحکم نہ تھا آپنے تو خود اپنا نام اپنے قلم سے کانا دجال لکھا ہے صدق اللہ تعالیٰ الیوم نختم علیٰ افواھھم وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون۔ ہاں جو فی الحقیقت عبد الحکیم تھے انکو اللہ تعالیٰ نے اندھا ہونے مفلوج ہونے سے ضرور بچا دیا۔ آیندہ دیکھئے آپکا کیا حال ہوتا ہے باقی الہامات مثلاً "اے سیف تو اپنا رخ پھیر لے" یہ آپکی تنبیہ کیلیے اور اتمام حجت کے لیئے کیونکہ آپکی سیف زبان کے دفع کرنیکے لیے یہ الہام ربانی بھی تو ہوا ہے "فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے" لہذا اب بھی آپ توبہ کر لیویں۔ ورنہ کشتی کا بیڑا غرق ہی ہوا سمجھیئے ثم رددناہ اسفل سافلین کیونکہ یہاں تو حضرت اقدس کی وفات کے روز سے ہی روز افزوں ترقی ہو رہی ہے کیونکہ اب تو بموجب ارشاد آنحضرت کے جو الوصیت کے صفحہ پنجم وغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔ دوسری مرتبہ اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرت کے ظہور کا وقت آ گیا ہے جسکے علامات اور آثار بینہ شروع ہو چکے ہیں۔ اور درصورت عدم توبہ کے مت ایھا الخوان کے بھی منتظر رہیو اور انشاء اللہ دونوں پل یعنی مرقع اور کانا دجال بھی قریب ٹوٹ جاوینگے والعاقبۃ للمتقین کو خوب یاد رکھیو اور الہام ربانی ان خیر رسول اللہ واقع تو ڈاکٹر صاحب جیسے کی فہمائش کیلیے ہی واقع ہوا تھا کہ ڈاکٹر صاحب مبارک کی وفات پر کوئی اعتراض نہ کریں۔ کیونکہ انکی وفات کی نسبت تو پہلے ہی سے فرستادہ خدا کو الہام ہو چکا ہے اور اس خبر کا واقع ہونا ضروریات سے ہے۔ کیونکہ وہ خبر فرستادہ الٰہی کی ہے۔ مگر افسوس کہ آپکو پھر بھی ہدایت نہ ہوئی اور اسکی وفات سے آپنے تصدیق صادق کا سبق حاصل کیا۔ اور آپنے جو صفحہ ۹ سطر ۹ سے الہامات شیطانی لکھے ہیں وہ سب کے سب تلبیس الشیطان کا مصداق ہیں داخل ہیں۔ جو استراق سمع کے ذریعہ شیاطین الجن والانس نے دساوس کو الٹا پلٹا کیا کرتے ہیں۔ پیشین گوئی نکاح کا جواب شافی و کافی خود حضرت اقدس

نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۰ اور تتمہ صفحہ ۱۳۲ میں لکھا ہے اسکو دیکھو۔ اور چونکہ اصول علم تعبیر الرؤیا
کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ لہٰذا اگر اس پیشگوئی نکاح کو بموجب اصول علم رؤیا کے بنظر غور دیکھا جاوے تو
بالکل مطلع صاف ہے۔ کسی طرح کا شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ کتب تعبیر رؤیا میں لکھا ہوا ہے النکاح ہو فی المنام
یدل علی المنصب الجلیل۔ دیکھو اتصدیق اسکی اخبارات دنیا میں کی اخبار متعلقہ وفات حضرت
مسیح موعودؑ میں آپکے منصب جلیل کی عظمت کو کس تعظیم سے اہل اخبار بیان کرتے ہیں والفضل ما شہدت بہ الاعداء
ایضاً ومن نکح عدوہ فانہ یقہرہ۔ کل خاندان اس لڑکی کا آپکا دشمن تھا۔ معہذا بموجب اس
تعبیر کے اللہ تعالیٰ نے آپکو انپر ایسا غلبہ عنایت فرما دیا کہ جو اس خاندان کے سردار تھے۔ وہ بیعت
میں داخل ہو گئے۔ ایضاً ومن نکح احدا من اخوانہ وصلہ ببر واحسان۔ کون نہیں جانتا کہ
آپنے اپنی ہی اعمام اور اخوان کے ساتھ باوجود انکی سخت مخالفت کے کسقدر نیکیاں اور احسان کیے ہیں
ایضاً ومن رائی انہ نکح من نساء الجنۃ فانہ ینال من امور الدین علی قدر جمالہا چونکہ
جنتیں آسمانوں پر ہیں۔ یعنی عالم بالا میں ہیں۔ لہٰذا مراد آسمان پر نکاح کی ہو یہی جنت کی عورت
ہو سکتی ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ امور دین میں جسقدر ترقی کامیابی آپکو حاصل ہوئی ہے۔ وہ اس تیرہ سو
برس میں کسی کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔ حضرت اقدسؑ نے جو تفسیر اس نکاح کی بابت فرمائی ہے وہ بھی نہایت
درجہ پر مبرہن ہے مگر جبکہ اصول علم تعبیر سے دوسری مراد بھی ہو سکتی ہے تو پھر کونسا امر مانع ہے کہ یہ مراد نہ لیجاوے
مبشرات اور منذرات کا یہی قاعدہ ہے کہ جب ظاہر مطلب نہ ہو سکیں تو پھر بموجب قواعد واصول کتاب وسنت کے
اور موافق محاورات عرب کے جو معنی اسکے صادق آسکتے ہوں وہی مراد الٰہی ضرور ہوتے ہیں دیکھو کتاب الرؤیا
کو دواوین حدیث میں اور نیز ان رؤیا کی تعبیر دیکھو جو قرآن مجید میں مذکور ہیں کما قال اللہ تعالیٰ
انی رأیت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتہم لی ساجدین۔ اور پھر دیکھو
اس قول حضرت یوسفؑ کو کہ ایک زمانہ کے بعد اسکے وقوع پر فرماتے ہیں کہ ہذا تاویل رؤیای قد
جعلہا ربی حقا۔ اول حصہ اعلام الناس میں اسکے شواہد عشرہ احادیث سے بیان کیے گئے ہیں
اسکی طرف رجوع کرو۔ براہین احمدیہ کے بارہ میں جو اعتراض ہے وہ بھی مبنی بر عناد و تعصب ہے۔ چونکہ تین سو

دلایل نمبروار اگرچہ حضرت اقدسؑ کے خاص قلم سے تحریر میں نہیں آئے۔ مگر جسقدر حضرت اقدسؑ کی شایع شدہ کتب اور غیر شایع شدہ کتب زیر طبع ہیں۔ انہیں سے اگر حقیت کتاب اللہ اور نبوت محمدیہ کے براہین یقینیہ کوئی صاحب جمع کرنا چاہیں۔ تو تین سو براہین سے اضعاف المضاعف جمع کر سکتے ہیں کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعت میں سے کسی کی قلم سے انکو جمع کرا دیوے۔ کیونکہ حضرت اقدسؑ نے استدلال کا علم کلام اور اسکے اصول اپنی کتابوں میں ایسے مضبوط اور منضبط فرما دئے ہیں کہ اب اسکی طرف صرف ایک توجہ نظر قلب کے درکار ہے اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم ویسر لنا سلوک نھجہ القویم۔ امین یا رب العلمین واجعلنا التوفیق لنا خیر رفیق اور مصلحت الٰہی اس میں یہی تھی کہ کسی دوسرے کو بھی اس ثواب میں شریک کر لیا جاوے اور اس بارہ میں خود حضرت اقدسؑ نے آخر کتاب براہین میں بھی ایک اشارہ لطیفہ فرمادیا ہے دیکھو عنوان آخر کتاب کو (ہم اور ہماری کتاب) اسمیں تحریر فرماتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ جسقدر اُسنے جلد چہارم تک انوار اسلام کے ظاہر کیے ہیں۔ یہ بھی اتمام حجت کے لیے کافی ہیں اور اُسکے فضل و کرم سے امید کیجاتی ہے کہ وہ جبتک شکوک اور شبہات کی ظلمت کو بکلی دور نہ کرے اپنی تائیدات غیبیہ سے مددگار رہیگا اگرچہ اس عاجز کو اپنی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں لیکن اس سے نہایت خوشی ہے کہ وہ حی و قیوم کہ جو فنا اور موت سے پاک ہے ہمیشہ تا قیامت دین اسلام کی نصرت میں ہے آخر تک اور آپنے جو صفحہ ۱۴ سطر ۷ میں لکھا ہے کہ مولوی محمد احسن امروہی نے ۱۲۔ اگست ۱۹۰۶ء کی بدر میں بالفاظ ذیل مجھکو دھمکایا تھا لہذا آپ خبردار رہیں کہ میں اب بھی وہی شعر بطور تہدید آپکے لیے پڑھتا ہوں سے حملہ بر خود مے کنی ایسادہ مرد + ہمچو آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد۔ اور الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ آپکی ہفوات اور ہذیات کے استیصال کرنیکے لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں ایسے اصول تحریر کرا دیئے ہیں کہ جنسے آپکے ہفوات اور ہذیات سابقہ لاحقہ آیندہ کا استیصال بخوبی ہو گیا ہے اور وہ جملہ اصول اور سب قواعد کلیہ بفضلہ تعالیٰ اس رسالہ میں تحریر ہو گئے ہیں۔ جنسے تمام ہذیانات سابقہ لاحقہ اور آیندہ مثل نسج العنکبوت کے مستاصل ہو گئے ہیں اور ہو جاوینگے اور ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت کا نظارہ ناظرین پر منکشف ہو جاویگا۔

سوال (۱) منارہ بھی ویسا ہی ناتمام رہ گیا۔ صرف بیخ سے کیسقدر اونچا اُٹھا ہے اور روپیہ اُسکے چندہ کا اِدھر اُدھر صرف کر دیا گیا۔ **الجواب**۔ کیا سائل کو نہیں معلوم کہ بیت المقدس کی تعمیر

حضرت داؤد نے شروع کی تھی۔ پھر حضرت سلیمان اسکی تعمیر میں مصروف رہے۔ پھر بھی اسکی تعمیر کو مکمل نہ کر سکے اور بیت المقدس اُنکی وفات کے بعد طیار ہوا۔ دیکھو تفاسیر کو زیر تفسیر آیت فلما قضینا علیہ الموت کے۔ پس ایسے اعتراض بیہودہ کرنا اپنی سفاہت کا اظہار کرنا ہے۔ اور اگر فرض کیا جاوے کہ کسیقدر روپیہ دوسرے مصارف تائید اسلام میں صرف کیا گیا تو اس سے کیا محذر شرعی لازم آتا ہے الاھم فالاھم۔ اسلام میں ایک قاعدہ کلیہ ہے تنظیم مسجد کیلیے اگر ایک وقت میں مینارہ مہم معلوم ہوا مگر در اصل مینارہ کونسا ایسا اہم امر تھا جو تمام ضروریات دین سے مقدم کیا جاتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ بھی اپنے وقت پر طیار ہو جاویگا۔

سوال (۲) مکان خواجہ کمال الدین صاحب میں یہ الہام ہوا تھا کہ انی احافظ کل من فی الدار پھر خود ہی وہاں پر اُنکی وفات ہوگئی۔ تو یہ الہام کیونکر صادق تسلیم کیا جاوے۔ الجواب۔ معترض کو عجیب جہالت ہر چہار طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ کیا اس الہام کے یہ معنی ہیں کہ جو کوئی اُس مکان میں ہوگا اسکی موت مقدر کبھی نہیں آئیگی اول تو یہ مخصوص ساتھ عذاب طاعون کے ہے۔ پھر اُس مکان میں طاعون کب واقع ہوا۔ دوسرے حضرت اقدس کی وفات شریف محبی ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب کے مکان میں واقع ہوئی ہے۔ نہ خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان میں۔ تیسری یہ کہ حضرت اقدس اپنی وفات شریف کی خبر چار پانچ روز پیشتر وفات کے الہاماً فرما رہے ہیں الرحیل ثم الرحیل والموت قریب۔ پھر کیا یہ الہام الرحیل اُسکو مستثنیٰ نہیں کر رہا۔ چوتھی یہ کہ جب ہم سب لوگ ہمرکاب حضرت اقدس کو لاہور میں داخل ہوئے۔ خصوصاً جبکہ اُن مکانوں میں نازل ہوگئے۔ تو وہاں پر مچھر ونکی اسقدر کثرت تھی۔ کہ الاماں! الاماں! اسلیے اکثر احباب کو یہ خیال آیا کہ آجکل کے ڈاکٹروں نے یہ خیال کیا ہے کہ مادہ طاعون کا مچھروں میں بھی ہے۔ پس اس خیال کو رد کے لیے یہ الہام ہوا کہ انی احافظ کل من فی الدار جو صاف قرینہ اس امر کا ہے کہ مراد حفاظت سے کسیقدر مقدر تک طاعون سے حفاظت ہے لاغیر قید وقت کے ساتھ مقدرے کے اسلیے کیگئی ہے کہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم وارد ہے۔

سوال (۳) مرزا صاحب کا تو ایک یہ بھی الہام تھا کہ تمہاری جوانی پھر لوٹ کر آویگی۔ یہ کیسی جوانی

لوٹ کر آئی کہ وفات پاگئے۔ یہ الہام کیونکر صادق ہو سکتا ہے۔ **الجواب** افسوس کہ مخالفین اسی حیات
دنیا کو حیات سمجھ رہے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایک حیات طیبہ مومنین مخلصین کے لیے ایسی آنیوالی ہے کہ جسمیں ایک عمدہ
جوانی بھی لوٹ کر آجاویگی قال اللہ تعالیٰ انا انشانا ھن انشاءً فجعلناھن ابکارا عربا اترابا
لاصحاب الیمین یعنی تحقیق ہم نے وہ عورتیں اٹھائیں ہیں۔ ایک عمدہ اٹھان پر پھر کردیا ہے
ہم نے انکو کنواریاں پیار دلاتیاں اور ہمعمر کردیا واسطے اصحاب یمین کے۔ پس یہ الہام حضرت کو بشارت
دیتا ہے کہ آپ اصحاب الیمین ہی ہیں جو آپکے انوار شباب کے لوٹ کر آجاوینگے اور ظاہر ہے کہ یہ امر
بغیر وفات کے ممکن نہیں۔ دوستو! دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے اور دوبارہ زندگی آنیوالی ایسی نہیں ہے
کہ اسمیں بڑھاپا اور اسکی تکالیف میں مومن مبتلا ہو گا۔ کیا کیجیے کہ تمہاری نظر صرف اسی دنیا پر ہے
واطمئنوا بھا یعنی بالحیوۃ الدنیا کے یہ مصداق ہیں جو ایسے بیہودہ اعتراض کرتے ہیں افسوس
ہے آجکل کے یہودی مولویوں پر کہ ایسے بیہودہ اعتراض جنکا جواب کتاب سنت میں موجود ہے
بسبب اپنی جہالت کے ابتک کیے جاتے ہیں غیر اہل اسلام جو منصف و محقق ہیں حضرت اقدس کی ان کارروائیوں
پر نظر کر کے جو انہوں نے مانند انبیائے اولو العزم کے تائید دین اسلام کے لیے کیں ہیں مدح و ثنا کرتے ہیں چنانچہ پایونیر
کا ایڈیٹر محقق بعد مدح اور ثنا حضرت اقدس کے آخر میں لکھتا ہے کہ "بہر حال قادیان کا نبی ایک ایسا
انسان تھا جو دنیا میں ہر روز نہیں آیا کرتے۔ اسکی قبر پر رحمت ہوگی" (پایونیر ۲ جون ۱۹۰۸ء ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء
وغیرہ) اور اگر احقر کچھ ریویو بیان کرتا تو انشاء اللہ یہ موقع بقیہ وساوس مندرجہ المسیح الدجال اور کانے
دجال کا بھی استیصال صحیح کر دیا جاتا۔ ان جناب میں رمق حیات فانی باقی ہے قل اعوذ برب الناس
ملک الناس الٰہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس
من الجنۃ والناس پڑھتا رہوں گا کیونکہ ایسا بخوبی ثابت ہوگیا ہے کہ آپکا لقب دجال اسی وقت کے
مسیلمہ کذاب ہیں جس طرح پر مسیلمہ کذاب کا لقب جو آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے نکلا تھا وہ لقب قیامت تک
باقی رہا آپکے لیے لقب کانے دجال کا جو خود آپکے ہی ہاتھ اور قلم سے نکلا ہے قیامت تک باقی رہیگا۔
بومسیلم را لقب کذاب ماند ۔ مر محمد را اولو الالباب ماند ۔ محررہ ہشتم جون ۱۹۰۸ء (باقی آیندہ) کتبہ السید محمد احسن امروہی

وفات مسیح موعودؑ

(از خلیفہ مسیح موعودؑ حضرت مولوی نورالدین صاحب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و اٰلہ مع البرکات و التسلیم

اما بعد

فاشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ

ثم اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

۱- ما المسیح ابن مریم الا رسولٌ قد خلت من قبلہ الرسل ۔

۲- ما محمد الا رسولٌ قد خلت من قبلہ الرسلُ ۔ افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ۔ ومن ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً وسیجزی اللہ الشاکرین ۔

ان دونوں آیتوں پر غور کریں ۔ کیا فرماتی ہیں ۔ اگر پہلی آیت کریمہ مسیح ابن مریم کو رسول فرما کر اسکے گذر جانیکا ذکر فرماتی ہے ۔ تو دوسری آیت بینہ کیا ہی دلربا تعلیم دیتی ہے ۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے خاتم النبیین رسول رب العالمین کو اگر موت آجاوے یا وہ بالفرض قتل کیے جاویں تو کیا تم لوگ اُلٹے پاؤں اپنی ایڑیوں پر لوٹ جاؤ گے ؟ اور جو کوئی اُلٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر پس وہ ہرگز ضرر نہ دے سکیگا اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی ۔ اور عنقریب ہی اللہ بدلہ دیگا ان قدر کرنیوالوں کو ۔ کیا معنے حضرت نبی کریمؐ کے اللہ نے تمکو جن بد اعتقادیوں اور بد چلنیوں سے ۔ ایک پاک روح کی طفیل

نکالا۔ کیا اسکے مرجانیکے بعد تم ان عقاید غیر صحیحہ اور اقوال و افعال و اعمال باطلہ کیطرف پھر رجوع کر جاؤ گے؟ ایسا نہ کرنا کیونکہ وہ اعمال و افعال و اقوال بہر حال گھنونے اور اسی لائق تھے کہ انکو ترک کیا جاوے۔ وہ تو کسی طرح بھی قابل عملدرآمد نہیں تھے۔ رہے تمھارے مشکلات اور وہ ابتلا جو تمکو اپنے ہادی کے بعد آئیں گے سو انکی پروا مت کرنا تم نے اس پاک وجود کی اور اسکی پاک تعلیم کی قدر کی اور اُسکے شکر گذار ہوئے تو اللہ تعالیٰ بھی جو حقیقی شکور ہے۔ بڑا قدردان۔ اور بڑے بدلے دینے والا ہے۔ کیا معنے تمکو بڑھ چڑھ کر ضرور اِس قدر کا بدلہ دیگا۔ جب اس نے بدلہ دیا تو کیا وہ تمکو تباہ کر دیگا؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا پس تم ہرگز تباہ نہ ہوگے۔ حضرت امام خود اپنی الوصیۃ کے صفحہ نمبر ۵ میں اپنی وفات کا ذکر فرماتے ہوئے اور مخالفوں کی ان جھوٹی خوشیوں کو جناب الٰہی سے پامال کر دکھانیکا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اور قوم کو مخاطب فرما کر ارشاد کرتے ہیں۔ "غمگین مت ہو اور تمھارے دل پریشان نہ ہو جائیں۔ کیونکہ تمھارے لیے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضرور ہے۔ اور اُسکا آنا تمھارے لیے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جسکا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں"۔ موت کا آنا سب کے لیے جو مخلوق ہوا ضروری ہے کل نفس ذائقۃ الموت بلا استثنا یہ ایک عام قاعدہ اول تو منصوص پھر موجود و مشہود ہے۔ اس سچے قاعدہ کے مطابق قرآن کریم ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ موت جب سامنے حاضر ہو تو وصیت کا کرنا تمھارے لیے ایک ضروری اور فرض کام ہے اس پر اس امام نے کیسا عمل کیا ہے! اس نص کو سن لو۔ اور پھر اس عمل و درآمد کو دیکھ لو۔ نص یہ ہے

كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خيرا الوصية [*]

اور اسپر جو عمل و درآمد اس کامل انسان نے فرمایا وہ رسالہ الوصیۃ میں ملاحظہ کرو۔ صفحہ نمبر ۲ سطر ۴ سے فرماتے ہیں "میرا زمانہ وفات نزدیک ہے" (یہ حضر احدکم الموت

[*] لکھا گیا ہے تمپر جب حاضر ہو تم میں سے کسی کی موت اگر چھوڑا کسی خیر کو ایک وصیت۔ منہ

کا بیان ہے) اور اس بارہ میں اس کی وحی اسقدر تواتر سے ہوئی کہ میری ہستی کو بنیاد سے ہلا دیا۔ قرب اجلك المقدر الی آخرہ قل میعاد ربك الی آخرہ جاء وقتك الی آخرہ۔" اور صفحہ نمبر ۳ سطر ۱۱ میں ہے "بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اُس دن سب پر اُداسی چھا جائیگی" ان الہامات پر ایک سعادتمند دل غور کرے۔ پھر صفحہ نمبر ۴ کی سطر ۱۵ سے فرماتے ہیں۔ "اور راستباز جس راستبازی کو دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اسکی تخمریزی اُنہیں کے ہاتھ سے کردیتا ہے۔ لیکن اسکی پوری تکمیل انکے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں اُنکو وفات دیکر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن و تشنیع کا موقع دیدیتا ہے۔" اس آپکے پاک کلام سے کیسا واضح ہوتا ہے کہ آپ کو قرب اجل کی خبر دیگئی اور آپنے الوصیۃ لکھدی اور اس حالت کا ایسا نقشہ کھینچا کہ گویا آپ دیکھ رہے تھے۔ کہ ایک طرف موت ہے۔ دوسری طرف دشمن ہنستا ہے۔ سامنے قوم ہے۔ ان کلمات طیبات اور اس نظارہ کو جو آپکی وفات کے بعد لاہور میں ہمنے دیکھا ہے کوئی عقلمند سعید دیکھے۔ اور بے باک مرتد کا ٹریکٹ اسپر طرہ اور امرتسری مولوی کا اشتہار علاوہ بریں ہو۔ تو قدرت کا مشاہدہ ہوجاتا ہے کہ خدا کی باتیں کیسی سچی ہوتی ہیں جو وہ اپنے بندوں سے فرماتا۔ اور انکے مُنہ سے نکلواتا ہے۔ اب آپکی وفات تو ہوچکی۔ اور ہم نے دیکھ لی اور وہ صداقت بھی ظاہر ہوچکی جسکا ذکر فرمایا کہ لوگ ہنسی ٹھٹھا کریں گے تو اب الوصیۃ کے صفحہ نمبر ۵ سطر اول میں جو ارشاد فرماتے ہیں۔ اسکو پڑھیں "(نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہوجاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں (جیسے ہم کو لاہور میں ایسا تنگ کرنا چاہا کہ گویا اب ہم کو کھالیں گے۔ اُسوقت ابر رحمت کی طرح پولیس آگئی اور مسخرے خائب و خاسر بھاگے) اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہوجائیگی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردد میں پڑجاتے ہیں اور

انکی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور کئی بدقسمت مرتد ہونیکی راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ تب خداتعالیٰ دوسری مرتبہ (پہلی مرتبہ تو اس امامؑ کے وقت میں ان لوگوں نے ناخنوں تک زور لگایا اور جہانتک انسے ہوسکا جان ؤدل سے سر توڑ کوششیں کیں پر الٰہی قدرت نے آخرایک ممتاز جماعت قایم کردی) اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے پس وہ جو آخر تک صبر کرتا ہے خداتعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے جیساکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وقت میں ہوا۔"

عزیزان غور کرو! آپکے بعد معاً. دفن سے پہلے۔ جماعت میں بلا اختلاف شمال سے جنوب اور مغرب سے مشرق تک وحدت کی روح اللہ قادر مقتدر نے کسطرح پھونک دی۔ ع اے خدا قربان احسانت شوم۔ اب ایک مسلمان۔ ایک مدبّر۔ ایک عاقبت اندیش اور ایک دنیا کے حوادث کو دیکھنے والا غور کرے حضرت میرزا کا ایک کیا چار بیٹے اور پوتا موجود۔ میرزا کا داماد محمد وعلی نام کا مجموعہ قابل قدر اور لائق موجود۔ میرزا کا خسر بجائے باپ موجود ہے۔ اور تمام قوم نے ایک اجنبی کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اب خدا را اس آیت کریمہ کو پڑھو۔

وَاِنْ یُّرِیْدُوْٓا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ۝	اور اگر چاہیں گے وہ کہ دھوکہ دیں تجھو۔ تو بس ہے بے ریب اللہ ہی بس ہے تجھو۔ وہ وہی ہے جس نے تائید کی تیری اپنی نصرت سے اور مومنوں کے ساتھ۔
وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝	اور الفت ڈالدی انکے دلوں میں اگر خرچ کرتا تو جو کچھ اس زمین میں ہے سب کا سب الفت دے سکتا تو انکے دلوں میں۔ لاکن اللہ نے الفت دی انکے درمیان تحقیق اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ کو عملی رنگ میں کوئی دکھائے کہ جن مشکلات میں ہم کو ہمارے گدی نشینوں

اور علما - پھر چلتے پرزوں اور مرتدوں نے ڈالنا چاہا - ہمیں ہمارے مولیٰ ہمارے ناصر ہمارے ہاتھ اور ہماری کمروں کو تھامنے والے الحیّ القیوم نے کیسا بچایا - الحمد للّٰہ رب العٰلمین - الرّحمٰن الرّحیم - مالک یوم الدّین -

ہمارے ملک ہیں - یا ہمارے ملک میں سے سید محمد جونپوری - علی متقی شیخ شیخ عبدالحق محدث دہلوی - الشیخ المجدد الالف الثانی - شاہ ولی اللہ - اور سید احمد بریلوی یہ لوگ ہیں جنہوں نے دعاوی مجددیت کے کیے اور لوگوں نے بھی انکو مجدد مانا - انکے کارنامے بحمد اللہ ہم سے مخفی نہیں مگر جو کچھ اس شخص مغفور ۱۳۲۶ نے کرکے دکھایا اسکا مقابلہ سوائے عقلمندوں کے کون کرے - اللہ تعالیٰ کو توفیق ہے کہ آنکھیں کھولدے کیونکہ

۱ - اوّل آپنے تمام دنیا کو دعوت کی اور انگریزی و اردو میں بیس ہزار اشتہار سے اعلان کیا کہ الاسلام حق ۲ دہریہ - کیواسطے قرآنی صدہا پیشین گوئیوں اور اپنے متعلق ایک بڑا مجموعہ بشارات کا اور قبل از وقت اخبار کا پیش کرکے معرفت الٰہیہ کا دروازہ کھولدیا ہے گو ہمارے مخالف خدا کے ماننے والے اس راہ میں مشکلات ڈالتے رہے اور ڈالتے ہیں کہ بعض بشارات پوری نہیں ہوئیں - مگر عقلمند جانتے ہیں کہ مفید و راحت بخش تدابیر اپنی کثرت کے لحاظ سے مفید یقین کیجاتی ہیں نہ اس لیے کہ وہ کبھی مستثنیات بھی رکھتی ہیں - ۳ - پھر آریہ کے لیے براہین - سرمہ چشم آریہ شحنۂ حق آریہ دھرم قادیان کے آریہ اور ہم - چشمہ معرفت وغیرہا کتابیں لکھکر اہل اسلام کو انکے شر سے آگاہ فرمایا - ۴ - اور سکھوں کے لیے ست بچن - ہی پر بس نہ کی بلکہ چولہ صاحب ایک اور قرآن کریم کو منجملہ تبرکات بابا نانک جی ثابت کرکے جنم ساکھی بھائی بالا سے قوم سکھ کو جگایا اور خوب جگایا انپر حجت قایم کردی ۵ - پھر برہمو دھرم کو براہین احمدیہ لکھ کر بیدار فرمایا کہ الہام کیا ہے اور اسکی لامحدودیت کیا ہے اور کسطرح ہوتا ہے اور خدا سے تک وہ کیوں قدم نہیں اُٹھاتے - اگرچہ ہونا چاہیئے تک وہ پہنچ گئے ہیں - ۶ دارالسلطنت

لاہور۔ میں اول تو فیصلہ آسمانی خود سنایا۔ جلسہ اعظم مذاہب ہوتسو میں کیسا جامع دمانع عظیم الشان خطبہ سنا کہ اپنے کام سے سبکدوش ہو چکے پھر ایک اور لیکچر تیسری بار۔ اس کے بعد پھر اسلیے کہ آخر دار السلطنت ہے آریہ کے جلسہ میں اپنی جماعت کو ایک مضمون دیکر بھیجا اور آخری اُنکا حملہ جو بڑے ہی زور شور سے ہوا اسکا بذات خود جواب دیکر چشمۂ معرفت کا مُنہ کھول دیا۔ پھر اسپر بس نہ کی۔ وہاں کے عمائد و اراکین کو اپنے مکان پر بلایا اور دعوت دی اور اپنی تعلیم و دعویٰ کو نہایت ہی مدلل پیش کیا اور آخری پیغام صلح اسی لاہور میں دیکر اپنے فرائض منصبی کو پورا کر دیا جزاہ اللہ عنا احسن الجزاء۔ ۷۔ مسیحی لوگوں کی مذہبی لڑائی میں تو آپکا عہدہ ہی آپکو شامل کر چکا تھا۔ اس لیے اول تو دعاؤں سے کام لینا اُنکا اصل فرض تھا کیونکہ یہی ایک ہتھیار خصوصیت سے انکو دیا گیا تھا۔ کوئی غور کرے کہ اِن تینتیس پینتیس برس میں اس قوم کے اندر کیسا خطرناک کیڑا لگا ہے۔ کہ تثلیث یا ثالوث اور کفارہ اور الوہیت مسیح کا پہاڑ گراکہ گرا۔ اسقدر اعلان و اشتہار شایع کیے کہ اس گاؤں میں ایسے عظیم الشان کام پر تعجب آتا ہے۔ پھر اقوال موجہ و اصول صادقہ کا وہ مستحکم پہاڑ بنایا ہے کہ اس ذو القرنینی سد کو اب یاجوج ماجوج نہیں توڑ سکیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ سعدی علیہ الرحمۃ تو۔ ع ترا سدِ یاجوج کفر از زرست۔ لکھکر اسلامیوں کی کمزوری ظاہر کر کے اپنے ممدوح کو جزبہ دینو الا کفار کا جگزار بناتا ہے۔ مگر اس امام نے واقعی ایک ایسی سد بنا دی ہے کہ اسکا توڑنا اب انسانی کام نہیں رہا۔ مثلث مُ مثلاً مَیں ایک اینٹ اس دیوار کی پیش کرتا ہوں۔ جنگ مقدس میں آپ فرماتے ہیں۔

آسمانی کامل کتاب کا ایک نشان یہ ہے۔ کہ وہ اپنے دعاوی اور ان دعاوی کے دلایل خود پیش کرے تو کہ اُس حیّ قیوم کے کلام کو دوسرے کا سہارا نہ لینا پڑے۔ اگر وہ کتاب اعلیٰ صداقتیں پیش کرے تو ان صداقتوں کے دلایل بھی آپ ہی دے۔

اور اگر کسی بطلان کا بیان کرے۔ تو وجوہ بطلان بھی اپنے دلایل نیرہ سے بتادی۔
پھر آپنے قرآنی تعلیمات کو اس طرح تمثیلات سے دکھایا۔ نیز مرزا صاحب نے بتایا کہ کامل کتاب
اللہ تعالیٰ کے قرب کی راہیں بتاکر کُل کو نہ سہی بعض متبعین کو تو مکالمات الٰہیہ کے
شرف سے مشرف فرماوے۔ ایسا خدا تو نہ بتا دے جیسا یہود کی ملامت کا باعث
انکا بچھڑ و معبود خدا ٹھہرایا گیا جسپر اللہ فرماتا ہے انہ لایکلمھم و لا
یھدیھم سبیلا۔ ترجمہ بچھڑ کو کیونکر معبود بناتے ہیں۔ تحقیق وہ تو انسے کلام
نہیں کرتا اور انکو نیک راہ نہیں بتاتا۔ ۸۔ سید احمد خانی جماعت کو رو باصلاح لانیکے لیے
برکات الدعا۔ اور آئینہ کمالات اسلام میں ایک چٹھی لکھی۔ اور انکے فلسفیانہ خدا اور فلسفیانہ الہام
کے بدلے اسلامی قادر مقتدر اپنے پیاروں سے کلام کرنیوالے خدا کی طرف راہ نمائی فرمائی
بہت متصوف گدی نشینوں۔ اور رسمی علما کو اقسام مواعظ و تعلیمات صحیحہ۔ دعاؤں کے
طریق بتاکر سچی راہ دکھائی۔ اور بقیۃ السیف کو اعجازی تحریر۔ اور سیفیوں کو بیکار دکھا کر اندر
ہی اندر نادم کر دیا۔ ۹۔ مسئلہ حیات و ممات مسیح اسرائیلی پر جو آپکے دعاوی کی اصل
بنیاد اور ابطال مذہب مسیحی کے لیے بے نظیر حربہ تھا۔ وہ بسط کیا ہے کہ اسپر اب بحث کا
موقع ہی نہیں رہا۔ ۱۰۔ اپنے مقناطیسی جذب سے جو حقیقۃً بالکل الٰہی فضل تھا۔ وہ
طاقت دکھائی کہ مخالفوں نے بہیئت اجماعیہ ناخنوں تک زور لگایا۔ مگر آپکی روزانہ
روز افزوں ترقی کو کوئی روک نہ سکا۔ ۱۱۔ زندگی میں سر الخلافہ لکھ کر۔ اور وفات میں
قوم کی روحانی ترقی کا معجزہ دکھا کر ثابت کر دیا کہ حضرت نبی کریمؐ کی وفات پر خلافت کا
کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ دیکھتے نہیں کہ نبی کریمؐ کے ایک غلام اور اس کے جانشین کے
روبرو آپکے چار بیٹے۔ دو پوتا اور ایک لائق داماد اور ایک سید خسر موجود ہے۔ اور وہ ہمہ تن اس
آدمی کے ماتحت جو نہ مغل اور نہ ترک اور نہ اتنا رشتہ دار جتنا قریشیت کے لحاظ سے صدیق اکبرؓ
کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق حاصل تھا۔ اس موجودہ اتفاق و وحدت سے ہمارے

احباب فایدہ اُٹھائیں۔ ۱۲۔ آدم سے لیکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی نبی کو یہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی۔ عیسائیوں کے خدا صاحب عیسائیوں کے نزدیک جتنے اپنی زندگی میں کامیاب ہوئے اور انکے مطاع مکرم جسطرح ہولی لینڈ میں جا براج اُنپر ظاہر ہے۔ گو ہم مسلمان انکی وجاہت و کامیابی کے قائل ہیں مصلحان ملک نے کبھی ایسی کامیابی کا مُنہ نہ دیکھا اگر آخر آپکے جانشینوں نے ہی بتدریج تمام مراکز مذاہب یروشلم اور آتش کدہ آزر وغیرہ کو فتح کرلیا۔ پھر اصلی آیت کریمہ کا آخری حصہ لیتے ہیں پس کیا آپکی وفات پر (صلی اللہ علیہ وسلم) بلکہ فرض کرلیں کہ اگر آپ قتل بھی ہوجاتے۔ تو کیا آپکے تعلیم یافتہ لوگ شرک و کفر اور اُن بد اعمالیوں کو جنمیں ملک گرفتار تھا پھر اختیار کرتے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ ایسا ہی اسوقت دنیا نے دنیا کو دین پر مقدم کرلیا تھا اور حیات مسیح کے مسئلہ نے مسیحی مذہب کی کمر کو مضبوط کردیا تھا۔ اور آپکے نزول جسمانی کے توہمات نے مسیحیوں کے ساتھ مسلمانوں کو بولنے کے قابل نہ رکھا تھا۔ رُویا۔ کشوف وحی کا مسئلہ ہنسی و تمسخر میں اڑایا جاتا تھا۔ اور مسیح کا بت ایسا قایم کیا گیا کہ کروڑوں روپیہ سالانہ اس بت کی خاطر پانی کی طرح بہایا جاتا تھا۔ اور شراب خواری۔ جوا بازی۔ اور قسم قسم کی سود خواری جسنے مسلمانوں کی زمینیں اور وجاہت کو کھالیا۔ اور شریعت کے ناواقفوں نے مسئلہ ربا میں یہاں تک بیحیائی سے کام لیا کہ ربا کے معنے ہی گویا کسی کو نہیں آتے۔ ربا جیسا خطرناک گناہ جسکی نسبت حرم الربا اور فاذنوا بحرب من اللہ کا فتویٰ موجود ہے ہر روز مسلمانوں پر ربا کے باعث ڈگریاں ہوں اور انکے اموال و زمینیں تباہ ہوں اور ہمارے محقق الربا کہتے جاویں کہ ربا کے معنے تو حضرت عمر رضؓ کو بھی معلوم نہ تھے ایک دوکاندار ایک ادنیٰ بیچ سے پاری تو اسکے معنے جانتا ہو مگر عمر رضی اللہ عنہ اسکے معنے سے بیخبر ہوں دینی غفلت کا یہ حال ہوگیا تھا کہ ایک ریفارمر نوجوان نے مجھے فرمایا کہ کوشش کرو کہ لوگ صرف مردم شماری میں اپنے آپ کو مسلمان لکھوادیں اور بس۔ کسی عمل و اعتقاد کی ضرورت نہ رہے۔ اور دعا

کی تاثیرات دعا کی حقیقت اور دعا جیسے عظیم الشان سبب حصول مرادات کو محض لغو قرار دیا جارہا تھا۔ ایسے وقت ایک نور اُترا اور اس نے علاوہ مکارم اخلاق اور معاشرت وتمدن واطاعت اولوالامر اور تمام خوبی بھری تعلیموں کے ہمکو اعلیٰ اصل یہ سکھایا کہ ہم گندی زندگی سے توبہ کریں۔ اور آیندہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں۔ اور سیکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں روحوں کو اس تعلیم کے ساتھ نجات دیدی۔ اور اس تعلیم کی قریبًا پینتیس برس آبپاشی کر کے آخر اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ کا سبق دیکر قریب تھا کہ رخصت ہوجاتا مگر صرف مولیٰ کا احسان ہوا۔ کہ حقیقۃ الوحی۔* چشمہ معرفت اور پیغام صلح لکھ کر اور لاہور میں امراکو بلاکر حجت قایم کر کے اس دنیا سے حسب بشارات چلدیا۔

(۱) بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید دبدر ۱۹۔ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ (۲) ڈرومت مومنو (۱۵۔ مئی ۱۹۰۶ء) (۳) تیری خوش زندگی کا سامان ہوگیا ہے۔ (۴) سو تم خدا کی قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہوکر دعا کرتے رہو۔ الوصیۃ

اب وہ اس دنیا میں رہکر کیا کرتے۔ کیا تمام مخالفوں۔ مرتدوں۔ دشمنوں کا قلع وقمع کر کے اپنے جانشینوں کو مساعی جمیلہ اور کوشش واجتہاد سے محروم کر کے جاتے۔ اور جو ترقیات ابتلاؤں محنتوں سے ہوتی ہیں اور جو جو نیک بدلے اور صلوات ورحمتیں وبرکات صبر پر ملتی ہیں۔ انسے ہم لوگوں کو محروم کرجاتے۔ عزیزان! یہ لوگ دنیا کے لیے نور۔ رحمت اور برکت ہوتے ہیں جب دنیا روحانی دکھوں میں مبتلا ہوکر تباہ ہونیکو ہوتی ہے جیسا ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون سے ظاہر ہے۔ کہ ایک وقت ہوتا ہے کہ حضرت حق سبحانہ کا رحم۔ کرم۔ ستاری۔ غنائے ذاتی اور بے پروائی کام کرتی ہے اور بدکار کو اسکی بدکاری پر عفو ودرگذر سے کام لیتا ہے۔

* انکے علاوہ چشمہ مسیحی اور قادیان کے آریہ اور ہم۔ عیسائیوں اور آریوں کے لیے قلم برداشتہ لکھیں منہ

اور پھر ایک اور وقت آتا ہے کہ چور پکڑا جاتا ہے ڈاکو کو سزا ملتی ہے اور ظالم اپنے ظلم کا پھل کھاتا ہے۔ سزا کا زمانہ آنے سے کچھ طبائع میں نئے زمانہ کا شوق پیدا ہوجاتا اور اپنے موجودہ حالات سے گونہ سیری ہی نہیں ہوجاتے بلکہ تنگ آجاتے ہیں۔ ادھر حق کی تڑپ بعض نفوس میں پیدا ہوجاتی ہے دنیا کی بے ثباتی کثرت اموات اور دنیا کے مشکلات کی حقیقت قحطوں اور جنگوں سے سامنے آجاتی ہے؎۔ آپکے زمانہ کو دیکھو۔ قحط کے علاوہ جنگ ٹرنسوال و برطانیہ اور روس و جاپان نے کیسی جوانوں کے اقارب واحباب میں دنیا کی بے ثباتی کے نقشہ کو پیش کیا اور قحط نے کنبہ والوں کو کن مشکلات کا نظارہ دکھایا۔ پھر طاعون نے بقیۃ السیف اور بقیۃ القحط لوگوں کو کیا وعظ کیا۔ بائبل کا مجموعہ صدہا تراجم کے ذریعہ خدا کے نام سے آگاہ کرکر لوگوں کو ملزم کرچکا اور پھر قرآن کریم اپنے تراجم کے ساتھ اور اس ملک میں بہم پہنچ کر انکے بعد آریہ نے بھی اوم نام پیش کرکے ہندوستان کو بہت وعظ کیا یہ تو عام کارروائی اور حجت ملزمہ تھی مگر پنجاب میں خصوصیت سے ایک اس انسان حضرت میرزا نے پیدا ہوکر تمام دنیا میں ایک انقلاب ڈال دیا اور اس طرح ولقد ارسلنا الی امم من قبلک فاخذنا اھلھا بالباساء والضراء لعلھم یضرعون۔ کی تصدیق کردی۔ غرض یہ لوگ قسم قسم کی بداعمالیوں اور روحانی بیماریوں میں مخلوق کو گرفتار دیکھ کر انکے لیے کبھی تڑپتے اور گاہے خفا ہوکر بداعتقادوں شوخوں پر بددعائیں کرتے ہیں کبھی مدلل کلام سے ایک حصہ ملک اور سعادتمند انسانوں کو آگاہ فرماتے اور کبھی اس جمالی رنگ سے جلالی رنگ میں جھڑکیاں دیتے ہیں۔ یہانتک کہ اس مزرعۃ الآخرت میں جنتی طوبے کا بیج بو دیتے ہیں اور اس پاک درخت کو بوکر اپنی پاک توجہات۔ دعاؤں۔ عقد ہمت سے اپنے اقوال واحوال اور اعمال وافعال سے اسکی آبپاشی کرکے اسکی جڑھیں مضبوط پاکر ملاء اعلیٰ سے جاملتے ہیں۔ کزرع اخرج شطأہ فاٰزرہ فاستغلظ فاستوی علیٰ سوقہ

؎ اس سنت اللہ پر غور کرو اور پھر غور کرو

یعجب الزراع- اور سورہ اذا جاء نصر اللہ والفتح پر تدبر کرو- یہ آیتہ اور سورہ کریمہ دو بڑی گواہ میرے اس کلام پر ہیں- ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متمم مکارم اخلاق اور انسانی شخصی اصلاح- معاشرت و خانہ داری- اپنے و بیگانے سے تعلقات کیسے چاہیئے- عبادات و معاملات سیاست و تمدن اور اطاعت اولی الامر وغیرہ وغیرہ کی اصلاحات کیلیے دنیا میں رونق افروز ہوئے- مگر اصل اصول آپ کی تعلیمات کا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ و اشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہ تھا- جب یہ مضمون مکہ و مدینہ اور انکے نواحی میں قایم ہوگیا- تو داعی اجل کو لبیک کہدی- ایک لاکھ چالیس ہزار کے مجمع حجۃ الوداع میں الاھل بلغت پکار کر- ۸۱ روز بعد اس دنیا سے کوچ کردیا- مگر جو بیج بویا تھا اسکا وہ درخت بنا جس نے پہلے تمام عرب پر اپنا سایہ کردیا اور یہ واقع دنیوی تاریخ میں سپر نیچر کا رنگ رکھتا ہے کیونکہ تاریخ کے صفحہ پر ایسا عملی رنگ کسی مصلح کے زمانہ کا نظر نہیں آتا- خیر بہر حال اب دشمن جلسے کریں اور خوشیاں منائیں- پہلی زبردست قدرت الٰہیہ اور نصرت الٰہیہ کو تو دیکھ چکے ہیں- اور دوسری قدرت کا تماشا دیکھیں- اب یہ درخت محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے جیسے محفوظ رہا ہے ویسا ہی اب پھولیگا اور پھلے گا اگر ہم میں انکو کارکن لوگ تھوڑے نظر آتے ہیں- تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذاہب کے رو سے صحابہ کرام میں فقہا کتنے تھے انکی تعداد دکھائیں- اور خالد بن ولید جیسے سپاہی کتنے تھے انکی تعداد پیش کریں- اور قدرت کا نمونہ دیکھیں-

برادران- وفات مسیح کا مسئلہ بھی منجملہ عجائبات الٰہیہ و اسرار خداوندی کے ہے کیونکہ ہمارے امام علیٰ نبینا محمد و علیہ الصلوٰۃ و السلام ہمیشہ اپنے ایام زندگی میں مسئلہ وفات مسیح علیہ السلام پر اپنی تعلیمات میں زور دیتے ہی رہے- اور اپنی پر زور تقریر و تحریر و عقد ہمت سے اس مسئلہ کو اجلے بدیہیات سے کر کے دکھایا- اور ہزار ہا قلموں اور تقریروں کے

سامنے یہ جری اللہ آخر فتح مند ہوا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء آمین۔ اور آپکی وفات کے بعد معاً آپکے احباب پر اسی مسئلہ وفات مسیح کے بارہ میں ہی دشمن نے حملہ کر دیا۔ الٰہی تیری پاک ذات بڑے بڑے عجائبات کا سرچشمہ ہے۔ ایک عقلمند۔ عاقبت اندیش اور خدا ترس دنیا کی بے ثبات ایام زندگی کو دیکھنے والا کیسے کیسے سبق سیکھ سکتا ہے اگر توفیق بھی اسکی دستگیر ہو۔ ہمارے مخالف جلد بازو! کچھ تو صبر سے بھی تم کام لیتے۔ تم نے پہلی قدرت کا نمونہ دیکھا تھا۔ دوسری کیلیے صبر کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آج صبر کے اجر انشاء اللہ تعالیٰ رکھے ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔ کیا تمھیں خبر نہیں کہ ہمارے امام نے انتقال کیا اور ظاہر ہے کہ رئیس جماعت اور انکا امام جب انتقال کرتا ہے تو اسکی جماعت کو نفس اس واقع سے کیا ابتلا آتا ہے۔ اور دشمن بھی مانتا ہے۔ کہ یہ واقعہ بے ریب ہمارے لیے رنج دہ واقعہ ضرور ہے۔ مگر ہم نے اسپر صبر سے کام لیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللھم اجرنا فی مصیبتنا و اخلف لنا خیراً منھا و عضنا خیراً منھا۔ مگر تم نے ہماری تعزیت پر سوانگ بھرے۔ تمھاری پروفیسر اور صوفی نے سوانگ بھرنے والوں کو اعزازی خطاب خادم دین کا دیا۔ تمام دنیا میں برے یا بھلے مرے ہیں اہل اسلام کی تعلیمات میں کیا تم نے یہ تعلیم کہیں پڑھی ہے؟ کہ یہ طریق تعزیت کب سے معمول اہل اسلام ہوا؟ اللہ کس نے اسکی ابتداء سے من سن سنۃ سیئۃ کا تمغہ لیا؟ عزیزان۔ اللہ تعالیٰ کے تمام کام بے ریب حق و حکمت سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اس کے ہر ایک کام میں اسکی ربوبیت و رحمانیت و رحیمیت اور مالکیت جوش زن رہتی ہے۔

؎ ہر بلا کایں قوم را حق دادہ است زیر آں گنج کرم بنہادہ است۔ ہاں تعلیم۔ دعملدرآمد۔ اور متبعین پر جو اثر اس تعلیم و عمل و درآمد کا ہوتا ہے وہی عاقبت اندیش انسان کے لیے آخری کامیابی کا معیار ہوا کرتا ہے۔ بہرحال پہلے مسیح علیہ السلام کی وفات کے مسئلہ کی طرح یہ مسئلہ وفات الامام صحیحہ اور رسالہ الوصیۃ سے تکمیل کو پہنچ چکا تھا

بدر ۲۹- دسمبر ۱۹۰۷ء- "بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید" "ستائیس کو ایک واقعہ (ہمارے متعلق) اللہ خیرٌ و ابقیٰ" "خوشیاں منائیں گے"

بدر-۲۶- مئی ۱۹۰۸ء- (۲ مئی ۱۹۰۸ء کا الہام ہے) "الرحیل ثم الرحیل والموت قریب" ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء "ڈر و مت- مومنو!"

۱۰- نومبر ۱۹۰۷ء "موت قریب ہے ان اللہ یحمل کل حمل"۔

قادیان کے آریہ اور ہم

وہ دن گئے کہ راتیں کٹتی تھیں کر کے باتیں ؛ اب موت کی ہیں گھاتیں غم کی گھٹا یہی ہے

جلد آ پیارے ساقی اب کچھ نہیں ہے باقی ؛ دے شربتِ تلاقی حرص و ہوا یہی ہے

حقیقۃ الوحی صفحہ اخیر

چہرہ دکھلا کر مجھے کر دیجیے غم سے رہا :. کب تلک لمبے چلے جائیں گے ترسانیکے دن

بدر نمبر ۱۸ جلد ۲ "دشمن کا بھی ایک وار نکلا- و تلک الایام نداولہا بین الناس" پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ "ہماری عادت ہے کہ کبھی ہم دشمن دین کو بھی خوش کر دیا کرتے ہیں" ۲۶- اپریل ۱۹۰۸ء "ماتم کدہ- منسوخ شدہ زندگی" ۲۶- اپریل ۱۹۰۸ء مباش ایمن از بازیٔ روزگار"

اور امام نے الوصیۃ کو لکھ کر اپنے ایسے بہت سے الہامات کی عملاً تصدیق فرما دی۔

اب الوصیۃ کو دیکھ کر کب قابل وقعت ہے، وہ جو اپنے منہ سے کہہ چکا ہے کہ وہ بیس برس متواتر اسکا متبع رہا جسکو وہ خود خاک بدہنش کہتا ہے- جو کہتا ہے اور جس کی اتباع میں وہ بیس ہزار روپیہ برباد کر چکا ہے (گو اسکا یہ خرچ میرے جیسے انسان کے لیے تامل کا مقام ہے کیونکہ میں بھی تجربہ کار ہوں) اور جس نے بار بار کہا ہے کہ یاتینی صادقٌ و کاذب- اور جس نے دیکھ لیا کہ صدق کی عمارت قایم ہے- اس لیے وہ راستباز ہلاک نہیں ہوا اور جسکی نزدیک

کسی راستباز کا ماننا ضروری ہی نہیں۔ کیونکہ نجات کی راہیں بے انت ہیں۔ اور جس کے شہر میں ایک نے حضرت خاتم النبیین رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ و آلہ الی یوم الدین کو مسیح الدجال کہکر ایک کتاب لکھی جسکا نام مسیح الدجال تھا اور اب خود اپنا نام الذکر الحکیم معروف کا نا دجال کہکر اپنے آپکو پہلے کا جانشین بنایا۔ اللّٰھم انا نجعلک فی نحور الاعداء ونعوذ بک من شرور الاعداء۔ اللّٰھم اکفنا شرھم بما شئت۔ ہمیں اپنے اعدار پر تعجب بھی آتا ہے۔ کیونکہ عبدالحکیم بھی اپنی نسبت انک لمن المرسلین اور انا ارسلناك بالحق بشیراً و نذیراً۔ اور مسیح۔ و محمد و ابراہیم۔ موسیٰ و عیسیٰ بننے کا مدعی ہے۔ پھر پیسہ اخبار۔ اور مولویصاحبان کا اس کی نسبت کوئی جوش نہیں اسکا کیا بھید ہے؟

بہر حال حضرت مرزا کی وفات پر جن مشکلات کا ہمیں خیال ہو سکتا تھا کہ ہمارے سامنے ہونگی ان کے علاوہ لاہور کے عوام کا وہ شور و غل تھا جسکا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ قریب تھا کہ وہ لوگ ہمیں گاڑی تک بھی نہ پہنچنے دیتے کہ معًا اللہ تعالیٰ نے ابر رحمت کی طرح پولیس ہمارے لیے بھیجدی۔ اور گورنمنٹ کا دل سے شکریہ کرتے ہوئے ہم پلیٹ فارم پر آرام سے سوار ہو گئے۔ اگر مرزا صاحب اپنے امن اور سامان اشاعت اور ہر طرح کے سکھوں کے باعث اس گورنمنٹ کے شکرگذار تھے اور قوم کو اطاعت کی تاکید کرتے گئے تو اسکی وفات نے اور بھی اسکی قوم کو امن پسند گورنمنٹ کا شکرگذار بنادیا۔ مَیں خوشامد سے نہیں کہتا کسی غرض سے نہیں میرا مطاع اس دنیا سے کوچ کر گیا اور مَیں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرا زمانہ بھی کچھ بہت بڑا نہیں میرے دل میں یہ سطور لکھنے کا جوش تھا جو قلم سے نکلا۔ ایاکم و الظن فان الظن اکذب الحدیث ہماری قوم اس آرام کی قدردان ہو۔ آمین یارب العالمین۔

اب میں ان حملوں کا ذکر کرتا ہوں جو ہم پر ہو چکے ہیں اور تمام حملوں میں زبردست

حملہ جسکو دشمن یقین کرتا ہی کہ اسنے ہمکو پاش پاش کر دیگا۔ اور اس حملہ سے ثابت کرتا ہے کہ اس نے مرزا کو ہلاک کر دیا۔ اور اس کا نام ونشان نہیں چھوڑا۔ وہ یہ حملہ ہے کہ میرزا صاحب قبل از وقت انتقال کر گئے۔ اور انکے الہامات کی رو سے جو انکی عمر چاہیئے تھی اسمیں سے چار یا پانچ برس تو ضرور ہی کم ہو گئے۔ کیونکہ عمر کی نسبت اصل الہام یہ تھا کہ "تیری عمر اسّی برس کی ہوگی یا پانچ کم یا پانچ زیادہ" اس الہام میں علیم وخبیر کی طرف سے یا یا کا لفظ بعض ایسی طبایع کو جو سماویہ کتب کے محاورات سے نابلد ہیں تعجب میں ڈالتا ہی مگر اسکا سر ہم انشاء اللہ تعالیٰ بیان کر دینگے۔

سو یاد رہے کہ یہی اعتراض مخالفوں کے اعتراضات کا سرچشمہ ہے باقی تمام اعتراضات اس اعتراض کے باعث پیدا ہوتے ہیں اس اعتراض کے لیے کوئی برہمو۔ اور شریف ومتین مسیحی اور فلسفی تیار نہیں ہوا اور نہ ایسے گروہ سے خیال ہو سکتا ہے کہ توجہ کرے۔ اس اعتراض کے جوشیلے معترض اڈیٹر اہل حدیث اور امرتسر کے نرم دل۔ مرنج ومرنجان مرحوم ومغفور انسان عبد اللہ الغزنوی رحمۃ اللہ۔ کی طرف تلمذ کا مدعی عبد الحق ہے۔ ہاں۔ ایک امرتسری وکیل بھی ہیں جو ایک طرف تو ہمیں متانت وبردباری کی تعلیم دیتے ہیں اور دوسری طرف علمائے کرام اور اپنے خطبائے عظام کو ہماری مخالفت میں تیز قلمیں اُٹھانیکی ترغیب دیتے ہوئے ہیں اور ہمارے امام کو جتنا بُرا کہنا اسکی ابتدائی کارروائی میں جسقدر زور لگانا اسکو مناسب تھا اس سے بہت زیادہ زور لگایا۔ اللہ تعالیٰ ہی اسکو اسکا بدلہ دے۔ اللّٰھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذ بک من شرورھم۔ اللّٰھم اکفنا شرھم بما شئت۔

مرزا صاحب مغفور کی کیا عمر تھی جب آپکا انتقال ہوا اسکے لیے میں کوشش میں ہوں کہ پتہ لگے مرزا سلطان احمد نے تولد کا سنہ ۳۶ و ۲۷ بتایا ہے پس اس شمسی حساب سے آپکی عمر قمری حساب میں صحیح مگر قبل از اطلاع تام خواہ مخواہ اگر مان لیں کہ آپنے کچھ عمر کم پائی ہے

تو ایڈیٹر اہل حدیث اور عبدالحق کا علاج ایک حدیث شریف کے نسخہ سے شروع کرتا ہوں۔ والشافی ہو اللہ تعالیٰ۔ ہو الشافی۔ ترمذی شریف کی تفسیر سورۃ الاعراف اور خلاصۃ مشکوٰۃ باب القدر میں ہے حدثنا عبد بن حمید نا ابونعیم نا هشام بن سعد عن زید بن اسلم عن ابی صالح عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لما خلق الله اٰدم مسح ظهره فسقط من ظهره کل نسمة هو خالقها من ذریته الی یوم القیامه وجعل بین عینی کل انسان منهم وبیصا من نور ثم عرضهم علی اٰدم فقال ای رب من هٰؤلاء قال هٰؤلاء ذریتك فرایٰ رجلاً منهم فاعجبه وبیصًا ما بین عینیه فقال ای رب من هٰذا قال هٰذا رجل من اٰخر الامم من ذریتك یقال له داؤد قال رب وکم جعلت عمره قال ستین سنة قال ای رب زده من عمری اربعین سنة۔

فلما انقضی عمر اٰدم جاءه ملك الموت فقال اولم یبق من عمری اربعون سنة قال اولم تعطها الابنك داؤد قال فجحد اٰدم فجحدت ذریته ونسی اٰدم فنسیت ذریته وخطی اٰدم فخطئت ذریته۔

هٰذا حدیث حسن صحیح وقد روی من غیر وجه عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم۔

تفسیر درمنثور میں ابن ابی حاتم و ابن منده و ابوالشیخ و ابن عساکر سے اس مضمون کی روایات کثیرہ اس کی تائید میں موجود ہیں اور ان میں یہ لطیفہ قابل قدر ہے کہ جملہ نسی آدم ونسیت ذریتہ وجحد آدم فجحدت ذریتہ کو ابوہریرہ کا قول بتایا ہے۔ اور و اذ اخذ ربك من بنی اٰدم کے نیچے بیان کیا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک عظیم الشان انسان کی عمر سے چالیس برس

کم ہو گئے۔ اور ہمارے امام مرزا جی کو میں آج نہیں کہتا۔ براہین احمدیہ کے لکھتے وقت یا ادم اسکن انت و زوجك الجنة کا الہام ہو چکا تھا۔ اور اسے آدم کہا گیا۔ پھر اگر یہاں مانا جاوے کہ چار یا پانچ برس کی کمی ہوئی اگرچہ واقع میں کمی نہیں ہوئی تو آپ لوگوں نے کیوں حسن ظن سے کام نہ لیا۔ احادیث صحیحہ سے ایاکم و الظنّ فان الظن اکذب الحدیث ثابت ہے۔

اس میرے بیان کی تصدیق اول ان صدہا بلکہ ہزارہا الہامات سے ہوتی ہے جنکی صداقت مرزا صاحب مغفور کی زندگی میں ہم دیکھ چکے۔ پھر آپکی کامیابیوں کو آخر آپکی بعد الوفات کامیابی اور وحدت سے ہم دیکھ چکے ہیں۔ فجزاہ اللہ عنا احسن الجزاء۔ عبد الحکیم اگر اس حدیث کا انکار کرے تو تعجب نہیں کیونکہ اس کے نزدیک نجات کی بے انت راہیں اتنی وسیع ہیں کہ انبیا پر ایمان بلکہ ایمان باللہ بھی ضروری نہیں۔ مگر وہ ابتک قرآن کریم سے تمسک پکڑتا ہے۔ اس لیے اسکو ہم یہ آیت کریمہ سناتے ہیں ما ننسخ من اٰیة او ننسها نأت بخیر منها او مثلها الم تعلم ان اللہ علی کل شیئ قدیر۔ یہاں آیت کا لفظ ایک وسیع لفظ ہے انسانوں پر بھی بولا جاتا ہے دیکھو اللہ تعالیٰ ایک ویران بستی پر گذرنے والے کو مخاطب کرکے فرماتا ہے ولنجعلك اٰیة للناس۔ یہاں اس گذرنے والے کو آیت فرمایا ہے جو لوگ دنیا میں مامور ہو کر آتے ہیں وہ بھی آیت اللہ ہوتے ہیں اور انکا اس دنیا سے کوچ کر جانا انکے عنصری وجود کی نسخ ہوتی ہے۔ بلکہ ایک زمانہ ایسا بھی آتا ہے کہ بعض آیات بھول بھی جاویں۔ لاکن رحمت الٰہیہ نأت بخیر منها او مثلها ہمکو عمدہ تسلی بخش ہے۔ جسپر ہم ایمان لاکر یقین کرتے ہیں کہ آپکی اولاد سے آپکے خیر کان اللہ نزل من السماء یا کم سے کم آپکی مثل آنیوالا ہے اور نسخ کے ایسے وسیع معنے لینے میں السید عبد القادر الجیلانی جیسے بزرگ ہمارے ساتھ ہیں۔

مسیح کی وفات کا مسالہ آپکی زندگی میں مہتم بالشان مسالہ تھا۔اور یہی مسالہ ہم لوگوں کے لیے ہماری زندگی میں بھی وفات المسیح کا مسالہ مہتم بالشان ہوگیا۔ یاد رکھو کبھی دعاؤں۔ صدقہ و خیرات و علاج و معالجہ سے قضا و قدر ٹلتی ہے۔ اور گاہے صبر و شکر اور و لنبلونّ کی حکومت سے ہماری تدابیر ٹل جاتی ہیں۔ اور اس عجیب قدرت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکو الایمان بین الخوف والرجاء کا مسالہ سکھایا گیا ہے اور یہ خوف و رجا ہمارے لیے دو پر عطا کیے گئے جیساکہ سید عبدالقادر الجیلی نے فتوح الغیب میں اس کا بسط فرمایا ہے۔

ایک صوفی اور اسکا معظم و مکرم قادری بھی خوشیاں کرتے ہیں اور وہ یقین کرتے ہیں کہ عمر والے الہام میں وہ جیت گئے انکو میں حضرت السید عبدالقادر الجیلی کا ایک قول سناتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہانتک وہ قادری اور صوفی مشرب ہیں اگر یہ دوائی ان کے لیے مفید نہ ہوئی تو سلاسل اربعہ کے اقوال بطور حجۃ انکے پیش کرونگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وما توفیقی الا باللہ۔ اور اس آپکے بیان سے میری تحریر بالا کو صفائی سے تائید ملتی ہے۔ جس کا مینے نسخ کے معنے میں ذکر کیا ہے۔ حضرت السید الجیلی مقالہ ۵۶ میں عبودیت کا ذکر فرماتے ہوئے اور اس کے انعامات کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

	ترجمہ
فیختار العبد مع اللہ عز وجل	کامل عبودیت کے بعد بندہ اللہ تعالیٰ کو
ویرید بارادتہ عز وجل	پسند کر لیتا ہے اور اللہ ہی کے ارادہ و
ویدبر بتدبیرہ ویشاء بمشیتہ	تدبیر و مشیت و رضا کے ساتھ اپنے ارادہ و
ویرضیٰ برضاہ ویمتثل امرہ	تدبیر و مشیت و رضا کو وابستہ کر لیتا ہے
دون غیرہ ولا یری لغیرہ	اور اُسی کا حکم مانتا ہے نہ غیر کا اور اللہ کے سوا
عز وجل وجوداً ولا فعلاً فی	کسی کا حقیقی وجود و فعل نہیں مانتا پس ایسے

يجوز ان يعد الله الوعد
ولا يظهر للعبد وفاء
بذلك ولا يبلغه ما قد
توهم من ذلك لان الغيرية
قد زالت بزوال الهوى
والارادة وطلب الحظوظ
وصار في نفسه فعل الله
عز وجل وارادته ومراداً
له عز وجل فلا يضاف اليه
وعد ولا خلف لان هذه
صفة من له هوى وارادة
فيصير الوعد ح في حقه
مع الله عز وجل عزم على
فعل شئ في نفسه ونواه
ثم صرفه الى غيره
كالناسخ والمنسوخ فيما اوحى
الله عز وجل الى نبينا محمد
صلى الله عليه وسلم

ما ننسخ من اية او ننسها
نات بخير منها او مثلها الم تعلم
ان الله على كل شئ قدير۔

وقت میں ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے کوئی وعدہ کرے
اور ظاہر نہ کرے بندہ کے لیے اس وعدہ کی وفا کو۔
اور پہنچاتا ہی نہیں اس بات پر جسکا اس بندہ کو
خیال تھا۔ کیونکہ اس بندی اور اس کے معبود میں
غیریت اسلیے دُور ہوگئی کہ بندی کی خواہش دُور ہوگئی
اور اسکا ارادہ اور طلب حظوظ بھی تو اس لیے اس بندہ کے
افعال افعال الٰہیہ ہوجاتے ہیں تو وہ وعدہ اور
اس کے خلاف کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ
ہوگیا۔ کیونکہ وعدہ اور اسکا خلاف تو غیریت سے وابستہ
تھا پس اسوقت عبودیت میں جو وعدے اس
بندے سے ہوئے ایسے ہوجاتے ہیں کہ گویا کسی بندہ نے
آپ ہی ارادہ کیا اور پھر اس ارادہ اور اس نیت
کو کسی دوسرے کام میں لگا دیا اور یہ معاملہ
ناسخ و منسوخ کی طرح ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ نے
اپنی کتاب ..... میں جو ہمارے نبی کریم محمد
صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی فرمائی اس میں فرمایا
ہے
کہ

اگر ہم منسوخ کردیں کسی بات کو یا بھلا دیں تو
لاتے ہیں بہتر اس سے یا اسکی مثل کیا تو نہیں جانتا کہ
اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔

اس تعلیم پر قادری ہونے کے مدعی۔ اور السید عبد القادر جیلانی کے معتقد توجہ فرماویں۔ اگر حضرت مرزا صاحب کا کوئی ارادہ اور خواہش تمہارے لیے ٹھوکر کا باعث ہو تو اسی مقالہ میں غور کریں حضرت جیلانی فرماتے ہیں لما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم منزوع الھوی والارادۃ سوی المواضع التی ذکرھا اللہ عزوجل فی القراٰن۔ یہاں سوے المواضع کے مقام میں مرتبہ خاتم النبیین و رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مرتبہ غلام احمدؑ کا مدنظر رکھ لیں تو انشاء اللہ تعالیٰ.... اُنکا بھلا ہوگا۔

اب میں اس اپنی پہلی تحریر میں مسئلہ وفات مسیح کو ان اشعار پر جو ایک صوفی اور انکے متبعین کے لیے انشاء اللہ مفید ہونگے لکھتا ہوں۔ یہ نظم حضرت کی ہے۔ اور ایک احمدی خلیفہ رشید الدین نے ۲۵ مئی کو لکھی اور ۲۶۔ کو بمقام قادیان ۱۰ بجے خوش قلم لکھوائی۔ حالانکہ واقع وفات ۱۰½ بجے کو ہوا۔

آنانکہ گشت کوچۂ جاناں مقام شان ∴ ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام شان
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ∴ میر د کسیکہ نیست مرامش مرام شان
اے مردہ دل بکوش پئے ہجو اہل دل ∴ جہل و قصور تست نفہمی کلام شان

ایک لڑکی کے متعلق کہ اس سے آپکی شادی ہوگی۔ اور ایک عورت سے زلازل کے پہلے ایک لڑکا ہوگا۔ اور پانچویں اولاد کی بشارت پر جو اعتراض ہیں۔ انکا للہ و باللہ قرآنی جواب یہ ہے کہ کتب سماویہ کا طرز ہے کہ مخاطب ہے گا ہے خود مخاطب ہی مراد ہوتا ہے اور گاہے وہ اور اسکا جانشین اور اسکی اولاد بلکہ اسکا مثیل مراد ہوتا ہے مثلاً۔ اللہ تعالیٰ زمانہ نبوی میں فرماتا ہے اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ اس حکم الٰہی میں۔ خود مخاطب اور انکے مابعد کے لوگ شامل ہیں جو ان مخاطبین کی مثل ہیں۔ اور جعلکم ملوکا میں مخاطب تو مراد ہی نہیں مگر اور

انکے پس ماندوں میں بھی بعض ہی مراد ہیں - کیونکہ بنی اسرائیل اس خطاب کے وقت بادشاہ نہ تھے بلکہ اس خطاب کے بعد چالیس برس جنگل میں بھٹکتے پھرے ہلاک ہوئے اور اس نسل میں سوائے دو کے کسی کا پتہ نہیں لگتا - اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بنی اسرائیل کو ارشاد ہوتا ہے - حالانکہ وہ مرتکب نہیں -

۱- اِذْ اَنْجَیْنَاکُمْ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَاءَکُمْ -

۱- یاد کرو جب ہم نے بچایا تمکو فرعون سے تمکو برا دکھ دیتے اور تمھارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمھاری عورتوں کو زندہ رکھتے -

اور فرماتا ہے - اِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنَاکُمْ -

۲- اور جب فرق ڈالدیا ہم نے تمھارے لیے دریا میں اور پھر بچالیا تم کو -

پھر فرماتا ہے - ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَنْتُمْ ظَالِمُوْنَ -

۳- پھر بنا لیا تمنے بچھڑے کو معبود پیچھے اس کے اور تم ظالم ہو -

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا ھٰذِہِ الْقَرْیَۃَ فَکُلُوْا مِنْھَا -

۴- اور جب کہا ہم نے داخل ہو تم ان بستی میں پس کھاؤ تم اس سے -

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا -

۵- اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم صبر نہ کریں گے ایک طعام پر پس دعا مانگ ہمارے لیے -

اور کثرت سے یہ طرز قرآن مجید میں ہے کہ مخاطب کوئی ہوتا ہے اور مراد گاہے وہی اور گاہے اس کا مثل ہوتا ہے - اسی طرح ضمیر غائب میں کبھی خود مرجع مراد ہوتا ہے اور گاہے اسکا مثل - نحو میں اَخَذْتُ الدِّرْھَمَ وَنِصْفَہٗ کی مثال دیتے ہیں کیونکہ اس سے منشاء عرب ڈیڑھ درہم ہوتا ہے نہ ایک درہم اور قرآن کریم کی بہت جگہ میں سے ایک جگہ لکھتا ہوں وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ

معمر ولا ینقص من عمرہٖ ۔ اور نہیں عمر دیا جاتا بڑا بوڑھا اور نہ کچھ کم کیا جاتا ہے بوڑھے کی مثل اور کم عمر کی عمر سے۔ اس آیت میں عمرہٖ کی ضمیر معمر کی طرف تو جا نہیں سکتی اس لیے معمر کی مثل اور انسان مراد ہے۔

ضمیر متکلم میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے چند مثالیں سُن لو لو کان لنا من الامر شیئ ما قتلنا ھٰھُنَا ترجمہ ۔ اگر اس حکومت میں ہمارا تعلق و دخل ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔

اب یہاں ایک مسلمان غور کرے کہ قتلنا کہنے والے کیا مقتول اور جنگ احد کے شہید مراد ہیں یا انکے زندہ بھائی بند مراد ہیں۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر ۔ ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں اُتارا ہی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو تعظیماً یا جمع ہو قرآن کریم کا منزل بیان فرماتا ہے۔

پھر اپنے خادم کو فرماتا ہے ۔ نزل به الروح الامین ۔ اس قرآن کو روح الامین نے نازل کیا ہے ۔ بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا جبرئیل کی نسبت فرماتا ہے انه لقول رسول کریم ۔ یہ قرآن رسول کریم کا قول ہے۔

اسماء ظاہر میں بھی جب وہ فاعل واقع ہوں ایسا ہی قاعدہ قرآن کریم میں پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے ۔ ۱ ۔ اللہ یتوفی الانفس حین موتها ۔ اللہ تعالیٰ روح کو قبض کرتا ہے موت کے وقت ۔ اور پھر فرماتا ہے ۲ ۔ قل یتوفٰکم ملک الموت الذی وکل بکم ملک الموت جو تم پر وکیل ہے وہ تمہاری روح کو قبض کرتا ہے ۔ اور پھر فرماتا ہے ۔ ۳ ۔ ان الذین توفٰهم الملائکة ظالمی انفسهم ۔ ان ظالموں کی روح کو ملائکہ قبض کرتے ہیں۔

ان آیات کریمہ میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ ہی کو متوفی فرمایا ہے اور پھر ملک الموت کو اور پھر اور اور ملائکہ کو۔

اب تمام اہل اسلام کو جو قرآن کریم پر ایمان لائے اور لاتے ہیں۔ ان آیات کا یاد دلانا مفید سمجھ کر لکھتا ہوں۔ کہ جب مخاطبۃ میں مخاطب کی اولاد۔ مخاطب کے جانشین اور اسکے مماثل داخل ہو سکتے ہیں تو احمد بیگ کی لڑکی یا اُس لڑکی کی لڑکی۔ کیا داخل نہیں ہو سکتی اور کیا آپکے علم فرائض میں بنات البنات کو حکم بنات نہیں مل سکتا؟ اور کیا مرزا کی اولاد مرزا کی عصبہ نہیں میں نے بارہا عزیز میاں محمود کو کہا کہ اگر حضرت کی وفات ہو جاوے اور یہ لڑکی نکاح میں نہ آوے تو میری عقیدت میں تزلزل نہیں آسکتا پھر یہی وجہ بیان کی والحمد للہ رب العالمین۔ اسی طرح مبارک احمد کے بدلہ میں اگر اللہ تعالیٰ اسکا نعم البدل عطا کرے جس کا ہم کو یقین ہے کیونکہ اللہ و رسول کا ہم سے وعدہ ہے۔ کہ اگر ہر ایک ہم سے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللّٰھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منہا دل سے پڑھے تو اسے نعم البدل عطا ہوتا ہے پس ہم نے ایمان سے اسکو پڑھا۔ اور جس دن پانچواں مبارک احمد کا بدلہ دنیا میں آیا۔ اور علم فرائض کے موافق و لابن الابن حکم الابن موجود ہے تو آپ لوگ کیا کرینگے۔ پس یہ تمام پیشگوئیاں اگر بظاہر منسوخ ہوں تو ہمیں حرج نہیں اور اگر اپنے شرعی رنگ میں اللہ تعالیٰ سے پوری ہوئیں اور ہونگی تو تم کیسے خطرہ میں ہو اس لئے ہم بہرحال جیت اور فتح میں ہیں۔ مرزا صاحب کی اولاد میں چھ موجود ہیں والحمد للہ رب العالمین۔ پس انہیں سے ایک بھی اولوالعزم ہوا یا انکی اولاد سے وہ عمانوئیل عظیم الشان ولد طیب پیدا ہوا تو اسوقت آپ خود اور آپکی اولاد دنیا کو کیا منہ دکھاسئے گی اگر تم مر گئے تو تمکو کیا کہینگے مولوی ثناء اللہ نے زنگا رنگ کی احتیاط سے کام لیا ہے اور اخبار وکیل نے بھی

کارسپانڈنٹ میں ہماری نسبت تائیدی فقروں کے لکھنے سے دریغ نہیں کیا۔ اور گوجرانوالہ کے شریف الطبع خالصہ نے جو شرافت کا نمونہ دکھایا اور اسی طرح ریاض لکھنؤ کے ایڈیٹر نے جو شرافت بھرے کالم سے کام لیا ہے۔ اس کے ہم سب احمدی شکرگذار ہیں اور ایڈیٹر مسلم کرانیکل کلکتہ کی تار کا خصوصیت سے شکریہ کرتے ہوئے جزاہ اللہ احسن الجزاء کہتا ہوں۔

بعض جگہ دیسی عیسائیوں نے خوشیوں کے نعرے مارے اور جلسے بھی کہتے ہیں کیے مگر وہ غالباً معذور ہیں کہ اگر ایسا نہ کریں تو اپنی خوش اعتقادی کا اور کیا ثبوت دیں انکی کتاب مقدس نیو ٹسٹمنٹ حلت و حرمت سے ساکت ہے احکام شرائع کی پابندی سے پولُس نے روک دیا تو اپنی خوشی و خیالات کا اور ثبوت کیا دیں ہاں وہ پہلی انجیل میں ہی دیکھ سکتے تھے۔ کہ یسوع کا مرنا ایسا ہوا بارہ داڑھیاں سے ایک نے پکڑوایا اور پطرس نے اپنے مقتدا پر لعنت کا پتھر پھینکا اور تتر بتر ہو گئے۔ مگر آخر ان کے نزدیک وہ کامیاب ہوا۔ تو یہاں جو نمونہ ان لوگوں نے دیکھا کیا اس سے ایک عاقبت اندیش عقلمند کچھ اندازہ نہیں لگا سکتا۔

کم عمری کا اعتراض ہمارے زیر نظر ہے۔ مگر اس ملک پنجاب میں خاص گاؤں میں افراتفری سکھوں کے عہد میں آئی ہوا اس سے اور جو خاندانوں اور شرفا میں کالیٹ پڑی اور انکا ذکر حضرت مہدیؑ نے اپنی تصانیف میں بھی مفصل فرمایا ہو ایسے وقت میں گاؤں کے لوگ نہیں تاریخ تولد کا پتہ لگنا ایک مشکل کام ضرور ہو اور الٰہی مصلحت بھی معلوم ہوتی ہو کہ آپ ہی سے ہے تا دشمن ذرہ ٹھٹھا کرلے اسلئے ہمیشہ حضرت مرزا صاحب نے تخمیناً سے اس معاملہ میں کام لیا ہو۔ اظہار نہیں کی آخر تخمیناً ہی سے کام لینا پڑا اسی لئے کچھ قدر اختلاف ہوا۔ نصرۃ الحق کے صفحہ ۹۶ میں ارقام فرماتے ہیں (اور جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں وہ تو چوہتر اور چھیاسی کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں۔ اور صفحہ ۹۳ میں ارقام فرمایا ہو عمر کا اصل اندازہ تو خدا کو معلوم ہے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہو اب اسوقت تک جو سنہ ۱۳۲۳ھ ہے میری عمر ستر کے قریب ہے واللہ اعلم اسکو ایک عقلمند غور سے دیکھے اب میں جماعت احمدیہ کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ وہ تحمل بردباری و عاقبت اندیشی اور تقویٰ طہارت سے کام لیں اور دعاؤں میں لگے رہیں ابتداءً دشمن سے مقابلہ نہ کریں کیونکہ اسلام دفاعی مقابلہ کی اجازت دیتا ہو ہیں جب ہو دشمن مخالفانہ بات کرے۔ تو اسوقت جناب الٰہی میں تضرع سے دعا کرکے جواب دیں اور یاد رکھیں۔ کہ اللہ تعالیٰ بہت ہی جلد تمہاری تائید کی راہیں کھولنے والا ہو۔ والسلام (نور دین)

۱۴ر جون ۱۹۰۸ء

حضرت مسیح موعود کے وصال پر چند مختصر نوٹ

مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ
فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ

آہ! صحابہ رضی اللہ عنہم پر وہ کیسا غم کا دن تھا جس دن اُن کا آقا اور محبوب اُن سے جدا ہو کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا - اس کا کسی قدر اندازہ اِس شعر سے ہوتا ہے جو میںنے اس عنوان میں لکھا ہی آج تیرہ سو سال بعد اپنے ایک دوسرے محبوب اور آقا کی جدائی پر جو درحقیقت اُسی پہلے محبوب کا ہی بروز تھا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھنے کے بعد ہم اپنے دل کے غم کے اظہار کیلئے اسی شعر مذکورۃ الصدر کو پڑھتے ہیں - جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہم لوگ اپنے پیارے امام کی ہمسے اتنی جلدی جدا ہونیکی توقع نہ رکھتے تھے وہ غلطی کرتا ہے اپنی جدائی کا پیغام تو ہمارا پیارا آقا ہمین آج سے قریب اڑھائی سال پیشتر دے چکا تھا جب دسمبر ۱۹۰۵ء کے جلسہ مین **الوصیت** کو شائع کر کے اور پھر زبانی تقریروں میں اپنے دوستون کو یہ سنایا تھا کہ اب میرا کام پورا ہو چکا ہے اور میرے خدا کی طرف سے مجھے خبر ملگئی ہے کہ میں عنقریب اُس سے جا ملنے والا ہوں - اور پھر اسکے بعد متواتر الہامات آپ کی وفات کے دلوں کو ہلا دیا کرتے تھے - مگر ہم آپ کی جدائی کے خیال کو برداشت نہ کر سکتے تھے - اور جبتک خدا تعالیٰ نے اِس واقعہ کو وارد کر کے ہمیں اُسکی برداشت کیلئے خود اپنی طرف سے طاقت نہیں دیدی اُس وقت تک بیشک ہمارے دل اِس خیال سے کپکپا جایا کرتے تھے - دُنیا میں عمُوماً ایک شخص کا دوسرے سے ایک ہی قسم کا تعلق ہوتا ہے پھر کس قدر اُسکی خواہش ہوتی ہے کہ اسکی جدائی پیچھے ہی پیچھے ہٹتی جائے اور جب وہ واقع ہو جاتی ہے تو کس قدر اُس کے دل کو اس سے غم پہنچتا ہے - اِسی سے ہماری خواہش اور ہمارے غم کا اندازہ کر لو جن کا

وہ جدا ہونے والا محبوب بھی تھا اور محبوب بھی ایسا کہ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب
الیہ من والدہ وولدہ کا مصداق اور پھر وہ ہمارا آقا بھی تھا۔ پھر وہ ہمارا ہادی
اور ہمارا رہنما بھی تھا جس نے ہمیں خدا کی راہیں دکھائیں۔ پھر وہ ہمارا دوست
اور غمخوار بھی تھا ایسا غمخوار کہ دوسرا ایسا ہو نہیں سکتا۔ پھر وہ ہمارا باپ بھی تھا ایسا
باپ کہ جس سے ہمیں روحانی زندگی ملی اور ہم ایک مُردگی کی حالت سے باہر نکالے گئے
پھر وہ ہر مصیبت کے وقت میں ہمارا تسلی دینے والا بھی تھا۔ اور ہر غم کے وقت ہمیں
خوش کرنے والا تھا۔ ہزارہا غموم اور ہموم کے وقت مین اُسکے نورانی چہرہ پر ایک نظر یا اسکی
آنکھ کی ایک نظر یا اسکی مبارک زبان سے ایک لفظ غموں کی گھٹاؤں کو پاش پاش کر دیتا
تھا۔ وہ ایک ایسا سورج تھا جسکی شعاعوں کے سامنے کوئی بادل آ نہ سکتا تھا۔ پس ہمارے
دل اس خیال کو کیونکر برداشت کر سکتے تھے کہ وہ بھی ہمسے جدا ہونیوالا ہے حالانکہ ہم جانتے
تھے کہ یہ بات ٹلنے والی بھی نہین۔ یہ وہ دلوں کی کیفیت ہے جس کو غلطی سے ان الفاظ
سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ آپ کے مریدین کیلئے آپ کی موت غیر متوقع تھی۔

حضرت مرزا صاحب کی وفات کا نتیجہ

حضرت میرزا صاحب کی وفات سے جو غم ہمیں پہنچا
ہے یا جو خوشی ہمارے دشمنوں کو ہوئی ہے وہ اسی سنت اللہ کے مطابق ہے جس کا ذکر خدا
کی پاک کتاب مین ان الفاظ میں ہوا ہے "اِن یمسسکم قرح فقد مسّ القوم قرح مثلہ
وتلک الایام نداولہا بین الناس" یعنی اگر تم (مومنوں کی جماعت) کو کوئی دکھ اور
تکلیف پہنچی ہے تو تمہارے مخالفوں کو بھی اسی قسم کے دُکھ اور تکلیفیں پہلے پہنچ چکی ہیں۔
اور ہماری سنت یہی ہے کہ ہم خوشی اور غم کے دن نوبت بنوبت لوگوں میں پھیرا کرتے ہیں
اسی سنت اللہ کے مطابق ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۶ء کو الہام الٰہی "دشمن کا بھی ایک وار نکلا
وتلک الایام نداولہا بین الناس" کے عنوان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک
اشتہار شائع کیا تھا۔ سو آج آپ کی وفات سے یہ الہام الٰہی پورا ہوا۔ مگر یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مومنوں

اور اُن کے مخالفوں میں اِس خوشی اور غم کی پوری مساوات ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ مومنوں کو غم پہنچاتا ہے مگر اِس غم کی تہ میں ایک خوشی ہوتی ہے اور مخالفوں کو جو خوشی پہنچاتا ہے وہ ایک جھوٹی خوشی ہوتی ہے جس کا انجام رنج اور دکھ ہوتا ہے عاقبت صرف متقین کے لئے ہوتی ہے۔ سو اگرچہ ہمارے امام کی وفات بظاہر ہمارے مخالفوں کیلئے خوشی اور ہمارے لئے غم کا موجب ہے لیکن اگر واقعات پر غور کر کے دیکھا جاوے تو اِس خوشی اور غم میں وہ باریک فرق نظر آتا ہے جو سچے مومنوں اور اُنکے مخالفوں کے غم اور خوشی میں ہوا کرتا ہے۔ ہمارے مخالفوں کو ساری عمر انتظار کرتے کرتے یہ خوشی کا موقعہ ملا تھا مگر کیا حضرت مرزا صاحب کی وفات سے انکو واقعی خوشی ہوئی؟ میں نے اہل فقہ میں ایک مضمون حضرت اقدس کی وفات پر پڑھا ہے جسمیں مضمون نویس لکھتا ہے کہ ہمیں تو اُمید تھی کہ احمدی مرزا صاحب کی لاش کو چھوڑ کر بھاگ جائینگے میں پوچھتا ہوں پھر تمہاری امیدوں کو خدا نے خاک میں ملایا یا نہیں؟ یتربصون بکم الدوائر علیہم دائرۃ السوء۔ مخالفین کو جو حضرت صاحب کی وفات کا انتظار تھا تو صرف اسلئے تھا کہ اُن کو یہ یقین تھا کہ بس مرزا صاحب کے مرنے سے یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائیگا اور ساری عمر وہ یہی انتظار کرتے تھک گئے کہ کب مرزا صاحب انتقال کریں اور کب یہ سلسلہ ٹوٹے۔ آخر جب وہ موقعہ آیا اور اونہوں نے سمجھا کہ ہماری خوشی کے دن آئے تو معًا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایک ہاتھ دکھا کر ان سب امیدوں پر پانی پھیر دیا اِس میں کچھ شک نہیں کہ اگر اس سلسلہ پر کوئی بڑی سے بڑی مصیبت آسکتی تھی تو وہ یہی اسکے بانی کا اس دنیا سے رخصت ہونا تھا اور اگر کبھی اسکے ٹوٹنے کا اندیشہ ہو سکتا تھا تو اسی موقعہ پر ہو سکتا تھا مگر قربان جائیں اس خدا کے جس نے اسے قایم کیا کہ اس نے اس نازک موقعہ پر کیسا دست قدرت دکھایا اور کیسا عجیب تصرف دلوں پر کیا۔ میں اپنے دوستوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اس واقعہ نے ہمارے دشمنوں کی کمریں توڑ دی ہیں اور اُنکی ساری آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا ہے جس واقعہ کو وہ مدت سے اس سلسلہ کی تباہی کا موجب سمجھ رہے تھے وہی آج اُسکی تقویت کا باعث ہو گیا۔ یہ ہے

خدا کی نصرت - مصائب کا آنا تو ضروری ہے اور جس طرح وہ خدا تعالیٰ کے قایم کردہ سلسلہ
میں شامل ہونیوالوں پر آتے ہین اسی طرح اُن کے معاندین پر بھی آتے ہین مگر یہاں بھی
اللہ تعالیٰ مساوات نہین رہنے دیتا بلکہ اپنے تصرف کا ہاتھ کھلا کھلا کام کرتا ہوا دکھا دیتا
ہے پس حضرت مرزا صاحب کی وفات کا سب سے بڑا اور کھلا کھلا نتیجہ تو یہی ہے کہ اس سلسلہ
کے دشمن سمجھ گئے ہین کہ اب اس سلسلہ کے پانوں مضبوط ہو گئے اور یہ کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا - یہ تو
ہماری باری تھی کہ ہمپر ایک مصیبت آئی اور اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت مین اس سلسلہ کو اور مستحکم فرمایا اور
اسکے پانوں کو اور بھی مضبوط کر دیا اور جو لوگ اسمین داخل ہیں انکی ہمتوں کو اور بھی بڑھا دیا - اور
دوسری طرف ہماری مخالفین کی کمروں کو توڑ دیا اور اُن کی برسوں کی آرزوؤں اور امیدوں کو
ایک مرتبہ خاک میں ملا دیا - غرض جب یہ خدا کا فضل ہمپر اس وقت ہوا جب اس نے اپنے
قانون کے مطابق ہمپر ایک مصیبت بھیجی تھی - پھر جب ہمارے مخالفوں کی باری آئیگی اور تلک
الایام ندا ولہا بین الناس کے مطابق وہ ضرور آنی چاہیئے تو اس وقت ہمین اپنے مولا سے کیا
کیا امیدیں نہ رکھنی چاہئیں - ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق و انت خیر الفاتحین

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے یہ ایک خدا کے صادق نبی کا قول ہے اور
درحقیقت ایک بہت سچی بات ہے اگر ایک
شخص میں خود راستی نہین بلکہ وہ کذاب اور مفتری ہے اور اسمیں خود قوت قدسی نہیں بلکہ وہ
ایک گندہ آدمی ہے جو مکر و فریب سے لوگوں کے مال کھاتا ہے اور خدا پر افترا کے
گند پر منہ مارتا ہے تو وہ دوسروں میں راستی کی روح کیونکر پھونک سکتا ہے اور اُن کو
گندوں سے کیوں کر پاک کر سکتا ہے - مرزا صاحب کی صداقت یا غیر صداقت کے
پرکھنے کے لئے آسان سے آسان یہی راہ ہے کہ جس جماعت کو وہ تیار کر کے چھوڑ گئے
ہیں اس جماعت کو دیکھو کہ اسکی کیا حالت ہے - سیکڑوں نہیں ہزاروں آدمی قسم کھا کر
شہادت دے سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ہادی و مرشد کے پاک انفاس کی وجہ سے

ایک گندی زندگی سے نکل کر ایک پاکیزہ زندگی حاصل کی ہے مگر میں اس وقت اس بات کو پیش نہیں کرتا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ وہ لوگ جن کو اس سلسلہ سے تعلق نہیں مگر اس سلسلہ کے وابستگان سے انہیں اکثر تعلق پڑا ہے وہ بھی ایمانی شہادت دے سکتے ہیں کہ جو خضوع خشوع انکی نمازوں میں دیکھا گیا ہے جس طرح کی عملی حالتیں انکی دیکھی گئی ہیں جو محبت قرآن کریم سے ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو سچی عظمت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انکے دلوں میں پائی جاتی ہے وہ عام طور پر دوسرے لوگوں میں نہیں پائی جاتی مگر میں اس بات پر بھی اس وقت بحث نہیں کرونگا۔ میں احمدی جماعت کی ایک خاص اور امتیازی خصوصیت کو اس وقت پیش کرتا ہوں اور خدا ترس دلوں سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ خدا کے لئے اسکا سچا جواب دیں۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ بحیثیت ایک جماعت کے جو جوش دین کی تبلیغ اور خدمت کا اور اسلام کی اشاعت کا احمدیوں کے دلوں میں ہے کیا وہ اس وقت کسی اور جماعت میں بھی ہے؟ جس طرح بحیثیت ایک جماعت کے (میں افراد کا ذکر نہیں کرتا) احمدیوں نے اپنے مال نہیں بلکہ اپنی جانیں اسلام کی اشاعت اور خدمت کیلئے قربان کی ہیں اور اپنے آپ کو گویا اس راہ میں وقف کر دیا ہے کیا اسکی دوسرے مسلمانوں میں کوئی نظیر بھی ہے؟ پھر میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ یہ جوش اسلام کے لئے اور خدا اور اسکے رسول کا نام بلند کرنے کے لئے کس نے اس جماعت کے دل میں ڈالا؟ اگر خود اسکے امام اور ہادی کے دل کے اندر یہ جوش دوسرے تمام جوشوں پر غالب نہ تھا تو اس کے پیرووں کے دل میں کہاں سے آگیا؟ وہ نام جو آپ لوگوں نے مرزا صاحب کے لئے تجویز کئے مکار اور فریبی اور مال مردم خور اور نفس پرست اور کذاب اور مفتری اور دجال۔ خدا کے لئے ایک لمحہ کے واسطے ان کے مفہوم پر بھی غور کرو۔ اور دوسری طرف احمدیوں کے دل میں جو جوش اعلائے کلمۃ اللہ اور خدمت اسلام کا تم دیکھتے ہو جس کا ثبوت انہوں نے

اپنے مال اور اپنی جانیں اس راہ کیلئے قربان کر کے دیدیا ہے۔ اِس پر بھی غور کرو اور پھر خود ہی بتاؤ کہ کیا تمہارے نزدیک ایک مفتری کذاب - دجال - مکار - فریبی نفس پرست کی تعلیم کا یہی اثر ہونا چاہیئے ؟ اور کیا تمہارے پاس اس قسم کی کوئی اور مثال بھی ہے ؟ جس بات کیلئے تم خود عیسائیوں کو ملزم قرار دیتے ہو کہ اگر ایک صادق اور راستباز صحابہ کا معلم نہ ہوتا تو ان میں صداقت اور راستبازی کی روح کہاں سے آجاتی - آج اسی بات کے لئے حضرت مرزا صاحب کے معاملہ میں تم خود ملزم ٹھہرتے ہو - ہاں اِن باتوں پر اچھی طرح غور کر لو اور سوچ لو کہ کہیں تمہارے اعتراضوں کا نشانہ خود اسلام ہی تو نہیں بنتا ؟ وہ بیج تو تم نہیں دیکھ سکتے جس سے یہ درخت اگا تھا مگر اسکے پھل کو دیکھ کر تم اُسکے بیج کو بھی پہچان سکتے ہو -

اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ

ہم اللہ تعالیٰ کو ایک جانتے ہیں اور اُسکو موصوف بجمیع صفات کاملہ مانتے ہیں - ہم اسکی وحی پر ایمان لاتے ہیں اور اُسکے تمام رسولوں کو منجانب اللہ مانتے ہیں - ہم قرآن کو خدا کا کلام یقین کرتے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا رسول اور خاتم النبیین مانتے ہیں - ہم اسلامی شریعت کو تا ابد زندہ مانتے ہیں اور اُسکے کسی حصّہ کو منسوخ قرار نہیں دیتے - ہم کوشش کرتے ہیں کہ ان راہوں پر چلیں جو خدا کے پیارے رسول محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائیں - ہم اسلام کے فرائض کو فرائض جانتے ہیں اور حتی الوسع اُن پر عمل کرتے ہیں - قرآن کریم نے جو اوامر اور نواہی بیان کئے ہیں ہم اُن سے سر مو نہیں پھرتے ایک ہمارا مخالف بھی زیادہ سے زیادہ یہی کچھ کہہ سکتا ہے - ہاں ہم میں ایک اور بات ہے کہ ایک شخص نے عین اسوقت میں جب خدا کی طرف سے کسی کے آنے کا انتظار تمام روحوں کو تھا یہ دعوے کیا کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور تمہاری اصلاح کے لئے آیا ہوں چنانچہ ہمنے اُسے جہاں تک ہمارے قوٰے اور فہم اور عقل کام دیتے تھے ایسا ہی پایا اور اُس پر ایمان

لائے مگر دوسرے فریق نے نہ اسکا انکار کیا اور نہ صرف انکار کیا بلکہ اُسے کذاب اور مفتری اور دجال کہا اور گندی گالیاں نکالیں یا گالیاں نکالنے والوں کو اچھا سمجھا اور استہزا کیا اب ہر ایک مسلمان خود غور کرے کہ اِن دونوں فریقوں میں سے احقّ بالامن کون سا فریق ہے۔ ہمنے مرزا صاحب کو مسیح موعود مان کر اسلام کا کچھ حصہ چھوڑا نہیں اس پاک شریعت میں کچھ گھٹایا بڑھایا نہیں بلکہ اسلام کی صداقت ہمارے دلوں کے اندر اور بھی مضبوط ہوگئی اور اُسکی خدمت کیلئے ایک جوش ہمارے دلوں میں پیدا ہوگیا۔ پس ہمنے کچھ گنوایا نہیں بلکہ حاصل ہی کیا ہے۔ کاش ہمارے مخالف کبھی اتنا ہی غور کریں کہ جسکی مخالفت پر وہ اڑے ہوئے ہیں۔ اگر وہ سچا ہو تو پھر وہ کن لوگوں میں داخل ہونگے۔ ہم بالفعل کچھ نہیں کہتے صرف یہ کہتے ہیں کہ امن کا طریق اختیار کرو۔ مان لینے میں بہرحال تمہارا کوئی نقصان نہیں مگر رد کرنے میں ایک صورت یقینی نقصان کی ہے۔

پیشگوئیوں کی حقیقت

حضرت مسیح موعود پر سب سے بڑا یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپکی بعض پیشگوئیاں اِس طرح واقع نہیں ہوئیں جس طرح آپ نے خود اُن کے معنے کئے تھے۔ ابتدا سے لیکر آج تک جس قدر اعتراض آپ کی پیشگوئیوں پر ہوئے ہیں میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس میں وحی یا الہام کے الفاظ پر اعتراض وارد ہوتا ہو بلکہ جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ صرف اس وجہ پر ہے کہ فلاں الہام یا وحی کے جو یہ معنے اجتہاداً مورد وحی نے کئے تھے اُن کے مطابق پیشگوئی کا وقوع نہیں ہوا۔ اب جو لوگ انبیا علیہم السلام کی پیشگوئیوں کو ماننے والے ہیں وہ اِس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ نبی کے اجتہاد میں غلطی واقع ہونا دوسری بات ہے اور وحی یا الہام کا پورا نہ ہونا اور بات ہے۔ ہاں خود بعض قسم کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے میں ایک اور امر ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے جسکا میں ابھی ذکر کرونگا۔ پیشگوئی کی اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف

سے بعض الفاظ ملہم کو بتائے جاتے ہیں جو کسی امر غیبی پر مشتمل ہوتے ہیں مگر ان الفاظ کے معنے کی پوری حقیقت خود ملہم اور مورد وحی پر بھی کھولی نہیں جاتی۔ سو سوائے اسکے کہ کبھی وحی خفی سے اُس پر الفاظ وحی کے معنے کھولے جائیں وہ اپنے خیال کے مطابق ان الفاظ کے معنے کرتا ہے اور ضرور نہیں ہوتا کہ پیشگوئی انہی معنوں کے رو سے پوری ہو۔ کیونکہ پورا ہونا ان الفاظ کا ضروری ہوتا ہے جو منجانب اللہ ہوں ورنہ ملہم کسی دوسرے انسان کی طرح معنے کرنے میں غلطی بھی کھا سکتا ہے۔ کسی نبی کی زندگی ایسی مثالوں سے خالی نہیں ہے۔ بائیبل کو پڑھ لو۔ حضرت عیسیٰ کی زندگی کے حالات کو دیکھ لو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات کو مطالعہ کرو۔ تمام نبیوں کی پیشگوئیوں میں یہی بات پائی جائیگی۔ چونکہ میرے مخاطب اس مضمون میں بالخصوص اہل اسلام ہیں اس لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک دو مثالیں کافی ہونگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی وفات کے متعلق یہ پیشگوئی کی اسرعکن لحوقاً بی اطولکن یداً اسکے معنے یہ سمجھے گئے کہ لمبے ہاتھوں والی بیوی سب سے پہلے فوت ہوگی چنانچہ آنحضرت کی موجودگی میں ہاتھ ماپے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اس وقت یہی خیال تھا کہ یہ پیشگوئی انہی معنوں کی رو سے پوری ہوگی۔ کیونکہ آپ اس وقت خاموش رہے۔ پھر جب پیشگوئی پوری ہوئی تو اُس وقت معلوم ہوا کہ اطولکن یداً کے لفظی معنے درست نہ تھے بلکہ اس جگہ مراد زیادہ سخاوت سے تھی۔ جیسا کہ عرب میں یہ محاورہ آتا ہے۔ ایسا ہی حدیبیہ کا واقعہ ہے جو اسی رسالہ میں دوسری جگہ بسط کے ساتھ مذکور ہے۔ اور اسی کی ایک مثال آنحضرت کا وہ رؤیا ہے کہ آپ کو ہجرت کی زمین دکھائی گئی۔ تو آپ نے فرمایا میرا خیال اس طرف گیا کہ اِس سے مراد یمامہ ہے۔ اور پھر پیشگوئی کے پورا ہونے پر معلوم ہوا کہ آپ کا یہ خیال غلط تھا۔ دراصل اس میں نبی کی کسرِ شان نہیں۔ کہ اُس کا خیال کبھی غلط بھی ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کلام کے جو وہ پیش کرتا ہے

منجانب اللہ ہونے پر ایک دلیل ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی یہ الفاظ خود نہیں بناتا۔ ورنہ اُن کے معنی کرنے میں وہ غلطی نہ کھائے۔ غرض اگر حضرت مسیح موعود کی کوئی پیشگوئی ایسی ہو جو اجتہادی معنوں کی رو سے پوری نہ ہوئی ہو خواہ ان معنوں پر کتنا زور آپ نے دیا ہو تو اس پیشگوئی کو غلط نہیں کہا جا سکتا جبتک کہ یہ نہ دکھایا جاوے کہ الہام کے الفاظ کے رو سے بھی وہ غلط ثابت ہوتی ہے۔

ایک دوسرا اصل پیشگوئیوں کے متعلق یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ انذاری پیشگوئیاں بعض وقت ٹل بھی جاتی ہیں ایک نہایت کھلی کھلی مثال یونس نبی کی پیشگوئی ہے اور اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں بھی فرماتا ہے کہ ان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض پیشگوئیاں بظاہر پوری نہیں بھی ہوتیں اس لئے قرآن شریف یہ اصول قائم کرتا ہے کہ مدعی نبوت کے متعلق دیکھنا یہ چاہئیے کہ اسکی اکثر پیشگوئیاں پوری ہوتی ہیں یا نہیں ؛

ایک تیسرا اصل یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ پیشگوئی میں بعض وقت ایک شخص کا ذکر ہوتا ہے اور مراد اس سے دوسرا ہوتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے متعلق دیکھا اور مراد اس سے عکرمہ کا اسلام لانا تھا۔ پھر آپ نے دیکھا کہ آپ کے ہاتھوں میں دو کنگن ہیں جنکو آپ نے پھونک مار کر اڑا دیا جسکی تاویل آپنے یہ کی کہ دو جھوٹے پیغمبر اٹھیں گے جو ہلاک ہو جائینگے مگر آپ فوت ہو گئے۔ حالانکہ مسیلمہ ابھی زور پر تھا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے اسکو ہلاک کیا۔ حالانکہ رؤیا میں پھونک آپنے ماری تھی۔ ایسا ہی آپ نے دیکھا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھوں میں دی گئی ہیں مگر وہ خزانے نہ آپ کے ہاتھ سے فتح ہوئے نہ حضرت ابوبکر کے ہاتھ سے بلکہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں وہ کنجیاں آئیں۔

میں پیشگوئیوں کی تفصیل میں داخل ہونا نہیں چاہتا۔ اسی مضمون پر اس رسالہ میں دوسری جگہ ایک مبسوط مضمون درج ہے اور عنقریب تشحیذ الاذہان میں صاحبزادہ

مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی قلم سے ایک اور مفصل مضمون شایع ہوگا میں صرف اس قدر
کہنا چاہتا ہوں کہ ایک کثیر حصہ پیشگوئیوں کا ابھی ایسا ہے جن کے پورا ہونے کا انتظار باقی ہے
کیونکہ یہی سنت اللہ ہے کہ ایک نبی کی پیشگوئیاں اسکی موت تک ہی ختم نہیں ہو جاتی ہیں
بلکہ جیسا عظیم الشان نبی ہو اسی طرح اسکی پیشگوئیوں کا زمانہ بھی لنبا ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں قیامت تک پوری ہوتی رہینگی۔ اِس لئے ہمیں
بہت تاویلیں کرنیکی ضرورت نہیں۔ یہ الہام اما نرینک بعض الذی نعدھم
او نتوفینک بہت دفعہ حضرت صاحب کو ہوا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
لیے بھی یہی وحی موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی باتیں جنکے دکھانے کا
وعدہ کیا گیا تھا اب آپ کی وفات کے بعد دکھائی جائینگی۔ مگر خدا کے فضل کو جلد باز نہیں
پاتے بلکہ یہ صبر سے انتظار کرنے والوں کا ہی حصہ ہے۔ الہام الٰہی میں اللہ تعالیٰ نے
یوں فرماتا ہے کہ بہت سی پیشگوئیاں جو مخالفوں پر واقع ہونے والی ہیں۔ ہم یا تو اُن میں سے
بعض تیری زندگی میں ہی پورا کر دینگے اور یا تجھے وفات دیکر اُن کو پیچھے پورا کرینگے۔ پھر
ایک جگہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں یوں فرماتا ہے۔ قل ارءیتم ان اھلکنی اللہ
ومن معی او رحمنا فمن یجیر الکافرین من عذاب الیم یعنی بتاؤ کہ اگر اللہ تعالےٰ
مجھے اور میرے ساتھ والوں کو موت بھی دیدے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائیگا
یعنی منکروں پر جو عذاب آنے والا ہے وہ تو بہرحال آہی رہیگا۔ خواہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم
اور اونکے ساتھی نہ بھی رہیں۔ اب دیکھو کہ یہہ سورت مکی ہے اور مکہ میں کافروں کی ہلاکت
کے بڑے بڑے وعدے دیئے گئے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ذات میں غنا بھی ہے اسی لئے فرمایا
کہ وہ چاہے تو یوں بھی کر سکتا ہے کہ وہ وعدے جن کا نبی کریم کی زندگی میں پورا ہونیکا وعدہ
دیا گیا ہے الخ آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے بعد پورا کرے۔ انبیاء اللہ تعالیٰ کے اس غنائے
ذاتی پر اسی طرح ایمان لاتے ہیں جس طرح اسکے دوسرے صفات پر۔ چنانچہ مذکور ہے کہ بدر کے

دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رو رو کر خدا تعالیٰ سے دعائیں کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے
عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا تو آپ سے وعدہ ہے کہ وہ کفار کو ہلاک کریگا اور مومنوں کو فتح دیگا۔
تو آپ نے فرمایا کہ ہاں وعدہ تو ہے مگر وہ غنی بھی ہے۔ پس اس آیت قرآنی اور ان واقعات
کو جاننے کے بعد یہ کوئی مستبعد امر نہیں اگر ایک نبی کو خدا کی طرف سے یہ وعدہ دیا جائے کہ
فلاں شخص تیری زندگی میں ہلاک ہوگا اور پھر خدا اس وعدہ کو اُسکی زندگی کے بعد پورا کرے
یا ایک نبی ایک شخص کیلئے بددعا کرے کہ وہ اُسکی زندگی میں ہلاک کیا جائے اور پھر خدا تعالےٰ
کسی مصلحت سے اُسکو نبی کے بعد تک مہلت دیدے۔ مگر ہمارے حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی میں
الہامی عبارت میں یہ لفظ ہرگز موجود نہیں کہ فلاں شخص تیرے سامنے ہلاک ہوگا۔ ہاں یہہ
الگ بات ہے کہ حضرت صاحب کو یہ خیال تھا کہ فلاں آدمی میری زندگی میں ہی ہلاک ہونگے
دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تو صاف رؤیا تھی کہ آپ نے پھونک مار کر دو کنگن اُڑا
دیئے یعنی دو جھوٹے نبیوں کو ہلاک کر دیا۔ پس ہمارے معترض اگر منہاج نبوت کو چھوڑ نہیں
چکے تو ذرا خیال کریں کہ کیا مسیلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر آج کل کے اُسکے
مثیلوں کی طرح جو اشتہار بازی کر رہے ہیں اور ڈینگیں مار رہے ہیں یہ نہ کہتا ہوگا
کہ جو پھونک مار کر ہمیں اُڑاتا تھا وہ چلدیا اور میں ابھی زندہ ہوں۔ پھر مگا اُسکی طاقت کا
بڑھ جانا بتارہا ہے کہ اُسکو ایک اور ایسے فخر کا موقعہ بھی تھا جو اُسکے مثیلوں کو حاصل نہیں
ہے کیونکہ اُسکے ساتھ تو بہت لوگ ہوگئے تھے مگر اُسکے مثیل باوجود اپنی اشتہار بازی
کے اُسی طرح مخذول اور مردود ہیں۔ اور کوئی گروہ ہمیں ایسا نظر نہیں آتا جس نے انہیں
پیشوا بنا لیا ہو *

پھر ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ کہ پیشگوئی بعض وقت
مُنجّم اور رمّال بھی کر دیتے ہیں۔ اور عام لوگوں کو بھی بعض وقت آئندہ کے متعلق کوئی
سچی خواب آجاتی ہے بلکہ فاسقوں اور فاجروں کو بھی آجاتی ہے کیونکہ وہ مادہ تو

فطرت انسانی میں موجود ہے پس کسی کی ایک آدھ بات پوری ہو جانے سے جو اُس نے پیش از وقت بتائی ہو۔ وہ مامور من اللہ یا نبی نہیں کہلا سکتا جیسا کہ کوئی شخص ایک پیسہ یا دو پیسے رکھنے کی وجہ سے بادشاہ یا دولتمند نہیں کہلا سکتا ۔

مابہ الامتیاز کیا ہے۔ اب جب یہ تمام امور ایسے ہیں جن کا منہاج نبوت کی رو سے انکار نہیں ہو سکتا اور حضرت مسیح موعود پر اگر کوئی مطالبہ ہو سکتا ہے تو منہاج نبوت کے رو سے ہی ہو سکتا ہے تو اب سوال یہ پیدا ہو گا کہ پھر مابہ الامتیاز کیا ہے جس سے جھوٹے اور سچے میں شناخت ہو کیونکہ ایک طرف تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ سچے نبی کے اجتہاد میں بھی کبھی غلطی ہو جاتی ہے اور کہ سچی پیشگوئی میں بعض وقت ایک کے ذکر سے کوئی دوسرا مراد ہوتا ہے اور علاوہ بریں وعید کی پیشگوئیاں ٹل بھی جاتی ہیں اور دوسری طرف یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایک فاسق فاجر کو بھی سچی خواب آسکتی ہے بلکہ شیاطین کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الا من استرق السمع یعنی ایک بات جو ملاء اعلیٰ میں قرار پاتی ہے بعض وقت شیاطین بھی اُس کو سُن پاتے ہیں اور پھر وہ اپنے مظاہر کو اسکی اطلاع دیدیتے ہیں۔ اور حدیث میں بھی ابن صیاد کے متعلق ہے کہ یاتینی صادق و کاذب۔ سو جواب اسکا یہ ہے کہ اول تو خود پیشگوئیوں میں کثرت اور کیفیت کو دیکھنا چاہئیے کیونکہ قرآن شریف سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اظہار علی الغیب کو اللہ تعالیٰ انبیاء اور رسل کیلئے مخصوص کرتا ہے یعنی کثرت سے غیب کی اطلاع دینا۔ پس پہلی بات دیکھنے والی یہ ہوتی ہے کہ ایک مدعی کی پیشگوئیوں میں سچی پیشگوئیوں کی کثرت پائی جاتی ہے کہ نہیں۔ سو اس معیار کی رو سے پرکھ کر دیکھ لو تو حضرت مسیح موعود کو اپنے دعویٰ میں سچا پاؤ گے اور باقی جس قدر لوگ اُٹھے ہیں وہ اس معیار کی رو سے جھوٹے ثابت ہوں گے۔ پھر پیشگوئی کی کیفیت کو بھی دیکھنا چاہیئے کیونکہ جو پیشگوئی اللہ تعالیٰ کیطرف سے ہو اُسمیں ایک قدرت اور شوکت پائی جاتی ہے اور اسمیں ایک اقتدار کا رنگ ہوتا ہے جو اُسے نجوموں کی پیشگوئیوں سے یا

استغراق شیاطین سے یا عامیانہ خوابوں سے بالکل ممیز کر دیتا ہے۔
علاوہ ازین خالی پیشگوئی کوئی چیز نہیں جبتک کہ اسکے ساتھ ایک اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہو
جو اس پر چلنے والوں کی زندگیوں میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا کرے اور ایسی قوت قدسی نہ ہو
جو دوسروں کے اندر ایک پاکیزگی کی روح پھونک دے اور ایسی کشش نہ ہو جو ایک عالم کو
ان کیطرف کھینچ لاوے اور ایسا جذب نہ ہو جو دلوں کو اخلاص اور محبت کے ساتھ انکا مطیع
کر دیوے اور ایسے اخلاق فاضلہ نہ ہوں جو اپنے اندر ایک معجزانہ رنگ رکھتے ہوں۔ اور سب
سے بڑھ کر یہ کہ ایک ایسی نصرت اور تائید منجانب اللہ نہ ہو جس سے باوجود تمام مخالفتوں کے
اور ہر قسم کی روکیں اُنکی راہ میں ڈالے جانیکے اُن کے سلسلہ کی ترقی روز افزون ہوتی چلی جائے
اور تُند سے تُند بادِ مخالفت کا جھونکا اُن کے پودے کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے۔ یہ تمام
باتیں ہرگز ہرگز کسی کاذب میں جمع نہیں ہو سکتیں تمام دُنیا کو تلاش کر لو۔ تاریخ کے ورقوں
کو ایک ایک کر کے اُلٹ ڈالو مگر ان سب باتوں کا مجموعہ سوائے خدا کے برگزیدہ نبیوں کے
ہرگز کہیں نہ پاؤ گے۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی امر کیلئے جو شہادت ہو اسپر بحیثیت
مجموعی غور کرنا چاہیئے۔ دانا آدمی کا یہ کام نہیں کہ ایک ادنےٰ سی مشابہت دیکھ کر گھبرا جائے
بلکہ اسے ایک امر کے تمام پہلوؤں پر نگاہ کرنی چاہیئے۔ نبوت کے امر کو خدا تعالیٰ کبھی مشتبہ
نہیں چھوڑتا مگر غور اور تدبر ضروری ہے جسکو خدا تعالیٰ دُنیا میں کسی کام کیلئے بھیجتا ہے
اس سے وہ کام کروا کر ہی ثابت کر دیتا ہے کہ یہ میرا بھیجا ہوا تھا۔ ہزار روکیں اسکی راہ میں ڈالو
لاکھ مخالفت کرو مگر وہ کام رکتا نہیں۔ اور پھر خدا تعالیٰ اُس کامیابی کی خبر ایسے وقت میں
اُسکو دیتا ہے جب کوئی شخص اُنکی حالت کو دیکھ کر ایک لمحہ کیلئے بھی اس خیال کو دل میں جگہ نہیں
دے سکتا کہ یہ بھی کبھی کامیاب ہو سکتا اور مخالفتوں اور مشکلات کے پہاڑوں کو پاش پاش کر سکتا
ہے مگر چونکہ خدا کا چھپا ہوا ہاتھ اسکے ساتھ ساتھ کام کرتا ہوتا ہے اس لئے ایسا ہوتا ہے کہ
زمین و آسمان ٹل جائیں مگر وہ خدا کی باتیں ہرگز نہیں ٹلتیں۔ یوں تو دنیا میں سب لوگ

کچھ نہ کچھ کام کرتے ہیں تو بعض ان میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور بعض کامیابی کے سچے اصول پر نہ چلنے کی وجہ سے ناکام رہ جاتے ہیں اور اسی طرح بعض شخص جو مذہب کے رنگ میں سوسائیٹیاں قایم کرتے ہیں وہ بھی کامیاب ہو جاتے ہیں - مگر اُن لوگوں کے متعلق جو خدا تعالیٰ سے الہام اور وحی پانیکے مدعی ہو کر ایک مذہب یا ایک سلسلہ کی بنیاد رکھتے ہیں اُن کے متعلق خدا نے واضح الفاظ میں دو قانون اپنی پاک کتاب میں بیان فرمائے ہیں - ایک یہ کہ ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین - انھم لھم المنصورون - وان جندنا لھم الغالبون اور ہمارے بندوں کے حق میں جو ہمارے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں ہماری طرف سے یہ بات پہلے سے قرار پا چکی ہے کہ اُن ہی کی مدد کی جاتی ہے اور خدائی گروہ آخر کار ضرور غالب آکر رہتا ہے - اور پھر دوسری جگہ فرمایا - انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیوة الدنیا - یعنی اس دُنیا کی زندگی ہی میں ہم ضرور اپنے بھیجے ہوؤں کی اور اُن لوگوں کی جو ان پر ایمان لاتے ہیں مدد کرتے ہیں - اور دوسرا قانون یہ ہے لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین - فما منکم من احد عنه حاجزین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹے مدعی نبوّت کو نصرت نہیں دی جاتی بلکہ اسے ہلاک کر کے نیست و نابود کر دیا جاتا ہے - اب مجھے زیادہ اس مضمون کو طول دینے کی ضرورت نہیں پڑھنے والے خود غور کر لیں کہ آیا خدا نے اسی طرح حضرت مرزا صاحب کے ساتھ کامیابیوں اور نصرتوں کے وعدے قبل از وقت نہیں کئے اور پھر اسی طرح انکو آپ کی زندگی میں بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی پورا کر کے نہیں دکھایا جس طرح وہ اپنے صادق بندوں کے ساتھ وعدے کیا کرتا اور پھر انکو پورا کر کے دکھایا کرتا ہے؟ اور جس طرح وہ جھوٹے کو جلدی ہی ہلاک کر کے نیست و نابود کر دیا کرتا ہے اس طرح مرزا صاحب کے سا نہ نہیں کیا - پس جس شخص کے ساتھ خدا تعالیٰ اپنی کتاب کے مقرر کردہ قوانین کی رو سے جھوٹوں والا سلوک نہیں کرتا بلکہ صادقوں اور اپنے سچے رسولوں والا سلوک کرتا ہے اسکی صداقت پر شبہ کرنا خدا تعالیٰ سے جنگ کرنا اور اسکی کلام کی خلاف ورزی کرنا ہے

اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت کسی کی صداقت کا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ ثبوت کافی نہیں تو پھر کسی نبی کی نبوت ثابت نہیں ہو سکیگی ۔

زمانہ نزول وحی - آپ کی عمر کے متعلق اسی میگزین میں دوسری جگہ یہ لکھا جا چکا ہے کہ ۷۴ یا ۷۵ سال قمری تھی۔ اور یہی آپ کی پیشگوئی ثمانین حولاً او قریباً من ذلک کا منشا تھا۔ آپ کا زمانہ نزول وحی چالیس سال ثابت ہوتا ہے کیونکہ ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء تک آپ کے ان عظیم الشان الہامات کا پتہ چلتا ہے جن میں آپ کو آئندہ کی کامیابیوں اور برکتوں اور نصرتوں کے وعدے دیئے گئے تھے چنانچہ براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۲۰ پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ "اس برکت کے بارہ میں ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء میں بھی ایک عجیب الہام اردو میں ہوا تھا...... فرمایا۔ تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دیگا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیںگے" اس طرح پر ۱۹۰۸ء تک پورے چالیس سال کے عرصہ تک آپ پر وحی الٰہی نازل ہوتی رہی۔

ثناء اللہ اور عبد الحکیم - ان دونوں کا کچھ الگ ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ان دونوں کا ہلاک ہونا ضروری تھا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک مثال سے صدق اور کذب نہیں پرکھا جاتا بلکہ ہمیشہ کثرت کو دیکھنا چاہیئے جنہوں نے حضرت مسیح موعود کے خلاف مباہلے کئے یا بد دعائیں کیں یا جن کے خلاف حضرت مسیح موعود نے بد دعا کی اُنہیں سے کتنے اب نظر آتے ہیں۔ جہاں بیسیوں مثالیں ایسی موجود ہیں کہ معاندین خدا کے برگزیدہ کا مقابلہ کرکے ہلاک ہوئے وہاں ایک یا دو مثالیں بچ رہنے والوں کی النادر کالمعدوم کے حکم میں سمجھنی چاہئیں۔ کیونکہ اعتبار ہمیشہ کثرت کا ہوتا ہے تعجب ہے کہ ایک ثناء اللہ اور عبد الحکیم کو تھوڑی سی مہلت مل جانے سے حضرت مرزا صاحب کے خلاف نتیجہ نکالا جاتا ہے مگر آپ کے بالمقابل ہلاک شدگان کی کثیر تعداد سے کوئی نتیجہ نہیں نکالا جاتا۔ جہاں اللہ تعالیٰ مقابل پر

آنیوالوں کو بار بار حضرت موعود کے سامنے ہلاک کرکے آپ کی صداقت کو آفتاب کیطرح روشن کر چکا ہے وہاں ایک دو شخصوں کو مہلت ملجانے سے پہلے سارے ثابت شدہ نتیجوں کو کالعدم سمجھ لینا پرلے درجہ کی حماقت اور جہالت ہے۔ ہاں یہ بیشک دیکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو سنت اپنے انبیاء کے ساتھ ہے اسمیں اسکی کوئی نظیر بھی ملتی ہے یا نہیں۔ اب دیکھو حضرت عیسیٰ کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لُعِنَ الَّذِینَ کَفَرُوا مِن بَنِی اِسرَائِیلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیسَی ابنِ مَریَمَ یعنی عیسیٰ بن مریم کی زبان سے بنی اسرائیل کے ان لوگوں پر جنہوں نے حضرت عیسیٰ کا انکار کیا لعنت کی گئی مگر تاریخ سے ثابت ہو کہ یہ لعنت حضرت عیسیٰ کے واقعہ صلیب کے بہت مدت بعد پڑی جب یروشلم تباہ ہوا۔ بہر حال لعنت کرنیوالے تو تھے حضرت عیسیٰ اور انہی کو بزعم خود یہود نے صلیب سے مار ڈالا۔ حالانکہ لعنت کا اثر یہ ہونا چاہیئے تھا کہ یہود پر عذاب حضرت عیسیٰ کے سامنے آتا مگر ایسا نہ ہوا۔ پھر دیکھو حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینا انا نائم اُتیت بخزائن الارض فوضع فی کفی سواران من ذھب فکبرا علی فاوحی الیّ ان انفخھما فنفختھما فذھبا فاولتھما الکذابین اللذین انا بینھما صاحب صنعاء وصاحب الیمامہ صحیح البخاری یعنے رویا میں دو سونیکے کنگن آپ کے ہاتھوں میں ڈالے گئے جو آپ کو بہت برے معلوم ہوئے پھر آپ کی طرف وحی کی گئی کہ آپ دونوں کو پھونک ماریں چنانچہ آپ نے دونوں کو پھونک ماری تو وہ دونوں گم ہوگئے اسکی تاویل آپنے دو کذابوں سے کی یعنی اسود عنسی اور مسیلمہ۔ اب دیکھو یہاں آنحضرت کیطرف وحی کی گئی اور اس وحی کے مطابق آپکی پھونک سے دونوں گم بھی ہوگئے جسکا مطلب یہ تھا کہ دونوں آپکے ہاتھ سے ہلاک ہونگے۔ مگر اسود عنسی تو عین آپ کی وفات کیوقت ہلاک ہوا اور مسیلمہ پیچھے تک زندہ رہا اور ضرور ثناء اللہ اور عبد الحکیم کی طرح ڈینگیں مارتا رہا ہوگا کہ دیکھو آنحضرت میرے سامنے فوت ہوگئے۔ پھر وہ صدیق کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ اسی دقت کو محسوس کرکے صاحب فتح الباری لکھتے ہیں واما مسیلمۃ فکان القائم علیہ حتی قتلہ ابوبکر الصدیق فقام مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذالک یعنی اس پیشگوئی میں صدیق آنحضرتؐ کے قائم مقام ہوگئے ؂

پس منہاج نبوت کے رو سے کوئی امر مشتبہ باقی نہیں رہتا۔ ہمارے مخالف ایک لمحہ کے لیے غور کریں کہ جس استدلال سے وہ حضرت مسیح موعودؑ کے ثناء اللہ اور عبدالحکیم کی زندگی میں فوت ہو جانے سے جھوٹا ہونے کا نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں اسی استدلال سے اس کثیر تعداد کی ہلاکت سے جو حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں ہلاک ہوئے آپ کی صداقت کا کھلا کھلا نتیجہ نکلتا ہے یا نہیں؟ پھر کیا انکا فرض نہیں کہ ایسی صورت میں سنت اللہ کو دیکھیں اور منہاج نبوت پر غور کریں۔ اگر اسی بات کو اُلٹا کر وہ ہمارے سامنے پیش کریں یعنی یہ کہیں کہ جس طرح ہم اُن مخالفین کی ہلاکت سے جو حضرت مسیح موعودؑ کے مقابل پر آئے تھے آپ کی صداقت کا نتیجہ نکالتے تھے اب آپ کے ثناء اللہ اور عبدالحکیم کے سامنے فوت ہو جانے سے انکے جھوٹے ہونیکا نتیجہ نکالیں تو ہمارا جواب یہی ہے کہ ہم منہاج نبوت سے باہر نہیں جاتے۔ بلکہ ہم کثرت کو دیکھیں گے کہ کس طرف ہے اور جب کثرت شہادت سے ایک نتیجہ پر پہنچ جاویں تو جو مثال اس کثرت کے خلاف پیش کیجاویگی اس کے لیے منہاج نبوت اور سنت اللہ پر غور کریں گے اگر اسکی نظیر وہاں ملے جیسا کہ معاملہ زیر بحث میں ہم نظیریں دکھا چکے ہیں تو پھر شبہ اور اعتراض کوئی باقی نہیں رہتا۔ اور اگر نظیر نہ بھی ملے تو بھی پیشگوئیوں اور دعاؤں کے متعلق خدا کی پاک کتاب سے ہمیں یہ قانون معلوم ہوتا ہے کہ کثرت کو دیکھنا چاہیئے کیونکہ ایک طرف پیشگوئی کے متعلق یہ قانون بیان فرمایا کہ ان یك صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم اور دوسری طرف ادعونی استجب لکم کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ولنبلونکم بشیء من الخوف الی آخرہ اور تمام دنیا بھی اسی اصول کو مانتی ہے کہ استثناء سے قاعدہ نہیں ٹوٹتا۔ اب ہمارے مخالف بتائیں کہ وہ کیا جواب اسکا دیتے ہیں کہ جس صورت میں وہ ایک مثال کو لیکر کہ حضرت مرزا صاحب اپنے فلاں مخالف کی زندگی میں فوت ہو گئے جسکے لیے انہوں نے بد دعا کی تھی اتنا شور دنیا میں ڈال رہے ہیں۔ اور بھولے نہیں سماتے تو اسی قسم کی ان بہت سی مثالوں سے جن میں حضرت کے مخالف آپکے مقابلہ میں آکر آپ کی زندگی میں ہلاک ہو گئے وہ کیوں آنجناب کی صداقت کا نتیجہ نکالنے میں متامل ہوتے ہیں؟ اب تک تو وہ اس اصل کو ہی تسلیم

نہ کرتے تھے اور اسطرح سے گریز اختیار کر لیا کرتے تھے مگر اب جبکہ وہ خود اپنی اشتہار بازی میں اس اصل کو تسلیم کر چکے ہیں تو اب ہمارے اس مطالبہ کا جواب دیں کہ کثیر تعداد مخالفین کی ہلاکت سے اسی اصول کی بنیاد پر جو نتیجہ نکلتا ہے اس سے اب گریز کر نیکی کونسی راہ انکے پاس باقی ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنے مصالح کو آپ ہی خوب جانتا ہے مگر میری سمجھ میں تو اس طریق میں یہ بھی ایک مصلحت الٰہی تھی تا یہ لوگ پوری پورے ملزم ٹھہریں اور انکی زبانوں سے وہ اقرار کرایا جائے جس کی رو سے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت ایک ثابت شدہ امر ٹھہرتا ہے۔ اب انکے ہاتھ میں انکی اپنے اقرار کی رو سے اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ تائیدی شہادت کے ایک عظیم الشان مجموعہ کے مقابلہ میں انکے پاس ایک آدھ بات مخالفانہ شہادت کی ہے اسکا جواب ہم تو دے چکے اور منہاج نبوت سے اپنے جواب کی سچائی ظاہر کر چکے اب انکا جواب سننے کے لیے منتظر ہیں کہ آیا یہ لوگ منہاج نبوت کو قایم رکھیں گے یا اپنی ضد اور ہٹ دھرمی اور مخالفت کو قایم رکھکر دہریت کیطرف جھک جائیں گے۔

یہ جواب ہمارا صرف ایک پہلو سے ہے۔ اور اس کے ساتھ بعض اور امور بھی قابل غور ہیں اول یہ کہ ثناء اللہ نے پہلے مباہلہ سے انکار کیا اور اس بد دعا کو جو حضرت صاحب نے اسکے لیے کی تھی مباہلہ ہونیسے انکار کیا اور اب خود اسکا نام مباہلہ رکھتا ہے جو ایمانداری نہیں ہے حقیقت الامر یہی ہے کہ مباہلہ نہیں ہوا٭ دوسری یہ کہ جب حضرت صاحب نے اس کے لیے بد دعا کی تو اس نے اس بات سے بھی اپنا انکار شایع کر کے لکھدیا کہ میں اس طریق فیصلہ کو منظور نہیں کرتا جیسا کہ اس کے اخبار اہل حدیث سے ظاہر ہے بعض لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ اس کے انکار سے کیا ہو سکتا ہے۔ وہ نہیں سوچتے کہ حضرت مسیح موعودؑ تو کسی طرح سے اس سے فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ اور جب دوسرا فریق ہی اس طریق فیصلہ سے انکاری ہے تو فیصلہ کہاں ہوا۔ تیسری یہ کہ ہم تو اس بات کو اب بھی مانتے ہیں کہ حضرت صاحب کی بد دعا اس کے حق میں منظور ہوئی اور وہ اس کا نتیجہ بھی انشاء اللہ دیکھ لیگا یہ بات ہم تجربہ کی بنا پر کہتے ہیں۔ ہاں جس طرح خدائے تعالیٰ نے مسیلمہ کذاب کو آنحضرت کے بعد تک زندہ رکھا اسی طرح کسی مصلحت کی وجہ سے ان

٭ یاد رہے کہ حضرت صاحب کا یہ مذہب ہرگز نہ تھا کہ ایک مامور کے تمام مخالف اس کی زندگی میں ہلاک ہو جایا کرتے ہیں بلکہ یہ صرف اُن مخالفین کے لیے تھا جو بالمقابل مباہلہ کریں اور یہ بات بھی دفعہ کھولکر آپنے بیان فرمائی تھی۔ منہ

دونوں کو بھی حضرت مسیح موعودؑ کے بعد تک زندہ رکھا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے کیوں ایسی بددعا کی یا کیوں ایسا خیال ظاہر کیا جس میں ان دونوں کی اپنے سامنے موت کو معیار صداقت قرار دیا؟ یہ اس لیے کہ آپ اسقدر مخالفوں کی ہلاکت کو جو آپکے مقابل پر آئے تھے دیکھ چکے تھے کہ آپ اپنے رب سے پورا یقین رکھتے تھے کہ وہ ایسا ہی کریگا۔ مگر خدائے تعالیٰ غنی بھی ہے وہ جس طرح چاہتا ہے ایک کام کو کرتا ہے کسی کا مطیع نہیں ہے۔ خدائے تعالیٰ نے تو آخر اس سلسلہ کو کامیاب کرکے دکھانا ہے سو اس نے تو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات سے بھی اسکی کامیابی کا ثبوت دیدیا ہے اور ابھی خدا جانے اور کیا کیا ہاتھ اپنی نصرت کے دکھائیگا۔ خود اسکی تائید غیبی جو آپکی وفات کے وقت میں اس سلسلہ کے شامل حال ہوئی اور پہلے سے شایع شدہ وعدوں کے مطابق ہوئی بتا رہی ہے کہ تمام اعتراض ہیچ ہیں۔ اور یہ بھی محض یاوہ گوئی ہے کہ حضرت صاحب پر وہ بددعا پڑی آپکے الفاظ تو یہ ہیں کہ میں یہ دعا اس لیے کرتا ہوں "کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہوجاتا ہے"۔ سو ان باتوں میں سے کوئی بات بھی آپکے لیے واقع نہیں ہوئی بلکہ حسرت اور ناکامی وہ اپنے دشمنوں کے لیے چھوڑ گئے ہیں کیونکہ دشمنوں کی ساری آرزوئیں آنجناب کی وفات کے ساتھ ہی خاک میں مل گئیں۔ اور سلسلہ اسی طرح کا اسی طرح قایم رہا۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ مضبوطی کے ساتھ قایم ہوگیا۔

یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ آپکے کسی الہام یا وحی میں ہرگز یہ لفظ نہ تھے کہ ثناء اللہ یا عبدالحکیم آپکی زندگی میں فوت ہونگے۔ ہاں آپ کی وحی کے رو سے دونوں کے لیے ہلاکت ضرور مقدر ہے سو خدائے تعالیٰ جب چاہیگا اپنے کلام کو پورا کرکے دکھادیگا۔ باقی رہی عبدالحکیم کی پیشگوئی سو خدائے اسکو ایسا جھوٹا کرکے دکھایا ہے کہ اسکو شرم کے مارے اس کا نام بھی نہ لینا چاہیئے تھا اس نے اپنی پہلی پیشگوئی کو جسمیں تین سال کی میعاد بتائی تھی اور حضرت صاحب کی وصیت کے بعد شایع ہوئی تھی دوسری پیشگوئی سے منسوخ کردیا اور یہ اعلان کیا کہ ۴۔ اگست کو

آپ کی وفات واقع ہوگی پس اس پیشگوئی کو جھوٹا کہنے کے لیے یہ ضروری نہ تھا کہ آپ ۴۔ اگست سے بعد فوت ہوتے بلکہ جب ایک دن معین کر دیا گیا تو اب جب جبتک پیشگوئی اسی دن واقع نہ ہو جھوٹی ہوگی بلکہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات ۴۔ اگست سے پہلے واقع ہونے میں ایک مصلحت الٰہی یہ بھی تھی کہ کذاب کو کسی تاویل کی گنجایش نہ رہے کیونکہ ۴۔ اگست سے بعد واقع ہوتی تو وہ کہہ سکتا تھا کہ انذاری پیشگوئی میں میعاد کی مہلت مل سکتی ہے۔ مگر خدا نے نہ چاہا کہ اسے راستبازوں کے ساتھ کوئی بھی مشابہت حاصل ہو اس لیے اپنی مصلحت سے ایسے وقت میں اس نے حضرت مسیح موعودؑ کو وفات دی جس سے وہ اس قابل بھی نہیں رہا کہ اسقدر فخر کرے جسقدر شیاطین استراق سمع سے کر سکتے ہیں۔

جماعت کو نصیحت } اخیر میں مَیں اپنے احمدی احباب کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ وہ ایسی ہمت دکھائیں جس سے مخالفوں کی کمر ہمت ٹوٹ جائے۔ اور ایسی نیک اور پاک زندگی کا نمونہ دکھادیں جس سے دانشمندوں کے نزدیک مخالفین کے اعتراضوں کی ساری وقعت جاتی رہے۔ میرے دوستو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم جو مصائب مومنوں پر بھیجتے ہیں تو اس لیے کہ انکو پاک کریں اور انکو انعام دیں اور خود حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات میں بھی یہی غرض آپ کی وفات کی بیان کی ہے جیسی فرمایا

یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا۔

اور اسی کے ساتھ فرمایا انت الذی طار الی روحہٗ۔ پس اسوقت اپنی زندگیوں میں ایک نئی تبدیلی پیدا کر کے دنیا کو دکھادو کہ اس ابتلا کے نیچے بھی احمدی جماعت ایک سچے مومنوں کی جماعت ثابت ہوئی ہے۔ کیونکہ ابتلا کے نیچے ترقی کرنا یہ بھی مومنوں کا ہی حصہ ہے۔ بہت سے مسائل پر گفتگو اور بحث کرنے کی نسبت یہ بہتر ہے کہ تم اپنا نیک نمونہ دکھا کر دلوں کو مسخر کرلو۔ یاد رکھو کہ اگر تم دوسرے لوگوں پر غالب آسکتے ہو اور خدا کا وعدہ ہے کہ تم غالب کیے جاؤ گے) تو اس کا یہی طریق ہے۔ تمت

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ | بابت ماہ اگست ۱۹۰۸ء | نمبر ۸

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰ اگست ۱۹۰۸ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عہ

"شیخ غلام احمد صاحب نومسلم"

صدر انجمن احمدیہ کے حکم سے واعظ مقرر کیے گئے ہیں۔ اور وہ سر دست جالندھر۔ ہوشیار پور۔ راہوں اور کانگڑہ کے اضلاع میں دورہ کرنیکو لیے قادیان سے روانہ ہو گئے ہیں۔ انکو بموجب قواعد واعظین سلسلہ عالیہ احمدیہ کے تمام مدات کیلیے چندہ فراہم کرنے اور جہاں انجمن احمدیہ قایم نہ ہو وہاں انجمن قایم کرنے کی اجازت ہے۔ جہاں شیخ صاحب جائیں وہاں کے احمدی احباب اُنکی اغراض کے پورا کرنے میں ہر طرح سے مدد کریں اور عند اللہ ماجور ہوں۔ والسلام

خلیفہ رشید الدین

اسسٹنٹ سکرٹری صدر انجمن احمدیہ۔ ۱۵۔ اگست ۱۹۰۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

ہندوستان میں مرتدین کے احکام

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

گذشتہ اشاعت میں اس مضمون کے متعلق یہانتک بحث ہو چکی ہے کہ مرتدین کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کا فتویٰ کیا ہے۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ قرآن شریف میں مرتدین کے قتل کا کوئی حکم نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی جہانتک معتبر روایتیں ملتی ہیں ایسے واقعات کہیں نہیں پائے جاتے جہاں کسی شخص کو محض ارتداد یعنی تبدیلی مذہب کی وجہ سے قتل کیا گیا ہو ہاں حدیث صحیح میں یہ ضرور آیا ہے کہ من بدل دینہ فاقتلوہ۔ مگر یہ حکم ایسے وقت کا ہے جب مسلمانوں اور انکے مخالفین کے درمیان جنگوں کا سلسلہ اسطرح پر شروع تھا کہ گویا ہر وقت ہی حالت جنگ میں تھے اور ایسے وقت میں تبدیلی مذہب یعنی اسلام کو چھوڑنے کا نتیجہ یہ تھا کہ مرتد اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ملکر اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اور ایسی حالت میں قتل کے حکم کو ہر ایک دانشمند جائز ہی نہیں بلکہ ضروری سمجھے گا۔ ہم یہ بھی دکھلا چکے ہیں کہ یہ حکم قتل مرتد کا آنحضرت صلی اللہ وسلم نے مکی زندگی میں یا ابتدائی مدنی زندگی میں نہیں دیا۔ بلکہ اسوقت دیا جب جنگوں کا سلسلہ شروع

ہو چکا تھا۔ اور پھر اس حالت میں بھی عورتیں چونکہ جنگوں میں شریک نہ ہوتی تھیں اس لیے وہ اس قتل کے حکم میں شامل نہ تھیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سلب حقوق زوجیت وملکیت فتوائے قتل کی وساطت سے ارتداد کا نتیجہ تھا یعنی چونکہ مرتد کے لیے قتل کیے جانے کا حکم تھا اس لیے یا تو ضروری تھا کہ وہ قتل ہو جائے اور اس کے حقوق زوجیت اور ملکیت کا اس طرح موت کے ساتھ خاتمہ ہو جائے اور یا اگر وہ بھاگ کر یا دشمن سے ملکر اپنی جان بچالے تو اس پر وہی فتوائے قتل جاری ہو کر اس کو کالمقتول سمجھا جاوے اور اس کے حقوق زوجیت وملکیت سلب ہو جاویں۔ پس اگر موجودہ حالات کے ماتحت ہندوستان میں اسلامی شریعت کا فتویٰ مرتدین کے بارے میں دریافت کیا جاوے اور اس فتویٰ کی بنا قرآن اور حدیث پر رکھی جاوے جو اسلامی شریعت کے اصل ماخذ ہیں۔ تو چونکہ ان حالات میں ارتداد کی وجہ سے قتل کا فتویٰ جاری نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حقوق زوجیت وملکیت بھی اس وجہ پر تلف نہیں ہو سکتے اور کسی وجہ پر ہو جائیں تو ہو جائیں۔ مثلاً اسلامی شریعت کی رو سے بعض وقت اختلاف مذہب کی وجہ سے دو شخصوں کا نکاح نہیں ہو سکتا تو ارتداد سے بھی اگر اسی قسم کے اختلافِ مذہب کی صورت پیدا ہو جائے تو نکاح ٹوٹ جائیگا۔ مگر سوائے اس کے نہیں۔

یہ تو قرآن وحدیث کا منشاء ہے مگر فاضل ججان چیف کورٹ پنجاب نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ وہ کسی مقدمہ میں اسلامی شریعت کے اصل ماخذ یعنی قرآن واحادیث کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مقدمہ زیر بحث کے فیصلہ میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ "اسلامی قانون خدا کی طرف سے مقرر کیا ہوا سمجھا جاتا ہے اور اپنی موجودہ صورت تک تدریجاً یہ قانون اس طرح پہنچا ہے کہ بڑے بڑے فاضل فقہاء نے اجتہاد اور تفسیر کے خاص خاص طریقوں سے ان مسائل کا قرآن اور ان احادیث سے جو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے

اقوال وسُنّت کے متعلق ہیں استخراج کیا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک بادشاہِ وقت کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ اس قانون میں کوئی ترمیم کریں یا اسے کسی طرح تبدیل کریں اس لیے یہ امر انگریزی عدالتوں کے اختیارات سے باہر ہے کہ وہ انہی طریقوں سے اصل عبارتوں اور ماخذوں سے کسی قانونی مسئلہ کا استخراج کریں" پس اب ہم اس بات پر غور کریں گے کہ کتب فقہ میں مرتدین کے لیے کیا احکام درج ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں مختلف اسلامی فرقوں یا مختلف اماموں یا علمار کے اجتہاد میں فرق ہے اور ایسی صورت میں انگریزی عدالتوں کا بھی یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اصل مسئلہ کی تہ تک پہنچنے کے لیے قانون کے اصل ماخذوں یعنی قرآن شریف و حدیث پر غور کریں۔ مسلمانوں کا یہ اعتقاد تو ہے کہ قرآن شریف خدا کا کلام اور خدا کی طرف سے ہی لیکن جو مسئلہ قرآن کریم کے بعض الفاظ سے اپنے اجتہاد سے کوئی شخص نکالتا ہے اس میں غلطی کا ہو جانا بھی ممکن ہے اور اسے خدا کی طرف سے نہیں کہا جا سکتا۔ اسلامی اعتقاد کے مطابق لاتبدیل قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی صحیح حدیث اور سنت معتبرہ ہیں مگر جو رائے کسی آیت قرآنی یا کسی حدیث کے متعلق کسی مفسر یا مجتہد نے قایم کی ہو وہ لاتبدیل نہیں اور وہ غلط ہو سکتی ہے اور اس لیے اس کی تصحیح بھی ہو سکتی ہو۔ بلکہ خود یہی بات کہ بعض مسائل میں علمار اور مجتہدین کا اختلاف ہے۔ بتاتی ہے کہ علمار اور مجتہدین کے اجتہاد اور رائیں منجانب اللہ نہیں سمجھنی چاہییں۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ کی طرف کوئی اختلاف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ فرماتا ہے کہ لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔

قبل اس کے کہ ہم احکام مرتدین مندرجہ کتب فقہ پر غور کریں ایک اور ضروری امر کی طرف ناظرین کو توجہ دلانی ضروری ہے۔ فقہار یا علمائے اسلام نے جو ابتدا میں

مسائل شرعیہ کو بیان کیا یا مسائل کا استخراج قرآن و حدیث سے کیا تو خاص حالات کے
ماتحت کیا۔ اور اس خصوصیت کا اثر ان تمام مسائل میں کھلا کھلا نظر آتا ہے۔ بالفاظ دیگر
ان میں یہ بات نہیں پائی جاتی کہ یہ مسائل انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر حاوی
ہوں حالانکہ احادیث نبوی میں ایسی وسعت اور عمومیت موجود ہے۔ اسکی وجہ ظاہر ہے
ملکی طور پر اسلام کو ابتدا میں ہی غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور جس وقت فقہاء کو مختلف قوانین
تجویز کرنیکی ضرورت پیش آئی تو انکے سامنے اسلامی زندگی کا صرف ایک ہی پہلو تھا
یعنی اہل اسلام کی حکومت اور انکا ملکی غلبہ۔ اور اس لیے اسی کے مطابق انکے سب
قوانین بھی ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض وقت انکو دوسرے مذاہب کے ساتھ تعلقات میں غلطی
لگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی مدنی زندگی کا آخری حصہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں
مخالفین اسلام کے ساتھ جنگوں اور لڑائیوں کا زمانہ تھا۔ اور اسوقت بعض احکام ایسے
دیے گئے جو خاص انہی حالات کے ماتحت قابل عملدرآمد تھے۔ ان احکام کو بعض وقت
دیگر حالات پر چسپاں کیا گیا حالانکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دوسری قسم
کی مثالیں موجود تھیں۔ پس اسلامی قانون جس صورت میں ابتدائی زمانہ میں مسلمان
بادشاہوں کے ماتحت تجویز کیے گئے انکو مسلمانوں کی موجودہ حالت پر لگانے کے لیے
ان دو باتوں کو جو اوپر بیان کی گئی ہیں مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

اب ہم فقہ کی سب سے مشہور کتاب اور انگریزی عدالتوں کے نزدیک بھی سب سے
معتبر کتاب ہدایہ کو لیتے ہیں۔ کہ اس میں مرتدین کے متعلق کیا احکام دیے گئے ہیں
یہ احکام باب احکام المرتدین میں مذکور ہیں۔ سب سے پہلے جو حکم مذکور ہے وہ قتل مرتد کا ہے
یہ حکم ابن عباس کی حدیث من بدل دینہ فاقتلوہ پر مبنی ہے۔ مگر جو کچھ اس
باب میں لکھا گیا ہے۔ اور جو فرق مرد اور عورت کے درمیان رکھا گیا ہے اس سے اسی بات
کی تائید ہوتی ہے جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ چنانچہ اما المرتدۃ فلا تقتل کی وجہ ہدایہ

میں ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ ولنا ان النبی علیہ السلام نھی عن قتل النساء ولان الاصل تاخیر الاجزیۃ الی دار الاٰخرۃ اذ تعجیلھا یخل بمعنی الابتلاء وانما عدل عنہ دفعا لشرٍّ ناجز وھو الحراب ولا یتوجہ ذٰلک من النساء لعدم صلاحیۃ البنیۃ بخلاف الرجال خلاصہ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ مرتدہ کے نہ قتل کیے جانیکی وجہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے عورتوں کے قتل کرنیسے منع فرمایا ہے اور یہ بھی کہ اصل بات تو یہی ہے کہ عقائد کے معاملہ میں جزا و سزا دار آخرت میں ہی مقدر ہے مگر مرتد کو سزائے قتل اس لیے دیجاتی ہے۔ کہ فی الحال جو اس سے فساد اور شر پیدا ہونیوالا ہے وہ رک جائے اور وہ حراب یعنی جنگ کرنا ہے۔ اور عورتوں سے انکی بناوٹ میں ہی اسکی صلاحیت نہ ہونیکی وجہ سے اسکی امید نہیں رکھی جاسکتی۔ اور اسی موقعہ پر یہ حاشیہ بھی دیا ہے۔ فکذا یجب القتل بالردۃ لدفع شر الحرابۃ لا جزاء علی فعل الکفر لان جزاءہ اعظم عند اللہ فیختص بمن یاتی منہ الحرب وھو الرجل ولھذا نھی رسول اللہ عن قتل النساء وعللہ بانہ لم تکن تقاتل علی ما صح من الحدیث ولھذا قلنا لو کانت المرأۃ ذات رای وتبع تقتل لا لردتھا بل لانھا تسعی فی الارض بالفساد۔ اس حاشیہ میں بھی اس بات کو کھولکر بیان کیا ہے کہ اصل وجہ قتل مرتد کی اسکا ارتداد نہیں بلکہ جو شر اور فساد اس سے پیدا ہوتا ہے اس کے لیے اسے قتل کر دینے کا حکم تھا۔ جیسا کہ حاشیہ مذکورہ کے آخری الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ تقتل لا لردتھا بل لانھا تسعی فی الارض بالفساد۔

پس جو وجہ مرتد اور مرتدہ میں فرق کی بیان کی گئی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ مرتد کے قتل کا صرف اس لیے حکم دیا گیا تھا کہ اس سے جنگوں میں فریق مخالف کے ساتھ ملکر نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اور چونکہ عورت ایسا نقصان نہ پہنچا سکتی تھی اس لیے

اس کے قتل کا حکم بھی نہیں دیا گیا۔ ہدایہ کی اس عبارت سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے جسکو مینے اس سے پہلی پیراگراف میں بیان کیا ہے۔ یعنی ایک طرف تو صاف اس بات کا بھی اقرار ہے جسکو ہم پہلے قرآن شریف اور حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ مرتد کے قتل کے حکم کی وجہ اس کا ارتداد نہیں بلکہ جنگوں میں جو اس کے سبب سے شر کا اندیشہ تھا اس کی وجہ سے اس کے قتل کا حکم دیا گیا تھا۔ اور دوسری طرف عورتوں کے سوا اس کے قتل کے حکم کو عام بھی کرنا چاہا ہے۔ یعنی اس حکم کو صرف ان صورتوں سے مخصوص نہیں رکھا جہاں واقعی فساد اور شرارت کا اندیشہ ہو جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں کفار کے ساتھ جنگوں کی وجہ سے تھا بلکہ مرد کے مرتد ہونیکی صورت میں حکم کو عام کر دیا ہے حالانکہ وہی دلیل جس سے عورتوں کو قتل سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اس بات کو بھی چاہتی ہے کہ اگر کوئی ایسی صورت ہو جہاں مرد کے مرتد ہونیسے کسی فساد اور شرارت کا اندیشہ نہیں جیسا کہ مثلاً اسوقت مسلمانوں کو جو برٹش گورنمنٹ کے نیچے رہتے ہیں ایسا اندیشہ نہیں وہاں مرتد مرد کے قتل کا بھی حکم نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی وجہ اسلام کا اُسوقت میں غلبہ اور اسلام کی قہری حکومت تھی۔ جسکی وجہ سے ایک خاص حکم کو عام کر دیا گیا۔ حالانکہ اس کی خصوصیت کو خود ہی تسلیم بھی کیا ہے۔ یہ وہ غلطی ہے جسکا ذکر مینے اوپر کیا ہے۔

پس اسقدر تو ہدایہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرتدین کے قتل کی وجہ انکا ارتداد نہ تھا بلکہ انکے جنگوں میں شریک ہونے اور فساد اور شرارت کا اندیشہ اصل وجہ اس حکم کی تھی۔ اور یہ اسی نتیجہ کا مؤید ہے جسپر ہم اسلامی شریعت کے اصل ماخذوں یعنی قرآن اور حدیث پر غور کرکے پہنچے ہیں۔ دوسرا حکم جو مرتدین کے بارہ میں ہدایہ کے باب احکام المرتدین میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مرتد کی ملک اپنے مال میں زائل ہو جاتی ہے۔ بعض کے نزدیک تو بمجرد اسکے مرتد ہونیکے ہی ملک اسکی زائل ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اس مہلت کے بعد جو اسے اسلام لانیکے لیئے دیجاتی ہے وہ اسلام لے آوے تو اسکی ملکیت اپنے

مال میں پھر لوٹ آتی ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس مہلت کے عرصہ میں اسکی ملک زائل نہیں ہوتی۔ بہر صورت اسکی ملکیت قطعی طور پر اسوقت زائل ہو جاتی ہے جب اسپر قتل کا فیصلہ قطعی ہو کر یا اسے قتل کر دیا جاوے یا وہ بھاگ کر دار الحرب میں دشمن کے ساتھ جاملے اور یا حالت ارتداد میں ہی مرجاوے۔ ملکیت کے زائل ہونیکی بحث میں بھی ہدایہ میں پھر اس اصول کو تسلیم کیا گیا ہے کہ مجرد ارتداد مبیح قتل نہیں بلکہ مرتد کا حربی ہونا ضروری ہے۔ جیساکہ اس جملہ ولا قتل الا بالحراب میں اسکو تسلیم کیا گیا ہو جسکی تشریح حاشیہ میں یوں کیگئی ہے کہ فکان القتل ھٰھنا مستلزما للحراب لان نفس الکفر لیس بمبیح للقتل حتیٰ لا یقتل الا عمیٰ والمقعد والشیخ الفانی۔

ان تمام باتوں پر غور کرنیسے یہ صاف معلوم ہوتا ہو کہ باوجودیکہ ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں مرتد کے قتل کو سوائے عورتوں کے ہر صورت میں جایز رکھا گیا ہے اور بعض اوقات بے احتیاطی سے ان احکام کو جو خاص حالات کے ماتحت دیئے گئے تھے عام حالات پر لگایا گیا ہے مگر تاہم اس اصول کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا کہ مرتد کے قتل کی وجہ خالی ارتداد نہیں بلکہ فساد یا شرارت کی قابلیت ہے جس کے روکنے کے لیے اسکا قتل کرنا جایز رکھا گیا ہے۔ اور ہم پہلے یہ دکھا چکے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت مرتدین کو قتل کرایا یا انکے قتل کیے جانیکا حکم دیا تو اس کی وجہ بھی محض ارتداد نہ تھی بلکہ فساد یا جنگ کے وقت دشمن کے ساتھ جاملنا یا اور کوئی ایسی وجہ تھی جسکی وجہ سے ارتداد سے علاوہ بھی ایسے شخص کا قتل جائز تھا۔ جو احکام ہدایہ سے ہم نے اوپر بیان کیے ہیں انہیں کی تفصیل کرتے ہوئے یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ ارتداد بمنزلہ موت کے ہے لان الردۃ بمنزلۃ الموت اور جو شخص اس سارے باب کو غور سے پڑھیگا اسپر یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ جسقدر قوانین یا احکام اس باب میں بیان کیے گئے ہیں وہ

سب کے سب اس ایک ہی بات پر مبنی ہیں کہ مرتد کو مردہ کے حکم میں سمجھا گیا ہے یعنی اگر وہ فی الواقع ارتداد کے بعد سزائے قتل سے بچ بھی جاوے تاہم اسکو قانوناً زندہ کے حکم میں نہیں رکھا گیا اور اس کے کُل حقوق ملکیت وغیرہ کو زائل شدہ قرار دیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر جو احکام کتب فقہ میں مرتدین کے بارہ میں موجود ہیں وہ اسی صورت میں قرآن شریف یا حدیث میں کہیں موجود نہ پائے گئے تھے بلکہ وہ سب اسی بنا پر قائم کیے گئے ہیں کہ مرتد میت کے حکم میں ہے اور پھر جو حکم میت پر لگتا تھا وہی مرتد پر لگایا گیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ احکام المرتدین کے باب میں مرتد یا مرتدہ کے نکاح فسخ ہو جانیکا کوئی ذکر نہیں (اگرچہ اس میں شک نہیں کہ ہدایہ میں دوسرے موقع پر یہ ذکر ہے) مگر مرتد اگر طلاق دے تو اسے نافذ بالاتفاق قرار دیا گیا ہے۔

غرضکہ ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں احکام المرتدین پر غور کرنے سے یہی بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ مرتد کے جسقدر حقوق کو زائل قرار دیا گیا ہے اس کی بنا صرف یہ ہے کہ قانونی طور پر اسے کالمیت قرار دیا گیا ہے کیونکہ قتل کا فتویٰ اس پر جاری ہو چکا ہے۔ گویا حکم قتل ایک بنیاد ہے۔ اور دوسرے حقوق کا زائل ہونا اسی بنیاد پر ایک عمارت ہے۔ یا یوں کہو کہ حقوق کے زائل ہو جانیکی وجہ حکم قتل ہے جو مرتد پر جاری ہو چکا ہے۔ پس اگر کوئی حالات ایسے ہوں اور ہم دکھا چکے ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بڑے حصہ میں ایسے ہی حالات تھے جن کے ماتحت مرتد پر حکم قتل جاری نہ ہوا اور ہمارے فقہاء نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ سوائے دفع فساد اور شر کے اندیشہ کے حکم قتل مرتد پر جاری نہیں ہوتا تو ضرور ہے کہ ان حالات کے نیچے دیگر حقوق بھی زائل نہ ہوں کیونکہ جب بنیاد ہی نہ ہوئی تو عمارت کہاں ہو گی اور جب سبب ہی موجود نہیں تو نتیجہ کسطرح پیدا ہو گا؟ اسی بات کو میں دوہرا کر بیان کرتا ہوں۔ کتب فقہ میں اس اصل کو تسلیم کیا گیا ہے کہ مرتد کے قتل کی وجہ اسکا ارتداد یعنی تبدیل مذہب نہیں بلکہ کچھ

اور وجہ ہے اور پھر اس بات کو بھی تسلیم کیا ہے کہ مرتد کے حقوق کے زائل کیے جانیکی وجہ یہ ہے کہ اسے مردہ کے حکم میں سمجھا گیا ہے کیونکہ اسپر قتل کا حکم جاری ہو گیا ہے۔ ان اصول کو ماننے کے بعد اس نتیجہ سے ہم گریز نہیں کر سکتے کہ اگر کسیوقت اسلامی سوسائٹی میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ مرتد میں وہ وجہ موجود نہ ہو جس کی بنا پر قتل کا حکم جاری ہوتا تھا تو نہ قتل کا حکم جاری ہوگا اور نہ ہی دوسرے حقوق مرتد کے زائل ہونگے جنکی بنا حکم قتل کے جاری ہونے پر تھی۔

اب جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اسے مدنظر رکھکر ہندوستان کی حالت پر غور کرو۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مرتد پر حکم قتل جاری نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی درحصل وہ حالات یہاں موجود ہیں جنکی بنا پر نہ صرف قرآن و حدیث کے مطابق بلکہ اصول کتب فقہ کے مطابق بھی مرتد پر حکم قتل جاری ہوتا تھا۔ پس جو حقوق حکم قتل کے نتیجہ کے طور پر زائل ہوتے تھے وہ بھی یہاں زائل نہیں ہو سکتے۔ بالفاظ دیگر اگر انگریزی عدالتیں جو ہندوستان میں قایم ہیں ایک شخص کو جو اسلام سے مرتد ہو کر کسی دوسرے مذہب کو قبول کرتا ہو سزائے قتل کا مستحق قرار نہیں دیتیں تو انہیں یہ بھی حق حاصل نہیں کہ اسکے ارتداد کو دوسرے حقوق کے زائل کرنے میں موثر سمجھیں۔ کیونکہ جس بنا پر مسلمان مقننین نے مرتد کے دوسرے حقوق کو زائل کیا تھا وہ بنا اسجگہ موجود نہیں۔ اسجگہ گورنمنٹ نہ تو مرتد پر واقعی حکم قتل جاری کر سکتی ہے اور نہ ہی اسے قانونی طور پر کالمیت قرار دے سکتی ہے۔ اور جب یہ دونوں صورتیں موجود نہیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر کس بنا پر اسکے حقوق زوجیت کو سلب کیا جاتا ہے۔ پس محض ارتداد یا تبدیلی مذہب حقوق زوجیت پر بذاتہٖ کچھ اثر نہیں ڈال سکتی۔ بلکہ اسکا اثر ایک اور رنگ میں پڑ سکتا ہے۔ اور وہ اسطرح پر کہ اسلامی شریعت کے رو سے ایک مسلمان عورت کا نکاح کسی غیر مسلم سے جایز نہیں۔ اور اسی طرح ایک مسلمان مرد کا نکاح کسی غیر مسلم عورت سے جایز نہیں بشرطیکہ وہ عورت ان غیر مسلموں میں سے نہ ہو جن پر

اہل کتاب کا لفظ اطلاق پاسکتا ہے۔ پس اس اصل کی بنا پر ارتداد کے وقت یہ دیکھا جاوے گا
کہ اگر خاوند نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا ہے تو اسکا نکاح اسکی مسلمان بی بی سے باقی نہیں رہ
سکتا اور اگر عورت نے اپنا مذہب تبدیل کیا ہے تو پھر یہ دیکھنا ضروری ہو گا کہ نیا مذہب جو
اس نے اختیار کیا ہے وہ اہل کتاب کے مفہوم میں داخل تو نہیں اگر ہے تو نکاح نہیں ٹوٹا اور
اگر نہیں تو نکاح ٹوٹ جائیگا۔ ہاں ہماری رائے میں اس صورت میں یعنی بصورت ارتداد
زوجین کے حقوق متعلق بہ حفاظت اولاد پر ایک اثر پڑیگا اور وہ یہ کہ جو فریق مرتد ہوا ہے
وہ کسی صورت میں اولاد کا جائز ولی شریعت اسلامی کے روسے نہیں ہو سکتا کیونکہ
نکاح شریعت اسلامی کے نیچے ہوا ہے اور اگر وہ نکاح احد الزوجین کی تبدیلی مذہب سے
فسخ ہو گیا ہے تو وہ اولاد جو شریعت اسلامی کے مطابق نکاح سے پیدا ہوئی ہے اسکی
ولایت بھی اس شریعت کی روسے ہوگی۔ پس یہ وہ قانون ہے جس کے مطابق انگریزی
عدالتیں بروئے انصاف اسوقت فیصلہ کر سکتی ہیں اور ایسا قانون نہ صرف مسلمانوں
کی موجودہ حالت کے مطابق ہی ہوگا بلکہ شریعت اسلامی کے اصول کے مطابق اور اصل
احکام شرعی کے بھی زیادہ قریب ہو گا بہ نسبت ان احکام کے جو کتب فقہ میں مرتدین کے
متعلق درج ہیں اور جو اسلامی دنیا کی موجودہ حالت میں کسی ملک میں بھی قابل عملدرآمد
نہیں۔ بہر حال جہانتک ہم سمجھتے ہیں مسلمانوں کو مجبوراً ان احکام کے ماتحت کرنا جو
اُسوقت وضع کیے گئے تھے جبکہ سلطنت اسلام کی تھی تقاضائے انصاف نہیں۔ ہم
اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انگریزی عدالتیں صرف اسی حد تک شریعت اسلامی پر کاربند
ہو سکتی ہیں جس حد تک انکے اپنے قوانین انہیں اجازت دیں اور اس لیے وہ مجبور ہیں کہ
بعض احکام کی پابندی کریں اور بعض کو چھوڑ دیں۔ اس حد تک کوئی شخص عدالت کو ملزم
نہیں کر سکتا مگر مرتدین کے احکام کی صورت بالکل الگ ہے۔ اسجگہ انگریزی عدالتوں نے
اس وجہ کو تو تسلیم نہیں کیا جس وجہ سے مرتد کے حقوق ملکیت کو کتب فقہ نے زائل کیا تھا

مگر جو نتایج اس سے پیدا ہوتے ہیں انپر ایک حد تک کاربند ہونا (ایک حد تک سے جو کہا ہے اسکی تشریح اگلے پیرے میں کرونگا) ایسا ضروری خیال کیا ہے کہ اسکے خلاف کو خلاف شریعت اسلامی سمجھا جاتا ہے۔ اگر مرتد کے حقوق ملکیت کے زائل ہونے اور اسپر حکم قتل جاری ہونے میں کتب فقہ ہیں کوئی تعلق نہ دکھایا جاتا اور اس بات کو تسلیم نہ کیا جاتا کہ حکم قتل کے جاری ہونیکی وجہ سے ہی حقوق زائل ہوتے ہیں تو انگریزی عدالتیں حکم قتل کو رد کرکے حقوق کے زائل ہونیکو قایم رکھ سکتی نہیں مگر جس صورت کو اوپر کھولکر دکھایا گیا ہے اس صورت میں وجہ کا انکار کرکے نتیجہ کو قایم نہیں رکھا جا سکتا۔

لیکن انگریزی عدالتوں کے رویہ میں سب سے عجیب بات جو ہے وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو کتب فقہ کے احکام پر جو متعلق بہ حقوق زوجیت ہیں اسقدر زور دیا جاتا ہے اور دوسری طرف انہی احکام کا باقی تمام قسم کے حقوق پر کچھ بھی اثر نہیں سمجھا جاتا۔ سب سے بڑی بات جسپر کتب فقہ نے زور دیا ہے وہ حقوق ملکیت کا زائل ہونا ہے۔ چنانچہ کسی کتاب کو کھولکر دیکھ لو حکم قتل کے بعد اسی بات پر زور دیا گیا ہے اور اسی کے متعلق زیادہ بحث کیگئی ہے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ مرتد کو قانونی طور پر مردہ کے حکم میں رکھنے کا پہلا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ اس کے حقوق ملکیت زائل سمجھے جاویں۔ اب حالانکہ انگریزی عدالتیں مسلمانوں میں اسلامی قانون وراثت کے مطابق ہی فیصلہ کرتی ہیں مگر مرتد کے لیے جو قانون وراثت اسلام نے قرار دیا ہے اسکی خاک بھی پروا نہیں کیجاتی۔ اور نہ ہی مرتد کے حقوق ملکیت کو زائل قرار دیا جاتا ہے۔ اگر عدالتیں کتب فقہ کے سارے احکام کو سوائے قتل کے جائز رکھتیں تو بھی کسی قدر قرین انصاف ہوتا مگر یہ عجیب بات ہے کہ ان ساری احکام میں سے ایک نکاح کے فسخ ہونیکو ہی قایم رکھا گیا ہے۔ اس امتیاز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کتب فقہ کے احکام کے مطابق مرتد کی کل جائداد فوراً اس کے وارثوں کا حق ہوجاتی ہے اور ایسا ہی مرتد کسی کا وارث نہیں ہو سکتا۔ پھر باوجود اس کے کہ شریعت اسلام

سے احکام وراثت کے مقدمات میں لگائے جاتے ہیں مرتد کی وراثت یا اس کے حقوق وراثت میں احکام متعلقہ کجب اثر خیال کیا جاتا ہے۔ اور آجا کر صرف اس ایک بات پر زور دیا جاتا ہے کہ مرتد کے حقوق و فرائض زوجیت باقی نہیں رہتے اصل منشار احکام مرتدین کا تو اسکو سزا دینا تھا مگر انگریزی عدالتیں سزا کی بجائے اسے کچھ فایدہ پہنچانے کے لیے تیار ہیں۔ کیونکہ حقوق زوجیت کا زائل ہونا تو الگ بات تھی یہاں تو زوجیت کے فرائض سے آزادی دیجاتی ہے۔ دراصل جو عملدرآمد انگریزی عدالتوں کا ہے وہ حقوق کا زائل کرنا نہیں بلکہ حقوق کا دینا ہے۔ مثلاً ایک عورت مرتد ہوکر اپنے خاوند سے گویا طلاق حاصل کرلیتی ہے جو اسکو کسی اور طرح پہ نہ مل سکتی تھی۔ اسکا بگڑا کچھ نہیں کوئی حق زائل نہیں ہوا بلکہ اسکو ایک یہ فایدہ یا حق حاصل ہوگیا کہ ایک شخص کی قید نکاح سے آزاد ہوکر اب کسی دوسرے سے نکاح کرنیکی حقدار ہوگئی۔ اگر یہ کہا جائے جیسا کہ مقدمۂ زیر بحث میں ججوں نے کہا ہے کہ اگر یہ مسلمانوں پہ سختی ہے تو اسکا الزام خود شریعت اسلامی یا احکام مندرجہ کتب فقہ پر ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ بالکل غلط بلکہ جھوٹ ہے۔ اسلامی شریعت یا احکام مندرجہ کتب فقہ کے منشار کو دیکھنا چاہیئے کہ آیا انکا منشار مرتد کے لیے سزا تجویز کرنیکا تھا یا اسکو کچھ فایدہ پہنچانیکا۔ پس جس صورت میں انگریزی عدالتیں اس بات کو جائز سمجھتی ہیں کہ شریعت اسلامی میں اسقدر تصرف کریں کہ جسقدر امور متعلق سزا کے یا حقوق ملکیت وغیرہ کے زائل ہونیکے تھے انکو رد کردیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ مرتد کے فایدہ کی صورت کو باقی رکھ لیں؟ وہ کونسا امر مانع ہے کہ اسقدر بڑے حصہ کو رد کرکے اس ایک چھوٹی سی بات کو باقی چھوڑ دیا جاوے جس سے ارتداد میں روک پیدا ہونیکی بجائے باریک طور پر ایک تحریک موجود ہے۔ بفرض محال ہم تسلیم کرلیتے ہیں کہ انگریزی عدالتوں کے نزدیک حقوق ملکیت وغیرہ کا زائل ہونا حکم قتل کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔ مگر فاضل ججوں نے اس امر پر کوئی روشنی نہیں ڈالی کہ حقوق مرتد کو زائل

کرتے کرتے انہوں نے مسلمانوں کے حقوق کو تلف کرنا کس بنا پر شروع کیا ہے۔ مثلاً زوجین میں سے جب خاوند مسلمان رہتا ہے اور عورت مرتد ہوتی ہے تو عورت کے ارتداد کا نتیجہ انگریزی عدالتوں کے رویہ کے مطابق یہ نہ ہوا کہ عورت کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حق بھی زائل ہو بلکہ اس کے خاوند کا حق زائل ہوا کہ اسکی عورت اس سے چھین لی گئی۔ کیا یہ بھی کسی کتاب فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ مرتدہ کا کوئی حق زائل نہ ہو بلکہ عورت کے ارتداد کی سزا اس کے مسلمان خاوند کو ملے۔ ہم حیران ہیں کہ فاضل ججوں نے کیا سمجھکر یہ فیصلہ کیا ہے؟

مختصراً ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ کس انصاف کس قانون کس شریعت کی رو سے انگریزی عدالتیں شریعت اسلامی کے سارے احکام متعلقہ مرتدین منسوخ قرار دیکر ایک نکاح پر ارتداد کا اثر ڈالنے کی مجاز ہیں اور وہ بھی اس طرح پر کہ ارتداد کی سزا مرتد کو نہ ملے بلکہ ایک دوسرے بے گناہ شخص کے حقوق زائل کیے جاویں۔ اسکا جواب سوائے اسکے کچھ نہیں دیا جائیگا کہ انگریزی عدالتوں کا ہندوستان میں آجتک یہی عملدرآمد رہا ہے کہ انہوں نے تمام احکام شرعیہ متعلقہ مرتدین مندرجہ کتب فقہ کو رد کرکے صرف ایک نکاح پر ارتداد کے اثر کو جائز قرار دیا ہے۔ اور کہ اب وہ اپنے پرانے رویہ کو بدل نہیں سکتیں مگر اسکو بھی بفرض محال تسلیم کرکے ہم یہ کہیں گے کہ جس صورت میں خود مسلمانوں میں اس امر میں اختلاف موجود ہے کہ آیا عورت کے ارتداد کا نتیجہ وہی ہوتا ہے یا نہیں یعنی اس سے اسی طرح نکاح فسخ ہوتا ہے یا نہیں جیسا مرد کے ارتداد سے۔ تو اس صورت میں انگریزی عدالتوں کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھیں کہ اختلافی راؤں میں سے کونسی رائے اس ملک کے حالات کے زیادہ مناسب ہے۔ اس مقدمہ میں جس کا ذکر ہمنے ابتدا میں کیا ہے فاضل ججان چیف کورٹ نے فیصلہ دیتے وقت خود اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ اس معاملہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف موجود ہے مگر اس اختلاف پر غور کرنے سے یا کم از کم مقابل کی رائے کو وقعت دینے سے دو وجوہ پر انکار کیا ہے اول یہ کہ عورت کے ارتداد اور مرد کے ارتداد سے حقوق زوجیت پر ایک سا ہی اثر واقع ہونہیں

رائے غالب ہے یعنی زیادہ لوگوں نے قبول کی ہے بہ نسبت اس کی بمقابل رائے کے اور کہ خود امام ابو حنیفہؒ کی بھی یہی رائے ہے اور دوسرے یہ کہ عدالت میں یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ ہندوستان میں حنفی مسلمان مقابل رائے کو تسلیم کرتے ہیں اور کہ انگریزی عدالتوں کا یہ فرض نہیں کہ وہ یہ فیصلہ کریں کہ قانون کیا ہونا چاہیئے بلکہ انہوں نے قانون کو صرف واقعات پیش آمدہ پر لگانا ہے جیساکہ وہ قانون ملک میں مروج ہو۔

ان میں سے پہلی وجہ بالکل کمزور ہے۔ زیادہ آدمیوں کے ایک رائے کو قبول کرنے سے کسی عقلمند کے نزدیک اسکی صحت پر ایسی مہر نہیں لگ جاتی کہ اسکی مقابل رائے پر کوئی غور ہی نہ کیا جاوے۔ علاوہ ازیں جس اصل کو قایم کرکے وہ رائے قایم کی گئی ہے جسپر چیف کورٹ نے عمل کیا ہے۔ وہ اصل خود دوسری رائے کا مؤید ہے جیساکہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں۔ مخالف راؤں میں سے ایک ضرور ہے کہ غلط ہو اور یہ فیصلہ کرنیکے لیے کہ غلط کونسی ہے اس سے بڑھکر قطعی فیصلہ کوئی نہیں ہوسکتا کہ جن اصول کو دونوں فریق نے قبول کیا ہے ان کے رو سے کونسی رائے غلط ٹھہرتی ہے۔ سو اگر اس راہ پر چلکر فاضل ججان چیف کورٹ فیصلہ کرتے تو وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچتے جسکو اب انہوں نے اپنے فیصلہ میں رد کیا ہے۔ مگر انہوں نے ہماری رائے میں ایک غلط راہ کو اختیار کیا یعنی رائے دینے والوں کی تعداد کی کمی بیشی پر اسکا فیصلہ کیا۔

دوسری وجہ کہ عدالت میں یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ ہندوستان کے علماء دونوں مخالف راؤں میں سے کس رائے کو قبول کرتے ہیں۔ اس پہلو سے کمزور ہے کہ ایسے اختلاف اور بے اطمینانی کی صورت میں جہاں قیاس ہوسکتا تھا کہ ممکن ہے کہ ہندوستان کے علمائے اسلام مقابل کی رائے کو ہی صحیح مانتے ہوں۔ چیف کورٹ کا فرض تھا کہ فیصلہ دینے سے پہلے اس کے متعلق شہادتیں اور فتوے لیتی۔ یہ قیاس کرلینا کہ جو کچھ فتاوٰی عالمگیری میں لکھا گیا ہے وہی صحیح ہے اور اس کے برخلاف ہند کے مسلمان علمائے

کوئی رائے نہیں رکھ سکتے بالکل غلط ہے۔ چنانچہ اس معاملہ میں لاہور کی ایک انجمن بنام انجمن مستشار العلماء نے چیف کورٹ کے فیصلہ کے خلاف فتویٰ دیا ہے اور دوسری رائے کو ہی صحیح تسلیم کیا ہے۔ بہر حال اگر فریقین سے یہ غلطی ہوگئی کہ انہوں نے خود علماء کے فتوے حاصل کر کے پیش نہیں کیے تو بھی چیف کورٹ کا یہ فرض تھا کہ پوری تحقیق کرنے کے بعد کوئی فیصلہ دیا جاتا۔ جب عدالت کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے تو ضروری تھا کہ علمائے ہند کی رائے دیکھی جاتی کہ وہ کس طرف کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ کہنا کہ اس سے پہلے فیصلے اسی کے مد ہیں ایک غلطی کی تائید میں دوسری غلطی کو پیش کرنا ہے۔ تعجب ہے کہ مسلمان اس فیصلے پر شور مچا رہے ہیں۔ حالانکہ چیف کورٹ کی رائے میں ہندوستان کے مسلمانوں کے نزدیک یہی رائے مسلّم ہے۔

ایسے اختلاف کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ قانون کی اصلیت تک پہنچنے کی ضرورت نہیں معقول بات نہیں۔ ضروری تھا کہ خواہ ایک طرف رائے کا غلبہ ہی تھا (اور اختلاف کی صورت میں ایک نہ ایک طرف غلبہ ہوگا ہی) صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لیے مسئلہ کی اصلیت دریافت کی جاتی۔ اور یہ بھی دیکھا جاتا کہ کونسی رائے حالات موجودہ کے ماتحت اس قوم کے لیے جس کے لیے قانون بنایا جاتا ہے انصاف اور نرمی کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ یہ اعتراض کہ عورت اور مرد کے ارتداد سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان میں فرق کرنا عورتوں پر ایک گونہ ظلم ہے کسی وقعت کے قابل نہیں۔ تمام قوموں اور ملکوں میں خاوند کو ایک قسم کا اختیار عورت پر دیا گیا ہے اور ان کے متعلق جو قوانین ہیں ان میں بھی کچھ نہ کچھ فرق نظر آتا ہے۔ مثلاً انگلستان میں بھی اگر عورت زنا کرے تو خاوند طلاق کے لیے دعویٰ کر سکتا ہے مگر خاوند کے صرف زنا کی وجہ پر عورت طلاق کے لیے نالش نہیں کر سکتی۔ پس ایسے فرق جب اور جگہ موجود ہیں تو اسلامی شریعت پر اس وجہ پر

اعتراض کرنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔

چیف کورٹ کا فیصلہ ایک ایسا دروازہ کھولتا ہے جس سے اہل اسلام کی مشکلات بیحد بڑھ جاتی ہیں۔ مثلاً زنا کے مقدمہ میں ایک عورت کہہ سکتی ہے کہ اس نے مذہب بدل لیا ہوا ہے۔ ایسا ہی اغوا کے مقدموں میں بھی یہی جواب ہوسکتا ہے۔ اور بازو دعوے کے مقدموں میں تو ایسے جواب کی صحت کا خود چیف کورٹ نے فیصلہ کر دیا ہے۔ مسلمان گھروں کے لیے کونسی امن کی صورت باقی ہے۔ کیا فیصلہ کرتے وقت فاضل ججان چیف کورٹ کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ غور کرتے کہ وہ ایک قوم کو کن مشکلات میں ڈال رہے ہیں۔ اور کس طرح ان کے گھروں کے امن کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں۔

ایسے مقدمات اس فیصلہ کے بعد اور بھی ہوئے ہیں اور چیف کورٹ کے فیصلہ نے بہت سی ناجائز کارروائیوں کی جرأت بعض لوگوں کو دلادی ہے۔ تبدیل مذہب کے معاملہ میں چیف کورٹ کو یہ خیال رکھنا ضروری تھا کہ ایسا قانون نہ بنایا جائے کہ تبدیل مذہب حقوق کے تلف کرنے کے لیے بہانہ ہو جائے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ایسے مقدمات کے پھر اعلیٰ عدالتوں تک پہنچنے پر اس فیصلہ کی اصلاح کی جاوے گی یا گورنمنٹ ہند اپنی مجالس واضع قوانین کے ذریعہ سے اس فیصلہ کی غلطی کا علاج کرکے مسلمانوں پر احسان کریگی۔

جاپان میں اسلام

قریب دو سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ اخباروں میں پہلے اس بات کا چرچا شروع ہوا کہ جاپان اسلام قبول کرنیکے لیے تیار ہے وہاں مسلمان واعظین بھیجنے چاہییں۔ اور وہاں ایک مذہبی کانفرنس منعقد ہونیوالی ہے جسکی غرض یہ ہوگی کہ تمام مذاہب کے مقابلہ پر اس مذہب کو جسے وہ سب سے اعلیٰ سمجھے اپنا شاہی مذہب قرار دے۔ پھر تھوڑے ہی دن بعد ان سب باتوں کی بعض اخباروں میں تردید کی گئی اور یہ لکھا گیا کہ نہ جاپان اسلام کی قبولیت کی طرف کوئی میلان رکھتا ہے نہ ہی کوئی مذہبی کانفرنس ہوئی ہے یا ہونیوالی ہے اور نہ ہی وہاں واعظین اسلام بھیجنے کی کوئی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کا عزم اور ہمت اس زمانہ میں اسی حد تک محدود ہو رہا ہے کہ تھوڑی سی رکاوٹ سے ایک امر کو جسے اہم سمجھکر شروع کیا ہو چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ ہم نے نہیں سُنا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم یا انکے بعد جن باہمت لوگوں نے دین اسلام کو افریقہ یورپ اور چین تک پھیلایا وہ پہلے اس بات کی تحقیق کر لیا کرتے تھے کہ فلاں ملک اسلام قبول کرنے کو تیار ہے یا نہیں۔ وہ جب عزم کر کے ایک طرف رُخ کر لیتے تھے تو پھر مشکلات کے کیسے ہی پہاڑ انکے سامنے کیوں نہ آجائیں اُنکی کچھ بھی پروا نہ کرتے تھے۔ اسی طرح ایک ایک آدمی نے تنہا ایسے لوگوں کے درمیان جاکر اسلام پھیلایا جہاں پہلے اس کی کوئی خبر نہ تھی۔ انہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا کے چاروں کونوں میں ہم مسلمانوں کا نام پاتے ہیں اور دُور دور کے جزیروں اور بیابانی ملکوں میں لا الٰہ الا اللہ کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ مگر اس وقت اپنے اپنے اشتغال سے کہاں فرصت ہے کہ مسلمان اشاعتِ اسلام کی طرف توجہ کریں اور اسے ایک فرض سمجھکر تمام مشکلات کا مقابلہ کریں۔

حال میں ایک کتاب بنام الرحلۃ الیاپانیہ یعنی سفر جاپان مصر سے شائع ہوئی ہے جس کے مصنف علی احمد جرجاوی صاحب جریدۂ الارشاد ہیں۔ اس فاضل مصنف نے اس کتاب میں اپنے سفر جاپان کے حالات درج کیے ہیں۔ جو انہوں نے ۱۹۰۶ء میں کیا۔ اور اس میں اس مذہبی کانفرنس کا ذکر بھی کیا ہے جس کی تردید ہندوستان کے بعض اخبارات نے کی تھی۔ مصنف مذکور لکھتا ہے کہ وہ پہلا مصری سیاح تھا جس نے سرزمین جاپان میں قدم رکھا۔ ہنغ کونغ (ہانگ کانگ) میں پہنچکر مصنف کی ملاقات سید سلیمان مشہور چینی مسلمان سے ہوئی جو مصنف کے ہمراہ جاپان میں بھی گیا۔ کسی قدر حالات مسلمانان چین کے بھی اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں۔ چین میں مسلمانوں کی تعداد پانچ کروڑ بتائی گئی ہے اگرچہ بعض نے سات کروڑ مسلمان چین میں لکھے ہیں اور ایک عیسائی واعظ نے ساڑھے پانچ کروڑ بتائے ہیں۔ چین کے مسلمانوں کی عام حالت بہ نسبت دیگر چینیوں کے بہت اچھی ہے وہ افیون وغیرہ منشیات سے پرہیز کرتے ہیں۔ انکے لباس اور ظاہری صورت میں دوسرے چینی لوگوں سے کوئی فرق نہیں جس سے کوئی شخص دیکھکر تمیز کر سکے کہ یہ مسلمان ہے یا بدھ مذہب کا پیرو۔ یہ مسلمان چین کے ہر حصہ میں پھیلے ہوئے ہیں بڑی شہروں اور قصبوں میں وہ عموماً الگ محلوں میں رہتے ہیں۔ وہ ان عام فسادوں اور فتنوں میں شریک نہیں ہوتے جو حکومت کے خلاف دوسرے چینی لوگ کرتے رہتے ہیں اور گورنمنٹ کا پورا احترام کرتے ہیں۔ چینی مسلمان اپنے آپ کو اہل چین کے اشرف لوگوں میں سے شمار کرتے ہیں حتیٰ کہ معاملات میں بھی وہ پورا اعتبار اپنے ہی ہم مذہبوں پر کر سکتے ہیں۔ وہ عموماً صفائی پسند ہیں اور اپنی عبادات وغیرہ میں دوسرے لوگوں سے جن میں کیتھولک اور پراٹسٹنٹ عیسائی بھی شامل ہیں دکھ بھی اٹھاتے ہیں۔ مسلمانوں میں اکثر اہل صنعت ہیں اور انکی صنعت ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے جس پر چینی قدیم سے فخر کرتے ہیں۔ اور اگرچہ حکومت میں وہ بڑے بڑے عہدے بھی رکھتے ہیں مگر اصلی میلان ان کا

صنعت کی طرف ہی ہے۔

مصنف بڑے افسوس سے اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ چینی مسلمان مذہب اسلام سے بہت ناواقف ہیں اور اعلیٰ طبقہ کے علماء ان کے اندر نہیں پائے جاتے۔ اور دوسرے مسلمانوں پر افسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی بہتری کے لیے کچھ نہیں کرتے۔

ہانگ کانگ سے سوار ہو کر مصنف ٹوکیو میں پہنچا۔ جہاں مسلمانان ہند میں سے ایک عالم کی ملاقات ہوئی اور اسطرح تینوں نے اکٹھے ہو کر مذہب اسلام پر لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ ان لیکچروں کو جاپانی زبان میں ادا کرنیکے لیے شروع میں ہی ایک فاضل جاپانی بھی ان کے ساتھ مل گیا۔ جس کا نام حاذنیف تھا۔ اس شخص کی ملاقات اتفاقاً ان واعظین سے ہوگئی اور انکے حالات معلوم ہونے پر اسے تحقیق اسلام کا شوق پیدا ہوگیا۔ چونکہ وہ انگریزی بھی جانتا تھا اس لیے نہایت آسانی سے گفتگو ہوتی رہی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلام لے آیا اور اسی کی مدد سے یہ لوگ اپنی باتیں جاپانیوں کو سناتے رہے۔ مصنف کتاب کے بیان کے مطابق انکے وعظ کا یہ اثر ہوا کہ بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) جاپانیوں نے اسلام قبول کیا۔ جن میں بہت سے حاکم۔ تاجر اور بڑی بڑی حیثیت کے آدمی تھے۔ مصنف نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ جاپانی اسلام قبول کرنیکے لیے بہت تیار ہیں اور اگر انہیں کچھ مدت اور رہنے کا اتفاق ہوتا تو بہت سے اور لوگ اسلام قبول کر لیتے۔ چونکہ مختلف اخباروں اور مختلف لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف تو جاپانی اب عیسائی مذہب کے شائق نہیں رہے اور دوسری طرف وہ اپنے آبائی مذہب پر بھی قائم نہیں بلکہ ایک سچے مذہب کی تلاش میں ہیں لہٰذا جو کچھ مصنف کتاب نے اسلام قبول کرنیوالوں کی تعداد کے متعلق لکھا ہے اس کا صحیح ہونا بعید از قیاس نہیں واللہ اعلم بالصواب۔

مصنف کتاب نے اس مذہبی جلسہ کا ذکر بھی کیا ہے جس میں مختلف مذہب کے حامی میکاڈو شاہ جاپان نے خود مختلف ممالک سے بلائے تھے۔ اس جلسہ کے ممبروں کی تعداد ۱۲۰ بتائی ہے اور مصنف لکھتا ہے کہ میں خود بھی اس میں موجود تھا اس مجلس کے دو اجلاس ہوئے جن میں پریزیڈنٹ خود شاہ جاپان تھے۔ وکیل اسلام نے اسلام کی خوبیوں کو بہت عمدہ پیرایہ میں بیان کیا اور اگرچہ جیسا کہ مصنف بیان کرتا ہے اس کے لیکچر کا اثر بہت عمدہ ہوا۔ مگر اس کانفرنس کا یہ نتیجہ نہیں ہوا کہ جاپان کے لیے کوئی اور شاہی مذہب تجویز کیا گیا ہو۔ کتاب میں اور بھی بہت سے دلچسپ حالات جاپان اور دوسرے شہروں کے لکھے ہیں جہاں جہاں مصنف ٹھہرا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر بعض انگریزی اخباروں کی رائیں

نوٹ:۔ ذیل میں ہم چند مشہور انگریزی اخباروں کی رائے جو انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر ظاہر کی ہے درج کرتے ہیں۔ ان میں کئی ایک غلط بیانیاں بھی ہیں جیسے عمر کے متعلق۔ یا تعداد مریدین کے متعلق۔ مگر ہم اس جگہ انکی تردید نہیں کرتے کیونکہ نہ تو گنجایش ہی ہے۔ اور نہ ہی ان راؤں کے درج کرنے سے ہمارا سوائے اسکے کچھ اور مطلب ہے کہ ناظرین کو یہ معلوم ہو کہ دوسرے لوگوں نے خیالات ہمارے متعلق کیا ہیں اخبار ٹائمز لنڈن کے مضمون کی بنا چونکہ ڈاکٹر گرسوولڈ ایک پادری کے رسالہ پر ہے۔ لہذا اس میں غلط بیانی زیادہ ہے۔ اس کی تردید کی ضرورت ہوئی تو ہم کسی دوسرے وقت کریں گے۔

سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۔ مرزا غلام احمد خان جو قادیان ضلع گورداسپور کے

رہنے والے تھے اور جو منگل گذشتہ کو لاہور میں ۶۹ سال کی عمر میں وفات پا گئے ایک مشہور معروف مسلمان واعظ اور قادیانی فرقہ کے بانی تھے جس کی تعداد بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ مرزا صاحب جنکا بہت ادب اور عزت کی جاتی تھی بہت سال ہوئے گورنمنٹ کی ملازمت میں تھے مگر انہوں نے اس ملازمت سے اس لیے استعفا دیدیا کہ وہ اپنے آپ کو ہمہ تن مذہبی اور تعلیم کے کام میں لگا دیں۔ مرزا صاحب جاگیردار اور زمین کے مالک تھے اور انہوں نے گورنمنٹ کے قانون اور انتظام کی تائید میں اپنا نیک اثر اپنے ہم مذہبوں پر ڈالا۔ لاہور میں وہ ایک صلح کا پیغام لیکر آئے تھے اور انکی غرض ایک ایسی سوسائٹی قایم کرنیکی تھی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان صلح اور اتحاد کو بڑھائے۔ اپنی وفات سے دو دن پہلے انہوں نے لاہور کے چند معزز ہندوؤں سے ملاقات کی اور اپنی تجویز کو عملدرآمد میں لانیکے لیے انکی مدد چاہی "

پایونیر۔ الہ آباد "اگر پچھلے زمانے کے اسرائیلی نبیوں میں سے کوئی نبی عالم بالا سے واپس آکر دنیا میں اسوقت تبلیغ کرے تو وہ بیسویں صدی کے حالات میں اس سے زیادہ غیر موزون معلوم نہ ہوگا جیسے کہ مرزا غلام احمد خاں قادیانی معلوم ہوتے تھے جن کی وفات حال میں ہی پنجاب میں اپنے وطن میں واقع ہوئی ہے۔ چند سال گذشتہ سے مرزا صاحب نے بڑھی ہوئی عمر کے اثر کے نیچے خاموشی اختیار کر لی تھی لیکن ایک وقت تھا کہ انکا نام لوگوں میں اسی طرح مشہور تھا جس طرح ڈاکٹر ڈوئی کا ہے۔ ہم یہ قابلیت نہیں رکھتے کہ انکی عالمانہ حیثیت پر کوئی رائے لگا سکیں۔ مگر یہ یقینی بات ہے کہ انکی جماعت ایک وقت بہت بھاری جماعت ہوگئی تھی جو انکی ذاتی اثر اور تعلیم کا نتیجہ تھا۔ مرزا غلام احمد صاحب کو اپنے متعلق یا اپنے دعوی کے متعلق کبھی کوئی شک نہیں ہوا۔ اور وہ کامل صداقت اور خلوص سے اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ انپر الہام الٰہی نازل ہوتا ہے اور کہ انکو خارق عادت طاقت بخشی گئی ہے۔ مگر وہ مسیح سے سات یا آٹھ صدیاں پہلے پیدا ہونیکی بجائے انیسویں [۱۹۰۰] صدی عیسوی میں

پیدا ہوئے اور اپنے گرد و پیش کے حالات کے مطابق ہی انہوں نے اپنا کام بھی کیا بجائے اس کے کہ وہ جنگلوں میں چلے جاتے (جیسا گذشتہ انبیاء کے قصوں میں موجود ہے) اور کسی شجرہ نقطین کے نیچے یا کسی غار میں اپنا مقام بناتے انہوں نے اخباروں کے ذریعہ اپنا کام شروع کیا اور مروجہ مباحثات میں حصہ لیا۔ اور گورنمنٹ انگریزی کی نیک رعیت اور وفادار حامی رہے۔ مگر بعض اوقات انکی فطرت کا دوسرا پہلو غالب آجاتا تھا جیسا کہ اس موقع پر ہوا جب انہوں نے حیرت زدہ بشپ ویلڈن کو چیلنج دیا کہ نشانوں میں انکا مقابلہ کرے جیسا کہ الیاس (نبی) نے بعل کے پروہتوں کو دیا تھا۔ اور اس مقابلہ کا یہ نتیجہ قرار دیا کہ تا فیصلہ ہو کہ سچا مذہب کونسا ہے۔ مگر اُسوقت بھی مرزا صاحب اس بات کے لیے تیار تھے کہ حالات موجودہ کے مطابق جسطرح پادری صاحب چاہیں اپنا اطمینان اس بات کا کریں کہ نشان کے دکھانے میں کوئی دھوکہ یا فریب استعمال نہیں کیا گیا۔۔۔۔۔۔۔ وہ لوگ جنہوں نے مذہب کے رنگ میں دنیا میں ایک حرکت پیدا کی ہے وہ اپنی طبیعت میں مرزا غلام احمد صاحب سے بہت زیادہ ملتے جلتے ہیں بہ نسبت ایک ایسے شخص کے جیسا آجکل کا کنٹربری (انگلستان) کا لاٹ پادری۔ اگر ارنسٹ رینن (مشہور فرانسیسی مورخ) گذشتہ بیس سال کے اندر ہندوستان میں ہوتا تو وہ یقیناً مرزا صاحب کے پاس جاتا اور ان کے حالات کا مطالعہ کرتا اور اسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ انبیائے بنی اسرائیل کے عجیب وغریب حالات پر ایک نئی روشنی پڑتی۔ مگر ہمارے محدود اور تنگ خیالات ایسے مقابلہ سے رُکتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا مذہبی لٹریچر ایسا تنگ اور محدود ہے۔ بہر حال قادیان کا نبی ایک ایسا انسان تھا جو ہر روز دنیا میں نہیں آیا کرتے انپر سلامتی ہو۔

ٹائمز لنڈن - مرزا صاحب جو کہ ستر سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے قصبہ قادیان ضلع گورداسپور کے مالک یا جاگیر دار تھے اور مغل خاندان میں سے تھے اور انکے آبا و اجداد بابر کی عہد حکومت میں سمرقند سے یہاں آئے تھے۔ پہلے وہ گورنمنٹ کی ملازمت میں تھے لیکن کئی سال ہوئے

اس غرض سے گورنمنٹ کی ملازمت چھوڑ دی تھی کہ تا اپنی پوری توجہ اپنے دعاوی کی اشاعت میں لگا سکیں۔ لاہور کے پادری گرسوولڈ نے سلسلہ احمدیہ کے حالات کا بڑے غور سے مطالعہ کیا ہے اور اپنی تحقیق کو ایک کتاب کی صورت میں شایع کیا ہے جس میں وہ مرزا صاحب کو شکل و شباہت میں معزز اپنے وجود میں ایک خاص کشش رکھنے والے اور قوائے ذہنی میں تیز بیان کرتے ہیں۔ ایک چھاپہ خانہ اور ایک ڈپو قایم کرکے اس عجیب اعتقادات کے معلم نے بہت سی مذہبی کتابیں لکھیں اور دو اخبار ایک انگریزی میں اور ایک اردو میں اپنے اعتقادات کی تائید میں جاری کیں۔ انکا یہ دعویٰ تھا کہ اگرچہ یسوع کو فلسطین میں صلیب پر چڑھایا گیا تھا مگر وہ وہاں فوت نہیں ہوئے بلکہ مشرق کی طرف سفر کرکے آخر کار شہر سری نگر دارالخلافہ کشمیر میں رحلت فرما ہوئے۔ مسیح کے بار بار ظہور کے عقیدہ کو اختیار کرکے انہوں نے یہ تعلیم دی کہ جس طرح یسوع مسیح موسوی تھا میں محمدی مسیح ہوں اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ خدا نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ تا اس سچے دین کو از سر نو دنیا میں قایم کروں جسے یہودیوں عیسائیوں اور مسلمانوں نے بگاڑ دیا ہے۔ انکا دعویٰ تھا کہ انکی بہت سی پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ اور یسوع سے بھی بڑھکر عجیب نشانات وہ دکھا چکے ہیں۔ عام مسلمان اس عقیدہ کو بدعت اور کفر قرار دیتے تھے مگر مرزا صاحب کے پیرووں میں صرف ان پڑھ لوگ ہی نہ تھے۔ بلکہ بہت سے آدمی اعلیٰ حیثیت اور اعلیٰ تعلیم والے بھی تھے۔

مرزا صاحب کا یہ دعویٰ کہ انکے ستر یا اسّی ہزار پیرو ہیں مبالغہ آمیز بیان ہے اور اگرچہ مردم شماری میں جو تعداد دکھائی گئی ہے وہ غالباً اصل تعداد سے بہت کم تھی مگر ڈاکٹر گرسولڈ کا تخمینہ جو سرکاری رپورٹ کے جلد ہی بعد کیا گیا ہے جس میں پیرووں کی کل تعداد دس ہزار بتائی گئی ہے بخل سے کیا گیا معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں گذشتہ دو تین سال میں جو تحریکات ہندوستان میں رہی ہیں وہ صرف پولٹیکل نہ تھیں بلکہ تمدنی اور مذہبی رنگ بھی رکھتی تھیں۔ اور اغلب ہے کہ ان سالوں میں قادیانی فرقہ نے بہت کچھ ترقی کی ہو گی۔ اگر اب جو

اسکا ہی گذر گیا ہے یہ فرقہ زوال پذیر ہوکر نابود ہو جائے تو اسکا افسوس نہ مسلمان قوم کو ہوگا اور نہ ہی گورنمنٹ کو۔ اگرچہ مرزا صاحب اس بات پر بہت زور دیتے تھے اور اس بیان میں وہ سچے بھی تھے کہ اس فرقہ کی تعلیمات اور عقاید انگریزی حکومت کی پوری وفاداری کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں تاہم ایسے نئے نئے فرقوں کی حالت میں دونوں امکان موجود ہیں۔ یعنی یہ کہ یا وہ اندرونی جھگڑوں اور خونریزی کا باعث ہوجائیں اور یا پولیٹیکل شورش کا موجب بنجائیں۔ یہ امر کہ یہ فرقہ بالکل صلح پسند اور پابند قانون رہا ہے اس کے بانی کے لیے باعث فخر ہے جن کے متعلق ڈاکٹر گرسوولڈ کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ وہ مفتری نہ تھے بلکہ فریب خوردہ تھے۔ اپنی وفات کے وقت وہ لاہور میں ایک سوسائٹی قایم کرنا چاہتے تھے جس کی غرض ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح اور اتحاد کا بڑھانا تھا

مہدی آخر زمان

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء وسید المرسلین وعلی خلفائہ الراشدین المھدیین۔

امابعد۔ آخر زمانہ میں ایک حامی دین اسلام کے آنے کی پیشگوئی دنیا بھر میں مشہور ہے جسکا لقب مہدی ہے۔ اسلامی تاریخ میں کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا جسمیں کوئی مدعی مہدویت پیدا نہ ہوا ہو۔ مہدی ایک پاک اور مقدس نام ہے۔ اس کے معنے ہیں ہدایت یافتہ۔ لیکن اس بات کو دیکھکر سخت درد پہنچتا ہے کہ جاہل لوگوں نے اور پرجوش ملاؤں نے مہدی موعود کو ایسے تاریک رنگ میں پیش کیا ہے اور مدعیان مہدویت نے ایسی خونریزی کی کاروائیاں کی ہیں کہ اب مہدی کا لفظ ایک خوفناک لفظ سمجھا جاتا ہے یہانتک کہ حکومتیں بھی اس نام کو

سنکر ڈر جاتی ہیں اور وہ جو ایک پاکیزہ اور پیارا نام تھا اب ایک خونی نام سمجھا جاتا ہے۔ اور اسلامی واعظ اور مُلاں مہدی کو ایک خونریز سپاہی کے رنگ میں پیش کرتے ہیں جو دنیا میں خون کی ندیاں بہا دیگا۔ ان کے نزدیک اسلام کے پھیلانے کا سوائے تلوار کے اور کوئی ذریعہ نہیں۔ افسوس اس پاک نام سے بڑی بے انصافی کی گئی ہے۔ اور ایک معصوم اور پُرامن نام ایک خون کے پیاسے مردم کُش ظالم کو دیا گیا ہے۔ میرا مدعا اس مضمون کے لکھنے سے یہ ہے کہ اُن غلطیوں کو صاف کیا جاوے جنہوں نے اس پاک نام کی حقیقت کو چھپا دیا ہے اور سچے اور اصل مہدی کو ناظرین کے آگے پیش کیا جاوے۔

(۱) احادیث متعلقہ مہدی

مہدی پر بحث کرتے ہوئے پہلی مشکل جو انسان کو پیش آتی ہے یہ وہ ہے کہ مہدی کے متعلق ایک کثیر تعداد ایسی احادیث اور روایات کی ہے جو اعتبار کے درجہ سے بہت گری ہوئی ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں نے بڑی محنت سے مہدی کے متعلق احادیث اخبار و آثار کو اپنی کتاب حجج الکرامہ میں جمع کیا ہے اور انکی صحت کے متعلق بحث کرتے ہوئے صفحہ ۲۶۵ پر لکھتا ہے۔ لیکن شک نیست دراں کہ اسانید اکثر طرق وے معلول است بغفلت رجال اسانید و سوء حفظ یا ضعف یا سوء رائے وغیر ذٰلک۔

پھر اسی صفحہ پر صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔ ومجموع ایں روایات ضعیفہ و مطعونہ افادہ صحت وشہادت وجود وے در آخر زمان میکنند اگرخالص از آنہا از نقد اقل قلیل باشد۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صدیق حسن کی رائے میں یقینی طور پر جو امر احادیث سے ثابت ہوتا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ مہدی ضرور آئیگا۔ کوئی تفصیلی امر یقینی اور قطعی طور پر قبل از وقت بیان نہیں کیا جاسکتا۔ فاضل مصنف اسی رائے کو اور جگہ بھی ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ وہ صفحہ ۴۳۸ پر لکھتا ہے۔ اما شک نیست کہ مجموع اخبار و آثار کہ دربارہ وجود وے و وقائع و حوادث و فتن و فتوح وغیر ہا وارد شدہ افادہ

صحت ظہور وسے میکند کیف ما کان۔ یعنی جسقدر روایات مہدی موعود کے آنے اور اُس کے زمانہ کے واقعات اور فتوحات کے متعلق ہیں اُنسے اتنا فایدہ ہوتا ہے کہ مہدی ظاہر ہوگا جس رنگ میں اس کا ظہور ہو۔ یعنی احادیث و روایات سے ظہور کا یقین حاصل ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کس رنگ میں ظاہر ہوگا۔

ایک فاضل مصنف کے مندرجہ بالا بیان سے ناظرین نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ احادیث و آثار متعلقہ مہدی کس حد تک معتبر ہیں۔ نیز ان احادیث کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کے متعلق اس امر سے بھی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ صحیحین میں مہدی کا کوئی باب نہیں رکھا گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے ان احادیث کو اس درجہ صحت پر نہیں پایا کہ انکو اپنی تصانیف میں جگہ دیتے۔ جس پایہ و مقام کے یہ ہر دو امام ہیں وہ سب پر روشن ہے۔ ان کے سکوت کی ایک اور غرض بھی معلوم ہوتی ہے جو مَیں آگے جاکر انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کروں گا۔ صرف راویوں کے لحاظ سے ہی احادیث مہدی مجروح نہیں بلکہ خود احادیث اور روایات بھی اس امر کی گواہی دے رہی ہیں کہ وہ اس قابل نہیں کہ انکو بغیر تامل کے قبول کرلیا جاوے۔ کیونکہ وہ اختلافات سے بھری ہوئی ہیں۔ مہدی کے نام کے متعلق اختلاف ہے۔ اس کے نسب کے متعلق اختلاف ہے۔ اُس کے مقام و زمان ظہور کے متعلق اختلاف ہے۔ اور اُس کے زمانہ خلافت کے متعلق اختلاف ہے۔ کچھ احادیث ذیل میں درج کرتا ہوں جس سے معلوم ہوجائیگا کہ احادیث میں کسقدر اختلاف ہے۔ (۱) احادیث دربارہ اسم مہدی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لو لم یبق من الدنیا الا یوم لطول اللہ ذٰلک الیوم حتی یبعث فیہ رجلاً منی و من اھل بیتی یواطئ اسمہ اسمی و اسم ابیہ اسم ابی۔ (ابو داؤد)۔ یعنی اگر دنیا کی عمر میں ایک دن بھی باقی رہ گیا۔ خدا تعالیٰ اس دن کو لمبا کردیگا یہانتک کہ وہ مبعوث فرماوے ایک شخص مجھ میں سے یا میرے اہل بیت میں سے

جسکا نام میرے نام کے مطابق ہوگا اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق ہوگا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن کی طرف دیکھکر فرمایا۔ ان ابنی ھٰذا سید کما سماہ النبیؐ سیخرج من صلبہ رجل یسمی باسم نبیکم یشبھنی فی الخُلق ولا فی الخَلق (ابوداؤد)

ان احادیث اور ایسی ہی اور احادیث کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ مہدی موعود کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا اسی طرح بعض روایات میں مہدی موعود کا نام احمد بن عبداللہ رکھا گیا ہے۔ اقتراب الساعہ صفحہ ۶۶ پر لکھا ہے۔ آسمان سے ایک پکارنیوالا کہیگا۔ ایھا الناس ان اللہ قد قطع عنکم الجبارین والمنافقین واشیاعھم وولاکم خیر امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فالحقوہ بمکہ فانہ المہدی واسمہ احمد بن عبداللہ۔

پھر۔ مہدی کا نام عیسیٰ بھی رکھا گیا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا المہدی الا عیسیٰ (ابن ماجہ وحاکم) شیعہ کا اعتقاد ہے کہ مہدی کے باپ کا نام عبداللہ نہیں ہے بلکہ حسن ہے۔

(۲) احادیث درباره نسب مہدی۔ اس امر میں بھی احادیث وروایات میں سخت اختلاف ہے۔ بعض روایتوں میں اُسکو فاطمہ کی اولاد بیان کیا گیا ہے۔ ابوداؤد ام سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المھدی من عترتی من ولد فاطمہ۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ مہدی حضرت فاطمہ کے کسی لڑکے کی اولاد میں سے ہوگا۔ اس بارے میں پھر روایتوں میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے بعض میں اُسکو حسن کی اولاد میں سے بیان کیا گیا ہے اور بعض میں حسین کی اولاد سے۔ میں ابھی ایک روایت درج کر چکا ہوں جس میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لڑکے حسن کی طرف دیکھ کر کہا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اسکو کہا اور اس کی پشت سے ایک آدمی پیدا ہوگا جسکا نام تمھارے نبی کا نام ہوگا اور جسکے باپ کا نام تمھارے نبی کے باپ کا نام ہوگا۔ وہ تمھارے نبی سے خُلق میں مشابہ ہوگا مگر خَلق یعنی ظاہری شکل میں مشابہ نہیں ہوگا۔ اسی مضمون کی ایک روایت یہ ہے ابن عمرو نے کہا یخرج رجل من ولد حسن من قبل المشرق لو استقبل به الجبال یهدها واتخذ فیها طرقا (اخرجہ تمام فی فوایدہ وابن عساکر فی تاریخہ) یعنی حسن کی اولاد سے مشرق کی طرف سے ایک شخص نکلے گا جو ایسا عالی ہمت ہوگا کہ اگر اس کے سامنے پہاڑ آجائیں تو انکو بھی ہٹا کر انہیں سے رستہ بنا لیگا۔ ان روایات کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ مہدی حسن کی اولاد میں سے ہوگا۔

ان روایات کے مقابل پر ایسی روایتیں بھی ہیں جنمیں مہدی کو حسین کی اولاد میں سے ظاہر کیا گیا ہے نہ حسن کی اولاد سے۔ مثلاً ایک روایت یہ ہے ان المهدی من ولد الحسین (رواہ ابن عساکر عن جابر) یعنی مہدی حسین کی اولاد سے ہوگا۔ شیعہ ایسی روایات پر زور دیتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی حسین کی اولاد سے ہوگا۔ بعض روایات میں حسن وحسین دونوں کو ملا دیا گیا ہے۔ طبرانی وابونعیم علی ہلالی سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کو فرمایا والذی بعثنی بالحق ان منهما یعنی من الحسن والحسین مهدی هٰذه الامة۔ یعنی اس اُمت کا مہدی حسن وحسین دونوں کی اولاد ہوگا۔

اگر یہ اختلاف حسن وحسین پر ہی بس ہو جاتا تب بھی خیر تھی لیکن مہدی کی نسب کے متعلق اور بھی روایات ہیں جو مہدی کو بنی فاطمہ اور حسن یا حسین کی اولاد سے نہیں ٹھہراتیں بلکہ اُس کے لیے اور ہی نسب تجویز کرتی ہیں۔ مثلاً بہت سی ایسی احادیث ہیں جنمیں مہدی کا بنی عباس سے ہونا بیان کیا گیا ہے نعیم بن حماد کعب احبار سے روایت کرتا ہے کہ المهدی من ولد عباس۔ یعنی مہدی موعود عباس کی اولاد سے ہوگا۔ دارقطنی

اور ابن عساکر حضرت عثمان بن عفان سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المھدی من ولد عباس عمی۔ یعنی مہدی میرے چچا عباس کی اولاد سے ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو فرمایا۔ یا عباس ان اللہ بدأبی ھٰذا الامر ویختمہ بغلام من ولدك یملاھا عدلا کما ملئت جورًا۔ (اخرجہ الدارقطنی والخطیب وابن عساکر) ایسا ہی اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں۔ مثلاً ابن عساکر میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے فرمایا یا عم اما شعرت ان المھدی من ولدك۔ یعنی اے چچا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ مہدی تیری اولاد میں سے ہوگا پھر ایک اور حدیث ابن عساکر اور دیگر کتب میں درج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الا ابشرك یا عم ان من ذریتك الاصفیاء ومن عترتك الخلفاء ومنك المھدی فی اٰخر الزمان۔ یعنی تیری اولاد میں سے کئی پاک لوگ اور خلفاء ہونگے اور مہدی آخر الزمان بھی تیری ہی اولاد میں سے ہوگا۔ علیٰ ہٰذا القیاس مہدی بنو امیہ میں سے بھی بیان کیا گیا ہے چنانچہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۵ پر وہب بن منبہ کا قول درج کرتے ہیں کہ ان کان فی ھٰذہ الامۃ مھدی فھو عمر بن عبد العزیز۔ یعنی اگر اس اُمت میں کوئی مہدی ہے تو وہ عمر بن عبد العزیز ہے جو بنو امیہ میں ایک بزرگ اور صالح بادشاہ تھے۔ ایسا ہی ایک روایت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہوگا۔ چنانچہ وہ روایت یہ ہے اخرج ابن عساکر کان عمر بن خطاب یقول من ولدہ رجل بوجہ شجۃ یملأ الارض عدلاً۔ یعنی حضرت عمر بن خطاب فرمایا کرتے تھے کہ میری اولاد میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جس کے چہرہ پر نشان ہوگا اور وہ زمین کو عدل سے بھر دیگا۔ اور زمین کو عدل سے بھر دینا صفات مہدی میں سے ہے

غرض مہدی موعودؑ کی نسب کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ حسن کی اولاد سے ہوگا۔ دوم یہ کہ وہ حسین کی اولاد سے ہوگا۔ سوم یہ کہ وہ بنی عباس میں سے ہوگا۔ چہارم یہ کہ وہ بنو امیہ میں سے تھا اور وہ عمر بن عبدالعزیز تھا۔ پنجم یہ کہ وہ حضرت عمرؓ کی اولاد سے ہوگا۔

ان احادیث کے علاوہ جن میں مہدی کسی خاص خاندان کی طرف منسوب کیا گیا ہے ایسی احادیث بھی ہیں جنہیں مہدی کا افراد اُمّت میں سے ایک فرد ہونا بیان کیا گیا ہے اور کسی خاص خاندان کی تعیین نہیں کی گئی بلکہ صرف ایک اُمتی ظاہر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابو داؤد میں ایک حدیث ہے جسکے الفاظ یہ ہیں ابو سعید خدری بیان کرتا ہے کہ مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا یخرج رجل من امتی یقول بسنتی ینزل اللہ عز وجل لہ القطر من السماء و تخرج الارض برکتھا وتملأ الارض منہ قسطا وعدلًا کما ملئت ظلما وجورًا یملک سبع سنین۔ ایسی ہی اور احادیث بھی جن میں مہدی کی نسبت صرف من اُمّتی یا فی اُمّتی کا لفظ آیا ہے اور مہدی کو عام اُمّتی بیان کیا گیا ہے چنانچہ ابو سعید سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابشرکم بالمھدی یبعث فی امتی علیٰ اختلاف من الناس وزلازل فیملأ الارض قسطا وعدلًا کما ملئت ظلما وجورًا رضی اللہ عنہ وساکن السماء وساکن الارض الخ۔ کذا فی المیزان۔ یعنی مَیں تمکو مہدی کی خوشخبری دیتا ہوں جو میری اُمّت میں مبعوث کیا جائیگا جب لوگوں میں اختلافات ہوں گے اور زمین میں زلزلے آویں گے اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا اور خدا اور آسمان کے فرشتے اور زمین کے لوگ اُس سے خوش ہوں گے۔

یہ عجیب بات ہے کہ صرف بعض بڑے بڑے خاندانوں نے ہی دعویٰ نہیں کیا کہ

مہدی ہم میں سے ہوگا بلکہ مذہبی فرقوں نے بھی ایسے ہی دعوے پیش کیے ہیں شیعہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مہدی شیعہ مذہب کا حامی ہوگا اور سُنّیوں کو تہ تیغ کر دے گا۔ معتزلہ مہدی کے وجود سے ہی منکر ہیں۔ حنفی اعتقاد رکھتے ہیں کہ مہدی امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا پَیرو ہوگا۔ وہابی حنفیوں کا یہ دعویٰ سُنکر سخت طیش میں آجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مہدی فرقہ اہل حدیث کا سخت حامی ہوگا۔ ان فرقوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے دیکھکر ہنسی آتی ہے۔ حدیث الغاشیہ کے مصنف کی عبارت جو فرقہ اہل حدیث میں سے ہے۔ مَیں ذیل میں درج کرتا ہوں تا ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ کسطرح اسلام کے مختلف فرقے مہدی کے متعلق باہم جھگڑتے ہیں۔ حدیث الغاشیہ کا مصنف یہ لکھتا ہے "بعض جہلہ حنفیہ نے یہ گپ لگائی ہے کہ عیسیٰ مقلد مذہب حنفیہ ہونگے علی قاری نے اسکا خوب ردّ کیا ہے۔ جزاہ اللہ خیرا۔ اشاعہ میں بھی تقلید عیسیٰ و مہدی بر مذہب حنفی کے لیے نہایت غصہ ظاہر کرکے یہ بات ثابت کی ہے کہ سوا قرآن و حدیث کے کسی مذہب کے موافق حکم ندیں گے ..... اگر ہم اُسوقت تک جیئے کہ مہدی آجاویں یا عیسیٰ علیہ السلام اُتریں تو ہم ان حضرات کو سلام کریں گے کہ اب کہو تم سچے تھے یا ہم۔ انکو بھی اسوقت آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائیگا۔" (حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۵۲)

(۳) اختلاف احادیث دربارہ مولد و جائے ظہور مہدی۔

جو احادیث و روایات دربارہ مولد و جائے ظہور مہدی آئی ہیں اُنہیں بھی ایسا ہی اختلاف پایا جاتا ہے جیسا احادیث و روایات دربارہ نسب مہدی میں اختلاف ہے۔ مندرجۂ ذیل مختلف مقامات مہدی کے مولد یا جائے ظہور بیان کیے گئے ہیں۔

اوّل۔ ایک قریہ کدعہ نامی۔ اس بارہ میں جو حدیث آئی ہے اُسکو مَیں انشاء اللہ آگے جاکر بیان کروں گا۔

دوم۔ مدینہ مولد اور مکہ جائے خروج۔ چنانچہ ابوداؤد میں ایک لمبی حدیث ہے جسمیں لکھا ہے

یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجل من اهل المدینة هاربا الی مکة فیخرجونه وهو کاره فیبایعونه بین الرکن و المقام الحدیث یعنی ایک خلیفہ کی وفات پر اختلاف ہوگا اُسوقت ایک شخص مدینہ سے بھاگ کر نکلیگا اور مکہ کی طرف جائے گا وہاں لوگ اُسکی مرضی کے برخلاف رکن ومقام کے درمیان بیعت کرینگے“ اسی حدیث کی بنا پر یہ یقین کیا جاتا ہے کہ مہدی کا مولد مدینہ ہے اور جائے ظہور مکہ معظمہ۔ چنانچہ صدیق حسن خاں اس حدیث کو درج کر کے لکھتا ہے مراد بایں رجل مہدی است وحدیث دال است برآنکہ برآمدن او ہم از مدینہ باشد چنانکہ تولدش آنجا بود پس مصیر بسوئے ایں حدیث واجب است و باقی اقوال ساقط وظہورش بالاتفاق در مکہ مکرمہ باشد۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۱۸۱)

سوم۔ مکہ میں ہی مہدی پیدا ہوگا اور مکہ ہی میں ظاہر ہوگا۔ علی متقی نے اپنے رسالہ مہدی میں لکھا ہے بدانکہ در قصص الانبیاء و در کتاب اخبار است از آیات و احادیث و اولیاء اللہ وارد شدہ کہ از سیادت حسین باشد و نام پدر او موافق حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم باشد یعنی ابن عبداللہ و تولد او در مکہ معظمہ باشد و ہماں جا بمرگ خود بمیرند۔

چہارم۔ المغرب میں ظاہر ہوگا۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے۔ قرطبی در تذکرہ خود گفتہ کہ مولدش ببلاد مغرب است و وے از آنجا براہ دریا بیاید۔ حجج الکرامۃ صفحہ ۳۵۳

پنجم۔ بمسجد اقصیٰ میں ظاہر ہوگا۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے و برآمدن وے از مسجد اقصیٰ ہم گفتہ اند۔

ششم۔ مہدی مشرق میں ظاہر ہوگا۔ ابو نعیم و ابن عساکر عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یخرج رجل من ولد حسن بن علی من قبل المشرق لو استقبل به الجبال یهدها و یتخذ فیها طرقا۔

ہفتم۔ خراسان کی طرف سے مہدی ظاہر ہوگا۔ مسند احمد میں ہے۔ اذا رأیتم الرایات السود قد جاءت من قبل خراسان فاتوھا فان فیھا خلیفۃ اللہ المھدی۔ یعنی جب تم سیاہ جھنڈے خراسان سے آتے ہوئے دیکھو تو انکی طرف جاؤ کیونکہ اُنمیں خدا کا خلیفہ مہدی ہے۔

مندرجہ بالا روایات سے ظاہر ہے کہ مہدی کے مولد اور جائے ظہور کے بارہ میں کسقدر اختلاف ہے۔

(۴) روایات دربارہ عہد خلافت مہدی۔ مدت خلافت میں سخت اختلاف ہے چنانچہ مہدی کی خلافت کیلیے مندرجہ ذیل مختلف عرصے بیان کیے گئے ہیں۔ ۵ سال۔ ۷ سال۔ ۹ سال۔ ۱۹ سال چند ماہ۔ ۲۰ سال۔ ۲۴ سال۔ ۳۰ سال۔ ۴۰ سال ان مختلف روایتوں کو بیاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ صدیق حسن خان کی کتاب حجج الکرامہ میں سے مندرجہ ذیل عبارت کافی ہوگی۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے۔ روایات در مُدّت ملک مہدی مختلف آمدہ۔ در بعض پنج یا ہفت یا نہ تبردید آمدہ و در بعض ہفت و در بعض اگر کم ماند پنج سال و اگر دیر ماند نہ سال و در بعض نوزدہ سال و چند ماہ و در بعض بست سال و در بعض بست وچہار سال و در بعض سی سال و در بعض چہل سال و نہ سال منجملہ ایں چہل سال بارو م مصالحہ ماند۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۰)

(۵) احادیث دربارہ زمان ظہور مہدی۔ اگرچہ عام طور پر احادیث کی بنا پر یہ یقین کیا جاتا ہے کہ مہدی اور مسیح ایک ہی وقت میں ظاہر ہوں گے مگر ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مہدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وسط زمانہ میں پیدا ہوگا چنانچہ اصل عبارت یہ ہے۔ لن تھلک امۃ انا فی اولھا والمھدی فی اوسطھا وعیسیٰ فی آخرھا۔ ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۴۔

جسقدر میں اوپر لکھ آیا ہوں اُس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ احادیث
درباره مہدی میں بہت اختلاف ہے۔ نہ صرف راویوں کے لحاظ سے اکثر انہیں مجروح
ہیں بلکہ انکے اختلافات ظاہر کر رہے ہیں کہ سب حدیثیں ماننے کے قابل نہیں یا
یوں کہو کہ سب کو مہدی موعود پر چسپاں کرنا غلطی ہے۔

غازی مہدی کا اعتقاد

نہایت افسوس کی بات ہے کہ ہمارے علماء ایسے عقائد کی عام طور پر اشاعت
کرتے ہیں جنکی بنا کسی صحیح حدیث پر نہیں اور علاوہ اس کے وہ عقائد اسلام
کے لیے مضر اور امن عامہ میں خلل انداز ہیں۔ وہ روایات جنکی بنا پر ایک غازی
مہدی کا وعظ کیا جاتا ہے بالکل پایۂ ثبوت سے گری ہوئی ہیں یا ایسی ہیں جن کے
غلط معنے کیے گئے ہیں یا ایسی ہیں جو مہدی موعود کے متعلق نہیں بلکہ اور لوگوں کے
متعلق ہیں اور اُنکو غلطی سے مہدی موعود پر لگایا گیا ہے پُرجوش ملاؤں کی کارروائی
قابل درگذر ہوتی اگر وہ روایتیں صحیح ہوتیں جن کی بنا پر یہ وعظ کیا جاتا ہے کہ مہدی تلوار
کے ساتھ ظاہر ہوگا اور دنیا میں خون کی ندیاں بہا دے گا۔ مگر جب دیکھا جاوے کہ
ایسا وعظ بالکل غیر صحیح روایتوں پر کیا جاتا ہے اور ہندوستان کے علماء مقر ہیں
کہ یہ روایتیں معتبر نہیں تو اسوقت ہم مجبور ہیں کہ ایسے واعظوں کو قصوروار ٹھہرائیں
جو باوجود علم ضعف روایات عوام الناس کے دل میں یہ بٹھاتے ہیں کہ ایک خونی
مہدی آئیگا اور ہر ایک شخص کو جو اسلام قبول کرنے سے انکار کریگا تہ تیغ کریگا۔ ایسے لوگ
اسلام کے لیے عار ہیں اور اسلام جیسے پاک اور روشن مذہب کے چہرہ پر خون کا داغ
لگاتے ہیں اور عوام الناس میں غلط خیالات بٹھا کر جہاد کا سبق دیتے ہیں اور امن عامہ
میں خلل انداز اور گورنمنٹ کے لیے بے حد تکلیف اور بے فائدہ اخراجات کا آئے
دن موجب ہوتے ہیں۔ اگر ایسے واعظوں کی نیت صاف ہوتی تو اُنکو چاہیے تھا کہ

صاف طور پر عام لوگوں کو کہدیتے کہ کوئی پختہ روایت اور صحیح حدیث ایسی نہیں جس سے معلوم ہو کہ مہدی تلوار کے زور سے اسلام کو پھیلائیگا بلکہ برخلاف اسکے ایسی احادیث بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سونیوالوں کو بھی نہیں جگائیگا اور نہ خون بہائیگا اگر یہ واعظ اسلام کے خیر خواہ اور محسن گورنمنٹ کے بہی خواہ ہوتے تو انکو چاہیے تھا کہ اشتہاروں اور رسالوں کے ذریعہ شائع کرتے کہ خونی مہدی کا خیال ایک غلط خیال ہے جسکی بنا کسی صحیح حدیث پر نہیں اور اسطرح لوگوں کے جوشوں کو ٹھنڈا کرتے اور غلط خیالات اُنکے دلوں سے نکالتے۔ اس صورت میں وہ صرف محسن گورنمنٹ سے ہی بھلا نہ کرتے بلکہ خود اسلام کی ایک خدمت کرتے اور ایک بدنما داغ کو مٹاتے اور اسلام اور قرآن مجید کی اصل تعلیم کے ظاہر ہونے کا ذریعہ بنتے۔ مگر اس بات کو ظاہر کرنیکے لیے کہ کس قسم کے خیالات عوام الناس میں بے دھڑک پھیلائے جاتے ہیں میں ذیل میں اقتراب الساعہ سے کچھ عبارت نقل کرتا ہوں۔ اگرچہ بظاہر یہ کتاب صدیق حسن خاں کے بیٹے کی طرف منسوب کیجاتی ہے مگر عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب اس فاضل مصنف کی اپنی تصنیف ہے۔ صفحہ ۹۴ پر لکھا ہے "خدا کی طرف تلوار کے ذریعہ سے بلائیں گے جو نہ مانے گا مار ا جاوے گا" پھر صفحہ ۹۶ پر لکھا ہے۔ "انکے ہاتھ پر لڑائیاں ہونگی یہ خزانے نکالیں گے شہر کے شہر فتح کرینگے۔ مشرق سے مغرب تک لے لینگے۔ ہندوستان کے بادشاہوں کو گردن میں طوق ڈالکر اُنکے سامنے لاوینگے۔۔۔۔ پھر اسی صفحہ پر لکھا ہے۔ ہند میں اب تو کوئی بادشاہ بھی نہیں ہے یہی چند رئیس ہنود یا مسلمان ہیں سو کچھ حاکم مستقل نہیں بلکہ برائے نام ہیں بڑے بادشاہ اس ولایت کے یورپین ہیں غالباً اُس وقت تک بھی یہی حاکم یہاں کے رہیں گے انہی کو اُن کے روبرو لیجائیں گے۔ ایسے ہی خیالات صدیق حسن خاں نے حجج الکرامہ میں ظاہر کیے ہیں ملاحظہ ہو صفحہ ۳۶۴

میں پہلے حجج الکرامہ کے حوالے سے دکھا آیا ہوں کہ صدیق حسن خاں مانتا ہے کہ کل روایات دربارہ ظہور و حوادث و فتوحات مہدی سے یقینی طور پر صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ مہدی آئیگا کیف کان یعنی تفصیل کی تعیین نہیں ہوسکتی۔ ایک طرف تو صدیق حسن لکھتا ہے کہ کیف کان یعنی مہدی آئے گا جس صورت میں آئے دوسری طرف بڑے وثوق سے یہ شائع کیا جاتا ہے کہ وہ تلوار لے کر ظاہر ہوگا اور اس دن اہل دنیا کے لیے ایک مصیبت کا دن ہوگا۔ لوگوں کی گردنوں پر تلوار رکھی جاوے گی اور جو اسلام کا اقرار نہیں کرے گا اس کا سر اتار دیا جاوے گا۔ اگر ایسے اعتقادات صحیح احادیث کی بنا پر شائع کیے جاتے پھر بھی یہ لوگ قابل معافی ہوتے مگر ایک طرف تو ان احادیث اور روایات کے ضعیف اور غیر معتبر ہونے کے قائل ہیں دوسری طرف اسلام کو بدنام کرنے والے عقائد انہی غیر معتبر احادیث اور روایات کی بنا پر شائع کیے جاتے ہیں۔ جبتک خونی مہدی کا عقیدہ دلوں سے نہ نکالا جاوے تب تک جہاد بالسیف کا عقیدہ دور نہیں ہوسکتا۔ خفیہ طور پر محمد حسین بٹالوی کی طرح گورنمنٹ کے کان میں کہنا کہ خونی مہدی کی حدیثیں سب کی سب نادرست اور غلط ہیں کچھ مفید نہیں جب تک زور کے ساتھ عام طور پر عوام الناس کے سامنے خونی مہدی کے عقیدہ کا ابطال نہ کیا جاوے اور ان غلطیوں سے عوام الناس کے دلوں کو پاک نہ کیا جاوے۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ خونی مہدی کے عقیدہ پر مضمون کے آخر میں بحث کروں گا فی الحال اسی پر بس کرتا ہوں۔ باقی آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ

(نامہ نگار)

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ — بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۰۸ء — نمبر ۹

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے۔ ۲۰ ستمبر سنہ ۱۹۰۸ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عہ طلباء سے عہ

بک ڈپو میں تین نئی کتابیں

تمام خط و کتابت بنام مینیجر میگزین ہو۔

عمدۃ الاحکام۔ اس کتاب میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی وہ تمام متفقہ حدیثیں جمع ہیں۔ جو احکامات کے متعلق ہیں۔ عربی عبارت پر اعراب دیئے ہوئے ہیں۔ اور بین السطور اردو میں ترجمہ کیا ہوا ہے۔ امامنا حضرت خلیفۃ المسیح والمہدی مولانا مولوی نور الدین صاحب نے اس کتاب کو بہت پسند کیا ہے۔ ۱۰۰ صفحے کی کتاب ہے۔ قیمت صرف ۸؍ فی جلد ہے کُل ۴۰ جلدیں باقی ہیں۔ یہ کتاب پھر اس قیمت پر نہ مل سکیگی کیونکہ اصل شایع کنندہ ۱۲؍ فی جلد کے حساب سے فروخت کرتا ہے۔

اسلام کی پہلی کتاب۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ پر عام طور پر جو اعتراض کیے جاتے ہیں انکے جواب ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب نومسلم نے بڑی خوبی سے دیئے ہیں۔ اور ان سوالات وجوابات کو ماسٹر صاحب نے ایک کتاب کی صورت میں $\frac{22 \times 29}{16}$ سائز کے عمدہ سفید کاغذ پر چھپوایا ہے کتاب عام طور پر پسند کیگئی ہے۔ طالبعلموں کے لیے نہایت ضروری کتاب ہے۔ ۱۳۰ صفحے کی کتاب ہے۔ قیمت صرف ۴؍ فی جلد ہے۔

التبیان۔ حضرت اقدسؑ کے حکم سے حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب نے لکھی ہے جسکا اکثر حصہ آپکی زندگی میں چھپ چکا تھا۔ اور آپکے وصال کے بعد شایع ہوئی ہے اس کتاب میں مس شیطان والی حدیث پر بڑی بسوط بحث کیگئی ہے۔ ۳۸۔ صفحے کی کتاب ہے۔ قیمت صرف ۱؍ ہے۔

نوٹ۔ بعض احباب کتابیں منگوانیکے وقت انکی قیمت کے ٹکٹ بھیجدیتے ہیں۔ وہ خیال رکھیں کہ ان قیمتوں کے علاوہ محصولڈاک کے لیے بھی ٹکٹ بھیجا کریں۔ کیونکہ یہ اصل قیمتیں ہیں۔ محصولڈاک انمیں شامل نہیں

مینیجر

صحیفہ:۔ انجمن معارف حیدرآباد دکن (چادر گھاٹ) کا علمی اخلاقی۔ تاریخی۔ تمدنی۔ ادبی ماہواری رسالہ ایک عمدہ فرانسیسی ناول کا ترجمہ لیے ہوئے ۵۲ صفحوں کے حجم سے بالالتزام شایع ہوتا ہے ایک لایق و فاضل ڈگری یافتہ جماعت اسکو دلچسپ بنانے کی کوشش میں مصروف ہے علاوہ نثر کے دلچسپ نظمیں جن سے اردو لٹریچر میں تازہ روح پھونکی جاتی ہے زیب اوراق ہوتی ہیں ملک کے مشہور معروف رسائل و اخبارات نے نہایت

خریدو۔ المشتہر:۔ احمد نور کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مہدی آخر زمان

سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز

بابت اگست ۱۹۰۸ء

منکرین مہدی

مَیں پہلے ذکر کر آیا ہوں کہ معتزلہ مہدی کے وجود سے منکر ہیں۔ علاوہ اُن کے دوسرے مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو مہدی کو نہیں مانتے۔ انکے انکار کا باعث زیادہ تر احادیث کا غیر معتبر ہونا ہے۔ اِن منکرین میں سب سے زیادہ نامور ابن خلدون ہے۔ بڑے بڑے دلائل جن کی بنا پر مہدی موعود کے وجود سے انکار کیا گیا ہے حسب ذیل ہیں۔ اوّل۔ احادیث و روایات کا باہمی اختلاف۔ دوم۔ راویوں کے سلسلہ میں ایسے اشخاص کا ہونا جن کی روایت قابل قبولیت نہیں۔ تیسری وجہ اُن کے انکار کی یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں مختلف فریق پیدا ہو گئے تھے اور اُن میں سے ہر ایک فریق یہ خواہش کرتا تھا کہ وہ سلطنت کا مالک ہو۔ یہ لوگ دُور دُور بلاد میں اپنی تائید میں روایات گھڑ کر شائع کرتے تھے۔ ملک گیری کے خواہاں زیادہ تر تین قومیں تھیں۔ بنو فاطمہ۔ بنو عباس اور بنو امیہ خلفائے اربعہ کی وفات کے بعد جلدی ہی سلطنت بنو امیہ کے ہاتھ میں آ گئی۔ لیکن

بنو فاطمہ اور بنو عباس بنو امیہ کی خلافت پر راضی نہ تھے۔ اسواسطے ان میں سے ہر ایک پوشیدہ طور پر اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ جس طرح ہو بنو امیہ کو ہٹا کر سلطنت پر خود قابض ہو جاوے۔ اس غرض کے حاصل کرنیکے لیے ایک ذریعہ یہ اختیار کیا گیا تھا کہ دور دراز ملکوں میں آدمی بھیجے جاتے تھے اور ان آدمیوں کا یہ کام تھا کہ لوگوں کو بنو امیہ سے منحرف کریں اور اس مضمون کی روایتیں شایع کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خلیفہ کی پیشگوئی کی تھی۔ جسکا نام مہدی ہوگا۔ اس خلیفہ کی نسبت بنو فاطمہ کہتے تھے کہ وہ ہم میں سے ہوگا اور بنو عباس کہتے تھے کہ وہ بنی عباس میں سے ہوگا۔ اور نیز یہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہر ایک مسلمان کا فرض ہوگا۔ کہ اس خلیفہ کی مدد کریں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روایتوں میں ہے کہ مہدی بنو فاطمہ میں سے ہوگا اور بعض میں ہے کہ مہدی بنی عباس میں سے ہوگا۔ اس کے بعد دوسرا قدم یہ تھا کہ مہدی کا ایسا نقشہ کھینچا جاتا تھا جو کسی ایسے شخص پر چسپاں ہو جسکی نسبت یہ منظور ہوتا تھا کہ وہ خلیفہ بنایا جاوے۔ چنانچہ جن احادیث میں لکھا ہے کہ مہدی کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا اور مہدی کے باپ کا نام میرے باپکے نام کے مطابق ہوگا منکرین مہدی کے خیال میں یہ احادیث حسن بن علی کے پڑوتے محمد بن عبد اللہ کے لیے تجویز کی گئی تھیں جسکی نسبت زید شہید نے وصیت کی تھی کہ خلیفہ بنایا جاوے۔ زید شہید نے جو حسین بن علی کے پوتے تھے خود خلافت کے لیے کوشش کی تھی مگر کامیابی نہ ہوئی اور آخر محمد بن عبد اللہ کے لیے وصیت کر گئے اور منکرین مہدی کے خیال میں اسی محمد بن عبد اللہ پر چسپاں کرنیکے لیے ایسی احادیث بنائی گئیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی کہ مہدی کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا اور اس کے باپکا نام میرے باپکے نام کے مطابق ہوگا چنانچہ محمد بن عبد اللہ کو مہدی کا خطاب بھی دیا گیا لیکن خلیفہ منصور کے لشکر کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ بنو عباس کی طرف سے بھی

اسی قسم کی کوششیں کی گئیں۔ ابومسلم خراسان میں عباسیوں کا ایک قسم کا ایجنٹ تھا جو کوشش کرتا تھا کہ لوگوں کو بنی عباس کی طرف مائل کرے چنانچہ اس نے خراسان میں تھوڑی سی جمعیت بھی بہم پہنچائی اور اُن سب کے لیے سیاہ لباس تجویز کیا چنانچہ انکے جھنڈے بھی کالے تھے اور بنو عباس کی تائید میں روایتیں شایع کی گئیں اور یہ ظاہر کیا گیا کہ وہ خلیفہ جسکا نام مھدی ہے وہ بنی عباس میں سے ہوگا نہ بنی فاطمہ سے بقول منکرین مھدی یہی وجہ ہے کہ جیسا کہ بنی فاطمہ نے دعویٰ کیا کہ مھدی ہم میں سے ہوگا ایسا ہی بعض روایتیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جن میں لکھا ہے کہ مھدی بنی عباس میں سے ہوگا چنانچہ ایک حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا رأیتم الرایات السود قد جاءت من قبل خراسان فاتوھا فان فیھا خلیفۃ اللہ المھدی۔ یعنی جب تم سیاہ جھنڈے خراسان سے آتے ہوئے دیکھو تو اُنکی طرف آؤ کیونکہ اُن میں خدا کا خلیفہ مھدی ہے۔

اور روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مھدی کے متعلق عباسیوں اور بنو فاطمہ میں ایک قسم کی حرافت تھی چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نحن ولد عبد المطلب سادۃ اھل الجنۃ انا وحمزۃ وعلی وجعفر والحسن والحسین والمھدی۔ ہم بنو عبد المطلب اہل جنت کے سردار ہیں۔ میں۔ حمزہ۔ علی۔ جعفر۔ حسن۔ حسین۔ اور مھدی۔ (ابن ماجہ) اس فہرست میں حضرت عباس کا نام داخل نہیں کیا گیا حالانکہ وہ بھی بنی عبد المطلب میں سے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار خدام میں سے تھے۔ اس فہرست میں حضرت عباس کا ذکر نہ کرنا صاف طور پر ظاہر کر رہا ہے کہ بنو فاطمہ اور بنو عباس میں باہم حرافت تھی جسکی وجہ سے اس روایت کے بیان کرنیوالے نے عمداً حضرت عباس کے نام کو چھوڑ دیا۔

یہ ہیں دلایل مختصراً اُن لوگوں کے جو مھدی کے وجود سے منکر ہیں۔ ان دلایل کو

خواہ ہم صحیح بھی مان لیں۔ ان سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا کہ مہدی کا وجود ایک خیالی چیز ہے۔ ان دلائل سے تو اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ مختلف لوگوں نے اپنے اپنے مطلب کے مطابق مہدی کے متعلق حدیثیں وضع کر لی تھیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ مہدی کوئی نہیں اور سارا مہدی کا قصہ ایک افسانہ ہے بڑی غلطی ہے۔ اگر مختلف قوموں نے مہدی کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ مہدی ہم میں سے ہوگا تو اس سے مہدی کا عدم وجود لازم نہیں آتا۔ برخلاف اس کے یہ دعاوی اس امر کی شہادت ہیں کہ مہدی کے آنیکے متعلق پیشگوئی کی گئی تھی۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مہدی کے آنیکی پیشگوئی نہ کی ہوتی تو اگر ایک فریق نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ مہدی ہم میں سے ہوگا تو چاہیئے تھا کہ دوسرا فریق بڑی زور سے اس امر کی تردید کرتا کہ مہدی کی پیشگوئی کہاں ہے اور کب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خلیفہ مہدی نامی کی خبر دی تھی۔ یہ تمہارا افترا ہے نہ یہ کہ اُنکے دعوے کے مقابل میں یہ کہتے کہ مہدی تم میں سے نہیں ہوگا بلکہ ہم میں سے ہوگا۔ سب فریق مہدی کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں صرف اختلاف نسب میں ہے بعض کہتے ہیں کہ مہدی ہم میں سے ہوگا۔ اور دوسرے کہتے ہیں کہ نہیں مہدی ہم میں سے ہوگا۔ اگر کسی مہدی کی پیشگوئی نہ ہوتی تو جھگڑا اس امر کے متعلق نہ ہوتا کہ مہدی کس خاندان میں سے ہوگا بلکہ جب ایک فریق نے دعویٰ کیا تھا کہ مہدی ہماری نسب میں سے ہوگا تو دوسری پارٹیوں کو چاہیئے تھا کہ یک زبان ہو کر مہدی کے وجود سے ہی انکار کرتے اور مدعی فریق سے مطالبہ کرتے کہ مہدی کی پیشگوئی کس نے کی اور کب کی۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مہدی کی پیشگوئی نہیں کی تھی تو مہدی کا خیال ہی کس طرح پیدا ہوا غرض اگر مان بھی لیا جاوے کہ مہدی کے متعلق مختلف خاندانوں نے اپنے اپنے مطلب کے مطابق تخت حاصل کرنیکی غرض سے روایتیں گھڑ لی تھیں اور اُن میں اختلاف تھا تو بجائے اس کے کہ ہم اس اختلاف سے یہ نتیجہ نکالیں کہ سرے سے مہدی کے وجود سے ہی انکار کریں۔ ہمیں یہ نتیجہ

نکالنا چاہیئے کہ ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کے آنیکی پیشگوئی کی تھی جس کے متعلق خودغرض لوگوں نے اپنے اپنے ڈھب کی روایتیں بنالیں۔ غرض یہ اختلاف مہدی کے وجود کو قطعی ثابت کرتا ہے اور اس امر کی ایک شہادت ہے کہ ضرور مہدی کے آنیکی خبر دی گئی تھی۔ مگر اس امر سے انکار نہیں ہوسکتا کہ واقعات کے ساتھ بہت کچھ زائد باتیں ملا دی گئی ہیں اور مہدی کی پیشگوئی پر غور کرتے وقت احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب روایات متعلقہ مہدی میں اس قدر اختلاف ہے، تو ہمارے پاس کیا ذریعہ ہے کہ ہم حق اور کذب میں تمیز کرسکیں؟ وہ کونسا معیار ہے جس کے ذریعہ سے ہم یہ معلوم کرسکیں کہ فلاں حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کی بات ہے اور فلاں حدیث کسی کا افترا ہے۔ یا ایک روایت کا کونسا حصہ اصلی ہے اور کونسا حصہ اس میں زائد کیا گیا ہے؟ بظاہر ایک شخص اس اختلاف کو دیکھکر کہیگا کہ یہ ایک ایسی اُلجھن ہے جسکو سلجھانے کا کوئی ذریعہ نہیں اور مایوسی کے ساتھ اس بحث سے دست بردار ہوگا۔ مگر خوش قسمتی سے یہ امر ایسا نہیں ہے کہ ہم مایوسی کے ساتھ اسکو چھوڑ دیں بلکہ ہمارے پاس ایسا ذریعہ ہے جس سے ہم ایک صحیح اور یقینی نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان روایات میں کسی گذشتہ تاریخی واقعہ کا ذکر نہیں کہ ہم اس اختلاف کو دیکھکر گھبرا جائیں اور نہ کہہ سکیں کہ اصل واقعہ کیا تھا بلکہ ان روایات اور احادیث میں ایک آئندہ واقعہ کا بیان ہے اس لیے یہ دیکھنے کے لیے کہ کونسی روایت درست ہے اور کونسی نادرست۔ ہمیں راویوں کی طرف رجوع کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تا دیکھیں کہ آیا راوی معتبر تھے یا غیر معتبر۔ ان روایات مختلفہ میں جو خدا کے رسولؐ کا کلام ہیں وہ خود وقوع میں آکر اپنی سچائی کا ثبوت دیدیں گی۔ اگر ایک روایت کا مضمون واضح طور پر پورا ہو جائے تو وہ یقیناً نبوت کے سرچشمہ سے نکلی ہوئی روایت ہے۔ اور ہمیں اس

روایت کو قبول کرنا چاہیے خواہ وہ محدثین کے اصول کے لحاظ سے کیسی ہی ضعیف کیوں نہ ہو۔ اگر چند روایات ایسی ہیں جن میں باہم اختلاف ہے اور ان روایات میں سے ایک روایت کا مضمون پورا ہوگیا ہے اور واقعات اُس کی تصدیق کرتے ہیں تو وہ حدیث درست ماننی پڑے گی اور جو روایات اس کے مخالف پڑی ہوئی ہیں جو نہ صرف راویوں کے لحاظ سے اعتبار کے قابل نہیں بلکہ انھوں نے پورا ہو کر اپنی سچائی کا ثبوت نہیں دیا اور ایک واقع شدہ حدیث سے مخالف ہیں ایسی روایات کو ہمیں مجبوراً رد کرنا پڑے گا۔ اور اگر ایسی روایات ہیں جو باہم مختلف تو نہیں مگر محدثین کے قواعد کے رو سے انکو صحیح نہیں کہہ سکتے۔ اور ایسی روایات پوری ہو جاویں تو وہ قابل قبول اور سچی ہونگی اور اگر وہ واقع ہو کر اپنی تصدیق نہیں کرتیں تو ہمیں ایسی روایات کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ یہ ایک سلامتی کی راہ ہے اور اس میں کوئی خطرہ کی بات نہیں جو احادیث پوری ہو جاویں وہ یقیناً سچی ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ خدا کے نبی کا کلام ہیں اور جو احادیث ایسی ثابت شدہ احادیث کے مخالف پڑی ہوئی ہیں اور اُن میں باہم کسی طرح تطبیق نہیں ہو سکتی اور محدثین کے معیار سے بھی اعلیٰ طبقہ کی احادیث نہیں ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ایسی مخالف احادیث کو چھوڑ دیں اور اُن احادیث کو لے لیں جنھوں نے پورا ہو کر اپنی تصدیق آپ کی ہے۔ اُن کے قبول کرنے میں ہمیں کوئی خطرہ نہیں اور دوسری احادیث میں سے جو باہم مختلف تو نہیں مگر محدثین کے معیار کے رو سے ضعیف یا مطعون ہیں ایسی احادیث ہیں جو پوری ہو جائیں انکو ضرور قبول کر لینا چاہیے اور جو پوری نہ ہوں اُنکو نظر انداز کر دینا چاہیے اگر احادیث اور روایات کا ایک کثیر حصہ ایک مدعی کی تصدیق کر رہا ہے تو ہمیں اس حصہ کو قبول کرنا پڑیگا خواہ ایسی روایتیں بھی موجود ہوں جو اُس کے زمانہ میں پوری نہیں ہوئیں خصوصاً جب ایسی روایتیں جو پوری نہیں ہوئیں خود مجروح اور ضعیف اور غیر صحیح مانی گئی

ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ جو ایک بڑا حصہ احادیث کا پورا ہو گیا ہے اُسکی بنا پر مدعی کی تصدیق کریں اور اس بات پر نہ اڑیں کہ سب روایات کیوں پوری نہیں ہوئیں جب احادیث میں آپس میں اختلاف ہے اور نیز روایات ضعیف مجروح۔ مطعون اور غیر صحیح ہیں اور بہت سی موضوع بھی ہیں تو پھر کس طرح ممکن تھا کہ سب کی سب پوری ہو تیں۔ ایسی صورت میں کل احادیث اور روایات واقعات کے پورا ہونیکی امید کرنا ایک خیال خام ہے۔ ایسی صورت میں انصاف ہمیں اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ جب ایک بڑا حصہ احادیث اور روایات کا پورا ہو گیا ہے تو اُنکی بنا پر ہم مدعی کی تصدیق کریں۔ جو احادیث پوری ہو گئی ہیں وہ یقیناً سچی تھیں خواہ اُنہیں محدثین کی اصطلاح کی رو سے ضعیف احادیث بھی شامل ہوں۔ کیونکہ سچی احادیث ہی پوری ہو سکتی تھیں۔ اس اصول کو مدنظر رکھکر میں مہدی کے مضمون پر بحث کرونگا۔ اس اصول کے اختیار کرنیکے سوا اور کوئی راہ نہیں۔ یہی سلامتی کی راہ ہے۔ مگر میں یہاں یہ بیان کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مہدی کے بارہ میں ایک بڑی غلط فہمی واقع ہوئی ہے جسکی وجہ سے بعض مشکلات پیدا ہو گئے ہیں۔ اگر اُس غلط فہمی کو دُور کر دیا جاوے تو مہدی کا مسئلہ بہت صاف ہو جاتا ہے اور جو غبار اور دُھند روایات پر پھیل رہا ہے اُسکا ایک بڑا حصہ نابود ہو جاتا ہے اور بہت سے اختلافات دُور ہو جاتے ہیں۔ ایک خطرناک غلطی کی گئی ہے جس نے مہدی کی احادیث کو بہت پیچیدہ کر دیا ہے اور جب اس غلطی کو دُور کر دیا جاوے گا تو یہ مسئلہ ایسا صاف ہو جائے گا کہ ایک بچہ بھی اسکو سمجھ سکیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

قائلین مہدی

مگر پیشتر اس کے کہ میں اُس غلطی کو ظاہر کروں میں یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں

کہ جو لوگ مہدی کے آنے کے قایل ہیں انکا مذہب مہدی کے متعلق کیا ہے۔ مہدی کے قائل زیادہ تر تین قسم کے لوگ ہیں۔ اول شیعہ جو محمد بن حسن عسکری کو مہدی خیال کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ محمد بن حسن عسکری جو امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے بچپن میں ہی غار سامرہ میں غائب ہو گئے تھے اور جب انکے ظہور کا وقت آئیگا تو وہ غار سے نکلیں گے۔ شیعہ ہر وقت انکے خروج کے انتظار میں لگے ہوئے ہیں ہر روز کوتل گھوڑے لیکر غار کے دروازہ پر جاتے ہیں اور پکار پکار کر کہتے ہیں اُخرج یا مولٰنا اُخرج یا مولٰنا مگر اب تک اُنکے خیالی مہدی نے اُنکی پکار کا کوئی جواب نہیں دیا۔ شیعہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب مہدی غار سے ظاہر ہوگا تو شیعوں کے سوا سب کو قتل کر دیگا بلکہ صحابہ کرام بھی اُس کے زمانہ میں قبروں سے زندہ کیے جاویں گے اور حضرت علی اور چند اور شخصوں کے سوا کل صحابہ کو بھی قتل کر دیگا اور خدا تعالیٰ صحابہ کو دوبارہ اس لیے زندہ کریگا کہ مہدی اُن سے انتقام لے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جنکا اعتقاد ہے کہ مہدی بنی فاطمہ میں سے امام حسن یا امام حسین کی اولاد سے ہوگا۔ تیسرا گروہ وہ ہے جنکا اعتقاد ہے کہ مہدی مسیح موعود کا ہی دوسرا نام ہے ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۲۸۷۔ پہلے گروہ یعنی شیعہ کا اعتقاد تو اس قابل ہی نہیں کہ اُسکی کوئی تردید کیجاوے اُسکی لغویت اُسکی تردید کے لیے کافی ہے اور مَیں نہیں چاہتا کہ اس بحث میں پڑکر اپنا اور اپنے ناظرین کا وقت ضائع کروں۔ مَیں صرف باقی دو گروہ کے عقائد پر بحث کروں گا اور یہ دکھانے کی کوشش کرونگا کہ ان دو میں کون حق پر ہے وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ ان دو گروہوں میں سے پہلے گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح موعود اور شخص ہے اور مہدی اور شخص ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بجسمہ العنصری قریباً اُنیس سَو (۱۹۰۰) سے ذو دوسرے آسمان پر بیٹھے ہوئے ہیں وہ آخر زمانہ میں فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے اتریں گے

اور مہدی بنی فاطمہ میں سے حسن یا حسین کی اولاد میں سے پیدا ہوگا اور تلوار کے زور سے اسلام کو زمین میں پھیلائے گا۔ یعنی ایک آسمان سے اُترے گا دوسرا زمین سے حسن یا حسین کی اولاد میں سے پیدا ہوگا۔ گویا انکے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مختلف پیشگوئیاں کیں جو دو مختلف اشخاص کے متعلق تھیں۔ دوسرا گروہ بھی پہلے گروہ کی طرح یہ یقین کرتا ہے کہ مسیح موعود آسمان سے ہی اُتریں گے مگر اُنکا اعتقاد ہے کہ اُسی آسمان سے اُترنیوالے کا نام مہدی بھی ہے مسیح کے سوا کوئی مہدی نہیں ہوگا۔ میرا یقین ہے کہ مسلمانوں میں یہ اختلاف دربارہ مہدی و مسیح واقع نہ ہوتا اگر مسلمان ایک قابل افسوس غلطی میں نہ پڑتے۔

مسیح کی آمد ثانی

افسوس ایک سخت غلطی کی گئی جسکی وجہ سے مسلمانوں کو مہدی کی پیشگوئی کے سمجھنے میں بڑا مغالطہ ہوا۔ مسیح کو مہدی سے الگ کیوں سمجھا گیا۔ اس لیے کہ مسیح کی نسبت مسلمانوں کا یہ غلط خیال تھا کہ وہ آسمان پر زندہ بیٹھا ہوا ہے۔ اس لیے یہ اُنکے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ مسیح اور مہدی ایک ہی ہو سکتے ہیں اگر مسلمانوں کو معلوم ہوتا کہ مسیح کبھی اس جسم کے ساتھ آسمان پر نہیں چڑھا بلکہ دوسرے آدمیوں کی طرح فوت ہوا اور زمین میں دفن کیا گیا تو وہ کبھی یہ خیال نہ کرتے کہ مسیح موعود آسمان سے آئیگا اور مہدی زمین سے ظاہر ہوگا۔ اصل وجہ اس غلطی کی یہی باطل خیال ہے۔ مسیح فوت ہوگئے جیسا کہ ہر ایک شخص جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے فنا ہو جاتا ہے[1] مجھے یہاں وفات مسیح کے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اُس کے متعلق سیر کن بحثیں ہو چکی ہیں۔ مَیں صرف

[1] ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید ٭ ز جام دہر مۓ کل من علیہا فان

اتنا ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ یہی غلط خیال کہ مسیح آسمانوں پر زندہ ہے مسیح و مہدی کی پیشگوئی کے سمجھنے میں ٹھوکر کا موجب ہوا ہے۔ مسلمانوں نے یہ خیال عیسائیوں سے لیا اور انکی طرح یہ سمجھتے رہے کہ مسیح اسی خاکی جسم کے ساتھ آسمان کی طرف پرواز کر گئے اور اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ مہدی اور مسیح ایک ہی ہیں۔ مگر مسلمان عام طور پر اس امر کو نہ سمجھ سکے کیونکہ انکے خیال کے بموجب یہ بات نہایت ہی ناہونہار اور غیر ممکن تھی کہ مسیح جو آسمان پر بیٹھا ہے اور مہدی جو زمین سے ظاہر ہوگا دونوں ایک ہی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے مسیح کے لیے تو وہ آسمانوں کی طرف دیکھتے رہے اور مہدی کو بنی فاطمہ میں تلاش کرتے رہے۔ کبھی امام حسن رضی اللہ عنہ کے خاندان کی طرف نظر کرتے اور کبھی امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں اسکو ڈھونڈتے۔ کبھی عباسیوں کی طرف دیکھتے اور کبھی بنو امیہ کے خاندان میں تلاش کرتے۔ کبھی عام امت میں سے اس کے ظہور کا انتظار کرتے۔ اور کبھی غار سامرہ کی طرف دوڑتے ہوئے جاتے۔ مگر باایں ہمہ مہدی اور مسیح کے ایک ہونیکا ثبوت ایسا صاف تھا کہ ان میں سے ایک گروہ نے باوجود اس اعتقاد کے کہ مسیح آسمان پر ہے پھر بھی یہ اعتقاد ظاہر کیا کہ مہدی بھی مسیح ہی کا نام ہے۔ مہدی کسی دوسرے شخص کا نام نہیں۔ افسوس شیعوں کے اعتقاد پر کہ مہدی غار سامرہ میں غایب ہو گیا اور اپنے وقت پر غار سے نکلیگا ہنسی کی جاتی ہے مگر سنیوں کا اعتقاد کچھ اس سے کم لغو نہیں کہ مسیح مٹی کے بدن کے ساتھ آسمان پر چڑھ گیا اور انیس سو ۱۹۰۰ سال سے آسمان پر اسی خاکی جسم کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اور آخری دنوں میں فرشتوں کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہوئے آسمانوں سے اتریگا۔ اگر لغویت میں دونوں عقیدوں کا موازنہ کیا جاوے تو شیعہ لوگوں کے اعتقاد کی نسبت سنیوں کے اعتقاد کا پلہ بھاری رہیگا۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ جب اپنے گھر میں ایسے بیہودہ اعتقادات رکھے جاتے ہیں تو شیعوں کے اعتقاد پر کیوں ہنسی کی جاتی ہے۔ کیا انکا عقیدہ شیعوں کے عقیدہ

سے کم لغو ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر عیسیٰ ابن مریم وفات پا چکے ہیں اور وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے کیا معنی ہیں جس میں لکھا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم آخری زمانہ میں نزول فرماویں گے سو واضح ہو کہ اس پیشگوئی میں عیسیٰ ابن مریم سے ایک ایسا شخص مراد ہے جو عیسیٰ ابن مریم سے روحانی مشابہت رکھتا ہو۔ اور جو شخص الٰہی صحیفوں سے مس رکھتا ہے اُسکو اس سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کی ایک مثال پہلے بھی موجود ہے۔ بنی اسرائیل کو وعدہ دیا گیا تھا کہ مسیح کی آمد سے پہلے ایلیا دوبارہ آسمان سے نازل ہوگا اور مسیح ظاہر نہ ہوگا جب تک کہ ایلیا دوبارہ آسمان سے نہ اُترے۔ مسیح آگیا مگر ایلیا آسمان سے نہ اُترا۔ جب حضرت مسیح سے سوال کیا گیا کہ اگر تم اپنے دعوے مسیحیت میں سچے ہو تو ایلیا کہاں ہے جس نے آسمان سے اُترنا تھا۔ تو حضرت مسیح نے جواب دیا کہ جس نے ایلیا کو دیکھنا ہو وہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کو دیکھ لے۔ یہی ایلیا ہے چاہو مانو چاہو نہ مانو۔ پس حضرت مسیح کے نزدیک کسی شخص کے دوبارہ آنیسے مراد ایک ایسے آدمی کا ظہور تھا جو اُسکی خو بو پر آئے اور جسکو پہلے سے روحانی مشابہت ہو۔ چونکہ مسلمان اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچا رسول اور بنی اسرائیل کے لیے مسیح یقین کرتے ہیں اس لیے ہر دو قوموں کو اس سے چارہ نہیں کہ وہ حضرت مسیح کی توجیہ کو قبول کریں اور جو معنے انہوں نے ایک شخص کے دوبارہ آنے کے کیے اُنکو سچا قرار دیں۔ مگر خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنیکے متعلق جو پیشگوئی ہے وہ بھی بعینہ ایلیا کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی کی طرح ہے اس لیے جو معنے ایلیا کے دوبارہ آنیکے کیے گئے انہی معنوں میں آہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنیکی پیشگوئی کو لینا چاہیئے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توجیہ دربارہ آمد ثانی ایلیا درست ہے تو وہی دوسری صورت میں بھی درست ہونی چاہیئے۔ کیونکہ دونوں صورتیں بالکل ایک ہی طرز اور رنگ کی ہیں۔

اگر ہم یہ اصرار کریں کہ خود عیسیٰ علیہ السلام ہی دوبارہ واپس دنیا میں تشریف لاویں تب ہی پیشگوئی پوری ہو سکتی ہے تو ہمیں پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہودی بھی حق پر تھے اور انکا مطالبہ کہ (ایلیا بذات خود واپس آنا چاہیئے) درست تھا اور اُنکا انکار جائز تھا۔ مگر اگر یہودیوں کا مطالبہ درست تھا اور وہ حق پر تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سچے نبی نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ ضروری تھا کہ مسیح کے ظہور سے پہلے ایلیا دوبارہ آئے مگر ایلیا نہ آیا۔ اگر ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچا نبی سمجھتے ہیں تو جو معنے انہوں نے ایلیا کے دوبارہ آنیکے کیے ہیں اُنکو قبول کرنا چاہیئے اور اس قسم کی ہر ایک پیشگوئی کے وہی معنے کرنے چاہئیں جو حضرت مسیح نے کیے۔ اگر یہودی حضرت مسیح کا انکار کرکے اور آپ کی توجیہ کو ردّ کرکے ملزم ٹھہرتے ہیں تو آجکل کے عیسائی اور مسلمان اور بھی زیادہ الزام کے نیچے آتے ہیں کیونکہ یہود کے پاس پہلے اس قسم کی کوئی مثال موجود نہ تھی اور ہمارے پاس ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس نمونہ سے فائدہ اُٹھائیں اور پھر وہی غلطی نہ کریں جو یہود نے کی تھی۔

ایک اور امر بھی ہے جسپر غور کرنیسے یہ امر صاف ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کے خلیفہ کا نام کیوں عیسیٰ بن مریم رکھا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ سلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مثیل تھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا (المزمل) یعنی ہم نے تمہاری طرف ایک ایسا ہی رسول بھیجا ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا اور یہ رسول تم پر گواہ ہے۔ جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام شریعت لائے تھے۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شریعت لائے۔ مگر قرآن شریف صرف ان ہر دو نبیوں میں ہی مشابہت قائم نہیں کرتا بلکہ ان ہر دو کے سلسلوں کو بھی باہم مشابہت دیکر ہر دو کے خلفا میں مماثلت قائم کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ وعد اللہ

الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم (النور) یعنی خدا تعالیٰ اس اُمت کے مومنوں اور عمل صالح کرنیوالوں سے وعدہ کرتا ہے کہ انکو زمین میں اسی طرح خلفار بنائیگا جسطرح کہ اُن سے پہلے حضرت موسیٰ کی اُمت میں خلفار بنائے۔ پس خدا تعالیٰ صرف بانیان سلسلہ میں ہی مشابہت قائم نہیں کرتا بلکہ دونوں سلسلوں کو بھی باہم مماثل ٹھہراتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ جسطرح پہلوں کو خلفار بنایا گیا اسی طرح اس اُمت میں بھی خلفار بنائے جائیں گے جب دونوں سلسلے باہم مماثل ٹھہرے اور سلسلہ کے بانی بھی ایک دوسرے کے مثیل ہوئے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محمدی سلسلہ کے آخری خلیفہ کو موسوی سلسلہ کے آخری خلیفہ سے مشابہت ہونی چاہیئے اور دونوں ایک دوسرے کے مثیل ہونے چاہئیں۔ اسی مماثلت کو ظاہر کرنیکے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کے خلیفہ کا نام عیسیٰ بن مریم رکھا۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کے خلیفہ کو عیسیٰ ابن مریم کہنے پر بس نہیں کی بلکہ صاف طور پر فرمادیا کہ وہ عیسیٰ بن مریم تم میں سے ایک تمھارا امام ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی اپنے دل سے بناکر نہیں کہی بلکہ خدا تعالیٰ نے یہ الفاظ آپ کی زبان مبارک پر جاری کیے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ایک شخص کا نام دوسرے شخص کو دیتا ہے اور اس سے غرض صرف روحانی مشابہت کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ جیسا خدا تعالیٰ نے یوحنا بپتسمہ دینے والے کا نام ایلیا رکھا ایسا ہی اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر زمانہ کے خلیفہ کا نام عیسیٰ بن مریم رکھا۔ کیونکہ جسطرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام موسوی خلفار میں سب سے آخری تھا ایسا ہی مہدی بھی آخر زمانہ کا خلیفہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ اس سے بھی پایا جاتا ہے جیسا موسوی سلسلہ کے انبیاء کے آخر میں عیسیٰ ابن مریم آیا تھا ایسا ہی محمدی سلسلہ کے آخر

میں بھی ایک عیسیٰ بن مریم آئے۔
اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اتنا ہی فرماتے کہ عیسیٰ بن مریم آئے گا۔ تو اس کے یہ معنے نہیں ہو سکتے تھے کہ وہی عیسیٰ بن مریم آئیگا جو وفات پا چکا ہے بلکہ یہ کہ ایک شخص عیسیٰ بن مریم کے رنگ پر انکا مثیل آئیگا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عیسیٰ بن مریم پر کفایت نہیں کی بلکہ صاف فرمادیا کہ وہ جو عیسیٰ بن مریم کے نام پر آئیگا وہ تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا۔ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم جو کتب احادیث میں اول نمبر پر شمار کیجاتی ہیں اسکی تصدیق کرتی ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم۔ یعنی تمہارا اسوقت کیسا حال ہوگا جب تم میں ابن مریم نازل ہوگا اور وہ تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا۔ قریب قریب یہی الفاظ صحیح مسلم میں ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ آنیوالے خلیفہ کا نام ابن مریم رکھا بلکہ صاف الفاظ میں فرمادیا کہ وہ تم میں سے ہی تمہارا ایک امام ہوگا۔ کوئی بیرونی شخص نہیں ہوگا۔
اس طرح ہم دو امور سے فایدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ایک تو ہم اپنے پہلے تجربہ سے سبق حاصل کر سکتے ہیں جو ہمیں ایلیاہ کے دوبارہ آنیکی پیشگوئی سے حاصل ہوا دوسرے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان سے ہدایت حاصل کر سکتے ہیں کہ آنیوالا عیسیٰ بن مریم تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا۔ مگر میں جیسا اوپر بیان کر آیا ہوں مسلمانوں کو ایک سخت غلطی نے اس پیشگوئی کے سمجھنے سے روکا۔ انکا یہ خیال تھا کہ عیسیٰ ابن مریم اسی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر چڑھ گئے تھے اور وہی عیسیٰ ابن مریم دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور اس غلطی کا اصل باعث عیسائیوں کا باطل عقیدہ ہے۔ اور چونکہ انکا خیال تھا کہ وہی عیسیٰ ابن مریم دوبارہ واپس آئیں گے اس لیئے انکو مندرجہ بالا حدیث کے سمجھنے میں بڑی مشکل پیش آئی۔ اور حدیث کے لفظوں کو مروڑ کر ان میں سے

ایک نئے معنے بڑے تکلف کے ساتھ نکالے گئے تا اُسکے اُس خیال کی تردید نہ ہو کہ
وہی عیسیٰ ابن مریم آئیں گے جو ہم سے پیشتر تھے بلکہ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ حدیث کے سادہ
معنوں کو نظر انداز کیا گیا اور کوشش کی گئی کہ حدیث اُن کے مخالف نہ پڑے۔
اس حدیث کے یہ معنے کیے گئے کہ عیسیٰ ابن مریم تم میں نازل ہوگا مگر وہ تمھارا امام
نہ ہوگا بلکہ تمھارا امام ایک اور شخص ہوگا جو تم میں سے ہوگا۔ ان نرالے
معنوں کے وقت انکو یہ خیال نہ آیا کہ مسیح موعود کو حکماً عدلاً بھی کہا گیا ہے اگر وہ آکر
ہمارے امام بھی نہ ہوں گے تو وہ حکم و عدل کس طرح کہلا سکتے ہیں۔ ان لفظوں کا
وہی مفہوم ہے جو امام کا ہے اور یہ لازمی ہے کہ حکم عدل امام ہو۔ علاوہ اسکے
مسیح کا اُس دور دراز مقام سے سفر کرنیکا فائدہ ہی کیا ہے اگر وہ زمین پر آکر امام
کے درجہ سے بھی محروم کیے جائیں گے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی بات لغو نہیں
ہو سکتی کہ مسیح آسمان سے نازل ہو مگر یہاں آکر اسکو امامت کا درجہ بھی نصیب
نہ ہو۔ اگر اس نے ہمارا امام نہیں بننا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے اُسکی
آمد کی پیشگوئی ہی کیوں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خبر دینا کہ آخری زمانہ میں
مسیح آئیگا اور وہ حکم عدل ہوگا صاف ظاہر کر رہا ہے کہ جب وہ آئے تو ہم پر اسکی
اتباع لازم ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اُسکو قبول کریں اور اس کے ہر ایک
حکم کی تعمیل کرنیکے لیے تیار رہوں یعنی اُسکو اپنا امام بنائیں۔ افسوس امامکم
منکم کے ایسے معنے کیے جاتے ہیں جن سے مسیح کو امامت کے درجہ سے بھی محروم
کیا جاتا ہے۔ وہ مسیح کیسا جو امام بھی نہیں۔ ہمارے علماء اس حدیث کے ایسے معنے
کرتے ہیں کہ خود حدیث ہی لغو ٹھہرتی ہے اور مسیح کی آمد کی پیشگوئی ایک بے معنی
اور بے فائدہ امر ٹھہرتا ہے۔ اگر مسیح ہمارا امام بھی نہیں بلکہ کوئی اور شخص امام
ہے تو مسیح کے آنیکا کیا فائدہ؟ اور اس پیشگوئی کی کیا غرض ہے؟ غرض مسلمانوں کا

یہ غلط عقیدہ جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق رکھتے ہیں انکو ایک خطرناک غلطی میں ڈالنے کا موجب ہوا ہے۔ اور ان کے لیے بہتر ہے کہ وہ اس بیہودہ عقیدہ سے باز آئیں اور توبہ کریں۔ نہ عیسائی وہ دن دیکھیں گے اور نہ انکے ہم خیال مسلمان وہ دن دیکھیں گے جب مسیح آسمان سے اُترے۔ اگر یہودیوں نے ایلیا کا آنا آسمان سے مشاہدہ کر لیا ہے تو عیسائی بھی اور ہمارے مخالف مسلمان بھی مسیح کا آسمان سے اُترنا دیکھیں گے۔ اگر یہودیوں کی امیدیں پوری نہیں ہوئیں تو عیسائی بھی یاد رکھیں اور ہمارے مخالف مسلمان بھی یاد رکھیں کہ وہ کبھی وہ دن نہ دیکھیں گے جب مسیح آسمان سے فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ دھرے ہوئے اُترے۔

مہدی اور مسیح ایک ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسلمانوں کے غلط عقائد نے انکو جن جن غلطیوں میں ڈالا ہے اُنہیں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسیح اور مہدی دو الگ الگ شخص سمجھے گئے۔ درحقیقت ایک ہی شخص کے دو لقب تھے مگر غلطی سے انکو دو مختلف اشخاص کے نام سمجھا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کو مہدی کا لقب دیکر یہ ظاہر کیا کہ وہ اسی اُمت میں سے ہوگا مگر ہمارے علماء کو یہ وہم میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ مسیح موعود اس اُمت میں سے ہوگا اس لیے انہوں نے یہ خیال کیا کہ مہدی کسی دوسرے شخص کا نام ہے یعنی مسیح موعود اور ہے اور مہدی اور ہے۔ مندرجہ ذیل دلائل سے صاف طور پر انشاء اللہ ثابت ہو جائیگا کہ مہدی اور مسیح درحقیقت ایک ہی شخص کے دو مختلف نام ہیں۔

دلیل اوّل - پہلی دلیل جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح اور مہدی ایک ہیں خود لفظ مہدی کے مفہوم میں پائی جاتی ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بطور لقب کے استعمال کیا ہے اس لفظ کے معنے ہیں ہدایت یافتہ اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو صرف مہدی موعود کے لیے ہی استعمال نہیں کیا بلکہ دیگر اشخاص کے متعلق بھی یہی لفظ استعمال کیا ہے - چنانچہ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ اپنے خلفاء کے متعلق عام طور پر استعمال کیا چنانچہ آپ نے فرمایا اوصیکم بتقوی اللّٰہ والسمع والطاعۃ و ان امر علیکم عبد حبشی فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (رواہ احمد بن حنبل و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ والحاکم) یعنی میں تمکو تقوی اور نیک بات کے قبول کرنے اور فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہوں خواہ ایک حبشی غلام تمپر امیر بنایا جاوے - کیونکہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہیگا وہ بڑے بڑے اختلاف دیکھے گا - اُسوقت تم پر لازم ہے کہ میرے طریق پر چلو اور میرے خلفاء کی سُنت پر چلو جن میں سے ہر ایک رشید ہے اور ہر ایک مہدی ہے - اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء مہدی ٹھہرتے ہیں - پھر جریر کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی چھاتی پر ہاتھ پھیر کر اُسکے حق میں دعا کی اللّٰھم اجعلہ ھادیا مھدیا - یعنی اے خدا اس کو ہدایت دینے والا اور مہدی بنا - (رواہ ابن شیبہ) ایسا ہی بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتح قسطنطنیہ کا نام مہدی رکھا اور ان احادیث کے رُو سے محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ مہدی تھا جس نے قسطنطنیہ کو ۱۴۵۳ء میں فتح کیا -

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی کوئی ایسا لفظ نہیں جو کسی خاص شخص کا

تام ہو بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک خلیفہ مہدی کہلا سکتا ہے۔ اس سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ چونکہ مسیح موعود سب سے بڑا خلیفہ ہے اس لیے وہ مہدیوں میں سب سے بڑا مہدی ہے خود علمائے اسلام اقرار کرتے ہیں کہ مہدی موعود اور مسیح موعود میں سے مسیح افضل ہے۔ یعنی مسیح موعود مہدی اکبر ہے۔ صدیق حسن خاں حجج الکرامۃ میں لکھتا ہے۔ شوکانی در توضیح گفتہ ..... ولاشك ان عیسیٰ اکمل من المهدی۔ (صفحہ ۳۸۵)۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مہدی اکمل یعنی مسیح موعود موجود ہوگا تو چھوٹے مہدی کی ضرورت ہی کیا ہوگی۔ اس سے بھی عجیب تر یہ بات ہے کہ ہمارے مخالف علما کہتے ہیں کہ مسیح موعود امام نہیں ہوگا بلکہ دوسرا مہدی جو درجہ میں مسیح موعود سے کمتر ہے امام ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ چھوٹا مہدی امام ہو اور بڑا مہدی جو مسیح موعود ہے اُسکا تابع ہو۔ جب یہ قبول کیا جاتا ہے کہ مسیح موعود مہدی اکبر ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء میں سے سب سے بڑا مہدی مسیح موعود ہے تو پھر طبعی طور پر یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ مہدی موعود سے مراد مسیح موعود ہی ہے جو سب سے بڑا مہدی ہے۔ یعنی جس بڑے مہدی کا وعدہ دیا گیا ہے اُس سے مراد مسیح موعود ہی ہے۔

دوسری دلیل جس سے مہدی اور مسیح کا ایک ہونا ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ دونوں کا ایک ہی زمانہ میں ظاہر ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک ہی وقت میں مسلمانوں کے دو امیر ہوں۔ ایک وقت میں ایک ہی امام وقت ہو سکتا ہے۔ اور میں اوپر دکھا آیا ہوں کہ مسیح موعودؑ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا۔ اس لیے اُس وقت میں سوائے مسیح موعود کے اور کوئی امام نہیں ہو سکتا۔ اس مشکل کو اسطرح حل کرنے کی کوشش کیگئی ہے کہ امامت مہدی کو ملیگی اور مسیح مہدی کا وزیر ہوگا۔ یہ بات صرف غیر معقول ہی نہیں کیونکہ یہ کسطرح مانا جائے کہ چھوٹا امام بنایا جاوے اور بڑا اُسکا تابع۔ بلکہ یہ بات بے بنیاد

بھی ہے۔ کیا صدہا سال کے گذرنے کے بعد مسیح آسمان سے عہدہ وزارت پر ممتاز ہونیکے لیے ہی نازل ہوگا؟ مگر ہم اس توجیہ کو بھی خوشی سے قبول کر لیتے اگر احادیث میں کھلے طور پر یہ نہ لکھا ہوتا کہ مسیح موعود ہم میں سے ہمارا امام ہوگا۔ پھر اس کی نسبت لکھا ہے کہ وہ حَکَم عَدَل ہوگا۔ اور وہ حَکَم عَدَل کس طرح ہو سکتا ہے جب وہ امام ہی نہ ہو بلکہ دوسرے شخص کا تابع ہو۔ پھر ایک اور بات ہے جس سے ہمارے مخالف علماء کی ساری توجیہیں خاک میں ملجاتی ہیں۔ امامکم منکم کی تو وہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ الفاظ مسیح موعود کے متعلق نہیں (حالانکہ اس حدیث میں سوائے مسیح موعود کے اور کسی کا ذکر نہیں) بلکہ ایک اور شخص کے متعلق ہیں جسکا نام مہدی ہے اور جو اس اُمت میں سے ہوگا اور وہی امام ہوگا نہ مسیح۔ مگر مَیں اُن سے پوچھتا ہوں کہ ان الفاظ کی تم زبردستی سے پھیر پھار کر توجیہ کرلو مگر مسیح موعود کی نسبت تو صاف لکھا ہے اماماً عدلاً اور اماماً مقسطاً ان الفاظ کی کیا توجیہ کروگے کیا ان الفاظ کو بھی تم اُلٹ پھیر کر کسی اور آدمی کی طرف لگا دوگے۔ ان الفاظ میں صاف طور پر مسیح موعود کو امام کہا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے الفاظ امامکم منکم کے جو مسیح موعود کی حدیث میں صحیح مسلم و صحیح بخاری میں آئے ہیں وہ بھی اماماً مقسطاً اور اماماً عدلاً کی طرح مسیح موعود کی نسبت ہی ہیں۔ پس اس میں کچھ شک نہیں کہ مسیح موعود ہم میں سے ہمارا ایک امام ہوگا اور یہ جو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود نماز میں امام نہیں بنے گا بلکہ امت کے ایک شخص کے پیچھے نماز ادا کرے گا اس سے مسیح موعود کے امام وقت ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کیونکہ نماز میں امام ہونا یہ فضیلت ایک ایسے شخص کو بھی اس اُمت میں مل سکتی ہے جو اپنے زمانہ کا امام نہ ہو یہ ایک شرف ہے جو اس اُمت کو دیا گیا ہے۔ اس اُمت کے ہر ایک فرد کو ایک عزت عطا کی گئی ہے اور وہ بغیر امام وقت ہونیکے نماز میں پیش امام ہو سکتا ہے

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اپنے زمانہ کا امام ہے۔
تیسری دلیل جس سے مسیح اور مہدی کا ایک ہونا ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ مہدی کے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ قریشی ہوگا۔ خواہ حسن کی اولاد سے ہو یا حسین کی اولاد سے۔ خواہ بنی فاطمہ سے ہو یا بنی عباس سے۔ غرض عام مسلمانوں کے اعتقاد کے بموجب وہ قریشی ہوگا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح موعود کے زمانہ میں قریش سے ملک چھین لیا جاوے گا۔ صدیق حسن خاں حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۵ پر لکھتا ہے۔ وسلب شود در زمان او ملک از قریش۔ حدیث میں ہے یسلب الملك من قریش۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں کوئی قریشی مہدی نہیں ہوسکتا اور مسیح موعود ہی اپنے زمانہ کا امام اور امیر ہوگا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے بھی ایک بیہودہ کوشش کی گئی ہے صدیق حسن خاں اپنی کتاب حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۸۲ پر لکھتا ہے۔ ابن حجر گفتہ معنے سلب ملک قریش آنست کہ بعد نزول عیسیٰ ایشاں را اختصاص بہ چیزے باوجود او بدون مراجعت وے باقی نماند۔ یعنی مسیح موعود کے زمانہ میں قریش کی امامت کے سلب ہونیکے یہ معنے ہیں کہ مسیح کے نزول کے بعد قریش کو کسی چیز کے ساتھ خصوصیت نہیں رہیگی اور مسیح کی موجودگی میں بغیر اس کے مشورہ اور اتفاق رائے کے کسی امر کا فیصلہ نہیں کرسکیں گے۔ یہ عجیب امامت ہے کہ قریش نام کو تو امام ہوں مگر ہر ایک امر کے فیصلہ کے لیے وہ مسیح موعود کے محتاج ہوں اور انکو کسی امر میں حکم دینے کا کوئی اختیار حاصل نہ ہو۔ حدیث میں صاف لکھا ہے کہ قریش سے امارت چھین لی جائیگی اس میں کسی اور تاویل کی گنجائش نہیں اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں کوئی قریش امیر یا امام نہ ہوگا۔ مہدی کی نسبت لکھا ہے کہ اسکی رائے صائب ہوگی اور وہ اپنے حکم میں خطا نہیں کریگا اور وہ ایسا فیصلہ دیگا کہ اگر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے

تو وہ بھی وہی فیصلہ دیتے اور ایک فرشتہ مہدی کی رہنمائی کریگا۔ حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۵ پر ہے نیست ظلم در حکم او و نہ عیب۔ پھر صفحہ ۳۲۴ پر مہدی موعود کے متعلق لکھا ہے۔ وے حکم نکند مگر بالقائے ملک مسدد کہ او تعالیٰ سوئے او فرستادہ باشد۔ و ذلک ھو الشرع المحمدی لو کان محمد صلعم حیا و رفعت تلک النازلۃ لہ لم یحکم فیھا الا بحکم المھدی۔ یعنی مہدی کیلیے خدا تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجیگا اور وہ فرشتہ ہی کے القاء کے بموجب ہر ایک امر میں فیصلہ کریگا اور اُسکا فیصلہ عین شرع محمدی کے مطابق ہوگا چنانچہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے اور وہ معاملہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تو آپ وہی فیصلہ دیتے جو مہدی نے دیا۔ پھر مہدی کی صفت میں ہے یقفو اثری ولا یخطی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی موعود میرے نقش قدم چلیگا اب جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیگا اور اُس کے فیصلہ میں خطا نہیں ہوگی تو اُسکو کسی مشیر کی ضرورت ہی کیا ہوگی۔ اور اگر مسیح موعود نے صرف مشیر بننے کے لیے ہی آنا تھا تو اُس کے آنیکی ہی کیا ضرورت تھی۔ مہدی کو مسیح کے مشورہ کی کوئی ضرورت نہیں اور مسیح کو ضرورت نہیں کہ وہ آسمان سے اُترنے کی تکلیف اُٹھائیں۔ مہدی ہر ایک بات میں صائب رائے رکھیگا اور اُسکو کسی دوسرے انسان کے مشورہ کی ضرورت نہیں۔ اگر اسی لیے مسیح نے آسمان سے آنا تھا تو وہ آنیکی تکلیف نہ اُٹھائیں۔ مہدی موعود کو آسمانی مسیح کی خدمات کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں۔ ایسی صورت میں یسلب الملک من قریش کی یہ توجیہ لغو ٹھہرتی ہے کہ سلب ملک کے یہ معنے ہیں کہ مہدی بغیر مشورہ مسیح موعود کے کسی امر میں کوئی فیصلہ نہ کرسکیگا اور اُسکو کسی امر میں خصوصیت اور اختیار نہ رہیگا۔

چوتھی دلیل۔ میں پہلے ایک حدیث صحیح بخاری سے نقل کر چکا ہوں جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود ہم میں سے ہمارا امام ہوگا۔ اور میں اس بات کا ذکر بھی کرآیا ہوں کہ اماما منکم کے ایک نرالے معنے کیے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ان الفاظ کے یہ معنے ہیں کہ مسیح موعود تمھارا امام نہ ہوگا بلکہ ایک اور شخص تم میں سے تمھارا امام ہوگا۔ اگر ان معنوں کو صحیح تسلیم کرلیا جاوے تو ہمارے مخالف علماء کے سامنے ایک اور دقت پیش آتی ہے جسکا حل کرنا دشوار ہے۔ انکی رائے میں مہدی اور مسیح دو الگ الگ شخص ہیں جن میں سے مہدی امام ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دو میں سے پہلے کون وفات پائیگا۔ اسکا جواب دیا جاتا ہے کہ مہدی پہلے وفات پائیگا اور مسیح اُس کے بعد ۷ یا ۹ سال زندہ رہیگا۔ ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۸ اب یہ سوال ہے کہ مہدی کے مرنیکے بعد حضرت عیسیٰ کی زندگی میں خلیفہ کون مقرر ہوگا۔ حضرت عیسیٰ تو بقول ہمارے علماء کے خلیفہ و امام نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اماماً منکم کے یہ معنے ہیں کہ مسیح امام و خلیفہ نہیں ہوگا بلکہ خلیفہ مہدی ہوگا اور مسیح تابع ہوگا۔ پس اس توجیہ کے بموجب مسیح موعود خلیفہ و امام نہیں ہوسکتا۔ ضرور ہے کہ انکی زندگی میں کوئی اور امام ہو۔ اب جب مہدی موعود پہلے وفات پاگئے اور مسیح زندہ رہے تو مسیح کی زندگی میں مہدی کی وفات کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ ہمارے مخالف علماء اس سوال کا جواب دیں۔ مسیح موعود تو امیر و امام نہیں ہوسکتا کیونکہ اماماً منکم کے معنے یہ کیے جاتے ہیں کہ مسیح امام نہیں ہوگا بلکہ امام کوئی اور شخص ہوگا۔ اب جبتک مہدی زندہ تھے وہ امام ہے۔ جب مہدی وفات پاگئے اور مسیح بعد میں زندہ رہ گئے تو اب خلیفہ کون بنایا جائے۔ اگر مولویصاحبان کی توجیہ اماماً منکم کی صحیح ہے تو انکو چاہیئے کہ مہدی کی وفات کے بعد مسیح موعود کی زندگی میں کوئی اور شخص امامت کے لیے تلاش کریں۔ اگر وہ نہیں بتلا سکتے کہ مہدی موعود کی وفات کے بعد مسیح موعود کی زندگی میں وہ کون شخص ہوگا جو امام بنایا جائیگا اور جسکی اتباع کا مسیح موعود کو شرف حاصل ہوگا تو انکو چاہیئے کہ

اپنی توجیہ سے باز آئیں اور جو اماماً منکم کے صاف صاف معنے ہیں کہ مسیح موعود تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا ان معنوں کو قبول کریں جیسا کہ اماماً مقسطاً و اماماً عدلاً سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ مسیح ہی امام ہوگا نہ کوئی اور۔

پانچویں دلیل۔ مہدی اور مسیح کا ایک ہونا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جو مہدی کے متعلق بیان کی گئی ہیں اور وہی باتیں بعینہٖ مسیح موعود کے بارہ میں بھی بیان کی گئی ہیں جن سے اُنکی وحدت کا پتہ ملتا ہے۔

(۱) دونوں کا زمانہ ظہور ایک ہی بیان کیا جاتا ہے۔

(۲) دونوں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ۴۰ سال دنیا میں کام کریں گے۔ مسیح موعود کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ چالیس سال دنیا میں رہے گا یعنی چالیس سال کام کریگا۔ مہدی کے بارہ میں اگرچہ روایات کا اختلاف ہے مگر چالیس سال والی روایت کو ترجیح دیگئی ہے اور عام عقیدہ یہی ہے کہ وہ چالیس سال دنیا میں کام کریگا۔

(۳) دونوں کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ مال لوگوں میں تقسیم کریں گے۔ مہدی کے متعلق ابو داؤد ام سلمہ سے روایت کرتا ہے یقسم المال ویعمل فی الناس بسنۃ نبیھم صلعم یعنی مہدی مال تقسیم کریگا اور لوگوں میں انکے نبی کی سنت پر عمل کریگا۔ ایسا ہی مسیح کی نسبت صحیحین میں ہے کہ یفیض المال حتیٰ لا یقبلہ احد۔ یعنی مسیح موعود لوگوں میں مال بہا دیگا یہانتک کہ اُسکو کوئی نہ لیگا یعنی بہت کثرت سے مال دیگا۔ پس مال تقسیم کرنے میں بھی دونوں میں وحدت ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں مال سے سونا چاندی مراد نہیں ہے بلکہ علم کی دولت مراد ہے چنانچہ یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے واضح ہوتی ہے۔ صدیق حسن خان حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۹۶ پر لکھتا ہے علی مرتضیٰ گفتہ رحمت خدا بر بلدہ طالقان کہ آنجا خدا را خزاین است امانہ از زر و سیم بلکہ مردمان اند کہ خدا را شناختہ اند حق معرفت او

وایشاں انصار مہدی باشند اخرجہ ابونعیم۔ ممکن ہے کہ طالقان قادیان سے بگڑا ہوا ہو۔ مگر طالقان خواہ کوئی جگہ ہو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قول سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ خزائن اور مال سے کیا مراد ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خزائن سے مراد علم و معرفت الٰہی ہے اور یہ دولت یعنی معرفت الٰہی وعلم کی دولت انصار مہدی کو دی جائے گی۔

(۴) دونوں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ خونریزی نہیں کرینگے۔ حضرت مسیح موعود کے متعلق یضع الحرب کی حدیث تو ہر ایک شخص جانتا ہے۔ مہدی کے متعلق صدیق حسن خان لکھتا ہے۔ بیدار نکند مہدی نایم را و نریزد خون را و مقاتلہ کند بر سنت و ترک نہ دہد ہیچ سنت را مگر آنکہ قایم سازد آنرا۔ و نہ ہیچ بدعت را مگر آنکہ بردارد آنرا۔ و قایم شود دین اسلام در آخر زمان بزمانہ او چنانکہ بود در اول زمان بعہد سعادت عہد آنحضرت صلعم۔ ... ابن حجر ایں علامات را در ذکر مہدی در قول مختصر آوردہ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۳) یعنی مہدی سونیوالوں کو بھی نہیں جگائیگا اور کوئی خونریزی نہیں کریگا اور سنت قائم کرے گا اور بدعت دُور کریگا اور اسلام اپنی اصلی حالت پر آجائیگا جیسا کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں تھا۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ جیسا مسیح موعود کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ جنگوں کا خاتمہ کر دے گا ایسا ہی مہدی موعود کے متعلق ہے کہ وہ بڑے امن سے کام کریگا کوئی خونریزی نہیں کرے گا۔ یہانتک کہ سونیوالوں کو بھی بیدار نہیں کرے گا۔ ناظرین مہدی کی یہ علامات سنکر شاید چونک اُٹھیں گے کہ وہ مہدی جس کی نسبت علما بیان کرتے تھے کہ وہ خون کی ندیاں بہا دیگا اُسی مہدی کے متعلق ایسی علامات لکھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی خونریزی نہیں کریگا۔ مگر یہ قصور مُلا لوگوں کا ہے کہ وہ ایسی علامات کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنے ڈھب اور مذاق کی باتوں کو پسند کرتے ہیں اور لوگوں میں شایع کرتے ہیں چونکہ ایسی علامات

اُنکے مذاق کے مطابق نہیں اس سبب سے وہ انکو مخفی رکھتے ہیں۔
(۵) مہدی اور مسیح دونوں کی نسبت لکھا ہے کہ علماء بے بصیرتی سے اُنکی تکفیر کریں گے
مسیح موعودؑ کے متعلق سید احمد سرہندی اپنی کتاب مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ علماء
مسیح موعودؑ کے لطیف نکات اور عمیق معارف کو سمجھ نہیں سکیں گے اور اُسپر کفر کا فتویٰ
لگائیں گے۔ ایسا ہی مہدی موعودؑ کے متعلق لکھا ہے کہ علماء اُسکی تکفیر کریں گے۔
صدیق حسن خاں لکھتا ہے۔ چوں مہدی علیہ السلام مقاتلہ بر احیاء سنت و اماتت
بدعت فرمائید علماء وقت کہ خوگر تقلید فقہاء و اقتداء مشائخ و آباء خود باشند گویند ایں
مرد خانہ بر انداز دین و ملت ما است و بمخالفت برخیزند و بحسب عادت خود حکم بتکفیر
و تضلیل وے کنند۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ کا ظہور علماء کی امیدوں
کے مطابق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر علماء کی ساری امیدیں درباره مہدی پوری ہوتیں
اور وہ عین اُن کے خیال کے مطابق ظاہر ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اُسکی تکفیر کرتے۔
(۶) دونوں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ عدل و انصاف قائم کریں گے یعنی جھوٹ
کی بیخکنی کریں گے اور راستی کو قائم کریں گے۔ مسیح موعودؑ کے متعلق لکھا ہے اماماً
عدلاً وحکماً مقسطاً۔ اور مہدی کے متعلق ہے یملأ الارض قسطاً و
عدلاً۔ دونوں کے حق میں بالکل ایک ہی قسم کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں
دونوں کے حق میں قسط و عدل کے لفظ استعمال کیے گئے ہیں۔
(۷) جیسا کہ مہدیؑ کی نسبت ہے کہ وہ اسلام کو سب مذاہب پر غالب کرے گا۔
ایسا ہی مسیح موعودؑ کے متعلق ہے کہ یهلك الله فی زمنه الملل كلها الا الاسلام
یعنی اللہ تعالیٰ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں کل مذاہب کو تباہ کر دیگا سوائے اسلام کے۔
(۸) مسیح و مہدی کے حلیوں میں بھی تطابق پایا جاتا ہے۔ مسیح موعودؑ کے متعلق ہے
ادم کاحسن ما انت راءٍ من ادم الرجال۔ یعنی وہ گندم گوں ہوگا جیسا کہ
نہایت ہی خوبصورت گندم گوں لوگ ہوتے ہیں (حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۴) ایسا ہی مہدی کے متعلق ہے

آدم ضرب من الرجال یعنی وہ گندم گون ہوگا جیسا کہ اس ملک کے گندم گوں لوگ ہوتے ہیں (نعیم بن حماد)
اسجگہ اس امر کا بیان کر دینا مناسب ہوگا کہ جو حلیہ اسرائیلی مسیح کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے وہ اُس حلیہ سے بالکل مختلف ہی جو آپ نے آنیوالے مسیح کا بیان فرمایا ہے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنیوالا مسیح وہی اسرائیلی مسیح نہیں جو ۱۹۰۰ سال ہوئے شام کے ملک میں پیدا ہوا تھا بلکہ ایک دوسرا شخص ہے۔ اور جب یہ دیکھا جاوے کہ آنیوالے مسیح کا حلیہ مہدی موعود کے حلیہ سے ملتا ہے تو انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ آنیوالا مسیح اور مہدی ایک ہی ہیں مسیح موعود کے حلیہ کا اسرائیلی مسیح کے حلیہ سے مختلف ہونا اور مہدی موعود کے حلیہ کے مطابق ہونا اس امر کا یقینی ثبوت ہے کہ آنیوالا مسیح اسرائیلی مسیح نہیں اور یہ کہ مہدی اور مسیح ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔
(۹) مسیح و مہدی دونوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دو چادروں میں ظاہر ہونگے۔ مہدی کی نسبت لکھا ہی علیہ عباءتان قطوانتان کانہ من رجال بنی اسرائیل (رواہ ابونعیم) یعنی مہدی پر دو روشن چادریں ہوں گی گویا وہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص ہے۔ مسیح موعود کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بین مھرودتاین یعنی دو زرد چادروں میں آئیگا (رواہ ترمذی) علم تعبیر کے رو سے دو زرد چادروں سے مراد دو بیماریاں ہیں جو ہمیشہ مسیح موعود کے ساتھ رہیں۔
(۱۰) دونوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ زمین سے خزانے نکالیں گے۔ مہدی کی نسبت لکھا ہی کہ وہ زمین کے خزانوں کو نکالیں گے جنمیں ایک خزانہ وہ ہوگا جو کعبہ کے نیچے مدفون ہے۔ ابونعیم مہدی کی نسبت لکھتا ہی کہ یستخرج الکنوز و یفتح مدائن الشرک۔ یعنی مہدی خزانوں کو نکالے گا اور شرک کے قلعوں اور شہروں کو فتح کریگا۔ مسیح موعود کے متعلق صدیق حسن خاں صفحہ ۴۲۴ پر حجج الکرامہ میں لکھتا ہے۔ ظاہر شوند کنوز و خزائن در زمان او۔ میں اوپر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کر کے دکھا چکا ہوں کہ ان خزانوں سے مراد سونے اور

چاندی کے خزانے نہیں ہیں بلکہ علم کے خزائن مراد ہیں اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مہدی کی نسبت لکھا ہے کہ وہ کعبہ کا خزانہ نکالیگا۔ کعبہ کے نیچے بے شک ایک بڑا خزانہ ہے۔ یہی خزانہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں تقسیم کیا اور دنیا کو علم و حکمت کے خزائن سے مالا مال کر دیا۔ جو خزانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے وہ کعبہ کا ہی خزانہ تھا۔ کعبہ سے ہی الٰہی علوم اور معارف و اسرار کے خزانے دنیا میں تقسیم کیے گئے۔ مگر خدا تعالیٰ کے خزانے بے حد و بے شمار ہیں۔ کوئی انکی حد بندی نہیں کر سکتا۔ مہدی کے لیے بھی لکھا تھا کہ وہ بھی کعبہ کے خزائن کو باہر نکالیگا اور لوگوں کو علم کی دولت سے مالا مال کر دیگا اور حکمت و معرفت کے خزانے دنیا میں تقسیم کریگا۔ جس نے ان خزائن کو دیکھا ہو وہ مہدی موعودؑ کی کتابوں کو دیکھ لے۔

(۱۱) دونوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ خدا سے الہام پائیں گے اور یہ کہ خدا کا فرشتہ آسمان سے مہدی و مسیح پر نازل ہوگا۔ صدیق حسن خاں صفحہ ۴۳۱ پر لکھتا ہے عیسیٰ را بعد نزول وحی الٰہی آید۔ اور اس کے ثبوت میں حدیث پیش کرتا ہے اور پھر لکھتا ہے و ظاہر است کہ آمدہ وحی بسوئے او جبریل علیہ السلام باشد بلکہ ہمین یقین داریم و دران تردد نمی کنیم چہ جبریل سفیر خداست درمیان انبیاء علیہ السلام و فرشتہ دیگر برائے ایں کار معروف نیست ابو حاتم در تفسیر خود آوردہ و کل جبریل بالکتب و بالوحی الی الانبیاء و آنکہ بر السنہ عامہ مشہور شدہ کہ نزول جبریل بسوئے ارض بعد موت رسول خدا صلعم نشود بے اصل محض است۔ و در چند حدیث نزول او بر زمین آمدہ۔ پھر مہدی کے متعلق صفحہ ۳۴۴ پر لکھتا ہے پس وے حکم نکند مگر بالقاء ملک مسدد کہ او تعالیٰ بسوئے او فرستادہ باشد۔

(۱۲) دونوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ جاکر انکی زیارت کرو مہدی کے متعلق فرمایا کہ اُس کے پاس جاؤ خواہ برف کے پہاڑوں پر سے تمہیں ہاتھ پاؤں اور گھٹنوں کے بل چلنا پڑے اور مسیح کے متعلق فرمایا کہ جب وہ ظاہر ہو تو جاکر

اُسکو میرا سلام پہنچاؤ۔ غرض جو کچھ مسیح موعودؑ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہی باتیں مہدی کے متعلق فرمائیں چنانچہ مہدی و مسیح کی احادیث کو متواتر المعنی مانا گیا ہے۔ اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک ہی شخص کے دو لقب ہیں چھٹی دلیل۔ مسیح موعودؑ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک طرف وہ اسرائیلی مسیح کا مثیل اور اُس سے مشابہت رکھتا ہے اس لیے اُسکا نام عیسیٰ بن مریم رکھا گیا۔ دوسری طرف وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے اس لیے اسکا نام مہدی رکھا گیا۔ اور کہا گیا کہ وہ خُلق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ ہوگا نہ خَلق میں اور کہا گیا کہ المہدی منّی۔ یعنی مہدی مجھ سے ہے یعنی مجھ سے روحانی مشابہت و تعلق رکھتا ہے۔ چونکہ آخری زمانہ کے خلیفہ کے دو کام تھے ایک عیسائیوں کی اصلاح اور دوسرا مسلمانوں کی اصلاح۔ اس لیے پہلے کام کے لحاظ سے اُسکا نام عیسیٰ بن مریم رکھا گیا اور دوسرے کام کے لحاظ سے اُسکو مہدی کہا گیا۔ اور احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مہدی میں دو مشابہتیں ہونگی۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے۔ عبداللہ بن الحارث گفتہ بیروں آید مہدی واو درعمر چہل سالگی باشد گویا مردے از بنی اسرائیل است اخرجہ نعیم بن حماد پھر مہدی کی نسبت لکھا ہے علیہ عبائتان قطوانتان کانہ من رجال بنی اسرائیل (رواہ ابونعیم) یعنی مہدی پر دو روشن چادریں ہونگی گویا وہ بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی ہے۔ پھر صدیق حسن خاں صفحہ ۲۰۴ پر لکھتا ہے۔ رویانی در مسند و ابونعیم از حذیفہ روایت کردہ اند مرفوعاً کہ مہدی مردے از اولاد من است رنگ او رنگ عربی است و جسم او جسم اسرائیلی۔ ان احادیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ مہدی دو شانوں کا جامع ہوگا۔ اُس میں اسرائیلی شان بھی پائی جائیگی اور عربی یا اسماعیلی شان بھی پائی جائیگی۔ اسرائیلی شان کے رو سے اُسکا نام عیسیٰ ہوگا اور اسماعیلی شان کے رو سے اُسکا نام احمدؐ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی میں اسرائیلی شان

بیان فرماکر صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ وہ اسرائیلی اور اسماعیلی شان کا جامع ہوگا۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اُسکا نام احمدؔ بھی ہوگا اور عیسیٰ بھی ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گویا مہدی ایک مرد بنی اسرائیل میں سے ہے اس لحاظ سے اُسکا نام عیسیٰ رکھا گیا اور چونکہ وہ عربی شان بھی رکھتا تھا اس لیے اُسکا نام احمدؔ ہوا۔

ساتویں دلیل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیف تھلك امة انا اولھا و عیسی بن مریم اٰخرھا۔ یعنی یہ امت کسطرح ہلاک ہوسکتی ہے جس کے اول میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ بن مریم ہے۔ پھر فرمایا۔ خیر ھٰذہ الامة اولھا و اٰخرھا۔ اولھا فیھم رسول اللہ و اٰخرھا فیھم عیسی بن مریم و بین ذٰلك فیج اعوج لیسوا منی ولست منھم۔ یعنی اس اُمت میں دو گروہ سب سے بہتر ہیں۔ ایک پہلا گروہ جسمیں مَیں ہوں اور ایک آخری گروہ جس میں عیسیٰ بن مریم ہے اور ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک ٹیڑھی جماعت ہی جو مجھ سے نہیں اور نہ میں اُن سے ہوں۔ (ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۳) ان احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے لیے دو محافظ ہی بیان فرمائے ہیں۔ اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود۔ دوسرے مسیح موعودؑ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی تیسرے محافظ کا نام بیان نہیں فرمایا۔ اگر مسیح موعودؑ کے ساتھ آخر زمانہ میں کسی الگ مہدی نے بھی آنا تھا تو آپ آخری دنوں کیلیے دونوں کا نام لیتے نہ صرف مسیح موعودؑ کا۔ خصوصاً جب یہ دیکھا جائے کہ ان دو میں سے مہدی نے امام اور خلیفہ ہونا تھا اور مسیح موعودؑ نے مہدی کا تابع اور وزیر بننا تھا۔ تعجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تابع اور وزیر کا تو نام لیں کہ وہ آخری دنوں میں آپکی اُمت کے لیے بطور دیوار کے ہوگا مگر اُس محافظ کا جس نے امام اور امیر المومنین بننا تھا اُسکا نام نہ لیں۔ اگر ایک ہی کا نام لینا تھا تو چاہیئے تھا کہ امام کا نام لیتے نہ تابع اور وزیر کا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو گروہوں کا نام لیا ہے ایک صحابہ کا گروہ۔ دوسرے مسیح موعودؑ کے اصحاب کا گروہ۔

مہدی کے گروہ کا نام نہیں لیا۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مہدی کوئی الگ شخص نہیں اس لیے اسکی جماعت بھی کوئی الگ نہیں وہی شخص مسیح بھی ہے اور مہدی بھی۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی اُمت کے لیے دو محافظوں کا نام لیا تو ایک اپنا ذکر فرمایا اور دوسرے مسیح موعودؑ کا نام لیا۔ اور گروہ بھی دو ہی بیان فرمائے ایک اپنا گروہ دوسرے مسیح موعودؑ کی جماعت۔ (اللّٰھم اجعلنا منہم) ہاں ایک تیسری روایت بھی ہے اور وہ یہ ہے لن تهلك أمة انا فی اولها والمهدی فی اوسطها وعیسٰی فی اٰخرها۔ یعنی اُمت ہلاک نہیں ہوگی کیونکہ اس کے اوّل میں مَیں ہوں۔ درمیان میں مہدی ہے اور آخر میں عیسٰی ہے۔ مگر اگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیں پھر بھی اس حدیث سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ کیونکہ یہ کسی ایسے مہدی کا ذکر کرتی ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور مسیح موعودؑ کے زمانہ کے درمیان ظاہر ہونا تھا۔ اور ہماری بحث اسکے متعلق ہے کہ آخر زمانہ میں سوائے مسیح موعودؑ کے کوئی الگ مہدی نہیں ہوگا۔ مسیح موعود ہی مہدی معہود ہوگا اور کوئی ایسی حدیث نہیں جسمیں لکھا ہو کہ آخری زمانہ میں اس اُمت کے دو شخص محافظ ہوں گے ایک مسیح موعود اور ایک مہدی معہود۔ اگر درمیانی زمانہ میں کوئی مہدی ہوا تو اسکو ہونے دو وہ ہماری بحث کے نیچے نہیں آسکتا۔ یہ روایت ایک اور وجہ سے بھی قابل توجہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو گروہوں کا نام لیا ہے۔ کسی تیسرے گروہ کا نام نہیں لیا جو کسی الگ مہدی کا گروہ ہو۔ اگر وسطی زمانہ میں کسی عظیم الشان مہدی نے آنا تھا تو چاہیئے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس مہدی کی جماعت کا بھی نام لیتے۔ مگر بجائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی درمیانی زمانہ کے گروہ کا نام لیں آپ بڑے پُر زور الفاظ میں اس امر کی تردید فرماتے ہیں کہ ان دونوں گروہوں کے درمیان کوئی گروہ ہو جو ان دو گروہوں کے ساتھ ذکر کرنے کے قابل ہو بلکہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں گروہوں کے درمیان کے لوگ ٹیڑھے لوگ ہیں جنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ نے وسطی زمانہ میں ظاہر

نہیں ہوتا تھا۔ اور اس اُمت میں دو ہی گروہ ہیں جو بہترین اُمت ہیں اور اس اُمت کے دو ہی عظیم الشان محافظ ہیں ایک خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسیح موعودؑ یہ دو اس اُمت کے لیے بطور دو دیواروں کے ہیں۔ دوسری دیوار کا نام مسیح بھی ہو اور مہدی بھی۔ اس میں شک نہیں کہ درمیانی زمانہ میں بھی بڑے بڑے پاک اور بزرگ لوگ گذرے ہیں مگر وہ اُن ستاروں کی طرح ہیں جو شب تاریک میں ظاہر ہوتے ہیں عام لوگ بڑی بڑی غلطیوں میں مبتلا رہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ غازی مہدی کا عقیدہ انہی لوگوں کی ایجاد ہو جنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج یعنی ٹیڑھا گروہ فرمایا۔ بلکہ جو جو غلط اعتقادات اب اسلام کے لیے موجب عار ہو رہے ہیں وہ سب اسی ٹیڑھے زمانہ میں پیدا ہوئے اور مسیح موعودؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے حکماً عدلاً کہا کہ وہ اس ٹیڑھے گروہ کی ٹیڑھی باتوں کو سیدھا کریگا۔ یہ جو لکھا ہے کہ مہدی اور مسیح کو علماء کافر کہیں گے یہ بھی اسی لیے کہ اُس نے آکر انکو انکی غلطیوں پر متنبہ کرنا تھا۔ اور انکے غلط اور فاسد اعتقادات کو ردّ کرنا تھا۔

جسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو گروہ کا ذکر فرمایا اسی طرح خدا تعالیٰ بھی سورۂ جمعہ میں صرف دو جماعتوں کا ہی ذکر فرماتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہو هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایٰته ویزکیهم ویعلمهم الکتٰب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین واٰخرین منهم لما یلحقوا بهم وهو العزیز الحکیم ذٰلك فضل الله یؤتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم۔ یعنی خدا وہ ہے جس نے مکہ والوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُنپر خدا کی آیات پڑھتا ہے اُنکو پاک کرتا ہو اور اُنکو کتاب و حکمت سکھاتا ہو حالانکہ وہ پہلے کھلی بھول میں تھے اور اُسی خدا نے ایک پیچھے آنیوالی جماعت میں بھی ایک رسول انہی میں سے بھیجا یہ جماعت ابھی صحابہؓ کے ساتھ نہیں ملی مگر ملجائیگی اس سے تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جسکو چاہے دے۔ جب صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ پیچھے آنیوالے لوگ کون ہیں تو آپ نے سلمان فارسی کے کندھے پر دست مبارک رکھ کر فرمایا لو کان الایمان معلقا

بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس۔ یعنی ایمان ثریا پر بھی چڑھ جائے تو ایک فارسی الاصل شخص اسکو وہاں سے ہی اتار لائیگا۔ ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے دو گروہ کا ذکر فرمایا جو بہترین امت ہیں دوسری طرف قرآن شریف بھی دو گروہ کا ہی ذکر کرتا ہے جو دوسری امت سے ممتاز ہونگے اور آپس میں گویا ایک ہونگے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے جو تفسیر ان آیات کی فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیچھے آنیوالی جماعت میں جو رسول بھیجا جائیگا وہ فارسی الاصل ہوگا اور وہ ایسے وقت میں ظاہر ہوگا جب ایمان دنیا سے اٹھ گیا ہوگا اور وہ اسکو دوبارہ دنیا میں قایم کریگا اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کہ دو گروہ بہترین امت ہیں ایک صحابہؓ کا گروہ دوسرے مسیح موعودؑ کا گروہ قرآن کی آیات سے مقابلہ کرو تو یہ صاف ظاہر ہو جائیگا کہ جس دوسرے گروہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے وہ وہی آخرین منھم کا گروہ ہے اور یہ امر ثابت شدہ ہے کہ دوسرا گروہ مسیح موعودؑ کا گروہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرین منھم کا سردار ایک فارسی الاصل ایک ہی شخص ہے۔ حدیث بھی دو گروہ کا ذکر کرتی ہے ایک صحابہ کا گروہ۔ دوسرے مسیح موعودؑ کا گروہ اور قرآن شریف بھی دو گروہ کا ہی ذکر فرماتا ہے ایک صحابہؓ کا گروہ اور دوسرا آخرین منھم جو رجل فارسی الاصل کا گروہ ہے۔ پس صاف معلوم ہوا کہ آخرین منھم کا گروہ وہی ہے جو مسیح موعودؑ کا گروہ ہے اور رجل فارسی الاصل مسیح موعودؑ ہی ہے۔ مسیح موعودؑ کا گروہ بھی آخر میں آنیوالا تھا اور قرآن شریف بھی انکا آخرین منھم کے لفظ سے ذکر کرتا ہے۔ مسیح موعودؑ نے بھی ایسے وقت میں آنا تھا جب ایمان دنیا سے اٹھ جانا تھا اور رجل فارسی الاصل کی نسبت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اسوقت آئیگا جب ایمان ثریا پر چلا جائیگا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ اور رجل فارسی الاصل ایک ہی ہے۔ جو کام مسیح موعودؑ کا تھا وہی رجل فارسی الاصل کا بیان کیا گیا ہے۔ اور وہی مہدی کا کام بیان کیا گیا ہے اور تینوں کے ظہور کا وقت بھی ایکسا ہی ہے۔ تینوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دوبارہ ایمان کو دنیا میں قائم کریں گے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین الگ شخص نہیں بلکہ شخص واحد کے تین مختلف نام ہیں۔ اگر یہ مان لیا جاوے کہ رجل فارسی الاصل کوئی الگ شخص ہے جو ایمان کے نابود ہونے کے بعد پھر اسکو دنیا میں لائیگا تو مسیح موعودؑ

اور مہدی معہود کا آنا بے فایدہ ٹھہرتا ہے کیونکہ جس کام کیلیے مہدی یا مسیح نے آنا تھا وہ کام تو رجل فارسی الاصل نے ہی کر دیا۔ اب مہدی یا مسیح کی کیا ضرورت ہی نہ ایسا عظیم الشان شخص جو گم شدہ ایمان کو پھر دنیا پر لائیگا سوائے مسیح موعود و مہدی معہود کے اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی رجل فارسی الاصل ہی جس نے گم شدہ ایمان کو پھر قایم کرنا تھا تو وہ مسیح موعود ہی ہے۔ مسیح موعود اور رجل فارسی الاصل کسطرح دو الگ شخص ہو سکتے ہیں؟ دونوں کا وقت ظہور ایک ہی ہے، دونوں کا کام ایک ہی ہے یعنی گم شدہ ایمان کو پھر دنیا میں قایم کرنا دونوں ایک ہی گروہ کے لیڈر ہیں یعنی دونوں دوسرے گروہ کے امام ہیں۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی تیسرے گروہ کا نام لیا نہ قرآن مجید کسی تیسرے گروہ کا نام لیتا ہے حدیث بھی دو گروہوں کا ہی ذکر کرتی ہے ایک صحابہ رض کا گروہ اور دوسرا مسیح موعود کی جماعت اور قرآن مجید بھی دو گروہ ہی کا ذکر کرتا ہے ایک صحابہ رض کا گروہ اور دوسرے آخرین منہم کا گروہ اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گروہوں کو بہترین اُمت بیان فرمایا اور مسیح موعود کی جماعت کو صحابہ رض کی جماعت کے ساتھ ملایا ایسا ہی قرآن مجید بھی آخرین منہم کو جو رجل فارسی الاصل کا گروہ ہے صحابہ رض کے ساتھ ملاتا ہے۔ اب ہمیں کیا شک رہا کہ آخرین منہم مسیح موعود کی ہی جماعت کا نام ہے اور رجل فارسی الاصل مسیح موعود ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اور قرآن مجید کے بیان میں کسطرح اختلاف ہو سکتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک گروہ کو بہترین اُمت قرار دیں اور صحابہ رض کے ساتھ انکو ملائیں اور قرآن مجید کسی اور گروہ کو بہترین اُمت قرار دے اور انکو صحابہ رض کے ساتھ ملائے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور خدا کے کلام میں اختلاف نہیں تو مسیح موعود کا گروہ آخرین منہم سے بھی مختلف نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا ہے کہ دو ہی گروہ بہترین اُمت ہیں۔ انکے سوا فیج اعوج ہے۔ اب کسطرح ممکن ہے کہ آخرین منہم ان دو گروہوں میں سے باہر ہو۔ جو باہر ہیں انکو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج فرمایا۔ پس فیج اعوج میں سے آخرین منہم نہیں ہو سکتے۔ اگر آخرین منہم کوئی گروہ ہے تو مسیح موعود کی ہی جماعت ہے پھر واقعات بھی اسکی تصدیق کرتی ہیں کیونکہ جو شخص مسیح موعود ہو کر آیا اور اپنے نشانات اپنے ساتھ لایا وہ فارسی الاصل ہی تھا۔ اب ہمیں کیا شک رہا کہ آخرین منہم مسیح موعود ہی کا گروہ ہے کوئی اور نہیں۔ فتدبر۔

آٹھویں دلیل۔ مسیح موعود اور مہدی معہود کے ایک ہونیکی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جن روایات کی بنا پر الگ مہدی کا انتظار کیا جاتا ہے وہ اکثر غیر معتبر ہیں یہانتک کہ بعض نے ان روایات کو قابل اعتبار نہ سمجھ کر خود مہدی کے وجود سے ہی انکار کر دیا اور جو مہدی کا انتظار کرتے ہیں۔ وہ بھی اکثر روایات کے ضعیف اور مجروح ہونیسے انکار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مَیں اوپر صدیق حسن خاں کا قول نقل کر آیا ہوں جس میں وہ لکھتا ہے کہ ان مختلف روایات سے جو بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے وہ صرف اتنی ہی ہے کہ مہدی ضرور ظاہر ہوگا تفصیلی امر کوئی یقین کے ساتھ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مہدی ضرور آئیگا کیف کان۔ بلکہ بعض اوقات روایات کے ضعف کو دیکھکر قائلین مہدی اس خیال کی طرف بھی مائل ہو جاتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مہدی نہ آوے اور اگر نہ آوے تو چنداں حرج کی بات نہیں کیونکہ جو کام مہدی نے کرنا تھا وہی غرض مسیح کے آنے سے پوری ہو جائیگی۔ چنانچہ حدیث الغاشیہ کا مصنف صفحہ ۴۳ پر لکھتا ہے: "ہم نے مانا کہ مہدی نہ آوینگے۔ ہمارا کیا نقصان نہ آویں" پھر آگے چلکر لکھتا ہے "تم مہدی کو رہنے دو۔ نزول عیسٰی علیہ السلام تو متفق علیہ نصاری و اہل سلام ہے تم کہیں انہی کو اترنے دو" اقتراب الساعہ جو کہ صدیق حسن خاں کے بیٹے کی طرف بظاہر منسوب کی جاتی ہے مگر یقین کیا جاتا ہے کہ وہ دراصل صدیق حسن خاں کی اپنی تصنیف ہے اُس کے صفحہ ۱۴۷ و ۱۴۸ پر لکھا ہے " ہم نے مانا مہدی نہ آویں۔ اس میں کچھ تکذیب قول مشہور اہل اسلام کی نہیں ہے۔ ابن مریم تو سب کے نزدیک ضرور ہی آویں گے۔ کہیں خدا انہیں کو لے آوے۔ جو بات ہم مہدی کے آنیسے خیال کرتے ہیں وہ کام ان سے بھی بخوبی نکلیگا۔ مہدی آویں یا نہ آویں۔ اسلام کا کچھ نقصان نہیں۔ انکا (یعنی مسیح موعود کا) آنا ہی ہمیں کفایت ہے"

نویں دلیل۔ مَیں پہلے ذکر کر آیا ہوں کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم نے مسیح موعود کا ذکر تو کیا ہے مگر مہدی کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے اور مسیح موعود کے متعلق دونوں نے لکھا ہے اِمامکم منکم یعنی وہ تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا۔ انکا مہدی کے متعلق کلی خاموشی اختیار کرنا اور مسیح موعود کی نسبت لکھنا کہ وہ تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا اس امر کی ایک دلیل ہے کہ ان ہر دو بزرگوں کے

نزدیک آخری زمانہ کا امام صرف مسیح موعود ہی تھا۔ اس امر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہو کہ امام بخاری کا مذہب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں جیسا کہ صحیح بخاری سے ظاہر ہے۔ امام بخاری ایک طرف تو عیسیٰ بن مریم کی وفات کا ثبوت دیتا ہے۔ دوسری طرف اس امر کی شہادت پیش کرتا ہو کہ آنیوالا مسیح موعود مسلمانوں میں سے ایک مسلمانوں کا امام ہوگا اور پھر ساتھ اس کے مہدی کے متعلق بالکل سکوت اختیار کرتا ہے ان امور پر غور کرنیسے صاف معلوم ہوتا ہو کہ اس کے نزدیک مسیح موعود ہی کا آنا ضروری تھا۔ وہ اس سے الگ کسی دوسرے مہدی کا جو آخر زمان میں ظاہر ہو قائل نہ تھا۔ یہ دونوں کتابیں کتب احادیث میں سب سے اعلیٰ درجہ رکھتی ہیں اور دونوں مہدی کی آمد کا کوئی ذکر نہیں کرتیں مگر مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کو درج کرتی ہیں اس سے اس امر کو بہت تقویت ملتی ہو کہ آخری زمانہ میں مسیح موعودؑ کے سوا کوئی اور الگ مہدی نہیں۔

دسویں دلیل۔ مسیح موعود اور مہدی معہود کے ایک ہونیکی ایک قطعی دلیل یہ ہے کہ کسر صلیب و قتل خنزیر جو مسیح موعود کا خاص کام ہے یہی کام مہدی موعود کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۳ و ۳۸۲۔ اور اقتراب الساعۃ صفحہ ۶۴۔ کیا اس سے بڑھ کر مسیح اور مہدی کے ایک ہونے کی کوئی اور دلیل ہو سکتی ہو۔ کسر صلیب و قتل خنزیر مسیح موعود کا امتیازی نشان ہو اور جب یہی کام مہدی کی طرف منسوب کیا گیا تو اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہو کہ مسیح اور مہدی ایک ہی ہیں بمبیق حسن خان مہدی کے متعلق لکھتا ہو قایم شود دین اسلام در آخر زمان بعہد سعادت مہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و مالک تمام دنیا گردد و صلیب را بشکند و خوک را بکشد۔ ابن حجر ایں علامات را در ذکر مہدی قول مختصر آوردہ وایں دو صفت آخر در علامات عیسیٰ علیہ السلام نیز وارد گشتہ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۲) مسیح موعود کے متعلق ہو والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً یکسر الصلیب و یقتل الخنزیر۔ اب اس سے بڑھکر اور کونسی دلیل دونوں کے ایک ہونیکی ہو سکتی ہو اگر مہدی بھی صلیب ہی توڑیگا اور خنزیر ہی قتل کریگا تو وہ یقیناً یقیناً مسیح ہی ہو کیونکہ کسر صلیب و قتل خنزیر مسیح کا ہی کام ہے۔

گیارھویں دلیل۔ جو دلائل میں اوپر ذکر آیا ہوں وہ قطعی طور پر مہدی اور مسیح کا ایک ہونا ثابت کرتے ہیں عیسیٰ بن مریم مر چکا ہو وہ واپس نہیں آسکتا۔ اسی اُمت میں سے مسیح موعود ہونا چاہیئے مہدی اور مسیح کی صفات اور علامات میں اتحاد ہو یہاں تک کہ حلیہ بھی ملتا ہو۔ اس لیے یہ یقینی طور پر ثابت ہوتا ہو کہ مسیح اور مہدی ایک ہی ہیں۔ مگر ان دلایل کے علاوہ ایک اور زبردست دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی شہادت صریح الفاظ میں موجود ہے کہ لا مہدی الا عیسیٰ یعنی مہدی موعود مسیح موعودؑ کے سوا اور کوئی نہیں۔ ملاحظہ ہو ابن ماجہ و حاکم۔ اب جب ایک طرف صریح دلایل اس بات کی موجود ہیں کہ مسیح اور مہدی ایک ہی ہیں اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی صریح شہادت موجود ہے کہ لا مہدی الا عیسیٰ۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی مانے کہ مسیح اور مہدی ایک ہی ہیں تو اُسکا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔

ممکن ہے کہ ناظرین تعجب کریں کہ کیا وجہ ہو کہ جب صریح ثبوت اس بات کے موجود تھے کہ مسیح موعود و مہدی معہود ایک ہی ہیں بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے کھلے الفاظ میں فرما دیا تھا کہ لا مہدی الا عیسیٰ تو پھر کیا وجہ ہو کہ اکثر لوگ اب تک یہ سمجھتے رہے کہ مہدی الگ ہے اور مسیح الگ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس مغالطہ کی وجہ وہی مسلمانوں کا غلط اعتقاد ہے کہ مسیح آسمان پر اسی عنصری جسم کے ساتھ چڑھ گیا تھا اور اب تک اسی جسم کے ساتھ وہاں زندہ موجود ہے۔ یہ غلط خیال ہمیشہ انکو اس امر کے سمجھنے سے روکتا رہا کہ مسیح اور مہدی ایک ہیں۔ تاہم بعض کا یہی مذہب رہا ہو کہ مہدی مسیح موعود کا ہی نام ہے۔ جیسا کہ میں پہلے حجج الکرامہ کے حوالہ سے بیان کر چکا ہوں۔

باقی آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ

(نامہ نگار)

مندرجہ ذیل کتب موجودہ بک ڈپو کی طرف ہم شائقین کو خاص طور پر توجہ دلاتے ہیں ۔

یہ کتابیں بذریعہ وی پی (مفصل فہرست اور قیمتوں کے لیے دیکھو دوسری طرف) مینجر میگزین قادیان سے طلب کرو۔

(۱) صداقت و فلسفۂ اسلام پر ۔ براہین احمدیہ ۔ جس میں نہایت پُر زور دلایل کے ساتھ صداقت اسلام اور آنحضرتؐ کے منجانب اللہ ہونیکو ثابت کیا گیا ہے۔ مکمل کتاب جس میں حصہ چہارم وہ اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدسؑ نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا ۔ سے ۱۲ر کو ملتی ہے ۔ اسلام کا فلسفہ ۔ وہ لطیف لیکچر جو پانچ سوالوں کے جواب میں جلسہ اعظم مذاہب میں حضرت اقدسؑ کی طرف سے پڑھا گیا ۔ جیبی تقطیع قیمت ۲ر ۔ رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب ۔ علاوہ مذکورہ بالا لیکچر کے دیگر مذاہب کے جواب بھی ہیں ۴۷۲ صفحے قیمت ۸ر ۔ ریویو آف ریلیجنز کی پچھلی جلدیں جن میں علاوہ دیگر مذاہب جیسے عیسائیت آریہ مذہب وغیرہ کی تردید کے بعض مفصل اور مبسوط مضامین صداقت اسلام پر لکھے گئے ہیں جیسے جلد ۱۹۰۳ء میں عصمت انبیاء پر جلد ۱۹۰۴ء میں دعا کی حقیقت اسلام کی حقیقت اور برکات روح القدس ملائکہ وحی الٰہی کی ضرورت ۔ جلد ۱۹۰۵ء میں پردہ تعدد ازدواج ۔ طلاق غلامی پر ۔ جلد ۱۹۰۶ء میں سود ۔ قانون وراثت اور احادیث کی صداقت پر ۔ جلد ۱۹۰۷ء میں قرآن کریم کی حفاظت اور جمع ۔ قرآنوں اور ناسخ و منسوخ پر ۔ فی جلد عگ

(۲) عیسائی مذہب پر ۔ سراج الدین عیسائی کے چار سوالونکا جواب ۲ر ۔ جنگ مقدس قابل دید کتاب ہے ۶ر ۔ نور القرآن حصہ اول ۲ر حصہ دوم ۴ر ۔ ابطال الوہیت مسیح ۱ر (۳) آریہ مذہب پر ۔ سرمہ چشم آریہ ۔ جو آریہ مذہب کے اعتراضوں کے جواب میں اور انکے اصول کی تردید میں ایک لاثانی کتاب ہے ۲۵۰ صفحے قیمت ۱۲ر ۔ نور الدین ۔ ترک اسلام کے ۱۴۱ سوالونکا لاجواب جواب ہے جو علامہ حکیم نور الدین صاحب کی تصنیف ہے ۲۵۶ صفحے قیمت ۸ر ۔ آریہ دھرم جس میں نیوگ پر بحث ہے ۴ر ۔ نسیم دعوت ۲ر (۴) شیعہ مذہب پر ۔ خلافت راشدہ حصہ اول ۱۸۰ صفحے ۸ر ۔ حصہ دوم ۸۰ صفحے ۴ر مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کی لطیف تصنیف جس میں شیعہ مذہب کی ایسی تردید کیگئی ہے جسکا جواب کسی شیعہ سے بن نہیں سکا بحث کا اسلوب بالکل نیا ہے خطوط شیعہ کا جواب ۲ر (۵) سکھ مذہب پر ۔ ست بچن ۲۰۰ صفحے قیمت ۱۰ر اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ باوا نانک صاحب اسلامی طریق کے پیرو تھے سکھ مذہب پر حجت قاطع ہے ۔ (۶) سلسلہ احمدیہ کی حقیقت میں عسل مصفّٰی ایک قابل دید کتاب ۸۲۸ صفحوں کی ہے جو بسبب ایک جامع کتاب ہونیکے ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے ۔ سلسلہ احمدیہ کے متعلق ہر ایک مسئلہ پر اور احادیث تفاسیر وغیرہ کے تمام اقوال پر سیر کن بحث ہے ۔ باقی کیلیے دیکھو مفصل فہرست ۔ (۷) لغات القرآن ۔ ایک نہایت قابل قدر لغات قرآن شریف کی ہے جسمیں بالمقابل کالموں میں معتبر لغات عربی اور اسکا اردو ترجمہ دیئے گئے ہیں قرآن شریف کا ترجمہ سیکھنے کے لیے ازبس ضروری ہے حصہ اول ۳۸۴ صفحے قیمت عـہ حصہ دوم ۶۰۸ صفحے قیمت ۸ عہ (۸) یسرنا القرآن یہ اگرچہ بچوں کا قاعدہ ہے مگر ایک نہایت مفید چیز ہے جس سے بچوں کو قرآن شریف کے پڑھنے میں اعلیٰ درجہ کی سہولت ہوگئی ہے چھ ماہ میں بچہ قرآن شریف پڑھ لیتا ہے تین حصہ میں ہے فی حصہ ۱ر (۹)

مکتوبات و خطبات محمدیہ ۔ آنحضرت صلعم کے خطوط اور خطبے بڑی محنت سے جمع کیے گئے ہیں اور ساتھ اردو میں ترجمہ دیا گیا ہے ۔ قیمت ۴ر (۱۰) شرح ترمذی حصہ اول و دوم عہ ۔ یہ دو ضخیم مجلد ہیں جنمیں حدیث کی مشہور کتاب ترمذی کی جو صحاح ستہ میں سے ہے شرح ہے قیمت بلحاظ ضخامت کے گویا کچھ بھی نہیں فی جلد عہ

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کیلئے نہایت ضروری ہے۔ مشرح فہرست ۱ر کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار الله اردو	۸ر	قاعدہ عربی اردو	۱ر	تذکرة الشہادتین اردو	۵ر	شہادة القرآن اردو	۴ر
اجرومیہ عربی	۱۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عـہ	؍ فارسی	۳ر	عیان القرآن ؍	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ از دو ہمائے الہیہ	۴ر	مسک العارف اردو	۱۰ر	تحفۂ قیصریہ اردو	۲ر	کشف الغطاء ؍	۲ر
پارہ الٓمّ عربی	۲ر	نشان آسمانی ؍	۲ر	تحفۃ الندوہ ؍	۱۰ر	لغات القرآن حصہ اول	عہر
پنج ارکان اسلام - اردو	۱ر	واقعات صحیحہ ؍	۲ر	تقریریں ؍	۲ر	؍ حصہ دوم	عـ۸ـہ
تفسیر جلالین عربی	عـہ	یسرنا القرآن حصہ اول	۱ر	تقریروں کا مجموعہ ؍	۳ر	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱۰ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	؍ ؍ دوم	۱ر	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ؍	۲ر	؍ لاہور مہوتسو ؍	۴ر
تقریر جلسۂ مذاہب جیبی تقطیع اردو	۲ر	؍ ؍ سوم	۱ر	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ ؍	۶ر	مشکوٰۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت - اردو	۱۰ر	ہدیۂ ثاقب اردو	۴ر	حمامۃ البشریٰ حصہ اول عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن ؍	۴ر
حمائل مترجم فارسی	عہر	الہدیٰ عربی	۶ر	حجۃ الاسلام اردو	۱ر	مبادی الصرف	۱۰ر
رپورٹ جلسۂ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق لدھیانہ اردو	۶ر	خطوط شیعہ کا جواب ؍	۲ر	نسیم دعوت اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ - اردو	ـہ ر	؍ دہلی ؍	۸ر	خطبہ الہامیہ عربی مع ترجمہ فارسی اردو	عہر	نور القرآن حصہ اول ؍	۲ر
سلائل القرأۃ - عربی نمبر۱	۴ر	اعجاز احمدی - عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اول اردو	۸ر	؍؍ ؍ دوم ؍	۴ر
؍ ؍ نمبر۲	۸ر	احسن الکلام اردو	—ر	؍ ؍ دوم ؍	۴ر	ہدیہ سعدیہ عربی	۲ر
؍ ؍ نمبر۳	۱۳ر	ابطال الوہیت مسیح ؍	۱ر	خزینۃ المعارف حصہ اول و دوم	۴ر	فضل حق اردو	۱ر
؍ ؍ نمبر۴	۱۳ر						
آریہ دھرم اردو	۴ر	آیات الرحمٰن ؍	۸ر	؍ ؍ سوم و چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح - ؍	۸ر
		دعوت الحق ؍	۵ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصلہ ؍	۲ر
دینیات کا پہلا رسالہ ؍	۱ر	شرح ترمذی - نمبر۱	عـ۸ـہ	دعوت دہلی اردو	۱۰ر	دافع البلاء ؍	۱ر
طریق النجات نمبر۱	۸ر	؍ نمبر۲	عـ۸ـہ	دعوت الندوہ ؍	۱۰ر	غنیۃ الطالب - عربی	عہر
؍ نمبر۲	۷ر	احمدی کا من نظم پنجابی	۱ر	راز حقیقت ؍	۱ر	شفاء السقام ؍	ہر
؍ نمبر۳	۸ر	براہین احمدیہ حصہ اول	۵ر	براہین احمدیہ حصہ چہارم*	عـہ	ست بچن اردو	۱۰ر
؍ نمبر۴	۱۵ر	؍ ؍ دوم	۴ر	مکمل براہین احمدیہ اردو	۳ر		
عسل مصفّٰی اردو	عـ۸ـہ	؍ ؍ سوم	۱۰ر	سرمہ چشم آریہ اردو	۱۲	نوٹ - ان قیمتوں میں	
ضرب جمیل بر قول خلیل - ایک دلچسپ نظم مولوی خلیل سہارنپوری کے اعتراضوں کے جواب میں	۱۰ر			مکتوبات و خطبات محمدیہ ؍	۴ر	محصولڈاک شامل نہیں	

* براہین کا حصہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑے اہتمام سے دوبارہ چھپوائے گئے ہیں۔ مکمل براہین احمدیہ جس میں جلد چہارم بار اول کی چھپی ہوئی ہے۔ ۳ روپے کو دفتر میگزین مل سکتی ہے۔

تمام خط و کتابت ان کتابوں کے متعلق دفتر میگزین قادیان سے ہونی چاہیئے۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ — بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۸ء — نمبر ۱۰

فہرست مضامین

دیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - اکتوبر ۱۹۰۸ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عا طلباء سے عہ

بک ڈپو میں تین ہی کتابیں

تمام خط و کتابت بنام مینجر میگزین

عمدۃ الاحکام۔ اس کتاب میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی وہ تمام متفقہ حدیثیں جمع ہیں۔ جو احکامات کے متعلق ہیں۔ عربی عبارت پر اعراب دیئے ہوئے ہیں۔ اور بین السطور اُردو میں ترجمہ کیا ہوا ہے۔ امامنا حضرت خلیفۃ المسیح والمہدی مولٰنا مولوی نورالدین صاحب نے اس کتاب کو بہت پسند کیا ہے۔ ۲۱۰ صفحے کی کتاب ہے۔ قیمت صرف عہ فی جلد ہے۔ یہ کتاب پھر اس قیمت پر نہ مل سکیگی کیونکہ اصل شائع کنندہ ۱۲؍ فی جلد کے حساب سے فروخت کرتا ہے۔

اسلام کی پہلی کتاب۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ پر عام طور پر جو اعتراض کیئے جاتے ہیں۔ انکے جواب ماسٹر عبدالرحمان صاحب نو مسلم نے بڑی خوبی سے دیئے ہیں ۱۳۰ صفحے کی کتاب ہے قیمت صرف ۴؍ فی جلد ہے۔

التبیان۔ حضرت اقدس کے حکم سے حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب نے لکھی ہے۔ اس کتاب میں مس شیطان والی حدیث پر بڑی مبسوط بحث کیگئی ہے۔ ۳۸ صفحے کی کتاب ہے قیمت صرف ۱؍ ہے۔

نوٹ۔ بعض احباب کتابیں منگو لینے کے وقت انکی قیمت کے ٹکٹ بھیجدیتے ہیں۔ وہ خیال رکھیں کہ ان قیمتوں کے علاوہ محصولڈاک کے لیئے بھی ٹکٹ بھیجا کریں۔ کیونکہ یہ اصل قیمتیں ہیں محصولڈاک انمیں شامل نہیں۔ مینجر

صحیفہ۔ انجمن معارف حیدرآباد دکن (چادرگھاٹ) کا علمی اخلاقی۔ تاریخی۔ تمدنی۔ ادبی ماہواری رسالہ ایک عمدہ فرانسیسی ناول کا ترجمہ لیئے ہوئے ۵۲ صفحوں کے حجم سے بالالتزام شائع ہوتا ہے ایک لائق و فاضل ڈگری یافتہ جماعت اسکو دلچسپ بنانے کی کوشش میں معروف ہے علاوہ نثر کے دلچسپ نظمیں جس سے اُردو لٹریچر میں تازہ روح پھونکی جاتی ہے زیب اوراق ہوتی ہیں ملک کے مشہور معروف رسائل و اخبارات نے نہایت کشادہ دلی سے اس کا خیر مقدم کیا اور عزت افزا ریویو کیئے ہیں باایں ہمہ عام قیمت سالانہ تین روپیہ مع محصولڈاک۔ مینجر رسالہ صحیفہ حیدرآباد دکن (چادرگھاٹ) سے طلب فرماویں۔

اصلی ممیرا۔ اور اصلی ممیرے کا سرمہ:۔ مصدقہ حضرت مسیح علیہ السلام وخلیفۃ المسیح مولٰنا مولوی حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ سرمہ حضرت خلیفۃ المسیح کے شاہی نسخوں کے مطابق تیار ہوا ہے۔ قیمت فی تولہ ممیرا قسم اول ۵۰ دوم ۔ سرمہ قسم اول ۔ عہ دوم ۔ ہر قسم کی پشاوری لنگی۔ اور کلاہ مجھ سے خریدو۔

المشتہر۔ احمد نور کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مہدی آخر زمان

(سلسلہ کے لیئے ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز بابت ستمبر ۱۹۰۸ء)

پیشگوئی کا پورا ہونا

میں گذشتہ نمبر میں ثابت کرچکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانہ میں دو الگ الگ شخصوں کے آنے کی پیشگوئی نہیں کی بلکہ ایک ہی شخص کے آنے کی پیشگوئی کی۔ مگر چونکہ اُس کے دو مختلف کام تھے اس لیئے وہ دو الگ الگ ناموں سے یاد کیا گیا۔ چونکہ اُس کا کام عیسائیوں کی اصلاح بھی تھی اور جیسا عیسیٰ بن مریم موسوی خلفاء میں سب سے آخر تھے اسی طرح وہ بھی محمدی سلسلہ میں آخری خلیفہ تھا اس لحاظ سے اُس کا نام عیسیٰ بن مریم رکھا گیا اور چونکہ اُس نے صرف عیسائیوں کی اصلاح کے لیئے ہی نہیں آنا تھا بلکہ اُمت محمدیہ کے لیئے بھی اُس نے مجدد ہو کر آنا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب بنکر مسلمانوں کی اصلاح بھی اُس نے کرنی تھی اس لیئے وہ مہدی کہلایا۔

مہدی اور مسیح کو ایک ثابت کرنے کے بعد اب میں حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب قادیانی کے دعویٰ پر غور کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے چودھویں صدی کے سر پر آکر مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ میں اُن سارے دلائل کو یہاں پیش نہیں کرسکتا جن کے ساتھ اُنہوں نے اپنے دعوے کو ثابت کیا ہے۔ اُن کے کُل براہین اور نشانات پر پوری بحث کرنے کے لیئے ایک ضخیم کتاب بھی مشکل سے کافی ہوگی۔ اس لیئے میں اس مضمون میں اُس شہادت سے باہر نہیں جاؤں گا جو مہدی کی احادیث سے اُن کے دعوے مہدویت کے متعلق ملتی ہے۔ اس مضمون میں میری غرض صرف یہی دکھلانا ہے کہ مہدی کی پیشگوئی جو احادیث واخبار میں درج ہے وہ مرزا غلام احمدؐ علیہ الف الف صلوٰۃ میں پوری ہوچکی ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو شہادت مہدی کی احادیث و روایات سے آپ کے دعوے کی تائید میں ملتی ہے اگرچہ وہ آپ کی سچائی ثابت کرنے کے لیئے بالکل کافی ہے مگر وہ اُس مجموعی شہادت کا صرف ایک چھوٹا سا حصّہ ہے جو آپؑ کے دعوے مسیحیت و مہدویت کے ثابت کرنے کے لیئے پیش کی جاسکتی ہے۔ احمدؐ کی سچائی کے دلائل اس قدر بے شمار اور زبردست ہیں کہ جن دلائل کا اس مضمون میں ذکر کیا جاوے گا وہ اُن دلائل کے مجموعہ کے سامنے گویا کچھ بھی نہیں۔ میرے مضمون کا دائرہ صرف اُن احادیث واخبار تک محدود ہے جو مہدی کے متعلق کتب احادیث و آثار میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک بڑا ذخیرہ نشانات و حجج نیرّہ کا ہے جو احمدؐ قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی کو ثابت کرتا ہے مگر میرے مضمون کا دائرہ مجھے اجازت نہیں دیتا کہ میں مہدی کی احادیث سے باہر جاؤں۔ مگر پھر بھی جیسا ناظرین خود دیکھ لینگے جو شہادت، احادیث واخبار متعلقہ مہدی سے ملتی ہے وہ بھی احمدؐ قادیانی علیہ الرحمۃ کے

دعویٰ مہدویت کو ثابت کرنے کے لیئے کافی سے بھی زیادہ ہے۔ اور اس میں کچھ بھی شک نہیں رہتا کہ مہدی کے آنے کی خبر یقیناً مرزا احمد قادیانی کے وجود باجود میں پوری ہو گئی۔ خدائے تعالیٰ آپ کی تُربت پر رحمت کی بارش برسائے آمین

علامات صغریٰ و زمانہ ظہور مہدی

علامات صغریٰ سے مراد وہ علامتیں ہیں جن کا وجود مہدی موعود کے ظہور کے لیئے ایک پیش خیمہ ہے مہدی کا ظہور علامات کبریٰ میں سے ہے اور علامات صغریٰ کا وجود اس امر کی شہادت ہے کہ اب مہدی کا ظہور قریب آگیا۔ علامات صغریٰ کے متعلق خود مخالفین کی شہادت موجود ہے کہ وہ سب کی سب احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور سے پہلے وجود میں آچکی تھیں۔ چنانچہ حدیث الغاشیہ کا مصنف جو فرقہ وہابیہ اہل حدیث میں سے ہے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۸ پر سنہ ۱۳۰۱ھ میں لکھتا ہے۔ "علامات صغریٰ تو سب کے سب ظاہر ہو چکے۔ دنیا میں بھرپور ہر جگہ موجود ہیں ایک کی جگہ ہزار گنی ہوتی جاتی ہیں۔ بڑی علامتوں کا سرا نکلنا مہدی کا اُترنا مسیح کا ہے اس کا وقت بھی معلوم نہیں لیکن جو نشانیاں متصل اس زمانہ ظہور و نزول کے ہونیوالی ہیں اُنکا لگا تو لگ چلا۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ یہ دونوں صاحب جلد رونق بخش ہونگے" صدیق حسن خاں اپنی کتاب حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۹۵ پر جو سنہ ۱۲۹۱ھ میں شائع ہوئی لکھتا ہے زمانہ فاطمی منتظر قریب الحصول و مرجو القرب است زیرا کہ ہر آئندہ نزدیک و ہر فائت بعید می باشد و وقوع امارات صغریٰ بجمیعہا و تغییر عظیم عالم و اہل عالم و ضعف تام اسلام و رفع علم و شیوع جہل و کثرت فسق و فجور و بغض و حسد و حب شدید مال و قصر ہمت در تحصیل اسباب معاش و ذہول کلی از دار آخرۃ

وایثار کامل دنیا بر اُخری امارات جلیہ و علامات بینہ قرب زمان ظہور اوست۔
یعنی مہدی فاطمی کے ظہور کا زمانہ اب قریب ہے تمام امارات صغریٰ ظاہر ہوچکی ہیں اور عالم اور اہل عالم میں ایک تغیر عظیم پیدا ہوگیا ہے اور اسلام بہت ضعیف ہوچکا ہے علم کم ہوگیا۔ اور جہل زیادہ ہوگیا۔ اور فسق و فجور بہت ہوگیا اور بُغض اور حسد بڑھ گیا اور محبت مال اور طلب اسباب کا جوش از حد ہے۔ اور یہ مہدیؑ کے قریب ظہور کے لیئے کھُلی کھُلی علامتیں ہیں۔ پھر اُسی صفحہ پر لکھتا ہے۔
اما ملاحظہ انقلاب عالم وتقلب احوال بنی آدم کہ دریں زمان آخرست شاہد عدل ست برآنکہ پیش، ازیں رنگ گیتی بایں عنوان نبود شرح ایں ماجرا طوامیر طویلہ و دفاتر ثقیلہ می خواہد .... وآنچہ باقی است ہمیں ظہور مہدی موعود است تاکے اتفاق افتد وکدام وقت از ازمنہ آتیہ مرضی او تعالیٰ باشد۔ یعنی جو زمانہ میں انقلاب پیدا ہوگیا ہے اور لوگوں کا حال بگڑ گیا ہے وہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اس سے پہلے زمانہ کا کبھی یہ رنگ نہیں ہوا۔ اس امر کی تفصیل کے لیئے بڑی ضخیم کتابوں کی ضرورت ہے .... بس اب مہدی موعودؑ کا ظہور ہی باقی رہ گیا ہے۔ دیکھیئے کس گھڑی واقع ہوتا ہے۔
اقتراب الساعہ کے صفحہ ۲۹۳ پر لکھا ہے۔ "چھوٹی موٹی نشانیاں قیامت کی جو ہونیوالی تھیں وہ سب ہوگئیں بڑی نشانیوں میں ایک تو یہی حکومت نصاریٰ ہے.... دوسری نشانی ظاہر ہونا مہدی موعودؑ کا ہے۔ تیسری نشانی اُترنا عیسیٰ علیہ السلام کا ہے آسمان سے زمین پر سو پہلی نشانی تو اب موجود ہوگئی۔ یہ نشانی یہ کہتی ہے کہ اس کے قریب ہی دوسری تیسری نشانی بھی ظاہر ہونیوالی ہے" پھر صفحہ ۱۴۲ پر لکھا ہے "اب مادہ ظہور امام و روح اللہ علیہما السلام کا طیار ہے"
ایسی صریح شہادتوں کے بعد ضرورت نہ تھی کہ علامات صغریٰ پر زیادہ بحث

کی جاتی۔ مگر میں ناظرین کی اطلاع کے لیئے علامات صغریٰ میں سے چند علامتیں بطور نمونہ ذیل میں درج کرتا ہوں

۱۔ ایک علامت یہ ہے کہ نصاریٰ کی حکومت تمام زمین پر پھیل جاوے گی صدیق حسن خاں حج الکرامہ کے صفحہ ۳۴۴ پر لکھتا ہے وازانجملہ کثرت حکومت نصاریٰ است مسلم از مستور روایت کردہ کہ فرمود رسول خدا برپا شود قیامت و باشند روم بیشتر از ہمہ کس۔ مراد بروم درینجا نصرانیاں اند کہ قریب زمانہ قیامت بسیار شوند و حاکم اکثر روئے زمین گردند۔ و مصداق ایں خبر از مدت یک صد سال بلکہ زیادہ در عالم موجود و مشہود است۔ در رسالہ حشریہ نوشتہ چوں جملہ علامات حاصل شود قوم نصاریٰ غلبہ کنند و بر ملک ہائے بسیار متصرف شوند۔ اس علامت کو اکثر مصنفوں نے ذکر کیا ہے اور جس صفائی سے یہ علامت مہدی کے ظہور سے پہلے واقع ہوگئی تھی اُس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں تقوم الساعة والروم اکثر الناس۔ قرآن شریف میں ہے من کل حدب ینسلون اور حدیث میں غلبہ کا ذکر کر کے نصاریٰ کی تصریح کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں بھی کل حدب میں نصاریٰ کا ذکر ہے حدیث نے اس آیت کی شرح کر دی ہے۔

۲۔ ایک اور علامت علامات صغریٰ میں سے یہ تھی کہ اس اُمت کے لوگ خصوصًا وہ جو علماء کہلاتے ہیں یہودی صفت ہو جائیں گے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ احمد علیہ التحیۃ والسلام کے ظہور سے پہلے علماء نے کل یہودیانہ صفات کو اپنے اندر جمع کر لیا تھا۔ جو شخص مسیح کے زمانہ کے یہودیوں کا تیرھویں صدی کے علماء کی حالت سے مقابلہ کریگا اُس کو دونوں کی مشابہت میں کوئی شبہ نہیں رہے گا۔ نواب صدیق حسن خاں حج الکرامہ کے صفحہ ۲۱۷ پر

لکھتا ہے۔ ومنجملہ تغییر مردم است از آنچہ از ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ مرفوعاً آمدہ کہ فرمود آنحضرت صلعم لتتبعن سنن من قبلکم شبراً بشبر و ذراعاً بذراعٍ حتّٰی لو سلکوا جحر ضب لسلکتموہ قلنا یا رسول اللہ الیہود والنصاریٰ قال فمن۔ اخرجہ البخاری ومسلم۔ وترمذی از عبد اللہ بن عمرو بن العاص روایت کردہ کہ فرمود رسول خدا صلعم لیاتین علیٰ اُمّتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتّٰی ان کان منہم من اتی امہ علانیۃً لیکونن فی اُمّتی من یصنع ذٰلک۔ وامروز مصداق اتم ایں خبر در اسلامیاں موجود ومشہود است۔ یعنی علامات صغریٰ میں سے ایک لوگوں کی حالت کا بگڑ جانا ہے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے کہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کے عادات کی پوری پیروی شروع کردوگے یہانتک کہ اگر انہیں سے کوئی سوسمار کی سوراخ میں داخل ہوا تو تم بھی ایسا ہی کروگے دریافت کیا گیا کہ وہ تو یہودی اور نصاریٰ ہیں۔ آپنے جواب دیا اگر یہود ونصاریٰ ہیں تو پھر کیا ہوا۔ یعنی تم بھی اُنہی کے عین مشابہ ہوجاؤگے۔ ترمذی میں ہے کہ میری اُمّت پر ایک زمانہ میں وہی حالت وارد ہوگی جو بنی اسرائیل پر وارد ہوئی تھی اور دونوں ایسے مشابہ ہوجائیں گے جیسے ایک جوتی دوسری جوتی کے مشابہ ہوتی ہے۔ یہانتک کہ اگر اُن میں کسی نے محرمات کے ساتھ جماع کیا تو وہی فعل تم بھی کروگے۔ اس کے بعد صدیق حسن لکھتا ہے امروز مصداق اتم ایں خبر در اسلامیاں موجود ومشہود است۔ یعنی ان احادیث کا پورا مصداق آجکل کے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ پھر ایک اور حدیث میں ہے۔ سیاتی علی الناس زمان مایبقی من القراٰن الا رسمہ ولا من الاسلام الا اسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدیٰ۔ نفقہاء ذٰلک الزمان شر فقہاء تحت

ظل السماء منهم خرجت الفتنة و الیھم تعود اخرجہ البیھقی و ابن عدی۔
یعنی لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ قرآن میں سے سوائے نقش کے اور کچھ باقی نہ
رہے گا اور اسلام کا صرف نام ہی رہ جائیگا۔ مسجدیں آباد ہونگی مگر ہدایت سے
ویران ہونگی اور اُس زمانہ کے علماء بدترین خلائق ہوں گے۔ اُن میں سے
ایک فتنہ نکلے گا جو پھر اُنہی کی طرف لوٹے گا۔ صدیق حسن اس حدیث کو صفحہ
۲۶۹ پر نقل کرکے لکھتا ہے۔ گویم مصداق تام این حدیث زمانہ ماست یعنی
اس حدیث کا پورا مصداق ہمارا زمانہ ہے۔ صدیق حسن خاں اس امر کو تسلیم
کرتا ہے کہ اُس کے زمانہ کے علماء بدترین خلائق تھے اور یہودیوں کے تمام
صفات ان لوگوں میں جمع ہوگئے تھے۔ یہی علماء تھے جنہوں نے مہدی موعود
کے ظہور پر مخالفت کا بیڑا اُٹھایا اور لوگوں کو روکنا چاہا کہ اُسکو قبول نہ کریں لیکن
اُنکو ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا اور بجائے اس کے کہ وہ خدا کے مرسل اور اُسکے سلسلہ
کو نابود کریں خود موردِ غضبِ الٰہی ہوئے۔ اسی کی طرف حدیث میں اشارہ
ہے کہ اُنہی میں سے فتنہ نکلے گا اور پھر اُنہی کی طرف لوٹ کر جائے گا۔

۳۔ ایک علامت یہ تھی کہ مہدی موعود کے ظہور سے پہلے قرآن شریف اُٹھ
جائیگا اور اسلام ضعیف ہوجائے گا۔ حدیث میں ہے ما یبقیٰ من القرآن
الا رسمہ ولا من الاسلام الا اسمہ اور میں اوپر صدیق حسن خاں کی شہادت
نقل کرچکا ہوں کہ اس حدیث کا مضمون اُس کے زمانہ میں کامل طور پر پورا
ہوچکا تھا۔

مذکورہ بالا علامات کے علاوہ اور بہت سی علامتیں ہیں جو پوری ہوچکی
ہیں۔ مثلاً

۴۔ تجارت کا پھیلنا یہانتک کہ تاجر زمین کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک

اپنا تجارت کا مال لے جائیگا۔

۵۔ قلم کا غلبہ ہوگا یعنی تحریریں بڑھ جائیں گی۔

اسی پیشگوئی کے مطابق خدائے تعالیٰ نے مہدی موعود کو قلم عطا کیا اور اُس کا قلم سب قلموں پر غالب رہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی نے تلوار لے کر نہیں آنا تھا کیونکہ اُس کا زمانہ قلم کا تھا نہ تلوار کا۔ لوگوں نے اسلام پر قلم سے ہی حملے کیئے اور قلم کا جواب قلم ہی ہونا چاہیئے تھا نہ تلوار۔ سو خدائے تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔

۶۔ شراب خواری کی کثرت۔

۷۔ زناکاری کا کھلم کھلا ارتکاب۔

۸۔ ناجائز ولادت والے بچوں کی کثرت۔

۹۔ خلاف وضع فطرت جرائم کا ارتکاب۔

۱۰۔ جھوٹی گواہی کی کثرت۔

۱۱۔ لوگوں کا دنیا میں محو ہوجانا اور روپیہ کا جمع کرنا۔

۱۲۔ کثرت ارتداد۔

۱۳۔ مختلف مذہبی خیالات کا پیدا ہوجانا۔ یہانتک کہ بیٹے کا مذہب باپ سے الگ ہونا اور بھائی کا بھائی سے الگ ہونا۔

۱۴۔ اسلام میں مختلف فرقوں کا پیدا ہوجانا۔

۱۵۔ ایسی عورتوں کا کثرت سے ہونا جو بظاہر لباس پہنے ہوئے ہوں مگر درا صل برہنہ ہوں۔

اس قسم کی بہت سی علامتیں لکھی ہیں جو سب کی سب مہدی کی آمد سے پہلے پوری ہوچکی تھیں۔

صدیق حسن خاں حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۵ پر لکھتا ہے۔ زمانہ من انشاء اللہ تعالے ہمعنان زمانہ اوست اگرچہ تعیین وقت صحیح نشدہ یعنی مہدی کا زمانہ انشاء اللہ میرے زمانہ کے ساتھ ہم عنان یعنی بالکل ملا ہوا ہو اگرچہ ٹھیک وقت مقرر نہیں کیا جاسکتا پھر یہ تمنا ظاہر کرتا ہے کہ کاش مہدی میری زندگی ہی میں ظاہر ہوں۔ اور پھر اپنی اولاد کو وصیت کرتا ہے کہ اگر بتقدیر الٰہی از ادراک ایں سعادت عظمیٰ و موہبت کبریٰ محروم مانم و عمر مستعار م وفا نکند ایشاں ہرگز از خود بتقصیرے در ابلاغ ایں سلام برکت انجام میمنت التیام راضی نشوند و خویش را از دریافت ایں نعمت بے بدل و نصرۃ مہدی و عیسیٰ علیہما السلام بجان و مال معذور و مقصور و مجبور ندانند یعنی اگر میں تقدیر الٰہی سے اس نعمت سے محروم رہ جاؤں اور میری عمر وفا نہ کرے تو میری اولاد کو چاہیئے کہ وہ میرا اسلام مہدی و مسیح علیہما السلام کو پہنچائیں اور انکی نصرت سے کچھ دریغ نہ کریں۔ اس تمنا اور وصیت سے ظاہر ہے کہ صدیق حسن خاں کو مہدی موعود کے عنقریب ظاہر ہونے کا کس قدر یقین تھا۔ صدیق حسن خاں ابھی زندہ تھا کہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے اپنی پہلی کتاب براہین احمدیہ تصنیف فرمائی اور اس کا ایک نسخہ صدیق حسن خاں کو بھی بھیجا مگر ابھی آپنے اپنا دعوی مہدویت شائع نہیں کیا تھا کہ صدیق حسن خاں اس جہاں سے رخصت ہوا۔

اس قسم کی تمنا اور وصیت کرنیوالا صرف صدیق حسن خاں ہی نہ تھا۔ بلکہ کل اسلامی دنیا کی آنکھ اسی طرف لگی ہوئی تھی اور ہر ایک مسلمان کو مہدی کے قریب زمانہ میں ظاہر ہونے کا انتظار لگا ہوا تھا اور لوگ دعائیں کرتے تھے کہ خدا کرے کہ مہدی موعود انہی کی زندگی میں ظاہر ہوتا وہ اس کی زیارت سے مشرف ہو کر اس دنیا سے کوچ کریں بعض اولیاء اللہ اور علماء عظام مہدی کے ظہور کی تاریخیں بھی بیان کرتے تھے اور ان تاریخوں کے متعلق ایک عجیب بات یہ ہے کہ کوئی شخص

تاریخ بیان کرنے میں چودھویں صدی سے آگے نہیں بڑھا۔ یعنی آخری تاریخ جو مہدی کے ظہور کے لئے مقرر کی گئی تھی وہ چودھویں صدی کا آغاز تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے خدا سے الہام پاکر مہدیؑ کے ظہور کی تاریخ چراغِ دین بیان کی یعنی ۱۲۶۸ھ۔ یہ تاریخ حضرت مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ بلوغ سے ملتی ہے۔ (ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۹۴) اسی طرح حضرت نعمت اللہ ولی نے ایک پیشگوئی فارسی نظم میں شائع کی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی موعود چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوگا۔ یہ بزرگ چھٹی صدی ہجری میں دہلی کے قریب رہتے تھے آپ کی نظم پہلی دفعہ ۱۸۶۸ء میں "اربعین فی احوال المہدیین" میں چھپی جبکہ ابھی حضرت مہدی موعودؑ نے دعویٰ مہدویت شائع نہیں کیا تھا۔ اس نظم میں سے چند شعر بطور نمونہ ذیل میں لکھے جاتے ہیں

از نجوم ایں سخن نمے گویم ۔۔ بلکہ از کردگارمے بینم
غین و رے ۱۲۰۰ سال چوں گذشت از سال ۔۔ بوالعجب کاروبارمے بینم
گرد در آئینہ ضمیر جہاں ۔۔ گرد و زنگ و غبارمے بینم
ظلمتِ ظلم ظالمانِ دیار ۔۔ بے حد و بے شمارمے بینم
جنگ و آشوب و فتنہ و بیداد ۔۔ درمیان و کنارمے بینم
سکہ نو زنند بر رخِ زر ۔۔ درہمش کم عیارمے بینم
بعض اشجارِ بوستانِ جہاں ۔۔ بے بہار و ثمارمے بینم
غم مخور زانکہ من دریں تشویش ۔۔ خرمیٔ وصل یارمے بینم
چوں زمستان بیچن بگذشت ۔۔ شمسِ خوشش بہارمے بینم
دورِ او چوں شود تمام بکام ۔۔ پسرش یادگارمے بینم
بندگانِ جنابِ حضرتِ او ۔۔ سربسر تاجدارمے بینم

گلشن شرع را ہمے بویم
گلِ دین را بہار مے بینم

تا چہل سال اے برادر من
دَورِ آں شہسوار مے بینم

یدِ بیضا کہ با او تابندہ
باز با ذو الفقار مے بینم

صورت و سیرتش چو پیغمبر
علم و حلمش شعار مے بینم

زینتِ شرع و رونقِ اسلام
محکم و استوار مے بینم

ا ح م د دال مے خوانم
نام آں نامدار مے بینم

مہدیِ وقت و عیسیِ دَوراں
ہر دو را شہسوار مے بینم

یہ حضرت نعمت اللہ ولی علیہ الرحمۃ کی پیشگوئی میں سے صرف چند اشعار ہیں جو بطور نمونہ درج کئے گئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ الفاظ ایک ملہم کی زبان سے نکلے ہوئے ہیں اور کسی مفتری کا قول نہیں ہیں کیونکہ جو باتیں ان میں درج ہیں وہ عین وقت پر پوری ہوگئیں۔ اس نظم میں جو پیشگوئی لڑکے کے متعلق ہے وہ خود حضرت مہدی موعود کے الہامات کے مطابق ہے کیونکہ آپ کو خدائے تعالیٰ نے خبر دی کہ آپ کی اولاد میں سے خدائے تعالیٰ ایک شخص کو کھڑا کریگا جو آپ کا قائم مقام ہوگا اور جس کے ذریعہ دین اسلام کو بڑی ترقی ہوگی حضرت نعمت اللہ ولی کی پیشگوئی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہدی موعود جو مسیح بھی ہوگا تیرھویں صدی کے خاتمہ پر ظاہر ہوگا۔ کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ جب ہجرت سے ۱۲۰۰ سال گذر جائیں گے تو اس کے بعد یعنی تیرھویں صدی میں بدی اور تاریکی پھیل جائے گی گویا تیرھویں صدی ایک تاریکی اور گناہ کی صدی ہوگی جس میں بدی کا زور شور سے دَورہ رہے گا مگر بدی کے دنوں کے بعد مہدی کے ظہور کا وقت آئے گا جیسا جاڑے کے بعد بہار آتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تیرھوی صدی تاریکی کی صدی تھی اور تیرھویں صدی کے خاتمہ اور چودھویں

صدی کے آغاز پر مہدی نے ظاہر ہونا تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
نعمت اللہ ولی اور شاہ ولی اللہ علیہما الرحمۃ صرف یہی دو بزرگ نہیں ہیں جنہوں نے مہدی کے ظاہر ہونے کا وقت بیان فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی تیرھویں صدی کے آخری حصہ میں ظاہر ہوگا بلکہ اور بھی بزرگوں نے خدا سے الہام پاکر اسی قسم کی پیشگوئیاں کیں قریباً پچاس سال کا عرصہ ہوا کہ خدا کے ایک مقدس آدمی گلاب شاہ نامی نے جو لدھیانہ کے قریب ایک گاؤں میں رہتا تھا اور جس نے پیش از وقت کئی واقعات کی خبر دیکر اس علاقہ میں شہرت حاصل کرلی تھی صاف طور پر خبر دی کہ عیسیٰ بن مریمؑ وفات پاچکے ہیں اور وہ واپس اس دنیا میں نہیں آئیں گے اور آخری زمانہ کا موعودؑ پیدا ہوچکا ہے قادیان میں رہتا ہے اور اس کا نام غلام احمد ہے۔ اس نے یہ باتیں ایک بزرگ کریم بخش نامی کے پاس بیان کیں اور اس کو کہا کہ تو دیکھے گا کہ مولوی اس کے ساتھ کسقدر مخالفت کریں گے۔ جب حضرت مسیح و مہدی معہودؑ ۱۸۹۱ء میں لدھیانہ تشریف لے گئے تو کریم بخش نے اس شہادت کو ایک عام مجمع میں حلفاً بیان کیا اور کہا کہ لدھیانہ کے پاس بھی ایک قادیان ہے میں سمجھتا تھا کہ بزرگ مرحوم اس قادیان کا ذکر کرتے تھے جو لدھیانہ کے پاس ہے مجھے معلوم نہیں تھا کہ ضلع گورداسپور میں بھی کوئی گاؤں قادیان نام کا ہے۔ اس نے حلفاً اور روتے ہوئے اس شہادت کو ایک عام جلسہ میں بیان کیا مولوی لوگوں نے اسکو روکا اور اس کو بہت دکھ دیا مگر اس نے کہا کہ میں اس شہادت کو چھپا نہیں سکتا۔ یہ شہادت میرے پاس ایک امانت تھی اور میرا فرض تھا کہ میں اس امانت کو ادا کرتا۔ جدھر جاتا تھا وہ رو رو کر اس شہادت کو ادا کرتا تھا اور اس کے جاننے والوں نے حلفیہ شہادت دی کہ یہ صالح

اور متقی شخص ہے اور عمر بھر میں انہوں نے اُسکو جھوٹ بولتے ہوئے کبھی نہیں سنا ان کے سوا اور بھی بہت سے بزرگوں نے مہدی کے زمانہ ظہور کی خبر دی مگر میں بوجہ خوف طوالت ان سب شہادات کو یہاں درج نہیں کرسکتا۔

پس نہ صرف احادیث اور روایات سے ہی اس امر کا پتہ لگتا تھا کہ مہدی موعود کا زمانہ ظہور تیرھویں صدی کا خاتمہ ہے بلکہ بہت سے ملہموں اور اہل کشف نے بھی خبر دی کہ مہدی موعود چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہونے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الآیات بعد المأتین یعنی علامات قیامت دو سو برس کے بعد ظاہر ہونی شروع ہو جائیں گی۔ اس حدیث کے عام طور پر یہ معنے کیئے جاتے ہیں کہ جب ایک ہزار سال کے بعد دو سو سال گذر جائیں گے تو اُس وقت علامات کا ظہور شروع ہوگا یعنی دو سو سال ایک ہزار کے بعد شمار کرنے چاہیئے۔ صدیق حسن خاں حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۹۴ پر لکھتا ہے۔ در تحفۂ اثنا عشریہ گفتہ اہل سُنّت ہرگز دعویٰ مہدویت او را پیش از ہزار سال بلکہ زیادہ قبول نخواہند داشت زیرا کہ نزد ایشاں از مسلمات است کہ ظہور الآیات بعد المأتین یکہزار و دو صد از ہجرت مے باشد کہ بگذرد بعد ازاں علاماتِ قیامت شروع شود یعنی تحفہ اثنا عشریہ میں لکھا ہے کہ سُنّی مہدی کے دعوے کو ایک ہزار ہجری تک بلکہ اُس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک قبول نہیں کرینگے کیونکہ اُن کے نزدیک یہ مسلّم امر ہے کہ وہ دو سو سال جن کے بعد آیات نے ظاہر ہونا ہے وہ ایک ہزار سال کے بعد گننے چاہیئے یعنی اُنکے نزدیک ۱۲۰۰ھ ہجری کے بعد آیات کا ظہور شروع ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہدی موعود ۱۲۰۰ھ سے

پہلے ظاہر نہیں ہو سکتے تھے اور یہ کہ جو علامات مہدی موعودؑ کی آمد کے لیئے
بطور مقدمہ کے تھیں انکا ظہور سنہ ۱۲۰۰ھ کے بعد شروع ہونا تھا۔ صدیق حسن
خاں حجج الکرامہ صفحہ ۳۹۴ پر لکھتا ہے۔ وبعض از مشائخ واہل علم گفتہ اند کہ
خروج او بعد از دوازدہ صد سال از ہجرت شود ورنہ از سیزدہ صد تجاوز نکند۔
یعنی بعض اہل کشف اور علماء عظام نے لکھا ہے کہ مہدی موعودؑ کا ظہور سنہ ۱۲۰۰ھ
کے بعد واقع ہوگا اور کسی صورت میں سنہ ۱۳۰۰ھ سے تجاوز نہیں کریگا۔ پھر صفحہ ۳۹۱
پر لکھتا ہے۔ چوں ایں قرن کہ در شمار جمل از سنین ہجرت وے صلعم سیزدہم است
نود سال گذشتہ ومہدی در عالم ظاہر نشدہ بخاطر مے رسد کہ شاید بر سر صد چہاردہم
ظہور وے اتفاق افتد۔ یعنی موجودہ صدی ہیں سے جو کہ ہجرت کی تیرھویں
صدی ہے ۹۰ سال گذر چکے ہیں لیکن مہدی ابھی تک ظاہر نہیں ہوا اور
خیال گذرتا ہے کہ شاید مہدی موعود چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہو۔ تم کلامہ
چونکہ مہدی موعودؑ اُمت محمدیہ کے لیئے ایک مجدد تھا اس لیئے یہ عام اعتقاد
تھا کہ مہدی صدی کے سر پر ظاہر ہوگا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
مجددین کے ظہور کے لیئے صدی کا سر ہی مقرر فرمایا ہے۔ اس لیئے مہدی موعودؑ
سنہ ۱۳۰۰ھ یا اس کے قریب قریب سے پہلے ظاہر نہیں ہو سکتے تھے سنہ ۱۲۰۰ھ
کے بعد آیات کا ظہور شروع ہونا تھا۔ اور ایک صدی میں ان آیات کی تکمیل ہو کر
دوسری صدی یعنی سنہ ۱۳۰۰ ہجری کے سر پر مہدی کو ظاہر ہونا چاہیئے تھا۔ تیرھویں
صدی آیات کی تکمیل ہی کے لیئے تھی اور جب تک تیرھویں صدی اپنے خاتمہ کے
قریب نہ پہنچتی مہدی ظاہر نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اُس کے لیئے ضروری تھا کہ وہ
ایک صدی کے خاتمہ اور دوسری صدی کے آغاز میں ظاہر ہو۔ اس لیئے تیرھویں
صدی کے خاتمہ سے پہلے پہل مہدی ظاہر نہیں ہو سکتا تھا۔ تیرھویں صدی علامات

صغریٰ کی تکمیل کے لیئے تھی کیونکہ جیساکہ اہل سُنت کا مذہب ہے الآیات بعد المأتین کے یہی معنے ہیں کہ علامات ۱۲۰۰ہجری کے بعد ظاہر ہونے شروع ہوجائیں گے اور تیرھویں صدی کے خاتمہ پر زمانہ اس امر کے لیئے تیار ہوچکا تھاکہ مہدی موعودؑ ظاہر ہو۔ اس لیئے جب تیرھویں صدی خاتمہ پر پہنچ رہی تھی توسب کی آنکھیں مہدی موعودؑ کی طرف لگ گئی تھیں۔ ہر ایک منبر سے عوام الناس کو یہ خوشخبری سنائی جاتی تھی کہ مہدی عنقریب ظاہر ہونے والا ہے اور ہر ایک دل مہدی موعودؑ کے دیکھنے کے لیئے اپنے اندر ایک جوش پاتا تھا۔ پس مہدی موعودؑ اپنے وقت پر ظاہر ہوا۔ جب تیرھویں صدی میں علامات صغریٰ کی تکمیل ہو رہی تھی تو اُسی صدی کے نصف میں مہدی موعود پیدا ہوئے۔ اور صدی کے آخری نصف میں آپ سن بلوغ کو پہنچے اور جب صدی خاتمہ پر آرہی تھی تو مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ظاہر ہوئے۔ اور چودھویں صدی کے پہلے ربع میں وہ سارے وعدے پورے ہوئے جو مہدی موعودؑ کے متعلق دیئے گئے تھے۔

جائے ظہور مہدی

اس امر کے ثابت کرنے کے بعد کہ مہدی موعودؑ عین اپنے وقت پر ظاہر ہوئے ہیں اب مہدی کے مولد و جائے ظہور کے سوال کی طرف ناظرین کی توجہ کو پھیرنا چاہتا ہوں میں اس مضمون کے پہلے حصہ میں دکھا آیا ہوں کہ روایات میں سخت اختلاف ہے کہ مہدیؑ کہاں ظاہر ہوگا۔ مہدیؑ کے ظہور کے لیئے مختلف مقامات بیان کیئے گئے ہیں احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مشرقی ملک میں ایک گاؤں میں پیدا ہوئے جس کا نام قادیان ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا احادیث میں اس امر کے متعلق کوئی شہادت موجود ہے یا نہیں۔ مگر پیشتر اس کے کہ میں اُس شہادت کو پیش کروں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جو مختلف مقامات

مہدی کے ظہور کے لیئے بیان کیئے گئے ہیں اُن میں سے وہ کون مقام ہی جہاں یہ عام طور یقین کیا جاتا تھا کہ مہدی ظاہر ہوگا۔ اور کس مقام کو دوسرے مقام پر ترجیح دیجاتی تھی۔۔ میرے خیال میں اس کے متعلق صدیق حسن کا بیان کافی ہوگا جو مَیں ذیل میں درج کرتا ہوں۔ حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۸ پر پہلے وہ اُن مختلف مقامات کا ذکر کرتا ہے جہاں مہدی موعوؑد کا ظاہر ہونا بیان کیا گیا ہی اور اخیر میں لکھتا ہے۔ گویم ابوداؤد از ام سلمہ در حدیث طویل آوردہ کہ فرمود آنحضرت صلعم یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجل من اھل المدینة ھاربا الی مکة الحدیث۔ مراد باین رجل مہدی است وحدیث دال است بر آنکہ بر آمدن او ہم از مدینہ باشد چنانکہ تولدش اینجا بود پس مصیر بسوئے مضمون این حدیث واجب است وباقی اقوال ساقط و ظہورش بالاتفاق در مکّہ مکرمہ باشد۔ یعنی مَیں کہتا ہوں کہ ابوداؤد ام سلمہ سے ایک لمبی حدیث بیان کرتا ہے اور اُس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک خلیفہ کی وفات پر اختلاف ہوگا۔ اُسوقت ایک رجل یعنی شخص مدینہ سے نکلکر مکّہ کی طرف بھاگ کر جائیگا۔ رجل سے مراد مہدی ہے اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی مدینہ ہی میں پیدا ہوگا اور مدینہ ہی سے نکلیگا۔ پس ہم پر واجب ہے کہ ہم اس حدیث پر انحصار کریں اور اس حدیث سے باقی سارے اقوال ساقط ہوجاتے ہیں اور یہ مسلمانوں کا متفق علیہ عقیدہ ہے (جیساکہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے) کہ مہدی مکہ میں ظاہر ہوگا۔ تم کلامہ۔

اِس حدیث کو اگر درست بھی مان لیا جاوے تو اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مہدی مدینہ میں پیدا ہوگا اور مکّہ میں ظاہر ہوگا۔ اس حدیث میں

صرف ایک رجل کا ذکر ہے اور اس کا کوئی قطعی ثبوت ہمارے پاس نہیں کہ یہاں رجل سے مراد مہدی موعود ہی ہے۔ ایک اور لحاظ سے بھی یہ حدیث ہمیں اجازت نہیں دیتی کہ ہم اس کی بنا پر یہ یقین کر لیں کہ مہدی موعودؑ مدینہ منورہ میں پیدا ہوکر مکہ معظمہ میں ظاہر ہوگا۔ پہلے میں اس حدیث کو مفصل نقل کرتا ہوں اور پھر دکھاتا ہوں کہ یہ کسقدر غلطی ہے کہ اس حدیث پر انحصار کیا جاوے اور اسی کی بنا پر یہ یقین کر لیا جاوے کہ مہدی موعودؑ کا مولد مدینہ منورہ ہے اور جائے ظہور مکہ معظمہ ہے۔ اصل الفاظ حدیث کے حسب ذیل ہیں۔ عن ام سلمہ زوج النبي صلى الله عليه وسلم قال يكون اختلاف عند موت خليفة فيخرج رجل من اهل المدينة هاربا الى مكة فياتيه ناس من مكة فيخرجونه وهو كاره فيبايعونه بين الركن والمقام ويبعث اليه بعث من الشام فيخسف بهم بالبيداء بين مكة والمدينة فاذا رأى الناس ذلك اتاه ابدال الشام وعصايب اهل العراق فيبايعونه بين الركن والمقام ثم ينشأ رجل من قريش اخواله كلب فيبعث اليهم بعثاً فيظهرون عليهم وذلك بعث كلب۔ الخيبة لمن لم يشهد غنيمة كلب فيقسم المال ويعمل فى الناس بسنة نبيهم صلى الله عليه وسلم الحديث۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک خلیفہ کی وفات پر اختلاف ہوگا۔ اُسوقت اہل مدینہ میں سے ایک شخص نکلیگا اور بھاگ کر مکہ جائے گا۔ پھر مکہ والے اُس کے پاس آئیں گے اور اُس کی مرضی کے برخلاف اُس کو مکہ سے نکالکر رکن و مقام کے درمیان اُس سے بیعت کریں گے۔ پھر اُسکے برخلاف شام سے ایک لشکر بھیجا جائے گا جو جنگل میں دھس جائے گا یعنی بالکل تباہ ہو جائے گا۔ جب لوگ اس بات کو دیکھیں گے تو شام سے اور عراق سے

پاک لوگ اس کے پاس آکر اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ پھر قریش میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ماموں قبیلہ کلب میں سے ہونگے۔ اور وہ ایک لشکر بھیجیگا مگر وہ لشکر مغلوب ہو جائے گا اور یہ لڑائی کلب کی لڑائی کہلائے گی اور افسوس اسپر جو کلب کی لوٹ پر حاضر نہ ہو۔ وہ شخص غنیمت کے مال کو لوگوں میں تقسیم کریگا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر چلے گا الخ۔

جو قصّہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے وہ عبداللہ بن زبیر کے قصّہ سے بالکل ملتا ہے اس لیے اگر اس حدیث کو صحیح اور درست مانا جائے تو یہ حدیث عبداللہ بن زبیر کے حق میں پوری ہوگئی پس یہ حدیث ایک گذشتہ واقعہ کے متعلق ہے۔ اور اب یہ انتظار کرنا غلطی ہے کہ یہ حدیث کسی آئندہ زمانہ میں پوری ہوگی۔

عبداللہ بن زبیر اُن لوگوں میں سے تھا جنہوں نے معاویہ کی وفات کے بعد یزید کی بیعت سے انکار کیا اور مدینہ سے بھاگ کر مکّہ معظمہ میں آکر پناہ گزین ہوا۔ بعد ازاں اُنکو بعض مسلمانوں نے خلیفہ تسلیم کیا اور مکّہ والوں نے اُنکے ہاتھ پر بیعت کی۔ بنو اُمیہ کا لشکر جو تعداد میں دو ہزار تھا عبداللہ بن زبیر پر حملہ کرنے کے لیئے شام سے روانہ ہوا۔ اس لشکر کا سردار یزید کا بھائی عمر نامی تھا عبداللہ بن زبیر نے ایک فوج جمع کی اور عبداللہ بن صفوان کو فوج کا سردار مقرر کیا۔ عبداللہ بن صفوان نے بنو اُمیہ کی فوج کو شکست فاش دی۔ یزید کا بھائی قید ہو کر قتل کیا گیا۔ اس کے بعد اہل مدینہ نے یزید کے برخلاف بغاوت کی۔ یزید نے مدینہ پر شام سے ایک لشکر بھیجا جس میں دس سے بارہ ہزار تک آدمی تھے اور مسلم بن عقبہ کو اس لشکر کا سردار مقرر کیا۔ مسلم بن عقبہ نے مدینہ کو فتح کیا اور لوٹا اور اُس کے بعد مکّہ کی طرف روانہ ہوا لیکن رستہ میں مر گیا۔ اور اُسکی

جگہ حسین بن نعمان سردار لشکر مقرر ہوا۔ یہ شام کا لشکر مکہ معظمہ کا محاصرہ کر رہا تھا کہ یزید کے مرنے کی خبر پہنچی اور لشکر محاصرہ چھوڑ کر واپس دمشق کی طرف روانہ ہوا۔ یزید کے بعد معاویہ بن یزید تخت پر بیٹھا مگر چالیس دن کے بعد وہ بھی مرگیا۔ اس کے بعد مروان کو خلافت کے لیئے منتخب کیا گیا اس شرط پر کہ وہ یزید کی بیوہ سے جو یمن کے قبیلہ کلب کی ایک عورت تھی شادی کرلے۔ اور اُس عورت کے بیٹے خالد کو اپنا جانشین مقرر کرے۔ بعض لوگ خصوصاً قبیلہ قیس کے لوگ اس لیئے ناراض تھے کہ معاویہ اور یزید نے یمن کے قبیلہ کلب کی عورتوں سے شادی کی تھی۔ اس لیئے انہوں نے خالد کو جانشین قبول کرنے سے انکار کیا کیونکہ وہ کلبی عورت کا بیٹا تھا اور عبداللہ بن زبیر کے طرفدار ہو گئے اور ضحاک بن قیس کے ماتحت جو دمشق کا گورنر تھا بغاوت پر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مروان نے قبیلہ کلب کی مدد سے قبیلہ قیس کی فوج کو شکست دی اور اپنے بیٹے عبدالملک کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ مروان کی وفات کے بعد عبدالملک شام اور مصر میں خلیفہ تسلیم کیا گیا اور ابن زبیر عرب و عراق کا مالک رہا عبدالملک نے عراق بھی فتح کرلیا اور اب صرف عبداللہ بن زبیر کے پاس عرب کا ملک ہی باقی رہ گیا۔ ۷۲ھ ہجری میں عبدالملک نے حجاج بن یوسف کے ماتحت ایک لشکر بھیجا جس نے شہر مکہ کا محاصرہ کرلیا جو عبداللہ بن زبیر کا دارالخلافہ تھا۔ یہ محاصرہ کئی مہینوں تک جاری رہا۔ آخر عبداللہ بن زبیر کے طرفدار بھوک سے تنگ آکر شہر سے نکل آئے اور اپنے ہتھیار ڈالدیئے۔ اُسوقت عبداللہ بن زبیر اپنی ماں اسماء کے پاس گئے جن کی عمر اسوقت ۱۰۰ سال کی تھی ماں نے اُنکو کہا کہ بیٹا تلوار کو ہاتھ میں لے کر لڑتے ہوئے مرجاؤ عبداللہ بن زبیر نے وہ رات کعبہ میں عبادت میں گذاری۔ صبح کے وقت کعبہ میں ہی فوج نے اُنپر حملہ

کیا اور عبداللہ بن زبیر اُن سے لڑتے ہوئے ۱۴ جمادی الاولی سنہ ۷۳ ہجری کو مر گئے۔

یہ ہے واقعہ عبداللہ بن زبیر کا اور ہم نے اسکو مفصل اس لیئے لکھا ہے تا ناظرین اس قصہ کا حدیث مندرجہ بالا کے مضمون کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھ لیں کہ حدیث کا مضمون کسطرح عبداللہ بن زبیر پر چسپاں ہوتا ہے۔ جیسا حدیث میں ہے ایک خلیفہ (معاویہ) کی وفات پر اختلاف ہوا۔ کئی لوگوں نے اُس کے بیٹے یزید کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ عبداللہ بن زبیر بھی اُنہی میں شامل تھے۔ وہ مدینہ سے بھاگ کر مکہ معظمہ میں آئے مکہ والوں نے اُنکو خلیفہ تسلیم کر کے انکے ہاتھ پر بیعت کی۔ عبداللہ بن زبیر کے برخلاف شام سے ایک لشکر آیا مگر شکست فاش کھائی جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا میں ہے۔ بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ اس موقعہ پر عبداللہ بن زبیر کے طرفداروں نے اس حدیث کو اپنی طرف سے گھڑا اور یہ کہکر لوگوں کو عبداللہ بن زبیر کے ساتھ ملنے کی ترغیب دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ شام اور عراق کے پاک لوگ اُس کے پاس آئیں گے اور افسوس اُن لوگوں پر جو کلب کی لوٹ میں شامل نہ ہوں۔ جیسا اس روایت میں ہے عراق کے لوگوں نے عبداللہ بن زبیر کو خلیفہ تسلیم کیا اور نیز دمشق (ملک شام) کے گورنر ضحاک بن قیس نے بنو اُمیہ سے منحرف ہوکر عبداللہ بن زبیر کی طرفداری اختیار کی۔ پھر جیسا حدیث مذکورہ بالا میں ہے یزید کے ماموں جس نے عبداللہ بن زبیر کے برخلاف لشکر بھیجا تھا قبیلہ کلب میں سے تھے اور ایسا ہی اُس کے بیٹے خالد کے ماموں بھی قبیلہ کلب میں سے تھے کیونکہ معاویہ اور یزید نے قبیلہ کلب کی عورتوں کو بیاہا تھا اور بنو کلب بنو اُمیہ کے طرفدار ہوکر انکی لڑائیاں لڑتے تھے اسی واسطے حدیث

مذکورہ بالا میں قبیلہ کلب پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ غرض اس حدیث کا جب عبداللہ بن زبیر کے قصہ سے مقابلہ کیا جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن زبیر کے متعلق ہے۔ بعض نے اس مشابہت کو دیکھکر یہ شبہ بھی کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر کے حامیوں نے اس کی تائید کے لیئے اور لوگوں کو ترغیب دینے کے لیئے کہ وہ عبداللہ بن زبیر کے ساتھ شامل ہوں اس حدیث کو وضع کر کے شائع کیا تھا۔ مگر ہمیں اس بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں میری غرض صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ حدیث ایک گذشتہ واقعہ کے متعلق ہے جو عبداللہ بن زبیر سے تعلق رکھتا ہے اور اُسکی بنا پر یہ کہنا کہ مہدی موعودؑ مدینہ میں پیدا ہو کر مکّہ میں ظاہر ہوگا ایک صریح غلطی ہے۔ نہ صرف یہ بات ہے کہ اس حدیث میں مہدی کا نام نہیں بلکہ یہ حدیث صاف طور پر عبداللہ بن زبیر پر چسپاں ہوتی ہے۔ اور اسکو مہدی موعودؑ پر لگانا سخت غلطی ہے۔ اور میں صدیق حسن خاں کا حوالہ دیکر دکھا آیا ہوں کہ زیادہ تر اسی حدیث پر انحصار کر کے یہ کہا جاتا ہے کہ مہدی موعودؑ مدینہ میں پیدا ہو کر مکّہ میں ظاہر ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مدینہ منورہ و مکّہ معظمہ سب سے زیادہ مقدّس مقام ہیں اس لیئے مسلمانوں کی طبیعتیں انکی طرف جھک گئیں اور جب روایات میں انہوں نے ان مقامات کے متعلق ذرہ بھی ذکر پایا تو فوراً اُن روایات سے تمسّک کیا اور جیسا اُن کی طبیعتیں پہلے اسی طرف مائل تھیں اُنہوں نے جلدی سے یہ یقین کر لیا کہ مہدی موعودؑ مدینہ منوّرہ اور مکّہ معظمہ میں ظاہر ہوگا اور دوسری روایات کو نظرانداز کر دیا۔ ورنہ اُنکے ہاتھ میں اس بات کے یقین کرنیکا کوئی قطعی ثبوت نہیں تھا کہ مہدی موعودؑ مکّہ و مدینہ میں ظاہر ہوگا۔ ان دونوں مقاموں کی قدسیت نے اُنکے اس اعتقاد کو پختہ کیا۔ برخلاف اس کے اگر احادیث پر غور

کیا جائے تو یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ کا مقام ظہور مشرق تھا۔ چنانچہ میں اُن دلائل کو جن سے مشرق مہدیؑ کے ظہور کا مقام ثابت ہوتا ہے۔ ذیل میں درج کرتا ہوں۔

اوّل۔ ابونعیم و ابن عساکر عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یخرج رجل من ولد حسن بن علی من قبل المشرق لو استقبل به الجبال یهدها و یتخذ فیها طرقا یعنی حسن بن علی کی نسل سے ایک شخص مشرق کی طرف سے نکلیگا جو اسقدر عالی ہمت ہوگا کہ اگر پہاڑ بھی اُس کے سامنے آجائیں تو اُن کو گرا کر اُنہیں سے راستہ بنالیگا۔ اس حدیث کے متعلق یقین کیا جاتا ہے کہ یہ مہدی موعودؑ کے متعلق ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدیؑ مشرق میں ظاہر ہوگا۔ اس حدیث پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ چونکہ یہ حدیث مہدی موعودؑ کو حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی اولاد سے قرار دیتی ہے اسلیئے اس کے متعلق گمان ہوسکتا ہے کہ یہ کسی ہوا خواہ خاندان حسنؓ کی دست برد اپنے اندر رکھتی ہو اس لیئے یہ اعتبار کے لائق نہیں اور اس سے کوئی استدلال نہیں ہوسکتا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر اس حدیث کو موضوع بھی مان لیا جائے پھر بھی ہم اس حدیث کو بطور شہادت کے پیش کرسکتے ہیں کہ مہدیؑ مشرق میں ظاہر ہوگا۔ موضوع احادیث سے بھی بہت کچھ فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ اس بات کے سمجھنے کے لیئے یہ دیکھنا چاہیئے کہ اگر احادیث وضع کی گئی تھیں تو کس غرض کے لیئے وضع کی گئی تھیں اور اگر احادیث میں دست برد کی گئی تھی تو کس غرض کے لیئے ایسا کیا گیا۔ اگر طرفداران خاندان حسنؓ یا حسینؓ یا عباسؓ وغیرہم نے کوئی حدیث وضع کی تھی یا کسی حدیث میں کمی بیشی کی تھی۔ تو اس لیئے کی تھی کہ مہدیؑ کو اپنی

طرف منسوب کریں اور لوگوں کو یہ یقین دلائیں کہ مہدی موعودؑ ہمارے خاندان میں سے ہوگا۔ اس لیئے اگرچہ مہدیؑ کو کسی خاص خاندان کی طرف منسوب کیا جاتا تھا مگر عام طور پر مہدی کی طرف وہی صفات منسوب کیئے جاتے تھے جو حقیقی مہدی کے اوصاف تھے۔ یعنی جہانتک ممکن ہوتا تھا اپنے فرضی مہدی کو حقیقی مہدی کا لباس پہنایا جاتا تھا۔ اگرچہ اُس کی طرف ایسے امور بھی منسوب کیئے جاتے ہوں جو اُنکی اغراض کے لیئے مفید ہوں مگر عام طور پر سچے مہدی کے متعلق جو جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھیں وہ بھی اس کی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ اسطرح ہم ان روایات کے اس حصّہ کو چھوڑ سکتے ہیں جسمیں مہدی کسی خاص خاندان کی طرف منسوب کیا گیا ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ جو کچھ ان روایات میں مہدی کی نسبت بیان کیا گیا ہے وہ سراسر جھوٹ اور بے بنیاد ہے۔ چنانچہ جن احادیث میں مہدی کو مختلف خاندانوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے اُنمیں بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں جو مشترک ہیں۔ اور یہ مشترک حصّہ صحیح سمجھا جا سکتا ہے مثلاً اگرچہ احادیث میں مہدی موعود کی نسب کے متعلق اختلاف ہے مگر سب احادیث اس بات پر متفق ہیں کہ مہدی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا بعد اسکے کہ وہ ظلم وجود سے بھر چکی ہوگی پس یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ احادیث کا یہ حصّہ صحیح ہو۔ اسی طرح حدیث زیر بحث میں ہم اُس حصّہ کو رد کر سکتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ مہدی حسن کی اولاد سے ہوگا مگر ہمیں کوئی چیز اس بات سے روک نہیں سکتی کہ ہم حدیث کے دوسرے حصّہ سے فائدہ اُٹھائیں جسمیں لکھا ہے کہ مہدی مشرق میں ظاہر ہوگا۔ کیونکہ کوئی وجہ بظاہر معلوم نہیں ہوتی کہ یہ حصّہ بھی جعلی ہو۔ حسن کی اولاد کہنے میں تو بعض کا فائدہ تھا مگر مہدی کے مشرق سے ظاہر ہونے میں کسی فریق کا فائدہ نہیں تھا۔ اس لیئے یہ حصّہ کسی خودغرضی

کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ اگر اس حدیث کو بالکل موضوع بھی مان لیا جاوے
یا یہ سمجھا جاوے کہ اس میں کمی بیشی کی گئی ہے مگر اس حدیث سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ مہدی مشرق میں ظاہر ہوگا۔ اسی وجہ
سے حدیث کے بیان کرنیوالے یا حدیث کے بنانیوالے نے یہ کہا کہ مہدی مشرق
میں ظاہر ہوگا۔ ورنہ مشرق کے ذکر کرنے میں راوی کی کوئی ذاتی غرض معلوم
نہیں ہوتی۔ ابتدائے اسلام میں مشرق میں ابھی کفر تھا اور اگر آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے خود مشرق کا پتہ نہ دیا ہوتا تو راوی کو یہ کبھی نہ سوجھتا کہ مہدی کے ظہور
کے لیئے مشرق کا ملک تجویز کرے۔ اس حدیث میں بے شک مہدی کا نام صریح
طور پر نہیں آیا مگر اس حدیث کی نسبت یقین کیا جاتا ہے کہ مہدی ہی کے متعلق
ہے کیونکہ مہدی ہی کی نسبت یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ حسن کی اولاد میں سے ہوگا۔

دوم۔ مہدی موعودؑ کے مشرق سے ظاہر ہونیکے متعلق صرف ایک ہی حدیث
نہیں بلکہ اور احادیث بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ مشرق میں
ظاہر ہوگا اور ان احادیث میں مہدی کا نام بالصراحت مذکور ہے اور اُن میں
کسی خاص فرقہ یا خاندان کی طرفداری بھی نہیں پائی جاتی۔ ابن ماجہ میں ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یخرج ناس من المشرق یوطئون للمہدی
یعنی سلطانہ یعنی مشرق سے آدمی نکلیں گے جو مہدی کی تائید کریں گے
اور اُس کے سلطان کو زمین میں قائم کرینگے۔ اس حدیث سے پایا جاتا ہے کہ مہدی
کے معین و مددگار مشرقی لوگ ہونگے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی مشرق
میں ظاہر ہوگا اور مشرقی لوگ اُس کی اعانت کا شرف حاصل کرینگے اور اُنکو مہدی
کے معاونین بننے کا فخر حاصل ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

سوم۔ صدیق حسن خاں حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۸۲ پر لکھتا ہے۔ وشادماں شوند

بوے عامہ مسلمانان بیشتر از خواص ایشان بیعت کنند اورا عارفان خدا از اہل حقائق بشہود وکشف وتعریف الٰہی۔ اورا رجال الہیون باشند کہ اقامت کنند دعوت اورا ونصرت دہند وایشان وزراء او باشند کہ حمل اثقال مملکت نمایند واعانت کنند بر چیزے کہ انداختہ است خدا در گلوئے او وایں ۹ نفر باشند براقدام رجال از صحابہ صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ ہمہ اعاجم باشند نیست درایشاں عربی مگر کلام نکنند مگر در عربی۔ یعنی عام لوگ اور غرباء خواص اور اُمرا کی نسبت اُسکو (یعنی مہدی موعود کو) زیادہ خوشی سے قبول کریں گے۔ عارف لوگ خوابوں اور الہامات کی رہنمائی سے اُس کی بیعت کریں گے۔ اُسکے ساتھ مقدس لوگ ہونگے جو اُس کی تائید اور نصرت کرینگے اور یہ لوگ بمنزلہ اُس کے وزراء اور مشیروں کے ہونگے اور جو کام مہدی کے سپرد ہوگا اُس کام میں وہ اُس کا ہاتھ بٹائیں گے۔ یہ مشیر تعداد میں ۹ ہونگے جو صحابہؓ کے نقش قدم پر چلیں گے اور جو عہد وہ خدائے تعالیٰ سے کریں گے (یعنی بیعت کا عہد) اُسکو پورا کرینگے۔ یہ سب عجمی لوگ ہونگے۔ اُنمیں سے ایک بھی عربی نہیں ہوگا مگر وہ عربی میں کلام کرینگے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ کے بڑے بڑے معاون اور مددگار جو بمنزلہ اُس کے وزراء کے ہوں گے سب کے سب عجمی ہونگے جو عربی جانتے ہونگے اور اُس میں کلام کر سکیں گے۔ اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ مہدی موعودؑ عرب میں ظاہر نہیں ہوگا۔ یہ بات کسطرح ماننے میں آسکتی ہے کہ مہدیؑ عرب میں ظاہر ہو اور اُس کے اہل وطن میں سے ایک شخص بھی اُس کے وزراء وخواص المعاونین میں شامل نہ ہو اور اُس کے سارے بڑے بڑے مددگار عجمی ہی ہوں اور اُسکی روحانی مملکت کے سنبھالنے والے سب غیر عرب ہوں۔ جب اسکو دوسری حدیث کے ساتھ ملا کر دیکھا جاوے جس میں لکھا ہے کہ مشرقی لوگ مہدیؑ موعودؑ کی

مدد کریں گے توصاف معلوم ہوتا ہے کہ ان عجمی معاونین سے مراد مشرقی لوگ ہی ہیں۔ پھر انکے ساتھ تیسری حدیث ملاؤ جس میں لکھا ہے کہ مہدی مشرق میں ظاہر ہوگا اور جسکو میں اوپر درج کر آیا ہوں توصاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مہدی موعود کا مقام ظہور مشرق ہی ہے وہ روایت جس میں لکھا ہے کہ مہدی کے بڑے بڑے معاونین سب عجمی ہونگے لفظ بلفظ حضرت احمد قادیانی علیہ الرحمۃ پر چسپاں ہوتی ہے اور جو جو باتیں اس میں بیان کی گئیں وہ سب کی سب آپکے حق میں بیّن طور پر پوری ہوئیں۔ اس کو پڑھو اور دیکھو کہ یہ آپ پر کیسی صفائی سے صادق آتی ہے۔

چہارم - ایک اور حدیث جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی موعود مشرق میں ظاہر ہوگا وہ ہے جس میں اُس کا مقام ظہور ایک گاؤں کدعہ نامی بیان کیا گیا ہے۔ کتاب جواہر الاسرار میں جو ۸۴۰ھ ہجری المقدس میں لکھی گئی۔ لکھا ہے۔ در اربعین آمدہ است کہ خروج مہدی از قریہ کدعہ باشد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج المھدی من قریۃ یقال لھا کدعہ ویصدقہ اللہ تعالٰی ویجمع اصحابہ من اقصی البلاد علی عدۃ اھل بدر بثلاث مأۃ وثلٰثۃ عشرۃ رجلا ومعہ صحیفۃ مختومۃ فیھا عدد اصحابہ باسمائھم وبلادھم وخلالھم۔ یعنی اربعین میں بیان کیا گیا ہے کہ مہدی ایک گاؤں کدعہ نامی میں ظاہر ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی کدعہ نامی گاؤں سے نکلیگا۔ خدائے تعالیٰ اُس کی سچائی کی شہادت دیگا۔ اور اُس کے اصحاب دُور دراز مقامات سے اُس کے پاس آئیں گے۔ اُن کی تعداد اصحاب بدر کی طرح ۳۱۳ ہوگی۔ اُسکے پاس ایک مطبوعہ کتاب ہوگی جس میں اُس کے اصحاب کے نام بمعہ سکونت وغیرہ درج ہونگے۔ اس حدیث میں مہدی کا مقام ظہور صاف طور پر بتا دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے

کہ کدعہ قادیان نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ دونوں نام بالکل مطابق نہیں تو یہ ایک بیہودہ اعتراض ہے۔ قادیان ایک عجمی نام ہے اور اہل عرب کی یہ عادت ہے کہ وہ عجمی ناموں کو اصلی رنگ میں ادا نہیں کرتے بلکہ اُنہیں کچھ تغیر تبدل ضرور کر لیتے ہیں لنڈن کو کوئی عرب لنڈن نہیں کہیگا بلکہ لُندرا کہیگا اسی طرح انگلینڈ کو انجلترا کرکے بولیگا اور یہ عادت اہل عرب کے علاوہ اور ممالک کے لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے اور یہ کہنا لغو ہے کہ جسکو اہل ہند قادیان کرکے پکارتے ہیں وہ ایک عرب کے باشندہ کی زبان پر کدعہ نہیں ہو سکتا اس کے علاوہ ممکن ہے کہ جسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام کو ادا کیا ہو راویوں کی زبان پر جاکر اس لفظ میں کچھ تھوڑا بہت تغیر ہو گیا ہو۔ پھر بھی قادیان اور کدعہ کے بولنے میں اس قدر مشابہت پائی جاتی ہے کہ ہم بغیر خوف تردید کے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ کدعہ سے مراد قادیان ہی ہے۔ مہدی موعودؑ قادیان میں ظاہر ہوا اور حدیث میں ہے کہ وہ کدعہ میں ظاہر ہوگا۔ اب ایک انصاف پسند آدمی کو اس بات کے قبول کرنے میں ذرا تامل نہ ہوگا کہ کدعہ سے مراد قادیان ہی تھی نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قادیان کا اصلی نام اسلام پور قاضی ماجھی تھا جس میں سے آخر قاضی رہ گیا اب عوام الناس اسکو کادی کرکے پکارتے ہیں اور سرکاری کاغذوں میں کادیاں یا قادیاں کرکے لکھا جاتا ہے۔ اور کادی کا لفظ جو عام طور پر قادیان کے رہنے والے اور اردگرد کے لوگ استعمال کرتے ہیں وہ کدعہ سے بہت ہی ملتا ہے۔ غرض دونوں ناموں میں مشابہت کافی ہے اور جو ذرا سا فرق بولنے میں پایا جاتا ہے وہ بہت خفیف ہے اور ضروری تھا کہ اسقدر فرق ہو کیونکہ اوّل تو اہل عرب عجمی ناموں میں عموماً تغیر کر لیا کرتے ہیں دوسرے راویوں کی زبان پر آکر اور تقریر سے تحریر میں جاکر ممکن ہے کہ اس میں کچھ تغیر ہو گیا ہو۔ اب مہدی قادیان یا کدعہ میں آیا اور یہ کدعہ بھی مشرق میں ہے۔ اس سے بھی اس امر کی تائید

(یعنی کسے معلوم تھا کہ مہدی مزعوم قادیانی ہوگا۔ (قادیانی) منہ)

ٹریکٹ سیریز

چند روز ہوئے میں نے ایک تحریک میگزین کی توسیع اشاعت کے لیئے کی تھی۔ جس پر میں سمجھتا ہوں بہت کم احباب نے توجہ کی ہے۔ خدائے تعالیٰ ان چند احباب کو جزائے خیر دے جنہوں نے اپنے بیش قیمت وقت کو اور خداداد ہمت کو اس طرف لگایا اور میگزین کی اشاعت میں قریب پچاس کے انکی توجہ سے ترقی ہوئی ہاں ان میں خصوصیت سے قابل ذکر میر قاسم علی صاحب کا اسم گرامی ہے جنہوں نے گیارہ خریدار کل کے کل اس سلسلہ سے تعلق بیعت نہ رکھنے والے پیدا کیئے اور قیمتیں بھی پیشگی وصول کرکے بھیجدیں۔ اس وقت میرے سامنے ایک عیسائی مذہبی رسالہ دی ایسٹ اینڈ دی ویسٹ ہے اس میں ایک چھوٹا سا نوٹ ہے جسکا ذکر شاید بعض دلوں کے لیئے فائدہ کا موجب ہو۔ ایک دوسرے اخبار ڈیلی ٹیلیگراف نے ایک نوٹ میں یہ ذکر کیا تھا کہ دی ایسٹ اینڈ دی ویسٹ کے خریدار چار ملین یعنی چالیس لاکھ ہیں جس پر رسالہ مذکور لکھتا ہے کہ صاحب اخبار کو غلطی لگی ہے اور یہ بیان قبل از وقت ہے اور کہ اس رسالہ کی اشاعت ابھی دس لاکھ سے بھی کچھ کم ہے اور پھر لکھتا ہے کہ شاید اخبار نے غلطی سے اس رسالہ کا نام بجائے چرچ ابراڈ کے لکھدیا ہے (یہ دوسرا رسالہ بھی اسی سوسائٹی کی طرف سے جاری ہے) جسکی اشاعت بتیس لاکھ ہے اور جو ماہوار نکلتا ہے۔ ایک ملک میں تو مذہبی رسالوں کی اشاعت کا یہ حال ہے اور ادھر ہم ہیں کہ دس ہزار تک رسالہ کے پہنچنے کے لیئے پانچ سال سے تحریک کرتے ہیں مگر ابھی بمشکل پانچویں حصہ تک پہنچے ہیں۔ اور ہمارے بعض دوست اسی اشاعت پر ایسے مطمئن ہیں کہ آگے بڑھنے کی

شاید خواہش بھی انکے دلوں میں پیدا نہ ہوتی ہو۔

اسوقت میری غرض اس ذکر سے اور ہے۔ ہمارا رسالہ دو اور تین سو کے درمیان مختلف مقامات پر جاتا ہے۔ اور اس کے بالمقابل ہزاروں رسالے ہیں جن میں سے اکثر لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوتے ہیں۔ اور پھر ہزارہا سال کے دلوں میں جمے ہوئے عقائد جو فطرت کا جزو ہو گئے ہیں۔ اب ہمارے احباب غور فرما سکتے ہیں کہ اسقدر طاقتوں کے بالمقابل دو تین سو رسالہ سے کیا کام ہو سکتا ہے بیشک سچائی اپنے ساتھ ایک طاقت رکھتی ہے مگر اس سچائی کا کانوں تک پہنچانا بھی تو ضروری ہے۔ ابتدا میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں میں سے کوئی ایک ایسا جری طالب حق نکلا کرتا ہے جو کسی بات کی پروا نہ کرکے سچائی کو قبول کرے۔ مگر اس رفتار کے ساتھ جس سے ہم اسوقت چل رہے ہیں لاکھوں انسانوں تک پہنچنا ایک امر محال ہو رہا ہے۔ اس ضرورت کو ہمارے ایک مکرم دوست نے جنہوں نے پہلے بھی اشاعت اسلام میں باقی سب دوستوں سے بڑھکر مالی اعانت کا حصہ لیا ہے محسوس کیا (مجھے افسوس ہے کہ وہ اپنے نام کو اظہار کی مجھے اجازت نہیں دیتے اور پہلے بھی اکثر دفعہ انہوں نے اپنا نام مخفی ہی رکھا ہے) اور حضرت صاحبؑ کی وفات کے بعد ہی اس امر کی تحریک کی کہ ریویو میں جو بڑے بڑے اور مسلسل مضامین نکل چکے ہیں انکو ٹریکٹوں یعنی چھوٹے چھوٹے رسالوں کی صورت میں ہزارہا کی تعداد میں شائع کرکے مفت تقسیم کیا جائے۔ مجھے چونکہ اکثر چندوں کی تحریک کرنی پڑتی ہے اور میں اس بارگراں کو خوب محسوس کرتا ہوں جو اس چھوٹی سی احمدی قوم نے اسوقت اٹھایا ہوا ہے (چھوٹی سی قوم میں اس لیئے کہتا ہوں کہ واقعی وہ لوگ جو اعانت سلسلہ میں حصہ لینے والے ہیں انکی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں ہے)

معرفت چھپکر مفت شائع ہونا اپنے خرچ پر پسند کیا تھا مگر اُسوقت شاید بعض مشکلات آمدہ کی وجہ سے اس کار خیر میں انکو کچھ رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔

اس تحریک میں میرا خطاب انجمنوں سے نہیں۔ بلکہ ہر ایک دوست سے الگ الگ ہے بالفاظ دیگر میرا یہ منشا نہیں کہ ہر جگہ انجمنیں اس کام کے لیئے چندہ کی فہرستیں کھولیں اگرچہ ایسا کرنے سے انکو روکنا بھی میرے وہم میں نہیں۔ مگر یہ بات مَیں نے اس لیئے لکھی ہے کہ تا کسی دوست پر کوئی بوجھ نہ پڑے انشراح صدر سے جو کچھ کوئی چاہے اور جسقدر توفیق ہو دیدے۔ یہ کام سیکڑوں روپوں کا نہیں ہزاروں کا ہے۔ اسلیئے مَیں یہ بھی پسند کرتا ہوں کہ جو احباب دل میں خواہش رکھتے ہوں مگر سردست نہ دے سکتے ہوں وہ بشرطیکہ اخیر دسمبر تک یعنی جلسہ سالانہ کے موقعہ تک روپیہ دے سکتے ہوں اپنے ارادہ سے مطلع فرماویں اس تجویز میں صرف انگریزی ٹریکٹوں کا چھپوانا ہی مدنظر نہیں بلکہ کسیقدر اُردو ٹریکٹ بھی اس ملک میں اشاعت کے لیئے چھپوائے جائینگے۔ ٹھیک ٹھیک اندازہ اسبات کا کہ کون کونسے مضامین پر ٹریکٹ چھپوائے جائینگے اور کسقدر تعداد میں۔ اسوقت ہو سکتا ہے جب چندہ کی مقدار کی کچھ تعیین ہو جائے۔ البتہ عام اطلاع کے لیئے اسقدر لکھنا ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل مضامین کی اشاعت اسوقت مدنظر ہے۔

۱۔ فلسفۂ اسلام یعنی تقریر جلسہ مذاہب۔ ۲۔ توحید اور تثلیث کا مقابلہ۔ ۳۔ فارقلیطہ۔ عصمت و شفاعت۔ تناسخ۔ قرآن کریم اور انجیل کی تعلیم اور دعاؤں کا مقابلہ۔ عیسائیت آریہ سماج اور اسلام کی تعلیم کا مقابلہ۔ اسلام کی برکات۔ برکات دعا۔ ضرورت وحی۔ کیا اصول اسلام حقیقی تہذیب کے موافق نہیں۔ پردہ۔ تعدد ازواج۔ طلاق۔ غلامی۔ سود۔ قرآن کریم کی حفاظت۔ احادیث کی صحت۔ اسلام بجواب سیل صاحب۔ اسلامی اور مسیحی جنگوں کا مقابلہ۔ اسلامی بہشت اور دوزخ۔

مَیں اُمید کرتا ہوں کہ جو احباب اس میں حصہ لینا چاہتے ہیں اور جسقدر حصہ لینا چاہتے

میں وہ جلدی مطلع فرمادیں [illegible] جلسہ سالانہ میں اس کا اعلان [illegible]

معرفت چھپکر مفت شائع ہونا اپنے خرچ پر پسند کیا تھا مگر اُسوقت شاید بعض مشکلات آمدہ کی وجہ سے اس کار خیر میں انکو کچھ رکاوٹ پیدا ہوگئی تھی۔

اس تحریک میں میرا خطاب انجمنوں سے نہیں۔ بلکہ ہر ایک دوست سے الگ الگ ہے بالفاظ دیگر میرا یہ منشا نہیں کہ ہر جگہ انجمنیں اس کام کے لیئے چندہ کی فہرستیں کھولیں اگرچہ ایسا کرنے سے انکو روکنا بھی میرے وہم میں نہیں۔ مگر یہ بات مینے اس لیئے لکھی ہے کہ تاکسی دوست پر کوئی بوجھ نہ پڑے انشراح صدر سے جو کچھ کوئی چاہے اور جسقدر توفیق ہو دیدے۔ یہ کام سیکڑوں روپوں کا نہیں ہزاروں کا ہی۔ اسلیئے میں یہی پسند کرتا ہوں کہ جو احباب دل میں خواہش رکھتے ہوں مگر سر دست نہ دے سکتے ہوں وہ بشرطیکہ اخیر دسمبر تک یعنی جلسہ سالانہ کے موقعہ تک روپیہ دے سکتے ہوں اپنے ارادہ سے مطلع فرماویں اس تجویز میں صرف انگریزی ٹریکٹوں کا چھپوانا ہی مدنظر نہیں بلکہ کسیقدر اُردو ٹریکٹ بھی اس ملک میں اشاعت کے لیئے چھپوائے جائینگے۔ ٹھیک ٹھیک اندازہ اسبات کا کہ کون کونسے مضامین پر ٹریکٹ چھپوائی جائینگے اور کسقدر تعداد میں۔ اسوقت ہوسکتا ہی جب چندہ کی مقدار کی کچھ تعیین ہوجائے۔ البتہ عام اطلاع کے لیئے اسقدر لکھنا ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل مضامین کی اشاعت اسوقت مدنظر ہے۔

۱۔ فلسفۂ اسلام یعنی تقریر جلسہ مذاہب۔ ۲ توحید اور تثلیث کا مقابلہ۔ ۳۔ فارقلیطہ۔ عصمت و شفاعت۔ تناسخ۔ قرآن کریم اور انجیل کی تعلیم اور دعاوٗں کا مقابلہ۔ عیسائیت آریہ سماج اور اسلام کی تعلیم کا مقابلہ۔ اسلام کی برکات۔ برکات دعا۔ ضرورت وحی۔ کیا اصول اسلام حقیقی تہذیب کے موافق نہیں۔ پردہ۔ تعدد ازواج۔ طلاق۔ غلامی۔ سود۔ قرآن کریم کی حفاظت۔ احادیث کی صحت۔ اسلام بجواب سیل صاحب۔ اسلامی اور مسیحی جنگوں کا مقابلہ۔ اسلامی بہشت اور دوزخ۔

مَیں اُمید کرتا ہوں کہ جو احباب اس میں حصہ لینا چاہتے ہیں اور جسقدر حصہ لینا چاہتے ہیں وہ [illegible] جلسہ سالانہ میں اس [illegible] اعلان [illegible]

ریویو

معیار الصادقین:۔ قاضی محمد ظہور الدین اکمل آف گولیکی کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے وہ معیار بیان کئے گئے ہیں جن سے صادق اور کاذب میں فرق ہو سکتا ہے اور ضمناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کو ثابت کیا ہے۔ اکثر لوگ جو صادقوں کی شناخت سے محروم رہ جاتے ہیں اسکی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ ان معیاروں پر کبھی غور نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ نے سچے اور جھوٹے کے درمیان رکھے ہیں۔ احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے ان اصول کا جاننا نہایت ضروری ہے جو معیار الصادقین میں بیان کیئے گئے ہیں۔ امید ہے کہ احمدی جماعت کے لوگ اور عام مسلمان جو سلسلہ حقہ سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھائیں گے۔ طرز بیان نہایت معقول اور مدلل اور ساتھ ہی مختصر ہے۔ ۴۶ صفحے قیمت ۲/ بدر پریس قادیان سے مل سکتی ہے۔

برہمو سماج کی طرف سے تین چھوٹے چھوٹے رسالے ریویو کے لئے پہنچے ہیں **ملک ہند کیلئے ایک عظیم مسئلہ** جسمیں بدلائل یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بعض پرجوش ہندو صاحبان جو قدیم ہند کی تہذیب کا مبالغہ کر کے اس طرف جھک گئے ہیں کہ اب اس ملک میں پرانے رسم و رواج اور پرانے زمانے کی تہذیب قائم ہونی چاہیئے غلطی پر ہیں قیمت ۱/ **پرکال تت** جس میں حیات بعد الموت کے متعلق برہمو سماج کے خیالات کا اظہار ہے قیمت ۱/ **تزئین الاخلاق**۔ ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے جسمیں یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح انسان اپنے خیالات پر قابو پا کر اعلیٰ اخلاق حاصل کر سکتا ہے۔ قیمت ۲/

ضیاء الاسلام مراد آباد میں منجملہ اور مفید مضامین کے ایک مضمون جہاد پر بھی ہے یہ وہی مضمون ہے جو حضرت مرزا صاحب نے رسالہ جہاد میں لکھا تھا۔ مگر فاضل ایڈیٹر نے صرف ایک بزرگ خادم اسلام کے الفاظ پر قناعت کر کے اصل نام کو مخفی رکھا ہے۔ ہماری رائے میں ہمارے ایڈیٹروں کو اپنے ناظرین کا م

م اسقدر مطیع بھی نہ ہونا چاہیئے۔ کہ ایک امر حق کو محض انکی وجہ سے مخفی رکھا جاوے۔ مگر یہ بھی غنیمت ہے ابھی دو تین ماہ ہی گذرے ہیں اسی رسالہ میں غالباً ایڈیٹوریل مضمون میں حضرت مرزا صاحب کو سخت ترین دشمن اسلام قرار دیا گیا تھا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ — بابت ماہ نومبر ۱۹۰۸ء — نمبر ۱۱

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۳۰ نومبر ۱۹۰۸ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عا غیر طلبار سے عہ

ضروری اطلاع

(۱) **لنگر خانہ:**- سکرٹری صاحب صدر انجمن احمدیہ نے ایک چٹھی لنگر خانہ کے متعلق رسالہ میں شائع کرنیکو لیئے بھیجی تھی جو رسالہ کے پورا ہونیکو بعد پہنچی۔ اس چٹھی میں وہ تمام احمدی انجمنوں اور احمدی احباب کو لنگر خانہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں جس کی آمدنی گذشتہ ماہ میں بہت کم ہو گئی ہے لنگر خانہ کا قیام جسطرح حضرت اقدس کے وقت میں ضروری تھا تاکہ لوگ یہاں رہ کر دین سیکھیں اب بھی اسکی ویسی ہی ضرورت ہے۔ اور اسکے چندہ کو حضرت صاحب نے جملہ مریدین کیلیئے لازمی قرار دیا تھا۔ یہ چندہ ماہ بماہ پہنچتا رہنا چاہیئے تاکہ ادائگی اخراجات میں حرج واقع نہ ہو قحط اور بیماریوں نے بلا شبہ بہتوں کو تنگدست کر دیا ہے مگر صدقات سے رد بلا ہوتی ہے۔ اور یہ چندے بھی صدقات میں داخل ہیں کیونکہ انسے علاوہ مہمانوں کے اہل بیت کے محتاجوں کی خبر گیری بھی ہوتی ہے۔

(۲) **بدر:**- اخویم مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر اطلاع دیتے ہیں کہ اخبار بدر کی قیمت آئندہ سال سے بجائے للعہ کے ؎ کر دیگئی ہے تاکہ کم آمدنی والے احباب بھی اسے خرید سکیں۔ اخبار کے ساتھ تفسیر القرآن جس میں حضرت مولوی صاحب کے نوٹ ہونگے الگ بطور ضمیمہ شائع ہو گی اور دونوں کا چندہ للعہ سالانہ ہو گا چھ ماہ کیلیئے نصف قیمت مگر اس سے کم مدت کے لیئے اخبار جاری نہ ہو گا۔

(۳) حیدر آباد دکن کے طوفان کی تباہی میں اللہ تعالیٰ نے اس کشتی نوح میں بیٹھنے والوں کو کل کو محفوظ رکھا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ مفصل پھر۔

صحیفہ:- انجمن معارف حیدر آباد دکن (چادر گھاٹ) کا علمی اخلاقی۔ تاریخی۔ تمدنی۔ ادبی ماہواری رسالہ ایک عمدہ فرانسیسی ناول کا ترجمہ لیئے ہوئے ۵۲ صفحوں کے حجم سے باالتزام شائع ہوتا ہے ایک لائق وفاضل ڈگری یافتہ جماعت اسکو دلچسپ بنانیکی کوشش میں مصروف ہے علاوہ نثر کے دلچسپ نظمیں جس سے اُردو لٹریچر میں تازہ روح پھونکی جاتی ہے زیب اوراق ہوتی ہیں ملک کے مشہور معروف رسائل و اخبارات نے نہایت کشادہ دلی سے اس کا خیر مقدم کیا اور عزت افزا ریویو کیئے ہیں بایں ہمہ عام قیمت سالانہ تین روپیہ مع محصول ڈاک منیجر رسالہ صحیفہ حیدر آباد دکن (چادر گھاٹ) سے طلب فرماویں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مھدی آخر زمان

پیشگوئی کا پورا ہونا

مقام ظہور مہدی

سلسلہ کے لیئے ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز ماہ اکتوبر ۱۹۰۸ء

پنجم۔ ایک روایت میں مہدی کا مقام ظہور قریۂ کریمہ یعنی ایک پاک گاؤں بیان کیا گیا ہے ملاحظہ ہو حدیث الغاشیہ صفحہ ۲۴۹۔ اس روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مہدی کا مقام ظہور مکہ یا مدینہ نہ تھا۔ کیونکہ اگر مہدی نے مکہ یا مدینہ میں ظاہر ہونا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیر معین طور پر یہ نہ فرماتے کہ مہدی قریۂ کریمہ یعنی ایک پاک گاؤں میں پیدا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی کا مقام ظہور مکہ یا مدینہ نہ تھا بلکہ کوئی اور گاؤں تھا جس نے مہدی کا مولد و جائے ظہور ہونیکا شرف حاصل کرکے قریۂ کریمہ کا خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔ یہ روایت اُس دوسری حدیث کی تائید کرتی ہے جس میں لکھا ہے

کہ مہدی ایک گاؤں کدعہ نامی میں ظاہر ہوگا۔

علماء ہمیں یہ سنایا کرتے تھے کہ کدعہ یمن میں ایک بستی ہے۔ ممکن ہے کہ ابتدائے اسلام میں اس نام کا کوئی گاؤں ملک یمن میں ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ راویوں نے اُس گاؤں پر اس نام کو چسپاں کرنے کے لیئے اس میں کچھ تغیر و تبدل کرکے اسکو کدعہ کی شکل میں ڈھال دیا ہو مگر خدا نے نہ چاہا کہ اس نام کا کوئی گاؤں ملک یمن میں رہنے دے تا مہدی کے ظہور کے وقت اشتباہ واقعہ نہ ہو اور کوئی یہ نہ کہے کہ کدعہ سے مراد قادیان نہیں ہے بلکہ فلاں گاؤں ہے جو ایک فلاں ملک میں واقع ہے اس لیئے خدائے تعالیٰ نے اگر اس نام کا کوئی گاؤں تھا بھی تو اس کو صفحہ زمین سے مٹا دیا تا آخر زمانہ کے مولوی اپنی انگلیاں اُٹھا اُٹھا کر اس کی طرف اشارہ نہ کریں۔ اب کدعہ نام کا کوئی گاؤں ملک یمن میں نہیں ہے (ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۸) اب مولویوں کو چاہیئے کہ دنیا کے کسی گوشہ میں ایک گاؤں کدعہ نامی آباد کریں۔ اگرچہ اُنکے لیئے اس نام کا گاؤں آباد کرنا تو شاید ممکن ہو مگر مہدی کو ایسے آباد کیئے ہوئے گاؤں میں پیدا کرنا تو اُن کے بس میں نہیں ہے۔ اگر قادیان کدعہ نہیں ہے تو وہ کدعہ دنیا میں دکھائیں کہ کہاں ہے۔ اگر کوئی تھا تو خدائے تعالیٰ نے اس کو دنیا کے صفحہ سے اُٹھا دیا ہے اب قادیان ہی کدعہ کہلا سکتا ہے جہاں مہدی پیدا ہوا۔

ششم۔ مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ اور بھی دلائل ہیں جن سے مہدی کا مشرق میں ظاہر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ مہدی وہی کام کرے گا جو مسیح کریگا۔ اور میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ مسیح اور مہدی دو الگ شخص نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں لفظ ایک ہی شخص کے دو خطاب ہیں۔ مسیح موعود کا ایک

کام قتل دجّال ہے اور مہدی بھی مسیح موعودؑ کا ہی دوسرا نام ہے اس لیئے دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مہدی موعودؑ دجّال کو قتل کریگا۔ دجّال کے متعلق یہ سب کا اتفاق ہے کہ وہ مشرق میں ظاہر ہوگا۔ صدیق حسن خاں دجّال کا ذکر کرتے ہوئے حجج الکرامہ کے صفحہ ۴۰۸ پر لکھتا ہے۔ امامحل خروجش پس مشرق است جزماً۔ یعنی یہ یقینی اور فیصلہ شدہ بات ہے کہ دجّال کا ظہور مشرق میں ہوگا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مہدی بھی مشرق ہی میں ظاہر ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جہاں بدی ہوگی۔ اُس بدی کا علاج بھی اُسی جگہ ہونا چاہیئے۔ صدیق حسن خاں اسکے متعلق لکھتا ہے مشرق چنانکہ محل فتن است ہمچناں محل صلاح و ایمان نیز ہست۔ یعنی چونکہ مشرق ہی میں فتنے ظاہر ہونگے اس لیئے ضروری ہے کہ مشرق ہی اصلاح کا مقام ہو اور مشرق ہی میں ایمان دوبارہ قائم کیا جاوے (حجج الکرامہ صفحہ ۴۰۸)۔ مکّہ و مدینہ مقام ظہور مہدی نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ یہ دونوں امن کی جگہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے اور قرآن شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ اور مکّہ معظمہ دجّال سے امن میں ہیں گے۔ یعنی نہ ہی خراسان اور دوسرے مقامات جن کا روایات میں ذکر آیا ہے مقام ظہور مہدی موعودؑ ہو سکتے تھے کیونکہ یہ سب اسلامی مقامات ہیں اور اسلام کے سوا وہاں کوئی اور مذہب نہیں۔ وہ شر کا مرکز نہیں ہیں اور اس لیئے وہ مہدی کے ظہور کے لیئے موزون مقامات نہیں تھے۔

ہفتم۔ مشرق میں مہدی کے ظاہر ہونیکی ایک اور دلیل یہ ہے کہ مہدی نے بطور حامیٔ اسلام ظاہر ہونا تھا۔ اور اس کے ذریعہ سے اسلام کو دوسرے مذاہب پر فتح حاصل ہونی تھی۔ اُس نے اسلام کا پہلوان بنکر آنا تھا اور مذاہب باطلہ کے لشکر کو شکست دیکر اسلام کو فاتح بنانا اور اُس کے روشن چہرہ کو چمکانا تھا۔ اب چاروں طرف نظر اُٹھا کر دیکھو کہ وہ کونسا ملک ہے جو مذاہب کا دنگل گاہ ہے وہ کونسی زمین ہے

جہاں مختلف مذاہب کے لشکروں نے ڈیرہ لگایا ہوا ہے۔ اور وہ کونسا دنیا کا حصّہ ہے جو ایک عرصہ سے مذاہب کا کُشتی گاہ بنا ہوا ہے۔ سب طرف نظر اُٹھا کر دیکھو ہند کی سرزمین کے سوا اور کوئی ملک تمھیں نظر نہیں آئے گا جو ایک عرصہ سے مذاہب کے لیئے میدانِ کارزار کا کام دیتا ہو۔ پس بتاؤ اگر مہدی نے آکر اسلام کی طرف سے لڑنا تھا۔ اگر اُس نے اسلام کی حمائت میں آکر براہین کی تلوار چلانی تھی تو اُسکو کس ملک میں آنا چاہیئے تھا۔ جنگ کرنیوالے کو میدان جنگ میں آنا چاہیئے۔ یہ تعجب کی بات ہے کہ اسلام کو ہند میں ایک بہادر پہلوان کی ضرورت ہو جو اُس کی حمائت میں دلائل کی تلوار اُٹھائے اور جو مخالف اُسپر اعتراضوں کے تیر چلا رہے ہیں اور رنگ رنگ کے حملوں سے اُسکو مٹانا چاہتے ہیں اُسکا دفعیہ کرے مگر وہ پہلوان اُسجگہ نہ آئے جہاں اُسکی ضرورت تھی بلکہ ایسی جگہ آئے جہاں اُسکا آنا نہ آنا برابر ہے اور اسلام کو اُس جنگ میں اُس سے کوئی مدد نہ ملے۔ اگر مہدی اسلام کا حامی تھا اور اگر اُس نے حمائت اسلام کے لیئے اور مخالفوں کا سر توڑنیکے لیئے آنا تھا تو اُس کو ہند کی ولائت میں ہی آنا چاہیئے تھا۔ نہ خراسان میں نہ مدینہ میں۔ اور نہ مکہ میں نہ دمشق میں۔

ہشتم۔ ایک اور دلیل جس سے مہدی کا مشرق میں آنا ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ بہت سی ایسی علامتیں ہیں جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ وہ مشرق میں ظاہر ہونگی مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یطلع من المشرق قبل خروج المھدی نجم لہ ذنب یضیئ۔ یعنی مشرق سے ایک ستارہ نکلیگا جس کی ایک روشن دُم ہو گی۔ پھر مہدی کی علامات میں فرمایا کہ مشرق کی طرف سے **ذُو السِّنِیْن** ستارہ نمودار ہوگا۔ (ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۴) پھر حسین بن علی سے روایت ہے اذا رأیتم

علامة من السماء نارًا عظيمة من قبل المشرق تطلع ليلا فعندها فرج الناس وهي اقدام المهدی یعنی جب تم آسمان میں ایک نشان دیکھو یعنی مشرق میں ایک آگ دیکھو تو اُمید کرو کہ خدائے تعالیٰ عنقریب مسلمانوں کی مدد کرنیوالا ہے یعنی مہدی آنیوالا ہے اس آگ کا نمودار ہونا مہدی کی علامات میں شمار کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۴ و اقتراب الساعہ صفحہ ۶۷۔ اور کئی علاماتِ مہدی ایسی ہیں کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے ظہور کے لیئے کوئی خاص مقام بیان نہیں فرمایا مگر وہ زیادہ تر مشرق میں ہی نمودار ہوئیں مثلاً طاعون۔ قحط۔ کثرت ارتداد وغیرہ جنکا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آگے چلکر کروں گا۔ بہت سی علامات کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ وہ مشرق میں ظاہر ہونگی اور بہت سی اور علامتوں کا مشرق ہی میں زیادہ تر ظاہر ہونا اس بات کی ایک دلیل ہے کہ جس وجود با برکت کے لیئے ان چیزوں سے علامات کا کام دینا تھا اُس نے مشرق میں ہی ظاہر ہونا تھا تا وہ اُس کے ظہور کی سرزمین میں نمودار ہوکر اُس کی صداقت کی شہادت دیں۔

نہم۔ یسعیا نبی نے بھی آخر زمانہ میں مشرق کی سرزمین میں ایک راستباز اور صادق کے پیدا ہونے کی خبر دی ہے۔ ملاحظہ ہو یسعیا باب ۴۱ آیت ۲۔ یسعیا کی یہ پیشگوئی مہدی موعود پر ہی صادق آسکتی ہے اور اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابتدا سے مہدی کے ظہور کے لیئے مشرق کی زمین ہی مقدر تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

دہم۔ مہدی کے ظہور کے لیئے مختلف مقامات بیان کیئے گئے تھے۔ اسلیئے یہ ممکن نہیں تھا کہ مہدی ان سب مقامات میں ظاہر ہو۔ وہ صرف ایک ہی مقام میں ظاہر ہو سکتا تھا۔ اُن مقامات میں سے ایک مقام مشرق بھی تھا سو واقعات نے ثابت کردیا کہ ان مختلف مقاموں میں سے جس مقام میں مہدی کے لیئے ظاہر ہونا مقدر تھا وہ

مشرق ہی تھا۔ اب یہ جھگڑا کرنا بے سود ہے کہ مہدی فلاں مقام میں کیوں ظاہر نہیں ہوا۔ مہدی نامزدہ مقاموں میں سے صرف ایک ہی مقام میں ظاہر ہو سکتا تھا۔ سو وہ ایک میں ظاہر ہو گیا۔ پھر جس مقام میں وہ ظاہر ہوا ہے وہ ایسا مقام ہے جس کے بارے میں شہادت بھی زبردست ہے اور ایک روایت نہیں بلکہ کئی روایتیں اور کئی دلائل اس کی تائید کرتے ہیں اب انصاف پسند آدمی کے لیئے انکار کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی۔ واقعات نے ایک مقام کو منتخب کر لیا اور شہادت قویہ بھی اُسی کی تائید کرتی ہے مہدی نے ایک طرف مشرق میں ظاہر ہو کر اُن احادیث کو پورا کیا جن میں لکھا تھا کہ مہدی مشرق میں ظاہر ہو گا دوسری طرف قادیان میں پیدا ہو کر کدعہ والی حدیث کو پورا کیا پس وہ ایسے مقام میں ظاہر ہوا جسکی صرف ایک حدیث تصدیق نہیں کرتی بلکہ کئی احادیث تصدیق کرتی ہیں۔ اس کے متعلق ہمارا یقین اور بھی بڑھتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ جس حدیث کی بنا پر بڑے وثوق سے کہا جاتا تھا کہ مہدی مدینہ میں پیدا ہو گا اور مکہ میں ظاہر ہو گا وہ حدیث مہدی موعود کے متعلق نہیں بلکہ عبداللہ بن زبیر کے متعلق ہے اور خراسان والی روایت عباسی خلفاء کے زمانہ میں پوری ہو چکی ہے۔ ان امور کو دیکھکر ہمارا یقین اور بھی بڑھتا ہے کہ مہدی کے لیئے مقام ظہور مشرق ہی ہونا چاہیئے تھا۔

مہدی کا نسب

مَیں پہلے دکھا آیا ہوں کہ مختلف خاندانوں نے مہدی کی نسبت دعویٰ کیا کہ وہ اُن میں سے ہو گا۔ چونکہ مہدی کی نسب کے متعلق احادیث میں خود پھوٹ پڑی ہوئی ہے اس لیئے ہمیں چنداں ضرورت نہ تھی کہ ہم ان روایات پر کوئی بحث کرتے۔ مگر ایک امر کی وجہ سے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ نسب کے سوال پر بھی کچھ بحث کیجاوے اگرچہ روایتوں میں مہدی کے نسب کے بارے میں اتفاق نہیں اور کئی خاندان اس کے

کے مدعی ہیں کہ مہدی ہم میں سے ہوگا۔ لیکن مسلمانوں نے ایک خاندان کے دعویٰ پر زیادہ توجہ کی ہے اور آجکل مسلمانوں کا عام خیال یہ ہے کہ مہدی بنی فاطمہ میں سے پیدا ہوگا پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مہدی کے فاطمی ہونے کے سوال پر کچھ غور کیا جاوے۔

مَیں اس مضمون کے ایک پہلے حصہ میں مسیح اور مہدی کا ایک ہونا ثابت کر چکا ہوں۔ اس سے مہدی کے نسب کا سوال حل ہو جاتا ہے۔ مسیح ہی مہدی موعود تھا اس لیئے مہدی موعود فاطمی نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح کے زمانہ میں قریش سے امامت چھین لی جائے گی (ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۵) اور مسیح موعود کے متعلق فرمایا امامکم منکم یعنی وہ تم میں سے تمھارا ایک امام ہوگا کسی خاص خاندان کا نام بیان نہیں فرمایا۔ اب چونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ مسیح اور مہدی ایک ہی ہیں اور مسیح موعود کے متعلق کسی مسلمان کا اعتقاد نہیں ہے کہ وہ فاطمی ہوگا اس لیئے ہم مہدی موعود کے فاطمی ہونے کے عقیدہ کو خیر باد کہہ سکتے ہیں اور ان روایتوں کو بھی اُسی فہرست میں رکھ سکتے ہیں جس میں دوسری روایتیں رکھی جاتی ہیں جن میں لکھا ہے کہ مہدی موعود بنی عباس میں سے یا کسی اور خاندان میں سے ہوگا۔ لیکن میرے خیال میں ضروری نہیں کہ فاطمی مہدی والی روایات کو بالکل رد کر دیا جاوے۔ اور مَیں یہ بالکل ممکن خیال کرتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ مہدی میرے اہل بیت میں سے ہوگا مگر میری رائے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو ٹھیک طور پر سمجھا نہیں گیا۔ ابن ماجہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المھدی منا اھل البیت یصلحہ اللہ بہ فی لیلۃ یعنی مہدی ہم میں سے میرے اہل بیت میں سے ہے خدائے تعالیٰ ایسے وقت میں جب گناہ ہوں کی

تاریکی پھیلی ہوئی ہوگی اُس کے ذریعہ اصلاح اُمّت کرے گا یعنی وہ مجدد ہوگا۔
لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں منا اھل البیت (ہم میں سے میرے اہل بیت
میں سے) کے یہ معنے نہیں کہ مہدی موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی
ظاہری خاندانی رشتہ ہوگا بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ مہدی موعود روحانی طور پر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ رکھتا ہوگا۔ اگر کوئی پوچھے کہ اس کا کیا ثبوت
ہے کہ منا اھل البیت سے جسمانی اور خون کا تعلق مراد نہیں ہے بلکہ روحانی
رشتہ مراد ہے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہٖ یہی الفاظ
سلمان فارسی کے متعلق استعمال فرمائے تھے اور فرمایا تھا کہ سلمان منا
اھل البیت یعنی سلمان ہم میں سے میرے اہل بیت میں سے ہے حالانکہ
سب جانتے ہیں کہ سلمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ظاہری جسمانی
رشتہ نہ تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان الفاظ کے استعمال کرنے سے یہ مراد
تھی کہ سلمان کو ہم سے روحانی اتحاد ہے۔

جو الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا حدیث میں مہدی کے
متعلق استعمال فرمائے وہی الفاظ بغیر کسی فرق کے سلمان فارسی کے حق میں
استعمال فرمائے۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان الفاظ کی بنا پر یہ زور دیا جاوے
کہ مہدی موعود ضرور ہی ظاہری طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضؓ
کی اولاد سے ہونا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد صرف روحانی اتحاد
بیان کرنا تھا اس سے زیادہ نہیں۔ ان معنوں کی قرآن مجید بھی تائید کرتا ہے
کیونکہ وہ بھی انبیاءؑ کی صورت میں ظاہری رشتہ کو رشتہ قرار نہیں دیتا بلکہ کسی
نبی سے رشتہ رکھنے کے لیئے روحانی تعلق معیار ٹھہراتا ہے۔ قرآن شریف کے
رُو سے صرف اسی صورت میں کوئی شخص کسی نبی کی اولاد کہلا سکتا ہے جب وہ

صالح ہو اور نبی سے روحانی پیوستگی رکھتا ہو ورنہ خواہ وہ حقیقی بیٹا ہی کیوں نہ ہو خدا کے نزدیک وہ نبی کا بیٹا نہیں کہلا سکتا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے حق میں دعا کرتے ہوئے عرض کی ان ابنی من اھلی یعنی میرا بیٹا میرے اہل بیت میں سے ہے تو خدائے تعالیٰ نے دعا کو نامنظور کر کے فرمایا انہ لیس من اھلك انہ عمل غیر صالح۔ یعنی وہ تیرا اہل نہیں کہلا سکتا ہے کیونکہ وہ نیکوکار نہیں ہے۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے رُو سے اہل سے مراد روحانی رشتہ ہے صرف جسمانی رشتہ سے کوئی شخص کسی نبی کا اہل نہیں کہلا سکتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے بھی لفظ اہل بیت اسی روحانی معنے میں استعمال کیا جب آپ نے مہدی کے متعلق اور سلمان فارسی کے متعلق فرمایا منا اھل البیت۔ یہ بات ایک اور حدیث سے صاف ہو جاتی ہے ابو داؤد میں ہے لو لم یبق من الدنیا الا یوم لطول اللہ ذلك الیوم حتیٰ یبعث فیہ رجلاً منی او من اھل بیتی یوا طئ اسمہ اسمی و اسم ابیہ اسم ابی۔ یعنی اگر دنیا کا ایک دن بھی باقی رہ گیا تو خدائے تعالیٰ اُس دن کو لمبا کر دیگا یہانتک کہ مبعوث کرے اس میں ایک شخص مجھ میں سے یا میرے اہل بیت میں سے اُس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا اور اُس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق ہوگا۔ راوی کو شک ہے آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے منی (مجھ سے) فرمایا یا من اھل بیتی (میرے اہل بیت میں سے) فرمایا۔ اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ منی اور من اھل بیتی کے ایک ہی معنے ہیں۔ ابو داؤد اور حکم میں ایک اور حدیث ہے جس میں صرف منی کا لفظ آیا ہے من اھل بیتی کا لفظ نہیں آیا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ حسب ذیل ہیں المھدی منی اجلی الجبھۃ الحدیث یعنی مہدی مجھ میں سے ہے روشن پیشانی والا وغیرہ۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ ان دو حدیثوں میں جو منی (مجھ سے) کا لفظ آیا ہے اسکے کیا معنے ہیں۔ اس مضمون کے ایک گذشتہ حصہ میں میں ایک حدیث نقل کر چکا ہوں جس میں بعینہٖ یہ لفظ آتا ہے اُس سے معلوم ہوجائیگا کہ لفظ منی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کن معنوں میں استعمال کیا ہے وہ حدیث حسب ذیل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیر ھذہ الامۃ اولھا و اٰخرھا۔ اولھا فیھم رسول اللّٰہ صلعم و اٰخرھا فیھم عیسی بن مریم و بین ذٰلک فیج اعوج لیسوا منی ولست منھم۔ یعنی اس اُمت کا اوّل وآخر سب سے بہتر ہے اس اُمت کا پہلا گروہ اس لیئے سب سے بہتر ہے کہ ان میں خدا کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور اسکا آخری گروہ اس لیئے بہتر ہے کہ اُن میں عیسی بن مریم ہوگا۔ اور ان دونوں گروہوں کے درمیان کے لوگ ایک ٹیڑھا گروہ ہیں وہ مجھ سے نہیں اور نہ میں اُن سے ہوں اس حدیث میں منی (مجھ سے) سے مراد کوئی جسمانی رشتہ نہیں بلکہ روحانی تعلق مراد ہے اگر اس حدیث میں لیسوا منی (وہ مجھ سے نہیں) کے یہ معنے ہیں کہ ان لوگوں کا میرے ساتھ کوئی روحانی تعلق نہیں نہ یہ کہ ان لوگوں کا میرے ساتھ کوئی نسبی اور جسمانی تعلق نہیں ہے تو المھدی منی کے یہ معنے ہونے چاہیئے کہ مھدی کا اور میرا روحانی رشتہ ایسا ہوگا کہ گویا ہم ایک ہی ہیں نہ یہ کہ مھدی میری اولاد میں سے ہوگا جو کچھ میں اوپر لکھ چکا ہوں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہم مان لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مھدی کی نسبت فرمایا کہ وہ مجھ میں سے ہوگا یا میرے اہل بیت میں سے ہوگا یا ان الفاظ کے ہم معنی کوئی اور لفظ استعمال فرمایا تو اس میں کچھ حرج کی بات نہیں کیونکہ ان الفاظ سے روحانی اتحاد مراد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہٖ یہی الفاظ ایسے اشخاص کے متعلق استعمال فرمائے جہاں کوئی نسب کا

تعلق مراد نہیں تھا بلکہ صرف روحانی تعلق مراد تھا۔

میں یہ بھی ممکن خیال کرتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ہو کہ مہدی تجھ میں سے ہو گا کیونکہ احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ و السلام کے سلسلہ نسب میں بعض سید زادیاں بھی تھیں۔ اور اس طرح آپ حضرت فاطمہ الزہرا رضی کے خون سے بھی حصہ رکھتے تھے۔ نیز آپ نے ایک کشف میں حضرت فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ کو دیکھا اور آپ کا سر مبارک حضرت فاطمہؓ کی ران پر تھا اور وہ آپ سے اس طرح پیار کرتی تھیں جس طرح ماں اپنے بچے سے پیار کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ روحانی عالم میں آپ حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان روایتوں میں کچھ حق ہے جن میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی مجھ میں سے یا میرے اہل بیت میں سے ہو گا مگر غلطی سے ان الفاظ کو جسمانی رنگ میں سمجھا گیا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کے متعلق کچھ فرمایا تو اس سے مراد صرف روحانی مشابہت تھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں تھا اور جو کچھ اس سے بڑھکر بیان کیا جاتا ہے وہ مبالغہ ہے حق اتنا ہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منی یا من اھل بیتی کہکر روحانی مشابہت کی طرف اشارہ فرمایا مگر ظاہری الفاظ پر اور جسمانی معنوں پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور عباسیوں کی حراقت کی وجہ سے بہت کچھ مبالغہ کیا گیا ہے۔

یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد جسمانی رشتہ نہیں تھا اس سے بھی ظاہر ہے کہ بعض احادیث میں مہدی کی نسبت صرف اتنا ہی بیان کیا گیا ہے کہ وہ اُمت میں سے ہو گا چنانچہ ابوداؤد میں ابوسعید الخدری سے روایت ہے

قال سمعت رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم یقول یخرج رجل من

اُمّتی یقول بسنتی الحدیث ابوسعید کہتا ہے کہ مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ میری اُمّت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو میری سُنّت کی تعلیم دیگا اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا۔ نیز بزار و طبرانی ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی اُمّت میں پیدا ہوگا۔

احادیث سے اگر مہدی کے خاندان کے متعلق کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ فارسی الاصل ہوگا۔ میں گذشتہ پرچہ میں ثابت کر آیا ہوں کہ رجل فارسی الاصل اور مسیح اور مہدی ایک شخص کے مختلف نام ہیں۔ اُن دلائل کے یہاں دُہرانے کی ضرورت نہیں اور احمد قادیانی علیہ الرحمۃ ضرور فارسی الاصل تھے۔ آپ کے بزرگ سمرقند سے بابر بادشاہ کے عہد میں ہندوستان میں تشریف لائے تھے۔ الغرض کئی دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی نے حسن یا حسینؓ کی اولاد سے نہیں ہونا تھا (۱) ملکی حرافت کے زمانہ میں مختلف خاندان ایک دوسرے کے ساتھ ضد کر کے یہ دعویٰ کرتے تھے کہ مہدی ہم میں سے ہوگا۔ (۲) جن احادیث میں ان مختلف خاندانوں کی طرف سے یہ دعویٰ پایا جاتا ہے کہ مہدی ہم میں سے ہوگا وہ سب مجروح ہیں۔ (۳) اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی مجھ سے یا میرے اہل بیت سے ہوگا تو اس سے مراد صرف روحانی مشابہت تھی ظاہری نسب مراد نہیں تھی۔ (۴) مسیح موعودؑ کے زمانہ میں کوئی قریشی امام نہیں ہوسکتا تھا۔ (۵) مہدی موعودؑ مسیح موعود کا ہی دوسرا نام ہے اور مسیح موعودؑ نے حسن یا حسین کی اولاد میں سے نہیں ہونا تھا بلکہ اُس کی نسبت آنحضرت صلعم نے فرمایا امامکم منکم یعنی تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا یعنی اس کے متعلق عام طور پر فرمایا کہ وہ اس اُمت میں سے

ہوگا۔ حسنؓ یا حسینؓ کی اولاد سے نہیں فرمایا۔ (۶) مہدی موعودؑ کے متعلق ایسی احادیث بھی ہیں جن میں اُسکا عام طور پر اُمت میں سے پیدا ہونے کا ذکر ہے کسی خاندان کا ذکر نہیں۔ (۷) مہدی موعودؑ بجائے اس کے کہ حسنؓ یا حسینؓ کی اولاد سے ہو فارسی الاصل ہونا چاہیئے تھا

مہدی موعود کا نام

بعض احادیث میں لکھا ہے کہ اُس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے نام کے مطابق ہوگا اور اس کے باپ کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے نام پر ہوگا۔ ان احادیث کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ مہدی موعودؑ کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا۔ مَیں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ منکرین مہدی کا قول ہے کہ یہ حدیث اُس زمانہ میں جبکہ بنی فاطمہ تخت گیری کی کوشش کر رہے تھے ایک شخص محمد بن عبداللہ پر چسپاں کرنے کے لیئے بنائی گئی تھی جسکی نسبت زید شہید نے مرتے وقت خلافت کے لیئے سفارش کی تھی۔ لیکن اگر اس قول کو رد بھی کر دیا جائے تو ان احادیث کے یہ معنے نہیں کہ مہدی موعود کو ماں باپ کی طرف سے محمد بن عبداللہ کا نام دیا جاویگا اور لوگوں میں اسکا نام محمد بن عبداللہ مشہور ہوگا۔ مہدی موعودؑ نے دو حیثیتوں میں ظاہر ہونا تھا ایک حیثیت اسکی یہ تھی کہ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ و نائب ہوکر آنا تھا۔ دوسری حیثیت اُس کی یہ تھی کہ اُسنے اسرائیلی مسیح کے لیئے مثیل ہوکر آنا تھا سو دوسری حیثیت کے لحاظ سے یعنی مثیلیت مسیح کے لحاظ سے پیشگوئی میں اُسکا نام عیسی بن مریم رکھا گیا اور پہلی حیثیت کے لحاظ سے یعنی آنحضرت صلعم کی نیابت کے لحاظ سے یا یوں کہو کہ مہدویت کے لحاظ سے اُس کا نام محمد بن عبداللہ تھا۔ افسوس کی بات ہے کہ آجکل کے مسلمانوں میں پیشگوئیوں کا فہم بھی نہیں رہا۔

حالانکہ اس قسم کی پیشگوئیوں کے سمجھنے کے لیئے ہمارے پاس مثالیں بھی موجود ہیں یوحنا بپتسمہ دینے والے کا نام خدائے تعالیٰ کے کلام میں ایلیا رکھا گیا۔ اسی طرح مہدی مسیح کا نام اُس کی دو حیثیتوں کے لحاظ سے عیسیٰ بن مریم و محمدؐ بن عبداللہ رکھا گیا۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ پیشگوئیوں میں جو نام دیئے جاتے ہیں وہ صفاتی نام ہوتے ہیں اور یہ خیال کرنا غلطی ہے کہ جب تک موعود اسی نام کے ساتھ لوگوں میں مشہور نہ ہو جو نام پیشگوئی میں اُس کو دیا گیا ہے اسکو قبول نہ کرنا چاہیئے۔ دیکھو تم خود مانتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد احمدؐ کے آنیکی خبر دی اور تم اس پیشگوئی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے ہو حالانکہ آپ کا نام جو ماں نے آپ کو دیا اور جو لوگوں میں مشہور تھا وہ محمدؐ تھا نہ احمدؐ۔ نبوت سے پہلے کون آپ کو احمدؐ کرکے پکارتا تھا پھر تم احمدؐ کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں لگاتے ہو۔✻ غرض پیشگوئیوں کے نام صفاتی نام ہوتے ہیں اور یہ خیال کرنا جہالت ہے کہ جب تک موعود اُسی نام سے لوگوں میں مشہور نہ ہو جو نام اسکو پیشگوئی میں دیا گیا ہے اُسکو سچا نہیں ماننا چاہیئے۔ بائبل کو پڑھو اُسکی پیشگوئیوں میں تم ایسے نام کثرت سے پاؤ گے کیا تم میں ایسے مدعی پہلے پیدا نہیں ہو چکے جنکا نام محمدؐ بن عبداللہ تھا مگر پھر تم نے اُنکو قبول نہ کیا حالانکہ اُن والی پیشگوئی تمہارے ہی معنوں میں اُنکے حق میں پوری ہو چکی تھی مدعی نام سے نہیں پہچانے جاتے بلکہ اپنے نشانوں سے شناخت کیئے جاتے ہیں۔ غرض چونکہ آخری زمانہ کے موعودؑ کی دو حیثیتیں تھیں اس لیئے وہ دو ناموں کے ساتھ دنیا میں آیا۔ مسیحیت کے لحاظ سے وہ عیسیٰ بن مریم تھا اور مہدویت کے لحاظ سے وہ محمدؐ بن عبداللہ تھا۔ اسی روحانی مشابہت کے واسطے مہدی موعود کے حق میں ایک روایت میں لکھا ہے یشبھہ فی الخلق ولا یشبھہ فی الخُلق یعنی مہدی موعودؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی خُلق و صفات

✻ شاہ عبدالقادر اپنی کتاب موضح القرآن میں آیت یأتی من بعدی اسمہ احمد پر مندرجہ ذیل نوٹ لکھتے ہیں "حضرتؐ کا نام دنیا میں محمدؐ رکھا گیا اور فرشتوں میں احمدؐ ہے" ملاحظہ ہو حاشیہ ترجمہ

میں مشابہ ہوگا نہ جسمانی طور پر۔

بعض احادیث میں مہدی موعودؑ کا نام احمد بھی آیا ہے اور اس نام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی یگانگت رکھتا تھا۔

وہ علامات جو احمدؑ کی ذات اور زندگی میں پوری ہوئیں

احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی کا ایک اور ثبوت اس بات میں پایا جاتا ہے کہ وہ تمام علامات جو مہدی کے وجود باجود میں اور اس کی زندگی میں پوری ہونی تھیں وہ احمدؑ کی مقدس ذات اور زندگی میں پوری ہوگئیں۔ ان میں سے بعض کو یہاں لکھا جاتا ہے۔

ا۔ عن کعب قال یطلع من المشرق قبل خروج المہدی نجم له ذنب یضئی اخرجه نعیم۔ یعنی مہدی کے ظاہر ہونے سے پہلے مشرق کی طرف سے ایک ستارہ نکلیگا جسکی ایک دُم ہوگی نہایت روشن۔ حدیثوں میں اس ستارہ کا نام ذوالسنین بھی ہے۔ یہ ستارہ ۱۸۸۲ء میں حضرت مہدی علیہ السلام کی زندگی میں نکلا تھا جبکہ آپنے ابھی مہدویت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اسکی دُم مور کی دُم کی طرح لمبی اور روشن تھی اور طلوع آفتاب سے پہلے وہ آسمان میں مشرق کی طرف دکھائی دیا کرتا تھا۔ ابھی تک یہ نظارہ ان لوگوں کو خوب یاد ہوگا جنہوں نے اسکو دیکھا تھا۔

ب۔ مہدی کی دوسری نشانی مشرق میں آگ کا ظاہر ہونا تھا۔ عن حسین بن علی رضی اللہ عنہما قال اذا رأیتم علامة من السماء نارا عظیمة من المشرق تطلع لیلا فعندها فرج الناس وهی اقدام المهدی یعنی جب تم آسمان میں ایک نشان دیکھو یعنی مشرق سے ایک بڑی آگ ظاہر ہو پس جان لو کہ لوگوں کے لیئے اب اچھے دن آنیوالے ہیں کیونکہ وہ مہدی کے لیئے ایک پیش خیمہ ہوگی۔ پھر امام محمد بن باقر سے مروی ہے اذا رأیتم النار

من المشرق ثلٰثة ایام او سبعة ایام فتوقعوا فرج ال محمد ان شاء اللّٰہ
یعنی جب تم مشرق سے آگ دیکھو جو تین یا سات دن تک دکھائی دے تو اُمید کرو کہ مسلمانوں کے بھلے دن آنیوالے ہیں۔

یہ آگ ۱۸۸۳ء میں مشرق میں ظاہر ہوئی جس کی وجہ جزیرہ جاوا کے پہاڑوں کی آتش فشانی تھی جو کہ ۱۸۸۳ء میں واقع ہوئی اس حدیث کی نسبت اقتراب الساعة کا مصنف لکھتا ہے "جاوا کی آگ بھی گویا اسی کا نمونہ ہے۔ جو اِس ۱۳۰۱ ہجری میں ظاہر ہوئی" صفحہ ۷۶۔ ۱۸۸۹ء میں حضرت اقدس علیہ السلام نے لوگوں کو بیعت کی دعوت دی۔ اسطرح ان نشانات کے ساتھ ہی مہدی کا ظہور واقع ہوا جس کی خبر حدیثوں میں بتلائی گئی تھی۔

ج۔ ایک تیسری علامت جو اکیلی ہی حضرت اقدس میرزا غلام احمد صاحب کے دعویٰ مہدویت کی سچائی ثابت کرنے کے لیئے کافی تھی وہ رمضان میں کسوف خسوف کا ان تاریخوں پر واقع ہونا تھا جن کا ذکر حدیث میں ہے۔

عن محمد بن علی قال ان لمهدینا اٰیتین لم تکونا منذ خلق السمٰوٰت والارض ینکسف القمر لاول لیلة من رمضان وتنکسف الشمس فی النصف منه۔ یعنی محمد بن علی باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہماری مہدی کے لیئے دو نشانیاں ہیں جو پہلے کبھی واقع نہیں ہوئیں یعنی رمضان کے مہینہ میں چاند گرہن کی تاریخوں میں سے پہلی تاریخ پر چاند کو گرہن ہوگا اور اسی مہینہ میں سورج گرہن کے دنوں میں سے درمیانی تاریخ کو سورج کو گرہن ہوگا۔"

یہ پیشگوئی لفظ بلفظ رمضان ۱۳۱۱ ہجری مطابق ۱۸۹۴ء میں پوری ہوئی۔ چاند گرہن تیرھویں رمضان کو واقع ہوا جو کہ چاند گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات ہے اور سورج گرہن ۲۸ رمضان کو واقع ہوا جو کہ سورج گرہن کی تاریخوں میں

درمیانی دن ہے۔ اسطرح حضرت اقدسؑ کے دعاوی کے لیئے وہ ثبوت خدا نے دیا
جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس واقع سے پہلے حضرت اقدسؑ نے اپنے دعووں
کی خوب اشاعت کردی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپکے دعاوی کی تصدیق کیلیئے
آسمان پر ایک ایسا نشان دکھلایا جس کی تاریخ تیرہ سو برس پہلے مقرر ہو چکی تھی۔ اس
نشان کے پورا ہونے سے نہ صرف حضرت اقدسؑ کے دعاوی کی ہی تصدیق ہوئی
بلکہ اس نبی کامل کی بھی پوری تصدیق ہوتی ہے جس نے ایک واقع کی تیرہ سو برس
پہلے خبر دی تھی۔ یہ کسوف اور خسوف دوسرے سال دوبارہ کرہ ارض کے دوسرے
حصوں میں واقع ہوئے اور اسطرح سے وہ پیشگوئی پوری ہوئی جس میں یہ لکھا تھا
کہ یہ کسوف خسوف دوبار رمضان میں مہدی کے زمانہ میں واقع ہوگا (یہ پیشگوئی ملاحظہ
ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۴)

بعض نے یہ اعتراض کیا ہے کہ کسوف اور خسوف رمضان کی پہلی رات اور
درمیانی دن کو واقع ہونے چاہیئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معترضین کو اس بات کا
علم نہیں کہ موجودہ حالات کے ماتحت ایسا واقعہ ایک بالکل ناممکن الوقوع امر ہے۔
پیشتر اس کے کہ ایسا واقع ہو جائے نظام دنیا تمام تہ و بالا ہو جائے اور دنیا کا خاتمہ
ہو جائے۔ جبتک یہ چاند اس زمین کے گرد گھومتا رہیگا اور زمین سورج کے گرد
اسطرح سے گردش کرتی رہے گی جسطرح کہ یہ اب کرتی ہے اور کرتی آئی ہے اسوقت سے
جبکہ یہ دَور شروع ہوا سورج اور چاند صرف ان تاریخوں پر واقع ہوتے رہیں گے
جو ان کے لیئے مقرر ہو چکی ہیں اور ان سے باہر ہرگز نہیں۔ اس اعتراض کی لغویت
ایک اور طرح سے ظاہر ہے۔ اگر چاند گرہن نے رمضان کی پہلی تاریخ کو واقع ہونا تھا تو
اس حالت میں دکھائی کب دیتا اور کس کو دیتا۔ نیا چاند تو خود ایک ایسی چیز ہے
جو مشکل سے نظر آیا کرتا ہے۔ پھر کسطرح پہلی رات کا چاند اس حالت میں جبکہ اُسے

گرہن بھی لگا ہو لوگوں کو نظر آسکتا ہے اور کسطرح سے مہدی موعودؑ کے لیئے نشان ٹھہر سکتا ہے ؟ علاوہ ازیں اگر نبی کریمؐ کا منشا پہلی رات کے چاند سے تھا تو آپ ہلال کا لفظ استعمال فرماتے نہ کہ قمر جس کا اطلاق عموماً ایسی حالت پر ہوتا ہے جبکہ چاند ہلال کی حالت سے نکل جاتا ہے۔ پیشین گوئی کا خود طرز وقوع اسبات کے لیئے ایک شہادت ہے کہ نبی کریم کا کیا منشا تھا۔ چاند گرہن گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات میں واقع ہوا اور سورج گرہن گرہن کی تاریخوں میں سے درمیانی تاریخ میں واقع ہوا۔ یہ بات صاف طور سے ظاہر کر دیتی ہے کہ نبی کریمؐ کا منشا پہلی گرہن کی رات سے تھا نہ کہ رمضان کی پہلی تاریخ سے اسی طرح آپ کا منشا درمیانی گرہن کی تاریخ سے تھا نہ کہ مہینے کے درمیانی دن سے۔ کسوف خسوف کا پہلی اور درمیانی گرہن کی تاریخوں میں واقع ہونا نبی کریمؐ کے الفاظ کی خود تفسیر کرتا ہے۔ چاند گرہن کے لیئے تین راتیں اور سورج گرہن کے لیئے تین دن مقرر ہیں اس لیئے یہ خسوف وکسوف نو مختلف طریقوں میں ہو سکتا تھا۔ کسوف وخسوف کا اسطرح سے واقع ہونا جو کہ نبی کریمؐ کے الفاظ کے عین منشا کے مطابق ہو اور باقی کے آٹھ طریقوں میں واقع نہ ہونا صاف بتلاتا ہے کہ تاریخوں سے مراد گرہن کی تاریخیں ہیں جن کی طرف نبی کریم نے اشارہ کیا تھا۔

گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات چاند گرہن اور سورج کا اپنی گرہن کی تاریخوں میں درمیانی دن گرہن ہونا اور رمضان کی پہلی رات اور درمیانی دن کو انکا واقع نہ ہونا اور بھی کئی طرح سے ظاہر ہے۔ حافظ مولوی محمد لکھو کی والے (ضلع لاہور) جو کہ پنجاب کے مشہور مصنف گذرے ہیں اپنی ایک پنجابی نظم میں جسکا نام احوال الآخرت ہے لکھتے ہیں۔

تیرھویں چن ستیویں سورج گرہن ہوسی اس سالے
اندر ماہ رمضان دسے لکھیا اک روایت والے

(یعنی مہدی کے زمانے میں چاند گرہن تیرھویں رمضان اور سورج گرہن ستائیسویں رمضان میں واقع ہوگا۔ اسطرح ایک حدیث میں آیا ہے۔"

اگرچہ ان دونوں تاریخوں میں سے ایک تاریخ یعنی سورج گرہن کی تاریخ جس کا ذکر پنجابی مصنف نے کیا ہے اس تاریخ سے نہیں ملتی جس کا ذکر مذکورہ بالا حدیث میں ہے۔ تاہم وہ حدیث جس کی طرف وہ پنجابی مصنف اشارہ کرتا ہے رمضان کی پہلی رات اور پہلے دن کا ذکر نہیں کرتی۔ اسطرح ہم بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ پہلی رات سے نبی کریم کا منشا گرہن کی پہلی رات سے اور درمیانی دن سے مراد آپکی سورج گرہن کی دوسری تاریخ ہے اور یہ امر کہ اس حدیث میں جس کو مولوی محمد صاحب نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے بجائے ۲۸ کے ۲۷ تاریخ کا ذکر ہے اس کا کچھ مضائقہ نہیں ممکن ہے کہ راوی نے سہوًا ایسا کہہ دیا ہو۔ اس واقعہ کا درمیانی تاریخ پر واقعہ ہونا صاف بتلاتا ہے کہ اصل تاریخ درمیانی ہے اور ۲۷ رمضان کی تاریخ غلط ہے۔ لیکن روایت کی تھوڑی سی غلطی اسکی وقعت کو ذرا بھی کم نہیں کرتی اور یہ روایت صاف طور پر ثابت کر رہی ہے کہ کسوف خسوف نے پہلی اور پندرہ رمضان کو واقع نہیں ہونا تھا جسپر آجکل کے مُلّا اس قدر زور دیتے ہیں۔ وہ حدیث جسکا ذکر مولوی محمد لکھوکے نے اپنی کتاب میں کیا ہے اسکو ایک اور مولوی نے بھی جس کا نام محمد رمضان ہے اپنی کتاب میں درج کیا ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب آخرگت میں لکھتے ہیں۔

کہیں ہیں کہ اُس سال رمضان میں ۔ سورج چاند کے گہن دونوں سنہیں
پہل تیرھویں چاند کا گہن ہو ۔ ستائیسویں گہن سورج کا ہو

اور یہ دونوں مصنف مہدی موعودؑ کے دعوے سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور یہ امر کہ کسوف خسوف کا رمضان میں واقعہ ہونا نبی کریمؐ کی پیشین گوئی کا پورا ہونا

ہے اس کا ثبوت ایک اور ہندوستان کے بزرگ کے ایک فارسی شعر سے ملتا ہے جو زبان زد عوام ہے اور وہ یہ ہے۔

در سن غاشی ہجری دو قران خواہد بود ۔ از پئے مہدی و دجال نشان خواہد بود

یعنی "ابجد کے لحاظ سے لفظ غاشی سے جو سن نکلتا ہے اس میں یعنی ۱۳۱۱ھ میں دو قران واقع ہونگے اور یہ مہدی اور دجال کے خروج کا نشان ہونگے" یہ صاف بات ہے کہ وہ بزرگ ان دو گرہنوں کی طرف اشارہ کرتا تھا جو کہ ۱۳۱۱ھ میں ایک ہی مہینہ میں واقع ہوئے۔ اس طرح سے یہ پیشین گوئی بھی سچی نکلی اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ۱۳۱۱ھ ماہ رمضان میں دو گرہنوں کا واقع ہونا نبی کریمؐ کی پیشین گوئی کا پورا ہونا ہے اور حضرت مہدی موعود علیہ السلام کیلئے ایک نشان ہے۔

د۔ حضرت مہدی موعودؑ کی زندگی کے بعض واقعات حدیثوں میں پہلے سے بتلائے گئے ہیں۔ مثلاً لکھا ہے ینادی مناد من السماء ان الحق فی آل محمد و ینادی مناد من الارض الا ان الحق فی آل عیسیٰ وانما الاسفل کلمۃ الشیطان والصوت الاعلیٰ کلمۃ اللہ العلیا اخرجہ نعیم

یعنی ایک پکارنیوالا آسمان سے پکاریگا کہ اے لوگو خبردار ہو جاؤ کہ حق آل محمد کے ساتھ ہے اور ایک پکارنیوالا زمین سے آواز دیگا کہ تحقیق معلوم ہو تمہیں اے لوگو حق آل عیسیٰ کی طرف ہے۔ (تو یاد رکھو اے مسلمانو اور سننے والو) کہ زمینی آواز تو شیطان کی ہوگی اور آسمانی آواز خدا کے الفاظ ہونگے اور خدا ہی کے الفاظ آخر سچے نکلیں گے" پھر ایک اور حدیث ہے عن علی رضی اللہ عنہ قال اذا نادی مناد من السماء ان الحق فی آل محمد فعند ذالک یظہر المہدی علیٰ افواہ الناس ویشربون حبہ ولا یکون لہم

ذکرہ غیرہ - رواہ نعیم - یعنی جب ایک پکارنیوالا آسمان سے آواز دیگا کہ حق آل محمد کے ساتھ ہے تب لوگ حضرت مہدی کا ہی ذکر کرینگے اور اس کی محبت کا دم بھریں گے اور لوگ اسی کا ذکر کریں گے اور کسی چیز کا نہیں " اگر ہم ان دونوں حدیثوں کو ملا کر پڑھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ایک ہی امر کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور دونوں مہدی کے متعلق ہیں اور جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے وہ کوئی عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان جھگڑا ہے جو کہ حضرت مہدی موعود کے زمانہ میں واقع ہوگا اور اس واقعہ کے متعلق مختلف رائیں ہونگی مگر سچ مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہوگا وہ جنکو حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات کا علم ہے وہ فوراً دیکھ لیں گے کہ اس سے مراد وہ مباحثہ ہے جو بمقام امرتسر عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان واقعہ ہوا جس میں مسلمانوں کے وکیل حضرت میرزا غلام احمد صاحب تھے اور عیسائیوں کی طرف سے ڈپٹی عبداللہ آتھم تھا۔ اس مباحثہ کے بعد حضرت مرزا صاحب نے عبداللہ آتھم کی نسبت ایک پیشین گوئی کا اعلان کیا۔ اس پیشین گوئی میں عبداللہ آتھم کا پندرہ ماہ میں مرجانیکا ذکر تھا بشرطیکہ وہ حق کی طرف رجوع نہ کرے حالت رجوع میں سزا کے ٹل جانیکا وعدہ تھا۔ بسبب لمبی واقفیت کے آتھم کو مرزا صاحب کے پاکباز ہونیکا پورا یقین تھا۔ اس لئے پیشین گوئی کا اس کے دل میں رعب تھا۔ اسی جلسہ میں آتھم پر ایک تغیر واقعہ ہوگیا۔ جبکہ حضرت مرزا صاحب نے اسکو بتلایا کہ سزا اسے موت جسکا ذکر پیشین گوئی میں ہے اسوجہ سے ہے کہ اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کہا تھا تو اس نے اسی وقت فوراً اپنے کانوں پر ہاتھ رکھا جو کہ پوری ندامت کی نشانی تھی۔ اس واقعہ کے بعد کی زندگی بھی اس کی پہلی زندگی سے بالکل مختلف

تھی۔ اس نے انجیل کی منادی پھر کبھی نہ کی حالانکہ وہ ایک سرگرم واعظ تھا۔ پیشین گوئی کے اعلان کے بعد اس نے اسلام کے خلاف اور حضرت مسیح کی تائید میں کبھی کوئی کتاب نہ لکھی یہاں تک کہ ایک سطر بھی کبھی نہ تحریر کی حالانکہ اس کے پہلے اس نے کئی کتابیں اسلام کی تردید اور عیسائیت کی حمائت میں لکھی تھیں اور اس بات کے خود عیسائی شاہد ہیں کہ اس نے اپنی بقیہ عمر رونے اور ماتم کرنے میں گذار دی۔ اس کی مثال بعینہ حضرت یونس ؑ کی امت کی مثال تھی جنھوں نے کہ خدا کے غصہ کو اپنے ڈر ظاہر کرنے اور اپنے گناہوں سے پشیمانگی ظاہر کرنیسے ٹالدیا۔ ڈر سے کانپتے ہوئے آدمی پر کبھی خدا کا قہر نازل نہیں ہوتا۔ یہ ایک سنت اللہ ہے۔ اور یہ ضروری تھا کہ جیسا حضرت یونس ؑ کی امت کے ساتھ واقعہ ہوا تھا ویسا ہی آتھم کے ساتھ معاملہ ہوتا۔ اس سنت کو تمام مذاہب نے مانا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس سنت اللہ سے فائدہ اٹھانیکے لئے تمام مذاہب مصیبت کے وقت صدقہ و خیرات کا حکم دیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں اور انکا ایمان ہے کہ خدا کا غصہ سچی توبہ سے ٹلجاتا ہے کیونکہ خدا بے ترس اور بے رحم نہیں۔ بلکہ وہ بڑا رحیم اور بڑا مہربان ہے۔ المختصر آتھم بسبب خوف کے اور سچی توبہ کے ظاہر کرنیکے اس سزا سے بچ گیا کیونکہ اس نے اپنی زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی ظاہر کی۔ اور پیشین گوئی میں صاف طور سے بتلایا گیا تھا کہ یہ سزا اسی حالت میں اسپر وارد ہوگی اگر اس کے کرتوت وہی رہے جو پہلے تھے جب پندرہ ماہ گذر گئے تو عوام نے جن کو سنت اللہ کی کوئی خبر نہیں تھی بہت شور کیا حالانکہ نہ صرف قرآن شریف اور بائبل میں اسکا کھلے طور سے ذکر ہے بلکہ یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔ انہوں نے شور ڈالدیا کہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی۔ اسپر حضرت مرزا صاحب نے آتھم کو بلایا کہ وہ قسم کھا کر پبلک کے سامنے بیان کردے

کہ کیا وہ خوف سے کانپتا نہیں رہا اور کیا اسپر پیشین گوئی کا کوئی رعب نہیں پڑا۔ اور کیا اس نے اس شرط سے فائدہ نہیں اُٹھایا جس کا کھلے طور سے پیشین گوئی میں ذکر تھا۔ آپنے انعام بھی دینا چاہا اگر وہ اس بات کو قسم کھا کر بیان کر دے کہ پیشگوئی نے اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ آپنے فرمایا کہ آتھم خدا کے سامنے گریہ وزاری کرنے کی وجہ سے بچ گیا ہے اور اگر وہ قسم کھا کر بیان کر دے کہ اس نے ایسا نہیں کیا تو وہ ایک سال کے اندر مر جائیگا۔ آتھم اُسوقت ایک مشکل میں پھنس گیا ایک طرف تو وہ اپنی قوم سے ڈرا اور اس بات کو ظاہر نہ کیا کہ پیشین گوئی سے ڈر کر وہ ان پندرہ مہینوں میں جو پیشین گوئی کی میعاد تھی زار زار روتا رہا اور دوسری طرف اس کو اتنی بات کہنے کی بھی جرأت نہ تھی کہ پیشین گوئی نے اس کی زندگی میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا اس وجہ سے وہ بالکل چپ ہی ہو گیا حالانکہ پیشین گوئی کی وجہ سے جو تغیر اس میں واقعہ ہو گیا تھا اسقدر عیاں تھا کہ شک کی گنجایش تک نہ تھی کیونکہ اس نے عیسائیت کی حمائت کرنی بالکل چھوڑ دی تھی۔ اور وہ سرگرم پادری جس نے اپنی تمام زندگی انجیل کی اشاعت اور اسلام کی تردید میں صرف کر دی تھی اس پیشگوئی کے بعد ایک حرف نہ بولا اور . . . . اس نے عیسائیت کی تائید میں یا اسلام کی مخالفت میں کوئی حرف تک بھی نہ لکھا۔ اطرح اگرچہ پیشین گوئی نے اس کی ذات پر تو کوئی موت وارد نہ کی مگر اسکی مسیحی سرگرمی کو ضرور سرد کر دیا۔ اب وہ انجیل کا وہ دلدادہ واعظ اور اشاعت کنندہ نہ رہا جیسا کہ وہ پیشین گوئی کے اعلان سے پہلے تھا۔ چونکہ اسکے جوش مسیحیت اور مخالفت اسلام پر ایک موت وارد ہو گئی تھی اور چونکہ وہ اپنا وقت رونے اور چلانے میں گذارتا رہا اس سے خدا کا غضب نازل ہونے سے رُک گیا۔ خدا بڑا رحیم اور مہربان ہے اور اس کا غضب اس شخص پر کبھی نازل نہیں ہوتا جو ڈر سے کانپ

رہا ہو۔ قرآن شریف کی یہی صاف تعلیم ہے اور اسی قسم کی مثالیں بائبل میں بھی پائی جاتی ہیں۔ وہ کونسی بات تھی جس نے قوم یونسؑ سے عذاب کو ٹلوا دیا۔ کیا حضرت یونس علیہ السلام نے نہیں کہا تھا کہ چالیس دن میں عذاب آجائیگا؟ عذاب ٹل گیا کیونکہ لوگ خدائے تعالیٰ کی طرف ..... متوجہ ہو گئے تھے تو کیا ہمیں یہ کہنا چاہیئے کہ معاذ اللہ حضرت یونس علیہ السلام جھوٹے نبی تھے۔ نہیں نہیں وہ خدا کے ایک سچے مرسل تھے لیکن چونکہ خدا رحیم اور مہربان ہے اس لیئے وہ سچی توبہ کرنیوالوں کو نہیں پکڑتا۔ یہ دائمی سُنّت اللہ ہے اور اس سُنّت کا واقع ہونا ضروری تھا وہی سُنّت آتھم کے بارے میں واقع ہوئی مگر حضرت مرزا صاحب اور حضرت یونس علیہ السلام کی پیشینگوئی میں فرق ہے حضرت یونسؑ کی پیشگوئی میں یہ کوئی شرط نہ تھی کہ توبہ کرنے سے یہ پیشگوئی ٹلجائے گی مگر اس الہام میں جو کہ خدا کی طرف سے اس کے فرستادہ احمدؑ پر نازل ہوا اس میں یہ صاف طور سے مذکور تھا کہ آتھم کے لیئے عذاب سے بچ جانیکا موقعہ ہے اگر وہ خدا کی طرف متوجہ ہو جائے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وعید کی تمام پیشگوئیوں کے ساتھ یہ شرط لگی ہوئی ہوتی ہے۔ عذاب اس حالت میں بھی ٹلجاتا ہے اگر پیشگوئی کے ساتھ شرط نہ بھی ہو۔ یہ خدائے تعالیٰ کی رحیمانہ صفت کے مطابق ہے اور اگر انذاری پیشگوئی کے ساتھ شرط کھلے طور سے بیان نہ بھی کی جائے تب بھی اسے سمجھ لینا چاہیئے اور یہ ممکن ہے کہ عذاب ٹلجائے۔ لیکن احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی میں اِس شرط کا بوضاحت ذکر تھا اور خدائے تعالیٰ کے اٹل قانون کی طرف کہ رجوع سے عذاب ٹل جاتا ہے پہلے ہی ہلاک کو متوجہ کیا گیا تھا۔ یہ اٹل قانون الٰہی قرآن مجید میں کھلے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فلولا کانت

قریۃ اٰمنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس لما اٰمنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیوۃ الدنیا ومتعنٰھم الیٰ حین۔ یعنی کیوں ایسا نہیں ہوتا کہ عذاب نازل ہو جیسے پہلے بستی والے ایمان لائیں اور انکا ایمان انکو لیئے مفید ہو اور عذاب کو ٹالدے۔ مگر یونسؑ کی قوم نے ایسا کیا اور جب وہ ایمان لائے تو اس زندگی میں ذلت کا عذاب ہم نے انسے ہٹا دیا۔ اور انکو خاص وقت تک مہلت دی۔ انکا ایمان لانا یہی تھا کہ انہوں نے عذاب سے ڈر کر عاجزی اور خاکساری اختیار کرلی اور اپنی پہلی روش کو چھوڑ دیا۔ یونسؑ کی پیشگوئی نے انپر ایک رعب پھیلا دیا اور وہ خدا کی طرف عاجزی کے ساتھ متوجہ ہوئے اس لیئے خدائے تعالیٰ نے انسے عذاب ٹالدیا۔ اسوقت حضرت یونسؑ بہت گھبرائے اور خدائے تعالیٰ سے عرض کی۔ میں جانتا تھا کہ تو کریم و رحیم خدا ہے جو غصہ کرنے میں دھیما ہے اور نہایت مہربان ہے اور پچھتا کے آپ کو عذاب دینے سے باز رکھتا ہے۔ اب اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کہ میری جان کو مجھ سے لے لے کیونکہ میرا مرنا میرے جینے سے بہتر ہے (دیکھو یونہ کی کتاب باب ۴) پھر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون یعنی خدائے تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ ہلاک کرنیوالا عذاب لوگوں پر بھیجے جبتک انمیں خدا کا رسول موجود اور حاضر ہو اور خدائے تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ وہ لوگوں پر عذاب نازل کرے درحالیکہ وہ خدا سے معافی مانگتے ہوں (پ ۹ ع ۱۸) اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کا عذاب ایسے شخص پر کبھی نازل نہیں ہو سکتا جو خدا سے ڈرتا ہو اور اس کے آگے عاجزی کرتا ہو۔ ایسا ہی اہل مصر خدائے تعالیٰ کے اسی قانون سے فائدہ اٹھا کر عذاب سے کئی دفعہ بچ گئے جب عذاب دیکھتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے اور کہتے یا ایھا الساحر

ادع لنا ربك بما عهد عندك اننا لمهتدون - یعنی اے ساحر - عذاب کے ٹلجانیکے لیئے دعا کر - اگر عذاب ٹل گیا تو ہم تجھے مان لیں گے - اسیقدر رجوع کرنیسے خدائے تعالیٰ اُنسے عذاب کو ٹالدیتا مگر وہ اپنے عہد کو پورا نہ کرتے پھر عذاب آتا پھر رجوع کرتے اور عذاب ٹل جاتا چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فلما کشفنا عنهم العذاب اذا هم ينكثون یعنی جب ہم اُن سے عذاب کو دُور کرتے تو وہ پھر اپنے عہد کو توڑ دیتے آخر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ بار بار رجوع کر کے عذاب سے بچ جاتے ہیں اور پھر اپنی کفر کی راہوں کو نہیں چھوڑتے تو آپ کو دعا کرنی پڑی ربنا اطمس على اموالهم واشدد على قلوبهم فلا يؤمنوا حتى يروا العذاب الاليم - یعنی اے ہمارے رب تو اِن کے اموال کو مٹا دے اور انکے دلوں کو سخت کر دے تا وہ ایمان نہ لاویں یہانتک کہ عذاب کو دیکھ لیں - ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عذاب صرف اسوقت نازل ہوتا ہے جب لوگ بالکل سخت دل اور غافل ہو جاویں اور جب تک اُنکے دل میں کچھ نرمی ہو اور خدا کا خوف اُنکے دل میں ہو وہ عذاب سے ہلاک نہیں کیئے جاتے - افسوس ہے کہ ہمارے علماء کی نسبت اور عیسائیوں کے پادریوں کی نسبت قوم فرعون کے اُس رجل مومن کو بھی اس سنت اللہ کا زیادہ علم تھا جس نے پہلے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا اور جب فرعون نے حضرت موسیٰ کو قتل کرنا چاہا اور کہا ذرونی اقتل موسیٰ تو وہ بولا اور کہنے لگا وان يك كاذبا فعليه كذبه وان يك صادقا يصبكم بعض الذى يعدكم - یعنی موسیٰ کو قتل کرنیکی کیا ضرورت ہے - اگر وہ جھوٹا اور مفتری ہے تو خدائے تعالیٰ اُسکو اُسکے جھوٹ اور افترا کی وجہ سے اُسکو ہلاک کر دے گا کیونکہ وہ مفتری کو مہلت نہیں دیتا اور اگر وہ صادق ہے تو ضرور ہے کہ اُسکی بعض عذاب کی پیشگویاں تمھارے

حق میں پوری ہوں۔ اب سوچنا چاہیئے کہ اُس نے **بعض** کا لفظ کیوں استعمال کیا۔ اُس نے کیوں نہ کہا کہ اسکی **سب** عذاب کی پیشگوئیاں تمھارے حق میں پوری ہونگی یہاں بعض کے لفظ میں خدائے تعالیٰ کے اُس قانون کی طرف اشارہ ہے جسکی وجہ سے بعض عذاب کی پیشگویاں رجوع اور عاجزی سے ٹل جاتی ہیں پھر کیا یہ ضروری نہ تھا کہ آتھم اس خدائے تعالےٰ کے غیر متبدل قانون سے فائدہ اُٹھاتا چونکہ آتھم پیشگوئی کے بعد ڈرتا رہا اور اُس نے اپنی زندگی اور روش کو بالکل بدل دیا اس لیئے ہرگز ممکن نہیں تھا کہ ایسی حالت میں خدائے تعالےٰ کا عذاب اُسپر نازل ہوتا خدا کا قانون ٹل نہیں سکتا فلن تجد لسنة الله تبدیلا ولن تجد لسنة الله تحویلا۔ آتھم کی پیشگوئی پر اعتراض تب ہو سکتا تھا اگر وہ باوجود اس عاجزی وزاری کے ہلاک کیا جاتا۔ الغرض آتھم کی پیشگوئی عین خدا کے قانون کے مطابق واقع ہوئی مگر عوام الناس نے جو خدا کی سنن سے جاہل تھے ایک بڑا شور مچایا کہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ اُسوقت مہدی موعودؑ نے ایک اشتہار شائع کیا کہ اگرچہ آتھم خدا کے دائمی قانون سے فائدہ اُٹھا کر موت سے بچ گیا ہے مگر اُس نے حق کو چھپا کر اور شہادت حقّہ کو دینے سے انکار کر کے ایک اور گناہ کیا جسکی پاداش میں وہ عنقریب صفحہ دنیا سے اُٹھا لیا جاویگا۔ چنانچہ اس اشتہار کے بعد چند ماہ کے اندر آتھم جو بیرونی دنیا کے لیئے پہلے ہی مرچکا تھا اس عالم سے رخصت ہوا اور جو سزا اُس کی عاجزی اور خوف ظاہر کرنے سے رُک گئی تھی آخر وہ اُس سے نہ بچ سکا کیونکہ اُس نے ایک بڑا جرم کیا کہ حق کو چھپایا اور شہادت دینے سے خاموشی اختیار کی۔

جو حدیث اوپر درج کی گئی ہے وہ اسی آتھم کے قصّہ کے متعلق ہے کیونکہ جیسا اس حدیث میں لکھا ہے آتھم کے متعلق ایک جھگڑا برپا ہوا۔ کہ

کون حق پر ہے آل محمد یعنی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام یا آل عیسیٰ یعنی عیسائی اور پادری لوگ زمینی لوگوں نے جو شیطانی حصہ اپنے اندر رکھتے تھے شور مچایا کہ عیسائی حق پر ہیں اور آسمانی آواز یعنی الہام الٰہی نے شہادت دی کہ احمدؑ حق پر ہے اور اسطرح اس حدیث کا مضمون کھلے طور پر احمد علیہ الرحمۃ کے وقت میں پورا ہوا۔ اور اس پیشگوئی نے پورا ہوکر احمدؑ کی صداقت کو ثابت کیا۔

پھر ایک اور حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال اذ نادی منادٍ من السماء ان الحق فی آل محمد فعند ذلك یظهر المهدی علی افواہ الناس ویشربون حبه ولا یکون لهم ذکر غیرہ (رواہ نعیم) یعنی جب یہ جھگڑا پیدا ہوگا کہ کون حق پر ہے اور آسمانی آواز کہے گی کہ عیسائی حق پر نہیں ہیں بلکہ آل محمدؐ حق پر ہے اُسوقت مہدی کا تذکرہ دنیا میں پھیلے گا اور لوگ محبت کے ساتھ اُس کا ذکر کریں گے اور مہدی کے سوا اور کسی بات کا چرچا اُنہیں نہ ہوگا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا مہدی کے زمانہ کے لیئے ایک نشان ہے چنانچہ آتھم کی پیشگوئی کے واقعات نے اس نشان کو پورا کردیا اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آتھم کے جھگڑے میں عیسائی حق پر نہیں ہونگے بلکہ احمدی حق پر ہونگے۔ اس جھگڑے کی پہلے خبر دی گئی اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ اُس جھگڑے میں حق آل محمد کے ساتھ ہوگا۔ پس یہ پیشگوئی شہادت دیتی ہے کہ اس جھگڑے میں احمدؑ سچ پر تھا۔

۷۔ ایسا ہی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے ایک اور مشہور واقعہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی چنانچہ لکھا ہے اذا کان الصوت فی شهر رمضان فی لیلة جمعة فاسمعوا له واطیعوا وفی آخر النهار صوت اللعین ابلیس ینادی الا ان فلانا قد قتل مظلوما

یشکل علی الناس و یفتنھم فکم فی الیوم من شاك و تحیر فاذا سمعتم الصوت فی رمضان یعنی الاول فلا تشکوا انه صوت جبرئیل وعلامة ذلك انه ینادی باسم المھدی واسم ابیه۔ یعنی ماہ رمضان میں ایک آواز آئیگی اُسکو سنو اور اُسکو مانو۔ اور دن کے آخری حصہ میں شیطان آواز دیگا کہ فلاں شخص مظلوم قتل ہوا ہے وہ لوگوں کے لیئے آزمائش کے دن ہونگے۔ کئی لوگ اُسدن شک کرینگے اور کئی حیرت میں پڑجائیں گے پس جب تم رمضان کی آواز یعنی پہلی آواز کو سنو تو یقین کرلو کہ وہ جبریل کی آواز ہی اور اُس کی علامت یہ ہے کہ وہ مہدی اور مہدی کے باپ کے نام پر آواز دیگا۔ یہ پیشگوئی لیکھرام کے قتل کے ساتھ پوری ہوئی جو ۵۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو لاہور میں دن کے آخری حصہ میں قتل ہوا اُسوقت آریوں نے شور مچایا کہ لیکھرام مظلوم مارا گیا ہے اور قومی شہید کا اُسکو خطاب دیا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آواز بر دن کے آخری حصہ میں آئے گی یہ شیطانی آواز ہوگی اور پہلی آواز جو تم نے رمضان میں سنی تھی وہ خدا کے فرشتہ کی آواز ہوگی۔ رمضان میں ہی ایک فرشتہ حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے گویا لیکھرام کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ یہ آواز مہدی کے نام پر آئی تھی کیونکہ فرشتہ مہدی ہی کے پاس آیا تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ یہ کہیں گے کہ فلاں شخص ظلم سے مارا گیا وہ جھوٹے ہونگے اور انکی آواز درحقیقت شیطانی آواز ہوگی بلکہ اُسکا قتل اُس کلام کے مطابق ہوگا جو خدا کا فرشتہ مہدی کے پاس لائے گا۔ یہ پیشگوئی ایسی صفائی سے پوری ہوئی کہ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق دن کے آخری حصہ میں ایک آواز اُٹھی کہ فلاں شخص ظلم سے مارا گیا اور وہ مظلوم ہے۔

اُس سے پہلے ماہ رمضان میں فرشتہ مہدی کے پاس آچکا تھا کہ لیکھرام کہاں ہے اور وہ دن بعض لوگوں کے لیئے بڑے ابتلا کا موجب تھا۔ کئی لوگوں کی تلاشیاں لی گئیں۔ کئی آدمیوں کو قتل کے شبہ پر گرفتار کیا گیا۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں عداوت پیدا ہوگئی اور بعض اُنہیں سے دوسروں کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی احمد علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں لفظ بلفظ پوری ہوگئی اور اس پیشگوئی کا پورا ہونا اس امر کے لیئے شہادت ہے کہ احمدؑ اپنے دعوے مہدویت میں سچا تھا۔

۹۔ جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آتھم اور لیکھرام کے واقعہ کی خبر دی ایسا ہی آپ نے مہدی موعودؑ کے عہد کے ایک اور عظیم الشان واقعہ کے متعلق پیشگوئی فرمائی۔ ایک روایت میں ہے۔ اذا قتلت النفس الزکیۃ غضب علیھم من فی السماء ومن فی الارض فاتی الناس المھدی الخ۔ یعنی جب نفس زکیہ یعنی ایک پاک شخص قتل کیا جائیگا تو قتل کرنیوالوں پر غضب الٰہی بھڑکے گا اور لوگ مہدی کے پاس آئیں گے۔ رواہ ابن ابی شیبہ ایک اور روایت میں ہے کہ نفس زکیہ اور اُسکا بھائی دو شخص مہدی کے زمانہ میں قتل کیئے جاویں گے اُسوقت ایک پکارنیوالا آسمان سے پکاریگا ان امیرکم فلان فذلک المھدی یعنی فلاں شخص تمھارا امیر ہے اور وہ امیر مہدی موعودؑ ہوگا۔ رواہ نعیم بن حماد۔ ملاحظہ ہو اقتراب الساعہ صفحہ ۱۰۲ و حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۰۔ ان روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ مہدی موعودؑ کے زمانہ میں دو پاک نفس ظلم سے قتل کیئے جائیں گے اور اُنکا قتل ہونا مہدی موعودؑ کے لیئے ایک نشان ہوگا جس وجہ سے لوگ مہدی موعودؑ کے پاس آئیں گے اور اسکو قبول کرینگے اور اُنکے قتل سے مہدی کا نام اُس ملک میں شہرت پاجائیگا گویا پکارنیوالا کہے گا کہ تمھارا سچا امیر جو حقیقی معنوں میں تمھارا امیر ہے

وہ فلاں شخص ہے اور وہ شخص مہدی موعودؑ ہوگا۔ یہ پیشگوئی بڑی صفائی سے شہزادہ عبداللطیف اور آپکے شاگرد اور بھائی مولوی عبدالرحمٰن کی شہادت کے ساتھ پوری ہوئی۔ مولوی عبدالرحمٰن کو عبدالرحمٰن امیر کابل نے مہدی موعودؑ کو قبول کرنے اور جہاد اور غازی مہدی کے اعتقاد کو ترک کرنے کی وجہ سے کابل میں قتل کیا اور صاحبزادہ عبداللطیف علیہ الرحمۃ کو اُس کے بیٹے نے جو آجکل امیر کابل ہے اسی اعتقاد کی وجہ سے قتل کیا اور اسطرح ان ہر دو بزرگواروں کا قتل ہونا مہدی کیلیئے ایک نشان ہوا اور بہت سے کابل کے لوگوں نے خصوصاً شہزادہ عبداللطیف کے مریدوں نے جو تعداد میں پچاس ہزار ہونگے۔ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مہدی موعودؑ قبول کیا۔ پس اس پیشگوئی کا پورا ہونا احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی کے لیئے ایک اور نشان ہوا۔ اور اس واقعہ کی خود احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کئی سال پیشتر خدا سے الہام پاکر براہین احمدیہ میں خبر دی تھی کہ **شاتان تذبحان** یعنی دو بکرے ذبح کیئے جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اسطرح دو پیشگویاں پوری ہوئیں۔ ایک وہ پیشگوئی جو نفس زکیہ اور اُسکے بھائی کے متعلق تھی اور دوسری خود مہدی موعودؑ کی پیشگوئی جو براہین احمدیہ میں درج تھی۔

ز۔ ان کے علاوہ کتب احادیث میں مہدی موعودؑ کے زمانہ کے متعلق اور بہت سی نداؤں کا ذکر ہے

۱۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے "و از انجملہ آنکہ ندا کند منادی از آسمان بنام مہدی و بشنود آنرا ہر کہ در مشرق است و ہر کہ در مغرب (حجج الکرامۃ صفحہ ۳۴۵ و اقتراب الساعۃ صفحہ ۶۷) یعنی مہدی کے علامات میں سے ایک یہ علامت ہے کہ آسمان سے ایک پکارنیوالا مہدی کے نام پر آواز دے گا اور اُس کی آواز کو سب لوگ سُنیں گے وہ جو مشرق میں ہیں اور نیز وہ جو مغرب میں ہیں۔

۲- مہدی کے سر پر ایک فرشتہ ہوگا اور وہ ندا کریگا هٰذا خلیفة الله المهدی فاسمعوا و اطیعوه- یعنی یہ خدا کا خلیفہ مہدی موعودؑ ہے پس اسکی بات کو سنو اور اُس کی اطاعت کرو- (رواه ابونعیم وخطیب)

۳- بادل مہدی پر سایہ کریگا اور بادل سے ایک پکارنیوالا کہیگا- کہ یہ مہدی خدا کا خلیفہ ہے پس اُسکی اطاعت کرو اور بادل سے ایک ہاتھ نکلیگا اور مہدی کی طرف اشارہ کریگا- (رواه ابونعیم)

ان نداؤں سے یہ غرض نہیں کہ درحقیقت کوئی آواز آسمان سے آئیگی اور واقعی کوئی ہاتھ آسمان سے ظاہر ہوگا اور سچ مچ ایک فرشتہ مہدی کے سر پر کھڑا نظر آئیگا بلکہ ان نداؤں سے یہ مراد ہے کہ خدائے تعالیٰ مہدی موعودؑ کی سچائی کی شہادت دیگا اور خدا کا آسمانی کلام اسکی تصدیق کریگا اور خدا کے مُنہ کی باتیں پوری ہوکر اسکی سچائی کو ثابت کرینگی اور یہ ندائیں زمین- کے ہر ایک حصہ میں سنائی دینگی یعنی اسوقت ایسے ذرائع موجود ہونگے کہ وہ خدا کا کلام جو مہدی موعودؑ پر نازل ہوگا اُسکو زمین کے ہر ایک گوشہ کے لوگ سُن سکیں گے- اور آسمان پر ہاتھ کے نکلنے سے یہ مراد ہے کہ خدا کا ہاتھ مہدی موعودؑ کی تائید کرے گا اور اسکی نصرت کریگا اور خدائے تعالیٰ اپنی تائید سے اُسکا مہدی موعود ہونا ثابت کریگا- اور اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کے لیئے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھلائے گا- آواز جو مہدی کے نام میں آسمان سے ہوگی وہ الہامی آواز ہوگی اور تمام اہل مشرق و مغرب اُس سے اطلاع پائیں گے یعنی مہدی کے الہام کی عام شہرت ہوجائیگی- نیز لکھا ہے کہ مہدی موعودؑ کی ایک علامت ندا ہے جو مہدی کے ظہور سے پہلے ہوگی (حجج الکرامة صفحہ ۳۴۵) یعنی طبعًا تمام اہل زمین کا بول اُٹھنا کہ ایک عنقریب آنیوالا ہے اسمیں اہل کشف اور منجم بھی داخل ہیں- میں پہلے دکھا آیا ہوں کہ مہدی موعودؑ کے ظہور سے پہلے کسطرح لوگ بول اُٹھے تھے کہ مہدی موعودؑ عنقریب آنیوالا ہے- خود عیسائی دنیا بول اُٹھی تھی کہ کہ مسیح موعودؑ کا ظہور اب قریب ہے- (باقی آئندہ)

پیغام صلح

پیغام صلح حضرت مسیح موعودؑ کا آخری پیغام اپنے اہل وطن کے نام تھا۔ جو آپ کے وصال کے بعد شائع ہوا۔ اس پیغام کا انگریزی ترجمہ جولائی کے انگریزی رسالہ میں شائع ہوا۔ اور پھر دوبارہ اسی کو خواجہ کمال الدین صاحب سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان نے چھپوا کر مفت ملک میں شائع کیا اور تین ہزار کاپی انگریزی کے ساتھ دس ہزار کاپی اردو کی چھپوا کر اسی طرح مفت شائع کی٭ اس پیغام کا منشا کُل مذاہب کو ایک صلح کے اصل پر قائم کر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی بغض و عداوت کو کم کرنا اور کینوں اور فسادوں کا رفع کرنا تھا۔ ہندوؤں میں سے وہ فریق جو آریہ سماج میں داخل ہے یا آریہ سماج کی تعلیم کے زیر اثر ہے اس پیغام کو کسی صورت میں پسند نہ کر سکتا تھا کیونکہ انکے نزدیک اللہ تعالیٰ کے تمام نبی نعوذ باللہ محض مفتری تھے پس وہ اس صلح کے اصل کو کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف ملکوں میں مختلف زمانوں میں اپنا کلام اپنے برگزیدہ بندوں پر نازل فرمایا جو اسلام کا اصل اصول ہے کسی طرح قبول نہ کر سکتے تھے مگر افسوس کہ ان میں سے بعض نے متانت اور تہذیب سے کام نہ لیکر اسپر سنجیدہ نکتہ چینی کی۔ لیکن یہ گروہ اہل ہنود میں کوئی بڑا گروہ نہیں۔ بہت سے معزز ہندو صاحبان نے نہائت خوشی سے اس پیغام کو سنا اور اسپر خوشی کا اظہار بھی کیا۔ ایسا ہی بڑے بڑے پایہ کے

٭ جو صاحب اس رسالہ کو انگریزی یا اُردو میں دیکھنا چاہتے ہوں۔ وہ آدھ آنہ کا ٹکٹ خواجہ کمال الدین صاحب وکیل چیف کورٹ لاہور یا اس رسالہ کے دفتر میں بھیجکر منگوا سکتے ہیں۔ (ایڈیٹر ریویو)

انگریزی اخبارات میں بھی اسپر ریویو نکلے۔ ہم ذیل میں مشہور انگریزی رسالہ ریویو آف ریویوز کے ریمارک جو ایڈیٹر رسالہ نے اس پیغام صلح پر کیئے ہیں درج کرتے ہیں اور اسکے بعد ہندوستان کے معزز اخبار ہندو پیٹریٹ مدراس کے ریمارکوں کو ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ وہ معلوم کر سکیں کہ جن لوگوں نے تعصب سے خالی ہوکر اس مبارک پیغام کو پڑھا ہے انکے دلوں پر اسکا کیا اثر ہوا۔ آریہ سماج کے معزز بزرگوں سے اب بھی ہماری التماس ہے کہ وہ غور سے اس مبارک پیغام کو پڑھیں۔

رسالہ ریویو آف ریویوز ستمبر کے پرچے میں لکھتا ہے۔ "پیغام صلح مرزا غلام احمد مرحوم مسیح موعود و مہدیؑ کا ایک لیکچر ہے جو ۲۱۔ جون کو پانچہزار ہندوؤں اور مسلمانوں کے مجمع میں یونیورسٹی ہال لاہور میں پڑھا گیا۔ مسیح و مہدی مذکور جو اس پیغام کے لکھنے کے تھوڑی دیر بعد ہی فوت ہوگئے ایک سلسلہ کے پیشوا تھے جسکا نام سلسلہ احمدیہ ہے جسکی بنیاد ۱۸ سال سے پڑی ہوئی ہے اور جسکا منشا ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح کرانا ہے۔ یہ سلسلہ گورنمنٹ کے خلاف کسی قسم کے سخت طریقوں کے استعمال کو پسند نہیں کرتا اور ہندوستان کی قومی تحریک کے ساتھ شریک ہوکر کام نہیں کرنا چاہتا۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں اسکے پیرووں کی تعداد چار لاکھ ہے۔ اور ان لوگوں اور عام مسلمانوں میں یہ امتیاز ہے کہ سلسلہ احمدیہ کے پیرو غیر مسلموں کے خلاف جہاد کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ پیغام صلح جو پورے کا پورا ریویو آف ریلیجنز کے جولائی کے پرچہ میں شائع ہوا ہے کئی وجوہ سے ایک قابل قدر تحریر ہے۔ خواہ اسکا کوئی پولیٹکل منشا نہ ہو مگر اس بات کو مد نظر رکھکر کہ سلطان نے آئینی حکومت اور مذہبی مساوات کے طریق کو اختیار کیا ہے یہ پیغام ایک سنہری پل کا کام دے سکتا ہے جسپر سے ہوکر

مسلمانان ہند قانون اساسی کے خیمہ میں پہنچ سکتے ہیں۔ پیغام صلح شروع میں ہی تمام ہندوستان کے رہنے والوں کے ایک ہونیکو تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ یہ اسکے لفظ ہیں۔

{اے سامعین ہم سب کیا مسلمان اور کیا ہندو باوجود صدہا اختلافات کے اس خدا پر ایمان لانے میں شریک ہیں جو دنیا کا خالق اور مالک ہے اور ایسا ہی ہم سب انسان کے نام میں بھی شراکت رکھتے ہیں یعنی ہم سب انسان کہلاتے ہیں اور ایسا ہی بباعث ایک ہی ملک کے باشندہ ہونیکے ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں}

پیغام صلح میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ اسلام کی یہ قابل فخر خصوصیت ہے کہ وہ تمام دوسرے انبیاء کے منجانب اللہ ہونیکو تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ ایک آیت قرآن شریف کی نقل کی گئی ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ ہم (یعنی تمام مسلمان) دنیا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں ایسی تفریق نہیں ڈالتے کہ چند نبیوں کو قبول کرلیں اور باقی کو رد کردیں۔ پس اکٹھے ہوکر کام کرنیکے لیئے یہ اصل ایک مشترک بنیاد کا کام دیتا ہے خصوصاً قرآن اور وید پر ایمان لانیوالوں کے لیئے اس سے صلح کی ایک نہائت عمدہ راہ کھلتی ہے۔ سارا پیغام صلح بلند آواز سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو پکار رہا ہے کہ وہ اپنے اختلافات سے قطع نظر کرکے اپنے دلوں کو ہر قسم کے بغض اور کینے سے پاک کریں اور آشتی اور صلح کے ساتھ ملکر کام کریں۔ پیغام صلح کا خلاصہ مطلب اسکے اس فقرہ میں درج ہے۔

{ایسے نازک وقت میں یہ راقم آپ کو صلح کے لیئے بلاتا ہے جبکہ دونوں کو صلح کی بہت ضرورت ہے دنیا پر طرح طرح کے ابتلا نازل ہو رہے ہیں زلزلے آرہے ہیں قحط پڑ رہا ہے اور طاعون نے بھی ابھی پیچھا نہیں چھوڑا اور جو کچھ خدا نے مجھے خبر دی ہے وہ بھی یہی ہے کہ اگر دنیا اپنی بدعملی سے باز نہیں آئے گی۔ اور برے کاموں سے توبہ نہیں کریگی تو دنیا پر سخت سخت بلائیں آئینگی۔ اور ایک بلا ابھی بس نہیں کریگی کہ دوسری بلا ظاہر ہو جائیگی آخر انسان نہائت تنگ ہو جائیں گے کہ یہ کیا ہونیوالا ہے اور بہتیرے

مصیبتوں کے بیچ میں آکر دیوانوں کی طرح ہو جائیں گے۔ سوائے ہموطن بھائیو! قبل اسکے کہ وہ دن آویں ہوشیار ہو جاؤ۔ اور چاہیئے کہ ہندو مسلمان باہم صلح کرلیں اور جس قوم میں کوئی زیادتی ہے جو وہ صلح کی مانع ہو اس زیادتی کو وہ قوم چھوڑ دے ورنہ باہم عداوت کا تمام گناہ اسی قوم کی گردن پر ہوگا۔}

وہ بات جس سے اسکی خواہش کی سچائی ثابت ہوتی ہے کہ تمام نبیوں کو خدا کی طرف سے مانکر مذہبی اتفاق اور اتحاد کی بنیاد رکھی جاوے اس پیغمبر صلح کی یہ نرالی تجویز ہے {اگر اس قسم کی صلح تام کے لیئے ہندو صاحبان اور آریہ صاحبان تیار ہوں کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا نبی مان لیں اور آئندہ توہین اور تکذیب چھوڑ دیں تو میں سب سے پہلے اس اقرار نامہ پر دستخط کرنے پر تیار ہوں کہ ہم احمدی سلسلہ کے لوگ ہمیشہ وید کے مصدق ہونگے اور وید اور اس کے رشیوں کا تعظیم اور محبت سے نام لیں گے اور اگر ایسا نہ کریں گے تو ایک بڑی رقم تاوان کی جو تین لاکھ روپیہ سے کم نہیں ہو گی ہندو صاحبان کی خدمت میں ادا کریں گے۔ اور اگر ہندو صاحبان دل سے ہمارے ساتھ صفائی کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھی ایسا ہی اقرار لکھ لکھکر اسپر دستخط کر دیں۔}

اخبار ہندو پیٹریٹ مدراس یوں رقمطراز ہے۔ "ہمیں ایک عجیب رسالہ بنام پیغام صلح پہنچا ہے جو مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کی تصنیف ہے جنکی وفات مئی گذشتہ میں واقع ہوئی ہے۔ احمدیہ سلسلہ میں اسوقت قریباً چار لاکھ انسان شامل ہیں۔ اور یہ سب مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح اور مہدی موعود مانتے ہیں۔ خود اس رسالہ کے متعلق ایک دردانگیز واقعہ ہے یہ انکی زندگی کے آخری دو تین دنوں میں لکھا گیا اور لاہور میں ایک عام جلسہ میں سنایا جانا تھا کہ اسی اثنا میں یہ مشہور و معروف انسان وفات پاگیا۔ اور یہ لیکچر قریباً ایک ماہ بعد یونیورسٹی ہال لاہور میں قریباً پانچہزار آدمیوں کے ایک مجمع میں سنایا گیا جس میں ہندو اور مسلمان سوسائٹی کے

معزز اور بڑے بڑے لوگ شامل تھے۔ اور مسٹر چیٹرجی جج چیف کورٹ صدر جلسہ تھے۔ ہمیں یہ بات معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی ہے کہ اس زبردست پیغام صلح کی بارہ ہزار کاپیاں اُردو میں اور تین ہزار کاپیاں انگریزی میں مفت شائع کی جا رہی ہیں۔ اور جو صاحب چاہیں صرف آدھ آنہ کا ٹکٹ سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان کو بھیجکر اس دلکش چھوٹے سے رسالہ کی ایک کاپی منگوا سکتے ہیں جس میں بہت سی اچھی اور پسندیدہ باتوں کا نہائت زبردست الفاظ میں صدق دل سے اظہار کیا گیا ہے وہ عظیم الشان طاقت اور اعلیٰ درجہ کی ہمدردی جو قادیان کے بزرگ کے اس آخری پیغام صلح سے ظاہر ہوتی ہے وہ یقیناً ایک خاص امتیاز کے ساتھ اسے ایک عظیم الشان انسان ثابت کرتی ہے پس یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ چار لاکھ انسان اسے مسیح موعود اور مہدی تسلیم کرتے ہیں فرقہ احمدیہ صرف یہی نہیں کہ دوسرے مذاہب کو بُرا نہ کہتا ہو بلکہ انکو تسلیم کرتا ہے انکا ادب کرتا ہے اور یہ تعلیم دیتا ہے کہ اصل میں سارے مذہب ایک ہی ہیں اور ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی عظمت کو بیان کرتی ہے۔ قادیان کا بزرگ ولی اپنی اس کتاب کو اس زبردست نصیحت سے شروع کرتا ہے کہ تمام انسان خواہ کسی مذہب کے پیرو ہوں دراصل ایک ہی ہیں۔ اور پھر اس امر کی تفصیل کرتا ہے کہ کسطرح قرآن کریم نے ابتدا میں ہی اس بات کو بیان کر کے کہ تمام کامل اور پاک صفات صرف اس خدا کے لیئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے ایسے اصول کو رد کیا ہے جو خدائے تعالیٰ کے غیر محدود فضل اور ربوبیت کی حد بندی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کتاب مسلمانوں کے لیئے ایک اپیل ہے کہ وہ اپنے مذہب کی اصل روح کو سمجھیں اور ہر ایک ہندو یا سکھ یا عیسائی یا بدھ مذہب کے پیرو کو اپنا بھائی خیال کریں۔

یہ عظیم الشان بزرگ جسکا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو اصل اصول اسلام پر قائم

کرے بیان کرتا ہے کہ ہم نہیں سمجھتے کہ جس صورت میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ یہ نصیحت کرتا ہے کہ وہ سب انسانوں پر شفقت کریں تو کیوں ہندو اور مسلمان آپس میں صلح نہیں کر سکتے۔ مرزا غلام احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہندوؤں کا مذہب بیشک تنگ ہے کیونکہ یہودی عیسائی اور ہندو اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ نجات صرف انہی کے لیئے مخصوص ہے اور دوسرے کسی کا اس میں کوئی حق نہیں۔

پھر وہ لکھتے ہیں۔

{ ہندو اور مسلمان اس ملک میں دو ایسی قومیں ہیں کہ یہ ایک خیال محال ہے کہ کیسوقت مثلاً ہندو جمع ہوکر مسلمانوں کو اس ملک سے باہر نکال دینگے یا مسلمان اکٹھے ہوکر ہندوؤں کو جلاوطن کر دیں گے۔ بلکہ اب تو ہندو مسلمانوں کا باہم چولی دامن کا ساتھ ہو رہا ہے اگر ایک پر کوئی تباہی آوے تو دوسرا بھی اس میں شریک ہو جایگا۔ اور اگر ایک قوم دوسری قوم کو محض اپنے نفسانی تکبر اور شیخت سے حقیر کرنا چاہے گی تو وہ بھی داغ حقارت سے نہیں بچیگی۔ اور اگر کوئی ان میں سے اپنے پڑوسی کی ہمدردی میں قاصر رہیگا تو اسکا نقصان وہ آپ بھی اٹھائیگا۔ جو شخص تم دونوں قوموں میں سے دوسری قوم کی تباہی کی فکر میں ہے اسکی اس شخص کی مثال ہے کہ جو ایک شاخ پر بیٹھکر اس کو کاٹتا ہے۔ }

صلح اور اتفاق کے اس اعلیٰ اور پاکیزہ خیال کے ساتھ ہی یہ بزرگ انسان فکر ظاہر کرتا ہے کہ اسوقت دونوں قوموں میں عداوت اور بغض ترقی کر رہا ہے۔ اور کہ بعض لوگ اس تباعد کو اور بھی بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بزرگ انسان طاعون اور زلزلے شریر انسانوں کے لیئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سزا بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ دن عنقریب آئے گا کہ چاروں طرف سے اسطرح مصائب انسانوں کو آگھیریں گی کہ وہ حیرت زدہ ہوکر پوچھیں گے کہ کیا ہونیوالا ہے۔

مرزا غلام احمد صاحب یہ نصیحت کرتے ہیں کہ ان بلاؤں اور مصیبتوں کے دنوں سے پہلے پہلے ہم اتفاق کریں۔ وہ اپیل کرتے ہیں کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کو باہم صلح کر لینی چاہیئے۔ اور اگر ایک فریق ان میں سے دوسرے پر کوئی زیادتی کر رہا ہے تو اسے چاہیئے کہ اس زیادتی کو چھوڑ دے ورنہ ساری عداوت اور کینوں کا جو اس سے بڑھیں گے یہ فریق ذمہ وار ہوگا۔ وہ بڑے افسوس کے ساتھ ان جھگڑوں کو دیکھتے ہیں جو مختلف مذاہب کے پیروؤں اور حامیوں میں ہوتے رہتے ہیں جو دوسروں کی تعلیم اور بزرگوں کے متعلق سخت کلامی سے پرہیز نہیں کرتے۔ دوسری قوموں کے مقدس بزرگوں کا بے ادبی سے نام لینا اور انکو گالیاں دینا ایک زہر ہے جو جسم اور روح دونوں کو ہلاک کر دیتی ہے اور اعلیٰ درجہ کی اخلاقی جرأت کے ساتھ جو خصوصیت سے اس بزرگ کی عظمت کا دلوں پر اثر بٹھاتی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

{اس جگہ اس حصہ پیغام صلح کو نقل کیا ہے جس میں مصنف پیغام صلح نے اپنی طرف سے آمادگی ظاہر کی ہے کہ ہم ایسا معاہدہ دینے کو تیار ہیں اور ہندو صاحبان سے چاہا ہے کہ جس طرح ہم انکے نبیوں کو صادق مانتے ہیں وہ بھی ہمارے نبی علیہ السلام کے صدق پر سچے دل سے ایمان لاویں۔ پھر اسکے بعد پیغام صلح کا وہ حصہ نقل کیا گیا ہے جس میں مسلمانوں اور ہندوؤں کا پولیٹیکل امور میں اختلاف دکھا کر یہ بیان کیا گیا ہے کہ اصل دشمنی کی وجہ پولیٹیکل تفرقہ نہیں بلکہ مذہبی تفرقہ ہے} اس کے بعد اخبار مذکور لکھتا ہے۔

"اس طرح پر اصل وجہ فساد کو قائم کر کے یہ عظیم الشان انسان ایک سچے نبی کی طاقت روح اور جوش کے ساتھ اس بات کو بیان کرتا ہے کہ کیوں ایسے مذہبی اختلافات ہمارے اندر نہیں ہونے چاہیئے۔ یہ ایک زبردست تحریر ہے اور

پڑھنے والے کو بہت سی نئی باتیں سکھاتی اور اسے غور اور تدبر کا موقعہ دیتی ہے۔ ہندو اور مسلمان جب اس اپیل کو جو ایک سچے دل سے نکلی ہوئی اور ایک ایسے شخص کی طرف سے ہے جو چار لاکھ آدمیوں کے یقین اور ایمان میں مسیح موعود اور مہدی ہے تو یقیناً انکے دل اس اثر سے خالی نہ رہیں گے جو ایک سچے دل سے نکلی ہوئی بات کا اثر ہوتا ہے۔ مہدی کی اپیل کے یہ الفاظ قابل غور ہیں { پیارو! صلح جیسی کوئی بھی چیز نہیں۔ آؤ ہم اس معاہدہ کے ذریعہ سے ایک ہو جائیں اور ایک قوم بنجائیں آپ دیکھتے ہیں کہ باہمی تکذیب سے کسقدر پھوٹ پڑگئی ہے آؤ اب یہ بھی آزمالو کہ باہمی تصدیق کی کسقدر برکات ہیں }

ایسی اپیل ایسے عظیم الشان انسان کی طرف سے یوں ہی ضائع نہیں جانی چاہیئے اور ہر ایک محب وطن ہندوستانی کا یہ مدعا ہونا چاہیئے کہ وہ مجوزہ صلح کو عملی رنگ پہنانے کی کوشش کرے۔"

کرشن اوتار:۔ ایک اور چھوٹا سا رسالہ ہے جو پیغام صلح کے ساتھ اسیقدر تعداد میں خواجہ کمال الدین صاحب نے چھپوا کر مفت شائع کیا ہے۔ یہ چھوٹا سا رسالہ ایک قابل قدر تصنیف ہے جس میں ہندو صاحبان کو اصل حقیقت اوتار کی واضح کر کے سمجھائی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ کیوں کلام الٰہی بار بار نازل ہونیکی ضرورت ہوتی ہے۔ احمدی احباب جو ان رسالوں کو مفت شائع کرنیکے لیئے منگوانا چاہیں انہیں صرف اصل لاگت پر جو بہت ہی کم ہے مطلوبہ تعداد بھیجی جاوے گی۔

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کیلئے نہایت ضروری ہے مشرح فہرست ۔ رکا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار اللہ اردو	۸ر	قاعدہ عربی اردو	۱ر	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵ر	شہادۃ القرآن اردو	۴ر
اجرومیہ عربی	۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عہ	فارسی	۳ر	ضیاء القرآن "	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ اذکار و اسمائے الٰہیہ	۲ر	مسک العارف اردو	۱۰ر	تحفۂ قیصرہ اردو	۲ر	کشف الغطاء "	۲ر
پارہ الٓمٓ عربی	۲ر	نشان آسمانی "	۲ر	تحفۃ الندوہ "	۰ر	لغات القرآن حصہ اول	عہ
پنج ارکان اسلام اردو	۱ر	واقعات صحیحہ "	۲ر	تقریریں "	۲ر	" حصہ دوم	عہ
تفسیر جلالین عربی	عہ	یسرنا القرآن حصہ اول	۱ر	تقریروں کا مجموعہ "	۳ر	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱۰ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	" " دوم	۱ر	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب "	۲ر	" لاہور "	۴ر
تقریر جلسہ مذاہب جیبی تقطیع اردو	۲ر	" " سوم	۱ر	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ "	۶ر	مشکوٰۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت ۔ اردو	۰ر	ہدیہ ثاقب اردو	۲ر	حمامۃ البشریٰ حصہ اول عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن "	۴ر
شمائل مترجم فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶ر	حجۃ الاسلام اردو	۱ر	مبادی الصرف	۱۰ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق الدھیانہ اردو	۶ر	خطوط شیعہ کا جواب "	۲ر	نسیم دعوت اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ اردو	[illegible]	" دہلی "	۸ر	خطبہ الہامیہ عربی مع ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور القرآن حصہ اول "	۲ر
سلائل القرأۃ ۔ عربی نمبر۱	۴ر	اعجاز احمدی ۔ عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اول اردو	۸ر	" " دوم "	۴ر
" " نمبر۲	۸ر	احسن الکلام اردو	—	" " دوم "	۴ر	ہدیہ سعدیہ عربی	۲ر
" " نمبر۳	۱۳ر	ابطال الوہیت مسیح "	۱ر	خزینۃ المعارف حصہ اول و دوم	۴ر	فضل حق اردو	۱ر
" " نمبر۴	[illegible]						
آریہ دھرم اردو	۴ر	آیات الرحمٰن "	۸ر	" " سوم و چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح ۔ "	۸ر
		دعوت الحق "	۵ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصلہ "	۲ر
دینیات کا پہلا رسالہ "	۱ر	شرح ترمذی ۔ نمبر۱	عہ	دعوت دہلی اردو	۶ر	دافع البلاء "	۱ر
طریق النجات نمبر۱	۸ر	" نمبر۲	عہ	دعوت الندوہ "	۱ر	غنیۃ الطالب ۔ عربی	عہ
" نمبر۲	۷ر	احمدی کا من نظم پنجابی	۱ر	رازِ حقیقت "	۱ر	شفاء الاسقام "	عہ
" نمبر۳	۸ر	براہین احمدیہ حصہ اول	۵ر	براہین احمدیہ حصہ چہارم*	[illegible]	ست بچن اردو	۱۰ر
" نمبر۴	۱۵ر	" " دوم	۴ر	مکمل براہین احمدیہ اردو	۳ر		
غسل مصفیٰ اردو	[illegible]	" " سوم	۱۰ر	سرمہ چشم آریہ اردو	۱۲	نوٹ ۔ ان قیمتوں میں	
جبر جمیل بر قول خلیل ۔ ایک دلچسپ نظم مولوی خلیل سہارنپوری کے اعتراضوں کا جواب			ر	مکتوبات و خطبات محمدیہ "	۴ر	محصول ڈاک شامل نہیں	

* براہین کا حصہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا ۔ باقی تین حصے بڑے اہتمام سے دوبارہ چھپوائے گئے ہیں ۔
مکمل براہین احمدیہ جس میں جلد چہارم بار اول کی چھپی ہوئی ہے ۔ ہے ، کو دفتر میگزین مل سکتی ہے ۔

تمام خط و کتابت ان کتابوں کے متعلق دفتر میگزین قادیان سے ہونی چاہیئے ۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✻ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ — بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۸ء — نمبر ۱۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- دسمبر ۱۹۰۸ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عہ طلباء سے عہ

ضروری اعلان

(کتابوں کی قیمت میں تخفیف)

صدر انجمن احمدیہ کے سالانہ جلسہ کی تقریب پر ۲۵- دسمبر سے ۳۱- دسمبر ۱۹۰۸ء تک بک ڈپو میگزین کی کتابیں نصف قیمت پر فروخت ہونگی۔ تاریخہائے مذکورہ بالا پر جو احباب سلسلہ عالیہ احمدیہ کے متعلق جتنی کتابیں خریدنی چاہیں نصف قیمت پر خرید سکتے ہیں۔ میگزین اُردو کی سابقہ جلدیں بھی اِن دنوں میں نصف قیمت پر یعنی بلا جلد فی جلد عہ پر مل سکیں گی۔ یہ رعائت صرف چھ دنوں کے لیئے ہوگی۔ جو احباب چاہیں اس سے فائدہ اُٹھاویں کتابیں صرف نقد قیمت پر دیجاویں گی۔ کتابوں اور میگزین کی جلدوں کی ایک فہرست اس رسالہ کے اخیر موجود ہے وہاں سے دیکھ لی جاوے۔

نوٹ۔ جو کتابیں مدرسہ کے لیئے خریدی جاتی ہیں یا چھپوائی جاتی ہیں وہ نصف قیمت پر نہیں دیجاویں گی۔

صحیفہ:- انجمن معارف حیدرآباد دکن (چادرگھاٹ) کا علمی اخلاقی۔ تاریخی۔ تمدنی۔ ادبی ماہواری رسالہ ایک عمدہ فرانسیسی ناول کا ترجمہ لیئے ہوئے۔ ۵۲ صفحوں کے حجم سے بالالتزام شائع ہوتا ہے۔ ایک لائق و فاضل ڈگری یافتہ جماعت اسکو دلچسپ بنانیکی کوشش میں مصروف ہے علاوہ نثر کے دلچسپ نظمیں جس سے اُردو لٹریچر میں تازہ روح پھونکی جاتی ہے زیب اوراق ہوتی ہیں ملک کے مشہور معروف رسائل و اخبارات نے نہایت کشادہ دلی سے اسکا خیر مقدم کیا اور عزت افزا ریویو کیئے ہیں باایں ہمہ عام قیمت سالانہ تین روپیہ مع محصولڈاک۔ مینجر رسالہ صحیفہ حیدرآباد دکن (چادرگھاٹ) سے طلب فرماویں۔

قاعدہ یسرنا القرآن:- جو بچوں کے لیئے تیار ہوا ہے۔ چوتھی دفعہ بعد ضروری ترمیم چھپکر تیار ہوگیا ہے۔ عربی کے ہردو حصے اکٹھے چھاپے گئے ہیں قیمت فی قاعدہ ۱/ ہے۔

(مینجر میگزین سے طلب کرو)

الخطبہ:- ایک احمدی نوجوان قادیان کی ڈسپنسری میں ملازم ہیں۔ نیک اور نہایت خلیق ہیں۔ ذات کے ارائیں ہیں عمر قریباً بیس سال ہے انکے لیئے رشتہ کی ضرورت ہے۔ مزید تحقیقات کے لیے منشی عبدالخالق صاحب کلرک میگزین کی معرفت خط وکتابت ہو۔ (محمد علی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مہدی آخر زمان

پیشگوئی کا پورا ہونا

علامات جو احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اور زندگی میں پوری ہوئیں

(ملاحظہ ہو سلسلہ کیلئے ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ نومبر ۱۹۰۸ء)

ح - احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ ایک پُر امن سلطنت کے عہد میں پیدا ہوگا۔ لکھا ہے کہ اُسکے زمانہ میں اسقدر امن ہوگا کہ بکری اور شیر ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے۔ ایک حدیث میں ہے تامن البھائم السباع (رواہ حاکم) یعنی مہدیؑ کے زمانہ میں چارپائے درندوں سے امن میں آجائیں گے۔ یہ بات خدا ئے تعالیٰ نے سلطنت برطانیہ کے ذریعہ پوری کردی جسکے عہد میں ایسا امن ملک میں پایا جاتا ہے کہ اسکی نظیر ڈھونڈنا مشکل ہے سلطنت برطانیہ کا ہند کی پہلی سلطنتوں کے ساتھ مقابلہ کرو۔ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ پنجاب میں سکھ حکومت کرتے تھے اُنکے راج کے ساتھ موجودہ سلطنت کا مقابلہ کرو یا دنیا میں جسقدر حکومتیں آجکل انگریزی نسل کے سوا اور لوگوں کے ہاتھ میں ہیں اُنکے ساتھ انگریزی حکومت کا مقابلہ کرو

پھر تمہیں یقین ہو جائیگا کہ انگریزی سلطنت ایک بے نظیر الٰہی رحمت ہے۔ اور جو امن ہمیں آجکل اس سلطنت کے سایہ میں حاصل ہے وہ پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا۔

ط۔ حدیث میں ہے تلقی الارض افلاذ کبدھا (رواہ حاکم) یعنی زمین اپنے اندر کے بوجھ باہر پھینک دیگی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق اس زمانہ میں دنیا کے مختلف حصوں میں ہزارہا کانیں دریافت ہوئی ہیں۔ کوئلہ۔ سونے۔ لوہے اور دوسری دھاتوں کے پہاڑ زمین میں مدفون تھے جو آجکل نکالے جارہے ہیں۔ کوئلہ ہی دیکھ لو دنیا میں کسقدر خرچ ہوتا ہے دنیا میں جسقدر جہاز۔ ریلیں اور مختلف قسم کی کلیں ہیں وہ اسی کوئلہ پر چلتی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک مُنہ کا پاک کلام حیرت انگیز طور پر پورا ہوا۔

ی۔ ایک علامت مہدی کی یہ ہے کہ اُسکے ظہور سے پہلے ارتداد کے فتنے بہت ہونگے یعنی بہت سے لوگ دین اسلام سے خارج ہونگے۔ صدیق حسن خان حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۵ پر مندرجہ ذیل روایت درج کرتا ہے۔ اگر نماند از دنیا مگر یکروز البتہ دراز کند خدائے تعالیٰ آں روز تا آنکہ پیدا شود کسی کہ آرزو می کند اور اامت ولیکن پیش از وے فتن است بدترین فتن شام کند دراں مرد مومن است وصبح کند و کافر است۔ یعنی مہدی کے ظہور سے پہلے بڑے سخت فتنے ہونگے۔ ارتداد اس کثرت سے ہوگا۔ کہ شام کو ایک شخص مسلمان ہوگا اور صبح کے وقت وہ اسلام سے خارج ہو کر کفر اختیار کریگا۔ یہ علامت بجز اس زمانہ کے کبھی ظہور میں نہیں آئی کیونکہ اسی زمانہ میں لاکھوں انسانوں نے اسلام سے مرتد ہو کر عیسائیت کو اختیار کیا۔

ک۔ ازانجملہ ایک علامت یہ ہے کہ ان دنوں میں زلزلے بہت آئینگے ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۵۔ اقتراب الساعہ صفحہ ۶۷۔ حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۴۹۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے وازانجملہ کثرت زلازل واختلافات است در اقطار ارض۔ یعنی مہدی کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں کثرت سے زلزلے آئیں گے اور لوگوں میں باہم بڑا اختلاف ہوگا۔ مجھے اس امر کے بیان کرنیکی ضرورت نہیں کہ یہ علامت بھی ایسی صفائی سے

پوری ہوئی کہ کوئی شخص اس کے پورا ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس سے بڑھ کر یہ امر ہے کہ مہدی معہود نے خود زلازل کے آنے کی قبل از وقت خبر دی۔

ل۔ ایک علامت مہدی کے ظہور کی طاعون کا نکلنا ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۴۹ حدیث الغاشیہ میں لکھا ہے "جعفر صادق سے نقل ہے کہ مہدی ظاہر نہ ہونگے جبتک کہ لوگوں کو خوف شدید ہو۔ طاعون نہ ہو۔ سخت فتنے۔ زلزلے۔ بلائیں نہ پہنچیں" کیا مجھے بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ علامات کیسی صفائی سے پوری ہوئیں۔ اور ابھی تک ان حوادث اور بلاؤں کا سلسلہ جاری ہے۔ حیدر آباد کا طوفان بھی اور آجکل کا بخار بھی انہی بلاؤں کا ایک نمونہ ہے حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ السلام کا الہام کہ صحنوں میں ندیاں چلیں گی۔ کل ہندوستان میں اور خصوصاً حیدر آباد میں کیسی صفائی سے پورا ہوا اور ہزاروں انسان ان ندیوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے پھر حضرت اقدس کا الہام کہ طاعون جاتی رہی مگر بخار رہ گیا کیسے بین طور سے پورا ہوا۔ ہر طرف بخار کا زور شور ہے اور دنیا الامان الامان پکار رہی ہے۔

حج الکرامہ کے صفحہ ۴۲۶ پر ہے ویران شود ۔۔۔۔ ہند بمرض آبلہ۔ یعنی ہند میں مرض آبلہ یعنی طاعون بڑے زور سے پھیلے گی۔ نیز ملاحظہ ہو اقتراب الساعہ صفحہ ۱۳ و ۵۰۔

م۔ ایک علامت قحط کا پھیلنا تھا۔ ملاحظہ ہو حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۴۹۔ یہ علامت بھی ملک ہند میں صفائی سے پوری ہوئی۔

اب میں مخالفین سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ حضرت اقدس احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اختیار میں تھا کہ ان سب علامات کو وجود میں لاتے جب یہ سب علامتیں ایسی صفائی سے تمہاری آنکھوں کے سامنے پوری ہوئیں تو کیا اب تمہارا فرض نہیں کہ احمد کو مہدی موعود قبول کرو۔ خدائے تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی آیات کی تکذیب نہ کرو ورنہ قیامت کے دن کیا جواب دوگے۔

ن۔ ایک علامت حج کا رکا جانا تھا۔ ملاحظہ ہو اقتراب الساعہ صفحہ ۲۸ چنانچہ یہ علامت بھی ہمارے زمانہ میں ملک ہند میں واقع ہوگئی۔ طاعون کے پھیلنے کی وجہ سے حاجیوں پر کئی

رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ طاعون زدہ علاقوں سے حاجیوں کو حج کے لیئے جانیکے واسطے آزادی نہیں تھی۔ اور کوئی شخص حج کو نہیں جاسکتا تھا جبتک کہ ایک عرصہ قارنطینہ میں بند نہ رہے۔ یہ اس لیئے کیا گیا تا ملک ہند سے طاعون حاجیوں کے ذریعہ دوسرے ممالک میں نہ پھیل جائے۔

س۔ اقتراب الساعۃ میں صفحہ ۳۹ پر لکھا ہے۔ دنیا کی ویرانی آباد اور آبادی ویران ہو۔ یہ علامت بھی پوری ہو گئی۔ کئی آباد شہر اور گاؤں زلزلوں طاعون اور دوسری بلاؤں نے ویران کر دیئے اور جو جگہیں ویران پڑی تھیں اُنکو آباد کیا گیا۔ نہریں نکالی گئیں۔ اور نئے گاؤں اور نئے شہر آباد کیئے گئے۔

ع۔ آخری زمانہ کی جس میں مہدی موعودؑ نے ظاہر ہونا تھا ایک علامت قلم کا ظاہر ہونا اور غالب ہونا ہے۔ حدیث میں ہے ان بین یدی الساعۃ تسلیم الخاصۃ وفشو التجارۃ حتّٰی تعین المرأۃ زوجھا علی التجارۃ وقطع الارحام وظھور شھادۃ الزور و کتمان شھادۃ الحق وظھور القلم رواہ احمد والحاکم عن ابن مسعود۔ یعنی قیامت کے آنے سے پہلے خاص لوگ عوام الناس کی باتوں کو قبول کرینگے۔ تجارت بہت پھیل جائیگی یہانتک کہ بیوی اپنے خاوند کو تجارت میں مدد دیگی اور قطع رحم ہوگا اور جھوٹی شہادت کی رسم پھیل جائیگی سچی شہادت کو لوگ چھپائیں گے اور قلم ظاہر ہوگا۔ یہ سب علامتیں بڑی صفائی سے پوری ہو گئیں اور جس زور کے ساتھ آجکل قلم یعنی تحریر پھیلی ہے اسکی نظیر پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی۔

ف۔ ایک علامت یہ ہے کہ مہدی کو زمانہ کے علماء بوجہ بے بصیرتی اپنی کے کافر اور دجّال کہیں گے۔ چنانچہ صدیق حسن خاں حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۶۲ پر لکھتا ہے۔ چوں مہدی علیہ السلام مقاتلہ بر احیاء سنت وامانت بدعت فرماید علماء وقت .... گویند ایں مرد خانہ برانداز دین وملت ماست وبمخالفت برخیزند وحسب عادت خود حکم بتکفیر وتضلیل دے کنند۔ یعنی جب مہدی ظاہر ہوگا اور اصل اسلام کو دنیا کے آگے پیش کریگا اور اُن سب غلطیوں کو دُور کریگا جو لوگوں نے اسلام میں ملا دی ہیں اُسوقت اُس زمانہ کے علما کہیں گے کہ یہ شخص ہمارے دین کو بگاڑتا ہے اور اُسکی مخالفت پر کھڑے

ہوجائیں گے اور اُسپر کفر کا فتویٰ لگائیں گے اور اُسکو ضال اور گمراہ کہیں گے۔

اب علماء خود ہی بتلائیں کہ آیا انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اس علامت کو پورا کیا ہے یا نہیں مگر خدا تعالیٰ کی تائید کے سامنے اُنکی کچھ پیش نہ گئی اور نہ وہ اپنی ساری کوششوں میں خائب و خاسر رہے اور جس سلسلہ کو وہ مٹانا چاہتے تھے خدا تعالیٰ کے زبردست ہاتھ نے اُس سلسلہ کو زمین میں مستحکم کردیا اور مخالفین کو مایوسی اور روسیاہی نصیب ہوئی۔

اس علامت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مہدی موعود کا ظہور ان علماء کی امیدوں کے مطابق نہیں ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ اگر مہدی عین اُنکی امیدوں کے مطابق ظاہر ہوتا اور اُنکی خواہش کے مطابق تلوار لیکر نکلتا اور کافروں کا مال لوٹ کر علماء کو مالا مال کرتا پھر بھی وہ مہدی موعود کی مخالفت کرتے۔ کسطرح وہ ایسے شخص کو کافر کہہ سکتے تھے جو عین اُنکی امیدوں کے مطابق آیا اور جس کو انہوں نے اُسکی ساری علامتیں دیکھکر مہدی موعود قبول کرلیا۔ پھر اگر وہ تلوار کے ساتھ ظاہر ہوتا اور زمین کے خزانے مُلّا لوگوں کو دیتا تو وہ کبھی جرأت نہ کرسکتے کہ اُسکی مخالفت کریں۔ یہ مُلّاں جو پیسہ پیسہ کے بدلے دین بیچتے ہیں اور مسجد کی روٹیوں اور مُردوں کے کفنوں پر جان دیتے ہیں کسطرح مہدی موعود کی خوشامد نہ کرتے جو اُنکو کفار کے مال سے مالا مال کرتا۔ خدائے تعالیٰ نے احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک فضل کیا کہ اُسکو ایسی سلطنت کے سایہ میں رکھا جس کی تلوار کے سامنے علمائے ہند مارے ڈر کے مہدی پر ہاتھ نہ اُٹھا سکے اور ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ چلو مکہ میں یا مدینہ میں یا کابل میں یا استنبول میں۔ انکے اس کہنے کا یہی مطلب تھا کہ سلطنت برطانیہ کی تلوار کا خوف ہمیں اپنے شیطانی ارادوں کے پورا کرنے سے مانع ہے۔ اگر سلطنت برطانیہ سے باہر جاؤ تو برٹش تلوار جو آپکی حفاظت کر رہی ہے ہٹ جائیگی اور ہم اپنے بد ارادوں کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے۔ بھلا مُلّا لوگوں کو کیوں غصہ نہ آتا جب اُنکی مدت کی امیدیں کہ مہدی کے زمانہ میں ہم کافروں کو خوب لوٹیں گے سب یک لخت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور سے خاک میں مل گئیں۔

ص - حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۴ پر صدیق حسن خاں مندرجہ ذیل حدیث نقل کرتا ہے:

ابو سعید خدری گفت پناہ میگیرد اُمت بمہدی چنانکہ پناہ میگیرد شہد بسوئے یعسوب خود تا آنکہ مردم بر مانند امر اوّل شوند..... و مدد کند او را خدائے تعالیٰ بسہ ہزار فرشتہ کہ روئے و پشت مخالفین او را بزنند اخرجہ نعیم بن حماد۔ یعنی مہدی موعودؑ کے پاس لوگ اسطرح جمع ہونگے جسطرح شہد کی مکھیاں اپنی رانی کے پاس جمع ہوتی ہیں۔ یہانتک کہ اسلام اپنی اصلی حالت پر آجائیگا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھا اور خدائے تعالیٰ مہدی کی تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کریگا۔ جو اُسکے مخالفوں کو مُنہ اور پشت پر مارینگے یعنی انکو رنگ رنگ کے عذابوں سے ہلاک کرینگے۔ اس حدیث میں لکھا ہے کہ دُور دُور سے لوگ اُسکے پاس اسطرح آکر جمع ہونگے جیسے شہد کی مکھیاں رانی کے پاس آتی ہیں۔ چنانچہ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اس پیشگوئی کے منشاء کے مطابق دُور دراز مقامات سے لوگ آکر جمع ہوتے اور ہمیشہ آپکے پاس مریدین کا ایک مجمع رہتا اور عجیب بات یہ ہے کہ جب آپ بالکل تنہا تھے اور اس گاؤں کے لوگ بھی آپ سے بوجہ آپکی خلوت گزینی کے پورے آشنا نہ تھے اُسوقت خدائے تعالیٰ کا کلام آپ پر نازل ہوا کہ دُور دُور سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اور تیرے پاس تحائف لائیں گے اور اس کثرت سے آئیں گے کہ قریب ہے کہ تو تھک جائے مگر تجھے چاہیئے کہ تو اُن سے خندہ پیشانی سے پیش آئے اور اُن سے تھک نہ جائے۔ پھر خدا نے فرمایا کہ قریب ہے کہ تو مدد کیا جاوے اور لوگوں میں تیرا نام عزت کے ساتھ شہرت حاصل کرے۔ یہ سب الہامات براہین احمدیہ میں ایسے وقت میں شائع کیئے گئے جب ابھی آپ تنہا تھے اور وہ ایسا وقت تھا کہ کوئی شخص اُس وقت یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ باتیں پوری ہونگی۔ اور اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اسوقت یہ بھی علم نہیں تھا کہ آپ مسیح موعود و مہدی معہود ہوکر دنیا میں آئے ہیں کیونکہ اسی کتاب میں آپ مسلمانوں کے عام عقیدہ کی پیروی کرکے تحریر فرماتے ہیں کہ وہی اسرائیلی مسیح دوبارہ دنیا میں آئینگے۔ بعد میں خدائے تعالیٰ کے الہام کے ذریعہ سے آپکو اس عقیدہ کی غلطی

معلوم ہوئی اور یہ علم دیا گیا کہ آپ ہی آخری زمانہ کے مسیح موعود و مہدی معہود ہیں۔
ق۔ زیادہ معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ نے دنیا میں آکر ۴۰ سال تک تجدید اسلام و تردید مذاہب باطلہ کرنی تھی۔ حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصنیف براہین احمدیہ سے آپکا زمانہ نزول وحی ۴۰ سال ثابت ہوتا ہے کیونکہ ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء تک آپکے اُن عظیم الشان الہامات کا پتہ چلتا ہے جن میں آپ کو آئندہ کی کامیابیوں کے وعدے دیئے گئے تھے چنانچہ براہین احمدیہ صفحہ ۵۲۰ پر آپ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "اس برکت کے بارہ میں ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء میں بھی ایک عجیب الہام اُردو میں ہوا تھا۔۔۔۔ فرمایا تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دیگا یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے" اس طرح اس الہام کی تاریخ سے آپکے سن وفات تک جو ۱۹۰۸ء ہے پورے چالیس سال ہوتے ہیں۔ قریباً اس تاریخ سے انہوں نے حمایت اسلام اور تردید مذاہب باطلہ کا بیڑا اُٹھایا ۱۸۷۰ء و ۱۸۸۰ء کے درمیان آپنے اسلام کی تائید اور دوسرے مذاہب کی تردید میں کئی زبردست مضمون لکھ کر مختلف اخباروں میں شائع کرائے اور اس کے بعد براہین احمدیہ کی عظیم الشان تصنیف شروع کی جو قیامت تک ایک روشن مینار کی طرح دنیا میں یادگار رہیگی۔
۱۴۔ ایک یہ علامت ہے کہ مہدی کے زمانہ میں باطل مریگا اور حق زندہ ہو جائیگا۔ ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۴۔ یہ علامت بھی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں پوری ہوئی۔ آپنے حجج نیرہ سے اور آسمانی نشانوں سے اسلام کو از سرِ نو زندہ کیا اور مخالفین کے اعتراضات کو پاش پاش کرکے دکھایا کہ جس جگہ مخالف نادانی سے یا تعصب سے اعتراض کرتا ہے وہی جگہ حکمت اور اسرار الٰہی سے پُر ہے ایسا ہی مذاہب باطلہ کا باطل ہونا زبردست دلائل اور خارق عادت نشانات سے ثابت کیا۔ جلسہ مہوتسو کے مضمون جیسے زبردست مضامین لکھکر اسلام کو کل مذاہب پر غالب کیا اور آسمانی نشانوں میں مقابلہ کرنے کے لیئے دوسرے مذاہب کے لیڈروں کو بلاکر اسلام کا زندہ مذہب ہونا اور دوسرے مذاہب کا مُردہ اور

روحانی فیض سے بے بہرہ ہونا روز روشن کی طرح ظاہر کر دیا۔ آپ کے ہاتھ پر جو اسلام کی خدمت اور مذاہب باطلہ کی تردید ہوئی اس کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ نہائیت ہی متعصب دشمن بھی اس امر کے قائل ہو گئے بلکہ یہ تحریک پیش کی کہ سب مسلمان چندہ فراہم کر کے حضرت مہدی موعودؑ کے مضامین کو دنیا میں شائع کریں تا اسلام دوسرے مذاہب کو فتح کرتا ہوا دنیا کے کونوں میں اپنے خیمے جمائے مگر تعصب سے یہ شرط پیش کی کہ مہدی موعودؑ اپنے دعوے کے متعلق اُن مضامین میں اشارہ تک نہ کریں۔ مگر جاہلوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کا وجود اسلام کے لیئے ایک زندہ نشان اور دوسرے مذاہب کے لیئے ایک آسمانی حربہ تھا پھر کس طرح ممکن تھا کہ آپ اس زندہ نشان کو دنیا کے آگے پیش نہ کرتے اور اس آسمانی حربہ کو نیام میں رکھتے اور جس کام کے لیئے آپ مامور کیئے گئے تھے مخالفین کو خوش کرنے کے لیئے اس کام کو ادا نہ کرتے۔ مگر مخالفین نے یہ تجویز پیش کر کے اس بات کا اقرار کر لیا کہ بے شک آج دنیا میں ایک ہی شخص ہے جسکا زبردست ہاتھ دنیا کے باطل مذاہب کو مغلوب کر کے اسلام کو غالب کر سکتا ہے اور اُس کا پاک اور روشن چہرہ دنیا کو دکھا سکتا ہے وہ کیا بات تھی جسکی وجہ سے انکو باوجود شدید مخالفت کے اسلام کی حمائت کے لیئے مہدی موعودؑ کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ کیوں انہوں نے دوسرے مسلمانوں میں سے ایک شخص کو اس غرض کے لیئے منتخب نہ کیا۔ یہ باتیں اس امر کا کافی ثبوت ہیں کہ احمدؑ جیسا زبردست ہاتھ اسلام کی حمائت کرنیوالا اور مخالفین کے لشکر کو بھگا نیوالا دنیا میں انکو نظر نہیں آتا تھا۔ مخالف مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے پیرووں نے بھی احمدؑ کا حمائت اسلام میں بے نظیر ہونا قبول کر لیا ہے۔

ش۔ ایک یہ علامت ہے کہ فتنوں اور لڑائیوں کے وقت میں مہدی کا ظہور ہوگا ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۴ یہ علامت بھی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کے ساتھ

پوری ہوگئی۔ اور جسقدر فتن اس زمانہ میں پائے جاتے ہیں انکی نظیر ڈھونڈنا دشوار ہے لڑائیاں اور لڑائیوں کی تیاریاں ان کے علاوہ ہیں۔

ت۔ ایک یہ علامت ہے کہ دو مرتبہ مہدی غائب ہو جائیگا یہانتک کہ بعض کہیں گے کہ مر گیا ہے یعنی ایک عرصہ تک گم رہیگا۔ حجج الکرامۃ صفحہ ۳۶۶۔

یہ دو غیبوبت کے زمانے بھی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آئے۔ پہلا غیبوبت کا زمانہ وہ ابتدائی زمانہ تھا جب کہ آپ گمنام زندگی بسر کرتے تھے اور کوئی نہ جانتا تھا کہ قادیان میں بھی کوئی مہدی ہے۔ یہانتک کہ رفتہ رفتہ آپ کا نام چمکا اور دنیا کے کناروں تک آپ کا نام روشن ہوا۔ دوسرا غیبوبت کا زمانہ آپکی وفات سے شروع ہوا۔ کیونکہ جاہلوں نے خیال کیا کہ آپکی وفات سے اب سلسلہ رفتہ رفتہ نابود ہو جائیگا کیونکہ جس پاک وجود کی وجہ سے اس سلسلہ کو اسقدر فروغ حاصل ہوا تھا وہ اب جاتا رہا ہے۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ احمد زندہ ہے اور اُس کی برکات کا سلسلہ ایسا ہی جاری ہے جیسا پہلے تھا اگرچہ آپ اب نظروں سے غائب ہو گئے مگر خدا کے وعدہ کے بموجب خدائے تعالیٰ اب دوبارہ اپنی قدرت کا ہاتھ دکھائیگا اور وہ چاند جو بادلوں کے پیچھے چلا گیا ہے وہ عنقریب اپنا روشن چہرہ دکھائیگا اور اُس کا نام پہلے سے بھی زیادہ چمکے گا اور مخالف سخت مایوسی کے ساتھ دیکھینگے کہ جس کو وہ مر گیا کہتے تھے وہ زندہ ہے۔ غرض یہ آپ کا دوسرا غیبوبت کا زمانہ ہے اور اس کے بعد پھر اور بھی چمک کے ساتھ احمد کا نام روشن ہوگا اور جیسا پہلے ایک گمنامی کے بعد آپنے عزت اور شہرت حاصل کی ایسا ہی دوبارہ ایک دوسری عزت اور شہرت اس غیبوبت کے بعد حاصل کریں گے اور اُنکا مبارک چہرہ جو اب بے بصیرت آنکھوں سے غائب ہو گیا ہے وہ دوبارہ نمودار ہوگا تب آپ کا دوسری غیبوبت کا زمانہ ختم ہوگا۔

ث۔ ایک یہ علامت ہے کہ خواص اور اُمرا کی نسبت غربا اُسکو زیادہ قبول کریں گے اور کئی لوگ خوابوں۔ کشفوں اور الہامات کے ذریعہ مہدی موعود کی بیعت کرینگے اور وہ لوگ جو اس کے

مددگار اور معاون اور اُس کے کام میں شریک ہونگے وہ سب عجمی لوگ ہونگے اور اُس کے معاونین میں سب سے بڑا ایک نیک اور پاک شخص ہوگا جو قرآن مجید کا حافظ اور اُسکا عاشق ہوگا جسکو احادیث میں حافظ معصوم کا خطاب دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۲۔ یہ سب علامتیں صراحت کے ساتھ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں پوری ہوئیں۔ اُمرا اور بڑے بڑے موحّد کہلانیوالے اور دوسرے لوگ جو متکبّر اور مغرور تھے وہ اس نعمت سے محروم رہے اِلاّ ماشاءاللہ اور زیادہ تر غربا اور غریب مزاج علماء اور بعض نیک طینت اُمراء نے آپ کو قبول کیا اور ہزارہا ایسے لوگ ہیں جنہوں نے خواب۔ کشف یا الہام سے ہدایت پاکر آپ کو قبول کیا۔ اور آپ کے مددگار بھی عجمی ہی تھے جنکو آپ سے وہ نسبت تھی جو وزراء کو ملوک سے ہوتی ہے اور خدائے تعالیٰ نے احمدؑ کو ایک حافظ معصوم بھی عطا کیا جو اُس کے وزراء میں افضل ترین تھا اور اُس کے امین کارکنوں میں سب سے زیادہ افضل تھا اور جسکو خدائے تعالیٰ نے احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد خلافت کی گدی پر بٹھایا۔ اور جو پہلا شخص ہے جسکو خلیفۃ المسیح کا خطاب خدائے تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا۔

خ۔ ایک حدیث میں ہے یخرج رجل من وراء النهر يقال له الحارث على مقدمته رجل يقال له منصور اخرجہ ابوداؤد۔ یعنی ملک ماوراء النہر کیطرف سے ایک شخص نکلیگا جو حارث یعنی زمیندار کہلائیگا اور اُسکی جماعت کا ایک سردار ہوگا جسکا نام منصور ہوگا یعنی ایسا شخص کہ خدائے تعالیٰ کی تائید اُس کے شامل حال ہوگی۔ یہ حدیث بھی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں پوری ہوئی کیونکہ آپ بڑے زمیندار تھے اور آپکے بزرگ ماوراء النہر کی طرف سے ہند میں تشریف لائے تھے۔ حافظ معصوم اور رجل منصور دونوں ایک ہی شخص کے خطاب معلوم ہوتے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

ذ - حدیث الغاشیہ کا مصنف لکھتا ہے " جو دَور مہدی کا آویگا وہ دَورِ خلافت نبوت کی چال پر ہوگا" یعنی مہدی موعودؑ کا ظہور منہاج نبوت پر واقع ہوگا۔

(ملاحظہ ہو حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۷۰) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ عین منہاج نبوت پر واقع ہوا۔ آپنے وہی تعلیم دی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی جس طرح صحابہؓ نے خدا کی راہ میں جہاد کرکے روحانیت کے منازل کو طے کیا یہی تعلیم احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی آپ ہمیشہ جماعت کو یہی تعلیم دیتے رہے کہ صحابہؓ کی طرح اپنی ساری کوششوں کو دین کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے مال اور قلم سے خدا کی راہ میں جہاد کرو۔ آپ سے پہلے کئی صوفیوں کے سلسلے موجود تھے مگر آپنے ان سب کو ترک کرکے اپنی جماعت کو اُسی راہ پر چلایا جس راہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جماعت کو چلایا۔ اور جس طریق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کا تزکیہ کیا وہی طریق آپنے اختیار کیا۔ جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خارق عادت نشانوں کے ذریعہ اور تائید الٰہی کا نقشہ دکھا کر صحابہؓ کو معرفت الٰہی کے چشمہ سے سیراب کیا ایسا ہی آپنے آسمانی نشانات کا مشاہدہ کراکر اور خدا کا زبردست ہاتھ اپنی تائید میں دکھا کر اپنی جماعت کو خدا کا چہرہ دکھا دیا۔ اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے خدا کا تازہ تازہ کلام سنکر حلاوت ایمانی کا مزہ چکھا ایسا ہی آپ کی جماعت نے خدا کی تازہ وحی کو سنکر اپنی ایمانوں کو تازہ کیا غرض آپ کا دَور عین دَور نبوت کی چال پر تھا۔ اور جیسا لکھا تھا کہ مہدی موعودؑ کے زمانہ میں وحی نازل ہوگی (حجج الکرامۃ صفحہ ۴۲۴) ایسا ہی احمد علیہ السلام کے عہد میں ہم نے دیکھا۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ آلِ محمدٍ وعلیٰ خلفاءِ محمدٍ وبارک وسلم انک حمید مجید۔

ض - ایک یہ علامت ہے کہ بدلوگ ہلاک ہونگے (حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۴۶) اس پیشگوئی کے مطابق خدائے تعالیٰ نے دنیا میں گناہ کی کثرت دیکھ کر طرح طرح کے عذاب مثل طاعون زلزلہ۔ طوفان نازل فرمائے اور کئی بدلوگ جنہیں کئی معاندین مہدی تھے ہلاک ہوئے۔

ظ۔ ہمارے پیارے آقا کا حلیہ بھی اُس حلیہ سے ملتا ہے جو احادیث میں مہدی معہودؑ کے لیئے بیان کیا گیا ہے مہدی موعودؑ کے حلیہ کے متعلق لکھا ہے (آدم ضرب من الرجال (رواہ نعیم بن حماد) یعنی وہ گندم گوں ہوگا جس طرح تم اس ملک کے آدمی دیکھتے ہو ابن عباس گفتہ میانہ قد مشروب الحمرۃ باشد (حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۰) یعنی مہدی معہودؑ میانہ قد کا ہوگا اور اُس کا رنگ کسی قدر سرخی مائل یعنی گندم گوں ہوگا۔ ابوداؤد میں لکھا ہے المهدی منی اجلی الجبهة اقنی الانف یعنی مہدی مجھ میں سے ہے کشادہ پیشانی والا اونچی ناک والا۔ محمد بن جعفر گفتہ مہدی باریک حاجب و دراز و کمان ابرو است و نیست میان ابروہائے وے اقتران و کلاں جسم است (حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۰) پھر مہدی موعودؑ کی نسبت لکھا ہے کہ اُسکی زبان میں ثقل ہوگا اور آپکی ریش مبارک گھنی اور بھاری ہوگی سر پہ بال ہونگے کاندھے تک (حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۴۶) یہ سب علامتیں احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پائی گئیں۔

غ۔ حدیث الغاشیہ کا مصنف لکھتا ہے "(نکلنے کے وقت) آپ کی عمر چالیس برس کی ہوگی یا درمیان تیس چالیس کے .... نکلنے سے وفات تک چالیس برس رہیں گے اس حساب سے ستر اسی برس کی عمر ہوتی ہے۔" (صفحہ ۳۴۶) کیا مخالفین انکار کر سکتے ہیں کہ یہ علامت بھی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پوری ہوئی۔

غ نمبر ۲۔ اقتراب الساعہ کا مصنف لکھتا ہے "برتاؤ اُنکا یہ ہوگا کہ عمل کریں گے سُنّت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ سلم پر۔ نہ کسی سوتے کو جگا دینگے نہ کسی کا خون بہاوینگے۔ سُنّت یعنی عمل بالحدیث پر مقابلہ کریں گے۔ کسی سُنّت کو بے قائم کیئے نہ چھوڑینگے نہ کسی بدعت کو مگر اسکو اُٹھا دینگے آخر زمانہ میں دین کے ساتھ اُسی طرح پر قائم ہونگے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اوّل زمانہ میں قائم ہوئے تھے۔ (صفحہ ۹۳) یہ علامات بھی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود بابرکت میں پوری ہوئیں۔

اِن علامات کے علاوہ اور بھی بہت سی علامات مہدی موعودؑ کی ہیں جو احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پوری ہوئیں۔ مگر جسقدر علامات اوپر بیان ہو چکی ہیں وہ ایک طالب حق کے لیئے کافی ہیں۔ اب ناظرین کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ ٹھہر کر غور فرماویں۔

احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے وقت میں ظہور فرمایا جب سب آنکھیں انتظار میں لگی ہوئی تھیں۔ اور سب لوگ یکزبان ہو کر بول اُٹھے تھے کہ اب مہدیؑ کا ظہور قریب ہے۔ چودھویں صدی کا آغاز مہدی موعودؑ کے ظہور کیلیئے آخری تاریخ مقرر ہو چکی تھی۔ نہ صرف علماء تحریراً و تقریراً اس امر کا اعلان کر رہے تھے کہ مہدیؑ عنقریب ظاہر ہونیوالا ہے بلکہ ملہمین اور مشائخ نے خدا سے اطلاع پاکر یہ ظاہر کیا تھا کہ مہدیؑ عنقریب ظاہر ہونیوالا ہے۔ اور بعض نے نام و مقام و تاریخ بھی بتلا دیئے۔ محققین نے بالاتفاق یہ کہدیا تھا کہ جن علامات نے مہدیؑ کے ظہور سے پہلے ظاہر ہونا تھا وہ سب کی سب پوری ہو چکی ہیں۔ لوگ دعائیں کرتے تھے کہ وہ مہدیؑ کے ظہور تک زندہ رہیں اور اس دنیا سے نہ گذریں جبتک مہدی کی زیارت سے مشرف نہ ہو لیں۔ اور کئی لوگ اپنی اولاد کو یہ وصیت کر گئے کہ جب مہدیؑ ظاہر ہو تو ہمارا اسلام اُنکی خدمت میں پیش کرنا۔

احادیث میں تھا کہ مہدیؑ کدعہ نام بستی میں ظاہر ہوگا اور اس پیشگوئی کے مطابق احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کادی یا قادیاں نام گاؤں میں ظاہر ہوئے۔ پھر پیشگوئی کی مطابق احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مشرقی ملک میں ظاہر ہوئے۔ اور اس سے نہ صرف وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو احادیث میں تھی کہ مہدیؑ مشرق میں ظاہر ہوگا بلکہ خدائے تعالیٰ کا وہ کلام بھی پورا ہوا جو اُس نے اپنے نبی یسعیاہ پر نازل فرمایا وہ ایسی سرزمین میں پیدا ہوا جہاں دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کی ایک کشتی لگ رہی تھی اور جہاں اسلام کے پہلوان کو اسلام کی حمایت کے لیئے ظاہر ہونا چاہیئے تھا۔

پھر احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام تنہا نہ آیا بلکہ اپنے نشانات اپنے ساتھ لایا۔ جس ملک میں آباد

ظاہر ہوئے اُسی ملک میں ستارہ ذی السنین جسکا احادیث میں وعدہ دیا گیا تھا ظاہر ہوا۔ اور جس آگ کی خبر دیگئی تھی اس نے بھی احمد کے ظہور سے پہلے مشرقی اُفق کو سرخ کیا۔ آسمان پر رمضان کے مبارک مہینہ میں پرانے وعدہ کے مطابق مقررہ تاریخوں پر آفتاب اور ماہتاب نے اپنے کسوف وخسوف سے احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی شہادت دی۔ زلازل نے زمین کے کئی حصوں کو ہلا دیا اور کئی خوبصورت شہر خاک میں مل گئے۔ اُسی زمین میں جہاں احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظہور فرمایا ایک سخت طاعون نے ظاہر ہو کر اسکی سچائی کی گواہی دی۔ اور جیسا مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی ارتداد کے فتنہ نے اسقدر زور پکڑا کہ اسلام کی تاریخ میں اسکی نظیر نظر نہیں آتی۔ پنجاب کی دارالسلطنت میں دن کے آخری حصہ میں پیشگوئی کے مطابق شیطانی آواز نے پکار کر کہا کہ فلاں شخص ظلم سے مارا گیا مگر اس سے پہلے رمضان کے مہینہ میں ایک آواز ہم سن چکے تھے اور وہ فرشتہ کی آواز تھی اور دوسری آواز شیطانی آواز تھی۔ آل محمد اور آل عیسیٰ کے درمیان جھگڑا ہوا اور نچلی آواز نے کہا کہ حق آل عیسیٰ کے ساتھ ہے مگر خدا نے آواز دی کہ نہیں حق آل محمد یعنی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہے۔ میں کہانتک ان نشانات کو شمار کرتا جاؤں جو احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تائید میں ظاہر ہوئے۔ میں اُن میں سے بعض پہلے لکھ چکا ہوں اور وہ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی کو ثابت کرنے کیلئے کافی سے زیادہ ہیں۔ اب احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اُن مدعیان مہدویت کے ساتھ مقابلہ کرو جو آپ سے پہلے ظاہر ہوئے۔ انہوں نے دعویٰ کیا مگر ایک نشان بھی اُنکی تائید میں ظاہر نہ ہوا اور سب کو ذلت اور ناکامی کا مزہ چکھنا پڑا۔ ان گذشتہ مدعیان کی نسبت حدیث الغاشیہ کا مصنف لکھتا ہے "یہ بھی دیکھ یا سُن چکے ہیں کہ جس نے ایسا دعویٰ کیا ہے وہ آخر کو ذلیل ہی ہوا ہے اگر یہ مدعی سچے ہوتے تو کچھ اثر تو اُن امور کا بھی معلوم ہوتا جو وقت ظہور مہدی موعودؑ کے ہونے والے ہیں۔" (صفحہ ۳۴۲)

پہلے مدعیان میں سے بعض نے توبہ کی اور اپنے دعوے سے رجوع کیا۔ بعض قید میں ہلاک ہو گئے بعض کے سر قلم کیئے گئے اور بعض پر دیگر قسم کی بلائیں نازل ہوئیں مگر سب اپنے کام میں خائب و خاسر رہے۔ انکی حالت کے مطالعہ کرنے سے احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی اور بھی زیادہ چمکتی ہے۔ آپ کا ظہور۔ آپ کی زندگی اور آپ کا ہر ایک کام بالکل سچے انبیاءؑ کے نمونہ پر تھا۔ جب آپ نے دعویٰ کیا تو سب طرف سے مخالفت کا شور اُٹھا۔ مسلمان ایک نامور جنگجو مہدی کے منتظر تھے اور وہ ایک گمنام غریب آدمی کو مہدی قبول نہیں کر سکتے تھے۔ وہ فاطمی مہدی کے منتظر تھے اور ایک غیر فاطمی کے دعوے مہدویت کو ایک لمحہ کیلیئے بھی سن نہیں سکتے تھے۔ انکی آنکھیں مکہ معظمہ کی طرف لگی ہوئی تھیں اور اُنکے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ مہدی پنجاب کے ایک گمنام گاؤں میں ظاہر ہوگا۔ پھر اسپر طرفہ یہ کہ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف مہدی ہونے کا ہی دعویٰ نہ کیا بلکہ اپنے آپ کو مسیح موعود بھی منوانا چاہا حالانکہ مسلمانوں کا یہ پختہ اعتقاد چلا آتا تھا کہ مسیح آسمان پر زندہ ہے اور آخر زمانہ میں زمین پر نازل ہوگا۔ غرض احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ مسلمانوں کیلیئے بالکل نرالا تھا اور اُنکی ساری امیدوں کے برخلاف تھا۔ اس لیئے ان دعاوی نے اسلامی دنیا کو چونکا دیا اور چاروں طرف سے مخالفت کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ کفر کے فتوے جاری کیئے گئے اور سب طرف سے گالیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ اسوقت کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ان چونکا دینے والے دعاوی کو جو مسلمانوں کی ساری اُمیدوں کو خاک میں ملاتے تھے مسلمانوں سے منوا لیگا۔ اور احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف دعاوی ہی مسلمانوں کی اُمیدوں کے برخلاف نہیں تھے بلکہ آپ نے اُن سب غلط خیالات کو جو اسلام میں داخل ہو گئے تھے بڑے زور سے رد کیا اس نے مُلاں لوگوں کے جوش کو اور بھی بھڑکایا۔ مگر آپ نے حق کہنے میں کسی کی پروا نہ کی اور کسی کی مخالفت سے نہ ڈرے جب یہ دیکھا جاوے کہ ایک طرف

آپ تنہا تھے دوسری طرف آپکے دعاوی بالکل مسلمانوں کی امیدوں کو خاک میں ملا دینے والے تھے اور پھر اُس مخالفت کے طوفان کو دیکھا جاوے جو چاروں طرف سے آپکے برخلاف برپا ہو گیا اور پھر دیکھا جاوے کہ بجائے اس کے کہ آپ علماء کی خوشامد کرکے انکو اپنے ساتھ ملانیکی کوشش کریں آپنے اُن کے سارے غلط عقائد کی بڑے زور سے تردید کی تو ایسی صورت میں اگر آپ خدا کی طرف سے نہ ہوتے بلکہ اپنے دعاوی میں (معاذاللہ) جھوٹے ہوتے تو ضرور تھا کہ پہلے مدعیان کی طرح آپ بھی ناکام رہتے بلکہ آپ کو اُن سے بھی زیادہ ناکامی دیکھنی پڑتی۔ کیونکہ اول تو انہوں نے صرف مہدویت کا دعویٰ کیا اور آپنے مہدویت کے ساتھ مسیحیت کا بھی دعوی کیا۔ انہوں نے تلوار اُٹھائی۔ اور مسلمانوں کے عام عقیدہ کے مطابق مہدی کا بڑا کام ہی تھا مگر آپنے خونی مہدی اور تلوار کے جہاد کے عقائد کو جھوٹا قرار دیا۔ اور پھر جو کفر کے فتوے مشرق سے لیکر مغرب تک آپکے برخلاف جاری کیے گئے وہ پہلے کسی مدعی مہدویت کے برخلاف جاری نہیں ہوئے تھے اور جو مخالفت کا عالمگیر طوفان آپکے برخلاف برپا ہوا وہ پہلے کسی مدعی کے برخلاف برپا نہیں ہوا تھا۔ اس صورت میں اگر آپ خدا کی طرف سے نہ ہوتے تو آپ کو ایسی ناکامی دیکھنی پڑتی جو پہلے کسی نے نہ دیکھی ہوتی۔ پھر آپنے حق گوئی اور باطل کی تردید کے ساتھ صرف عام مسلمانوں کو ہی اپنا دشمن نہ بنایا۔ بلکہ دیگر قوموں کو بھی اپنا جانی دشمن بنالیا۔ عیسائیوں کے خدا کو انسان بنا دیا۔ اور کشمیر میں اُس کی قبر کا بھی پتہ دیدیا۔ اور جو ناجائز عقائد مسلمانوں میں ایسے تھے جن سے عیسائی خوش ہوتے تھے اور جنسے اُنکے مذہب کو تقویت ملتی تھی اُن سب عقائد کی بیخکنی کر دی۔ سکھوں کے گرو کو مسلمان ثابت کرکے دکھا دیا اور بابا نانک صاحب کے چولہ سے پردہ اُٹھا کر اصل حقیقت ظاہر کر دی اور فیروز پور کے ضلع میں پوتھی کے ساتھ قرآن مجید پڑا ہوا دکھا دیا آریوں کے مسافر لیکھرام نے آپکی پیشگوئی کے مذبح پر اپنی جان کو قربان کر دیا۔ اور

پنڈت دیانند کی کتاب میں سے نیوگ کا مسئلہ نکالکر انکو خجالت میں ڈبو دیا۔ اسکا نتیجہ ہوا کہ نہ صرف مسلمان بلکہ ساری دنیا آپ کی دشمن ہوگئی۔ یہ دلیری یہ بہادری کیا جھوٹے میں ہوسکتی تھی کیا ایک مفتری جسکے ہاتھ میں سوائے جھوٹ کے کچھ نہیں ہونا چاہیئے تھا اسطرح ساری دنیا کو ڈانٹ سکتا تھا۔ ہرگز نہیں۔ اگرچہ دنیا میں وہ اکیلا آیا تھا مگر اصل میں وہ اکیلا نہیں تھا۔ خدا کا زبردست ہاتھ اسکے ساتھ تھا۔ بیشک مسلمانوں کے خیال کے موجب وہ فوجوں کے ساتھ نہیں آیا تھا مگر اسکے ساتھ خدا کے فرشتوں کے لشکر تھے جو اسکے مددگار تھے اور جو لوگوں کو اسکی طرف کھینچتے تھے اور مخالفوں کی کمر کو توڑتے تھے۔ اس کے ساتھ تیر و تفنگ نہیں تھے مگر زبردست دلائل اور آسمانی نشانوں کا حربہ اسکے ہاتھ میں تھا اسی لیئے اس نے سب مخالفوں کو سرنگوں کیا۔ وہ دنیا میں اکیلا آیا مگر جب رخصت ہوا تو چار لاکھ جان نثار اسکے ساتھ تھا۔ اور ان چار لاکھ مسلمانوں کے علاوہ اسنے ہزارہا آدمیوں کے دلوں کو غلط خیالات سے پاک کیا۔ یہانتک کہ اول المخالفین محمد حسین بٹالوی کو اپنے خونی مہدی اور سیفی جہاد کے عقیدہ سے برملا تائب ہونا پڑا۔ ہاں اسنے کسی قلعے کو فتح نہیں کیا مگر اسنے دلوں کو فتح کیا۔ اور دلوں کو فتح کرنیوالا مفتری نہیں ہوسکتا تھا۔ خدائے تعالیٰ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہزار ہزار رحمتیں اور برکات اور سلام اور صلوٰۃ نازل فرمائے اور اس کا چہرہ روشن فرمائے کیونکہ اس نے اسلام کے چہرہ کو روشن کیا اور اسکو طیب زندگی عطا فرمائی کیونکہ اسنے مسیح کی جھوٹی زندگی اور جھوٹی خدائی کا خاتمہ کر دیا اور خونی مہدی اور خونی جہاد کے عقائد کی ہمیشہ کے لیئے بیخکنی کردی۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

اٹھارہ سو سال کے خدا کو انسان بنانیکی تجویز

عیسائی مذہب کی یہ بڑی خوبی بیان کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیئے کسی ایک اصل کا پابند نہیں بلکہ تغیرات زمانہ کے ساتھ اپنے بنیادی اصول کو بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ اگر آج سے اٹھارہ یا انیس سو سال پہلے ایک چنگے بھلے انسان کو خدا بنالیا تھا تو آج اسی خدا کو انسان

بنانیکی تجویز سوچی جاتی ہے۔ اور کفارہ اور تثلیث جیسے دو شہتیر عیسائی مذہب کے ٹوٹ کر بھی مذہب وہی رہتا ہے بسہ چوں وضوے محکم بی بی تمیزہ مے نیا ید اختلال از ہیچ چیز۔ کی مثال خواہ کیسی ہی ہو مگر عیسائی مذہب پر صادق آتی ہے۔ اور اسپر یہ عیسائی مذہب کا فخر اور فضیلت سمجھی جاتی ہے۔ لیکن جہاں ایک طرف تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ یورپین مسیح کی خدائی کو ایک تو ہم پرستی کا اعتقاد سمجھتے ہیں پادری صاحبان ابھی تک بعض لوگوں کی جہالت سے فائدہ اٹھاکر مسیح کی خدائی کا راگ الاپ رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے مندرجہ ذیل واقعہ جو کانٹیمپریری ریویو ماہ اگست سے لیا گیا ہے فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ راقم مضمون مذکورہ اپنے مضمون میں ان حالات کو بیان کرتا ہے جنکی وجہ سے اسکا اعتقاد رومن کیتھولک مذہب پر جاتا رہا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ رینن اور سٹراس کی کتابوں کو پڑھکر میرے دل میں وہ خیالات پیدا ہوئے جنہوں نے برسوں کے جمے ہوئے عقائد کی نسبت مجھے تذبذب میں ڈال دیا۔ اسلیئے میں اپنے شکوک کو رفع کرنیکے لیئے ایک فاضل کیتھولک عالم کے پاس گیا جسے میں علاوہ ایک اعلیٰ درجہ کا ذہین آدمی جاننے کے ایک باخدا عیسائی اور روحانی تسلی کا سرچشمہ سمجھتا تھا۔ راقم مضمون بیان کرتا ہے کہ جب میں نے اپنے اندرونی وسوسوں کا اظہار اس فاضل کے سامنے کیا اس امید پر کہ وہ کوئی ایسی روشنی ڈالیگا جس سے شکوک کی تاریکی رفع ہو جائے تو مجھے جو جواب ملا وہ یہ تھا۔

"ہاں! آپ کا ایمان مسیح کی خدائی پر جاتا رہا ہے! بیشک ایک نوجوان آدمی کو یہ ایک بہت بڑی بات معلوم ہوتی ہے۔ اسکی ہمت کو مردہ کر دیتی ہے اور اسکی نظر خیال کے سامنے ایک خلا پیدا کر دیتی ہے لیکن اگر روحانی حالت مضبوط ہو تو یہ اثر صرف ایک وقت کیلئے ہوتا ہے۔ بہت تھوڑے وقت کے لیئے۔ ہم میں سے اکثر اس آزمائش میں سے ہوگذرے ہیں اور ہماری حالت وہی ہے جو ہے۔ آپ کو اس بات کو زیادہ وقعت نہیں دینی چاہیئے۔ غور کیا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ ہمارے مذہب کی اصل روح نہیں۔ جیساکہ عیسائی اناجیل کے لکھے جانیسے پہلے موجود تھے ایسا ہی اسوقت بھی عیسائی موجود تھے جب خدائی کا عقیدہ

ابھی بنایا نہیں گیا تھا یا عقائد میں داخل نہیں کیا گیا تھا۔ یہ عقیدہ دوسرے عقائد کی طرح آہستہ آہستہ بنا ہے بلکہ خود نئے عہدنامے میں دونوں قسم کے خیالات موجود معلوم ہوتے ہیں ایک وہ جنسے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع نے مسیح ہونیکا دعویٰ نہیں کیا۔ اور دوسرے وہ جنسے معلوم ہوتا ہے کہ اسنے ایسا دعویٰ کیا تھا بہرحال یہودیوں نے انہیں اپنا مسیح تسلیم نہیں کیا۔ کیونکہ انکی مسیحیت کے خلاف اور وجوہ کے درمیان ایک یہ بھی وجہ تھی کہ وہ ایک ذلت کی موت مارے گئے اور کوئی قوم پسند نہیں کرتی کہ اسکا سردار غلاموں کی طرح صلیب دیا جائے۔ اس کا عیسائیوں نے یہ جواب دیا کہ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ مرگیا لیکن وہ پھر طاقت اور شان و شوکت کے ساتھ واپس آئیگا اور تمام دنیا اسے دیکھے گی۔ یہ اعلان خود یسوع کی طرف سے تھا کیونکہ اسنے کہا تھا کہ وہ نسل ابھی نہیں گذریگی کہ وہ واپس آجائیگا۔ اب غور کرو کہ اسوقت سے کتنی نسلیں گذرچکی ہیں اور یہ امید اب تک باقی ہے۔

"اگر آپ انجیلوں کو غور سے پڑھیں تو آپ خود دیکھ لیں گے کہ یسوع نے خدا ہونیکا دعویٰ کبھی نہیں کیا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا خیال کرتا تو وہ حسبِ اسکی تردید کرتا۔ خداوند کی دعا خود ایسے خیال کی تردید کرتی ہے۔ اسکے ایک ایک لفظ کو دیکھو کہ یہ ایک متقی انسان کی عاجزانہ عرض ہے جو خود خدا سے قریب ہونے اور اپنے رفقا کو قریب کرنیکی تڑپ اپنے دل میں رکھتا ہے۔ خود یسوع کے شاگرد جو اسکو ہر طرح سے بڑا بنانے اور مبالغہ کرنیکے لئے تیار تھے انہوں نے بھی کبھی ایسا خیال نہیں کیا کہ یسوع کے دل میں خدائی کا خیال تھا۔ انکو خوب یاد تھا کہ اسنے انکو اسبات سے بھی منع کر دیا تھا کہ وہ اسے نیک کہیں کیونکہ یہ خدا کی صفت تھی۔ اور یسوع کی موت کے دیر بعد پولوس جنسے اسے فرشتوں سے افضل قرار دیا اسکے مرتبہ کو خدا سے کم سمجھتا تھا۔ یہ عقیدے کچھ واقعات اور کچھ قصوں کی بنا پر۔ اور کچھ علم اور کچھ اُمید کی بنا پر آہستہ آہستہ بنگئے ہیں۔

"نئے عہدنامے کے معجزات جنپر ہم جہالت سے پہلے مذہب کی منجانب اللہ ہونیکی

بنیاد رکھتے ہیں اس زمانہ میں کسی اعتبار کے قابل نہیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ کسی دوسرے امر کو ثابت کریں خود محتاج ثبوت ہیں۔ میرے نزدیک تو ان سب معجزات میں سے سب سے بڑا مگر ساتھ ہی سب سے زیادہ نظروں سے چھپا ہوا معجزہ وہ خدا بنانیکی ترکیب ہے جس سے ناصرہ کا رہنے والا یسوع نہائت مقدس تثلیث کا دوسرا اقنوم اور ابدی خدا بن گیا۔

"میرے نوجوان دوست! خواہ یہ باتیں تمکو اسوقت ناگوار معلوم ہوں مگر یہ عمدہ سے عمدہ باتیں ہیں جو مَیں تمہیں بتا سکتا ہوں اور یہ میرے دل کے اندرونی خیالات ہیں جو تمپر اسوقت ظاہر کر رہا ہوں۔ تم اس بات کو سمجھ جاؤ گے اگر آج نہیں تو ایک مہینہ میں یا ایک سال میں یا دس سال میں کہ جو شخص صدق دل سے مذہبی صداقت کی تلاش آج انیسویں صدی میں کرتا ہے اسکو لازماً یہ باتیں بطور نتائج مسلمہ کے ماننی پڑیں گی خدا انسان بنجائیگا مگر نہ اسطرح جسم اختیار کرنیسے جیسا پہلے لوگوں نے خیال کر لیا۔ ہاں جسطرح کلیسیا نے ابتدائی زمانہ میں ایک انسان کو خدا بنا دیا تھا۔ اسی طرح سے ہم انیسویں صدی کے لوگ خوشی سے اس خدا کو انسان بنا دینگے۔ اور اگلی صدی ان باتوں کو پورا ہوتا دیکھ لے گی"۔

مضمون نویس بیان کرتا ہے کہ "یہ خلاف امید وعظ ایک ایسے روحانی آدمی سے ہیبر تمام عقائد کے لیئے پیغام موت تھا اور اگرچہ مَیں دل ہی دل میں اس فاضل کو کوستا بھی تھا کہ یہ کیسے دغا باز لوگ ہیں کہ جو ایک گڈریے کے لباس میں بھیڑوں کی چوری کا کام کر رہے ہیں مگر ساتھ ہی اسکی معقول باتوں کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا اور یہ باتیں میرے دل کو کھا گئی تھیں"۔

اور کون جانتا ہے کہ ان کلیسیا کے مقدس بزرگوں میں کتنے لوگ ہیں جو دل سے اعتقاد اسی بات پر رکھتے ہیں جو آج سے تیرہ سو سال پہلے قرآن کریم نے کہی تھی۔ ما المسیح ابن مریم الا رسول۔ اور برائے نام عیسائی عقائد کے حامی ہیں۔ اور اخلاقی جرأت سے کام نہ لے کر اپنے اصل خیالات کے اظہار سے رکے ہوئے ہیں۔

اسلام کی ترقی

اسلام کی تاریخ پر غور کی نگاہ ڈالنے سے اسلام کی روحانی کشش اور قوت کا ایک عجیب اثر نظر آتا ہے۔ دنیا کے بڑے مذاہب میں سے اسلام سب سے پیچھے میدان میں آیا۔ مگر جو جو نمایاں کامیابیاں اسلام نے حاصل کیں دوسرے کسی مذہب نے اسیقدر عرصہ میں اسقدر ترقی حاصل نہیں کی۔ بدھ مذہب اسلام سے ایک ہزار سال پہلے اور عیسائی مذہب چھ سو سال پہلے کا ہے مگر نہ گوتم بدھ نے اور نہ ہی حضرت مسیح نے اپنی زندگی میں وہ کامیابی حاصل کی جو اسلام نے اپنے مقدس بانی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حاصل کی۔ یہی حال بعد کے زمانہ میں رہا ہے چنانچہ تیرہ سو سال میں جسقدر ترقی اور کامیابی اسلام کو حاصل ہوئی اسقدر ترقی اسیقدر عرصہ میں عیسائی مذہب کو بھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ یہ خیال کہ اسلام کی یہ ترقی محض پولٹیکل اقتدار یا زور تلوار کی وجہ سے ہوئی۔ جہالت اور تاریخ اسلام سے ناواقفیت پر مبنی ہے سب سے زیادہ پادری صاحبان اس بات پر زور دیا کرتے ہیں مگر انکو خود ہی اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آج باوجود ملکی اقتدار اور تلوار کے اسلام سے جاتے رہنے کے اسلام ان قطعات زمین میں جہاں اسکے مشنری کام کر رہے ہیں ایسی ترقی کر رہا ہے جو عیسائیت کو باوجود مشنریوں کی فوجوں اور بے شمار روپے کے صرف کے حاصل نہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل نوٹ سے جو اخبار ٹربنہ سیکر نیویارک سے لیا گیا ہے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ اخبار مذکور لکھتا ہے۔

"دوسرے مذاہب کی نسبت ہم عیسائی مذہب کی ترقی کی بہت بہت کچھ سنتے رہتے ہیں مگر ہمیں اس میں شبہ ہے کہ مشرق میں عیسائی مذہب بدھ مذہب کی ترقی کا مقابلہ کر سکتا ہے اور یہ بات تو مسلم ہے کہ ان ممالک میں جو اسلام کے زیر اثر ہیں عیسائی مذہب اسلام سے بہت پیچھے ہے۔ چنانچہ ہم پڑھتے ہیں کہ جرمن کے مشنریوں نے جو کچھ دیر سے افریقہ میں اسلام

اور عیسائیت کی طاقت کے مقابلہ کا مطالعہ کر رہے ہیں اسلامی سلسلہ اشاعت میں ایک روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت کو محسوس کیا ہے۔ اور وہ پیشگوئی کرتے ہیں کہ جب اس تاریک براعظم کے اندرون سے حالات معلوم ہونگے تو ایک ایسی حالت ہماری آنکھوں کے سامنے آئیگی جو عیسائی دلوں کو حیران کرو یگی۔"

اسکے بعد اخبار مذکور ڈاکٹر وارز کی کتاب "مغربی افریقہ میں اسلامی خطرہ" اور ایک اور مصنف کے چند ریمارک نقل کرکے لکھتا ہے۔

"ان واقعات کی تائید ایک تیسرے ذریعہ سے ہوتی ہے یعنی لیپزگ کا پادری فلیڈیہ مفصل ذکر کرتا ہے کہ کس طرح مسلمان تو ہیں جو افریقہ میں تجارت کرتی ہیں اپنی تجارت کے ساتھ ساتھ مذہب کو پھیلا رہی ہیں اور ہزارہا آدمیوں کو اسلامی جھنڈے کے تلے لا رہی ہیں ..... اس مذہب کے لوگوں کے سلسلہ واعظین کی برابری اور کوئی اہل مذہب نہیں کر سکتے پادری فلیڈ مایوسانہ رنگ میں کہتا ہے کہ افریقہ کے مرکز میں مسلمان واعظ نہایت مؤثر کام کر رہے ہیں اور جب ان اضلاع کی حالت بخوبی معلوم ہوگی تو معاملات کی حالت کو معلوم کرکے عیسائی سخت حیران اور غمزدہ ہونگے۔"

لارڈ کرومر کے الزامات اسلام اور مسلمانوں کے خلاف

مصر سے واپسی پر لارڈ کرومر نے ایک کتاب بنام "ماڈرن ایجپٹ" شائع کی ہے جس میں مصر کے معاملات پر بحث کی ہے اس کتاب کا ایک باب لارڈ موصوف نے اسلام اور مسلمانوں پر نکتہ چینی اور عیسائیوں اور عیسائی مذہب کی خوبیاں بیان کرنیکے لیے مخصوص کیا ہے۔ اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مذہب اسلام کے اندر بعض ایسے نقص موجود ہیں کہ مسلمان لوگ کبھی ترقی کر ہی نہیں سکتے۔ اس خیال کی تردید میں بعض مسلمانوں اور بعض

یورپین صاحبان نے بھی جواب لکھے ہیں مگر جہانتک میّنے ان جوابات کو دیکھا ہے انہیں لارڈکرومر کے ان الزامات کی جو انہوں نے مذہب اسلام اور مسلمان قوموں پر لگائے ہیں مفصل تردید نہیں کی گئی - مینے اس کتاب کو پڑھا ہے اور میرا ارادہ ہے کہ ان تمام بیجا الزامات پر جو اسلام پر عائد کیئے گئے ہیں اور عیسائی مذہب کی بیجا تعریف پر ایک مفصل مضمون لکھا جاوے مگر چونکہ یہ سلسلہ اگر ابھی شروع کر دیا جاتا تو اس سال میں ختم نہ ہو سکتا اس لیئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس مضمون پر آئندہ سال میں متواتر نمبروں میں بحث کی جاوے - یہ ایک عجیب بات ہے کہ لارڈ کرومر کی کتاب کی اشاعت کے چند ماہ کے اندر اندر ایسے واقعات پیدا ہو گئے ہیں جو لارڈ موصوف کے خیالات کی تردید کے لیئے بجائے خود کافی ہیں - لارڈ کرومر کا یہ دعوی تھا جسے انہوں نے بڑے زور سے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ مسلمان قومیں کبھی ترقی کر ہی نہیں سکتیں اور نہ ہی مسلمان رہ کر زمانہ کے مطابق اپنی رفتار کو بنا سکتی ہیں - مگر ٹرکی میں جو واقعات گذشتہ تین چار ماہ کے اندر پیدا ہوئے ہیں انہوں نے اس خیال کے بطلان کو اظہر من الشمس کر دیا ہے - ایک مسلمان قوم نے جس پر بڑے بڑے دور اندیش مدبّر ان یورپ نے یہ فتویٰ لگایا تھا کہ وہ پنجۂ موت سے رہائی نہیں پا سکتی یکمرتبہ ایک ایسا کام کر کے دکھایا ہے جس نے تمام دنیا کو حیرت میں ڈالدیا ہے - اور خود انہی یورپین مدبروں نے کھلے الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ اس حیرت انگیز طریق میں ترقی کی طرف قدم اٹھانیکی نظیر دنیا کی تاریخ میں اور کوئی نہیں ملتی -

اس بات پر جسقدر اظہار افسوس کیا جائے کم ہے کہ لارڈ کرومر جیسا شخص جس نے صدی کی چوتھائی حصہ سے زیادہ مسلمانوں پر حکومت کی ہے ابھی تک اسلام کے خلاف ایسا بغض اپنے دل میں رکھتا ہے کہ وہ اسلام کو ترقی کا مخالف بتاتا ہے حالانکہ اہل اسلام کی گذشتہ تاریخ انکے اس بیان کو روز روشن کی طرح جھٹلا رہی ہے - لارڈ کرومر تو ایک فاضل انسان ہے حالانکہ وہ لوگ بھی جنکو تاریخ اسلام سے معمولی سی واقفیت بھی ہو اس بات

کا انکار نہیں کر سکتے کہ عین اس زمانہ میں جب یورپ پر ایک سخت جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی مسلمان قومیں اس زمانہ کے لحاظ سے تہذیب اور ترقی کے معراج پر پہنچی ہوئی تھیں اور ہسپانیہ کے مسلمانوں کی تہذیب کی مشعل سے ہی یورپ کی قومیں اپنے اپنے چراغوں کو روشن کرتی تھیں۔ بڑے بڑے یوروپین مورخوں اور مصنفوں نے مسلمانوں کے اس احسان کو جو انہوں نے دنیا پر اور بالخصوص یورپ پر کیا تسلیم کیا ہے مگر لارڈ کرومر کے نزدیک اسلام اور مسلمان نہ صرف اسوقت ہی ہر ایک نیک صفت سے عاری ہیں بلکہ ہمیشہ سے وہ ایک گری ہوئی اور تاریکی کی حالت میں رہے ہیں اور انکا مستقبل بھی تاریک ہی تاریک ہے اور کوئی روشنی کی شعاع انکو تاریکی سے باہر نکالنے والی نہیں۔ یہ فتویٰ اسلام اور مسلمانوں پر لارڈ کرومر نے کھلے الفاظ میں دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ”کسی عملی مدبر کو اس خیال کو دل میں جگہ نہ دینی چاہیئے کہ وہ (یعنی اسلامی مصلح) ایک ایسی قوم کو دوبارہ زندہ کر سکتے ہیں جو اگرچہ اسوقت قطعی طور پر مر نہیں چکی اور شاید صدیوں تک اسی حالت میں لٹکتی چلی جائے مگر جو ملکی اور تمدنی طور پر بلا شبہ حالت نزع میں ہے اور جسکے تدریجی تنزل کو اس زمانہ کی کوئی مسکن دوائی روک نہیں سکتی خواہ کیسی قابلیت سے اسکا استعمال کرایا جائے“ خدا کی شان ہے کہ لارڈ کرومر کے ان الفاظ پر جو پادریانہ تعصب کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں ابھی ایک سال بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ انکا خلاف واقعہ ہونا بلا کسی لفظی تردید کے دنیا پر کھل گیا۔ اور تمام دانشمند مدبروں کو یہ واقعات دیکھکر انکے خلاف کہنا پڑا۔ چنانچہ ذیل میں ہم دو سب سے بڑے انگریز مدبروں کے الفاظ کا ترجمہ دیتے ہیں کہ تا پڑھنے والے لارڈ کرومر کے متعصبانہ خیالات سے انکا مقابلہ کر سکیں۔ مشرقی سوال پر رائے ظاہر کرتے ہوئے سلطنت برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر ایسکوئتھ نے اپنی تقریر میں کہا۔

”در ٹرکی میں ہم نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے جو صفحات تاریخ میں نہایت حیرت انگیز تبدیلیوں

میں سے ہے ہم پورے طور پر ان مشکلات کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں جنکا مقابلہ وہاں کرنا پڑا۔ ہم اس فراست۔ قوت فیصلہ۔ دور اندیشی اور احتیاط کی تعریف کرتے ہیں جن کے ساتھ ان مشکلات کا مقابلہ کرکے انہیں مغلوب کیا گیا۔ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ٹرکی کیحالت میں یہ بڑی خوشی کا باعث ہے کہ وہ تشدد اور کینہ وری بالکل دیکھنے میں نہیں آئی جو ایسے عظیم الشان اور اصولی انقلابات کا لازمی جزو ہوتے ہیں اور ہم تعریف کرتے ہیں اس دانائی۔ صبر اور فراخدلی کی جو ابتک نئی حکومت کو ممتاز کرنیوالی ہیں''

اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ اس اصلاح کو جو لارڈ کرومر کے نزدیک بالکل غیر ممکن تھی عمل میں لانیوالے کون لوگ ہیں۔ یقیناً وہ عیسائی نہیں بلکہ مسلمان ہیں اور لارڈ کرومر تو شاید انکو یوروپین کہنے میں بھی تامل کرتے ہونگے کیونکہ انکے ہمخیال ان لوگوں کو یوروپ کے خوبصورت جسم پر ایک پھوڑا قرار دیتے رہے ہیں اور کھلے الفاظ میں اس بات کا وعظ کرتے رہے ہیں کہ جبتک ترک بوریا بدنا باندھکر یوروپ سے نہ نکل جاویں گے تب تک یوروپ آرام کی نیند نہیں سو سکتا۔ سو انہی لوگوں نے جو آجتک محل اعتراض اور نکتہ چینی کے تختہ مشق بنے رہے ہیں آخر وہ کام کرکے دکھایا جسکی نظیر بتانے سے مدبران یوروپ بھی قاصر ہیں۔ اسی طرح پر سر ایڈورڈ گرے وزیر خارجی برطانیہ کلاں نوجوان ترکوں کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''کینے۔ جھگڑے اور ظلم سب یکمرتبہ دور ہو گئے ہیں اور انکی جگہ اب حکومت ہے انصاف کی امن کی اور خیر خواہی اور نیک نیتی کی جو امن کے سب سے عمدہ کفیل ہیں بلکہ ہر ایک عہدنامہ یا آئینی حکومت یا دوسری کسی چیز سے بہتر کفیل ہیں۔ جہانتک میں دیکھتا ہوں ساری تاریخ میں کوئی اور ایسا فوری اور ایسا مفید انقلاب نظر نہیں آتا۔ اور اگر یہ تبدیلی واقع نہ ہوگئی ہوتی تو کوئی شخص کبھی باور نہیں کر سکتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ اور ان لوگوں کی جو اس اصلاح کے کرنیوالے ہیں نیک نیتی اور راست بازی نے

ان تمام لوگوں پر جنکو ان امور سے واسطہ پڑا ہے ایک عجیب اثر پیدا کیا ہے۔ یہ صحیح معنوں میں حب الوطنی ہے ایسی حب الوطنی جو امن سے پُر اور ہر ایک قسم کے اعتدا سے خالی ہے۔ اور جنکی سچی خواہش سوائے اسکے کہ وہ اپنے ملک کا بھلا چاہتے ہوں اور کچھ نہیں اور دوسروں کے خلاف وہ کسی قسم کا منصوبہ نہیں رکھتے۔"

اسی اصلاح پر جو ٹرکی کی حکومت میں عملدرآمد میں آئی ہے لکھتے ہوئے لنڈن کا ایک مشہور پرچہ لکھتا ہے کہ "عیسائی مذہب کے حامی اور پادری لوگ آئندہ جسقدر چاہیں اسلامی تہذیب کے ناقابل ترقی ہونیکے متعلق باتیں بناتے رہیں مگر پبلک انکو بہتر جانتی ہے اور انکے دھوکے میں نہیں آئیگی۔" اغلب تو یہ ہے کہ اگر یہ واقعات لارڈ کرومر کی کتاب کی اشاعت سے پہلے پیش آگئے ہوتے تو وہ بھی اپنے خیالات کی بہت کچھ اصلاح کر لیتے۔

مگر بلقان کی حالت بعض اور امور پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ جیساکہ لارڈ کرومر نے بھی اپنی کتاب کے آخری باب میں اس مقولہ کی صداقت کو تسلیم کرکے اپنی کتاب کو اس سے زینت دی ہے۔ "قومی بڑائی کی اصل صفات اخلاقی ہیں نہ مادی۔" اب اگر اخلاقی صفات میں ٹرکی کا مقابلہ گرد ونواح کی عیسائی طاقتوں کے ساتھ کیا جائے تو وہ اس ترکی قوم سے بھی جسکے ساتھ انگریزی اصطلاح میں "ناقابل ذکر" کا لفظ عام طور پر مروج ہوگیا ہے بہت گری ہوئی حالت میں ثابت ہوتی ہیں عین اسوقت جب ٹرکی کے مصلح سچے دل سے اپنے ملک کے انتظام کی اصلاحوں میں لگے ہوئے تھے اور ترقی کے لیئے قدم بڑھا رہے تھے اور وہ اصلاح انکے نصب العین تھی جسکے لیئے خود یورپ مدت سے شور ڈال رہا تھا۔ تین عیسائی قوموں نے تمام اخلاقی ذمہ واریوں کو بالائے طاق رکھکر صرف ٹرکی کا کچھ ملک دبانیکے لیئے اپنے تمام معاہدوں کو توڑا اور جو کچھ پرائیویٹ طور پر وہ ٹرکی سے اقرار کرچکے تھے اسکی بھی پروا نہ کی۔ اور نہ صرف عہد شکنی ہی کی بلکہ

ٹرکی کی اصلاحات کو ضعف پہنچانیکے لیئے ایسا کیا اور ایک عام یوروپین جنگ پر
قوموں کو آمادہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ عہد شکنی خصوصاً ایسے بڑی معاملات
میں جسکا اثر قوموں اور ملکوں پر پڑتا ہے اور جسکی وجہ سے لاکھوں جانیں تلف اور بہت سا
ملک ویران ہو سکتا ہو نہایت گرے ہوئے قومی اخلاق کا ثبوت ہے۔ اسٹریا بلغاریہ اور
یونان کی عہد شکنی اور بالخصوص اول الذکر کی اس قابل ہے کہ اسپر ایک مضمون لکھکر
لارڈ کرومر کی کتاب کے ساتھ بطور ضمیمہ لگایا جاوے تاکہ کتاب کو پڑھنے والا جو مسلمانوں کے
خلاف چھوٹے چھوٹے الزامی قصے جو لارڈ کرومر نے اپنی کتاب کے چونتیسویں باب
میں بیان کیئے ہیں پڑھتا پڑھتا تھک گیا ہو اس نئے مضمون کو جو اپنی اہمیت میں
ان تمام قصوں سے بہت بڑھکر ہے دلچسپی اور شوق سے پڑھکر فائدہ اٹھائے۔ لارڈ موصوف
نے ایک جگہ اپنی کتاب میں جہاں مصر میں رہنے والے عیسائیوں کا ذکر ہے اس غلطی کا
بھی تذکرہ کیا ہے جسکا ارتکاب اکثر لوگ کرتے ہیں اور جسکا ارتکاب لارڈ کرومر نے خود
مسلمانوں کے تذکرہ میں کیا ہے کہ بعض وقت ایک قوم کے چند افراد کے چال چلن
کی بنا پر کل کی کل قوم پر الزام لگا دیا جاتا ہے جو نہیں ہونا چاہیئے مگر لارڈ کرومر نے نہ صرف
چند نا قابل التفات قصوں کی بنا پر تمام مسلمانوں کو ہی قابل الزام ٹھہرایا ہے بلکہ
خود مذہب اسلام کو انکا ذمہ وار قرار دیا ہے۔ پس اگر کوئی شخص اسٹریا وغیرہ کی عہد شکنی
سے یہ نتیجہ نکالے کہ عیسائی مذہب ہی عہد شکنی سکھاتا ہے تو لارڈ کرومر اسکی تردید نہیں
کر سکتے۔ مگر ہم ان واقعات سے یہ نتیجہ نہیں نکالتے لیکن لارڈ کرومر سے یہ سوال ضرور کرینگے
کہ آیا یہ عہد شکنی عیسائی مذہب کی تعلیم کا نتیجہ ہے یا نہیں اور آیا ایک قوم جو اپنی اخلاقی ذمہ واریوں کو
کسی مطلب کے حصول کے لیئے اس طرح بالائے طاق رکھدے فی الواقع بڑائی کی دعویدار ہو سکتی ہے؟
یا کہ معاہدوں کی پابندی مہذب قوموں کی اخلاق کی رُو سے نکالدی گئی ہے بشرطیکہ وہ
جنگی طاقت اسقدر رکھتی ہوں کہ معاہدہ شکنی سے اپنی کسی غرض کو حاصل کر سکیں؟

جلسہ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان

صدر انجمن احمدیہ قادیان کا سالانہ جلسہ ۲۶-
۲۷-۲۸- دسمبر کو ہوگا۔ کارروائی ۲۶- دسمبر کو بعد از نماز ظہر یعنی ۲½ بجے حضرت خلیفۃ المسیح کے وعظ سے شروع ہوگی۔ اور ۲۸- دسمبر کی شام کو ختم ہوگی۔ ۲۹- دسمبر کو تشحیذ الاذہان کا جلسہ ہوگا۔ جلسہ کے متعلق سلسلہ کے اخباروں میں اور خصوصاً الحکم میں بہت سی تحریک ہو چکی ہے۔ میں احباب کی سہولت کے لیئے مختصر طور پر امور متعلقہ کا ذکر کرتا ہوں۔

اوّل۔ سکرٹری صاحب صدر انجمن نے تمام احمدی جماعتوں اور احمدی احباب کو بذریعہ چٹھی مطبوعہ توجہ دلائی ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو اس جلسہ میں جو حضرت امام علیہ السلام کے وصال کے بعد پہلا سالانہ جلسہ صدر انجمن احمدیہ کا ہے شامل ہو کر اسے کامیاب بنانیکی کوشش کریں۔ دوم۔ ریل کے کرایہ میں تخفیف کے لیئے اس سے پہلے بھی کئی بار کوشش کی گئی تھی مگر یہ پہلا موقعہ ہے کہ حکام نارتھ ویسٹرن ریلوے نے صدر انجمن احمدیہ کے سالانہ اجلاس کے لیئے تخفیف منظور کی ہے۔ اس غرض کے لیئے سرٹیفکٹ سکرٹری صدر انجمن کے دفتر میں موجود ہیں جو کنسشن سرٹیفکٹ کہلاتے ہیں۔ ہر ایک آدمی جو جلسہ سالانہ میں شامل ہونا چاہتا ہو اسے چاہیئے کہ سکرٹری صاحب سے سرٹیفکٹ طلب کرے .....

..... یہ ایک سرٹیفکٹ صرف ایک آدمی کے لیئے کافی ہوگا۔ جہاں انجمنیں ہوں سکرٹری انجمن آنیوالے صاحبان کا اندازہ کر کے اسکے مطابق سرٹیفکٹ منگوالے۔ اس سرٹیفکٹ میں اس شخص کا جو اس سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہو پورا نام پیشہ اور پتہ درج ہونا ضروری ہے۔ اس کے لیے سرٹیفکٹ میں چار خانے خالی ہیں ان میں سے بائیں طرف کے تین خانے پُر کر لینے چاہیئیں۔ اور چوتھا خانہ جو دائیں طرف کا آخری خانہ ہے اور جس پر + نشان ہے خالی چھوڑنا چاہیئے۔

بسب نقشہ ذیل			
Name in full.	Occupation.	Address.	Class & No. of ticket issued
یہاں پورا نام درج کرو	یہاں پیشہ درج کرو	یہاں پورا پتہ درج کرو	یہ خانہ خالی رہنے دو

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نام وغیرہ صاف لکھا ہوا ہو اور لکھکر کاٹنا نہیں چاہیئے بلکہ غلطی ہو جائے تو نیا سرٹیفکٹ منگوا کر خانہ پُری کی جاوے - یہ سرٹیفکٹ جہاں ٹکٹ ملتے ہوں پیش کرنے پر اُس سٹیشن سے بٹالہ تک کا آنے جانیکا ٹکٹ صرف ایک طرف کا کرایہ دینے پر مل جائیگا - اس ٹکٹ میں سے آدھا ٹکٹ بٹالہ سٹیشن پر ٹکٹ کلکٹر کاٹ لیگا اور باقی آدھا واپس ملجائیگا - اور واپس جانیکے لیئے یہی ٹکٹ کام آئیگا - نیا ٹکٹ لینے کی ضرورت نہ ہوگی - یہ رعائت تیسرے درجہ اور درمیانہ درجہ کے لیئے ہوگی - جس تاریخ کو ٹکٹ لیا جائیگا اس سے پندرہ دن کے اندر اندر ٹکٹ لینے والا جب چاہے واپس جاسکتا ہو مثلاً اگر ۲۵ - دسمبر کو ٹکٹ لیا ہو تو ۸ - جنوری تک اُس سٹیشن پر پہنچ جانا ضروری ہوگا۔

دیہات میں جہاں سرٹیفکٹ منگوائے جائیں اور وہاں انگریزی جاننے والا کوئی نہ ہو تو چاہیئے کہ اپنا پورا نام پیشہ اور پتہ سرٹیفکٹ کی درخواست کے ساتھ لکھ بھیجیں تاکہ اسی جگہ سے خانہ پُری کرکے سرٹیفکٹ مکمل بھیجدیا جاوے اور اُس سٹیشن کا پتہ بھی دیں جہاں سے سوار ہونا ہو - **سوم** - چونکہ ایام جلسہ میں یکوں کی زیادہ مانگ کی وجہ سے یکوں والے کرایہ بڑھا دیتے ہیں اور موسم سرما کی وجہ سے بستر وغیرہ ساتھ ہوتے ہیں جو پیدل آنیسے مانع ہوتے ہیں اسلیئے اسجگہ کی منتظم کمیٹی نے آنیوالے احباب کی سہولت کیلیئے یہ انتظام کیا ہے کہ جو احباب پیدل آنا چاہیں یا آسکیں انکے اسباب کو اسی دن قادیان پہنچانیکی ذمہ وار یہ منتظم کمیٹی ہوگی اس کی صورت یہ ہوگی کہ بٹالہ سٹیشن پر ایک جماعت ہر گاڑی کے آنیکے وقت موجود ہوگی جتنے احمدی احباب اس گاڑی سے اُتریں وہ اپنا اسباب اس جماعت کے سپرد کردیں اسکا انتظام ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خاں صاحب کے ہاتھ میں ہوگا - اپنا

اپنا اسباب اس جماعت کے سپرد کر کے احباب پیدل چلے آویں اور انکا اسباب اسی دن شام سے پہلے پہلے قادیان پہنچ جاویگا۔ مگر یہ انتظام یاد رکھنا چاہیئے کہ صرف تین دن کے لیئے ہوگا یعنی ۲۵ - ۲۶ و ۲۷ - دسمبر۔ ان تین دنوں میں تینوں گاڑیوں پر ڈاکٹر صاحب موصوف اور دیگر احباب موجود ہونگے۔ پس تمام احباب کو اول تو یہی کوشش کرنی چاہیئے کہ ۲۶ - دسمبر کو یہاں پہنچ جاویں کیونکہ ۲۶ کو بعد از دوپہر کارروائی شروع ہوجائیگی لیکن بہرحال ۲۷ سے بعد پہنچنے میں نہ صرف اجلاس میں ہی ایسے احباب حصہ نہ لے سکیں گے بلکہ علاوہ بریں تکلیف بھی اٹھائیں گے۔ اسی طرح سے یہاں سے روانگی کے لیئے ۲۹ دسمبر اور ۳۰ دسمبر دو دن قادیان سے بٹالہ اسباب پہنچانیکا کام بھی یہی منتظم کمیٹی کریگی۔ آنیوالے احباب کے لیئے یہ ضروری ہوگا کہ اپنے بستر پر یا اور کوئی اسباب ہو تو اسپر مضبوط کاغذ کی ایک چٹ لکھکر ساتھ لگا لیویں تا کہ یہاں قادیان میں شناخت میں آرام ہو اور کوئی اسباب ضائع نہ ہو۔ جو احباب خود اپنے اسباب پر چٹ لگا کر نہ لاویں انہیں چاہیئے کہ بٹالہ میں پہلے سامنے اپنے اسباب پر چٹ لگوالیں تا کہ بعد میں کوئی دقت نہ ہو۔ ایسا ہی جو جماعتیں پہلے ہی اکٹھی ہوکر چلیں انہیں چاہیئے کہ ایک مکمل فہرست مع نام و پتہ اپنے احباب کی تیار کر کے ساتھ لاویں یا ریل میں تیار کر رکھیں اور یہ فہرست بٹالہ سٹیشن پر ڈاکٹر صاحب کے حوالہ کردیں۔ **چہارم**۔ ہر قسم کے انتظام کیلیئے از بس ضروری ہے کہ خواہ چلنے سے چار پانچ دن پہلے ہی ہو مگر جہاں جہاں سے کوئی احباب چلنے والے ہیں وہ اپنی اپنی تعداد کی اطلاع دفتر سکرٹری میں ضرور دیویں۔ تا کہ اسکے مطابق ہر ایک جماعت کے لیئے علیحدہ علیحدہ مکان کا انتظام کر لیا جاوے اور بعد میں تکلیف نہ ہو۔ بلکہ بڑی بڑی جماعتیں اس بات کی اطلاع بھی دیں کہ وہ کس دن اور کس گاڑی میں بٹالہ سٹیشن پر پہنچیں گی تا کہ وہاں اسباب لے جانیکا انتظام آنیوالے احباب کی تعداد کے مطابق اور حسب ضرورت کیا جاوے۔ اور اسجگہ یعنی قادیان میں کھانیکا

انتظام اسکے مطابق پہلے سے کر لیا جاوے۔ **پنجم**۔ اگرچہ یہاں کے منتظم ہر طرح سے احباب کے آرام اور آسائش کے لیئے جہانتک ایسے مجمعوں میں اور پھر ایسے گاؤں میں ممکن ہے کوشش کرتے ہیں اور کرینگے مگر اتنے بڑے کاموں میں پھر خصوصاً جہاں کام کرنیوالوں کی تعداد کم ہو کچھ نہ کچھ تکلیفیں پیش آجایا کرتی ہیں۔ یہ کوشش کیجاوے گی کہ جہاں تک ممکن ہو ہر قسم کی شکایات کو رفع کیا جاوے۔ مگر پھر بھی یہ قبل از وقت عرض کر دینا ضروری ہے کہ جو احباب تشریف لاویں وہ خود بھی منتظمین کو مدد دینا اپنا فرض سمجھیں۔ **ششم**۔ کانفرنس انجمنہائے احمدیہ ۲۶ دسمبر کی شام کو ہے اسمیں نہ صرف بجٹ ہی پیش ہوگا بلکہ مدرسہ عربی کے قیام کا اہم سوال بھی پیش ہوگا۔ اسلیئے کانفرنس میں شامل ہونیوالے احباب ضرور ہے کہ ۲۶ دسمبر کو دوپہر یا زیادہ سے زیادہ شام تک یہاں پہنچ جاویں۔ علاوہ امور متذکرہ بالا کے غالباً کچھ اور ضروری سوالات بھی کانفرنس کے سامنے پیش ہونگے تاکہ اہم کاموں میں تمام احباب کا مشورہ ہوجائے۔ **ہفتم**۔ تمام احباب اپنے اپنے بستر ساتھ لاویں بستروں کا انتظام ان ایام میں اسجگہ نہ ہوسکیگا۔ **ہشتم**۔ چونکہ آنیوالے احباب کی تعداد اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید کیجاتی ہے کہ پہلے کی نسبت بہت زیادہ ہوگی اسلیئے مجلس معتمدین کو بہت سارو پیہ عارضی رہائش کی جگہ اور دیگر انتظام متعلقہ اور مہمانوں کی دعوت پر خرچ کرنا پڑے گا اسکے لیئے مجلس مذکور نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر ایک آنیوالا دوست کم از کم ایک روپیہ ان اخراجات کے لیئے چندہ ادا کرے۔ جہاں سے جماعتیں آویں وہ خود اس رقم کو اپنے ساتھ کے احباب سے اکٹھا کرکے آتے ہی دفتر محاسب میں جو مسجد مبارک کے نیچے ہے دیدیں اور باقی احباب اپنے اپنے طور پر اسجگہ یہ روپیہ دیدیں۔ اخراجات جلسہ کا اندازہ دو ہزار روپیہ کیا گیا ہے اور یہ سارا روپیہ اسطرح وصول نہیں ہوسکتا اس لیئے علاوہ اس ایک روپیہ فی کس کے اگر کل احباب وہ رقم جو کرایہ ریل میں تخفیف ہوئی

سے اخراجات جلسہ کے لیئے دیدیں۔ جیسا کہ سال گذشتہ میں میر حامد شاہ صاحب نے تحریک کی تھی تو اس سے بھی بہت مدد پہنچ سکتی ہے اور یہ اطلاع غالباً سکرٹری صاحب صدر انجمن احمدیہ مختلف انجمنوں کو پہلے دے چکے ہیں کہ وہ اپنے اپنے ضروریات مقامی کے روپیہ میں سے کچھ رقم اخراجات جلسہ سالانہ کے لیئے بہت جلد بھیجدیں۔ نہم پچیس روپے والی تحریک جو مدت سے اخبار الحکم میں جارہی ہے اسکی طرف اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ بہت سے احباب نے توجہ کی ہے اور مجلس معتمدین نے اس میں یہ سہولت بھی رکھی ہے کہ اگر ایک شخص اپنی گرہ سے یا اپنے احباب سے اکٹھے کر کے پچیس روپے نہیں دے سکتا تو وہ عہ، ۵عہ، ۵ع بلکہ ۵ عہ دیکر بھی اس تحریک میں شامل ہو سکتا ہے مگر یہ صورت صرف ان احباب کے لیئے ہے جو بڑی رقم ادا یا اکٹھا کرنیکی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ ورنہ یوں تو جبتک پچیس پچیس والے احباب بھی ایک ہزار کی تعداد میں نہ ہوں۔ اصل تجویز کا جو مدعا تھا وہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مَیں سلسلہ کے تمام پرجوش اور باہمت احباب کی خدمت میں یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ اسوقت ان لوگوں کی سی قربانیوں کا نمونہ دکھاویں جنکے نقش قدم پر چلنے کا انکو دعویٰ ہے انہوں نے اپنے جان اور مال قربان کر دیئے ہیں ایسے کہ اپنا کچھ بھی نہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسهم واموالهم بان لهم الجنة۔ درحقیقت کسی بعد میں آنیوالی قوم کو اس پاک قوم سے جنہوں نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں دیدیا تھا کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ مگر انکے کام ہمارے لیئے اسوہ حسنہ ہیں۔ اسوقت اکثر وہ ہے جو قربانی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ صرف مال کی قربانی ہے۔ پس کیا تم اسقدر بھی نہیں کر سکتے۔ اور اگر یہ قربانی کرنیکا مادہ ہم میں نہیں تو پھر یقیناً جان لینا چاہیئے کہ وہ قوم جسکے لیئے جاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا کا وعدہ ہے وہ یہ قوم نہیں بلکہ کوئی اور قوم ہوگی۔ ہماری قوم ایک چھوٹی سی قوم ہے پس جبتک ایک ایک آدمی ہم میں سے ہزاروں آدمیوں کا سا کام کر کے نہ دکھاویگا دوسروں پر غالب آنیکی امید رکھنا ایک خیال باطل ہے۔ دنیا کی نظر میں تم ابتک کچھ نہیں ہو لیکن اپنے کاموں سے تم دنیا کو [illegible]

قرآن کریم کا جدید ترجمہ فتح الحمید

قرآن کریم کا ایک نیا ترجمہ بنام "فتح الحمید" مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندھری نے حال میں کیا ہے اور اسکا ایک نسخہ ریویو کیلئے میرے پاس بھیجا ہے۔ ریویو کرنا بجائے خود ایک بڑا نازک اور ذمہ داری کا کام ہے پھر قرآن کریم کے ترجمہ پر ریویو کرنا اور بھی مشکل ہے کیونکہ ریویو کرنیوالے کی ذمہ واری بدرجہا بڑھ جاتی ہے اور خصوصیت سے میرے لیئے یہ مشکل ہے کہ اسی ترجمہ پر دو ریویو سلسلہ احمدیہ کے دونوں اخباروں میں نکل چکے ہیں جن میں سے ایک میں یعنی الحکم میں اس ترجمہ کی بہت تعریف کیگئی ہے اور دوسرے یعنی بدر میں (شائد حد سے زیادہ) اسکی مذمت کی گئی ہے۔ اور یہ کوئی عجیب بات نہیں دو مختلف پہلوؤں سے ایک ہی چیز کو دیکھنے سے ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن اب سلسلہ کے ایک تیسرے ریویو کرنیوالے کیلیئے مشکلات ضرور ہیں۔ جو کچھ میں ذیل میں لکھتا ہوں وہ اسی طرح میری ذاتی رائے ہے جس طرح الحکم میں شیخ یعقوب علی صاحب کی اور بدر میں قاضی ظہور الدین صاحب اکمل کی۔ شیخ صاحب موصوف کی نظر ریویو کرتے وقت فتح الحمید کی خوبیوں پر تھی اور قاضی صاحب کی اسکے نقصوں پر۔ میرے خیال میں قرآن کریم کی کوئی خدمت ہو ہر طرح قابل مشکوری ہے۔ پس سب سے اول میری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب موصوف کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اسلام کی اور اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کی خدمت کی۔ میرا ارادہ تھا کہ سارے ترجمہ کو پڑھکر اسپر ریویو لکھتا مگر اسی اثنا میں جو واقعات پیش آئے انہوں نے مجھے فرصت نہ دی۔ مینے متفرق مقامات سے اس ترجمہ کو دیکھا ہے۔ اور میرے نزدیک ترجمہ کی ایک بڑی بھاری خوبی اس میں موجود ہے جسکے مقابل اس میں جو کچھ بھی نقص ہوں (اور کسی انسان کا کلام نقصوں سے خالی نہیں ہو سکتا) میں انکے ذکر کو محض نکتہ چینی خیال کرتا ہوں۔ ترجمہ کے مشکلات سے وہ لوگ خوب آگاہ ہو سکتے ہیں جنہیں ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ فی الواقع کرنا پڑا ہے۔ اور چونکہ مجھے بھی اکثر ایسا اتفاق ہوتا رہا ہے گو وہ اُردو سے انگریزی یا انگریزی سے اُردو میں سہی۔ مگر میں ترجمہ کنندہ کی مشکلات کا اندازہ کر سکتا ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ کے کلام کا ترجمہ کرنیوالے کی مشکلات تو بہت بڑھ جاتے ہیں۔ ترجمہ کے لیئے صرف یہی شرط نہیں کہ ہر ایک لفظ کا ترجمہ آجائے بلکہ جس زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے اس زبان میں وہ خیال بامحاورہ اور سلیس اور اگر ممکن ہو تو فصیح و بلیغ

عبارت میں ادا ہونا چاہیئے اور یہ کام رعائت الفاظ سے ہو۔ ورنہ صرف ہر ایک لفظ کے نیچے اسکے معنے دیدینے کافی نہیں۔ کیونکہ اس سے اکثر مطالب خبط ہوجاتا ہے۔ مولوی فتح محمد خاں صاحب کا ترجمہ سلیس اور بامحاورہ ہے۔ عبارت شستہ ہے۔ طرز ادا میں متانت پائی جاتی ہے۔ اور ترجمہ کو بامحاورہ بنانے میں جو بڑا نقص مولوی نذیر احمد صاحب والے ترجمہ میں داخل ہوگیا تھا یعنی لمبی لمبی عبارتیں اپنی طرف سے بڑھادی گئی تھیں وہ نقص قطعاً اس ترجمہ میں نہیں۔ اور یا ایں ہمہ جہانتک مینے دیکھا ہے جہانتک ممکن تھا رعائت الفاظ کو ترک نہیں کیا گیا نقص اور غلطی سے نہ میں اس ترجمہ کو خالی قرار دیتا ہوں نہ ہی کسی اور کو جو اتنک ہوچکا ہو اور نہ ہی میری رائے میں یہ ممکن ہے کہ کوئی ایسا ترجمہ ہو جسکے متعلق ساری دنیا اتفاق کرلے کہ وہ مطالب قرآنی کے ادا کرنے میں کامل طور پر صحیح ہے۔ بہرحال میں نے جہانتک اسوقت اس ترجمہ کو پڑھا ہے دوسرے ترجموں پر اسے ترجیح دیتا ہوں۔ اس میں ایک یہ بھی خوبی ہے کہ ہر آیت کا ترجمہ الگ ہے اور آیتوں پر اس غرض کے لیئے نمبر دیدیئے گئے ہیں۔ اس سے نہایت آسانی سے پتہ لگ سکتا ہے کہ کس لفظ کا کیا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور عبارت اسطرح پیچیدہ بھی نہیں ہوتی جسطرح مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے ترجمہ میں بعض جگہ ہوگئی ہے۔ یہ اعتراض کہ اسپر نوٹ بہت کم دیئے گئے ہیں شائد ہر شخص کے نزدیک اعتراض نہیں کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ترجمہ کے خواہاں ہیں جس میں رائے کو کم دخل ہو۔ ایسے اعتراض کہ اللہ کا ترجمہ خدا۔ رب کا ترجمہ پروردگار۔ اہدنا کا ترجمہ ہمکو دکھا کیوں کیئے گئے ہیں اگر صحیح ہیں تو تمام ترجموں پر عائد ہوتے ہیں شاہ ولی اللہ۔ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے ترجموں کو مینے ان مقامات سے جہاں قاضی صاحب نے اعتراض کیئے ہیں دیکھا ہے وہ بھی انسے بری نہیں۔ یہی حال مغضوب کے ترجمہ میں غصہ کے لفظ کا ہے۔ اور یہی یخادعون اللہ کے ترجمہ کا۔ ءانذرتھم ام لم تنذرھم اور سورہ یوسف کے مقامات ولقد ھمت بہ وھم بھا۔ جعل السقایۃ فی رحل اخیہ وغیرہ دوسرے مقامات جنپر قاضی صاحب نے اعتراض کیا ہے وہ پرانے مروج ترجمے ہیں اور ان سے کوئی ترجمہ بھی خالی نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ احمدی قرآن کریم کے تمام ترجموں کو پڑھنا چھوڑ دیں؟ ہدیہ اس ترجمہ کا تین روپے ہے قلم جلی ہے۔ مصنف سے جنکا پتہ کوٹ اچھے شہر جالندھر ہے درخواست کرنے پر مل سکتا ہے۔

کچھ اپنی نسبت

اس ورق کے ساتھ ریویو کی عمر اور میری ایڈیٹری کا ساتواں سال ختم ہوتا ہے۔ اور گو ہر ایک انسان کو اپنی زندگی میں کچھ غم اور کچھ خوشی کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں مگر میں نے اس رسالہ کو ایسے ذاتی حالات کے اندراج سے برتر خیال کر کے اس میں اپنے متعلق کبھی کچھ لکھنا پسند نہیں کیا۔ اور اب بھی یہ چند سطریں کسیقدر تامل سے ہی لکھتا ہوں مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسقدر عرصہ میں ایک ایڈیٹر اور اسکے ناظرین کے درمیان کچھ تعلقات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ اسکے رنج و راحت میں شریک ہوں خصوصاً جہاں ایک دینی اخوت کا رابطہ ان تعلقات کو پہلے سے مستحکم کیئے ہوئے ہو۔ ٹھیک اس دن جب نومبر کا رسالہ یہاں دفتر سے نکل رہا تھا یعنی ۲۰ نومبر کو جمعہ کے دن بوقت چار بجے صبح میری اہلیہ کا انتقال بمقام لاہور میرے مکرم اور مخدوم شیخ رحمت اللہ صاحب کے مکان پر جہاں میں انکے علاج کے لیئے ٹھہرا ہوا تھا ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحومہ (فاطمہ بیگم) ۱۷۔ مارچ ۱۸۸۶ء کو اسی ضلع میں بمقام شکر گڈھ پیدا ہوئی۔ اور ۴۔ اپریل ۱۹۰۱ء کو بمقام گورداسپور میرے ساتھ بیاہی گئی۔ ۲۰ نومبر ۱۹۰۸ء کو تین ماہ کی تپ شدید کی بیماری کے بعد اور بائیس سال آٹھ ماہ کی عمر میں بمقام لاہور اپنے خدا سے جا ملی اور ۲۱ نومبر کو قادیان میں مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئی۔ سات سال اور سات ماہ کی بیاہی ہوئی زندگی میں انکے دو بچے پیدا ہوتے ہی انکے لیئے فرط بن گئے اور ایک لڑکی رقیہ بیگم جو ۲۶ نومبر ۱۹۰۶ء کو پیدا ہوئی وہ انکی یادگار میرے پاس رہ گئی ہے۔ میرے لیئے یہ امر خصوصیت سے موجب خوشی تھا کہ یہ رشتہ میرے سید و آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود ہی کیا تھا۔ اور آپ نے ہی مجھے اپنے بچوں کی طرح بیاہا تھا۔ آپکی دعا کا نتیجہ تھا کہ مرحومہ میری ایسی غمگسار تھی کہ خود مجھے بھی حیرت ہوتی تھی۔ دوسری خوشی مجھے یہ تھی کہ جب یہ رشتہ ہوا تو اسوقت میں نے گورداسپور میں وکالت کے شروع کرنیکے لیئے سارا سامان کر لیا تھا۔ اور ای اے سی کے مقابلہ کے امتحان کے لیئے میرا نام منظور ہو چکا تھا۔ اور جب نکاح ہوا تو اسوقت میں قادیان میں دنیا کی طرف سے خالی ہاتھ ہو کر بیٹھا ہوا تھا مگر باایں نہ صرف اُسوقت مرحومہ کے والد منشی نبی بخش صاحب نے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ خود مرحومہ نے کبھی اس بات کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا اور نہ ہی کبھی یہ چاہا کہ میں یہاں سے الگ ہو کر انکے لیئے دنیا کا بہت سامال پیدا کرنیکی کوشش کروں۔ اسطرح پر انہوں نے میری اس ہجرت میں میری مدد کی اور عسر و یسر میں میری شریک حال رہکر میری زندگی کو بہت سے ابتلاؤں سے محفوظ رکھا۔ عورتوں کو عموماً دنیا کے مال سے محبت زیادہ ہوتی ہے

مگر انہوں نے اپنے خاوند کی خاطر اپنی تمام پہلی امیدوں پر پانی پھیر دینے کو مشکل نہ سمجھا۔ یہ کوئی آسان بات نہیں اور مجھے ایسے واقعات کا علم ہے کہ جہاں بعض عورتیں دنیا کے زر و مال کو مقدم کر کے اپنے خاوندوں کی بعض نیک ارادوں میں روک واقع ہو گئی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی اسکی گواہی دیتا ہے ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم۔ پس میں جسقدر احسانات پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں کم ہے کہ اس نے مجھے ایک ایسی زوجہ عطا فرمائی جو دین کے کام میں میری عدو نہیں بلکہ مددگار اور ناصر بنی۔ پس مینے اگر کوئی خدمت دین کی ہے اور اسکا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کیونکہ وہ نیتوں سے آگاہ ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرحومہ بھی اس خدمت میں شامل ہے۔ اور اسی لیئے مینے انکی وفات کا ذکر ان صفحات میں کیا ہے۔ مرحومہ کو غربا اور مساکین کی مدد کا جوش بھی خاص طور پر دل میں تھا یہاں تک کہ وہ مجھ سے چھپکر بھی غربا کی مدد کرتی تھیں۔ وصیت کے اعلان پر وہ پہلے وصیت کرنیوالوں میں تھیں اور اپنے مال کی ایک تہائی کی وصیت کی

ایام بیماری میں حضرت خلیفۃ المسیح نے جسقدر ہمدردی کی اسکا اظہار کرنیسے میری قلم قاصر ہے اور ایسا ہی مکرمی مخدومی جناب خلیفہ رشید الدین صاحب نے علاج میں جسطرح سے کوشش کی اور محض خدا کے لیئے اسکی نظیر دنیاداری کے تعلقات میں کم ملتی ہے۔ اور پھر لاہور میں میرے معزز احباب جناب شیخ رحمت اللہ صاحب و خواجہ کمال الدین صاحب و ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب و ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب و اخویم بابو غلام محمد صاحب و مکرمی حکیم محمد حسین صاحب قریشی نے جو کچھ ہمدردی کا عملی ثبوت دیا وہ میرے وہم و گمان سے بڑھکر تھا اور میں حیران تھا کہ مجھے اپنی بدقسمتی سے کبھی ان لوگوں کے ساتھ کوئی نیکی کرنیکا موقعہ نہیں ملا ہاں یہ للّہی جوش محبت جو ان بزرگوں اور بھائیوں کو میرے ساتھ ہے فاصبحتم بنعمتہ اخوانا کا عملی ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیزوں کی موت سے اپنے بندوں کو آزماتا ہے جیسا کہ آیت ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات میں فرماتا ہے۔ سو میں خواہ اس امتحان میں بوجہ اس تعلق کے جو مجھے مرحومہ سے تھا کیسا ہی کمزور ثابت ہوا مگر یقیناً وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کیلیئے مجھ سے محبت رکھتے ہیں وہ اس امتحان میں پورے نکلے اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ ہاں سب برابر نہیں ہوئے اگر کسی نے میرا محسن ہونے کے باوجود بجائے اظہار غم و ہمدردی کے کسی گذشتہ رنج کا اظہار اس وفات کے وقت کیا تو یہ شاید میرے لیئے سبق تھا کہ دنیا کے کسی

اخیر پر میں اوّل محب خالص صادق کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے معزز اخبار میں ذکر فرما کر میرے احباب کو اس واقعہ کی اطلاع دیکر انہیں مرحومہ کیلیئے دعائے مغفرت کا موقعہ دیا اور پھر ان تمام احباب کا جنہیں میں فرداً فرداً خط لکھ نہیں سکتا اور جنہوں نے ہمدردی کا اظہار خط لکھکر کیا۔ اگرچہ دنیا میں عرفی طور پر بھی تعزیت اور ہمدردی ہوتی ہے مگر بہت سے خط پڑھکر میرے دل کو ایک خاص خوشی پہنچی کیونکہ خواہ مضمون واحد ہو مگر رنگ ہر ایک کا الگ ہوتا ہے اور مینے ان خطوط سے واقعی فائدہ اٹھایا ہے۔

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں۔ انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کیلئے نہایت ضروری ہے۔ مشرح فہرست ۱ر کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی۔

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار اللہ — اردو	۸ر	قاعدہ عربی — اردو	۱ر	تذکرۃ الشہادتین — اردو	۵ر	شہادۃ القرآن — اردو	۴ر
اجرومیہ — عربی	۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عہ	″ — فارسی	۳ر	صیان القرآن — ″	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ نماز و اسمائے الٰہیہ	۲ر	مسک العارف — اردو	۱۰ر	تحفہ قیصریہ — اردو	۲ر	کشف الغطاء — ″	۲ر
پارہ الٓمٓ — عربی	۲ر	نشان آسمانی — ″	۲ر	تحفۃ الندوہ — ″	۰ر	لغات القرآن حصہ اول	عہ
پنج ارکان اسلام — اردو	۱ر	واقعات صحیحہ — ″	۲ر	تقریریں — ″	۲ر	″ دوم	عہ۸ر
تفسیر جلالین — عربی	عہ۸ر	یسرنا القرآن حصہ اول	۱ر	تقریروں کا مجموعہ — ″	۳ر	لیکچر سیالکوٹ — اردو	۱ر
تفسیر فوز الکبیر — عربی فارسی	۲ر	″ ″ دوم	۱ر	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب — ″	۲ر	″ لاہور مہوتسو — ″	۴ر
تقریر جلسہ مذاہب جیبی تقطیع — اردو	۲ر	″ ″ سوم	۱ر	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ — ″	۶ر	مشکوٰۃ الانوار — عربی	۴ر
جام شہادت — ″	۰ر	ہدیہ ثاقب — اردو	۳ر	حمامۃ البشریٰ حصہ اول — عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن — ″	۴ر
حمائل مترجم — فارسی	عہ	الہدیٰ — عربی	۲ر	حجۃ الاسلام — اردو	۱ر	مبادی الصرف	۱۰ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب — اردو	۸ر	الحق لدھیانہ — اردو	۶ر	خطوط شیعہ کا جواب — ″	۲ر	نسیم دعوت — اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ — اردو	۵ر	″ دہلی — ″	۸ر	خطبہ الہامیہ عربی مع ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور القرآن حصہ اول — ″	۳ر
سلاسل القراۃ — عربی نمبر۱	۴ر	اعجاز احمدی — عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اول — اردو	۸ر	″ ″ دوم — ″	۴ر
″ ″ نمبر۲	۸ر	احسن الکلام — اردو	—ر	″ ″ دوم — ″	۴ر	ہدیہ سعدیہ — عربی	۳ر
″ ″ نمبر۳	۱۲ر	ابطال الوہیت مسیح — ″	۱ر	خزینۃ المعارف حصہ اول و دوم	۴ر	فصل حق — اردو	۱ر
″ ″ نمبر۴	۱۲ر	آیات الرحمٰن — ″	۸ر	″ سوم و چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح — ″	۸ر
آریہ دھرم — اردو	۴ر	دعوت الحق — ″	۵ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصلہ — ″	۲ر
دینیات کا پہلا رسالہ — ″	۱ر	شرح ترمذی — نمبر۱	عہ۸ر	دعوت دہلی — اردو	۱۰ر	دافع البلاء — ″	۱ر
طریق النجات — نمبر۱	۸ر	″ — نمبر۲	عہ۸ر	دعوت الندوہ — ″	۱ر	غنیۃ الطالب — عربی	عہ
″ — نمبر۲	۷ر	احمدی کا سن نظم پنجابی	۱ر	راز حقیقت — ″	۱ر	شفاء الاسقام — ″	عہ
″ — نمبر۳	۸ر	براہین احمدیہ حصہ اول	۵ر	براہین احمدیہ حصہ چہارم *	عہ	ست بچن — اردو	۱۰ر
″ — نمبر۴	۱۵ر	″ ″ دوم	۴ر	مکمل براہین احمدیہ — اردو	۳ روپے		
عسل مصفّٰی — اردو	عہ۸ر	″ ″ سوم	۱۰ر	سرمہ چشم آریہ — ″	۱۲ر	نوٹ۔ ان قیمتوں میں	
ضبوسل برقول خلیل۔ ایک دلچسپ نظم مولوی خلیل سہارنپوری کے اعتراضوں کے جواب ہیں۔	ر			مکتوبات و خطبات محمدیہ۔	۴ر	محصولڈاک شامل نہیں	

* براہین احمدیہ کا چہارم حصہ اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدسؑ نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑے اہتمام سے دوبارہ چھپوائے گئے ہیں۔ مکمل براہین احمدیہ جس میں جلد چہارم بار اول کی چھپی ہوئی ہے ۳ روپیہ کو دفتر میگزین سے مل سکتی ہے۔

تمام خط و کتابت ان کتابوں کے متعلق دفتر میگزین قادیان سے ہونی چاہیئے۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ بابت ماہ جنوری ۱۹۰۹ء نمبر ۱

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جنوری ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عوام سے ۱۲؍

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مذہبی فرقوں کا تباغض و تحاسد اور محکمہ تفتیش پر ایک سرسری نظر

بہت سے امور ایسے ہیں جن میں مغرب کی مہذب اور تعلیم یافتہ قوموں نے مشرق کے غیر تعلیم یافتہ لوگوں سے ابھی قدم آگے نہیں بڑھایا۔ مختلف مذہبی فرقوں کی عداوتیں اور کینے جو گذشتہ زمانے میں عیسائی ممالک کے اندر سخت سے سخت مظالم اور وحشیانہ افعال کے ارتکاب کا باعث ہوتے رہے ہیں اب تک بھی مغربی اور مشرقی ممالک میں کبھی کبھی اپنا رنگ دکھاتے رہتے ہیں۔ لنڈن میں جو مادی تہذیب کا مرکز اور آزادی اور آزاد خیالی کی گویا زاد بوم ہے وزیر اعظم انگلستان کو رومن کیتھولک عیسائیوں کے ایک عظیم الشان مذہبی جلسہ پر ایک خاص مذہبی رسم کے کھلے طور پر ادا کیا جانیکو روکنا پڑا۔ کیونکہ اندیشہ تھا کہ اس رسم کی ادائگی سے پراٹسٹنٹ عیسائیوں کے دلوں میں مذہبی دیوانگی کا جوش بھڑک نہ اٹھے جسکا نتیجہ فساد اور خونریزی ہو۔ ادھر ہندوستان کے اندر لکھنؤ میں شیعوں اور سنیوں کے جھگڑوں اور فسادوں کے متعلق جو محرم کے موقعہ پر ظہور میں آتے رہتے ہیں ممالک متحدہ کی گورنمنٹ کو ایک رزولیوشن ان جھگڑوں کے انسداد کیلئے پاس کرنیکی ضرورت پیش آئی ہے جس طرح پراٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک ایک دوسرے کے

ساتھ صلح اور اتفاق سے نہیں رہ سکتے اسی طرح شیعہ اور سُنّی بھی اتحاد اور یگانگت کے ساتھ گذارہ نہیں کر سکتے۔

رومن کیتھولک عیسائیوں نے عشائے ربانی کے منانے کے لیئے ایک عظیم الشان جلسہ گذشتہ ستمبر میں لنڈن میں کیا۔ جس میں رومن کیتھولک مذہب کے وکیل دنیا کے تمام حصوں سے شامل ہوئے اور پوپ کا وکیل لاٹ پادری ونیوٹلی ان سب کا سردار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ صدیوں کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ ایک رومن کیتھولک کلیسیا کے ایک ایسے جلیل الشان عہدہ دار نے انگلستان کی سرزمین میں جو پراٹسٹنٹوں کا گھر ہے قدم رکھا ہو۔ اس جلسہ کے پروگرام میں سب سے بڑی دلچسپی کی بات وہ جلوس ہونا تھا جسکے متعلق یہ تجویز تھی کہ وہ "خداوند" کو کندھوں پر اُٹھا کر بازاروں میں گشت کرے۔ یہ فقرہ کسیقدر تشریح کا محتاج ہے۔ عشائے ربانی کی رسم کو پراٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک عیسائی دونوں ادا کرتے ہیں۔ مگر دونوں کے خیال میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اس رسم کے بموجب جسکا ادا کرنا ہر ایک عیسائی کے لیئے ضروری ہے روٹی کے توڑنے اور شراب کے پینے میں سب عیسائی شریک ہوتے ہیں اور اس روٹی کو مسیح کا گوشت اور شراب کو مسیح کا خون تصور کیا جاتا ہے۔ مگر دونوں فرقوں میں فرق صرف یہ ہے کہ پراٹسٹنٹوں کے نزدیک روٹی اور شراب کی ماہیت نہیں بدلتی اور رومن کیتھولک کے نزدیک قلب ماہیت کے اعتقاد کے رو سے روٹی واقعی بدل کر مسیح کا گوشت بنجاتی ہے اور شراب مسیح کا خون بنجاتی ہے۔ پس اس روٹی اور شراب کو جلوس میں لے کر نکلنا گویا "خداوند مسیح" کو ساتھ لیکر نکلنا تھا چنانچہ جب وزیر اعظم کی طرف سے اس جلوس کی ممانعت کا حکم صادر ہوا تو اسوقت انگلستان کے رومن کیتھولک لاٹ پادری نے ان الفاظ میں افسوس ظاہر کیا۔ کہ باقی انتظام ہمارا سب بدستور رہیگا صرف ہمکو اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ ہم اپنے "خداوند" کو ساتھ لے کر نکلیں۔ اس میں شک نہیں کہ رومن کیتھولک عیسائیوں کے

سوائے دوسرے لوگ ایسے خیال کو پرلے درجہ کی توہم پرستی اور باطل پرستی سمجھیں گے مگر جس قوم نے ایک انسان کو خدا مان لیا ہے وہ بھی اگر دوسروں کے عقائد کو پرکھنے کیوقت معقولیت سے کام لے تو تعجب ہے۔ روٹی اور شراب کا گوشت اور خون بن جانا بیشک ایک بعید از عقل بات ہے مگر ایک کھاتے پیتے تمام حوائج انسانی کے محتاج اور تمام عوارض کے ماتحت انسان کا خدا بن جانا اس سے کم بعید از عقل نہیں۔ رومن کیتھولک عیسائیوں پر اس سے زیادہ الزام نہیں کہ وہ متی باب ۲۶ آیت ۲۸ کے الفاظ کو جس میں حضرت مسیح روٹی کو اپنا گوشت اور شراب کو اپنا خون قرار دیتے ہیں لفظی معنوں میں لیتے ہیں اور استعارہ کے رنگ میں نہیں سمجھتے مگر وہی الزام دینے والی قوم خود اس محاورہ کو جو پرانی کتابوں میں استعارہ کے رنگ میں کھلے طور پر استعمال بھی ہوا ہے یعنی "خدا کا بیٹا" لفظی معنوں میں سمجھتی ہے ہماری رائے میں تو رومن کیتھولک پراٹسٹنٹوں سے بڑھکر معذور ہیں کیونکہ پراٹسٹنٹوں نے جہاں کھلے طور پر استعارہ موجود تھا اسکو بھی اپنے من گھڑت عقیدے کے لیئے ترک کیا اور رومن کیتھولکوں نے اگر کچھ کیا ہے تو صرف یہی کہ اسی مثال کی پیروی کرکے ایک دوسرے مقام پر استعارہ کو ترک کر دیا۔ ہندوستان میں شیعوں اور سنیوں کے ایک جھگڑے میں مجبوراً گورنمنٹ کو آئندہ خدشہ فساد کے رفع کرنیکے لیئے کارروائی کرنی پڑی ہے یہ فساد محرم کے رسوم کے متعلق ہے۔ یہاں بھی اختلاف صرف ایک چھوٹی سی بات پر ہے یعنی سنی بھی شیعوں کی طرح محرم میں تعزیہ داری کرتے ہیں مگر کسیقدر اختلاف کے ساتھ۔ دو مسلمان فرقوں کا یہ باہمی اختلاف عیسائی مذہب کے دو بڑے فرقوں کے اختلاف سے بڑھکر نہیں لیکن اگر افسوس ہے تو یہ کہ مسلمانوں کی حالت اس زمانے میں ایسی ہو گئی ہے کہ وہ مذہبی عقائد اور مذہبی رسوم میں نہیں جھگڑتے بلکہ ایک ایسی رسم پر اگر ان کے اختلاف کا اظہار ہوتا ہے جسکو اصل مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ عیسائی اگر جھگڑتے ہیں تو کم از کم اپنے مذہبی عقائد پر تو جھگڑتے ہیں مگر مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ انہیں

اپنے دین سے اسقدر بھی واقفیت نہیں کہ وہ دین کی باتوں اور بدعت کی رسوم میں امتیاز کر سکیں۔ بلکہ جہالت کے ساتھ سنی سنائی باتوں پر لڑنے مرنے کے لیئے تیار ہو جاتے ہیں۔

یہ وہ واقعات جنکا ذکر اوپر کیا گیا ہے ان مظالم کی یاد کو تازہ کرتے ہیں ص۔ یورپ میں مشہور محکمہ تفتیش مذہبی کی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے سے یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک ہی مذہب کے مختلف فرقوں کی باہمی عداوت کی وجہ سے جسقدر خونریزی اور جس قسم کے ظلم دنیا میں ہوئے ہیں وہ اپنی کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے کسی طرح اس خونریزی اور ان مظالم سے کم نہیں جو مختلف مذہبوں کے پیرووں نے ایک دوسرے پر کیئے ہیں۔ اگر ہم عیسائی فرقوں کی گرمجوشی کا جو انہوں نے ایک دوسرے کی ایذا رسانی کے لیئے دکھائی ہے مسلمانوں کے مختلف فرقوں سے موازنہ کریں تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے دائرہ کے اندر اختلاف رائے کو بڑے تحمل اور برداشت سے سنا ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ ان لوگوں کی جنہیں ملحد یا بدعتی سمجھا گیا ہے ایذا رسانی کی مثالیں مسلمانوں کے اندر بھی پائی جاتی ہیں۔ اس ایذا رسانی کی تازہ ترین مثال سلسلہ احمدیہ کے پیرووں کے خلاف ملتی ہے۔ گو ہندوستان میں اس مذہبی آزادی کی وجہ سے جو حکومت برطانیہ کی برکات میں سے سب سے بڑی برکت ہے وہ دکھ جو سلسلہ احمدیہ کے پیرووں کو دیئے گئے ہیں اس آخری حد تک نہیں پہنچے جہانتک وہ ایک مسلمانوں کی سلطنت کے نیچے پہنچ سکتے تھے مگر تاہم ایسے فتوے اس ملک میں بھی کھلے طور پر شائع کیئے گئے ہیں جنکے رو سے احمدی سلسلہ کے پیرووں کو قتل کر دینا نہ صرف جائز بلکہ بڑے ثواب کا کام ہے۔ اور ایسا ہی انکے مال کو چھین لینا بھی کار ثواب ہے۔ گو ان فتووں پر ہندوستان جیسے آزاد ملک میں عمل نہ ہو سکتا تھا۔ اور اسی لیئے ہندوستان میں احمدیوں کے خلاف ایذا رسانی میں بھی نسبتاً سختی کا رنگ کم رہا ہے۔ مگر انہی فتووں کے اثر سے ایک ہمسایہ اسلامی سلطنت یعنی افغانستان میں دو معزز احمدیوں کو سنگساری

ص جو گذشتہ زمانہ میں ایک حد تک مسلمان فرقے مگر خصوصیت سے عیسائی مذہب کے مختلف فرقے ایک دوسرے پر کرتے رہے ہیں۔

کی بیرحمانہ سزا سے دکھ دیکر مارا گیا۔ تاریخ سے اس امر کی شہادت مشکل سے ملتی ہے کہ سنگساری کی سزا ملحدین یا مرتدین کو مسلمانوں میں پہلے بھی دیجاتی رہی ہو۔ مگر اس سزا کی سختی بھی ان ایذاؤں کے مقابل ہیچ جو عیسائی فرقوں میں ایک دوسرے کو پہنچائی جاتی رہی ہیں ہیچ ہو جاتی ہے۔ جو دو سنگساریاں مذہبی عداوت کی وجہ سے ملک افغانستان میں عمل میں لائی گئیں انکے متعلق مسٹر کیٹ ڈالی جو ۹ سال تک کابل میں رہی ہے مندرجہ ذیل شہادت دیتی ہے۔

"یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں کوئی شخص سنگساری کی قدیم مشرقی سزا سے مارا جاوے مگر میری کابل کی رہائش کے زمانہ میں دو ایسی سنگساریاں جو مذہبی اختلافات کی بنا پر تھیں وقوع میں آئیں۔ اس سزا کا طریق یہ ہے کہ جس شخص کے خلاف ایسا حکم صادر کیا گیا ہو اسے شہر کے سب سے پُر رونق بازاروں میں سے دو سیاہ پتھروں کی جگہ" میں لیجاتے ہیں جب یہ مذہبی دیوانوں کا گروہ ملزم کو طعن و تشنیع اور لعنت ملامت کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے تو ہر ایک شخص اتنا بڑا پتھر اُٹھا لیتا ہے جسے وہ اُٹھا کر پھینک سکتا ہو۔ اور جب سزا کے مقام پر پُہنچ جاتے ہیں تو سب سے پہلے الزام لگانیوالا پتھر پھینکتا ہے پھر جو شخص قریب پُہنچ سکے وہ پتھراؤ کرنے لگتا ہے۔ اس کے بعد اس شخص کو خواہ وہ مر چکا ہو یا صرف بیہوشی کی حالت میں ہو ان پتھروں کے نیچے تین دن تک پڑا رہنے دیا جاتا ہے اور اسکے بعد اسکی نعش اسکے رشتہ داروں کو دیدی جاتی ہے۔"

درمیانی زمانہ کے عیسائی بادشاہوں کی طرح جو شاہی بیگمات کے ساتھ خود اپنے مذہبی مخالفوں کے آگ میں جلائے جانیکے نظارہ کو دیکھنے کے لئے جایا کرتے تھے موجودہ امیر افغانستان بھی صاحبزادہ عبداللطیف خاں کی سنگساری کے وقت خود پتھر پھینکنے کے لئے موجود تھے۔ ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ افغانستان میں اور بھی

کوئی ایسے واقعات ہوئے ہیں یا نہیں جن میں علماء کے فتوے کی وجہ سے کسی شخص کو قتل کیا گیا ہو۔ مگر ان باتوں سے جو شاہ افغانستان نے اپنے سفر ہند میں کیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنی ہندو یہودی اور عیسائی رعایا کو امن کے ساتھ اپنے ملک میں زندگی بسر کرنیکی اجازت دیتا ہے بلکہ ان باتوں سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ مختلف اسلامی فرقوں کی تعلیم میں بھی کسی قسم کی دست اندازی نہیں کرتا بلکہ سب فرقوں اور سب مذہبوں کو پوری مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔ اور اختلاف مذہب یا اختلاف فرقہ کی وجہ سے امیر صاحب کی مملکت میں کسی شخص کو دکھ نہیں دیا جاتا۔ ہاں یہ بات معتبر ذرائع سے سنی گئی ہے کہ ہندوستان کے سیر سے واپسی پر شاہ افغانستان نے احمدیہ سلسلہ میں شامل ہونیوالوں کو بھی مذہبی آزادی اسی طرح دیدی ہے* جس طرح دوسرے فرقوں کو جو انکی حکومت کے نیچے ہیں حاصل ہے۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جہاں کہ اہل اسلام میں مذہبی اختلافات کی وجہ سے سختی کی گئی ہو ایسے اختلافات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں بھی ہوتے تھے جسکا کافی ثبوت وہ روایات ہیں جو اب تک احادیث میں موجود ہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ دیگر صحابہؓ سے پچاس مسئلوں میں اختلاف رکھتے تھے لیکن باوجود اختلافات کے انکی برابر تعظیم و تکریم ہوتی تھی۔ ایسا ہی جب فتوحات کے ذریعہ سے بہت سا مال آنا شروع ہوا تو حضرت ابو ذر صحابی نہایت سخت الفاظ میں ایسے مال کے پاس رکھنے کی مذمت کرتے تھے لیکن باوجود اس کے انہیں حکومت کی طرف سے کسی قسم کی سزا نہیں دی گئی اور نہ ہی کوئی دکھ دیا گیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زندگی میں جبکہ آپ عرب کے حاکم تھے جن اشخاص کی نسبت معلوم تھا کہ وہ منافق ہیں انکو بھی ویسی ہی آزادی حاصل تھی جیسی کہ مومنوں کو۔

اسلام میں سب سے پہلا سلسلہ جو ملحدوں کا قائم ہوا وہ خوارج کا تھا جنھوں نے پہلے تو سن سیاہ

* حاشیہ۔ اس وقت وہ الہامی پیشگوئی بھی پوری ہوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۹۰۵ء میں شائع کی تھی کہ ایک ... (حاشیہ کا تسلسل حاشیے پر: ...امیر حبیب اللہ خان جنت...)

خلیفہ حضرت عثمانؓ کو شہید کیا اور پھر حضرت علیؓ کے برخلاف اُٹھے اور آخر کار اُنکو بھی قتل کیا۔ بہت عرصہ تک وہ قائم شدہ سلطنت کے برخلاف لڑتے رہے جو شخص خوارج کی تاریخ پڑھیگا اُسکو معلوم ہو سکتا ہے کہ خوارج کے برخلاف پہلے اسلامی حکومت نے تلوار نہیں اُٹھائی۔ بلکہ برعکس اسکے اُنسے کوئی تعرض نہیں کیا گیا جبتک کہ اُنکی زیادتیوں اور ظلموں نے سزا کی ضرورت پیدا نہ کی۔ اُنکے مذہب کا بڑا اصول یہ تھا کہ خدائے تعالیٰ کی حکومت کے سوا کوئی اور حکومت نہیں ماننی چاہیئے اور اسی کو اپنے مذہب کا اصل الاصول قرار دیکر خلیفہ وقت کی اطاعت کا حلف اُٹھانے سے انکار کرتے تھے۔ ذیل میں میور کی کتاب سے کسیقدر اقتباس کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اوائل زمانہ کے مسلمان کس طرح الحاد کی باتوں سے درگذر کرتے تھے۔

"جب سے کہ خوارج نے مقام حرورہ سے اپنی فوج اُٹھائی بجائے اسکے کہ وہ امن اور اطاعت سے زندگی بسر کرنا شروع کریں بغاوت اور شورش کے مجمعے کرتے رہے اُنکے نزدیک خدائی حکومت کی منادی یہی تھی کہ بجز خدائے عزیز و حکیم کے اور کسی کی اطاعت کی حلف نہ ہونی چاہیئے اور علیؓ یا معاویہؓ کی اطاعت کی حلف اُٹھانا اُس بڑے نام کی ہتک تھی۔ خلیفہ نے بمثل سابق ہر چند اُنکو سمجھایا کہ خود انہوں نے ہی باہمی رضامندی کے فیصلہ پر اسکو مجبور کیا تھا مگر انہوں نے ایک نہ مانی اور جھٹ جواب دیا کہ یہ تو سچ ہے لیکن ہم اُس فیصلہ سے اب پشیمان ہو گئے ہیں اور تجھکو بھی اُس فیصلہ سے نادم ہونا چاہیئے ورنہ ہم تیرے برخلاف جنگ کریں گے۔ حضرت علیؓ کو پھر بھی امید تھی کہ اُنکو سمجھا کر راضی کر لیں گے۔ آپ اُنکی باغیانہ گفتگو پر صبر کرتے رہے اور اپنا منشا اُنسے درگذر کے ساتھ سلوک کرنیکا ظاہر کر دیا اور حکم دیا کہ نماز کے لیئے اُنکو مسجد و نمیں آنے جانیکی کُھلی اجازت ہونی چاہیئے اور جبتک کہ وہ کُھلم کُھلا کوئی فعل نہ کریں اُنکے برخلاف ہتھیار استعمال نہ کیا جاویگا" میور آگے چلکر بیان کرتا ہے کہ اس بُردباری کے سلوک نے بجائے خوارج کو امن پسند بنانیکے اُنکو اور بھی دلیر کر دیا۔ انہوں نے ایک علیحدہ جتھا بنا لیا اور جبکہ حضرت علیؓ نے اُنکو اپنی فوج میں شامل ہونیکے واسطے بلایا تو انہوں نے آپ کو یہ

ہتک آمیز جواب دیا کہ "اگر علی اپنے ارتداد کا اقرار کرے اور اُس سے توبہ کرے تب وہ غور کرینگے کہ آیا کوئی فیصلہ باہمی ہو سکتا ہے؟ بصورت دیگر وہ اُسکو ایک ناپاک مرتد سمجھکر چھوڑتے ہیں" تب انہوں نے ممالک میں ظلم کرنے شروع کیئے اور "یہ ظلم نہایت وحشیانہ اور بیرحمی کے تھے۔ مسافر خواہ مرد ہوں یا عورتیں جو خدائی حکومت کے اصولوں کو ماننے سے انکار کرتے جان سے مار دیئے جاتے حاملہ عورت تلوار سے قتل کیجاتی وغیرہ وغیرہ" ان ظلموں کا حال سُنکر حضرت علی رضؓ کو مجبوراً اُنکے برخلاف کارروائی کرنی پڑی جس کا حال اسطرح لکھا ہے "ایک قاصد جو دریافت کے واسطے بھیجا گیا تھا اور ذبح کی طرح وہیں کام آیا۔ خبریں زیادہ سے زیادہ خوفناک آنے پر فوج نے اُنکے برخلاف بھیجے جانیکی استدعا کی۔ حضرت علیؓ نے بھی خود یہی ضرورت سمجھکر اپنی طرز بدل دی اور دجلہ سے پار گذر کر اِن مذہبی دیوانوں کے برخلاف فوج کشی کی جب نہروان کے نزدیک پہنچے تو ایک قاصد کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ جو جو اشخاص ظلم اور قتل کے مجرم ہیں وہ حوالہ کیئے جاویں آپنے فرمادیا کہ ایسے شخصوں کو انصاف کے حوالہ کرو اور پھر تم سے کوئی تعرض نہ کیا جاویگا یہانتک کہ ملک شام میں خدائے تعالیٰ ہم کو فتح دیوے اور اُسوقت شائد اللہ تعالیٰ پھر تمہارے دل ہماری طرف پھیر دیوے انہوں جواب دیا کہ جو کچھ ہو چکا ہے ہم سب اُسکے یکساں ذمہ دار ہیں اور ناپاک مرتدوں کو جو ہم نے قتل کیا تو اُنکا خون جائز طور پر بہایا گیا ہے۔ اسپر ایک بحث چھڑ گئی جس میں خلیفہ نے غلط فہمی میں پڑے ہوئے جوشیلوں کو سمجھایا اور کہدیا کہ جو کوئی ہماری فوج میں چلا آوے یا امن سے اپنے گھر چلا جاوے اُسکی حفاظت کیجاوے۔ بعضوں نے اسکی تعمیل کی اور چلے آئے پانچسو ایک نزدیک کے فارس کے شہر میں چلے گئے اور کئی اپنے گھروں میں چلے گئے لیکن اٹھارہ سو میدان جنگ میں رہے اور خدائی حکومت کے مذہب کے شہید بنے۔ اسلام کے امن کے واسطے تو یہ اچھا ہوتا کہ ان چار ہزار میں سے ایک بھی نہ بچتا۔ سانپ زخمی تو ہوا مگر مارا نہ گیا۔ تعصب کا جوش عجیب طور پر پھیلتا گیا اور خدائی حکومت کا فریق بڑے زور سے اور

لگاتار پوشیدہ طور پر دونوں جگہ بصرہ اور کوفہ میں بڑھتا گیا۔ اگلے سال باغی جنونیوں کے گروہ پھر ناگہاں میدان میں حضرت علیؓ کو برا کہتے ہوئے نکل آئے اور منادی کرنے لگے کہ خدا کی حکومت قریب ہے۔ یکے بعد دیگرے یہ سب قتل کیئے گئے یا بآسانی بھگا دیئے گئے"

مندرجہ بالا بیان سے جو ایک متعصب عیسائی کا لکھا ہوا ہے معلوم ہوگا کہ خوارج کو انکے اصولوں کے باعث کوئی تکلیف نہیں دیگئی بلکہ بوجہ انکی مجرمانہ زیادتیوں کے اور سلطنت کے برخلاف سر اٹھانیکے سزا دیگئی۔ حضرت علیؓ اس بات کے برخلاف تھے کہ انکو صرف انکی مذہبی اصولوں کے واسطے ایذا دیجاوے اور وہ انہیں معاف کرنیکے لیئے تیار رہتے تھے بشرطیکہ وہ اپنا باغیانہ طریق چھوڑ دیں۔ لیکن اسکا انہوں نے انکار کیا اور حضرت علیؓ کی خلافت اور اسکے بعد کی سلطنتوں میں وہ ملک کے امن میں مخل ہوتے رہے اور سلطنت کو تباہ کرنیکے واسطے وقتاً فوقتاً اپنی فوج جمع کرتے رہے۔

مگر خوارج بھی شیعہ کے سامنے بے حقیقت معلوم ہوتے ہیں اور یہ آخر الذکر فرقہ بھی خوارج کی طرح ملکی حالات کی وجہ سے ہی پیدا ہوا تھا۔ شیعہ کے معنے طرفدار ہیں اور فرقہ شیعہ حضرت علیؓ خلیفہ چہارم کے طرفدار ہیں۔ انکا بڑا اختلافی مسئلہ اہل سنت کے برخلاف یہ ہے کہ وہ پہلے تین خلفاء کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جائز جانشین نہیں سمجھتے۔ اسی وجہ سے وہ حضرت علیؓ کو حد درجہ کے ادب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہانتک کہ انکے بعض فرقے اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے انکو خدا بنا لیا ہے جیسا کہ عیسائیوں نے یسوع کو خدا بنا لیا ہے لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ پہلی تین خلافتوں میں اس فرقہ کا کوئی وجود تھا کیونکہ حضرت علیؓ نے خود حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے جواز کو تسلیم کیا اور تینوں کی اطاعت کی حلف اٹھائی صرف خوارج کی زیادتیوں اور حضرت علیؓ کے قتل ہونیکی وجہ سے یہ فرقہ شیعہ کا پیدا ہوا اور بنو امیہ کے

حاکم یزید کے ہاتھ سے امام حسین کے شہید ہو جانیکی وجہ سے اس فرقہ کی بنیاد مستحکم ہو گئی۔ سنی اور شیعہ کی باہمی نفرت ان پولیٹیکل کوششوں میں ترقی پذیر ہوئی جنکا مدعا بنی اُمیّہ و بنی عباس کی خلافتوں کے دوران میں حکومت حاصل کرنیکا تھا۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ سنی شیعہ سے نفرت کرتا ہے اور اسکو بُرا کہتا ہے اور شیعہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے خلفاء کی ہجو کرتا ہے اور اُنکو بُرا کہتا ہے لیکن تاہم اُنکی باہمی نفرت اس سخت اور ظالمانہ عداوت کی حد تک کبھی نہیں پہنچی جو عیسائیوں کے دو فرقوں پراٹسٹنٹوں اور رومن کیتھولک والوں کے مابین ہے۔ یہ سچ ہے کہ یہ دونوں مخالف فرقے بعض موقعوں پر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے ہیں لیکن یہ موقعے ہمیشہ پولیٹیکل ضروریات کیوجہ سے پیدا ہوئے ہیں یا اس طمع کی وجہ سے کہ حریف فرقہ کی ملکی طاقت کو تباہ کر کے خود سلطنت کے مالک بنیں۔ بجز شاذ و نادر موقعوں کے جنہیں جوش بھڑک اُٹھا اور اسکی وجہ بھی ملکی حالات کی تہ میں تھی اسلام کے دونوں بڑے فرقے ایک ایسی تصویر دکھاتے ہیں کہ جسکا اگر اُن خوفناک زیادتیوں سے جو رومن کیتھولک والوں اور پراٹسٹنٹوں نے ایک دوسرے پر کی ہیں مقابلہ کیا جاوے تو کہنا پڑے گا کہ کوئی باہمی عداوت کے نشان نہیں پائے جاتے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں سنی اور شیعہ کے مابین سخت سے سخت رنجش پولیٹیکل کوششوں کے متعلق ہوئی ہے اور انہی کوششوں کی وجہ سے اُنکی باہمی عداوت کو ترقی ہوئی اور اُنکے مابین تفرقہ بڑھا۔ بجز مصر میں ایک تھوڑے عرصہ کے ملکی طاقت اہل اسلام میں بہت عرصہ تک فقط سنیوں کے ہاتھ میں رہی ہے اور وہ شیعوں کے ساتھ نرم سلوک کرنے پر راضی رہے ہیں ہاں وہ یہ چاہتے تھے کہ شیعہ صرف اپنی طمع ملکی عروج کے حاصل کرنے اور قائم شدہ سلطنت کو مٹا دینے کی چھوڑ دیں بلکہ ایک سنی بادشاہ یعنی مامون نے تو یہانتک بھی کیا کہ اپنا جانشین تخت شاہی کا

علی رضا کو مقرر کر دیا اور یہ تجویز عمل میں آنے سے صرف اسواسطے رہ گئی کہ علی رضا ماموں سے پہلے فوت ہوگیا لیکن شیعہ ہمیشہ خلیفوں کے برخلاف سازشیں کرتے رہے اور اُنکے فرقوں نے علانیہ بغاوت کی۔ میور اپنی کتاب "خلافت" میں لکھتا ہے۔

"کربلا کے واقعہ کے بعد سے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اسلامی دنیا میں حضرت علیؓ کے خاندان کی خاطر جوش طرفداری کی ہل چل ہوتی رہی ہے۔ ایران کے شیعہ پن نے اپنے خفیہ اطوار کے ساتھ جوش کو زیادہ کر دیا اور ساتھ ہی خلافت کے تنزل اور اُسکے بعد جو ابتری پھیلی اُسکی وجہ سے جھوٹے دعویداروں کو موقعہ دیدیا اور اس باعث سے علوی بغاوتوں کی کثرت ہوئی"

مصنف متذکرۃ الصدر کے مندرجہ ذیل فقرات مسلمانوں کے فرقوں کی باہمی ایذادہی کی ایک مثال کا کام دیں گے جو معلوم ہوگا کہ ملکی ضروریات کی وجہ سے اُنکی ضرورت پڑی نہ کہ کسی مذہبی لحاظ کی بنا پر۔

تیسری صدی ہجری کے دوسرے نصف حصہ میں شیعہ کا مشہور فرقہ اسماعیلی پیدا ہوا "خلیفہ معتضد باللہ کے عہد سلطنت میں اس فرقہ کے ایک سرغنہ نے عراق میں علمِ بغاوت بلند کیا اور اُس جگہ اور اُسکے گرد نواح کے ممالک میں ایک بڑی جمعیت بہم پہنچائی۔ اُسکا نام قرماط تھا اور اُسکے نام پر اس فرقہ کے لوگ قرماطی کہلاتے تھے وہ ایسے وقت میں ظاہر ہوا جبکہ زنگی بھی ابھی میدان میں تھے اور بعد ایک لاکھ تلوار کے باغیوں کے ساتھ ملنے کی خواہش کی لیکن چونکہ ایک مشترک مذہب کے اصولوں پر وہ اتفاق نہ کر سکے اسلئے علیحدہ ہوگئے۔ ایک سرغنہ پھر عراق میں ظاہر ہوا جسکا نام زکریا تھا اُسکے دو بیٹے تھے جنہوں نے لوٹ اور دہشت ملک میں برپا کی۔ پہلا تو دمشق کو لوٹنے کی کوشش میں مارا گیا اور دوسرے نے ملک شام کو

تباہ کیا جہاں کہیں پہنچا قتل اور لوٹ مار کی۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ اُس بدقسمت ملک کے ممبروں پر اُسکو مہدی موعود قرار دیکر اُسکے حق میں دعائیں کیجاتی تھیں۔ بغداد میں اتنا خوف پھیلا کہ جیسا ہم بیان کر چکے ہیں خلیفہ مکتفی باللہ نے مصری جرنیل محمدؐ کو باغیوں کے گروہ پر حملہ کرنیکے واسطے بھیجا اور آپ بھی فوج کے ساتھ مقام ریکا تک گیا۔ قرامطیوں کو شکست فاش ہوئی اور اُنکا سرغنہ . . . . معہ اپنے چچا زاد بھائی اور کچھ پیروؤں کے جنگل میں بھاگ گیا یہاں وہ پکڑے گئے اور خلیفہ کے حضور بمقام ایکا پہنچائے گئے پھر وہاں سے بغداد میں بھیجے گئے جہاں ہاتھیوں اور اونٹوں پر چڑھا کر اُنکو پھرایا گیا اور شہر والوں کو دکھایا گیا پھر اُنکو قید میں رکھا گیا یہاں تک کہ اور قرامطی قیدی لاکر محمدؐ واپس آگیا اور پہلے اُنکے ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر پھر اُنکے سر قلم کیئے گئے سرغنہ کے واسطے سخت ظلم کی سزا تجویز کیگئی پہلے اُسکو ایک سو تازیانہ لگایا گیا پھر اُسکے ہاتھ کاٹے گئے اور پھر آگ میں ڈالا گیا اور جبکہ وہ آگ کے عذاب میں مبتلا تھا اُسکا سر کاٹا گیا اور ایک لمبی لکڑی کے سر پر رکھکر اونچا کیا گیا اور تمام مجمع سے اللہ اکبر کے نعرے بلند ہوئے ''

اگرچہ اس موقعہ پر ایک باغی کے جلائے جانیکا حال ہمکو معلوم ہوا ہے لیکن مسلمان ایسی سزا کبھی استعمال نہیں کرتے تھے بجز شاذو نادر موقعوں کے جبکہ جرم مختلف وجوہات کے باعث نہایت سنگین ہوجاتا تھا۔ مذہبی معاملات کے متعلق صرف اختلاف رائے کی کوئی سزا عموماً نہ دیجاتی تھی۔ ملحدانہ خیالات جو مذہب اسلام کے بنیادی اصولوں کے برخلاف سمجھے جاتے تھے اُنکے پھیلانے کی اگر کوئی سزا دی بھی جاتی تھی تو قید تھی اگرچہ یہ سزا بھی سرغنوں کو ہی دیجاتی تھی اور صرف ارتداد کی سزا موت تھی ایک مختلف فرقہ بنانیکی کوئی سزا ہمیشہ نہ دیجاتی تھی اور عباسیوں کے وقت تک ۶۳ مختلف فرقے پیدا ہوگئے تھے بجز ایسے اشخاص کے جنکا مدعا یہ ہوتا تھا کہ خلفاء کے دینی و دنیاوی اختیارات کو اُڑا دیں کسی کو کبھی سخت سزا نہ دیجاتی تھی اور اگر اُن سختیوں کے ساتھ مقابلہ

کرین جو عیسائیوں کے فرقے ایک دوسرے پر کرتے رہے ہیں جسکا بیان آگے آویگا تو مسلمانوں کے بڑے فرقہ کی بے تعصبی جسکے ہاتھ میں کئی صدیوں تک ایک وسیع مملکت کی دنیاوی حکومت رہی قابل تعریف پائی جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جو مذہب نجات کے دائرہ کو صرف اپنے پیرؤوں تک محدود رکھے ضروری ہے کہ وہ دُکھ دینے والا مذہب ہو لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ ایک مذہب دعویٰ کر سکتا ہے کہ سچی نجات جسکا مفہوم یہ ہے کہ گناہ سے رہائی۔ اور خدائے تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا ہو اُسکے اصولوں پر عمل کرنیکے سوا حاصل نہیں ہو سکتی لیکن اس دعویٰ سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ ایسے مذہب کے لئے ضروری ہے کہ تمام دنیا کو اُن اصولوں کے ماننے کیواسطے مجبور کرے۔ قرآن کریم ہمکو بتاتا ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ایک آدمی کو خدائے تعالیٰ کا قرب حاصل کرا دیتا ہے پر ساتھ ہی بڑے پُر زور الفاظ میں جبر سے منع کرتا ہے جیساکہ لا اکراہ فی الدین سے ظاہر ہے فرقہ بندیوں کی ایذائیں جو مذہبی ایذاؤں سے ہی پیدا ہوئی ہیں زیادہ تر اس بات کا نتیجہ ہیں کہ ایک شخص اپنے اصولوں کو مدلل طور پر ثابت کرنیکے ناقابل ہوتا ہے تب وہ زور سے اور جبر سے دوسروں کو منوانیکی کوشش کرتا ہے۔ ایسا ہی ہر ایک نبی کے وقت میں ہوا کہ جب وہ حقائق جنکی وہ تعلیم دیتا تھا ناقابل تردید پائے گئے تو اسکو جبراً روکنے کی تجویز کیگئی لیکن ایذادہی کسی تحریک کو روکنے کی بجائے اُسکی ترقی دینے میں ہمیشہ ممد ثابت ہوئی ہے۔ غلط مفہوم مذہب کا اور جہالت بھی ایک بڑی حد تک اُن خوفناک ظلموں کے ذمہ وار ہیں جو مذہب کے نام پر ایک بدنما داغ بنگئے ہیں

اہل اسلام کے فرقوں کی ایک دوسرے پر زیادتیوں کا کسیقدر بیان ہم کر چکے ہیں لیکن عیسائیت ایک ایسا نظارہ دکھاتی ہے جس سے زیادہ خوفناک تصور کا وہم میں آنا مشکل ہے۔ اگرچہ پہلے عیسائی فرقہ نے اختلاف رکھنے والے اشخاص اور فرقوں کو اُسیوقت سے دُکھ دینا شروع کیا جبکہ اپنے شاہی نومرید کانسٹنٹاین کے عہد میں دنیاوی طاقت

پائی لیکن ان تکلیفوں نے کوئی خوفناک شکل اختیار نہیں کی تھی جبتک کہ یورپ کی طاقت مضبوطی سے قائم نہ ہوگئی۔ مختلف فرقوں کی باہمی ایذادہی جو پہلے ہوچکی تھی مشہور و معروف محکمہ تفتیش مذہبی کی کارروائیوں کے سامنے بے حقیقت ہوجاتی ہے اور اسلئے اُس خوفناک تصویر کو جس میں رومن کیتھولک والے پراٹسٹنٹوں اور دوسرے فرقوں کو اور پراٹسٹنٹ رومن کیتھولک والوں کو دُکھ دیتے رہے ہیں صرف ایک نظر دیکھنے سے ہی عیسائی مذہب کے فرقوں کی باہمی ایذادہی کا تصور ہوسکتا ہے۔ مشہور مورخ ماٹلی کے الفاظ میں "محکمہ تفتیش مذہبی ایک ایسی کل تھی جسکے ذریعہ کسی شخص کے خیالات کی تفتیش کیجاتی تھی اور اگر نتیجہ اطمینان بخش نہ ہوتا تو اُسکو جلایا جاتا۔ صرف شک پر کسی شخص کو پکڑا جاتا تھا اور جبتک وہ اقبال نہ کرتا اُسکو عذاب دیا جاتا اور پھر آگ کے ذریعہ سزا دیجاتی" پیشوایان دین کی طرف سے جو سزا مرتدوں کو دیجاتی رہی ہے اُسکے تین علیحدہ علیحدہ زمانے ہیں۔ مشہور و معروف ہسپانیہ کا محکمہ تفتیش ۱۴۸۰ء میں قائم ہوا لیکن اصل میں اس تاریخ سے قریباً دو صدیاں پہلے محکمہ تفتیش موجود تھا جسکا نام ڈومینکن محکمہ تفتیش تھا اور یہ ۱۲۲۹ء میں ٹولوسی کی کونسل سے شروع ہوا۔ لیکن ایسی تفتیش کی حقیقت تیرھویں صدی سے پہلے بھی موجود تھی اگرچہ جن اصولوں پر کارروائی ہوتی تھی وہ بعد کی دو تفتیشوں کے اصولوں سے مختلف تھی۔ مذہبی تفتیش کے پہلے حصہ کی نسبت انسکلوپیڈیا برٹانیکا میں اسطرح لکھتا ہے "تفتیش کی حقیقت یہ تھی کہ ابتدائی زمانہ کے گرجاؤں کے پادریوں کا یہ فرض قرار دیا گیا تھا کہ غلطی کی جستجو کرکے اُسکی اصلاح کریں۔ انگریزی کلیسیا میں جو یہ اقرار لیا جاتا ہے کہ پادری بڑی محنت کے ساتھ تمام غلط اور خدا کے کلام کے خلاف نئے عقیدوں کو دُور کرنیکے واسطے تیار رہیگا اس میں بھی ایک خفیف سی جھلک اسی حکم کی نظر آتی ہے جو ابتدائی گرجاؤں کے پادریوں کو دیا گیا تھا۔ پادریوں کا گروہ اسطرح پر ذرائع بہم پہنچاتا تھا اور حاکم وقت پادریوں کے

فتووں پر عملدرآمد کرنیکے واسطے تیار ہوگئے۔ کانسٹنٹاین اور اُسکے جانشینوں کے شاہی احکام نے اب وہ دوہری کارروائی شروع کی جسکی رو سے قرار پایا کہ دنیوی حکومت ملحدین کی نسبت کارروائی کرے اور اسطرح سے پادریوں کو اپنا مدعا حاصل کرنیکا موقعہ بغیر اپنے ہاتھوں کو خون میں رنگنے کے ملگیا۔ چنانچہ ۳۱۶ء کے قریب کانسٹنٹاین نے فرمان جاری کیا کہ فرقہ ڈونی ٹسٹ کے لوگوں کی جائداد ضبط کیجاوے۔ اور ۳۸۲ء میں تھیوڈوسی اُس نے فرقہ مینیچین کے پیرووں کو موت کی سزا کا مجرم ٹھہرایا اور اُنکی جائداد بھی ضبط کر لی۔"

اس سے معلوم ہوگا کہ اختلافی عقیدہ رکھنے والے فرقوں کو کانسٹنٹاین اور اُسکے جانشینوں کی طرف سے محض مذہبی وجوہات کی بنا پر سزا دیجاتی تھی۔ اور ان تمام احکام کی تہ میں عیسائی مذہب کے لیئے یہ خاص جوش تھا کہ عیسائیت تمام قسم کے ملحدانہ خیالات سے پاک ہو۔ لیکن عقائد کی باقاعدہ تفتیش کے طریقے کو روما کے پوپوں نے بارھویں صدی کے اختتام اور تیرھویں صدی کے آغاز کے قریب ترقی دی۔ اصطلاحی استعمال لفظ تفتیش مذہبی کا یعنی سرکاری طور پر لوگوں کے عقائد کی تفتیش کرنیکا پہلے پہل ۱۱۶۳ء میں ٹورس کی کونسل میں ہوا۔ ۱۱۸۴ء میں ویرونا کی مذہبی کمیٹی نے تمام ملحدین اور انکے پناہ دہندگان کو ملعون ٹھہرایا اور حکم دیا کہ مردود شخصوں کو سنگین سزا کے واسطے دنیوی حکومت کے حوالہ کیا جاوے اُنکی جائداد ضبط کر لی اور صاف طور پر کہدیا کہ نئی تفتیش پرانے پادریوں کی طرز کارروائی سے کہیں بڑھ چڑھکر ہوگی" (منقول از انسکلوپیڈیا بریٹانیکا) پوپ اِنوسنٹ سویم نے (اِنوسنٹ کے لفظی معنے بے گناہ ہیں) اپنے افسر اپنی مسند نشینی کے جلد ہی بعد جنوبی فرانس اور ہسپانیہ کے علاقوں میں بھیجے کہ تا "چھوٹی چھوٹی لومڑیاں (جس سے مراد اختلاف رکھنے والے فرقوں کے عیسائی ہیں) پکڑ کر انکو جان سے ماریں"۔ چوتھی لیٹرین کونسل نے جسکا پریزیڈنٹ پوپ اِنوسنٹ سویم تھا فیصلہ کیا کہ ہر ایک صوبہ میں مذہبی کمیٹیاں ملحدین کے نکالنے کے واسطے ہونی چاہییں

جو سزا کے واسطے دنیاوی حکام کے حوالہ کیئے جاویں جو حاکم اپنے علاقہ سے اس طریق کے بموجب ملحدوں کے نکالنے سے انکار کرتا اسکو پوپ مذہب سے خارج کر دیتا۔ پوپ گریگری نہم کے عہد میں تفتیش مذہبی نے ایک اور بھی مستحکم اور معین صورت اختیار کر لی۔ ۱۲۲۹ء کی کونسل میں جسکا نام ٹولوسی کی کونسل ہے چند ضابطے مقرر کیئے گئے جنکے رو سے صرف ملحدوں کو مجرم قرار دیکر سزا ہی نہیں دیجاتی تھی بلکہ وہ گھر بھی جنہیں وہ پائے جاتے تھے گرا کر زمین کے ساتھ پیوست کیئے جاتے تھے اور جو شخص کسی ملحد کو پناہ دیتا یا اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دیتا اُسکا ملک ذاتی جائداد اور سرکاری منصب سب ضبط ہو جاتے ہر مرد جو ۱۴ سال سے زیادہ عمر کا اور ہر عورت جو ۱۲ سال سے زیادہ عمر کی ہو اُنسے حلفیہ اقرار لیا گیا کہ ملحدوں کی نسبت مخبری کریں اس مرحلہ پر جو طریقہ تفتیش کا مروج تھا اُسکا مفصل حال ایک کتاب موسومہ ہدایت نامہ تفتیش کنندگان میں درج ہے جو این ایمی رچ نے جو ۱۳۵۶ء میں علاقہ کسٹائیل کا جنرل افسر محکمہ تفتیش تھا لکھی ہے۔ یہ ہدایت نامہ افسران تفتیش کنندہ کے استعمال کیواسطے مستند کتاب تھی۔ اسکے بموجب مخبری کا انتظام مقرر شدہ تھا اور ہدایت تھی کہ ملحدونکی لگاتار اور پورے زور سے تلاش ہوتی رہے۔ ہر ایک حلقہ میں دو پادری اور دو یا تین دوسرے شخص نامزد ہونے چاہییں جو حلف لینے کے بعد ہر ایک گھر میں تمام کمروں میں بالائی منزلوں میں کوٹھڑیوں میں برابر بڑے زور سے تلاش کرتے رہیں کہ آیا کوئی ملحد تو وہاں چھپا ہوا نہیں۔ طریق کارروائی جو اختیار کیا گیا تھا اس قسم کا تھا کہ جب ایک دفعہ کوئی شخص ملزم بنایا جاتا تو الحاد کے الزام سے اُسکو اپنی بریت ثابت کرنی قریباً ناممکن ہو جاتی اس بات کی بڑی تاکید تھی کہ تمام کارروائی پوشیدہ راز کی طرح مخفی رکھی جاوے حکم تھا کہ ملزم کو اُس پر الزام لگانیوالے یا اُسکے برخلاف جو گواہ ہوں اُنکے نام نہ بتلائے جاویں۔ اگر کبھی ایک نقل فرد جرم کی ملزم کو دی بھی جاتی

(کیونکہ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا تھا) تو مفصلہ ذیل طریقوں سے پھر بھی اسپر حال کھلنے نہیں دیا جاتا تھا۔

۱- گواہوں کے ناموں کی ترتیب بدل دینا تاکہ ایک نے جو بیان دیا ہے وہ دوسرے کا معلوم ہو۔

۲- الزام بغیر گواہوں کے ناموں کے بیان کرنا اور انکے نام علیحدہ رکھکر انکے ساتھ اور نام ملا دینے جنہوں نے ملزم کے برخلاف کوئی بیان نہ دیا ہو" کسی بے گناہ شخص کو مواخذہ میں لانیکے واسطے صرف انہی ادنے چال بازیوں پر بس نہیں کیجاتی تھی بلکہ جو شہادت ملزم کے برخلاف تسلیم کیجاتی تھی وہ اس قسم کی ہوتی تھی کہ کسی ملک کے قانون میں ایسی شہادت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ہدایت نامہ کے یہ الفاظ ہیں۔ کہ "یہ کافی ہے کہ دو گواہوں کی مخبری بالاتفاق ہو کہ انہوں نے یہ بات سنی ہے کہ فلاں شخص ملحد ہے۔ اسی قدر بیان قابل تسلیم ہے خواہ اُن دو گواہوں نے خود ملزم کے مُنہ سے کوئی خراب بات نہ بھی سُنی ہو" ہر ایک قسم کی شہادت خواہ وہ ایک مرتد کی شہادت ہو خواہ ملزم کے شریکان جرم کی خواہ ایسے مجرموں کی جو کسی جرم میں سزا یافتہ ہوں بلکہ اُن لوگوں کی بھی گواہی جو ملحد قرار پا چکے ہیں اگر ملزم کے برخلاف ہوتی تو قابل تسلیم تھی لیکن اگر ایسی شہادت ملزم کے حق میں ہو تو اسے رد کر دیا جاتا تھا۔ جھوٹے گواہ قابل اعتبار سمجھے جاتے تھے بشرطیکہ وہ ملزم کے برخلاف شہادت دیں۔ "اگر کوئی جھوٹا گواہ اپنے پہلے بیان سے جو ملزم کے حق میں مفید ہو منحرف ہو جاوے تو ججوں کو دوسرے بیان پر متوجہ ہونا چاہیئے" کسی گواہ کے دو متضاد بیانوں میں سے جو بیان ملزم کے حق میں مفید ہو وہ کبھی قابل تسلیم نہیں تھا۔ ہدایت نامہ میں درج ہے کہ "یہ سمجھ رکھنا چاہیئے کہ دوسرا بیان حلف دروغی کے مرتکب گواہ کا صرف اُسوقت قدر کے لائق اور قابل تسلیم ہے جبکہ ملزم کے برخلاف ہو" اگر کوئی انسان ایسا خوش قسمت ہوتا کہ ان تمام پھندوں سے بچ جاتا جو سیاہ دل اور ظالم الطبع تفتیش کنندہ نے اسکے لیئے تیار کر رکھے تھے تو بھی وہ خطرہ سے باہر نہ ہوتا تھا کیونکہ یہ ہدایت تھی کہ "محض مخبری کے سچا ثابت نہ ہونیکی وجہ سے

تفتیش کنندہ کو کارروائی منسوخ نہ کر دینی چاہیئے کیونکہ جو بات ایک دن ثابت نہیں ہوئی ممکن ہے کہ کسی اور دن ثابت ہو جاوے" پس اس بیرحم محکمہ کے بیگناہ شکار لمبے لمبے غیر محدود عرصہ تک ٹھہرائے جا سکتے تھے اس امید پر کہ کسی نہ کسی دن کوئی حلف دروغی کا مرتکب گواہ اُنکو مجرم ثابت کرنیکے واسطے نکل آویگا۔

جبراً اقرار کروانے کے لیئے اذیت پہنچائی جاتی تھی۔ ملزم پر کسی قسم کا رحم کھانا مذہبی عدالت کے اصول کے خلاف تھا۔ اور اگر کوئی ایسے حالات پیدا ہو جاتے تھے جن سے رحم آجاتا ہو تو یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ ملزم ججوں کے رحیمانہ ارادوں میں جو اسکی سزا کی صورت میں ظاہر ہونے چاہییں حارج ہو رہا ہے۔ "بعض دفعہ ایک قیدی اس بات کو دیکھ کر کہ اسے سزا دینے لگے ہیں بیماری کا بہانہ کر لیتا ہے۔ کپڑے اتارنے پر حیا کا بہانہ کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ عورتیں عصمت وغیرہ کا بہانہ کرتی ہیں۔ یہ سب باتیں صرف اس لیئے کیجاتی ہیں تاکہ یہ لوگ سزا میں التوا ڈلوا دیں یا ججوں کو دھوکا دیں" کتاب محکمہ تفتیش کی مختصر تاریخ کا مصنف آگے بیان کرتا ہے "کہ یہ مایوسانہ حیلے جو ظالموں کی اذیت سے بچنے کے آخری حیلے سمجھکر اختیار کیئے جاتے تھے اور اب سیکڑوں سال گذر جانے پر بھی ان واقعات کے پڑھنے والوں کے دلوں کو پگھلاتے ہیں اور رحم کا جوش انہیں پیدا کرتے ہیں وہ ہدایت نامہ کے چالاک مصنف میں بجائے رحم پیدا کرنیکے غصہ کے بھڑکانے کا موجب تھے اور وہ پہلی مجوزہ سزاؤں کے بعد یہ ایزادی اور کرتا ہے کہ ملزم کو اسطرح دھوکہ دے کر یا اسطرح اُسے حیران کر کے پھنسانا چاہیئے۔ کہ وہ اپنے آپ کو مجرم ثابت کر دے۔ ملزم کو اذیت دینے کے متعلق ہدایت نامہ میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ کونسی صورتیں ایسی ہیں جہاں اذیت پہنچانیکے لیئے نئی نئی تجاویز اختیار کرنی چاہییں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "وہ لوگ جنہیں ایک دفعہ شکنجہ میں سزا مل چکی ہو وہ بڑے حوصلہ سے اسے برداشت کر لینے کے عادی ہو جاتے ہیں کیونکہ انکے جوڑ شکنجہ سے مناسبت پیدا کر لیتے ہیں اور اس میں بڑی آسانی سے ٹھیک آجاتے ہیں۔ یا زور سے مقابلہ کرتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو جادو کے ذریعہ سے اپنے آپ کو ایسا بنا لیتے ہیں کہ انہیں اذیت محسوس ہی نہیں ہوتی۔ اور قبل اسکے کہ کسی

قسم کا اقرار کریں مرنیکو تیار ہوجاتے ہیں۔ یہ لوگ بائبل کی آیتوں کو منتروں کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یعنی ان آیتوں کو صاف ٹکڑوں پر لکھ لیتے ہیں اور پھر انکے ساتھ نامعلوم فرشتوں کے ناموں کو ملا دیتے ہیں جن میں دائرے اور عجیب در عجیب شکلیں ہوتی ہیں اور ان ٹکڑوں کو وہ اپنے ساتھ پوشیدہ طور پر رکھتے ہیں۔ مجھے ان سحروں کا علاج معلوم نہیں مگر یہ بات بہتر معلوم ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کو شکنجہ میں چڑھانیسے پہلے بالکل ننگا کردیا جاوے۔۔۔۔ اگر پھر بھی وہ انکار میں اصرار کرے تو اسکو وہ آلات بھی دکھانے چاہییں جو دوسری سزاؤں میں استعمال کیئے جاتے ہیں اور اسکو یہ بتلا دیا جاوے کہ اگر وہ اپنے جرم کا اقرار نہ کریگا تو اُسے ان تمام آلات کی اذیت برداشت کرنی پڑے گی" جسکے یہ معنے ہیں کہ اُسے یہ اقرار کرنا چاہیئے کہ ہاں مجھ سے فلاں فلاں الحاد اور کفر سرزد ہوا کیونکہ جج صاحبان تو اُسکے جرم کو پہلے ہی سے دلمیں ٹھانے ہوئے ہوتے ہیں۔

ان جرموں کی فہرست جن کی وجہ سے کسی شخص کو ملحد قرار دیا جاتا تھا بہت لمبی ہے انبیا اور کتب اور خاصکر کے مسیح اور اسکے حواریوں اور والدہ اور دوسرے اولیا کو بُرا کہنا تو یقیناً کفر یعنی الحاد سمجھا جاتا تھا۔ مگر بعض دفعہ شرابی بھی اس جرم میں ماخوذ ہوجاتے تھے جبکہ وہ نشہ کی حالت میں قسم کھا لیتے تھے۔ ان جرائم کی فہرست کو پڑھنے سے اس ۔۔۔ زمانہ کی اخلاقی حالت کے بھی چند شعبوں کا پتہ لگ جاتا ہے۔ مثلاً لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جن یا شیطان کو کسی نیک کام کے لیئے پکارتا ہے یا اس سے مدد مانگتا ہے تو اسکو بھی ملحد سمجھنا چاہیئے لیکن اگر وہ مقصد جسکے لیئے وہ شیطان یا جن سے مدد مانگتا ہے اچھا نہ ہو تب اسکو ملحد خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ مثلاً جیسا کہ ہدایت نامہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص شیطان یا جن سے اس غرض کے لیئے استعانت کرے کہ وہ کسی عورت کو زنا کے لیئے بہکانے میں اسے مدد دے تو وہ ارتداد یا الحاد کے نیچے نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اگر مذہبی عدالت کے سپاہی کسی ملحد کے تعاقب میں لگے ہوئے ہوں اور کوئی دوسرا شخص یہ کہکر کہ وہ وہی شخص ہے جس کو وہ پکڑنا چاہتے ہیں اپنے آپ کو پکڑوا دے تو آسمان کے نیچے اس زمین پر کوئی چیز نہ تھی جو اسکو بچا سکے۔ یعنی اسکو وہی سزا ملتی جو

کسی سخت سے سخت ملحد کو مل سکتی تھی خواہ وہ فی الحقیقت مذہبی رنگ میں کتنا ہی نیک اور پرہیزگار کیوں نہ ہوتا۔ اگر ایک شخص کو علم ہے کہ فلاں شخص ملحدانہ عقیدہ رکھتا ہے یا اس کے خیالات ملحدوں کے سے ہیں مگر وہ مذہبی عدالت کے سپاہیوں کو بلوا کر اسے نہیں پکڑواتا تو اسکی سزا بھی وہی ہوتی تھی جو ایک الحاد کے ثابت شدہ مجرم کو دیجاتی تھی۔

۱۴۸۳ء میں ٹارکویماڈا ایک شخص تھا جس نے فرڈی نینڈ اور اسیبیلا کے عہد میں ایمیرخ کی کتاب ہدایت نامہ برائے تفتیش کنندگان پر نظر ثانی کی اور اسمیں کچھ ایزادی بھی کی۔ اس ترمیم شدہ قانون کے مطابق ان جرائم کی فہرست جنکی بنا پر کسی کو ملحد قرار دیا جا سکے بہت بڑھا دی گئی۔ چنانچہ ذیل کا حصہ ہم ناظرین کی آگاہی کے لیئے پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ " رومن کیتھولک کلیسیا کے کسی اصل یا فرع کے خلاف کچھ بھی لکھنا اور بولنا الحاد ہے۔ پوپ کی اطاعت کو چھوڑ کر پراٹسٹنٹ بنجانا تو صاف طور پر موجب الزام الحاد تھا۔ اسکے علاوہ مندرجہ ذیل باتیں بھی ملحدین کی سمجھی جاتی تھیں۔ کوئی ایسا اصول پیش کرنا جس سے پاپائے اصولوں پر زد پڑتی ہو یا جو ایسا کریں تو ان پر الزام لگانے میں قاصر رہنا یا مذہبی خدمات کا حقارت سے ذکر کرنا۔ یا رومن کیتھولک مذہب کی تصویروں کی شکل بگاڑنا یا اُن کتابوں کا پڑھنا جو مذہبی عدالت نے منع کی ہیں۔ یا ایسی کتابیں پڑھنے کیلیئے دینا۔ یا رومن کیتھولک مذہب کی مسلمہ رسومات سے کنارہ کرنا۔ یا ایک سال تک گناہوں کے اقرار بغیر گذار دینا۔ روزے کے دنوں میں گوشت کھانا۔ مسیح کے خون و جسم کھانیکے وقت غیر حاضر ہونا۔ یا کسی ایسے آدمی کے وعظ میں حاضر ہونا جو مذکورہ بالا میں سے کسی ایک کا بھی مرتکب ہو۔ یا اس سے دوستی گانٹھنا یا اسے تحفہ دینا۔ قیدخانہ میں کسی ملحد کی ملاقات کے لیئے جانا یا اُسے قید سے بھاگنے میں مدد دینا۔ جب محکمہ تفتیش مذہبی والے اسکو بلائیں اور وہ انکی عدالت میں حاضر نہ ہو یا اس مذہبی عدالت کے عمل پر اظہار ناراضگی کرے یا کسی ایسی بات کا انکار کرے جو کسی جج نے کہی ہو"

محکمہ تفتیش کے طریقے اور عملدرآمد جن کو ٹارکویماڈا نے رواج دیا انسائیکلوپیڈیا برٹینکا میں یوں مرقوم ہیں۔ " جب کوئی ملزم یا جسپر اس قسم کا شک ہو سکے مذہبی عدالت

کے سامنے لایا جاتا تھا۔ تو پہلے ایک قسم کی تفتیش کیجاتی تھی اور اس تفتیش کا نتیجہ مذہبی ججوں کی ایک کمیٹی کے سامنے رکھا جاتا تھا اگر انکی رائے میں وہ ایک ایسا معاملہ ہوتا جس میں مذہبی عدالت کو دست اندازی کرنی چاہیئے جیسا کہ عموماً انکی رائے ہوتی تھی تو مخبروں اور گواہوں کی دوبارہ گواہی ان تمام ظنی حالات کے ساتھ جو جھوٹی ہمدردی اور سرگرمی مذہب کے لیے جمع کر سکتی تھی پوری اور مکمل کر کے مذہبی عدالت کے پادریوں کے ایک گروہ کے سامنے پیش کیجاتی تھی ان پادریوں کو خود اپنے چال چلن پر دھبہ آنے اور اپنی عزت و آبرو میں فرق آجانے کا خوف ہوتا تھا اسلیئے انکی طرف سے ملزم کے متعلق اچھی رپورٹ کی امید رکھنی بالکل فضول ہوتی تھی اگر وہ ایسا کرتے تو خود انکی دینداری میں شبہ پڑتا تھا۔ جب وہ اپنی رائے ملزم کے خلاف دیدیتے تھے تو تب اس ملزم کو اس عدالت کے ایک خفیہ قید خانہ میں بند کر دیا جاتا تھا جہاں کہ تمام بیرونی دنیا سے خط و کتابت اور اسکے تعلقات بالکل قطع ہو جاتے تھے۔ اسکے بعد ملزم کی تین دفعہ افسروں کے سامنے حاضری ہوتی تھی جنہیں کہ افسر اس سے زبردستی اقبال جرم کروانیکی کوشش کرتے تھے۔ اور اگر وہ ایسا کرتا تو انکی مہربانی سے اُسے تائب کا درجہ ملجاتا تھا اور تمام عمر ان اذیت دہندگان کے ظلموں کے نیچے گذارنی پڑتی تھی لیکن اگر اب بھی وہ انکار پر مصر رہتا تو دوبارہ الزام اسپر قائم کیئے جاتے اور وہ افسر جس کے سامنے اسکا مقدمہ ہوتا تھا یہ حکم دیدیتا کہ اب زبردستی اور تشدد سے اُس سے اقرار کروایا جائے۔ شروع ایام میں جب کہ یہ محکمہ قائم ہوا ایسا اکثر ہوتا رہتا تھا۔ اور اذیت دینے کے لیئے باریک در باریک راہیں نکالی جاتی تھیں۔ جنکی نسبت لورنٹو کی رائے ہے کہ جو جو باتیں ان سزاؤں کے متعلق مشہور ہیں کسی میں بھی مبالغہ نہیں اور لورنٹو ایسا شخص ہے کہ اُسے اس معاملہ سے خوب واقفیت تھی۔ عقوبت کے بعد اس شکستہ اعضاء کو بیانات لینے کے ہال میں لیجایا جاتا اور اسکو اپنے الزامات کے جواب دینے کے لیئے کہا جاتا۔ اور وہ الزامات جسکی وجہ سے وہ ماخوذ کیا جاتا پہلی دفعہ اسکے سامنے پڑھے جاتے۔ بعد میں اس سے پوچھا جاتا کہ آیا تم اپنا کوئی وکیل جواب دہی کے لیئے پیش کرنا چاہتے ہو

اگر وہ ایسی خواہش کرتا تو اسکے سامنے وکلا کی ایک فہرست پیش کیجاتی تھی جو دراصل اسی عدالت کے ملازم ہوتے تھے۔ اور اسکو کہا جاتا تھا کہ ان میں سے کوئی ایک چن لو۔ یہ وکالت محض ایک جھوٹا دکھاوا ہوتا تھا اور ملزم کے ساتھ ایک ہنسی ہوتی تھی۔ کیونکہ اس کا منشا صرف برائے نام کارروائی کا پورا کرنا ہوتا تھا۔ اس جواب دہی کے بعد جو بعض دفعہ مہینوں تک چلی جاتی تھی۔ ان پادریوں کی کمیٹی کو پھر بلایا جاتا تھا۔ وہ اپنا آخری فیصلہ دیدیتے جو کہ قریباً ہمیشہ ملزم کے خلاف ہی ہوا کرتا تھا۔ اس کے بعد سزا تجویز ہوتی تھی مگر اسکے ساتھ ہی دو جگہ اپیل کرنیکا موقع دیا جاتا تھا۔ ایک اپیل کی عدالت اعلیٰ ہوتی تھی مگر اسمیں جانا بالکل بے فائدہ ہوتا تھا کیونکہ یہ دراصل وہی پہلی عدالت تھی جس میں مقدمہ شروع ہوا تھا۔ اور دوسری اپیل کی جگہ روما میں پوپ تھا۔ پس ان اپیلوں کی وجہ سے پوپ کی آمدنی اور خزانہ میں خاصی ترقی ہوتی رہتی تھی کیونکہ روپیہ ہی سب سے بڑی دلیل سمجھی جاتی تھی۔ اسطرح محکمہ تفتیش تو مجرم کی جائداد ضبط کرلیتا اور پوپ صاحب اسکے دوستوں کا روپیہ اپیل میں ڈکار جاتے اگر وہاں سے قضائے کار بریت ملجاتی جیساکہ کبھی کبھی ایسا واقعہ ہوجاتا تو وہ کمبخت بدنصیب پاؤں چٹخاتا لڑکھڑاتا گھر واپس آتا مگر جو کچھ اسکا کھویا جاتا اسمیں سے ایک پیسہ بھی اسکے ہاتھ نہ آتا۔ اور خواہ نخواہ کی قید۔ مقدمہ کی جان کنی اور اذیت کا کوئی بدلہ اسکو نہ دیا جاتا۔ لیکن اگر وہاں کا فتویٰ بھی اُسی ملزم ہی قرار دیتا تب وہ لوگوں کو جمع کرکے انکے سامنے زندہ آگ میں جلایا جاتا۔ ایک خاص قسم کی پوشاک اسکو پہنا دیجاتی۔ جسکو مجرم پہنا کرتے تھے۔ اور آخر کار اُسے اسکی موت کی جگہ لیجایا جاتا۔ اور اسجگہ اُسے اسکی قسمت کا فیصلہ سنایا جاتا تھا۔ اسکے بعد اس کیلئے دو راہیں تھیں یا تو بلا لیا جاتا یعنی زندہ رکھا جاتا مگر اسکو اسقدر عقوبتیں اور اذیتیں برداشت کرنی پڑتیں کہ موت سے بھی بدتر ہوتیں اور یا اسے رو کیا جاتا تھا۔ یعنی اُسے سرکاری افسروں کے حوالہ کیا جاتا۔ کہ وہ اُسے زندہ جلادیں۔ کیونکہ اس مقدس محکمہ کو خون کرنے سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

تاریخ میں اور کوئی مثال نہیں ملتی جہاں اسقدر ظالمانہ بیرحمی اور سفّاکی عدالت کے نام کے نیچے دکھائی گئی ہو اور پھر اسکے ساتھ اسطرح کی باریک در باریک اذیتیں اور کھلی

بے انصافی لگی ہوئی ہو۔ اس زمانے کی تمام ذہانت اور جدت عقوبت دینے کیلئے نئے نئے طریق سوچنے میں صرف کیگئی ان خطرناک آلات کو جو اذیت پہنچانیکے لیے استعمال کئے جاتے تھے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ مذہبی عدالت کے ججوں اور انکے مددگاروں کی شیطانی جدت کے سامنے خود شیطان کی شیطانی مات پڑ جاتی ہے۔ اور شیطان نے خود اپنی کمزوری کا اعتراف کیا ہوگا۔ محکمہ تفتیش کی مختصر تواریخ میں ان آلات کی تصاویر کہیں کہیں درج ہیں لیکن ان اذیتوں اور عقوبتوں کا اظہار الفاظ اور تصویروں کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ انہیں سے چند کے نام مفصلہ ذیل ہیں۔ ملزم کے لٹانیکے لیئے بنچ۔ سادہ شکنجہ۔ لوہے کا بسترہ۔ زبان نکالنے کا موچنا۔ لوہے یا کسی اور دھات کا تازیانہ۔ منہ میں رکھنے کی ناسپاتی (یہ بھی دھات کی ہوتی تھی جس سے ملزم کا سانس بند ہو جاتا تھا) لٹانیوالی پھانسی۔ اذیت دینے کی کرسی۔ چور پکڑنیوالا۔ کانٹوں والا تاج سر کیلیئے۔ لوہے کے بوٹ۔ انگوٹھا مروڑنیکا پیچ اور گلے میں ڈالنے والا اسپینی پٹہ۔ ملزم کو ایک آگ کیطرح سر منہ ڈھانپنے والا ٹوپ پہنایا جاتا تھا جسمیں کانوں کے مقابل پر سوراخ ہوتے تھے۔ اور ان سوراخوں کے راستہ اس غریب کے کانوں میں پگھلا ہوا سکہ (سیسہ) ڈالا جاتا تھا۔ یہ تمام سزائیں اسلیئے استعمال کیجاتی تھیں کہ ملزم اپنے الزام کا اقبال کرے جو اسپر لگایا گیا ہو خواہ وہ قصور اسکو وہم تک میں نہ آیا ہو جسے اس عدالت کے سپاہی لاحاضر کیا کرتے تھے۔ ملزم کے مارنیکے بھی کئی طریقے تھے۔ بعضوں کی تو زندہ کھال اتار لیجاتی تھی بعضوں کو آگ کی سی دھات کے بنے ہوئے بیلوں کے اندر بند کر دیا جاتا تھا۔ یا لوہے کی بنی ہوئی مریم کی تصویر میں ڈالدیئے جاتے تھے تاکہ زندہ ہی کباب ہو جاویں۔ یا ایک چکر کھانیوالے پہیہ کے ساتھ باندھ دیئے جاتے تھے اور اسکو ایک تیز جلتی ہوئی آگ پر چکر دیا جاتا تھا۔ یا عام راستہ گاہوں میں زندہ جلا دیئے جاتے تھے۔

مفصلہ ذیل سیاست کرنیکے طریقے محکمہ تفتیش کی مختصر تاریخ سے لئے گئے ہیں چرخی سے سزا دینے وقت چرخی کی ہٹ کمرہ کی چھت سے لگا دیجاتی تھی۔ ملزم کا کمر تک نچلا آدھا دھڑ ننگا کر دیا جاتا تھا۔ اسکے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیجاتی تھیں اور گھٹنوں میں بوجھ باندھ دیا جاتا تھا۔ ایک رسّا چرخی پر سے گذرتا ہوا ہوتا تھا جس سے اسکی ہر دو کلائیاں اسکی پیٹھ کے پیچھے باندھ دیجاتی تھیں۔ پھر وہ اس رسّے کے ذریعہ ہوا میں لٹکا دیا جاتا تھا اور پھر جھٹکوں کے ساتھ نیچے کیا جاتا تھا "ہر دفعہ جبکہ وہ نیچے ہو جاتا تھا تو وہ جج صاحبان جو پاس کھڑے ہوتے تھے وہ اسکو نصیحت اور لعنت ملامت کرتے تھے کہ وہ سچ کو ظاہر کر دے"۔ شکنجہ میں ملحد کو سزا اسطرح سے دیجاتی تھی کہ اسکو ایک لکڑی کی گھوڑی پر یا فریم میں لٹا دیا جاتا تھا جسمیں سیڑھی کیطرح حلقے لگے ہوئے ہوتے تھے اور وہاں اسکو اسطرح سے باندھ دیا جاتا تھا کہ اسکے ہاتھ پاؤں یا سر ہلانیکی کوئی جگہ نہ ہوتی تھی یہ شکنجہ اسطرح سے بنا ہوا ہوتا تھا کہ

ملزم کو کم سے کم آٹھ اعضاء میں تشنج واقع ہو۔" پھر ایک سزا یہ بھی ہوتی تھی کہ ریشم کا ایک ٹکڑا لیتے تھے اور اسے ملزم کے منہ پر رکھ کر دیتے تھے پھر اس پر پانی گرانا شروع کرتے تھے یہاں تک کہ پانی کے زور سے وہ کپڑے کا ٹکڑا حلق کے اندر اتر جاتا تھا اور اسطرح اُس جان کنی کی حالت پیدا کر کے دکھا دیتے تھے جو ڈوبتے وقت سانس کے گھٹنے سے پیدا ہوتی ہے۔

ایک اور طریق سزا دینے کا آگ سے تھا۔ کہ مجرم کو زمین پر بٹھا دیا جاتا تھا اور اسکے پاؤں کاٹھ میں جڑ دیئے جاتے گھٹنوں کے اوپر اور دونوں ٹانگوں کے درمیان اور ان دونوں کے اردگرد لکڑی کے ٹکڑے کیلوں سے جڑ دیئے جاتے تھے مگر اسکے پاؤں کی تلیاں بالکل ننگی چھوڑ دی جاتی تھیں۔ تب اُن تلووں پر سور کی چربی لگا دی جاتی تھی اور ان پر ایک دہکتا ہوا انگارا پھیرا جاتا تھا جس سے پہلے پہل تو ان تلووں پر چھالے پڑ جاتے تھے اور بعد میں وہ بالکل بھن جاتے تھے کچھ وقفوں کے بعد آگ اور اسکے پاؤں کے درمیان ایک لکڑی کا تختہ رکھ دیا جاتا تھا مگر یہ تختہ فوراً اٹھا دیا جاتا تھا اگر وہ شخص حکم ماننے سے انکار کرتا یعنی اس الزام کا اقرار نہ کرتا جو اس پر لگایا گیا تھا۔ چونکہ شکنجہ کی نسبت یہ زیادہ دردانگیز مگر کم مہلک ہوتا تھا اسلئے یہ اذیت کی صورت اکثر اسحالتمیں استعمال کی جاتی تھی جبکہ ملزم عورت ہوتی تھی۔ یہ ان حالتوں میں بھی استعمال کیا جاتا تھا جبکہ بچوں سے انکے والدین کے برخلاف گواہی دلوانی منظور ہوتی تھی۔

محکمہ تفتیش کے شکار جنپر کہ سزائے آگ کا فتویٰ لگ جاتا تھا وہ سرکاری افسروں کے سپرد کر دیئے جاتے تھے تو اسوقت جلانے کی رسم ادا کی جاتی تھی۔ اس نظارہ کا دیکھنا بہت ہی ثواب سمجھا جاتا تھا۔ ۱۷۲۶ء کے ایک جلانے کے واقعہ کا پورا حال ابتک محفوظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام منادی کے ذریعہ کل لوگوں کو اس تماشہ کے دیکھنے کیلئے بلایا جاتا تھا جیساکہ ذیل کے اشتہار سے عیاں ہے۔ "تفتیش کا مقدس محکمہ اس بات کی عام اطلاع دیتا ہے کہ سب دیندار عیسائیوں کو جو بادشاہوں کے شہر کے رہنے والے ہیں یہ یاد رہے کہ ۲۳۔ ڈسمبر ۱۷۳۶ء میں ایک آٹو ڈی فا یعنی تمام لوگوں کے سامنے جلانے کی رسم ادا کی جائیگی تاکہ ہمارے مقدس رومن کیتھولک مذہب کا بول بالا ہو۔ یہ جلانے کی رسم شہر کے چوک میں ادا کی جائیگی تاکہ تمام دیندار لوگ اپنی حاضری سے مدد کر کے وہ ثواب اور وہ حقوق حاصل کریں جو بادشاہوں کی طرف سے صرف ان لوگوں کو ملتے ہیں جو کہ مذکورہ بالا جلانے کی رسم میں اپنی حاضری سے مدد دیں۔ اور ساتھ رہیں۔ یہ نوٹس اسلئے شائع کیا جاتا ہے تاکہ تمام لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جاوے۔" یہ وہ محبت کا طریق تھا جس سے عیسائیت کی حفاظت کی جاتی تھی۔ اور عیسائی مذہب کا جلال ظاہر کرنے کیلئے زندہ انسانوں کو آگ میں جلا کر لطف اور ثواب حاصل کیا جاتا تھا۔ مگر اس مکروہ اور ڈراؤنی تصویر کے ساتھ ان تکالیف اور دکھوں کا خاتمہ نہیں ہو جاتا تھا جو اس مقدس محکمہ تفتیش کی طرف سے بیگناہ لوگوں کو پہنچائے

جاتے تھے۔ علاوہ وحشیانہ اذیتوں اور سزاؤں کے اس مذہبی عدالت کے پاکباز جج اور کارندے مختلف قسم کی بیحیائیوں کے مرتکب بھی ہوا کرتے تھے۔ یہ مضمون اسقدر نازک ہے کہ یہاں اسپر لمبی بحث نہیں ہو سکتی مگر ذیل کی ایک چٹھی کا خلاصہ ہے جو کہ بادشاہ کیخدمت میں اس غرض کیلئے بھیجی گئی تھی کہ ان معاملات سے اِخفا کو دُور کر دیا جاوے۔ اس اِخفا کا دُور کروانا ہی ان بیحیائیوں کی اصلیت کو ظاہر کر دیتا ہے۔ عرضی دینے والوں نے اس بات کیطرف اشارہ کیا کہ کوئی ایسا جج ہو جسکا رجحان عیاشی کیطرف ہو تو وہ اپنی نفسانی خواہشات کبھی کنواری لڑکیوں اور بیویوں سے پورا کر سکتا ہے جو قید کر کے اسکے سامنے لائی جاتی ہیں اور نیز ان عورتوں سے بھی وہ اپنی خواہشات نفسانی پورا کر سکتا ہے جنکو صرف گواہ کے طور پر بلایا گیا ہو مگر انکے چہروں سے یہ معلوم ہو کہ اگر انپر کوئی دست اندازی کیجاوے تو وہ ڈر کے مارے ذرا بھی مقابلہ نہ کریں گی۔ اسی طرح سے انہوں نے اس بات کو بھی توضیح سے بیان کیا کہ مختار اور دوسرے عملے کے لوگوں کو بھی قیدیوں کی بیویوں اور لڑکیوں پر ہر طرح کے اختیارات حاصل ہیں اور چونکہ ان لوگوں کی شادی نہیں ہوئی ہوتی اسلیئے انسے اور بھی زیادہ خطرہ کا ڈر ہے۔ پھر عرضی میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تمام باتیں ایسی عام طور پر مشہور ہیں کہ مذہبی عدالت کے ججوں۔ سررشتہ داروں اور کارندوں کے عہدوں کو عام طور پر وہ لوگ حاصل کرنیکی کوشش کرتے ہیں جو شہوات نفسانی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

دینی اور دنیادی افسر ان ظلموں میں اور انسے جو فائدے مالی حاصل ہوتے تھے ان سب میں شریک تھے۔ دونوں ان دُکھوں اور تکالیف کی بالکل پروا نہ کرتے تھے جو انکی وجہ سے عام بنی نوع انسان پر وارد ہو رہے تھے۔ دونوں کا ایمان تھا کہ ان وحشیانہ طریقوں سے عیسائیت کی شان اور تقدس بڑھتا ہے۔ جب قرطبہ کے باشندے محکمہ تفتیش کی ناقابل برداشت سختیوں سے تنگ آکر بغاوت کرنے پر کمر بستہ ہو گئے تو پوپ جولیس ثانی نے اپنی چٹھی میں ایک دوست کو لکھا "کہ جو لوگ مذہبی عدالت کے برخلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں وہ یہودی ہیں جو اپنے آپ کو عیسائی بتلاتے ہیں انکی بیخ و بنیاد اُکھاڑ دینی چاہیئے۔ کسی قسم کی محنت اس وبا کو پھیلنے سے روکنے کے لیئے اُٹھا نہ رکھنی چاہیئے۔ ان تمام اشخاص کو کھود کھود کر نکالنا چاہیئے جنہوں نے اس

بغاوت میں حصہ لیا ہے اور انکے سزا دینے میں نہایت اور اشد درجہ کی سختی سے کام لینا چاہیئے انکی کوئی اپیل تک نہ سننی چاہیئے" شاہ فرڈی نینڈ نے مرتے وقت مفصلہ ذیل وصیت اپنے جانشین کو کی کہ "جیسا کہ تمام نیکیاں بغیر ایمان کے کچھ نہیں کیونکہ صرف ایمان ہی ہے جس میں اور جس کی وجہ سے ہمیں نجات ملتی ہے اسلیئے اے شہزادہ عالی تبار میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ تم کیتھولک مذہب کی حفاظت اور ترقی میں ہمیشہ سرگرمی دکھانا اور تمھیں چاہیئے کہ خدا کی کلیسیا کی حفاظت اور مدد اور حمایت کرتے رہو۔ تم اپنی تمام طاقت سے اپنے ملک میں سے کفر و الحاد کو جڑھ سے اکھاڑ کر پھینک دو اور اپنی تمام سلطنت میں انکو افسر بناؤ جو خدا سے ڈرنیوالے ہوں اور جنکے اندر ایک ملامت کرنیوالا ضمیر موجود ہو جو محکمہ تفتیش کو انصاف سے اور انتظام سے چلائیں تاکہ اس میں خدا کی عبادت ہو اور کیتھولک مذہب کی شان اعلیٰ ہو اور جو مسلمانوں کے مذہب کے برباد کرنے کے لیئے ایک خاص جوش رکھتے ہوں"

اسطرح کے دیندارانہ احکام اور وصیتیں ہوتی تھیں جو عیسائی بادشاہ بستر مرگ پر پڑے اپنے جانشینوں کے لیئے چھوڑ جاتے تھے۔ محکمہ تفتیش کا انصاف اور درستی سے چلانا طنز یہ معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی اس حکم میں طنز پائی جاتی ہے کہ مذہبی عدالت کے وزرا امرا ایسے ہوں کہ متقی اور خدا کا خوف کھائیں۔ کیونکہ تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ خود فرڈ نینڈ کی اپنی کرتوتیں اسکے الفاظ کے مخالف تھیں۔ اسکی اٹھارہ سالہ حکومت میں نو ہزار اور دس ہزار آدمی کے درمیان زندہ جلا دیئے گئے۔ سات ہزار کے قریب ایسے تھے جن کی شکلوں کو جلایا گیا (کیونکہ جلانے کی رسم ادا ہونے سے پہلے وہ بھاگ گئے یا مر چکے تھے) اور قریباً ایک لاکھ آدمی اور اور طرزوں سے مروایا گیا۔ انکے علاوہ بہت آدمیوں کو اذیتیں دی گئیں۔ انکی جائدادیں ضبط کر لی گئیں جن کی آمدنی وغیرہ بادشاہ اور عدالت کے نوکروں کے درمیان تقسیم ہو گئی اور وہ بدقسمت دنیا میں کوڑی کوڑی کے محتاج کر دیئے گئے۔

لورنٹو صرف ایک ملک ہسپانیہ میں محکمہ تفتیش کے قیام کے زمانے میں مفصلہ ذیل اعداد دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ ۳۱۹۱۲ زندہ جلائے گئے ۱۷۶۵۹ کے جلانیکی رسم بغیر انکی

موجودگی کے ادا کی گئی۔ اور ۲۹۱۴۵۰ کو دوسری سزاؤں سے مروایا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سزا دہیوں میں فرڈیننڈ کا سب سے بڑا حصہ ہے۔

ہسپانیہ میں سب سے زیادہ شکار محکمہ تفتیش کی ظالمانہ کارروائیوں کے یا تو وہ لوگ ہوئے جنکو مجبور کرکے یہودیت اور اسلام چھڑوا کر عیسائی مذہب میں داخل کیا گیا اور یا پراٹسٹنٹ فرقہ کے عیسائی۔ پہلے قانون جلا وطنی پاس کر دیا گیا کہ سوائے کیتھولک مذہب کے عیسائیوں کے اور کوئی آدمی ملک کے اندر نہ ٹھہرے اور غیر مذہب کے لوگ سوائے بپتسمہ لیکر عیسائیت میں داخل ہونیکے کسی طرح ملک میں نہ رہ سکتے تھے۔ ۲۳۵۰۰۰ یہودی میں سے ۱۶۵۰۰۰ ملک چھوڑ گئے ۵۰۰۰۰ ہزار نے بپتسمہ لینا قبول کر لیا اور ۲۰۰۰۰ ہزار موت کا شکار بنے۔ مگر سب سے زیادہ مصیبت کا شکار وہی لوگ بنے جنہوں نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا کیونکہ پھر محکمہ تفتیش کا ڈنڈا انپر ہی چلا اور انکے دوسرے بھائی جو ملک چھوڑ گئے تھے وہ غیر ملکوں میں بے خانماں ننگے بھوکے کوڑیوں کے محتاج ہو گئے۔ بہتوں کو سمندر میں غرق کر دیا گیا اور اکثر بھوک سے ہلاک ہو گئے۔ یہی حال مسلمانوں کا ہوا جنہوں نے صدیوں تک ہسپانیہ اور ہسپانیہ ... کے ذریعہ دوسرے بلاد یورپ کو علم و تہذیب کی روشنی دی تھی۔ غرناطہ کے فتح ہونیکے بعد باوجود اسکے کہ اسکے رہنے والوں کو جان و مال کی حفاظت کا پکا وعدہ دیا گیا تھا تو بھی انپر بے رحمانہ سختیاں کیگئیں۔ دس سال کے بعد ایک فرمان شاہی جاری ہوا کہ خدا کے دشمنوں یعنی مسلمانوں کو ہسپانیہ سے نکال دیا جاوے۔ بہتوں کو اذیتیں اور سزائیں دی گئیں اور زندہ جلا دیا گیا۔ بکل اپنی تاریخ تمدن میں لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد زبردستی عیسائی بنائی گئی۔ اور عیسائی بنانیکے بعد انپر عیسائی مذہب کے احکام جاری ہونے شروع ہوئے۔ کیونکہ اب انکو کلیسیا میں داخل سمجھا گیا اور یہ دلیل دی گئی کہ جسطرح اور عیسائیوں کو بعض احکام ماننے ضروری ہیں اسی طرح عیسائی ہونیکی حیثیت میں وہ احکام انپر بھی لازمی ہیں۔ اس لیئے اب وہ تعمیل احکام محکمہ تفتیش مذہبی کے ذریعہ شروع کی گئی اور اس مذہبی عدالت نے سولھویں صدی کے بقیہ حصہ میں ان زبردستی عیسائی شدہ مسلمانوں پر جنکو اسوقت مورسکوز کہا جاتا تھا

بڑی بڑی وحشیانہ سختیاں کیں۔ پھر ۱۵۶۶ء میں فلپ ثانی شاہ سپین نے یہ حکم دیا کہ مورسکوز ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیں جو انکو اپنا پہلا مذہب یاد دلاتی ہوں انکو حکم دیا گیا کہ ہسپانیہ کی زبان کو سیکھیں اور تمام عربی کتابوں کو چھوڑ دیں اور انکو سرکاری افسروں کے حوالہ کردیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو انکو سخت سے سخت سزائیں دیجاوینگی۔ انکو اپنی زبان میں گفتگو کرنا یا لکھنا یا پڑھنا سب یک لخت منع کر دیا گیا یہانتک کہ وہ ایسی بات اپنے گھروں کے اندر بھی نہ کریں۔ چونکہ غسل کرنا مسلمانوں میں لازمی امر تھا اس لیئے اسکو بھی کفر کا نشان سمجھا گیا اور حکم دیا گیا کہ تمام سرکاری اور عام حماموں کو توڑ دیا جائے یہانتک کہ لوگ اپنے گھروں میں بھی کوئی حمام نہ رکھیں۔ فلپ سوم شاہ سپین کے عہد میں ان لوگوں پر ایک ایسی چوٹ لگائی گئی کہ ان مسلمانوں سے بنائے ہوئے عیسائیوں کا خاتمہ ہوگیا۔ ویلنشیا کے لاٹ پادری نے یہ دلیل دی کہ چونکہ ملک سپین پر جسقدر بلائیں نازل ہوئی ہیں یا ہو رہی ہیں وہ انہی مورسکوز کی وجہ سے ہیں اسلیئے اس نے بڑے زور سے بادشاہ کو درخواست دی کہ سات برس سے نیچے کے بچوں کو چھوڑ کر ان تمام عیسائی شدہ مسلمانوں کو یا جلاوطن کر دیا جائے یا غلام بنا لیا جاوے۔ کیا ہی وسیع آزادی اور روا داری ہے !!!۔ لاٹ پادری صاحب یہانتک بڑھے کہ تمام مصیبتیں جو ملک پر وارد ہو رہی ہیں وہ ملک میں کفر (یعنی اسلام) کو آزادی اور روا رکھنے کی وجہ سے ہیں۔ طلیطلہ کے لاٹ پادری صاحب نے جس میں پہلے صاحب کی نسبت ذرا ایمان زیادہ تھا انہوں نے یہ رائے دی کہ خبردار بے گناہ بچوں کو نہیں چھوڑنا اور انہوں نے پہلے کی رائے پر بڑے زور سے اعتراض کیا اسلیئے سپین کے سب سے زیادہ محنتی لوگ دس لاکھ کی تعداد میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے گئے جسطرح کہ جنگلی جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے۔ اور یہ صرف اس لیئے کہ وہ عیسائی مذہب میں صادق نہیں خیال کیئے جاتے تھے۔ بہتوں کو سمندر کے کنارے پہنچنے تک قتل کر ڈالا گیا۔ بہت مار پیٹ اور لوٹ لیئے گئے اور اکثر بہت ہی بُری حالت میں جہازوں میں سوار ہو کر افریقہ کو چلدیئے'' الخ۔ عیسائی اتفاق اور محبت کا کیا ہی عظیم الشان نمونہ تھا۔ اور دشمنوں سے بھی پیار کرنیوالی آیت کی کیا ہی عمدہ تفسیر سپین کے دینداروں کا

چال چلن تھا۔

ہالینڈ اور بلجیم میں محکمہ تفتیش کا کام سپین سے بدرجہا زیادہ خطرناک تھا۔ شاہنشاہ چارس پنجم اور فلپ ثانی کے عہد حکومت میں جنہوں نے ۱۵۱۶ء سے لیکر ۱۵۹۸ء تک حکومت کی یہ ہر دو ملک بالکل دوزخ کا نمونہ بنگئے۔ ان ہر دو ممالک میں جو ملحدین پر ظلم کیئے گئے وہ درندگی اور وحشیانہ پن میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ رومن کیتھولک لوگوں نے وہاں کے اور فرقوں کے لوگوں کے برخلاف پہلے ہی سے ایک بے رحمانہ لڑائی شروع کی ہوئی تھی۔ کفر اور الحاد کی سزا تو موت تھی اور وہ بھی عمداً آگ کے ذریعہ سے۔ لیکن جیسا کہ موٹلے کہتا ہے اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچانیوالی سزائیں ایجاد ہو چکی تھیں جب ملزم کا گناہ جلتے ہوئے لوہے یا ہلوں کے جلتے ہوئے پھلوں کے ذریعہ یا اُبلتے ہوئے پانی یا کسی اور منطقی دلیل کے ذریعہ ثابت ہو جاتا۔ تو اسکو ننگا کر دیا جاتا تھا اور اُسے ستون کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا۔ تب گردن سے لیکر ناف تک اسکی کھال اُدھیڑ لیجاتی تھی اور شہد کی مکھیاں چھوڑ دیجاتی تھیں کہ وہ اس کے ننگے گوشت کو جس سے خون جاری تھا کاٹیں۔ یہانتک کہ اس سختی کی جان کنی کیحالت میں اس غریب کی روح پرواز کر جاتی تھی۔ ۱۵۲۱ء چارس شاہ سپین و جرمنی نے ایک فرمان جاری کیا جسمیں لیوتھر اور اسکے پیرووں کو مجرم ٹھہرایا گیا۔ فرمان کے الفاظ حسب ذیل تھے "جیسا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا شخص جس کا نام مارٹن لیوتھر ہے وہ انسان نہیں بلکہ ایک شیطان ہے جو کہ انسان کی شکل اختیار کیئے ہوئے ہے اور ایک پادری کا لباس پہنے ہوئے ہے تاکہ بہت آسانی سے لوگوں کو گمراہ کر کے انکو دوزخ اور ابدی سزامیں ڈلواوے۔ لہذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اسکے تمام متبعین اور مریدین کو سزائے موت دیجاوے اور انکی جائدادیں اور مال ضبط کر لیئے جاویں" ان فرمانوں پر عملدرآمد کرنیسے ہزاروں موت کا شکار بنے مگر باوجود ان بیرحمانہ کارروائیوں کے یہ سلسلہ اصلاح یعنی پراٹسٹنٹ مذہب بڑے زور اور استقلال سے ترقی کرتا گیا۔

اسی زمانہ میں عیسائیوں کے ایک اور فرقے کا غلبہ شروع ہوا یعنی ایناباپٹسٹس انہوں نے

منسٹر شہر پر قبضہ کر لیا اور اپنے برخلاف ظلم کرنیوالوں سے بھی ظلم میں بڑھ گئے۔ ۲۷ انہوں نے جائدادیں اور مال اسباب ضبط کر لیا۔ گرجوں کو لوٹ لیا۔ عورتوں کی پردہ دری کی اور انکی عصمتوں کو نوٹرا اور ان آدمیوں کو انہوں نے قتل کرڈالا جنہوں نے ان کے ساتھ شمولیت سے انکار کیا۔ پھر انکی اپنی باری آئی۔ انکے سردار کو جلتے ہوئے چمٹوں سے نوچ نوچ کر مارا گیا۔ اسکے بعد قتل عام شروع ہوا جس میں اینا بپٹسٹوں کے ساتھ ہزاروں بیگناہ لوگ مارے گئے۔ شاہنشاہ کی ہمشیرہ نے جو ہنگری کی ملکہ اور اس زمانہ میں ندرلینڈز میں نائب السلطنت تھی باوجود عورت اور فطرتاً رحم دل ہونیکے مذہبی جوش کے جنون سے متاثر ہوکر یہ حکم لکھا کہ وہ لوگ جو الحاد اور بدعت پر اڑے رہیں اور وہ لوگ جو گذشتہ الحاد اور بدعت سے تائب ہوکر طالب معافی ہوں ہر دو کا ایک ہی حال ہونا چاہیئے تاکہ ہمارے ملک سے الحاد اور بدعت یک قلم دور ہو جائے۔ اسلیئے ۱۵۳۵ء میں ایک شہنشاہی فرمان جاری ہوا کہ بدعت اور الحاد سے تائب ہونیوالے کی یہ سزا ہے کہ اگر وہ مرد ہے تو اُسے تلوار سے قتل کیا جاوے اور اگر وہ عورت ہے تو اُسے زندہ درگور کیا جاوے۔ لیکن اگر یہ بدعتی اور ملحد لوگ اپنے الحاد اور بدعت سے باز نہ آئیں تو انکو زندہ جلا دیا جاوے۔ مگر یہ جج کی مرضی پر چھوڑا گیا کہ اگر وہ اپنے ذہن رسا کے ذریعہ کوئی تکلیف دہ اور اس سے بھی زیادہ شیطانی سزا نکال سکے تو اسکے استعمال کرنیکا بھی اُسے اختیار ہے۔ یہ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ والڈینز آگ میں جلائے گئے۔ قتل کیئے گئے اور زندہ گاڑ دیئے گئے۔ آزادی مذہب اور آزادی خیال پر جو قیود عائد کی گئیں وہ حسب ذیل ہیں۔ (۱) کوئی شخص مارٹن لیوتھر۔ الرک زونگلی۔ جان ایکولیمپڈیس۔ مارٹن بیوسر۔ جان کالون یا دوسرے بدعتی اور ملحد لوگوں کی لکھی ہوئی کتابیں جنکی ممانعت کیتھولک چرچ نے کردی ہے نہ چھاپے نہ لکھے۔ نہ نقل کرے۔ نہ اپنے پاس رکھے۔ نہ چھپا کر رکھے۔ نہ بیچے خریدے اور دیوے۔ نہ گرجوں میں۔ نہ بازاروں میں اور نہ کسی اور جگہ میں...... اسی طرح ہم حکم دیتے ہیں کہ کوئی شخص جو پادری نہیں اور جس نے باقاعدہ دینی علم تحصیل نہ کیا ہو وہ مذہبی کتابوں کے متعلق کسی قسم کی بحث یا گفتگو نہ کرے نہ کھلے طور پر اور نہ خفیہ طور سے۔

خاص کر کے ایسے معاملات جو مشکل ہیں یا متشابہات میں سے ہیں۔ اور نہ ہی وہ ان مذہبی کتابوں کو پڑھے اور نہ پڑھائے اور نہ ہی انکی تشریح کرے"۔ جو شخص ان احکام میں سے کسی کی بھی نافرمانی کریگا تو اس سے وہی سلوک کیا جاویگا جو کسی ملحد یا بدعتی سے کیا جاتا ہے یعنی اسکو یا تو زندہ جلادیا جائیگا یا زندہ در گور کر دیا جائیگا یا قتل کیا جائیگا۔ اور جو شخص ایسے شخص کو کسی قسم کی خوراک جائے رہائش آگ یا کپڑے یا اور کسی طرح کی مدد دیگا وہ بھی سزا کا مستوجب ہوگا۔ ایسا شخص جسپر کبھی الحاد کا الزام قائم نہیں ہوا مگر اسپر ملحد ہونیکا ایک دفعہ شک ہو چکا ہو اور اسکو مذہبی عدالت کے روحانی جج نے الحاد چھوڑنیکے لیئے حکم دیا ہو۔ پھر اگر اسکی نسبت ویسا شک ہی پڑ جائے تو اسکی بھی وہی سزا ہوگی جو کہ ایک ملعون ملحد کی ہو سکتی ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ پتہ ہو کہ فلاں شخص ملحد ہے یا اُسے اسجگہ کا علم ہے جہاں کہ ملحد رہتے ہوں تو اسکو چاہیئے کہ فوراً اس بات کا پتہ سرکاری افسروں کو دیدے۔ اگر وہ ایسا نہ کریگا تو وہ بھی انکا شریک سمجھا جائیگا۔

فلپ کے عہد حکومت میں محکمہ تفتیش مذہبی اور بھی خطرناک ہوگیا اور فلپ کا اپنا قول ہے جو کہ وہ فخریہ اپنے وزرا کے سامنے بیان کیا کرتا تھا۔ کہ اسکا قائم کردہ محکمہ تفتیش ہسپانیہ کے محکمہ تفتیش سے کئی درجے زیادہ خطرناک تھا۔ محکمہ تفتیش کی مختصر تاریخ کا مفصلہ ذیل فقرہ اس طوفان بے تمیزی کا اندازہ لگانیکے لیئے کافی ہے اور یہ وہ مظالم کی سلطنت کا زمانہ تھا جسکو فلپ ثانی شاہ سپین نے باقاعدہ طور سے جاری کیا اور اسکے ایجنٹوں نے اسکی ہدایات کے موافق اُسے جاری رکھا۔ مصنف تاریخ مذکور لکھتا ہے۔ "فلپ کے تخت نشین ہوتے ہی ہزاروں آدمی۔ عورتیں اور بچے جلا کر اور اذیتیں پہنچا کر مارے گئے۔ روما اور میڈرڈ ہر دو شہروں سے یہی احکام مختلف صوبوں کو پہنچتے تھے کہ شکنجہ میں چڑھاؤ اور زندوں کو جلا دو۔ جاسوسوں اور انسانوں کے شکاریوں نے قید خانوں کو بھر دیا۔ مگر جتنی جلدی وہ قید خانے بھرتے جاتے تھے اتنی ہی جلدی سولی انہیں خالی کیئے دیتی تھی۔ مرد و عورت ہر دو کے اعضا چرخ پر چڑھا کر توڑ دیئے جاتے تھے پھر انکو شکنجوں میں کسا جاتا تھا اور بعد میں گھوڑوں کی دموں سے باندھ کر بازاروں

میں کھینچا جاتا تھا۔ انکی آنکھیں نکال دیجاتی تھیں۔ انکی زبانیں جڑھ سے اُکھیڑ دیجاتی تھیں۔ انکے ہاتھ اور پاؤں گرم سُرخ ہتکڑیوں اور بیڑیوں کے ذریعہ جلائے اور مروڑے جاتے تھے انکو بھوکھ سے مارا جاتا تھا۔ انکو پانی میں ڈبو دیا جاتا تھا۔ انکو دار پر کھینچا جاتا تھا اور انکو جلاکر مار دیا جاتا تھا یا اور دوسرے طریقوں سے فنا کر دیا جاتا تھا جو کہ پادریوں کی شیطانی ذہانت نے بتدریج اور سخت اذیت کے ساتھ مارنے کیلئے ایجاد کیئے تھے۔ بعض دفعہ ملزم کو پاؤں اوپر کرکے لٹکا دیا جاتا تھا اور اسطرح وہ بیچارہ کئی دن مصیبت میں رہ کر مر جاتا تھا بعض اسکو شکنجہ میں چڑھاکر اسکی زبان کھینچکر اور اسکو زخمی کرنیکے بعد ہاتھ اور پاؤں اسکی پیٹھ کے ساتھ ایک زنجیر کے ذریعہ باندھ دیئے جاتے تھے۔ پھر اسکو ایک جلتی ہوئی آگ پر آہستہ آہستہ جھولا جھلایا جاتا تھا یہانتک کہ اسکا کباب بنجاتا تھا" دیکھو مختصر تاریخ محکمہ تفتیش۔

اگرچہ محکمہ تفتیش نے انگلستان میں وہ خوفناک شکل اختیار نہ کی جو سپین اور ندرسینڈز میں تھی تاہم سیکڑوں لوگ بدعت اور الحاد کی وجہ سے جلائے گئے۔

والڈنیز۔ البیجنسیز اور ہیوگونوز پر جو جو ظلم ہوئے وہ بھی قابل تذکرہ ہیں۔ فرقہ نسینر کے لوگ ایک شخص والدس نامی کے پیرو تھے اور پہلے پہل انپر صرف اسوجہ سے تعزیریں قائم کی گئیں کہ وہ بغیر سرکاری اجازت کے وعظ کرتے تھے۔ اس سلسلہ کا آغاز ۱۱۷۰ء سے ..... ہوا مگر انپر سختیاں اور بے رحمیاں چودھویں صدی کے آغاز میں شروع ہوئیں۔ مذہبی عدالت نے انمیں سے اُنوں کو جلا دیا کہ جتنے اُسکے ہاتھ لگ سکے پوپ اِنوسنٹ ہشتم نے ایک جڑھ سے اکھاڑ دینے والا جہاد انکے برخلاف کھڑا کر دیا جس نے ۱۸ ہزار کو قتل کر ڈالا۔ مختصر تاریخ محکمہ تفتیش کے مصنف نے مندرجہ ذیل شہادت سموئیل مارسینڈ کی اپنی کتاب میں لکھی ہے جو بمقام سوے ان دنوں میں انگریزی سفیر تھا۔ اسکا بیان ہے کہ اس گروہ کے معلمین کے سر اور چھاتیاں کاٹ لی گئیں۔ پھر پھر خوشی کے نعرے بلند کیئے گئے اور ان چیزوں کو کھالیا گیا۔ بعضوں کے نازک سے نازک حصوں پر آگ لگادی گئی عورتوں کو چقماق کے ذریعہ چیر ڈالا گیا۔ لوگوں کے اعضا کاٹ کر

آگ میں ڈالے گئے۔ اور انکے ناخن موچنوں کے ذریعہ اکھاڑ لیئے گئے نیم مردہ آدمیوں کو گھوڑوں کی دُموں سے باندھ دیا جاتا تھا اور نوکیلی چٹانوں پر وہ گھوڑے انکو لیئے پھرتے تھے جس سے انکے جسموں کا گوشت ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا تھا۔ نوجوان عورتوں کی شرمگاہوں اور نازک سے نازک حصوں میں برچھے مار کر انکو جھنڈوں کی طرح اُٹھائے پھرتے تھے۔ زندہ آدمیوں کے مونہوں میں انہی کے کٹے ہوئے اعضاء ڈالے جاتے تھے۔ عورتیں بڑے بڑے ٹیلوں اور کراڑوں پر سے گرائی جاتی تھیں اور راستہ میں ابھی زندہ ہی ہوتی تھیں کہ انکے اعضاء درختوں میں پھنس جاتے تھے اور وہاں وہ آہستہ آہستہ بھوک پیاس اور اپنے زخموں کی وجہ سے ہلاک ہوجاتی تھیں۔ شیرخوار بچّوں کو انکے گہواروں میں سے زبردستی نکال لیا جاتا تھا اور جوش مذہبی سے دیوانہ ہوئے ہوئے کیتھولک لوگ صرف اپنے ہاتھوں کے ذریعہ بغیر کسی ہتھیار کے انکے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے تھے۔ نوجوان لڑکیاں زندہ بھون کر کباب کردیجاتی تھیں اور قبل اسکے کہ مرجائیں انکی چھاتیاں انسے کاٹ لیجاتی تھیں اور کھائی جاتی تھیں۔ مردوں کے ناک کان اور دوسرے اعضاء کاٹ لیئے جاتے تھے۔ آدمیوں کے مونہوں میں بارود بھر کر آگ لگا دیجاتی تھی۔ بعضوں کی زندہ کھال اُدھیڑ لیجاتی تھی۔ یا مار مار کر انکے بھیجے نکال لیئے جاتے تھے۔ بعضوں کو بھون کر کھایا جاتا تھا۔ آدمیوں کو ستونوں سے باندھ کر جلا دیا جاتا تھا یا غرق کر دیا جاتا تھا۔ انکے دل کاٹ کر نکال لیئے جاتے تھے۔ انکے چہرے بگاڑ دیئے جاتے تھے اور انکے جسموں کے سیکڑوں ٹکڑے کر ڈالے جاتے تھے"

چودہ سو سال کے عرصہ میں عیسائی مذہب نے اپنے پیرؤوں کو رحم کا سبق سکھانے میں کہاں تک کامیابی حاصل کی!!!

ایلبیجنسیز کا نام اسوجہ سے پڑ گیا کہ وہ جنوبی فرانس کے صوبہ ایلبیجانس میں خاص کرکے رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ بڑے امن پسند اور فرخندہ حال تھے مگر بڑی بیرحمی سے انکی جڑھیں کاٹ دی گئیں انپر کئی فتاوی جرائم لگائے گئے لیکن وہ بچ رہے مگر آخر کار محکمہ تفتیش کے کارندے شکنجے اور آگ میں جلانیوالے اوزار لیکر انکے درمیان آحاضر ہوئے ۱۲۰۸ء میں پوپ کا ایک ایلچی یہاں قتل ہوگیا تھا۔ اسلیئے انکی بیخکنی کے لیئے یہی ایک کافی

بہانہ ہاتھ لگ گیا انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں البیجنسیز کے آرٹیکل پر مضمون لکھنے والا بیان کرتا ہے "کہ اس فرقہ کی بیخ اکھاڑنے کیلئے جو خونی لڑائی اب شروع ہوئی اسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ جب کوئی شہر فتح ہوجاتا تو اسکے زن و مرد کو بغیر کسی تمیز کے قتل کر ڈالا جاتا اور فاتح فوج میں کیتھولک پادریوں نے جو بہت بڑی تعداد میں موجود تھے خاص کر کے اپنی درندگی کو دکھلایا۔ ۲۲ جولائی ۱۲۰۹ء کو جبکہ بے زیرس کا شہر فتح ہوا تو کسی نے پادری آرنلڈ سے پوچھا کہ دینداروں اور بیدینوں میں کسطرح تمیز کیجاوے جسکا جواب پادریصاحب نے ایسی درندگی سے دیا جو ہمیشہ کیلئے یادگار رہیگا۔ کہ سب کو قتل کر ڈالو۔ خدا اپنے بندوں کو خود پہچان لیگا۔ کئی سال تک یہ وحشیانہ لڑائی جاری رہی اور دینداروں کی فوج کا سردار سائیمن ڈی مانٹفورڈ تھا۔" اس مصنف کا بیان ہے کہ جب ٹولوز کے نواب نے اپنی عملداری میں بھی بمقام لینگو اڈک اس مذہبی عدالت کو جاری کیا تو اس فرقہ کا نام و نشان جاتا رہا۔

۱۵۴۵ء میں ہیوگونوز کے برخلاف باقاعدہ طور سے سختی اور ایذا دہی شروع ہوئی اس سال میں پوپ نے انکے خلاف مذہبی عدالت کو قائم کیا اور لوگ مذہبی فرقہ بندیوں کی وجہ سے پھانسی اور آگ کا شکار ہونے لگے۔ پادریوں نے ان ملحدین کے برخلاف انکے قتل کرنیکے لیئے اسقدر زور شور سے وعظ کیا۔ کہ عوام الناس جوش سے بھر گئے اور جہاں کہیں انہیں ہیوگونوز ملتے وہیں وہ مار ڈالتے۔ قریباً اڑھائی صدیوں تک یہ خوفناک قصابی جاری رہی یہانتک کہ ۱۷۸۹ء میں جبکہ فرانس میں انقلاب شروع ہوا اسوقت انکو پوری مذہبی آزادی ملی۔ فرانسیسی بادشاہ کی لڑکی اور ہیوگونوز شہزادہ ہنری کی شادی کے موقع پر بڑی دھوکہ دہی سے کام لیا گیا اور پیرس اور دوسرے صوبوں میں ہیوگونوز فرقہ کے لوگوں کو بڑی سنگدلانہ طور سے قتل کیا گیا اور قریباً بیس ہزار آدمی اس فرقہ کے اسی دن قتل کر ڈالے گئے۔ اس قتل عام پر پوپ اور تمام رومن کیتھولک پادری بہت خوش ہوئے۔ اس واقعہ کے چار ماہ بعد پوپ گریگوری نے بڑے اطمینان قلب سے فرانس کے ایک بڑے پادری کا وعظ سُنا جس نے اثنائے وعظ میں بیان کیا "کہ وہ دن ایسا خوشی سے بھرا ہوا تھا کہ پوپ نے جب اس خبر کو سنا تو اس نے سجدہ اپنی رسم کے مطابق ادا کیا۔ اس رات ستارے

بڑے زور سے چمک رہے تھے اور دریائے سین کے پانی بڑے تیز سے چلتے تھے تاکہ وہ ان ناپاک آدمیوں کی لاشوں کو سمندر میں پھینک دیں" مختصر تاریخ انکو یزیشن بادشاہ اور پوپ نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ یہ تھے کلیسیا کے خیالات اس قتل عام کی نسبت!

لوئی چہاردہم کے عہد میں ہیوگونوز پر ظلم اور سختی نے پھر خطرناک شکل اختیار کرلی کرٹز تاریخ کلیسیا میں لکھتا ہے کہ ان ظلموں کی وجہ سے اس آخری جہاد میں فرانس کی پانچ لاکھ کے قریب سب سے اچھی رعایا تباہ ہوئی۔ بعض تو لڑائیوں میں مارے گئے۔ بعض جلائے گئے۔ بعض کے تلوار سے سر کاٹے گئے اور بعض اعضاء شکن چرخ اور پھانسی کا شکار ہوئے اور بعض ملک چھوڑ گئے" جب ہیوگونوز طاقتور ہوجاتے اور انکا داؤ چلتا تو وہ بھی ایسے ہی مظالم کے مرتکب ہوتے تھے۔ تمام عیسائی فرقوں میں ایک ہی روح کام کرتی تھی اور جسکو کچھ طاقت حاصل ہوجاتی تھی وہی دوسروں کی اذیت کے درپے ہوجاتا تھا۔ یہ تو رومن کیتھولک مذہب کے ظلم کے خطرناک نظارے ہیں مگر جب پراٹسٹنٹوں کے ہاتھ دنیاوی حکومت آگئی تو وہ بھی اپنے رومن کیتھولک بھائیوں سے پیچھے نہ رہے۔ جو جو ظلم کیتھولک لوگوں نے لیوتھر اور کالون کے الحادوں اور بدعتوں کے مٹانے کیلئے کئے وہی ظلم بلکہ اس سے بھی زیادہ پراٹسٹنٹوں نے ان لوگوں پر کئے جو انکے عقائد پر ایمان نہ لائے تھے پہلے پہلے پراٹسٹنٹوں کی حکومت نیدرلینڈز میں قائم ہوئی اور انہوں نے وہی قانون پھر جاری کئے جنکی وجہ سے خود ایک عرصہ پہلے سخت اذیتیں برداشت کرچکے تھے۔ محض شک پر لوگوں کو پکڑ لیا جاتا اور ان پر تشدد کیا جاتا یہانتک کہ انکے مُنہ سے وہ کچھ نکلوا لیا جاتا جو کہ سزا دہندگان کا منشاء ہوتا تھا۔ یہانتک کہ اس صوبہ کے بعض بڑے بڑے آدمیوں کو مجرم گردانا گیا جھوٹی قسموں کے کھانے پر انہیں وعدہ دیا گیا تھا کہ تمہاری جانیں بچائی جائیں گی مگر سنوئی نے حکم دیا کہ انکو زندہ ہی جلادو" اذیت پہنچانیکے طریقوں میں پراٹسٹنٹوں نے سستی نہیں کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اگر کوئی ایجاد یا نئی بات دریافت ہوتی تو وہ اختلاف مذہب رکھنے والوں کو اذیت پہنچانیکا کوئی نیا طریق ہی ہوتا۔ کالونسٹ لوگ رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ ہر دو پر ظلم کرتے تھے ایک پراٹسٹنٹ مورخ کا قول ہے کہ "ان جرائم کے

حالات پڑھکر بدن پر لرزہ پڑ جاتا ہے اور دل میں غیظ و غضب اور نفرت کے خیال پیدا ہوتے ہیں" آرمینیس فرقہ کے پراٹسٹنٹوں کے سات سو قبیلے جلاوطن کر دیئے گئے۔ اینابپٹسٹوں کی بھی بُری طرح سے خبر لیگئی۔ کالون مذہب کے پادریوں کا حکم تھا کہ بدعت اور الحاد کو آگ اور تلوار سے مٹانا چاہیئے۔ لیوتھر نے خود ہسی کے نواب کو لکھا کہ جو شخص صرف ہمارے مذہب کے عقائد کو ہی نہیں مانتا۔ بلکہ ان عقائد میں سے ایک کو بھی جو بائبل مقدس سے لیا گیا ہو۔ یا جو تمام کلیسیا کا مانا ہوا اصول ہو۔ تو ایسے شخص کو نہ صرف ملحد ہی سمجھنا چاہیئے بلکہ وہ خدا کا منکر ہے۔ ایسے لوگوں سے بحث و مباحثہ میں وقت ضائع کرنا ضروری نہیں۔ انکو کفر کی سزا دینی چاہیئے"

سوئٹزرلینڈ کے پراٹسٹنٹ لوگ ان لوگوں کو بوریوں میں باندھ کر دریائے رائین میں پھینک دیتے اور یہ کہتے "کہ ہم تو انہیں انہی کے مشہور قول کے موافق بپتسمہ دیتے ہیں" کالون نے ایک رسالہ لکھا جسکا نام یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک دوسرے کے خلاف کسقدر جوش بھرا ہوا تھا اس کتاب کا نام ہے "میکائیل سرٹیس کی واقعی غلطیوں کا حال جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ملحدین کو صرف تلوار سے ہی بند کرنا چاہیئے" آئیسلینڈ میں پراٹسٹنٹ مذہب تلوار کے ذریعہ داخل کیا گیا۔ آئرلینڈ میں رومن کیتھولک لوگوں پر بہت بہت سختیاں روا رکھی گئیں۔ اور انکے برخلاف بڑے بڑے سخت قانون پاس کیئے گئے۔ مورخ لیکی کا بیان ہے کہ کئی متواتر عہد حکومتوں میں پرسبی ٹیرینیس ایک عرصہ تک قید کیئے جاتے رہے۔ پھر جلتے ہوئے لوہے سے داغ دیئے جاتے۔ انکے اعضاء کاٹ دیئے جاتے۔ کوڑوں سے مروائے جاتے رہے اور بعض دفعہ انکو کاٹھ میں کھینچکر لوگوں کو دکھایا جاتا۔ بہت سے کیتھولک مذہب کے لوگوں کو جھوٹے بہانوں سے سولی پر چڑھایا جاتا تھا اور سیاست کیجاتی تھی۔ اینابپٹسٹس اور ایرینز کو زندہ ہی جلا دیا جاتا تھا" پھر وہی مورخ لکھتا ہے کہ سکاٹ لینڈ میں جبکہ سٹوارٹ خاندان کی حکومت انگلستان میں تھی۔ تو انگریزی گورنمنٹ نے ایک ایسا ظلم اور تشدد جاری کیا جو ان دوسرے مظالم سے جن کا تاریخ میں ذکر ہے کسی طرح کم نہیں جسکے محرک سکاٹ لینڈ کے پادری ہی تھے مگر انگریزی

کلیسیا کی رضامندی سے یعنی اُن تمام لوگوں کو قابل مواخذہ سمجھا جاتا تھا جو شاہی مذہب کے خلاف ہوتے تھے۔ اگر کسی گھر میں کسی نے عبادت کر لی ہے اور اس وقت کیلئے وہ گھر ہی گرجا بنا لیا ہے تو اس واعظ کیلئے سزائے موت مقرر تھی۔ اور اگر وہ لوگ کھلی ہوا میں باہر جا کر عبادت کرتے تو ہر دو واعظ اور سامعین کیلئے سزائے موت مقرر تھی۔ جس طرح کسی بڑے مجرم کی تفتیش کیجاتی ہے اسی طرح پر پرسبیٹیرینز کی پہاڑوں میں تلاش کیجاتی تھی۔ انکے کان جڑھ سے اکھاڑ لیئے جاتے تھے۔ اور انکو سرخ لوہے سے داغ دیا جاتا تھا۔ انکی اُنگلیاں انگوٹھے کی سزا دینے والے آلہ کے ذریعہ نکال لیجاتی تھیں۔ ان کی ٹانگوں کی ہڈیاں انکے بوٹوں کے اندر ہی توڑ دیجاتی تھیں۔ عورتوں کو شارع عام میں کوڑے مارے جاتے تھے۔" وہی مصنف فرانس میں پراٹسٹنٹوں کے غلبہ کو بیان کرتا ہوا لکھتا ہے "کہ فرانس میں جب چند شہروں کی حکومت پراٹسٹنٹوں کو رعایتاً دیگئی تو انہوں نے فوراً رومن کیتھولک مذہب کے اڑانے کے لیئے اپنی تمام طاقت کو صرف کرنا شروع کر دیا۔ سویڈن میں جو شخص اقرار آگسبرگ کی کسی ایک بات کی بھی مخالفت کرتا تھا یا نہ مانتا تھا تو وہ فوراً جلاوطن کر دیا جاتا تھا۔ سوئٹزرلینڈ بلجیم۔ سیکسنی اور سکاٹ لینڈ میں معمولی ججوں کو اختیار تھا کہ ملحدین کو پکڑ کر سزا دیدیں۔ ہسی کے نواب کو لکھتے ہوئے خود لیوتھر نے کہا تھا کہ ایسا کرنا چاہیئے۔ کالون بیزا اور جوریین ہر سہ اشخاص نے اس بات کے ثبوت میں کتابیں لکھیں کہ دوسرے مذاہب اور فرقوں پر ظلم کرنا اور زبردستی کرنا قانوناً جائز ہے۔" پراٹسٹنٹوں نے کوایکرز پر بہت سختی کی۔ ۱۶۶۲ء میں انگلستان میں ۴۲۰۰ کوایکرز قید کر دیئے گئے۔ بہ سبب بدسلوکی کے سیکڑوں قید خانہ میں ہی مر گئے۔ ہنری مارشل نے خطبہ پڑھتے ہوئے کہا کہ ایک کوایکر بھی انگلینڈ میں زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔ مورخ سیول عدالت کے ایک ریکارڈ کیپر کی رائے بیان کرتا ہے "کہ ابتک مجھے علم نہ تھا کہ کیوں اہل سپین اپنے درمیان محکمہ تفتیش کو جائز رکھتے تھے اور نہ مجھے اسکی خوبی کا پتہ نہ تھا۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ ہمارے ملک میں کبھی امن نہ ہوگا جبتک کہ ہم بھی اپنے ملک میں محکمہ تفتیش کو رواج نہ دیں۔" امریکہ میں بھی بیچارے کوایکروں پر وہی مصیبتیں اور بلائیں نازل ہوئیں جو انگلینڈ

میں ہوئی تھیں۔ ریاست کنکٹیکٹ میں انپر جرمانے کیئے گئے۔ انہیں قید کیا گیا۔ جلا وطن کیا گیا۔ کوڑوں سے پٹوایا گیا اور گرم سرخ لوہے سے داغ دیئے گئے۔ کان کاٹے گئے اور انکو سولی پر کھینچا گیا اور انکے مال و اسباب ضبط کریئے گئے۔ ریاست مسچوزٹس میں انہیں شہر بشہر نکالا گیا۔ ان ظلموں کی فہرست اسقدر لمبی ہے کہ یہاں اس کا بیان کرنا ناممکن ہے۔ ہاں ان تمام واقعات سے جو امر یقینی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے اور اُسپر کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں یہ ہے کہ عیسائی فرقوں میں ایک دوسرے کی مخالفت ایسے وحشیانہ اور درندگی کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے جسکی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ رومن کیتھولک لوگوں کو اسوقت اپنے مذہبی عبادات علی الاعلان بجالانیسے روکنا ان پہلے دنوں کی ظلمت اور ظلم کا ایک شعبہ ہے جبکہ رومن کیتھولک پراٹسٹنٹوں پر اور پراٹسٹنٹ رومن کیتھولک لوگوں پر ظالمانہ تعدیاں کیا کرتے تھے۔

زلزلہ عظیمہ

۲۸ - دسمبر ۱۹۰۸ء کو اٹلی کے جنوبی حصہ اور جزیرہ سسلی کے اس حصہ میں جو اٹلی کی طرف واقع ہے ایک نہایت ہی خوفناک زلزلہ آیا جسکی مفصل کیفیت تمام اخباروں میں اسوقت تک چھپ چکی ہے۔ اس خوفناک زلزلہ نے دو شہروں کا دنیا سے نام و نشان مٹا دیا اور انکو ایسا کر دیا کہ گویا وہ کبھی تھے ہی نہیں۔ انہیں ایک مسینا ہے جو قریباً ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کی آبادی کا شہر تھا اور دوسرا ریگیو ہے جو اٹلی کے جنوب صوبہ کیلبریا میں واقع ہے جسکی آبادی نصف لاکھ کے قریب بیان کیجاتی ہے۔ اس دو لاکھ کی آبادی میں سے جو دونوں شہروں میں تھی۔ صرف دس ہزار آدمی پہلے شہر میں اور چار ہزار آدمی دوسرے شہر میں بچے۔ اور دو لاکھ سوئے ہوئے انسانوں میں سے صرف چودہ ہزار زندہ صبح کو جاگے جو وہ بھی بے خانماں ہو کر گھروں سے بھاگ نکلے اور جنکو ان عظیم الشان شہروں اور اسقدر کثیر مخلوق کی تباہی کے بھیانک نظارہ نے دیوانوں کی طرح کر دیا۔ ان دونوں شہروں کے علاوہ بہت سے گاؤں جو ساحل سمندر پر واقع تھے اسی تباہی کا شکار ہو کر نیست و نابود ہو گئے اور ایسی تباہی آئی کہ نہ صرف ساکنین ہی نابود ہو گئے بلکہ انکے مساکن کا بھی نام و نشان نہ رہا۔ یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ کل دو لاکھ سے زیادہ انسان اس خوفناک زلزلہ میں مارے گئے۔ اس زلزلہ کی آفت کے ساتھ زمین و آسمان کی اور آفتیں بھی آگئیں

یعنی اول تو سمندر کی ایک لہر تیس فٹ اونچی تین سو فٹ تک خشکی پر چڑھ آئی اور آن کی آن میں ہزاروں انسانوں کو سمندر کی تہ میں جا سُلایا۔ پھر زلزلہ کے ساتھ ہی خوفناک آگ لگی جس نے مرتے ہوؤں کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اور اسکے بعد ان بھوکے اور بے سر وسامان انسانوں پر جو موت سے گو بچے ہوئے تھے مگر پہلے ہی دیوانوں کی طرح ہو رہے تھے خطرناک بارش کی مصیبت ٹوٹ پڑی۔ اور زمین سے اور آسمان سے عذاب پر عذاب نازل ہوا۔

گو اٹلی کا جنوبی حصہ زلزلوں کی تباہی کی وجہ سے ممالک دنیا میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ مگر جسقدر زلزلے پہلے آچکے ہیں اور جنکا پتہ تاریخ سے چلتا ہے ان تمام میں کوئی زلزلہ سختی اور تباہی کے لحاظ سے اس زلزلہ کی مثل نہیں آیا۔ چنانچہ اس بات کا اعتراف اخبار پاؤنیر اور دیگر تمام اخبارات میں کیا گیا ہے کہ جسقدر زلزلوں کا تاریخ میں پتہ ملتا ہے۔ انمیں تباہی کے لحاظ سے کوئی زلزلہ اس زلزلہ کو نہیں پہنچتا۔ ان باتوں کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک برگزیدہ بندہ کے ذریعہ آج سے تین سال پیشتر بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ پہلے دی تھی۔ پہلے ایک اشتہار "النداء من وحی السماء" میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک زلزلہ عظیمہ کی خبر دی تھی کہ وہ ایسا زلزلہ آئیگا کہ اسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہ ہوگی اور پھر یہی پیشگوئی الوصیت میں شائع فرمائی اور بعدہٗ کتاب حقیقۃ الوحی میں۔ چنانچہ اس مؤخر الذکر کتاب میں صفحہ ۲۵۶ پر یہ پیشگوئی ذیل کے الفاظ میں موجود ہے جو اس سے مدت پہلے انگریزی میں ترجمہ ہوکر رسالہ میں شائع ہو چکی ہے بلکہ اس رسالہ سے لیکر امریکہ کے بعض اخباروں نے بھی اس پیشگوئی کو شائع کیا جسکا حوالہ انگریزی رسالہ میں موجود ہے۔ پیشگوئی کے الفاظ یہ ہیں۔ "یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے..... اور بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہونگے اور اسقدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلیں گی۔ اور زمین پر اسقدر سخت تباہی آئیگی کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی۔ اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائیں گے کہ گویا انمیں کبھی آبادی نہ تھی۔ اور اسکے ساتھ اور بھی آفات زمین اور آسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہونگی یہانتک کہ ہر ایک عقلمند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائینگی..... اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمھاری مدد نہیں کریگا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔"

اس زبردست اور کھلی پیشگوئی کے پورا ہونیکا اقرار ہر ایک سمجھدار انسان کو کرنا پڑیگا جسنے سسلی اور اٹلی کے زلزلہ اور ان دوسری آفات ارضی وسماوی کا حال پڑھا ہے جنہوں نے آباد شہروں کو چشم زدن میں ویرانہ کردیا۔ گویا ایسا معلوم ہوتا ہو کہ صاحب کشف نے یہی نقشہ بعینہٖ برسوں پہلے کھینچ دیا تھا جسکا ہم آج جسمانی آنکھوں سے اخباروں میں مطالعہ کرتے ہیں۔ ان الفاظ میں کہ کوئی مصنوعی خدا تمھیں نہیں بچا سکتا یہ اشارہ تھا کہ اس زلزلہ عظیمہ کا نظارہ گاہ وہ ملک ہوگا جہاں اس مصنوعی خدا کا خلیفہ ابتک حکومت کر رہا ہے اور ایسا ہی جزائر کے رہنے والوں کو خصوصیت سے مخاطب کیا گیا ہے۔ کیونکہ سسلی بھی ایک جزیرہ ہے۔ پھر ہندوستان کو مخاطب کرکے فرمایا "میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوح کا زمانہ تمھاری آنکھوں کے سامنے آجائیگا اور لوط کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے"۔ سو نوح کا زمانہ تو حیدرآباد کے طوفان میں لوگوں نے دیکھ لیا۔ اور دوسرا حصہ بھی جب اللہ تعالیٰ چاہیگا دکھا دیگا۔

نوٹ

صدر انجمن احمدیہ کا سالانہ جلسہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے نہایت کامیابی سے ہوا حاضرین کی تعداد دو ہزار سے اوپر تھی۔ صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹ جو جلسہ کے موقع پر سنائی گئی تھی۔ الگ طبع ہوگی۔ چودھری رستم علی صاحب۔ ۱۱۔ جنوری ۱۹۰۹ء کو ہمارے نہایت پیارے اور مکرم دوست اور اس سلسلہ کے اول درجہ کے مخلص چودھری رستم علی صاحب پنشنر انسپکٹر پولیس جنہیں ابھی پانچ ماہ پنشن پر آئے ہوئے گذرے تھے۔ پانچدن کی بیماری کے بعد بعارضہ نمونیا انتقال فرما گئے اناللہ وانا الیہ راجعون۔ چودھری صاحب مرحوم اپنی ذات میں ایک بڑی جماعت کے قائم مقام تھے۔ علاوہ وقتی چندوں کے پچاس روپے ماہوار باقاعدہ اور مستقل طور پر لنگر خانہ مدرسہ اور اشاعت اسلام کیلئے چندہ دیتے تھے۔ اس پیارے دوست کی جدائی پر جو اپنے اخلاص میں ایک بے نظیر آدمی تھا اور حضرت صاحب کے نہایت پرانے مخلصوں اور محبوں میں سے تھا مجھے بہت ہی رنج ہوا ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کو بہتر سمجھتا ہے ہاں اسی سے یہ ہماری دعا ہے کہ چودھری صاحب مرحوم کی سی ایثار کی روح اور بے نفسی ہم سب میں پیدا کردے۔ آمین۔

مندرجہ ذیل کتب موجودہ بک ڈپو کی طرف ہم شائقین کو خاص طور پر توجہ دلاتے ہیں

یہ کتابیں بذریعہ وی پی (مفصل فہرست اور قیمتوں کیلیے دیکھو دوسری طرف) مینجر میگزین قادیان سے طلب کرو۔

(۱) صداقت و فلسفۂ اسلام پر۔ براہین احمدیہ جس میں نہایت پُر زور دلایل کے ساتھ صداقت اسلام اور آنحضرت کے منجانب اللہ ہونیکو ثابت کیا ہے۔ مکمل کتاب جس میں حصہ چہارم وہ اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدسؑ نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا ہے کو ملتی ہے۔ اسلام کا فلسفہ وہ لطیف لیکچر جو پانچ سوالوں کے جواب میں جلسہ اعظم مذاہب میں حضرت اقدسؑ کی طرف سے پڑھا گیا تھا جیبی تقطیع قیمت ۲ر۔ رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب جس میں علاوہ مذکورہ بالا لیکچر کے دیگر مذاہب کے جواب بھی ہیں ۴۷۲ صفحے قیمت ۸ر۔ ریویو آف ریلیجنز کی پچھلی جلدیں جنہیں علاوہ دیگر مذاہب جیسے عیسائیت آریہ مذہب وغیرہ کی تردید کے بعد مفصل اور مبسوط مضامین صداقت اسلام پر لکھے گئے ہیں جیسے جلد ۱۹۰۳ء میں عصمت انبیاء پر۔ جلد ۱۹۰۴ء میں دعا کی حقیقت اسلام کی حقیقت اور برکات۔ روح القدس ملائکہ۔ وحی الٰہی کی ضرورت جلد ۱۹۰۵ء میں۔ پردہ۔ تعدد ازدواج۔ طلاق۔ غلامی پر۔ جلد ۱۹۰۶ء میں۔ سود۔ قانون وراثت اور احادیث کی صداقت پر۔ جلد ۱۹۰۹ء میں قرآن کریم کی حفاظت اور جمع۔ قرأتوں اور ناسخ و منسوخ پر۔ فی جلد عہ۔ (۲) عیسائی مذہب پر۔ سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ۲ر۔ جنگ مقدس۔ قابل دید کتاب ہے ۶ر۔ نور القرآن حصہ اول ۲ر حصہ دوم ۴ر۔ ابطال الوہیت مسیح ۱ر (۳) آریہ مذہب پر۔ سرمہ چشم آریہ۔ جو آریہ مذہب کے اعتراضوں کے جواب میں اور انکے اصول کی تردید میں ایک لاثانی کتاب ہے ۲۵۰ صفحے قیمت ۱۲ر۔ نور الدین ترک اسلام کے ۱۴۱ سوالوں کا لاجواب جواب ہے جو علامہ حکیم نور الدین صاحب کی تصنیف ہے ۲۵۶ صفحے قیمت ۸ر۔ آریہ دھرم جس میں نیوگ پر بحث ہے ۴ر۔ نسیم دعوت ۳ر (۴) شیعہ مذہب پر۔ خلافت راشدہ حصہ اول ۱۰۰ صفحے ۸ر حصہ دوم ۸۰ ۴ر مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی لطیف تصنیف جسمیں شیعہ مذہب کی ایسی تردید کیگئی ہے جسکا جواب کسی شیعہ سے بن نہیں سکا بحث کا اسلوب بالکل نیا ہے۔ خطوط شیعہ کا جواب ۲ر (۵) سکھ مذہب پر۔ ست بچن ۲۰۰ صفحے قیمت ۱۰ر اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ باوا نانک صاحب اسلامی طریق کے پیرو تھے سکھ مذہب پر حجت قاطع ہے (۶) سلسلہ احمدیہ کی حقیقت میں عسل مصفےٰ قابل دید کتاب ۸۲۸ صفحوں کی ہے جو بسبب ایک جامع کتاب ہونیکے ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہونی چاہیے سلسلہ احمدیہ کے متعلق ہر ایک مسئلہ پر اور احادیث تفاسیر وغیرہ کے تمام اقوال پر سیر کن بحث ہے باقی کیلیے دیکھو مفصل فہرست۔ (۷) لغات القرآن۔ ایک نہایت قابل قدر لغات قرآن شریف کی ہے جس میں بالمقابل کالموں میں معتبر لغات عربی اور اسکا اردو ترجمہ دیئے گئے ہیں۔ قرآن شریف کا ترجمہ سیکھنے کیلیے از بس ضروری ہے۔ حصہ اول ۳۸۴ صفحے قیمت عہ ر حصہ دوم ۶۰۸ صفحے قیمت ۸ر (۸) یسرنا القرآن۔ یہ اگرچہ بچوں کا قاعدہ ہے، مگر ایک نہایت مفید چیز ہے جس سے بچوں کو قرآن شریف کے پڑھنے میں اعلیٰ درجہ کی سہولت ہوگئی ہے چھ ماہ میں بچہ قرآن شریف پڑھ لیتا ہے۔

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کیلیے نہایت ضروری ہے۔ مشرح فہرست۔ ر کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار اللہ اردو	۸ر	قاعدہ عربی اردو	۱ر	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵ر	شہادۃ القرآن اردو	۴ر
اجرومہ عربی	۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عـ۵	″ فارسی	۳ر	صیان القرآن ″	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ نازدہ اسمائے الہیہ	۲ر	مسک العارف اردو	۱۰ر	تحفہ قیصرہ اردو	۲ر	کشف الغطاء ″	۲ر
پارہ الم عربی	۲ر	نشان آسمانی ″	۲ر	تحفۃ الندوہ ″	۰ر	لغات القرآن حصہ اول	عہ
پنج ارکان اسلام اردو	۱ر	واقعات صحیحہ ″	۲ر	تقریریں ″	۲ر	″ حصہ دوم	۸عہ
تفسیر جلالین عربی	۸عہ	[illegible]القرآن حصہ اول	۱ر	تقریروں کا مجموعہ ″	۳ر	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱۰ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	″ دوم	۱ر	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ″	۲ر	لاہور مہوتسو ″	۴ر
تقریر جلسہ مذاہب جیبی تقطیع اردو	۲ر	″ سوم	۱ر	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ	۶ر	مشکوۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت اردو	۰ر	ہدیہ ثاقب اردو	۲ر	حمامۃ البشریٰ حصہ اول عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن ″	۴ر
				حجۃ الاسلام اردو	۱ر	مبادی الصرف	۱۰ر
حمائل مترجم فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶ر	خطوط شیعہ کا جواب ″	۲ر	نسیم دعوت اردو	۳ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق لدھیانہ اردو					
سلسلہ دینیہ ″	۵ر	″ دہلی ″	۸ر	خطبہ الہامیہ عربی مع ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور القرآن حصہ اول ″	۲ر
سلاسل القراءۃ عربی نمبر ۱	۴ر	اعجاز احمدی عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اول اردو	۸ر	″ دوم ″	۴ر
″ نمبر ۲	۸ر						
″ نمبر ۳	۱۳ر	احسن الکلام اردو	—ر	″ دوم ″	۴ر	ہدیہ سعدیہ عربی	۲ر
″ نمبر ۴	۱۳ر	ابطال الوہیت مسیح ″	۱ر	خزینۃ المعارف حصہ اول و دوم	۴ر	فضل حق اردو	۱ر
آریہ دھرم اردو	۴ر	آیات الرحمٰن ″	۸ر	″ سوم چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح ″	۸ر
دینیات کا پہلا رسالہ ″	۱ر	دعوت الحق	۵ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصلہ ″	۲ر
طریق النجات نمبر ۱	۸ر	شرح ترمذی نمبر ۱	۸عہ	دعوت دہلی اردو	۴ر	دافع البلاء	۱ر
		نمبر ۲	۸عہ	دعوت الندوہ	۱۰ر	غنیۃ الطالب عربی	عہ
″ نمبر ۲	۷ر	احمدی کامن نظم پنجابی	۱ر	راز حقیقت ″	۱ر	شفاء السقام ″	عہ
″ نمبر ۳	۸ر	براہین احمدیہ حصہ اول	۵ر	براہین احمدیہ حصہ چہارم* ″	۴ر	ست بچن اردو	۱۰ر
″ نمبر ۴	۵ر	″ دوم	۴ر	مکمل براہین احمدیہ اردو	۳ر		
غسل مصفےٰ اردو	۸ر	″ سوم ″	۱۰ر	سرمہ چشم آریہ ″	۱۲ر	نوٹ۔ ان قیمتوں میں	
تبصرہ میں مستول جمیل۔ ایک دلچسپ نظم مولوی خلیل سہارنپوری کے اعتراضوں کا جواب ہے	۰ر			مکتوبات و خطبات محمدیہ ″	۴ر	محصول ڈاک شامل نہیں۔	

* براہین احمدیہ کا حصہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑے اہتمام سے دوبارہ چھپوائے گئے ہیں۔ مکمل براہین احمدیہ جس میں جلد چہارم بار اول کی چھپی ہوئی ہے ۳ر کو دفتر میگزین سے مل سکتی ہے۔

تمام خط و کتابت ان کتابوں کے متعلق دفتر میگزین قادیان سے ہونی چاہیے۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✽ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے دنیا کے مذاہب پر تنقید نظر

جلد ۸ | بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۰۹ء | نمبر ۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰۔ فروری سنہ ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عوام سے عہ طلبا سے عہ

[illegible]

ضروری اطلاع

تفسیر القرآن کا حجم اس سال زیادہ کر دیا گیا ہے۔ یعنی بجائے ساٹھ صفحے سہ ماہی کے قریباً نوّے صفحے سہ ماہی ہوا کریں گے اور قیمت میں اسقدر اضافہ کیا گیا ہے کہ بجائے ۱۲ کے عہ سالانہ ہوگی۔ چونکہ سالانہ جلسے کے موقعہ پر اکثر احباب نے یہ شوق ظاہر کیا تھا کہ اسکے صفحوں کی تعداد بڑھائی جاوے تاکہ جلدی کوئی معتد بہ حصہ قرآن کریم کی تفسیر کا لوگوں تک پہنچ جاوے اس لیئے یہ تبدیلی کیگئی۔ اکثر احباب نے یہ بھی وعدہ فرمایا تھا کہ وہ نئے خریدار پیدا کرینگے۔ امید ہے کہ سب دوست توسیع اشاعت کی کوشش کرکے ان نادر مضامین کو جو اس تفسیر میں نکلتے ہیں دوسرے بھائیوں تک پہنچانیکا ذریعہ بنکر ثواب حاصل کرینگے۔

اوامر و نواہی۔ ۳۰۰ سے زائد صفحوں کی کتاب ہے جس میں سید عبدالمحی صاحب عرب نے قرآن کریم کے احکام اور نہیان جمع کی ہیں۔ اصل آیات کے ساتھ اُردو ترجمہ بھی ہے۔ اسکے علاوہ چھ قسم کی اربعین اس کتاب کے ساتھ بڑھائی گئی ہے۔ اصل قیمت اس کتاب کی عہ تھی۔ مگر صدر انجمن احمدیہ نے عرب صاحب سے بہت سی جلدیں خرید کر قیمت قریباً نصف کر دی ہے یعنی ۹ر فی جلد۔ ایک نہایت مفید کتاب ہے۔ احباب اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ دیں۔ انجمن کے پاس جسقدر کتابیں ہیں وہ فروخت ہو جانیکے بعد یہ کتاب صرف اصل قیمت پر مل سکے گی۔

یسرنا القرآن۔ اس قاعدہ کی قبولیت اب ملک میں عام طور پر پھیل گئی ہے۔ اور اب چوتھی مرتبہ تعداد میں چھ ہزار شائع کیا گیا ہے۔ قیمت بھی کم کر دی گئی ہے۔ یعنی عربی حصہ کی قیمت جسکے پڑھنے کے بعد بچہ قرآن شریف کو خود بخود پڑھنے لگتا ہے۔ ۱۰ر کر دی گئی ہے۔ پہلے ۲ر قیمت تھی۔

البیان۔ حضرت مولوی محمد احسن صاحب کی لطیف تصنیف ہے جسمیں مس شیطان والی حدیث پر مبسوط بحث کیگئی ہے۔ قیمت ۱۲

عمدۃ الاحکام۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفقہ حدیثیں مع ترجمہ۔ قیمت عہ

اسلام کی پہلی کتاب۔ مصنفہ ماسٹر عبدالرحمن صاحب قیمت صرف ۴ر فی جلد ہے۔

آئینہ صداقت۔ مصنفہ مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر قیمت صرف ۲ر

مبادی الصرف۔ مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح مولنا حکیم نورالدین صاحب قیمت صرف ۲ر

مجموعہ فتاوی احمدیہ۔ مصنفہ مولوی محمد فضل خانصاحب چنگوی قیمت جلد اول ۔ عہ جلد دوم ۸ر جلد سوم ۶ر

الاستخلاف۔ مصنفہ قاضی محمد ظہورالدین صاحب اکمل آف گولیکی قیمت صرف ۳ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خونی مہدی

اسلامی مہدی کو اسرائیلی مسیح کے ساتھ ایک عجیب مشابہت ہے۔ یہودیوں کو ایسے حلیم اور غریب مسیح کی انتظار نہ تھی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ برخلاف اس کے وہ یہ امیدیں باندھے ہوئے تھے کہ مسیح ہمارے لیے غازی کی شکل میں نمودار ہوگا اور اس اجنبی سلطنت کو جو انپر حکومت کرتی تھی یعنی رومیوں کی سلطنت کو اس مقدس سرزمین سے نکال دیگا جو کہ حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام کا تخت گاہ رہ چکی تھی اور وہ غازی مسیح حضرت داؤد علیہ السلام کی قائم کردہ سلطنت کو پھر مضبوط کر دیگا اور وہ یہودیوں کا بادشاہ ہوگا۔ انکی یہ امیدیں غلط خیالات پر مبنی تھیں یعنی حضرت مسیحؑ کے متعلق جسقدر پیشگوئیاں تھیں انکے فہم میں انہوں نے سخت غلطی کھائی تھی۔ مگر یہ غلط فہمی سلطنت کے ہاتھ سے نکل جانے اور ایک غیر قوم کے ماتحت آجانے کی وجہ سے اور بھی زیادہ ترقی اور استحکام پکڑ گئی تھی۔ ایک طرف تو پیشین گوئی میں انہیں یہ لکھا ہوا ملتا تھا کہ مسیح داؤدؑ کے گھرانے میں سے ہوگا اور بادشاہ ہوگا اور دوسری طرف وہ اپنی حالت زار کو دیکھتے تھے کہ ہم ایک غیر اور بت پرست قوم کے ماتحت ہیں اسلیئے وہ اس شکل سے رہائی اور مخلصی دینے والے کی انتظار بڑے شوق اور خواہش سے کر رہے تھے صرف یہی امید انہیں سہارا دئے ہوئے تھی اور یہی انکے لیئے ایک تسلی بخش بات تھی۔ مگر جو مسیح انکی طرف آیا اس نے انکی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ بجائے اسکے کہ موعود بادشاہ کے رنگ میں آکر انکو غیر قوموں کی ماتحتی سے نجات دے وہ یہودیوں کی تمام امیدوں کے برخلاف ایک غریب

وسکینی واعظ کے رنگ میں ظاہر ہوا۔ اسلیئے نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں نے حضرت مسیح کی تحقیر کی اور انکے مسیح موعود ہونے سے انکار کیا۔

یہی امور اسلامی مہدی کے متعلق پیش آئے۔ یہودیوں کی طرح عام مسلمان بھی ایک غازی مہدی کے انتظار میں لگے ہوئے تھے جس نے بادشاہی رنگ میں ظاہر ہوکر انکو غیروں کے پنجے سے چھڑانا تھا اور اسلامی سلطنت کی دوبارہ بنیاد ڈالنی تھی۔ یہودیوں کی طرح پیشین گوئی کے سمجھنے میں انہوں نے بھی غلطی کی اور چونکہ انکی بھی ظاہری شان و شوکت جاتی رہی تھی۔ اور یہ دیکھ رہے تھے کہ سلطنت انکے ہاتھ سے نکل کر بُت پرست قوموں کے پاس چلی گئی ہے اسلیئے وہ بڑے شوق سے اس دن کا انتظار کر رہے تھے کہ کب اسلام کا پہلوان مہدی موعود آئے اور زمین کو کافروں سے پاک کر دے۔ اور ایک ایسی اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالے جو پہلی اسلامی سلطنتوں سے ہزار ہا درجہ بڑھ چڑھ کر ہو اور ایسی ہو کہ جسکی نظیر محال ہو۔ اقتراب الساعۃ۔ حجج الکرامہ اور حدیث الغاشیہ کے مفصلہ ذیل عبارتوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مسلمان کیسے مہدی کا انتظار کر رہے تھے۔

اقتراب الساعۃ کا مصنف صفحہ ۴۹ پر مہدی موعود کے متعلق لکھتا ہے کہ "خدا کی طرف تلوار کے ذریعہ سے بلاوینگے۔ جو نہ مانیگا مارا جاویگا۔ جو انسے جھگڑیگا وہ کامیاب نہ ہوگا" پھر صفحہ ۸۰ پر لکھتا ہے "پھر تو زمین مہدی کے ہاتھ میں آجاویگی۔ اسلام اپنا کاندھا ڈالیگا سارے بادشاہ روئے زمین کے داخل اطاعت ہو جاوینگے۔ مہدی اپنا ایک لشکر طرف ہندوستان کے روانہ کرینگے۔ یہاں کے بادشاہ طوق بگردن ہو کر انکے پاس حاضر کیئے جاویں گے" پھر یہی مصنف صفحہ ۴۶ پر لکھتا ہے "انکے ہاتھ پر لڑائیاں ہونگی۔ یہ خزانے نکالیں گے شہر کے شہر فتح کریں گے۔ مشرق سے مغرب تک لے لیں گے۔ ہندوستان کے بادشاہوں کو گردن میں طوق ڈالکر انکے سامنے لاویں گے انکے خزائن بیت المقدس کا زیور ہوگا۔ میں کہتا ہوں۔ ہند میں ابتو کوئی بادشاہ بھی نہیں ہے۔ یہی چند رئیس ہندو یا مسلمان ہیں سو کچھ حاکم مستقل نہیں بلکہ برائے نام ہیں۔ بڑے بادشاہ اس ولایت کے یورپین ہیں۔ غالباً اُسوقت تک بھی یہی حاکم یہاں کے رہیں گے انہیں کو انکے روبرو

لیجاوینگے۔ یا اسوقت تک کسی اعد قوم کی حکومت اسجگہ قائم ہوجاوے اللہ ہی کو خبر ہے؟
پھر بھی اقتراب الساعۃ کا مصنف سوڈانی مہدی کے ایک جرنیل کی ایک تحریر اپنی کتاب
میں شائع کرتا ہے۔ اس چٹھی کا خطاب انگریزوں کی طرف ہے جس کے آخری الفاظ یہ
ہیں "یاد رکھو جب تک زمین بھر میں پورا پورا اسلام قائم نہ ہوگا تب تک مہدی کی تلوار
میان میں داخل نہ ہوگی" اسی کتاب کا مصنف اس چٹھی پر حاشیہ چڑھاتے ہوئے
لکھتا ہے "میں کہتا ہوں کہ جو مضمون اس جواب کا ہے بے شبہ مہدی موعود یہی کام
کرینگے یعنی مسلمانوں کو اتباع کتاب و سنت پر۔ کفار کو اسلام پر مجبور کر دینگے۔ ساری دنیا
میں سوائے دین اسلام کے کوئی دین دوسرا باقی نہ رہے گا جو انکی مخالفت کریگا وہ ہلاک
ہوجائے گا خواہ نام کا مسلمان ہو یا اور کوئی ہو" بالکل یہی خیال صاحب حدیث الغاشیہ کا
ہے دیکھو صفحہ ۳۴۶۔ اس کتاب کا مصنف صفحہ ۳۳۰ میں قرآن شریف کی ایک آیت کی
طرف اشارہ کرکے لکھتا ہے کہ "یہ آیت پوری مصداق ہے حکومت فرقہ ضالہ کی۔ جب مہدی
موعود آجائیں گے یا عیسیٰ علیہ السلام نزول فرماویں گے۔ اُسوقت حال اس سارے مرتبہ
وکمزوری فوج جرار کا معلوم ہوجاویگا۔ ابھی تو کوئی مدمقابل نہیں ہے" اس قول سے اچھی طرح
پتہ لگ سکتا ہے کہ گورنمنٹ کی نسبت بعض مولویوں کا کیا خیال ہے اور اس سے یہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ اُنکے نزدیک اُنکا خیالی مہدی اور آسمانی مسیح جلدی ظاہر ہونیوالے ہیں۔ صاحب
اقتراب الساعۃ سے اس مصنف کا اس بات میں اتفاق ہے کہ غالباً انگریزوں کے عہد حکومت
میں یہ سب کچھ واقع ہوگا اور یہ کہ اسکا وقت بہت ہی قریب ہے۔ حجج الکرامہ کا مصنف صدیق حسن
خاں صفحہ ۳۷۴ میں لکھتا ہے "پیش تمام روئے زمین بقبضہ اقتدار مہدی علیہ السلام آید و اسلام
قرار گیرد و گردن انداز و جمیع ملوک ارض حلقہ اطاعتش بگوش کشند و لشکرے بر ہندوستان
فرستد و فتح گردد و ملوک ہند را غل کردہ پیش او آرند۔ یعنی اسکے بعد تمام زمین مہدی علیہ السلام
کے ماتحت پورے طور سے آجائیگی۔ دنیا کے تمام بادشاہ مہدی کے ماتحت ہوجائیں گے ہندوستان
کی طرف بھی وہ ایک فوج روانہ کریگا۔ جو کہ اسکو فتح کرنے کے بعد اسکے حاکموں کو زنجیروں میں
جکڑ کر اسکے روبرو لیجائیں گے"

مہدی موعود کے متعلق جس قسم کے عقائد تمام مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں ان مذکورہ بالا فقرات سے انکا پتہ لگ سکتا ہے۔ یہ عقائد اُن خیالات سے بالکل مشابہ ہیں جو یہودی حضرت مسیح کے متعلق ٹھانے ہوئے تھے۔ یہودیوں اور مسلمانوں ہر دو نے ان پیشگوئیوں کے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ اور پھر جب اس غلط فہمی کے ساتھ جسمانی سلطنت کی خواہش مل گئی تو انکے خیالات اور بھی غلطی سے مملو ہو گئے۔ خدا نے اسرائیلی مسیح کو ایک غریب واعظ کے رنگ میں بھیجکر یہودیوں کی تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موعود مہدی اور مسیح آخرالزمان کو حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں بھیجکر مسلمانوں کے خیالات کا غلط ہونا ثابت کر دیا۔ احمد ایسے وقت میں ظاہر ہوا جبکہ تمام نظریں اسکی طرف لگی ہوئی تھیں۔ وہ سچے نبی کے تمام نشانات لیکر نازل ہوا۔ قرآن نے اس کی تائید کی۔ اور صحیح حدیثوں نے اسکی صداقت پر مُہر کر دی۔ خدا تعالیٰ نے اس کے لیئے نشان ظاہر کیئے۔ لیکن احمدؑ بجائے اسکے کہ مسلمانوں کے زعم کے مطابق تلوار کے ساتھ آتا آپنے جہاد کی ممانعت کا فتویٰ شائع کر دیا اور غازی مہدی کے عقیدہ کی ہمیشہ کے لیئے بیخکنی کر دی۔ اس لیئے غازی مہدی اور عقیدہ جہاد کی تردید کے لیئے صرف اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ خدا کا رسول جو پیشین گوئی کی تصدیق کے لیئے آیا اور جس نے اپنی سچائی ہزارہا نشانوں سے ظاہر کی۔ یہانتک کہ اسکی سچائی پر آسمان اور زمین ہر دو نے گواہی دی۔ وہ خود غازی کے رنگ میں ظاہر نہ ہوا خدا نے اُن تمام نشانات کو ظاہر کر دیا جس سے اسکی سچائی ثابت ہوتی تھی۔ اور احمد کے دعاوی کی تصدیق میں اس نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔

الغرض جس طرح کہ اسرائیلی مسیح نے نہ بادشاہ کے رنگ میں بلکہ ایک واعظ کے رنگ میں ظاہر ہو کر یہودیوں کی امیدوں کو جھوٹا کر دکھلایا۔ اسی طرح احمدؑ نے مسیح موعود و مہدی معہود کے منصب پر سرفراز ہو کر مسلمانوں کی امیدوں کا بے بنیاد ہونا ثابت کر دیا۔ جو کہ وہ غازی اور خونی مہدی کے متعلق اپنے دلوں میں ٹھانے بیٹھے تھے۔ حضرت مرزا صاحب نے تمام نشانات اور دلائل کے ساتھ ظہور فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ جنگجو نہیں بلکہ امن پسند مہدی ظاہر ہونے والا تھا اور یہ پیشین گوئی حضرت صاحب کے وجود سے پوری ہوئی۔

قرآن شریف پر غور کرنے سے بھی ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ قرآن نے کسی جگہ زبردستی اور ظالمانہ

طریقوں سے اشاعت دین کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ اس نے صاف طور سے فرما دیا ہے کہ دین کے معاملہ میں کوئی اکراہ نہیں کیونکہ قرآن شریف نے سیدھی راہ اور گمراہی کی راہ کو کھولکر بیان کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ کیا اسکے یہ معنے نہیں کہ کسی سے جبرًا اسلام نہ منوایا جاوے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اسلام کے نور کو روز روشن کی طرح ظاہر فرما دیا ہے اور جس کسی کو ذرا بھی حق کی جستجو ہو اگر وہ تھوڑی سی بھی کوشش کرے تو اسکو سچائی کے پانے میں کوئی مشکل پیش نہ آئیگی۔ خدا تعالیٰ مومنوں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اسلام کی خوبیوں کی طرف لوگوں کی توجہ کو مبذول کریں تاکہ وہ لوگ خود اپنی آنکھوں سے انکو دیکھیں اور مانیں۔ اور اسلام کی اشاعت کے لیئے جبر و اکراہ کو بالکل منع فرماتا ہے

پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولو شاء ربک لاٰمن من فی الارض کلھم جمیعًا۔ افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مؤمنین۔ وما کان لنفس ان تؤمن الا باذن اللہ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون یعنی اگر خدا تعالیٰ چاہے تو جسقدر مخلوقات روئے زمین پر ہے سب کو مسلمان بنا سکتا ہے پس جب خدا تعالیٰ ایسا نہیں کرتا تو پھر کیا تُو ترغیب اور تحریص سے لوگوں کو مسلمان ہونیکے لیئے مجبور کر سکتا ہے جب تک خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے اذن نہ ہو کوئی روح مومن نہیں بن سکتی بیس خدا کی لعنت تو ان لوگوں پر ہوتی ہی جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ پ۱۱ مذکورہ بالا آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مذہب قبول کروانے کے لیئے کسی قسم کا تشدد اور جبر نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر جبر کی اجازت خدا کی طرف سے ہوتی تو کیوں نہ خدا ہی جبرًا تمام لوگوں کو مسلمان بنا دیتا۔ یہ آیات مسئلہ غازی مہدی اور جہاد کی کافی تردید کرتی ہیں۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو طرح طرح کے شرکوں اور بدعات میں مبتلا دیکھا تو آپکی روح درد سے کوفتہ ہوگئی اور آپ کو بہت ہی فکر لگی کہ کسی طرح لوگ سچائی کو دیکھیں اور اسلام قبول کریں۔ آپنے اس زور سے لوگوں کو ترغیب و تحریص دینی شروع کی کہ گویا وہ بھی لوگوں کو ایک طرح کا مجبور کرنا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپکو وحی کی کہ نہیں آپکا صرف اتنا کام ہے کہ آپ یہ پیغام لوگوں کو کھولکر پہنچا دیں اور اگر کوئی سچائی کو نہیں مانتا اور قبول نہیں کرتا تو آپ اس بات سے مغموم نہ ہوں اور کسی قسم کا غم نہ کھاویں۔ آپکا کام جبرًا

منوانا نہیں۔ یہ ان لوگوں کی اپنی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ سچائی کو قبول کریں یا اس کے ماننے سے انکار کریں۔ جس خدا کی یہ تعلیم ہو وہ اپنے نبی یا رسول کو پھر کس طرح کہہ سکتا ہے کہ تم تلوار کے ذریعے لوگوں کو اسلام میں داخل کرو۔ کیا تلوار کے ساتھ اشاعت اسلام مذکورہ بالا آیتوں کے رو سے کسی طرح جائز ہے۔ ہرگز نہیں۔ جبکہ خدا حد سے زیادہ ترغیب و تحریص دینے سے منع کرتا ہے تو وہ کس طرح ایک جنگی نبی کو بھیج سکتا ہے کہ جاؤ اور لوگوں کو جبراً مسلمان بناؤ۔ ان آیتوں میں تو نبی اور مومنوں کیلئے صرف اتنا حکم ہے کہ تمہارا کام پیغام پہنچا دینا ہے اور کچھ نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے سچائی کو روشن دلائل سے واضح کر دیا ہے۔ اور اسکے ماننے میں اب کوئی روک نہیں۔ جو کہ اسپر غور و خوض کرتے ہیں۔ وہ تو اسے قبول کر لیتے ہیں اور جو اتنی بھی پروا نہیں کرتے کہ ذرا بھی اس معاملہ میں سوچیں تو پھر خدا بھی انہیں ظلمت میں چھوڑ دیتا ہے جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔ یعنی قرآن شریف غور اور فکر کی ترغیب دیتا ہے مگر جب ایک شخص کے سر پر ایک دوسرا شخص تلوار لیئے کھڑا ہے اور اسکو کہا جاتا ہے کہ یا تو اسلام قبول کرو یا موت تو ایسی حالت میں کوئی سوچے تو کیا سوچے اور کب سوچے۔ یہ بات خدا تعالیٰ کی نظر ... میں سخت مکروہ ہے۔ اور قرآن شریف کی صریح تعلیم کے برخلاف ہے۔ خدا تعالیٰ کو سچے ایمان کی ضرورت ہے لیکن سچا ایمان جبر و اکراہ سے پیدا نہیں ہوتا قرآن شریف میں کئی ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ تو ہماری بات کو پہنچا دے۔ مثلاً قرآن شریف کی یہ آیت انما علیٰ رسولنا البلاغ المبین۔ (پارہ ۷، رکوع ۲) یعنی ہمارے رسول کا صرف اتنا کام ہے کہ بات کو کھول کر پہنچا دے۔ یہ آیت صاف طور سے بتلاتی ہے کہ اسلام میں جبر کی اجازت نہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کبھی نہیں چاہا کہ تم لوگوں کو اسلام قبول کرنے کیلئے مجبور کرو۔ القصہ یہ عقیدہ کہ کوئی خونی مہدی ہوگا اور وہ آکر جہاد شروع کریگا۔ اور مسلمان بنانے کیلئے لوگوں کو مجبور کریگا یہ ایک ایسا گندہ اور مفسد اصول ہے کہ قرآن شریف کی تعلیم کے بالکل مخالف ہے اس لیئے قابل پذیرائی نہیں۔

اس کے علاوہ قرآن شریف میں اس قسم کی بھی آیتیں ہیں جن سے یہ پتہ لگتا ہے کہ یہودی

عیسائی اور بُت پرست قیامت تک دنیا میں رہیں گے اور کوئی ایسا وقت نہیں آئیگا کہ وہ سب مسلمان ہوجاویں عیسائیوں اور یہودیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ یعنی ہم نے انکے درمیان بُغض اور عداوت ڈالدی ہے اور یہ روز قیامت تک رہیگی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ۔ یعنی مَیں تیرے متبعین کو تیرے مخالفوں پر قیامت تک غلبہ دونگا ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی اور یہود اور نیز دیگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر قیامت تک رہیں گے۔ یہ آیتیں اس خیال کا قلع قمع کرتی ہیں کہ مہدی تمام دنیا کا بادشاہ ہوگا اور تمام دنیا کو جبرًا مسلمان بنائیگا۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ لوگ پھر مرتد ہوکر اپنے اپنے مذہبوں میں چلے جاوینگے۔ تو اس سے مہدی کی ناکامیابی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام دنیا کو مسلمان بنانیسے کیا فائدہ جبکہ یہ تمام دنیا پھر مرتد ہوجائیگی۔ اس لیئے قرآن شریف غازی اور خونی مہدی کے عقیدہ کے بالکل مخالف ہے اور ایسا ہی جہاد کا۔ قرآن کی رو سے نہ کوئی غازی مہدی ہوگا اور نہ جبرًا لوگوں کو اسلام میں داخل کرنیکے لیئے کوئی جہاد ہوگا۔

ممکن ہے کہ کوئی سوال کرے کہ جس حالت میں اسلام میں جبر منع ہے تو نبی کریمؐ نے کیوں تلوار اُٹھائی۔ اسلیئے وہ آیۃ کریمہ ذیل میں لکھی جاتی ہے جن میں نبی کریم اور آپکے اتباع کو تلوار اُٹھانیکی اجازت دی گئی اور اسی آیت میں وہ وجہ بھی مذکور ہے جس کے لیئے اجازت دی گئی:۔ اُذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع و صلوٰت ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرًا۔ یعنی ان لوگوں کو اجازت ہے کہ تلوار اُٹھائیں کیونکہ انکے برخلاف لڑائی کی گئی اور ان پر ظلم کیئے گئے اور تحقیق اللہ تعالیٰ انکی مدد کیلیئے بہت طاقت رکھتا ہے۔ یہ لوگ اپنے وطنوں سے ناحق صرف اس بات پر نکالے گئے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اگر خدا اس طرح بعض کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرتا

رہتا تو البتہ ضرور ضرور ایسی جگہیں گرا دی جاتیں جیسی کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے معبد اور گرجے اور مسجدیں جہاں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت ہوتا ہے۔ تلوار کے ذریعہ اسلام کو پھیلانے کی اجازت دینا تو کجا یہ آیتیں ایسے اکراہ کو بالکل منع کرتی ہیں کیونکہ انکی تعلیم یہ ہے کہ تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کی تعظیم کرنی چاہیئے۔ مذہبی آزادی پوری ہونی چاہیئے اور اگر کسی طرح یہ میسر نہ آسکے تو اس آزادی کے لیئے خون بہانے میں یا جان کے دینے میں کوئی حرج نہیں۔ مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے کی اسلیئے اجازت نہیں دیگئی کہ وہ جبرًا کافروں کو مسلمان بنا دیں بلکہ اس لیئے کہ کفار کی زیادتیوں اور تعدیوں سے بچ جاویں۔ کافروں نے مسلمانوں کو اسلام قبول کرنیکی وجہ سے بہت سی تکلیفیں دیں۔ انکو وطن سے نکال دیا اور جس جگہ ان غریبوں نے جاکر پناہ لی وہاں بھی انکا پیچھا نہ چھوڑا اور جو مکہ میں پیچھے رہ گئے تھے انکو سخت آزار پہنچائے۔ یہ بات کب گوارا ہو سکتی تھی اگر ان کافروں کو انہی کے حال پر چھوڑ دیا جاتا اور انکا کوئی مقابلہ نہ کیا جاتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مومنوں کا ایک چھوٹا سا گروہ دنیا سے بالکل نابود کر دیا جاتا اور خدا کا نام لیوا پھر کوئی زمین پر نہ رہتا اور پھر اسلام اور اسکے پاک اور مقدس بانی کا کوئی نام تک نہ سنتا۔ کفار عرب اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ اسلام کی کلی کو کھلتے ہی مسل ڈالیں اور ایسا وقت آگیا تھا کہ اگر اسلام کو اپنی زندگی اور ترقی منظور تھی تو وہ ان تعدیوں کے روکنے کیلیئے کوشش کرتا اور جو ضروریات دفع مضرت ہیں انکو بہم پہنچاتا۔ وہ طوائف الملوکی کا زمانہ تھا ملک میں کوئی سلطنت موجود نہ تھی جو کمزور مسلمانوں کو زبردست ظالم اور خونخوار دشمنوں کے ہاتھ سے پناہ دیتی اور بچاتی۔ پس ایسے وقت میں جبکہ کافر ظلم کی حدود سے بھی باہر ہو گئے اور انہوں نے مستقل ارادہ کر لیا کہ اسلام کو ہمیشہ کیلیئے فنا کر دیں تو اسوقت خدا تعالیٰ نے اجازت دی کہ مسلمان ظالم سے اپنا بچاؤ کریں۔ مگر یاد رہے کہ یہ اجازت انکو اسوقت ملی جبکہ انپر زیادتیاں کی گئیں انکو اپنے وطن مالوف سے نکالا گیا اور مال اور اسباب چھین لیئے گئے اور پھر جس جگہ انہوں نے پناہ لی وہاں بھی انکا پیچھا نہ چھوڑا۔ لیکن ابھی انکی تعداد بہت کم تھی اس لیئے خدا تعالیٰ نے اپنی مدد کا وعدہ بھی فرمایا۔ ایک چھوٹا سا گروہ کسطرح امید کر سکتا تھا کہ وہ عرب کے مغرور اور منتقم لوگوں کو جو انسے تعداد میں لاکھوں زیادہ تھے بزور شمشیر مسلمان بنا سکیں گے

اسلیئے یہ ایک بالکل بیہودہ بات ہے کہ انہوں نے تلوار اسلیئے اُٹھائی کہ اس کے زور سے وہ دوسروں کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے لاویں۔ انہوں نے تلوار اس لیئے اُٹھائی کہ انکو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے اور مخلصی کی کوئی راہ نہ سوجھتی تھی۔ اسلیئے اب انکی نظریں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ کسی طرح سے انکو اپنی جان بچانے کے لیئے تلوار اُٹھانیکی اجازت ملجائے۔ اور وہ اجازت آخرکار انکو ملگئی۔ خدا تعالیٰ نے اجازت دیدی کہ اب تم تلوار کے ذریعہ اپنی جانوں۔ اپنی بیکس عورتوں اور کمزور بچوں کی حفاظت کرو۔ اور دشمنوں کا مقابلہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ظالم کے ہاتھ کو اب روک دینا چاہیئے کیونکہ اگر اسکو اپنی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تو کوئی بھی آزادی سے اپنے مذہب کی پیروی نہ کرسکے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسرے مذاہب کے عبادت خانے بھی گرا دیئے جائیں گے۔ پس اب مَیں اپنے مسلمان بھائیوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا مہدی اس لیئے آئےگا کہ وہ عیسائیوں یہودیوں ہندوؤں اور بدھ مذہب کے معبدخانوں کو گرادے؟ کیا مہدی کے مبعوث کرنے سے خدا تعالیٰ کا یہی منشا ہے؟ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ طاقتور کو اجازت نہیں دینی چاہیئے کہ کمزور پر ظلم کرے اور ایک مذہب کے پیرو دوسرے مذاہب کے عبادت خانوں کو نہ گرادیں خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ مسلمان ان معبدخانوں کی عزت کریں۔ اسکا تو یہ بھی حکم ہے کہ تم مٹی اور پیتل کی تصویروں کو بھی برا نہ کہو۔ اس صورت میں کس طرح اللہ تعالیٰ ایسا نبی یا رسول مبعوث کرسکتا ہے کہ جس کا صرف کام یہی ہو کہ تمام دنیا میں گھوم کر گرجوں صومعوں ہیکلوں اور مندروں کو گراتا پھرے اور بزور شمشیر غیر مسلمانوں سے اسلام کا زبانی اقرار لیتا پھرے؟ کیا مہدی اسلام کے اصولوں کو تہ و بالا کرنے کیلیئے آئیگا؟ کیا مہدی کے دنوں میں قرآن شریف کے احکام منسوخ کیئے جائیں گے؟ نبی کریم نے فرمایا تھا کہ مہدی علیہ السلام اسلیئے آئیں گے کہ اصل اسلام جسے لوگ بھول گئے ہوں گے اُسے دوبارہ زندہ کریں اور رونق دیں مگر جو کام مولوی لوگوں نے انکے ذمہ لگادیئے ہیں انسے تو اسلام کے اصل اصولوں کی بیخکنی ہوتی ہے۔ قرآن شریف کی تعلیم ہے کہ مذہبی آزادی ہونی چاہیئے خواہ اسکے حاصل کرنیکے لیئے خون کیوں نہ بہانا پڑے اور مختلف مذاہب کے عبادت خانوں کو برقرار رکھنا چاہیئے اور انکی تعظیم کرنی چاہیئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع

وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔ یعنی اگر ہم بعض کو بعض کے دفع کرنے میں نہ لگا دیتے تو عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کے معبد اور مسلمانوں کی مسجدیں جہاں اللہ تعالیٰ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے ضرور گرا دیئے جاتے" کیا یہ آیت صاف طور سے نہیں بتاتی کہ ان عبادت گاہوں کو ہرگز گرانا نہیں چاہیئے جس کے یہ معنے ہیں کہ دوسرے مذہب کے پیروؤں کو پوری مذہبی آزادی ہونی چاہیئے؟ کیا یہ امر تعجب خیز نہیں کہ حضرت مہدی کا دنیا میں آنے سے ایک ہی مقصد ہو اور وہ یہ کہ وہ دوسرے مذاہب والوں کے عبادت خانوں کو گراتے پھریں اور تمام غیر مسلموں کے قتل عام کا حکم دیدیں۔ اور طرہ یہ کہ ہو بھی قرآن شریف کی صریح تعلیم کے خلاف ایسی تعلیم اسلام کے لیئے ہتک آمیز ہے اور مسلمانوں کے لیئے جائے شرم ہے مگر تعجب پر تعجب ہے کہ مولوی لوگ اب بھی نہایت بے باکی سے اسی کا وعظ کیئے جاتے ہیں اور اپنی تصنیفوں میں یہی تعلیم شائع کرتے رہتے ہیں۔ پھر قرآن شریف میں یہ بھی ہے لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین۔ سورہ الممتحنہ یعنی خدا تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ تم ان لوگوں سے نیکی کا سلوک کرو اور انسے انصاف سے پیش آؤ جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں لڑائی نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے تمہارے گھروں سے تم کو نکالا ہے۔ یاد رکھو خدا تو عدل کرنیوالوں سے ہی محبت رکھتا ہے (سورۃ ۶۰) یہ آیت صاف طور سے بتلاتی ہے کہ مسلمانوں کو صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کی اجازت ملی تھی جنہوں نے ان پر ظلم کیئے تھے۔ انسے لڑائیاں کی تھیں اور پھر گھروں سے بھی نکالدیا تھا۔ مگر وہ لوگ جو مسلمانوں سے مزاحم ہی نہیں ہوئے اور نہ انہوں نے کسی طرح کی تکلیف ہی دی تھی ان سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی کا سلوک کرو اور انصاف اور مہربانی سے پیش آؤ۔ یہ خدا کا حکم ہے اور اسی بات کو خدا پسند بھی کرتا ہے اس آیت کے ہوتے ہوئے حضرت مہدی کسطرح تمام غیر مسلم دنیا سے لڑائی کر سکتے ہیں۔

الغرض قرآن شریف بزور شمشیر اشاعت اسلام کے خیال کو رد کرتا ہے۔ اور اگر حضرت مہدی کے دنوں میں شریعت کا مدار قرآن شریف پر ہی رہنا ہے تو ہم مجبور ہیں کہ خونی مہدی کے عقیدہ کو رد کردیں۔ کیونکہ خود قرآن شریف اس بات کی تردید کرتا ہے۔

اس عقیدہ کی تردید نہ صرف قرآن شریف ہی کرتا ہے بلکہ حدیثیں بھی کرتی ہیں۔ اگر ہم غور سے حدیثوں کا مطالعہ کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کافروں سے کوئی جہاد نہ کریں گے۔ بلکہ حدیثوں سے تو یہاں تک پایا جاتا ہے کہ ان دنوں میں مذہبی لڑائیاں ہی بند ہو جائیں گی اور آنحضرتؐ اسلام کو صلح کے طریقوں سے پھیلائیں گے۔

مَیں مسیح اور مہدی کا ایک ہونا ثابت کر آیا ہوں کہ یہ دو مختلف شخصوں کے نام نہیں ہیں بلکہ ایک ہی شخص کے دو القاب ہیں۔ مسیح موعودؑ نے ہی مہدی موعود ہونا تھا۔ یعنی اس زمانہ کے مسیح کا نام ہی مہدی تھا۔ مسیح موعود کے متعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب یعنی مجھے اس ذات کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ وہ وقت قریب ہے کہ جب تمہارے درمیان ضرور ضرور ابن مریم ظاہر ہوگا جو حکمؐ عدل ہوگا۔ صلیب کو توڑیگا اور خنزیروں کو قتل کریگا اور لڑائی کو بند کر دیگا (صحیح بخاری) پس ایک صحیح حدیث یہ بتلاتی ہے آپ جنگوں کا خاتمہ کر دیں گے جسکے دوسرے لفظوں میں صرف یہی معنے ہو سکتے ہیں کہ وہ جنگ و جدال سے اشاعت اسلام نہیں کرینگے بلکہ امن اور آشتی سے کام کرینگے۔

پھر مسیح موعود کے متعلق ایک اور حدیث ہے۔ فبینما ھم کذلک اذ اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسی ابن مریم انی قد اخرجت عباداً من عبادی لایدان لک بقتالھم فحرز عبادی الی الطور۔ یعنی وہ اسی حالت میں ہونگے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر وحی نازل کریگا کہ تحقیق اپنے بندوں میں سے بعض بندے ایسے پیدا کیے ہیں جنکا تو مقابلہ نہیں کر سکتا پس تو میرے بندوں کو لیکر طور میں لیجا اور وہاں پناہ دو۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۱) یہ حدیث صاف طور سے بیان کرتی ہے کہ مسیح موعود ایسے وقت میں مبعوث ہوگا جبکہ صفحہ زمین پر ایسی ایسی قومیں بھی ہونگی جن کے ساتھ مسلمان ہرگز مقابلہ کرنیکے قابل نہ ہونگے اس لیے مسیح موعود کو کوئی لڑائی نہیں کرنی پڑیگی اسکو صرف اتنا حکم ہوگا کہ اپنے لوگوں کو مینا

پہاڑ میں لیجاؤ۔ یہ وہ پہاڑ ہے جہاں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص تجلیات موسیٰ علیہ السلام کی تھیں اور اس زمانہ میں یہ پہاڑ ان تجلیات کے لیئے ایک خاص تخت گاہ تھا کیونکہ اسی جگہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے لیئے بڑے بڑے نشانات اور خوارق ظاہر فرمایا کرتا تھا۔ اسی طرح اس آخری مسیح موعود کو بھی حکم ہوگا کہ تم اپنے لوگوں کو کوہ طور میں لیجاؤ یعنی جسطرح موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہ پہاڑ بسبب تجلیات الٰہی کے بنی اسرائیل کے ترقی ایمان کا سبب بنا اسی طرح اُن نشانات آسمانی اور خارق عادت امور کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ مسیح موعود کے لیئے ظاہر فرماویگا۔ اُسکی جماعت کے ایمان کو تقویت پہنچیگی اور جسطرح اللہ تعالیٰ نے اس پرانے زمانہ میں مقدس پہاڑ پر اپنی تجلی ظاہر فرمائی اسیطرح وہ اپنی قدرت کے بڑے بڑے نشان دکھلاکر اپنا جلال مسیح موعودؑ کے زمانہ میں بھی ظاہر کریگا۔ جسطرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا اسی طرح اس نے مسیح موعود سے کلام کرنا تھا۔ یعنی مسیح موعود نے خدا کا تخت گاہ بنکر ظاہر ہونا تھا جہاں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلیات اور قدرت اور جبروت بڑے بڑے نشانوں کے ساتھ ظاہر کرنی تھیں۔

یہ حدیث نہ صرف زمانہ کیحالت کا نقشہ کھینچکر تبلاتی ہے بلکہ موعود کے وجود پر بھی پوری روشنی ڈالتی ہے۔ اسنے ایسے وقت میں مبعوث ہونا تھا جبکہ دنیا میں ایسی قومیں موجود ہوں کہ جنکا بحری اور بری طاقت میں کوئی قوم مقابلہ نہ کرسکتی ہو کیونکہ انکے پاس سامان ایسے موجود ہونگے کہ چاروں طرف ہلاکت ڈالنے والے ہوں۔ اور اس نے لوگوں کو للکار کر اپنے جھنڈے کے تلے صرف مرنے اور مارنیکے لیئے جمع نہیں کرنا تھا۔ بلکہ اس کا کام صرف یہ تھا کہ نشانات آسمانی دکھلاکر لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف لے آئے اور ظلمت سے نکالکر انوار الٰہیہ میں داخل کردے۔ یہ حدیث کافی اور وافی طور سے ثابت کرتی ہے کہ مسیح جنگی آدمی نہیں ہوگا بلکہ امن کا شاہ زادہ ہوگا جس کا کام صرف یہ ہوگا کہ وہ آسمانی نشان دکھلاکر لوگوں کو نور حق کی طرف بلائے۔ اور زمانہ کے فتن سے امن میں لائے۔

ایک اور بھی حدیث ہے جسکا ماحصل یہی ہے۔ نسائی اور احمد اس حدیث کو اسطرح بیان کرتے ہیں۔ عصابتان من امتی احرزھما اللہ من النار عصابۃ تغزو الھند

وعصابة تکون مع عیسی بن مریم۔ یعنی میری اُمّت کے دو گروہ ہونگے جنہیں اللہ تعالیٰ نار سے بچائیگا ایک تو گروہ وہ ہوگا جو ہند میں جہاد کریگا اور ایک گروہ وہ ہوگا جو عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ ہوگا۔" پہلا گروہ تو وہ ہے جس نے سید احمدؒ بریلوی کے ساتھ ہوکر جہاد کیا۔ وہ ایک بڑے راستباز تھے اور انکے مریدین میں بڑے بڑے مقدس اور متقی علما موجود تھے۔ آپ تیرھویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوئے۔ جب آپنے یہ دیکھا کہ پنجاب کے مسلمانوں پر سکھ بڑا ظلم کر رہے ہیں جسکی وجہ سوائے احکام دینی کی بجا آوری کے اور کچھ نہ تھی۔ اور سکھوں کا ظلم یہانتک بڑھ گیا ہے کہ مسلمانوں کو مسجدوں میں آذان دینے کا حکم تک نہیں تو اسوقت آپنے ارادہ کیا کہ اپنے مظلوم بھائیوں کو سکھوں کے ظلم سے مخلصی دلوائیں آپنے اپنا وطن چھوڑا اور ایک چھوٹے سے گروہ کے ساتھ آپنے سکھ سلطنت پر حملہ کرنیکا ارادہ کر لیا آپ کو یہ معلوم نہ تھا کہ جس کام کیلیئے آپنے تلوار اُٹھائی ہے اس کام کو اللہ تعالیٰ اور ذریعہ سے پورا کرنیوالا ہے۔ لیکن تلوار اُٹھانیسے آپکا اور کوئی مطلب نہ تھا سوائے اسکے کہ غریب اور مظلوم مسلمانوں کو سکھوں کے پنجۂ ظلم سے رہائی دیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کی اس مصیبت کو دیکھا اور اس نے اسکے لیئے ایک علاج تجویز کیا جو سید صاحب کے علاج سے بالکل مختلف تھا۔ خدا تعالیٰ جو تمام عالموں کا بادشاہ ہے اس نے انگریزوں کو بلایا اور سکھوں کے راج کو اُڑا دیا اور ظلم کی جگہ مسلمانوں کو ایسی مذہبی آزادی دلادی جو شائد انکو مسلمان بادشاہوں کے وقت میں بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔ مہربان گورنمنٹ انگلشیہ کے سائے کے تلے مسلمان اس آزادی سے اسقدر بہرہ ور ہوئے اور ہو رہے ہیں کہ انکو سکھوں کے وقت کی تمام تکالیف بھول گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہربان گورنمنٹ کو مغرب اقصیٰ سے اس لیئے بھیجا کہ یہ مسلمانوں کو جا کر ظالم کے ظلم سے چھڑائے اور مسیح موعودؑ بھی اپنا کام انکے زیر سایہ کر سکے۔ اب اس گورنمنٹ نے وہ کام دیا ہے جو کام کسی مسلمان سلطنت سے بھی حاصل ہونا دشوار ہے۔

لیکن سید صاحب نے گورنمنٹ انگلشیہ کے برخلاف نہیں بلکہ سکھوں کے برخلاف جھنڈا کھڑا کیا۔ اگرچہ آپ کا وطن مالوف سرکار انگلشیہ کے علاقہ میں تھا مگر آپنے سرکار انگریزی کے برخلاف بغاوت کا جھنڈا کھڑا نہیں کیا۔ بلکہ آپنے اپنا وطن چھوڑا اور پنجاب میں تشریف لائے اور یہاں

اگر آپ نے سکھوں پر وار کرنا چاہا۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ آپ اس طرح کے غازی نہ تھے جیسا کہ اس لفظ کا عام مفہوم ہے یعنی کل کافروں کے قتل کا آپ نے ارادہ نہ کیا۔ آپ نے دیکھا کہ انگریزی عملداری میں مسلمانوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہے اسلیئے آپ انگریزی گورنمنٹ کے ہمیشہ وفادار رہے اور کبھی آپ نے سرکار انگلشیہ کے برخلاف نہ قولاً اور نہ فعلاً کسی طرح بغاوت وغیرہ کے لیئے لوگوں کو نہیں اُکسایا برخلاف اسکے آپ نے اپنے مکتوبات میں کھلے الفاظ میں ظاہر کیا کہ چونکہ سرکار انگریزی کسی کے مذہب میں کوئی مداخلت نہیں کرتی۔ اس لیئے انکے برخلاف جہاد کرنا ناجائز ہے۔ آپ نے دیکھا کہ سکھوں کی عملداری میں ظلم ہو رہا ہے مسلمانوں کو مذہبی احکام بجا لانیکی آزادی نہیں اسلیئے ایک سچے ہمدرد کی طرح آپ نے اپنے مسلمان بھائیوں کو سکھوں کے ظلم سے بچانیکی کوشش کی۔ آخر آپ چند بہادر ساتھیوں سمیت اس کوشش میں شہید ہو گئے۔ چونکہ انکا مقصد اور مدعا بڑے اعلیٰ درجے کا تھا اس لیئے آپ خدا تعالیٰ کی نظروں میں شہید گردانے گئے۔ پس یہ وہی بہادر جاں نثاروں کا گروہ ہے جسکی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث میں اشارہ فرمایا کہ ہندوستان میں ایک گروہ ہوگا جسکو اللہ تعالیٰ نار جہنم سے بچائیگا اور وہ لوگ ہندوستان میں جہاد کرینگے۔ اور نبی کریم صلعم نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دوسرا گروہ ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نار جہنم سے بچائیگا وہ مسیح موعودؑ کے ساتھی ہیں۔ یہ مقابلہ صاف طور سے بتلاتا ہے کہ مسیح موعودؑ کی جماعت جہاد نہیں کریگی کیونکہ یہی ایک بات ہے جو ہر دو کے درمیان ما بہ الامتیاز ہے۔ یعنی ایک تو جہاد کرنیوالے ہیں اور دوسرے مسیح کے ساتھی۔ اگر دونوں گروہ غازی ہوتے تو نبی کریمؐ اس طرح فرق بیان نہ فرماتے کہ ایک گروہ ہند میں جہاد کریگا اور دوسرا گروہ مسیحؑ کے ساتھ ہوگا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ مسیح کا گروہ جہاد نہیں کریگا۔

الغرض اس بات سے ہرگز انکار نہیں ہو سکتا کہ مسیح موعودؑ نے سپاہیانہ رنگ میں ہرگز نہیں آنا تھا............ بلکہ اُسنے ایسے رنگ میں آنا تھا کہ نشانات آسمانی اور صلح پسند طریقوں سے اشاعت اسلام کا کام کرے۔ صرف یہی امر اس بات کے لیئے کافی ثبوت ہے کہ اُس نے غازی بنکر نہیں آنا تھا کہ اسکو ابن مریم سے مشابہت دیگئی ایک غازی تلوار کے ساتھ لڑنیوالا ہرگز مسیح ابن مریم کا مثیل نہیں کہلا سکتا کیونکہ حضرت مسیح تو

ایک مسکین واعظ کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ غازی ابن مریم نہیں ہوسکتا جیساکہ بھیڑیا یا چیتا بھیڑ کا مثیل نہیں کہلا سکتا۔ مینے نواب صدیق حسن خاں کی کتاب سے یہ دکھایا ہے کہ مسیح موعودؑ کیوقت میں کوئی لڑائی نہیں ہوگی۔ اور یہ بھی مَیں بیان کر آیا ہوں کہ مہدی اور مسیح کوئی دُو جدا وجود نہیں۔ پس صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے ایک غازی کی طرح زرہ بکتر میں ظاہر نہیں ہونا تھا بلکہ آپنے امن سے دین کو پھیلانے کے لیئے ظاہر ہونا تھا۔

لیکن اگر ہم مان بھی لیں کہ مہدی اور مسیح دو مختلف شخص ہیں جسطرح کہ عوام کا خیال ہے پھر بھی مہدی علیہ السلام غازی ہوکر نہیں آسکتے۔ ہمارے مخالف اس بات کو مانتے ہیں کہ مسیح اور مہدی ایک ہی وقت میں ہونگے۔ اگر دونوں ہمعصر ہیں اور ایک ان میں سے صلح کا شہزادہ اور رسول ہے تو اس صورت میں دوسرا لڑائی اور جنگ وجدال اور خونریزی کا حامی نہیں ہوسکتا۔ اگر دشمن ایسا غالب تھا جسپر مسیح فتح نہیں پا سکتا تھا تو اسپر مہدی کسطرح غالب آسکتا تھا اور اگر خدا نے مسیح کو تلوار اُٹھانیسے منع کرنا تھا تو یہی ممانعت مہدی کیلیئے بھی چاہیئے تھی یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ مہدی تو کافروں سے جنگ کرتا پھرے اور دنیا کے تمام شہروں اور قوموں پر قابض ہوتا جائے مگر حضرت مسیح کے پاس وحی اس مضمون کی آئے کہ دشمن سے لڑائی اور جنگ کرنا نہیں چاہیئے۔

علاوہ اسکے مہدی موعودؑ کی نسبت صاف لکھا ہے کہ وہ جنگجو نہیں ہوگا بلکہ اسلام کو آشتی سے پھیلانیوالا ہوگا۔ حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۶۳ میں ابن حجر کا قول ہے بیدار نکند مہدی نائم را و نریزد خون را۔ یعنی مہدی نہ سوتوں کو جگائیگا اور نہ کسی قسم کا خون بہائیگا نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ مہدی عیسائیوں سے صلح کریگا۔ اسی حدیث کی بنا پر نواب صدیق حسن خانصاحب فرماتے ہیں کہ "مہدی با روم صلح امن کند" منقول از حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۷۔ اور ہمیں یہ بھی بتلایا جا چکا ہے کہ اسوقت تمام دنیا میں عیسائیوں کا زور ہوگا۔ اسطرح ثابت ہوگیا کہ مہدی علیہ السلام عیسائیوں سے جنگ نہیں کرینگے بلکہ ان سے صلح کرلیں گے اور یہی ایک قوم ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ زبردست ہوگی۔ اب سوال یہ ہے کہ عیسائیوں سے صلح کرکے آپ جہاد کس سے کرینگے۔ کیا آپ یہودیوں ہندوؤں اور بدھ

مذہب والوں سے لڑیں گے ؟ وہ تو آگے ہی مردہ ہیں۔ وہ کیا بات ہے جس سے آپ صلح کرنیکے لیئے عیسائیوں کو دوسری قوموں پر ترجیح دیں گے اور دوسرے لوگوں سے لڑینگے ؟ کیا آپ کمزور اور بیکس وبے بس قوموں کے ساتھ لڑنے کیلیئے آئیں گے جنکے پاس اپنی حفاظت کا کوئی سامان موجود نہیں ؟ یہودیوں پر تو پہلے ہی ذلت برس رہی ہے۔ وہ کون بزدل ہے جو انکے مارنے کیلیئے ہاتھ اٹھائیگا۔ ہندو آگے ہی ایک مفتوح قوم ہے انپر چڑھائی کرنیسے کوئی شان نہیں بڑھنے کی بلکہ اغلب ہے کہ ایسا کرنیسے عیسائی انگریزوں سے مٹ بھیڑ ہو جائے کیونکہ ہندوستان کے تو وہی مالک ہیں۔ اور اگر آپ عیسائیوں سے بوجہ انکے پورے سامانوں کے ساتھ مسلح ہونیکے کنارہ کشی کرینگے اور صلح کریں گے۔ تو آپ کو جاپانیوں سے ضرور کنارہ کرنا پڑیگا کیونکہ جاپانیوں نے روسیوں کو بُری طرح پس پا کرنیسے ثابت کردیا ہے کہ وہ ایک طاقتور عیسائی سلطنت سے بڑھ چڑھکر ہیں۔ یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آتی کہ جب تلوار کے زور سے اسلام پھیلانا تھا تو پھر عیسائیوں سے صلح کیسی۔ اگر آپ کا مدعا بت پرستوں کو زبردستی مسلمان بنانیکا تھا تو آپکا پہلا کام چاہیئے تھا کہ اول جنگ عیسائی قوم سے چھیڑیں کیونکہ یہی ایک قوم ہے جو اسوقت بہت زوروالی ہوگی۔ اگر یہ کہا جاوے کہ عیسائیوں سے صلح ہمیشہ کیلیئے نہیں ہوگی کیونکہ یہ بھی بعض روایتوں میں آیا ہے کہ نوسال تک صلح رہیگی۔ تو یہ بات مان کر بھی اس نتیجہ میں کوئی فرق نہیں آتا جو ہم اوپر نکال چکے ہیں۔ کیونکہ اُس روایت میں یہ بھی ہے کہ عہد شکنی عیسائیوں کی طرف سے ہوگی نہ کہ مہدی کی طرف سے دیکھو حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۷۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مہدی صلح کا عہد نامہ اس لیئے نہیں کرینگے کہ بعد میں توڑ دیں۔ بلکہ آپ کی طرف سے تو صلح ہمیشہ کے لیئے ہوگی اور اگر کوئی عہد شکنی ہوگی تو عیسائیوں کی طرف سے ہوگی کیونکہ حدیث کے رو سے تو حضرت مہدی انکو انہی کے حال پر چھوڑ دیں گے۔ اگر آپنے زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانا تھا تو آپکو چاہیئے تھا کہ کسی مشرک سے بھی صلح نہ کرتے صلح خواہ وقتی ہو یا دائمی ہو یہ اصول خونی مہدی کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اُسکی نسبت لکھا ہے کہ سب بادشاہ اُسکے مطیع ہونگے اور کوئی شہر نہ ہوگا جسکو وہ فتح نہ کریں گے۔

پھر یہ بھی لکھا ہے کہ مولوی لوگ آپ پر کفر کا فتویٰ دینگے نواب صدیق حسن خاں لکھتا ہے
گویند ایں مرد خانہ برانداز دین وملت ما است وبمخالفت برخیزند وحکم تکفیر وتضلیل وے کنند
یعنی وہ کہیں گے کہ یہ آدمی اسلام کی جڑ میں کھوکھلی کر رہا ہے۔ پس تمام آپکے برخلاف ہوجاینگے
اور آپ پر کفر والحاد کا فتویٰ لگائینگے۔ منقول از حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۳۔ اس بات سے صاف طور پر
پتہ لگتا ہے کہ مولویوں کی خواہشات کے مطابق آپ کا آنا ہرگز نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر آپ انکی تمام امیدوں کو
برلاتے یعنی جنگ کرتے۔ خون بہاتے۔ قوم کے بعد قوم فتح کرتے۔ اور مال غنیمت ملاؤں کے
درمیان بانٹتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ انکو کافر وضال ومضل کہتے۔ وہ کبھی بھی آپکی مخالفت
نہ کرتے اور آپ کو کافر وملحد کبھی قرار نہ دیتے۔ ایسے عظیم الشان انسان کے سامنے جو تمام دنیا میں
تہلکہ مچا دیگا اور بادشاہوں تک زنجیروں میں جکڑ کر جس کے روبرو لائے جاوینگے غریب
ملاؤں کی حقیقت ہی کیا ہے۔ یہ مسکین ایسے بزدل ہوتے ہیں کہ انکی ہستی ہی کیا ہے کہ ایسے
عظیم الشان انسان کے برخلاف اٹھ کھڑے ہوں اور کوئی لفظ اس کی شان کے خلاف کہدیں
اسلیئے یہ بات کہ ان کمزور دل مولویوں کو بھی جرأت ہو جائیگی کہ وہ مہدی کے خلاف کھڑے
ہوجائیں اور اسپر کفر کا فتویٰ لگا دیں اور اُسے ملحد قرار دیں یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ مہدی جنگجو
آدمی نہیں ہوگا۔

پھر مہدی کے متعلق یہ بھی روایت آئی ہے کہ وہ زمین کو عدل اور صلح سے بھر دیگا۔ یہ بات
بھی اس امر کی غلطی ظاہر کرتی ہے کہ مہدی لڑائیاں کریگا۔ ایک شخص جو اپنا مذہب زبردستی منوائے
اور زمین کو بے گناہوں کے خون سے بھر دے اور جو ہر جگہ شہروں کو گراتا پھرے اسکو کسطرح کہہ سکتے
ہیں کہ وہ زمین کو صلح اور عدل سے بھر دیگا۔ بذات خود ایک مذہب اچھا بھی ہو مگر اگر زبردستی
سے اس مذہب کو منوایا جائے اور لوگوں پر سختیاں روا رکھی جائیں تو اسکو انصاف نہیں کہہ سکتے۔
وہ سمجھ کوئی بڑی ہی مردار سمجھ ہوگی اور وہ عقل بڑی ہی گری ہوئی ہوگی جو بے گناہوں کے قتل کو
عدل وانصاف گردانے۔ لیکن اس زمانہ کے مولویوں میں سے بہتوں کے خیالات ایسے ہی ہیں۔
پھر حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جسوقت ایمان ثریا پر چلا جائیگا تو اسکو ایک فارسی الاصل
شخص دوبارہ دنیا پر لائیگا۔ اور میں ثابت کر چکا ہوں کہ یہ فارسی الاصل مہدی موعود ہی ہوگا

پس یہ کام مہدی ہی کا ہے۔ ایمان کے ثریا پر جانیسے کیا مراد ہے؟ کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ مسلمان معدوم ہو جائیں گے اور مہدی انہیں دوبارہ زندہ کریگا؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو صاف ثابت ہے کہ مسلمان زمین پر موجود ہوں گے مگر وہ برائے نام مسلمان ہونگے۔ اصل ایمان واقعی مہدی کی بعثت کے وقت اٹھ گیا ہوگا اور وہ اسے دوبارہ از سر نو تازہ کریگا۔ پس کیا تلوار کے ذریعہ نور ایمان اور نور یقین لوگوں کے دلوں میں بٹھایا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تلوار جسم کو تو کاٹ سکتی ہے مگر یہ ایمان اور یقین اندر داخل نہیں کر سکتی۔ ایک آدمی کو جبراً ایک مذہب منوا سکتی ہیں مگر اس مذہب کی سچائی کا یقین زور سے اسکے دل میں نہیں ڈال سکتے۔ تلوار لیکر کوئی مہدی بجائے اسکے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں ایمان کو واپس لائے۔ وہ تو رہے سہے ایمان کو بھی لوگوں کے دلوں سے نکالنے والے ٹھہریں گے۔ انسان ایک ذیعقل ذی فہم اور ذی شعور مخلوق ہے۔ اسلیئے اگر کوئی بات اُسے سمجھانی ہو اسکو عقل اور دلائل کے رُو سے سمجھانی چاہیئے نہ کہ سزا کی دھمکی دیجاوے۔ کسی مذہب یا عقیدے کے منوانے کیلیئے جو شخص زبردستی یا ناجائز طریقوں کو عمل میں لاتا ہے وہ اس عقیدے یا مذہب کی سچائی تو کیا ظاہر کریگا اُلٹا اسکا اثر یہ ہوگا کہ لوگوں کی نظروں میں اس مذہب یا عقیدے کے متعلق اور بھی برے خیالات دلیں بیٹھ جائیں گے دین کو از سر نو زندہ کرنے کے معنے ہی یہ ہیں کہ اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کے لیئے شمشیر سے کام نہیں لیا جائیگا۔ بلکہ لوگوں پر دلائل اور آسمانی نشانات سے حق ظاہر کیا جاوے گا۔ اور یہی انبیاء کا طریق ہے۔

اب سوال ہو سکتا ہے جبکہ حدیثوں میں غازی مہدی کا ذکر نہیں تھا تو مسلمانوں کے درمیان یہ عقیدہ کسطرح آگیا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اس خیال کی زیادہ تر جڑھ متعصب ملاؤں کی قوت واہمہ ہے۔ کیونکہ یہ انہی کی بڑی خواہش تھی کہ بت پرست اور کفار کو تہ تیغ کیا جاوے اور جبراً انسے اسلام قبول کرایا جاوے۔ اس لیئے وہ اس خیال کو ہمیشہ سے پکاتے چلے آئے ہیں۔ مگر تعجب انگیز امر یہ ہے کہ اگر ایسے لوگوں سے جو اپنے سامعین کو مہدی اور اسکی فتوحات کے متعلق بڑے بڑے لمبے قصے سنایا کرتے ہیں۔ اگر انسے بڑی سنجیدگی سے پوچھا جائے کہ مہدی کی فتوحات کے متعلق جسقدر لمبی لمبی روایتیں ہیں انکی نسبت تمہارا کیا خیال ہے

تو یہ خود مان لیتے ہیں کہ یہ تمام حدیثیں مجروح ہیں۔ صدیق حسن خاں اپنی کتاب حجج الکرامہ کے صفحہ ۲۸۴ پر لکھتا ہے اما شک نیست کہ مجموع اخبار و آثار کہ در بارۂ وجود وے و وقائع و حوادث و فتن و فتوح وغیرہا وارد شدہ افادہ صحت ظہور وے میکند کیف ما کان یعنی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ خروج مہدی کے متعلق بہت سی روایات ہیں۔ جن میں خروج مہدی علیہ السلام اور آپکے زمانہ کے واقعات اور حوادث اور آپکی فتوحات کا بہت ذکر ہے یہ سب اس بات کو ضرور ثابت کرتی ہیں کہ مہدی علیہ السلام ضرور تشریف لاویں گے خواہ کسی طرح سے اور کسی رنگ میں وہ ظاہر ہوں پھر ایک موقعہ پر آپ لکھتے ہیں مجموع ایں روایات ضعیفہ و مطعونہ افادۂ صحت و شہادت وجود وے در آخر زمان مے کنند اگرچہ خالص از انہا از نقد اقل قلیل باشد واللہ اعلم یعنے یہ ضعیف اور مجروح حدیثوں کا مجموعہ کم سے کم اتنا تو ضرور ثابت کرتا ہے کہ آخر زمانہ میں امام مہدی صاحب ضرور تشریف لاویں گے اگرچہ ان میں سے خالص حصہ بہت ہی تھوڑا ہے۔ منقول از صفحہ ۳۶۵۔ صدیق خاں کے ان قولوں سے بخوبی پتہ لگتا ہے کہ خونی مہدی کا مسئلہ کسی صحیح حدیث کی بنیاد پر نہیں اس کو یقین ہے کہ آمد ضرور ہو گی خواہ کسی رنگ میں ہو و جس طریقہ سے یہ چاہے واقع ہو' دوسرے الفاظ میں اسکے یہ معنے ہوئے کہ یہ کوئی ضروری بات نہیں کہ مہدی زرہ بکتر پہنکر جنگ کرنے کے لئے ظاہر ہو یا جو روایتوں میں اسکی فتوحات کے متعلق ذکر ہے وہ سب کچھ واقع ہو کیونکہ فتوحات کے متعلق جسقدر حدیثیں ہیں وہ صدیق حسن خاں کی رائے میں معتبر نہیں۔ پس ان تمام باتوں کو مدنظر رکھ کر دیکھا جائے تو کیا یہ تعجب خیز امر نہیں کہ ایک طرف تو یہ مانا جاتا ہے کہ فتوحات اور لڑائیوں کے متعلق جسقدر حدیثیں ہیں سب مجروح اور ضعیف ہیں اور دوسری طرف منبروں پر کھڑے ہو کر باواز بلند یہ وعظ کیا جاتا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام جب اس دنیا میں تشریف فرما ہونگے اسوقت آپ تمام قوموں کو فتح کریں گے اور اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلائیں گے۔

اور سب سے زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ ان روایات کی طرف ذرا توجہ اور التفات نہیں

کیجاتی جن میں یہ لکھا ہے کہ مہدی علیہ السلام خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہائیں گے یہانتک کہ آپ سوتوں کو بھی نہ جگائیں گے۔ لیکن اسکے علاوہ چند ایک اور امور ہیں جو مسئلہ غازی مہدی کے بہت ممد و معاون ہوئے ہیں۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ چند ایک خاندانوں نے یہ دعویٰ کیا کہ مہدی ہم میں سے ہوگا۔ یہ خاندان ملک گیری کے لیئے کوشش کر رہے تھے اس لیئے انکے ان دعاوی سے سوائے اسکے اور کوئی غرض نہ تھی کہ ملک اور سلطنت ہاتھ میں آجائے۔ تخت شاہی ان سب کا مقصد تھا اس لیئے ان دعاوی سے وہ صرف اپنی غرض کو پورا کرنا چاہتے تھے ہر ایک گھرانا یہ چاہتا تھا کہ لوگ اسکے طرفدار ہو کر لڑیں اسلیئے اپنے مقاصد کو اسلامی مقاصد کے پیرایہ میں ظاہر کرتا اور لوگوں کو ترغیب دیتا کہ اس کے جھنڈے کے نیچے ہو کر اسلام کے یعنی اس خاندان کے دشمنوں سے لڑیں۔ پس اسطرح رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں میں مہدی کے متعلق غلط خیال جمنے شروع ہو گئے اور اُس کے متعلق یہ عقیدہ قائم ہونا شروع ہوا کہ وہ بادشاہ ہوگا اور جنگ کریگا۔

یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کسطرح ابو مسلم نے عباسیوں کا ایجنٹ بنکر خراسان میں کام کیا اور اس خاندان کے لیئے مددگار جمع کرنے میں اس نے بہت ہی سعی کی خراسان میں جو جھنڈا کھڑا کیا گیا اس کا رنگ سیاہ تھا اور یہی رنگ فوجی لباس کا تھا۔ ذیل میں میں ایک حدیث لکھتا ہوں جو ان عباسی خاندان کے طرفداروں پر جو خراسان سے سیاہ لباس لیکر آئے اس خوبی سے چسپاں ہوتی ہے کہ بعض نے یہاں تک کہدیا ہے کہ یہ ایک وضعی حدیث ہے جو موقع اور محل دیکھ کر گھڑ لی گئی۔ اور جس سے لوگوں میں یہ خیال پیدا کرنے کی کوشش کیگئی کہ مہدی اس خاندان میں سے ہونیوالا ہے وہ حدیث اسطرح پر ہے اذا رأیتم الرایات السود قد جاءت من قبل خراسان فأتوها فان فیھا خلیفۃ اللہ المہدی۔ یعنی جب تم سیاہ جھنڈے خراسان کی طرف سے آتے دیکھو فوراً اس طرف جاؤ کیونکہ اس میں تمھیں خدا کا خلیفہ مہدی ملیگا۔ پس اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ مختلف گھرانوں نے بادشاہت اور سلطنت کے لیئے کوشش کی پس ہر ایک دعویدار نے

یہ کہا کہ مہدی ہم میں سے ہوگا اور اسکو نہ صرف روحانی خلیفہ ظاہر کیا بلکہ جسمانی بھی جس کا کام یہ تھا کہ وہ سلطنت حاصل کرنیکے لیئے پہلے اپنے تمام دشمنوں کو ہلاک کرے پھر اسکے بعد دنیا کو فتح کرے۔ اسلیئے ہر ایک مومن کا یہ فرض قرار دیا گیا کہ وہ ان جنگوں میں اس کی مدد کرے۔

اس غلط خیال کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بعض ایسی حدیثیں ہیں جن کا اطلاق دوسرے شخصوں پر ہوتا ہے مگر غلطی سے وہ سب مہدی موعود پر لگا دی گئیں۔ مثلاً بعض حدیثوں میں فاتح قسطنطنیہ کو نبی کریمؐ نے مہدی کہا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔ یہ پیشین گوئی اسوقت کی کتابوں میں درج ہے جبکہ قسطنطنیہ ابھی عیسائیوں کے ہاتھ میں تھا اور ابھی اسکی فتح کا وہم و گمان تک نہ تھا۔ لیکن یہ پیشین گوئی اُسی وقت پوری ہو گئی جبکہ سلطان محمد ثانی غازی نے قسطنطنیہ کو ۱۴۵۳ء میں فتح کیا۔ مَیں پہلے بیان کر آیا ہوں کہ نبی کریمؐ نے لفظ مہدی کا اطلاق صرف آخری اور موعود پر ہی نہیں کیا بلکہ اور شخصوں کا بھی یہی نام رکھا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ آپ نے کُل خلفاء راشدین کو مہدی کے نام سے یاد کیا ہے۔ چونکہ مہدی موعود نے آپکے خلیفوں میں سے سب سے بڑا ہونا تھا اس لیئے وہی سب سے بڑے مہدی ہوئے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ اور کوئی مہدی نہیں ہے۔ فاتح قسطنطنیہ کو آپ نے مہدی کہا ہے اس لیئے حدیث کے رُو سے سلطان غازی محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ بھی ایک مہدی ہے۔ اس کا نام اور نبی کریمؐ کا اسم مبارک ایک ہی ہے یعنی محمد اور یہ بھی حدیثوں میں مذکور ہے کہ اس کا نام میرے نام پر ہوگا۔ الغرض غلط فہمی کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ مہدی موعود پر وہ حدیثیں بھی لگا دی گئیں جو ہرگز آپکے متعلق نہ تھیں بلکہ اوروں کے لیئے تھیں اور ایک عرصہ ہوا کہ وہ پوری ہو چکیں پس یہ بھی ایک وجہ ہے کہ مہدی موعود کو غازی ظاہر کیا جاتا ہے۔

پھر اس ایک غلطی کے ساتھ ایک اور غلطی مل گئی۔ یعنی آپ پر بعض ایسی حدیثیں بھی چسپاں ہونے لگیں جنکا مہدی سے ذرا بھی تعلق نہ تھا اور وہ آپکی طرف ذرا سا اشارہ بھی نہیں کرتی تھیں۔ صرف اسلیئے کہ ان میں ایک جنگ کرنیوالے کا ذکر ہے۔ اگر کسی حدیث میں لڑائی کا ذرا سا بھی ذکر ہو تو اسکی نسبت یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ یہ حدیث مہدی کے متعلق ہے۔

اس قسم کی حدیثوں میں سے ایک بڑی حدیث وہ ہے جسکا عبداللہ ابن زبیر کی طرف اشارہ ہے۔ اس حدیث پر مَیں ایک پہلے مضمون میں مفصل بحث کرچکا ہوں۔ اس میں مہدی کا نام تک نہیں۔ اور جن واقعات کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ بدیہًا عبداللہ ابن زبیر کے متعلق ہیں لیکن چونکہ اس میں لڑائیوں اور مال غنیمت کا ذکر ہے اس لیئے یہ حدیث بھی مہدی موعودؑ پر چسپاں کی گئی اور اسطرح یہ اعتقاد پختہ ہوگیا کہ مہدی لڑائیاں کرے گا اور غنیمت کا مال تقسیم کرے گا۔

ایک اور وجہ غازی مہدی کے مسئلہ کے پیدا ہونیکی یہ بھی ہوئی کہ بعض پیشین گوئیوں کے سمجھنے میں غلط فہمی واقع ہوئی ہے۔ بعض ایسی حدیثیں ہیں جن میں مہدی کے متعلق لفظ مقاتلہ کا استعمال ہوا ہے۔ مثلاً مہدی کے متعلق ایک یہ روایت ہے۔ المھدی من عترتی یقاتل علی سنتی یعنی مہدی میرے خاندان میں سے ہوگا اور وہ میری سُنّت کے لیئے مقاتلہ کریگا۔ لفظ یقاتل۔ مقاتلہ سے نکلا ہے جس کے لفظی معنے ہیں "وہ لڑیگا" لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ تلوار سے ہی لڑے۔ اگر مہدی نے سُنّت نبوی کے لیئے مقاتلہ کرنا تھا تو اس کے یہی معنے نہیں کہ وہ تلوار چلائے گا بلکہ اس کے یہ بھی معنے ہیں کہ وہ میری سُنّت کو تازہ کرنیکے لیئے بہت کوشش اور سعی کریگا۔ کسی مقصد کے لیئے مقاتلہ کرنا ضروری نہیں کہ تلوار ہی سے ہو یہی لفظ اور حدیثوں میں آیا ہے مگر وہاں اس لفظ کے معنے تلوار کے ساتھ محاولہ کرنیکے نہیں۔ مثلاً مسلم میں مفصلہ ذیل حدیث ہے لا تزال طائفۃ من امتی یقاتلون علی الحق ظاھرین الی یوم القیامۃ فینزل عیسیٰ بن مریم۔ یعنی میری امت میں سے ہمیشہ ایک گروہ حق کے لیئے لڑتا رہیگا اور قیامت تک وہ غالب ہی رہیگا یہانتک کہ عیسیٰ بن مریم نازل ہو جائیں گے۔

یہ بالکل صاف ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں حقیقی لڑائی کا بالکل ذکر نہیں بلکہ یہ لفظ استعارۃً استعمال ہوا ہے چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے ظہور سے پہلے فرقہ اہل حدیث اسکو اپنے اوپر چسپاں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ حق کی طرف سے ہوکر لڑنیوالا گروہ ہم ہی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مقاتلہ کے معنے ضرور تلوار چلانا ہی نہیں ہے بلکہ کوشش اور سعی کرنا بھی اس لفظ کے

معنوں میں شامل ہے۔ اور حدیث یُقاتِلُ علیٰ سُنّتی کے یہ معنے کرنا کہ مہدی تلوار چلائے گا ایک غلط خیال ہے۔

ایک اور لحاظ سے بھی لفظ یقاتل کے معنے اسجگہ تلوار کے ساتھ لڑنے کے نہیں ہوسکتے۔ حدیث میں یہ لکھا ہے کہ مہدی میری سُنّت کیلیے لڑیگا۔ اب اگر اسکے معنے تلوار سے لڑنیکے لیئے جاویں تو یہاں یہ معنے ہونگے کہ وہ تلوار پھر مسلمانوں کے ہی برخلاف اُٹھائی جائیگی اور انہیں پر چلے گی اور حضرت مہدی مسلمانوں کے خون سے زمین رنگ دیں گے دیکھو حضرت مرزا صاحب کیا فرماتے ہیں۔

ع۔ اب تو تم خود ہی مورد خشم خدا ہوئے ؛ اس یار سے بشامت عصیاں جدا ہوئے
اب غیروں سے لڑائی کے معنے ہی کیا ہوئے ؛ تم خود ہی غیر بن کے محل سزا ہوئے
پھر اپنے کفر کی خبر اے قوم لیجیئے ؛ آیت عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ یاد کیجیئے

مسلمان علماء کی رائے یہی ہے کہ اکثر حصہ مسلمانوں نے سُنّت نبوی کو چھوڑ دیا ہے پس اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مہدی علیہ السلام کا اعلان جنگ پہلے مسلمانوں ہی کے برخلاف ہوگا۔

الغرض اسجگہ یُقاتِلُ کے معنے کسی طرح تلوار سے لڑنا نہیں ہوسکتے۔ پس ہر ایک سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آپ جنگ کرتے پھریں گے بلکہ اسکے یہ معنے ہیں کہ آپ سُنّت نبوی کے رواج دینے اور زندہ کرنے کے لیئے بہت جان توڑ کوشش فرماویں گے۔

اسی طرح سے چند اور بھی حدیثیں ہیں جن کے اسی طرح غلط معنے کر لیئے گئے ہیں اور مہدی موعود کو ایک جنگجو سپاہی کہا گیا ہے۔ مثلاً مہدی کے متعلق ایک یہ بھی روایت ہے کہ وہ نبی کریم کی قمیص تلوار اور جھنڈا لیکر نکلیگا۔ نبی کریم صلعم کی وفات کے بعد یہ جھنڈا کبھی کھولا نہیں گیا۔ جسوقت مہدی علیہ السلام آئیں گے اس وقت یہ جھنڈا کھولا جائیگا اور اسپر یہ لفظ لکھے ہونگے البیعة لله یعنی اس کی بیعت میں خدا کی رضامندی کے لیئے داخل ہو جاؤ اگر اسکو صحیح حدیث بھی مان لیا جاوے تو بھی اس سے یہ ظاہر نہیں

ہوتا کہ حضرت مہدی جنگ کے لیئے نکلیں گے۔ اس سے تو صرف اتنا پتہ لگتا ہے کہ مہدی آپ کا نائب ہوگا۔ یہ کہنا بالکل بیہودہ ہے کہ وہ واقعی نبی کریم کی قمیص پہنے۔ آپکی تلوار لگائے اور آپکا ہی جھنڈا لیئے ہوئے نکلیں گے۔ کیونکہ ان چیزوں کا اب کہیں وجود نہیں پایا جاتا۔ انکا دنیا میں نہ ہونا ہی ثابت کرتا ہے کہ حدیث کا مفہوم وہ نہیں جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اور نہ ہی یہ الفاظ البیعۃ للّٰہ نبی کریم کے جھنڈے پر کبھی لکھے گئے۔ یہ ایک طرز کلام ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ مہدی نبی کریم کا نائب اور جانشین ہوگا اور یہ کہ تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اسکو مان لیں اور اسکی بیعت میں داخل ہو جائیں۔

حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ مہدی کے ساتھ گروہوں کے گروہ ہونگے مگر یہ صاف طور سے لکھا ہے کہ وہ گروہ فرشتوں کے ہونگے نہ کہ آدمیوں کے اور یہ فرشتے آپکے ساتھ اسلیئے ہونگے کہ آپکے کاموں میں مدد دیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ آپکی مدد کیلیئے تین ہزار فرشتے بھیجے گا اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ فرشتوں کی فوج کے ہراول کا سردار حضرت جبرائیل علیہ السلام ہونگے اور میکائیل علیہ السلام دائیں دستہ کے ساتھ ہونگے اور تمام مخلوقات کو آپکی وجہ سے خوشی ہوگی یعنی جو لوگ زمین پر آباد نہیں اور جو فرشتے آسمانوں میں ہیں یہانتک کہ ہوا کے پرندے۔ جنگل کے درندے اور وحشی اور سمندر کی مچھلیاں سب آپکی آمد کی وجہ سے خوش ہونگے۔" پس اگر یہ حدیثیں صحیح ہیں پھر بھی یہ ایک بڑی خطرناک غلطی ہے کہ انسے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ معاذ اللہ آپ غازی بنکر آئیں گے اگر جبرائیل اور میکائیل ان فوجوں کے سردار ہونگے تو وہ فوجیں آدمیوں کی تو نہیں ہوسکتیں۔ علاوہ بریں انہی حدیثوں میں یہ بھی ذکر ہے کہ دنیا میں انکی آمد کی وجہ سے یہانتک خوشی ہوگی کہ جنگلوں کے وحشی درندے اور پرند بھی اس خوشی سے حصّہ لیں گے۔ اس سے نتیجہ تو نکلتا ہے کہ آپکے زمانہ میں بڑا امن ہوگا۔ لیکن جب آپنے تمام زمین پر خون کی ندیاں بہا دینی ہیں تو پھر یہ خوشی اور یہ امن کسطرح ممکن ہوسکتا ہے؟

"زمین کے بادشاہ مہدی کے مطیع ہو جائیں گے"۔ اس سے بھی کہیں نہیں نکلتا کہ آپ غازی ہونگے۔ کیا زمین کے بادشاہ حضرت مسیح کے غلام نہیں ہو چکے؟ کیا ایسے ایسے شہنشاہ

اور فاتحان زمانہ نہیں ہو چکے جو مسیح کی غلامی اپنے لیئے باعث فخر سمجھتے تھے؟ کیا اب اسوقت ایسے بادشاہ موجود نہیں جو مسیح کے سامنے اسطرح سر خم کیئے ہیں جسطرح غلام اپنے آقا کے آگے؟ کیا مسیح نے انہیں تلوار کے ذریعہ مطیع و منقاد کیا؟ اگر بغیر تلوار اُٹھانیکے بادشاہ پہلے مسیح کے غلام ہو چکے ہیں تو کیا ممکن نہیں کہ زمین کے بادشاہ اسی طرح اس دوسرے مسیح کے بھی غلام بنیں جو پہلے مسیح سے کہیں بڑھکر ہے۔ مہدی کے غلام تو یہ ضرور بنیں گے مگر اُسی طرح جسطرح مسیح ناصری کے بنے تھے۔ اب یسوع کی جگہ احمد آیا ہے اور وہ دن یقیناً آنیوالے ہیں کہ شہنشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوئے احمدؐ کی بھی ویسی عزت کریں گے جسطرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے۔ بلکہ اُس سے بھی زیادہ حضرت مرزا صاحب کے پہلے الہاموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ **مَیں تجھے اسقدر برکت دونگا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے** پس بادشاہوں کی اطاعت کے یہی معنے ہیں۔

حضرت میرزا غلام احمد پہلا شخص ہے جس نے غازی مہدی کے مسئلہ پر ایک کاری حربہ چلایا خدا کا شکر ہے کہ اسلام کے چہرہ سے یہ بدنما داغ ہمیشہ کیلیئے اُٹھ گیا۔ غازی مہدی اور جہاد کے عقیدے اسلام کے لیئے موجب ہتک تھے۔ اس لیئے آپنے بنی نوع پر عموماً اور اسلام پر خصوصاً یہ ایک بڑا احسان کیا ہے کہ ان مفسد عقیدوں کی جڑھ و بیخ اُکھاڑ دی ہے۔ مسلمانوں میں وہ پہلا شخص ہے جس نے علی الاعلان اور بڑے زور سے شائع کر دیا کہ اشاعت مذہب کے لیئے تلوار سے لڑائی کرنا سخت جرم ہے اور غازی مہدی صرف مُلّاؤں کے توہمات کا نتیجہ ہے۔ اوائل سے ہی اسنے ان مسائل کے خلاف بڑے زور سے لکھنا شروع کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں آدمیوں کے خیالات سے یہ غلط اعتقادات نکل گئے۔ اس نے ثابت کر دیا کہ یہ باتیں قرآن کی تعلیم کے خلاف ہیں اور اسلام کے لیئے ہتک کا موجب ہیں۔ آپنے اپنے نمونہ سے یہ ظاہر کر دیا کہ آج اسلام کی بڑی سے بڑی خدمت قلم کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے اور اشاعت اسلام کا سب سے اعلیٰ ذریعہ یہ ہے کہ اس کی سچائیوں کو واضح اور مدلل طور سے بیان کیا جائے اور دنیا کے سامنے پیش کیجاویں۔ اس نے ثابت کر دیا کہ اسلام ہی سب سے بڑا مدلل اور پاکیزہ مذہب ہے۔ پس اسکی بڑی اشاعت صرف دلائل ہی سے ہو سکتی ہے۔ اور جو لوگ بزور شمشیر اسے پھیلانا چاہتے ہیں وہ

اسلام کے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ کیونکہ انکی اس کارروائی سے دانا لوگوں کو یہ ظن کرنے کا موقع ملجاتا ہے کہ مذہب اسلام عقل کے خلاف ہے اور لوگوں کے عقل و فہم اور فراست سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کے منوانیکے لیے جبر استعمال کیا جاتا ہے پھر آپنے اپنے نمونہ سے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ صرف اسلام ہی ہے جسکو زندہ مذہب کہہ سکتے ہیں۔ اور باقی تمام مردہ ہیں کیونکہ اسکے پیرو ایسا ہی خدا کا قرب اب بھی حاصل کر سکتے ہیں جیسا پچھلے زمانوں میں لوگوں کو نصیب ہوتا رہا ہے اور اسلام کے زندہ مذہب ہونیکا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ خدا اب بھی اسلام کے سچے تابعین سے کلام کرتا ہے جسطرح کہ وہ پہلے اپنے رسولوں سے کرتا رہا ہے۔ لیکن وہ حربہ جو اس عقیدہ مہدی اور مسئلہ جہاد کے لیے سخت ہی مہلک ثابت ہوا وہ آپکا دعویٰ مہدویت ہے۔ یہ صرف زبانی دعویٰ ہی نہیں تھا بلکہ اسکی تائید میں بڑے بڑے عظیم الشان نشانات ظاہر ہوئے اور بڑے مضبوط دلائل سے اسکو ثابت کیا۔ ایک طرف تو آپنے خونی مہدی کے عقیدہ کو بڑے بڑے دلائل سے پاش پاش کر دیا اور دوسری طرف اپنی ذات سے بتلا دیا کہ مہدی ایسا ہوگا اور اشاعت اسلام کے ذرائع یہ ہیں۔ آپنے اسی کے قریب کتابیں لکھی ہیں جو کہ مصر ہند افغانستان ایران اور عرب میں شائع کیں اور ان تمام میں ان ہر دو عقائد کی خوب تردید کی اور انکی برائیوں کو ظاہر کیا۔ آپکے دلائل ایسے یقین بخش تھے کہ کوئی سمجھدار آدمی انہیں پڑھکر بے متاثر ہونیکے رہ نہیں سکتا۔ جنکا نتیجہ یہ ہوا کہ آپکی تصنیفات کی وجہ سے لاکھوں آدمیوں نے ان ہر دو اعتقادوں سے کنارہ کشی کر لی ہے۔ بہتسے غیر احمدی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے صرف آپکی کوششوں اور ان عقائد کی تردیدوں کی وجہ سے ایسے عقائد سے توبہ کر لی ہے اور اب وہ ان باتوں کو ہرگز نہیں مانتے۔ کسقدر لوگ ہیں جن کے سینوں کو آپنے ان عقائد سے صاف کیا اور کتنے اس جماعت سے باہر لوگ ہیں جنہوں نے ان غلط عقائد کو چھوڑ دیا ہے اس کا اندازہ صرف اس بات سے ہو سکتا ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی جو اول المکفرین ہے اور آپ کا سب سے بڑا دشمن ہے وہ اپنی ایک چٹھی میں جو اسنے سول اور ملٹری گزٹ میں شائع کروائی اس میں وہ علانیہ اقرار کرتا ہے کہ مہدی بزور شمشیر اسلام نہیں پھیلائیگا بلکہ

آسمانی نشانوں کے ذریعہ وہ تبلیغ دین کریگا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آپ کے سب سے بڑے دشمن کا اقرار آپ ہی کی تعلیم کا اثر تھا۔

یہ ایسے شخص کا نام لینا بالکل ناممکن ہے کہ جس نے آپ سے پہلے یہ تعلیم دی ہو کہ مہدی موعود اسلام کو بزور شمشیر نہیں بلکہ آیات بینات اور دلائل نیرہ سے پھیلائیگا۔ جبکہ آپ نے پہلے پہل یہ بات شائع کی۔ تو یہ بات دنیا کو بالکل نئی معلوم ہوئی۔ آپ سے پہلے کسی نے ایسے خیالات ظاہر ہی نہیں کیے تھے۔ اور غازی مہدی کے خیال کا انکار ہی تھا جسکی وجہ سے آپ پر کفر کا فتویٰ لگا۔ اور یہ فتویٰ نام کے مسلمانوں نے لگایا۔ لیکن اس دنیا سے رخصت ہونیسے پہلے آپ اپنے سب سے بڑی دشمن کی زبان سے اس بات کا اقرار کروا گئے کہ جو آپ کہتے تھے وہی حق ہے۔

اب آپکا وصال ہو چکا ہے مگر آپ اپنے بعد لاکھوں آدمی ایسے چھوڑ گئے ہیں جن سے وہی صلح پسند خیالات ہیں جنکا آپ اپنی تمام عمر میں وعظ کرتے رہے اور ایک وقت آنیوالا ہے کہ جب یہ ہر دو غلط اعتقاد اس دنیا سے بالکل اُٹھ جائیں گے۔ جوں جوں آپ کے مریدین کا حلقہ وسیع ہوتا جائیگا ان خیالات کا دائرہ تنگ ہوتا جائیگا یہانتک کہ یہ مرض مسلمانوں میں سے بالکل اُٹھ جائیگی۔ جہاں آپ کی تعلیم کی کثرت سے اشاعت ہوئی ہے وہاں تو قریباً یہ ابھی سے مفقود ہیں۔ کوئی سمجھدار آدمی آپ کی تصنیفات پڑھکر ان عقائد کی بے ہودگی سے بیخبر نہیں رہ سکتا۔ اور آپکی تعلیم ان عقائد کو اسطرح اُڑا دیگی جسطرح روشنی تاریکی کو اُڑا دیتی ہے۔ آپکی تعلیم دُور دُور تک پہنچ چکی ہے یہانتک کہ کابل کی پہاڑیوں میں بھی داخل ہو چکی ہے۔ اور امید ہے کہ یہ تعلیم ان عقائد کو کابلی پٹھان اور سرحدی افغان جیسے متعصبوں کے سینوں سے نکال دیگی۔ کیونکہ تھوڑا عرصہ ہوا انہی میں سے دو شخصوں نے ان غلط عقائد کی تردید کی وجہ سے شہادت کا جام پیا ہے۔ ان غلط تعلیمات کے اُڑانے سے حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے نہ صرف اسلام پر ہی احسان کیا ہے بلکہ تمام دنیا پر آپکا احسان ہے کہ آپنے ان فتنہ انگیز عقائد پر وہ حربہ چلایا ہے کہ اب انکا جانبر ہونا دشوار ہے۔ اور دنیا اس محسنِ بنی نوع کا جسقدر احسان مانے اُتنا ہی کم ہے۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

مختصر نوٹ اور ریویو

کلکتہ میں جلسہ مذاہب۔ ہندوستان میں مذہبی تفرقہ اور مذہبی بغض و عناد اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ مذہبی جلسوں اور مذہبی کانفرنسوں کا وجود قریباً قریباً معدوم ہے۔ یوں تو مذہبی جلسے ہر ایک فرقہ اور ہر ایک مذہب کے ہوتے ہیں مگر میری مراد اسجگہ مذہبی جلسوں اور مذہبی کانفرنسوں سے ایسے جلسے ہیں جن میں سب مذاہب اور سب فرقوں کے پیرووں کو اپنے اپنے اصولوں کی خوبیاں بیان کرنیکا اور ہر قسم کے اہل مذاہب نام سے دسمبر ۱۸۹۶ء میں بمقام لاہور ہوا تھا۔ جس میں ایک کثیر گروہ مخلوق نے مختلف مذاہب کے صاحبوں کے لیکچروں کو بڑی دلچسپی سے سنا۔ ہمارے اس ملک میں اس قسم کے جلسوں کی سب سے زیادہ ضرورت محسوس کرنیوالا خدا کا وہ برگزیدہ بندہ تھا جو مسیح موعودؑ کے نام سے دنیا میں آیا۔ اور اپنا کام کر کے چلا گیا حضرت مرزا صاحب اپنے اندر ایک سچا جوش اور تڑپ رکھتے تھے کہ مذاہب کے موجودہ دنگل کی صورت کو جس میں ایک دوسرے کی دل آزاری کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا ایسی صورت میں بدلا جائے۔ کہ سب مذاہب اپنی اپنی خوبیاں لوگوں کے سامنے متانت اور شائستگی سے بیان کریں۔ چنانچہ آپ نے کئی دفعہ اس قسم کی تجاویز پیش کیں۔ مگر آپ کے خلاف لوگوں کا جوش تعصب جیسا کہ ہمیشہ سے صادقوں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔ ایسا تھا کہ آپکی ان نہایت مفید اور قابل قدر تجاویز کی کوئی پرواہ نہ کی گئی۔ مگر اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ آپکے ارادوں کو کسی نہ کسی رنگ میں پورا کر کے دکھاوے اس لئے وہ کام جو آپ چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے دوسروں سے پورا کرا دیا۔ ۱۸۹۶ء میں جب جلسہ مذاہب کا اعلان ہوا تو آپ نہایت خوشی سے اس میں شامل ہوئے اور حالانکہ ان دنوں میں سخت بیمار تھے مگر باوجود اسکے اس موقعہ کو ہاتھ سے گنوانا آپ نے مناسب نہ سمجھا۔ اور بیماری کی حالت میں ہی ایک مضمون قریباً سوا سو صفحہ کا لکھوایا۔ جسکے متعلق قبل از وقت ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپکو یہ اطلاع بھی دی گئی تھی۔ کہ یہ مضمون دوسرے تمام مضامین پر غالب رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب یہ مضمون پڑھا گیا تو

دشمن و دوست سب نے تسلیم کیا کہ واقعی یہ مضمون باقی مضامین پر غالب رہا۔

اس جلسہ مذاہب کے بعد دوسرا جلسہ مذاہب اسی رنگ کا کلکتہ کا مجوزہ جلسہ مذاہب ہے جو اسی ماہ فروری میں ہونیوالا ہے۔ آریہ سماج نے اپنے سالانہ جلسوں کے بعد ایک جلسہ مذاہب برائے نام تجویز کیا ہوا ہے۔ اور اس میں دوسرے مذاہب کے پیرووں کو گذشتہ سے پیوستہ سال میں مدعو بھی کیا گیا مگر اس کا نتیجہ جو ہوا وہ محتاج بیان نہیں۔ آریہ سماج نے اپنے دل آزاری کے طریق کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ مگر کلکتہ کا مجوزہ کانفرنس امید ہے اسی اعلیٰ پیمانہ پر ہوگا جس پر ۱۸۹۶ء کا جلسہ اعظم مذاہب لاہور میں ہوا تھا۔ اس جلسے کے بانی مبانی بابو سرداچرن متر ہیں جو ابھی تھوڑی دیر ہوئی کلکتہ ہائی کورٹ کی ججی سے پنشن پر آئے ہیں۔ جلسے کے متعلقہ کاروبار کے انصرام کے لیئے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جسکے پریزیڈنٹ یہی بابو متر صاحب ہیں۔ اس کمیٹی کے اکیس (۲۱) ممبروں میں سے دو مسلمان بھی ہیں یعنی خان بہادر مولوی سراج الاسلام اور مولوی مرزا ابوالفضل۔ جو اعلان اس کمیٹی کی طرف سے شائع کیا گیا ہے اس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جن جن مذاہب اور فرقوں پر کانفرنس کے اجلاسوں میں مضامین پڑھے جاوینگے ان میں مندرجہ ذیل مذاہب اور فرقے ضرور شامل ہونگے۔ (۱) ہندو مذہب (ا) بدھ مذہب (ب) جین مذہب (ج) شاکت مت (د) وشنوازم (ھ) شوازم (و) سکھ مذہب (ز) برہمو مذہب (ح) آریہ سماج (ط) تھیوصوفی۔ (۲) عیسائی مذہب (۳) اسلام (۴) زردشتی مذہب (۵) یہودی مذہب۔

اس اعلان میں یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ ہر ایک اہل مذہب یا اہل فرقہ اپنا وکیل خود منتخب کریں۔ جو اس مذہب یا فرقہ کے اصول کو جلسہ میں بیان کریگا۔ اور دوسرے مذاہب یا فرقوں سے اسکا امتیاز دکھاویگا۔ مگر کسی شخص کو یہ اجازت نہ ہوگی کہ کسی دوسرے مذہب پر کسی قسم کا حملہ کرے خواہ ایسا حملہ کھلے الفاظ میں ہو یا اشارہ کنایہ کے طور پر۔ اس غرض کے لیے ۲۰ جنوری آخری تاریخ مقرر کی گئی تھی جسکے پہلے پہلے سب مضامین کمیٹی کے سکرٹری کے پاس پہنچ جانے چاہییں تا کہ کمیٹی انعقاد جلسہ سے پہلے اپنا اطمینان کرلے کہ ان میں کمیٹی کی شرائط مجوزہ کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ اعلان کلکتہ کے انگریزی اخباروں میں ۱۰ جنوری

کو شائع ہوتا ہے۔ جو مفصلات میں دو تین دن بعد پہنچ سکتے تھے اور پھر اتنی جلدی یعنی دو تین دن کے اندر ہی ہر ایک فرقہ کو یہ بھی چاہیئے کہ اپنا وکیل منتخب کرکے اور شرائط مذکورہ کے ساتھ اس سے مضمون لکھواکر ایسے وقت میں اسے روانہ کرے جو ۲۰۔ جنوری سے پہلے پہلے کلکتہ پہنچ جاوے۔ ہمیں خود اس جلسہ کی خبر ۱۴ جنوری کو پہنچی تھی۔ اسیوقت ایک تار سکرٹری کمیٹی کے نام دیا گیا کہ ہم احمدیہ فرقہ پر ایک مضمون اس جلسہ میں پڑھنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف جلدی میں ایک مضمون لکھا گیا۔ اس تار کا جواب ۱۷۔ جنوری کو پہنچا اور اسی دن مضمون روانہ کر دیا گیا اسکے بعد بعض اخباروں کے لکھنے پر کمیٹی نے مضمون لینے کی آخری تاریخ بجائے ۲۰۔ جنوری کے ۳۱۔ جنوری کردی مگر ہم اس سے بھی کچھ فائدہ نہ اُٹھا سکے کیونکہ ایک تو مضمون روانہ ہوچکا تھا اور دوسری یہ اطلاع بھی ہمیں ۲۴ جنوری کو پہنچی۔ اور روانگی مضمون میں پھر وہی دو تین دن باقی تھے۔ ہر ایک مضمون کے لیئے صرف آدھ گھنٹہ وقت رکھا گیا ہے جو بہت تھوڑا وقت ہے۔ امید ہے یہ جلسہ ۱۵۔ فروری کو یا زیادہ سے زیادہ اخیر فروری میں ہو جائیگا۔ باوجود ان نقصوں کے کہ اعلان کے بعد کافی وقت نہیں دیا گیا اور ویسے بھی مضمون پڑھنے کے لیئے وقت بہت تھوڑا رکھا گیا ہے۔ تاہم سب اہل مذہب کو اس کمیٹی اور خصوصاً اس کے پریزیڈنٹ مسٹر متر کا مشکور ہونا چاہیئے کہ انہوں نے ایک ایسا موقع پبلک کو دیا ہے کہ وہ ہر ایک مذہب کے اصول اور خوبیاں مختصر طور پر سن سکیں۔

تاریخی یسوع اور خیالی مسیح پادری رابرٹس صاحب جو عیسائی مذہب کے کنگریگیشنل فرقہ کے عیسائی ہیں ولایت کے مشہور رسالہ ہبرٹ جرنل میں ایک مضمون بعنوان "یسوع یا مسیح" لکھکر زمانہ حال کے منقدین کو توجہ دلاتے ہیں کہ جب وہ مسیح کی ایک فرضی تصویر دل میں جماکر بعض خیالات کا اظہار کرتے ہیں تو انہیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ آیا وہ باتیں ایسی ہیں جو تاریخی یسوع پر صادق آتی ہیں زمانہ حال کی بڑی خوبی لفاظی سمجھی جاتی ہے۔ اور حقیقت اور واقعات کی طرف کم توجہ کیجاتی ہے۔ مسیح کے متعلق تعریفوں کے پل باندھ دینا تو آسان امر ہے لیکن یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ جو باتیں ہم منہ سے نکالتے ہیں وہ اس شخص پر صادق بھی آتی ہیں یا نہیں جسکا قصہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ دراصل یہ بالکل

یہ ہے کہ یا تو مسیح کی فرضی تصویر کو تاریخی یسوع سے بالکل علیحدہ رکھا جائے۔ اور یا اگر وہ باتیں جنکا تذکرہ تاریخی یسوع کے متعلق ہے مسیح کی فرضی تصویر پر چسپاں کی جاتی ہیں تو اس صورت میں یہ لازم ہے کہ مسیح کا ذکر کرتے ہوئے تاریخی یسوع کو مدنظر رکھا جائے اور اس حد سے آگے ہم نہ گذریں جو تاریخی یسوع کے لیئے ہمیں تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر چند فقرے اس مضمون کے ہم پادری صاحب کے اپنے الفاظ میں لکھتے ہیں۔ "مگر اسی سوال کے بعض اور پہلو بھی ہیں جنکے تسلیم کرنیکے لیئے دنیا کی موجودہ حالت جس میں وسعت خیال پیدا ہو گئی ہے ہمیں مجبور کرتی ہے۔ بھوتوں اور بدروحوں کا انسان پر تصرف کر لینا اور اسکو پورے طور سے قابو کر لینا ایسے عقائد ہیں جنکا رواج حضرت عیسیٰ کے زمانہ کے یہودیوں کی تہذیب کی ناقص حالت چاہتی ہی تھی۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ بدروحیں انسانی جسم کے اندر داخل ہو جاتی ہیں اور انکی موجودگی کی وجہ سے ہی بہت سی جسمانی اور دماغی امراض پیدا ہوتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ بھی عام لوگوں کی طرح یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ اس سے بھی گھبراہٹ میں ڈالنے والی بات اس زمانہ کے لیئے یہ ہے کہ آپنے اس مروجہ عقیدہ کو کہ عملیات کے ذریعہ سے بھوتوں اور چڑیلوں کو نکالا جاتا ہے تسلیم کیا۔ بلکہ خود اسقدر زور سے ان عملیات کو رواج دیا کہ آجتک مسیحی کلیسیا میں اسکا اثر باقی ہے۔ پھر دنیا کی عمر کے متعلق جو خیالات جلیل کی زندگی کے آخری حصہ کے واقعات میں پائے جاتے ہیں وہ بھی پورے نہ ہوئے اور دنیا کی عمر اس حد سے بہت آگے گذر گئی ہے...... ہر روز اب بھی ہم کھلی ہوئی قبروں کے کنارے پر کھڑے ہو کر ان شاندار اور سنجیدہ الفاظ کو رٹتے ہیں جو اسوقت بولے گئے تھے جب دنیا اپنے خطرناک انجام کے قریب پہنچی ہوئی فرض کر لی گئی تھی..... اور جسطرح دنیا کے انجام کے متعلق جو عقائد عہدنامہ جدید میں سکھائے گئے تھے انکو دنیا نے زندہ رہ کر جھوٹے ثابت کر دیا ہے اسی طرح اس نے کتاب کے ان عقائد کو بھی جھٹلا دیا ہے جو دنیا کی پیدائش اور آغاز کے متعلق اس میں لکھے گئے ہیں۔ نسل انسانی کا آغاز ایک کامل مکمل آدم سے نہیں ہوا نہ ہی عورت کی جنس پہلے انسان کی پسلی نکالکر اس سے بنائی ہے۔ دنیا میں مصائب کا آنا یا موت کا اپنا سیاہ سایہ انسانوں پر ڈالنا اس بات کا

نتیجہ نہیں ہوا کہ پہلے انسان نے کسی ممنوع پھل کو کھا کر نافرمانی کی تھی۔ یہ سب قصے ہیں جو دن کی روشنی کے سامنے خود بخود معدوم ہوتے چلے جاتے ہیں.... اب ایک ایسی سائنٹی میں جس نے ان قصوں کا خاتمہ کر دیا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ ہم اس انجیل کو کیا کریں جسے زندگی اور موت کے اہم سوالات پر علم کا قول فیصل اور آخری حکم قرار دیا جاتا ہے۔ مگر جس نے صرف ابتدائی قصوں کو ہی بیان کر دیا ہے.... اگر حضرت عیسیٰ کی زندگی کے حالات کو جو ان کتابوں میں مذکور ہیں صحیح مانا جائے تو یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ وہ خود بھی انہی عقائد کو صحیح مانتے تھے۔ اور آجکل کے واعظین جو بڑے بڑے دعوے انکی طرف سے کر رہے ہیں۔ میں انسے یہ سوال پوچھنے پر مجبور ہوں کہ کیا انہی قصوں کی امید ہمیں اس شخص سے رکھنی چاہیئے تھی جسے تمام قوموں کا مطلوب۔ انسانیت کا تاج اور اسکی اصل روح اور دنیا کا نجات دہندہ کہا جاتا ہے"

پھر ہی مضمون نویس حضرت مسیح کی بے اصل تعریف کا جو اسکے مداح اس زمانہ میں کر رہے ہیں ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ ہمیں کہا جاتا ہے کہ تم اس بات کو مان لو کہ دنیا کی تمام قوموں کے اعلیٰ سے اعلیٰ خیالات صرف مسیح کے الہام سے ہی پیدا ہوئے ہیں اور کہ دنیا کے تمام خیالات اور تمام افعال کا اصل اور سرچشمہ وہی ہے۔ اسی کی ذات کی برکت سے دنیا کی بے حد تحریکیں اور طاقتیں ایک ترتیب کے نیچے آتی ہیں۔ وہی ہے جس سے فلسفہ اپنے سچے معنے اور تاریخ اپنا اصل مطلب پاتی ہے۔ کائنات کا تخت ان مداحوں کے نزدیک خالی نہیں بلکہ اسپر انسان کا تاجدار شہنشاہ یسوع مسیح بیٹھا ہوا ہے جو گذشتہ حال اور مستقبل میں ہمیشہ کے لیئے ایک سا ہی ہے۔ اور دنیا کے تمام پیغمبر۔ ولی۔ شاعر اور مصور اسی کے پاؤں پر اپنی اپنی کامیابیوں کو آدھرتے ہیں اور اسی کو سب کا سرتاج اور خداوند ٹھہراتے ہیں۔ ان تمام تعریفی کلمات کو نقل کرنیکے بعد پادری رابرٹس صاحب لکھتے ہیں کہ

"نسل انسانی یسوع سے پہلے بھی بہت کچھ حاصل کر چکی تھی۔ اگر وہی نسل انسانی کی زندگی میں روح پھونکنے والا اور اسے قوت دینے والا ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسکی پیدائش سے ہزارہا سال پہلے جو مذاہب۔ علوم۔ فنون۔ سائنس۔ فلسفے۔ دستکاریاں غرض کہ تہذیب کے مختلف شعبے ہم پاتے ہیں وہ کہاں سے آ گئے۔ ہم یہ بھی جانتے

ہیں کہ اسی قسم کے دعوے گذشتہ زمانوں کی دوسری قوموں نے بھی اپنے اپنے خدایان نجات دہندہ کے متعلق کیئے ہیں۔ ہر ایک قوم نے اپنا اپنا کوئی نجات دہندہ قرار دے رکھا ہے۔ اور انپر اعتقاد رکھنے والے اپنے سے باہر کوئی دنیا ہی نہ سمجھتے تھے ..... اور عجیب بات ہے کہ جب ڈاکٹر فیربرن (جسکے تعریفی الفاظ اوپر نقل کیئے گئے ہیں) اور اسکے ہم مشرب دوسری قوموں کے نجات دہندوں کے دعووں کی اصلیت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اسوقت وہ معجزات کی شہادت اور ان واقعات کا جنکی بنا پر وہ دعوے ہوتے ہیں جلدی ہی خاتمہ کر دیتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کے علمی اصول جو شہادت کا موازنہ کرنیکے لیئے اس علمی زمانہ میں قائم کیئے گئے ہیں انپر لگاتے ہیں۔ مگر مسیح کے متعلق دعوے کرتے وقت یہ علمی اصول ان لوگوں کو بھول جاتے ہیں۔

" اب اگر ہم علمی دائرہ کو چھوڑ کر اخلاقی دائرہ کی طرف چلیں تو اس میں بھی یسوع کی طرف ایسی ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جو غور کرنیوالے دل میں طرح طرح کے شکوک اور گھبراہٹ پیدا کرتے ہیں .... مقابلہ نہ کرنے پر اور قسم کھانے کے متعلق یسوع کی تعلیم میں قول فیصل موجود ہے مگر عیسائی ممالک نے ہمیشہ ہی اسکی خلاف ورزی کی ہے اور کھلے طور سے خلاف ورزی کی ہے ..... طلاق کے متعلق جو تعلیم یسوع نے دی ہے اس میں خاوند کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ خود ہی عورت پر الزام لگائے خود ہی حکم بنے خود ہی اسکے خلاف فتویٰ دے اور پھر اسے نکالدے مگر عورت کو خاوند کے خلاف طلاق کا کوئی حق نہیں دیا گیا۔ ..... انگریزی قانون نے اب یہ فیصلہ کیا ہے کہ طلاق کے بعد مرد و عورت نکاح کر سکتے ہیں مگر اس بارے میں یہ اسنے جرأت کی ہے کہ نکاح کے متعلق یسوع کی اخلاقی تعلیم میں اصلاح کی ہے۔ ..... ایسا ہی یسوع کی تعلیم میں تو صاف لکھا ہے کہ کل کی فکر مت کرو۔ مگر .... عیسائی ممالک کی یہ حالت ہے کہ طرح طرح کی سوسائٹیاں بنی ہوئی ہیں جو عملی طور پر اس تعلیم کو جھٹلا رہی ہیں اور عیسائی سلطنتیں تو کل چھوڑ سال بھر پہلے اپنے بجٹ تیار کرتی ہیں"

غرضکہ جو راہ موجودہ زمانہ میں پرانے عقائد کی مشکلات سے نکلنے کے لیئے بڑے بڑے فاضل عیسائیوں نے اختیار کی تھی اسکی مشکلات کو پادری رابرٹس صاحب نے بیان کر کے یہ

اپیل کی ہے کہ حضرت مسیح کو انسانیت سے بڑھانا نہیں چاہیئے اور یہ دکھایا ہے کہ جبتک ہم حضرت مسیح کو پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر نہ مانیں اُسوقت تک ہم ان مشکلات سے نجات نہیں پاسکتے یہی وہ مشکلات سے نکلنے کی راہ ہے جسے قرآن کریم آج سے تیرہ سو سال پہلے پیش کر چکا ہے اور جسکی راستی کو آج بڑے بڑے عقلمند بہت غور و فکر کے بعد تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

عیسائیت اور دیگر مذاہب اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے سب سے پہلے اس عظیم الشان اصل کی دنیا میں منادی کی کہ ان من قریة الا خلا فیھا نذیر۔ ہر قوم اور ہر ملک میں خدا کے نبی ہو گذرے ہیں۔ اسلام سے پہلے تمام مذاہب خدا کے کلام کو اپنے ملک کی چاردیواری تک۔ اور اپنی ہی قوم تک محدود سمجھتے تھے۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ابتک رہا ہے کہ عیسائی اور یہودی مذہب کے سوا باقی تمام مذاہب جھوٹے ہیں اور انکی بنیاد ہی باطل پر ہے اور جن لوگوں نے سوائے قوم یہود کے جس میں عیسائیوں کا نجات دہندہ پیدا ہوا۔ خدائے تعالیٰ سے کلام پانیکا دعویٰ کیا ہے وہ سب محض مفتری تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ خود بخود اسلام کے اصول کی صداقت کو دلوں میں بٹھاتا جاتا ہے اور اب عیسائی میگزینوں اور عیسائیوں کے لکھے ہوئے مضامین میں یہ بات تسلیم کیجانے لگی ہے کہ خدا کا کلام ہر ملک اور ہر زمانہ میں نازل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ لندن کوارٹرلی ریویو جو ایک خالص عیسائی مذہبی پرچہ ہے اسکی گذشتہ سہ ماہی کے نمبر میں ایک مضمون نکلا ہے جس میں کھلے الفاظ میں دیگر مذاہب کی صداقت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس مضمون میں مسٹر بریلسفورڈ لکھتا ہے۔ "وہ خدا کے متعلق جو بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیزوں کا بنانیوالا ہے ہمارے خیالات اس زمانہ میں بہت وسیع ہو گئے ہیں۔ ہم نے اس بات کو محسوس کر لیا ہے کہ معمولی اور خارق عادت امور میں یعنی جسمانی اور روحانی عالموں میں اسکے کام کرنیکا طریق ایک ہی ہے یعنی وہ دونوں قوانین کے ماتحت ہیں اور انہیں قوانین کے مطابق یہ دونوں سلسلے چلتے ہیں۔ ہم نے اب اس بات کا علم حاصل کر لیا ہے کہ مذہبی تحریکات میں اللہ تعالیٰ کا ظہور ہر جگہ یکساں رہا ہے اور وہ کسی خاص قوم کا طرفدار نہیں۔ اور کہ ہر ایک ملک میں

طلب حق کی مشعل روشن ہوئی ہے اور ہر ایک قوم میں نبی ہوئے ہیں۔ اور کہ اگرچہ ایک خاص مذہب یا خاص عقیدہ ہماری حد بندیوں کی وجہ سے ضروری ہوتا ہے مگر ساری صداقت اس خاص مذہب یا عقیدہ میں ہی نہیں ہوتی۔

"اور کہ ہمیں یہ بات بھی اب معلوم ہو گئی ہے کہ صداقت ہمیشہ سے تدریجی طور پر ترقی کے ادنیٰ سے اعلیٰ مراتب طے کرتی چلی آئی ہے۔ ملاکی آخری نبی نہیں تھا اور نہ یوحنا آخری رسول تھا اور ہم اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ بائبل خدا کا آخری کلام نہیں۔ خدا گونگا نہیں کہ بائبل کے بعد اسنے کلام کرنا چھوڑ دیا ہو"

یہ الفاظ جنپر مینے خط کھینچدیا ہے کیسے دلکش ہیں۔ مگر کیا یہ بائبل کی کسی تعلیم کا نتیجہ ہیں یا عیسائی مذہب کبھی ایسے لفظ گوارا کر سکتا تھا۔ خود منہ سے ایسے لفظ نکالنا تو ایک طرف رہا۔ ایسے لفظوں کو کوئی دیندار عیسائی سن بھی نہ سکتا تھا۔ یہ کفر اور ارتداد سمجھا جاتا تھا جسکی سزا آگ میں جلانا تھا۔ مگر آج عیسائیوں کو بھی اسلام کا یہ سچا اصل تسلیم کرنا پڑا کہ خدا کسی قوم کا طرفدار نہیں اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں خدا نے اپنے نبی نہ بھیجے ہوں۔ مذکورہ بالا الفاظ جنکو مینے لنڈن کوارٹرلی ریویو سے نقل کیا ہے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ کے پیغام صلح سے لیئے گئے ہیں۔ اور کم از کم اس بات سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ان پاک الفاظ کو کہ خدا گونگا نہیں ہو گیا کہ اب اس نے کلام کرنا چھوڑ دیا ہو۔ اس زمانہ میں حضرت مرزا صاحب نے ہی تازہ کیا ہے ورنہ قریب تھا کہ مسلمانوں کا اعتقاد بھی خدا کے کلام کے متعلق دوسری قوموں کی طرح ہی ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کلام اب معطل ہو چکی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں اس بات کو تسلیم نہ کیا گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام کسی زمانہ میں کسی انسان پر نازل کیا۔ مگر جب اِس زمانہ میں ایک شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ اب بھی اپنا کلام مجھ پر نازل کرتا ہے تو اسکو ایسا استبعاد کی نظر سے دیکھا گیا کہ گویا خدا کا انسان سے کلام کرنا ایک محال امر تھا یا صرف گذشتہ زمانہ کا ایک قصہ۔ تعجب ہے کہ جس صورت میں اللہ تعالیٰ کی باقی تمام صفات کو معطل نہیں مانا جاتا تو اسکی صفت کلام کے ہر زمانے میں ظاہر ہونیکا کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ لوگ دنیا پر

اسقدر جھک گئے کہ وہ خدا کی طرف سے بالکل غافل اور بیخبر ہو گئے پس جب انکا تعلق اپنے
مالک سے نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنا تعلق ان سے چھوڑ دیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا
اب آئندہ انسانوں سے کوئی تعلق ہی نہ رکھیگا۔ یہی ایمان تھا جو ثریا پر اُٹھ گیا کیونکہ یہی ایمان
کی اصل روح ہے اور اسی ایمان کو اس زمانہ میں سلسلہ احمدیہ کا مقدس بانی واپس لایا اور ایک
دراز عرصہ تک وہ اس بات کو لوگوں کے ذہن نشین کرتے رہے یہانتک کہ گو کھلے کھلے
طور پر اس بات کا اعتراف کرنیوالے تھوڑے ہوں کہ انہوں نے اسی سرچشمہ سے یہ فیض
حاصل کیا۔ مگر ہم دنیا میں عام طور پر ایک حرکت پاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ
انہی اصول کی قبولیت کی طرف جارہی ہے۔

عیسائی مذہب کا نیا علم کلام

نیو تھیولوجی کے نام سے پادری کیمبل نے لندن میں
ایک نیا عیسائی فرقہ قائم کیا ہے۔ یہ فرقہ برائے نام انہی
مذہبی اصطلاحات کا استعمال کرتا ہے جو پُرانے عیسائی کرتے تھے مگر ان اصطلاحات سے
مفہوم اور مراد لیتا ہے۔ اس فرقہ میں عموماً وہ لوگ شامل ہیں جو عیسائی عقائد سے بیزار
ہو چکے ہیں مگر دہریہ نہیں۔ بلکہ خدائے تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرتے ہیں۔ انکی اصطلاح میں
الہام الٰہی پُرانے عیسائیوں کی طرح بائبل کے لکھنے والوں یا بائبل کے چند پیغمبروں تک محدود
نہیں۔ بلکہ وہ مانتے ہیں کہ الہام الٰہی ہمیشہ سے اور ہر ملک میں ہوتا رہا ہے اور ہر وقت ہو سکتا
ہے۔ گو وہ الہام الٰہی کو صرف اس حد تک صحیح سمجھتے ہیں کہ دل میں صفائی سے ایک بات
ڈال دیجاتی ہے۔ اور خدا کے کلام کے قائل نہیں۔ بائبل کو بھی وہ خدا کا الہام انہی معنوں
میں سمجھتے ہیں مگر وہ ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہر ایک قوم میں انکے اپنے اپنے پیغمبر
اور ولی گذرے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ سے وہ محبت رکھتے ہیں اور انکی تعظیم کرتے ہیں مگر اسی حد تک
جو تاریخ سے ثابت ہو (گو پُرانا عقیدہ ایسا راسخ ہے کہ اس بات کے اقرار کے باوجود فرضی مسیح
کی تصویر انکے خیالات میں غالب رہتی ہے) وہ نجات کا دارومدار نہیں بلکہ انکی زندگی سے
نیک اخلاقی سبق اسی طرح حاصل کیا جا سکتا ہے جیسا کہ گذشتہ یا موجودہ زمانہ کے دوسرے
نیک اور بڑے بڑے آدمیوں کی زندگی کے واقعات سے۔ انکی انجیل متی۔ مرقس۔ لوقا یا

یوحنا کی انجیل نہیں بلکہ انسان کے اندر جو ایک اخلاقی احساس صداقت کا اور اپنے غرض کو ادا کرنیکا موجود ہے اسی کو اپیل کرنا انکے نزدیک انجیل کی منادی ہے۔ وہ انجیل کے معجزات کو تسلیم نہیں کرتے مگر معجزات کو اس رنگ میں مانتے ہیں کہ کُل دنیا ہی ایک معجزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے اعراض

وکاین من اٰیۃ فی السمٰوات والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون۔ اور کتنی نشانیاں آسمانوں اور زمین میں ہیں کہ انپر لوگ گذرتے ہیں اور انسے مُنہ پھیر لیتے ہیں۔ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ لوگوں کیحالت پر افسوس ظاہر فرماتا ہے کہ وہ نشان بھیجتا ہے مگر لوگ انکی پروا نہیں کرتے۔ یہ حالت انسانوں کی کسی ایک خاص زمانہ سے مخصوص نہ تھی بلکہ ہمیشہ یہی حال رہا ہے جب جب اللہ تعالیٰ نے اپنا کوئی نبی بھیجا اور اسکے ذریعہ اپنے نشان لوگوں کو دکھلائے تب تب ہی ایک بڑی جماعت انسے مُنہ پھیر نیوالی رہی ہے۔ اٹلی کا زلزلہ جو ۲۸ دسمبر ۱۹۰۸ء کو آیا واقعی ایک قیامت کا نمونہ تھا اور ایسے زلزلے کیلئے صریح الفاظ میں پیشگوئی خدا کے اس کلام میں موجود تھی جو اسنے اپنے برگزیدہ بندہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب پر اُتارا۔ ایک دو آدمیوں نے نہیں بلکہ کُل تاریخ سے واقف لوگوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ جسقدر آفت انسانوں پر اس زلزلہ میں آئی ہے اسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں پہلے نہیں ملتی چنانچہ رسالہ ریویو آف ریویوز میں بھی اسی بات کو تسلیم کیا ہے کہ "جب سے نسل انسانی اس زمین پر آباد ہوئی ہے بڑے بڑے زلزلے آتے رہے ہیں۔ مگر جسقدر زمانہ تک تاریخ کی شہادت پہنچتی ہے اس میں کوئی زلزلہ ایسا نہیں پایا جاتا جس سے چشم زدن میں اسقدر انسانی جانیں ضائع ہوئی ہوں" دوسری طرف جب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کو دیکھتے ہیں تو ان میں بھی یہ بات بالصراحت پائی جاتی ہے کہ زلزلۃ الساعۃ یا ایک ایسا خطرناک زلزلہ دنیا میں آئیگا جسکی تباہی کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ہوگی۔

اب جب ایک طرف ہم اس واقعہ کو دیکھتے ہیں اور دوسری طرف پیشگوئی میں اس واقعہ کے متعلق ایسی صراحت دیکھتے ہیں۔ یعنی پیشگوئی کہتی ہے کہ ایسا زلزلہ آنیوالا ہے جسکی تباہی

کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کوئی نہ ہوگی اور دنیا نے خود شہادت دیدی کہ ایک ایسا زلزلہ آیا جسکی تباہی کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کوئی نہیں ملتی تو مَیں نہیں سمجھتا کہ وہ کونسا امر مشتبہ باقی رہ جاتا ہے جس سے ایک منکر کو اس نشان سے اعراض کرنیکی راہ مل سکے۔* مگر مَینے تعجب سے بعض اعتراض اس پیشگوئی پر پڑھے ہیں جو نہایت ہی بودے ہیں۔ مثلاً ایک اعتراض یہ ہے کہ حقیقۃ الوحی میں حضرت صاحب نے یہ لکھا تھا کہ جسطرح یورپ اور امریکہ میں زلزلے آئے اسی طرح ایشیا میں بھی آئینگے۔ مگر اس سے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ وہ زلزلہ نمونہ قیامت جسکی تباہی کی نظیر دنیا میں نہیں یا اگر ایسے زلزلے ایک سے زیادہ آنیوالے ہیں تو وہ سب کے سب ایشیا میں ہی آئیں گے۔ کتاب حقیقۃ الوحی میں صاف طور پر لکھا ہے "یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے اور بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہونگے" اور پھر اسی پیشگوئی میں آخر پر یہ الفاظ ہیں "اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کریگا مَیں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں" اب کسقدر صراحت سے پیشگوئی کہہ رہی ہے کہ ایسے زلزلے یورپ میں بھی آنیوالے ہیں اور ایشیا میں بھی اور جزائر میں بھی مگر کوئی جان بوجھکر آنکھیں بند کرے تو اسے راہ دکھانا مشکل ہے۔ پھر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ زلزلہ نمونہ قیامت ۲۸۔ فروری ۱۹۰۶ء کا زلزلہ تھا۔ یہ بات صداقت سے بالکل بعید ہے۔ حضرت صاحب نے کسی اشتہار میں ہرگز یہ نہیں لکھا کہ زلزلۃ الساعۃ ۲۸۔ فروری ۱۹۰۶ء کو آچکا بلکہ وہ ایک الگ پیشگوئی تھی "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی"۔ جو ۲۸ فروری کے زلزلہ سے پوری ہوئی۔ اصل بات یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر دکھایا جا چکا ہے پیشگوئیوں میں ایک زلزلہ کی نہیں بلکہ کئی زلزلوں کی خبر ہے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ کم از کم ایک ایسا زلزلہ آتا جسے زلزلۃ الساعۃ کہا گیا ہے جسکی تباہی کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہ ہو۔ اور ۲۸ فروری ۱۹۰۶ء کے بعد کے تو حضرت صاحب کے بہت سے الہامات ہیں جن میں زلزلۃ الساعۃ کی خبر دی گئی ہے کہ وہ ابھی آنیوالا ہے۔ ایسے اعتراض کرنیوالوں کی غرض سوائے اس کے کچھ نہیں کہ لوگوں کو دھوکہ میں ڈالیں۔

ایک ہی نشان نہیں اور بھی کئی نشان ہیں۔ مثلاً حیدر آباد کے طوفان کا نشان۔

* یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت صاحب نے لکھا تھا کہ متقی بچائے جائیں گے پس جسقدر لوگ دنیا میں اس زلزلہ سے بچ رہے ہیں وہ سب اس پیشگوئی کے مطابق متقی ہوئے۔ یہ عجیب منطق ہے ہاں اگر پیشگوئی میں یہ لفظ ہوں کہ اس زلزلہ سے ساری روئے زمین پر رہنے والے م[illegible] انسان کل [illegible] سوا اس کے کہ [illegible] اعتراض تھا۔ البتہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری [illegible] کیونکہ اس لفظ کے [illegible] ایک معنی بھی [illegible] ہے۔ منہ

اسی حقیقۃ الوحی والی پیشگوئی میں حضرت صاحب ہندوستان کو صاف الفاظ میں مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے "نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائیگا" سو کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حیدرآباد کے طوفان نے نوح کے زمانہ کو یاد نہیں دلایا۔ صرف اسوجہ سے کہ وہ عذاب انکے اپنے سروں پر نازل نہیں ہوا نادان مخالف اسکو ہنسی میں اڑانا چاہتے ہیں مگر جنکے سروں پر یہ مصیبت گذری ہے انسے پوچھو۔ اس مصیبت کا نقشہ جسنے اسے دیکھا ہے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ شب ہے شب قیامت دن ہے حساب کا دن وقت آگیا سزا کا عہد آگیا جزا کا۔

ایسا ہی ایران کی موجودہ بیچینی کے متعلق کیسے صاف الفاظ میں حضرت اقدس کی پیشگوئی موجود ہے۔ "تزلزل در ایوان کسریٰ افتاد" اس الہام کے شائع ہونیکے وقت ایران امن کی نیند سوتا تھا مگر اب کیسا تزلزل واقع ہوا ہے کہ خود کسریٰ کا جانشین بے دست و پا ہے۔ آج کی تاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری صوبہ خراسان میں انجمن نے بادشاہ کے خلاف اپنی سلطنت قائم کر لی اور انگریزی اور روسی سفارتوں کو اطلاع دیدی ہے کہ وہ بجائے شاہ کے انجمن سے خط و کتابت کریں۔ اور یہ تو ابھی مصائب کا آغاز ہے معلوم نہیں کہ یہ تزلزل جو اسوقت کسریٰ کے محلوں میں پڑا ہے کیا کیا نتیجے دکھائیگا۔ ایسے ہی اور بہت سے نشان ہیں مثلاً تقسیم بنگال کے متعلق حضرت صاحب کا یہ الہام تھا کہ تقسیم منسوخ نہیں ہوگی مگر گورنمنٹ بنگالیوں کی دلجوئی کریگی۔ اس دلجوئی کو ساری ہندوستان نے کیا ہندو اور کیا مسلمان کیا کانگریس والے اور کیا دوسرے لوگ سب نے محسوس کیا ہے اور اسپر خوشی کے نعرے بلند کئے ہیں۔ دراصل اس پیشگوئی کا اثر تو اسیوقت سے شروع ہو گیا تھا۔ کیونکہ جن اصلاحات کا اعلان آج کیا گیا ہے انکے متعلق پہلی تجویز قریب اڑھائی سال آج سے پہلے گورنمنٹ کر چکی تھی۔ اور باہمی خط و کتابت میں یہ معاملات طے ہو رہے تھے جیساکہ آج کے پائونیر سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کیا کسی انسان کی طاقت میں تھا کہ ایسی بات تین سال قبل از وقوع بتا دیتا۔ اور پھر دیکھو بنگالیوں نے کسقدر زور لگایا مگر جیسے الہام الٰہی میں خبر دیجا چکی تھی تقسیم بنگالہ منسوخ ہوئی۔ یہ ایک دو نشان نہیں بلکہ ایسے کھلے کھلے نشانوں کی بہت سی مثالیں ہیں مگر اعراض کرنیوالے پہلے بھی ہوتے رہے اور اب بھی ہیں۔ انکا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

میرا خیال ہے کہ آئندہ اس رسالہ کے ذریعہ سے ایک مختصر سی ماہوار رپورٹ انجمن کے کاموں کی احباب تک پہنچتی رہے۔ جنوری کے مہینہ میں مدرسہ تعلیم الاسلام میں تعداد طلباء میں کوئی معتد بہ ترقی نہیں ہوئی اور نہ ہی جن احباب نے جلسہ کے موقعہ پر اپنے بچوں کو یہاں بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ ابھی تک اسکا ایفا فرمایا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ مدرسہ دینیہ کی سکیم اور دیگر امور متعلقہ کیلئے انجمنوں کی خدمت میں درخواست کیگئی تھی اور بعض احباب کو خصوصیت سے خطوط لکھے گئے تھے کہ وہ اپنے مشوروں سے مستفید فرمادیں مگر بہت تھوڑے احباب نے اس طرف توجہ فرمائی ہے۔ ۱۰ فروری ان مشوروں کیلئے آخری تاریخ رکھی گئی تھی۔ جسقدر رائیں پہنچ چکی ہیں اپر غور کرنیکے لئے مجلس معتمدین نے ایک سب کمیٹی مقرر کی ہے جو امید ہے ۲۰ فروری تک اپنی رائے مجلس میں پیش کرنیکے لئے بھیجدیگی اور مجلس معتمدین فروری کے اخیر اسپر غور کریگی۔ میگزین کی خریداری میں ایام جلسہ کی تحریک سے خاصی ترقی ہوئی ہے۔ جسقدر رسالہ باہر بھیجا جاتا تھا وہ بدستور جاتا ہے۔ اسکے علاوہ انگریزی میں حضرت اقدس کے جلسہ مہوتسو والے لیکچر کا تین ہزار یا پانچ ہزار طبع ہونا منظور ہو چکا ہے اور یہ کام عنقریب شروع ہو جائیگا۔ قاعدہ یسرنا القرآن چھپکر تیار ہو گیا ہے کسیقدر مختصر اور عربی کے دونوں حصوں کو ایک جگہ کر دیا گیا ہے۔ قیمت بھی کم کر دیگئی ہے یعنی ۱؍۔ مجلس معتمدین نے بعض احباب کی تحریک پر یہ منظور کیا ہے کہ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ مع کاروائی جلسہ جس میں سب تقریریں یکجا جمع کیجاویں ایک رسالہ کی صورت میں الگ شائع کیجاوے اور صرف لاگت پر فروخت کیجاوے۔

سب سے اہم کام جو اسوقت ہو رہا ہے وہ بورڈنگ ہوس اور مدرسہ کی تعمیر کا کام ہے۔ بورڈنگ ہوس کے نقشہ کے متعلق ضروری امور اپنی جماعت کے سات ماہرین عمارت کے مشورہ سے طے ہو چکے ہیں اور انکے مطابق اخویم منشی نورالدین صاحب نقشہ نویس لائل پور نقشہ تیار کر رہے ہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ بورڈنگ ہوس کے ایک حصہ کے لئے پندرہ لاکھ اینٹ بکار ہوگی اس لئے بھٹہ کا کام جو سال گذشتہ میں شروع کیا گیا تھا مگر بعض مجبوریوں کیوجہ سے وہ رکا رہا اسوقت بسرعت تمام شروع ہے۔ قریب تین لاکھ اینٹ پک چکی ہے۔ اور بارہ لاکھ اور کیلئے اسوقت کم از کم بارہ ہزار روپے کی اور ضرورت ہے۔ فنڈ تعمیر میں اسوقت صرف پانچہزار روپے کے قریب باقی رہ گیا ہے جو فروری کے اخیر تک قریباً خرچ ہو جائیگا پس سر دست سات ہزار روپیہ چاہیئے اور غالباً تین ہزار بنیادوں پر خرچ ہو جائیگا۔ یہ دسہزار روپیہ بہت جلد بکار ہے احباب خاص توجہ کریں۔ ایسا نہ ہو کام درمیان میں رک جائے جو احباب پہلے وعدے کر چکے ہیں انہیں خاص توجہ کرنی چاہیئے۔ اگر بھٹہ کے کام میں روپیہ کے کم ہونے کی وجہ سے کوئی روک واقع ہوگئی تو اس سے قوم کا بہت سا مالی نقصان ہوگا پس جسقدر کوشش اس موقعہ پر چندہ تعمیر کیلئے احباب

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

رسالہ ریلیجنز
ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۹ء نمبر ۳

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مارچ ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام میں شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عوام سے عہ طلباء سے عہ

ضروری اطلاع

تفسیر القرآن کا حجم اس سال زیادہ کر دیا گیا ہے۔ یعنی بجائے ساٹھ صفحے سالانہ کے قریباً نوے صفحے سالانہ ہوا کرینگے اور قیمت میں اسقدر اضافہ کیا گیا ہے کہ بجائے ۱۲ر کے عہ سالانہ ہوگی چونکہ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر اکثر احباب نے یہ شوق ظاہر کیا تھا کہ اسکے صفحوں کی تعداد بڑھائی جاوے تاکہ جلد ہی کوئی معتد بہ حصہ قرآن کریم کی تفسیر کا لوگوں تک پہنچ جاوے اسلیئے یہ تبدیلی کیگئی۔ اکثر احباب نے یہ بھی عادہ فرمایا تھا کہ وہ نئے خریدار پیدا کرینگے۔ امید ہے کہ سب دوست توسیع اشاعت کی کوشش کرکے ان نادر مضامین کو جو اس تفسیر میں نکلتے ہیں دوسرے بھائیوں تک پہنچانیکا ذریعہ بنکر ثواب حاصل کرینگے

اوامر و نواہی:۔ ۳۰۰ سے زائد صفحوں کی کتاب ہے جس میں سید عبد الحیی صاحب عرب نے قرآن کریم کے احکام اور نہیان جمع کی ہیں۔ اصل آیات کے ساتھ اردو ترجمہ بھی ہے۔ اسکے علاوہ چھ قسم کی اربعین اس کتاب کے ساتھ بڑھائی گئی ہے۔ اصل قیمت اس کتاب کی عہ تھی۔ مگر صدر انجمن نے عرب صاحب سے بہت سی جلدیں خرید کر قیمت قریباً نصف کر دی ہے یعنی ۹ر فیجلد۔ ایک نہایت مفید کتاب ہے۔ احباب اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ دیں۔ انجمن کے پاس جسقدر جلدیں ہیں وہ فروخت ہو جانیکے بعد یہ کتاب پھر اصل قیمت پر مل سکیگی۔

یسرنا القرآن:۔ اس قاعدہ کی قبولیت اب ملک میں عام طور پر پھیل گئی ہے۔ اور اب چوتھی مرتبہ تعداد میں چھ ہزار شائع کیا گیا ہے۔ قیمت بھی کم دی گئی ہے۔ یعنی عربی حصہ کی قیمت جسے پڑھنے کے بعد بچہ قرآن شریف کو خود بخود پڑھنے لگتا ہے۔ ۱۰ر کر دی گئی ہے۔ پہلے ۲ر قیمت تھی۔

البیان:۔ حضرت مولوی محمد احسن صاحب کی لطیف تصنیف ہے جس میں مس شیطان والی حدیث پر مبسوط بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۱ر

عمدۃ الاحکام۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفقہ حدیثیں مع ترجمہ۔ قیمت ۵ر

اسلام کی پہلی کتاب:۔ مصنفہ ماسٹر عبد الرحمن صاحب قیمت صرف ۴ر فی جلد ہے۔

آئینہ صداقت:۔ مصنفہ مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر قیمت صرف ۲ر

مبادی الصرف:۔ مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح مولنا حکیم نورالدین صاحب قیمت صرف ۲ر

ضروری گذارش:۔ جن احباب نے [illegible] (محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان)

مجموعہ فتاویٰ احمدیہ:۔ مصنفہ مولوی محمد فضل خانصاحب چنگوی۔ قیمت جلد اول ۔ دوم ۔ سوم ۔ ہے۔ ۸ر ۱ر

الاستخلاف:۔ مصنفہ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل آف گولیکی قیمت صرف ۲ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سکھ مذہب کا تعلّق اسلام سے

(بھائی بالا کی جنم ساکھی)

لغت اسلام مصنفہ ہیوز صاحب میں ایک لمبا مضمون سکھ مذہب کے متعلق ہے جس کا لکھنے والا ایک شخص مسٹر فریڈرک پنکوٹ ہے۔ جس نے سکھ مذہب اور اسلام کے تعلق پر ایک قابلانہ نظر ثانی کی ہے۔ اس مضمون کی بنیاد اور کتابوں کے علاوہ گرنتھ صاحب اور باوا نانک صاحب کی اس جنم ساکھی پر بھی ہے جو کہ پرانی پنجابی میں لکھی ہوئی ہے اور جس کا ایک پرانا نسخہ اب انڈیا آفس میں لنڈن میں موجود ہے۔ اسلام کی ڈکشنری میں سکھ مذہب پر کوئی مضمون لکھنا اس شخص کی نظر میں جسے موجودہ زمانے کے سکھوں سے کوئی واسطہ پڑا ہو یا جس نے انکے مذہب کی موجودہ ہیئت کو ہی دیکھا ہو اگر حد درجہ کی مہمل بات نہیں تو کم سے کم دونوں مذہبوں سے ایک ایسی جہالت اور ناواقفیت کا ثبوت ہے جس سے درگذر کرنا مشکل ہے۔ لیکن اگر سکھ مذہب کے بانی کی سوانح عمری کا اچھی طرح سے مطالعہ کیا جاوے تو پتہ لگ جائیگا کہ اسلام اور سکھ مذہب کے درمیان اس سے بھی بہت بڑھکر گہرا تعلّق ہے جو کہ مسٹر پنکوٹ نے ثابت کیا ہے۔ اگر سکھوں کی پرانی روایتوں اور یادگاروں کی پوری اور کامل تحقیقات کیجاوے تو ہر ایک شخص کو ماننا پڑتا ہے کہ سکھ مذہب اسلام اور ہندو مذہب کے

بین بین کوئی چیز نہ تھی بلکہ اس نے اسلامی عقائد کو اس طرح اختیار کیا۔ اور ہندو عقائد سے اسطرح بیزاری ظاہر کی کہ اگر ہم یہ کہیں کہ ابتدا میں سکھ مذہب اسلام کا ہی ایک فرقہ تھا تو یہ کہنا حق اور حقیقت سے بہت قریب ہے بہ نسبت اس کے کہ یہ کہا جاوے کہ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبوں سے مل جلکر بنا ہے۔ سکھ مذہب کی اصل حقیقت کو ظاہر کرنیکے لیئے اس مضمون میں مَیں صرف اس شہادت پر بحث کرونگا جو ایک دوسری جنم ساکھی سے جسکا نام بالا کی جنم ساکھی ہے پیدا ہوتی ہے لیکن پیشتر اسکے کہ مَیں اصل مضمون پر بحث کروں مَیں بڑے اختصار سے ان واقعات کو بیان کرونگا جنسے یہ پتہ لگتا ہے کہ یہ شہادت جو بالا کی جنم ساکھی سے ملتی ہے ایسی شہادت نہیں جسکی تائید دوسرے ذرائع یا سکھ مذہب کے بانی کے دیگر حالات سے نہ ہوتی ہو۔ بلکہ دیگر تمام ذرائع کی مجموعی شہادت بالا کی جنم ساکھی کی مصدق ہے۔

سکھ مذہب کے بانی باوا نانک صاحب تھے جو پیدائشی ہندو تھے۔ لیکن ہندو مذہب کا دائرہ ایسا وسیع ہے کہ غالباً صرف عقائد کی بنا پر یہ کہنا مشکل ہے کہ اسکی حد کہاں ختم ہوتی ہے جس سے انسان کو پتہ لگ جاوے کہ اگر ایک شخص اس حد کو توڑے تو وہ اس مذہب سے خارج سمجھا جاوے۔ لیکن جو کمی عقائد اور مسائل میں رہ گئی ہے اسے رسم و رواج نے پورا کر دیا ہے قریب قریب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص جو چاہے اعتقاد رکھے یہانتک کہ مخفی طور سے اگر ان فرائض کو بھی ادا کرتا ہے جو ہندو مذہب کے سوا دیگر مذاہب میں پائے جاتے ہیں تو بھی وہ ہندو مذہب کے دائرہ سے خارج نہیں ہو سکتا۔ لیکن فرض کرو اس نے مسلمانوں سے میل جول شروع کر دیا ہے یہانتک کہ وہ اُنکے ساتھ کھانے پینے بھی لگ گیا ہے یا اگر وہ کھلے طور سے اسلامی فرائض کی پابندی کرے تو اسکو ہندو سوسائٹی میں ہرگز گھسنے نہیں دینگے۔ اب اگر کوئی چیز یقینی طور سے سکھ مذہب کے بانی حضرت باوا نانک صاحب علیہ الرحمۃ کے بذریعہ تعامل ثابت ہے تو وہ یہی ہے کہ اگرچہ آپ پیدائشی ہندو تھے مگر آپ مسلمانوں سے خلط ملط کرتے رہے اور عام طور سے اسلامی اعمال و فرائض بجا لاتے رہے اور اسلامی عقائد کے پابند رہے۔ آپنے جو سفر بنارس کا کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہر صورت میں آپ نے ہندو ہونیکا کوئی نشان بھی اپنے ساتھ نہ رکھا تھا۔ برخلاف اسکے آپ مسلمانوں کے

لباس میں رہتے اور تمام مسلمان فقیروں کے نشانات اپنی وضع قطع میں رکھتے تھے۔ آپنے اپنی زندگی مشائخ اور فقراء کے ساتھ گذاری اور انہی کے ساتھ کھاتے پیتے رہے۔ آپ صرف مسلمان صوفیاء کے پاس الٰہی رازِ حقیقت سمجھنے کے لیئے جایا کرتے تھے مگر آپکی تمام زندگی میں ایک واقعہ بھی ثابت نہیں کہ آپ کسی پنڈت سے فیض حاصل کرنیکے لیئے گئے ہوں۔ آپ کھلم کھلا چلّے کھینچتے جسطرح کہ مسلمان صوفیاء کا قاعدہ تھا اور جہاں جہاں آپنے چلہ کشی کی ہے وہاں اب تک آپکی یادگاریں موجود ہیں۔ آپنے مکّہ کا حج کیا اور مسلمان ممالک میں سے ہوکر گئے۔ ان تمام سفروں میں اگر آپ کا کوئی گہرا رفیق تھا تو وہ بھی ایک مسلمان ہی تھا۔ آپنے مسلمان فقراء کی روش اور لباس اختیار کیا اور آپکے پہلے مرید بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ پانچویں گرو ارجن کے زمانے تک جسقدر باوا نانک صاحب کے جانشینوں کی تصاویر موجود ہیں وہ سب اسطرح کی ہیں کہ گویا مسلمان فقیر ہیں جنکے ہاتھوں میں تسبیحیں ہیں۔ مگر گرو ارجن نے اپنے پہلے آباؤ اجداد کی رسم و عادات کو بالائے طاق رکھدیا اور مسلمانوں کا دشمن بن گیا۔ پھر یہ ایک اور عجیب بات ہے کہ باوا نانک صاحب نے ایک مسلمان گھر میں شادی کی۔ یہ آخری بات خاص کرکے زیادہ تر توجہ کے قابل ہے۔ کوئی شریف مسلمانوں کا خاندان ایسی بات گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ اپنی لڑکی ایک ہندو کو دیدے اسلیئے وہ باوا نانک صاحب کو کسطرح لڑکی دے سکتے تھے جبتک کہ انکو یہ پورا یقین نہ ہوگیا ہو کہ آپ واقعی مسلمان ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت میں مسلمان عورت کی غیر مسلمان مرد کے ساتھ شادی ناجائز ہے اگرچہ مسلمان مردوں کو اختیار ہے کہ وہ غیر مسلمان عورتوں کے ساتھ شادی کرلیں ایسی تو بہت سی مثالیں موجود ہیں جن سے یہ پتہ لگتا ہے کہ کئی ایک شریف مسلمانوں نے غیر مسلم عورتوں سے نکاح کیئے مگر ایسی مثال کوئی نہیں جس سے یہ پتہ لگے کہ ایک ثقہ بھلے خاندان کی مسلمان عورت نے غیر مسلم مرد سے نکاح کیا ہو۔ علاوہ ازیں باوا نانک صاحب ایک ایسے ملک میں رہتے تھے جو مسلمانوں کے ماتحت تھا اور جس جگہ یہ بات قانوناً کبھی برداشت نہیں کیجا سکتی تھی کہ ایک مسلمان عورت کا نکاح ایک غیر مسلم مرد کے ساتھ شریعت کے خلاف روا رکھا جاوے۔ اگر ہم آپکی تعلیم کو دیکھیں تو صاف پتہ لگتا ہے کہ وہ ہندو رسومات اور عقائد کے

برخلاف ہیں اور بڑے زور سے ان عقائد اور رسوم کی بیخکنی کی گئی ہے۔ آپ نے تفریق ذات کے برخلاف بڑے زور سے وعظ کیا اور ایسی رسومات کی سخت مذمت کی جیسی کہ زنار پہننا۔ بُت پرستی اور سوتک وغیرہ کی رسوم اور عقائد ہیں۔ اگرچہ یہ باتیں بھی اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ باوا صاحب نے ہندو مذہب کو ترک کر دیا تھا کیونکہ اس زمانے میں ہندو دھرم کے یہی بڑے بڑے نشان تھے۔ تاہم سکھوں کی مقدس کتابوں میں اس سے بھی زیادہ واضح ثبوت ملتا ہے کہ باوا صاحب نے واقعی ہندو مذہب کو بالکل ترک کر دیا تھا۔ خدا کی وحدانیت کو جس طرح آپ نے گرنتھ صاحب میں بیان کیا ہے وہ ہو بہو مسلمان صوفیوں کا طرز بیان ہے اور ہندو کتب میں اس کا نشان تک نہیں۔ آپ نے ہندوؤں کے مذہب کے اصل اصول یعنی اوتار کے عقیدہ کو رد کر دیا اور ہندو کے اس خیال کو غلط قرار دیا کہ پرمیشر اوتار لیا کرتا ہے یا یہ کہ پرماتما شکل انسانی میں حلول کرتا ہے۔ برخلاف اسکے آپ نے مسلمانوں کے اس عقیدہ کو قبول کر لیا کہ انسان ہی روحانی ترقی کے ذریعہ خدا سے وصال حاصل کرتا ہے جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں نے خدا کے وجود کو مانا ہے ان دونوں عقائد میں یہی ایک بڑا فرق ہے کہ ہندو خدا کا انسانی جسم میں حلول کرآنا مانتے ہیں اور مسلمانوں کے نزدیک انسان خدا سے جا ملتا ہے۔ باوا نانک صاحب نے ہندوؤں کے عقیدہ کو رد کر دیا اور مسلمانوں کے عقیدے کو قبول کر لیا۔ اگرچہ آپ ہندی زبان میں وعظ فرماتے جو کہ اُسوقت عام طور سے رائج تھی اور یہی ایک زبان تھی جسکے ذریعہ آپ اپنے خیالات عوام تک پہنچا سکتے تھے مگر آپکا عقیدہ خدا کی ذات کے متعلق وہی تھا جو مسلمانوں کا تھا۔ نیز آپ نے اس بارہ میں مسلمان صوفیار کی اصطلاحیں تک وہی رکھیں۔ آپ خدا کو واحد۔ احد۔ کر کے پکارا کرتے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اصطلاحیں آپ نے مسلمان صوفیار سے سیکھیں جن کی صحبت میں آپ مُدّت دراز تک رہے۔ آپ خدا کو نور کے نام سے تعبیر فرماتے ہیں چنانچہ آپکے اقوال میں ہے کہ "خدا نور ہے جس کے نور سے تمام میں نور ہے"۔ یہ بعینہٖ قرآنی آیت اللہ نور السموات والارض کا ترجمہ ہے۔ مسٹر نیکوٹ کا کہنا بالکل بجا اور درست ہے کہ "دینیہ اصطلاحات کی یگانگت جو صوفیوں اور باوا نانک کے اقوال میں پائی

جاتی ہے صرف خدا کی وحدانیت تک ہی محدود نہیں بلکہ صوفیوں کے اور اصطلاحی کلمات بھی سکھ مذہب میں پائے جاتے ہیں"

ہمارے پاس بہت سی مثالیں اس امر کے ثابت کرنیکے لیئے موجود ہیں کہ باوا نانک صاحب نے ہندو مذہب کو ترک کر دیا تھا۔ اور یہ ہم آپکے اقوال سے اور ان روایات سے جو آپکی طرف منسوب کی گئی ہیں ثابت کرسکتے ہیں۔ مگر فی الحال ہم ایک مثال پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ ہندوؤں کی الہامی کتابیں وید ہیں اس لیئے ایک شخص ہندو رہکر انکی مذمت اور تحقیر کرے یہ بات خیال سے باہر ہے۔ مگر باوا صاحب علی الاعلان ویدوں کی مذمت بیان کرتے تھے گرنتھ سے ثابت ہوتا ہے کہ باوا نانک صاحب نے ویدوں کو ایسا علوم اور معارف سے خالی پایا کہ آپنے "چاروں وید کہانی" بتلائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ وید سادھو یا خدا رسیدہ شخص کو پہچاننے سے بھی قاصر ہے یہ بھی فرمایا کہ بڑے سے بڑا جو معجزہ ویدوں نے دکھایا ہے وہ تناسخ کا مسئلہ ہے جس سے انکی مراد ویدوں اور مسئلہ تناسخ ہر دو کی تحقیر معلوم ہوتی ہے اصل بات یہ ہے کہ باوا نانک صاحب کی تعلیم یہ تھی کہ نجات اور ابدی زندگی ویدوں کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتی چنانچہ بہت سے اقوال سے یہ بات ثابت ہوتی ہے

ایک اور شہادت جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ باوا نانک صاحب نے ہندو مذہب قطعاً چھوڑ دیا تھا انکا چولہ ہے جسے چولہ صاحب کہتے ہیں۔ جو ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور میں آپ کا سب سے بڑا متبرک تبرک سمجھ کر محفوظ رکھا گیا ہے۔ اسی پرچے کی کسی پہلی اشاعت میں چولے کی مفصل کیفیت درج ہے۔ یہ ایک لمبا پیراہن ہے جو باوا صاحب اپنی زندگی میں زیب تن کیئے رہے اور انکے بعد انکے جانشین اسکو اسقدر متبرک سمجھتے تھے کہ انھوں نے ہر طرح اسکے محفوظ کرنیکی کوشش کی۔ کچھ عرصہ تو یہ چولہ باوا نانک صاحب کے جانشین جو گرو کہلاتے تھے انکے ہاتھ میں رہا۔ اور بعد میں یہی چولہ ایک سکھ کو بطور انعام کے دیا گیا کیونکہ اس نے اپنی تمام قوم کی ایک نہایت قابل قدر خدمت کی تھی۔ یہ چولہ اسقدر احتیاط سے اور اسقدر عزت و احترام سے محفوظ رکھا گیا ہے کہ آجتک باوا نانک صاحب کے کسی پیرو کے دل میں یہ شبہ نہیں گذرا کہ یہ وہی چولہ نہیں

جو خود باوا صاحب اپنی زندگی میں پہنتے تھے۔ جو اقوال باوا صاحب کے اب گرنتھ صاحب میں درج ہیں وہ انکی زندگی میں جمع نہیں کیئے گئے بلکہ یہ کام پانچویں جانشین گرو ارجن کے وقت میں کیا گیا اس لیئے سکھ مذہب کی حقیقت کے متعلق انپر ایسا اعتماد نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ بالکل صحیح ہوں کیونکہ اسوقت سکھوں نے اسلام کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ مگر یہ نقص اور عیب چولہ صاحب میں ہرگز موجود نہیں کیونکہ یہ چولہ خود باوا صاحب نے اپنے ہاتھ سے دیا اور اسی طرح ابتک چلا آتا ہے جسطرح یہ پہلے تھا۔ اس لیئے اس کی شہادت اعلیٰ درجہ کی معتبر اور صحیح ہوگی۔ یہ شہادت خود چولہ پر لکھی ہوئی ہے مگر جیسا کہ اب تحقیقات سے ثابت ہوا ہے اسپر سوائے قرآنی آیتوں کے اور کچھ نہیں لکھا اور وہ بات بالکل غلط ہے جو سکھوں کی روایات میں درج ہے کہ چولے پر مختلف زبانوں اور مختلف مذہبی کتابوں کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔ کیونکہ وہاں سوائے قرآنی آیات کے اور کچھ درج نہیں۔ اور جو قرآنی آیتیں اُسپر لکھی ہوئی ہیں وہ بڑے زور شور سے قرآن شریف کی صداقت اور مذہب اسلام کی حقانیت کو ثابت کر رہی ہیں۔ باوا نانک صاحب اس چولے کو اس غرض کیلیئے پہنتے تھے کہ آپکے مذہب کے بارہ میں کسی شخص کو کسی قسم کا شبہ نہ رہے۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ باوا صاحب کی تعلیم کی طرح چولہ کے متعلق بھی غلط فہمی ہی غالب آگئی یعنی جسطرح باوا صاحب کی تعلیم جو شروع شروع میں بالکل اسلام ہی اسلام تھی۔ مگر بعد میں اسلام اور ہندو مت کے درمیان ایک طرح کی مصالحت سمجھی گئی اسی طرح چولے کے متعلق بھی ہوا۔ چولہ کے اس قصہ نے جو ان دنوں عام طور سے مقبول تھا (اور یہی وجہ ہے کہ اسکو جنم ساکھیوں میں درج کیا گیا) یہ غلط فہمی پھیلائی کہ چولہ صاحب پر عربی آیتوں کے علاوہ سنسکرت کے اشلوک بھی درج ہیں۔ پھر اور مشکل یہ ہوئی کہ خود چولہ صاحب کا متبرک ہونا سچائی کی راہ میں حائل ہو گیا کیونکہ بسبب اُسکی عزت کے اسپر قیمتی غلاف چڑھنے شروع ہوئے جو کہ پوجاریوں نے ڈھیروں ڈھیر جمع کرنے شروع کر دیئے۔ یہانتک کہ اصل تحریر نظروں سے پوشیدہ ہو گئی کیونکہ وہ غلافوں کے اندر چھپ گئی اور غلط فہمی کو کام کرنیکا موقع اور ذریعہ مل گیا۔ علاوہ اس ثبوت کے جسکا پتہ چولہ صاحب سے چلتا ہے کہ باوا نانک صاحب کا کیا مذہب تھا خود چولہ صاحب کی تاریخ اس بات کو

ثابت کرتی ہے کہ باوا صاحب کے مریدوں نے انکی تعلیم کے برخلاف ایک غلط راہ اختیار کی۔ غلافوں کے اندر جو تحریر چولہ صاحب پر درج ہے اسکو کھولکر پڑھنا تو آسان ہے گرجہ غلافوں نے اس تحریر کو کتنا ہی کیوں نہ چھپایا ہو مگر باوا صاحب کی اصل تعلیم پر جو پردہ ڈالدیا گیا ہے اسکا اُٹھانا بہت ہی مشکل ہے کیونکہ گرنتھ اور جنم ساکھیوں میں صحیح کر ساتھ غلط کا اسقدر خلط ملط ہو گیا ہے کہ اب اسکا جدا کرنا ناممکن ہے اور یہ کام انہیں باوا صاحب کے پیرروں کا ہے جنہوں نے چولہ صاحب کے متعلق غلط فہمی کو پھیلایا۔

باوجود اس بات کے جسکا اظہار اوپر کیا گیا ہے گرنتھ صاحب اور جنم ساکھیوں میں ایسی ایسی باتیں موجود ہیں جنسے قطعی طور سے ثابت ہوتا ہے کہ آپنے اسلامی عقائد کو قبول کیا اور مسلمان بنے۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اس مضمون میں ہم سکھ روایتوں کے صرف ایک ذریعہ پر بحث کریں گے یعنی بھائی بالا کی جنم ساکھی پر۔ بالا باوا صاحب کا گہرا رفیق تھا اور جیسا کہ دوسری جنم ساکھیوں میں لکھا ہے آپکے سفروں میں بھی وہ ساتھ ہی رہتا تھا۔ چونکہ باوا صاحب کا اکثر حصّہ زندگی ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنے میں ہی گذرا ہے اسلیئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بانی سکھ مت سے اسے خوب واقفیت تھی۔ اور ہم بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ آپکا ہمراز تھا۔ یہ وہی شخص ہے جسکی زبانی آپکے پہلے جانشین گرو انگد کو آپکی زندگی کے حالات کا پتہ لگا۔ یہ سچ ہے کہ بالا کی جنم ساکھی میں سچ کے ساتھ جھوٹ اور تاریخی واقعات کے ساتھ فرضی قصّے بہت سے ملے ہوئے ہیں لیکن چونکہ بالا خود ہندو تھا اور باوا صاحب کی وفات کے بعد سکھ مت اسلام سے بُعد ہی اختیار کرتا چلا گیا اسلیئے اسلام کے حق میں جو کچھ شہادت اسکی جنم ساکھی سے مل سکتی ہے اسکو ہمیں قطعی اور ناقابل جرح شہادت تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اس شہادت کو فریق مخالف کی گواہی سمجھنا چاہیئے اس لیئے وہ بات جو دشمن بھی مانے اسکا انکار کوئی عقلمند نہیں کر سکتا ذیل میں وہ شہادت ہے جو ✤ بالا کی جنم ساکھی سے ہمیں ملتی ہے۔

✤ صفحات کے متعلق دیکھو جنم ساکھی بھائی بالا تیسری دفعہ کیکسٹن پریس انارکلی لاہور۔

صفحہ ۴۳ اپر لکھا ہے کہ باوا نانک کو الہام ہوا "کہ تیس پارے قرآن شریف کے ہین اور چار کوٹ ورتائیے اور ایک ہی نام کی مہما کرو اور دوسرا بیرا کوئی شریک نہیں سو تُو جگت میں جاکر اسدا ڈھنڈورا پھیر" خدا تعالیٰ کے اس حکم کے جواب میں کہتے ہیں کہ باوا صاحب نے بارگاہ الٰہی میں یہ التجا کی "کہ بولی ہو رہے اس بولی کو لوں ہندو ڈر دے ہین سمجھدے نہیں" پھر خدا تعالیٰ نے باوا صاحب کو الہام کیا "کہ وڈیائی تسانوں تسبیح دی ملی ہے دیول دیوتے اور پراچین پترتھ جو ہندواں دے ہین اوہناں نوں منسوخ کرو"

یہ باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ آپ مورد الہام ربانی تھے اور یہ بات ہندوؤں کے مسئلہ الہام کے بالکل مخالف ہے جو کہتے ہیں کہ خدا دنیا کے آغاز میں ایک ہی دفعہ بولا اور یہ کلام بھی چار رشیوں تک محدود رہی جنہوں نے وید بنائے اور اسکے بعد خدا کسی کے ساتھ نہیں بولا۔ مسلمانوں کے عقیدہ کے رو سے خدا تعالیٰ اپنے برگزیدوں کے ساتھ ہر زمانے میں کلام کرتا ہے اگرچہ ساتھ ہی انکا یہ اعتقاد ہے کہ قرآن شریف کے بعد کوئی نئی شریعت نازل نہیں ہوگی اور اس بات کو باوا نانک صاحب بھی تسلیم کرتے تھے بالا مذکورہ اقوال سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کیوں آپ نے ہندی میں پند و نصیحت کی اور اپنے وعظوں میں سنسکرت کے الفاظ یا سنسکرت سے نکلے ہوئے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ ہندو عربی زبان نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اس سے ڈرتے تھے کیونکہ جو کچھ اس زبان میں کہا جاتا تھا وہ بالکل نہیں سمجھتے تھے۔ اسلیئے باوا صاحب نے بھی انہی لوگوں کی زبان وعظ کرنے کیلیئے اختیار کی۔ پس جب آپ ایسے ایسے الفاظ جیسے کہ ہری ہر پرمیشر وغیرہ خدا تعالیٰ کیلیئے استعمال کرتے تھے تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ آپ نے ہنود کا عقیدہ خدا کے متعلق مان لیا تھا یا یہ کہ آپ ہندو اور مسلمانوں کے بین بین کوئی مذہب دونوں مذہبوں کی کاٹ چھانٹ کرکے بنانا چاہتے تھے۔ بالا کی جنم ساکھی سے جو اقوال ہم پیچھے لکھ آئے ہیں انکے رُو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان ناموں کو اسلیئے استعمال کرتے تھے تاکہ سننے والوں کے دلوں تک آپ اپنی باتوں کو ایک موثر پیرایہ میں پہنچا سکیں۔

بالا کی جنم ساکھی میں کلمہ طیبہ پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کا اقرار توحید و ایمان اس کلمہ طیبہ میں ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یعنی کوئی معبود نہیں مگر اللہ اور محمد اسکا رسول ہے'' اسکا نام کلمہ ہے اور اس میں ایمان کے دونوں بنیادی اصول شامل ہیں۔ کلمہ کے پہلے حصہ میں توحید کا اقرار ہے جو اسلام کو تمام مذاہب سے متمیز کرتا ہے اور دوسرے حصہ میں خدا کے مقدس رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار ہے یہی دو اقرار ہیں جنسے ایک شخص اسلام میں داخل ہو جاتا ہے بالا کی جنم ساکھی میں اسی کلمہ کی خوبیاں مختلف جگہوں میں بیان کی گئی ہیں ذیل میں چند اشلوک لکھے جاتے ہیں ' کلمہ اک پکار یاد و جاناہیں کوئی' ' کلمہ گو نہ سٹر ہن ہو کے بے ایمان' ' کلمہ پاک رسول پڑھ جھاڑے دے گناہ'' ' کلمہ پڑھیاں عذاب دین دنیا دا جائے' ' کلمہ جس نے آکھیا پہتاں کیوں ملے سزائے' ' کلمہ آکھیاں ایہ گن ہوئے گناہ توں پاک' ' نانک آکھے رکن دین کلمہ سچ پچھان۔ اکو روح ایمان دی جو ثابت رکھے ایمان'۔ ' کلمہ اک یاد کر اور نا بھا بات۔ نفس ہوائی رکن دین تس سے ہودین مات'۔

بالا کی جنم ساکھی سے معلوم ہوتا ہے کہ بانی سکھ مذہب کو نبی کریم صلعم کی رسالت کا اقرار تھا۔ صفحہ ۱۷۲ پر ذیل کا شلوک درج ہے ' ہندو کسن ناپاک ہے دوزخ جاون سوئی۔ کہدو اللہ اور رسول کو اوڑ بوجھو کوئی'۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۴ میں ہم پڑھتے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ کو دنیا کے اودھار کے لیئے بھیجا' پھر صفحہ ۱۳۹ پر لکھا ہے'' وہ پیغمبر ہویا اس دنیا کے مابین۔ نام محمد مصطفےٰ رب ڈاہڈا بے پرواہے''۔ صفحہ ۱۴۱ پر لکھا ہے '' پاک پڑھیو کلمہ رب دا محمدؐ نال ملائے۔ ہوا معشوق خدائے دا ہو اتُل آلی''۔ پھر اسی صفحہ پہ یہ لکھا ہے '' ڈٹھا نور محمدی ڈٹھا نبی رسول۔ نانک قدرت دیکھکر خودی گئی سب بھول''۔ حضرت باوا صاحب نہ صرف نبی کریمؐ کی رسالت ہی کے قائل تھے بلکہ وہ آپکو شفیع بھی مانتے تھے کیونکہ جنم ساکھی صفحہ ۱۹۵ پر لکھا ہے '' حجت راہ شیطان دی جنہاں کی قبول۔ سو درگہ ڈھوئی نہ ملے شفاعتؐ بھرے رسول''۔ آپکے نزدیک ہر ایک فرد بشر کیلیئے ضروری ہے کہ نبی کریمؐ کو مانے کیونکہ جنم ساکھی صفحہ ۱۹۶ میں آپ فرماتے ہیں۔ '' ہے پیغمبر مصطفےٰ تس دے چار یار۔ عمر خطاب۔ ابوبکر۔ عثمان علی دی چار''

"چاروں یار مسلمی چار مصلے کین۔ پنجواں نبی رسول ہے جن کیتا ثابت دین"
"اینہاں پچھے امام چار اعظم شافعی جان۔ مالک احمد آکھدے ثابت چار امام"
"چاروں یار مسلمی کدی نا آوے جا۔ جو اینہاں فرمایا اوہ چلائے راہ"
پھر آپ اسی کتاب کے صفحہ ۲۰۴ پر فرماتے ہیں "پڑھیا خطبہ نبی دا ہویا سگل انند"
پھر صفحہ ۲۰۵ میں لکھا ہے "اک کرن دے کارے آیا نبی رسول۔ لالچ دے وچ لگ کے دنیا گئی ہے بھول"۔

قرآن شریف کی نسبت باوا صاحب کا ایسا ہی اعتقاد ہے جیسا ایک مومن مسلمان کا ہو سکتا ہے۔ اور آپ کے تمام اقوال میں کلام مجید کی شان کے خلاف کوئی کلمہ درج نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف کی نسبت جو آپ نے ادب اور عزت ملحوظ رکھی ہے وہ اور کسی کتاب کی نسبت نہیں پائی جاتی۔ اور جو الفاظ آپ نے ویدوں کی نسبت فرمائے ہیں ان میں اور قرآن شریف کے متعلق الفاظ میں ایک نمایاں فرق ہے اور اگرچہ آپ کے ہندو میلان طبع کے پیرووں نے وید کے متعلق جو سخت الفاظ آپ کے تھے انکو بہت کچھ نرم کرنیکی کوشش کی ہوگی مگر تاہم جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں ویدوں کو آپ نے کوئی عزت نہیں دی۔ دنیا کی تمام الہامی کتابوں میں سے آپ صرف قرآن کریم کی عظمت اور قرآن شریف کے بابرکت اور ہدایت ہونیکے قائل تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ "توریت انجیل۔ زبور ترے پڑھ سن ڈٹھے وید۔ رہیا قرآن شریف کل جگ میں پروار" یعنی کہ توریت انجیل زبور اور وید پڑھ سنکر دیکھ لیئے ہیں تمام جہان میں نجات کا ذریعہ صرف قرآن شریف ہی ہے۔ پھر صفحہ ۱۳۹ پر فرماتے ہیں "ڈٹھی ہیں چار کتاب اکس باجھ نہ کوئی۔ وحدہٗ لاشریک ہے دوجا ہووانا ہوئی"، یعنی چار کتابوں کا مشاہدہ کیا مگر قرآن شریف کے بغیر دوسری کوئی کتاب نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے دوسرا اسکا کوئی ثانی نہیں۔

کہتے ہیں کہ آپ ہر طرح کی ظاہری رسم رسوم سے متنفر تھے۔ اور سچ بھی یہی ہے کہ آپ نے ہندوؤں کی تمام رسومات سے سخت بیزاری ظاہر کی ہے مثلاً زنار کا باندھنا۔ بچہ جننے کے بعد جو پاک ہونے کے لیئے رسومات ادا کیجاتی ہیں اور گنگا وغیرہ کا اشنان کرنا وغیرہ مگر آپ کے

حالات زندگی پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف ان رسومات کے مخالف تھے جو محض عبث اور بے جان تھیں۔ حالانکہ آپکے نزدیک بہت سی باتیں بہت ہی مفید تھیں۔ مثلاً آپ کا چلہ کشی کرنا چنانچہ پنجاب میں ایک جگہ ہے جس کا نام سرسہ ہے جہاں آپنے چلہ کشی کی تھی۔ وہ مقام ابتک چلہ باوا نانک کرکے مشہور ہے اور ساتھ ہی اسکے شیخ فرید علیہ الرحمۃ کا چلہ ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنکی صحبت اور خدمت میں باوا صاحب نے بارہ سال گذارے۔ اور جنکے آپ گہرے دوست تھے۔ اسطرح آپنے حاجیوں کا لباس پہنکر عصا۔ قرآن شریف۔ مصلے اور کوزہ ساتھ لیکر مکہ کا حج کیا۔ یورپین نقاد اور مورخین آپکے حج کعبہ کو ایک فرضی قصہ سمجھتے ہیں مگر اس حج سے انکار کرنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی کہدے کہ نانک دنیا میں کوئی شخص ہوا ہی نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپکے حج کے واقعہ کے ساتھ بہت سی جھوٹی باتیں بھی ملائی گئی ہیں۔ مگر کہانیوں کی خاطر ایک انصاف پسند مورخ کے شایان حال نہیں ہے کہ بالکل واقعہ ہی سے انکار کردے۔ یہ آپکی زندگی کا ایک ایسا واقعہ ہے کہ آپکی زندگی کی تمام تاریخوں کا اسپر اتفاق ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اسکی سچائی کا انکار کیا جاوے۔ شائید اس واقعہ کے انکار کی وجہ یورپین مورخین کے نزدیک، صرف یہی ہے کہ اس سے آپ اسلام کے بالکل نزدیک ہوجاتے ہیں یعنی اس سے آپ کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے مگر میں پہلے بیان کرآیا ہوں کہ آپ کی زندگی کے بہت سے ایسے واقعات موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ پکے مسلمان تھے۔ جو شخص چلہ کشی کرتا ہے اور ایک ایسا پیراہن پہنے پھرتا ہے جسپر یہ لکھا ہوا ان الدین عند اللہ الاسلام یعنی خدا کی نظر میں اگر کوئی دین ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ تو ایسے شخص کا حج کیلیئے جانا اور مکہ میں جاکر حج کرنا کوئی عجیب امر نہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ صرف مکہ دیکھنے کیلیئے گئے تھے حج کی خاطر نہیں گئے وہ نہیں سمجھتے کہ اس زمانے میں ایسی بات ناممکن تھی اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ اپنے عقائد پر خلوص دل سے ایمان رکھتے تھے اور مداہنت سے بہت دور رہتے تھے۔ یعنی یہ آپکی فطرت کے خلاف تھا کہ ظاہر کچھ ہو اور باطن کچھ اور۔ مگر تعجب آمیز امر تو یہ ہے کہ یہ عام طور سے مانا ہوا ہے کہ جب آپ حج کے لیئے تشریف لے گئے تو لباس حاجیوں والا پہنکر گئے۔ عصا ہاتھ میں لیا۔ نماز پڑھنے کیلیئے مصلے اور نماز کیلیئے وضو کرنیکے لیئے ایک لوٹا

ہمراہ لیا۔ اور ایک قرآن شریف بھی۔ اس سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ آپ سچے حاجی بنکر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ یہ سب کچھ بالا کی جنم ساکھی اور دوسری تمام جنم ساکھیوں میں مذکور ہے مگر بالا کی جنم ساکھی سے اتنا اور پتہ لگتا ہے کہ آپ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا تھا کہ مکہ معظمہ کا حج کریں۔ چنانچہ صفحہ ۱۳۶ میں لکھا ہے ''اے نانک مکہ مدینہ جاکر حج کر'' اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ مکہ میں آپ قاضی رکن الدین سے ملے جو وہاں کا امام تھا اور اس سے آپنے بڑی بڑی لمبی گفتگوئیں کیں چنانچہ ان گفتگوؤں کے اثنا میں آپنے قرآن شریف اور سنت نبوی کی تصدیق کی۔ آپنے دوزخ اور شریروں کی سزا اور نیکوں کی نجات اور حشر اجساد کا اقرار کیا اور بھنگ اور شراب پینے کو بہت برا تبلایا اور نبی کریم کی شفاعت کا اقرار کیا*۔ اسطرح سے آپنے کل اسلامی عقائد کا اقرار کیا۔ یہ واقعات نہ صرف بالا کی جنم ساکھی میں مذکور ہیں بلکہ اس جنم ساکھی کے پرانے نسخہ میں بھی موجود ہیں جو انڈیا آفس لنڈن میں موجود ہے جس کی نسبت خیال ہے کہ وہ اسی زمانے کا لکھا ہوا ہے جس زمانے میں یہ واقعات ہوئے۔ اسطرح سے یہ نسخہ بھی بالا کی جنم ساکھی کی شہادت کی تصدیق کرتا ہے۔

حضرت باوا نانک صاحب نہ صرف اعتقادی طور سے مسلمان تھے بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت عملی پر بڑا زور دیتے تھے اور اسی طرح مانتے تھے جسطرح پر شریعت محمدی نے اسکو ضروری قرار دیا تھا۔ آپ اپنی تعلیم میں اسپر بڑا زور دیتے تھے۔ صفحہ ۹۳ ا پر لکھا ہے۔

''نانک آکھے رکن دین سچے سنو جواب - صاحب دا فرمایا لکھیا وچ کتاب''

''دنیا دوزخ اوہ چڑھسے جو کہے نہ کلمہ پاک - مکروہ تریہے روجڑے پنج نماز طلاق''

''لقمہ کھائے حرام دا اسرتے چڑھسے عذاب - آتش دوزخ ہا دیہ پایا تہناں نصیب''

پھر اسی جنم ساکھی کے صفحہ ۱۴۷ پر لکھا ہے ''تا سو کرم تریپے روزہ نا نماز۔ عملاں با ہجوں مومنوں دوزخ دی عذاب'' یعنی جو روزہ اور نماز کے تارک ہیں بغیر اعمال صالحہ کے

---

* پھر نیلا جبہ پہن کر بیٹھا کے آن۔ اِکّو اِک خدا کہے آکھے موہوں کلام۔ نیلا باناں پہنکر دھریا مصلےٰ ایں عصا کوزہ پاس کہ پوری کی حدیث۔ عملاں او تے نبڑسے درگہ پوی قبول۔ جت حاجت ناکسو پر آکھی نبی رسول جت راہ شیطان دی جہناں کی قبول۔ سو درگہ ڈھوئی نہ ملے شفاعت نہ بھرے رسول۔

بُرے لوگوں کو دوزخ کے عذاب میں ڈالا جاویگا۔ پھر صفحہ ۲۲۱ میں لکھا ہے۔
"راحت ایمان کی اوہو دیکھے جائے ۔ پنجو درجوہ رکن دین سائیں سوچت لائے"
یعنی ایمان کی راحت وہی محسوس کرتا ہے جو پانچوں نمازوں کا پابند ہو۔ جو تارک نماز ہیں انکو
آپ برملا ملامت کرتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۲۲۲ پر آپ کہتے ہیں۔ "لعنت برسر تنہاں جو ترک نماز کریں
تھوڑا بہتا کھٹیا ہتھوں ہتھ گویں" یعنی جو نماز ترک کرتے ہیں جو کچھ تھوڑا بہت کمایا ہے
اسکو بھی دست بدست ضائع کر رہے ہیں۔ آپنے کبھی گوشت خوری کو بُرا نہیں بتلایا جسطرح
کہ ہندو گوشت خوری کی مذمت کرتے ہیں۔ مگر سچے مسلمان کی طرح آپنے بھنگ اور
شراب اور دوسری منشی چیزوں کی سخت مذمت کی۔ چنانچہ صفحہ ۲۲۲ پر آپ فرماتے ہیں۔
"نانک آکھے رکن دین لکھیا وچ کتاب ۔ درگاہ اندر مار ہیں جو پیندے بھنگ شراب"
اور اس جنم ساکھی میں لکھا ہے کہ تمام اسلامی ہدایات پر آپ بذات خود عمل کرتے رہے۔
صفحہ ۹۸ پر لکھا ہے کہ "باباجی اک برس کہ وچ روزے رکھدے رہے" صفحہ ۲۰۳
میں لکھا ہے کہ باوا صاحب نے اپنے کانوں میں انگلی دیکر جسطرح کہ مؤذن اذان دیا کرتا ہے اذان
دی چنانچہ لکھا ہے "کن وچ انگلیاں پا کے بابے نے بانگ دتی" اور صفحہ ۲۰۴ پر
لکھا ہے "پڑھیا خطبہ نبی دا ہویا سگل انند" یعنی جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ
پڑھا اور دل کو تسلی ہوئی۔

مذکورہ بالا چند اقتباس اس امر کے ثابت کرنیکے لئے کافی ہیں کہ باوا صاحب نے نہ صرف
اسلام کی سچائی اور نبی کریم کی رسالت کا ہی اقرار کیا بلکہ آپنے شریعت محمدی پر خود عمل
کرکے دکھایا اور دوسروں کو اس کام کے کرنیکی ترغیب و تحریص دلائی بلکہ حکم دیا۔ ایسا طبعاً سوال
یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک مذہب جسے ایک طرح اسلام کی ایک شاخ سمجھنا چاہئیے کسطرح وہ ہندو
مذہب سے مل جل گیا۔ جس شخص کو سکھ مذہب کی تاریخ سے پوری واقفیت ہے وہ جانتا ہے کہ یہ بات
بالکل سچ ہے اور اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ سکھ مذہب کی زندگی میں ایسے ایسے اثر کام
کر رہے تھے جنھوں نے اسکی روش اور طرز خیال کو بالکل بدل دیا۔ لیکن وہ اسباب جن کی وجہ سے
یہ اثر پیدا ہوئے وہ پولیٹیکل تھے مذہبی نہ تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد سکھوں نے

فقیری کا جامہ چھوڑ کر سپاہیانہ لباس پہن لیا اسلیئے انکے اور مسلمان افسروں کے درمیان نزاعیں پیدا ہو گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر کوئی چھوٹے چھوٹے اختلاف پہلے کبھی موجود بھی تھے تو اب وہ رائی کا پہاڑ بن گئے۔ پانچویں گرو ارجن کے وقت سے جتنے گرو بعد میں ہوئے انکے زمانے میں پہلے پہل انکی دشمنی مسلمان حکام کے برخلاف آہستہ آہستہ بڑھنے لگی اور انجام کار عام طور سے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی سے مبدل ہو گئی اسطرح جوں جوں زمانہ گذرتا گیا سکھ اسلام سے جُدا ہوتے گئے۔ قریباً ایک صدی کے چوتھے حصہ کے اندر اندر سکھ قوم ان تمام ہندوؤں کا ملجا و ماوا بن گئی جن کو کسی طرح مسلمانوں سے شکر رنجی پیدا ہو گئی۔ اس سے ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ایسے حالات کے ماتحت یہ قوم مسلمانوں کی حیثیت سے کسطرح رہ سکتی تھی۔

مگر یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اسقدر تغیر عظیم جو سکھ مذہب کے اندر واقعہ ہوا اس کیلئے صرف پولیٹیکل سبب ہی عقدہ کشا نہیں یعنی اگر واقعی سکھ مذہب اسلام کی ایک شاخ ہے تو اسکے لیئے صرف پولیٹیکل سبب بتلانا کافی نہیں۔ اور اگر بانی سکھ مذہب واقعی پورا مسلمان تھا تو یہ پتہ بتانا چاہیئے کہ کسطرح اور کب یہ اختلاف واقع ہوا۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ پولیٹیکل وجوہات نے اس اختلاف کو بڑھا ضرور دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ بیان کرنا کہ کسطرح ایک پکے مسلمان کے پیرو ایسے رستے پر ہو لیئے جو اسلام کے بالکل مخالف ہے بہت ہی مشکل امر ہے مگر کسی قوم کے مذہبی خیالات بدلنے کے اسباب عموماً ایسے دقیق اور مختلف ہوتے ہیں کہ انکی پوری وضاحت کرنی اور قابل تشفی طور سے بیان کرنا اکثر ناممکن ہوتا ہے۔ جو جو تغیر مذہب عیسوی میں واقع ہوئے ہیں ان میں بھی اگر اس سے زیادہ نہیں تو اسی قسم کی مشکل واقع ہوتی ہے۔ شروع شروع میں یہودی مذہب کی یہ ایک شاخ تھا مگر بعد میں یہ ایک ایسا سلسلہ بن گیا جو یہودی مذہب کے بالکل خلاف واقع ہو گیا حالانکہ وہاں کوئی پولیٹیکل اغراض بھی نظر نہیں آتیں۔ مگر یہ بات ظاہر ہے کہ پولیٹیکل اغراض نے سکھ مذہب اور اسلام کے درمیان ایک بڑا اختلاف ڈالدیا۔ جس صفائی اور زور سے باوا نانک صاحب نے فرمایا تھا کہ نجات حاصل کرنیکے لیئے شریعت اسلام کی

پیروی کرنی ضروری ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ حضرت موسیٰ کی شریعت کو ہرگز نہ بدلا جاوے۔ مگر ایک نسل ہی گذرنے پائی تھی کہ ان احکام کی بالکل پروا نہ کیگئی گو وہ بدستور کتابوں میں درج ہے۔

سکھ مذہب کے اوائل ایام میں چند باتیں ایسی واقعہ ہوئی ہیں جنسے یہ نتیجہ نکال لیا گیا ہے کہ جس مذہب کی بنیاد باوا صاحب نے ڈالی تھی وہ اسلام سے بالکل مختلف تھا اور وہ یہ ہیں کہ اوائل ایام میں نہ صرف ہندو ہی باوا نانک صاحب کے پیرووں میں داخل ہوتے تھے بلکہ مسلمان بھی داخل ہوتے تھے۔ مگر اس بات سے باوا نانک صاحب کے مسلمان نہ ہونیکا نتیجہ نکالنا غلطی ہے خصوصًا جب ہم ان صریح واقعات کو دیکھتے ہیں جنسے باوا نانک صاحب کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیئے کہ باوا صاحب نہ صرف نومسلم ہی تھے بلکہ جیسا کہ بالا کی جنم ساکھی سے معلوم ہوتا ہے آپکو لوگ شیخ کے نام سے پکارتے تھے اور یہ امر آپ خود بھی محسوس کرتے تھے کہ دوسرے مسلمان صوفیوں کی طرح آپ دوسرے لوگوں کے روحانی رہنما بنیں اور انکو اپنے مریدین میں لیں کیونکہ یہ بات مسلمان صوفیاء میں عام طور سے رائج تھی۔ پس نانک کے مریدین میں مسلمانوں کا ہونا سکھ مذہب کو اسلام سے جدا کرنیکی بجائے کامل طور سے یہ بتلاتا ہے کہ جسطرح ہندوستان میں اُسوقت اور صوفیاء کے خاندانوں کے سلسلے موجود تھے اسی طرح آپ کا سلسلہ بھی تھا اور مسلمان باوا صاحب کے سلسلہ کو اُس وقت اسلام کا ایک سلسلہ سمجھتے تھے یہ کسی جگہ سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جو مسلمان آپکے سلسلہ مریدی میں شامل ہوئے انہوں نے مسلمانی عقائد کو ترک کر دیا یا انپر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ اور وہ کسطرح سکتے تھے جبکہ وہ دیکھتے تھے کہ انکا شیخ خود چلہ کشی کرتا ہے نماز پڑھتا ہے۔ نماز کیلئے مصلٰے اور کوزہ ساتھ ہے اور قرآن شریف بغل میں ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جنکا کرنا معمولی مسلمان کا کام نہیں۔ بلکہ ایک بڑے زاہد و عابد مومن مسلمان کا کام ہے اصل حقیقت یوں ہے کہ اگر ان مسلمانوں کو جو آپکی سلسلہ مریدی میں شامل ہو رہے تھے۔ یہ پتہ کسی طرح سے بھی لگ جاتا کہ آپ کی تعلیم اسلام کے

ذرا بھی مخالف ہے تو وہ لوگ کبھی آپکے مرید نہ بنتے۔ جبتک یہ بات نہ ثابت کیجاوے کہ جو مسلمان آپکے سلسلہ میں داخل ہوئے انہوں نے اسلام کو ترک کر دیا تھا یا اسلامی احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا تبتک مسلمانوں کا آپکے مریدین کی جماعت میں موجود ہونا اس بات کا ثبوت نہیں کہ سکھ مذہب اور اسلام کے بین بین کوئی مذہب تھا بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ باوا نانک سچے مسلمان تھے۔

بعض ایسی باتیں ہمارے پاس موجود ہیں جنکی بنا پر ہم اس دور دراز زمانے میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ باوا صاحب کے مذہب کو اسوقت کے مسلمان اسلام سے جدا نہیں سمجھتے تھے۔ پنجاب کے فرمانروا ان دنوں میں مسلمان تھے اور اسوقت کی اسلامی حکومتوں میں اسلام سے مرتد ہونا ایک ایسا گناہ تھا جسکی سزا موت تھی۔ مسلمان حکام دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اپنے ماتحت امن و امان سے رہنے کی اجازت دے سکتے تھے اور دیتے تھے اور ان حکام کا یہ فرض تھا کہ جو جو آزادیاں مسلمان رعایا کو میسر ہوں وہی آزادیاں غیر مذاہب کے لوگوں کو جو انکی رعایا میں شامل ہوں دیں۔ مگر جو شخص مسلمان رہ کر مرتد ہو جاوے اسکو فوراً قتل کر دیا جاتا تھا اور روئے زمین پر پھر کوئی اسکو بچا نہیں سکتا تھا۔ جبتک کہ وہ مسلمانوں کے زیر حکومت رہے۔ اب ایک طرف تو ہمارے پاس ایک واضح اور یقینی ثبوت اس امر کا موجود ہے کہ مسلمان باوا نانک صاحب کے سلسلہ میں ضرور شامل ہوئے اور دوسری طرف ہم یہ پاتے ہیں کہ کسی نے انسے پرسش تک کی۔ اور قتل تو کجا انپر ظلم اور تعدی تک بھی روا نہ رکھی۔ پس چونکہ اس زمانہ کی مسلمان حکومتوں کا عملدرآمد یہ تھا کہ مرتد کو فوراً قتل کر دیا جاوے اس لیئے باوا صاحب کے مریدین میں سے کسی سے بھی ذراسی پرسش تک نہ کیا جانا صاف اور یقینی طور سے بتلاتا ہے کہ حکام باوا نانک کے سلسلہ کو اسلام سے جدا نہیں سمجھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ دہلی کے مسلمان بادشاہ ابراہیم لودی نے باوا صاحب کو کچھ عرصہ قید رکھا مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا ہے کہ آپ مسلمان نہ تھے۔ مسلمان بادشاہوں اور مسلمان حکومتوں کی طرف سے بعض وقت بڑے بڑے علمائے اسلامی کو تکالیف پہنچتی رہی اور

بہت سے معزز علمائے اسلام نے جنکا نام آج کل دنیا میں عزّت کے ساتھ لیا جاتا ہے اپنا
وقت قید خانوں میں گذارا۔ اور اس امر کی ہمارے پاس بہت سی مثالیں موجود
ہیں جن کا ذکر اسجگہ ضروری نہیں کیونکہ وہ عام طور سے لوگوں کو معلوم ہیں۔ حضرت
شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی جنکے روضہ کی زیارت کے لیئے پچھلے سال امیر حبیب اللہ خاں
صاحب والیٔ افغانستان تشریف لے گئے تھے انکو جہانگیر نے قید کر دیا تھا۔ اور بہت سے
اولیاء مجدد اور مصلحین مسلمانوں میں گذرے ہیں جن کی اب تمام مسلمان عزّت کرتے ہیں
اور ادب سے یاد کرتے ہیں۔ انکے زمانے میں انکے ساتھ ایسا ہی یا اس سے بھی بدتر سلوک ہوتا
رہا۔ پس باوا نانک صاحب اگر قید کیئے گئے تھے تو انکا قید ہونا اس بات کا ہرگز ثبوت نہیں
کہ آپ مسلمان نہ تھے بلکہ یہ امر کہ آپکے مسلمان پیرووں میں سے کسی کو مرتد قرار دیکر سزائے موت
نہیں دیگئی اس امر کی ایک صاف گواہی ہے کہ آپ کی تعلیم و تلقین اسلام کے خلاف بالکل نہ تھی۔
اب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ہندو لوگ جو پرانی رسومات کے بالکل دلدادہ ہیں
وہ کسطرح ایک مسلمان صوفی کی مریدی میں داخل ہو سکتے تھے گو کیسا ہی تعجب خیز امر کیوں
نہ ہو مگر یہ معاملہ ہوتا رہا ہے کہ مسلمان صوفیار نے ہندوؤں کو بغیر مسلمان کرنیکے اپنی سلسلہ
مریدی میں لیا ہے اور اسپر انکو چنداں اعتراض نہیں ہوتا رہا ایسا ہی ہندوؤں نے ہندو
رہکر مسلمان صوفیوں کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کیا ہے۔ اس زمانہ میں بھی بعض ذی وجاہت
ہندوؤں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے سلسلہ مریدی میں داخل ہونے کی
خواہش کی بشرطیکہ انکو اجازت دیجاوے کہ وہ اپنے ہی مذہب میں رہیں مگر آپ کا سلسلہ چونکہ خالی
صوفیار کی طرز کا نہیں تھا بلکہ نبوت کے رنگ میں تھا اسلیئے آپنے ایسی اجازت نہ دی مگر باوا صاحب
کے حالات کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انکا خیال تھا کہ اسلام کو لوگوں کی نظر میں قبولیت کے
قابل آہستگی سے بنانا چاہیئے۔ اسلیئے آپنے انسے کبھی پورا اسلامی اقرار کروانیکی کوشش نہیں
کی۔ بلکہ آپ آہستہ آہستہ تدریجاً انکو اسلام سکھلانا چاہتے تھے اسی غرض سے آپنے اپنے
خیالات ایسی زبان میں ظاہر کرنے چاہے جو لوگوں کی نظروں میں بہت ہی کم وحشت
اور غیریت رکھتی ہو یعنی پنجابی زبان میں۔ ایک ہندو کے لیئے مسلمان ہو جانا موت کے برابر ہے۔

کیونکہ تبدیلی مذہب سے تمام تعلقات کو قطع کرنا اور اقربا کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اور اس سے قطع تعلق ہو جاتا ہے باوا صاحب اس امر کے آسان کرنے کی فکر میں لگے ہیے اسی لیئے آپ نے کام کو آہستگی سے اور تدریجاً شروع کیا۔

دوسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ کس طرح ہندوؤں کے خیالات اس قوم پر غالب آگئے اور کس طرح انہوں نے مسلمانی رنگ ڈھنگ کو بالکل ضائع کر دیا۔ آپکی زندگی میں مسلمان مریدین کی تعداد خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو مگر اس بات کے ماننے کیلیئے کافی دلائل موجود ہیں کہ آپکی وفات سے مسلمانوں کا اس جماعت میں داخل ہونا بالکل بند ہو گیا۔ سکھوں کی تاریخ سے اس بات کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ باوا صاحب کی وفات کے بعد کوئی مسلمان اس سلسلہ میں داخل ہوا ہو اور یہ ہونا بھی چاہیئے تھا۔ وہ بات جس سے مسلمان باوا صاحب کی طرف کھچے چلے آتے تھے وہ آپ کا ذاتی جذب اور مقناطیسی قوت تھی اور انکو یہ یقین تھا کہ آپ پکے مسلمان ہیں۔ آپکی وفات سکھ مذہب کے لیئے ایک تغیر عظیم پیدا کرنے کا موقعہ تھا۔ اسی وقت سے مسلمانوں کی شمولیت اس سلسلہ میں مفقود ہو گئی اور جب تمام کاروبار اس سلسلہ کا ہندوؤں کے ہاتھوں میں آگیا تو یہ ایک ضروری امر تھا کہ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا مسلمانی چال ڈھال سب جاتی رہی۔ اور یہ ایک قدرتی امر تھا کہ جو لوگ ہندوؤں میں سے سکھ مت میں داخل ہوئے وہ اسلام سے اس طرح جدا ہو کر کم و بیش اپنے مذہب کی طرف واپس چلے گئے۔ پولیٹیکل حالات نے جنکا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں اس رفتار علیحدگی کو اور بھی تیز کر دیا اور سکھ مذہب جو اصل میں اسلام کی ایک شاخ تھا وہ ہندو مذہب کی ایک شاخ سمجھا جانے لگا آپکے مریدین کی جماعت میں سے مسلمانوں کے اس طرح نکل جانے سے نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ مذہب میں جو جو اسلامی تعلیمیں تھیں وہ سب بھلا دی گئیں یا گرو ارجن اور انکے بعد کے متعصب گروؤں نے جان بوجھ کر انکو ایک طرف ڈال دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی ایسی تعلیمات گرنتھ صاحب میں بہت کم پائی جاتی ہیں کیونکہ اسکا مؤلف گرو ارجن تھا۔ مگر یہ تعلیمیں بعض ان جنم ساکھیوں میں موجود ہیں جو کہ اس زمانے سے پہلے لکھی جا چکی تھیں۔

ہندوستان میں دہریّت

مذہبی لحاظ سے ہندوستان کو ایک ایسی خصوصیت حاصل ہے جو شائد ہی دنیا کے کسی دوسرے ملک کو نصیب ہو بڑے بڑے مذہبی اعتقادات اور مذہبی خیالات کا شائد ہی کوئی ایسا پہلو ہو جو ہندوستان میں جاگزین نہ ہو۔ اسی سرزمین میں یہ نظارہ دکھائی دیتا ہے کہ ایک طرف اگر ذات وصفات باری تعالیٰ کے متعلق اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے پاکیزہ خیالات اور عقل و فطرت کے مطابق اعتقادات پائے جاتے ہیں تو دوسری طرف پرلے درجہ کے وحشیانہ اور توہم پرستی کے خیالات کا غلبہ ہے۔ ہندوستان گویا ایک مذاہب کا دنگل بن رہا ہے اور یہ خصوصیت جو اس ملک کو دیگئی ہے مصلحت الٰہی سے خالی نہیں ہو سکتی۔ مگر یہاں ہماری غرض اس مصلحت کا ذکر نہیں۔ اس مذاہب کے دنگل میں جیسا کہ ضروری تھا مغربی تعلیم کے ساتھ ساتھ دہریت کے خیالات بھی پھیل گئے ہیں۔ مگر انکا اثر اندر ہی اندر خواہ لوگوں کے اعتقادات پر کیسا ہی ہو بظاہر اسکا غلبہ اس ملک میں ایسا نہیں جیسا یورپ اور امریکہ کے مہذب اور تعلیم یافتہ ممالک میں ہو رہا ہے۔ اس مضمون میں مَیں اس دہریت کا ذکر نہیں کرونگا بلکہ اسجگہ مَیں اپنے ناظرین کے سامنے اس دہریت کا ایک مختصر سا نقشہ پیش کرنا چاہتا ہوں جو سرزمین ہند میں ہی پیدا ہوئی ہے اور گو باہر سے آئے ہوئے خیالات کا بھی اسپر بہت کچھ اثر پڑا ہو مگر اسکی بڑی خصوصیت اب بھی اسے صاف طور پر ہندو مذہب کا ہی ایک شعبہ بتا رہی ہے۔ اس دہریت کے سلسلہ کا نام دیو سماج ہے۔ اور دیو دھرم اس دہریہ مذہب کا نام ہے جسپر اس سلسلہ کے پیرو چلتے ہیں۔

دیو سماج کے بانی پنڈت ستیا نند اگنی ہوتری صاحب ہیں جو ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے ابتدائی عمر میں انہوں نے انجنیرنگ کا پیشہ اختیار کیا اور کچھ مدت تک گورنمنٹ ہائی سکول لاہور میں ڈرائنگ اور سرویئنگ ماسٹر رہے۔ مگر یہاں سے ۱۸۸۲ء میں استعفا دیا اور پانچ سال بعد دیو سماج کی بنیاد رکھی۔ گو دیو سماج اپنی موجودہ حالت میں کھلے طور سے

دہریت کے عقائد کی تعلیم دیتا ہے اور نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار کرتا ہے بلکہ خدا اور خدا پرستوں اور خدا کے رسولوں کو گالیاں نکالنا اپنا فخر سمجھتا ہے مگر ابتدا میں جب پنڈت اگنی ہوتری نے اسکی بنیاد رکھی تھی تو یہ دہریت سے کوسوں دور تھا۔ اسوقت اس کے بانی کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ خدا کے ساتھ گویا ہمکلام ہوتا ہے۔ اور کہ اسکی پیروی کر کے ہر ایک شخص اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر سکتا اور ہمکلام ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اقتباس پنڈت اگنی ہوتری کی ایک ابتدائی تصنیف "روحانی زندگی" سے لیا گیا ہے۔☆ "پرماتما کے پریمیوں کے لیئے بھی بعض دفعہ اس قسم کا خیال دامنگیر ہوتا ہے وہ کبھی یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس تنہائی میں وہ اپنے دل کی ساری کہانی ان کے سامنے پیش کریں اور انسے جواب چاہیں ہاں وہ ایک ایسی گہری تنہائی ڈھونڈتے ہیں جس میں وہ بلا تکلف پرماتما سے مل سکیں پرماتما کے ساتھ کچھ دیر ٹھہر کر باتیں کر سکیں کچھ انہیں کہہ سکیں کچھ انکی سن سکیں ..... یہ عجیب خلوت کی حالت ہے اس خلوت میں حواس نہیں۔ نفس نہیں۔ دنیا نہیں۔ پھر کون ہے پرماتما پریمیشر اور اسکا جوگی..... اس سمادھی میں جیونت پرش کا جیونت پرش سے میل ہے لیکن نہایت تنہائی کا میل ہے..... یہاں بات چیت کا مٹھاس بھی لاثانی ہے۔ یہاں وہ بات چیت ہوتی ہے اور وہ دلی بات ظاہر کیجاتی ہے کہ جو اور کہیں ظاہر نہیں ہوتی۔ اور اس دل کی کہانی کے کھلنے پر سچے محبوب کی طرف سے بھی ایسی بات کیجاتی ہے کہ جو اس تنہائی کے لیئے مخصوص ہے.... اس کی آنکھیں پربھو کے درشن کا مزہ لیتے لیتے آخر کار تھک کر رہ جاتی ہیں.... آخر کار قطعی بے سدھ ہو جاتا ہے ہاں پرماتما اسے پھر

☆ یہ اقتباس اور ایسا ہی ذیل کے چند اقتباس آریہ سماج کے ماہوار رسالہ اندر سے لیئے گئے ہیں جس میں بڑی کوشش کے ساتھ اس دہریہ دھرم کی اصل حقیقت کھولکر دکھائی گئی ہے۔ گو اس رسالہ کی زبان ایسی نہیں جسے متین خواندہ آدمی پسند کر سکیں مگر واقعات کے اظہار کے لحاظ سے اندر کی یہ محنت قابل قدر ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ خود دیو سماج خدا پرستوں کے متعلق ایسی ہی زبان استعمال کرتا ہے

ہوش میں لاتے ہیں اور اسپر اپنے پیار کا ہاتھ پھیر کر اپنا آشیر باد دے کر اتنی دیر گود میں سلا یا رکھنے کے بعد پھر گود سے اُٹھا کر کھڑا کر دیتے ہیں اور مُنہ چوم کر کہتے ہیں جا کچھ دیر کھیل"۔

ایک طرف بانی دیو سماج کی اس تحریر کو دیکھو اور دوسری طرف آج کل کی کوئی تحریر جیون تت کے کسی نمبر سے لو تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ کہاں خدا کی گود میں لیٹنا اور خدا سے باتیں کرنا اور پربھو کے درشن کے مزے لینا اور کہاں خدا کی ہستی پر ہنسی اور ٹھٹھا اور ہر ایک قدرتی واقعہ سے خدا کی عدم ضرورت کا نتیجہ لگالنا۔ کسی ایک انسان کے خیالات میں ایسے تغیرات کا آنا تو کوئی عجیب بات نہیں مگر ایک سلسلہ میں ایسے انقلاب عظیم کا آنا اور پھر اس سلسلہ کا قائم رہنا ایک حیرت انگیز امر ہے۔ اس انقلاب عظیم میں سے دیو سماج اپنے بانی کی زندگی میں ہی ہو گذرا ہے۔ اور اب چند سال سے پنڈت اگنی ہوتری بجائے پربھو کے دیدار کی تعلیم کے پربھو کے انکار کی تعلیم دے رہے ہیں اور ایک عجیب و غریب سلسلہ دہریت کا قائم کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک طرف تو مغربی مادی تعلیم سے متاثر خیالات کی تعلیم دیجاتی ہے اور دوسری طرف ہندو مذہب کے جاہلانہ توہم پرستی کے عقائد سکھائے جاتے ہیں اور اس طرح پر...... دیو دھرم میں ایسے عقائد کا اجتماع نظر آتا ہے جسکی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں مل سکتی۔ دیو سماج کی دہریت اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار تک محدود ہے اور روح کی فنا کے وہ قائل نہیں۔ مگر انکی حیات بعد الموت کا مسئلہ ہندوستان کے ان جاہلانہ خیالات پر مبنی ہے جو بھوتوں اور چڑیلوں کے متعلق ابھی تک عوام الناس میں بعض جگہ مروج ہیں۔ ذیل کے اقتباس جو بطور سوال و جواب ہیں دیو سماج کی روح کے بارے میں تعلیم پر روشنی ڈالتے ہیں۔

سوال۔ کثیف جسم چھوڑنیکے بعد جو آتما لطیف جسم قبول کرنے لائق ہوتے ہیں وہ سب کہاں رہتے ہیں؟

جواب (دیو دھرمی)۔ اپنی اپنی نیچ اور اونچ حالت کے مطابق کوئی اس زمین کے ساتھ بندھے

بستے ہیں اور کوئی پرلوک سے متعلق کسی لوک میں جاکر رہتے ہیں۔

سوال - پرلوک کہاں ہے؟

جواب - جسطرح پر ہمارے کثیف سورج منڈل کے ساتھ ہماری اس زمین کا تعلق ہے اور یہ زمین اس منڈل کا ایک حصہ ہے اسطرح اس سورج منڈل کے لطیف پرمانوؤں سے جو اور لطیف سورج منڈل بنا ہے اسکے ساتھ ہماری جیسی جس لطیف زمین کا تعلق ہے اسے پرلوک کہتے ہیں۔

سوال - اور جو درخت یا حیوان یا انسان یہاں سے مرنے کے بعد پرلوک کے کسی لوک میں بھی پہنچنے اور رہنے کے لائق نہیں ہوسکتے انکا کیا ہوتا ہے؟

جواب - وہ لطیف شکل قبول کر کے اس زمین میں رہ جاتے ہیں اور اس پرتھوی میں یا اسکے آس پاس گھومتے رہتے ہیں لہٰذا انکے اس قسم کے قیام کو ادھم لوک کہتے ہیں۔

سوال - بھلا ادھم آتماؤں کو خوراک کسطرح پر ملتی ہے؟

جواب - وہ ہم لوگوں کی خوراک اور اس زمین کے پھلوں وغیرہ سے لطیف حصہ نکالکر کھاتے ہیں موقع پاکر دودھ دینے والے حیوانوں اور ماں کا دودھ پی جاتے ہیں اسکے سوائے جو کمزور حیوان مرتے ہیں یا ہم لوگوں کے بھی جو چھوٹے چھوٹے یا کمزور بچے مرتے ہیں اور جنکا کوئی محافظ نہیں ہوتا انہیں بھی چٹ کر جاتے ہیں۔

سوال - بچوں وغیرہ کا چٹ کر جانا تو بڑی خوفناک حالت ہے؟

جواب - بیشک۔

سوال - کیا بھوت چڑیل وغیرہ انہی ادھم آتماؤں کو کہتے ہیں؟

جواب - ہاں اور یہ سب مہا نیچ اور جہنمی زندگی بسر کرتے ہیں۔

سوال - یہ ادھم آتما کتنے کتنے عرصہ تک اس مہا نرک میں پڑے رہتے ہیں؟

جواب - کوئی تھوڑے دنوں تک اور کوئی کئی کئی مہینے یا کئی برس تک اور کوئی سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو برس تک زندہ رہ کر اور بہت تکلیف پاکر اور نہایت دکھ اٹھاکر فنا ہوجاتے ہیں۔

سوال۔ کیا نہیں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جو اس زمین میں اس یا ایس دھرم یا مت کے ماننے والے کہلاتے ہیں؟

جواب۔ ہاں اکثر سب ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں یعنی لاکھوں وہ جو پہلے عیسائی کہلاتے تھے۔ لاکھوں وہ جو مسلمان کہلاتے تھے لاکھوں وہ جو ہندو یا سکھ۔ جینی۔ کبیر پنتھی۔ داؤ دپنتھی۔ بیشنو۔ شو۔ شاکت۔ جوگی۔ بیراگی۔ سادھو۔ سنیاسی اور عالم وغیرہ کہلاتے تھے۔

سوال۔ کیا بڑے بڑے عالم لوگ بھی نرگ سے نہیں بچتے؟

جواب۔ ایک آدمی عالم ہوکر اور زیادہ سمجھدار بنکر اپنی سمجھ کے ذریعہ بے وقوفوں کی بہ نسبت اور بھی بڑھ چڑھ کر اپنی نیچ حالتوں میں اول نمبر ہوتا ہے۔ اس لیئے بارہا بیوقوفوں کی بہ نسبت بہت بڑھ چڑھکر جنمی زندگی قبول کرتا ہے۔

سوال۔ کیا ادھم لوک کی رہنے والی جنمی روحیں اپنی نیچتا کی وجہ سے ہم لوگوں کو بھی کسی طرح کا نقصان پہنچاتی ہیں؟

جواب۔ کیوں نہیں۔ بہت سے بیمار اور کمزور بچوں اور بہت سے زیادہ بیمار لوگوں کی تکلیفوں کو بڑھا دیتی ہیں۔ مرتے ہوئے جن بچوں کا کوئی خبر گیراں نہ ہو انہیں پکڑ کر کھا جاتی ہیں۔

یہ اس دہریہ مذہب کے اعتقاد ہیں جو عقل اور سائنس پر مبنی ہونیکا دعویٰ کرتا ہے اور اسکے پیرو بھوتوں اور چڑیلوں پر ایسا اعتقاد رکھتے ہیں جو اس ملکِ ہند کے جاہل سے جاہل طبقوں میں پایا جاتا ہے۔ وہ نہ صرف بھوتوں اور چڑیلوں کی ہستی کو مانتے ہیں بلکہ ان بھوتوں چڑیلوں کا معمولی دنیا کے کاموں میں پورا دخل سمجھتے ہیں اور انکو نقصان رسانی پر قادر جانتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی جاہل لوگوں نے بھوتوں چڑیلوں کے متعلق بہت سے قصے بنا رکھے ہیں مگر ایسا خیال دیو سماج سے پہلے شاید کسی نے ہی ظاہر کیا ہو کہ بھوت اور چڑیلیں دودھ پلانیوالی ماؤں کا دودھ زبردستی آکر پی جاتے ہیں اور بیمار اور مرتے ہوئے بچوں کو کھا جاتے ہیں۔ جاہلوں میں ایسی باتوں کا ہونا تو چنداں قابل افسوس نہیں مگر جب ایک علمی زمانے میں خواندہ شخص ایسے گندے اعتقاد

قبول کرتے ہوئے اور پھیلاتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں تو اس ملک کی حالت پر واقعی افسوس آتا ہے۔ اور پھر تعجب پر تعجب ہے کہ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ یہ دھرم سائینس اور علم پر مبنی ہے! اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اعتقاد جسے بڑے سے بڑے سائینس دانوں اور فلاسفروں نے قبول کیا اسکو تو توہم پرستی کے نام سے پکارا جاتا ہے اور بھوتوں اور چڑیلوں کے مرتے ہوئے بچوں کو کھا جانے اور دودھ پلانیوالی ماؤں کا دودھ پی جانیکے اعتقاد کو سائینس اور علم پر مبنی کہا جاتا ہے۔ بھوت اور چڑیلیں اس دہریہ دھرم کے نزدیک دنیا کے کاموں میں دخل دے سکتی اور انکو بگاڑ سکتی ہیں مگر خدائے تعالیٰ کوئی دخل نہیں دے سکتا!

اسی تصویر کا دوسرا پہلو بھی قابل غور ہے۔ جسطرح پر دیو سماج کی یہ تعلیم ہے کہ انسانی بیماریاں اور تکالیف بد روحوں اور بھوتوں کے ذریعہ سے آتی یا بڑھ جاتی ہیں اسی طرح انکا یہ بھی اعتقاد ہے کہ دیوگرو یعنی بانی دیو سماج کے ذریعہ سے تکالیف دُور ہو سکتی اور بیماریاں اچھی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ دیو سماج کا ایک ممبر اپنے ایک خط میں اپنے گرو کی طاقت کا اظہار کرتا ہوا لکھتا ہے کہ مجھے بخار تھا میں نے آپ کا بھجن گانا شروع کیا تو بخار جاتا رہا۔ اور پھر خود بانی سماج ایک عورت کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "ایک عورت ہیننوں پاگل رہا کرتی تھی میں نے اسے کہا کہ تم میرا دھیان کرو اور مجھ سے پرارتھنا کرو اس سے اسکو بیماری سے نجات ملی" مگر جیسا کہ ہر ایک ایسے مدعی کا حال ہوا کرتا ہے خود بانی سماج طرح طرح کی امراض میں مبتلا رہتا ہے اور جن امراض سے دوسروں کو نجات دینے کا دعویٰ کرتا ہے انسے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔

پس دیو سماج کی دہریت صرف اسی حد تک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار کیا گیا ہے ورنہ وہ ایسے ہی باطل پرستی اور توہمات میں مبتلا ہیں جسطرح سے اور بہت سے جاہل لوگ اس ملک میں مبتلا ہیں۔ انکا سارا سائینس اور علم خدا کی ہستی کے انکار پر ختم ہو جاتا ہے اور اس انکار کے بعد وہ ایسے ذلیل اور گرے ہوئے اعتقادات کے پیچھے چلتے پائے جاتے ہیں جنہیں کوئی عقلمند انسان قبول نہیں کر سکتا۔ یہ بات تو قرین قیاس نہ تھی کہ دہریہ ہو کر پھر انسان عبادت میں بھی مشغول ہو کیونکہ عبادت کا مفہوم تو یہ ہے کہ انسان اپنے

سے برتر ایک ہستی کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔ اور اپنے نقصوں اور کمزوریوں کا علاج ایک بے عیب اور کامل ذات سے چاہتا ہے مگر جو شخص کسی ایسی ہستی کا قائل نہیں وہ عبادت کس کی کرسکتا ہے۔ مگر جس قادر مقتدر خدا نے فطرت انسانی کو بنایا ہے اس نے اپنا نقش اسپر ایسا جمایا ہے کہ کوئی چیز اسکو مٹا نہیں سکتی۔ دیو سماج نے اس خدا کی ہستی پر ہنسی کی اور خدا کی عبادت سے انکار کیا تو ایک عاجز ضعیف انسان کی عبادت اسے کرنی پڑی۔ خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جب انسان ایک اعلیٰ اور ارفع بات کو چھوڑتا ہے تو اسے ایک نہایت ذلیل اور گری ہوئی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے۔ ایک بیچگون اور بے عیب ذات کے سامنے تذلل اور عبودیت اختیار کرنا تو انسان کا فخر ہے اور یہی اسکی ترقی کا اصل ذریعہ ہے کیونکہ یہ تذلل اور عبودیت دراصل انسان کو اُس قدوس اور کامل خدا کے قریب لانیکا ذریعہ ہوتی ہے۔ مگر ایک عاجز گرے ہوئے اور ضعیف انسان کے سامنے عبادت میں جھکنا اور اس سے مرادیں مانگنا۔ اس سے جو خود بے علم ہے اپنے علم کا ازدیاد چاہنا اس سے جو خود ناپاکیوں اور گندوں میں پھنسا ہوا ہے پاکیزگی نفس کے لیئے استمداد کرنا انسان کو ذلت اور پستی کی طرف لیجانیوالی چیز ہے۔ دیو سماج نے جب اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار کیا اور اسکی عبادت پر ہنسی کی تو آخر اسے خود ایک اپنے جیسے انسان کی عبادت اختیار کرنی پڑی۔ چنانچہ دیوگرو کی پوجا کا طریق دیو سماج کا ایک ممبر ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"(۱) سویرے اُٹھکر اور ایک شیش (خاص) کپڑے پر سر رکھکر آپ کو (یعنی دیوگرو) کو پرنام کرتا ہوں

(۲) آپ کی چھبی (تصویر) کے دوارا چندن سے آپکا ارچن کرتا ہوں۔

(۳) آپکی چھبی (تصویر) کے آگے کھڑا ہو کر بھجن اور دیو ستوتر کا گان کرتا ہوں

(۴) آپ کی وشیشاؤں میں سے کسی وشیشا (خصوصیت) کا پاٹھ کرتا ہوں

(۵) آپکے اوپکاروں کو سامنے لاکر اُنپر وچار کرتا ہوں۔"

ایک دوسرا مرید اس عبادت کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔ "ایک طشتری میں بہت سے

سندر پھول اور چندن رکھا۔ آپ کی چرن دھولی (پاؤں کی مٹی) کو ماتھے پر لگا کر دھن دھن ہوا ایک رومال کے ساتھ جو اس مقصد کے لیئے الگ رکھا ہوا ہے آپ کی اتینت سندر چھبی (تصویر) کو صاف کیا۔ چھبی کو سجا کر اسکے سنمکھ پشپوں کی طشتری رکھی اور پھر شاشٹانگ پرنام کیا۔ ان سب کرپاؤں سے جو کچھ میں نے اپلبدہ اور لابھ کیا وہ میرے ورنن (بیان) سے باہر ہے۔"

تیسرے کے الفاظ یہ ہیں۔ "پہلے کر اصاف کیا دھوپ جلائی آپکی چھبی کو دیدی کو استھاپن کرکے پھولوں سے سجایا اور پھر آپ کو پرنام کیا۔" چوتھا اپنا طریق عبادت یوں بیان کرتا ہے۔ "پراتہ کال چارپائی سے اُٹھنے کے ساتھ بھومی پر سر رکھکر آپ کو پرنام کرتا ہوں... پھر آپ کی چھبی کو سوئچھ (صاف) بستر سے صاف کرتا ہوں پھر ڈنڈوت پرنام کرکے آپ کی مہانتا اور اپنی تچھتا اور اپنے اپرادھی روپ کو سمرن کرتا ہوں کتنے کال ایسی اوستھا میں پڑا رہ کر آپکے مہاں روپ کا چنتن اور آپسے سہائے پرارتھنا کرتا رہتا ہوں۔"

یہ ایک دو شخصوں کا بیان نہیں بلکہ دیو سماج کا اخبار اسی قسم کے خطوط سے بھرا پڑا ہے جس میں ہر ایک مرد و زن جو اس سلسلہ میں شامل ہے یہی بیان کرتا ہے کہ وہ دیوگرو کی تصویر کی یوں پرستش کرتا ہے اور اسکی حمد کے گیت گاتا اور اسپر بھینٹ چڑھاتا ہے۔ گویا بانی سماج کی تصویر یا خود بانی سماج دیو سماج کا وہ بُت ہے جسکی پرستش کیجاتی ہے۔ ایک بُت پرست میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں سوائے اسکے کہ یہاں بُت کا قائم مقام دیوگرو اور اسکی تصویر ہے۔ اور بُت پرست خدا کی ہستی کا انکار نہیں کرتا مگر دیوگرو کا پرستار اپنے مالک حقیقی کا انکار بھی کرتا ہے اور پھر ایک نااہل کو اپنا معبود قرار دیتا ہے۔ یہ بھی عجیب دہریت ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ہستی کا انکار کرکے وہ مرتبہ ایک عاجز انسان کیلئے تجویز کیا جاتا ہے۔ اور اس انسان سے اسی طرح دعا مانگی جاتی ہے اور اسی طرح اسکا تصور دل میں بٹھایا جاتا ہے جس طرح ایک بُت پرست بُت سے دعا مانگتا ہے اور اسکا دھیان کرتا ہے۔

اس رنگ میں کہا جا سکتا ہے کہ پنڈت اگنی ہوتری بانی دیو سماج نے ایک ترقی کی ہے کہ وہ ایک مذہبی پیشوا ہونیکے دائرہ سے نکلکر خود خدائی کا دعویدار بن بیٹھا ہے۔ ایک دو ورقہ اشتہار میں جو دیو سماج کی طرف سے شائع کیا گیا ہے یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ دیوگرو کے کام خدائے تعالیٰ کے کاموں سے بہت بڑھکر ہیں اور جہاں انسان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ڈھونڈنیکے خیال پر ہنسی کی جاتی ہے ساتھ ہی یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ دیوگرو کے ساتھ ایسا تعلق پیدا کرنا چاہیئے اور کہ اس تعلق کے بغیر نجات کی برکت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسطرح پر ابدی نجات کو دیوگرو پر ایمان لانے اور اسکی عبادت کرنے اور اسکی تصویر کی پوجا کرنیکے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے دیو سماج کی تعلیم کے مطابق اس دنیا میں دیوگرو کا ظہور ایک نادر واقعہ ہے جسکی نظیر نہ دنیا کی تاریخ میں پہلے کہیں ملتی ہے اور نہ بعد میں ملے گی۔ یعنی یہ مانا جاتا ہے کہ تمام انسانوں سے برتر یہ انسان دنیا میں پیدا ہوا ہے یہ بھی لکھا ہے کہ جس دن دیوگرو پیدا ہوا تھا اس دن سورج اور چاند نے بڑی خوشی منائی اور خوشی کے گیت گائے کہ ہماری وہ امید برآئی جسکی انتظار ہم اپنی ابتدائے زندگی سے کر رہے تھے۔ چنانچہ "شری دیوگرو بھگوان کا لاثانی ظہور" نام رسالہ میں مندرجہ ذیل گفتگو چاند اور سورج کی بیان کیگئی ہے جو دیوگرو کے جنم کے دن ہوئی:-

"سورج نے دیکھا کہ اس دن یعنی پوش بدی پرتی پدا سمت ۱۹۰۷ بکرمی کو انسانی جماعت میں جس بچے نے جنم لیا ہے وہ بچہ ایک نادر اور نرالا ہے وہ اگرچہ انسانی ماں باپ سے پیدا ہوا ہے مگر وہ بدھی اور بھاشا شکتیوں کے علاوہ جن نئی دھرم شکتیوں کو لیکر ظاہر ہوا ہے انکے لحاظ سے وہ انسانی دنیا سے پیدا ہو کر بھی اسی طرح پر اس سے اوپر کی چیز ہے کہ جسطرح پشو جگت سے پیدا ہو کر انسان اس سے اوپر کی چیز سمجھا گیا ہے ....سورج نے اس انوکھے بچے کے جنم کے لے چکنے پر چاند کی طرف دیکھکر کہا کہ تم نے بھی کچھ دیکھا چاند نے کہا ہاں کچھ تو دیکھا سورج نے کہا کہ تمنے تو اس بچے کو باہر سے ہی دیکھا ہے مگر میں اسکی ان خاص طاقتوں کو بیج روپ میں دیکھ رہا ہوں کہ جو ایک دن اسکے

بہتر سے پرکاش پاکر اسے دیو روپ میں ڈھال اور پہنچا دیں گے .... سورج نے کہا چاند! جبتک انسانی دنیا کے اندر کسی ایسے مہا آتما کا ظہور نہ ہو کہ جو پرکاش پاکر ایک طرف جہاں جیون تت کے متعلق نہایت نایاب گیان کی روشنی سے منوّر اور بھرپور ہو... اور سب قسم کے غلط عقیدوں اور کلپت متوں اور مختلف قسم کے پاپوں اور دراچاروں سے مکتی حاصل کرکے ... ایکتا قائم کرسکتا ہو تب تک میری تمہاری اور اس زمین کی امید پوری نہیں ہوسکتی .... میں ہزاروں برسوں سے ایسے مہا آتما کے ظہور کی راہ دیکھ رہا تھا۔ انسانی دنیا بھی اپنے ہر ایک پہلو کے لحاظ سے ادھار اور کلیان کے لیئے ویسے ہی مہاآتما کی آرزو کر رہی تھی.... پرکاش کاری شکتیاں انسانی دنیا کے آتماؤں میں ایک ایسی لاثانی آتما کو ظاہر کرنیکے قابل ہوئی تھیں کہ جن کی ہم سب انتظار کر رہے تھے۔ چاند! آج کا دن کیسا مبارک دن! چاند آج ہماری ہزاروں برس کی امید پوری ہوئی ہے۔ چاند! آج کا دن کیسا آنند کاری دن۔ چاند! آج تمہاری اور میری موجودگی میں اس مہان اور لاثانی آتما نے اسی پورنانگ دھرم اوتار نے جنم لیا ہے۔ آؤ آج ہم سب پہلے اسکا درشن کرکے پرم سکھی اور کرتارتھ ہوں؟"

اس چاند اور سورج کی فرضی گفتگو سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بانی دیو سماج کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دوسرے انسانوں پر ایسی ہی فضیلت رکھتا ہے جیسے ایک انسان حیوانوں پر۔ یہ دعویٰ دیو سماج کے ہر ایک ممبر کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اور غالباً اسی لیئے وہ عقل کو ان امور میں دخل دینا ٹھیک نہیں سمجھتے۔ یا شاید اس دعویٰ کا یہ مطلب ہو کہ دیو سماج کے ممبروں کو بانی سماج کے پیچھے اسطرح بلاچون وچرا چلنا چاہیئے جسطرح انسان حیوانوں کو مسخر کرلیتا ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اسکی تصاویر کی پرستش کرتے اور اسی سے ہر قسم کی مدد چاہتے ہیں۔ دیو سماج میں رومن کیتھولک عیسائیوں کی طرح گناہوں کا اقرار بھی کیا جاتا ہے۔ اور بعض وقت ایسی تحریریں جو فحش کی حد تک پہنچی ہوئی ہوتی ہیں شائع بھی کی جاتی ہیں۔ اور کھلے الفاظ میں اپنی بدکرتوتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو بجائے مفید ہونیکے سخت مخرب اخلاق طرز ہے۔ بہرحال اس سماج کے حالات کو پڑھکر انسان کو

یہ پتہ لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان ایک بڑی دولت ہے۔ اور اسکو چھوڑ کر انسان کو کن کن گندوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ اور کیسے ذلیل اور شرمناک عقیدے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ درحصل انسان کی روح کے اندر اپنے مالک حقیقی کے لیئے ایک تڑپ موجود ہے اور ایک اعلیٰ طاقت کے سامنے جھکنا اسکی فطرت میں منقوش ہے مگر جب ایک شخص اس زندہ اور طاقتور خدا کو جو سارے صفات حسنہ سے موصوف ہے چھوڑتا ہے تو اسے فرضی محبوبوں اور فرضی معبودوں کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔ اسطرح پر دیو سماج کی دہریت میں بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک نشان نظر آجاتا ہے۔

یہ میں نے اوپر لکھا ہے کہ خواہ مغربی دہریت کے خیالات نے بانی دیو سماج کے خیالات کو کتنا ہی متاثر کیا ہو مگر یہ سلسلہ دراصل ہندو مذہب کی ہی ایک شاخ ہے اور اسی مذہب کی ساری خصوصیتیں اپنے اندر رکھتا ہے جو جو تبدیلیاں اس فرقہ میں اسکی پیدائش کی تاریخ سے واقع ہوتی رہی ہیں وہ بھی یہی بتاتی ہیں کہ دیو سماج ہندو مذہب کی ہی فرع ہے۔ اور اس سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہندو مذہب جو تعلیم اللہ تعالیٰ کے بارے میں دیتا ہے وہ خود ایسی ناقص اور بودی ہے کہ اگر کوئی چیز ہندوؤں سے اور خصوصاً ہندوؤں کے ایسے نئے فرقوں سے جیسے آریہ سماج ہے خدا منواتی ہے تو وہ صرف صدیوں کا جما ہوا اعتقاد ہے۔ ورنہ جن اوصاف کا خدا آریہ سماج پیش کرتا ہے اس قسم کے خدا پر اعتقاد دہریت سے صرف ایک ہی قدم ورے ہے۔ یہ بات آریہ سماج کے اصول مذہبی سے روشن ہے جنکے رو سے اللہ تعالیٰ مادہ یا روح کا خالق نہیں بلکہ مادہ اور روح خدائے تعالیٰ کی طرح ازلی ہیں اور اپنے صفات کے ساتھ اسی طرح ہمیشہ سے خود بخود چلے آتے ہیں جیسے خدا۔ اب اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اگر کوئی بڑی سے بڑی عقلی دلیل دیجا سکتی ہے تو وہ تو یہی ہے کہ وہ خالق کائنات ہے۔ مگر جب اسکی خلق سے ہی انکار ہے تو پھر اسکے وجود کی ضرورت کیا باقی رہتی ہے کیونکہ مادہ اور روح کے صفات تو خود بخود ہوئے انہی صفات کے طرح طرح کے میل جول سے الگ الگ مخلوق خود ہی بن سکتی ہے اور خدا تعالیٰ کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ پس یہ آریہ مذہب کی تعلیم ہی ہے جس نے دیو سماج کے رنگ میں ایک دہریہ مذہب کو پیدا کیا

ہے۔ اصل اصول دونوں کے ایک ہیں صرف آریہ سماج ان اصول سے وہ نتیجہ نکالنے سے ڈرتی ہے جو دیو سماج نے نکالا ہے۔ اور جو واقعی ان دعاوی کا کہ روح اور مادہ اپنی تمام صفات کے ساتھ خدا کی طرح ہی ازلی اور خود بخود ہیں صحیح نتیجہ ہے۔

گو یہ سچ ہے کہ دیو سماج خدا کی ہستی کے انکار کے ساتھ ہی ویدوں کے مقدس یا منجانب اللہ ہونیکا انکار بھی کرتا ہے۔ مگر بایں خود ہندوؤں نے اس فرقہ کے پیروؤں کو اپنے سے کاٹ کر الگ نہیں کیا۔ یہ ہندو مذہب کے عجائبات میں سے ہے۔ اگر ایک ہندو عیسائی یا مسلمان ہو جاوے تو خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار ہی کرتا ہے اور خواہ وہ ویدوں کی اور ہندوؤں کے بزرگوں کی بھی عزت کرے مگر تاہم اسے ہندو مذہب سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ اسکے بعد اسکا کوئی تعلق نہ خویش و اقارب سے رہتا ہے اور نہ اپنے آشناؤں اور رفیقوں سے۔ وہ ہندو سوسائٹی سے خارج کر دیا جاتا ہے اور ہندو نام اسپر کبھی اطلاق نہیں پاتا لیکن اگر وہی شخص دیو سماجی ہو جاوے اور خدا کی ہستی پر اور خدا کے کلام پر ہنسی اڑاوے اور مقدس پیشوایان مذہب کو خواہ وہ ہندو مذہب کے ہی پیشوا ہوں بُرا کہے اور گالیاں نکالے اور خدا کی کتابوں کی خواہ وید ہی ہوں بے حرمتی کرے تاہم ایسے شخص کو ہندوؤں سے الگ نہیں سمجھا جاتا نہ وہ سوسائٹی سے نکالا جاتا ہے اور نہ ہی اسکے قدیمی تعلقات قطع ہوتے ہیں۔ اور اسپر وہی ہندو کا لفظ اطلاق پاتا ہے جو اسکے دوسرے بھائیوں پر جو ویدوں کو مانتے اور خدا کی ہستی کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس فرقہ نے جسقدر ترقی کی ہے وہ ہندوؤں کے اندر ہی کی ہے۔ ان تمام باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دیو سماج ہندو مذہب کا ایک فرقہ اور اسی کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

اس فرقہ کے پورے حالات سے ناظرین کو آگاہ کرنیکے لئے اسقدر بڑھانا ضروری ہے کہ دیو سماج ایک حد تک مفید تعلیمی کام بھی کر رہا ہے۔ اس بات پر ہم کوئی بحث کرنا نہیں چاہتے کہ کسقدر اخلاقی اور روحانی ترقی اس فرقہ کے پیروؤں نے کی ہے کیونکہ ایک طرف تو انکے دعوے ہیں اور دوسری طرف وہ شرمناک خطوط ہیں جو ایڈیٹر اندر نے چھاپکر یہ ظاہر کیا ہے کہ دیو سماج کے بڑے بڑے اراکین نہایت شرمناک سیہ کاریوں میں مبتلا ہو چکے

خود مقر ہیں۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ تعلیم کے پھیلانے میں جو کام دیو سماج نے کیا ہو اور ایسا ہی قحط یا زلزلہ کے موقعہ پر جو مدد عام مخلوقِ خدا کی اس فرقہ نے کی ہے وہ ایک مفید کام ہے۔

کفارہ کا جدید ترین ثبوت

امریکہ میں ڈاکٹر کیرل نے علم جراحی میں بعض حیرت انگیز نئے تجربے کر کے انکو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ مثلاً ایک تجربہ یہ ہے کہ ایک جاندار کے ایک عضو کو کاٹ کر اسی قسم کے دوسرے جانور کے ساتھ لگا دیا اور اس دوسرے کے اسی عضو کو کاٹ کر پہلے کے ساتھ لگا دیا تو دونوں جانور صحیح سلامت رہے۔ ایسا ہی ایک جاندار کی شریان کا کوئی حصّہ کاٹ کر اسی قسم کے دوسرے جاندار کی شریان کے ساتھ سی دیا گیا تو دورانِ خون میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔ ڈاکٹر کیرل نے یہ بھی تجربہ کیا ہے کہ موت کے بعد گردہ یا دل یا ایسے اجزا کو نکالکر زندہ جاندار میں داخل کر دیا جائے تو وہ اپنا فعل شروع کر دیتے ہیں اور یہی تجربہ مردہ کی شریانوں اور عروق کے متعلق بھی کیا گیا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مردہ سے یہ شریانیں اور عروق نکالنے کے ایک مہینہ بعد بھی دوسرے جاندار میں انہوں نے کام دیا ہے۔ ایسے ہی ایک تجربہ کا ذکر ایک عیسائی اخبار نے کر کے اس سے ایک نئی دلیل کفارہ کی صداقت کی نکالی ہے۔ وہ تجربہ یہ تھا کہ ایک پانچ یوم کا بچّہ اس وجہ سے کہ خون کی شریانوں سے اندر ہی اندر خون جسم کے ریشوں میں چلا گیا۔ جس سے زہرباد پیدا ہو گیا حالت نزع میں تھا کہ اس کے والد نے ڈاکٹر کیرل کو بلا کر اپنا خون بچہ کو دینے کی آمادگی ظاہر کی۔ ڈاکٹر کیرل نے چھ انچ تک اس نوجوان باپ کی شریان کو باہر نکالکر بچّے کی ٹانگ کے پیچھے کی شریان سے سی دیا اور گو اس تجربہ کے وقت بچہ قریباً مر ہی چکا تھا مگر شریانوں کے تعلق سے بچّہ میں دَورانِ خون پیدا ہو گیا۔ اور وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ اس عملی جراحی کے بعد باپ بیٹے کی شریانوں کو الگ کر دیا گیا۔ اس واقعہ کا ذکر کر کے اخبار مذکور لکھتا ہے یہ باپ کے

خون سے بچّے کا تندرست ہونا اور دوسروں کے زندہ چمڑے کے لگانے سے جلے ہوئے زخم کے اچھا ہو جانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی آدم ایک دوسرے کے عُضو اور ایک دوسرے کے محتاج اور ایک دوسرے کے فعلوں کے بھلے اور بُرے اثر کے ذمہ وار ہیں۔ ایسے حالات کی روشنی میں جہاں بنی آدم کا باہمی ایسا گہرا تعلق ظاہر ہوتا ہے وہاں انسان کے آدم کے گناہ سے گنہگار ہونے اور مسیح کے بنی آدم کے لیئے جان دیکر نجات حاصل کرنے کی تجویز کیسی صاف اور واضح ہو جاتی ہے؟"

یہ منطق اور استدلال واقعی قابل داد ہے۔ اور اسکی صفائی اور وضاحت ایسی ہی کُھلی ہوئی ہے۔ جیسے ۱+۱+۱=۱ کی۔ امید ہے کہ آیندہ اس ایک ہی دلیل کی بدولت کفارہ اور تثلیث دونوں ہر قسم کے اعتراضوں سے فارغ ہو جائیں گے۔ لیکن اسقدر بات تشریح کے قابل ہے کہ انسان تو اپنے محدود علم کی وجہ سے ترقی کرتا رہتا ہے۔ ایک زمانہ میں اگر اسے ایک بات کا علم نہیں تو دوسرے زمانہ میں اسکا علم حاصل کر لیتا ہے۔ مگر کیا خدا کا علم بھی محدود ہے اور وہ بھی انسانی گناہوں کی تشریح کے علم میں تجربے کرتا رہتا ہے۔ یہ کفارۂ مسیح کا مسئلہ جو عیسائی صاحبان کے نزدیک انسان کے گناہوں کا اصل علاج ہے صرف دو ہزار سال سے اسکا وجود دنیا میں آیا۔ اور اس سے پہلے معلوم نہیں کتنے ہزار نبی دنیا میں آئے اور کتنے ہزار سال نسل انسانی پر گذر گئے مگر گناہ کے اس علاج کا خدا کو پتہ نہ لگا اور وہ ہر ملک میں اپنے نبیوں کے ذریعہ گناہ کے لیئے توبہ و استغفار کو ہی علاج بتاتا رہا۔ کیا خدا کو بھی اسقدر تجربہ کے بعد ہی یہ پتہ لگا کہ اصل علاج وہ نہ تھا جسے وہ ہزارہا سال سے اپنے نبیوں کے ذریعہ دنیا پر ظاہر کرتا رہا بلکہ وہ اصل علاج کفارۂ مسیح تھا جو پولوس کو معلوم ہو گیا۔ ایسی حالتمیں تو یہ بھی ممکن ہو کہ کبھی نئے تجربہ سے یہ علاج بھی غلط ثابت ہو۔

قادیان میں دینی مدرسہ

(احمدی احباب کی خاص توجہ کے قابل)

قادیان میں ایک دینی مدرسہ ۱۹۰۶ء سے جاری ہے۔ ابتک یہ مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ایک شاخ تھی۔ مگر یکم مارچ ۱۹۰۹ء سے مجلس معتمدین نے اسے ایک الگ مستقل مدرسہ قرار دیکر اسکے لیئے ایک نیا نصاب تجویز کیا ہے قبل اسکے کہ میں اس نصاب کے متعلق کچھ ذکر کروں اُس سارے سلسلۂ تعلیم کے متعلق جسکو ہمارے امام و مقتدا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سلسلۂ احمدیہ کیلیئے ضروری سمجھا مختصراً چند باتیں پیش کرنی ضروری سمجھتا ہوں۔ تاکہ سب احباب کو معلوم ہو جائے کہ حضرت مسیح موعودؑ انکے بچوں کے لیئے کس کس قسم کی تعلیم کو ضروری سمجھتے تھے کیونکہ دراصل اس ساری تعلیم کی تہ میں سب سے پہلے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لیئے جس مدرسہ کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے رکھی وہ تعلیم الاسلام ہائی سکول ہے۔ اس مدرسہ کے لیئے ۱۵ ستمبر ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار حضرت اقدس نے شائع کیا۔ چونکہ یہ اشتہار آجکل ملتا نہیں اسلیئے احباب کی اطلاع کے لیئے میں اسے یہاں درج کرتا ہوں۔

نقل اشتہار

ایک ضروری فرض کی تبلیغ

اگرچہ ہم دن رات اسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ کہ لوگ اُس سچے معبود پر ایمان لاویں جسپر ایمان لانیسے نور ملتا ہے۔ اور نجات حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس مقصد تک پہنچانے کیلیئے۔ علاوہ اُن طریقوں کے جو استعمال کیئے جاتے ہیں ایک اور طریق بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ایک مدرسہ قائم ہو کر بچوں کی تعلیم میں ایسی کتابیں ضروری طور پر لازمی ٹھہرائی جائیں۔ جنکے پڑھنے سے انکو پتہ لگے کہ اسلام کیا شے ہے۔ اور کیا کیا خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے اور جن لوگوں نے اسلام پر حملے کیئے ہیں۔ وہ حملے کیسے خیانت اور جھوٹ

اور بے ایمانی سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور یہ کتابیں نہایت سہل اور آسان عبارتوں میں تالیف ہوں۔ اور تین حصوں پر مشتمل ہوں۔

پہلا حصہ۔ ان اعتراضات کے جواب میں ہو۔ جو عیسائیوں اور آریوں نے اپنی نادانی سے قرآن اور اسلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے ہیں۔ اور **دوسرا حصہ** اسلام کی خوبیوں اور اسکی کامل تعلیم اور اسکے ثبوت میں ہو۔ **تیسرا حصہ**۔ ان مذاہب باطلہ کے بطلان کے بیان میں ہو جو مخالف اسلام ہیں۔ اور اعتراضات کا حصہ صرف سوال اور جواب کے طور پر ہو۔ تا بچے آسانی سے اسکو سمجھ سکیں۔ اور بعض مقامات میں نظم بھی ہو تا بچے اسکو حفظ کر سکیں **ایسی کتابوں کا تالیف کرنا** میں نے اپنے ذمہ لے لیا ہے جو طرز اور طریق تالیف کا میرے ذہن میں ہے۔ اور جو غیر مذاہب کی باطل حقیقت اور اسلام کی خوبی اور فضیلت خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر فرمائی ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ اگر ایسی کتابیں جو خدا تعالیٰ کے فضل سے میں تالیف کرونگا۔ بچوں کو پڑھائی گئیں تو اسلام کی خوبی آفتاب کی طرح چمک اٹھیگی۔ اور دوسرے مذاہب کے بطلان کا نقشہ ایسے طور سے دکھایا جائیگا۔ جس سے انکا باطل ہونا کھل جائیگا۔

اے دوستو! یقیناً یاد رکھو!! دنیا میں سچا مذہب جو ہر ایک غلطی سے پاک اور ہر ایک عیب سے منزہ ہے۔ صرف **اسلام** ہے۔ یہی مذہب ہے جو انسان کو خدا تک پہنچاتا ہے اور خدا کی عظمت دلوں میں بٹھاتا ہے۔ ایسے مذہب ہرگز خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں جنہیں یہ تعلیم دیگئی ہے۔ کہ اپنے جیسے انسان کو خدا کر کے مان لو یا جنہیں یہ تعلیمیں ہیں کہ وہ ذات جو مبدء ہر ایک فیض ہے۔ وہ تمام جہان کا خالق نہیں ہے۔ بلکہ تمام ارواح خود بخود قدیم سے چلے آتے ہیں۔ گویا خدا کی بادشاہت کی تمام بنیاد ایسی چیزوں پر ہے۔ جو اسکی قدرت سے پیدا نہیں ہوئیں۔ بلکہ قدامت میں اسکے شریک اور اسکے برابر ہیں۔ سو جس کو علم اور معرفت عطا کی گئی ہے۔ اسکا **فرض** ہے جو ان تمام اہل مذاہب کو قابل رحم تصور کر کے سچائی کے دلائل انکے سامنے رکھے۔ اور ضلالت کے گڑھے سے انکو نکالے۔ اور خدا سے بھی دعا کرے۔ کہ یہ لوگ ان مہلک بیماریوں سے شفا پاویں۔ اسلئے

مَیں مناسب دیکھتا ہوں۔ کہ بچوں کی تعلیم کے ذریعہ سے اسلامی روشنی کو ملک میں پھیلاؤں۔ اور جس طریق سے مَیں اس خدمت کو سرانجام دونگا۔ میرے نزدیک دوسروں سے یہ کام ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔ کہ اس طوفان ضلالت میں اسلامی ذریت کو غیر مذاہب کے وساوس سے بچانیکے لئے اس ارادہ میں میری مدد کرے۔ سو مَیں مناسب دیکھتا ہوں کہ بالفعل قادیان میں ایک مڈل سکول قائم کیا جائے۔ اور علاوہ تعلیم انگریزی کے ایک حصہ تعلیم کا وہ کتابیں رکھی جائیں جو میری طرف سے اس غرض سے تالیف ہونگی۔ کہ مخالفوں کے تمام اعتراضات کا جواب دیکر بچوں کو اسلام کی خوبیاں سکھائی جائیں۔ اور مخالفوں کے عقیدوں کا بے اصل اور باطل ہونا سمجھایا جائے۔ اس طریق سے اسلامی ذریت نہ صرف مخالفوں کے حملوں سے محفوظ رہیگی۔ بلکہ جلد وہ وقت آئیگا کہ حق کے طالب سچ کی روشنی اسلام میں پاکر باپوں اور بیٹوں اور بھائیوں کو اسلام کیلئے چھوڑ دینگے۔ مناسب ہے۔ کہ ہر ایک صاحب توفیق اپنے دائمی چندہ سے اطلاع دیوی۔ کہ اس کار خیر کی امداد میں کیا کچھ ماہوار مدد کر سکتا ہے۔ اگر یہ سرمایہ زیادہ ہو جاوے تو کیا تعجب ہے کہ یہ سکول انٹرنس تک ہو جائے۔ واضح رہے۔ کہ اوّل بنیاد چندہ کی اخویم مخدومی مولوی حکیم نورالدین صاحب نے ڈالی ہے۔ کیونکہ انہوں نے وعدہ کیا ہے۔ کہ مَیں اس سکول کیلئے دس روپیہ ماہواری دونگا۔ اور مرزا خدا بخش صاحب اتالیق نواب محمد علیخاں صاحب نے دو روپیہ ماہوار اور محمد اکبر صاحب ایک روپیہ ماہوار میر ناصر نواب صاحب نے ایک روپیہ ماہواری اور الہداد صاحب کلرک شاہپور نے ۸ ؍ ماہواری دینا قبول کیا۔

المشتہر مرزا غلام احمدؐ از قادیان۔ ۱۵ ستمبر ۱۸۹۷ء

اس اشتہار کے ساتھ ہی مخلصین کی طرف سے چندہ آنا شروع ہو گیا یہانتک کہ تین چار ماہ بعد ہی یعنی ۱۸۹۸ء کے ابتدا میں ہی پرائمری تک مدرسہ کھل گیا اور تھوڑی دیر بعد ہی مدرسہ مڈل تک اور پھر بموجب منشائے حضرت صاحبؑ ہائی تک ترقی کر گیا۔ اور یونیورسٹی کے امتحان انٹرنس کیلئے اس سے طلبا جانے لگے۔ مگر اسکے ساتھ ہی اخراجات بھی بڑھ گئے اور وقتاً فوقتاً ادائگی اخراجات کے لئے دقتیں پیش آتی رہیں۔ ایک عرصہ تک مدرسہ کا روپیہ حضرت

مولوی نورالدین صاحب کے نام آتا رہا اور آپ ہی اس کمیٹی کے پریذیڈنٹ بھی تھے جسکے سپرد حضرت صاحب نے مدرسہ کا انتظام شروع میں کیا تھا۔ اسی کمیٹی میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بھی تھے۔ اور مالی دقتوں کے وقت آپ ہی احباب میں تحریک کیا کرتے تھے چونکہ آپ کا دل خاص اخلاص اور جوش سے پُر تھا آپ کی تحریک نہایت مؤثر ہوتی تھی اور مالی تکالیف کے رفع کرنیکے لئے حضرت صاحب کو تکلیف دینے کی ضرورت بہت کم پیش آتی تھی۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں جب خانصاحب محمد علی خاں صاحب قادیان میں اقامت پذیر ہو گئے تو مدرسہ کا انتظام ۳۔ دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء سے حضرت مسیح موعودؑ نے انکے سپرد کر دیا اور یہ تحریر فرمایا کہ "کام انتظام مدرسہ ہماری منشاء اور خواہش اور تحریک کے موافق اخویم نواب صاحب محمد علیخاں صاحب تجویز فرما دیں گے" چنانچہ اسوقت سے ۱۹۰۴ء تک یہ کام نواب صاحب کے سپرد رہا۔ اس اثنا میں اخراجات کے بڑھ جانے اور بعض اور وجوہ سے مدرسہ کو مالی مشکلات کا سامنا زیادہ کرنا پڑا چنانچہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء میں نواب صاحب موصوف نے ان مالی مشکلات کو حضرت اقدسؑ کے سامنے پیش کیا۔ جس سے حضرت اقدسؑ کو بہت رنج ہوا اور آپنے کتاب تذکرۃ الشہادتین میں جسکی تصنیف میں آپ اسوقت مشغول تھے ایک اعلان بعنوان "ایک ضروری امر اپنی جماعت کی توجہ کے لئے شائع کیا جس میں بڑے پُرزور الفاظ میں اس ہائی سکول کی تائید کے لئے ساری جماعت کو توجہ دلائی اور لنگرخانہ کے چندہ کی طرح اس مدرسکے چندہ کو ہر ایک احمدی کے لئے لازمی قرار دیا۔ اور اسی اعلان میں اس مدرسہ کی ضرورت کی طرف بھی اس سلسلہ کے مخلصین کو توجہ دلائی۔ حضرت اقدسؑ کا یہ اعلان ان الفاظ میں تھا۔ "اگرچہ مَیں خوب جانتا ہوں کہ جماعت کے بعض افراد اب تک اپنی روحانی کمزوری کیحالت میں ہیں یہانتک کہ بعض کو اپنے وعدوں پر ثابت رہنا بھی مشکل ہے لیکن جب مَیں اس استقامت اور جانفشانی کو دیکھتا ہوں جو صاحبزادہ مولوی محمد عبداللطیف سے ظہور میں آئی تو مجھے اپنی جماعت کی نسبت بہت امید بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ جس خدا نے بعض افراد اس جماعت کو یہ توفیق دی کہ نہ صرف مال بلکہ جان بھی اس راہ میں قربان کر گئے اس خدا کا صریح یہ منشاء معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت سے ایسے

افراد اس جماعت میں پیدا کرے جو صاحبزادہ مولوی عبداللطیف کی روح رکھتے ہوں...

...... اب ایک ضروری بات جو اپنی جماعت کے آگے پیش کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ لنگرخانہ کے لیئے جسقدر میری جماعت وقتاً فوقتاً مدد کرتی رہتی ہے وہ قابل تعریف ہے ،.............. علاوہ لنگرخانہ اور میگزین کے جو انگریزی اور اُردو میں نکلتا ہے جسکے لیئے اکثر دوستوں نے سرگرمی ظاہر کی ہے ایک مدرسہ بھی قادیان میں کھولا گیا ہے اس سے یہ فائدہ ہے کہ نوعمر بچے ایک طرف تو تعلیم پاتے ہیں ۔ اور دوسری طرف ہمارے سلسلہ کے اصولوں سے واقفیت حاصل کرتے جاتے ہیں ۔ اسطرح پر بہت آسانی سے ایک جماعت طیار ہوجاتی ہے ۔ بلکہ بسا اوقات اُنکے ماں باپ بھی اس سلسلہ میں داخل ہوجاتے ہیں ۔ لیکن ان دنوں میں ہمارا یہ مدرسہ بڑی مشکلات میں پڑا ہوا ہے ۔ اور باوجودیکہ محبی عزیزی اخویم نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ اپنے پاس سے اسی روپیہ ماہوار اس مدرسہ کی مدد کرتے ہیں ۔ مگر پھر بھی اُستادوں کی تنخواہیں ماہ بماہ ادا نہیں ہوسکتیں صدہا روپیہ قرضہ سر پر رہتا ہے علاوہ اسکے مدرسہ کے متعلق کئی عمارتیں ضروری ہیں جو ابتک طیار نہیں ہوسکیں ۔ یہ غم علاوہ اور غموں کے میری جان کو کھا رہا ہے ۔ اسکی بابت مَیں نے بہت سوچا کہ کیا کروں آخر یہ تدبیر میرے خیال میں آئی کہ مَیں اسوقت اپنی جماعت کے مخلصوں کو بڑے زور کے ساتھ اس بات کی طرف توجہ دلاؤں کہ وہ اگر اس بات پر قادر ہوں کہ پوری توجہ سے اس مدرسہ کے لیئے بھی کوئی ماہانہ چندہ مقرر کریں تو چاہیئے کہ ہر ایک اُنمیں سے ایک مستحکم عہد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مقرر کرے جسکے لیئے وہ ہرگز تخلف نہ کرے مگر کسی مجبوری سے جو قضا و قدر سے واقع ہو اور جو صاحب ایسا نہ کرسکیں انکے لیئے بالضرورت یہ تجویز سوچی گئی ہے ۔ کہ جو کچھ وہ لنگرخانہ کے لیئے بھیجتے ہیں اس کا چہارم حصہ براہ راست مدرسہ کے لیئے نواب صاحب موصوف کے نام بھیجدیں لنگرخانہ میں شامل کرکے ہرگز نہ بھیجیں ۔ بلکہ علیحدہ منی آرڈر کراکر بھیجیں ۔ اگرچہ لنگرخانہ کا فکر ہر روز مجھے کرنا پڑتا ہے ۔ اور اسکا غم براہ راست میری طرف آتا ہے ۔ اور میری اوقات کو مشوش کرتا ہے ۔ لیکن یہ غم بھی مجھ سے دیکھا نہیں جاتا ۔ اس لیئے مَیں لکھتا ہوں کہ اس سلسلہ کے جوانمرد لوگ جنسے مَیں ہرطرح امید رکھتا ہوں کہ وہ میری اس التماس کو ردی کی طرح

نہ پھینک دیں۔ پوری توجہ سے اسپر کاربند ہوں۔ مَیں اپنے نفس سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہی کہتا ہوں جو خدا تعالیٰ میرے دل میں ڈالتا ہے۔ مَیں نے خوب سوچا ہے۔ اور بار بار مطالعہ کیا ہے میری دانست میں اگر یہ مدرسہ قادیان کا قائم رہ جائے تو بڑی برکات کا موجب ہوگا اور اسکے ذریعہ سے ایک فوج نئے تعلیم یافتوں کی ہماری طرف آسکتی ہے۔ اگرچہ مَیں یہ بھی جانتا ہوں کہ اکثر طالب علم نہ دین کے لیئے بلکہ دنیا کے لیئے پڑھتے ہیں۔ اور اُنکے والدین کے خیالات بھی اسی حد تک محدود ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی ہر روز کی صحبت میں ضرور اثر ہوتا ہے۔ اگر بیس طالب علموں میں سے ایک بھی ایسا نکلے جسکی طبیعت دینی امور کی طرف راغب ہو جائے۔ اور وہ ہمارے سلسلہ اور ہماری تعلیم پر عمل کرنا شروع کرے۔ تب بھی مَیں خیال کروں گا کہ ہم نے اس مدرسہ کی بُنیاد سے اپنے مقصد کو پالیا"

یہ اشتہار ہائی سکول کے جاری ہونے سے قریباً چھ سال بعد نکلا اور اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر تحریر فرما دیا کہ آپنے اس مدرسہ کے چندہ کو جو ساری جماعت کے لیئے ضروری قرار دیا تو یہ محض اپنے خیال سے نہ تھا بلکہ خدائے تعالیٰ نے آپکے دل میں یہ ڈالا تھا کہ اس مدرسہ کا قیام اس سلسلہ کیلیئے بڑی برکات کا موجب ہوگا۔ اس بات پر حضرت صاحبؑ بڑی مضبوطی سے قائم تھے چنانچہ اس اشتہار کے قریب ایک سال بعد جب پھر جناب نواب صاحب کو اسی قسم کی مالی مشکلات کا سامنا پیش آیا تو انہوں نے لاہور سے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں ایک خط لکھا جسکو پڑھکر حضرت اقدسؑ کے دل میں یہ خیال گذرا کہ نواب صاحب اس مدرسہ کو توڑنیکی صلاح دیتے ہیں چنانچہ حضرت صاحبؑ نے اسیوقت حضرت مولوی نورالدین صاحب اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور خاکسار راقم کو بلاکر اور اس خط کا ذکر کرکے فرمایا کہ ہمارا منشاء اس مدرسہ کو توڑنیکا کسی صورت میں نہیں اور پورے جوش اور ہمت سے اسکو چلانا چاہیئے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ نواب صاحب تو اب لاہور میں ہیں اور شائد مدرسہ کی مالی مشکلات کی وجہ سے وہ گھبرا بھی گئے ہیں اسلیئے آپ تینوں ہی اس مدرسہ کو چلانے کا انتظام کریں۔ یہ واقعہ ۱۹۰۴ء کا ہے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم

نے عرض کیا کہ آپ اسکے لیئے دعا کرتے رہیں اور ہم لوگ کوشش کرینگے۔ اگرچہ جہانتک مجھے یاد ہے اسوقت حضرت اقدسؑ نے کوئی تحریک پھر جماعت میں نہیں فرمائی مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپنے بہت جوش سے اس مدرسہ کے لیئے دعائیں کیں کیونکہ اسکی آمد میں بعدازیں ایسی ترقی ہوئی کہ باوجود بڑھے ہوئے اخراجات کے تھوڑے ہی دنوں میں تین چار ہزار روپے کی اراضی بھی باہر مدرسہ کیلیئے خرید لی گئی کیونکہ مدرسہ کیلیئے بہت سی عمارتوں کی ضرورت تھی جیساکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے اشتہار میں ان الفاظ میں اسکا تذکرہ فرمایا تھاکہ "مدرسہ کے متعلق کئی عمارتیں ضروری ہیں، جو ابتک تیار نہیں ہو سکیں۔ یہ غم علاوہ اور غموں کے میری جان کو کھا رہا ہے" مگر اللہ تعالیٰ نے آپکے کسی ارادہ کو پورا کیئے بغیر نہیں چھوڑا اور آپ کی زندگی میں ہی مدرسہ کیلیئے زمین خریدی جاکر اسپر عمارت کی تیاری شروع ہوگئی۔ جسکا ذکر میں آگے چلکر کرونگا۔

اسی اثنار میں بعض ایسے واقعات پیش آگئے جو اس جماعت کیلیئے نہایت غم کا موجب تھے یعنی حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور مولوی برہان الدین صاحب کی وفات واقع ہوئی...... جس سے علاوہ اور غموں کے یہ غم بھی حضرت اقدسؑ کو پہنچا کہ اس جماعت میں ایسے علمار کی کمی ہوگئی۔ کیونکہ انکی جگہ کوئی اور آدمی ہنوز جماعت میں اس علم و فضل کا پیدا نہیں ہوا تھا۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول میں چونکہ انگریزی مروجہ تعلیم کا دیا جانا ضروری تھا اسلیئے وہاں سے ایسے علمار کے نکلنے کی امید نہ ہو سکتی تھی پس آپنے اسوقت ان احباب کو جمع کر کے جو قادیان میں موجود تھے انسے یہ دریافت کیا کہ اس انگریزی مدرسہ سے ایسے علماء جو صرف دین کی خدمت کیلیئے زندگیاں وقف کریں نہیں نکلے اور نہ نکل سکتے ہیں تو پس کیا صورت ہونی چاہیئے کہ اس جماعت میں ایسے علماء پیدا کیئے جاویں جو ان لوگوں کے قائم مقام ہوں جو عالم جاودانی کی طرف انتقال کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور فرمایا کہ مدرسہ میں ایسی اصلاح ہونی چاہیئے کہ یہاں سے مولوی اور واعظ پیدا ہوں اور اس بات پر افسوس کیا کہ آریہ سماج میں تو وہ لوگ پیدا ہوں جو باطل کے لیئے اپنی زندگیاں وقف کریں مگر ہماری قوم بیچے خدا کو پاکر پھر دنیا کی طرف جھک رہی ہے

اور یہاں کے موجود احباب کو فرمایا کہ سب اپنی اپنی رائے پیش کرو۔ اسپر بعض ہمارے دوستوں نے جنہوں نے ان امور کے متعلق ایسی باریک نظر نہ کی جیسی کرنی چاہیئے تھی یہ بھی رائے دی کہ ہائی سکول کو توڑ دیا جاوے اور اسکی جگہ صرف ایک دینی مدرسہ قائم کیا جاوے۔ مگر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے اس رائے کی سخت مخالفت کی کیونکہ آپ اپنی فراست سے اسبات کو جانتے تھے کہ حضرت صاحب کا منشاء موجودہ مدرسہ کا توڑنا نہ تھا بلکہ کوئی ایسی صورت اصلاح پیدا کرنا تھا جس سے واعظ اور علماء جماعت میں تیار ہوں۔ اور آپ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ اس سے پہلے جب جناب نواب صاحب نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا تو حضرت صاحب نے اسکو بہت ناپسند فرمایا تھا۔ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب نے بھی احباب کو قرآن شریف کی اس آیت کی طرف توجہ دلائی وما کان المؤمنون لینفروا کافة فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مسلمان سارے کے سارے نکل کھڑے ہوں تو ایسا کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل آتے تاکہ دین کا علم سیکھتے اور اس میں سمجھ پیدا کرتے اور اس سے یہ استدلال کیا کہ جب صورت میں خود قرآن شریف فرماتا ہے کہ علم دین سیکھنے کے لیئے ہر جماعت میں سے چند اشخاص کو نکلنا چاہیئے اور سارے کے سارے مسلمان نہیں نکل سکتے۔ تو اس صورت میں موجودہ مدرسہ کیونکر توڑا جا سکتا ہے ہاں اسکے ساتھ علم دین سکھانے کیلئے ایک علیحدہ مدرسہ قائم ہونا چاہیئے۔ حضرت اقدسؑ نے اس بحث کے آخری فیصلہ کو دسمبر کے جلسہ تک ملتوی کیا تاکہ سب احباب ملکر اسپر غور کریں چنانچہ جلسہ دسمبر میں یہ سوال پیش ہوکر اسکے متعلق آخری فیصلہ کیا گیا۔ اسوقت جو فیصلہ قوم نے کیا اور جسے حضرت اقدسؑ نے پسند فرمایا وہ اگر مجھے یادداشت سے لکھنا پڑتا تو شائد کچھ مشکلات پیش آتیں مگر وہ اس سے پہلے شائع ہو چکا ہے اور گو تمام جماعت اسکو اس سے پہلے پڑھ چکی ہے لیکن چونکہ اسپر عرصہ قریباً تین سال کا گذر گیا ہے۔ اس لیئے میں اس فیصلہ کو ناظرین کی اطلاع کے لیئے پھر یہاں نقل کرتا ہوں۔ یہ فیصلہ اخبار الحکم مورخہ ۲۴- جنوری سنہ ۱۹۰۶ء میں صفحہ ۶ پر شائع ہوا ہے۔ اور الحکم پر

ہے۔

"مدرسہ کے متعلق نئی تجاویز"

"سال کے اخیر میں مدرسہ کیحالت خاص طور پر زیر بحث آ چکی تھی پہلا سوال یہ درپیش تھا کہ آیا جس صورت میں ہمارے سلسلہ کی اصل غرض اشاعت و تبلیغ اسلام و اظہار دین ہے تو موجودہ مدرسہ کا قیام جس میں مروجہ تعلیم انٹرنس تک دیجاتی ہے کہاں تک اس سلسلہ کے مقاصد کی تکمیل کا مؤید ہے۔ اور دوسرا سوال یہ تھا کہ آیا اسی مدرسہ کے ذریعہ سلسلہ کی اصل غرض بھی پوری ہو سکتی ہے یا نہیں۔ یعنی یہ کہ یہاں سے ایسے اشخاص نکلیں جو اعلیٰ درجہ کے علوم عربیہ و دینیہ سے واقفیت رکھتے ہوں اور دوسری طرف یورپ کی کوئی سی زبان مثلاً انگریزی یا فرانسیسی یا جرمن وغیرہ جانتے ہوں تاکہ انکے ذریعہ سے تبلیغ اسلام نہ صرف ہندوستان میں رہے بلکہ ہندوستان سے باہر بھی ہو سکے ان دونوں سوالوں پر جماعت احمدیہ قادیان میں خوب بحث ہو چکی تھی مگر اخیر فیصلہ بموجب منشائے حضرت امام علیہ السلام ایام تعطیلات دسمبر تک ملتوی رکھا گیا تھا تاکہ اسوقت جب مختلف احباب مختلف احمدی جماعتوں کے جمع ہوں تو ان میں بھی ان ہر دو سوالوں کو پیش کرکے انکی رائے لیجاوے اور ان سوالوں کے ہر ایک پہلو پر غور کرنیکے بعد کوئی فیصلہ کیا جاوے۔ چنانچہ یہ امر تین دن برابر جلسہ میں پیش ہوتا رہا۔ اور بہت سے احباب نے اسپر بحث کرنے میں حصہ لیا۔ سوال اول کے متعلق یہ امر قرار پایا کہ اگرچہ مروجہ تعلیم اس سلسلہ کی خاص اور ممتاز اغراض میں سے ایک غرض نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ اس سلسلہ کے چھوٹے بچوں کو ایسے طور پر تیار کرنا کہ وہ زمانہ کی طرح طرح کے زہریلے اثروں سے محفوظ اور اصول اسلام پر مضبوط اور قرآن شریف اور مسائل دینیہ سے واقف اور مخالفین کے اعتراضوں کے جواب دینے کے قابل اور باطل اصولوں کی تردید پر قادر ہوں۔ اور پھر ساتھ ہی اسکے عملی زندگی انکی ایک سچے مسلمان کی ہو۔ یہ اس سلسلہ کی ایک خاص غرض ہے کیونکہ یہ بچے جب یہاں سے تعلیم پاکر نکلیں گے۔ تو خواہ وہ واعظ نہ ہوں اور زبان عربی میں کامل مہارت نہ رکھتے ہوں لیکن اسمیں شک نہیں کہ وہ ایسے مسلمان ہونگے جو دوسرے مسلمانوں کیلئے اور غیر مسلمانوں کیلئے نمونہ ہونگے۔ احمدی جماعت کا اور خود انکا وجود ہی دوسروں کے لئے واعظ ہوگا۔ علاوہ ازیں جماعت احمدی کی یہ ایک بڑی اور عظیم الشان ضرورت ہے۔ کہ جس صورت میں یہ سلسلہ دن بدن ترقی کر رہا ہے اور خدائے تعالیٰ کا اسکو بڑی بڑی ترقیاں دینا

وعدہ ہے تو اس صورت میں اس سلسلہ کا اپنا ایک مدرسہ بھی ہونا چاہیئے بلکہ کالج بھی ہونا چاہیئے کیونکہ جس صورت میں دین کے لیئے ایک جماعت کی ہی ضرورت ہے اور کل کی کل جماعت ایک ہی کام میں نہیں لگ سکتی۔ تو اس صورت میں اپنے مدرسہ کے نہ ہونے کی حالت میں جماعت مجبور ہوگی کہ اپنے بچوں کو دوسرے مدرسوں میں بھیجے جیسے مشن کے مدرسے یا سرکاری مدرسے جہاں نہ وہ تعلیم دین پا حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی زہریلی ہواؤں کے اثر سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور یہ امر ایک اتنی عظیم الشان جماعت میں سخت قابل افسوس ہوگا بلکہ اس جماعت کو تو ابھی اس کام کیلیئے تیار رہنا چاہیئے کہ جیسے جیسے اسکی تعداد میں ترقی ہوتی جائے جا بجا مدرسے تعلیم کیلیئے قائم ہوتے چلے جاویں اور مرکزی مقام میں ایک کالج یا یونیورسٹی ہو۔ پس ساری جماعت میں ایک مدرسہ کا بھی نہ ہونا ایک ایسا امر ہوگا جو اس جماعت کے لیئے سخت افسوس کا موجب ہوگا۔ لہذا باتفاق رائے جلسہ یہ امر قرار پایا کہ ضروری ہے کہ دارالامان میں ایک مدرسہ سرکاری تعلیم دینے کیلیئے اور سرکاری قواعد کے موجب چلنے والا ہو۔ مروجہ تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ احمدی جماعت کے بچے یہاں رہ کر سچے احمدی بنکر دکھاویں اور دنیا کے ساتھ دین میں بھی ترقی کریں۔ چنانچہ اسکی عملی نظیر اس وقت بھی موجود ہیں کہ جو طالب علم یہاں سے انٹرنس پاس کر کے گئے ہیں وہ وہ اپنی عملی زندگی میں اور اپنی دینی ترقی میں کالجوں میں ایک ایسا نیک نمونہ دکھا رہے ہیں جو واعظ سے بڑھکر کام دے رہا ہے۔ مگر اس ضرورت کو تسلیم کرنیکے ساتھ ہی منتظمین مدرسہ نے توجہ دلائی کہ باوجودیکہ پانچ سال کے عرصہ میں جماعت چند ہزار سے دو تین لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ مگر تعداد طلباء میں ایسی ترقی نہیں ہوئی جسکی وجہ کسیقدر جماعت کی بے توجہی ہے۔ ان امور کے پیش کرنے پر کل جماعت نے باتفاق اس ضرورت کو بھی تسلیم کیا کہ کل کی کل احمدی جماعت کا اور ہر فرد واحد کا جو اپنے آپکو اس جماعت میں سمجھتا ہے یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کسی دوسرے مدرسہ میں تعلیم نہ دیں بلکہ کل کے کل اسی جگہ تعلیم کے لیئے بھیجیں۔ کیونکہ جس صورت میں ضرورت قیام اس مدرسہ کی یہی ہے کہ احمدی جماعت کا اپنا مدرسہ ہو تو پھر اگر احمدی جماعت کل کی کل اپنے بچوں کو اسجگہ بھیجنے کے لیئے تیار نہیں تو اصل غرض ہی مفقود ہو جاتی ہے چنانچہ جس قدر حاضرین اس جلسہ میں موجود تھے۔ اُن سب نے اس ضرورت کو تسلیم کر کے یہ عہد کیا کہ وہ اپنے

بچوں کو اسی مدرسہ میں تعلیم کے لئے بھیجنے کا انتظام کریں گے اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی ترغیب دیں گے۔ اور مجبور کرینگے کہ وہ اپنے بچوں کو انٹرنس تک تعلیم کیلئے اسی جگہ بھیجیں۔

اب میں ساری جماعت کو متوجہ کرتا ہوں اور ہر ایک شہر کی جماعت میں اسکے اعلیٰ ارکان اور کارکن ممبروں کی خدمت میں خاص طور پر عرض کرتا ہوں کہ جس غرض سے اس مدرسہ کا قیام محض اسلئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ جماعت کے بچے اس جگہ تعلیم حاصل کریں۔ اور اس مدرسہ کو جماعت احمدی کی اہم ضروریات میں سے ایک ضرورت قرار دیا گیا ہے تو اس ضرورت کو اب عملی طور پر تسلیم کرنا چاہیئے زبان سے صرف اتنی بات کہدینے سے کہ اس مدرسہ کا قیام جماعت کے لئے نہایت ضروری ہے، کچھ نہیں بنتا اب عمل کا وقت ہے۔ اگر آپ لوگ چاہتے ہیں۔ کہ آپکے بچے سچے مخلص احمدی اور عملی زندگی میں دنیا کیلئے نمونہ بنیں۔ تو انکی عمروں کو ضائع نہ کریں اسوقت آپکے اہم فرائض میں سے جو اولاد کے متعلق ہیں یہ ہے کہ آپ انکی تعلیم اور تربیت کے اس پہلو کو اختیار کریں جس سے وہ آئندہ نسلوں کیلئے ہادی بنیں اگر آپنے ان فرائض کو اسی حد تک محدود سمجھ لیا ہے کہ آپ ان سے اسقدر محبت کریں کہ وہ آپ سے جدا نہ ہوں تو آپنے سخت غلطی کھائی ہے۔ ایک قوم جو اسوقت ہمہ تن دنیا میں مصروف اور دنیا پر جھکی ہوئی ہے وہ بھی اپنی اولاد کی تعلیم اور تربیت کو اسقدر مقدم سمجھے ہوئے ہیں کہ ایک ماں کا اپنے چھوٹے سے پیارے بچہ کو تعلیم کی خاطر جدا کرنا کچھ بھی اسکو دشوار معلوم نہیں ہوتا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اولاد سے ایسی محبت کرو جس سے انکی آئندہ زندگی سنورے اور ایسی محبت نہ کرو جو ہمیشہ کے لئے انکو تباہ کرنیوالی ہو۔ یہ تو وہ وقت تھا کہ اگر یہاں دنیوی تعلیم کا کوئی انتظام نہ بھی ہوتا تو بھی آپ لوگ اپنے بچوں کو اسجگہ بھیجتے۔ ان دنوں کو غنیمت سمجھو کہ خدا کا برگزیدہ مسیح ابھی تمھارے اندر ہے۔ وہ تمھارے بچے کیسے خوش قسمت ہوں گے۔ جو آئندہ یہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے مسیح کے زیر سایہ رہکر تعلیم پائی ہوئی ہے اور اسکی مجلسوں میں اکثر بیٹھے ہیں اور اسکی پر حکمت گفتگوؤں کو سنا اور اس کے کامل نمونہ کو دیکھا ہے۔ دوستو! میں سچ کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے صدق دل سے کہتا ہوں کہ یہ وقت پھر ہاتھ نہیں آئیگا۔ پھر اسوقت قادیان میں وہ عجیب انسان موجود ہے جس کے درس قرآن کے سننے پر آئندہ نسلوں کو فخر ہو گا۔ پس خدا کی ان نعمتوں کی قدر کرو اور سستی اور

کاہلی اور جھوٹی محبتوں سے اپنی اولاد کی عمر کو ضائع مت کرو۔ اگر تم نے اولاد کے بارہ میں یہ فرض ادا
کر دیا تو وہ اولاد تمہارے لیئے ابدی خوشی کا موجب ہوگی۔ ورنہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے پیچھے تمہاری
اولاد کیسی نکلے اور کیا کام کرے۔ اپنی طرف سے کوشش کرو۔ اور پوری سعی کرو کہ تمہاری اولاد نیک بنے
نیک صحبت میں رہے پھر دل خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس طرح پر چاہے انکو چلادے۔

اخیر میں مَیں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ یہ ابتدائے سال ہے اور یہی وقت ہے جو لڑکوں کو یہاں بھیجنا زیادہ
مفید ہے تاکہ شروع سال سے انکی تعلیم ہمارے کورس کے موافق ہو اور تاکہ انکی دینی تعلیم کی کمی پورا
کرنیکے لیئے کافی وقت ملے۔ نیز صاحب انسپکٹر کا معائنہ مدرسہ بھی ۱۴ فروری کو ہے۔ میرا دل چاہتا ہے
کہ اسوقت تک احمدی جماعت کے تین چار سو لڑکے یہاں موجود ہوں اس سے جماعت کی عمدہ حالت کا
اثر ہر دل پر پڑتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب مَیں ایک حد تک تو دے آیا ہوں یعنی واعظین اور مبلغین کی ایک جماعت
پیدا کرنیکے لیئے یہ مدرسہ کہانتک کام دے سکتا ہے۔ اسکے لیئے یہ تجویز کیگئی ہے کہ پنجم پرائمری تک تو تعلیم
مشترک رہے۔ اسکے بعد دو شاخیں مدرسہ کی ہوں ایک مروجہ تعلیم کی شاخ جسکے ساتھ لڑکوں کی
برداشت کے موافق عربی اور دینیات کی تعلیم لازم ہوگی اور دوسری دینیات کی شاخ اس دینیات
کی شاخ کو ہم بہت ترقی دینا چاہتے ہیں۔ اور اسکے متعلق یہ تجویز ہے کہ یہاں سے ایسے لوگ پیدا
ہوں جو علم دینیات کو پورے طور پر حاصل کریں اصول علم کلام سے پورے واقف ہوں اور عربی زبان
میں اسقدر مہارت رکھتے ہوں کہ اس زبان میں لیکچر دے سکیں۔ اور مضمون لکھ سکیں پھر اسکے ساتھ
دو صورتیں ہوں جو لوگ صرف اس ملک کے لیئے بطور واعظ تیار کیئے جاویں انکو اسقدر عربی اور دینیات
کی تعلیم کے ساتھ طب سکھائی جاوے یا بعض اور پیشے اور سنسکرت وغیرہ زبانیں بھی سکھائی جاویں
اور جو لوگ بیرونی ممالک کے لیئے تیار کیئے جانے ہوں۔ انکو کوئی ایک یورپ کی زبان جیسے انگریزی
یا فرانسیسی یا جرمن وغیرہ یا جو لوگ جاپان کے لیئے تیار کیئے جانے ہوں۔ انکو جاپانی علیٰ ہذا القیاس
لیکن ان سب تجویزوں کی تکمیل کیلیئے بہت سا وقت اور روپیہ اور کارکن آدمی درکار ہیں جنکی
ہم خدا کے فضل سے یہ امید رکھتے ہیں کہ آہستہ آہستہ ہمیں میسر آجاویں گے۔ اگر جماعت نے
اس طرف پوری توجہ کی تو یہ امور چنداں مشکل نہیں ہیں۔ بالفعل کام کو ہم نے شروع کر دیا ہے

یعنی اول جماعت دینیات کی کھولدی ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ قوم کے دل نہیں ڈالے اور وہ ہمہ تن اس مدرسہ کی اعانت میں مصروف ہو جائیں۔ کیا مالی امداد سے اور کیا بچوں کے بھیجنے سے۔ تو امید کی جاتی ہے کہ ان سب تجاویز کی تکمیل چند ہی سال میں ہو جاوے۔ وما توفیقنا الا باللہ۔"

اس فیصلہ کے بعد قوم نے اپنے وعدہ کو ایسی مضبوطی سے پورا کیا کہ ۱۹۰۶ء میں بورڈرل کی تعداد یک لخت دوگنی اور ۱۹۰۷ء میں تگنی ہو کر سوا سو تک پہنچگئی۔ گو اسوقت پھر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تعداد بورڈران اس تعداد سے نصف کے قریب رہ گئی ہے اور ۱۹۰۸ء میں بہت سی کمی ہو گئی ہے۔ میں اپنے احباب کو ۱۹۰۶ء کے جلسے کا وعدہ یاد دلاتا ہوں اور پھر اس سال کے جلسے میں جو وعدے کیئے گئے تھے انکو بھی یاد دلاتا ہوں جبتک قوم یک زبان ہو کر اس کام کے لیئے تیار نہ ہو گی کہ اپنے بچوں کو جو قادیان بھیجنے کے قابل ہیں دوسری جگہ تعلیم دینا روا نہ رکھے اسوقت تک اس مدرسہ کے اجرا کی اصل غرض حاصل نہیں ہوتی۔ شاخ دینیات کا افتتاح بھی اُسیوقت یعنی ۱۹۰۶ء میں ہی ہو گیا۔ اسی سال میں مدرسہ کی نئی عمارت کے لیئے (کیونکہ تعداد طلباء کے بڑھ جانیسے پہلی عمارت بالکل ناکافی ثابت ہوئی) چالیس گھماؤں اراضی بھی گاؤں کے متصل ہی باہر خریدی گئی۔ اور حضرت اقدسؑ نے اسکو از بس پسند فرما کر یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ کیا اچھا ہو کہ ہائی سکول سے کالج بنجاوے۔ چنانچہ آپکے یہ پاک کلمات اخبار الحکم مورخہ ۲۴ - فروری ۱۹۰۶ء کے صفحہ ۶ پر عنوان "مدرسہ تعلیم الاسلام کی ضرورت" کے نیچے محفوظ ہیں۔ چنانچہ اس مضمون میں ایڈیٹر صاحب الحکم نے بڑے پُرزور الفاظ میں مدرسہ کی عمارت کے لیئے تحریک کرکے حضرت اقدسؑ کی اس خواہش کی طرف قوم کو توجہ دلائی۔ چونکہ اسوقت بھی عمارت کا بڑا بھاری کام درپیش ہے اس لیئے ان الفاظ کا نقل کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ خرید اراضی کا ذکر کرتے ہوئے ایڈیٹر صاحب نے لکھا ہے "اس عمارت جو صرف سکول کیلیئے تیار ہو تیس پینتیس ہزار سے کم خرچ نہیں ہوگا بات تو کچھ بھی نہیں صرف ہماری احباب کو ہمت اور حوصلہ سے کام لینا ہے اگر تیس پینتیس آدمی بھی یہ عزم کر لیں کہ وہ ہزار ہزار روپیہ جمع کر کے بھیجدیں گے تو معمولی بات ہے اسوقت قوم کے سربرادروہ اور معزز اصحاب کو ہمت بڑھانا چاہیئے وہ اپنی آئندہ نسلوں کے تعلیمی انتظام کا بنیادی پتھر رکھنے کو ہیں۔ جو ذی مقدرت ہیں وہ اس قومی سکول میں اپنے نام سے کمرے تیار کرائیں خود چندہ دیں دوسروں سے دلائیں۔

مَیں تمہیں ایک عجیب بات سناتا ہوں کہ جس روز اس زمین کا بیعانہ دینے کی تجویز کی تو حضرت حکیم الامۃ کے مشورہ سے مَیں اور مخدومی مولوی محمد علی صاحب اعلیٰ حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور اس امر کو عرض کرنے اور آپ سے اجازت لینے کے واسطے گئے تو آپ نے جہاں اس اراضی کا خرید لینا پسند فرمایا اور اجازت دی وہاں یہ بھی فرمایا کہ کیوں کالج نہیں بنایا جاتا؟ ہماری جماعت کی تعداد اسوقت بہت بڑھ رہی ہے اگر کوئی شخص ایک لاکھ تک شمار کرے اور ہر شخص سے ایک روپیہ بھی وصول کرے تو ایک لاکھ روپیہ ہو جاتا ہے اور یہ کچھ بات نہیں۔ حضرت اقدسؑ کے اس فقرہ پر غور کرو۔ اور آپکی آرزو کو سوچو آپ چاہتے ہیں کہ کالج بناؤ۔ اور قوم کے افراد سے توقع کرتے ہیں کہ وہ اگر ایک ایک روپیہ بھی جمع کریں تو کالج بنجاوے۔ یہ قوم کا فرض ہے کہ وہ اپنے محبوب و آقا کی خواہش کو پورا کرے۔ ورنہ اسمیں تو کوئی شک نہیں کہ خدا کے مامور کے مُنہ سے آجتک کوئی بات ایسی نہیں نکلی جو پوری نہ ہوئی ہو اور نہ آئندہ کوئی بات ایسی ہو سکتی ہے جو پوری نہ ہو۔ پس کالج تو بنے گا اور ضرور بنے گا لیکن مبارک ہونگے وہ شخص جو خدا کے موعود کے ارادوں میں تکمیل کیلیے سعی کریں گے۔

مَیں اُمید کرتا ہوں کہ حضرت صاحب کی یہ خواہش جو ہائی سکول کو قائم رکھنے کے فیصلہ کے بعد آپنے ظاہر فرمائی پوری ہو کر رہیگی کہ اپنی جماعت کا ایک کالج ہو۔ کیونکہ ان لوگوں کے مُنہ سے کوئی بات نہیں نکلتی جبتک کہ خدا کا ارادہ اسکے متعلق نہ ہو۔ ہاں عمارت کے متعلق اسقدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ بجائے مدرسہ کے پہلے بورڈنگ ہوس کا باہر بنانا ضروری سمجھا گیا ہے۔ اور اس کا تخمینہ بھی قریب چالیس ہزار روپے کے ہے مجلس معتمدین نے قوم کے بوجھ کو ہلکا کرنیکے لیئے یہ بھی ارادہ کیا تھا کہ خام عمارت بنوائی جاوے مگر باہر کی زمین میں دیمک اسقدر ہے کہ خام عمارت کیلیے وسیع پیمانے پر ہمیشہ خطرے کیجانب میں رہتی اور اسکی مرمت پر چند سال میں ہی پختہ عمارت کے صرف سے زیادہ روپیہ خرچ ہو جاتا۔ اسلیئے بہت سے غور کے بعد اور مختلف جماعتوں اور ماہرین عمارت کے سامنے اس سوال کو پیش کرنیکے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ کل عمارت پختہ ہو۔

اس مدرسہ تعلیم الاسلام سے جو طالب علم ابتک نکلے ہیں گو اسمیں شک نہیں کہ انمیں سے بہت سے اپنے دنیا کے کاروبار میں لگ گئے ہیں مگر پھر بھی ایک امتیاز انمیں نظر آتا ہے جو انکے غیروں میں بہت کم پایا جاتا ہے یعنی فرائض اسلامی کی پابندی اور اشاعت اسلام کا جوش۔ ہائی سکول

کی دینی تعلیم کا انتظام خدا کے فضل سے بہت اچھا رہا ہے۔ اور ایڈیٹر صاحب الحکم وقتاً فوقتاً اپنے اخبار میں ایسے واقعات کا ذکر کرتے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ کا ذکر میں اسوقت بھی ضروری سمجھتا ہوں جو الحکم مورخہ ۳۱۔ مارچ کے صفحہ ۴ پر بزیر عنوان "تعلیم الاسلام سکول کی عظمت" درج ہے یہ واقعہ قادیان کے ہائی سکول کے ایک طالب علم کا جو قادیان سے ہی ایف اے کا امتحان پاس کرکے علیگڈھ کالج میں بی اے کی تعلیم حاصل کرنے گیا تھا۔ کالج میں امتحان دینیات میں اول رہنا اور پورے کے پورے نمبر حاصل کرنا اور اسکے استدلال اور واقفیت پر مدرسین کالج کا خاص طور پر ریمارک کرنا ہے۔ اس واقعہ کا ذکر کرکے ایڈیٹر صاحب الحکم لکھتے ہیں "قوم کو معلوم رہے کہ قادیان سکول کی مذہبی اور دینی تعلیم کی عظمت کا یہ کوئی چھوٹا سا ثبوت نہیں کہ علی گڈھ جیسے کالج میں سب سے اول اپنی جماعت میں اور سب سے اعلیٰ تعریف کے لحاظ سے کل کالج میں اول نمبر رہنے والا ایک قادیانی سکول کا سابق طالب علم ہے جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ دینی تعلیم کا کہانتک انتظام قادیان سکول میں ہے" دوسری طرف یونیورسٹی کے نتائج خود یہاں کی تعلیم کی عمدگی پر شاہد ہیں پس اندریں حالات میں نہیں سمجھتا کہ ہماری قوم نے کیوں مدرسہ کی طرف سے پھر سستی اختیار کی ہے۔

مدرسہ تعلیم الاسلام کے فوائد کو میں صرف طلباء تک ہی محدود نہیں سمجھتا بلکہ ایک بڑا بھاری کام جو اس مدرسہ نے کیا ہے وہ اپنی جماعت کے ایک لائق مستعد اور محنتی گروہ کا جو دین کی خدمت اور اشاعت کے لئے جوش رکھتا ہے یہاں جمع کردینا ہے یہ ایک بڑا بھاری احسان اس مدرسہ کا جماعت پر ہے اور ہم میں سے جو شخص اس احسان کا اعتراف نہ کرے وہ بڑا ناشکر گذار ہے ہماری دونوں اخباروں کے ایڈیٹروں کو بھی مدرسہ یہاں لانیکا باعث ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلے شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم اس مدرسہ کی ملازمت کے تعلق سے یہاں آئے شیخ صاحب کا اخبار پہلے امرتسر میں نکلنا شروع ہوا تھا مگر اسکے اجراء پر ابھی تین ماہ ہی گذرے تھے کہ قادیان میں تعلیم الاسلام سکول پرائمری تک کھل گیا اور ناظم پرائمری کی حیثیت میں شیخ یعقوب علی صاحب کو کمیٹی نے یہاں بلایا گو شیخ صاحب نے بہت تھوڑا عرصہ مدرسہ میں کام کیا کیونکہ اخبار کی ایڈیٹری کا فرض بھی ایک ذمہ واری کا بوجھ تھا۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ یہی تعلق اخبار الحکم کو امرتسر سے قادیان منتقل

کرنیکے اسباب میں سے ایک سبب بنگیا۔ ایسا ہی میرے مکرم اور صادق دوست مفتی محمد صادق صاحب پہلے بہ تعلق ملازمت مدرسہ ہی یہاں تشریف لائے تھے مولوی شیر علی صاحب بی اے جو اسوقت میگزین میں ایک ایسی مدد دے رہے ہیں جسکے لیئے دوسرے آدمی کا ملنا مشکل ہے اس مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر ہیں اور اب عنقریب یعنی یکم اپریل تک مخدوم اور مکرم مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی پروفیسر ٹریننگ کالج مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر ہوکر آنیوالے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف کی قابلیت کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ بڑی کوشش سے ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم سے ہم نے آپکی خدمات کو مستعار لیا ہے اور پرنسپل صاحب ٹریننگ کالج اپنے سٹاف میں ایسے قابل آدمی کو دینے پر راضی نہ تھے۔ ہمارے مدرسہ میں مولوی صاحب انسپکٹر تھے اور موسم گرما کی تعطیلوں میں قریب ایک ماہ کا عرصہ یہاں ٹھہر کر انہوں نے مدرسہ کیحالت میں بہت سی اصلاحیں کیں اور بہت سے مدرسین کو طریقۂ تعلیم سے واقف کیا۔ اب میں اپنے دوستوں کے آگے درد دل سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ خواہ مدرسہ کی تعلیمی حالت کیسی ہی ہوتی انکا فرض تھا کہ اپنے بچوں کو تعلیم کیلیئے یہاں بھیجتے۔ ساری قوم دسمبر ۱۹۰۶ء کے جلسہ میں مضبوط وعدہ اس بات کا حضرت اقدس کی زندگی میں اور آپکے سامنے دے چکی ہے۔ دوسری قوموں کو دیکھو کہ محض قومیت کے قائم رکھنے کیلیئے اپنی انسٹیٹوشنوں کی کیسی قدر کرتی ہیں مگر یہاں باوجود اسقدر فوائد کے بچوں کو بھیجنے کی طرف ہمارے دوست توجہ نہیں کرتے مروجہ تعلیم کیلیئے قابل مدرسین مہیا کرنیکا عمدہ سے عمدہ انتظام جو ہوسکتا تھا انجمن نے کیا ہے اور ایک ایسے قابل آدمی کی خدمات کو اپنے مدرسہ میں لیا ہے جسپر اگر یہ کہا جائے کہ سررشتہ تعلیم کو ناز ہے تو بالکل بجا ہے ہمارے امتحانوں کے نتائج ہمیشہ اعلیٰ درجہ کے رہے ہیں۔ ورزش جسمانی اور کھیلوں میں بھی دوسرے مدرسوں سے پیچھے یہ مدرسہ نہیں بلکہ امرتسر کے سارے سرکل میں شہرت حاصل کرچکا ہے اور فٹ بال کے میچ میں اس مدرسہ کی ٹیم نے شیلڈ کو حاصل کیا اور باوجود ان سب باتوں کے اسقدر دینی تعلیم دیجاتی ہے کہ جسکے لیئے کم از کم میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مروجہ تعلیم کے ساتھ اسقدر دینی واقفیت کے لڑکے اور کسی مدرسہ سے خواہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی ہرگز نہیں نکلتے۔ اور ان سب باتوں کے ساتھ بچوں کی اخلاقی تربیت ہے جسکے لیئے میں کہہ سکتا ہوں کہ اس مدرسہ کو ایک خصوصیت

حاصل ہے۔ اور یہانتک اسکا اثر ہے کہ غیر احمدی احباب بھی محض اس دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کی خاطر اپنے بچوں کو یہاں بھیجتے ہیں۔ ابھی سال گذشتہ میں ہی گورداسپور کے ایک معزز سرکاری عہدہ دار اپنے بچے کو یہاں تعلیم کیلئے لائے اور انہوں نے فرمایا کہ جیسی دینی تعلیم علمی اور عملی رنگ میں یہاں دیجاتی ہے اسکی نظیر کسی دوسرے اسلامی مدرسہ میں نہیں ملتی۔ مگر مدرسہ کی ان خوبیوں پر جو غیروں کے دلوں کو بھی کھینچ رہی ہیں۔ اپنوں کی بے اعتنائی کا وہ حال ہے کہ جسکو دیکھکر بہت ہی رنج پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی دلوں کا مالک ہے اور اسی کے اختیار میں ہے کہ وہ قلوب میں ایک تحریک کرے کہ ہمارے دوست حضرت اقدسؑ کی اس آرزو کو پورا کرنیکے لیئے تڑپ اٹھیں کہ آپ احمدیہ قوم کا کالج یہاں بنانا چاہتے تھے مگر یاد رکھو کہ یہ صرف مالی اعانت پر منحصر نہیں وہ تو اپنے وقت پر موقوف ہے بلکہ جبتک قوم اپنے سارے کے سارے بچوں کو اسجگہ تعلیم کیلئے نہ بھیجیگی مدرسہ کا قائم رہنا بھی اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہو جائیگا۔ چہ جائیکہ کالج بنے ہاں اس بات کو خوب سوچ لو کہ تم حضرت مسیح موعودؑ کے قائم کردہ سلسلۂ تعلیم کو جو دراصل اسی سلسلہ کی تعلیم کیلئے اور احمدی قوم کے بچوں کو سچے دیندار بنانیکی غرض سے آپنے قائم کیا تھا کہاں تک مضبوط کرنیکی کوشش کر رہے ہو۔ ہاں اگر آپ لوگوں کو اپنے بچے ایسے عزیز ہیں کہ انکی جدائی آپکو گوارا نہیں۔ مگر یہ گوارا ہے کہ وہ دینی تعلیم کو حاصل نہ کریں اور اسلام پر اور اس سلسلہ کی تعلیم پر مضبوط نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ان کان اباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ۔ میں دیکھتا ہوں کہ بعض دوست ہم میں سے فوت ہو گئے جنکا اخلاص اس سلسلہ سے حد درجہ کا تھا مگر چونکہ انہوں نے اپنی اولاد کی تربیت اس سلسلہ میں نہ کی اسلیئے وہ قریباً قریباً سلسلہ سے بے تعلق ہی ہو گئی۔ پس اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ ہم اپنے پیچھے ایسی اولاد چھوڑیں جو اس نعمت سے محروم ہو جسے ہمنے خود بڑی محنتوں سے اور دنیا کی طرف سے مصائب اٹھا کر حاصل کیا ہے۔ اسی غرض کیلئے یہ مدرسہ قائم کیا گیا تھا۔ آؤ اور سب ملکر اپنے پیارے مسیح کی اغراض کو پورا کرو۔ ورنہ یاد رکھو کہ اگر سستی سے تم نے اسوقت کو گنوا دیا تو تم الزام کے نیچے ہو۔ مکرمی مفتی محمد صادق صاحب کی خدمت میں جو اسوقت دورہ پر ہیں یہ بھی میری

التماس ہے کہ وہ علاوہ اور نیک تحریکوں کے جو کر رہے ہیں تعلیم الاسلام ہائی سکول اور نئے مدرسہ دینیہ کے لیئے بھی ضرور تحریک کریں۔

یہ مضمون کسی قدر لمبا ہوگیا۔ مگر ضروری تھا۔ اور دینی مدرسہ کی نئی تجویز کے ساتھ اسکا ذکر اور بھی ضروری تھا۔ کیونکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہمارا ہائی سکول بھی ایک دینی مدرسہ ہی ہے گو اس میں بڑا حصہ طلباء کے وقت کا مروّجہ تعلیم میں ہی صرف ہوتا ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو یہ سب علوم دین کے خادم ہی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ہمارا ہائی سکول بھی اشاعت اسلام کا کام کر رہا ہے اور کریگا گو یہ اشاعت اور رنگ میں ہے۔ اور اس طرز میں نہیں جس طرح پر ان علماء و فضلاء کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے جو ایک اعلیٰ درجہ دینی مدرسہ میں تعلیم حاصل کر کے نکلیں۔ اسمیں شک نہیں کہ اکثر بچے جو اس مدرسہ میں تعلیم پائیں گے انکی غرض غالباً دنیاوی ہی ہوگی یعنی اکثر ان میں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنے معاش کی فکر میں ہی لگ جائیں گے مگر جس صورت میں انہیں یہاں تعلیم دیجاتی ہے اور جیسا کہ واقعات بتا رہے ہیں اس دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اور اس ظاہری دنیوی غرض کے اندر ہی اندر ایک ایسا بیج دین کا ان میں بویا جاتا ہے جو آخر کار انکی دنیا کو بھی دین ہی بنا دیتا ہے۔ اور یہ بیج اگر اسکی پرورش اچھی ہو اور کافی نشو و نما بچوں کے یہاں سے نکلنے تک پالے تو آخر کار ایک بڑا درخت بنکر دنیا کے لیئے مفید ہنیگا۔ یہی بات ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا نے میرے دل میں ڈالا ہے کہ یہ مدرسہ دنیا کیلیئے بڑی برکتوں کا موجب ہوگا۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ان صداقتوں کو پھیلانیوالے اکثر وہی لوگ تھے جو اپنے دنیوی اشغال میں متفرق جگہوں میں پھیلے ہوئے تھے آخر جب صداقت کا بیج انکے اندر بویا گیا تو انکی دنیا ہی دین بن گئی اور جہاں ایک آدمی تھا اسنے اپنی گرد ایک جماعت بنالی۔ پس ہم امید کرتے ہیں کہ اسی طرح جو طلباء یہاں سے نکلیں گے اور اس سلسلہ کی تعلیم میں پکے ہو کر نکلیں گے وہ اشاعت اسلام کا ایک اہم کام اپنے اپنے رنگ میں کرینگے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی قانون وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ میں بیان فرمایا ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ دنیا کے کاموں کو بالکل چھوڑ کر کل کے کل ہی دین کی تعلیم میں مشغول ہو جائیں۔ پس اس غرض کیلیئے تو ہر جماعت میں سے چند اشخاص کافی ہیں۔ باقی سب کو چاہیئے کہ وہ دنیا کے کام بھی کریں اور

ساتھ اسکے دین سے بھی کچھ واقفیت پیدا کریں اور ہر ایک اپنی کوشش کے مطابق لوگوں کو حق کی طرف بُلا وے۔

اب مَیں اس دینی مدرسہ کے متعلق چند باتیں عرض کرنی چاہتا ہوں جو مدرسہ احمدیہ کے نام سے سابقہ شاخ دینیات کی جگہ اور اسی کے سلسلہ میں قائم کیا گیا ہے۔ بڑی بدقسمت وہ قوم ہے جس میں ایسے لوگ نہ ہوں جنہوں نے دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہو اور جو دن رات دین کی تعلیم اور دین کی اشاعت کی فکر میں لگے ہوئے ہوں۔ علماء اور فضلاء کا گم ہو جانا قوم کیلئے ماتم کا دن ہے۔

مدرسہ احمدیہ حضرت اقدسؑ کی خواہش کے مطابق اور آپکی ہی یادگار میں قائم کیا گیا ہے اور ہر ایک احمدی جماعت کا فرض ہے کہ وہ حکم قرآنی لولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ کے منشاء کے مطابق چند لوگوں کو منتخب کر کے صرف تعلیم دینی کے حصول کیلئے اسجگہ بھیجیں اور دوسری یہ عرض ہے کہ اس مدرسہ کے اخراجات جو اسوقت قریباً تین سو روپے ماہوار تک ہونگے اور علاوہ ازیں عمارت اور ایک بڑی لائبریری بکار ہے انکا فکر کریں اور چندہ یادگار کے لیئے ہر ایک جماعت کوشش کرے۔ جبتک اسے دوسرے تین چندوں یعنی لنگر۔ مدرسہ اور اشاعت اسلام کی طرح ضروری سمجھکر سب احباب اس چندہ میں شریک ہونگے اس مدرسہ کے چلنے میں بہت سی مشکلات ہونگی۔ مدرسہ دینیہ کا ہفت سالہ نصاب اخبارات میں اور علیحدہ بھی شائع ہوگا اصل اصول اس مدرسہ میں تعلیم کے مندرجہ ذیل رزولیوشن نمبر ۱۶۱ مجلس معتمدین میں ہیں جسکو مَیں باصلہ نقل کرتا ہوں۔

حسب رزولیوشن نمبر ۵۰۷ مجلس معتمدین منعقدہ ۳۱۔ جنوری ۱۹۰۹ء مندرجہ ذیل احباب کی ایک سب کمیٹی ۱۳۔ فروری سے ۱۸۔ فروری تک مختلف وقتوں میں مدرسہ عربی کی سکیم وغیرہ کے متعلق غور کرنیکے لیئے ہوتی رہی۔ مولوی شیر علی صاحب[1]۔ سید سرور شاہ صاحب[2]۔ قاضی امیر حسین صاحب[3]۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب[4]۔ صاحبزادہ محمود احمد صاحب[5]۔ سکرٹری مجلس معتمدین[6]۔ اس سب کمیٹی نے مدرسہ عربی کے متعلق ایک مکمل سکیم و رپورٹ مرتب کر کے مجلس معتمدین میں بغرض منظوری پیش کی۔ جو ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ اس رپورٹ وغیرہ کے پیش ہونے پر قرار پایا۔ کہ یہ سکیم (مرحمہ

حسب مشورہ حضرت مولوی صاحب اس تبدیلی کے ساتھ منظور ہے۔ کہ جو لڑکے پرائمری پاس (انیگلو ورنیکولر) داخل ہوں ان کے لئے انگریزی لازمی ہوگی۔ اور ہفتہ میں تین گھنٹے انگریزی کے رکھے جاویں۔ رپورٹ سب کمیٹی بھی اسی تغیر کے ساتھ منظور ہے یکم مارچ سے مدرسہ کھولا جاوے اسکے متعلق سکرٹری مناسب انتظام کرکے رپورٹ کرے۔

رپورٹ سب کمیٹی منعقدہ ۱۳۔ فروری ۱۹۰۹ء

(۱) مدرسہ دینیات کے متعلق باہر سے آئی ہوئی مختلف راؤں کا خلاصہ سنایا گیا اور حضرت مولوی محمد احسن صاحب کی رائے متعلق نصاب مدرسہ دینیات جسکا نام احسن النظام لمدارس تعلیم الاسلام ہے سنائی گئی۔ سب کمیٹی کے سب ممبروں نے بالاتفاق ان اصول تعلیم دینی کو تسلیم کیا۔ جس پر حضرت مولوی صاحب کی رائے مبنی ہے اور قرار پایا۔ کہ سکیم یعنی نصاب مدرسہ تیار کرنیکے وقت ان اصول کو مدنظر رکھا جاوے۔

(۲) مختلف آرائے پر غور کرنیکے بعد سب کمیٹی اس نتیجہ پر پہنچی ہے۔ کہ سردست ایک ایسا دینی مدرسہ قائم کیا جاوے جس سے اس ملک کے لئے مبلغین اور علمائے احمدی کا گروہ پیدا کیا جاوے اسلئے اس مدرسہ کی غرض کوئی یونیورسٹی کا امتحان پاس کرانا یا غیر ممالک کے لئے مبلغین پیدا کرنیکی نہ ہوگی اور اسی لئے اسکے نصاب میں انگریزی تعلیم بھی داخل نہ ہوگی۔

(۳) بعض احباب نے جو ایک تجویز انگریزی عربی کالج بنانیکی پیش کی ہے اس سے یہ کمیٹی بوجوہات ذیل موجودہ حالت میں متفق نہیں۔

(۱) سردست اسقدر سرمایہ صدر انجمن کے پاس نہیں جس سے ایسا کالج قائم ہو سکے۔

(ب) جو اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ دین کے خادم بننے کا یا غیر ممالک میں تبلیغ کا شوق رکھتے ہوں وہ بعد تکمیل تعلیم انگریزی مدرسہ دینیہ میں اعلیٰ درجہ کی عربی اور دینیات کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں

(ج) انجمن کے لئے مقدم یہ امر ہے کہ پہلے ہندوستان جیسے وسیع ملک میں احمدی اسلامی واعظین کا انتظام کرے۔ اور اپنی جماعت میں ایسے علماء پیدا کرے جو آئندہ نسلوں کے لئے موجب ہدایت ہوں

(د) جو اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ غیر ممالک میں تبلیغ کیلئے نکلیں گے انکے لئے انجمن کو بعد میں اخراجات بھی بہت زیادہ کرنے پڑیں گے۔ اور جو گروہ مبلغین یا علماء کا اس ملک کے لئے ہوگا۔ ان کیلئے

بعد میں انجمن کو خرچ بھی تھوڑا کرنا پڑیگا۔ اور بہت سے کام بھی انسے لیئے جا سکتے ہیں۔

(۸) حالات موجودہ کے نیچے خالص دینی مدرسہ کے لیئے بھی قابل سٹاف کا ملنا مشکلات سے ہے۔ اور انگریزی عربی کالج کے لیئے پروفیسروں کا ملنا تو اور بھی مشکل امر ہے۔

(۹) مجوزہ مدرسہ کے لیئے طلبار کا ملنا کالج کے لیئے طلبار کے ملنے سے آسان ہے۔

نوٹ۔ سب کمیٹی کا یہ منشار نہیں ہے کہ ایسا کالج نہ بنایا جائے۔ بلکہ اسکی رائے میں سردست ایسے مدرسہ دینیات کا بنانا مقدم ہے جسکی تجویز سب کمیٹی نے کی ہے اور بعد میں جسوقت اللہ تعالیٰ اللہ کشائش کی راہیں کھولدے اور دوسری مشکلات کا بھی انتظام ہوسکے تو اسی مدرسہ کو ترقی دیکر کالج بنایا جاسکتا ہے۔

(۴) مولوی شیر علی صاحب نے تجویز کیا۔ کہ اس مدرسہ کا نام مدرسہ احمدیہ ہو۔ اور سب کمیٹی نے اسے ذیل کے وجوہات پر پسند کیا ہے۔

(الف) اس مدرسہ کی تحریک اوّلاً حضرت اقدس نے ہی کی تھی۔ (ب) اب یہ مدرسہ آپ ہی کی یادگار میں قائم ہوتا ہے۔ (ج) اسکی غرض احمدیہ علم کلام کو سکھانا اور احمدی مبلغین اور احمدی علمار کا پیدا کرنا ہے

(۵) اس مدرسہ میں گیارہ سال سے کم عمر کا لڑکا داخل نہ کیا جاویگا۔

(۶) معیار قابلیت مروجہ پرائمری کا امتحان ہوگا۔

(۷) جن لڑکوں نے پرائمری کا امتحان پاس نہ کیا ہو۔ انہیں اس مدرسہ میں داخل ہونیکے لیئے ایک داخلہ کا امتحان دینا ہوگا۔

(۸) سکیم یعنی نصاب مدرسہ احمدیہ سات سال کیلیئے تیار کیا گیا ہے۔

(۹) مجوزہ ہفت سالہ نصاب میں دو درجے ہونگے۔ درجہ ادنیٰ کا امتحان پانچویں سال کے بعد اور درجہ اعلیٰ کا امتحان ساتویں سال کے بعد ہوگا۔ اور کوئی طالب علم درجہ ادنیٰ سے درجہ اعلیٰ میں ترقی نہ کرسکیگا۔ جبتک وہ درجہ ادنیٰ کے امتحان کو پاس نہ کرے اور نہ کسی طالب علم کو تکمیل تعلیم کی سند دیجائیگی جبتک وہ اعلیٰ درجہ کا امتحان پاس نہ کرے۔

(۱۰) درجہ اعلیٰ میں کامیاب ہونیکے بعد جن طلبار کو مجلس خصوصیت سے اس قابل سمجھیگی انکی دو سال کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام کریگی۔ ان دو سال میں طالب علم کو معقول وظیفہ دیا جاویگا۔

(۱۱) دو سال کی خاص تعلیم میں طرز تعلیم حسب ذیل طریق سے ہو گی۔

اوّل۔ مندرجہ ذیل چھ مضامین میں سے ہر ایک دن ایک خاص مضمون پر طلباء کو ایک گھنٹہ کیلئے لیکچر دیا جاویگا۔ فضائل اسلام۔ مقابلہ مذاہب عالم مخالفین اسلام کے اعتراضوں کا جواب۔ فلسفہ قدیم وجدید۔ استنباط مسائل جمیع مذاہب اسلام ادب ولغت۔

دوئم۔ اس لیکچر کے علاوہ ایک گھنٹہ روزانہ پڑھائی کا ہوگا۔ جس میں حسب ذیل کتب عبور کرائی جاوینگی۔ الجواب الصحیح۔ ردشبہ منہاج ابن تیمیہ اعلام الموقعین ابن قیم۔ ائمہ ثلاثہ کی تین کتابیں۔ فصوص الحکم۔ احیاء العلوم۔ زرقانی۔ اشباہ والنظائر۔

سوم۔ چھ مضامین مذکورہ ضمن اول میں سے ایک ایک مضمون پر ہر پندرہ روز میں طالب علم خود ایک مضمون لکھیگا۔ مضمون کا عنوان اس مضمون کا پروفیسر تجویز کریگا۔ یہ مضامین محققانہ ہونگے۔ اور طالب علم بطور خود مطالعہ کتب کر کے ایسے مضامین تیار کریگا۔

چہارم۔ انکے علاوہ ہر ایک مضمون کے پروفیسر کا فرض ہوگا۔ کہ اپنے اپنے مضامین کے متعلق ضروری کتابوں کے مطالعہ کی طلباء کو ہدایت کرے اور حسب ضرورت انکے مطالعہ میں انکو مدد دے۔

(۱۲) جن طالب علموں کو مجلس درجہ خاص کی تعلیم کے قابل سمجھے گی انہیں سے بعض کو بطور واعظ مقرر کر کے باہر بھیجا جائیگا۔ اور بعض کو مولوی فاضل کے امتحان کیلئے تیار کیا جائیگا۔

(۱۳) جو طالب علم بطور واعظ باہر بھیجے جانے ہوں۔ انکے لیئے ضروری ہوگا۔ کہ کم از کم ایک سال شفاخانہ میں عملی طور پر طبابت اور جراحی کا کام سیکھیں اور وہ شفاخانہ میں اس ڈاکٹر کی زیر نگرانی تعلیم اور تجربہ حاصل کریں گے جسکی نگرانی میں شفاخانہ ہو اور علاوہ ازیں انسے وعظ بھی کرایا جاویگا۔ اور مضامین لکھوائے جاویں گے۔

(۱۴) جن طلباء کو مولوی فاضل کے امتحان کیلئے طیار کیا جاویگا۔ انکو ایک سال میں مولوی فاضل کے امتحان کی ایسی کتابیں جو نصاب ہفت سالہ میں شامل نہیں عبور کرائی جاویں گی۔

(۱۵) ان دونوں قسم کے طلباء کو اس سال کی پڑھائی کیلئے وہی وظیفہ دیا جاویگا۔ جو وہ ساتویں سال لیتے رہے ہیں

(۱۶) علاوہ ان امدادی وظائف کے جو مسکین فنڈ سے دینیات کے طلباء کو اسوقت دیئے جاتے ہیں۔ مندرجہ ذیل وظائف خاص مدرسہ احمدیہ کے فنڈ سے اس مدرسہ کے طلباء کو دیئے

جاویں گے۔ جو مقابلہ کے وظائف کہلائیں گے۔ جماعت دوم۔ سوم ایک ایک وظیفہ سات روپے ماہوار کا۔ اور دو دو وظیفے چھ چھ روپے ماہوار کے۔ جماعت چہارم پنجم ایک ایک وظیفہ آٹھ روپیہ ماہوار کا۔ اور دو دو وظیفے سات سات روپے ماہوار کے۔ جماعت ششم وہفتم ایک ایک وظیفہ دس روپے ماہوار کا اور دو دو وظیفے آٹھ آٹھ روپے ماہوار کے اور درجہ خاص کی تعلیم میں دو سال کیلیئے ہر ایک طالب علم کو پندرہ روپے ماہوار وظیفہ دیا جاویگا۔

(۱۷) مقابلہ کے وظائف جو مدرسہ احمدیہ سے دیئے جاویں گے انکے لیئے حسب ذیل شرائط ہونگی (اوّل) ایسے طالب علم نے درجہ ادنیٰ کی چار جماعتوں میں پچاس فیصدی سے اور درجہ اعلیٰ کی دو جماعتوں میں ساٹھ فیصدی سے کم نمبر سالانہ امتحان میں نہ لیئے ہوں یعنی کل میزان کے لحاظ سے۔ اور ہر ایک مضمون میں پاس ہوا ہو۔ (دوم) اسکے اُستاد اور افسران اسکے چال چلن سے خوش ہوں۔ (سوم) ہر ایک جماعت میں سب سے بڑا وظیفہ اس طالب علم کو دیا جاویگا جو اول رہے۔ اور باقی دو وظیفے انکو جو دوم اور سوم رہیں۔ (چہارم) کوئی طالب علم جسکو ان شرائط سے وظیفہ ملیگا۔ وہ امدادی وظیفہ کا حقدار نہ ہوگا۔ مگر جملہ ان شرائط کا پابند ہوگا۔ جو امدادی وظیفہ کے لیئے معاہدہ میں دے چکا ہے۔

(۱۸) موجودہ طالب علمان مدرسہ دینیات کا خاص امتحان لیکر وہ جس جماعت میں چلنے کے قابل ہوں۔ اس میں داخل کیئے جاویں۔"

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

اس مہینہ کی بڑی کارروائی مدرسہ احمدیہ یعنی نئے دینی مدرسہ کا قائم ہونا ہے جسکا مفصل ذکر دوسری جگہ ہو چکا ہے۔ یہ مدرسہ یکم مارچ سے کھلکر چار جماعتیں اسوقت زیر تعلیم ہیں اور پچیس کے قریب طلباء کی تعداد ہے۔ ہائی سکول میں انٹرنس کے طلباء کے چلے جانیکی وجہ سے تعداد بورڈران میں بہت کمی واقع ہوگئی ہے۔ اگر وہ احباب جنہوں نے جلسہ کے موقعہ پر وعدے فرمائے تھے اور دوسرے احباب توجہ فرماویں تو تعداد طلباء ترقی کر سکتی ہے۔ مدرسہ کے ہیڈ ماسٹری کا چارج اس ماہ کے

اخیر تک امید ہے مولوی صدر الدین صاحب بی اے بی ٹی ہوبیں گے۔ ایسے لائق ہیڈ ماسٹر کی خدمات کا ملجانا بڑی خوش قسمتی ہے۔ مگر انکی دینی و دنیوی قابلیت سے اس صورت میں فائدہ ہو سکتا ہے کہ سب احمدی اپنے بچوں کو تعلیم کے لیئے قادیان میں بھیجیں۔ انگریزی ترجمہ لکچر ہوتسد کے چھپوانے کے لیئے یہ تجویز سوچی گئی ہے کہ ولائیت میں چھپوا کر وہاں کی ایجنسیوں کی معرفت اسکی اشاعت کا انتظام کیا جاوے اور کچھ کاپیاں یہاں بھی منگوا لی جاویں۔ سالانہ جلسہ کی رپورٹ قریب الاختتام ہے۔ جس میں جہانتک ہوسکا ہے سب تقریروں اور لکچروں کو جمع کیا گیا ہے۔ اور صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹ اور جلسہ کے مختصر حالات درج کیئے گئے ہیں قریباً ڈیڑھ سو صفحہ کی کتاب ہو جائیگی اور نہایت ارزاں قیمت یعنی قریباً تین آنے یا اڑھائی آنے پر فروخت ہو گی۔ جو صاحب جسقدر کاپیاں خریدنی چاہیں بک ڈپو میں آرڈر بھیجدیں۔ بڑی بڑی انجمنیں اگر کافی تعداد اکٹھی منگوالیں تو شائد خریداروں کو اور بھی سہولت ہوجائیگی۔ یہ رپورٹ نہایت قیمتی تقریروں کا مجموعہ ہے۔ اور قوم کے حالات کا نقشہ ہے اور ہر ایک ہاتھ میں اسکا ہونا ضروری ہے۔

بھٹہ کا کام جاری ہے۔ پانچ لاکھ سے زیادہ اینٹ پک چکی ہے۔ امید ہے کہ تین ماہ میں اور پندرہ لاکھ اینٹ ہوجائیگی۔ اور اس سے ایک حصہ بورڈنگ ہوس کا مکمل ہو سکیگا۔ مگر روپیہ کی سخت ضرورت ہے۔ ماہ گذشتہ میں بھی تحریک کی گئی تھی مگر افسوس ہے کہ ابتک احباب نے کچھ توجہ نہیں کی۔ اس کام میں تھوڑی سی روک سے بھی بہت سے روپیہ کا نقصان ہو جائیگا۔ صدر انجمن نے ایک ڈیپوٹیشن بھی احباب کی خدمت میں حاضر ہونیکے لیئے تجویز کیا ہے۔ لیکن اگر مختلف انجمنیں خود ہی سعی کر کے رقم مطلوبہ بھجوادیں تو ڈیپوٹیشن کے اخراجات کی تخفیف ہوجاویگی اور وہ احباب جنکے ذمہ یہ کام لگایا گیا ہے اسوقت میں کوئی اور نیک کام کر سکیں گے۔

مکرمی مفتی محمد صادق صاحب اسوقت ہر ایک قسم کی تکلیف اٹھا کر مختلف جماعتوں کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ مفتی صاحب کی جسمانی بناوٹ پہلی ہی کمزور ہے۔ مگر میں انکی اس ہمت پر حیران ہوں کہ وہ بدہ ایسا سفر کر رہے ہیں جو مضبوط سے مضبوط آدمی بھی بمشکل برداشت کر سکتا ہے۔ ہر جگہ جماعت وعظ فرماتے ہیں۔ اور جہاں انجمنیں نہیں وہاں انجمنیں بناتے ہیں۔ مفتی صاحب صدر انجمن کے ناظر ہیں اور جہاں انجمنیں ہیں وہاں وہ انکے حساب کتاب کی پڑتال بھی کرینگے۔ جسطرح وہ ہمت سے احباب

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۹ء نمبر ۴

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا ـ چندہ سالانہ عوام سے ... طلبا سے ...

اطلاع برائے خریداران تفسیر القرآن

آئندہ کیلئے یہ انتظام کیا گیا ہے۔ کہ جو احباب رسالہ اردو اور تفسیر ہر دو کے خریدار ہیں۔ انکی خدمت میں تفسیر ماہوار ریویو کے ضمیمہ کے طور پر رسالہ کے ساتھ بھیجی جایا کریگی۔ اور جو صاحب صرف تفسیر کے یا تفسیر اور انگریزی پرچہ کے طور پر علیحدہ ٹائٹل پیج کے اندر ارسال ہوا کرے گی۔ امید ہے۔ کہ خریدار صاحبان اس اطلاع کا خیال رکھینگے۔

ایک اور اطلاع

اس رسالہ کے آخر میں صدر انجمن احمدیہ کی ماہواری رپورٹ کے ماتحت یہ اطلاع دی گئی تھی۔ کہ سیکرٹری صاحب خواجہ صاحب کے ساتھ کلکتہ میں مضمون سنانیکے لیئے گئے ہیں۔ اب بڑی خوشی سے اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ ہر دو صاحبان ۱۵۔ اپریل کی شام کو واپس تشریف لے آئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ کہ جلسہ بڑی رونق سے ہوا۔ ہر طرف سے ڈیلیگیٹس آئے ہوئے تھے۔ احمدیہ فرقہ کی طرف سے ۱۰۔ اپریل ۱۹۰۹ء کو مضمون پڑھا گیا۔

یسرنا القرآن:۔ اس قاعدہ کی قبولیت اب ملک میں عام طور پر پھیل گئی ہے۔ اور اب چوتھی مرتبہ تعداد میں چھ ہزار شائع کیا گیا ہے قیمت بھی کم کر دیگئی ہے۔ یعنی عربی حصہ کی قیمت جسے پڑھنے کے بعد بچہ قرآن شریف کو خود بخود پڑھنے لگتا ہے۔ ا۱ر کر دیگئی ہے پہلے ۲ر قیمت تھی۔

عمدۃ الاحکام۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفقہ حدیثیں مع ترجمہ۔ قیمت ۵ر

اسلام کی پہلی کتاب:۔ مصنفہ ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب نو مسلم قیمت صرف ۴ر فی جلد ہے۔

نوٹ:۔ مندرجہ بالا کتب کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب بک ڈپو میں فروخت کے لیئے موجود ہیں۔ فہرست مفصل علیحدہ طلب کرنے پر مل سکتی ہے۔

تمام خط و کتابت بنام مینیجر میگزین ہونی چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

صلیب کے صحیح واقعات

'صلیب کے چشم دید واقعات' ایک کتاب ہے جس کو 'انڈو امریکن بک کمپنی' نے ۱۹۰۷ء میں شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں صلیب کے متعلق وہ صحیح واقعات بیان کیے گئے جن کی بنیاد ایک خط ہے جو ایک ایسینی کو حضرت مسیح کے ایک دوست نے واقعہ صلیب سے سات سال بعد لکھا۔ اور وہ شخص جسے وہ خط لکھا گیا اسکندریہ کا رہنے والا تھا ذیل کی تحریر سے جو کتاب کی تمہید کے طور پر ہے یہ پتہ لگتا ہے کہ کس طرح یہ پرانا نسخہ مترجم کے ہاتھ لگا جس نے اسکا انگریزی میں ترجمہ کیا جو خود جرمنی کا رہنے والا تھا۔

"ابی سینیا کی تجارتی کمیٹی کے ایک ممبر کو اسکندریہ میں ایک پرانے مکان کا پتہ لگا جس میں پہلے یونانی راہب رہا کرتے تھے۔ اس کے کتب خانہ میں جو اسوقت بالکل ویران حالت میں پڑا تھا ایک پرانا نسخہ ملا۔ ایک فرانسیسی عالم نے جو اتفاقاً وہاں موجود تھا اسکا ترجمہ شروع کیا۔ مگر ایک پادری نے مجنونانہ مذہبی حمیت کے جوش سے اس پرانے نسخے کے تباہ کرنیکی کوشش کی۔ لیکن اس پادری کی کوششیں معلوم ہوتا ہے کہ کامیاب نہیں ہوئیں کیونکہ اصل کی ایک نقل لاطینی زبان میں ہو چکی تھی۔ اور فری میسنوں کے ذریعہ یہ نسخہ جرمنی میں پہنچا۔"

جرمن مترجم نے جو ترجمہ لکھا ہے اسکے دیباچہ میں وہ لکھتا ہے کہ وہ گھر جس میں یہ نسخہ پایا گیا۔ وہ علم آثار قدیمہ کی تحقیقات کی رو سے ثابت ہو گیا ہے کہ فرقہ ایسینز کے

قبضے میں تھا۔ مگر یہ نسخہ اس مذہبی اور حقیقت شناس فرقے کی اس لائبریری کا اکیلا بقیہ تھا جو کسی زمانہ میں بڑی عظیم الشان تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اصل نسخہ ابی سینین اور فیثا غورث سوسائٹیوں کے ذریعہ سے فری میسنوں کی موجودہ جماعت کے ہاتھ آگیا۔ اور وہ نسخہ اب تک جرمنی کی فری میسنری سوسائٹی کے قبضے میں ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اصل لاطینی نسخہ کا ایک جرمن نے انگریزی میں ترجمہ کیا اور ۱۸۷۳ء میں شائع کیا گیا۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ اسکے شائع ہونیکے بعد سعاً اسکی اشاعت کو دبا دیا گیا۔ چھاپنے کی پلیٹوں اور پتھروں کو تباہ کر دیا گیا اور یہی حال اس کتاب کے شائع شدہ نسخوں کا ہوا۔ لیکن ریاست میسچوزٹس کے فری میسنوں میں سے ایک کے پاس اس کتاب کا ایک نسخہ رہ گیا۔ جس کی لڑکی نے اتفاقیہ طور پر اپنے باپ کے کتب خانہ میں اسے دیکھکر موجودہ شائع کنندہ کے پاس اس غرض سے لیئے بھیجا کہ وہ دیکھے کہ آیا یہ نسخہ کچھ کام کا ہے یا نہیں۔

اس شخص کا بیان ہے کہ اسنے فوراً اس امر کے لیئے تحقیقات شروع کر دی کہ آیا اس کا کوئی اور نسخہ بھی ہاتھ آسکتا ہے یا نہیں۔ اس بات کے لیئے بھی جستجو کی گئی کہ کسی طرح کانگرس کی لائبریری سے اس کتاب کا سرکاری نسخہ مل جائے۔ مگر کوئی نسخہ دستیاب نہ ہوا کیونکہ کانگرس کے لائبریرین کے پاس کوئی نسخہ تک نہ چھوڑا گیا حالانکہ یہ ایک قاعدہ ہے کہ ہر ایک کتاب کا ایک نسخہ وہاں ضرور رکھا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کے بغیر کاپی رائٹ نہیں مل سکتا۔

یہ بیانات اس قسم کے ہیں کہ ان کی تصدیق کسی طریق سے نہیں ہو سکتی۔ سوائے اسکے کہ ہم ایڈیٹر یا مصنف کے قول کو سچا مان لیں۔ اور اگر یہ بیانات بھی صحیح ہوں تو بھی اصلی نسخہ کی صحت کے لیئے ثبوت کی ضرورت ہے۔ چونکہ ہم اس کہانی کی صحت کے متعلق کسی قسم کی تنقید نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم اس بحث میں پڑ سکتے ہیں کہ اصلی اور صحیح نسخہ کونسا ہے۔ اس لیئے ہم صرف اسی بات پر کفایت کرتے ہیں کہ ہم صلیب کے متعلق جو واقعات اس کتاب میں درج ہیں ان کو بیان کر دیں۔ اگرچہ نسخہ کی صحت اور اصلیت کے متعلق ہم کوئی کھلا ثبوت ایسی نہیں کر سکتے ہیں مگر جو واقعات بیان کیئے گئے ہیں وہ ایسے صاف۔ مضبوط اور مسیح کی زندگی کے واقعہ سے اس طرح ملتے جلتے ہیں کہ بالکل صحیح معلوم ہوتے ہیں اور وہ ان نقائص

سے بالکل بری اور پاک ہیں جن سے انجیلیں مملو ہیں جنکا ایک بیان دوسرے کی تردید کرتا ہے اسلیئے باوجود ان تمام ثبوتوں کی عدم موجودگی کے جو اس نسخہ کی صحت کے لیئے درکار ہیں جنپر ان تمام بیانات کا دارومدار ہے۔ وہ اپنی سچائی کی ایک ایسی وزندار شہادت اپنے اندر رکھتے ہیں جس سے انجیلی بیانات بالکل معرّا ہیں۔ عام واقعات میں یہ نسخہ انجیلی بیان کی تردید نہیں کرتا مگر ان واقعات کے متعلق بہت سی باتیں جو اناجیل میں ایک راز کے طور پر بیان کی گئی ہیں اور عام انسانی واقعات کے خلاف بتائی گئی ہیں انکے بڑے حصہ کو اس نسخہ کے بیان کردہ واقعات نے صاف کر دیا ہے اور جس جگہ انجیل نویسوں نے توہمات کو اپنی کہانی کی بنیاد قرار دیا ہے اس جگہ یہ ایسینی مورخ عقلی دلائل دیتا ہے اور توضیح کرتا ہے۔ اور اسطرح یسوع کی زندگی کے متعلق جسقدر واقعات معجزانہ رنگ میں انجیلوں میں بیان کیے گیٔے ہیں انکو ایسی سادگی سے بیان کیا گیا ہے کہ انجیلی بیانات کے مقابلہ پر ہر ایک سمجھدار انسان کے نزدیک وہ بہت زیادہ قابل اعتبار ہیں۔

انجیلوں کے پڑھنے والوں اور محققین کیلیئے بعد از صلیب یسوع کا ظاہر ہونا ایک مشکل سے مشکل سوال رہا ہے ایک پکا عیسائی تو ہر ایک چیز کو بغیر کسی چون وچرا کے مانتا چلا جاتا، اور کبھی ایسے واقعات کے امکان اور مدلل ہونے پر شک نہیں لاتا مگر اصل محقق کے لیئے حضرت مسیح کا صلیب کے واقع کے بعد نمودار ہونا ایک بڑا مشکل امر ہے۔ اعلیٰ تنقید کرنے والوں نے مجبور ہوکر بہت سی انجیلی باتوں کو رد کر دیا ہے صرف اسوجہ سے کہ وہ یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت مسیح کا نمودار ہونا صرف کشفی طور سے تھا مگر اسطرح اس سوال کا حل کرنا انجیلوں کی صحت اور قابل اعتبار ہونیکو بالکل اٹھا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ ان منتقدین کو یہانتک سوال کرنا پڑا ہے "کہ کیا انجیلوں میں کوئی قابل یقین و قابل اعتبار امر بھی موجود ہے یا نہیں؟" جو لوگ حضرت مسیح کے کشفی طور پر نمودار ہونیکے قائل ہیں وہ انکو عورتوں اور شاگردوں کے سامنے نمودار ہونیوالے واقعات کو بالکل رد کرتے ہیں اور اسی طرح وہ اس بات کے بھی قائل نہیں کہ مسیح کو کسی نے چھوا ہو یا آپنے کسی سے ملکر کھانا کھایا ہو یا خالی قبر دیکھی گئی ہو جیساکہ انجیلوں سے ثابت ہوتا ہے۔ وہ نتیجے ہیں جو انجیل کے واقعات

سے اخذ کیے گئے ہیں یا کیے جا سکتے ہیں ایک یہ کہ حضرت مسیح صلیب پر ہی مر گئے
اور اس واقعہ کے بعد صرف خواب میں ہی آپ دوسرے لوگوں کو نظر آئے اور
دوسرا یہ کہ آپ واقعی طور سے اسی جسم کے ساتھ لوگوں پر ظاہر ہوئے اور اس حالت میں آپ کی
وفات صلیب پر نہیں ہوئی انمیں سے پہلا نتیجہ اعلیٰ تنقید والوں نے اختیار کیا ہے مگر اس
میں انجیل کے بیان کردہ واقعات کے بہت سے حصہ کو فرضی اور غلط ماننا پڑتا ہے اور اس بات
کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ بالکل ناقابل اعتبار ہیں جسکے ماننے سے یہ بھی ماننا پڑتا ہے
کہ انجیل نویسوں نے بعض ایسی دور دراز کی کہانیاں لکھی ہیں جن کی بنیاد ہی کوئی نہیں۔
اور وہ محض بے سروپا اور لغو باتیں ہیں۔ حالانکہ دوسرے نتیجہ کے رو سے جس پر اس
کتاب کا دارومدار ہے جو ہمارے ریویو کے نیچے ہے حضرت مسیح کا واقعہ صلیب کے بعد
ظاہر ہونا تمام ضروری تفصیلات کے ساتھ بالکل صحیح ٹھہرتا ہے۔ صرف اتنی بات پہلے
ماننی پڑتی ہے کہ حضرت مسیح حقیقۃً صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ بلکہ انکی حالت
ایسی ہوگئی تھی کہ لوگوں نے انہیں مردہ سمجھ لیا۔

خود انجیلوں میں مفصلہ ذیل واقعات درج ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صلیب پر وفات پا جانے
کی نسبت بیہوشی وغشی کی حالت میں آپ کا ہوجانا زیادہ قرین قیاس اور اغلب ہے۔ اوّلاً حضرت
مسیح پیشگوئی کے طور پر فرماتے ہیں کہ میری حالت بعینہٖ حضرت یونسؑ کی طرح ہو گی جنکی نسبت
بائبل میں مذکور ہے کہ آپ کو ایک مچھلی نگل گئی تھی اسحالت میں کہ آپ زندہ تھے اور زندہ
ہی اسکے پیٹ سے نکل آئے۔ اسطرح آپنے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ آپ کو لوگ مردہ سمجھ
لیں گے جسطرح حضرت یونسؑ کو مردہ خیال کر لیا گیا تھا۔ مگر حقیقت میں آپ زندہ ہی ہونگے۔
(۲) حضرت مسیحؑ صلیب پر صرف چند گھنٹوں کے لیئے لٹکے رہے حالانکہ صلیب پر موت
بہت دیر سے واقع ہوتی تھی۔ صلیب پر مرنے کے اصلی اسباب بھوک پیاس اور جسم کے
ایک خاص حالت میں رہنے کی وجہ سے تشنج کا پیدا ہونا تھا مگر یہ سارے عوارض ایسے ہیں
کہ انکی وجہ سے انسان چند گھنٹوں کے اندر نہیں مر سکتا۔ اس بات کی تصدیق اس امر
سے بھی ہوتی ہے کہ دو چور جنکو آپکے ساتھ صلیب پر چڑھایا گیا تھا انکو جب اتارا گیا تو وہ

زندہ ہی تھے اسلیئے انکی ہڈیاں توڑی گئیں۔ (۳) حضرت مسیحؑ ہڈیاں تڑوانے کی اذیت سے
بچے ہے جو ان مجرموں کے لیئے استعمال کیجاتی ہے جو صلیب پر بہت عرصہ نہ رہیں۔ (۴)
جب آپکے پہلو میں چھید کیا گیا تو اس میں سے خون نکلا جو زندہ ہونے کی نشانی ہے (۵)
پلاطوس کو اس بات کا یقین نہ آیا کہ مسیح اس تھوڑے سے عرصہ کے اندر مرگیا۔ دیکھو باب ۱۵ آیت ۴۴
(۶) حضرت مسیح کو دوسرے مجرموں کی طرح دفن نہ کیا گیا۔ بلکہ آپ کو آپکا ایک حواری جو بڑا
مالدار آدمی تھا لے گیا اور آپ کی ہر طرح خبر گیری کی گئی اور زمین کے نیچے دفن کرنے کی
بجائے آپکو ایک ایسی فراخ جگہ میں رکھا جو خاص طور سے کاٹ کر چٹان کے اندر بنائی گئی تھی۔

پھر انکے علاوہ چند اور بھی باتیں ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ آپکی حرکات و سکنات واقعہ
صلیب کے بعد زندوں کی تھیں نہ مردوں کی سی (۱) جب تیسرے دن قبر کو دیکھا گیا تو اس کے
منہ پر سے پتھر سرکا ہوا پایا گیا۔ (۲) آپنے ایک باغبان کا بھیس بدلا دیکھو یوحنا باب ۲۰ آیت
(۳) آپنے اپنے شاگردوں میں سے ایک کو بلایا اور اس کو کہا کہ اپنی انگلی آپکے زخم میں ڈالے۔
(۴) آپ کو بھوک لگی اور شاگردوں کے ساتھ ملکر آپنے کھانا کھایا۔ (۵) آپنے جلیل کے ملک
کی طرف ایک لمبا سفر کیا اور دو شاگرد آپکے ہمراہ تھے (۶) صلیب کے واقع کے بعد جتنی دفعہ
آپ ظاہر ہوئے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی جسطرح ایک شخص ڈرتا ہے کہ کہیں پکڑا نہ جائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ پولس کا خود عقیدہ تھا کہ آپ صلیب کی موت سے بچ گئے تھے۔ اس میں
کوئی شک نہیں کہ آپ یہ تکلیف برداشت کرنیکے لیئے تیار تھے اس لیئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے
کہ گویا آپ مرکر زندہ ہوئے مگر آپ کا موت کے منہ سے بچایا جانا آپ کا ذاتی کام نہ تھا وہ کسی اور
ذریعہ سے عمل میں آیا۔ انجیلوں میں اس دعا کا ذکر ہے جو آپنے پکڑے جانیسے پہلی رات
مانگی اور عبرانیوں کے خط باب ۵ آیت ۷ میں آپکی اس دعا کا قبول ہونا صاف طور
سے مانا گیا ہے۔ چنانچہ عربی انجیل کے یہ الفاظ ہیں کہ فسمع لتقوٰیہ یعنی آپکی تقویٰ کے
سبب سے آپ کی وہ دعا قبول کی گئی۔ جو آپنے موت سے بچنے کے لیئے کی تھی۔

اور اگرچہ آپ واقعی طور سے بچائے گئے مگر یہ ابتلا اسقدر عظیم تھا کہ موت کی سی
حالت پہنچ گئی تھی۔ اور جب آپکو نجات ملی تو آپکے حواریوں نے غالباً یہ خیال کیا کہ گو

وہ یہ بات کہدیں کہ مردوں میں سے جی اُٹھے تو بجا ہے۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ایسے الفاظ جان بوجھکر اسلیئے استعمال کیئے کہ اس کے متعلق کوئی باقاعدہ تحقیقات نہ ہوسکے۔ اور حکام اس بات کی جستجو میں نہ پڑ جائیں۔

وہ ایسینی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی یہ چٹھی ہے اپنے آپ کو واقع صلیب کا چشم دید گواہ بتلاتا ہے۔ اسی خط سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ چٹھی اسکندریہ کے دوسرے ایسینیوں کی چٹھی کے جواب میں لکھی گئی۔ ایسینی ایک قسم کا یہودیوں میں راہبوں کا فرقہ تھا اور عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ وہ فلسطین کے اندر ہی محدود تھے۔ اگر یہ بات سچ ہو تو یہ کہانی بالکل غلط ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ یہ چٹھی اسکندریہ کے ایسینز کی طرف انکی چٹھی کے جواب میں لکھی گئی مگر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ کیوں اس فرقہ اور برادری کو ملک فلسطین کے اندر ہی محدود کیا جاوے اس سلسلہ کے وجود کا پتہ مسیح سے دو سو سال پہلے تک چلتا ہے اور یوسیفس پہلے پہل انکا حال یکبین عہد میں بیان کرتا ہے۔ یہ بات ماننے میں نہیں آسکتی کہ دو سو سال کا عرصہ گذر جائے اور پھر ملک فلسطین کے باہر اس سلسلہ کا نشان تک قائم نہ ہو ایسینی ازم کا خاص نشان یہ تھا کہ ان لوگوں کے دل کا پاکیزگی کی طرف بڑے زور سے رجحان ہوتا تھا۔ اور یہ بات اس زمانہ میں عام ہو گئی تھی کیونکہ خشک یہودی ملاؤں کے مذہب یعنی فریسی ازم سے لوگ بالکل اکتا گئے تھے اور اس کے برخلاف ہو گئے تھے اس لیئے یہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کی شاخیں دور دراز ملکوں میں یہودیوں کے اندر پھیلی ہوئی تھیں۔ پولوس کے چند خطوط کے حوالجات سے بعض لوگ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ سلسلہ کو رنتھی اور روما میں موجود تھا۔ مصری تھیراپیوٹس بھی اسکندریہ کے ایسینیز میں سے سمجھے جاتے ہیں اگرچہ انسائیکلو پیڈیا ببلیکا اسکا بڑے زور سے انکار کرتا ہے۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اس بات کے ماننے کیلیئے ہمارے پاس کوئی ثبوت موجود نہیں کہ اسکندریہ میں ایسینیز کا کوئی سلسلہ موجود نہ تھا۔

چٹھی اس مضمون سے شروع ہوتی ہے کہ واقعی اسکندریہ کے ایسینیز نے جو حضرت

مسیح کے متعلق مشہور سُنی تھیں وہ سب صحیح ہیں یعنی کہ حضرت مسیح اس فرقہ کے ایک ممبر تھے جس میں آپ جوانی کے وقت ہی سے داخل تھے اور اس امر میں یوحنا بپتسمہ دینے والا بھی آپکے ساتھ تھا۔ یہ ذکر کہ یوحنا اور حضرت مسیح فرقہ الیسینیز کے ممبر تھے صرف اسی چٹھی میں موجود نہیں بلکہ بہت سی ایسی باتیں بیان کیجاتی ہیں جو ان ہر دو نبیوں سے ظاہر ہوئیں جن کا اصل اور خاص تعلق الیسینی تعلیم سے تھا۔ یہ لوگ کسی ذاتی اور علیحدہ علیحدہ افراد کی جائداد کے قائل نہ تھے۔ انکے درمیان کسی اکیلے شخص کی کوئی جائداد نہ ہوتی تھی۔ ہر ایک ممبر کی جکمائی ہوتی تھی وہ ایک ایسے خزانہ میں جمع کر دیجاتی تھی جس میں ہر ایک کا حصہ ہوتا تھا اور جس خزانہ سے تمام ممبروں کے اخراجات لیے جاتے تھے۔ لوگوں کی جائداد اور مال اموال کے متعلق حضرت مسیح کے خیالات بھی انہیں لوگوں کے قریب قریب پہنچے ہوئے تھے۔ چنانچہ اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی آسمانی بادشاہت میں داخل ہونیکے لیئے خواہش کرتا تو آپ اس سے یہی فرماتے کہ جو جائداد تمہارے پاس موجود ہے وہ سب بیچ دو اور اسکی قیمت کو بیت المال میں داخل کرو۔ الیسینی مذہب میں بڑا اصول خدائے تعالیٰ اور اسکی مخلوق سے محبت کرنا ہے اور حضرت مسیح کا خدا کے باپ ہونے اور انسان کے بھائی بھائی ہونے پر زور دینا اسی اصول پر زور دینا تھا۔ انکے نزدیک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ دل کی پاکیزگی حاصل ہو اور غالباً اسی خیال کی وجہ سے کہ زن و مرد کے باہمی تعلقات پاکیزگی اور تطہیرِ نفس کے خلاف ہیں وہ نکاح وغیرہ کرنے سے بہت بچتے تھے اور مجردانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوحنا اور حضرت مسیح دونوں نے تمام عمر شادی نہیں کی۔ اس میں بھی اس فرقہ کی تعلیم کا واضح اثر معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک لکھا ہے کہ " وہ یعنی الیسینی اپنے کھانے کے وقت روٹی کو توڑتے اور پیالے کو چلاتے اور یہوداہ کی حمد کرتے تھے " ظاہر حالات پر خیال کرکے کہا جاسکتا ہے کہ اس امر میں بھی حضرت مسیح نے انکی رسم کو لیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں اصطباغ لینے کی بھی رسم موجود تھی۔ لیکن ان تمام مشابہتوں کے ساتھ ہی ایک اور واقعہ ہے کہ اس فرقہ کے لوگ ظاہری پاکیزگی پر بھی بہت زور دیتے تھے یہانتک کہ وہ کسی کنجی سے چھونا بھی پسند

نہ کرتے تھے مگر انجیلوں میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح گناہ گاروں کے ساتھ بیٹھکر کھا پی لیا کرتے تھے یہانتک کہ آپنے بعض فاحشہ عورتوں کے ساتھ ملنے جلنے سے بھی پرہیز نہ کیا مگر یہ ایسینی مورخ ایسی باتوں کو نہیں مانتا کیونکہ اسکے نزدیک "بہت سے آپکے شاگردوں نے آپکی موت و حیات کا قصہ روایتوں کے ذریعہ سنا جو ایک شخص دوسرے شخص سے نقل کرتا تھا" اور اسطرح پر یہ روایات قابل اعتبار نہیں۔

راقم خط بیان کرتا ہے کہ حضرت مسیح کا بچ جانا انہی لوگوں یعنی ایسینیوں کی خفیہ مدد اور حفاظت کی وجہ سے تھا۔ یہ لوگ آپکے شاگردوں تک کو پتہ نہ دیتے یہاں تک کہ انجیل نویسوں کو بھی انکا علم نہ تھا۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے راز کسی شخص پر ظاہر نہ کرتے تھے جبتک کہ وہ باقاعدہ انکے زمرے میں داخل نہ ہوگیا ہو اور جب تک اس سے یہ قسم نہ لے لی گئی ہو کہ وہ اس سلسلہ کا سچا وفادار رہیگا۔ چونکہ ان لوگوں کا اصول تھا کہ جہانتک ہوسکے جھگڑوں اور تنازعوں سے بچیں اور اپنے حاکموں ہمسایوں کے ساتھ امن چین سے زندگی بسر کریں اس لیئے راقم کہتا ہے کہ ہم نے چپکے چپکے کام کرلیا اور قانون کے پورا ہونے میں کوئی ظاہری روک نہیں ڈالی۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ہم نے اپنے دوست کی خفیہ مدد کیلیئے تدابیر کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور ایسی طرز اختیار کی کہ جس سے سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یعنی ہم نے مسیح کو بھی بچا لیا اور ملک کے قوانین اور حکام کے خلاف بھی نہ ہونے دیا۔ انکا یہ بھی دعویٰ ہے کہ جب یوسف نجار مصر میں پناہ لینے کی خاطر گیا تھا۔ تو ایسینی بھائیوں نے ہی اس کی مدد کی تھی اور حفاظت کی تھی۔ وہ ان لوگوں کے اسقدر زیر اثر تھا کہ اس نے بچپن سے ہی حضرت مسیح کے دل میں یہ نقش کردیا کہ ایسینی فرقہ حق پر ہے۔

اس چٹھی میں جو کتاب مذکور میں درج ہے حضرت مسیح اور یوحنا کا باقاعدہ اس سلسلہ میں داخل ہونا بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے قسم کھائی کہ وہ دنیا کی چیزوں سے بے تعلق رکھیں گے اور سلسلہ کے فرمانبردار رہیں گے اور سلسلہ کی باتوں کو خفیہ رکھیں گے۔ اسکے بعد جس طرح انکی رسم تھی اس سلسلہ کے لوگ ان ہر دو یعنی مسیح اور یوحنا کو

ایک علیحدہ غار میں رہے گئے اور تین دن تین رات انکے امتحان اور آزمائش میں مصروف رہی۔ سلسلہ میں داخل ہونے کے تمام درجوں کو طے کر کے حضرت مسیح نے تو یہ پسند کیا کہ دنیا میں لوگوں کو وعظ کرتے پھریں اور انکی جسمانی بیماریوں کو اچھا کریں اور حضرت یوحنا نے "ٹھیرا پیوٹ مایا سلسلہ کا بزرگ ہونا پسند کیا۔ کیونکہ اس سلسلہ کے قواعد میں سے یہ بھی تھا "کہ اپنی برادری کے ساتھ خفیہ طور سے محبت کریں اور انکے ساتھ رہیں یا دنیا میں جائیں اور لوگوں کو چنگا کریں اور تعلیم دیں" زندگی بسر کرنے کیلئے جو راہ حضرت مسیح نے اختیار کی اسپر کاربند ہونے کیلئے آپ ناصرہ کو واپس آئے۔ "یہاں آپنے بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنی نیکی اور راستبازی کا ثبوت دیا۔ اور اس قسم کو پورا کیا جو آپنے سلسلہ میں داخل ہوتے وقت کھائی تھی۔ آپ کا ایک دوست لعزر نامی تھا جسکی ایک بہن مریم تھی جو حضرت مسیح سے بہت محبت کرتی تھی۔ اور آپ بھی سچے دل سے اس سے محبت کرتے تھے۔ مگر سلسلہ کے قوانین کے ماتحت کسی الیسینی کو اجازت نہ تھی کہ وہ اپنی مرضی سے بیاہ کرے مبادا اس مقدس کام میں کسی طرح کی کاہلی اور غفلت اور سستی واقع ہوجائے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت مسیح اس سلسلہ کے قوانین کی سچی پیروی کرنے کی وجہ سے عورتوں کی محبت پر غالب آگئے مگر جو تکلیف آپکو برداشت کرنی پڑی اور اپنے نفس سے جو مقابلہ پڑا وہ بہت ہی سخت تھا۔ اور جس گھڑی آپ مریم سے جدا ہوئے تو ہر دو زار و نظار روئے۔"

پھر صلیب کا قصہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ ذیل کے واقعات ہم مختصر طور سے اس کتاب سے اخذ کر کے پیش کرتے ہیں۔ حضرت مسیح اور دو چور جن کیلئے صلیب کا حکم جاری ہوچکا تھا بڑی ہجوم میں اپنے صلیبیں اُٹھائے صلیب دینے کی جگہ پر لیجائے گئے جسکا نام گلگوتھا تھا یعنی کھوپریوں کی جگہ۔ حضرت مسیح کی صلیب دونوں چوروں کی صلیبوں کے درمیان قائم کی گئی جسکا مطلب یہ تھا کہ آپکا جرم ان ہر دو کے جرموں سے بہت بڑا ہے۔ صلیب کے ساتھ میخوں سے گاڑنے سے پہلے سپاہیوں نے ان مجرموں کو پینے کیلئے شراب دی تاکہ وہ بیہوش ہوجائیں لیکن حضرت مسیح نے اس خیال پر اسکے پینے سے انکار کردیا کہ آپ شرابی ہوکر اپنے دین کیلئے جان دینا اچھا نہ سمجھتے تھے اور اس روحانی اور جسمانی قربانی کو

شراب پینے سے داغدار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ آپکو ایسینی لوگوں نے پہلے ہی بتلادیا تھا کہ یہ شراب ہے جو پینے کے لیئے دیجاتی ہے اور اسکا پینا منع ہے۔ تب حضرت مسیح کو اس چوب کے ساتھ جکڑ کر باندھ دیا گیا جو صلیب کے آگے ہوتی ہے جس کی وجہ سے آپ کا دَوران خون بند ہوگیا۔ لوہے کی میخیں آپکے ہاتھوں میں ٹھونکی گئیں مگر پاؤں میں نہیں کیونکہ پاؤں میں چھید کرنے کی رسم نہ تھی۔ جبکہ حضرت مسیح سورج کی اس جھلسادینے والی گرمی میں پڑے ہوئے تھے اور اسپر مصیبت یہ تھی کہ صلیب نے جان کنی واردکی ہوئی تھی۔ ایسے وقت میں سپاہیوں نے عادت کے موافق آپکے کپڑوں پر قرعہ اندازی کرکے بانٹ لیئے اور فقیہی اور فریسی آپ پر ہنسی ٹھٹھا اور تمسخر کرتے تھے۔ اور حضرت مسیح درد اور غم کے مارے سرنگوں تھے۔ قیافاس جو یہودیوں کا بڑا سردار کاہن تھا وہ بھی اسجگہ خدا کے بیٹے پر ہنسی ٹھٹھا کرنے کیلیئے آیا۔ اسوقت اچانک اندھیرا ہوگیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے لیکن حضرت مسیح کے حواری اور ایسینی برادری کے لوگ وہیں اس گلگوتھا کی جگہ میں ٹھہرے رہے۔ کیونکہ انکی سوسائٹی کی جگہ بہت ہی نزدیک تھی۔ اسوقت حضرت مسیح کو سخت پیاس لگی۔ ایک رومی سپاہی نے آپکو ایک اسفنج سرکہ میں بھیگا ہوا چوسنے کیلیئے دیا جس سے آپنے اپنی پیاس بجھائی۔ جسوقت رات قریب ہوئی تو حضرت مسیح کی درد اور تکلیف کی حد نہ رہی۔ اور جونہی آپنے ایک چیخ ماری کہ ایک گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی جس طرح کہ زلزلہ سے پہلے سنائی دیا کرتی ہے۔ جتنے یہودی وہاں باقی رہ گئے تھے وہ بھی ڈر کے مارے بھاگ گئے کیونکہ انہوں نے خیال کیا کہ زمین و آسمان ہمارے مخالف ہوتا جاتا ہے اور وہ روحیں جو زمین اور آسمان کے درمیان رہتی ہیں وہ قریب ہے کہ زمینی لوگوں کو بسبب اس گناہ کے کہ انہوں نے خدا کے ایک راستباز کو تکلیف پہنچائی سزا دینا چاہتی ہیں۔ اسلیئے وہ اسجگہ سے فوراً بھاگ گئے۔ اسکے بعد معاً زمین ہلنی شروع ہوئی اور زلزلہ آنے لگا جسکے جھٹکوں کے سامنے ہیکل کی دیواریں بھی سر بسجود ہوگئیں یہانتک کہ بہت سی چٹانیں پھٹ گئیں۔ .... اور بہت سی قبریں جو چٹانوں کو کھود کھود کر بنائی گئی تھیں وہ پھوٹ پڑیں۔ غالباً اسی بنا پر تنگی ہم پرست

قصہ نویس نے یہ افسانہ بنا مارا ہے کہ مردے زندہ ہوکر قبروں سے باہر نکل آئے۔ مگر یہ خطرناک زلزلے اور خوفناک گڑگڑاہٹیں ایسے وقت میں واقع ہوئیں کہ بڑی آسانی سے انکا تعلق حضرت مسیح کی تکالیف کیطرف منسوب کیا جا سکتا تھا۔ ان عجائبات قدرت کے واقع ہونیسے یہودی تو ڈر ہی چکے تھے مگر رومی فوجی افسر کا دل بھی دہل گیا اور وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کے آگے دعا مانگنے لگا کیونکہ اسکا خیال یہ تھا کہ یہ بلائیں جو دنیا پر وارد ہو رہی ہیں وہ ایک راستباز کے دُکھ دینے کی وجہ سے ہوئی ہیں۔ اس بڑے زلزلہ کا فوری اثر یہ ہوا کہ سوائے حضرت مسیح کے دوستوں اور حواریوں اور سلسلہ ایسینی کے آدمیوں کے جنکی اجتماع کا مقام وہیں نزدیک ہی واقع تھا اور سب بھاگ گئے جسوقت حضرت مسیح نے چیخ ماری تو لوگوں کے دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ شائد آپکی جان ہوا ہو گئی۔ فوراً یہ خبر سلسلہ ایسینی کے آدمیوں کو پہنچی جو کالوری کے نزدیک ہی ایک باغ میں بیٹھے ہوئے تھے اور انہیں دو ممبر یوسف ارمتیا کا رہنے والا اور نقودیمس فوراً اسجگہ آئے جہاں آپ کو صلیب دیگئی تھی کیونکہ وہ حیران تھے کہ اتنی جلدی جان کسطرح نکل سکتی ہے یوسف ارمتیا کا باشندہ دراصل ایک بڑا مالدار یہودی تھا اور اگرچہ بظاہر کسی فریق سے تعلق نہ رکھتا تھا تاہم پوشیدہ طور سے وہ سلسلہ ایسینی میں شامل تھا۔ وہ ایک بڑا دانا آدمی تھا اور ممبر کونسل بھی تھا۔ حکام اور لوگ اسکی بہت تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ وہ اس سلسلہ کے اعلیٰ سے اعلیٰ ممبروں میں سے تھا اور بیماروں کو اچھا کر دینے کے فن کو خوب جانتا تھا۔ وہ سلسلہ کے رازوں سے خوب واقف تھا۔ یہ خبر سنکر کہ حضرت مسیح کی جان صلیب پر نکل گئی ہے وہ ہر دو اسجگہ آئے جہاں آپ مصلوب ہوئے تھے۔ اور جب انہوں نے آپکے جسم کا ملاحظہ کیا تو نقودیمس نے یوسف کو ایک طرف الگ لیجا کر کہا کہ ابھی وقت ہے اور آپکی جان کوشش سے بچ سکتی ہے۔ اس نے یوسف کو کہا کہ تم فوراً پلاطوس کے پاس جاؤ اور اس کی اجازت حاصل کر کے آپ کی لاش (بظاہر) کو حاصل کر لیا جاوے پیشتر اسکے کہ آپ کی ہڈیاں توڑی جاویں۔ وہ دونوں وہاں سے اسیوقت روانہ ہوئے یوسف تو پلاطوس کے پاس گیا تاکہ وہ حضرت مسیح کی لاش اس سے مانگ لاوے

اور خود نقودیمس ضروری دواؤں وغیرہ کی تلاش کیلئے چلا گیا جو زخموں کے اچھا کرنیکے کام آسکیں تا کہ حضرت مسیح کو دوبارہ ہوش میں لایا جاوے۔ کیونکہ اسکو یقین تھا کہ آپ فوت نہیں ہوئے بلکہ بالکل بیہوشی کی حالت میں ہیں۔

سبت کی رات کے پہلے کسی لاش کو صلیب پر نہیں رہنے دیتے تھے اور وہ وقت آگیا تھا کہ مصلوبوں کو صلیبوں پر سے اُتارا جائے اور دفن کیا جائے۔ چونکہ یہودیوں کو یہ علم تھا کہ اتنے تھوڑے عرصہ میں مجرمین مر نہیں سکتے لہٰذا انکی کونسل نے پلاطوس سے یہ درخواست کی وہ انکی ٹانگیں توڑ دینے کا حکم نافذ کرے۔ اور یوسف اور نقودیمس کے جانیکے تھوڑا عرصہ بعد فوجی افسر کے پاس جسکا وہاں پہرا تھا پلاطوس کی طرف سے ایک ایلچی یہ حکم لیکر آیا کہ لاشوں کو اُتار لیا جاوے اور اُنکی ٹانگیں توڑ کر انہیں دفن کیا جائے اسپر حضرت مسیح کے دوست اور بہی خواہ جنہیں اس چٹھی کا لکھنے والا بھی تھا بہت ہی گھبرائے اور پریشان ہوئے کیونکہ انہوں نے خیال کیا کہ پیشتر اسکے کہ یوسف پلاطوس کی طرف سے کوئی حکم لکھوا کر لائے اسوقت تک حضرت مسیح کو صلیب پر سے اُتار لیا جاویگا اور دفن کر دیا جائے گا۔ آپکے تمام دوستوں کو یہ علم بھی نہ تھا کہ آپکی جان بچانیکے لئے کوششیں ہو رہی ہیں اور جو بات انکے لئے سخت تکلیف دہ اور رنج دہ تھی وہ یہ تھی کہ انکو نظر آرہا تھا کہ حضرت مسیح کے ساتھ وہی ذلت کا سلوک ہوگا جو معمولی مجرموں کے ساتھ ہوتا ہے اور آپ کو ذلت کے ساتھ دفن کیا جاویگا۔ کیونکہ اُنکا خیال تھا کہ حضرت مسیح وفات پاگئے ہیں۔ پھر یہی شخص اس رومی فوجی افسر کے پاس گیا اور اس ایلچی سے پوچھا کہ آیا پلاطوس نے تمھیں بھیجا ہے یا کسی اور نے تو معلوم ہوا کہ اُسے پلاطوس کے سکرٹری نے بھیجا ہے۔ جب اُسے یہ حال معلوم ہوا تو اس نے اس فوجی افسر کی منت و سماجت کی کہ آپ اس حکم کے ماننے میں ذرا توقف کریں۔ جب تک یوسف ارمتیا جو پلاطوس کے پاس گیا ہوا ہے واپس نہ آلے کیونکہ اس کی خواہش ہے کہ وہ حضرت مسیح کی لاش کو لیلے اور بڑی عمدگی سے تجہیز و تکفین کرے۔ اس افسر کا دل آگے ہی اس طرف مائل ہوا ہوا تھا۔ کیونکہ ان عجائبات قدرت کے ظاہر ہونے سے اس کے دل پر حضرت مسیح کی بے گناہی اچھی طرح

اثر کر گئی تھی اسلیئے اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ حضرت مسیح کی ہڈیاں نہ توڑیں باقی دو چوروں کی ہڈیاں وہ ابھی توڑ چکے تھے۔ لیکن حضرت مسیح کے متعلق اسی خیال تھا کہ مر چکے ہیں اس لیئے ہڈیاں توڑنے کی ضرورت نہیں۔ ابھی وہ اسی گفتگو میں تھے کہ یوسف ارمتیا اپنا کام کر چکا تھا۔ پلاطوس نے ایک ایلچی اس امر کی تحقیقات کیلیئے بھیجا کہ آیا یہ امر واقعی طور سے سچ ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر وفات پا گئے ہیں کیونکہ اسکا خیال تھا کہ صلیب پر اتنی جلدی آدمی نہیں مر سکتا۔ جب یہ آدمی موقعہ صلیب پر پہنچا تو یقین کو اور بھی پکا کرنے کیلیئے ایک سپاہی نے حضرت مسیح کے پہلو میں ایک برچھا چبھو دیا۔ جب دیکھا کہ کوئی تشنج واقع نہیں ہوا تو اس رومی افسر نے نتیجہ نکالا کہ آپ واقعی مر گئے ہیں اسلیئے وہ فوراً پلاطوس کو اطلاع دینے کے لیئے چلا گیا اور اس نے اس جلدی میں یہ بھی نہ دیکھا کہ جہاں برچھا لگا ہے وہاں سے خون نکل رہا ہے۔ مگر آپکے دوستوں میں سے ان لوگوں کو جنہیں ان پوشیدہ معاملات کی خبر تھی اس حالت نے اور بھی یقین دلایا اور انکی امید بندھ گئی کہ شائد آپ کی زندگی بچ جاوے۔ اسکے جلدی ہی بعد یوسف اور نقودیمس پلاطوس کا حکم لیکر دوڑے آئے کہ حضرت مسیح کی لاش یوسف کو ملجائے۔ کیونکہ گورنر صاحب اسکی بہت عزت و تکریم کرتے تھے جب نقودیمس نے دیکھا کہ زخم سے خون بہ رہا ہے۔ تو اسکی افسردہ امیدیں پھر تر و تازہ ہو گئیں۔ اور اب اُسے یقین کامل ہو گیا کہ وہ حضرت مسیح کو بحال کرے گا۔ ہوش میں لانے اور تقویت دینے کیلیئے پہلے ہی وہ دوائیاں لایا ہوا تھا اسلیئے اب اس نے یوسف کو یقین دلایا کہ حضرت مسیح مرے نہیں مگر ساتھ ہی اسنے جتلا دیا کہ اس بات کا علم کسی اور کو نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی خوشی میں پھولے نہ سمائیں اور اس راز کو ظاہر کر دیں۔ نقودیمس نے بہت سی ایسی ادویات اور مرہمیں استعمال کیں جو فوری اثر کرنیوالی تھیں۔ اس نے ان چیزوں کو کپڑے پر لگا کر حضرت مسیح کے زخموں پر باندھ دیا۔ تب اس نے گل حنا زخمی شدہ ہاتھوں پر لگا دی جہاں جہاں میخیں لگی ہوئی تھیں۔ مگر اس نے اس زخم کو بند کرنا مناسب نہ سمجھا جو پہلو

میں تھا کیونکہ خون اور پانی کا بہنا تنفس کے لیئے بہت ممد تھا۔(اس بیان سے انجیل کے وہ بیانات صاف طور پر سمجھ میں آجاتے ہیں کہ آپ نے اپنے پہلو کا زخم تھوما کو دکھایا مگر ہاتھوں کے زخم نہ دکھائے) اب آپ کے جسم کو صلیب دینے کے مقام سے بہت دور اٹھا کرلے گئے اور اس تہ خانہ میں رکھدیا جو چٹانوں میں بنایا ہوا تھا اور یوسف کے قبضہ میں تھا۔ ان باتوں سے یہودیوں کو شک پیدا ہوگیا تھا اسلیئے انکے بڑے سردار کاہن نے خفیہ سپاہی اس امر کے دریافت کرنیکے لیئے روانہ کیئے کہ آیا حضرت مسیح کے خفیہ دوست کون سے ہیں۔ اس نے اپنے نوکروں کا ایک مسلح دستہ بھیجا تاکہ وہ کسی پوشیدہ جگہ سے دیکھتے رہیں کہ اس قبر پر کیا ہو رہا ہے جہاں کہ حضرت مسیح کو رکھا گیا تھا۔ اور انکی مدد کے لیئے ہیکل کے پہرہ دار وہیں موجود رہیں۔ اس لیئے قبر کی حفاظت کرنے کیلیئے بجائے رومی سپاہیوں کے سردار کاہن کے نوکر اور ہیکل کے پہرہ دار آن موجود ہوئے۔ اب نقودیمس نے باقی ممبروں سے مشورہ کیا کہ حضرت مسیح کو ہوش میں لانے کے لیئے کونسے وسائل عمل میں لانے چاہیئیں چنانچہ تمام اس بات پر متفق ہوئے کہ ایک ممبر کو بھیجدیا جاوے۔ یہ آدمی ایک اعلیٰ درجہ کی سفید پوشاک پہنکر ایک خفیہ راستہ کے ذریعہ قبر پر گیا۔ سردار کاہن کے آدمی زلزلہ کے آنیکی وجہ سے پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس سفید پوشاک والے کو ایک فرشتہ سمجھا اور بھاگ اٹھے۔ تھوڑی دیر بعد یوسف اور نقودیمس دوسرے ممبروں کی ہمراہی میں آپہنچے چونکہ حضرت مسیح کو اب ہوش آچکی تھی اور حواس درست ہوگئے تھے لہٰذا انہوں نے تمام ایسینی احباب کو پہچان لیا۔ پھر یوسف نے تمام ماجرا آپ کو کہہ سنایا کہ کسطرح آپ کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہوگئے تھے اور اس بیہوشی کو موت سے تعبیر کیا گیا تھا پھر کسطرح اور دوستوں نے آپکے بچانیکے لیئے کوششیں کی تھیں جن کی وجہ سے آپکی جان بچ گئی تھی۔ اسکے بعد اسنے آپکو کچھ کھجوریں اور شہد میں بھگویا ہوا ٹکڑا روٹی کا کھلایا۔ لیکن اتنے عرصہ میں مرہم اپنا اثر کرگئی تھی اس لیئے پٹیاں کھولدی گئیں۔ چونکہ وہاں ٹھہرنا خطرناک امر تھا لہٰذا آپکو ایسینی احباب کے کمیٹی گھر میں اٹھا کرلے گئے جو وہیں ایک باغ کے نزدیک تھا۔ ان تمام باتوں نے حضرت مسیح پر اتنا اثر کیا کہ آپنے موت کے منہ سے بچ جانا ایک معجزہ

سمجھا اور آپکے خیال کیا گویا آپ سچ مچ مُردوں میں سے جی اُٹھے ہیں۔
دو ایسینی نو مریدوں کو تمام احباب نے روانہ کیا کہ وہ جاکر قبر کو درست کر دیں اور پٹیاں وغیرہ سب نکال ڈالیں جب کہ وہ دونوں اُسی تہ خانہ میں بیٹھے ہوئے کام کر رہے تھے تو ایک عورت آئی اور قبر کے مُنہ پر سے پتھر کو ڈھلکا ہوا پاکر ڈر گئی اور انہی قدموں پر یروشلم کو واپس چلی گئی۔ اسکے بعد یروشلم کی اور عورتیں قبر کو دیکھنے کے لیئے آئیں اور سفید پوش آدمیوں کو دیکھکر انہوں نے سمجھا کہ کوئی فرشتے ہیں اس لیئے وہ سجدے میں گر گئیں۔ ان دونوں آدمیوں کو پہلے سے سمجھا دیا گیا تھا کہ اگر حضرت مسیح کے وہ دوست قبر پر آویں جنکو ان باتوں کا بالکل علم نہیں۔ تو انکو یہ کہدیں کہ آپ مُردوں میں سے جی اُٹھے ہیں۔ اسلیئے آپکے شاگردوں اور احباب کو چاہیئے کہ آپ جلیل کی طرف گئے ہیں وہاں جاکر ملیں۔ چونکہ ان دنوں یروشلم میں مخالفت بہت بڑھی ہوئی تھی اسلیئے یوسف نے حضرت مسیح کی ملاقات اپنے دوستوں کے ساتھ اسجگہ کرانی مناسب سمجھی۔ لیکن حضرت مسیح اپنے دوستوں کو تسلی دینا بہت ضروری سمجھتے تھے اور آپکو اب طاقت اور قوت بھی آگئی تھی۔ لہٰذا آپنے اپنے ایسینی بھائیوں سے اس بات کے لیئے اجازت حاصل کی کہ آپ جائیں اور اپنے دوستوں سے ملیں۔ اسلیئے آپنے ایسینیوں کا وہ بھیس بدلا جسمیں وہ کام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ باغبانوں کے بھیس میں نکلے اور اس چٹان کی طرف گئے جس میں آپکی قبر تھی۔ مریم جو سب سے پہلے قبر پر آئی تھی وہ اب بھی قبر پر موجود تھی اور حضرت مسیح کو قبر میں نہ پاکر نوحہ کر رہی تھی۔ آپ اسکے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ لیکن بسبب باغبانی لباس کے اس نے نہ پہچانا اور آپکو باغبان ہی سمجھا۔ لیکن جب آپنے اس سے گفتگو کی تو اس نے آپکو پہچان لیا اور آپسے بغلگیری کی درخواست کی۔ چونکہ آپکو یہ ڈر تھا کہ ذرا کشمکش سے کہیں زخم نہ کھل جائیں اسلیئے آپ پیچھے ہٹ گئے اور اس کو کہدیا کہ آپکو چھوئے نہیں۔ جبکہ وہ آپکے سامنے عاجزانہ طور سے جھکی ہوئی تھی آپکے قدموں کی کھڑکھڑاہٹ کو سنا اسلیئے آپ فوراً باغ کے پچھواڑے کی طرف تشریف لے گئے۔ اسطرح جب پطرس اور یوحنا اس موقع پر پہنچے تو انہیں سوائے خالی قبر کے اور کچھ نہ دکھائی دیا۔ اگرچہ آپ چند ہی قدم چلے تھے مگر آپ کی کمزوری بہت

بڑھی ہوئی تھی۔ اسلیئے یوسف اور نقودیمس پھر آپ کو اُسی گھر میں لیگئے جہاں کہ پہلے آپ کے زخموں کی پٹی وغیرہ کی گئی تھی۔ انہوں نے آپکو کچھ انگور کا رس پینے کے لیئے بھی دیا اور تاکیداً منع کر دیا کہ کچھ عرصہ تک آپ ذرا بھی حرکت نہ کریں۔ اس اثنا میں شہر میں کئی ایک افواہیں اُڑ چکی تھیں۔ ہیکل کے پہرہ دار جو سفید پوشاک ایسینی نوجوان کو دیکھکر ڈر گئے تھے اب اپنے خوف اور بزدلی کے چھپانے کیلیئے بہت سی بے سروپا باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ یہ یہ خطرناک عجائباتِ قدرت وہاں ظہور پذیر ہوئے ہیں اور اتنی روحیں اپنی قبروں کو پھاڑ کر نکل آئیں۔ سردار کاہن نے اس خوف سے کہ مبادا ان معجزات کی وجہ سے لوگ حضرت مسیح کے طرفدار نہ ہو جائیں۔ ان پہرہ داروں کو روپیہ دیکر چُپ کرا دیا اور کہا کہ لوگوں میں یہ مشہور کرو کہ حضرت مسیح کی لاش کو انکے دوست چورا کر لے گئے ہیں۔ اسی اثنا میں حضرت مسیح اس انگوری رس کے خمار کی وجہ سے نیند بھر کر سوئے۔ اور شام کے قریب جاگے۔ چونکہ آپ بھوکے تھے۔ آپنے کھانا کھایا اور اپنے اندر کافی طاقت پاکر آپنے یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ اپنے دوستوں میں جاکر اپنے کام کو شروع کریں۔ لیکن احباب نے اصرار کیا کہ ایسا ارادہ آپ ہرگز خیال میں نہ لاویں وجہ یہ کہ آپ بہت کمزور ہو رہے تھے اور یہ بھی ڈر تھا کہ کوئی آپ کو پکڑ نہ لے اور پھر سولی پر چڑھاوے۔ لیکن حضرت مسیح نے کہا کہ خدا کا حکم میرے لیئے زیادہ طاقتور ہے بہ نسبت خوف کے اور آخر کار اپنی دوستوں سے منوا لیا کہ آپ باہر دنیا میں جائیں۔ اس سلسلہ کے بزرگوں نے چند احتیاطیں آپ سے کروائیں۔ انہوں نے ایک چغہ آپکو دیا کہ اسمیں اپنے آپ کو لپیٹ لیں تاکہ لوگ آپکو پہچان نہ سکیں اور ایک نو مرید کو پیچھے پیچھے روانہ کیا کہ وہ آپ کی خبر گیری رکھے اور راستہ میں جو جو اس فرقہ کا آدمی ملے اُنکو اس امر سے خفیہ اطلاع دے۔ اسکو حکم دیا گیا کہ سوائے اپنے فرقہ کے لوگوں کے اور کسی کے پاس نہ ٹھہرے اور شاہ راہ پر سفر نہ کرنے دے۔ ان ہدایات پر عمل کر کے حضرت مسیح ایماؤس کی طرف چل نکلے۔ یہ جگہ یروشلم سے کچھ ہی فاصلہ پر واقع تھی۔ اس سڑک پر آپنے اپنے شاگردوں کو پہچان کر انسے گفتگو کرنی شروع کر دی۔ مگر جب تک کہ آپ اُنکے ساتھ ایک شخص کے گھر میں نہ ٹھہرے انہیں یہ پتہ نہ لگا۔

کہ آپ انکے اُستاد و مرشد ہیں۔ اور چونکہ آپ اپنا راز لوگوں پر کھولنا نہیں چاہتے تے اس لیئے آپ چپکے سے دروازے میں سے نکل گئے اور ایک ایسینی کے گھر جا ٹھہرے۔ یہ دونوں شاگرد فوراً یروشلم کو واپس ہوئے تاکہ دوسرے شاگردوں کو بھی اس امر کی اطلاع دیں جو انکے ساتھ واقع ہوا۔ حضرت مسیح نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ آپ یروشلم کو واپس ہو لیں تاکہ اپنے شاگردوں کی مُردہ امیدوں کو از سرنو تازہ کریں۔ آپکے ایسینی دوستوں نے ایک گدھا آپکی سواری کیلیئے دیا اور وہ نو مرید اس واپسی کے سفر میں آپکے ساتھ ہو لیا۔ جبکہ آپ شہر میں داخل ہوئے تو آپکے داخل ہونیسے کچھ عرصہ پہلے ایک ایسینی کے مکان پر آپکے شاگرد جمع ہوئے ہوئے تھے۔ اور دروازے بند کرکے آپکے مردوں میں سے زندہ ہو جانیکے امکان پر بحث کر رہے تھے۔ اس خفیہ کونسل کے درمیان حضرت مسیح ایک چور دروازہ کی راہ سے داخل ہوئے اور تمام شاگرد آپکو دیکھکر حیران ہو گئے لیکن حضرت مسیح انسے باتیں کرنے لگے۔ انکو تسلی دی اور اچھی طرح سے انکو ثابت کرکے بتلایا کہ مَیں وہی انسان ہوں جو پہلے تھا اور اُسی گوشت پوست کا بنا ہوا ہوں۔ تب آپنے کھانا مانگا اور روٹی شہد اور مچھلی جو شاگردوں نے مہیا کی تھی ان میں سے سیر ہو کر کھایا تب آپنے انکو بتلایا کہ مَیں تم میں بہت نہیں ٹھہر سکتا اور نہ ہی مَیں بتلا سکتا ہوں کہ مَیں کہاں جاؤں گا۔ یہاں سے پھر اُسی گدھے پر سوار ہو کر آپ ایک ایسینی بزرگ کے گھر تشریف لے گئے جو زیتون کے پہاڑ کے بالکل نزدیک رہتا تھا۔ اور وہ جوان جو اِن سفروں میں آپکے ہمراہ رہ چکا تھا نقودیمس اور یوسف کے پاس گیا اور انکو جو کچھ واقعہ ہوا تھا سب کہہ سنایا۔

حضرت مسیح کی آئندہ حفاظت کے لیئے فوراً ایسینی بھائیوں کی ایک کمیٹی کیگئی۔ اس مجلس میں یہ امر قرار پایا کہ حضرت مسیح کو فوراً ایک وادی میں پہنچایا جائے جو جنہما اور مسیڈ احصن کے پاس ہی تھی۔ یہاں حضرت مسیح حضرت یحییٰ کے ساتھ رہ چکے تھے جبکہ ہر دو صاحبان ایسینی فرقہ میں داخل ہوئے تھے اور چونکہ اسجگہ اس سلسلہ کے لوگ اکثر موجود تھے لہٰذا اسجگہ کو آپکے لیئے مناسب سمجھا گیا۔ یہاں آپ کا سات روز تک قیام رہا۔ اسکے بعد آپ کو خبر پہنچی کہ آپکے شاگردوں میں سے ایک تھوما نامی اس بات سے انکار کرتا ہے کہ آپ کبھی زندہ

ہوئے ہوں۔ اسلیئے اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان شاگردوں کے جوش پر پانی پھر جائے۔
آپنے اپنے شاگردوں میں جانے کی خواہش کی۔ جب انکے پاس آئے تو آپنے یقین نہ لانیوالے
تھوما کے شکوک و شبہات کو رفع کیا اور انکو اپنا پہلو کا زخم دکھایا۔ یہاں سے آپ لعزر کے
گھر تشریف لے گئے اور وہاں آپ اپنی والدہ اور ہمشیروں سے ملے۔ لیکن جسوقت
آپ بیتھنیا میں بیٹھے ہوئے تھے اسوقت ایک مصیبت آپکے لیئے تیار ہو رہی تھی سردار
کاہن کو پتہ لگ گیا تھا کہ حضرت مسیح بازاروں میں چلتے پھرتے دیکھے گئے ہیں حضرت
مسیح کو صلیب پر چڑھانے کے بعد اسکو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ کسی طرح یوسف کو گرفتار کروائے
جب یہ خبر تمام سلسلہ کو پہنچی تو انکو ڈر ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ حضرت مسیح بھی ساتھ ہی گرفتار ہو گئے
ہوں۔ اسلیئے دو ممبروں کو انکی تلاش میں روانہ کیا گیا جنہوں نے کہ آپکو لعزر کے گھر پایا۔ اب
یہ مناسب سمجھا گیا کہ آپ جلیل کی طرف چلے جاویں۔ آپکے شاگرد پہلے ہی سے جا چکے تھے۔
کیونکہ اس امر کیلیئے انکو ہدایات پہلے ہی مل چکی تھیں۔ کوہ کارمیل کے دامن میں ان ایسینیوں
کی ایک جگہ تھی اسلیئے ملاقات کے لیئے یہی جگہ چنی گئی کیونکہ یہاں دشمن کا کوئی خطرہ نہ تھا اور
آبادی سے یہ جگہ بہت دور اور بے تعلق پڑی ہوئی تھی۔ کئی ایک دن امن چین سے گذرے
جن کی اثنا میں آپ اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتے رہے اور وعظ و نصیحت کرتے رہے لیکن
دشمن کے جاسوس یہاں پیچھے لگے ہوئے تھے لہذا آپکو مجبوراً یہ جگہ بھی چھوڑنی پڑی۔ پس اسکے
بعد آپنے اپنے شاگردوں سے کہا کہ تم بیتھابارا کو جاؤ وہاں میں تمہاری انتظار کرونگا۔ اسطرح آپ
اپنے دن گذارتے رہے۔ بعض دفعہ تو شاگرد آپکے ساتھ ہوتے تھے اور بعض دفعہ آپکو تنہا رہنا پڑتا
تھا۔ اس عجیب کہانی کا آخری حصہ اسطرح سے بیان کیا گیا ہے۔

"اسپر آپنے تمام شاگردوں کو اکٹھا کیا اور شہر میں سے ہوتے ہوئے دروازہ سے نکلکر اس وادی
میں چلے گئے جسکا نام جوزافت (یوز آسف) ہے ...... اسکے بعد پھر حضرت مسیح اپنے
شاگردوں کو اس جگہ لے گئے جو انکو بہت پیاری تھی۔ یعنی زیتون کے پہاڑ کی چوٹی کے نزدیک
اور جہاں سے تقریباً تمام ملک شام کا نظارہ بخوبی ہو سکتا ہے .... چیدہ چیدہ شاگردوں کا
یہی خیال تھا کہ آپ انکو بیتھنیا لے جائیں گے لیکن بعض ایسینی بزرگ پہاڑ کی دوسری

طرف اکٹھے ہوئے ہوئے تھے۔ اور حضرت مسیح کا انتظار کر رہے تھے جیسا کہ پہلے انکے درمیان یہ امر طے ہو چکا تھا۔ .... اس کے بعد آپنے اپنے شاگردوں کو نصیحت کی کہ تسلی رکھو اور ایمان میں مضبوط رہو۔ .... آپ انہی باتوں میں ہی مشغول تھے کہ اس سلسلہ کے بزرگان نے کہلا بھیجا کہ وقت تنگ ہو گیا ہے۔ اور وہ آپ کی انتظار میں کھڑے ہیں۔

جبکہ تمام شاگرد سر سجود ہو گئے تو انکی نظریں سب زمین کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ حضرت مسیح اُٹھے اور جلدی سے اُترتی ہوئی دُھند میں سے ہو کر دوسری طرف چلے گئے۔ جبکہ تمام شاگرد سجدہ سے اُٹھے تو انکے سامنے اس فرقہ کے دو آدمی سفید پوشاک پہنے ہوئے کھڑے تھے۔ انہوں نے ان حواریوں کو بتلایا کہ حضرت مسیح کی اب انتظاری مت کرو کیونکہ وہ چلے گئے ہیں۔ یہ کہکر وہ ہر دو بھی جلدی سے پہاڑ کے نیچے اُتر آئے .... لیکن تمام شہر میں یہ مشہور ہو گیا۔ کہ حضرت مسیح کو بادلوں نے اُٹھا لیا ہے۔ اور آپکو جنت میں لے گئے ہیں۔ آپکے شاگردوں نے اس امر کی تردید نہ کی کیونکہ اس سے انکے اعتقاد اور ایمان کو زیادہ تقویت پہنچتی تھی اور ان لوگوں پر خاص طرح کا اثر ہوتا تھا جنکو ایمان لانیکے لیئے ایک معجزہ کی ضرورت ہوتی تھی

واقعہ صلیب کے قریباً چھ مہینے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کی وفات کا بھی ذکر ہو رہا ہے۔ خواہ یہ مذکورہ بالا بیان صحیح ہو یا غلط ایک فہیم شخص کے لیئے اور کوئی راہ ہی نہیں۔ اور انجیلوں کے اندر جو واقعات مذکور ہیں انکو پڑھکر سوائے اس نتیجہ کے اور کسی نتیجہ پر ایک دانا شخص نہیں پہنچ سکتا۔ یہ واقعہ ایسے طور سے بیان کیا گیا ہے کہ انجیلوں میں بظاہر جس قدر متضاد باتیں ہیں ان سب کو واضح اور صاف کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس چٹھی کا وہ حصہ جسمیں یہ لکھا ہے کہ واقعۂ صلیب کے بعد آنحضرت بہت جلد وفات پا گئے کچھ بے بنیاد سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت مسیح کی قبر ابھی تک سری نگر کشمیر میں موجود ہے جسکو لوگ یوز آسف کی قبر کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کا اپنے وطن مالوف سے ہجرت کر جانا ہی موت کے برابر سمجھا گیا ہو۔ اس چٹھی کا یہ فقرہ کہ یوز آسف نام وادی میں آپ چلے گئے۔ آپ کا تعلق یوز آسف نام سے ظاہر کرتا ہے۔

تناسخ

دسمبر کے انگریزی رسالہ میں جو مضمون "ویدکا خدا اور تناسخ" شائع ہوا ہے اسپر ڈاکٹر ایل.پی.ورما صاحب چند اعتراض لکھتے ہیں۔ خاص اعتراض تین ہیں۔

(۱) یہ خیال کہ خدا تعالیٰ نئی روحیں اور نیا مادہ پیدا نہیں کرسکتا ویدوں کی کسی شرتی پر مبنی نہیں بلکہ مضمون نویس کے خیال کی ایجاد ہے۔

(۲) ہندوؤں کا یہ عقیدہ نہیں کہ نجات دائمی نہیں۔

(۳) ویدوں کے رو سے اگر انسان سچے طور سے توبہ کرے تو اسکے گناہ یا تو بالکل معاف ہوجاتے ہیں یا اسکو بہت ہی ہلکی سی سزا دیجاتی ہے۔ اور تناسخ کے رو سے جو یہ پایاجاتا ہے کہ ہر گناہ کی سزا ابدی ہے اور کوئی عفو نہیں یہ صرف ان گناہ گاروں کے لیئے ہے جو اپنے گناہوں سے باز نہیں آتے بلکہ انپر مصر ہیں۔

معترض کا یہ خیال ہے کہ ہم نے بغیر کسی مستند ہندو کتاب کے دیکھنے کے یہ آرٹیکل شائع کردیا ہے اسلیئے آپ چاہتے ہیں کہ ہم کسی وید کی شرتی یا کسی اور مستند کتاب کا حوالہ دیں جس سے ہمارا مطلب ادا ہوتا ہو۔ اسلیئے یہ واضح کردینا مناسب ہوگا کہ اصل میں وہ آرٹیکل حضرت مسیح موعودؑ کی جدید تصنیف چشمۂ معرفت کے ایک حصّہ کا ترجمہ تھا۔ خود آرٹیکل میں اس امر کا حوالہ دیا جاچکا ہے۔ اور ہم مسٹر ورما کو یقین دلاتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کا ہرگز ہرگز یہ منشا نہ تھا کہ وہ دل آزاری اور عیب جوئی کے طور پر مضمون لکھیں۔ آپ ویدوں کی بڑی تکریم کرتے تھے۔ اور انکی اسقدر عزت آپکے دل میں تھی کہ آپ انکو خدا کا کلام سمجھتے تھے اگرچہ آپکا یہ بھی خیال تھا کہ جسطرح قرآن کریم کو مستثنےٰ کرکے اور آسمانی کتابوں میں تبدیل و تحریف ہوئی ہے ویسی ہی ان میں بھی ہوئی ہے "پیغام صلح" جو چشمہ معرفت کے قریبًا دو ہفتہ بعد لکھی گئی اسکے پڑھنے سے پتہ لگتا ہے کہ آپکے دلمیں ہندوؤں کی آسمانی کتابوں کی کسقدر قدر و منزلت تھی۔ لیکن وقت یہ آپڑی ہے کہ بہت سے ہندوؤں کے

عقائد ہیں جو بالکل ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ ہم کس کو ویدوں کے مطابق اور کسے ویدوں کے خلاف کہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ابھی تک کسی زبان میں ویدوں کا مکمل اور مستند ترجمہ شائع نہیں ہوا لہٰذا ہمیں انہی کتب سے سند لینی پڑتی ہے جس کو ہندوؤں کے ایک اعلیٰ اور روشن خیال طبقہ نے مان لیا ہو آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کی تصنیف ستیارتھ پرکاش ایک ایسی کتاب ہے جسکو ویدوں کا عکس کہا جا سکتا ہے کیونکہ تعلیم یافتہ ہندوؤں کے ایک بڑے طبقہ نے اسکو مستند کتاب مان لیا ہے۔ واقعہ میں اس کتاب کو انہوں نے بغیر کسی قسم کے نقص کے مانا ہے اور اسکو ایسا ہی کامل خیال کیا جاتا ہے جیسے کہ وید خود ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ پرانے خیال کے ہندو سوامی صاحب کے بعض خیالات سے متفق نہیں جیسے کہ نیوگ جسے سوامی صاحب تو خالص وید کی تعلیم قرار دیتے ہیں لیکن دوسرے لوگ بالکل انکار کرتے ہیں۔ باوجود ان تمام باتوں کے جب تک کہ ویدوں کا کوئی اور مستند ترجمہ شائع نہیں ہوتا اسوقت تک ستیارتھ پرکاش وید کی تعلیم کے متعلق سب سے زیادہ مستند اور معتبر تفسیر سمجھی جاوے گی۔ اور جو شخص وید کی تعلیم کو تنقیدی طور سے دیکھنا چاہیگا اس کا یہ حق ہوگا کہ ہندو مذہب کے متعلق معلومات بڑھانے کیلئے یا تحقیقات کرنے کیلئے ہندو مذہب کے اس نئے شعبے کی سب سے معتبر کتاب کی طرف توجہ کرے۔ یہ بھی بیان کر دینا ہمارا فرض ہے کہ چشمۂ معرفت خاص طور سے سوامی دیانند اور ستیارتھ پرکاش کے رد میں لکھی گئی تھی۔ جیسا کہ خود آرٹیکل مذکور کے پڑھنے سے واضح ہوتا ہے۔

ہمیں یہ علم نہیں کہ مسٹر ورما آریہ سماج میں داخل ہیں یا نہیں لیکن جو کچھ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اس سے صاف طور سے پتہ لگتا ہے کہ مصنف نے اگر یہ متنازعہ فیہ مسائل ویدوں کی طرف منسوب کیا ہے تو وہ حق بجانب ہے کیونکہ ستیارتھ پرکاش میں ایسا ہی لکھا ہے۔ کچھ ہی ہو یہ مصنف کے خیال کا نتیجہ نہیں۔ اب ہم یہ دکھلاتے ہیں کہ جو جو باتیں اس آرٹیکل میں ہندو مذہب کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور جن کی سچائی پر مسٹر ورما کو کچھ شک ہے۔ وہ سب باتیں ستیارتھ پرکاش میں درج ہیں اور ستیارتھ پرکاش والے اپنی باتوں کے ثبوت کے لیئے ویدوں کے حوالے دیتے ہیں۔

عارضی نجات کا عقیدہ اور خدا تعالیٰ کا نئی روحوں کا پیدا نہ کر سکنا دو دوں لازم و ملزوم ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرا نہیں ٹھہر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ستیارتھ پرکاش نے ان ہر دو باتوں پر ایک ہی جگہ بحث کی ہے۔ تمام ستیارتھ پرکاش سوال و جواب کے طور پر لکھی گئی ہے اور ذیل کا سوال نجات کی مدت کے متعلق نویں باب صفحہ ۲۷۱ پر اسطرح درج ہے۔

"جیو مکتی پاکر پھر کبھی پیدا ہونے اور مرنے کے دکھ میں آتے ہیں یا نہیں؟ چندیگا اپنشد میں لکھا ہے کہ جیو کبھی بھی مکتی پاکر پھر اس دنیا میں واپس نہیں آتی۔ گیتا کہتی ہے "کہ وہ اعلیٰ درجہ کی حالت جس میں پہنچکر جیو پھر نہیں گرتی (یعنی اس دنیا میں واپس نہیں آتی) وہ میں ہوں" ان اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ روح کی نجات یافتہ حالت صرف وہی ہے جس سے یہ اس دنیا کی طرف پھر واپس نہیں آتی۔ اب آپکی اس میں کیا رائے ہے؟"

اس سوال کا جواب سوامی دیانند رگوید۔ ا۔۲۴ ! ا۔۱ نقل کر کے یوں دیتے ہیں "یہ غلط ہے کہ مکتی یافتہ روح پھر اس دنیا کی طرف واپس نہیں آتی کیونکہ وید اس کے مخالف ہیں † "ہم لوگ کس کا نام پاک سمجھیں۔ کون غیر فانی اشیاء کے درمیان جلوہ گر دیوتا ہمیشہ نور مطلق ہے اور ہم کو مکتی کا سکھ بھگوا کر پھر اس دنیا میں جنم دیتا اور ماں باپ کا دیدار دکھاتا ہے...... ہم اس منور بالذات قدیم۔ دائما مکت پرماتما کا نام پاک سمجھیں جو ہمکو مکتی میں آنند بھگوا کر پھر زمین میں ماں باپ کے تعلق سے جنم دیکر ماں باپ کا دیدار دکھاتا ہے وہی پرماتما مکتی کی آئین بندی کرنیوالا اور سب کا مالک ہے اسوقت جو بندھ اور مکت ہیں ویسے ہی ہمیشہ رہتے ہیں۔ بندھ اور مکتی کا غایت انقطاع ہرگز نہیں ہوتا یعنی بندہ اور مکتی ہمیشہ نہیں رہتے۔"

پھر اسکے بعد اس مکتی کے زمانہ کا حساب کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ مکتی کا زمانہ ۳۱ کھرب گیارہ ارب اور چار کروڑ سال تک رہتا ہے۔ (۳۱۱۰۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰)

---

† یہ عبارت جو آگے آتی ہے رگوید کی ہے۔ جسکا حوالہ اوپر درج ہے۔ منہ

پھر اسکے بعد اعتراض کرنیوالا کہتا ہے کہ دائمی مکتی کو تمام دنیا مانتی ہے جس سے روح
پھر اس دنیا میں نہیں آتی۔ سوامی جی اسکو یہ کہکر رد کر دیتے ہیں کہ ویدوں کے علاوہ یہ
عقل کے بھی خلاف ہے۔ معترض کے اعتراض کے جواب میں آپنے تین دلائل لکھے ہیں
جن میں آخری جواب اسطرح ہے "اور اگر مکتی سے لوٹ کر کوئی بھی جیو اس دنیا میں نہ
آوے تو دنیا کا سلسلہ منقطع ہوجانا چاہیئے یعنی جیو ختم ہوجانے چاہئیں"۔

اس جواب سے پھر معترض کو سوال اُٹھتا ہے اور وہ کہتا ہے "جسقدر جیو مکت ہوتے ہیں
ایشور اُسی قدر نئے پیدا کرکے دنیا میں رکھدیتا ہے اس لیئے خاتمہ نہیں ہوتا" اسی سوال
کے جواب میں سوامی جی صاف لفظوں میں ایشور کے خالق ہونیسے انکار کرتے ہیں۔ آپ
ذیل کے دلائل اپنی بات ثابت کرنیکے لیئے دیتے ہیں (۱) "اگر ایسا ہے تو جیو غیر مدامی
ہوجاویں کیونکہ جس کی پیدائش ہوتی ہے اسکی فنا ضرور ہوتی ہے"۔

(۲) "نیز مکتی کے مقام پر بہت سی بھیڑ بھاڑ ہوجاویگی کیونکہ آمد زیادہ اور نکاس
کچھ بھی نہ ہونے کیوجہ سے وہاں افزونی کا کچھ وار پار نہ رہیگا" بہشت کی ماہیت کو
سوامی جی نے خوب سمجھا ہے گویا بہشت نہ ہوا ایک باڑا ہوا جو چند ہی بھیڑوں
(آدمیوں) کے لیئے کافی ہوگا"۔

(۳) "دکھ کے احساس کے بغیر سُکھ کبھی نہیں ہوسکتا جیسے کڑوا نہ ہو تو میٹھا کیا"۔
لیکن اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ سُکھ کے ساتھ ساتھ ہی دُکھ ہے یعنی ایک ہی وقت
میں سُکھ اور دُکھ دونوں ہو رہے ہوں۔ سوامی جی کے مسلمات کے مطابق جو شخص تین
کھرب سے زیادہ عرصہ تک مکتی کا مزہ اُٹھا سکتا ہے اور اسکو کسی قسم کا دُکھ لاحق ہونیکی کوئی
ضرورت نہیں ہوتی تو وہی شخص ہمیشگی کے لیئے اس راحت کا مزا اُٹھا سکتا ہے۔

(۴) دائمی مکت کو عمر قید کے نام سے یاد کیا ہے اور کہا ہے کہ تھوڑی قید عمر قید سے اچھی ہے۔

(۵) لیکن سب سے اعلیٰ اور بڑی دلیل جو دی ہے وہ یہ ہے "نیز اگر پرمیشور نئے جیو
پیدا کرتا ہے تو جس مادے سے پیدا ہوتے ہیں وہ ختم ہو جائیگا کیونکہ چاہے کتنا ہی
بڑا خزانہ ہو اس میں اگر خرچ ہے اور آمد نہیں تو اس کا کبھی نہ کبھی دیوالہ نکل جاتا ہی

اس لیئے یہی آئین صحیح ہے کہ مکتی میں جانا پھر وہاں سے واپس آنا اور یہی اچھا ہے "

ہم امید کرتے ہیں کہ مسٹر ورما اب اچھی طرح سے سمجھ جائیں گے کہ وہ باتیں جو ہماری طرف منسوب کیجاتی ہیں وہ مصنف کے اپنے خیالات کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اصول ہیں جنکو آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور اپنی تائید کے لیئے جا بجا وید کی شرتیوں کا حوالہ دیا ہے۔ سچی بات یہی ہے کہ ان ستونوں کے سوا تناسخ ارواح کا مسئلہ بھی قائم نہیں رہ سکتا اگر یہ ثابت ہو جائے اور مان لیا جاوے کہ پرمیشور روحوں کو خلق کر سکتا ہے تو پھر اسکا لازمی نتیجہ یہ بھی ماننا پڑیگا کہ جس حالت میں وہ چاہے روحوں کو رکھے۔ لیکن اگر اسکو مانا جاوے تو تناسخ ارواح کا انکار کرنا پڑیگا کیونکہ تناسخ کا مسئلہ اس لیئے دنیا کے سامنے پیش کیا گیا ہے تا دنیا میں جو اختلاف ہے اسکی وجہ بیان کر دیجائے۔ دوسرے الفاظ میں تناسخ کے ماننے والا کہتا ہے کہ دنیا میں اختلاف کے ہونیکی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی جبتک یہ نہ مانا جاوے کہ یہ پہلے جنم کے کرموں کا پھل ہے۔ اگر وہ یہ مانتا کہ خدا تعالیٰ روحوں کا خالق ہے تو پھر اُسے پہلے جنم کے کرموں کے پیش کرنیکی ضرورت نہیں۔ اسطرح تناسخ ارواح کا عقیدہ خدا کے خالق ہونیکے انکار پر مبنی ہے اس لیئے تناسخ کو ماننے والے کا یہ کہنا کہ خدا نئی روحیں پیدا کر سکتا ہے یا وہ خالق ارواح ہے بالکل پوچ ہے اور جب یہ مان لیا کہ خدا نئی ارواح پیدا نہیں کر سکتا تو محدود زمانہ تک مکتی کا ماننا ایک ضروری نتیجہ ہے کیونکہ اگر دائمی مکتی دیجاوے تو ایک زمانہ ایسا بھی آجائیگا کہ خدا کے ہاتھ ایک بھی روح نہ رہے گی جسپر وہ حکومت کر سکے۔

ہمیں بڑے افسوس سے یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ ہمیں مسٹر ورما کی اس بات سے اتفاق نہیں کہ ویدوں کی رو سے یہ ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص سچے طور سے توبہ کرے اور اپنے گناہوں سے پشیمان ہو تو اس کے گناہ بخشے جا سکتے ہیں نہ صرف اس لیئے کہ یہ مسئلہ تناسخ ارواح کے مخالف پڑا ہوا ہے بلکہ اسلیئے بھی کہ سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں صاف طور سے اس امر کا انکار کیا ہے اور انہوں نے اپنے دعوے کے ثابت کرنیکے لیئے وید کی شرتیوں کا حوالہ دیا ہے۔ قرآن شریف کی اس تعلیم پر نکتہ چینی کرتے ہوئے جس میں یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی

شخص سچے طور سے توبہ کرے اور اپنے پچھلے گناہوں سے نادم ہو اور یہ اسکی توبہ اصلاح کی غرض سے ہو تو خدا تعالیٰ اسکے گناہ بخش دیتا ہے سوامی جی ریمارک کرتے ہیں کہ اگر کوئی خفیف سا گناہ بھی بغیر سزا کے چھوٹ جائیگا تو وہ چھوٹا سا گناہ تمام دنیا کو گناہوں سے بھر دے گا۔ ستیارتھ پرکاش کے ساتویں سملاس میں لکھا ہے کہ رحم اور انصاف ایک ہی معنے رکھتی ہیں۔ اسکے خلاف امر خدا کی شان کے خلاف ہے کیونکہ یہ انصاف کے قواعد کے بالکل خلاف ہے۔ اس سے آگے سوامی جی اپنے پیرووں کو بتلاتے ہیں کہ ایشور کے حضور اس طرح پرارتھنا کرنی چاہیئے اور ان دعاؤں میں جو لفظاً لفظاً ویدوں سے نقل کر کے وہاں لکھی گئی ہیں ایک لفظ بھی ایسا درج نہیں جس سے گناہوں کی معافی کا استدلال ہو سکے اور نہ ہی کوئی دعا گناہوں کی معافی کے لیئے وید سکھلاتے ہیں صفحہ ۲۰۵۔ اسکے چند صفحے آگے چلکر سوامی صاحب ایک سوال کا جواب دیتے ہیں۔

سوال۔ "ایشور اپنے بھگتوں کے پاپ معاف کرتا ہے یا نہیں؟"

نوٹ:۔ اس سوال میں بھگتوں اور خدا کے برگزیدہ لوگوں کے گناہوں کی معافی کا ذکر ہے اور ایسے فاسقوں کے گناہوں کا ذکر نہیں جو اپنے گناہوں پر مصر رہنے والے ہوں۔ یہاں گیانیوں کے پاپوں کا ذکر ہے جو ایشور کے سچے پرستار ہیں، مگر جنہیں بشری نقص ضرور موجود ہیں لیکن باوجود اسکے وہ ہمیشہ اپنے گناہوں سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔ مگر سوامی جی کا جواب قابل غور ہے۔

جواب۔ "نہیں اگر وہ پاپ معاف کرے تو اسکا انصاف جاتا ہے اور تمام انسان سخت پاپی ہو جاویں کیونکہ درگذر کے سنتے ہی انکو پاپ کرنے میں بے خوفی اور حوصلہ پیدا ہو جاوے ...... اس لیئے تمام اعمال کا مناسب نتیجہ دینا ایشور کا کام ہے نہ کہ معاف کرنا"

پس معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ورما صاحب کا یہ خیال کہ ویدوں کے رو سے خدا ان لوگوں کے گناہ معاف فرماتا ہے جو سچے دل سے توبہ کریں اور سزا صرف انہی کے لیئے مقدر ہے جو اپنے گناہوں پر اصرار کریں بالکل غلط ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ انسانی فطرت

اسی بات کو چاہتی ہے۔ اور سلیم فطرت انسانی کا یہ تقاضا ہے کہ اس عقیدہ کو قبول کرے مگر وہ زندہ کتاب جو اس انسانی فطرت کے اس سچے تقاضا کو پورا کرتی ہے وہ قرآن کریم ہے نہ وید۔ طالب حق کی غرض تو حق بات کو قبول کرنا ہونی چاہیئے نہ کسی خاص کتاب کی پاسداری اور ہم امید کرتے ہیں کہ ڈاکٹر درما ویدوں میں ان باتوں کو نہ پاکر جنکو انکی سلیم نطرت نے حق قرار دیا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی زندہ کتاب قرآن شریف کی طرف رجوع کرنے میں مضائقہ نہ کریں گے۔

انسانی روح کے متعلق ویدک فلاسفی

تناسخ یعنی اواگون کے ماننے والے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ پرمیشور نے کسی روح کو خود پیدا نہیں کیا بلکہ اس کے پاس ازلی ابدی روحوں کا ایک ذخیرہ ہے جنکو وہ انکے اعمال کے انوسار (مطابق) بار بار مختلف انسانی یا حیوانی اجسام میں بذریعہ تناسخ داخل کرتا رہتا اور دنیا کے سلسلہ کو چلاتا رہتا ہے اگر خدا کو روح کا خالق نہ مانا جاوے اور اُسکے ساتھ ہی روحوں کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں جانیکا عقیدہ بھی رکھا جاوے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس طریقہ سے روح ایک جسم کو چھوڑ کر دوسرے نئے جسم کو اختیار کرتی ہے اور وہ اثناء جو کہ ایک قالب سے دوسرے قالب میں جانیکے لیئے لگتا ہے کہاں اور کسطرح گذارتی ہے۔ یہ ایک سوال ہے جس نے کہ اس عقیدہ کے قائلین کو سخت ہی پریشانی اور مشکلات میں ڈالا ہوا ہے اور اسکے حل کرنیکے لیئے انہوں نے بہت کوشش کی ہے مگر وہ تمام بیفائدہ اور بے سود۔ چنانچہ سوامی دیانند نے جسکو کہ ہندوؤں کا ایک بڑا گروہ یعنی آریہ سماج اس موجودہ زمانہ میں ویدوں کا سب سے اعلیٰ مفسر اور اُنکے ٹھیک اور صحیح معنے کرنیوالا یقین کرتا ہے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش (ایڈیشن ۱۸۷۵) کے صفحہ ۲۶۳ آٹھویں سمولاس میں بحوالہ وید اسطرح سے اسکی حقیقت کو بیان کیا ہے جو اپنی لغویت میں بے مثل ہے اس سوال کے جواب میں کہ جنم اور موت

وغیرہ کس طرح سے ہوتے ہیں سوامی صاحب نے لکھا ہے وہ لنگ شریر یعنی جسم دقیق (روح) اور ستھول شریر یعنی جسم کثیف ملکر جب ظاہر ہوتے ہیں تب اُسکا نام جنم یعنی پیدائش ہوتا ہے اور دونوں کی علیحدگی سے غائب ہوجانیکو موت کہتے ہیں سو اسطرح سے ہوتا ہے کہ روح اپنے اعمال کے نتائج سے گردش کرتی ہے اور اپنے افعال کی تاثیر سے گھومتے ہوئے پانی یا کسی اناج یا ہوا میں ملتی ہے پھر جب وہ پانی یا کسی بوٹی کے ساتھ مل جاتی ہے تو جیسے جسکے افعال کا اثر یعنی جتنا جسکو سُکھ یا دُکھ ہونا ضروری ہے خدا کے حکم کے موافق ویسی جگہ اور ویسے ہی جسم میں مل کے شکم مادر میں داخل ہوجاتی ہے پھر جب حیوان یا انسان میں وہ غذا کے ساتھ اندر چلی جاتی ہے اُسکے جسم کے حصہ کی کشش سے اسکا جسم بنتا ہے اسی طریقہ سے جو پرمیشر نے مقرر کر رکھا ہے روح نکلنے کے بعد آفتاب کی کرنوں کے ساتھ اوپر کو کھینچی جاتی ہے اور پھر چاند کے نور کے ساتھ داوس کی طرح زمین پر کسی بوٹی وغیرہ پر گرتی ہے پھر بموجب طریقہ مذکورہ بالا جسم اختیار کرتی ہے" دیانند کے مذکورہ بالا طریق کے مطابق روح گویا جب جسم کو چھوڑتی ہے تو سورج کی گرمی سے رقیق ہوکر بخارات کی شکل اختیار کرکے آسمان کی طرف چلی جاتی ہے اور اوپر ہوائی طبقات میں اُڑتی رہتی ہے یہانتک کہ جب رات ہوتی ہے تو پھر چاند کی ٹھنڈی کرنوں سے سرد ہوکر شبنم کی طرح زمین کی سطح پر نباتات یا درختوں کے پتوں پہ گر پڑتی ہے جسکو پھر کوئی اسی جنس کا مادہ آکر کھالیتا ہے جس جنس میں اس نے اپنے سابقہ اعمال کے بموجب جنم لینا تھا خواہ وہ کھانیوالی عورت ہو یا کتی ہو یا بلّی ہو وغیرہ وغیرہ۔ اگر روح کے اعمال اس لائق ہوں کہ وہ گدھی کا جسم دھارن کرے تو وہ گھاس پر پڑی ہوئی روح فوراً انکار کردیگی اگر کوئی گھوڑی یا دوسرا جانور اُسکو کھانیکے لیئے آئیگا۔ پھر اسپر بھی طرفہ یہ کہ کوئی نر اس گھاس کو ہرگز نہیں چکھ سکتا بلکہ یہ نعمت بے بہا ویدوں نے عورتوں کو ہی عطا کی ہے

ہندو شریعت کے مطابق جبکہ ایک ادنےٰ سے جانور کو بھی ماردینا گناہ خیال کیا جاتا ہے تو پھر ہم نہیں سمجھتے کہ یہ لوگ کیوں گھاس پر سے گذرتے اور ہزاروں روحوں کا خون کر جاتے ہیں انکو چاہیئے کہ جب سیر کو نکلا کریں تو جہاں کہیں گھاس پات ہو

وہاں بہت ہی احتیاط سے قدم رکھا کروں مبادا کوئی غریب روح کچلی جائے کیونکہ جب کہ روح کو ایک عورت کھا سکتی ہے تو کیا وجہ کہ وہ پھر پاؤں کے نیچے آکر کچلی نہ جاوے
پھر ایک اور لطیفہ سنیئے وہ یہ کہ جبکہ صرف چاندنی راتوں میں ہی چاند کی کرنوں سے روحیں زمین کی سطح پر آکر گرینگی تو ان راتوں میں جن میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے اور آسمان بادلوں سے گھرا ہوا ہوتا ہے یا چاند نہیں چڑھتا کوئی روح بھی زمین پر نہیں آئے گی بلکہ وہ کہیں آسمان اور زمین کے درمیان ہوا میں ہی بھٹکتی پھریگی تو پھر ایسی حالت میں تو چاہیئے کہ جتنی پیدائیش ہوتی ہے وہ سب کی سب چاندنی راتوں کے بعد ہی ہوا کرے اور اندھیری راتوں کے بعد کا وقت پیدائیش سے بالکل خالی رہے حالانکہ اگر پیدائیش کی رپورٹوں کو دیکھا جاوے تو کوئی ہفتہ بھی ایسا نہیں ہوتا جس میں کوئی پیدائیش نہ ہوئی ہو۔

ان سب باتوں کو چھوڑ کر اگر ہم تھوڑی دیر کے لیئے اس بات کو بھی تسلیم کرلیں کہ واقعی سورج کی کرنیں ہی روح کو اپنی طرف کھینچتی ہیں تو پھر ساتھ ہی لازمی طور پر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دنیا میں کبھی کوئی انسان یا حیوان پیدا ہی نہ ہو حالانکہ مشاہدہ صریح اسکے خلاف بتلاتا ہے۔ رات کو جب روح زمین پر کسی گھاس پات پر گرتی ہے تو وہ ساری رات تو وہیں پڑی رہتی ہے مگر جب صبح ہوتی ہے اور سورج نمودار ہو کر اپنی کرنوں کو چاروں طرف پھیلاتا ہے تو اس حالت میں آریوں کے ماننے ہوئے اصول کے مطابق کیا کوئی روح زمین پر رہے گی ہرگز نہیں بلکہ سورج کی کرنیں اسی طرح اسکو کھینچ لیں گی جسطرح کہ انہوں نے اسکو پہلے جسم چھوڑنے پر کھینچ لیا تھا اگر کوئی یہ کہے کہ سورج کی کرنیں ابتدا ایسی تیز نہیں ہوتی ہیں کہ وہ روحوں کو اپنی طرف کھینچنے کے قابل ہو سکیں اور ہم انکے تیز ہونے سے پہلے ہی سبزی وغیرہ کو گھروں میں لاکر کھا لیتے ہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ آخر پکا کر ہی کھاتے ہونگے کیونکہ ایسا کم دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی انسان کچی سبزی کھاتا ہو اور پکانے کی حالت میں روح یقیناً آگ کی حرارت سے جل جاتی ہوگی۔ اور اگر ایسا بھی مان لیں کہ وہ نہیں پکتی ویسی ہی رہتی ہے تو پھر کیا وجہ کہ وہ آگ

کی گرمی سے جو سورج کی گرمی سے بھی زیادہ تیز ہوتی ہے آبی بخارات کے ساتھ ملکر ہوا میں نہیں اُڑ جاتی۔

اس عقیدہ کی لغویت اس وجہ سے بھی بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ یہ بالکل عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے تمام عقلمند آدمی جانتے ہیں کہ روح کا تعلق صرف بچے کی والدہ سے نہیں ہوتا بلکہ والدہ اور والد دونوں سے ہوتا ہے اور روحانی اخلاق کا خمیر بچے کے وجود میں باپ اور ماں دونوں کی طرف سے ہوتا ہے نہ ان میں سے ایک کی طرف سے۔ مگر سوامی صاحب فرماتے ہیں کہ روح صرف عورت میں داخل ہوتی ہے مرد میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ ہاں اگر سوامی صاحب یہ کہتے کہ روح دو ٹکڑے ہو کر کسی بوٹی پر گرتی ہے جسکو مرد اور عورت دونوں کھا لیتے ہیں اور پھر دونوں کے میل کے ذریعہ مخلوط ہو جاتی ہے تب بھی کچھ بات تھی اگرچہ اسجگہ پھر دو مشکلات پیش آتے ہیں اول تو یہ کہ اس سے لازم آتا ہے کہ روح دو ٹکڑے ہو کر گرے۔ دوسرے یہ ضروری ہے کہ جس روح کا نصف حصہ عورت کھاتی ہے ضروری ہے کہ اسی روح کا دوسرا نصف مرد کھائے۔ اور وہ مرد بھی اس عورت کا خاوند ہو یا نیوگ کی صورت میں اُس کا بیرج داتا ہو۔ پھر آجکل یہ بھی ممکن ہے کہ عورت مثلاً لاہور میں رہتی ہے اور خاوند یا نیوگ کی صورت میں بیرج داتا دہلی میں رہتا ہو اور دونوں ایک ہی دن روانہ ہو کر راستہ میں کسی مقام پر اکٹھے ہوں اور عورت کو حمل ٹھہر جاوے تو ایسی صورت میں ضروری ہے کہ شبنمی روح کا ایک نصف لاہور میں گرے اور دوسرا نصف دہلی میں گرے اور ان دونوں ٹکڑوں کو وہ مرد اور عورت کھالیں۔

ایک سوال اور بھی پوچھنا باقی رہ گیا ہے وہ یہ کہ جب کوئی انسان رات کے وقت جبکہ سورج کی کرنوں کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا مرتا ہے تو روح ایسی حالت میں اُسوقت تک جبکہ سورج نکلکر اُسکو اپنی طرف کھینچ لے کہاں رہتی ہے کیا وہ اُس گھر کے ارد گرد چکر لگاتی رہتی ہے یا اس مردہ شخص کی لاش کے ساتھ چمٹی رہتی ہے۔

ایسے ایسے بیہودہ اور لغو عقیدوں میں جیسا کہ ہم اوپر ظاہر کر آئے ہیں ویدوں کے پیرؤں نے اپنے تئیں پھنسا رکھا ہے کہ ان سے اب نکلنا ان کے لیئے مشکل ہو رہا ہے۔ یہ سب مشکلات اسی واسطے انکو پیش آرہی ہیں کہ وہ خداوند تعالیٰ کو روح کا خالق ماننے سے انکار کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنے پرمیشر کو بے رحم۔ کینہ ور۔ بے انصاف اور ایسا کمزور ماننا پڑتا ہے کہ اپنے کسی وہ سچے پرستار کو دائمی نجات نہیں دے سکتا۔ کیونکہ دائمی نجات دینے سے روحوں کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے اور کارخانہ دنیا بند کرنا پڑتا ہے کیونکہ پرمیشر نئی روحیں پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لیئے مجبوراً پرانی روحوں کو مکتی خانہ سے نکالکر پھر دنیا میں لے آتا ہے۔ اگر وہ ایک دفعہ بھی ارواح اور مادہ کا خالق خداوند تعالیٰ کو مان لیویں تو پھر انکو ان تمام گندے عقیدوں کے اختیار کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور اپنے پرمیشر پر سے وہ تمام الزامات اٹھا دیں جو کہ نہ ماننے کی صورت میں وہ لگا رہے ہیں۔

اس عقیدہ کا لغو اور بیہودہ ہونا اسی بات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ آخر دیانند کے پیرووں کو بھی آئندہ اڈیشنوں میں سے شبنمی روح کا مسئلہ نکالدینا پڑا مگر انکا ستیارتھ پرکاش میں سے اس عقیدہ کا نکالدینا انکو بری نہیں ٹھہرا سکتا جبتک کہ وہ اس امر کا اعلان نہ کر دیں کہ ہمارے گرو دیانند نے ویدوں کے سمجھنے میں سخت غلطی کھائی ویدوں میں ایسی تعلیم ہرگز نہیں اور ساتھ ہی وہ اسکی جگہ پیدائش کی کوئی اور حقیقت لکھیں جو ہو بھی ویدوں میں سے اور ہو بھی اس سے اعلیٰ۔

اسمیں کوئی شک نہیں کہ آریہ سماج نے بہت ہی اخلاقی بہادری سے کام لیا ہے جو اُس نے ایسے گندے اور بیہودہ عقیدے کو اپنی کتاب سے خارج کر دیا ہے تاہم یہ عقیدہ کوئی ایسا نہ تھا جسکے رہنے سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچ سکے یا امن عامہ میں کوئی فرق آسکے بلکہ اس میں ایسے اور بہت سے مقامات ہیں جنکو ایسی کتاب میں سے خارج کر دینا ضروری اور لازمی ہے جس نے کہ لوگوں کی راہنمائی کا ٹھیکہ اُٹھایا ہوا ہو۔

مثال کے طور پر حکومت کا بھی مسئلہ ہے۔ ستیارتھ پرکاش میں کچھ ایسی تعلیم دی گئی ہے جو سلطنت کی وفاداری اور جاں نثاری کے خیالات پر بُرا اثر ڈالتی ہے۔ اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ہم دیانند کی نیک نیتی پر کوئی چوٹ کریں بلکہ یہ دکھانا مقصود ہے کہ اس تعلیم کا اثر ان نوجواں طالبعلموں پر جن کو آریہ سکولوں میں یہ کتاب ضرور پڑھنی پڑتی ہے بہت بُرا پڑیگا۔

آریہ سماج کا سلطنت برطانیہ پر ایک بڑا بھاری احسان ہوگا اگر وہ ایسی تعلیم کو اس میں سے بالکل نکال دینگے اسی طرح دوسرا مسئلہ نیوگ کا ہے جس نے کہ تمام اخلاقی تعلیموں کا ناش کر دیا ہے۔ مَیں نہیں یقین کرتا کہ کوئی باغیرت آریہ نیوگ پر عمل کر سکے اگرچہ وید اور ستیارتھ پرکاش ہر دو کے رو سے ایسا کرنے کی اُسکو اجازت حاصل ہو پھر جب اس تعلیم پر کوئی معزز اور باغیرت آریہ عمل نہیں کر سکتا۔ تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ایسی ناپاک تعلیم سے ستیارتھ پرکاش کے صفحوں کو گندہ کیا جاوے۔

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

مدرسہ تعلیم الاسلام - مولوی صدرالدین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی پروفیسر ٹریننگ کالج لاہور سکول کی ہیڈ ماسٹری کے لیئے آنیوالے ہیں۔ حکام سررشتہ تعلیم نے ایک عرصہ کے لیئے آپکی خدمات ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ اسکے لیئے انکا شکریہ ادا کیا جاتا ہے احباب کو اپنے بچے یہاں بھیجکر مولوی صاحب کی خدمات کی قدر کرنی چاہیئے۔ امتحان انٹرنس میں طلباء چلے جانیسے مدرسہ اور بورڈنگ میں لڑکوں کی کمی ہو گئی ہے۔ مگر خوشی کی بات ہے۔ کہ اب احمدی احباب اپنے بچوں کو یہاں بھیج رہے ہیں جس سے امید ہو رہی ہے کہ انشاء اللہ اس کمی کے پوری ہونیکے علاوہ سکول میں طلباء کی خاص ترقی ہوگی۔ جن احباب نے جلسہ دسمبر پر وعدے کیئے تھے۔ انہیں پھر متوجہ کیا جاتا ہے دراصل ابھیں بھی سکول کی اعانت ہے۔ کیونکہ طلباء کی کثرت سے سکول کو سرکاری امداد میں خاص

فائدہ ہے۔

مدرسہ احمدیہ:۔ مدرسہ احمدیہ کا کام بفضلِ خدا خوب چل رہا ہے۔ اسوقت تک چار جماعتیں کھولی گئی ہیں۔ اور حسب ضرورت اُستاد مقرر کیئے گئے ہیں۔ احباب اس مدرسہ کیلئے بھی مالی طور پر اور طلباء بھیجکر مدد فرماویں۔ بہتر ہو کہ ہر جماعت اپنے ہاں سے ایک ہونہار قابل طالبعلم کو اس مطلب کیلئے یہاں بھیجدیں۔ جو بعد حصول تعلیم وہیں جاکر انکو فائدہ پہنچاوے۔

سالانہ رپورٹ:۔ سالانہ رپورٹ صدر انجمن چھپ چکی ہے۔ جسکی قیمت صرف ۳/ ہے اور حجم ۱۴۰ صفحے ہے۔ مینجر میگزین سے طلب فرماویں۔

بھٹہ۔ بھٹہ کا کام جاری ہے۔ اور بڑے زور شور سے ہو رہا ہے۔ قریباً ۹ لاکھ اینٹ پک چکی ہے۔ فصل کی کٹائی کے ایام میں کام بند ہونیکا اندیشہ تھا۔ اس لیئے مختلف مقام پر احباب سے خط و کتابت کی گئی۔ کہ اگر انکے علاقوں سے پتھیرے مل سکیں تو یہاں بھجوا دیں۔ مگر کسی جگہ سے نہ مل سکے۔ لیکن چونکہ کام بند ہونے میں نقصان تھا۔ اسواسطے موجودہ پتھیروں کو ہی زیادہ اُجرت دیکر رکھا گیا۔ اب بھی اگر کسی جگہ سے پتھیرے دستیاب ہو سکتے ہوں۔ تو احباب راقم سے خط و کتابت کریں۔ روپے کی بہت ضرورت ہے۔ اسواسطے احباب بہت جلد چندہ تعمیر کے بقائے وصول کرکے ارسال فرماویں۔

کنونشن کلکتہ۔ کلکتہ میں ایسٹر کی تعطیلات میں یعنی ۹ - ۱۰ اور ۱۱- اپریل کو مذاہب کی تحقیقات کیلئے ایک جلسہ ہونیوالا ہے۔ ہماری طرف سے بھی مدت سے مضمون بھیجا گیا ہے۔ جسکے سنانے کیلئے راقم اور خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے پلیڈر ۶- اپریل کی شام کو کلکتہ میل میں سوار ہو کر ۸- اپریل کی صبح کو کلکتہ پہونچینگے۔ خدائے تعالیٰ کامیابی کے ساتھ واپس لاوے۔ آمین۔

سکرٹری

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ | بابت ماہ مئی ۱۹۰۹ء | نمبر ۵

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مئی ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شایع ہوا چندہ سالانہ عوام سے ع۶ طلباء سے عہ

ضروری اطلاع

(مندرجہ ذیل کتابیں مینیجر بک ڈپو سے طلب کرو)

رپورٹ سالانہ۔ صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹ چھپکر تیار ہوچکی ہے جسمیں سالانہ رپورٹ کے علاوہ وہ مضامین بھی درج ہیں جو سالانہ جلسہ پر سنائے گئے تھے۔ ۲۴ صفحہ کی کتاب ہے قیمت باوجود اتنی بڑی کتاب کے صرف ۳ر ہے جو اصل لاگت ہے۔

مقامی انجمنوں کے لئے رجسٹر و رسید بک مقامی انجمنوں کے لئے حساب کو باقاعدہ رکھنے کیلئے ضروری رجسٹر چھپوا کر تیار کروائے گئے ہیں اسی طرح رسید بکس بھی تیار ہیں جس سے سیکرٹری کو رسید دینے اور اسکا مثنیٰ دفتر میں رکھنے میں بہت آسانی ہوتی ہے قیمت ۵۰ صفحے کے مجلد رجسٹر کی عہ اور غیر مجلد کی ۴ر اور ہر ایک رسید بک کی جس میں ۱۰۰ رسیدیں ہوتی ہیں ۴ر ہے۔

اوامر و نواہی۔ ۲۰۰۰ سے زاید صفحوں کی کتاب ہے جسمیں سید عبد الحیی صاحب عرب نے قرآن کریم کے احکام اور نواہی جمع کی ہیں اصل آیات کیساتھ اُردو ترجمہ بھی ہے اسکے علاوہ چھ قسم کی اربعین اس کتاب کیساتھ بڑھائی گئی ہیں اصل قیمت اس کتاب کی عہ تھی مگر صدر انجمن احمدیہ نے عرب صاحب سے بہت سی جلدیں خرید کر قیمت قریباً نصف کر دی ہے یعنی ۹ر فی جلد ایک نہایت مفید کتاب ہے احباب اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ دیں انجمن کے پاس جسقدر جلدیں ہیں وہ فروخت ہوجانیکے بعد یہ کتاب پھر اصل قیمت پر ملسکے گی۔

یسرنا القرآن۔ اس قاعدہ کی قبولیت اب ملک میں عام طور پر پھیل گئی ہے اور اب چوتھی مرتبہ تعداد میں چھ ہزار شایع کیا گیا ہے قیمت بھی کم کر دیگئی ہے یعنے عربی حصہ کی قیمت جس کے پڑھنے کے بعد بچہ قرآن شریف کو خود بخود پڑھنے لگتا ہے ۱ر کر دیگئی ہے پہلے ۲ر قیمت تھی۔

البیان حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کی لطیف تصنیف ہے جسمیں مس شیطان والی حدیث پر مبسوط بحث کیگئی ہے قیمت ۱ر **عمدۃ الاحکام** صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفقہ حدیثیں مع ترجمہ قیمت عہ

اسلام کی پہلی کتاب مصنفہ ماسٹر عبد الرحمن صاحب۔ قیمت صرف ۲ر فی جلد ہے

آئینہ صداقت مصنفہ مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر قیمت صرف ۲ر

مبادی الصرف مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح مولانا حکیم نور الدین صاحب قیمت صرف ۲ر

مجموعہ فتاوی احمدیہ مصنفہ مولوی محمد فضل خان صاحب چنگوی قیمت جلد اول جلد دوم جلد سوم ہے

الاختلاف مصنفہ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل آف گولیکی قیمت صرف ۳ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام کی تعلیم جو سلسلہ احمدیہ پیش کرتا ہے

{یہ اس انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے جو ۱۰۔ اپریل ۱۹۰۹ء کو کلکتہ کے مذہبی جلسہ یعنی کانونشن آف ریلیجنز ان انڈیا میں پڑھا گیا۔}

اسلام اور دوسرے مذاہب:۔ سب سے پہلے میں چند الفاظ میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی تعلیم جیسا کہ سلسلہ احمدیہ اسے پیش کرتا ہے۔ دوسرے مذاہب اور انکے مقدس بانیوں کے متعلق کیا ہے۔ سو واضح ہو کہ اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ خدا تمام دنیا کا خدا ہے نہ کسی ایک خاص فرقہ یا خاص قوم کا۔ اسلیئے اس نے اپنے کلام سے جو ہر ایک ہدایت کا سرچشمہ ہے دنیا کے تمام حصوں کو منور اور مستفیض کیا ہے۔ اور کسی قوم سے بخل نہیں کیا اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن امور پر جسمانی حیات کا مدار ہے جیسے زمین پانی آگ ہوا سورج چاند ستارے اناج وغیرہ یہ تمام چیزیں تمام انسانوں اور تمام ملکوں اور قوموں میں پائی جاتی ہیں حالانکہ وہ چیزیں محض اس زندگی کیلیئے ہیں جو صرف چندروزہ ہے۔ پھر کسطرح یہ خیال کیا جائے کہ وہ امور اور وہ ہدایتیں اور وہ آسمانی برکتیں جو روحانی حیات کا مدار ہیں جو جاودانی حیات ہے وہ کسی خاص قوم اور خاص ملک کو عطا ہوں اور دوسرے اس سے بے خبر رہ کر ہلاکت کے گڑھے میں گریں۔ ہر ایک عقل جو تعصب اور بخش باتوں سے پاک ہے ہرگز اسکو قبول نہیں کریگی اور خدائے پاک کو جو رب العالمین ہے اس تہمت سے بری سمجھے گی کہ وہ کسی خاص قوم کا

رب ہو اور دوسروں سے کنارہ کشی کرے۔ خدا نے کسی قوم سے فرق نہیں کیا مثلاً جو جو انسانی طاقتیں اور قوتیں آریہ ورت کی قدیم قوموں کو دیگئی ہیں وہی تمام قوتیں عربوں اور فارسیوں اور شامیوں اور چینیوں اور جاپانیوں اور یورپ اور امریکہ کی قوموں کو بھی عطا کی گئی ہیں۔ سب کیلئے زمین فرش کا کام دیتی ہے اور سب کیلئے اسکا سورج اور چاند اور کئی اور ستارے روشن چراغ کا کام دے رہے ہیں۔ اور دوسری خدمات بھی بجالاتے ہیں اسکی پیدا کردہ عناصر یعنی ہوا اور آگ اور پانی اور خاک سے اور ایسا ہی اسکی دوسری تمام پیدا کردہ چیزوں اناج اور پھل اور دوا وغیرہ سے تمام قومیں فائدہ اُٹھا رہی ہیں پس اسی جسمانی سلسلہ پر روحانی سلسلہ کو بھی قیاس کر لینا چاہیئے۔

خدا نے قرآن شریف کو جس آیت سے شروع کیا ہے وہ یہ ہے کہ الحمد للہ رب العلمین یعنی تمام کامل اور پاک صفات خدا سے خاص ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے۔ عالمین کے لفظ میں تمام مختلف قومیں اور مختلف زمانے اور مختلف ممالک داخل ہیں اور اس آیت سے جو قرآن شریف شروع کیا گیا یہ درحقیقت اس خیال کا رد ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ربوبیت اور فیض کسی ایک قوم تک محدود ہو۔ اور دوسری قوموں کو ایسا خیال کر لیا جائے کہ گویا وہ خدائے تعالیٰ کے بندے ہی نہیں اور گویا خدا نے انکو پیدا کرکے پھر ردی کی طرح پھینک دیا ہے یا ان کو بھول گیا ہے اور یا نعوذ باللہ وہ اسکے پیدا کردہ ہی نہیں۔ پس ان خیالات اور ایسے عقائد کے رد کرنیکے لیئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کو اس آیت سے شروع کیا کہ الحمد للہ رب العلمین اور جابجا اسنے قرآن شریف میں صاف صاف بتا دیا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ کبھی خاص قوم یا خاص ملک میں خدا کے نبی آتے رہتے ہیں بلکہ خدا نے کسی قوم اور کسی ملک کو فراموش نہیں کیا اور قرآن شریف میں طرح طرح کی مثالوں میں بتلایا گیا ہے کہ جیسا کہ خدا ہر ایک ملک کے باشندوں کے لیئے انکے مناسب حال انکی جسمانی تربیت کرتا آیا ہے ایسا ہی اسنے ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم کو روحانی تربیت سے بھی فیضیاب کیا ہے چنانچہ ایک جگہ قرآن شریف میں صاف الفاظ میں فرمایا ہے وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ یعنی کوئی ایسی قوم نہیں

جس میں کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا گیا۔

سو قرآن شریف کی یہی تعلیم ہے کہ وہ سچا اور کامل خدا جسپر ایمان لانا ہر ایک بندہ کا فرض ہے وہ رب العالمین ہے اور اسکی ربوبیت کسی خاص قوم تک محدود نہیں اور نہ کسی خاص زمانہ تک اور نہ کسی خاص ملک تک بلکہ وہ سب قوموں کا رب ہے اور تمام زمانوں کا رب ہے۔ اور تمام مکانوں کا رب ہے اور تمام ملکوں کا رب ہے اور تمام فیضوں کا سرچشمہ ہے اور ہر ایک جسمانی اور روحانی طاقت اسی سے ہے اور اسی سے تمام موجودات پرورش پاتی ہیں اور ہر ایک وجود کا وہی سہارا ہے خدا کا فیض عام ہے جو تمام قوموں اور تمام ملکوں اور تمام زمانوں پر محیط ہو رہا ہے۔ یہ اس لئے ہوا کہ تا کسی قوم کو شکایت کرنے کا موقعہ نہ ملے اور یہ نہ کہیں کہ خدا نے فلاں فلاں قوم پر احسان کیا مگر ہم پر نہ کیا یا فلاں قوم کو اسکی طرف سے کتاب ملی تا وہ ہدایت پاویں مگر ہم کو نہ ملی۔ یا فلاں زمانہ میں وہ اپنی وحی اور الہام اور معجزات کے ساتھ ظاہر ہوا مگر ہمارے زمانہ میں مخفی رہا۔ اور قرآن شریف نے اسی امر کو نبی کی صداقت کا معیار قرار دیا ہے کہ جن نبیوں کی عام طور پر کروڑ ہا لوگوں میں قبولیت پھیل جاتی ہے اور دلوں میں انکی نہایت درجہ محبت اور عظمت بیٹھ جاتی ہے۔ اور نصرت الٰہی بارش کی طرح انپر برستی ہے وہ ہرگز جھوٹے نہیں ہوتے۔ اس اصل کو تسلیم کرنیکے بعد ہم کھلے طور پر اس امر کا اعلان کرتے ہیں اور اپنے اس اقرار کو دنیا میں شائع کرنا اپنی ایک سعادت سمجھتے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبی سب کے سب پاک اور بزرگ اور خدا کے برگزیدہ تھے۔ ایسا ہی خدا نے جن بزرگوں کے ذریعہ سے پاک ہدایتیں آریہ ورت میں نازل کیں اور نیز بعد میں آنیوالے جو آریوں کے مقدس بزرگ تھے جیسا کہ راجہ رامچندر اور کرشن یہ سب کے سب مقدس لوگ تھے اور ان میں سے تھے جنپر خدا کا فضل ہوتا ہے۔ پس وہ صلح کی تعلیم جو تمام قوموں کو ایک قوم کی طرح بنا سکتی ہے۔ وہ یہی ہے کہ تمام قومیں دوسری قوموں کے بزرگوں اور مقدس بانیوں کو عزت سے یاد کریں۔ انہی اصول پر سلسلہ احمدیہ کے مقدس بانی نے اپنے

آخری ایام میں پیغامِ صلح نام ایک کتاب لکھی تھی جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتفاق اور صلح کے لیئے ایک تجویز پیش کی گئی تھی۔

سلسلہ احمدیہ کی اصل حقیقت :۔ سلسلہ احمدیہ اسلام میں اس تحریک کے بالمقابل واقع ہے جو یہودی مذہب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شروع ہوئی جس سے مراد وہ عیسائی مذہب نہیں جو آجکل حضرت عیسیٰؑ کے نام پر پھیل رہا ہے بلکہ وہ تعلیم ہے جس کو قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سچی تعلیم بیان فرماتا ہے۔ سلسلہ عیسویہ کا خاص نشان جو اسکو یہودیوں کے باقی تمام فرقوں سے ممتاز کرتا تھا یہ تھا کہ اس سلسلہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کا مسیح موعود تسلیم کر لیا تھا اور بنی اسرائیل میں جسقدر پیشگوئیاں اور امیدیں مسیح کے نام سے وابستہ چلی آتی تھیں ان سب کا حضرت عیسیٰؑ کے ظہور سے پورا ہونا مان لیا تھا۔ اسی طرح پر سلسلہ احمدیہ کا امتیازی نشان جو اسکو مسلمانوں کے دوسرے تمام فرقوں سے ممتاز کرتا ہے یہ ہے کہ یہ سلسلہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ سلسلہ کو مسیح موعودؑ اور مہدی معہودؑ تسلیم کرتا ہے اور جسقدر پیشگوئیاں اسلام کی آئندہ کامیابیوں اور غلبہ کے متعلق مسیح اور مہدی کے نام سے وابستہ ہیں۔ ان سب کا آپکے ظہور سے پورا ہونا مانتا ہے۔ مگر ان دونوں سلسلوں یعنی سلسلہ عیسویہ اور سلسلہ احمدیہ کے ابتدا میں ہی ایک بڑا بھاری فرق بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ چونکہ سلسلہ موسویہ یعنی یہودی مذہب صرف ایک قوم بنی اسرائیل کے لیئے تھا ایسا ہی حضرت عیسیٰؑ بھی صرف اسی قوم بنی اسرائیل کے لیئے ہی مبعوث ہوئے تھے۔ اور وہ صرف اسرائیلیوں کے مسیح تھے نہ کسی اور قوم یا مذہب کے۔ نہ ہی انکے متعلق کسی دوسری قوم یا مذہب میں کوئی پیشگوئی موجود تھی۔ مگر چونکہ مذہب اسلام کل دنیا کے لیئے آیا اور کسی ایک قوم سے مخصوص نہ تھا اسی طرح سلسلۂ احمدیہ بھی ابتدا سے سب قوموں کے لیئے ہی ہے چنانچہ بانیٔ سلسلہ کا دعویٰ صرف یہی نہیں کہ وہ ان پیشگوئیوں کے مطابق آئے ہیں جو اسلام میں مسیح یا مہدی کے متعلق ہیں بلکہ انکا یہ بھی دعویٰ ہے کہ جسقدر قوموں کو آخری زمانہ میں کسی مصلح کے آنیکی امیدیں دی گئی ہیں ان سب کی امیدیں آپکے

ظہور سے پوری ہوئیں اور ہونگی جیسا کہ مثلاً عیسائیوں کو بھی مسیح کے دوبارہ آمد یا ایک دوسرے مسیح کے آنیکی خبر دیگئی ہے اور ہندوؤں کو کرشن اوتار کی آخری زمانہ میں ظہور کی خبر دیگئی ہے۔ اور ایسا ہی بدھ مذہب والوں کو بھی اس آخری زمانہ میں ایک عظیم الشان مصلح کی خبر دی گئی ہے یہ اس لیئے ہوا کہ تا اس آخری زمانہ میں آنیوالا مصلح اور مامور تمام قوموں کو ایک کر دے اور انکے باہمی تفرقوں اور اختلافوں کو مٹا دے۔ پس وہ مسلمانوں کیلئے مہدی۔ عیسائیوں کے لیئے مسیح اور ہندوؤں کیلئے کرشن ہوکر آئی۔

سلسلہ کی مختصر تاریخ :۔ سلسلہ احمدیہ کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ بانی سلسلہ کے ملہم من اللہ ہونیکا دعویٰ ۱۸۸۰ء میں ہی جب آپکی پہلی کتاب براہین احمدیہ شائع ہوئی عام طور پر ملک میں شائع ہو چکا تھا۔ اور پھر اسی کتاب کے ذریعہ آپکا دعویٰ مجددیت بھی بموجب حدیث ان اللہ یبعث علیٰ رأس کل مائة من یجدد لھا دینھا شائع ہوکر عام قبولیت پا چکا تھا۔ اور خود کتاب براہین احمدیہ جس میں یہ دعاوی موجود تھے اور جس میں بہت سی پیشگوئیوں کا جو پوری ہو چکی تھیں اور بہت سی پیشگوئیوں کا جو آئندہ ظہور میں آنیوالی تھیں ذکر تھا تمام اہل اسلام میں مقبول ہوئی یہانتک کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو اب اس سلسلہ کے سخت ترین دشمنوں میں سے ہیں اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں ان سب باتوں کو تسلیم کیا یعنی پیشگوئیوں کا پورا ہونا اور آپ کا منجانب اللہ ملہم اور مامور ہونا لیکن باوجود اس قبولیت کے آپ لوگوں کو بیعت میں لینے سے انکار کرتے تھے۔ پھر بمقام لدھیانہ خدائے تعالیٰ سے امر پاکر آپنے یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو یہ اشتہار شائع کیا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے بیعت لینے کا حکم فرمایا ہے اس اعلان پر بہت سے لوگ آپکی بیعت میں داخل ہونے شروع ہوئے پھر ۱۸۹۱ء میں آپنے اللہ تعالیٰ سے تصریح پاکر یہ اعلان کیا کہ مسیح بنی اسرائیلی فوت ہو چکے ہیں اور جس مسیح کے آنیکا وعدہ دیا گیا ہے وہ میں ہی ہوں اس دعویٰ پر مخالفت کا وہ شور اٹھا جسکا بیان کرنا مشکل ہے۔ ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے ہر طرح سے اس سلسلہ کی بیخکنی کی کوشش کی

مگر باوجود ان تمام مخالفتوں کے سلسلہ دن بدن ترقی کرتا گیا یہانتک کہ مئی گذشتہ میں جب اس سلسلہ کے مقدس بانی نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال کیا تو چار لاکھ کی جماعت کا اندازہ تھا۔ یہ مخالفت بھی اس سلسلہ کی صداقت کا ہی ایک ثبوت تھی کیونکہ ایسی مخالفت ہمیشہ سے خدا کے برگزیدوں کی ہی ہوتی چلی آئی ہے اور یہ اسلیئے ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ لوگوں کو اپنا ہاتھ اسکی تائید میں کام کرتا ہوا دکھا دے۔ ہر ایک چیز اپنی پیدائش کیوقت بڑی خبر گیری اور حفاظت کی محتاج ہوتی ہے مگر الٰہی سلسلے عین اپنی پیدائش کے وقت سخت سے سخت مخالفتوں کے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہیں پاؤں کے نیچے روندے جاتے ہیں انکو جڑھ سے اُکھاڑنیکی کوششیں کیجاتی ہیں۔ اب جائے غور ہے کہ اگر کوئی ہستی جو ان تمام طاقتوں سے بالاتر اور زبردست ہو اور جسکی مرضی کے بغیر دنیا کی کوئی طاقت اپنا کام نہ کرسکتی ہو اگر ایسی کوئی ہستی ان سلسلوں کی خاص حفاظت اور تائید اپنے خاص ارادہ سے نہ کر رہی ہو تو کیونکر ممکن ہے کہ وہ نہ صرف زندہ رہیں بلکہ خارق عادت طور پر بڑھتے چلے جاویں اور مخالفتیں انکا کچھ بگاڑ نہ سکیں۔

احمدیہ نام کی حقیقت:۔ احمدیہ نام اس سلسلہ کا نومبر ۱۹۰۰ء میں اختیار کیا گیا۔ اور اسکے وجوہ ایک اشتہار میں جو اُسوقت شائع کیا گیا بیان کیئے گئے تھے۔ وہ وجوہ یہ ہیں کہ قرآن شریف اور حدیث نبوی پر غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں یا دو ظہور ہیں اور آپکے دو ناموں محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں انہی دو بعثتوں کی طرف اشارہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جلالی نام تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان کامیابیوں کی طرف اشارہ تھا۔ اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم جمالی نام تھا جس میں اس صلح اور اخوت کی طرف اشارہ تھا۔ جو آپکے ذریعہ دنیا میں پھیلنی تھی۔ آپکے پہلے نام کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی میں ہوا اور دوسرے نام کا ظہور مکی زندگی میں۔ گویا احمدیہ نام رکھنے میں اصل غرض اس امر کو ظاہر کرنا ہے کہ یہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت جمالی کے ظہور کا ہے۔ اور انہی معنوں میں

غلام احمد بروز احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ۔

شرائط بیعت :۔ شرائط بیعت دس ہیں جو اول مرتبہ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو شائع کی گئیں ۔ اور ہر ایک شخص کو جو اس سلسلہ میں داخل ہو ان شرائط کا پابند ہونا ضروری ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں ۔ **اوّل** ۔ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اسوقت تک کہ قبر میں داخل ہوجائے شرک سے مجتنب رہیگا۔ **دوم** ۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور فسق وفجور ظلم اور خیانت فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا۔ اور نفسانی جوشوں کے وقت انکا مغلوب نہ ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔ **سوم** یہ کہ بلاناغہ پنجوقت نماز موافق حکم خدا و رسول کے ادا کرتا رہیگا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کریگا اور دلی محبت سے اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کرکے اسکی حمد اور تعریف کو ہر روزہ اپنا ورد بنائیگا۔ **چہارم** ۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہ دیگا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔ **پنجم** ۔ یہ کہ ہر حال رنج و راحت عُسر و یُسر اور نعمت و بلا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کریگا اور بہر حالت راضی بقضاء ہوگا ۔ اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنیکے لیے اسکی راہ میں تیار رہیگا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہ پھیریگا بلکہ قدم آگے بڑھائیگا ۔ **ششم** ۔ یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا وہوس سے باز آجائیگا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کرلیگا ۔ اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دیگا ۔ **ہفتم** ۔ یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دیگا ۔ اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا ۔ **ہشتم** ۔ یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردئ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھیگا ۔ **نہم** ۔ یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہیگا اور جہانتک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائیگا ۔ **دہم** ۔ یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت

محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھے۔ اسپر تا وقت مرگ قائم رہیگا اور اس عقد اخوت
میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ کہ اسکی نظیر دنیوی رشتوں اور ناطوں اور تمام خادمانہ حالتوں
میں پائی نہ جاتی ہو۔

اہم مقصد :- سلسلہ احمدیہ کا اہم مقصد اور اس مشن کی اصل غرض دنیا میں یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ پر ایمان کو از سر نو زندہ اور تازہ کرکے انسان کو پاکیزگی کی راہوں پر چلاوے اور گناہ سے نجات پانیکی راہ بتاوے۔ اس سلسلہ کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف اسی میں شامل ہو کر انسان ان راہوں کو پا سکتا ہے۔ اور اس دعوے کی تشریح یوں کیجاتی ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ پر ایمان صرف منہ کی ایک بات ہے جب تک کہ دل اس صداقت کے تیقن سے بھرا ہوا نہ ہو جس کا اقرار منہ سے کیا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی ہستی پر قدرت کے ملاحظہ سے بھی دلائل پیدا ہوتے ہیں مگر یہ دلائل صرف اس منطقی نتیجہ تک انسان کو پہنچا سکتے ہیں کہ خدا ہونا چاہیئے۔ مگر اس خدا کو پہچاننا اور یقین سے جان لینا کہ واقعی وہ ہے بھی یہ ایک بالکل الگ امر ہے اور اس کا حصول صرف اسی طرح سے ہو سکتا ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت اور علم کے خارق عادت نمونے دیکھے جاویں جنکا اظہار صرف انبیاء و رسل کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے اور قدیم سے یہی سُنت الٰہی چلی آئی ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسے اوقات میں جب زندہ ایمان لوگوں کے دلوں سے نیست و نابود ہو جاتا ہے اپنے انبیاء کے ذریعہ اپنی عظیم الشان قدرتوں کا اظہار بذریعہ خارق عادت نشانوں کے کرکے اپنی ہستی کا یقین لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے جس سے انکی زندگی میں ایک پاک تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ ایسی ہی ضرورت اس زمانہ میں ہے کیونکہ گذشتہ انبیاء کے نشان بطور قصوں کے ہو گئے ہیں۔ اور انسے دلوں کے اندر وہ زندہ اور قوی ایمان پیدا نہیں ہوتا جو گناہ سوز ایمان کہلا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاقی حالتیں اس درجہ تک گر گئی ہیں اور روحانیت سے لوگ بے بہرہ ہو گئے ہیں۔ اس لیئے اسوقت میں خدائے تعالیٰ نے اپنا ایک مامور بھیجا اور وہ وہی مامور ہے جسکا آخیر زمانہ میں آنیکا ابتدا سے وعدہ دیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ جس نے وعدہ دیا تھا وہ اس بات کو جانتا تھا کہ آخری

زمانہ میں ایک مامور کی ضرورت ہوگی۔ پس اسی وعدہ اور ضرورت کے مطابق ایمان اور مذہب کو زندہ کرنیکے لیئے اللہ تعالیٰ نے ایک مامور کو مبعوث فرمایا ہے تاکہ خدا کی ہستی کا یقین وہ دلوں میں پیدا کرے اور انکو خدا کی قدرتوں کے وہ نمونے دکھاوے جو انسے پہلے انبیاؑ کے وقتوں میں لوگوں نے دیکھے۔ کیونکہ جبتک ایسا زندہ ایمان دل میں پیدا نہ ہو گناہ کی غلامی سے انسان نجات نہیں پا سکتا۔ یقین کے بغیر انسان گناہ سے نجات نہیں پا سکتا۔ اور خدائے تعالیٰ کی قدرت اور علم کی تازہ بتازہ تجلیات کے مشاہدہ کے بغیر یقین کا پیدا ہونا ناممکن ہے اور تازہ نشان خدا کی قدرت کے بغیر وساطت مامور من اللہ اور نبی کے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ ایسا ہی ایک مامور (جسکے ذریعہ سے دلوں میں نور ایمان پیدا ہوتا ہے) بانیٔ سلسلہ احمدیہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ انکے پیچھے چلتے ہیں وہ حسب استعداد بتدریج طہارت اور پاکیزگی اور تعلق باللہ میں ترقی کرتے ہیں۔ ان معنوں میں یہ سلسلہ ہی ایک سلسلہ ہے جو دنیا میں مذہب کو زندہ کرنیوالا ہے۔

ایک بڑی غلطی کی اصلاح:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ صلیب پر فوت ہوئے اور پھر تیسرے دن جی اُٹھے اور اب آسمان پر زندہ ہیں۔ عام مسلمانوں کا اسکے برخلاف یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں چڑھائے گئے بلکہ زندہ ہی آسمان پر اُٹھا لیئے گئے۔ سلسلہ احمدیہ کی تعلیم کے رو سے یہ دونوں خیال غلط ہیں اور قرآن شریف ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہم اس بات پر ایمان لائیں کہ مسیح زندہ نہیں بلکہ فوت ہو چکے اور کہ انکی موت بذریعہ صلیب واقع نہیں ہوئی۔ نیز بہت سی تاریخی شہادت اناجیل اور دیگر ذرائع سے ایسی ملتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے گئے مگر زندہ ہی غشی کی حالت میں اتارے گئے پھر وہ صحت پاکر افغانستان اور کشمیر کی طرف آگئے اور آخر ملک کشمیر کے شہر سری نگر محلہ خانیار میں مدفون ہوئے جہاں انکی قبر ابتک موجود ہے۔ اور یوز آسف اور نبی صاحب کی قبر کہلاتی ہے۔ تاریخی شہادت ان امور کے متعلق حسب ذیل پیش کیجاتی ہے۔

اول۔ اناجیل کی شہادت۔ (۱) حضرت مسیح نے پیشگوئی کے طور پر اپنے آپ کو

یونسؑ سے مشابہت دی (متی ۱۲ باب - ۳۹ و ۴۰ آیت - لوقا ۱۱ باب - ۲۹ و ۳۰ آیت) لیکن یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں مرے نہیں تھے بلکہ صرف مردہ سی حالت انکی ہوگئی تھی۔ اسلیئے حضرت عیسیٰؑ کی پیشگوئی کا منشاء یہ تھا کہ وہ بھی اگرچہ کالمیت ہوجائیں گے مگر یونسؑ کی طرح زندہ ہی رہیں گے اور مریں گے نہیں (۲) حضرت مسیحؑ نے کہا کہ میں بنی اسرائیل کی گم شدہ اقوام کی طرف بھیجا گیا ہوں (متی $\frac{15}{24}$) اور کہ میں اس لیئے آیا ہوں کہ تا انکو جو کھوئے جاچکے ہیں تلاش کروں (لوقا $\frac{19}{1}$) اب یہ یقینی امر ہے کہ ملک شام میں جو یہودی تھے وہ صرف بنی اسرائیل کی دو قومیں تھیں اور باقی دس قومیں بہت عرصہ پہلے مشرق میں آباد ہوچکی تھیں۔ پس گم شدہ بھیڑوں کا لفظ جنکو تلاش کرنا ضروری تھا انپر بہ نسبت شامی اسرائیلیوں کے زیادہ صادق آتا ہے اور صلیب کے واقعہ کے بعد انہی کی طرف حضرت عیسیٰؑ چلے گئے۔ (۳) پیلاطوس کی بیوی کی خواب (متی $\frac{27}{19}$) بھی حضرت مسیح کے بچ جانیکی طرف اشارہ کرتی ہے۔ کیونکہ اگر منشاء الٰہی آپ کو بچانیکا نہ ہوتا تو فرشتہ کیوں پیلاطوس کی بیوی کو خواب میں ڈراتا کہ اسے مسیح کے بچانیکی کوشش کرنی چاہیئے۔ (۴) بڑی زبردست شہادت حضرت مسیح کی وہ دعا ہے جو آپنے واقعہ صلیب سے پہلی رات مانگی۔ کیونکہ ایک پرہیزگار اور نیک آدمی کی دعا جو ایسے اضطرار اور مصیبت کی حالت میں کیجاوے کبھی رد نہیں ہوسکتی۔ پس خدائے تعالیٰ نے ضرور انکو وعدہ دیا ہوگا کہ میں تمھیں بچا لونگا اور معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ نے ایلی ایلی لما سبقتانی پکارا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کا وہ وعدہ ہی پیش کر رہے تھے۔ عبرانیوں پانچ باب ساتویں آیت نے اس دعا کے قبول ہوجانے اور مسیحؑ کے بچایا جانیکو ایسا قطعی طور پر ثابت کردیا ہے کہ اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ کیونکہ وہاں لکھا ہے کہ "اسنے اپنے مجسم ہونیکے دنوں میں بہت رو رو آنسو بہا بہا کے اس سے جو اسکو موت سے بچا سکتا تھا دعائیں اور منتیں کیں۔ اور اس کے تقوے کے سبب اسکی دعا سنی گئی"۔ (۵) حضرت مسیح صلیب پر بہت ہی تھوڑا وقت رہے۔ حالانکہ صلیب کی موت بہت آہستہ واقع ہوتی

تھی اور کئی کئی دن تک لوگ صلیب پر زندہ رہ جاتے تھے۔ جن دو آدمیوں کو مسیح کے
ساتھ صلیب پر چڑھایا گیا تھا وہ یقینی طور پر اس وقت تک زندہ تھے جب اُتارے
گئے۔ (۶) دوسرے دو آدمیوں کی ٹانگیں محض اس لیئے توڑی گئیں کہ تا موت کا یقین
ہو جاوے۔ مگر مسیحؑ کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں۔ (۷) برچھے کو پہلو میں چبھونے سے
خون نکلا جو صحیح علامت زندگی کی ہے۔ (۸) پیلاطوس کو بھی یقین نہیں آیا کہ مسیح
اتنی جلدی مر گیا (مرقس ۱۵/۴۴) (۹) مسیحؑ کو دو سرے مجرموں کی لاشوں کے ساتھ
نہیں ملایا گیا اور نہ ہی جہاں وہ دفن ہوتے تھے اسے دفن کیا گیا بلکہ ایک فراخ کمرے
میں بڑی آسائش کے ساتھ رکھا گیا (۱۰) تیسرے دن جب اس کمرے کو دیکھا گیا
تو پتھر دروازے پر نہ تھا اگر حضرت مسیحؑ خارق عادت طور پر جی اُٹھے ہوتے تو پتھر کے
دروازہ سے ہٹانے کی ضرورت پیش نہ آتی بلکہ یہ واقعہ صاف بتا رہا ہے۔ کہ خود مریدوں نے
پتھر کو دروازہ سے ہٹا کر آپ کو باہر نکالا۔ (۱۱) مریم نے جب آپ کو دیکھا تو اس نے
خیال کیا کہ وہ باغبان ہے (یوحنا ۲۰/۱۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے باغبان
کا بھیس بدل لیا تھا تا کہ کوئی پہچان نہ سکے اگر مُردوں سے جی اُٹھے ہوتے تو بھیس بدلنے
کی ضرورت کوئی نہ تھی۔ (۱۲) حواریوں سے جب آپکی ملاقات ہوئی تو اسی خاکی جسم
کے ساتھ ہوئی جسمیں گوشت اور ہڈیاں اور خون ہے اور زخم اتنے گہرے تھے کہ ان
میں ہاتھ پڑ سکتا تھا۔ اور آپ کو بھوک بھی لگی اور جسطرح حواریوں نے کھانا کھایا آپنے
بھی کھایا۔ (لوقا ۲۴ باب۔ ۳۹۔ ۴۳ آیت) (۱۳) حضرت مسیح نے دو مریدوں کے ساتھ
گلیل کا سفر اختیار کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یروشلم سے بھاگ کر گلیل کو چلے
گئے بعینہٖ اسی طرح جسطرح کوئی اور انسان ایسے ہی حالات کے ماتحت چلا جاتا۔ اگر
آپ کا مقصد آسمان پر چڑھنے کا تھا تو گلیل کا سفر بے معنی تھا۔ (۱۴) واقعہ صلیب کے بعد
آپ ہمیشہ اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتے رہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو
اندیشہ تھا کہ یہودیوں کو اصل حال معلوم نہ ہو جائے۔ مردوں میں سے جی اُٹھے ہوئے
مسیح کو اپنے آپ کو چھپانے کی بجائے کھلے طور پر یہ معجزہ یہودیوں کو دکھانا چاہیئے تھا۔

دوئیم - باقی شہادتیں جو پیش کیجاویں گی وہ تاریخی رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں اور خصوصیت سے کسی ایک مذہب سے تعلق نہیں رکھتیں - ان میں ایک مرہم عیسیٰ کی شہادت ہے۔ جسکے دوسرے نام مرہم حوارین اور مرہم رسل اور مرہم شلیخا بھی ہیں - اس مرہم کا ذکر طب کی اکثر کتابوں میں پایا جاتا ہے یہ وہ مرہم ہے جسکے متعلق یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ کے لیئے تیار کی تھی - اور خود مختلف قسم کے ناموں سے بھی ظاہر ہے کہ اس مرہم سے حواریوں کا بھی ویسا ہی تعلق ہے جیسا حضرت عیسیٰؑ کا - اس مرہم کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ یہ زخموں کے اچھا کرنے میں بہت نافع ہے چونکہ یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا - کہ صلیب کے علاوہ کوئی اور زخم بھی حضرت عیسیٰؑ کو لگے تھے - اس لیئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ مرہم صلیب کے موقع پر ہی زخموں پر لگانے کے لیئے تیار کی گئی تھی اور اسی کا اعجازی اثر تھا کہ اتنی تھوڑی دیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام چلنے پھرنے کے اور گلیل تک کا لمبا سفر اختیار کرنیکے قابل ہو گئے -

سوئیم - سری نگر محلہ خانیار میں جو قبر ایک نبی کی ملی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے - جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ وہاں سے زندہ بچکر اس طرف آگئے اور یہیں فوت ہو کر دفن ہوئے - اس کے ثبوت میں حسب ذیل شہادتیں پیش کیجاتی ہیں - (۱) زبانی روایتیں جو نسلاً بعد نسل کشمیر کے لوگوں میں چلی آئی ہیں اور جنکے متعلق پانچسو آدمی کی دستخطی شہادت لی گئی ہے کہ واقعی یہ روایتیں قدیم سے چلی آتی ہیں - کہ قبر مذکور یوز آسف کی قبر ہے جو نبی بھی تھا اور شہزادہ بھی - جو کسی مغربی ملک سے قریب اُنیس سَو سال ہوئے کشمیر میں آیا تھا - اس قبر کو نبی صاحب یا عیسیٰؑ صاحب کی قبر بھی کہتے ہیں - (۲) تاریخ اعظمی جو ایک تاریخی کتاب قریباً دو سَو سال کی ہے - اسکے صفحہ ۸۲ پر اس قبر کے متعلق یہ شہادت درج ہے "سید نصیر الدین کی قبر کے ساتھ ایک نبی کی قبر مشہور ہے وہ ایک شہزادہ تھا جو غیر ملک سے کشمیر میں آیا وہ زہد تقویٰ اور عبادت میں کامل تھا - خدا کی طرف سے نبی بنایا گیا اور

اہل کشمیر کی دعوت میں مشغول ہوا اسکا نام یوز آسف تھا۔ بہتسے اہل کشف اور خصوصاً میرے مرشد نے شہادت دی ہے کہ اس قبر سے برکاتِ نبوت ظاہر ہوتے ہیں۔" (۳) کتاب اکمال الدین میں جو قریباً ایک ہزار سال کی تحریر ہے صفحہ ۳۵۹ پر لکھا ہے "وہ (یوز آسف) بہتسے ملکوں اور شہروں میں پھرتا ہوا اس ملک میں آیا جسکا نام کشمیر ہے وہاں اس نے زندگی بسر کی اور وہاں ٹھہرا رہا یہانتک کہ موت کا وقت آگیا اور اس نے خاکی جسم کو چھوڑا اور نور کی طرف اسکا رفع ہوا۔ پھر بابد کو حکم کیا کہ میرے لیئے ایک مکان یعنی مقبرہ بنا۔" (۴) جوزف جیکبس جس نے یوز آسف کے قصوں کو جمع کرنے میں بہت محنت کی ہے۔ ایک بڑے پرانے قصے کے حوالے سے لکھتا ہے کہ یوز آسف اخیر میں کشمیر پہنچا اور وہاں ہی فوت ہوا۔ (۵) مندرجہ ذیل واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوز آسف یسوع ہی ہے ؛ ا۔ یوز آسف کی قبر کو بعض لوگ عیسیٰ صاحب کی قبر بھی کہتے ہیں۔ ب۔ مسلمان اسکو نبی کہتے ہیں اس لیئے یہ قبر کسی مسلمان ولی کی نہیں ہو سکتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں میں کوئی شخص نبی کے نام سے مشہور نہیں ہوا۔ لفظ نبی یا عبرانی میں ہے یا عربی میں۔ لیکن چونکہ کوئی نبی عربی سوائے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہوا اس لیئے ضرور ہے کہ یہ کسی عبرانی نبی کی قبر ہو۔ ج۔ جو زمانہ یوز آسف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ د۔ یوز اور یسوع اسقدر ایک دوسرے سے ملتے جلتے نام ہیں کہ ایک شخص بڑی آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ یسوع ادنیٰ تصرف سے یوز بن گیا۔ ہ۔ بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ یوز آسف ایک اسرائیلی تھا جو ملک شام سے بھاگ کر آیا تھا۔ اب چونکہ وہ نبی ہے اور کسی نبی کے واقعات زندگی ایسے نہیں ہیں جو ہم اسکی طرف ملک شام سے بھاگنا منسوب کر سکیں سوائے مسیحؑ کے۔ اور پھر جب زمانہ بھی وہی ہے تو یہ نتیجہ اور بھی یقینی ہو جاتا ہے۔ و۔ صرف نبی ہی نہیں بلکہ یوز آسف شہزادہ کے نام سے بھی پکارا گیا ہے اور یہ واقعہ اسکو صاف طور پر مسیح ثابت کرتا ہے۔ ز۔ یوز آسف کی تعلیم حضرت مسیح کی تعلیم سے بہت ملتی جلتی ہے یہانتک کہ بعض تمثیلیں بالکل مطابق ہیں۔ مندرجہ ذیل تمثیل کا جو یوز آسف کی تعلیم میں پائی جاتی

ہے مسیح کی بیان کردہ تمثیل سے جو متی ۱۳ مرقس ۴ لوقا ۸ میں پائی جاتی ہے مقابلہ کرو۔ "جب کسان بیج بوتا ہے تو کچھ دانے راستہ پر گرتے ہیں جنکو پرندے چگ جاتے ہیں کچھ پتھریلی زمین میں گرتے ہیں اور جب انکی جڑھیں پتھر کی سطح تک پہنچتی ہیں تو وہ سوکھ جاتے ہیں بعض دانے کانٹوں میں گرتے ہیں۔ اور بعض دانے اچھی زمین میں گرتے ہیں اور اگرچہ وہ تھوڑے ہوتے ہیں مگر وہ اُگتے ہیں اور بڑھتے ہیں اور پھل لاتے ہیں۔ کسان سے مراد حکیم ہے اور بیج سے اسکے کلمات حکمت۔ جو دانے راستے پر گرتے ہیں انکی مثال ان حکمت کی باتوں کی طرح ہے جو ایک کان میں آتی ہیں اور دوسرے سے نکل جاتی ہیں۔ جو دانے پتھریلی زمین میں گرتے ہیں وہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو دل میں نہیں بیٹھتیں۔ جو دانے کانٹوں پر گرتے ہیں انسے مراد وہ کلمات حکمت ہیں جنپر عمل کرنیسے انسان کو اسکی شہوات رکتی ہیں۔ جو دانے اچھی زمین میں گرتے ہیں انکی مثال ان حکمت کے کلموں کی طرح ہے جو دل میں جڑھ پکڑتے ہیں اور اپنا پھل لاتے ہیں اور انسان اپر عمل کرنیسے نیک چلن انسان بنتا ہے" ح۔ اس سے بھی بڑھکر یہ بات حیرت میں ڈالنے والی ہے کہ یوزآسف اپنی کتاب کا نام بشریٰ رکھتا ہے جو بعینہ انجیل ہے۔ جیساکہ اکمال الدین کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔ "حتّی بلغ فضاء واسعا فرفع راسہٗ فرای شجرۃ عظیمۃ علی عین ماء احسن مایکون من الشجر واکثرھا فرعا وغصنا واملاھا ثمرا وقد اجتمع الیہ من الطیر مالا یعد کثرۃ۔ فسرّ بذلک المنظر وفرح بہ وتقدم الیہ حتّی دنی منہ وجعل یعتبرہ ویفسرہ الشجرۃ بالبشریٰ التی دعا الیھا وعین الماء بالحکمۃ والعلم والطیر بالناس الذین یجتمعون الیہ ویقبلون منہ الدین" ترجمہ۔ یہانتک کہ وہ یعنی یوزآسف ایک وسیع میدان میں پہنچا۔ اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ بڑا درخت ایک چشمہ کے کنارہ پر کھڑا ہے نہایت ہی خوبصورت بہت شاخوں اور ٹہنیوں والا نہایت میٹھے پھل والا اور اسپر بے شمار پرند جمع ہیں پس وہ اس نظارہ سے نہایت خوش ہوئے۔ اور اس درخت کی طرف بڑھے یہانتک کہ اسکے

پاس پہنچے اور اسکی تعبیر کرنے لگے۔ درخت کو انہوں نے اس بشارت سے مشابہت دی جسکی طرف وہ لوگوں کو بلاتے تھے۔ اور چشمۂ آب کو علم و حکمت سے مشابہت دی اور پرندوں کو ان لوگوں سے جو آپ کے پاس جمع ہوتے اور آپ کا دین قبول کرتے۔" یہاں لفظ بشریٰ جو انجیل کا مرادف ہے یوزآسف کی کتاب کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جس سے صاحب کتاب کا صاف نشان ملتا ہے۔ ط۔ یوزآسف کی کتاب کا ترجمہ بہت عرصہ سے یورپ کی قریباً کل زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اور عیسائی دنیا اسے بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے یہانتک کہ ایک گرجا بھی اسکے نام پر سسلی میں بنایا گیا ہے۔ اس عزت سے جو عیسائیوں نے یوزآسف کو دی ہے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے یوزآسف اور یسوع کو ایک ہی نہیں سمجھا تو کم از کم یوزآسف کو یسوع کے حواریوں میں سے سمجھا ہے کیونکہ زمانہ یوزآسف اور یسوع کا ایک ہی ہے اس بات کا بار ثبوت عیسائیوں کے ذمے ہے کہ وہ ثابت کریں کہ کونسا حواری حضرت مسیحؑ کا یوزآسف کہلاتا تھا اور پھر نبی اور شہزادہ بھی اسکے لقب تھے۔ ی۔ عیسائی محققوں نے یہ کوشش کی ہے کہ یوزآسف کو بدھ ثابت کریں۔ چنانچہ ایک تازہ کوشش یہ کیگئی ہے کہ یوزآسف بودی ستوا سے بگڑا ہوا ہے جو بدھ کا نام ہے۔ لیکن محض یہ امکان کہ ایک لفظ سے بگڑ کر دوسرا لفظ بن سکتا ہے ثبوت کا قائم مقام نہیں ہے۔ اور جبکہ یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ بدھ سری نگر کشمیر میں دفن نہیں بلکہ یہ کوئی اور شخص ہے جو بدھ سے الگ ہے تو لازماً اسے یسوع ماننا پڑیگا۔

چہارم۔ جس مسیحؑ کا اسرائیلیوں کو وعدہ دیا گیا تھا وہ کل اقوام بنی اسرائیل کیلئے مسیح ہوکر آنیوالا تھا۔ نہ ایک یا دو قوموں کی طرف۔ مگر یہ یقینی امر ہے کہ بنی اسرائیل کی بارہ اقوام میں سے دس قومیں حضرت مسیح کی پیدائش سے بہت مدت پہلے مشرق میں آباد ہو چکی تھیں پس مسیحؑ اپنی قوم کا مبلغ کبھی نہیں ہو سکتا تھا جبتک کہ وہ ان دس قوموں کی طرف نہ آتا۔ مندرجہ ذیل شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل کی دس اقوام میں سے ہیں۔ (۱) افغان بالاتفاق یہ دعوئی کرتے ہیں کہ وہ

اسرائیلی نسل سے ہیں۔ یہ بات حقیقت سے خالی نہیں ہو سکتی کیونکہ مذہبی طور پر افغانوں کو یہود سے سخت نفرت ہے پس اگر وہ واقعی بنی اسرائیل کی نسل سے نہ ہوتے تو ہرگز اپنے آپ کو اس قوم کی طرف منسوب نہ کرتے۔ انکے پاس نسب نامے بھی موجود ہیں جنہیں سلسلہ نسل اسرائیل سے جا ملتا ہے۔ اور یہ افغانوں کا نیا دعویٰ نہیں بلکہ قدیم سے وہ یہی دعوے کرتے چلے آئے ہیں۔ (۲) ظاہری خط و خال میں افغان اور کشمیری ان لوگوں سے نہیں ملتے جو انکے پڑوس میں رہیں مگر یہودیوں سے انکو ایسی مناسبت ہے کہ ایک شخص دھوکا کھا سکتا ہے۔ (۳) لباس میں۔ رسم و رواج میں۔ اخلاق اور اطوار میں بھی ایسی ہی مشابہت افغانوں اور کشمیریوں کی یہودیوں سے پائی جاتی ہے۔ (۴) افغانوں کے بعض قبائل کے نام اور کشمیر کے بعض مقامات کے نام صاف بتاتے ہیں کہ وہ اسرائیلی نام ہیں۔ (۵) افغانستان اور کشمیر میں بہت سے ایسے شہر ہیں جنکے نام یہودیوں کے قدیم وطن کے شہروں اور قصبوں کے ناموں سے ملتے ہیں۔ اس میں ہمیں انسانی طبیعت کا یہ میلان نظر آتا ہے کہ جب وہ ایک مقام کو چھوڑکر دوسرے مقام کو جا آباد کرتے ہیں تو اپنے شہروں وغیرہ کے نام وہاں بھی رکھ لیتے ہیں۔ مندرجہ ذیل ناموں کا مقابلہ صاف بتاتا ہے کہ یہ اتفاقی بات نہیں۔ مثلاً کابل۔ پونچھ۔ زیدا۔ جمس۔ گلگت تبت۔ لاسہ لداخ۔ لیہ۔ سورد۔ سکیت کا مقابلہ قدیم شام کے ان ناموں سے کرو۔ کابل۔ فونیشیا۔ زیدان۔ جمس۔ گلگو تھا۔ تبتھ۔ لاشا۔ لادح۔ سیحی۔ تسور۔ سکوتھ (۶) بڑے بڑے مشہور سیاحوں نے یہ شہادت دی ہے کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

مسیح کی آمد ثانی کا عقیدہ:- حضرت مسیح کے وفات یافتہ ثابت ہونیکی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسیح کی آمد ثانی کے کیا معنے ہیں۔ جسکا آخری زمانہ میں وعدہ دیا گیا تھا۔ اس مسئلہ پر دو مختلف پہلوؤں سے بحث پیدا ہوتی ہے۔ یعنی ایک عیسائی مذہب کے تعلق سے اور دوسرا اسلام کے تعلق سے۔ کیونکہ مسیح موعودؑ کی آمد کا دونوں مذہبوں کے لوگوں کو انتظار رہے۔ اور اپنے اپنے رنگ میں وہ اسکے الگ الگ معنے

کرتے ہیں۔ اول ہم مسیحی مذہب کے رو سے اس عقیدہ پر بحث کرتے ہیں سو واضح ہو کہ عیسائیوں کو جو مسیحؑ کی آمد ثانی کی امید دلائی گئی تھی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک وہ آمد ثانی اسی قبیل سے ہے جیسی کہ الیاسؑ کی آمد ثانی حضرت مسیحؑ سے پہلے تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ یہودیوں کو یہ وعدہ دیا گیا تھا کہ سچے مسیحؑ کی جو انکے درمیان آنیوالا ہے یہ نشانی ہے کہ اس سے پہلے الیاسؑ کی آمد ثانی ہوگی۔ اور جھوٹے مدعیوں اور سچے مدعی میں یہی امتیاز بتایا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ مسیحؑ نہیں آئیگا جبتک کہ الیاسؑ آسمان سے نہ اترے اور اسکی آمد ثانی نہ ہولے۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مسیح ہونیکا دعویٰ کیا تو قبل اسکے کہ یہودی کوئی اور معجزہ یا نشان اس سے طلب کریں انہوں نے یہی کہا کہ ضرور تھا کہ مسیحؑ صادق سے پہلے الیاسؑ دوبارہ آوے سو الیاسؑ کہاں ہے جس کا جواب حضرت مسیحؑ نے یہ دیا کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا ہی الیاسؑ ہے کیونکہ وہ اسکی قوت اور طبیعت میں آیا ہے یعنی اسی کے روحانی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ پس جسطرح خود حضرت مسیحؑ الیاسؑ کی آمد ثانی کا فیصلہ انیس سو برس پہلے کر چکے ہیں اسی طرح آج مسیح ثانی اور آخری زمانہ کا مسیح موعودؑ مسیحؑ کی آمد ثانی کا فیصلہ کرتا ہے اور آمد ثانی کے وہی معنے کرتا ہے جو اس سے پہلے مسیحؑ نے کئے اور اس نظیر کو پیش کرتا ہے جس سے کوئی عیسائی انکار نہیں کر سکتا۔ یعنی یہ کہ مسیحؑ کی آمد ثانی سے مراد ایک ایسے شخص کی آمد ہے جو اسی کے رنگ اور خو میں آوے۔ چنانچہ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ مسیح موعودؑ کے دعوے سے کئی سال پہلے براہین احمدیہ میں حضرت مرزا صاحب اپنا رؤیا شائع کر چکے تھے کہ گویا وہ اور مسیحؑ ایک جوہر کے دو ٹکڑے ہیں۔ یعنی روحانیت میں ایک ہی ہیں اور اسکے علاوہ وہ الہامات بھی شائع کر چکے تھے جن میں آپ کو عیسیٰؑ کے نام سے پکارا گیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ رؤیا اور الہامات اسوقت شائع ہوئے جب ابھی مسیح موعود کے دعوے کا نام و نشان بھی نہ تھا بلکہ مسیحؑ کی آمد ثانی کے معمولی مروجہ عقیدہ پر جو اہل اسلام کے اندر چلا آتا ہے وہ قائم تھے جیساکہ خود اپنی کتاب براہین احمدیہ میں آپنے اُسوقت لکھ بھی دیا۔ پس یہ تو صاف ثابت ہوگیا کہ یہ کوئی بناوٹ نہ تھی کئی سال پہلے اس بات کو مدنظر

دیکھکر کہ آئندہ مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کریں گے ایسے رؤیا اور الہامات شائع کردیئے
جنمیں آپ کا مسیحؑ کے ساتھ روحانی رنگ میں ایک ہونا اور مماثلت کا اس درجہ تک
پہنچ جانا کہ اللہ تعالیٰ بھی آپ کو عیسیٰؑ کے نام سے ہی پکارے ثابت ہوتا ہے۔ بعد میں
مسیح کی آمد ثانی کے سمجھنے کرنے میں مدد ملے کیونکہ اگر ایسی بناوٹ ہوتی اور یہ محض افترا
ہوتا تو کبھی ممکن نہ تھا کہ اسی کتاب میں مسیحؑ کی آمد ثانی کے مروجہ عقیدہ کو لکھدیتے۔ پس
جبکہ ایسی مماثلت اس درجہ تک موجود ہے تو اب مسیحؑ کی آمد ثانی سے آپکی آمد مراد
ہونا کچھ بھی مستبعد نہیں ہے بلکہ یوحنا اور الیاسؑ کی نظیر کو مدنظر رکھکر اور مسیحؑ کے
فیصلہ کو عزت کی نگاہ سے دیکھکر یہ قطعی طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ اس مسیحؑ ثانی کی
آمد ہی مسیحؑ اول کی آمد ثانی ہے۔

دوسرا پہلو دعوے مسیحیت کا متعلق بہ اسلام ہے۔ اسلامی رنگ میں سلسلہ احمدیہ
مسیح موعودؑ کے آنیکو اس طرز پر مانتا ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ نے اسرائیلی شریعت کی بنیاد
حضرت موسیٰؑ کے ساتھ رکھی۔ اور پھر اس موسوی سلسلہ کا خاتمہ اسکے اخیر میں ایک مسیحؑ
بھیجکر کیا۔ پس اس موسوی سلسلہ میں اوّل سلسلہ حضرت موسیٰؑ اور آخر سلسلہ حضرت عیسیٰؑ
تھے۔ پھر خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو یہ بھی وعدہ دیا تھا کہ میں تیرے بھائیوں میں سے
تیری مانند ایک نبی اُٹھاؤنگا۔ استثناء ۱۸-۱۸۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کو ابتدائے
زمانہ نبوی میں یہ فرمایا کہ ہم نے تجھے موسیٰ کی مثل بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ سورۃ مزمل کی
آیت انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون
رسولا اسپر شاہد ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی وعدہ دیا گیا کہ اس اُمت
محمدیہ میں خلفاء قائم کیئے جائیں گے مثل ان خلفاء کے جو اُمت موسویہ میں بنائے
گئے۔ جیسا کہ آیت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم
(سورۃ نور) اسپر شاہد ہے۔ پس جیسا کہ سلسلۂ موسویہ کے اوّل یعنی حضرت موسیٰؑ کا
مثیل نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کو ٹھہرایا گیا تھا۔ ایسا ہی مطابق وعدہ سورہ نور کے یہ
ضروری تھا۔ کہ خاتم سلسلۂ موسویہ یعنی حضرت عیسیٰؑ کا مثیل سلسلۂ محمدیہ کے اخیر پر مبعوث

کیا جاتا۔ یعنی جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کا خاتم الخلفاء ایک مسیح تھا ویسا ہی ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الخلفاء ایک مسیح بھیجا جاتا۔ بانی سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ ہے کہ وہ اس وعدہ کے مطابق دنیا میں بھیجا گیا ہے اور حدیثوں میں جو مسیح ابن مریم کے آنیکا وعدہ ہے وہ بھی قرآن شریف کے اسی وعدہ کے مطابق ہے ورنہ حدیث قرآن شریف کے خلاف ہو گی کیونکہ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ تم میں سے ہی خلیفے پیدا ہونگے جس وعدہ کے لحاظ سے ضروری ہوا کہ باہر سے کوئی خلیفہ نہ آئے۔ اس سے حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد کی تکذیب ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل امور سے اس مماثلت کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے (۱) یہودی ایک ایسے مسیح کے منتظر تھے جو دنیوی شان و شوکت والا ہو اور زمینی سلطنت یہود کی قائم کرے۔ جسکا غلبہ کل دنیا پر ہو۔ بعینہٖ اسی طرح مسلمان ایک ایسے مسیح کے منتظر ہیں جو ظاہری شان و شوکت والا ہو اور اسلام کی سلطنت کل دنیا پر قائم کرے۔ (۲) جسطرح پر یہودیوں کے لیئے ایک ایسا مسیح بھیجا گیا جس نے انکی ظاہری شان و شوکت کی امیدوں کو خاک میں ملا دیا ایسا ہی مسلمانوں میں ایک ایسا مسیح بھیجا گیا جو صلح کا پیغام لیکر آیا ہے۔ اور ظاہری جنگ و جدال سے متنفر ہے اور مسیح ابن مریم کی طرح صلح اور آشتی سے دنیا میں اپنا پیغام پھیلانا چاہتا ہے۔ اور دلائل اور نشانوں سے وہ کام لے رہا ہے جسکو مسلمان اپنی غلطی سے یہودیوں کی طرح تلوار سے لینا چاہتے ہیں۔ (۳) حضرت عیسیٰؑ کی آمد کے وقت یہودی بہت سے فرقوں میں منقسم ہوئے تھے ایسا ہی حال مسلمانوں کا اسلامی مسیحؑ کے آنیکے وقت ہے۔ (۴) اس ملک میں جہاں اسرائیلی مسیحؑ ظاہر ہوا اسرائیلیوں کی سلطنت جاتی رہی تھی اور وہ بطور رعایا کے تھے۔ ایسا ہی اس ملک ہند میں جہاں اسلامی مسیحؑ ظاہر ہوا ہے اسلامیوں کی سلطنت جاتی رہی ہے اور وہ بطور رعایا کے رہتے ہیں۔ (۵) خود وہ گورنمنٹیں جنکے نیچے یہ دونوں مسیحؑ اپنے اپنے زمانوں میں پیدا ہوئے آپس میں مشابہت رکھتی ہیں اور رومی انگریزی گورنمنٹ کی مشابہت کو عیسائی صاحبان نے بھی بارہا تسلیم کیا ہے (۶) جیساکہ یہودی مسیحؑ اسرائیلی کے آنیکے وقت راستبازی اور

نیکی کے طریقوں کو چھوڑ چکے تھے یہی حال اسلامی مسیح کے آنیکے وقت مسلمانوں کا ہے۔
(۷) جب یہودیوں نے اپنے مسیح کو سخت ایذائیں دیں تو ان پر طاعون بھیجی گئی۔ ایسا ہی اس ملک میں بھی مسیح کے ایذا دیئے جانے پر خدا نے طاعون کا خطرناک عذاب بھیجا ہے۔
(۸) جیسا کہ یہودیوں نے اپنے مسیح کو عدالتوں میں گھسیٹا اور عدالتوں کے ذریعہ مروا ڈالنا چاہا ایسا ہی یہاں بھی ہوا یعنی اسلامی مسیح پر اقدام قتل کا مقدمہ قائم کیا گیا جس میں قوموں نے اتفاق کر کے اسے ہلاک کرنا چاہا۔ اور جیسے بڑے بڑے یہودی علماء مسیح اسرائیلی کے خلاف گواہی دینے کے لئے آئے تھے۔ یہاں بھی ایک جبہ پوشوں کا سردار مسیح کے خلاف گواہی دینے کیلئے عدالت میں آیا۔

اسلامی تعلیم کے بعض اور پہلو:۔ بہت سے عقائد مسلمانوں نے غلطی سے اسلام میں داخل کر دیئے ہیں جو اصل تعلیم اسلام کے خلاف ہیں۔ سلسلہ احمدیہ ایسے تمام عقائد کو رد کرتا ہے بڑے بڑے امور جن میں اس سلسلہ کا اختلاف دیگر مسلمانوں سے ہے حسب ذیل ہیں۔

اوّل۔ سب سے بڑا اور اہم اختلاف سلسلہ احمدیہ کا دوسرے اسلامی فرقوں سے یہ ہے کہ اس سلسلہ کے نزدیک اسلام ایک زندہ مذہب ہے جسکے بالفاظ دیگر یہ معنے ہیں کہ اسلام میں وحی اور کشف کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے اور ایک سچا مسلمان ان نشانوں کو مشاہدہ کرتا ہے جو خدا کی ہستی پر ایک خارق عادت یقین اسکے اندر پیدا کرتے ہیں۔ موجودہ اسلامی عقیدہ جسپر اکثر مسلمان اس زمانہ میں قائم ہوگئے ہیں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی الٰہی ہمیشہ کیلئے منقطع ہوگئی ہے۔ اسی کے قریب قریب دوسرے مذاہب کا خیال بھی ہے اور انہیں سے ہر ایک کے نزدیک اسکی آسمانی کتاب کے بعد الہام الٰہی پر مہر لگ گئی ہے۔ اور اس کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا ہے۔ سلسلہ احمدیہ اپنے عقیدہ کی تائید میں تین قسم کے دلائل پیش کرتا ہے۔ (۱) قرآن شریف کی متعدد آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وحی الٰہی منقطع نہیں ہوئی اور اس انعام کا دروازہ اگرچہ دوسری اُمتوں پر بند ہو چکا ہے مگر سچے مسلمانوں پر اسکا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا

اور نہ ہوگا۔ قرآن شریف نے یہاں تک اس بات پر زور دیا ہے کہ سورہ فاتحہ میں جو خلاصۂ قرآن شریف ہے اس امر کو بیان فرمایا ہے جہاں مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی ہے۔
اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیھم۔ اب جس صورت میں خود خدائے تعالیٰ مسلمانوں کو اس دعا کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ منعم علیہم کی راہ پر چلنے کیلئے دعا مانگا کریں تو صاف ظاہر ہے کہ الٰہی منشاء یہ ہے کہ سچے مسلمانوں کو منعم علیہم والے انعام بھی دیئے جاویں۔ ورنہ اس دعا کا سکھانا بے سود تھا حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے مثلاً ایک اسی حدیث کو لے لو جو ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کے آنیکا وعدہ دیتی ہے۔ کیونکہ جو شخص تجدید دین کیلئے مامور ہوگا وہ بغیر مکالمہ الٰہی کے مامور نہیں ہوسکتا۔ (۲) عقلی دلائل بھی اسی کے موید ہیں۔ کہ اگر مکالمہ الٰہی کا انعام پہلے زمانوں میں خدا کے برگزیدوں کو ملتا تھا تو اب کوئی وجہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیئے وہ راہ بند کردی ہو۔ سب مذاہب کی یہ تعلیم ہے کہ خدا انکے کاموں کو دیکھتا اور انکی دعاؤں کو سنتا ہے۔ اور ہر ایک مذہب نے اس امر کو بھی تسلیم کیا ہے کہ کسی وقت وہ بولتا بھی تھا۔ اور اپنے کلام سے نیک لوگوں کو مشرف کرتا تھا۔ اور ایک وقت تک ایسا ہی کرتا رہا۔ مثلاً ہندوؤں کے نزدیک اس دَور دنیا کے آغاز میں اس نے کلام کی اور پھر نہیں کی۔ یہودیوں کے نزدیک بنی اسرائیل کے انبیاء سے وہ ہمیشہ کلام کرتا رہا۔ عیسائیوں کے نزدیک حواریوں کے زمانہ تک وہ کلام کیا کرتا تھا اور مسلمانوں کے نزدیک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک۔ پس اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ مثل زمانہ سابق کے دیکھتا اور سنتا اب بھی ہے تو بولنے سے کیوں بند ہوگیا۔ خدا کے صفات ازلی ابدی ہیں اور جبکہ اس کے دوسرے صفات سمع بصر وغیرہ بیکار نہیں ہوئے اور نہ کبھی ہوں گے تو ایسا ہی اس کی صفت کلام بھی نہ کبھی بیکار ہوئی اور نہ ہوگی۔ ہاں جیسے وہ پہلے اپنے برگزیدوں سے کلام کرتا تھا ایسا ہی اب بھی وہ کلام کرتا ہے مگر اسی سے جسکو اس نے چن لیا ہے اور اس کا کلام اسطرح پہچانا جاتا ہے کہ اس میں غیب کی مخفی اور باریک باتیں جنکا جاننا

انسان کی طاقت میں نہیں ظاہر کیجاتی ہیں۔ (۲) اسلام کے اندر ایک ایسے شخص کا موجود ہونا جس کا کلام الٰہی سے مشرف ہونا ان تمام نشانات سے ثابت ہے جو دوسرے انبیاءؑ کے کلام الٰہی میں پائے جاتے ہیں صاف ثابت کرتا ہے کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ جس مذہب میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اپنے پیروؤں کا تعلق باللہ کو اس مقام تک پہنچا سکے کہ وہ مخاطبہ و مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہوں اس مذہب کی انسانوں کو کوئی ضرورت بھی نہیں کیونکہ وہ انسان کی روحانی ترقی کے مراتب طے کرانیکی قابلیت نہیں رکھتا ایسے مذہب کا زندہ مذہب ہونیکا دعویٰ کرنا لغو ہے۔ پس اس زمانہ میں احمدیہ سلسلہ ہی ایک زندہ مذہب کا نشان دیتا ہے کیونکہ اسکا بانی اپنا دعویٰ مورد وحی الٰہی ہونیکا بذریعہ متعدد پیشگوئیوں اور خارق عادت نشانات کے ثابت کر رہا ہے۔

دوئم۔ سلسلہ احمدیہ اس بات کا انکار کرتا ہے کہ دین اسلام بذریعہ تلوار پھیلایا جائے مگر عام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ دین کو بزور شمشیر بھی پھیلانا جائز ہے کیونکہ وہ ایک ایسے مسیح اور مہدی کے منتظر ہیں جو ان تمام لوگوں کو تہ تیغ کر دیگا جو دین اسلام کے قبول کرنیسے انکار کریں۔ مگر یہ سلسلہ اس خیال کو غلط ٹھہراتا ہے کہ اسلام نے کسی ایسے مسیح یا مہدی کے آنیکا وعدہ دیا ہو۔ اور ایسی احادیث کو جنمیں خونی مسیح یا مہدی کے آنیکا ذکر ہے وضعی قرار دیتا ہے کیونکہ وہ قرآن شریف کے صریح منطوق کے خلاف ہیں جو فرماتا ہے لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن نیز قرآن شریف وعدہ دیتا ہے کہ جیسا ایک مسیحؑ بنی اسرائیل کے سلسلہ کے خاتمہ پر بھیجا گیا تھا ایسا ہی ایک مسیحؑ اس سلسلہ کے خاتمہ پر آئیگا۔ پس جس طرح اس مسیح نے دین کیلئے کوئی لڑائی نہیں کی بلکہ یہودیوں کے ایسے انتظار کو غلط ٹھہرایا اسی طرح یہ مسیح بھی دین کیلئے لڑائیاں کرنیکی غرض سے نہیں آئیگا بلکہ اس خیال کی غلطی کو دور کریگا ایسا ہی صحیح بخاری کی حدیث بھی مسیح موعودؑ کی تعریف میں یضع الحرب ہی کہتی ہے یعنی وہ لڑائیوں کو دور کریگا یعنی مذہبی جنگوں کا خاتمہ کر دیگا۔

سوئم - یہ سلسلہ سچے معنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتا ہے۔ اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ کوئی نبی خواہ وہ پرانا نبی ہو یا نیا۔ آپ کے بعد ایسا نہیں آسکتا جسکو نبوت بدون آپکے واسطہ کے مل سکتی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا تعالےٰ نے تمام نبوتوں اور رسالتوں کے دروازے بند کر دیئے مگر آپکے متبعین کاملین کے لیئے جو آپکے رنگ میں رنگین ہو کر آپکے اخلاق کاملہ سے ہی نور حاصل کرتے ہیں انکے لیئے یہ دروازہ بند نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ گویا اسی وجود مطہر اور مقدس کے عکس ہیں۔ مگر عام مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آپکے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آپ سے چھ سو سال پہلے نبی ہو چکے تھے دوبارہ آئیں گے جس سے ختم نبوت کا ٹوٹنا لازم آتا ہے۔ ایسا ہی یہ سلسلہ اس اُمت کو خیر الامم کہتا ہے اور اس لیئے اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ اسکے مصلح اسی میں سے پیدا نہ ہوں بلکہ باہر سے آئیں کیونکہ جب اشرار اس اُمت میں ہیں تو پھر اس سے بڑھکر اور کیا مصیبت اس اُمت کے لیئے ہو سکتی ہے کہ اخیار اس میں سے پیدا نہ ہوں بلکہ وہ باہر سے آئیں۔ آنحضرتؐ کی ختم نبوت آپکے کسی بروز کو آنے سے نہیں روکتی۔ البتہ آپکے بعد شریعت جدیدہ کوئی نئی نہیں آسکتی۔

موت کے بعد کی حالت:- تعلیم اسلام کے وسیع مضمون کیلیئے اس مختصر پرچہ میں گنجائش نہیں۔ سلسلہ احمدیہ نہایت سادہ اور عام فہم طریق پر اسلام کی اصل اور دلکش تعلیم کو پیش کرتا ہے۔ اس مختصر مضمون میں اس کی صرف ایک دو نظیروں پر کفایت کی جاویگی۔ اس سوال کے جواب میں کہ موت کے بعد انسان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ لوگوں کو بہت مشکلات پیش آئی ہیں۔ بانی سلسلہ احمدیہ نے اسکا جواب یہ دیا ہے کہ موت کے بعد جو کچھ انسان کی حالت ہوتی ہے درحقیقت وہ کوئی نئی حالت نہیں ہوتی بلکہ وہی دنیاوی زندگی کی حالتیں زیادہ صفائی سے کھل جاتی ہیں۔ جو کچھ انسان کے عقاید یا اعمال کی کیفیت صالحہ یا غیر صالحہ ہوتی ہے وہ اس جہان میں مخفی طور پر اسکے اندر ہوتی ہے۔ اور اسکا تریاق یا زہر ایک چھپی ہوئی تاثیر انسانی وجود پر ڈالتا ہے مگر آنیوالے جہان میں ایسا

نہیں رہیگا۔ بلکہ وہ تمام کیفیات کُھلا کُھلا اپنا چہرہ دکھائیں گی۔ جسطرح عالم خواب میں ہم میں ایک خاص تبدیلی پیدا ہو کر روحانیات جسمانی رنگ میں دکھائی دیتی ہیں ایسا ہی اُس عالم میں بھی ہوگا اور اس دن ہمارے اعمال اور اعمال کے نتائج جسمانی طور پر ظاہر ہونگے اور جو کچھ ہم اس عالم سے اعتقادیا اعمال ساتھ لے جائیں گے وہ سب اُس دن ہمارے پر نمودار ہو جائے گا۔ اور تمثلات کے ذریعہ خدا اپنی نئی قدرت دکھائیگا۔ قرآن شریف بار بار یہی فرماتا ہے کہ عالم آخرت کوئی نئی چیز نہیں بلکہ اسکے تمام نظارے اسی دنیوی زندگی کے آثار و اظلال ہیں جیسا کہ فرماتا ہے وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ ونخرج لہ یوم القیامۃ کتابا یلقاہ منشورا۔ یعنی ہم نے اسی دنیا میں ہر ایک شخص کے اعمال کا اثر اسکی گردن سے باندھ رکھا ہے اور انہیں پوشیدہ اثروں کو ہم قیامت کے دن ظاہر کر دیں گے۔ اور ایک کُھلے کُھلے اعمال نامہ کی شکل پر دکھا دینگے۔ پس قرآن کریم نے جو اصل زندگی بعد الموت کے متعلق بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک عمل کا ایک نقش ہوتا جاتا ہے۔ جو ظاہر آنکھوں سے نظر نہیں آتا مگر پوشیدہ طور پر یہی اعمال نامہ ہے جو یہاں تیار ہوتا جاتا ہے۔ اور دوسرا اصل عالم آخرت کے متعلق جو بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ وہ تمام امور جو اس دنیا میں ایک روحانی رنگ رکھتے ہیں اور عالم محسوسات میں سے نہیں ہیں عالم آخرت میں وہ جسمانی طور پر متمثل ہو کر صاف صاف دکھائی دینگے اور محسوسات میں داخل ہو جاویں گے۔

بہشت اور دوزخ:- یہ اصول جو عالم آخرت کے متعلق اوپر بیان کیے گئے ہیں انہی پر بہشت اور دوزخ کا قرآنی فلسفہ مبنی ہے۔ انسان کی بہشتی یا دوزخی زندگی اسی عالم میں شروع ہو جاتی ہے مگر وہ اسقدر اس دنیا کے امور میں غرق ہے کہ وہ اسکے اثر کو محسوس نہیں کرتا اور عالم آخرت میں وہی بہشتی یا دوزخی زندگی جو اسی دنیا سے شروع ہو گئی تھی کُھلے طور پر نظر آجائے گی۔ نعمائے جنت درحقیقت اسی دنیا کے نیک اعمال کا روحانی پھل ہیں اور عذاب نار اسی دنیا کی بدکرداریوں کا برا نتیجہ۔ اسی دنیا کے نیک عملوں کے نتائج متمثل ہو کر بہشت کی نعمتیں بنجائیں گی۔ وہ زندگی کا پانی جو عارف دنیا

میں روحانی طور پر پیتا ہے۔ اُس عالم میں ظاہری طور پر موجود ہے اور وہی عالم آخرت میں ظاہری
طور پر مصفا پانی کی نہروں کے رنگ میں بہتا ہوا دکھائی دیگا۔ اور وہ روحانی دودھ جس سے
وہ شیر خوار بچہ کی طرح روحانی طور پر اس دنیا میں پرورش پاتا ہے بہشت میں ظاہر ظاہر
دکھائی دیگا۔ اور وہ خدا کی محبت کی شراب جس سے وہ روحانی طور پر دنیا میں ہمیشہ
مست رہتا تھا۔ اب بہشت میں ظاہر ظاہر اسکی نہریں نظر آئیں گی اور وہ حلاوت
ایمانی کا شہد جو دنیا میں روحانی طور پر عارف کے مُنہ میں جاتا تھا۔ وہ بہشت میں
محسوس اور نمایاں طور پر نہروں کی طرح دکھائی دیگا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اس
آیت کریمہ میں۔ مثل الجنة التی وعد المتقون فیھا انھار من ماء غیر آسن
وانھار من لبن لم یتغیر طعمه وانھار من خمر لذة للشاربین وانھار
من عسل مصفی۔ چونکہ اُس دن اس دنیا کے تمام حجاب دُور ہو جائینگے اس لیئے
انسان کی روحانی حالتیں بھی کُھلے کُھلے طور پر دکھائی دیں گی اور یہ کمالات جو انسان کو
اُس اُخروی زندگی میں حاصل ہونگے وہ غیر متناہی ہونگے اور ایک کمال سے دوسرے
کمال کی طرف انسان ترقی کرتا چلا جائیگا۔ جیسا کہ یہ دعا بہشتیوں کو سکھائی گئی ہے واتمم لنا
نورنا۔ اسی طرح پر دوزخ کی حقیقت یہ ہے کہ اسی دنیا کی روحانی نابینائی اُس عالم میں
جسمانی طور پر دکھائی دیگی۔ دنیا کی وہ خواہشیں جنہوں نے انسان کے سر کو زمین کی
طرف جھکا رکھا تھا اور آسمانی باتوں کی طرف اسے اُٹھنے نہ دیتی تھیں وہ عالم آخرت
میں جسمانی طور پر طوق گردن ہو جائیگا۔ اور دنیا کی گرفتاریوں کی زنجیریں جنہوں نے
ایک غلط کار انسان کے پاؤں کو پکڑ رکھا تھا کہ وہ نیک کام کی طرف نہ اُٹھیں۔ وہاں سچ
مچ کی زنجیریں بنکر پیروں میں پڑی ہوئی دکھائی دیں گی۔ اور دنیا کی ناکامیوں کی حسرتیں
جو اس دنیا میں بھی جہنم کی سوزش کا احساس کراتی ہیں۔ اُس عالم میں جب کہ تمام فانی
شہوات منقطع ہو جائیں گی جسمانی آگ کے طور پر بھڑک اُٹھیں گی۔ ایسا ہی دوزخ کے
جسقدر عذاب بیان کیئے گئے ہیں وہ در اصل اسی دنیا کے روحانی عذاب ہیں جو جسمانی رنگ
میں نظر آئیں گے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف کی تعلیم کے رو سے دوزخ کے

یہ عذاب انسان کے علاج کے طور پر ہیں تا کہ اسے تمام گندوں سے پاک کر کے جن میں وہ اپنے ہی اعمال کے سبب سے پڑ گیا ہے اسے اعلیٰ درجہ کی ترقیات اور غیر متناہی کمالات حاصل کرنیکے قابل بنا دیں۔

ملائک اور جنات کا وجود :۔ جس طرح عالم آخرت کا مسئلہ انسان کی نظر سے چھپا ہوا ہونیکی وجہ سے اپنے اندر مشکلات رکھتا ہے۔ یہی حالت ملائک اور جنات کے وجود کے مسئلہ کی ہے اور جن لوگوں نے اس مسئلہ پر فلسفیانہ نظر کی ہے انہوں نے غلطی سے ملائک اور جنات کے خارجی وجود سے انکار کیا ہے۔ مگر اسلام کی تعلیم پر چلکر غور کرنیسے کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔ جس طرح پر خدائے تعالیٰ کے ظاہر قوانین قدرت میں کام کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اسی طرح پر اسکے روحانی قانون بھی ہیں۔ اب ان فیوض کو حاصل کرنیکے لیئے جو جسمانی دنیا میں ہمارے لیئے خدائے تعالیٰ نے رکھے ہیں گو ہم اپنے اندر قویٰ بھی رکھتے ہیں۔ مگر پھر بھی ان قویٰ اور ان فیضانوں کے درمیان ایک توسط کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے ہماری آنکھ روشنی قبول کرنیکے لیئے اپنے اندر ایک استعداد رکھتی ہے مگر پھر بھی وہ ایک توسط یعنی آفتاب کی روشنی کی محتاج ہے ایسا ہی ہمارے کان شنوائی کی قابلیت اپنے اندر رکھتے ہیں مگر جبتک ہوا کا توسط موجود نہ ہو جو ہر ایک آواز کو ہمارے کانوں تک پہنچانیکا ذریعہ ہے خالی شنوائی کی قابلیت ہمیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ہمارے قویٰ ہمارے لیئے کافی نہیں بلکہ خارجی مددوں اور معاونوں کی ہمیں حاجت ہے۔ اور قانون قدرت کا یہ کھلا کھلا مشاہدہ نظر آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ہر ایک فیضان کے لیئے ہم میں اور خدائے تعالیٰ میں علل متوسط ہیں جنکے توسط سے ہر ایک قوت اپنی حاجت کے موافق فیضان پاتی ہے۔ اسی قانون کو جسمانی دنیا سے نکالکر روحانی دنیا میں لے جاؤ تو ملائک اور جنات کا وجود بدیہی الثبوت ہو جاتا ہے۔ جس طرح چیزوں کے دیکھنے کے لیئے محض ہماری آنکھیں کافی نہیں اور آواز کے سننے کیلیئے محض ہمارے کان کافی نہیں۔ اسی طرح خیر اور شر کے اکتساب میں صرف ہمارے روحانی قویٰ ہی کافی نہیں بلکہ خارجی ممدات اور معاونات کی ضرورت ہے۔ پس گو ان ممدات اور معاونات کی کنہ اور

کیفیت ہمیں معلوم نہ ہو مگر ظاہری قانونِ قدرت کا ملاحظہ یہ بات یقینی طور پر ثابت کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اور ہمارے قویٰ کے درمیان ایسے توسط ضرور موجود ہیں جو اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں جو خیر یا شر کے اکتساب پر ہمیں قادر کرتے ہیں۔ داعی الی الخیر ملک یا روح القدس ہے اور داعی الی الشر کا نام ہم جن یا شیطان رکھتے ہیں۔ یہ ہے ملائکہ اور شیاطین کے وجود کی حقیقت۔ گو ہم میں نیکی یا بدی کرنے کی ایک قوت موجود ہے مگر وہ قوت ہماری بینائی کی قوت کی طرح ایک خارجی معاون کی محتاج ہے۔ اور اسی کو ہم ملک یا شیطان کہتے ہیں۔ ان خارجی معاونین کا انکار کرنا یا بالفاظ دیگر ملائکہ اور جنات کے وجود کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی یہ کہے ہم خارجی روشنی کے بغیر محض اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں یا ہوا کے بغیر اپنے کانوں سے سن سکتے ہیں۔

یہ ایک دو مثالیں بطور نمونہ بیان کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اسلام کی وہ پاک تعلیم جسے سلسلہ احمدیہ پیش کرتا ہے کیسی دلکش کیسی عام فہم اور کیسی فلسفیانہ ہے۔

آریہ سماج کے اندرونی اور بیرونی جھگڑے

آریہ سماج کے بڑے بڑے کارنامے اسوقت لالہ دھرمپال بی۔ اے کے نام سے وابستہ ہیں۔ انکی کتاب نخل اسلام کے بعض حصوں کی تردید حال ہی میں میر قاسم علی صاحب نے صاعقۂ ذوالجلال بر نخل دھرمپال کے نام سے شائع کی ہے۔ اس کتاب کے حصۂ اوّل کے صرف دو جزو دو رسالوں کی صورت میں شائع ہوئے ہیں۔ جزو اوّل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت زینبؓ سے نکاح کے متعلق جو کمینے اور گندے اعتراض کیئے جاتے ہیں اور جنکو دھرمپال نے اپنی کتاب نخل اسلام میں دُہرایا ہے انکا مفصل اور مبسوط جواب ہے۔ یہ جواب کس قسم کا ہے اسکے متعلق صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ اخبار نور افشاں کے ایک نامہ نگار نے اس جواب کی طرف عیسائیوں کو خصوصیت سے توجہ دلائی ہے۔ اور اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ واقعی ان

جوابوں نے دھرمپال کی نخل کی جڑھ کو ہلا دیا ہے۔ چنانچہ ذیل کی عبارت ہم ۱۴ اپریل ۱۹۰۹ء کے نورافشاں کے صفحہ ۷ سے نقل کرتے ہیں۔

"اب یہ سوال ہوگا کہ صاعقہ کے جوابات کیسے ہیں۔ آیا معقول یا محض دفع الوقتی کے طور پر نامعقول؟ تو اس کا جواب ہم بوجہ مسیحی ہونیکے اسقدر دینے کی جرأت کرتے ہیں کہ لائق مؤلف نے جدید علم کلام یعنی قادیانی نبی کی تجدید سے فائدہ اُٹھا کر آریہ صاحب کے اعتراضات کو بڑی صفائی سے سلیس عبارت عام فہم میں رد کر دیا ہے۔ اور دھرمپال صاحب سے ہر پہلو میں گوئے سبقت لے گیا ہے۔ اور انکے نخل کی جڑھ کو ہلا دیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ جوابات ایک نئے جواب ہیں جو خاص قادیانی مشین سے نکلے ہوئے ہیں اور آجتک ہمنے عام مسلمانوں سے اس اعتراض کے ایسے جواب کبھی نہیں سنے بدینوجہ ہم انکی حقیقت اور اصلیت کی نسبت سر دست کوئی رائے نہیں کرتے اور یہ اس لئے کہ ہم ایک راستباز کے پیرو ہیں جلد بازی اپنا شیوہ نہیں البتہ اپنی قوم کے جملہ مسیحی واعظین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ضرور اس رسالہ کو مؤلف سے منگوا کر بغور ملاحظہ فرماویں اور اس نئی تجدید کی تردید کے واسطے تیاری کریں۔ ہم یہاں تک کہنے کی بھی جرأت کرتے ہیں کہ جمیع مسیحی صاحبان کے میز پر ایک ایک نسخہ صاعقہ کا رکھا ہوا نظر آنا چاہیئے جس پر وہ تدبر سے نظر کر کے اپنی اپنی رائے کا اظہار بذریعہ مسیحی اخباروں کے فرمائیں۔"

ہمیں صرف اس بات کا افسوس ہے کہ اسلام کے معترض جوابوں سے فائدہ نہیں اُٹھاتے قریب چھ سال کے ہوئے ہمنے اسی رسالہ میں اس اعتراض کی تردید نہایت تفصیل سے کی تھی مگر معترض نے بجائے اسکے کہ اس جواب پر کچھ غور کرتا انہی پرانے اعتراضوں کو اور بھی ناشائستہ زبان میں اپنی کتاب میں لکھدیا ہے اور ایک لمحہ کیلئے بھی ٹھنڈے دل سے انکے جوابات پر غور نہیں کیا۔ اور گو نورافشاں کے عیسائی نامہ نگار نے اسبات کو تسلیم کیا ہے کہ صاعقہ کے مصنف نے آریہ صاحب کے اعتراضات کو رد کر دیا اور انکے نخل کی جڑھ کو ہلا دیا ہے لیکن اگر پھر کسی آریہ صاحب یا عیسائی صاحب کو اسی مضمون پر لکھنے کا اتفاق ہو تو ہم امید نہیں کرتے کہ وہ ان جوابوں

پر غور کر کے قلم اُٹھائیگا۔ صاعقہ کے حصہ اوّل کا دوسرا جزو آریہ سماج کے مسئلہ نیوگ اور آریہ سماج کی بدزبانی پر ہے جزو اوّل ۶۰ صفحوں کا اور جزو دوئم ۷۰ صفحوں کا رسالہ ہے قیمت فی جزو ۲/ رہے۔ اور ایک روپے میں دس نسخے۔ جس میں مصنف نے اپنا کوئی فائدہ مدنظر نہیں رکھا بلکہ اسقدر تھوڑی قیمت رکھکر یہ کوشش کی ہے کہ حتی الوسع اس کتاب کی اشاعت زیادہ ہو۔ قیمت کے کم رکھنے کے معاملہ میں ہم میر صاحب کو خاص طور پر مبارکباد دیتے ہیں۔ ملنے کا پتہ میر قاسم علی صاحب تراہا بیرم خاں دہلی ہے۔

آریہ سماج کے بعض اندرونی جھگڑے بھی کچھ لالہ دھرمپال کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں جھگڑوں کا ہونا تو ایک معمولی بات ہے مگر جو روشنی لالہ دھرم پال نے مئی جون کے اندر میں آریہ سماج کے بعض لیڈروں کے حال پر ڈالی ہے۔ اور جو روشنی ان تحریروں سے انکے اپنے حال پر پڑتی ہے۔ وہ آریہ سماج کی اندرونی حالت کا ایک ایسا نقشہ دکھاتی ہے جو اخلاقی طور پر پرلے درجہ کی گری ہوئی سوسائیٹیوں میں نظر آیا کرتا ہے۔ لالہ دھرمپال نے گوروکل کی چار دیواری میں ایسی فحش باتوں کے ارتکاب کا اظہار کیا ہے جو ایک معمولی دنیوی سوسائٹی میں بھی باعث ننگ و عار ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ باوجود ان باتوں کے علم کے لالہ دھرم پال کو اگر اعتراض ہوا تو آریہ دھرم سبھا کے ایک پُرجوش ممبر رادھا کرشن پر کیونکہ "وہ اس بات کا پرچار کیا کرتا ہے کہ تعدد ازدواج کا مسئلہ بہت صحیح ہے اور محمد صاحب ہمارے پراچین تمام رشیوں منیوں سے بڑھکر تھے" اور اس شخص کو جسکے متعلق انہیں اپنے بیان کے رو سے قطعی یقین ہوچکا تھا بلکہ انکی آنکھیں مشاہدہ کرچکی تھیں کہ اسکی زندگی میں مذہبی تقدس تو بالائے طاق رہا معمولی شریف دنیاداروں کی سی پاکیزگی بھی نہیں۔ اس شخص کو اپنا گرو بنایا اور پھر اسکو گرو بنانیکے بعد انکی وہ پہلی کوشش یہ تھی کہ میں انکے دامن پر سے اس بدنامی کے داغ کو اُتاروں جو کہ گروکل میں رہتے ہوئے اسکے دامن پر لگ گیا تھا۔ ہم ان واقعات کے بیان سے ان صفحات کو پاک رکھنا چاہتے ہیں۔ ناظرین اگر چاہیں تو مئی جون ۱۹۰۹ء کا اندر لاہور سے اسکے ایڈیٹر سے منگوا کر آریہ سماج کی اندرونی حالت کا مشاہدہ کرسکتے ہیں۔

اسی پرچہ میں لالہ دھرمپال اپنی کارروائیوں کی اصلیت کا ایک جگہ یوں ذکر کرتے ہیں کہ "اب میں اُن ڈاکہ زنیوں کا ذکر کرونگا جو کہ ہم سب نے ملکر آریہ سماج پر کیں اور جنکی سزا آخر کار مجھے بھگتنی پڑی چونکہ میں ڈاکہ زنیوں کی سزا بھگت چکا ہوں اور اب میں ایک آزاد پیشہ نہیں ہوں اگرچہ آزاد قلم ہوں اسلیئے مجھے اپنے ہی آزاد قلم سے آزادانہ طور پر اپنی تمام ڈکیتی کی کہانی پبلک کے سامنے رکھ دینی چاہیئے" اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ "ہم دونوں نے یہ پروگرام بنایا کہ پہلے ایک ماہواری پرچہ نکالا جاوے اسکے ذریعہ آریہ دھرم سبھا کے خیالات کا پرچار کیا جاوے اور جہانتک ہوسکے آریہ سماج میں کھلبلی ڈالی جاوے اور اسکے آدمیوں کو جوڑ توڑ کر اپنی طرف ملایا جاوے آہستہ آہستہ آریہ سماج میں ایک طاقت حاصل کیجائے اور اسی طاقت کے ذریعہ آریہ پرتی ندھی سبھا پر دخل پایا جاوے آریہ پرتی ندھی سبھا پر دخل پاکر گوروکل پر دھاوا کیا جاوے ..... بے شک یہ ایک خطرناک پروگرام تھا جو کہ ہم نے سوچا بلکہ اگر میں اسکو صحیح الفاظ میں بیان کروں تو میں کہونگا کہ یہ ایک خطرناک سازش تھی۔ جو کہ ہم نے کی اس سازش کا سرغنہ آریہ دھرم سبھا والوں نے مجھے بنایا اور میں نے اس سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانیکے لیئے سرتوڑ کوشش کی" سچ ہے برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اسکے اندر ہو جب ایک شخص کی اپنی کرتوتیں یہ ہوں تو وہ دوسروں کے ہر ایک کام کو بھی اسپر قیاس کریگا۔ مگر خدا کے ایک برگزیدہ نے کیا سچ کہا ہے ؎

کار پاکاں بر بداں کردن قیاس ٭ کار ناپاکاں بود اے بد حواس

ایک شخص جو اپنے منہ سے اپنی کارروائیوں کو جو وہ بظاہر دھرم کی خاطر کر رہا ہے ڈاکہ زنی قرار دیتا ہے تو کچھ تعجب نہیں کہ اس نے ایک راستبازوں کے سردار کو بھی ڈاکو کہدیا۔ کیونکہ اسنے دوسروں کی نیت کو اپنی نیت پر قیاس کر لیا ہے ؎

چیستی اے مردک فطرت تباہ ٭ طعنہ بر پاکاں بدیں روئے سیاہ

میری رائے میں تو آجتک جو کچھ دھرم پال لکھ چکا ہے اس سب کا جواب اسکا اپنا ہی رسالہ کافی ہے ہم ابتک حیران تھے کہ آریہ سماج نے یہ گندہ طریق کیوں اختیار کر رکھا

ہے کہ وہ پاکوں پر نہایت گندے حملے کرتے ہیں۔ مگر لالہ دھرمپال کے رسالہ نے اس حیرت کو دُور کر دیا جہاں کی "شرمناک فحش اور بہا گندی باتیں" ایسی ہوں کہ باوجود بہت سی شرمناک کرتوتوں کے لکھنے کے اندر کا ایڈیٹر اپنے اوراق کو ان سے "گندہ کرنا" پسند نہ کرتا ہو۔ وہ اگر نیک اور مقدس لوگوں پر ناپاک حملے نہ کریں تو اور کیا کریں۔

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

مدرسہ تعلیم الاسلام:- اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ماہ مارچ کے رسالہ میں جو مضمون بعنوان "قادیان میں دینی مدرسہ" لکھا گیا تھا اسکو پڑھکر بہت سے احباب نے اپنے بچوں کو تعلیم کے لیئے قادیان ہائی سکول میں بھیج دیا۔ اور بعض نے تو یہاں تک عہد کر لیا ہے کہ وہ صرف قادیان میں تعلیم پانیکے لیئے بچوں کو خرچ دیں گے۔ مگر افسوس ہے کہ جن احباب نے جلسہ پر وعدے کیئے تھے ان میں سے اکثر نے ابتک ان وعدوں کو پورا نہیں کیا۔ مدرسہ کے نئے ہیڈ ماسٹر جناب مولوی صدرالدین صاحب بی۔ اے بی ٹی نے ۲۰ اپریل کو ہیڈ ماسٹری کا چارج مولوی شیر علی صاحب سے لیا۔ مولوی شیر علی صاحب اب اپنے وقت کا زیادہ حصہ میگزین کے کام کے لیئے دیں گے مگر مدرسہ میں اعلیٰ درجہ کا لایق سٹاف رکھنے کی ضرورت نے مجبور کیا ہے کہ بالفعل مولوی شیر علی صاحب دو گھنٹے روزانہ مدرسہ میں بھی تعلیم دیں۔ قرآن شریف کے ترجمہ کا کام اسوقت تک شروع ہونا مشکل ہے جبتک مولوی شیر علی صاحب کا پورا وقت میگزین میں لگے۔ امتحان انٹرنس میں تعلیم الاسلام کے ۱۵ طالب علموں میں سے ۹ کامیاب ہوئے۔ مقابلۃً نتیجہ اچھا ہے۔

جلسہ مذاہب میں جو مضمون سنایا گیا تھا اسکا ترجمہ دوسری جگہ اسی رسالہ میں درج ہے۔ اسکے متعلق مفصل کیفیت اخبار بدر میں درج ہو چکی ہے۔

واعظین کے متعلق۔ مکرمی مفتی محمد صادق صاحب نے ایک تحریک انجمن میں کی تھی۔

لیکن اخراجات کی دقت اسکے عمل میں آنیسے مانع ہے دوسری طرف خود ایسے واعظوں کا مہیا ہونا سخت مشکل ہے جو مخلص مفید کام کرنیوالے ہوں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح سے جب اسکے متعلق مشورہ کیا گیا تو آپنے فرمایا کہ واعظین کیلئے دعائیں کرو کہ واعظ پیدا ہوں خود مفتی صاحب کا دورہ جسمیں انکا پہلا مقصد اخبار بدر کی اشاعت ہی سلسلہ کے اغراض کیلئے بھی بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ شیخ غلام احمد صاحب عنقریب کانگڑہ جموں وغیرہ پہاڑی اضلاع میں تبلیغ اسلام کیلئے جائیں گے۔ مگر وسیع پیمانہ پر اس تحریک کے جاری کیئے جانیکے لیے بہت آدمیوں اور روپیہ کی ضرورت ہے جسکو اللہ تعالیٰ جب چاہیگا پورا کریگا۔

تعمیر مدرسہ کا سوال اسوقت قوم کیلئے ایک نہایت نازک اور اہم سوال ہو رہا ہے۔ قوم کے سامنے بہت مطالبات ہیں مگر مدرسہ کی تعمیر کی ضرورت کو الاھم فالاھم پر عمل کرکے جبتک سب کاموں پر مقدم نہ کیا جاویگا اس کام کی تکمیل مشکل معلوم ہوتی ہے۔ اس رسالہ کے ذریعہ اور الگ بھی تمام انجمنوں اور احباب کو توجہ دلائی گئی ہے کہ کسقدر روپے کی ضرورت ہے مگر اِلّا ماشاء اللہ اس دو ماہ کے عرصہ میں ان وعدوں کے روپیہ کا بھی کوئی معتد بہ حصہ وصول نہیں ہوا جو گذشتہ سال ڈیپوٹیشن کے نکلنے پر کیئے گئے تھے۔ اس بے توجہی کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ اسوقت فنڈ تعمیر قریباً چھ ہزار روپیہ کا مقروض ہو چکا ہے۔ لیکن قرضہ سے بھی کام کا چلنا مشکل ہے کیونکہ تمام مدات میں روپیہ صرف انہی مدات کے اخراجات کے لیے بمشکل مکتفی ہوتا ہے اور یہ اندیشہ ہے کہ کسی دوسری مد کے کام میں روک واقع ہو جاوے۔ بھٹہ میں اسوقت دس لاکھ کے قریب اینٹ تیار ہو چکی ہے یعنی پک چکی ہے اور ابھی پانچ لاکھ اور باقی ہے۔ گذشتہ اجلاس میں مجلس معتمدین نے ان مشکلات مالی کے لیے قوم کو پھر توجہ دلائی ہے۔ امید ہے کہ جملہ احباب بہت جلد خاص توجہ فرما کر مشکور فرماویں گے۔

اردو و پنجابی کے جھگڑے کے متعلق صدر انجمن احمدیہ نے حسب ذیل رزولیوشن باتفاق رائے مجلس معتمدین کے اجلاس منعقدہ ۲۵-اپریل ۱۱ء جسکے میر مجلس حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح تھے (۱) اس انجمن کی رائے میں "اردو" صوبہ پنجاب میں تعلیمی اغراض کے لیئے بالعموم اور ابتدائی تعلیم کیلیئے بالخصوص نہایت مناسب اور موزون زبان ہے۔ اور یہ حیثیت دری جو زبانہ سے مدراس میں حاصل ہے۔ اسکو قائم رکھنا ترقی تعلیم کے لیئے نہایت ضروری ہے۔ (۲) یہ انجمن ڈاکٹر پی۔ سی۔ چیٹرجی۔ کی اس رائے سے

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ بابت ماہ جون سنہ ۱۹۰۹ء نمبر ۶

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جون ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ [illegible]

مقامی انجمنوں کیلیئے رجسٹر و رسید بک مقامی انجمنوں کیلیئے حساب کو باقاعدہ رکھنے کیلیئے ضروری ضروری رجسٹر چھپوا کر تیار کروائے گئے ہیں اسی طرح رسید بکس بھی تیار ہیں۔ جس سے معطی کو رسید دینے اور اسکا مثنیٰ دفتر میں رکھنے میں بہت آسانی ہوتی ہے قیمت ۵۰ صفحے کے مجلد رجسٹر کی ۴؍ اور غیر مجلد کی ۱۲؍ اور ہر ایک رسید بک کی

نقل معائنہ مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان

آج مینے بمعیت لالہ گردھاری لال بی۔ اے اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس مدرسہ ہذا کا معائنہ کیا لیکن مدرسہ کو امپائر ڈے کی تعطیل کیوجہ سے بند پایا۔ تعداد طلباء اسوقت ۲۰۵ ہے۔ یعنی سالانہ معائنہ کی نسبت ۲۱ کی زیادتی ہے امید کیجاتی ہے کہ نئی تعمیر جلدی شروع کیجاویگی۔ کیونکہ اینٹیں پک کر موقعہ پہ جمع ہیں۔ بعض رجسٹروں کی پڑتال کی گئی۔ امور قابل توجہ ایک یادداشت ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس چھوڑ دیگئی۔ مدرسہ ہذا ہر سال دو دو تین تین مدرس ٹریننگ کالج بھیجنے میں مستعدی سے ترقی کر رہا ہے تین استاد واپس آ چکے ہیں اور دو بھیجے گئے ہیں انجمن معلمین کے پندرہ روزہ اجلاس اور طلباء کے ہفتہ وار اجلاس کیئے جاتے ہیں۔ مدرسہ کی خوش قسمتی ہے کہ اس نے مولوی صدر الدین صاحب کی خدمات کو حاصل کیا گو یہ عارضی طور سے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ انکے ماتحت مدرسہ بڑی ترقی کریگا۔

دستخط

ایم۔ کراس انسپکٹر مدارس لاہور ڈویژن مورخہ ۲۴ مئی سنہ ۱۹۰۹ء

براہین احمدیہ ہر چہار جلد:۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے دست مبارک کا چھپوایا ہوا اصل ایک نسخہ براہین احمدیہ ہر چہار جلد فرسٹ اڈیشن بک ڈپو میگزین میں موجود ہے۔ جسکی قیمت علاوہ محصولڈاک ۲۵؍ ہے۔ جس صاحب کو ضرورت ہو۔ بذریعہ وی پی یا نقد قیمت ارسال کر کے طلب کریں۔

اعلان:۔ جن احباب نے احمدی زمینداروں سے بجائے نقدی کے غلہ چندہ کیطور پر جمع کیا ہے وہ مہربانی فرماکر اسے فروخت کر کے نقدی بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماویں۔ غلہ اسجگہ بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے خرچ زیادہ پڑیگا۔ بلکہ اسی جگہ غلہ عام نرخ پر فروخت کیا جاوے۔

(محمد علی سکرٹری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

زلزلہ اور دعا

انما مثل الحیوۃ الدنیا کماء انزلناہ من السماء فاختلط بہ نبات الارض مما یاکل الناس والانعام حتی اذا اخذت الارض زخرفہا وازینت وظن اھلہا انہم قادرون علیہا اتیہا امرنا لیلا او نہارا فجعلنہا حصیدا کان لم تغن بالامس کذلک نفصل الآیات لقوم یتفکرون ۵ سورت یونس آیت ۲۵

ترجمہ۔ دنیا کی زندگی کی مثال توبس پانی کی سی ہے کہ ہم نے اسکو آسمان سے برسایا پھر زمین کی روئیدگی جسکو آدمی اور چارپائے کھاتے ہیں پانی کیساتھ ملگئی اس طرح پر کہ پانی کو جذب کیا اور وہ پھلی پھولی جب زمین نے (فصل سے) اپنا سنگار کیا اور خوش نما ہوئی اور کھیت والوں نے سمجھا کہ اب وہ اس پر قابو پاگئے (ناگاہ) رات کیوقت یا دن کیوقت ہمارا عذاب اس پر نازل ہوا پھر ہم نے اس کا ستھراؤ کر دیا گویا کل (کھیت میں) اس .... کا نام و نشان ہی نہ تھا اس طرح ہم اپنی آیات کو کھول کھول کر سناتے ہیں تا لہ لوگ سوچیں اور سمجھیں۔

جب کوئی سانحہ عظیم دنیا میں واقع ہوتا ہے اور اس کے ساتھ مال و جان کا بڑا نقصان ہو جاتا ہے تو یہ ایک طبعی امر ہے کہ لوگ اس امر کے متعلق مختلف قسم کے خیالات میں پڑ جاتے ہیں ایک گروہ وہ ہوتا ہے۔

جس کے لیئے یہ حادثہ عظیم دنیا اور اس کی عمدہ چیزوں کی ناپائداری اور چند روزہ ہونے کی خبر دیتا ہے اور ان کے دلوں کو حیات مابعد الموت اور حیات ابدی کی طرف متوجہ کر دیتا ہے مگر ایک بڑا گروہ ایسے لوگوں کا ہوتا ہے جن کی نظریں اس سفلی زندگی سے اوپر نہیں اٹھتیں اور جو دنیا کے کاروبار میں اس قدر مستغرق ہوتے ہیں کہ ان کے لیئے یہ صدمہ تھوڑی دیر تشویش کا موجب ہوتا ہے مگر معاً پھر اپنے کاروبار میں اسی طرح غرق ہو جاتے ہیں؛

بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے لیئے ایسی باتیں اس امر کی محرک ہو جاتی ہیں کہ وہ بنی نوع انسان کی فلاح اور بہبودی کے لیئے مصروف ہو جاتے ہیں اور جو اپنی توجہ اور وقت ہر دو اس بات میں لگا دیتے ہیں کہ تا دنیا آئندہ اس قسم کی بلاؤں سے بچ جاوے مگر بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ اچانک تباہی دیکھکر خدا کے رحم محبت اور عدل سے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔

یہی حالت مسینا کے خطرناک زلزلہ نے پیدا کر دی ہے اور لوگ مختلف قسم کے خیالات میں پڑ گئے ہیں اگرچہ گروہ عظیم پر تھوڑے عرصہ کے لیئے بسبب مصیبت کے ہیبت ناک ہونے اور مرکز تہذیب کے قریب ہونے کے بہت اثر ہوا مگر اب جبکہ وہ صدمہ گذر گیا ہے تو اسی عظیم الشان حادثہ میں جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کوئی نہیں ملتی انہی لوگوں کے لیئے سبق یا نصیحت حاصل کرنیکی کوئی بات نہیں اور کوئی ایسا امر نہیں کہ ان کی روزمرّہ کی زندگی میں کسی طرح خلل انداز ہو سکے مگر بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ بسبب مسینا کے زلزلے کے ان کے ایمانوں پر زلزلہ آگیا ہے اور وہ خدا کے منکر ہو بیٹھے ہیں اگر ایمان کی بنیادیں زیادہ مضبوط اور گہری ہوتیں تو وہ زلزلہ کا مقابلہ کرتا اور اس طرح پاؤں سے نہ ہلجاتا جسطرح معمولی اینٹ پتھر کی دیواریں ہلگئی ہیں مگر سطحی ایمان جس کے حاصل کرنیمیں کوئی دقت لاحق نہیں ہوتی ضایع بھی جلدی ہو جاتا ہے؛

اگر ان معاملات میں ہم زیادہ غور سے کام لیں تو ہمیں پتہ لگجائیگا کہ صرف ان بڑی مصیبتوں کی وجہ سے جنکو ہم قہرالٰہی سے تعبیر کرسکتے ہیں لوگوں کو خدا کے رحم محبت۔ عدل۔ قدرت۔ اور ربوبیت پر ہی اعتراض پیدا نہیں ہوئے ہیں بلکہ دنیا میں ہر ایک قسم کی برائی اور تکلیف مثلاً گناہ۔ بیماری دکھ اور درد اور موت فوت وغیرہ کے موجود ہونے سے بھی لوگوں کو خدا کی ذات پر شبہات اور اعتراضات پیدا ہوئے ہیں ایک بڑا زلزلہ جو خوبصورت شہر و نکو تہ وبالا کردیتا ہے۔ اور اس کے باشندوں کو آن کی آن میں زندہ درگور کردیتا ہے اور ایک لحظہ میں اس تمام خطہ کو ملیا میٹ کردیتا ہے ایک بڑا سیلاب جو مال وجان ہردو کو بہا لیجاتا ہے ایک شدید قحط جو سرسبز قطعات کو تباہ و بنجر بنا دیتا ہے اور ایک خوفناک اور زہریلی وبا جو گھرانوں کے گھرانوں اور کنبوں کے کنبوں کا نام ونشان مٹا دیتی ہے ایک آتش فشان پہاڑ جس کے منہ سے آگ کی طرح دھکتی ہوئی ندی لاوے کی نکلی چلی آتی ہے اور جو خوبصورت سے خوبصورت مقامات کو وحشت ناک اور ڈرائونی شکل کے جنگلوں میں مبدل کردیتا ہے اور جس چیز کو چھوجاتا ہے ان سب کو جلا کر خاک سیاہ کردیتا ہے یہ موت اور دکھ کی صرف وہ مثالیں ہیں جن کیطرف بیرونی دنیا کی نظریں بہت جلد متوجہ ہوجاتی ہیں کیونکہ نسبتاً یہ زیادہ مقدار میں معلوم ہوتی ہیں اور انکا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے کیونکہ یہاں دکھ اور مصیبت مجموعی رنگ میں نظر آتی ہے اور دوسری جگہوں میں صرف انفرادی اور جزوی شکل میں دکھائی دیتی ہے لیکن بنی نوع انسان پر جو روزمرہ اور عام طور سے حادثات ہوتے رہتے ہیں اگر ہم انکی طرف نگاہ ڈالیں تو وہی نظارہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے جو کسی بڑے حادثے کیوقت پیدا ہوتا ہے ان والدین کے رنج وغم کا کون اندازہ کر سکتا ہے جن سے انکی آنکھ کا نور اور دل کی ٹھنڈک یعنے انکا پیارا اور چاہیتا بچہ یک لخت ظالم بیماری.... جدا کردیتی ہے اور ہمیشہ کے لیئے اس کی میٹھی آواز کو چپ چاپ کردیتی ہے یا اس خاوند بیوی کے رنج والم کا کون اندازہ کرسکتا ہے

جنکا رنج و راحت کا شریک گذر جائے اور جن کی زندگی کے میٹھے سے میٹھے وقفے تلخ سے تلخ وقفوں میں مبدّل ہو جائیں اور پچھلی تمام باتیں خواب وخیال ہو جائیں یا ان بچوں کے رنج اور مصیبت کا کون اندازہ کرسکتا ہے جن کے سر پر سے انکا باپ اُٹھ جائے اور جن کی خوشی ایک ایسے سرد کردینے والے غم میں مبدّل ہوجائے کہ وہ بیچارے اُسکا اظہار تک بھی نہ کرسکیں اور ان کی صورتوں پر خود موت نوحہ کرتی ہو کیونکہ یہی ایک باپ تھا جس کی کمائی پر وہ گزارہ کرتے تھے اور اب وہ بیکسی بے بسی کی حالت میں رہ گئے ہوں مگر تاہم یہ سب کچھ دنیا میں ہوتا رہتا ہے ہر روز سورج نکلتا ہے اور اسکی شعاعیں ہزاروں نہیں لاکھوں ایسی انسانوں پر پڑتی ہیں جو اس سطح زمین پر رہتے ہیں اور انکو رنج والم نے ایک نہ ایک طرح سے ملول کیا ہوتا ہے دنیا میں انبوہ کثیر ان لوگوں کا ہے جن کے لیئے ان کے ذاتی ہموم و غموم اگرچہ فی نفسہٖ وہ کیسے ہی چھوٹے کیوں نہ ہوں بہت وقعت رکھتے ہیں بہ نسبت ایک وبائے عام کے جو ان کی ذات پر اثر نہیں کرتی اگرچہ وہ مصیبت اور تباہی اور لوگوں کیلئے کسقدر خطرناک کیوں نہ ہو کوئی مہینہ ایسا نہیں گذرتا جس میں ہمیں اخباروں کے ذریعے یہ خبر نہ ملتی ہو کہ آج فلاں جگہ یہ حادثہ ہُوا۔ اور فلاں جگہ یہ مصیبت اور تباہی آئی کہیں زلزلہ ہے اور کہیں پہاڑ کی آتش فشانی ہے کسی جگہ قحط ہے اور کسی جگہ طاعون ہے کسی جگہ سیلاب آیا ہے اور کہیں کان بیٹھ گئی ہے لیکن اگر ذاتی طور سے ان خبروں کا کوئی گہرا اور نزدیکی تعلق ہمارے ساتھ نہ ہو تو سوائے ایک آنی صدمہ یا سنسناہٹ کے اور کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن اگر ہمیں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ہماری جائداد اور مال کے کچھ حصہ کا نقصان ہو گیا ہے یا ہمارے بچوں میں سے ایک مر جائے تو اکثر ہم میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اس صدمہ سے پاگل ہو جاتے ہیں اور بالکل رنج اور یاس کی حالت میں ہو جاتے ہیں یہانتک کہ بعض دفعہ خدا کو لعنت ملامت اور گالیاں دینے کیلئے بھی طیار ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی مصیبت کا اندازہ اس کی عظمت اور

اہمیت کی وجہ سے نہیں لگتے اور نہ ہی اس دکھ سے جو اس کی وجہ سے بنی نوع کو پہنچتا ہے بلکہ اگر ہمارا تعلق اس سے کچھ ہوتا ہے تب ہی ہم کچھ غم اور الم کا اظہار کرتے ہیں یقیناً ہزاروں بچے ہر روز یتیم ہو جاتے ہیں ہزاروں عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں۔ اور ہزاروں والدین بچوں سے جدا اور محروم ہو جاتے ہیں مگر ہم کبھی خدا کے رحم اور کرم کی شکایت نہیں کرتے جب تک کہ وہ مصیبت ہمارے اپنے کسی نازک حصہ جسم پر صدمہ نہیں پہنچاتی دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنے ہیں کہ اگر ہماری ذات سے مصیبت کا کوئی تعلق نہ ہو تو ہم دکھ کے وجود کو خدا کے رحم کے مخالف اور متضاد نہیں سمجھتے۔

اب ہم اسباب پر غور کریں کہ دنیا میں دکھوں دردوں اور مصیبتوں سے جو اللہ تعالےٰ کے رحم محبت اور اس کی رزاقیت پر کوئی اعتراض واقع ہوتا ہے اوّل اگر ہم نظر غور سے اپنے ارد گرد کی چیزوں کا ملاحظہ کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ دکھ کا وجود دنیا میں بہت بڑا نہیں جو شخص دنیا کے دکھ درد کو دیکھکر خدا تعالیٰ کی مہربانی اور رحم اور حکمت پر اعتراض کرتا ہے اصل میں وہ آنکھیں بند کر کے ایک فیصلہ کرتا ہے اور نظارہ عالم پر جو نعمتیں آسائشیں اور خوبصورتی کے پہلو موجود ہیں انکی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا اور نہیں دیکھتا کہ دنیا میں ہر جگہ لطف کوئی خوبصورتی اور قدرتی انتظام و بندوبست پھیلا ہوا ہے یعنی جس جس انتظام و خوش اسلوبی کیساتھ دنیا کا کام چل رہا ہے۔ کہ آخر ہر ایک کا اچھا ہے ان باتوں کی طرف اگر وہ نظر کرے تو کبھی ایسا یکطرفہ فیصلہ نہ کرے اللہ تعالےٰ قرآن شریف کی ایک بڑی لطیف آیت میں اپنی بیشمار عنایتوں کا جو اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں پر کی ہیں ذکر کرتا ہوا یوں فرماتا ہے وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا یعنے اگر تم اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو گنو تو تم ہرگز ہرگز ان کو اپنے احاطہ حساب کے اندر نہ لا سکو گے پھر آگے انسان کو جس کے خیالات تھوڑی سی تکلیف درد اور بیماری کیوجہ سے پھر جاتے ہیں ملامت کرتے ہوئے وہی آیت ان لفظوں پر ختم ہوتی ہے ان الانسان لظلوم کفار یعنے تحقیق

انسان بڑا ہی ظلم کرنیوالا اور نا انصاف اور ناشکر ہے اب سوال حل کرنے کے لئے ہمارے سامنے یہ ہے کہ دنیا میں غلبہ کس امر کا ہے خدا تعالےٰ کے رحم لطف نعمتوں اور خوبصورتی اور خوشی کا یا دکھ اور درد کا۔ یہ سچ ہے کہ جو کچھ اس دنیا میں ہے وہ کسی نہ کسی خطرہ میں پڑا ہوا ہے مگر ان خطرات کا وجود بہت ہی.... کم اصلیت کا رنگ رکھتا ہے بیشک ہر ایک انسان کے لئے ہزاروں بلائیں ہیں اور ہزاروں جسم کی بیماریاں اسکی صحت کو بگاڑ سکتی ہیں ہزاروں قسم کے دکھ اور مصیبتیں اسے پیش آسکتی ہیں مگر کیا یہ خدا کا فضل اور رحم نہیں جو ان بلاؤں ان بیماریوں ان دکھوں اور مصیبتوں سے ہمیں بچاتا ہے۔

اگر انسان کی زندگی کے واقعات کا مطالعہ کیا جاوے تو ہمیں پتہ لگتا ہے۔ کہ جسقدر مواقع خوشی کے پیش آتے ہیں ان کے مقابل دُکھ اور درد کے واقعات بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں ایسا موقع کبھی سالہا سال کے بعد پیش آتا ہے کہ ہمیں کبھی کسی بڑے طوفان یا زلزلے یا قحط یا وبائے عام کی خبر پہنچتی ہے اور وہ بھی اس وسیع زمین کے ایک بہت تھوڑے حصہ پر اور جب کبھی یہ وبائیں نازل ہوتی ہیں تو ان کا اثر ایک بہت تھوڑے حصہ کے اندر محدود ہوتا ہے اور باقی دنیا بغیر کسی قسم کی تکلیف کے اسی راحت میں پڑی سوتی ہے اس میں شک نہیں کہ دنیا کے ساتھ موت فوت مرض دکھ درد لگا ہوا ہے لیکن صحت اور خوشی کا اسقدر غلبہ ہے کہ اکثر لوگ دوسری چیزوں کو بھول جاتے ہیں اس لئے ایک تھوڑے سے دُکھ کے وجود کیوجہ سے خدا تعالےٰ کی ربوبیت اور رحمانیت پر شک و شبہ لانا اور اعتراض کرنا بالکل لغو اور بیہودہ معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اگر ہم اور بھی گہری نظر سے دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ دکھ اور درد اس خطہ زمین پر انسانی زندگی کیساتھ لازم و ملزوم پڑے ہوئے ہیں اور ان کے ہونے سے خدا کی محبت اور ربوبیت اور رزاقیت کی شان میں کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ اگر ان چیزوں کا وجود دنیا میں نہ ہوتا تو جو انسان

کی آج اخلاقی حالت ہے اور چلی آئی ہے وہ کبھی نہ ہوتی اخلاق کی اعلیٰ سے اعلیٰ صفات صرف اسی وقت ظاہر ہوتی ہیں جب کہ دکھوں اور مصیبتوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر بہادری اور صبر۔ مہربانی اور ہمدردی کے ظاہر کرنیکا موقع ہی پیش نہ آتا تو ان صفات کا دنیا میں کبھی وجود نہ ہوتا اور اگرچہ دکھ اور درد کا وجود بعض آدمیوں کی سمجھ سے باہر ہو اور گو اس کے حل کرنے سے انکی عقلیں عاجز آگئی ہوں مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ صفات جنکو سب سے اعلیٰ درجے کی اخلاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ہرگز انسان کے اندر نشوونما نہ پاتیں اگر دکھ اور درد کا وجود دنیا میں نہ ہوتا رحم اور ہمدردی جو اعلیٰ اخلاق کا سرتاج ہیں کبھی عمل مین نہ لائی جاتیں اگر دنیا میں مصیبت نہ ہوتی اور ان اعلیٰ اخلاق سے انسان بالکل عاری ہوتے چونکہ انسان خدا کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے اسلیئے ضروری ہے کہ وہ بھی رحم اور ہمدردی کی صفات سے متصف ہوتا ان کے بغیر نوع انسانی کبھی کوئی ترقی نہ کرتی اور جسقدر مدنی تعلقات ہیں انکا کوئی وجود نہ ہوتا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انسان انسان ہی نہ ہوتا مصیبت کو دیکھکر صبر اور استقلال کے اعلیٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور یہی دو خوبیاں ہیں جن کے ذریعہ انسان اسقدر معراج ترقی پر پہنچ گیا ہے پہلے ہمیں بیماریاں مصیبتیں رنج اور دوسری قسم کی تکالیف جھیلنی پڑتی ہیں پھر جب انکو برداشت کرنا سیکھ جاتے ہیں تو ہمارے اندر ایک عادت پیدا ہوجاتی ہے جسے قوت برداشت کہتے ہیں جو ہمیں اس قابل بنا دیتی ہیں کہ ہم بڑے استقلال سے ہر ایک تکلیف کو برداشت کریں اس کے بعد ہم اس قابل ہوجاتے ہیں کہ ہم بڑی بڑی مشکلات کا مقابلہ کرسکیں جن میں یہ ضرورت ہوتی ہے کہ ہم اپنے قوا ے کو استقلال اور ان تھک طور سے لگائیں اگر دنیا مین دکھ اور مصیبت کا وجود نہ ہوتا۔ تو استقلال اور صبر انسان میں کبھی نشوونما نہ پاتا اور نہ ہی وہ بڑے بڑے مدعا حاصل ہوتے جن میں کام کرنیوالے کی طرف سے استقلال کی ضرورت ہے صبر نے ہمیں سکھلایا ہے کہ اصل کامیابی ناکامی کے اندر چھپی ہوئی ہے کیونکہ یہ ہمیں اس قابل بنا دیتا ہے کہ جس امر میں ہم ایکدفعہ ناکامیاب ہوجائیں اس کے لیئے ہم دوبارہ نئے سرے سے۔

اور آگے سے زیادہ قوت کیساتھ کوشش کریں یہانتک کہ وہ مشکل حل ہو جائے
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نا کامیابی کامیابی کی کلید ہے اسلیئے مصیبت اور دکھ کا
وجود خدا کی محبت اور رحم کے مخالف نہیں جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی تو پھر یہ سوال کرنا
عبث معلوم ہوتا ہے کہ فلاں مصیبت اس طرز سے یا اس طرز سے کیوں آئی ہے
مصیبت کا بعض وقت تعلق کسی خاص فرد بشر کے ساتھ ہوتا اور بعض دفعہ تمام کنبہ
کے ساتھ اور کبھی کبھی ایک عالمگیر حادثہ کسی شہر یا صوبہ پر وارد ہو جاتا ہے جتنا جتنا اس
مصیبت کا دایرہ وسیع ہو جاتا ہے اتنا ہی تمام زمین پر رہنے والوں کے دلوں میں ہمدردی
کا احاطہ وسیع ہوتا ہے پس اگر بعض تکالیف عام طور سے اور وسیع پیمانہ پر نازل ہوتی
ہیں تو یہ نیک نتیجہ اسی سے پیدا ہوتا ہے کہ مختلف قوموں میں یگانگت اتحاد اور
ہمدردی ترقی کرتی جاتی ہے اور اسی طرح جب ہمدردی کے نظارے میں وسعت معلوم
ہونے لگتی ہے تو بنی نوع انسان کے اخلاق بھی ادنے سے اعلیٰ پر ترقی کر جاتے ہیں۔

اس اخلاقی ترقی کو جو مصایب کی وجہ سے اس دنیا میں وقوع میں آتی اور
جس کا خاص منشا بھی یہی ہوتا ہے اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں اس طرح ذکر فرماتا
ہے ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقصٍ من الاموال والانفس
والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ
وانا الیہ راجعون اولئک علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ واولئک ھم
المھتدون ۝ اور ہم تمکو تھوڑے سے خوف سے اور بھوک سے اور مال وجان اور
پیداوار کی کمی سے آزمائیں گے یعنی تمہاری مخفی خوبیوں کا اظہار کروائینگے (اور اے پیغمبر)
صبر کرنیوالوں کو خوشنودی خدا اور کشائش کی خوشخبری سنا دو۔ یہ لوگ جب ان لوگوں پر
مصیبت آن پڑتی ہے تو بول اٹھتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اسی کی
طرف لوٹ کر جانا ہے یہی لوگ ہیں جن پر انکے پروردگار کی عنایت اور رحمت ہے
اور یہی راہ راست پر ہیں قرآن شریف کی اس آیت کے موجب خدا تعالےٰ کے
فرمانبردار بندوں کو اس دنیا میں مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تاکہ ان کی وہ اخلاقی

خوبیاں۔ یعنے استقلال اور صبر جو بیج اور جوہر کی طرح ان کے اندر مخفی ہوتی ہیں۔ اور جن کی پیدائش اور نشوونما کیلئے ایک خاص زمین اور خاص وقت مقرر ہوتا ہے ظاہر ہوں اور اس طرح سے یہ لوگ بار بار کی کوششوں سے اس قابل ہوجاتے ہیں کہ وہ ان مشکلات پر غالب آجاویں لفظ لنبلونکم ہو سے نکلا ہے جس کے معنے ظاہر کرنے اور انعام دینے کے بھی ہیں اس کے عام معنے آزمایش کرنے یا ثابت کرنے کے ہیں جس سے اِسبات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ انسان کے اندر جو مخفی خوبیاں ہیں انکو ظاہر کیا جاوے جس طرح مخالف طاقتوں اور جذبات کا مقابلہ کرتے وقت انسانی روح کے پوشیدہ خواص ظاہر ہوجاتے ہیں اسی طرح قرآن شریف کی رو سے مصیبتیں روح کے اعلیٰ خواص کے نشوونما پانے اور پھیلانیکے لیئے گویا ایک پودگھر یا پرورش پانیکی جگہ ہے ہمارے اخلاق کبھی ٹھیک طور پر قائم ہی نہیں ہوتے جب تک مصیبتوں اور آزمائشوں کے ذریعے ان کو پرکھ نہ لیا جائے اور ان چیزوں کا تعلق ہمارے اخلاق کیساتھ ایسا ہی ہے جیسا کہ علم کیساتھ عمل اور استعمال کا جسطرح علم بغیر عمل کے مفید نہیں اسی طرح ہمارے اخلاق کچھ بھی چیز نہیں جبتک وہ دکھوں اور تکلیفوں کے مقابلہ مین کامیاب نہ ہوں یہ تو ان اعتراضات کا جواب ہے جو خدا تعالےٰ کی ربوبیّت اور رحمانیّت کے خلاف دنیا مین دکھ اور درد کی موجودگی کی بنا پر کیئے جاتے ہیں اور اس مضمون پر جو عنوان مین تجویز کیا گیا ہے کچھ لکھنے سے پہلے ان اعتراضات کا مختصر سا جواب دینا ضروری تھا اس آرٹیکل کی سرخی مین نے زلزلہ کے نام سے شروع کی ہے مگر میرا مطلب اس سے صرف زلزلہ ہی نہین بلکہ اس سے میری مراد ہر ایک ایسی مصیبت ہے جو کہ بنی نوع انسان پر اچانک ایک خطرناک اور مہیب شکل مین وارد ہو سکتی ہے اب اصل سوال ہمارے سامنے یہ ہے کہ کیا دعا مین یہ تاثیر ہے کہ ہمیں مشکلات اور خطرناک حادثات سے مخلصی دے سکے یا آنیوالے خطرات سے ہمیں محفوظ رکھ سکے جن لوگوں کا خیال ہے کہ ہم علم مادیات مین بہت ترقی کر چکے مین وہ زلزلے کے ساتھ

دعا کا لفظ دیکھکر ہنسینگے انہی مین بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو دعا کو دنیا کی روزمرہ کی بیماریوں اور مصیبتوں کیلیے شفا سمجھتے ہیں مگر وہ اس امر سے منکر ہیں کہ ایسی بڑی مصیبتوں مین مثلاً سیلاب کا آنا وبا کا پڑنا یا زلزلہ کا آنا یا آتش فشاں پہاڑ کا پھٹنا ایسے معاملات میں وہ دعا کو محض بے سود سمجھتے ہیں خدا تعالیٰ کی ربوبیّت اور رحمانیّت پر بحث کرتے ہوئے ہم بتا چکے ہیں کہ ایسی بحثوں کے وقت جب ہم خدا تعالےٰ کے انسان کیساتھ تعلقات کا ذکر کرتے ہیں ہمیں ان مصیبتوں کے چھوٹا بڑا ہونے میں کوئی تمیز نہیں کرنی چاہیئے خواہ وہ مصیبت چند آدمیوں پر نازل ہو خواہ بہت پر اگر ایک فرد بشر یا ایک کنبہ کی بلا دعا کے ذریعہ سے ٹل سکتی ہے تو پھر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ کیون ایک صوبہ یا قوم کی بلا دعا کے ذریعہ نہ ٹل سکے لیکن مین اس سوال کا جواب کہ دعا سے بلا اور مصیبت ٹلسکتی ہے عام طور پر دینا چاہتا ہوں اور تاریخی پہلو سے اسپر بحث کرونگا:

اگر اب تک دعا نے بنی نوع انسان کی کسی مشکل کو حل نہین کیا تو پھر تو یہ ایک بیفائدہ چیز ہے اس کو واقعی طور پر چھوڑ دینا چاہیئے لیکن اگر گذشتہ تاریخ سے یہ پتہ لگے کہ دعا نے دنیا کو بہت فائدہ پہنچایا ہے تو پھر ہمیں بالکل مطمئن رہنا چاہیئے کہ اب بھی یہ وہی فائدہ پہنچا سکتی ہے دعا کا اصل مفہوم سمجھنے کے لیئے یہ مفید ہوگا کہ مین یہاں ایک ایسے شخص کی گواہی پیش کروں جو کہ روحانیت میں ایک اعلیٰ درجہ کا شخص مانا گیا ہے مرحوم حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رحمۃ اللہ علیہ بانی فرقہ احمدیّہ نے طاعون کے اس ملک مین نمودار ہونے پر ایک رسالہ لکھا جس میں آپنے اس بیماری کے لیئے بعض علاج لکھے مگر آپنے اسبات پر بہت زور دیا کہ لوگ اپنے گناہون سے توبہ کریں اور خدا سے دعا مانگیں اس تحریر پر لوگوں نے اُسی قسم کے اعتراضات کئے جن پر کہ ہم اس آرٹیکل مین بحث کر رہے ہین ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے آپ ایام الصلح مین یون رقمطراز ہوتے ہیں۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض صاحبون کے دلوں مین میرے اس اشتہار کے پڑھنے

سے یہ ایک اعتراض پیدا ہوا ہے کہ لوگوں کو اوّل یہ بتانا کہ اس مرض کے استیصال کے لیئے فلان تدبیر یا دوا ہے اور پھر یہ کہنا کہ شامت اعمال سے یہ مرض پھیلتی ہے ان دونوں باتوں میں تناقض ہے اور تعجّب کہ اس اعتراض کے کرنیوالے بعض مسلمان ہی ہیں سو ایسے سب صاحبوں کو واضح رہے کہ قانونِ قدرت اور صحیفہ فطرت پر نظر ڈالنے سے ان تمام اوہام کا بڑی صفائی سے جواب ملتا ہے خدا کا قانون قدرت جو ہماری نظر کے سامنے ہے ہمیں بتلا رہا ہے کہ سلسلہ تدابیر اور معالجات کا طلب اور استدعا سے وابستہ ہے یعنے جب ہم فکر کے ذریعہ سے یا کسی اور طریق جستجو کے ذریعہ سے کسی تدبیر اور علاج کو طلب کرتے ہیں یا اگر ہم طلب کرنے میں احسن طریق کا ملکہ نہ رکھتے ہوں یا اگر اس میں کامل نہ ہوں تو مثلاً اس غور اور فکر کے لیئے کسی ڈاکٹر کو منتخب کرتے ہیں اور وہ ہمارے لیئے اپنی فکر اور غور کے وسیلہ سے کوئی احسن طریق ہماری شفا کا سوچتا ہے تب اُسکو قانون قدرت کی حد کے اندر کوئی طریق سوجھہ جاتا ہے جو کسی درجہ تک ہمارے لیئے مفید ہوتا ہے سو وہ طریق جو ذہن میں آتا ہے وہ درحقیقت اُس خوض اور غور اور فکر اور توجہ کا نتیجہ ہوتا ہے جسکو ہم دوسرے لفظوں میں دعا کہہ سکتے ہیں کیونکہ فکر اور غور کے وقت جب کہ ہم ایک مخفی امر کی تلاش میں نہایت عمیق دریا میں اتر کر ہاتھ پیر مارتے ہیں تو ہم ایسی حالت میں بزبان حال اُس اعلیٰ طاقت سے فیض طلب کرتے ہیں جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

غرض جبکہ ہماری روح ایک چیز کے طلب کرنے میں بڑی سرگرمی اور سوز و گداز کے ساتھ مبدءِ فیض کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور اپنے تئیں عاجز پاکر فکر کے ذریعہ سے کسی اور جگہ سے روشنی ڈھونڈتی ہے تو درحقیقت ہماری وہ حالت بھی دعا کی ایک حالت ہوتی ہے اِسی دعا کے ذریعہ سے دنیا کی کل حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں اور ہر ایک بیت العلم کی کنجی دعا ہی ہے اور کوئی علم اور معرفت کا دقیقہ نہیں جو بغیر اسکے ظہور میں آیا ہو ہمارا سوچنا اور ہمارا فکر کرنا اور ہمارا طلب امر مخفی کے لیئے خیال کو دوڑانا یہ سب امور دعا ہی میں داخل ہیں صرف فرق یہ ہے کہ عارفوں کی دعا آداب

معرفت کیساتھ وابستہ ہوتی ہے اور انکی روح مبدء فیض کو شناخت کرکے بصیرت کے ساتھ اسکی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور محجوبوں کی دعا صرف ایک سرگردانی ہے جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے وہ لوگ جن کو خدا تعالےٰ سے ربط معرفت نہیں اور نہ اسپر یقین ہے وہ بھی فکر اور غور کے وسیلہ سے یہی چاہتے ہیں کہ غیب سے کوئی کامیابی کی بات انکے دل میں پڑجائے اور ایک عارف دعا کرنے والا بھی اپنے خدا سے یہی چاہتا ہے کہ کامیابی کی راہ اُسپر کھلے لیکن محجوب جو خدا تعالیٰ سے ربط نہیں رکھتا وہ مبدء فیض کو نہیں جانتا اور عارف کی طرح اُس کی طبیعت بھی سرگردانی کیوقت ایک اور جگہ سے مدد چاہتی ہے اور اسی مدد کے پانے کے لیئے وہ فکر کرتا ہے مگر عارف اس مبدء کو دیکھتا ہے اور یہ تاریکی میں چلتا ہے اور نہیں جانتا کہ جو کچھ فکر اور خوض کے بعد بھی دلمیں پڑتا ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور خدا تعالےٰ متفکر کے فکر کو بطور دعا قرار دیکر بطور قبول دعا اس علم کو فکر کرنیوالے کے دل میں ڈالتا ہے غرض جو حکمت اور معرفت کا نکتہ فکر کے ذریعہ سے دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا سے ہی آتا ہے اور فکر کرنیوالا اگرچہ نہ سمجھے مگر خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ مجھ سے ہی مانگ رہا ہے سو آخر وہ خدا سے اس مطلب کو پاتا ہے اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے یہ طریق طلب روشنی اگر علیٰ وجہ البصیرت اور ہادی حقیقی کی شناخت کیساتھ ہو تو یہ عارفانہ دُعا ہے اور اگر صرف فکر اور خوض کے ذریعہ سے یہ روشنی لامعلوم مبدء سے طلب کیجائے اور منور حقیقی کی ذات پر کامل نظر نہ ہو تو وہ محجوبانہ دعا ہے۔

اب اس تحقیق سے تو یہی ثابت ہُوا کہ تدبیر کے پیدا ہونے سے پہلا مرتبہ دعا کا ہی جسکو قانون قدرت نے ہر ایک بشر کے لیئے ایک امر لابدی اور ضروری ٹھہرا رکھا ہے اور ہر ایک طالب مقصود کو طبعاً اس پُل پر سے گزرنا پڑتا ہے پھر جائے شرم ہے کہ کوئی ایسا خیال کرے کہ دعا اور تدبیرمیں کوئی تناقض ہے دعا کرنیسے کیا مطلب تھا ہے یہی تو ہوتا ہے کہ وہ عالم الغیب جسکو دقیق در دقیق تدبیریں معلوم ہیں کوئی احسن

تدبیر دل میں ڈالے یا بوجہ خالقیت اور قدرت اپنی طرف سے پیدا کرے پھر دعا اور تدابیر میں تناقض کیونکر ہوا؟

علاوہ اس کے جیسا کہ تدابیر اور دعا کا باہمی رشتہ قانون قدرت کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے ایسا ہی صحیفہ فطرت کی گواہی سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ انسانی طبایع کسی مصیبت کیوقت جسطرح تدبیر اور علاج کی طرف مشغول ہوتی ہیں ایسا ہی طبعی جوش سے دعا اور صدقہ اور خیرات کی طرف جھک جاتی ہیں اگر دنیا کی تمام قوموں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کسی قوم کا کانشنس اس متفق علیہ مسئلہ کے برخلاف ظاہر نہیں ہوا پس یہی ایک روحانی دلیل اس بات پر ہے کہ انسان کی شریعت باطنی نے بھی قدیم سے تمام قوموں کو یہی فتوے دیا ہے کہ وہ دعا کو اسباب اور تدابیر سے الگ نہ کریں بلکہ دعا کے ذریعہ سے تدابیر کو تلاش کریں غرض دعا اور تدبیر انسانی طبیعت کے دو طبعی تقاضے ہیں کہ جو قدیم سے اور جیسے کہ انسان پیدا ہوا ہے دو حقیقی بھائیوں کی طرح انسانی فطرت کے خادم چلے آئے ہیں اور تدبیر دعا کے لیئے بطور نتیجہ ضروریہ کے اور دعا تدبیر کے لیئے بطور محرک اور جاذب کے ہے اور انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ تدبیر کرنے سے پہلے دعا کے ساتھ مبدء فیض سے مدد طلب کرے تا اس چشمہ لازوال سے روشنی پا کر عمدہ تدبیریں بیسر آسکیں۔

چونکہ ہم نے دعا کی اصل ماہیت کو سمجھ لیا ہے اسلیئے اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ دُکھ کیا شئے ہے بعض دفعہ وہی چیزیں جن پر ہماری زندگی کا دار و مدار ہے ہمارے لئے دُکھ کا موجب ہو جاتی ہیں یا یوں کہیئے کہ خود شامت اعمال کیوجہ سے انہیں چیزوں کو ہم اپنے لیئے دُکھ کا موجب بنا لیتے ہیں اللہ تعالےٰ نے اس دنیا کے قانون اس طرز سے بنائے ہیں کہ ہم چاہیں تو انکو بُری طرح استعمال کریں اور نقصان اُٹھاویں یا اچھی طرح استعمال کر کے فائدہ اٹھائیں دوسرے لفظوں میں انسان کو اس قدر طاقتیں اور قوتیں عنایت کی گئی ہیں کہ وہ مخالف طاقتوں کا مقابلہ کر سکتا ہے اور اپنے

فتحیاب ہو سکتا ہے قرآن شریف فرماتا ہے اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض وانزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرٰت رزقا لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانھار و سخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنھار وآتاکم من کل ما سالتموہ (ترجمہ) خدا وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور وہ بادلوں سے پانی اتارتا ہے اور اس پانی کے ذریعہ وہ پھلوں کو نکالتا ہے اور اس نے جہازوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ وہ اس کے حکم کیساتھ سمندروں میں چلیں اور اس نے ایک دوسرے کے پیچھے آنیوالے شمس و قمر کو تمہارے لیئے مسخر کر دیا اور جو بھی چیزیں تم خدا سے مانگتے ہو وہ تمہیں دیتا ہے۔

اس آیت میں ہمیں بتلایا گیا ہے کہ مختلف قسم کی چیزیں انسان کے لیئے اللہ تعالیٰ نے مسخر کر دی ہیں یعنے اس مادی دنیا میں جس قدر قوتیں کام کر رہی ہیں وہ ایسے طور سے نہیں بنائی گئیں کہ انسان انپر غلبہ نہ پا سکے اور اس آیت کے آخری لفظوں میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انسان کو اس مادی دنیا پر اس قدر فتح عطا کی جاتی ہے جسقدر کا وہ طالب ہوتا ہے اسطرح سے اللہ تعالےٰ نے اپنے دو قانون انسان کی ہدایت اور حفاظت کے لیئے پیش کر دیئے ہیں ایک تو یہ کہ اس مادی دنیا میں جسقدر قوتیں کام کر رہی ہیں ان سب پر انسان فتح پا سکتا ہے اور دوسری یہ کہ اس فتح کے حاصل کرنیکے لیئے اسے دعا کرنی چاہیئے جس کے معنے یہ ہیں کہ حتی الامکان اسے کوشش کرنی چاہیئے اور ان انعامات کو خدا سے مانگنا چاہیئے دوسری جگہ قرآن شریف میں آیا ہے اللہ الذی سخر لکم البحر لتجری الفلک فیہ بامرہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منہ ان فی ذالک لآیٰت لقوم یتفکرون (الجاثیہ)

ترجمہ۔ اللہ وہ قادر مطلق ہے جس نے سمندر کو تمہارے بس میں کر دیا ہے۔ تاکہ خدا کے حکم سے اس میں جہاز چلیں اور تاکہ تم لوگ اس کے فضل کو تلاش کرو۔ اور

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اُسی نے اپنے کرم سے ان سبکو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے بے شک اس میں اللہ تعالےٰ کے آیات ہیں اس قوم کے لیئے جو سوچ اور سمجھ سے کام لیتی ہے (سورہ جاثیہ آیت ۱۱-۱۲) اس آیت میں بھی اگرچہ یہ بتلایا گیا ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ سب اس طور سے بنایا گیا ہے کہ انسان انکو اپنے مطلب کے موافق کام میں لاسکتا ہے تو بھی یہ انسان پر لازمی کر دیا گیا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کے انعامات کو تلاش کرے اور ان کے حصول کے لیئے کوشش کرے خدا تعالےٰ نے یہ قوت انسان کے اندر رکھ دی ہے اور قانون فطرت اور قدرت اس طرح سے بنائے گئے ہیں کہ وہ انسان کے اقتدار کے سامنے سربسجود ہونیکو طیار ہیں اگر وہ ذرا بھی کوشش کرے تو وہ سب اس کے مطیع و منقاد ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ہم رنج کو مبدل بہ راحت اور برائی کو نیکی میں تبدیل کرسکتے ہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ زمین و آسمان اور بر و بحر پر انسان کو اقتدار دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی اس کے وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ اس اقتدار کو حاصل کرنے کیلیئے ہمیں حتی الوسع اور حتی الامکان ضرور کوشش کرنی چاہیئے؛

اب اگر ہم تاریخ دنیا کیطرف نظر کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ بہت سی راحتیں ہیں۔ جو ہمیں میسر ہیں مگر ہمارے آباو اجداد کے خواب و خیال میں بھی نہ تھیں اس میں کوئی شک نہیں کہ جسقدر تکالیف ہمیں قانون سماوی و ارضی کیوجہ سے پہنچتی ہیں ان سے کہیں بڑھکر ہمارے اباو اجداد کو پہنچتی رہی ہیں جب کوئی دُکھ انسان پر وارد ہوا تو اس نے یہی بتلایا کہ خدا سے دعا کرنی چاہیئے اور اس سے پناہ مانگنی چاہیئے تاکہ اللہ تعالےٰ اُسے دور ہی رکھے آہستہ آہستہ اسی دعا کیوجہ سے اور اللہ تعالےٰ کی ہدایت کے ذریعہ انسان اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ وہ اس ظاہری دنیا کو فتح کرسکتا ہے اور اسکی طاقتوں اور قوتوں کو اپنے مفید مطلب بناسکے اور اپنے فائدے کے لیئے استعمال کرسکے یہ سب عجائبات قدرت اسی دعا کا نتیجہ ہیں جسکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں؛

جب ہم گذشتہ دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں تعجب آتا ہے کہ اسقدر

عظیم الشان فتح انسان کو کس طرح حاصل ہوگئی پس زلزلہ کے بالمقابل یا طاعون قحط اور وبا کے بالمقابل دعا استعمال کرنے پر ہنسنا محض . . . . حماقت ہے۔ جیسا جیسا ہماری غرض اور ہمارا مدعا جسکو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں بڑا ہوتا جائیگا۔ اسی قدر اس کے حصول کیلیئے وقت اور ہمت اور کوشش زیادہ بکار ہوگی ان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون یعنے خدا تعالےٰ کا ایکدن بندوں کے ہزار سال کے برابر ہوتا ہے جتنے ہزار سال اس انسان کی زندگی پر گزر رہے ہیں وہ خدا کے نزدیک اتنے دنوں کے برابر ہیں۔

دعا کے ذریعہ نہ صرف انسان اپنے فائدے کے لیئے اس مادی دنیا کو فتح کر سکتا ہے بلکہ اس سے بڑھکر بھی وہ فائدہ اٹھا سکتا ہے نوع انسان کی جہالت بھی آہستہ آہستہ رفع ہوگی اور خواہ کتنی ہی وہ فتوحات کرتا چلا جائے اور اس کے علم کا دائرہ خواہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہوتا جائے بہت کچھ اس کے احاطۂ علم اور احاطۂ اقتدار سے باہر رہیگا ہمہ علم انسان کبھی نہیں ہو سکتا اور جو کچھ تھوڑا بہت علم اُسے حاصل ہوگا وہ آہستہ آہستہ اور تدریجاً ہوگا علاوہ ازیں بہت سا دُکھ اور رنج جس میں انسان مبتلا ہے وہ اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے ظلم تعدی لوٹ بے رحمی اور قتل بھی تو آخر انسان ہی کرتا ہے اس ورلی دنیا میں ایسے آدمی بھی موجود ہیں کہ وہ جرم کے ارتکاب سے کبھی باز نہ آویں گے باوجودیکہ ان کی آنکھوں کے سامنے دل پگھلا دینے والا منظر موجود کیوں نہ ہو پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہم اس دنیا کے فتح کرنے کے لیئے بالکل ناتجربہ کار ہیں اور ہر ایک ہمارا نیا تجربہ اپنے ساتھ نئے نئے مشکلات لے آتا ہے ان حالات کے ماتحت ہم ایک نہ ایک طرح ان مشکلات کا شکار ضرور رہینگے اسلیئے ہمیں چاہیئے کہ ہم ان مشکلات کے سہنے اور برداشت کرنے کو سیکھیں کیونکہ اس کرۂ ارض پر انسانی زندگی کے لیئے یہ لازم و ملزوم کی طرح ہیں ان سب کے علاوہ دل اور روح کی بھی ایک تکلیف ہے جس کا روزمرہ کی آسائشوں کیساتھ کوئی تعلق نہیں اس قسم کے تمام دکھوں اور دردوں کے لیئے صرف دعا ہی ایک علاج ہے۔

پس وہ شخص جو اپنے دکھ اور درد کیوقت اپنے خدا کا وسیلہ ڈھونڈتا ہے اور اپنی مشکلات اور دقتوں کا حل صرف خدا سے ہی چاہتا ہے ایسے شخص کو سچی راحت قلب اور سچی خوشی عطا کیجاتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ دعا اپنے تمام لوازمات کیساتھ ہو پس خواہ اس کو اپنا دعا فوراً حاصل نہ بھی ہو (کیونکہ اس مین شک نہیں کہ بہت سے اعلیٰ مقاصد ہیں جو ہزاروں آدمیوں کی مجموعی دعاؤنکو جو سینکڑوں نہیں ہزاروں سال کی دعائیں چاہتے ہیں تاہم اسکو دعا کے ذریعہ دلی راحت اطمینان قلب اور حضوری دل عطا کیجاتی ہے اور وہ خدا تعالےٰ سے محرومیت نہیں پاتا اور نہ ہی وہ خدا تعالےٰ سے رنجیدہ ہوتا ہے دعا کا اصلی مقصد سچی خوشی اور اطمینان قلب ہے یہ کہنا کہ ہماری خوشی اس مقصد کے حاصل ہونیکے ساتھ وابستہ ہے جس کے لیئے ہم دعا کرتے ہیں ٹھیک نہیں پس وہ شخص جو صفائی باطن اور حضوری دل کیساتھ دعا کرتا ہے وہ کبھی محروم نہین رہتا اور نہ ہی اُسے کبھی غم پہنچتا ہے اور اسی مین ہماری حقیقی خوشی موجود ہے وہ اعلےٰ درجہ کی خوشی جو نہ دولت اور مال وجاہ اور نہ سلطنت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی وہ صحت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور جو بالکل اللہ تعالیٰ کے اختیار مین ہے وہ روحانی بہشت سچی اور حقیقی دعا کے بعد حاصل ہوتا ہے بڑی سے بڑی مصیبت کیوقت خدا کا سچا فرمانبردار دعا کرنیکے بعد ایک ایسے خوشی کے مقام مین ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑا بادشاہ اپنے اوج سلطنت و اقتدار کیوقت ایسی خوشی حاصل نہیں کر سکتا پس وہ شخص جسے یہ راحت اور خوشی میسر آجائے وہ بامراد ہو گیا اور اس کے رنج اور تفکرات مبدل بہ راحت ہو جاتے ہیں۔ یہی تعلق دعا اور مصائب کا ہے اور اس سے معلوم ہو گا کہ واقعی دعا سے ہر ایک قسم کے مصائب رفع ہو سکتے ہیں اور ہر وقت اور ہر حالت مین اگر انسان سچی خوشحالی چاہتا ہے تو وہ دعا کے ذریعہ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

اشاعتِ اسلام

بعض عیسائی مشنریوں نے اسلام کے متعلق بہت سے جھوٹے الزام پھیلائے ہیں ان جھوٹے الزامات مین سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ عیسائی مصنفوں نے بھی بارہا اس کی نص سے تردید کی ہے لیکن جب عیسائی مشنری ایکبات لکھدیتے ہیں تو کوئی دلیل ایسی نہیں جو انکو یقین دلاسکے کہ انکا اعتراض بیہودہ اور لغو محض ہے اور وہ اسکو واپس لے سکتے مسیحی واعظین کے اس اصرار کیوجہ معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے یہ انکا اپنی غلطی پر ہٹ کرنا انکے اغراض مین داخل ہے کیونکہ انکے الزامات انصاف پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ جس چیز اور جس بات کو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ انکے کام مین مددگی اسکو بغیر سوچے سمجھے اور بغیر کسی تنقید کے لے لیتے ہین انکا اصلی کام عیسائیت کا وعظ کرنا ہے لیکن وہ اسباب اور سامان جو وہ اپنی اس غرض کو پورا کرنیکے لیئے استعمال کرسکتے ہین بہت ہی تھوڑے اور قلیل ہیں مذہب عیسائی میں قابل وعظ باتین بہت ہی کم ہیں وہ انسانون سے یسوع کی خدائی منوانا چاہتے ہیں لیکن دنیا مین انسانی خداؤن کا ذخیرہ آگے ہی بہت ہے اور اب دنیا کا یہ میلان بالکل نہیں رہا کہ وہ اس روشنی کے زمانہ کے آخری درجہ مین بھی خداؤن کی فہرست مین ایک اور خدا داخل کردے سچ تو یہ ہے کہ عیسائیت مین صداقت بہت ہی کم ہے بلکہ ہے ہی نہیں عیسائی مشنری کا مذہب صرف اتنے مقولہ مین آجاتا ہے کہ یسوع خدا تھا جو صلیب پر مرگیا تاکہ وہ ان لوگون کے لیئے جو اسپر ایمان لائیں کفارہ ہو پس اسطرح اسکے وعظ کا دائرہ بہت ہی تنگ ہے لابد ہے کہ اسکے مشغول رکھنے کے لیئے کوئی چیز ہو پس جب کہ اسکے اپنے مذہب مین کوئی خوبی کی بات نہیں ہے جسکو وہ دوسرون کے سامنے پیش کرسکے تو وہ اپنا وقت دوسرے مذاہب

کی عیب جوئی میں صرف کرتا ہے گویا کہ وہ سمجھتا ہے کہ دوسرے مذہب کی عیب جوئی ہی عیسائیت کی صداقت قایم کرنیکے لیئے بہت کافی ہے!

اسلام سے مشنریوں کو خاص کینہ ہے کیونکہ وہ اسلام کو اپنا بڑا دشمن سمجھتے ہیں دوسرے مذاہب میں انکو اعتراض کرنیکے لیئے کافی سامان ملسکتا ہے کیونکہ ان کے عقایدمین بہت سی ایسی باتیں پائی جاتی ہین جوکہ اعتراضات کا مورد بن سکتی ہیں لیکن اسلام کی اعلیٰ صداقتیں اور اسکے عقایدحقہ عیسائی مشنری کی آنکھوں کو اپنی روشنی اور ضیا کیساتھ چندھیا دیتے ہیں وہ اصول ایسے قابل تعریف ہیں کہ ایک عیسائی مشنری کو بھی (جو دوسروں کی غلطیوں کے معلوم کرنے میں بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے کام لیتا ہے) کوئی موقع نہیں ملتا کہ وہ ان کے برخلاف ایک لفظ ہی منہ سے نکال سکے پس جب وہ دیکھتا ہے کہ وہ اسلام کے اصول حقہ پر اعتراض کرنیکے قابل بالکل نہیں ہے تو وہ اعتراض کرنے کی اور راہ اختیار کرتا ہے چونکہ مذہب اسلام کے عقایدحقہ انسانی عقل اور رزانت کے برخلاف نہیں ہیں اور ان میں کوئی بات ایسی نہیں ہے کہ جن پر عقل انسانی اعتراض کرسکے تو وہ یہ ظاہر کرنیکی کوشش تو نہیں کرتا کہ اسلامی تعلیم عقل کے برخلاف ہے بلکہ یہ ظاہر کرنیکی کوشش کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات یہود اور نصاریٰ سے لی ہیں اور اسلیئے اسلام ایسی پاک اور اعلیٰ تعلیم کے شایع کرنیکا حق نہیں لے سکتا وہ ان تعلیمات کو جو قرآن مجید مین مندرج ہیں عیسائیت اور یہودیت کے چشموں سے نکلی ہوئی بتاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ ایسا کرنے سے اس نے قرآن شریف کے الہامی ہونیکے دعوے پر سخت حربہ چلایا ہے گویا کہ اسکے نزدیک الہامی کتاب ہونیکا معیار محض نئی بات کا پیش کرنا ہے اسکی نگاہ میں قرآن شریف صرف اسوقت الہامی کتاب ہوسکتا تھا اگر وہ نجات کی کوئی ایسی خودتراشیدہ تجویز پیش کرتا جیسی کہ عیسائیت نے پیش کی ہے چونکہ قرآن شریف نجات کے لیئے پہلے نبیوں سے کوئی نئی راہ نہیں بتلاتا جیساکہ قرآن مجید کے نزدیک نجات کسی انسانی خدا کی قربانی پر موقوف نہیں ہے

اس لیے قرآن شریف مسیحی واعظ کے رائے مین خدا کا کلام نہین ہوسکتا یہ بات کہ قرآن شریف کی تعلیمات انبیائے سابقین کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں عیسائی مشنری کے نزدیک اسکے جعلی ہونیکا ایک کافی ثبوت ہے لیکن اسکو یہ سمجھ نہیں آتی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور انبیائے سابقین کی تعلیمات کو بالکل مشابہ ثابت کرنے سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی اپنی بیخبری مین شہادت دیے جاتا ہے اسجگہ میری یہ غرض نہیں ہے کہ مین بتاؤن کہ خود قرآن شریف اپنے الہامی ہونے کی بڑی عظیم الشان اور لاجواب شہادت پیش کرتا ہے اور یہ کہ اسکی تعلیمات اپنے حسن وخوبی میں ان تمام تعلیمات کو جو کسی انسان کو دیگئی ہوں بہت بڑھی ہوئی ہین اس سے میرا مدعا یہ ہے کہ میں ناظرین کی توجہ کو اسطرف مبذول کروں کہ مسیحی مشنری کی حاسد آنکھ کو بھی اتنا موقع نہیں ملتا کہ وہ قرآن شریف کی پاک اور مدلل تعلیمات میں نقص نکال سکے اور صرف انبیائے سابقین کی تعلیمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں مشابہت ثابت کرنے اور اس الزام کے لگانیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانے کے یہود اور نصارٰی کی تعلیمات سے اپنی تمام مقدس تعلیمات کو اخذ کیا تھا مسیحی مشنری اسلامی صداقت پر ایک بالواسطہ شہادت قایم کرتا ہے حالانکہ یہود اور نصارٰی کے اسلام قبول کرنے کی صرف یہ وجہ بیان کیجاتی ہے کہ انکی اعتقادی حالت خراب ہوگئی تھی اور وہ بالکل بگڑ گئے تھے اسلیئے انہوں نے اسلام کی مستھری تعلیم کو قبول کر لیا۔ جب انکی اپنی حالت بگڑی ہوئی تھی توپھر وہ لوگ کس طرح اسلام کی پاک تعلیم کا سرچشمہ کہلاسکتے ہیں اور کیوں روم اور شام کے عیسائیوں نے اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام کو قبول کر لیا جبکہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ تمام تعلیمات مسروقہ ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) لیکن انصاف پسند عیسائی مصنفین نے کھلے الفاظ میں اسبات کی شہادت دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم عین عقل اور انسانی فطرت کے مطابق ہے کچھ عرصہ گزرا ہے کہ سول اینڈ ملٹری گزٹ کے لائق عیسائی ایڈیٹر نے لکھا تھا کہ یہ غالباً ناممکن بات تھی

کہ انگریزی تعلیم ایک ہندو کے مذہبی خیالات میں تغیر و تبدل پیدا نہ کرے۔ لیکن ایک مسلمان ایسی لامذہبی کیحالت میں ہرگز مبتلا نہیں ہو سکتا یعنے ایک مسلمان پر یوروپین اور انگریزی تعلیم کی وجہ سے اپنے اسلامی عقایدمیں متزلزل نہیں ہو سکتا ایک سائینسدان کے نزدیک بھی اسلام کے قبول کرنے میں کوئی عقلی مشکلات نہیں ہیں اور انگریزی دان طالبعلموں میں اسلامی فرایض کی عدم پابندی ایک دنیاوی کالج کی زہریلی ہوا کی وجہ سے ہے اور یہ عدم پابندی اسلیئے نہیں ہے کہ سائینس اور مسلمان طالب علم کے مذہبی عقائدمیں کوئی تعارض ہے اس کی شہادت اس طرح پر ملسکتی ہے کہ ایک ہندوستان کے کالج کے مسلمان طلبار کی کثیرالتعداد پر بداعتقادی کا زمانہ نہیں آتا جو کہ بہت سے انگلینڈ کے کالجوں کے طالبعلموں کو تجربہ کرنا پڑتا ہے انگریزی خواں مسلمان صرف مذہب کی طرف سے بے توجہ ہو جاتے ہیں دوسرے معاملات میں (جیسے پالیٹکس تمدنی اصلاح یا ترقی قوم ان کی نگاہ میں بڑی اہمیت حاصل کر لیتے ہیں اور مذہب کی طرف انکی توجہ کم ہو جاتی ہے"۔ اسطرح اس عالم مصنف کے نزدیک جو اپنے تئیں عیسائی مذہب کا پیرو تسلیم کرتا ہے دنیا کے تین بڑے مذاہب یعنے عیسائیت ہندومت اور اسلام میں سے صرف موخرالذکر ہی ایک ایسا مذہب ثابت ہوا ہے جو کہ ایک سائینس دان کے لیئے بھی کوئی عقلی مشکلات پیش نہیں کرتا اس لایق مضمون نگار کی رائے میں ایک ہندو پر مغربی تعلیم کا بداثر لابد تھا یعنی یہ ضروری تھا کہ ایک ہندو کے عقائد پر مغربی سائینس حملہ کرتی اور اسکے مذہب کی بنیاد کو کھوکھلی کر دیتی لایق مضمون نویس اس بداعتقادی اور دہریت کی کشمکش کے زمانہ کیطرف بھی اشارہ کرتا ہے جس میں بہت سے عیسائی طالبعلم انگلستان کے کالجوں میں مبتلا ہوتے ہیں مگر وہ ساتھ یہ بھی بتاتا ہے کہ ہندوستان کے کالجوں میں مسلمان طلبار اس وبا سے محفوظ رہتے ہیں اسکا سبب اظہر من الشمس ہے یہ اسلیئے ہے کہ عیسائی مذہب کے اصول سائینس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے

جو کہ ایک سائنس دان کو بھی مجبور کرتا ہے کہ وہ اسکی تعلیم کے معقول ہونیکا اقرار کرے۔ اور اس سے انکار نہ کر سکے حالانکہ سائنس اور علوم خفہ ہندومت یا عیسائی مذہب کے پیرودوں کا اعتقاد اور ایمان تزلزل میں ڈال دیتے ہیں ایک دنیاوی اخبار کے ایک عالم عیسائی ایڈیٹر کی یہ رائے جو اپنے مذہب کے خلاف اسلام کے حق میں ظاہر کرتا ہے اور اپنا فیصلہ کن عندیہ بتاتا ہے بالکل انصاف اور حق پرستی پر مبنی سمجھنی چاہیئے کیونکہ سچی فضیلت وہی ہوتی ہے ما شھدت بہ الاعداء یعنے جس کی دشمن بھی گواہی دیں اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ نہ صرف عیسائی مشنری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو گذشتہ انبیاء کی تعلیم سے مطابق ثابت کرنے سے اسلامی صداقت کی شہادت دیتا ہے بلکہ اس کے ہم مذہب جو مشنری پیشہ نہیں رکھتے کھلے الفاظ میں یہ گواہی دیتے ہیں کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسکو ایک سائنس دان بھی قبول کرسکتا ہے۔

نہ صرف اسلامی تعلیمات کی خوبی نے ہی مسیحی واعظ کی آنکھوں کو چندھیا دیا ہے بلکہ اُس تیزی کو مسیحی مشنری دیکھکر ششدر اور حیران رہ گیا ہے۔ جس تیزی کیساتھ دنیا نے اپنے پُرانے عقاید فاسدہ کو ترک کرکے اس نئے مذہب یعنی اسلام کو خوش آمدید کہا ہے لیکن چونکہ وہ نہیں چاہتا کہ اس تعجب خیز کامیابی کو اسلام کی حقانیت اور اسکی حقیقی روحانی طاقت کی طرف منسوب کرے اس نے اس کامیابی کو جسمانی طاقت کی طرف منسوب کیا ہے جو اسکے زعم میں اہل دنیا پر مسلمانوں نے استعمال کی تاکہ دنیا کو اسلام کے قبول کرلینے پر مجبور کریں عیسائی مشنریونکا یہ بھی دعوےٰ ہے کہ جبر کا استعمال قرآن شریف نے بتایا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ طریق جابرانہ اختیار کیا گیا اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس حکم کی فرمانبرداری میں بڑے زور سے کوشاں رہے اس سے بڑھکر اور کوئی بے انصافی کی بات نہیں ہوسکتی کہ قرآن شریف یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف ایسی تعلیم منسوب کی جاوے یا یہ کہ آپ کے صحابہ نے لوگوں کو

زور سے مسلمان کرنیکے لیئے تلوار سے کام لیا تھا مندرجہ ذیل صفحات میں میرا کام صرف یہی ہے کہ میں ثابت کروں اور یہ بتاؤں کہ یہ الزام محض افترا ہے اور اس میں اصلیت رائی بھر بھی نہیں ہے قرآن شریف اس بات سے بالکل پاک ہے کہ وہ حکم دے۔ کہ اسلام کی اشاعت کے لیئے تلوار سے کام لیا جاوے بلکہ وہ ایسے گندے طریق کو ایک جرم قرار دیتا ہے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن (النحل) یعنے تو اپنے رب کی راہ کی طرف بلا ساتھ حکمت اور اچھی نصیحت کے اور ان سے ایسی تدبیر کے ساتھ مباحثہ کر جو خوبی سے بھری ہوئی ہو پھر اللہ تعالےٰ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ ولا تجادلوا اهل الكتٰب الا بالتي هي احسن (عنکبوت) اور اہل کتاب یہود ونصاریٰ سے مباحثہ مت کرو مگر بڑی نرمی اور رافت سے اور سورہ آل عمران میں فرماتا ہے قل يا اهل الكتٰب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون ط کہدے اے اہل کتاب آؤ طرف ایک بات کی جو برابر ہے تمہارے درمیان اور ہمارے درمیان یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراویں اور کوئی ہم میں سے ایک دوسرے کو اللہ تعالےٰ کے سوا رب نہ بناوے پس اگر یہ لوگ (اہل کتاب) پھر جاویں تو تم کہدو کہ گواہ رہو تحقیق ہم فرمانبردار ہیں۔

ان مذکورۃ الصدر آیات میں ہم مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اہل کتاب سے بہت ہی نرمی سے بحث کریں جتنا کہ ممکن ہو سکتا ہے اور اگر وہ ہمارے دلایل اور حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ سے مستفید نہ ہوں تو ہمیں صرف یہ حکم ہے کہ کہدیں تم مانو یا نہ مانو مگر تم گواہ رہو کہ ہم اللہ تعالےٰ کے فرمانبردار ہیں پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني (سورۃ یوسف) کہدے یہ میری راہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں کامل بصیرت اور یقین تام سے اور میرے

متبعین بھی کامل بصیرت اور یقین تام سے اس راہ کی طرف بلاتے ہیں۔ پھر سورہ نحل میں فرمایا ہے وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدًی ورحمۃ لقوم یؤمنون اور ہم نے تجھپر اسلیئے کتاب نازل کی ہے کہ تو انکو کھول کر سنادے وہ مسائل جن میں وہ اختلاف کرتے تھے اور یہ کتاب سراسر ہدایت اور رحمت ہے ایمانداروں کے لیئے پھر سورہ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن اور تو میرے بندونکو کہدے کہ ان کو چاہیے کہ بڑی عمدگی اور احسن طور سے گفتگو کیا کریں یہ تمام آیات صفائی سے بتا رہی ہیں کہ ہم کو یہ حکم ہے کہ ہم اسلام کی اشاعت بڑی نرمی اور حکمت سے کیا کریں دلائل اور بینات سے اسلام کی خوبیاں ظاہر کریں اور سخت کلمات کے استعمال سے پرہیز کریں اور تمام ایسے امور سے احتراز کرتے رہیں جن سے دوسرے مذاہب کے لوگونکو دکھ یا تکلیف پہنچے اللہ تعالے فرماتا ہے لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ یعنے انکو گالیاں مت دو جو اللہ کو چھوڑکر دوسرے بتوں کو پکارتے ہیں مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑی صفائی سے وہ قاعدہ بتا دیا ہے جس کا ہمیں اسلامی صداقت پر وعظ کرتے ہوئے پابند رہنا چاہیئے ہمیں بڑے زور سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ملائمت اور صبر اور تحمل سے کام لیں یہ حکم اس قول سے کہ قرآن شریف تلوار کیساتھ اسلام پھیلانیکی تعلیم دیتا ہے بالکل مخالف ہے خدا تعالے صریحاً منع فرماتا ہے کہ کوئی کسی قسم کا جبر و اکراہ نہ کیا جاوے یہ صریح حکم مندرجہ ذیل الفاظ میں دیا گیا ہے لا اکراہ فی الدین "مذہب میں کوئی جبر نہیں" اور اسکی دلیل کہ کیوں اسلام میں جبر نہیں اسی آیت میں بیان فرمائی گئی ہے اور وہ یہ ہے قد تبین الرشد من الغی یعنی "ہدایت اور گمراہی کا راستہ کھلم کھلا بیان کر دیا گیا ہے" اسلیئے ہر ایک انسان کو آزادی حاصل ہے کہ جو راستہ چاہے چن لے میں نہیں جانتا کہ کسی مذہبی کتاب نے ایسی صراحت کیساتھ دین میں جبر کرنے سے منع کیا ہو جیسا کہ قرآن شریف نے پُرزور

الفاظ میں جبر و اکراہ سے منع فرمایا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ تمام کتب مقدسہ میں سے صرف قرآن شریف ہی ایک ایسی کتاب ہے جس پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اس نے اپنے پیروؤں کو مذہب کے پھیلانے کے لیے جبر و اکراہ کا حکم دیا ہے۔

محولہ بالا آیت میں صراحت سے بتایا گیا ہے کہ دین کے لیے کسی قسم کا جبر جائز نہیں ہے اور اس آیت کریمہ کا منشا یہ ہے کہ ہمارا راستہ صاف طور سے بتا دیا گیا ہے۔ اور اس لیے جو کوئی اس سے انکار کرتا ہے جیسے اسکے کہ اس کے لیے ہدایت کی راہ کھول کر بیان کر دیگئی ہے اُس سے خدا تعالے خود پوچھیگا قرآن شریف میں اور کئی جگہ... پر آیا ہے کہ اسلام کا قبول کرنا یا نہ قبول کرنا لوگوں کی مرضی پر چھوڑا گیا ہے اور نبی کا صرف اتنا فرض ہے کہ وہ کھلے الفاظ میں لوگوں کو خدا کا پیغام پہنچا دے۔ میں ذیل میں چند آیات پیش کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ آیات ناظرین کو اس نتیجہ تک پہنچا دینگی کہ قرآن شریف اس سے پاک ہے کہ وہ یہ حکم دے کہ مذہب کے پھیلانے کے لیے تلوار کو استعمال کیا جاوے بلکہ قرآن شریف میں یہ فرمایا گیا ہے کہ نبی اور اس کے متبعین کو لازم ہے کہ وہ لوگوں کی مرضی پر اسلام کی قبولیت کو چھوڑ دیں چنانچہ وہ فرماتا ہے (۱) ان ھٰذہٖ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا۔ یعنے یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی راہ اختیار کرے (سورہ مزمل رکوع اول و سورہ دہر رکوع ۲)

(۲) کلا انہ تذکرۃ فمن شاء ذکرہٗ۔ ہرگز نہیں یہ قرآن شریف ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اس سے فائدہ اٹھاوے (سورہ مدثر رکوع ۲)

(۳) و قل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر۔ یعنے اور تو کہدے یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے پس جو چاہے اسکو مانے اور جو چاہے اسکو نہ مانے (سورہ کہف رکوع ۴)

(۴) و ان اتلوا القرآن فمن اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہ و من ضل فقل انما انا من المنذرین اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں قرآن کو پڑھکر سنا دوں پس جو ہدایت پا گیا اسکا فائدہ اسکے نفس کو ہی پہنچیگا اور جو گمراہ ہو گیا پس کہدے میں تو ڈرانیوالا ہوں

(سورہ نمل رکوع ۷)

۵ - قل اللہ اعبد مخلصاً لہ دینی فاعبدوا ما شئتم من دونہ - کہدے بس خالص اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں پس تم عبادت کرو جسکی تم چاہو اسکے سوا (سورۃ زمر رکوع ۲)

۶ - قل یا یھا الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہٖ ومن ضل فانما یضل علیھا وما انا علیکم بوکیل ۔ کہہ اے لوگو تحقیق آگیا ہے حق تمہارے رب کی طرف سے پس جو ہدایت پاتا ہے پس اسکا فائدہ اسکی جان کو پہنچتا ہے اور جو سچی راہ چھوڑ دیتا ہے اسکا نقصان اسی کو پہنچتا ہے اور میں کوئی تمپر کارساز نہیں (سورہ یونس رکوع ۱۱)

۷ - من اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہٖ ومن ضل فانما یضل علیھا ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ یعنی جو ہدایت پا گیا وہ اپنی جان کو ہی فائدہ پہنچائیگا اور جو سیدھی راہ سے دور چلا گیا اسکا وبال اسی پر پڑیگا اور کوئی بوجھ اٹھانیوالا دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھائیگا (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۲)

بہت سی آیتیں لکھی جا سکتی ہیں جن میں خدا تعالےٰ نے بجائے اسکے کہ وہ مومنوں کو حکم دے کہ اسلام کو بزور شمشیر پھیلاؤ یہ حکم دیا ہے کہ اسلام کا قبول کرنا لوگوں کی مرضی پر چھوڑا جائے وہ صراحت سے فرماتا ہے فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر یعنی جسکی مرضی ہو مانے اور جس کی مرضی ہو نہ مانے کیا یہ آیت کریمہ اس خیال کی جڑھ نہیں اکھیڑتی جسکا ماحصل یہ ہے کہ قرآن شریف نے اپنے متبعین کو حکم دیا ہے کہ اسلام کو پھیلانیکے لیئے سخت ذرایع استعمال کئے جاویں قرآن شریف تو یہاں تک نبی کریم کو حکم دیتا ہے کہ نبی کریم اپنی تبلیغ کو حد سے زیادہ نہ لے جائیں اور صاف لفظوں میں آپ کو فرماتا ہے کہ آپکا فرض صرف پیغام الٰہی کے پہونچا دینا ہے اور اگر کفار آپ کی وصایا کی طرف توجہ نہ کریں تو آپکو چاہیئے کہ آپ انکو انکے حال پر ہی چھوڑ دیں کیونکہ آپ اس لیئے نہیں بھیجے گئے کہ آپ جبر سے اور زور سے اسلام منوائیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فمن

اعلم بما یقولون وما انت علیھم بجبار فذکر بالقراٰن من یخاف وعید یعنی ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور تو ان پر کوئی جبار نہیں تو قرآن کیساتھ وعظ کرتا رہ ان لوگوں کو جو میرے عذاب سے ڈرتے ہیں (سورہ ق رکوع ۳) یہ آیت صاف طور سے بتاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلیئے نہیں بھیجے گئے تھے کہ وہ لوگوں سے زبردستی اسلام منوائیں بلکہ آپ کے آنیکی غرض صرف یہی تھی کہ آپ انکو وعظ کردیں جو خدا سے ڈرتے تھے اور آپکی باتیں سننے کے لیئے آپکی طرف متوجہ ہوتے تھے آپکو باربار فرمایا گیا کہ آپ ان لوگوں کو انکے حال پر چھوڑ دیں جو آپ کی وصایا سننا نہیں چاہتے۔ مندرجہ ذیل چند آیات لکھی جاتی ہیں جن میں آپکو یہ فرمایش کیگئی ہے کہ آپ اپنے آپکو مشقت میں نہ ڈالیں ان لوگوں کے لیئے جو آپ کے وعظ سننے سے انکار کرتے تھے۔

۱۔ ما علی الرسول الا البلٰغ نہیں ہے رسول پر مگر پہنچا دینا (سورہ مائدہ رکوع ۳)

۲۔ واعرض عن المشرکین ولو شاء اللہ ما اشرکوا وما جعلناک علیھم حفیظا وما انت علیھم بوکیل۔ اور تو اعراض کر مشرکوں سے اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے تجھکو انپر نگہبان نہیں بنایا۔ اور تو انکا کارساز نہیں ہے (سورۃ انعام رکوع ۱۳)

۳۔ ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاً لست منھم فی شیٔ انما امرھم الی اللہ ثم ینبئھم بما کانوا یفعلون۔ تحقیق وہ لوگ جنہوں نے تفرقہ کیا اور فرقے فرقے ہوگئے تجھے انکے بارے میں کوئی اختیار نہیں انکا معاملہ خدا کے حضور پیش ہے اور انکو ان کے افعال سے خبر دیگا (سورہ انعام رکوع ۲۰)

۴۔ فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر تو نصیحت کر تیرا کام نصیحت کرنا ہے اور تو انپر کوئی داروغہ نہیں (سورہ غاشیہ)

۵۔ فاعرض عن من تولّٰی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیٰوۃ الدنیا۔ تو اس سے منہ پھیرلے جس نے ہمارے ذکر سے منہ پھیرا اور دنیا کی زندگی کے سوا اور کچھ نہ چاہا (سورہ نجم رکوع ۲)

۶۔ فتول عنھم فما انت بملوم وذکر فان الذکرٰی تنفع المؤمنین تو ان سے ہٹ جا تجھے کوئی ملامت نہیں اور تو نصیحت کرتا رہ کیونکہ نصیحت مومنوں کو فائدہ بخشتی

ہے (سورہ ذاریات رکوع ۳)

۷۔ فذرھم یخوضوا ویلعبوا حتی یلقوا یومھم الذی یوعدون۔ تو ان کو چھوڑ دے جھگڑے کرتے ہوئے اور بے حقیقت بات کرتے ہوئے یہانتک کہ وہ اپنے دن کو ملیں جنکا انہیں وعدہ دیا گیا ہے (سورۃ معارج رکوع ۲)

حضرت نبی کریم کو سخت رنج ہوتا تھا جب وہ لوگوں کو گمراہی میں پھنسا ہوا دیکھتے تھے اور آپ ہمیشہ یہی کوشش کرتے تھے کہ لوگ صراط مستقیم کیطرف آجائیں اس غم کا جو آپکے دل کو اپنے ہموطنوں کو ضلالت اور بدیوں میں ڈوبا ہوا دیکھکر ہوتا تھا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے اور آپ سے اللہ تعالیٰ نے کئی دفعہ فرمایا کہ آپ ان تفکرات میں نہ پڑیں اور اپنے دل کو غمزدہ نہ ہونے دیں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے لعلک باخع نفسک علی اثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفا شاید تو اپنے آپکو اس غم سے ہلاک کر دیگا ان کے پیچھے کہ کیوں وہ خدا کی اس بات کو نہیں مانتے (سورہ کہف رکوع ۱) پھر خدا آپ کی لگاتار نصیحتوں کو اور وعظوں کو جو آپ کفار کو سنایا کرتے تھے ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے ولو شاء ربک لاٰمن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین اور اگر تیرا رب چاہتا تو تمام زمین والے مومن ہو جاتے کیا تو لوگوں کو زبردستی مومن بنانا چاہتا ہے (سورۃ یونس رکوع ۱۰) یہاں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ حد سے بڑھکر کسی کے پیچھے پڑنا اچھا نہیں تیرا کام سنا دینا ہے وبس (بر رسولان بلاغ باشد و بس) جبکہ خدا تعالیٰ کا یہ حکم ہے تو کسطرح خیال کیا جا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کے پھیلانے کیلئے تلوار استعمال کرنیکا حکم دیا ہو صرف خالص ایمان ہی کو خدا قبول کرتا ہے اور خالص ایمان دل سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ تلوار کے ڈر سے خدا تعالیٰ نفاق اور جھوٹے ایمان کو بہت ہی ناپسند کرتا ہے اور فرماتا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمؤمنین تحقیق وہ لوگ جو سچے طور سے ایمان نہیں لاتے بلکہ ان کے دلوں میں کچھ اور ہوتا ہے

اور زبانوں پر کچھ اور ایسے لوگ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ڈالے جائیں گے اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ کیساتھ اور آخری دن کیساتھ حالانکہ وہ ایماندار نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان دلی یقین کا نام ہے۔ لیکن تلوار کی حکومت صرف زبان پر ہو سکتی ہے دل پر حکومت صرف خدا کی ہے۔ لیکن کیا تلوار لوگوں سے سوائے اس منافقانہ ایمان کے اور کچھ لے سکتی ہے کیا تلوار دل کو اطمینان دے سکتی ہے منافقین کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے بشر المنافقین بان لہم عذاباً الیما۔ منافقوں کو یہ خبر دے کہ ان کے لیئے دردناک عذاب ہے (سورۃ نساء رکوع ۲۰) ان اللہ جامع المنافقین والکافرین فی جہنم جمیعاً۔ تحقیق اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں جمع کریگا (سورۃ نساء رکوع ۲۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کا جنازہ پڑھنے سے ممانعت کی گئی ولا تصل علی احد منہم مات ابداً ولا تقم علی قبرہ (سورۃ توبہ میں آیا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ تو ان منافقوں کے لیئے اگر وہ مر جائیں کبھی دعا نہ مانگنا اور نہ انکی قبر پر جا کر کھڑے ہونا اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ منافق ان دفاعی جنگوں میں کبھی شریک نہ ہوں جو مسلمانوں کو مجبوراً اپنے بچاؤ کے لیئے کفار عرب سے کرنے پڑتے تھے خدا فرماتا ہے فقل لن تخرجوا معی ابداً ولن تقاتلوا معی عدواً (سورہ توبہ رکوع ۱۱) تو ان منافقوں کو کہدے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ نکل نہیں سکتے اور کبھی بھی میرے ساتھ ہو کر دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے انکو یہ بھی کہا گیا تھا کہ ان کے صدقے قبول نہیں کیئے جائیں گے قل انفقوا طوعاً او کرہاً لن یتقبل منکم انکم کنتم قوماً فاسقین کہدے خوشی سے خرچ کرو یا کراہت سے۔ تمہارے صدقے منظور نہیں کیئے جائیں گے تحقیق تم بدکار لوگ ہو (سورۃ توبہ رکوع ۷) وما منعہم ان تقبل منہم نفقاتہم الا انہم کفروا باللہ وبرسولہ ولا یاتون الصلوٰۃ الا وہم کسالیٰ ولا ینفقون الا وہم کارہون۔ اور وہ کیا چیز ہے جو ان کے صدقوں کے قبول ہونیکو روکتی ہے مگر یہی کہ اللہ اور رسول سے انکار کرتے ہیں اور نماز پڑھنے میں بڑے سست ہوتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں کراہت کرتے ہیں

(سورۃ توبہ رکوع ۷) قرآن شریف کا کوئی صفحہ پڑھو اور آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ صرف خالص ایمان ہی اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے اور نفاق اور جھوٹے ایمان کو خدا بڑی غضب کی نظر سے دیکھتا ہے لیکن کیا وہ آدمی جو خلاف اپنی مرضی کے کسی اعتقاد کے ماننے کے لئے مجبور کیا گیا ہو خالص مومن کہلا سکتا ہے؟ کیا یہ مسلّمہ امر نہیں ہے کہ جو آدمی اپنی مرضی کے برخلاف کسی اعتقاد کو مانے تو وہ منافق ہے تو پھر یہ خیال کیسا....
غیر معقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ کافروں کو زبردستی مسلمان بنا کر منافقوں اور فاسقوں کے گروہوں سے اسلام کو بھر دیں خدا تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ صرف خدا ہی ہے جو انسانوں کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے ایمان اور یقین کا محل دل ہے اور دلکو سچائی کی طرف صرف خدا ہی رہنمائی کر سکتا ہی کہ اور دل تک راہ نہیں پا سکتی انسانوں کو سچے راہ کی طرف رہنمائی کی بابت اللہ تعا فرماتا ہے ان اللہ یسمع من یشآء وما انت بمسمع من فی القبور ان انت الا نذیر (سورہ فاطر رکوع ۳) تحقیق اللہ تعالےٰ سنواتا ہے جسکو چاہتا ہے تو ایسے لوگونکو نہیں سنوا سکتا جو قبروں میں مردوں کی طرح پڑے ہیں تیرا کام صرف ڈرا دینا ہے۔
فان کذبوک فقل لی عملی ولکم عملکم انتم بریئون مما اعمل وانا بریٔ مما تعملون ومنہم من یستمعون الیک افانت تسمع الصم ولو کانوا لا یعقلون ومنہم من ینظر الیک افانت تہدی العمی ولو کانوا لا یبصرون ان اللہ لا یظلم الناس ولکن الناس انفسہم یظلمون اور اگر وہ تیری تکذیب کریں تو کہدے میرے لئے میرے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے عمل تم بری ہو اس سے جو میں کرتا ہوں۔ اور میں بری ہوں اس سے جو تم کرتے ہو بعض ان میں ایسے ہیں جو تیری بات بظاہر سنتے ہیں کیا تو بہرونکو سنا سکتا ہے اگرچہ ان میں کچھ بھی عقل نہ ہو اور بعض ان میں ایسے ہیں جو تیری طرف دیکھتے ہیں کیا تو اندھونکو راہ دکھا سکتا ہے اگرچہ وہ بصیرت نہ رکھتے ہوں تحقیق اللہ تعالےٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں (سورہ یونس رکوع ۵) پھر قرآن شریف میں فرماتا ہے لیس علیک ھدٰہم

ولکن اللہ یھدی من یشاء تجھ پر ان کی ہدایت نہیں ہے لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسکو چاہتا ہے (سورہ بقرہ رکوع ۳۷) ایسے ہی الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو فرمائے گئے ہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم۔ اے ایمان والو تم اپنا خیال رکھو تم کو کوئی ضرر نہیں دیسکیگا جو گمراہ ہوگیا جب تم ہدایت پر ہوگے۔

مین نے بہت سی آیات قرآن شریف سے پیش کرکے یہ دکھادیا ہے کہ قرآن شریف کہیں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ حکم نہین دیتا کہ اسلام کی اشاعت کے لیئے زور اور تلوار کو استعمال کیا جاوے برخلاف اسکے قرآن شریف یہ نصیحت کرتا ہے کہ اسلام کی طرف انسانون کو بڑے تلطف اور حلم سے مدعو کیا جاوے اور ان کے سامنے اسلام کے محاسن اور خوبیان بیان کیجاوین اور ان کے معتقدات پر کسی قسم کا رنج دہ حملہ نہ کیا جاوے قرآن شریف صراحت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بتاتا ہے کہ انکا فرض صرف یہ ہے کہ وہ پیغام الٰہی کو پہنچادیں اور انکو اس مین ذرا بھی دخل نہیں کہ وہ پیغام قبول کیا گیا ہے یا نہیں کیونکہ پیغام الٰہی منوانا انکا فرض نہیں ہے ان کا کام صرف سنادینا ہے ان انت الا نذیر "تو صرف ایک ڈرانیوالا ہے" اللہ تعالےٰ جلشانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرماتا ہے علیکم انفسکم "تم اپنے نفسوں کے ذمہ وار ہو" اس صریح تعلیم کے ہوتے ہوتے یہ کہنا کہ قرآن شریف نبی کریم وصحابہ کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتا ہے کہ تلوار پکڑ لو اور جبر سے اسلام دنیا میں پھیلاؤ یہ ایک ایسا بڑا جھوٹ ہے جو کبھی کسی انسان کے منہ سے نہیں نکلا اور ہمیں افسوس سے یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ اس تمام کذب کے ذمہ وار عیسائی مشنری ہیں اور پھر افسوس پر افسوس آتا ہے کہ باوجود اسکے کہ بار بار ان کو جتایا گیا ہے کہ قرآن شریف کے برخلاف یہ الزام جھوٹ پر مبنی ہے اور اس کی کوئی بنیاد نہیں پھر بھی اپنی غلطی اور شرارت پر اڑے ہوئے ہیں اور اپنے اس مجرمانہ اصرار سے توبہ نہیں کرتے!

خود اسلام کا لفظ جس کے معنے ہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے گردن ڈال دینا اور اپنی مرضی کو اس کی مرضی پر چھوڑ دینا صاف طور سے اسبات کو رد کرتا ہے کہ اسلام میں جبر اور اکراہ جائز ہے اللہ تعالےٰ بالتصریح فرماتا ہے کہ اسلام میں تب ہی انسان داخل سمجھا جاتا ہے کہ جب وہ شرح صدر سے حکومت الٰہیہ کو اپنے کندھوں پر اٹھالے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام (سورۂ انعام رکوع ۱۵) جسکو اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اسکا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

بڑی دلیل جو عیسائی مشنری اپنے دعاوی کے ثبوت میں پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں ایسی آیات موجود ہیں جو کفار سے جنگ کرنیکی اجازت دیتی ہیں لیکن ان آیات کا مطالعہ صاف بتاتا ہے کہ عیسائی واعظ نے قرآن شریف کے متعلق بڑی سخت بے انصافی کا ارتکاب کیا ہے جو ہرگز قابل معافی نہیں ہو سکتا ان آیات میں جن میں تلوار ہاتھ میں لینے کی اجازت دیگئی ہے صاف اور کھلے الفاظ میں وہ وجوہ اور دلائل بتائے گئے ہیں جن کیوجہ سے مومنوں کو لڑنے کی اجازت ملی ہے یہ امر صاف بتا رہا ہے کہ مشنری منتقد کے خیالات اور ارادے دیانت داری کے اغراض سے پیدا نہیں ہوئے کون ہے جو یہ نہیں جانتا کہ مسلمانوں کو اسلام کے ابتدائی ایام میں کیسے کیسے عذاب اور تکالیف شدید دیئے گئے تھے لیکن خدا تعالےٰ نے انکو حکم دیا تھا کہ صبر اور تحمل سے ان مصائب شدیدہ کو برداشت کرو جو انکا بیرحم دشمن انکو پہنچا رہا تھا اللہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ واتبع ما یوحیٰ الیک واصبر حتیٰ یحکم اللہ وھو خیر الحاکمین اور تو پیروی کر اسکی جو تیری طرف وحی کیجاتی ہے اور صبر کر یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کرے اور وہ بہتر ہے فیصلہ کرنیوالوں میں سے (سورۂ یونس رکوع ۱۱) واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون اور تو صبر سے کام لے اور تیرا صبر صرف اللہ ہی کے لیئے ہونا چاہیئے اور تو انپر غم نکھا اور تنگی میں مت ہو اس سے جو وہ تیرے برخلاف منصوبہ بازی کرتے ہیں۔

اللہ انکے ساتھ ہے جو اللہ کے حکم پر چلتے ہیں اور وہ اسطرح نیکی کرتے ہیں کہ گویا خدا کو دیکھ رہے ہیں اور خدا انہیں دیکھ رہا ہے۔ (سورۃ نحل رکوع ۱۶) قل للذین اٰمنوا یغفروا للذین لایرجون ایام اللہ لیجزی قوما بما کانوا یکسبون (سورۃ جاثیہ رکوع ۲) قل یا عباد الذین اٰمنوا اتقوا ربکم للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ وارض اللہ واسعۃ انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب (سورۃ زمر رکوع ۲) ترجمہ تو کہدے ایمان والوں کو کہ وہ ان لوگوں سے درگذر کرتے رہیں جو اللہ کے نعم اور نقم کی امید نہیں رکھتے تاکہ اللہ انکو جزا دے انکی کمائیوں کیموافق تو کہدے اے میرے مومن بندو تم اپنے رب سے ڈرتے رہو وہ لوگ جو اس دنیا مین نیکی کرتے ہیں انکے لیے سکھ ہے اور اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے صابروں کو بیشمار اجر ملیگا اس آیت کریمہ مین اللہ تعالے مومنوں کو فرماتا ہے کہ وہ کفار کے عذابوں کو صبر سے برداشت کریں اور دوسرے ملکوں میں ہجرت کرجاویں اگر ان کی جانیں انکے اپنے وطن مین اجیرن ہو گئی ہیں کیونکہ خدا کی زمین وسیع ہے چنانچہ ان ایام میں مسلمانوں کو سخت مصائب صبر سے جھیلنے پڑے اور آخرکار اپنے وطن عزیز کو خیرباد کہنا پڑا اور اجنبی ملکوں مین پناہ لینی پڑی آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دوبار ابی سینا (حبشہ) کیطرف بھاگنا پڑا لیکن انکے مخالفین کا غضب یہانتک بڑھا ہوا تھا کہ وہ وہانتک بھی بغیر تعاقب کیے رہ نہ سکے ایک سفارت اس ملک کے عیسائی بادشاہ کیطرف بھیجی گئی کہ یہ لوگ انکو دیئے جاویں مگر وہ ناکام پھرے۔ قریشی سفیروں کی یہ ناکامی .... مغرور دشمن کے سخت غضب بھڑکنے کا باعث ہوئی اور اسنے دوگنے جوش کیساتھ مسلمانوں کے چھوٹے سے گروہ کو تکلیف دینی شروع کی آخرکار جب مدینہ کے چند لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تو آپنے یہ دیکھکر کہ اب قریش کا ظلم اور تعدی بالکل ناقابل برداشت ہو گئی ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرمایا کہ تم اب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرجاؤ کیونکہ اللہ تعالے نے تمہارے لیے اس مقدس شہر مین اپنے بھائی بنا دیے ہیں اور تمہیں وہاں ایک گھر ملا ہے جہاں کہ تم آرام پا سکتے ہو اسلئے قدوسیوں کی جماعت نے کہ آہستہ آہستہ دو دو تین تین کرکے اپنے اپنے پناہ گاہ کی طرف ہجرت کرنے لگی کفار مکہ نے بڑے معتمم الدعوے سے یہ سازش کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان مبارک پر حملہ کریں لیکن اللہ نے آپکو ان کی سازش سے اطلاع دیدی اسلیئے آپکو آپکے صحابہ کے پیچھے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی اس طرح سے کفار مکہ کے ظلم سے تنگ آ کر تمام مسلمان اپنے عزیز وطن کو ترک کرکے

پردیس مین بھاگ گئے سوائے چند آدمیوں کے جو یا تو کفار کے قبضے مین تھے یا انکے قیدی تھے یا ایسے
ضعیف تھے کہ وہ بھاگنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے لیکن ٹھیک جیسا کہ انکی دشمنی اور
مخالفت نے پہلے مہاجروںکا تعاقب حبشے تک کیا تھا ویسا ہی انہوں اس دفعہ بھی ان نئے
مہاجروںکا تعاقب مدینہ طیبہ تک کیا مہاجرین کے اس نئے گروہ کو مدینہ گئے ہوئے ایک سال بھی نہیں گذرا
تھا جبکہ دشمن کی متفقہ فوج مکہ سے روانہ ہوئی تاکہ وہ مسلمانوںکا اس نئے پناگاہ مین کام تمام کردے ایسے نازک وقت
مین خدا نے انکو محض دفاع کے لیئے تلوار اٹھانیکی اجازت بخشی وہ آیت شریف جسمیں دفاع کی اجازت بخشی
گئی یہ ہے ان اللہ یدافع عن الذین امنوا ان اللہ لایحب کل خوان کفور اذن للذین یقاتلون
بانہم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرہم لقدیر الذین اخرجوا من دیارہم بغیر حق الا ان یقولوا
ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لہدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد
یذکر فیہا اسم اللہ کثیرا ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز (سورہ الحج رکوع ۶)
تحقیق اللہ تعالےٰ مومنوں سے دفاع کرتا ہے اللہ کو خائن اور ناشکرگذار لوگ پسند نہیں ہیں اجازت دی
جاتی ہے ان لوگوں کو جنسے لڑائی کیجاتی ہے کیونکہ وہ بہت مظلوم ہیں اور اللہ انکی مدد کرنیپر بڑی قدرت رکھتا ہے
وہ ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے صرف اسلیئے کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ تعالےٰ اسطرح بعض
کا بعض سے دفاع نہ کرتا رہے تو یہ راہبوں کے تکیے گرجے اور یہودیوں کے معبد خانے اور مساجد مسمار کردیجاتیں
حالانکہ ان مکانوں میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور اللہ اسکی ضرور مدد کریگا جو اسکی مدد کرتا ہے اللہ بڑی قوت والا
اور بڑی عزت والا ہے یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے تلوار اسلیئے نہیں اٹھائی تھی کہ وہ کفار کو
جبراً مسلمان کریں یہ صرف اسلیئے تھا کہ وہ بغیر کسی اپنے جرم کے ناحق ستائے جاتے تھے صرف اتنی بات
پر کہ وہ ایک خدا قادر مطلق پر ایمان لائے تھے اور اسلیئے کہ وہ اپنے عزیز اقارب اور گھروں سے نکالے
گئے تھے اسلیئے کہ خواہ مخواہ انسے جنگ کیا جاتا تھا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلامیوں نے تلوار اٹھانے
میں ابتدا نہیں کی ہاں انہوں نے اسوقت تلوار اٹھائی جب انکے برخلاف ہتھیار اٹھائے گئے تھے
اور وہ بھی اللہ تعالےٰ کی اجازت کے بعد لیکن چونکہ مسلمانوں کی تعداد اتنی کافی نہ تھی کہ وہ دشمن
کی متفقہ افواج کا مقابلہ کرسکتی اسلیئے اللہ تعالےٰ نے خود مدد دینے کا وعدہ فرمایا اور پھر خدا فرماتا ہے
کہ اگر خدا لوگوںکا دفاع نہ کرتا رہے بعض کا بعض سے تو یہ تمام معبد خانے جسمیں خدا کا مبارک نام

کیا جاتا ہے بالکل تباہ کر دیئے جائیں" اس آیت سے بھی کھلے طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا مسلمانوں کو ہرگز یہ اجازت نہیں دیتا کہ دیگر مذاہب کے معبدوں کو منہدم کریں یہ تعلیم اس قول کی کھلے طور پر تردید کرتی ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو تلوار اس غرض سے اٹھانیکا حکم دیا کہ تلوار کے ذریعہ سے اسلام کی اشاعت کیجاوے اور جبراً لوگوں کو مسلمان کیا جاوے سب سے پہلی آیت میں جس میں لڑنے کی اجازت دیگئی مسلمانوں کو سکھلایا گیا کہ ہر مذہب کے متبعین کو یہ اجازت دیجاوے کہ وہ خدا کی عبادت کریں جسطرح چاہیں اور انکے عبادتگاہوں کی عزت کیجاوے پھر یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے لڑنیکی اجازت اسلیئے دی کہ جبراً دوسرے مذاہب کے پیرووں کو مسلمان بنایا جاوے دفاع کی اجازت صرف اسلیئے دیگئی تھی کہ دشمن اسلام اسلام کو جبر سے اکھیڑنا چاہتا تھا اور اگر اسکا دفاع نہ کیا جاتا یعنے اسکو اس بد ارادے سے روکنے کی کوشش نہ کیجاتی تو مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت بالکل دنیا سے نابود ہو جاتی قرآن شریف اسکی شہادت دیتا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے **ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا** (سورۃ بقر رکوع ۲۷) اور تم سے ہمیشہ وہ لڑتے رہینگے یہانتک کہ تم کو کافر بنادیں اگر وہ طاقت پا سکیں یہ امر کہ تلوار صرف ظلم کرنیوالوں کے مقابل میں اٹھائی گئی تھی قرآن شریف کی اور آیات سے بھی ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالے فرماتا ہے **الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانہم وھموا باخراج الرسول وھم بدؤکم اول مرۃ اتخشونہم** (سورہ توبہ رکوع ۲) کیا تم ایسی قوم سے نہیں لڑتے جنہوں نے اپنے عہد و پیمان کا کچھ پاس نہ کیا اور اسکو توڑ دیا اور انہوں نے رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے ابتدا کی کیا تم ان سے ڈرتے ہو **وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا** (سورۃ النساء رکوع ۱۰) "اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے ہو اور ضعیف مرد اور عورتیں اور بچے جو ہر وقت یہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے رب ہمارے ہمکو اس گاؤں سے نکال دے انکے رہنے والے ظالم ہیں ہمارے لیئے تو اپنے حضور سے ہمارا مددگار بنادے" نیز مسلمانوں کو جو ترغیب مندرجہ بالا آیات میں دیگئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے خونی دشمن سے لڑنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ بلحاظ تعداد اور قوت کے ان سے بہت بڑھا ہوا تھا اور اگر خدا کا حکم اور متواتر مدد کا وعدہ نہ ہوتا تو مسلمان اپنے عظیم الشان دشمن کا مقابلہ کرنیکی کبھی جرأت نہ کرتے یہی امر اور آیات سے بھی ظاہر ہے مثلاً قرآن شریف فرماتا ہے **واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین**

انفالکم و تودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم (سورۃ الانفال رکوع ۱) اور جب اللہ تمکو وعدہ دیتا تھا کہ ان دو گروہوں میں سے ایک تمہارا ہوگا اور تم چاہتے تھے کہ وہ گروہ وہ ہو جس کے پاس ہتھیار نہوں کیا یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی قلیل جماعت جو حسب آیات قرآنی ابتداء میں عظیم الشان دشمن کے ساتھ لڑنے سے ڈرتے تھے انکی نسبت کسطرح خیال کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے خونی دشمنوں کو جبراً مسلمان کرنیکے لیئے تلوار اٹھائی یہ امر کہ لوگوں کو جبراً مسلمان بنانیکے لیئے تلوار نہیں اٹھائی گئی اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو صرف ایسے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنیکی اجازت دیگئی تھی جو انکے ساتھ جنگ کریں ہر ایک کافر کیساتھ جنگ کرنیکی اجازت نہ تھی

اور وہ کفار جو مسلمانوں کو تکلیف نہیں دیتے تھے اور ان سے

چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے تھے ایسے کفار سے صرف لڑنا ہی منع نہ تھا بلکہ ان سے دوستانہ تعلقات رکھنے کی بھی اجازت تھی اور ان سے عمدہ سلوک کرنیکا حکم تھا صرف ایسے کفار کا مقابلہ کرنیکی اجازت تھی جو مسلمانوں سے لڑتے تھے اور ان سے بھی حد سے آگے بڑھنا ہرگز جایز نہیں رکھا گیا تھا اور اگر وہ لڑائی سے باز آجاویں تو پھر ان سے بھی لڑنا ہرگز جایز نہ تھا لڑائی صرف اسوقت تک جاری رہ سکتی تھی جب تک دوسری جماعت ان کو لڑتی اور اگر دوسرا فریق لڑائی سے دست کش ہوجاتا۔ تو اسلامیوں کو بھی فوراً لڑائی بند کرنیکا حکم تھا اور اثنائے جنگ میں بھی مسلمانوں کو قوانین انصاف کی پابندی لازمی تھی یہ سب امور قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات میں مفصل بیان کیئے گئے ہیں۔ ۱- قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے آگے مت گزرو۔ اللہ تعالے کو حد سے تجاوز کرنیوالے پسند نہیں ہیں (سورہ بقر رکوع ۲۴) ۲- فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اسپر زیادتی کرو جتنی اسنے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرو اللہ متقیوں کے ساتھ ہے (سورہ بقر رکوع ۲۴) ۳- فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیہم سبیلا اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار کریں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیام بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لیئے انپر کوئی راہ نہیں رکھی یعنے تمہارے لیئے ہرگز جایز نہیں ہے کہ ان سے لڑائی کرو (سورۃ النساء رکوع ۱۲)

۴۔ فان لم یعتزلوکم ویلقوا الیکم السلم ویکفوا ایدیھم فخذوھم واقتلوھم حیث ثقفتموھم واولٰئکم جعلنا لکم علیھم
سلطانا مبینا۔ اور اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار نہ کریں اور تمہیں صلح کا پیام نہ دیں اور تم سے اپنے ہاتھوں کو بند نہ
کریں تو انکو پکڑو اور انسے لڑائی کرو جہاں تم انکو پاؤ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کیساتھ لڑنیکے لئے تمکو صاف حق پہنچتا ہے (سورۃ
النساء رکوع ۱۲) ۵۔ قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف۔ تو کافروں کو کہدے اگر وہ اپنی شرارتوں سے
باز آجاویں تو انکی گذشتہ غلطیوں کو معاف کر دیا جاویگا (سورۃ انفال رکوع ۵) ۶۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ
انہ ھو السمیع العلیم وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ اور اگر صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کیلئے جھک جا
اور اللہ پر بھروسہ کر وہ سننے والا اور جاننے والا ہے اور اگر وہ تجھے دھوکا دینا چاہیں تو اللہ ہی تجھکو کافی ہوگا (سورۃ الانفال رکوع ۸)
آخری آیت میں حکم دیا کہ کافروں سے صلح کر لیں جب کبھی وہ صلح کی درخواست کریں اور یہ خیال کہ دشمن دھوکہ سے صلح کر
رہا ہے اور جب کبھی وہ موقع پائیگا تو پھر مخالفت کرنے پر آمادہ ہو جائیگا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صلح کرنے سے مانع
نہیں ہو سکتا تھا صلح کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسقدر مستعدی صاف بتا رہی ہے کہ آپ کیسے صلح جو اور امن
پسند تھے محولہ بالا آیت کا حکم صاف بتا رہا ہے کہ یہ لڑائیاں اسلام کی اشاعت کیلئے نہیں تھیں بلکہ امن کے قائم رکھنے
اور ایمانداروں کی جان بچانیکی خاطر اللہ نے مومنوں کو تلوار اٹھانیکا حکم دیا تھا لیکن اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے نظیر لطف
سلوک کیا مگر وہ فیاض دلی جسکے ساتھ آپ دشمنوں کی پیش کردہ صلح کی تجویز کو قبول کرنیکے لئے تیار رہتے تھے آپکے
دشمنوں سے کبھی ظہور میں نہیں آئی اللہ تعالیٰ انکی دغا بازی کیطرف مندرجہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے (۱) کیف
وان یظھروا علیکم لا یرقبوا فیکم الا ولا ذمۃ یرضونکم بافواھھم وتابی قلوبھم واکثرھم فاسقون اشتروا
بایات اللہ ثمنا قلیلا فصدوا عن سبیلہ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور اگر وہ تم پر غالب آجاویں تو وہ تمہارے بارے
میں کسی رشتہ داری اور عہد کی پرواہ تک نہیں کرتے تمہیں اپنے منہ کی باتوں سے راضی کرنا چاہتے ہیں اور انکے
دل انکار کرتے ہیں اور انمیں اکثر فاسق ہیں انہوں نے آیات اللہ کے بدلے دنیا مول لے لی ہے پس انہوں نے اللہ کی راہ
سے روکدیا (سورۃ توبہ رکوع ۲) (۲) لا یرقبون فی مومن الا ولا ذمۃ واولٰئک ھم المعتدون وہ مومن کے
بارے میں کسی رشتہ داری اور عہد کی پرواہ نہیں کرتے اور وہ لوگ حد سے گزرے ہوئے ہیں (سورۃ توبہ
رکوع ۲) ۳۔ لا تزال تطلع علی خائنۃ منھم الا قلیلا منھم فاعف عنھم واصفح ان اللہ
یحب المحسنین تو ہمیشہ انکی خیانت پر اطلاع پاتا رہیگا سوائے چند کے تو ان سے درگذر کر اور معاف کر اللہ تعالیٰ
نیکی کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے (سورۃ المائدہ رکوع ۳) یہ آیات وضاحت سے بیان کر رہی ہیں کہ کافر

اپنے عہد و پیمان پر قایم نہ رہتے تھے اور وہ انکی ذرا بھی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر بھی یہ حکم تھا کہ آپ ان سے جہانتک ممکن ہو درگذر فرماتے رہیں لہذا جب کبھی وہ صلح کی درخواست کرتے اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً تسلیم فرما لیتے اور انکے گذشتہ قصوروں اور خطاؤں کو بالکل نسیاً منسیاً کر دیتے اور جب وہ عہد کو توڑ دیتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اسلیے نہ لڑتے تھے کہ انسے اسلام قبول کرایا جاوے بلکہ اسلیے کہ وہ تعدی اور ظلم سے رکجاویں جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے وان نکثوا ایمانہم من بعد عہدہم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انہم لا ایمان لہم لعلہم ینتہون (سورۃ توبہ رکوع ۲) اور اگر وہ اپنی قسموں کو اپنے عہد کے بعد توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے سرداروں کے ساتھ لڑائی کرو تحقیق انکا عہد و پیمان نہیں شاید وہ باز آجائیں لیکن اگرچہ مسلمانوں کو صرف انہی کیساتھ لڑنیکا حکم تھا جو انکے ساتھ لڑتے تھے مگر پھر بھی انکو انصاف کی پابندی کی سخت تاکید تھی خدا تعالے نے مسلمانونکو فرمایا لا یجرمنکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب (سورۃ مائدہ رکوع ۱) اور نہ ترغیب دے تمکو کسی قوم کی دشمنی اسلیے کہ اس نے روکا تھا تمکو مسجد حرام سے یہ کہ تم حد سے گذر جاؤ نیکی اور تقوی پر مدد کرو گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو اللہ سے ڈرتے رہو اللہ سخت پکڑنیوالا ہے یا یہا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ہو اقرب للتقوی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون (سورہ مائدہ رکوع ۲) اے مومنو! ہو جاؤ کھڑے ہونیوالے اللہ کیلیے گواہ ساتھ انصاف کے اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ترغیب نہ دے اس بات کی کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو وہ بہت قریب ہے تقوی کے اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ تعالے تمہاری کرتوتونکو جانتا ہے۔ بدی کرنیوالونکو سزا دینے میں انصاف کی سخت پابندی کیجاتی تھی اور جہانتک ممکن ہو سکتا تھا نرمی اور معافی کو ترجیح دی جاتی تھی قرآن شریف فرماتا ہے وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لہو خیر للصابرین (سورہ نحل رکوع ۱۶) اور اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی کہ تمہیں سزا دی گئی اور صبر کرو تو صبر کرنیوالوں کے لیے بہتر ہے اور اللہ تعالے فرماتا ہے ادفع بالتی ہی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم (سورہ حم سجدہ رکوع ۵) عمدہ تدبیر سے برائی

کو دور کر وہ پس ناگہاں وہ شخص کہ درمیان تیرے اور اسکے عداوت ہے گویا کہ وہ پکا اور گرم دوست بنجائے یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنے مخالفوں کی گذشتہ بے رحمیوں اور ظلموں کو معاف کرنیکے لیئے طیار رہتے تھے اگر وہ ذرا بھی شرارتوں سے باز رہنے کا میلان دکھلاتے . . . یہ امر کہ اسلامی لڑائیاں اس غرض سے اختیار نہیں کی گئیں تھیں کہ اسلام کافروں میں جبراً پھیلایا جائے مندرجہ ذیل آیت سے بھی بخوبی واضح ہوتا ہے وان احد من المشرکین استجارك فاجره حتی یسمع کلام الله ثم ابلغه مأمنه ذلك بانهم قوم لا یعلمون (سورۃ توبہ رکوع ۱) اور اگر کوئی مشرکوں میں سے پناہ مانگے تو ان کو پناہ دیدے یہانتک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اسکو اسکی امن کی جگہ پہنچا دے یہ اسلیئے ہے کہ وہ بے علم قوم ہے ان کافروں کی بابت جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کرتے تھے مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ ان سے حسن سلوک کریں قرآن شریف فرماتا ہے لا ینهٰکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروهم وتقسطوا الیهم ان الله یحب المقسطین (سورۃ ممتحنہ رکوع ۲) خدا تم کو منع نہیں کرتا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے لڑائی نہیں کی مذہب کیخاطر اور انہوں نے تمکو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا یہ کہ تم ان سے نیکی کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ کرو تو اللہ تعالیٰ کو انصاف کرنیوالے بہت پسند ہیں۔ انما ینهٰکم الله عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاهروا علی اخراجکم ان تولوهم ومن یتولهم فاولئك هم الظلمون (سورۃ ممتحنہ رکوع ۲) تحقیق اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے تم کو ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے لڑائی کی دین کے معاملہ میں اور جنہوں نے تمکو تمہارے گھروں سے نکالدیا اور انہوں نے تمہارے نکالنے پر مدد دی انکو اپنا ولی دوست مت بناؤ اور جو ان سے دوستی گانٹھیگا وہ ضرور ظالم ہو جائیگا۔

مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ عہد پر پکے رہیں جب تک کافر عہد پر قائم رہیں مندرجہ ذیل آیت بتاتی ہے کہ بعض مسلمانوں پر عہد پر قائم رہنے والے کافروں کو ترجیح دیجاتی تھی والذین آمنوا ولم یهاجروا ما لکم من ولایتهم من شیء حتی یهاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینهم میثاق والله بما تعملون بصیر (سورۃ انفال رکوع ۱۰) اور دو

جو ایمان لائے ہیں اور انھوں نے ہجرت نہیں کی تمہارا انسے کوئی تعلق نہیں یہانتک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر تم سے دین کے بارہ میں مدد مانگیں تو تم پر انکی مدد کرنا لازم ہے ہاں مگر اس قوم کے مقابلے میں تم انکی مدد نہیں کر سکتے جس قوم سے تمہارا عہد و پیمان ہو چکا ہے اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھتا ہے دیکھو کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کیساتھ عہد و پیمان کی پابندی کرنے میں کیسی احتیاط کرنی پڑتی تھی۔

مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کی جان محض اسکے برے عقاید کی بنا پر لینے کی اجازت نہ تھی خدا تعالے فرماتا ہے من قتل نفساً بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً (سورہ مائدہ رکوع ۵) جو کوئی کسی جان کو بغیر جان کے قتل کرتا ہے یا بغیر کسی فساد کے زمین میں تو گویا وہ تمام جہان کو قتل کرتا ہے ومن احیاہا فکانما احیا الناس جمیعاً اور جو کوئی اس نفس کی جان بچاتا ہے پس گویا وہ تمام جہان کی جان بچاتا ہے (سورۃ مائدہ رکوع ۵)

جو کچھ اوپر بیان ہو چکا ہے اس سے ذرا بھی شک نہیں رہتا کہ اسلام کی اشاعت بذریعہ شمشیر نہیں ہوئی اور نہ اس غرض کیلیے مسلمانوں نے اپنے دشمنوں سے لڑائیاں کیں تلوار صرف انکو روکنے کیلیے اٹھائی گئی تھی جنہوں نے مسلمانوں کے برخلاف پہلے پہل تلوار اٹھائی اور جنکو اگر روکا نہ جاتا تو وہ اسلام کے نام کو بھی صفحہ دنیا سے مٹا دیتے مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ تلوار کو فوراً نیام میں داخل کریں اگر دشمن تعاقب سے باز آجائے کافروں کو بار بار بتایا گیا تھا کہ مسلمان لڑنے سے باز آجاینگے اگر وہ اپنی تعدیوں سے رک جائیں مذکورہ بالا آیتیں بالکل صاف بتا رہی ہیں کہ عیسائی واعظ کا قرآن شریف پر یہ الزام لگانا کہ اسنے مسلمانوں کو بذریعہ شمشیر اسلام پھیلانیکا حکم دیا ہے کس درجہ کی بے انصافی ہے وہ عمداً ان آیات کے ذکر کو چھوڑتا ہے جو کافروں سے جنگ کرنیکی اجازت کے وجوہ کھلے طور سے بیان کرتی ہیں اور صرف چند متفرق آیات کا ذکر کرتا ہے جن سے جنگونکی لیے مسلمانوں کو تحریص دی گئی ہے اور پڑھنے والونکو یہ سمجھاتا ہے کہ گویا مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ کافروں سے لڑیں تا انکو تہ تیغ کریں یا وہ اسلام قبول کریں میں خیال کرتا ہوں کہ اس الزام کے بے بنیاد ہونیکا کافی ثبوت ہو چکا ہے۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ فتح جو مسلمانوں کو نصیب ہوتی تھی وہ مسلمانوں کی طاقت کیوجہ سے نہ تھی بلکہ وہ تائید الٰہی تھی جسکا ابتدا میں ہی ان سے وعدہ ہو چکا تھا میں نے پہلے وہ آیات نقل کر دی ہیں جن میں مسلمانوں کو فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے طاقتور دشمن سے خوفزدہ نہ ہوں کیونکہ خدا انکو اپنی خاص تائید سے مدد دیگا اور یہ وعدہ بڑی صراحت کیساتھ پورا ہوا مسلمانوں کی فتح انکے ہتھیاروں کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ایک معجزہ تھا جو اللہ تعالے نے ظاہر فرمایا۔ اللہ تعالے نے انکے دشمنوں پر

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ | بابت ماہ جولائی ۱۹۰۹ء | نمبر ۷

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جولائی ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عوام سے عہ طلباء سے عہ

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعفِ نظر کی عام شکایت ہے۔ مَیں نے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کے لئے مسلم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اس کے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے تصدیق فرمائی۔ حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم مولوی نورالدین سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مَیں نے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزار ہا مریضانِ چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے کو آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کئے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں اس لیئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے۔

قیمت سرمہ اوّل قسم عار قسم دوم ۸ر قسم سوم عہ ر فی تولہ۔ قیمت ممیرا قسم اوّل عہ ر جس کو لوگ اڑھائی سو فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم سے اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو۔

علاوہ ازیں میرے پاس ہر قسم کی لنگی۔ زری ریشمی۔ پشاوری۔ سوتی۔ زرد۔ سیاہ بادامی مشہدی۔ دفتری وسفید پٹکہ ٹسری (جسکو لوگ ریشمی کہتے ہیں) وغیرہ عا سے لیکر عہ روپے تک موجود ہیں۔ اور نیز کلاہ ہر قسم زری وسادہ اور ٹوپی رومی ہر قسم میرے پاس موجود ہے اور قیمت میں بالکل کوئی زیادتی نہیں دریافت کریں۔ جو چیز پسند نہ ہو۔ معقول وجہ بیان کرنے پر خریدار کو واپس کرنیکا اختیار ہے۔ خرچ آمد و رفت بذمہ خریدار۔

المشتہر:- احمد نور- کابلی مہاجر از قادیان۔ ضلع گورداسپور پنجاب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر ۲

مکہ معظمہ میں اسلام کا پھیلنا

مکہ معظمہ وہ شہر ہے جہاں اسلام پیدا ہوا اور جس طور سے اسلام اس مبارک شہر میں پھیلا۔ وہ صاف ثابت کر رہا ہے کہ اسلام دنیا میں اپنی قوت قدسیہ اور اپنی سچائی کے زور سے پھیلا نہ کسی اور ذریعہ سے۔

عرب کی حالت اور خصوصاً مکہ معظمہ کی حالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے وقت ایسی تھی کہ اسلام کی قبولیت کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ اہل عرب بت پرستی پر ایسے جمے ہوئے تھے اور شرک کی جڑھیں عرب کی سرزمین میں ایسی گہری گڑی ہوئی تھیں کہ بنی اسرائیل کے نبی بھی اپنی قوم کے آگے اہل عرب کو بطور مثال کے پیش کرتے اور جب انکی قوم واحد خدا کو چھوڑ کر جھوٹے معبودوں کی پرستش اختیار کرتی تو انکو ملامت کرتے کہ تم اپنے سچے خدا کو چھوڑ بیٹھے ہو حالانکہ عرب کے ریگستان کی قوم بھی اپنے جھوٹے معبودوں پر ایسے جمے ہوئے ہیں کہ کوئی چیز انکو بت پرستی سے چھڑا نہیں سکتی۔ (یرمیاہ۔ باب ۲۔ درس ۱۰-۱۲)

کئی انبیاء عرب کی حدود پر ظاہر ہوئے مگر انکی تعلیم کا اثر اہل عرب پر نہ ہوا۔ مسیحیت کی لہر بھی دنیا کے ایک بڑے حصہ پر پھیل گئی مگر عرب کا ریگستان ویسا ہی

پڑوس میں واقع تھا وہ ایسا ہی خشک پڑا رہا جیسا پہلے تھا۔ سر ولیم میور اپنی کتاب
لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لکھتا ہے "اگرچہ عیسائی ۵۰۰ سال تک
ملک عرب میں عیسائیت کو پھیلانے کی کوشش کرتے رہے مگر پھر بھی سوائے ایک
قلیل تعداد کے کسی نے عیسائی مذہب کو قبول نہ کیا۔ یہود نے بھی اپنے مذہب کو
پھیلانیکے لیئے بہت کوشش کی اور اُنکی طاقت بھی عیسائیوں سے کہیں بڑھکر تھی مگر
آخر وہ بھی تھک کر رہ گئے" پھر اپنی کتاب کے دیباچہ صفحہ ۸۷ پر لکھتا ہے "محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) کے ظہور سے پہلے ملک عرب کی حالت جیسے ملکی اتحاد اور تمدنی اصلاح کے
مخالف تھی ایسے ہی مذہبی اصلاح کے بھی مخالف تھی۔ عربوں کے مذہب کی بنیاد
ایک نہایت ہی گہری بت پرستی پر قائم تھی جسپر شام اور مصر سے کئی حملے کیئے گئے
مگر صدہا سال تک اُنہے ان حملوں کا سختی سے مقابلہ کیا اور اُس میں کوئی زوال یا کمزوری
کے آثار نمودار نہیں ہوئے تھے" عرب کی حالت ہمیشہ سے ایسی چلی آتی تھی کہ وہاں کبھی
اصلاح میں کامیابی حاصل کرنیکی کسی کو امید نہیں ہوئی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانہ میں حالت اور بھی ابتر تھی چنانچہ سر ولیم میور اس امر کی شہادت دیتا ہے
اور لکھتا ہے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جوانی کے زمانہ میں جزیرہ نما عرب میں
آبائی مذہب پہ قائم رہنے کا میلان بڑے زور کے ساتھ پایا جاتا تھا۔ اور شائد کسی
پہلے زمانہ میں اصلاح کی ایسی مایوسی کی حالت نہیں تھی جیسا کہ اُسوقت تھی"

علاوہ ازیں اسلام ایک رنگ کی جمہوریت کی تعلیم دیتا تھا اور اسلام کے خدا
کی نظر میں سب انسان ایک رنگ کی مساوات رکھتے تھے اور وہ تمام امتیاز جو قدیم سے
اہل عرب میں چلا آتا تھا اسلام نے اسکو بالکل محو کر دیا تھا۔ اسلیئے عرب کے قبائل کے
نزدیک اسلام ایک انقلاب پیدا کرنے والا مذہب تھا اور انکو خطرہ تھا کہ وہ عرب
کی دیرینہ رسوم اور پرانی یادگاروں کو مٹا دیگا۔ اہل مکہ کو خصوصاً خطرہ تھا۔ کعبہ کے
بتوں کی پرستش انکے دلوں میں جاگزین تھی۔ اور کعبہ صرف مکہ والوں کیلئے بلکہ کل عرب کے
لیئے موجب فخر تھا۔ وہ جگہ جو پہلے واحد خدا کی پرستش کیلئے کھڑا کیا گیا تھا اب اس میں

اسقدر بت تھے جتنے کہ سال میں دن ہوتے ہیں۔ جزیرہ نما عرب کے تمام اطراف سے لوگ جوق در جوق کعبہ کی زیارت کیلئے آتے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کو ایک خاص عزت اور اقتدار حاصل ہو گیا۔ وہ کعبہ کے بتوں کے محافظ اور چابی بردار تھے اور وہی کعبہ تک پوجا کرانے کے پروہت تھے۔ ایک دوسرا فائدہ اُن کو یہ تھا کہ کعبہ کُل جزیرہ نما عرب کا مذہبی مرکز ہونے کی وجہ سے تمام عرب کا تجارتی مرکز بھی ہو گیا تھا اور اسطرح کعبہ کی پوجا قائم رکھنے میں اُنکا دنیاوی فائدہ بھی تھا۔ اور وہ کعبہ کے بتوں کے قیام پر اپنا قیام منحصر سمجھتے تھے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بت پرستی کی بیخکنی کرنا چاہتے تھے۔ اسلیئے کفار مکہ کو خوف تھا کہ اسلام کے پھیلنے سے نہ صرف تمام عرب میں اُنکا رُعب و اقتدار معدوم ہو جائیگا بلکہ اُس تجارت کو بھی نقصان پہنچیگا جسپر اُنکی معاش کا بہت کچھ انحصار تھا۔ اور اسلام کی کامیابی کے بعد اُنکی ساری عظمت جاتی رہے گی اسلیئے انہوں نے ناخنوں تک زور لگایا کہ اسلام مکہ معظمہ اور قبائل عرب میں پھیلنے نہ پائے تا قدیمی رواج قائم رہیں اور اُنکی عزت اور عظمت میں کچھ فرق نہ آئے۔ نہ صرف مذہبی لحاظ سے وہ بتوں کی حمایت کرتے تھے بلکہ اپنی دنیاوی وجاہت اور حیثیت کو قائم رکھنے کے لیئے بھی وہ اسلام کی اشاعت کو روکنا ضروری سمجھتے تھے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو جو لوگ سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے وہ ایسے اشخاص تھے جو آپکے حالات سے نہایت ہی گہری واقفیت رکھتے تھے۔ آپ کی بی بی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ آپ کی لڑکیاں۔ آپکا چچا زاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ اور آپکے محرم راز دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ اور آپکے آزاد کردہ غلام زید رضی اللہ عنہ۔ یہ وہ لوگ تھے جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے۔ حضرت ابوبکرؓ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کسی شخص کو اسلام قبول کرنیکے لیئے نہیں بلایا جس نے کچھ تامل نہ کیا ہو سوائے ابوبکرؓ کے کیونکہ جب میں نے اسکے آگے اسلام پیش کیا تو اس نے اسکے قبول کرنے میں کچھ دیر نہ لگائی اور

کچھ شک وشبہ نہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے متعلق ولیم میور لکھتا ہے کہ "جلدی سے یا جوش سے وہ کسی کام کو نہیں کرتے تھے۔ ہر ایک کام وہ سوچ سمجھکر اور اطمینان اور یقین کے ساتھ کرتے تھے۔ اُنکی رائے بڑی صائب اور انصاف پر مبنی ہوتی تھی۔ اُنکی تقریر نہایت ہی دلپذیر تھی اور اُنکے اخلاق نہایت ہی پسندیدہ اور دلکش تھے۔ یہی وجہ تھی کہ قریش اُنکی مجلس اور مشورہ کو بہت طلب کرتے تھے اور وہ تمام شہر بھر میں ہردلعزیز تھے۔" (لائیف آف محمدؐ صفحہ ۵۶) ان پہلے مومنین کا ایمان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے محرم تھے اور علاوہ ازیں نہایت سمجھدار اور راستباز آدمی تھے اُنکا ایمان لانا اور پھر صدق دل سے ایمان لانا اور ہمیشہ جان نثار رہنا اس امر کی ایک کھلی کھلی اور زبردست شہادت ہے کہ آپکے دعویٰ کی بنا نہایت سچائی اور صداقت پر تھی۔ یہ ایسی صریح شہادت ہے کہ دشمن اسلام ولیم میور بھی اس شہادت کو تسلیم کرتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے "یہ امر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کا بڑی زور سے مؤید ہے کہ جن لوگوں نے سب سے پہلے اسلام کو قبول کیا وہ نہ صرف راستباز لوگ تھے بلکہ آپکے محرم راز دوست یا آپکے خاندان کے لوگ تھے جو کہ آپ کی پرائیویٹ زندگی سے کامل آگاہی رکھتے تھے اور وہ اُس اختلاف سے بے خبر نہیں رہ سکتے تھے جو کہ ایک مفتری کی اندرونی اور بیرونی عادات میں لازمی طور پر ہوتا ہے۔" جن لوگوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اُنمیں آپ کا آزاد کردہ غلام زید بھی تھا۔ وہ چھوٹی عمر میں ایک لڑائی میں پکڑا گیا تھا اور حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے نے اسکو خرید کر کے حضرت خدیجہؓ کو خدمت کیلئے دیدیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں پیش کیا۔ آپنے اُسے فوراً آزاد کردیا مگر زیدؓ آپکے حسن سلوک اور اعلیٰ اخلاق کو دیکھکر آپ کا غلام ہوگیا اور اگرچہ اُسکے رشتہ دار اُسکا پتہ لگاکر مکہ معظمہ میں آئے اور اسکو واپس لیجانا چاہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے جانیکی اجازت دیدی مگر وہ آپ پر ایسا شیدا تھا کہ اُسنے اپنے باپ کے ساتھ اپنے وطن مالوف میں جانا گوارا نہ کیا اور آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔

جیسا حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ سُنتے ہی آپکے دعویٰ کی تصدیق کی تھی اسی طرح ایک اور بزرگ یہ سُنتے ہی کہ آپکے پاس خدا کا فرشتہ کلام الٰہی لیکر آیا ہے پکار اُٹھا۔ قدوس قدوس - والذی نفس ورقة بیدہ لقد جاءہ الناموس الاکبر الذی کان یاتی موسیٰ وانہ لنبی ھذہ الامة کہ یہ ناموس الاکبر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا کرتا تھا اور آپ اس اُمت کے نبی ہیں - یہ بزرگ ورقہ بن نوفل تھے جو یہود اور نصاریٰ کی کتابوں سے اچھی واقفیت رکھتے تھے اور اُن پیشگویوں کا بھی اُنکو علم تھا جو ایک آنیوالے نبی کے متعلق تھیں ورقہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے درجہ کے لیئے انتخاب کیا ہے - آپکے پاس ناموس الاکبر آیا ہے - قوم آپ کی تکذیب کریگی اور آپ کو تکلیف دیگی اور آپکے ساتھ جنگ کریگی اور جب کبھی آپ جیسا نبی دنیا میں آیا تو ہمیشہ قوم نے اُسکی مخالفت کی۔ کاش کہ میں بھی اُسوقت تک زندہ رہوں اور آپکے لیئے لڑوں۔

اوّل اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تر اپنے اقارب اور آشناؤں میں دعوت شروع کی چونکہ ابتدا ہی سے ہی سخت مخالفت شروع ہوگئی تھی اسلیئے آپ کُھلے طور پر نماز ادا نہیں کر سکتے تھے اور ابتدا میں آپ اور آپکے صحابہؓ تنہا مقامات میں نماز ادا کرنے جاتے تھے - ایک دفعہ آپ اور حضرت علیؓ تنہائی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابو طالب وہاں آنکلے اور پوچھا یا ابن اخی ما ھذا الدین الذی اراک تدین بہ یعنی اے میرے بھتیجے - یہ کیا دین ہے کہ جسپر میں تجھے چلتے ہوئے دیکھتا ہوں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھکر نہایت ہی لطف سے اپنے چچا کو مندرجہ ذیل محبت آمیز الفاظ میں تبلیغ شروع کی - ای عم ھذا دین اللہ ودین ملئکتہ ودین رسلہ ودین ابینا ابراھیم - بعثنی اللہ بہ رسولا الی العباد وانت ای عم احق من بذلت لہ النصیحة ودعوتہ الی الھدیٰ واحق من اجابنی علیہ واعاننی علیہ

اے میرے چچا۔ یہ دین ہے خدا کا۔ خدا کے فرشتوں کا اور خدا کے انبیاءؑ کا اور ہمارے باپ ابراہیمؑ کا۔ خدائے تعالیٰ نے مجھے اس دین کے ساتھ رسول بنا کر دنیا کی طرف بھیجا ہے اور اے میرے چچا تو سب سے زیادہ اس بات کے لائق ہے کہ میں تجھے نصیحت کروں اور ہدایت کی طرف بلاؤں اور لوگوں میں سے تو سب سے زیادہ اس بات کے لائق ہے کہ میری دعوت کو قبول کرے اور اس کام میں میرا مددگار ہو اس پُر شفقت تبلیغ کے جواب میں ابوطالب نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے میں اپنے آباؤ اجداد کا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم جب تک میں زندہ ہوں تجھے کوئی شخص تکلیف پہنچانیکی جرأت نہیں کر سکیگا۔ پھر اپنے بیٹے علیؓ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ تیرا کیا مذہب ہے۔ علیؓ نے جواب دیا کہ اے میرے باپ۔ میں اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول پر ایمان لایا ہوں اور اُسکی اتباع کرتا ہوں۔ اسپر ابوطالب نے کہا اما انه لم يدعك الا الى الخير فالزمه۔ یعنی مجھے یقین ہے کہ وہ تجھے نیکی کی طرف بلائیگا پس تجھے اجازت ہے تو اسکی اتباع کر۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوطالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین تھا اسی لیئے اُس نے بیٹے کو اجازت دی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے مگر خود اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ اسلیئے نہیں کہ وہ اس مذہب کو سچا سمجھتا تھا بلکہ اسلیئے کہ وہ اُسکے باپ دادوں کا مذہب تھا اور اس میں وہ اپنی ہتک سمجھتا تھا کہ آبائی مذہب کو چھوڑ کر لوگوں کی ملامت کا نشانہ بنے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تبلیغ کا کام برابر جاری رکھا اور ان لوگوں کے بعد جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے حضرت عثمانؓ بن عفان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیسرے خلیفے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ سعد ابن ابی وقاص فاتح ایران حضرت خدیجہؓ کا برادر زادہ حضرت زبیرؓ اور طلحہ مسلمان ہوئے۔ پہلے تین سال کے عرصہ میں جن اشخاص نے برملا اسلام قبول کیا اور جن کے ناموں کا پتہ لگ سکتا ہے اُنکی تعداد تو چالیس کے قریب ہے ممکن ہے کہ اصل تعداد اس سے زیادہ ہو مگر چالیس

سے قریب آدمیوں کے اسلام قبول کرنے کا ذکر بالصراحت پایا جاتا ہے۔

کفار کی طرف سے ایذا رسانی ابتدا ہی سے شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ اول اول مسلمان کھلے طور پر نماز بھی ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اور کفار کے خوف کی وجہ سے پہاڑیوں کی کھڈوں اور وادیوں میں جاکر نماز ادا کرتے تھے۔ بعد ازاں غالباً بعثت کے چوتھے سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت ایک صحابی ارقمؓ کے مکان میں جو کعبہ کے قریب تھا دروازہ بند کر کے نماز پڑھنے لگے۔ اور اسی مکان میں لوگ جاکر اسلام قبول کرتے اور اسلامی تعلیم کو سنتے۔ اسی جگہ صحابہؓ جمع ہوتے تھے یہانتک کہ بعثت کے چھٹے سال کے اختتام کے قریب حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا۔

اسلام کی روزافزوں کامیابی دیکھ کر کفار خوف زدہ ہو گئے اور انہوں نے باقاعدہ طور پر مسلمانوں کو ستانا اور طرح طرح کا عذاب دینا شروع کیا۔ اس زمانہ میں کوئی سلطنت نہیں تھی جو مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت کرتی۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ پر سخت ظلم کیے گئے خصوصاً اُن غریب مسلمانوں پر جنکا کوئی حربی یا محافظ یا زبردست قبیلہ نہیں تھا جو انکی حمایت کرے۔ اور اکثر مسلمان اسی قسم کے لوگ تھے کئی مسلمان غلامی کی حالت میں تھے اور انکے مالک انکو ناقابل برداشت تکالیف پہنچاتے۔ غریب مسلمانوں کو کفار پکڑتے اور قید میں ڈال دیتے یا جب سورج نصف النہار پر ہوتا انکو لیجا کر وادیوں کے جلتے ہوئے سنگریزوں اور جلانے والی ریت پر لٹا دیتے اور پیاس سے انکی زبانیں باہر آجاتیں اور ایسے بیہوش ہو جاتے کہ نہیں جانتے تھے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ اور ان کے سینوں پر تپتی ہوئی پتھر کی بھاری بھاری سلیں رکھی جاتیں۔ بعض اپنی جان بچانے کیلئے بظاہر اسلام سے انکار بھی کر دیتے مگر اکثر باوجود ان تکالیف کے اسلام پر قائم رہتے کس قدر سخت سخت تکالیف مسلمانوں کو دیجاتیں اور کیسی استقامت سے بیچارے مسلمان ان ظلموں کو برداشت کرتے یہ حضرت بلالؓ کے قصہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ حضرت بلالؓ کو انکا مالک امیہ بن خلف ہر روز دوپہر لیجاتا جب کہ سخت گرمی کا وقت ہوتا

اور انکو جلتی ہوئی ریت اور سنگریزوں پر لٹاکر اور انکا منہ سورج کی طرف کرکے
انکے سینے پر ایک بھاری پتھر رکھدیتا اور کہتا کہ تو اسی حالت میں پڑا رہیگا یہانتک
کہ تو اسلام سے انکار کرے مگر حضرت بلالؓ کی استقامت دیکھیئے کہ جب بھاری پتھر
کی وجہ سے انکا دم گھٹا ہوا ہوتا تھا اور سخت پیاس سے مر رہے ہوتے تھے وہ
یہی جواب دیتے تھے کہ اَحَدٌ اَحَدٌ یعنی ایک ہی خدا ہے ایک ہی ہے ظالم
کئی دن تک لگاتار ایسا ہی کرتا رہا یہانتک کہ وہ موت کے کنارہ پر پہنچ گئے۔ آخر حضرت
ابوبکرؓ نے ان کو خرید کر اس ظالم کے پنجہ سے انکو نجات دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اور
بھی کئی غلاموں کو خرید کر طرح طرح کی تکالیف سے انکو مخلصی دی۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم
دوسری نسل کے لوگوں کو ان زخموں کے نشان دکھایا کرتے تھے جو ان کو مکہ
کی زندگی میں ظالم کفار کے ہاتھ سے پہنچے۔

بعض مسلمان ظالم قریش کے ہاتھ سے دکھ اٹھا اٹھا کر شہید بھی ہو گئے۔
ابوجہل نے حضرت عمارؓ کی والدہ سمیہ کو ایسی تکلیف دی جس سے بدن پر رونگٹے
کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس بیچاری کے اندام نہانی میں برچھے مارے مگر اس بہادر
مظلومہ کی استقامت حیرت انگیز ہے کہ اسنے اس ہیبتناک قتل کو منظور کیا مگر
اسلام سے منہ نہ پھیرا۔ حضرت عمارؓ کے والد یاسرؓ بھی اسی طرح سخت تکلیف کے ساتھ
شہید کیے گئے۔ اور خود حضرت عمارؓ کو بھی خوفناک تکالیف دی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم ان تکالیف کا مشاہدہ کرتے اور جو دکھ آپ کو اپنے صحابہؓ کی تکلیف دیکھ کر
پہنچتا تھا اسکا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

اول اول ایسے صحابہؓ جو زبردست قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے اپنے قبائل
کی عصبیت کی وجہ سے ان تکالیف سے محفوظ رہے جو اکثر مسلمانوں پر وارد ہوئیں
جنکا کسی طاقتور قبیلے سے تعلق نہ تھا لیکن جب کفار نے دیکھا کہ اسلام روز بروز
ترقی کر رہا ہے تو انہوں نے زیادہ سخت تجاویز سے کام لینا شروع کیا اور چونکہ بعض
مسلمان اپنی اپنی قوم کی حمایت کی وجہ سے ایک حد تک محفوظ تھے اس لیئے آئندہ

بالاتفاق یہ تجویز ہوئی کہ ہر ایک قبیلہ اپنے اپنے رشتہ داروں کو اسلام قبول کرنے سے روکے اور اپنے اپنے رشتہ کے مسلمانوں کو طرح طرح کی تکالیف پہنچا کر انکو اسلام سے پھیرے۔ اور اسی طرح ہر ایک خاندان اپنے اپنے دائرہ کے اندر اسلام کی بیخ کنی کر دے اس نئی تجویز کے مطابق ہر ایک قبیلہ نے اپنے اپنے دائرہ کے مسلمانوں کو ستانا شروع کیا اور اپنے سرداروں کی اولاد تک کو نہ چھوڑا چنانچہ ولیم میور شہادت دیتا ہے کہ جب بنی مخزوم نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے قبیلہ کے مسلمانوں کو سزائیں دیں ان مسلمانوں میں انکے بوڑھے سردار کا بیٹا ولید بھی تھا۔ وہ اُسکے بھائی ہشام کے پاس گئے اور اُس سے اجازت چاہی۔ ہشام اسلام کا ایسا سخت دشمن تھا کہ اُسنے اجازت دیدی کہ اُسکے حقیقی بھائی کو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے پیٹا جائے یہانتک کہ وہ اسلام سے باز آجائے صرف اتنی شرط لگائی کہ اُسکو جان سے نہ مارا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ممتاز خادم جیسے حضرت ابوبکرؓ بھی کفار کی ایذاء رسانی سے نہ بچے۔ آپ اپنے مکان پر بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے جس کی کشش سے کئی لوگ آپکے پاس آکر قرآن شریف سنتے اور اُس سے متاثر ہوکر کئی اسلام کو قبول کرتے۔ کفار اس بات کو برداشت نہ کرسکے اور فساد پر آمادہ ہوگئے اور کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ قتل کیئے جاؤ گے۔ آپنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا اور چونکہ جان خطرہ میں تھی اسلیئے آنحضرت صلی اللہ وسلم نے اُن کو مکہ معظمہ سے چلا جانیکی اجازت دیدی حضرت ابوبکر شہر سے نکل گئے۔ پھرتے پھرتے ایک قبیلہ عرب کے سردار سے انکی ملاقات ہوئی جسپر کہ انہوں نے پہلے ایک احسان کیا تھا۔ جب اُسکو آپکے مکہ سے نکلنے کا حال معلوم ہوا تو اُسنے سخت تعجب کیا اور کہا کہ مَیں نہیں مان سکتا کہ آپ جیسے انسان کو اہل مکہ شہر سے نکال دیں اور وہ آپ کو واپس مکہ میں لایا۔ چونکہ وہ ایک زبردست جتھے کا انسان تھا قریش کے لیئے اُسکی بات کا رد کرنا آسان نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم ابوبکرؓ کو اس شرط پر رہنے کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ قرآن شریف بلند آواز سے نہ پڑھے حضرت

ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میں اس شرط کو منظور نہیں کر سکتا۔ مگر چونکہ سردار مذکور ایک طاقتور شخص تھا اور اُس نے زور دیا کہ حضرت ابو بکرؓ کو مکہ میں رہنے سے روکنا نہ چاہیئے اسلیئے آخر قریش کو لاچار منظور کرنا پڑا مگر پھر بھی حضرت ابو بکرؓ اُس ایذا رسانی سے کلی طور پر محفوظ نہ تھے جو مکہ کے مسلمانوں کو قریش کی طرف سے برداشت کرنی پڑتی تھی۔

اگرچہ ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حامی تھا مگر پھر بھی آپ دشمنوں کی تکلیف دہی سے بالکل محفوظ نہ تھے۔ کفار کی ایذا رسانی صرف الفاظ تک ہی محدود نہ تھی بلکہ وہ حقیقی تکلیف پہنچانے سے بھی باز نہیں رہتے تھے۔ کعبہ میں آپکو عبادت کرنے سے روکتے اور جدھر آپ تشریف لیجاتے آپ کا تعاقب کرتے۔ نماز میں جب آپ سجدہ میں جاتے غلاظت کے بوجھ آپ کی پشت مبارک پر رکھتے بدچلنوں اور گنڈوں کو ایذا رسانی کیلیئے اُکساتے بعض دفعہ آپکی جان بھی خطرہ میں ہو جاتی۔ ایک دفعہ آپ طواف کعبہ کر رہے تھے کہ قریش کی ایک جماعت آپکو تنہا پاکر یک لخت آپ پر اکٹھے ہو کر ٹوٹ پڑی اور آپکی چادر کو پکڑ کر گلا گھونٹنا چاہا۔ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ اتفاق سے وہاں آنکلے آپنے اُنکو ڈانٹ کر کہا کہ اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ کیا تم ایک آدمی کو اسلیئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ تب وہ لوگ منتشر ہو گئے۔ حضرت امیر حمزہؓ کے برملا اسلام ظاہر کرنے کا باعث بھی یہی ایذا رسانی ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز صفا پر بیٹھے تھے کہ ظالم ابو جہل وہاں جا نکلا اور آپ کو نہایت شرمناک گالیاں دیں۔ آپنے نہایت صبر سے اُسکی بدزبانی کو سُنا اور برداشت کیا اور خاموش ہو رہے۔ ایک لونڈی اس واقعہ کو دیکھ رہی تھی۔ ابو جہل کی سختی اور آپ کی بُردباری دیکھ کر اُسکا دل بھر آیا۔ آپنے تو کسی کے پاس اس امر کا ذکر نہ کیا مگر اُس لونڈی نے حضرت حمزہؓ کے پاس جو شکار سے واپس آ رہے تھے بیان کیا کہ ابو جہل نے آج تیرے بھتیجے کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے۔ حضرت حمزہؓ کی غیرت کب ایسی ہتک کو برداشت کر سکتی تھی۔ سیدھے ابو جہل کے پاس آئے جو ایک جماعت کے ساتھ کعبہ میں بیٹھا ہوا تھا

اور اُس کے سر پر اپنی کمان ایسے زور سے ماری کہ اُس کا سر زخمی ہوگیا اور کہا اتشتمه فانا علی دینه اقول ما یقول فرد ذٰلك علی ان استطعت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا رہا ہے جبکہ میں بھی آپ کا پیرو ہوں۔ اگر تجھے جرأت ہے تو میرے اس حملہ کا جواب دے اسکے بعد آپ برملا مسلمان ہوگئے اور اسلام کے بہادر پہلوانوں میں سے تھے۔

حضرت عمرؓ بھی اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ ایک دن تلوار ہاتھ میں لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قتل کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ مگر پیشتر اس کے کہ وہ اپنی تلوار چلائیں ایک اور تلوار آپ کا کام کر گئی۔ خدائے تعالیٰ نے اپنا ہاتھ دکھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا معجزہ ظاہر ہوا کہ وہ جو تلوار لے کر قتل کے ارادہ سے روانہ ہوا تھا وہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو مسلمان ہو کر پہنچا۔ وہ کونسی چیز تھی جس نے ایک لمحہ میں ایک خونخوار قاتل کو جان نثار خادم بنا دیا۔ وہ قرآن شریف تھا جس نے حضرت عمرؓ میں حیرت انگیز معجزانہ تغیر پیدا کیا۔ حضرت عمرؓ تلوار لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں ایک شخص نے اُنسے کہا کہ تو پہلے اپنے گھر کی تو خبر لے۔ تیری بہن اور تیرا بہنوئی دونو اُس شخص کے پیرو ہو چکے ہیں جسکے قتل کرنیکے لیئے تو جا رہا ہے اسپر حضرت عمرؓ کا غصہ بھڑکا اور وہ سیدھے اپنی بہن کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اُس گھر میں حضرت خبابؓ سورہ طٰہٰ۔ گھر والوں کو سنا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت خبابؓ اُنکے ڈر سے چھپ گئے۔ حضرت عمرؓ گھر میں داخل ہوئے۔ قرآن شریف کے پڑھنے کی آواز تو وہ سُن ہی چکے تھے جب اُنکو اُس خبر کی تصدیق ہوگئی جو انہوں نے راستہ میں سنی تھی۔ انہوں نے اپنے بہنوئی پر حملہ کیا۔ اُنکی ہمشیرہ نے اپنے خاوند کے بچانے کیلیئے مداخلت کی۔ اس کشمکش میں اُنکی ہمشیرہ کو زخم لگ گیا اور خون بہنے لگا۔ آخر وہ بھی حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ تھیں۔ جواب دیا۔ ہاں ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ اب جو

کچھ تُونے کرنا ہے کرلے۔ اپنی ہمشیرہ کا چہرہ خون سے آلودہ دیکھکر حضرت عمرؓ کا دل نرم ہوگیا اور پوچھا کہ وہ کاغذ کہاں ہے جو تم پڑھ رہے تھے۔ اُنکی ہمشیرہ نے جواب دیا۔ کہ تم مشرک ہو۔ تمھارے ہاتھ ناپاک ہیں۔ ناپاک ہاتھ اُس صحیفہ کو چھو نہیں سکتے غسل کرو پھر تم اُس کاغذ کو دیکھ سکتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے غسل کیا۔ اُنکی ہمشیرہ نے صحیفہ نکال کر دکھایا۔ حضرت عمرؓ نے اُس صحیفہ کو پڑھنا شروع کیا اور اُس صحیفہ نے آپکے دل کو مسخر کرنا شروع کیا۔ جب آپ سورہ طٰہٰ کا ایک حصہ پڑھ چکے تو بول اُٹھے۔ کہ یہ کلام کیسا احسن اور اکرم ہے۔ یہ سنکر حضرت خباب بھی باہر نکل آئے۔ حضرت عمرؓ سیدھے ارقم کے مکان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے مسلمان کفار کے خوف سے دروازہ بند کیئے بیٹھے تھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت حمزہؓ اور دیگر صحابہؓ نے بند دروازہ میں جھانک کر دیکھا تو چونک کر پیچھے ہٹ گئے اور بولے کہ یہ عمر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دروازہ کھولدو اور جب حضرت عمرؓ داخل ہوئے تو آپنے اُنکا دامن اور تلوار کی پیٹی پکڑ کر فرمایا کہ تُو کب تک ہمیں ستائیگا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا " مَیں شہادت دیتا ہوں کہ تُو خدا کا رسول ہے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے کہ اے خدا دو عمروں میں سے (یعنی ابوجہل جسکا نام عمر تھا اور عمر بن خطاب میں سے جو دونوں مسلمانوں سے دشمنی رکھتے تھے) ایک عمر مجھے دے۔ سو خدائے تعالیٰ نے آپکی دعا کو قبول کیا اور یہ آپ کی دعا کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمرؓ معجزانہ رنگ میں ایمان لائے۔ دعا کی اس قبولیت کو دیکھکر سب مسلمانوں کا ایمان بڑھا اور اُس دن سے مسلمان کھُلے طور پر نماز ادا کرنے لگے۔

جب مسلمان ہر رنگ میں ستائے جا رہے تھے اور جب دشمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں تُلا ہوا تھا۔ آپ خدائے تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں استقامت سے تبلیغ میں مصروف تھے۔ نہ صرف آپ فرداً فرداً لوگوں کو تبلیغ کرتے بلکہ اپنا پیغام پہنچانیکے لیئے ہر مجمع میں تشریف لیجاتے۔ خدائے تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حکم تھا فاصدع بما تؤمر یعنی جو کچھ تجھے حکم ہوتا ہے اُسکو کھولکر بیان کر اور آپ اپنے فرض کی ادائیگی

میں ہمہ تن مصروف رہتے۔ ہر ایک موقع تبلیغ کا جو آپ کو ملتا آپ اُس موقع سے فائدہ اُٹھاتے۔ جب قریش کعبہ کے صحن میں اکٹھے ہوکر بیٹھتے آپ اُنکو آنیوالے عذاب سے ڈراتے اور جو جو عذاب دوسری قوموں پر انبیاء کی تکذیب اور اُنکے مقابلہ کی وجہ سے نازل ہوئے تھے اُنسے ڈراتے اور اُنکو خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اُنکے بتوں اور جھوٹے معبودوں کی پرستش سے انکو روکتے۔ جب آپکو حکم ہوا کہ وانذر عشیرتك الاقربین۔ یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب سے اور کفر و شرک کے بدنتائج سے ڈرا۔ تو آپ صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو گئے اور مختلف قبیلوں کے نام لے لیکر بلانا اور انا النذیر العریان کہکر پکارنا شروع کیا عرب میں رسم تھی کہ جب کوئی خطرناک مصیبت یا خوفناک دشمن کسی شہر پر حملہ کرنیوالا ہوتا تو جس شخص کو اس آنے والی مصیبت یا حملہ آور دشمن کا پتہ لگ جاتا تو وہ اپنے کپڑے اُتار اونٹنی پر سوار ہو کر دوڑتا اور اُسکا ننگا ہونا اس امر کی علامت تھی کہ کوئی غیر معمولی مصیبت شہر پر وارد ہونیوالی ہے۔ اسی رسم کی طرف اشارہ کرکے آپنے پکارنا شروع کیا انا النذیر العریان یعنی میں ایک سخت اور خطرناک مصیبت سے تمھیں ڈراتا ہوں جب اس پکار کو سنکر سب لوگ پہاڑی کے نیچے جمع ہو گئے تو آپنے فرمایا اگر میں تمھیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر عظیم ہے جو عنقریب تمھارے شہر پر حملہ کرکے تمھیں تباہ کردیگا تو کیا تم میری بات پر یقین کروگے یا نہیں۔ سبنے کہا ماجربنا فیك الکذب یعنی ہم نے تیری ساری عمر میں کبھی تجھے خلاف واقعہ بات کہتے ہوئے نہیں سنا۔ تو ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ اسپر آپنے اُنکو اس عذاب سے ڈرایا جو انپر آنیوالا تھا اور جس سے وہ اپنے نبی کو قبول کرکے بچ سکتے تھے۔ اسپر ابولہب نے جو آپ کا چچا تھا ایک پتھر اُٹھایا اور کہا تبالك الھذا دعوتنا سائر الیوم کیا اسی بات کیلئے تُو نے ہم سب کو جمع کیا تھا۔ دیکھئے کیسی جانفشانی سے اور کن کن تجاویز سے باوجود شدت عداوت اہل مکہ کے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ نہایت ہی رحیم کریم انسان تھے اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اُنکی قوم اپنے نبی کو قبول کرکے اُس عذاب سے بچ جائے جو

انبیاءؑ کے مخالفوں پر ہمیشہ آیا کرتا ہے۔

بڑا ہتھیار جو آپ استعمال فرماتے تھے وہ قرآن مجید تھا۔ آپ اور آپ کے اتباع تبلیغ کے وقت اکثر قرآن شریف پڑھ کر لوگوں کو سناتے جب شاعروں کا کہیں مجمع ہوتا تو آپ انکی انجمن مشاعرہ میں جا نکلتے اور قرآن شریف سناتے۔ جب لوگ شادی کی تقریب پر جمع ہوتے آپ وہاں بھی تبلیغ کی نیت سے تشریف لیجاتے۔ بعض اوقات خود لوگوں کو دعوت کرکے دعوت کے بہانے سے انکو اسلام کی تبلیغ فرماتے۔ جب اطراف کے لوگ حج کیلئے۔ یا تجارت کے لیئے یا اپنے قومی نزاعوں کے فیصلہ کیلئے مکہ میں آتے آپ انکے پاس بھی تبلیغ امر الٰہی کے لیئے تشریف لیجاتے۔ مگر قریش یہاں بھی جہاں تک انکے بن پڑتا تھا آپ کو تبلیغ سے روکتے۔ جب حج کا موسم آتا اور لوگ آنے شروع ہوتے تو کفار مختلف راستوں پر آدمیوں کو کھڑا کر دیتے جو آنیوالے لوگوں کو کہتے خبردار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہ ملنا اور نہ اسکی بات کو سننا۔ وہ خطرناک جادوگر ہے۔ جب آپ مختلف قبائل میں تبلیغ کیلئے تشریف لیجاتے تو ابولہب آپکے پیچھے پیچھے ہو لیتا اور جب آپ لوگوں کو وعظ فرماتے تو وہ کہتا۔ کہ خبردار اسکی بات نہ مانیو۔ یہ جھوٹا شخص ہے جو اپنے آبائی مذہب سے پھر گیا ہے۔ جب ان حاجیوں اور تاجروں کا ہجوم منتشر ہوتا اور لوگ اپنے اپنے گھروں میں جاتے تو جا کر یہ خبر سناتے کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو بتوں کی پرستش سے روکتا اور ایک خدا کی عبادت کی تعلیم دیتا ہے اور جو اس کام میں اسقدر سرگرم ہے کہ اسکو اپنی جان کی بھی پروا نہیں اسطرح ان حاجیوں اور تجار کے ذریعہ آپ کی تعلیم دور دور تک پہنچتی۔ آپ کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام مکہ میں زور سے پھیلنا شروع ہوا اور اگرچہ مخالف اسلام کی ترقی کو دیکھکر اسکو روکنے کے لیئے زیادہ سے زیادہ کوششیں کرتے مگر وہ اسکی ترقی کو روک نہ سکے۔ کہاں ہیں وہ جو اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے ذریعہ سے پھیلا۔ مکہ میں کونسی تلوار تھی جسکی وجہ سے اسلام اس شہر میں پھیلا۔ مکہ میں تلوار تھی مگر وہ دشمن کے ہاتھ میں تھی اور تعجب یہ ہے کہ باوجود اس تلوار کے اسلام پھیلتا گیا اور تلوار اس کی ترقی کو روک نہ سکی۔ یا اسلام تلوار

کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ دشمن نے تلوار کے زور سے اسکے پھیلنے کو روکنا چاہا پھر بھی اسلام پھیلا۔ اسلیئے یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اسلام باوجود دشمن کی تلوار کے پھیلا۔ مکہ میں اسلام کی ترقی اس امر کی ایک زبردست شہادت تھی کہ اسلام اپنی قوت اور سچائی سے دنیا میں پھیلا اور یہ قوت ایسی زبردست تھی کہ دشمن کی تلوار بھی اس کے مقابل میں عاجز رہ گئی۔

جب دشمنوں نے اسلام کو اپنی آنکھوں کے سامنے پھلتے اور پھولتے دیکھا تو انکی عداوت کی آگ اور بھی بھڑکی اور انہوں نے پورے زور سے مسلمانوں کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچانا اور دکھ دینا شروع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی تکالیف دیکھ کر نہ رہ سکے۔ آپنے انکو کہا کہ مغرب کی طرف ایک ملک ہے جہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا تم ادھر چلے جاؤ اور وہاں رہو یہانتک کہ خدائے تعالیٰ تمھارے لیئے کوئی راہ کھولدے۔ یہ حبشہ کا ملک تھا جہاں عیسائی بادشاہ نجاشی نام حکومت کرتا تھا۔ مسلمانوں کا پہلا گروہ جس نے حبشہ کی طرف ہجرت کی ۱۱ مردوں اور ۴ عورتوں کا گروہ تھا اور وہ بعثت کے پانچویں سال میں کفار کی تعدی سے تنگ آکر اپنے وطن کو چھوڑ سمندر سے پار اتر حبشہ میں جا ٹھہرے۔ قریش کو جو اسلام کو کچل دینا چاہتے تھے جب یہ خبر لگی کہ چند آدمی شہر چھوڑ کر اور جگہ پناہ لینے کے لیئے بھاگ گئے ہیں تو انہوں نے انکا تعاقب کیا مگر وہ انکے پہنچنے سے پہلے جہاز میں سوار ہو چکے تھے۔ ان میں ابو طالب کا بیٹا حضرت جعفرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکی رقیہؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کسقدر تکالیف مسلمانوں کو دیجاتی تھیں جن کی وجہ سے انہیں اپنے وطن سے بھاگنا پڑا بھاگنے والے صرف غربا ہی نہ تھے بلکہ شریف خاندانوں کے لوگ بھی تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریف اور غیر شریف سب کے لیئے مکہ میں رہنا دشوار ہو رہا تھا۔ اسکے بعد کفار کا غصہ اور بھی بھڑکا اور انہوں نے زیادہ تندی اور خونخواری کے ساتھ مسلمانوں کو ستانا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اور مسلمان بھی حبشہ کی طرف بھاگ گئے یہ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت تھی اس دفعہ وہ تھوڑی

تھوڑے ہو کر بھاگے تاکفار کو پتہ نہ لگ جائے اور وہ انکو پکڑ نہ لیں۔ ان کے ساتھ بیویاں اور بچے بھی تھے۔ اب مہاجرین کی تعداد چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر ۱۰۱ تک پہنچ گئی جنمیں ۸۳ مرد تھے۔

قریش کی عداوت نے مسلمانوں کا حبشہ تک تعاقب کیا۔ انہوں نے نجاشی شاہ حبشہ کے پاس قیمتی تحائف دیکر ایک سفارت بھیجی۔ انہوں نے پہلے اہل دربار کو اپنے ساتھ ملالیا پھر بادشاہ کے آگے اپنے تحایف پیش کرکے عرض کی کہ ہم میں سے بعض سفہار نے اپنا قدیمی مذہب چھوڑ دیا ہے اور مذہب عیسائی بھی اختیار نہیں کیا بلکہ ایک نیا مذہب نکالا ہے۔ اور قریش نے ہمیں بھیجا ہے کہ ہم انکو واپس لیجاویں۔ اہل دربار نے انکی درخواست کی تائید کی مگر جب نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے اسلامی تعلیم کی کیفیت اور اُن تکالیف کا تذکرہ سنا جن کی وجہ سے وہ اپنا وطن چھوڑ کر اسکے ملک میں آکر پناہ گزین ہوئے تھے تو اسنے مسلمانوں کو کفار کے حوالہ کرنے سے انکار کیا۔ سفیروں نے ایک چالبازی یہ کی کہ اس عیسائی بادشاہ کو یہ کہکر اکسایا کہ انکا نبی ایسی تعلیم دیتا ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہتک پائی جاتی ہے۔ مگر جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم پڑھکر سنائی تو نجاشی رو پڑا اور کہا کہ یہ کلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وحی ایک ہی چشمہ سے نکلی ہوئی ہیں۔ اور کہا کہ حضرت عیسی علیہ السلام بالکل ایسے ہی تھے جیساکہ اس سورہ میں انکو بیان کیا گیا ہے۔ سفیر ناکام واپس آئے۔ اہل مکہ کا غضب اور بھی بھڑکا۔ انہوں نے دیکھا کہ اگر اسلام کو اس وقت نہ کچلا گیا تو پھر وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔ پہلے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کو عزت اور دولت کے وعدے دیکر آپ کو تبلیغ کے کام سے پھیرنا چاہا۔ ایک دن جب آپ صحن کعبہ میں تشریف رکھتے تھے تو رؤسار مکہ کی ایک جماعت ملکر آپکے پاس گئی اور عتبہ بن ربیعہ نے اُس جماعت کی طرف سے آپ کو کہا اے میرے بھائی کے بیٹے۔ تو ہم میں اپنے اوصاف حمیدہ اور اپنے نسب کی وجہ سے ممتاز ہے۔ اب تُونے ہماری قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے اور ہمارے

خاندانوں میں پھوٹ ڈالدی ہے۔ تو ہمارے دیوتوں اور دیویوں کو برا کہتا ہے اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ ٹھہراتا ہے ہم تیرے آگے ایک تجویز پیش کرتے ہیں۔ تو اس تجویز پر اچھی طرح غور کر۔ اگر یہ تجویز تجھے پسند آجائے تو اسے منظور کر۔ اگر اس کام سے تیری غرض دولت جمع کرنا ہے تو آ ہم تیرے لئے اسقدر مال جمع کر دیتے ہیں جتنا ہم میں سے کسی کے پاس نہ ہو۔ اگر تو عزت اور ناموری چاہتا ہے تو ہم تجھے اپنا سردار بناتے ہیں اور کوئی کام تیرے حکم کے بغیر نہیں کرینگے۔ اگر تو حکومت چاہتا ہے تو ہم تجھے اپنا بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ اسکے جواب میں انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو سورہ حم السجدہ پڑھکر سنائی جب آپ اس آیت پر پہنچے فان اعرضوا فقل انذرتکم صٰعقۃً مثل صٰعقۃ عاد وثمود یعنی اگر یہ لوگ منہ پھیرلیں تو انکو کہدے میں تم کو ویسے عذاب سے ڈراتا ہوں جیسا عذاب کہ قوم عاد و ثمود پر نازل ہوا تھا۔ تو اس کو زیادہ سننے کی تاب نہ رہی اور انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر ہاتھ رکھکر کہا کہ بس ہم تیرے ذوالقربی ہیں۔ ہم پر رحم کر اور اٹھ کر گھر چلا گیا

جب قریش کو اس تجویز میں بھی ناکامی ہوئی تو انہوں نے ایک اور راہ اختیار کی۔ سب ملکر آپکے چچا ابوطالب کے پاس گئے اور کہا کہ تو اپنے بھتیجے کو روک لے کہ وہ اپنے کام سے باز آجائے۔ ورنہ اسکے لیئے اچھا نہ ہوگا۔ پہلے تو ابوطالب نے نرم جواب دیکر ان کو ٹالدیا مگر صبر کہاں آسکتا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ سے نکالکر غضب سے بھرے ہوئے پھر ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اب ہم اس سے زیادہ صبر نہیں کرسکتے یا تو اپنے بھتیجے کو روک لے ورنہ تو بھی اسکے ساتھ ہوجا تاکہ ہمارے اور تمہارے درمیان اس امر کا فیصلہ ہوجائے۔ یہ دھمکی دیکر کفار چلے گئے۔ ابوطالب گھبرایا اسنے دیکھا کہ اب سب کفار ملکر لڑائی اور جنگ پر آمادہ ہوگئے ہیں اور میں اکیلا ان سب کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلایا اور رؤسا رمکہ کی دھمکی کی خبر دیکر بڑی سنجیدگی سے کہا کہ اب تو اپنے تئیں اور مجھے بھی ہلاکت سے بچالے اور مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈال جسکو میں برداشت نہیں کرسکتا۔ آپ کا بھروسہ کسی انسان پر نہ تھا۔ خدا کا ہی

آپ کو سہارا تھا آپ نے اپنے چچا کو کہا کہ اے میرے چچا - اگر وہ سورج میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں لاکر رکھدیں تا مجھے مجبور کریں کہ میں اپنے کام سے باز آجاؤں تو بھی میں اپنے فرض کی ادائگی سے نہیں رکونگا اور میں اپنا کام کرتا جاؤں گا یہانتک کہ خدائے تعالیٰ حق کو ظاہر کردے یا میں ہی اسی کام میں اپنی جان دیدوں - اور یہ دیکھکر کہ اب چچا بھی مکہ کے سرداروں کے خوف سے ساتھ چھوڑنے لگا ہے آپ مندرجہ بالا جواب دیکر لوٹنے لگے - آپ کی استقامت کو دیکھکر چچے کا حوصلہ بھی پھر قائم ہوگیا - اُسنے دیکھا کہ ایسے بہادر اور شریف بھتیجے کو خونخوار دشمن کے حوالہ کردینا شرم کی بات ہے جب آپ اُس کے پاس سے جانے لگے تو اُسنے آپ کو کہا اے میرے بھائی کے بیٹے - تو جو چاہتا ہے کہ خدا کی قسم میں کبھی تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا - پھر اُس نے بنی ہاشم کو جمع کرکے مکہ کے رؤسا کی دھمکی کا ذکر سنایا اور اُنکو کہا کہ تم سب اپنے بہادر بھائی کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ اور ظالم دشمن کے ہاتھ میں ایسے شخص کو نہ دیدو جو ہمارے خاندان کا فخر ہے - سب نے مصمم ارادہ کرلیا کہ اس خوفناک وقت میں جو آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آنیوالا تھا سب آپکے ساتھ رہیں گے صرف ایک بدگو ہر باہر رہا جو اس قومی اتحاد میں شامل نہ ہوا - یہ آپ کا حقیقی چچا ابولہب تھا جسکو اسقدر عداوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی کہ وہ اپنی قوم سے الگ ہوکر دشمنوں کے ساتھ ہوگیا -

اب قریش نے ایک نہایت ہی خطرناک طریق اختیار کیا - یعنی سب ملکر اس بات پر متفق ہوگئے کہ کل قبیلہ بنی ہاشم کو نابود کردیں - سب نے ملکر ایک معاہدہ کیا کہ کوئی شخص بنو ہاشم کے ساتھ خرید و فروخت یا کسی قسم کا لین دین یا اور تعلق نہ رکھے اور نہ ہی شادی بیاہ کے تعلقات اُنکے ساتھ رکھے جائیں - یہ معاہدہ ایک کاغذ پر لکھا گیا اور اس کاغذ کو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا تا کوئی شخص اُس معاہدہ کو توڑنے کی جرأت نہ کرسکے - مگر یہ اتحاد محض ایک پیش خیمہ تھا - اور اس کے بعد دوسرا قدم یہ تھا کہ سب ملکر کل قبیلہ پر یورش کرکے انکو ہلاک کردیں - ہاشم اور عبدالمطلب کی اولاد - مسلمان و غیر مسلمان [illegible] کل شہر کا مقابلہ ایک خاندان کسطرح کرسکتا تھا - اُن سب نے اپنے اپنے

مکان چھوڑ کر ایک پہاڑی کھڈ میں پناہ لی۔ جسکو شعب ابی طالب کہتے تھے۔ یہ شعب
شہر سے چٹانوں اور دیواروں کے ذریعہ بالکل الگ تھا۔ صرف ایک تنگ راستہ تھا
جس کے ذریعہ اس کے اندر انسان جاسکتا تھا۔ یہ واقعہ بعثت کے ساتویں سال
کی پہلی تاریخ کو ہوا۔ تمام خاندان بمعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شعب میں
محصور تھا۔ صرف ایک شخص باہر تھا اور وہ ابولہب تھا۔ کفار مکہ نے انکی آمد و رفت
بالکل روک رکھی تھی کوئی شخص اس شعب میں سے باہر آنے کی جرأت نہیں کرسکتا
تھا سوائے موسم حج کے جو ذخیرہ اناج وغیرہ کا بنی ہاشم اپنے ساتھ لے گئے تھے
وہ جلدی ختم ہوگیا۔ اور محصورین کی حالت جلدی ہی نازک ہوگئی۔ بھوکے بچوں
کی رونے کی آواز شہر میں سنائی دیتی تھی۔ اور اگر بعض خیر خواہ اپنی جانوں کو خطرہ
میں ڈالکر خفیہ طور پر کچھ اناج اندر پہنچا نہ دیتے تو شائد سارا قبیلہ بھوک سے ہلاک ہو جاتا۔
یہ دردناک محاصرہ **تین سال** تک رہا۔ اس محاصرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
کسقدر تکلیف ہوئی ہوگی اسکا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ کسطرح بھوکے بچوں کی چیخیں
آپکے رحیم دل کو چیرتی ہونگی کسطرح اپنے سارے خاندان مسلمانوں۔ غیر مسلمانوں کی
مصیبت آپ کو درد پہنچاتی ہوگی جب آپ خیال کرتے ہونگے کہ یہ مصیبت کا پہاڑ
صرف آپ کی ہی وجہ سے ان لوگوں پر ٹوٹ پڑا ہے یہ ایسی تکلیف تھی کہ اسکے سامنے
موت بھی ایک آسان چیز تھی۔ دیکھو یہ کیسے امتحان کا وقت تھا۔ مگر کوئی امتحان
اور کوئی مصیبت آپ کو آپکے کام سے روک نہیں سکتی تھی۔ جو کام آپنے شروع
کیا تھا وہ خود بخود شروع نہیں کیا تھا بلکہ الٰہی حکم سے شروع کیا تھا۔ آپ کو اس کام
میں کچھ اختیار نہ تھا۔ آپنے سچ فرمایا تھا کہ اگر کفار سورج کو میرے دائیں اور چاند کو
میرے بائیں لاکر رکھدیں تا مجھے اس کام سے ہٹائیں۔ میں ہرگز نہیں ہٹوں گا۔
اس واقعہ سے آپکی سچائی اور آپ کی صداقت بخوبی طور پر واضح ہوگئی۔ دوسری
تکلیف یہ تھی کہ آپ شعب ابی طالب میں محصور ہونے کی وجہ سے وعظ و تبلیغ سے
بھی رک گئے۔ صرف حج کے دنوں میں جب باہر سے لوگ مکہ میں آکر اترتے اسوقت

آپ اُس قلعہ سے نکلکر ان زائرین میں وعظ فرماتے مگر اسوقت بھی ابولہب آپکے ساتھ ساتھ پھرتا اور لوگوں کو کہتا کہ اسکی بات نہ سنیو یہ جھوٹا شخص اور مذہب ہے اور لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتے کہ تیری اپنی قوم جو تیرے حالات سے بخوبی واقف ہے تیری نسبت یہ رائے رکھتی ہے تو ہم تجھے کسطرح مان سکتے ہیں یہ جواب سنکر آپ کا دل غمگین ہوتا اور آپ آسمان کی طرف منہ کرکے فرماتے کہ اے میرے رب اگر تو چاہتا تو ایسا نہ ہوتا۔ غرض یہ تین سال انتہائی تکلیف کے سال تھے کہ اس مصیبت کو دیکھکر اور اس لمبے عرصہ میں اس استقامت کو مشاہدہ کرکے بعض اہل شہر کے دل بھی موم ہوگئے۔ اور وہ اس امر کی تجویزیں سوچنے لگ گئے کہ کسی طرح اس مصیبت کے پہاڑ کو محصورین کے سروں پر سے ہٹادیں۔ دوسری طرف خدائے تعالیٰ کے حکم سے ایسا ہوا کہ وہ کاغذ جو کعبہ میں لٹکا یا گیا تھا اُس کو دیمک کھاگئی۔ اس خدائی فضل سے فائدہ اُٹھاکر پانچ سردار تلواریں کھینچ شعب ابی طالب کے دروازہ پر کھڑے ہوگئے اور محصورین کو کہا کہ سب باہر آجائیں اور اپنے اپنے گھروں میں چلے جائیں یہ کام ایسی چستی سے کیا گیا کہ دشمنان اسلام منہ دیکھتے رہ گئے اور کچھ نہ کرسکے۔ اسطرح تین سال کے لمبے عرصہ کے بعد مسلمانوں اور بنی ہاشم کو اس خوفناک قید سے نجات ملی۔

اسکے بعد جلدی ہی ابو طالب کی وفات کا واقعہ ہوا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ پہنچا۔ اسکے بعد کفار کی مخالفت بہت بڑھ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب مسلمانوں کے لیئے مکہ میں رہنا ایک ناقابل برداشت مصیبت ہے۔ اسلیئے آپنے ارد گرد کے لوگوں کی طرف اور حج اور میلوں پر آنے والے عربوں کی طرف اپنی توجہ کو پھیرا تا شائد مسلمانوں کو مکہ سے باہر کوئی ایسی بستی مل جائے جو انکو کفار کی تعدی سے پناہ دے۔ ابو طالب کی وفات کو ابھی دو ہفتہ ہی گذرے تھے کہ آپ زید کو ہمراہ لیکر طائف کی طرف روانہ ہوئے جو مکہ سے ستر میل کے فاصلہ پر ایک بڑا شہر ہے۔ یہاں کے بت پرستوں نے آپکی

دعوت کو قبول نہ کیا وہاں آپ کو دردناک تکلیف پہنچی جس کا بیان نہیں ہو سکتا آپ کو اس شہر سے نکلنا پڑا اور شریر لوگوں نے شام تک آپ کا تعاقب کیا اور پتھر وار آپکے وجود مبارک کو زخمی کر دیا زیدؓ نے آپ کو بچانے کی کوشش کی اور اس کوشش میں خود زخمی ہوا۔ آپ زخمی پیاسے اور تھکے ہوئے کھجوروں کے ایک جھنڈ کے نیچے شام کو ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے آگے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی۔ اللّٰھمّ الیك اشکو ضعف قوتی وقلة حیلتی وھوانی علی الناس ارحم الراحمین انت رب المستضعفین وانت ربی۔ الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی ام الی عدو ملکتہ امری۔ ان لم یکن بك علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتك ھی اوسع لی۔ اعوذ بنور وجھك الذی اشرقت له الظلمت وصلح علیه امر الدنیا والاخرۃ من ان تنزل بی غضبك او یحل علی سخطك لك العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا بك۔ میرے رب میں اپنی بے کسی۔ کمزوری اور دنیا کے سامنے اپنی کم حیثیتی کی تیرے آگے شکایت کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین اے کمزوروں کے رب۔ تو ہی میرا رب ہے تو میرا ساتھ نہ چھوڑیو مجھے غیروں کا شکار نہ بنائیو اور نہ مجھے میرے دشمنوں کا شکار بنائیو۔ اگر تو ناراض نہیں تو مجھے کچھ ڈر نہیں۔ میں تیرے چہرے کی روشنی میں پناہ ڈھونڈتا ہوں۔ راستے میں ایک فرشتہ نے آپکے پاس آکر کہا کہ آپ اپنے دشمنوں پر بددعا کریں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رحم کا کامل نمونہ تھے۔ بددعا کرنے سے انکار کیا۔ اور فرمایا لعل اللہ یخرج من اصلابھم من یعبدہ۔ یعنی شائد خدا ان کی پشت سے ایسے لوگ پیدا کرے جو اسکی پرستش کریں۔ کسی نبی نے اسقدر تکالیف اس صبر کے ساتھ برداشت نہیں کیں۔

جس باغیچہ میں آپنے آرام کیا وہاں عداس نام ایک نینوہ کا غلام تھا جس سے آپنے گفتگو شروع کی عداس اسی جگہ ایمان لایا اور آپکے سر اور ہاتھوں اور پاؤں کو چومنا شروع کیا جس سے کہ اسکے مالک جو کہ دور سے اس نظارہ کو دیکھ رہے تھے

متعجب ہوئے ۔ طائف کے سفر کے متعلق میور لکھتا ہے۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طائف کے سفر میں آپ کی بڑی عظمت پائی جاتی ہو ایک تنہا انسان جسکو اُسکی قوم نے حقارت کی نظر سے دیکھا اور رد کر دیا وہ خدا کی راہ میں اپنے شہر سے نکلتا ہے اور جیسا یونس نبی نے نینوہ کو جا کر تبلیغ کی ایک بت پرست شہر کو دعوت کرتا ہو کہ وہ توبہ کریں اور خدا کے نبی پر ایمان لاکر اُسکی تائید کریں۔ یہ واقعہ اس امر پر ایک زبردست روشنی ڈالتا ہے کہ آپ کو اس امر کا کسقدر سخت یقین تھا کہ آپ خدا کے رسول ہیں"

اب مکہ میں مخالفت کی اسقدر آگ بھڑکی ہوئی تھی اور آپ کی جان اپنے آبائی شہر میں ایسے خطرہ میں تھی کہ طائف سے واپس آکر آپ مکہ داخل نہیں ہو سکتے تھے اسلئے آپ چند روز نخلہ میں ٹھہرے رہے۔ اور مخالف ایسے زور پر تھے کہ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ آپ کی حفاظت کا ذمہ اُٹھا کر آپ کو شہر میں لائے۔ مگر اس نازک گھڑی میں بھی آپ کا ایمان خدائے تعالیٰ کی نصرت پر اسقدر قوی تھا کہ جب زید نے آپ کو کہا کیف تدخل علیہم وقد اخرجوك کہ اب آپ مکہ میں کسطرح داخل ہونگے جب مکہ والوں نے آپ کو شہر سے نکالدیا ہے تو آپنے جواب دیا یا زید ان اللہ جاعل لما تری فرجا و مخرجا وان اللہ ناصر دینہ ومظہر نبیہ۔ یعنی اے زید خدائے تعالیٰ اس تنگ حالت کو کشادہ کر دیگا اور اس مشکل میں سے آسانی کی راہ نکالدیگا۔ کیونکہ خدا اپنے دین کی مدد کرنے والا ہے اور اپنے نبی کو غلبہ دیگا۔ آخر آپ کی اس حالت کو دیکھکر ایک رئیس مطعم نامی کا دل بھر آیا۔ اُس نے اپنے بیٹوں کو بلا کر انکو زرہ بکتر پہنا کعبہ کے پاس کھڑا کر دیا۔ اور آپ مطعم اور اسکی جماعت کی حفاظت میں شہر میں داخل ہوئے۔

اب آپ بیرونی اقوام کی طرف خصوصیت سے متوجہ ہوئے جو مکہ اور اُس کے قرب وجوار میں حج یا تیہواروں کے موقعہ پر جمع ہوتے۔ اب آپکے لیئے اور آپکے پیرووں کے لیئے مکہ میں رہنا محال ہو گیا تھا۔ اسلیئے جب گرد و نواح کی

تو میں مکہ میں جمع ہوتیں تو آپ اُنکو وعظ کرتے اور اپنے نفس کو اُنکے آگے پیش کرتے کہ میرے لیئے اور میری جماعت کے لیئے مکہ میں رہنا محال ہو رہا ہے جو قوم مجھے جگہ دیگی خدائے تعالیٰ اُس قوم کی مدد کریگا اور دین و دنیا میں اُنکو برکت و نصرت دیگا۔ مگر کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ جس شخص کو قریش نے رد کیا اُسے پناہ دے کیونکہ کوئی قوم یہ پسند نہیں کرتی تھی کہ ایسے شخص کو پناہ دیکر خواہ مخواہ قریش اور اُن کے طرفداروں کے ساتھ جنگ چھیڑ لے۔

آخر خدا کی نصرت کا وقت آگیا اور تاریکی میں سے امید کی شعاع چمکی جب آپ ایک دن حاجیوں میں پھر رہے تھے آپ کی نظر ۶ یا ۷ آدمیوں کی [illegible] سی جماعت پر پڑی۔ یہ مدینہ سے آئے تھے آپنے اُنسے نہایت [illegible] پوچھا "تم کس قبیلہ کے لوگ ہو" انہوں نے جواب دیا کہ ہم بنی خزرج [illegible] آپنے فرمایا کہ کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ تھوڑی دیر بیٹھکر میری [illegible] بخوشی اس امر کو منظور کیا۔ آپنے اپنی تعلیم کو اُنکے آگے پیش کیا۔ قرآن شریف سنایا۔ مکہ میں جو آپ کو اور آپ کی جماعت کو مشکلات درپیش تھے اُنکی [illegible] اور پھر پوچھا کہ آیا تم لوگ اس امر کے لیئے تیار ہو کہ مجھے اپنے شہر میں [illegible] بیان کا ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے یقین کر لیا کہ یہ شخص [illegible] اُسی وقت آپ پر ایمان لائے اور عرض کیا کہ اگر اسوقت آپ مدینہ [illegible] تو ممکن ہے کہ ہم قریش سے آپکی حفاظت نہ کر سکیں [illegible] اجازت دیں دوسرے سال انہی دنوں میں ہم آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہونگے دوسرے سال یہ چھ آدمی اور چھ اور ۱۲ آدمی حج کے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپکے ہاتھ پر بیعت کی [illegible] رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اسلام کا وعظ کرنے کیلیئے ساتھ لیکر واپس چلے گئے۔ اسلام کے اس مقدس مشنری کو ایک سال کے اندر مدینہ میں اسقدر کامیابی ہوئی [illegible] کے لوگوں میں کوئی ایسا گھر شاذو نادر ہوگا جسمیں اسلام نے اپنا پاؤں [illegible]

دوسرے سال ۷۳ مسلمان مدینہ کے قافلہ کے ساتھ مکہ اس غرض کیلیے آئے کہ آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں تشریف لانے کیلیئے درخواست کریں مگر دوسرے قافلہ والوں کو اس کا علم نہ تھا۔ مقررہ جگہ پر جہاں پہلے مدینہ والوں کی آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم سے ملاقات ہوئی تھی یہ جماعت آپ سے رات کے وقت خفیہ طور ملی۔ یہاں تک کہ ان کے ہمراہیوں کو بھی علم نہ ہوا۔ یہ اخفا اسلیئے کیا گیا کہ قریش کو اس امر کا علم نہ ہو۔ کیونکہ اگر انکو علم ہو جاتا تو اسی وقت مدینہ کے مسلمانوں پر حملہ کرتے۔ کفار نہیں چاہتے تھے کہ آپ یا آپکے صحابہ کسی اور جگہ جاکر پناہ لیں وہ چاہتے تھے کہ اسلام کو مکہ کے حدود کے اندر ہی محدود رکھکر اس کو رفتہ رفتہ کچل دیں۔ اور عرب کے ملک میں اسلام کے پودے کو جڑھیں پکڑنے نہ دیں۔ یہ ملاقات آخری رات کو ہوئی جب کہ مدینہ کا قافلہ کوچ کرنے کے لیئے تیار تھا۔ ایسا اسلیئے کیا کہ اگر مکہ والوں کو خبر بھی ہو جائے تو انکی تیاری کرتے کرتے مسلمان نکل جائیں اور مکہ والے انپر حملہ نہ کرسکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے انکو قرآن شریف پڑھکر سنایا جیسے آپ کا دستور تھا اور اسکے بعد انہوں نے آپکے ہاتھ پر اس امر کا عہد کیا کہ وہ آپ کی اور آپکے صحابہؓ کی ایسی ہی حفاظت کرینگے جیسا کہ وہ خود اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

مکہ والے بھی ہروقت تاڑ میں لگے ہوئے تھے کہ کہیں آپ کسی بیرونی قوم کے ساتھ تعلق قائم کرکے مکہ سے نکل نہ جائیں۔ اسلیئے اگرچہ اس ملاقات میں مکہ والوں کے خوف سے جسقدر ممکن تھا اخفا سے کام لیا گیا مگر پھر بھی انکو ایک جاسوس کے ذریعہ پتہ لگ ہی گیا۔ اور کفار نہایت طیش میں آکر صبح ہوتے ہی مدینہ کے قافلہ میں گئے اور دریافت کیا کہ وہ کونسے لوگ ہیں جنہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت کی ہے اور درخواست کی ہے کہ وہ مکہ چھوڑکر انکے ہاں جاکر پناہ لیں۔ مگر خود قافلہ والوں کو بھی اسکا علم نہ تھا۔ اسلیئے کوئی پتہ نہ چل سکا اور وہ ناکام واپس آگئے۔ قافلہ کی روانگی کے بعد انکو معلوم ہوا کہ اسی قافلہ میں انکی امید سے کہیں بڑھ کر آدمی ایسے

تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور آپ کو مدینہ میں آکر پناہ لینے کے لئے کہا تھا۔ تب وہ قافلہ کے پیچھے دوڑے۔ مگر قافلہ والے مسلمان دور نکل گئے تھے۔ صرف دو مسلمان انکے ہاتھ میں آئے۔ انمیں سے ایک پھر انکے ہاتھ سے نکل کر بھاگ گیا۔ دوسرے کو پکڑ کر رسن سے اسکے ہاتھ باندھ دیئے اور اسکے لمبے بالوں سے اسکو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے اپنے شہر مکہ میں لے آئے۔ مگر اسکی خوش قسمتی سے مکہ کے رؤسا میں ایک ایسا شخص تھا جس پر مدینہ میں اس نے بڑا احسان کیا تھا۔ اسکی سعی سے اس غریب مسلمان نے مکہ کے بھیڑیوں کے پنجہ سے نجات پائی۔

اب کفار کا غیظ و غضب ایسے زور سے بھڑکا کہ پہلے شاید کبھی ایسا نہیں بھڑکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف ہوا کہ کہیں مسلمانوں کا قتل عام شروع نہ ہو جائے آپ نے حکم دیا کہ فوراً چھپ چھپ کر مدینہ کی طرف نکل جاؤ۔ چنانچہ مکہ والوں کا ہاتھ پڑا ان کو قید کیا۔ بعض کو اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اس ہجرت کے وقت کفار کو معلوم ہوا کہ اسلام کہاں تک ان کے شہر میں پھیل چکا تھا۔ محلے کے محلے خالی ہوگئے۔ دروازوں پر قفل لگ گئے اور کئی محلے ایسے تھے جنمیں ایک انسان بھی نظر نہیں آتا تھا۔ بعض ایسے قبیلے بھی تھے جو مخفی طور پر مسلمان تھے مگر کفار کے ڈر سے انہوں نے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا وہ بھی اب موقعہ پا کر نکل گئے۔ ابوجہل۔ عتبہ اور دیگر رؤسا مکہ کی گلیوں میں پھر کر خالی محلوں کو تعجب کی نظر سے دیکھتے تھے چنانچہ عتبہ نے کہا یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام ہے جس نے ہماری جماعتوں کو منتشر کر دیا۔ ہمارے کاموں کو بگاڑ دیا اور ہم میں پھوٹ ڈال دی۔ وہ کہاں ہیں جو کہتے ہیں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ مکہ میں آپکے پاس کونسی تلوار تھی جس کے زور سے اسقدر لوگوں نے بصدق دل اسلام قبول کیا اور اگرچہ دشمن کی تلوار انکے سر پر لٹک رہی تھی۔ پھر بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ اور آپ کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑنا اور اجنبی شہر میں مسافروں کی طرح ڈیرہ لگانا اور طرح طرح کے مصائب جھیلنا منظور کیا۔ اگر مکہ میں اسلام باوجود دشمن کی تلوار کے اسقدر زور سے پھیلا کہ

محلے کے محلے ہجرت کیوقت خالی ہو گئے تو اُسوقت اسلام کو پھیلنے سے کونسی چیز مانع تھی جب دشمن کی تلوار توڑ دی گئی اور ملک عرب میں کوئی شخص ایسا نہ رہا جو اسلام کی اشاعت میں مزاحم ہوسکے اور جب نشانات کی تعداد بھی بڑھ گئی اور جب خدائے تعالیٰ نے رنگ رنگ میں اپنی قدرت کا ہاتھ دکھایا اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدائے تعالیٰ کا سچا نبی ہے۔

مگر ہجرت کے وقت سب مسلمانوں نے مکہ کو نہیں چھوڑا۔ کئی ایسے مسلمان باقی تھے جو بوجہ کبر سنی یا غلامی یا قید کیوجہ سے یا ایسے ہی اور اسباب سے ہجرت نہ کرسکے بلکہ کئی ابھی مخفی طور پر مسلمان تھے جن کا علم اُسوقت ہوا جبکہ صلح حدیبیہ کے بعد امن ہو گیا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔

مسلمان ایسی سرعت اور ہوشیاری اور اخفا سے ہجرت کر گئے کہ مکہ والے ششدر رہ گئے پھر بھی جہاں تک اُن سے ہوسکا انہوں نے مسلمانوں کو روکنے میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ عمر جیسا بہادر بھی مخفی طور پر بھاگا۔ ایک دوست اور عیاش کے ساتھ ایک جگہ مکہ سے باہر ملنے کیلئے مقرر کی۔ دوست کو تو دشمنوں نے روک لیا عیاش اور عمر نکل گئے۔ جب ابوجہل کو پتہ لگا تو چند آدمیوں کو ساتھ لیکر قریباً مدینہ تک اُن کا تعاقب کیا اور مدینہ کے قریب مقام قبا میں اُن سے جا ملا اور عیاش کو ایک عجیب حیلہ اور تدبیر سے واپس لے آیا۔ راستہ میں آکر اُسکو رسیوں سے جکڑ لیا اور جب مکہ میں اُسے کھینچتے ہوئے داخل ہوا تو اہل مکہ کو کہا کہ تمھیں بھی ان جاہلوں سے ایسا ہی سلوک کرنا چاہیئے۔ صہیب جو غلامی کی حالت میں مکہ میں آیا تھا اور بڑا مالدار ہو گیا تھا اُسکو بھی کفار نے پکڑ لیا کہ جب تو آیا تھا تو غریب تھا۔ اب تو دولتمند ہے خدا کی قسم ہم تجھے کبھی نہیں جانے دینگے۔ اُسنے کہا کہ تم میری ساری دولت لیلو اور مجھے جانے دو۔ چونکہ اُس کی دولت بہت بڑی تھی اسلیئے کفار نے دولت کے طمع سے اُسکو چھوڑ دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ماجرا سنا تو آپنے فرمایا۔ ربح صہیب ربح صہیب۔ صہیب نے بہت اچھی تجارت کی ہے۔

غرض جو مسلمان بھاگ سکتے تھے وہ سب مدینہ کی طرف بھاگ گئے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ رہ گئے۔ اگرچہ تنہا پیچھے رہنا خطرناک تھا مگر چونکہ آپ کو ابھی آسمان سے ہجرت کا حکم نہیں آیا تھا اسلیئے آپنے الٰہی حکم کا انتظار کیا۔ آپ الٰہی حکم کے تابع تھے۔ اسلیئے آپنے اپنی جان کو بھی خطرہ میں ڈالکر الٰہی اجازت کے بغیر مکہ سے قدم باہر رکھنا پسند نہ فرمایا۔

اب قریش کے رؤسا نے دار الندوہ میں ملکر مشورہ کیا کہ اب کیا تجویز کی جاوے جس سے اسلام کا قلع قمع ہوجاوے۔ آخر بہت سی بحث کے بعد ابوجہل کی رائے پر یہ فیصلہ ہوا کہ ہر ایک قبیلہ میں سے ایک ایک جوان منتخب کیا جاوے اور وہ سب ملکر ایک ہی دفعہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر تلواروں کے ساتھ حملہ کرکے آپکا (فداہ ابی و امی) کام تمام کردیں۔ پھر بنی ہاشم کس کس سے بدلہ لیں گے۔ وہ سب قوموں کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے اور اسطرح اسلام کا خاتمہ ہوجائیگا۔ اس خونی ارادہ کے ساتھ رات کے وقت ایک جماعت نے آپکے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کو انکے بد ارادہ سے اطلاع دی۔ آپنے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لٹادیا اور اُسپر اپنی چادر ڈالدی تا کافر یہ سمجھیں کہ آپ مکان میں ہی ہیں اور آپ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر غار ثور میں جا چھپے۔ جب دشمن کو آپکے سلامت نکل جانیکا حال معلوم ہو تو سب طرف آپکے تعاقب میں گھوڑے دوڑائے اور اعلان دیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ پکڑ لائے یا قتل کرے اُسکو ایک سو اونٹ انعام دیا جاوے گا۔ دشمن کھوج لگاتے لگاتے غار ثور تک بھی پہنچے۔ مگر خدائے تعالیٰ نے معجزانہ رنگ میں آپکو محفوظ رکھا اور تین دن غار میں رہ کر آپ تیز اونٹنیوں پر مدینہ منورہ کی طرف سلامت نکل گئے اور دشمن خایب و خاسر رہا۔

اظہار حق

سکھ صاحبان سے خطاب

اظہار حق نام ایک کتاب حال ہی میں شیخ محمد یوسف صاحب نومسلم نے لکھی ہے۔ اوّل تو شیخ صاحب موصوف کا وجود ہی اس امر کی ایک عملی شہادت ہے کہ باوا نانک صاحب ایک راستباز مسلمان تھے۔ کیونکہ جس امر کی وجہ سے شیخ صاحب کو اسلام قبول کرنیکی تحریک ہوئی وہ باوا نانک صاحب کی تعلیم ہی ہے۔ انہوں نے گرنتھ کو سبقاً سبقاً پڑھا اور انپر باوا نانک صاحب کے اقوال اور طرز زندگی سے واضح ہوگیا کہ آپ اسلام پر شیدا تھے اور اسلام اور بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اسلام کی پاک کتاب قرآن شریف سے آپ کو بڑے درجہ کی محبت تھی اور اسلام کی ہر ایک بات آپ کو پیاری تھی۔ نماز سے اور اذان سے اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے آپ کو اسقدر محبت تھی کہ ہر وقت انکی تعریف کے گیت گاتے اور انکو اپنا دستور العمل بنایا ہوا تھا۔ آخر باوا نانک صاحب کی محبت انکے سچے چیلے سورن سنگھ دمال (شیخ محمد یوسف) میں بھی اثر کر گئی اور انکے دل میں بھی اسلام کی محبت کا ایک جوش اٹھا اور انکے دل میں اس محبوب کا چہرہ دیکھنے کیلئے ایک جذبہ پیدا ہوا جسپر انہوں نے اپنے گورو کو فدا پایا تھا اور وہ جذبہ کھینچے کھینچے انکو اسلام تک لے آیا اور انہوں نے اس پیارے کو اپنے سینے سے لگا لیا جس کی مدح سرائی میں انہوں نے باوا نانک علیہ الرحمۃ کو سرشار پایا تھا اور اب وہ دن رات اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ جس حق کو انہوں نے پایا ہے اسکی طرف دوسرے سکھ صاحبان کو بھی بلائیں اور انکو اس امر کی ترغیب دیں کہ وہ اس راہ پر قدم ماریں جنپر انکے گورو نے قدم مارا اور جس نور سے انکے مرشد نے حصہ لیا وہ بھی اسی نور سے حصہ لیں اور جس چشمہ سے انکے پیر (باوا نانک علیہ الرحمۃ) نے پانی پیا وہ بھی اس چشمہ پر جاکر اپنی پیاس بجھائیں اور جس راہ سے اس بزرگ نے

محبت تھی جسکی پیروی کا وہ دعویٰ کرتے ہیں اُسی راہ سے وہ بھی پیار کریں اور صحیح معنوں میں اُس راستباز کی تقلید کریں جسکی محبت کے وہ مدعی ہیں۔ اسی غرض سے شیخ محمد یوسف صاحب نے یہ کتاب لکھی ہے جسکا نام اظہار حق ہے۔ اسمیں انہوں نے پہلے یہ دکھایا ہے کہ باوا نانک صاحب کو ہندوؤں کے ہر ایک مسئلہ اور ہر ایک رسم سے کیسی نفرت تھی اور پھر مختصر طور پر اُن دلائل کو جمع کیا ہے جنسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ باوا صاحب نے ملک ہند کے مذاہب کو ناپاک پاکر رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاک ہدایات کو اپنا شیوہ بنایا اور مکی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایسے شیفتہ ہوگئے جیسے ایک عاشق اپنے معشوق پر فریفتہ ہوتا ہے کیونکہ انکے ذریعہ انہوں نے اُس نور کو پایا جسکی روشنی سے انہوں نے اُس خدا کو دیکھا جس کا چہرہ ہندو مذہب کی طرح طرح کی تاریکیوں کی وجہ سے لوگوں سے مخفی ہوگیا تھا۔ اور وہ ایک درویش کا لباس پہنکر دُور دراز سفر کی مشقتوں کو اُٹھاکر اور راستہ کے ریگستانوں کو ایک عاشق کی طرح طے کرتے ہوئے اُس دروازہ پر جا کھڑے ہوئے جدھر سے انہوں نے اس نور کو پایا تھا۔ دیکھو کیسے پیارے الفاظ میں بھائی گوروداس جی جو سکھ صاحبان میں ایک بھاری بھگت شمار کیے جاتے ہیں باوا صاحب کے حج کے سفر کا اور پھر مسلمانوں کے مقدس مقام مسجد حرام میں حاضر ہونے کا نقشہ کھینچتا ہے۔

بابا پھر مکے گیا نیلے بستر دھارے بن ولی
عصا ہاتھ کتاب کچھ کوزہ بانگ مصلے دھاری
بیٹھا جائے مسیت وچ جتھے حاجی حج گذاری

یعنی باوا صاحب درویشوں کا نیلا لباس پہنکر۔ عصا ہاتھ میں لیئے ہوئے کتاب (قرآن شریف) بغل میں لیکر اور کوزہ اور جائے نماز اُٹھائے ہوئے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور اذان کہی اور مسجد حرام میں جہاں حاجی لوگ حج ادا کرتے ہیں اعتکاف کیلئے جا بیٹھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اذان کہنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ آپ کی نسبت لکھا ہے۔ "دو انگل دیع انگلیاں پائے کے بابے بانگ دتی"

یعنی جیسے موذن کا طریق ہے کانوں میں انگلیاں ڈالکر بابا نانک صاحب نے بلند آواز سے اذان پڑھی۔ آپ کی بات بات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ٹپکتی ہے۔ چنانچہ بالا جی کی جنم ساکھی میں آپ کا قول لکھا ہے۔

"پاک پڑھو کلمہ ربدا محمدؐ نال ملائے ۔ ہوا معشوق خدائے دا اہو اتل الہیٰ"

یعنی کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھو اس سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملجاؤ گے جو خدائے تعالیٰ کا محبوب تھا اور جس نے اپنا سب کچھ خدائے تعالیٰ پر قربان کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عشق کی برکت سے جو آپکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا آپکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی ہوئی جیسا کہ آپکے اس شعر سے صریح طور پر واضح ہوتا ہے۔ "ڈٹھا نور محمدی ڈٹھا نبی رسول ۔ نانک قدرت ویکھکر خودی گئی سب بھول" (جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۴۱) یعنی مَیں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور کو مشاہدہ کیا اور مَیں خدا کے نبی اور خدا کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا اور اس خدائی قدرت کے نظارہ سے مجھ پر ایسی حالت طاری ہو گئی کہ اپنے وجود سے بالکل بیخبر ہو گیا۔ اور انکی شان کو ایسا بلند پایا کہ اسکے سامنے اپنی خودی سب بھول گئی۔ آپ کو اس امر کا بڑا شوق تھا کہ اسلام دنیا میں پھیلے اور سب لوگ اس مقدس مذہب کو قبول کریں۔ چنانچہ انکی اس خواہش کا مندرجہ ذیل قول سے پتہ لگتا ہے۔ "نانک آکھے رکن دین سچ سنو جواب ۔ چاروں کوٹ اسلام ہوتاں پائیو ثواب" (جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۴۹) یعنی سچی بات یہ ہے کہ جی چاہتا ہے کہ اسلام کی چاروں اطراف میں تبلیغ کیجائے تا ثواب حاصل ہو۔ قرآن شریف پر آپ کا بڑا ایمان تھا اور سب الہامی کتابوں سے وہ اس کا درجہ بلند تر سمجھتے تھے۔ چنانچہ جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۷۴ پر لکھا ہے "توریت۔ انجیل۔ زبور پڑھ سن ڈٹھے وید ۔ رہیا قرآن شریف کل جگ میں پرواں" یعنی توریت۔ انجیل زبور۔ وید سب دیکھ لیئے۔ اب قرآن شریف ہی کل دنیا کیلئے ایک کتاب ہے۔ جسکے ذریعہ نجات مل سکتی ہے۔ آپنے اسلامی طریق کے مطابق روحانی ترقی کے لیئے ریاضتیں بھی کیں چنانچہ کئی چلے کیئے اور ان چلوں کے مقامات اتک

موجود ہیں اور مسلمان بزرگوں کی صحبت میں ایک دراز عرصہ رہ کر روحانی فیض حاصل کیا۔ اسلام کے مشہور ولی شیخ فرید علیہ الرحمۃ کی صحبت میں ۱۲ سال تک رہے۔ نمازیں ادا کیں۔ انہوں نے حج کیا۔ توحید کا وعظ کیا۔ قرآن شریف کلمہ طیب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کے گیت گائے اور جو انکی مشہور یادگار اب تک خود سکھوں کے ہاتھ میں محفوظ چلی آتی ہے اور جسپر دور دراز سے آکر سکھ صاحبان نذریں چڑھاتے ہیں وہ بلند آواز سے پکار پکار کر بیان کررہی ہے کہ جس بزرگ کی میں یادگار ہوں اور جو مجھے ہر وقت اپنے سینہ سے لگائے رکھتا تھا وہ اسلام کا شیفتہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو تھا۔ وہ یادگار چولہ صاحب ہے مگر افسوس کہ سکھ صاحبان ظاہری طور پر اس سے برکت اور فیض لیتے ہیں اور اسکی ایک رنگ کی پرستش کرتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ وہ یادگار کیا کہتی ہے۔ اسکے حروف کو مقدس سمجھتے ہیں مگر ان حروف کے معانی کی طرف توجہ نہیں کرتے چھلکے پر راضی ہیں۔ مغز کو نہیں لیتے۔ ایسا ہی فیروزپور کے ضلع میں باوا صاحب کی یادگار میں ایک قرآن شریف رکھا ہوا ہے۔ غرض باوا نانک صاحب علیہ الرحمۃ کے اسلام کیلئے ایک شہادت نہیں بلکہ بے شمار شہادتیں ہیں۔ آپکے اقوال۔ آپکا طرز زندگی۔ آپکے چلے۔ آپ کی زندگی کے مشہور کام اور آپ کی یادگاریں سب آپکے اسلام کی گواہ ہیں۔

ان شہادتوں کے باوجود بھی سکھ صاحبان یہ ماننے کے لیئے تیار نہیں کہ آپ اسلام کے پیرو تھے۔ اس کا فیصلہ آسان ہے جو جو کام باوا صاحب علیہ الرحمۃ کرتے تھے وہی کام سکھ صاحبان کر کے دکھائیں اور ایسا کرنے میں انکے لیئے کوئی عار کی بھی بات نہیں کیونکہ باوا صاحب انکے مقتدا ہیں اور ایک مقتدا کی پیروی اسی امر کا نام ہے کہ جو جو کام وہ کرتا تھا اُنپر انسان کاربند ہو۔ غرض سکھ صاحبان بھی وہی کام کرکے دکھائیں جو باوا صاحب علیہ الرحمۃ نے کیئے شلاً اُنکی طرح مسجد میں جاکر اذانیں کہیں۔ اُنکی طرح مسلمان اولیاء کی صحبت اور اُن سے میل جول اور گہرا تعلق اختیار

کریں اُنہی کی طرح جیسا مسلمان اولیاء کا طرز ہے چلّے کریں۔ اور دوسری ریاضتیں کریں اُنہی کی طرح کلمہ طیبہ سے محبت کریں اُنہی کی طرح قرآن شریف پر ایمان لاویں۔ اُنہی کی طرح طواف کعبہ کے لئے مکہ جائیں۔ اُنہی کی طرح اسلام کو چارکوٹ (چاروں اطراف) میں پھیلاکر ثواب حاصل کرنیکی کوشش کریں غرض وہی کام کرکے دکھلاویں جو باوا صاحب کرتے تھے تو پھر خود ہی اس امر کا فیصلہ ہو جائیگا کہ ایسے اعمال بجا لانیوالا کون ہوتا ہے۔ لمبی بحث کی ضرورت نہیں۔

سکھ صاحبان۔ آپ بُرا نہ منائیں۔ اگر آپ صاحبان کو باوا صاحب سے سچی محبت ہے تو آپ کو کوشش کرنی چاہیئے کہ آپکے وہی عقاید ہوں جو باوا صاحب کے تھے اور آپکے وہی اعمال ہوں جو باوا صاحب کے تھے۔ اور بجائے اس کے کہ آپ ان باتوں کو سنکر ناراض ہوں اگر آپ کو واقعی سچی محبت اپنے گورو سے ہے تو آپ کو خوشی سے ان امور کو قبول کرنا چاہیئے اور انپر عمل کرنا چاہیئے۔ اگر آپ ایسا کرنے کیلئے تیار نہیں تو معلوم ہوا کہ آپ اپنے خیالات اور رسومات اور اُن غلطیوں کے پیرو ہیں جو بعد میں ایک بزرگ کی تعلیم میں کئی وجوہات سے داخل ہو جاتی ہیں اور آپکا یہ کہنا کہ ہم باوا صاحب کے پیرو ہیں صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ سکھ صاحبان۔ آپ بہادری میں مشہور ہیں اور دلیری خالصہ قوم کا خاصہ بیان کیا جاتا ہے۔ حقیقی طور پر دلیر وہ ہوتا ہے جو حق کے قبول کرنے میں کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈرے۔ پس اگر تم واقعی طور پر دلیر اور بہادر ہو تو کسی اور شخص کی پروا نہ کرو خواہ وہ تمہاری قوم میں عزت رکھتا ہے اور باوا صاحب کی حقیقی تعلیم کو تلاش کرکے اُسپر کاربند ہو۔ اور باوا صاحب سے بڑھ کر اپنے کسی لیڈر کو مرتبہ نہ دو۔ جس راہ کی طرف باوا صاحب تمہیں لے جانا چاہتے ہیں اُس راہ پر قدم مارو۔ دنیا میں کئی انقلاب آتے ہیں اور اصلی تعلیم پر زمانہ کے حالات کئی پردے چڑھا دیتے ہیں اور اصلی تعلیم نظروں سے چھپ جاتی ہے۔ مگر خوش قسمتی سے تمہارے پاس ابھی کافی ذخیرہ حق معلوم کرنیکا موجود ہے تمہیں چاہیئے کہ ایک زبردست ہاتھ کے ساتھ ان تمام پردوں کو اکھیڑ کر دور پھینکدو

اور دیکھو کہ اندر سے باباصاحب کی اصلی تعلیم کیسے چمکتے ہوئے چہرہ کے ساتھ نمودار ہوتی
ہے باباصاحب کی تعلیم کی ٹھیک مثال چولہ صاحب ہے۔ جسطرح اس مقدس چولہ پر کئی غلاف
چڑھ گئے ہیں یہانتک کہ ان غلافوں کے ایک انبار کے نیچے وہ اصلی نقوش چھپ گئے
ایسا ہی باباصاحب کی تعلیم کے چولہ پر پیچھے آنیوالوں نے کئی پردے ڈالدیئے ہیں
تمھیں چاہیئے کہ ایک مدقق کی طرح ان پردوں کو اُٹھا دو اور جو نقش ان پردوں
کے ہٹانے کے بعد ظاہر ہوں اُن پر قدم مارو۔ خوش قسمتی سے اس زمانہ کے
ایک مصلح نے جو دنیا کی سب قوموں کے لیئے ایک رحمت ہوکر آیا اُس نے اپنے
فیض سے تمھیں بھی حصہ دیا ہے۔ تم اُس کے پڑوسی تھے اور اُس نے پڑوس کا
حق ادا کیا ہے اور جیسا اُس نے دوسری قوموں کو اُنکی غلطیوں سے آگاہ
کیا اور جو بات حق تھی وہ ہر ایک کے آگے پیش کی۔ ایسا ہی تمھارے لیئے بھی وہ رحمت
ہوکر آیا اور اُس نے اصل امر جو زمانہ کی تاریکیوں کی وجہ سے تمھارے آنکھوں
سے غائب ہو گیا تھا پھر تمھارے سامنے پیش کیا۔ اور جیسا اُس نے چولہ صاحب
پر سے غلاف اُٹھا کر اصلی چولہ تمھارے سامنے پیش کیا۔ ایسا ہی باباصاحب کی
اصل تعلیم کو جو اسلام کی طرف بلاتی ہے انبار در انبار پردوں کے ڈھیر کے نیچے
سے نکال کر تمھیں دکھا دیا۔ اب تمھارا اختیار ہے خواہ قبول کرو یا نہ کرو۔ اُسنے
تم پر اتمام حجت کر دیا۔ اب بھی اگر نہ مانوگے تو خدائے تعالیٰ کے آگے جواب دہ
ہوگے اور قیامت کے دن باباصاحب بھی آپ لوگوں سے پوچھیں گے کہ اگر تم
مجھ سے محبت رکھتے تھے تو تم نے میرے نمونہ کو کیوں اختیار نہ کیا اور کیوں اُس
چولہ کو نہ پہنا جو میں تمھارے لیئے دنیا میں تمھاری رہنمائی کے لیئے چھوڑ آیا تھا۔
دیکھو یہ شہادتیں بڑی زبردست ہیں جو تمھارے آگے پیش کیجاتی ہیں
کیونکہ یہ تمھارے گھر کی شہادتیں ہیں اور ایسے لوگوں کے ہاتھوں سے پہنچی
ہیں جنکو زمانہ کے حالات کی وجہ سے مسلمانوں سے عناد بھی ہو گیا تھا اور
ان شہادتوں کو انہوں نے بہت کچھ چھپایا بھی ہوگا اور اپنی طرف سے بھی

اپر پردہ ڈالنے کیلیئے بہت کچھ ملایا ہوگا مگر پھر بھی ساری شہادت کو چھپا نہیں سکے اور کافی ذخیرہ اس بات کا اب تمھارے ہاتھ میں ہے جسکے ذریعہ تم باوا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصل عقاید اور اعمال کا پتہ لگا سکتے ہو۔ تم میں اب بہت تعلیم یافتہ بھی ہیں اور وہ ایک محقق کی نظر سے یہ دیکھ سکتے ہیں کہ باوا صاحب کی اصلی تعلیم کیا ہے اور کیا کیا باتیں بعد میں ملائی گئیں۔ اور اگر ان شہادتوں کے برخلاف تمھیں کوئی قول ملے تو وہ قابل اعتبار نہیں کیونکہ اسلام کے معاندین نے ضرور کچھ ملایا ہوگا۔ اور حق کو باطل کے ساتھ ملانے کی کوشش کی ہوگی۔ مگر جو شہادت وہ باوا صاحب کے اسلام کے بارے میں دیتے ہیں وہ ضرور قابل اعتبار ہے کیونکہ کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے ایسی باتیں اپنی طرف سے بنائی ہوں جو خود انکے منشاء اور عقاید کے برخلاف تھیں۔ پس تحقیق کی نظر سے غور کرو اور جو امر ثابت شدہ ہے اسکو قبول کرکے اسپر کاربند ہو جاؤ خدائے تعالیٰ آپ صاحبوں کو حق کی طرف رہنمائی کرے اور آپ کو توفیق دے کہ آپ صاحبان تعصب اور ضد کو چھوڑ کر باوا صاحب علیہ الرحمۃ کی طرح جرأت اور دلیری سے بغیر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کے خوف کے حق کو قبول کریں۔ قرآن شریف جس سے باوا صاحب علیہ الرحمۃ کو اسقدر محبت تھی فرماتا ہے کہ خدا کے سچے بندے وہ ہوتے ہیں جو کسی لائم کی ملامت سے نہیں ڈرتے ولا یخافون لومۃ لائم۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

کتاب اظہار حق مصنفہ شیخ محمد یوسف نو مسلم کی قیمت صرف ۵ رہے قریباً ۲۰۰ صفحہ کی کتاب ہے۔ صدر انجمن احمدیہ نے اسے محض اشاعت کلمۂ حق کی خاطر چھپوا کر شائع کیا ہے۔ اور اسکی قیمت اصل لاگت کے برابر رکھی ہے یعنی صرف ۵ ر احباب کو چاہیئے کہ انجمن کو اس کار خیر میں مدد دینے کیلیئے کئی کئی کاپیاں منگوا کر سکھ صاحبان میں مفت تقسیم کریں اور اسکی بہت جلد پھیلانے کی کوشش کرکے اشاعت اسلام کے ثواب میں شریک ہوں۔

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

الوصیت - میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وصیت کے چند الفاظ اور ایک نیکدل خاتون کی مثال کو پیش کر کے اپنے احباب کو وصایا کے سلسلہ کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ یہ نیکدل خاتون مخدوم مکرم ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی ہمشیرہ تھیں جنکا انتقال گذشتہ سے پیوستہ ماہ میں ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللھم اغفر لھا وارحمھا وعافھا واعف عنھا۔ مرحومہ اپنے بھائی کے اخلاص کے رنگ میں رنگی ہوئی تھیں اور انھوں نے ۳۰ جون سال گذشتہ کو یعنی اپنی وفات سے قریباً ایک سال پہلے یہ وصیت کی کہ انکے کل زیور کی ایک مسجد قادیان میں بنوائی جاوے مرحومہ نے قریباً تین ہزار روپے کا زیور اپنے پیچھے چھوڑا ہے جو انکے شوہر سید محمود شاہ صاحب بی اے ایل ایل ڑکانہ سندھ نے نہایت عالی ہمتی سے مرحومہ کی وصیت کی اغراض کو پورا کرنے کیلئے ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے سپرد کر دیا ہے جزاہ اللہ خیرا اور عنقریب فروخت ہوکر انجمن کے خزانہ میں جمع ہو جائیگا۔ ہم خصوصیت سے سید محمود شاہ صاحب کے بھی مشکور ہیں کہ انھوں نے اس مبارک وصیت کو پورا کرنے میں بڑی عالی حوصلگی سے کام لیا ہے۔ اور مرحومہ کے لیئے صدق دل سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مغفرت و رضوان میں لے اور جنت الفردوس میں جگہ دے انکی وصیت کے اس حصہ کو بھی شائع کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ "کل مومن میرے لیئے دعا کریں" اور احمدی احباب سے التجا ہے کہ وہ مرحومہ کے لیئے دعائے مغفرت کریں۔

وصایا کی اوسط آمد سال گذشتہ میں اور اس سال میں اب تک قریباً دو تین یا چار وصیتیں ماہوار رہی ہے چنانچہ گذشتہ چھ ماہ میں کل بیس وصیتیں بھی نہیں آئیں۔ یہ رفتار آمد وصایا بہت ہی سست ہے اور بہت سے مخلص احباب نے ابھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ اسلیئے میں رسالہ الوصیت کے ذیل کے اقتباس جو وصایا کے متعلق ہیں احباب

کی توجہ کیلئے دیتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔

"اور ایک جگہ مجھے دکھلائی گئی اور اس کا نام بہشتی مقبرہ رکھا گیا کہ وہ ان برگزیدہ جماعت کے لوگوں کی قبریں ہیں جو بہشتی ہیں تب سے ہمیشہ مجھے یہ فکر رہی کہ جماعت کے لئے ایک قطعہ زمین قبرستان کی غرض سے خریدا جائے لیکن چونکہ موقعہ کی عمدہ زمینیں بہت قیمت سے ملتی تھیں اسلئے یہ غرض مدت دراز تک معرض التوا میں رہی۔ اب اخویم مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی وفات کے بعد جبکہ میری وفات کی نسبت بھی متواتر وحی الٰہی ہوئی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ قبرستان کا جلدی انتظام کیا جائے اسلئے میں نے اپنی ملکیت کی زمین جو ہمارے باغ کے قریب ہے جس کی قیمت ہزار روپیہ سے کم نہیں اس کام کیلئے تجویز کی اور میں دعا کرتا ہوں کہ خدا اس میں برکت دے اور اسی کو بہشتی مقبرہ بنا دے اور یہ اس جماعت کے پاکدل لوگوں کی خوابگاہ ہو جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کر لیا اور دنیا کی محبت چھوڑ دی اور خدا کے لیے ہو گئے اور پاک تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی طرح وفاداری اور صدق کا نمونہ دکھلایا۔ آمین یا رب العالمین۔

پھر میں دعا کرتا ہوں کہ اے میرے قادر خدا اس زمین کو میری جماعت میں سے ان پاک دلوں کی قبریں بنا جو فی الواقع تیرے لئے ہو چکے اور دنیا کی اغراض کی ملونی انکے کاروبار میں نہیں۔ آمین یا رب العالمین۔

پھر میں تیسری دفعہ دعا کرتا ہوں کہ اے میرے قادر کریم اے خدائے غفور و رحیم تو صرف ان لوگوں کو اسجگہ قبروں کی جگہ دے جو تیرے اس فرستادہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں اور کوئی نفاق اور غرض نفسانی اور بدظنی اپنے اندر نہیں رکھتے اور جیسا کہ حق ایمان اور اطاعت کا ہے بجا لاتے ہیں اور تیرے لئے اور تیری راہ میں اپنے دلوں میں جان فدا کر چکے ہیں جن سے تو راضی ہے اور جنکو تو جانتا ہے کہ وہ بکلی تیری محبت میں کھوئے گئے اور تیرے فرستادہ سے وفاداری اور پورے ادب اور انشراحی ایمان کے ساتھ محبت اور جانفشانی کا تعلق رکھتے ہیں۔ آمین یا رب العالمین۔

اور چونکہ اس قبرستان کیلئے بڑی بھاری بشارتیں مجھے ملی ہیں اور نہ صرف خدا نے

یہ فرمایا کہ یہ مقبرہ بہشتی ہے۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ اُنزل فیھا کُلّ رحمۃٍ۔ یعنی ہر ایک قسم کی
رحمت اس قبرستان میں اُتاری گئی ہے اور کسی قسم کی رحمت نہیں جو اس قبرستان والوں کو
اس سے حصّہ نہیں۔ اسلئے خدا نے میرا دل اپنی وحی خفی سے اس طرف مائل کیا کہ ایسے قبرستان
کے لئے ایسے شرائط لگا دئیے جائیں کہ وہی لوگ اس میں داخل ہو سکیں جو اپنے صدق
اور کامل راستبازی کی وجہ سے ان شرائط کے پابند ہوں سو وہ تین شرطیں ہیں۔ اور
سب کو بجا لانا ہوگا۔ (۱) اس قبرستان کی زمین موجودہ بطور چندہ کے میں نے اپنی طرف سے
دی ہے لیکن اس احاطہ کی تکمیل کیلئے کسی قدر اور زمین خریدی جائیگی جس کی قیمت
اندازاً ہزار روپیہ ہوگی اور اسکے خوشنما کرنیکے لئے کچھ درخت لگائے جائیں گے اور ایک
کنواں لگایا جائیگا اور اس قبرستان سے شمالی طرف بہت پانی ٹھہرا رہتا ہے جو گذرگاہ ہے
اسلئے وہاں ایک پُل طیار کیا جائیگا اور ان متفرق مصارف کیلئے دو ہزار روپیہ درکار ہوگا
سو کل تین ہزار روپیہ ہوا جو اس تمام کام کی تکمیل کیلئے خرچ ہوگا۔ سو پہلی شرط یہ ہے
کہ ہر ایک شخص جو اس قبرستان میں مدفون ہونا چاہتا ہے وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ان
مصارف کے لئے چندہ داخل کرے۔ اور یہ چندہ محض انہیں لوگوں سے طلب کیا گیا ہے
نہ دوسروں سے۔ بالفعل یہ چندہ اخویم مکرم مولوی نورالدین صاحب کے پاس آنا چاہئیے
لیکن اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو یہ سلسلہ ہم سب کی موت کے بعد بھی جاری رہیگا۔ اس صورت
میں ایک انجمن چاہئیے کہ ایسی آمدنی کا روپیہ جو وقتاً فوقتاً جمع ہوتا رہیگا۔ اعلاء کلمۂ اسلام
اور اشاعت توحید میں جس طرح مناسب سمجھیں خرچ کریں۔ (۲) دوسری شرط یہ ہے
کہ تمام جماعت میں سے اس قبرستان میں وہی مدفون ہوگا جو یہ وصیت کرے جو اُسکی
موت کے بعد دسواں حصہ اُسکے تمام ترکہ کا حسب ہدایت اس سلسلہ کے اشاعت اسلام
اور تبلیغ احکام قرآن میں خرچ ہوگا۔ اور ہر ایک صادق کامل الایمان کو اختیار ہوگا کہ
اپنی وصیت میں اس سے بھی زیادہ لکھدے۔ لیکن اس سے کم نہیں ہوگا۔ اور یہ
مالی آمدنی ایک بادیانت اور اہل علم انجمن کے سپرد رہیگی اور وہ باہمی مشورہ سے ترقی اسلام
اور اشاعت علم قرآن و کتب دینیہ اور اس سلسلہ کے واعظوں کے لئے حسب ہدایت

مذکورہ بالا خرچ کرینگے - اور خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس سلسلہ کو ترقی دیگا اسلئے امید کی جاتی ہے کہ اشاعت اسلام کیلئے ایسے مال بھی بہت اکٹھے ہو جائیں گے اور ہر ایک امر جو مصالح اشاعت اسلام میں داخل ہے جس کی اب تفصیل کرنا قبل از وقت ہے، وہ تمام امور ان اموال سے انجام پذیر ہونگے اور جب ایک گروہ جو متکفل اس کام کا ہے فوت ہو جائیگا تو وہ جو اُنکے جانشین ہونگے اُنکا بھی یہی فرض ہوگا کہ اُن تمام خدمات کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجالاویں ان اموال میں سے اُن یتیموں اور مسکینوں کا بھی حق ہوگا جو کافی طور پر وجوہ معاش نہیں رکھتے اور سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں۔ اور جائز ہوگا کہ اُن اموال کو بطور تجارت کے ترقی دیجائے۔ یہ مت خیال کرو کہ یہ صرف دُور از قیاس باتیں ہیں۔ بلکہ یہ اُس قادر کا ارادہ ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ مجھے اس بات کا غم نہیں کہ یہ اموال جمع کیونکر ہونگے اور ایسی جماعت کیونکر پیدا ہوگی جو ایمانداری کے جوش سے یہ مردانہ کام دکھلائے بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعد وہ لوگ جنکے سپرد ایسے مال کیئے جائیں وہ کثرت مال کو دیکھکر ٹھوکر نہ کھاویں اور دنیا سے پیار نہ کریں۔ سو میں دعا کرتا ہوں کہ ایسے امین ہمیشہ اس سلسلہ کو ہاتھ آتے رہیں جو خدا کے لیئے کام کریں ہاں جائز ہوگا کہ جنکا کچھ گذارہ نہ ہو انکو بطور مدد خرچ اسمیں سے دیا جائے۔ (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ اس قبرستان میں دفن ہونیوالا متقی ہو اور محرمات سے پرہیز کرتا اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرتا ہو سچا اور صاف مسلمان ہو۔ (۴) ہر ایک صالح جو اُسکی کوئی بھی جائداد نہیں اور کوئی مالی خدمت نہیں کر سکتا اگر یہ ثابت ہو کہ وہ دین کے لیئے اپنی زندگی وقف رکھتا تھا اور صالح تھا تو وہ اس قبرستان میں دفن ہو سکتا ہے۔"

اور ممکن ہے کہ بعض آدمی جنپر بدگمانی کا مادہ غالب ہے وہ ہمیں اس کارروائی میں اعتراضوں کا نشانہ بناویں اور اس انتظام کو اغراض نفسانیہ پر مبنی سمجھیں یا اسکو بدعت قرار دیں۔ لیکن یاد رہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے کام ہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بلاشبہ اُس نے ارادہ کیا ہے کہ اس انتظام سے منافق اور مومن میں تمیز کرے اور ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ جو لوگ اس الٰہی انتظام پر اطلاع پا کر بلا توقف اس فکر میں پڑتے ہیں کہ دسواں حصہ کُل جائداد کا خدا کی راہ میں دیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اپنا جوش دکھلاتے ہیں وہ اپنی ایمانداری پر مہر لگا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الٓمّٓ۔ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون۔ کیا لوگ گ

گمان کرتے ہیں کہ میں اسی قدر پر راضی ہو جاؤں کہ وہ کہدیں کہ ہم ایمان لائے اور ابھی انکا امتحان نہ کیا جائے اور یہ امتحان تو کچھ بھی چیز نہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کا امتحان جانوں کے مطالبہ پر کیا گیا اور انہوں نے اپنے سر خدا کی راہ میں دیئے پھر ایسا گمان کیونکر ہو کہ یونہی عام اجازت ہر ایک کو دیجائے کہ وہ اس قبرستان میں دفن کیا جائے۔ کس قدر دور از حقیقت اگر یہی روا ہو تو خدا تعالیٰ نے ہر ایک زمانہ میں امتحان کی کیوں بنا ڈالی وہ ہر ایک زمانہ میں چاہتا رہا ہے کہ خبیث اور طیب میں فرق کر کے دکھلاوے اسلئے اسنے اب بھی ایسا ہی کیا۔ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض خفیف خفیف امتحان بھی رکھے ہوئے تھے جیسا کہ یہ بھی دستور تھا کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کا مشورہ نہ لے جبتک پہلے نذرانہ داخل نہ کرے پس اسمیں بھی منافقوں کیلئے ابتلا تھا ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ اسوقت کے امتحان سے بھی اعلیٰ درجہ کے مخلص جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جائینگے۔ اور ثابت ہو جائیگا کہ بیعت کا اقرار انہوں نے سچا کر کے دکھلا دیا اور اپنا صدق ظاہر کر دیا۔ بیشک یہ انتظام منافقوں پر بہت گراں گذریگا اور اس سے انکی پردہ دری ہو گی اور بعد موت وہ مرد ہوں یا عورت اس قبرستان میں ہرگز دفن نہیں ہو سکیں گے۔ فی قلوبہم مرض فزادہم اللّٰہ مرضا۔ لیکن اس کام میں سبقت دکھلانیوالے راستبازوں میں شمار کئے جائینگے۔ اور ابدتک خدا کی انپر رحمتیں ہونگی۔

بالآخر یہ بھی یاد رہے کہ بلاؤں کے دن نزدیک ہیں اور ایک سخت زلزلہ جو زمین کو تہ و بالا کریگا قریب ہے پس وہ جو معائنہ عذاب سے پہلے اپنا تارک الدنیا ہونا ثابت کر دینگے اور نیز یہ بھی ثابت کرینگے کہ کسطرح انہوں نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ خدا کے نزدیک حقیقی مومن وہی ہیں اور اسکے دفتر میں سابقین اولین لکھے جائیں گے۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ زمانہ قریب ہے کہ ایک منافق جس نے دنیا سے محبت کر کے اس حکم کو ٹالدیا ہے وہ عذاب کے وقت آہ مار کر کہیگا کہ کاش میں تمام جائداد کیا منقولہ اور کیا غیر منقولہ خدا کی راہ میں دیدیتا اور اس عذاب سے بچ جاتا۔ یاد رکھو کہ اس عذاب کے معائنہ کے بعد ایمان بے سود ہو گا اور صدقہ خیرات محض عبث۔ دیکھو میں بہت قریب عذاب کی تمہیں اطلاع دیتا ہوں اپنے لئے وہ زاد جلد تر جمع کرو کہ کام آوے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم سے کوئی مال لوں اور اپنے قبضہ میں کروں بلکہ تم اشاعت دین کیلئے ایک انجمن کے حوالہ اپنا مال کرو گے اور بہشتی زندگی پاؤ گے۔ بہتیرے ایسے ہیں کہ وہ دنیا سے محبت کر کے میرے حکم کو ٹالدینگے مگر بہت جلد دنیا سے جدا کئے جائینگے تب آخری وقت میں کہیں گے ھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

الراقم۔ میرزا غلام احمد خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود۔ ۶ جنوری ۱۹۰۶ء

ان الفاظ کو پڑھنے کے بعد احباب کو وصایا کے لکھنے اور انکی تکمیل کی طرف توجہ کرنے میں ایک لمحہ بھی سستی نہیں کرنی چاہیئے۔ بہت سے احباب نے ابتک وصایا لکھی نہیں۔ یا ایسا خیال کر رکھا ہے کہ فلاں کام ہو جاوے تو وصیت لکھیں گے۔ حالانکہ زندگی کا اعتبار نہیں۔ بعض نے وصایا اپنے طور پر لکھ رکھی ہیں اور انکو دفتر ہذا کے سپرد نہیں کیا حالانکہ ہدایات میں حضرت صاحب نے صاف طور پر لکھا ہے کہ وصیت کو لکھکر انجمن کے سپرد کرنا چاہیئے۔ بعض کو جب وصیتوں کی تکمیل کی طرف توجہ دلائی گئی تو صدر انجمن برنخاست کا معاملہ ہوا۔ ایسی وصیت کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ بعض سے چندہ شرط اول طلب کیا گیا اور بار بار مطالبے کیئے گئے تو کچھ جواب نہ ملا۔ جس وجہ سے وہ وصایا بھی غیر مکمل پڑی ہیں اور انپر سرٹیفکٹ جاری نہیں ہو سکتے۔ اسطرح پر کوئی ڈیڑھ سو کے قریب وصیت دفتر انجمن میں نامکمل صورت میں پڑی ہے۔ اور اگر جلدی انکی تکمیل کی طرف توجہ نہ کی گئی تو یہ سب وصایا بھی کالعدم ہی سمجھی جاویں گی۔ اور جن لوگوں نے وصیتیں لکھکر اپنے پاس رکھ چھوڑی ہیں انکی اس کارروائی سے الوصیت کا منشا ہرگز پورا نہیں ہوتا۔ سب احباب توجہ فرماویں دینی کاموں میں ایسا تساہل گناہ ہے۔

مدرسہ۔ ۱۵ جولائی سے ڈیڑھ ماہ کیلئے موسم گرما کی تعطیلوں کیوجہ سے بند ہوگا۔ اس سال ۲ مدرس سینیر ٹرینڈ اور ایک مدرس جونیر ٹرینڈ کا امتحان پاس کر کے سکول میں آگئے ہیں اور ماسٹر محمد دین بی اے ٹریننگ کالج میں بھیجے گئے ہیں۔ ایسا ہی مدرسہ کے اساتذہ میں چودھری غلام محمد بی اے کے آنے سے سٹاف کی حالت اعلیٰ درجہ کی ہوگئی ہے۔ طلبائے مدرسہ میں بحمد اللہ خاصی ترقی ہوگئی ہے مگر جماعت کی توجہ ابھی بہت سی درکار ہے۔ بھٹہ کا کام اخیر جون میں بند ہوگیا ہے۔ چودہ اور پندرہ لاکھ کے درمیان اینٹ تیار ہوگئی ہے۔ مگر فنڈ قریباً پانچہزار روپے کا مقروض ہوگیا ہے۔ چندہ تعمیر کیطرف جبتک خصوصیت سے احباب توجہ کر کے اس قرضہ کو پورا کرنیکے بعد اسیقدر رقم اور جمع نہ کر دیں تعمیر کا کام بند رہیگا۔ ایڈ کیلئے درخواست دی گئی ہے۔

یتامیٰ اور مساکین کے لیئے مولوی نور احمد صاحب ساکن بہرام پور متصل پھگواڑہ نے کپڑے ارسال فرمائے ہیں اور احباب بھی توجہ فرماویں۔ میاں معراج الدین عمر صاحب نے اپنی کتاب براہین احمدیہ کی بہت سی جلدیں بکٹ پوہیں عطا فرمائی ہیں۔ اور شیخ تیمور صاحب بی اے نے اپنے والدین کی روح کو ثواب پہنچانیکے لیئے صدقہ جاریہ کے طور پر کسی مصرف میں لانیکے لیئے پانچسو روپے کی رقم عطا فرمائی ہے۔ سید صادق حسین صاحب نے پچاس روپے ایسی ہی غرض کے لیئے دیئے جنکی ایک دیگ بنوائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو جزائے خیر دے۔ اس مہینہ کے گوشوارہ آمد و خرچ پر احباب خاص طور سے توجہ فرماویں۔ سکرٹری

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ | بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۰۹ء | نمبر ۸

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - اگست ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عوام سے عہ طلبا سے عہ

مصدّقہ حضرت خلیفۃ المسیحؑ شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجرب

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعفِ نظر کی عام شکایت ہے۔ مَیں نے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراضِ چشم کیلئے مسلم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے۔ اسکے اصل ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی۔ حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیحؑ حکیم نورالدین سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مَیں نے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضانِ چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے کو آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کئے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں اسلئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے۔ قیمت سرمہ اوّل قسم عگا/ قسم دوم عہ/ قسم سوم عہ/ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل عـــہ/ جسکو لوگ اڑھائی سو فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم سے/ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کر کے قیمت لے لو۔

علاوہ ازیں میرے پاس ہر قسم کی لنگی۔ زری۔ ریشمی۔ پشاوری۔ سوتی۔ زرد۔ سیاہ۔ بادامی مشہدی۔ افسری و سفید ٹپکہ ٹسری (جسکو لوگ ریشمی کہتے ہیں) وغیرہ عگا سے لیکر عـــہ روپے تک موجود ہیں۔ اور نیز کلاہ ہر قسم زری و سادہ اور ٹوپی رومی ہر قسم میرے پاس موجود ہے اور قیمت میں بالکل کوئی زیادتی نہیں دریافت کر لیں۔ جو چیز پسند نہ ہو۔ معقول وجہ بیان کرنے پر خریدار کو واپس کرنے کا اختیار ہے۔ خرچ آمد و رفت بذمہ خریدار۔

المشتہر

احمد نور۔ کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر ۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں

گذشتہ پرچہ میں ہمنے مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے اسلام کے پھیلنے کا ذکر کیا تھا۔ اگرچہ مکہ معظمہ میں کئی قسم کے مشکلات تھے جو اسلام کی اشاعت کو روکنے والے تھے۔ مگر باوجود ان مشکلات کے اسلام ترقی کرتا گیا اور جب ہجرت کے وقت محلے کے محلے خالی ہو گئے اور ان میں ایک متنفس بھی نظر نہ آیا تو کفار نے تعجب کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ میں اسقدر کامیابی ہوئی کہ میور جیسا متعصب عیسائی بھی تعریفی کلمات لکھنے کے بغیر رہ نہیں سکا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔ "اسوقت تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام ابھی تھوڑے اور سادہ تھے۔ آپ کی تعلیم نے ایک حیرت انگیز اور زبردست تبدیلی پیدا کی۔ ابتدائی عیسائیت کے زمانہ کے بعد کسی نے نہیں دیکھا تھا کہ اس طرح روحانی زندگی لوگوں میں پھونکی گئی ہو۔ اور ایمان ایسا قوی ہو کہ اسکی خاطر لوگ ہر ایک قربانی کرنے کے لیئے خوشی سے تیار ہوں۔ ایک نہایت ہی قدیم زمانہ سے کل جزیرہ عرب روحانی غفلت میں ڈوبا چلا آتا تھا۔ عیسائیت یا یہودی مذہب یا کسی فلسفیانہ تحقیقات کا اہل عرب پر اس سے زیادہ اثر نہیں ہوا تھا جتنا کہ ایک ٹھہری ہوئی جھیل یا تالاب کی سطح پر خفیف سی جنبش کسی جگہ پیدا ہو جاتی ہے۔ باقی سارا پانی ساکن رہتا

ہے۔ لوگ وہم پرستی۔ ظلم اور گناہ میں غرق تھے۔ یہ عام رواج تھا کہ سب سے بڑا بیٹا اپنے باپ کے مرنے کے بعد اُسکی بیویوں کو اپنی بیویاں بنا لیتا اور وہ اُسکو اسی طرح ورثہ میں ملتی تھیں جیسا کہ اُسکا دوسرا مال و متاع۔ تکبر و افلاس کی وجہ سے اُنہیں دختر کشی کی رسم جاری ہوگئی تھی (جیسا کہ ہندوؤں میں بھی جاری رہی ہے) اُنکا مذہب شدید قسم کی بُت پرستی تھی اور بجائے اسکے کہ کسی اعلیٰ ہستی پر اُنکا ایمان ہو وہ مخفی چیزوں سے وہم پرستوں کی طرح خوف کرتے تھے اور ہر ایک طرح کوشش کرتے تھے کہ اُن پوشیدہ وجودوں کو خوش کریں اور اُنکے غضب کو ٹالدیں آئندہ زندگی یا نیک و بد کی جزا و سزا سے عملی رنگ میں بالکل بے خبر تھے۔ ہجرت سے ۱۳ سال پیشتر مکہ اس گری ہوئی حالت میں بے جان کی طرح پڑا ہوا تھا۔ مگر اس ۱۳ سال کے عرصہ میں عجیب و غریب تبدیلی پیدا ہوگئی۔ کئی سو آدمیوں نے بت پرستی کو بالکل رد کر دیا خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور دل و جان سے اُس کلام کے پیرو ہو گئے جسکو وحی آسمانی یقین کرتے تھے۔ کثرت سے اور تضرع سے خدا تعالیٰ کے آگے دعائیں کرتے خدا تعالیٰ کے رحم پر بھروسہ کر کے گناہوں کی معافی چاہتے اعمال صالحہ۔ صدقہ خیرات۔ پاکیزگی اور عدل و انصاف کی پابندی میں دن رات سرگرم رہتے۔ خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر اور قدیر یقین کرتے اور اُسی کو اپنا کارساز سمجھتے ہر ایک بات میں اُنکو خدا تعالیٰ کا ہاتھ نظر آتا تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُنہیں زندگی کی روح پھونکتے تھے اور خدا تعالیٰ کے بعد وہ ہر ایک امر میں آپ کی بلا چون و چرا اطاعت کرتے۔ اسقدر قلیل عرصہ میں مکہ میں اس تحریک کی وجہ سے کئی گروہ قائم ہو گئے اور وہ پہلے خاندانی یا قومی تعلقات کو بالائے طاق رکھکر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ مسلمانوں نے طرح طرح کی تکالیف کو بڑے صبر اور فراخ حوصلگی کے ساتھ برداشت کیا اور اگرچہ ایسا کرنے میں اُنہوں نے دانائی سے کام لیا مگر اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ جس عالی حوصلگی سے انہوں نے دشمن کے ظلم و ستم کو برداشت کیا وہ نہایت ہی قابل آفرین ہے۔ ۱۰۰ امرد و عورت نے

سے اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر حبشہ میں جاکر پناہ لی مگر اسلام کو نہ چھوڑا۔ اسوقت اس سے بہت زیادہ تعداد مسلمانوں کی بعد خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اپنے پیارے شہر سے اور اُسکے مقدس مقامات سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف جا رہے تھے اگرچہ مکہ سے بڑھکر روئے زمین پر اُنکے لیئے کوئی مقدس جگہ نہ تھی۔ مدینہ میں بھی وہی جادو اثر تعلیم دو تین سال سے ایک بھائیوں کی جماعت اُنکے لیئے تیار کر رہی تھی جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپکے صحابہؓ کی حفاظت کے لیئے اپنے خون بہا دینے کیلیئے تیار تھی مدینہ والوں کے کانوں میں ایک مدتِ دراز سے یہودی تعلیم کی آواز گونج رہی تھی مگر وہ نہ جاگے جب تک کہ نبی عرب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روح ہلا دینے والی آواز کو انہوں نے نہ سنا۔ اب وہ ناگہاں خوابِ غفلت سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور انمیں ایک نئی زندگی اور نئی روح پیدا ہوگئی"۔

مدینہ منورہ میں اسلام کا پھیلنا

اب مسلمان مکہ معظمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے چلے گئے اب دیکھئے کہ اس نئے شہر میں اسلام کس طرح پھیلا۔

یہاں اسلام کے آگے اُس قسم کی رکاوٹیں نہیں تھیں جیسی کہ مکہ معظمہ میں تھیں اس لیئے اس شہر میں اسلام بہت جلد ہی پھیل گیا۔ اہل مدینہ میں اسلام کی ابتدا اُسوقت ہوئی جبکہ چھ آدمیوں نے ہجرت سے قریباً ۳ سال پہلے حج کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا۔ جب یہ لوگ مدینہ میں واپس آئے تو انہوں نے شہر میں اسلام کا اور اسلام کے نبی کا چرچا شروع کیا اور جب دوسرے سال حج کا موقعہ آیا تو ۱۲ آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ معظمہ میں آئے اور آپکے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اس دفعہ ان مسلمانوں کے ساتھ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ مدینہ میں اسلام کی تبلیغ کرنے کیلیئے تشریف لے گئے اس خادم اسلام کو عجیب کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نے اسد ابن زرارہ

کے مکان میں رہائش اختیار کی اور اپنے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح قرآن شریف کے ذریعہ لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچنا شروع کیا۔ اگرچہ یہاں مسلمانوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر پھر بھی یہاں ایک حد تک مخالفت کی گئی۔ مندرجہ ذیل قصہ سے واضح ہو جائے گا کہ مدینہ منورہ میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے کس طریق سے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ اور یہ بھی واضح ہو جائیگا کہ اوّل اوّل انکو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک روز حضرت مصعبؓ بعض نومسلموں کو ایک مکان میں اسلام کی تعلیم دے رہے تھے جو ظفر کے بیٹوں کا مکان تھا۔ سعد ابن معاذ کو جو بنی اوس کا رئیس تھا اس امر کی خبر ہوئی۔ اس نے اُسید کو کہا جو اسی قبیلہ کا ایک سردار تھا کہ اس واعظ اور اسکے ساتھی (اسد) کو ہمارے محلہ میں سے نکالدو۔ اور میں تجھے یہ تکلیف نہ دیتا مگر چونکہ میرا اسد سے رشتہ ہے اسلیئے یہ امر مجھے مانع ہے کہ یہ کام میں خود کروں۔ اسپر اُسید نے برچھا لیا اور غصہ سے بھرا ہوا۔ دروازہ کھول اندر داخل ہوا اور بولا۔ کونسی چیز تمھیں اسجگہ لائی ہے۔ کیا تم ہماری نوجوانوں اور نادانوں کو گمراہ کرنے کے واسطے یہاں آئے ہو اگر تمھیں اپنی جانیں پیاری ہیں تو یہاں سے نکل جاؤ۔ جواب میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے نرمی سے کہا۔ آپ بیٹھ جائیں اور سنیں۔ اگر آپ کوئی ایسی بات سنیں جو آپ کو ناپسند ہو تو پھر ہم یہاں سے چلے جاوینگے۔ اُسید نے زمین میں اپنا برچھا گاڑ دیا اور سننے کے لیئے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے قرآن شریف کے بعض حصے سنائے اور اسلام کے اصول سمجھائے۔ اور اُسید پر ایسا اثر ہوا کہ وہ سُنکر بول اُٹھا اس مذہب میں داخل ہونے کے لیئے میں کیا کروں۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ غسل کر کے اپنا بدن پاک کرو اور پڑھو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اُسید نے ایسا ہی کیا اور کلمہ طیبہ پڑھکر اسلام قبول کیا۔ پھر کہا کہ میرے بعد ایک اور ہے سعد ابن معاذ میں اُسکو تمھارے پاس بھیجتا ہوں۔ اسکو اس مذہب کی تبلیغ کرو۔ اسکے بعد جلدی ہی سعد ابن معاذ غضب سے بھرا ہوا آیا اور کہا کیا تم اس امر کی جرأت

ع ایسی سخت مخالفت کا سامنا انہیں کرنا پڑا جیسا کہ آنحضرتؐ کو مکہ معظمہ میں

کرتے ہو کہ ہم میں ایسی باتیں پھیلاؤ جو ہمارے مذہب کے برخلاف ہیں۔ حضرت مصعبؓ نے جواب دیا کہ تم ہمارے مذہب کو کیوں بُرا کہتے ہو جبکہ تم نے ابھی سنا ہی نہیں کہ اس کی تعلیم کیا ہے۔ اس پر سعد ابن معاذ بیٹھ گئے اور سننے لگے اور اسی جگہ قرآن شریف کی پاک تعلیم سے متاثر ہو کر مذہب اسلام کو قبول کر لیا۔ سعد ابن معاذ جیسے بارعب آدمیوں کے اسلام لانے کے بعد حضرت مصعبؓ کھلے طور پر اسلام کی تبلیغ میں مشغول ہو گئے اور انکو اس مبارک کام میں ایسی کامیابی حاصل ہوئی کہ ایک سال کے عرصہ میں کوئی ایسا گھر شاذ و نادر ہو گا جس میں اسلام داخل نہ ہوا ہو۔

اس حیرت انگیز کامیابی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مدینہ کے لوگ اپنی بت پرستی پر پہلے ثابت قدم نہ تھے۔ وہ اپنے پرانے مذہب میں کیسے پکے تھے یہ امر اس سے واضح ہو جائے گا کہ تین صدیوں سے وہ مہذب اور تعلیم یافتہ یہود کے پاس رہتے تھے مگر کسی نے یہودیوں کی توحید کی تعلیم کو قبول نہ کیا اور اپنی بت پرستی پر قائم رہے۔ مگر جب اسلام آیا اور اسلام کا ایک واعظ قرآن مجید کی مقدس کتاب ہاتھ میں لیکر انہیں کھڑا ہو گیا تو جو کام یہودیت صدیوں میں کرنے سے عاجز رہ گئی تھی۔ وہ اسلام کے ایک مشنری نے چند دنوں میں خدا کے فضل سے پورا کر کے دکھا دیا۔ اور جس بُت پرستی نے صدیوں تک یہودیت کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کیا تھا وہ اسلام کے آنے پر ٹھہر نہ سکی۔ سر ولیم میور لکھتا ہے "یہ نیا مذہب (مدینہ میں) ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف اور ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ کی طرف پھیلتا گیا۔ یہودی حیرت زدہ ہو کر دیکھتے تھے۔ جن لوگوں کو وہ سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے کہ بُت پرستی ایک غلط راہ ہے وہی لوگ اب خود بخود اپنے بتوں کو گھروں سے نکال نکال کر چمگادڑوں چوہوں اور چھچھوندروں کے حوالے کر رہے تھے اور ایک ہی خدائے قدوس کا نام اُنکے دل اور زبان پر جاری تھا۔"

اہل مدینہ کے دلوں میں جو بتوں کی عزت تھی اب اُسکی جگہ سخت نفرت کا قیام ہو گیا پرانے عربوں کو بُت پرستی سے کیسا اُنس تھا اور پھر یہ اُنس کیسی نفرت

میں تبدیل ہوگیا اسکی تشریح کے لیئے ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے
"مدینہ کے دوسرے لوگوں کی طرح ایک سن رسیدہ عرب رئیس کے گھر میں
ایک بُت تھا۔ نوعمر مسلمان اس بُت کو ایک گندے کنوئیں میں پھینک آتے لیکن
بڈھا کنوئیں پر جاتا اور اپنے ٹھاکر کو نکالکر اشنان کراتا اور دھوپ دیکر پھر گھر میں رکھتا
تھا۔ مگر پھینکنے والے بھی رُکنے والے نہیں تھے اُنھوں نے ایک دن ٹھاکر جی کو
ایک مردہ کُتے کی ٹانگ سے باندھکر اُسی کنوئیں میں ڈبو دیا۔ اب ٹھاکر جی کی تمام
عظمت کا خاتمہ ہوگیا اور اُنکے بڈھے سیوک کو ہمیشہ کے لیئے اپنے خود ساختہ خدا کو
سلام کرنا پڑا" اللہ۔ اللہ وہ بُت جنکی کسی وقت ٹھاکر یعنی دیوتا کے طور پر پرستش
ہوتی تھی اب اُنکی قسمت نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہ ایک مردہ ڈاگ یعنی کُتے سے
بھی بدتر خیال کیئے جاتے تھے۔ سبحان اللہ۔ یہ پاک تبدیلی تھی جو نور اسلام نے
اہل مدینہ کے دلوں میں ایک آن کی آن میں پیدا کردی۔ چونکہ اہل مدینہ کو بُت پرستی
ترک کرنے اور نیا مذہب اختیار کرنے میں کوئی دنیوی مفاد مانع نہ تھے اور نہ ہی
اُنکے رؤسا سرداران مکہ کی طرح کسی مندر کے متولی تھے۔ اور اہل مکہ کی طرح انکو یہ
اندیشہ نہیں تھا کہ قبول اسلام سے اُنکی عظمت میں فرق آئیگا۔ اسلیئے مکہ کی طرح اسجگہ
مسلمانوں کو ایذا دہی کی کوشش نہ کی گئی۔ مدینہ کے سربرآوردہ لوگوں نے مکہ والوں
کی طرح اشاعت اسلام کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے سے اعراض کیا بلکہ خود نئے مذہب کو
قبول کرلیا۔ اور چونکہ ایذادہی کا بہت کم خطرہ تھا اسلیئے لوگوں نے کثرت سے نبی عربی
صلعم کی حلقہ بگوشی اختیار کرلی اگر اسلام کے راستہ میں کوئی سد راہ تھی تو وہ محض
ان لوگوں کی بُت پرستی سے پُرانی محبت تھی مگر وحی الٰہی کے پُرزور اثر نے اسپر
غلبہ پالیا۔

اسلام کو تلوار سے پھیلانے کا اعتراض کرنیوالے یہاں سے ایک سبق حاصل
کریں ایک تن تنہا بے یار و مددگار و اعدا بُت پرستوں کی ایک بڑی قوم میں وعظ
کرتا ہے اور ایک ہی سال میں یہ کامیابی ہوتی ہے کہ اصنام پرستوں کی بڑی جماعت

اسلام میں داخل ہوجاتی ہے۔ اس شخص کے ہاتھ میں کونسا ہتھیار تھا؟ قرآن پاک تھا اور اسی ہتھیار نے عجائبات کا مشاہدہ کرادیا۔ ہاں! یہی ایک ہتھیار تھا جسکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعظ میں استعمال کیا اور یہی ایک آلۂ حرب تھا جسکو آپکے تابعین ہر موقعہ اور ہر جگہ پر جہاں کہیں وہ گئے کام میں لائے۔

کیا ہم نے نہیں دیکھا کہ حضرت عمرؓ اسی حربہ کا شکار ہوئے اور یہ قرآن پاک ہی تھا جسکو پڑھکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سامعین پر جادو ڈالا اور انکو حلقۂ اسلام میں داخل کیا۔ قریش اسکی طاقتوں سے واقف تھے اور اسکو جادو کہتے تھے وہ اپنے شہر والوں کو نصیحت کرتے تھے کہ قرآن شریف کو نہ سنیں۔ جب قرآن مجید پڑھا جاتا تو وہ اس غرض سے شور کرتے کہ پڑھنے والے کی آواز سامعین کے کان تک نہ پہنچے اور اس طرح سے وہ جادو بھری آیات کا شکار نہ ہوجائیں۔ قرآن مجید اس امر کی طرف اشارہ کرکے فرماتا ہے " وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون۔ ترجمہ۔ کفار کہتے ہیں اس قرآن کو مت سنو بلکہ بک بک کرو بیچ اسکے تاکہ تم غالب آجاؤ" یعنی شور مچا کر سننے نہ دو اس وعظ کو اسقدر کامیابی ہوئی کہ دوسرے سال جب حج کا موسم آیا تو ۷۳ نومسلم مکہ معظمہ میں اس غرض کے لئے آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں لیجائیں اور دشمنوں کے ظلم سے آپکو بچائیں۔ لیکن صرف یہی ۷۳ آدمی نومسلم نہیں تھے بلکہ صرف ان لوگوں کے قائم مقام تھے جو کہ پیچھے مدینہ میں رہے تھے۔

مدینہ میں آنحضرتؐ کا استقبال

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں پہنچے تو فرطِ خوشی سے بچے بھی آپکی آمد کے گیت گاتے تھے اور کہتے تھے ھٰذا رسول اللہ قد جاء۔ مسلمان فوراً ہر طرف سے قبا میں پہنچ گئے جہانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے قیام فرمایا تھا۔ نبی کریم ان لوگوں سے بڑی محبت کے ساتھ پیش آئے اور انکو

نصیحۃً فرمایا کہ اس خوشی کے اظہار میں اپنے پڑوسی کو امن کا سلام پہنچاؤ۔ غریبوں کو خیرات دو۔ قرابت کے رشتوں کو مضبوط کرو اور جب لوگ سوتے ہوں تم دعائیں کرو اس طرح تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے۔ چار روز تک قبا میں ٹھہر کر نبی کریم ؐ شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر کے خاندان اور قبیلے کے قبیلے حضور کی زیارت کے لیئے آئے اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضور پُر نور کی خاطر و مدارات میں دوسرے سے سبقت لیجائے۔ جب آنحضرت ؐ شہر کے کوچوں میں گذر رہے تھے تو جس قبیلہ کے گھروں کے پاس سے آپ کا گذر ہوتا تھا وہ آپ کی سواری کی باگ کو پکڑ کر عرض کرتے یا رسول اللہ۔ هلم الینا الی العدد والعدۃ والمنعۃ۔ یا رسول ؐ اللہ! ہمارے یہاں قیام فرمائیے۔ ہمارے یہاں سامان مدافعت۔ آلات حرب کی کثرت اور کافی جماعت ہے۔ ہمارے ہاں ہی آرام فرماویں۔ آپ جواب میں فرماتے۔ خلوا سبیلها فانها مامورۃ۔ یعنی اس اونٹنی کو چھوڑ دو۔ یہ خدائے تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہے۔

حضرت نبی کریم ؐ کا وعظ

مدینہ میں قیام پذیر ہونیکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس امر کی طرف پہلے توجہ فرمائی وہ تعمیر مسجد تھی اور اس کام میں آنحضرت صلعم نے خود حصّہ لیا مسجد میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ؓ اپنا بہت سا وقت گذارتے تھے۔ اور یہاں ہی حضور روزانہ نمازیں ادا کرتے تھے۔ یہاں ہی آنحضرت صلعم لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے تھے۔ آنحضرت صلعم کا خطبہ اور آسمانی وحی کے سننے کے لیئے شائقین کا ایک بڑا مجمع ہو جایا کرتا تھا۔ اور چونکہ اس جگہ مسلمانوں پر اس قسم کا ظلم نہیں کیا جاتا تھا جیسا کہ مکہ معظمہ میں ہوتا تھا اسلیئے اسلام نے بڑی سرعت سے ترقی شروع کی۔ صرف مسجد ہی جائے وعظ نہیں تھی بلکہ مسجد کے اندر اور باہر جہاں کہیں حضور کو موقع ملتا تھا وہیں اسلام کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے۔ اور جس جگہ آدمیوں کا

ایک مجمع دیکھتے اُسی جگہ اسلام کا وعظ شروع کر دیتے۔ جس طریق سے آپ نے اپنا وعظ مدینہ منورہ میں جاری رکھا وہ مندرجہ ذیل قصہ سے واضح ہوجاتا ہے۔ "ایک دن آپ سعد بن عبادہ کی عیادت کے لیئے تشریف لیجا رہے تھے۔ تو آپ کا گذر مشرکین اور یہود کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا۔ آپ وہاں بیٹھ گئے اور فرقان حمید کا کچھ حصہ پڑھا اور اُن لوگوں کو مذہب حقہ کی دعوت دی۔ ان لوگوں میں عبداللہ بن اُبیؔ بھی تھا جو کہ ذاتی اغراض کے باعث نبی کریمؐ کا دشمن تھا جب آنحضرت صلعم بیان فرما چکے تو وہ کہنے لگا جو کچھ آپ فرماتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہو تو یہ نہایت ہی عمدہ کلام ہے۔ اگر آپکے پاس کوئی جائے تو ایسا وعظ آپ اُسکو سنایا کریں۔ دوسروں کو آپ تکلیف نہ دیا کریں۔ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کا یہ کلام سعد کو سنایا تو اُس نے قسم اُٹھا کر بیان کیا کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہم نے اُسکو اپنا بادشاہ بنانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور اب وہ صریحًا دیکھتا ہے کہ حضور نے اُسکے ہاتھ سے ریاست چھین لی ہے یہی وجہ ہے کہ اُسکو آپسے بُغض ہے۔ آپ اُس سے درگذر فرمائیں اور اُسکے قول کی کچھ پروا نہ کریں۔ آپنے پوری سرگرمی سے اپنا کام جاری رکھا اور اسلام کی بنیادیں دن بدن مستحکم اور مضبوط ہوتی گئیں"

قریش کی دشمنی

اب مَیں قریش مکہ کا کچھ ذکر کرتا ہوں۔ میور کہتا ہے کہ وہ حضرت نبی کریم صلعم اور صحابہ کرامؓ کے مکہ معظمہ سے چلے جانے پر خوش تھے۔ اور اگر نبی کریمؐ کی طرف سے زیادتی نہ ہوتی تو وہ مسلمانوں کے معاملات میں مداخلت نہ کرتے۔

میور یہ بھی کہتا ہے کہ نبی کریمؐ یا آپکے صحابہؓ نے آنحضرتؐ کے ارشاد کے مطابق قریش کے قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کی اس زیادتی کی وجہ سے امن پسند اور صلح جو قریش مجبور ہوئے کہ نبی کریمؐ اور آپکے صحابہؓ سے جو در اصل اُنکے خویش و اقارب ہی تھے۔ برسر پیکار ہوں۔ لیکن ہم سوال کرتے ہیں کہ یہ عجیب تبدیلی قریش

میں یکایک کس طرح پیدا ہوگئی؟ انہوں نے کیونکر اپنے خیالات کو فوراً بدل لیا؟ اگر مکہ سے مسلمانوں کے جانے پر وہ خوش تھے تو مہاجرین کے اس دستے کا بحیرہ قلزم تک کیوں تعاقب کیا؟ جو کہ اُنکے ظلم سے تنگ آکر ایک عیسائی ملک میں پناہ لینے جا رہے تھے۔ پھر حبشہ کے بادشاہ کے پاس ایلچی اور قیمتی تحائف بھیجکر کیوں درخواست کی کہ ان مہاجرین کو اُنکے حوالے کر دے؟ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ قریش اُن مسلمانوں پر کیوں خفا ہوئے؟ جو کہ مدینہ سے آنحضرتؐ اور آپکے صحابہؓ کو قریش کے مظالم سے بچا کر اپنی پناہ میں لینے کے لیئے آئے تھے؟ کیا وجہ ہے کہ انہوں نے مدینہ کے مسلمانوں کا اُنکی روانگی کے بعد تعاقب کیا؟ اور انہیں سے دو کو پکڑ بھی لیا۔ پھر کیا سبب ہے کہ جب ان دو میں سے ایک بچ کر نکل گیا تو دوسرے کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے شہر میں لائے؟ اور جب مسلمانوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کیوں انہوں نے دُگنی سختی سے اپنے عزیز و اقارب کو طرح طرح کے عذاب دینے شروع کیئے! کیا اُنکی ہجرت کو روکنے کے لیئے ہر طرح کی کوششیں نہیں کی گئیں؟ کیا بعض کو قید میں ڈالا نہیں گیا؟ اور بعض کو ارتداد پر مجبور نہیں کیا گیا؟ کیا وہ بعض مسلمانوں کو مدینہ کے قریب سے پکڑ نہیں لائے تھے؟ اور کیا اُنکے ہاتھ پیٹھ پر باندھکر اُنکو گھسیٹ کر شہر میں نہیں لے گئے تھے؟ اور کیا وہ ان سختیوں کے وقت اہل شہر سے یہ نہیں کہتے تھے کہ تم بھی ان جہلا رسے ایسا ہی سلوک کرو۔ جب حضرت نبی کریمؐ مکہ میں ہجرت کے لیئے الٰہی حکم کا انتظار کر رہے تھے کیا اسوقت یہ ارادہ نہیں کیا گیا تھا کہ سب ملکر آپ پر حملہ کریں اور آپکی زندگی کا خاتمہ کر دیں؟ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر گئے تو کیا آپکے قتل کے لیئے انعام مقرر نہیں کیا گیا تھا؟ اور کیا آنحضرتؐ کی تلاش کے لیئے ہر طرف سوار نہیں دوڑائے گئے تھے؟ جب قریش کی یہ حالت تھی تو ہم میور صاحب سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ خونخوار بھیڑیئے کیونکر یک بیک غریب بے ضرر بھیڑیں بن گئیں؟ آہ! ایسے مورخ سے کیا انصاف کی امید ہو سکتی ہے جو کہ اپنے جبلی عیسائی تعصب میں ایسا غلطاں ہے کہ خونخوار قریش کو تمام الزامات سے بری کرتا ہے

اور حضرت نبی کریمؐ کو باوجود مظلوم ہونے کے زیادتی کرنیوالا ٹھہراتا ہے اور ابتدائی جنگ کا الزام اُنکے سر پر رکھتا ہے۔

حضرت نبی کریمؐ کو قریش کے حملہ کا اندیشہ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی دفعہ حج کے موقعہ پر مدینہ کے ایک چھوٹے سے گروہ سے ملاقات ہوئی تو اُنکو اپنے مذہب کی تبلیغ کرنیکے بعد انہیں اپنے مشکلات کا حال سنایا۔ اور فرمایا کہ "کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ مدینہ والے مظلوم مسلمانوں کو قریش کی تعدیوں سے پناہ دیں" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اس امر کا بخوبی یقین تھا کہ اگر آپ اور آپکے صحابہ کسی دوسری جگہ ہجرت بھی کر گئے تو قریش ضرور اُنکا تعاقب کرینگے آپ میور اور دوسرے وقائع نگاروں کی نسبت اپنے حالات زیادہ اچھی طرح سمجھتے تھے اور حضور کو معلوم تھا کہ قریش اسلام کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑنے پر تُلے ہوئے ہیں اور اُنکو یہ بھی گوارا نہ ہوسکیگا کہ مسلمان کسی دوردراز شہر میں بھی امن سے زندگی بسر کریں۔ یہی باعث تھا کہ آپنے مدینہ کو ہجرت کرنے سے پیشتر مدینہ کے نومسلموں سے اسبات کا پختہ وعدہ لیا کہ وہ آپ اور آپکے رفقا کی حفاظت اس طرح کریں۔ گے جیسا کہ وہ اپنی بیویوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے چچا عباس جو ابھی تک غیر مسلم تھے اُنکی تقریر سے بھی صاف عیاں ہوتا ہے کہ قریش کا ارادہ تھا کہ مسلمان خواہ کہیں جائیں وہ اُنکا تعاقب کرینگے۔ عباس نے مدینہ کے نومسلموں سے جو آنحضرتؐ کے پاس مدینہ میں پناہ دینے کا پیام لائے تھے اس طرح کہا "اے بنی خزرج اس معاملہ کو غور سے سوچو اور نفع نقصان کا اندازہ کرلو۔ اگر تمھارا مصمم ارادہ ہو اور پھر تم اُنکی حفاظت کے قابل بھی ہو تو عہد کرو۔ لیکن اگر تمھیں شک ہو کہ تم اس قابل نہ ہوگے تو فوراً اس تجویز کو چھوڑ دو"۔

ان الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ عباس جو کہ اسلام اور مسلمانوں کی تکالیف سے پورے طور پر واقف تھا اُسکی رائے میں حضرت نبی کریمؐ اور مسلمانوں کے بلانے میں

اہل مدینہ ایک نہایت خطرناک امر کو اپنے ذمہ لے رہے تھے اور اُسکو یہ بھی یقین تھا کہ اگر اہل مدینہ ان مہاجرین کو اُنکے بے رحم ایذا دہندوں سے محفوظ نہ رکھ سکے تو آنحضرتؐ اور اُنکے ساتھیوں کی جانیں معرض خطر میں ہونگی۔ حضرت نبی کریمؐ اور آپکے چچا عباس کی رائے میں یہ یقینی امر تھا کہ قریش مسلمانوں کی اس نئی جائے پناہ پر ضرور حملہ آور ہونگے اور بعد کے واقعات نے اُنکی رائے کو بالکل راست ثابت کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسوقت تک مکّہ کو نہ چھوڑا جبتک کہ اہل مدینہ سے اس امر کا پختہ وعدہ نہ لے لیا کہ وہ آنحضرتؐ اور آپکے ساتھیوں کی حفاظت وحمایت میں جان و مال سے بھی دریغ نہ کرینگے۔

چھپے دشمن

بھلا یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آکر مکّے کے دشمنوں سے غافل رہتے؟ آپنے آتے ہی قریش کے اس آنیوالے حملہ سے اپنا بچاؤ کرنیکے لیئے مناسب تیاریاں شروع کر دیں اگرچہ حضرت نبی کریمؐ اور مسلمان مدینہ میں مشرکین مدینہ کی تعدیوں سے محفوظ تھے مگر یہاں آکر آپ کو نئے رنگ کے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اگرچہ بہت سے اہل مدینہ مسلمان ہو چکے تھے مگر اُنکی ایک بڑی جماعت ابھی تک اسلام میں داخل نہیں ہوئی تھی بلکہ آنحضرتؐ کی دشمن تھی۔ عبداللہ بن اُبیّ جسکا پہلے ذکر ہو چکا ہے ایسے لوگوں میں سے تھا۔ ان لوگوں میں سے اکثر ظاہراً حضرت نبی کریمؐ کے حامی بنے ہوئے تھے مگر اُنکی ظاہری حمایت اُس خفیہ مخالفت پر پردہ ڈالتی تھی جو کہ علانیہ دشمنی کی نسبت زیادہ خطرناک تھی۔

یہودی

مذکورہ بالا گروہ سے بھی زیادہ خطرناک یہودیوں کی وہ قومیں تھیں جو سیکڑوں سال سے مدینہ اور اُسکے قرب وجوار میں آباد تھیں اور جنہوں نے ہتھیار بند حملہ آوروں کا مقابلہ کرنیکے لیئے قلعہ بند مکان بنائے ہوئے تھے۔ وہ اُن لوگوں کے بھائی بند

اور جانشین تھے جنہوں نے اپنے ہی مسیح کو صلیب پر لٹکایا تھا۔ کیا رسول عربی جو بنی اسرائیل کے ہمسر بنی اسمٰعیل سے پیدا ہوا تھا اور جسکی شریعت تمام پہلی شریعتوں کو منسوخ کرتی تھی۔ ان یہودیوں کے ہاتھ سے اُس مسیح کی نسبت بہتر سلوک کی امید کر سکتا تھا جو کہ انہی کی نسل سے پیدا ہوا اور دعویٰ بھی کیا کہ موسوی شریعت کا ایک شعشہ بھی تبدیل نہ کیا جائیگا؟

آنیوالے حملے کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں

اگرچہ یہودی اور اہل مدینہ کی ایک جماعت مسلمانوں سے سخت متنفر تھے تاہم حضرت نبی کریمؐ کے تشریف لانے پر شہر میں اسقدر جوش پیدا ہوا کہ مذکورہ بالا ہر دو فریق کو علانیہ مخالفت کا حوصلہ نہ ہوسکا اور اسوجہ سے یہ لوگ پہلے پہل خاموش رہے۔ حضرت نبی کریمؐ کی عین یہی خواہش تھی کہ غیر مسلم شہر والوں اور یہودیوں سے صلح صفائی رہے۔ آپکو یہ علم تھا کہ مسلمانوں کی مختصر سی جماعت پر قریش مع اپنے مددگار احابیش کے ضرور حملہ آور ہونگے اور اسلیئے شہر کی حفاظت کیلیئے یہ انسب معلوم ہوتا تھا کہ مدینہ کے غیر مسلم لوگ اگر ساتھ نہ دیں تو کم ازکم مسلمانوں کی راہ میں مزاحم نہ ہوں۔ چونکہ قریش کعبہ کے متولی تھے اور عرب کی قوموں پر اسوجہ سے اُنکا بڑا اثر تھا اور وہ آسانی سے ریگستان کی قوموں اور عرب کی دوسری اقوام کو حضرت نبی کریمؐ کے خلاف جنگ کرنیکے لیئے اُکسا سکتے تھے کیونکہ آنحضرتؐ کی موجودگی سے اُنکے قومی مذہب کی تباہی کا اندیشہ ہورہا تھا۔ اس لیئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بعض صورتوں میں یہاں آکر مکہ سے بھی زیادہ نازک ہوگئی تھی۔ مکہ میں تو صرف قریش کی مخالفت تھی مگر مدینہ میں جیساکہ میور اقرار کرتا ہے آپکو تمام عرب کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلیئے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے مختصر گروہ کو جوکہ مدینہ میں جمع تھا ہر وقت ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔ کم ازکم شہر میں امن رکھنے کے لیئے حضرت نبی کریمؐ نے مدینہ اور مضافات کی غیر مسلم آبادی سے ایک عہدنامہ لیا۔

جو کہ اہل مدینہ کے لیئے آنحضرت صلعم کی طرف سے بمنزلہ فرمان آزادی تھا اور اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"یہ فرمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو خواہ وہ قریش ہوں خواہ اہل یثرب (مدینہ) اور سب لوگوں کو خواہ وہ کسی مذہب اور کسی قوم کے ہوں جنہوں نے مسلمانوں سے صلح اور آشتی رکھی ہے لکھدیا ہے۔ صلح اور جنگ کی حالت سب مسلمانوں کے لیئے عام ہوگی اور کسی مسلمان کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ برادران اسلام کے دشمنوں سے صلح یا جنگ کرے یہود جو ہماری حکومت اسلامیہ سے تعلق رکھتے ہیں تمام اذیتوں اور ذلتوں سے بچائے جائیں گے اور ہماری اُمت کے ساتھ مساوی حقوق انکو ہماری نصرت اور حمایت اور حُسن سلوک کے حاصل رہیں گے۔ یہودان بنی عوف۔ بنی نجار۔ بنی حارث۔ بنی جشم۔ بنی غالب بنی اوس اور سب ساکنان یثرب مسلمانوں کے ساتھ ملکر ایک قوم سمجھی جائے گی اور وہ اپنے اعمال مذہبی کو ویسی ہی آزادی سے بجالائیں گے جیسے مسلمان اپنے امور دینی کو ادا کرتے ہیں۔ یہود کی حفاظت اور حمایت میں جو لوگ ہیں یا جو اُنسے دوستی رکھتے ہیں اُنکو بھی تحفظ اور آزادی حاصل رہے گی۔ مجرموں کا تعاقب کیا جائیگا اور اُنکو سزا دیجائے گی۔ یہود مسلمانوں کی شرکت یثرب کے بچانے میں کریں گے............. اور تمام وہ لوگ جو اس فرمان کو قبول کریں گے یثرب میں محفوظ اور مامون رہیں گے۔ مسلمان اور یہود کے دوست و آشنا کا بھی ویسا ہی اعزاز کیا جائیگا جیسا کہ خود یہودیوں کا۔ سب سچے مسلمان اُس شخص سے بیزار رہیں گے جو کسی گناہ یا ظلم۔ نااتفاقی یا بغاوت کا مرتکب ہوگا اور کوئی شخص کسی مجرم کی حمایت نہ کرے گا۔ گو وہ کیسا ہی قریبی اور عزیز ہو آئندہ جو تنازعات ان لوگوں میں ہونگے جو اس فرمان کو قبول کرتے ہیں اُنکا فیصلہ خداوند عالم کے حکم کے مطابق رسول اللہ فرمائیں گے۔"

یہ فرمان دو وجوہ سے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ اوّل اس سے ظاہر ہوتا ہے

کہ آنحضرتؐ کو قریش اور اُنکے مددگاروں کے حملے کا اندیشہ تھا۔ اور یہ بھی فکر تھا کہ مسلمانوں کی قلیل جماعت تباہی سے بچ جائے اسی وجہ سے آپؐ نے مدینہ اور اُسکے قرب وجوار کے غیر مسلم لوگوں سے عہدنامہ کر کے اس شہر کو ایسی حالت میں کر دیا تھا کہ حملہ کے وقت بچاؤ کی کوشش ہو سکے۔

دوم۔ اس فرمان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ ملاکر ایک قوم سمجھا جائیگا اور حقوق میں مساوات رکھی جائے گی۔ اس عہدنامہ کے رو سے آپؐ نے یہ اجازت دی کہ ہر ایک شخص اپنے اپنے مذہب پر چلنے کے لیئے آزاد ہوگا بلکہ ضرورت کے وقت نہ صرف معاہدہ کرنیوالوں کی مدد کیجائے گی بلکہ اُن لوگوں کی بھی مدد کیجائے گی جو اُن سے تعلق اور عہد رکھتے ہیں۔

اس معاہدہ میں یہود کی وہ قومیں تو شامل ہی تھیں جنکا ذکر مذکورہ بالا فرمان میں آچکا ہے مگر اُنکے علاوہ مدینہ میں مستقل رہائش رکھنے والے تمام لوگ بھی شامل کر لیئے گئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد نواح مدینہ میں رہنے والی یہودی اقوام یعنی بنی نضیر۔ بنی قریظہ اور بنی قینقاع نے بھی فرمان کی شرائط کو تسلیم کر لیا۔ ان لوگوں کو بھی وہی حقوق حاصل تھے جو کہ مسلمانوں کو حاصل تھے۔ اور ایسی ہی مذہبی آزادی تھی جیسی کہ خود مسلمانوں کو حاصل تھی۔

آہ! ان یہود سے بڑھکر کونسی قوم نمک حرام اور دغاباز ہوگی؟ انہوں نے ان شرائط کو محض اس غرض سے قبول کیا تھا کہ جب موقع ملے فوراً روگردانی کرلیں۔ یہ لوگ ہرگز اس قابل نہ تھے کہ اُنسے معاہدوں کی پابندی کی امید کیجاتی اور امید بھی خصوصاً ایسے لوگوں کے معاملہ میں جنسے دلی نفرت رکھتے تھے اور بالآخر اُنہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ بالکل اُس فیاضی اور دریا دلی کے مستحق نہ تھے جو کہ سرور انبیاءؐ نے نہایت فراخدلی سے اس معاہدہ میں ظاہر فرمائی تھی۔

مدینہ میں ایک قسم کی سلطنت کی بنیاد

اس معاہدہ سے مدینہ کے شہر میں ایک رنگ کی جمہوری حکومت ہوگئی جسکے امیر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ جمہوریت وقتی حالات اور واقعات کا قدرتی نتیجہ تھی۔ قریش نے آنحضرتؐ اور آپکے تابعین کو نہایت ایذا رسانی کے بعد مکہ سے نکال دیا تھا۔ اور اُنہوں نے مدینہ کے نومسلم بھائیوں کے ہاں پناہ لی تھی۔ ملک میں کوئی حکومت نہ تھی جو کہ اس چھوٹی سی جماعت کے مال۔ جان اور عزت کو دشمنوں سے محفوظ رکھتی۔ اس لیئے اس قلیل جماعت کو دشمنوں سے اپنی آپ حفاظت کرنی پڑی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان لوگوں کے آقا اور قدرتی سردار تھے۔ آنحضرتؐ کو مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی ترقیات سے ہی واسطہ نہ تھا بلکہ اس جماعت کے اندرونی انتظامات اور غیر مسلم اقوام کے حملوں کی مدافعت کے اسباب مہیا کرنے کا فکر تھا۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ وسلم کو محض رسالت کا ہی کام نہ رہا بلکہ ایک مدبر امور سلطنت کے فرائض کو بھی انجام دینا پڑا۔ اور آپ کا پہلا ہی معاہدہ جو یہود اور مدینہ کے غیر مسلموں سے کیا گیا اس امر کا شاہد ہے کہ آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ نے امور سلطنت کے ادراک میں بھی لاثانی انسان بنایا تھا۔ آپکی رائے صائب اور ارادہ زبردست تھا۔ آنحضرتؐ اپنے زمانہ میں ہی نہیں جیساکہ میور کہتا ہے بلکہ کُل زمانوں میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔

اس طرح یہ جمہوریت اُن حالات اور واقعات کا نتیجہ تھی جو کہ مدینہ میں مسلمانونکو پیش آئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکومت اسوجہ سے قائم نہیں کی تھی کہ معاذ اللہ آپ کو کسی دنیوی عظمت کی خواہش تھی بلکہ آپنے جو کچھ کیا وہ مسلمانوں کے فوائد کو ملحوظ رکھکر کیا۔ ملک کی ابتری اور بے امنی کو باقاعدہ حکومت اور امن سے تبدیل کردیا اور جو مقام پہلے پہل اس حکومت سے مستفید ہوا وہ مدینہ تھا۔

مدینہ میں عربوں کے دو بڑے قبائل اوس اور خزرج تھے اسلام کی آمد سے

پہلے ان دونوں قبیلوں میں سخت دشمنی تھی۔ اور آنحضرت صلعم کی مدینہ میں تشریف آوری سے پانچ چار سال پیشتر انکی باہمی دشمنی آخری حد تک پہنچ گئی تھی۔ اور ۶۱۶ء میں ان دونوں قبائل میں بعاث کی مشہور لڑائی ہوئی۔ پہلے گو بنی اوس کو سخت شکست ہوئی اور انکو بھاگنا پڑا لیکن انکے سردار نے مارے غصے کے اپنے تئیں ہلاک کر لیا۔ اپنے سردار کی ہلاکت دیکھکر بنی اوس کو شرم دامنگیر ہوئی اور انہوں نے اس بہادری سے بنی خزرج پر حملہ کیا کہ انکے بہت سے آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا اور انکو شکست دی۔ یہ تھی حالت مدینہ اور مدینے والوں کی جبکہ اس شہر میں اسلام کا ظہور ہوا۔ اور قدرت نمائی دیکھیے کہ اہل شہر کی پشتینی دشمنی۔ اخوت اور باہمی محبت کے خیالات سے مبدل ہو گئی یہ خوشگوار تبدیلی محض مدینہ تک ہی محدود نہ رہی بلکہ عرب بھر میں پھیل گئی۔ اور وہ ملک جہاں ہمیشہ جھگڑے اور دائمی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں اب ایسا تبدیل ہوا کہ گویا باغِ ارم بنگیا۔ وہ قبائل جو ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے تھے اب ایسے متفق ہوئے کہ حقیقی بھائی بن گئے۔

مدینہ سڈیشن کا گھر ہو گیا

باوجود اس عہدنامہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمشکل تمام محفوظ تھے۔ اگرچہ بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے تاہم بہت سے ایسے بھی تھے جنکے دلوں میں نفرت تھی ان موخرالذکر لوگوں کا سردار عبد اللہ بن ابی تھا جو آنحضرت کا سخت دشمن تھا۔ کیونکہ حضور کے تشریف لانے سے پیشتر اسکو امید تھی کہ وہ اہل مدینہ کا بادشاہ بن جائیگا اور اب اسکی تمام آرزوؤں کا خون ہو گیا۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس شخص نے آنحضرت کو کیسا سخت جواب دیا تھا اور اسی جواب سے یہ امر صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشکلات کے وقت ایسے لوگوں پر کیونکر بھروسہ کر سکتے تھے۔ وہ گاہ بگاہ اپنے نفرت آمیز خیالات کا برملا اظہار کرتے تھے۔ اور ان لوگوں کی موجودگی سے آنحضرت کو ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔ مہاجرین کے تشریف لانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس گروہ کی دشمنی کا راز طشت از بام ہو گیا۔ ابو عامر راہب نے جو ایک جماعت کا سردار تھا

آنحضرتؐ کو علانیہ گالیاں دیں کہ معاذ اللہ آنحضرتؐ بے خانمان ذلیل اور دیس بدر ہو کر مریں گے، جب آنحضرتؐ کے گوش مبارک میں یہ بات پہنچی تو فرمایا "نہیں نہیں ای کاذب ایسا تیرا ہی حشر ہوگا" وہ آنحضرتؐ کا ایسا سخت دشمن تھا کہ اپنے ساتھیوں کو لیکر مکہ گیا اور قریش کو اُکسایا اسی پر بس نہیں کی بلکہ جنگ اُحد میں خود بھی حصّہ لیا خدا کی قدرت ہے کہ اس جنگ میں اُسکا بیٹا مسلمانوں کی طرف سے لڑکر شہید ہوا۔ جب اُس نے دیکھا کہ قریش کی دشمنی نے مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑا اور اسلام کا پاؤں عرب کی زمین پر مضبوطی سے جم رہا ہے تو وہ شام کو بھاگ گیا اور جو کچھ وہ عربوں کی مدد سے نہ کرسکا تھا اب عیسائیوں کی امداد سے کرنا چاہتا تھا۔ مگر ؎

گلیم بخت کسانیکہ بافتند سیاہ ✤ بآب گنگا و جمنا سفید نتواں کرد

وہ جہاں کہیں گیا سخت ناکام اور نامراد ہوا۔ اور اسی حالت جلاوطنی میں ذلت کے ساتھ بے خان و مان ہوکر ہلاک ہوا ؎ چراغے را کہ ایزد بر فروزد۔ کسے کو تُف زند ریشش بسوزد سبحان اللہ خدا کے رسول کی بات کس صفائی اور زور سے پوری ہوئی ابو عامر کا وہی حشر ہوا جو اُس نے آنحضرتؐ کے لئے چاہا تھا یعنی بے خانمان ذلیل اور دیس بدر ہوکر مرا۔ مدینہ اور اسکے نواح کے یہودیوں کی اسلام سے دشمنی اب کوئی خفیہ امر نہیں تھا اُنہوں نے معاہدہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرکے آنحضرتؐ کی ہجو میں اشعار پڑھنے اور تمسخر آمیز کلمات بکنے شروع کردیئے اور یہاں تک بڑھے کہ مسلمان عورتوں کے متعلق بھی ہتک آمیز اشعار لکھنے شروع کردیئے۔ چونکہ مدینہ کے منافقین بھی اس امر میں یہود سے متفق تھے اسلئے ہجو کے اشعار جو یہودی شاعر مرد و عورتیں کہتی تھیں فوراً منافقین مدینہ کے زبان زد ہوجاتے تھے۔ ان اشعار میں اہل مدینہ پر یہ بھی الزام تھا کہ اُنہوں نے غیر لوگوں کو گھر بلاکر کل عرب کو اپنا دشمن بنالیا ہے۔ یہ الزام اسلئے لگایا گیا تاکہ منافقین کو اُکسا کر مسلمانوں کے خلاف بغاوت کراویں۔ یہ شعر رفتہ رفتہ ہر ایک کی زبان پر جاری ہوگئے اور سڈیشن کا بیج بویا گیا۔ یہودی بڑی حیلہ ساز اور تعلیم یافتہ تھے اسلئے اُنکے شاعروں کا عرب کے لوگوں پر بڑا اثر تھا مزید برآن

عربوں کی طرح انہیں نا اتفاقی نہیں تھی بلکہ اُن سب کا ایکا تھا اسلئے منافقین سے بڑھکر ان لوگوں کا خطرہ تھا مغضوب گروہ نے شرارت کا کوئی پہلو باقی نہ چھوڑا اور کوشش کی کہ کسی طرح بنی اوس اور خزرج کی اقوام میں اُنکی پرانی دشمنی عود کر آئے۔ یہ دونوں قبائل چند سال پیشتر ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے مگر قبول اسلام کے بعد اخوت اور باہمی محبت اُنمیں پورے طور پر سرایت کر گئی تھی اور وہ دو قالب اور ایک جان ہو رہے تھے۔ مگر یہودیوں کی شرارت دیکھیئے کہ انہوں نے کس طرح مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوششیں کیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام شاس بن قیس تھا خزرج اور اوس کے قوموں کے نوجوانوں کو بھائیوں کی طرح ایک جگہ بیٹھے اور باتیں کرتے دیکھا۔ اس موقعہ کو غنیمت جان کر اُس نے ایک جوان یہودی کو اُنکے درمیان بھیجدیا اور سکھلا دیا کہ باتوں باتوں میں بغاوت کی خونریز لڑائی کا ذکر کردے اور وہ اشعار پڑھ دے جو لڑائی کے موقعہ پر پڑھے گئے تھے۔ اور اس طرح اُنکی دشمنی کے بجھے ہوئے خیالات کو دوبارہ سلگا دے۔ اس مکاری نے اپنا پورا اثر دکھلایا اور مدنی نوجوانوں کی رگوں میں عربی خون نے حرکت شروع کردی۔ حرہ نام ایک مقام میدان جنگ تجویز ہوا اور فریقین ہتھیار لانے کے لیئے روانہ ہوئے۔ اگر عین وقت پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے تو ضرور جنگ ہو جاتی مگر حضورؐ کے وعظ نے اُنکے دلوں کو ایسا موم کیا کہ لڑائی تو درکنار وہ روتے ہوئے ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔

ان حالات سے حضرت نبی کریمؐ کو واضح ہو گیا کہ باوجود معاہدہ کے مدینہ کے منافق اور یہودی قبائل اُنکے دوست نہیں بلکہ اسلام کے خطرناک دشمن ہیں۔ اور آپ اس نئے شہر میں کسی طرح محفوظ نہ تھے۔ یہ شہر تو نفاق اور سڈیشن کا مرکز بن رہا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی وفادار جماعت حضرت نبی کریم پر جان دینے کو تیار تھی مگر بے شمار دشمنوں کے مقابلہ میں اُنکی کیا حقیقت تھی؟ بہت سے مہاجرین تو بالکل نادار تھے اور اُنکے اخراجات انصار برداشت کرتے تھے کیونکہ آنحضرتؐ نے مہاجرین

مکہ اور انصار مدینہ کے درمیان رابطہ اخوت و محبت قائم کردیا تھا۔ بعض کو رہنے کے لئے بھی جگہ نہ تھی اور وہ مسجد میں ہی رہتے تھے۔ اور بعض ایسے بھی تھے جنکے پاس مال تو تھا مگر ہجرت کے وقت انکو مجبور کیا گیا تھا کہ وہ سب کچھ چھوڑ دیں۔ میں اسجگہ حضرت صہیب رضؓ کا قصہ بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا اس بزرگ صحابی کی نسبت حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا تھا کہ "یہ یونان کا پہلا ثمر" ہیں۔ ان کا والد یا چچا ایرانی گورنر رہ چکا تھا۔ جب حضرت صہیب رضؓ ابھی بچہ ہی تھے تو لٹیروں کا ایک گروہ آپکو شام کی طرف قید کر کے لے گیا۔ بعد ازاں آپ کو بدوؤں کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا جنہوں نے آپ کو مکہ کے ایک سردار کے پاس بھیجدیا اور اُسنے آپ کو آزاد کر دیا اور تجارت کے ذریعہ حضرت صہیبؓ نے بہت سا مال جمع کر لیا لیکن اسلام قبول کرنے اور سردار مذکور کی وفات کے باعث انکا کوئی پناہ دہندہ نہ رہا اور مکہ کے قریش نے آپکو بے حد تکلیف دی مسلمانوں کے مدینہ کو ہجرت کرنے کے وقت حضرت صہیبؓ کو بھی بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح کفار قریش نے روک لیا۔ اور اُنسے کہا "تم یہاں ایک غریب آدمی کے طور پر آئے تھے اور تم نے ہمارے شہر میں ہی اسقدر مال جمع کیا ہے واللہ ہم تمکو مکہ سے نہیں جانے دینگے۔" حضرت صہیبؓ نے جواب دیا "اگر میں اپنے تمام مال کو چھوڑ دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے؟" قریش نے حضرت صہیبؓ کی جمع کردہ دولت پر للچا کر اس سودے کو منظور کر لیا۔ جب حضرت نبی کریمؐ نے یہ بات سنی کہ صہیبؓ نے ہجرت کی خاطر اپنا تمام اندوختہ قربان کر دیا ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ ربح صہیب۔ ربح صہیب یعنی صہیب نے بہت فائدہ دینے والی تجارت کی ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ قربانیاں تھیں جو کہ مسلمانوں نے محض دین کی خاطر کیں۔

جنگ کیوں ہوئی

قصہ کوتاہ۔ اگرچہ آنحضرتؐ کے ساتھ آپکے فدائی مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت تھی مگر وہ اس قابل کہاں تھے کہ دشمنوں کی اس ٹڈی دل فوج کا مقابلہ کرتے۔ اور مسلمان اپنے دشمنوں کی نسبت صرف تعداد میں ہی کم نہ تھے بلکہ اُنکے پاس آلات

حرب مہیا کرنے کا سامان بھی نہ تھا۔ نہ اُنکے اتنے بڑے تعلقات تھے جتنے کہ اُن کے دشمنوں کے تھے۔ اگر قریش اور قریش کے اُکسلائے ہوئے دوسرے عرب قبائل جو چاروں طرف سے آنحضرتؐ کو دکھ دے رہے تھے۔ آپکو اپنے حال پر چھوڑ دیتے تو مسلمان کبھی تلوار نیام سے نہ نکالتے۔ لیکن قریش کا غصہ تو کبھی فرو ہی نہ ہوا بلکہ برعکس اسکے ہمارے پاس کافی شہادت ہے کہ مسلمانوں کی ہجرت کے بعد قریش کی دشمنی کی آگ اور بھڑک اُٹھی۔ یہ لوگ اب مکہ کے مہاجرین کے ہی سخت دشمن نہیں بن گئے تھے بلکہ انصار مدینہ بھی انکی آنکھ میں کھٹکتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ انہوں نے مدینہ کے حاجیوں کا تعاقب کیا تھا جبکہ وہ آنحضرتؐ کو اپنے ہاں بلانے کے لئے آئے تھے قریش کی خفگی کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی مسلمان کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ عرب کے باقی لوگوں کی طرح مکہ کا حج کر سکے۔ قریش کی بدارادوں سے لوگ اسقدر واقف تھے کہ جب آنحضرتؐ نے مکہ میں آنیوالی مختلف قوموں سے درخواست کی کہ وہ آپکو اپنی پناہ میں لے لیں تو انہوں نے یہ جواب دیا "انھدف نحو رنا للعرب دونك" یعنی کیا ہم تمہاری خاطر اپنے تئیں کل عرب کا نشانہ بنالیں۔ ان لوگوں کو کامل یقین تھا کہ اگر آنحضرتؐ کو امداد اور پناہ دیگی تو محض قریش ہی نہیں بلکہ اُنکے زیر اثر دیگر عربی قبائل بھی دشمن ہو جائیں گے اور اس طرح کُل عرب کے ساتھ جنگ مول لینا پڑے گا۔ اہل مدینہ بھی اس امر کو خوب سمجھتے تھے اور جیسا کہ میور کہتا ہے منافقین کو اپنے انصار بھائی بندوں کی کارروائی کا افسوس تھا بڑی وجہ جو میور کے الفاظ میں یہ لوگ بیان کرتے تھے وہ یہ تھی کہ "انصار نے کم سمجھی سے ایک ایسے دیس بدر انسان کی حمایت کا ذمہ لیا ہے جسکا ساتھ دینا گویا کُل عرب کا مقابلہ کرنا ہے" اُسوقت کے لوگ جو معاملات اور حالات کو میور اور دوسرے مورخین سے بہتر سمجھتے تھے اس طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں مگر یہ عیسائی وقائع نگار ہیں کہ اپنی ہی ہانکے جاتے ہیں۔ اور واقعات کو وہ فرضی رنگ دیتے ہیں جو آنحضرتؐ اور آپکے صحابہؓ کے خواب میں

بھی نہ آیا ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی کیا انحصار ہے اس زمانہ میں ہر ایک آدمی سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کی ہجرت سے قریش کا غضب بھڑکے گا اور جو کوئی حضرت نبی کریمؐ اور آپکے صحابہؓ کو پناہ دیگا اسکو نہ صرف قریش سے بلکہ عرب کے تمام قبائل سے جو متولیان کعبہ یعنی قریش کے زیر اثر ہیں جنگ کرنا پڑیگا۔ لیکن سر ولیم میور اور اُنکے ہم آہنگ مورخ تیرہ سو سال کے بعد یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ قریش کے لیئے بھڑکنے کی بات ہی کونسی تھی وہ تو بلکہ خوش ہوئے تھے کہ آنحضرتؐ اُنسے علیحدہ ہوگئے تھے۔ اگر حضرت نبی کریم صلعم کی ہجرت سے قریش کے غصہ میں کوئی کمی واقع ہونے کی امید ہوتی تو کم از کم آنحضرتؐ اور اُن قوموں کو جن سے حضور نے پناہ کی درخواست کی تھی اسکا علم ہونا ضروری تھا۔ اور پھر آنحضرتؐ کو کیا ضرورت تھی کہ مدینہ والوں سے یہ وعدہ لینے کہ وہ حضور اور آپکے صحابہؓ کی حفاظت اس طرح کرینگے جس طرح وہ اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں؟ بلکہ بجائے ایسے وعدے لینے کے اُنکو یقین دلا دیتے کہ مکہ سے ہماری ہجرت کے بعد قریش کے حملوں کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا کیونکہ یہ لوگ ہمکو اس شہر سے جاتے ہوئے دیکھکر بہت خوش ہونگے۔ اب میور کا یہ کہنا کہ مکہ والوں نے آنحضرتؐ اور آپکے صحابہؓ کی روانگی کے بعد دشمنی کے تمام خیالات ترک کر دیئے اور یہ کہ مکہ کے قریش کی طرف سے نہیں بلکہ خود مسلمانوں کی طرف سے زیادتی ہوئی تھی محض واقعات کے خلاف ہی نہیں بلکہ اس سے عقل کا بھی خون ہوتا ہے۔ قریش کا اصل مقصد کیا تھا؟ میں کہونگا اشاعت اسلام کو روکنا۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ حج کے موقعہ پر مختلف جماعتوں کو مختلف راستوں پر اس غرض سے مقرر کر دیتے تھے کہ حاجیوں کو آپکا کلام سننے سے روکیں جہانتک اُنسے ہوسکا انہوں نے کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا کہ اشاعت اسلام کو روکدیں اور مسلمانوں کو مکہ سے بچ کر نکلنے نہ دیں۔ نئے مذہب کی کیوں مخالفت ہوئی؟ اسکا جواب صاف ہے کہ عرب کا قومی مذہب تباہ ہوتا تھا۔ اور اسکی اشاعت سے کعبہ کے پجاریوں یعنی قریش کی عظمت میں فرق آتا تھا۔

مگر مکہ کے باہر اسلام کو کامیابی کی زیادہ اُمید تھی اسلیئے ضروری تھا کہ ہجرت کے بعد قریش اور بھی بھڑک اٹھیں۔ بت پرستی کی بیخکنی کا ڈر تھا تو اب مکہ سے باہر یہ خوف اور بھی بڑھ گیا تھا۔ کیونکہ عملی طور پر اسلام نے مدینہ کے قبائل پر فتح حاصل کر لی تھی اور روز بروز دوسرے قبائل کی شمولیت کا بھی یقین ہوتا جاتا تھا بت پرستی سے اب نفرت کیجا رہی تھی اور بت پرست متولیان کعبہ دن بدن بالکل بے اختیار ہوتے جاتے تھے۔ اسلیئے قریش کو اب اس بات کی بڑی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اس نئے مذہب کا قلع قمع کریں اور بت پرستی کی حمایت اور اپنی عظمت کو بچائیں۔ پھر اُنکی راہ میں ابھی کوئی روک بھی نہ تھی۔ قریش کو علم تھا کہ خود مدینہ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت رکھتے اور اسلام کے سخت مخالف ہیں۔ صرف یہی بات نہ تھی بلکہ مدینہ سے ایک با اثر آدمی یعنی ابو عامر راہب مکہ کو محض اس غرض سے گیا تھا کہ قریش کو مدینہ کے مسلمانوں پر حملہ کرنیکے لیئے اُکسائے۔ اور ایسے حملہ کی صورت میں اُسنے محض اپنی ہی امداد کا یقین نہیں دلایا تھا بلکہ وعدہ کیا تھا کہ مدینہ اور اس نواح کے یہود اور منافقین بھی قریش کا ساتھ دینگے۔ علاوہ ازیں ان دشمنانِ اسلام کو عرب کے صحرا اور وادیوں میں رہنے والے بے شمار قبائل کی اعانت اور امداد پر پورا بھروسہ اور یقین تھا۔ غریب مسلمانوں میں جو تعداد میں بھی تھوڑے تھے یہ طاقت کہاں تھی کہ وہ قریش سے برابر آسکتے اور خصوصاً اسوقت جبکہ تمام عرب قریش کی حمایت میں صف آرا ہو رہا تھا؟ اہل مدینہ جنھوں نے دیس بدر مہاجرین کی حمایت اور حفاظت کا بیڑا اُٹھایا تھا کس شمار میں آسکتے تھے جبکہ اُنکے مقابلہ میں طاقتور اور با اثر امرائے قریش تھے جنکا تمام قبائل عرب پر اثر تھا۔ مسلمانوں کے مدینہ کو ہجرت کر آنیسے اُنکی عزت میں فرق آگیا تھا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کی کوششوں میں ناکام رہے۔ اُنھوں نے اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مگر اب اسلام کا مرکز ایک اور شہر بن گیا جہاں لوگوں کو کثرت سے

مسلمان ہوتے ہوئے دیکھکر وہ اندر ہی اندر جل رہے تھے۔ اور مدینہ میں مسلمانوں کا وجود مغرور قریش کی آنکھ میں کھٹکتا تھا کیونکہ وہ اپنی کوششوں میں ناکام ہونیکے باعث عربوں کی آنکھ میں ذلیل سے ہوگئے تھے۔ اب قریش کو مسلمانوں سے دو طرح کی دشمنی تھی اوّل تو وہ نئے مذہب کی تعلیم دیتے تھے اور قریش اس نئے مذہب کا شروع ہی میں قلع قمع کرنا عین اپنا فرض سمجھتے تھے۔ دوم۔ مغرور قریش کہاں چاہتے تھے کہ کوئی انکا ہمسر ہو۔ اسلیئے انہوں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ مسلمانوں کو جو انکے ہمسر تھے بالکل کچل دیں اور اس طرح جزیرہ نمائے عرب میں اپنی طاقت اور اثر کا سکہ بدستور رکھیں۔

پھر یہ لوگ اس بات سے بھی بے خبر نہ تھے کہ آنحضرت صلعم نے مکہ میں ہی پیشگوئی فرمائی تھی کہ آخر کار قریش مغلوب اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔ اس پُر زور کلام کو یاد کرکے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور وعدۂ نصرت نازل فرمایا تھا قریش کا جوش اور بھی موجزن ہونا چاہیئے تھا اور ضروری تھا کہ وہ اسلام کو مٹانے کی کوشش میں کوئی کوتاہی نہ کرتے تا اُن کو غلبہ ہو اور مسلمانوں کی پیشگوئی پوری نہ ہو۔ قریش کے وہم میں بھی یہ خیال کبھی نہیں گذرا کہ مسلمان ہم پر تعدی کرتے ہیں اور ہم مظلوم ہیں .... یہ تو ہمارے عیسائی معترضین کا ہی حصہ تھا۔ مدعی سُست اور گواہ چست کے مقولہ پر عمل کرتے ہوئے میور اور انکے ہم خیال مصنف کہتے ہیں کہ غریب قریش حریص مسلمانوں کی خونخواری کا شکار ہوئے۔ آہ! کیسا سفید اور قابل شرم جھوٹ ہے جو خداوند یسوع کے بڑے اسلام کی عداوت کی وجہ سے بولتے ہیں۔ ہمیں تو کہیں پتہ نہیں ملتا کہ قریش نے بھی کبھی مسلمانوں کے ظالم اور اپنے مظلوم ہونے کی شکایت کی ہو ہاں برعکس اسکے وہ اس جنگ کو سلسلہ میں خیال کرتے تھے جسکا آغاز خود انہوں نے کیا تھا۔ البتہ تبدیلی تھی تو یہ تھی کہ اسوقت تک مسلمان تکالیف اور صعوبتوں کو صبر سے برداشت کرتے رہے تھے مگر اب جبکہ یہ ایذا دہی قابل برداشت نہ رہی تو

انہوں نے بھی ارشاد الٰہی کے ماتحت اپنے بچاؤ کے لیئے ہتھیار اٹھائے مسلمانوں کے اس فعل نے جلتی آگ پر ایندھن کا کام دیا اور دشمنوں نے اپنی پوری طاقت اور ہر طرح کی حکمت عملیوں کو کام میں لانا شروع کر دیا۔

اس سے بڑھکر انصاف اور سچائی کا خون کیا ہو سکتا ہے کہ یہ عیسائی معترض زیادتی کا الزام آنحضرت صلعم پر لگاتے ہیں یہ لوگ قریش کے افعال کو جو تادم آخر انسے سرزد ہوئے بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ آہ! انکو ان خطرناک مظالم کا خیال تک نہیں آتا جو مسلمانوں پر قریش کے ہاتھوں ٹوٹے اور جو آخر کار اسقدر ناقابل برداشت ہوئے کہ انکو مکہ سے بھاگنا اور ایک دوسرے شہر میں پناہ لینی پڑی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ پُرسوز الفاظ قابل غور ہیں جو کہ آنحضرت صلعم نے ہجرت کے آٹھ سال بعد اپنی زاد بوم میں بطور فاتح داخل ہوتے ہوئے زبان مبارک سے فرمائے تھے۔ حضور صلعم نے مکہ کے شہر کو مخاطب کرکے فرمایا "تو میرے لیئے روئے زمین پر نہایت ہی پسندیدہ اور خوشگوار مقام ہے۔ اگر تیرے باشندے مجھے باہر نکال دیتے تو میں ہرگز تجھے نہ چھوڑتا"۔ یہ خیالات محض حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی نہ تھے بلکہ آپکے مہاجر صحابہ رض بھی یہی خیالات رکھتے تھے۔ آنحضرت صلعم کے وہ الفاظ بھی قابل غور ہیں جو حضور صلعم نے حُنین کی جنگ کے بعد مدینہ کے انصار کو فرمائے تھے اور وہ یہ تھے "نہیں۔ واللہ تم مجھے یہ کہہ سکتے تھے اور سچائی سے کہہ سکتے تھے کہ تم جھٹلائے ہوئے مدینے کو آئے تھے اور ہم نے تیری تصدیق کی۔ تم بے کس تھے۔ ہم نے تیری مدد کی۔ تم بھاگ آئے۔ ہم نے تجھے جگہ دی۔ تم تہیدست تھے ہم نے تمکو کھانا کھلایا" یہ الفاظ حضرت نبی کریم صلعم کی طرف سے ہی نہ تھے بلکہ ہر ایک مہاجر کی طرف سے تھے۔

ان الفاظ میں حضرت نبی کریم صلعم اپنی اور اپنے صحابہ رض کی بے کسی کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں اور صاف بتلاتے ہیں کہ انکو کفار قریش کے ظلم نے گھر بار ترک کرنے اور اجنبی لوگوں کے پاس پناہ لینے پر مجبور کیا۔ ہائے افسوس! پھر بھی عیسائی

معترض یہی کہے جاتے ہیں کہ آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہؓ کی طرف سے زیادتی تھی نہ کہ قریش کی طرف سے۔ اگر ہم مسلمانوں کے بے رحم دشمنوں کی بے شمار ظالمانہ حرکتوں کو نظر انداز بھی کر دیں تو صرف ایک ہی واقعہ اس امر کے ثبوت کے لیئے کافی سے زیادہ ہے کہ آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہؓ ہتھیار اُٹھانے میں بالکل حق پر تھے یہ واقعہ قریش کی وہ ظالمانہ سازش ہے جو آنحضرتؐ کے قتل کے لیئے اُسوقت کیگئی تھی جبکہ آپ ہجرت کے لیئے ارشاد الٰہی کا انتظار کرتے ہوئے مکہ میں ٹھہرے ہوئے تھے میور قاتلوں کی اُس جماعت کی نسبت جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔ کہتا ہے کہ یہ ایک وفد تھا جو آنحضرتؐ کو ملنے کے لیئے گیا تھا۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ اگر اس وفد کا ارادہ نیک تھا تو پھر رات کو اندھیرے کے وقت آنحضرتؐ کے گھر جانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور پھر کیا وجہ ہوئی کہ آنحضرتؐ اس پُر امن وفد کو ملنے کی بجائے ڈر کر اپنے گھر سے بھاگ گئے اور غار میں چھپ گئے۔ میور اس بات کے بتلانے سے گریز کرتا ہے کہ قریش کے ان جوانوں کے وفد کا رات کے وقت آنیسے کیا منشا تھا۔ وہ اسکا بھی کچھ جواب نہیں دیتا کہ آنحضرتؐ کے روپوش ہو جانے پر سواروں کو کیوں تلاش میں ہر طرف دوڑایا گیا؟ اور آپ کے قتل کے لیئے کیوں انعام مقرر کیا؟ مگر پھر بھی یہی کہتا ہے کہ قریش کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ملاقات کرنے کے لیئے گئی تھی۔

الغرض جب یہ دیکھ لیا جائے کہ قریش نے مسلمانوں پر ہر طرح کے مظالم توڑے اور مسلمان تو درکنار حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ چھوڑا۔ جنپر ہاتھ پڑ سکا اُنکو قید کر لیا اور جنکو لوٹ سکے اُن کا مال و اسباب لُوٹ لیا۔ بعض کو نہایت ایذادہی سے قتل کیا۔ مسلمانوں اور اُنکے حمائیتوں کو برادری سے خارج کر دیا۔ اور جہانتک ہو سکا اُنکو ہر طرح تنگ کیا۔ پھر اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اُس معصوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بے وجہ بے گناہ قتل کرنے کا خوفناک منصوبہ کیا اور وہ بھی ایسی حالت میں جبکہ آپ اُن لوگوں کے درمیان قریباً تنہا ہی رہ گئے تھے وغیرہ وغیرہ

تو بلا تامل یہ کہنا پڑیگا کہ زیادتی قریش کی تھی نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی۔ افسوس ہے تو یہ ہے کہ باوجود قریش کی ان سختیوں اور ایذادہی کے عیسائی معترض اب بھی مسلمانوں کے ہتھیار اُٹھانے کو قرین انصاف نہیں سمجھتے؟ گو کہ قریش کی طرف سے حد درجہ کی بیرحمی کے فعلوں کا ثبوت ملتا ہے اور فعل بھی ایسے جنکا خاتمہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی کوشش پر ہوتا ہے۔ تاہم ہمارے عیسائی معترضین یہی کہتے جائیں گے کہ مسلمان ہی تھے جنکی طرف سے جنگ کی ابتدائی تحریک ہوئی۔ فلعنة اللہ علی الکاذبین۔

انقلاب فارس کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی

اولم یر الذین کفروا ان السمٰوات والارض کانتا رتقاً ففتقنٰھما۔ ترجمہ۔ کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ آسمان اور زمین بند پڑے ہوئے تھے اور ہم نے ان دونوں کو کھولا؟ مذکورہ بالا آیت قرآن شریف کی سورہ ۲۱ کی اکتیسویں آیت ہے اور بعینہٖ انہی الفاظ میں ہمارے زمانہ میں خدا کے مسیح پر وحی نازل ہوئی جو اس بات کی نشانی ہے کہ آج سے تیرہ سو برس (۱۳۰۰) پہلے جو وحی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی اسکی تکمیل اس زمانے میں ہونی تھی۔ اس آیت کا منشا یہ ہے کہ آسمان اور زمین ہر دو بند پڑے ہوئے تھے اور وہ اب کھولے گئے ہیں یہ ایک ایسا امر ہے جس سے ہر شخص بخوبی واقف ہے۔ جسوقت ہم زمینی چیزوں کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں پتہ لگتا ہے کہ مادّیات میں دنیا کسقدر ترقی کر گئی ہے موجودہ زمانے میں کسقدر ایجادیں اور نامعلوم چیزیں دریافت ہوئی ہیں۔ زمین اب وہ نہیں رہی جو ہمارے آباؤ اجداد کے وقت موجود تھی۔ اسپر ایک تغیر عظیم واقع ہوگیا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا جن چیزوں نے اب زمین کو زینت دے رکھی ہے کیا وہ کہیں باہر سے آئی ہیں نہیں ہرگز نہیں اسی زمین میں سے نکلی ہیں۔ یہ سب کچھ اب تک زمین میں بند پڑا ہوا تھا۔ وہ قوتیں اسوقت بھی موجود تھیں جو اب زمین کی شکل کو تبدیل کر رہی ہیں وہ ذرائع جنکی ترقی

کے بیئے لوگ آجکل اسقدر کوشاں ہیں اور جن کو بڑے بڑے مفید کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے اُسوقت بھی موجود تھے ہاں فرق اتنا ہے کہ وہ بند اور بیکار پڑے ہوئے تھی بس آیت شریف کا اشارہ صرف انہی خزانوں کی طرف ہے۔ زمین کے اس کھُلنے اور خزانے اُگلنے کی طرف خدائے تعالیٰ کی اس پیشین گوئی کا اشارہ ہے کہ ایک وقت وہ آنیوالا ہے کہ زمین کے مخفی خزانے ظاہر ہو جائیں گے اور اسی آیت کا دوبارہ مسیح موعود و مہدی آخر زمان پر بطور وحی کے نازل ہونا صاف تبلاتا ہے کہ یہ پیشین گوئی اس زمانے میں پوری ہوئی۔ مگر چونکہ مادّی سلسلے اور روحانی سلسلے میں ایک خاص مناسبت ہے اسلیئے قرآن شریف بار بار ہماری توجہ مادّی سلسلہ کی طرف دلاکر ہمیں روحانی نتائج نکالنے کے لیئے توجہ دلاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے روح اور جسم ہردو کو پیدا کیا ہے اور جس طرح اس نے جسم کی بقا اور آسائش کے لیئے سامان مہیا کیئے ہیں اسی طرح اسنے روح کی ضروریات کے لیئے بھی سامان پیدا کیئے ہیں۔ اس زمانے میں زمین نے مادّیات میں ایک حیرتناک ترقی کی ہے پس جب زمین نے اپنے کُل خزائن اور مال و متاع کو پیش کر دیا تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ آسمان اپنے خزانوں کو کھولتا؟ اگر زمین نے مادّی اشیا میں اسقدر ترقی کرلی ہے تو کیا عقل اس امر کی مقتضی نہیں کہ روحانیات میں بھی اسیقدر ترقی ہوتی؟ مسیح موعودؑ کے نزول اور بعثت کے وقت دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت کیا تھی؟ مَیں کہونگا کہ بہت قابل افسوس تھی۔ جب دنیا طبعیات میں اسقدر سرعت کے ساتھ ترقی کر رہی تھی تو مذہب کو اس نے پس پُشت ڈال دیا تھا۔ واعظ تو ہر مذہب کے موجود تھے مگر ان کے ہاتھوں میں پُرانے قصّوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ اپنے وعظوں میں اور پرچاروں میں تبلایا کرتے تھے کہ انبیاءؑ گذشتہ زمانوں میں روحانی زندگی پھونکنے کے لیئے آیا کرتے تھے۔ اور خدائے تعالیٰ اپنی ہستی کا ثبوت گذشتہ زمانوں کے رشیوں منیوں اولیاؤں اور نبیوں کے ساتھ کلام کرنے سے دیا کرتا تھا۔ لیکن تمام سوالوں کا ایک سوال یہ ہے کہ اگر گذشتہ زمانوں میں خدائے تعالیٰ نے انبیاء اس غرض کے لیئے مبعوث کیئے کہ وہ روحانی مردوں کو اپنی قدسی انفاس سے زندہ کریں تو کیا وجہ ہے کہ اس زمانے میں اس نے کوئی ایسا رسول نہیں

بھیجا جو روحانی مُردوں کو زندہ کرے حالانکہ ضرورت قرون ماضیہ سے اب بہت بڑھ چڑھکر ہے۔ اس زمانے کے محققین کے سامنے صرف کہانیاں کوئی کام نہیں دے سکتیں۔ انسے بنی نوع انسان کی روحانی پیاس نہیں بُجھ سکتی۔ پیاس بُجھانے کے لیئے پانی چاہیئے پانی کی کہانی نہیں چاہیئے۔ صرف اس بات کے کہدینے سے تسلی نہیں ہو سکتی کہ خدا پہلے بولتا رہا ہے جب تک کہ ہماری آنکھیں خود اس بات کا مشاہدہ نہ کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے احمدؑ کو مبعوث کیا اور اسکے ذریعہ دنیا کو بڑے بڑے نشان دکھلائے تاکہ لوگوں کے دلوں میں خدائے تعالیٰ کی ہستی کا پورا یقین بیٹھ جائے۔ اور تا لوگوں کو یہ ثابت ہو جائے کہ الہام کا دروازہ کھلا ہے اور دوسری برکات بھی اُسی طرح جاری ہیں جس طرح کہ وہ پہلے جاری تھیں بہت سی روحانی صداقتیں ایسی تھیں جو اُسکے ذریعہ دنیا پر ہویدا ہوئیں اور خدائی علوم کے وہ خزانے جو ابتک دبے پڑے تھے ظاہر ہوئے۔ اسنے گم گشتگان راہ ضلالت کو وہ راہ دکھلائی جنپر چلکر وہ لقاء اللہ حاصل کر سکتے تھے اور ان برکات کے مورد نزول ہو سکتے تھے۔ غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے دروازے کھولدیئے جس طرح زمین کے خزائن کو کھولدیا تھا۔ وہ نشانات جو اللہ تعالیٰ نے اس کی معرفت دنیا کو دکھلائے وہ بہت سے ہیں اسلیئے ان سب کا یہاں ذکر نہیں ہو سکتا۔ مگر اسبات کے ظاہر کرنیکے لیئے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً آپ سے کلام کرتا تھا اور آپ کو آئندہ کے واقعات کا اس نے بہت باریک اور گہرا علم عطا فرمایا تھا میں پڑھنے والے کی توجہ اس الہام کیطرف پھیرنا چاہتا ہوں جو آپنے ۱۵- جنوری ۱۹۰۶ء کو شائع کیا۔ اس دن اللہ تعالیٰ آپ سے یوں مخاطب ہوا "تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد" یعنی شاہ فارس کے محل میں تزلزل پڑ گیا یہ الہام ریویو آف ریلیجنز اردو ایڈیشن ماہ جنوری ۱۹۰۶ء اور مقامی اخبار الحکم اور بدر میں شائع ہو گیا تھا۔ یہ ایک پیشین گوئی تھی کہ ایران کی سلطنت میں ایک انقلاب عظیم واقع ہونیوالا ہے جس سے شاہ کی حکومت جاتی رہے گی۔ جب یہ الہام شائع کیا گیا تھا اس وقت ایران میں ذرا بھی فساد نہ تھا۔ اسوقت کون شخص کہہ سکتا تھا کہ آئندہ کیا ہونیوالا ہے؟ ایران اسوقت مزے کی نیند سو رہا تھا۔ کسی کو وہم تک بھی نہ تھا

* انا ارسلنا احمد الی قومہ فاعرضوا (حقیقۃ الوحی نشان نمبر ۱۱۹ صفحہ ۲۶۸ آیۃ الرحمٰن)

کہ یہاں جمہوری سلطنت ہونی چاہیئے۔ یک لخت مظفر الدین کو خیال اُٹھا اور معلوم نہیں کس رنگ میں آکر اس نے رعایا کو دستوری حکومت دیدی۔ اسکے بعد وہ کئی ماہ زندہ رہا اور اپنے وعدہ پر پکّا رہا۔ اس کی وفات کے بعد محمد علی شاہ جو ابھی معزول ہوا ہے تخت پر بیٹھا اور پہلے پہل یہ اس جمہوری سلطنت کا بہت طرفدار تھا چنانچہ اسنے کئی دفعہ علانیہ طور پر کہا کہ میں اپنے باپ کے وعدوں پر قائم ہوں اور انسے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹنے کا۔ چند ماہ اچھی طرح سے گذر گئے مگر پھر یک لخت بادشاہ کا خیال بدل گیا اور اپنے باپ کے وعدوں کو بالائے طاق رکھکر حامیانِ دستور کے درپئے آزار ہوگیا۔ پہلے پارلیمنٹ کا گھر اُڑوا دیا بعض کو قتل اور بعض کو جلا وطن کر دیا اور آہستہ آہستہ تمام شہر اپنے اقتدار میں لے آیا مگر ایک تبریز مخالفت پر اڑ گیا۔ تبریز کا محاصرہ شروع ہوگیا مگر خدا کی قدرت دیکھیئے کہ ایک وہ وقت کہ حامیان پارلیمنٹ کو بھاگتے پناہ نہیں ملتی تھی یا اب یہ ہے کہ انہوں نے محمد علی شاہ کو تخت سے اُتار دیا ہے اور اسکی جگہ ایک نوعمر لڑکے کو تخت پر بٹھا دیا ہے۔ تمام ملک میں ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ تجارت بند ہے راہیں مسدود ہیں۔ چاروں طرف سے ڈاکوؤں نے لوٹ مار شروع کر دی ہے یہ ہیں خدا کی باتیں اور اس طرح وہ پوری ہوا کرتی ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اس پیشین گوئی کو شائع کر دیا جس میں لکھا تھا کہ عنقریب ایران میں انقلاب عظیم واقع ہونیوالا ہے جو فرمانروائے ملک کی حکومت کو جڑھ سے ہلا دیگا۔ کس صفائی سے یہ پیشین گوئی پوری ہوئی ہے۔ یہ پیشگوئی ایسے وقت میں شائع کی گئی جبکہ ملک میں بالکل امن تھا اور اس زلزلہ کا نشان تک بھی نہ تھا جس نے محمد علی قاجار کے تخت حکومت کی جڑھیں تک اُکھیڑ دی ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اس آسمانی تار خبر کو ریوٹر کی تار خبر سے بہت عرصہ پہلے اخبارات میں شائع کر دیا تھا۔ یہ خدا کا عجیب نشان ہے اور خدائے تعالیٰ کی ہستی کا ایک صاف ثبوت ہے جسکو تمام آئندہ واقعات کا علم ہے اور جو اپنے رسولوں سے کلام کرتا ہے اور اُن کو بہت سی ایسی چیزوں کی اطلاع دیتا ہے جو ابھی ہستی میں نہیں آئیں۔ چونکہ آپکا مشن کُل دنیا کے لیئے تھا اسلیئے اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے واقعات کے متعلق اطلاع دی جن کا تعلق تمام دنیا سے ہے تاکہ لوگوں کی

توجہ پیشین گوئیوں کی طرف لگ جائے اور اُنکا پورا ہونا سب کے لیئے ایک نشان ٹھہری۔ آپ چونکہ کل دنیا کے لیئے مبعوث ہوئے تھے اسلیئے دُور دراز کے ملکوں نے آپ کے نشانات دیکھے ہیں اور آپکی زور آور پیشگوئیوں کا پورا ہونا دیکھیں گے تاکہ تمام زمینیں آپکی صداقت کی گواہ ٹھہریں۔ آپکی پیشگوئیاں پنجاب تک کے لیے محدود نہیں بلکہ انکا تعلق تمام کرۂ ارض سے ہے کیونکہ آپ تمام کی طرف مبعوث ہو کر آئے تھے۔ بہت سی پیشگوئیاں آپکی زندگی میں پوری ہوئیں بہت سی آپکے بعد پوری ہوئیں اور بہت سی ایسی ہیں جو ابھی پوری ہونیوالی ہیں۔ اگرچہ آپ کا وصال ہو چکا مگر آپ بہت سی زور آور پیشگوئیاں چھوڑ چلے ہیں اور دنیا ان کو پورا ہوتے دیکھتی رہے گی جیسا کہ آپکی زندگی میں وہ پورا ہوتے دیکھتی رہی ہے۔ اسلیئے آپ ابتک زندہ ہیں کیونکہ آپ ابتک اپنا کام کیئے چلے جاتے ہیں اگرچہ آپ اس دنیا کی نظروں سے غائب ہو گئے ہیں مگر آپ ابھی تک اپنی ان پیشگوئیوں کے ذریعہ جو اب پوری ہو رہی ہیں ہمیں خدا تعالیٰ کے قرب کی طرف لیئے چلے جاتے ہیں۔ آپ اس دنیا میں تشریف لائے اور اپنے ساتھ روحانی عطریات کی وہ خوشبوئیں لائے جنہوں نے ہمارے روحانی حواس کو معطر کر دیا اور اگرچہ ہم آپ کو اپنے درمیان نہیں دیکھتے مگر وہ صحت افزا خوشبو اب بھی ہماری حواس کو معطر کر رہی ہے۔

آپکے الہامات میں بہت سے ایسے جواہر پڑے ہوئے ہیں جو اپنے موقع پر دنیا کو اپنی روشنی سے منور کریں گے۔ ۱۴۔ مارچ ۱۹۰۶ء کا الہام ہے " رفیقوں کو کہدیں کہ عجائب در عجائب کام دکھلانے کا وقت آگیا ہے " ۳۱۔ مارچ ۱۹۰۶ء کا الہام ہے " میں پچاس یا ساٹھ نشان اور دکھاؤں گا " آپکے شروع الہاموں میں سے ایک الہام یہ بھی ہے " دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُسے قبول نہ کیا لیکن خدا اُسکو قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُسکی سچائی ظاہر کر دیگا " ان زور آور حملوں سے مراد وہ بڑے بڑے نشانات ہیں جو خدا تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً ظاہر کیئے تاکہ وہ آپکی صداقت کے لیئے گواہ ٹھہریں۔ طاعون کا آنا اور ایسے ایسے سخت زلزلوں کا آنا جن کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مثلاً سینا کا زلزلہ یہ زور آور حملوں میں سے دو مثالیں ہیں

چند ایک پیشین گوئیوں کو لکھکر جنہوں نے ابھی پورا ہونا ہے مَیں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کیونکہ ان کا عام دنیا سے تعلق ہے۔

(۱) "کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کشتیاں"۔

(۲) "یورپ اور دوسرے عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی طاعون پھیلے گی جو بہت ہی سخت ہوگی"۔ یہ پیشگوئی ۳۱۔ مارچ ۱۹۰۷ء کو شائع ہوئی۔

(۳) "ریاست کابل میں قریب پچاسی ہزار کے آدمی مریں گے"۔

اسلام کی اخلاقی طاقت

لفٹنٹ کرنل مکرجی۔ ایک بنگالی۔ نے ایک سلسلہ مضامین اخبار بنگالی میں دینا شروع کیا ہے جس کا عنوان ہے "ایک مرتی ہوئی قوم"۔ اس سے مراد راقم مضمون کی ہندو قوم ہے جسکی ترقی اعداد دوسری قوموں کے بالمقابل بہت کم نظر آتی ہے۔ اگرچہ ہندو قوم کی یہ حالت تمام صوبجات میں قریباً یکساں ہے مگر مسٹر مکرجی نے صرف بنگال خاص میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد کا مقابلہ کرکے دکھایا ہے کہ ہندو قوم کی حرکت ایسی ہے کہ اگر یہی حالت رہی تو وہ آہستہ آہستہ صفحۂ دنیا سے نابود ہو جائیگی۔ ۱۸۷۲ء میں بنگال خاص کی مردم شماری میں ہندوؤں کی تعداد ۱۷۱ لاکھ تھی اور مسلمانوں کی ۱۶۷ لاکھ یعنی ہندو مسلمانوں سے چار لاکھ زیادہ تھے۔ تیس سال بعد جو مردم شماری ہوئی ہے اس میں مسلمانوں کی تعداد تو ترقی کرکے ۲۲۰ لاکھ تک پہنچ گئی ہے مگر ہندوؤں کی تعداد صرف ۱۹۴ لاکھ تک پہنچی ہے۔ یعنی مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں سے چوبیس لاکھ زیادہ ہے۔ گویا تیس سال کے عرصہ میں جہاں مسلمانوں کی تعداد میں ۵۳ لاکھ کی ترقی ہوئی ہندوؤں کی تعداد میں صرف ۲۳ لاکھ کی ترقی ہوئی۔ اس تعدادی تنزل کے اسباب میں سے بڑا سبب راقم مضمون کے نزدیک ہندوؤں کے مذہبی اور تمدنی نقص ہیں جو انکی ترقی میں حائل ہو رہے ہیں۔ قوموں کی دوڑ اور ترقی کے مقابلہ میں مسٹر مکرجی مسلمانوں کو ہندوؤں کی نسبت زیادہ تیار پاتے ہیں یعنی انکی قومی

زندگی میں وہ سامان موجود ہیں جنکی وجہ سے وہ اپنے ہندو ہمسایوں کی نسبت زیادہ ترقی کرسکتے ہیں۔ وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اخلاقی تعلیم کے لیئے سامان موجود ہیں جو انکی قومی زندگی کو قوت بخشتے ہیں۔ جاہل سے جاہل مسلمانوں کے دیہات میں بھی ہر گاؤں میں ایک مسجد ہوتی ہے جس میں ایک مُلّا مذہبی اور اخلاقی تعلیم ان لوگوں کو انکی سمجھ کے مطابق دیتا ہے۔ مسجدیں کیا ہیں؟ دراصل اخلاقی تعلیم کی درس گاہیں ہیں۔ ان مسجدوں میں عموماً پانچوقت ہر روز لوگ جمع ہوتے ہیں مگر جمعہ کے دن ایک خاص مجمع ہوتا ہے۔ اور نماز کے ساتھ وعظ بھی کیا جاتا ہے۔ یہ وعظ نہایت سادہ زبان میں عموماً اخلاق کے متعلق ہوتا ہے۔ اسطرح پر ہر گاؤں میں مسلمان باشندوں کی اخلاقی تعلیم کا پورا سامان ہے۔ مگر مسلمانوں کے لیئے مذہب کا دائرہ خاص حالتوں تک محدود نہیں بلکہ مذہب انکی زندگی کا ایسا ہی ضروری جزو ہے جیسے کھانا پینا۔ گھروں میں عورتیں مذہبی فرایض کی ایسی ہی پابند پائی جاتی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ جیسے کہ مرد۔ اور گو ہندوؤں میں ایک خاص حصّہ قوم تعلیم اور حصول زر میں مسلمانوں پر بہت سبقت لے گیا ہے۔ مگر ہندو آبادی کا بڑا حصّہ بہ سبب ذات پات کے جھگڑوں کے ایسی گری ہوئی حالت میں ہے کہ اس حصّہ کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اور مسلمان اخلاقی طور پر انپر بدرجہا فوقیت رکھتے ہیں"

یہ واقعات کہ مسلمان جو تیس[۳۰] سال ہوئے ہندوؤں سے چار لاکھ کم تھے اس تھوڑی سی مدت میں چوبیس[۲۴] لاکھ زیادہ ہوگئے ہیں اگر کسی ایسے زمانہ یا ملک کے متعلق بیان کیئے جائیں جو کسی مسلمان حکمران کی حکومت کے نیچے ہو تو ہمارے ہندو دوست خصوصاً آریہ سماجی انسے جھٹ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ مسلمانوں نے اٹھائیس[۲۸] لاکھ ہندوؤں کو بجبر مسلمان بنالیا ہے۔ اور شاید اس نتیجہ کے ساتھ ایسے قصے بھی مشہور کردیں جیسے کہ اورنگ زیب کے متعلق مشہور کر رکھے ہیں کہ جبتک ہر روز کئی ہزار ہندوؤں کو بجبر مسلمان کر کے انکے جنیئو ایک خاص مقدار میں جلا نہ لیتا تھا اسوقت تک کھانا نہ کھاتا تھا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اب اس ترقی کی وجہ ہمارے ہندو بھائیوں کو اور تلاش کرنی پڑی ہے کیونکہ بجبر مسلمان کرنیکی وجہ یہاں کام نہیں دیتی۔

ہمارے نزدیک اسلام کی زیادہ ترقی کی وجہ صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں کے تمدنی اور

اخلاقی حالات ترقی تعداد کے ممد ہیں بلکہ ہندو مذہب سے اسلام کی طرف آنیکا ایک سلسلہ خود بخود جاری ہے اور گو اسلام کے ہاتھ میں کوئی مشنریوں کا بڑا مضبوط انتظام نہیں مگر اسی اخلاقی طاقت کے اندر جسکو مسٹر نارجی نے بھی تسلیم کیا ہے ایک جذب موجود ہے جس سے بہت سے لوگ اسکی طرف کھنچے چلے آتے ہیں - ہاں جو لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہیں انکا نہ تو آریہ سماج کی شدھیوں کی طرح اخباروں میں شور پڑتا ہے اور نہ ہی مشنریوں کی طرح کوئی رپورٹیں شائع ہوتی ہیں - مگر یہ بات چھپی بھی نہیں رہ سکتی اور اعداد کی نمایاں ترقی خود بتا رہی ہے کہ اسلام نہ صرف اندرونی طور پر ہی ترقی کر رہا ہے بلکہ باہر سے بھی لوگوں کو اپنے ساتھ ملا رہا ہے - کاش مخالفین اسلام غور کرتے کہ جب مسلمان اس تنزل کیحالت میں بھی ایسے بڑھ رہے ہیں کہ انکی ہمسایہ قوم کی ترقی انکے بالمقابل موت کا حکم رکھتی ہے تو اسکے عروج کے وقت کیسی ترقی ہوتی ہوگی - کیا یہ ہمارا حق نہیں کہ ہم کہیں کہ جو اسباب آج اسلام کی ترقی کا باعث ہو رہے ہیں وہی گذشتہ زمانے میں بھی اسکی ترقی کا باعث تھے اور یہ بالکل سچ بات ہے کہ اسلام کی ترقی اسکے سلاطین دنیوی کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ ان روحانی بادشاہوں کے ذریعہ سے ہوئی ہے جنکے ناموں کو آج بھی لاکھوں ہندو عزت سے یاد کرتے ہیں پس یہ کسی مسلمان بادشاہ کی تلوار یا جبر نہ تھا جسنے آج چھ کروڑ مسلمان ہندوستان میں پیدا کر دیئے ہیں بلکہ یہ مقدس لوگوں کی روحانی تلوار تھی جو اپنا کام کر گئی - بلکہ حال ہی میں ایک فاضل یورپین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اسلام کی پولٹیکل زوال کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی بادشاہوں نے عیسائی بادشاہوں کی طرح یہ کوشش نہیں کی کہ اپنی ساری رعایا کو ایک ہی مذہب پر چلاویں اسکی تائید واقعات سے بھی ہوتی ہے کیونکہ جہاں جہاں عیسائی سلطنتیں سیکڑوں سالوں تک رہی ہیں وہاں عیسائی مذہب ہی عام ہو گیا ہے مگر صدیوں کی اسلامی سلطنتوں کے نیچے دیگر مذاہب کے لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں - پس اسلام نے جو کچھ ترقی کی اپنی اخلاقی اور روحانی قوت سے کی نہ تلوار کے ذریعہ سے -

---

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

اشاعت اسلام: مجلس معتمدین کے گذشتہ اجلاس میں جو ۸۔ اگست کو ہوا۔ امر فیصلہ طلب میں انگریزی ترجمہ لیکچر مہوتسو کی چھپوائی کا سوال تھا۔ جسکے متعلق گذشتہ تین چار ماہ سے ولایت میں خط وکتابت کی جا رہی تھی۔ یہ رسالہ اسلام کی تعلیم کو ایک ایسی خوبصورت اور دلکش پیرائے میں پیش کرتا ہے کہ جس کسی نے۔ اسے پڑھا ہے وہ خواہ کسی مذہب وملت کا پیرو ہو اسکے دل پر اسلام کی عظمت وکمال کا خاص اثر ہوا ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جسکے اس حصہ کو جو اسلامی بہشت و دوزخ کے متعلق ہے کونٹ ٹالسٹائے جیسے مشہور عالم و فاضل نے جو عیسائی مذہب کا پیرو ہے پڑھکر یہ لکھا تھا کہ وہ خیالات جو اس مضمون میں ظاہر کیے گئے ہیں۔ نہایت صحیح اور فاضلانہ خیالات ہیں۔ ابتک جسقدر اشاعت اسلام بیرونی ممالک میں سلسلہ احمدیہ کی طرف سے ہوتی رہی ہے وہ صرف رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ذریعہ ہوتی رہی ہے۔ مگر اب اس ضرورت کو محسوس کیا گیا ہے کہ الگ رسالوں اور کتابوں کے ذریعہ سے اس اشاعت کے دائرہ کو وسیع اور زیادہ مفید بنانیکی کوشش کیجاوے اسی غرض کے لیئے انگریزی ترجمہ قرآن شریف کا کام بھی صدر انجمن نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے مگر چونکہ ترجمہ کی تکمیل اور اس میں بطور دیباچہ ان بڑے بڑے اعتراضوں کا جواب جو قرآن کریم کی تعلیم پر عیسائی معترضین نے کیئے ہیں ایک بڑے لمبے وقت کو چاہتا ہے۔ اسلیئے یہ مناسب سمجھا گیا (جیسا کہ اس سے پہلے ٹریکٹ سیریز کے متعلق اعلان میں احباب کو اطلاع دیجا چکی ہے) کہ بالفعل بعض ان چیدہ چیدہ مضامین کو جو ریویو کی گذشتہ جلدوں میں نکل چکے ہیں الگ رسالوں اور کتابوں کی صورت میں چھاپ کر ولایت میں مفت یا بہت تھوڑی قیمت پر شائع کیا جائے۔ ان جملہ مضامین میں سے سب سے بڑھ کر قیمتی مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ لکچر ہے جو جلسہ اعظم مذاہب میں دیا گیا تھا اور اسی لیئے اسکی اشاعت کو سب پر مقدم کیا گیا ہے۔

اسکی چھپوائی اور اشاعت کا انتظام ولایت کی ایک مشہور کمپنی سے کیا گیا ہے۔ اور مجلس معتمدین کے گذشتہ اجلاس میں دس ہزار رسالہ کے چھاپنے کے لئے کمپنی مذکور کا ڈیڑھ سو پونڈ یعنی دو ہزار دو سو پچاس روپے کا تخمینہ چھپوائی اور ۱۶۶ پونڈ یعنی ۲۴۹۰ روپے کا تخمینہ مجلد کرانیکا منظور کیا گیا ہے۔ پس دس ہزار کتاب کی تکمیل کیلئے ۴۷۴۰ روپیہ بکار ہے۔ اسکے بعد کتاب کی اشاعت کا خرچ باقی رہ جائیگا جسپر خرچ اسوجہ سے کہ ولایت میں ہی یہ کتاب چھپیگی انشاء اللہ بہت کم ہوگا۔ اس کل کتاب میں سے یہ خیال ہے کہ قریب نصف کے بالکل مفت تقسیم کیجائے۔ اور بقیہ نصف کو لاگت پر فروخت کیا جائے اور کچھ جلدیں ہندوستان میں فروخت کیلئے منگوائی جاویں۔

اس خرچ کو منظور کرنیکے ساتھ ہی انجمن کو یہ ضرورت بھی محسوس ہوئی ہے کہ اس روپیہ کی فراہمی کے لئے احباب کی خدمت میں اپیل کیجائے۔ اس کارخیر کی ابتدا جیسا کہ احباب کو پہلے بھی اطلاع ہے ایک ہزار روپیہ کی ایک گرانقدر عطیہ سے ہوئی تھی۔ اور اس مخلص دوست نے جس نے یہ روپیہ دیا اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کیا۔ لیکن اشاعت اسلام کے اس نئے پہلو کی بنا اسی دوست کی تحریک اور کوشش سے رکھی گئی۔ اسکے بعد بھی کچھ روپیہ آیا ہے۔ مگر کل رقم اس فنڈ کی ابتک دو ہزار روپیہ تک بھی نہیں پہنچی۔ اور پانچ ہزار روپے کی ضرورت صرف اسی ایک کتاب کے لئے ہے۔ اسکے علاوہ دو اور چھوٹے چھوٹے رسالے بھی عنقریب چھپوائے جائیں گے کیونکہ نومبر میں ایک عظیم الشان جلسہ دنیا کے پادریوں کا بمقام آگرہ ہونیوالا ہے۔ اور مجلس معتمدین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سلسلہ کے مختصر حالات میں ایک کتاب چھاپکر وہاں تقسیم کیجاوے اور ایک کتاب ضرورت قرآن پر بھی چھاپنی منظور کی ہے۔ بہرحال کم ازکم پانچ ہزار روپے کا مہیا ہونا ضروری ہے۔ علاوہ سابقہ رقم جمع شدہ کے تین ہزار سے کچھ اوپر روپیہ اس غرض کیلئے اور بکار ہے جسکے لئے احباب کی خدمت میں یہ اپیل صدر انجمن کی مجلس معتمدین کی طرف سے پیش کیجاتی ہے۔

آیا اسقدر روپیہ جمع ہو جائیگا اور اگر ہوگا تو کس طرح۔ میں اسکے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مینے اصل واقعات کو احباب کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ان تجاویز پر غور کرنا جنسے یہ روپیہ جمع

ہو جائے یہ سلسلہ کے ان مخلصین کا کام ہے جو اسکے لیے سچا جوش اپنے اندر پائیں۔ ہماری انجمنیں جہاں کہیں وہ ہیں اس سوال کو سرسری نظر سے نہ دیکھیں۔ اور نہ ہی یہ خیال کر لیا جائے کہ اس تین ہزار روپے کی اپیل کے بعد مجلس معتمدین کی طرف سے اور کوئی تحریک یکمشت چندوں کے لیئے نہ ہوگی کیونکہ تعمیر مدرسہ کا عظیم الشان کام سر پر ہے۔ جسکے لیئے پندرہ ہزار روپے کے صرف سے قریب پندرہ لاکھ کے اینٹ تیار پڑی ہے۔ مگر اب اصل کام کو شروع کرنیکے لیئے تیس ہزار روپے کی اور ضرورت ہے۔ پھر اس گوشوارہ پر جو ہر مہینے ریویو کے ٹائیٹل پر چھاپا جاتا ہے۔ ایک نظر سے یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ انجمن کے قریباً ہر ایک فنڈ میں ماہوار خرچ آمد سے بڑھا ہوا ہے۔ بہت سے دوست اس باریک حروف کے نقشے کو جو گاہ ایک مجسم اپیل کے رنگ میں انکی خدمت میں پیش ہوتا ہے شائد پڑھتے بھی نہ ہوں مگر انجمن کی تمام قسم کی ضروریات کو مدِ نظر رکھکر اب وقت آگیا ہے کہ ہم ان آئے دن کے چندوں کی اپیلوں کے لیئے کوئی مستقل علاج سوچیں۔ جس سے نہ تو منتظمین کو کام کے رُک جانیکی دقتیں پیش آئیں اور نہ ہی معاونین کو بار بار کی تحریک سے ہر روز نئی تدابیر پر غور کرنیکی ضرورت پیش آئے یا طبیعت میں ایک گھبراہٹ پیدا ہو۔ ایک اور دقت جسکی طرف میں تفصیل سے کسی دوسرے وقت لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں یہ واقع ہوئی ہے کہ قوم کی توجہ تقسیم ہوتی جاتی ہے۔ ایک تو وہ کام ہیں جنکے کرنیکا سلسلہ کی طرف سے بجٹ کے وقت یا بجٹ کی بنا پر اعلان ہو جاتا ہے۔ اور جن میں دراصل وہ سب کام داخل ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد یا ایما سے شروع ہوئے۔ یہ تو گویا فرائض کے طور پر سمجھنے چاہییں اور ایک وہ کام ہیں جو کسی فرد واحد یا چند افراد کے دل میں انکے لیئے ایک زور کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنی اس خواہش کو تحریک کے رنگ میں قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ انکو زیادہ سے زیادہ نوافل کے قائم مقام سمجھا جا سکتا ہے۔ اب یہ تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ نوافل کی ادائگی میں ثواب نہیں مگر اس بات کو بھی ہر ایک دانشمند تسلیم کریگا کہ جو شخص فرائض کو بالائے طاق رکھکر نوافل کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے وہ ایک غلط راہ اختیار کرتا ہے۔ اصل کام جنکا ایک طرح سے اعلان بھی دنیا کے سامنے ہو چکا ہے وہ تو اسی طرح کے اسیطرح رکھے رہ جاتے ہیں اور قوم کی توجہ دوسری کاموں کی طرف ہو جاتی ہے یا بہر حال بٹ جاتی ہے اور وہ کام جو کل قوم کی متفقہ توجہ سے ہو سکتے تھے

ادھورے رہ جاتے ہیں۔ یہی بات ایک سے زیادہ مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح تقریر اور تحریر کے ذریعہ سے سمجھا چکے ہیں مگر کل جدید لذیذ صدر انجمن احمدیہ کے کام تو وہی پرانا قصہ سمجھے جاتے ہیں اور نئے کاموں میں تحریک کرنیوالوں کو بھی زیادہ مزہ آتا ہے اور بعض دینے والوں کو بھی غالباً جدت میں ایک لذت معلوم ہوتی ہے۔ یا شاید یوں کہنا چاہیئے کہ فطرت انسانی کا تقاضا ہی ایسا ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو یہ بات قابل توجہ ضرور ہے کہ جن کاموں کا بجٹ میں اعلان کیا جاتا ہے وہ پورے نہیں ہونے پاتے۔ مثال کے طور پر میں یہ کہتا ہوں کہ اعتراض ہونیکو تو جلدی ہو جاتا ہے کہ ابتک جلسہ اعظم مذاہب والا لیکچر جسکے کتابی صورت میں شائع کرنیکی خبر دیر سے نکل رہی ہے شائع نہیں ہوا۔ انجمن سستی کر رہی ہے۔ مگر ان واقعات پر غور کرنیکے لئے طبائع متوجہ نہیں ہوتیں جنسے یہ توقف پیدا ہوتے ہیں۔ اگر جیسا انجمن کے بجٹ میں اندازہ کیا گیا تھا اشاعت اسلام کیلئے تخمینہ کے مطابق یا تین چوتھائی تخمینہ کی بھی آمد ہو جاتی تو اب جب سب امور اس لیکچر کے متعلق طے ہو چکے تھے یعنی مسودہ لکھا جا کر اسپر نظر ثانی ہو چکی تھی اور اجرت کا بھی ایک گونہ فیصلہ ہو چکا تھا انجمن فی الفور اس کام کو ہاتھ میں لے سکتی تھی مگر اب جب سب امور طے ہو چکے ہیں تو اس بات کا انتظار ہے کہ روپیہ فراہم ہو جائے۔ اس روپے کی تحریک گو بظاہر ایک غیر معمولی تحریک معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل یہ بجٹ کے نقص کو پورا کرنیکے لئے ایک تحریک ہے۔ ایسا ہی حال تعمیر بورڈنگ ہوس کا ہے۔ پندرہ لاکھ اینٹ پکی پڑی ہے مگر اب آگے کام چلانیکے لئے جبتک دس پندرہ ہزار روپیہ ہاتھ میں نہ ہو کام شروع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کام جب شروع ہوگا وسیع پیمانے پر ہی ہوگا ورنہ اسکے شروع کرنے میں بھی نقصان ہے۔ یہ باتیں سرسری نظر سے دیکھنے کی نہیں بلکہ جملہ انجمنہائے احمدیہ اور دیگر اہل الرائے احباب کا فرض ہے کہ وہ ان امور پر غور کرکے کوئی تجاویز پیش کریں تاکہ یہ مشکلات حل ہو سکیں۔

اشاعت اسلام کی رپورٹ میں ہی میں بک ڈپو کا ذکر بھی کرنا چاہتا ہوں۔ بک ڈپو میں بعض کتابیں تو امسال بذریعہ خرید داخل ہوئیں مگر دو کتابیں انجمن نے خود چھپوائی تھیں۔ انمیں سے پہلی کتاب جلسہ سالانہ صدر انجمن کی تقریروں کا مجموعہ ہے جسمیں صدر انجمن کی مفصل سالانہ رپورٹ بھی ہے۔ اس کتاب کے لئے بعض انجمنوں کی طرف سے اور احباب کی طرف سے خاص تحریک ہونے پر یہ کام انجمن نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ اور جن احباب یا انجمنوں نے یہ تحریک پیش کی تھی انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ یہ مجموعہ تقاریر اگر سستی قیمت پر بیچا جاوے تو ہاتھوں ہاتھ نکل جاویگا۔ اسکو چھپ کر تیار ہوئے اب کوئی چھ ماہ کا عرصہ گذرتا ہوگا۔ اور ایک ہزار کتاب چھپا کر قیمت

صرف اسقدر رکھی گئی تھی جسقدر بحساب اوسط فی کتاب لاگت آئی تھی۔ اب جب ہم اسکی فروخت کی طرف دیکھتے ہیں تو اس سارے عرصہ میں صرف اسّی کتابیں فروخت ہوئی ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہیئے کہ اس کتاب کے چھپوانیسے مالی طور پر انجمن کو قریب دو صد روپے کے نقصان ہوا۔ لوکنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسّنی السوء کو پڑھکر کوئی اسپر افسوس تو نہیں کرسکتا مگر غالباً آئندہ کے لیئے انجمن کو اس سے سبق لینا ضروری ہو۔ کیونکہ یہ روپیہ کسی اور مفید مصرف میں لگایا جاسکتا تھا۔ ایک دوسری کتاب اظہار حق سکھ مذہب اور اسلام پر انجمن کی طرف سے ابھی شائع ہوئی ہے گو اس کتاب کا اصل مقصد صرف اشاعت اسلام ہی ہے اور اسلیئے بہت سی کاپیاں مفت تقسیم کرنی پڑیں گی کیونکہ یہ کتاب دراصل ٹریکٹ سیریز میں شائع ہوئی ہے اور اسکے اخراجات کے لیئے حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے روپیہ دیا تھا مگر حضرت مولویصاحب کے ایما سے ہی اسکی کچھ قیمت بھی مقرر کر دیگئی تھی جو بالکل لاگت کے قریب تھی تاکہ کچھ روپیہ لاگت کا وصول ہوکر اشاعت اسلام کے دوسرے کاموں میں مدد ملے اور اشاعت کے مزید خرچ کیلیئے بھی کچھ آجائے مگر اسکی طرف بھی احباب کی توجہ مجموعہ تقاریر سے زیادہ نہیں ہوئی کیونکہ ابتک صرف بیس کاپیاں فروخت ہوئی ہیں اور پچاس کے قریب مفت تقسیم کرنیکا انتظام کیا گیا ہے۔ بہرحال یہ امر قابل غور ضرور ہے کہ اگر وہ کتابیں بھی معقول تعداد میں فروخت نہ ہوں جنکی قیمت لاگت کے قریب قریب رکھی جاتی ہے تو پھر لاگت سے چہار چند یا اس سے بھی زیادہ قیمت رکھنے کے اصول کو صحیح تسلیم کرنا پڑیگا جسکی ہمارے دوستوں کو ابتک شکایت رہی ہے بک ڈپو میں جیسا کہ ماہ گذشتہ میں اعلان کیا گیا تھا۔ سات سو کے قریب براہین احمدیہ میاں معراج الدین صاحب عمر نے دی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔ اس کتاب کی قیمت بلا جلد تئے رسے غالباً زیادہ تھی۔ اور تئے راس کتاب کی قیمت رکھنے کا ارادہ بھی تھا مگر چونکہ میاں صاحب کے پاس جو کچھ کتابیں باقی رہ گئی ہیں انکی قیمت انہوں نے عا ر کر دی ہے جسکا اعلان باہر میں ہورہا ہے۔ للہذا یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ انجمن کی بک ڈپو میں زیادہ قیمت پر فروخت ہو پس یہ کتاب بالفعل اسی ارزاں قیمت یعنی عا ر پر فروخت ہوگی۔ مگر یہ رعایت غالباً ایک ماہ سے زیادہ نہ رہ سکیگی جو احباب چاہیں عا ر پر یہ ضخیم کتاب ایک ماہ کے اندر اندر طلب کرسکتے ہیں۔ قیمت میں اسقدر تخفیف ہوجانے پر بھی جو احباب اس نایاب گوہر کو حاصل کرنیکی کوشش نکریں گے وہ غلطی کریں گے۔ یتامی ماہوار گوشوارہ کا ذکر میں اوپر کرچکا ہوں اسکو احباب بغور ملاحظہ فرماویں۔ لنگرخانہ۔ مساکین۔

زکوٰۃ ان چاروں مدات کی آمد بہت کم ہوتی جارہی ہے۔ زکوٰۃ کے متعلق بالخصوص صاحب نصاب احباب توجہ فرماویں
عمارت کے متعلق میں بہت کچھ اوپر کہہ چکا ہوں حضرت میر ناصر نواب صاحب نے ہسپتال کیلئے چندہ کرنے میں ارد گرد کے دیہات میں اسقدر صعوبت اپنے نفس پر برداشت کرکے روپیہ جمع کیا ہے کہ انکے اس للّٰہی جوش پر میں حیران ہوں قریب ڈیڑھ ہزار کے چندہ ہو چکا ہے جس میں مسجد کا چندہ بھی شامل ہے۔ چونکہ بورڈنگ ہوس کے باہر بننے کے ساتھ ہسپتال اور مسجد کا وہاں ہونا ضروری تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے ہر دو کیلئے یہ سامان پیدا کر دیا ہے۔ اور مسجد کیلئے تو قریب تین ہزار روپے کی رقم ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی ہمشیرہ مرحومہ کے زیور کے فروخت سے عنقریب وصول ہوکر امید ہے کہ یہ کام بہت جلد شروع ہو جائیگا۔ اسی سلسلۂ تعمیر میں چودھری غلام حسین صاحب ساکن چک قاضی والہ کا ذکر بھی ضروری ہے جنہوں نے اپنی جائداد کا حساب کرکے پندرہ سو روپیہ وصیت کا نقد داخل کرنیکا ارادہ کیا ہے جس میں سے ایک ہزار وہ بھیج بھی چکے ہیں اس روپے سے انکا منشا ہے کہ ایک کمرہ بورڈنگ ہوس کا بنجائے جسکا کرایہ چودھری صاحب کی حین حیات انہیں ملتا رہے اور بعد میں یہ مکان انکی وصیت کے مطابق انجمن کی ملکیت ہوگا۔ اس سے پہلے چودھری نصراللہ خانصاحب نے اسی طرح پر تین ہزار سے اوپر روپیہ انجمن کو دیا جس سے دو کمرے بورڈنگ ہوس کے بنائے جائینگے۔ مگر انکا کرایہ چودھری صاحب نے خود لینا پسند نہیں کیا بلکہ یہ مکان ابھی سے انجمن کی ملکیت ہونگے اور انکا کرایہ بھی انجمن ہی لے گی۔ اگر دس پندرہ احباب اور اس طرز سے اپنی وصایا کا روپیہ جمع کرادیں تو بورڈنگ ہوس قوم پر مزید بوجھ پڑنے کے بدوں ہی بن سکتا ہے۔

بجٹ ۱۹۰۹ء و ۱۹۱۰ء بار اول مجلس معتمدین میں منظور ہو چکا ہے۔ سال گذشتہ کے قریب گیارہ ہزار روپے ماہوار آمد و خرچ کے بالمقابل کمی آمد کو ملحوظ رکھکر اس بجٹ میں قریباً نو ہزار روپے ماہوار آمد و خرچ کا تخمینہ کیا گیا ہے۔ یعنی کل بجٹ ایک لاکھ سات ہزار روپے کے قریب ہے۔

واعظ شیخ غلام احمد صاحب ضلع کانگڑہ کا دورہ کر چکے ہیں۔ اب تجویز ہے کہ انہیں ممالک متحدہ میں بھیجا جاوے۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ یکم ستمبر سے کھل جاوینگے۔ بورڈنگ ہوس کی عام نگرانی اور تعلیم کی نگرانی کا یکم ستمبر سے خاص انتظام کیا جاویگا۔ چونکہ سالانہ امتحان قریب ہے اسلئے سب احباب مطلع رہیں کہ مدرسہ کھلنے سے پہلے پہلے اپنے بچوں کو بھیجدیں۔ بورڈنگ ہوس میں اخراجات خوراک کی تعیین کے سوال پر بھی جملہ احباب اور انجمنیں خاص توجہ فرما کر راؤں سے مشکور فرما دیں۔ (سکرٹری)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✽ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ | بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۹ء | نمبر ۹

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ ستمبر ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عوام سے عہ طلباء سے عمر

نوٹ۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

منیجر بک ڈپو صدر انجمن احمدیہ قادیان سے مل سکتی ہے۔
(منیجر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علے رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر ۴

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات

خبر رساں جماعتوں کی روانگی اگر قریش مسلمانوں کے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانیکے بعد بھی اُنکی ایذادہی سے باز آجاتے تو آنحضرت صلعم کیلئے اس سے بڑھکر اور کوئی بات خوشی کا موجب نہیں ہو سکتی تھی۔ اور اگر اہل مکہ اسکے بعد کہ آنحضرت نے اپنے وطن عزیز کو ترک کر دیا تھا آپ کو تکلیف نہ پہنچاتے تو ضرور آنحضرت صلعم اُنکی گذشتہ بے رحمیوں کو معاف فرماتے جیساکہ آخر کار فتح مکہ کے بعد اس رحم مجسم انسان سے ظہور میں آیا۔ ہجرت کے بعد جو واقعات پیش آئے اُنسے واضح ہوتا ہے کہ گو مسلمانوں نے اپنے وطن عزیز کو ترک کر دیا تھا مگر قریش کی مخالفانہ حالت میں کوئی تغیر پیدا نہوا بلکہ مسلمانوں کے بچ نکلنے پر اُنکا غصہ اور بھڑک اُٹھا اور اُنہوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جس طرح بن پڑے انکو تباہ کر دیں اس امر کے ثبوت کے لئے کہ ہجرت کے بعد بھی قریش کے غضب میں کوئی فرق نہ آیا تھا صرف اس بات کا اظہار کرنا ہی کافی ہوگا کہ مسلمانوں میں سے جو بوڑھا۔ عورت۔ قیدی یا غلام پیچھے رہ گیا وہی قریش کے ظلم کا شکار ہوا۔ ان غربا کو اب بھی وہی مصایب اور تکالیف جھیلنی پڑیں جو ہجرت سے پہلے انپر رسائی جاتی تھیں۔ اور قرآن کریم مفصلہ ذیل الفاظ میں انکی بیکسی کا نقشہ کھینچتا ہے۔ وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من

الرّجال والنّساء والولدان الّذین یقولون ربّنا اخرجنا من ھٰذہ القریۃ الظّالم اھلھا واجعل لّنا من لّدنک نصیرًا ۵ (سورۂ نساء رکوع ۱۰)

اور تم کو کیا ہو گیا ہی کہ لڑو اللہ کی راہ میں اور واسطے اُنکے جو ناتوان ہیں مرد اور عورتیں اور لڑکے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہمکو اس بستی سے کہ ظالم ہیں رہنے والے اسکے اور پیدا کر ہمارے لیئے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور مددگار۔

لیکن اسپر بھی ہمارے عیسائی معترض مسلمانوں کو ہی زیادتی کا ملزم ٹھہراتے ہیں اگر قریش اب اسلام کے دشمن نہیں رہے تھے تو انہوں نے کیوں اُن مسلمانوں کو رہا نہ کر دیا جنکو ہجرت سے روکنے کے لیئے قید کر لیا تھا؟ آہ۔ غریب بیکس عورتیں بھی اپنی عزت اور جان کو ان ظالموں کے ہاتھ سے نہ بچا سکیں۔ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ سے بچکر نکل گئے اور غار میں جا چھپے تو ابوجہل قریش کی ایک جماعت ساتھ لیکر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے گھر پر گیا اور آپ کی صاحبزادی حضرت اسماء سے دریافت کیا کہ تمہارا باپ کہاں ہے؟ جب صدیق رضؓ کی بیٹی نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس جگہ ہے تو اس بے رحم سفاک نے اُس بیکس لڑکی کے اس زور سے تھپڑ مارا کہ اُسکے کان کی بالی نیچے گر گئی۔

اور اگر میور کے کہنے سے کوئی مان بھی لے کہ قریش نے مسلمانوں کی دشمنی کا خیال چھوڑ دیا تھا تو ہم پوچھتے ہیں کہ پھر اُنہوں نے مسلمانوں کو سالانہ حج کرنے سے کیوں منع کیا؟ جبکہ عرب کی ہر ایک قوم کو خواہ وہ قریش کی دشمن بھی ہو حج کی ممانعت نہ ہوتی تھی قرآن کریم اس امر کی طرف متواتر اشارہ فرماتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انّ الّذین کفروا ویصدّون عن سبیل اللہ والمسجد الحرام الّذی جعلنٰہ للنّاس سواءً العاکف فیہ والباد ومن یّرد فیہ بالحادٍ بظلمٍ نّذقہ من عذاب الیم ۵ (الحج ۳) یعنی جو لوگ منکر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے جو ہم نے بنائی سب لوگوں کے واسطے برابر ہے اُس میں بیچ کا رہنے والا اور باہر کا اور جو اسمیں چاہے ٹیڑھی راہ شرارت سے اسے ہم چکھا دینگے ایک دُکھ کا عذاب۔

اس آیت اور کئی دوسری آیات سے واضح ہوتا ہے کہ کفار قریش لوگوں کو صرف

سورۂ نساء ۱۰ واجعل لّنا من لّدنک ولیًّا

قبول اسلام سے ہی نہیں روکتے تھے بلکہ مسجد الحرام میں داخل ہونیسے بھی باز رکھتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں مفصلہ ذیل واقعہ مذکور ہے "سعد بن معاذ جوکہ مدینہ کا ایک سردار تھا وہ مکہ کے ایک سردار اُمیہ بن خلف کا گہرا دوست تھا۔ جب اُمیہ مدینہ جاتا تو وہ سعد کے گھر ٹھہرتا اور جب سعد مکہ آتا تو وہ اُمیہ کے گھر قیام پذیر ہوتا۔ حضرت نبی کریم صلعم کے مدینہ میں تشریف لیجانے کے بعد سعد ایک دفعہ مکہ معظمہ کو عمرہ ادا کرنے کیلیئے روانہ ہوا۔ اور اس نے اُمیہ سے کہا اے ابی صفوان مجھے تنہائی کا ایسا وقت بتا جب میں امن و امان سے کعبہ کا طواف کرسکوں اور مکہ والوں میں سے مجھے کوئی طواف کرتا ہوا نہ دیکھے۔ اسلیئے اُمیہ سعد کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف دوپہر کے قریب روانہ ہوا۔ کعبہ میں ابوجہل نے اُنکو دیکھ لیا اور اُمیہ سے کہا تمھارے ساتھ کون ہے؟ اُس نے جواب دیا سعد ہے۔ ابوجہل نے سعد سے کہا الا اراک تطوف بمکۃ اٰمنا وقد اٰویتم الصباۃ وزعمتم انکم تنصرونہم و تعینونہم اما واللہ لولا انک مع ابی صفوان ما رجعت الی اھلک سالمًا۔ کیا تم امن و امان سے کعبہ کا طواف کرتے ہو جبکہ تم نے آبائی مذہب کے تارکوں کو اپنے ہاں پناہ دی ہے اور تمھیں یہ گمان ہے کہ تم اُنکی مدد اور اعانت کے قابل ہوسکوگے اور واللہ اگر ابی صفوان تمھارے ساتھ نہ ہوتا تو تم اپنے گھر صحیح و سالم نہ جاسکتے۔

ابوجہل کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی ہجرت سے قریش کا غصہ کم ہونے کی بجائے اور بھڑک اُٹھا تھا اور یہ دیکھکر کہ مدینہ کے مسلمانوں نے مہاجرین کا پوری سرگرمی سے استقبال کیا ہے وہ اور کڑھتے اور دانت پیستے تھے۔ ابوجہل کے مذکورہ بالا الفاظ یعنی "تم نے آبائی مذہب کے تارکوں کو پناہ دی ہے اور تمھیں گمان ہے کہ تم اُنکی مدد اور اعانت کے قابل ہوسکوگے" وغیرہ میں بھی اس بات کی دھمکی دیگئی تھی کہ قریش مدینہ پر حملہ کرینگے اور اہل مدینہ اس قابل نہ ہوسکیں گے کہ قریش کے مقابلہ میں آنحضرتؐ کی امداد کرسکیں۔ الغرض قریش نے جو رویہ مکہ میں مسلمانوں کی نسبت اختیار کیا ہوا تھا اسمیں کبھی تبدیلی نہ کی اور کوئی وقت ایسا نہیں آیا جبکہ یہ کہنے کا موقعہ ملے کہ اُنکی حرکات میں تغیر پیدا ہوگیا تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی جانتے تھے کہ اُنکے دشمن اُنکو مدینہ میں بھی چین نہ لینے

دینگے اور اپنے مقدور بھر اسلام کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کرینگے۔ خود حفاظتی کیلیئے ہتھیار اُٹھانے کی قرآن کریم نے ایک اور دلیل دی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے ولا یزالون یقاتلونکم حتّٰی یردّوکم عن دینکم ان استطاعوا (سورہ بقرہ رکوع ۲۷) (ترجمہ) اور نہیں ٹلیں گے جو لڑے جا دینگے تم سے یہانتک کہ پھیر دیں تمکو دین تمھارے سے اگر کر سکیں۔

لہٰذا پہلا کام جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچکر کیا وہ یہ تھا کہ مدینہ والوں اور وہاں کے یہود کے ساتھ عہدنامہ کر لیا جس کے رو سے دستخط کنندگان کا فرض تھا کہ مسلمانوں کے خلاف اہل مکہ کی امداد نہ کریں اور اس طرح پر قریش کے اس حملہ کی مدافعت کا سامان ہو گیا جس کا ہر وقت کھٹکا لگا ہوا تھا اور دوسرا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو دشمن کا سراغ لگانے اور اُسکی نقل و حرکت کا پتہ رکھنے پر مامور کیا لیکن چونکہ مسلمان چاروں طرف سے دشمن قوموں کے نرغہ میں تھے اسلیئے یہ مختصر سی جماعتیں دن کے وقت سفر نہ کر سکتی تھیں اور حضرت نبی کریم صلعم نے اُنکو حکم دیا کہ رات کو چلیں اور دن کو چھپ رہیں۔ آگے چلکر معلوم ہو جائیگا کہ بعض اوقات تیس تیس بلکہ ستر ستر مسلمانوں کی جماعتوں کو دشمنوں نے موقعہ پاکر قتل کر دیا اور یہی سبب اور خوف تھا کہ آنحضرتؐ نے انکو ہدایت فرمائی کہ رات کو چلیں اور دن کو چھپ رہیں۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ حالات موجودہ کے ماتحت ان جماعتوں کا بھیجنا اشد ضروری تھا عرب کی لڑائی عام طور پر اس طرح ہوتی تھی کہ لوگ ایک دوسرے پر اچانک حملہ کر دیتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی عادات کا پورا علم تھا۔ اسلیئے ایسے اچانک حملوں سے بچنے کے لیئے سراغ رساں جماعتوں کا بھیجنا ضروری سمجھتے اور اس طرح قریش اور دیگر مخالف قوموں کی نقل و حرکت سے آگاہ رہتے تھے۔ اور ناظرین جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کیا ہے اُنکو پتہ لگ گیا ہوگا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقِ عمل سے بہت سارے موقعوں پر مسلمان تکالیف سے بچ گئے اور دشمنوں کی جماعتیں تتر بتر کر دیگئیں۔ الغرض قریش اور عرب کی

اور قوموں کی دشمنی جو اسلام اور مسلمانوں سے تھی۔ اسکے باعث یہ طریق عمل ضروری ہوگیا تھا۔ اور اگر مدینہ کے مسلمان ہمیشہ اپنی حفاظت نہ کرتے تو اسلام کے دشمن اسلام کو عرب کی سرزمین سے مٹا دیتے اور صرف چند حملے ہی مدینہ میں مسلمانوں کی تباہی کا موجب ہو سکتے تھے مگر چونکہ مسلمانوں نے چستی سے کام لیا اسواسطے ایسا نہ ہونے پایا۔ ان واقعات کو دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے اصحاب کے سامنے ایک بڑا اہم کام تھا جسکی تکمیل کے لیئے آپ کو بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔ انکی مدینہ کی زندگی ایک مسلسل جنگ کا زمانہ تھا اور کیونکر ہو سکتا تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنکے حالات پیش آمدہ نے ہمیشہ چوکس رہنے پر مجبور کیا تھا اپنے ان تھک دشمنوں یعنی قریش سے بے خبر رہتے۔ بہت سے تجارتی رستے تھے جنپر قریش کی آمدورفت تھی اور ان میں سے ایک مدینہ سی مغرب کی طرف تھا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد قریش نے وہ رستہ اختیار کر لیا تھا جو قومیں اس رستہ پر مقیم تھیں۔ وہ قریش کی طرفدار تھیں۔ اب چونکہ قریش مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ اسواسطے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو قسم کے خطرات کا سامنا ہوا اوّل تو یہ راستہ ہی قریش کے مدینہ پر اچانک اور خطرناک صورت میں حملہ آور ہونیکے لیئے ایک عمدہ موقع دیتا تھا۔ اور مدینہ سے صرف دو تین منزل کے فاصلہ پر تھا۔ اور اگر مسلمان ایسے حملوں کے متعلق احتیاط نہ کرتے۔ تو مدینہ ان خونخوار دشمنوں کا شکار ہو جاتا۔ اور دشمن بھی ایسے کہ جنکا غیظ و غضب مسلمانوں کی ہجرت کی وجہ سے اور مدینہ میں اُنکی امداد ہونیسے اور بھی بھڑکا ہوا تھا اور یہ سب باتیں مسلمانوں کو معلوم تھیں۔ لیکن قریش کی ان کارروائیوں سے ایک اور بڑا خطرہ پیدا ہوا۔ وہ یہ کہ قریش عرب کی قوموں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے تھے۔ اور اگر یہ سب قومیں جنگ کے وقت قریش کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف مل جاتیں جیساکہ واقعی طور پر کئی قوموں نے کیا۔ تو یہ مدینہ کے مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کے لیئے ایک بڑی تکلیف کا موجب ہو جاتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابو جہل ابو سفیان عکرمہ اور امیہ بن خلف جیسے خوفناک سرداران قریش ان کاروانوں کے ساتھ ہوتے۔ اور انکے ہمراہ ایک سو سے تین سو تک مسلح آدمی ہوا کرتے۔ پھر یہ سردار راستہ کی قوموں کو آسانی سے بھڑکا سکتے۔

اور اگر انکو یہ معلوم ہو جاتا کہ مسلمان چوکس نہیں ہیں تو کبھی ممکن نہیں تھا کہ وہ مدینہ پر قاتلانہ حملے کرنے سے باز رہتے۔ اب چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دو خطروں کی انسداد کی فکر تھی۔ اسواسطے آپنے چھوٹی چھوٹی جماعتیں جنکی تعداد بعض دفعہ ۲۰ بیس اور بعض دفعہ ۳۰ تیس ہوتی تھی۔ باہر بھیجنی شروع کیں۔ اور اُن جماعتوں کے بھیجنے سے یہ غرض تھی کہ قریش اچانک مدینہ پر حملہ نہ کرسکیں۔ جب قریش مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو رستہ پر دیکھتے۔ تو انکو معلوم ہو جاتا تھا کہ مسلمان غافل نہیں ہیں۔ ان جماعتوں کا کچھ ایسا رُعب پڑتا تھا کہ دشمن ڈر جاتے۔ اور بعض اوقات آنحضرت صلعم بذات خود ان جماعتوں کے ساتھ جایا کرتے اور ان راستہ والی قوموں کے ساتھ معاہدہ کر لیا کرتے تاکہ قریش کے کہنے پر مسلمانوں پر حملہ نہ کریں۔ اور نہ ہی اہل مکہ کی طرفدار ہوں۔ ایک دفعہ آپنے ایک مہم میں جو غزوۂ ابواء یا غزوہ ودان کے نام سے مشہور ہے ایک امن کا معاہدہ قوم بنی ضمرہ سے کیا۔ اور یہ قوم پہلے قریش کی حامی تھی اور اس معاہدہ کے رُو سے اُنہوں نے یہ اقرار کیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کبھی نہیں لڑیں گے۔ اور نہ ہی ان لوگوں کی مدد کریں گے جو مسلمانوں کے مقابل ہتھیار اُٹھائیں۔ نیز ایک غزوہ میں جو غزوۃ العشیرہ کے نام سے مشہور ہے اسی قسم کے معاہدے آپنے بہت سی قوموں کے ساتھ کیئے جو عشیرہ کے گرد و نواح میں رہتی تھیں۔ یہ تمام عہدنامے بدر کی لڑائی سے پہلے ہوئے **نخلہ کا معاملہ** اُن مہمات میں جنکا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ کبھی کوئی کشت و خون نہیں ہوا۔ صرف ایک مہم میں ایسا ہوا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ یا سات آدمیوں کو باہر بھیجا۔ اور انہوں نے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا۔ اور دو آدمیوں کو قید کر کے لائے۔ اس جماعت کے سردار کو جو ہدایت دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ دشمن کے متعلق خبر لائے اور اس جماعت کا کوئی اور کام نہیں تھا۔ اس سے پہلے مکہ کے ایک سردار کرز بن جابر نے مدینہ پر چھاپا مارا تھا۔ اور مسلمانوں کے کچھ مویشی اور اونٹ جو کہ شہر سے کچھ فاصلہ پر چراگاہ میں چر رہے تھے لوٹ کرکے لے گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لٹیرے سردار کے پیچھے بدر تک گئے لیکن وہ بچکر بھاگ گیا۔ اس مہم کے تھوڑی دیر بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ بھیجا۔ اور اسکو ایک

چٹھی دی جسکے متعلق یہ حکم تھا کہ دو دن کے سفر کے بعد اسے کھولے پھر اس کی ہدایتوں کے مطابق عمل کرے اور صرف اُن آدمیوں کو اپنے ساتھ لے جائے جو خوشی سے اس کے ساتھ جانا پسند کریں۔ جب اس نے چٹھی کو کھولا تو اسکو معلوم ہوا کہ اس نے نخلہ تک جانا ہے (یہ جگہ مکہ اور طائف کے درمیان ہے) وہاں قریش کا انتظار کرنا پھر انکے متعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینا ہے۔ اس جماعت میں سے دو آدمیوں کے اونٹ راستہ میں گم ہوگئے۔ اور انکی تلاش کے لیئے وہ پیچھے رہ گئے باقی آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیئے آگے چلے گئے۔ چونکہ نخلہ مکہ کے ایک مشہور راستے پر واقع ہے۔ اسلیئے مسلمانوں کی جماعت اس راستے کے گرد ونواح میں انتظار کرنیسے قریش کے متعلق آسانی سے خبر حاصل کرسکتی تھی۔ اب ایسا اتفاق ہوا کہ رجب جو اشہر حرم میں سے ایک مہینہ ہے اسکے آخری دن میں انکو مکہ جاتا ہوا قریش کا ایک قافلہ ملگیا۔ چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انکو لڑائی کے متعلق کوئی حکم نہ تھا اسلیئے انہوں نے خود مشورہ کیا اور یہ امر قرار پایا کہ قریش پر حملہ کرنا چاہیئے۔ پس حملہ ہوا اور قافلہ کا ایک آدمی مارا گیا۔ اور دو قید ہوئے۔ اسکے بعد مسلمان دونوں قیدی اور غنیمت کا مال لیکر مدینہ کو واپس آئے۔

عیسائی معترض اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ معاذ اللہ آنحضرت صلعم نے لوگوں کو باہر لوٹنے کی غرض سے بھیجا تھا۔ لیکن مفصلہ ذیل امور سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس جماعت کو بھیجنے سے لوٹ مار کا منشا ہرگز ہرگز نہ تھا۔

(۱) اُس جماعت کے افراد کے لیئے یہ حکم تھا۔ کہ وہ ہدایات مندرجہ خط مذکور پر عمل کریں چٹھی کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ فترصد بھا قریشا وتعلم لنا من اخبارھم جسکے یہ معنی ہیں۔ کہ قریش کی گھات میں رہو۔ اور ہمیں اُنکی خبر لادو (ابن ہشام) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُس جماعت کا مدعا یہ تھا۔ کہ وہ پیغمبر خدا صلعم کی خدمت میں قریش کے متعلق خبر لاویں۔

میور نے چٹھی کے الفاظ کو تو نقل کیا ہے۔ مگر ارادتاً آخری الفاظ کو چھوڑ دیا ہے۔

یعنی یہ الفاظ کہ ہمکو انکی خبر لادو' نہیں لکھے۔
(۲) اُس جماعت کے سرگروہ کو یہ حکم تھا کہ وہ صرف اُن لوگوں کو اپنے ساتھ لے جاوے۔ جو خوشی سے جانا پسند کریں۔ وہ کسی ہمراہی کو اُسکی مرضی کے خلاف اپنے ساتھ نہ لے جاوے اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مہم کا مدعا لڑائی یا لوٹ نہیں تھا۔ بلکہ اُسکا مدعا محض خبر لانا تھا۔ اس جماعت کے سردار کے پاس صرف سات یا آٹھ ہمراہی تھے۔ اور ان ہمراہیوں کو اختیار تھا۔ کہ جب چاہیں واپس چلے آویں۔ سردار کو حکم تھا۔ کہ وہ بہر حال فوراً نخلہ کو روانہ ہو جاوے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جماعت کی روانگی کی غرض صرف دشمن کے حالات کا پتہ لگانا تھا۔

میور لکھتا ہے کہ عبداللہ نے اُس حکم کو پڑھکر اپنے ہمراہیوں کو کہا کہ جو شخص واپس جانا چاہے چلا جائے۔ میں خود تو پیغمبر خدا صلعم کے حکم کی تعمیل میں آگے چلا جاؤنگا۔ اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس جماعت کو قریش کے حالات کا پتہ لگانیکے لیئے بھیجا تھا۔ اور جیساکہ عیسائی معترض کہتے ہیں۔ کاروانوں کے لوٹنے کے لیئے ہرگز روانہ نہیں کیا تھا کیونکہ عبداللہ تنہا قافلہ کو لوٹ نہیں سکتا تھا ہاں قریش کی خبر لاسکتا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کو قریش کے حالات کا پتہ لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور آپنے عبداللہ کو اہل مکّہ کی خبر لانے کے لیئے کیوں بھیجا تھا؟ پس اسکا جواب یہ ہے کہ بموجب روایت ابن ہشام جو چٹھی عبداللہ کے پاس تھی اسمیں قریش کی خبر لانے کی ہدایت تھی۔ اور قریش کے قافلوں کا مطلق ذکر نہ تھا۔ دوم اگر عبداللہ قافلوں کی خبر بھی لاتا تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ مدینہ سے اسقدر دور دراز فاصلہ پر ان قافلوں کو مغلوب کیا جاتا۔ جب تک حضرت عبداللہ کسی کارواں کی خبر پیغمبر خدا صلعم کی خدمت میں پہنچاتے اُس سے بہت عرصہ پہلے وہ قافلہ مکہ پہنچ سکتا تھا اگر کوئی کہے کہ اچھا مانا کہ کاروان پر حملہ کرنا اسکا مدعا نہیں تھا۔ تو پھر اس جماعت کے بھیجنے کی غرض کیا تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم کو ایک تو قریش کے حملہ کا خوف تھا اور دوسرا خوف یہ بھی تھا کہ قریش ان بُت پرست قوموں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دینگے جو تجارت کے

راستوں کے آس پاس آباد تھیں یہ قبائل عموماً اہل مکہ کے طرف دار تھے۔ اور آنحضرت صلعم کو اندیشہ تھا کہ کہیں یہ سب قومیں ملکر مدینہ کے تھوڑے سے مسلمانوں کی مخالفت نہ ہو جاویں۔ اور آئندہ واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ آنحضرتؐ کا یہ خوف بالکل سچا تھا۔ اسی خوف کے باعث آنحضرت صلعم نے اُنہیں سے بعض قوموں سے معاہدے کیئے جو ملک شام کے تجارتی راستہ پر آباد تھیں۔ ان معاہدوں کے رو سے ان قوموں نے یہ اقرار کیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ہرگز نہ لڑیں گے اور نہ ہی قریش کی مدد کریں گے۔ حضرت نبی کریم کو خوب معلوم تھا کہ قریش مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں اور حفظ ماتقدم کے طور پر ضروری تھا کہ دشمن کے حرکات و سکنات کے متعلق آپ پوری خبر رکھیں۔ اور ایسی خبروں کے معلوم کرنے کے لیئے آنحضرت صلعم چھوٹی چھوٹی جماعتیں باہر بھیجا کرتے تھے اور عبد اللہ کی جماعت بھی اسی قسم کی جماعت تھی جو ہدایت پیغمبر خدا صلعم نے عبد اللہ کو دی تھی اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جماعت کے باہر جانیکا مدعا کیا تھا۔

(۳) حملہ کرنیسے پہلے جو مشورہ اُس جماعت نے آپسمیں کیا اُس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ کی طرف سے حملہ کرنیکا کوئی حکم نہ تھا۔ وہ مدینہ سے شہر حرام میں روانہ ہوئی تھی جس میں لڑائی عام طور پر ممنوع ہے اگر لڑائی کی غرض سے اُنکو بھیجا جاتا تو فوراً یہ سوال پیدا ہوتا کہ شہر حرام میں لڑائی جائز ہے یا نہیں؟ اور ضروری تھا کہ وہ چلنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امر دریافت کر لیتے کہ اگر وہ قافلہ جسپر حملہ کرنے کے لیئے ہم جاتے ہیں شہر حرام کے اندر ملجائے تو کیا ہم اسپر حملہ کریں یا نہ کریں؟ اگر حضرت نبی کریم صلعم نے اُس جماعت کو لڑائی کیلیئے بھیجا ہوتا تو اُنکو آپسمیں مشورہ کرنیکی کیا ضرورت تھی؟

(۴) اُس جماعت کو کوئی زبانی ہدایتیں نہیں دی گئی تھیں جو ہدایتیں اُسکو دی گئی تھیں وہ صرف اُس چٹھی میں درج تھیں جو اُسکو مدینہ سے چلنے کے وقت دی گئی تھی اس مہم کے مدعا کا پتہ لگانے کے لیئے ضروری ہے کہ ہم صرف چٹھی کے مضامین تک ہی اپنے آپ کو محدود رکھیں۔ کسی کو کیا حق ہے کہ کوئی ایسی غرض پیغمبر خدا صلعم کی طرف منسوب کرے جو اُس چٹھی سے ظاہر نہیں ہوتی؟ اس تحریری چٹھی سے صاف ظاہر ہے کہ اُس جماعت کا

مقصود قریش کے متعلق خبر لانا تھا اور لڑنا یا لوٹنا ہرگز ہرگز مقصد نہ تھا۔

(۵) جب وہ مدینہ میں قیدی اور غنیمت کا مال لیکر پہنچے تو انکو معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا صلعم انپر سخت ناراض ہو گئے ہیں وجہ صرف یہ تھی کہ وہ قیدی اور غنیمت کا مال لیکر کیوں آئے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے عبد اللہ سے یوں فرمایا "میں نے تم کو شہر حرام میں لڑائی کے لئے کب کہا تھا"۔ میور لکھتا ہے کہ عبد اللہ اور اُسکے ہمراہیوں کو لوگوں نے بڑی ملامت کی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عبد اللہ نے آنحضرتؐ کے ایما سے قریش پر حملہ نہیں کیا۔ باوجود ان حالات کے پھر بھی یہ خیال کرنا کہ عبد اللہ کو پیغمبر خدا صلعم نے قریش پر حملہ کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔ پرلے درجہ کا جھوٹ ہے۔

ہم نے اب یہ دیکھنا ہے کہ عبد اللہ کا طریق عمل جو کسی صورت میں پیغمبر خدا صلعم کے حکم کے ماتحت نہیں تھا۔ کہانتک انصاف سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ بلا شبہ اُسکا طریق عمل سراسر انصاف پر مبنی تھا۔ مانا کہ اہل مکہ نے اسپر اعتراض کیا۔ مگر اعتراض کی وجہ یہ نہ تھی کہ عبد اللہ کا فعل بذات خود قابل اعتراض تھا۔ بلکہ وجہ یہ تھی کہ ایسا فعل شہر حرام میں کیوں کیا گیا۔ اہل مکہ کو معلوم تھا کہ ہم نے مسلمانوں پر کوئی کم زیادتیاں نہیں کیں اس واسطے انہوں نے اپنے اعتراض میں یہ زور دیا کہ ایسا فعل ایسے پاک مہینے میں کیوں کیا گیا۔ عبد اللہ بھی یہ کام نہ کرتا مگر قریش کی دشمنی نے اُسکو مجبور کیا۔ قریش نے اسلام کے ساتھ دشمنی کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا تھا مسلمانوں نے اپنے تمام حقوق کھو دیئے تھے مسجد مقدس سے نکالے گئے تھے اور اسی مسجد کی عزت کیواسطے یہ مہینے پاک سمجھے جاتے تھے۔ پس قریش اس پاک مہینے میں کسی حفاظت کے مستحق نہیں تھے۔ جو آیتیں اس معاملہ میں نازل ہوئی ہیں وہ سارے معاملہ کو صاف کر دیتی ہیں۔ یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه۔ قل قتالٌ فيه كبيرٌ وصدٌ عن سبيل الله وكفرٌ به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عند الله والفتنة اكبر من القتل ط ولا يزالون يقاتلونكم حتّٰى يردوكم عن دينكم ان استطاعوا ط یعنی سوال کرتے ہیں تجھ سے حرمت والے مہینہ میں لڑنے

کے متعلق - تُو کہہ کہ! اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے بند کرنا اور خدا کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اُسکے لوگوں کو اُسمیں سے نکال دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور ٹلیں گے جو لڑتے جاویں گے تم سے یہانتک کہ پھیر دیں تمکو تمھارے دین سے اگر اُن سے ہو سکے۔

اب اہل مکہ کے ان افعال کو عبد اللہ کے فعل کے مقابلہ میں موازنہ کرو۔ اور دیکھو کہ کسکا پلہ بھاری ہے۔ پیغمبر خدا صلعم کو کتنی ہی تکلیف پیش آئی مگر آپنے کبھی کسی امر کے متعلق اجازت نہیں دی جب تک کہ خدا کی طرف سے کوئی حکم اسکے متعلق صادر نہ ہوگیا آپکے آخری الفاظ مفصلہ ذیل تھے۔

"مجھے خدا کی قسم مجھے کوئی شخص کسی معاملہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مَینے اپنے پاس سے کوئی حکم دیا ہے۔ مَینے وہی جائز کیا جسکی بابت خدا نے حکم دیا۔ اور مَینے انہی چیزوں کی ممانعت کی جو خداوند کریم نے اپنی کتاب پاک میں منع فرمائی ہیں" یہی وجہ تھی آپنے عبد اللہ پر ناخوشی ظاہر فرمائی کہ اس نے شہر حرام میں قریش پر کیوں حملہ کیا۔ عبد اللہ نے اجتہاد سے کام لیا اور اسکی رائے میں اُسے یہ فعل جائز معلوم ہوا لیکن چونکہ معاملہ خفیف نہ تھا اور پیغمبر خدا صلعم کو اسکے جواز کے متعلق کوئی وحی الٰہی نہ ہوئی تھی اس واسطے آپنے عبد اللہ پر ناخوشی ظاہر فرمائی۔ عیسائی معترض اپنی طرز کو بھولکر عبد اللہ کے طرز عمل پر کوئی اعتراض کریں تو کریں مگر آنحضرت صلعم کی ذات مبارک اس معاملہ میں تمام ذمہ داری سے بری ہے۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ دو قیدیوں میں سے ایک یعنی حکم بن کیسان نے اسلام قبول کر لیا اگرچہ اسکو قید سے آزاد کر دیا گیا تھا تاہم اُسنے آنحضرتؐ کی خدمت سے علیحدہ ہونا پسند نہ کیا۔ اگر ان قیدیوں کو ظلم سے پکڑا جاتا تو یہ اسلام کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے چہ جائیکہ اُنمیں سے ایک ایسا مسلمان ہوجاتا کہ اُسنے پھر باوجود آزاد ہونے کے حضرت نبی کریم صلعم کی خدمت سے دُور ہونا گوارا نہ کیا۔ حکم کا ایمان اسقدر محکم ہوگیا تھا کہ آنحضرتؐ نے اُسکو واعظ مقرر فرمایا۔ اور وہ اُن ستر آدمیوں میں سے تھا جو نہایت بے رحمی سے بئر معونہ پر شہید کیے گئے۔

جنگ بدر جس بات کا پیغمبر خدا صلعم کو خوف تھا آخر وہی وقوع میں آگئی۔ قریش کے دس ہزار مضبوط سپاہی مسلمانان مدینہ کو نیست و نابود کرنیکے لیئے مکہ سے روانہ ہوئے اس فوج کے سپہ سالار قریش کے تمام سردار تھے۔ قریش کی اس فوج کے کوچ کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ مکہ میں یہ خبر پہنچی کہ مسلمان ایک مکہ کے قافلہ پر جو شام سے آرہا تھا حملہ آور ہوئے ہیں اور اُسکا تعاقب کررہے ہیں۔ جو شخص خبر لایا تو اُسکے مُنہ سے یہ الفاظ نکلو "اے قریش! اے قریش!! تمھارے قافلہ کا تعاقب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کررہا ہے۔ پس مدد کرو۔ مدد کرو" لیکن اس بات کے ثابت کرنیکے لیئے کہ اُسوقت مسلمان کسی کا تعاقب نہیں کررہے تھے بڑی مضبوط شہادت موجود ہے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے جس فاصلے پر بدر واقع ہے اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہوسکتی ہے۔ مدینہ سے بدر تین دن کا سفر ہے اور مکہ سے بدر نو دن کا سفر ہے۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ جب مسلمان مقام بدر پر پہنچے تو قریش پہلے وہاں پہنچ چکے تھے۔ پھر اس بات کو بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ مکہ کی فوج مسلمانوں کی فوج سے تعداد اور سامان میں بہت زیادہ تھی۔ مکہ والوں کو کوچ کی تیاری کرنے کے لیئے تین دن لگے اور چونکہ اُنکو راستہ میں معلوم ہوگیا تھا کہ قافلہ صحیح سلامت ہے اسواسطے اُنکی رفتار بھی سُست ہونی چاہیئے تھی۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کا قریش کو بدر پر ملنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جب قاصد نے مکہ میں جاکر یہ خبر دی تھی کہ مسلمان قافلہ کا تعاقب کررہے ہیں اسوقت مسلمان چُپ چاپ مدینہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ قریش کی فوج نے پہلے کوچ کیا۔ اور نصف فاصلہ کو وہ طے کرچکے تھے جبکہ مسلمانوں نے شہر کو چھوڑا۔ اب ان حالات کو دیکھکر اس تعاقب کی خبر کے جھوٹا ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ اور جنگ کے وقت بسا اوقات ایسی خبریں اُڑجایا کرتی ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جب قاصد نے مکہ میں تعاقب قافلہ کی خبر دی تو اُسوقت قافلہ کا کوئی تعاقب نہیں ہورہا تھا۔ ایک دوسری وجہ اس بات کے جھوٹا ہونیکی یہ بھی ہے کہ اگر مسلمانوں کا مدعا قافلہ پر حملہ کرنا تھا تو وہ مکہ سے شمال کی طرف جاتے تاکہ ملک شام سے آتے ہوئے قافلہ کو راستہ پر روک لیتے۔ اور مسلمان ہرگز جنوب کی طرف بدر کو نہ آتے۔ میور کہتا ہے کہ پیغمبر خدا صلعم پہلے دو یا تین دن تک مدینہ

کو آنیوالی سیدھی سڑک پر چلے۔ لیکن صفرا پر پہنچکر مغرب کو بدر کی طرف تشریف لیگئے۔ بدر مکہ کے راستہ پر واقع ہے۔ مکہ کے ایک لٹیرے سردار کرزبن جابر کو آنحضرت صلعم نے بدر تک بھگایا تھا۔ اور اُحد کی لڑائی کے بعد ابوسفیان نے بدر کو آئندہ لڑائی کی جگہ مقرر کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ ہم آئندہ سال بدر کے مقام پر پھر ملیں گے۔ اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان لڑائی کا مناسب موقعہ بدر ہے۔ مسلمانوں کی فوج ٹھیک اُس طرف روانہ ہوئی جس طرف سے کہ مدینہ پر حملہ ہوسکتا تھا تاکہ اس حملہ کو روک سکیں۔ اور پھر قافلہ میں صرف تیس۳۰ یا چالیس۴۰ آدمی تھے اور آنحضرت صلعم کو کیا ضرورت تھی کہ وہ اس تھوڑی سی تعداد کو مغلوب کرنیکے لیئے قریبًا اپنی ساری جمعیت کو ہمراہ لاتے۔

لیکن اس خبر کو سنکر کہ مسلمان قافلہ کو روکنا چاہتے ہیں ابوجہل اور دیگر سرداران قریش کو ایک موقعہ ہاتھ آگیا۔ اور اس طرح سے انہوں نے لوگوں کو اُکسایا۔ جو تیاریاں اُنہوں نے کیں اُس سے ظاہر ہے کہ وہ مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دینا چاہتے تھے۔ میور کہتا ہے کہ ہر ایک آدمی کی یہ خواہش تھی کہ مسلمانوں کو تباہ کردیا جائے۔ ہر ایک آدمی یہ چاہتا تھا کہ وہ اس فوج میں شامل ہووے۔ جو شخص فوج میں شامل نہیں ہونا چاہتا تھا اُسکو مجبور کیا جاتا تھا۔ اور بزدلی کا الزام لگاکر اُسکو اُکسایا جاتا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اُمیہ بن خلف جو کہ ایک فربہ شخص تھا کعبہ کے پاس اپنے دوستوں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور اُس نے چلنے کی تیاری نہیں کی تھی۔ عقبہ اُسکے پاس ایک دھکتے ہوئے کوئلوں کی انگیٹھی بھر کر لایا اور کہا یا ابا علی استجمر فانما انت من النساء یعنی ان کوئلوں کو سینک کیونکہ تو ایک عورت ہے۔ اس تحقیر سے اُمیہ پر پورا اثر ہوا۔ اور فورًا لڑائی کے لیئے تیار ہوگیا جو لوگ نہیں جاسکتے تھے اپنے قائم مقام انہوں نے بھیجے۔ بڑی کوشش کی گئی کہ ایک کثیر التعداد فوج میدان میں جاوے اور اس سے مدعا یہ تھا کہ مسلمانوں کی جماعت کا جنہوں نے جاکر مدینہ میں پناہ لی تھی خاتمہ کردیا جاوے صرف قافلہ کو بچانا اس فوج کا ہرگز مقصود نہ تھا۔ اگر صرف قافلہ کو بچانا مقصود ہوتا۔ تو چند سوار فورًا قافلہ کی حفاظت کے لیئے روانہ کیئے جاتے۔ اس قافلہ کی نسبت یہ کہا جاتا تھا کہ مسلمان بڑی تیزی سے

اسکا تعاقب کر رہے ہیں۔ اگر صرف اس قافلہ کو بچانا ہی مقصود تھا تو اتنی بڑی فوج کی کیا ضرورت تھی۔ جس نمائش سے یہ فوج مکہ سے باہر نکلی اس سے اسکا عندیہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ وہ فوراً مکہ سے باہر نہیں نکلے کہ جلدی سے جاکر قافلہ کو بچائیں بلکہ انہوں نے اس طرح کوچ کیا جیسا کہ کوئی زبردست لشکر اس ارادہ سے روانہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کمزور مخالف کو جاکر تباہ کرے۔ اُنکے ساتھ ساتھ گانیوالی عورتیں تھیں جنکے پاس طبلے تھے اور یہ عورتیں فوجیوں کے سامنے گاتی تھیں جبکہ وہ چشموں پر ڈیرہ ڈالتے کون دانا ایسی فوج کو دیکھکر یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ یہ کسی چھوٹے قافلہ کی حفاظت کے لیئے جارہی ہے جس میں خیر سے صرف چالیس آدمی ہیں۔ مکہ سے قریش کے لشکر کے روانہ ہونے کی حقیقی اور اصلی غرض اُسوقت بخوبی ظاہر ہوگئی جبکہ راستہ میں لشکر والوں کو معلوم ہوگیا کہ قافلہ بالکل محفوظ ہے باوجودیکہ انکو یہ خبر مل گئی پھر بھی وہ آگے آگے ہی کوچ کرتے گئے یہانتک کہ بدر کے مقام پر پہنچ گئے جہاں مسلمانوں کی چھوٹی سی جمعیت کے ساتھ اُنکا مقابلہ ہوا۔ جب قافلہ کے محفوظ نکل جانیکی خبر لشکر قریش میں پہنچی تو ایسے لوگوں نے جنکو لشکر کے ساتھ کوچ کرنیکے لیئے مجبور کیا گیا تھا اور جن کے آگے کوچ کی غرض یہ بیان کی گئی تھی کہ مسلمان قافلہ کا تعاقب کر رہے ہیں۔ واپس جانے کی تجویز پیش کی مگر اُنکی آواز کو کون سنتا تھا ابوجہل اور دیگر رؤسا مکہ نے جنکی غرض مسلمانوں کو نابود کرنا تھی لشکر کو آگے کوچ کرنے کا حکم دیا۔

قرآن شریف سے بدر کا قصہ بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔ عیسائی مورخ بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے دریافت کرنے کے لیئے اور اس زمانہ کے مسلمانوں اور کفار کی تاریخ معلوم کرنے کے لیئے قرآن شریف سے بڑھکر اور کوئی معتبر اور قابل وثوق ذریعہ نہیں۔ چنانچہ میور اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ "اسلام کی پیدائش اور اُسکے بانی کے حالات کی تفتیش کرنے کے لیئے قرآن شریف ایک صحیح کسوٹی ہے۔ اس سے ہم آپ کی زندگی اور آپ کی سیرۃ کو اچھی طرح پرکھ سکتے ہیں اور قرآن مجید آپکے حالات کے لیئے ایک چابی کا کام دیتا ہے"۔

یہ ہے میور کی گواہی قرآن شریف کے متعلق - اب ہم دیکھتے ہیں کہ بدر کے متعلق قرآن شریف جو سب کے نزدیک ایک مسلم اور قابل اعتبار تاریخ ہے کیا فرماتا ہے چونکہ قرآن شریف کی شہادت یقینی ہے اسلیئے قرآن شریف کے بیانات سے جو صحیح نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ بھی قطعی اور یقینی ہونگے - اور کسی کو حق نہ ہوگا کہ اُنپر کوئی اعتراض کرے یا اُنکے قبول کرنے سے انکار کرے قرآن شریف بدر کے واقعہ کا ذکر کرتا ہوا فرماتا ہے - کما اخرجك ربك من بیتك بالحق وان فریقا من المؤمنین لکارھون - یجادلونك فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون - واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ ویقطع دابر الکافرین - یعنی جس طرح نکالا تجھکو تیرے رب نے تیرے گھر سے (یعنی مدینہ سے) ساتھ حق کے اور تحقیق ایک فرقہ مسلمانوں میں سے البتہ (جنگ کے لیئے نکلنا) پسند نہیں کرتے تھے - جھگڑا کرتے تھے تجھ سے اس حق بات میں بعد اسکے کہ حق ظاہر ہوا گویا کہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ (موت کو) دیکھتے ہیں - اور جب وعدہ کرتا تھا تم کو اللہ دو جماعتوں میں سے ایک کا یہ کہ وہ تمھارے لیئے ہے اور تم چاہتے تھے کہ بن شوکت والا تمھارے لیئے ہو اور اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں (پیشگوئیوں) کے ذریعہ سے ثابت کرے اور کافروں کی جڑھ کاٹ دے -

ان آیات سے مندرجہ ذیل امور صاف طور پر ثابت ہوتے ہیں اوّل جب مسلمانوں کو کوچ کرنیکا حکم ہوا تو بعض انہیں سے مدینہ سے نکلنا پسند نہیں کرتے تھے اور وہ کفار کا مقابلہ کرنے سے ڈرتے تھے - اگر صرف قافلہ کو لوٹنا ہی اس کوچ کی غرض ہوتی تو بعض مسلمان اسقدر خوف زدہ نہ ہوتے - کیونکہ قافلہ کے ساتھ صرف ۳۰ - ۴۰ آدمی تھے اور اُنکو مسلمان بڑی آسانی سے مغلوب کر سکتے تھے - دوم - ان آیات میں دو جماعتوں کا ذکر ہے ایک اُنمیں سے وہ جماعت تھی جو قافلہ کی حفاظت کے لیئے اُس کے ساتھ تھی اور دوسری وہ فوج تھی جو مکہ سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے

کے لیئے نکلی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب اسلام کی جمعیت کو مدینہ منورہ سے باہر نکلنے کا حکم ہوا تو اُسوقت دونوں جماعتیں یعنی قافلہ کی محافظ جماعت اور قریش کی فوج دونوں موجود تھے۔ اور مدینہ سے نکلنے سے پہلے خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدہ دیا کہ ان دو جماعتوں میں سے ایک جماعت پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گی اور مسلمانوں کو بھی اس وعدہ کی خبر تھی مگر چونکہ وہ ابھی بہت کمزوری کی حالت میں تھے اسلیئے وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کفار کے لشکر جرار سے اُنکا مقابلہ ہو بلکہ وہ یہ پسند کرتے تھے کہ یہ موعودہ جماعت قافلہ کی جماعت ہو جنکو مغلوب کرنے میں اُنکو کوئی دِقّت نہ ہوگی کیونکہ وہ بن شوکت والی ہے۔ سوم۔ ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت صرف خدائے تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں نہ کسی لوٹ مار کی خواہش اور لالچ سے مدینہ سے روانہ ہوئی تھی۔ کیونکہ قرآن شریف فرماتا ہے اخرجك ربك من بيتك بالحق۔ یعنی تیرے ربنے تجھے تیرے گھر میں سے نکالا حق کے ساتھ۔ یعنی تُو خدائے تعالیٰ کے حکم سے مدینہ سے روانہ ہوا۔ اور اس نکلنے کی غرض بھی قرآن شریف خود ہی بیان فرماتا ہے قرآن شریف کے رو سے آپ اور آپکے صحابہؓ حق کے ساتھ نکلے یعنی وہ کسی ظلم اور تعدی کے لیئے مدینہ سے نہیں نکلے تھے۔ بلکہ اُنکا نکلنا حق پر مبنی تھا اور اُنکے لیئے ضروری اور واجب تھا کہ وہ اُسوقت خروج کرتے۔ قرآن شریف صاف فرماتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی غرض اس میں یہ ہرگز نہ تھی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کریں بلکہ جب خدائے تعالیٰ نے اپنے نبی (صلعم) کو نکلنے کے لیئے حکم دیا تو اُسکی غرض یہ تھی کہ خدا کا وعدہ پورا ہو اور کافروں کی جڑھ کاٹ دیجائے۔ قرآن شریف صاف فرماتا ہے ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ ویقطع دابر الکفرین لیحق الحق ویبطل الباطل ولو کرہ المجرمون یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اپنی باتوں کو پورا کرکے حق کو ثابت کرے اور (میدان جنگ میں مسلمانوں اور کفار کی مٹھ بھیڑ کراکر) کفار کی جڑھ کاٹ دے تاکہ دین حق کی سچائی ثابت کرے اور (کفار کے) باطل مذہب کا جھوٹا ہونا ظاہر کر دے اگرچہ خدائے تعالیٰ سے قطع تعلق کرنیوالے (مجرم) کفار پسند نہ کریں۔ ان آیات سے دو باتیں

صاف طور پر معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ مسلمان خود بخود مدینہ سے نہیں نکلے تھے بلکہ خدائے تعالیٰ کے حکم سے نکلے تھے اور دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ نے اُن کو اس لیئے کوچ کرنیکا حکم نہیں دیا تھا کہ وہ قافلہ کو جاکر لوٹ لائیں بلکہ اس لیئے حکم دیا تھا کہ کفار پر تباہی اور عذاب نازل ہونے کی پیشگوئی جو مکہ میں آپنے بار بار اپنے مخالفین کو سنائی تھی وہ اب پوری ہو اور مسلمانوں کے ہاتھ سے کفار کے بڑے بڑے سردار اور مدبر ہلاک ہوں اور اسی طرح کفار کی جڑھ کاٹی جاوے اور اسلام کا سچا ہونا اور بت پرستوں کے معبودوں کا باطل ہونا روز روشن کی طرح واضح ہو جاوے۔ اور ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے مدینہ سے کوچ کرنیکے وقت کفار کی دو جماعتیں موجود تھیں ایک قافلہ کی جماعت دوسرے کفار مکہ کی فوج اور خدائے تعالیٰ کی غرض یہ تھی کہ اب مسلمانوں کی کفار سے مٹھ بھیڑ ہو اور کفار کے سرغنے اور ایک بڑا حصہ جماعت کفار کا مسلمانوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوکر مکی پیشگوئیوں کو پورا کرے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مدینہ منورہ سے نکلنے کے وقت مسلمانوں کو یہ یقینی طور پر علم نہ تھا کہ ان دو گروہوں میں سے کس گروہ کے ساتھ اُنکا مقابلہ ہوگا۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ بعض اُنمیں سے اپنی کمزور حالت کو دیکھ کر دل میں یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ موعودہ جماعت جنکے ساتھ اُن کا مقابلہ ہوگا وہ قریش کا لشکر نہ ہو بلکہ قافلہ ہو جسکا مغلوب کرنا اُنکے لیئے ایک آسان امر ہوگا۔ مگر قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات سے یہ پتہ لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مصلحت کی وجہ سے مسلمانوں کو اس امر کا یقینی علم نہ دیا کہ اُنکا مقابلہ کس گروہ کے ساتھ ہوگا۔ اور اسمیں مصلحت یہ تھی کہ تا بعض کمزور مسلمان یہ سنکر کہ کفار قریش کے لشکر جرار سے اُنکا مقابلہ ہوگا پہلے ہی اپنے جی چھوڑ بیٹھیں اور اُنکی ہمتیں نہ ہار جائیں۔ ایسا ہی خدائے تعالیٰ نے اور بھی کئی ذرائع ایسے استعمال کیئے جنسے یہ غرض تھی کہ مسلمان اپنی ہمت کو نہ ہار دیں مثلاً جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو مسلمانوں نے کفار لشکر کا صرف ۲/۳ حصہ دیکھا اور تیسرے حصہ کو بلندی سے پیچھے رکھکر اُنکی نظروں سے غایب رکھا تا کثرت فوج کو دیکھکر حوصلہ نہ توڑ دیں۔ مسلمانوں کو صرف اپنے سے دو چند آدمی دکھائی اور

اُن کو پہلے وعدہ دے چکا تھا کہ کمزوری کی حالت میں بھی مسلمان اپنے سے دُو چند کفار پر غالب آجایا کرینگے اسلیئے مسلمانوں نے ہمت کو نہ ہارا۔ وہ وعدہ جسکا میں نے ابھی ذکر کیا ہے مندرجہ ذیل آیات میں ہے۔ الئٰن خفف اللّٰہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مأتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللّٰہ واللّٰہ مع الصابرین یعنی اب تخفیف کی اللہ تعالیٰ نے تم سے اور جانا کہ تم میں ناتوانی ہے پس اگر ہوں تم میں سے سَو صبر کرنیوالے غالب آئیں گے دو سَو پر اور اگر ہوں تم میں سے ہزار غالب آویں دو ہزار پر اللہ تعالیٰ کے اذن کے ساتھ۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں (استقامت والوں) کے ساتھ ہے۔

اس وعدہ کے مطابق جب مسلمانوں نے اپنے سے دُو چند تعداد دیکھی تو انکو تسلی ہوئی۔ خواب میں اور نیز مقابلہ کے وقت کم تعداد دکھانے کا ذکر قرآن مجید کی ان آیات میں ہے۔ اذ یریکھم اللّٰہ فی منامک قلیلاً ولو اراکھم کثیراً لفشلتم ولتنازعتم فی الامر ولکن اللّٰہ سلّمؕ انہ علیم بذات الصدور۔ واذ یریکموھم اذ التقیتم فی اعینکم قلیلاً ویقللکم فی اعینھم لیقضی اللّٰہ امرا کان مفعولاً۔ (انفال - ۵) جب تجھے خواب میں کافروں کو تھوڑے دکھاتا تھا اور اگر دکھلاتا تجھکو وہ بہت البتہ تم سستی کرتے اور جھگڑتے اس معاملہ میں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سلامت رکھا۔ تحقیق وہ سینہ کی بات کو جانتا ہے۔ اور جس وقت دکھاتا تھا تمھیں تمھاری آنکھوں میں وہ کافر تھوڑے کر جب تم ملے اور تھوڑا دکھلاتا تھا تمکو اُنکی آنکھوں میں تاکہ اللہ تعالیٰ اُس کام کو جو اُس نے کرنا تھا پورا کردے۔

جیسا خدائے تعالیٰ نے کافروں کو تعداد میں تھوڑا دکھا کر مسلمانوں کو ثابت قدم رکھا ایسا ہی فرشتوں کی مدد کا وعدہ فرما کر اُنکی حوصلہ افزائی کی چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملئکۃ

مردفین - وما جعله الله الا بشرٰی ولتطمئن به قلوبکم وما النصر الا من عند الله - ان الله عزیز حکیم - جس وقت فریاد کرتے تھے تم پروردگار اپنے سے پس قبول کیا واسطے تمھارے یہ کہ میں مدد دونگا تمکو ہزار فرشتوں کے ساتھ پیچھے پیچھے آنیوالے - اور نہیں کیا اُسکو اللہ نے مگر خوشخبری اور تاکہ تمھارے دل اسکے ساتھ اطمینان حاصل کریں - مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے تحقیق اللہ غالب ہے حکمت والا -

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا بیان سے مندرجہ ذیل امور صفائی سے ثابت ہوتے ہیں -

ا - جب مکہ کی فوج مدینہ کی طرف کوچ کر رہی تھی اُسوقت کوئی مسلمان قافلہ کا تعاقب نہیں کر رہا تھا -

ب - مسلمانوں کی جمعیت قریش کے لشکر کے مکہ سے روانہ ہونے کے بہت دن بعد مدینہ سے نکلی -

ج - جب مسلمانوں کو نکلنے کا حکم ہوا تو بعض اُنہیں نکلنے سے خوف کرتے تھے -

د - جب خدائے تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو نکلنے کا حکم ہوا تو اس حکم کی غرض یہ ہرگز نہ تھی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کریں بلکہ خدا کا ارادہ اس حکم سے یہ تھا کہ قریش کے لشکر کے ساتھ جو بڑے جوش کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھ رہا تھا مسلمانوں کا جنگ ہو اور قریش کی جڑھ جنگ میں کاٹ دیجاوے -

ھ - مدینہ سے نکلنے کے وقت مسلمانوں کو اس بات کا علم تھا کہ قریش کی فوج میدان میں نکل آئی ہے -

و - مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ حق کے ساتھ نکلیں - یعنی کسی تعدی اور ظلم کے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے اُسکے دین کی حفاظت کے لئے نکلیں -

ز - اگر صرف قافلہ کو لوٹنے کے لئے مسلمان خود بخود نکلتے تو انکو چاہیئے تھا کہ مدینہ سے شمال کی طرف جاکر شام سے آتے ہوئے قافلہ کو روک لیتے - مکہ کی سڑک پر کوچ کرتی

ضرورت نہ تھی۔ اور نہ یہ ضرورت تھی کہ اسقدر جمعیت اور تیاری کے ساتھ ایک فوج کی صورت میں ہوکر نکلتے۔

ح - جب اُنکو خدا کی طرف سے نکلنے کا حکم ہوا اور وعدہ دیا گیا کہ دو گروہوں میں ایک پر تم غالب ہوگے تو اُسوقت اُنمیں سے بعض نے دل میں قافلہ کی خواہش کی نہ اسلیئے کہ قافلہ سے لوٹ کا مال ملے گا بلکہ اسلیئے کہ دونوں گروہوں میں سے قافلہ غیر ذات الشوکۃ تھا یعنی اُسکے پاس قوت اور شوکت نہ تھی اور اسلیئے اُنکے مقابلہ میں آسانی تھی اور کوئی خوف و خطر نظر نہیں آتا تھا۔ انہوں نے صرف لشکر پر قافلہ کو ترجیح دی اور خیال کیا کہ لڑنا تو ہے ہی کمزور گروہ کے ساتھ لڑائی ہو زبردست جماعت کے ساتھ مقابلہ نہ پڑے۔ پس انہوں نے قافلہ کی کمزوری کی وجہ سے اُسکو ترجیح دی نہ لوٹ کے مال کی وجہ سے۔

قریش کی غرض فوج کشی کرنے میں کیا تھی؟ یہ امر اُن حالات سے ظاہر ہو جاتا ہے جو میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ اُن حالات کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رؤسائے قریش کا اصلی مدعا مسلمانوں کو کچل دینا تھا۔ طرفین کے اغراض جس خوبی سے قرآن مجید بیان فرماتا ہے اُس سے بہتر کوئی بیان نہیں ہوسکتا۔ خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے الذین امنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت (النساء) یعنی مومن خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر بتوں کی راہ میں اور اُنکی حمایت میں لڑتے ہیں۔ پس یہ ہے قرآن شریف کی شہادت جسکی شہادت کو عیسائی بھی سب سے زیادہ قابل وثوق یقین کرتے ہیں۔ مسلمان نہ لوٹ مار کے لیئے بلکہ خدا کے حکم سے اُسکی راہ میں جنگ کرتے تھے اور قریش کی بھی اور کوئی غرض نہ تھی سوائے اسکے کہ وہ اسلام کو نابود کر کے اپنے بتوں کی حمایت کریں۔ یعنی کفار تو اسلام کو نابود کرنیکے لیئے جنگ کرتے تھے اور مسلمان اسلام کو کفار کے ہاتھ سے بچانے کے لیئے لڑتے تھے۔

اگر فرض بھی کر لیا جاوے کہ عیسائیوں کا اعتراض ٹھیک ہے اور مسلمانوں کی غرض مدینہ سے نکلنے میں اور کوئی نہیں تھی سوائے اسکے کہ وہ قافلہ کو لوٹیں۔ پھر بھی اس سے مسلمانوں پر کوئی الزام نہیں آسکتا اس امر سے تو عیسائی انکار نہیں کرسکتے کہ قریش مسلمانوں کے دشمن تھے۔

جو قومیں اُنکی تجارت کے راستہ پر رہتی تھیں اُنسے اُنکے دوستانہ تعلقات تھے علاوہ اسکے کعبہ کے پروہت ہونے کی وجہ سے اُنکو کل اقوام عرب میں ایک رسوخ حاصل تھا۔ اس لیئے قریش کے قافلے راستہ کے قبایل کو مسلمانوں کے برخلاف اُکساتے۔ نام کو تو وہ تجارت کے لیئے جاتے مگر تجارت کے بہانے سے ملک عرب میں ایک آگ لگاتے۔ ان قافلوں کی آمد و رفت مسلمانوں کے لیئے ایک خطرہ کا موجب تھی اور مسلمانوں کے لیئے ضروری تھا کہ اس خطرہ سے اپنا بچاؤ کرتے۔ اسی خطرہ سے بچنے کے لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض قبایل کے ساتھ امن کے معاہدے کیئے تا وہ مسلمانوں کے برخلاف قریش کا ساتھ نہ دیں۔ پس اگر آپ نے اس خطرناک آمد و رفت کو روکنے کیلیئے قافلہ پر حملہ کرنا چاہا تو یہ نہ صرف جائز کام تھا بلکہ امن قائم رکھنے کے لیئے اور اپنی جانوں کو بچانے کے لیئے سخت ضروری تھا۔ ان قافلوں کا مسلمانوں کے لیئے خطرناک ہونا خود میور کے بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ جب مسلمانوں کی چستی اور راستہ کے بدستے قبائل کے ساتھ امن کے معاہدے کر لینے کی وجہ سے قریش کو شام کی تجارت کے اس راستہ پر کامیابی حاصل نہ ہوئی جو مدینہ سے مغرب کی طرف واقع تھا اور اس راستہ کے قبائل کو وہ مسلمانوں کے برخلاف برانگیختہ نہ کر سکے تو انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا جو مدینہ سے مشرق کی طرف نجد کے علاقہ میں سے گذرتا تھا۔ اور اس راستہ کے قبائل کو مسلمانوں کے برخلاف برانگیختہ کرنے اور اُنہیں مسلمانوں کی دشمنی کی آگ بھڑکانے میں اُنکو بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ چنانچہ ولیم میور اس امر کو قبول کرتا ہے وہ لکھتا ہے۔

"یہ راستہ سُلیم اور غطفان دو بڑے زبردست قبائل کے علاقہ میں سے گذرتا تھا۔ اور یہ دونوں قومیں قریش سے رسم اتحاد رکھتی تھیں۔ اور جزیرہ نماء عرب کے وسط میں نجد کے میدان کے ایک حصہ میں آباد تھیں۔ اب قریش نے اس علاقہ کی طرف توجہ کی اور جو قومیں ان اطراف میں رہتی تھیں اُنکے ساتھ تعلقات بڑھانے شروع کیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکے بعد بنی سُلیم اور بنی غطفان خصوصاً بنی سُلیم مسلمانوں کے سخت دشمن ہو گئے قریش کے اُکسانے سے اور ابوسفیان کے نمونہ کی پیروی کر کے انہوں نے

مدینہ پر لوٹ مار کے حملے شروع کیے اور لوٹ مار تو ایسی قوموں کا پیشہ ہی تھا" یہ ہے ولیم میور کا بیان جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان قافلوں کی آمد و رفت اسلام کے لیے سخت خطرناک تھی یہ با امن تجارت کے قافلے نہ تھے بلکہ یہ اسلام کے دشمن تھے جو تاجروں کے لباس میں اسلام کے برخلاف ملک میں عداوت کی آگ بھڑکاتے تھے - اور ایک باقاعدہ مسلح جماعت مدینہ پر حملہ کر کے اسقدر نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی جتنا کہ نام کے تاجر مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکتے تھے - میور خود اس بات کو قبول کرتا ہے کہ عرب کے ریگستان کے قبائل نے ان قافلوں کی ترغیب سے اور انکے نمونہ سے متاثر ہو کر مسلمانوں کو دکھ دینا شروع کیا - قریش ان قافلوں کی وساطت سے عرب کے ایک بڑے حصہ کو مسلمانوں کا خونی دشمن بنا کر مسلمانوں کی زندگی انپر دوبھر کر سکتے تھے اور انکو اسمیں بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی - تجارت کے اس راستہ پر جو مدینہ سے مغرب کی طرف واقع تھا قریش کو اس تدبیر میں چنداں کامیابی نہ ہوئی کیونکہ اوّل تو مسلمان خود اس راستہ پر عین وقت پر آموجود ہوتے تھے دوسرے مسلمانوں نے قریش کے اس شر سے بچنے کیلیئے راستہ کے قبائل کے ساتھ امن کے معاہدے کر لیئے مگر تجارت کے اس راستہ پر جو مدینہ کے مشرق کی طرف واقع تھا قریش کو بڑی کامیابی ہوئی اور انہوں نے راستہ کے قبائل کو جو پہلے ہی لوٹ مار کے عادی تھے مسلمانوں کا جانی دشمن بنا دیا - اور انہوں نے متواتر مدینہ پر چھاپے مارنے شروع کیے اور مسلمانوں کو بار بار انکے حملوں کے دفعیہ کیلیئے اور انکی جماعتوں کو منتشر کرنیکے لیئے مدینہ سے نکلنا پڑا اور کئی جماعتوں کو یکے بعد دیگری انکے فتنہ کو فرو کرنیکے لیئے روانہ کرنا پڑا ایک راستہ قریش کی تجارت کا خود مدینہ میں سے گذرتا تھا مگر انکی شر سے بچنے کیلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں تن[illegible]لاتے ہی مدینہ والوں سے معاہدہ کیا کہ مدینہ میں کسی دشمن کو جگہ نہ دیں حتیٰ کہ یہودی قبائل بھی اس معاہدہ میں شامل ہوئے اور عہد کیا کہ وہ کسی مکہ کے دشمن کو اپنے ہاں پناہ نہ دینگے اسلیئے قریش کے قافلوں کو یہ موقعہ نہیں مل سکتا تھا کہ وہ مدینہ میں سے گذر کر مدینہ والوں کو مسلمانوں کے برخلاف برانگیختہ کریں - غرض اسمیں کچھ شک نہیں کہ قافلوں کا وجود مسلمانوں کے لیئے بڑا خطرناک تھا اور وہ گویا ہاتھ میں آگ کے شعلے لیکر قوموں میں مخالفت کی آگ لگاتے تھے اسلیئے اگر آپ نے ان قافلوں کی آمد و رفت کو روکنا چاہا تو ایسا کرنا اپنی بچاؤ کیلیئے بالکل ضروری تھا - لیکن اگر عیسائی معترضین کو یہ ضرورت نظر نہیں آئی اور وہ دیکھ نہیں سکے کہ قافلوں کی آمد و رفت مسلمانوں کے لیئے ایک سخت خطرہ کا موجب تھی تو کم از کم انہیں یہ دیکھنا چاہیئے تھا کہ بدر سے پہلے قریش نے مدینہ پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے تھے - اور مکہ کا

ایک سردار کرز بن جابر مدینہ کی چراگاہوں پر چھاپہ مار کر مسلمانوں کے بہت سے اونٹ اور مویشی لوٹ کرلے گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقام تک اسکا تعاقب بھی کیا تھا مگر وہ بچکر نکل گیا۔ اور اگر عیسائی محققین کے نزدیک مکہ والوں کے ایسے چھاپے بھی اس امر کے مقتضی نہ تھے کہ آئندہ ایسے حملوں کو روکنے کے لیئے اُنسے انتقام لیا جاوے۔ تو کم از کم معترضین کو چاہیئے تھا کہ وہ ان بے رحمیوں اور ظلموں کو ہی یاد کرتے جو مکہ میں قریش نے مسلمانوں پر کیئے جنکی وجہ سے آخر کار مسلمانوں کو اپنا شہر چھوڑنا پڑا اور مکہ والوں نے ہجرت کے وقت اُنکے مالوں کو بھی لوٹا۔

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب مسلمانوں کی جمعیت کافی ہوگئی تو انہوں نے خود ہی جنگ کو چھیڑا اور قافلوں کو لوٹنا شروع کر کے قریش کو اور دیگر عرب کے قبایل کو مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کریں اور اس طرح مسلمانوں نے خود لڑائی کو مول لیا۔ مگر یہ الزام سراسر غلط ہے۔ اس الزام کے دُور کرنے کے لیئے قرآن مجید کی ایک ہی آیت کافی ہے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے "فقاتل فی سبیل اللہ - لا تکلف الا نفسک وحرض المؤمنین - عسی اللہ ان یکف بأس الذین کفروا واللہ اشدّ بأسًا وّ اشدّ تنکیلا۔ (النساء ۱۱) (ترجمہ) پس خدائے تعالیٰ کی راہ میں لڑ - نہیں تکلیف دی جاتی تجھے مگر تیری جان کی اور ایمان والوں کو رغبت دلا۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی لڑائی کو بند کردے اور اللہ تعالیٰ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے بند کرنے میں"۔ اس آیت میں لڑائی کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے لا تکلف الا نفسک یعنی لڑائی کرنا تیرا فرض ہے خواہ مومن جنگ میں تیرا ساتھ دیں یا نہ دیں۔ اگر اور کوئی شخص تیرے ساتھ ملکر جنگ نہ کرے پھر بھی تجھے جنگ کرنا چاہیئے۔ ہاں مومنوں کو ترغیب دو تا وہ بھی ثواب میں شریک ہوں مگر اصل ذمہ دار تو ہی ہے۔ اگر جنگ کے آغاز کی بنا ر مسلمانوں کی تعداد ہوتی تو نبی کریم صلعم کو یہ حکم نہ ہوتا کہ اصل میں یہ حکم تیرے لیئے ہے۔ اور نہ خدائے تعالیٰ لوگوں کا محتاج ہے۔ دشمن کو ہلاک کرنے کے لیئے کسی فوج کی

اسکو ضرورت نہیں۔ چنانچہ وہ اسی آیت میں فرماتا ہے واللہ اشد بأسًا واشد تنکیلا یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی شخص کی امداد کی ضرورت نہیں وہ خود بغیر کسی امداد کے بڑا سخت جنگ کرسکتا ہے اور عبرت انگیز عذاب دیکر مخالفین کو جنگ کرنیسے روک سکتا ہے پس آیت لا تکلف الا نفسک اس بات کی کافی تردید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے بھروسہ پر جنگ کیا۔ اسی لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی میدان جنگ سے نہیں ہٹے۔ اور اگر ساتھیوں نے پیٹھ دکھائی تو آپ میدان میں تنہا کھڑے رہے چنانچہ حُنین کے غزوہ میں جب مسلمان ایک مرتبہ ابتلا میں آکر پیچھے ہٹے تو آپ پیچھے میدان میں کھڑے ہوکر پکار رہے تھے انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب۔ یعنی میں نبی ہوں۔ اس میں کچھ جھوٹ نہیں اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ ایسا ہی غزوہ اُحد سے دوسرے دن جب آپنے ابوسفیان کے لشکر کے تعاقب کرنیکا حکم دیا تو آپنے فرمایا اگر تم میں سے کوئی بھی میرے ساتھ نہ گیا تو میں تنہا جاؤنگا یہ اسی حکم کی تعمیل تھی لا تکلف الا نفسک۔ اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اُسوقت مسلمانوں کی جمعیت کافی ہوگئی تھی۔ اور وہ تعداد اور سامان کے لحاظ سے اس درجہ تک پہنچ گئے تھے کہ اپنے بے شمار دشمنوں کا جو کل عرب میں پھیلے ہوئے تھے مقابلہ کرسکیں۔ کل عرب تو کجا وہ اپنی طاقت کے لحاظ سے اس قابل بھی نہ تھے کہ صرف قریش کا مقابلہ کرسکیں جو لڑائی قریش نے مسلمانوں کے ساتھ کی اُن سب میں ہمیشہ قریش کا پلّہ بھاری ہوتا تھا اور بظاہر یہی نظر آتا تھا کہ قریش غالب آئیں گے۔ میں اوپر قرآن شریف کی آیات نقل کر آیا ہوں جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ جب بدر کی لڑائی کے لیے مسلمانوں کو مدینہ سے نکلنے کا الٰہی حکم ملا تو بعض اُنہیں خوف کے مارے پسند نہیں کرتے تھے کہ لڑائی کے لیئے نکلیں کیونکہ وہ اپنی جماعت کی کمزوری اور دشمن کی زبردست طاقت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ قرآن شریف اس امر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے وان فریقًا من المؤمنین لکارھون۔ (ترجمہ) اور البتہ مومنوں کی ایک جماعت (نکلنا) ناپسند کرتی تھی۔ یاد رہے کہ یہ لوگ جو دشمن کی زبردست طاقت کے خوف سے نکلنا

پسند نہیں کرتے تھے وہ منافق نہیں تھے بلکہ خدائے تعالیٰ انکو مومنوں کی ایک جماعت قرار
دیتا ہے۔ مسلمانوں کی کمزوری کا خود دشمنوں کو بھی علم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قریش کی فوج مکہ سے
بڑی نمود کے ساتھ نکلی۔ اور گانیوالی عورتیں فوج کے ساتھ طبلے بجاتی ہوئی اور لڑائی کے
گیت گاتی ہوئی آتی تھیں۔ یہ دھوم دھام اسی لیئے تھی کہ قریش کو یقین تھا کہ ہم فتح کے ساتھ
واپس آئیں گے مدینہ کے مشرکین و منافقین اور یہود کو بھی یہی اُمید تھی کہ مسلمانوں کو ضرور
شکست ہوگی اور وہ بڑی خوشی سے اس امر کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کی شکست
کی خبر سنیں اور جب ایک مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہو کر فتح کی خبر
پہنچانے کے لیئے مدینہ کے قریب پہنچا تو دُور سے ان لوگوں نے اُسکو دیکھکر یہی خیال
کیا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی اور یہ شخص اکیلا میدان جنگ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی اونٹنی پر سوار ہو کر بھاگ کر آرہا ہے۔ اور جب اُس نے یہ خبر دی کہ مسلمانوں کو فتح ہوئی
ہے تو پہلے پہل انہوں نے اس خبر پر یقین نہ کیا۔ قرآن شریف بدر کے مسلمانوں کی کمزور
حالت کی خود شہادت دیتا ہے چنانچہ فرماتا ہے ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ
(آل عمران-۱۳) (ترجمہ) اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان پر تمکو مدد دی جبکہ
تم قلیل التعداد تھے۔ یعنی تم میں کوئی طاقت نہ تھی اور دشمن کے مقابل میں تمھاری حالت سخت
کمزور تھی مگر خدائے تعالیٰ نے اپنی تائید خاص سے تمھیں فتح عطا کی۔ قرآن شریف ایک اور
مقام پر لڑائی کے ابتدار کے وقت مسلمانوں کی کمزور حالت کا نقشہ کھینچتا ہے واذکروا
اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس
فاٰوٰکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبٰت لعلکم تشکرون۔
(انفال-۳) (ترجمہ) اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑے تھے اور زمین میں تم ناتوان کیئے جاتے
تھے تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمھیں اُچک نہ لیجاویں پس اللہ تعالیٰ نے تمکو جگہ دی اور
اپنی مدد کے ساتھ تمھیں قوت دی اور تمکو پاکیزہ روزی دی تاکہ تم شکر کرو۔ یہ تھی حالت
مسلمانوں کی جب بدر کی لڑائی ہوئی۔ اور اس سے زیادہ کوئی بات بیہودہ نہیں ہوسکتی
کہ جب مسلمانوں میں طاقت پیدا ہوگئی تو انہوں نے خود بخود جنگ کو مول لیا۔ بلکہ اپنے

مال و جان و حرمت کی حفاظت کے لیئے انکو مجبوراً تلوار اٹھانی پڑی امن سے بڑھکر انہیں کوئی چیز پیاری نہیں تھی۔ امن کی صورت میں وہ آرام سے زندگی بسر کرتے اور خود اسلام کے پھیلنے کے لیئے امن سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ مفید نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم امن کے ایسے طلبگار تھے کہ جب ہجرت کے بعد چھٹے سال میں جب مسلمانوں کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی اور قریش کی قوت اور اقتدار گھٹ گیا تھا اور بڑے بڑے لیڈروں کے مارے جانے سے انکی حشمت جاتی رہی تھی ایسے وقت میں جب قریش نے حدیبیہ کے مقام پر مصالحت کے لیئے تحریک کی تو آپنے انکی ساری شرائط کو منظور کر کے انسے صلح کر لی اور اگرچہ وہ شرائط جنپر صلح کی گئی مسلمانوں کو بظاہر ایسی ہتک آمیز معلوم ہوتی تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جان نثار مسلمان بھی ابتلا میں پڑ گئے مگر آپنے اس امر کی کچھ پروا نہ کر کے مصالحت کر لی۔ مسلمان اپنی جانیں قربان کرنیکے لیئے بالکل تیار تھے اور صلح کی شرائط کی وجہ سے مارے غم کے مر رہے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کو صلح ایسی پیاری تھی اور اس میں اپنی اسقدر کامیابی دیکھتے تھے کہ آنہوں نے کسی کی کچھ پروا نہ کی اور ہر ایک شرط کو جو قریش نے پیش کی منظور کر لیا تا کسی طرح صلح ہو جاوے۔ اس امر کو میور بھی تسلیم کرتا ہے کہ جیسے اسلام کی اشاعت کے لیئے امن مفید تھا ایسی کوئی چیز مفید نہ تھی۔ کیونکہ وہ صلح حدیبیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "درحقیقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (صلح کر کے) ایک بڑی کامیابی حاصل کی۔ دس سال کی صلح کا یہ بڑا فائدہ تھا کہ اسلام کو پھیلنے کا بڑا عمدہ موقعہ مل گیا اور واقعی اسلام (صلح کے ایام میں) بڑی جلدی پھیل گیا۔ اسلام کو موقعہ مل گیا کہ وہ اپنی تعلیم کو قریش کے دلوں میں داخل کر دے اور انکو اسلام کی صداقت کا یقین حاصل ہو"۔ پس اگر ہجرت سے چھٹے سال بعد صلح اسلام کی اشاعت کے لیئے مفید اور بابرکت تھی تو ابتدا میں جب مسلمانوں کی حالت نہایت ضعیف تھی اور انکو خوف تھا کہ کہیں ہمارے دشمن ہمیں اچک کر نہ لیجاویں صلح کیوں مفید اور بابرکت نہ ہوتی۔ اور اگر انکو امن سے زندگی بسر کرنے کی اجازت دی جاتی تو کیوں وہ خوشی سے اس کو قبول نہ کرتے۔

قرآن شریف کی ایک اور آیت سے بھی یہ امر کھل جاتا ہے کہ جب لڑائی شروع ہوئی تو اُسوقت مسلمانوں کی حالت کیسی کمزور تھی۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم (بقرہ-۲۶) (ترجمہ) یعنی تم پر جنگ فرض کی گئی ہے۔ اور وہ تمھیں ناپسند ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے خود بخود لڑائی کو نہیں چھیڑا بلکہ مجبورًا اپنی مرضی کے برخلاف کفار کے ظلموں سے تنگ آکر انکو لڑائی کرنی پڑی۔ میں اشاعت اسلام کے مضمون کے پہلے نمبر میں قرآن شریف سے یہ دکھا چکا ہوں کہ خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو لڑائی کا اُسوقت اذن دیا جب کہ کفار سے ابتدار ہو چکی تھی۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وھم بدؤکم اوّل مرۃ۔ یعنی تم کفار سے کیوں نہیں لڑتے؟ جبکہ ابتدا اُن کی طرف سے ہو چکی ہے۔ ایسا ہی میں مضمون مذکورہ بالا میں قرآنی آیات کے حوالہ سے یہ بھی دکھا چکا ہوں کہ مسلمانوں کو صرف ایسے لوگوں سے لڑنے کا حکم تھا جو اُنسے لڑیں۔ دوسروں سے لڑنیکا حکم نہ تھا بلکہ اُنسے نیک سلوک کرنیکا حکم تھا۔ اور لڑنے والوں سے بھی اُسی حد تک لڑنیکا حکم تھا جب تک وہ لڑائی جاری رکھیں اور اگر وہ لڑائی سے باز آجائیں تو مسلمانوں کو بھی حکم تھا کہ وہ بھی لڑائی چھوڑ دیں اور کفار کو اُنکی گذشتہ تعدیاں معاف کردیں۔ ان سب امور سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان صرف اپنے بچاؤ کے لیئے لڑتے تھے اور کبھی اُنکی طرف سے ابتدا نہیں ہوئی۔

اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع جنگ بدر کے وقت تعداد میں قلیل تھے مگر وہ سب وفادار آدمی تھے۔ مہاجرین تو اپنی وفاداری اور ثابت قدمی کا ثبوت پہلے ہی دے چکے تھے۔ انہوں نے طرح طرح کے عذاب برداشت کیئے اور آخر گھروں اور عزیزوں سے بھی جدا ہونا پڑا مگر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اگر مہاجرین جان نثار تھے تو انصار کی جان نثاری بھی کوئی کم حیرت انگیز نہ تھی۔ بدر پر قریش کا مقابلہ کرنیسے پہلے آپ نے مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا۔ مہاجرین کی طرف سے حضرت ابوبکر و حضرت عمر اور حضرت مقداد بن عمر و رضی اللہ عنہم بولے۔ اور سب نے عرض کیا کہ آپ جہاں جائیں ہم آپکے ساتھ جانیں قربان کرنیکے لیئے تیار ہیں۔ حضرت مقدادؓ نے کہا یا رسول اللہ

جہاں خدائے تعالیٰ آپ کو لیجاتا ہے آپ جائیں ہم آپکے ساتھ ہیں اور کہا واللہ لانقول لک کما قالت بنوا اسرائیل لموسیٰ اذھب انت و ربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون ولکن اذھب انت و ربک فقاتلا انا معکما مقاتلون۔ یعنی ہم آپ کو وہ جواب نہیں دیتے جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم نے اپنے نبی کو دیا تھا کہ تو اور تیرا رب جاکر لڑائی کریں ہم یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا رب جائیں اور جنگ کریں۔ ہم تم دونوں کے ساتھ ملکر جنگ کریں گے۔ انصار کی طرف سے حضرت سعد بن معاذ بولے اور فرمایا کہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کو ہم صادق یقین کرتے ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ جو کچھ آپ لائے وہ سچ ہے اور ہم انصار نے آپکے ہاتھ پر عہد کیا ہے اور پختہ وعدہ کیا ہے اے اللہ کے رسول جہاں آپ جانا چاہتے ہیں آپ جائیں ہم سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ اور کہا لعل اللہ یریک منا ما تقر بہ عینک فسر بنا علی برکۃ اللہ۔ یعنی امید ہے کہ جنگ میں آپ ہم سے ایسی بات دیکھیں گے جس سے آپکی آنکھ ٹھنڈی ہوگی پس اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ آپ ہم کو لے چلیں۔ اپنی جماعت کے یہ جوابات سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا۔ سیروا وابشروا فان اللہ تعالیٰ قد وعدنی احدی الطائفتین واللہ لکأنی الآن انظر الیٰ مصارع القوم۔ چلو۔ اور تمھیں بشارت ہو کہ خدائے تعالیٰ میرے ساتھ وعدہ کرچکا ہے کہ دو گروہوں میں سے ایک پر تجھے فتح دونگا۔ اور خدائے تعالیٰ کی قسم گویا میں اسوقت وہ جگہیں دیکھ رہا ہوں جہاں جہاں قریش کی قوم کے لوگ مارے جائیں گے۔

حضرت سعدؓ کا بیان خصوصاً قابل توجہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپکے ہاتھ پر عہد کرچکے ہیں اور پختہ وعدہ دے چکے ہیں اسلیئے ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہیں رہیگا۔ وہ اس بیان میں ایک عہد کا ذکر کرتے ہیں مگر وہ عہد کیا تھا۔ وہ عہد وہ تھا جو انصار کی ایک جماعت نے کل مسلمانان مدینہ کی طرف سے منیٰ میں مقام عقبہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کیا تھا کہ دشمن کے حملوں سے ہم آپ کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح ہم

اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں اسلیئے سعد بن معاذ کا اس موقعہ پر یہ بیان کرنا کہ ہم اپنے عہد کی وجہ سے پابند ہیں کہ آپکے ساتھ جائیں صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ جنگ دفاعی تھا اور دشمن کے حملے کو روکنے کے لیئے تھا مسلمانوں کی طرف سے بیجا حملہ نہ تھا کیونکہ جس عہد کا سعد ذکر کرتا ہے وہ یہ نہیں تھا کہ ہم تیرے ساتھ ملکر قریش پر حملے کیا کریں گے بلکہ یہ تھا کہ ہم اُنکے حملوں سے تجھے بچائیں گے پس معلوم ہوا کہ اب بھی مسلمان مدافعت کیلیئے جارہے تھے نہ پیشدستی کے لیئے ورنہ سعد اپنے اُس عہد کا ذکر نہ کرتا جو انصار نے مقام عقبہ پر کیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھروسہ محض خدائے تعالیٰ پر تھا۔ آپکے لیئے ایک بیت الدعا تیار کیا گیا تا آپ اُس میں اپنے خدا کے آگے دعا کریں جب لشکر سامنے آیا تو آپنے ہاتھ اُٹھا کر دعا کی اللّٰھم ھٰذا قریش جاءت بخیلھا و فخرھا جاءت تحاربك وتکذب رسولك - اللّٰھم انجزلی ماوعدتنی اللّٰھم انشدك عھدك ووعدك یعنی اے اللہ یہ قریش ہیں جو اپنے لشکر کے ساتھ بڑے فخر اور بنود سے آئے ہیں یہ تیرے ساتھ جنگ کرنیکے لیئے آئے ہیں اور تیرے رسول کی تکذیب کرنیکے لیئے۔ اے اللہ جو تُو نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے اُسکو پورا کر۔ اے اللہ مَیں تجھے تیرا وعدہ اور تیرا عہد یاد دلاتا ہوں۔ اور نیز آپ بڑے الحاح سے دعا کرتے تھے اللّٰھم ان تھلك ھٰذہ العصابۃ لا تعبد فی الارض۔ یعنی اگر تُو نے اس میدان میں اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر زمین میں تیری عبادت کرنیوالا کوئی نہ ہوگا۔ ان دعاؤں سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ قریش کی طرف سے زیادتی اور پیشدستی تھی اور مسلمان مظلوم تھے۔ آپنے دعا میں فرمایا کہ قریش تیرے ساتھ جنگ کرنے کے لیئے بڑے فخر سے اپنے گھمنڈ میں آرہے ہیں پس تُو اس چھوٹی سی جماعت کو بچالے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قریش صرف اسلام کی دشمنی کے لیئے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیئے آرہے تھے۔ آپ کی عادت نہ تھی کہ آپ کسی کے لیئے بددعا کرتے۔ طایف کے بُت پرستوں نے آپ کو اسقدر تکلیف پہنچائی کہ سنکر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور فرشتے نے راستہ میں آکر عرض کی کہ آپ طایف والوں کے لیے بددعا کریں

مگر آپنے نہ کی اور فرمایا لعل اللہ یخرج من اصلابھم من یعبدہ ولا یشرک
بہ شیئاً یعنی امید ہے کہ انکی پشت سے اللہ تعالیٰ ایسی نسل پیدا کریگا جو خدا کی عبادت کرینگے
اور شرک نہیں کرینگے مگر قریش سے آپ اب اسقدر تنگ آگئے کہ بدر کو آتے ہوئے راستہ
میں آپنے بعض قریش کے سرغنون کے لیئے بد دعا کی کہ اے اللہ انکو زندہ نہ جانے دیجو
ابوجہل کی نسبت آپنے فرمایا کہ یہ اس اُمت میں فرعون کا قائم مقام ہے اس سے اندازہ
لگ سکتا ہے کہ ابوجہل اور اس جیسے دوسرے لیڈروں کو اسلام سے کیسی عداوت تھی
انکی عداوت اسلام کے ساتھ ایسی مشہور تھی کہ جب ابوجہل وغیرہ کے مارے جانے کی
خبر مدینہ میں پہنچی تو بچے بھی مدینہ کے کوچوں میں مارے خوشی کے اپنے کپڑوں میں پھولے
نہیں سماتے تھے اور کہتے تھے کہ اب اسلام کا دشمن ابوجہل مارا گیا۔

جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فتح کی خوشخبری اپنے ساتھیوں کو سنادی تھی اور فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم
میں اسوقت وہ مقامات دیکھ رہا ہوں جہاں جہاں قریش کے سردار اور دوسرے
آدمی مارے جائیں گے بلکہ آپنے بڑے بڑے لیڈروں کے قتل ہونیکے مقامات کا
نشان بھی ایک ایک کرکے دیدیا تھا اور آخر میں ہر ایک شخص اُسی جگہ قتل ہوا جہاں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے نشان دیا تھا۔ لڑائی میں مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی
لڑائی شروع ہونیسے پہلے جب آپنے اُن بڑے بڑے آدمیوں کے نام سنے جو فوج کے
ہمراہ تھے تو آپنے اپنے صحابہؓ کو مخاطب ہوکر فرمایا ھٰذہٖ مکۃ قد القت الیکم افلاذ
کبدھا۔ یعنی مکہ نے تمھاری طرف اپنے جگر کے ٹکڑے پھینک دیئے ہیں۔ ان الفاظ
کا مطلب یہ تھا۔ کہ خدا نے مکہ کے بڑے بڑے لیڈر اور سردار اور چیدہ چیدہ آدمی اس لیئے
تمھاری طرف بھیجے ہیں تا تمھارے ہاتھ سے آج قتل ہوں اور ویقطع دابر الکافرین کا
خدائی وعدہ پورا ہو۔ آپکے دل میں اُسوقت وہ مکی پیشگوئیاں تھیں جنمیں شدید درجے
کے مخالفین کی ہلاکت کا وعدہ تھا اور جب آپنے کفر کے ارکین کے نام سنے جو اُسوقت
لشکر کے ساتھ آرہے تھے تو آپ کو یقین ہوا کہ اب وعدہ کا وقت آگیا اور اسی وعدہ کو

پورا کرنے کے لئے خدائے تعالیٰ اٰنی اسلام کے دشمنوں کو گھروں سے نکالکر میدان
میں بھیجا ہے۔ اور جیسا آپنے قبل از وقت فرمایا تھا ایسا ہی ہوا۔ ستر بڑے بڑے کافر
قریش میں سے میدان میں مارے گئے اور قریباً اتنے ہی آدمی قید ہوئے۔ مقتولین
میں ابو جہل بھی تھا جو کہ بدترین دشمن اسلام تھا گویا اُس زمانہ کا فرعون تھا اور جس کو
اپنی عظمت کا اسقدر گھمنڈ تھا کہ اُسنے مرتے ہوئے کہا۔ ھل فوق رجل قتلتموہ کیا
تم نے مجھ سے بڑھ کر کسی آدمی کو قتل کیا ہے؟ ایسا ہی عتبہ۔ ولید۔ شیبہ۔ اُمیہ بڑے
بڑے سربرآوردہ قریش لڑائی میں مارے گئے۔ خدا کی تقدیر نے چن چن کر قریش کو
مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کرایا اور نہایت حیرت انگیز بات ہے کہ اکثر لیڈر قریش کے
جو قوم کی روح رواں تھے پکڑے گئے بعض مارے گئے اور بعض گرفتار کیے گئے
جس جانفشانی سے مسلمان لڑے اُسکے دکھلانے کیلئے معاذ کا نمونہ کافی ہے۔ جب
لڑائی زور میں تھی تو معاذ کا بازو کاٹا گیا صرف تھوڑا سا چمڑا رہ گیا اب بازو اُسکے کندھے
کے ساتھ لٹک رہا تھا اُس نے دیکھا کہ یہ لٹکتا ہوا بازو میرے لڑنے میں حارج ہے
اُس نے اپنے پاؤں کو اُس بازو پر رکھ کر بازو کو کندھے سے الگ کرکے پھینک دیا
اور اُسی طرح لڑتا گیا گویا کچھ بھی نہیں ہوا۔

ابولہب اس لڑائی میں شامل نہیں ہوا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کی ہمشیرہ
عاتکہ نے ایک خواب دیکھا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ قریش پر ایک سخت تباہی آنیوالی
ہے اسلیئے اُس تباہی سے بچنے کے لیئے اپنی جگہ ایک [illegible] آدمی بھیجدیا اور آپ لشکر
کے ساتھ نہ آیا۔ مگر تقدیر جو کہ اسوقت مکّہ کے سرداروں کو چن چن کر مار رہی ہے اُس نے
مکّہ میں بھی اُسے تلاش کر لیا اور جب قریش کی بھاگی ہوئی فوج جو اپنے سرداروں کو کھیت
میں ہی چھوڑ آئی تھی مکّہ میں پہنچی تو اس [illegible] سے پندرہ روز بعد ابولہب طاعون کے سخت
پھوڑوں سے ہلاک ہوا اور اُس نے پھوڑوں کی وجہ سے اُس سے اسقدر بُو آتی تھی کہ کوئی
شخص اُس کے نزدیک نہیں جاتا تھا دو تین دن اُس کا مردہ بغیر تدفین کے پڑا رہا آخر
اُسکو کھینچ کر مکہ کے ایک پرانے کوئیں میں پھینکدیا گیا اور پتھروں سے اُس کوئیں کو

بند کر دیا گیا۔

فتح بدر ایسا ہی عظیم الشان معجزہ تھا جیسا کہ فرعون اور اسکے لشکر کی تباہی صرف یہی نہیں کہ متکبروں کی ایک فوج جو کہ تعداد میں مسلمانوں سے سہ چند تھی اور ساز و سامان میں مسلمانوں سے بڑھی ہوئی تھی ایک ایسی چھوٹی سی جماعت سے ہزیمت اُٹھا کر بھاگی جنکو وہ ایک حقیر جماعت سمجھتے تھے اور جنکو اُنہوں نے طرح طرح کی اذیتیں دیکر اس بات پر مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر ایک دوسرے شہر میں جا کر پناہ لیں بلکہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ قریش کے بڑے بڑے سردار جو لشکر کے ہمراہ آئے تھے اکثر یا تو مقتول ہوئے یا گرفتار ہوئے اور جو خوشخبری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے شروع ہونے سے پہلے اپنے ساتھیوں کو سنائی تھی وہ نہایت ہی روشن طور پر پوری ہوئی بلکہ جہاں جہاں آپنے نشان دیئے تھے کہ فلاں شخص اس جگہ مارا جائیگا اور فلاں شخص اسجگہ مارا جائیگا ہر ایک اُن میں سے اُسی جگہ پر مرا ہوا پایا گیا نیز بدر کے دن وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو یسعیا نبی نے خدا سے الہام پا کر بیان کی تھی اور جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے اور بدر کی لڑائی کا بالصراحت ذکر ہے۔ وہ پیشگوئی حسب ذیل ہے "عرب کی بابت الہامی کلام عرب کے صحرا میں تم رات کو کاٹو گے۔ اے ددانیوں کے قافلو! پانی لیکے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو! روٹی لیکے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو۔ کیونکہ وے تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔ کیونکہ خداوند نے مجھکو یوں فرمایا۔ ہنوز ایک برس ہاں مزدور کے سے ٹھیک ایک برس قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیر اندازوں کی جو باقی رہی۔ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔" عیسائی صاحبان اس پیشگوئی پر غور کریں۔ کسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اور پھر قیدار کی حشمت جاتے رہنے کی پیشگوئی بدر میں پوری ہوئی (قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا دوسرا بیٹا تھا اور قیدار سے یہاں مراد قریش

ہیں کیونکہ قریش حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں) اور کسطرح قریش کے بڑے بڑے بہادروں کے مارے جانے سے یہ الفاظ پورے ہوئے کہ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے۔ اس پیشگوئی میں عیسائیوں کے اس اعتراض کا بھی جواب ہے کہ زیادتی مسلمانوں کی طرف سے ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے متعلق خدا کا کلام جو یسعیاہ نبی پر نازل ہوا کہتا ہے "روٹی لیکے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو کیونکہ وے تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں"

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف رکھتے تھے اُسوقت خدائے تعالیٰ نے فرمایا۔ انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً۔ فعصیٰ فرعون الرسول فاخذناہ اخذاً وبیلاً فکیف تتقون ان کفرتم یوماً یجعل الولدان شیباً (مزمل) تحقیق ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے تم پر گواہی دینے والا۔ پس فرعون نے رسول کی نافرمانی کی پس پکڑا ہم نے اُسکو بھاری پکڑنا پس اگر تم بھی (فرعون کی طرح) کفر کروگے تو کس طرح بچو گے اُس دن جو لڑکوں کو بوڑھا کردیگا۔ یعنی سخت عذاب کا دن ہوگا۔

اس آیت میں قریش کو صریح الفاظ میں سنایا گیا تھا کہ جیسا فرعون اور اُسکا لشکر ہلاک ہوا تھا اُسی رنگ کی سزا انھیں بھی ملے گی۔ پس ایسا ہی ہوا۔ جسطرح فرعون اپنا لشکر لیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں نکلا تھا ایسا ہی ابوجہل جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرعون ہٰذہ الامہ کا خطاب دیا تھا مسلمانوں کی ہجرت کے بعد اُنکے تعاقب میں ایک لشکر جرار لیکر نکلا اور جس طرح فرعون اپنے ساتھیوں سمیت سمندر میں ہلاک ہوا اسطرح ملک عرب کا فرعون اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ ریگستان میں ہلاک ہوا۔ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے بڑھکر تھا۔ فرعون کے ساتھی سب چھوٹے بڑے ہلاک ہوئے اور اُنمیں سے کسی کو بھی ہدایت نصیب نہ ہوئی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا ایک ایسا حصہ جسمیں شدید

قسم کے عدو جنکے ہلاک ہوا اور جو ہلاکت سے بچ رہے اُن سب نے بلا اکراہ انشراح صدر سے آخرکار اسلام قبول کیا۔ اور پھر اسلام کی طرف سے جہاد بھی کیا۔ یہ ایک ایسی فتح تھی جسکی نظیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا کسی نبی کے سوانح میں نہیں مل سکتی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن تو سمندر میں ہلاک ہوئے مگر آپکے دشمن خشکی میں غرق ہوئے۔

قرآن شریف کی بہت سی آیات میں سے ایک اور مکی آیت جس میں فتح بدر کی پیشگوئی کی گئی تھی یہ ہے۔ وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منھا و اذاً لایلبثون خلفک الا قلیلا۔ سنۃ من قد ارسلنا قبلک من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلا۔ (بنی اسرائیل) اور تحقیق نزدیک تھے کہ بچلا دیں تجھکو اس زمین سے تاکہ تجھے اُس میں سے نکال دیں اور اُسوقت (نکالنے کے بعد) نہ رہیں گے تیرے پیچھے مگر تھوڑا عرصہ یہی معاملہ خدائے تعالیٰ کا اُن رسولوں کے ساتھ رہا ہے جو تجھ سے پہلے آئے اور تو ہماری عادت میں کوئی تغیر نہ پائیگا (یعنی تیرے نکالنے والے بھی تیرے بعد تھوڑا عرصہ ہی ٹھہرینگے کیونکہ یہی سنت اللہ ہمیشہ سے چلی آتی ہے) پس اس پیشگوئی کے مطابق ہجرت کے بعد جلدی ہی قریش مکہ سے نکل آئے اور جنکے لیئے ہلاکت مقدر تھی بدر کے مقام پر ہلاک ہوگئے۔ ایک دوسری مکی آیت جس میں بدر کے متعلق پیشگوئی ہے یہ ہے ویقولون متیٰ ھٰذا الوعد ان کنتم صٰدقین۔ قل لکم میعاد یوم لا تستأخرون عنہ ساعۃ ولا تستقدمون (سبا - ۳) یعنی (کافر) کہتے ہیں کب یہ (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟ کہ تمھارے لیئے وعدہ ہے ایک دن کا۔ نہ پیچھے رہو گے اُس سے ایک گھڑی اور نہ آگے بڑھو گے۔ وہ مکہ کے لیئے ایک سخت مصیبت کا دن تھا جب قتل کفار کی خبر شہر میں پہنچی مکہ والوں کو ہلاکت کی خبر سنکر اسقدر صدمہ پہنچا کہ اُنکی زبانیں بند ہوگئیں اور ایک مہینہ تک اُن کا غم اُنکے سینوں کے اندر ہی بند رہا۔ ابوسفیان نے کہا اپنے مُردوں کے لیئے ماتم مت کرو اور اُنکی موت پر واویلا نہ کرو۔ اور کوئی شاعر اُنکی ہلاکت کا مرثیہ نہ پڑھے کیونکہ اس طرح تمھارا غصہ ٹھنڈا ہو جائیگا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُس کے ساتھیوں کے ساتھ تمھاری عداوت گھٹ جائیگی۔ میں خود تو یہ قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنی

بیوی کے قریب نہیں جاؤنگا اور نہ بالوں کو تیل لگاؤں گا۔ جبتک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جاکر پھر جنگ نہ کروں۔ قریش میں ایک بڈھا نابینا اسود نامی تھا اور اسکے دو بیٹے اور ایک پوتا لڑائی میں مارے گئے تھے۔ ایک رات اُسنے ایک عورت کے رونے کی آواز سُنی۔ اُسنے اپنے نوکر کو کہا جا دیکھ شاید قریش نے اپنے مُردوں پر رونا شروع کر دیا ہے۔ تاکہ مَیں بھی اپنے بیٹوں کے لیئے رولوں۔ غم نے میرے اندرونہ کو جلادیا ہے۔ نوکر جواب لایا کہ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے وہ اُسکے لیئے روتی ہے۔ اُسوقت قریشی بڈھے نے آہ بھر کر اپنے دردِ دل کا اظہار چند شعروں میں کیا جنکا مطلب یہ ہے۔ کیا وہ عورت اپنے اونٹ کیلیئے روتی ہے اور اُسکے لیئے نیند کو اپنی آنکھوں سے دُور کرتی ہے۔ اگر تم نے رونا ہی تو آؤ ہم بدر پر روئیں۔ عقیل کیلیئے روئیں۔ حارث کے لیئے روئیں جو شیروں کا شیر تھا الخ

ایک مہینہ تک بدر پر کوئی شخص نہ رویا۔ ایک مہینہ کے بعد قریش اپنے غم کو روک نہ سکے اور جب انہوں نے رونا شروع کیا تو سارا شہر ماتم کے آہ و نالہ کے ساتھ گونج اُٹھا۔ تمام شہر میں شاذ و نادر کوئی ایسا گھر تھا جو ماتم سے خالی ہو۔ قریباً ہر ایک گھر کسی مقتول یا اسیر پر رو رہا تھا کیونکہ جیسا کہ عاتکہ نے خواب میں دیکھا تھا یہ ایک ایسا پتھر تھا جس سے کوئی گھر نہ بچا اور شاذ و نادر کوئی ایسا خاندان ہوگا جسمیں اُس پتھر کا کوئی ٹکڑا نہ گرا ہو۔ سب گھروں میں ماتم تھا مگر ایک گھر خاموش تھا۔ وہ ہندہ کا گھر تھا۔ جب اُس سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تو اپنے باپ عتبہ۔ اپنے چچے اور اپنے بھائی کیلیئے کیوں نہیں روتی تو اُسنے جواب دیا کہ مَیں نہیں روؤں گی جبتک کہ تم پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُسکے ساتھیوں کے ساتھ جنگ کرنے کیلیئے نہ نکلو۔ اگر آنسو میرے سینے سے غم کو دھو سکتے تو میں بھی روتی مگر ہندہ کے غم اور درد کو کوئی رونا دُور نہیں کر سکتا۔ اُسنے بھی یہ قسم کھائی تھی کہ جبتک مکہ والے پھر مسلمانوں پر چڑھائی نہیں کرینگے مَیں نہ تیل لگاؤنگی اور نہ خاوند کے نزدیک جاؤنگی

بدر کی لڑائی مکہ والوں کے لیئے کیسا عذاب تھا یہ امر اُس صدمہ اور غم اور درد سے ظاہر ہو سکتا ہے جو مکہ والوں کو پہنچا۔ جب قریش کے سرداروں کی لاشوں کو کھینچکر مسلمان ایک کوئیں میں پھینک رہے تھے تو اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اندرونی درد کا نہایت ہی رقت آمیز الفاظ میں اظہار کیا۔ آپنے اُن لاشوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔ بئس عشیرۃ النبی کنتم لنبیکم کذبتمونی

وصدقنی الناس واخرجتمونی وآوانی الناس وقاتلتمونی ونصرنی الناس

یعنی تم اپنے نبی کے لئے بُرے رشتہ دار تھے تم نے مجھے جھٹلایا۔ دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی تم نے مجھے اپنے شہر سے نکالدیا اور لوگوں نے مجھے جگہ دی۔ اور تم نے مجھ سے جنگ کی اور لوگوں نے میری مدد کی۔ یہ آپکے اُس درد دل کا اظہار تھا جو آپکو ان قریبیوں کی ہلاکت کو دیکھ کر پہنچا۔ ان الفاظ میں جو کسی بناوٹ پر مبنی نہیں تھے اس امر کی بھی صریح شہادت ہے کہ جنگ کی ابتدا قریش کی طرف سے تھی اور مسلمان مظلوم تھے۔ اور جب ان سرداروں کی لاشیں کوئیں میں پڑی ہوئی تھیں تو آپ نے اُن وعدوں کو یاد کر کے جو خدائے تعالیٰ نے مکہ میں کیئے تھے اُن لاشوں کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ ھل وجدتم ما وعد ربکم حقاً فانی وجدت ما وعدنی ربی حقاً۔ جو کچھ تمھارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا کیا تم نے اُس وعدے کو سچا پایا ہے میں نے تو اپنے رب کے وعدہ نصرت کو سچا پایا ہے۔

عجیب بات ہے کہ جس طرح دوسرے ائمۃ الکفر کی لاشیں کوئیں میں ڈالی گئیں ابولہب کی لاش بھی مکہ میں بوجہ بدبودار ہونے کے کوئیں ہی میں پھینک دی گئی۔ ابولہب نے پیچھے رہ کر ہلاکت سے بچنا چاہا تھا مگر حیرت اور عبرت کی جگہ ہے کہ وہ نہ صرف ہلاکت سے نہ بچ سکا بلکہ جیسی قبر اُسکے دوستوں کو ملی ایسی ہی قبر اُسکے حصہ میں بھی آئی خدائے تعالیٰ کے فرشتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمنوں کو خوب چن چن کر عذاب سے حصہ دیا۔ ستر قیدیوں میں سے صرف دو کو جو سب سے زیادہ سخت اور قتل کے مستحق تھے مار ڈالا گیا باقیوں کے ساتھ جیسا سلوک کیا گیا اُسکے متعلق میور کی شہادت کو پڑھو۔ میور ایک قیدی کے بیان کو اسطرح نقل کرتا ہے۔ "رحمتیں ہوں مدینہ والوں پر۔ وہ آپ پیادہ چلے اور ہمیں سوار کیا۔ ہمیں گیہوں کی روٹی دی جب گیہوں کی سخت قلت تھی اور آپ کھجوروں پر گذارہ کرتے تھے۔" اگر مسلمان قریش کے ہاتھ میں قید ہوتے تو قریش اُنکے ساتھ کیسا سلوک کرتے یہ خبیب اور اُسکے ساتھی زید کے قصے سے واضح ہوسکتا ہے جنکو سخت بیرحمی سے قتل کیا گیا۔ بعض اوقات قریش کے خیرخواہوں نے مسلمانوں کی جماعتیں کی جماعتیں قتل کردیں۔ مگر عیسائی ایسے ظالم ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے قریبی قریش کے خون کا پیاسا بیان کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی کہ اسیروں سے نہایت ہی عمدہ سلوک کیا جاوے۔ بہت سے اسیر فدیہ لینے کے بعد رہا کیئے گئے۔ اور جنکے پاس کچھ بھی نہ تھا اُن کو بغیر معاوضہ کے رہا کر دیا گیا۔ مگر چونکہ ان اسیران قریش کو بہت سے

اسلام پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

مدرسہ۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ موسمی تعطیلات کے بعد یکم ستمبر سے کھل گئے ہیں۔ جناب مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی کی کوشش اور محنت اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنا نیک نتیجہ دکھلا رہی ہے۔ اور بہت سے نئے طلبا اسوقت بھی داخل ہو رہے ہیں مولوی صاحب موصوف ہر قسم کے انتظامی اور تعلیمی نقصوں کے دُور کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں انکی مخلصانہ کوششیں جو لڑکوں کی دینی و دنیوی تعلیم۔ انکی تربیت۔ انکے اخلاق۔ انکی جسمانی صحت کے لیئے وہ کر رہے ہیں امید ہے کہ بہت جلد اس مدرسہ میں ایک امتیازی رنگ پیدا کر دیں گی۔ اور وہ وقت دُور نہیں کہ اس مدرسہ کی رونق اور اسکے نیک نتائج قوم کے اندر خودبخود یہ تحریک پیدا کریں کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول ہی نہیں بلکہ تعلیم الاسلام کالج کی سخت ضرورت ہے۔ مگر مدرسہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہمارے احباب کو اپنی کوششوں میں بھی جو اس مدرسہ کو کامیاب اور بارونق بنا سکتی ہیں ترقی کرنی چاہیئے۔ بچوں کی اصلاح کا عمدہ وقت کم سنی کا زمانہ ہوتا ہے جب انکے دل بالکل صاف ہونیکی وجہ سے ہر ایک قسم کے اثر کو قبول کرنیکے لیئے تیار ہوتے ہیں ایسے وقت میں اگر سعید فطرت کے بچوں کو نیک صحبت میسر آجائے اور انکی تربیت عمدہ ہو اور اخلاق اور نیکی کی محبت انکے دل میں جگہ پکڑ جائے تو پھر خدا کے فضل سے زمانہ کے فسادوں کا کوئی اثر انپر نہیں ہو سکتا۔ پس ہمارے احباب اگر اپنے بچوں کی زندگی میں اسجگہ کی تعلیم کے نیک نتائج کو دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ چھوٹی عمر میں بچوں کو یہاں بھیجیں۔ یہ بالکل غلط خیال ہے کہ چھوٹی عمر کے بچوں کا ماں باپ سے علیحدہ ہو کر دل نہیں لگتا۔ بلکہ جسقدر دیر سے انہیں علیحدہ کیا جائیگا اسیقدر مشکلات انکے علیحدہ کرنے میں ہونگی۔ اور ہمارے بورڈنگ ہوس میں تو اسوقت بھی بہت سے چھوٹی عمر کے بچے موجود ہیں جو عملی طور پر اس غلط خیال کی تردید کر رہے ہیں۔ انسان کے بچے کو جہاں رکھا جائیگا۔ وہیں اسکے لیئے دلچسپی اور دل لگی کے سامان موجود ہو جاتے ہیں۔

بورڈنگ ہوس۔ اسی خیال کو مدِ نظر رکھکر انجمن نے ضرورت سمجھی ہے کہ بورڈنگ ہوس کا

ایسا انتظام کیا جائے جو گو کسیقدر خرچ کی زیادتی کا باعث ہو مگر اس سے لڑکوں کی خارج از وقت مدرسہ تعلیم۔ اور انکے چال چلن کی پوری نگرانی ہو سکے۔ معمولی بورڈنگ ہوسوں میں کسی ایک یا دو مدرسین کو کچھ الاؤنس دیکر بورڈنگ ہوس کی نگرانی کا کام لے لیا جاتا ہے۔ لیکن ایسے ادھورے انتظام سے ہماری اغراض پوری نہیں ہو سکتیں۔ پس ایک پورے وقت کے سپرنٹنڈنٹ اور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ کے علاوہ جنکے ذمہ بورڈران کے ہر ایک قسم کے اخراجات کی نگرانی علاوہ تمام انتظامی نگرانی کے، ہے تین پر اکٹر خصوصیت سے تعلیمی نگرانی کے لیئے مقرر کیئے گئے ہیں۔ جو بورڈنگ ہوس میں مدرسہ کے وقت سے علاوہ انکے ہر ایک مضمون کی پڑھائی کرائیں گے تاکہ جو سبق وہ روزانہ مدرسہ میں پڑھتے ہیں انہیں گھر میں تیار کریں یا دوہرائیں یا جو کام استاد گھر میں کرنیکے لیئے دیتے ہیں انہیں پورا کر کے لیجائیں۔ امید ہے کہ یہ انتظام جو بالفعل انجمن نے چھ ماہ کے لیئے امتحاناً جاری کیا ہے بہت مفید ثابت ہوگا۔ اور اس صورت میں یہ مستقل کر دیا جائیگا۔

مدرسہ احمدیہ میں بورڈنگ ہوس کا انتظام اور لڑکوں کی نگرانی تربیت وغیرہ کا انتظام مدرسہ انگریزی کی طرح ہی ہے۔ مگر تعداد طلبار بہت تھوڑی ہے اور قوم میں دینی تعلیم پھیلانیوالوں کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔

عید فنڈ۔ اگلے رسالہ کے نکلنے سے پہلے عید الفطر ہو چکی ہوگی۔ اس موقعہ کے لیئے دو امور کی یاددہانی ضروری ہے۔ اول یہ کہ ماہ رمضان صدقات کا مہینہ ہے۔ مساکین و یتامیٰ کی ایک معقول تعداد کی پرورش تعلیم اور تربیت انجمن کے ذمے ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیحؑ کو اس بات سے بہت صدمہ ہوتا ہے کہ کسی مستحق امداد کی درخواست آئے اور وہ رد کیجائے مگر روپیہ کی کمی اس امر کے لیئے مجبور کر دیتی ہے۔ لہٰذا ذی استطاعت احباب اس ماہ مبارک میں ان مساکین و یتامیٰ کا خصوصیت سے خیال رکھیں۔ دوسرے عید فنڈ کا مقررہ روپیہ ہر ایک دوست سے وصول کرنیکا انتظام جملہ انجمنیں پہلے سے کریں۔ اس فنڈ کے روپے میں ابتک ترقی نہ ہونیکی وجہ سوائے اسکے کچھ نہیں کہ سب احباب اور انجمنیں اسکی طرف پوری توجہ نہیں کرتے۔

اشاعت اسلام - جلسہ مہوتسو والے لیکچر کے انگریزی ترجمہ اور دو تین اور رسالوں کے لیئے گذشتہ ماہ میں تحریک کی گئی تھی - جملہ انجمنوں کے کارکنوں کی خدمت میں یاددہانی کے لیئے پھر اسکا ذکر کیا جاتا ہے کہ تین ہزار روپے کی فراہمی کے لیئے بہت جلد کوشش کیجاوے - ریویو کی ایڈیٹری کے متعلق یہ خیال صحیح نہیں کہ جو کام پہلے صرف ایڈیٹر کرتا تھا اب وہی کام ایک اسسٹنٹ کو ساتھ بڑھاکر ہو رہا ہے اور اگر کچھ زیادتی ہے تو صرف سکرٹری شپ کے ٹوٹے پھوٹے اور ادھورے کام کی - انجمن کا سکرٹری اگر اس بات کے پیچھے پڑے کہ ہر ایک غلط خیال کی جو انجمن کے متعلق کسی نہ کسی ذریعہ سے جماعت میں پھیلایا جاتا یا پھیلانیکی کوشش کیجاتی ہے تردید کرے تو اسے اپنے وقت کے ایک قیمتی حصہ کو ضائع اور بہت سے اوراق کو سیاہ کرنا پڑے گا ہاں بعض وقت جب ایک غلط فہمی کا اثر دور تک پہنچتا ہو تو ایسے خیالات کی تردید کی ضرورت پڑ جاتی ہے - اور سال گذشتہ میں خود حضرت خلیفۃ المسیح کو انجمن کے متعلق بہت سے اعتراضات کا ذب کرنا پڑا تھا - اشاعت اسلام میں سو روپے ماہوار کا خرچ بڑھنے کے ساتھ ایک اہم کام کا سرانجام دینا بھی بڑھایا گیا ہے اور وہ ہے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ - اور پھر اسکے علاوہ ٹریکٹوں کی اشاعت بھی ہے ترجمہ ایک ایسا کام ہے جو سالوں کی محنت چاہتا ہے - اور مجلس معتمدین نے سب مشکلات کا اندازہ کرکے اس کام کو ہاتھ میں لیا ہے - اسکی تکمیل کی توفیق دینا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے گو اس کا اعلان پہلے بھی ہو چکا ہے - مگر ضرورتاً یہ چند لفظ پھر لکھنے پڑے -

بجٹ کئی جگہ سے واپس آرہا ہے - اور امید ہے کہ ۵ ستمبر کو دوسری مرتبہ مجلس معتمدین میں پیش ہو کر یکم اکتوبر سے عملدرآمد کے لیئے پاس ہو جائیگا - جہاں جہاں سے اسوقت تک رائیں پہنچ چکی ہیں انجمنوں نے ان جملہ قومی ضرورتوں کو محسوس کیا ہے جو بجٹ میں پیش کی گئی تھیں - بروئے قاعدہ نمبر ۲۰ قواعد شاخہائے صدر انجمن احمدیہ بجٹ کا آخری منظوری سے پہلے کانفرنس انجمنہائے احمدیہ میں پیش ہونا ضروری تھا - مگر چونکہ کانفرنس دسمبر سے پہلے نہیں ہو سکتا - اور بجٹ کا اختتام ستمبر سے پہلے

منظوری حاصل کرنا ضروری ہے اسلیئے ۵ ستمبر کے اجلاس مجلس معتمدین میں قاعدہ مذکورہ نمبر ۲۰ کی بجائے ذیل کا قاعدہ منظور کیا گیا ہے۔

"کانفرنس انجمنہائے احمدیہ بجٹ منظور کردہ مجلس معتمدین اور سالانہ رپورٹ اور دیگر امور پر (جو مجلس معتمدین کانفرنس میں پیش کرے گی) غور اور بحث کرے گی اور آمد کے وسائل سوچے گی اور جو امور کانفرنس میں پاس ہوں گے انکے جسقدر جلدی ممکن ہوسکے عملدرآمد میں لانے کی کوشش کرے گی"

کانفرنس انجمنہائے احمدیہ کی حالت ابتک ایک ابتدائی حالت رہی ہے۔ مگر امید ہے کہ اس سال سے قومی دلچسپی کے اہم معاملات اور اہم قومی اغراض (جنکا اعلان بروئے قاعدہ مرممہ مذکورہ مجلس معتمدین پہلے سے کریگی) باقاعدہ کانفرنس میں پیش ہوا کریں گے۔ تاکہ احمدیہ انجمنیں اغراض سلسلہ میں پورا حصہ لینے کے قابل ہوجائیں۔ مگر یہ غرض اسوقت تک پوری نہیں ہوسکتی جبتک جملہ انجمنیں اپنے نظم و نسق کو قواعد کے مطابق نہ بنادیں۔ اگر کوئی انجمن کسی معاملہ کو کانفرنس میں پیش کرنا چاہے تو اسکی اطلاع ۱۵۔ اکتوبر سے پہلے پہلے دفتر صدر انجمن احمدیہ میں دینی چاہیئے تاکہ مجلس معتمدین کی منظوری حاصل کرکے اسکا باقاعدہ اعلان دیگر انجمنوں کی آگاہی کے لیئے کیا جاوے۔

تعمیر کا کام شروع کرنیکے لیئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک وفد احباب کی خدمت میں حاضر ہو۔ غالباً ۱۵۔ اکتوبر یعنی رمضان کے بعد یہ وفد نکل سکے گا۔

کتاب اظہار حق:۔ سکھ مذہب کے پیروؤں میں شائع کرنیکے لیئے ایک بہت مفید کتاب ہے اگر انجمنیں اسکی تھوڑی تھوڑی کاپیاں منگواکر تقسیم کریں تو اشاعت اسلام کا یہ ایک نہایت مفید کام ہوگا۔ اگر کوئی انجمن قیمتاً نہ منگوا سکتی ہو تو مفت اشاعت کے لیئے درخواست آنے پر امید ہے صدر انجمن منظور کرلے گی۔ بہرحال جہاں جہاں انجمنیں ہیں یا جو ذی وسعت احباب انجمنوں سے علیحدہ اور دور ہیں وہ سب کوشش کریں کہ اس کتاب کی اشاعت حتی الوسع جلدی ہوجائے۔

(سکرٹری صدر انجمن احمدیہ)

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ | بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۹ء | نمبر ۱۰

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عوام سے عہ طلبا سے عہ

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح ؑ شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھونکی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعفِ نظر کی عام شکایت ہے۔ میں نے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے۔ اسکے اصل ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی۔ حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپکی بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیحؑ حکیم نورالدین سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد میں نے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضانِ چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے کو آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کئے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں اسلئے ہر ایک کی قیمت جُدا جُدا ہے۔ قیمت سرمہ اوّل قسم عا قسم دوم عہ؍ قسم سوم عہ؍۔ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل ؏ جسکو لوگ اڑھائی سو فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم ؏ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو۔

علاوہ ازیں میرے پاس ہر قسم کی لنگی۔ زری۔ ریشمی۔ پشاوری۔ سوتی۔ زرد۔ سیاہ بادامی۔ مشہدی۔ افسری وسفید پٹکہ ٹسری (جسکو لوگ ریشمی کہتے ہیں) وغیرہ عا سے لیکر ؏ روپے موجود ہیں۔ اور نیز کلاہ ہر قسم زری وسادہ اور ٹوپی رومی ہر قسم میرے پاس موجود ہے اور قیمت میں بالکل کوئی زیادتی نہیں دریافت کریں۔ جو چیز پسند نہ ہو۔ معقول وجہ بیان کرنے پر خریدار کو واپس کرنیکا اختیار ہے۔ خرچ آمد و رفت بذمہ خریدار۔

المشتہر احمد نور۔ کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

نوٹ:۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور لکھا کریں

اعلان:۔ براہین احمدیہ کمل چار جلد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی۔ لاجواب۔ بے نظیر پُر معارف تصنیف جسکا حجم قریب ۶۰۰ صفحہ کے ہے تقطیع کلاں اب صرف عہ میں مینیجر بک ڈپو صدر انجمن احمدیہ قادیان سے مل سکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

آریہ سماج کے اصول

رسالہ ویدک میگزین کی ایک گذشتہ اشاعت میں ایک مضمون نکلا ہے جس کا عنوان ہے "آریہ سماج کی مذہبی حیثیت" اس مضمون کے اثنا میں مضمون نویس آریہ سماج کے دس اصولوں کا ذکر کرتا ہے جنکی نسبت وہ فخریہ کہتا ہے کہ مذہبی دنیا میں ایسے دس اصول کبھی قائم نہیں کیئے گئے باوجود اس فخر کے آریہ سماج کے اصولوں میں ایک ایسی کمی ہے جس سے کہ وہ تمام اصول بدنما ہوجاتے ہیں آریہ سماج کے اصولوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کا خدا نہ خالق ہے نہ عفو کرنیوالا ہے اور نہ ہی رحم کرنیوالا ہے ان دس اصولوں میں سے دوسرا اصول یہ ہے ایشور سچدانند سروپ (مجسم راستی) نراکار (اشکال سے پاک) سروشکتیمان (قادرمطلق) نیاکاری (منصف) دیالو. اجنما (پیدائش سے مبرا) اننت (لاانتہا) نروکار (غیر محیط) انادی (ازلی) انوپم (بے مثل) سرو آدھار (سب کا سہارا) سرو ایشور (سب کا مالک) سرو ویاپک (حاضر و ناظر) سروانتریامی (عالم کل) اَجر (لازوال) اَمر (نہ مرنیوالا) اَبھے (نہ ڈرنے والا) نت (ابدی) پوتر (پاک) اور سرشٹی کرتا (صانع) ہے۔

پرمیشور کی صفات بہت سی شمار کی گئی ہیں لیکن اُسکے غفور رحیم ہونے کا کوئی ذکر نہیں ناظرین یہ خیال کرینگے کہ یہ ایک صرف بلا ارادہ فروگذاشت کا نتیجہ ہے مگر فی الواقع ایسا نہیں یہ صفات ارادتاً چھوڑ دیئے گئے ہیں چونکہ آریہ سماج والے مسئلہ تناسخ کے قائل ہیں اسواسطے انکو یہ صفات چھوڑنے پڑے آریہ سماج کے عقائد کے بموجب خدا انسان کا ایک

گناہ بھی نہیں بخش سکتا بلکہ اُنکے عقائد کے بموجب ضروری ہے کہ انسان گناہ کی سزا میں بلی یا چوہے یا کسی اور جانور کا جنم لے ایک آریہ خدا کے حضور میں اپنے گناہوں کی معافی کے لیئے دعا نہیں مانگ سکتا کیونکہ اُسکا خدا کوئی گناہ خواہ کیسا ہی صغیرہ ہو معاف نہیں کرسکتا چاہے کتنی عاجزی سے ایک آریہ اپنے پرمیشور کے حضور میں عفو کیلیئے دعا کرے آریہ سماج کا خدا اُسپر کوئی رحم نہیں کرے گا یہی وجہ ہے کہ عفو اور رحم کی صفات ویدکے خدا کی صفات میں مذکور نہیں ہیں۔

یہ کہ عفو اور رحم کی اوصاف اعلیٰ درجہ کی اوصاف ہیں آریہ سماج والے بھی اس بات کو جانتے ہیں کیونکہ وہی مضمون نویس دھرم کی دس صفات میں عفو کی صفت کو دوسرے درجہ پر رکھتا ہے لیکن گو عفو خود آریہ سماج والوں کے نزدیک ایک اعلیٰ درجہ کی صفت ہے، مگر آریہ سماج کا خدا اس صفت سے محروم ہے وہ مضمون نویس یہ بھی مانتا ہے کہ انصاف بلا رحم ایک بڑی سخت چیز ہے اور یہ کہ رحم انصاف کو معتدل کردیتا ہے لیکن افسوس ہے کہ وید کے خدا کا انصاف رحم سے معتدل نہیں ہوتا آریہ سماج کے عقیدے کے مطابق انسان عفو کرنیوالا اور رحم کرنیوالا ہونا چاہیئے۔ لیکن پرمیشور کو ایسی صفات سے متصف نہیں کیا جاتا۔ خداوند کریم کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک عاجز گنہگار پر کوئی رحم نہیں کرتا۔ اور نہ اُسکا کوئی گناہ بخش سکتا ہے۔ خواہ وہ گناہ کیسا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اور گنہگار اسکی معافی کے لیئے کیسی ہی عاجزی سے دعائیں کیوں نہ کرے۔

اب اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک معمولی آریہ سماجی کے اخلاق پرمیشور کے اخلاق سے بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ ایک سماجی میں وہ اوصاف حمیدہ موجود ہیں جو پرمیشور میں موجود نہیں ہیں۔

اب اسکے مقابل میں قرآن شریف کی تعلیم کو دیکھو۔ قرآن کریم کی پہلی ہی آیت میں لکھا ہے کہ خداوند کریم رحمٰن اور رحیم ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کے گناہ معاف کرنیکے لیئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ رحمٰن کے معنے ہیں محض اپنے لطف سے نہ کسی کے عمل کی

پاداش میں جانداروں کی ہستی اور انکے اعمال سے پہلے سامان رحمت میسّر کرنیوالا - رحیم کے معنے ہیں نیک عملوں کی نیکتر جزا دینے والا - اور رحم کرنیوالا پرمیشور کی صفات میں آریہ سماج کے عقائد کے بموجب صفت خالقیّت بھی شامل نہیں ہے - پرمیشور کو دنیا کا بنانیوالا مانا جاتا ہے اُسکو دنیا کا خالق نہیں مانا جاتا - آریہ سماج کے عقائد کے مطابق پرمیشور کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتا - وہ صرف موجودہ مصالح کو جوڑ جاڑ سکتا ہے - اس طرح بھی اُسکی طاقت ایک آدمی کی طاقت کے مشابہ ہے - جیساکہ ایک آدمی بلا مادہ کے کوئی چیز نہیں بنا سکتا اسی طرح سے آریہ سماج کا خدا بھی بلا روح اور مادہ کے کچھ نہیں بنا سکتا - یہ ضروری ہے کہ روح اور مادہ پہلے پرمیشور کے پاس موجود ہوں تب وہ کچھ بنا سکتا ہے - عفو اور رحم کی صفات میں تو انسان خدا سے بڑھ کر ہے اور چیزوں کے بنانے میں انسان خدا کے برابر ہے - جیساکہ انسان کوئی چیز نہیں پیدا کرسکتا ایسا ہی آریہ سماج کا پرمیشور بھی کوئی چیز نہیں پیدا کرسکتا - اس طرح آریہ سماج والے پرمیشور کو اُسکی ایک نہایت بڑی صفت سے معزول کرتے ہیں - صفت خلق اگر پرمیشور میں نہ ہو تو پرمیشور پرمیشور ہی نہیں ہو سکتا -

آریہ سماج کے عقائد کے مطابق مادہ اور ارواح پرمیشور کی طرح ازلی اور ابدی ہیں - لیکن یہ سمجھ نہیں آتا کہ روح اور مادہ پرمیشور کے ماتحت کیسے ہو گئے - کیا خدا نے اُنکو مغلوب کرلیا جیساکہ کوئی بادشاہ کسی قوم کو مغلوب کرلیتا ہے - یا خود ارواح اور مادہ نے خدا کو اپنا مالک مان لیا ہے جسکا حکم اب اُن کو ماننا پڑتا ہے ؟ اس سوال پر آریہ سماج والوں کو ضرور سوچنا چاہیئے -

نامہ نگار مذکور الصدر آریہ سماج کو ایک مشنری جماعت قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ تبلیغ کرنا ہی اسکا کام ہے اور یہ بھی لکھتا ہے کہ اسی وجہ سے آریہ سماج کو مباحثوں میں حصّہ لینا پڑتا ہے - لیکن آریہ سماج کے مباحثے بدزبانی میں مشہور ہیں - اور یہ بدزبانی خود آریہ سماج کے اصول کا ثمرہ ہے - نامہ نگار کے بیان کے

بموجب آریہ سماج کا فرض ہے کہ" وہ موجودہ برائیوں کی بڑی سختی اور تلخی کے ساتھ بیخکنی کرے" اور اُسکو یہ بھی خوف ہے کہ گورنمنٹ آریہ سماج کی سختی کو روکنے کے لیئے ضرور مداخلت کرے گی مگر وہ آریہ سماج کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنے فرض پر قائم رہے اور گورنمنٹ کی مداخلت کی پروا نہ کرے۔ کیونکہ اگر آریہ سماج نے اس راہ کو چھوڑ دیا تو عیسائی لوگ اس راہ کو اختیار کر لینگے۔ نامہ نگار مذکور اس بات کی تشریح نہیں کرتا کہ اگر عیسائی مشنری اُس راہ کو اختیار کرلیں جبکہ آریہ سماج خود قدم مار رہی ہے تو اس میں کونسی خرابی ہے۔ کیوں عیسائی اُس نیک کام کو اختیار نہ کریں جو آریہ سماج نے اختیار کر رکھا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آریہ سماج غیر مذاہب کے لوگوں سے حسد رکھتی ہے اور اُنکو نفرت اور کینہ کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ان موجودہ مذاہب کو نامہ نگار" موجودہ برائیوں" کے نام سے یاد کرتا ہے یہ امر دوسرے مذہب والوں کے لیئے بدقسمتی کا موجب ہے کہ" موجودہ برائیوں" یعنی موجودہ مذاہب کی تردید ایسے آدمیوں کے سپرد ہوئی ہے جنکی بے لگام زبانیں.... دیگر مذاہب کے مقدس لوگوں پر بیجا حملے کرنے میں بڑی تیز ہیں۔ وہ نہایت دریدہ دہنی سے مسلمانوں مسیحیوں اور پُرانے ہندوؤں کے مقدس بزرگان دین کو گالیاں دیکر آریہ سماج کی شاباش حاصل کرتے ہیں۔ اور اُنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ برائی کو جڑھ سے کاٹتے ہیں دوسرے مذاہب کے لوگوں نے سماج کی خدمت میں بارہا عرض کی کہ ان دریدہ دہن بے باک پرچارکوں کو لوگوں کی دل آزاری سے روکیں لیکن سماج نے اِن لوگوں کی درخواست پر کبھی توجہ نہیں کی۔ اور اُسکے پرچارک دوسرے مذاہب کے لوگوں کی دل آزاری اپنی بے لگام زبان کے ساتھ کر رہے ہیں لیکن تھوڑا عرصہ ہوا کہ ان واعظین میں سے بعض نے خود سماج پر بھی حملے کرنے شروع کیئے اب سماج کو معلوم ہو گیا ہے کہ ان لوگوں کی زبان سے لوگوں کو کیسا دُکھ پہنچتا ہے اب اُسکی آنکھیں کھل گئی ہیں اور بعض خیرخواہان سماج نے یہ شور مچایا ہے کہ

ان واعظین کو اس دشنام دہی کے پلید طریق سے روکا جائے مضمون زیر بحث کا لکھنے والا آریہ سماج کے واعظوں کی نسبت حسب ذیل رائے ظاہر کرتا ہے "آریہ سماج کے بعض تازہ مشکلات بعض بے باک مباحثین اور ان گھڑ معلمین کی بے سمجھی کی تحریروں کا نتیجہ ہیں اور سماج کا فرض ہے کہ وہ آئندہ ایسے ذلیل لوگوں اور ان گھڑ ہرزہ درائی کرنیوالوں کو روکے" یہی واعظ جنکا اوپر نقشہ کھینچا گیا ہے اب تک مسلمانوں عیسائیوں اور عام ہندوؤں کی دل آزاری کرتے رہے ہیں لیکن سماج کے کسی ممبر نے ان ان گھڑ منہ زور واعظوں کو کبھی نہیں روکا اور اُسوقت ہوش آیا جبکہ انکی تحریروں سے خود سماج میں ایک طوفان پیدا ہوگیا۔ روکنا تو کجا ان واعظین کے جاہلانہ حملے جو وہ غیر مذاہب پر کرتے تھے آریہ سماج کی طرف سے تحسین کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور جن لوگوں کے خلاف یہ حملے ہوتے تھے اُن میں کثرت سے شائع کیے جاتے تھے آریہ سماج کی تازہ تکلیفیں باقی دنیا کے لیئے بڑی مفید ثابت ہونگی اگر اُنسے یہ نتیجہ پیدا ہو کہ آریہ سماج والے اپنے ان گھڑ واعظوں کو آئندہ ہرزہ درائی سے روکیں ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ ترجمہ حدیث شریف کا یہ ہے تم میں سے کوئی آدمی مسلمان کہلانیکا مستحق نہیں جب تک کہ وہ اپنے دوسرے بھائی سے وہی سلوک پسند نہ کرے جو اپنے لیئے پسند کرتا ہے یہ اصول آریہ سماج والوں کے لیئے واجب التعمیل ہے اگر وہ اپنے واعظوں کے زہریلے تیروں سے آپ بچنا چاہتے ہیں تو انکو چاہیئے کہ وہ اپنے واعظوں کو یہ بھی اجازت نہ دیں کہ وہ دیگر مذاہب کے لوگوں پر بیجا حملے کریں اصل میں گناہ ان ناتجربہ کار معلمین کا نہیں ہے بلکہ یہ آریہ سماج کا قصور ہے جنھوں نے موجودہ برائیوں کے دفعیہ کے لیئے ناجائز سختی کا طریق قائم کر رکھا ہے انکے نزدیک موجودہ برائیوں کے معنے موجودہ مذاہب ہیں اور ان برائیوں کے دفعیہ کے لیئے تلخی اور سختی کا جو دستور العمل آریہ سماج والوں نے

مقرر کر رکھا ہے اُس سے غیر مذاہب والوں کو کافی زخم پہنچ چکے ہیں۔ اس خطرناک دستور کو آریہ سماج نے اپنے بانی پنڈت دیانند سے لیا ہے۔ جونکتہ چینی پنڈت دیانند نے اسلام اور عیسائی مذہب کے متعلق کی ہے۔ اسکو ہر ایک آدمی پڑھکر کانپ اُٹھتا ہے ان اَن گھڑ واعظین آریہ سماج نے جو حملے دیگر مذاہب پر کئے ہیں وہ اُن حملوں سے بڑھکر نہیں جو کہ آریہ سماج کے بڑے بڑے لیڈروں نے دیگر مذاہب پر کئے ہیں۔ کیا اس مضمون زیر بحث کا لکھنے والا بتلا سکتا ہے کہ ان اَن گھڑ واعظین میں سے کسی نے دیانند اور لیکھرام سے بڑھکر دشنام دہی سے کام لیا ہے اور یہ ہر دو پنڈت حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کے مطابق مرے۔ موجودہ واعظین اپنے معزز لیڈروں کے قدم بقدم چل رہے ہیں اور جب تک دیانند اور لیکھرام کی کتابیں ان لوگوں کے ہاتھ میں ہونگی تب تک آریہ سماج والے ایسے رویہ سے باز نہیں آویں گے۔ سماج کے مذکورۃ الصدر ناپاک اصول کے ساتھ قرآن کریم کے احکام کا اگر مقابلہ کیا جاوے تو معلوم ہو جاویگا کہ قرآن شریف کی تعلیم کیسی پاک اور مقدس ہے۔ اس بارہ میں قرآنی احکام مفصلہ ذیل آیتوں میں درج ہیں۔

(۱) ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة یعنی حکمت اور نیک نصیحت کے ساتھ خدا کے راستہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ (سورۃ النحل ع ۱۶)

(۲) ولا تجادلوا اهل الكتٰب الا بالتی هی احسن۔ یعنی اہل کتاب کے ساتھ مباحثہ کرنے میں نہایت ہی احسن طریق اختیار کرو (سورۃ عنکبوت ع ۵)

(۳) وقل لعبادی یقولوا التی هی احسن۔ یعنی میرے بندوں سے کہو کہ وہ بات کرتے وقت نہایت ہی پسندیدہ راہ اختیار کریں (سورۃ بنی اسرائیل ع ۶)

(۴) ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله۔ یعنی جو لوگ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں اُنکے معبودوں کو گالیاں مت دو (سورۃ انعام ع ۱۳)

(۵) ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوة كانه ولی حمیم۔ یعنی بُرائی کا بھلائی سے مقابلہ کرو۔ اور تم دیکھ لوگے جو پہلے تمہارا

دشمن تھا وہ پھر تمہارا سرگرم دوست بنجائیگا۔ (سورہ فصلت ع ۵)

آریہ سماج کا چوتھا اصول یہ ہے کہ ہم کو سچائی کے لینے کیلئے اور جھوٹ کو چھوڑ دینے کے لیئے ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے۔ اگر اس اصول کو صرف زیبائش کی خاطر نہیں لکھا گیا تو آریہ سماج والوں کو چاہیئے کہ وہ دیگر مذاہب کے ساتھ ناجائز سختی سے پیش آنے کے ناپاک دستور العمل کو ترک کر کے قرآن کریم کی پاک تعلیم کو اختیار کریں۔ جو مذکورہ بالا آیات میں دی گئی ہے ؛

تصحیح

ماہ ستمبر کے پرچہ میں صفحہ ۳۳۲ سطر ۲ میں غلطی سے بجائے "قریباً ایک ہزار" کے "دس ہزار" لکھا گیا ہے۔ جنگ بدر میں کفار کی صحیح تعداد ۹۵۰ تھی اور مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳۔ ناظرین اس غلطی کو درست کر لیں ؛

اشاعت اسلام نمبر ۵

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات

(سلسلہ کیلئے دیکھو گذشتہ نمبر)

قبائل عرب کے حملے مسلمانوں پر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر سے واپس آئے ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گذرا تھا کہ آپ کو جزیرہ نما عرب کے وسط سے خطرناک خبر پہنچی۔ بنی سلیم اور بنی غطفان نے جو کہ نجد کے میدان کے ایک بڑے حصہ میں آباد تھے مدینہ منورہ پر چھاپہ مارنے کا ارادہ کیا اور مقام قرقرۃ الکدر پر جمع ہونے شروع ہوئے۔ چونکہ مسلمان سب طرف سے دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے اسلیئے انکو ہمیشہ چوکنا رہنا پڑتا تھا۔ اور جب کبھی وہ سنتے کہ مدینہ پر حملہ کرنیکے لیئے بعض قبائل کسی مقام پر جمع ہو رہے ہیں تو اُن کے منتشر کرنیکے لیئے فوراً مسلمانوں کی ایک جماعت

روانہ ہوتی تاکہ وہ قبائل مدینہ پر حملہ کرنیسے پہلے ہی تتر بتر کر دیئے جائیں یہی سب سے بہتر طریق تھا جو مسلمان اُن حالات میں اختیار کر سکتے تھے اور اگر وہ ہر وقت ہوشیار اور بیدار نہ رہتے تو اُن کے دشمن اُنپر بار بار حملے کر کے اُنکو چبا ڈالتے۔ چنانچہ جب بنی سلیم اور بنی غطفان کے اجتماع کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں پہنچی تو آپ بذات خود ۲۰۰ آدمی ہمراہ لیکر اس مجمع کو منتشر کرنیکے لیئے روانہ ہوئے دشمن کو جب آپکے آنیکی خبر لگی تو وہ آپکے پہنچنے سے پہلے ہی تتر بتر ہو گئے [۵۱]

اس کے بعد جلدی ہی مکہ کے سردار ابو سفیان نے مدینہ پر چھاپہ مارا۔ جب بدر میں قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تو اُنکے بعد ابو سفیان نے قریش کی جرنیلی اختیار کی۔ جب قریش کے لشکر کو بدر میں شکست فاش حاصل ہوئی تو اسپر ابو سفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ نہ کرلونگا غسل جنابت نہ کرونگا۔ جب بدر کے قیدی رہا ہو کر آگئے تو ابو سفیان نے اپنی قسم کو پورا کرنیکے لیئے ۲۰۰ آدمیوں کو ہمراہ لیا اور مدینہ پر چھاپہ مارنیکے لیئے نجد کے راستہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ راتکے وقت یہود کی ایک آبادی میں پہنچا۔ قبیلہ بنو نضیر کے ایک سردار سلام بن مشکم نے اُس میثاق کے برخلاف جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد یہود کے قبائل سے لیا تھا۔ ابو سفیان کو جگہ دی اور ابو سفیان نے اور اُسکے ساتھیوں نے خوب دعوت اُڑائی۔ یہودی نے مدینہ کے حالاتکے متعلق ابو سفیان کے پاس مخبری کی۔ اُسکے ساتھیوں نے صبح ہونیسے پہلے مدینہ کی کھجوروں کو جلا دیا اور دو آدمیوں کو قتل بھی کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپنے ابو سفیان کا تعاقب کیا مگر وہ نکل گیا۔ اس غزوہ کو غزوۃ السویق کہتے ہیں کیونکہ ابو سفیان کے ہمراہی بھاگتے وقت اپنے کھانے کے ستو چھوڑ گئے تھے [۵۲]

---

[۵۱] ابن ہشام ذکر غزوہ بنی سلیم بالکدر۔

[۵۲] ابن ہشام۔ ذکر غزوۃ السویق۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے تعاقب سے واپس آکر چند روز ہی مدینہ میں قیام فرمایا تھا کہ آپ کو پھر خبر پہنچی کہ بنی ثعلبہ بن سعد بن قیس بن غطفان اور بنی محارب نجد میں مدینہ پر شبخون مارنے کی غرض سے جمع ہو رہے ہیں اور دعثور انکا سرغنہ ہے۔ آپ فوراً ۴۵۰ آدمی ہمراہ لیکر نجد کی طرف روانہ ہوئے اور آپکی آمد کی خبر سنکر دشمن کی جمعیت منتشر ہوگئی اور کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ اس غزوہ کا نام غزوہ ذی امر اور غزوہ انمار ہے[۱]

جب غزوہ انمار سے آپ واپس تشریف لائے تو پھر آپ کو خبر پہنچی کہ بنی سلیم کا ارادہ مدینہ پر چھاپہ مارنے کا ہے اسلیئے آپ کو پھر دشمن کے منتشر کرنیکے لیئے کوچ کرنا پڑا۔ اسوقت آپکے ہمراہ ۳۰۰ صحابی تھے۔ اسکو غزوہ بحران اور غزوہ بنی سلیم بھی کہتے ہیں[۲]

بنی سلیم اور بنی غطفان کے بار بار مدینہ پر شبخون مارنے کیلیئے جمع ہونا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ بیابان کے زبردست قبائل اسلام کے ایسے ہی سخت دشمن تھے جیسا کہ قریش۔ مسلمانوں کی حالت کا اندازہ لگاؤ۔ انکو صرف اپنے پرانے اور خونی دشمنوں یعنی قریش کے حملوں سے ہی اپنا بچاؤ نہیں کرنا پڑتا تھا بلکہ عرب کے اور بہت سے زبردست قبائل تھے جو اُن کے خون کے ایسے ہی پیاسے تھے جیسا کہ قریش اور مسلمانوں کو انکے چھاپوں اور حملوں سے بھی اپنے تئیں بچانا پڑتا تھا بدر سے واپس آنیکے بعد چند مہینوں کے اندر آپ کو بذات خود تین مرتبہ بنی غطفان اور بنی سلیم کے زبردست اور وحشی قبائل کو اُنکے بد ارادوں سے روکنے کے لیئے نجد کیطرف کوچ کرنا پڑا۔ اگر خدائے تعالیٰ کی نصرت مسلمانوں کے شامل حال نہ ہوتی اور اگر مسلمان ہر وقت خبردار اور ہوشیار نہ رہتے اور دشمنوں کی جمعیت کو چھاپہ مارنے سے پیشتر ہی منتشر کرنے میں چستی سے

---

[۱] زرقانی علی المواہب اللدنیہ جزو ثانی صفحہ ۱۷۔
[۲] زرقانی جزو ثانی صفحہ ۱۹۔

کام نہ لیتے تو اُن کے دشمن جو ہر طرف سے اُنپر منڈلا رہے تھے اُنکو نابود کر دینے میں کچھ کمی نہ کرتے۔ اگر جیساکہ مسیحی صاحبان چاہتے ہیں مسلمان خاموش ہو کر مدینہ میں بیٹھ رہتے اور اپنے بچاؤ کیلیئے اپنے ہاتھ پاؤں نہ ہلاتے اور دشمنوں کے آگے اپنے تئیں ایک بے جان نشانہ کی طرح پیش کر دیتے دشمن اُنکو لوٹتے قتل کرتے اور اُنکے بچے اور اُنکی عورتیں قید کر کے لیجاتے مگر مسلمان ہاتھ نہ ہلاتے اور خاموشی سے سب کچھ سہتے رہتے بلکہ عیسائی تعلیم کے بموجب اپنی دوسری گال بھی دشمن کے آگے پیش کر دیتے تو چند دنوں میں اسلام کا خاتمہ ہو جاتا اور جلدی ہی سارا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا مسیحی لوگ اعتراض تو بڑی جلدی سے کر دیتے ہیں مگر مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ نہیں کرتے۔ اور نہیں دیکھتے کہ وہ کس قسم کے لوگ تھے جن سے مسلمانوں کو واسطہ پڑا اور اُنکے ظلم سے بچنے کیلیئے کونسی راہ تھی جو مسلمان اختیار کر سکتے تھے۔

خود مدینہ اور اُسکے گرد و نواح کی حالت بھی مسلمانوں کے لیئے کسی اطمینان کا موجب نہ تھی بلکہ اُنکے مشکلات کو اور بھی بڑھانے کا موجب ہو رہی تھی۔ صرف یہی نہیں تھا کہ مسلمانوں کا بیرونی دشمنوں نے احاطہ کیا ہوا تھا بلکہ خود مدینہ اور اُسکے مضافات میں ایسے لوگ موجود تھے جو مسلمانوں کے جانی دشمن تھے اور یہ اندرونی دشمن بیرونی دشمنوں سے بھی زیادہ خطرناک تھے۔ اندرونی دشمنوں میں ایک تو منافقین کا گروہ تھا جو مسلمانوں کو حسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا ان کا سردار عبد اللہ ابن ابی تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے مدینہ کا بادشاہ بنتے بنتے رہ گیا تھا۔ کیونکہ مدینہ والوں نے بالاتفاق یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ عبد اللہ ابن ابی کے سر پر تاج رکھکر اُسکو اپنا بادشاہ بنالیں مگر اسلام کے داخل ہونیکی وجہ سے یہ تجویز عمل میں نہ آسکی۔ اسلیئے طبعاً عبد اللہ ابن ابی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض تھا اور اسکے ساتھ اوّل اوّل ایک خاصی جماعت منافقین کی تھی جنہوں نے بظاہر اسلام

قبول کر لیا تھا مگر دل میں مسلمانوں کے دشمن تھے اور یہ چھپے دشمن ظاہری دشمنوں سے زیادہ خطرناک تھے۔ دوسرے اندرونی دشمن مدینہ اور اُسکے قرب وجوار کے یہودی قبائل تھے۔ ان کو بھی مسلمانوں سے سخت بُغض تھا کیونکہ یہ لوگ انبیاء اور صلحاء سے دشمنی رکھنے کے عادی تھے انہوں نے بھی بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امن کا معاہدہ کر لیا تھا مگر دراصل مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف قریش اور قبائل عرب کے حملوں اور شبخونوں کا ہی فکر نہ تھا بلکہ ان اندرونی دشمنوں کیطرف سے بھی اُنکو ہر وقت خطرہ رہتا تھا اور انکی عداوت کے بدنتائج سے بچنے کے لیئے بھی آپکو ایسی ہی تدبیر کرنی پڑتی تھی جیساکہ بیرونی دشمنوں کے حملوں سے بچنے کیلیئے آپ کو تدبیر کرنی پڑتی تھی۔ جو معاملات یہود کے قبائل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے اُن کو مَیں انشاء اللہ تعالےٰ ایک الگ مضمون میں بیان کروں گا اسجگہ صرف اُنکی عداوت کا اور منافقین کی پوشیدہ دشمنی کا ذکر اسلیئے کیا ہے تا ناظرین کو معلوم ہو کہ مدنی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسقدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مکہ معظمہ میں تو صرف قریش ہی اسلام کے دشمن تھے اور اُسجگہ آپ کی قوم بنو ہاشم آپکے حامی بھی تھے مگر مدینہ میں آکر جو ایک اجنبی شہر تھا اور جہاں کوئی ایسی قوم نہ تھی جو قرابت کی وجہ سے آپکے ساتھ ہمدردی کرنیوالی ہو آپ کو دس مختلف اور زبردست قوموں سے مقابلہ کرنا پڑا۔

اوّل۔ قریش جو پیشتر کی نسبت اسلام کے مٹانیکے لیئے زیادہ جان توڑ کوششیں کر رہے تھے

دوّم و سوّم۔ اوس و خزرج۔ یہ مدینہ کے دو قبائل تھے جو اسلام کی آمد سے پہلے باہم سخت جانی دشمن تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی باہمی عداوت کا فکر رہتا تھا چنانچہ آپ کی آمد کے بعد بھی اوس اور خزرج کے قبیلوں کے مسلمانوں میں یہود کے اکسانے سے لڑائی ہو چلی تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی آپ جھٹ تشریف لائے آپ کو دیکھکر اور آپ کی دردانگیز نصیحت کو سنکر وہ رو پڑے اور بجائے اسکے کہ ایک دوسرے کو تلواروں سے کاٹیں ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔ انکے تعلقات یہود کے ساتھ تھے اور یہود انکو طرح طرح کی تدبیروں سے اُکساتے تھے منافقین کی جماعت

بھی انہی میں سے تھی جو اسلام سے پوشیدہ دشمنی رکھتے تھے اور یہود سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے (۴) بنی قینقاع (۵) بنی نضیر (۶) بنی قریظہ (یہ تینوں یہود کے قبیلے تھے) (۷) عرب کے عیسائی (۸) بنی غطفان۔ بنی سلیم اور عرب کے دیگر مشرک قبائل (۹) سلطنت ایران (۱۰) سلطنت روم۔ ان سب کا ذکر انشاءاللہ تعالیٰ اپنے اپنے موقعہ پر آئیگا۔

مسٹر آرنلڈ مصنف کتاب پریچنگ آف اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "اگر یہ اعتراض کیا جاوے کہ یہ امر ایک نبی کے مشن کے برخلاف ہے کہ وہ جنگ کے معاملات میں دخل دے۔ تو اسکے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس نبی کی تعلیم میں یہ بات داخل نہ تھی کہ "میری بادشاہت اس دنیا کی نہیں ہے"۔ مسٹر آرنلڈ کے اس بیان میں ایک باریک شرارت مخفی ہے۔ اس بیان سے یہ پایا جاتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے کہ جنگ سے کوئی سروکار نہ رکھتے گویا آپکے اختیار میں تھا خواہ جنگ کرتے یا نہ کرتے مگر آپنے اپنے اختیار سے جنگ کی راہ اختیار کی۔ اس امر کو دیکھکر دل کو سخت دُکھ پہنچتا ہے کہ مسیحی نکتہ چین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے سمجھنے کے لیئے کوئی کوشش نہیں کرتے۔ ایک سرسری نظر سے بھی دیکھنے والا یہ امر بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ عرب کا قریباً کُل جزیرہ نما اسلام کی مخالفت پر ایسا تُلا ہوا تھا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چھوٹی سی جماعت کی حفاظت کیلیئے کوئی تدبیر نہ کرتے تو دشمن اسلام کو بیخ و بن سے اُکھیڑ دیتے۔ کیا مسیحی صاحبان کا یہ منشاء ہے کہ مسلمان اپنے خونی دشمنوں کو یہ اجازت دیتے کہ وہ مدینہ کی گلیوں میں بکروں کی طرح اُنکو ذبح کر دیتے۔ آئے دن جو دشمن مدینہ پر چھاپہ اور شبخون مارنیکی تیاریاں کرتے تھے کیا مسلمان اُنکے روکنے کیلیئے کوئی تدبیر نہ کرتے۔ کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ جب دشمنوں کو موقع ملتا تو وہ مسلمانوں کی جماعتوں کی جماعتیں ذبح کر دیتے اور ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتے؟ چنانچہ ایک موقعہ پر ۷۰ مسلمان بلاگناہ شہید کیئے گئے۔ کیا مسلمان ایسے قتل عام پر خاموش بیٹھے رہتے اور آئندہ

ایسے جان کاہ حادثوں کے انسداد کیلئے ظالم قاتلوں کی سرکوبی نہ کرتے؟ کیا عرب کے خونخوار بھیڑیوں کے درمیان ایک بے دست و پا بھیڑ کی طرح رہ کر وہ زندہ رہ سکتے تھے؟ مثال کے طور پر دیکھو۔ مسلمانوں نے بنوسلیم اور بنو غطفان کو ذرہ بھی دکھ نہیں دیا تھا اور کسی قسم کی مضرت مسلمانوں کی طرف سے ان وادیوں اور بیابانوں کے رہنے والوں کو نہیں پہنچی تھی۔ پھر بھی وہ بار بار مدینہ پر چھاپے اور شبخوں مارنیکے لیئے تیار ہو جاتے۔ اب ایسی حالت میں مسلمانوں کیلیئے سوائے اسکے اور کیا چارہ تھا کہ وہ ان جنگل کے درندوں سے اپنے آپ کو بچائیں اور حتی الوسع کوشش کریں کہ یہ وحشی قومیں مسلمانوں پر حملہ آوری کرنیسے روکی جائیں۔ جب یہ قومیں خود بخود چڑھ کر آتی تھیں تو مسلمانوں کے لیئے سوائے اسکے کیا چارہ تھا کہ وہ بھی اپنی حفاظت کیلئے ہتھیار اُٹھاتے۔ اگر مسلمان اپنے بچاؤ کی تدبیر نہ کرتے اور بیجا حملہ آوروں کے مقابلہ کیلئے مستعدی ظاہر نہ کرتے تو نہ صرف بنی سلیم اور بنی غطفان ہی مسلمانوں کو قتل کرتے اور اُنکے کھیتوں کو غارت کرتے اور اُنکے مویشی اور اونٹوں کو لُوٹ لیجاتے اور اُن کے مردوں۔ عورتوں اور بچوں کو قید کر کے غلام بناتے بلکہ اور بیابانی قومیں بھی دلیر ہو کر حملہ آور ہوتیں اور مسلمان اپنے دشمنوں کی خونخواری اور غارتگری کا شکار ہو جاتے۔ افسوس ہے کہ معترض یہ نہیں دیکھتے کہ عرب کے ملک میں اُس زمانہ بے امنی میں سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کرنیکا یہی طریقہ تھا کہ ہر ایک قوم اپنی اپنی حفاظت کا سامان مہیا کرتی۔ اپنے بچاؤ کیلیئے بعض قبیلے دوسرے قبیلوں کے ساتھ ملجاتے تا دشمنوں کے مقابلہ کے قابل ہو جاویں اور تعدی کرنیوالوں سے انتقام لے سکیں۔ اگر معترضین اُس زمانہ کے حالات پر غور کرتے تو کبھی اعتراض نہ کرتے کہ مسلمانوں نے کیوں ہتھیار اُٹھائے۔ وہ اپنے مسیح پر قیاس کرتے ہیں جو ایک مہذب سلطنت کے زیر سایہ زندگی بسر کرتا تھا مگر پھر بھی اپنے کمزور دشمنوں سے جو اُسکا بااختیار خود کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے تھے چھپتا پھرتا تھا اور عدالتوں میں لیجانیکے واسطے بھی یہودیوں کو اُسے باغوں میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنا پڑتا تھا۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ اپنی جان۔ مال اور اپنے بیوی بچوں کی

حفاظت کے لیئے اور دشمن کے پنجے سے انہیں بچانیکے لیئے کوئی تدبیر کرنا کس نبی کی تعلیم کے برخلاف ہے؟ کیا خود مسیح نے اپنے شاگردوں کو یہ حکم نہ دیا تھا کہ تم اپنے کپڑوں کو بھی بیچکر ہتھیار خریدو؟ حالانکہ کسی نے اسکے برخلاف تلوار نہیں اُٹھائی تھی۔ اگر کچھ کیا تھا تو باضابطہ عدالت میں اسکے برخلاف کارروائی کی تھی۔ اُسکا تلوار اُٹھانیکے لیئے حکم دینا سوائے اسکے اور کوئی وجہ نہیں رکھتا تھا کہ داؤد کے کھوئے ہوئے تخت کو دوبارہ حاصل کرے مگر جب اُس نے دیکھا کہ اُسکے شاگرد اس کام کی قابلیت نہیں رکھتے تو اُسکی ساری اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ اور اُسکی کمر ٹوٹ گئی پھر آسمانی بادشاہت کا شہزادہ ہونیکا دعویٰ کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر کے مقام پر یہ دعا کرنا کہ اللّٰھم ان اھلکت ھٰذہ العصابۃ فلا تعبد فی الارض (یعنی اے اللہ اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر دنیا میں تیری عبادت کرنیوالا کوئی نہ ہوگا زاد المعاد ابن قیم) صاف بتلا رہا ہے کہ آپ اپنی جماعت کی حفاظت کے لیئے جسکی زندگی پر اسلام کی زندگی کا مدار تھا دشمن سے لڑے کیونکہ دشمن نے خود پیشدستی کی اور آپ کی جماعت کو نابود کر دینے پر کمربستہ ہو گیا۔ غرض آپ نے مجبور ہو کر تلوار اُٹھائی اور ایسے کرنیکے سوا آپ کے لیئے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

غطفانیوں کے حملے میں جسکا اوپر ذکر ہو چکا ہے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال رحم اور کرم ثابت ہوتا ہے۔ اس غزوہ میں مینہ برسا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بھیگ گئے آپ نے اُتار کر ایک درخت پر لٹکا دیئے اور آپ اُس درخت کے نیچے سایہ میں لیٹ گئے لوگ بھی متفرق طور پر درختوں کے نیچے لیٹے ہوئے تھے۔ دعثور جو غطفانیوں کا سرغنہ تھا آپ کو لشکر سے الگ اُس درخت کے نیچے تنہا لیٹا ہوا پاکر آپ کی طرف آیا اور آپ کی ہی تلوار جو درخت پر لٹک رہی تھی کھینچکر اور آپکے سر پر کھڑا ہو کر پکار کر کہا من یمنعک منی الیوم۔ آج کون تجھے مجھ سے بچا سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اللہ اس جواب پر

اُسپر اسقدر رُعب پڑا کہ تلوار اُسکے ہاتھ سے گر پڑی۔ آپنے وہی تلوار اُٹھا کر للکار کر کہا کہ بتا اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔ اُسنے کہا کوئی نہیں آپنے اُسے معاف کر دیا اور فرمایا مَیں رحم کرنیکے لیئے آیا ہوں قتل کرنیکے لیئے نہیں۔ آپکے اس کمال رحم کو دیکھکر اور اسکے مقابل میں اپنی عداوت کو سوچکر اُسنے اُسی جگہ اسلام قبول کیا۔ آپنے اپنے صحابہؓ کو بلایا جو متفرق طور پر مختلف درختوں کے نیچے سوئے پڑے تھے جب وہ آئے تو اُس اعرابی کو آپکے پاس بیٹھا ہوا دیکھکر حیران ہوئے اور آپنے سارا واقعہ بیان کیا۔ (صحیح بخاری۔ جزو ثالث۔ کتاب المغازی صفحہ ۲۳) واقدی اور ابن سعد کے قول کے بموجب اسی غطفانی حملے کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت اُتری۔ یاایھا الذین اٰمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ ھمّ قومٌ ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکفّ ایدیھم عنکم (سورہ مائدہ پارہ ۶ رکوع ۲۔) (ترجمہ) اے ایمان والو! اللہ کی نعمت کو جو تمپر ہے یاد کرو جب ایک قوم نے تمپر دست درازی کرنی چاہی۔ پھر اُسکے ہاتھوں کو تم سے ہٹا رکھا۔

وعثور کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کمال درجے کے رحیم وکریم تھے۔ اور یہ اگر آپنے کفار سے جنگ کی تو مجبور ہوکر کی جب آپنے دشمن پر قابو پایا ایسے دشمن پر جو آپکو قتل کر دینا چاہتا تھا تو آپنے اُسکو اپنے کامل رحم سے معاف فرما دیا پس آپ کا ارادہ جنگ سے کفار کو قتل کرنا یا اُن کا مال لوٹنا معاذ اللہ نہ تھا جس طرح آپنے اس موقعہ پر عثور کے قصور کو معاف فرما دیا ایسا ہی آپنے فتح مکّہ پر تمام خونی دشمنوں کے قصور معاف فرما دیئے ایک منصف انسان صرف اسی امر سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ آپ کی لڑائیاں کسی جبر واکراہ کیلیئے نہ تھیں آپ کی فطرت پر رحم غالب تھا۔ ایسے رحیم وکریم سے یہ بعید ہے کہ خود بخود لوگوں کے ساتھ اُنکو قتل کرنے اور لوٹنے کی غرض سے لڑائی چھیڑ دے ورنہ قدرت پانے پر اپنے دشمنوں کو آپ کیوں چھوڑ دیتے؟

مَیں گذشتہ نمبر میں بیور کی شہادت اس امر کی نقل کر چکا ہوں کہ قریش کے قافلوں نے جب شام کا تجارتی راستہ جو مدینہ سے مغرب کی طرف واقع تھا چھوڑ دیا اور

نجد کے راستے اپنے قافلوں کو بھیجنا شروع کیا تو اُن قافلوں نے بنی سلیم و بنی غطفان اور دیگر بیابانی قوموں کو اُکسانا شروع کیا اور یہ زیادہ تر انہی کے اُکسانے اور انہی کے نمونہ کا نتیجہ تھا کہ بنی غطفان و بنی سلیم کے قبائل نے مسلمانوں پر شبخونی کرنیکے ارادہ سے بار بار اپنی جمعیت کو اکٹھا کرنا شروع کیا اور اس طرح مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ انکی جماعتوں کو منتشر کرنیکے لیئے بار بار کوچ کریں مگر جب یہ قبائل بھاگ جاتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم ان کا تعاقب نہیں کرتے تھے بلکہ اُنکا منتشر کر دینا ہی کافی سمجھ کر واپس مدینہ تشریف لاتے تھے۔ غرض جو کچھ بنو سلیم و بنو غطفان وغیرہم کی وجہ سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچی یہ زیادہ تر مکی قافلوں کی شرارت کا نتیجہ تھا۔ اور اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا تو خطرہ تھا کہ مخالفت کی آگ مکہ کے قافلے دوسرے قبائل میں بھی بھڑکا دینگے غرض یہ نہایت ضروری تھا کہ ان قافلوں کی شر سے بچنے کیلیئے حتی الوسع انکی آمد و رفت کو روکا جاتا جو تجارتی راستہ مدینہ سے مغرب کی طرف واقع تھا۔ اُس راستہ پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تشریف لیجا کر اُدھر کے بہت سے قبائل سے امن کے معاہدے کر لیئے تھے مگر اس نئے راستے پر جو قومیں آباد تھیں غارت گری اُنکا پیشہ تھا اسلیئے یہ امن کے معاہدوں کو نہیں جانتے تھے اور ادھر مکہ کے قافلوں کی شر کا سخت خطرہ تھا بلکہ اُس کا نتیجہ بھی مسلمان دیکھ رہے تھے اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس شر کا انسداد کرنیکے لیئے۔ ان قافلوں میں سے بعض کو روکنے کی تدبیر کی۔ اور جب تک ان نام کے قافلوں کو روکا نہ جاتا امن کا حاصل ہونا محال تھا۔ اسلیئے جب آپ کو ایک قافلہ کے گذرنیکی خبر پہنچی (جسکا سردار وہی ابوسفیان بن حرب تھا جس نے ۲۰۰ آدمیوں کو ساتھ لیکر مدینہ پر شبخون مارا تھا کھجوروں کو آگ لگا دی تھی اور دو آدمی قتل کر دیئے تھے) تو آپنے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت ایک جماعت بھیجی جسنے قافلہ پر مقام قردہ پر حملہ کر کے اسکو مغلوب کیا اور یہ قریش کا پہلا قافلہ تھا جسکو مسلمانوں نے روکا (ابن ہشام ذکر سریہ زید بن حارثہ) میور جسکو دشمنانِ اسلام کے ساتھ خاص ہمدردی ہے شکایت کرتا ہے کہ

مسلمانوں نے قریش کے قافلوں کی آمد و رفت کو روک کر بیچارے قریش کا قافیہ تنگ کر دیا۔ مسیحی معترض اُن تکالیف کو نہیں دیکھتے جو قریش اور دیگر دشمنانِ اسلام مسلمانوں پر وارد کرتے تھے۔ اسلام کے دشمن مسلمانوں کو خواہ کتنا ہی دُکھ دیں اور اُن پر خواہ کتنا ہی ظلم کریں۔ مسیحی معترض اُنکے فعل کی بُرائی ظاہر کرنیکے لیئے ایک سطر بھی نہیں لکھ سکتے۔ لیکن اگر مسلمان دشمن کو ظلم و تعدّی سے روکنے کے لیئے ہاتھ اُٹھائیں تو یکلخت کُل مسیحی صاحبان شور برپا کر دیتے ہیں کہ دیکھو ظلم ہو گیا! ظلم ہو گیا! اُنکے نزدیک کفارِ عرب کے لیئے تو مسلمانوں پر ہر ایک قسم کا ظلم کرنا جائز تھا مگر مسلمانوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ دشمن کو ظلم سے روکنے کیلیئے بھی ہاتھ اُٹھائیں۔

میور خود اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۶ و ۲۳۷ پر اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ جب قریش کے قافلوں نے نجد میں سے گذرنا شروع کیا تو اُنہوں نے راستہ کے قبائل کو مسلمانوں کے برخلاف اُکسانا شروع کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی سلیم و بنی غطفان مسلمانوں کی مال و جان کے دشمن ہو گئے۔ مگر قریش کے قافلوں کی اس شر کو مان کر بھی میور واویلا کرتا ہے کہ دیکھو مسلمانوں نے قریش کے قافلوں کو بھی لُوٹنا شروع کر دیا۔ تعجب ہے کہ مسیحی لوگوں کو قریش کے ساتھ اسقدر ہمدردی کہاں سے پیدا ہو گئی جسکی وجہ سے اُنکو قریش پر اسقدر رحم آتا ہے مگر مسلمانوں پر اُنکو کوئی رحم نہیں آتا اور اُنکے مشکلات کو دیکھکر اُنکے دلمیں کوئی ہمدردی پیدا نہیں ہوتی۔

ایک راستی پسند آدمی آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ ان قافلوں کی آمد و رفت کو روکنا مسلمانوں کیلیئے صرف جائز ہی نہ تھا بلکہ ضروری تھا۔ کیونکہ اوّل تو یہ قافلے ملک میں مسلمانوں کے برخلاف عداوت کی آگ بھڑکاتے تھے اور وحشی قوموں کو اُکساتے تھے کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوں اور چونکہ اُنکا رسوخ ملک میں بہت بڑھا ہوا تھا اسلیئے وہ آسانی سے قوموں کو مسلمانوں کے برخلاف بھڑکا سکتے تھے۔

دوم ان قافلوں کے ذریعہ مکّہ والے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کیلیئے سامانِ جنگ منگواتے تھے۔ چنانچہ جو قافلہ جنگ بدر کے موقعہ پر شام سے ابوسفیان کے ساتھ آ رہا تھا

وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنیکے واسطے سامان جنگ لا رہا تھا۔ چنانچہ جب یہ قافلہ مکہ میں پہنچا تو اس کا سامان لوگوں میں تقسیم نہیں کیا گیا تھا بلکہ دارالندوہ میں رکھا گیا تھا اور جب دوسرے سال قریش کے لشکر نے مدینہ پر چڑھائی کی اور اُحد کے مقام پر مسلمانوں سے مقابلہ ہوا اسوقت اسی سامان قافلہ کے ذریعہ لشکر کو مسلح کیا گیا۔ پس اس لحاظ سے بھی ضروری تھا کہ ان قافلوں کو روکا جاتا تا انکی مدد سے دشمن مسلح ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہو۔

سوم۔ قریش مسلمانوں سے جنگ چھیڑ چکے تھے اور جیسا کہ قرآن شریف شہادت دیتا ہے ابتداء قریش کی طرف سے ہوئی تھی (وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ۔ سورہ توبہ ۲) اسلیئے مسلمانوں کیلیئے ضروری تھا کہ ہر طرح دشمن کی قوت اور طاقت کو توڑیں۔ اگر جیسا کہ میور لکھتا ہے قافلوں کی آمد و رفت کے روکنے سے مکہ والوں کا قافیہ تنگ ہو گیا تھا تو کونسی چیز انکو مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کرنیسے روکتی تھی۔ اگر قافیہ تنگ ہو گیا تھا تو انکو اختیار تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے باز آجاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت صلح کے لیئے تیار تھے اور آپ کا منشا ہی یہ تھا کہ امن قائم ہو جاوے۔ چنانچہ جب حدیبیہ کے موقعہ پر دشمن نے صلح کرنی چاہی تو اگرچہ شرائط صلح بظاہر مسلمانوں کیلیئے موجب ہتک تھے اور سب مسلمان ایسی شرائط پر صلح کرنیکے مخالف تھے پھر بھی آپ نے بڑی خوشی سے قریش سے صلح کر لی اور صحابہؓ کی ناراضگی کی بھی کچھ پروا نہ کی۔ آپ دشمنوں کے ساتھ صلح کرنیکے لیئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اور خدائے تعالیٰ کا بھی یہی حکم تھا کہ اگر دشمن تجھ سے صلح کرنا چاہیں تو انسے صلح کرلے اور انکے گذشتہ ظلموں کو بھی معاف کردے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ (انفال ۸) یعنی اگر (تیرے دشمن) صلح کیطرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک اور خدائے تعالیٰ پر بھروسہ کر یعنی اس امر کی پروا

نہ کرکہ شاید یہ صلح کرکے دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ خواہ اُنکی نیت کیسی ہو تو بہرحال اُنکے ساتھ صلح کرلے) تحقیق خدائے تعالیٰ سُننے والا اور جاننے والا ہے (یعنی تیرا خدا اُنکی نیتوں کو جانتا ہے) اور اگر وہ تجھے (صلح کرکے) دھوکہ دینا چاہیں تو تیرا خدا تیرے لیئے کافی ہے۔ جنگ بدر کے بعد خدائے تعالیٰ نے فرمایا اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ (انفال-۲) یعنی (اے کفار) اگر تم فتح مانگتے تھے پس تحقیق فتح تو تمھارے پاس آگئی ہے (بدر کی فتح) اور (اب بھی) اگر باز آجاؤ (اور مسلمانوں سے لڑائی چھوڑ دو) تو تمھارے لیئے بہتر ہے اور اگر تم (لڑائی کی طرف) لوٹوگے تو ہم بھی لوٹیں گے اور تمھاری جماعت تمھیں کچھ بھی فائدہ نہ دیگی خواہ وہ (مسلمانوں کی نسبت) بہت ہی زیادہ ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ دیکھو بدر کے بعد بھی قریش کو موقعہ دیا کہ اب بھی وقت ہے صلح کرلو۔ اپنی کثرت کا گھمنڈ نہ کرو۔ خدائے تعالیٰ مومنوں کی مدد کریگا اور تمھیں ذلیل کرے گا۔ بہتر ہے کہ اب بھی صلح کرلو۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا (اگر تم فتح مانگتے تھے) یہ الفاظ ابوجہل کے اُس مباہلہ کو یاد دلاتے ہیں جو اُس نے بدر کے موقعہ پر کیا تھا۔ اُسکے مباہلہ کے الفاظ یہ ہیں۔ اللّٰھم من کان منا افسد فی القوم و اقطع للرحم فاحنہ الیوم۔ اے اللہ ہم دونوں میں سے جس نے قوم میں بگاڑ ڈالا ہے اور قطع رحمی کا باعث ہوا ہے اُسکو آج تباہ کرے۔ (ابن ہشام) چنانچہ اس مباہلہ کے بموجب وہ خود بھی اُسی دن ذلت کے ساتھ مارا گیا اور اُسکا لشکر بھی تباہ ہوا۔ غرض اگر مسلمانوں نے قریش کے قافلہ کو روکا تو میور مسلمانوں کو کیوں ملامت کرتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ وہ قریش کو ملامت نہیں کرتا کہ وہ خود جنگ کو جاری رکھتے تھے اور صلح کی طرف نہیں جھکتے تھے۔٭

غزوہ اُحد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے قبائل کے حملوں کو روکنے اور شہر مدینہ کی حفاظت کی تدابیر میں مصروف تھے۔ قریش مدینہ پر دوبارہ چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ عرب کے قبائل کی طرف قاصد بھیجے گئے اور اُنکو بھی اس آنیوالے

٭ اس قافلہ کا سردار ابوسفیان تھا جو اس سے پہلے ۲۰۰ آدمیوں کے ساتھ مدینہ پر شبخون مار چکا تھا اور دو آدمیوں کو قتل کرکے اور کھجوروں کو جلاکر بھاگ گیا تھا منہ

حملے میں شریک ہونیکے لیئے اُکسایا گیا۔ ابوسفیان کے قافلہ کا سامان جو دار الندوہ میں اسی غرض کیلیئے رکھا گیا تھا اُسکے ذریعہ فوج کے لیئے رسد اور ہتھیار مہیا کیئے گئے۔ اسی مال کی طرف قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ؕ (انفال ۴) یعنی یقیناً جو لوگ کافر ہیں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تاکہ (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکیں۔ سو ابھی اور خرچ کرینگے پھر (وہ مال) اُن کے لیئے حسرت اور افسوس کا موجب ہوگا پھر وہ مغلوب کیئے جائیں گے (انفال ۴)

اس طرح جنگ بدر سے ایک سال بعد تین ہزار آدمیوں کا لشکر مدینہ پر حملہ کرنیکے لیئے روانہ ہوا جنمیں ۷۰۰ زرہ پوش اور ۲۰۰ سوار تھے ابوسفیان اس لشکر کا سردار تھا۔ قریش کے ساتھ بنی تہامہ اور بنی کنانہ بھی شریک ہو گئے تھے۔ فوج کے ہمراہ قریش کی عورتیں بھی تھیں جن میں سب سے زیادہ جوشیلی ہندہ ابوسفیان کی بیوی تھی۔ یہ عورتیں لڑائی کے گیت گا کر سپاہیوں میں جوش پیدا کرتی تھیں۔ فوج کے ہمراہ مدینہ والوں کی بھی ایک جماعت تھی جنکا سردار ابو عامر راہب تھا۔ جب اس آنیوالے حملہ کی خبر مدینہ میں پہنچی تو مدینہ کے یہود اور منافقین میں ایک ولولہ پیدا ہو گیا اور وہ یہ سوچکر نہایت خوش ہوئے کہ اب یہ لشکر مہاجرین اور اُنکے مددگاروں کا خاتمہ کرکے واپس جائیگا دشمن بھی بڑے گھمنڈ سے جا رہا تھا۔ اِس فوج نے مدینہ کی طرف اُس راہ سے کوچ کیا جو ساحل کے قریب تھا یعنی وہ راہ جسپر ابوجہل کی فوج نے (جس نے مقام بدر پر شکست کھائی تھی) کوچ کیا تھا۔ مدینہ پہنچکر لشکر نے اُحد کے پہاڑ کے دامن میں مدینہ سے ۲ یا ۳ میل شمال مشرق کی طرف ایک مختص مقام میں ڈیرے لگائے اور مدینہ والوں کے کھیتوں اور باغوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار آدمی ساتھ لیکر شہر سے نکلے عبداللہ بن اُبیّ ایک سردار جسکا پہلے ذکر گذر چکا ہے اب عین معرکہ جنگ اور اس لڑے وقت میں اپنے تین سو آدمی لیکر الگ ہو گیا اور مسلمانوں کی تعداد اب صرف ۷۰۰ رہ گئی۔ جنہیں صرف دو گھوڑے تھے۔ منافقین کی اس کارروائی

سے جو اُنہوں نے یہود کے مشورہ سے کی صاف ثابت ہوتا ہے کہ اُن کا ارادہ تھا کہ مسلمان تباہ ہو جاویں اور عین معرکہ جنگ کے وقت الگ ہونا اسلیئے اختیار کیا گیا کہ مسلمان حوصلے ہار دیں مگر مسلمانوں کا بھروسہ خدائے تعالیٰ پر تھا۔ باقی ۷۰۰ آدمیونکی جمعیت برابر بڑھتی گئی۔ اور کوہ اُحد پر پہنچکر رات اس پہاڑ کی کھو میں کاٹی۔ صبح ہوتے ہی لشکر نے نماز فجر ادا کی اور دشمن کا مقابلہ کرنیکے لیئے میدان میں اُترے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پہاڑ کے پیچھے نیچے کھڑا کیا۔ اور عبد اللہ بن جبیر کو چند آدمیوں کے ساتھ لشکر کے پیچھے ایک ٹیلے پر جدھر سے دشمن کو حملہ کرنیکا موقعہ مل سکتا تھا کھڑا کر دیا۔ اور حکم دیا کہ جو ہو سو ہو خبردار یہاں سے ہرگز نہ ہلنا۔ مشرکین اپنی کثرت کے گھمنڈ میں اپنے ٹھاکروں کو وسط لشکر میں رکھے ہوئے آگے بڑھے اور اُنکے سرداروں کی بیبیاں لڑائی کے گیت گاتی تھیں۔ اس لڑائی کا نقشہ جو میور نے کھینچا ہے مَیں وہی اس جگہ نقل کرتا ہوں۔ وہ لکھتا ہے۔

"قریش کا جھنڈا اُٹھائے ہوئے طلحہ (ابن عبد العزیٰ) اکیلا آگے بڑھا۔ اور مسلمانوں کو للکار کر مقابلہ کے لیئے بلایا۔ مسلمانوں کی طرف سے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) نکلے اور اُسپر حملہ کرکے ایک ہی تلوار سے اُسکو مار کر زمین پر گرا دیا۔ اسکے بعد طلحہ کا بھائی عثمان آگے بڑھا اور اپنے مُردہ بھائی کے پاس ہی جھنڈا اُٹھا کر میدان میں کھڑا ہو گیا۔ عثمان کے مقابل میں (حضرت) حمزہ (رضی اللہ عنہ) نکلے اور تھوڑی دیر کے بعد اُسکو بھی مار کر نیچے گرا دیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے طلحہ کے خاندان یعنی دو بھائیوں اور تین بیٹوں نے جھنڈے کو اُٹھایا اور سب باری باری قتل ہوتے گئے۔ جب تک یہ طریق جو عرب کے طرز جنگ کے مطابق تھا جاری رہا قریش نے اپنی کثرت سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا اور اُنکے علم برداروں کے یکے بعد دیگرے قتل ہونے سے اُنپر دہشت چھا گئی۔ اب گھمسان کا جنگ شروع ہوا مگر مسلمان ایسی بہادری اور جانفشانی سے لڑے کہ قریش کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اُن کے سواروں نے مسلمانوں کی جماعت پر بار بار حملہ کرنا چاہا

مگر عبداللہ بن جبیر کی جماعت نے جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کے پیچھے ایک ٹیلے پر کھڑا کیا تھا ہر مرتبہ ان سواروں پر ایسے تیر برسائے کہ انکو واپس ہٹنا پڑا۔ جیسا بدر کے مقام پر مسلمانوں نے اپنی جانوں کی کچھ بھی پروانہ کرکے نہایت شجاعت اور جانبازی سے دشمن کا مقابلہ کیا تھا ایسا ہی اب بھی کیا۔ جب ابو دجانہ جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار دی تھی اپنے سر پر سرخ رومال باندھے ہوئے دشمن کی صفوں کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک کاٹتا ہوا جاتا تھا تو اُسکے آگے دشمن کی صفیں متزلزل ہوتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) اپنے سر پر ایک لمبا سفید پر بطور نشان کے باندھے ہوئے۔ (حضرت) حمزہ (رضی اللہ عنہ) جنکے سر پر شتر مرغ کا پر لہرا رہا تھا۔ اور (حضرت) زبیر (رضی اللہ عنہ) چمکیلی زرد پگڑی باندھے ہوئے جدھر جاتے تھے دشمن میں ہل چل پڑ جاتی۔ ایسی نظارے تھے جن میں اسلامی فتوحات کے لیڈروں نے تربیت پائی "

(لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ ولیم میور)

قریش کی صفوں کی پریشانی کو دیکھکر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ قریش کی فوج کے اندر گھس گئے اور جو سامنے آتا اُسکو تہ تیغ کرتے تھے۔ مسلمانوں کو فتح ہو چکی تھی اور دشمن کے تین ہزار مسلح جوانوں کو صرف سات سو مسلمانوں نے بھگا دیا تھا کہ عبداللہ بن جبیر کی جماعت جو گھاٹی پر کھڑی تھی دشمن کو بھاگتے ہوئے دیکھکر اور یہ خیال کرکے کہ اب تو لڑائی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے برخلاف غنیمت میں حصہ لینے کے لئے نیچے اُتر آئی۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضہ نے بہت روکا مگر انہوں نے کچھ پروانہ کی۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضہ خود اور چند اُنکے ساتھی اُسی مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کھڑے رہے۔ باقی اُتر آئے۔ خالد بن ولید جو قریش کیطرف سے لڑتا رہا تھا اور اب قریش کے سواروں کے ساتھ بھاگ رہا تھا جب اُس نے اُس مقام کو خالی دیکھا جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

عبداللہ بن جبیرؓ کی جماعت کو کھڑا کیا تھا تو وہ سواروں کو ساتھ لیکر لوٹا حضرت عبداللہؓ اور آپکے چند ساتھی جو گھاٹی پر کھڑے تھے اُن سواروں کا مقابلہ کرکے شہید ہو گئے اور اب ان سواروں نے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کیا۔ قریش کی جو فوج بھاگ رہی تھی وہ بھی ان سواروں کو دیکھکر لوٹی مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت آگے پیچھے دونوں طرف سے کثیر التعداد دشمنوں سے گھر گئی مگر پھر بھی وہ بہادری سے لڑتی رہی۔ اُس گھمسان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے دیگر مسلمان شہید ہوئے۔ حضرت علی۔ حضرت عمر۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہم بھی سخت زخمی ہوئے۔ اب دشمنوں نے ملکر خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نشانہ بنالیا اور سب آپ پر امنڈ آئے۔ اور چند صحابہؓ نے جو اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے نہایت ہی جوانمردی سے اپنی جانیں قربان کرکے آپکے پاک وجود کو دشمن کے حملوں سے بچانیکی کوشش کی۔ اور کئی آپکے پاس شہید ہوئے۔ طلحہ (ابن عبداللہ) آپکے مبارک چہرہ کے آگے اپنا ننگا بازو رکھکر آپکے چہرہ مبارک کو دشمن کے حملوں سے بچاتا تھا اور اُسکے بازو پر اسقدر زخم لگے کہ وہ بازو ہمیشہ کیلئے شل ہوگیا۔ ابو دجانہ نے اپنے وجود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دشمنوں کے درمیان حائل کر دیا اور جو وار دشمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے وہ اپنے جسم پر جھیلتا مگر اپنی جگہ سے نہ ہلتا۔ کیا مسیحی صاحبان دنیا کی تاریخ میں ایسی وفاداری اور جان نثاری کی نظیر پیش کر سکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے ظہور میں آئی۔

دشمنوں نے تیر۔ تلوار اور پتھروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حملے کیے۔ آپ کا نچلا ہونٹ زخمی ہوا۔ آپکے دانت شہید ہوئے۔ آپکے خود کے حلقے آپکے چہرہ میں گھس گئے۔ آپ کی پیشانی مبارک پر بھی زخم پہنچا۔ جنگ کے اثنا میں ایکدفعہ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ ایک شیطان نے بلند آواز سے پکار کر کہا ان محمداً قد قتل کئی مسلمانوں کے دل چھوٹ گئے۔ اور کئی میدان جنگ سے ہٹ گئے۔ انس بن النضر کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ایک جماعت کے پاس سے گذرا جو دل چھوڑ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس نے دریافت کیا تم کس چیز کی انتظار کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ انس بن النضر نے کہا ما تصنعون بالحیوٰۃ بعدہٗ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تم جی کر کیا کرو گے۔ اُٹھو اور جس طرح آپ نے خدا کی راہ میں جان دیدی تم بھی اُسی راہ میں اپنی جان دیدو۔ یہ کہکر وہ کفار کی طرف بڑھا۔ راستے میں اُسکو سعد بن معاذ ملا۔ انس نے اُسے کہا انی لاجد ریح الجنۃ من دون احد۔ مجھے اُحد کی طرف سے جنّت کی خوشبو آتی ہے۔ پھر وہ کفار کے ساتھ جاکر لڑا اور لڑتے لڑتے شہید ہوگیا اور اُس کے جسم پر ستّر زخم تھے یہانتک کہ کوئی اُسے پہچان بھی نہیں سکتا تھا۔ اُسکی ہمشیرہ نے انگلیوں کے پوروں کے ذریعہ اُسے پہچانا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ نے یعصمک من الناس کے وعدہ کے مطابق دشمن کی تلواروں اور تیروں اور پتھروں میں سے بچالیا۔ صحابہؓ دشمنوں کو مار مار کر پیچھے ہٹاتے رہے یہانتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر محفوظ جگہ میں پہنچا دیا۔ جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو رفتہ رفتہ سب صحابہؓ آپکے پاس جمع ہوگئے۔ ستّر مسلمان اس جنگ میں شہید ہوئے۔ کفار نے بڑی بیرحمی سے صحابہؓ کی لاشوں کو کچلا۔ عورتوں نے مقتولین کے گوش و بینی کاٹ کر اُنکے ہار بنائے اور گلے میں پہنے ہندہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکالکر چبایا۔ جب صحابہؓ نے شہیدوں کی لاشوں کا یہ حال دیکھا تو اُنکی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسقدر صدمہ پہنچا کہ آپ نے اپنے صحابہؓ کو حکم دیا کہ آئندہ تم بھی کفار کی لاشوں سے ایسا ہی سلوک کرنا اور اپنے پیارے جان نثار چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھکر فرمایا لامثلن بسبعین منھم مکانک یعنی تیرے عوض میں اُنکے ستّر کو مثلہ کروں گا۔ مگر فطری رحم عارضی بشری غضب پر غالب آکر مندرجہ ذیل آیت کے نزول کا محرک ہوا۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ۔ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ (پارہ ۱۴- سورہ نحل- رکوع ۱۶) یعنی اگر تم سزا دینی چاہو تو بس اتنی ہی جتنی تمکو تکلیف دیگئی۔ اور اگر تم برداشت کر جاؤ تو یہ امر صابرین کیلئے بہت اچھا ہے۔ اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لاشوں کے پامال کرنے اور مثلہ کرنے کی قبیح رسم کو ہمیشہ کیلئے قطعًا حرام کردیا اور صرف اسلام کو ہی یہ فخر حاصل ہوا۔ یہ رسم اسلام

سے پہلے سب قوموں میں جاری تھی۔ یہود اپنے اسیروں کو زندہ جلا دیتے اور مقتولین کی لاشوں کو بڑی بے رحمی سے پامال کرتے۔ رومیوں۔ فارسیوں اور یونانیوں میں بھی یہ قبیح رسم جاری تھی عیسائیت نے بھی اس خوفناک رسم میں کوئی اصلاح نہ کی۔ سولھویں صدی مسیحی تک عیسائی زندہ آدمیوں کے اعضا کاٹ کاٹ کر انکو قتل کرتے تھے۔

جنگ کے ختم ہونیکے بعد کفار کے لشکر نے مکہ کی راہ لی۔ اب انہیں یہ طاقت نہ تھی کہ مدینہ پر حملہ کر کے دوبارہ لڑائی کو چھیڑیں۔ کیونکہ وہ میدان میں مسلمانوں کے ہاتھ دیکھ چکے تھے۔ اگر مسلمانوں کو اس جنگ میں تکلیف پہنچی تو وہ اُن تیراندازوں کی غلطی کا نتیجہ تھا۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا خلاف کیا کفار کی بہادری تو اسوقت ظاہر ہو گئی تھی جب کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے یہانتک کہ وہ اپنی عورتوں تک پہنچ گئے۔ اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو چکی تھی۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۔ (آل عمران۔۱۶) اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو اپنا وعدہ (فتح کا) سچا کر دیا تھا جب تم اُنکو (کفار کو) اللہ تعالیٰ کے حکم سے کاٹتے تھے یہانتک کہ تم پھسل گئے اور جھگڑا کیا (نبی کے) حکم میں اور نافرمانی کی بعد اسکے کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو وہ چیز دکھا دی تھی جو تم چاہتے تھے (یعنی فتح دکھا دی تھی) غرض کفار نے لڑائی کا مزہ چکھ لیا تھا انہوں نے اتنے ہی کو غنیمت سمجھا کہ ہم اس کہنے کے لائق ہو گئے ہیں کہ ہمیں فتح ہوئی۔ اسلیئے انہوں نے مدینہ کا رُخ نہ کیا تا بنا ہوا کام کہیں پھر نہ بگڑ جائے اور نہ انہیں اب یہ سکت رہی تھی کہ مدینہ پر حملہ کر کے لڑائی کو دوبارہ اپنے ذمہ ڈال لیں۔ اسلیئے انہوں نے سیدھا مکہ کا رُخ کیا لشکر کی روانگی سے پہلے کفار کا سردار ابوسفیان اس جگہ آیا جہاں مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع تھے۔ یہاں آکر اسکو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اسلام کے ارکین جیسا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما صحیح و سالم ہیں۔ اور جو صدمہ وہ

اسلام کو پہنچانا چاہتا تھا اُس میں اُس کو ناکامی ہوئی ہے۔ اور جو جوابات اُسکو مسلمانوں کی طرف سے ملے اُن سے بھی اُسکو ثابت ہوگیا کہ مسلمانوں کی قوت اور شجاعت میں ابھی کوئی ضعف نہیں آیا۔ چلتے ہوئے وہ مسلمانوں کو چیلنج دے گیا کہ آئندہ سال پھر بدر پر لڑائی ہوگی۔ راستے میں جب قریش نے شیخی سے لوگوں کو سنایا کہ ہم فتحیاب ہو کر آئے ہیں تو لوگوں نے اُنسے دریافت کیا کہ اگر تم درحقیقت فتح پاکر آئے ہو تو فتح کے نشان دکھلاؤ۔ قیدی اور غنیمت کا مال تمہارے پاس کہاں ہیں چنانچہ جب کفار کا لشکر حمراء الاسد میں پہنچا جو مدینہ سے قریباً ۸ میل کے فاصلہ پر ہے تو لوگوں نے اُن کو ملامت کرتے ہوئے کہا۔ لا محمداً قتلتم ولا الکواعب اردفتم بئس ما صنعتم۔ ارجعوا۔ یعنی تم کس فتح پر ناز کرتے ہو۔ نہ تو تمنے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کیا اور نہ مسلمانوں کی جوان عورتیں (لوٹ کر) اپنے پیچھے چڑھا لائے تم نے بُرا کیا۔ پھر لوٹ جاؤ۔ یہ ایسی باتیں تھیں کہ انکا جواب انکے پاس کچھ نہ تھا۔ سوچا کہ واقعی ہمیں کوئی ایسی کامیابی حاصل نہیں ہوئی جسکا ہم فخر کرسکیں اسلیئے شرم کو مٹانے کیلئے پھر لوٹنا چاہا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قریش پھر لوٹنا چاہتے ہیں تو آپنے صحابہؓ کو فوراً جنگ کے لیئے نکلنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر کوئی بھی میرے ساتھ نہ گیا تو مَیں تنہا جاؤں گا اور کفار سے جنگ کروں گا۔ مسلمان اگرچہ اکثر زخمی تھے۔ اور دن بھر کی گھمسان کی لڑائی کا تھکان بھی تھا پھر بھی لڑائی کے لیئے مستعد ہوگئے۔ اور اُحد کی لڑائی سے دوسرے دن ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب صحابہؓ کو ساتھ لیکر حمراء الاسد تک دشمن کا تعاقب کیا۔ مگر کفار کو کہاں حوصلہ تھا کہ پھر مسلمانوں سے لڑائی کریں اسی میں اُنہوں نے خیر سمجھی کہ ایک دفعہ بھاگ گئے اور شکست کھانے کے بعد شرم رہ گئی۔ آخر پھر مکہ کی طرف مُنہ کیا اور ابو سفیان نے راستے سے یہ پیغام بھیجا کہ مَیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلمانوں کی دوسرے سال آکر بیخکنی کروں گا۔ اگر اُس میں بیخکنی کی طاقت تھی تو اُسی وقت لوٹ کر بیخکنی کیوں نہ کرلی۔

یہ بھی صرف فرار کو ڈھانپنے اور بزدلی پر پردہ ڈالنے کیلئے تھی۔ راستے میں ابوسفیان کے سپاہیوں کو دو مسلمان ہاتھ آگئے اُنکو قتل کر کے مکہ کی طرف چلدیئے۔

قریش تو اسلام کے دشمن تھے ہی مگر ہمارے مسیحی مہربانوں کو اسلام کے ساتھ اُنسے کم بغض نہیں۔ قریش خواہ کیسی بے رحمی کے مرتکب ہوں اُنکو معاف۔ اگر مسلمان مجبور ہوکر اپنی اور اپنے اہل وعیال اور اپنے دین کی حفاظت کے لیئے ہاتھ اُٹھائیں تو مسیحی صاحبان شور مچا دیتے ہیں کہ دیکھو بھائیو! ظلم ہوگیا۔ اسی جنگ اُحد کو دیکھو۔ کفار نے مسلمانوں کی لاشوں کی کیسی بے رحمی سے بے حرمتی کی۔ مگر کیا مسیحی صاحبان میں سے کسی نے کبھی قریش کو ظالم اور بیرحم ٹھہرایا۔ اور جیسا کہ مسلمانوں کے ایک ایک کام کو چن چن کر اور اُسپر اپنا رنگ چڑھا کر شور ڈالتے اور واویلا کرتے ہیں اس طرح کبھی قریش کے مظالم کو گن گن کر کبھی اُنپر بھی ایسا ہی شور مچایا ہے؟ برخلاف اسکے قریش تو انکے نزدیک بالکل بے قصور اور مظلوم ہیں اور مسلمانوں کو عجیب عجیب ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ کاش کہ مسیحی صاحبان کے دل میں رائی بھر بھی انصاف ہوتا اور وہ اُنہی دردانگیز الفاظ پر غور کرتے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے بلا کسی بناوٹ اور تکلف کے اسوقت نکلے جب صحابہؓ آپکے چہرہ مبارک سے خون کو دھو رہے تھے کیونکہ وہی الفاظ اِس امر کے فیصلہ کیلئے ایک انصاف پسند آدمی کے نزدیک کافی ہیں کہ فریقین میں سے کس کی طرف سے زیادتی تھی جب آپکے زخموں کو دھویا جا رہا تھا تو آپنے فرمایا کیف یفلح قوم خضبوا وجہ نبیھم وھو یدعوھم الی ربھم (ابن ہشام۔ بیان غزوہ اُحد) یعنی وہ قوم کس طرح بامراد ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو اُسی کے خون سے رنگ دیا صرف اس وجہ سے کہ وہ اُنکو اُنکے رب کی طرف بلاتا ہے۔ یہ الفاظ بالکل بناوٹ اور تکلف سے خالی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندرونی خیالات کا صحیح صحیح نقشہ پیش کرتے ہیں اور ایک منصف مزاج انسان کیلئے انسے بہتر حقیقی فیصلہ تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ انسے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لیئے نہیں لڑتے تھے کہ آپنے اُنسے پہلے جنگ چھیڑی تھی بلکہ انکی لڑائی کی بنا اُس عداوت پر تھی جو فتریر لوگوں کو ہمیشہ

اپنے انبیاء کے ساتھ ہوتی ہے۔ اگر مسیحی صاحبان اس امر کو صفائی سے سمجھنا چاہتے ہیں تو یہی بات دوسرے الفاظ میں اس طرح بیان ہو سکتی ہے کہ قریش کے جنگ کی بنا اُسی عداوت پر تھی جو مسیحؑ کے صلیب پر لٹکایا جانے اور مُنہ پر تھوکا جانے کا باعث ہوئی۔ اور اگر مسیحی صاحبان اس امر کو اور بھی واضح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں تو میں یوں کہوں گا کہ قریش کے حملے مسلمانوں پر اُسی بُغض اور کینہ کی وجہ سے تھے جس کی وجہ سے ابتک مسیحی صاحبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ناپاک حملے کر رہے ہیں۔ دونوں قسم کے حملوں کا دراصل باعث ایک ہی ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ عرب کے جاہل تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کرتے تھے مگر آجکل کے تہذیب کے مُدعی قلم اور زبان سے اسلام پر حملے کرتے ہیں۔ تعجب ہے کہ مسیحی صاحبان کو اسلام سے اسقدر تعصب اور بُغض ہے کہ اس تعصب کی وجہ سے وہ دنیا کی تاریخ کو بدلنا چاہتے ہیں۔ پہلے تو ہمیشہ سے سُنت اللہ یہی چلی آئی ہے کہ قومیں اپنے ناصحین سے عداوت کرتی تھیں مگر انکے نزدیک جب عرب میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے اپنی قوم کو توحید کی طرف بلایا اور بت پرستی سے اُنکو نفرت دلائی اور کئی سال صبر سے طرح طرح کے مظالم کو بھی برداشت کیا مگر عجیب بات یہ ہے کہ دنیا کی تمام تاریخ کے برخلاف مسیحی صاحبان اُسی ناصح کو ظالم ٹھہراتے ہیں اور اُسکی قوم کو مظلوم قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اس امر سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ وہ شرک و گمراہی کے گڑھے میں ڈوبی ہوئی تھی اور اُس ناصح نے اُنکو توحید اور ہدایت کی طرف بلایا۔ انگریزی میں ایک مثل ہے کہ تاریخ ہمیشہ اپنے تئیں دُہراتی رہتی ہے مگر تعجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کے نزدیک زمانہ کی تاریخ بالکل اُلٹ گئی وہ جو ناصح تھا ظالم ٹھہرا اور اُسکی قوم دنیا کی تمام قوموں کے برخلاف مظلوم بنی۔

اسی جنگ اُحد میں اور کئی ایسی باتیں ہیں جنسے ایک انصاف پسند انسان نتیجہ نکال سکتا ہے کہ قریش کی غرض مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے میں کیا تھی میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ کفار اپنے ساتھ اپنے بُت لائے تھے اور لڑائی کے وقت انہوں نے اُن ٹھاکروں کو قلب لشکر میں رکھا۔ اور پھر جب ابوسفیان کی گفتگو لڑائی کے بعد مسلمانوں

کے ساتھ ہوئی اُسوقت اُسنے پکار کر کہا اعل ھبل (ھبل دیوتے کی جے!) جسکے جواب میں مسلمانوں نے کہا اللہ اعلیٰ واجل (یعنی اللہ تعالیٰ سب سے اونچا اور سب سے بزرگ ہے) پھر اُسنے پکار کر کہا لنا العزی ولا عزی لکم یعنی عُزّیٰ (بُت کا نام ہے) ہمارا ہے تمہارا نہیں جسکے جواب میں مسلمانوں نے کہا اللہ مولٰنا ولا مولیٰ لکم یعنی اللہ تعالیٰ ہمارا آقا و مددگار ہے اور تمہارا کوئی حامی و مددگار نہیں۔

لڑائی کے وقت بُتوں کو اپنے قلب لشکر میں اس طرح رکھنا جس طرح بادشاہ اپنے لشکر کے وسط میں کھڑے ہوتے ہیں اور مقابلہ میں اپنے بتوں کی جے پکارنا جس طرح سپاہی اپنے بادشاہ کا نام فتح کے وقت پکارتے ہیں صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تئیں بتوں کے سپاہی خیال کرتے تھے اور اُنکی ساری لڑائیاں اپنے بُتوں کی عزت کے لیئے تھیں۔ چونکہ اسلام کا حملہ اُنکے بُتوں پر تھا اسلیئے اپنے بُتوں کی حمایت میں اُنکی سلطنت قائم رکھنے کے لیئے وہ اسلام پر حملہ کرکے اُسکو نابود کرنا چاہتے تھے۔

اس جنگ سے دو بڑے فائدے حاصل ہوئے۔ اوّل تو منافقین کا نفاق اور یہود کا عناد صاف طور پر کُھل گئے۔ دوسرا مسلمانوں کو یہ سبق حاصل ہوا کہ اُنکی کامیابی کی مدار کسی اُنکی اپنی طاقت اور قوت پر نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اس بات پر موقوف ہے کہ وہ رسول کی اطاعت سے کسی وقت روگردانی نہ کریں۔ اُنکو اطاعت رسول کا ضروری سبق دیا گیا اور اُنکو دکھا دیا گیا کہ خدائے تعالیٰ تو تمہیں فتح دینے پر قادر ہے خواہ تم تعداد میں تھوڑے اور سامان میں کمتر ہو مگر یہ فتح اس شرط کے ساتھ وابستہ ہے کہ تم رسول کے حکم پر چلو۔ رسول کی معصیت سے اُنکو شکست کا مُنہ دکھا کر اُنپر ثابت کر دیا کہ اطاعت کیسی ضروری ہے۔ یہ ایک ایسا سبق مسلمانوں کو سکھایا گیا جسکی قیمت کا اندازہ اس نقصان کے اندازہ سے زیادہ ہے جو مسلمانوں کو اُحد کے دن پہنچا۔

آپنے مدینہ سے نکلنے سے پہلے اپنے صحابہؓ کو اپنا ایک رؤیا سنایا آپنے دیکھا کہ آپ زرہ پہنے ہوئے ایک مینڈھے پر سوار ہیں۔ آپکی تلوار نوک کے پاس سے ٹوٹ گئی مگر دوبارہ جلدی درست ہو گئی۔ اور آپ کی آنکھوں کے سامنے ایک بیل ذبح کیا گیا۔ آپنے فرمایا کہ تلوار کے

ٹوٹنے سے مراد ہے کہ مجھے کچھ نقصان پہنچیگا۔ بیل ذبح ہونے سے میری جماعت کے بعض افراد کا شہید ہونا مراد ہے۔ مینڈھے پر سوار ہونا دشمن میں خونریزی ظاہر کرتا ہے اور زرہ سے مراد مدینہ ہے جو محفوظ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ صحابہؓ نے جب یہ سُنا کہ مسلمانوں میں کئی آدمی شہید ہونگے تو بعض صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ دعا فرماویں کہ اُن شہدا میں ہم بھی شامل ہوں۔

دیکھو ابن ہشام۔ زاد المعاد۔ مواہب زرقانی۔ فصل الخطاب مصنفہ حضرت مولوی نورالدین لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ ولیم میور)

وید

آریوں کا ایک رسالہ گروکل سے انگریزی میں نکلتا ہے جسکا نام "ویدک میگزین" ہے اس میں ایک نامہ نگار الہام کی ضرورت کے بارے میں لکھتا ہے "انسان فطرتاً کامل نہیں۔ ہر ایک سچائی کا چشمہ پرماتما کی ذات ہے۔ وہی ایک کامل حاضر و ناظر اور علیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے نقائص کے سبب سے ہر لحظہ مزید روشنی کے محتاج ہیں اور باوجود تمام علوم و ہنر اور فلسفہ کے ہمکو مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ "اے خدا تیرا کلام میرے راستہ کی روشنی ہے"۔ یہانتک تو مضمون نگار صاحب بالکل ایک مسلمان کی طرح لکھتے ہیں لیکن تعجب کی بات ہے کہ باوجود ایسے معتقدات کے آریہ سماج بھارت ورش کے چند رشیوں کے سوا جو انکے خیال کے مطابق ابتدائے عالم میں تھے اور سب پر الہام کا دروازہ مسدود کرتی ہے۔ نامہ نگار موصوف دوسری الہامی کتابوں کی نسبت اُسقدر سختی سے کام نہیں لیتا جو کہ آریہ سماجی دوستوں کا خاصہ ہے۔ جہانتک ہمارا علم ہے آریہ سماج کا یہ عقیدہ ہے کہ ویدوں کے سوا تمام کتابیں انسانی بناوٹ ہیں اور یہ کہ تمام انبیاءؑ جو آریہ ورت میں پیدا نہیں ہوئے معاذ اللہ راستباز نہیں تھے۔ لیکن نامہ نگار مذکور آریہ سماج کے

اس عقیدہ کے متعلق لکھتا ہے "کہ یہاں پر آریہ سماج نے ایک مدعیانہ رنگ اختیار کر لیا ہے۔ اور چونکہ الہام انسانی ضروریات میں سے ہے اسلیئے یہ سوال ہو سکتا ہے کہ وید کے سوا دوسری کتابوں کو کیوں الہامی نہ مانا جاوے۔ یہ ایک متنازعہ فیہ امر ہے اور جبتک وید۔ بائبل اور قرآن زمین پر موجود ہیں یہ جھگڑا باقی رہیگا اور اسکا حل مشکل بھی ہے"۔ اگرچہ مضمون نگار اس سوال کو مشکل اور ناقابل حل قرار دیتا ہے مگر اُسکے ہم مذہب دوسرے آریہ سماجی اسے ایک فیصلہ شدہ امر سمجھتے ہیں۔ اور آریہ سماج نے کبھی اشارۃً بھی اس امر کا اظہار نہیں کیا کہ وید کے سوا کوئی اور بھی الہامی کتاب ہو سکتی ہے۔ مگر یہ مضمون نگار صاحب آریہ سماج کے اس عقیدہ کو ماننے کے لیئے تیار نہیں اور اُنکے خیال میں اس امر کا فیصلہ کرنا ہی مشکل ہے۔ لیکن ایک مسلمان کو اس میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جو لالہ صاحب کی اسقدر پریشانی کا موجب ہوئی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہر قوم میں خدا کے تعالیٰ کے رسول مبعوث ہوئے چنانچہ ارشاد باری ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ (فاطر) یعنی ہر ایک قوم میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا آتا رہا ہے۔ اسلیئے کوئی وجہ نہیں کہ ایک مسلمان ویدوں کے در اصل الہامی ہونیکا انکار کرے۔ اور اگر ویدوں میں کوئی ایسی تعلیم ملتی ہے جو کہ خدا کے تعالیٰ کے نبیوں کی پاک تعلیم کے مخالف ہے مثلاً نیوگ یعنی اولاد حاصل کرنیکے لیئے کسی مرد کا اپنی بیوی کو دوسروں سے ہم بستر کرانا وغیرہ تو ایسی غلط تعلیم کو انسانی دست اندازی اور تحریف قرار دیا جا سکتا ہے۔ الغرض فرقان حمید کے ماننے والوں پر لازم آتا ہے کہ وہ دنیا کے ہر ایک نبی کی توقیر کریں خواہ وہ کسی قطعہ زمین پر پیدا ہوئے ہوں۔ لائق نامہ نگار کو جو مشکل پیش آئی ہے وہ آریہ سماج کے اس عقیدہ کا ہی نتیجہ ہے کہ آریہ ورت کے علاوہ کسی ملک میں الہام الٰہی نہیں ہوا۔

لیکن اس اعتقاد کی لغویت کسی تصریح کی محتاج نہیں۔ زمانہ قدیم میں قوموں کا ایک دوسرے سے کوئی رابطہ اور واسطہ نہیں تھا۔ ایک ملک کے لوگوں کو یہ معلوم

نہیں تھا کہ دوسرے ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ اس سبب سے جیسا کہ قرآن مجید سے پایا جاتا ہے مختلف ممالک میں مختلف انبیاء کا ظہور ہوا۔ اب دیکھیئے کہ ویدوں کو ہندوستان میں بھی لوگ اچھی طرح نہیں جانتے پھر دوسرے ممالک کا خیال محض خیال ہی نہیں تو اور کیا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ویدوں کا نزول دنیا کی تمام قوموں کیلئے ہوا ہی نہیں اور بڑے لطف کی یہ بات ہے کہ اس زمانہ میں بھی جبکہ تمام دنیا صرف ایک بڑے ملک کا حکم رکھتی ہے ویدوں کے ماننے والوں میں بھی اُن کے پڑھنے والے بہت ہی کم ہیں۔ ہمارے آریہ دوست اگرچہ اس بات کے مدعی ہیں کہ ویدوں کا پرچار کُل دنیا پر کریں گے مگر تا حال اُنکا ہاتھ بھی اُن مخفی خزانوں تک نہیں پہنچا جو عالم خیال میں مقدس ویدوں کے اندر جمع ہیں! اگرچہ آریہ سماج کا تیسرا نیم یہ ہے کہ "ہر ایک آریہ کا فرض ہے کہ ویدوں کو پڑھے پڑھائے۔ سُنے اور سُنائے" مگر باوجود اس حکم کے بہت سے مہاشہ ایسے ہونگے جنکو یہ بھی نصیب نہیں ہوا کہ وید کو ایک نظر سے تو دیکھ لیں۔

اب ہمارے ناظرین ان حالات کا مقابلہ ذیل کی تحریر سے کریں۔ جو کہ سی ڈبلیو آر چیبولڈ ایک امریکن اخبار میں لکھتے ہیں صاحب موصوف لکھتے ہیں "مسلمانوں کے ملکوں کی سیر کرنیوالے سیاحوں نے عموماً بیان کیا ہے کہ اہل اسلام جسقدر قرآن سے محبت رکھتے ہیں اسقدر مسیحی لوگ بائبل سے نہیں رکھتے۔ میرا اپنا علم یہ ہے کہ مسجدوں اور اسلامی مکتبوں میں بجز سوائے قرآن کے اور کسی چیز کی تعلیم نہیں دیکھی اور میں سمجھتا ہوں کہ قاہرہ کی اسلامیہ یونیورسٹی میں بھی یہی حال ہوگا جسکی نسبت ایک مصنف لکھتے ہیں کہ ایک وسیع احاطہ میں پختہ فرش پر دو ایکڑ زمین میں صرف پگڑیاں ہی پگڑیاں دکھائی دیتی ہیں اور چھت کے . . ۴ ستونوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک معلّم شاگردوں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا ہوتا ہے"۔

پروفیسر نولڈیک انسائیکلو پیڈیا برٹنیکا میں لکھتے ہیں کہ "دنیا کی

سب کتابوں میں سے قرآن مجید سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے" اور اسی وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ وید ایک ایسی کتاب ہے جو سب سے کم پڑھی جاتی ہے۔ القصہ ایسا اعتقاد رکھنا بیہودہ اور لغو ہے کہ پرماتما نے اپنا الہام وید جیسی گمنام کتاب تک ہی محدود رکھا۔ حالانکہ ویدوں کے جوشیلے پیرو آریہ سماجی بھی اُنکو بہت کم پڑھتے ہیں۔ اگر کوئی معقول عقیدہ ہے جو کہ قابل پذیرائی ہو سکتا ہے تو وہ اسلامی عقیدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی خاص قوم کی رعایت ملحوظ نہیں بلکہ اُس نے تمام قوموں میں اپنے رسول مبعوث فرمائے ہیں اور ہم جائز فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں اس قسم کی تعلیم ہے اور جسکے ماننے والوں کو ہدایت ہے کہ دوسرے مذاہب سے اسقدر نرم برتاؤ کریں یہی سبب ہے کہ ہم دوسرے مذاہب کے رشیوں یا پیغمبروں یا اُنکی کتابوں کی نسبت سخت کلامی نہیں کر سکتے جس میں ہمارے آریہ دوست آئے دن مصروف رہتے ہیں۔ برعکس اسکے ہم ان سب کو عزت اور ادب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ چونکہ زمانہ قدیم میں تمام قومیں ایک دوسرے سے علیحدہ تھیں اور اُنکے درمیان ناقابل عبور رکاوٹیں واقع تھیں اسلیئے ممکن نہ تھا کہ تمام دنیا کے لیئے ایک رسول اور ایک کتاب اُتاری جاتی مگر جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا تو یہ تمام رکاوٹیں اُٹھ گئیں آمد ورفت کے ذرائع وسیع ہو گئے اور تمام قومیں ملکر گویا ایک ہو گئیں اسلیئے اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا تمام آئندہ زمانوں اور تمام قوموں کیلیئے ایک کامل نبی بھیجا اور ایک کامل کتاب نازل فرمائی۔ صرف ہم ہی یہ دعویٰ قرآن مجید کے لیئے نہیں کرتے بلکہ قرآن کریم خود صاف اور کھلے طور پر دعویٰ فرماتا ہے کہ آنحضرتؐ کل قوموں کیلیئے رسول ہو کر آئے ہیں اور آپکی کتاب بھی کل دنیا کیلیئے ایک کامل شریعت ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء - ۷) یعنی ہم نے تجھکو (اے نبی صلعم) کل عالموں کیلیئے رحمت کر کے بھیجا ہے۔ اور پھر فرمایا ہے قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ یعنی اے (نبی صلعم) کہدے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ پھر فرمایا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا - ۳) یعنی اور نہیں بھیجا ہم نے تجھے مگر سب لوگوں کے واسطے۔ مزید برآں قرآن کریم کامل کتاب ہونیکا بھی دعویٰ کرتا ہے جیسا کہ

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ-۱) آج مینے تمھارے لیئے تمھارے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کردیا اور مینے تمھارے لیئے اسلام کا دین پسند کیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عالمگیر بعثت کا عملی ثبوت اسطرح دیا کہ آپنے قرب وجوار کے تمام بادشاہوں اور حکام کو اسلام کی طرف بلایا۔ دنیا کی تمام مقدس کتابوں میں سے ایک قرآن شریف ہی ہے جو کہ کامل شریعت لانیکا مدعی ہے اور تمام سچائیوں کو جو مختلف کتابوں میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں اُنکے جامع ہونیکا دعویٰ بادلیل کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ (بینہ) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول جو کہ پاک صحیفوں (یعنی قرآن مجید) کو پڑھتا ہے جنمیں تمام راست کتابیں شامل ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ (نساء-۵) اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ تمھیں کھولکر بیان کرے اور ہدایت کرے تمھیں اُن لوگوں کی راہیں جو تم سے پہلے تھے۔ کامل اور عالمگیر ہونیکا دعویٰ صرف قرآن مجید نے کیا ہے۔ اور کسی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ کیا قرآن مجید کی طرح وید یا انجیل نے کسی جگہ اس تصریح سے یا کسی اور کتاب نے اپنے کامل اور عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ جبتک یہ کتابیں خود اپنے کامل یا عالمگیر ہونیکی مدعی نہوں اسوقت تک اُنکے ماننے والوں کے دعاوی مدعی سست اور گواہ چست سے بڑھکر وقعت نہیں رکھ سکتے اور اُنکی خاموشی اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ خاص قوموں اور خاص زمانوں کیلیئے تھیں اور انمیں جو ہدایات مندرج ہیں وہ خاص لوگوں کیلیئے خاص حالات کے ماتحت دیگئی تھیں۔ اگر وید کی نسبت یہ کہا جائے کہ الہام الٰہی کی ابجد ہے تو شاید موزون ہوگا لیکن اس زمانہ میں ویدوں کو گوشۂ گمنامی سے باہر لانے کی کوشش کرنا محض تضیع اوقات ہے۔ کیا دنیا کی امیدوں کا سہارا کوئی ایسی کتاب ہوسکتی ہے جس کے جوشیلے پیرو بھی اس سے ناواقف ہوں؟ اسکی تصدیق میں دیکھو ایک اور نامہ نگار میگزین مذکورہ میں کیا کہتا ہے۔ اُسکی شہادت پڑھنے کے قابل ہے۔ وہ لکھتا ہے "آریہ سماج میں

ہمارے ہاں سنسکرت دان پنڈتوں کی نہایت افسوسناک غلطی ہے ہم نے ویدک تعلیم کی ترقی کے لیئے کچھ بھی نہیں کیا۔ یورپ کے علماء اور انکے ہندوستانی شاگرد وید کے منتروں کے خوفناک تراجم کر رہے ہیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اس نقصان پر ہمیں افسوس کرنا پڑتا ہے۔ مگر اسکے اثر کا زائل کرنا ہماری طاقت سے بالاتر ہے۔ وہ وید کے الفاظ کو موڑتے اور توڑتے ہیں اور وہی معنے کرتے ہیں جنسے انکی مطلب برآری ہوتی ہے۔ ہم نہایت بیکسی سے اس دردانگیز اور ہتک آمیز نظارہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن ہمارے درمیان کوئی نہیں جو ہماری مقدس کتابوں کی حمایت میں ایک کلمہ بھی کہہ سکے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ویدوں کا پرکاش اُسوقت ہوا جبکہ انسان نے اس زمین پر اپنا پہلا قدم رکھا۔ مگر مغربی علماء اس عقیدہ کو بیہودہ اور بچوں کا کھیل سمجھتے ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ وید تمام علوم کا مخزن ہیں مگر یوروپین سنسکرت دان اس بات پر ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ ویدوں میں یا تو وہ گیت ہیں جو آریہ گڈریوں نے قدرت کے مظاہر کو دیوتا سمجھکر انکی تعریف میں گائے ہیں یا وہ قواعد ہیں جو ان دیوتاؤں کی رضا کیلیئے حیوانوں اور بعض اوقات انسانوں کی قربانیوں کے وقت آریوں کا دستور العمل تھے۔

مجھے یہ بات شرم سے تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ ہمارے ہاں کوئی ایسا عالم نہیں جو وید کے تراجم کے قاعدوں سے واقف ہو اور نہ ہی کوئی ایسا شخص ہے جو مغربی علوم میں کامل مہارت رکھتا ہو تاکہ ان الزامات کا کافی جواب دے سکے .... اس میں کیا کلام ہے کہ اسوقت ہم ایسے مقابلہ کی بالکل طاقت نہیں رکھتے .... ہم بڑھ چڑھ کر یہ تو کہدیتے ہیں کہ تمام دنیا کو ویدک دھرم کے جھنڈے کے نیچے لائینگے مگر میرے نزدیک یہ ایک خالی شیخی ہے۔ آریہ سماج کے بانی کی موت کو ۲۵ برس سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا مگر باوجود بڑے بڑے ڈینگ مارنے اور شیخی بگھارنے کے ہم وید اور شاستروں کی تعلیم رائج کرنے میں ناکام رہے ہیں + ہمارے علماء سے یہ بھی نہیں ہوسکا کہ ویدوں اور شاستروں پر ایک ہی عالمانہ بھاشں لکھدیں .... اگر کسی جگہ ہمارے پنڈتوں کے خیالات کو ذرا سی بھی مدد ملتی دکھائی دیتی ہے تو فوراً اصل متن کو بیان کرتے وقت ہماری پنڈت الفاظ کو مروڑتے توڑتے ہیں اور وہی معنے گھڑے جاتے ہیں جو کہ انکی عین خواہش ہوتی ہے۔ ہاں اگر کوئی منتر ایسا ہے کہ جسکو وہ کسی طرح توڑ مروڑ نہیں سکتے تو اسکی نسبت بلا سوچے سمجھے یہ فیصلہ دیدیتے ہیں کہ یہ پوپوں کی گھڑنت ہے۔ کسی منتر کا ترجمہ کرنیکے وقت

ہمارے پنڈت اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ویدوں میں تمام علوم کے بنیادی اصول ہیں اور اسلئے انکو ہر ایک ایسے منتر کا ترجمہ کرتے وقت جسمیں اگنی۔ وایو وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے ذرا بھی یہ کہنے میں تامل نہیں ہوتا کہ اس منتر میں فلاں فلاں چیز کے مخفی رازوں کا ذکر ہے۔ .... اس کا نتیجہ قابل افسوس ہے۔ انکی تشریح ایسی بے محل اور بھونڈی ہوتی ہے کہ پڑھنے والا نفرت سے کتاب کو پھینک دیتا ہے اور ویدوں کی نسبت اسکی اچھی رائے نہیں رہتی۔"

مذکورہ بالا تحریر جو ایک لائق آریہ لالہ گھاسی رام ایم اے۔ ایل ایل بی کی قلم سے نکلی ہوئی ہے اُن کوششوں کی ایک افسوس ناک مگر بالکل صحیح تصویر ہے جو کہ آریہ سماج ویدوں کے زندہ کرنے اور دنیا کو ویدک دھرم کے جھنڈے کے نیچے لانیکے لیئے کر رہی ہے۔ آریہ صاحبان مغربی لوگوں کے تراجم کو قبول نہیں کرتے اور نہ ہی اُن ہندوؤں کا ترجمہ انکی آنکھ میں وقعت رکھتا ہے جو دیانند کے پیرو نہیں۔ اور افسوس کا مقام ہے کہ آریوں کے اپنے پنڈت ایسے بے دست و پا ہیں کہ دنیا کے سامنے ویدوں کی صحیح صحیح تفسیر پیش نہیں کر سکتے۔ اور جب کبھی وہ کسی منتر کی تشریح کرتے ہیں تو دیانت سے کام نہیں لیتے بلکہ ایسا ترجمہ کرتے ہیں جو در اصل ان منتروں میں موجود ہی نہیں ہوتا پھر وید کے ایسے مفسرین سے دنیا کس فائدہ کی امید کر سکتی ہے؟ اگر مغربی سنسکرت دانوں کے اور پرانے ہندوؤں کے تراجم معتبر نہیں تو پھر کس طرح مانا جاوے کہ آریہ سماج نے جو ویدوں کی تشریحات کی ہیں وہ درست اور قابل پذیرائی ہیں۔ آریہ سماج کے ہی نقطہ خیال سے اگر دیکھیں تو دنیا تو ویدوں کے سمجھنے سے عاری ہے اور سماجی پنڈتوں کے بیانات ابھی تک قابل اعتبار نہیں اور پھر بد قسمتی سے وید ہی ایک ایسی کتاب ہے جسکو پرماتما نے دنیا کی رہنمائی کے لیئے بھیجا ہے۔ اب بیچاری دنیا کا کیا حال جسے کتاب بھی ملی تو ایسی کہ صدہا سال ایک معمہ ہی رہی اور اب بھی ایک سربمہر کتاب ہے۔ مضمون نگار صاحب تو پنڈتوں کو الزام دیتے ہیں مگر ان غریبوں کا کیا قصور ہے۔ ابتدا پنڈت دیانند بانی آریہ سماج کی طرف سے ہوئی ہے باقی سب اُنکے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

چونکہ عنوان بالا کے ماتحت ہر ماہ میں ایک دو یا چار صفحوں تک ہوتے ہیں مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اسے ایک مبتذل مضمون کی طرح سمجھکر بے توجہی سے کام نہ لیا جاوے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ رپورٹ نہ کوئی دلکش مضمون اور نہ ہی کوئی دلچسپ کہانی ہے۔ اور نہ ہی اسکے اندر کوئی ایسے لطائف یا نکات موجود ہیں جو خود بخود توجہ کو کھینچ لیں۔ لیکن اس کا پڑھنا سب احمدیوں کا قومی فرض ہے۔ کیونکہ یہ اس سلسلہ کی زندگی کا ایک ورق ہے۔ اسکے پڑھنے میں گو لذت نہ ملے بلکہ بجائے اسکے اسپر عمل کرنے میں مشقت اُٹھانی پڑی۔ مگر یہ مشقت ہی ان راحتوں کا سرچشمہ ہے جنکے حاصل کرنیکے لئے ہم سے پہلے لوگوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو قربان کر دیا یہ اعلائے کلمتہ اللہ اور اشاعت حق کی کوششوں میں اس راہ پر قدم مارنا ہے جس راہ پر خدا کے برگزیدہ مرسل آخری زمانہ کے مصلح نے اٰخرین منھم کی جماعت کو چلایا ہے۔ پس یہ حق ان صفحات کا ان تمام احباب پر ہے جو اس سلسلہ میں منسلک ہیں۔

بجٹ ۲۵ ستمبر کے اجلاس معتمدین میں کئی ایک اہم معاملات پیش تھے۔ مختلف انجمنوں کی آرا بجٹ کے متعلق پیش ہو کر ایک لاکھ اکیس ہزار سات سو چودہ روپے کا بجٹ خرچ یکم اکتوبر سے ۳۰ ستمبر ۱۹۱۱ء تک کے بارہ مہینوں کیلئے پاس کیا گیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ وہ ان کاموں کو نئے سال میں پورا کرنیکی توفیق دے۔ چونکہ بورڈنگ میں تعیین اخراجات بورڈران کی تجویز کی سوائے ایک دو انجمنوں کے باقی سب نے تائید کی تھی اسلیئے پندرہ ہزار روپیہ آمد و خرچ بورڈنگ ہوس کا بجٹ میں بڑھایا گیا ہے۔ اب اس تعیین کے قواعد زیر تجویز ہیں اور امید ہے کہ اخیر دسمبر تک قواعد وغیرہ طے ہو کر جنوری ۱۹۱۱ء سے اس تجویز پر عملدرآمد شروع ہو جائیگا۔ انجمن احمدیہ سیالکوٹ کی رائے کہ گرلز سکول کا خرچ قادیان کی مقامی انجمن برداشت کرے اور صدر انجمن پر یہ بوجھ نہ ڈالا جائے منظور ہوئی۔ اور اسی انجمن کی یہ تجویز کہ قریب کے دیہات میں جو شاخیں کھولی گئی ہیں انکی ضرورت نہیں پیش ہو کر فیصلہ ہوا کہ شاخیں چونکہ کھل چکی ہیں اور قریب دو سال سے جاری ہیں اسلیئے سردست توڑی نہیں جاسکتیں لیکن وہاں کی جماعتوں سے دریافت کیا جاوے کہ وہ کسقدر مدد صدر انجمن کو دے سکتی ہیں۔ انجمن احمدیہ

کپورتھلہ نے یہ رائے پیش کی تھی کہ کانفرنس انجمنہائے احمدیہ سالانہ جلسہ دسمبر کے ساتھ نہ ہوا کرے اور بجٹ بجائے انجمنوں کو بھیجنے کے مناسب ہے کہ کانفرنس میں ہی پیش ہوا کرے۔ مجلس معتمدین نے اسکے متعلق قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے یہ ضروری سمجھا ہے کہ اس سوال کو دیگر انجمنہائے احمدیہ کے سامنے پیش کیا جاوے۔ صدر انجمن کا مالی سال چونکہ ۳۰ ستمبر کو ختم ہوتا ہے اسلیئے ستمبر کا مہینہ ہی ایسی کانفرنس کے لیئے مناسب ہے۔ پس کانفرنس کے اجتماع کیلیئے ستمبر کے شروع میں ہر ایک انجمن کے سکرٹری و پریزیڈنٹ کا آنا ضروری ہوگا۔ اگر انجمنیں اس تجویز کو پسند کرسکیں تو یہ اس لحاظ سے بھی عمدہ تجویز ہے کہ ان احباب کو جو ان دینی کاموں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں سال میں دوبارہ جمع ہونیکا موقعہ مل جائیگا۔

متفرق چندے۔ کسی گذشتہ رپورٹ میں احباب کو یہ توجہ دلائی گئی تھی کہ متفرق چندوں سے قوم کی توجہ تقسیم ہو کر وہ کام جو کل قوم کی متفقہ توجہ سے ہو سکتے تھے ادھورے رہ جاتے ہیں۔ یہ کسی ایک شخص کا ذاتی خیال نہیں بلکہ سب جگہ وہ احباب جنکے سپرد احباب سے چندہ وصول کرنیکا کام ہے اس دقّت کو محسوس کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے احباب نے مجھ سے خود اس دقّت کا ذکر کیا ہے۔ کہ جب کبھی کوئی خاص چندہ اس طرح پر کیا جاتا ہے تو ماہوار مقررہ چندوں کے لازماً بقائے رہ جاتے ہیں۔ گذشتہ اجلاس مجلس معتمدین میں ایک درخواست اس مضمون کی مجلس کے سامنے پیش ہوئی ہے کہ بعض لوگ بلا استصواب صدر انجمن احمدیہ چندہ کیلیئے عام طور پر جماعت میں تحریک کرتے رہتے ہیں اسکے لیئے کوئی مناسب انتظام ہونا چاہیئے۔ اس درخواست پر صدر انجمن کی طرف سے یہ اعلان ضروری سمجھا گیا ہے کہ "بجٹ میں جن اخراجات کو منظور کیا جاتا ہے سب احمدیہ انجمنوں اور احمدیہ پبلک کا یہ فرض ہے کہ اسے پورا کرنیکے لیئے پہلے کوشش کیجاوے اور اسے سب تحریکوں پر مقدم کیا جاوے بجٹ کے اخراجات کے علاوہ اگر کسی صاحب کے خیال میں کوئی نئی ضرورت پیش آئی یا نئی تحریک کرنا چاہیں تو لازم ہوگا کہ اسی صدر انجمن میں پیش کریں صدر انجمن اگر مناسب دیکھے گی تو اسی سال کے بجٹ کے منظور شدہ اخراجات سے اسے پورا کریگی یا آئندہ سال کے بجٹ تک اسے ملتوی رکھیگی یا اسکے لیئے خاص چندہ کریگی"۔ گذشتہ سالانہ اجلاس دسمبر میں بھی جب یہ سوال حضرت خلیفۃ المسیح کے سامنے پیش ہوا تھا تو آپنے فرمایا تھا کہ صدر انجمن کے چندے ایسے ہیں جیسا ایک مہمان ہوتا ہے جسکی دعوت کیجاتی ہے اور جسکے لیئے ہر طرح سے تیاری کی جاتی ہے پھر عین اسوقت جب وہ کھانا تیار ہو چکا ہے تو ایک سوالی بھی آجاتا ہے یہ متفرق چندوں کی مثال ہے اصل غرض تو مہمان کو ہی کھلانا ہوتا ہے مگر سوالی کو بھی خالی ہاتھ نہیں پھیرا جاتا۔ اگر کسی صاحب کے

دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ صدر انجمن کے چندوں کو کیوں مقدم کیا جاوے تو اسے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ صدر انجمن انہی کاموں کو کرتی ہے جنکا اجرا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود کیا اور جنکے لیئے چندوں کو لازمی قرار دیا۔ پس صدر انجمن کے اغراض سے مراد ہی وہ سلسلہ کے اغراض ہیں جنکو حضرت مسیح موعود نے اغراض قرار دیا۔ ہماری جماعت ایک ضعفار کی جماعت ہے کس شخص کا دل نہیں چاہتا ہو گا کہ وہ حضرت صاحب کے اس ارشاد کی تعمیل میں پوری کوشش کرے جسکے نکلے ہوئے بھی پانچ سال ہو گئے کہ میگزین کی اشاعت دس ہزار تک پہنچ جائے لیکن کہاں تک ہمنے اسے پورا کر دکھایا جو اور بکھیڑوں میں بھی لگ گئے؟

ولایت میں احمدیہ مشن۔ مسٹر ویب امریکہ کے مشہور نومسلم ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کے اس لیکچر کو پڑھکر جو انہوں نے گذشتہ دسمبر میں بعنوان انگریزی ممالک میں تبلیغ اسلام دیا تھا۔ لکھتے ہیں کہ نہ صرف انکی بلکہ اور لوگوں کی بھی جو اسلام سے دلچسپی رکھتے ہیں یہ خواہش ہے کہ کوئی پیدائشی مسلمان ان ممالک میں تبلیغ اسلام کرے اسلیئے اگر صدر انجمن احمدیہ اپنی طرف سے کوئی ایسا قابل آدمی بھیجے جو اسلام کی تعلیم بخوبی واقف ہو اور انگریزی میں تبلیغ کر سکے تو امید ہے کہ بہت کامیابی ہوگی۔ مگر ابتدا میں اس مشن کے اخراجات انجمن کو ادا کرنے ہونگے جبتک کہ وہاں معاونین پیدا ہو جائیں۔ مسٹر ویب نے خود بھی ہر طرح سے امداد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یورپ یا امریکہ میں احمدیہ مشن کا قائم کرنا کثیر اخراجات کو چاہتا ہے۔ اور دوسری طرف صدر انجمن نے جو تجویز بعض کتابوں کے ولایت میں شائع اور تقسیم کرنیکی کی ہے وہ بھی دراصل اسیوقت مفید ہو سکتی ہے جب مشن وہاں قائم ہو تا کہ کتابیں انہی لوگوں میں تقسیم ہوں جو دلچسپی بھی رکھتے ہیں۔ اور جنکے انسے فائدہ اٹھانیکی امید ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک رؤیا بھی ایک مرتبہ بیان فرمایا تھا جسکا مضمون قریب قریب ایسا تھا کہ آپ لنڈن میں لیکچر دے رہے ہیں کیا عجب کہ آپکے کسی غلام کے ہاتھ پر یہ رؤیا پورا ہو۔ پس ایک طرف تو ضرورت اور دوسری طرف اخراجات کا مقابلہ۔ اس مشکل کو بھی صدر انجمن نے انجمنہائے احمدیہ کے سامنے رکھا ہے کہ انکی رائے کو معلوم کرکے اسپر کوئی فیصلہ کیا جاوے۔

جلسہ سالانہ۔ سالانہ جلسہ میں دو ہی ماہ باقی رہ گئے ہیں۔ چونکہ عید الضحیٰ کی مبارک تقریب ۲۴ دسمبر کو ہے اسلیئے مجلس معتمدین نے ۲۴۔ ۲۵ اور ۲۶ دسمبر سالانہ جلسہ کی تاریخیں مقرر کی ہیں۔ تخفیف کرایہ ریلوی کیلیئے عنقریب درخواست کی جاوے گی۔ مکان کے متعلق ابھی تک کسیقدر دقتیں ہیں۔ سال گذشتہ میں ایک عارضی چھپر تیار کرایا گیا تھا مگر وہ اس قابل نہ تھا کہ برسات کی بارشونکی برداشت کرتا لہذا

اسے اتارنا پڑا۔ خیموں کے ملنے میں نمائش کی وجہ سے دقت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سوال پر بھی انجمن غور کر رہی ہے۔ سالانہ جلسہ کے اخراجات کا تخمینہ تین ہزار کیا گیا ہے۔ اور اس رقم کا بہت جلد پورا ہونا ضروری ہے کیونکہ لنگر کی ماہوار آمد بمشکل اسکے اخراجات کے لیے مکتفی ہوتی ہے۔ اس رقم کے پورا کرنیکے لیے بھی امید ہے کہ انجمنیں تجاویز سوچکر پیش کرینگی تاکہ کسی ایک تجویز کے مطابق عمل کر کے جلد انجمنوں کو اطلاع دیجاوے۔

تعمیر کے چندہ کیلئے جس وفد کے نکلنے کا خیال گذشتہ ماہ میں کیا گیا تھا بعض روکوں کی وجہ سے اس میں اور التوا واقع ہو گیا ہے۔ اور تعمیر کا روپیہ نہ ہونیکی وجہ سے بورڈنگ کی تعمیر کا کام بھی کا پڑا ہے۔

عید فنڈ۔ عید الفطر گذر چکی۔ عید فنڈ کا جسقدر روپیہ جمع ہو چکا ہو وہ بہت جلد محاسب صدر انجمن احمدیہ کے نام بھیجدیا جاوے۔ امید ہے کہ اگلے رسالہ میں یہ اعلان ہو سکیگا کہ کس کس جماعت سے کس کس قدر چندہ عید فنڈ کا وصول ہوا۔

انجمنہائے احمدیہ۔ جس صورت میں سلسلہ کے کام اور اسکی ذمہ واریاں دن بدن بڑھتی جاتی ہیں۔ انجمنہائے احمدیہ کا باضابطہ قیام ہر جگہ ضروری ہے۔ دو سال ہوئے کہ ان انجمنوں کے لیے قواعد تجویز کر کے بھیجے گئے تھے مگر ابتک اکثر مقامات پر انجمنوں کی حالت قابل اطمینان نہیں۔ وصولی چندہ میں بہت تساہل سے کام لیا جاتا ہے۔ ان انجمنوں کے قیام سے اصل غرض تو یہ تھی کہ ہر جگہ کے احباب کو سلسلہ کی ضروریات خود بخود مدنظر رہیں اور بار بار صدر مقام سلسلہ سے تحریک کی ضرورت نہ رہے۔ مگر بہت تھوڑی انجمنیں ہیں جو اس غرض کو پورا کر رہی ہیں۔ اکثر جگہ وصولی چندہ کا باقاعدہ انتظام نہیں ہے۔ خدا کرے کہ اس ضرورت کی طرف ہمارے احباب کو جلدی توجہ ہو۔

واعظین۔ حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے ارشاد سے یہ تجویز ہے کہ تین چار احباب جن میں مفتی محمد صادق صاحب بھی ہونگے۔ ہندوستان میں تبلیغ کیلئے جاویں۔ اور جہاں جہاں آریہ سماج نے ارتداد کا جال پھیلانا چاہا ہے وہاں مشن قائم کرنیکے لیے عملی تجاویز سوچیں۔ امید ہے کہ مفتی صاحب موصوف جو صدر انجمن احمدیہ کے محاسب ہیں اس دورہ میں احمدیہ انجمنوں کے قیام کی طرف پوری توجہ فرماوینگے۔ اور ان علاقوں میں انجمن کی طرف سے چندہ تعمیر کی فراہمی کی کوشش کریں گے۔ التماس ہے کہ سب احباب انکو ان اغراض کی تکمیل میں مدد دیں۔

(سکرٹری صدر انجمن احمدیہ)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ ۔ بابت ماہ نومبر ۱۹۰۹ء ۔ نمبر ۱۱

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ ۔ نومبر ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہو ۔ چندہ سالانہ عوام سے عہ طلبا سے عمر

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق حکیم نورالدین صاحب کا مجرب

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعف نظر کی عام شکایت ہے۔ مینے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے۔ اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی۔ حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم نورالدین سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مینے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزار ہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے کو آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کیے ہیں اور اب فائدہ عام کے لیئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اسلیئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے۔ قیمت سرمہ اوّل قسم عا/ قسم دوم ۸/ قسم سوم عہ/۔ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل عللہ/ جسکو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم سے ۱۶/ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو۔

علاوہ ازیں میرے پاس ہر قسم کی لنگی۔ زری۔ ریشمی۔ پشاوری۔ سوتی۔ زرد۔ سیاہ۔ بادامی۔ مشہدی۔ افسری و سفید پٹکہ ٹسری (جسکو لوگ ریشمی کہتے ہیں) وغیرہ عہ سے لیکر عہ روپے تک موجود ہیں اور نیز کلاہ ہر قسم زری و سادہ اور ٹوپی رومی ہر قسم میرے پاس موجود ہے اور قیمت میں بالکل کوئی زیادتی نہیں دریافت کرلیں۔ جو چیز پسند نہ ہو۔ معقول وجہ بیان کرنے پر خریدار کو واپس کرنیکا اختیار ہے۔ خرچ آمد و رفت بذمہ خریدار۔

المشتہر

احمد نور۔ کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

نوٹ:۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور لکھا کریں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر ۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات

(سلسلہ کیلئے دیکھو گذشتہ نمبر)

قبایل عرب کی عداوت کا ازسر نو بھڑک اُٹھنا مَیں نے گذشتہ نمبر میں یہ لکھا تھا کہ جنگ احد کے بعد جب ابوسفیان کا لشکر حمرا الاسد میں پہنچا اُس جگہ کے لوگوں نے مکہ والوں کو ملامت کرتے وقت کہا لا محمدًا قتلتم ولا الکواعب اردفتم بئس ما صنعتم ارجعوا۔ یعنی تم نے نہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کیا اور نہ اُنکی کنواری عورتیں تم لوٹ کر چڑھالائے تمنے بُرا کام کیا۔ پھر لوٹ کر لڑائی کرو۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب کے قبائل کو قریش کی طرح مسلمانوں کے ساتھ کسقدر عناد تھا اور وہ مسلمانوں کی تباہی کو کسقدر چاہتے تھے۔ اُن کو اسلام سے اسقدر بُغض تھا کہ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل اور مسلمانوں کی عورتوں کو لوٹ کر لیجانے کے اور کسی بات پر راضی نہیں ہو سکتے تھے حمرا الاسد مدینہ سے صرف آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ جب مسلمانوں کے ایسے جانی دشمن اُنکے قرب وجوار میں رہتے تھے تو پھر کسطرح ممکن تھا کہ مسلمان اپنی حفاظت کا سامان کرنے کے بغیر ان خونی دشمنوں کے درمیان امن سے زندگی بسر کرتے۔ لیکن یہ عداوت صرف قرب وجوار تک ہی محدود نہ تھی ملک عرب میں بہت سے سینے ایسے تھے جنہیں دشمنی کی آگ جل رہی تھی۔ غزوہ احد کے بعد عظیم الشان

جنگ جو قریش اور قبائل عرب نے ملکر مسلمانوں کے ساتھ کی غزوہ احزاب ہے جو غزوہ احد سے دو سال بعد واقع ہوا مگر اس درمیانی عرصہ میں عرب کے قبائل نے مسلمانوں کو چین لینے نہ دیا۔ غزوہ احد کی وجہ سے وہ زیادہ گستاخ ہو گئے اور یہ خیال کر کے کہ غزوہ احد کے بعد مسلمانوں کی طاقت پہلے سے بھی زیادہ کمزور ہو گئی ہے انکو بار بار مدینہ پر چھاپہ مارنیکی تیاریاں کرنے کی جرأت ہو گئی۔ اور انکی جمعیتوں کو منتشر کرنے کے لیئے مسلمانوں کو بار بار دُور دراز سفر اختیار کرنے پڑے۔ شمال میں انکو شام کے حدود تک جانا پڑا۔ جنوب میں مکہ معظمہ کے قرب و جوار تک اور مشرق میں بنی اسد اور بنی غطفان کے علاقوں تک۔ میور لکھتا ہے کہ غزوہ احد کے بعد دو ماہ تک مسلمانوں کو مدینہ میں امن سے رہنے کا موقعہ ملا۔ مگر جونہی کہ ہجرت کا چوتھا سال شروع ہوا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مختلف مقامات سے قبائل کے جمع ہونے کی خبریں آنے لگیں اور آپنے ارادہ کیا کہ پیشتر اسکے کہ یہ قبائل مدینہ پر حملہ کر سکیں انکو منتشر کیا جائے۔" (لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۲۶۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ طلیحہ اور سلمہ جو کہ وسط عرب کے قبیلہ بنی اسد کے سردار تھے مدینہ پر شبخون مارنیکے لیئے اپنے قبیلہ کو اکٹھا کر رہے ہیں یہ سُنکر آپنے ایک جماعت ابو سلمہ کے ساتھ روانہ کی ابو سلمہ کے پہنچنے سے پہلے بنی اسد کی جمعیت منتشر ہو گئی۔ اور وہ واپس چلا آیا۔ (لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۲۶۶) ابو سلمہ کی جماعت کو مدینہ سے روانہ ہوئے ابھی چار پانچ دن ہی ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ بنی ہذیل کے سردار خالد بن سفیان نے طایف اور مکہ کے درمیان ایک بھاری جماعت اکٹھی کی ہے اور اُس کا ارادہ ہے کہ احد کی لڑائی میں جو نقصان مسلمانوں کو پہنچا ہے اُس سے فائدہ اُٹھایا جائے اور پیشتر اسکے کہ مسلمان اپنی حالت کی اصلاح کر سکیں انپر یکلخت ایک بھاری جماعت کے ساتھ حملہ کر کے انکا قلع قمع کیا جاوے۔ مگر خدائے تعالیٰ نے جو مسلمانوں کا حامی تھا اُسے موقعہ نہ دیا کہ وہ اپنے بد ارادہ میں کامیاب ہو۔ ایک صحابی عبداللہ بن اُنیس نے موقعہ پاکر اُسکو قتل کر دیا اور اس طرح مدینہ شریر دشمن کے

بد ارادوں سے محفوظ رہا (مواہب زرقانی جزو ثانی صفحہ ۵۷) ناظرین غور کریں کہ کس طرح متواتر مختلف قبائل مدینہ پر شبخون اور چھاپے مارنیکی تیاریاں کرتے۔
اب عیسائی صاحبان خود ہی فیصلہ کریں کہ اگر ایسی صورت میں مسلمان اپنی حفاظت کے لیئے تلوار نہ اُٹھاتے تو باوجہ کے رہنے والے قبائل اُنکے ساتھ کیا سلوک کرتے؟
عرب کے اکثر قبائل مسلمانوں کے ایسے جانی دشمن تھے کہ اُن کی بیخکنی کیلیئے نہایت ہی ظالمانہ دغابازی اور فریب سے بھی پرہیز نہیں کرتے تھے۔ بنو اسد اور بنو ہذیل کے منتشر کیا جانیکے قریباً ایک مہینہ بعد عرب کے دو قبائل قارہ اور عضل نے چند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے اور انہوں نے ظاہر کیا کہ ہماری ہم قوم لوگ اسلام قبول کرنیکے لیئے تیار ہیں آپ چند مسلمانوں کو اسلام کی تبلیغ اور تعلیم کے لیئے ہمارے ساتھ روانہ کردیں اُمید ہے کہ اُنکے جانیسے اسلام ہماری قوم میں بہت ترقی کریگا۔ اس سے بڑھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے اور کونسی بات زیادہ مرغوب ہو سکتی تھی۔ آپ نے چھ یا دس نہایت چیدہ اور مخلص مسلمان جو قرآن شریف کے حافظ تھے قارہ اور عضل کی تعلیم کے لیئے اُن سفیروں کے ساتھ روانہ کردیئے جب یہ قاری مقام رجیع میں پہنچے تو اُن دھوکہ بازوں نے بنی ہذیل کی ایک جماعت کی مدد سے ان بیچارے مسلمانوں کو گھیر لیا اور سوائے حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کے اور سب کو نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کردیا اور حضرت خبیب و حضرت زید رضی اللہ عنہما کو پکڑ کر مکہ میں جاکر بیچ دیا۔ جہاں ایک مجمع عام کے سامنے مقام تنعیم میں ان دونوں مسلمانوں کو نہایت ظالمانہ طریق سے شہید کیا گیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا جانے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرنے کی اجازت طلب کی۔ اور جب نماز ادا کرچکے تو فرمایا خدا کی قسم اگر تم یہ نہ کہتے کہ میں موت کے خوف سے نماز کو لمبا کررہا ہوں تو میں نماز کو لمبا کرتا۔ ابوسفیان نے اُسے کہا کیا تُو پسند کرتا ہے کہ تیری جگہ اس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتا اور تُو اپنے گھر میں امن سے بیٹھا ہوتا۔ خبیبؓ نے جواب دیا کہ میں تو یہ بھی پسند

نہیں کرتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک کانٹے کا بھی دُکھ پہنچے - ابو سفیان نے کہا - خدا کی قسم میں نے کبھی کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس سے لوگ اسقدر محبت رکھتے ہوں جسقدر کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اتباع محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے رکھتے ہیں۔ حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کو کہا گیا کہ اگر تم اسلام سے توبہ کرو گے تو تمہیں رہا کر دیا جائیگا۔ مگر انہوں نے کفر پر موت کو ترجیح دی اور نہایت ثبات قدم سے خدائے تعالیٰ کی راہ میں جان دی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ جب قید میں تھے تو قتل ہونیکی تاریخ سے ایک دن پہلے آپنے اُسترا منگوایا۔ ایک عورت نے آپ کو اُسترا دیا اسکے بعد اس عورت کا لڑکا آپکے پاس چلا گیا۔ آپنے اُسے اپنی ران پر بٹھا دیا لڑکے کی ماں لڑکے کو آپ کے پاس بیٹھا دیکھکر گھبرائی اور اُس نے خوف کیا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ شخص اُسترے سے میرے بچے کو ذبح کر دے - آپ اُس کی حالت کو دیکھکر سمجھ گئے کہ اس کو اپنے بیٹے کی جان کا خوف ہے۔ آپنے اُسکو تسلی دی اور فرمایا کہ تُو خوف نہ کر۔ مَیں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ ہمارے مذہب میں غدّاری جائز نہیں ہے۔ (صحیح بخاری۔ زاد المعاد ابن قیم - ابن ہشام - لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ ولیم میور) ۔ مکہ والوں کا حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کو یہ کہنا کہ اگر تم اسلام سے توبہ کرو گے تو تمہیں رہا کر دیا جاویگا۔ صاف ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار کے جنگ کرنیکی وجہ صرف یہی تھی کہ مسلمانوں نے اسلام کو قبول کیا تھا یعنی وہ صرف مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنیکے لیئے اُنسے جنگ کرتے تھے۔ اور اس کُشت وخون سے سوائے اسکے اُن کی اور کوئی غرض نہ تھی کہ اسلام کو مٹا دیا جاوے۔

اسی ماہ میں یعنی ماہ صفر سنہ ۴ ہجری المقدس میں ایک اور خطرناک واقعہ ہوا جو پہلو سے کہیں بڑھکر تھا۔ یعنی ابو برار جو کہ بنی عامر کا ایک سن رسیدہ سردار تھا حضرت نبی کریم صلعم کے پاس آیا اور تحفہ تحائف گذرانکر ملتجی ہوا کہ اُسکو اسلام کی تعلیم سے مطلع کیا جاوے۔ جب اس نے آنحضرتؐ کا وعظ سُن لیا تو کہنے لگا کہ عمدہ مذہب ہے آپ اپنی چند خدّام کو میری قوم میں بنو عامر کے پاس بھیجدیں اور مَیں اُمید کرتا ہوں کہ وہ آپکے دعاوی

کی تصدیق کریں گے"۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمکو نجد کی دغاباز اقوام میں اپنے آدمی بھیجتے وقت خطرہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان میں سے بعض قبائل قریش کے دوست اور مددگار ہیں اسپر ابو برار نے عرض کی کہ "ان لوگوں کی حفاظت کا میں ذمہ دار ہوں اور آپ اتنی بات کریں کہ عامر بن طفیل کو جو دوسرے قبیلہ کا سردار ہے ایک خط بھی لکھدیں" اس بُڈھے عرب سردار کی بات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین فرمالیا اور صحابہ کرامؓ میں سے ستر چیدہ قاریوں کو منتخب کر کے بنی عامر کی طرف بھیجدیا اور ساتھ ہی عامر کو ایک خط بھی لکھدیا۔ اس جماعت نے روانہ ہو کر بیرِ معونہ نام ایک چشمہ پر قیام کیا اور ایک ساتھی کو عامر بن طفیل کے پاس خط دیکر روانہ کیا۔ اس سردار نے خط کا مضمون پڑھنے کے بغیر ہی اس ایلچی کو برچھے سے شہید کروادیا اور بنی سلیم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ باقی مسلمانوں پر جو کہ اپنے ساتھی کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے یک بیک حملہ کردیا اور بے ایمانی سے ان سب کو شہید کر دیا۔ ستر مسلمانوں میں سے صرف دو شخص جان سلامت لیجا سکے ایک کو تو مقتولوں کی لاشوں میں مردہ سمجھکر چھوڑ دیا اور دوسرا عمرو بن امیہ اونٹ چرانے کیلئے گیا ہوا تھا۔ آہ۔ کسقدر انسانیت کا خون کیا گیا۔ ستر بے گناہ شخصوں کو محض اس وجہ سے قتل کیا گیا کہ وہ خدائے واحد پر ایمان رکھتے تھے اور کعبہ کے بتوں کی پرستش سے دست بردار ہوگئے تھے۔ انہوں نے عامر کا کیا بگاڑا تھا؟ وہ تو محض پیغامبر ہو کر آئے تھے اور وہ بھی ایک قبیلہ کے سردار کی دعوت پر اور حفاظت کا پختہ وعدہ لیکر (زاد المعاد ابن قیم) اب ناظرین خود غور فرمادیں کہ مسلمانوں کو کس قسم کے غیر مہذب خونخوار وحشیوں سے سابقہ پڑا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب عامر کے حکم سے اُسکے کسی آدمی نے جواب کے منتظر بیکس قاصد کی پیٹھ میں برچھا ٹھونک دیا تو یہ بے رحم سردار بولا۔ "کعبہ کے خدا کی قسم تُو نے خوب وار کیا"۔ اس واقعہ سے صریحاً اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ صحرائے عرب کے خونخوار بُت پرستوں کی آنکھ میں کعبہ کے بتوں کی خوشی اسی میں تھی کہ بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا جاوے یا یُوں کہا جا سکتا ہے کہ ہر ایک

مقتول مسلمان ہندوؤں کے نزدیک یا انسانی قربانی کی طرح دیوتاؤں کی بھینٹ سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے لیئے یہ آسان تھا کہ وہ جنگل کے خوفناک درندوں کے درمیان گذارہ کریں مگر ان خونخوار شیطان سیرت صحرائی وحشیوں سے نبھاؤ مشکل تھا۔..... اگر معاملات کی اس صورت پر بھی حفاظت ذاتی کیلیئے مسلمان ہتھیار نہ اٹھاتے تو وہ یقیناً ان انسان صورت بھیڑیوں کا شکار ہو جاتے۔

اس مصیبت سے بچکر جب عمرو بن امیہ گھر کو واپس جا رہا تھا تو اُسے بنی عامر کی قوم کے دو آدمی ملے جنکو اس ستم رسیدہ مسلمان نے بیرِ معونہ کے حادثہ کے انتقام لینے کی غرض سے تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ لیکن یہ دونوں آدمی مدینہ سے آنحضرت صلعم کے ساتھ عہد و پیمان کرکے واپس آرہے تھے۔ جب اس خوفناک قتل سے بچکر آئے ہوئے آدمی نے حضرت نبی کریم صلعم سے تمام واقعہ عرض کیا اور ساتھ ہی جو کچھ راستہ میں گذرا تھا وہ بھی بتا دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مقتولوں کا خون بہا مع اُس اسباب کے جو عمرو بن امیہ اپنے ساتھ لایا تھا بنو عامر کی قوم کے پاس بھیجدیا۔ ایک منصف مزاج خدا ترس انسان کیلیئے یہ خوب موقعہ ہے کہ وہ ان عربوں کی دغابازیوں اور فریبوں کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن سلوک اور خوش معاملگی کا موازنہ کرے۔

رجیع کا صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ یہ جانکاہ حادثہ وقوع میں آیا۔ پیارے ناظرین آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ ان جانکاہ واقعات نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحیم قلب پر کیا اثر ڈالا ہوگا اور آپ کو کیسا صدمہ ہوا ہوگا۔ بیرِ معونہ کے ستر اور رجیع کے دس شہدا سب کے سب چیدہ مسلمان تھے اور انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض کے لیئے منتخب کیا تھا کہ وہ عرب کے اقوام میں داعیانِ اسلام بنیں دین حقہ کے پاک اصول ان لوگوں کو سکھائیں اور اپنی زندہ مثال سے اسلام کی صداقت کا اظہار کریں۔

ان حوادث پر بس نہیں ہوئی بلکہ ان تازہ زخموں پر نمک لگانیکے لیئے اقوام عرب نے جمع ہو کر مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم

ہوا کہ اسلام کے پُرانے دشمن بنی غطفان ذات الرقاع میں جمع ہو گئے ہیں تو آپؐ صحابہؓ کی ایک جماعت لیکر انکو منتشر کرنیکے لیئے روانہ ہوئے۔ یہاں پر یہ بتلا دینا بے محل نہ ہوگا کہ بنی غطفان جیساکہ میور بھی لکھتا ہے قریش کے مددگار تھے اور جو کچھ اُنسے ہوا وہ قریش کے اُکسانے سے ہوا۔ جس کثرت سے مدینہ پر حملہ کرنیکی دھمکیاں دیجاتی تھیں شاید وہ کسی کے لیئے جائے تعجب ہو مگر اُس زمانے کی تاریخ بتلا رہی ہے کہ ان سب واقعات کا ظہور ہوا۔ اگر کوئی اصل عربی کتابیں نہیں پڑھ سکتا تو سر ولیم میور کی لائف آف محمد (صلعم) ہی پڑھکر دیکھ لے اور اپنا اطمینان کرلے۔ بیرٔ معونہ اور رجیع کے حادثات پر ایک نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمان ایک گال پر طمانچہ کھاکر دوسری سامنے کر دیتے تو اُنکی بیویاں اور بچّے قید کر لیئے جاتے اور غلام بناکر فروخت کر دیئے جاتے اور خود ان پر اسی طرح ہاتھ صاف کیا جاتا جسطرح اُنکے بھائیوں کی جماعتوں پر مذکورہ بالا مقامات میں کیا گیا تھا۔ اگر مسلمانوں کے لیئے اُن کے دشمنوں کی طرف سے کوئی نرمی ہو سکتی تھی تو یہ تھی کہ وہ ارتداد کرکے اپنی جانیں بچا لیتے مگر وہ رسولؐ عربی کے صحابی تھے نہ کہ یسوع مسیح کے شاگرد۔

اس میں کلام نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا ارادہ اسلام اور مسلمانوں کی بیخکنی کرنیکا تھا۔ اور اگر ان کا بچاؤ مطلوب تھا تو دشمنوں کی روک تھام کا کوئی بندوبست ضروری تھا جو تدابیر مسلمانوں نے اختیار کیں اگر وہ ہمارے مسیحی معترضین کی نظر میں ٹھیک نہیں ہیں تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ ان حالات کے ماتحت اور کیا کیا جاسکتا تھا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ کفار نے مکہ میں ہی اسلام کو نیست و نابود کرنیکے لیئے ناخنوں تک زور لگایا؟ کیا یہ سچ نہیں کہ انہوں نے مسلمان مہاجرین کا بحیرہ قلزم تک تعاقب کیا؟ اور وہ بھی اس حالت میں جبکہ وہ ایک غیر ملک میں پناہ گزین ہونا چاہتے تھے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ انہوں نے نجاشی شاہ حبش کے پاس اپنے قاصد قیمتی تحائف دیکر بدیں غرض بھیجے کہ وہ مسلمان مہاجرین کو جنہوں نے اُسکے ملک میں پناہ لی تھی انکے حوالہ کر دے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ انہوں نے تمام مسلمانوں کو ایک وادی

میں بند کر دیا تھا جسکا نام شعب ابو طالب مشہور ہے اور جہاں وہ تین سال تک بند رہے اور وہ وہ ناقابل بیان تکالیف برداشت کیں کہ جن سے بعض مکہ والوں کے بھی دل اسقدر نرم ہوئے کہ وہ امداد کے لیئے آمادہ ہو گئے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ وہ شریف النسب رسول صلعم قریش کے مظالم سے تنگ آکر ایک بےخان ومان انسان کی طرح ہو گیا اور اپنی حفاظت کے لیئے اُسکو پڑوس کی دوسری قوموں سے مدد کی درخواست کرنی پڑی؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جب مدینہ والوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں پناہ دینی چاہی تو قریش جامہ سے باہر ہو گئے اور اہل مدینہ کے قافلہ کا محض اسوجہ سے تعاقب کیا کہ اُنہیں وہ آدمی بھی تھے جنہوں نے کمال جرأت سے حضرت نبی کریم صلعم کو مدینہ میں پناہ گزین ہونے کیلیئے کہا تھا کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسوقت تک مکہ کو نہیں چھوڑا جبتک کے مدینہ کے نومسلموں سے یہ پختہ وعدہ نہ لے لیا کہ وہ آنحضرت صلعم اور دوسرے مہاجرین کی اس طرح حفاظت کرینگے جسطرح کہ وہ اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں؟ کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ کی کینہ توز طبیعت کے باعث یقین تھا کہ وہ آپ کا مدینہ میں بھی تعاقب کرینگے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اہل مکہ نے مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا؟ جسے پکڑ سکے اُسے قید کر لیا اور جسپر زور چلا اُسے ارتداد پر مجبور کیا۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابی مکہ سے ہجرت کر چکے تو کفار قریش نے مکہ کے تمام قبائل کو گانٹھ کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پر حملہ کرنیکے لیئے آپکے گھر کا محاصرہ کر لیا؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جب ان لوگوں کے منصوبے خاک میں مل گئے اور خدا کا رسولؑ جس کی نسبت واللہ یعصمک من الناس کا وعدہ تھا ان کفار کے چنگل سے صحیح سلامت نکل گیا تو آپکی تلاش میں ہر طرف سوار دوڑائے گئے اور آپکے سر مبارک کی قیمت مقرر کیگئی؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ قریش اُن مسلمانوں کو برابر ایذائیں دیتے رہے جو مکہ سے ہجرت

نہ کرسکے؟ کیا اس سے انکار ہوسکتا ہے کہ مکّہ کے قافلوں نے اپنی دوست قوموں اور دوسرے عربی قبائل کو مسلمان مہاجرین کے خلاف اُکسایا؟ کیا یہ بات مسلم نہیں ہے کہ جب کفار کی فوج نے ابوجہل کے ماتحت مکّہ سے کوچ کیا تو ہر ایک فرد کو جو لڑنے کے قابل تھا اس فوج کی شمولیت کیلیئے مجبور کیا گیا اگر آنکھیں ہوں تو یہ صاف ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی نیّت یہی تھی کہ اسلام اور مسلمانوں کو بزور تلوار ہمیشہ کے لیئے نابود کر دیا جائے! کیا کوئی اس امر کو چھپا سکتا ہے؟ کہ عرب کے قبائل نے جا بجا جمع ہو کر مدینہ پر حملے کرنیکی ٹھان لی تھی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ جب کبھی مسلمان کفار کے ہاتھ پڑے تو کمال بے دردی سے شہید کیئے گئے یا ارتداد پر مجبور کیئے گئے۔ کیا اس میں کوئی شبہ ہوسکتا ہے؟ کہ مخالفین نے شروع ہی سے اسلام کی بیخکنی کا مصمّم ارادہ کیا ہوا تھا اور جس سرعت سے دین حقہ کی ترقی ہوتی تھی اس سے دُگنے زور کے ساتھ مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ منصف ناظرین اب ہم ان سوالوں کے ساتھ ہی یہ بھی پوچھنے کی جرأت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیئے ان حالات کے ماتحت اسکے سوا اور کیا صورت ہوسکتی تھی؟ کہ وہ ذاتی حفاظت کے لیئے تیار ہو جاتے اور جو کچھ اُن سے بھی بن پڑتا اپنی حفاظت کے لیئے کرتے۔ کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کی نقل و حرکت کی خبر رکھتے؟ اور اُنکے اچانک حملوں کے جواب کی تیاری کرتے؟ کیا ہمارے معترض اب بھی اس امر کو تسلیم نہیں کرینگے کہ ان بے شمار دشمنوں کے نرغہ سے اگر مسلمانوں کا بچاؤ ہوا تو خدا کے فضل کے ساتھ اور اُسکی امداد سے محض اُنکی ہوشیاری اور مستعدی سے ہوا دشمنوں کو اُٹھتے ہی دبانے سے دوہرا فائدہ ہوا ایک تو یہ کہ مفسد قبائل کو آیندہ شرارت کا کم موقعہ ملا۔ اور دوم یہ کہ دوسری قومیں اپنے پڑوسیوں کی پیروی سے باز رہیں۔ اگر اب بھی کوئی شخص مسلمانوں کو جنگوں کی ابتدا کا ملزم بنائے اور اُن تمام حالات کو نظرانداز کر دے جنکے باعث مسلمان ہتھیار اُٹھانے پر مجبور ہوئے تھے تو ایسے شخص کو معذور اور ظلمت کا فرزند سمجھکر ہم حوالہ خدا کرتے ہیں۔

سریّہ ذات الرقاع کے متعلق ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کس رنگ کے انسان تھے۔ دو شخصوں کی نوکری لگائی گئی کہ

وہ اُس کھوہ کے مُنہ پر پہرہ دیں جس کے اندر مسلمان قیام پذیر تھے۔ ایک نے پہلی رات کا پہرہ لیا اور دوسرے نے پچھلی رات کا۔ جب ایک شخص پہرہ پر کھڑا ہوا تو اُس نے خیال کیا کہ وقت گذارنے کے لیئے سب سے بہتر طریق عبادت الٰہی ہے اسلیئے اُس نے اپنے مولا کے حضور نماز نیت لی اور اس اثنا میں اُس کا دوسرا ساتھی سو گیا ایک دشمن نے جو کسی مسلمان کو شہید کرنیکا موقعہ ڈھونڈتا تھا اس عابد سپاہی کو دیکھا۔ اور یہ معلوم کرکے کہ وہ ایک مسلمان پہرہ دار ہے فوراً ایک تیر چلا دیا جو سیدھا اُس باخدا صحابی کے جسم میں داخل ہو گیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ادنیٰ خادم نے اس تیر کو کھینچکر نکال ڈالا اور نماز جاری رکھی۔ اس دشمن نے دوسرا تیسرا اور پھر چوتھا تیر مارا مگر اُس مردِ خدا نے ہر دفعہ تیر کو کھینچکر نکال ڈالا اور آخر نماز ختم کرکے ہی چھوٹی سی سلام پھیر کر اُس نے اپنے ساتھی کو جگایا اور دشمن نے جب دیکھا کہ دو آدمی ہیں تو وہ بھاگ گیا۔ جب دوسرا صحابی جاگا تو اُس نے کہا کہ مجھکو پہلے ہی تیر پر جگا دیا ہوتا۔ اسکے جواب میں اُس خداپرست بزرگ نے کہا کہ مَیں قرآن کریم کی ایک سورۃ پڑھ رہا تھا اور اس میں مجھے کچھ ایسی لذت آئی کہ میرے دل نے بغیر ختم کیئے چھوڑنا پسند نہ کیا۔ سبحان اللہ! کیا ایمان ہے اور کیسے خداپرست لوگ ہیں مگر غضب ہے تو یہ کہ ان لوگوں کو ہمارے مخالفین نے نہایت بے رحمی سے اور انصاف کا خون کرکے "لُٹیرے" اور "خون کے پیاسے" وغیرہ قابل نفرت ناموں سے یاد کیا ہے۔ حالانکہ ہمارے عیسائی معترضین کو یسوع مسیح کے حواریوں میں بھی ایسے بُردبار اور راہ خدا میں جان قربان کرنیوالے وجود نہیں مل سکتے۔ ان دو صحابیوں کا نام عمار بن یاسر اور عباد بن بشر تھا (ابن ہشام) چونکہ قریش اور دوسرے طاقتور عربی قبائل نے مسلمانوں کی بیخکنی کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور اسلیئے ہمیشہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرتے رہتے تھے ان لوگوں کے ہاتھوں سے آنحضرتؐ اور آپکے صحابہؓ کو متواتر اسقدر تکالیف پہنچیں کہ آخرکار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور ہوکر دعا کی کہ غضب الٰہی سخت قحط کی شکل میں ان لوگوں پر نمودار ہو تاکہ اس طرح ہی یہ خونخوار دشمن کم ازکم مسلمانوں کو لگاتار ایذا دینے سے تو رُک جائیں۔

ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ ابوسفیان نے احد کے میدان جنگ سے واپس ہوتے وقت

مسلمانوں کو دھمکی دی تھی کہ آیندہ موسم سرما میں بدر کے مقام پر اُنسے مقابلہ کیا جائیگا۔ اُس نے راستہ سے بھی بعض بُت پرستوں کی زبانی کہلا بھیجا کہ (خاک بدہنش) آیندہ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ کا خاتمہ کر دیا جائیگا۔ دوسرا جاڑا تو آگیا مگر خشک سالی تھی۔ اسلیئے ابوسفیان اس لفظی دھمکی کو عملی صورت میں لانیکے لیئے کافی تیاری نہ کرسکا یا یُوں کہیں کہ خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سُن لی اور سیہ کار دُشمن اپنی کوششوں میں ناکام ہوا اور اُسنے مجبوراً اس مہم کو کسی دوسرے فارغ البالی کے زمانہ تک ملتوی کر دیا۔ عرب کی بعض قومیں ایسی تھیں کہ انہوں نے نہ تو قریش کا ساتھ دیا تھا اور نہ مسلمانوں کی طرفداری کی تھی ان غیر طرفدار لوگوں میں سے ایک شخص نعیم بن مسعود نام تھا جسکو ابوسفیان نے مدینہ بھیجا تاکہ وہاں جاکر مکّہ والوں کی تیاریوں کو مبالغہ آمیز الفاظ میں مشہور کرے اور اس طرح مسلمانوں کو کوچ کرنیسے باز رکھے۔ قرآن کریم اس وقعہ کی طرف مفصلہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے الذین استجابوا للہ والرسول من بعد ما اصابھم القرح للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم - الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل (آل عمران - ۱۸) جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا بعد اسکے کہ اُنکو زخم پہنچ چکا تھا (اُحد کی لڑائی کی طرف اشارہ ہے) اُن لوگوں کے واسطے جو اُنمیں سے نیک اور پرہیزگار ہیں بڑا اجر ہے*۔ وہ لوگ جنکو لوگوں نے کہا کہ لوگ تمہارے برخلاف جمع ہو رہے ہیں اسلیئے اُنسے ڈرو۔ لیکن اس سے اُنکے ایمان میں زیادتی ہوئی اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی کارساز ہے۔

الغرض ان مبالغہ آمیز افواہوں کا صحابہؓ پر کچھ اثر نہ ہوا اور آنحضرتؐ پندرہ سو ۱۵۰۰ آدمیوں کے ساتھ (یعنی جنگ احد میں جانیوالے مجاہدین سے دگنی تعداد لیکر) مدینہ سے روانہ ہوئے اور مقام بدر پر ڈیرہ ڈالکر قریش کی فوج کے حملہ کا انتظار کرنے لگے ابوسفیان دو ہزار ۲۰۰۰ پیادہ اور پچاس سوار لیکر مکّہ سے روانہ ہوا مگر ایک دو دن کے سفر کے بعد ہی اُسکو خیال آیا کہ اسقدر آدمیوں کے ساتھ وہ مسلمانوں کا مقابلہ نہ کرسکیگا اس لیئے

* یہانتک واقعہ حمراء الاسد کا ذکر ہے جسکا ذکر پہلے گذر چکا ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر صفحہ ۳۸۶ منہ

وہ اس عذر سے کہ امسال بوجہ گرانی لڑائی مناسب نہیں ہے مکّہ کو واپس آگیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ دن تک بدر پر انتظار کر کے مدینہ کو واپس تشریف لے آئے (مواہب زرقانی - جزو ثانی - ۱۱۱)

آئندہ موسم گرما میں حضرت نبی کریم صلعم کو ایک نئی طرف کا لمبا اور بامشقت سفر درپیش ہوا یعنی دومۃ الجندل نام مقام کی طرف جانا پڑا جو کہ مدینہ سے سولہ[16] دن اور دمشق سے پانچ دن کی مسافت پر ملک شام کی حدود پر واقع تھا یہاں پر راہ زنوں نے مسافروں کو لوٹنا شروع کر دیا تھا اس طرح انہوں نے نہ صرف ملک شام اور مدینہ کے درمیان کی تجارت کو ہی روک دیا تھا بلکہ مدینہ پر حملہ کرنیکا منصوبہ بھی کیا تھا - یہ خبر پاکر آنحضرت صلعم مدینہ سے ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ عین موسم گرما میں روانہ ہوئے - مسلمانوں کی آمد پر راہ زن قبائل جو عیسائی تھے تتر بتر ہو گئے اور نبی کریم صلعم قریباً ایک ماہ کے بعد مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے - راستہ میں آپنے قوم فزارہ کے سردار عیینہ بن حصن سے ایک معاہدہ کیا اور اُسکو مدینہ کے نواح کی بعض زمینوں پر جہاں باوجود قحط سالی کے کافی چارہ تھا مویشی چرانے کی اجازت دی - یہ سفر ماہ ربیع الاول ۵ھ ہجری المقدس میں پیش آیا (زاد المعاد ابن قیم) اس شمالی سفر یعنی دومۃ الجندل کی لمبی اور تھکانے والی مہم سے واپس آئے آنحضرت صلعم کو چند ماہ ہی گذرے تھے کہ آپکو ایک لمبا سفر جنوب کی طرف کرنا پڑا یعنی نواح مکّہ کی جانب جانا پڑا - اس دفعہ بنی مصطلق پر چڑھائی کی گئی جو کہ مکّہ کے نواح میں رہنے والے قبیلہ بنی خزاعہ کی ایک شاخ تھے - اسوقت تک تو ان لوگوں کے مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات تھے مگر اُنکے سردار الحرث نامی نے انکو مسلمانوں کی طرف سے برگشتہ کر دیا - اس شخص نے محض اپنی ہی قوم پر اثر نہیں ڈالا تھا - بلکہ دوسرے قبائل میں بھی چکر لگا کر مدینہ پر حملہ کرنیکے لیئے ایک بڑا لشکر فراہم کر لیا تھا - جب ان حالات کی اطلاع آنحضرت صلعم کو ہوئی تو آپنے الحرث کے منصوبوں کو توڑنیکا مصمم ارادہ کر لیا اور صحابہؓ کی ایک جماعت ساتھ لیکر فوراً روانہ ہو پڑے - آخر آٹھ دن کی مسافرت کے بعد مریسیع کے کوئیں پر ڈیرے لگا دیئے - آپکے یک بیک آ جانیسے

الحرث کے ساتھیوں پر خوف طاری ہوگیا اور اُسکے مددگاروں نے علیحدہ ہونا شروع کردیا تاہم بنی مصطلق کی طرف سے ہی پہلا تیر چلا اور جس طرح آغاز انکی طرف سے ہوا اسی طرح اس لڑائی کا انجام بھی اسی قبیلہ کی شکست پر ہوا۔ اس طرح اس خطرناک مجمع کو منتشر کرکے آنحضرت صلعم مدینہ کو واپس تشریف لائے۔ یہاں پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر مسلمان وقت پر نہ پہونچتے تو بہت بڑے خطرہ کا اندیشہ تھا۔ (ابن ہشام) اس غزوہ میں عبداللہ بن ابیؔ اور منافقین کی ایک جماعت بھی اسلامی جھنڈے کے نیچے آموجود ہوئے تھے اور اس شمولیت سے انکی مراد ظاہرًا دوستی کا اظہار تھا مگر اس دفعہ اتفاق سے ایک جھگڑا پیدا ہوگیا اور اس میں عبداللہ بن اُبی بول اُٹھا کہ "تم نے ان اجنبیوں کو اپنے ہاں بلاکر یہ سب کچھ اپنے آپ سہیڑا ہے" اور کہا لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل یعنی مدینہ جاکر عزت والے یعنی ہم ذلت والوں یعنی مسلمانوں کو شہر سے نکالدینگے"۔ اس شخص کا بیٹا عبداللہ پکا مسلمان تھا اور وہ اپنے باپ کو اس بات پر ملامت کررہا تھا کہ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کو اذل کیوں کہا اسی اثنا میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر بھی اس طرف ہوا اور بیٹے اور باپ کی تکرار سنکر فرمایا۔ "اُسے اپنے حال پر چھوڑدو۔ کیونکہ میری جان کی قسم جبتک وہ ہمارے ساتھ ہے ہماری رفاقت اُسکے لیئے ہر طرح خوشی کا موجب ہونی چاہیئے"۔ قرآن مجید میں سورۃ منافقون میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

مدینہ کا محاصرہ یا غزوہ احزاب

جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شمال۔ مشرق۔ اور جنوب کی طرف حملہ آوروں کے مجمعوں کو منتشر کررہے تھے تو آپکے دشمن مسلمانوں کے نیست و نابود کرنیکے لیئے بہت بڑے پیمانہ پر تیاریاں کررہے تھے۔ میور لکھتا ہے کہ "قریش ہر جاڑے کے موسم میں مدینہ پر حملہ کرنیکی تیاری کرتے تھے مگر اب کی دفعہ انہوں نے بہت ہی بڑھ چڑھکر سامان کیا تھا"۔ (لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۲۹۶) ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ ابوسفیان نے جنگ احد سے واپس آتے وقت آنحضرت صلعم کو یہ دھمکی آمیز پیغام بھیجا تھا کہ وہ آیندہ سال (خاک بدہنش) آپ اور آپکے صحابہ رض کا قلع قمع

کریگا۔ اگرچہ اُس سال وہ اپنی لفظی دھمکی کو عملی لباس پہنانے میں ناکام رہا مگر دوسرے سال اُس نے (بزعم خود) مسلمانوں کی بیخکنی کیلئے بہت بڑی بڑی تیاریاں کیں۔ یہودی بھی جو کہ مسلمانونکی تباہی چاہنے میں قریش سے کسی صورت میں کم نہیں تھے اُنکے ساتھ مل گئے اور اُنکو ہر طرح کی امداد دینے لگے۔ بعض بارسوخ یہودی مثلاً سلام بن حقیق نضری و حُیی بن اخطب نضری وکنانہ بن ربیع نضری و ہوزہ بن قیس وائلی اور ابو عمار وغیرہم بنی نضیر اور بنی وائل کے چند آدمیوں کو ساتھ لیکر خیبر سے مکّہ کو گئے اور قریش کو اپنی امداد کا یقین دلا کر اُنسے درخواست کی کہ ایک بڑی فوج سے مدینہ پر حملہ کریں اور مسلمانوں کا ہمیشہ کے لیۓ قلع قمع کردیں مکّہ سے وہ بدّو اقوام کے پاس گئے اور اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُکساتے پھرے قریش اور یہودیوں کی متفقہ کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ اکثر صحرائی قبائل اُنکی امداد کے لیۓ آمادہ ہوگئے۔ ان بدّو اقوام میں غطفان قبیلہ کی بھی کئی قومیں شامل تھیں جن کے ہاتھ سے مسلمانوں کو پہلے بھی بہت ایذا پہنچ چکی تھی۔ قریش کا افسر ابوسفیان تھا اور صحرائی قبائل کا سردار عیینہ بن حصن تھا۔ اس تمام لشکر کی تعداد دس ہزار تھی۔ قوم خزاعہ نے مسلمانوں کو اس آنیوالے طوفان کی خبر تو دیدی مگر اب تیاری کا کوئی وقت نہ تھا۔ اقوام عرب کے اس جم غفیر کی طرف قرآن کریم نے مفصلہ ذیل آیات میں اشارہ فرمایا ہے اِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ٥ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ٥* یعنی جب وہ تم پر اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی چڑھ آئے۔ اور جب آنکھیں کج ہوگئیں اور کلیجے مُنہ کو آنے لگے۔ لوگوں کے دلوں میں خدائے تعالیٰ کی نسبت عجیب عجیب خیالات پیدا ہوئے اُس جگہ مومنین کے لیۓ آزمائش کا وقت تھا اور وہ ہلائے گئے سخت ہلانا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنکو مولا کریم کی ذات پر پُورا بھروسہ تھا دعا میں مشغول ہوگئے اور جناب باری میں اس طرح عرض کیا کہ "اے مولا! اے کتاب کے نازل کرنیوالے! تو جلدی خبر لینے والا ہے پس ان جماعتوں کو منتشر کردے۔ اے مالک! تو انکو بھگادے اور ان میں تزلزل ڈال" آپ اس دعا کو کئی روز تک برابر مانگتے رہے پھر اپنے صحابہؓ سے

* احزاب ۲

مشورہ کیا اور سلمان فارسی کی تجویز پر شہر کے گرداگرد خندق کھودنیکا ارادہ کرلیا گیا یہ تدبیر بہت کارگر ہوئی کیونکہ عربوں میں اسوقت تک خندق کھودنے کا رواج نہ تھا۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنیکا حکم دیدیا تاکہ یہ خندق مسلمانوں اور حملہ آوروں کے درمیان ایک روک اور حد فاصل کا کام دے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے بنفس نفیس بھی اس خندق کے کھودنے میں حصہ لیا اور کھدی ہوئی مٹی کی ٹوکریاں بھر بھر کر پھینکتے رہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسوقت صحابہ کرام اور آنحضرت کے جسم مبارک پر مٹی اور گرد جمی ہوئی تھی اور آپ کی زبان مبارک پر اکثر یہ اشعار جاری ہوتے تھے۔

اللھم لولا انت ما اھتدینا ❊ ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃ علینا ❊ وثبت الاقدام ان لاقینا
ان الألی قد بغوا علینا ❊ اذا ارادوا فتنۃ ابینا

یعنی اے اللہ اگر تیرا فضل نہ ہوتا تو ہم راہ راست کو حاصل نہ کرسکتے اور نہ خیرات کرسکتے اور نہ نمازیں پڑھ سکتے۔ (تُو نے ہی ہمیں اسلام کی طرف ہدایت کی) پس اب مقابلہ کے وقت تو ہم پر سکینۃ نازل فرما کر اور ہمارے قدموں کو لڑائی میں مضبوط کر۔ ان لوگوں نے ہم پر زیادتی اور تعدی کی ہے اور جب کبھی انہوں نے جبر اور تلوار کے زور سے ہمیں اسلام سے پھیرنا چاہا تو ہم نے انکار کیا۔ (صحیح بخاری)

مذکورہ بالا اشعار کا حوالہ میور نے بھی دیا ہے اور ان کے یہاں لکھنے سے میرا منشاء صرف اس امر کا اظہار کرنا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان اشعار میں بھی اپنے تئیں مظلوم اور ستم رسیدہ ظاہر فرماتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو جابر اور زیادتی کرنیوالے ٹھہراتے ہیں پانچویں مصرعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مخالفین نے ہی مسلمانوں سے مقابلہ کیلئے ابتدا کی تھی اور انکی غرض بھی مسلمانوں کو راہ راست سے برگشتہ کرنیکی تھی۔ جن الفاظ کا ترجمہ میور نے "مقابلہ کے لیئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں" کیا ہے وہ بغوا علینا ہیں جنکے زیادہ صحیح معنے یہ ہوتے ہیں کہ "انہوں نے ہم سے ظالمانہ سلوک کیا ہے یا ہم پر تعدی اور زیادتی کی ہے"۔ کیونکہ لین پول کی انگریزی عربی لغات میں بغیٰ کے معنے مفصلہ ذیل دیئے گئے ہیں۔ "تعدی کا مرتکب ہونا۔ ایذا پہنچانا یا ظالمانہ سلوک کرنا۔ یا سختی کرنا" وغیرہ وغیرہ۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے صاف

ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مخالفین ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں سے ظالمانہ وجابرانہ برتاؤ کیا تھا اور انکو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیئے ہر طرح ابتلاؤں۔ دکھوں۔ مصیبتوں اور سختیوں میں ڈالا تھا۔ کیا یہ الفاظ ہی اس امر کی کافی شہادت نہیں ہیں کہ مسلمان مظلوم اور انکے دشمن ظالم تھے؟ ہمیں اگر تعجب ہے تو یہ کہ ایسی صاف اور صریح شہادتوں کی موجودگی میں بھی مسیحی صاحبان اور انکے ہمرنگ معترضین کو یہ کہتے وقت شرم نہیں آتی کہ مسلمانوں نے عربوں پر ظلم کی تلوار چلائی اور انکو بزور شمشیر اسلام میں داخل کیا۔

اب ہم پھر محاصرہ کی داستان کی طرف عود کرتے ہیں چھ دن کی متواتر کھدائی کے بعد خندق مکمل ہوگئی اور مسلمانوں کی تین ہزار فوج اس وسیع میدان میں نکل آئی جو خندق اور شہر کے درمیان تھا۔ قریش اور صحرائی قبائل کا ٹڈی دل سمندر کی طوفانی لہروں کی طرح مدینہ پر بڑھتا چلا آرہا تھا کہ خندق پر آکر یکایک رک گیا۔ اور جب انہوں نے دیکھا کہ آگے بڑھنا محال ہے تو خندق کے پار والے میدان میں ہی ڈیرے ڈالدیئے۔

اب دشمن نے مدینہ کے اندر اپنے مددگار پیدا کرنے چاہے اور بنی قریظہ کی یہودی قوم سے گفتگو کا سلسلہ جاری کیا۔ خیبر کے یہودیوں میں سے ایک شخص حیی بن اخطب بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا۔ پہلے پہل تو کعب نے حیی کو ملنے سے انکار کیا اور کہا کہ مسلمان اپنے عہد کا بڑا پاس کرتے ہیں لہٰذا مجھے عہد شکنی سے خوف آتا ہے مگر جب اسکو یہ بتلایا گیا کہ مخالفین کی فوج مدینہ کے باہر ڈیرہ ڈالے پڑی ہے اور طوفانی سمندر کی طرح معاذ اللہ آنحضرت اور آپکے صحابہؓ کو بہا لیجانیکے لیئے تیار ہے اور یہ کہ حملہ آوروں نے اس بات پر حلف کرلیا ہے کہ مسلمانوں کو تباہ کیئے بغیر واپس نہ جائیں گے جب یہودی سردار نے یہ باتیں سنیں تو وہ نرم ہوگیا اور قریش کی امداد کرنیکا پختہ وعدہ کرلیا۔ حضرت نبی کریم صلعم کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے اس تصدیق کیلیئے اپنے آدمی بھیجے۔ وہاں پہنچکر جو دیکھا تو بنی قریظہ کے تیور ہی بدلے ہوئے تھے۔ اور یہ کہتے تھے کہ "محمدؐ کون ہے اور خدا کا رسولؐ کون ہے جسکی ہم اطاعت کریں۔ ہمارے اور اسکے درمیان کوئی معاہدہ وغیرہ نہیں ہے۔" یہ پیغامبر جب حضور نبوی میں واپس آئے تو عرض کیا کہ یہودیوں کا مزاج تو اس سے بھی زیادہ خراب ہے جسقدر کہ ہم نے

خیال کیا تھا۔ اس بغاوت کی خبر سے مسلمانوں پر بہت خوف طاری ہوا۔ کیونکہ شہر میں ان یہودیوں کے بہت لوگ طرفدار تھے اور شہر کے اس حصہ سے جس طرف بنو قریظہ رہتے تھے دشمن آسانی سے اندر گھس آسکتا تھا اچانک حملے یا دغا بازی سے بچنے کے لئے حضرت نبی کریم صلعم کو مجبوراً اپنی فوج کا ایک حصّہ علیحدہ کرکے شہر کے دوسرے حصّہ کی طرف بھیجنا پڑا حالانکہ آپکے پاس خندق کی حفاظت کے لیئے بھی کافی آدمی نہیں تھے اور اس علیحدہ کردہ دستہ کو دو جماعتوں میں تقسیم کرکے آپنے حکم دیا کہ شہر کے گلی کوچوں میں شب و روز گشت لگائیں اور خطرہ کے مقامات کی نگرانی کریں۔ مسلمان بظاہر اسقدر کمزور اور بیکس تھے کہ اکثروں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عذر کرکے چلے آنیکی اجازت مانگی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ بدول لوگوں اور منافقین نے تو اب علانیہ کہنا شروع کردیا کہ "رسول اللہ کی وہ امیدیں اب کدھر گئیں اور آسمانی امداد کے وعدے کیا ہو گئے" قرآن کریم اس کیفیت کی طرف مفصلہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا۔ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا (احزاب ۲) اور جس وقت منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہتے تھے کہ نہیں وعدے دیئے تھے اللہ نے اور اُسکے رسول نے مگر دھوکہ دینے کو۔ اور جسوقت کہتا تھا ایک گروہ اُنہیں سے اے مدینہ والو! تمھارے رہنے کے واسطے کوئی جگہ نہیں پس پھر جاؤ۔ اور ایک فریق اُن میں سے نبی سے اجازت مانگتے تھے وہ کہتے تھے کہ ہمارے گھر خالی ہیں حالانکہ وہ خالی نہیں تھے وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے۔

لیکن اگرچہ ظاہری آنکھ میں مسلمانوں کیحالت کمزور معلوم ہوتی تھی اور اگرچہ وہ لوگ جنکے قلوب میں بیماری تھی اس بات پر یقین رکھنے لگے کہ مسلمان تباہ ہو جائیں گے مگر سبحان اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت میں رہنے والے صحابہؓ کا کیا ایمان ہے کہ مخالفین کے اس دل بادل لشکر کو دیکھکر بجائے دل چھوڑنے کے اسطرح فرماتے ہیں۔ هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (احزاب ۳) یعنی یہ وہ ہے جس کا ہم سے اللہ اور اُسکے رسولؐ نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اُسکے رسول نے سچ کہا تھا۔

یعنی اب اُس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے جو خدائے تعالیٰ نے فرمایا تھا جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ۔ (صٓ ۱)

پھر اس متفقہ اور متحدہ افواج نے اُنپر کیا اثر کیا؟ صرف یہ کہ انکے ایمان اور اطاعت میں ترقی ہوئی چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۝ (احزاب ۲) ان وفادار مسلمانوں نے ایسے ابتلا اور خوف کے موقعہ پر بڑی بہادری سے کام لیا اور شب و روز اچانک حملوں اور دغابازیوں سے بچنے کے لیئے شہر کے گلی کوچوں میں پہرہ دیا۔ اُنہوں نے اپنے آقا و مولا اپنے پیشوا و ہادی اپنے روحانی باپ اور سپہ سالار کے خیمہ کی حفاظت کی اور جب کبھی دشمنوں نے خندق کو عبور کرنا چاہا تو فوراً نہایت ہوشیاری اور جانبازی سے مقابلہ کرکے اُنکو پس پا کردیا۔ اللہ اللہ ان لوگوں کا کیسا ایمان اور کیسا خدا کی ذات پر بھروسہ تھا کہ چاروں طرف سے دشمنوں کا نرغہ ہے اور محاصرہ کے اُٹھائے جانیکی ظاہراً کوئی امید نہیں اور پھر سامنے سے یہ ڈر ہے کہ دشمن خندق عبور کرکے حملہ نہ کردیں اور پیچھے سے یہ خدشہ ہے کہ کہیں یہودی اور منافقین نہ آپڑیں تاہم یہ قدوسیوں کا گروہ کبھی بیدل نہیں ہوتا اور کبھی مایوسی انکے پاس نہیں پھٹکتی۔ خدائے تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں نے ایسی ہوشیاری اور مستعدی سے کام کیا کہ دشمنوں کا بے شمار لشکر اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ایک دفعہ سواروں کا ایک دستہ خندق کے پار آنے میں کامیاب ہوگیا اور مسلمانوں کی صف کے عین مقابل بڑی دلیری سے نمودار ہوا۔ ان میں ایک بڑا بہادر قریش عمرو نام تھا اُس نے مسلمانوں کو چیلنج کیا کہ کوئی شخص تنہا ہوکر اُس سے نبرد آزمائی کرلے۔ اس چیلنج کا جواب اہل اسلام کی طرف سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیا آخر دونوں بہادر مصروف پیکار ہوگئے اور گرد و غبار کا ایک بادل اُٹھا اور کچھ عرصہ کے لیئے ہر دو کو دیکھنے والوں کی نظروں سے غائب کردیا۔ لیکن بہت دیر نہیں ہونے پائی تھی کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کا نعرہ مار کر یہ اطلاع کردی کہ دشمن مقتول ہوگیا ہے یہ سُنکر عمرو کے ساتھیوں پر دہشت چھاگئی اور وہ خندق کو پھلانگ کر بھاگ گئے۔ مگر خندق کو عبور کرتے وقت ایک سوار نیچے گرا جسے حضرت

زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً دوسرے عالم میں پہنچا دیا۔ قریش نے اس مقتول کا جسم کچھ معاوضہ دیکر واپس لینا چاہا مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر معاوضہ ہی اسکی لاش واپس کر دی۔ اس واقعہ کے بعد کی شب کو دشمنوں نے خندق پر قبضہ کرنیکے لیئے بہت بڑی بڑی تیاریاں کیں اور صبح ہوتے ہی مسلمانوں نے دیکھا کہ مخالفین کی ساری فوج اُنکے مقابل صف آرا ہے۔ سر ولیم میور کی مفصلہ ذیل عبارت اس منظر کا بخوبی نقشہ کھینچ رہی ہے اور اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ کس بہادری اور مستعدی سے مسلمانوں نے اپنے دشمنوں کی متفقہ اور متحدہ افواج کے حملوں کا دفعیہ کیا تھا۔ میور لکھتا ہے "کبھی تو وہ ملکر حملہ کرنے کی دھمکی دیتے اور کبھی کئی دستوں میں تقسیم ہو کر مختلف مقامات پر بڑی سرعت کے ساتھ حملہ کرنیکی آمادگی ظاہر کرتے تاکہ مسلمانوں کی توجہ بٹ جائے اور پھر موقعہ دیکھکر اور کسی غیر محفوظ مقام کو تاڑ کر سب کے سب یکدفعہ ہل پڑتے اور تیروں کی بوچھاڑ کی آڑ میں خندق کو عبور کرنا چاہتے۔ کئی دفعہ خالد اور عمرو جیسے قریش بہادروں نے شہر پر ہلّہ کیا اور ایک مرتبہ تو محمد (صلعم) کا اپنا خیمہ بھی خطرہ کیحالت میں ہوگیا۔ مگر مسلمانوں کے بہادرانہ مقابلہ اور تیروں کی بوچھاڑ نے حملہ آوروں کا مُنہ پھیر پھیر دیا۔ یہ حالت تمام دن جاری رہی اور چونکہ مسلمانوں کے پاس بمشکل تمام اسقدر فوج تھی کہ مقابلہ جاری رکھتے اسلیئے انہیں آرام کے لیئے ذرا بھی مہلت نہیں مل سکتی تھی بعلاوہ بریں رات کو بھی خالد کی فوج کی طرف سے برابر خطرہ رہا اور اسلیئے اکثر دُور کی چوکیوں کے تعین کی ضرورت لاحق ہوئی۔ لیکن دشمنوں کی تمام کوششیں رائگاں اور بے سود رہیں اور وہ کبھی خندق کو پوری طاقت سے عبور نہ کر سکے"۔ خندق پر ایسا سخت اور لگاتار کام رہا کہ مسلمان وقت پر نمازیں بھی نہ پڑھ سکے۔ اور پانچوں نمازیں ملاکر اسوقت پڑھیں جبکہ دشمن شب گذاری کے لیئے میدان کارزار سے واپس ہوئے کئی روز تک متواتر جاگنے اور شب و روز کام کرنیسے مسلمان پریشان اور تھک کر چور ہو رہے تھے اس محنت شاقہ کو سوائے آنحضرت صلعم کے وفادار اور جان نثار اصحاب کے بھلا اور کون برداشت کر سکتا تھا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آخر کار خدائے تعالیٰ نے جو ہر ایک چیز پر قادر اور حاکم ہے ایک سخت آندھی کے رنگ میں

اپنی آسمانی کمک بھیجدی اور یہ طوفان ایسا سخت تھا کہ خیمے اکھڑ گئے آگیں بجھ گئیں اور دشمنوں کا ہر ایک سامان تہ و بالا ہوگیا۔ اور انکے کیمپ میں ایسی کھلبلی مچ گئی کہ ابو سفیان جو کفار کی فوج کا سپہ سالار تھا سب سے پہلے بھاگ کھڑا ہوا اور گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ ابو سفیان کو سوار ہونیسے پہلے اونٹ کی ٹانگیں کھولنے کا بھی خیال نہ رہا۔ قریش نے مکہ کی راہ لی اور بدو اپنے صحرائی گھروں کی طرف روانہ ہوگئے۔ مومن کامیاب ہوئے اور منکر ناکام رہے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے اپنے بندوں کا ساتھ دیا اور قدرت کے زبردست ہاتھ نے اپنے لشکروں سے انکی نصرت اور یاری کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے ٭ جب آتی ہے تو پھر عالم کو اِک عالم دکھاتی ہے
وہ بنتی ہے ہوا اور ہر خسِ رہ کو اڑاتی ہے ٭ وہ ہوجاتی ہے آگ اور ہر مخالف کو جلاتی ہے
کبھی وہ خاک ہو کر دشمنوں کے سر پڑتی ہے ٭ کبھی ہو کر وہ پانی اُنپہ اِک طوفان لاتی ہے

اسی فتح و نصرت کی طرف قرآن کریم مفصلہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝ (احزاب ۲)

یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کی جب کئی لشکر تم پر حملہ آور ہوئے پھر ہم نے اُنپر ایک ہوا بھیجی اور (فرشتوں کی) فوجیں بھیجیں جنکو تم نہیں دیکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ تمہارے (بہادری کے) کاموں کو دیکھتا تھا۔ پھر فرماتا ہے وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ۝ (احزاب ۳) اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو اُنکے غیظ و غضب کے ساتھ واپس پھیر دیا انہوں نے کوئی بھلائی حاصل نہ کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جنگ سے بچالیا (یعنی خود ہی لشکر کو بھگا دیا اور لڑائی کی نوبت نہ آئی) اور اللہ تعالیٰ طاقتور اور زبردست ہے اور پھر اُس خوف کا حوالہ دیکر جو کہ مخالفوں کی کثرت اور یہودیوں کی بغاوت سے منافقین اور بیمار دل لوگوں پر طاری ہوگیا تھا اس طرح فرماتا ہے۔ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ كَالَّذِیْ یُغْشٰى عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ (احزاب ۲)

یعنی جب خوف آیا تو نے اُنکو دیکھا کہ وہ تیری طرف دیکھتے تھے اور اُنکی آنکھیں اس طرح پھرتی تھیں جیسا کسی پر موت کی غشی طاری ہوجاتی ہے۔

جو دعا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی روز سے اللہ تعالیٰ کے حضور مانگ رہے تھے آخر وہ سُنی گئی اور خدائے تعالیٰ نے دشمنوں کی کثیر التعداد فوج کے دلوں پر رُعب ڈالدیا اور وہ اپنے گھروں کو پشیمانی - حیرانی اور سرگردانی سے واپس ہوئے مسلمانوں میں سے پانچ آدمی شہید ہوئے جنمیں سے ایک حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بنی اوس کے سردار تھے آپنے حالت نزع میں جو کچھ فرمایا وہ یہ ہے "اے رسول اللہ تجھ پر اللہ کی برکتیں نازل ہوں مَیں شہادت دیتا ہوں کہ تُو خدا کا فرستادہ پیغمبر ہے" جب یہ الفاظ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے مُنہ سے دھیمی اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں نکل رہے تھے اسوقت اُنکا سر رسول خدا صلعم کے زانو مبارک پر رکھا ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کر رہے تھے "اے مولا! درحقیقت سعد نے تیری راہ میں محنت اُٹھائی ہے اس نے تیرے رسولؐ پر ایمان لاکر اپنے عہد کو پورا کیا ہے اسلیئے اے خدا جو تیرے انعام اس جہان سے رخصت ہونیوالوں کی ارواح پر ہوتے ہیں اُن میں سے بہتر سے بہتر انعام اس شخص کی روح پر نازل فرما"

(ابن ہشام و لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ میور)

اس میں کلام نہیں کہ اب مدینہ پر ہر سال حملہ کرنیکی تیاریوں سے اور پہلے مکہ میں مسلمانوں کو ایذا دینے سے قریش کی ایک ہی غرض تھی یعنی اسلام کا قلع قمع کر دینا مگر فرق صرف یہ ہوا کہ مکہ میں تو مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور ارتداد پر مجبور کرنے سے اُنکی غرض پوری ہوجاتی تھی مگر مدینہ میں اُنکا مطلب سوائے مسلمانوں کے تباہ کر دینے کے اور کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ جوں جوں اسلام نے مضبوطی پکڑی مخالفین کی سختی میں بھی ترقی ہوئی - اسلام کی مخالفت میں جو آخری کوشش شہر میں کفار کی طرف سے ہوئی وہ یہ تھی کہ اسلام کے بانی علیہ الف الف سلام کے قتل کا منصوبہ کیا گیا اور اس طرح انہوں نے اُس مذہب کا خاتمہ کرنا چاہا جس سے اُنکو دلی نفرت تھی۔ آنحضرت صلعم کے قتل کی کوشش سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کو مٹا دینے پر تُلے بیٹھے تھے۔

لیکن جب وہ اسمیں بھی ناکام رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ کو مدینہ میں جائے پناہ ملگئی تو جلے بھنے قریش کے لیئے اسکے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کا تلوار سے ہی صفایا کردیں۔ بڑی بڑی تعداد میں مسلمانوں پر حملہ کرنیسے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قریش کا ان جنگوں سے مسلمانوں کی کامل تباہی کے سوا اور کوئی مدعا ہی نہ تھا۔ انہوں نے ہر جاڑے کے موسم میں مدینہ پر حملہ کرنا ایک ضروری امر سمجھ لیا تھا ہر دفعہ بڑی بڑی تیاریاں کرتے تھے پہلے سال جبکہ مسلمان ابھی کمزور ہی تھے تو ہر ایک لڑنے کے قابل مرد کو مکہ والوں نے مجبور کیا کہ انکی فوج میں شامل ہو۔ اور پھر ابو جہل اور دوسرے رؤسائے مکہ قریباً ایک ہزار آدمی کی جمیعت سے بدر کے میدان تک کوچ کر آئے۔ اسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمشکل تمام تین سو تیرہ آدمی جمع کرسکے اور ان میں سے بھی اکثر خام اور ناتجربہ کار تھے اور طرفہ یہ کہ علاوہ کمی تعداد کے سامان جنگ بھی کافی نہیں رکھتے تھے۔ دشمن تو چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو بالکل کچل ڈالے مگر الہام الٰہی کے مطابق خدا کے زبردست ہاتھ نے اپنی امداد کا وعدہ پورا کیا اور مسلمانوں کے چیدہ چیدہ دشمن قید ہوگئے یا مارے گئے۔ مسلمانوں کی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ منافقین مدینہ اور یہودی تو امید لگائے بیٹھے تھے کہ اب وہ ضرور لڑائی میں تباہ ہوگئے ہونگے اور جو ایلچی فتح کی خبر لیکر آیا اُسکو انہوں نے سمجھا کہ ساری فوج میں سے ایک بچکر آیا ہے۔ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی باوجود نصرت الٰہی کے متواتر وعدوں کے خدائے تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈر کر اپنے صحابہؓ کی سلامتی کے لیئے رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ پہلے حملہ کی تو یہ کیفیت تھی۔ اب سُنیئے کہ دوسرے حملے کے وقت قریش نے تین ہزار نبرد آزما کی ایک مضبوط فوج جمع کی اور سب کو سامان جنگ سے خوب آراستہ کرلیا مگر مسلمان صرف ۷۰۰ آدمی تھے اگلے سال قحط ہوگیا اور قریش مسلمانوں کے کچلنے کے لیئے کافی فوج نہ جمع کرسکے اسلیئے یہ سال بغیر کسی جنگ کے ہی گذر گیا۔ دوسرا سال غیر معمولی تیاریوں میں صرف ہوا اور چونکہ پہلی تمام کوششیں بے سود ہوئی تھیں لہٰذا قریش نے اب آخری اور فیصلہ کن حملے کا ارادہ کرلیا۔ یہودیوں نے بھی انکی امداد کی اور چاروں طرف بدّو اقوام میں آدمی بھیج بھیجکر انکو بھی امداد کے لیئے بلایا گیا۔

ان محنتوں کا جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہ نتیجہ ہوا کہ ہجرت کے پانچویں سال دس ہزار جنگجوؤں کی متحدہ فوج نے مدینہ پر حملہ کیا اور سوائے چند منتخب لوگوں کے باقی سب شہر والوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس متفقہ فوج کا جو اثر شہر والوں پر ہوا اُسکو قرآن کے الفاظ سے بہتر عبارت میں ادا کرنا مشکل ہے چنانچہ فرماتا ہے اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ جسوقت آئے تمھارے پاس (دشمن) اوپر سے اور نیچے سے (یعنی شہر کی دونوں طرف سے) اور جسوقت آنکھیں ٹیڑھی ہو گئیں اور دل (بوجہ گھبراہٹ کے) حلق تک پہنچ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرتے تھے۔ اُسوقت مومن آزمائے گئے مسلمانوں کی ظاہری حالت ایسی نازک تھی کہ خود اُنکے درمیان سے ایسے لوگوں نے جنکے قلوب میں امراض تھیں علانیہ کہنا شروع کر دیا۔ "وہ اب رسول خدا (صلعم) کی امیدیں کہاں ہیں اور آسمانی امداد کے وعدے کیا ہو گئے؟"

الغرض اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ قریش کا ارادہ مسلمانوں کو کچل ڈالنے کا تھا اور یہی ارادہ تھا جو اُنسے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنیکی تیاریاں کراتا تھا۔ اب جو شخص اس بات سے انکاری ہو کہ قریش کا اسلام اور مسلمانوں کی بیخکنی کا ارادہ نہیں تھا وہ ایک ثابت شدہ امر کا منکر ہے کیونکہ قریش کی لمبی چوڑی تیاریاں اس امر پر پوری روشنی ڈالتی ہیں کہ اُنکا مسلمانوں کو کچل ڈالنے اور صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا پختہ ارادہ تھا۔

ایک یاد رکھنے کے قابل بات

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان جو لڑائیاں ہوئی تھیں ان سب میں ابتدا قریش کی طرف سے ہوئی۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فوج مدینہ سے اسوقت روانہ ہوئی جب مکہ والوں کی فوج نصف سے زیادہ راستہ طے کر چکی تھی۔ جب مسلمان میدان بدر میں پہنچے تو قریش کی فوج وہاں پہلے ہی سے موجود تھی اب دیکھیے کہ بدر مدینہ سے تین روز کا اور مکہ سے نو روز کا راستہ ہے پس اس صورت میں مکہ والے مسلمانوں کی روانگی سے کئی

روز پہلے چلے ہونگے۔ اب قرآن کریم سے جو ان معاملات میں میور اور دوسرے عیسائی معترضین کے نزدیک بھی ہماری نہایت ہی معتبر سند ہے (ملاحظہ ہو لائف آف محمدؐ صفحہ ۲۹۹ اور دیباچہ صفحہ ۲۶) جیسا کہ میں پہلے ایک نمبر میں بھی ظاہر کر چکا ہوں یہ صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ سے روانہ ہونے کے وقت مسلمانوں کو اس بات کا علم تھا کہ اُن کا مقابلہ دو جماعتوں میں سے ایک کے ساتھ ہوگا یعنی اُنکو قریش کے لشکر کا علم تھا۔ یہی حالت ہر ایک جنگ میں ہوتی رہی جنگ احد جنگ احزاب اور بدر کی دوسری لڑائی میں بھی قریش ہی کی طرف سے پیشدستی ہوئی۔ ان واقعات سے جنکا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا صریحًا معلوم ہوتا ہے کہ قریش کی طرف سے زیادتی ہوئی اور مسلمانوں نے محض حفاظت ذاتی کے لیئے ہتھیار اُٹھائے۔ لیکن جائے افسوس ہے تو یہ کہ عیسائی معترض ان کھُلی کھُلی شہادتوں پر آنکھ بند کرکے نہایت دلیری سے مسلمانوں کو ظالم اور قریش کو مظلوم ٹھہراتے ہیں۔ آہ اس سے بڑھکر انصاف کا خون اور کون کریگا۔ منصف ناظرین! اگر آپ عرب کا نقشہ لیکر مقامات جنگ پر ایک نظر ڈالیں تو آپکو فورًا معلوم ہوجائیگا کہ کس نے زیادتی کی اور کس نے محض مدافعت اور حفاظت ذاتی کا سامان کیا۔

آسمانی امداد اللہ تعالیٰ اور اُسکے فرشتوں کا اہل اسلام کی امداد کرنا بھی ایک بدیہی امر ہے جسکے لیئے مزید ثبوت کی ضرورت نہیں۔ جب مسلمان کمزور اور بیکس تھے اور قریش اُنپر ہر طرح کی سختیاں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُنکو اپنی امداد کا وعدہ فرمایا تھا۔ وہ خونخوار بھیڑیوں کے مُنہ میں آئے ہوئے تھے اور ظاہرًا مخلصی کی کوئی امید نہ تھی مگر مولا کریم نے مکہ میں ہی اُنسے وعدہ فرمایا کہ میں ان بھیڑیوں کو ہلاک کردونگا اور اسلام کو دنیا کے کونوں تک پھیلا دونگا خواہ دشمن اسکی بنیادیں اُکھاڑنے کے لیئے ناخنوں تک زور ہی کیوں نہ لگائیں اگر آسمانی وعدوں پر ایمان اور کامل یقین نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس خطرناک مایوسی کے عالم میں مسلمان دل توڑ بیٹھتے۔ اور ہم تو صریحًا دیکھ رہے ہیں کہ خدائی ہاتھ اپنے وفادار بندوں کی شروع سے ہی دستگیری کرتا رہا تھا۔ یہ خدا کا ہی فعل تھا۔

صادق اور راستی پسند قلوب کو اسلام کی طرف پھیر دیا اور باوجود قریش کی سخت سے سخت مخالفت اور ایذادہی کے دین حقہ کی اشاعت جاری رہی۔ یہ تائید الٰہی کی پہلی علامت تھی۔

اسلام لانے میں کیا کیا خطرات تھے اسکا اندازہ ان لوگوں کے عذرات پڑھکر لگ سکتا ہے جو کہ قبول اسلام میں متردد تھے۔ ایسے لوگ قریش کی ایذا رسانی سے ڈر کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کے حضور جو عذرات کرتے تھے انکو قرآن کریم ذیل کی عبارت میں پیش کرتا ہے وَقَالُوٓا اِنۡ نَّتَّبِعِ الۡهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفۡ مِنۡ اَرۡضِنَا (قصص ۶) یعنی یہ لوگ عذر کرتے ہیں کہ جو ہدایت تو لایا ہے اگر ہم اسکی پیروی کریں اور تیرے ساتھ شامل ہو جاویں تو (اسلام کے دشمن) ہمیں اس زمین پر سے اچک لیں گے۔

تائید آسمانی کی ایک اور علامت یہ تھی کہ مسلمانوں کو ایک ایسے عیسائی بادشاہ کے ملک میں پناہ مل گئی جس نے قریش کے سفیروں کی اس درخواست کو کہ مسلمان مہاجرین کو انکے سپرد کر دیا جائے بالکل رد کر دیا۔ اور پھر خدا کے سوا یہ کس کا کام تھا کہ حضرت نبی کریم صلعم کے قریبی رشتہ داروں کو آپکا محافظ بنا دیا اور وہ اپنے امکان کے مطابق دشمنوں کے حملوں سے آپکی حفاظت کرتے تھے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنی تائید کا ثبوت ایک اور طرح بھی دیا یعنی مدینہ میں انصار کی جماعت پیدا کر دی جو خدمت اسلام میں دل وجان سے مصروف ہو گئے اور مکہ کے برادران دینی کو اپنے ہاں پناہ دی۔ یا یوں کہو کہ مدینہ والوں کے اس فعل سے قریش کا یہ منصوبہ خاک میں ملگیا کہ اسلام کو مکہ سے باہر نہ پھیلنے دیا جاوے۔ پھر جبکہ جلے بھنے غضب آلود قریش نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کیلئے اپنی تلواروں کو نیام سے باہر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کفار کی کھینچی ہوئی تلواروں سے اپنے نبی کو اعجازی طور پر محفوظ رکھا اور صحیح سلامت مدینہ پہنچا دیا۔ اگرچہ دشمنوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی قیمت مقرر کی اور تیز سواروں کو آپکی تلاش میں روانہ کیا بلکہ ایک موقعہ پر تو وہ نشان لگاتے لگاتے آنحضرتؐ اور آپکے یار غار رضی اللہ عنہ کے اسقدر قریب آگئے کہ انکے پاؤں دکھائی دیتے تھے تاہم خدائی ہاتھ نے انکی آنکھیں بند کر دیں اور وہ اپنی کوششوں میں نامراد رہے۔ پھر جب دشمنوں نے مسلمانوں پر مورو ملخ سے لشکر

کے ساتھ چڑھائیاں کیں اور اُنکو تباہ کرنا چاہا اور ظاہر بین آنکھ میں وہ ہر طرح کمزور اور بیکس
دکھائی دیتے تھے تو تائید ایزدی نے مسلمانوں کا ساتھ دیا اور قریش کو اکثر ناکام نامراد
واپس آنا پڑا۔ مقام بدر پر اللہ تعالیٰ نے بارش کردی اور اس طرح سے ریت جم گئی اور
مسلمانوں کے قدم مضبوط ہوگئے اور ایک آندھی نے چلکر مخالفوں میں پریشانی پھیلادی
اور اُنکی آنکھوں کو ریت سے بھر دیا۔ پھر مدینہ میں آندھی اور طوفان ہی کا لشکر تھا جس نے
مخالفین کے جم غفیر کو شکست دی اُنکے خیمے اُکھاڑ ڈالے اور ایسی گھبراہٹ پیدا کردی کہ
اُنکو راتوں رات سردی طوفان اور جاڑے کی مار کھاتے ہوئے بھاگنا پڑا۔ پھر کوئی بتلائے کہ خدا کے
سوا اور کون تھا جس نے آنحضرت صلعم کو میدان احد میں بال بال بچا لیا جبکہ مکہ والوں کی تمام فوج
آپ پر حملہ آور تھی اور آپ تن تنہا تیروں اور تلواروں کا نشانہ ہو رہے تھے۔ یہ ہیں تائید
ایزدی کے صریح اور بدیہی نشان جسکی آنکھ ہو دیکھے جسکا دل ہو غور کرے۔ ہم خدائے
تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتے۔ مگر ہم اُسکے نشانات سے اُسکے وجود کا پتہ لیتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی زندگی میں خدائے تعالیٰ کے مظاہر قدرت اور نشانات کی وہ کثرت پائی جاتی ہے
جو اپنی نظیر آپ ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے تنہا انسان کا اپنے طاقتور دشمنوں پر
غلبہ اور فتح پانا سوائے خدائے تعالیٰ کی تائید کے اور کسی طرح ممکن نہ تھا۔ اور آنحضرت صلعم
کی اس کامیابی اور فتح کے ساتھ اگر اُس پیشگوئی کو بھی شامل کرلیا جائے جو کئی سال
پیشتر اور ایسے وقت میں کی گئی تھی جبکہ دشمنوں کا پورا زور تھا اور نبی کریم صلعم محض بیکس
اور دشمنوں کی ہنسی کے مورد تھے۔ تو یہ ایک عظیم الشان معجزہ ہے ایک تن تنہا انسان
کا قبل از وقت ان پیشگوئیوں کی اشاعت کرنا دشمنوں کے جوش اور غصہ کو بھڑکانا
تھا اور مخالفین نے اس خیال سے کہ مبادا یہ سب کچھ لفظ بہ لفظ پورا ہو جائے اسلام کا
قلع قمع کرنیکے لیئے دُگنی کوششیں شروع کردیں لیکن جائے تعجب ہے کہ جسقدر ان لوگوں
نے جان توڑ کوششیں کیں کہ یہ پیشگوئیاں پوری نہ ہوں اُسی قدر صراحت اور بداہت کے ساتھ
آئے دن یہ پیشگوئیاں پوری ہوتی رہیں۔ اور آخر کار طاقتور اور مغرور دشمنوں کو اُسی
بیکس داعی کے ہاتھ سے نیچا دیکھنا پڑا اور اسلام کی آخری اور پوری کامیابی نے اُس

پیشگوئی کی تصدیق کر دی جو کئی سال پہلے شائع ہو چکی تھی۔ قریش نے جو کچھ اس پیشگوئی کا ظہور دیکھا وہ انکے متعلق تھا لیکن اور زیادہ اسکے بعد ظہور میں آیا۔ الغرض جو کچھ خدا نے چاہا وہی ہوا اور خدائے تعالیٰ کے کام بندوں سے نہ رُک سکے۔ دشمنوں کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ الحق کی فتح اور کفر کی مذلت ہوئی اور کسی کی کچھ پیش نہ گئی ؎

غرض رُکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے ؛ بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے

اسلام کی ترقی

جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم اور آپکے صحابہؓ دشمنوں کے حملوں کا دفعیہ کرنے میں مصروف تھے تو اسلام چپ چاپ اور سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا تھا۔ اسکا پتہ بڑے بڑے جنگوں میں مسلمانوں کی آئے دن بڑھتی ہوئی تعداد سے بخوبی چلتا ہے۔ جنگ بدر جو ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد ہوئی تھی اُس میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی۔ دوسرے سال جب مسلمانوں اور کفار کا احد کے میدان میں مقابلہ ہوا تو انکی تعداد تین سو منافقین کے سوا ۷۰۰ تھی۔ آئندہ سال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم ابو سفیان کی فوج سے مقابلہ کرنیکے لیئے دوبارہ میدان بدر پر تشریف لائے تو آپکے ساتھ پندرہ سو ۱۵۰۰ آدمی تھے۔ مگر ایک ہی سال بعد جب عربوں کی متفقہ فوج نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تو خندق کی حفاظت کے لیئے تین ہزار مسلمان موجود تھے۔ اگرچہ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ مسلمانوں کی کل تعداد اسی قدر تھی تاہم ان اعداد سے بڑھتی ہوئی تعداد کا اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے۔ اس طرح باوجود جنگ کے زور و شور کے جو اشاعت کا سد راہ تھا اسلام برابر ترقی کرتا گیا۔ اس بات کو میور بھی تسلیم کرتا ہے کہ یہ تمام لوگ اپنی رضا و رغبت سے ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ وہ محاصرہ مدینہ کے بعد کے واقعات کا تذکرہ کرتے وقت لکھتا ہے کہ نبی کریمؐ نے ’’دو تا حال لوگوں کو مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا تھا اور نہ ہی مسلمان نہ ہونے پر سزا دی تھی‘‘ لائف آف محمدؐ صفحہ ۳۱۱۔ اگرچہ میور ’تا حال‘ کا لفظ ایزاد کرتے وقت یہ بتلانا چاہتا ہے کہ آنحضرتؐ نے بعد میں جبر سے کام لیا مگر کیا خوب ہوتا کہ میور ہی کوئی ایسی مثال پیش کرتا جہاں کسی کو آنحضرت صلعم نے اسلام لانے پر مجبور کیا ہو یا انکار پر سزا دی ہو۔

دراصل بات یہ ہے کہ میور کا "تاحال" ایزاد کرنا اُس تعصب کا نتیجہ ہے جو اسلام کی دشمنی کے باعث عیسائی طبیعتوں میں داخل ہوگیا ہے اور جسکے باعث اگر وہ کبھی سچ بولنے پر مجبور بھی ہو جائیں تو بھی۔ اُنکے مُنہ سے صاف صاف کوئی کلمہ خیر نہیں نکل سکتا ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی میں کوئی بھی ایسی مثال نہیں جہاں کسی فرد یا قوم کو اسلام لانے پر مجبور کیا گیا ہو یا انکار پر سزا دی گئی ہو۔ اگر کوئی جبر اور سختی کا موقعہ تھا تو فتح مکّہ کے بعد تھا جب آپکے تمام دشمن مغلوب اور مطیع ہو چکے تھے مگر اس موقعہ کے متعلق بھی ہم میور کا ہی بیان پیش کرتے ہیں وہ لکھتا ہے "اگرچہ شہر مکّہ نے آنحضرتؐ کی اطاعت، تو خوشی سے قبول کر لی تھی لیکن تمام باشندوں نے تاحال اسلام قبول نہیں کیا تھا اور نہ ہی آنحضرتؐ کے دعوائے رسالت کو تسلیم کیا تھا شاید آپ کا منشا یہ تھا کہ یہاں بھی مدینہ کا سا ہی طرز اختیار کریں اور بلا جبر و اکراہ لوگوں کو حلقہ اسلام میں داخل کریں" شہادت وہی ہے جو دشمن کے مُنہ سے نکلے اب دیکھئے خود میور شہادت دیتا ہے کہ نہ مدینہ میں اور نہ ہی فتح کے بعد مکّہ میں کسی شخص کو جبراً مسلمان کیا گیا مسلمانوں کے ایمان کی صداقت کے لیئے یہی ایک شہادت کافی ہے کہ اُنھوں نے خطرناک سے خطرناک موقعہ پر آنحضرت صلعم کا ساتھ دیا۔ فتح مکّہ کے بعد مکّہ کے جو لوگ مسلمان ہوئے اُنکی نسبت میور لکھتا ہے کہ "اُنہیں منافق کوئی نہیں تھا۔ بلکہ آنحضرتؐ کی وفات پر جو بغاوت ہوئی اس میں بھی کوئی متزلزل نہیں ہوا۔ اور فتح مکّہ سے دو ہی ہفتہ کے اندر اندر ہم دو ہزار مکّہ والوں کو آنحضرتؐ کے پہلو بہ پہلو نہایت وفاداری سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں" میور اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اُن لوگوں کے لیئے 'بددل' یا 'ناراض' کا لفظ استعمال کرتا ہے جنہیں قرآن کریم کی اصطلاح میں 'منافقین' کہا جاتا ہے اسلیئے ہم نے بھی ترجمہ میں منافقین کا لفظ ہی اختیار کیا ہے۔ پس ہر ایک شخص جو فتح مکّہ کے بعد مسلمان ہوا وہ میور کے اپنے الفاظ اور اُسکی اپنی شہادت سے 'بلا جبر و اکراہ' مسلمان ہوا اور خلوص نیت سے مسلمان رہا کیونکہ ان لوگوں میں کوئی منافق ہی نہ تھا۔

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ باوجود لڑائیوں کی شدت کے اسلام کی برابر اشاعت ہوتی رہی ہاں مخالفت اور لڑائیاں اسلام کی اشاعت میں سدِّ راہ ضرور ہوئیں - اگر جنگ نہ ہوتا تو ضرور بالضرور اسلام اور زیادہ سرعت سے ترقی کرتا - اسکے لیئے ہمارے پاس یہی صریح شہادت ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد کثرت سے مسلمان ہوگئے اور اس طرح ظاہر کر دیا کہ اشاعت اسلام میں اگر کوئی سدِّ راہ تھی تو لڑائی تھی اور جب یہ رکاوٹ دُور ہوگئی تو لوگ جوق در جوق آ کر مسلمان ہونے لگے -

مدینہ کا محاصرہ بھی بلا نتائج نہیں رہا - مسلمانوں کے کُچل ڈالنے کیلیئے مخالفین کی طرف سے یہ آخری کوشش تھی اور اس حملہ کے لیئے عظیم الشان تیاریاں کیگئی تھیں - سب کے سب دشمن اُسوقت ملکر چڑھ آئے تھے - چار ہزار تو قریش نبرد آزما تھے اور یہودیوں نے تمام عرب کو مسلمانوں کے خلاف اُکسایا تھا تاکہ اسلام کا تازہ لگا ہوا پودا جو روز بروز زیادہ سرسبز ہو رہا تھا عرب کی زمین میں نشو و نما نہ پاسکے علاوہ ازیں صحرا کے خانہ بدوش بدّوؤں کے گروہ در گروہ جمع ہوگئے اور کُل تعداد مع قریش کے جوانوں کے دس ہزار ہوگئی تھی -

اگرچہ اسلام کے دشمنوں نے اس طرح متفق ہوکر دین اسلام کی بنیادیں ہلا دینے کی کوشش میں بال بھر بھی فرق نہیں چھوڑا تھا - اور انہوں نے ایک ماہ کامل مدینہ کا محاصرہ کر رکھا لیکن آسمانی لشکر ان متحدہ اور متفقہ افواج سے کہیں زیادہ زبردست تھا جسکے آتے ہی ان لوگوں کو نہایت سرگردانی سے محاصرہ اُٹھانا پڑا اور اپنے اپنے گھروں کو راتوں رات سردی اور اندھیرے میں طوفان اور آندھی کے تھپیڑے کھاتے ہوئے روانہ ہونا پڑا - اس ناکامی اور ذلت سے مغرور دشمنوں کے حوصلے پست ہوگئے اور اب یہ ناممکن تھا کہ متکبر قریش یا چالباز یہودی مسلمانوں کی بربادی کے لیئے پھر کوئی بڑی فوج جمع کر سکیں اس شکست اور ذلت کے بعد یہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ بدّو اقوام کو اُکسا کر قریش کی امداد کیلیئے بلایا جائے اور دوبارہ مدینہ پر حملہ کیا جائے - اب بدّو لوگ مسلمانوں کے خلاف قریش کی ایسی امداد نہیں کرنا چاہتے تھے جیسی کہ مشہور محاصرہ مدینہ میں اُنہوں نے پہلے کی تھی بلکہ اب انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں اور کفار قریش کے معاملات میں بالکل مداخلت نہ کریں

اور جنگ کے نتیجہ کا صبر سے انتظار کریں۔ ان لوگوں نے خیال کیا کہ کفار رشتہ دار اپنے مسلمان عزیزوں سے محض اسوجہ سے برسرِ پیکار ہیں کہ وہ رسول اللہ پر ایمان لے آئے ہیں اور اسلیئے انہیں باہم لڑنے دو تاکہ دیکھ لیں کہ کون فتحیاب ہوتا ہے۔ اور اگر رسول اللہ کا دعویٰ سچا ہے اور وہ درحقیقت دنیا کی اصلاح کے لیئے مامور ہو کر آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ کفار کے مقابل اُنکی ضرور تائید کریگا اور پیغمبر خدا کو اپنے دشمنوں پر مظفر و منصور کرے گا۔

ایک دلچسپ منظر کیا یہ ایک معمولی جنگ و جدل تھا؟ نہیں نہیں یہ ایک دلچسپ واقعہ تھا۔ مکّہ میں ایک خدا کا رسول پیدا ہوا اور اُسنے اپنی قوم کو خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دی مگر اُسکے اپنے ہی عزیز اقربا اُسکے دشمن بن گئے اور ناکامی کیلیئے ناخنوں تک زور لگایا۔ مگر وہ برابر اپنا کام کرتا گیا اور بہت آدمی اُسپر ایمان لے آئے۔ مگر جن لوگوں نے اُسکے دعویٰ کو تسلیم کیا اُنپر کفار کی طرف سے وہ وہ سختیاں کی گئیں کہ آخر وہ اپنے گھروں کو چھوڑنے اور ایک دُور شہر میں اجنبی لوگوں کے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ اقوام عرب نے بھی حج کے موقعہ پر اس نبیؐ کا وعظ سُنا تھا اور اُسکے نرالے وعظ کی شہرت دُور دُور تک پہنچ گئی تھی۔ جس استقلال سے یہ نبی اپنا دعویٰ بیان کرتا رہا اور جس اخلاص سے اُسکے صحابہؓ نے اُسکا ساتھ دیا۔ اُسکو دیکھکر اہل عرب حیران اور متعجب تھے۔ جب اس مقدس نبی نے یہ اعلان کیا کہ میں آخر کار کامیاب ہونگا اور میرے دشمن اگر باز نہ آئیں گے تو نیچا دیکھینگے اور مغلوب ہونگے تو مکّہ میں آنیوالے حاجیوں اور تاجروں نے ان باتوں کو بڑے تعجب سے سُنا جب ایذا دہی آخر حد تک پہنچگئی اور جب یہ نبی بالکل ایک بے خانماں انسان کی طرح ہوگیا۔ اور جب عرب کی کوئی قوم اُسکو قریش کی تعدی سے پناہ دینا منظور نہیں کرتی تھی تو مدینہ کے بعض لوگوں نے اُسکی درخواست پر پناہ دینے کا وعدہ کرلیا۔

قریش نے مہاجرین کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالنی چاہیں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پر بھی وار کرنا چاہا مگر سب جگہ ناکام و نامراد رہے۔ تب جلے بھنے قریش نے مسلمانوں سے جنگ کرکے اُنکو تباہ کرنا چاہا۔ الغرض یہ ایک عجیب نظارہ تھا اور

تمام عرب بڑے شوق سے اسکے نتیجہ کا منتظر تھا۔ ایک گمنام انسان کے ہاتھ سے مغرور اور طاقتور قریش کا مغلوب ہونا اس نظارہ میں سب سے دلچسپ امر تھا اور ابوجہل۔ عتبہ اور شیبہ جیسے مشہور قریش سرداروں کے قتل ہونے سے دشمنوں کی ذلت ہوئی اور عرب ششدر رہ گئے۔ جس اخلاص سے اس نئے نبیؐ کے صحابیوںؓ نے اپنے آقا کے لیئے لڑائیاں لڑیں اس سے لوگوں کے دل میں تعریف بھی اور تعجب بھی پیدا ہوا۔ جب قریش تنہا اسلام کو کچل نہ سکے تو اُنہوں نے دوسری اقوام کو اُکسا کر اپنے ساتھ ملایا۔ مگر بدقسمتی سے یہ متفقہ فوجیں بھی اُنکی دلی خواہش کو پورا نہ کرسکیں یعنی اُنسے مسلمانوں کی تباہی نہ ہوسکی بلکہ اُنکو خود ناقابل بیان پریشانی سے واپس بھاگنا پڑا اور بھاگنے والوں کا آسمان کی زبردست فوجوں نے تعاقب کیا پھر اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ قریش کے بہت سے مددگار اُنسے علیحدہ ہوگئے اور باقی عربوں کے ساتھ ملکر دیکھنے لگے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے اور کامیابی کس کے حصہ آتی ہے۔ حضرت نبی کریم کی روزانہ فتح و نصرت سے ان لوگوں کو آپ کی مکہ والی باتیں یاد آتی تھیں جہاں کہ ناموافق حالات اور سخت ایذا دہی کے زمانہ میں یہ پیشگوئی کیگئی تھی کہ آخر کار میں کامیاب ہونگا اور اسلام کے دشمن خائب و خاسر ہونگے۔ اُسی زمانہ میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں پہلے انبیاءؑ کی طرح ایک نبی ہوں اور میں اُسی طرح کامیاب ہونگا جس طرح مجھ سے پہلے رسولؑ کامیاب ہوئے ہیں۔ اسلیئے اکثر قومیں نتیجہ کا بڑے شوق سے انتظار کررہی تھیں اور آنحضرتؐ کی روزانہ کامیابیوں سے اُنکو آپ کی صداقت پر دن بدن زیادہ یقین ہوتا جاتا تھا۔

چھوٹی چھوٹی مہمیں مگر یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ عربوں کی طرف سے بالکل امن امان ہوگیا چونکہ لوٹ مار کرنا اُنکی طبیعت ثانی ہورہا تھا اسلیئے اگرچہ اکثر قومیں کھلم کھلا جنگ کرنے سے باز آگئی تھیں تاہم بعض افراد اور بعض قبائل محاصرہ مدینہ کے بعد بھی مسلمانوں کو تنگ کرتے رہے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ کو جنگ احزاب اور صلح حدیبیہ کے درمیان بھی چھوٹی چھوٹی مہموں پر جانا پڑا۔ لہذا یہ مناسب ہوگا کہ ان مہمات کا بھی مختصر تذکرہ کردیا جائے تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ حضرت نبی کریم صلعم کو

کس قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس صرف دو مہموں میں تشریف لے گئے۔ جنہیں سے اول بنی لحیان یا بنی ہذیل کے مقابل تھی کیونکہ ان لوگوں نے مقام رجیع پر (جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے) چند صحابہؓ کو قتل کر دیا تھا اور ایسے واقعات کے اعادہ کو روکنے کے لیئے ان کی گوشمالی کرنا نہایت ضروری تھا۔ اس قبیلہ کے لوگوں نے جونہی آنحضرت صلعم کی آمد کی خبر سُنی سب کے سب پہاڑیوں میں بھاگ گئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس مقام پر ٹھہرے جہاں کہ آپکے صحابہؓ کو دغا بازی سے شہید کیا گیا تھا اور ان شہیدوں کے لیئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگی۔ اگر حضرت نبی کریم صلعم ایسے مجرموں کی گوشمالی کے لیئے مستعدی ظاہر نہ کرتے تو یہ وحشی قومیں دلیر ہو جاتیں اور بڑی بڑی سختیاں کر گذرتیں۔ یہ مُہم اُنکو اس امر کا یقین دلانیکے لیئے کافی تھی کہ آیندہ اگر وہ ایسے جرائم کے مرتکب ہوں گے تو مسلمان ایسے لوگ نہیں کہ اُنکو بغیر سزا کے چھوڑ دیں۔ چند ہی ایّام کے بعد قوم فزارہ کا سردار عیینہ مقام الغابہ پر سے جو مدینہ سے چند ہی میل کے فاصلہ پر تھا اونٹوں کا ایک گلّہ پکڑ کرلے گیا۔ ڈاکہ میں اونٹ چرانے والا تو مارا گیا اور اُسکی بیوی کو ڈاکو پکڑ کرلے گئے۔ سلع کی پہاڑی پر سے ایک شخص کے پُکارنے سے شہر والوں کو خبر ہوئی اور فوراً سواروں کا ایک دستہ تعاقب میں روانہ ہو گیا جنکے بعد ہی تھوڑی سی فوج لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی روانہ ہوئے۔ کچھ اونٹ واپس کر لیئے گئے اور قیدی عورت پکڑے ہوئے اونٹوں میں سے ایک پر چڑھکر بھاگ آئی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذی قرد تک تشریف لیگئے لیکن لُٹیرے صحرا کے اندر محفوظ مقامات میں چلے جا چکے تھے اسلیئے آنحضرت صلعم مدینہ کو واپس تشریف لے آئے۔ ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ یہ وہی عیینہ تھا جسکے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دومتہ الجندل سے واپس آتے وقت عہد و پیمان کیا تھا اور جسکو مدینہ کی بعض زمینوں پر اونٹ چرانے کی اجازت دیگئی تھی مگر یہ لُٹیرے بدّو عہد و پیمان وغیرہ کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ یہی عیینہ محاصرہ مدینہ میں کُفّار کی فوج کے ساتھ بڑی جماعت سے شامل ہوا تھا بلکہ ایک ہزار اونٹ سے بھی اُنکو مدد دی تھی اور اب یہی شخص مسلمانوں

کے اونٹوں کا گلہ بھگا لے گیا تھا۔ قوم فزارہ ہی نے وادی القریٰ کے نزدیک رہزنی کرکے حضرت زیدؓ کو لوٹا تھا جبکہ وہ شام کے سفر پر تشریف لیجا رہے تھے۔ اسلیئے جب حضرت زیدؓ کے زخم اچھے ہو گئے تو انکو ایک مضبوط فوج کے ساتھ اس ڈاکو سردار کی سرکوبی کیلئے بھیجا گیا۔ اسی وادی القریٰ میں بنی جذام نے بھی لُوٹ مار کی۔ جب حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ ملک شام سے اپنی کامیاب سفارت کے بعد واپس آرہے تھے تو بنی جذام نے وادی القریٰ میں اُنکا سب سامان لُوٹ لیا۔ اس لُوٹ کا حال سُنکر حضرت نبی کریم صلعم نے زیدؓ کو لٹیروں کی گوشمالی کیلئے روانہ فرمایا۔ حضرت زیدؓ نے عدم واقفیت کے باعث بنی جذام کے ایک اور قبیلہ پر حملہ کر دیا جو کہ آنحضرتؐ سے عہد و پیمان کر چکے تھے۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو فی الفور مال غنیمت اور قیدیوں کو اس قبیلہ کے سردار کے حوالہ کر دیا۔

ملک نجد میں ابھی تک قحط تھا اور غطفان کے قبیلے اپنے علاقے سے نکل آئے تھے اور مسلمانوں کے چند اونٹ بھی اُس طرف چرنیکے لیئے گئے ہوئے تھے اسلیئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا کہ قبیلہ والے حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں تو آپنے محمد ابن مسلمہ کو دس آدمیوں کے ساتھ اس بات کی تصدیق کرنیکے لیئے بھیجا۔ مگر ذی القصہ پر بہت سے لوگوں نے اُسکو گھیر لیا اور تھوڑے سے مقابلہ کے بعد محمد ابن مسلمہ کے سب ساتھی شہید ہو گئے اور وہ خود بھی مردہ سمجھکر چھوڑ دیا گیا۔ جب یہ خبر مدینہ میں پہنچی تو ان مجرمین کی سرکوبی کے لیئے فوراً چالیس سوار روانہ کیئے گئے لیکن وہ پڑوس کی پہاڑیوں میں جا چُھپے۔ مسلمانوں کی اس جماعت کا سردھری سے شہید کر دینا اور بار بار لُوٹ مار کا مرتکب ہونا ایسے امور ہیں جو مسلمانوں کے گرد و نواح کی اقوام کے اوضاع و اطوار پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کیا ان واقعات کو دیکھکر بھی عیسائی اور ہمارے دوسرے مخالف اب بھی اس امر کو تسلیم نہیں کرینگے؟ کہ مسلمانوں کو تلوار مجبوراً اُٹھانی پڑی تھی (مواہب زرقانی)

حضرت نبی کریمؐ کی رحم دلی

اگرچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرموں کو مناسب سزائیں دیں۔ مگر آپ کا انصاف بھی رحم سے بھرا ہوا ہوتا تھا اور آپ اپنے سخت سے سخت دشمن سے بھی فیاضانہ سلوک کرتے تھے حملہ آور اقوام کی گوشمالی کے لیئے

جو نہیں بھیجی جاتی تھیں انمیں سے ایک میں ایسا ہوا کہ بنی حنیفہ کا سردار ثمامہ بن اثال الحنیفی مسلمانوں کے ہاتھ پڑا۔ وہ مدینہ کو لایا گیا اور آنحضرت صلعم کی رحمدلی اور غریب نوازی سے اسقدر متاثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہوگیا۔ جب اس سردار سے پوچھا گیا کہ اب تمھارا کیا حال ہونا چاہیئے تو اُسنے جواب دیا ان تقتل تقتل ذادم وان تنعم تنعم علیٰ شاکر یعنی اگر آپ مجھے قتل کریں تو آپ ایسے شخص کو قتل کرینگے جو مسلمانوں کے قتل کی باعث اس سزا کا مستحق ہے لیکن اگر آپ مجھ پر رحم کریں تو آپ ایسے شخص پر رحم فرمائیں گے جو اسکا شکر گذار ہوگا۔" یہ جواب سُنکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکو رہا کرنیکا حکم دیدیا۔ لیکن وہ بجائے اسکے کہ اپنے گھر واپس جائے ایک باغیچہ میں گیا اور نہا کر لوٹ آیا اور اسلام قبول کر لیا اُس نے حضرت نبی کریم صلعم کو مخاطب کر کے کہا کہ واللہ ما کان علیٰ وجہ الارض وجہ ابغض علیّ من وجھک فقد اصبح وجھک احب الوجوہ الیّ واللہ ما کان علیٰ وجہ الارض دین ابغض الیّ من دینک فقد اصبح دینک احب الادیان الیّ (زاد المعاد صفحہ ۳۷۷)

یعنی "واللہ روئے زمین پر مجھے کسی چہرہ سے اسقدر نفرت نہ تھی جسقدر کہ آپکے چہرہ سے تھی لیکن آج آپکا چہرہ ہی مجھے دنیا بھر کے چہروں سے خوبصورت دکھائی دیتا ہے اور واللہ مجھے کسی دین سے اسقدر نفرت نہ تھی جسقدر آپکے دین سے تھی مگر یہی مذہب آج میرے نزدیک دنیا کے تمام مذاہب سے زیادہ پیارا ہے" پھر مدینہ سے وہ عمرہ کرنیکے لیئے مکہ گیا اور وہاں جب لوگوں نے اُس سے پُوچھا کہ آیا تو بھی بے دین ہوگیا ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں نے خدا کے رسول کے دین کو قبول کیا ہے۔ اللہ اللہ کہاں وہ مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا اور کہاں اب جان نثار دوست بنگیا اور قریش سے کہنے لگا کہ ملک یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی تمھارے پاس نہیں پُہنچیگا۔ جبتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک نہ ہوگا۔ سامان خورد ونوشی کی بندش سے قریش کا ناک میں دم آگیا اور انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنکی فیاضانہ طبیعت سے وہ واقف تھے سفارش کرنیکی درخواست کی اور باوجود قریش کی مخالفت اور سخت دشمنی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اُنکی درخواست کو قبول کرلیا اور آپ کی شفاعت اور سفارش سے قریش کو یمامہ کیطرف اناج وغیرہ کے قافلے آنے شروع ہو گئے۔ لیکن ناسپاس اور محسن کش قریش اسلام کے اب بھی ویسے ہی دشمن رہے جیسے کہ پہلے تھے۔

کیا ہمارے مخالفین ثمامہ کی تبدیلیٔ مذہب اور آنحضرت صلعم کی فیاضی پر غور کرینگے؟ یا بدستور ناسپاس اور محسن کش قریش کا ہی ساتھ دینگے؟۔ افسوس اسی رحیم کریم انسان کی نسبت یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ وہ محض لُوٹ کی غرض سے قریش کے قافلوں کا مزاحم ہوتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اب کیوں قریش کی درخواست پر ثمامہ کو سفارش کرتا کہ قریش کے قافلوں کی آمد و رفت کو نہ روکے۔ اور نہ ہی قریش آپکے پاس ایسی درخواست لاتے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی کا ایک اور واقعہ بھی قابل تذکرہ ہے وہ یہ ہے کہ ابوالعاص جس سے آنحضرت صلعم کی بیٹی زینب رضؓ بیاہی ہوئی تھی اور جو کہ ایک بڑا مالدار تاجر تھا وہ ابھی تک بُت پرست ہی تھا اور جنگ بدر میں کفّار کی طرف سے لڑتا ہوا پکڑا آیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکو اس شرط پر رہا کردیا کہ زینب رضؓ کو مدینہ بھیجدے محاصرہ مدینہ کے بعد وہ آنحضرتؐ کے بعض صحابہؓ کے ہاتھ پڑ گیا اور وہ اُسکو مدینہ میں نبی کریمؐ کے پاس لے آئے۔ اُنھوں نے آنحضرت صلعم کے تعلق کے باعث نہ تو اُسکے ساتھیوں میں سے کسی کو قتل کیا اور نہ ہی اُسکو کوئی تکلیف دی بلکہ بعض راوی تو یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اُسکو فوراً آزاد کردیا لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں آیا اور درخواست کی کہ اُنکا تمام مال جو کہ دراصل قریش نے تجارت کے لیئے اُسکے سپرد کیا ہوا تھا واپس دلایا جائے۔ حضرت نبی کریم نے اس درخواست کو منظور فرمالیا اور تمام اسباب واپس کرادیا۔ خون کے پیاسے دشمنوں سے آنحضرت صلعم کا اس فیاضی سے سلوک کرنا ابوالعاص کے دل پر گھر کر گیا اور مکہ پہنچکر اُس نے تمام لوگوں کا مال اسباب اُنکو واپس کردیا اور جب سب کچھ ادا کرچکا تو اُس نے قریش سے پوچھا "اے قریش کیا تمھاری کوئی چیز ایسی باقی رہ گئی ہے جو میں نے ادا نہیں کی"؟ اُنھوں نے جواب دیا "خدا تمھیں اجر دے ہم نے تمکو دیانتدار اور راستباز پایا ہے" اسپر ابوالعاص نے قریش کو مخاطب کرکے

دوبارہ کہا" بخدا اسوقت تک مَیں مسلمان ہونے سے محض اسوجہ سے رکا رہا کہ میرے اسلام لانے سے شاید تم یہ خیال کرو کہ مَیں نے تمھارا مال اڑانے کے لیے مسلمانوں کا ساتھ دیا ہے۔ مگر اب مَیں تمھارے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی خدا کا رسول ہے (زاد المعاد ابن قیم) یہ تھیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی فتوحات جنہوں نے ظاہری فتوحات سے بھی بڑھ چڑھکر کام کیا۔

ایک اور مہم عیسائی بدو لٹیروں کی سرکوبی کے لیے عبدالرحمن کی سرکردگی سے روانہ کی گئی یہ دومۃ الجندل کی طرف دوسری مہم تھی اس میں جو ہدایات آنحضرت صلعم نے امیر جیش کو دی تھیں وہ قابل غور ہیں۔ اُسکو حکم دیا گیا کہ پہلے اگر ممکن ہو تو اُنکو صلح کی طرف بلائیں اور اگر کچھ بھی نہ بن پڑے تو پھر جنگ کریں مگر کسی صورت میں دھوکہ و فریب سے کام نہ لیں اور نہ ہی بچّوں وغیرہ کو قتل کریں (ابن ہشام) کیا اب بھی آنحضرت کی فیاضی اور رحمدلی میں کسی کو کلام ہو سکتا ہے؟۔

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

معائنہ مدرسہ تعلیم الاسلام | تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کا معائنہ مسٹر کراس صاحب ایم۔ اے انسپکٹر مدارس اور خلیفہ عماد الدین صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقہ لاہور نے ۲-۳-اور ۴- نومبر ۱۹۰۹ء کو کیا۔ انسپکٹر صاحب اور اسسٹنٹ انسپکٹر صاحب کی آرائے جو انھوں نے بعد معائنہ سکول کے متعلق لکھی ہیں۔ یہاں پہنچ گئی ہیں۔ جن میں ہر دو صاحبان نے سکول کی تعلیمی اور انتظامی حالت کو قابل اطمینان ظاہر فرمایا ہے۔ اور عمدہ رائے دی ہے۔ اور ہر ایک پہلو پر رائے دیتے ہوئے صاحب بہادر نے حصہ مڈل اور ہائی کے متعلق یہ عام رائے لکھی ہے کہ" راقم بحیثیت مجموعی مدرسہ کے کام سے بہت ہی محظوظ ہوا ضبط اچھا ہے اور تعلیم بڑے جوش اور فہمیدہ طور سے ہوتی ہے۔ مولوی

صدرالدین صاحب ہیڈ ماسٹر بی۔ اے۔ بی۔ ٹی اپنے اعلیٰ کام کے لیئے قابل تعریف ہیں"
ایسا ہی خلیفہ صاحب نے پرائمری کے متعلق عام طور پر یہ رائے دی ہے۔ کہ "راقم مولوی
محمد علی صاحب ایم۔ اے مینیجر مدرسہ ہٰذا سے ملاقات کر کے بہت خوش ہوا۔ اور جو گفتگو انسے
مدرسہ اور آئندہ ترقیات کی بابت ہوئی اس سے بھی مَیں بہت خوش ہوا۔ مَیں کمیٹی کو
مبارکباد دیتا ہوں کہ جس نے مولوی صدرالدین صاحب بی۔ اے بی۔ ٹی کو ہیڈ ماسٹر
مدرسہ مقرر کیا۔ تمام مدرسین سرگرمی سے کام کر رہے ہیں" غرض کہ انسپکٹر صاحب
یہاں سے بہت خوش ہو کر واپس تشریف لے گئے۔ چنانچہ سکول کی حالت دیکھ کر زبانی
فرمایا۔ کہ "ضلع ہٰذا میں یہ مدرسہ اوّل نمبر پر ہے۔ اور بالخصوص انگریزی تعلیم میں طلباء
نے بہت عمدہ نمونہ دکھایا ہے" ایسا ہی شاخ تلونڈی کے متعلق اسی اسسٹنٹ انسپکٹر
نے اعلیٰ رائے دی ہے۔ اور لکھا ہے کہ مولوی صدرالدین صاحب ......
بی۔ اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام قادیان کو مبارکباد دیتا ہوں جنکی کوشش سے
اس برانچ سکول نے کامیابی حاصل کی ہے۔ لہٰذا قوم کے لیئے بڑی خوشی اور خدا کا
شکر بجا لانیکا مقام ہے کہ انکی مخلصانہ کوششیں دینی اور دنیاوی رنگ میں عمدہ ثمرات
لا رہی ہیں۔ اسکے بعد اس امر کا اعلان کیا جاتا ہے کہ افسران سررشتہ تعلیم نے آیندہ
کے لیئے یہ انتظام کیا ہے۔ کہ کُل پنجاب کے مدرسوں میں جماعت بندی یکم اپریل سے
ہوا کرے۔ جس سے کسی طالب علم کے ایک سکول سے دوسرے سکول میں جانے سے
حرج نہ ہوگا۔ لہٰذا احباب اس سے فائدہ اُٹھاویں اور سالانہ امتحان ہو جانے پر اپنے
بچّوں کو یہاں بھیجنے کی کوشش کریں۔ دینیات کی تعلیم کے سوا رباقی کورس یہاں وہی
ہے جو دوسرے سکولوں میں ہے۔

جلسہ سالانہ جلسہ سالانہ کی تاریخیں بجائے ۲۴- ۲۵- اور ۲۶- دسمبر کے ۲۶
۲۷ اور ۲۸- دسمبر مقرر کی گئی ہیں احباب انپر آنیکی کوشش کریں۔ تخفیف کرایہ کے لیئے
محکمہ ریلوے میں درخواست کی ہوئی ہے۔ جو انشاء اللہ عنقریب منظور ہو کر آنیوالی
ہے۔ اسکے متعلق یہ تجویز بہتر معلوم ہوتی ہے کہ سکرٹری صاحبان انجمن ہائے احمدیہ

جلسہ پر شریک ہونیوالے احباب کی ایک فہرست پہلے سے ہی مکمل کریں۔ اور دفتر ہذا میں اسکی نقل بھیجدیں۔ تاکہ اسکے مطابق تخفیف کرایہ کے لیئے سرٹیفکیٹ ارسال کیئے جاویں محصول کے لیئے ٹکٹ ساتھ آنے بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس تجویز پر عمل کرنے سے ایک تو یہ معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ جلسہ پر آنیوالوں کی تعداد قریباً کسقدر ہو گی۔ دوسرے فرداً فرداً سرٹیفکیٹ ارسال کرنیکے سے ٹکٹوں کا خرچ بہت بڑھ جاتا ہے۔ اور ایسا ہی سکرٹری صاحبان دیگر ضروری امور کے متعلق پہلے ہی سے طیاری کر کے دفتر ہذا میں اطلاع دیں۔ احباب کو اپنے بستر ساتھ لانے چاہیئے۔ جلسہ سالانہ کے لیئے ضروری اشیاء مثل آٹا۔ گھی۔ چاول۔ ایندھن وغیرہ کے بہم پہنچانے کیلیئے روپیہ کی اشد ضرورت ہے۔ اسلیئے بذریعہ سرکلر انجمنوں کو اطلاع کی گئی تھی۔ کہ سردست ان اخراجات کیلیئے کچھ روپیہ بہت جلد بھیجدیں۔ تاکہ انتظام کیا جاوے۔ اور باقی جلسہ پر ہمراہ لے آویں۔ لہٰذا احباب اس طرف توجہ فرماویں اور کوپن میں لکھدیں کہ روپیہ اخراجات جلسہ سالانہ کیلیئے ہے۔ چونکہ جلسہ پر آنیسے پہلے غالباً آیندہ نمبر تمام احباب کو نہ مل سکے اسلیئے جلسہ سالانہ کے متعلق ضروری ہدایات یا تو بذریعہ سرکلر پہنچتی رہیں گی یا اخباروں کے ذریعہ اطلاع کیجاوے گی۔

چندہ عید فنڈ | عید الفطر کا موقع تو گذر گیا۔ لیکن جلسہ سالانہ کی تقریب کے متصل عید الضحیٰ کی تقریب بھی ہے۔ احباب کو اور خصوصاً سکرٹری صاحبان کو کوشش کے ساتھ کھالوں اور عید فنڈ کا روپیہ بھی وصول کر کے ہمراہ لانا چاہیئے۔

مناظرہ منصوری | جماعت احمدیہ منصوری اور مخالفوں کے مابین مناظرہ قرار پایا جو ۱۳-۱۴-نومبر کو ہے۔ اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد سے قادیان سے چند احباب بمع جناب مولوی محمد علی صاحب تشریف لے گئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ اس سلسلہ کی نصرت فرماوے اور مخالفوں کو سمجھ دے مفصل حالات بعد میں دیئے جاوینگے*

کانفرنس | پروگرام جلسہ سالانہ اور تاریخ انعقاد کانفرنس سے بعد میں اطلاع کیجاویگی۔ کانفرنس میں غالباً وہی سوالات پیش ہونگے۔ جو انجمنوں کے پاس بذریعہ سرکلر جا چکے ہیں۔ سکرٹری صاحبان اس سے جلد اطلاع دیں کہ کانفرنس میں انجمن کی طرف سے

* ۱۶-نومبر کو منصوری سے جناب مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے بذریعہ تار اطلاع پہنچی کہ "مباحثہ بڑی کامیابی کے ساتھ ختم ہو گیا ہے۔ الحمد للہ"

کونسے دو ڈیلیگیٹ ہوں گے۔

رپورٹ سالانہ رپورٹ سالانہ انجمنوں سے طلب کی گئی ہے۔ لہٰذا سوالات مندرجہ سرکلر کا جواب بہت جلد ۲۰۔ نومبر تک دفتر ہٰذا میں آجانا چاہیئے۔

از دفتر صدر انجمن احمدیہ قادیان

ریویو

ضرورت زمانہ:۔ یہ وہ کتاب ہے جو حال ہی میں ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب نومسلم نے ایسے سوالوں کے جواب میں لکھی ہے جو آئے دن عیسائیوں اور آریوں کی طرف سے اسلام اور آنحضرت صلعم پر ہوتے رہتے ہیں یہ کتاب بطور سوال و جواب ہے اور اسمیں قریباً ایک صد اہم سوالات مثلاً شق القمر کا معجزہ حجر اسود کی حقیقت عرش و روح کی کیفیت وغیرہ وغیرہ کے جوابات آسان عبارت میں مندرج ہیں کتاب بہت مفید ہے اور بڑی محنت سے تیار کی گئی ہے۔ یہ کتاب نہ صرف احمدیوں کے لیئے بلکہ ہر ایک شخص کے لیئے جسے آریوں یا عیسائیوں سے پالا پڑتا ہے۔ ایک رہنما ہے۔ ماسٹر صاحب موصوف نے یہ کتاب اسلامی ہائی سکولوں اور دیگر مدارس اور مکاتب کے طلبار کے لیئے بطور تقرر کورس کے لکھی ہے تقطیع بھی کتب سرکاری کے مطابق رکھی گئی ہے نہایت خوشخط اعلیٰ درجہ کے ڈمئی کاغذ پر چھپکر دو سو صفحہ پر ختم ہوئی ہے۔ قیمت علاوہ محصولڈاک ۸؍ درخواستیں بنام ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب قادیان آویں ÷

عشرۂ کاملہ:۔ یہ کتاب مولوی شیخ الہ دین صاحب واعظ انجمن حمایت اسلام لاہور نے آریوں کی تردید میں لکھی ہے۔ اس کتاب میں بہت سے مفید مضامین پر بحث کیگئی ہے۔ مثلاً مسئلہ تناسخ۔ دوران دنیا۔ قدامت روح و مادہ۔ مکتی۔ ان مسائل پر دلچسپ پیرایہ میں بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ آریوں کے بزرگ گئو وغیرہ کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ اور آریوں کے دیوتاؤں کیلیئے

نہ صرف گائے اور گھوڑے قربان کیئے جاتے تھے بلکہ آدمیوں کی بھی قربانی ہوتی تھی - کتاب مذہبی مباحثات کے لیئے بہت مفید ہے - ۹۲ صفحہ کی کتاب ہے قیمت ۳ ر - محمد اصغر علی محمد قاسم مالکان قاسمی پریس لدھیانہ سے مل سکتی ہے -

شُدھی کی اشدھی | یہ کتاب دہلی کے مشہور مناظر مولوی قاسم علی صاحب کی تصنیف ہے - اسمیں انہوں نے دھرم پال - ڈکی نام ایک انگریز اور ایک آسٹریلین لیڈی کے شدھ ہونے کی اصل کیفیت دکھائی ہے جنپر آریوں نے اسقدر ناز کیا تھا - اخیر میں دکھایا ہے کہ ہندوؤں کی کُتب مقدسہ میں غیر مذاہب والوں کو ہندو کرنے کے متعلق کہیں ہدایات نہیں پائی جاتیں - یہ کتاب میر قاسم علی احمدی واعظ ترایا بیرام خان دہلی سے ۶ ر پر ملسکتی ہے -

نور :- یہ اخبار قادیان سے شیخ محمد یوسف صاحب نو مسلم (سابق سورن سنگھ) نے نکالا ہے - پندرہ روز کے بعد شائع ہوتا ہے - اس اخبار کی غرض غیر مذاہب کے حملوں خصوصاً آریوں اور عیسائیوں کے اعتراضات کا دفعیہ اور سکھوں کو انکے گرو کی سچی تعلیم کی طرف بلانا ہے - تین نمبر نکل چکے ہیں اور امید ہے کہ یہ اخبار مذہبی مباحثات میں دلچسپی لینے والوں میں بہت قبولیت حاصل کریگا - قیمت عہ سالانہ - درخواستیں بنام شیخ محمد یوسف صاحب مالک و ایڈیٹر اخبار نور آنی چاہییں؛

جس دریدہ دہنی سے آریہ لوگ اسلام پر حملے کرتے ہیں اسکی نظیر شاید پادریوں کی تحریروں کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتی - مسلمان گالی کا جواب گالی تو نہیں دے سکتے مگر پھر بھی ضروری ہے کہ اُنکے حملوں کا معقولیت سے جواب دیکر عوام الناس کو دھوکہ میں پڑنے سے بچایا جاوے اور اُنکے اپنے مذہب کے اندرونی حالات کو پیش کرکے دکھایا جاوے کہ اُنکے اپنے مذہب میں کیا کیا ناپاک باتیں بھری پڑی ہیں - نور کے نوجوان ایڈیٹر نے اسی غرض کو مد نظر رکھکر یہ اخبار جاری کیا ہے - خدائے تعالیٰ اُنکی مدد فرماوے - آمین

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ؛ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ | بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء | نمبر ۱۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا- چندہ سالانہ عوام سے ۴ طلبا سے ۳ عہ

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعفِ نظر کی عام شکایت ہے۔ مینے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلیئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے۔ اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبّی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مینے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضانِ چشم آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے کو آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کیئے ہیں اور اب فائدہ عام کے لیئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اسلیئے ہر ایک کی قیمت جُدا جُدا ہے قیمت سرمہ اوّل قسم عا ر قسم دوم عہر قسم سوم عہ۔ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل عنا جسکو لوگ اڑھائی سو فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم سے ر اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو۔

علاوہ ازیں میرے پاس ہر قسم کی لُنگی۔ زری۔ ریشمی۔ پشاوری۔ سوتی۔ زرد۔ سیاہ۔ بادامی مشہدی۔ افسری وسفید پٹکہ ٹسری (جسکو لوگ ریشمی کہتے ہیں) وغیرہ عا سے لیکر عـہ روپے تک موجود ہیں۔ اور نیز کلاہ ہر قسم زری وسادہ اور ٹوپی رومی ہر قسم میرے پاس موجود ہے اور قیمت میں بالکل کوئی زیادتی نہیں دریافت کریں۔ جو چیز پسند نہ ہو معقول وجہ بیان کرنے پر خریدار کو واپس کرنیکا اختیار ہے۔ خرچ آمد و رفت بذمہ خریدار۔

المشتہر

احمد نور۔ کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

نوٹ۔ خریداران ریویو کی خدمتمیں التماس ہے کہ خط وکتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر ۲

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر)

حضرت نبی کریمؐ کے امن پسندارادے

جب اس بات پر غور کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اقوام عرب کے ساتھ عہد و پیمان کرنیکے لیئے تیار رہتے تھے تو یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو جاتی ہے کہ آپؐ اپنی طبیعت کے خلاف جنگ کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو آپنے پہلا کام یہی کیا کہ کفار مدینہ اور گرد و نواح کی یہودی اقوام کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدہ کی رُو سے ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل تھی اور یہ بھی شرط تھی کہ امن سے زندگی بسر کریں اور ایک دوسرے کیلیئے اچھے پڑوسی بنکر رہیں پھر آپنے شام کے راستہ پر رہنے والی اقوام سے جو مدینہ کے مغرب کی طرف آباد تھیں عہد و پیمان کیئے۔ پھر جب آپ غزوہ دومتہ الجندل سے واپس آرہے تھے تو راستہ میں فزارہ قوم کے سردار عیینہ سے بھی ایک عہدنامہ کیا۔ علاوہ ازیں آپنے مدینہ کے شمال کی طرف رہنے والی بعض اقوام سے بھی معاہدہ کر لیا تھا۔ چنانچہ جب دحیہ کو شام سے آتے وقت لوٹ لیا گیا تو پڑوس کی ایک اور قوم نے جنکے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن کا معاہدہ کیا ہوا تھا لٹیروں پر حملہ کر کے تمام مال واپس دلا دیا (دیکھو ولیم میور) اور جس قوم پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے غلطی سے حملہ کیا تھا اور پھر انکا مال اور قیدی واپس کیئے تھے وہ بھی آنحضرت صلعم سے معاہدہ کر چکے ہوئے تھے جسکا میں پہلے

بھی ذکر کر چکا ہوں۔ اگرچہ عرب کی خانہ بدوش لٹیری قومیں جنگ و جدل کی اسقدر مشتاق تھیں کہ اُنسے کوئی معاہدہ کرنا محال تھا۔ تاہم دیکھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن قائم رکھنے کے لیئے جو قوم بھی رضامند ہوئی اُسی سے امن کا عہدنامہ کر لیا۔ اور معاہدوں کی پابندی میں آپ جسقدر محتاط اور مضبوط تھے اُسکا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب بیرِ معونہ کے حادثہ سے بچے ہوئے صحابی نے راستہ میں غلطی سے ایسے دو شخصوں کو قتل کر دیا جو آنحضرت صلعم سے معاہدہ کر آئے تھے تو آپنے اُن دونوں شخصوں کا خون بہا ادا کر دیا۔ اور اُن کا مال بھی واپس کر دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) امن کے اسقدر خواہشمند تھے کہ آپ نے اسلام کے دشمنوں کو راضی کرنیکے لیئے اُنسے ناطہ رشتہ کرنیکی بھی کوشش کی اور اس طرح بنی مصطلق جنکو آنحضرتؐ نے مُریسیع کے مقام پر شکست بھی دی تھی آخر اپنے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی آنحضرتؐ سے شادی ہونے پر مسلمانوں کے ساتھی ہو گئے جب حضرت جویریہ رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد ہوا تو مسلمانوں نے بنی مصطلق کو اپنے رشتہ دار سمجھکر اُنکے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا اور اس بات کا انپر ایسا اثر ہوا کہ سب کے سب بطیب خاطر مسلمان ہو گئے اور اس طرح وہ قوم جو پہلے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت دشمن تھی اب گہری دوست اور جان نثار بن گئی۔ (ابن ہشام) انہی صلح آمیز اغراض کو مدِّ نظر رکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عبدالرحمٰن کو دومۃ الجندل کی عیسائی قوموں کے مقابلہ کے لیئے بھیجا تھا تو اسکو ہدایت فرمائی تھی کہ بنی کلب کے عیسائی سردار اصبغ کی لڑکی سے شادی کر لے۔ (زاد المعاد)

پھر محاصرہ مدینہ کے بعد کا برس تو امن کے معاہدوں کے لیئے خاص ہی شہرت رکھتا ہے کیونکہ اسی سال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ اور مکہ کے درمیان رہنے والی بہت سی قوموں کے ساتھ دوستانہ عہدنامے کیئے تھے۔ (لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۳۴۰)

ان معاہدوں سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً امن کے خواہاں تھے اور آپکو جہاں کہیں لڑنا پڑا وہ مجبوراً اور آپکی رحیم کریم طبیعت کے خلاف تھا۔

ہر ایک عقلمند آدمی اس بات کو آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ اسلام کی اشاعت کیلئے جنگ کی نسبت امن زیادہ موزون تھا۔ زمانہ امن میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آسانی سے وعظ فرما سکتے تھے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دے سکتے تھے مگر جنگ کے وقت یہ کہاں ممکن ہو سکتا تھا۔ اگر کل دنیا بھی تلوار کے زور سے مسلمان ہو جاتی تو متکبر عرب پھر بھی کل دنیا کے بعد اسلام کے مطیع ہوتے۔ اگر عربوں کو جبراً مسلمان کرنے کیلئے تلوار اٹھائی جاتی تو بجائے رغبت کے انکو اسلام سے نفرت ہو جاتی اور اشاعت رک جاتی۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ عربوں کو انکی طبیعت کے خلاف اسلام لانے پر مجبور کیا گیا وہ انکے چال چلن اور اخلاق وعادات سے اپنی ناواقفیت ظاہر کرتا ہے اسلام ایک ایسا مذہب تھا جسکی تعلیم عین فطرت انسانی کے مطابق تھی اور اسکی اشاعت کا سب سے بہتر ذریعہ یہ تھا کہ لوگوں کے نور قلب اور انکی فراست سے اپیل کیجاتی اور اسلام کی خوبیاں انکے سامنے پیش کیجائیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مذہب کی طاقت سے واقف تھے اور آپکو یقین تھا کہ اگر آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو آپکی کامیابی تلوار کی فتوحات سے کہیں بڑھ چڑھکر ہوتی۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ دل وجان سے امن کے خواہاں تھے۔

صلح حدیبیہ اب سنہ ہجری کا تو چھٹا سال ہو گیا تھا مگر اس عرصہ دراز میں قریش کی دشمنی کے باعث مہاجرین کو نہ تو اپنا وطن عزیز دیکھنا ملا اور نہ سالانہ حج کر سکے۔ اور اگرچہ قریش مجاز نہ تھے کہ کسی شخص کو خواہ وہ انکا دشمن ہی کیوں نہ ہو حج سے باز رکھ سکیں تاہم ان لات ومناۃ کے پجاریوں نے خدائے واحد کے ماننے والے مسلمانوں کو اس قاعدے سے بھی مستثنےٰ کر دیا اور بیت الحرام کی مقدس ومبارک چاردیواری کے طواف سے انکو محروم رکھا۔ مکہ سے ہجرت کر جانیکے چھ سال بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا میں دیکھا کہ آپ اور آپکے صحابہؓ امن امان سے عمرہ کے فرائض ادا کر رہے ہیں آپ (صلعم) نے یہ رؤیا اپنے صحابہؓ کو سنا دیا اور انہیں سے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ اگر یہ رؤیا کل پورا ہونیوالا ہے تو آج ہی ہو جائے۔ اب ذوالقعدہ کا مقدس مہینہ آنیوالا تھا اور عرب کے رواج کے مطابق اس ماہ کے اندر ملک بھر میں عموماً اور حدود حرم میں خصوصاً جنگ وجدل کی قطعی ممانعت تھی علاوہ ازیں

دشمن اقوام کے ساتھ مٹ بھیڑ ہو جانیکا اس ماہ میں چنداں اندیشہ نہیں تھا البتہ اگر زیادہ خوف ہو سکتا تھا تو آیندہ مہینے میں حج کے موقعہ پر تھا۔ پس ان امن پسند ارادوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو صحابہؓ کو ہمراہ لیکر عمرہ کرنیکے لیئے مکہ کو روانہ ہوئے۔ ان سب نے احرام باندھا ہوا تھا۔ اور اُنکے پاس صرف وہی ہتھیار تھے جنکی روا جاً اجازت تھی یعنی اوّل تلوار جو میان میں ہو دوئم کمان اور سوئم ترکش۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بہت دُور نہیں گئے تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ قریش اپنے بیوی بچوں سمیت مدینہ کی سڑک پر ڈیرے ڈالے پڑے ہیں اور وہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہوتا دیکھنے کے بجائے مر مٹنا پسند کرتے ہیں۔ اور اُنکے جنگی مردوں نے چیتے کی کھالیں پہن لی ہیں جسکا یہ مطلب ہے کہ درندوں کی طرح لڑینگے اور جبتک دم میں دم ہے مُنہ نہیں پھیرینگے۔ آنحضرت صلعم نے یہ خبر سُنکر اپنے صحابہؓ سے مشورہ کیا اُنہوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ "ہم تو عمرہ کرنیکے لیئے آئے ہیں نہ کسی سے جنگ کرنیکے لیئے۔ ہاں اگر کوئی ہمکو کعبہ کی زیارت سے روکے گا تو ہم اُس سے لڑیں گے" پس جنگ سے بچنے کے لیئے حضرت نبی کریم صلعم راستہ سے دائیں طرف ہو لیئے اور بڑی سخت کوچ کے بعد پگ ڈنڈیوں میں سے ہوتے ہوئے حدیبیہ پہنچے یہ مقام مکہ کی مقدس سرزمین کی سرحد پر تھا۔ یہاں پہنچکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جسکا نام القصوا تھا۔ ٹھہر گئی اور آگے بڑھنے سے انکار کیا۔ لوگوں نے کہا کہ "القصوا تھک گئی ہے" مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ "یہ تھکی نہیں بلکہ اُسکو وہی ہاتھ روک رہا ہے جس نے اصحاب الفیل کو روکا تھا"۔ الغرض آنحضرتؐ اور آپکے ساتھ کے دوسرے مسلمان سب کے سب حدیبیہ میں اُتر پڑے۔ اور اب قریش اور آپکے درمیان نامہ و پیام کا سلسلہ جاری ہوا۔ قریش نے یکے بعد دیگرے یہ پیام بھیجا کہ "ہم لڑنے مرنے پر آمادہ ہیں"۔ قریش نے جو سفیر بھیجے تھے اُنمیں طائف کا ایک سردار عروہ نام بھی تھا۔ اس شخص نے آکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ "قریش جامے سے باہر ہو رہے ہیں اور وہ تمہاری اس آوارہ جماعت کو شہر کے نزدیک تک بھی نہیں پہنچنے دینگے۔ اور واللہ مجھے تو دکھائی دیتا ہے کہ یہ سب لوگ تیرا ساتھ چھوڑ کر بھاگ

جائیں گے"۔ یہ سُنکر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اُٹھے اور بڑے جوش سے اس کا جواب دیا پھر جب عروہ نے اثنائے گفتگو میں ایکدفعہ اپنی عادت کے موافق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کو ہاتھ لگانا چاہا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جو پاس کھڑے تھے فوراً اُسکا ہاتھ ٹھکور کر پیچھے ہٹا دیا اور سختی سے کہا "خبردار! اپنا ہاتھ پیغمبر خدا سے دُور رکھو"۔ صحابہؓ کی اس غیرت اور اپنے آقا و مولا کے ساتھ سچی اُلفت کا یہ اثر ہوا کہ اس عربی سردار نے قریش کے پاس واپس جاکر کہا "مینے کسرائے قیصر اور نجاشی شاہ حبش کو دیکھا ہے اور انکی شاہانہ تزک و احتشام کا ملاحظہ کیا ہے مگر مینے کسی بادشاہ کی رعایا میں اپنے فرمانروا کی وہ اطاعت اور عزت نہیں دیکھی جسقدر مسلمانوں کے نزدیک اُنکے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے"۔ غرض ان سب سفیروں کو آنحضرت صلعم نے ایک ہی جواب دیا وہ یہ کہ "طواف مکہ کے سوا ہماری کوئی اور غرض مطلقاً نہیں ہے"۔ ان سفیروں کو مسلمانوں کی پاک اغراض کا کامل یقین ہوگیا اور اسی لیئے اُنہوں نے واپس جاکر قریش کو بھی یقین دلانا چاہا اور مسلمانوں کے مقابلہ سے روکنا چاہا مگر اُنہوں نے کوئی بات نہ سُنی بلکہ یہ جواب دیا کہ "ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُسکے پیرووں کو مکہ میں داخل ہونیکی اجازت دیکر اہل عرب کی نظروں میں ذلیل اور حقیر نہیں ہونا چاہتے"۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امن پسند ارادوں کا اظہار کرنیکے لیئے اپنے خاص سفیر بھی قریش کے پاس بھیجے جنہیں سے پہلا تو خود آنحضرت صلعم کے اونٹ پر سوار ہوکر گیا۔ ظالم قریش نے اس پیام امن کا جواب یہ دیا کہ اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور سفیر کو قتل کرنے پر آمادہ ہوگئے اور قریب تھا کہ اُسے شہید ہی کر دیتے جبکہ بدوؤں نے مداخلت کرکے چُھڑا دیا۔ اللہ اللہ۔ آنحضرت صلعم کی ذات بابرکات بھی کیا ہی رحم مجسم تھی کہ باوجود قریش کی اس ظالمانہ حرکت کے آپنے دوبارہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے امن پسند ارادوں کا اظہار کرنیکے لیئے ایلچی بناکر اُنکے پاس بھیجا۔ چونکہ قریش کے درمیان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اکثر ذی اثر رشتہ دار موجود تھے اس لیئے اُنکی زندگی زیادہ خطرہ میں نہیں ہوسکتی تھی۔ پس حضرت عثمانؓ براہ راست سرداران مکہ کے پاس گئے اور اُنسے

کہا "ہم تو خانہ کعبہ کی زیارت اور اُسکی تعظیم و تکریم کرنے کے لیئے آئے ہیں اور ہمارے ساتھ قربانی کے جانور بھی ہیں اُنکو قربان کر کے ہم امن و خوشی سے روانہ ہو جائینگے"۔ اس دوسرے پیام کا جواب بھی قریش کی طرف سے یہی ملا کہ "ہم نے تو محمد (صلعم) کو کعبہ کی چار دیواری میں داخل ہونے سے روکنے کی قسم کھائی ہوئی ہے" ایک طرف تو یہ نامہ و پیام ہو رہا تھا مگر دوسری طرف اُنہوں نے اسّی آدمیوں کے ایک دستہ کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ مسلمانوں کے اردگرد منڈلائیں اور اگر کوئی مسلمان ہاتھ لگ جائے تو اُسکا کام تمام کر دیں۔ پھر یہ لوگ تو یہانتک بڑھ گئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی پتھر اور تیر برسانے لگے۔ مگر آخر کار گرفتار ہو کر آنحضرت صلعم کے حضور پیش کیئے گئے۔ اور آپنے حسب عادت اُنکو معاف کر دیا اور واپس چلے جانے کی اجازت فرما دی۔ سبحان اللہ ہمارے نبی بھی کیا رحیم کریم اور رحمۃً للعالمین تھے کہ پتھروں اور تیروں کا جواب رحم اور عفو سے دیتے تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت عثمان رضؓ کو گئے ہوئے جب بہت دیر ہو گئی اور مسلمانوں کو خوف پیدا ہوا کہ مبادا آپکو شہید نہ کر دیا گیا ہو۔ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے اور تمام صحابہؓ نے آپکے گرد حلقہ باندھ لیا اور آپکے ہاتھ پر اس امر کا عہد کیا کہ ہم موت تک آپ کا ساتھ دینگے۔ اس کو بیعت رضواں کہتے ہیں اس واقعہ کی طرف قرآن کریم مفصلہ ذیل الفاظ میں اشارہ فرماتا ہے جسنے آنحضرت صلعم کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے اخلاص اور اُنکی جان نثاری کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ یعنی البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوا جسوقت کہ بیعت کرتے تھے تجھ سے درخت کے نیچے پس اللہ تعالیٰ جانتا تھا جو کچھ اُنکے دل میں تھا اور (اُنکے اخلاص کو دیکھکر) خدا نے اُنپر سکینت نازل فرمائی۔ (فتح - ۳) بارے حضرت عثمانؓ کے صحیح سلامت واپس آجانیسے مسلمانوں کو جو کھٹکا اُنکی جان کی نسبت لگا ہوا تھا وہ دُور ہو گیا۔

پیارے ناظرین! خدا کے مامورین کے ساتھ تائید غیبی ہمیشہ اور ہر حالت میں عجیب عجیب

اندازسے ہوا کرتی ہے اور یہی اُنکی سچائی کا بڑا نشان ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُنکے ارادوں کو پُورا کرنیکے لیئے اپنے فرشتوں کی فوجیں بھیجتا ہے جو دلوں کو تسخیر کر لیتی ہیں اور جس طرح وہ چاہتے ہیں عموماً وہی ہوتا ہے اور دنیا اور دین میں ہمیشہ بامراد ہوتے ہیں اب دیکھیئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صلح چاہتے ہیں اور قریش جنگ۔ وہ پیام صلح دیتے ہیں اور یہ مسلمانوں کے قتل اور خود آنحضرتؐ پر پتھر اور تیر برسانے کے لیئے اسّی آدمیوں کا ایک دستہ بھیجتے ہیں آخر وہی ہوتا ہے جو خدا کا رسول چاہتا ہے اور اُسکی کیفیت یہ ہے کہ قریش کے سفیروں میں نواح مکّہ کا ایک بدّو سردار بھی تھا۔ اسکو بھی دوسرے سفیروں کی طرح مسلمانوں کے امن پسند ارادوں اور صدق و صفائی کا کامل یقین ہو گیا۔ چنانچہ اُس نے واپس آکر قریش سے کہا کہ مسلمانوں کو عمرہ کرنیسے نہ روکیں۔ اس بدّو سردار کے قول کا قریش پر کچھ اثر نہ ہوا وہ باوجود اس علم کے کہ مسلمانوں کا ارادہ نیک ہے برابر اپنی ہی ہٹ پر مصر رہے بدّو سردار یہ دیکھکر برافروختہ ہو گیا اور قسم کھالی کہ اگر قریش نے اب بھی آنحضرت صلعم کو زیارت کعبہ سے باز رکھا تو مَیں اپنے بدّوؤں سمیت اُنکا ساتھ چھوڑ دونگا۔ اس دھمکی سے قریش کو کسیقدر ہوش آگیا اُنکے غضب کی آگ دھیمی ہو گئی اور اس بدوی سردار سے کہنے لگے کہ "تم اُسوقت تک انتظار کرو جبتک ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مناسب عہد و پیمان کرلیں" پھر انہوں نے اپنے ایک سردار سہیل نام کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان کرنے کے لیئے بھیجدیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی صلح صفائی کے ارادوں سے آئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے ارادہ کو پورا کرنیکی خاطر قریش کو صلح کی تجویز کرنے پر مجبور کیا تھا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے لیئے بالکل تیار تھے کہ جس طرح ہوسکے صلح و صفائی کرلیں اسلیئے آپنے تمام شرائط کو تسلیم کر لیا جو قریش کے قائم مقام نے حضورؐ کے سامنے پیش کیں۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عہد نامہ لکھنے کا ارشاد فرمایا اور خود لکھانا شروع کیا ابھی حضور صلعم نے 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' ہی لکھایا تھا کہ سہیل بول اُٹھا کہ ٹھہرو اللہ کا نام تو ہم جانتے ہیں مگر ان نئے ناموں یعنی رحمٰن وغیرہ سے ہم ناآشنا ہیں آپ اُسی طرح کہیں جس طرح ہم ہمیشہ سے کہتے ہیں یعنی 'بسمک اللھم' حضرت

نبی کریم صلعم نے اس بات کو مان لیا اور فرمایا اچھا اسی طرح سہی اور پھر لکھنا شروع کیا "بسمک اللھم یہ شرائط صلح مابین محمد رسول اللہ اور ....." اب یہاں پر سہیل نے پھر روکدیا اور کہا اگر ہم تمھارے دعوٰے رسالت کو تسلیم کرلیتے تو پھر تمکو کعبہ سے کیوں روکتے اور تم سے لڑائی کیوں کرتے آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیئے اور بس۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بھی مان لیا اور فرمایا اچھا اسی طرح لکھیئے۔

"یہ شرائط صلح مابین محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمر کے قرار پائے ہیں" اور جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طرفدار ہونا چاہتے ہو وہ ایسا کرسکے یعنی آزاد ہوگا اور جو شخص قریش کا طرفدار ہونا چاہے اُسے بھی آزادی ہوگی اگر کوئی شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف جائیگا تو اُسکو واپس کرنا پڑیگا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کی طرف چلا جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائیگا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو امسال شہر میں داخل ہونیکے بغیر ہی لوٹنا ہوگا اور آئندہ سال اُسکو مع متبعین کے مکہ میں آنے اور تین روز تک ٹھہرنے کی اجازت ہوگی اور اس تین یوم کے عرصہ میں قریش شہر کو مسلمانوں کے لیئے خالی کردینگے۔ لیکن یہ اجازت نہ ہوگی کہ مسلمان اپنے ساتھ کوئی ایسا ہتھیار لائیں جسکی حجاج کو ممانعت ہو یعنی سوائے ایسی تلوار کے جو میان میں ہو اور کسی قسم کے آلہ حرب کی اجازت نہ ہوگی۔" اس عہدنامہ پر فریقین کے دستخط ثبت ہوگئے اور اصلی عہدنامہ تو آنحضرت صلعم کے پاس رہا مگر اُسکی ایک نقل قریش کو دے دی گئی۔

مومنین کیلیئے ابتلا اس عہدنامہ کی شرائط پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو کمال درجہ کا رنج ہوا کیونکہ اُنکے نزدیک ایسی شرائط قرار پاجانا پرلے درجہ کی ہتک تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ آنحضرتؐ کا بہت زیادہ ادب کرتے تھے مگر اُنسے ضبط نہ ہوسکا اور حضرت نبی کریمؐ کو بدیں الفاظ مخاطب کیا "یارسول اللہ! کیا آپ خدا کے سچے نبی نہیں ہیں؟ کیا ہم راستی پر نہیں ہیں؟ اور کیا ہمارے دشمن گمراہ اور غلطی پر نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سوالات کے جواب میں فرمایا "بے شک میں خدا کا رسول ہوں ہم راستی پر ہیں اور ہمارے دشمن غلطی پر ہیں میرا مولا اکیلا ہی میری مدد کریگا اور مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا

مَیں اُسکی حکم عدولی نہیں کر رہا ہوں"

غرض صحابہ کرامؓ کو اسقدر غم تھا کہ جب آنحضرت صلعم نے اُنکو اپنے جانور ذبح کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا تو اس رسم کے ادا کرنیکے لیئے کوئی بھی نہ اُٹھا اُن سب کی تو شرم کے مارے جان ٹوٹ رہی تھی۔ اور جبتک حضرت نبی کریم صلعم نے اپنے حکم کا تین دفعہ اعادہ نہ کیا اور خود جانور ذبح کرنے اور حجامت بنوانے کے لیئے نہ اُٹھ کھڑے ہوئے اُسوقت تک کوئی صحابی نہ اُٹھا وہ رنج و الم میں اسقدر منہمک تھے کہ حجامتیں بناتے وقت قریب تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کر دیتے۔ (زاد المعاد)

ناظرین! حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیئے کہ کسقدر امن کے خواہاں ہیں کہ محض صلح کرنیکی خاطر اس امر کی بھی پروا نہیں کی کہ صحابہؓ ناراض ہوتے ہیں۔ اور جب دشمن صلح کی تجویز پیش کرتا ہے تو محض صلح کی خاطر اُس کی ہر ایک پیش کردہ شرط کو......

.........قبول کرنے کے لیئے تیار ہیں اگرچہ وہ شرائط بظاہر اپنے اندر ایک ہتک کا رنگ رکھتی ہیں یہانتک کہ صحابہؓ بھی ابتلا میں آ گئے۔

یہاں پر شاید کسی کو یہ خیال آ جائے کہ قریش سے ڈر کر ان شرائط پر صلح کر لیگئی ہو گی اسلیئے ہم قریش کی اصل طاقت کا اس جگہ اظہار کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ ہمارے ناظرین کو یاد ہو گا کہ بدو سردار نے سفارت سے لوٹکر قریش کو دھمکی دی تھی کہ اگر تم اب بھی مسلمانوں کو روکو گے تو مَیں اپنے آدمیوں کو لیکر تم سے علیحدہ ہو جاؤنگا اور اس دھمکی کا ہی نتیجہ تھا کہ قریش صلح کر لینے پر آمادہ ہو گئے۔ پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیرونی امداد کے بغیر قریش میں یہ طاقت نہ تھی کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرتے۔ اب قریش کی طاقت پیشتر کی نسبت بہت کمزور ہو چکی تھی اور وہ اپنے مددگاروں پر ایسا بھروسہ نہیں کر سکتے تھے جیساکہ غزوہ خندق سے پہلے اُنکو بھروسہ تھا۔ اسلیئے اُنکو سوائے صلح کے کوئی چارہ نہ تھا۔ برعکس اسکے مسلمان اس بات پر آمادہ تھے کہ اگر قریش اُنکو کعبہ کی زیارت سے روکنے پر مُصر رہے تو جنگ کرینگے اِسلیئے یہی صلح کا دن اُنکے لیئے ماتم کا دن تھا۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح ہی کر لی کیونکہ آپ کی جو مقدس غرض تھی وہ اشاعت اسلام تھی اور جیساکہ ہم پہلے بیان

کر چکے ہیں جس سرعت سے اسلام امن کے زمانہ میں ترقی کرتا تھا جنگ کے وقت ایسی تیزی سے ترقی نہیں کرتا تھا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوالات کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں اللہ کا رسول ہوں اور میرا مولا ہی میرا واحد مددگار ہے۔ وہ میرا ساتھ نہیں چھوڑیگا اور میں تو اسی کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں" اس جواب سے آپ صحابہ کرامؓ کو یہ اطلاع دینا چاہتے تھے کہ اگر تم سب لوگ بھی میرا ساتھ چھوڑ دوگے تو بھی میرا رائی برابر نقصان نہ ہوگا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور میرا مولا جسکے ارادوں کے ماتحت میں نے صلح کی ہے وہی میری مدد کرے گا۔ صحابہؓ کے لیئے یہ موقعہ بڑے ابتلا کا تھا اور اگر انکو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر زبردست ایمان نہ ہوتا تو ایسے موقعہ پر وہ آپ کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ اگر انکو اس نازک موقعہ پر کسی چیز نے سہارا دیا تو محض انکا پختہ ایمان تھا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ شکایت جناب صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس کی تو آخرالذکر نے یہ جواب دیا "یا عمر الزم غرزه فانی اشهد انه رسول الله یعنی اسکی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) رکاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو کیونکہ میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ خدا کا رسول ہے" پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا پورا یقین ہی تھا جس نے ان تمام خیالات کو دبا دیا جو کہ اس عہدنامہ کے باعث صحابہؓ کے دلوں میں بار بار اٹھتے تھے گو اس عہدنامہ سے ظاہرًا ہتک نظر آرہی تھی تاہم وہ لوگ برابر آنحضرت صلعم کے مطیع و فرمانبردار رہے۔ انکے ایمان میں کوئی لغزش نہ آئی۔ جو ابتلا آنحضرت صلعم کے صحابہؓ کو پیش آیا وہ ایسا تھا کہ عربوں کی برداشت سے بالاتر تھا دشمن کی آنکھ میں ذلیل ہونیکی نسبت مرجانا انکے نزدیک زیادہ آسان اور سہل بات تھی وہ کعبہ کی زیارت سے روکے گئے۔ اس لمبے سفر کا جو مدعا تھا وہ حاصل نہ ہوا اور مزید برآں انہوں نے اپنی آنکھوں سے دشمنوں کے ساتھ ایسا معاہدہ ہوتے دیکھا جو انکی نظر میں قابل شرم تھا تاہم اس ظاہری ہتک اور تکلیف سے انکے ایمان میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اور انہیں سے ہر ایک نے اپنے نفس کو وہی لفظ سنائے جو ابوبکر صدیق نے حضرت فاروق سے کہے تھے یعنی "اسکے رکاب کو

مضبوط پکڑے رہو کیونکہ میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ خدا کا رسول ہے۔ سبحان اللہ صحابہ کرامؓ کا بھی کیا ہی ایمان تھا اور کیسے پاکباز لوگ تھے کہ کوئی ابتلا کوئی ذلت اور تکلیف اُنکے ایمان کو جنبش نہیں دے سکتی تھی سچ تو یہ ہے کہ جیسا کامل نبی تھا ویسے ہی کامل صحابی تھے دوسرے انبیاء کی زندگی میں یہ نمونے اور مثالیں مفقود ہیں۔ آنحضرت صلعم پر جبر اور زیادتی کا الزام دینے والوں کے گھر کا حال دیکھیں تو خیر سے لگا پاکر کل بارہ حواری اور انہوں نے بھی مصیبت کے وقت اپنے خداوند کی بات نہ پوچھی۔

حضرت نبی کریمؐ کی صداقت کا ایک ثبوت

اس عہدنامہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک اور ثبوت ملتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی مکار شخص ہوتا تو اُسکے لیے ضروری تھا کہ اپنے پیروؤں کی خواہشات پر چلتا اور ایسا راہ اختیار نہ کرتا جس سے اُسکی تمام جماعت کے برگشتہ ہوجانیکا اندیشہ ہوتا اور عمر بھر کی کمائی ایک ہی دن میں برباد ہوجاتی یہ یقینی بات ہے کہ اگر کوئی جھوٹا دعویدار ایسا اپنے مریدین کے خلاف منشا کرتا تو اُسکی تمام جماعت فوراً اُسی جگہ اسکا ساتھ ترک کردیتی۔ جھوٹے انسان میں یہ جرأت کہاں ہوسکتی ہے کہ اپنے متبعین کی متحدہ خواہش کے خلاف ہوکر ایسا کام کرگذرے جو اُنکی عزت پر حرف لائے۔ اس معاہدہ کی شرائط مسلمانوں کو نامناسب ہی نہیں بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوٰے نبوت کے بظاہر خلاف شان بھی معلوم ہوئیں۔ لیکن آنحضرت صلعم نے صحابہؓ کی خواہشات کا ذرا بھر بھی خیال نہ فرمایا اور نہ ہی اس بات کی پروا کی کہ وہ لوگ آپکے اس فعل کی نسبت کیا کہیں گے بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وہی کیا جو اللہ تعالیٰ نے آپکے دل میں ڈالا اور جسکی نسبت آپ کو یقین تھا کہ یہی خدائے تعالیٰ کی رضا کی راہ ہے حضرت نبی کریم صلعم کو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مدنظر تھی اور اسکو خوش کرنیکے لیے آپ کو نہ کسی کی ناراضگی کا خوف تھا اور نہ ہی کسی کے قطع تعلق کرلینے کا ڈر تھا۔ اور جو الفاظ آپ نے صحابہؓ کے سوالوں کا جواب دیتے وقت فرمائے تھے وہ صرف ایسے ہی مُنہ سے نکل سکتے تھے جسکا محض اللہ کی ذات پر بھروسہ ہو اور وہ کسی انسانی امداد پر اپنی کامیابی کا انحصار نہ سمجھتا ہو۔ ناظرین! کسی جھوٹے دعویدار کا یہ حوصلہ کہاں ہوسکتا ہے کہ ایسے لوگوں کے سامنے جو

اُسکے ظاہر و پوشیدہ حالات سے کماحقہٗ واقف ہوں یہ الفاظ کہے کہ "میں اللہ کا رسول ہوں" پھر ایک مکّار اور جھوٹے شخص کو یہ جرأت کہاں ہو سکتی ہے کہ اپنے خاص الخاص ساتھیوں کو عین ابتلا کے وقت جبکہ اُنکے دلوں میں مختلف خیالات کا اوتار چڑھاؤ موجیں مار رہا ہو یہ الفاظ کہدے کہ "وہی مولا میرا اور مددگار ہے اور (تم خواہ سب کے سب مجھ سے علیحدہ ہو جاؤ) وہ میرا ساتھ نہیں چھوڑیگا" (زاد المعاد)۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمادیا تھا کہ "میں ایسا کرنے میں اپنے مولا کی حکم عدولی نہیں کر رہا ہوں" اسکا باعث خدائے تعالیٰ کا مفصلہ ذیل صریح حکم تھا چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور اگر وہ (دشمن) صلح کی طرف جھکیں تو تُو بھی صلح کی طرف جھک اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھ (یعنی اس بات کا خوف نہ کر کہ شاید صلح کر کے دشمن تجھے دھوکہ دیدے) تحقیق خدائے تعالےٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور اگر دشمن تجھے دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو تحقیق اللہ تعالےٰ تیرے لیئے کافی ہے۔ وہی اللہ جس نے اپنی نصرت سے تیری مدد کی اور مومنوں کی ایک جماعت تجھے دیکر تیری تائید کی (انفال ۸)

اب ایک طرف تو قریش کی طاقت اور اُنکا جتھا بہت کمزور ہو چکا تھا اور اسلیئے وہ صلح پر رضامند ہو گئے تھے اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُنکی درخواست مان لینے کا الٰہی ارشاد تھا اسلیئے آنحضرت صلعم نے انکی تجویز کردہ شرائط کو ہی منظور فرمالیا اور یہ محض اسوجہ سے کہ ارشاد الٰہی کی تعمیل ہو جائے۔ اگر اسوقت دشمن کی پیش کردہ شرائط کو نہ مانا جاتا تو وہ صلح پر رضامند نہ ہوتے لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس موقعہ کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے تھے اسلیئے آپنے صلح کرنیکی خاطر ہر ایک شرط کو قبول کر لیا۔ آنحضرت صلعم کی نظر میں صلح سے بڑھکر کوئی اور قیمتی بات نہ تھی اور اس امن کے مقابل وہ نقصانات بالکل ہیچ تھے جنکے امکان کا احتمال دشمن کی تجویز کردہ شرائط کے منظور کر لینے پر تھا۔ پس صلح حدیبیہ اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امن پسند طبیعت رکھتے تھے اور یہ کہ

آپ اپنے دعوی میں صادق تھے۔ مزید برآں آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اور پورا بھروسہ تھا آپنے گھبرا کر مسیح کی طرح یہ نہیں کہا ایلی. ایلی لما سبقتنی بلکہ ہر دفعہ یہی فرمایا "میرا مولا ہی میرا اکیلا مددگار ہے اور وہ میرا ساتھ نہیں چھوڑیگا" اس مقابلہ اور موازنہ پر دل ہاتھوں اُچھلتا ہے اور بے اختیار مُنہ سے نکلتا ہے ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

قریش کی زیادتی کا ثبوت

صلح حدیبیہ کے واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قریش کی طرف سے ہی ابتدائے جنگ ہوئی تھی۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ قریش کے وکیل نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ واللہ لو کنا نعلم انک رسول اللہ ما صددناک عن البیت وما قاتلناک (زاد المعاد) "اللہ کی قسم اگر ہم تمہارے دعوائے نبوت کو مانتے تو ہم تمکو خانہ کعبہ کی زیارت سے کیوں روکتے اور تم سے کیوں جنگ کرتے"۔ اب ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے بانی مبانی قریش ہی تھے اور اُنکا آنحضرت صلعم سے برسرِ پیکار ہونے کا سبب محض یہ تھا کہ آپ (صلعم) نے دعوائے نبوت کیا تھا۔ یا یوں کہو کہ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سبب سے نہیں لڑے کہ آپنے اُنکے خلاف تلوار اُٹھانے میں ابتدا کی جیسا کہ ہمارے معترضین کا خیال ہے بلکہ وہ اسوجہ سے برسرِ پرخاش ہوئے تھے کہ اُنکو آنحضرت صلعم کے دعاوی سے نفرت تھی اور وہ آپ اور آپکے پیروؤں کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے۔ اس میں وہ ٹھیک اُن لوگوں کے نقش قدم پر چل رہے تھے جنہوں نے پہلے انبیاءؑ کی مخالفت کی تھی ہاں فرق تھا تو یہ کہ جس طرح قریش کا نبی سب نبیوں سے افضل اور برتر تھا اسی طرح اُنکی دشمنی اور مخالفت بھی اپنی نظیر آپ تھی ہجرت کے بعد جو جنگ شروع ہوا وہ اسی مخالفت کے تسلسل میں تھا یعنی اُسی عداوت کا ایک حصہ تھا جو ہجرت سے پیشتر جاری تھی۔ اور اُسکے لیئے کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ اصل موجب وہی ایک تھا جسکے باعث مکّہ میں مسلمانوں کو تکلیف اور دُکھ پہنچایا جاتا تھا۔ اگر مکّہ میں مسلمانوں کی ایذا دہی سے قریش کی غرض اسلام کی بیخکنی کے سوا کوئی اور نہ تھی تو اب مسلمانوں کے مدینہ میں پناہ لینے کے بعد جو اُنہوں نے مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار

اُٹھائے تھے اُسکی غرض بھی سوائے اسلام کی بیخکنی کے اور کچھ نہ تھی - اصل بات یہ ہے کہ موجودہ جنگ اُسی دشمنی اور ایذادہی کے سلسلہ میں تھی جسکا آغاز مکہ میں ہی ہو چکا تھا - قریش کے وکیل سہیل نے عہد نامہ کی شرائط طے کرنیکے وقت مسلمانوں کو زیارت کعبہ سے روکنے اور اُنسے جنگ کرنیکا جو باعث بیان کیا وہ صرف ایک ہی بتلایا یعنی آنحضرت صلعم کا دعوٰئے نبوت پس اگر قریش مسلمانوں کو خانہ کعبہ کی زیارت سے روکنے میں راستی پر تھے تو مسلمانوں سے اُنکا جنگ بھی راستی پر مبنی کہلا سکتا ہے لیکن اگر ایک فعل انصاف سے بعید ہے تو دوسرے کے غیر منصفانہ ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے - ہمیں کوئی افسوس ہے تو یہ کہ قریش خود تو اپنی ایذادہی کا سبب اسلام سے عداوت بتلائیں مگر مدعی سست گواہ چست کے مصداق بنکر ہمارے عیسائی معترضین قریش کو حفاظت ذاتی کے لیئے لڑنے والے ظاہر کرتے ہیں

ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ ہر ایک لڑائی میں جو قریش اور مسلمانوں کے مابین ہوئی حضرت نبی کریم صلعم ہمیشہ دشمنوں کی زیادتی کے شاکی رہے - بدر - اُحد اور محاصرہ مدینہ کے موقعوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خیالات کا جن درد انگیز اور مؤثر الفاظ میں اظہار فرمایا اُنسے قریش کے جبر اور زیادتی کا بخوبی پتہ چل جاتا ہے - مثلاً بدر کے موقعہ پر جب سرداران قریش کی مردہ لاشوں پر آنحضرت صلعم کی نظر پڑی تو آپنے فرمایا "بئس عشیرۃ النبی کنتم لنبیکم کذبتمونی وصدقنی الناس واخرجتمونی وآوانی الناس وقاتلتمونی ونصرنی الناس (ابن ہشام)" "تم اپنے نبی کے بُرے رشتہ دار تھے تم نے مجھے جھٹلایا اور غیروں نے میری تصدیق کی - تم نے مجھے نکالا اور دوسروں نے مجھے جگہ دی تم نے میرے ساتھ جنگ کی اور دوسروں نے آکر میری مدد کی"

پس قریش اور آنحضرت صلعم کی شہادتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنگ کی ابتدا قریش کی طرف سے ہوئی اور یہ کہ قریش محض اسلام کی عداوت کے باعث جنگ کرتے تھے - لیکن ہمارے آجکل کے مسیحی معترضین کو اُن باتوں کے جاننے کا دعوٰی ہے جنکا علم نہ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا اور نہ ہی قریش کو اُنکی کچھ خبر تھی اور جنگ کے وہ وہ اسباب گھڑتے ہیں جو قریش کے خواب میں بھی نہ آئے ہونگے -

قریش نے صلح کیوں کر لی

اب قریش نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی جماعت خاصی طاقتور ہے اور اُنکا قلع قمع کر دینا اب اُنکی طاقت سے باہر ہے۔ اُنہوں نے مسلمانوں کے برباد کرنیکی کوشش میں ناخنوں تک زور لگایا تھا لیکن وہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہی رہے۔ جب مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے تو اُنہوں نے بدر کے مقام پر مکّہ کی فوج سے ہی اُن کو کچل ڈالنا چاہا تھا مگر جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور فوج مکّہ سے قریش کا مدعا پورا ہونا محال ہوگیا تو اُنہوں نے ایک تو اپنے مددگار بلالیئے اور دوم صحرائی قبائل سے مدد مانگی اور اس بڑی فوج کے ساتھ مسلمان مہاجرین کو نیست و نابود کر دینے کے ارادہ سے مدینہ پر چڑھائی کی۔ اُنکی یہ کوشش بھی خاک میں مل گئی اور اب وہ اسلام کا خاتمہ کر دینے سے مایوس ہو گئے۔ مگر اُنکا تکبّر و غرور تاحال پورے طور سے نہیں ٹوٹا تھا۔ اسلیئے جب مسلمان عمرہ کرنیکے لیئے مکّہ کو گئے تو اُنہوں نے قرب وجوار کے بدوؤں کی امداد سے اُنکو روکدیا۔ اور کہا کہ ہم مسلمانوں کو بلا روک ٹوک شہر میں داخل ہونیکا موقعہ دیکر عربوں کی نظر میں ذلیل نہیں ہونا چاہتے۔ دراصل وہ اب اسلام کی روزانہ کامیابی اور اپنی طاقت کے تنزّل سے بخوبی آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ مسلمان ہمیشہ کے لیئے کعبہ کی زیارت سے روکے نہیں رہ سکتے اسی وجہ سے اُنہوں نے کہا کہ آپ لوگ اب کے سال تو واپس ہو جائیں اور آیندہ سال آکر عمرہ کریں۔ خیال یہ ہے کہ قریش اب مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور اسی وجہ سے اُنہوں نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا اور صلح کا عہدنامہ کرلیا۔ مگر اس عہدنامہ سے بھی صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکی غرض ہمیشہ یہی تھی کہ اسلام کی اشاعت نہ ہو۔ چنانچہ اُنہوں نے جو شرائط صلح کیئے اُنمیں یہ بھی شرط تھی کہ "اگر کوئی قریش مسلمان ہو جائے تو اُسکو واپس کر دینا ہوگا اور اگر کوئی مسلمان قریش سے جاملے تو اُسکو واپس نہ کیا جائے گا"۔ ایسی شرائط کرنیسے اُنکا صاف یہ منشا تھا کہ نوعمر لوگ مسلمان ہونیسے رُک جائیں۔ اس طرح اگرچہ وہ برائے نام صلح کا معاہدہ کر رہے تھے مگر اُنہوں نے اسلام کی دشمنی کو تاحال اپنے سے جُدا نہیں کیا تھا۔ بے شک اب اُنکی طاقت کمزور ہو گئی تھی مگر جس بات کو اب وہ زور اور طاقت سے حاصل نہیں کر سکتے تھے اُسکے حصول کے لیئے اب اُنہوں نے امن اور صلح کا بھیس بدل لیا تھا۔ اگرچہ اُنکی کمزوری نے اُنکو ظاہرًا صلح

کر لینے پر مجبور کیا تھا لیکن وہ دل میں اسلام کے برابر ایسے دشمن تھے جیسا کہ پہلے تھے۔

لوگوں کا برضا و رغبت اسلام لانا۔ صلح حدیبیہ کی شرائط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم نے مسلمان کرنیکے لیئے کبھی جبر سے کام نہیں لیا۔ اگر آپ لوگوں کو جبرًا مسلمان کیا ہوتا تو اب چاہیئے تھا کہ سہیل کی پیش کردہ تجاویز کو نہ مانتے کیونکہ عہدنامہ کی رُو سے ہر شخص کو اجازت تھی کہ مُرتد ہو کر قریش سے جا ملے۔ ایسے شخص کو قریش کے ہاں امن بھی ملتا اور پھر مسلمان اُسکو معاہدہ کے رو سے واپس بھی نہیں لے سکتے تھے۔ پس اگر کسی شخص کو جبرًا مسلمان کیا ہوتا تو اُسکے لیئے یہ نہایت ہی عمدہ موقعہ تھا کہ اپنے پُرانے مذہب کی طرف دوبارہ رجوع کر لیتا۔ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جبرًا مسلمان کرنے کیلیئے جنگ کیا تھا تو اب تو کوئی جنگ بھی نہ تھا اور نہ کوئی امر اُنکو اپنے پُرانے مذہب میں واپس جانیسے روک سکتا تھا۔ پھر اگر جبر کی مضبوط زنجیر سے اُنکو اسلام کے ساتھ جکڑا گیا تھا تو اب یہ زنجیر بھی کھول دیگئی تھی اور اُنکے لیئے عمدہ موقعہ تھا کہ اسلام سے ارتداد کر کے فورًا اپنے آباد اجداد کے مذہب میں شامل ہو جائیں۔ اگر مسلمانوں کی ترقی محض لڑائی کے باعث ہی ہوئی ہوتی تو اب جبکہ آنحضرت صلعم اور آپکے جانی دشمنوں کے درمیان صلح ہو چکی تھی ضرور مسلمانوں کی تعداد کم ہو جاتی مگر ایسا نہیں ہوا۔ صلح کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں کوئی کمی نہیں آئی برعکس اسکے اسلام نے بڑی سُرعت سے ترقی کرنی شروع کر دی اور اس طرح اس امر کی سچائی پر مُہر لگا دی کہ اسلام کی اشاعت کیلیئے لڑائی ہی ایک رُکاوٹ تھی اور جب یہ سدِ راہ دُور ہو گئی تو لوگوں نے جوق در جوق مسلمان ہونا شروع کر دیا۔

قریش کے مظالم کا ایک ثبوت اس صلح کے بعد جو واقعات پیش آئے اُنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زیادتی قریش کی طرف سے تھی نہ کہ مسلمانوں کی طرف سے۔ آپ دیکھیئے صلح ہو جانیکے بعد ہی قریش کی طرف سے مرد اور عورتوں نے آ آ کر مسلمان ہونا شروع کر دیا مگر مسلمانوں کا ایک متنفس بھی قریش کی طرف واپس نہیں ہوا یہ واقعہ اس امر میں ذرہ بھی شک و شبہ نہیں چھوڑتا کہ ظلم کا ارتکاب ہمیشہ قریش کی طرف سے ہی ہوتا رہا۔ اور جنگ و جدل سے اُنکی غرض محض اشاعت اسلام میں روک ڈالنا تھا۔ کیونکہ صلح حدیبیہ

کے بعد ہی جبکہ لڑائی فساد بند ہوگیا اور اسلام لانیوالوں کے راستہ میں جو رکاوٹیں تھیں وہ دُور ہوگئیں تو جھٹ قریش کے مرد وعورتوں نے اسلام کی طرف آنا شروع کردیا۔ قریش خود بھی جانتے تھے کہ صلح کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام اور بھی ترقی کرے گا اور اسی امر کو روکنے کے لیئے اُنھوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ "جو قریش کا آدمی مسلمانوں کی طرف آملے اُسکو قریش کے پاس لَوٹا دینا ہوگا" مگر یہ شرط بھی قریش کی بدقسمتی سے کچھ ایسی کارگر ثابت نہ ہوئی۔ کیونکہ اگرچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت معاہدہ کی اس شرط کی بھی سختی سے پابندی فرمائی اور مکہ سے آنیوالے نومسلموں کو اپنے ہاں لینے سے انکار کردیا مگر ان لوگوں نے واپس جانیکے بجائے ایک نئی جماعت قائم کرلی آخر قریش نے تنگ آکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں درخواست کی کہ عہدنامہ سے اس شرط کو نکالدیا جائے بس اب کیا تھا من مانی مرادیں مل گئیں اور نومسلموں نے جوق درجوق آکر مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہونا شروع کردیا۔

اسلام کی نہ رُکنے والی کشش

جب سہیل حضرت نبی کریم صلعم سے شرائط صلح طے کررہا تھا تو اُسکا بیٹا ابوجندل بھی وہیں آگیا۔ یہ نوجوان اسلام لے آیا تھا اور اسکے باپ نے محض اسی جرم میں اُسکو زنجیروں میں جکڑ دیا تھا اور سخت سخت اذیتیں دیکر ارتداد پر مجبور کرنا چاہا تھا مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی محبت نے اُسکے ایمان میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیا اور جونہی اُس نے دیکھا کہ اُسکا باپ باہر ہے فوراً مع زنجیروں کے بھاگ آیا۔ اور مسلمانوں سے پناہ مانگی۔ اُسکے باپ نے جب اُسکو دیکھا تو فوراً پکڑ لیا اور سخت زدوکوب کی اسپر وہ زور زور سے چیختا اور مسلمانوں سے مدد طلب کرتا تھا۔ مگر مسلمان اُسکی مدد نہیں کرسکتے تھے کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی شرائط معاہدہ کے باعث اُسکے باپ کے حوالے کردیا تھا۔ ناظرین! اگر انصاف کی آنکھ بینا ہو۔ اگر تعصب کا خمار کسی دماغ میں نہ ہو اگر کوئی دل صداقت پسند ہو تو اسی ایک واقعہ کو دیکھکر دوبارہ یہ اعتراض نہ کرے گا کہ 'اسلام بزور تلوار پھیلا' بلکہ اسلام کی بے حد کی کشش کی داد دے گا عجیب تر یہ بات ہے کہ جس شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاطر

ابوجندل نے یہ سب دکھ اور مصائب اُٹھائے اور ناقابل بیان سختیاں جھیلیں اب وہی اُسکو لینے اور پناہ دینے سے انکار کرتا ہے - اب اُس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور! مَیں نے اپنے ایمان کی خاطر بڑی بڑی صعوبتیں اُٹھائی ہیں اسلیئے میری درخواست ہے کہ مجھے پناہ دیجاوے مگر آپؐ نے عہد نامہ کا لحاظ فرماکر صاف انکار کردیا۔ اُس نے باربار الحاح و منت سے حفاظت اور پناہ کی درخواست کی مگر اُسکو پھر اُنہی ہاتھوں میں دیدیا گیا جنسے بمشکل تمام اُسے بھاگ کر رہائی ہوئی تھی۔ آہ - غریب ابوجندل اُنہیں آنکھوں کے سامنے چابکوں سے پٹ رہا تھا جنکی خاطر اُس نے یہ سب دُکھ برداشت کیئے تھے۔ اور وہ مدد کے لیئے چیخ چیخ کر پکار رہا تھا مگر اُسکی حمایت کے لیئے ایک ہاتھ بھی نہ اُٹھا تاکہ اُسکے بے رحم باپ کے ہاتھ سے اُسکی مخلصی کراتا۔ مگر کیا اس سے ابوجندل کے ایمان میں کمزوری آگئی ؟ کیا اس انکار کے بعد اُسکے دل سے اسلام کی محبت نکل گئی ؟ نہیں نہیں ذرہ بھی نہیں۔ نہ اُسکے باپ کی سختی نے اور نہ ہی مسلمانوں کے انکار نے اسپر کوئی بُرا اثر کیا۔ وہ واپس تو چلا گیا مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پھر بھاگ آیا یعنی صلح حدیبیہ کے چند ہی روز بعد مکّہ سے بچکر نکل آیا۔ اور اُن مسلمان بھائیوں کے ساتھ شامل ہوگیا جو اُسکی طرح مکّہ سے بھاگ کر ایک خاص مقام پر جمع ہوگئے تھے کیونکہ مدینہ میں اُنکو عہد نامہ کے مطابق جگہ نہیں ملتی تھی۔

ابوجندل کی داستان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قریش جس طرح مسلمانوں کو ہجرت سے پہلے ایذا دیتے تھے اُسی طرح مکّہ کے مسلمانوں کو ہجرت کے بعد بھی ایذا دیتے رہے اور جس صبر و استقلال سے ابوجندل نے مصائب کو برداشت کیا اور باوجود آنحضرت صلعم کے انکار کردینے کے برابر آپ کا حلقہ بگوش غلام بنا رہا اُس سے اسلام کی طاقت اور آنحضرت صلعم کی صداقت کا ایک بیّن ثبوت ملتا ہے۔ دلوں کی جو تسخیر اسلام کی تھی وہ واقعی اپنی نظیر آپ تھی مگر اسپر بھی ہمارے مسیحی مہربان برابر یہ کہے جاتے ہیں کہ اسلام کسی اندرونی قوت سے نہیں پھیلا بلکہ بزور شمشیر اسکی اشاعت ہوئی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا تلوار اس سے بڑھکر فتوحات حاصل کرسکتی ہے ؟ جسقدر کہ اسلام نے عرب کے لوگوں کے درمیان حاصل کی تھیں اور کیا بزور شمشیر

دلوں پر اسقدر تسلط ہو سکتا ہے؟ جسقدر کہ اسلام کی مخفی طاقتوں نے عربوں کے قلوب پر حاصل کر لیا تھا۔

اسلام کی قوت جاذبہ کے متعلق میور کی اپنی شہادت

اگرچہ ولیم میور صاف الفاظ میں یہ بات تسلیم نہیں کرتا کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ اشاعت اسلام کا موجب اسکی زبردست اندرونی طاقت تھی تاہم اُس کے مفصلہ ذیل الفاظ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام کی اشاعت کیلیئے امن کا زمانہ نہایت مفید تھا۔ اور اس طرح اُسکے الفاظ عملاً اس اعتراض کا خود بخود دفعیہ کر دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لیئے تلوار اُٹھائی صلح حدیبیہ کی شرائط کے منظور کر لینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا غرض تھی اسپر بحث کرتے ہوئے میور لکھتا ہے کہ "دس سال کے امن سے نئے مذہب کو ملک میں پھیلنے اور قریش کو اپنی سچائی کا یقین دلانیکے لیئے نہایت عمدہ موقعہ مل سکتا تھا" (صفحہ ۳۴۸)

میور کی رائے میں صلح حدیبیہ کا یہی بڑا سبب تھا اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے بظاہر ایسی نامناسب شرائط پر صلح کر لی تھی اس سے صاف صاف مفصلہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

(۱) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبوراً لڑنا پڑا اگر آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ کبھی جنگ کی طرف مُنہ بھی نہ کرتے۔

(۲) یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاعتِ اسلام کے لیئے لڑائی نہیں کی کیونکہ لڑائیوں کے وقت ہی اسلام کی اشاعت رُکی رہی۔

(۳) یہ کہ اگر کوئی لڑائی فساد نہ ہوتا بلکہ امن کا زمانہ ہوتا تو اسلام بہت بڑی ترقی کر لیتا۔

(۴) یہ کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔

(۵) یہ کہ اشاعتِ اسلام کیلیئے امن سے بڑھکر کوئی اور وقت زیادہ موزون نہیں۔ اور امن کے زمانہ میں جنگ کے وقت کی نسبت یقیناً کئی گنا زیادہ ترقی ہو سکتی ہے۔

پیارے ناظرین! میور کا اپنا اقرار ہمکو مذکورہ بالا نتائج پر پہنچاتا ہے اور ہمارے نزدیک مسلمانوں پر

زیادتی اور جبراً اسلام پھیلانے کا الزام . . . . لگانے والوں کا منہ بند کرنیکے لیئے اس سے زیادہ زبردست کوئی اور حربہ نہیں ہو سکتا۔ اور واضح ہو کہ جس طرح خاک ڈالنے سے چاند نہیں چھپ سکتا اس طرح سچائی بھی اپنا رنگ لائے بغیر نہیں رہ سکتی اور کسی نہ کسی شکل میں ضرور ظاہر ہو جاتی ہے اب آپ ہی ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے میور جیسے دشمن کے قلم سے کیا کیا الفاظ لکھوا دیئے ہیں مذکورہ بالا اقتباس تو آپنے پڑھ ہی لیا اب اور دیکھیئے کہ وہی دشمن اسلام کس طرح ذیل کے الفاظ میں اسلام اور مسلمانوں کے صدق اور راستی کا ثناخواں ہے وہ لکھتا ہے کہ "حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے پیروؤں کی وفاداری اور اسلام کی زبردست کشش کا اسقدر کامل یقین تھا کہ اس فقرہ کے اندراج سے کہ مرتدین کو واپس نہ کیا جائیگا آپکو کسی قسم کے بُرے اثر کا قطعاً خوف نہ ہوا" کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہزاروں آدمی جو ابتک مسلمان ہو چکے تھے وہ کسی دنیوی طمع یا سزا کے خوف سے اسلام نہیں لائے تھے بلکہ دینِ حقہ کی طاقتور کشش انکو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ اطاعت میں کھینچ لائی تھی۔ اب جنگ چھڑے ہوئے بھی چھ سال کا عرصہ گذر گیا تھا اور اگرچہ اشاعتِ اسلام کے لیئے لڑائی کا زمانہ نہایت ہی ناموزون تھا تاہم مسلمانوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی جو میور کے قول کے مطابق سب کے سب بڑے صادق مسلمان تھے اور اُنکو جس چیز نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ غلامی میں داخل کیا تھا وہ اسلام کی طاقتور کشش تھی۔

کھُلی کھُلی فتح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو غرض اس صلح سے تھی اُسکا صحیح صحیح اندازہ میور نے خوب لگایا ہے۔ میور کے قول کے مطابق حضرت نبی کریم صلعم کو اسلام کی فتح اور کامیابی امن کے زمانہ میں ہی نظر آتی تھی اور اسی لیئے آپنے باوجود صحابہؓ کی ناراضگی کے ایسی شرائط پر صلح کر لی جو بظاہر گری ہوئی تھیں۔ عہدنامہ حدیبیہ کے بعد جو واقعات پیش آئے اُنسے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ قیاس فرمایا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔ دراصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے

اور خیالات منشائے ایزدی کے ماتحت تھے اور اسی لیئے اللہ تعالیٰ کا فضل اور تائید ہر وقت آپکے شامل حال ہوتے تھے۔ غرض شرائط صلح طے ہونیکے تھوڑی دیر بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام الٰہی کا نزول ہوا اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو بھی "فتح مبین" یعنی کھلی کھلی فتح فرمایا۔ میور لکھتا ہے کہ حدیبیہ سے واپس ہوتے وقت "ابھی پہلی ہی منزل طے کی تھی کہ مسلمان جلدی جلدی میدان کی ہر طرف سے اپنے اونٹوں کو ہانک ہانک کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو رہے تھے اور ہر ایک کے لب پر یہ لفظ جاری تھے کہ "آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی نازل ہوئی ہے" پس اپنے اونٹ پر ہی کھڑے حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سورہ فتح تلاوت فرمائی جسکی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا یعنی ہم نے تجھ کو کھلی کھلی فتح عنایت فرمائی ہے جب اس تازہ وحی کو آنحضرت پڑھکر سنا چکے تو ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کہ "آیا یہ فتح ہے" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اُس ذات کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ واقعی فتح ہے" اور آخر ثابت بھی یہی ہوا۔

زُہری لکھتا ہے کہ "اس سے قبل اسلام کو ایسی نمایاں فتح کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی اور تمام موقعوں پر تو لڑائیاں ہوتی رہیں مگر یہاں لڑائی سے کنارہ کشی کر کے امن و امان سے ہم آغوشی اختیار کی گئی تھی اور اب ایک جماعت دوسری جماعت سے آزادی کے ساتھ ملتی اور بات چیت کرتی تھی اسلیئے بُت پرستوں میں سے کوئی بھی سمجھدار اور عقلمند شخص ایسا نہیں تھا جو اسلام کی طرف مائل نہ ہو گیا ہو۔ اور ٹھیک صلح کے بعد دو سال کے اندر ہی اندر اسقدر لوگ مسلمان ہو گئے جسقدر کہ پہلے کئی سالوں میں ہوئے تھے بلکہ یُوں کہیئے کہ اس سے بھی کہیں زیادہ لوگ اسلام لے آئے" (ابن ہشام) گو بعض لوگوں کو یہ بیان مبالغہ آمیز معلوم ہو لیکن اسکے ثبوت کے لیئے یہ امر کافی ہے کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کو تشریف لے گئے تو آپکے ساتھ پندرہ سو آدمی تھے مگر دو سال بعد جب آپ مکّہ میں داخل ہوئے تو آپکے ساتھ دس ہزار قدوسیوں کی جماعت تھی۔

آہ - جو لوگ اسلام پر تلوار سے پھیلنے کا الزام لگاتے ہیں وہ ان واقعات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور اُنکی آنکھوں پر ایسا تعصب کا پردہ پڑ جاتا ہے کہ وہ صاف صاف اور صریح واقعات پر بھی نظر نہیں ڈال سکتے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جو مذہب زمانہ امن میں حیرت انگیز ترقی کر سکتا تھا اور جسکی اشاعت کے لیئے جنگ کی نسبت امن زیادہ موزون تھا اُسکے پھیلانے کیلیئے پھر کسی تلوار کی کیا ضرورت تھی ؟ صلح حدیبیہ اور اسکے بعد امن کے دو سال میں اسلام کو جو کامیابی ہوئی اس سے ہمارے معترضین کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی اشاعت کا موجب اُسکی اندرونی صداقت کا طاقتور اثر تھا نہ کہ کسی بیرونی تلوار کا زور۔

ابو بصیر کی داستان

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کو واپس آنیکے تھوڑی دیر بعد ابو بصیر نام ایک نوجوان مسلمان مکہ سے بچکر بھاگ آیا اور مدینہ آپہنچا قریش نے دو آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام خط دیکر روانہ کیئے اور مطالبہ کیا کہ اس نوجوان کو عہد نامہ کی شرط کے بموجب اُنکے حوالے کر دیا جائے۔ جب وہ خط آنحضرت صلعم کو پہنچا تو آپنے ابو بصیر سے فرمایا "اے ابو بصیر! تم جانتے ہو کہ ہم نے ان لوگوں سے عہد نامہ کیا ہوا ہے۔ ہمارا پاک مذہب عہد شکنی کی اجازت نہیں دیتا اللہ تعالے تمہارے لیئے اور مکہ کے دوسرے بیکس نو مسلموں کے لیئے کوئی اور راہ نکال دیگا پس تم اپنے لوگوں میں واپس چلے جاؤ" ابو بصیر نے عرض کی "کیا حضور مجھے ان بت پرستوں کے پاس واپس بھیجتے ہیں جو مجھے ہر طرح کی ایذا دیکر راہ راست سے برگشتہ کرنیکی کوشش کرینگے" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پھر فرمایا "جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیئے اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کے لیئے کوئی اور راہ نکال دیگا" پس وہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ چار و ناچار روانہ ہو پڑا لیکن جب یہ لوگ ذو الحلیفہ پہنچے تو ابو بصیر نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک کی تلوار کھینچکر اُسے قتل کر دیا۔ اب دوسرا آدمی مارے ڈر کے بھاگ کھڑا ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا۔ ابو بصیر بھی اُسکے پیچھے پیچھے مدینہ آپہنچا اور آنحضرت صلعم کے حضور حاضر ہو کر عرض کرنے لگا "یا رسول اللہ آپنے تو مجھے ان لوگوں کے

سپرد کرکے اپنا عہد پورا کردیا۔ لیکن میں نے بھی اپنے ایمان کی حفاظت کی ہے اور بُت پرستوں کے ہاتھ میں ایک کھلونا بننے اور اُنکی ایذائیں جھیلنے سے اپنے تئیں بچا لیا ہے"۔

ابو بصیر کا منشا اس غرض سے یہ تھا کہ اب وہ آزادی سے مدینہ میں رہ سکتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کوئی الزام نہیں آسکتا کیونکہ آپ تو عہد نامہ کی شرائط کے پابند ہو کر اُسکو دشمنوں کے حوالہ کرہی چکے تھے۔ مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی ایک بھی نہ سُنی۔ آخر ابو بصیر نے دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کبھی قریش کے سفیر آئیں گے تو آپ ضرور اُسے دوبارہ مکّہ والوں کے حوالہ کر دینگے اسلیئے وہ مدینہ سے چل کھڑا ہوا اور چونکہ مکّہ کی صعوبتیں ابھی اُسے یاد تھیں اسلیئے ساحل سمندر کے قریب ایک جگہ کی طرف چلا گیا۔ یہ خبر جلدی ہی مکّہ پہنچ گئی اور دوسرے نو مسلم جنہیں ابو جندل ابن سہیل بھی تھا اور جو کہ ابھی تک مسلمان ہونیکی وجہ سے ایذاؤں کا نشانہ بن رہے تھے مکّہ سے بچکر نکل گئے اور ابو بصیر سے جا ملے۔ اس طرح ابو بصیر اور اُسکے ہمراہیوں کی جماعت کی تعداد ستر تک پہنچ گئی اور اُنہوں نے مکّہ والوں کے قافلوں کو روک کر اپنا گذارہ کرنا شروع کردیا۔ اس سے قریش بہت تنگ آ گئے اور اُنہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں درخواست کی کہ ان نو مسلموں کو مدینہ بلالیں اور عہد نامہ میں سے نو مسلموں کو واپس کر دینے والا فقرہ خارج کر دیں۔ آنحضرت صلعم نے اُنکی اس درخواست کو منظور فرما لیا اور یہ جماعت بھی مدینہ بلالی گئی۔

ہمارے مسیحی معترضین جو قریش کے مظالم پر ہمیشہ آنکھ بند رکھتے ہیں اور ہمیشہ اس تاک میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی اعتراض کی جگہ ہاتھ آجائے ممکن ہے کہ اس موقعہ پر ابو بصیر اور اُسکے ساتھیوں کے فعل پر اعتراض کریں لیکن ایک منصف معترض اُنکے اس فعل کو قابلِ اعتراض نہیں ٹھہرا سکتا۔ بدیں وجہ کہ اگرچہ حضرت نبی کریم صلعم اور قریش کے مابین امن کا عہد نامہ ہو چکا تھا مگر ان نو مسلموں کو کسی قسم کا امن نہیں دیا جاتا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ سہیل نے جو قریش کی طرف سے عہد نامہ کرنے کے لیئے آیا ہوا تھا شرائط صلح طے ہونیکے بعد ہی مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے اپنے بیٹے ابو جندل کو مسلمان ہونیکے جرم

ہیں نہایت بیدردی سے مارا۔ (زاد المعاد)

ہمارے ناظرین اس سے بیخبر نہیں کہ جب ابو جندل مسلمانوں کے ڈیرہ میں آیا تھا تو دست و پا بزنجیر تھا اور اُسنے بڑی منت و الحاح سے درخواست کی تھی کہ اُسے اُسکے بے رحم باپ کے ظالمانہ سلوک سے نجات دلائی جائے۔ ابو جندل نے کیا قصور کیا تھا صرف یہ کہ مسلمان ہو گیا تھا۔ پھر ایک ابو جندل پر کیا موقوف ہے مکہ کے ہر ایک غریب مسلمان کا یہی حال تھا۔ اگرچہ مکہ میں مسلمانوں پر ناقابل برداشت مظالم توڑے جا رہے تھے مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ معاہدہ اُنکو پناہ نہیں دے سکتے تھے۔ اور جب کبھی وہ بھاگ کر مدینہ آتے تو قریش کی جانب سے مطالبہ ہونے پر اُنکو واپس کر دیا جاتا اور بیچاروں کو پھر پہلے سے بھی بڑھکر مشکلات اور تکالیف برداشت کرنی پڑتیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ابو بصیر نے کس طرح مکہ والوں کے مظالم اور تکالیف سے بچنے کے لیئے آنحضرت صلعم کی خدمت میں درخواست کی تھی کہ اُسکو ان ظالموں کے ہاتھ میں دوبارہ نہ دیا جائے لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدنامہ کا پاس کرکے اسکی اس درخواست پر توجہ نہ فرمائی تھی۔ اب غور کا مقام ہے کہ ایک طرف تو محض اسلام لانے کی خاطر سے نومسلموں پر سختیاں کی جا رہی ہیں اور دوسری طرف حضرت نبی کریم صلعم عہدنامہ کا پاس کرکے ان لوگوں کو پناہ نہیں دے سکتے پھر یہ غریب سوائے اسکے اور کیا کرتے کہ مکہ سے بھاگتے اور اپنے ظالم دشمنوں کے قافلوں کے مال پر گذارہ کرتے۔ مکہ والوں نے اُنکو پہلے تو ہر طرح کی ایذائیں اور دکھ دیئے اور ارتداد پر مجبور کرنا چاہا پھر اس پر بس نہیں کی بلکہ اُنکو مدینہ کے دینی بھائیوں سے بھی ملنے نہ دیا۔ پس اس طرح مکہ سے بھاگ کر بھی اُنکو آرام میسّر نہ تھا اسلیئے انہوں نے جو کچھ کیا مناسب کیا اور آخر اُنپر ظلم توڑنے والوں کو مجبور ہونا پڑا کہ اس سختی سے باز آجائیں اور ان نومسلموں کو مدینہ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ شامل ہو کر رہنے کی اجازت دیں۔ اب یہاں میور صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کے الفاظ کو پورا کر دیا مگر اس بات کی کوشش نہ کی کہ مسلمانوں کو قافلوں کے روکنے سے باز رکھکر امن و امان کو ترقی دیتے اور یہ کہ ایسا کرنا معاہدہ کے رو سے آپ پر لازم بھی آتا تھا۔ یہاں ہمکو یہ دیکھکر صدمہ ہوتا ہے کہ

عیسائی معترض مسلمانوں کی تو ذرا ذرا سی بات پر گرفت کرنیکے لیئے تیار کھڑے رہتے ہیں
مگر اسلام کے دشمنوں کی نا ملائم حرکات کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے ہم ولیم میور سے پوچھتے
ہیں کہ صلح کے بعد مسلمانوں کو مکہ میں جو دردانگیز ایذائیں دیگئیں کیا اُنکے ارتکاب سے قریش
امن و امان کو ترقی دے رہے تھے ؟ اور کیا عہدنامہ کی رو سے اُنکو یہی لازم تھا؟ ایک
طرف تو قریش مسلمانوں پر برابر سختیاں کیئے جا رہے تھے اور نہ اُنکو مکہ میں چین لینے
دیتے تھے نہ ہی مدینہ جاکر رہنے کی اجازت دیتے تھے اور دوسری طرف حضرت نبی کریم صلعم
کی طرف سے ان نومسلموں کو کوئی امداد نہیں پہنچ سکتی تھی پس ایسی حالت میں اُنکو حق پہنچتا
تھا کہ وہ اپنی مخلصی کی کوئی تدبیر کرلیتے ۔ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر ان مظلوموں
کی کوئی امداد نہیں ہو سکتی تھی تو آپ سے یہ بیرحمی بھی نہیں ہو سکتی تھی کہ اُنکو اپنی جان بچانے اور
آزادی حاصل کرنے سے روک دیتے ۔ اگرچہ اس میں کلام نہیں کہ ابو بصیر ۔ ابو جندل اور دوسرے
مسلمان مظلوم اور قریش ظالم تھے تاہم آنحضرت صلعم نے صرف عہدنامہ کا پاس کرکے انکی کوئی
امداد نہ کی ۔ اور دردبھرے دل سے اپنے پیارے اور وفادار شاگردوں کو اپنے ہی حال پر
چھوڑدیا ۔ لازم تو یہ تھا کہ اس صبر و تحمل بُردباری اور عہد کی پابندی کی تعریف کیجاتی ۔
لیکن دشمن کی نظر میں تو ہر ایک خوبی بھی بڑا عیب ہو جاتی ہے اسلیئے میور صاحب آنحضرت صلعم
پر اب بھی راضی نہیں بلکہ اُنکی خواہش ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش کا
ساتھ دیدیتے اور غریب مظلوم مسلمانوں کو ایذا دلانے میں خود بھی ظالموں کے معاون
و مددگار ہو جاتے ۔ آہ ۔ یہ عیسائی معترض مکہ کے نومسلموں کی حالت کا اندازہ لگانیکی
ذرا بھی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی اُسکو یہ خیال آتا ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب کی خاطر ظالموں
کے ہاتھوں سے ہر طرح کی اذیتیں اُٹھا رہے تھے اور قیدیوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے
پھر لطف یہ کہ اگر کوئی اس ناجائز قید اور مصیبت سے بچکر نکل جاتا تو بھاگ جانے کے بعد
بھی اُسکو مکہ والوں کے ظلم سے نجات نہیں مل سکتی تھی کیونکہ کسی کو اجازت نہیں تھی کہ
اُنکو پناہ دے ۔ جب خود مدینہ کے مسلمان اُنکو پناہ نہیں دے سکتے تو اور کون اُنکو پناہ
دے سکتا تھا مکہ کے باہر بھی اُنکو اس طرح رہنا پڑتا تھا جیسا کہ ایک سلطانی مجرم گرفتاری کے

خوف سے بھاگا بھاگا پھرتا ہے نہ انکو مکّہ میں امن تھا اور نہ اُنکو مکّہ سے باہر امن سے زندگی بسر کرنیکی اجازت تھی۔ پھر ایسی صورت میں اگر اُنہوں نے اپنے ظالم شہر والوں کے قافلوں کو روک کر اُنکی بیجا تعدی سے نجات حاصل کرنیکی تدبیر کی تو کیا بُرا کیا۔ جو کچھ اُنہوں نے کیا خود قریش نے اُنسے کرایا اور اُنکی یہ تدبیر ایسی کارگر ہوئی کہ فوراً قریش نے اُنکو آزادی دیدی اور جب اُنکو امن سے مدینہ میں رہنے کی اجازت مل گئی تو پھر اُنہوں نے قافلوں کی مزاحمت بھی چھوڑ دی۔ یہ ایک نجات کی راہ تھی جو اُنہوں نے مجبوراً اختیار کی اور نتیجہ نے ثابت کر دیا کہ یہی راہ تھی جس کے ذریعہ اُنکو نجات مل سکتی تھی۔ اگر غور کرکے دیکھا جائے تو بے ساختہ ابو بصیر اور اسکی ساتھیوں کے ایمان پر مرحبا کہنے کو جی چاہتا ہے اور اسلام کی زبردست اندرونی طاقت پر مزید روشنی پڑتی ہے مثلاً دیکھئے کہ ابو بصیر نے اپنے دین کی خاطر ہر طرح کی صعوبتیں اُٹھائیں اور آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھاگ کر پہنچا اور مدد کی درخواست کی لیکن وہاں سے صاف جواب ملا اور اُسکو پھر اُنہی ہاتھوں میں دیدیا گیا جنکے ظلم سے تنگ آکر وہ پہلے بھاگا تھا۔ وہ دوبارہ بچکر بھاگا اور پھر مدد مانگی مگر اب بھی اُسے پہلے کی طرح نفی میں ہی جواب ملا۔ لیکن کیا اس انکار سے اور بار بار کی تکلیف سے اسکے ایمان میں کوئی تغیر آیا؟ ہرگز نہیں۔ غور کا مقام ہے کہ جسکی خاطر یہ سب دُکھ جھیلے اور جسکی بدولت یہ مصیبتوں کا پہاڑ سر پر اُٹھایا۔ وہی اب مدد سے انکار کرتا ہے اور اسپر بس نہیں بلکہ دو دفعہ دشمنوں کے حوالہ کر دیتا ہے مگر پھر ابو بصیر کو ذرا بھی لغزش نہیں ہوتی۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام کی نہایت ہی زبردست طاقت تھی اور اسی طاقت نے مسلمانوں کو ایسا جکڑا ہوا تھا کہ کسی صورت سے اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے تھے؟ پھر یہ کہنا کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے بیہودگی نہیں تو اور کیا ہے؟۔ اگر ابو بصیر کے ساتھ ابوجندل کا واقعہ ملا دیا جائے اور اس بات پر نظر کیجاوے کہ اس غریب نو مسلم کو اُسکے باپ نے مسلمانوں کے ہی ڈیرے میں اسلام کیخاطر چابکوں سے مارا اور باوجود اُسکے چیخ چیخ کر مدد کی درخواست کرنیکے کوئی مدد نہ دیگئی بلکہ اُلٹا دوبارہ ظالموں کے حوالہ کر دیا تاہم اسکے ایمان میں رائی برابر بھی خلل نہ آیا تو یہ امر سورج کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو اسلام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نظیر اُنس تھا اور دونوں اُنکے نزدیک جان سے بھی زیادہ عزیز تھے

ہم پھر پوچھتے ہیں کہ کیا تلوار سے بھی یہ اُنس پیدا ہوا کرتا ہے؟

والیان ملک اور بادشاہوں کے نام آنحضرتؐ کے مراسلات

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت محض عرب کے ملک کی خاطر نہیں تھی بلکہ آپ کل دنیا کے لیئے مبعوث ہو کر آئے تھے اور جبکہ مکہ میں آپ اور آپکے صحابہؓ پر انواع و اقسام کے مظالم توڑے جا رہے تھے اور ایک ظاہر بین آنکھ کو آپ اور آپکی مختصر اور مظلوم جماعت سے کوئی بڑی توقع نہیں ہوسکتی تھی عین اسوقت اللہ تعالیٰ کا مفصلہ ذیل کلام نازل ہوا اور حضرت نبی کریم صلعم کو مخاطب کر کے فرمایا وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (السّبا ۳) یعنی ہم نے تجھکو سب لوگوں کے واسطے خوشخبری دینے والا اور ڈرانیوالا کر کے بھیجا ہے پھر خدا تعالیٰ نے آپکو فرمایا وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء ۷) یعنی ہم نے تجھ کو کل عالموں کے لیئے رحمت کر کے بھیجا ہے۔ الغرض جب قریش اسلام کو کچل ڈالنے کی کوششوں میں مصروف تھے اور چاہتے تھے کہ اسلام مکہ کی دیواروں تک ہی محدود رہکر نابود ہو جائے تو ایسے وقت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مفصلہ ذیل اعلان کرنے کا حکم ہوا۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (اعراف ۹) یعنی تو کہدے اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول کر کے بھیجا گیا ہوں چونکہ حضرت موسیٰؑ اور دوسرے اسرائیلی نبیوں کی بعثت صرف اُنہی کی قوم تک محدود تھی اسلیئے وہ اکثر خدائے تعالیٰ کو اسرائیل کا خدا کہکر پکارتے تھے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا صرف قریش یا عربوں کا خدا نہیں بلکہ کُل جہانوں کا ربّ تھا اسلیئے اُس کا رسول بھی کل دنیا کی طرف مامور ہو کر آیا تھا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تئیں قریش کے خدا کا رسول نہیں فرمایا بلکہ اُس مولا کی طرف سے مبعوث ہونیکا دعویٰ فرمایا جو رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عجمی کو اس طرح نہیں دھتکارا جس طرح کہ یسوع نے کنعان کی عورت کو یہ کہکر دھتکار دیا تھا کہ "میں تو اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں" اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یسوع کی طرح غیر اسرائیلیوں کو "کُتّے" کہکر پکارا (متی ۱۵-۲۶)

بلکہ آپ نے تو رحمۃ للعٰلمین ہونے کا دعویٰ فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا سے ہی اپنی بعثت عالمگیر سمجھتے تھے اور جب مکہ میں رہنے والے بعض بیرونی لوگ آپ پر ایمان لائے تو آپ نے انکو اُن ملکوں کے سابقین کہکر پکارا جنسے وہ آئے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپکو ان ممالک سے بڑی بڑی فصلیں کاٹنے کی توقع تھی۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نام حبشہ کا پہلا آدمی رکھا اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا نام سابق الروم یعنی "رومیوں میں سے پہلے آنیوالا" رکھا* یہ لوگ حضرت نبی کریم صلعم پر شروع شروع ہی میں ایمان لائے تھے اور آپ نے جو القاب انکو دیئے اُنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے تئیں صرف عرب کا ہی نبی نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپکو یقین تھا کہ آپ کل دنیا کیلیئے مبعوث ہوئے ہیں۔ اور آپ کا مذہب نہ صرف اہل عرب قبول کرینگے بلکہ اسکی اشاعت دور دراز ممالک میں بھی ضرور ہوگی۔ اب اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اسلام اور عیسائیت کی حالت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اول الذکر تو ابتدا سے ہی کل دنیا کی طرف آنیکا دعویٰ کرتا ہے مگر آخر الذکر کو جب اسرائیل کے "بچوں" کے ہاں جگہ نہیں ملتی تو ناچار غیر اسرائیل "کتوں" کی طرف منہ کرتا ہے۔ یسوع نے کہا تو تھا کہ بچوں کی روٹی لیکر کتوں کے سامنے ڈالنا مناسب نہیں لیکن جب بچوں نے اُسکی لائی ہوئی روٹی لینے سے انکار کر دیا تو مجبوراً وہی روٹی کتوں کے سامنے ڈالنی پڑی قسمت کا تماشا دیکھیئے کہ جنکو یسوع مسیح "کتے" اور "کتوں کے پلے" کہکر پکارتے ہیں اور جنکو وہ اپنے دسترخوان پر کا بچورا بھی دینا پسند نہیں کرتے آخر وہی سالم کی سالم روٹی چھین کر لیجاتے ہیں اور جنکو وہ اپنے بچے سمجھکر پیار کی نظر سے دیکھتے تھے انکو ایک ٹکڑا تک بھی نہیں ملتا** لیکن قابل غور یہ بات ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یسوع کی طرح دنیا کے لوگوں میں سے بعض کو "کتے" اور بعض کو "بچے" نہیں بنایا بلکہ روئے زمین کی تمام اقوام کو "اپنے بچے" ہی سمجھا۔ اور ابن مریم نے تو اپنی بعثت کے انعامات سے بنی اسرائیل ہی کو مستفیض کرنا چاہا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے برعکس اپنی رسالت کو تمام جہانوں کیلیئے رحمت ظاہر فرمایا۔ اور جونہی کہ آپکو قریش کے جنگوں سے فرصت ملی وہیں آپنے قرب وجوار کے لوگوں کو دعوت دینی شروع کر دی۔ اگرچہ آپکا بہت سا وقت اپنے بے شمار دشمنوں کے حملوں کی مدافعت میں صرف ہوا تاہم آپ ساتھ ساتھ مختلف قوموں میں اسلام کی منادی کرنیکے لیئے واعظ تیار کرتے رہے۔ بہت سے ایسے صحابی تھے جنکو

* ابن ہشام۔ ** اس بیان کی تصدیق کے لیئے ناظرین ملاحظہ کریں انجیل متی باب ۱۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حفظ کرایا تھا تاکہ دوسروں کو سنا سکیں اور جو واعظین رجیع اور بیرٔ معونہ پر شہید ہوئے تھے وہ سب قرآن کے حافظ تھے۔ پھر جب جنگ بدر میں مسلمانوں نے بہت سے مکّہ والوں کو گرفتار کر لیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سے اکثر کو جو پڑھے لکھے تھے بلا معاوضہ رہا کر دیا دس دس نوجوان مسلمانوں کو لکھانے پڑھانے کیلئے ایک ایک کے سپرد کر دیا گویا بطور فدیہ میں انسے یہی خدمت لیگئی جن لوگوں کو بدر کے قیدیوں نے لکھنا سکھایا تھا انہیں سے ایک زید بن ثابت بھی تھا آنحضرت صلعم نے زید کو ہوشیار دیکھکر خواہش ظاہر کی کہ وہ عبرانی اور سریانی زبانیں بھی سیکھ لے۔ (ولیم میور)

پیارے ناظرین! آنحضرت صلعم کی اس خواہش سے آپ ہی اندازہ لگائیں کہ حضور کو اپنے صحابہؓ میں تعلیم پھیلانے اور انکو قرآن سکھانیکا کسقدر خیال تھا۔ اور کیا اس سے صاف یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آپ اُن لوگوں کو اسلام کے واعظ بنا کر امن پسند ذرائع سے دین حقّہ کی اشاعت کرانا چاہتے تھے اور یہ کہ آپ اسلام کی اشاعت صرف عرب تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہتے تھے بلکہ غیر ممالک کے لئے بھی واعظ تیار کر رہے تھے؟ پھر جب کوئی عرب مسلمان ہوتا تو آپ پہلے اسکو اسلام کے اصول سکھاتے پھر قرآن پڑھا کر اُسے اُسکے اپنے ہی قبیلہ میں اسلام کا واعظ مقرر کر کے بھیجدیتے۔ آپکے بہت سے صحابہؓ اچھے مقرر بھی تھے اور اکثر دفعہ انہوں نے اپنی دلچسپ تقریروں سے لوگوں کے دلوں کو تسخیر کیا تھا علاوہ ازیں مسلمانوں میں فصحاء اور شعراء بھی موجود تھے ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عربی قبیلہ نے اپنے وفد کے ساتھ اپنا شاعر اور خطیب بھیجکر آنحضرت صلعم سے کہا کہ ہمارے شاعر اور خطیب کے مقابلہ کے لئے تم اپنے شاعر اور خطیب پیش کرو۔ جب جواب اثبات میں ملا اور خوب مقابلہ ہو چکا تو اس قبیلہ کے سردار نے کہا "خدا کی قسم یہ شخص بڑا خوش قسمت ہے اسکا شاعر اور خطیب دونوں ہمارے شاعر اور خطیب سے فصاحت و بلاغت میں سبقت لیگئے ہیں" (زاد المعاد)

جب صلح حدیبیہ کے ہو جانیسے آنحضرت صلعم کو کچھ آرام ملا تو آپنے گردو نواح کی قوموں کی طرف توجہ فرمائی اور انکے بادشاہوں کے پاس سفارتیں بھیجکر انکو اپنے دعویٰ کی اطلاع اور اسلام کی دعوت دی ان خطوط پر مُہر کرنیکے لئے آپنے ایک انگشتری تیار کرائی جس پر محمد رسول اللہ نقش کرایا گیا تھا۔ اور اسکی یہ شکل تھی (اللہ رسول محمد) اس شکل کے دیکھنے سے ہی آنحضرت صلعم کے

اُس تعلق کا پتہ چلتا ہے جو آپکو ذات باری سے تھا۔ سبحان اللہ کس طرح مُہر سے ہی ظاہر فرما دیا ہے کہ میرے اور میرے مولا کے درمیان رسالت کا تعلق ہے اور اگرچہ میں عام زندہ لوگوں کی طرح دکھائی دیتا ہوں مگر میری رسالت کا تعلق رب السموات کی بلند ذات سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنیکا اب میرے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں وغیرہ۔ یہ خطوط ہرقلؑ قیصر روم خسرو پرویز کسرےٰ ایران حارثؓ شہزادہ بنی غسان ومقوقسؓ شاہ مصر۔ حاکم یمامہ اور شاہ حبشؓ کی طرف روانہ کیئے گئے کچھ عرصہ بعد آپ نے دیگر حاکمانِ وقت کے پاس بھی سفیر بھیجے۔

حضرت نبی کریم صلعم کا خط ہرقل قیصر روم کے نام

جو سفیر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ہرقل قیصر روم کے پاس لیکر گیا اس کا نام حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ تھا۔ جب یہ نامہ بر پہنچا تو ہرقل یوروشلم کے پیدل سفر کی تیاری کر رہا تھا۔ کیونکہ اُس نے مَنّت مانی ہوئی تھی کہ اگر ایرانیوں پر اُسکو فتح ہو گی تو وہ پاپیادہ بیت المقدس کی زیارت کریگا آنحضرت صلعم کے سفیر سے اچھی طرح پیش آیا اور آپکے دعاوی کو بڑی توجہ اور اشتیاق سے سُنا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے مزید واقفیت حاصل کرنیکے لیئے مکّہ کے چند تاجروں کو اپنے حضور بلوایا جو اتفاقاً ایک قافلہ کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ ان تاجروں میں ابوسفیان بھی تھا جو کہ تا حال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا اور اسی کے ذریعہ سے ہم تک اُس ملاقات کی تمام کیفیت پہنچی ہے جو قیصر اور خود ابوسفیان کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ جب ان سوداگران مکّہ کو قیصر کے حضور باریابی ہوئی تو اس نے ترجمان کی مدد سے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کون اس مدعیٔ نبوت کا قریبی رشتہ دار ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا حضور میں۔ تب ہرقل نے ابوسفیان کو اپنے نزدیک کھڑے ہونیکا حکم دیا اور باقی تاجروں کو اُسکے پیچھے کھڑے رہنے کا ارشاد کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر کسی سوال کے جواب میں کوئی بات خلاف واقعہ کہے تو فوراً اسکی اصلاح کرو۔ ابوسفیان خود بیان کرتا ہے کہ "اگر مجھے اپنے ساتھیوں کی طرف سے یہ خوف نہ ہوتا کہ وہ میرے کذب کی تردید کرینگے تو میں ضرور قیصر کے حضور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق جھوٹی باتیں بھی بیان کرتا لیکن میرے ساتھیوں کی موجودگی نے مجھے ایسا کرنیسے باز رکھا" جو سوالات قیصر نے اسوقت کیئے تھے وہ ایسے معقول اور طالب حق کیلئے ایسے راہ نما ہیں کہ اُنکا اندراج یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اور وہ انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے ناظرین کیلئے بھی فائدہ سے خالی نہ ہونگے۔ ایک سعید روح اس سوال وجواب سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی نسبت بہت فائدہ اُٹھا سکتی ہے ذیل میں ہم قیصر کے سوالات اور ابوسفیان کے جواب نقل کرتے ہیں۔

قیصر کا سوال	ابوسفیان کا جواب
۱- محمدؐ قوم کا کیسا ہے۔	۱- قوم کا بڑا شریف اور نجیب الطرفین ہے۔
۲- تمھاری قوم (قریش) میں کبھی کسی نے انسے آگے بھی اسطرح نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔	۲- ایسا دعویٰ ہماری قوم میں کسی نے کبھی نہیں کیا۔
۳- اسکے بزرگوں میں کوئی ایسا بادشاہ گذرا ہی جسکی بادشاہت جاتی رہی ہو۔	۳- ایسا کوئی بادشاہ اسکے آبا و اجداد میں نہیں گذرا۔
۴- امیر لوگ علی العموم اس کے فرمان بردار ہوتے ہیں یا غریب۔	۴- غالباً غریب اور مساکین لوگ اس کے تابع ہوتے ہیں۔
۵- دن بدن مسلمان بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں۔	۵- دن بدن بڑھتے ہیں۔
۶- کوئی آدمی محمدؐ کے دین میں داخل ہوکر ان دنوں مرتد ہوتا ہے یا نہیں۔	۶- کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ محمدؐ کے دین کو بُرا مان کر اُسے کوئی نہیں چھوڑتا۔
۷- اس دعویٰ سے پہلے یہ شخص جھوٹ کا عادی تھا یا نہیں۔	۷- اسکو ہم لوگ ہمیشہ سچّا اور راست گو یقین کرتے تھے۔
۸- کیا لڑائی میں عہد شکنی کرتا ہے یا نہیں۔	۸- آجتک اس نے عہد شکنی نہیں کی آگے دیکھیے کیا کرتا ہے۔
۹-۱۰- تمھاری اور اُسکی لڑائی ہوتی ہے یا نہیں اگر ہوتی ہے تو کون فتحیاب ہوتا ہے۔	۹-۱۰- کبھی وہ فتح پاتا ہے۔ اور کبھی ہم غالب آتے ہیں۔
۱۱- تمکو کیا حکم کرتا ہے۔	۱۱- اللہ کی بندگی کرو ذرہ بھی شرک نہ کرو مشرکوں کی تقلید مت کرو اور حکم کرتا ہے نماز پڑھنے سچ بولنے اور گناہوں سے بچنے اور صلہ رحمی کا۔

جب ہرقل نے یہ جوابات سُنے تو اُسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین ہوگیا اور وہ کہنے لگا کہ پہلے سوال سے میرا منشاء یہ تھا کہ تمام نبی اعلیٰ خاندانوں میں ہی

پیدا ہوتے ہیں (کیونکہ اگر وہ ادنیٰ درجے لوگوں میں سے ہوں تو لوگ انکو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس طرح انکی ادنیٰ پیدائش کی وجہ سے اسکی قوم کے اکثر افراد سچائی سے دور رہ جاتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ نیچ قوم کے لوگوں میں سے پرہیزگار اور خدا رسیدہ آدمی پیدا نہیں ہوسکتے ہیں ہاں ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ جنکو اللہ تعالیٰ مامور کرکے دنیا میں بھیجتا ہے وہ ہمیشہ اعلیٰ اور شریف خاندانوں میں ہی پیدا ہوتے ہیں) اور دوسرے سوال سے ہرقل نے کہا میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر قریش میں سے کسی نے پہلے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو شاید یہ نبی اُس کے نقشِ قدم پر چلتا ہو' پھر قیصر نے ابوسفیان سے تیسرے سوال کا جواب سنکر فرمایا "اگر اسکا کوئی جدّ امجد بادشاہ ہوتا تو یہ شک ہوسکتا تھا کہ وہ اپنی موروثی سلطنت کے حاصل کرنیکا خواہاں ہے" اسی طرح سوال کا جواب سنکر ہرقل نے کہا کہ "اگر اس نے کبھی انسانوں کے متعلق جھوٹ بولنے کا گناہ نہیں کیا تو خدا پر جھوٹ بولنے . . . . کا گناہ اُس سے کیونکر سرزد ہوسکتا ہے؟ باقی سوالوں کے جوابات سنکر قیصر نے کہا کہ اگر یہ تاجر جو کہتا ہے وہ سچ ہے تو اس نبی کی صداقت میں کلام نہیں کیونکہ بلا شک و شبہ یہ علامات ایک راستباز کے سوا دوسرے میں نہیں پائی جاسکتیں۔

پس حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو پڑھنے کے بعد قیصر روم نے اُس علاقہ کے رؤسا کو حکم دیا کہ بمقام حمص یہ حاضر ہوں۔ وہاں پہنچکر ہرقل نے ان سب لوگوں کو مخاطب کرکے کہا کہ "اے روم کے سردارو! اگر تم سلامتی اور ہدایت چاہتے ہو تو اس نبی عربی کی متابعت کرو" یہ الفاظ سنکر وہ سب کے سب صحرائی گدھوں کی طرح نفرت ظاہر کرنے اور صلیبوں کو اُٹھاکر اوپر ہوا میں جنبش دینے لگے۔ جب ہرقل نے یہ عالم دیکھا تو وہ انکی طرف سے مایوس ہوگیا اور چونکہ اپنی سلطنت سے دست کش نہیں ہونا چاہتا تھا اسلیئے یہ کہکر بات کو ٹال دیا کہ "میں تو تمھارا ایمان آزمانا چاہتا تھا اور اب مجھے تمھاری استقلال اور جانفشانی پر پورا اطمینان ہے"

(صحیح بخاری)

التوائے جلسہ سالانہ

سال گذشتہ میں سالانہ جلسہ کے موقعہ پر محکمہ ریلوے کے نصف کرایہ کی تخفیف کی منظوری کی وجہ سے بہت سے ایسے احباب خصوصاً دور کے رہنے والے شریک جلسہ ہو سکے جنکا پورا کرایہ ادا کرکے شامل ہونا مشکل تھا۔ امسال بھی دسمبر میں جلسہ کے لئے تخفیف کرایہ ریلوے کی درخواست کیگئی تھی۔ مگر وہ درخواست منظور نہیں ہوئی۔ بلکہ جسقدر سوسائٹیوں یا انجمنوں کی طرف سے دسمبر میں جلسوں کیلئے تخفیف کرایہ کی درخواستیں تھیں وہ سب نامنظور ہوئیں اسکی وجہ خصوصیت سے اس سال دسمبر میں لاہور میں نمائش کا ہونا بھی ہے۔ اور علاوہ ازیں دسمبر میں عام طور پر بھی آمد و رفت بہت بڑھ جاتی ہے۔ پس چونکہ پہلے ہی کثرت سے آمد و رفت ہوگی اور تخفیف کرایہ سے یہ آمد و رفت اور بھی بڑھ جانی ضروری ہے اس لئے انتظاماً اس سال دسمبر میں کسی جلسہ پر تخفیف کرایہ منظور نہیں کیگئی سوائے نمائش کے جو ایک قسم کا نیم سرکاری جلسہ سمجھنا چاہیئے سو اسمیں بھی نہایت خفیف تخفیف منظور کی گئی ہے یعنی درجہ سوئم کے مسافروں کیلئے قریباً آٹھواں یا نواں حصہ کرایہ کا چھوڑا گیا ہے۔ مگر اس سے علاوہ دسمبر کے مہینہ میں (۷ دسمبر سے ۲۶ دسمبر تک) درجہ اوّل و دوم و انٹر میڈیٹ کیلئے بعض خاص رعائتیں ہوتی ہیں پس محکمہ ریلوے نے ان تمام وجوہات متذکرہ بالا کی بنا پر اس سال دسمبر کے مہینے میں جسقدر جلسوں کیلئے درجہ سوئم و انٹرمیڈیٹ میں نصف کرایہ کی رعایت کی درخواستیں تھیں انہیں نامنظور کیا ہے۔

چونکہ صرف دسمبر کا مہینہ ہی نصف کرایہ کی رعایت کا مانع ہوا ہے۔ اسلیئے حضرت خلیفۃ المسیح نے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ جلسہ سالانہ بجائے دسمبر کی ۲۶-۲۷-۲۸ کے ماہ مارچ کی انہی تاریخوں کے قریب قریب ہو۔ مارچ میں ۲۴ مارچ سے لیکر ۲۸ مارچ تک پانچ تعطیلیں اکٹھی ہیں۔ یعنی ایک تعطیل بارہ وفات کی اور چار تعطیلیں ایسٹر کی جو جملہ محکمہ جات و دفاتر سرکاری وغیرہ میں منظوری کی تعطیلیں ہیں۔ پس ان دنوں میں ملازمین سرکاری بھی اسی طرح جلسہ سالانہ میں شامل ہو سکتے ہیں جس طرح وہ دسمبر میں شامل ہو سکتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح کا اس التوا کو پسند فرمانا اسوجہ سے ہے کہ اسوقت یعنی مارچ میں جلسہ کرنے سے وہ رعایت کرایہ کی مل سکیگی جو گذشتہ سال ہمارے جلسہ کے لئے ملی تھی۔ یعنی ایک طرف کا کرایہ ادا کرکے آمد و رفت دونوں ہو سکیں گی۔ اور چونکہ ہماری جماعت میں اکثر حصہ غربا اور زمینداروں کا ہے اور یہ بہت ضروری ہے

کہ جسقدر ممکن ہو زیادہ احباب سالانہ جلسہ میں شامل ہوں اسلیئے مناسب سمجھا گیا ہے کہ جلسہ ایسے وقت میں کیا جائے جب کرایہ کی رعایت ملجائے تاکہ جماعت کا اکثر حصہ (جو غربا اور ضعفار ہیں) اس میں شامل ہوسکے۔ علاوہ بریں جو صاحب استطاعت ہیں وہ کرایہ کی رعایت سے فائدہ اٹھا کر وہی روپیہ کسی انجمن کے اور مفید اغراض میں بطور مدد دے سکتے ہیں بلکہ سالانہ جلسہ کے اخراجات کا بہت سا حصہ اسطرح پر نکل سکتا ہے۔ اور چونکہ اخیر مارچ میں زمینداروں کے شامل ہونے میں بھی کوئی مانع نہیں اور فصل ربیع کی کٹائی میں قریباً تین ہفتے اسوقت باقی ہونگے اسلیئے بظاہر یہ موقع ایسا ہے کہ اس میں ہر درجہ اور طبقہ کے احباب شامل ہو سکتے ہیں اور غیب کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ علاوہ اس فائدہ کے کہ ایک تو دور دور کے کم استطاعت احباب بھی اس طرح جلسہ میں شامل ہوسکیں گے اور دوسرے اخراجات جلسہ میں بہت سی مدد مل سکیگی بعض اور فوائد بھی مارچ میں جلسہ کے تے میں ہیں۔ دسمبر میں سخت سردیوں کی وجہ سے ایک طرف مہمانوں کو بڑے بڑے بستر ساتھ لانیکی مشکلات پیش آتی ہیں اور دوسری طرف اسجگہ بھی مکانوں کی مشکلات پیش آتی ہیں۔ اور بہت سا روپیہ صرف کرنیکے باوجود مکان کا ٹھیک انتظام نہیں ہوسکتا۔ مارچ میں کھلا موسم ہونیکی وجہ سے جب نہ زیادہ سردی ہوگی اور نہ ابھی گرمی شروع ہوئی ہوگی اس قسم کے مشکلات امید ہے پیش نہ آئیں گی۔ اور ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ دسمبر میں سخت سردی اور چھوٹے دن ہونیکی وجہ سے بہت تھوڑا کام ہوتا ہے۔ صبح دس گیارہ بجے تک سردی کی شدت کی وجہ سے کام نہیں ہوسکتا اور رات کو بھی اجتماع ہونا مشکل ہوتا ہے۔ مارچ میں چونکہ موسم نہایت معتدل ہوگا اور دن بھی نسبتاً لمبے ہونگے اسلیئے دو دن میں اتنا کام ہوسکیگا جو دسمبر کے چار دنوں میں ہوسکتا ہے۔ پس بظاہر یہ التوا ہر طرح سے مفید معلوم ہوتا ہے۔ والعلم عند اللہ۔

اس اعلان کا منشار یہ نہیں ہے کہ دسمبر کے موقعہ پر جو احباب آنا پسند کرتے ہیں وہ نہ آویں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مہمانوں کی آمد و رفت تو ہر روز ہی ہوتی ہے اور پھر تعطیلوں کے دنوں میں ملازمین خصوصیت سے آجایا کرتے ہیں۔ پس جو احباب چاہیں وہ دسمبر میں آویں اور حضرت خلیفۃ المسیح کے کلمات اور بابرکت صحبت سے مستفیض ہوں۔ اعلان کا منشار صرف اسقدر ہے کہ سالانہ جلسہ بجائے دسمبر کے مارچ میں ہوگا اور یہ ضروری ہوگا کہ اس جلسہ میں جسقدر زیادہ احباب ممکن ہو شامل ہونیکی

کوشش کریں کیونکہ ایسا اجتماع خاص برکات اور باہم میل ملاقات کا موجب ہوتا ہے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

سالانہ جلسہ کی تاریخوں کی تبدیلی - یہ اطلاع علیحدہ بذریعہ اعلان و اخبارات سب انجمنوں اور احباب کو دیجا چکی ہے کہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے اس سال سالانہ جلسہ بجائے دسمبر کے اخیر مارچ میں ہوگا۔ اور اسکی تاریخیں ۲۴ مارچ اور ۲۸ مارچ کے درمیان رکھی جاویں گی قادیان میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور دینی فوائد کے حصول کیلئے آمد و رفت کا سلسلہ یوں تو اُسوقت سے جاری ہے جب ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیعت لینے کا اعلان بھی نہ فرمایا تھا۔ اور یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسکے ان وعدوں کے مطابق جو حضرت اقدسؑ کو تنہائی اور گمنامی کے وقت میں دیئے گئے تھے کہ یأتون من کل فج عمیق روز بروز ترقی پر رہا ہے۔ مگر اس معمولی آمد و رفت کے علاوہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بھی ضروری سمجھا تھا کہ ایک سالانہ جلسہ احباب کا ہو جسمیں ہماری جماعت کے لوگ بہ نیت استفادہ ضروریات دین و مشورہ اعلائے کلمۂ اسلام ایک وقت میں جمع ہوں۔ سال گذشتہ میں تخفیف کرایہ ریلوے کی وجہ سے قریب اڑھائی تین ہزار آدمی کا مجمع جلسہ سالانہ پر ہوگیا تھا۔ مگر ان وجوہات کے باعث جنکا ذکر دوسری جگہ کیا گیا ہے امسال دسمبر کے مہینے میں جلسہ ہونیکی صورت میں تخفیف کرایہ منظور نہیں ہوئی اسلئے جلسہ کی تاریخیں بدل کر ایسے موقعہ پر رکھدی گئی ہیں جب تعطیلوں کی وجہ سے ملازمین کے آنے میں بھی روک نہ ہو اور تخفیف کرایہ سے بھی فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ احباب کو چاہیئے کہ جہانتک ممکن ہو اس جلسہ میں شامل ہونیکی کوشش کریں۔ اگر تجربہ سے جلسہ کیلئے یہ تاریخیں زیادہ موزون ثابت ہوئیں تو آیندہ بھی بجائے دسمبر کے مارچ میں ہی جلسہ ہوا کریگا۔

مدرسہ - صاحب انسپکٹر مدارس نے جو اظہار خوشنودی مدرسہ ہذا کے معاینہ پر کیا اسکی اطلاع گذشتہ ماہ میں احباب کو دیجا چکی ہے۔ یہ رپورٹ گذشتہ اجلاس مجلس معتمدین میں پیش ہونے پر مجلس نے ضروری سمجھا کہ جناب مولوی صدرالدین صاحب بی اے ہیڈ ماسٹر مدرسہ کی قابل تعریف خدمات کیلئے مولوی صاحب موصوف کا شکریہ کل قوم کی طرف سے کیا جائے۔ درحقیقت جس جانفشانی اور محنت سے مولوی

صدر الدین صاحب نے ان چند ماہ کے اندر کام کیا ہے۔ اسکی جزائے خیر تو اللہ تعالیٰ ہی انکو دے سکتا ہے
اور دیگا مگر ایسی قابل قدر خدمات کا اعتراف مجلس کیلئے بھی ضروری تھا۔ لیکن اس امر کا ظاہر کر دینا
بھی ضروری ہے کہ مولوی صاحب موصوف کا کام صرف طالب علموں کی دنیوی تعلیم کی نگرانی تک ہی
محدود نہیں رہا بلکہ بچوں کی اخلاقی تربیت اور دینی ترقی کی طرف بھی وہ خصوصیت سے متوجہ رہے ہیں اور
انکی نگرانی اور توجہ سے بھی بڑھکر بچوں پر نیک اثر ڈالنے والی بات انکا اپنا نیک نمونہ ہے۔ قرآن کریم
سے مولوی صاحب موصوف کو کیسا عشق ہے اسکو جیسا ان لوگوں نے محسوس کیا ہے جہاں وہ اپنی
سرکاری خدمات کے دوران میں رہے ہیں جیسے شملہ لدھیانہ اور لاہور کے احباب اور جیسا ان احباب نے
انسے فائدہ اُٹھایا ہے ویسا ہی یہاں بھی لوگوں نے انکی قرآن کریم سے سچی محبت کو محسوس کیا ہے
اور مدرسہ کے بچوں نے انسے خصوصیت سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ ایسے ہیڈ ماسٹر کے ماتحت رہ کر اور اسکے
نیک نمونہ کو دیکھکر بچے کسقدر فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اسکو جس آسانی سے ہمارے شملہ لدھیانہ اور لاہور
کے احباب اور انکے اپنے شہر سیالکوٹ کے مخلص احباب محسوس کر سکتے ہیں شاید دُور کے احباب
یا دوسرے احباب اسکا اندازہ نہ کر سکیں مگر اسقدر تو سب احباب کو معلوم ہے کہ قادیان میں آتے ہی
انکا پہلا کام یہ تھا کہ انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح سے عرض کر کے قرآن شریف کے ایک خاص درس کا
انتظام کیا اور پھر خود مختلف جماعتوں کو خط لکھے کہ انمیں سے ہر ایک اپنے میں سے ایک دوست کو
اس درس کے سننے کیلئے بھیجیں جو قریباً سوا دو یا اڑھائی ماہ میں ختم ہو گیا تھا۔ میری غرض ان
باتوں کے بیان کرنیسے یہ ہے کہ یوں تو ہر عمر کے شاگرد پر اُستاد کی دینداری۔ اخلاق اور اسکے
اخلاص اور محبت کا خاص اثر ہوتا ہے مگر کم عمر بچوں پر خصوصاً یہ اثر بہت ہی زیادہ ہوتا ہے۔
اور اکثر سعید بچے گویا پڑھانیوالے کے رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں۔ عربی میں ایک مثل مشہور ہے
لا تسئل عن المرء وسل عن قرينه يعني اگر ایک شخص کے اخلاق اور اسکے چال چلن کا پتہ لگانا
چاہو تو اسکے حالات دریافت کرنیکی ضرورت نہیں بلکہ یہ دریافت کرو کہ اسکے ہمنشین کیسے ہیں جسطرح
یہ ایک نہایت ہی سچی بات ہے اسی طرح سے اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ کسی مدرسہ کے طالب علموں
کی اخلاقی اور دینی حالت کا اندازہ اس مدرسہ کے مدرسین اور خصوصاً ہیڈ ماسٹر کے اخلاق اور دینی
حالت سے لگ سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے بارہا یہ خیال کیا ہے بلکہ بعض وقت ایسے خیالات کا اظہار

بھی کہا ہے کہ ایک انگریزی تعلیم دینے والا مدرسہ قائم کرنے یا رکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ خدا کے برگزیدہ کی فراست اور عاقبت بینی نے تو خدا جانے کیا کیا مصلحتیں دیکھی ہونگی اور یہ بھی ہمیں علم نہیں کہ ابھی اس مدرسہ سے کیا فوائد دنیا کو پہنچنے والے ہیں مگر ایک موٹی بات جسکا سطحی نظر سے بھی پتہ لگ سکتا ہے۔ یہی ہے کہ جس قسم کی دینداری کے اعلیٰ نمونہ اور اسلام اور قرآن کریم سے سچی اور خالص محبت رکھنے والے ہیڈ ماسٹر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مدرسہ کو میسر آسکتے ہیں انکا اور جگہ ملنا مشکل ہے پس اس نے چاہا کہ ہماری قوم کے بچے اگر اپنی دنیوی اغراض اور ترقیوں کیلئے بھی کوشش کریں تو ایسی مدرسین کے نیچے جو اُن روحوں کو جنہیں ایسی استعداد موجود ہے دنیا کے کام کرتے ہوئے بھی دین کی سچی راہوں پر چلاویں اور اپنے نیک نمونہ سے انکے اندر نیکی کی روح پھونکدیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اسنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس آرزو کو پورا کیا۔ اور اس مدرسہ کی ہیڈ ماسٹری کو ہمیشہ ایسے نیک ہاتھوں میں رکھا جیسے مولوی شیر علی صاحب اور مفتی محمدؐ صادق صاحب۔ اور اب مولوی صدرالدین صاحب۔ اور اور پھر ان ہیڈ ماسٹروں کو نیک معاون دیئے۔ یہ سب کچھ اسی کے فضل سے ہوا۔ اور اسیکے فضل سے اس مدرسہ نے دن بدن ترقی پکڑی۔ اور اسکے ان فضلوں اور تائیدوں سے جو حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی دعا اور توجہ قدسی سے اس سلسلہ کے شامل حال ہیں ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی اس آرزو کو بھی پورا کریگا کہ یہ مدرسہ جلدی ہی ترقی کرکے کالج بنجائیگا۔ اور مسلمانوں کی دینی اور دنیوی تعلیم کا مرکز ہوجائیگا۔ ہیڈ ماسٹر اور مدرسین کے علاوہ میں دیکھتا ہوں کہ اس مدرسہ کے بچوں کی بھلائی اور انکی دینی اور اخلاقی اصلاح اور ترقی کیلئے خود حضرت خلیفۃ المسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے خاص جوش عطا فرمایا ہے۔ روزانہ درس کے علاوہ جسکی نظیر آج دنیا بھر میں اور کہیں نہیں ملتی آپ گاہے گاہے بچوں کو ایسے ایسی آسان طریقوں سے نیک نصائح فرماتے ہیں جنسے سعید روحوں اور صاف دلوں پر ایک ایسا نقش بیٹھ جاتا ہے جسکا اثر خدا چاہے تو اخیر زندگی تک ضایع نہ ہو۔ ہاں طبیعت میں استعداد کا موجود ہونا ضروری ہے۔ کل یعمل علی شاکلتہ کا ارشاد اس عالم الغیب کی طرف سے ہے جو فطرت انسانی کا خالق اور اسکے باریک در باریک بھیدوں سے واقف ہے۔ ظاہری اور باطنی سلسلوں میں گو کیسا ہی اختلاف ہو مگر وہ ایک سے ہی قوانین کے ماتحت ہیں جسطرح انسان کے بچے کی جسمانی ترقی اور اسکے ذہنی اور عقلی قوی کا نشوونما خاص قوانین کے ماتحت ہے یہی حال دینی اور اخلاقی ترقی اور روحانی

قویٰ کے نشوونما کا ہے۔ ایک سی غذا کھاتے ہوئے دو بچے ہوتے ہیں ایک پہلوان ہو جاتا ہے اور دوسرا بمشکل چارپائی سے اُٹھ سکتا ہے ایک ہی جماعت میں ایک ہی اُستاد کے نیچے تعلیم پانیوالے ایک اپنی ذہانت سے اور دوسرا غباوت سے استاد کو حیران کر دیتا ہے۔ ایک اگر ایک سال میں دو جماعتیں پاس کر لیتا ہے تو دوسرا دس دس سال تک ایک ہی جماعت میں فیل ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک ہی ماں باپ کے دو بچے ایک اپنی عقلمندی میں اور دوسرا حماقت میں بے نظیر ہوتے ہیں دینی اور اخلاقی فائدہ اُٹھانے میں بعینہٖ اسی قسم کے اختلاف پائے جاتے ہیں۔ اس فطرتوں کے اختلاف سے بعض لوگ ٹھوکر کھاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت پر ایسے ایسے بھی اعتراض ہوئے ہیں کہ انمیں بعض ایسے لوگ ہیں جو نمازوں کی پروا نہیں کرتے یا تقویٰ کی راہوں پر قدم نہیں مارتے اور ہمارے مدرسہ کے بچوں پر بھی بعض وقت ایسے اعتراض ہوئے ہیں کہ ان میں سے بعض نماز کے پوری پابند نہیں یا ڈاڑھی منڈواتے ہیں یا کالر اور نکٹائی پہنتے ہیں یا قرآن شریف کے درس میں باقاعدہ حاضر نہیں ہوتے۔ ان دونوں اعتراضوں کا جواب ایک ہی ہے۔ بلکہ بعض وقت تو ہماری اپنے مدرسین اس بات پر بے صبر ہو جاتے ہیں کہ اگر کسی طالب علم سے کوئی کمزوری ظاہر ہوئی ہے یا فرائض کی ادائگی میں کوئی سستی ہوئی ہے تو اسکا مدرسہ میں رہنا نقصان دہ ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ کمزوریوں اور سستیوں کے علاج کیلئے ہی تو لوگ اپنے بچوں کو یہاں بھیجتے ہیں دیکھنا تو یہ ہے کہ یہی بچے جنکی ایک آدھ کمزوری پر آج صبر نہیں کیا جا سکتا وہ اس سے پہلے کس حالت میں تھے۔ اصلاح میں بے صبری سے کام نہیں چلتا حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے بعض وقت ایسے بے صبر معترضوں کو یوں بھی سمجھایا ہے کہ تم اپنے انہی نوجوانی کے ایام پر غور کرو کہ تمھاری اسوقت کیا حالت تھی۔ اور یہ بات بھی صحیح ہے۔ بچے آخر بچے ہی ہیں انکا مقابلہ انہی کی طرح دوسرے مدرسوں میں پڑھنے والے طالب علموں سے ہو سکتا ہے جس شخص کو ممتحن بنایا جائے اگر وہ بچوں کی قابلیت کا معیار اپنی موجودہ قابلیت کو رکھے تو کون اسے عقلمند کہیگا۔ غرضکہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت بمقابلہ دوسری جماعتوں کے نیکی اور تقویٰ میں ترقی کر رہی ہے اور اسکی تقویٰ میں ترقی دیکھنے کے لئے ہمنے یہ نہیں دیکھنا کہ اب انہیں سے کسی فرد میں کوئی کمزوری تو نہیں پائی جاتی بلکہ بحیثیت مجموعی جماعت کے تقویٰ میں ترقی کا اندازہ انکی پہلی زندگیوں یا ایسی ہی دوسری جماعتوں کے

مقابلہ سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ہمارے مدرسہ کے بچوں کی دینی ترقی اور اخلاقی تربیت کا اندازہ اس سے
ہو سکتا ہے کہ وہ کس حالت میں یہاں آئے تھے اور اپنی پہلی حالت سے کسقدر ترقی انہوں نے کی ہے۔
یا دوسرے مدرسوں میں پڑھنے والے طالب علموں کے مقابلہ میں بحیثیت مجموعی وہ کیسے ہیں۔ گورنمنٹ یا
مشن سکولوں کو تو الگ رکھو اسلامی دینی تعلیم کو مروجہ تعلیم کے ساتھ دینے والے دو ہی بڑے
انسٹیٹیوشن اسوقت ہندوستان میں ہیں ایک علیگڈھ کالج اور دوسرا لاہور کا اسلامیہ کالج
اور سکول۔ ہم تو ان دو کالجوں کے وجود کو بھی مسلمانوں کیلیئے مغتنمات سے سمجھتے ہیں نہ اسلیئے
کہ وہاں ایسی دینی تعلیم ہوتی ہے جو نقص سے خالی ہے بلکہ اس لیئے کہ انکے نہ ہونیکی صورت میں مسلمان
طالب علموں کو مجبوراً یا ان کالجوں میں جانا پڑتا جہاں مذہب کی تعلیم کچھ بھی نہیں دیجاتی اور یا وہاں
جہاں اسلام کے خلاف تعلیم دیجاتی ہے۔ تھوڑے دن ہوئے ہمارے احمدی طلباء میں سے جو علیگڈھ
کالج میں تعلیم پاتے ہیں ایک طالب علم نے موسم گرما کی رخصتوں کے اختتام پر حضرت خلیفۃ المسیح سے
رخصت ہونے وقت یہ ذکر کیا کہ مجھے یہ بھی ہدایت تھی کہ علیگڈھ کالج کے لیئے چندہ کرکے لانا۔ آپ
اس میں کیا فرماتے ہیں تو آپ نے اُسے بہت ملامت کی اور فرمایا "کہ تم نے ایسے بے وقت یہ بات
بتائی ہے اگر تم پہلے بتاتے تو میں تمھیں ایسی راہ بتاتا کہ تم معقول رقم فراہم کرسکتے۔ اور یہ بھی فرمایا
کہ کیا تم نے ہمیں ایسا تنگدل سمجھ لیا کہ ہم علیگڈھ کالج کی مدد کیلیئے کوشش کرنیکو اچھا نہیں سمجھتے"
اور ہم نے تو اپنے مدرسہ کے بہت سے طلباء کو جنکے لیئے صورت گذارہ ہو سکتی تھی علیگڈھ کالج یا اسلامیہ
کالج بھیجنے کی کوشش کی ہے پس ہمارے سکول کے فوائد کو سمجھنے کیلیئے زیادہ مقابلہ کی ضرورت
نہیں انہی دو اسلامی کالجوں کے لڑکوں سے مقابلہ کرکے دیکھ لو کہ نسبتاً کہاں کے طلباء زیادہ دیندار۔
نماز کے زیادہ پابند۔ شعار اسلامی کی زیادہ عزت کرنیوالے۔ اپنے افسروں اور اُستادوں کی
زیادہ اطاعت کرنیوالے ہیں۔ شائد ایک سال کے قریب ہوا کہ مولوی محمد حسین صاحب ریڈر
ڈسٹرکٹ جج صاحب گورداسپور اپنے بچے کو یہاں لائے تھے۔ اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے جسقدر
اسلام کی محبت۔ عزت اور عظمت یہاں کے استادوں اور لڑکوں میں دیکھی ہے اور جسقدر یہاں
کے اُستادوں میں خصوصاً ہیڈ ماسٹر میں بچوں کیلیئے سچی ہمدردی دیکھی ہے اور جسقدر یہاں
کے لڑکے اسلام کے رنگ میں رنگیں نظر آتے ہیں ایسی دوسری کسی جگہ دیکھنے میں نہیں آئے۔

بات کسیقدر لمبی ہوگئی میری غرض یہ تھی کہ جس طرح ایک حاذق طبیب کے سپرد بیمار کو کرکے ہمیں مطمئن رہنا چاہیئے کہ وہ اسکی مزاج کے موافق علاج کو ہم سے بہتر سمجھتا ہے۔ اسی طرح ہیڈ ماسٹر ایک طبیب ہے جسکے سپرد بچے کیئے جاتے ہیں۔ اگر وہ غلطی کرتے ہیں تو وہی انکی اصلاح کریگا۔ بچوں کی غلطیوں پر دوسروں کا شور ڈالنا کسی طرح ان بچوں کیلئے مفید نہیں ہوسکتا ان سب باتوں کو اس طبیب پر چھوڑنا چاہیئے جسکے سپرد ان بچوں کو کیا گیا ہے۔ بے تعلق لوگوں کو تو الگ رکھو وہ بچوں کے ماں باپ کی نسبت بھی بہتر سمجھتا ہے کہ کسطرح انکی کمزوریوں کا علاج کرنا چاہیئے جس سے وہ دوا کو پیکر فائدہ اُٹھائیں نہ یہ کہ علاج سے ہی متنفر ہو جائیں۔ ہمارے مدرسہ کو مولوی صدر الدین صاحب کے وجود میں اللہ تعالیٰ نے ایسا ہیڈ ماسٹر دیدیا ہے۔ جو بچوں کا پورا ہمدرد اور انکے حق میں حاذق طبیب کا حکم رکھتا ہے۔ اگر کوئی نقص ہو تو اس کا انکی اطلاع میں لانا کافی ہے وہ ہر وقت ایسے نقصوں کی اصلاح کے لیئے تیار ہیں۔ پھر ایک اور دقت یہ ہے کہ دو چار بچوں کی کسی کمزوری سے ایک قاعدہ کلیہ بنالینا درست نہیں اور نکتہ چینی میں تو پھر اس طرف انسان کی توجہ نہیں رہتی کہ تحقیق کرکے سچی بات کو دیکھے بلکہ اس اعتراض کے سجانے کیلیئے جو بات ملجائی غنیمت سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ بعض وقت تو قم* کے قاضی کی طرح قافیہ کی پسندیدگی ہی کسی کے خون کا باعث ہو جاتی ہے۔

اشاعت اسلام - حضرت مسیح موعودؑ کا ہو تسووالا لیکچر انگریزی میں بالفعل پانچ ہزار چوبیس سو روپے کی لاگت سے چھپوانا منظور کیا گیا ہے۔ اور اسکے لیئے روپیہ کی ایک قسط بھی بھیجدی گئی ہے۔ مگر شاید تین چار ماہ تک اسکی تکمیل ہو کیونکہ پروفوں کے آنے جانے میں بھی ڈیڑھ ماہ لگ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت ہی ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کے خدام سے ایسا کام کرا رہی ہے۔ وہ اپنے دلوں میں اشاعت اسلام کے لیئے سچا جوش اور تڑپ رکھتے

* حضرت اقدس یہ بات اکثر سنایا کرتے تھے کہ شہر قم میں ایک قاضی تھے جنہیں شاہ وقت کی طرف سے یہ پروانہ پہنچا کہ ایہا القاضی فی قم انا عزلناک فقم۔ یعنی اے قم کے قاضی ہم نے تجھے موقوف کیا پس تو اُٹھ جا۔ جب یہ پروانہ قاضی کے پاس پہنچا تو وہ رو پڑا کہ میرا کوئی گناہ نہیں جسکے لیئے موقوف کیا گیا ہوں بلکہ بادشاہ کو قافیہ پسند آگیا ہے۔

ہیں۔ اور یہ جوش دراصل اسی عظیم الشان انسان کے انفاس قدسیہ کی برکت سے ہے جو دنیا میں خدا کا مسیح
ہو کر آیا اور خدا کی بھیجے ہوؤں کی طرح ایک جماعت میں وہی روح پیدا کر کے یا ایتھا النفس المطمئنة
ارجعی الی ربک راضیة مرضیة کے ارشاد کے مطابق اپنے مالک بھیجنے والے کی طرف واپس چلا گیا
ولایت میں اشاعت اسلام کا سوال گذشتہ ماہ میں انجمنہائے احمدیہ کے سامنے رکھا گیا تھا اسکی رپورٹ تو
علیحدہ پیش ہو گی مگر اسقدر ذکر کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اشاعت اسلام کا جو جوش اس قوم کو دیا گیا
ہے ولایت میں اشاعت اسلام کی آواز پر نہایت ہی خوشی اور شرح صدر سے لبیک کہنے میں اس کا ثبوت
اس موقعہ پر تمام انجمنوں نے دیا ہے۔ اس قدم کے اٹھانے میں جو جو مشکلات ہیں اپر مجلس معتمدین انجمنوں
کی آراء کے پیش ہونے پر انشاء اللہ تعالیٰ غور کریگی۔ سرمایہ کا سوال سب سے زیادہ اہم ہے اور جبتک کم
از کم تین چار سال تک کام چلانیکا پورا سرمایہ جمع نہ ہو جائے اسوقت تک بذریعہ مشن سلسلہ تبلیغ کو انگلستان
یا امریکہ میں قائم کرنیکے لیئے قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔ مگر اسکے یہ معنے نہیں کہ ہم خاموش بیٹھے رہیں اسکے
لیئے ابھی سے کوشش شروع کیجاویگی۔ تو کہیں تین چار سال میں بیس پچیس ہزار کا الگ سرمایہ جمع ہو سکیگا
کیونکہ جو کام جاری ہیں انکو جاری رکھکر بلکہ انہیں بھی ہر طرح سے ترقی کرتے ہوئے اس دوسری خدمت کو
ادا کرنا ہے۔ آخر کرنیکا کام کرنیسے ہی ہونگے باتوں سے پورے نہیں ہو سکتے۔ باتیں تو بہت لوگ کر سکتے ہیں کام
کر کے دکھانا ہی مشکل ہے۔ کسر صلیب حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی خاص غرض ہے اسی لیئے جب ریویو آف ریلیجنز
کا اجرا ہوا تو حضرت اقدسؑ نے اسی بہت ہی پسند فرمایا کہ اسکی اشاعت ولایت میں ہو۔ اور جماعت کو نصیحت
کی کہ وہ اس کام میں جائدادیں بیچکر بھی مدد کرنیسے دریغ نہ کریں۔ یہ نہ فرمایا کہ ابھی ہندوستان ہی میں تم
تبلیغ کرو اور باہر کے فکر کی ضرورت نہیں۔ ایسے خود ساختہ اصول واقعات کی روشنی کے سامنے ٹھہر نہیں
سکتے۔ صلح حدیبیہ کا زمانہ وہ ہے جب ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن مکّہ تو کفر سے بھرا ہوا ہی اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ایران اور روم اور حبش تک مبلّغین بھیج رہے ہیں۔ ہاں دوسری طرف یہ بھی یاد رکھنا
چاہیئے کہ باوجودیکہ حضرت اقدسؑ کسر صلیب کی غرض سے عیسائی ممالک میں اشاعت اسلام کو اسقدر ضروری
سمجھتے تھے۔ پھر بھی یہ نہیں کیا کہ یہاں کے کاروبار کو بند کر دیتے اور کل کا کل روپیہ ایک اسی کام پر لگانے
کیلیئے ہدایت فرماتے۔ اعتراض کرنیوالوں نے تو یہ اعتراض کیئے کہ مرزا صاحب جو روپیہ مکان بنوانے پر
صرف کر رہے ہیں اور جو روپیہ مدرسہ پر صرف ہو رہا ہے وہ سب کاروبار بند کر کے صرف ایک خیالی

اشاعت اسلام پر لگایا جاوے پر یہ نہ سمجھا کہ یہ سب کام خود اشاعت اسلام کی ہی ضروریات ہیں
ایسی ہی باتیں اب بھی بعض لوگوں کو سوجھتی ہیں کہ فلاں فلاں کام بند کر کے یہ روپیہ اشاعت اسلام
کیلئے نکل سکتا ہے۔ مگر یہ راہ غلط ہے۔ قومی زندگی اور قومی ضروریات کی راہیں بند کرنیسے جب خود قوم
ہی کمزور ہو جائیگی تو اشاعت اسلام وہ کیا کریگی۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ کوئی ایسا ہی انتظام
کر دیتا کہ اصلاح اور تبلیغ کے کام کیلئے ملائکہ کو مامور کر دیا کرتا۔ جو کھانے پینے اور مکانوں کی ضروریات
سے فارغ ہوتے۔ انکو نہ دفتروں کی ضرورت ہوتی نہ رہایش کے مکانوں کی۔ نہ کھانے پینے کی نہ ہی
پھر ایسے اعتراضوں پر لوگوں کو کتابوں اور اخباروں اور رسالوں کے اوراق سیاہ کرنے پڑتے بلکہ یہ
ورق بھی اشاعت اسلام کے کسی مفید کام پر صرف ہوتے۔ مگر اپنے مصالح کو وہی بہتر سمجھتا ہے۔ اور
جبتک انسان ہی یہ کام کرنیوالے ہونگے انکو اپنے اور بیوی بچوں کی کھانے پینے کی ضروریات بھی ساتھ
لگی رہیں گی اور رہایش کے لیئے مکانوں کی ضرورت بھی ہوگی کاش ہمارے معترض کوئی خود ہی ایسا
نمونہ دکھا دیتے کہ مکانوں پر ہزارہا روپیہ صرف کرنیکے بغیر بھی یہ کام چل سکتے ہیں یہی اعتراض
منصوری کے مباحثہ میں بھی اس سلسلہ پر کیا گیا کہ وہ تو لوگوں کو تنخواہیں دیکر کاروبار کراتے
ہیں۔ غرضکہ جو کام سلسلہ کے ہو رہے ہیں انکا ہوتے رہنا بھی ضروری ہے بلکہ خود انہیں نئی نئی
ضرورتیں بھی پیش آتی رہیں گی اور وہ قوم کو پوری کرنی ہونگی اور اسپر مزید یہ ایک کام ولایت
میں مشن قایم کرنیکا ہوگا۔ یہ بات میں نے بعض غلط فہمیوں کے رفع کرنیکے لیئے کھولکر لکھدی ہے۔
کتاب اظہار حق جس میں بابا نانک صاحب کے اسلام لانیکا ثبوت سکھوں کی اپنی کتابوں سے دیا گیا ہے
دو سو کاپی مفت اشاعت کے لیئے منظور کیگئی ہے گو اس کتاب کی قیمت بھی صرف اصل لاگت کے
قریباً برابر ہی رکھی گئی تھی۔ مگر تاہم چند کاپیاں مفت تقسیم کرنیکو واسطے مخصوص کر دیگئی ہیں
انہیں سے سو کے قریب کتاب نکل چکی ہے۔ غرض یہ ہے کہ سکھ صاحبان کے ہاتھ میں یہ
کتاب پہنچائی جاوے اس غرض کیلئے جہانتک گنجایش ہے درخواستیں آنے پر بلا قیمت
کتاب روانہ ہو سکے گی مگر محصول منگوانے والے کو خود ادا کرنا ہوگا۔

تفسیر القرآن کے متعلق چونکہ احباب کا بہت زیادہ اشتیاق پایا جاتا تھا کہ جلدی
جلدی معقول حصہ کی تفسیر انکے ہاتھوں میں پہنچے۔ اسلیئے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ آیندہ کے

لیئے ہر سہ ماہی میں قریباً پونے پارہ کی تفسیر نکل جائیگی اس طرح پر اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تین پاروں کی تفسیر سال میں نکل جایا کرے گی۔

سلسلۂ تبلیغ میں منصوری کا مباحثہ گذشتہ ماہ میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت خلیفۃ المسیح کی دعاؤں سے بہت اچھے لوگوں نے اس سلسلہ کی باتوں کو سنا اور بہت لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ مفصل رپورٹ چونکہ اخبار بدر میں چھپ چکی ہے اسلیئے یہاں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ شیخ غلام احمد صاحب موضع کاٹھ گڈھ وغیرہ میں تشریف لیگئے۔ شروع دسمبر میں مسیحیوں نے لاہور میں چھ لیکچروں کے سلسلہ وار دیئے جانیکا انتظام کیا ہے جن میں سے بعض لیکچروں میں اسلام پر خصوصیت سے حملے کرنیکا مقصد ہے چنانچہ دو لیکچروں کے عنوان یہ ہیں عدم عرفان در اسلام عظمت مسیح از روئے قرآن۔ تعجب ہے کہ لاہور کے بشپ صاحب بھی ان لیکچروں میں ہیں حالانکہ کئی سال ہوئے جب انہوں نے پہلے پبلک جلسوں میں اسلام پر اسی طرح حملے کیئے تھے تو حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج دینے پر انہوں نے یہ بہانہ کر کے مباحثہ کے چیلنج کو ٹال دیا تھا کہ میرا کام کلیسیا کی اندرونی اصلاح ہے۔ اسی لیکچروں کے سلسلہ کے نوٹ لینے کے لیئے شیخ عبدالرحمٰن صاحب حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے حکم سے لاہور گئے ہیں اور آپکی طرف سے یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ جو باتیں جواب دینے کے قابل ان لیکچروں میں ہونگی انکے جواب کے لیئے بہت جلد لاہور میں ہماری جماعت کی طرف سے لیکچر دیئے جاویں گے۔

مساکین اور یتامیٰ کیلیئے موسم سرما میں خصوصیت سے گرم کپڑوں اور لحافوں وغیرہ کی ضرورت بہت ہوتی ہے سب احباب خصوصیت سے توجہ فرماویں پرانے کپڑے یا لحاف وغیرہ جو صاحب ارسال فرماویں شکریہ کے ساتھ قبول کیئے جاویں گے۔ اور جو صاحب اپنے مالوں میں سے اپنے غریب بھائیوں کیلیئے حصہ نکالیں گے اسکا اجر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاویں گے۔

تعمیر بورڈنگ ہوس کے کام کو شروع کرنا بھی گذشتہ اجلاس مجلس معتمدین میں منظور کیا گیا ہے۔ اسکے لیئے کچھ روپے کا انتظام تو حکیم فضلدین صاحب کی موہوبہ جائداد کے ایک حصہ کے فروخت ہونیسے ہو گیا ہے۔ اور کچھ دوسری طرح پر اللہ تعالیٰ نے مدد پہنچادی ہے۔ یہ مدد دو طرح کی ہے ایک یہ خوشخبری ہے کہ گورنمنٹ نے تعمیر بورڈنگ ہوس میں

دس ہزار روپے کی مدد کا وعدہ کیا ہے جو کم اپریل کے بعد مل جائیگا۔ اور ہمیں یہ بھی امید ہے کہ
اس امداد میں ڈائرکٹر صاحب بہادر جو اس مدرسہ کے قیام میں بحیثیت انسپکٹر ہمیشہ خوشی کا
اظہار کرتے رہے ہیں اور بھی ایزادی کی طرف توجہ فرماوینگے۔ اب قوم کا فرض ہے کہ بقیہ رقم کو چندہ سے پورا کر کے
اس کام کی بہت جلد تکمیل کرادے کیونکہ بورڈنگ ہوس کی تنگی کی وجہ سے بہت تکلیف ہے۔ ادھر مدرسہ
احمدیہ کی ضروریات دن بدن بڑھ رہی ہیں۔ اور دوسری طرف مہمانخانہ کی ضروریات اس امر کی متقاضی
ہیں کہ طلباء کی رہایش کی صورت باہر ہو جائے تو موجودہ بورڈنگ ہوس کا کچھ حصہ مہمانخانہ کیلیئے خاص
کردیا جاوے۔ بورڈنگ ہوس کی تکمیل کیلیئے پچاس ہزار روپیہ کا تخمینہ ہے جس میں سے قریب سولہ ہزار کے
اینٹ پر خرچ ہوچکا ہے اور دس ہزار کا وعدہ گورنمنٹ کی طرف سے ہے گویا صرف چوبیس ہزار
روپیہ اور بکار ہے۔ جسکے لیئے امید ہے آیندہ اجلاس مجلس معتمدین کی طرف سے ایک خاص تجویز پیش کیجاوے گی
بورڈنگ ہوس کی ضروریات میں سے ہی ایک مسجد اور شفاخانہ کا باہر ہونا ضروری تھا۔ سوان ہر دو
کیلیئے بھی اللہ تعالیٰ نے غیب سے ہی سامان پیدا کردیا ہے یعنی حضرت میر ناصر نواب صاحب کے دل میں
یہ جوش ڈالدیا کہ وہ اپنی ہر ایک آسایش کو چھوڑ کر دہ بدہ اور شہر بشہر پھر کر تھوڑا تھوڑا چندہ
احباب سے وصول کر کے اس رقم کو پورا کریں۔ چنانچہ میر صاحب موصوف قریباً اڑھائی ماہ کے
دورہ کے بعد نومبر کے اخیر عشرہ میں قادیان واپس تشریف لائے ہیں اور ان اڑھائی ماہ میں ساڑھے
گیارہ سو روپیہ چندہ کا اپنے ساتھ لائے ہیں۔ اس طرح پر کل رقم ان اغراض کیلیئے تین ہزار سے اوپر
پہنچ گئی ہے۔ مسجد کیلیئے پانچہزار کا تخمینہ تھا۔ اس روپے کو پورا کرنیکے لیئے اللہ تعالیٰ نے میر صاحب
موصوف کے اخلاص پر ہی نظر کر کے ایک اور سامان بھی پیدا کردیا یعنی ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ
صاحب کی ہمشیرہ کی وصیت کی رو سے قریب اڑھائی ہزار روپیہ مسجد کیلیئے اور آگیا۔
چنانچہ میر صاحب نے اب فرمایا ہے کہ اڑھائی ہزار روپیہ یہ اور اڑھائی ہزار روپیہ انکے جمع کردہ
چندہ سے لیکر پانچ ہزار روپیہ کے صرف سے باہر ایک مسجد صدر انجمن احمدیہ اپنے انتظام
سے بنواوے جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ اب امید ہے کہ انشاء اللہ بورڈنگ ہوس کی
عمارت کے بنتے بنتے ہی حضرت میر صاحب موصوف شفاخانہ کیلیئے بھی روپیہ پورا کرلیں گے۔
اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کام کی تکمیل کیلیئے ساری سامان پیدا کردیئے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

عید فنڈ - عید الضحیٰ قریب ہے۔ سب احباب عید فنڈ کا ایک ایک روپیہ مدرسہ کے لیئے اور کھالوں کی قیمت مسکین فنڈ میں دیں۔ (سکرٹری صدر انجمن احمدیہ)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ | بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء | نمبر ۱

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عوام سے عہ طلباء سے عہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

آریہ سماج دوسرے مذاہب کو کس نظر سے دیکھتی ہے

جس شخص نے آریہ سماج کی کتابیں پڑھی ہوں یا کسی آریہ اُپدیشک کو پرچار کرتے سُنا ہو اسکی ضرور یہی رائے ہوگی کہ کیا آریوں کا مذہبی لٹریچر اور کیا اُنکے لیکچر ہر دو گالیوں اور گندہ زبانی سے پُر ہیں۔ ہندوستان کے بڑے بڑے مذاہب مثلاً ہندو۔ عیسائی اور مسلمان سبکے سب ایک آواز سے پُکار رہے ہیں کہ آریہ سماج اُنکی پاک کتابوں اور مقدس بزرگوں پر نہایت بیباکی اور دریدہ دہنی سے ناپاک حملے کر رہی ہے۔ غیر آریوں پر بیجا حملوں کا ارتکاب محض تقریروں اور تحریروں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس زہریلے اثر کو پھیلانے کے لیئے بھجن بھی بنائے گئے ہیں جنکو لڑکے اور لڑکیاں بھرے اجلاسوں میں گا کر سُناتی ہیں۔ ان بھجن منڈلیوں کا اسقدر رواج ہوگیا ہے کہ خود سمجھدار آریہ اس ضرر رساں طریق کو ناپسند کرنے لگ گئے ہیں۔ اور آریہ سماج میں یہ خطرناک متعدی مرض کس حد تک پھیلا ہوا ہے اسکے اظہار کے لیئے ہم ویدک میگزین میں سے ایک قابل آریہ مہاشہ کے الفاظ نقل کیئے دیتے ہیں لالہ گھاسی رام صاحب ایم اے پلیڈر لکھتے ہیں کہ "دشمن تو درکنار ہمارے اپنے بہت سے دوست بھی ہمکو اندھا دھند تقلید بیجا جوش اور زیادتی کا ملزم ٹھہرا رہے ہیں۔ ہم آریہ لوگوں اور اُنکے مذاہب کی نسبت جو الفاظ ہم استعمال کرتے ہیں وہ کسی صورت سے قابل ستائش نہیں کہلا سکتے ہم ہر شخص کا مقابلہ کرنیکو تیار ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا چودہ پندرہ سال کا بچہ بھی جسکو ابھی دنیا و

ما فیہا کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا شنکراچارج۔ گوتم بدھ اور یسوع مسیح جیسے ودوان لوگوں پر اعتراض اور اُنکی عیب جوئی کرنے سے نہیں چوکتا ہمارے اخبارات کی توجہ صرف اُن لوگوں تک ہی محدود نہیں جو مذہباً ہمارے مخالف ہیں بلکہ انکی نظرِ عنایت اپنے آریہ بھائیوں اور دوستوں پر بھی ہو رہی ہے۔ دوسروں کی معمولی کمزدیوں کو بڑے بڑے اخلاقی جرائم بنا کر دکھا دینا ہمارے بائیں ہاتھ کا کرتب ہو رہا ہے۔ ہماری اعلیٰ درجہ کی صفت اسی میں رہ گئی ہے کہ ہم اپنے مخالفین کی سیاہ تصویر کھینچیں اور اُنکے ادنیٰ نقائص کو قابل نفرت گناہ بنا کر دکھاویں۔ ہمارے اُپدیشکوں کو جس بات سے زیادہ اُنس ہے وہ یہ ہے کہ مخالف مذاہب کے معتقدات کو قابل اعتراض پیرایہ اور غیر مہذبانہ عبارت میں پیش کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں وہی لیکچرار کامیاب سمجھا جاتا ہے جو دوسرے مذاہب کے مسلّمہ اور مقدّس اصولوں کو موڑ توڑ کر پیش کر کے حاضرین کو ہنساوے۔ ہماری خوش طبعی اور مذاق اگر ہے تو یہ کہ دوسرے مذاہب کی ہنسی اُڑائیں اور عجیب تر یہ بات ہے کہ ہم ان حرکات پر خوش ہوتے اور انکا نام ہماری اصطلاح میں صاف گوئی رکھا جاتا ہے۔

لیکچراروں کے علاوہ چونکہ ہمارے بڑے بڑے اہل قلم بھی جن سے ہمیں بہتر امیدیں رکھنی چاہئیے تھیں عام مذاق کی پیروی کر کے تہذیب سے گرے ہوئے ہیں۔ اسلئے جو نقص ہماری تقریروں میں ہے وہی تحریروں میں بھی موجود ہے۔ آپ آریہ سماج کا کوئی پرچہ اُٹھا کر دیکھیں تو یقیناً آپکو معلوم ہو جائیگا کہ اڈیٹر اور نامہ نگار سب کے سب دوسرے لوگوں کی عیب شماری اور نقص گیری کے معیوب کام میں مصروف ہیں۔ ہم اپنے بھجنوں کو دیکھیں تو اُنمیں یا تو گالیوں کا ایک لمبا سلسلہ ہوتا ہے یا ہندو۔ مسلمان اور عیسائیوں کے معتقدات پر بیجا اور بیوجہ حملے ہوتے ہیں۔ لازم تو یہ تھا کہ گاین ودیا کی مدد سے ہمارے آتما پرماتما کا گیان حاصل کرتے مگر بجائے اسکے یہ بھجن ہمکو کمینگی کی طرف لیجا کر نفرت اور دشمنی کے دلدل میں پھنسا رہے ہیں۔ ان بھجنوں کے مصنف کچھ ایسے خود رفتہ اور عقل کے پُتلے ہیں کہ نظم کے قواعد کا بھی پاس نہیں کرتے اور میں اس شخص کا لوہا مان جاؤں جو ان بھجنوں کی تقطیع کر کے دکھاوے ..... غرض ان بھجنوں سے ہمارے ادنیٰ جذبات تو سیر ہوتے ہیں لیکن غیر آریہ لوگوں کو ہم سے نفرت اور عناد ہوتا جاتا ہے۔

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین ریویو آف ریلیجنز (اردو)

بابت سال سنہ ۱۹۱۰ء

پھر ان بھجنوں نے ہم پر ایسا قابو پا لیا ہے کہ ہمارے سالانہ جلسوں کی کامیابی کے لیئے انکا وجود بھی قریبًا اشد ضروری ہوگیا ہے۔ اور چونکہ ضرورت کا بہم پہنچانا ایک لازمی امر ہوتا ہے اسلیئے ہمارے کتب فروشوں کی دوکانوں میں بھجنوں کی کتابیں اس کثرت سے بھری پڑی ہیں کہ دوسری کتابوں کو جگہ ہی نہیں ملتی۔ بھجنوں کے شوق سے بھجن منڈلیاں بن گئی ہیں جو ہمارے سالانہ جلسوں پر آتی ہیں اور سُننے والوں کے دلوں میں نفرت کا زہریلا بیج بوتی ہیں۔ ہم اس خبیث خواہش کے اسقدر تابع ہوگئے ہیں کہ گویا ہم میں خود داری اور حیا کا مادہ ہی نہیں رہا ہے۔ ہمیں شرم نہیں آتی کہ ہم ایک تو اپنے لڑکے اور لڑکیوں سے بھجن گواتے ہیں پھر اُنکے اس فعل کی تحسین کرتے ہیں حالانکہ منوجی نے طالبعلم کو گانے اور ساز بجانے کی قطعی ممانعت کی ہوئی ہے۔ ہاں اس میں تو کلام نہیں کہ ہمارے لڑکے اور لڑکیوں کی اس چستی اور پھرتی سے ایک دلچسپ منظر پیدا ہوجاتا ہے جسے اکثر والدین بھی بڑی محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔"

مذکورہ بالا اقتباس جو کہ ایک صاف گو آریہ کی قلم سے نکلا ہے صاف اس بات کا شاہد ہے کہ آریہ سماج کا تمام جسم سرتا پا گندہ اور گلا ہوا ہے۔ اور کیا اعلیٰ کیا ادنیٰ کیا بچّہ کیا بوڑھا کیا واعظ اور کیا مصنّف کیا اڈیٹر اور کیا نامہ نگار کیا سربرآوردہ لوگ کیا عوام سماجی بلکہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بھی ہر ایک اسی گند میں مبتلا ہے۔ اس فرقہ کے رگ و ریشہ میں غیر آریہ لوگوں سے عمومًا اور عیسائیوں و مسلمانوں سے خصوصًا نفرت اور عناد سرایت کر گئی ہیں پھر طرّہ یہ کہ ہمارے سماجی دوست بڑی جرأت سے آریہ سماج کو انجمن رفاہ عام بھی کہدیتے ہیں دوسروں کو گالیاں دینا آریوں کی طبیعت میں داخل ہوگیا ہے اور اس طبیعت نے یہانتک ترقی کی ہے کہ اب نہایت خطرناک تحریروں اور دیوانہ وار تقریروں کو اپنی اندرونی خیالات کے اظہار کیلیئے کافی نہیں سمجھا گیا اسلیئے غیر آریوں کی ہجو میں اشعار اور گیت بنانے شروع کردیئے ہیں جنکو آریہ طالبعلم (لڑکے اور لڑکیاں) بھرے جلسوں میں گا کر سناتے ہیں پھر اُن نفرت اور عناد پھیلانے والے بھجنوں کو آریہ بزرگ بڑے اطمینان اور خوشی سے سُنتے ہیں۔ جس جلسہ میں یہ گالیاں دینے والی بھجن منڈلیاں موجود نہ ہوں ناکام سمجھا جاتا ہے

اور ہمارے آریہ احباب کے نزدیک اُسکی کارروائی مؤثر اور دلچسپ نہیں ہوتی۔ اور ان کھنوں کی اس کثرت سے مانگ ہے کہ آریہ کُتب فروشوں کی دوکانیں شانتی سرور۔ آنند سرور۔ بھجن پشپا دلی وغیرہ پستکوں سے اَٹی پڑی ہیں اور دوسری کتابوں کی تجارت کو مات کر دیا ہے۔

ویدک میگزین کا نامہ نگار اپنے آریہ بھائیوں پر نہایت افسوس اور رنج کا اظہار کرتا ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کے مقدس بزرگوں کی نسبت زبان طعن کھولنے کی غیر معقول اور فضول عادت میں مبتلا ہیں۔ اور نامہ نگار مذکور اس خوفناک سرطان کا علاج بتلانے کا بھی وعدہ کرتا ہے جو کہ آریہ سماج کو اندر ہی اندر بڑی سرعت سے کھا رہا ہے۔ ہم بھی صاحب موصوف کے ساتھ اس آرزو میں ہم آہنگ ہیں کہ آریہ سماج کے لیئے اب نہایت ہی نازک وقت ہے اور اسکے پریمیوں و خیر خواہوں کو مناسب ہے کہ وہ اس بیماری کی جڑھ کو ڈھونڈھ نکالیں اور جہاں کہیں اس کا سراغ چلے فوراً ایک ہی زبردست ہاتھ سے اکھاڑ ڈالیں اور اس طرح اپنی سماج کو ہیو فت ہوتے بچالیں۔ ہماری خیال میں آریہ سماج ایک ایسی خطرناک طاعون میں مبتلا ہے جس سے خلصی پانے کے لیئے محض بیرونی ادویات ہی کافی نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ اگر سماج کے دوست اور بہی خواہ حقیقتہً اس وبا سے نجات پانا چاہیں تو فوراً یکدل ہو کر اس بیماری کی جڑھ کو اکھاڑ ڈالیں ہم یہ بھی کہیں گے کہ آریہ سماج میں اس لہر کی رفتار ایسی تیز ہے کہ اسکی زبردست رَو کو کوئی بند نہیں روک سکتا اور اگر سماجی گلہ بان چاہتے ہیں کہ انکا ریوڑ بہاؤ سے بچ جائے تو انکو اس ندی کا منبع تلاش کرنا چاہیئے اور پھر ممکن ہو تو اس سرچشمہ کو ریت کے بوروں سے بھر دیں سہ سرچشمہ شاید گرفتن بمیل ؛ چو پُر شد نشاید گذشتن بہ پیل۔

یہ سوال بڑا غور طلب ہے کہ اس مرض کی ابتدا کہاں سے ہوئی اور اس لہر کا منبع و مبدا کہاں ہے درحقیقت اس کا جواب یہ ہے کہ تمام خرابیوں کی اصل جڑھ خود سماج کے اندر پائی جاتی ہے لیکن چونکہ لوگ اپنی غلطیوں کو آپ نہیں دیکھ سکتے اسلیئے آریہ لیڈروں کا تاحال اصلیت سے ناواقف ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں اور اگر انکو علم بھی ہوگیا ہے تو

شاید وہ مداخلت کرنے سے ڈرتے ہیں۔ اس تمام بیماری کا سبب آریہ سماج کی ایک مقدس چیز ہے جسکے گندے اعضا کا کاٹ ڈالنا ایک آریہ ڈاکٹر کے نزدیک پاپ کا ارتکاب کرنا ہے۔ پیارے ناظرین آپ پوچھیں گے این۔ وہ کیا؟ اسکا جواب اگرچہ آریوں کو شاق گذرے مگر ہم صاف کہیں گے کہ ان تمام خرابیوں کی جڑھ آریہ سماج کی بائبل یعنی سوامی دیانند جی کی ستیارتھ پرکاش ہے۔ مندرجہ ذیل حوالجات پرتی ندی سبھا پنجاب کی مستند ستیارتھ پرکاش ترجمہ پنڈت رمل داس سے لیئے گئے ہیں۔ ناظرین غور سے دیکھیں کہ سرسوتی جی مہاراج بائبل کے خدا کو کن الفاظ سے یاد کررہے ہیں۔

(۱) صاحبان دیکھیئے۔ جن کا خدا بچھڑے کا گوشت کھائے تو اُس کی پرستش کرنیوالے گائے بچھڑے وغیرہ جانوروں کو کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔ صفحہ ۵۳۱

(۲) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگلی آدمیوں کا ایک گروہ ہوگا اور جو انکا سردار تھا اس کا نام بائبل نے خدا رکھا ہے صفحہ ۵۳۱

(۳) عیسائیوں کے خدا کا تماشہ صفحہ ۵۳۲

(۴) عیسائیوں کا خدا گوشت خور ہے اُسے رحم سے کیا کام صفحہ ۵۳۸

(۵) دھن ہی موسیٰ پیغمبر اور دھن ہے تمہارا خدا صفحہ ۵۴۳

(۶) عیسائیوں کا خدا ایک پہاڑی آدمی تھا پہاڑ پر رہتا ہوگا اور انہی جنگلیوں کے سامنے خدا بھی بن بیٹھا ہوگا صفحہ ۵۴۰

(۷) قصاب .... وحشی آدمی کی مانند بہروپیا خدا صفحہ ۵۴۰

(۸) البتہ وہ ایک گوشت خور تشریر آدمی کی مانند ہے صفحہ ۵۷۰

(۹) ان سب باتوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وحشیوں کے درمیان کوئی چالاک آدمی ہوگا جو کہ پہاڑ پر جا بیٹھا اور اپنے آپ کو خدا مشہور کردیا جو وحشی جاہل تھے انہوں نے اُسکو خدا مان لیا صفحہ ۵۴۱

(۱۰) وہی شیطان کا شیطان عیسائیوں کا خدا ٹھہرا صفحہ ۵۶۰

(۱۱) اب یہ تو کہیئے کہ تمہارے خدا کا منہ کیسا ہے؟ یوروپین کا سا گورا یا افریقہ والوں کا سا سیاہ صفحہ ۵۶۵

(۱۲) لٹیروں کا سردار صفحہ ۵۶۷

(۱۳) کیا (انکا خدا) رات کو سوتا بھی ہے؟ اگر سوتا ہے تو رات کے وقت بندگی کرتے ہونگے اور اُسکی نیند بھی دُور ہوجاتی ہوگی۔ اگر رات دن جاگتا رہتا ہوگا تو بہت پژمُردہ اور بیمار رہتا ہوگا۔ صفحہ ۵۶۴

اب اور ملاحظہ فرمائیں کہ بال برہمچاری سوامی جی حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت کیا تحریر فرماتے ہیں۔

(۱) یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ عیسیٰ نے مچھلی کی مانند آدمیوں کو پھنسانے کیلئے ایک مذہب کا جال پھیلایا تاکہ اُنکو پھنسا کر اپنا مطلب پورا کیا جاوے۔ جب خود عیسیٰ ہی ایسا تھا تو آج کل کے پادری لوگ اپنے جال میں پھنسادیں تو کیا تعجب ہے؟ صفحہ ۵۴۶ سوال ۶۲

(۲) یہ ناممکن باتیں یسوع کی جہالت پر دلالت کرتی ہیں اگر اُسے کچھ تمیز ہوتی تو ایسی لچر پوچ باتیں کیوں کرتا صفحہ ۵۵۱ - ۷۴

(۳) یسوع آپ خود علم سے خارج بچّوں کی سی عقل والا صفحہ ۵۵۲ - ۷۵

(۴) یسوع خدا کی بادشاہت صرف ایک مقام پر مانتا تھا ہر جگہ نہیں صفحہ ۵۵۲ - ۷۶

(۵) عیسیٰ غصہ ور تھا اُسکی جنگلی آدمیوں کی سی خصلت تھی صفحہ ۵۵۳ - ۷۸

(۶) واہ عیسیٰ صاحب صفحہ ۵۵۳ - ۷۶

(۷) جاہل وحشی صفحہ ۵۵۵ - ۸۳

(۸) مگر یہ تمیز وہ (مسیح) بغیر علم کے کہاں سے لاتا صفحہ ۵۵۶ - ۸۵

(۹) بڑی کاریگری ظاہر کی۔ کاٹنا کوٹنا پھوڑنا پھاڑنا بڑھئی کا ہی کام ہوتا ہے صفحہ ۵۳۹ - ۸۹

(۱۰) جو اپنے منہ راہ حق اور زندگی بنتا ہے وہ ہر طرح سے دمبھی (گستاخ) ہے صفحہ ۵۶۰ - ۹۴

اَور دیکھیئے کہ شری ۱۰۸ مہرشی صاحب کس طرح تہذیب سے گری ہوئی باتیں کرتے ہیں۔

(۱) غور کیجئے کہ سرہ ملاقات ہوتے ہی کیسے حاملہ ہوگئی اسمیں کچھ راز ہے کیا سوا خدا اور سرہ کے تیسرا کوئی حمل ٹھہرانے کا ذریعہ موجود ہے؟ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ سرہ (انکے) خدا کی عنایت سے حاملہ ہوئی صفحہ ۵۳۲ - ۲۴

(۲) واہ عیسائیوں کے خدا تُو تو عجیب ڈاکٹر ہے عورتوں کے رحم کھولنے کو کونسے اوزار اور دوائیاں رکھتا تھا کہ جن سے کھولا صفحہ ۵۳۵-۳۲

(۳) جب عیسائیوں کا خدا اکھاڑہ کا پہلوان ہے تب ہی تو سرہ اور راخل پر بیٹا ہونیکی رحمت کی صفحہ ۵۲۶-۳۵

(۴) خوب عیسیٰ نے بہشت میں عمدہ دُلہن پائی۔ چین اُڑاتا ہوگا صفحہ ۵۷۰-۱۲۶

(۵) خدا بھی عورتوں میں غلطان ہے صفحہ ۵۷۶-۹

ناظرین اور بھی ملاحظہ کریں کہ پنڈت جی مہاراج عیسائیت کے متعلق کیسے نامناسب اور سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

(۱) حضرت یعقوبؑ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "دیکھئے جنگلیوں کے کام" صفحہ ۵۲۳ سوال ۳۱

(۲) ایسی ایسی بُری باتیں بائبل میں بھری پڑی ہیں صفحہ ۵۳۹-۴۵

(۳) عیسائیوں کی نسبت کہا گیا ہے "جاہل۔ جنگلی آدمی" صفحہ ۵۴۵-۶۰

(۴) حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت "جنگلی اور کنگال" صفحہ ۵۴۸-۶۵

(۵) سچ تو یہ ہے کہ عیسائیوں کی اس کتاب (مکاشفات یوحنا) کو جنہوں بنایا وہ شیطان ہوں تو ہوں صفحہ ۵۶۰-۹۳

(۶) پس معلوم ہوا کہ یوحنا وغیرہ سب جنگلی آدمی تھے صفحہ ۵۶۳-۱۰۳

اگرچہ مذکورہ بالا حوالجات سے ہمارے ناظرین پر بخوبی واضح ہوگیا ہوگا کہ آریہ سماج کے بانی نے غیر مذاہب پر نکتہ چینی کرتے وقت کس تہذیب سے کام لیا ہے" تاہم اس امر کے اظہار کیلئے کہ اُس نے اسلام کو کسطرح مروڑ تروڑ کر پیش کیا ہے ہم چند ایک اور حوالے دیئے دیتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ اُس نے عیسائیت کی نسبت لکھا ہے اسلام کی نسبت اُس سے بھی بڑھکر ناشایستگی سے کام لیا ہے۔

دیکھیئے کہ دیانند صاحب اسلام کے خدا کو کن الفاظ سے یاد کرتے ہیں (نقل کفر کفر نباشد)

(۱) گستاخ (وہمہ) صفحہ ۵۷۷-۵

(۲) بے منصف اور لاعلم صفحہ ۵۸۱-۱۶

(۳) 'محدود العقل' دنیاداروں کی مانند صفحہ ۵۸۱-۱۷
(۴) کیا خدا دوسرا خدا بھی بنا سکتا ہے۔ اپنے آپ مر سکتا ہے۔ جاہل بیمار اور لاعلم بھی بن سکتا ہے صفحہ ۵۸۲-۲۷
(۵) بڑا شیطان صفحہ ۵۹۳-۵۷
(۷) شیطان کا کام کرتا ہے صفحہ ۵۹۵-۶۵
(۸) شیطان کا بھی شیطان صفحہ ۵۹۷-۶۹
(۹) کیا خدا پکارے بغیر نہیں سن سکتا۔ بہرہ ہے صفحہ ۵۹۹-۷۸
(۱۰) خدا کیا ہوا ایک تماشہ گر ہے صفحہ ۶۰۱-۸۲
(۱۱) 'چوپٹ راجہ' کی مانند صفحہ ۶۰۱-۸۳
(۱۲) خدا بے رحم اور غیر منصف ہو کر دین خدائی میں بٹہ لگا بیٹھا ہے اور عقلمند ٹریفوں کے نزدیک قابل نفرت ہوگیا ہے صفحہ ۶۰۲-۸۶
(۱۳) طرفدار۔ غیر منصف اور جاہل مطلق ہے صفحہ ۶۰۴-۹۴
(۱۴) خدا کی نادانی صفحہ ۶۰۹-۱۰۶
(۱۵) گنہگار۔ ظالم اور بے رحم صفحہ ۶۱۷-۱۲۵
(۱۶) سنئے (خدا کی) اوٹ پٹانگ باتیں صفحہ ۶۲۰-۱۳۱
(۱۷) دروغگو۔ جھوٹ سے بری نہیں ہوسکتا صفحہ ۶۲۷-۱۴۱
(۱۸) خدا کیا ہوا محمد صاحب کے گھر کا اندرونی اور بیرونی ملازم ٹھہرا صفحہ ۶۲۸-۱۴۳

معزز ناظرین! یہ ممکن نہیں کہ ایک بازاری آدمی بھی ایسی خوش کلامی سے کام لے جیسی کہ دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں استعمال کی ہے۔ ہمارا ارادہ تھا کہ اس آریہ مصلح کی تعلیم کا کچھ اور نمونہ دکھلاتے لیکن ہم ایسا کرنے سے مجبور ہیں کیونکہ خدائے تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو جو بے ادبی کے الفاظ اس نے استعمال کئے ہیں ان کا دیکھنا ایک مسلمان کی برداشت سے باہر ہے۔ جن باتوں میں سے ہم نے مذکورہ بالا حوالجات دیئے انکو دیکھکر ایک منصف آدمی کے دل پر جو اثر ہوسکتا ہے وہ اسکے سوا نہیں ہے کہ اس کتاب

اور اسکے مصنف کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھیے گا۔ مگر آریہ سماج کا یہ حال ہے کہ اُس نے اپنے ہر ایک کالج اور سکول میں یہ کتاب بطور کورس کے مقرر کر رکھی ہے اور آریہ طلبا کو شروع سے ہی اسلام اور مسلمانوں سے نفرت کرنے اور اُنکو جنگلی آدمی سمجھنے کا سبق ملتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ سماج کے لونڈے اُٹھ اُٹھ کر دوسرے مذاہب کے بزرگوں کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات بولتے ہیں۔ آریہ سماج کے ایڈیٹنگ اور اہل قلم اس امر کی کوشش میں مصروف ہیں کہ جو کچھ اُنکے گُرو نے دیگر مذاہب کے بارے میں لکھا ہے اُسے جسطرح بن پڑے صحیح ثابت کرنا چاہیئے اور اسطرح گُرو کے قدم بقدم چلکر وہ گالیوں پر گالیاں ایزاد کر رہے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے کیا خوب کہا ہے۔

بہ نیم بیضہ چو سلطان ستم روا دارد ❊ زنند لشکریانش ہزار مرغ بسیخ

یعنی جب لیڈر بیجا طور پر ایک انڈا لیتا ہے تو اسکے پیرو ہزاروں مرغوں کے کباب بناتے ہیں۔ پس یہی سبب ہے کہ اب آریہ سماج کا تمام لٹریچر خدا کے برگزیدہ لوگوں کی توہین و ہجو سے مملو ہے جسکی شہادت ویدک میگزین کا نامہ نگار بھی دے رہا ہے جسکا ذکر ہم نے اس مضمون کے شروع ہی میں کیا ہے۔ اس میں ذرا بھی کلام نہیں کہ یہ زہریلا پودا خود سوامی دیانند کا لگایا ہوا ہے اور اب تو اسکی شاخیں اسقدر پھیل گئی ہیں کہ آریہ سماج کی زمین کانٹوں سے لدی پڑی ہے جو شخص ستیارتھ پرکاش کے آخری دو باب پڑھیگا وہ ضرور ہمارے اس بیان کی تصدیق کریگا۔ دیانند نے قرآن مجید اور بائبل کی آیات پر اعتراضات کیئے ہیں وہ نہ صرف دشنام دہی سے پُر ہیں بلکہ اُنسے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ پنڈت صاحب نکتہ چینی میں عمیق نظر سے کام نہیں لے سکتے تھے اور اُنکے اعتراضات کو دیکھکر پڑھنے والیکے دل میں پنڈت صاحب کی عقل اور فہم کے متعلق بہت شک پیدا ہو جاتا ہے۔ اُنکی کتاب کا سب سے تعجب انگیز وہ حصہ ہے جہاں انہوں نے مکاشفات کی کتاب پر نکتہ چینی کی ہے۔ وہ یوحنا کی رؤیا کو ظاہری الفاظ میں لیکر اُسپر اپنے اعتراضات کی عمارت اُٹھاتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر ہم صرف دو ایک مثالیں اُن اعتراضات کی پیش کرتے ہیں جو سوامی جی نے مکاشفات کی کتاب پر کیئے ہیں اس سے ناظرین رائے لگا سکتے ہیں کہ پنڈت صاحب نکتہ چینی کرنے میں کہانتک دسترس رکھتے ہیں اور اُنکا طرز تحریر

کس رنگ کا ہے۔

(۱) ستیارتھ صفحہ ۵۶۷ سوال ۱۱۸ میں جناب دیانند صاحب مکاشفات ۱۴-۱ کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں "پھر جو میں نے نگاہ کی دیکھو کہ برہ صیہون پہاڑ پر کھڑا تھا اور اسکے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار تھے جنکے ماتھوں پر انکے باپ کا نام لکھا تھا" اب اس عبارت پر فلاسفر پنڈت کا اعتراض ملاحظہ ہو فرماتے ہیں "عیسائیوں کو چاہیئے کہ صیہون پہاڑ پر جاکر دیکھیں کہ عیسیٰ کا باپ اور اسکی فوج وہاں ہے یا نہیں؟ اگر ہو تو یہ تحریر درست ہے ورنہ غلط۔ اگر وہ کسی جگہ سے وہاں آیا تو بتلایئے کہاں سے آیا؟ اگر کہو بہشت سے تو بتلاؤ کہ وہ پرندہ ہے کہ اتنی بڑی فوج کے ساتھ آپ خود اوپر سے نیچے اڑکر آیا جایا کرتا ہے" صفحہ ۵۶۸-۱۱۸

(۲) پھر مکاشفات ۱۹-۷ کی یہ عبارت درج کرتا ہے "کیونکہ برے کا بیاہ آپہنچا اور اسکی دلہن نے آپ کو سنوارا ہے"۔ اب اسپر پنڈت صاحب فرماتے ہیں "پوچھنا چاہیئے کہ اسکا سسر۔ ساس۔ سالا وغیرہ کون تھے؟ اور اسکے ہاں کتنے بال بچے ہوئے؟ اور منی کے زائل ہوجانیسے طاقت عقل۔ قوت وغیرہ بھی کم ہوگئی ہوگی اور ابتک عیسیٰ مر بھی گیا ہوگا"۔

ہم ذیل میں اسکے اور بھی چند اعتراضات جو قرآن کریم کی آیات پر کیئے گئے ہیں بطور نمونہ کے نقل کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو یہ معلوم ہوجائے کہ دیانند کی نکتہ چینی کی بنا کسی باریک بینی پر نہیں بلکہ سراسر کوتہ نظری اور ہنسی ٹھٹھے سے پر ہے۔

(۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پر جو قرآن کی ہر سورۃ کے ابتدا میں درج ہوتی ہو نکتہ چینی کرتے وقت سوامی جی لکھتے ہیں "یہ الفاظ مبہم ہیں کیا چوری۔ زناکاری دروغگوئی اور ادہرم کا آغاز بھی خدا کے نام پر کیا جائے"۔

(۲) وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ (البقرہ ۲۴) یعنی لڑو اُنسے اللہ کی راہ میں جو تم سے لڑتے ہیں اس آیت مجید پر دیانند جی اعتراض کرتے ہیں "کیا چوری کا عوض چوری ہی ہے؟ جتنا نقصان ہمارا چور وغیرہ چوری سے کریں کیا ہم بھی

اُنکا نقصان چوری ہی کریں؟ پنڈت صاحب کی نظر میں اپنی حفاظت کے لیئے لڑنا بھی بمنزلہ چوری کا عوض چوری کے ہے۔ اور آریہ سماج کے بانی کی رائے میں ظالم کو اُسکے ظلم پر سزا دینا بھی خود ایک ظلم ہے لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ پنڈت صاحب نے خود لڑائی پر ایک مفصل بیان لکھا ہے جس میں سے ہم آیندہ چلکر حوالے بھی دینگے معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی جو پہلے لکھتے ہیں وہ پیچھے بھول جاتے ہیں۔ دیانند صاحب جو حفاظت ذاتی کیلیئے جنگ کرنے کو چوری کے عوض چوری سے تشبیہ دیتے ہیں خود جہاد کی تعلیم دیتے ہیں۔ سوامی جی ایک جگہ صفحہ ۵۹۲ سوال ۸۴ میں لکھتے ہیں کہ "جو جنگ کا حکم دیتا ہے وہ امن میں خلل انداز ہوتا ہے" پھر آپ ہی دوسری جگہ باب ہستیارتھ میں نہایت خطرناک طرز کے جنگوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ قرآن کریم نے تو اُنسے لڑنیکا حکم دیا ہے جو مسلمانوں سے لڑنے میں پیشدستی کریں لیکن پنڈت صاحب نے ایسے وقت اعلان جنگ کیا ہے جبکہ ملک میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پی رہے ہیں اور بھارت ورش ایسی امن وامان کی زندگی بسر کر رہے ہیں جو اُنکے آبا و اجداد کو پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی ہوگی۔

(۳) ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃً یضعفھا و یوت من لدنہ اجرًا عظیما (نساء-۶) یعنی ایک ذرہ کے برابر بھی اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا اگر ہووے نیکی تو بڑھاویگا اُسکو اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا کریگا۔ اس آیت کریمہ پر دیانند کا یہ اعتراض ہے اگر ذرہ بھر بے انصافی خدا نہیں کرتا تو نیکی کا ثواب دوگنا کیوں دیتا ہے" سوامی جی ایک جگہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ گناہوں کا معاف کرنا بھی ظلم ہے۔ خوب۔ سوامی کا پیش کردہ پرمیشور کوئی گناہ نہیں معاف کرسکتا خواہ کوئی کتنا ہی ہائے پکار کرے اور نہ ہی کسی شخص کو اُس سے زیادہ دے سکتا ہے جسکا وہ دراصل مستحق ہو کیونکہ اسکی خلاف ورزی سے بقول دیانند پرمیشور ظالم ٹھہرتا ہے۔ سوامی نے خدائے تعالیٰ میں اگر کوئی وصف مانا ہے تو صرف کورا انصاف ہے اور اسکے سوا جتنی اوصاف حمیدہ ہیں گویا اُن سب سے پرمیشور عاری ہے کیونکہ پھر

دیانندی عقائد کے بموجب انصاف نہیں ہو سکتا۔ دیانند کا ایشور رحم کا نام نہیں جانتا کیونکہ ایسا کرنے سے وہ منصف نہیں رہتا اسلام کے پیش کردہ خدا میں جو بڑا عیب آریہ سماج کے بانی نے ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو غفور رحیم بیان کیا گیا ہے۔ پنڈت صاحب اگرچہ انصاف پر بہت زور دیتے ہیں مگر آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ انصاف

(۴) وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ (نحل - ۷) یعنی مقرر کرتے ہیں (کافر لوگ) اللہ کیلئے بیٹیاں'۔ اسپر نکتہ چینی کی غرض سے سوامی صاحب لکھتے ہیں "اللہ بیٹیوں سے کیا کریگا؟ بیٹیاں تو کسی آدمی کو چاہیئے؟ بیٹے کیوں نہیں مقرر کیئے جاتے اور بیٹیاں مقرر کیجاتی ہیں اس کا کیا باعث ہے بتلائیے"، ناظرین! کیا ایسی عبارت کسی عقلمند کی قلم سے نکل سکتی ہے؟ کیا اس اعتراض کو اصل آیت سے بھی کوئی تعلق ہے؟ ہم نہیں سمجھتے کہ سوامی جی نے یہ سوالات مسلمانوں سے کیوں کیئے ہیں؟ قرآن کریم کی عبارت سے تو صاف ظاہر ہے کہ مشرک لوگ اللہ کے لیئے بیٹیاں مقرر کرتے ہیں' پھر مسلمانوں پر جو سوالات سوامی صاحب کرتے ہیں انکو پڑھکر یہ شک پیدا ہوتا ہے کہ بقائمی ہوش وحواس یہ الفاظ تحریر نہیں کیئے گئے بیٹیاں تو مشرک مقرر کرتے تھے یہ سوالات مشرکین سے پوچھنے چاہیئے تھے مگر سوامی صاحب مسلمانوں سے یہ سوالات کرکے ناظرین کو حیرت میں ڈالتے ہیں۔

یہ اقتباسات دیانند کے اُن اعتراضوں میں سے ہیں جو اُس نے قرآن کریم پر کیئے ہیں اور ان سے بخوبی اُسکے عام طرز اعتراضات پر روشنی پڑتی ہے اور یہ بتلانے کے لیئے کہ اسلام کو وہ کس نظر سے دیکھتا تھا صرف ذیل کا ہی ایک فقرہ کافی ہے۔ آپ فرماتے ہیں "بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسی کتاب ایسا خدا۔ ایسا پیغمبر جہان میں ایسے جنگ وجدل کرانے اور امن عامہ میں رخنہ انداز بنکر لوگوں کو تکلیف دینے کیلئے کہاں سے آگئے؟ اگر ایسے مذہب دنیا میں جاری نہ ہوتے تو ساری دنیا شاداں وفرحاں رہتی"، صفحہ ۷۰۰ سوال ۱۶۰۔ جب بانی سماج کی اسلام اور مسلمانوں کی نسبت یہ رائے ہو تو آریہ سماجیوں کا مسلمانوں کو نفرت کی نظر سے دیکھنا

کوئی تعجب کا مقام نہیں۔ پنڈت دیانند حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے مقدس صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو خطاب دیتا ہے اُن سے اس شخص کے اندرونہ کا بخوبی پتہ لگتا ہے اور وہ ذیل میں نیچے جاتے ہیں "جاہل" صفحہ ۶۰۴ - ۹۲ "محدود العقل" صفحہ ۶۰۵ - ۹۶ "بے عقل چھوکرے" صفحہ ۶۰۷ - ۱۰۱ "وحشی لوگ" صفحہ ۶۰۹ - ۱۰۵ "شہوت پرست" صفحہ ۶۱۸ - ۱۲۷ وغیرہ پنڈت صاحب قرآن کریم کے ماننے والوں کا نام "عقل کے اندھے" رکھتے ہیں صفحہ ۶۱۸ - ۱۲۷ اور مسلمانوں کو صفحہ ۶۳۰ - ۱۴۷ میں "وحشی" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ پھر صفحہ ۶۳۲ - ۱۵۰ میں قرآن مجید کی نسبت کہتا ہے کہ یہ ارتکاب خلاف وضع فطرت کی تعلیم دیتا ہے اس کا جواب ہم سوائے اسکے اور کیا دیں کہ لعنة اللہ علی الکاذبین۔

اور ملاحظہ ہو کہ آریوں کا بڑا مصلح محقق سوامی اہل اسلام کو کن لوگوں سے تشبیہ دیتا ہے اور کس نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے صفحہ ۳۴۴ سوال ۵ میں کھانے کی چھوت کی حمایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں "مسلمان چنڈال لوگ سب کے ہاتھ کا کھاتے ہیں پھر اُنکی ترقی کیوں نہیں ہوتی"۔ یہاں پر پنڈت دیانند جی مسلمانوں کو کمال عنایت سے "چنڈال" لوگوں کے ساتھ شامل کرتے ہیں۔

پنڈت صاحب ہندوؤں کے مصلح ہوں تو ہوں لیکن ہندوؤں کے پڑوسی یعنی مسلمان اور عیسائی اُنکے کسی طرح مشکور نہیں ہو سکتے کیونکہ اُنہوں نے بجائے اسکے کہ ہندو مسلمانوں کے تعلقات کو اچھا کرتے گالیوں اور نفرت کا بیج بو کر فریقین میں ایک اور حد فاصل قائم کر دی ہے۔ سناتن دھرمی ہندو اس نئے مصلح کی جماعت سے کہیں بڑھ چڑھکر امن پسند ہیں۔ دیانند نے اسلام کو نہایت بُرے طور سے مروڑ تروڑ کر پیش کیا ہے جسکا ایک یہ نتیجہ ہے کہ آج آریوں کا بچہ اور بوڑھا ہر ایک مسلمانوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اُنکے بزرگوں کی تحقیر کرتا ہے۔ سماجیوں نے اعتراض اور نکتہ چینی کا بعینہ وہی طرز اختیار کیا ہے جسکا اُنکے پیشوا نے نمونہ دکھایا تھا اور اس میں وہ معذور بھی ہیں کیونکہ شاگرد آخر اُستاد کا ظل ہوتا ہے۔ گروجی کے

نقش قدم پر چلنے کا اب یہ نتیجہ ہوا ہے کہ آریہ سماج کا تمام لٹریچر اسلام اور دوسرے مذاہب کی
بیہودہ نکتہ چینی سے پُر ہے۔ اور اسکا ذمہ وار خود پنڈت دیانند اور اسکی ستیارتھ پرکاش ہے
کیونکہ محض اسی کتاب کے نمونہ نے دیانندی احباب کا مذاق خراب اور طرز گندہ کر دیا ہے۔ اگر
ویدک میگزین کے مضمون نگار صاحب کو یہ شکایات ہیں کہ آریہ قوم لوگوں کی عیب شماری
میں حد سے بڑھ گئی ہے اور ان میں وہی مقرر کامیاب سمجھا جاتا ہے جو دوسرے مذاہب کے
مقدس اصولوں پر مضحکہ اُڑانے میں کمال رکھتا ہو۔ اور انکے بہترین مصنف عوام کے
ادنیٰ جذبات کو سیر کرنیکی خاطر تہذیب سے گرجاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو ان سب خرابیوں کا
ذمہ وار سوائے مصنف ستیارتھ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور یہیں تو یہ بھی یقین ہے کہ
اگر سوامی جی اب زندہ ہوتے تو ان حالات کو بُری نظر سے دیکھنے کی بجائے اپنے وفادار
چیلوں کا ضرور اور حوصلہ بڑھاتے اس کے ثبوت کیلیے دیانند جی کے وہ خطوط کافی ہیں
جو گروکل میگزین میں شائع ہوئے ہیں اور جنکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی
کے چیلوں نے انکی حین حیات میں ہی اپنے گرو کے نمونہ پر چلنا شروع کر دیا تھا۔ اور پنڈت
صاحب نے بھی ایسے لوگوں کی خوب حوصلہ افزائی فرمائی تھی چنانچہ سوامی جی کی زندگی
یعنی سنہ ۱۸۸۰ء میں جسکے تین سال بعد آپکا دیہانت ہوا منشی اندرامن نام ایک آریہ نے
جو مراد آباد کی آریہ سماج کا پریذیڈنٹ تھا چند ایک ایسی کتابیں شائع کیں جنمیں اسلام پر
نہایت ہی فحش حملے کیے گئے تھے۔ جب یہ معاملہ سرکار کے نوٹس میں آیا تو جیسا کہ دیانند جی
نے اپنے خطوط میں لکھا ہے "افسران ضلع کے ذریعہ سے تحقیقات ہوئی اور منشی اندرامن
پر پانسو روپیہ جرمانہ اور اسکی تمام کتب کی ضبطی کا حکم ہو گیا" سرکار کا یہ فیصلہ پنڈت جی کو
غیر منصفانہ معلوم ہوا اور آپنے منشی صاحب کی امداد کا جو انتظام فرمایا وہ ذیل کی عبارت
سے واضح ہو سکتا ہے آپ مسٹر مولراج ایم۔ اے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کو ایک خط
میں لکھتے ہیں "اندرمن کے لیے تین سو روپیہ یہاں چندہ ہو چکا ہے۔ اس مقدمہ
کے متعلق جو کاغذات ہیں وہ ہم نے سب کے سب آپکے پاس بھیج دیے ہیں مہربانی
کر کے پورے غور و خوض کے بعد اپیل کے وجوہات تیار کریں کیونکہ ہمارا ارادہ اسکو

بڑے بڑے لوگوں کے پاس بھیجنے کا ہے۔ اس مقدمہ اپیل کے اخراجات کے لئے ۱۵۰۰ روپیہ پنجاب سے اور ۱۵۰۰ دوسرے صوبجات سے چندہ ہونا چاہیئے بہتر ہو کہ آپ پنجاب سے ۱۵۰۰ روپیہ جمع کرنے کا انتظام کریں" اس طرح مہرشی دیانند کی تعلیم نے اُن کی عین حیات میں ہی بار در ہونا شروع کر دیا تھا اور اُنکی موت کے زمانہ سے ابتک برابر آریہ سماجی اپنے گرو کے قدم بقدم چل رہے ہیں۔ اگرچہ گورنمنٹ عالیہ بھی اکثر اس بات پر مجبور ہوئی ہے کہ سماجی اُپدیشکوں کو غیر مذاہب پر بیہودہ اور غیر مہذب حملے کرنے سے روکے اور بعض اوقات سماجی لیکچراروں کو افسران ضلع نے اپنے علاقہ میں لیکچر دینے کی ممانعت بھی کی ہے بلکہ بعض جگہ تو سرکار نے آریوں سے حفظ امن کے مچلکات لیئے ہیں لیکن سرکار کی یہ تمام کوششیں بے فائدہ ثابت ہوئی ہیں اور جس طرح دیانند نے اندرمن کے مقدمہ میں سرکار کو غیر منصف سمجھا تھا اسی طرح آریہ سماج نے گرو کی مثال پر عمل کرکے ہمیشہ حکام کے اس فعل پر نکتہ چینی کی ہے اور ایسے اُپدیشکوں کو جو اکثر قانون کی زد میں آچکے ہیں برابر اپنے عہدوں پر بحال رکھا ہے اور اُنکے جرم کا کبھی اعتراف نہیں کیا۔ اگر اب بھی آریہ سماج ویدک میگزین کے مضمون نگار کی شریفانہ نصیحت پر عمل کریں تو ہم اسکو اپنی خوش قسمتی سمجھیں گے لیکن دیانندی مہاشوں کی طرف سے ہمیں سوائے مایوسی کے اور کچھ امید نہیں کیونکہ مذکورہ بالا آریہ بھائی کی قابل قدر نصیحت سے فائدہ اُٹھانیکی بجائے بعض لوگوں نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ گو آریہ سماجی کسی کی نصیحت سے فائدہ اُٹھائیں یا نہ اُٹھائیں لیکن ہم بڑے وثوق اور یقین سے کہہ دیتے ہیں کہ جبتک دیانند کی ستیارتھ پرکاش کا وجود ہے اُسوقت تک آریہ سماج سے ان برائیوں کا دور ہونا ہرگز ممکن نہیں۔ اور اگر کوئی سماج کا بھی خواہ دلسے یہ چاہتا ہے کہ غیر آریہ مذاہب کو گالیاں دینے کی قبیح اور مذموم عادت کا خاتمہ ہو جائے تو ستیارتھ پرکاش کی ترمیم کرکے اس میں سے ایسے حصّے خارج کر دینے چاہیئے جنکے پڑھنے سے آریہ پُرشوں کے دلوں پر زہریلا اثر ہو رہا ہے۔ اور جبتک ستیارتھ کی اصلاح نہ ہوگی اُسوقت تک یہ ممکن ہی نہیں کہ اس خار دار درخت کی بیخ کنی ہو سکے جو آریہ سماج کی زمین میں ہر طرف پھیل گیا ہے اور جسکے تیز کانٹے

اب خود آریوں کے اپنے پاؤں میں چبھنے شروع ہو گئے ہیں۔

پھر ایسی کتاب کو طلبا رکے ہاتھ میں دیدینا خصوصاً زیادہ خطرناک ہے۔ اس سے انکے دلوں میں نہ صرف اسلام اور دوسرے مذاہب کی نسبت تعصب پیدا ہوگا بلکہ انکے دلوں کی زرخیز زمین میں ایک اور گندہ بیج بویا جائیگا۔ ستیارتھ کی بدترین تعلیم مسلمانوں اور دوسرے لوگوں سے نفرت دلانا ہی نہیں بلکہ ہمارے خیال میں اس کتاب کا سب سے خطرناک حصہ وہ ہے جسمیں عیسائیت پر بحث کی گئی ہے۔ عیسائیت کے متعلق جو سمولاس ہے اُس میں بعض ایسے فقرات ہیں جنکو طالبعلموں کی نظر سے پوشیدہ رکھنا چاہیئے کیونکہ اپنی مقدس کتاب میں یہ عبارتیں پڑھکر وہ سرکار کی وفادار اور جان نثار رعایا نہیں رہ سکتے۔ دیانندنے بعض عبارتیں ایسی لکھی ہیں کہ ظاہراً تو عیسائیت پر اعتراض ہے۔ مگر دراصل انسے عیسائیوں یا عیسائی مشنریوں کا کوئی تعلق نہیں بلکہ گورنمنٹ عالیہ پر چوٹ ہے۔ ہم اپنے آریہ دوستوں ہی سے پوچھتے ہیں کہ دیانند جی کی لکھی ہوئی عبارتہائے ذیل کو پڑھکر آریہ طالبعلموں کے دلوں پر کیا اثر ہوگا؟

(۱) صفحہ ۵۵۳ سوال ۷۷ میں سوامی دیانند سرسوتی جی تحریر فرماتے ہیں ’’اسی وجہ سے تو عیسائیوں کی بہت طرفداری کرتے ہیں۔ اگر کوئی گورا کسی کالے کو مار ڈالے تو بھی طرفداری کرکے عموماً مجرم کو بے قصور ٹھہرا بری کر دیا جاتا ہے۔ ایسا ہی یسوع کے بہشت میں بھی انصاف ہوگا‘‘

جلی قلم سے لکھے ہوئے الفاظ صریحاً سرکار عالیہ کی نسبت معلوم ہو رہے ہیں اور انکے مطالعہ سے ایک نوعمر آریہ پر جو اثر ہوگا وہ یہ ہے کہ حکومت ظالم ہے۔ چونکہ آریہ سماج کا بانی ستیارتھ کا مصنف گورنمنٹ اور عیسائیوں کو ایک ہی سمجھتا ہے اسلئے ستیارتھ کے معتقدین کے دلوں میں جو نفرت عیسائیوں سے پیدا ہوگی وہی گورنمنٹ عالیہ کی طرف سے ہوگی۔

(۲) صفحہ ۵۳۹ سوال ۴۲ میں ایک نوجوان ہندو کی نظر اپنے پیارے گرو اور مذہبی پیشوا کے لکھے ہوئے الفاظ پر پڑیگی جنہیں ذیل میں لکھا جاتا ہے اور جن سے اس ہندو مصلح

یعنی دیانند کے خیالات پر مزید روشنی پڑتی ہے وہ ہو ہذا " واہ ! تب ہی تو عیسائی لوگ غیر ملک والوں کے مال پر ایسے جھکتے ہیں کہ جسطرح پیاسا پانی پر۔ بھوکا اناج پر" یہاں پر پھر کھلم کھلا موجودہ فرمانرواؤں کی طرف اشارہ ہے اگر کوئی کہے کہ عیسائی مشنریوں سے مراد ہوگی تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ عیسائی مشنری غیر ممالک میں بلاشبہ جاتے تو ہیں لیکن انکی نسبت یہ کون کہہ سکتا ہے کہ " وہ غیر ملک والوں کے مال پر ایسا جھکتے ہیں جسطرح پیاسا پانی پر اور بھوکا اناج پر"۔ اس میں قطعاً کلام ہی نہیں کہ مذکورہ بالا الفاظ میں اہل برطانیہ ہی کو 'غیر ملک والوں' یعنی آریہ ورت کے سپوتوں کے 'مال پر' پیاسے اور بھوکے کی طرح جھکنے والے ظاہر کیا گیا ہے۔ یہی الفاظ ہیں جو آجکل کے 'محبان وطن' کی زبان سے بڑی شدومد کے ساتھ نکل رہے ہیں اور یہی بڑی شکایت ہے جو پولیٹیکل اخبارات میں آئے دن شائع ہوتی رہتی ہے کہ گورنمنٹ ہندوستان سے برابر روپیہ کھینچ رہی ہے اور اہل ہند کو انکے مال و دولت سے محروم کر رہی ہے۔ کیسے افسوس کا مقام ہے کہ آریوں کی بائبل نوعمر طلباء میں سرکار انگریزی کی پرانصاف و بابرکت حکومت کے متعلق ایسے خطرناک خیالات پھیلا رہی ہے۔ ایک خاص قوم سے جنکو وہ مصلحتاً عیسائی لکھکر پکارتا ہے سوامی دیانند کو اسقدر نفرت تھی کہ وہ خواہ نخواہ اسجگہ بھی انکا ذکر لے بیٹھتا ہے جہاں کوئی موقعہ ہی نہیں ہوتا مثلاً سوال ۵۴ صفحہ ۵۲۹ پر آپ لکھتے ہیں " جب عیسائیوں کا خدا بھی بیلوں کی قربانی لیتا ہے تو اسکے عابد بیل گائے کی قربانی کے تبرک سے پیٹ کیوں نہ بھریں؟ اور دنیا کو نقصان کیوں نہ پہنچائیں"۔ دنیا کو نقصان پہنچانے کی تفسیر دیانند نے خود دوسری جگہ کر دی ہے اور وہ یہی ہے کہ 'غیر ملک والوں کے مال پر اسطرح جھکتے ہیں جسطرح پیاسا پانی پر اور بھوکا اناج پر"۔ اور صاف ظاہر ہے کہ ہر دو مقام پر ایک ہی قوم کے لوگوں سے مراد ہے۔ سوامی جی نے اس صفحہ پر عیسائیوں سے نفرت کرنیکا ایک اور سبب بھی بتلایا ہے اور وہ یہ کہ 'بیل گائے کی قربانی کے تبرک سے پیٹ' بھرتے ہیں دیانند کو مسلمانوں سے جو نفرت تھی اسکا ایک سبب 'بیل گائے' بھی ہے اسی وجہ سے وہ اہل اسلام کو بہ نظر تلطف 'چنڈال' اور 'وحشی'

کے ناموں سے پکارتا ہے۔

ستیارتھ پرکاش میں صرف یہی ایک نقصان دہ تعلیم نہیں کہ سرکار انگریزی کو غیر منصف۔ ضرر رسان اور آریہ ورت کی دولت پر اس طرح جھکنے والی ظاہر کیا ہے جس طرح پیاسا پانی پر اور بھوکا اناج پر گرتا ہے بلکہ پولیٹکل پہلو سے دیکھا جائے تو اس سے بھی کہیں زیادہ خطرناک سبق درج کیے گئے ہیں جنکا مطالعہ آریہ نوجوانوں کے لئے کسی صورت میں مناسب نہیں۔ آپ ہی غور کریں جن ہندو نوجوانوں کو پہلے یہ پڑھایا گیا ہو کہ سرکار انگریزی غیر منصف۔ نقصان دہ۔ اور حریص ہے اُنپر ذیل کی عبارتوں کا کیا اثر ہوگا۔

(۱) کھتری (چھتری) کو واجب ہے کہ فاضل تر برہمن کی مانند عالم اور نیک تربیت سے بہرہ ور ہو کر تمام سلطنت کی حفاظت وادگستری سے ٹھیک طور پر کرے صفحہ ۱۵۷ سملاس ۶

(۲) جاہل بیوقوف۔ ویدوں کے نہ جاننے والے جو فرائض بتلائیں اُن کو کبھی تسلیم نہ کرنا چاہیئے صفحہ ۱۶۳۔

(۳) جو آدمی اپنے ہی راج اور ملک میں پیدا ہوئے ہوں ویدو غیرہ شاستروں کے جاننے والے اور بہادر ہوں ایسے سات یا آٹھ ہوشیار اور دہارمک وزیر مقرر کرنے چاہیئے صفحہ ۱۶۶

(۴) جو شخص وید کی اور عابد لوگوں کی تصنیف شدہ کتابوں کی جو وید کے مطابق ہوں تحقیر کرتا ہے اس وید کی مذمت کرنیوالے منکر کو ذات۔ پسنگت (جماعت) اور ملک سے نکال دینا چاہیئے (۵) رگوید یجروید۔ سام وید کے عالم اگر تین شخص رکن انجمن ہو کر آئین باندھیں تو اُس انجمن کی باندھی ہوئی آئین کا عدول کوئی شخص نہ کرے صفحہ ۱۶۳-۱۲

(۶) برہموؤں کی نسبت لکھتے ہیں "ان لوگوں میں اپنے ملک کی ہمدردی بہت کم ہے۔ عیسائیوں کے چلن بہت سے اختیار کیے ہیں.... اپنے ملک کی تعریف یا بزرگوں کی بڑائی کرنی تو دور رہی اُسکے عوض میں پیٹ بھر مذمت کرتے ہیں

لیکچروں میں عیسائی وغیرہ انگریزوں کی تعریف دل کھولکر کرتے ہیں صفحہ ۴۲۱ سوال ۱۰۵ -

(۶) یوروپین (انگریزی حکام) کی نسبت فرماتے ہیں "اپنے ملک کے بنے ہوئے جوتوں کی جسقدر توقیر و تعظیم کرتے ہیں اتنی غیر ملک کے باشندوں کی نہیں کرتے"۔ صفحہ ۴۲۳ سوال ۱۰۵

(۷) کسی پرانی سواری اور پنکھے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اگر یہ دونوں چیزیں آجتک بنی رہتیں تو یوروپین لوگ اتنے مغرور نہ ہوجاتے صفحہ ۴۴۰-۲۹

(۸) "مہابھارت تک چکرورتی یعنی روئے زمین کے راجہ آریہ کل میں ہی ہوئے تھے اب انکی اولاد اپنی بدبختی کے باعث راج کھوکر غیر ملک والوں کے پاؤں تلے دب رہی ہے" صفحہ ۳۱۳-۴

(۹) جب سے غیر ملک کے گوشت خور لوگ اس ملک میں آکر گائے وغیرہ جانوروں کے مارنیوالے شراب خور حکمران ہوئے ہیں تب سے برابر آریوں کا دکھ بڑھتا جاتا ہے" صفحہ ۳۰۶-۲۲

(۱۰) آریہ ورت میں غیر ملک والوں کے راجہ ہونیکے باعث پھوٹ ..... برے کام ہیں۔ جب آپس میں بھائی بھائی لڑتے ہیں تب ہی تیسرا غیر ملک والا آکر پنچ بن بیٹھتا ہے صفحہ ۳۰۴ و ۳۰۵-۱۹

(۱۱) اگر "غیر ملک والے انکے ملک میں تجارت یا حکومت کریں تو بجز افلاس اور دکھ کے دوسرا کچھ بھی نہیں ہوسکتا" صفحہ ۳۰۲-۱۱

(۱۲) "آریہ ورت ملک سے علاوہ جو ملک ہیں وے دیبو دیش اور ملیچھ دیش کہلاتے ہیں اور آریہ ورت ملک سے باہر رہنے والے لوگوں کا نام راکشس ہے" "تمام کرہ زمین پر آریوں کا راج" تھا

(۱۳) اب ادبار بخت آریوں کی سستی۔ غفلت۔ اور باہمی نفاق کی وجہ سے دوسرے ملکوں میں راج کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے بلکہ خود آریہ ورت میں بھی اسوقت آریوں کا

کامل آزاد خود مختار اور بے خوف راج نہیں جو کچھ ہے اسے بھی غیر ملک والے پامال کر رہے ہیں۔ کچھ تھوڑے سے راجہ خود مختار ہیں۔ جب بُرے دن آتے ہیں تب ملک کے رہنے والوں کو کئی طرح کی تکلیف بھوگنی پڑتی ہے۔ کوئی کتنا ہی کرے لیکن جو اپنے ملک کا راج ہوتا ہے وہ سب سے افضل ہوتا ہے

(۱۴) غیر ملک والوں کا راج پورا پورا آرام دہ نہیں ہے صفحہ ۲۵۶۔ ۴۹

مذکورہ بالا حوالجات پر ہم کسی قسم کا حاشیہ چڑھانا پسند نہیں کرتے ہاں یہ ضرور کہیں گے کہ پنڈت دیانند نے جیسا کہ ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہے علانیہ اُن تمام الفاظ کا وعظ کیا ہے جو آج بندے ماترم کی جے پکارنیوالے لوگوں کے منہ سے نکل رہے ہیں یعنی سودیشی کی حمایت اور سوراج کی خواہش پس ایسی کتاب کی تعلیم نوجوان ہندوؤں کے دلوں پر زہریلا اثر کیئے بغیر نہیں رہ سکتی...... خصوصاً آج کل کے پولٹیکل ایام میں جبکہ اکثر ہندو لوگ "ہندوستان کے ہم ہیں ہندوستان ہمارا" کا نعرہ بلند آواز سے مار رہے ہیں اور اُنکے دلوں میں سوراج کی اُمنگیں جوشوں پر ہیں ہم ذیل میں آریوں کے ایک لیڈر لالہ منشی رام جی کے ایک خط سے جو ۲۵۔ جون ۱۹۰۷ء کے سول ملٹری گزٹ میں شائع ہوا تھا چند ایسے اقتباسات پیش کرتے ہیں جو سنسنی خیز ہیں۔ یہ خط دراصل اُن اعتراضوں کی تردید میں لکھا گیا تھا جو ۱۹۰۷ء کی پولٹیکل اجیٹیشن اور چند معزز آریوں کی گرفتاری کے وقت سماج پر ہوئے تھے۔ اس خط میں لالہ صاحب نے مسٹر ہیریسن ڈسٹرکٹ جج الہ آباد کے ایک فیصلہ مورخہ ۲۶۔ نومبر ۱۹۰۲ء کا حوالہ دیا ہے جس میں جج صاحب بہادر ان چند ایک حوالجات کا ذکر فرماتے ہیں جو پنڈت آلا رام ملزم نے دیانند کی کتابوں سے پیش کیئے ہیں اور عبارت فیصلہ اس طرح ہے "ایسی پیش کردہ عبارتوں کے اصل حوالے یا اُنکا ترجمہ دیا گیا ہے اور جسکو میں نے اصل کتاب سے ملا کر بھی دیکھا ہے..... ان حوالجات کا ایک حصہ آلہ رام نے اپنے اس بیان کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ آریہ باغی ہیں۔ حوالہ نمبر ا میں ایک فقرہ ہے جسکے معنی یہ ہیں "ہمارے ملک میں کبھی کوئی اجنبی حاکم نہ ہونا چاہیئے اور نہ ہمکو غیر ملک والوں کی

رعایا ہونا چاہیئے " حوالہ نمبر ۲ و ۳ و ۴ و ۵ میں راج کے لیئے دعائیں مانگی گئی ہیں اور حوالہ نمبر ۶ میں اس بات پر افسوس ظاہر کیا گیا ہے کہ آریہ ورت میں دیسی راج نہیں ہے .... حوالہ نمبر ۸ میں گورے آدمیوں کے گوروں کی رعایت کرنے اور اگر گورے کالوں کو مار ڈالیں تو اُنکے بری کیئے جانے وغیرہ کا ذکر ہے حوالہ نمبر ۹ اندرونی پھوٹ کو غیر ملک والوں کے ملک پر قابض ہونیکا سبب ظاہر کرتا ہے۔ (اور یہ دعا ہے کہ) پرماتما کرپا کرکے اس مہلک بیماری کو ہم آریوں میں سے نکالدے۔ حوالہ نمبر ۱۴ میں لکھا ہے " اگر غیر ملک والے اُنکے ملک میں حکومت یا تجارت کریں تو بجز افلاس اور دُکھ کے اور کچھ نہیں ہوتا " حوالہ نمبر ۱۵ میں درج ہے کہ " ان آریوں کی اولاد اب بدبختی سے غیر ملک والوں کے پاؤں تلے دب رہی ہے۔ حوالہ نمبر ۱۶ میں " آریہ ورت کی آئے دن بڑھتی ہوئی تکالیف کا سبب گوشت خور شراب خور غیر ملک والوں کی آمد بتلائی ہے " اور اُنکے بعد کے حوالوں میں " راجہ یا حاکم کی اوصاف اور گائے کُشی کرنیوالوں کی ہلاکت کا ذکر ہے "

ان حوالجات کو دیکھکر ہمارے ناظرین سمجھ جائیں گے کہ یہ عبارت قریباً وہی ہے جو ہم بھی اس مضمون میں نقل کر چکے ہیں۔ یہ لائق جج اپنے فیصلہ میں لکھتا ہے کہ پنڈت صاحب کی غرض یہ نہیں تھی کہ برٹش گورنمنٹ کو فوراً نکال دیا جاوے۔ ہم بھی جج کی رائے سے متفق ہیں لیکن ہم ایک اور دفعہ بڑے زور سے یہ بات پیش کرتے ہیں کہ یہ تحریریں سکول اور کالج کے طلبار کے لیئے نامناسب ہیں اور ملک کے ان ہونہار پودوں کو ستیارتھ کی تعلیم کی گرم ہوا سے محفوظ رکھنا چاہیئے۔ اگر دیانند کی ایسی تحریریں گُروکل جیسی تعلیم گاہ میں۔ جہاں کے طلبار کو بیرونی دنیا سے کوئی تعلق نہیں پڑھی جائیں گی تو یہ امید نہیں کیجا سکتی کہ انکا وہاں کے طالبعلموں پر کوئی اچھا اثر ہوگا گُروکل آریوں کی درس گاہ ہے جو اُس مقام پر بنائی گئی ہے جہاں " ایک طرف پربت اور دوسری طرف گنگا مائی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا پوتر جل " ہے اس درس گاہ کے متعلق ایک ہندو محب وطن لکھتا ہے کہ

"گروکل کے ناظم اسقدر پرانی دنیا میں جان ڈالنے والے نہیں ہیں جسقدر کہ نئے زمانہ کے قاصد ہیں۔ انکو یقین ہے کہ آریہ ورت میں اب کوئی بڑی تبدیلی ہونیوالی ہے اور آریہ سماج اس آنیوالے زمانہ میں ملک کی قسمت کے فیصلہ اور رہنمائی میں بڑی حصہ دار ہوگی"

ستیارتھ پرکاش کی مفصلہ ذیل تعلیمات جو سمولاس ۶ میں سے لی گئی ہیں اور بھی زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ انہیں خفیہ ذرائع اور فریب و دھوکہ بازی کی تعلیم دیگئی ہے وہو ہٰذا۔

(۱) جس طرح کچھوا اپنے اعضا کو چھپائے رکھتا ہے اسی طرح دشمن کی دخل یابی کے رخنہ کو پوشیدہ رکھے صفحہ ۴ ۱۷-۳۵

(۲) جیسے بگلا تصور باندھے ہوئے مچھلی کے پکڑنے کو تاکتا رہتا ہے ویسے ضروریات کی فراہمی کے لیئے غور کیا کرے دولت وغیرہ چیزوں کو اور طاقت کو بڑھاکر دشمن کو فتح کرنے کے لیئے شیر کی مانند طاقت کو کام میں لائے اور چیتے کی مانند چھپ کر دشمن کو پکڑے نزدیک آئے ہوئے طاقتور دشمن سے خرگوش کی مانند دور بھاگ جاوے اور بعد ازاں انکو دھوکہ میں ڈالکر پکڑے صفحہ ۴ ۱۷-۳۵

(۳) "جب یہ معلوم ہوجاوے کہ فوراً لڑائی کرنیسے کسیقدر تکلیف پہنچیگی اور بعد میں کرنے سے اپنی بہتری اور فتح ضرور ہوگی تب دشمن سے میل کرکے وقت مناسب تک صبر کرے" صفحہ ۱۸۰-۷-۴ کیا خوب تعلیم ہے کہ جب کمزور ہوں تو دوست بنے رہیں جب کافی طاقت ہو تو چیتے کی طرح دشمن پر حملہ کردیں میل اور صلح صرف دکھانے کے لیئے ہو جب موقعہ آئے فوراً عہد شکنی کردیجائے۔ ہم پوچھتے ہیں کیا یہ فریب نہیں؟ کہ کمزوری کے وقت ظاہری دوست اور باطنی دشمن بنے رہیں۔

اب ہم یہ نہیں چاہتے کہ ناظرین کا زیادہ وقت اس عجیب و غریب کتاب کے حوالوں پر لگادیں بلکہ ہمارے خیال میں جو حوالے ہم اس مضمون میں دیچکے ہیں وہی اس بات کے اظہار کے لیئے کافی ہیں کہ یہ ستیارتھ پرکاش کی تعلیم کا ہی اثر ہے کہ آریوں کے دلوں میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی طرف سے نفرت پیدا ہوگئی ہے۔ چونکہ آریہ سماج کے بانی نے اس نفرت کی بنیاد خود اپنے ہاتھ سے رکھی تھی اسلیئے اُسکے پیروؤں نے اپنے گروکے

اس ورثہ پر قبضہ کر لیا ہے اور جو گرو صاحب کا طرز تھا وہی چیلوں کا ہے جیسا کہ انکی تقریروں اور تحریروں سے ظاہر ہو رہا ہے اور یہ کہ پنڈت صاحب گورنمنٹ عالیہ کو کس نظر سے دیکھتے تھے اسکے متعلق ناظرین خود رائے لگا سکتے ہیں۔ ہماری تفصیل کی ضرورت نہیں۔ دوسرے مذاہب کے مقدس بزرگوں اور پاک کتابوں کو گالیاں دینے اور غیر آریہ ادیان کے معتقدات پر ہنسی اڑانے کی عادت اب آریوں میں ایسی جڑھ پکڑ گئی ہے کہ اسکی بیخکنی محال معلوم ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدعادت آریہ سماج کے سر کے ساتھ ہی جائیگی کیونکہ اسکا انجام سوائے فنا کے اور کچھ نہیں حضرت مسیح موعودؑ نے انہی کے متعلق فرمایا ہے ؎

نبیوں کی ہتک کرنا اور گالیاں بھی دینا ۔ کتوں سا کھولنا منہ تخم فنا یہی ہے

ستیارتھ پرکاش کو آریہ سماجی اُسی عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس سے عیسائی اپنی بائبل کو دیکھتے ہیں۔ آریہ سماج کے ممبر اس کتاب کو کثرت سے پڑھتے اور اسکی ہدایات پر عمل کرنا کار ثواب سمجھتے ہیں۔ آریوں کے مرد۔ عورتیں۔ بچے۔ بوڑھے سب کے سب اس کتاب کو ایسی ہی مقدس سمجھکر پڑھتے ہیں جیسے کہ عیسائی اپنی انجیل کی تلاوت کرتے ہیں۔ یہ کتاب ہر ایک سماجی گھرانے میں دیکھی جاتی ہے اور ہر ایک سماجی سکول میں بطور کورس پڑھی جاتی ہے اور کوئی آریہ بمشکل ایسا ہوگا جو اس کتاب کی تعلیم سے رنگین نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آریہ سماج کا بچہ بچہ دوسرے مذاہب کی پاک کتابوں اور مقدس بزرگوں پر اُسی طرح زبان طعن کھولتا ہے جس طرح کہ دیانند نے کیا تھا۔

دوسروں کو گالیاں دینے کی وبا سماجیوں میں ایسے خطرناک طور پر پھیلی ہوئی ہے کہ اب اسکے انسداد کی کوئی امید نہیں دکھائی دیتی۔ ہاں اس مرض کی اگر کوئی دوا ہو سکتی ہے تو یہ ہے کہ ستیارتھ پرکاش میں سے ان زہریلے حصوں کو نکالدیا جائے جن کا ہم نے اس مضمون میں ذکر کیا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ آریہ سماج ستیارتھ کی ایکدفعہ اور ترمیم کرکے اُن تمام حصوں کو نکالڈالے جن کے ذریعہ سے غیر مذاہب کے ساتھ ناچاقی اور غیر ملک والوں سے نفرت پیدا ہوئی ہے اور اس اصلاح شدہ کتاب کو کثرت سے ملک میں شائع کرے تاکہ پہلی اصلی کتاب نے جو بُرا اثر پیدا کیا ہوا ہے وہ کم ہو جائے۔ اگر ہمارے آریہ ہموطن اس اصلاح

کے لیئے تیار ہوجائیں تو وہ نہ صرف عیسائیوں اور مسلمانوں کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہونگے بلکہ گورنمنٹ عالیہ بھی اُنکی اس کارگذاری کو پسندیدگی اور خوشی کی نظر سے دیکھیگی۔

وما علینا الا البلاغ

اشاعتِ اسلام نمبر ۶

(سلسلہ کیلیئے دیکھو گذشتہ نمبر)

حضرت نبی کریم صلعم کا خط بنام خسرو پرویز کسریٰ ایران اور ایک بڑا معجزہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایلچی کسرےٰ ایران کے پاس خط دیکر بھیجا اُسکا نام عبد اللہ بن حذیفہ تھا۔ اس خط کا مضمون آخر میں دیا جاتا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خط مغرور شاہ فارس کے پاس پہنچا اُس نے غُصّہ میں آکر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نامہ کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جب یہ خبر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپنے دعا کی اور فرمایا مزق اللّٰہ ملکہ (زاد المعاد صفحہ ۵۶ جلد ۲) یعنی خدائے تعالیٰ اُس کی بادشاہت کو ٹکڑے ٹکڑے کردے" اس پیشگوئی کا پورا ہونا تفصیل کے ساتھ زمانہ کے صفحات پر منقش ہے۔ کسرےٰ فارس نے یمن کے ایرانی حاکم کو حکم بھیجا کہ اُس نبی کو گرفتار کرکے ہمارے دربار میں حاضر کرو۔ اس غریب کو یہ کیا معلوم تھا کہ جس شخص کو آج وہ حقارت کی نظر سے دیکھتا اور ایک معمولی واعظ سمجھتا ہے کل اُسی کے پیرو ایرانی تخت پر متمکن ہونگے اور جس جگہ سے آج وہ بڑے غرور کے ساتھ گرفتاری کا حکم نافذ کر رہا ہے کل وہی اس نبی کے خادموں کے پاؤں تلے ہوگا یمن کے ایرانی گورنر نے دو آدمی آنحضرتؐ کی گرفتاری کے لیئے روانہ کر دیئے۔ چونکہ کسرےٰ بڑا شہنشاہ تھا اسلیئے اسکے احکام ایسے سمجھے جاتے تھے کہ جنکی کوئی مخالفت نہ ہوگی۔ یہ لوگ پہلے طایف آئے اور اُنکو دیکھکر قریش بہت خوش ہوئے کیونکہ اُنکے خیال میں کسرےٰ فارس کا اس نئی تحریک کی بیخکنی پر مستعد ہونا بہت بڑی بات تھی۔

ابوسفیان نے بڑے فخر سے کہا کہ دیکھو اب شاہ فارس نے محمد (صلعم) کی بیخکنی کا ارادہ کیا ہے اسلیئے اب محمد (صلعم) زندہ نہیں رہ سکتا۔ عامل یمن کے بھیجے ہوئے آدمی طائف سے مدینہ کو گئے لیکن جب وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے تو اُنپر ایسا رُعب چھایا کہ انہوں نے مارے خوف کے کانپنا شروع کردیا جب آنحضرت صلعم کو اُنکے آنیکا مدعا معلوم ہوا* تو آپنے فرمایا کہ آج کا ایک دن ٹھہر جاؤ ہم کل جواب دینگے۔

اسی رات آپ (صلعم) نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی۔ اس دعا کے جواب میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ آج ہی کی رات اس شہنشاہ کو اُسکے بیٹے نے مار ڈالا ہے صبح کو حضرت نبی کریم صلعم نے ان ایلچیوں کو اپنے سامنے بلا کر فرمایا دیکھو آج ہی کی رات میرے خداوند نے تمہارے خداوند کا اسی کے بیٹے کو اُسپر مسلط کر کے اُس کا کام تمام کرادیا ہے یہ جواب پاکر وہ لوگ متعجب ہوئے اور اس عجیب وغریب خبر کی صحت معلوم کرنیکے لیئے یمن کو واپس روانہ ہوگئے۔ اس خبر کے صحیح ثابت ہونے پر اُنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں کیا کلام ہوسکتا تھا کیونکہ سوائے خدا کے اور کون ہے جو اتنے دُور کے واقعہ کا ایک ہی رات میں پتہ دیدے۔ کوئی ایسی تار برقی نہ تھی جو ایران کے دار الخلافہ کے اخبار حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دیتی۔ ہاں ایسی خبر اگر کوئی دیتا تو محض ایک ملہم من اللہ ہی دے سکتا تھا۔ آخر وہ ایلچی یمن کو روانہ ہوگئے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب صوبہ دار یمن کو دیدیا۔ جب اُس نے یہ بات سُنی تو وہ بھی ششدر رہ گیا اور کہنے لگا کہ اگر یہ بات سچی ثابت ہوجائے تو اس شخص کی نبوت میں کلام ہی کیا ہے جس نے اتنے فاصلہ کی خبر بتادی ہے۔ اور یہ خبر آخر کار سچی ہی ثابت ہوئی کیونکہ ان ایلچیوں کے پہنچنے کے تھوڑے ہی دن بعد شیرویہ پسر خسرو پرویز کا خط گورنر یمن کے نام آیا جس میں بعینہ وہی خبر درج تھی جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دی تھی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یہ ایک بیّن ثبوت تھا اور اُسکا نتیجہ جو لازماً ہونا چاہیئے تھا وہ یہ ہوا کہ گورنر فوراً صدق دل سے مسلمان ہوگیا۔

ولیم میور سے کس طرح اُمید ہوسکتی تھی کہ وہ اس عظیم الشان معجزے کا اقرار کرتا۔ اُس نے

* نوٹ۔ یہ ایلچی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو پیغام لائے تھے اُس کا مضمون یہ تھا کہ باذان عامل یمن نے اسلیئے ہمیں آپکے پاس بھیجا ہے کہ ہم آپ کو ملک الملوک خسرو پرویز کے پاس لیجاویں اگر آپ برضا و رغبت ہمارے ساتھ چلیں تو بہتر ہے۔ اگر آپ انکار کریں تو آپکو کسریٰ کی طاقت کا خوب علم ہے وہ آپکو آپ کی جماعت کے سمیت تباہ کردیگا بلکہ کل ملک عرب کو برباد کردیگا اسوقت اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں تو باذان کی وساطت سے کسریٰ سے معافی طلب کرسکتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ پیغام سُنکر مسکرائے اور فرمایا ٹھہرو۔ ہم کل اسکا جواب دینگے۔ منہ

اس نشان کو ملیامیٹ کرنے کیلیئے بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسرے کی بیماری اور موت کی خبر پہلے پہنچ چکی ہوگی۔ یہ صاحب دیدہ و دانستہ اس امر کو نظرانداز کرتے ہیں اور مطلقاً غور نہیں کرتے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اُسی رات جبکہ یہ ایلچی مدینہ میں ہی تھے فرما دیا تھا کہ آج ہی کی رات* میرے مولا نے تمھارے آقا کو مار ڈالا ہے اور جب اس امر کی تصدیق ہوئی تو گورنر اور اُسکے بعض رفقا مسلمان ہوگئے۔ کیا گورنریمن اور اُسکے رفقا کے مسلمان ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی نے پورا ہوکر اُنکے دلوں کو تسخیر کیا تھا؟ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اگر نیا شہنشاہ پہلے ہی تخت نشین ہوچکا تھا تو اسکا پہلا کام یہ تھا کہ سرکاری طور پر عامل یمن کو اپنی مسند نشینی سے آگاہ کرتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ بعد میں پروانہ سرکاری آیا بھلا یہ کسطرح ممکن ہوسکتا تھا کہ مدینہ میں تو خبر پہنچ جاتی اور عامل یمن اور اُسکے افسر بے خبر رہتے۔ ہمیں بار بار تعجب آتا ہے کہ جن لوگوں کو ایرانی معاملات سے تعلق تھا اُنکی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اُنکو ایسے سخت واقعہ کی خبر ابھی نہیں ہوئی تھی کیونکہ بے تعلق لوگوں کو پہلے خبر پہنچ گئی۔ قابل غور یہ امر ہے کہ عامل یمن کو ابھی ابھی خسرو پرویز کا خط پہنچا تھا کہ آنحضرت صلعم کو گرفتار کرکے بھیجے جسکی اُس نے بلا تاخیر تعمیل کی اور مدینہ کو آدمی بھیجدیئے پھر یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ اس مختصر سے زمانہ میں خسرو کی موت کا واقعہ شہرت پاکر مدینہ تک پہنچ جاتا۔ اچھا اگر بفرض محال یہ بھی مان لیا جائے کہ عرب کے وسیع ریگستان کو عبور کرکے خبر مدینہ میں مشہور ہوچکی تھی پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو اس واقعہ کی کیوں خبر نہ ہوئی؟ کیا حیرت کا مقام ہے کہ وہ ایلچی یمن سے چلکر مدینہ آگئے مگر اُنکے کان تک یہ خبر نہیں پہنچی کہ کسرے اعظم جسکی وہ رعایا تھے موت کا شکار ہوچکا ہے یہ لوگ مدینہ میں بھی ایک روز ٹھہرے اور پیغام لیکر واپس ہوئے۔ جسطرح آتے وقت اُنکو اس عظیم الشان واقعہ کا کوئی علم نہ تھا اسی طرح واپس جاتے وقت بھی اُنکو کسی نے خبر نہ دی۔ اور ان دونو ایرانی شخصوں کی شکل و شباہت بھی عربوں سے مختلف تھی کیونکہ ایرانیوں کے دستور کے موافق اُنکی ڈاڑھی مصفا تھی مونچھیں لمبی تھیں سنہری پیٹیاں باندھے ہوئے تھے

* یہ سنہ شنبہ کی رات تھی ۱۰ جمادی الآخرہ سنہ ہجری منہ۔

اُنکے اس لباس کا احادیث میں ذکر ہے اور لکھا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکے اس بھیس کو ناپسند فرمایا تھا الغرض اُنکی صورت سے ہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسریٰ کے دربار کے لوگ ہیں اور اگر اُنکے بادشاہ کے متعلق کوئی ایسی خبر مشہور ہوتی تو ضرور راستہ کے لوگ اُنسے اسکے متعلق دریافت کرتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اب میور صاحب کا یہ فرمانا کہ یہ خبر پہلے ہی شہرت پا چکی تھی سوائے تعصب اور دشمنی کے اور کس بات پر محمول ہو سکتا ہے۔ یہاں سب سے بڑھکر حیرت آتی ہے تو اس بات پر کہ ایسی بڑی سرکاری خبر مدینہ تو پہنچ گئی لیکن عامل یمن اور اُسکی رعایا کو ان ایلچیوں کی غیر حاضری کے زمانہ میں بھی معلوم نہ ہوئی اور جب وہ یمن کو واپس آئے تو انہوں نے گورنر اور رعایا سب کو اس حادثہ سے ایسا ہی لاعلم پایا جیسا کہ اُنکی روانگی سے پیشتر تھے۔ ان امور پر گہری نظر کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ میور صاحب نے صریحًا غلط بیانی سے کام لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی الہام نہیں ہوا تھا بلکہ آپکے کانوں تک یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی کہ خسرو اعظم کو قتل کر دیا گیا ہے۔*

پھر یہ بھی ایک بات ہے کہ اُڑتی ہوئی خبریں ہمیشہ سچی نہیں ہوتیں اور یہ کہاں ہو سکتا تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی افواہ ہی سُنکر فرما دیتے کہ آج رات میرے خداوند نے تمہارے خداوند کا اُسی کے بیٹے کو اُسپر مسلط کرکے کام تمام کرا دیا ہے اور علاوہ ازیں کسطرح ممکن تھا کہ آنحضرت صلعم ایک سُنی سنائی بات پر یقین کرکے عامل یمن کے پاس اُسکے آقا کی موت کی خبر بھیجتے اور وہ بھی اُنکے ذریعہ جنکو عامل مذکور نے آنحضرتؐ کی گرفتاری کے لیے بھیجا تھا۔ مزید برآں آپنے تو یہ ظاہر کیا کہ اس خبر کی صداقت میری سچائی کا ثبوت ہوگی۔ ہمارے تو واہمہ میں بھی نہیں آسکتا کہ آنحضرت صلعم جیسا انسان جسکی عقل اور فراست کا مخالف بھی لوہا مانتے ہیں کسطرح کسی غیر معتبر اور نامعلوم الاسم شخص کے کہنے پر اتنی بڑی بات مشہور کرتا اور اس خبر کی صحت پر اپنی رسالت کے دعوے کی صداقت کا انحصار کر دیتا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ دربار فارس کے ایلچی دیکھکر اگر ایسی افواہ سُنی بھی ہوتی تو اسپر یقین نہ کیا جاتا کیونکہ یہ ایلچی اس خبر سے بالکل بے خبر تھے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے افواہ کی بنا پر یہ خبر ایلچیوں کو نہیں سُنائی تھی بلکہ خدا سے خبر پاکر اسکا اعلان فرمایا۔

* اگر آپ افواہ کی بنا پر ایلچیوں کو یہ خبر سناتے تو یہ نہ کہتے کہ آج رات میرے خداوند نے تمہارے خداوند کو قتل کرا دیا ہے اور اسے اپنی صداقت کے ثبوت میں پیش کرتے۔ منہ

تھا۔ اگر افواہ ہوتی تو آپ ایلچیوں کو دیکھکر یہ نتیجہ نکالتے کہ افواہ غلط ہے عامل یمن اور اُسکے رفقا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کا حال میور صاحب کی نسبت بہتر سمجھ سکتے تھے لیکن انہوں نے بجائے میور کے ہم آہنگ ہونیکے اس بات کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک نشان مانا اور برضا و رغبت آپکا مذہب قبول کرلیا۔ بھلا اس بیّن شہادت کی موجودگی میں ایک عقلمند آدمی کو جو میور سا متعصب دماغ نہ رکھتا ہو اس امر کے ماننے سے کیا انکار ہوسکتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا۔ اور اسی معجزہ نے عامل یمن اور اُسکے رفقا کو جن کے پاس دربار ایران سے اس خبر کی صحت کا خط آیا تھا۔ صدقِ دل سے مسلمان بنادیا۔ گورنر اور اُسکے رفقا کی تبدیلی مذہب سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم الشان معجزہ تھا جسکو دیکھکر انہوں نے اسلام قبول کیا۔ لیکن میور کے عیسوی تعصب سے یہ کہاں امید ہوسکتی ہے کہ وہ اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ مان لے پس اسی وجہ سے وہ ایک نئی بیخ نکالتا ہے اور اس ضرب المثل کا مصداق ہوتا ہے کہ ایک جھوٹ کو سچ بنانے کیلئے بہت سے جھوٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ گورنر یمن کی تبدیلی مذہب کو ذاتی اغراض کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ ایران کا چراغ اب گل ہوچکا تھا اور عرصہ سے ایرانیوں کا عرب پر پورا تسلط نہیں رہا تھا اور یمن کا گورنر بلا روک ٹوک ایسی حفاظت میں جاسکتا تھا جو اُسکی رعایا کے لیئے زیادہ موزون ہوتی اسلیئے باذان (گورنر یمن) نے اسلام کی دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دیکھکر خوشی سے اسلام قبول کرلیا اور نبی (صلعم) سے اپنا تعلق ظاہر کردیا۔* اس تحریر سے میور کا یہ منشا ہے کہ گورنر یمن کسی نشان کو دیکھکر ایمان نہیں لایا تھا بلکہ اُسکی تبدیلی مذہب پولٹیکل اغراض پر مبنی تھی اس لیئے ایمان خام اور منافقانہ تھا۔ اسطرح میور کی رائے میں یہ اسلام کی دن دگنی رات چوگنی ترقی تھی جس کی تحریص سے وہ مسلمان ہوگیا۔ لیکن جس جگہ اُس نے یہ عبارت لکھی ہے اُس سے چند ہی صفحہ پہلے خود وہی اپنے قلم سے اسکی تردید کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف بادشاہوں اور رؤسا کے پاس دعوت اسلام کے لیئے

* لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۳۵۹۔

سفیر بھیجنے کے متعلق لکھتا ہے " اس مدنی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ تجویز اسوقت محض موہوم اور بعید از قیاس تھی کیونکہ وہ اسوقت بمشکل تمام اپنا آپ سنبھالنے کے قابل تھے اور اس سے بارہ ماہ قبل وہ نہایت ہی بے بسی سے محصور تھے اور حال ہی میں مکّہ سے عمرہ کرنیکے بغیر واپس ہونے پر مجبور ہوئے تھے پھر وہ کیونکر مصر۔ حبش۔ شام کے بادشاہوں بلکہ قیصر وکسرٰے کو دعوت کر سکتے تھے یہ تھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پولٹیکل طاقت جسے ہم نے میور کے اپنے الفاظ میں دکھا دیا ہے پھر خدا معلوم وہ کس مُنہ سے کہتا ہے کہ گورنر یمن نے مسلمانوں کی حفاظت میں آنے کی غرض سے اپنے آبائی مذہب کو خیر باد کہا تھا اور نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب اختیار کیا تھا۔ جس شخص کی نسبت میور خود لکھتا ہے کہ " وہ بمشکل تمام اپنا آپ سنبھالنے کے قابل تھے " بھلا اُسکی حالت کیونکر ایک دور دراز صوبہ کے ایرانی عامل کو اس بات کی ترغیب دے سکتی تھی کہ وہ شاہ ایران کی ماتحتی کو چھوڑکر نبی عرب کی ماتحتی اختیار کرے۔ اور وہ جو حال ہی میں بالفاظ میور " عمرہ کیئے بغیر مکّہ سے مجبوراً واپس آیا تھا " وہ کیونکر خسرو اعظم سے مقابلہ کر سکتا تھا۔ یہ بے شک درست ہے کہ مدینہ میں ایک قسم کی ریاست سی تو قائم ہو گئی تھی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُسکے سردار تھے لیکن یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ اس مختصر اور کمزور سی ریاست کے زیر سایہ دُور دراز صوبوں کے شاہزادے اور گورنر آجاتے کیا دنیا میں صرف یہی ایک بڑی سلطنت تھی جس کی حفاظت کے بغیر گذارہ نہیں ہو سکتا تھا کیا سلطنت فارس کی ہمسر صرف مدینہ کی چھوٹی سی ریاست ہی رہ گئی تھی جو بالفاظ میور " بارہ ماہ قبل نہایت بے بسی سے محصور ہو چکے تھے "؟ پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ گورنر یمن خود بخود اپنی رعایا سمیت مدینہ کی مسلمان حکومت کا مطیع ہو جاتا۔ جس حکومت کے زیر سایہ آنے کی نسبت بڑے وثوق کے ساتھ دعویٰ کیا جاتا ہے اُسکی طاقت کی نسبت معترض صاحب خود تو یہ لکھتے ہیں کہ بمشکل تمام اپنا آپ سنبھالنے کے قابل تھے اور گورنر یمن نے اس حکومت کی طاقت کا یہ اندازہ کیا کہ اس حکومت سے بادشاہ کی گرفتاری کے لیئے صرف دو آدمی

مگر انہوں نے ایسا کیا

؎ دیکھو لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۳۵۴

بھیجدیئے پھر ایسی حکومت کی حفاظت کا وہ کیونکر طلبگار ہو سکتا تھا۔ اچھا ہم نے مانا کہ حکومت فارس کا یمن پر پورا قبضہ نہیں رہا تھا اور عامل یمن بھی کسرےٰ کی حکومت کا جُوا اپنی گردن سے اُتارنا چاہتا تھا پھر اُسکا کیا سر پھرا تھا کہ وہ ایک جُوا اُتار کر دوسرے کے نیچے بلاوجہ و بے فائدہ گردن بڑھا دیتا۔ مسلمانوں کا مذہب نیا تھا اسلیئے اُنکی سلطنت عامل یمن کی رعایا کے لیئے جو سب کے سب کافر تھے کسی طرح موزون اور اُنکے حسب دلخواہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اور اگر بفرض محال یہ بھی مان لیں کہ باذان عامل یمن نے ایرانی حکومت کا جُوا اپنی گردن سے اُتارنے کیلیئے مسلمانوں سے میل کر لیا تھا تو یہ تعلق اسلام قبول کرنیکے بغیر بھی ہو سکتا تھا کیونکہ عرب کی بہت سی قوموں نے پہلے بھی مسلمان ہونیکے بغیر نبی کریم صلعم سے باہمی امداد کا عہد و پیماں کر لیا تھا صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک یہ بھی شرط تھی کہ جو کوئی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم سے باہمی امداد کا معاہدہ کرنا چاہے اُسے اجازت ہے۔ اسلیئے عامل یمن اسلام قبول کرنیکے بغیر بھی بآسانی تمام مسلمانوں کے ساتھ باہمی امداد کا معاہدہ کر سکتا تھا۔ الغرض میور کا یہ کہنا کہ باذان نے محض اسوجہ سے اسلام قبول کیا کہ وہ شاہ فارس سے خودمختار ہونا اور مسلمانوں سے امداد حاصل کرنا چاہتا تھا بالکل غلط ہے اور واقعات اسکے خلاف شہادت دیتے ہیں اور سوائے میور کی قوتِ متخیلہ کے اور کسی جگہ اسکی اصلیت کا ذرا بھی پتہ نہیں لگتا جس کشش نے باذان کو کھینچا وہ اسلام کی صداقت اور آنحضرتؐ کا معجزہ تھا اور اسی صداقت نے اُسکے تشنہ لبوں کو اسلام کا شیریں شربت پلایا۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو صریحًا پورا ہوتے دیکھا اور ایک نہیں بلکہ دو نشان دیکھے یعنی اوّل تو آنحضرت صلعم کے الفاظ پورے ہوئے دوم جس شخص نے آپ صلعم کے نامہ مبارک کو پھاڑا تھا وہ خود ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا٭ اور اس طرح دنیا نے ایک دوسرا معجزہ مشاہدہ کیا۔ ایک تو خدائے تعالیٰ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کو ہلاک کیا اور دوئم اُسکی موت کی خبر ایسے وقت دی جبکہ تمام عرب اس سے ناواقف تھے اور لُطف یہ کہ خبر بھی دی تو اُسی دن صبح کو۔ اس عظیم الشان نشان سے

٭ جیسا آپنے دعا فرمائی تھی کہ مزق اللہ ملکہ ۔ منہ

اکیلا باذان ہی مسلمان نہ ہوا بلکہ اُس کے رفقا نے بھی دینِ حق قبول کر لیا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایک جھوٹ کے لیئے بہت سے جھوٹ بنانے پڑتے ہیں اسلیئے اس معجزہ کا اثر اڑانے کیلیئے میور صاحب کو اور بھی کئی ایک دروغ بیانیاں کرنی پڑی ہیں۔ مثلاً وہ لکھتا ہے کہ کسریٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب کی تحقیقات کرانی چاہی تھی اور اسی خواہش کے باعث اُس نے عامل یمن کے نام حکم بھیجا تھا کہ مدینہ میں سفیر بھیجکر اس نئے مذہب کے متعلق صحیح صحیح اطلاع بہم پہنچائی جائے۔ یہ بیان نہ صرف بے بنیاد بلکہ نہایت ہی لچر و پوچ ہے۔ یہ خیال کرنا ہی بیہودگی ہے کہ مغرور شاہ فارس نے اسلام کی تحقیقات کے لیئے سفیر بھیجے تھے کیونکہ جس شخص نے پہلے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو پرزے پرزے کر کے پھاڑ ڈالا تھا اور سفیر کو غضب کے ساتھ واپس کیا تھا وہ کس طرح ایسا کام کر سکتا تھا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ معتبر تواریخ کی رُو سے جس بادشاہ کو آنحضرتؐ نے خط لکھا تھا وہ خسرو پرویز تھا اور میور کا خیال کہ اُسکا بیٹا شیرویہ تھا غلط ہے۔ ان ایلچیوں کے آنے پر قریش کا خوش ہونا ایرانی سپاہیوں کا مارے خوف کے کانپنا۔ آنحضرت صلعم کا اُن سے رات بھر ٹھہرنے کیلیئے فرمانا اور صبح کو ایک جواب دینا وغیرہ وغیرہ ایسی باتیں ہیں جن سے میور کے اس بیان کی بیہودگی ثابت ہوتی ہے۔ میور کے بیان کی ایک تاریخدان بھی تصدیق نہیں کرتا اور اسکا سراغ اگر کہیں مل سکتا ہے تو اُسکے افترا کرنیوالے دماغ تک ہی محدود ہے۔ میور صاحب کسی امر کی تشریح جتنی چاہیں کریں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تاریخ بھی خود ہی ایجاد کریں۔

(اس واقعہ کا مفصل حال ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ جلد دوم میں)

مضمون خط بنام کسریٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وآمن باللہ ورسولہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ وان محمداً عبدہٗ ورسولہ ادعوك بدعایۃ اللہ فانی انا رسول اللہ الی الناس کافۃ لینذر من کان حیا

ویحق القول علی الکافرین اسلم تسلم فان ابیت فعلیک اثم المجوس

(ترجمہ) اللہ کے نام سے مَیں اس نامہ کو شروع کرتا ہوں جو رحمٰن و رحیم ہے۔ یہ خط خدا کے فرستادہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے فارس کے بادشاہ کسرے کے نام ہے۔ سلامتی ہو اُس شخص پر جس نے اس ہدایت کی پیروی کی اللہ خدا اور اُسکے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُسکا بندہ اور اُسکا فرستادہ ہے۔ مَیں تجھے اللہ کی طرف بلاتا ہوں مجھے خدائے تعالیٰ نے کُل دنیا کے لوگوں کیلئے رسول کر کے بھیجا ہے تا جو شخص زندہ ہے مَیں اُسکو ڈراؤں اور انکار کرنے والوں پر حجت پوری ہو۔ اسلام کو قبول کرو تاکہ بچ جاؤ اور اگر تو نے انکار کیا تو یاد رکھ کہ کُل قوم مجوس کا گناہ تیرے ذمہ ہوگا۔ (زاد المعاد جزو ثانی صفحہ ۵۶)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مقوقس شاہ مصر کے نام

مقوقس شاہ مصر کی طرف جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لیکر گیا اُسکا نام حاطب بن ابی بلتعہ تھا۔ شاہ مصر نے اُس کا بڑی عزت سے استقبال کیا اور جو تقریر اُس نے شاہ موصوف کے حضور کی وہ بہت دلچسپ ہے اس سے۔ پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ کے سفیر محض ہرکارے ہی نہ تھے بلکہ مذہب اسلام کے واعظ بھی تھے۔ اُنکو مجلس کے مطابق تقریر کرنی آتی تھی اور وہ دلائل کے ذریعہ اپنے سامعین پر اثر ڈال سکتے تھے۔ شاہ مصر کے حضور کھڑے ہوکر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو وہ نقشہ یاد آیا جو سینکڑوں برس پہلے اسی ملک کے دربار شاہی میں مشاہدہ کیا گیا تھا۔ جسطرح موسیٰ علیہ السلام ایک زمانہ پہلے فرعون شاہ مصر کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ اُسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام اسی ملک کے ایک اور بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوا۔ فرق یہ تھا موسیٰؑ فرعون کے سامنے خود کھڑے تھے لیکن اب موسیٰ علیہ السلام سے بزرگتر نبی کا قائم مقام تھا۔ جسنے نہایت مناسب الفاظ میں بڑی جرأت اور مناسب ادب سے موجودہ بادشاہ کو فرعون کا انجام یاد دلایا اور کہا انہ کان قبلک رجل یزعم انہ الرب الاعلیٰ فاخذہ اللہ نکال الاٰخرۃ و الاولیٰ فانتقم بہ ثم انتقم منہ فاعتبر بغیرک ولا یعتبر غیرک بک۔ یعنی

آپ سے پہلے ایک شخص گذرا ہے جس نے اپنے تئیں خداوند خدا ظاہر کیا تھا اسلیئے اللہ تعالےٰ نے اسکو ورلی اور پرلی زندگی کی سزا میں گرفتار کیا پس آپ دوسروں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں اور ایسا نہ کریں کہ لوگ آپسے عبرت پکڑیں۔ ہمارے ناظرین میں سے شاید کسی کو تعجب ہوگا کہ یہ صحرا اور وادیوں کے رہنے والے کس دلیری سے بڑے بڑے بادشاہوں کے بھرے درباروں میں بولتے تھے اور انکی شان و شوکت کا انپر کوئی رعب نہیں پڑتا تھا لیکن یاد رہے کہ اگرچہ وہ ڈرانے میں دلیر تھے تاہم انکے الفاظ شیریں اور کرختی سے مبرّا تھے۔ اس میں ذرا بھی کلام نہیں کہ وہ ایک بڑے نذیر کی طرف سے موذون قائم مقام تھے۔ یہانپر یہ تبلادینا بے محل نہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیروں نے دوسروں کی طرح ان بادشاہوں کو کبھی جُھک کر سلام نہیں کیا اور جب کبھی اُنسے دریافت کیا گیا تو جواب دیا کہ ہم صرف اپنے خدا کے آگے سر جُھکاتے ہیں۔

الغرض شاہ مصر نے حاطبؓ کی تقریر کا یہ جواب دیا کہ "ہم ایک مذہب کے پیرو ہیں اور جبتک کوئی بہتر مذہب نہ ملجائے ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے" حاطبؓ نے بادشاہ کا مطلب سمجھ لیا اُسکے جواب کا مطلب یہ تھا کہ میرا معاملہ فرعون کے برعکس ہے فرعون غلطی پر تھا اور اپنے تئیں خدا سمجھتا تھا لیکن مَیں ایک سچے مذہب پر قائم ہوں اور الہامی کتابوں کو مانتا ہوں اسلیئے اگر مَیں اپنے ہی مذہب پر قائم رہوں اور اس عرب کے نبی کے دعویٰ کو نہ سنوں تو مَیں فرعون کی طرح خدا کے حضور گنہگار نہیں ہوسکتا۔ حاطبؓ نے بادشاہ کی اس دلیل کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی اور آپکی بعثت کی غرض بیان فرمائی اور کہا کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے تو یہودیوں کیلیئے ضروری تھا کہ آپؑ پر ایمان لائیں اور اب اسی طرح جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ دونوں کی پیشگوئیوں کے عین مطابق نمودار ہوا ہے تو یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کا فرض ہے کہ اُسپر ایمان لائیں۔ ہم آپ کو اُسی طرح قرآن کریم کی طرف بلاتے ہیں جسطرح آپ اہل توریت کو انجیل کی طرف بلاتے ہیں جن لوگوں کے درمیان نبی مبعوث ہوتا ہے وہ اُسکی قوم ہوجاتے ہیں اور اُنپر فرض ہوتا ہے کہ

اُسے مانیں چونکہ آپ اس نبیؐ کے زمانہ میں رہتے ہیں اسلیئے آپکا فرض ہے کہ اُسپر ایمان لائیں"
بادشاہ سے ان دلائل کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا مطالعہ
کرنیکے بعد اُس نے حاطبؓ سے کہا "میں نہیں دیکھتا کہ آنحضرتؐ کوئی ایسی تعلیم دیتے ہیں جس سے
مجھکو پرہیز کرنا چاہیئے یا ایسی چیز سے منع فرماتے ہیں جسکی مجھے خواہش ہے۔ نہ وہ (صلعم)
ساحر ہیں نہ غلطی خوردہ۔ نہ دغاباز ہیں نہ جھوٹے ہیں۔ مَیں اُنمیں نبوّت کی علامات پاتا ہوں"
اسکے بعد اسنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو ہاتھی دانت کے بنے ہوئے ڈبے میں رکھوا دیا اور
اُسپر مُہر کرکے اپنے خزانچی کے سپرد کردیا۔ پھر مقوقس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں نہایت مؤدبانہ جواب لکھا جسمیں تحریر کیا کہ "مجھے اس بات کا علم ہے کہ ایک نبی
مبعوث ہونیوالے ہیں لیکن میرا خیال تھا کہ وہ مقدس سرزمین شام میں پیدا ہونگے"۔ شاہ مصر
کو جو ایک نبی کا انتظار تھا اُسکی بنا ان پیشگوئیوں پر تھی جو استثنا ۱۸-۱۸- یوحنا ۱-۲۱ و ۲۵
اعمال ۳-۲۰ و ۲۳ یوحنا ۱۵-۲۶ اور دیگر عہد عتیق و عہد جدید کی کتابوں میں مذکور ہیں۔
اسی جواب کے ساتھ مقوقس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں چند تحائف بھی ارسال
کیئے۔ (ملاحظہ ہو زاد المعاد صفحہ ۵۶ و ۵۷ جزو ثانی)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کو جو آپنے قرب وجوار کے بادشاہوں اور شہزادوں کو
ارسال کیئے تھے اور جنکے جوابات احادیث میں مذکور ہیں میور صاحب اُن سب کو بناوٹی ثابت
کرنیکی کوشش کرتے ہیں اور اس کوشش میں آپ فرماتے ہیں "جو خط ہرقل کو لکھا گیا تھا اُس
میں قرآن کی ایک آیت درج ہے جسکی نسبت ویل نے ثابت کیا ہے کہ وہ ۹ھ تک نازل ہی
نہیں ہوئی تھی"۔ چونکہ یہ تمام خطوط ۷ھ میں ہی لکھے گئے تھے اس لیئے میور اس نتیجہ پرپہنچتا ہے کہ
خطوط کی جو عبارت احادیث میں دیگئی ہے وہ بناوٹی ہے لیکن ۱۸۵۸ء میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کا ایک اصل خط دریافت ہوا جس نے احادیث کی وقعت کو بڑھا دیا ہے اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ
ان خطوط کی جو عبارت احادیث میں درج ہے وہ اصل کے مطابق ہے۔ جو حدیث میں مقوقس کے
خط کا مضمون درج ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط سربمہر کرکے ہاتھی دانت کے بکس میں رکھدیا
گیا تھا اور خزانچی کے سپرد کردیا گیا جو خطوط حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب وجوار کے حکام

کو لکھے تھے ان تمام میں سے صرف مقوقس کا خط ہی جسکی نسبت احادیث میں ذکر ہے کہ وہ محفوظ رکھا گیا تھا۔ اور یہی خط تھا جو ۱۸۵۸ء میں ایک فرانسیسی سیاح نے شمالی مصر کی ایک عیسائی خانقاہ میں دریافت کیا تھا اور اب قسطنطنیہ میں محفوظ ہے۔ اس خط کا معائنہ ڈاکٹر پی ہیجر نے کیا اور پوری جانچ کے بعد اسکو اصل قرار دیا ہے اس خط کی جو عبارت ڈاکٹر ہیجر نے قرار دی ہے وہ بعینہٖ لفظ بہ لفظ وہی ہے جو حدیث میں مذکور ہے اسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر کا نشان بھی ہے جسپر بعینہٖ وہی عبارت کھدی ہوئی ہے جسکا ذکر احادیث میں ہے اس خط کے دریافت ہونیسے احادیث کے معتبر ہونیکی ایک زبردست شہادت ملی ہے اور میور کی اس تحریر کی کہ خطوط کی عبارت جعلی ہے پوری تردید ہوگئی ہے۔ ایک ہی سال میں مقوقس اور ہرقل دونوں کے نام خطوط لکھے گئے اور اُنکی جو نقلیں حدیثوں میں محفوظ ہیں اُنہیں قرآن کریم کی وہ آیت بھی درج ہے جسکی نسبت میور اور ویل لکھتے ہیں کہ ۹ھ میں نازل ہوئی تھی۔ اب چونکہ ڈاکٹر ہیجر نے جو عبارت مقوقس کے خط کی دریافت کی ہے اس میں بھی یہی آیت درج ہے اسلیئے میور اور ویل دونوں کا قول صریحًا غلط ثابت ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوار کے بہت سے بادشاہوں اور رُؤسا کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے تھے جنکا ذکر احادیث میں ہے لیکن صرف ایک مقوقس کا ہی خط ہے جسکی نسبت احادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ محفوظ رکھا گیا تھا۔ یہی ایک اب دریافت ہوا ہے اور جس طرح اسکی حدیثوں میں نقل ہے بعینہٖ اُسی طرح لفظ بہ لفظ اس خط کی عبارت سے جو حال میں دریافت ہوا ہے اور یہ امر احادیث کی صداقت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ اور جو واقعات حدیث جمع کرنیوالوں نے بیان کیئے ہیں اُن سب کی اس سے تصدیق ہوتی ہے۔ اب اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح ایک خط کی عبارت جو حدیثوں میں مذکور تھی بالکل صحیح ثابت ہوئی ہے اسی طرح دوسرے خطوں کا جو مضمون درج ہے وہ بھی اصل اور صحیح ہے (جو صاحب اس خط کی زیارت کرنا چاہیں تو وہ ریویو آف ریلیجنز بابت اگست ۱۹۰۶ء ملاحظہ کریں جس میں اس مبارک مکتوب کا عکس دیا گیا ہے)

حضرت نبی کریم صلعم کا خط بنام شاہ حبش — حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی سینیا کے بادشاہ کے پاس یکے بعد دیگرے دو خط عمر بن امیہ کے ہاتھ روانہ فرمائے پہلے میں وہی مضمون تھا جو

دوسرے شاہوں اور روسا کے نام تھا یعنی دعوت اسلام۔ شاہ حبش کو اس نئے مذہب یعنی اسلام کا زیادہ علم تھا اور مسلمانوں کے اخلاق و عادات سے وہ بخوبی واقف تھا کیونکہ بہت سے صحابہؓ نے اُسکے ملک کی طرف ہجرت کی تھی۔ اس خط کا جواب نجاشی نے بڑے انکسار سے دیا اور اسلام قبول کر لیا اور اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ وہ حضرت نبی کریم صلعم کے حضور حاضر نہیں ہو سکتا۔ دوسرے خط میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ مذکور کو لکھ بھیجا کہ اُن مہاجرین کو جو اب تک ملک حبش میں باقی تھے مدینہ کو واپس بھیجدے۔ نجاشی کو جب یہ خط پہنچا تو اُس نے دو جہازوں میں مہاجرین کو سوار کرا کر مدینہ کو روانہ کر دیا جہاں وہ بخیر و عافیت پہنچ گئے۔

نبی کریم صلعم کے ایک سفیر کی شہادت۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سفیر مسمی الحارث بن عمیر الازدی جو عیسوی سلطنت کے ایک حاکم کی طرف بصریٰ میں بھیجا گیا تھا دمشق کے نزدیک اُسکو شرحبیل بن عمرو نام ایک غسانی سردار نے پکڑ لیا اُسکو رسیوں سے باندھکر اسکا سر تلوار سے اُتار دیا۔ یہ ایک ایسا حادثہ ہوا جس نے قوانین مابین الاقوام کو توڑ دیا اور اسلام و عیسائیت کے جو عظیم الشان جنگ بعد میں ہوئے اُنکی ابتداء اسی جگہ سے ہوئی۔

ریویو

الحق - اس نام کا ایک ہفتہ وار اخبار ہماری جماعت کے معزز ممبر میر قاسم علی صاحب نے دہلی سے نکالنا شروع کیا ہے۔ اسکے مقاصد حسب ذیل ہیں۔ مخالفین اسلام کے عموماً اور آریوں کے خصوصاً اعتراضات کا جواب مہذبانہ طریق سے دینا۔ اسلام کی خوبیوں کا اظہار کرنا۔ سرکار انگریزی کے متعلق ہر طرح کی غلط فہمیوں کو دُور کرنا اور اُسکے احسانات کو ظاہر کر کے لوگوں میں وفاداری کی روح پھونکنا۔ میر صاحب موصوف کو مذہبی مناظرات سے بہت دلچسپی ہے اور اُنکو خدمت اسلام اور اعلاء کلمۂ حق اور ابطال باطل کا بڑا شوق ہے اور یہی امر اُنکے اخبار نکالنے کا محرک ہوا ہے۔ خدائے تعالیٰ اُنکا ناصر و مددگار ہو۔ آمین۔ اگرچہ اخبار میں زیادہ تر مذہبی مضامین ہیں جو بہت قابلیت سے لکھے گئے ہیں مگر میر صاحب نے اخبار کا ایک حصہ عام خبروں کیلئے علیحدہ کر دیا ہے اور اس طرح اپنے خریداروں کو عام اخبارات کے خریدنے سے مستغنی کر دیا ہے۔ طرز تحریر بہت پاکیزہ ہے۔ بارہ صفحہ کا اخبار ہے قیمت صرف عگر مع محصولڈاک ہے۔ اُنہوں نے یہ اخبار حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد جاری کیا ہے اور اُسکا نام بھی حضرت خلیفۃ المسیح علیہ السلام نے ہی تجویز فرمایا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ اس اخبار کو مبارک فرماوے۔ آمین

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

سلسلۂ تبلیغ :- جیسا کہ گذشتہ نمبر میں اعلان کیا گیا تھا۔ اخیر دسمبر میں سلسلہ احمدیہ کی طرف سے ایک سلسلہ اسلامی لیکچروں کا جو برابر چار روز تک رہا لاہور احمدیہ بلڈنگز میں ہوا۔ ان لیکچروں کی تحریک کی وجہ بھی پہلے ظاہر کی جا چکی ہے۔ ابتدائے دسمبر میں عیسائی صاحبان کی طرف سے ایک سلسلہ لیکچروں کا لاہور میں ہوا تھا اور جو غلط بیانیاں اسلام کے متعلق ان لیکچروں میں کی گئی تھیں انکی تردید ہماری اصل غرض تھی۔ اور مسیحی صاحبان کا فرض تھا جیسا کہ انکے ایک معزز لیڈر نے انہی لیکچروں کے اثنا میں بیان بھی کیا تھا کہ وہ ان لیکچروں کو ٹھنڈے دل سے آکر سُنتے اور اگر کوئی بات حق انکی سمجھ میں آجاتی تو اُسے قبول کرتے ورنہ انپر جبر تو کسی نے کرنا ہی نہیں تھا۔ مگر حق سے روگردانی ان لوگوں کا جنکے ہاتھ میں کچی باتیں ہوتی ہیں ہمیشہ سے شیوہ چلا آیا ہے آیت کریمہ **فما لھم عن التذکرۃ معرضین** درحقیقت اسی طرف توجہ دلاتی ہے جو شخص محض اپنی بات ایک نصیحت کے رنگ میں سمجھانا چاہتا ہے اس سے اسطرح بھاگتا ہے اسکا نمونہ تلاش کرنیکے لئے گذشتہ مذہبی تاریخ کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں بلکہ آج بھی وہی نقشہ نظر آتا ہے۔ جب مسیحی لیکچروں کے سلسلہ کا اعلان ہوا تو سلسلہ احمدیہ کے مقتدا حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف سے تو یہ اعلان شائع ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی باتیں ہم سنیں گے (اور چنانچہ خاص آدمی بھی اس غرض کیلئے یعنی ان لیکچروں کو سُننے کیلئے بھیجے جاتے ہیں) اور جو بات ان میں حق ہوگی اسکو خوشی سے قبول کرینگے اور جو غلطی ہوگی اسکی تردید کریں گے۔ یہ وسعت اللہ تعالیٰ نے حق کو ہی بخشی ہے۔ اور ناراستی اور راستی میں یہ بڑا فرق ہے کہ راستی کا پیرو تنگدل نہیں ہوتا وہ جسطرح اپنی باتیں سُنانے کو تیار ہے دوسروں کی باتیں سُننے کو بھی تیار ہے۔ مگر ناراستی کا حامی خود تو ہر ایک بات بلا سوچے سمجھے کہہ گذرتا ہے لیکن اسکے سینہ میں اسقدر وسعت نہیں ہوتی کہ وہ دوسرے کی بات کو بھی سُن سکے۔ جس صورت میں مسیحی صاحبان نے اپنے لیکچروں کے سلسلہ میں اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنیکی بجائے اسلام پر ان حملوں کو ضروری خیال کیا تھا کہ اسلام میں نجات نہیں اور اسلام میں عرفان الٰہی نہیں ہو سکتا اور قرآن شریف کی رو سے حضرت مسیحؑ نہ صرف جملہ انبیاء سے افضل بلکہ بشریت کی حد سے گذرے ہوئے ہیں تو انکا فرض تھا کہ جب انہی مضامین پر اہل اسلام کی طرف سے لیکچروں کا اعلان ہوا تھا تو انکو بھی آکر سُنتے اگر کوئی حق بات پاتے تو اسکے قبول کرنے میں انکا اپنا فائدہ تھا اور اگر ہماری

باتیں کمزور اور کچی ہوتیں تو انکو سننا نہیں اور بھی خوشی ہونی چاہیئے تھی کہ ہمارے ہاتھ میں ایسی مضبوط باتیں ہیں کہ انکا جواب کسی سے نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ شیوہ اختیار کرنا کہ ہم انکی باتیں سنیں گے ہی نہیں گو کسی پرانے زمانہ کے عیسائیوں میں برا معلوم نہ ہو مگر اس تہذیب کے زمانہ میں کوئی سمجھدار آدمی اسے سوائے نفرت کے کسی دوسری نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ اور پھر اپنی اس کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لیئے بہانہ یہ تلاش کیا گیا کہ لیکچروں کے اخیر پر پانچ منٹ مباحثہ کیوں نہیں رکھا گیا۔ گویا مذہبی اصول کا فیصلہ کرنیکے لیئے یہ پانچ منٹ ہی مسیحی صاحبان کے نزدیک تھے جب یہ نہیں دیئے گئے تو اب کسی بات کے سننے سے کوئی فائدہ ہی نہیں۔ چنانچہ جس دن صبح لیکچروں کا سلسلہ شروع ہونا تھا اسی شب کو ۸ بجے رات کے پادری ٹامس ہوول صاحب کی طرف سے یہ رقعہ پہنچا۔ جو بعینہٖ نیچے درج ہے۔

"جناب کرمفرما خواجہ کمال الدین صاحب تسلیم۔ جناب کا اشتہار لیکچروں کی بابت موصول ہوا۔ اور مطالعہ سے گذرا جس سے معلوم ہوا کہ مسیحیوں کو کوئی موقع سوال وجواب کا نہیں دیا گیا جیسا کہ انہوں نے اپنے لیکچروں کے وقت ہندو محمدیوں کو دیا تھا۔ کیا آپ ہر لیکچر کے بعد پورا گھنٹہ ہماری طرح سوال وجواب کے لیئے مخصوص کرینگے یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے تو میں مسیحی لیکچروں کی کمیٹی کا پریزیڈنٹ ہونیکی حیثیت سے اطلاع دیتا ہوں کہ ہم مسیحی آپکے لیکچروں میں حاضر نہ ہونگے۔ اور میں آپسے درخواست کرتا ہوں کہ اگر ہمیں بولنے کی اجازت نہیں مل سکتی تو براہ نوازش میرا یہ نوٹ حاضرین کو پڑھکر سنادیں تاکہ ہماری غیر حاضری کی وجہ معلوم ہو جائے۔ فقط زیادہ سلام۔

نیازمند۔ ٹامس اہل بشیر۔ پاسٹر ہولی ٹرنٹی چرچ لاہور۔ متصل دوکان مول چند۔ ۲۸۔ دسمبر ۱۹۰۹ء"

یہ عجیب بات ہے کہ اشتہار کو شائع ہوئے تو کئی دن گذر چکے تھے مگر یہ عذر کہ اشتہار سے یہ معلوم ہوا کہ مسیحیوں کو سوال وجواب کا کوئی موقع نہیں دیا گیا پہلے نہ سوجھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقت پر نہ آنیکے لیئے ایک بہانہ بنالیا گیا۔ اس رقعہ کا جواب اسی وقت پادری صاحب کو دیا گیا جو ذیل میں درج ہے

"کرمفرما بندہ جناب پادری صاحب بعد ما وجب۔ آپنے غالباً وہ تمہیدی اشتہار ملاحظہ فرمایا ہے جو ہمارے مرشد مولا حضرت خلیفۃ المسیح الموعود علیہ السلام نے آپ کے لیکچروں کے دوران میں دیا تھا۔ وہ آپکے ملاحظہ کے لیئے پھر ملفوف کرتا ہوں۔ جس سے آپ پر ظاہر ہوگا کہ ہم نے یہ چند منٹی مباحثہ کبھی مستحسن نہیں سمجھا اور نہ وہ اصول اس چند منٹی مباحثہ سے طے ہو سکتے ہیں جنپر مذاہب مختلفہ کی

بنیاد ہے۔ ہم آپکے ہاں آپکی صداقتیں سُننے گئے اور چونکہ آپنے ہمیں موقعہ دیا اس موقعہ سے ہم نے فائدہ اُٹھایا ورنہ وہ چند منٹی مباحثہ جس سے کوئی شخص اپنے جلسہ کی رونق مدِنظر رکھ لیتا ہے ہم کو آپکے ہاں نہیں لے گیا ہم تو آپ کی باتیں سُننے گئے جو باتیں ہمیں درست معلوم ہوئیں اُنکے ہم مصدق ہیں اور جو ہمارے نزدیک خلاف ہیں اُنکی تردید ہمارا فرض ہے پادری صاحب آپ کی ایک عمر ان معاملات میں گذر گئی اور آپ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ فوری اور مختصر مباحثے ایک دل کے اُبال کو ٹھنڈا کرنیکے لیئے ہوتے ہیں۔ آپ اس مباحثہ کی خاطر نہ آئیں بلکہ ہماری ان باتوں کو سُننے آئیں جو ہم بطور صداقت آپکے آگے پیش کریں گے آپ ٹھنڈے دل سے اُنکو سُنیں اُنپر غور کریں اور پھر جو آپکے نزدیک قابل جرح ہوں اُنپر بیشک جرح کریں اور ہم کو مدعو کریں ہم حاضر ہو جائیں گے۔ اور مَیں آپ کو دوبارہ تاکیداً عرض کرتا ہوں کہ آپ مخاصمانہ طور پر نہیں بلکہ دوستانہ طور پر بہ طلب حق تشریف لائیں۔ جب آپکو ہماری باتیں ہی معلوم نہ ہوں گی تو آپ ہماری تردید ہی کیا کر سکیں گے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدےٰ۔

راقم نیازمند۔ خواجہ کمال الدین وکیل احمدیہ بلڈنگس لاہور۔ ۲۰۔ دسمبر ۱۹۰۹ء ۹ بجے شام"

مگر پادری صاحبان کا منشار تو کسی معقول بات کو سُننے کا تھا ہی نہیں اُنکو فکر تھا کہ عیسائی ان لیکچروں میں جائیں تو کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ وہ نہ آئے۔ بلکہ اسی دن اپنا ایک اور سلسلہ انہی مضامین جن میں اسلام پر حملے کیئے گئے تھے پھر شروع کر دیا۔ جسے دو دن جاری رکھکر آخر کسی مصلحت سے بند کرنا پڑا۔ بہر حال محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلامی لیکچروں کا یہ سلسلہ نہایت کامیابی سے ختم ہوا۔ اور بہت سی سعید روحوں نے اس سے فائدہ اُٹھایا۔ اُمید ہے کہ یہ سب لیکچر علیحدہ علیحدہ رسالوں کی صورت میں چھپکر شائع ہو جاوینگے کاش وہ لوگ جنہوں نے خدا کے ایک برگزیدہ کی تکذیب کو ہی اپنا رزق بنا لیا ہے کبھی اس بات پر غور کریں کہ اگر اس اُمت میں ایک دجال اور مفتری بھی ایسی جماعت پیدا کر سکتا ہے جو اسلام کیلیئے ایسی غیرت رکھتی ہو کہ وہ اپنے پاس بیٹھنے والوں کو بھی اس غیرت میں دنیا کی تمام قوموں میں ممتاز کر دیتا ہے کیا اسی کو کہتے ہو کہ وہ نعوذ باللہ دشمن اسلام تھا۔ بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم ٭ گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

اس تبلیغ سے جو لاہور جیسے شہر میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوئی انجمن احمدیہ لاہور سارے سلسلہ کی طرف سے خاص شکریہ کے مستحق ہے۔ کہ انہوں نے مقامی چندہ سے ہی ان لیکچروں کے اور لیکچروں کے علاوہ تین چار سو احمدی احباب کے جو باہر سے شامل جلسہ تھے مہمانداری کے اخراجات کو پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان

سب دوستوں کو جزائے خیر دے جنہوں نے اس دینی جہاد میں علمی مالی جسمانی رنگ میں حصہ لیا۔

سلسلہ تبلیغ میں اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ شیخ غلام احمد صاحب اضلاع لائل پور منٹگمری۔ ملتان میں تبلیغ کے لیئے بھیجے گئے ہیں اللہ تعالیٰ انکے کلمات کو بابرکت کرے شیخ صاحب اپنے اس دورہ میں یہ کوشش بھی کریں گے کہ حتی الوسع انجمنوں کو یا جہاں ابھی انجمنیں نہیں بنیں انجمنیں بنا کر احباب کو توجہ دلا دیں کہ چندوں کی باقاعدہ ماہوار وصولی ہونی چاہیئے امید ہے جہاں وہ جاویں گے احباب انکو مدد دیں گے۔

تعمیر:- تعمیر بورڈنگ ہوس بھی عنقریب شروع ہونیوالی ہے۔ اسکے متعلق ایک ضروری تحریک صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے قوم کے سامنے پیش کرنیکے لیئے مجھے ارشاد ہوا ہے آئندہ نمبر میں انشاء اللہ پیش کرسکونگا۔ بورڈنگ ہوس سے پہلے اس مسجد کی بنیاد رکھی جاویگی جسکے لیئے اڑھائی ہزار روپیہ چندہ حضرت میر ناصر نواب صاحب نے فراہم کرکے دیا ہے اور اڑھائی ہزار ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی ہمشیرہ مرحومہ کی وصیت کا ہے۔ اس مسجد کے علاوہ جامع مسجد موجودہ کی توسیع کا کام بھی شروع کردیا گیا ہے۔ اور امید ہے کہ جلسہ سالانہ سے پہلے پہلے ایک بڑا کمرہ پرانی مسجد کے برابر چوڑائی میں اور لمبائی میں قریباً ۶۰ فٹ اور اس نئے کمرے اور پرانی کمرے کے سامنے ایک برامدہ جو ۸۰ فٹ سے زیادہ لمبا ہوگا تیار ہوجاویگا۔ اس توسیع پر غالباً تین ہزار روپیہ کے قریب خرچ ہوگا۔ مگر یہ کام نہایت ضروری تھا اور اس سے اب کے سالانہ جلسے کے اجتماع کیلئے عمدہ جگہ نکل آئیگی۔ اسکے لیئے بالفعل علیحدہ چندہ کی تحریک کرنی مناسب نہیں سمجھی گئی مگر سالانہ جلسے کے اخراجات کے چندہ میں جملہ احباب اس بات کو مدنظر رکھیں کہ دو ہزار روپیہ اخراجات جلسے کے لیئے اور تین ہزار روپیہ یہ کل پانچ ہزار روپیہ پورا کرنا ضروری ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھکر اخراجات جلسہ سالانہ کے لیئے سب انجمنیں اور احباب کوشش کریں جلسہ میں اب صرف دو ماہ باقی ہیں اور اس رقم کا بہت جلد پورا ہونا ضروری ہے۔ مساجد کی تعمیر اور توسیع بجائے خود ایک اعلیٰ درجہ کے ثواب کا کام ہے اور اسپر مزید یہ کہ سلسلہ کی ضروریات اس بات کی متقاضی ہیں۔ اسی اثنا میں میں احباب کو اس طرف توجہ دلانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ لنگر خانہ کی مد بہ سبب کمی آمد روز بروز زیادہ مقروض ہوتی چلی جا رہی ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت میں ان تنگیوں کے وقت میں سال میں ایک یا دو دفعہ خاص چندہ لنگر خانہ کا ہوجایا کرتا تھا۔ اب بھی اگر احباب توجہ کریں تو کوئی بڑی بات نہیں۔ مالوں میں برکت دینے والا وہی خدا ہے جسکی راہ میں یہ خرچ ہو رہے ہیں۔

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

فہرست مضامین قرانی جو ٹسڈل اور دیگر مسیحی لوگ یہودی سرچشموں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور انکے متعلق تحقیق ۳۵۴-۳۵۸ و ۳۶۱-۳۷۵- مسیحی سرچشموں کے متعلق تحقیق ۴۰۱-۴۳۰ و ۴۴۱-۴۵۳-
پادری ٹسڈل کے برخلاف تین جلیل القدر مسیحیوں کی گواہی ۴۰۲-۴۰۶ ٹسڈل کی علمیت-۴۰۶-۴۱۲
اُسکی تحقیقات کی حقیقت ۴۱۲-۴۲۰- احمد کی پیشگوئی ۴۲۰-۴۲۳- مسیحؑ کی آمد ثانی ۴۲۴-۴۲۶
بنت عمران کے متعلق اعتراض کا جواب ۴۲۶-۴۳۰- حضرت ماریہ قبطیہؓ ۴۰۷-۴۱۲- اعمال کے تولا جانیکا ذکر
بائبل طالمود میں ۴۱۰-۴۱۱- قرآن مجید آنحضرت صلعم کے زمانہ کے مسیحیوں کی نسبت کیا کہتا ہے ۴۱۳-۴۱۶
ٹسڈل کی اختلاف بیانی ۴۲۳-۴۲۴ مسیحی معترضین کے مابین تنازع ۴۴۱-۴۵۳- مسیحی سرچشموں کے متعلق میور
کی رائے اور اُسکی تردید ۴۴۴-۴۵۳- زردشتی سرچشموں کے متعلق تحقیق ۴۵۳-۴۷۳- حضرت سلمان فارسیؓ
۴۶۰- قرآن مجید انبیاءؑ اور اُمم سابقہ کے حالات کو کیوں انباء الغیب کہتا ہے ۴۶۴-۴۶۵-

اسرائیل کی گم شدہ بھیڑیں (احاطہ بمبئی اور مالابار کے بنی اسرائیل کے حالات اور انکی اصلیت کی تحقیق) ۱۴۸/۱۵۹

وید کی ناکامی ۱۹۶-۱۹۸- آریہ سماج کی دیانند سے بیزاری اور قرآن شریف کی پیروی (دیانند کا بیوہ کے نکاح کو ناجائز ٹھہرانا اور اُسکی بجائے نیوگ کا عمل تجویز کرنا اور آریہ سماج کا اسکے برخلاف عمل۔ ۱۹۸-۲۰۰-

قرآن مجید پر ڈاکٹر کرل گم کے حملہ کا جواب- ۲۰۱-۲۳۴- آیات متعلقہ جہاد پر بحث- ۲۰۱-۲۲۷-
بائیبل میں کس قسم کے جہاد کی تعلیم دیگئی ہے- اور اُس کا اسلامی جہاد سے مقابلہ ۲۲۸-۲۳۴-

واقعہ صلیب کے متعلق ایک محقق امریکن کی رائے۔ ۲۳۴-۲۳۶

الوہیت مسیحؑ کے برخلاف آسمانی کتب کی شہادت۔ ۲۳۶-۲۳۸

گوتم بدھ کی ہڈیاں اور حضرت مسیحؑ ناصری کی قبر ۲۳۸-۲۳۹

ایک نیا عیسائی فرقہ ۲۳۹-۲۴۰

انبیائے عالم- ۲۴۱-۲۷۲- ایک فاضل سکھ کی رائے آنحضرت صلعم اور سلسلہ انبیاءؑ کے بارے میں اور موجودہ مذاہب کیحالت ۲۴۱-۲۴۷- موجودہ زمانہ کا مصلح اور اُسکے نشانات ۲۴۷-۲۵۲- ثبوت کہ آنحضرتؐ خاتم النبیین ہیں اور قرآن مجید کے بعد کوئی شریعت نازل نہیں ہوسکتی- مگر الہام کا دروازہ کھلا ہے ۲۵۲-۲۷۲-

ایک جھوٹے بابی مدعی کی پردہ دری ۲۷۶-۲۷۹

اسلام کی اشاعت براعظم افریقہ میں ۳۷۵-۳۹۱ و ۳۹۳-۴۰۰ و ۴۳۹-۴۴۰- مسٹر فورڈ کی رائے

مسیحی ملکوں میں مسیحی مذہب کا زوال ۴۷۹-۴۸۰

ایک نشان ۴۷۳-۴۷۴

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیرا یکا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسی اسباب پیدا ہوگئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعفِ نظر کی عام شکایت ہے۔ مینے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی۔ حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مینے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائی ہوئے سرمے کے نسخے کو آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کئے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اسلیئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اول قسم عا/ قسم دوم عہ/ قسم سوم عمہ/ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اول عٰلہ جسکو لوگ اڑھائی سو فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم للعہ/ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کیکے قیمت لے لو

المشتھر:- احمد نور۔ کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب۔

نظام مشائخ

یہ ماہوار رسالہ قریباً ۶۰ صفحہ پر دہلی سے ہر چاند کی چھٹی کو شائع ہوتا ہے اسکی غرض تمام سلسلوں کے صوفیہ مشائخ کی دینی و دنیاوی اغراض کی حمایت ہے۔ مضامین صوفیا کی طرز کے اور دلچسپ۔ رسالہ چار قسم پر چھپتا ہے۔ قیمت درجہ سوم عہ/ ملنے کا پتہ۔ سید محمد ارتضیٰ واحدی نائب مدیر۔ منزل گاہ حلقہ نظام المشائخ دہلی بازار چتلی قبر۔

نوٹ:- خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ — بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۰ء — نمبر ۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ فروری سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شایع ہوا۔ چندہ سالانہ عوام سے عہ (طلباء سے عہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعتِ اسلام نمبر ۹

فتح مکہ

حملہ آور قبائل کی گوشمالی

اگرچہ حدیبیہ میں قریش نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرلیا تھا تاہم ابھی ایسے قبائل موجود تھے جو ابھی تک مسلمانوں کو دکھ دینے سے باز نہیں آئے تھے۔ انکی گوشمالی کیلئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ سے واپس آکر چند ایک مہمیں بھیجیں۔ یہ مہمات کچھ ایسی بڑی نہیں کہ انکا مفصل بیان کیا جاوے۔ انہیں سے ایک مہم حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور دوسری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی سے روانہ کی گئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تیس آدمی دیکر ایک بدوی قبیلہ کو منتشر کرنیکے لیئے بھیجا گیا تھا اور جب وہ واپس آرہے تھے تو راستہ میں آپکے راستہ بتانے والے نے عرض کی کہ قبیلہ خثعم کی ایک جماعت اس نواح میں چارہ کی تلاش میں نکلکر پھر رہی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو انپر حملہ کرسکتے ہیں لیکن فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انپر حملہ کرنیکا حکم نہیں دیا ہے"۔ اس واقعہ کے ذکر سے ہمیں یہ دکھلانا مطلوب ہے کہ مسلمانوں کی یہ جماعتیں ملک میں محض لوٹ مار کرنیکے لیئے نہیں جاتی تھیں بلکہ وہ صرف انہی لوگوں پر حملہ کرتے

تھے جنہوں نے اُنکو ایذا پہنچائی تھی اور انپر بھی اسوقت حملہ کرتے جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سے ارشاد ہوتا تھا۔ ایک مہم کا ذکر ہے کہ اس میں اُسامہ ابن زید رضی اللہ عنہا نے نہیک بن مرداس نام ایک دشمن کا تعاقب کیا اور جب اُنپر تلوار سے وار کرنے لگے تو وہ چلا اُٹھا "لا الٰہ الا اللہ"۔ نہیک کے اس اقرار ایمان کی اُسامہ نے کچھ پروا نہ کی اور اُسکو قتل کر دیا جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسامہ کے اس فعل کی اطلاع ہوئی تو آپ کو بہت صدمہ پہنچا اور آپنے پوچھا اقتلتہ بعد ما قال لا الٰہ الا اللہ "کیا تم نے اسکو لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرنیکے بعد قتل کیا؟" اُسامہ نے عرض کی کہ "اُس نے محض جان بچانے کے لیئے یہ اقرار کیا تھا"۔ لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا فھلا شققت عن قلبہ "کیا تم نے اُس کا سینہ کھولکر دیکھ لیا تھا کہ آیا وہ سچ کہتا ہے یا جھوٹ؟"۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی لڑائیاں عربوں کو اسلام لانے پر مجبور کرنیکے لیئے نہ تھیں اگر ان جنگوں سے مسلمانوں کی یہ غرض ہوتی کہ لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور کریں تو اُسامہ اس شخص کو قتل نہ کرتا جس نے لا الٰہ الا اللہ کا باآواز بلند اقرار کیا تھا۔ اُسامہ نے نہیک کو اسوجہ سے قتل کر دیا کہ اول الذکر کے خیال میں اُسکا یہ اقرار خلوص دل سے نہ تھا بلکہ یونہی جان بچانیکا بہانہ تھا۔ پس اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک جس ایمان سے نفاق کی بُو آئے وہ کفر سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لوگوں کو جبراً مسلمان کرنیکی کوئی ہدایت نہ تھی۔ یا یُوں کہیئے کہ مسلمان اس ایمان کو جو خوف کا نتیجہ ہو بے ایمانی سے بدتر سمجھتے تھے۔ پھر ایسے لوگوں کی نسبت یہ گمان کرنا کہ اُن کی لڑائیاں اسلام کو جبراً پھیلانے کیلیئے تھیں محض تعصب اور بے وجہ عناد نہیں تو اور کیا ہے۔ مذکورہ بالا واقعہ ۸ھ ہجری یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف تین سال قبل کا ہے اور اسکے مطالعہ کے بعد اس امر سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اسوقت تک برابر مسلمان ایسے ایمان کو جو خوف کا نتیجہ ہو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اُنکا اطمینان صرف ایسے لوگوں پر ہوتا تھا جو برضا و رغبت اور صدق دل سے اسلام لاتے تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہ کو اسوجہ سے ملامت کی تھی کہ اُنکے پاس کوئی دلیل نہ تھی جس سے نہیک کا دل ہی مسلمان نہ ہونا

ثابت ہوتا۔

جب ایک شکیہ امر تھا اور علاوہ ازیں بعض ایسے اشخاص بھی تھے جو دل سے تو اسلام کی حقانیت کے قائل تھے لیکن ظاہراً ابھی چھپے ہوئے تھے اور یہ ممکن تھا کہ ٹھیک بھی ایسی لوگوں میں سے ہو اور اُسامہ نے جلد بازی سے ایک مسلمان کو قتل کیا ہو۔ اگرچہ اُس نے ایمان کا اقرار ایسے وقت کیا جبکہ وہ موت کے چنگل میں آچکا تھا تاہم یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ وہ پہلے سے دل میں مسلمان ہو اور اپنی قوم کے دباؤ سے انکی طرف سے لڑائی میں حصہ لیا ہو۔ الغرض مسلمانوں کی آنکھ میں خوف کا ایمان اور بے ایمانی برابر تھے انہوں نے اکثر ایسے لوگوں پر بھروسہ نہیں کیا جنہوں نے مغلوب ہونے پر ایمان کا اظہار کیا ہو چنانچہ اُسامہ کے علاوہ ایک اور صحابی محلم بن جثامہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے ایک عرب عامر بن الاضبط کو قتل کر دیا حالانکہ اُس نے اول الذکر کو السلام علیکم کہا تھا اور یہ اسکے مسلمان ہونیکا نشان تھا جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کی خبر سُنی تو آپ بہت خفا ہوئے بنو عامر کو ایک سو اونٹ خونبہا میں دیئے اور محلم کو اُسکی جلد بازی اور بدظنی پر ملامت کی۔ قرآن کریم اس واقعہ کی نسبت یُوں فرماتا ہے یَاۤ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ (نساء-۱۳۰) یعنی اے ایمان لانیوالو! جب تم خدا کی راہ میں (زمین میں) پھرو تو تحقیق کرو اور جو شخص تمہیں السلام علیکم کہے اُسکو یہ نہ کہو کہ تُو مسلمان نہیں ہے۔

ہمیں اب اس امر کے اعادہ کی ضرورت نہیں کہ مسلمان ایک خالصۃً للّٰہ اور ریا اور ہر ایک ملونی سے پاک ایمان چاہتے تھے اور خوف کے ایمان کو بے ایمانی سمجھتے تھے اور ایسے لوگوں کو جو تلوار سے ڈر کر اسلام کا اظہار کریں اُنکو دشمن سمجھکر قتل کرنا بھی جائز سمجھتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنکی نظر وسیع تھی اور جو رحمۃ للعالمین تھے اپنی رحیم و کریم طبیعت کے باعث یہ نہیں چاہتے تھے کہ ہر ایک شخص کی نسبت جو ظاہراً ایمان لائے یہی فیصلہ کیا جاوے کہ اُسکا ایمان صرف منافقانہ ہے اور یہی خدائے تعالیٰ کا منشاء تھا۔ غرض اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے دشمنوں سے اسلیئے نہیں لڑتے تھے کہ وہ اُنکو جبراً

اسلام منوائیں کیونکہ وہ ایسے ایمان کو جو جبر کا نتیجہ ہو ایمان نہیں سمجھتے تھے اور ایسے شخص کو جو خوف کی وجہ سے ایمان ظاہر کرے اُسے مسلمان نہیں سمجھتے تھے پھر ایسے لوگوں کی نسبت اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ لوگوں کو تلوار کا خوف دکھا کر جبرًا اور اکراہًا مسلمانوں میں داخل کرتے تھے۔

اس زمانہ کی مہمات میں سے ہم یہاں پر ایک اور عجیب اور دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ انصارِ مدینہ میں سے ایک شخص کے ماتحت مسلمانوں کی ایک جماعت کو روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ "اپنے سردار کی فرمانبرداری کریں"۔ اس سردار نے ایک موقعہ پر طیش میں آکر اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کریں اور انکو آگ لگا دیں اسکے اس حکم کی فورًا تعمیل کی گئی اور جب لکڑیوں کا تمام ڈھیر شعلہ زن ہو گیا تو اُس نے کہا "کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمکو میری اطاعت کا حکم نہیں دیا؟" اُن سب نے اثبات میں جواب دیا۔ تب اُس سردار نے دوبارہ کہا "تب میں تمکو اس جلتی آگ میں کودنے کا حکم دیتا ہوں" اس حکم کی تعمیل سے اسکے سب ساتھیوں نے یکزبان ہو کر انکار کر دیا اور کہا "بے شک حضرت نبی کریمؐ نے ہمکو تمھارے حکم کی تعمیل کا ارشاد فرمایا تھا لیکن (یاد رہے) کہ ہمنے آگ سے ہی بچنے کی خاطر آنحضرت صلعم کا دامن پکڑا تھا اس لیے اب ہم اس آگ میں نہیں کود سکتے (انما فررنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من النار) جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپنے فرمایا (الطاعۃ فی المعروف) یعنی انہی باتوں میں تمپر میری اطاعت واجب ہے جو راست اور جائز ہوں"

ہم نے یہ روایت اس بات کے واضح کرنیکی خاطر یہاں لکھی ہے کہ عرب کے لوگوں نے دوزخ کی آگ سے ڈر کر اسلام قبول کیا تھا نہ کہ کسی تلوار کے خوف سے جیسا کہ ہمارے یسوعی معترض خیال کرتے ہیں یا یُوں کہو کہ وہ اپنے جسم کو بچانیکی خاطر مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ اسلام لانیسے اُنکو ابدی نجات مقصود تھی۔ پیارے ناظرین! اس مختصر جماعت کے آدمیوں نے جو جواب اپنے سردار کو دیا وہ اس قابل ہے کہ آپ اسپر توجہ کریں کیونکہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حلقہ بگوشی کیوں اختیار کی تھی لیکن

اگرچہ مسلمانوں کے امن پسند ارادوں کا کتنا ہی ثبوت ملے تاہم یسوعی مشنری کی آنکھ میں وہ جلاد اور لٹیروں سے بہتر نہیں ہوسکتے۔ آہ کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ جو لوگ نار دوزخ سے ڈر کر اسلام کے دامن میں پناہ گزین ہوئے تھے اب دھینگا مشتی سے انہی کو ایک اور آگ یعنی نار حرب کے بھڑکانے کا الزام دیا جاتا ہے۔ پیارے ناظرین! آپ ہی غور کریں کہ جن لوگوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ سنا تھا اور جو اپنی روحوں کو بچانے کی غرض سے آپ کی رسالت پر ایمان لائے تھے بھلا اُنسے یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ وہ بیدردانہ اور وحشیانہ احکام سنتے اور پھر بھی آپکے مطیع اور فرمانبردار رہتے۔ انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ایسے عباد الرحمٰن بننے کے لیے پکڑا تھا جنکی تعریف خدائے تعالیٰ نے قرآن کریم کی مفصلہ ذیل آیات میں فرمائی ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ۝ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ الآیۃ (فرقان-۶)

یعنی "رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں (اور جب جاہل لوگ (اُنکو چھیڑنے کے لیے) اُنسے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں (اور اُنسے اعراض کرتے ہیں) اور وہ اپنی راتیں اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں گذار دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب جہنم کا عذاب ہم سے ہٹا دے تحقیق اُس کا عذاب لازم ہوجانیوالا ہے اور وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بُری جگہ ہے۔ اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو وہ بیجا طور پر خرچ نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ اس کے درمیان ایک معتدل راہ اختیار کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور نہ وہ کسی جان کو جسے خدائے تعالیٰ نے حرام کیا ہے ناحق قتل کرتے ہیں۔" یہ اوصاف ہیں جو خدائے تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کے لیے

بیان فرمائے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شب و روز اسی کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح اُس درجہ تک پہنچ جائیں جو خدائے تعالیٰ نے عبادالرحمن کے لیئے مقرر کیا ہے۔ جب قرآن کی وہ تعلیم ہو اور صحابہ کرامؓ کی یہ کوشش ہو تو یہ کیونکر ممکن ہوسکتا تھا کہ مسلمان قرآن کریم کے صریح احکام کی خلاف ورزی کرتے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ اُنکو کوئی ایسا حکم دیتے جو آیات مذکورہ کے خلاف ہوتا مذکورہ بالا آیات میں جو ہدایات دی گئی ہیں انھیں ایک یہ بھی ہے وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ یعنی عبادالرحمن وہ ہیں جو کسی نفس کو قتل نہیں کرتے سوائے اُسکے جو مستوجب قتل ہو۔ اب اس آیت نے صاف منع کردیا ہے کہ کسی ایسے شخص کی جان نہ لیجائے جو قتل کا مستحق نہ ہو۔ اب رہی یہ بات کہ قتل کے مستحق کون لوگ ہیں ایک اور آیت میں اسکی بھی تشریح فرمادی گئی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا (مایٔدہ - ۵) یعنی جو شخص کسی نفس کو بغیر کسی اور نفس کے بدلے یا زمین میں فساد کرنے کے قتل کرتا ہے تو وہ گویا تمام انسانوں کو قتل کرتا ہے۔ اب اس آیت کے مطابق صرف وہی لوگ گردن مارے جانے کے مستحق ہیں جو کسی شخص کو قتل کرتے ہیں یا ملک میں فساد اور بغاوت پھیلاتے ہیں۔

منصف ناظرین! خدا کیلیئے اب آپ ہی سوچکر دیکھیں کہ وہ شخص کہانتک حق بجانب ہوسکتا ہے جو ایسے صریح احکام کی موجودگی میں یہ خیال کرتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو لوٹ مار کرنے اور جو ملے اُسے قتل کردینے کا حکم دیا تھا؟ اگر بالفرض کوئی شخص اُنکو ایسا حکم بھی دیتا تو وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف اس غرض سے ایمان لائے تھے کہ متقیوں کے امام بنیں اور جنکو الطاعۃ فی المعروف کا ارشاد تھا اُنسے یہ کیونکر ہوسکتا تھا کہ ایسے احکام کی تعمیل کرتے (مذکورہ بالا واقعات کے لیئے ملاحظہ ہو زادالمعاد جلد اوّل صفحہ ۴۰۶ سے لیکر ۴۱۰ تک)

قبل ازیں ہم بیان کرچکے ہیں کہ مسلمانوں کی کئی جماعتوں کو دغاباز اعرابیوں نے نہایت بیرحمی سے قتل کردیا تھا۔ جس سال کا ہم اب ذکر کر رہے ہیں اُسمیں بھی بعینہٖ اسی

قسم کا ایک واقعہ پیش آیا یعنی تین مسلمانوں کی ایک جماعت پر فدک کے راستہ میں دشمن نے حملہ کیا انہیں سے صرف اس جماعت کا سردار بچا۔۔۔۔۔۔۔ باقی سب قتل کیئے گئے (ملاحظہ ہو لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ میور صفحہ ۳۷۳)۔ ہاں اب یہ بات ضرور تھی کہ چونکہ مسلمانوں کے ساتھ نصرت الٰہی شامل تھی اسلیئے دشمنوں پر ایک الٰہی رُعب قائم ہوگیا اور جن مسلمانوں کو پہلے معمولی شکار سمجھا جاتا تھا اب انسے ہیبت معلوم ہوتی تھی۔ اسکی تشریح اور وضاحت کے لیئے ہم الحرث بن عوف کی بیان کردہ روایت ذیل میں دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ حسیل بن نویرہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ خبر لیکر آیا کہ عیینہ جو محاصرہ مدینہ کے وقت بدوؤں کا سرغنہ تھا اب پھر بعض دوسرے صحرائی قبائل کے ساتھ ملکر مدینہ یا اُس کے مضافات پر حملہ کرنیکی تیاریاں کر رہا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ و عمرؓ سے مشورہ کیا اور تین سو آدمیوں کا ایک دستہ بشیر بن سعد کے ماتحت اس طرف روانہ فرمادیا۔ اس فوج نے صبح ہوتے ہی اُنپر دھاوا بول دیا اور جب دشمن کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ ہر طرف جہاں کسی کے سینگ سمائے بھاگ نکلے۔ انکا سردار عیینہ بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ اور مسلمان مظفر و منصور دو قیدی لیکر واپس آئے۔ جب عیینہ سراسیمہ و پریشان پوری تیزی سے بھاگا جارہا تھا تو راستہ میں اُسے الحرث بن عوف ملا۔ مؤخر الذکر نے اُسکو ٹھہرنے کیلیئے کہا لیکن عیینہ نے پھولی ہوئی آواز سے جواب دیا "مَیں نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ میرے تعاقب کنندہ پیچھے آرہے ہیں"۔ الحرث نے کہا، "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو اب ہر جگہ مخالفت کا سر نیچا کر دیا ہے تم کب تک اُنکا مقابلہ کرتے رہوگے"!! بھلا اس سوال کا جواب دینے کی کسکو فرصت تھی عیینہ اتنک دور نکل چکا تھا۔ الحرث بیان کرتا ہے کہ مَیں وہاں دوپہر سے مغرب کے وقت تک ٹھہرا رہا لیکن مجھے کوئی تعاقب کنندہ نظر نہ آیا (زاد المعاد جلد اوّل صفحہ ۴۰۸) دراصل مسلمانوں کا خوف تھا جو اس بھگوڑے سردار کا تعاقب کر رہا تھا۔ عیینہ صبح سے دوپہر تک گھوڑا مارتا اور دم توڑتا چلا آیا تھا لیکن ابھی تک وہ برابر صحرائے عرب کی جلتی ہوئی ریت پر دوپہر کے جُھلسنے والے سورج کی تیز دھوپ میں بھاگا چلا جارہا تھا۔ اللہ۔ اللہ۔ جن مسلمانوں کو عربوں نے مکہ سے نکالا حبش کو بھگایا اور جنکو ہر طرح کی ایذا دینے سے درگذر نہ کی۔ اب ان کے رُعب کا

یہ عالم کہ عیینہ جیسا بہادر سردار محض وہمی تعاقب سے ڈرتا ہوا بھاگا جا رہا ہے۔ الغرض اب اعراب مسلمانوں کو آسان شکار نہیں سمجھتے تھے۔ اور مسلمانوں کا جو رعب اُنکے دشمنوں کے دلوں پر بیٹھ گیا تھا وہ جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں الٰہی نصرت کا نتیجہ تھا اور آخر کار اسی نصرت الٰہی نے اُنکے تند خو دشمنوں کی آتشِ غضب کو ٹھنڈا کر دیا اور ان ایذا دہندوں کے خونخوار ہاتھوں سے اُنکو بچا لیا۔

ناظرین! ان چھوٹی چھوٹی مہمات میں بھی خدائے تعالیٰ کی عجیب و غریب قدرتوں کے تماشے اور نشانات ظاہر ہوتے تھے چنانچہ روایت ہے کہ جندب ابن مکیث الجھنی ایک ایسے دستہ کے ہمراہ تھے جسکو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام کدید پر بنی الملوح نام قبیلہ کی سرکوبی کے لیئے روانہ فرمایا تھا۔ غروب آفتاب سے تھوڑی دیر قبل صاحب موصوف قبیلہ مذکور کی جھونپڑیوں سے تھوڑے فاصلہ پر ایک ٹیلہ پر کھڑے تھے جبکہ دشمنوں میں سے کسی نے اُنکو دیکھا اور فوراً ایکے بعد دیگرے دو تیر چلا دیئے۔ اُنھوں نے تیر تو نکال کر پھینک دیئے لیکن اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ یہ دیکھکر اُس عرب نے سمجھا کہ ٹیلہ پر کوئی بے جان چیز ہے انسان نہیں اسلیئے اُس نے اور کوئی تیر نہ چلایا۔ جب صبح ہوئی تو کثیر التعداد دشمنوں نے مسلمانوں کا تعاقب کیا لیکن جسطرح سمندر کی ایک لہر نے بیچ میں پڑکر بنی اسرائیل کو فرعونیوں کے ہاتھ سے چھڑا لیا تھا اُسی طرح یہاں بھی ہوا یعنی جب تعاقب کنندہ کفار اور مثیل موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی اس مختصر جماعت کے درمیان صرف ایک ہی وادی کا فاصلہ رہ گیا تو یک بیک پانی کی ایک پُر زور رَو آگئی اور تعاقب کنندگان اپنا شکار ہاتھ سے نکلتا ہوا دیکھکر ششدر و حیران کھڑے کے کھڑے رہ گئے جبکہ اُنکی آنکھوں کے سامنے مسلمان صحیح و سالم بچکر نکل گئے۔

(زاد المعاد صفحہ ۴۰۸ جلد اوّل)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور جماعت جسمیں تین سو جانباز مجاہد تھے ساحل سمندر کی طرف بھیجی تھی لیکن وہاں جاکر اُنکی رسد ختم ہوگئی اور وہ بھوک کے مارے اسقدر تنگ ہوئے کہ درختوں کے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانے لگے۔ اب خدائے تعالیٰ کی نصرت جوش میں آئی اور جسطرح موسیٰ کی اُمت کو جنگل میں من و سلویٰ عنایت کیا تھا اسی طرح مثیل موسیٰ کے صحابہؓ کو اسوقت غیب سے رزق بھیجدیا یعنی خدائے تعالیٰ کے حکم سے سمندر کی لہر نے کنارے پر

ایک اتنی بڑی مچھلی ڈالدی جسپر اس جماعت نے پندرہ روز تک گذارہ کیا بلکہ واپس آتے ہوئے کچھ حصہ بچاکر مدینہ میں لائے جسمیں سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ حصہ لیا۔ یہ مچھلی اتنی بڑی تھی کہ لمبے سے لمبا آدمی اونچے سے اونچے اونٹ پر سوار ہوکر اسکی پسلیوں کے نیچے سے گذر سکتا تھا۔ (ابن ہشام اور لائیف آف محمد (صلعم) صفحہ ۳۸۵) الغرض یہ چھوٹی چھوٹی مہیں عربوں کے ہاتھ سے تنگ آکر انکی نقل و حرکت کے دیکھنے اور وقت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے کے لیئے اور نیز ظالم حملہ آوروں کی سرکوبی کے لیئے بھیجی گئی تھیں اور انہیں بھی خدائے تعالیٰ کے زبردست ہاتھ نے ایسے ایسے واقعات دکھائے جو مسلمانوں کے ایمان کی زیادتی کا موجب ہوئے اور ابتک ہو رہے ہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ لٹیروں اور غارتگروں کے ساتھ خدائے تعالیٰ کا یہ تعلق ہوتا ہے؟۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ ادا کرتے ہیں۔

اب ذی القعدہ کا مہینہ آگیا تھا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و قریش کے درمیان جو صلح کا معاہدہ حدیبیہ پر ہوا تھا اُسے ایک سال ہو چکا تھا۔ شرائط صلح کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تھا کہ اب کی مرتبہ زیارت کعبہ سے مشرف ہوں اسلیئے آپ دو ہزار صحابہ رض کو ساتھ لیکر عمرہ کرنیکے لیئے روانہ ہوئے۔ اور سوائے ایک ایک تلوار کے جو ہر ایک کے نیام میں رہتی تھی اور جسکے رکھنے کی حاجیوں کو اجازت بھی تھی اور کوئی ہتھیار کسی نے بھی نہیں باندھا تھا ہاں یہ احتیاط ضرور کی تھی کہ دغا و فریب سے بچنے کے لیئے آلات حرب کا کافی سامان علیحدہ ساتھ رکھ لیا تھا۔ مسلمان شہر مکہ کے قریب [۴۴] فاصلہ پر ایک گھاٹی میں رکھدیا گیا اور دو سو جوان اُسکی حفاظت کے لیئے پیچھے چھوڑ دیئے قریش نے یکدم شہر کو خالی کر دیا اور نزدیک کی پہاڑیوں پر چڑھکر اُن دیس بدر آدمیوں کو دیکھنے لگے جو سات سال قبل اپنے ہی بھائی بندوں کے ہاتھ سے تنگ آکر اپنے وطن مالوف کو بصد حسرت و رنج خیرباد کہنے پر مجبور ہوئے تھے۔ جب وہ مبارک مقام نظر آنے لگا تو مسلمانوں نے لبیک لبیک کا نعرہ بلند کیا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم [۴۵] کے اشارہ سے تمام مسلمانوں نے اپنے کندھے برہنہ کر کے تیز تیز قدم اٹھاکر طواف شروع کر دیا۔ کندھوں کے

۴۴ میل پر تھے تو آلات حرب کو وہاں چھوڑ کر صرف تلواریں

۔لیکر عمرہ کے مراسم ادا کیئے اور آپ

برہنہ کرانے اور تیز دوڑانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصد تھا کہ دشمنوں پر مسلمانوں کی طاقت کا اظہار ہو جائے اور جب ان پر یہ واضح ہو جائیگا کہ مسلمانوں میں طاقتور اور بہادر جوان موجود ہیں تو وہ آیندہ لڑائی فساد کا خیال کرنیسے باز آجائیں گے۔ اور ملک میں مستقل طور پر امن وامان ہو جائیگا۔

ناظرین! آپ ہی دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امن کیسا عزیز تھا اگر آپنے طاقت کا اظہار کیا تو بھی اسی نیت سے کہ کسی طرح دشمن جنگ و تعدی سے باز آجائیں۔

علاوہ ازیں جب عبد اللہ بن رواحہ نے بعض جوش پیدا کرنیوالے الفاظ بولنے شروع کر دیئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسکو روکدیا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا اے رواحہ کے بیٹے نرمی اختیار کرو اور ایسے الفاظ زبان پر لانے کے بجائے اسطرح کہو۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہ نصر عبدہ واعز جندہ وھزم الاحزاب وحدہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ اسی خدا کا کام ہے کہ اُسنے اپنے رسول کی نصرت کی اور اپنے لشکر کو غلبہ دیا اُسی مولا نے مخالفین کی متفقہ فوجوں کو تنہا بھگا دیا" (زرقانی شرح مواہب صفحہ ۳۰۸ جلد ثانی۔ د لائیف آف محمد صلعم مصنفہ میور صفحہ ۳۷۴)

عبد اللہ نے انہی الفاظ کو بلند آواز سے پکارا اور باقی تمام لوگوں نے پورے زور کے ساتھ اُسکی تقلید کی یہانتک کہ قرب وجوار کی پہاڑیاں بھی گونج اُٹھیں۔ اب صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب بیان میور صفحہ ۳۷۴ عبد اللہ کو بھڑکانیوالے الفاظ بولنے سے محض اسلیئے روکا کہ کہیں قریش دوبارہ جنگ وجدل نہ شروع کر دیں اور اس طرح آپکے امن پسند ارادوں کی تکمیل میں پھر ایک رُکاوٹ پیدا نہ ہو جائے۔

دوسرے روز صبح کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور وہاں پر برابر ظہر کے وقت تک اپنے مولا کے حضور دعائیں کرتے رہے۔ جب نماز کا وقت آگیا تو بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور اذان دیدی۔ اذان سُنکر تمام صحابہؓ اِدھر اُدھر سے بیت اللہ شریف کی دیوار کے نیچے جمع ہو گئے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جماعت کرائی جبکہ مکہ والے سخت حیرت اور تعجب سے اس نظارے کا مشاہدہ

کر رہے تھے۔

میور کہتا ہے کہ "یہ ایک نہایت ہی عجیب منظر تھا جو مکہ کی وادی میں اسوقت ظہور پذیر ہوا یہ ایسا نظارہ تھا جسکی نسبت ہم کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ میں اپنی نظیر آپ تھا۔ اہالیان مکہ نے اپنے قدیم شہر کو تین روز کے لیئے بالکل خالی کر دیا ہے اور جونہی وہ شہر سے باہر نکلتے ہیں اسی وقت دیس بدر لوگ جو کئی سال ہوئے اپنی زاد بوم سے نکالدیئے گئے تھے اپنے مددگاروں کو ساتھ لیکر مکہ کی وادی میں داخل ہوتے ہیں۔ اپنے بچپن کے گھروں پر ایک بار پھر نظر ڈالتے ہیں اور تھوڑے سے مقررہ وقت کے اندر اندر عمرہ کی رسومات ادا کرتے ہیں۔ مکہ کے باشندے اپنے بال بچوں سمیت قرب و جوار کی بلندیوں پر چڑھکر پہاڑیوں اور گھاٹیوں کے درمیان خیموں یا چٹانوں کے سایہ میں پناہ لیتے ہیں۔ اور پہاڑ کی اونچی چوٹی پر چڑھکر نو واردوں کی حرکات و سکنات پر ایک متحیر نظر ڈالتے ہیں اور جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوکر نماز اور مراسم عمرہ ادا کرلیتے ہیں تو وہ ہر ایک شخص کو بڑے غور سے دیکھتے جاتے ہیں اور ان مسافروں کی جماعتوں میں کسی دیر کے بچھڑے ہوئے عزیز یا دوست کی تلاش کر رہے ہیں۔ یہ نظارہ بھی انہی دکھوں اور دردوں کا نتیجہ تھا جو پیدائش اسلام کا موجب ہوئے"

حضرت نبی کریم رشتہ داری کے تعلقات قائم کر کے اتحاد پیدا کرتے ہیں

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (فداہ ابی و امی) بنی مصطلق کی طاقتور قوم کے سردار کی بیوہ لڑکی جویریہ سے عقد کرکے اس قبیلہ کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق پیدا کر لیا تھا اور جب صحابہ کرام رض کو اس رشتہ کی اطلاع ہوئی تھی تو انہوں نے یہ کہکر کہ اب بنی مصطلق ہمارے اقارب ہوگئے ہیں فوراً تمام قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔ اسی رشتہ کے متعلق حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ "جس برکت کا موجب جویریہ اپنی قوم کے لیئے ہوئی ہے اس سے بڑھکر کبھی کوئی اور عورت نہیں ہوئی" ایسا ہی لکھا ہے کہ جب آپ نے اپنے ایک امیرالجیش عبدالرحمن کو دومۃ الجندل کی مہم پر بھیجا تو انکو بھی ہدایت فرما دی کہ وہاں کے عیسائی سردار کی بیٹی سے شادی کر لیں

یہ واقعات تو ایسے وقت کے ہیں جب آتشِ جنگ پورے زور سے بھڑک رہی تھی لیکن اب زمانہ ایک حد تک بدل چکا تھا۔ صلح حدیبیہ سے یہ آگ ٹھنڈی ہو چکی تھی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان شرائط صلح طے ہو چکی تھیں اسلیئے اب قرابتوں اور رشتوں کے ذریعہ اتحاد و امن قائم کرنیکا نہایت ہی موزون و مناسب موقعہ تھا۔

ہمارے ناظرین کو بخوبی معلوم ہے کہ مسلمانوں کے مقابل میں اب قریش کا سرغنہ ابوسفیان تھا کیونکہ ابوجہل۔ عتبہ۔ شیبہ جیسے خونی دشمن خدائے تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق ناکامی کے ساتھ ہلاک ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر مُہر لگا چکے تھے۔ مسلمانوں کا جو گروہ حبش کو ہجرت کر گیا تھا اُس میں ابوسفیان کی بیٹی بھی تھی جسکا نام ام حبیبہ تھا جو اب بیوہ ہو گئی تھی۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ نجاشی شاہ حبش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خط لکھے تھے۔ دوسرے خط میں شاہ موصوف کو جو اب مسلمان ہو چکا تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ارشاد تھا کہ باقی ماندہ مہاجرین کو مدینہ پہنچا دے اور ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد باندھ دے۔ مکّہ کے سردار کی بیٹی سے یہ نکاح ایسے وقت کیا گیا تھا جبکہ عارضی طور پر لڑائی وغیرہ بند تھی اور اس سے یہ غرض مدّنظر تھی کہ ابوسفیان کو راضی کر لیا جائے اور اسطرح اس عارضی صلح کو دائمی امن کے ساتھ بدل دیا جائے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے موقعہ پر حضرت میمونہ رضؓ سے شادی کر لی جو مکّہ کی ایک بیوہ تھی اور خالد جیسے بہادر اور جانباز قریش اسکے عزیز اقربا میں سے تھے۔ مکّہ کے اقارب کے علاوہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی رشتہ داری دوسری عرب اقوام سے بھی تھی اور اسطرح اس شادی سے بھی بہت سے دشمن دوست ہو گئے۔

دشمنوں کے مسخر کرنیکے اس طریق پر ہندوستان کے ایک بیدار مغز اور عقلمند بادشاہ نے بھی عمل کیا تھا۔ اکبر راجپوت جنکو مسلمان حملہ آوروں نے سلطنت سے محروم کیا تھا اور جو طبعاً اسلامی سلطنت کے دشمن تھے اکبر کی اس دُور اندیشی اور

حکیمانہ طریق و عقلمندانہ روش کے باعث اُسکے جاں نثار دوست بنگئے تھے۔ اور جنکو وہ پہلے دشمن خیال کرتے تھے اب وہی اُنکے داماد اور بہنوئی تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رشتہ داری کے تعلق سے ایک اور بات بھی مقصود تھی یعنی ان بیویوں کے خویش و اقارب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آتے جاتے تھے اور اس طرح اُن کو آپ سے ملاقات کرنے اور آپکے اخلاق و عادات و مذہب کا مطالعہ کرنیکا موقعہ ملجاتا تھا جسکا اکثر یہی نتیجہ ہوتا کہ وہ مسلمان ہوجاتے۔ اگر کوئی دیکھنے والی آنکھ ہو اور سوچنے والا دل ہو تو اُسے یہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور سچائی کی ایک اور شہادت ملتی ہے کیونکہ کسی کاذب کا یہ دل گردہ کہاں ہوسکتا ہے کہ دشمن کو گھر بلاکر اُسے اپنی ذات اور اپنے مذہب کی کمزوریوں کے دیکھنے کا موقعہ دے اور اپنی عادات اور اخلاق کو مخالف کی نکتہ چین آنکھ کے نیچے رکھے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش سے محبت تھی

نبی کریم صلعم کا میمونہؓ کے ساتھ شادی کرنیسے صرف اُسکے عزیز و اقربا کو عداوت سے باز رکھنا ہی مقصود نہ تھا بلکہ آپ چاہتے تھے کہ کوئی موقعہ نکالکر قریش کے بڑے بڑے آدمیوں کی دعوت کریں اور اس طرح اُنکے ساتھ دوستانہ بات چیت کرکے اُنکو راضی کریں۔ جتنی دیر تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں قیام رہا اُتنی دیر تک قریش اُنسے بالکل الگ تھلگ رہے صرف چند ایک آدمی آپسے ملے جن سے آپنے حسب عادت خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کی۔ جب تین دن مقررہ ختم ہوگئے تو چوتھے روز قریش کے دو سردار سہیل اور حویطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے اور کہا کہ "آپ اب تشریف لیجائیں" اسکے جواب میں آنحضرتؐ نے بڑی نرمی اور اخلاق سے فرمایا "اس میں آپکا کیا حرج ہے اگر آپ مجھے کچھ اور دیر ٹھہرنے ولیمہ کرنے اور مہمانوں کو کھانا کھلانے کی اجازت دیں بلکہ اس دعوت میں آپ لوگ بھی شریک ہوں"۔ سرداران قریش سمجھ گئے کہ نبی کریمؐ اُنکے درمیان ٹھہر کر قریش کو اپنے حسن سلوک سے مسخر کرنا چاہتے ہیں اسلیئے انہوں نے جواب دیا "ہمیں آپ کے کسی کھانے دانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی

مہلت کا مقررہ وقت گذر چکا ہے اسلیئے آپ اب ہمارے ہاں سے چلے جائیں" اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ وفائی کے لحاظ سے فوراً کوچ کا حکم دیدیا اور حضرت ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو اپنے غلام ابو رافع کے سپرد کرکے سرف نام مقام کی طرف روانہ ہوئے جو مکّہ سے دس میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ آپکے تشریف لانے کے بعد میمونہ اور ابو رافع دونوں کو مکّہ والوں نے بڑی تکلیف اور ایذا پہنچائی (زرقانی شرح مواہب صفحہ ۳۰۳-۳۱۵- میور صفحہ ۳۷۳-۳۷۸)

ناظرین! ایک طرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی اور صلح کی کوششوں پر نظر ڈالیں اور دوسری طرف قریش کی سنگدلی ملاحظہ ہو۔ اس میں کلام نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش سے مصالحت کرنیکے خواہشمند تھے لیکن اسوجہ سے نہیں کہ وہ اُنسے ڈرتے تھے بلکہ اسلیئے کہ آپکو اُنسے محبت تھی۔ اسوقت یہ خیال کرنا کہ قریش سے کسی قسم کا خوف تھا محض ناواقفی اور واقعات سے لاعلمی ہے کیونکہ اب اُنکی طاقت بالکل ٹوٹ چکی تھی جسے میور صاحب بھی تسلیم کر رہے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "مکّہ میں جلسیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ پتہ لگ گیا کہ اُس جگہ آپ کا کہانتک اثر ہے اور نیز یہ کہ قریش کی طاقت اور انکا جوش کہانتک کمزور ہو رہے ہیں۔۔۔۔ اب قریش میں کوئی مسلّمہ قابل اور با اثر سردار نہیں تھا۔ اسلیئے ایک ہی دلیرانہ اور زبردست حملہ اُس جھگڑے کو ختم کرنیکے لیئے کافی تھا جو کئی سال سے مکّہ کو زیرو زبر کر رہا تھا" ایسے وقت جب قریش کی طاقت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور جبکہ ایک ہی حملہ میں اُن کا کام تمام ہو سکتا تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُنکو راضی کرنیکی کوشش کرنا صاف بتلاتا ہے کہ آپ کو مجبوراً تلوار نیام سے باہر کرنی پڑی تھی۔ ورنہ آپ ہمیشہ امن و مصالحت کے خواہاں تھے۔ اب ان واقعات کی موجودگی میں بھی اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ساتھ جنگ وجدل کرنے میں سبقت کی تھی تو ہم ایسے شخص کو حوالہ خدا کرتے ہیں۔

پیارے ناظرین! ہم پوچھتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ ہمارے

دشمن کہتے ہیں۔ پہلے پہل جبکہ آپکا جتھا کمزور تھا دشمنوں پر پیشدستی کی تھی تو اب جبکہ دشمن کمزور اور آپ طاقتور تھے کون امر اس بات سے مانع تھا کہ ایک ہی حملہ میں قریش کو تباہ و برباد کر دیتے؟ پھر اسکی کیا وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسوقت جبکہ آپکے ارشاد پر ہزاروں جانباز بہادر جان قربان کرنیکو تیار تھے اور جبکہ قریش کی طاقت پورے طور پر ٹوٹ چکی تھی آپنے اُنکی کمزوری سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ اُنکو رضامند اور خوش کرنیکے لیئے ہر طرح کی کوشش فرمائی؟ - بات اصل میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پہلے پیشدستی کی تھی نہ اب۔ غور کا مقام ہے کہ جب آپنے طاقتور ہوکر دشمن کی کمزوری سے فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ مصالحت کی کوشش کی تو یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ کمزور ہوکر زبردستوں پر سبقت کرتے؟ - سچی بات یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش سے محبت تھی اور وہ کسی وقت اُنکی تباہی پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ہمیشہ یہی چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح صلح و صفائی سے رہیں اور اپنے حقیقی خیر خواہ کو دُکھ دیکر مورد غضب الٰہی نہ بنیں اگر قریش مسلمانونکو نابود کرنیکے لئے تلوار نیام سے نہ نکالتے تو آپ کبھی اُنسے نہ لڑتے اور واقعات تو یہ بتلاتے ہیں کہ کسی شخص کو کبھی اپنی قوم سے اسقدر الفت نہیں ہوئی جسقدر آنحضرت صلعم کو قریش سے تھی۔ جب آپ مکہ میں تھے تو قریش کو غلطی پر دیکھکر آپ کو بہت دُکھ پہنچتا تھا اور اُنکو راہ راست پر لانے اور ظلمت سے نکالنے کیلیئے وعظ کرتے رہتے۔ آپکے اس فکر اور غم کی طرف قرآن کریم اسطرح ارشاد فرماتا ہے لعلك باخع نفسك الا یکونوا مؤمنین (شعراء رکوع ۱) یعنی شاید تو اس غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے تئیں ہلاک کر دیگا۔

جب آپ کی قوم یعنی قریش نے آپکی وعظ و نصیحت پر توجہ نہ کی بلکہ اُلٹی مخالفت کی تو آپ کو خوف پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو انکا بھی وہی حشر ہو جو پہلے انبیاء کے مخالفوں کا ہوا ہے اسلیئے آپنے متواتر اُنکو آنیوالے عذاب سے ڈرایا اور بار بار توبہ کرنیکی طرف توجہ دلائی۔ یہ سب کچھ محض اسلیئے ہوا کہ آپ کو اپنی قوم سے دلی محبت تھی اور یہ خیال آپکو بار بار دُکھ دیتا تھا کہ مبادا قریش بھی پہلے لوگوں کی طرح ایک رسول کی مخالفت کرکے عذاب الٰہی کا شکار ہو جائیں۔
اب جبکہ قریش کی طاقت کا خاتمہ ہو چکا تھا آنحضرتؐ کی اس پرانی محبت نے جو کبھی سرد

نہیں ہوئی تھی پھر جوش مارا اور آپنے انکو رضامند کرنیکی کوشش فرمائی۔ اسمیں کلام نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر اسوقت چاہتے تو قریش کو کلیۃً ملیامیٹ کر دیتے۔

ناظرین! یہ وہی قریش تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو سخت سے سخت دکھ دیئے تھے۔ جنہوں نے آپکی جان پر حملہ کیا تھا اور آپکے سر مبارک کی قیمت مقرر کی تھی۔ ہاں ہاں یہ وہی قریش تھے جنہوں نے مسلمانوں کے کچلنے کیلئے بار بار مدینہ پر حملے کئے تھے اور جنہوں نے آنحضرت صلعم کے پیارے اصحابؓ کی نعشوں کی بے حرمتی کی تھی اور شہید مسلمانوں کی لاشوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا تھا۔ اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے صحرائی قبائل کو اُکسا کر مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کی عزیز جانیں سخت خطرہ میں کر دی تھیں۔ ہم بڑے زور سے کہیں گے کہ یہ وہی کینہ توز لوگ تھے جنہوں نے مرد تو درکنار مسلمان عورتوں پر بھی دست ظلم و تعدی دراز کیا تھا۔ کیا ایسے لوگ بھی کسی رحم کے مستحق ہو سکتے تھے؟ ہرگز نہیں قطعاً نہیں لیکن محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب صافی میں اپنی قوم کی وہ محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ آپنے ان تمام باتوں کو نسیاً منسیا کر دیا اور قریش سے صلح کرنیکی سعی فرمائی۔ ابتدا سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر اس کوشش میں مصروف تھے کہ کسی طرح انکی قوم اس عذاب سے بچ جائے جو رسولوں کے مخالفوں کا حصہ ہوتا ہے۔ اور اسی لیئے آپنے اس موقعہ پر بھی مصالحت کیلئے سعی فرمائی۔ لیکن جائے تعجب ہے کہ آپکو قریش سے جسقدر الفت تھی اُن لوگوں کو آپسے اُتنی ہی نفرت تھی۔ معلوم ہوتا ہے یا تو ابھی تک اُنکو اپنی طاقت پر کسی قدر گھمنڈ تھا یا آنحضرتؐ کی نرمی سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر گستاخی دکھاتے تھے اور اسی لیئے آپ کی محبت اور اخلاص سے بھری ہوئی کوششوں پر اُنہوں نے قطعاً توجہ نہ کی۔ خیر اسکا کچھ ہی سبب ہو لیکن آنحضرتؐ نے مصالحت کے لیئے جو کوششیں کیں وہ اُس الزام کی بریت کیلئے کافی ہیں جو مسیحی لوگوں نے جھوٹ مُوٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگایا ہے یعنی یہ کہ معاذ اللہ آنحضرت صلعم نے قریش پر تلوار اُٹھانے میں ابتدا کی تھی۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ایسا اعتراض کرنیوالوں سے کوئی یہ تو پوچھے کہ اگر آنحضرت صلعم نے ایسے وقت لڑائی میں ابتدا کی تھی کہ جب آپکے ساتھ ایک

مٹھی بھر اور وہ بھی بے سروسامان آدمی تھے تو اب کونسی ضرورت پیش آئی تھی کہ آپ مصالحت کے خواہاں تھے اور لڑائی کو بند کرنا چاہتے تھے؟ اور اگر قریش نے طاقتور ہونیکے وقت مجبورًا اور اپنی مرضی کے برخلاف تلوار اُٹھائی تھی تو اب کمزوری کے وقت اُنکو مصالحت کر لینے سے کونسی بات مانع تھی؟ ایسے معترضین کو یہ خیال نہیں آتا کہ جس شخص کو ہر آن یہی دُھن ہو کہ کسی طرح قریش راضی ہو جائیں وہ کیونکر اُنسے جنگ چھیڑنے میں ابتدا کر سکتا تھا۔

آہ۔ کیسے افسوس کا مقام ہے کہ مخالفین ہماری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس لباس جنگ پر ہی نظر ڈالتے ہیں جو قریش کے ظالم ہاتھوں سے بچنے کیلئے آپؐ اور آپکے صحابہؓ کو مجبورًا پہننا پڑا تھا اور اُس خیر خواہ وہمدرد قلب تک اُنکی کوتاہ بین آنکھ نہیں پہنچتی جو اس زرہ بکتر کے نیچے چھپا ہوا تھا اور جو اپنے بدخواہوں کی بہتری کیلئے شب و روز تڑپتا تھا۔

آنحضرت صلعم کی قریش سے جو محبت تھی اس میں مہاجرین بھی شریک تھے چنانچہ ایکمرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو انصار مدینہ میں سے تھے ایک قریش سردار کے متعلق کچھ ہتک آمیز الفاظ کہے تو حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے اُنکو ملامت کی۔ وہ بات یہ تھی کہ کہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک قریش سردار کی نسبت جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا یہ کہہ بیٹھے کہ افسوس وہ زندہ بچکر نکل گیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اسپر خفا ہو گئے اور غصہ سے کہا کہ کیا تم ایک قریش کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کرتے ہو۔ ایسا ہی جب عبداللہ بن رواحہ نے عمرہ کے موقعہ پر کچھ جوش دلانیوالے الفاظ کہے تو سب سے پہلے اُسکو جس شخص نے روکا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ غرض اس میں کلام نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین رضی اللہ عنہم سب کو قریش سے محبت تھی لیکن جسطرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب اعلیٰ اور شان والا تھی اسی طرح اپنی قوم سے آپکو محبت بھی دوسروں کی نسبت بڑھی ہوئی تھی۔ اور اس محبت نے یہانتک ترقی کی ہوئی تھی کہ انصار مدینہ میں سے بعض کو اس بات کا رشک بھی ہوا تھا چنانچہ

فتح مکہ کے بعد ایک موقعہ پر انہوں نے شکایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی رعایت کرتے ہیں۔

یہاں پر سوال ہو سکتا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش سے محبت تھی تو پھر قریش کو آپ سے کیوں محبت نہ تھی؟ ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے ایسا ہونا ضروری تھا کیونکہ خدائے تعالیٰ کی ہمیشہ یہی سُنّت رہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو تو اپنی قوم سے پرلے درجہ کی ہمدردی اور اُنس ہوتا ہے اور وہ انکو اندھیرے میں دیکھکر کڑھتے اور شب و روز اس دُھن میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح وہ نجات پاکر ظلمت سے نور کی طرف آجائیں۔ لیکن چونکہ خدا کے مرسل آسمان کی طرف سے ہوتے ہیں اسلیئے زمینی لوگ انکو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اوّل الذکر تو بنی نوع انسان سے سچی الفت و محبت رکھتے ہیں لیکن دنیا کے کیڑے اس محبت کی قدر نہیں کرتے بلکہ اُلٹا اُنکو نفرت اور دشمنی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اُنکی مخالفت میں ناخنوں تک زور لگاتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ ماموران الٰہی کی اس محبت کا کہیں سے کوئی جواب ہی نہیں ملتا بلکہ اکثر ایسی سعید روحیں نکل آتی ہیں جو دنیا کی ملونی سے پاک ہو کر ان آسمانی لوگوں کو پہچان لیتی ہیں اور اُنکی محبت کا جواب محبت سے دیتی ہیں اگرچہ اُنکی محبت اُس محبت کا پاسنگ بھی نہیں ہوتی جو ماموران الٰہی کو بنی نوع انسان سے ہوتی ہے۔

پیارے ناظرین! اب آپ اُس محبت اور اخلاص پر غور کریں جو صحابہ کرام رضی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اور چونکہ یہ اخلاص و محبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس اُلفت کا نامکمل عکس تھا جو بنی نوع انسان کیلیئے آپکے قلب صافی میں بھری ہوئی تھی اسلیئے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ ہمارے آقا ہمارے سید و مولے۔ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق خدا سے کیسا اُنس اور کیسی محبت تھی۔

ہم اس سلسلہ مضامین میں پیچھے ابو سفیان کے وہ لفظ نقل کر چکے ہیں جو اُس نے

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقعہ پر کہے تھے اور نیز طائف کے سردار عروہ کے وہ الفاظ نقل کر چکے ہیں۔ جو اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیبیہ میں ملنے کے بعد کہے تھے انہیں صاف صاف اس بات کا اقرار کیا گیا تھا کہ صحابہؓ اپنے نبی پر جان و دل سے فدا ہیں۔ اور اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس محبت کا جو آپکو بنی نوع انسان سے تھی حضرت مسیحؑ ناصری کی اُس محبت سے جو انکو اپنی قوم یعنی یہود سے تھی مقابلہ و موازنہ کرنا چاہے تو اُسے کہیں دور جانیکی ضرورت نہیں صرف یہ کرے کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سچی اطاعت و محبت ۔ اور وفاداری کا مسیح کے شاگردوں کی کارروائی سے مقابلہ کر لے جو اپنے اُستاد کے پکڑا جانے پر اُنسے ظاہر ہوئی۔ ہمارے خیال میں اس عظیم فرق کا سبب صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کُل زمانوں اور کُل اقوام کیلئے مبعوث ہوئے تھے جیسا کہ قُل یٰاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا سے صاف ظاہر ہے اور مسیح ناصری صرف اپنے زمانہ کے بنی اسرائیل کیلئے آئے تھے جیسا کہ متی ۱۵-۲۴ سے صاف ظاہر ہے۔ پس جس طرح اول الذکر کی بعثت عالمگیر تھی اور آخر الذکر کی صرف ایک ہی زمانہ اور ایک ہی قوم تک محدود تھی اُسی طرح اُنکی محبت کا بھی قیاس کر لینا چاہیئے۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اثر صرف صحابہؓ پر ہی نمودار نہ ہوا بلکہ وہ محبت ایسی زبردست تھی کہ آخر دشمنوں پر بھی اثر کر گئی یہ آپ کی محبت ہی کی کشش تھی جسنے آخر شہر مکہ کے جانی دشمنوں کو کھینچکر اُنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلقہ بگوش غلام بنا دیا۔ اور آپ کی ہمدردی کی مقناطیسی قوت نے وہ کام کر دکھایا جو بیچارا مسیحؑ تو کجا دنیا کے کسی عظیم الشان نبی سے بھی ظہور میں نہ آیا۔ اللّٰھم صل علٰی محمد واٰلہ واصحابہ وخلفاءہ اجمعین۔ اٰمین ثم اٰمین۔

لوگوں میں اسلام قبول کرنیکے لیئے عام تحریک ہو رہی تھی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں تشریف لانا بڑی عمدہ ثمرات کا موجب ہوا اور اس سے جلدی ہی اچھے نتائج مترتب ہونے شروع ہو گئے اور حضرت نبی کریم صلعم کی عنایات و اسلام کی خوبیوں نے بہتسے دلوں کو تسخیر کر لیا۔ اس تسخیر قلوب کا یہ نتیجہ ہوا

کہ خالد۔ عمرو ابن العاص اور عثمان بن طلحہ جیسے نامی گرامی قریش نے مدینہ میں آکر اسلام قبول کر لیا۔ ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا خالد اور عمرو جنگ احد میں قریش کی طرف سے افسران فوج تھے اول الذکر میمنہ کی پیدل سپاہ کی کمان کرتا تھا اور آخر الذکر کے سپرد رسالہ کا انتظام تھا۔ عثمان ابن طلحہ بھی ایک با اثر رئیس تھا اور چونکہ کعبہ کی چابیاں اُسکے پاس تھیں اسلیئے اسکا فرض تھا کہ اپنے معزز مہمان کے لیئے بیت الحرام کا دروازہ کھولتا چنانچہ اُس نے ایسا کیا اور اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ پر ایک گہری نظر ڈالنے کا موقعہ مل گیا۔ اور دین حقہ کی عظمت اور سچائی نے اسپر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کے بے عیب چال چلن نے اُسے اپنا گرویدہ بنا لیا اور اُسے کچھ ایسی لو لگ گئی کہ اسلام کی قبولیت کے بغیر اُسکے قلب مضطر نے چین نہ پکڑا۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں "ہمیں یہ تو نہیں بتلایا گیا کہ عوام میں سے کسقدر لوگوں نے مدینہ میں آکر اسلام قبول کیا یا مکہ میں ہی رہ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرفداری کا اظہار کر دیا۔ ہاں اس میں کلام نہیں کہ یہ تحریک اب مذکورہ بالا (خالد۔ عمرو۔ عثمان ابن طلحہ) لوگوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ وسیع اور عام تھی اور اسلام اب دن بدن ہر دل عزیزی حاصل کرتا جا رہا تھا۔"

ناظرین! یہ تمام کامیابی صلح حدیبیہ کا نتیجہ تھی اور جس صلح کو مسلمانوں نے اپنے لیئے ہتک خیال کیا تھا وہی ایک حقیقی فتح کے رنگ میں ظاہر ہوئی اور آخر وہی ہوا جو خدائے تعالیٰ نے فرمایا تھا اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا۔ اس صلح کا ہی نتیجہ تھا کہ مسلمان کعبہ کی زیارت سے فیض یاب ہو سکے اور اسی صلح کے باعث مکہ والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سے ملنے کا اتفاق ہوا اور چونکہ مسلمانوں کی ایذا دہی جسکا آغاز مکہ سے ہوا تھا اب بند ہو گئی تھی اسلیئے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ اگر جنگ شروع رہتا تو اس تحریک کا وجود محال تھا۔ اس صلح کا اثر نہ صرف مکہ میں ہوا تھا بلکہ ہر جگہ اسکے عمدہ نتائج کا ظہور ہوتا جاتا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عرب کی جس قوم نے اسلام سے جنگ وجدل بند کر کے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا عہد نامہ کر لیا آخر کار وہی اسلام کی عالمگیر اخوت میں جذب ہو گئی اور

ہمیشہ صلح کے بعد قبول اسلام ہی وقوع میں آیا یہ ایک ایسا امر ہے جو معترضین کے لیئے ایک بڑے غور کا مقام ہے عمرہ کے امن وامان کے ساتھ ادا کرنے اور بعد کی کامیابیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ رُویا پوری ہوگئی جسکی بابت قرآن کریم مفصلہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے۔ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ الآیہ۔ یعنی البتہ تحقیق سچ دکھایا اللہ تعالیٰ نے رسول اپنے کو خواب ساتھ حق کے۔ البتہ داخل ہوگے مسجد حرام میں اگر چاہا اللہ نے امن سے۔ منڈاتے ہوئے اپنے سروں کو اور کتراتے ہوئے۔ نہ ڈرتے ہوگے۔ (سورہ فتح رکوع ۴)

بنی سلیم مسلمانوں کو شہید کرتے ہیں

بنی سلیم کا ایک سردار مسلمان ہوگیا تھا اور اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی خواہش کے مطابق قبیلہ مذکور کو اسلام سکھانے کیلیئے صحابہؓ کی ایک جماعت کو اُسکے ساتھ روانہ کردیا۔ لیکن بنی سلیم نے اس جماعت کو آتا ہوا دیکھکر غلطی کھائی اور ان بے ضرر واعظوں کا تیروں کی بوچھاڑ سے استقبال کیا اور بہتوں کو شہید کردیا لیکن جلدی ہی اُنہوں نے اپنا ایلچی بھیجکر نبی کریم صلعم کی اطاعت اختیار کرلی اور آنحضرت صلعم نے اُنکو معاف کردیا یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرہ کرکے آنیکے ایک ماہ بعد کا ہے (میور صفحہ ۳۷۹)

مقام ذات اطلاح پر مسلمانوں کو شہید کیا جاتا ہے

سرحد شام پر ایک مقام ذات اطلاح نام تھا وہاں پر مسلمانوں کی ایک جماعت نے جنکی تعداد پندرہ تھی اور جنکا امیر کعب بن عمیر الغفاری تھا۔ لوگوں کا مجمع دیکھکر اُنہیں اسلام کی تبلیغ کی ان لوگوں نے خفا ہوکر اس دعوت کا جواب تیروں کی بوچھاڑ سے دیا اور سب کے سب مسلمان شہید کر دیئے صرف ایک شخص زندہ بچا جس نے اس جانکاہ حادثہ کی خبر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچادی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کو سُنا تو آپکو بہت سخت صدمہ ہوا اور آپنے انتقام لینے کا ارادہ فرمایا لیکن یہ سُنکر کہ وہ

لوگ اُس مقام سے بھاگ گئے ہیں آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ (دیکھو زرقانی شرح مواہب قسطلانی جلد ثانی صفحہ ۳۱۹)۔ میور صاحب کہتے ہیں کہ" دوسرے حادثات کی طرح اس واقعہ کا بیان بھی روایات میں اسقدر مختصر ہے کہ جس سے اس مہم کی اصل غرض معلوم کرنا دشوار ہے۔ شائد یہ جماعت کسی قبیلہ کی طرف سفارت کے طور پر روانہ کی گئی ہو یا اُس مجمع کی بابت تحقیق کرنیکے لیئے گئی ہو جسکی سرحد شام پر جمع ہونیکی افواہ تھی" خواہ کچھ ہی ہو اس حادثہ سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ سرحد شام کے لوگوں کو اسلام سے سخت عداوت تھی۔ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ جب شام کے عیسائی رؤسا نے ہرقل قیصر روم کو اسلام کی تعریف کرتے سُنا تو اُنھوں نے فوراً جنگلی گدھوں کی طرح وحشت و نفرت ظاہر کی اور اپنی صلیبوں کو بلند کر کے حرکت دینی شروع کر دی۔ شام کے ان عیسائی رؤسا کا یہ مجنونانہ جوش کہ قیصر کے حضور کی بھی پروا نہ کی صاف بتلاتا ہے کہ سرحد شام پر بھی اسلام کے ساتھ ایسی ہی عداوت تھی جیسی خود عرب میں پائی جاتی تھی۔ اور آخر یہی نفرت وعناد اُن لڑائیوں کا باعث ہوئی جو مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین ہوئیں۔

جنگ موتہ اس لڑائی کا باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سفیر کا قتل ہوا جو کہ گورنر بصری کے پاس بھیجا گیا تھا سفیر مذکور کو راستہ میں شرجبیل نام ایک عیسائی گورنر نے گرفتار کر لیا اور رسیوں سے جکڑ کر اُسکا سر قلم کر دیا۔ (زاد المعاد جلد اول صفحہ ۴۱۴)

پیارے ناظرین! اگر عرب کی بُت پرست اقوام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو تکلیف دی تو کوئی تعجب کی بات نہیں تھی لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسیح ناصری کے پیرو کیوں بلا وجہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو گئے؟ اس عیسائی حاکم کا ایک مسلمان سفیر کو بے رحمی سے قتل کرنا صحرائی عربوں کے جماعتوں کی جماعتوں کو قتل کر دینے سے بدتر تھا۔ اسلیئے اس ظالمانہ حرکت کی اطلاع پا کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا اور ظالموں کی گوشمالی کا فوراً ارادہ کر لیا۔ اور حکم دیا کہ بلا تاخیر ایک جماعت اس وقوعہ کی جگہ کی طرف روانہ ہو جائے۔ چنانچہ تین ہزار آدمیوں کی فوج جسکا سپہ سالار آپکا پیارا آزاد غلام زید تھا روانہ ہو گئے۔ فوج کی

روانگی کے وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تقریر کی اور فرمایا "اگر زیدؓ شہید ہوجائیں تو اُنکی جگہ جعفرؓ کمان کریں اور اگر جعفرؓ کی شہادت ہوجائے تو اُسکے بعد عبد اللہ ابن رواحہ سالار لشکر ہو اور اگر وہ بھی بدستور داعی اجل کو لبیک کہیں تو پھر فوج اپنا افسر خود منتخب کرلے" حضرت مولوی رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی میں اس واقعہ کو اسطرح منظوم فرماتے ہیں ؎ (ہم چند شعر بطور نمونہ درج کرتے ہیں)

بود موتہ موضعے در ملک شام	از مدینہ راہ یک ماہ تمام
حاکم آں کافر وسخت و درشت	قاصد حضرت نبی را او بکشت
پس رسول اللہ بہر انتقام	لشکرے ترتیب کرد از خاص عام
بہر سرداری گزید او زید را	حکم ایں ہم کرد آں اہل صفا
گر شہادت زید را عاید شود	پس ازاں جعفر سپہ قائد شود
بعد او ہم ہست عبد اللہ را	میری و سردارئے لشکر عطا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کو رخصت کرنیکے لیئے مقام ثنیۃ الوداع تک تشریف لے گئے اور اس مقام پر پہنچکر آپ کھڑے ہوگئے اور اُسوقت جو وصیت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لشکر کو کی اُسکا درج کرنا یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے تا ناظرین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی حقیقت معلوم ہو اُس رحیم کریم انسان نے (جسکا دل اپنے سفیر کے دردناک قتل سے زخمی ہوچکا تھا) فرمایا کہ پہلے وہاں کے لوگوں کو دعوت اسلام کرو اور اگر وہ اسلام قبول کریں تو اُنکا جرم معاف کرکے اُنسے درگذر کرو ورنہ استعینوا علیہم باللہ وقاتلوھم یعنی اُنکے مقابل میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور اُن سے لڑو۔ اور فرمایا اوصیکم بتقوی اللہ وبمن معکم من المسلمین خیرا اغزوا بسم اللہ فی سبیل اللہ من کفر باللہ لا تغدروا۔ ولا تغلوا ولا تقتلوا ولیدا ولا امرءۃ ولا کبیرا فانیا ولا منعزلا بصومعۃ ولا تقربوا نخلا ولا تقطعوا شجرا ولا تھدموا بناء (زرقانی شرح مواہب قسطلانی جلد ثانی صفحہ ۳۲۲) یعنی میں تمکو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور جو مسلمان تمھاری

ساتھ ہیں اُنسے نیک سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ کے نام کے ساتھ اپنے جنگ کو شروع کرو اور صرف خدا کے لیئے کفار سے (یعنی شرجبیل اور اُسکے مددگاروں سے جنہوں نے ایک مسلمان سفیر کو قتل کرکے خود جنگ کی بنا ڈالی) لڑو مگر فریب اور خیانت سے اجتناب کرو۔ بچوں۔ عورتوں۔ بوڑھوں اور درویشوں کو ہرگز قتل نہ کرو۔ کھجوروں کے قریب مت جاؤ کسی درخت کو مت کاٹو اور نہ کسی مکان کو گراؤ۔

یہ وہ وصیت تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو رخصت کرنیکے وقت فرمائی اور اس سے ایک راستی پسند انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کی حالت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ آپ کا سارا سہارا اپنے خدا پر تھا اسی لیئے آپنے اپنے رفقا کو تاکید کی کہ جنگ میں خدا کو مت بھولو بلکہ اُسی سے مدد طلب کرو۔ پھر آپنے اپنے سپاہیوں کو تقوی اللہ کی نصیحت کی یعنی اپنے ہر ایک کام میں خدا کا خوف مدِّنظر رکھو اور کوئی ایسا کام نہ کرو جو تقوی اور طہارت کے برخلاف ہو۔ کسی پر ظلم نہ کرو کسی کے مال کو ناجائز طور سے نہ چھینو اور کسی متنفس کو بے جا طور پر دُکھ نہ دو۔ اور لشکر کے سرداروں کو حکم دیا کہ اپنے ماتحت سپاہیوں سے نیک سلوک کرو اور فرمایا کہ خدا کے نام کے ساتھ جنگ کو شروع کرو اور جنگ میں بھی دشمن کے ساتھ کوئی دغا بازی نہ کرو اور دشمنوں کے بچوں۔ عورتوں اور بوڑھوں اور درویشوں پر رحم کرو۔ فصلوں اور درختوں کو مت کاٹو اور مکانوں کو مت گراؤ۔ سبحان اللہ اس سے بھی بڑھکر جنگ میں دشمن کے ساتھ زیادہ رحم کا سلوک ہو سکتا ہے؟ مگر افسوس ظالم مسیحی معترض کی آنکھ پر کیسا پردہ چھا گیا ہے کہ وہ ایسے مقدس اور رحیم کریم انسان پر اعتراض کرتا اور اُسکو اور اُسکی جماعت کو لٹیروں اور تعدی کرنیوالوں کی جماعت قرار دیتا ہے۔ وہ شخص جو اپنے سپاہیوں کو جنگ میں بھی حکم دیتا ہے کہ تقوی پر چلو اور خدا سے ڈرو اُسکی نسبت کہنا کہ اُس نے لوٹ مار شروع کرکے اور بے قصور بے گناہ بیٹھے بٹھائے لوگوں پر فوج کشیاں کرکے ہر طرف جنگ کی آگ کو بھڑکا دیا کیسا ظلم ہے۔

غرض ادھر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لشکر روانہ فرمایا اور دوسری طرف شرحبیل خوب جانتا تھا کہ اُسکی اس وحشیانہ حرکت کا کیا نتیجہ ہوگا اسلیئے اُس نے پہلے ہی سے قیصر کے دوسرے گورنروں کو اپنے ساتھ گانٹھ لیا ہوا تھا اور انہی کے بھروسہ پر وہ اس زیادتی کا مرتکب ہوا تھا۔ اب اس طرح ان لوگوں نے مل ملاکر اس جھگڑے کو شاہی جھگڑا بنا دیا تھا اور پہلے ہی سے سخت وپزکے پوری تیاری کر لی تھی اسلامی فوج ابھی راستہ ہی میں تھی جب اُنکو معلوم ہوا کہ دو لاکھ عیسائی فوج جنمیں ایک لاکھ رومی ہیں مقام بلقاء پر جمع ہے اور خود قیصر روم اُسکا سپہ سالار ہے۔ اس فوج کی نسبت میور لکھتا ہے کہ "تھیوفینس کے ایک فقرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً ہرقل کا بھائی تھیوڈورس ایک عظیم الشان فوج لیکر آیا تھا اسی کی نسبت یہ افواہ ہوگی کہ خود قیصر دو لاکھ فوج سے میدان میں پڑا ہے" غرض اس بڑی فوج کی چونکانے والی خبر مسلمانوں کو مقام معان پہ پہنچی اور وہیں افسروں نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ چونکہ حضرت نبی کریم صلعم نے اتنی بڑی فوج سے مقابلہ کرنیکا حکم نہیں دیا تھا اسلیئے بعض کی تو یہ رائے ہوئی کہ حضورؐ کو خبر کیجائے اور جو حکم دیں اسپر عمل ہو لیکن بعض ایسے تھے جو بہر صورت آگے ہی بڑھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن رواحہ نے بڑی زور سے فرمایا کہ "کیا ہم اسی لیئے یہانتک کوچ کرکے آئے ہیں؟ کیا ہمارا بھروسہ صرف اپنی تعداد پر ہے یا خدائے تعالیٰ کی نصرت پر؟ اگر فتح نہیں تو شہادت ہی سہی اور ایک نہ ایک ضرور حاصل ہوگی اسلیئے آگے بڑھو" اس تقریر کا ہر ایک نے یہ جواب دیا "خدا کی قسم۔ رواحہ کا بیٹا بالکل سچی بات کہتا ہے آؤ ہم جلدی آگے بڑھیں" پس اسلامی فوج نے کوچ کر دیا اور جب وہ موتہ پہنچے تو عیسائی فوج نے اُنپر حملہ کر دیا۔ مسلمان کثیر التعداد عیسائی فوج سے بڑی بہادری کے ساتھ لڑے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اسلامی عَلَم کو ہاتھ میں تھاما اور اپنے دستہ فوج کو آگے بڑھا کر حملہ کیا اور بہادری سے لڑتے لڑتے جام شہادت پی لیا۔ اسکے بعد حضرت جعفرؓ بن ابی طالب (جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے) عَلَم بردار ہوئے اور انہوں نے اپنے گھوڑے سے نیچے کود کر اُسکے پاؤں قلم کر دیئے

جو اس بات کا ایک نشان تھا کہ میدان میں سے ہرگز کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ انہوں نے سفید جھنڈے کو اُٹھا کر ہوا میں ہلایا اور اپنے آدمیوں کو آگے بڑھکر حملہ کرنیکے لیے للکارا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا جسم تھوڑے ہی عرصہ میں زخموں سے پُر ہوگیا لیکن وہ برابر اخیر دم تک لڑتے رہے۔ علَم پہلے اُنکے دائیں ہاتھ میں تھا جب وہ کٹ گیا تو اُنہوں نے اسے بائیں ہاتھ میں لے لیا اور جب بایاں بھی کٹ گیا تو اُنہوں نے ٹنڈ ہاتھوں کے سہارے اُسکو چھاتی سے لگا لیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے جسم پر تیروں اور تلواروں کے تمام زخم تعداد میں نوّے کے قریب تھے (صحیح بخاری) اور وہ سب کے سب اُنکے جسم کے اگلے حصہ پر ہی تھے جن سے آخر وہ شہید ہوگئے۔ حضرت جعفر کی شہادت کے بعد حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے جھنڈے کو پکڑ لیا لیکن وہ بھی بدستور داخل جنت ہوئے۔ اب جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی اُسکے مطابق افسرانِ فوج نے مشورہ کیا اور حضرت خالدؓ کو سالار لشکر منتخب کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے اس جوانمردی اور دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا کہ اُنکے ہاتھ میں اُس دن یکے بعد دیگرے ۹ تلواریں ٹوٹیں۔ خالدؓ نے اگرچہ عیسائی فوج کو بڑی بہادری سے پیچھے ہٹا دیا لیکن دشمن کی کثیر تعداد کا کہاں تک مقابلہ ہو سکتا تھا اسلیئے وہ باقی ماندہ فوج کے ساتھ مدینہ کو واپس آگئے۔ خالدؓ نے اس میدان میں جو جنگ آزمائی کے جوہر دکھائے اُنکے عوض اُنکو 'سیف اللہ' کا خطاب ملا۔ یہ لڑائی ابد الآباد تک تاریخ کے صفحات پر اُس بہادری اور دلیری کی ایک روشن مثال کے طور پر یادگار رہے گی جو اسلام نے مسلمانوں میں پھونک دی تھی۔

جب موتہ میں لڑائی ہو رہی تھی تو میدان جنگ کا تمام نظارہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کشف میں دکھایا گیا اور مدینہ میں بیٹھے بیٹھے دور دراز کے میدان کارزار کا تمام نقشہ آپکی آنکھوں کے سامنے جما دیا گیا گویا کہ آپنے اپنے صحابہؓ کی جانباز کوشش اور بہادری کا خود مشاہدہ کر لیا۔ اور پیشتر اسکے کہ ایلچی لڑائی کے نتائج کی خبر لیکر پہنچیں آپنے مدینہ کے اصحاب کو اطلاع دیدی تھی کہ زید۔ جعفر اور عبد اللہ تو ہر ایک

باری باری علَم کو اُٹھاکر اور بہادری سے لڑکر شہید ہوگئے ہیں لیکن جب خالد کی باری آئی تو خدائے تعالیٰ نے اُسکو فتح دیدی (صحیح بخاری جزو ثالث صفحہ ۳۷)

جب ایلچی خبر لیکر پہنچا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان شئت اخبرنی وان شئت اخبرتك یعنی "اگر تم چاہو تو مجھے اطلاع دیدو وگرنہ اگر تمھاری مرضی ہو تو میں ہی بتلائے دیتا ہوں کہ کیا واقع ہوا ہے" دراصل اس فوج کی روانگی کے وقت آنحضرت صلعم نے جو ہدایات دی تھیں وہ بجائے خود ایک پیشگوئی تھی۔ آپنے فرمایا تھا کہ "پہلے زید فوج کا افسر ہو اور جب وہ شہید ہو جائے تو جعفر اُسکی جگہ لے اُسکے بعد عبداللہ بن رواحہ سالار لشکر ہو۔ اور عبداللہ کی شہادت کے بعد فوج خود اپنا سردار منتخب کرلے"۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہدایات پہلے کبھی کسی موقعہ پر نہیں فرمائی تھیں۔ اور عجیب تر یہ کہ ہر ایک بات بعینہٖ اسی طرح وقوع میں آئی جس طرح حضورؐ نے فرمایا تھا۔ جس ترتیب سے لوگوں کے نام لیے گئے تھے وہ اسی ترتیب سے شہید ہوئے یعنی پہلے زید پھر جعفر اور انکے بعد عبداللہ۔ اب عبداللہ کے بعد جو شخص آپکی ہدایات کے مطابق منتخب ہوا وہ اخیر وقت تک لڑتا رہا اور جبتک رومی فوج کو پیچھے نہ ہٹا دیا اُسوقت تک اُس نے پیٹھ نہ پھیری۔ گویا اس میں اشارہ تھا کہ ان تین شخصوں کی شہادت کے بعد جس شخص کو فوج اپنا سردار منتخب کریگی وہ آخری شخص ہوگا اور اسکے بعد کسی اور کے انتخاب کی ضرورت نہ ہوگی۔

یہ بے محل نہ ہوگا اگر ہم اپنے ناظرین کی آگاہی کیلئے یہاں پر یہ بیان کردیں کہ اسلامی فوج محض اسلیئے بھیجی گئی تھی کہ شرجبیل عیسائی سردار کو اُسکے وحشیانہ جرم یعنی ایلچی کے قتل کی سزا دے اور سالار لشکر کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف ہدایت فرمائی تھی کہ سیدھا اُس مقام کی طرف کوچ کرے جہاں پر آپکے سفیر کو بے رحمی سے شہید کیا گیا تھا۔ لیکن اس ظالم عیسائی سردار کا ساتھ نہ صرف سرحد شام کی عیسائی اقوام مثل لخم۔ جذام۔ قیس۔ بہرار۔ بلی۔ بنی وبل۔ بکر وغیرہا نے ہی دیا بلکہ دوسرے رومی گورنروں اور خود شاہی فوج نے بھی اُس کی

حمایت کی۔ چونکہ مسلمان اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کرنیکے لیئے تیار نہ تھے اس لیئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے جلیل القدر صحابہؓ اس جنگ میں شہید ہو گئے اور انکی وفات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔

اب اس طرح چونکہ عیسائی سرداروں سرحد کے عیسائی قبائل اور خود قیصر کی فوج نے اس ظالم سردار کی حمایت کر کے مسلمانوں کے خلاف ایک اور جرم کا ارتکاب کیا تھا اسلیئے عیسائی سپاہ کا ہر فرد بشر ایسا ہی مجرم تصور کیا جا سکتا تھا جیسا کہ خود وہ شریر النفس شرجبیل تھا جسکی حمایت کا انہوں نے بیڑا اُٹھا لیا تھا۔ آج اگر عیسائی اُس دن کو روتے ہیں جب مسلمانوں نے اس سرزمین کو فتح کیا تھا جس میں انکے خداوند کا مسکن تھا تو اس کا الزام انکے اپنے آبا و اجداد پر وارد ہوتا ہے جنہوں نے اسلام سے عناد اور مسلمانوں پر بے جا زیادتیاں کر کے خود لڑائی مول لی تھی اور مسلمانوں کو بدلہ لینے پر مجبور کر کے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری تھی یعنی اپنا ملک اپنے آپ ہاتھ سے کھو یا تھا۔ یہاں بھی قریش کی طرح سبقت عیسائیوں ہی کی طرف سے ہوئی۔

ہمارے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ بنی جذام نام ایک عیسائی قبیلہ نے جو قیصر کے زیر اثر تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر دحیہ کو لوٹ لیا تھا جبکہ وہ شام سے واپس آرہا تھا۔ اگرچہ وہ قیصر ہی کے پاس بھیجا گیا تھا اور وہیں سے ہی تحائف سمیت واپس آرہا تھا لیکن عیسائی اقوام کو اسلام سے اسقدر نفرت تھی کہ انہوں نے خود اپنے شہنشاہ کے حضور سے لوٹنے والے ایلچی کا بھی پاس نہ کیا اور جو کچھ اُسکے پاس تھا سب کچھ لوٹ لیا اور اسی میں وہ تحائف بھی لوٹ لیئے جو خود قیصر نے دیئے تھے (دیکھو میور کی لائف آف محمد (صلعم) صفحہ ۳۴۵) اور خود میور اپنی لائف آف محمد (صلعم) کے صفحہ ۳۸۱ پر ایک نوٹ میں لکھتا ہے کہ یہ قبیلہ بھی شاہی فوج میں شامل تھا جس نے مقام موتہ میں مسلمانوں پر حملہ کیا تھا اور میور اس امر کی بھی شہادت دیتا ہے کہ دومۃ الجندل کے عیسائی قبائل نے ۵ ہجری میں ہی مسافروں کو لوٹنا شروع کر دیا تھا اور مدینہ پر حملہ کرنیکے لیئے تیاریاں کر رہے تھے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حملہ کو روکنے اور لٹیروں کو منتشر کرنیکے لیئے سخت گرمی کے

وقت ایک لمبا اور تھکا نیوالا سفر کرنا پڑا تھا۔ علاوہ ازیں ہم ابھی دیکھ چکے ہیں کہ پندرہ بے گناہ مسلمانوں کو سرحد شام کے عیسائی قبائل نے نہایت بے رحمی سے شہید کر دیا تھا مسلمانوں کی اس جماعت کی نسبت میور اپنی کتاب لائف آف محمد (صلعم) کے صفحہ ۳۸۰ پر صاف اقرار کرتا ہے کہ وہ لوگ کسی جنگ کے ارادہ سے وہاں نہیں گئے تھے اور نہ ہی اُنکو کسی کی ایذا دہی مقصود تھی۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ جب ان لوگوں کا کسی جنگ وجدل کا ارادہ ہی نہ تھا اور نہ ہی کسی کو ایذا دینا چاہتے تھے جیسا کہ میور خود تسلیم کر رہا ہے تو پھر رحم مجسم عیسائیوں نے اُنپر تلوار کیوں چلائی؟ اسکا جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو محض اسوجہ سے شہید کیا گیا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول مانتے تھے اس وحشیانہ قتل عام کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیر الحارث بن عمیر ایک عیسائی گورنر شرحبیل بن عمرو کے ہاتھ سے قتل ہوا اور جب اس ظلم وستم اور حقوق بین الاقوام کی خلاف ورزی سے مجبور ہو کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم سردار کی گوشمالی کیلئے ایک دستہ فوج بھیجا تو نہ صرف تمام عیسائی سردار اور سرحد کے عیسائی قبائل اُسکی امداد اور حمایت پر آمادہ ہو گئے بلکہ خود قیصر کی سپاہ مجرم شرحبیل کی حمایت کے لئے آموجود ہوئی اور مسلمان جب مقام واردات پر پہنچے تو سامنے اتنی بڑی فوج موجود تھی جو انہوں نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس مور و ملخ سے لشکر کو کیوں جمع کیا گیا تھا؟ اسکا جواب ناظرین خود سوچ لیں اور دیکھ لیں کہ اسکے سوا عیسائیوں کی اور کیا غرض ہو سکتی تھی کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی فوج کو کچل کر انکی بوٹی بوٹی اڑانا چاہتے تھے اور یہ صرف اسلیئے کہ انہوں نے ایک ظالم کو اُنکے ظلم پر سزا دینے کا کیوں ارادہ کیا تھا۔ عیسائیوں نے اس بات میں اپنی ہتک سمجھی کہ مسلمانوں کا نیا فرقہ اُنسے بدلہ لینے کا خیال کرے شاید اُنکا خیال تھا کہ مسلمانوں کے خلاف خواہ وہ کیسا ہی ظالمانہ وجابرانہ جُرم کریں سب جائز ہے۔ جائے تعجب ہے کہ عیسائی تو مسلمانوں کی بے عزتی کریں اُنکے سفیروں کو لوٹیں اُنکے ایلچیوں کو قتل کریں اور پھر اُنکی جماعتوں کی جماعتیں کمال بیرحمی سے شہید کر دیں لیکن جب مسلمان مجبور ہو کر ان ظالموں سے بدلہ لینا چاہیں اور وہ

بھی اس خیال سے کہ آیندہ یا ایسے ظلم و ستم کی روک تھام ہو جائے تو انکی عزت میں فرق آئے اور وہ مسلمانوں کے اس فعل کو گستاخی پر محمول کر کے بزعم خود انکو سزا دینے پر آمادہ ہو جائیں ان مسیحی بزرگوں کی پیرا شئے سر ولیم میور نے بھی حصہ لیا ہے اور آپ کے خیال میں مسلمانوں کی یہ مہم جو شمال کی طرف بھیجی گئی تھی در اصل ملک شام کی حد پر ایک بے جا حملہ تھا۔ جس طرح میور صاحب نے قریش کے علانیہ مظالم کو نظر انداز کر کے اندھا دھند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادتی اور جنگ میں سبقت کرنیکا الزام لگایا ہے۔ اسی طرح وہ مسیحیوں کی ان کرتوتوں پر آنکھ بند کرتا ہے اور انکے وحشیانہ حرکات پر مطلق توجہ نہیں کرتا بلکہ اُلٹا مسلمانوں کو الزام دیتا ہے کہ ان مظالم سے تنگ آکر اپنی حفاظت کا کیوں انتظام کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ولیم میور اور دوسرے مسیحی معترضین اسلام کے دشمنوں کے لیئے خواہ وہ مکہ کے قریش ہوں یا صحرا کے بدو خواہ مدینہ کے یہودی ہوں یا صحرائے شام کے عیسائی غرض ہر ایک کیلئے اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ مسلمانوں پر جسقدر چاہیں سختی و تعدی کریں بلکہ محض اس جرم پر کہ انہوں نے اسلام کیوں قبول کیا بے شک انہیں قتل بھی کر دیں۔ اور اُن کے نزدیک مسلمانوں کا کوئی حق نہیں کہ اپنی حفاظت تک کے لیئے کوئی تدبیر کریں۔

ہمارے ان مہربانوں نے اسلام کے بے شمار دشمنوں کی زیادتیوں پر تو ذرا توجہ نہیں کی لیکن مسلمانوں نے اگر اپنی حفاظت کا تھوڑا سا بھی سامان کیا ہے تو اسپر صرف مفصل نکتہ چینی ہی نہیں کی بلکہ غلط بیانی کر کے ان مدافعت کی تدابیر کو زیادتی کا جامہ پہنا دیا ہی۔ جائے تعجب ہے کہ ان مسیحی معترضین کی آنکھ میں عرب کا تمام ملک اور حد شام تک کی عیسائی قومیں تو بے گناہ ہیں لیکن جزیرہ نما عرب بھر میں اگر کوئی گنہگار ہے تو وہی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والی مسلمانوں کی جماعت ہے مسلمانوں کو عیسائیوں کے ہاتھ سے اور خصوصاً شمال کے رہنے والے مہذب عیسائیوں کی طرف سے بُت پرستوں کی نسبت بہتر سلوک کی امید تھی لیکن خلاف امید یہ بھی اسلام کے ویسے ہی دشمن ثابت ہوئے جیسے کہ عرب کے بُت پرست تھے۔ بھلا اس سے بڑھکر اور وحشیانہ حرکت کیا ہو سکتی تھی کہ مسلمانوں کی پوری کی پوری بے گناہ جماعتوں کو سرد مہری سے

قتل کر دیا۔ اُنکے سفیر کو لُوٹ لیا اور اُنکے ایلچی کو بے رحمی سے رسّوں کے ساتھ جکڑ کر اُسکا سر قلم کر دیا۔ لیکن میور صاحب سے یہ کہاں ہو سکتا ہے کہ وہ اس بات کو تسلیم کریں کہ اُس زمانہ کے اُسکے مسیحی بھائی واقعی ان وحشیانہ حرکات کے مرتکب ہوئے تھے اُنکو اسلام سے کچھ ایسی سخت نفرت تھی کہ مسلمانوں کے معاملہ میں اُنکی تمام نیکی کی طاقتیں سلب ہو گئی تھیں اور جس عیسائی فیاضی کا دعویٰ آجکل کے مشنری پیش کیا کرتے ہیں وہ مسلمانوں کے دشمن ہو کر اُنسے ایسی رخصت ہو گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرووں پر سختیاں کرتے وقت اُنکے دل پورے درجہ کے تنگ ہو گئے اور جو یسوع کے بے ضرر برّے تھے وہ جنگل کے خونخوار بھیڑیئے بن گئے۔

ناظرین! ان سب سے بڑھکر جو لطیف بات ہے وہ یہ ہے کہ جو شریر النفس اشخاص ان جرائم کے مرتکب ہوئے تھے اُنکی حمایت نہ صرف عیسائی سرداروں اور عیسائی قبائل نے کی بلکہ خود شاہی لشکر نے اُن کا ساتھ دیا۔ اور جب ان مجرموں کے واقعی جرم کی بنا پر سزا دینے کے لیئے مسلمانوں کی فوج آئی اور وہ بھی اس نیت سے کہ آیندہ مسلمانوں پر ایسے واقعات کا اعادہ نہ ہو تو تمام عیسائی رؤسا عیسائی قبائل اور خود قیصر کے سپاہیوں نے متفق اور متحد ہو کر مجرم کا ہاتھ بٹایا اور ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں کی ساری کی ساری فوج کو تباہ کر دیں۔ اب اگر شرجیل ایک ناجائز اور عمداً قتل کا مجرم تھا تو ہر ایک شخص جس نے اُسکی حمایت کا بیڑا اُٹھایا تھا وہ بھی یکساں اُن مسلمانوں کے قتل کا مجرم تھا۔ جنکو عیسائیوں کے متفقہ اور متحدہ لشکر نے موتہ پر شہید کیا تھا۔ اسوقت سے یہ لوگ بلکہ یُوں کہو کہ شام کی عیسائی سلطنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے آزاد غلام زیدؓ اور آپکے چچازاد بھائی حضرت جعفرؓ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر مسلمان جرنیلوں بلکہ اُن تمام مسلمانوں کے قتل کے ذمہ وار ہو گئی جو اس جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ پس اسلیئے مسلمانوں نے بعد میں جو کچھ کیا وہ جائز اور ظالم کے ظلم کی سزا تھی۔

فروہ اور جبلہ کا اسلام قبول کرنا

اگرچہ سرحد شام کے بہت سے عیسائی اسلام کے دشمن تھے اور اُنکی دشمنی کا یہ عالم تھا کہ اُنھوں نے مسلمانوں پر ناگفتہ بہ سختیاں کر کے خود لڑائی

کی بنیاد ڈالی تھی تاہم ان میں بھی بعض شریف انفاس تھے جنکا ذکر کرنا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اگر قیصر کے بہت سے عیسائی افسروں اور شمالی سرحد کے بہت سے عیسائی قبائل کے نامعقول افعال پر ہماری آنکھیں آنسو بہاتی ہیں تو ساتھ ہی ہمارا دل ان شریف لوگوں کی وجہ سے پُر ہے جنکے حُسن سلوک کے صرف ابتدائی مسلمان ہی احسانمند نہیں تھے بلکہ ابتک اور آیندہ بھی اہل اسلام کی نسلیں اُنکے احسانات کی قائل ہیں اور رہیں گی ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ جب مسلمانوں نے مکّہ والوں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر پہلے پہل اپنے گھروں کو خیرباد کہی تو نجاشی شاہ حبش نے جو ایک عیسائی بادشاہ تھا ان مہاجرین کو اپنے ہاں پناہ دی پھر یہ پوشیدہ امر نہیں کہ مقوقس شاہ مصر نے جو مذہبًا عیسائی تھا مسلمان سفیر کی بڑی عزت کی تھی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو بڑی عزت و تکریم کے ساتھ ایک ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھوا دیا تھا جو آجتک محفوظ چلا آتا ہے۔ اور بعد ازاں اس اسلامی سفیر کو مؤدبانہ جواب دیکر رخصت کیا تھا اور اسکے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے قیمتی تحائف بھی روانہ کیئے تھے جب آنحضرت صلعم نے دحیہ کو ہرقل قیصر روم کے پاس بھیجا تو قیصر نے بھی مقوقس کی طرح اُسکی عزت و تکریم کی بلکہ ایک خلعت بھی عنایت فرمایا اسکے علاوہ شمال کے عیسائی سرداروں میں بھی بعض ایسے وجود تھے جو نہ صرف مسلمانوں کے دوست بلکہ مریم کے بیٹے کی خدائی کے اعتقاد کو چھوڑ کر اسلام کے خدا پر ایمان لائے۔ ایسے لوگوں میں جبلہ بن ایہم ایک غسانی سردار اور فروہ ایک شامی گورنر کو شمار کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اسوقت ان دونوں ہی نے اسلام قبول کیا تھا۔ آخر الذکر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نیاز نامہ لکھکر اپنے تبدیل مذہب کی آپکو اطلاع کی اور ساتھ ہی بہت سے تحائف بھی بھیجے جنمیں ایک سفید خچر فضہ نام۔ ایک گدھا اور ایک طلائی پوشاک تھی۔ ان تحائف کی رسید اور خط کا جواب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک نامہ مبارک میں دیا جسمیں گورنر مذکور کی روحانی رہنمائی کے لیئے چند نصائح بھی ارقام فرمائی تھیں جب فروہ کے اسلام قبول کرنے کی خبر رومی حکام کو ہوئی تو انہوں نے پہلے تو ترقی

وغیرہ مہربانیوں اور انعامات کا لالچ دلا کر اسکو دوبارہ عیسائی کرنا چاہا لیکن جب اُنکی ایسی کوششیں کارگر نہ ہوئیں اور فروہ برابر اسلام پر مضبوط رہا تو اسکو صلیب پر لٹکا دیا گیا اس طرح رومی گورنمنٹ نے پہلے جرائم پر ایک اور سنگین جرم کی اپنے ہاتھوں سے ایزادی کر لی۔ ناظرین! آپ ہی خیال فرمائیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وفادار اور صادق مرید کے مصلوب ہونے پر کسقدر رنج ہوا ہوگا اور اس رنج دہی کی ذمہ دار رومی حکومت تھی جس نے آخر اسکا خمیازہ بھی اُٹھایا۔

ہمیں بار بار یسوع کے بے ضرر پیروں کی اس سنگدلی پر تعجب آتا ہے اُنہوں نے کس بیرحمی اور ناخدا ترسی سے بے گناہ مسلمانوں کو محض تبدیل مذہب کے جرم پر تہ تیغ کر دیا۔ خیر کچھ ہی ہوا لیکن اس نومسلم سردار نے اپنے مذہب کی صداقت پر خون سے مُہر کر دی اور اسلام سے فرزند ہونیکی بجائے اس مقدس دین پر اپنی جان قربان کر دی۔ آجکل کے عیسائی واعظ جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے وہ فروہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی قربانی سے سبق حاصل کریں اگر ناظرین اس امر کی مزید تصدیق چاہیں کہ اسلام سرحد شام پر خود بخود ترقی کر رہا تھا تو دیکھ لیں کہ میور لائیف آف محمد (صلعم) صفحہ ۳۸۳ پر لکھتا ہے کہ "اسوقت شام کی سرحد پر بہت سے لوگ محمد (صلعم) کے مذہب کو قبول کر رہے تھے"

سرحدی قبائل کی شورش چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کے قاتل شرجبیل کی حمایت میں رومی حکومت کے عیسائی سرداروں اور خود قیصر کی سپاہ نے بھی مسلمانوں کے مقابل ہتھیار اُٹھائے تھے اسلیئے سرحد شام کی اکثر قومیں دلیر ہو گئی تھیں اور انہوں نے مدینہ پر ایکدفعہ پھر حملہ کرنیکی تیاریاں شروع کر دی تھیں جب یہ خبر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ تو آپنے عمرو بن العاص کو جو حال ہی میں مسلمان ہوا تھا تین سو پیدل اور ۳۰ سواروں کے ساتھ اس مجمع کو منتشر کرنیکے لیئے روانہ فرمایا۔ چونکہ عمرو کا تعلق رشتہ داری سرحد کی ایک قوم بنی بلی سے تھا اس لیئے اسکو اس مہم کا افسر مقرر کیا گیا تھا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ہمیشہ یہی تڑپ تھی کہ کسی طرح امن و امان قائم ہو جائے اس لیئے آپنے شمالی سرحد کی بعض قوموں

سے بھی عہد و پیمان کر رکھا تھا۔ اور عمرو کو حکم دیا کہ مفسدہ پردازوں کی سرکوبی میں دوست قبائل سے بھی امداد لیلے۔ غرض عمرو مدینہ سے روانہ ہوئے اور دس دن تک برابر کوچ کرتے چلے گئے اسقدر سفر کرنیکے بعد انکو معلوم ہوا کہ دشمن بڑی تعداد میں جمع ہے اور دوست قبائل سے بھی کسی قسم کی امداد کی توقع نہیں۔ پس انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایلچی بھیجکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کمک روانہ کرنیکی درخواست کی۔ اسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسو آدمی جنمیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے ابو عبیدہ بن جراح کے ماتحت عمرو کی اعانت کے واسطے روانہ فرمایا اور تاکید کردی کہ دونو افسر ایک دوسرے کے ساتھ ملکر کام کریں اس کمک کے پہنچنے کے بعد عمرو بن العاص نے شمالی مفسدہ پردازوں کے مجمع کو منتشر کردیا اور دوست اقوام کے ساتھ جو پرانے معاہدے تھے انکو اور مضبوط کیا۔ (زاد المعاد صفحہ ۴۱۶ - جلد اوّل)

امن و امان کی اشاعت

اہل اسلام اور عربوں کے تعلقات میں اب ایک بڑا تغیر واقع ہو رہا تھا ایک وقت تھا جب مسلمان بھاگ کر مدینہ میں پناہ گزین ہوئے تھے اسی وقت سے صحرائی بدو قبائل شورش پر آمادہ ہوگئے تھے اور مدینہ پر بار بار لوٹ مار کرنیکے لیئے حملہ کرنے لگ گئے تھے۔ ان حملوں کا جواب دینے میں مسلمان سخت آزمایش میں ڈالے گئے انکو ہمیشہ چوکنا رہنا پڑتا اور جہاں کہیں سے ایسے مجمع کی خبر آتی جھٹ وہیں پہنچکر انکو منتشر کردیتے۔ بعض اوقات مسلمانوں کی جماعتوں کی جماعتوں کو ان صحرائی عربوں نے دغابازی سے شہید کردیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجرموں کی قرار واقعی گوشمالی کرنی پڑی کیونکہ اگر ایسا نہ کرتے تو ان ظالموں کی اور جرأت ہوتی اور ایسی سختیوں کا پھر اعادہ ہوتا۔ مسلمانوں کی اس ہوشیاری نے اور سب سے بڑھکر آسمانی امداد نے جو ہمیشہ انکے شامل رہی آخر کار عربوں پر اثر کرنا شروع کیا اور جب وہ مسلمانوں کو تباہ کرنیکی بے فائدہ کوششوں سے تھک گئے اور انکو معلوم ہوگیا کہ بت پرست خداپرستوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو انہوں نے

مسلمانوں سے دوستانہ معاہدے کرنیکا ڈھنگ ڈالا۔ جسکے لیئے مسلمان پہلے ہی دل وجان سے تیار تھے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مکّہ کے راستہ پر کی بعض قوموں نے اور حد شام پر کے بعض قبائل نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان کر لیئے تھے۔ اب انکے علاوہ بعض دوسرے قبائل نے بھی جو عرصہ تک مسلمانوں کے لیئے تکلیف کا موجب رہ چکے تھے صلح پر آمادگی ظاہر کی اور عہد کیا کہ آئندہ کسی قسم کی ضرر رسانی کا روائی نہ کرینگے ان تازہ معاہدات کرنیوالوں میں بنی سلیم اور بنو فزارہ تھے۔ اول الذکر نے بھی محاصرہ مدینہ میں کفار کا ساتھ دیا تھا اور آخر الذکر تو وہی قوم تھی جن کا سردار آنحضرت صلعم کا مشہور مخالف اور قریش کے بدّو مددگاروں کا سرغنہ عیینہ تھا۔ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان خونخوار بدّوؤں کے حملوں کا دفعیہ نہ کرتے بلکہ عیسائیوں کے ناقابل عمل اصول پر چلکر ایک کے بعد دوسرا گال آگے کر دیتے تو اسکا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ لیکن جو روش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کی اور اس پر چلکر آئندہ جو نتائج مترتب ہوئے وہ اس امر پر دال ہیں کہ جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وہ نہایت ہی مناسب اور موزون تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے حملوں کی نہایت پھرتی سے روک تھام اور انکے جرائم پر انکی فوراً گوشمالی کی جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ بھیڑیئے بڑے بنگئے اور مسلمانوں نے دوبارہ امن و امان کا مُنہ دیکھا جو اسلام لانیکے وقت سے انکو میسر نہیں آیا تھا۔

ناظرین! حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مغلوب دشمنوں کے ساتھ مصالحت کا عہد کرنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ عربوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا تھا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحرائی بدوؤں سے لڑنے میں یہی غرض ہوتی کہ انکو جبراً مسلمان کر لیا جائے تو اس موقعہ پر انہیں صاف کہدیا جاتا کہ اگر تم مسلمان نہ ہوگے تو تلوار تمھارا فیصلہ کرے گی۔ جو لوگ اب مغلوب ہو چکے تھے اگر اُنسے یہ شرط کیجاتی کہ جبتک اسلام نہ لاؤ گے تم سے ہرگز صلح نہ کیجائیگی تو بھلا اُن کی کیا مجال تھی کہ فاتح اور غالب مسلمانوں کو ایسی شرائط سے روکتے لیکن ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی حضرت نبی کریم

نے کسی کو کبھی جبراً مسلمان کیا۔ آنحضرت صلعم ہمیشہ اس بات کے خواہشمند تھے کہ کوئی شخص یا کوئی قبیلہ اُن سے صلح کا معاہدہ کرے اور ایسے معاہدات کا آپ ہمیشہ بڑی احتیاط سے پاس کیا کرتے تھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ میری کامیابی کا مدار کسی طاقت یا جتھے پر نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کی نصرت پر ہے اور اصل بات بھی یہی تھی کیوں کہ مسلمانوں کو اسقدر طاقت کہاں تھی کہ تن تنہا ایک طرف تو تمام عرب کا مقابلہ کرتے اور دوسری طرف حد شام کے طاقتور عیسائی سرداروں اور عیسائی قبائل سے بھی دست پنجہ لیتے۔ یہاں اس بات کے بتلانے کی ضرورت نہیں کہ شامی عیسائی بھی اسلام کے ایسے ہی دشمن تھے جیسا کہ صحرائے عرب کے بُت پرست۔ پس جب ایسے طاقتور اور کثیر التعداد دشمن ہوں تو کسی کا یہ حوصلہ ہوسکتا ہے کہ تھوڑی سی جماعت کے بھروسہ پر یہ پیشگوئی* کردے کہ مجھے انجام کار بڑی کامیابی ہوگی؟۔ ناظرین! یہ قول صرف اس شخص کا ہوسکتا ہے جسکو انسانوں کے بجائے انسانوں کے خالق کی امداد پر بھروسہ ہو غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی یا اپنے صحابہ کی طاقت پر کچھ بھروسہ نہ تھا بلکہ آپکو اپنے مولا کی طرف سے کامل امید تھی کہ وہ آپکو کبھی ضائع نہیں کریگا کیونکہ ع کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے پاک بندوں کو۔ آپ فرمایا کرتے

نصرت بالرعب ۔ خدائے تعالیٰ نے میرے دشمنوں پر رُعب ڈالکر میری مدد کی ہے

اور واقعات آپکے اس قول کی تصدیق کر رہے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ایک مختصر سے دستہ کے پہنچنے پر دشمنوں کی بڑی تعداد بھاگتی ہوئی نظر آتی۔ اور گو کہ ہر سال مختلف مقامات پر دشمن جمع ہوتے رہتے لیکن جونہی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُنکے ارادوں کی اطلاع ہوتی اور آپ اُنکے منتشر کرنے کیلئے مدینہ سے نکلتے وہیں اُنکے سارے کے سارے مجمع پر مردنی چھا جاتی اور وہ خوفزدہ ہوکر نہایت سراسیمگی و پریشانی سے جدھر کسی کے سینگ سماتے اُس طرف بھاگ کھڑے ہوتے۔ یہ واقعات اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ آپ کو الٰہی رُعب کے ذریعہ حملہ آور دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی۔

قریش کی عہد شکنی

صلح حدیبیہ کی شرائط میں ایک یہ شرط بھی تھی کہ جو چاہے مسلمانوں کا مددگار ہو جائے اور اسی طرح جس کا جی چاہے قریش کا بھی مددگار ہو سکتا تھا۔ اور جب

* اپنی کامیابی اور مخالفین کی ناکامی کی پیشگوئی محض وحی الٰہی کی بنا پر تھی جس کا مفصل ذکر انشاء اللہ تعالیٰ فتح مکہ کے موقعہ پر کیا جائے گا۔ منہ

شرائط صلح انجام پا چکیں تو بنی خزاعہ نے اپنے تئیں مسلمانوں کا طرفدار ظاہر کر دیا اور بنی بکر نے قریش کے ساتھ ہونیکا اقرار کیا اسطرح اگر مسلمان بنو بکر پر حملہ کرتے تو گویا وہ حملہ قریش پر تھا اور اگر اسی طرح قریش بنی خزاعہ کو کوئی تکلیف دیتے تو یہ سمجھا جانا چاہیئے تھا کہ وہ تکلیف مسلمانوں کو دیگئی ہے۔ بنو بکر اور بنی خزاعہ کے درمیان ایک پرانا جھگڑا چلا آتا تھا جو مسلمانوں کے ساتھ عام جنگ چھڑ جانیکے باعث کچھ عرصہ سے دب گیا تھا لیکن اب دس سال کیلیئے صلح ہو جانے سے صلح حدیبیہ کے بعد ان قبائل کو چونکہ مسلمانوں کی طرف سے مہلت تھی اسلیئے انکو اپنی ذاتی رنجشوں کے نکالنے کا دوبارہ موقعہ ملگیا۔ اور معاہدہ مذکورہ کے دو سال بعد بنی بکر نے جو قریش کے مددگار تھے نوفل بن معاویہ کی سرکردگی سے بنو خزاعہ پر جو مسلمانوں کے طرفدار تھے شبخون مارا۔ اس چھاپہ کے وقت بنو خزاعہ وتیر نام چشمہ کے قریب بیخوف وخطر سوئے پڑے تھے جب انکو معلوم ہوا کہ بنی بکر اس نالائق حرکت کے مرتکب ہوئے ہیں تو انہوں نے بھی ہتھیار سنبھالے اور ایک خونریز معرکہ شروع ہوا جس میں بنو بکر نے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ اور ہٹتے ہٹتے پہلے تو نواح حرم تک آگئے اور پھر شہر مکہ میں داخل ہو گئے۔ قریش نے ابتداءً تو اپنے مددگاروں کی اعانت اسلحہ جنگ سے کی۔ لیکن جب اندھیرا ہوا تو خود بھی لڑائی میں شریک ہو گئے۔ جب دشمن کو شہر کے اندر سے اسطرح کمک پہنچ گئی تو آنحضرت صلعم کے مددگار قبیلہ بنی خزاعہ نے اپنے تئیں بے بس پا کر مکہ کے دو شخصوں کے ہاں پناہ لی جو کہ انسے دوستانہ تعلق رکھتے تھے اگرچہ بنی خزاعہ نے اسطرح پناہ لیلی تاہم انکے بہت سے آدمی بنی بکر اور قریش کے ہاتھ سے قتل ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو خزاعہ کے باقی ماندہ آدمی مکہ سے بھاگ نکلے اور انمیں سے ایک شخص مسمی عمرو بن سالم مدینہ کی طرف دوڑا تاکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عہد شکنی کی اطلاع دے اور آپ سے درخواست کرے کہ ان دغاباز قاتلوں سے بدلہ لیا جائے۔ جب عمرو بن سالم خزاعی مدینہ پہنچا تو اُس نے ذیل کے پُر درد الفاظ میں بنو خزاعہ کے قتل کا حال بیان کیا اور التجا کی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں سے بدلہ لینے میں بنو خزاعہ کی امداد کریں۔

یارب انی ناشد محمدا ۔ حلف ابینا وابیہ الاتلدا ۔ ان قریشا اخلفوک الموعدا ۔ ونقضوا میثاقک المؤکدا
وزعموا ان لست تدعو احدا ۔ فانصر ھداک اللہ نصرا ابدا ۔ وادع عباد اللہ یاتوا مددا ۔ فیھم رسول اللہ قد تجردا

ان سیم خسفاً وجهه تربداً۔ هم بیتونا بالوتیر هجداً؛ وقتلونا رکعاً وسجداً۔ وزعموا ان لست ادعو احداً

ترجمہ۔ اے میرے خدا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قسم دیتا ہوں، قسم اپنے اجداد اور اُسکے آبائے قدیم کی؛ ہر آئینہ قریش نے تجھ سے وعدہ خلافی کی؛ اور اُن لوگوں نے تیرے مضبوط وعدے کو توڑ دیا؛ اور انہوں نے گمان کیا کہ تُو کسی کو نہیں پکارتا ہے؛ تُو مدد کر۔ اللہ تجھے ہمیشہ کی نصرۃ کی راہ دکھادے؛ خلق خدا کو پکار۔ وہ لوگ برابر بڑھتے آئیں گے؛ ان لوگوں میں اللہ کا رسول تنہا ہوگیا ہے؛ اگر زمین کے دھس جانیسے وہ لوگ مغلوب ہوئے تو ان کا چہرہ متغیر ہوا؛ انہوں نے ہم لوگوں پر سوتے ہوئے مقام وتیر پر شبخون مارا؛ اور ہمکو سجدوں اور رکوعوں میں قتل کیا؛ اور انہوں نے گمان کیا کہ ہم کسی کو نہیں مانتے ہیں؛

یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا نُصرتَ یا عمرو بن سالم یعنی تمکو مدد دیجائیگی۔ لیکن پیشتر اسکے کہ کوئی کارروائی کیجاتی آپنے قریش کے پاس اپنا ایک سفیر ضمرہ نام روانہ کیا اور تین شرطیں پیش کیں اوّل یہ بنوخزاعہ کے جسقدر آدمی مقتول ہوئے ہیں اُنکا خونبہا ادا کریں دوم یہ کہ اگر خونبہا نہ دے سکیں تو بنوبکر کی حمایت چھوڑ دیں سوم یہ کہ اگر دونوں باتیں منظور نہ ہوں تو عہد نامہ حدیبیہ کو فسخ کردیں۔ اس پیغام کا جواب قریش نے دیا وہ یہ تھا کہ ہم نہ خونبہا ادا کرینگے اور نہ ہی بنوبکر کی حمایت سے دست بردار ہونگے بلکہ ہم حدیبیہ کی صلح کے عہد کو فسخ کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو زرقانی شرح مواہب صفحہ ۲۹۴ ۳ و سیرۃ نبویہ)

سر ولیم میور صاحب قریش کی اس عہد شکنی کے متعلق لکھتے ہیں کہ "دیل (نام مصنف) کے خیال میں یہ ظلم شکست موتہ کا نتیجہ تھا جس سے اسلام کے دشمن دلیر ہوگئے تھے بلا دزوری کچھ اور بھی اسی قسم کی مثالیں پیش کرتا ہے جن سے پایا جاتا ہے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں بھی دیگئی تھیں اور آپکے دشمنوں کو اُکسایا گیا تھا"

اگرچہ جنگ موتہ کے نتیجہ کو شکست سے تعبیر کرنا ایک بڑی غلطی ہے تاہم اس امر کے تسلیم کرنے میں فدا بھی کلام نہیں ہوسکتا کہ عیسائی حکومت کو مسلمانوں کے علانیہ خلاف دیکھکر قریش بہت خوش ہوئے تھے اور اُنکی مسرت کا اب بھی وہی رنگ تھا جو ایک سال قبل دربار ایران کے سفیروں کی آمد پر تھا جنکو حاکم یمن نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا حکم دیکر بھیجا تھا ایک طرف تو رومی سلطنت کو مسلمانوں کے برخلاف کھڑا ہوا دیکھکر اُنکا حوصلہ بڑھ گیا تھا دوسری طرف اُنکا زعم تھا کہ موتہ کی لڑائی کی وجہ سے مسلمانوں کی طاقت کمزور ہوگئی ہوگی غالباً یہی وجہ تھی کہ حدیبیہ کے عہد کی کچھ پروا نہ کرکے وہ خود اعلانیہ قتل میں بنی بکر کے ساتھ شامل ہوئے

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

مدرسہ احمدیہ :۔ مدرسہ احمدیہ کی نئی سکیم پر گو پورا سال نہ گذرا تھا مگر سالانہ امتحان ہو کر جماعتوں کو ترقی مل چکی ہے۔ اور علاوہ ماہوار کے وظائف مقابلہ یکم جنوری ۱۹۱۰ء سے مجلس معتمدین نے گذشتہ اجلاس میں منظور کئے ہیں۔ وظائف مقابلہ کے علاوہ قریباً پچاس روپے ماہوار کے وظائف مدرسہ مساکین سے مدرسہ احمدیہ کے طلباء کو دیئے جاتے ہیں اور ان ہر دو مدات کی گنجائش ختم ہونے پر جو نئے طلباء آتے ہیں انکے لیئے کوئی صورت سوچنی پڑتی ہے۔ خود مدرسہ کا خرچ ایک جماعت کے بڑھ جانے سے سال گذشتہ کی نسبت بڑھ گیا ہے مگر اخراجات کی اس روز افزوں اور نہایت ضروری ترقی کے ساتھ آمدنی میں ترقی نہیں ہوئی۔ مدرسہ احمدیہ کی ضرورت کو ساری قوم نے محسوس کیا اور بڑے زور کے ساتھ محسوس کیا اور درحقیقت یہ ایسی ضرورت تھی کہ احمدی قوم اسکو زور سے محسوس کرتی مگر ضرورت کو محسوس کرنا کافی نہیں جبتک اسکے پورا کرنیکے سامانوں کیلیئے پوری قوت خرچ نہ کیجاوے اس مدرسہ کے لیئے خود خرچ دیکر تعلیم حاصل کرنیوالے طالب علم حالات موجودہ میں بہت کم ملتے ہیں پس اس مدرسہ کے قیام کیلیئے نہ صرف ان معمولی اخراجات کا پورا کرنا ہی ضروری ہے جیسے عملہ معلمین کی تنخواہیں یا کتب وسامان متعلقہ۔ یا مکان۔ بلکہ ان معمولی اخراجات کے علاوہ ایک بڑا بھاری خرچ وظائف کا ہوگا جو ہماری بھائیوں کو برداشت کرنا ہوگا اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ اسے جوش سے برداشت کرینگے۔ جسقدر پہلے کاموں کیلیئے چندے کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی اتنی گنجایش نہیں کہ مدرسہ احمدیہ کے اخراجات وہاں ڈال دیئے جاویں پس اسکے لیئے ہر مقام کی انجمن کیلیئے اور ہر ایک جگہ ہماری احمدی احباب کے لیئے اسی طرح چندہ دینا ضروری ہو گیا ہے جسطرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد سے لنگرخانہ۔ مدرسہ۔ اور اشاعت کے چندے دیئے جاتے ہیں۔ پس دوستوں کی خدمت میں اور انجمنہائے احمدیہ کے سکرٹری صاحبان کی خدمتمیں جہاں کہیں وہ ہوں میری یہ التماس ہو کہ بہت جلد اس طرف توجہ فرمائیں اور مدرسہ احمدیہ کے چندے کو مستقل چندوں میں شامل کرکے اسکے اخراجات کو پورا کرنیکا فکر کریں اب تک بہت ہی کم انجمنوں اور بہت ہی کم احمدی احباب نے اس طرف توجہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جزا اسے خیر دی ہمارے دو مخدوم اور

مکرم لاہوری احباب کو جنہوں نے اپنی آمدنیوں کا ایک بڑا حصہ اس مدرسہ کے لئے علیحدہ کر دیا۔ لیکن اب ضرورت ہے کہ مخدومی شیخ رحمت اللہ صاحب اور مکرمی ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے اس قابل تقلید نمونہ کی دوسرے احباب بھی پیروی کریں تاکہ یہ کام بلا رکاوٹ جاری رہے۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول میں طلباء کی تعداد اللہ تعالیٰ کے فضل سے دن بدن ترقی پر ہے۔ بہت سے احباب مدرسہ اور بورڈنگ ہوس کی ہر طرح سے قابل اطمینان حالت کو اور قادیان کی رہایش کے فواید کو دیکھکر اپنے جگر گوشوں کو یہاں بھیج رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا احسان ہے کہ مدرسہ کے طلباء کی حالت نہ صرف اخلاقی اور تعلیمی پہلو سے ہی دل خوش کن ہے بلکہ جسمانی ورزش کی لحاظ سے بھی جو ایسی پرائیویٹ انسٹی ٹیوشنوں میں بے توجہی کی حالت میں رہا کرتی ہے ہمارا مدرسہ ضلع میں خاص شہرت رکھتا ہے چنانچہ گذشتہ ٹورنیمنٹ کے موقعہ پر کل انعامات میں سے قریب نصف کو صرف تعلیم الاسلام ہائی سکول نے حاصل کیئے۔ حالانکہ ضلع میں دو سرکاری اور دو مشنریوں کے اعلیٰ درجہ کے ہائی سکول ہیں۔ بچوں کی جسمانی ورزش کی طرف ماسٹر عبد الرحیم صاحب خاص توجہ رکھنے کے باعث خاص شکریہ کے مستحق ہیں۔ جزاہ اللہ

واعظین۔ شیخ غلام احمد صاحب گذشتہ ماہ کے اختتام پر اطلاع دیتے ہیں کہ ضلع لائل پور کا دورہ ختم کرکے وہ ملتان کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ اور بعد کے آئے ہوئے خطوط سے معلوم ہوا کہ شیخ صاحب نے ملتان میں کئی موقعوں پر مؤثر وعظ کیئے۔ کسی کے کلام میں اثر ڈالنا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شیخ صاحب کو بہت لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بناوے اور خانصاحب نواب محمد علی خان صاحب کو بھی جزائے خیر دے جو اُنکے اخراجات کے متکفل ہیں۔ مگر اپنے احباب کی اطلاع کیلیئے میں اسقدر اور زیادہ لکھنا چاہتا ہوں کہ شیخ صاحب کو انجمن کی طرف سے یہ بھی ہدایت کیگئی تھی کہ وہ ہر جگہ چندوں کی وصولی اور انجمنوں کے قیام کی طرف توجہ کریں۔ بہت سا حصہ جماعت کا ابتک ایسا ہے جو باقاعدہ طور پر ساری چندوں میں شامل نہیں ہوتا اور اسوجہ سے مالی تکالیف بھی پیش آتی رہتی ہیں۔ بعض مدات جیسے لنگر خانہ روز بروز زیادہ مقروض ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بعض کی اخراجات کی پورا ہونیکا فکر ہر وقت انجمن کو دامنگیر ہے۔ ان مشکلات کا پورا انتظام تو اس صورت میں ہی ہو سکتا ہے کہ ہر ایک ضلع میں یا دو دو تین تین ضلعوں میں ایک ایک محصل مقرر کیا جاوے جو وعظ اور تبلیغ بھی کرے

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجرب

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعف نظر کی عام شکایت ہے۔ میں نے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی۔ حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپکی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیحؑ حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد میں نے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کئے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں اس لئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اول قسم عہ قسم دوم عہ قسم سوم عہ۔ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل عللہ جسکو لوگ اڑھائی سو فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم سے ۔ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کر کے قیمت لے لو۔ **المشتہر**:- احمد نور کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

سفرنامہ ناصر

حضرت میر ناصر نواب صاحب نے جو گذشتہ گرمیوں میں محض للہ ایک لمبا سفر سرحد تک کیا تھا اور بہت سے مقامات سے مسجد۔ ہسپتال۔ اور دور ضعفا کیلئے چندہ جمع کیا تھا اُس سفر کی کیفیت کو ایک نظم کی صورت میں شائع کیا ہے اور اپنے دورہ کا مفصل حال دلچسپ پیرایہ میں ادا کیا ہے اور ہر جگہ کے احمدیوں کا ذکر کیا ہے رسالہ ۳۶ صفحہ کا ہے اور اس رسالہ کی آمدنی بھی چندہ میں ہی داخل کیجائیگی۔ اسلئے اسکا خریدنا ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہے۔ سفرنامہ حضرت میر صاحب یا دفتر بدر قادیان سے ۲ ر پر ملتا ہے۔

تلاش عزیز:- سید فضل شاہ ولد سید باقر علی شاہ ساکن بھنبھلہ ڈاکخانہ بھاگ نگر ضلع گجرات عمر ۱۳ سال درمیانہ قد قرآن شریف خواندہ قوی جسم خوش رو سرخ و سفید رنگ تیز زبان اس حلیہ کا لڑکا کسی بھائی کو ملے تو اطلاع دیکر ممنون فرماویں۔

قادیان سے مل سکتی ہے ۔ اور حصہ پنجم میر مہدی حسین صاحب مہتمم کتب خانہ حضرت اقدس عہ سے۔ (مینجر)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ | بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۰ء | نمبر ۳

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰۔ مارچ سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا ۔ چندہ سالانہ عوام سے عار طلبا سے عہ

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجرب

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعف نظر کی عام شکایت ہے میںنے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد میںنے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کیئے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اسلیئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اوّل قسم عـ۲ر قسم دوم ۸ر قسم سوم عہ ر۔ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل عـ۲ جسکو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم ستے۔ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو۔

المشتہر ۱- احمد نور۔ کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب۔

دین الحق یا ہمارا مذہب حصہ اوّل

۱۵۲ صفحہ کا رسالہ میر قاسم علی صاحب تاجر بہرام خان۔ دہلی نے شائع کیا ہے۔ اسمیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقائد۔ مذہب۔ اور تعلیم کو آپ کی ہی کتابوں میں سے نکال کر پیش کیا ہے۔ مؤلف کے مندرجہ ذیل بیان سے بخوبی ظاہر ہو جائیگا۔ وہ لکھتے ہیں "احمدی احباب اس حصہ کو پڑھکر خوب یاد کریں۔ اور جب کوئی بہتان و افترا اپنے پیارے امام موعود علیہ السلام کے مذہب و عقائد کے متعلق کسی نااہل سے سنیں تو فوراً یہ رسالہ پیش کرکے اُس کا دم بند کریں۔ اسمیں جسقدر اقتباسات درج کیئے گئے ہیں وہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنی تحریروں و تقریروں سے مع حوالہ صفحہ وغیرہ درج کر دیئے ہیں" واقعی ایسے افتراؤں کا یہ کتاب کافی جواب ہے۔ علاوہ ازیں یہ رسالہ اس طرح مفید ہے کہ اس کے ذریعہ انسان بڑے بڑے اسلامی مسائل کے متعلق صحیح واقفیت پیدا کر سکتا ہے۔

خریداران ریویو کو اطلاع ۱- ہر ایک قسم کی خط و کتابت میں اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں اگر دیر ہو جائے تو معذور سمجھیں۔ (مینجر ریویو)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ینابیع الاسلام پر ریویو

حصہ اوّل

اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی (طٰہٰ ۳)

(ترجمہ) انہوں نے جو کچھ بنایا جادو کا تماشہ ہے اور جادوگر جہاں جائے بامراد نہیں ہوتا۔

ینابیع الاسلام ایک کتاب کا نام ہے جو فارسی زبان میں چرچ مشن سوسائیٹی کے پادری مسمی ڈبلیو سینٹ کلیر ٹسڈال متعین جلفہ واقعہ ایران کی تصنیف ہے اس کتاب کو سرولیم میور نے انگریزی میں بھی ترجمہ کیا ہے جسکا نام سورسز آف اسلام ہے اس کتاب کے مصنف نے بزعم خود یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کریم خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں ہے بلکہ بانیٔ اسلام (علیہ التحیۃ والسلام) کی بناوٹ ہے اور یہ کہ آنحضرت صلعم نے اپنے مذہب کے لئے مختلف جگہ سے مصالح لیکر اس مجموعہ کا نام خدائے تعالیٰ کا الہام رکھدیا اور آپنے جو کچھ عرب کے عیسائیوں اور یہودیوں سے سُنا اسی کو سچ سمجھ کر بلاکم وکاست قرآن میں درج کر دیا اور اپنے صحابہؓ پر اسی کا نام وحی الٰہی ظاہر کیا پادری مذکور کے زعم کے بموجب یہودی اکثر آنحضرت صلعم کو دھوکہ دیتے تھے مگر آپ کو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ پر اس قدر ایمان تھا کہ ان کی ہر ایک بات کو خدائی فیصلہ اور وحی الٰہی سمجھکر اپنے قرآن میں جگہ دیدی اور ظاہر کر دیا کہ خدائے تعالیٰ نے یہ کلام براہ راست مجھ پر نازل کیا چنانچہ مصنف ینابیع الاسلام اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۳ پر لکھتا

ہے۔ ”گمان بُرد کہ ہرچہ از زبانِ ایشاں شنید در انجیل یا در رسایل حواریین مندرج است“ یعنی آپ (صلعم) نے خیال کیا کہ جو کچھ یہ لوگ (نصاریٰ) کہتے ہیں وہ انجیل یا حواریوں کی کتابوں میں درج ہے۔ پھر صفحہ ۹۸ پر یہ مسیحی واعظ رقمطراز ہے ”حیف است کہ ایشاں دیرا فریفتہ اند“ یعنی مجھے افسوس ہے کہ انہوں (یہودیوں) نے آپ صلعم کو دھوکہ دیا ٭ ایسا ہی اس یسوعی مصنف کی نظر میں مسلمان بھی اپنے نبی کی طرح (معاذ اللہ) سادہ لوح لوگ ہیں جو انجیل کے سیدھے سادے الفاظ کو سمجھنے کی بھی قابلیت نہیں رکھتے صفحہ ۱۵۸ میں لکھتے ہیں کہ مسلمان رئیس اینجہاں کا خطاب یوحنا باب ۱۴ درس ۳۰ سے لیکر اپنے نبی کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ یہ شیطان کا نام تھا۔ ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ بھی اس بے شمار غلط بیانیوں اور جھوٹوں میں سے ایک ہے جسکا ارتکاب اس مسیحی مشنری نے اپنی اس کتاب میں بار بار کیا ہے۔ اس مسیحی مصنف کا گمان ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم محض یہود و نصاریٰ کی سُنی سنائی باتوں پر ہی قانع نہیں رہے بلکہ آپ کو جہاں کہیں سے کوئی قصہ کہانی یا کسی قسم کی تعلیم ملی اُسے آپنے

٭حاشیہ۔ اگر پادری صاحب کا یہ کہنا درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ یہود و نصاریٰ سے سُنتے اُسکو صحیح سمجھکر قرآن شریف میں درج کر دیتے تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ تو حضرت مسیح علیہ السلام کو ملعون یقین کرتے اور دونوں کا اسپر اتفاق تھا کہ وہ لکڑی پر لٹکائے جاکر لعنت الٰہی کے مورد ہوئے مگر آپنے دوست و دشمن دونوں کے مسلمہ قول کو رد فرمادیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو اس لعنت سے بری ٹھہرایا جو نہ صرف دشمن بلکہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کے پیرو آپ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ پھر یہودیوں کا پختہ یقین تھا کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نعوذ باللہ نعوذ باللہ ولد الحرام تھے اور عیسائی بھی کسی باپ کا نام و نشان نہیں بتلا سکتے تھے مگر پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اور آپکی والدہ ماجدہ کو اس الزام سے بری کر دیا۔ کیا اب بھی پادری صاحبان کو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ جو کچھ یہود و غیرہم سے سُنا اُسی کو صحیح یقین کر لیا اور آپنے

بلا جانچ و پڑتال اپنے مذہب میں داخل کر دیا اور اس یسوعی واعظ کے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الہامات کا منبع و ماخذ صرف ملک عرب ہی نہیں تھا بلکہ آپ نے مصر۔ شام۔ ارمینیا۔ بابل۔ ایران اور ہندوستان تک سے مصالح جمع کیا تھا الغرض اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن شریف خدا کا کلام نہیں بلکہ (معاذ اللہ) حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اِدھر اُدھر سے جو کچھ سُنا اُسے الہام الٰہی ظاہر کر کے قرآن نام رکھدیا۔ اور یہ کہ ایسی سُنی سُنائی باتوں کی چونکہ جانچ نہیں کی گئی اس لیئے انہیں سے اکثر غلط بھی ہیں۔ مصنف کتاب کے مسیحی دوستوں نے اس کتاب کی مدح سرائی

بقیہ حاشیہ: اُنکی باتوں پر اسقدر وثوق ہوتا تھا کہ اُنکی لچر سے لچر باتوں کو قرآن مجید میں جگہ دیدیتے۔ اگر قرآن شریف حضرت مسیح اور آپکی والدہ کی بریت نہ کرتا تو آج کئی کروڑ مسلمان یہود و نصاریٰ کی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو نعوذ باللہ ملعون یقین کرتے اور جو الزام یہود آپ اور آپ کی والدہ پر لگاتے تھے اور جسکی خود عیسائی بھی کسی باپ کا پتہ نہ دیکر ایک طرح کی تائید کرتے تھے ضروری تھا کہ مسلمان بھی اُس الزام کو سچّا ہی یقین کرتے۔ مگر یہ قرآن مجید کا ہی احسان ہے کہ آج ایک دنیا حضرت مسیح علیہ السلام کو لعنتی نہیں بلکہ ایک راستباز صادق یقین کرتی ہے اور حضرت مریم کو نعوذ باللہ .... نہیں بلکہ صدیقہ کہکر پکارتی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کو نعوذ باللہ.... نہیں بلکہ آپکے بےپدر ہونے پر ایمان لاتی ہے۔ اگر قرآن مجید مسیح علیہ السلام سے ان الزاموں کو دُور نہ کرتا تو جس جرأت اور دلیری کے ساتھ پادریصاحبان آجکل مسلمانوں میں منادی کرتے ہیں وہ مارے شرم کے مُنہ بھی نہ دکھا سکتے۔ کیونکہ پہلا سوال جو مسلمان پادریصاحبان سے کرتے وہ یہ ہوتا کہ پہلے اُس الزام کا جواب دو جو یہودی مسیحؑ کی ولادت کے متعلق پیش کرتے ہیں اور اگر اُنکا الزام صحیح نہیں تو پھر بتلاؤ کہ اُسکے باپ کا کیا نام تھا۔ پھر ہم تمہارے وعظ کو سُنیں گے۔ مگر افسوس۔ دنیا میں پادریوں جیسی ناشکرگذار اور احسان فراموش کوئی قوم نہیں۔ بجائے اسکے کہ وہ قرآن شریف کے اس احسان کی قدر کرتے اُلٹا یہ بدلہ دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ یہود سے سُنا اُسکو سچ سمجھ لیا۔ اگر آپ اُنکی باتوں کو

ہیں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں اُسی طرح .... جسطرح خدا اور انسان کو ملا یا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ مسلمان اس کی تردید نہیں کر سکتے۔ ولیم میور جس نے اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے "رسالہ نائین ٹینتھ سینچری" میں اس کتاب پر ریویو کرتے وقت لکھتا ہے۔ "ینابیع الاسلام ایک عظیم الشان کتاب ہے اور اس کے مطالعہ سے مصنف کتاب کی اعلیٰ قابلیت کا پتہ ملتا ہے ابتک پادری فنڈرس اور دوسرے لوگوں نے بڑی قابلیت سے اسلام کا جھوٹ اور غلط ہونا ظاہر کیا ہے لیکن یہ ہمارے اس مصنف کا حصّہ تھا کہ ایک نئے اور پُر زور طرز سے ثابت کر دیا کہ اسلام کوئی آسمانی یا الہامی مذہب نہیں بلکہ خالصًا انسانی بناوٹ ہے اس ثبوت میں جن عالمانہ اور پُرزور دلائل سے کام لیا گیا ہے انکی موجودگی میں یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ نیک مسلمان کو تسلیم کے سوا کوئی اور چارہ ہو۔ اور اس تمام کامیابی کیلئے مسیحی دنیا جناب پادری ڈبلیو سینٹ کلیر ٹسڈال کی ازحد مشکور رہی" میور صاحب اپنے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ میں اس کتاب کی تعریف میں فرماتے ہیں "اس قابل یادگار رسالہ کی تصنیف پر چرچ مشن خصوصیت سے مبارکباد کا مستحق ہے کیونکہ اول اس کا مصنف اس مشن کا ایک معزز واعظ ہے۔ دوم اس کتاب سے قرآن جسکو مسلمان آسمانی اور الہامی کتاب مانتے ہیں ایک زمینی اور انسانی تصنیف ثابت ہوتا ہے۔ ہمیں کامل امید ہے کہ اس کتاب کو کثرت سے مشرقی ممالک میں پھیلایا جائیگا۔"

پیشتر اسکے کہ مَیں اس کتاب کی مفصل تردید کی طرف رجوع کروں مَیں مناسب سمجھتا ہوں کہ دیباچہ میں ہی اس کتاب کی حقیقت کسیقدر ظاہر کر دوں تا ناظرین کو معلوم ہو کہ جس کتاب کی میور صاحب نے اسقدر تعریف فرمائی ہے وہ کس پایہ کی کتاب ہے۔ مَیں یہاں پادری ٹسڈال صاحب

بقیہ حاشیہ سچا سمجھتے تو چاہیئے تھا کہ قرآن شریف میں یہ ہوتا کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) نعوذ باللہ نعوذ باللہ ..... تھے۔ اگر قرآن شریف یہود کے قول کو نقل کرتا تو پھر پادری صاحبان ہرگز دنیا میں مُنہ دکھانے کے قابل نہ ہوتے اور نہ اُنکو یہ جرأت ہوتی کہ مسلمانوں میں آکر وعظ کرتے کیونکہ اُس صورت میں مسلمان بطور فخر قرآن شریف کی وہ آیت سُنا دیتے جسمیں یہود کا قول متعلق ولادت حضرت مسیحؑ درج ہوتا اور پھر پادری صاحبان کو سوائے بھاگنے کے اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔ منہ

کی تحقیق کے چند نمونے ناظرین کے آگے پیش کرتا ہوں نمونہ نمبر اوّل۔ پادری صاحب صفحہ ۱۴۲ و ۱۴۳ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ مریم کی آیت کریمہ کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَھْدِ صَبِیًّا۔ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ الخ کے مضمون کو ایک قبطی کتاب مسمیٰ بہ انجیل طفولیت سے اخذ کیا اور اس انجیل کا علم آپ کو حضرت ماریہ قبطی رضی اللہ عنہا کے ذریعہ پہنچا مگر شاید پادریصاحب کو اس امر کا علم نہیں کہ سورۂ مریم مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور یہ وہی سورۃ ہے جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی شاہ حبشہ کے سامنے اسوقت پڑھکر سنائی تھی جب قریش نے مہاجرین حبشہ کو گرفتار کرنیکے لئے اپنے سفیر نجاشی کے پاس بھیجے تھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت سے کم از کم چھ سات سال پہلے یہ سورۃ نازل ہو چکی تھی۔ ملاحظہ ہو لائیف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ میور صفحہ ۸۹۔ اور حضرت ماریہؓ کو مقوقس شاہ مصر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں ہجرت کے ساتویں سال میں بھیجا۔ ملاحظہ ہو میور کا بیان لائیف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۳۵۹ میں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت ماریہؓ آیت مذکورہ کے نزول سے کم از کم چودہ سال بعد میں مدینہ میں پہنچی مگر پادری ٹسڈال صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت آپنے حضرت ماریہؓ قبطی سے سیکھی کیا پادری صاحب اسی علم کے بھروسہ پر اسلام کے بنا بیخ تلاش کرنے بیٹھے ہیں ایسے آدمی سے تحقیق کی کیا امید ہو سکتی ہے جو چودہ سال قبل نازل شدہ آیت کی نسبت کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو ایسے شخص سے سیکھا جو چودہ سال بعد آپکے پاس آیا اگر پادری صاحب کی جہالت پر افسوس آتا ہے تو میور کی حق پوشی پر اس سے کوئی کم افسوس نہیں آتا جس نے پادری صاحب کے اس بیان کو انگریزی میں لفظ بلفظ ترجمہ کر دیا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا تھا کہ پادریصاحب کا یہ بیان سراسر باطل اور لغو ہے اور پھر طرفہ یہ کہ پادری صاحب کے علم کی تعریف کرتا ہے اور انکی کتاب کو بے نظیر قرار دیتا ہے اور چرچ مشن کو مبارکباد دیتا ہے کہ ان کے مشن میں ایسا بے بدل انسان پیدا ہوا۔ یہ ہے مسیحی صاحبان کی راستبازی اور یہ ہے پادری ٹسڈال صاحب کے اسلام کے متعلق وسیع معلومات کا اعلیٰ نمونہ۔ قرآن مجید کے کل انگریزی تراجم میں سورۂ مریم کو

مکّی سورتوں میں لکھا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک معمولی سی لائیف سے بھی یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ شاہ مصر نے حضرت ماریہؓ کو ۷ھ ہجری المقدس میں مدینہ میں بھیجا۔
نمونہ نمبر دوم۔ پھر پادری صاحب صفحہ ۱۶۴ میں اسلام کے متعلق اپنے وسیع معلومات کا ایک اور بھاری ثبوت دیتے ہیں صفحہ ۱۶۰ پر آپ قرآن مجید کی دو آیات پیش کرتے ہیں ایک سورۂ شوریٰ رکوع ۲ میں ہے دوسری سورہ القارعہ میں ہے ان دونوں آیات میں میزان کا ذکر ہے چنانچہ سورۂ شوریٰ کی آیت ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ اور سورۂ قارعہ میں ہے فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ پادریصاحب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں آیات کا مضمون ایک قبطی کتاب وصیت نامہ ابراہیم سے لیا اور اسکا اصل ماخذ مصر کی ایک پُرانی کتاب مسمّی بہ کتاب الاموات ہے اور اس کتاب کا علم بھی آپکو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ ہی پہنچا۔ کاش کہ پادری صاحب اس عجیب وغریب تحقیق کے شائع کرنے سے پہلے ایک قرآن مجید کا نسخہ ہی اُٹھا کر دیکھ لیتے اور آپ کو معلوم ہو جاتا کہ یہ دونوں سورتیں مکّی ہیں مگر شاید قرآن شریف کے دیکھنے سے بھی آپ کو فایدہ نہ ہوتا کیونکہ آپ کو اتنا بھی علم نہ تھا کہ حضرت ماریہؓ کب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی پادریصاحب کا ایسا خیال معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ماریہؓ نزول قرآن سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ اسی وجہ سے ہر ایک آیت کے متعلق پادریصاحب جھٹ کہدیتے ہیں کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے سیکھی۔ اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ آیت کب اور کہاں نازل ہوئی۔ یہاں پادریصاحب نے اپنی عقلمندی کا ایک اور بھی ثبوت دیا ہے پادری صاحب نے دو آیات پیش کی ہیں ایک سورۂ شوریٰ سے اور دوسری سورہ القارعہ سے گویا پادری صاحب کے نزدیک دونوں آیتوں میں ایک ہی قسم کی میزان کا ذکر ہے۔ یعنی دونوں میں قیامت کے دن اعمال کے تولا جانے کا ذکر ہے اگر پادریصاحب کچھ بھی عقل سے کام لیتے تو انکو معلوم ہو جاتا کہ سورہ شوریٰ کی آیت کا وہ مضمون نہیں ہے جو سورہ القارعہ کی آیت کا ہے سورہ القارعہ میں قیامت کے دن اعمال تولا جانے کا ذکر ہے

اور سورہ شوریٰ میں ایک ایسی میزان کا ذکر ہے جو خدائے تعالیٰ انبیاءؑ کے ذریعہ اس عالم میں نازل کرتا ہے۔ یعنی عدل وانصاف کے قواعد۔

نمونہ نمبر سوم۔ پادری صاحب نے باب پنجم میں ان تعالیم کا ذکر کیا ہے جو اس کے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زردشت کی تعلیم سے اخذ کیں ایسی تعالیم حسب ذیل ہیں۔ اول معراج کا واقعہ دوم جنت۔ حور وغلمان اجنہ ملک الموت سوم ابلیس چہارم نور محمدی پنجم پلصراط۔ ششم آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہفتم عقیدہ کہ پہلا نبی آنیوالے نبی کی خبر دیتا ہے۔ ہشتم پانچ وقت کی نماز۔ پیشتر اسکے کہ میں پادریصاحب کی نادانی کا ذکر کروں میں ناظرین کی توجہ اس امر کی طرف پھیرتا ہوں کہ وہ دیکھیں کہ یہ تعالیم وعقائد وآیات کس زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی کب اور کس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بیان فرمایا۔ نمبر ۴ و ۵ ان ہر دو کا ذکر تو قرآن مجید میں نہیں ہے اور نہ ہی پادری صاحب نے اسکے ثبوت کے لیے کسی معتبر احادیث کی کتاب کا حوالہ دیا ہے اسلیئے فی الحال ان امور کے ذکر کی میں ضرورت نہیں سمجھتا۔ باقی قریباً کُل امور کے متعلق ہر ایک شخص جسکو اسلامی تاریخ کا کچھ علم ہے۔ اور جس نے قرآن مجید کو کبھی پڑھا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ ہجرت سے قبل کے واقعات اور تعالیم ہیں۔ مثلاً معراج کے ذکر میں پادری صاحب سورۃ اسراء کی پہلی آیت پیش کرتے ہیں۔ اور شاید پادری صاحب کو علم ہوگا کہ یہ سورۃ مکہ معظمہ میں قبل از ہجرت نازل ہوئی۔ اگر پادریصاحب کو علم نہیں تو وہ میور کی کتاب لائف آف محمد (صلعم) ہی ملاحظہ فرمالیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۱۷ کے دیکھنے سے پادری صاحب کو معلوم ہوجائیگا کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ ایسا ہی جنت کی تعلیم بھی مکی آیات میں پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر پادری صاحب ملاحظہ فرمادیں۔ انعام ۱۵۔ اعراف ۵ رعد ۵ وغیرہا یہ سب سورتیں مکی ہیں۔

حور وغلمان کے متعلق پادریصاحب سورۃ رحمٰن اور سورۃ واقعہ کی آیات پیش کرتے ہیں اور یہ دونوں سورتیں مکی ہیں۔ شیطان اور اجنہ کا بھی مکی سورتوں میں ذکر ہے۔ ملاحظہ ہوں انعام ۱۴۔ اعراف ۳ و ۱۴۔ ابراہیم ۴۔ حجر ۲ و ۳ نحل ۱۳ احقاف ۴

رحمٰن ۲ وغیرہا۔ یہ سب سورتیں مکّہ میں نازل ہوئیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی آیت کریمہ مکّی سورتوں کے شروع میں بھی ایسی ہی درج ہے جیسے مدنی سورتوں کے شروع میں اور خود قرآن شریف کے اندر سورۃ نمل میں موجود ہے اور یہ سورۃ بھی مکّہ ہی میں نازل ہوئی۔ پانچ وقت کی نماز بھی مسلمان مدینہ میں آنیسے پہلے ادا کرتے تھے۔ جو ثبوت پادری صاحب نے اس امر کے ثابت کرنیکے دیئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تعالیم کو زردشتیوں سے حاصل کیا۔ وہ نہایت ہی عجیب وغریب ہیں۔ یہاں میں صرف ایک ثبوت کا ذکر کرتا ہوں جو سب ثبوتوں کا گل سرسبد ہے اور جسپر پادریصاحب نے بڑا زور لگایا ہے۔ پادری صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تعلیمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلمان فارسی کے ذریعہ پہنچی تھیں۔ واہ واہ پادری صاحب نے تو کمال کر دیا۔ اس سے زیادہ صریح ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ پادری صاحب نے اظہر من الشمس کر دیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعالیم سلمان فارسی کے ذریعہ سنکر قرآن مجید میں داخل کر دیں۔ مگر افسوس پادریصاحب کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ سلمان فارسی کب اور کہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اگر پادری صاحب کو علم ہوتا۔ کہ وہ مدینہ میں ہجرت کے بعد مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوا۔ تو وہ ایسی قابل شرم غلطی کا ارتکاب نہ کرتے کہ مکّہ کی تعلیم کو ایسے شخص کی طرف منسوب کرتے جو نزول تعلیم کے وقت نہ تو مکّہ میں موجود تھا اور نہ اس نے ابھی اسلام قبول کیا تھا یہ ہے پادری صاحب کی تحقیق کا نمونہ اور ایسی تحقیق کے بھروسہ پر آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کتاب کے دلائل ایسے زبردست ہیں۔ کہ اسلام کی بنیاد کو متزلزل کرنا تو کجا بالکل منہدم کر دیتے ہیں۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ پادری صاحب فرماتے ہیں۔ کہ یہ صرف میری اپنی تحقیقات نہیں بلکہ اُس زمانہ کے لوگ بھی یہی رائے رکھتے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم سلمان فارسی سے سیکھی۔ اس دعوے کے اثبات میں بھی پادری صاحب ایک بڑی زبردست شہادت پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ کہ سورۃ نحل کی آیت وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ

میں جس بشر کا ذکر ہے۔ وہ سلمان فارسی ہی تھے۔ کاش پادری صاحب اس نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے کسی اور شخص سے ہی دریافت کر لیتے۔ کہ جس آیت کا آپ ذکر فرماتے ہیں وہ کس زمانہ کی آیت ہے۔ آیا اس آیت کے نزول کے وقت سلمان فارسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود بھی تھے۔ یا نہیں۔ تا پادری صاحب پردہ دری کے دردناک عذاب سے بچ جاتے۔ پادری صاحب کو معلوم ہو۔ کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی اگر عربی قرآن مجید پاس نہیں۔ تو انگریزی ترجمہ کو دیکھکر بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ یہ آیت ہجرت سے کئی سال پہلے نازل ہو چکی تھی۔ ان مثالوں کو دیکھکر پادری صاحب پر یہ افسوس آتا ہی۔ کہ انہوں نے بے فائدہ اسقدر محنت اُٹھائی۔ قدیم ژند اور پہلوی زبان کے حوالے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر کتاب کو سیاہ کر دیا۔ اور جب اس امر کے ثبوت کا وقت آیا۔ کہ ژند و دستا کی تعلیمیں کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچیں۔ تو ایسا بیہودہ امر پیش کر دیا۔ جس سے انکی ساری کارروائی پر پانی پھر گیا۔ اور جو طومار قدیمی حوالجات کا جمع کیا تھا۔ وہ یک لخت بہ گیا۔ کیونکہ جس شخص کا پادری صاحب نے نام لیا۔ اسکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنے سے کئی سال پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تعلیم قرآن مجید میں سے لوگوں کو سُنا چکے تھے۔ پادری صاحب کی حالت پر تو اس لیئے افسوس آتا ہے۔ کہ انکی ساری محنت یونہی رائگاں ہو گئی۔ انہوں نے یہ کتاب لکھکر خواہ نخواہ اپنی پردہ دری کرالی۔ مگر ولیم میور کے انگریزی ترجمے پر جب نظر پڑتی ہے۔ تو انپر پادری ٹسڈال کی نسبت اور بھی زیادہ افسوس آتا ہے۔ کیونکہ پادری صاحب کئی طرح سے معذور بھی تھے۔ اول تو وہ علمی کم مائگی کی وجہ سے معذور تھے۔ بلکہ ضروری تھا۔ کہ وہ ایسی غلطیوں کا ارتکاب کر کے اپنے سرمایہ علمی کا راز افشا کرتے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎ تا مرد سخن نگفتہ باشد۔ عیب و ہنرش نہفتہ باشد۔ دوم اگر یہ مان بھی لیا جاوے کہ وہ اسلامی معلومات سے ایسے بے بہرہ نہیں جیسے انکی کتاب سے ہویدا ہوتا ہے۔ پھر بھی انکے لیئے ضروری تھا کہ عوام الناس کو مغالطہ دینے کیلیئے وہ ہر ایک قسم کا ذریعہ استعمال کرتے۔ اور اپنی مشنری کا حق ادا کرتے۔ انکو ریورنڈ کا خطاب حاصل ہے۔ انہوں نے اس خطاب کا حق بھی آخر ادا کرنا تھا۔ پس اگر انہوں نے بے علمی سے ایسا نہیں کیا۔ تو صرف عوام پر اثر ڈالنے کے

لیئے خلاف واقعہ امور کو درج کر دیا۔ کیونکہ پادری صاحبان اپنی غرض کے حاصل کرنے میں ایک جائز و ناجائز راہ اختیار کرنیکے لیئے تیار رہتے ہیں۔ اس لیئے پادری صاحب پر اسقدر افسوس نہیں۔ جسقدر ولیم میور پر افسوس ہے۔ کیونکہ اسکی نسبت یہ گمان نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ ان واقعات کا علم نہیں رکھتا تھا۔ اسکی اپنی کتاب پادری صاحب کے بیان کی تغلیط کر رہی ہے۔ لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صفحہ ۷۹ کے پڑھنے سے ہر ایک شخص کو معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ سلمان فارسی مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوئے۔ جیسا کہ تاریخ اسلام میں بصراحت مذکور ہے۔ اور جس آیت کریمہ کی نسبت پادریصاحب لکھتے ہیں۔ کہ اس میں سلمان فارسی ہی کا ذکر ہے۔ اسکی نسبت میور کا بیان صفحہ ۶۵ پر ملاحظہ ہو۔ جو پادری صاحب کے خیال کی تردید کر رہا ہے۔ اور لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صفحات ۳ ۔ ۴ ۔ ۵ ۔ ۷ کے ملاحظہ سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ جس تعلیم کی نسبت پادری صاحب لکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت (صلعم) نے سلمان فارسی سے سیکھی۔ وہ مکہ میں ابتداہی سے نازل ہو چکی تھی۔ پس ولیم میور کو خوب علم تھا۔ کہ پادری صاحب کا یہ کہنا کہ یہ تعلیمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی سے سیکھیں۔ سراسر جھوٹ اور کذب ہے۔ مگر پھر بھی پادری صاحب نے اس کذب کو انگریزی میں ترجمہ کرکے جھوٹ کے پھیلانے میں اعانت کی اور صرف اعانت ہی نہیں کی بلکہ اس کتاب کو بہت سے عزت کے خطابوں کا شرف عطا کیا ہے۔ ایسی کارروائی ایک ایسے شخص کے لائق نہیں۔ جو نہ صرف مؤرخ ہونیکا مدعی ہو۔ بلکہ ممتاز عہدوں کا رکھنے والا اور کے۔ سی۔ ایس۔ آئی جیسے معزز القاب سے سرفراز ہو۔ اور جسکا نام سر کے خطاب سے مزین ہو۔ مگر مسیحی صاحبان میں اسلام کی مخالفت کا ایک عجیب جوش ہے۔ کہ سر ولیم میور۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل ایل ڈی۔ ڈی سی ایل۔ پی ایچ ڈی جیسے معزز انسان بھی حق کا خون کرکے اپنے روشن نام کو رنگین کرنیسے پرہیز نہیں کرتے۔

نمونہ نمبر چہارم۔ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۱-۲۳۲ پر پادری صاحب لکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا سبق زید بن عمر سے سیکھا جسکو شہر والوں نے اسی عقیدہ کی وجہ سے شہر سے کوہ حرا کی طرف نکالدیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی عبادت الٰہی

کیلیئے اسی پہاڑ میں جایا کرتے تھے۔ اور وہاں دونوں کی ملاقات ہوتی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی تعلیم کا پہلا سبق اسی زید بن عمرو سے حرا پہاڑی کے مکتب میں بیٹھ کر پڑھا۔ افسوس کہ اس امر میں بھی ولیم میور صاحب پادریصاحب کی تردید ہی کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صفحہ ۳۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا کی طرف عبادتِ الٰہی کیلیئے تشریف لیجاتے تھے۔ تو انکے قریب ہی زید بن عمرو کی قبر تھی۔ تعجب ہے کہ اگرچہ ولیم میور نے پادری صاحب کی عجیب و غریب کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ مگر اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پادری صاحب کی ایک بات کی بھی تصدیق نہیں کرتے۔ پادری صاحب تو فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تشریف لیجاتے۔ تو اسی پہاڑی میں زید بھی گشت لگاتے ہوئے آپ سے آکر ملاقات کرتے۔ اور توحید کا سبق آپنے اسی سے پڑھا۔ مگر میور لکھتا ہے کہ زید اس زمانہ سے پہلے مرچکا ہوا تھا۔ ہاں اس کی قبر وہاں ضرور تھی۔ پادری صاحب تحقیق میں تو کمال رکھتے ہیں۔ مگر وقت کا حساب کرنے میں ہمیشہ چوک جاتے ہیں۔ حضرت ماریہ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہما کے معاملہ میں بھی وقت میں ہی غلطی کھائی تھی۔ اور زید بن عمرو کے بارے میں بھی وقت میں ہی غلطی کھا گئے۔ انکے نزدیک اس امر کے ثابت کرنیکے لیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا سبق زید سے سیکھا اتنا ہی دکھا دینا کافی ہے۔ کہ زید بھی حرا پہاڑی میں گھوما کرتا تھا۔ اور آپنے بھی اسی پہاڑی میں عبادتِ الٰہی کے لیئے خلوت اختیار کی ان کے نزدیک یہ امر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ کہ وہ زمانہ بھی ایک تھا یا نہیں صرف مکان کا ایک ہونا کافی ہے زمانہ کا ایک ہونا انکے نزدیک چنداں ضروری نہیں۔ اگر پادری صاحب کہیں بدقسمتی سے سشن جج مقرر کیئے جاتے تو بہت سے بے گناہ لوگوں کو صرف اسلیئے پھانسی پر چڑھا دیتے۔ کہ جس جگہ مقتول کی لاش پائی گئی ہے۔ اسی جگہ ملزم کا جانا ثابت ہے۔ خواہ ملزم قتل سے چار دن بعد وہاں گیا ہو یا ایک ہفتہ پہلے صرف اسی جگہ جانا اسکے قاتل ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

نمونہ نمبر پنجم۔ پادری صاحب نے جو اسلام کی تعلیم کا نمونہ دیا ہے وہ بھی قابل دید ہے۔ آپنے تفاسیر کے بے بنیاد قصوں کو قرآنی قصص ظاہر کیا ہے۔ اور تفاسیر پر ہی بس نہیں کی۔

بلکہ اور قصص کی کتابوں میں بھی جو لغو قصے بھرے پڑے ہیں۔ انکو بھی لیکر اسلامی تعلیم انکا نام رکھا ہے۔ مثال کے طور پر مَیں ایک قصہ یہاں درج کرتا ہوں۔ جسکو پادری صاحب نے اسلامی تعلیم کے نام پر ناظرین کے آگے پیش کیا ہے۔ صفحہ ۱۰۷ پر اس امر کے ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہوئے کہ لوح محفوظ کا عقیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے سیکھا لکھتے ہیں۔ اگر استفسار کنیم۔ کہ اہل اسلام در بارہ آں لوح محفوظ چہ چیز را از احادیث خود آموختہ اند۔ جواب ایں سوال را در قصص الانبیا رمی یابیم۔ د آں اینست۔ آنگاہ در زیر عرش دانہ مروارید بیافرید و ازاں مروارید لوح محفوظ را بیافرید۔ بلندی وے ہفت صد سالہ و پہنائی او سہ صد سالہ راہ۔ گرداگرد وے ہمہ بیاقوت سرخ آراستہ شدہ۔ الخ

(ترجمہ) اگر ہم یہ دریافت کریں۔ کہ احادیث میں مسلمانوں کو لوح محفوظ کے متعلق کیا تعلیم دی گئی ہے۔ تو اس کا جواب قصص الانبیار کے صفحہ ۳ و ۴ پر ملیگا۔ وہ یہ ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ نے عرش کے نیچے مروارید کا دانہ پیدا کیا۔ اور اس مروارید کے دانہ سے لوح محفوظ کو پیدا کیا۔ جسکی بلندی سات سو سال کی راہ ہے۔ اور جسکی چوڑائی تین سو سال کی راہ ہے۔ اور اُسکا گرداگرد سُرخ یاقوت سے آراستہ کیا گیا ہے۔ دیکھئے یہ ہے اسلام کی تعلیم جو پادری صاحب پیش کرتے ہیں۔ آپ راستبازی کو بالائے طاق رکھکر اس افسانہ کا نام حدیث یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ قصص الانبیار کا مصنف اس کہانی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ اگر اسکو منسوب بھی کرتا۔ پھر بھی عقلمند آدمی اسکو صحیح حدیث قرار نہ دیگا۔ یہ ہے نمونہ اس اسلامی تعلیم کا جسکا کھوج پادریصاحب قدیمی کتابوں میں سے نکال کر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تعلیمات غیر مذاہب سے سیکھیں۔

نمونہ نمبر ششم۔ میں یہاں پادری صاحب کی ایک اور حدیث کو نقل کرتا ہوں۔ تاکہ ناظرین کو معلوم ہو۔ کہ انہوں نے کیسی لچر اور بے ہودہ تعلیم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنیکی کوشش کی ہے۔ آپ صفحہ ۱۱۱ پر قصص الانبیار میں سے ایک اعلیٰ پایہ کی حدیث نقل کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ در قصص الانبیا گفتہ شدہ است۔ کہ روزے عبداللہ بن سلام

از حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پرسید۔ فراز زمین از چیست۔ گفت از کوہ قاف۔ گفت کوہ قاف از چیست۔ گفت۔ از زمرد سبز و سبزی آسماں از آنست۔ گفت صدقت یارسول اللہ گفت بالائے کوہ قاف چہ مقدار است۔ گفت پانصد سالہ راہ است۔ گفت گرداگرد وے چند است۔ گفت گرداگرد وے دو ہزار سالہ راہ است۔ ✻

اب یہ ایسا لغو قصہ ہے۔ کہ سمجھدار مسلمان تو کجا ایک انصاف پسند عیسائی یہودی یا ہندو بھی ایک لمحہ کیلئے یہ قبول نہیں کریگا۔ کہ یہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے۔ مگر پادری صاحب ایسی بہت سی بیہودہ باتوں کو قصوں کی کتابوں میں سے نقل کرکے پیش کرتے ہیں۔ کہ یہ اسلام کی تعلیم ہے۔ ایسی بہت سی مثالیں کتاب ینابیع الاسلام میں سے درج کیجا سکتی ہیں۔ جو درحقیقت لغو کہانیاں ہیں۔ مگر پادری صاحب ان کہانیوں کو اسلامی تعلیم کے نام پر پیش کرتے ہیں۔ اور پھر پُرانی غیر مذاہب کی کتابوں میں سے ان قصوں کے اصل نکال کر یہ ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ کہ اسلام کی تعلیم غیر مذاہب سے لی گئی ہے۔ ان دو مثالوں سے ناظرین پادری صاحب کی راستبازی اور آپکی تحقیقات کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ اور یہ بھی دیکھ سکتے ہیں۔ کہ کتاب ینابیع الاسلام جو ایسے لغو قصوں سے از سر تا پا بھری پڑی ہے۔ کس پایہ کی کتاب ہے۔ ان مثالوں سے اگر پادریصاحب کی راستبازی اور دیانت داری کا پتہ لگتا ہے۔ تو ولیم میور کی حق پسندی کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ جو ایسی لچر کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کرکے اپنی خوشنودی کا سرٹیفکٹ پادریصاحب کو عطا کرتا ہے۔ ولیم میور بخوبی جانتا تھا۔ کہ یہ اسلامی تعلیم نہیں ہے۔ اور جن کتابوں قصص الانبیاء۔ عرائس المجالس و روضۃ الاحباب اور التواریخ القدیمہ وغیرہ کا حوالہ پادری صاحب دیتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے نزدیک کوئی مسلّم کتابیں نہیں ہیں۔ اور نہ کوئی اسلامی فرقہ ان کتابوں کو احادیث کی کتابوں میں شامل کرتا ہے۔ مگر پھر بھی ولیم میور اس کتاب کی تعریف کے گیت گاتا ہے۔ افسوس! ولیم میور نے ایسی کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کرکے اور پھر اسپر اپنی تصدیق کی مُہر لگا کر اپنی مؤرخیت پر ایک ایسا کالا دھبا لگایا ہے۔ جسکو اب کوئی پانی دھو نہیں سکتا

✻ ترجمہ۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ زمین کا اونچا مقام کونسا ہے۔ آپنے فرمایا۔ کوہ قاف۔ اُس نے پھر سوال کیا۔ کوہ قاف کس چیز سے بنا ہوا ہے۔ آپنے فرمایا سبز زمرد سے اور آسمان کا سبز رنگ بھی اسی پہاڑ کی وجہ سے ہے۔ عبداللہ بن سلام بول اُٹھے۔ سچ فرمایا آپنے اے اللہ کے رسول۔ پھر سوال کیا کہ کوہ قاف کی اونچائی کسقدر ہے۔ آپنے فرمایا۔ پانچ سو سال کی راہ۔ پھر سوال کیا کہ اُسکا گردہ کسقدر ہے آپنے جواب دیا کہ دو ہزار سال کی راہ۔

یسے مؤرخ سے انصاف کی کیا امید ہو سکتی ہے۔

نمونہ نمبر ہفتم۔ پادری صاحب نے یہی نہیں کیا کہ بے بنیاد کہانیوں کو قصص کی کتابوں سے نکالکر اسکو اسلامی تعلیم کے نام پر پیش کیا ہے بلکہ جہاں آپ کو کوئی قصوں کی کتاب بھی سند کیلئے نہیں ملی۔ تو کہدیا ہے۔ کہ بات عرب وعجم میں مشہور ومعروف ہے۔ اس لئے سند کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ آپ صفحہ ۷۲ پر ایک کہانی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک دن قرآن شریف کی آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ پڑھ رہی تھیں کہ اچانک اس جگہ امرء القیس کی بیٹی بھی آگئی۔ اور آیت سنکر کہنے لگی۔ کہ یہ آیت تیرے باپ نے میرے باپ سے سنکر لکھدی ہے۔ اور پھر کہتا ہے۔ کہ یہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی۔ یہ کہانی لکھکر جب سند کا موقع آیا۔ تو بجائے سند پیش کرنیکے آپ فرماتے ہیں کہ ایں حکایت درمیان عرب وعجم مشہور است۔ یہ پادری صاحب کی راست گوئی ہے۔ جب سند پیش نہیں کر سکے۔ تو کہدیا ہے۔ کہ یہ کہانی تو کل دنیا میں مشہور ہے تا پڑھنے والا یہ سمجھے۔ کہ ایک مسلّم واقعہ ہے۔ حالانکہ یہ سراسر کذب ہے۔ اگر کذب نہیں۔ تو پادری صاحب کوئی معتبر ثبوت پیش کریں۔ مندرجہ بالا سات نمونوں سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ یہ کتاب جسکو پادری صاحبان لاجواب فرماتے ہیں۔ کس حیثیت کی کتاب ہے۔ اب میں بعونہ تعالیٰ اس کتاب کی مفصل تردید کیطرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا ہوں۔ رب تمم ما اردت واجعل برکۃ فیما قصدت واتنی ما فقدت۔ انت مولاي في الدنیا والاخرۃ وانت ارحم الراحمین۔ آمین ثم آمین

ینابیع کا بنیادی پتھر

صرف یہی نہیں۔ کہ پادری مسٹڈال نے اپنی کتاب کو بہت سے قصوں سے بھر دیا ہے بلکہ وہ بنیاد ہی جسپر آپنے ایک بڑی بھاری عمارت اُٹھائی ہے غلط ہے۔ اپنی تمہید میں آپ لکھتے ہیں۔ درباره اینکہ قرآن تصنیف انسانی نیست۔ بلکہ تماماً از جانب

تعالیٰ بواسطہ حضرت جبرائیل فرشتہ بر حضرت محمد نازل شدہ جمیع اہل اسلام بر ایں عقیدہ متفق الرائے بودہ وہستند۔ پس اگر ایں بیان را قبول کنیم۔ بائد اقرار نمائیم کہ ینبوع وحید قرآن و سرچشمہ تمامی دین اسلام خود خدائے عز و جل رب العالمین سبحانہٗ و تعالیٰ می باشد۔ و ہیچ سرچشمہ دیگر نداشتہ و ندارد۔ لہٰذا اگر ممکن باشد کہ شخصے تفتیش و تفحص نمودہ ایں را اظہر من الشمس ثابت بگرداند۔ کہ اکثر اجزائے قرآن و بسیارے از عقائد اسلام بے شک و شبہ از ادیان دیگر و از کتبے کہ در ایام حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود بود و حالا نیز است۔ انتخاب شدہ است۔ پس بنیادِ دینِ اسلام تماماً و کلیۃً منہدم گردد۔ صفحہ (۱۱) اسی عبارت کو میور صاحب اپنے الفاظ میں اسطرح لکھتا ہے "مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ انکا مذہب خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے اور قرآن و دیگر عقائد اسلام خدائے تعالیٰ نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جبرائیل کے وساطت سے نازل کیئے تھے پس جب خدائے تعالیٰ ہی اسلام کا منبع ہوا تو اسلام کے کسی عقیدہ کیلئے انسانی منبع تلاش کرنا محال ٹھہرتا ہے لیکن اگر ہم قرآن کی تعلیم کے کسی حصّہ کو کسی زمینی چشمہ یا اُن انسانی مذاہب سے جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ سے پہلے موجود تھے نکالکر دکھائیں تب اسلام کی ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔" صفحہ (۲)

مذکورہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دو مسیحی صاحبان کی رائے میں دین اسلام کی تکذیب کے لیئے صرف یہی بات کافی ہے کہ اسلام کی تعلیم کو دوسری کتابوں یا دوسرے ادیان کے عقائد سے نکالکر دکھایا جاوے اور یہی ایک خیال ہے کہ جس پر ینابیع کی بنیادیں اُٹھائی گئی ہیں۔ اور اسی کو مدنظر رکھکر چرچ مشن کے پادری نے پُرانی کتابوں اور تاریخی صحائف کی ورق گردانی کی ہے تاکہ قرآن کی تعلیم کو انسانی تصنیف ثابت کرے۔ اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر ایک مسلمان اس امر کو اظہر من الشمس کردے کہ وہ خیال ہی سراسر خام اور جھوٹا ہے جسپر مسٹر ٹسڈال نے اپنی کتاب کی بنیاد رکھی ہے۔ تو کیا مسیحی صاحبان یہ تسلیم نہ کرینگے

کہ وہ ساری عمارت جسکو ان کے واعظ نے برسوں کی محنت سے تعمیر کیا ایک آن کی آن میں منہدم ہو جائیگی۔ مسٹر ٹسڈال نے جو دلیل مذکورہ بالا عبارت میں دی ہے۔ اس پر مسیحی خوش ہوں تو ہوں۔ مگر ایک مسلمان کی سمجھ میں ہرگز نہیں آتا کہ کس طرح آنحضرت صلعم کی تعلیم کو دوسرے ادیان اور کتب سے نکال کر دکھانے سے اسلام کی تکذیب ہو سکتی ہے۔ ایک مسلمان کے نزدیک اسلام کی تکذیب کی بجائے اس سے تو قرآن کے دعاوی کی تصدیق ہوتی ہے۔ قرآن کا یہ دعویٰ نہیں کہ اسلام کی تعلیم کوئی ایسی تعلیم ہے جو پہلے نازل نہیں ہوئی اور نہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی کہیں ایسا دعویٰ کیا ہے کہ آپ سے پہلے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیئے کوئی نبی نہیں آیا اور آپ ایک انوکھے رسول ہیں۔ برعکس اسکے مسلمانوں کی پاک کتاب صاف طور پر یہ تعلیم دیتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی رسالت کسی ایک ملک یا ایک قوم تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ تمام ممالک اور تمام اقوام میں خدائے تعالیٰ کے فرستادہ۔ لوگوں کی ہدایت کے لیئے مامور ہو کر آتے رہے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کہ قرآن کریم نے کس طرح صفائی کے ساتھ اس بات کا اعلان کر دیا ہے۔ وہ فرماتا ہے۔

(ا) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (اعراف ۴)
اے آدم کے بیٹو اگر تمہارے پاس رسول آئیں تمھیں میں سے بیان کریں تم پر میرے نشانات۔ پس جو شخص تقویٰ کرے گا اور نیکی کریگا تو انہیں کوئی خوف و حزن نہ ہوگا۔

(ب) لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید ۳) تحقیق ہم نے رسولوں کو کھلے نشانات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (قواعد عدل) نازل کیں تاکہ لوگ عدل کو قائم رکھیں۔

(ج) فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا۔ (النسا ۶)
پس کیونکر ہوگا جب ہم ہر ایک امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھ کو ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔

(د) وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ. (نسار ۲۳) اور بھیجے ہم نے رسول جن میں سے بعض کا ذکر ہمنے تجھ پر پہلے کردیا ہے اور بعض کا ذکر تجھ پر نہیں کیا۔

(ﮪ) قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (احقاف ۱) کہہ (اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں۔

(و) اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ۝ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝ (فاطر ۳) نہیں تو مگر ایک ڈرانیوالا۔ تحقیق ہم نے تجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری دینے والا اور ڈرانیوالا اور کوئی اُمت نہیں مگر اس میں ڈرانیوالا گذرا ہے۔

(ز) اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ (رعد ۱) سوائے اسکے نہیں کہ تو ایک ڈرانیوالا ہے۔ اور ہر ایک قوم کیلیئے ہدایت دینے والا گذرا ہے۔

(ح) وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (یونس ۵) اور ہر ایک اُمت کے لیئے ایک رسول ہے۔

(ط) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا (نحل ۵) تحقیق ہم نے ہر ایک اُمت میں رسول مبعوث کیا۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات کا حوالہ دیکر دکھایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم ان تمام رسولوں اور ڈرانیوالوں کے خدا کی طرف سے مامور ہونے کی تصدیق فرماتا ہے۔ جو وقتاً فوقتاً مختلف ممالک میں مبعوث ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ رسولؐ عربی علیہ الف الف سلام کی تعلیم وہی تعلیم ہے جو پہلے انبیار علیہم السلام نے دی تھی۔ لیکن ہمارے خیال میں مذکورہ بالا قرآنی حوالجات ان امور کے ثبوت کے لیئے کافی سے زیادہ ہیں۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرقان حمید تمام گذشتہ آسمانی کتابوں اور صحف انبیاءؑ کی تصدیق کرتا ہے۔ ذیل کی چند آیات ملاحظہ ہوں۔

(۱) قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (بقرہ ۱۲) کہہ جو کوئی جبریل کا دشمن ہے پس تحقیق اس نے اُتارا ہے اس (قرآن) کو تیرے دل پر جو تصدیق کرتا ہے

اس (کلام) کی جو اس سے آگے ہے اور مومنوں کیلیئے ہدایت و خوشخبری ہے۔

(ب) نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (آل عمران ۱)

اللہ تعالیٰ نے اُتاری ہے تجھ پر یہ کتاب حق کے ساتھ جو اس (کلام) کی تصدیق کرتی ہے جو اسکے آگے (نازل ہو چکی) ہے۔

(ج) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام ۱۰) یہ لوگ ہیں (جنکا ذکر پہلے ہو چکا ہے یعنی انبیا و رسل) جنکو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی پس تو بھی انکی ہدایت کی پیروی کر۔

(د) وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ (انعام ۱۱)

اور یہ کتاب ہے ہم نے اسکو اُتارا برکت والی اور جو (کلام الٰہی) اس سے آگے ہے اس کی تصدیق کرنیوالی ہے۔

یہ دعاوی ہیں جو قرآن کریم اپنے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیش کرتا ہے انسے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنپر قرآن نازل ہوا تھا کوئی انوکھی اور نئی تعلیم نہیں لائے بلکہ جو کتاب آپ پر نازل ہوئی تھی وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے پس قرآن کریم کے ان دعاوی کو دیکھکر تعجب آتا ہے کہ پادری ٹسڈال اور ان کا مترجم ولیم میور کس منہ سے کہتے ہیں کہ اگر ہم قرآن کی تعلیم یا اسکے کسی حصّے کو پہلی کتب میں سے نکالکر دکھا دیں یا نبی کریمؐ کے زمانہ سے پہلے انسانی مذاہب کے عقایٔد میں وہی کچھ دکھادیں تو اسلام کی ساری عمارت منہدم ہوجاتی ہے۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ لوگ اس بات سے ہی بے خبر ہیں کہ قرآن کریم دوسرے ادیان کو جنکا نام ہمارے مسیحی دوستوں نے انسانی مذاہب رکھا ہے کس نظر سے دیکھتا ہے۔ اور دنیا کے دوسرے انبیاء کی تعلیم کے متعلق کیا حکم دیتا ہے یا وہ عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ میور لکھتا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ ہی اسلام کا منبع ہوا تو اسلام کے کسی عقیدہ کو انسانی مذاہب سے نکالکر دکھانا ایک محال امر ٹھہرتا ہے ہم دریافت کرتے ہیں کہ کیا قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ نہیں کہلایا گیا کہ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ یعنی میں کوئی نیا اور انوکھا رسول ہو کر نہیں

آیا ہوں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ ہے کہ میں کوئی نیا اور انوکھا رسول نہیں ہوں تو آپکی تعلیم کا پتہ ضرور دوسرے ادیان کی مقدس کتابوں میں سے چلنا چاہیئے۔ اور جو شخص یہ کہے کہ اگر اسلام کی تعلیم کو نبی کریمؐ کے زمانہ سے پہلے مذاہب کی کتابوں سے دکھایا جاوے تو اسلام کی تمام عمارت مسمار ہوجاتی ہے۔ وہ ہماری مقدس کتاب کی تعلیم سے سراسر ناواقف ہے اور اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے۔ فرقان حمید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (بینہ) خدا کی طرف سے رسول جوکہ (قرآن مجید کے) پاک صحیفے پڑھتا ہے جنمیں تمام درست کتابیں شامل ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (نساء۔۵) یعنی خدائے تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم کو کھولکر بتاوے اور اُن کے راستہ پر چلاوے جو تم سے پہلے گذر چکے۔ یہ دعاوی ہیں جو قرآن کریم دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور اگر میور اور ٹسڈال صاحبان قرآن کریم کی تعلیم کو پہلے مذاہب کے عقائد میں سے نکالکر دکھاتے ہیں تو بجائے اسلام کو نقصان پہنچانے کے جیساکہ انکا زعم فاسد ہے وہ ہمارے دین کی تائید کرتے ہیں۔ اور تعلیم قرآن کی صداقت پر خود ہی ایک شہادت پیش کرتے ہیں۔ اگر مسٹر ٹسڈال نے بڑی محنت ومشقت سے یہ ثابت کردیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وہی تھی جو زرتشت نے دی تھی یا یہ کہ اسلام کے بعض عقائد بعینہٖ وہی ہیں جو قدیم مصر کی پرانی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور اگر مسیحی مشنری نے یہ دریافت کرلیا کہ دین اسلام کے چند اصول وہی ہیں جو صفحۂ ہستی سے مٹے ہوئے صابی مذہب کے تھے یا یہ کہ اسلامی عقائد ہندوؤں کی قدیم مقدس کتب میں بھی پائے جاتے ہیں تو ہم صاحب موصوف کا اس خدمت اسلام کیلئے شکریہ ادا کرتے ہیں کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام پرانے ادیان جنکو میور صاحب نے خوش فہمی سے انسانی مذاہب کہا ہے اصل میں خدا کی طرف سے تھے اور خدائے تعالیٰ کی پاک کتاب قرآن مجید ہمکو انکے راستہ پر چلاتی ہے۔ جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اسلام اور موجودہ مسیحی مذہب جس نظر سے غیر مذاہب کو دیکھتے ہیں اس میں بہت بڑا فرق ہے۔ مسیحیوں نے خدائے تعالیٰ کو بخیل اور تنگ دل ظاہر کیا ہے کیونکہ بموجب مسیحی عقائد کے اُس نے اپنی عنایات کا مورد

ایک ہی قوم کو بنایا اور اپنا فضل محض اسی قوم تک محدود رکھا لیکن قرآن پاک نے ایسی تعلیم نہیں دی وہ فرماتا ہے کہ جس طرح خدائے تعالیٰ نے اپنی ظاہری عنایات کو عالمگیر کیا ہے اور مختص بالقوم اور مختص بالزمان نہیں کیا اسی طرح اسکے روحانی فضل بھی کسی خاص وقت تک نہیں رہے۔ پس قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق ہمارا ایمان ہے کہ خدا کے مرسل نہ صرف بنی اسرائیل ہی میں بلکہ دوسری قوموں میں بھی مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ اور جس طرح اسرائیلیوں میں پیغمبر آتے رہے ہیں اسی طرح مصریوں۔ ایرانیوں۔ ہندوؤں اور چینیوں میں بھی خدا کے مامور نازل ہوتے رہے ہیں ایک مسلمان کی نظر میں زرتشتؑ۔ کرشنؑ۔ بدھؑ زمانہ قدیم کے ہندو رشی۔ کنفیوشس اور تمام دنیا کے بڑے بڑے معلم بعینہٖ اسی طرح خدائے تعالیٰ نے اپنی اپنی قوم کی ہدایت کے لیئے مبعوث کیئے تھے جس طرح حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے اسرائیلی نبی بنی اسرائیل کی روحانی تعلیم کے لیئے مامور ہوئے تھے پس ہم حضرت موسیٰؑ وحضرت زرتشتؑ اور حضرت عیسیٰؑ وحضرت کرشنؑ (علیہم وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام) میں کسی طرح کا فرق اور تمیز نہیں کرتے کیونکہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (بقرہ - ۱۶) یعنی کہہ کہ ہم ان (انبیاء علیہم السلام میں سے) کسی میں کوئی تمیز نہیں کرتے (یعنی سب کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں) اور ہم اسکے (خدائے تعالیٰ کے) فرمانبردار ہیں۔ خدائے تعالیٰ کے رسول ہونیکی وجہ سے یہ سب لوگ یکساں تھے اگرچہ ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت بھی تھی۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ - ۳۳) یعنی ان رسولوں میں بعض ایسے ہیں کہ انکو دوسروں پر فوقیت ہے۔ پس برعکس مسیحیوں کے ہم نہ صرف ان تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو فلسطین کے علاوہ دوسرے ممالک میں مبعوث ہوئے بلکہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ انہیں سے کئی انبیاء مسیحؑ سے بڑھ چڑھکر ہونگے چونکہ مسیحی صاحبان یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ دوسرے ممالک میں بھی خدا کے فرستادہ نمودار ہوئے ہیں۔ اسی لیئے ولیم میور صاحب دوسرے ادیان کو انسانی مذاہب کہکر پکارتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قرآنی تعلیم کا ماخذ انسانی تصانیف ہیں۔ لیکن اسلام دنیا کے تمام مذاہب کی بنیاد الہام الٰہی پر مانتا ہے۔

اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا کے کل ادیان ابتدا میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے تھے۔ ہاں
جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ویسے ویسے لوگوں نے مسیحؑ کی طرح دیگر انبیاءؑ کو بھی جو دراصل
انسان ہی تھے اور انسانی کمزوریاں اپنے اندر رکھتے تھے خدا اور خدا کے بیٹے بنا لیا۔ اور
پولوس جیسے آدمی بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے اصلی توحید کو بدلکر تین میں ایک اور ایک
میں تین کے لایعنی معموں کو مذہب ..... میں داخل کر دیا۔ لیکن اس سے کیا یہ لازم آجائیگا
کہ ان ادیان میں سچی تعلیم کا کوئی حصہ نہیں۔ نہیں نہیں دراصل بات یہ ہے کہ چونکہ ان مذاہب
کی اصل جڑھ خدائے تعالیٰ کا پاک الہام تھا۔ اسلیئے باوجود اس تغیر اور تحریف وتبدیل کے
تاحال انکی تعلیم میں سچائی کی جھلک پڑتی ہے۔ اور انکی کتابوں میں اب تک خداوند تعالیٰ
کے کلام کے بہت سے اجزا دکھائی پڑتے ہیں پس اگر مسیحی صاحبان دوسرے ادیان کی تعلیم کے
بعض حصوں اور بعض اسلامی عقائد میں مطابقت دیکھتے ہیں۔ تو اس سے یہ کہاں
ثابت ہوتا ہے۔ کہ نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی نے ان عقائد کو مذاہب مذکورہ سے
لیا ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم اور دوسرے انبیاءؑ کی تعلیم کا ایک ہی منبع ہے اور وہ
خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ لم یلد ولم یولد کی ذات پاک ہے جس نے اپنے مرسلوں پر مختلف ممالک
اور مختلف زمانوں میں اپنا کلام نازل کیا اور جب منبع ومبدا ایک ہوا تو پھر مطابقت ومشابہت
کیوں نہ ہوگی۔ مثلاً پادری ٹسڈال صاحب قرآن کریم کی تعلیم کے ماخذ ڈھونڈتے ڈھونڈتے
اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ جو قرآن نے قیامت کے دن نیک وبد اعمال کے وزن کیا جانیکے متعلق
تعلیم دی ہے اسکو ایک پرانی مصری کتاب سے لیا گیا ہے۔ جس کی چند جلدیں قدیمی مصریوں
کی قبروں میں سے برآمد ہوئی ہیں۔ چنانچہ سر ولیم میور مسٹر ٹسڈال کا ترجمہ کرتے ہوئے
صفحہ ۶۹ پر لکھتا ہے۔ "لیکن جو کچھ وہاں میزان کے متعلق لکھا ہے اُسکا ماخذ ایک بہت
قدیمی کتاب ہے جسکا نام کتاب الاموات ہے۔ اس قدیم کتاب کی کئی جلدیں پہلے زمانہ کے
بُت پرست مصریوں کے مقبروں میں سے برآمد ہوئی ہیں۔ ان کتابوں کو مقبروں میں اس لیئے
رکھا گیا تھا کہ مصریوں کے خیال میں وہ ان کے ایک دیوتا مسمیٰ بہ تھوتی کی تصنیف ہے
اور وہ یہ بھی گمان کرتے تھے کہ مدفون اس کتاب کو قبر میں بھی پڑھیں گے۔ اس کتاب

میں ایک عجیب تصویر ہے جس میں وہ کمرہ دکھایا گیا ہے کہ جہاں ایک شخص اُسر نامی کی عدالت ہو رہی ہے۔ اور اس کی ایک نقل ہمارے مصنف مسٹر ٹسڈال نے بھی دی ہے جو بہت دلچسپ ہے۔ ایک میزان کھڑی ہے۔ جسکے دونوں طرف دو دیوتا ہیں جنمیں سے ایک تو کسی نیک شخص کا دل ایک برتن میں رکھکر وزن کر رہا ہے اور اسکے مقابل دوسرے پلڑے میں ایک بُت کا نشان ہے جسکا نام مآت یا راستی ہے بڑا دیوتا مصر کی قدیمی زبان میں متوفی کی قسمت کا حساب کتاب درج کر رہا ہے اور وہ اس طرح لکھتا ہے۔ اُسر عادل شمار کیا گیا ہے اور وہ زندہ ہے اُس کا ترازو الٰہی دیوانخانہ میں برابر ہے۔ اُسر عادل کا دل اپنی جگہ میں داخل ہوگا خدائے بزرگ جو شہر ہرمو پولیس کا مالک ہے ایسا کہتا ہے۔ ......

...... وہاں بعض ایسے بُت دکھائے گئے ہیں جنپر انکے نام لکھے ہوئے ہیں جس میں سے ایک ڈراؤنی سی شکل پر یہ لفظ مرقوم ہیں دشمنوں پر فتح پانیوالا امنتی (زمانہ بعد الموت) کا خدا۔ اکثر دفعہ ان الفاظ کا تکرار ہے "اسکے لیئے حیات اور سلامتی ہو" اس بیان کے بعد ٹسڈال لکھتا ہے

پس از انچہ گفتہ شدہ ظاہر ست کہ ہر آنچہ در قرآن نسبت آن میزان مکتوب است۔ ازیں ینبوع صادر شدہ است (صفحہ ۱۶۷) یعنی جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے اس سے صریح واضح ہوتا ہے کہ جو کچھ قرآن میں میزان وغیرہ کے متعلق لکھا ہے اسکا ماخذ یہی کتاب ہے یہ ہے جو کہ ٹسڈال اور میور صاحبان نے بڑی کوشش اور تحقیقات سے پیش کیا ہے لیکن مصنف ینابیع یہ ہرگز ثابت نہیں کرسکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال کے موازنہ کا مسئلہ مصریوں کی کتاب سے لیا ہے بلکہ برعکس اسکے کتاب الاموات اور قرآنی تعلیم کی مطابقت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب مذکور میں جو کچھ اعمال کے وزن کے متعلق لکھا گیا ہے وہ دراصل کسی ملہم کی پاک صاف تعلیم تھی جسپر بعد میں بُت پرستی کا رنگ چڑھا دیا گیا ہے مگر تاحال برابر اس میں نبوت کی سچی تعلیم جھلک مار رہی ہے ممکن ہے کہ تھوتی جسکی طرف اس کتاب کو منسوب کیا جاتا ہے وہ دراصل خدا کے ایک نبی ہوں۔ جنکو بعد میں لوگوں نے ٹھیک اسی طرح خدا بنا لیا جس طرح عیسائیوں نے بُت پرست اقوام کے دیوتاؤں کی تعداد بڑھانے کیلیئے مریم کے بیٹے کو اپنا معبود بنا لیا پس پادری ٹسڈال صاحب کی محنت

ہمارے مفید مطلب اور قرآن کریم کی صداقت پر ایک شہادت ہے کیونکہ قرآن کریم فرماتا ہے
وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ یعنی ایسی کوئی قوم نہیں ہوئی جس میں ہم نے
ڈرانیوالا نہیں بھیجا اور گو پادری صاحب نے رضامندی سے شہادت نہیں دی تاہم ہمارا فرض
ہے کہ ہم انکا شکریہ ادا کریں ہاں یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن کریم کا یہ منشار
ہرگز نہیں کہ حقیقةً ایک پیتل یا لوہے کی میزان خدائے تعالیٰ کے سامنے رکھی جائیگی
اور نیک و بد اعمال پلڑوں میں ڈالکر اسطرح وزن کیئے جائیں گے جسطرح مادی اشیار تولی جاتی
ہیں۔ بلکہ قرآن یہ بتلاتا ہے کہ جس کے نیک اعمال بُرے اعمال سے زیادہ وزنی ہوں گے
یعنی نسبتاً نیک اعمال کی زیاتی ہوگی وہ خدائے تعالیٰ کی رضا کے بہشت میں داخل ہونگے
اور جن کے بد اعمال نیک اعمال کی نسبت وزنی یعنی نسبتاً زیادہ ہوجائیں گے وہ عذاب
دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ
فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝
(القارعہ) یعنی جسکے اعمال صالحہ کا پلڑا بھاری ہوگا وہ خوشی کی زندگی بسر کریگا یعنی
بہشت میں داخل ہوگا۔ اور جسکا پلڑا ہلکا ہوگا وہ دوزخ کی گود میں جائیگا۔
خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید - ۳) یعنی تحقیق ہمنے پہلے نبیوں کو
کھلے کھلے نشان دیکر بھیجا اور اُنکے ساتھ کتاب اور میزان اُتاری۔ اس آیت کریمہ میں
لفظ میزان صریحاً استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اسی طرح یہ سمجھنا چاہیئے کہ محشر
کے دن اعمال کی میزان کوئی مادی اشیار کی سی میزان نہ ہوگی کیونکہ انسان کے اعمال کوئی
مادی چیز نہیں ہیں۔ مگر کسی نہ کسی رنگ میں موازنہ ضرور ہوگا کیونکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے
وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ اِلْحَقُّ (اعراف ۱) یعنی یہ سچی بات ہے کہ اُس دن (قیامت کے دن)
اعمال تولے جائیں گے۔

(۱) اسی طرح پادری ٹسڈال لکھتا ہے کہ قرآن کریم کی آیت کریمہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
زرتشت کی کتب مقدسہ سے لی گئی ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ زرتشتی ایک کتاب پر

ایمان لاتے ہیں جسکو وہ دساتیر آسمانی کہتے ہیں اور وہ یقین کرتے ہیں کہ یہ آسمان کی بولی میں لکھی ہوئی ہے اور خسرو پرویز کے زمانہ میں وہ زبان دری میں ترجمہ کیگئی تھی۔ اسمیں پندرہ کتابیں ہیں جو پندرہ نبیوں پر نازل ہوئی تھیں جن میں سے پہلا مہاباد تھا اور آخری ساسان اور تیرھواں زرتشت تھا۔ کتاب ہر دو زبانوں میں شائع کی گئی ہے اصل زبان میں بھی اور اسکا ترجمہ دری میں بھی۔ ہر کتاب کی دوسری آیت "بنام ایزد بخشائندہ بخشائش گر مہربان دادگر" سے شروع ہوتی ہے۔ جو بالکل مشابہ ہے آیت کریمہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے جو قرآن شریف کی ہر سورۃ کے ابتدا میں آتی ہے۔ ہم زرتشیوں کی ایک دوسری کتاب میں بھی ایسے ہی الفاظ پاتے ہیں اور وہ ہیں "بنام ارمزد آفرینندہ"

دنیا بھر میں کوئی عیسائی یہ ثابت ہرگز نہیں کرسکتا نہ پادری ٹسڈال اور نہ ولیم میور کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورۃ الصدر آیت کریمہ کو زرتشتی کتب سے لیا ہے اور اگر قرآن کریم کی ہر سورۃ کی ابتدائی آیت کریمہ زرتشتی کتاب کی دوسری آیت سے مطابقت رکھتی ہے تو اس سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ کتب مقدسہ زرتشت بھی اسی منبع سے آئی ہیں جس منبع سے قرآن شریف آیا ہے۔ یعنی وہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں جیسا کہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے پادری ٹسڈال (یا اسکی روح اگر وہ مرگیا ہے) یہ معلوم کرکے افسوس کریگا کہ وہ ہتھیار جو اس نے اسلام کے استیصال کرنیکے لیئے استعمال کیا تھا وہ الٹا اسی پر پڑا اور وہ اسلام کا ایک بال بھی بینگا نہ کرسکا جیسا کہ اس نے ینابیع الاسلام لکھتے وقت امید کی تھی بلکہ اسکی تحقیقات نے قرآن کریم کے کلام الٓہی ہونے کے دعویٰ کو بہت ہی پکا اور مستحکم کردیا ہے۔ اُس کتاب مقدس کی بابت جسکو زرتشتی نوشتۂ آسمانی یقین کرتے ہیں پادری ٹسڈال کہتا ہے البتہ ایں کتاب جعلی است یعنی البتہ یہ کتاب جعلی ہے۔ پادری ٹسڈال کو کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ کتابیں بناوٹی ہیں یہ محض انکا دعویٰ ہے جو اپنے ساتھ دلیل نہیں رکھتا اور نہ وہ اسکو مبرہن کر سکتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ زرتشتی کتب مقدسہ میں تحریف ہوگئی ہو جیسا کہ بائبل میں تحریف ہوگئی ہے

لیکن کوئی بھی پادری صاحب کے اس دعوے کے قبول کرنیکے لیئے ہرگز طیار نہیں ہے کہ وہ بالکل محض سرے سے ہی جعلی اور انسان کی افترا ہیں جبتک وہ انکے جعلی ہونے کو بدلائل قطعیہ پایۂ ثبوت تک نہ پہنچائے۔

زرتشتی روایت کہ یہ کتابیں آسمانی زبان میں لکھی گئی تھیں صرف اتنا بتاتی ہے کہ وہ منزل من اللہ کتابیں ہیں آسمانی زبان سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ زبان آسمان پر بولی جاتی ہے اور زمین پر نہیں بولی جاتی۔ ورنہ انکو کون سمجھ سکتا تھا اور وہ کیسے دوسری زبان میں ترجمہ کی جا سکتی تھیں۔

اسجگہ یہ سوال ہوسکتا ہے۔ کہ اگر قرآن شریف کتب مقدسہ سابقہ منزل من اللہ کی تصدیق کیلیئے آیا ہے اور اس میں وہی تعلیم ہے۔ جو پہلے انبیاءؑ لائے تھے۔ تو اسکے آنیکا کیا فائدہ تھا اس سوال کا جواب قرآن شریف خود بیان فرماتا ہے۔

اولاً۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی دنیا کی حالت کا نقشہ یوں کھینچتا ہے وہ فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ* خشکی اور تری میں بگاڑ نے زور پکڑ لیا ہے۔ یعنی تمام دنیا میں بگاڑ پڑ گیا ہے۔ بحر کی تشریح میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں خدا کی طرف سے کتاب عطا ہوئی تھی۔ اور وہ اس روحانی آب سے بہرہ ور تھے جسکو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی بھلائی کیلیئے نازل کیا تھا۔ اور بر سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعلیم کو بالکل فراموش کر دیا تھا۔ جو کبھی انکے آباؤ اجداد کی طرف اُتاری گئی۔ اور انہوں نے آسمانی ہدایت کو اپنی یاد سے نسیاً منسیاً کر دیا تھا۔ اور آسمانی پانی کا ایک قطرہ بھی انکے پاس نہ تھا۔ اور وہ بالکل خشک زمین کی طرح خشک ہو گئے تھے۔ دونوں جماعتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارک کے وقت بالکل ردی اور خراب ہو گئی تھیں۔ تاریخ عالم بھی قرآن شریف کے اس بیان کی بڑی شد و مد سے تائید و تصدیق کرتی ہے۔ اور سلیم الفطرت اور انصاف پسند انسان ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تمام مذاہب بگڑ چکے تھے۔ اور ان میں روحانیت بالکل نہیں رہی تھی۔ دوسرے مذاہب کو تو جانے دو۔ خود عیسائیت جو سب سے زیادہ تازہ مذہب

* الروم ۵

تھا۔ اسکے متعلق خود میور لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمہید میں لکھتا ہے۔ کہ "ساتویں صدی کی عیسائیت میں بھی سخت بگاڑ اور فساد برپا ہوگیا تھا۔ اور اس میں مذہبی خانہ جنگیاں اور سخت تفرقہ پڑ گیا تھا۔ اور سچے اور خالص مذہب عیسائی کی جگہ طفلانہ توہمات نے لے لی تھی" پس بمطابق قرآن کریم کے دنیا میں عالمگیر فساد اور خرابی ایک نئے نبی کی بعثت اور ظہور کے متقاضی ہوی۔ کیونکہ قانون قدرت اور سنت اللہ اسی طرح واقع ہوئی ہے۔ کہ جب کبھی ظلمت دنیا میں چھا جاتی ہے۔ اور اپنے انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ تو خدائے تعالیٰ نور کو پیدا کرتا ہے۔ اور جب دنیا گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو بھول جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے دنیا کے لیئے ایک نیا رسول بھیجتا ہے۔ تاکہ وہ اندھیرے کو دور کرے جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ لیکن انبیاءؑ گذشتہ مختص وقت اور مختص قوم کیلیئے تھے۔ کیونکہ اسوقت تک دنیا کی حالت اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ کہ کل ممالک کے لیئے ایک ہی نبی مبعوث کیا جاتا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت وہ تمام موانع اور رکاوٹیں جو ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرتی تھیں۔ دور اور کافور ہونی شروع ہوگئی تھیں۔ اور آثار شروع ہوگئے تھے۔ جو یہ بتلاتے تھے۔ کہ دنیا اب ایک ہونیوالی ہے۔ اسلیئے اللہ تعالیٰ نے ایک کامل نبی بھیجا۔ اور اسے ایک قانون اور ضابطہ عطا فرمایا۔ جو بنی نوع آدم کی تمام ضروریات اور حاجات کیلیئے بالکل کافی ہے۔ الغرض تمام دنیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں روحانی طور پر مرگئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں روح پھونکنے کیلیئے تمام نبیوں کے موعود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ چنانچہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا (الحدید ۲) جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اسکی موت کے بعد پھر دوبارہ زندہ کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وحی الٰہیہ کو بارش سے تشبیہ دیتا ہے۔ جو اوپر سے آتی ہے۔ اور خشک زمین کو تر کرتی ہے۔ اس وحی کا ذکر کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھی۔ فرماتا ہے۔ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا (البقرہ ۲۰) اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا

..... پس اسکے ساتھ زمین کو اسکے مرنیکے بعد زندہ کیا...... اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝ (سورۃ النحل ۹) اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا۔ پس اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ اس میں سننے والی قوم کے لیئے نشان ہے اس آیت کریمہ کا سیاق و سباق بتاتا ہے۔ کہ جیسا پانی آسمان سے اُترتا اور مردہ زمین میں جان ڈالدیتا ہے۔ ایسا ہی وحی الٰہیہ کا پانی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن شریف کی شکل میں نازل ہوا۔ مردہ قلوب میں روحانی زندگی کی روح پھونک دیگا۔

ثانیاً۔ قرآن کریم سے پتہ ملتا ہے۔ کہ چونکہ انبیاء سابقہ میں بہت ہی عرصہ گذر گیا تھا۔ لوگ قاسی القلب۔ سنگدل اور شریر ہو گئے تھے۔ اور ایک نئے مصلح کی بعثت کو چاہتے تھے۔ جو آکر انکے دلوں میں ایمان اور صدق بھر دے۔ اسطرح وہ اہل کتاب کی بابت فرماتا ہے۔ وَلَا یَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْھِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُھُمْ وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (سورۃ الحدید ۱۲) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں۔ جو کتاب دیئے گئے تھے پہلے سے۔ اُنپر لمبا زمانہ گذر گیا۔ پس انکے دل سخت ہو گئے۔ اور بہت سے انمیں سے فاسق اور فاجر ہو گئے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ ۝ (سورۃ مایدہ ۳) اے اہل کتاب ہمارا رسول تمھارے پاس آگیا ہے۔ تاکہ تمھیں کھولکر سنادے رسولوں کے بند ہو جانیکے بعد۔ ایسا نہ ہو۔ کہ کہدو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانیوالا نہیں آیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پہلے رسول آنے بند ہو چکے تھے۔ سب سے آخری نبی جسکے بعد رسول کریمؐ تشریف لائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جو آپ سے چھ سَو سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح یہ خیال کرتے ہوئے کہ گذشتہ نبیوں کی آمد کے بعد ایک لمبا وقفہ گذر چکا تھا۔ اور کہ تمام دنیا پر جہالت کی تاریکی کا پردہ چھا گیا تھا۔ ہر ایک منصف مزاج

آدمی ماننے کو تیار ہوگا۔ کہ ایک نبی کے آنیکا یہ وقت ہونا چاہیئے۔ جو لوگوں کو تاریکی سے نکالکر نور کی طرف لیجائے۔ اور یہ ضرورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور بعثت سے پوری ہوئی۔ اسلیئے قرآن شریف فرماتا ہے۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۝ (سورہ ابراہیم) یہ کتاب ہم نے اسکو تیری طرف اُتارا ہے۔ تاکہ تو لوگوں کو انکے رب کے حکم سے تاریکی سے نور کی طرف لیجائے یعنی عزیز حمید خدا کی طرف۔

ثالثاً۔ قرآن شریف بیان فرماتا ہے۔ کہ اہل کتاب بھی تفرقہ میں پڑ گئے تھے۔ وحی الٰہی کے بہت سے حصّے کو بھول گئے تھے۔ کلام الٰہی کا غلط ترجمہ کرنے لگ گئے تھے۔ اسکی بعض حصص کو چھپا لیتے تھے۔ کتب مقدسہ کی پیروی کو انہوں نے ترک کر دیا تھا۔ ظنون فاسدہ اور آمال کاسدہ کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ انہی وجوہات کے سبب سے نئی وحی کی ضرورت پڑی جو باہمی اختلافات کو مٹا دے۔ جو اہل کتاب میں پڑ گئے تھے۔ اور اُن تعلیمات کو جو لوگوں نے نسیاً منسیاً کر دی تھیں نئے سرے سے زندہ کرے۔ اور ان صداقتوں کو ظاہر کرے۔ جنکو وہ چھپاتے تھے۔ اور اس سے پہلے جتنی تعلیمات دنیا میں رسولوں کے ذریعے سے پھیلائی گئی تھیں۔ ان سب کو جمع اور اکٹھا کرے۔ اور تمام زمینی قوموں کے سامنے ایک کامل کتاب پیش کرے۔ جو دنیا کیلیئے نور ہو۔ اور روحانی امراض کے لیئے جن میں لوگ اکثر مبتلا ہیں۔ علاج اور شفا ہو۔ مندرجہ ذیل آیات مذکورۃ الصدر بیان کی تائید کرتی ہیں۔

(الف)۔ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝ (سورۃ النحل) اور نہیں نازل کیا ہم نے تجھ پر کتاب کو مگر اسلیئے کہ تو کھولکر بیان کر دے جسمیں وہ اختلاف کرتے تھے۔ اور مومنوں کے لیئے ہدایت اور رحمت ہے۔

(ب) اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (سورۃ النساء) تحقیق ہمنے تیری طرف کتاب نازل کی ہے ساتھ حق کے تاکہ تو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے جو اللہ تجھ کو سمجھاوے۔

(ح) یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ۔ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ یَّھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِہٖ وَیَھْدِیْھِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (سورہ مائدہ ۳) اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے۔ بیان کرتا ہے بہت کچھ جو تم کتاب سے چھپاتے تھے۔ اور بہت سے درگذر کرتا ہے۔ تحقیق اللہ کی طرف سے نور اور کھولکر بیان کرنیوالی کتاب آگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکے ذریعے اس شخص کو سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اللہ کی رضامندی کی اتباع کرتا ہے اور انکو اندھیروں سے نور کی طرف لیجاتا ہے اپنے اذن سے اور ان کو سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

(د) وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُھَیْمِنًا عَلَیْہِ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ (سورہ مائدہ ۷) اور ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے۔ وہ گذشتہ کتب مقدسہ کی سچائیوں اور صداقتوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اور ان سب کی جامع ہے۔ پس تو انکے درمیان اللہ کے نازل کیئے ہوئے کے ساتھ فیصلہ کیا کر۔ اور ان کی گری ہوئی خواہشوں کی پیروی مت کر۔ اُس حق کو چھوڑکر جو تیرے پاس آیا ہے۔

(ہ) وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنٰہُ حُکْمًا عَرَبِیًّا وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ بَعْدَ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ (سورہ الرعد ۵) اور اسی طرح ہم نے عربی زبان میں حکمنانہ کے طور پر نازل فرمایا ہے۔ اور اگر تو انکی گری ہوئی خواہشوں کی پیروی کرے پیچھے اسکے کہ تیرے پاس علم پہنچ گیا۔ تیرا اسوقت اللہ کے مقابلہ میں کوئی دوست اور مددگار نہیں بنے گا۔

(و) یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ (سورۃ النساء ۲۳) اے اہل کتاب۔ اپنے دین میں غلو مت کرو۔ اور اللہ کے متعلق

سوائے حق اور واقعی صحیح بات کے اور کچھ مت کہا کرو۔

(ز) فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ (سورۃ المائدہ ٣)
بسبب اسکے کہ انہوں نے ہماری شریعت کو توڑا۔ ہم نے انپر لعنت کی اور انکے دلوں کو سخت بنادیا۔ وہ خدا کے کلمات انکی جگہوں سے بدلاتے ہیں۔ اور ان نصائح او پند کے ایک حصّہ بالکل بھول گئے ہیں۔ جو انہیں کیئے گئے تھے۔ اور ہمیشہ تو انکے خیانت کنندگان پر اطلاع پاتا رہیگا۔ سوائے معدودے چند کے۔ انکو معاف کر۔ اور ان سے درگذر کر۔

(ح) وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ (سورہ مائدہ ٣) اور عیسائیوں سے بھی ہم نے پکّے وعدے لیئے۔ مگر وہ بھی تعلیم کے ایک حصّہ کو بالکل بھول گئے۔

(ط) قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ (سورہ مائدہ)
اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو مت کرو۔ اور اس قوم کی بگڑی ہوئی خواہشوں کی اتباع نہ کیا کرو۔ جو پہلے تم سے جادہ مستقیم سے دُور جاپڑے۔ اور انہوں نے دوسروں کو بھی سیدھی راہ سے ہٹادیا۔ اور وہ خود بھی سیدھے راہ سے گمراہ ہوگئے۔

(ی) فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ (سورہ بقرہ ٩) لعنت اور ہلاکت ان لوگوں کے لیئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں۔ اور پھر کہدیتے ہیں۔ کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

(ک) وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (سورۃ آل عمران) اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ

کتاب الٰہی اپنی زبانوں کو پیچ دیکر پڑھتے ہیں تاکہ تم سمجھو کہ وہ کتاب ہی پڑھ رہے ہیں۔ حالانکہ وہ کتاب نہیں ہوتا اور کہتے ہیں۔ کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا اور عمداً اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

ایسی ناگفتہ بہ حالت ان لوگوں کی تھی جو اپنے تئیں اہل کتاب بتاتے تھے یہ آیات بیّنات وضاحت سے دلالت کر رہی ہیں۔ کہ انہیں باہم تفرقے اور اختلافات پڑ گئے تھے جو چاہتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی وحی انکے جھگڑوں اور تنازعات کو مٹانیکے لیئے بطور حَکم کے آوے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنے لیئے حَکم ہونیکا دعویٰ کیا ہے۔ یہ آیات یہ بھی تصریحاً ظاہر کر رہی ہیں کہ نہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود اور نصاریٰ بگڑے تھے بلکہ انکے آباء و اجداد بھی صراطِ مستقیم کو کھو چکے تھے۔ قرآن شریف واضح طور پر بیان کر رہا ہے کہ یہود اور عیسائیوں نے تعلیمات الٰہیہ اور نصائح الٰہیہ کو پس پشت ڈالدیا تھا یہ ضرورتیں تھیں جو ایک نئے اور کامل قانون کی مقتضی تھیں۔

رابعاً۔ قرآن شریف دعویٰ کرتا ہے۔ کہ اس نے بہت سے ایسے مسائل کو وضاحت سے بیان کیا ہے کہ وہ یا تو بالکل مفقود اور نامعلوم تھے۔ یا اگر معلوم تھے تو پوری طور پر معلوم نہ تھے۔ نیز یسوع مسیحؑ نے بھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آخری نبی تھے فرمایا تھا کہ میں تم لوگوں کو تمام صداقتیں نہیں بتلا سکتا۔ کیونکہ اس کے لیئے ابھی تک مناسب وقت نہیں آیا۔ لیکن وہ ایک جو میرے بعد آئیگا انکے سامنے وہ تمام صداقتیں آشکارا کریگا۔ (یوحنا باب ۱۶ ورس ۱۲-۱۳) قرآن کریم دعویٰ کرتا ہے کہ اس پیشگوئی کے مصداق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنکی خوشخبری اور بشارت مسیحؑ نے دی تھی اور جو لوگوں کو تمام صداقتیں سکھلانے کیلیئے تشریف لائے تھے (دیکھو سورہ صف)

قرآن شریف دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے دین کو پورا کر دیا ہے اور تمام صداقتیں لوگوں پر آشکارا کر دی ہیں چنانچہ فرماتا ہے کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ) یعنی آج کے دن میں نے تمہارے دین کو پورا کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو بھرپور کر دیا اور میں نے تمھیں فرمانبرداری کا

مذہب عطا کرنے میں اپنی رضامندی کا ثبوت دے دیا ہے اور یہی ایک مذہب ہے جس نے یہ دعویٰ کیا ان مسائل کی ایک عمدہ مثال مسئلہ قیامت ہے جن کو توریت اور صحف گذشتہ انبیاء علیہم السلام نے بالکل مبہم سا چھوڑ دیا تھا اور قرآن شریف نے آکر اسکو وضاحت اور الصریح سے بیان کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ یہود کا ایک گروہ قیامت سے بالکل منکر ہو گیا تھا۔ قیامت اور معاد کے مسئلے پر قرآن شریف نے پوری روشنی ڈالی ہے۔ توریت میں اس مسئلے کی طرف بہت کم توجہ کی گئی تھی۔ چنانچہ بہت سے یہود حیات بعد الممات کے صریح منکر ہو گئے تھے اور جو اعتراضات انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام پر کیے انہیں ایک مُردوں کے جی اُٹھنے کا سوال بھی تھا۔ جو جواب حضرت یسوع مسیح نے منکران قیامت صدوقیوں کو دیا تھا وہ صاف بتلا رہا ہے کہ یہود کی کتب مقدسہ میں بہت ہی کم قیامت کا بیان کیا گیا تھا۔ قیامت کے اثبات کے لیے جو مسیح نے درس پیش کی وہ ذیل میں لکھی جاتی ہے۔ "میں ابراہیمؑ کا خدا ہوں۔ میں اسحٰقؑ کا خدا ہوں اور میں یعقوبؑ کا خدا ہوں" اور اس سے انہوں نے مرنے کے بعد کی زندگی کا نتیجہ نکالا۔ کیونکہ جیسا کہ یسوع مسیح فرماتے ہیں۔ وہ مردوں کا خدا نہیں ہے۔ بلکہ زندوں کا خدا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو قیامت کے ثابت کرنے کے لیے صرف یہی آیت مل سکی حالانکہ وہ کتب مقدسہ سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ لیکن یہ آیت قیامت کے ثبوت کے لیے بہت ہی کمزور ہے۔ جیسا کہ پڑھنے والے کو خود معلوم ہو جائیگا۔ الفاظ ابراہیمؑ کا خدا اسحٰقؑ کا خدا اور یعقوبؑ کا خدا۔ ابراہیمؑ۔ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کی حیات ہرگز ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ آیت کے صرف یہی معنے ہیں۔ کہ میں وہ خدا ہوں۔ جسنے ابراہیمؑ۔ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کو مبعوث کیا۔ اور میں وہ خدا ہوں جسکی یہ راستباز انسان عبادت کرتے تھے۔ جب وہ اس زمین پر زندہ موجود تھے۔ لیکن یہ یسوع کا قصور نہیں ہے۔ کہ اس نے قیامت کے ثبوت میں ایسی کمزور آیت پیش کی۔ حق بات یہ ہے۔ کہ اس سے بہتر کوئی آیت اسے توریت میں ملی نہ تھی۔ یسوع کا ایسی آیت کو قیامت کی دلیل گرداننا صاف بتلا رہا ہے۔ کہ کتب مقدسہ اس مضمون سے کم کا ایک بڑا رکن ہے۔ عیسائی جو بڑی

کیفیت کتب مقدسہ کی سند پر دے سکتے ہیں صرف یہی ہے۔ کہ ابراہیمؑ کی چھاتی ایمانداروں کیلیئے بہشت ہے۔ پادری ٹسڈال کہتا ہے۔ "وہ پکے ایمانداروں کیلیئے ایک آرام گاہ ہے جسے اغوش ابراہام کہتے ہیں" لیکن معترض اعتراض کر سکتا ہے کہ ابراہیمؑ سے پہلے کے راستباز کہاں آرام کرتے تھے۔ کیونکہ آغوش ابراہیم تو انکے مرنے کے بعد وجود میں آیا۔

پادری ٹسڈال بیان کرتا ہے کہ چونکہ وہ تمام بیانات جو قیامت کے متعلق قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں۔ توریت اور گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی صحف میں پائی نہیں جاتے۔ لہٰذا وہ جعلی اور خود ساختہ ہیں۔ ایسی عجیب منطق پادری ٹسڈال کو ہی شایاں ہے۔ لیکن ایک شخص جواب دے سکتا ہے۔ کہ چونکہ یہودی کتب مقدسہ نے اس مسئلہ قیامت کے متعلق عالم سکوت ہی اختیار کیا ہوا ہے۔ اسلیئے آغوش ابراہام جس کا توریت میں ذکر نہیں ہے بالکل غلط ہے۔ جیساکہ پادریصاحب کا اعتراض ایک طرف لگتا ہے۔ ویسا ہی دوسری طرف بھی چسپاں ہوتا ہے۔ سچی بات یہی ہے۔ کہ توریت و انجیل کا اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کرنا صاف بتلا رہا ہے کہ وہ کامل کتابیں نہیں ہیں۔ اور وہ تمام صداقت پر حاوی نہیں ہیں۔ جیساکہ خود یسوع اقرار کرتا ہے۔ اس نے کہا۔ کہ ابھی مجھے اور بہت سی باتیں تمھیں بتلانا ہے۔ لیکن تم اب انہیں برداشت نہیں کر سکتے البتہ جب وہ روح الصدق آئیگا۔ وہ تمھیں تمام صداقت کی طرف رہنمائی کریگا۔ کیونکہ وہ اپنی طرف کوئی بات بیان نہیں کریگا۔ لیکن جو کچھ وہ سنے گا۔ سب کچھ بیان کریگا۔ اور وہ تمھیں آئیندہ کی باتیں بتائیگا (یوحنا باب ۱۶۔ ورس ۱۲-۱۳)

قرآن کریم میں ایک اور بڑا امتیاز یہ ہے کہ یہ صرف کامل تعلیمات ہی پیش نہیں کرتا بلکہ بدلائل قاطعہ انکی صداقت بھی ثابت کرتا ہے۔ یہ محض اعتقادات اور ایمانیات اور کتابوں کی طرح صرف دعویٰ کے رنگ میں ہی پیش نہیں کرتا برخلاف انکے یہ صداقتوں کو بدلائل قاطعہ اور حقائق ثابتہ ثابت کر کے بھی دکھلا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کِتَابٌ اُحْكِمَتْ اٰيَاتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (سورۃ ہود)

قرآن کریم ایسی کتاب ہے کہ اسکی آیات مضبوط دلائل سے پکی کی گئی ہیں۔ اور پھر بڑی صفائی سے اللہ حکیم خبیر کی طرف سے بالتفصیل اور الگ الگ کرکے بیان فرمائی گئی ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝ (سورۃ النساء) اے لوگو! تحقیق تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے مضبوط دلیل آچکی ہے۔ اور ہم نے تمھاری طرف نور مبین نازل فرما دیا ہے۔ قرآن کریم کو بنظر غائر پڑھنے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن مجید صرف خشک بیانات پر ہی بس نہیں کرتا۔ بلکہ بدلائل قاطعہ اور واقعات صحیحہ ثابت بھی کر دیتا ہے۔

قرآن شریف کھلے الفاظ میں باواز بلند کہہ رہا ہے کہ یہ انسانوں کی طاقت سے بالکل باہر ہے کہ وہ قرآن جیسی کوئی کامل کتاب طیار کرسکیں۔ جو مومنوں کے لیئے رحمت اور شفا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا ۝ (سورہ بنی اسرائیل) کہدے اگر تمام جن و انس اس قرآن کی مثل بنانا چاہیں تو وہ ہرگز اس کی مثل نہیں بنا سکیں گے۔ اور اگرچہ وہ ایکدوسرے کے مددگار بھی بنجائیں۔ دلیل بالکل صاف اور کھلی ہے۔ کیوں لوگ قرآن کریم جیسی کتاب بنانے سے عاجز ہیں۔ اسکا جواب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ کہ خدا کا کام اور خدا کا کلام دونوں بے نظیر ہیں اور ان دونوں کی کوئی نظیر نہیں بنا سکتا اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کو (۱) آسمانی بارش سے (۲) اور اس دودھ سے جو چارپائے دیتے ہیں اور (۳) ان میوہ جات سے جو درختوں پر لگے ہوئے ہیں اور (۴) اس شہد سے جسے مکھی تیار کرتی ہے۔ تشبیہ دی ہے وہ آیات مندرجہ ذیل ہیں وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَھُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ

لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ○ وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ○ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَکَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ○ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ (سورۃ النحل ۹) ترجمہ - اور ہم نے تجھ پر اسلیئے کتاب نازل کی ہے۔ تاکہ تو انپر انکے اختلاف کو کھولکر بیان کرے اور یہ مومنوں کیلیئے ہدایت اور رحمت ہے اور اللہ نے بادلوں سے پانی نازل کیا اور اس سے ویران زمین کو زندہ کیا۔ سننے والوں کے لیئے اس میں ضرور نشان ہیں۔ اور تمھیں تو چارپایوں سے عبرت لینی چاہیئے کہ ہم تمھیں انکے پیٹوں میں سے خون اور گوبر سے الگ کرکے خالص دودھ پلاتے ہیں※۔ جو پینے والوں کو بڑا خوشگوار لگتا ہے اور کھجور اور انگور کے پھلوں کو ہی دیکھ لو کہ اس سے تم شراب اور رزق حسن (پاکیزہ کھانے) طیار کرتے ہو۔ عقلمندوں کے لیئے اسمیں ضرور نشان ہیں۔ اور تیرے ربنے شہد کی مکھی کی طرف وحی بھیجی کہ پہاڑوں میں درختوں میں اور جہاں کہ لوگ بیلیں اور چھتریاں بناتے ہیں۔ گھر بناوے۔ پھر تمام پھلوں اور پھولوں سے مٹھاس الگ کرکے کھالے اور اپنے رب کی راہوں پر فرمانبرداری سے چلے۔ انکے پیٹوں سے شربت نکلتا ہے جسکے مختلف رنگ ہوتے ہیں اور وہ لوگوں کے لیئے شفاء ہوتا ہے۔ تفکر کرنیوالوں کے لیئے اسمیں ضرور نشان ہے۔

یہ آیات صراحت سے بیان کر رہی ہیں کہ قرآن جیسی کتاب بھیجنا صرف اللہ تعالےٰ کا کام ہے۔ جو مردہ زمین کیلیئے زندگی کا کام کرتی ہے۔ جو روحانی زندگی کے طلبگاروں کیلیئے دودھ کا کام دیتی ہے۔ جو حق کے پیاسوں کے لیئے آب زلال ہے۔ اور روحانی بیماروں کے حق میں شفا ہے۔ جیساکہ ویران زمین کو آباد کرنا اور مردہ

※ اس میں اس امر کیطرف اشارہ ہے کہ جیسا خون و گوبر میں سے خدائے تعالیٰ ایک قدرتی مشین کے ذریعہ دودھ جیسی چیز الگ کر لیتا ہے [illegible]

زمین کو زندہ کرنا بالکل محال اور ناممکن ہے جبتک کہ اللہ تعالیٰ بادلوں سے بارش نازل فرماوے
ایسا ہی لوگوں کیلیئے یہ بالکل ناممکن ہے کہ وہ زمینی اسباب اور مواد سے ایسی کامل کتاب طیار
کر سکیں۔ جو روحانی مردوں میں زندگی کی روح پھونک سکے۔ یہ صرف اللہ ہی کا کلام ہے جو آسمانی
بارش کی طرح جو اوپر سے آکر مردہ زمین کو زندہ کرتی ہے۔ کام کرتا ہے۔ ایسا ہی انسان گھاس میں سے
دودھ کو الگ نہیں کر سکتے اور انہیں اسکے لیئے ایک زندہ مشین کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو خدا نے
اس غرض کیلیئے بنائی ہے۔ ویسے ہی روحانی دودھ کیلیئے اللہ پاک نے مشینیں یعنی انبیاء
علیہم السلام کو تیار کیا ہے۔ جو اس سے الہام پاکر نوع انسان کو روحانی دودھ سے مستفیض
کرتے ہیں اور جیسا کہ انسان پھولوں میں سے شہد نہیں لے سکتا سوائے شہد کی مکھی کے
ذریعہ کے جو الٰہی وحی کے ماتحت کام کرتی ہے ویسا ہی وہ روحانی شہد کو حاصل نہیں کر سکتا
جو کہ روحانی بیماریوں کیلیئے شفا ہے۔ ہاں نبیوں کے ذریعے وہ شہد مل سکتا ہے۔ یہ کہنا آسان
ہے۔ کہ قرآن کریم کی فلاں فلاں تعلیم فلاں فلاں منبع سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ ایک علم کیمیا کا
ماہر کہتا ہے کہ دودھ فلاں فلاں اجزا سے مرکب ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ آیا کوئی کیمسٹ دودھ
جیسی سیال چیز بنا بھی سکتا ہے جو دودھ کے تمام خواص اپنے اندر رکھتی ہو۔ ایسا ہی
پادری ٹسڈال جیسا معترض ہمیں بتلاتا ہے کہ قرآن کریم کی ترکیب میں فلاں فلاں اجزا
ہیں۔ لیکن ہم اسے پوچھتے ہیں جیسا کہ ہم ایک کیمیادان سے پوچھتے ہیں کہ آیا کوئی قرآن کریم
جیسی کتاب بنا سکتے ہیں جو وہی خواص اور صفات رکھتی ہو۔ یہی تو وجہ ہے کہ قرآن کریم
فرماتا ہے کہ اگر تمام لوگ جمع ہو جاویں اور ملکر ایک دوسرے کی حمایت اور تائید کریں۔ تو وہ ہرگز
قرآن جیسی کتاب بنا نہیں سکیں گے۔ ٹھیک جیسا کہ لوگ دودھ۔ میوہ جات پانی اور
شہد بنانے سے عاجز ہیں۔ ایسا ہی وہ قرآن کریم جیسی کتاب بنانے سے عاجز ہیں جو قرآن
جیسے صفات اور خواص رکھتی ہو یہ قرآن شریف کی الٰہی دلیل ہے۔ اسکا جواب کوئی انسان
نہیں دے سکتا۔ قرآن خاص خواص اور تاثیرات کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور نتائج نے ظاہر کر دیا ہے
کہ وہ تاثیرات اور خواص اسمیں کامل طور سے پائی جاتے ہیں مثلاً وہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نور
ہے وہ ہدایت ہے وہ شفا ہے وہ رحمت ہے وہ ایسی کتاب ہے جو اندھیرے سے نور کی طرف

لاتی ہے - اور جو حیرت انگیز تبدیلی قرآن کریم نے دنیا میں کی ہے - وہ اسکے ان دعاوی کی مصدق ہے۔ اسنے ایسی طاقتور تبدیلی کی ہے کہ اندھا بھی اسے محسوس کر سکتا ہے۔ پادری ٹسڈال کو بھی مجبورًا ماننا پڑا ہے کہ یہ عجیب کتاب بڑی تاثیر اور طاقت رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ "یہ ایک وسیع ندی ہے جس نے دنیا کی بہت سی قوموں کو سیراب کر دیا ہے" باوجودیکہ وہ قرآن کریم کو ایک انسانی افترا بتاتا ہے۔

مذکورۃ الصدر بیان سے ثابت ہے کہ پادری ٹسڈال کی محنت بالکل رائگاں گئی ہے۔ اس نے اپنی کتاب کی عمارت اس خیال کی بنا پر اٹھائی ہے۔ کہ چونکہ اسلام کا منبع صرف اللہ تعالیٰ کو ہی قرار دیا گیا ہے۔ اسلیئے تمام کوشش اسکے یا اسکی کسی حصہ کے متعلق انسانی منبع ثابت کرنیکی بالکل بے فائدہ ہونی چاہیئے اور اگر ہم قرآنی تعلیمات کو یا اسکے کسی حصہ کا زمینی منبع یا کسی انسانی سلسلہ کی طرف کھوج لگا سکیں جو رسول کریم صلعم سے پہلے موجود تھی تو اسلام فورًا منہدم ہو جائیگا لیکن قرآن کریم کی رو سے دنیا کے تمام مذاہب جو اب تک دنیا میں قائم ہیں انکی بنیاد الہام الٰہی پر تھی اور قرآن انکی سچائیوں کا مصدق ہے جو اب تک ان کتب اور مذاہب میں پائی جاتی ہیں اور انکی غلطیوں اور بدعقیدوں کی تکذیب اور تغلیط کرتا ہے جو انہیں طول زمانہ کی وجہ سے لگ گئی ہیں۔ اسطرح اگر پادری ٹسڈال قرآن کریم کی کسی تعلیم کو کسی مذہب کی تعلیم سے مشابہ بھی ثابت کر دے تو وہ اسلام کو ضرر نہیں دے سکتا۔ برخلاف اسکے وہ صرف قرآن کریم کے مصدق ہونیکے دعویٰ کو مستحکم کرتا ہے۔ اور اسطرح ٹسڈال کی کتاب کی بنیاد اور اسکی عالیشان عمارت جو اس نے جھوٹی بنیاد پر قائم کی تھی فورًا منہدم ہو کر زمین سے پیوست ہو جاتی ہے جس پر اس نے بہت محنت اور وقت خرچ کیا تھا۔ چونکہ پادری ٹسڈال کی عمارت ایک غلط بنیاد پر ہے اسلیئے ہم پر واجب نہیں ہے کہ اسکی کتاب کی بالتفصیل تردید کیجائے لیکن افسوس تو یہ ہے کہ اسکی صرف بنیاد ہی غلط بات پر نہیں رکھی گئی بلکہ وہ اسباب اور مواد بھی جنسے ایک غلط بنیاد پر ایک عظیم الشان بطلان کی عمارت قائم کی گئی ہے۔ وہ بھی ویسے ہی باطل اور غلط ہیں۔ اسلیئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکی بنیاد کو غلط ثابت کرنے کے بعد اس کے مواد اور اسباب کا بطلان بھی ظاہر کر دیا جاوے۔ جن کے ذریعہ اس نے اس عمارت کو اٹھایا ہے۔ وما توفیقنا الا باللہ

(باقی آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

ماہوار رپورٹ انجمن احمدیہ

سالانہ جلسہ۔ یہ نمبر احباب کے ہاتھ میں اسوقت پہنچیگا جب وہ سالانہ جلسہ کے لیے سفر کی تیاری میں ہونگے جلسہ اور رکنیشن سرٹیفکٹوں کے متعلق علیحدہ ہدایات بذریعہ خطوط مطبوعہ و اخبارات شائع کر دیگئی ہیں جلسہ کی تاریخیں ۲۵-۲۶-۲۷ مارچ ہیں۔ ۲۵ مارچ کو نماز جمعہ اور حضرت خلیفۃ المسیح کے خطبہ سے جلسہ کا افتتاح ہوگا۔ جلسہ کے پروگرام یعنی مضامین اور اوقات کی تعیین سردست نہیں کیجاسکتی۔ سب احباب کو ۲۵ مارچ کی دوپہر تک جمع ہوجانا چاہیئے۔ اور ۲۷ مارچ کی دوپہر تک یا شام تک جلسہ ہیگا۔ ان ایام میں سب سے ضروری حصہ حضرت خلیفۃ المسیح کی نصائح اور تقریریں ہونگی۔ مگر اسکے علاوہ بھی امید ہے بعض احباب کی طرف سے سلسلہ کی صداقت کے متعلق مضامین ہونگے اور وہ قومی تحریکیں ہونگی جو سلسلہ کی اہم اغراض میں داخل ہیں اور پھر انہی ایام میں کانفرنس انجمنہائے احمدیہ بھی ہوگی۔ اور علاوہ ان سب امور کے باہمی میل و ملاقات اور خصوصاً ایک ہی ضلع یا علاقہ کے احباب کو باہم زیادہ تعلقات پیدا کرنیکی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ انجمنہائے ضلع مضبوطی سے قائم ہوکر چندوں کی باقاعدہ وصولی کا انتظام مستحکم ہوجائے۔ اس غرض کیلیئے کوشش کیجاویگی کہ ایک ایک ضلع یا علاقہ کے احباب کے اکٹھے اُتارنیکا انتظام کیا جاوے تاکہ باہمی میل و ملاقات سے وہ مفید تجاویز سوچ سکیں۔ خاص تحریکات قومی میں چندہ تعمیر بورڈنگ ہوس و مدرسہ کی تحریک کو مقدم کیا گیا ہے یہ تحریک علیحدہ مطبوعہ چٹھی کے ذریعہ اور پھر سلسلہ کی قیمتی اخبار بدر میں چھپکر سب احباب تک پہنچ چکی ہے یہ تحریک دراصل نہ صرف مدرسہ انگریزی کیلیئے بلکہ مہمانخانہ اور مدرسہ احمدیہ کیلیئے بھی ہے۔ کیونکہ مہمانخانہ اور مدرسہ احمدیہ کی ضروریات اسی صورت میں موجودہ عمارت میں پوری ہوسکتی ہیں کہ بورڈنگ ہوس بہت جلد باہر بنجائے۔ اس بورڈنگ کی بنیاد ۵ مارچ کو اُس مبارک مسجد کی بنیادی اینٹ کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ سے رکھی گئی ہے۔ جسکے لیئے مکرمی مخدومی حضرت میر ناصر نواب صاحب کے دل میں جوش پیدا ہوا اور اڑہائی ہزار روپیہ چندہ انہوں نے اس مسجد کے لیئے اس بڑھاپے کی عمر میں طرح طرح کے سفر کی صعوبتیں اُٹھا کر فراہم کیا۔ اور اسی قدر رقم کی

قریب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی ہمشیرہ مرحومہ کی وصیت سے اگر اس عظیم الشان مسجد کی تکمیل کا سامان ہوگیا جو بورڈنگ ہوس کے ساتھ مدرسہ کی زمین میں بن رہی ہے۔ یہ ایک نہایت ہی نیک اور مبارک فال ہے کہ اس بورڈنگ ہوس کی بنیاد مسجد سے رکھی گئی ہے۔ امید ہے کہ جو تحریک تعمیر بورڈنگ کیلئے سب احباب کیخدمت میں کی گئی ہے سالانہ جلسہ میں اسکا کسیقدر نتیجہ بھی معلوم ہو سکیگا۔ بہت سے احباب کے خطوط اور انجمنوں کی طرف سے اطلاعیں آرہی ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کا نہایت خوشی سے خیر مقدم کیا گیا ہے۔ اگر ہر جگہ احمدی احباب اور انجمنیں اس تجویز کو جو اس تحریک میں کی گئی ہے کہ سب احمدی احباب اپنی ایک ایک ماہ کی آمد تعمیر کیلئے دیدیں عمل میں لانیکی کوشش کریں تو کچھ عجب نہیں کہ سالانہ جلسہ پر ایک لاکھ چندہ تعمیر کا اعلان ہو جائے۔

سب احباب کیخدمت میں یہ بھی التماس ہے کہ جہانتک ممکن ہو سالانہ جلسہ میں ضرور آکر حصہ لیں۔ سالانہ جلسہ قومی زندگی کے ایک سال کے حالات کا نقشہ ہے۔ اور یہ اجتماع جو محض اللہ کیلئے ہے بہت سے برکات اور فوائد کا موجب ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کیلئے اس سفر کو اختیار کرینگے اللہ تعالیٰ انکو اس سعی کو بلا اجر نہ چھوڑیگا۔ علاوہ ازیں سالانہ جلسہ ایک قومی عظمت کا نشان ہے۔ پس سب احباب کیخدمت میں میری پھر یہ درخواست ہے کہ وہ ضرور جلسہ میں شمولیت کے لئے کوشش کریں خواہ ایک دن کیلئے ہی کیوں نہ ہو۔

سالانہ جلسہ کے اخراجات کے سلسلہ میں مکرمی شیخ یعقوب علی صاحب نے اپنے اخبار الحکم میں بڑی زور سے تحریک کی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ انجمنیں بہت جلد کوشش کرکے سالانہ جلسہ کے اخراجات کو پورا کر دینگی۔ لنگر خانہ پہلے ہی ایک ہزار روپے کے قریب مقروض ہے۔ ادھر جلسہ سالانہ کے اخراجات کے لئے قریب تین ہزار روپے کی ضرورت ہے اور اسکے علاوہ اڑھائی تین ہزار کے قریب روپیہ جامع مسجد کی توسیع اور درستگی پر خرچ ہو چکا ہے۔ انجمنوں میں جو تحریک یکمشت چندوں کے لئے کی گئی تھی اسکی طرف بہت ہی کم توجہ ہوئی ہے اور بڑی بڑی انجمنیں جنسے ایسے موقعہ پر بہت مدد کی امید ہوتی ہے انہوں نے بھی ابتک اس سوال پر کافی توجہ نہیں کی۔ اسمیں شک نہیں کہ سالانہ جلسہ پر ایک ایک روپیہ فی کس کے چندہ کی جو تحریک کی گئی تھی اسپر اگر سب احباب نے عمل کیا تو اخراجات جلسہ کے لئے ہزار ڈیڑھ ہزار روپیہ اسطرح پر جمع ہو جائیگا مگر اسکے متعلق بھی ابھی تک ہمیں کوئی علم نہیں

کہانتک مختلف انجمنوں نے اپنے اپنے ممبروں میں سے کے لیئے تحریک کی ہے۔ اور علاوہ ازیں اطرح پر صرف اخراجات جلسہ میں سے نصف کے قریب رقم وصول ہوگی۔ باقی نصف کے لیئے اور لنگر خانہ کو قرض کے بوجھ سے سبکدوش کرنے کیلیئے جبتک انجمنیں معقول رقموں سے مدد نہ کرینگی کام نہیں چل سکتا۔ اگر اسلیئے عزم کر لیا جائے تو کوئی مشکل امر نہیں۔ اگر ہر ایک انجمن اس سالانہ جلسہ کو اپنا ہی سالانہ جلسہ سمجھ لے تو جسقدر رقم کی ضرورت ہے اس سے دوگنی بھی جمع ہو سکتی ہے۔

لنگر خانہ۔ لنگر خانہ کی آمد کا روپیہ اخراجات کے لیئے مکتفی نہیں۔ جیساکہ گذشتہ چند ماہ کے اعداد بتاتے ہیں اسکی وجہ میرے نزدیک یہ تو نہیں ہے کہ لنگر خانہ کی معمولی آمد میں کمی ہو گئی ہو بلکہ کثرت آمد و رفت مہمانان اور بعض دیگر وجوہات سے لنگر خانہ کے اخراجات بڑھ گئے ہیں علاوہ ازیں حضرت صاحب کے وقت میں لنگر خانہ کے اخراجات صرف لنگر خانہ کے معمولی آمد پر نہ چلا کرتے تھے۔ بلکہ باوجود اسکے کہ حضرت اقدسؑ ہر قسم کا روپیہ جو آپ کو ملتا تھا لنگر خانہ کے لیئے صرف کر دیتے تھے۔ پھر وقتاً فوقتاً خاص چندوں کیلیئے تحریکیں کرنی پڑتی تھیں اور جیساکہ ہمارے احباب کو اچھی طرح علم ہے لنگر خانہ کو چلانے کیلیئے سال میں عموماً دو یا کم ازکم ایک تحریک خاص یکمشت چندوں کے لیئے پڑتی تھی۔ ایسی ایک تحریک اس سال میں بھی کی گئی تھی مگر اس کی طرف احباب نے بہت ہی کم توجہ کی معلوم ہوتی ہے۔ ایک ہزار روپیہ کوئی بڑی رقم نہیں اگر کوشش کیجاوے تو تھوڑے تھوڑے پیسوں سے ہی یہ بوجھ اُتر سکتا ہے۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت صاحب کے وقت میں بھی اور اب بھی لنگر خانہ میں صرف مہمانوں کے اخراجات ہی نہیں بلکہ بعض غریب مہاجرین اور حضرت اقدسؑ کے اہل بیت کے اخراجات بھی شامل ہیں۔ پس سالانہ جلسہ کے اخراجات کو پورا کرنیکے سوال کے ساتھ ہی امید ہے انجمنیں لنگر خانہ کے قرضہ کے سوال کو حل کرنیکی طرف بھی متوجہ ہونگی۔

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

ریویو

رسالہ چودھویں صدی۔ یہ ماہوار رسالہ حال ہی میں راولپنڈی سے شائع ہوا ہے جسکے ایڈیٹر قاضی سراج الدین احمد صاحب بیرسٹر ایٹ لاء ہیں جو فن ایڈیٹری میں بہت تجربہ کار ہیں۔ جنوری کے نمبر میں مندرجہ ذیل مضامین ہیں جنسے ناظرین اس رسالہ کی اغراض کی بابت رائے لگا سکتے ہیں۔ (۱) ہندوستان کی انگریزی سلطنت (۲) مشرقی بنگال اور اسکے مسلمان

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ | بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء | نمبر ۴

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - اپریل سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عوام سے ۴ عہ طلباء سے ۲ عہ

خریداران ریویو کو اطلاع۔ ہر ایک قسم کی خط و کتابت میں اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں اگر دیر ہو جائے تو معذور سمجھیں۔

(مینجر ریویو)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعتِ اسلام نمبر۱

فتح مکہ نمبر۲

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرونی زندگی

ابوسفیان کے اُس سفر کے متعلق جو اُس نے تجدید معاہدہ کیلیئے مدینہ کی طرف کیا (جسکا ذکر پہلے گذر چکا ہے) احادیث میں ایک عجیب واقعہ کا ذکر ہے جس کا اندراج یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی بیوہ لڑکی ام حبیبہ سے شادی کر لی تھی۔ اس لیئے اُس نے جناب نبوی میں حاضر ہونے سے پہلے اپنی بیٹی حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر جانیکا ارادہ کیا وہاں پہنچکر وہ ایک چٹائی پر بیٹھنے لگا لیکن ام حبیبہ نے جلدی سے اُس چٹائی کو کھینچ لیا اور لپیٹ کر رکھ دیا۔ ابوسفیان دیکھکر مبہوت رہ گیا اور حیرت زدہ ہوکر پوچھنے لگا یا بنیة ما ادری ارغبت بی عن ھذا الفراش ام رغبت بہ عنی۔ "میری بیٹی مَیں حیران ہوں کیا تم نے اس چٹائی کو اسلیئے کھینچا ہے کہ تمھارے خیال میں یہ چٹائی ایسی اچھی ہے کہ مَیں اسپر بیٹھنے کے قابل نہیں یا تم نے

میری ہی کچھ ایسی شان سمجھی ہے کہ یہ چٹائی میرے لائق نہیں" حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا بل ھو فراش رسول اللّٰہ وانت مشرك نجس یعنی بات یہ ہے کہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فراش ہے اور میں نہیں پسند کرتی کہ تو جو ایک ناپاک مشرک ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فراش پر بیٹھے" یہ سنکر ابو سفیان نے کہا واللّٰہ لقد اصابك بعدی شر یعنی اللہ کی قسم جب تو میرے پاس تھی تو ایک اچھی لڑکی تھی اب معلوم نہیں کہ تجھے کیا ہوگیا۔ (زاد المعاد جلد اوّل صفحہ ۴۲۰) مشرک باپ کے یہ الفاظ سُنکر مسلمان بیٹی نے جواب دیا بل ھدانی اللّٰہ تعالیٰ للاسلام فانت یا ابت سید قریش وکبیرھا کیف یسقط عنك الدخول فی الاسلام وانت تعبد حجرا لا یسمع ولا یبصر یعنی ایسا نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ نے اسلام کی طرف میری رہنمائی فرمائی ہے۔ ابا جان! آپ قریش کے سردار ہیں اور انہیں سب سے بڑے ہیں پھر آپ اسلام کیوں قبول نہیں فرماتے اور کیوں اُن پتھروں کی پرستش میں مصروف ہیں جو نہ سُن سکتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں" ابو سفیان اپنی بیٹی کے اس وعظ کا کیا جواب دے سکتا تھا اسی وقت وہاں سے چلدیا۔

پیارے ناظرین! اب آپ خود ملاحظہ فرمائیں کہ ام حبیبہ رض کا فعل اور قول کس طرح اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ وہ اسلام کی شیدائی تھیں۔ اور اُنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بے انتہا ادب ملحوظ تھا۔ اگرچہ آپ نے کئی سال کے بعد اپنے باپ کو دیکھا تھا اور یہ فطری تقاضا ہونا چاہیئے تھا کہ باپ کی محبت ہر بات پر غالب آتی لیکن اُنکے دل میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسقدر عزت تھی کہ اُنسے ہرگز ہرگز یہ نہ دیکھا جاسکا کہ آنحضرت صلعم کی نشست گاہ پر کوئی بُت پرست بیٹھے خواہ وہ بُت پرست ام حبیبہ کا باپ ہی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ باپ اپنی بیٹی سے ایک عرصہ کی جدائی کے بعد ہی کیوں نہ ملا ہو۔ پھر ملاحظہ ہو کہ بیٹی اپنے باپ کو کس طریق سے اسلام کی دعوت کرتی ہے۔ اُنکے الفاظ سے صریحاً یہ پایا جاتا ہے کہ اُنکو بُت پرستی سے اسی قدر دشمنی تھی جسقدر کہ اسلام سے محبت تھی۔ وہ اس بات پر تعجب کرتی ہیں کہ اُنکے باپ کو اسلام قبول کرنے میں کیوں تامل ہے اس

تعجب کے ساتھ ہی وہ اپنے بُت پرست باپ کو اسکے بودے، مذہب اور پتھر پرستی کے لئے ملامت کرنیسے بھی نہیں چوکیں اگر مسیحیوں اور دیگر مخالفین اسلام کو انصاف سے حصّہ ملا ہے تو اب اُن لوگوں کے لئے غور کا مقام ہے جو اندھا دُھند آنحضرت صلعم کی متاہل زندگی پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور جلی شرارت سے معاذ اللہ حضورؐ کے چال چلن پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں کو انصاف سے ذرا بھی مس ہو اور اُنکے دل میں سچائی سے قسمہ بھر بھی محبت ہو تو اُنکی تسکین اور اُنکے غلط الزامات کی تردید کیلئے صرف یہی ایک واقعہ کافی ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلعم کی خانگی زندگی سراسر پاک اور پرلے درجہ کی مقدس تھی۔ اگر ہمارے مسیحی معترضین حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اصل حالات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اُنکو لازم ہے کہ آپ کو اُن لوگوں کی آنکھ سے دیکھیں جو آپکو پورے واقف اور بوجہ نہایت قریبی تعلق کے نہ صرف ظاہری حالات بلکہ باطنی رازوں تک سے بھی آگاہ تھے۔ ہم پھر کہیں گے کہ اگر ہمارے مسیحی معترض اس مقدس نبی کی اندرونی زندگی سے واقف ہونا چاہیں تو اُنکو لازم ہے کہ آپکی خانگی زندگی پر ایک گہری نظر ڈالیں۔ اور یہ دیکھیں کہ آپکی بیویاں آپکو کس نظر سے دیکھتی تھیں اور آپکے گھر کے راز دار صحابہؓ کا آپکی نسبت کیا خیال تھا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپکو پرلے درجہ کا مقدس اور پاکباز انسان یقین کرتی تھیں اور اگر آپکے یار غار آپکو ایک راستباز انسان سمجھتے تھے تو اسمیں شک ہی کیا ہو سکتا ہے کہ آپکی زندگی پاک اور آپ ایک مطہر انسان تھے پس جس رنگ میں متعصب مسیحیوں نے آپکو پیش کیا ہے وہ محض فرضی اور دشمنی کا نتیجہ ہے کیونکہ کسی شخص سے جسقدر گھر والے اور راز دار دوست واقف ہو سکتے ہیں اس قدر دوسرے نہیں ہو سکتے۔

ابوسفیان اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی اس بات چیت سے اُس امر کی تائید ہوتی ہے جس کا اس سے قبل ہم ذکر کر چکے ہیں یعنی یہ کہ تعلقات ناطہ داری قائم کرنیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک غرض یہ تھی کہ اگر کفار آپکے رشتہ دار ہو گئے

تو بوجہ قرابت انکو موقعہ ملیگا کہ آپکے اخلاق و عادات اور آپکے مذہب کا پورے غور و خوض سے مطالعہ کریں اگر ابو سفیان کی لڑکی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلعم کے حرم میں داخل نہ ہوتی تو ابو سفیان کو یہ موقعہ کہاں سے ملتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جانا اور اپنی آنکھوں سے آپکی زوجہ مطہرہ کے صدق اور ایمان کا مشاہدہ کرتا۔ اسمیں شک ہی کیا ہوسکتا ہے کہ ابو سفیان پر اُسکی بیٹی کے کلام کا ضرور اثر ہوا ہوگا اور اُسے یقین ہوگیا ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی آپ پر اسی طرح فدا ہیں جسطرح کہ دوسرے مسلمان ہیں اور کہ انکے دلوں میں بھی اشاعت اسلام کی وہی تڑپ ہے جو مسلمانوں کے دلوں میں ہے۔ کیونکہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کو صاف الفاظ میں دعوت اسلام دی تھی اور اسکو ملامت کرکے کہا تھا کہ "کیا تم ان پتھروں کو پوجتے ہو جو نہ دیکھنے اور نہ سُنتے ہیں" الغرض اس میں کلام نہیں کہ حضرت ام حبیبہ رض کی گفتگو نے ابو سفیان پر اثر ڈالا اور وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے تبدیل ہو کر نکلا یعنی جو کچھ اسلام اور بانئے اسلام کے متعلق اُسکے خیالات تھے اُنمیں کسی قدر اصلاح ہوگئی اور اس طرح سے قرابت و ناطہ داری کے اتحاد میں آنحضرت صلعم کو جو غرض مطلوب تھی وہ حاصل ہوگئی۔

مکہ پر چڑھائی ابو سفیان کے روانہ ہونیکے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کرنیکے لیئے فوری تیاریوں کا حکمدیا اور پوری احتیاط سے اس بات کا التزام کیا کہ ان تیاریوں کی خبر مکہ نہ پہنچے جب لشکر اسلام کوچ کے لیئے آمادہ ہوا تو اُسوقت معلوم ہوا کہ دو سال کا امن مسلمانوں کے لیئے بہت ہی مفید پڑا ہے اور اس زمانہ میں اسلام نے عجیب وغریب سرعت سے ترقی کی ہے۔ اسوقت سے دو سال قبل جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کی ادائگی کیلیئے روانہ ہوئے تھے تو آپکے ہمرکاب صرف پندرہ سو آدمی تھے لیکن اب دس ہزار قدوسیوں کی جماعت آپکے ساتھ تھی اور اس روز وہ پیشگوئی ظہور پذیر ہوئی جو خدائے تعالیٰ کے ایک مقدس نبی موسیٰ علیہ السلام کے مُنہ سے نکلی تھی جو پُرانے عہدنامہ میں اسطرح مذکور ہے

"خداوند سینا سے آیا۔ اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اور اُسکے دہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت اُنکے لئے تھی" استثنا۔۳۳-۲

خداوند کے 'آنے' طلوع اور جلوہ گر ہونے سے صریحاً خدائے تعالیٰ کے انبیاء کی بعثت مراد ہے جنکے مامور ہونیکی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ دنیا کو اُس کے مولیٰ کا منور چہرہ دکھائیں۔ پہلا جو کہ 'سینا سے آیا' وہ موسیٰؑ تھا دوسرا جو شعیر سے طلوع ہوا وہ یسوع مسیح تھا اور تیسرا اور آخری جو فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا' وہ یہی شخص تھا جو دس ہزار صحابہؓ کی مقدس جماعت کے ساتھ مکّہ کی طرف کوچ کر رہا تھا اور اسی کے ہاتھ میں بنی اسرائیل کیلئے ایک آتشی شریعت دیگئی تھی۔ قریش کو معلوم تھا کہ اُنکو اپنی کرتوتوں کا جواب دِہ ہونا پڑیگا اور جو ظلم اُنکے ہاتھ سے بنو خزاعہ پر ہوا تھا وہ اس قابل نہیں کہ اُسکو نظرانداز کیا جاوے کیونکہ خزاعہ مسلمانوں کے مددگار اور اُنکے زیر حفاظت تھے۔ لیکن لشکر اسلام کی نقل و حرکت کو ایسی احتیاط سے خفیہ رکھا گیا اور ایسی پھرتی سے کوچ کیا گیا کہ قریش کو اسوقت خبر ہوئی جب اسلامی فوج عین مکّہ کے دروازے پر پہنچگئی۔

ابھی مسلمانوں کی فوج مدینہ سے تھوڑی دُور ہی آئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو ابتک مکّہ ہی میں تھے مع اہل و عیال مکّہ سے ہجرت کر کے مقام جحفہ پہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین سے ملاقی ہوئی۔ حضرت عباسؓ کے علاوہ دو اور نومسلم بھی راستہ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر آئے۔ انمیں سے ایک تو آپ کا چچیرا بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب تھا اور دوسرا آپکا پھپھیرا بھائی عبداللہ بن ابی اُمیہ تھا۔ یہ لوگ نومسلموں کے اُس لگاتار سلسلہ کا تتمہ تھے جو صلح حدیبیہ کے وقت سے برابر جاری رہا تھا ابوسفیان بن حارث بھی اپنے ہمنام ابوسفیان بن حرب کی طرح اسلام کا سخت دشمن تھا اور اب مسلمان ہو کر اپنے کئے پر اسقدر نادم تھا کہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہمیشہ آنکھیں نیچی کر کے بیٹھا کرتا تھا۔

پیارے ناظرین! بھلا وہ کونسی بات تھی جو ابو سفیان کو نادم کر رہی تھی۔ وہ اپنے کیئے پر پشیمان تھا تو کیوں؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اُسکی آنکھیں کیوں نیچی ہوتی تھیں؟ ان سوالوں کا جواب صاف ہے اور وہ یہ ہے کہ اُس پر یہ امر واضح تھا کہ جن قریش کا اُس نے ابتک ساتھ دیا اور جن کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کے خلاف تلوار اُٹھائی تھی وہ ظلم اور زیادتیوں کے مرتکب ہوئے تھے اور انہوں نے بلا وجہ بے قصور مسلمانوں کو دکھ اور ایذا پہنچائی تھی۔ پس اس گناہ اور جرم کا تصور و خیال ابو سفیان کی گردن جھکاتا اور مارے شرم کے اُسکی آنکھیں نیچی کراتا تھا۔

ابو سفیان بن حارث نے جو الفاظ پہلے پہل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں عرض کیئے وہ یہ تھے تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ۝ اللہ تعالیٰ کی قسم خدائے تعالیٰ نے تجھے ہمپر بزرگی دی ہے اور ہم بلاشبہ خطا کار ہیں۔ یہ وہ الفاظ تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ملک مصر میں اپنے بھائی یوسف کی نسبت استعمال فرمائے تھے اور اب ابو سفیان بن حارث نے بھی اُنہی الفاظ کا اعادہ کیا جو یعقوب کے بیٹوں کے مُنہ سے نکلے تھے اور اسطرح گویا نہ صرف اپنے جرم کا اقرار کیا بلکہ اپنے بھائیوں یعنی قریش کا گنہگار ہونا بھی تسلیم کر لیا۔ غرض ابن حارث نے قریش کی زیادتیوں کو برادران یوسف کے ظلم و جبر سے مشابہت دی۔ اس موقعہ پر ابو سفیان نے چند شعر پڑھے تھے جن سے واضح ہوتا ہے کہ قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حفاظت ذاتی کے لیئے لڑائی نہیں چھیڑی تھی بلکہ اس جنگ سے اُنکو اپنے ٹھاکروں کی حفاظت مطلوب تھی یا یوں کہو کہ وہ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے تھے کیونکہ اسلام کی موجودگی اُنکے بتوں کی ہلاکت کا موجب تھی۔ چنانچہ وہ اشعار حسب ذیل ہیں۔

لعمرك انی حين احمل راية ٭ لتغلب خيل اللات خيل محمد

لكالمدلج الحيران اظلم ليله ٭ فهذا اوانی حين اهدی فاهتدی

ھدانی ھاد غیر نفسی ودلنی ؛ علی اللہ من طردتہ کل مطرد

(خلاصہ مطلب) تیری عمر کی قسم۔ جب میں جھنڈا اُٹھایا کرتا تھا تاکہ لات کا لشکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکر پر غالب آئے تو اُسوقت میں اُس رات میں چلنے والے کی طرح تھا جو اندھیری رات میں سرگردان پھرتا ہے۔ پس اب میرے ہدایت پانیکا وقت آگیا ہے اور ایک ایسے ہادی نے میری اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کی ہے جسکو میں طرح طرح کے دُکھ پُہنچایا کرتا تھا۔ (ابن ہشام) یہ اشعار بھی اُن شہادتوں میں سے ایک شہادت ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ قریش نے مسلمانوں کے تلوار اُٹھانے میں سبقت کی تھی اور یہ کہ اس جنگ سے قریش کی غرض صرف یہ تھی کہ اسلام کی بیخکنی ہوجائے اور اُنکے بتوں کی حفاظت ہو یا بالفاظ دیگر یہ کہ وہ اپنے دیوتاؤں کی حمایت میں لڑتے تھے اور نہ کہ ذاتی بچاؤ کیلئے جیسا ہمارے مسیحی معترضین کا خیال ہے۔ لات جسکا ان اشعار میں ذکر ہے ایک بُت کا نام تھا

اسلامی فوج نے اس سرعت سے کوچ کیا کہ ایک ہی ہفتہ کے اندر مقام مرالظہران پر پُہنچ گئی جو مکہ سے صرف ایک دن کا راستہ تھا۔ یہاں پُہنچکر حضرت نبی کریم صلعم نے حکم دیا کہ رات کو تمام لشکر کے آدمی ڈیرے کی بلندیوں پر جگہ جگہ آگ جلا دیں۔ اس حکم سے رحم مجسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ غرض تھی کہ اب بھی قریش جنگ سے باز آئیں اگر اُنپر کسی اور بات نے اثر نہیں کیا تو کم ازکم وہ لشکر کی تعداد معلوم کرکے ہی مقابلہ سے رُک جائیں۔ شام کے وقت ابوسفیان بن حرب جو قریش کا رئیس تھا حکیم اور بدیل کو ساتھ لیکر لشکر اسلام کی خبر لانے کیلئے باہر آیا۔ باہر آکر جب انہوں نے دس ہزار آگ جلتی دیکھی تو وہ اسقدر متحیر ہوئے کہ بیان سے باہر ہے۔ ابھی وہ قیاس کے گھوڑے میدان فکر میں دوڑا رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اتنی بڑی فوج پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی کہ اس اثنا میں ایک آواز آئی جس نے ابوسفیان کو مخاطب کرکے کہا یا ابا حنظلہ یہ آواز جو رات کی تاریکی میں سے آئی تھی دراصل عباس رض عم رسول کی آواز تھی۔ جناب عباس رضی اللہ عنہ بھی اپنے رحم مجسم بھتیجے کی طرح قریش

کی شفقت کی وجہ سے چاہتے تھے کہ کسی طرح قریش مسلمانوں کے مقابلہ سے رُک
جائیں اور اپنے ہاتھوں سے اپنے تئیں تباہ نہ کریں اس غرض سے وہ آنحضرت صلعم
کی خچر پر سوار ہوکر مکّہ کی سڑک پر آئے تھے تاکہ اگر کوئی مسافر یا لکڑ ہارا مکّہ جاتا ملجائے
تو اُسکے ہاتھ قریش کو اسلامی لشکر کی خبر کردیں۔ عباس رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی رحیم کریم طبیعت سے واقف تھے اور اُنکو یقین تھا کہ اگرچہ قریش
اکیس سال سے برابر مسلمانوں پر ظلم توڑ رہے ہیں تاہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
انکی گذشتہ خطاکاریوں سے درگذر کریں گے اور اُنہیں معاف فرمادیں گے اور
اسطرح مکّہ کے لوگ تباہی سے بچ جائیں گے۔ پس عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان
سے کہا کہ جن روشنیوں کو دیکھکر تم بحر تحیر میں غرق ہوئے ہو وہ مسلمانوں کی فوج
نے جلائی ہیں اور لشکر اسلام کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ قریش اسکا مقابلہ ہرگز ہرگز
نہیں کرسکتے۔ ہاں اگر تم میرے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ تک
چلے آؤ تو میں حضور کی خدمت میں عرض کرکے تمھیں معافی دلا سکتا ہوں۔ ابوسفیان
بھی حضرت نبی کریم صلعم کی رحیم طبیعت سے واقف تھا اُس نے دُوراندیشی ہی مناسب
سمجھا کہ اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ عباس رضؓ نے اسکو خچر پر اپنے پیچھے بٹھالیا
اور آناً فاناً نبی کریم صلعم کے درِ دولت پر پہنچگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو
کہا کہ آپ اسوقت ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لیجائیں اور صبح کے وقت اُسکو اپنے
ساتھ لائیں جب ابوسفیان صبح کو پھر دربار نبوی میں لایا گیا تو حضور نے اُسے
دیکھکر فرمایا الم یان لك ان تعلم انه لا اله الا الله یعنی کیا ابھی تک وقت
نہیں آیا کہ تو یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اس کے جواب میں ابوسفیان
نے کہا بابی انت وامی ما احلمك واکرمك واوصلك واللہ لقد
ظننت ان لو کان مع اللہ الٰه غیرہ لقد اغنی عنی شیئاً یعنی اگر
اللہ کے سوا کوئی اور دیوتا ہوتا تو وہ میرے کسی کام آتا" (ابن ہشام) ابوسفیان کا یہ
جواب اس قابل ہے کہ ہمارے معترضین اسے غور سے پڑھیں۔ بھلا کوئی معبود

اُسکے کس کام آسکتا تھا؟ اور اب وہ اپنے بتوں سے کیوں بیزار ہو گیا تھا؟ اسکی صرف یہی وجہ تھی کہ ان جھوٹے معبودوں کی حمایت میں وہ جنگ کرتا رہا تھا۔ ابوسفیان اور قریش کی غرض ان جنگوں سے صرف یہ تھی کہ اسلام کو نیست و نابود کردیں کیونکہ اسلام کی زندگی اُنکے معبودوں کی موت تھی۔ اگرچہ دشمنان اسلام نے اپنی معاندانہ کوششوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا اور اگرچہ اپنے دیوتاؤں کی حمایت میں خون تک بہا دیا تھا تاہم ان جھوٹے معبودوں نے اُنکا ذرا بھی ساتھ نہ دیا۔ اور باوجود ابوسفیان اور قریش کی اَنتھک کوششوں کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا غالب آگیا اور اُنکے تین سو ساٹھ دیوتا سرنگوں ہو کر اپنے پوجاریوں کی شرمساری کا موجب ہوئے اللہ۔ اللہ۔ ایک طرف ایک بیکس انسان ہے جسکا بظاہر کوئی حامی و ناصر نہیں اور اُسکے مقابلہ میں لاانتہا دشمن صف بستہ ہیں آخر وہی تن تنہا فرد واحد آخر کار کامیاب ہوتا ہے۔ جو خدا اُس نے پیش کیا وہ بھی ایک ہی خدا تھا اور مقابلہ میں تین سو ساٹھ معبودوں کی جماعت تھی۔ ایک خدا سے سینکڑوں خداؤں کی جنگ ہوئی لیکن انجام یہ ہوا کہ ایک نے سینکڑوں کو مغلوب کیا پس فتح ہوئی تو ایک خدا اور ایک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہوئی اور لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا چار دانگ عالم میں ڈنکا بجا۔ خدائے اسلام اور پیغمبر اسلام کی آخری فتح نے ابوسفیان کے دل پر گہرا اثر کیا اور بتوں کی محبت کو اُسکے دل سے نکالدیا۔ دراصل اب ابوسفیان کو بلکہ تمام قریش کو اپنے معبودوں کے بطلان کا یقین ہو چکا تھا اور ابوسفیان کی آواز بحیثیت قریش کا رئیس ہونیکے تمام قوم کی آواز تھی۔ گویا اب تمام قریش یہ کہہ رہے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو وہ ہمارے کسی کام آتا کیونکہ ہم اپنے معبودوں کی حمایت کیلئے ناخنوں تک زور لگا چکے ہیں۔

ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ جب ابوسفیان قریش کی فوج لیکر جنگ احد کیلئے آیا تھا تو اپنے ساتھ بتوں کو بھی لایا تھا اور بڑی عزت و وقار کے ساتھ اُنکو فوج کے مرکز میں رکھا ہوا تھا۔ جب جنگ احد کا خاتمہ ہوا۔ تو ابوسفیان نے باواز بلند کہا "عزیٰ کی جے ہبل کی جے! عزیٰ ہمارا ہے تمہارا نہیں" مسلمانوں نے اسکے جواب میں یوں کہا

نحن اللہ مولینا ولا مولے لکم یعنی اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ الغرض اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ قریش حفاظت ذاتی کیلئے مسلمانوں سے آمادہ پیکار نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی جیسا کہ بعض معترضین کا خیال ہے انہوں نے اپنے قافلوں کی حمایت وحفاظت کیلئے ہتھیار اٹھائے تھے بلکہ ان جنگوں سے انکی غرض یہ تھی کہ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹائیں اور لات و عزیٰ و ھبل کی شان بلند کریں۔

پیارے ناظرین! پرانا طرز جنگ یہ تھا کہ بادشاہ ہمیشہ قلب لشکر میں ہوتا اور تمام فوج اسکے گرد اگرد لڑتی مرتی گویا تمام جنگ کا دارومدار بادشاہ کی حفاظت ہوتی جونہی بادشاہ مارا جاتا یا قید ہوتا وہیں فوج بھاگ جاتی اور ہزیمت سمجھی جاتی۔ پس جنگ احد میں کفار مکہ کا قلب لشکر میں اپنے بتوں کو رکھنا صاف اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے دیوتاؤں کی خاطر لڑ مر رہے ہیں اور تمام جنگ وجدل کا دارومدار انہی کی حفاظت تھی۔ پھر جناب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال اور ابوسفیان کا جواب اس امر کی ایک اور بیّن و روشن شہادت ہے۔ کیا اسلام کے معترضین یہاں پر تعصب کی عینک اتار کر ایک نظر سے ان واقعات کو دیکھ سکتے ہیں؟

اب ابوسفیان حضور نبوی میں پیش ہے وہ اس قوم کا سفیر ہے جو اکیس سال سے برابر نبی کریم صلعم کو دکھ دے رہی تھی اور ایذا رسانی سے اسوقت تک باز نہیں آئی تھی جبتک خائب۔ خاسر اور کمزور نہیں ہوگئی۔ اس نے ایک تنہا رحیم کریم ناصح کی جان پر حملے کیئے۔ اسکے پیرووں کو گرم ریت پر لٹا لٹا کر طرح طرح کے عذاب دیئے۔ اسکی پردہ نشین عورتوں کی بے حرمتی کی اسکی آنکھوں کے سامنے اسکے خدام کو رنگ رنگ کے دکھ دیئے۔ آقا اور خادم سبکو وطن چھوڑ ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ بے وطن مہاجرین کا تعاقب بھی کیا اور مور و ملخ سے لشکر کے ساتھ مٹھی بھر مومنوں کا بالکل خاتمہ کرنا چاہا۔ پھر بار بار فوج کشی کرکے اور اقوام عرب کو اکٹھا کرکے اسلام کا نام و نشان مٹانا چاہا بیکس ستمدیدہ انسان جنپر کل لا الہ الا اللہ کہنے کے جرم میں طرح طرح کے ظلم وستم توڑے

جاتے تھے اب صاحب اختیار ہونیوالا ہے اور یقیناً چند ہی گھنٹوں کے بعد اُسکے دشمن اُسکے سامنے حاضر کیئے جائیں گے۔ آؤ ہم دیکھیں وہ اُنسے کیا سلوک کریگا اُسکے کیا ارادے ہیں اگر کوئی دنیوی بادشاہ ہوتا تو آج حکم دیتا کہ شہر کو گھیر لو باشندوں کو قتل کردو مال کو لوٹ لو۔ اُنکے سردار کو پکڑ لو یہ ظالم اس قابل نہیں کہ انہیں معاف کیا جائے۔ لیکن یہاں سابقہ ہے تو اُس سے جو رحمۃ للعالمین ہے رحیم اور کریم ہے اور وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کا مصداق ہے پس اسلیئے ابوسفیان کو ارشاد ہوتا ہے من دخل دار ابی سفیان فھو اٰمن ومن اغلق علیہ بابہ فھو اٰمن ومن دخل المسجد فھو اٰمن (ابن ہشام) یعنی اپنی قوم سے کہدو کہ جو شخص آج ابوسفیان کے گھر میں پناہ لیگا اُسکو امان دیجائیگی جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیگا اُسکو امان دیجائیگی اور جو مسجد کعبہ میں داخل ہوگا اُسکو بھی امان دیجائیگی اللہ۔ اللہ کیا رحم اور کیسا عفو ہے کہ ذرا بھی قوت انتقام سے کام نہیں لیا جاتا اور فوراً امان کا وعدہ دیا جاتا ہے اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔ ناظرین ذرا انصاف کریں کہ اگر نبی عربی صلعم واقعی پیشدستی اور زیادتی کرنیوالے تھے تو اب امان کیسی اور وہ کیوں۔

فتح مکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابوسفیان کو کسی اونچی جگہ پر کھڑا کرکے اسلامی فوج کا ایک نظارہ دکھاؤ۔ پس جب لشکر اسلام علیحدہ علیحدہ دستوں میں فوجی ترتیب سے گذرا... تو ابوسفیان نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑے ہوکر بڑے تحیر اور تعجب سے دیکھا کہ ہر ایک قبیلہ اپنے اپنے درجہ پر صف آرا جارہا ہے اور ہر قبیلہ کے سردار کے پاس ایک عَلَم ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسی قبیلہ کو دیا گیا ہے۔ یکے بعد دیگرے ہر ایک قوم اور قبیلہ کا نام بتایا گیا حتّٰی کہ آہن پوشوں کی ایک جماعت آپہنچی جنمیں سے ہر سپاہی سرتاپا لوہے میں غرق تھا۔ یہانتک ابوسفیان دنگ رہ گیا اور متعجب ہوکر عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کرنے لگا کہ سبحان اللّٰہ یاعباس من ھٰؤلاء۔ سبحان اللہ! اے عباس یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت عباس رضی جواب دیا کہ "یہ مکہ اور مدینہ کے بہادر جوان ہیں جو خاص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے وجود مبارک کی حفاظت کرتے ہیں" ابو سفیان یہ سُنکر بولا " درحقیقت تیرے بھتیجے کی سلطنت ایک عظیم سلطنت ہے"۔ حضرت عباسؓ نے کہا " نہیں وہ ایک بادشاہ سے بڑھ چڑھکر ہے وہ تو خدا کا ایک عظیم الشان نبی ہے" اسکے جواب میں ابو سفیان نے کہا ہاں تم سچ کہتے ہو یہ کہکر وہ شہر کی طرف دوڑا اور جونہی کہ وہ مکہ میں داخل ہوا اُس نے باآواز بلند پکار کر کہا۔ " اے قریش! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے سر پر آپہنچا۔ اُسکے ساتھ اسقدر فوج ہے جسکا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جو شخص آج میرے گھر میں داخل ہوگا اُسکو امان ہوگی جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا اُسکو امان ہوگی اور جو مسجد کعبہ کے اندر چلا جائیگا وہ امان پائیگا" اسپر ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ غضب کے ساتھ اسکی طرف بڑھی اور اُسکی مونچھیں پکڑ کر بولی اقتلوا الحمیت الدسم الا حمس قبح من طلیعۃ قوم " اس موٹے چربی دار ہٹے کٹے کی گردن مار دو یہ اپنی قوم کا منحوس جاسوس ہے" ابو سفیان نے پھر کہدیا " کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ عورت تمکو دھوکہ دیدے کیونکہ تمپر اتنی فوج چڑھ آئی ہے جسکا مقابلہ تمھاری طاقت سے باہر ہے"۔ یہ سُنکر سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے اور کواڑ بند کر لیئے۔ اِدھر ابو سفیان نے مکہ میں جاکر منادی کی اُدھر لشکر اسلام کوچ کرتے کرتے یہاں تک پہنچ گیا کہ شہر دکھائی دینے لگا۔ شہر تو دکھائی دیا لیکن کسی مخالف فوج کا کوئی نشان نہ تھا۔ اب امر روز روشن کی طرح ظاہر تھا کہ بڑھنے والے لشکر کے لیئے کوئی سدِّ راہ نہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا تو آپ فوراً اپنے اُونٹ ہی کی پشت پر سر بسجود ہو گئے اور جناب باری کا شکریہ ادا کیا۔..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کے چار دستے کیئے ہوئے تھے ہر ایک دستہ فوج کو حکم دیا تھا کہ مختلف راستوں سے شہر کے اندر داخل ہوں۔ یہ ایک احتیاط تھی کیونکہ اگر کسی ایک جگہ دشمن مقابلہ کرتا تو دوسرا دستہ عقب سے آکر اُسے دشمن کا احاطہ کر سکتا تھا۔ ان تمام فوجی دستوں کو آنحضرت صلعم کا تاکیداً حکم تھا کہ سوائے سخت مجبوری کے کسی سے لڑائی نہ کریں اور ہرگز ہرگز کسی پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ ایک دستہ فوج میں انصار مدینہ تھے انکا سردار سعد بن عبادہ تھا۔ جب یہ لوگ شہر کے نزدیک پہنچے تو سعد نے باآواز بلند کہنا شروع کر دیا کہ الیوم یوم الملحمہ

یعنی آج خونریزی کا دن ہے اور آج مکہ کیلئے کوئی امان نہیں جب اس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے سعد سے عَلَم لیکر اسی کے بیٹے قیس کے حوالہ کر دیا۔ الغرض لشکر اسلام چار دستوں میں منقسم ہوکر شہر مکہ میں داخل ہوا۔ اور سوائے اُس دستہ کے جو خالد کے زیر کماں تھا اور سب بے روک ٹوک شہر کے اندر چلے گئے۔ خالد کے دستہ کا قریش کے چند جوانوں نے جنکے سرغنہ صفوان ابن اُمیہ سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابو جہل وغیرہ تھے تھوڑا سا مقابلہ کیا لیکن اُن کو جلدی ہی پسپا ہونا پڑا۔ جب خالد کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ تو اسی وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اتفاقیہ ایک بلند مقام پر سے ہوا۔ اس بلندی پر سے آپکی نظر اُن تلواروں پر جا پڑی جو شہر کے دوسرے حصہ میں چمک رہی تھیں۔ آپ فوراً خفا ہوکر فرمانے لگے ما ھٰذہ وقد نھیت عن القتال یعنی یہ تلواریں کیسی چمکتی ہیں حالانکہ میں نے جنگ سے منع کیا تھا۔ جب آپکو اصل واقعہ سُنایا گیا تو فرمایا قضاء اللّٰہ خیر۔ اب مکہ فتح ہو چکا ہے اور فتح بھی قریباً بلا کسی قسم کی خونریزی کے ہوئی اور وہی بیکس انسان جسکو گالیاں دیجاتی تھیں۔ جسے خارج از قوم سمجھا جاتا تھا اور جسے شہر بدر کر دیا گیا تھا آج وہی مکہ کا مالک ہے۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپکے صحابہؓ نے عرض کی کہ کیا حضور اپنے گھر میں نہیں نزول فرمائیں گے؟ آنحضرت صلعم نے جواب دیا کہ کیا ان لوگوں نے ابتک میرے لیئے اس شہر میں کوئی گھر چھوڑا ہے مکہ میں داخل ہوتے وقت گذشتہ زخم تازہ ہو گئے تھے لیکن انتقام اور غضب کے جذبات پر رحمت۔ عفو اور احسان نے جو حضور کے قلب صافی میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے غلبہ حاصل کر لیا اور آپنے وہ کیا جو نبیوں کے سردار رسولوں کے خاتم کی شان کے شایاں تھا۔ کیا ہمارے مخالف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عفو و رحم پر غور کریں گے؟

اہل مکّہ اسلام قبول کرتے ہیں

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکّہ میں داخل ہونا ایک ایسا واقعہ ہے جسکی نظیر صفحہ تاریخ پر نہیں ملتی۔ اس مقدس شہر کی فتح کے متعلق جو واقعات ہیں اُنکے مطالعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص پیغمبر اسلام علیہ الف الف سلام کی نسبت یہ دریافت کرنا چاہے کہ آپ کیسے انسان تھے تو اُسے مناسب ہے کہ اُس حسن سلوک پر غور کرے جو آپنے اپنے جانی دشمنوں سے کیا اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ اُنکی طاقت ٹوٹ چکی تھی اور وہ مغلوب ہوکر محض آپکے رحم کا سہارا رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول اور ہر فعل میں دشمنوں کے ساتھ ایسی فیاضی اور فراخدلی کا برتاؤ پایا جاتا ہے جسکی مثال جہان کی تاریخ میں ہرگز ہرگز کہیں نہیں مل سکتی۔ اس سے بڑھکر اور کیا فیاضی ہوسکتی تھی کہ آپنے حکم دیدیا "جو آج ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا امان پائیگا جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے گا امان پائیگا اور جو مسجد کعبہ میں داخل ہوگا امان پائیگا"۔ آپ دل سے چاہتے تھے کہ قریش تباہی سے بچ جائیں اور جیسا ہم اوپر بیان کرچکے ہیں اسی غرض سے آپنے سپہ سالاران لشکر کو تاکیداً حکم دیدیا تھا کہ سوائے سخت مجبوری کے ہرگز ہرگز لڑائی تک نوبت نہ آئے۔ پھر جب آپکی نظر شہر کے دوسرے حصہ میں چمکتی ہوئی تلواروں پر پڑی تو فوراً فرمایا کیا مینے تاکیداً حکم نہیں دیا تھا کہ کوئی جنگ وجدل نہ ہو"۔ ہم یہ بھی ذکر کرچکے ہیں کہ جب ایک فوجی افسر نے جوش دلانے والے اشعار پڑھے تو آپنے فوراً اسکو معزول کرکے اسکی جگہ ایک اور شخص کو سردار مقرر کیا۔ کیا یہ امور اس بات کی بیّن شہادت نہیں؟ کہ نبی کریمؐ اہل مکّہ میں سے کسی ایک متنفس کا بھی خون گرانا نہیں چاہتے تھے۔ پہلے جنگوں میں بھی اگر آپنے اپنے صحابہؓ کو ہتھیار اُٹھانیکی اجازت دی تو صرف اسوجہ سے کہ سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ نہ تھا پس آپنے اگر کوئی لڑائی کی تو ایسے وقت جبکہ ہر طرح مجبور ہوگئے۔ اب کوئی مجبوری نہ تھی دشمن بے زور اور بے کس تھا اور انہیں مسلمانوں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اسلیئے آپنے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو

حکم دیدیا کہ کسی قسم کی خونریزی نہ ہونے پائے۔ علاوہ ازیں یہ ارشاد بھی فرمایا کہ اہل مکہ کے مال کی حفاظت کیجائے اور انہیں سے کوئی قید نہ کیا جائے۔

شہر میں بطور فاتح کے داخل ہو کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے کعبہ میں تشریف لے گئے تاکہ خدائے تعالیٰ کا شکریہ ادا کریں جس نے آپکو یہ بے نظیر کامیابی عطا فرمائی۔ اسکے بعد آپ نے نظارہ دکھائی دیا جس نے اہل مکہ پر ثابت کردیا کہ انکی دیوتا کمزور اور ناتوانا ہیں۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے وسط میں کھڑے ہو کر اپنے عصا کے ساتھ ایک ایک کر کے تین سو ساٹھ بتوں کی طرف اشارہ کیا اور اشارہ کے ساتھ ہی قریش کے دیوتا۔ جنکی حمایت کیلئے نہ صرف انہوں نے خود بلکہ انکی مددگار عرب کی دوسری اقوام نے بھی برسوں کشت وخون کا بازار گرم رکھا تھا جھٹ ڈنڈوت کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں گرنے لگے جب ھبل کا بڑا بت کعبہ کے سامنے زمین پر دھم سے گرا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ یعنی سچائی آگئی اور جھوٹ بھاگ گیا جھوٹ تھا بھی اس قابل کہ وہ بھاگ جاتا۔

پیارے ناظرین! مذکورہ بالا آیت فتح مکہ سے بہت سال قبل نازل ہوئی تھی۔ یہ عظیم الشان پیشگوئی اسوقت دنیا کو سنائی گئی تھی جب اسلام ابھی بچہ ہی تھا اور اس بچہ کی جان کے درپے ایک جہان تھا۔ دشمن چاہتے تھے کہ اس ننھے سے بچے کو ہی ہلاک کر ڈالیں لیکن خدا کے علم میں اس بچہ نے جوان ہونا تھا اور اس کے ہاتھ سے ہی خدا کے گھر نے جو بتوں کا گھر بن گیا تھا پھر اپنے اصل مالک کا گھر بننا تھا اور وہی ہوا جو خدا نے فرمایا تھا۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

کفار اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا باہمی جنگ دراصل کفار عرب کے بے شمار دیوتاؤں اور اسلام کے ایک خدا کی باہمی لڑائی تھی۔ اول الذکر کے قائم مقام عرب کے تمام مغرور و متکبر رؤسا تھے اور آخر الذکر کی طرف سے ایک فرد واحد یعنی حضرت

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا تھے۔ اگرچہ بظاہر کامیابی کا تاج کفار کے دیوتاؤں کے سر پر مزین ہوا دکھائی دیتا تھا اور اسلام کا اکیلا واعظ اپنے بے شمار دشمنوں کے سامنے بالکل بیکس معلوم ہوتا تھا تاہم اس عالم ناتوانائی میں اُس واحد خدا نے اپنے خادم کو اپنی امداد و اعانت کا وعدہ دیا۔ اور اُسوقت فتح کی خوشخبری سُنائی جب اُسے سر چھپانے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ خدائے تعالیٰ کے ان وعدوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان بھی کر دیا تھا تاکہ جب وہ پورے ہوں تو ظالم ایذا دہندہ مخالفین پر حجت ہو اور شائد اس طرح اُنکے سیاہ باطن ایمان کے نور سے منور ہو جائیں لیکن آہ۔ بدبخت دشمنوں نے اس خدائی آواز پر ہنسی اُڑائی اور بجائے نرمی اختیار کرنیکے اور بھی سختی شروع کر دی گویا اس پیشگوئی کو سُنکر اُنکا غضب اور بھڑک اُٹھا اور اُنھوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اسلام کا شروع ہی میں خاتمہ کر دیں اور اس ننھے پودے کو بیخ و بن سے اُکھاڑ کر پھینکدیں۔ اس دشمنی کا کیا نتیجہ ہوا۔ خدا کے فرمودہ الفاظ کس طرح پورے ہوئے اُسکے لیئے صرف یہ کہدینا کافی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی امداد کا وعدہ پورا کیا اور جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدوسیوں کی جماعت کے ساتھ مکّہ میں داخل ہوئے اُس دن وہ پیشگوئی کما حقہٗ پوری ہوئی جسکا اعلان برسوں پہلے ہو چکا تھا۔

خدائے تعالیٰ کے کام عجیب ہوتے ہیں ملاحظہ فرمایئے کہ جس شہر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ کو دشمنوں نے باہر نکالا تھا وہی بستی اب آپکے قبضہ میں ہے اور جن لوگوں نے مسلمانوں کو ایذا دی تھی وہی اب اُنکے محکوم زیر فرمان ہیں۔ شہر اور اہل شہر کی تو بات ہی کیا تھی اب تو عربوں کے دیوتا۔ جنکی خاطر سے وہ کٹتے مرتے رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زمین کے ساتھ پیوست کیئے جا رہے ہیں۔ اہل مکّہ کے بتوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زمین پر گرایا جانا ہی ایک ایسا امر تھا جو بُت پرست مکّہ والوں کو یاد دلاتا تھا کہ اُنکے معبود معمولی پتھروں پر کسی طرح کی فوقیت نہیں رکھتے۔

جب بتوں کو توڑا جا چکا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور فرشتوں کی تصویروں کو جو کعبہ کی دیواروں پر منقش تھیں مٹا دیا گیا تو بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور اذان دی۔ پیارے ناظرین! جو بلالؓ اسوقت کعبہ کی چھت پر کھڑا ہو کر اللہ اکبر کی صدا کر رہا ہے یہ وہی حبشی غلام ہے جسکو اُسکا بُت پرست آقا بطحاء کی جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر سخت ایذا دیا کرتا تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ کا کعبہ کی چھت پر چڑھنا ہی مغرور متکبر قریش کے کبر و رعونت کو توڑنے کیلئے کافی تھا اور اُنکی صدا جہاں مومنوں کو نماز کے لیئے بلا رہی تھی وہیں کفار کے دلوں پر چھریوں کا کام کر رہی تھی چنانچہ بنی سعید بن العاصی میں سے ایک شخص نے حضرت بلال رضی اللہ کی آواز سُنکر کہا لقد اکرم اللہ سعیدا ان قبضہ قبل ان یری ھذا الاسود علی ظھر الکعبہ۔ خدا نے ہمارے ابّا سعید پر بڑی عنایت فرمائی کہ اُسے موت دیکر اس تکلیف سے بچا لیا جو اُسے اس کالے حبشی کو کعبہ کی چھت پر دیکھکر ہوتی" (زرقانی شرح مواہب جلد ثانی صفحہ ۱۱)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف میں سے باہر آئے تو آپنے اُس تمام مجمع کو مخاطب کیا جو باہر جمع ہو رہا تھا اور فرمایا یا معشر قریش ما ترون انی فاعل فیکم یعنی "اے قریش کی جماعت تمھارے خیال میں مجھے اب تمھارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے" اُنہوں نے جواب دیا خیرًا اخ کریم وابن اخ کریم۔ "اے فیاض بھائی اور اے فیاض بھائی کے بیٹے آپ ہم سے نیک سلوک کریں گے" طبری بیان کرتا ہے کہ یہ لفظ سُنکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور حضور نے فرمایا فانی اقول کما قال اخی یوسف لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین اذھبوا فانتم الطلقاء۔ یعنی "میں تم سے وہی کہونگا جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا یعنی آج میں تم کو ملامت نہیں کرونگا خدائے تعالیٰ تمھیں معاف فرمائیگا وہی سب سے زیادہ رحیم ہے۔ جاؤ تم آزاد ہو۔"

دنیا کی تاریخ دیکھتے جاؤ۔ بڑے بڑے لوگوں کی سوانح پر گہری نظر ڈالو۔ سارے

جہان کے واقعات میں اسکی کوئی نظیر تلاش کرو تو بھی قطعاً کوئی ایسی مثال نہیں ملیگی۔ یہ کیوں؟ محض اس لئے کہ مسلمانوں کا نبیؐ جیسا کہ کسی ایک قوم کیلئے مامور نہیں ہوا تھا بلکہ وہ خاتم النبیین اور سردار انبیاءؑ تھا اسی طرح اسکے اخلاق بھی بے نظیر اور بے مثال تھے وہ کامل انسان تھا اُسکے اخلاق بھی کامل تھے جسطرح اُسکا پیش کردہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے اسی طرح وہ بھی عبد تو تھا لیکن بے مثل۔ غرض حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی اصلی حالت معلوم کرنیکے لئے فتح مکہ اور اُسکے متعلق جو واقعات ہیں انپر غور کرنا ہی کافی ہے۔ آپنے کمال عالی حوصلگی فیاضی اور فراخدلی سے کام لیکر اپنے گنہگار ظالم جانی دشمنوں کو بالکل معاف کردیا اور دشمن بھی وہ جنہوں نے آپ کو اور آپکے متبعین کو نہایت بے رحمی سے ایذا پہنچائی اور گھر سے بے گھر کیا۔ جنہوں نے بے گناہ مردوں اور عورتوں پر انواع و اقسام کے جور و ستم کا ارتکاب کیا اور آپ کی اور آپکے ہمراہیوں کی جانیں لینے کا قصد کرلیا۔ پھر جن لوگوں نے زندہ تو درکنار بے جان مُردوں کی لاشوں کی بے حرمتی کرکے انسانیت کے نام پر بٹا لگایا۔ جنکے اکسانے سے عرب کی جنگلی اقوام.... مدینہ کی چھوٹی سی مسلمان بستی کے نیست و نابود کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ جو متواتر بے شمار لشکر سے مدینہ پر محض ان ارادوں سے حملہ آور ہوئے کہ مسلمانوں کو کچل کر زمین سے ملادیں خلاصہ یہ کہ ایسے دشمنوں کو جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ کو تباہ کرنیکی کوششوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا جو اپنے قاتلانہ جرائم کی وجہ سے اس قابل تھے کہ انکو جان سے مار دیا جاتا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل معاف کردیا اور انکو یوسفؑ کے بھائیوں سے مشابہت دیکر اُنکے تمام گذشتہ گناہوں پر قلم معافی کھینچ دی۔ یہ یوسف بھی ایسا تھا۔ جس کا باطنی حُسن ظاہری خوبروئی سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔

آجائیں کہیں یثرب کے جو بہوار میں یوسفؑ ۞ پائیں نہ جگہ چشم خریدار میں یوسفؑ
فرمائیں یہ پھر آپ ہی دربار میں یوسفؑ ۞ تھا بیش بہا حُسن کے بازار میں یوسفؑ
پر ہو نہ سکا سنگ ترازوئے محمدؐ

ے حُسن یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری ❊ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معترضین کوئی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں جو فتح مکہ کے واقعات سے لگا کھا سکتی ہو......جو نمونہ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ نے دکھایا ہے اُسکا دوسرا ملنا محال و مشکل اور ناممکن ہے۔ ان اللہ و ملٰئکتہ یصلّون علی النبی یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

فتح مکہ کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر سٹینلی لین پول فرماتے ہیں۔" آپنے قریش کو بڑی فراخدلی سے معاف فرما دیا اور برسوں کا دُکھ (جو قریش کے ہاتھوں اُٹھانا پڑا تھا) اور ظالمانہ نفرت (جسکا برتاؤ اُنکی طرف سے ہوا تھا) سب کچھ بھلا دیا اور تمام مکہ والوں کی جان بخشی کر دی صرف چار شخصوں کو جو واقعی قتل کیے جانیکے مستحق تھے سزائے موت دیگئی۔ لشکر نے بھی آپکی پیروی کی اور چپ چاپ امن و امان سے داخل شہر ہوئے..... اسطرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دوبارہ اپنے وطن مالوف میں داخل ہوئے۔ تمام عالم کی تاریخ میں ایسی مثال نظر نہیں آتی جہاں کوئی (فاتح) (اس عظیم الشان) کامیابی سے داخل شہر ہوا ہو" سر ولیم میور صاحب جیسا متعصب عیسائی بھی اس موقعہ پر مجبوراً کہتا ہے کہ" جس فراخدلی سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُس قوم سے سلوک کیا جو عرصہ دراز تک آپسے متنفر رہی اور جس نے آپکو رد کیا وہ فراخدلی ہر قسم کی تعریف کی مستحق ہے"

چند آدمی جنکے دلوں میں اُنکے ناقابل عفو جرائم کھٹک رہے تھے شہر سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن اُنکی خطائیں بھی معاف کر دی گئیں اور وہ اپنے گھروں کو امن سے واپس آگئے۔ ان بھگوڑوں میں عکرمہ بن ابوجہل بھی تھا جو ساحل سمندر کی طرف بھاگ گیا تاکہ وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر ملک یمن میں چلا جائے ٭ عکرمہ کی بیوی

٭ حاشیہ۔ لکھا ہے کہ جب عکرمہ کشتی میں سوار ہوا تو ایک سخت تیز ہوا چلنی شروع ہو گئی اور خوف تھا کہ کشتی ڈوب جائے۔ اُسوقت عکرمہ نے لات و عزیٰ کو پکارنا شروع کیا۔

اُمّ حکیم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں حاضر ہوئی اور کہا۔ "اے خدا کے رسول عکرمہ قتل کے خوف سے یمن کی طرف بھاگ گیا ہے۔ میں حضور سے اسلیئے درخواست کرتی ہوں کہ اُسکو معاف فرمایا جائے" آنحضرت صلعم نے جواب دیا ھو امن یعنی اُسکو امن دیا جاتا ہے۔ یہ حکم پاکر امّ حکیم اپنے بھگوڑے خاوند کی تلاش میں روانہ ہوئی اور جب وہ عکرمہ سے ملی تو اُس سے کہا۔ "اے میرے چچا کے بیٹے میں اُس شخص کی طرف سے آئی ہوں جو نہایت ہی مہربان۔ عالی حوصلہ اور انسانوں میں سب سے بہتر آدمی ہے۔ اسلیئے تم اپنے تئیں تباہ نہ کرو میں نبی کریم (صلعم) سے تمھارے لیئے معافی لے کر آئی ہوں۔ جب عکرمہ واپس مکہ آگیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو حکم دیا لا تسبوا اباہ فان سب المیت یوذی الحی یعنی اُس کے باپ ابوجہل کی نسبت کوئی سخت لفظ استعمال نہ کیا جائے کیونکہ مردوں کو بُرا بھلا کہنے سے زندوں کو دکھ پہنچتا ہے (زرقانی شرح مواہب جلد دوم صفحہ ۲۷۶)

ان بھاگنے والوں میں ایک شخص ھبار بھی تھا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر بے رحمی سے حملہ کیا تھا جبکہ وہ مکہ سے ہجرت

بقیہ حاشیہ۔ اسپر اہل سفینہ نے کہا اسوقت صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ تمھارے دیوتے اس جگہ کوئی مدد نہیں دے سکتے۔ عکرمہ نے کہا لئن لم ینجنی من البحر الا الا خلاص لا ینجینی فی البر غیرہ۔ یعنی اگر ہمارے دیوتے دریا میں غرق ہونے سے ہمیں نہیں بچاسکتے اور یہاں صرف ایک خدا کو پکارنا مفید ہوسکتا ہے تو خشکی پر بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود امداد نہیں دے سکتا اور پھر زق ہونیکے خوف سے گھبرا کر خدائے تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ "اے اللہ۔ اگر تُو نے مجھے یہاں سے نجات دیدی تو میں اسوقت عہد کرتا ہوں کہ میں سیدھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤنگا۔ اور اپنے ہاتھ کو اُسکے ہاتھ میں رکھکر توبہ کروں گا اور میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ مجھے میری خطائیں معاف کردیگا کیونکہ وہ درگذر کرنیوالا۔ رحیم اور کریم انسان ہے۔ (ملاحظہ ہو زرقانی شرح مواہب جلد ثانی صفحہ ۲۷۶)

کیئے جا رہی تھیں۔ انکے وضع حمل کے ایام قریب تھے اور وہ اونٹ پر سوار تھیں ھبار نے بھالے کے ساتھ دھکا دیکر زمین پر گرا دیا۔ جس سے انکا حمل گر گیا اور آخر اسی صدمہ سے وہ جہان بحق ہو گئیں۔ اب ھبار مکہ سے بھاگ کر چند روز تو غائب رہا لیکن پھر واپس آکر اپنے تئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم پر چھوڑ دیا اور عرض کی "میں آپ سے بھاگ کر دوسرے ملکوں میں گیا اور میرا ارادہ تھا کہ عجمیوں سے جا ملنا لیکن مجھے آپکا رحم۔ فیاضی۔ اور گنہگاروں کو معافی دینا یاد آگیا (پس) اے نبی اللہ ہم بت پرست تھے خدا نے آپکے ذریعہ سے ہمیں راہ راست دکھایا اور تباہی سے بچایا۔ پس آپ میری بیوقوفی پر درگذر فرمایئے اور جو تکلیف میں آپ کو دیتا رہا ہوں اُسے معاف کیجئے۔ میں اپنی بداعمالی کا اقرار اور اپنے گناہ کو تسلیم کرتا ہوں"۔ اسپر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکو فوراً معافی دیدی۔ اگرچہ اُسکا گناہ خطرناک اور جرم سنگین تھا لیکن چونکہ یہ جرم خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہی تھا اسلیئے آپنے بلا کسی شرط کے اُسکو معافی دیدی (زرقانی شرح مواہب جلد دوم صفحہ ۳۷۷)

فتح مکہ کے بعد جو شخص مکہ سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے اُنہیں وحشی بھی تھا۔ یہ وہی حبشی غلام تھا جسکو ہندہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عم رسول کے قتل پر مامور کیا تھا۔ یہ شخص مکہ سے طائف کو چلا گیا۔ اور جب طائف سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ایک وفد حاضر ہوا تو وحشی نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور جھٹ اس وفد میں شامل ہو گیا اُسکو یقین تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سفیروں کی بڑی عزت کرتے ہیں اسلیئے کسی قسم کا خوف نہیں۔ جب نبی کریم صلعم نے وحشی کو وفد میں دیکھا تو فرمایا "کیا تم وحشی ہو" اس نے جواب دیا "ہاں حضور میں ہی ہوں" آنحضرت نے پھر پوچھا "کیا تُو نے حمزہ کو شہید کیا تھا" اُس نے کہا "جی ہاں آپ ٹھیک فرماتے ہیں"۔ اگرچہ نبی کریم نے اپنے پیارے چچا کے قاتل کو معاف کر دیا لیکن آپکے رنج کی یہ کیفیت تھی کہ اُسکو دیکھنے سے آپ کو بہت زیادہ دُکھ پہنچتا تھا پس آپنے وحشی کو ارشاد فرمایا غیّب وجھك عنی یعنی تم کو معاف کیا جاتا ہے مگر میرے

سامنے نہ آیا کرو۔ (زرقانی شرح مواہب جلد دوم صفحہ ۲۷۷)

اس حبشی غلام کی کہانی سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے لوگوں کے دلوں پر کیسا قبضہ حاصل کیا ہوا تھا اور کس طرح سے وہ لوگ جو کل خطرناک دشمن تھے آج سچے دوست ہو گئے۔ حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ ایک روائیت نقل فرماتے ہیں جسمیں وحشی بیان کرتا ہے "جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور مسیلمہ کذاب نے دعویٰ کیا تو میں نے دلمیں کہا کہ میں مسیلمہ کے پاس جاؤں شائد میں اُسے قتل کر سکوں اور اسطرح حمزہ رضی اللہ عنہ کے خون کا کچھ کفارہ ہو جائے" آگے چلکر وحشی وہ تمام حالت بتلاتا ہے کہ کس طرح اُس نے اپنی برچھی سے کذاب مسیلمہ کو ہلاک کیا اور کسطرح اُس کا وار ہونیکے بعد ایک صحابی نے کود کر مسیلمہ کا سر کاٹا تھا جبکہ ایک لڑکی نے ایک کوٹھے کی چھت پر سے چلا کر کہا "ای امیر المومنین یہ غلام ہے جس نے اُسے قتل کیا ہے" پس وحشی کی خواہش سے کہ کسی طرح حمزہؓ کے خون کا کفارہ ہو جائے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک سچا مسلمان ہو گیا تھا۔

اُدھر تو اور ابو سفیان کی بیوی ہندہ کو بھی جس نے جنگ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے دل کو چبایا تھا اور آپکے کان اور بینی کاٹکر گلے میں بطور ہار پرو کر پہنے تھے رحم مجسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا۔ وہ اور عورتوں میں شامل ہو کر اور چہرہ پر نقاب ڈالکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مقام ابطح پر حاضر ہوئی اور کہا "سب تعریف کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنے دین کو جو اُس نے پسند کیا غلبہ دیا ہے۔ تحقیق آپکے رحم سے مجھے بھی حصہ ملیگا۔ میں ایک عورت ہوں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہے اور اُسکی ذات کی مصدق ہوں یہ کہکر اُس نے اپنے چہرہ پر سے نقاب اُٹھا دیا اور کہا "میں عتبہ کی بیٹی ہندہ ہوں" یہ دیکھکر آنحضرت صلعم نے فرمایا "خوش آمدید" اسطرح ہندہ کو جو کسی وقت اسلام کی نہایت خطرناک دشمن تھی بالکل معاف کر دیا گیا (زرقانی شرح مواہب جلد دوم صفحہ ۲۷۷) روایت ہے کہ ہندہ خواب میں دیکھا کرتی تھی کہ وہ دھوپ میں کھڑی ہے اور سایہ اگرچہ اُسکے قریب ہی ہے تاہم وہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی لیکن جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پہنچے تو اُس نے دیکھا کہ وہ دھوپ سے سایہ میں آگئی۔

آخر وہی ہوا اور ہندہ کو اسلام کی ٹھنڈی چھاؤں میسر آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی کا ہندہ پر اسقدر اثر ہوا کہ اُس نے آپ سے کہا کہ صفحہ دنیا پر کوئی ایسا خاندان نہ تھا جس سے مجھے اسقدر نفرت تھی جتنی آپ کے کنبہ سے تھی لیکن آج اگر مجھے کوئی گھرانا پیارا ہے تو آپ کا ہے"

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کی بیٹی ام ہانی آپکے پاس آئی اور درخواست کی کہ دو آدمیوں نے میرے گھر میں پناہ لی ہے انہیں معاف فرما دیا جائے۔ آپ اُس سے بڑی مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا قد اجرنا من اجرت یا ام ھانی یعنی جسکو تم پناہ دیتی ہو میں بھی اُسکو پناہ دیتا ہوں۔ (زرقانی جلد ثانی صفحہ ۳۰۹)

منصف ناظرین۔ اگر آپ ان رحیمانہ کارروائیوں پر نظر ڈالیں تو آپ پر بہت سے امور کا انکشاف ہوگا۔ اور آپکو اس سوال کا جواب خود بخود مل جائیگا کہ آیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زیادتی ہوئی تھی یا آپکے دشمنوں نے ابتدا کی تھی۔ کوئی سمجھدار آدمی اس بات کو ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا کہ وہ شخص جو اپنے سخت سے سخت دشمنوں پر رحیم اور ظالم بے رحم اعدا پر شفیق تھا اُس سے یہ کیونکر ہوسکتا تھا کہ جنگ و جدل میں سبقت کرتا۔ پھر جو شخص فتح کے بعد جبکہ ہر ایک دشمن اُسکے قبضہ میں تھا اس بات کا خواہشمند تھا کہ مکہ کے ہر فرد بشر کو معاف کردے بھلا اُسکی نسبت یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اُس نے اپنے اہل شہر اور ہموطنوں کے خلاف بلا مجبوری تلوار اُٹھائی اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب صافی کی اصل کیفیت معلوم کریں یا یہ دریافت کریں کہ آپکو اپنے وطن سے کیسی محبت تھی اور یہ کہ آپنے کن حالات کے ماتحت ہجرت فرمائی تھی تو آپ ذیل کے الفاظ کو ملاحظہ فرمائیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد فرمائے تھے جبکہ آپ برسوں کے دُکھ اور تکالیف جھیل کر اور وطن سے بیوطن ہوکر دوبارہ بطور فاتح داخل شہر ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں " تو میرے لیئے روئے زمین پر سب سے زیادہ پیارا اور دل پسند مقام ہے۔ اگر تیرے باشندے مجھے نکال نہ پھینکتے تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا" (لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ ولیم میور)

جب انصار مدینہ نے یہ دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زاد بوم سے پہلے درجہ کا اُنس ہے وہاں کے باشندوں پر آپ بہت ہی مہربان ہیں اور آپنے اپنی فیاضی اور فراخدلی سے ثابت کر دیا ہے کہ آپکو اہل مکہ سے سخت محبت اور پیار ہے۔ تو انکو اندیشہ پیدا ہوا کہ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقیۃ العمر مکہ میں ہی گذاریں اور اُن لوگوں کے قرب میں رہیں جو انکے ہموطن ہیں اور جن سے آپنے بڑی دریا دلی اور فیاضی کا برتاؤ کیا ہی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر اپنے شہر سے محبت تھی اور اگر آپ اپنی قوم پر بے انتہا مہربان تھے تو ساتھ ہی ایسے محسن انسان سے یہ کہاں ہو سکتا تھا کہ اُن لوگوں کو فراموش کر دیتے جنہوں نے مصیبت کے وقت آپ اور آپکے صحابہؓ کو پناہ دی تھی اور جن کا تعلق اور قربانی ایسی نہ تھی کہ جسے نظر انداز کیا جاتا۔ آنحضرت صلعم کو وہ وقت خوب یاد تھا جب آپ اور آپکے صحابہؓ کو مکہ والوں کے ظلم وستم سے تنگ آکر ہجرت کرنی پڑی تھی اور ایسے اڑے وقت اہل مدینہ نے آپ کو اپنے ہاں جگہ دی تھی۔ پناہ کیا دی تھی گویا عرب کی دشمنی کو مول لیا تھا پس آپنے اس خوشی اور کامیابی کے وقت مدینہ والوں کو نہیں بھلایا آپنے اہل مدینہ کو یقین دلایا کہ میں انصار کے شہر کو کبھی نہیں چھوڑونگا اور فرمایا المحیا محیاکم والممات مماتکم یعنی میرا جینا بھی تمہارے ساتھ ہوگا اور مرنا بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔ اگر اب بھی کسی کو اسمیں شبہ ہو کہ آیا قریش کی زیادتی تھی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اُسے چاہیئے کہ ان الفاظ پر غور کرے جو آنحضرت صلعم نے کعبہ کے صحن میں قریش کے مجمع کو مخاطب کرکے فرمائے تھے جو یہ ہیں یا معشر قریش ماترون انی فاعل فیکم (زرقانی شرح مواہب صفحہ ۳۹) "اے جماعت قریش! تم ہی بتاؤ میں تمہارے بارے میں کیا کروں" بھلا ان الفاظ سے کیا مترشح ہوتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسا فرمانے سے کیا مراد تھی؟ یہ الفاظ صاف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ زیادتی قریش کی تھی اور اپنے جرائم کی پاداش میں وہ مستوجب سزا تھے۔ ہمارے اس خیال کی تائید خود قریش کا جواب کرتا ہے جو یہ تھا "اے فیاض بھائی اور فیاض بھائی کے بیٹے! آپ ہم سے نیک سلوک کریں"

وہ صریحاً اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں اور آنحضرت صلعم کے رحم اور مہربانی پر اپنے آپ کو چھوڑتے ہیں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم مظلوم ہیں بلکہ ابتدا سے اخیر تک جو ظالمانہ افعال اُنسے سرزد ہوئے وہ اُنپر نادم اور رحم کے خواستگار ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "فیاض بھائی اور فیاض بھائی کا بیٹا" کہکر پکارتے ہیں۔ اور ملاحظہ فرمائیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معافی کا اعلان کیا تو اپنے تئیں حضرت یوسف علیہ السلام سے اور قریش کو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے مشابہت دی۔ اگر زیادتی کا ذرا سا الزام بھی آپ پر آسکتا تو آپ کس طرح سے اپنے تئیں یوسف علیہ السلام سے تشبیہ دے سکتے تھے آپنے جو مثال دی وہ بعینہ ہر طرح سے آپ اور قریش پر صادق آتی تھی جسطرح یوسفؑ کے بھائیوں نے حضرت موصوف پر زیادتی کی تھی اور آپکو نیست و نابود کرنا چاہا تھا اسی طرح قریش نے بھی آنحضرت صلعم پر زیادتی کی تھی اور آپکو تباہ و برباد کرنا چاہا تھا۔ لیکن اسکے مقابل جسطرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی بدی کا جواب نیکی اور معافی سے دیا تھا اسی طرح آنحضرت صلعم نے بھی قریش کے مظالم اور بیرحمیوں کا جواب۔ فیاضی۔ فراخدلی۔ مہربانی اور عام معافی سے دیا۔

مکّہ والوں کو بلا کسی شرط و شرائط کے معاف کر دینے سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ اہل اسلام نے لوگوں کو جبرًا مسلمان بنانے کیلئے تلوار نہیں اُٹھائی۔ حضرت نبی کریم صلعم نے قریش کو معاف کرتے وقت جو کچھ فرمایا وہ یہی تھا کہ "میں تم سے وہی کچھ کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا" یعنی یہ کہ میں آج تمکو ملامت نہیں کرونگا۔ خدائے تعالیٰ تمکو معاف کریگا وہ ارحم الراحمین ہے اذھبوا فانتم الطلقاء جاؤ کیونکہ تم آزاد ہو۔ آپنے اس معافی کے ساتھ اسلام لانے کی شرط نہیں لگائی۔ آپنے انکو اسلام قبول کرنیکے بغیر ہی آزادی سے چلے جانیکی اجازت دیدی۔ حالانکہ ابھی تک وہ پہلے کی طرح برابر بُت پرست ہی تھے۔ اگر جنگ کرنے سے آپکی مراد یہی تھی کہ لوگوں کو جبرًا مسلمان کریں تو اس سے بڑھکر آپکو اپنی مطلب براری کا اور کونسا موقعہ مل سکتا تھا جبکہ تمام مکّہ والے آپکے مفتوح اور محکوم

تھے اور اگر تلوار اُٹھانے سے آپکی غرض یہ تھی کہ کفار کو نیست و نابود کر دیں تو اب جبکہ کافروں کے پورے کے پورے شہر کی قسمت آپکے ارشاد پر موقوف تھی آپ باآسانی تمام اُنکو تہ تیغ کر سکتے تھے۔ لیکن نہ تو آپنے کسی کو اس شرط پر رہائی دی کہ وہ مسلمان ہو جائے اور نہ ہی اُنمیں سے کسی کو کفر کے بدلے قتل کیا۔ بلکہ برعکس اسکے آپنے مکّہ کے بُت پرستوں کو فرمایا "جاؤ کیونکہ تم آزاد ہو"۔ بے کس لوگوں کو جبرًا مسلمان کرنے یا کفر کے لیئے قتل کرنے کا خیال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عالی حوصلہ انسان کے نزدیک بھی نہیں آسکتا تھا کیونکہ آپ کی شان ایسے کینہ خیال سے پاک تھی۔ آہ۔ افسوس کہ متعصب عیسائیوں اور اُنکے ہمرنگ لوگوں نے اس عالی حوصلہ۔ فراخدل۔ فیاض اور رحم مجسم انسان کے ساتھ سخت بے انصافی کا برتاؤ کیا ہے اور مذہبی تعصب سے اندھے ہو کر اُس شرافت قلبی پر نظر نہیں ڈالی جو بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جبلت میں سمائی ہوئی تھی۔ بلکہ اُلٹا آپ پر یہ الزام لگایا ہے کہ آپکے غزوات کی معاذ اللہ یہ غرض تھی کہ لوگوں کو جبرًا اپنے دین میں داخل کر لیں جائے تعجب ہے کہ مٹھی بھر آدمی اور بے شمار دشمنوں کا مقابلہ اور وہ بھی بصد مشکل کرتے ہیں تاہم کہا جاتا ہے کہ یہ ان بے شمار لوگوں کو جبرًا اپنے دین میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ غریب جان بچانیکے لیئے بھاگے بھاگے پھرتے ہیں اور یہاں انکو جبر اور زیادتی کا الزام دیا جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طبیعت کے خلاف ہتھیار اُٹھانے پر مجبور ہوئے تھے۔ اور یہ مجبوری اُسوقت تک برابر جاری رہی جبتک قریش میں طاقت تھی لیکن جب اُنکی طاقت ٹوٹ گئی اور کسی قسم کی مجبوری نہ رہی تو آپنے فورًا حکم دیدیا کہ تلواریں میان میں کر لی جائیں اور دشمنوں کی بھی جان بخشی کیجائے۔

اب ایک طرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حُسن سلوک ملاحظہ فرمائیں جو آپنے اپنے جانی دشمنوں سے کیا اور دوسری طرف مد مقابل کے ظلم و ستم کو دیکھیں جو اُنہوں نے آنحضرت صلعم اور آپکے صحابہؓ پر توڑے۔ جب دشمن آپکے اختیار میں تھے تو آپنے ان سب کو بلا کسی شرط کے معاف فرما دیا اور کسی سے یہ نہیں کہا کہ اُسوقت

تک معاف نہیں کیا جائیگا جبتک اسلام نہ لاؤ گے۔ پس اس طرح آپنے ظاہر فرما دیا کہ اگر آپنے قریش سے جنگ کی تھی تو وہ سخت مجبوری کے بعد کی تھی ورنہ حاشا وکلا آپ کا یہ منشا نہ تھا کہ لوگوں کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے۔ یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ کیا تھا جب کبھی کوئی اِکّا دُکّا مسلمان یا مسلمانوں کی کوئی چھوٹی سی جماعت اُنکے ہاتھ پڑ گئی تو انہوں نے یا اُنکے مددگاروں نے یا تو نہایت بیرحمی سے بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دیا یا طرح طرح کی ایذا دیکر ارتداد پر مجبور کیا۔ اب جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک یہ بتلاتا ہے کہ آپنے جو کچھ کیا اشد مجبوری سے کیا اسی طرح آپکے دشمنوں کا طرز عمل صاف اس بات پر دال ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے سے کفار کا اسکے سوا اور کوئی منشا نہ تھا کہ جس طرح ہو سکے مسلمانوں کو تباہ کر دیں اور اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں کیا ہمارے معترضین ان ہر دو نتایج سے فائدہ اُٹھائیں گے؟ کوئی لاکھ چھپائے اور کتنا پردہ ڈالے آخر سچائی اپنی جھلک ضرور ہی دکھاتی ہے اور حق پوشی کا مجرم آخر شرمندہ و ذلیل ہو کر کبھی کبھی خود ہی اقرار بھی کر بیٹھتا ہے چنانچہ اس امر کے متعلق کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ والوں کو مذہب کے معاملہ میں پوری آزادی دیدی تھی سر ولیم میور صاحب (خلاف مرضی) یہ لکھتے ہیں "اگرچہ شہر (مکّہ) نے بڑی خوشی سے آپکی حکومت تسلیم کر لی تھی (لیکن) عام باشندوں نے تا حال نئے مذہب کو اختیار نہیں کیا تھا اور نہ ہی آپکے دعویٰ نبوت کی کھلے طور پر تصدیق کی تھی شاید آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں بھی وہی طرز اختیار کرنا چاہتے تھے جو آپنے مدینہ میں اختیار کیا تھا یعنی مذہب کے اختیار کرنے میں شہر والوں کو اپنی مرضی پر چھوڑ دیا"۔ ملاحظہ ہو لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۴۰۔ گو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ والوں کو دین کے معاملات میں پوری آزادی دے رکھی تھی تاہم اُنہوں نے بڑی بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلعم صفا کی پہاڑی پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں نے فوج در فوج حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اور آپنے ہر ایک سے یہ معاہدہ لیا کہ "(اللہ تعالیٰ کے سوا) کسی چیز کی پرستش نہ کرینگے۔ چوری نہ کرینگے زنا اور بچہ کشی سے باز رہیں گے۔ جھوٹ سے بچیں گے۔ عورتوں کی عزت

کرینگے"۔ غرض مکہ والے اس سرعت سے اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے کہ دو ہفتہ کے اندر دو ہزار نومسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر جان لڑانے کو حاضر تھے۔ مزید براں ان لوگوں نے اسلام قبول بھی کیا تو ایسی مضبوطی اور صدق سے کہ مدینہ کی طرح مکہ میں کوئی منافق نہیں تھا۔ اور نہ ہی مکہ والوں میں سے کوئی شخص اُس بغاوت میں شامل ہوا تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بعد وقوع میں آئی تھی۔

ہم اپنے ناظرین کو مذکورہ بالا واقعات پر غور کرنے کیلئے یہیں چھوڑتے ہیں اور انشاءاللہ اگلے پرچہ میں بشرط زندگی اپنے پیارے نبی ہاں خدا کے حبیب علیہ الف الف سلام کے ایک عظیم الشان معجزہ کا ذکر کرینگے ۔

اسرائیل کی گمشدہ بھیڑیں

اس رسالہ میں اکثر اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ افغان اور کشمیری دراصل بنی اسرائیل کی گمگشتہ اقوام میں سے ہیں۔ ہمارے ناظرین میں سے جو صاحب اس بارہ میں ہماری دلائل کو ملاحظہ کرنا چاہیں وہ ریویو اُردو انگریزی بابت ماہ جون ۱۹۰۴ء پڑھ لیں۔ بنی اسرائیل کی ان قوموں کا مشرق میں موجود ہونا ہی ہمارے اس دعویٰ کی تائید کرتا ہے کہ یسوع مسیح کا مقبرہ کشمیر سری نگر محلہ خانیار میں ہے۔ بنی اسرائیل کی سب قوموں کو مسیحؑ کے نزول کا وعدہ دیا گیا تھا اسلیئے وہ اسرائیلی قومیں جو مشرق میں رہتی تھیں مسیحؑ کے دیدار کی ویسی ہی بھوکی اور مستحق تھیں جیساکہ شام میں رہنے والے بنی اسرائیل تھے بلکہ یوں کہو کہ اول الذکر کا استحقاق آخرالذکر کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ کیونکہ وہ دس قوموں کے جانشین تھے اور یہ صرف دو قبیلے تھے۔ حضرت مسیحؑ نے تو فرمایا تھا کہ "میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" متی ۱۵-۲۴۔ پس اگر آپ اپنی نگرانی اُنہی بھیڑوں تک محدود رکھتے جو ملک شام میں آباد تھیں اور گلے کے اُس بڑے حصہ کا قطعاً خیال نہ کرتے جو دوسرے ممالک کی طرف چلا گیا تھا جسکی نسبت زیادہ خطرہ تھا کہ کہیں اُسے بھیڑیے نکھا جائیں

تو یہ کیونکر کہا جا سکتا کہ آپ نے اپنے فرض کو ادا کیا۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کی لعنتی موت سے بچکر اور اپنے شام کے اکثر شاگردوں کو الوداعی سلام دیکر اُن بھیڑوں کی تلاش میں روانہ ہوئے جو اپنے اصل وطن سے دُور نکل گئی تھیں۔ خدائی ہاتھ نے اُن کی رہنمائی کی اور آخر اُنکو وہ کھوئی ہوئی بھیڑیں مل گئیں یعنی حضرت مسیح علیہ السلام مشرقی اسرائیلیوں کے پاس پہنچ گئے جسکا یہ ثبوت ہے کہ ابتک ان مشرقی اسرائیلیوں یعنی کشمیریوں کے درمیان ایک مقبرہ موجود ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ نبی صاحب یا عیسیٰ صاحب کی قبر ہے جو کہ ۱۹۰۰ برس کا عرصہ ہوا ایک مغربی ملک سے ادھر تشریف لائے تھے۔ اگر کوئی دریافت کرے کہ اس نبی صاحب یا عیسیٰ صاحب کے متعلق کیا ثبوت ہے کہ یہ وہی یسوع ناصری ہیں تو ہمارے وہ دلائل ملاحظہ کرے جو اس میگزین میں وقتاً فوقتاً ذکر کیئے گئے ہیں۔

البتہ یہاں ہم ایک اور شہادت پیش کرتے ہیں جو ہمارے دعاوی کی تائید کرتی ہے اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ یہ شہادت کوئی لفظی یا کتابی نہیں بلکہ ایک زندہ شہادت ہے یعنی ہندوستان کے ساحل پر ایک قوم رہتی ہے جو اپنے تئیں بنی اسرائیل میں سے بتاتے ہیں وہ اب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مذہب کی پیروی کا ادعا رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگ عرب. شام یا کسی مغربی ملک سے نہیں آئے بلکہ شمال کی طرف سے آئے تھے اور وہ شمالی ملک ظاہر ہے کہ سوائے کشمیر اور افغانستان کے اور کوئی نہیں ہو سکتا جس سے بنی اسرائیل کا کوئی تعلق ہو۔ اسطرح ہمکو بنی اسرائیل کی گمگشتہ اقوام کے ایک ایسے جزو کا پتہ چلتا ہے جنہوں نے ابھی تک اپنے دوسرے بھائیوں یعنی افغانوں اور کشمیریوں کی طرح اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا بلکہ تاحال پُرانے عبرانی مذہب کے کچھ نہ کچھ حصے پر قائم چلے جاتے ہیں اور بڑی شد و مد سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم بنی اسرائیل کے ایک بہت قدیمی کنبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب لوگ ساحل مالابار پر آباد ہیں اور انہیں سے ایک صاحب نے ریویو میں کشمیریوں اور افغانوں کے متعلق مضمون پڑھکر از راہ مہربانی ہمارے پاس ایک کتاب بھیجی ہے جسمیں ان لوگوں کے حالات درج ہیں۔ اس کتاب کے مصنف

ایک ہندوستانی پادری صاحب ہیں - اور اس کا نام ہے "یہود ہندوستان و مشرق بعیدہ"
احاطہ بمبئی کے بنی اسرائیل کی آبادی تخمیناً دس ہزار ہے یہ لوگ ابتدا میں سیدھے سادھے
دیہاتی آدمیوں کی طرح تھے اور بمبئی کے جنوب مشرقی علاقہجات میں مختلف جگہ آباد ہو گئے
تھے ان کا خاص پیشہ تیل نکالنا تھا جس سے انکا نام شنوار تیلی یا سنیچر وار کے تیلی پڑ گیا۔
یعنی وہ تیلی جو سنیچر یعنی ہفتہ کے دن کو متبرک سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ تیل نکالنے کے علاوہ
اور اور کام بھی کرتے تھے اور انہیں سے بہت کھیتی باڑی دکانداری۔ دست کاری خصوصاً
بڑھئی کا کام وغیرہ کرتے تھے چنانچہ ابتک بھی یہی بعض انہیں سے کام کیئے جاتے
ہیں۔ لیکن انگریزی راج کے آنے سے ان لوگوں پر بھی ایک تغیر واقع ہوا۔ اور چند سال
سے وہ بمبئی احاطہ کے بڑے بڑے شہروں مثلاً پونا۔ تھانہ۔ کراچی۔ احمد آباد اور
دھاردار وغیرہ میں کثرت سے آپہنچے ہیں اور اب بہت تھوڑے آدمی اپنے پرانے
دیہاتی گھروں میں پائے جاتے ہیں جو ملتے ہیں وہ برابر وہی پرانا کام کرتے ہیں۔
ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں بہت سے بہادر سپاہی اس قوم میں سے بھرتی کیئے گئے
تھے۔ میسور کی دوسری لڑائی میں جو ۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۴ء تک رہی چند بنی اسرائیل جو
کمپنی کے ملازم تھے سلطان ٹیپو کی فوج کے ہاتھ قید ہو گئے لیکن سلطان کی والدہ کو
جب انکا بنی اسرائیل ہونا معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ "ان لوگوں پر رحم
کرو کیونکہ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کا بہت ذکر ہے اور ہندوستان میں اس سے پہلے
ان لوگوں کو دیکھنے کا مجھے موقعہ نہیں ملا" پس سلطان نے ان قیدیوں کو رہا کر دیا۔
جب سے ان لوگوں کی نسبت اہل یوروپ کو توجہ ہوئی ہے اُسی وقت سے یہ برابر اس امر
کی کوشش کر رہے ہیں کہ اُنکو یہودی کے نام سے نہ پکارا جائے بلکہ بنی اسرائیل کے صحیح اور
اصلی نام سے پکارا جائے۔ ہمیں اپنے ناظرین کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ بنی اسرائیل
عبرانی لفظ ہے اور اسکے معنے اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کے بیٹے ہیں اور بروئے
تاریخ بنی اسرائیل کا لفظ یہود کے لفظ کی نسبت پرانا ہے پس اس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا
ہے کہ یہ لوگ ان دو قوموں میں سے نہیں جو عموماً یہودی کہلاتی ہیں بلکہ ان دس قوموں میں

سے کسی ایک کی شاخ ہیں جو گم گشتہ تھیں اور جنکو یسوع مسیح نے کھوئی ہوئی بھیڑوں سے تعبیر کیا تھا۔

ان بمبئی والے بنی اسرائیل میں اب تو پرانے عہد نامہ کے قریبًا تمام نام مروّج ہیں لیکن کہتے ہیں کہ قبل ازیں مردوں میں یہوداہ اور عورتوں میں آستر کا نام نہیں رکھا جاتا تھا حالانکہ آجکل کے یہودیوں میں یہی دو نام عمومًا بڑے فخر سے اور کثرت کے ساتھ رکھے جاتے ہیں۔ البتہ جو نام ان لوگوں میں کثرت سے رکھا جاتا تھا وہ روبنؔ تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اسرائیلی ناموں میں کسی قدر تغیر کرکے اُنکو ہندی ناموں کے مشابہ بنا دیا گیا ہے جنکی چند مثالیں ذیل میں دیجاتی ہیں۔ بیناجی (بن یامین) موسیٰ جی (موسیٰ) آباجی (ابراہیم) ہاروجی (ہارون) داؤد جی (داؤد) اسوب جی (یوسف) الیوجی (الیاس) وغیرہ اگرچہ ان ہندی ناموں کو اب ترک کیا جارہا ہے تاہم دیہات میں عمومًا ابھی تک بدستور یہی نام ہیں۔ کہتے ہیں کہ علاوہ انکے بعض خالص ہندی نام بھی تھے جو مردوں اور عورتوں میں برابر رکھے جاتے تھے۔

چونکہ امتداد زمانہ اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتا اور جیسا دیس ویسا ہی بھیس ہوتا ہے اسلیئے افغانوں اور کشمیریوں کی طرح بمبئی کے بنی اسرائیل نے بھی نہ صرف اپنے پرانے رسوم کو فراموش کیا ہے بلکہ مذہب سے بھی ناواقف ہوگئے ہیں۔ اُنکو افغانوں و کشمیریوں کی طرح عبرانی زبان بھی بھول گئی ہے اگر یاد رہا ہے تو صرف ایک خاص کلمہ ہے۔ جب پہلے پہل اہل یوروپ کو اُنکی خبر ملی تھی تو اُنکی حالت یہانتک پہنچگئی تھی کہ اگر چند ایک صریح اور بدیہی شہادتیں نہ ہوتیں تو یہ معلوم کرنا ہی مشکل ہوتا کہ یہ لوگ بنی اسرائیل کی گم گشتہ اقوام کی ایک چھوٹی سی شاخ ہیں۔ جن شہادتوں نے یوروپین محققین کو اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل میں سے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

اوّل۔ وہ ختنہ کراتے اور اس رسم کو بچپن میں بجالاتے۔

دوم۔ ہفتہ کا دن اُنکے ہاں مقدس دن ہوتا۔

سوم۔ اگرچہ اُنکے پاس کوئی عبرانی صحیفہ یا کسی قسم کی کتاب نہ تھی تاہم اُنکو یہودی کلمہ

ؔ روبن حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا۔ منہ

شمہ یسرائیل یاد تھا جسکے معنے یہ ہیں ' اے اسرائیل سُن ! خداوند ہمارا خدا واحد ہے '
چونکہ ان لوگوں کو اور کسی قسم کے عبادت کے کلمات یاد نہیں رہے تھے اسلیئے روزہ
عید - پیدائش - شادی اور غم غرض ہر موقعہ پر وہ یہی کلمہ بار بار پڑھ لیتے -
چہارم - افغانوں کی طرح لمبی لمبی زلفیں چھوڑتے جس کا اسرائیلیوں میں رواج تھا
احبار ۱۹ - ۲۷ -
پنجم - اُنہیں پُشت در پشت یہ روایت چلی آتی تھی کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہیں -
ششم - وہ اُس نس کو جو ران میں بھیتر وار ہے نہیں کھاتے جسکا ذکر پیدائش
باب ۳۲ - ورس ۳۲ میں ہے ایسا ہی سوٗر کا کھانا اُنہیں بڑا عیب سمجھا جاتا ہے -
اگرچہ یہی شہادتیں ہر ایک شک کے رفع کرنیکے لیئے کافی نہیں تاہم اُنکے علاوہ یہ بھی
معلوم ہوا کہ وہ اُن ایام کے روزہ بھی رکھتے تھے اور بعض وہ تہوار بھی مناتے تھے جو
عبرانی شریعت نے مقرر کیئے تھے - گو اجنبی ملک میں آئے ہوئے انکو ایک بڑا عرصہ ہو گیا
تھا تاہم وہ اپنی بعض قومی رسومات کو ادا کرتے تھے البتہ ان کا طرز ادا نرالا تھا -
رسومات مذہبی سے کماحقہ واقفی نہ ہونیکی وجہ اسکے سوا اور کوئی نہیں معلوم ہوتی
کہ وہ زمانہ نہایت قدیم زمانہ تھا جب اُنکے بزرگوں نے اپنے وطن کو چھوڑا تھا - بہت سے ماہر
محققین کا خیال ہے کہ ان بنی اسرائیل کے رسوم و عادات مشنائی* زمانہ کے مطابق ہیں
جو لوگ مشنائی زمانہ کے رسوم و عادات سے واقف نہ ہوں وہ ان بنی اسرائیل کو کفر کے
افعال کا مرتکب سمجھیں گے - یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بمبئی کے بنی اسرائیل کے رسوم و
رواج میں بعض ایسی رسوم بھی موجود ہیں جو وقتاً فوقتاً بیرونی یہودیوں نے آکر داخل
کرائی ہیں - جو رسومات بعد میں داخل ہوئی ہیں اُنکے تو ہندوستانی نام ہیں لیکن
جو پرانی ہیں اُنکے مرہٹی نام ہیں کیونکہ بنی اسرائیل مرہٹوں کے مُلک میں رہنے کے
سبب مرہٹی زبان ہی بولتے ہیں - جس کتاب کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے اس کا مصنف

---

* مشنا و طالمود یہود کی متبرک کتابیں ہیں - منہ

بنی اسرائیل کی پانچ ایسی رسوم بیان کرتا ہے جنکو ہر جگہ کے یہودی مناتے ہیں۔ اور بمبئی کے بنی اسرائیل میں نہ صرف وہ پُرانی مذہبی رسوم پائی جاتی ہیں جو یہودی ہر جگہ مناتے ہیں بلکہ ان میں ایسی رسوم بھی موجود ہیں جنکا زمانہ حال کے یہود میں قطعاً رواج نہیں ہاں پُرانے عہدنامہ کے قدیم زمانہ میں انکا ضرور پتہ چلتا ہے۔ اور اس طرح یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہندی بنی اسرائیل کسی ایسی قوم کی شاخ ہیں جو نہایت قدیم زمانہ میں گھر سے نکلی تھی۔ ذیل میں ہم چند ایک رسومات درج کرتے ہیں جنکا بمبئی کے بنی اسرائیلوں میں تو رواج ہے لیکن طالمودی یہودیوں کو قطعاً انکا علم تک نہیں اور وہ یہ ہیں (۱) لوبان کا استعمال - نذیر کی منت مندرجہ گنتی ۶-۱۸ اسبحا - مالیدہ - بکری کے جگر وغیرہ کا استعمال برکت کا جام اور سلامتی کا بوسہ - چونکہ عام یہودیوں نے بار بار بنی اسرائیل کو توجہ دلائی تھی کہ لوبان کا استعمال چھوڑ دیں کیونکہ یہ غیر یہودی رسم ہے اسلیئے اب اس رسم کو ترک کر دیا گیا ہے گو انہوں نے تو موجودہ یہودیوں کے کہنے سے اس رسم کو ترک کر دیا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک اور قدیم شاخ کے آدمی کثرت سے مذہبی رسم کے طور پر خوشبو کا استعمال کرتے تھے اس قدیم شاخ سے ہماری مراد چین کے یہودی ہیں جنکی بقیہ تعداد تاحال کائی فنگ فو میں موجود ہے۔ انکے متعلق بھی ایک نہایت عجیب بات بیان کیجاتی ہے وہ یہ کہ ان چینی یہودیوں کے بزرگ ملک چین میں مغرب کی طرف سے داخل ہوئے تھے۔ اب ایک طرف بمبئی کے یہودی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگ شمال کیطرف سے آئے تھے اور دوسری طرف چینی یہودیوں کا قول ہے کہ انکے بزرگ مغرب کی طرف سے چین میں داخل ہوئے تھے۔ ان چینیوں اور بمبئی والوں کے اقوال کے ساتھ ہی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بمبئی سے شمال اور چین سے مغرب کی طرف ملک افغانستان و کشمیر واقع ہیں اور افغانستان کے باشندے بڑے زور سے بنی اسرائیل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اسمیں کلام بھی نہیں کہ انکے اس دعویٰ کے ثبوت میں بہت سی شہادتیں پیش کیجا سکتی ہیں لیکن جو بہت بڑی شہادت انکے اسرائیلی الاصل ہونیکی ملتی ہے وہ نہ تو بمبئی کے بنی اسرائیل اور نہ ہی چین کے یہود میں پائی جاتی ہے بلکہ اگر یہ کہیں تو بے محل ہوگا

کردستان کے یہودی بھی جنکا ذکر مذکورہ بالا کتاب میں کیا گیا ہے ایسی شہادت پیش کرسکیں گے اس شہادت سے ہماری مراد یہ ہے کہ افغانوں کے بہت سے قصبات و شہر انہی ناموں کے ہیں جنکا بیان پرانے عہد نامہ میں ہے اور جو شام کے قدیمی شہر تھے اور تو اور خود دارالسلطنت افغانستان بھی ایک قدیم شامی شہر کے نام پر ہے جو اسلاطین باب ۹- ۱۳ میں مذکور ہے اور وہ عبارت اس طرح پر ہے "اور بولا اے میرے بھائی یہ کیا شہر ہیں جو تو نے مجھے دیئے اور اس نے اُنکا نام کابول کا ملک رکھا جو آج کے دن تک ہے" ہمارے ناظرین قدیم شام کے نقشہ پر نظر ڈالیں تو اُسکے عرض البلد شمالی درجہ ۳۳ دقیقہ ۵۱ اور طول البلد مشرقی درجہ ۳۵ دقیقہ ۱۲ پر کابُل کا نام ملیگا۔ غرض اس امر کے بڑے بڑے ثبوت موجود ہیں کہ افغان اور کشمیری اسرائیلی الاصل ہیں۔ عیسائی مشنری صاحبان کو اگر دو باتیں مانع نہ ہوتیں تو وہ اس امر کا ڈنکے کی چوٹ سے اعلان کرتے کہ افغان اور کشمیری دراصل اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیں ہیں۔ پہلی بات جو عیسائی واعظ کو حق کے اظہار سے روکتی ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے مذہب اسلام قبول کرلیا ہے اور یہ مذہب ایسا ہے کہ پادری صاحبان اس کا نام سننا بھی پسند نہیں کرتے دوسری بات یہ ہے کہ اگر افغانوں اور کشمیریوں کو اسرائیلی الاصل مان لیں تو پھر مشرقی ممالک میں اسقدر اسرائیلیوں کی موجودگی اس امر کے ماننے پر مجبور کریگی کہ مسیح صلیب کی موت سے بچکر کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں نکلے تھے اور کشمیر میں جو نبی صاحب یا عیسٰی صاحب کا قدیم مقبرہ ہے وہ دراصل حضرت مسیح علیہ السلام ہی کی قبر ہے۔ گویا افغانوں اور کشمیریوں کو اسرائیلی ماننا عیسائیت کی موت ہے۔

بمبئی کے بنی اسرائیل کی پُشت در پُشت روایت کہ اُنکے آباؤ اجداد شمالی علاقہ جات سے آئے تھے اور چین کے اسرائیلیوں کا یہ کہنا کہ اُنکے بزرگ مغرب کی طرف سے چین میں داخل ہوئے تھے یہ ہر دو امر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ لوگ اس بڑی اسرائیلی قوم کی شاخیں ہیں جو کہ افغانستان و کشمیر میں آباد ہے معلوم ہوتا ہے کہ گم گشتہ اسرائیلی اقوام کے بڑے حصے نے جب یہ دیکھا کہ افغانستان و کشمیر انکے اصل وطن شام سے زرخیزی آب و ہوا و

پیداوار کے لحاظ سے مشابہت رکھتے ہیں تو وہ وہیں آباد ہو گئے۔

احاطہ بمبئی کے بنی اسرائیل کے خط و خال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسرائیلی الاصل ہیں اور محققین کا خیال ہے کہ کسی وقت ہندوستانی و اسرائیلی خون میں باہم ملاپ ہو گیا ہے لیکن جہاں پر قیافہ دان یہ کہتے ہیں کہ انہیں دوغلا پن ہے وہیں یہ بھی مسلمہ امر مانتے ہیں کہ وے اسرائیلی النسل ہیں اور انہیں یہودی خون کا اثر ہے۔ یہ میل اور دوغلا پن جو کچھ بھی ہوا پہلے پہلے ہو چکا اب عرصہ بعید سے قطعاً کسی قسم کا خلط ملط واقع نہیں ہوا ہے بلکہ اب تو وہ لوگ ایسے تعلقات کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جہاں کہیں ایسا تعلق ہو کر کوئی اولاد ہو جائے تو ایسی اولاد کو وہ خارج از قوم سمجھتے ہیں۔ اُنہیں ایک ایسی جماعت ہے جنکو وہ 'کالا' اسرائیلی کہتے ہیں۔ کالا لفظ سے یہ مراد نہیں کہ اُنکے رنگ سیاہ ہوتے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ اسرائیلی باپ اور سیاہ ہندوستانی ماؤں سے پیدا ہوئے ہیں۔ جس کتاب سے ہمنے مذکورہ بالا واقعات لیئے ہیں اُس کا مصنف ایک جگہ لکھتا ہے۔ کہ "راقم الحروف اُس شہادت سے پورا اتفاق رکھتا ہے جو ایک واقفکار یعنی ڈبلیو۔ ایف سنکلئر آنجہانی سابق سول افسر بمبئی نے دی تھی۔ صاحب موصوف ایک تجربہ کار افسر ضلع تھے۔ ایکدفعہ اُنہوں نے مجھے لکھا کہ 'میری رائے میں بنی اسرائیل اور کالا اسرائیلی ہر دو کے بشرہ سے برابر عبرانی وضع قطع ٹپکتی ہے۔ اور یہ بھی رقم فرمایا تھا کہ 'بائیس سال کے عرصہ میں ایک دفعہ کے سوا مجھے کوئی ایسا موقعہ یاد نہیں جب بنی اسرائیل کے کسی شخص کو پہچاننے میں مجھے دقت ہوئی ہو'"

عیسائیوں کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ یہ بمبئی کے بنی اسرائیل مسیح سے کم از کم دو صد سال پہلے ہندوستان میں آباد ہو چکے تھے چنانچہ مسٹر میکن سیموئیل کیہمکار جس نے 'بنی اسرائیل کی تاریخ کا خلاصہ' نام کتاب لکھی ہے اپنی کتاب میں اس طرح تحریر فرماتی ہیں "عید حنکا جو ۱۶۵ قبل مسیح جاری ہوئی اور دوسری ہیکل کی تباہی سے بے خبر ہونا۔ مثنا کے زمانہ کی رسومات و رواج کا پابند ہونا۔ عبادت کے وقت لوبان جلانا وغیرہ وغیرہ امور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگ سنہ عیسوی سے دو سو سال قبل ہندوستان

میں آئے ہونگے"

بمبئی کے بنی اسرائیل کے علاوہ علاقہ مالابار میں ایک اور یہودیوں کی شاخ رہتی ہے۔ جنکی تعداد ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے بموجب ۱۴۷۱ ہے۔ انکا بیان ہے کہ وہ "پہلی اسیری" کے وقت سے اصل قوم سے علیحدہ ہو چکے ہوئے ہیں اگرچہ انکو عبرانی کا کچھ علم ہے مگر بولتے دکن کی ملیالم زبان ہیں۔ اہل یورپ نے اُنکے دو حصے کیے ہیں یعنی سفید یہودی اور سیاہ یہودی۔ یہ سیاہ یہودی اگرچہ کسی قدر سیاہی مائل رنگ کے ہیں لیکن اُنکا رنگ اسقدر سیاہ نہیں جیسا کہ کئی ہندوستانیوں کا ہوتا ہے۔ ان سیاہ یہودیوں کی پھر دو جماعتیں ہیں۔ ایک کو میک ہے سیم یا بعض اوقات بھورے یہودی کہا جاتا ہے یہ لوگ اصل اسرائیل آبادکاروں کی نسل سے ہیں اور دوسری جماعت کو غیر میک ہے سیم کہا جاتا ہے یہ لوگ دوغلے ہیں۔ کتاب مسمیٰ بہ "یہود ہندوستان و مشرق بعیدہ میں" کے مصنف کی رائے میں سفید یہودی بعد کے آئے ہوئے اسرائیلی ہیں۔ اسی کتاب کے مصنف کا خیال ہے کہ احاطہ بمبئی کے بنی اسرائیل اور مالابار کے یہودی دراصل ایک ہی شاخ ہیں صرف کچھ دیر اکٹھے رہ کر باہم جدا ہو گئے ہیں۔

بمبئی کے بنی اسرائیل اور دوسرے اسرائیلی ہندوستان میں کیونکر آئے اسکے متعلق چار مختلف خیالات ہیں۔

(۱) بعض کا خیال ہے کہ ہندوستانی اسرائیل یمن کے یہود کی ایک شاخ ہیں۔ مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ پہلے تو یمن کے یہودی قریباً تمام کے تمام عرب ہیں جنہوں نے سنہ ۳۰۰ء میں یہودیت کو قبول کیا تھا۔ دوسرے۔ اگر یہی سچ ہوتا تو جیسا کہ مسٹر ہیم سیموئیل کمکار فرماتے ہیں ضرور کوئی نہ کوئی ایسا نشان ملتا جو ہندوستانی و یمنی یہودیوں کے باہم تعلقات و ہمدردی وغیرہ کا اظہار کرتا۔ سوئم۔ ایسی شہادتیں ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستانی اسرائیلی سواحل ہند پر یمن کے یہودیوں کے وجود سے بھی پہلے آباد ہو چکے تھے۔ ہندوستانی بنی اسرائیل کے رسومات و تہوار طالمود کے زمانہ سے پہلے کے ہیں۔ چہارم۔ ہندوستانی بنی اسرائیل کی پشتینی روایت یہ بتلاتی ہے کہ وہ شمالی علاقہ جات سے آئے تھے لیکن یمن مغرب

کی طرف واقع ہے۔

(۲) مسٹر ہیم کے خیال میں وہ براہ راست فلسطین سے آئے تھے اور شمالی علاقہ جات ہی اُنکی مُراد وہ یہودی صوبے ہیں جو مسیح سے پہلے ملک فلسطین کے اندر گلیل کے شمالی حصّوں میں قائم ہوگئے تھے۔ اس خیال کے متعلق ہمارا مصنف یعنی اُس کتاب کا مصنف جسکا ہم نے ابتدا میں ذکر کیا ہے لکھتا ہے کہ "صحیح بات یہ ہی کہ ہم اپنے قابل ادب اور معزز مصنف کی اس بات کا ہرگز ہرگز یقین نہیں کرسکتے کہ (بمبئی کے بنی اسرائیل) کی روایت سے فلسطین کے شمالی صوبجات مراد ہیں"۔

(۳) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ عراق کے یہود کی اولاد ہیں جو خلیج فارس کے راستہ ہندوستان کو آئی تھے کیونکہ سنہ ۶ء میں خلیج فارس اور ہندوستان کے درمیان بڑے بڑے تجارتی تعلقات تھے۔ یہ خیال بھی مفصلہ ذیل وجوہات سے ناقابل تسلیم ہے۔

اوّل۔ ہندوستان کے اسرائیلی سنہ ۶ء سے سالہا سال پہلے ہندوستان کے سواحل پر آباد ہوچکے تھے۔ دوم۔ بنی اسرائیل کی روایات کے بموجب اُنکے ہندوستان کو آنیکا سبب تجارت نہیں تھی بلکہ پولٹیکل شکست اور سختیاں تھیں۔ ہمارے مصنف نے اُس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے "وہ (بنی اسرائیل) کہتے ہیں کہ قریباً سولہ سو یا اٹھارہ سو سال کا عرصہ ہوا جب اُنکے بزرگوں کے جہاز سواحل ہند پر غرق ہوگئے۔ وہ شمالی علاقوں کی طرف سے آئے تھے اور اُنکے آنیکی وجہ پولٹیکل شکست و سختیاں تھیں ......اُنہیں سے صرف ۱۴۔ آدمی سات مرد اور سات عورتیں زندہ بچے اور ایک گاؤں کے پاس (جسکا نام نوا گاؤں ہے) وہ کنارے لگ گئے ..... یہاں پر اُن کو جس قدر ہمراہیوں کی لاشیں کنارے لگی مل سکیں اُنہوں نے وہ دفن کردیں۔ ایک مدفن کے نزدیک جسمیں بنی اسرائیل کے دو سو مقبرے ہیں۔ دو پشتے ہیں جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اُنکے غرق شدہ اسرائیلی بھائیوں کی قبریں ہیں۔

(۴) خود ہمارے مصنف کا خیال ہو کہ ہندوستان کے بنی اسرائیل کے بزرگ ایرانی کردستان کے بنی اسرائیل کی اولاد ہیں لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ اگر یہ مانا جاسکتا ہو کہ کردستان میں

تھوڑے سے بنی اسرائیل رہتے ہیں اور وہ اسرائیل کی گم گشتہ قوموں میں سے ہیں تو پھر اسکو ماننے میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ ایک بڑی بھاری قوم جنکو بنی اسرائیل ہونیکا دعویٰ بھی ہے اور افغانستان میں آباد ہے وہ بھی اسرائیل کی گم گشتہ قوموں میں سے ہو۔ اسرائیلیوں کی چھوٹی سی جماعت کا ایران میں موجود ہونا اس امر کی ہرگز دلیل نہیں ہو سکتا کہ ہندوستانی بنی اسرائیل مذکورہ جماعت کی شاخ ہیں۔ اگر ہم ہندوستان کے بنی اسرائیلیوں کی متواتر روایت کو صحیح مانیں تو سوائے اسکے ہم اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتے کہ وہ افغانستان سے آئے تھے کیونکہ بمبئی اور مالابار کے ٹھیک شمال میں اگر کوئی ملک ہو سکتا ہے تو صرف افغانستان ہے جہاں اسرائیلیوں کا پتہ چلتا ہے۔

اگرچہ ہمارے مصنف صاحب کا خیال ہے کہ بمبئی کے بنی اسرائیل اور ہندوستان کے دوسرے اسرائیلی سب کے سب ایرانی بنی اسرائیل کی شاخ ہیں لیکن وہ اس خیال پر زور نہیں دیتے اور نہ ہی خود کوئی فیصلہ کرتے ہیں بلکہ وہ اس معاملہ کو ناظرین کی رائے پر چھوڑتے ہیں جو مختلف صورتیں اُنہوں نے پیش کی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ جن شمالی علاقوں کا بنی اسرائیل کی روایات میں ذکر ہے وہ افغانستان اور کشمیر ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں " یہ خیال کہ شاید بنی اسرائیل افغانستان و بلوچستان سے جنوب کی طرف آئے ہوں بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مسٹر ای۔ سلیمان نے لڑکانہ علاقہ سندھ سے جوئش کرانیکل نام اخبار کو ایک خط لکھا تھا جو اخبار مذکور نے ۲۹۔ اگست سنہ ۱۹۰۲ء کے پرچہ میں شائع کیا تھا (دیکھو صفحہ ۲۰ اخبار مذکور) اس خط میں صاحب موصوف نے ایک کتاب کے بہت سے حوالے دیئے ہیں جسکے مصنف کوئی صاحب شیخ صادق علی نام ہیں۔ شیخ صادق علی صاحب کی رائے میں انصاری۔ افغان یا پٹھان اور بیرابوئی سب یہودی یا بنی اسرائیل ہیں۔ مسٹر سلیمان کا بیان ہے کہ بمبئی کے بنی اسرائیل کو ان اقوام سے بلحاظ شکل و شباہت اور خط و خال کے بہت کچھ مشابہت ہے چنانچہ اُنکے کانوں پر زلفیں لٹکی رہتی ہیں جسکا ہندوستانی اور بغدادی۔ بنی اسرائیل میں عام رواج ہے۔ ان لوگوں کے چہرہ سے صاف اسرائیلیت ٹپکتی ہے اگر اُنسے کوئی کہے کہ میں بنی اسرائیل میں سے ہوں

تو وہ اسی طرح ملتے ہیں گویا وہ خود اُنکا اپنا آدمی ہے۔"

ہمارے مصنف صاحب یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ مسٹر سلیمان نے جیوئش کرانیکل میں ایک واقعہ درج کرایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایکدفعہ مسٹر موصوف کی کسی مسلمان نے دعوت کی جب وہ دعوت کھانیکے لیئے اپنے میزبان کے گھر گئے تو دسترخوان پر میٹھی روٹی۔ اور بکری کا جگر تھا اور خوشبو تیار کی گئی تھی علاوہ ازیں گھر والوں نے اپنے مہمان کو ایک عبرانی دعاؤں کی کتاب بھی دکھائی اگرچہ مسٹر سلیمان نے بار بار درخواست کی کہ یہ کتاب اُنکو دیدیجائے لیکن انکے میزبان نے اس کتاب کے دینے سے انکار کردیا۔ مسٹر۔ اے۔ کے جانسٹن صاحب اپنی کتاب ڈکشنری آف جاگرفی میں افغانوں کے متعلق ذیل کا واقعہ نقل کرتے ہیں۔

"جب نادرشاہ پشاور پہنچا تو یوسفزئی قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے شاہ موصوف کیخدمت میں ایک عبرانی تورات اور چند ایسی دیگر اشیاء پیش کیں جو وہ اپنی قدیم پرستش میں استعمال کیا کرتے تھے اور جو انہوں نے اُس وقت ہی محفوظ رکھی ہوئی تھیں ان اشیاء کو یہودیوں نے جو فوج کے ہمراہ تھے فوراً پہچان لیا۔"

پادری ٹی۔ ایچ لارڈ صاحب جنکی کتاب کی بنا پر ہم نے یہ مضمون لکھا ہے اس بات کو تسلیم فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی شمالی علاقہ جات سے آنیکی روایت صحیح ہے اور اسکی صحت یوں ہو سکتی ہے کہ بنی اسرائیل یا تو خود افغانستان سے ہی آئے ہونگے یا افغانستان اور بلوچستان کے راستہ سے آئے ہونگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب کو افغانوں اور کشمیریوں کے بنی اسرائیل ہونیکے دلائل سے پوری واقفیت نہیں تھی ورنہ وہ اس سوال کو بلا فیصلہ کیئے نہ چھوڑتے۔ بنی اسرائیل کی روایت سے یہ بات تو بالکل حل ہو جاتی ہے کہ اُنکے ہندوستان میں آنیکی وجہ تجارت نہ تھی بلکہ پولٹیکل تباہی اور سختیاں تھیں۔ اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شمالی علاقوں میں ایک عرصہ تک رہے تھے اور وہاں مستقل طور پر آباد بھی ہو گئے تھے لیکن پولٹیکل تباہی اور سختیوں نے اُنکو مجبور کیا کہ ان ملکوں کو چھوڑیں اور نیا گھر تلاش کریں۔

ریویو

بابا نانک رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح عمری جس میں باوا صاحب موصوف کے مفصل حالات اور انکی تعلیم اور توحید و معرفت الٰہی کے دلچسپ مضامین درج ہیں حال ہی میں اخبار نور کے لائق ایڈیٹر شیخ محمد یوسف صاحب سابق سودن سنگھ نے تالیف کر کے شائع کی ہے۔ اس زمانہ میں جو جو امور خدائے تعالیٰ نے اپنے آخری زمانہ کے موعود حضرت مسیح موعود علی انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ منکشف کئے ہیں ان میں حضرت باوا صاحب کا مسلمان ہونا بھی ہے اسلئے ایسے بزرگ کی لائیف کا پڑھنا خالی از دلچسپی نہوگا خصوصاً جب وہ ایسے شخص کی تصنیف ہو جو سکھ مذہب کے حالات سے گہری واقفیت رکھتا ہو۔ جو صاحبان اخبار نور کے خریدار ہیں۔ وہ شیخ صاحب کے زور قلم اور قوت بیان سے بخوبی آگاہ ہونگے۔ یہ کتاب ۱۶۰ صفحہ پر ختم ہوتی ہے اور ایڈیٹر نور قادیان سے مل سکتی ہے۔ قیمت ۸؍

رسالہ کفارہ ۔ اصل میں یہ ایک تقریر تھی جو حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر اخبار بدر نے لاہور میں عیسائیوں کے مقابل اسلامی لیکچروں کے سلسلہ میں بیان فرمائی تھی یہ تقریر نہایت مقبول ہوئی اور حاضرین کی درخواست کے بموجب اسکو ایک رسالہ کی صورت میں شائع کیا گیا ہے عقلی اور نقلی دلائل سے کفارہ کا بطلان ثابت کیا ہے۔ اور نجات کی فلاسفی بیان کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ حقیقی نجات کی راہ اسلام ہی ہے۔ تقریر شروع سے آخر تک فاضل مصنف کی طبعی ظرافت سے رنگی ہوئی ہے۔ اور اسکو پڑھتے ہوئے عیسائیوں کی بے وقوفی پر بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے اس مضمون کو بہت پسند فرمایا ہے۔ یہ ۴۴ صفحہ کا رسالہ ہے اور دفتر بدر قادیان سے مل سکتا ہے۔

اسرار شریعت جلد اول :۔ آجکل کے بعض معترضین کی عادت ہے کہ وہ ہر ایک امر کیلئے عقلی دلائل مانگتے ہیں۔ اس غرض کو مد نظر رکھکر مولوی محمد فضل خاں صاحب چنگوی نے ایک کتاب اسرار شریعت لکھی ہے۔ جسمیں بہت سے احکام و مسائل کی حکمت و فلاسفی مع حوالہ قرآن مجید و حدیث و اقوال ائمہ دین درج ہے۔ یہ اپنی نوع کی پہلی کتاب ہے جو اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ جو اس کتاب کی وسعت مضامین کا اندازہ کرنا چاہیں وہ فاضل مصنف سے فہرست مضامین مطبوعہ منگا کر دیکھیں۔ کتاب بہت مفید اور دلچسپ ہے۔ ۲۰۰ صفحہ قیمت ۸؍عہ فاضل مصنف سے مندرجہ ذیل پتہ پر مل سکتی ہے۔ مقام و ڈاکخانہ چنگا بنگیال تحصیل گوجرخاں۔ ضلع راولپنڈی۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ | بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۰ء | نمبر ۵

چندہ سالانہ ۔/۱ — عوام سے عا طلباء سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مئی سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعتِ اسلام نمبر ۱۱

ایک عظیم الشان معجزہ

کوہ صفا پر کا نظارہ ایک ایسا عجیب نظارہ تھا جسکی نظیر عالم کی تاریخ میں مفقود ہے مکّہ والے مسلمان ہوئے اور اُنکا قبول اسلام ہر ایک کی نظر میں تعجب اور حیرت خیز ہے لیکن وہ کیوں مسلمان ہوئے؟ اُنکے اسلام لانے کا محرک کیا تھا؟ کونسی طاقت تھی جس نے اُنکے دل تسخیر کیئے تھے؟ کس قوت نے اندر ہی اندر اُنکو عاجز کر دیا تھا؟ ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ اُس عظیم الشان معجزہ کا نتیجہ تھا جس کا ظہور فتح مکّہ کے دن ہوا۔ خود مکّہ کا شہر اسلام کی پیدائش اور بالیدگی کا شاہد تھا۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس سے بیس سال قبل اس شہر میں ایک نبی پیدا ہوا جس نے شہر والوں کے قومی دیوتاؤں کا ابطال کیا اور اہل شہر کو خدائے واحد کی طرف بلایا لیکن اس دعوت کا جواب یہ دیا گیا کہ سارے کا سارا شہر اس نبی کا دشمن ہو گیا اور اس کی کوششوں کو ملیامیٹ کرنیکے لیئے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا پہلے پہل اس کے

وعظ پر نفرت کا اظہار کیا جاتا اور ہنسی اُڑائی جاتی رہی لیکن جب اُسکی مساعی بارور ہونی شروع ہوئیں اور شہر کے چند آدمیوں نے اُسکی دعوت کو قبول بھی کر لیا۔ تو انکی ہنسی اور نفرت سخت دشمنی اور ایذا دہی سے مبدّل ہو گئی۔ اس نبیؐ کے پیروؤں کو طرح طرح کی شکنجوں میں کھینچا اور اُسکے مددگاروں کو برادری سے خارج کر دیا گیا۔ آہ یہ کیسا خطرناک زمانہ تھا نومسلموں کی کیسی قابل رحم حالت تھی اور بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کام کیسا عالم مایوسی میں دکھائی دیتا تھا۔ شہر مکّہ کے تمام رؤسا ہاتھ دھوکر اس نئی تحریک کے پیچھے پڑ رہے تھے اُنہوں نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ جسطرح ہو سکے مسلمانوں کو کچل ڈالا جائے اور ان ارادوں کو عمل میں لانیکے لیئے پرلے درجہ کی بیرحمی اور ناخدا ترسی سے کام لے رہے تھے۔ ہر قبیلہ نے اپنی اپنی حدود میں اسلام کو تباہ کرنیکا عزم بالجزم کر لیا تھا اور اسطرح غریب نومسلموں کے لیئے چاروں طرف خوف و ہراس کے اژدہا مُنہ کھولے پڑے تھے جب بیکس مسلمانوں نے دشمنوں کے مظالم سے تنگ آکر ہجرت کرنیکا ارادہ کیا تو ہر طرف سے انکا راستہ روکنے کی تجاویز کی گئیں۔ آخر کار جب اُنکی تدبیریں کارگر نہ ہوئیں اور اسلام برابر ترقی کرتا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے اقارب و احباب کو ایک غار میں بند کر کے بیرونی دنیا سے بالکل علیحدہ کر دیا گیا۔ لیکن کیا اس ایذا دہی نے آنحضرت صلعم کو ہراساں کر دیا؟ کیا اس بیرحمی اور مظالم نے آپکے جوش کو ٹھنڈا یا آپکی ہمت کو پست کر دیا؟ بلکہ اس موقعہ پر تو عجیب پیشگویاں بیان کیں اور ڈنکے کی چوٹ سے اعلان کیا کہ دیکھو" میں آخر کار کامیاب ہونگا اور میری دشمن ہلاک اور خائب و خاسر ہونگے"

منصف ناظرین! آپ ایک طرف اُس آتشِ عداوت پر نظر ڈالیں جو مکّہ کے شہر میں بڑے زور سے بھڑک رہی تھی اور جسکے بڑھتے ہوئے شعلے ہر آن اس بات کا کھٹکا دلا رہے تھے کہ مسلمانوں کو جلا کر بھسم کر ڈالیں گے۔ اور دوسری طرف اُن پیشگوئیوں کا ملاحظہ کریں جنکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اڑے وقت میں اپنے طاقتور اور جانی دشمنوں یعنی قریش کے متعلق اعلان کیا تھا۔ اور پیشگویاں حسب

ذیل ہیں۔

جب آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہؓ کو کمال بیدردی اور بے رحمی سے ایذا دی جا رہی تھی تو خدائے تعالیٰ کا الہام آپ کو یہ وعدہ دے رہا تھا کہ آپ اس ایذا کو صبر سے برداشت کریں کیونکہ خدائے تعالیٰ کی نصرت قریب ہے۔ چنانچہ فرمایا ۔ وَاتَّبِعْ مَا یُوحٰی اِلَیْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ (یونس ۱۱) یعنی جو کچھ تجھے وحی کیا جاتا ہے تو اُسی پر کاربند ہو اور خدا کے فیصلہ تک صبر سے کام لے کیونکہ خدائے تعالیٰ سب سے بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (روم۔ ۶) یعنی آپ صبر کریں درحقیقت خدائے تعالیٰ (کی نصرت) کا وعدہ سچا ہے۔

جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو استہزار اور حقارت کی نظر سے دیکھا گیا تو خدائے تعالیٰ نے آپ کو تسکین دی اور فرمایا وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (انعام۔ ۱) اور البتہ تحقیق ٹھٹھا کیا گیا پیغمبروں کے ساتھ تجھ سے پہلے پس گھیر لیا اُن لوگوں کو جو ٹھٹھا کرتے تھے اُن میں سے اُس چیز نے کہ جس سے ٹھٹھا کرتے تھے۔

پھر جب دشمنوں نے آپ کو جھوٹا کہکر پکارا تو اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرما کر آپکو تسلی دی وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤی اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ ۝ (انعام۔ ۴) یعنی البتہ تحقیق جھٹلائے گئے پیغمبر تجھ سے پہلے۔ پس انہوں نے صبر کیا اوپر اُسکے کہ جھٹلائے گئے اور تکلیف دیئے گئے یہاں تک کہ آئی اُنکے پاس ہماری مدد اور اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ اور رسولوں کی بعض خبریں تیرے پاس آچکی ہیں

غرض جب دشمن چاروں طرف سے نرغہ کرکے طرح طرح کی تکالیف پہنچا رہے تھے اسوقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مولا کی طرف سے بار بار تسلی و تشفی اور آسمانی نصرت کے وعدے دیئے جاتے تھے جنکی چند مثالیں ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔

ا۔ حَتّٰی اِذَا اسْتَایْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ کُذِبُوْا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا
یہانتک کہ جب رسول ناامید ہوئے اور انہوں نے گمان کیا تحقیق لوگوں نے انسے
جھوٹ بولا آئی انکے پاس ہماری مدد (یوسف۔ ۱۲)

ب۔ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○
(ابراہیم۔ ۷) یعنی اللہ تعالیٰ کی نسبت ہرگز مت گمان کر وہ وعدوں کو پورا نہیں کریگا
جو وہ اپنے رسولوں سے کرتا ہے تحقیق اللہ تعالیٰ غالب ہے اور رسولوں کے دشمنوں سے
انتقام لینے والا ہے۔

ج۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ
الْاَشْهَادُ ○ (مومن۔ ۶) تحقیق ہم اپنے پیغمبروں کو اور مومنوں کو دنیا کی
زندگی میں بھی مدد دیتے ہیں اور اس دن بھی جبکہ گواہی دینے والے کھڑے ہونگے۔

د۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ
وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ ○ اور تحقیق ہمارے بندوں رسولوں کے
بارہ میں ہمارا وعدہ پہلے ہو چکا ہے کہ ضرور انہی کو مدد دی جاویگی اور ضرور ہمارا
لشکر ہی غالب رہے گا (والصفت ۵)

ھ۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَاءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ
فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ○
یعنی البتہ تحقیق ہم نے تجھ سے پہلے رسول انکی قوم کی طرف بھیجے پس آئے انکے
پاس کھلے کھلے نشانوں کے ساتھ پس ہم نے ان لوگوں سے جنہوں نے قطع تعلق
کیا انتقام لیا اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے (روم۔ ۵)

و۔ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ۔ (ترجمہ) کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے۔

اس طرح اگرچہ دشمن شب و روز اسی دھن میں لگ رہے تھے کہ جس طرح بن پڑے
اسلام کو نیست و نابود کریں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قادر خدا ہر آن آپکو یقین
دلاتا تھا کہ دشمنوں کے مقابلہ میں آپکو ایسی ہی آسمانی امداد اور الٰہی نصرت پہنچے گی

جس طرح پہلے نبیوں کو پہنچی تھی اور یہ کہ انجام کار آپ ہی ضرور کامیاب ہوں گے اور دشمنوں کی کوششیں سب کی سب فضول اور بیکار رہیں گی۔ اس آڑے اور بظاہر مایوسی کے وقت میں اُس علیم و قادر خدا کے سوا ور کون تھا جو ایسی تسلی و تشفی دے سکتا۔ جب آنحضرت صلعم اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم پر مکہ میں جینا تک دوبھر ہو رہا تھا ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے پچھے وقت آنیکی خوشخبری دیدی تھی چنانچہ فرمایا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (انشراح) ترجمہ تحقیق سختی کے ساتھ آسانی ہے۔ ایک اور جگہ بھی ایسا ہی ارشاد ہے وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی (ترجمہ) اور البتہ پچھلی حالت تیرے لیئے بہتر ہے پہلی حالت سے (والضحیٰ)

پیارے ناظرین! خدا کے کلام میں جہاں پر آنحضرت صلعم کو تائید الٰہی کی بشارت دیگئی تھی وہیں آپکے خونخوار دشمنوں کو۔ جو اسلام کی تباہی و بربادی میں کوشاں اور مسلمانوں کی بیخکنی کے درپے تھے۔ صاف بتلا دیا گیا تھا کہ انکو اپنی بداعمالیوں کی سزا آیندہ جہان میں تو اپنے وقت پر ملے گی لیکن اسی دنیا میں اُنکے لیئے عذاب الیم کا ذخیرہ موجود ہے۔ اور وہ جلدی اپنے کیفر کردار کو پہنچکر رہیں گے۔ ان دشمنانِ اسلام کو کھول کھولکر سنا دیا گیا تھا کہ جو راہ تم نے اختیار کی ہے وہ بہت خطرناک اور سخت تباہ کن ہے۔ دیکھو یاد رکھو تمھاری طاقت ٹوٹ کر رہے گی اور انجام کار اسلام کے سر پر ہی کامیابی کا تاج پہنایا جائیگا چنانچہ ذیل میں چند آیات کریمہ درج کیجاتی ہیں جنمیں اس امر کی صاف تصریح کر دیگئی تھی کہ دشمن لاکھ کوششیں کریں ناخنوں تک زور لگائیں مگر آخری فتح ہو گی تو مسلمانوں کی۔ وہ آیات یہ ہیں۔

اوّل۔ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ (ترجمہ) کہدے (اے محمد) کہ حق آگیا ہے اور باطل گم ہو گیا تحقیق باطل گم ہو جانیوالا ہے (بنی اسرائیل ۹)۔ یہی آیت مجید تھی جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسوقت تلاوت فرمایا تھا جب آپکے ارشاد سے عربوں کے بڑے بڑے بُت کعبہ شریف میں سے گرا کر زمین سے پیوست کیئے جا رہے تھے۔ اس موقعہ پر مذکورہ بالا آیت

کے پڑھنے سے آنحضرت صلعم کا یہ منشا رتھا کہ حاضرین کو وہ پیشگویاں یاد دلائیں جو اسلام کی آخری کامیابی کے متعلق بہت عرصہ پہلے کیگئی تھیں اور جنکا اسی وقت اعلان کیا گیا تھا جب مغرور قریش اسلام کو پاؤں تلے دبارہے تھے۔

دوم۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ (انبیار-۲) ترجمہ بلکہ مارتے ہیں ہم حق کو باطل پر اور وہ اسکا سر توڑتا ہے پس ناگہاں وہ فنا ہو جاتا ہے۔

سوم۔ وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝ (یونس ۵) ترجمہ۔ اور خبر پوچھتے ہیں تجھ سے کیا سچ ہے وہ کہہ ہاں قسم ہے میرے پروردگار کی تحقیق البتہ وہ حق ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

چہارم۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (نحل ۱۶) اور مت غمگین ہو اُنپر اور مت تنگدل ہو اُنکی تدبیروں سے تحقیق اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ اور محسنوں کے ساتھ۔

آیات مذکورہ بالا یا انکے ہم معنے دوسری پیشگویاں جو اسلام کی آخری کامیابی اور فتح کی خبر دیتی تھیں خصوصاً اس لیئے قابل توجہ ہیں کہ اُنکا اعلان ایسے وقت ہوا تھا جب معاملات کی صورت ہی دگرگوں تھی اور کوئی ظاہری آنکھ قطعاً انکے پورا ہونیکی امید نہ کرسکتی تھی اس وقت دشمن اپنے پورے عروج پر اور مسلمان نہایت ہی قابل رحم حالت میں تھے۔ جسطرح کفار نے دن بدن زیادہ سختی اور ایذا دہی شروع کی اسی طرح خدائی عذاب کے وعید بھی صاف صاف اور سخت الفاظ میں نازل ہونے شروع ہوگئے۔ چنانچہ ذیل کی پیشگویاں ملاحظ ہوں جو تکلیف زدہ مظلوم نبی نے اپنے تندخو اور غصہ ور ایذا دہندہ دشمنوں کو انکی پوری طاقت کے وقت سنائی تھیں اور وہ ہیں۔ (۱) سَيُصِيبُ الَّذِينَ

اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ

البتہ ان مجرموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذلت پہنچیگی اور سخت عذاب بسبب اُسکے کہ تھے مکر کرتے (انعام - ۱۵)

(ب) قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ...... لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ (انعام ۸)

ترجمہ - یعنی کہ وہ قادر ہے کہ بھیجے تم پر عذاب تمھارے اوپر سے یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے یا ملا دیوے تمکو گروہیں مختلف کرکر اور بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھاوے ...... ہر ایک خبر کیلیئے ایک وقت مقرر ہے اور تمھیں جلدی ہی خبر ہو جائیگی۔

(ج) اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ ترجمہ - تحقیق جس (عذاب) کا تمھیں وعدہ دیا گیا ہے وہ ضرور آرہا ہے اور تم عاجز نہیں سکو گے۔ (انعام ۱۶)

(د) وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ ترجمہ - اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو البتہ درجہ بدرجہ کھینچیں گے ہم انکو اس طرح سے کہ انکو خبر نہ ہوگی - البتہ میرا جنگ بڑا مضبوط ہے - (اعراف - ۲۳)

(ھ) اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ ترجمہ - ان استہزا کرنیوالوں کیلیئے تیری طرف سے ہم خود ہی کافی ہیں - (نحل - ۶)

(و) قُلْ اِنَّمَا اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝ (سبا - ۶) کہہ سوائے اسکے نہیں کہ نصیحت کرتا ہوں میں تمکو ایک بات کی یہ کہ کھڑے ہو اللہ کے لیئے دو دو ایک ایک ہوکر پھر فکر کرو - تمھارے یار کو کچھ جنون نہیں ہے وہ نہیں ہے مگر

ڈرانیوالا تمکو ایک سخت عذاب سے پیشتر۔

ان پیشگوئیوں کی عظمت کا اندازہ صرف اسی وقت لگایا جاسکتا ہے جب ہم اس امر پر غور کریں کہ پیشگوئیوں کے وقت دشمن اپنی پوری طاقت میں تھے اور غریب مسلمانوں کو سر چھپانیکے لیئے بھی جگہ نہیں ملتی تھی۔ جب ان آیات کریمہ کا نزول ہوا تھا تو مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ انکو پکڑ پکڑ کر سورج کی جلانیوالی دھوپ میں صحرا کی گرم ریت پر لٹایا جاتا تھا اور بھاری بھاری پتھر انکے سینہ پر رکھے جاتے تھے۔ اس مصیبت میں پیاس کے مارے انکی زبانیں منہ سے باہر نکل پڑتی تھیں۔ اللہ اللہ ایسی بیکسی کا عالم اور تسپر یہ پُرزور پیشگوئیاں بھلا کس بشر کا حوصلہ تھا کہ ایسے بگڑے وقت میں اپنے اچھے انجام کا اندازہ کرتا ہاں یہ اس قادرِ مطلق خدا کا کام تھا جو عالم الغیب اور ازل و ابد کا علیم ہے اور جس نے اپنا پیارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) شہر مکہ میں مبعوث فرمایا تھا بس صرف اُس کے قبضۂ قدرت میں تھا کہ ظالموں کو مغلوب اور مظلوموں کو غالب کرتا اور آیندہ آنیوالے واقعات کا ایک عرصہ پہلے اعلان کرا دیتا۔

ناظرین! اگر آپ ان پیشگوئیوں کی پوری پوری طاقت کا صحیح صحیح اندازہ لگانا چاہیں تو تھوڑی دیر کیلیئے میدان خیال میں قوتِ متخیلہ کے تیز رو اسپ کو ایڑی لگا کر اُس زمانہ میں پہنچ لیں جب رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم مکہ کے شہر میں ایذا اور تکالیف سے بھری ہوئی زندگی بسر کررہے تھے اور جب متکبر ابوجہل اور اسکے طاقتور مددگار مکہ کے گلی کوچوں میں مسلمانوں کی تضحیک و تحقیر کررہے تھے۔ یہاں پہنچکر آپ دیکھیں گے کہ ایک طرف تو مکہ والے اسلام کے تباہ کرنیکے لیئے سر توڑ کوششیں کررہے ہیں اور تمام ظاہری سامان بھی انکا ہی ساتھ دیتے دکھائی پڑتے ہیں۔ اب دوسری طرف نظر ڈالیں گے تو آپکے سامنے یہ نظارہ ہوگا کہ ایک مظلوم ستم رسیدہ مگر عالی حوصلہ صابر انسان کھڑا ہے اور بڑی جرأت سے ان طاقتور دشمنوں کو للکار للکار کر

کہہ رہا ہے تم کیا اور تمھاری بساط کیا دیکھو میرا خدا مجھے کامیاب کریگا اور تم خائب و خاسر ہو گے۔

ناظرین! جب آپ عالم خیال کے اس عجیب منظر کو دیکھ چکیں پھر انصاف کو مدنظر رکھکر ہمارے اس سوال کا جواب دیں کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خود اپنی یہ طاقت ہوسکتی تھی کہ قریش جیسے جابر دشمنوں کو مفصلہ ذیل کلمات کہتے؟۔ آپکو یقیناً ماننا پڑیگا کہ یہ خدا کا کلام تھا اور اُسکی اعانت اور مدد کے بغیر کس کی مجال تھی کہ ایسے وقت پہ یہ پُرزور الفاظ کہتا۔ جو ان آیات کریمہ میں موجود ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

ا۔ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (انعام ۱۶) یعنی کہدے (اے نبی) اے میری قوم تم پورے زور سے کوشش کرو۔ تحقیق مَیں بھی اپنا کام کیے جاتا ہوں میں عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ فریقین میں سے کون شخص آخر کار کامیاب ہوگا تحقیق ظالم کبھی بامراد نہیں ہوتے۔

ب۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ (یونس - ۸) یعنی اُنکو (اپنے دشمنوں کو) نوح (علیہ السلام) کی خبر پڑھکر سُنا کہ جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو! اگر میرا رہنا اور سمجھانا تمپر گراں گذرتا ہے تو میرا بھروسہ اللہ ہی پر ہے پس تم اور تمھارے ٹھہرائے ہوئے شریک (سب ملکر) اپنی بات ٹھہرالو پھر تمھاری وہ بات تم میں سے کسی پر مخفی نہ رہے (تاکہ سب اُس تدبیر میں شریک ہوسکیں) پھر جو کچھ تم نے کرنا ہے میرے ساتھ کرگذرو اور مجھے مہلت نہ دو۔

ج۔ حضرت ہود علیہ السلام کی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو سُنایا۔

....فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ

رَبِّي وَرَبِّكُمْ (ھود - ۵) ترجمہ - پس سب ملکر تم میرے ساتھ جنگ کرلو اور مجھے مہلت نہ دو - میرا بھروسا اللہ تعالیٰ پر ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے -

د - پھر حضرت شعیب علیہ السلام کے الفاظ میں آپنے اپنی قوم کو سنایا -

.... وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ (ھود - ۸) ترجمہ ....

اے میری قوم تم اپنے پورے زور سے کوشش کرو - میں بھی اپنا کام کرتا ہوں - عنقریب تمھیں معلوم ہو جائیگا کہ کس (فریق) پر ذلیل کرنیوالا عذاب آئیگا اور کون جھوٹا ہے - تم انتظار کرو - میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں -

ھ - قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ - وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ (انبیاء - ۷) ترجمہ - کہدے تحقیق وحی اتاری گئی ہے میری طرف کہ تمھارا معبود صرف ایک ہی ہے - پس کیا تم فرمانبردار بنتے ہو یا نہیں اور میں نہیں جانتا آیا جو تم وعدہ دیئے گئے ہو وہ قریب ہے یا دور ہے -

مذکورہ بالا آیات سب کی سب مکّی ہیں یعنی ان کا نزول مکّہ ہی میں ہوا تھا دیکھیئے ان آیات میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یقین اور دلیری کے ساتھ اپنے خونخوار دشمنوں کو چیلنج دیتے ہیں اور انکو کھول کھول کر کہتے ہیں کہ تم سے ہماری مخالفت میں جو کچھ ہو سکے اسمیں ڈھیل نہ کرو لیکن مجھے یقین ہے کہ میرا خدا جس نے آئندہ واقعات کی مجھے خبر دی ہے وہ اسلام کو کامیاب کریگا اور مخالفین ہلاک ہوں گے -

ناظرین ! یہ چونکا دینے والے الفاظ کسی طرح سے ایک بیکس انسان کی بناوٹ نہیں ہو سکتے بلکہ یقیناً یہ اُس قادر مطلق خدا کی طرف سے الہام کیئے گئے تھے جو اسلام کے دشمنوں کو تباہ اور اپنے پیارے نبی کو کفار پر فتحیاب کرنے پر قدرت رکھتا تھا -

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشکلات مکہ میں پیش آئیں اور جن حالات کے ماتحت آپکو اپنا کام کرنا پڑا وہ ایسے نہیں تھے کہ انسے کوئی انسان تائید الٰہی کے بغیر عہدہ برآ ہوسکتا یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر کامیاب ہوئے اور کامیابی بعینہٖ اُسی طرح ہوئی جس طرح مدت پہلے بتلایا گیا تھا پس اگر کوئی غور کرے تو مذکورہ بالا آیات کریمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی طرف سے مبعوث ہونیکا ایک زبردست ثبوت ہے۔ اسلام کے دشمنوں کی نظر چونکہ مسلمانوں کی ظاہری بیکسی اور اپنی عظمت وجبروت پر تھی اسلیئے اُنکے واہمہ میں بھی نہ آتا تھا کہ یہ پیشگویاں پوری ہوکر رہیں گی۔ وہ پیشگوئیوں کو سن سُنکر ہنسی اُڑاتے اور کہتے تھے اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا ۝ (مریم - ۵) یعنی (بتاؤ تو بھلا) فریقین میں سے کون بہتر حالت میں ہے؟ اور کس کی جماعت بہتر ہے؟۔

اللہ تعالیٰ نے ان سوالوں کا جو جواب دیا وہ یہ ہے۔ وَکَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنْ قَرْنٍ ھُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْیًا (مریم - ۵) ترجمہ۔ اور ہم ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کرچکے ہیں جنکے ساز و سامان اور جنکی رو داد ظاہری ان سے کہیں عمدہ تھی۔ اور فرمایا فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ ھُوَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا (مریم - ۵) ترجمہ۔ پس عنقریب انکو معلوم ہوجائیگا کون بدتر ہے مرتبہ میں اور کس کا جتھا زیادہ کمزور ہے۔

جب قریش نے کہا نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ ہم بدلہ لینے والی جماعت ہیں (قمر - ۳) یعنی یہ کہ ہمارا ایک زبردست جتھا ہے اور آخر کار یہی غالب رہیگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مفصلہ ذیل جواب بتلایا گیا سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ عنقریب یہ جماعت شکست دیجائیگی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (قمر - ۳) یعنی یہ جتھا تباہ ہوگا اور اُنکو (قریش کو) اپنا سامنہ لیکر بھاگنا پڑیگا۔ کیا یہ الفاظ ایک فانی انسان کی اپنی بناوٹ ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ خدا کا کلام تھا اور اس نے بار بار اطلاع دی تھی کہ ان لوگوں کا جتھا انکے کسی کام نہیں آئیگا۔ چنانچہ فرمایا اَمْ

هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ٥ بھلا! خدائے رحمٰن کے سوا ایسا کون ہے جو تمہارا لاؤ لشکر بنکر تمہاری مدد کرے۔ بے شک منکر لوگ محض دھوکے میں ہیں۔ (ملک - ۲)

پھر فرمایا حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا۔ قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا۔ ترجمہ۔ یہانتک کہ جب دیکھیں گے اُس عذاب کو جس کا انسے وعدہ کیا جاتا ہے تو اُسوقت اُن کو معلوم ہو جاوے گا کہ کس کے مددگار بودے ہیں اور کس کا جتھا کم ہے۔ (اے نبی اللہ) ان لوگوں سے کہو کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ مَیں نہیں جانتا کہ وہ نزدیک ہے یا میرا پروردگار ایک خاص وقت تک اُسکو ملتوی رکھیگا۔ (جن - ۲)

خدائے تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو متواتر اس امر پر متنبہ کیا کہ وہ اُن لوگوں کے حالات و انجام پر غور کریں جنہوں نے پہلے انبیاءؑ کی مخالفت کی تھی اور اُنکو ایذا پہنچائی تھی۔ قرآن کریم میں پہلے انبیاءؑ اور اُن کے دشمنوں کے حالات بیان کرنے سے منشا رہی یہ تھا کہ مکہ والے پہلی مثالوں سے فائدہ اُٹھائیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے باز آئیں۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوا۔ لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ٥ (یوسف ۱۲) ترجمہ اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں (انبیاء علیہم السلام) کے حالات میں عقلمندوں کے لیئے ایک سبق ہے۔

پھر دوسری جگہ فرمایا وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِی الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ۔

ترجمہ۔ اور ان (کفار مکہ) سے پہلے ہم نے کتنی اُمتیں ہلاک کیں کہ وہ ان سے طاقت میں کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں۔ تو انھوں نے تمام شہروں کو چھان مارا کہ

کہیں بھاگنے کا ٹھکانہ بھی ہے۔ جو صاحب دل ہے یا کان لگا کر حضور قلب سے سنتا ہے اُس کے لیئے اِس میں نصیحت ہے (ق - ۳)

پھر فرمایا۔ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (یونس ۴) اسی طرح اُن لوگوں نے جھٹلایا جو انسے پہلے تھے۔ پھر دیکھ ظالموں کا کیا انجام ہوا۔

غرض قرآن کریم نے جا بجا کفار کو تنبیہ کی اور انجام بد سے ڈرایا اور بار بار فرمایا قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ یعنی کہہ (ان لوگوں کو) دنیا کی سیر کرو اور اُن لوگوں کا انجام دیکھو جنھوں نے پہلے انبیاء کی تکذیب کی تھی۔ (انعام ۲)

ہر ایک نبی کا واقعہ جو قرآن کریم میں مذکور ہے وہ اس امر کی پیشگوئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخر کار کامیاب ہوں گے اور اُنکے دشمن تباہ و ذلیل ہو جائیں گے۔ چنانچہ سورہ الشعراء میں حضرت موسیٰؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت نوحؑ حضرت ہودؑ۔ حضرت صالحؑ۔ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ سات انبیاءؑ کا ذکر کر کے بتلایا ہے کہ کس طرح خدائے تعالیٰ نے نبیوں کی نصرت کی اور انکے مخالفین کو مغلوب کر دیا۔ اس سورہ میں ہر ایک نبی کا ذکر ان الفاظ پر ختم ہوا ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی اس نبی کے واقعات میں ایک نشان ہے اور اکثر انمیں ایمان لانیوالے نہیں ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بھی محض اسلیئے بیان کیا گیا ہے کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے بھائیوں یعنی قریش کے متعلق بہت سی پیشگوئیاں ہیں۔ چنانچہ سورہ یوسف کے شروع ہی میں یہ الفاظ ہیں۔ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ۔ ترجمہ تحقیق یوسف اور اُسکے بھائیوں میں سوال کرنیوالوں کے لیئے بہت سے نشانات ہیں۔

پھر اس قصہ کے اختتام پر فرمایا ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ

اِلَیْکَ ۔ ترجمہ ۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جنکو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔
اور اسمیں کلام بھی نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے واقعات زندگی سے بڑی مشابہت رکھتا ہے ۔ جسطرح حضرت یوسف علیہ السلام
کے بھائیوں نے اپنے مقدس بھائی یوسفؑ کے خلاف سازش کی تھی اسی طرح قریش
نے اپنے بڑے خیرخواہ اور رحیم وکریم بھائی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش
کی۔ جس طرح یوسف علیہ السلام کو ویران بیابان میں کنوئیں کے اندر رہنا پڑا تھا اسی
طرح نبی کریم صلعم کو غار ثور کے اندر تین دن گذارنے پڑے ۔ جس طرح یوسف علیہ السلام کو
وطن سے بے وطن ہوکر ایک اجنبی ملک میں عزت ملی تھی اسی طرح آنحضرت صلعم کو
اپنے وطن مالوف سے ہجرت کر جانے اور ایک اجنبی شہر میں پناہ لینے کے بعد عزت
وجلال اور پوری فتح اور کامیابی حاصل ہوئی ۔ پھر جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام
کے بھائیوں کو زمانہ کے تغیر نے ذلیل وپست کر کے اپنے بھائی کے سامنے
جھکایا تھا۔ جس طرح انکو مجبوراً اپنے گناہوں کا اقرار کر کے معافی کا خواستگار ہونا
پڑا تھا۔ اور جس طرح انکے منہ سے یہ کلمات نکلے تھے تَاللّٰہِ لَقَدْ اٰثَرَکَ اللّٰہُ
عَلَیْنَا وَاِنْ کُنَّا لَخٰطِئِیْنَ ۝ (سورہ یوسف ۱۰) یعنی بخدا اس میں کچھ شک
نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمکو ہم پر بڑی برتری دی اور بے شک ہم ہی قصوروار تھے۔
بعینہٖ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی یعنی مغرور قریش کو اپنے کیئے پر
نادم ہونا پڑا اور مغلوب وخائب وخاسر ہوکر آخر مجبوراً معافی مانگنی پڑی اور بڑے
عجز وانکسار سے اپنے تئیں آنحضرت صلعم کے رحم پر چھوڑ کر انکو یہ الفاظ کہنے پڑے
خیرا۔ اخ کریم وابن اخ کریم وقد قدرت یعنی اے کریم بھائی اور
اے کریم بھائی کے بیٹے ہم پر مہربانی اور رحم کیجیئے ۔ اور در حقیقت آپ کو اب ہم پر
قدرت حاصل ہے۔ اب ملاحظہ ہو کہ جس طرح حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو
صرف معاف ہی نہیں کیا تھا بلکہ انکے ساتھ مہربانی کا برتاؤ بھی فرمایا تھا اسی طرح
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے سارے شہر کی جان بخشی فرمادی اور ایسا

کرتے وقت وہی الفاظ استعمال فرمائے جو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مُنہ سے ملک مصر میں نکلے تھے پس اس طرح جو پیشگوئی سورہ یوسف میں کئی سال پہلے نازل ہوئی تھی وہ فتح مکّہ کے دن لفظ بہ لفظ پوری ہوئی۔

حاصل کلام قرآن کریم میں جسقدر انبیاء کے قصص بیان کیئے گئے تھے وہ سب پیشگوئیاں تھیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح اور دشمنوں کی شکست اور سزا پر دال تھیں۔

اسلام کے ضدی دشمن برابر مسلمانوں کو ایذا پہنچاتے رہے اور ساتھ ہی انکو عذاب الٰہی سے بھی برابر ڈرایا جاتا رہا لیکن وہ بدبختی سے اپنے کیئے پر نادم ہونیکی بجائے بالکل لاپروائی سے کام لیکر پوچھا کرتے مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کب یہ وعدہ پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ (سبا-۳) یعنی اگر تم راہ راست پر ہو تو ہمیں بتلاؤ کہ یہ پیشگوئیاں پوری کب ہونگی؟ قرآن کریم میں کفار کے اس سوال کا اکثر جگہ ذکر آیا ہے چنانچہ سورہ ہود میں ہے وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ (ہود-۱) اگر ہم نے اُن کے عذاب میں ایک عرصہ کے لیئے تاخیر کردی تو وہ کہتے ہیں۔ کونسی چیز عذاب کو روکے ہوئے ہے۔

اب ان سوالوں سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ قریش کے خیال میں یہ سب پیشگوپاں ناممکن الوقوع تھیں کیونکہ بظاہر وہ طاقتور اور مسلمان سخت کمزور تھے اپنی طاقت اور مسلمانوں کی کمزوری کا موازنہ و مقابلہ کرکے انکو صاف دکھائی دیتا تھا کہ ایسی پیشگوئیاں قطعاً پوری نہیں ہوسکتیں جنمیں مسلمانوں کی آخری فتح اور کامیابی کا ذکر تھا۔ ان سب سے بڑھکر جو بات قریش کو تحیر و تعجب میں غرق کرنیوالی تھی وہ ان پیشگوئیوں کا اعلان تھا جو بتلا رہی تھیں کہ ایک دن بُت پرستی کا بہ تمام و کمال خاتمہ ہوجائیگا۔ واقعی یہ ایک حیرت انگیز امر تھا کہ مکّہ کے زبردست اور طاقتور بُت پرست جنہوں نے اسلام کو نیست و نابود کرنیکا بیڑا اُٹھا رکھا تھا آخر

خود بالکل نسیاً منسیاً ہو جائیں گے اور مکّہ کی بُت پرست بستی آخر ایک اسلامی شہر بنجائیگا
اللہ۔ اللہ۔ ایک طرف تو غریب نومسلموں پر اُنکے طاقتور دشمن طرح طرح کے ظلم و
ستم کر رہے ہیں اور دوسری طرف خدائے تعالیٰ کا کلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل
ہو کر خبر دیتا ہے اور واضح خبر دیتا ہے کہ دیکھو تمھارے خطرناک دشمنوں کی بستی
ایک دن اسلامی بستی ہو جائیگی۔

مصنف ناظرین! ہم آپ سے ہی پوچھتے ہیں کہ آیا یہ تعجب انگیز اور حیرت افزا
اعلان کسی انسان کی طرف سے ہو سکتا تھا؟ کیا آدم کے کسی بیٹے کی مجال ہے
کہ وہ دشمن کی پوری اور زبردست جمعیت کے مقابلہ میں اپنی کمزور اور مختصر سی
جماعت کی نسبت یہ کہہ سکے کہ آخر تھوڑے بہتوں پر غالب آئینگے؟ لیکن نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور ہوا بھی وہی جو آپ کے مُنہ سے نکلا تھا۔ ہاں یہ
ضرور تھا کہ وہ خود کچھ نہیں کہتا تھا بلکہ جو کچھ خدائے تعالیٰ کی طرف سے اسپر نازل
ہوتا تھا اسی کا اعلان کر دیتا تھا غرض جو بات بظاہر ناممکن اور محال تھی وہ آخر
اُسی طرح ہوئی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلی تھی۔ اگر کوئی ہمارے
اس دعویٰ کا ثبوت چاہے تو ذیل کی آیات کو ملاحظہ کرے جو سب کی سب مکّی
ہیں یعنی مکّہ میں ہی نازل ہوئی تھیں۔ ان آیات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوگا کہ یہ
پیشگوئی صرف مکّہ تک محدود نہ تھی بلکہ اس میں تمام عرب کی طرف اشارہ تھا۔ شائد اس
صورت میں تعجب کرنیوالوں کا تعجب اور زیادہ ہو جائے گا۔ بہر حال ہم ذیل میں
اس پیشگوئی کے متعلق چند آیات نقل کرتے ہیں۔

ا۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا
عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۔ اور تحقیق ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ
دیا ہے کہ زمین کے وارث صالح لوگ ہوں گے (انبیاء۔ ۷)

ب۔ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ
وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۔ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَیْدِیَھُمْ فِیْٓ اَفْوَاھِھِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا کَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۝ قَالَتْ رُسُلُھُمْ اَفِی اللّٰهِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یَدْعُوْکُمْ لِیَغْفِرَ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرَکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝..... وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِھِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا۔ فَاَوْحٰٓی اِلَیْھِمْ رَبُّھُمْ لَنُھْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ ذٰلِکَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ ۝ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ۝ (ابراہیم - ۲)

ترجمہ۔ کیا نہیں پہنچی تم کو خبر اُن لوگوں کی جو تم سے پہلے تھے نوحؑ کی قوم کی۔ عاد کی اور جو اُن سے بعد ہوئے۔ نہیں جانتا اُنکو کوئی سوائے اللہ کے۔ آئے تھے اُن کے پاس اُن کے رسول کُھلی کُھلی نشانیاں لیکر۔ پس ڈالے انہوں نے (یعنی مکذبین نے) اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں اور کہا انہوں نے تحقیق کفر کیا ہم نے ساتھ اُس چیز کے جسکے ساتھ تم بھیجے گئے ہو۔ اور ہم البتہ شک میں ہیں اُس چیز سے جسکی طرف تم ہمیں پکارتے ہو۔ بڑے شک میں...... اور کافروں نے اپنے رسولوں کو کہا ہم تمکو اپنی زمین سے نکال دینگے یا البتہ تم پھر آؤ گے ہمارے مذہب میں۔ پس وحی بھیجی اُنکی طرف اُنکے رب نے کہ البتہ ہلاک کرینگے ہم ظالموں کو اور ضرور بسا دینگے ہم تمکو زمین میں اُنکے بعد۔ یہ واسطے اُس شخص کے ہے کہ ڈرتا ہے میرے روبرو کھڑے ہونیسے اور ڈرتا ہے میرے عذاب سے۔ اور فتح مانگی اُنہوں نے اور نامراد ہوا ہر ایک سرکش دشمنی کرنے والا۔

ج۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو مخاطب کرکے وہی الفاظ پڑھکر سناتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کہے تھے یعنی اِسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ ...... عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۔ (الاعراف ۱۵)

ترجمہ۔ مدد مانگو اللہ سے اور صبر کرو۔ تحقیق ملک اللہ ہی کا ہے وارث کرتا ہی اُسکا جسکو چاہے اپنے بندوں سے اور انجام متقیوں کے لیئے ہی ہے .... قریب ہے یہ کہ ہلاک کرے رب تمہارا تمہارے دُشمن کو اور جانشین بنائے تمکو اُن کے بعد زمین میں۔ پس دیکھے کیسے تم عمل کرتے ہو۔

سورہ رعد میں ایک مثال بیان کیگئی ہے جس میں اسلام کے دشمنوں کو جو بظاہر زبردست معلوم ہوتے تھے ندی کے پانی پر کی جھاگ سے تشبیہ دی ہے۔ اور مسلمانوں کو جو اُسوقت اپنے زبردست دشمنوں کے پاؤں تلے دب رہے تھے پانی کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اور بتلایا ہے کہ گو پانی اب جھاگ سے ڈھکا ہوا ہے لیکن یہ جھاگ بیٹھ جائے گی اسکا نام ونشان مٹ جائیگا اور آخر کار چمکتا ہوا شفاف پانی ہی چاروں طرف دکھائی دیگا یعنی اسلام کے دشمن نیست و نابود ہو جائینگے اور مسلمان اُنکی جگہ ملک کے وارث بنیں گے۔ اسی سورہ شریف میں ایک اور مثال بیان کی گئی ہے جسمیں کفار کو اُس میل سے تشبیہ دیگئی ہے جو سونے کو کٹھالی میں ڈالنے اور آگ دینے سے خارج ہو جاتی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جسطرح سونے کی میل جل جاتی ہے تو خالص دھات باقی رہ جاتی ہے اسی طرح مسلمانوں کے دشمن نارِ حرب میں جل کر خاک سیاہ ہو جائیں گے اور باقی خالص خدائے تعالیٰ کے پیارے اور مخلص لوگ یعنی مسلمان رہ جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ۔ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ ۝ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝ اُسی نے آسمان سے پانی برسایا پھر اپنی اپنی سمائی کے قدر نالے

بہ نکلے پھر جھاگ جو اوپر آگیا تھا اُسکو سیلاب نے اُٹھالیا۔ اور یہ جو لوگ زیور یا دوسرے ساز و سامان کے لیئے دھاتوں کو آگ میں تپاتے ہیں اس میں بھی اسی طرح کا جھاگ ہوتا ہے۔ یوں اللہ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے سو جھاگ تو رائیگاں جاتا ہے اور وہ چیز جو لوگوں کے لیئے نافع ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے اللہ لوگوں کے سمجھنے کیلیئے اسطرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔ (رعد - ۲)

کفار کی تباہی سے بھی بڑھکر حیرت افزا ایک اور پیشگوئی ہے جسمیں بتلایا گیا تھا کہ لوگ اسلام کی سچائی کے بہت سے نشان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ جب لوگوں نے بے صبری سے پُوچھا کہ یہ نشان کب پورے ہونگے؟ تو خدائے تعالیٰ نے فرمایا خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ پیدا کیا گیا ہے آدمی جلدی سے۔ عنقریب دکھاؤں گا میں تمکو اپنی نشانیاں۔ پس جلدی مت کرو مجھ سے (انبیاء - ۳) ایک اور جگہ فرمایا وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (القصص ۷) ترجمہ۔ اور کہدے اللہ ہی کے لیئے سب تعریف ہے عنقریب دکھائیگا وہ تم کو اپنی نشانیاں پس تم پہچان لوگے اُنکو اور تیرا رب غافل نہیں ہے اُس سے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

پھر مفصلہ ذیل آیت میں تو صاف کھولکر بتلا دیا کہ اُن لوگوں کو اسقدر نشانات دکھائے جائینگے جن کے دیکھنے سے وہ خود بخود اسلام کی سچائی پر ایمان لے آئیں گے اور وہ آیت کریمہ یہ ہے۔ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (فصلت ۶) ترجمہ۔ عنقریب ہم دکھائینگے اُنکو اپنی نشانیاں بیچ ملکوں کے اور بیچ جانوں اُن کی کے یہانتک کہ اُنکے لیئے ظاہر ہو جاویگا کہ تحقیق وہ حق ہے۔

اس آیت نے پہلی پیشگوئیوں پر مزید روشنی ڈالدی اور ظاہر کر دیا کہ خدا کے نشانات صرف مکہ میں ہی ظاہر نہیں ہونگے بلکہ دوسری قوموں کو بھی دکھائے

جائیں گے۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف قریش کے مقابلہ میں نصرت الٰہی ملیگی بلکہ دوسری قوموں کے مقابل وہی تائید الٰہی آپکے شامل حال رہیگی۔ اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ آنحضرت صلعم کی مخالفت کے لیئے ایک نہیں بلکہ کئی ایک دشمن کھڑے ہونگے۔ اور سب کے سب ناکام و نامراد ہوکر اپنے انجام سے یہ ثابت کردیں گے کہ خدائے تعالیٰ آنحضرت صلعم کے ساتھ ہے آپکے دشمنوں کے ساتھ نہیں۔

پیارے ناظرین! یہ پیشگوئی اُسوقت پوری ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے ہجرت کرنی پڑی اور دشمنوں کی متفقہ جماعتوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ مکّہ میں تو آپ کو صرف قریش سے ہی سابقہ تھا لیکن مدینہ میں پناہ گزین ہونیکے بعد مزید مشکلات اور زیادہ دشمنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں پر آپ کو ایک طرف تو قریش کے حملوں کا دفعیہ کرنا تھا جو اسلام کے نازک پودے کو جڑھ سے اکھاڑنے پر تُلے ہوئے تھے اور دوسری طرف خود اپنے تئیں اور اپنے صحابہ کو یہودیوں کی سازشوں اور شہر کے منافقوں کے حسد سے بچانا تھا۔ اسکے علاوہ آپکو کہیں تو قرب وجوار کے بدوی قبائل کی طرف سے لُوٹ کھسوٹ کا خوف تھا اور کہیں صحرا کی بے شمار خانہ بدوش قوموں کے حملوں کا ڈر تھا اس پر ہی بس نہیں بلکہ شمالی عیسائیوں کی طرف سے بھی کھٹکا تھا کیونکہ وہ بھی قریش کی طرح مسلمانوں کے خطرناک دشمن تھے۔ ان سب سے بڑھکر جن دشمنوں کا خدشہ تھا وہ یونانی اور ایرانی حکومتیں تھیں پھر اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں آنحضرت صلعم کیوں کامیاب ہوئے؟ عدو کا ٹڈی دل لشکر کیوں ناکام و نامراد رہا؟ اور باوجود دشمنوں کی اَن تھک کوششوں کے اسلام کیوں پھلا پھولا بارور ہوا؟۔ ہماری طرف سے اسکا وہی جواب ہے جو اکثر دفعہ پہلے دیا گیا ہے یعنی محض خدائے تعالیٰ کی امداد سے اور اسی کی نصرت سے نبی کریم صلعم غالب اور دشمن مغلوب ہوئے۔ خدائے تعالیٰ نے ہر ایک ایسے ہاتھ کو روکدیا جو اُسکے حبیب پر قاتلانہ ارادہ سے اٹھا ہر ایک ایسی کوشش کو بے سود کردیا۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے آپکی جان لینے کے لیئے کی اور اس طرح ایک نہیں بلکہ بے شمار نشانات دکھائے گئے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دشمنوں پر غالب آنا ہی ایک عظیم الشان نشان تھا جو ظاہر کرتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے فرستادہ اور سچے رسول ہیں اور خدائے قادر و قیوم آپکا ناصر و محافظ ہے۔ پس خدائے تعالیٰ نے نہ صرف قریش کو نشانات اور پیشگوئیوں کا پورا ہونا دکھلایا بلکہ ہر مقام پر یہ نشان دکھلائے گئے تاکہ سچائی روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے۔

القصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے بیشمار دشمنوں پر انجام کار فتح پانا اور غالب آنا ہی ایک ایسا عظیم الشان معجزہ اور نشان ہے کہ جسکی نظیر صفحات تاریخ پر ہرگز نہیں ملتی۔ اگر اس فتح و ظفر کے ساتھ پیشگویاں۔ جو نبی کریم صلعم کی آخری فتح اور آپکے دشمنوں کی تباہی کا اظہار کرتی تھیں۔ نہ بھی ہوتیں تو بھی یہ کامیابیاں بجائے خود ایک ایک عجیب و غریب پُر جلال نشان تھے لیکن جیسا ہم بیان کر چکے ہیں ایسی پیشگویاں تھیں اور اُن کا اعلان بھی ایسے وقت ہوا تھا جب ظاہر آنکھ سے دیکھا جاتا تو دشمن نہایت طاقتور اور مسلمان نہایت کمزور تھے اور یہ وہ وقت تھا جب نبی کریم صلی اللہ وسلم کو خارج از برادری سمجھا جاتا تھا۔ اب اگر خود ان پیشگوئیوں نے اُنکے اعلان کے وقت اور آخر اُنکے پورا ہونے وغیرہ سب کو یکجا کیا جائے تو اس معجزہ کی عظمت دو بالا سہ بالا ہو جاتی ہے اور نبی کریم صلعم کی سچائی کیلئے ایک ہی ثبوت کافی ہے۔

اب یہاں ہم پھر اپنے ناظرین کی خدمت میں مؤدبانہ التماس کرتے ہیں کہ وہ ان پیشگوئیوں پر غور فرمائیں جنکا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اور اُنکے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی پیشگویاں.... مکّی سورتوں میں ملیں گی جو قابل مطالعہ ہیں ہاں ہم یہ بات اور کہتے ہیں کہ ان پیشگوئیوں پر غور کرتے وقت اُس زمانہ اور اُن حالات کا ضرور خیال رکھیں جب اور جنکے ماتحت ان پیشگوئیوں کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس غور کے بعد ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص کو انصاف سے ذرا بھی مس ہوگا وہ ضرور اس معجزہ کی اہمیت اور عظمت کا قائل ہو جائیگا۔ اور اسے ماننا پڑیگا کہ

کہ جس امر کا نبی عربی صلعم نے مکّہ میں اعلان کیا تھا اور جو عظیم الشان پیشگوئی آپ نے مخالفت کی عین بلندی کے وقت فرمائی تھی وہ کسی بنی آدم کیطرف سے ہرگز ہرگز ہو ہی نہیں سکتی اور پھر اُس کا عجیب وغریب طرز سے لفظ بہ لفظ پورا ہوجانا تاریخ عالم میں اپنی نظیر آپ ہے۔ اعدا نے آپکے راستہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالیں آپ اور آپکے صحابہؓ کو تباہ کرنیکی ہر ایک ممکن کوشش کی لیکن باوجود ان سب کارروائیوں کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب ہوئے اور آپکو کامیابی بھی وہ حاصل ہوئی جو بے مثل اور بے نظیر ہے اور یہی کامیابی اس امر کا بدیہی ثبوت ہے کہ آپ کا مددگار اور ناصر خود خدائے تعالیٰ تھا۔

خدائے تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر قریش کے شریر آدمی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّہ چھوڑنے پر مجبور کرینگے تو دیر نہیں ہونے پائیگی کہ انکو بھی اپنے گھروں سے خارج اور تباہی اور بربادی کا شکار ہونا پڑیگا۔ چنانچہ فرمایا تھا وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْکَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیْلًا۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا۝ (بنی اسرائیل ۸) ترجمہ۔ اور تحقیق نزدیک تھے کہ بچلادیں تجھ کو اس زمین سے تاکہ نکالدیویں تجھ کو اس میں سے اور اسوقت نہ ٹھہریں گے پیچھے تیرے مگر تھوڑا عرصہ تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے اُن سب کے متعلق یہی دستور رہا ہے اور تو ہمارے دستور میں کوئی تغیر نہ پائیگا۔

یہ پیشگوئی بھی اُس دن کماحقہ پوری ہوئی جب ابوجہل اور دوسرے ائمۃ الکفر اسلام کی بیخکنی کا ارادہ کرکے مکّہ سے روانہ ہوئے اور روانہ بھی ایسے کہ کبھی واپس نہ ہوئے۔ یعنی میدان بدر پر خطرناک عذاب الٰہی کا شکار ہوکر وہیں کے وہیں کھیت رہے۔ اور اپنی موت سے اس کلام الٰہی کی صداقت پر مُہر لگاگئے۔

جنگ بدر نے اس پیشگوئی کے علاوہ خدائے تعالیٰ کے اُس کلام کو بھی پورا کیا جو ذیل کی عبارت میں مندرج ہے۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ

سَیُھۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَیُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ (القمر ۳) یعنی یہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والا گروہ ہیں۔ عنقریب شکست کھائیگا یہ گروہ اور پیٹھ پھیرینگے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں تھے تو آپ پر خدائے تعالیٰ کا یہ کلام نازل ہوا تھا جس میں فرمایا تھا قُلۡ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفۡتَحُ بَیۡنَنَا بِالۡحَقِّ وَھُوَ الۡفَتَّاحُ الۡعَلِیۡمُ۔ (السبا ۳) کہدے عنقریب جمع کریگا ہم (تم) کو ہمارا رب پھر فیصلہ کریگا ہمارے درمیان ساتھ حق کے اور وہی کشائش کرنیوالا جاننے والا ہے۔

خدائے تعالیٰ کے اس کلام میں جس اجتماع کی طرف اشارہ تھا وہ میدان بدر میں جمع ہوا اور اُسی وقت اللہ تعالیٰ نے انصاف فرماکر راستباز کو فتح عنایت کی۔ جب اس پیشگوئی کا اعلان کیا گیا تھا تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا اجتماع ہوگا اور قریش کے پاؤں تلے دبے ہوئے مسلمان بھی کبھی دشمنوں کے مقابلہ کرنیکی طاقت پائیں گے اور پھر مقابلہ بھی ایسا کرینگے کہ اپنے ایذا دہندوں کو کیفر کردار تک پہنچا چھوڑینگے۔ لیکن یہ ہونا تھا اور ہوا کیونکہ یہ کلام اس کا تھا جو علیم اور قادر مطلق ہے جسے ذرہ ذرہ کی خبر ہے اور جسکا ہر چیز پر راج ہے۔ مدینہ پہنچکر بھی مسلمان چونکہ اپنے بے شمار دشمنوں کے مقابلہ میں کمزور تھے اسلیئے خدائے تعالیٰ کی نصرت کے وعدے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وہاں بھی نازل ہوتے رہے۔ ذیل میں ہم وہ مدنی آیات بطور نمونہ درج کرتے ہیں جنمیں خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو اُنکے دشمنوں پر کامیاب ہونے کی بشارت اور اپنی نصرت کے وعدے دیئے تھے۔ وہ آیات یہ ہیں۔

(ا) کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ (المجادلہ ۳) لکھ رکھا ہے (فرض کر رکھا ہے) خدا نے کہ البتہ غالب آؤنگا میں اور میرے رسول۔ تحقیق اللہ طاقت والا غالب ہے۔

(ب) اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ (المجادلہ ۳) وہ (یعنی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اللہ کا گروہ ہیں۔ خبردار تحقیق اللہ ہی کا گروہ وہی کامیاب بامراد ہونیوالا ہے۔

(ج) اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (المجادلہ - ۱) تحقیق جو لوگ اللہ اور اُسکے رسول کا خلاف کرتی ہیں وہ ہلاک کیئے گئے جیسے ہلاک کیئے گئے وہ لوگ جو اُنسے پہلے تھے۔

(د) وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ (محمدؐ - ۲) اور بہت بستیاں ہیں کہ وہ بہت سخت تھیں قوت میں تیری بستی سے جس نے نکال دیا تجھکو۔ ہلاک کیا ہم نے انکو پس اُنکے واسطے کوئی مددگار نہ ہوا۔

(ھ) وَیَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا (الفتح - ۱) اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت کے ساتھ تیری مدد کریگا۔

(و) اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۨالَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ...... وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ (الحج ۶) اجازت دیگئی واسطے اُن لوگوں کے کہ لڑائی کیئے جاتے ہیں اور اللہ اُنکی مدد کرنے پر بڑا قادر ہے۔ جو لوگ کہ نکالے گئے ہیں اپنے گھروں سے بغیر حق کے صرف اسوجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ "ہمارا رب اللہ ہے" ...... اور اللہ ضرور مدد کریگا اُس شخص کی جو اُس کے دین کی مدد کرتا ہے

(ز) فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ؏ (توبہ - ۱۶) اگر یہ لوگ منہ پھیریں تو تو کہدے کہ مجھے اللہ کافی ہے۔ اُسکے سوا اور کوئی معبود نہیں اُسی پر میرا سہارا ہے اور وہ عرش عظیم کا رب ہے۔

(ح) اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ۔
(الانفال ۹) یعنی اگر تم میں سے بیس ثابت قدم شخص ہوئے وہ غالب آئیں گے دوسو پر۔
اور اگر ہوں تم میں سے سو تو وہ غالب آئیں گے ایک ہزار پر اُن لوگوں سے
جو کہ کافر ہیں کیونکہ وہ نافہم قوم ہے۔

(ط) وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ
اور مت سستی کرو اور مت غم کھاؤ کیونکہ تم ہی غالب ہو اگر تم مومن ہو (اٰل عمران ۱۴)

(ی) قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ۔ کہدے کافروں کو عنقریب تم
مغلوب ہو جاؤ گے۔ (اٰل عمران ۲)

انکے سوا اور بھی ایسی مدنی آیات ہیں جو ایسی ہی پیشگوئیوں سے مملو ہیں لیکن ہمارے خیال میں مذکورہ بالا آیات ہی اس امر کے ثابت کرنیکے لیئے کافی ہیں کہ مدینہ میں بھی آنحضرت صلعم کو نصرت الٰہی کے وعدے ملتے رہے اور گویا مدینہ کی بڑھی ہوئی مشکلات اور وہاں کے بے شمار دشمنوں کے مقابلہ میں بھی خدائے تعالیٰ نے ان قبل از وقت بشارتوں سے آنحضرت صلعم کی تسکین فرمائی تھی۔

یہ پیشگوئیاں کب پوری ہوئیں اور کس عظمت و جبروت کے ساتھ خدا کا فرمودہ لفظ بہ لفظ وجود میں آیا؟ اسکے لیئے ہم اپنے ناظرین کو فتح مکہ کا حوالہ دینا ہی کافی سمجھتے ہیں یہ وہ وقت تھا جب تمام دشمن مغلوب ہو چکے تھے۔ تمام مشکلات حل ہو چکی تھیں اور خدائے تعالیٰ کے تمام وعدے جو مکہ اور مدینہ میں ہوئے تھے تمام و کمال پورے ہو گئے تھے۔
مکی پیشگوئیوں کا اعلان برابر تیرہ سال تک مکہ میں ہوتا رہا اور پھر مدنی آیات کو مدینہ سے شائع کیا جاتا رہا غرض ان پیشگوئیوں سے کفار ناواقف نہ تھے بلکہ وہ اُنپر ہنسی اُڑاتے اور بار بار پوچھتے رہے کہ بھلا یہ پوری کب ہونگی؟ ہجرت کے مشہور واقعہ کے بعد وہ بڑے تعجب اور حیرت سے ان پیشگوئیوں کو پورا ہوتا دیکھنے لگ گئے تھے لیکن انہوں نے انکا کلی طور پہ پورا ہونا فتح مکہ کے دن ہی مشاہدہ کیا

فتح مکہ کیا تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور آپکے راستباز ہونیکی ایک زبردست بےمثل دلیل تھی۔ اہل مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیکس حالت اور اپنی طاقت وجبروت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ عظمت وسطوت اور اپنی بیکسی اور عاجزی سے مقابلہ کرتے تھے۔ اس مقابلہ سے انکو وہ تمام پیشگوئیاں یاد آتی تھیں جو مکہ میں اور بعد ازاں مدینہ میں شائع کی گئی تھیں اور جنکو سنکر انہوں نے ہنسی اڑائی تھی۔ اب وہ تمام وعدے اور وعید جو ایک عرصہ پہلے خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے تھے عملی جامہ پہنکر انکی آنکھوں کے سامنے آموجود ہوئے۔ انکی طرف سے ہر چند اسلام کی بیخکنی کیلیئے کوششیں کی گئیں اور چاہا گیا کہ کسی طرح یہ پیشگوئیاں پوری نہ ہوں لیکن باوجود انکی سعی اور کوشش کے یہ سب پیشگوئیاں پوری ہوئیں اور اس طرح مسلمانوں کے جانی دشمنوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا ایسا یقین ہوا کہ وہ سب کے سب قریبًا ایک ہی دن میں اسلام لے آئے۔ پس یہ ایک عظیم الشان معجزہ تھا جسکو دیکھکر اُمّ القرےٰ کے لوگ مسلمان ہوئے اور انکے مسلمان ہونیسے خدائے تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہوا جسکا کئی سال پہلے اسی شہر میں اعلان کیا جا چکا تھا۔ وہ یہ تھا۔ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۔ عنقریب دکھائیں گے ہم انکو اپنی نشانیاں دوسرے ملکوں میں اور انکی اپنی جانوں میں بھی یہانتک کہ ظاہر ہو جائے اُن کے لیئے کہ وہ حق ہے۔ (فصلت ٦)

آنحضرت صلعم ابھی مکہ میں ہی تھے جب آپنے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ راستبازوں کو فتح دیکر خود اس امر کی شہادت دیگا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر دعا بھی یہی ہوتی کہ اے مولا حق کو باطل پر غلبہ دے اب خدائے تعالیٰ نے اپنے پیارے کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو پورا کیا اور اُسکی دعاؤں کو سنکر اسلام کی تائید میں شہادت دی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے جو الفاظ نکلتے تھے وہ کیسے اور کہاں سے آئے ہوئے ہوتے تھے اسکے لیئے ہماری

ناظرین یوحنا باب ۱۶ ورس ۱۸ اکی یہ عبارت کہ " وہ (روح حق) اپنی نہ کہے گی لیکن جو کچھ وہ سُنے گی سو کہیگی" اور قرآن کریم کی یہ آیت ملاحظہ فرمائیں وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (نجم - ۱) یعنی یہ نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ یہ کلام ایک وحی الٰہی ہے جو اُسکی طرف اُتاری جاتی ہے۔

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ مکہ والوں سے کہا تھا وہ خدا کا کلام تھا اور وہ اطرح تھا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا - کہدے اللہ کافی گواہ ہے درمیان تمہارے اور میرے تحقیق وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے اور اُنکو دیکھتا ہے۔

اور پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ تحقیق اللہ پرہیزگاروں اور احسان کرنیوالوں کے ساتھ ہے (النحل ۱۶)

آپکی دعا کے الفاظ یہ تھے رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ - (الاعراف ۱۱) یعنی اے رب ہمارے فیصلہ کر ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ساتھ حق کے اور تو ہی بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے۔

آخرکار یہ دعا قبول ہوئی اور خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو غالب اور دشمنوں کو تباہ کرکے اسلام کی سچائی پر خود شہادت دیدی۔ ان وجوہات سے اور اس چمکتے ہوئے نشان کو دیکھکر اہل مکہ اپنے شہر کی فتح کے بعد مسلمان ہوگئے۔

ایک اور امر جس نے اہل مکہ کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا وہ یہ تھا کہ اسلام اور کفر کے باہمی مقابلہ نے ثابت کر دکھایا تھا کہ اُنکے دیوتا بھی اُنکی طرح عاجز اور کمزور ہیں۔

ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو جنگ جدل کا بازار گرم کیا تھا وہ سب کچھ بتوں کی حمایت میں کیا تھا۔ اگر قریش نے مسلمانوں کو ایذا دی تھی اور اُنکو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا تھا تو اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ نئے مذہب سے اُنکے بتوں کی ہستی معرض خطر میں تھی اور اگر مسلمانوں کے

ہجرت کر جانیکے بعد بھی وہ برابر اسلام کو تباہ کرنیکی کوششوں میں مصروف رہے تو اسکی وجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں تھی کہ انکو اپنے دیوتاؤں کی حفاظت مدنظر تھی۔ چنانچہ اس بارہ میں مسلمان مورخین نے ایک حکایت بیان کی ہے جسکا میور صاحب نے بھی لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حوالہ دیا ہے وھو ہذا۔

مکہ کے نواح میں ایک بت تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بطور فاتح داخل ہوئے تو اس بت کے پجاری نے مندر کو چھوڑ دیا اور...... نزدیک کی ایک پہاڑی پر چلا گیا۔ لیکن مندر چھوڑنے سے قبل اس نے بت کی گردن میں تلوار لٹکا دی۔ اور کہا "تلوار تھامیے اور اپنے تئیں آپ بچاییے"۔

پیارے ناظرین! اگرچہ یہ کہانی بہت سادہ سی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ بہت نتیجہ خیز ہے۔ آپ تھوڑی دیر کیلیئے ایک مندر کا تصور باندھیں جسمیں ایک بت تن تنہا کھڑا ہے اور اسکی گردن سے تلوار لٹک رہی ہے۔ بھلا اس عجیب تصویر کو دیکھکر آپ کیا خیال کرینگے؟ اس پجاری کے الفاظ کو سن کر آپ کیا قیاس فرمائینگے؟ پجاری نے اپنے معبود سے رخصت ہوتے وقت جو الفاظ کہے وہ اگرچہ مختصر ہیں لیکن پر معنی اور مطلب خیز ہیں۔ اور اس جنگ کی نوعیت پر پوری روشنی ڈالتے ہیں جو کفار عربوں نے مسلمانوں کے ساتھ اس شدومد سے چھیڑ رکھی تھی یہ لفظ کیا تھے گویا اس بات کا اظہار تھا کہ اگرچہ بت پرستوں نے مدت مدید تک اپنے اصنام کی حمایت میں جان لڑائی اور اسلام کی بیخکنی کے لیئے ناخنوں تک زور لگایا لیکن انکی سب کوششیں بے سود رہیں اور جن بتوں کو وہ تباہی سے بچانا چاہتے تھے وہ آخر تباہ ہوے اور اسلام نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی بلکہ یوں کہو کہ اسلام ایک اونچی اور دم بدم بڑھتی ہوئی موج کی طرح آگے بڑھا اور جو چیز سد راہ ہوئی اسکو بہا کر لے گیا۔ ان بت پرستوں نے تو اپنے معبودوں کی حمایت و حفاظت کا پورا فرض ادا کیا تھا لیکن وائے برحال ایشان کہ انکے دیوتاؤں نے انکی ذرا بھی امداد نہ کی۔ آخر اسلام کا خدا غالب رہا اور

کفار کے معبود سب کے سب نہایت بے عزتی سے مغلوب ہوئے۔ اب یہ دیوتا شکست پا چکے تھے اور انکے تابعین میں قطعاً تاب مقابلہ نہ تھی۔ عربوں نے اپنے معبودوں سے بے فائدہ مدد اور نصرت مانگی اور بے سود انکی امداد پر توقع کی۔ انکا ایمان تھا کہ انکے بُت عند الضرورت انکی امداد کرینگے پھر خصوصاً ایسے اڑے وقت جب انکی اپنی حمایت میں جنگ ہو رہا تھا بدرجہ اولیٰ مدد کو آئینگے اس خیال سے وہ اکثر ان پتھروں کو میدان جنگ میں لے گئے اور اپنی فوجوں کے قلب میں رکھا۔ لیکن انکی سب امیدیں خاک میں ملگئیں اور اب آکر انکو اپنی غلطی کا علم ہوا اور وہ جان گئے کہ جن پتھروں کو انہوں نے ٹھاکر بنا کر پوجا تھا وہ پتھر ہی تھے اور پتھر سے بڑھکر انکی کوئی وقعت نہ تھی جس طرح وہ پہلے انکو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے اب ویسی ہی حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے چنانچہ جس پجاری کا ذکر ہم نے مذکورہ بالا کہانی میں کیا ہے اُس کا فعل اس امر کی تائید کرتا ہے۔ اُس نے اپنے بُت سے کہا مہاراج اگر آپ سے بن پڑتا ہے تو اب اپنی خبر آپ لیجئے!

ابتدا ہی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بت پرست دشمنوں کو متنبہ کیا تھا کہ جن بتوں کو وہ خدائے وحدہٗ لاشریک کا شریک ٹھہراتے ہیں وہ انکے نفع و نقصان کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے اور دوسروں کی امداد کرنا تو درکنار وہ اپنے آپکو بھی نہ بچا سکیں گے بلکہ نسیًا منسیًا ہو کر ملک عرب سے ہی خود انکا صفایا ہو جائیگا یہ بھی صریحًا بتلا دیا گیا تھا کہ وہ وقت جلد آنیوالا ہے جب بُت پرست اپنے بتوں کی پرستش سے دست بردار ہو جائیں گے۔ چنانچہ ذیل میں چند ایسی آیات درج کیجاتی ہیں جن کے ذریعہ سے بُت پرستوں کو قبل از وقت بتلایا گیا تھا کہ یہ ٹھاکر تمھارے کسی کام نہ آئینگے بلکہ خود تباہ ہو جائینگے۔

۱۔ اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ۝ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ۝ (الاعراف ۲۴) کیا شریک ٹھہراتے ہیں (یہ کفار اللہ کا) اُس چیز کو جو کچھ پیدا نہیں کرتی اور وہ خود پیدا کیگئی

ہیں۔ اور نہ تو انکی (یعنی مشرکین کی) مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں (یعنی اب تو خود بتوں کی خیر نہیں)

ب۔ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ (اعراف ۲۴) یعنی میرا کارساز اللہ تعالیٰ ہے جسنے یہ کتاب اُتاری ہے اور وہی نیکوں کا والی ہوتا ہے۔ اور جنکو تم اللہ کے بغیر پکارتے ہو وہ نہ تو تمھاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی جانوں کی وہ مدد کریں گے۔

ج۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ .... فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ (ہود ۹) ترجمہ یہ ہیں بعض خبریں بستیوں کی کہ بیان کرتے ہیں ہم اُسکو تیرے اوپر...... پس نہ کفایت کیا اُن سے اُنکے معبودوں نے جنکو وہ اللہ کے بغیر پکارتے تھے کچھ بھی جب آیا تیرے پروردگار کا حکم اور نہیں زیادہ کیا اُنکو سوائے ہلاک کرنیکے۔

د۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝

ترجمہ۔ اور اللہ کے بغیر دوسروں کو معبود بناتے ہیں تاکہ وہ (معبود) اُنکو مددگار بنیں۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ عنقریب وہ (یعنی مشرکین) اُن کی عبادت سے انکار کرینگے اور اُنکے مخالف ہوجائیں گے (مریم ۹)

جب بُت پرستوں نے مذکورہ بالا الفاظ کی سچائی کا مشاہدہ کیا اور اُنکے بتوں کی کم مائگی اور کمزوری پورے طور پر ثابت ہوگئی تو یہ ایک قدرتی نتیجہ ہونا چاہیئے تھا کہ اُن کے دلوں سے ان پتھروں کی عظمت دور ہوجاتی چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان سے پوچھا کہ آیا وہ وقت ابھی پہونچاہے یا نہیں کہ وہ اقرار کرے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ؟ تو اُس نے جواب دیا کہ

اسکے سوا کوئی اور معبود ہوتے تو وہ اپنے اُن پرستاروں کے کام آتے جنہوں نے انکی حمایت میں خون تک بہادیا٭۔ اگر ان پتھر کے ٹھاکروں پر کوئی تھوڑا بہت ایمان باقی بھی تھا تو وہ اُسوقت جاتا رہا جب آنحضرت صلعم کے حکم سے کعبہ کے بُت زمین سے پیوست کیئے گئے۔ اگر اُن ٹھاکروں میں کوئی طاقت ہوتی تو اول وہ دوسروں کو مدد دیتے .... اور اگر یہ نہ ہوسکتا تو کم از کم اپنی مدد آپ کرتے۔ اسطرح اُن بتوں کے پجاریوں پر قرآن کریم کے ان الفاظ کی سچائی بخوبی واضح ہوگئی کہ جن ٹھاکروں کی وہ پُوجا کررہے ہیں اور جنکی حمایت کا انہوں نے بیڑا اُٹھایا ہے وہ ہرگز ہرگز کسی کے نفع نقصان کا مقدور نہیں رکھتے۔ جب اُنپر یہ ثابت ہوگیا تو پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ بدستور اُنکے معتقد رہتے۔ پہلے فتح مکہ نے ان اصنام پرستوں کے ایمان میں تزلزل تو ڈال ہی دیا تھا اب جس وقت کعبہ شریف کو تین سو ساٹھ ۳۶۰ .... ٹھاکروں کے وجود سے پاک کیا گیا تو اُس وقت اُنکے معتقدوں کے دلوں کے مندر بھی اُنکی محبت کے اثر سے پاک ہوگئے۔ جب بلال رضؓ نے کعبہ کی چھت پر سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا تو کفار مکہ کی آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر اُن تمام واقعات کا سما بندھ گیا جو عرصہ دراز سے انکو پیش آرہے تھے اور اُنکے دلوں میں جو اُسوقت بتوں کی محبت سے خالی ہوچکے تھے۔ لا الٰہ الا اللہ نے جگہ لینی شروع کردی۔ یعنی اسلام کے پاک اور عام فہم اصولوں نے جنکو ہر سمجھدار انسان پسند کرتا ہے آخر اپنا رنگ دکھانا شروع کیا اور مکہ والوں نے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر سینکڑوں نشان دیکھ چکے تھے آخر بُت پرستی سے توبہ کرکے اسلام قبول کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ اب نہ کوئی رکاوٹ تھی نہ کوئی ایذا دہندہ ہر طرح مذہبی آزادی تھی اسلام کے دشمنوں کا راج ٹوٹ چکا تھا اسلیئے باوجود لا اکراہ فی الدین کی منادی اور باوجود کسی قسم کا ذرا بھی جبر نہ ہونے کے لوگوں نے فوج در فوج اسلام میں داخل ہونا شروع کردیا گویا وہ اسی موقعہ کے ہی منتظر تھے۔ سبحان اللہ کیا منظر ہوگا اور مومنوں کے ایمان کو

٭حاشیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کی بھی صریحاً یہ غرض تھی کہ آپ ابو سفیان کو اس امر کی طرف توجہ دلائیں کہ اگر انکے دیوتا واقعی عبادت کے لائق ہوتے تو ضرور وہ ابو سفیان اور اُسکی پارٹی کی کچھ مدد کرتے جنہوں نے انکی حمایت کے لیئے ناخنوں تک زور لگایا اور پھر بھی ناکام رہے۔ آپؐ ابو سفیان کے ذہن کو اسطرف منتقل کرنا چاہا کہ اسلام ...... کی کامیابی باوجود دشمن کی اَن تھک کوششوں کے اس امر کا ایک نشان تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ نشان ایسا صریح تھا کہ ابوسفیان کو شرمندگی کے ساتھ اسکی تصدیق کرنی پڑی۔ منہ

کیسی تقویت پہنچی ہوگی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی اور فراخدلی نے اہل مکّہ پر ایسا اثر کیا کہ وہ خوشی خوشی ایمان لے آئے اور اپنے گئے پر اگرچہ نادم تو تھے لیکن آنحضرت صلعم کے اعلیٰ سلوک اور برتاؤ کے باعث انکو ذرا بھی خجالت محسوس نہ ہوئی اور وہ ہنسی خوشی مسلمان ہوگئے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور عفو کا اگرچہ اُنکو پہلے بھی علم تھا لیکن اب جو آپنے اُنکی گذشتہ خطاؤں اور خطا کاریوں پر درگذر فرمائی اس سے اُنکے دلوں پر ایسا عمدہ اثر ہوا جسکو وہ زبان سے بیان نہیں کرسکتے تھے۔ جسقدر وہ پہلے نبی کریم صلعم کے دشمن تھے اب اُسی قدر جان نثار اور شکر گذار بنگئے۔ وہ بار بار اپنی ۲۰ سالہ بے رحمیوں اور ناہنجار حرکات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ترحم اور عفو سے مقابلہ کرتے اور جوں جوں وہ زیادہ غور کرتے اُسی طرح اُنکی محبت اور شکرگذاری میں ترقی ہوتی جاتی۔ آنحضرت صلعم بھی اپنے اہل شہر مگر سابق دشمنوں پر ایسے مہربان ہوئے کہ آپنے صحابہ کرام رض کو مُردوں کی نسبت بھی بان کھولنے سے منع فرمایا اور کہا کہ اس فعل سے اُنکے زندہ رشتہ داروں کو دُکھ پہنچیگا۔ مکّہ والے جب اپنے ضمیر کو ٹٹولتے تو اُنکو اپنی زیادتیاں اور اپنے مظالم یاد آتے لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترحم اور فیاضانہ سلوک کو مشاہدہ کرتے تو شکر گذاری سے بھر جاتے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح وہ نشانات اور پیشگوئیوں کا پورا ہونا دیکھکر مسلمان ہوئے تھے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلوک اور فیاضی کا مشاہدہ کرکے وہ مخلص اور پرلے درجہ کے جان نثار بن گئے۔

الغرض اسلام کی اعجازی فتح اور نبی کریم صلعم کے اعلیٰ اخلاق و فیاضی نے لوگوں کے دلوں میں عجیب تبدیلی پیدا کردی اور جو لوگ اسلام کو تباہ کرنیکے لئے شمشیر برہنہ کی طرح کھڑے تھے وہ فتح مکّہ کے چند ہی روز بعد ایسے مخلص اور وفادار مسلمان بنگئے کہ اپنے نئے آقا و مولا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش بدوش اسلام کے دشمنوں کا مقابلہ کرنیکو تیار رہتے تھے؟

کاش ہمارے مخالف "تسلّی دینے والے" "روحِ حق" کے دشمن غور کریں اور اس عظیم الشان

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

اس سے پہلے نمبر میں بعض وجوہات سے معمولی ماہوار رپورٹ ملتوی رہی۔ اس رپورٹ میں اہم امر ہمارا سالانہ جلسہ تھا۔ مگر چونکہ اخبار بدر و الحکم میں مفصل حالات جلسے کے شایع ہو کر سب احباب تک پہنچ چکے تھے اسلیئے انکے بار بار دُہرانیکی ضرورت بھی نہ تھی۔ اِلّا ایک امر کے سب احباب تک پہنچانیکی ضرورت ہے اور وہ ہے کانفرنس انجمنہائے احمدیہ کی کارروائی کانفرنس کے قیام نے دراصل ابتک کوئی مضبوط صورت نہیں پکڑی۔ اور نہ ہی ایسی امید کی جاسکتی ہے جبتک کہ خود انجمنوں کا قیام مضبوط نہ ہوجائے کانفرنس میں ذیل کی انجمنوں کی طرف سے قائم مقام شامل تھے۔ قادیان۔ امرتسر۔ لاہور۔ سیالکوٹ ڈیرہ اسمٰعیل خان سہارنپور۔ جالندھر۔ شملہ۔ فیروز پور۔ سانگلہ۔ چھاؤنی لاہور۔ ڈنڈوت۔ جیپور۔ ادرحمہ بستی وریام کملانہ۔ سیکھواں۔ قتال پور۔ رہتک۔ ظفروال۔ کھیوہ باجوہ۔ منگولا۔ کاٹھ گڈھ۔ گوجرانوالہ۔ بدوملی۔ شاہدرہ۔ بنگہ۔ ڈیرہ بابا نانک۔ ملتان۔ جہلم۔ کوہاٹ۔ مردان۔ ہشیارپور۔ ڈیرہ غازیخاں۔ یہ ان انجمنوں کے نام ہیں جنکے قائم مقام کارروائی شروع ہونیسے پہلے کانفرنس میں شامل ہوگئے تھے بعد میں بھی احباب آتے رہے مگر انکے نام اور پتے بہ سبب کارروائی شروع ہوجانیکے نہیں لیئے جاسکے۔ کانفرنس میں جو امور پیش ہوئے ان میں سے اول بجٹ اور رپورٹ سالانہ صدر انجمن تھے۔ اسکے بعد حسب ذیل تجاویز پیش ہوکر بالاتفاق پاس ہوئیں۔

(۱) ”یہ سوال کہ جس صورت میں صدر انجمن کا مالی سال ستمبر میں ختم ہوتا ہے کانفرنس انجمنہائے احمدیہ کے لیئے بہترین وقت کونسا ہے۔ پیش ہوکر فیصلہ ہوا کہ بجٹ حسب معمول سالانہ جلسہ صدر انجمن احمدیہ کے وقت کانفرنس میں پیش ہوتا رہے۔

(۲) ”یہ سوال کہ اسلامی مشن کا قائم کرنا یورپ یا امریکہ میں ضروری ہے پیش ہوکر

فیصلہ ہوا کہ مشن کا قائم کرنا ضروری ہے مگر اسکے لیئے پہلے سرمایہ کا بہم پہنچنا نہایت ضروری ہے اسکے لیئے فنڈ کھولا جاوے اور کم از کم تین چار سال کا سرمایہ جمع ہونے پر یہ قدم اُٹھایا جاوے۔

(۳) "چندہ تعمیر کی وصولی کے خاص انتظام کا سوال پیش ہو کر فیصلہ ہوا کہ جو تجویز مجلس معتمدین نے کی ہے کہ سب احباب اپنی ایک ایک ماہ کی آمد چندہ تعمیر کے لیئے دیں اس کے عملدرآمد میں لانے کو یہ کانفرنس نہایت ضروری خیال کرتی ہے سب انجمنیں اسکے متعلق بہت جلد تحریک کر کے فہرستیں مرتب کریں۔

(۴) "ماہوار آمدنی کی افزائش کی تدابیر اور باقاعدہ وصولی کے انتظام کا سوال پیش ہو کر فیصلہ ہوا کہ سب انجمنوں کو پوری سعی کرنی چاہیئے۔ کہ چندوں کا بقایا نہ رہے اور اپنے اپنے ضلعوں میں شاخوں کا انتظام پختہ کریں۔ مجلس معتمدین محصلوں اور واعظین کے سوال پر غور کر کے اسکے لیئے عملی تجاویز کرے جس سے انجمنوں کو وصولی چندہ میں مدد ملے اور مناسب ہے کہ بعض احباب وصولی چندہ کے لیئے اپنی خدمات والنٹیر کریں۔

(۵) "انجمنہائے احمدیہ کے اپنے اپنے سالانہ اجلاسوں کا سوال پیش ہو کر فیصلہ ہوا کہ اس کانفرنس کی رائے میں سالانہ جلسوں کو قطعی طور پر بند کرنا مناسب نہیں البتہ بلحاظ مقامی ضروریات کے اگر کوئی انجمن سالانہ جلسہ کی ضرورت محسوس کرے تو مجلس معتمدین مقامی حالات پر اور اس امر پر کہ اسکا اثر مستقل چندوں پر نہ ہو غور کر کے ایسی اجازت دے سکتی ہے"

ان تجاویز میں سے میں بالفعل احباب کو تجاویز نمبر ۳ و نمبر ۴ کی طرف خصوصیت سے توجہ دلانی چاہتا ہوں بالخصوص تجویز متعلق چندہ تعمیر پر۔ کیونکہ یہ کام وسیع پیمانے پر شروع ہے اور روپے کی سخت ضرورت ہے۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے اسوقت ۴۵ بورڈروں کے قریب باہر ہیں۔ اگر اس چندہ کی وصولی میں پوری کوشش سے

کام دیا جائے تو امید کیجاتی ہے کہ بورڈنگ کا بڑا حصہ ستمبر تک تیار ہوجاوے۔
مدرسہ تعلیم الاسلام بوجہ پلیگ ۱۵-اپریل تک بند رہا۔ اور احتیاطاً ۱۰ مئی تک بورڈروں کو بھی باہر رکھا گیا۔ تعداد طلباء میں قابل اطمینان ترقی ہورہی ہے اور اسوقت قریب ۱۴۰ کے بورڈر ہیں۔ کوشش بھی اللہ تعالیٰ کی نصرتوں کی جاذب ہے پچھلے سال انہی دنوں قریب ۷۰ کے بورڈر رہ گئے تھے۔ اسوقت بورڈنگ ہوس میں جگہ پوری ہوکر ۴۰ بورڈروں کے لیئے باہر عارضی انتظام کیا گیا ہے۔ یہ ضرورت مقتضی ہے اس امر کی کہ بورڈنگ ہوس کی عمارت کی بہت جلد تکمیل کیجاوے گذشتہ ماہ کے اخیر پر ٹیچرز کانفرنس ہی جو بمقام علیگڈھ ہوئی اور جس میں کل اسلامیہ سکولوں کے منتظمین اور مدرسین کو حصہ لینے کے لیئے مدعو کیا گیا تھا۔
مدرسہ تعلیم الاسلام کی طرف سے مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر مدرسہ و مولوی شیر علی صاحب بی اے و مفتی محمد صادق صاحب سابق ہیڈ ماسٹران مدرسہ شریک کانفرنس ہوئے۔ مدرسہ کی رپورٹ سنائی گئی جو کانفرنس کی روئداد میں شائع ہوگی۔ جناب مولوی صدرالدین صاحب کا ایک لیکچر بھی کالج میں ہوا۔ جس سے سلسلہ حقہ کے متعلق بہت غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔ امسال امتحان انٹرنس میں اس مدرسہ کے ۱۶ طلباء میں سے ۸ کامیاب ہوئے۔ یہ نتیجہ بمقابلہ اکثر مدارس کے اطمینان بخش ہے۔ صاحبزادہ مرزا بشیراحمد صاحب کامیاب ہوکر گورنمنٹ کالج لاہور کی ایف اے کلاس میں داخل ہوگئے۔
لنگرخانہ ۸-اپریل سنہ ۱۹۱۰ء کو حکیم فضل الدین صاحب کا انتقال بمقام لاہور ہوگیا جہاں وہ علاج کے لیئے گئے تھے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
حکیم صاحب کا اخلاص اس سلسلہ سے قابل رشک تھا۔ اللہ تعالیٰ انکو اپنی مغفرت اور رضوان میں جگہ دے آمین۔ لنگرخانہ کا گذشتہ قرضہ نہایت فراخ حوصلگی سے احباب نے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر پورا کردیا تھا مگر آیندہ کے لیئے بھی خاص توجہ بکار ہے۔

واعظین۔ مولوی اللہ دیا صاحب لدھیانوی جو ایک مدت تک عیسائی مشنریوں کے خلاف بڑی کامیابی سے وعظ کرتے رہے ہیں یکم مئی سے صدر انجمن کی طرف سے بھی انکو سلسلہ واعظین میں شامل کیا گیا ہے۔ مولویصاحب زیادہ چلنے پھرنے سے معذور ہیں ریل کے قریب قریب کے سٹیشنوں پر آسانی سے جاسکتے ہیں مگر دور نہیں۔ لہذا ان اطراف میں اگر ہمارے احباب میں سے کوئی صاحب ضرورت محسوس کریں تو مولویصاحب کے بھیجنے کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔

تعمیر کے سلسلہ میں مسجد کا ایک کمرہ جو ۶۰ فٹ لمبا اور ۲۲ فٹ چوڑا ہے مکمل ہوگیا۔ بقیہ حصہ کی تکمیل کیلیئے کچھ انتظار کرنا پڑیگا۔ اب بورڈنگ ہوس کا کام شروع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تین ماہ تک نصف بورڈنگ ہوس تیار ہو جائیگا اور گرمیوں کی تعطیلوں کے بعد بورڈروں کے باہر رہنے کے لیئے کافی جگہ کا انتظام ہو جاویگا۔

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

وید کی ناکامی

جو کچھ قرآن شریف نے توحید کا تخم بلاد عرب۔ فارس۔ مصر۔ شام۔ ہند۔ چین۔ افغانستان کشمیر وغیرہ بلاد میں بو دیا ہے اور اکثر بلاد سے بت پرستی اور دیگر اقسام کی مخلوق پرستی کا تخم جڑھ سے اُکھاڑ دیا ہے یہ ایک ایسی کارروائی ہے کہ اسکی نظیر کسی زمانہ میں نہیں پائی جاتی مگر بمقابل اسکے جب ہم وید کی طرف دیکھتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ آریہ ورت کی بھی اصلاح نہیں کر سکا اور اس ملک کے انسانوں پر نیک اثر ڈالنے میں نہایت نکما ثابت ہوا ہے اور نہ صرف ہماری اس زمانہ میں بلکہ اس ملک کی ایک لمبی تاریخ پر نظر ڈالکر ظاہر ہوتا ہے کہ کبھی اس ملک میں وید کے ذریعہ سے توحید نہیں پھیلی بلکہ بجائے اسکے نفع کے اس کا ضرر قریباً تمام آریں لوگوں کو ہلاک کرتا رہا ہے اور جب وید کے پیرو لوگوں کے عقاید اور اعمال پر نظر ڈالی جاوے تو نہایت درد اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وید ایک گمراہ کرنیوالی کتاب ہے کون اس واقعہ سے انکار کر سکتا ہے کہ جسقدر مخلوق پرست فرقے ہندوؤں کے اس

ملک میں پائی جاتے ہیں اور یا جسقدر نہایت گندے اور ناپاک مذہب اس ملک میں رائج ہوگئے ہیں
جیسے شاکت مت وغیرہ وہ سب وید ہی کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہیں اگر وید میں یہ لیاقت ہوتی کہ
وہ کھلے کھلے طور پر بیان کرتا کہ سورج چاند اور پانی اور آگ وغیرہ کی پرستش مت کرو اور بدکاری
اور زناکاری کو اپنا مذہب مت بناؤ۔ تو کیوں آریہ قوم ساری کی ساری ان چیزوں کی پرستش
میں مشغول ہوجاتی اور کیوں اسقدر بدکاری آریہ قوم میں پھیلتی مگر وید نے تو بجائے منع کرنیکے
بیگانہ عورتوں سے تعلق پیدا کرنیکی راہ بذریعہ نیوگ کھولدی اور سورج وغیرہ کی پرستش کی
ترغیب دی اور جا بجا اجرام سماوی اور عناصر کو معبود ٹھہرا کر انکی مدح وثنا کی۔ اسی طرح جوالا مکھی
کی آگ کے پوجاری اور گنگا کے پرستار اور سورج کے آگے ہاتھ جوڑنے والے اس
ملک میں کروڑہا شخص پیدا ہوگئے۔ اگر کہو کہ ان کروڑہا لوگوں نے جنمیں ہزارہا پنڈت عالم
وفاضل ہیں وید کے معنی اچھی طرح نہیں سمجھے تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہ عذر مان بھی لیں تب
بھی وید کا ہی قصور ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس حالت میں اسکی عبارت غیر فصیح اور مبہم اور مشتبہ اور
معما کی طرح ماننی پڑتی ہے تب ہی تو کئی کروڑ آریہ ورت کے پنڈتوں کو سمجھ نہ آسکی اور کروڑہا انسان
وید کی نسبت یہی خیال کرتے گذر گئے کہ وہ مخلوق پرستی کی تعلیم دیتا ہے اور جبکہ انہوں نے
اس کے سمجھنے میں غلطی کھائی تو پھر کیونکر سمجھا جائے کہ ایک تھوڑا سا فرقہ آریوں کا کہ جو
انکے مقابل پر ایک ذرہ کے موافق بھی نہیں غلطی سے بچا رہا ہے تم سچ کہو اور اپنے دھرم
سے کہو کہ کیا وید میں کہیں لکھا ہے کہ سورج اور ہوا اور اگنی اور جل وغیرہ کی پوجا مت
کرو اور بجز خدا کے جو غیب الغیب اور نہاں در نہاں ہے کسی کو اپنا معبود مت قرار دو
اور جو چیز تمھیں آسمان پر یا زمین پر دکھائی دیتی ہیں وہ تمھارے خدا نہیں ہیں بلکہ خدا
وہی ہے جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا۔ اگر کہیں لکھا ہے تو ہمیں بتاؤ۔ لیکن قرآن
شریف تو سارا اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ بجز خدا کے کسی کی پرستش جائز نہیں بلکہ کلمہ
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے یہی معنے ہیں کہ تمہارا معبود بجز خدا کے اور کوئی نہیں اور
یہ بھی قرآن شریف فرماتا ہے لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ
خَلَقَهُنَّ۔ یعنی نہ تم سورج کی پرستش کرو اور نہ چاند کی بلکہ اس ذات کی پرستش کرو

کہ جو ان سب چیزوں کا پیدا کرنیوالا ہے۔ اگر وید میں اس آیت کے ہم معنے کوئی شرتی ہوتی تو کروڑہا آدمی مخلوق پرستی سے ہلاک نہ ہوتے۔ دیانند نے جسقدر وید کی حمایت میں تکلفات کئے ہیں وہ سب بیہودہ اور لچر ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ دیانند نے اصلی وید کیطرف آرین لوگوں کو رجوع نہیں دلایا۔ بلکہ اُس نے زمانہ کی ہوا کو دیکھ کر ایک نیا وید بنا کر پیش کیا ہے چونکہ کئی کروڑ ہنود وید سے بیزار ہو کر مسلمان ہو چکے تھے اس لیئے اُس نے خواہ نخواہ وید میں توحید کو دکھلانا چاہا سو اس بات کے ثابت کرنیسے وہ نامراد مرا۔ وید کی حالت آزمانیکے لیئے سہل طریق یہ ہے کہ ایک تحت اللفظ ترجمہ اُس کا جسمیں بطور شرح اپنی طرف سے کوئی فقرہ نہ ملایا جائے کسی غیر قوم کی طرف بھیجدو تو پھر انکو پوچھکر دیکھلو کہ وید کی ان عبارتوں سے توحید ثابت ہوتی ہے یا مخلوق پرستی ۔

آریہ سماج کی دیانندسے بیزاری اور قرآن شریف کی پیروکاری

سناتن دھرمی ہندو بیوہ کے نکاح کی مخالف تو تھی ہی بانی آریہ سماج پنڈت دیانند جی بھی ایسے ہی نکاح بیوگان کے مخالف ہیں۔ جیسا کہ پنڈت صاحب کی مندرجہ ذیل عبارت سے منکشف ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں "جس عورت یا مرد کا پانی گرہن ماتر سنسکار ہوا ہو (محض رسومات شادی ادا ہوئی ہوں) اور میل نہ ہوا ہو۔ یعنی جو اکھشت یونی استری (باکرہ عورت) اور اکھشت ویرج مرد ہو انکا دوسری عورت یا مرد کے ساتھ پنر وواہ (مکرر ازدواج) ہونا چاہیئے اور برہمن کھشتری اور ویش ورنوں (ذاتوں) میں کھشت یونی عورت اور کھشت ویرج مرد (جنکا میل ہو چکا ہو) کا پنر وواہ (مکرر بیاہ) نہ ہونا چاہیئے"۔ ان ذاتوں کیلیئے پنڈت صاحب بجائے مکرر بیاہ کے نیوگ کی سفارش کرتے ہیں اور اسکے جواب میں کہ آیا ان تین اعلیٰ ذاتوں کی عورتیں اور مرد ایک دفعہ بیاہ والی زندگی بسر کرنیکے بعد خاوند یا بیوی کی وفات کے بعد کسی صورت میں دوبارہ بیاہ کر سکتے ہیں پنڈت صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں ہرگز نہیں۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ پنڈت جی کے پیرو اپنے لیڈر کے صریح حکم کے برخلاف بیوہ کے نکاح کو صرف جائز ہی خیال نہیں کرتے۔ بلکہ حتی المقدور اپنی قوم میں اس رسم کو فروغ دینے کیلیئے ہر طرح سعی کرتے ہیں۔ میرا اسوقت

یہ مدعا نہیں کہ انکو اپنے لیڈر کے صریح حکم کے توڑنے کا الزام لگاؤں۔ بلکہ میری غرض صرف یہ ہے کہ انکی توجہ اس امر کی طرف مبذول کروں کہ انہوں نے اپنے سوامی صاحب کے صریح حکم کو چھوڑ کر قرآن مجید کی تعلیم کو اختیار کیا ہے کیونکہ یہ قرآن شریف کی ہی تعلیم ہے کہ وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ یعنی تم اپنے میں بیوگان کو نکاح کرو۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ قرآن شریف کی تعلیم سے مؤثر ہو کر انکے لیڈر نے اپنے آبا و اجداد کی بت پرستی کے افعال کو ترک کیا اور اب آریہ سماج قرآن شریف کی تعلیم پر کاربند ہو کر بانی سماج کی صریح تعلیم کے برخلاف بیواؤں کے نکاح پر زور دے رہی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

آریوں کا بیواؤں کے نکاح کیلیئے اسقدر جدوجہد سے سعی کرنا صاف بتلا رہا ہے کہ اگرچہ وہ اکثر اپنے گرو کی عزت کو ملحوظ رکھکر اپنی زبان سے نیوگ کی حمایت کرتے ہیں مگر وہ دل سے اسکو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جیساکہ ہر انسان کو جو حیا کا مادہ اپنے اندر رکھتا ہو۔ کرنا چاہیئے پنڈت دیانند نے بجائے نکاح بیوگان کے نیوگ کی سپارش کی اور آریہ سماج کا بیواؤں کے نکاح کو نیوگ کی رسم پر ترجیح دینا حالانکہ پنڈت صاحب کا صریح حکم موجود ہے کہ اعلیٰ اقوام کی بیواؤں کو دوبارہ شادی نہیں کرنی چاہیئے ہاں وہ نیوگ کر سکتی ہیں۔ بلامر اس بات کی صاف شہادت ہے کہ آریہ سماج فی الحقیقت نیوگ سے سخت متنفر ہے اور جب وہ خواستہ نخواستہ اسکے ڈیفینس کیلیئے سعی کرتے ہیں تو اسوقت انکو صرف اپنے استاد یعنی سوامی صاحب کی عزت ملحوظ ہوتی ہے۔ جس نے ستیارتھ پرکاش میں اپنے پیرووں کیلیئے نیوگ کی تعلیم دی کیونکہ اگر انکے نزدیک فی الحقیقت نیوگ عمل میں لانیکے لائق ہوتا تو پھر کیوں وہ بیواؤں کے نکاح کو نیوگ پر ترجیح دیتے؟

اگرچہ سماج مجموعی طور پر بیواؤں کے نکاح کی حامی ہے تاہم اس میں بعض ممبر ایسے بھی ہیں جو ابھی تک اسکے مخالف ہیں اور اس بارے میں اپنے بزرگ آقا کے حکم کی تعمیل کو اپنا فرض سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کی کتب مقدسہ پر مبنی ہے۔ چنانچہ ایک سماجک استری لکھنؤ سے بیواؤں کے نکاح کے برخلاف ایک پرجوش مضمون ویدک میگزین میں بھیجتی ہیں وہ فرماتی ہیں "کہ رنڈوے مردوں کے نکاح کا رواج

غیر آریوں کی سازشوں کی وجہ سے تو پہلے ہی پھیلا ہوا تھا اب آریہ صاحبان بھی سوشل
اور مذہبی اصلاح کی اوٹ میں ان بیوگان کو جو بیاہ والی زندگی بسر کر چکی ہیں دوبارہ
بیاہ کرنیکی ترغیب دینے کی کوشش کر رہے ہیں اور اسطرح انکو پاکدامنی سے محروم کرتے ہیں
بعض آریہ بیان کرتے ہیں کہ سوامی دیانند جی بیواؤں کے نکاح کا قائل تھا میں انسے
استفسار کرتی ہوں کہ ستیارتھ کے کس ایڈیشن اور کس صفحہ پر سوامی جی نے یہ بیان کیا ہے۔
پھر وہ استری آگے چلکر ستیارتھ کی عبارت یہ ظاہر کرنیکے لیئے نقل کرتی ہے کہ سوامی
جی نے بیواؤں کے نکاح کی ممانعت کی اور اسکی بجائے نیوگ کی سفارش کی۔ پھر وہ
کہتی ہے "میرے مترو! جب بیوہ کا بیاہ ویدک دھرم کی رو سے جائز نہیں اور
سوامی جی بھی اسقدر اسکے برخلاف ہیں تو آپ اسکو کس طرح عمل میں لا سکتے ہیں۔ آپ
کیوں آریہ سماج کے نام پر دھبا لگاتے ہو اور بیواؤں کا نکاح کر کے کیوں اعلیٰ ذاتوں کو
خاک میں ملاتے ہو؟ اس دلیل کے جواب میں کہ بیوہ کا بیاہ آریہ استریوں کی عصمت
بچانے کیلیئے اختیار کیا گیا ہے وہ کہتی ہے کہ اگر ہم ایک لمحہ کیلیئے انکے اعتقاد کے
مطابق فرض بھی کر لیں کہ جب بیوہ استریاں بیاہی جائیں تو وہ بدی سے باز
رہیں گی تو مجھے نہایت ہی افسوس اور شرم سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ شریف خاندانوں
کی اکثر بیاہی ہوئی استریاں اس قسم کے گناہ کا ارتکاب کرتی ہیں حالانکہ انکے خاوند
ابھی تک زندہ موجود ہیں"۔

میرے خیال میں اگر وہ استری یہ جواب دیتی کہ جب سوامی جی نے بیوگان کو نیوگ
کرانے کی پوری اجازت بخش دی ہے جب کبھی وہ اسکی ضرورت محسوس کریں تو پھر گناہ
کرنیکی ضرورت کس طرح باقی رہ سکتی ہے تو یہ جواب کامل تسلی بخش اور یقین دلانیوالا ہوتا
آریوں کے اس بیان سے کہ بیواؤں کا نکاح زناکاری سے محفوظ رہنے کیلیئے اختیار کیا گیا
ہے۔ یہ پایا جاتا ہے کہ وہ نیوگ کے زنا کے برابر تصور کرتے ہیں کیونکہ ایک بیوہ عورت بغیر
نکاح کے بھی نیوگ کرا سکتی ہے۔ اور اگر نیوگ زنا نہیں تو اسکو ترک کرنے اور گناہوں
سے محفوظ رہنے کیلیئے نکاح کی صورت اختیار کرنیکی کیا ضرورت آپڑی ہے؟ اگر بیواؤں کا

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجرب

اصلی ممیرا اور ممیرکا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسی اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائی پھرتے ہیں اور ضعف نظر کی عام شکایت ہے۔ مینے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبّی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپکی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مینے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کیے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اس لیئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اوّل قسم عہ/ قسم دوم ۸/ قسم سوم عہ/ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل صہ/ جسکو لوگ اڑھائی روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم سے ۳/ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو۔

ست سلاجیت

مقوی جمیع اعضا۔ نافع صرع مشہی طعام قاطع بلغم ریاح دافع بواسیر و جذام و استسقا و زردی رنگ و تنگی نفس و دق و شیخوخیت و فساد بلغم و قاتل کرم شکم متفتت سنگ گردہ و مثانہ و سلسل بول و سیلان منی و یبوست و درد مفاصل وغیرہ وغیرہ بہت مفید ہے بقدر دانہ نخود صبح کے وقت دودھ کے ساتھ استعمال کریں قیمت فی تولہ ۸/

لنگیاں اور کلاہ:۔ ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری بادامی سیاہ سفید ماشی ریشمی اور سوتی کسری صافے سفید اور بادامی اور پشاوری ٹوپیاں اور زری کی پشاوری جوتیاں ہر قسم کی اور ہر قیمت کی حمائل خورد روسی ہدیہ عہ/ اور شاہ رفیع الدین کا مترجم کلام اللہ چمڑیکی جلد قیمت ۱۱/

المشتہر

احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور پنجاب۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ ۔ بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۰ع ۔ نمبر ۶

چندہ سالانہ

فہرست مضامین

عام طلباء سے

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۔جون ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجرب

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعفِ نظر کی عام شکایت ہے۔ میں نے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد میں نے حضرت مولویصاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضانِ چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کیے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اسلئے ہر ایک کی قیمت جُدا جُدا ہے قیمت سرمہ اوّل قسم عا؍ قسم دوم ۸؍ قسم سوم عہ؍ فی تولہ۔ قیمت ممیرا قسم اوّل صہ؍ جسکو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم ستے؍ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو۔

ست سلاجیت

مقوی جمیع اعضا۔ نافع صرع مشہی طعام قاطع بلغم ورباح دافع بواسیر وجذام واستسقا و زردی رنگ وتنگی نفس و دق وشیخوخیت و فساد بلغم وقاتل کرم شکم مفتت سنگ گردہ و مثانہ و سلسل البول وسیلان منی و دیبوست و درد مفاصل وغیرہ وغیرہ بہت مفید ہے بقدر دانہ نخود صبح کے وقت دودھ کے ساتھ استعمال کریں قیمت فی تولہ ۸؍

لُنگیاں اور کلاہ :۔ ہرقسم کی لُنگیاں مشہدی اور پشاوری بادامی سیاہ سفید ماشی ریشمی سوتی سُرخی صاحبی سفید اور بادامی اور پشاوری ٹوپیاں اور زری کی پشاوری جوتیاں ہرقسم کی اور ہرقیمت کی مل سکتی ہیں عجائب علی الملک حمائل خورد روسی ہدیہ ۲؍ اور شاہ رفیع الدین کا مترجم کلام اللہ چمڑے کی جلد قیمت ۱؍ عہ؍

المشتہر۔ احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

نوٹ :۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط وکتابت میں نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن مجید پر ڈاکٹر کرل گم کے حملے کا جواب

عیسائی لوگ مذہب اسلام کے متعلق کتابوں۔ رسالوں۔ اور تقریروں کے ذریعہ سے خلاف واقعہ امور پھیلانیکے عادی تو تھے ہی۔ لیکن اب انہوں نے اسلام کے متعلق غلط بیانیاں پھیلانیکا ایک نیا طریق نکالا ہے وہ نیا طریقہ یہ ہے کہ ریوٹر ایجنسی کے ذریعہ سے بذریعہ تار خبر اعتراضات کو دنیا میں شائع کیا جاتا ہے۔ اس ایجنسی کو ایک پیغام تھوڑا عرصہ ہوا کہ ڈاکٹر کرل گم صاحب نے ارسال کیا ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب افریقہ میں سفر کرتے رہے ہیں اور اُنکا مقصد یہ تھا کہ افریقہ میں اسلام کی ترقی اور اسلام کے متعلق مختلف مسائل پر غور کریں۔ اس پیغام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف جنگلستان افریقہ میں پھرتے رہے ہیں بلکہ قرآن شریف کے اس ترجمہ کا بھی جو سیل صاحب نے کیا ہے ورق گردانی کرتے رہے ہیں وہ اس پیغام میں جو انہوں نے ریوٹر ایجنسی کو بھیجا ہے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کریم کا بڑے تدبر سے مطالعہ کیا ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم مذہبی جنون کو پیدا کرنے والی ہے اس دعویٰ کو ثابت کرنیکے لئے وہ سیل کے ترجمے کے چند صفحوں کا حوالہ دیتے ہیں اور اُن کے نزدیک ان صفحات کی تعلیم کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ کافروں کو قتل کیا جاوے یا اُنکو غلامی کی حالت میں ذلت کے ساتھ رکھا جاوے۔

افسوس ہے کہ ڈاکٹر کرل کم صاحب جیسا علم و فضل کا مدعی انسان قرآن کریم کی تعلیم سے ایسا ناواقف ہو کہ ساری دنیا کے سامنے یہ ظاہر کرے کہ قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کو یا قتل کیا جاوے یا انکو غلام بنایا جاوے۔ اگر تمام دنیا ایسی ہی سمجھدار ہوتی جیسا ڈاکٹر کرل کم تو قرآن کریم کے خلاف ایسے اعتراض کا جواب دینا بے فائدہ تھا لیکن ہم یقین کرتے ہیں کہ ہمارے ناظرین میں بہت سے ایسے اصحاب ہیں جو سچائی کو سمجھکر اُسکی قدر کرینگے۔ ہم اپنے ناظرین کے سامنے وہ عبارات پیش کرتے ہیں جنکا ڈاکٹر کرل کم صاحب نے حوالہ دیا ہے اور ہر ایک صاحب بصیرت یہ دیکھ لیگا کہ ڈاکٹر مذکور نے کیسے ناجائز اعتراض قرآن کریم پر کیے ہیں ڈاکٹر مذکور سیل کے ترجمے میں سے مفصلہ ذیل صفحات کا حوالہ دیتا ہے۔ صفحات ۲۰ و ۲۲ و ۶۴ و ۷۰ و ۷۲ و ۸۲ و ۸۳ و ۳۶۵ وغیرہا۔ ہم پہلے صفحہ ۲۰ کے متعلق غور کرتے ہیں۔ صفحہ مذکور پر لڑائی کے متعلق مفصلہ ذیل آیات ہیں وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ o وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج وَلَا تُقَاتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْہِ ج فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ ط کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ o فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ۔ فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ o اَلشَّھْرُ الْحَرَامُ بِالشَّھْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ط فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ o وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (البقرہ ۲۴) ان آیات کا ترجمہ سیل نے حسب ذیل کیا ہے۔ ’’ اور خدا کے مذہب کے واسطے اُن لوگوں سے لڑو جو تمہارے ساتھ لڑتے ہیں مگر اُنپر پہلے حملہ مت کرو کیونکہ خداوند کریم حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور اُنکو قتل کرو جہاں کہیں تم اُنکو پاؤ۔ اور اُنکو نکالدو اُس جگہ سے جہاں سے تم کو اُنھوں نے بے دخل کیا ہے۔ کیونکہ بت پرستی کی ترغیب قتل سے زیادہ بُری ہے لیکن مسجد حرام کے پاس اُنسے نہ لڑو مگر اُس صورت میں جب وہ تم پر حملہ وہاں کریں اگر وہاں وہ تم پر حملہ کریں تو اُنکو وہیں قتل کرو۔ کافروں کے لیئے یہ سزا ہے۔ مگر اگر وہ باز آجاویں تو خدائے تعالیٰ بخشنے والا اور رحیم ہے۔ اور اُنکے ساتھ لڑتے رہو حتیٰ کہ بُت پرستی کی طرف ترغیب نہ رہے اور خدا کا مذہب ہو جاوے لیکن اگر وہ باز آجائیں تو پھر کوئی لڑائی نہیں ہونی چاہیئے مگر ظالموں کے ساتھ حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے بدلے ہے۔ اور حرمتوں کا بدلہ ہے۔ پس جو کوئی تمپر زیادتی کرے پس تم بھی اُسپر زیادتی کرو مانند اُسکے کہ اُس نے تمپر زیادتی کی اور خدا سے ڈرو اور یہ ہمیشہ یاد رکھو کہ خدا اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو اُس سے ڈرتے ہیں۔ خدا کے مذہب کی حمایت میں اپنے مال سے مدد دو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو اور بھلائی کرو۔ ان آیات سے ڈاکٹر کرل کم یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ کافروں کے ساتھ جنگ کرو حتیٰ کہ یا تو وہ غلام بن جاویں یا ذلیل بنکر رہیں۔ اگر ڈاکٹر مذکور ان آیات کو غور سے مطالعہ کرتا تو اُسکو معلوم ہو جاتا کہ ان آیات کی تعلیم انصاف اور عقل پر مبنی ہے اور یہ تعلیم ہر ایک صاحب فہم کے نزدیک واجب التعمیل ہے۔

اوّلاً ان آیات کے سمجھنے کے لیئے ہمیں اُن حالات کو دیکھنا چاہیئے جن حالات میں یہ آیتیں نازل ہوئیں قرآن کریم کا ہر ایک پڑھنے والا اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ قرآن کریم ایک ہی وقت نہیں اُترا بلکہ تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت و موقعہ اُترا ہے۔ ان آیات سے یہ ظاہر ہے کہ یہ آیتیں تمام کفار کے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ وہ صرف اُن کفار کے متعلق ہیں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ اور لڑائی جسکا حکم دیا گیا وہ اُس وقت کے مخالفین کے خلاف .... تھی۔ اگر قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ اُن سے لڑو تو اسکے یہ معنے نہیں ہیں کہ ہر ایک سے لڑو۔ ان الفاظ سے عام معنے نکالنا ایک ظلم ہے اور ان الفاظ کا ہرگز یہ مطلب نہیں۔ یہ حکم صرف اُن منکرین کے متعلق ہے جو پیغمبر خدا صلعم

کے زمانے میں تھے۔ اور جس ضرورت کی وجہ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو مخالفین سے لڑنیکا حکم ہوا تھا وہ خود اُن آیات سے ظاہر ہے۔ لڑائی کا سبب پتہ لگانے کے لیئے ہم کو کچھ ضرورت نہیں ہے کہ ہم اُس زمانہ کی تاریخ کی ورق گردانی کریں۔ خود قرآن کریم اسکا سبب بیان فرماتا ہے اور اُس زمانے کے واقعات کے متعلق قرآن کریم کی شہادت کو عیسائی معترضین بھی صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ ہم ان آیات کی طرف توجہ کرتے ہیں جو ڈاکٹر کرل کُم صاحب اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ پہلی آیت کا سیل نے اس طرح ترجمہ کیا ہے۔ "اور خدا کے مذہب کی خاطر اُن لوگوں سے لڑو جو تمہارے ساتھ لڑتے ہیں۔ لیکن تم اُنپر پہلے حملہ کر کے حد سے نکلنے والے نہ بنو۔ کیونکہ خداوند کریم حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو صرف اُن مخالفین سے لڑنے کا حکم تھا جو اُن سے لڑتے۔ اور اُن کو یہ بھی حکم تھا کہ مخالفوں پر پہلے حملہ نہ کریں۔ منکروں پر حملہ کرنے میں ابتدا کرنا خدائے تعالیٰ کے نزدیک اعتدار (حد سے نکلنا) ہے۔ اور اعتداء کرنے والوں کے لیئے خداوند کریم کا وعید ہے کہ وہ اُنکو اس جرم کے بدلے ضرور سزا دیگا۔ اگر ڈاکٹر کرل کُم صاحب تعصب سے کام نہ لیتے تو وہ اس آیت کی تعلیم کو مذہبی جنون کی تعلیم نہ خیال کرتے اور نہ ہی اُنکو خیال ہوتا کہ اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ مسلمان دوسرے مذاہب کے پیرؤوں کو بلا امتیاز قتل کر ڈالیں۔ خود اس آیت میں اس اعتراض کا جواب ملتا ہے جو اعتراض قرآن کریم کے خلاف کیا گیا ہے۔ اگر ڈاکٹر کرل کُم صاحب قرآن کریم پر کافی تدبر کرتے تو اُنکو معلوم ہو جاتا کہ قرآن صرف اُن لوگوں کے خلاف لڑنیکی اجازت دیتا ہے جو مسلمانوں پر پہلے ہتھیار اُٹھائیں۔ اور قرآن کریم میں سخت ممانعت ہے اُن لوگوں سے لڑنیکی جو مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اُٹھانیکے مرتکب نہیں ہوئے سو صاف ظاہر ہے کہ ڈاکٹر کرل کُم صاحب میں یا تو یہ قابلیت نہیں کہ ایک صریح عبارت کو سمجھ سکیں یا عمداً حق کو چھپا کر غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ وہ الفاظ جنکا ترجمہ سیل نے "خدا کے مذہب کے واسطے" کیا ہے وہ فی سبیل اللہ ہیں جنکا لفظی ترجمہ ہے

خدا کے راستہ ہیں۔ کافروں کو مسلمانوں کے ساتھ کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی مسلمان اُنکے رشتہ دار تھے۔ کافر مسلمانوں سے اسواسطے لڑتے تھے کہ انہوں نے مذہب اسلام قبول کیا تھا اور کافروں کا مدعا مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کرنیکا یہ تھا کہ یا تو اُنکو تباہ کر دیں اور یا اُنکو مجبور کریں کہ وہ اسلام چھوڑ کر پھر بُت پرستی کی طرف رجوع کریں۔ اُنکا مدعا یہ تھا کہ اسلام کو نیست و نابود کر دیں وہ مسلمانوں سے نہیں لڑتے تھے بلکہ اسلام سے جو خدا کا مذہب تھا۔ اسواسطے مسلمانوں کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ وہ خدا کے راستہ میں لڑتے ہیں۔ کافر جھوٹے معبودوں کی راہ میں لڑتے تھے اور مسلمان خدا کے راستہ میں لڑتے تھے۔ خدا کے راستہ میں لڑنے کے معنے مسیحی صاحبان نے غلطی سے یہ کئے ہیں کہ مسلمان خدا کے مذہب یعنی اسلام کو پھیلانے کیلئے لڑنیکے واسطے حکم دیئے گئے تھے لیکن ان معنوں کی غلطی خود اُس آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے کیونکہ یہ آیت صرف اُن لوگوں کے خلاف لڑنیکی اجازت دیتی ہے جو پہلے مسلمانوں کے ساتھ لڑتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کے ساتھ قطعی لڑنے کی ممانعت ہے جو لڑنے میں پیش قدمی نہیں کرتے۔ اگر لڑائی کا مدعا یہ ہوتا کہ اسلام کو پھیلایا جاوے تو حکم یہ ہوتا کہ تمام کافروں سے لڑو۔ ایک اور بات بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو مذہب پھیلانیکی غرض سے لڑائی کرنیکا حکم نہیں دیا گیا تھا اور وہ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو صرف اُسوقت تک لڑنیکا حکم تھا جب تک کہ مخالف اُنکے ساتھ لڑتے رہیں اور جب مخالف لڑنا چھوڑ دیں تو مسلمانوں کو حکم تھا کہ وہ فوراً ہتھیار ڈال دیں اور لڑنا بند کر دیں۔ اور جب تک کہ مخالف اُنپر تعدی نہ کریں وہ ہرگز اُنسے نہ لڑیں۔ مذکورہ بالا دعویٰ کو ثابت کرنیکی غرض سے بہت سی آیتیں قرآن کریم سے نکالکر پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن ہم انہیں آیتوں تک اپنے تئیں محدود رکھیں گے جنکا حوالہ ڈاکٹر کرل کم صاحب نے دیا ہے۔ ان آیتوں میں سے جنکا اوپر حوالہ دیا گیا ہے ایک یہ بھی ہے فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ لیکن اگر وہ رُک جاویں تو خداوند غفور اور رحیم ہے۔ اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ

...... فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ اگر وہ (کافر) لڑنے سے رک جاویں تو پھر انکے ساتھ لڑائی نہیں ہونی چاہیئے۔ ان دو آیات سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں اول یہ کہ مسلمانوں کو لڑائی کرنیکی اجازت صرف اسوقت تھی جبکہ مخالفوں کی طرف سے لڑائی کی ابتدا ہو۔ دوئم یہ کہ مسلمانوں کو جنگ کرنیکی صرف اسی وقت تک اجازت تھی جبتک کہ کافر انسے لڑتے رہیں۔ اور جب فریق مخالف لڑنا چھوڑ دیں تو پھر مسلمانوں کے لیئے حکم تھا کہ وہ بھی ہرگز ان سے لڑائی نہ کریں۔ سوئم یہ کہ اگر دشمنان اسلام لڑنا چھوڑ دیں تو انکے گذشتہ ظلموں کو نظرانداز کر دینا چاہیئے کیونکہ آیت کریمہ کے الفاظ یہ ہیں فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کہ اگر وہ رک جاویں تو خدا بخشنے والا اور رحیم ہے۔ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ انکی گذشتہ خطاؤں کے بدلے میں انکو کوئی سزا نہیں ملنی چاہیئے بلکہ وہ معاف ہو جانی چاہئیں تو اب صاف ظاہر ہے کہ مسلمان صرف مخالفوں کا ظلم روکنے کے لیئے لڑتے تھے۔

جنگ بدر کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر حسب ذیل وحی الٰہی نازل ہوئی۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ٭ اے اہل مکہ اگر تم فتح چاہتے ہو تو اب فتح آچکی ہے اب تمھارے لیئے یہ بہتر ہے کہ تم لڑائی سے رک جاؤ۔ لیکن اگر تم لڑائی کی طرف لوٹو گے تو ہم بھی لوٹیں گے اور تمھاری کثیر التعداد فوج تمھارے کچھ کام نہیں آویگی کیونکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے۔ ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لڑائی کے شروع ہونیکے بعد بھی مخالفین کو کہا جاتا تھا کہ جنگ سے باز آجاؤ۔ اور انکو یہ بھی بتایا جاتا تھا کہ اگر وہ لڑائی سے باز نہ آدیں گے تو خدا مسلمانوں کے ساتھ ہے اور وہ مسلمانوں کو ضرور فتحیاب کریگا خواہ دشمنوں کی تعداد زیادہ ہو۔ صرف اللہ تعالیٰ

٭ انفال ۲۔

کی طرف سے ہی ایسی پیش گوئی ہو سکتی تھی۔ کوئی انسان ایسی پیشگوئی نہیں کرسکتا تھا۔ اور یہ پیشگوئی اُسوقت کی گئی تھی جبکہ مسلمان بہت کمزور تھے اور دشمنوں کے مقابلہ میں اُنکی جمعیت بالکل ہیچ تھی۔ اور اس پیشگوئی کا پورا ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے تھی۔

غرض مسلمانوں کو صرف اُسوقت تک لڑنیکا حکم تھا جبتک کہ کافر انکے ساتھ لڑتے رہیں اور جنگ کے اثنا رمیں بھی دشمنوں پر بار بار یہ امر واضح کردیا جاتا تھا کہ اگراب بھی وہ لڑائی سے رُک جاویں گے تو اُنسے مسلمان ہرگز نہیں لڑیں گے جن آیات کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اُنہیں سے مفصلہ ذیل آیت بالخصوص قابل ذکر ہے وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ "لڑائی کرو...... اُنسے۔ حتّٰی کہ بُت پرستی کی کوئی ترغیب نہ رہے اور مذہب خدا کا مذہب ہوجاوے"۔ جس لفظ کا ترجمہ سیل نے بُت پرستی کی ترغیب کیا ہے وہ فتنۃ ہے۔ اس لفظ کے اصلی معنے ہیں آزمائش۔ تکلیف اور مصیبت میں ڈالنا (دیکھو لین پول کی عربی انگریزی ڈکشنری) خدا کا حکم یہ تھا کہ کافروں سے لڑو حتّٰی کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے یعنی اُسوقت تک کافروں سے لڑو جسوقت تک کہ کافر مسلمانوں کو تکلیف میں ڈالکر مذہب چھوڑنے کیلئے مجبور کرنیسے باز آجاویں۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ دشمنوں کا مدعا یہ تھا کہ مسلمانوں کو تنگ کرکے انکو اپنا مذہب اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا جاوے۔ مسلمانوں کو حکم تھا کہ جب کافر اُنسے اس غرض سے لڑیں کہ مسلمان اپنا مذہب اسلام چھوڑدیں تو وہ بھی کافروں سے لڑیں۔ مگر جب کافر مذہب کی خاطر دُکھ دینے سے باز آجاویں تو مسلمان بھی لڑائی سے باز آجاویں۔ جب مسلمان لڑائی کیلئے آمادہ نہیں ہوئے تھے اور ہتھیار نہیں اُٹھائے تھے تو انکو واسطے اس سرزمین میں کوئی امن نہیں تھا۔ بہت سے ایسے لوگ تھے جو دلمیں مومن تھے لیکن دشمنان اسلام ایسے زبردست تھے کہ ایسے لوگ اُنکے ڈر کے مارے اپنا اعتقاد ظاہر نہیں کرسکتے تھے۔ اس قسم کو لوگ

بُت پرستوں کے مذہب کو ڈر کے مارے مانتے تھے۔ پس ان لوگوں کا مذہب خدا کے لیئے نہیں تھا بلکہ اُن لوگوں کے لیئے تھا جن سے وہ ڈرتے تھے۔ مسلمانوں کو لڑنے کا حکم اسواسطے ہوا تاکہ مذہب کے سبب کوئی شخص نہ ستایا جاوے اور ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہو کہ جس مذہب کو وہ سچا سمجھے اُسی کی پیروی کرے۔

غرض جب دشمنان اسلام مومنوں کے قتل کرنے میں مصروف تھے اور ایسا کرنیکے واسطے اُنکے آگے کوئی روک نہ تھی۔ تو بہت سے آدمی ان دشمنان اسلام کے ڈر کے مارے اپنے باپ داداؤں کے مذہب کو پکڑے رکھتے تھے۔ سو اُنکا مذہب خدا کے لیئے نہیں تھا بلکہ اُن لوگوں کے لیئے تھا جنکے ڈر کے مارے وہ اپنے پرانے مذہب کو نہیں چھوڑتے تھے۔ اور مسلمانوں کو لڑنیکا حکم اس واسطے دیا گیا تھا کہ کوئی شخص کسی مذہب کو قبول کرنیکی خاطر دُکھ نہ دیا جاوے اور ہر ایک شخص کا مذہب خالصۃً للہ ہو۔ یہ ہی اُس آیت کی تفسیر ہے جسکا ترجمہ سیل صاحب اس طرح پر کرتا ہے۔ (وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ) لڑو اُنسے یہانتک کہ بُت پرستی کی کوئی ترغیب نہ رہے اور مذہب خدا کا ہو جاوے۔ اگر آیت کریمہ کے آخری الفاظ کا ترجمہ ٹھیک طور سے کیا جاوے تو یُوں کہنا چاہیئے کہ مذہب خدا کے لیئے ہو جاوے۔ کیونکہ اصل لفظ لِلّٰہ ہے جسکا ترجمہ لفظی اللہ کے واسطے ہے آیت وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۔ اور مذہب خدا کیلیئے ہو جاوے۔ کے معنے سمجھنے میں مسیحی مصنفین نے بڑی غلطی کھائی ہے ان الفاظ کے معنے مسیحی صاحبان نے یہ سمجھے ہیں کہ تمام لوگ مسلمان ہو جاویں۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانوں کو لڑنا چاہیئے حتّٰی کہ تمام دنیا مسلمان ہو جاوے ان معنوں کا غلط ہونا کئی طریقوں سے ثابت ہو سکتا ہے مگر میں صرف انہیں آیات تک اپنے آپ کو محدود رکھونگا جن کا حوالہ میں نے اوپر دیا ہے۔ سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ جو معنے مسیحی لوگوں نے اس آیت کے کیئے ہیں وہ غلط ہیں۔ (سیل کے ترجمہ کے مطابق) وہ الفاظ جو اس آیت سے پہلے ہی وارد ہیں وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا

تَكُوْنَ فِتْنَةٌ - " اسواسطے اُنکے خلاف لڑو - حتیٰ کہ بُت پرستی کی کوئی ترغیب نہ رہے "
ان الفاظ کے معانی پہلے بیان کیئے گئے ہیں جنکا خلاصہ یہ ہے کہ دشمنان اسلام کے
ساتھ اسوقت تک لڑائی کرنی چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کو ستانا چھوڑ دیں - جب کافر
مسلمانوں کو دین اسلام چھوڑانے کی غرض سے تنگ کرنا اور اُنسے لڑنا چھوڑ دیں
تو مسلمانوں کے واسطے حکم یہ تھا کہ وہ بھی لڑنا چھوڑ دیں - یہ حکم ہے جو آیت زیر بحث
سے پہلی آیت میں دیا گیا ہے - کیا یہ کہنا بالکل عقل کے خلاف نہیں ہے کہ دوسری
آیت جو پہلی آیت کا ایک جزو ہے یہ حکم دیتی ہے کہ کافروں سے لڑو حتیٰ کہ وہ یا
تو اسلام قبول کر لیویں یا تلوار کے نیچے آکر قتل ہو جاویں - اب ہم اُس آیت کو دیکھتے
ہیں جو آیت زیر بحث کے بعد آتی ہے مابعد کی آیت کے الفاظ حسب ذیل ہیں فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا
عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ - " لیکن اگر وہ (کافر) لڑائی سے باز آجاویں تو پھر کوئی لڑائی نہیں
ہونی چاہیئے مگر ظالموں کے ساتھ " کیا اس آیت سے یہ بات صاف ظاہر نہیں ہے کہ قرآن کریم مسلمانوں کو
ہرگز یہ حکم نہیں دیتا کہ مسلمان کافروں سے لڑتے رہیں حتیٰ کہ تمام کافر مسلمان ہو جاویں
اگر قرآن کریم کا یہ منشا ہوتا تو وہ یہ حکم مسلمانوں کو ہرگز نہ دیتا کہ اگر کافر لڑنا چھوڑ دیں تو
مسلمانوں کو بھی اُنکے ساتھ نہیں لڑنا چاہیئے - دوسری آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں
فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ - " مگر ظالموں کے خلاف " اس سے ظاہر
ہے کہ صرف دکھ دینے والوں اور ستانیوالے ظالموں کے خلاف لڑائی کرنے کی
اجازت ہے -

سیل کے ترجمہ صفحہ ۲۰ پر سے جو آیات نقل کی گئی ہیں انہیں ایک اور تعلیم بھی ہے
جو خاص توجہ کے قابل ہے - ان آیات سے صرف یہی نہیں نکلتا کہ مسلمان لڑائی میں ابتدا
کرنیوالوں سے لڑیں بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ ایسے لوگوں سے لڑائی کرنے میں انصاف
کو مدنظر رکھا جاوے - حکم ہے کہ ان لڑائی کی ابتدا کرنیوالوں کو سزا دیجاوے لیکن
ساتھ ہی یہ بھی حکم ہے کہ سزا دینے میں جرم کی حیثیت کا لحاظ رکھا جاوے - ان
آیات میں ناظرین کو مفصلہ ذیل ہدایات ملیں گی (الف) وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ٥ خدا کے راستہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تمہارے ساتھ لڑتے ہیں لیکن حد اعتدال سے مت بڑھو۔ کیونکہ خدا حد اعتدال سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا سیل صاحب الفاظ "حد سے نہ بڑھنے" کے بعد... تفسیر کے طور پر یہ لفظ لکھتے ہیں کہ کافروں پر پہلے حملہ نہ کیا جاوے۔ لیکن اُسکی تفسیر سے آیت کے معنے محدود ہو جاتے ہیں اس آیت کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ مسلمانوں کو پہلے پہل لڑنے سے منع کیا گیا ہے بلکہ اسکا مطلب یہ بھی ہے کہ لڑائی شروع ہونیکے بعد بھی کسی طرح اعتدال اور انصاف کی حد سے تجاوز نہ کیا جاوے۔ ایک مثال اس بات کو خوب ثابت کر دے گی۔ جب اُحد کی جنگ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عزیز اور بہادر چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کو کچلا ہوا اور مثلہ کیا ہوا دیکھا تو آپکا دل ایسا نظارہ دیکھنے سے پھٹ گیا اور آپنے اپنے چچا کے جسم مبارک کو مخاطب کر کے یُوں فرمایا لامثلن بسبعین منھم مکانک کہ میں آپکے بدلے دشمن کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔ اسپر خدا کی وحی اسطرح نازل ہوئی وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ۔ (نحل ۱۶) اگر تم سزا دو تو ایسی سزا دو جیسی کہ تمکو سزا دیگئی ہے لیکن اگر تم صبر کرو تو صبر کرنیوالوں کے لیئے بڑا اجر ہے۔

(ب) سیل صاحب کے ترجمہ

صفحہ ع۲۰ سے جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے اُنہیں یہ مزید ہدایت بھی ہے کہ مسلمانوں کو لڑائی میں انصاف کیسے قائم رکھنا چاہیئے وَأَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوْكُمْ "اور اُنکو اُس جگہ سے نکال دو جہاں سے کہ انہوں نے تم کو نکالا ہے"۔ ان الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا دشمن کی طرف سے تھی۔ لیکن مسلمانوں کو اجازت تھی کہ وہ اس حد تک بدلہ لیں جس حد تک اُنکو دکھ دیا گیا... اور جائز حد سے اُنکو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ مسلمان صرف اُس جگہ سے کافروں کو نکال سکتے تھے

جہاں سے مسلمانوں کو کافروں نے نکالا تھا۔ لیکن مسلمان کافروں کو اس جگہ سے نہیں نکال سکتے تھے جس جگہ سے مسلمانوں کو نہیں نکالا گیا تھا۔ ناظرین ملاحظہ فرماویں کہ قرآن مجید کی یہ تعلیم کیسی انصاف پر مبنی ہے۔ بااین ہمہ ڈاکٹر کرل کُم قرآنی تعلیم پر یہ الزام لگاتا ہے کہ وہ مذہبی جنون پیدا کرتی ہے۔ شائد ڈاکٹر مذکور کا منشا ریہ ہے کہ دشمن تو جس طرح چاہیں مسلمانوں پر حملہ کریں اور اُنکو اُنکے گھروں سے نکالدیں لیکن مسلمانوں کو یہ اجازت نہ ہو کہ وہ اپنے بچاؤ کے لیئے دشمن کا مقابلہ کریں یا اُنکو اس زمین سے نکال دیں جہاں سے کہ دشمن نے اُنکو نکالا ہے اور اگر مسلمانوں کو ایسا کرنے کی اجازت ہو تو اُسکو مذہبی جنون کے نام سے پکارنا چاہیئے۔ اگر یہی مذہبی جنون ہے تو ہم اس بات کے ماننے لیئے بالکل تیار ہیں کہ قرآن کریم مذہبی جنون کی تعلیم دیتا ہے۔

ڈاکٹر کرل کُم ان الفاظ سے کہ "جہاں کہیں اُنکو پاؤ قتل کر ڈالو" یہ نتیجہ نکالنا چاہتا ہے کہ قرآنی تعلیم مذہبی جنون سکھاتی ہے۔ عیسائیوں کی یہ عادت ہے کہ ایسی آیتوں کو جیسی کہ مذکورہ بالا آیت ہے منتخب کر لیتے ہیں اور اُنکو باقی آیات سے جدا کر کے جاہل اور کم علم لوگوں کے سامنے پیش کر کے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان آیات میں تمام کافروں کو بلا تمیز قتل کرنیکا حکم ہے۔ ایسی آیتوں یا ایسے ضمائر کو تمام منکرین اسلام پر چسپاں کرنا ایک صریح ظلم ہے مذکورہ بالا آیت کو لیجیئے اس آیت میں اگر ضمیر ھُم کو تمام کافروں کی طرف منسوب کیا جاوے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اس آیت سے یہ حکم نکلتا ہے کہ مسلمان جہاں کہیں کافروں کو پائیں قتل کر ڈالیں۔ اگر ڈاکٹر کرل کُم صاحب تھوڑا عقل اور فہم استعمال کریں تو آیت مذکورۃ الصدر کا ماقبل دیکھنے سے معلوم ہو جاویگا کہ ضمیر ھُم ایسے لوگوں کی طرف پھرتی ہے جو مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہیں (اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ) اور آیت مابعد کے دیکھنے سے معلوم ہو جاویگا کہ وہ اشخاص جن سے اس آیت کا تعلق ہے ایسے اشخاص ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو اُنکے ملک سے نکالا۔

یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو بعض دشمنوں کو لڑنے اور اُنکو مارنے کا حکم تھا جہاں کہیں یہ دشمن اُنکو مل جاویں وجہ یہ تھی کہ یہ

* وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ

دشمن بھی مسلمانوں کو جہاں کہیں پاتے تھے مار ڈالتے تھے۔ اسکے ثبوت میں مَیں ڈاکٹر کرل گم صاحب کی خدمت میں اس زمانے کی تاریخ پیش کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جن لوگوں سے پیغمبر خدا صلعم کو واسطہ پڑا وہ لوگ ڈاکٹر صاحب کی طرح مہذب نہیں تھے۔ یہ لوگ جنگلی تھے اور بہت کم باقاعدہ لڑائی کے عادی تھے اور انکو انکی ظالمانہ حرکات سے روکنے کے لیئے ہمیشہ سخت لڑائی کی ضرورت رہتی تھی۔ تاہم مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ کعبہ کی مقدس حدود اور عزت کے مہینوں میں دشمن سے نہ لڑیں۔ ہاں اگر دشمن مسلمانوں پر کعبہ کی مقدس حدود اور عزت کے مہینوں میں پہلے حملہ آور ہوں تو صرف اس صورت میں مسلمانوں کو لڑنیکی اجازت تھی۔

(ج) سیل کے ترجمہ صفحہ ۲۱ میں سے، جو آیات نقل ہوئی ہیں اُنہیں ایک اور آیت بھی ایسی ہے جو مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ لڑائی کے وقت بھی انصاف کرنیکا حکم دیتی ہے اس آیت کے الفاظ یہ ہیں فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ ”جو کوئی تمہارے خلاف تم سے تعدّی کرتا ہے تو تم بھی اُس سے ویسی ہی تعدّی کر سکتے ہو۔ خدا سے ڈرو اور جان لو کہ خدا اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو اُس سے ڈرتے ہیں۔“ یہ آیت بھی آیت ماسبق کی طرح مسلمانوں کو حکم دیتی ہے کہ تم کافروں کو اُتنی سزا دو جتنی تکلیف کہ اُنہوں نے تم کو دی ہے اور مسلمانوں کو مطلع کیا گیا ہے کہ اگر تم اس شرط پر عمل درآمد کرو گے تو صرف اس صورت میں خدا تمہاری مدد کرے گا باایں ہمہ ڈاکٹر کرل گم ریوٹر کی ایجنسی کو اطلاع دیتا ہے کہ قرآن کریم کی ان آیات سے مذہبی جنون پیدا ہوتا ہے۔

سیل کے ترجمہ قرآن صفحہ ۲۱ ہی سے ایک اور آیت قابل غور ہے۔ اس صفحہ پر آخری آیت کے الفاظ اس طرح پر ہیں وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ

اسکا ترجمہ سیل نے حسب ذیل کیا ہے۔ "خدا کے مذہب کی حفاظت کیلئے اپنے مالوں کو خرچ کرو اور اپنے آپکو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں مت ڈالو۔ اور بھلا کرو۔ کیونکہ خدا اُنسے محبت کرتا ہے جو بھلا کرتے ہیں"۔

الفاظ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ کی تشریح اسطرح کی گئی ہو کہ لڑائی میں مدد دینے میں غفلت کرنے سے اپنی ہلاکت کا باعث تم خود مت بنجاؤ۔ یعنی اگر تم دشمن کا مقابلہ نہیں کروگے تو دشمن تمھیں ہلاک کر دیگا راڈول اور سیل ہر دو نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ تو اب اس آیت سے مزید پتہ یہ لگتا ہے کہ دشمنان اسلام مسلمانوں کو ہر وقت تباہ کرنیکے لیئے تیار تھے اور اگر مسلمان دشمنوں کے حملوں کو روکنے کیلیئے تیاری نہ کرتے تو دشمن انکا نام و نشان صفحہ زمین سے بالکل مٹا دیتے۔

اس بحث کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ سیل صاحب کے ترجمہ قرآن مبین کی جن آیات کی نسبت ڈاکٹر کرل کم لکھتا ہے کہ وہ ہر زمانے اور ہر ملک کے کافروں کے قتل کرنیکے لیئے حکم دیتی ہیں اور مذہبی جنون پیدا کرتی ہیں۔ انہیں مفصلہ ذیل تعلیم دیگئی ہے۔

(۱) صحابہ کرامؓ کو صرف ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت تھی جو اُن سے لڑتے تھے۔

(۲) مسلمانوں کو سخت ممانعت تھی کہ وہ کافروں پر پہلے حملہ کریں۔

(۳) لڑائی کے وقت میں بھی انکے واسطے سخت تاکید تھی کہ وہ انصاف کو پوری طرح سے برتیں۔ اور نیز اُنکو یہ بھی حکم تھا کہ حدِ اعتدال سے بالکل نہ بڑھیں۔

(۴) اُنکو حکم تھا کہ جب دشمن لڑائی سے باز آجائیں تو وہ بھی لڑنا چھوڑ دیں۔

(۵) دشمنوں کی غرض لڑائی کرنے سے یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو یا تو تباہ کر دیں یا اُن کو مذہب اسلام کے ترک کرنے پر مجبور کریں۔

(۶) اگر مسلمان اپنی حفاظت میں کچھ غفلت کرتے تو انکی نسبت یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ اپنی تباہی میں آپ مددگار ہوئے۔

(۷) مسلمانوں کی غرض لڑائی کرنے سے یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو بچائیں اور امن قائم ہو۔

اب میں ڈاکٹر کرل کم سے یہ پوچھتا ہوں۔ کہ صفحہ بیس پر ہمکو وہ آیات دکھلائیں جنہیں یہ لکھا ہو۔ کہ ہر ایک کافر جہاں ملے اُسکو قتل کر دینا چاہیئے۔ جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے انہیں مشرکین عرب کا ذکر ہے جو پہلے لڑائی کرنیکے مجرم تھے۔ اب میں سیل کے انگریزی ترجمہ کے صفحہ بیس سے صفحہ بائیس ۲۲ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اس صفحہ پر لڑائی کے متعلق حسب ذیل آیات ہیں کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ - يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا - ترجمہ لکھا گیا ہے تم پر لڑنا اور وہ تمھیں دوبھر معلوم ہوتا ہے اور قریب ہے کہ تمھیں ایک چیز دوبھر معلوم ہو اور وہ تمھارے لیئے اچھی ہو اور قریب ہے کہ ایک چیز تم پسند کرو اور وہ تمھارے لیئے بُری ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے وہ تجھ سے حرمت کے مہینہ میں جنگ کرنیکے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ کہ اُسمیں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو خدائے تعالیٰ کی راہ سے روکنا اور اُسکے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے لوگوں کو اُسمیں سے نکالدینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے اور فتنہ لڑائی سے زیادہ بُرا ہے اور نہیں ٹلیں گے جو لڑے جاوینگے تم سے یہانتک کہ پھیر دیں تمکو تمھارے دین سے اگر ان سے ہو سکے۔ (بقرہ - ۲۷)

ڈاکٹر کرل کم نے جو بیان کیا ہے کہ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ کافروں سے لڑو انکو غلام بناؤ یا انکو ذلیل کرو۔ اس تعلیم کا پتہ ان آیات میں کہیں نہیں چلتا۔ بیشک ایک آیت میں یہ لکھا ہے کہ تمکو لڑائی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ حکم نہیں ہے

کہ تمام کافروں سے لڑائی کرو۔ اگر ڈاکٹر کرل کم ان آیات کو غور سے دیکھتا تو اسکو معلوم ہوجاتا کہ اگران آیات میں لڑنیکا حکم ہے تو ساتھ ہی ایسا کرنے کی دلیل بھی انہی آیات میں بیان کی گئی ہے اور انہی آیات میں دشمنان اسلام کے ایسے کاموں کا ذکر ہے جن کاموں کے کرنیکے باعث مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ کافروں سے لڑیں۔ اور ہر ایک آدمی جو دشمنوں کے ان کاموں کے متعلق غور کریگا اسکو ماننا پڑیگا کہ ایسی حالات میں مسلمانوں کے واسطے سوائے لڑائی کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

(۱) کافر خدا کے راستہ سے روکتے تھے یعنی یہ کہ وہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے تھے۔

(۲) وہ لوگوں کو مسجد الحرام میں آنیسے سے روکتے تھے مکّہ کی پاک مسجد میں ہر ایک آدمی کو آنے کا حق حاصل تھا۔ قریش اپنے دشمنوں کو بھی اس پاک جگہ میں آنے سے روک نہیں سکتے تھے دستور یہ تھا کہ اگر لڑائی بھی ہو رہی ہو تو موسم حج میں لڑائی بند ہوجاتی تھی اور مخالف فریق ایک دوسرے کو دکھ دینے کے بغیر حج کرتے تھے مگر قریش اور انکے ساتھی اسلام کے ایسے دشمن تھے کہ وہ حق جو ہر ایک سخت سے سخت دشمن کو حاصل تھا وہ مسلمانوں کو حاصل نہیں تھا۔

(۳) دشمنوں نے مسلمانوں کو نہ صرف بیت اللہ میں سے روک دیا تھا بلکہ انہوں نے ساکنان مکّہ کو اپنے گھروں سے نکالدیا تھا۔

(۴) کافر مسلمانوں کو فتنہ میں ڈالتے تھے **فتنہ** کا ترجمہ سیل نے بُت پرستی کی ترغیب کیا ہے لیکن اُسکے اصل معنے یہ ہیں آزمایش یا تکلیف اور مصیبت میں ڈالنا۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ اسلام لاتے اُنکو تکلیف اور مصیبت میں ڈالا جاتا تاکہ وہ نیا مذہب چھوڑ دیں۔

(۵) کافروں نے یہ ٹھان لیا تھا کہ جبتک مسلمان اپنے مذہب کو نہ چھوڑ دیں اُن سے لڑتے رہنا چاہیئے۔ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ وہ تم سے لڑتے رہیں گے حتّٰی کہ وہ تمکو تمھارے مذہب سے ہٹا دیں اگر ایسا کرنا اُنکی طاقت میں ہو۔ قرآن کریم

کے اصل الفاظ یہ ہیں وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا۔

دشمنان اسلام کا ظلم دیکھنا چاہیے کہ جب مسلمان مکّہ میں رہتے تھے تو کافر اُنسے اسلام چھوڑوانے کیلئے اُنکو دردناک تکالیف میں ڈالتے تھے۔ اور جب کافروں کے ظلم سے مسلمان تنگ آکر مکّہ چھوڑ گئے اور ایک دُور کے شہر میں جاکر پناہ لی۔ تب بھی کافروں نے اُنکا پیچھا کیا اور جیسا کہ قرآن شریف شہادت دیتا ہے۔ یہ ٹھان لیا کہ مسلمانوں سے لڑتے رہیں گے حتّٰی کہ وہ اپنا مذہب چھوڑدیں جب دشمنوں کا ظلم اس حد تک پہنچ گیا تھا تو مسلمانوں کے واسطے کیسے ممکن تھا کہ وہ زندہ رہ سکتے اگر وہ اپنے بچاؤ کے لیئے ہتھیار نہ اُٹھاتے۔ کاش کہ ڈاکٹر کرل کُم اور اُسکے دوست قرآن شریف کا غور سے مطالعہ کرتے تب اُنکو صاف پتہ لگ جاتا کہ مسلمان دشمن کے ظلم کے سبب اپنی بچاؤ کے لیئے لڑنے پر مجبور ہوگئے تھے۔

عیسائی لوگ اکثر کہتے ہیں۔ کہ مسلمان جبتک کمزور تھے وہ صبر سے ہر ایک تکلیف کو برداشت کرتے رہے لیکن جب وہ طاقتور ہوگئے تو اُنہوں نے دشمن کے خلاف لڑنا شروع کردیا۔ سیل کے ترجمہ صفحہ ۲۶ پر جو آیتیں ہیں وہ اس اعتراض کو جڑھ سے اُکھاڑ رہی ہیں۔ پہلی آیت یہ ہے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو جب لڑنیکا حکم دیا گیا تھا۔ تو وہ اپنی کمزوری اور دشمن کی طاقت کو دیکھکر لڑنا پسند نہیں کرتے تھے۔ چونکہ دشمن بہت طاقتور تھا اسلیئے اُن کا مقابلہ کرنے میں یقینی تباہی نظر آتی تھی۔ بدر کی لڑائی کے متعلق خداوند کریم یوں فرماتا ہے وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ "اور خدائے تعالٰی نے تمکو بدر کے مقام پر مدد دی حالانکہ تم بہت تھوڑے تھے" بدر کی لڑائی کے وقت مسلمان کیسے کمزور تھے یہ بات مفصلہ ذیل آیتوں سے ظاہر ہے جو بدر

کی لڑائی کے متعلق ہیں۔

(۱) كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ (انفال - ۱) "جیسا کہ خدا نے تمکو تمہارے گھر دل سے حق کے ساتھ نکالا جبکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس بات کو دو بھر سمجھتا تھا وہ سچائی کے معاملہ میں تجھ سے جھگڑا کرتے تھے بعد اسکے کہ حق اُنپر ظاہر ہو چکا تھا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جارہے ہیں۔ اور وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں"

اس آیت سے ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ مکہ سے آنیوالی فوج کے ساتھ لڑائی کریں تو وہ ایسے کمزور تھے۔ کہ اُن میں سے بہت مقابلہ کے لیئے نکلنا اپنے لیئے بڑا دوبھر سمجھتے تھے۔

(۲) جب بدر کے مقام پر فوجیں آپس میں آمنے سامنے ہوئیں تو مسلمان اپنی کمزوری کو دیکھکر خدا کے حضور مدد کے واسطے چلائے إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ "جب تم اپنے خدا سے فریاد کرتے تھے تو خدا نے تمہاری فریادوں کو قبول کیا (انفال - ۱)

(۳) اگر ناظرین یہ بات جاننا چاہتے ہیں کہ مسلمان لڑائی کے شروع کے وقت کیسے کمزور تھے تو انکو مفصلہ ذیل آیت پڑھنی چاہیئے۔ وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (انفال - ۳) "اور اُسوقت کو یاد کرو جبکہ تم تعداد میں بالکل تھوڑے تھے اور ملک میں تم ناتوان سمجھے جاتے تھے تمکو یہ ڈر تھا۔ کہ لوگ تمکو اچک لے جائینگے تو ایسے وقت میں خدا نے تمھیں پناہ دی اور اپنی مدد سے تمکو مؤید کیا اور تمکو عمدہ چیزیں عطا کیں تاکہ خداوند کریم کا شکریہ ادا کرو"۔

سیل کے ترجمہ کا ایک اور صفحہ جسکا ڈاکٹر کلارک حوالہ دیتا ہے وہ صفحہ ۱۴۶ ہے اس

صفحہ پر جن آیتوں میں جنگ کا ذکر ہے وہ مفصلہ ذیل ہیں۔

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا

(نساء ۱۲) "وہ (منافقین) یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسا کہ وہ کافر ہیں۔ تا کہ تم اور وہ برابر ہو جاویں اسواسطے اِنکو دلی دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ خدا کی راہ میں اپنے ملک کو نہ چھوڑ دیں اور اگر وہ روگردانی کریں تو اُنکو پکڑو اور جہاں کہیں اُنکو پاؤ مارو۔ انہیں سے کسی کو دوست نہ بناؤ نہ کسی کو اپنا مددگار بناؤ۔"

شاید ڈاکٹر کرل کم نے ان آیات سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ کافروں کو جہاں پاؤ قتل کر دو یا مار ڈالو۔ لیکن اگر وہ اسکے ساتھ کی آیات کو پڑھتا تو اُسکو صاف معلوم ہو جاتا۔ کہ قرآن کریم کا یہ حکم کن لوگوں کے متعلق ہے وہ مابعد کی آیتیں حسب ذیل ہیں۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا۔ (النساء۔۱۲) "سوائے اُن لوگوں کے جو اُس قوم سے جا ملتے ہیں جن کے ساتھ تمھارا عہد ہے یا وہ لوگ تمھارے پاس آتے ہیں۔ اس حال میں کہ اُنکے دل تمھارے خلاف یا اپنی قوم کے خلاف لڑنے سے رُکتے ہیں۔ اور اگر خدا چاہتا تو اُنکو تم پر مسلط کر دیتا۔ اور وہ تمھارے خلاف لڑتے پس اگر وہ تم سے ایک طرف ہو جاویں۔ اور تمھارے خلاف نہ لڑیں۔ اور تمکو امن دیدیں تو خدا تمکو اجازت نہیں دیتا کہ ایسے لوگوں سے جنگ کرو۔"

ناظرین خوب احتیاط سے دیکھیں۔ کہ ان آیات میں کن اشخاص کو مستثنیٰ کیا گیا ہے کئی لوگ ایسے تھے جو بظاہر مسلمان ہونیکا دعویٰ کرتے تھے لیکن دراصل وہ مسلمان نہیں تھے یا اصل میں اسلام کے دشمن تھے اور اُن لوگوں سے جو مسلمانوں کے خلاف کھلم کھلا

لڑتے تھے زیادہ خطرناک تھے۔ خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لوگوں کے متعلق اطلاع دی کہ انکو اپنا دوست یا مددگار نہ سمجھو۔ اور یہ اسواسطے فرمایا۔ تاکہ مسلمان ایسے لوگوں کے دھوکہ میں نہ آجاویں۔ خداوند کریم ایسے لوگوں کی سچائی پرکھنے کیلئے ایک معیار بیان فرماتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ لوگ دشمنان اسلام کا ساتھ چھوڑ دیں۔ اور مدینہ میں جاکر مسلمانوں سے ملجاویں۔ تو انکو مسلمان مانا جائے لیکن اگر وہ دشمنان اسلام سے ملے رہیں اور ہجرت نہ کریں تو انکو دشمن خیال کیا جائے۔ مگر اس صورت میں تین استثنار تھے پہلا استثنا یہ تھا کہ اگر وہ ایسے کافروں سے جاملیں جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ امن کا عہد و پیمان کیا ہوا ہے۔ تو اُن کے ساتھ جنگ نہ کیا جاوے۔ دوسرا استثنار یہ تھا کہ دشمنان اسلام کے ساتھ ملکر مسلمانوں سے جنگ نہ کریں۔ تیسرا استثنار یہ تھا کہ وہ الگ رہیں اور مسلمانوں سے جنگ نہ کریں اور اُن سے امن کا معاہدہ کریں۔ خدا نے ایسی تین صورتوں میں حکم دیا ہے کہ نہ صرف ایسے لوگوں سے لڑائی کیجائے بلکہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس امر کے شکر گذار ہوں کہ یہ لوگ اُنکے ساتھ جنگ کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے ساتھ لڑتے تھے تو اسکی صرف یہ وجہ تھی۔ کہ کافر مسلمانوں کے خلاف لڑتے تھے۔ اور اگر کافر ایسا نہ کرتے تو مسلمانوں کو حکم تھا کہ ہرگز اُنسے نہ لڑیں۔ بلکہ اُنکے شکر گذار ہوں۔ قرآن کریم اُنکو یہ بھی بتاتا ہے۔ کہ منافقوں کے ساتھ کب لڑنا چاہیئے۔ مذکورہ بالا آیت سے مابعد کی آیت میں لکھا ہے۔ سَتَجِدُونَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْکُمْ وَیَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ کُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَی الْفِتْنَةِ اُرْکِسُوْا فِیْهَا فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْکُمْ وَیُلْقُوْٓا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ وَیَکُفُّوْٓا اَیْدِیَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاُولٰٓئِکُمْ جَعَلْنَا لَکُمْ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا۔ تم اور ایسے لوگوں کو پاؤ گے جو تمہاری طرف سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں اور اپنے لوگوں کی طرف سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں جب کبھی وہ لڑائی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اسمیں اُلٹ جاتے ہیں۔ اگر وہ تم سے ایک طرف نہ ہوں اور نہ تم سے صلح رکھیں۔ اور نہ وہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو ایسی صورتوں میں

جہاں اُن کو پاؤ۔ اُنکو پکڑ لو۔ اور اُنکو مارو۔ انپر خدا ئے تعالیٰ نے تمکو کھُلی دلیل دی ہے۔ کیا مسلمانوں کے واسطے ضروری نہیں تھا کہ ایسے آدمیوں کے ساتھ جنگ کر کے اپنے تئیں اُنکے شر سے بچائیں۔ مَیں ڈاکٹر کرل گم صاحب سے اس سوال کا جواب پوچھتا ہوں۔

باقی صفحات جن کا حوالہ ڈاکٹر کرل گم نے دیا ہے وہ مفصلہ ذیل ہیں صفحات ۷۰ و ۷۱ و ۷۲ و ۸۲ و ۸۳ اور ۳۶۵۔ مَیں نے ان صفحات کو بغور پڑھا ہے۔ لیکن سوائے صفحہ ۸۲ کے اور کسی صفحہ پر جنگ کا ذکر نہیں صفحہ ۸۲ پر خداوند کریم یہودیوں کے متعلق یوں فرماتا ہے۔ "کُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ[*]" جتنی دفعہ وہ لوگ (یہودی) جنگ کی آگ جلائیں گے خدا اُسکو بجھاویگا اور وہ زمین میں شرارت ۔۔۔۔۔۔ کریں گے لیکن خدا شریروں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ آیت متعلق اُن سازشوں کے ہے جو مدینہ کے یہودی مسلمانوں کے برخلاف کرتے تھے۔ اور یہودیوں کی کوشش یہ رہتی تھی کہ مسلمانوں کے خلاف بت پرست عربوں کو اُکسائیں۔ اور یہ آیت بتاتی ہے کہ خداوندکریم ایسی سازشوں کو ناکام رکھے گا اور یہودیوں کی کوششیں کامیابی کا پھل نہیں لاوینگی تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ پیغمبر خدا صلعم کے زمانے کے یہودی سازشیں کیا کرتے تھے اور ایسی سازشوں میں ہمیشہ ناکام رہتے تھے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس آیت سے یہ صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو بے گناہ لوگوں کا خون بہانیکا ہرگز حکم نہیں ہے۔ بلکہ اس آیت سے یہ صاف پتہ لگتا ہے کہ دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ سازشیں کرتے رہتے تھے۔ اور ان سازشوں سے اُنکا مدعا یہ تھا کہ مسلمان تباہ ہوجاویں۔ مَیں تعجب کرتا ہوں کہ ڈاکٹر کرل گم نے ان صفحات کا حوالہ کیوں دیا ہے۔ البتہ ان سب صفحات میں ایک بات ضرور درج ہے اور وہ بات ہے عیسائی عقاید کی تردید۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اسی غرض سے ڈاکٹر کرل گم نے ان صفحات کا حوالہ دیا ہے۔ صفحات ۷۰ و ۷۱ میں لکھا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا اور یہ کہ عیسائیوں کے پاس اس بات کے باور کرنیکی کوئی وجہ نہیں کہ وہ صلیب پر مرا

[*] مایدہ ۹

اور صلیب پر مرنے سے اُس موت کا شکار ہوا جسکو عیسائی اور یہودی دونوں لعنتی موت مانتے ہیں۔ اہل کتاب کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ مِنْھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۔ "ان میں سے کفر کرنیوالوں کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے" صفحہ ۷۲ پر کچھ عبارتیں ہیں جو کہ تثلیث کے مسئلہ کے برخلاف ہیں۔ صفحہ ۸۲ پر یہ لکھا ہے لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ط۔ (المائدہ - ۱۰) "بیشک وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ تحقیق خدا مسیح ابن مریم ہے"۔ صفحہ ۸۳ پر مفصلہ ذیل آیات ہیں لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ۔ وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّآ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ط وَاِنْ لَّمْ یَنْتَھُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ (المائدہ - ۱۰) "بیشک وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا تین میں سے تیسرا ہے خدا کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے اور اگر وہ اپنے اس کہنے سے باز نہ آویں بیشک ان میں سے کفر کرنیوالوں پر ایک دردناک عذاب نازل ہوگا" نیز اس صفحہ پر یہ بھی لکھا ہے مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ (المائدہ - ۱۰) "مسیح ابن مریم صرف ایک پیغمبر ہے"۔ صفحہ ۳۶۵ پر یہ آیات ہیں اِنْ ھُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْہِ (زخرف - ۶) "وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) صرف ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا"۔ اسی صفحہ پر عیسائیوں کے متعلق ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۵ (زخرف - ۶) "وائے ہے اُن لوگوں کے لیئے جنھوں نے ظلم کیا دردد ینے والے دن کے عذاب سے"۔

یہ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر کرل کُم کا مدعا ان صفحات کا حوالہ دینے سے یہ ہے کہ عیسائی بھی قرآن کریم میں کافر قرار دیئے گئے ہیں اور اسواسطے کفار کے خلاف جنگ کرنیکے متعلق جو آیات ہیں وہ عیسائیوں پر بھی عاید ہو سکتی ہیں بیشک یہ آیتیں عیسائیوں پر عائد ہوتیں اگر ان آیتوں کا مدعا یہ ہوتا کہ مسلمان تمام کافروں سے لڑیں چاہے وہ کافر کہیں ہوں اور کون ہوں لیکن میں پہلے بتا چکا ہوں کہ جنگ کی اجازت تمام منکران اسلام کے خلاف نہیں تھی بلکہ صرف ایسے ہی لوگوں کے خلاف جنگ کرنیکی اجازت تھی جو

مسلمانوں سے پہلے لڑتے تھے اور اُس جنگ سے اُن کا مدعا یہ ہوتا تھا کہ یا تو مسلمانوں کو تباہ کر دیں یا اُنکو مذہب اسلام چھوڑنے پر مجبور کریں سو اگر ڈاکٹر کرل کُم مسلمانوں کے خلاف اس نیت سے جنگ کرے کہ یا اُنکو تباہ کر دے یا اُنکو مذہب عیسائی کے قبول کرنے پر مجبور کرے تو ایسی صورت میں بیشک مسلمانوں کو بموجب قرآن اجازت ہے کہ وہ لڑائی کریں لیکن اگر ڈاکٹر کرل کُم مسلمانوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دے تو پھر بموجب قرآن کریم مسلمانوں کو اُسکے ساتھ لڑنے کی اجازت نہیں اور اگر وہ ایسی صورت میں لڑیں تو انہوں نے خدا کی مقرر کی ہوئی حد کو توڑ دیا اور وہ اپنی شرارت کے واسطے ضرور خدا کے ہاں سے سزا پائیں گے۔ یہ بھی یہاں ذکر کر دینا ضروری ہے کہ لفظ کافر کے لُغوی معنے ہیں انکار کرنیوالا یا ناشکرگذار قرآن کریم میں یہ لفظ اُن لوگوں کے واسطے بولا گیا ہے جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی پر انکار کرتے تھے یا خدا کو ایسا خدا ماننے سے انکار کرتے تھے جیسا خدا کہ قرآن کریم نے پیش کیا ہے کافر کے لفظ کے مقابلہ میں مومن کا لفظ ہے .. .. اور مومن ..... کے معنے ہیں ماننے والا اسواسطے کافر کے معنے ہیں نہ ماننے والا۔ لفظ کافر کبھی گالی کے طور استعمال نہیں کیا گیا اور اسی واسطے عرب کے بُت پرستوں نے کبھی اس لفظ کو بُرا نہیں مانا وجہ یہ تھی کہ وہ خود جانتے تھے کہ ہم کافر یعنی انکار کرنیوالے ہیں۔ اگر ڈاکٹر کرل کُم کو بُرا لگتا ہے کہ لفظ کافر مسیحی صاحبان کے متعلق کیوں استعمال کیا گیا تو اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ عربی نہیں جانتا۔

ہم نے تمام اُن صفحات پر غور کیا ہے جنکا حوالہ ڈاکٹر کرل کُم نے اپنے پیغام میں دیا ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ اور بھی ایسی آیتیں ہیں جن میں یہ لکھا ہے کہ کافروں کو بلاتامل قتل کر ڈالو یا اُنکو غلام بنالو۔ اسواسطے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی چند اور آیتوں پر غور کیا جاوے اور یہ ثابت کیا جائے کہ اُن آیات کی تعلیم بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ اُن آیات کی ہے جنپر ہمنے پہلے بحث کی ہے ہم پہلے وہ آیت لکھتے ہیں جسکے رو سے مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے خلاف جنگ کرنیکے واسطے پہلے پہل اجازت ملی تھی اُس آیت کے الفاظ یہ ہیں اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا۔

وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِہِمْ لَقَدِیْرُ۔ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِہِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ط۔ "ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت ہے جنکے خلاف لوگ لڑتے ہیں یہ اجازت اسلیئے دی گئی ہے کہ وہ مظلوم ہیں اور تحقیق خدا مدد دینے پر قادر ہے ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت ہے جو اپنے گھروں سے ناجائز طور پر نکالے گئے صرف اسلیئے کہ انہوں نے یہ کہا کہ ہمارا مالک خدا ہے"۔ یہ آیت ایسی صاف ہے کہ اسکی تشریح کی ضرورت نہیں ہے اگر ڈاکٹر کرل کُم اس آیت کو غور سے پڑھتا تو اُسکو معلوم ہوجاتا کہ مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی مگر صرف اُس صورت میں کہ جب پہلے اور لوگوں نے اُنکے خلاف لڑائی کی اور جب اُنکو ناجائز طور پر گھروں سے نکالا گیا صرف اس لیئے کہ اُنہوں نے کہا کہ ہمارا مالک خدا ہے۔

اس آیت کے مابعد کی آیت میں ایک ایسی تعلیم ہے جو ناظرین کسی اور الہامی کتاب میں نہیں پائیں گے۔ یہ تعلیم ہے نہایت اعلیٰ درجہ کی مذہبی بُردباری اور مذہبی آزادی کی اُس آیت کے الفاظ یہ ہیں وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَہُمْ بِبَعْضٍ لَّہُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْہَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا۔ اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹواتا رہتا تو درویشوں کی خانقاہیں اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے مسمار کردیئے جاتے۔ کیا ڈاکٹر کرل کُم بائیبل (عہدنامہ جدید وعتیق) میں سے کوئی ایسی آیت نکال سکتا ہے جسکی تعلیم ایسی ہو جو اس آیت میں دی گئی ہے اور باوجود ایسی آیت کے موجود ہونیکے ڈاکٹر مذکور قرآن کریم پر یہ الزام لگاتا ہے کہ اس میں مذہبی جنون کی تعلیم ہے اس آیت میں یہ تعلیم ہے کہ تمام مذاہب کے عبادت خانوں کی حفاظت کرنی چاہیئے اور تمام لوگوں کو مذہبی رسوم ادا کرنے میں پوری آزادی ہونی چاہیئے اور جہاں ایسی آزادی نہیں ہے تو خون بہاکر بھی ایسی آزادی کو حاصل کرنا چاہیئے۔ جب نجران کے ایک عیسائیوں کی جماعت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے واسطے مدینہ میں آئی تو پیغمبر خدا صلعم نے اُنکو اجازت

دی کہ وہ آپ کی مسجد مبارک کو اتوار کی عبادت کے واسطے بطور گرجا کے استعمال کریں
جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی یروشلم یعنی بیت المقدس میں داخل ہوئے تو
آپ کی خدمت میں درخواست کی گئی کہ وہ عیسائی گرجا میں نماز پڑھیں آپ نے فرمایا کہ اگر
میں ایسا کروں تو آیندہ نسلیں اس گرجا کو مسجد بنالیں گے۔

ناظرین بمفصلہ ذیل احکامات کو ضرور غور سے دیکھیے یہ وہ احکامات ہیں جن کو
عیسائی واعظ جنگ کے متعلق قرانی آیات کا ذکر کرتے ہوئے دبا جاتے ہیں۔

(۱) لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (بقرہ - ۳۳) "دین میں کوئی جبر نہیں"

(۲) وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف ۴)
کہو یہ خدا کی طرف سے حق بات ہے جو چاہے اسکو مانے جو چاہے نہ مانے۔

(۳) نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ (ق ۳۰) اے پیغمبر ہم
جانتے ہیں کہ وہ تمہاری نسبت کیا کہتے ہیں اور تمہارا یہ کام نہیں ہے کہ تم انپر جبر کرو۔

(۴) اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ
بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (توبہ ۲) کیا تم ایسے لوگوں سے لڑائی نہیں کروگے جنہوں نے
اپنا عہد و پیمان توڑ دیا ہے اور رسول کے جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا اور لڑائی میں ابتدار
بھی اول اُنہوں نے کی کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو پس اگر تم ایمان رکھتے ہو تو انسے
بڑھکر خدا حق رکھتا ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔

(۵) وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ
وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ
الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ
لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (نساء - ۱۰) تم کو کیا ہوگیا کہ اللہ کی راہ میں اور اُن بے بس
مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لیئے نہیں لڑتے۔ جو دعائیں مانگ رہے ہیں کہ
اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی یعنی مکّہ سے نجات دے جہاں کے رہنے والے

ہم پر ظلم کرتے ہیں اور خود ہی اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور خود اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا۔

(۶) قُلْ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَہُوْا یُغْفَرْ لَہُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ۔ (انفال - ۵)

کافروں سے کہو کہ اگر اب بھی شرارتوں سے باز آجاویں تو انکے پچھلے قصور معاف کر دئیے جاویں گے"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کافر لڑائی کرنے سے باز آجاویں گے تو مسلمان بھی لڑائی سے باز آجاویں گے اور جو بے انتہا تکالیف کافروں کی طرف سے مسلمانوں کو پہنچی ہیں وہ بھی انکو معاف کیجاویں گی۔

(۷) وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَہَا وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ وَاِنْ یُّرِیْدُوْٓا اَنْ یَّخْدَعُوْکَ فَاِنَّ حَسْبَکَ اللّٰہُ۔ (انفال ۹)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا۔ کہ جب کبھی دشمن صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی صلح کی طرف جھکیں۔ اور یہ خیال کہ دشمن دھوکہ دینے کی خاطر صلح کر رہا ہے۔ صلح کے عہدو پیمان کرنے سے روکنے کا موجب نہ ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں کی غرض لڑائی کرنے سے یہ تھی۔ کہ وہ مومنین کو ظلم سے بچائیں۔ اور امن قائم کر دیں۔

(۸) وَاِنْ نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَہُمْ مِّنْ بَعْدِ عَہْدِہِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّۃَ الْکُفْرِ اِنَّہُمْ لَآ اَیْمَانَ لَہُمْ لَعَلَّہُمْ یَنْتَہُوْنَ - (توبہ - ۲) اگر یہ عہد کرکے پیچھے اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں۔ اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں۔ تو کفر کے پیشواؤں کی قسمیں کچھ بھی نہیں ان سے بے تامل لڑیں۔ تاکہ یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں۔ اس آیت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ پیغمبر خدا کا مدعا کفار کے پیشواؤں سے لڑنے کا یہ تھا۔ کہ دشمن لڑائی کرنے سے رُک جاویں۔

(۹) وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْہُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلَامَ اللّٰہِ ثُمَّ اَبْلِغْہُ مَاْمَنَہٗ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ (توبہ رکوع ۱) اور اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص تیری پناہ مانگے تو تو اسکو پناہ دے یہانتک کہ وہ خدا کی کلام کو

٭ (ترجمہ) اگر مخالف صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر وہ سننے والا ہے اور جانتا ہے اور اگر وہ تجھے دھوکہ دینا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ تیرے لئے کافی ہے۔

سن لے۔ پھر اُسکو امن کی جگہ پہنچادو یہ اسلیئے ہے کہ وہ نادان قوم ہے"۔ لیکن ڈاکٹر ہم کو رپوٹر کے ذریعہ سے اطلاع دیتا ہے کہ قرآن اپنے پیرووں کو ہر ایک کافر کو جو اُنکے ہاتھ میں آجاوے مارنے یا غلام بنانیکا حکم دیتا ہے۔

(۱) لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الممتحنہ - ۸) جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے۔ اور اُنہوں نے تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اُن کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے خدائے تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

میں یقین کرتا ہوں کہ ڈاکٹر کرل گم کو اب بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا کہ قرآن کریم میں ہر ایک کافر کے قتل کرنے یا غلام بنانیکا حکم نہیں ہے۔ خداوند کریم یہ فرماتا ہے کہ وہ اُن مسلمانوں سے محبت کریگا جو کافروں کے ساتھ انصاف سے برتیں۔ خواہ وہ کافر عیسائی ہوں۔ مسلمانوں کو صرف ایسی صورت میں لڑنے کی اجازت ہے جبکہ کافر اُنکے ساتھ پہلے پہل لڑیں۔ مسلمانوں کو یہ ہرگز حکم نہیں ہے کہ وہ کافروں سے ص اُسوقت لڑائی کریں جبکہ وہ اُنپر حملہ آور ہوں اسی طرح سے مسلمانوں کو یہ حکم بھی ہے کہ جب دوسرے مسلمان اُنکے خلاف جنگ کریں تو مسلمان بھی ایسے مسلمانوں کے خلاف ضرور جنگ کریں۔ جبکہ ڈاکٹر کرل گم نے قرآن کا بخوبی مطالعہ کیا ہے تو اُسنے مفصلہ ذیل آیتیں ضرور پڑھی ہونگی۔ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ - (الحجرات - ۹) اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپسمیں لڑ پڑیں تو انہیں صلح کرادو۔ پھر اگر انہیں ایک فرقہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے تم بھی اُس سے لڑو یہانتک کہ وہ خدائے تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ اب ایسی آیت کی موجودگی میں ڈاکٹر کرل گم کو شکایت کرنیکی کوئی وجہ نہیں کیونکہ قرآن کریم

ص صرف اسواسطے لڑیں کہ وہ منکر اسلام ہیں جس طرح مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ منکرین اسلام سے

جیسا کافروں کے خلاف لڑائی کرنیکا حکم دیتا ہے۔ جبکہ کافر مسلمانوں پر پہلے حملہ کریں۔ ویسے ہی مسلمانوں کے خلاف بھی لڑائی کرنیکا حکم دیتا ہے جب مسلمان دوسرے مسلمانوں سے لڑیں۔ دونوں صورتوں میں مدعا ایک ہی ہے یعنی یہ کہ کمزوروں کو ظالم لوگوں کے مظالم سے بچایا جاوے۔

ایک اور جگہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ؕ (النساء - ۱۰) اور مسلمانو! تم کو کیا ہوگیا۔ کہ اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کیلئے نہیں لڑتے جو دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے نجات دے۔ جہاں کے رہنے والے ہم پر ظلم کر رہے ہیں۔ اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا۔ اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا۔

الغرض قرآن شریف کی تعلیم پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام کافروں کو بلاتمیز مار ڈالنے یا اُنکو غلام بنانیکا حکم نہیں دیتا اور اس خیال کی تائید جو ڈاکٹر کرل کم نے ظاہر کیا ہے قرآن کریم سے نہیں ہوتی۔ بلکہ قرآن کریم کی تعلیم تو یہ ہے کہ صرف اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن لڑائی کے وقت حدِ اعتدال سے مت بڑھو۔ اور تمہاری لڑائیوں کا مدعا یہ ہو کہ امن قائم ہو جاوے۔

اگر ڈاکٹر کرل کم کے پاس قرآن شریف کا ترجمہ سیل صاحب کا تھا تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے پاس ایک بائیبل بھی ہوگی۔ کیونکہ ایک سرگرم مسیحی بائیبل کے بغیر سفر پر نہیں جاسکتا۔ بہتر ہوتا کہ ڈاکٹر کرل کم بائیبل کا بھی غور سے مطالعہ کرتا۔ اور بائیبل کے خدا کے احکامات کا قرآن شریف کے احکامات سے مقابلہ کرتا۔ لیکن اگر ڈاکٹر مذکور نے ایسا نہیں کیا تو ہم اُس کی جگہ یہ کام کرتے ہیں۔

ناظرین! آپ نے جنگ کے متعلق قرآن کریم کی تعلیم تو پڑھی ہے۔ اب میں آپکے سامنے

بائیبل کی جنگی تعلیم کو پیش کرتا ہوں۔

(۱) "پھر خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ اہل مدیان سے بنی اسرائیل کا انتقام لے۔ اور تو بعد اسکے اپنے لوگوں سے مل جائیگا ..... موسیٰ نے انکو لڑائی پر بھیجا ایک ایک فرقے کے پیچھے ایک ہزار ..... بھیجا۔ اور انہوں نے مدیانیوں سے لڑائی کی جیسا کہ خداوند نے موسیٰ کو فرمایا تھا۔ اور سارے مردوں کو قتل کیا۔ اور انہوں نے ان مقتولوں کے سوا مدیان کے پانچ بادشاہوں کو جان سے مارا اور بعور کے بیٹے بلعام کو بھی تلوار سے قتل کیا۔ اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور انکے بچوں کو اسیر کیا اور انکے مواشی اور بھیڑ بکری اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا اور انکے سارے شہروں کو جنہیں وے رہتے تھے اور انکے سب قلعوں کو پھونک دیا۔ اور انہوں نے ساری غنیمت اور سارے اسیر انسان اور حیوان لیئے۔ اور وے قیدی اور غنیمت اور لوٹ موسیٰ اور الیعزر کاہن اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے پاس خیمہ گاہ میں موآب کے میدانوں میں لائے۔ تب موسیٰ اور الیعزر کاہن اور جماعت کے ساری انکے استقبال کے لیئے خیمہ گاہ سے باہر گئے۔ اور موسیٰ لشکر کے رئیسوں پر اور انپر جو ہزاروں کے سردار تھے اور انپر جو سینکڑوں کے سردار تھے جو جنگ کر کے پھرے غصے ہوا۔ اور انکو کہا کہ کیا تم نے سب عورتوں کو جیتا رکھا۔ دیکھو یہ بلعام کے کہنے سے فعوز کی بابت خداوند کے آگے اسرائیل کے گنہگار ہونیکا باعث ہوئیں۔ چنانچہ خداوند کی جماعت میں وبا آئی۔ سو تم ان بچوں کو جتنے لڑکے ہیں سب کو قتل کرو اور ہر ایک عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف تھی جان سے مارو لیکن وے لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں انکو اپنے لیئے زندہ رکھو" گنتی باب ۳۱ آیت ۱-۱۸

(ب) اور خداوند نے موآب کے میدانوں میں یردن کے کنارے یریحو کے مقابل موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو خطاب کر اور انہیں کہہ جب تم یردن سے پار ہو کے زمین کنعان میں داخل ہو۔ تو تم ان سب کو جو اس زمین کے باشندے ہیں اپنے سامنے سے بھگاؤ اور انکے ڈھالے ہوئے بتوں کو نابود کر دو اور انکے

سب اونچے مکانوں کو ڈھا دو اور انکو جو اس زمین کے بسنے والے ہیں خارج کر دو اور وہاں آپ بسو۔ کیونکہ مینے وہ سرزمین تمھیں دی ہے کہ اسکے مالک بنو...... پر اگر تم اس زمین کے باشندوں کو اپنے آگے سے دفع نہ کروگے تو یوں ہوگا کہ وے جنہیں تم باقی رہنے دوگے تمھاری آنکھوں میں خار ہونگے۔ اور کانٹوں کی مانند تمھارے پہلوؤں میں چبھینگے اور اس زمین میں جہاں تم بسوگے تمکو دق کرینگے۔" گنتی باب ۳۳ آیت ۵۰-۵۵

(ج) "چنانچہ خداوند ہمارے خدائے بشن کے بادشاہ عوج کو بھی اسکی ساری قوم سمیت ہمارے قابو میں کر دیا۔ اور ہم نے انہیں یہاں تک مارا کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہا اور ہم نے اسی وقت اسکے سب شہر لے لیئے وہاں ایک شہر بھی نہ رہا جو ہم نے ان سے نہ لیا۔" باب استثنا آیت ۳-۴۔

(د) "اور ہم نے اسی وقت اسکے سارے شہروں کو لے لیا اور عورتوں اور بچوں کو ہر ایک شہر میں حرم کیا اور کسی کو باقی نہ چھوڑا۔" استثنا۔ آیت ۳۴۔

(ھ) "تم ان سب جگہوں کو جہاں ان قوموں نے جنکے تم وارث ہوگے اپنے معبودوں کی بندگی کی ہے اونچے پہاڑوں پر اور ٹیلوں پر اور ہر ایک ہرے درخت تلے نیست و نابود کر دیجیو۔" استثنا باب ۱۲ آیت ۲۔

(و) "اور جبکہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو تو انہیں ماریو اور حرم کیجیو نہ تو ان سے کوئی عہد کریو۔ اور نہ انپر رحم کریو نہ ان سے بیاہ کرنا اسکے بیٹے کو اپنی بیٹی نہ دینا نہ اپنے بیٹے کے لیئے اسکی کوئی بیٹی لینا۔" باب ۷ استثنا آیت ۲۔

(ز) "اور انہوں نے ان سب کو جو شہر میں تھے کیا مرد کیا عورت کیا جوان کیا بڈھا کیا بیل کیا بھیڑ اور گدھا سب کو ایک لخت تہ تیغ کر کے حرم کیا۔" یشوع باب ۶ آیت ۲۱۔

(ح) "پھر انہوں نے اس شہر کو اس سب سمیت جو اسمیں تھا پھونک دیا۔ مگر روپا اور سونا اور پیتل اور لوہے کے ظروف خداوند کے خزانے میں داخل کیئے گئے۔" یشوع باب ۶ آیت ۲۴۔

(ط) "اور ایسا ہوگا کہ جس کسی کے پاس حرم چیز پائی جائے وہ اس سب سمیت

جو اسکا ہے آگ میں جلا دیا جائیگا۔" یوشع باب ۷ آیت ۱۵۔

(ی) "اور یوشع نے کہا کہ تو نے ہمکو کیوں دُکھ دیا خداوند آج کے دن تجھکو دُکھ دیگا تب سارے اسرائیل نے اسپر پتھراؤ کیا اور انہیں سنگسار کرنیکے بعد آگ سے جلایا پھر انہوں نے اسکے اوپر پتھروں کا بڑا تودہ کیا جو آجتک ہے۔" یوشع باب ۷ آیت ۲۵۔

(ک) "اور ایسا ہوا کہ جب اسرائیل میدان میں اس بیابان کے درمیان جہاں انکا پیچھا کیا گیا عَئے کے لوگوں کو قتل کر چکے اور جب وے سب تہ تیغ ہوئے یہانتک کہ بالکل کھپ گئے تو سارے بنی اسرائیل عَئے کو پھرے اور اسے تلوار کی دھار سے مارا چنانچہ وے جو اُس دن مارے گئے مرد اور عورت بارہ ہزار تھے یعنی عَئے کے سب لوگ۔ کیونکہ یشوع نے اپنا ہاتھ جس سے بھالا اُٹھایا جبتک کہ عَئے کے سارے رہنے والوں کو حرم نہ کر دیا تھا پھر نہ کھینچا..... اور یشوع نے عَئے کو جلا کر ہمیشہ کے لیئے راکھ کا تودہ کر دیا۔ سو وہ آج کے دن تک خرابہ ہے اور اسنے عَئے کے بادشاہ کو پھانسی دیکے شام تک درخت پر لٹکا رکھا۔" یشوع باب ۸ آیت ۲۴۔ ۲۹۔

(ل) "سو یوشع نے کوہستان کی ساری سرزمین اور دکھن کی اور نشیب اور چشموں کی ساری سرزمین کو تہ تیغ کیا۔ اور وہاں کے بادشاہوں کو فنا کیا ایک کو بھی جیتا نہ چھوڑا بلکہ وہاں کے ہر ایک دم لینے والے کو حرم کر دیا جیسا کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے حکم کیا تھا۔" یشوع باب ۱۰ آیت ۴۰۔

(م) "اور سیسرا پیدل بھاگ کے حبر قینی کی جورو یاعیل کے خیمے پر گیا..... تب یاعیل سیسرا سے ملنے کو نکلی اور اسے کہا اے میرے خداوند آیئے میرے یہاں آیئے اور مت ڈریئے جبکہ وہ اسکے پاس خیمے میں گیا تو اس نے اسے کمّل اُڑھایا ...... تب حبر کی جورو یاعیل نے خیمے کی ایک میخ اُٹھائی اور ایک مینچو کو ہاتھ میں لیا اور دبے پاؤں اسکے پاس جاکے اور میخ اسکی کنپٹی پر دھر کے ایسی گاڑی کہ زمین میں جا دھنسی کیونکہ وہ بھاری خواب میں تھا اور ماندہ ہو گیا تھا سو وہ مر گیا۔" قاضیون باب ۴ آیت ۱۷۔ ۲۱۔ "حبر قینی کی جورو یاعیل سب عورتوں

سے مبارک ہو وہ ان عورتوں سے جو خیموں میں ہیں مبارک ہو"۔ قاضیون باب ۵ آیت ۲۴۔

(ن) "کیا انہوں نے کچھ نہیں پایا اور لوٹ نہیں بانٹی ہر ایک پہلوان کو ایک ایک یا دو دو کنواریاں"۔ قاضیون باب ۵ آیت ۳۔

(س) "تب ان سب لوگوں میں سے ہر ایک نے ایک ڈالی کاٹ لی اور ابیملک کے پیچھے ہو لیئے اور انہیں برج پر ڈالکے انہیں آگ لگا دی چنانچہ سکم کے برج میں جتنے لوگ تھے جل مرے سب مرد اور عورتیں قریب ایک ہزار کے تھیں"۔ قاضیون باب ۹ آیت ۴۹۔

(ع) "اور اس (داؤد) نے وہاں کے بادشاہ کا تاج اس بادشاہ کے سر پر سے اس جواہر سمیت جو اس میں جڑے تھے لے لیا اور اسکا سونا وزن میں ایک قنطار تھا سو وہ داؤد کے سر پر رکھا گیا۔ . . . . اور اس شہر سے لوٹ کا بہت سامال نکلا اور اس نے ان لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکال کے آروں اور لوہے کے داؤنے کی گاڑیوں اور لوہے کے کلہاڑوں کے نیچے کیا اور انہیں اینٹوں کے جلتے پزاوے کے درمیان سے چلایا اور اسنے بنی عموں کے سارے شہروں سے یہ کچھ کیا"۔ سموائیل باب ۱۲ آیت ۳۰۔ ۳۱۔ تواریخ باب ۲۰ آیت ۲۔ ۳۔

(ف) سو یاہو نے ان سب کو جو اخی اب کے گھرانے سے یزرعیل میں بچ رہے تھے اور اس کے سارے امیروں اور اسکے سارے رشتہ داروں اور اس کے خادموں کو قتل کیا یہانتک کہ اسکے لیئے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا"۔ ۲ سلاطین باب ۱۰ آیت ۱۱۔

(ص) "تب مناحم نے تفسح کو ان سب سمیت جو اس میں تھے ترضہ سے لیکے اسکی سرحدوں تک جا مارا اس نے اسکو اسواسطے مارا کہ انہوں نے اسکے لیئے دروازے کھول نہ دیئے اور اس نے ان سبکے جو پیٹ والیاں تھیں پیٹ پھاڑ ڈالے"۔ ۲ سلاطین باب ۱۵ آیت ۱۶۔

(ق) "اور جب یوسیاہ نے مُنہ پھیرا اسنے پہاڑ پر قبریں دیکھیں تو اس نے لوگ بھیج کے ان قبروں میں کی ہڈیاں نکلوائیں اور مذبح پر جلائیں اور انپر نجاست ڈالی خداوند کے کلام کے مطابق جسے مرد خدا نے پکار کے کہا تھا جس نے ان باتوں کی منادی کی تھی" ۲ سلاطین باب ۲۴ آیت ۱۶۔

اس قسم کی لڑائیاں تھیں جو اسرائیلی بادشاہ اور نبی خداوند کے حکم کے مطابق لڑتے رہے۔ گھروں کو تہ و بالا کرنا شہروں کے شہر جلا دینا باغوں اور سبز درختوں کو جلا کر راکھ کر دینا تمام جانداروں کو فنا کرنا مرد و زن اور بچوں بلکہ بیل بھیڑوں اور گدھوں کو قتل کرنا سروں میں میخیں ٹھونکنا مردوں کو آروں سے چیرنا لوہے کے داؤنے کی گاڑیوں کو اور لوہے کے کلہاڑوں کے نیچے کرنا۔ بُرجوں میں آدمیوں کو جلانا حاملہ عورتوں کے پیٹ چیرنا اور مُردوں کی ہڈیاں نکالکر جلانا یہ سب کچھ کیا گیا اور سب سے بڑھکر خداوند کا حکم تھا کہ کسی سے کوئی عہدنامہ نہ کیا جاوے اور کسی پر رحم نہ کیا جاوے۔ یہ سب کچھ خدا کی مرضی کے عین مطابق داؤد یوشع اور موسیٰ جیسے بزرگوں سے وقوع میں آیا موسیٰ کی بابت خدا کہتا ہے "ابتک بنی اسرائیل میں موسیٰ کی مانند کوئی نبی نہیں اُٹھا جس سے خداوند آمنے سامنے آشنائی کرتا" استثنا باب ۳۴ آیت ۱۰۔ موسیٰ کو خدا کا برگزیدہ بھی کہا گیا ہے۔ داؤد کی بابت یہ کہا گیا ہے "داؤد جس نے میرے حکموں کو حفظ کیا اور اپنے سارے دل میں میری پیروی کی تاکہ فقط وہی کرے جو میری نگاہ میں اچھا تھا" ۱ سلاطین باب ۱۴ آیت ۸۔ پھر لکھا ہے کہ "داؤد نے وہی کیا جو خداوند کی نگاہ میں اچھا تھا" ۱ سلاطین باب ۱۵ آیت ۵۔ بائیبل کہتی ہے کہ "نون کا بیٹا یوشع دانائی کی روح سے معمور ہوا" استثنا باب ۳۴ آیت ۹۔

اب اس شخص کو جو بائیبل کو کلام الٰہی یقین کرتا ہے قرآن شریف پر حملہ کرنے سے شرم کرنی چاہیئے۔ جنگ کے متعلق قرآن شریف نے جو ہدایات دی ہیں وہ ایسی ہیں جو مہذب سے مہذب اقوام کے لیئے دستور العمل ہونی چاہیئے اب میں الٹر

کرل گم سے چاہتا ہوں کہ وہ بائیبل کی تعلیم اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ اور حضرت یوشع جیسے عظیم الشان انسانوں کے عملدرآمد کا جو عین خداوند کے حکم کے مطابق تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس رحیمانہ حکم کے ساتھ مقابلہ کریں جو آپ نے موتہ کی طرف جانیوالے لشکر کو دیا آپ نے فرمایا اوصیکم بتقوی اللہ ومن معکم من المسلمین خیرا اغزوا بسم اللہ فی سبیل اللہ من کفر باللہ لا تغدروا ولا تغلوا ولا تقتلوا ولیدًا ولا امراۃً ولا کبیرًا فانیًا ولا منعزلًا بصومعۃ ولا تقربوا نخلًا ولا تقطعوا شجرًا ولا تھدموا بناء (زرقانی شرح مواہب قسطلانی جلد دوم صفحہ ۳۲۲) یعنی میں تمکو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور جو مسلمان تمھارے ساتھ ہیں ان سے نیک سلوک کرنیکی وصیت کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ اپنے جنگ کو شروع کرو اور صرف خدا کے لیئے کفار سے (یعنی شرحبیل اور اسکے مددگاروں سے جنہوں نے ایک مسلمان سفیر کو قتل کرکے خود جنگ کی بنا ڈالی) لڑو مگر فریب اور خیانت سے اجتناب کرو بچوں عورتوں بوڑھوں اور درویشوں کو ہرگز قتل نہ کرو کھجوروں کے قریب مت جاؤ کسی درخت کو مت کاٹو اور نہ کسی مکان کو گراؤ۔ نیز ڈاکٹر موصوف کو چاہیئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہلے خلیفہ یوشع بن نون کی لڑائیوں کا آنحضرت صلعم کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ کے انصاف اور اعتدال کے اصولوں کے ساتھ مقابلہ کریں۔ آپ نے شام کی طرف لشکر بھیجتے ہوئے فرمایا۔ انصاف کرو اپنے عہد کو نہ توڑو کسی کو مثلہ نہ کرو بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو نہ مارو۔ کھجوروں کو نقصان نہ پہنچاؤ اور نہ آگ سے جلاؤ۔ کسی پھلدار درخت کو نہ کاٹو۔ بھیڑوں بکریوں گایوں اور اونٹوں کو بغیر ضرورت کے ذبح نہ کرو تمھیں ایسے لوگ بھی ملیں گے جو خانقاہوں میں رہتے ہیں انسے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرو۔ انکے پکے ہوئے کھانوں کو خدا کا نام لیکر کھاؤ خدا کا نام لے کر آگے بڑھو۔ وہ لڑائی میں اللہ والے سے تمھاری حفاظت کرے۔ (پریچنگ آف اسلام مصنفہ ٹی ڈبلیو آرنلڈ صفحہ ۵۰)

جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ڈاکٹر کرل گم کی غلط بیانیوں کو کھولنے کے لیئے کافی ہے

اب ریوٹر ایجنسی کا فرض ہے کہ جس طرح انہوں نے ڈاکٹر موصوف کے اعتراضات کو کل اخبارات میں شائع کیا ہے۔ ایسا ہی وہ اس جواب کے خلاصہ کو شائع کریں۔

واقعہ صلیب کے متعلق ایک محقق امریکن کی رائے

حضرت مسیح کے واقعہ صلیب کے ہمارے بیانات سے ناظرین بخوبی واقف ہیں۔ ہم ذیل میں ایک نیویارک کے ہفتہ وار اخبار سے ایک صاحب مسٹر جارج لنو کے مضمون کو نقل کرتے ہیں صاحب موصوف کی رائے صلیب کے واقعہ کے متعلق بالکل اُس حقیقت کے مطابق ہے جو قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔ آپ لکھتے ہیں "چار انجیلوں کے بیان کے مطابق تمام مسیحی کامل ایمان رکھتے ہیں کہ یسوع مسیح ہفتے کے چھٹے دن دو مجرموں کے درمیان صلیب دیا گیا تھا جو واقعہ اناجیل میں بیان کیا گیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ پلاطوس نے موت کے وارنٹ پر اپنی مرضی کے برخلاف دستخط کیے اور اُسکی بیوی نے بھی بہت زور لگایا کہ وہ ایسا نہ کرے۔ ...... مگر جب یہودیوں نے اُسے ایسی دھمکی دی جس میں اُسکے معزول ہونیکا خوف پایا جاتا تھا۔ تو اس عام شور و غل سے گورنر نے متاثر ہوکر مسیح کا صلیب پر چڑھانا منظور کر لیا۔ ....

...... صلیب سے ایک آہستہ موت واقع ہوتی تھی۔ مصلوب عموماً دو یا تین اور بعض دفعہ چار دن تک اپنی موت کے واقع ہونے سے پیشتر تکلیف اُٹھاتا تھا مگر مسیح کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ بالکل تھوڑے وقت میں صلیب پر مر گیا۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُسکے گرفتار ہونیکے بعد اُسکے تمام حواری اسکو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اسلیئے ان لوگوں کا بیان صلیب کے واقعہ کے متعلق معتبر نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ یہودیوں نے صلیبوں سے لاشیں اُتارنیکے لیئے پلاطوس کو کہا تاکہ دوسرے دن یعنی سبت کی بے حرمتی نہ ہو۔ یہ بات بالکل قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ پلاطوس اور اسکی نرم مزاج بیوی نے مسیح کو موت کے پنجے سے چھڑانیکے لیئے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سپاہیوں نے دوسرے

دو چوروں کو جلد مارنے کی خاطر انکی ہڈیاں توڑ ڈالی تھیں تاکہ انکی لاشیں بغیر کسی توقف کے
دفن کی جائیں مگر مورخ بیان کرتا ہے کہ یسوع کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں۔ اسکی کیا
وجہ تھی۔ صریحاً اسکی وجہ یہ تھی کہ پلاطوس نے انکو ہدایت کی تھی کہ حتی الوسع اس بیگناہ
شخص کو موت سے بچانیکی کوشش کیجائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسکو ایک برچھے سے
چھیدا گیا مگر ہم یقین رکھتے ہیں کہ انجیل نویس کا اس سے مدعا تھا کہ وہ کسی طرح عبرانی کتب
مقدسہ کی ذکر کی ہوئی علامات کو یسوع پر چسپاں کرے۔ مگر افسوس کہ زخم کی گہرائی
کی بابت کچھ نہیں بیان کیا گیا۔ اسکا جسم ایک مقبرہ میں رکھا گیا۔ اور ایک پہرہ بھی اس
قبر پر حفاظت کے لیئے متعین کیا گیا یہ سپاہی پلاطوس کے ماتحت اور تنخواہ دار ملازم
تھے مانا کہ وہ گورنر کمزور اور خود غرض تھا مگر وہ رحم دل بھی تھا۔ اب اسکے لیئے کونسی
راہ قدرتی طور پر اس کام کی انجام دہی کے لیئے مناسب تھی۔ یہ بالکل اغلب معلوم
ہوتا ہے کہ جب رات شروع ہوئی تو اُسنے اپنے ڈاکٹر کو اس قبر پر بھیجا ہوگا اور ایک حکمنامہ
بھی پہرہ داروں کے افسر کے نام بھیجا ہوگا کہ وہ اسکو اندر داخل ہونیکی اجازت دے
تاکہ وہ مسیح کا مناسب علاج کرکے اُسکو ہوش میں لائے اور سب کے لیئے یہ تاکیدی حکم دیا
ہوگا کہ ساری کارروائی خفیہ طور پر کی جاوے۔ کوئی ظالم یہودی وہاں اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتا
تھا کیونکہ سبت شام سے شروع ہوگیا تھا اور چونکہ وہ ایک خاص کر متبرک دن تھا اس لیئے
کوئی بھی قبر کے نزدیک رہ کر اپنے آپ کو ناپاک نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ اس طرح وہ مذہبی
رسومات میں شمولیت سے محروم رہتے۔ انجیل کی کہانی کی تمام تفصیل اس بیان کے مطابق
ہے۔ سپاہیوں کو پہرہ کے وقت سوجانے پر بھی سزا نہ دی گئی۔ یسوع صلیبی واقعہ
کے بعد بہت دن زندہ اور اسی جسمانی حالت میں رہا۔ کیونکہ اُس نے جھیل گلیل کے
کنارے بھُنی ہوئی مچھلی کا ٹکڑا اور شہد کھایا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسکا جسم باقی
انسانوں کے جسم کی طرح تھا۔ اُسکو کوئی نیا جسم عطا نہیں ہوا تھا۔ پھر یہ بیان کہ اسنے اپنی
باقی زندگی لوگوں سے علیحدہ ہوکر بسر کی۔ اس خیال کے عین مطابق ہے کہ پلاطوس اس
معاملہ کو بادشاہ سے مخفی رکھنے کے لیئے بہت فکرمند تھا اسلیئے اسنے مسیح کو علیحدگی

ہیں رہنے کیلیئے تاکید کی ہوگی۔

پولوس بیان کرتا ہے کہ جب وہ دمشق کی طرف جارہا تھا تو راستے میں مسیح اُسپر ظاہر ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز اُسوقت پولوس پر ظاہر ہوئی اور جس نے پولوس کو کہا کہ تم کب تک میرے شاگردوں کو ستاؤ گے وہ کوئی روح نہ تھی بلکہ مسیح بذات خود اپنے جسمانی وجود میں پولوس سے ملاقی ہوئے اور اگر پولوس نے غلطی سے اُنکو روح سمجھا تو وہ ایسا سمجھنے میں بالکل معذور تھا۔

اگر خود مسیح کا بھی ایک عرصہ تک یہی خیال رہا کہ مَیں مر کر جی اُٹھا ہوں تو بھی کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ صلیب کے دردناک عذاب نے ضرور اُسکے دل پر اثر کیا ہوگا اور اگر اُس نے اپنے شاگردوں کے پاس یہ بیان کیا کہ مَیں مر کر پھر زندہ کیا گیا ہوں تو اُسکا یہ بیان ہمارے اصول کے ہرگز مخالف نہیں ہو سکتا۔

میری یہ رائے ہے کہ مسیح حقیقی طور پر مرا نہیں تھا بلکہ اُسکی حالت ایک معلق زندگی کیحالت تھی مگر ابھی اُسکی روح نے پرواز نہیں کی تھی۔ اور پلاطوس کے معتبر خدام کی مدد سے وہ پھر ہوش میں لایا گیا اور یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ وہ مر کر جی اُٹھا۔ یہ ہے حقیقت اس معجزے کی جسکو مسیحی لوگ دنیا کے آگے پیش کرتے ہیں۔

اُلوہیت مسیح کے برخلاف آسمانی کتب کی شہادت

اقتباس از یونیٹی اینڈ منسٹر کلکتہ

باوجودیکہ الوہیت مسیح کو باطل کرنیوالی بہت سی آسمانی کتب کی شہادتیں موجود ہیں تاہم بعض مسیحی صاحبان یہی کہے جاتے ہیں کہ یسوع مسیح خدا ہے یا خدا اور مسیح ایک ہی ہیں یا یسوع خدا کے برابر ہے۔ مگر تمام بائیبل میں ایک فقرہ بھی ایسا نہیں ہے جو بصراحت الوہیت مسیح کے عقیدہ کی تائید کرتا ہو۔ برخلاف اسکے بیشمار حوالے اس عقیدے کے باطل ہونیکے ثبوت میں پیش کیئے جاسکتے ہیں نئے عہدنامے کی تمام

طرز تعلیم اسکے بالکل مخالف ہے مندرجہ ذیل چند حوالے جنکو ہمارے مسیحی دوست اپنے دعوے کے ثبوت میں بہت ہی مضبوط دلائل سمجھتے ہیں۔ یہاں پیش کیئے جاتے ہیں:

یسوع نے کہا ہے۔ "میں باپ پاس جاتا ہوں اور میرا باپ مجھ سے بڑا ہے" یوحنا ۱۴ باب ورس ۲۸۔ یسوع نے اپنے حواریوں سے پوچھا "کہ تم کس کو میرے جیسا کہتے ہو" شمعون پطرس نے اسکو کہا "تو زندہ خدا کا بیٹا یسوع مسیح ہے" یسوع نے جواب میں کہا "مبارک ہے تو شمعون برجونا کے بیٹے کیونکہ یہ گوشت اور خون نے تجھے الہام نہیں کیا بلکہ میرے باپ نے جو آسمان میں ہے" یہ اس امر کا پُرزور اعلان ہے کہ یسوع مسیح خدا نہیں ہے بلکہ خدا کا بیٹا مانا کہ یسوع یہ کہتا ہے "کہ میں اور میرا باپ ایک ہیں" یوحنا باب ۱۰ ورس ۳۰۔ مگر اس نے پھر یہ بھی کہا ہے۔ "اور وہ جلال جو تو نے مجھے دیا میں نے انکو دیا ہے تا کہ وے ایک ہوویں جیسا کہ ہم ایک ہیں" یوحنا باب ۱۷ ورس ۲۲۔ یقیناً یسوع کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ تمام خدا ہو جائینگے۔ پھر یسوع کی سلطنت کا ایک انتہا بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ اسکا حواری کہتا ہے۔ جب تمام چیزیں مغلوب ہو جائینگی بیٹا خود اسکے (خدا کے) ماتحت ہو جائیگا (اول قرنتیون باب ۱۵ ورس ۲۸)

پھر جب یہودیوں نے اسپر الزام لگانیکی کوشش کی کہ اس نے خود ہی اپنے آپ کو خدا بنایا یسوع نے فوراً اس بہتان کی تردید کی اور کہا "کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا کہ تم خدا ہو۔ جب وہ انکو خدا کہتا ہے جن کی طرف خدا کی وحی نازل ہوئی اور کتاب باطل نہیں ہو سکتی۔ تم اُسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور دنیا میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر کہتا ہے کیونکہ میں نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ یوحنا باب ۱۰ ورس ۳۴-۳۶ یسوع زور سے اس بات کی تردید کرتا ہے کہ وہ خدا ہے "جو کوئی یہ ایمان رکھے گا کہ یسوع خدا کا بیٹا ہے خدا اسمیں ہے اور وہ خدا میں ہے" یوحنا۔

مشہور پادری صاحبان کی رائے میں مندرجہ ذیل عبارت پندرھویں صدی سے پہلے کسی یونانی تحریروں اور نہ ہی نویں صدی سے پہلے کسی لاطینی تحریرات میں پائی جاتی ہے۔ وہ عبارت اس طرح ہے "یسوع مسیح خدا کی شکل میں ہو کر خدا کے برابر ہونیکو

"بُرا خیال نہ کیا۔" خدا کی شکل میں یا خدا ایسا ہونیکا بیان ظاہر کرتا ہے۔ خ :

بات خدا سے برابری کے الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اگر یسوع خود اپنے آپ کو خدا کے برابر کہنا ایک بے معنی بات تھی یسوع نے خود کہا کہ میرا بڑا ہے اور مجھے اس نے اپنی مرضی پورا کرنیکے لیئے بھیجا ہے۔" اور ہمیشہ کی زندگی یہی ہے کہ دے تمکو اکیلا سچا اور یسوع مسیح کو جسے تُو نے بھیجا ہے جانیں۔" یوحنا باب ۱۷

۲۔ یسوع صیحون کا بادشاہ آقا اور مالک۔ دنیا کا نور۔ زندگی کی روٹی۔ خدا کا برّہ ...... نبی۔ منجی۔ شفیع۔ بچانیوالا۔ اُستاد۔ سچائی۔ نور اور زندگی خدا کی دانائی خدا کی آواز اور خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔ آسمانی کتب میں تقریباً بیس دفعہ خدا تعالیٰ کو یسوع مسیح کا خدا کرکے پکارا گیا ہے۔ اٹھاسٹھ دفعہ خدا کو یسوع مسیح کا باپ کہا گیا ہے۔ انیس ۱۹ دفعہ یسوع کو نبی کہا گیا ہے اسّی دفعہ سے زیادہ یسوع انسان کا بیٹا کرکے پکارا گیا ہے اور چھپن ۵۶ دفعہ خدا کا برگزیدہ ۲ اور خدا کا بیٹا ایک سو بیس ۱۲۰ دفعہ۔ اُنیس ۱۹ فقروں میں کہا گیا ہے کہ تمام حمد و ثنا صرف خدا کے لیئے ہے۔ چار سو پچاس ۴۵۰ دفعہ اعلیٰ صفات خدا کی طرف منسوب کی گئیں ہیں۔ جنمیں سے یسوع مسیح کو کوئی بھی نہیں دی گئی۔ تیرہ سو ۱۳۰۰ فقرے ظاہر کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ یسوع مسیح سے بالکل الگ ہستی ہے۔ الوہیت مسیح کا عقیدہ صرف بے ثبوت ہی نہیں ہے بلکہ آسمانی صحیفوں کی کُھلی کُھلی شہادتوں کے بالکل برعکس ہے۔

گوتم بُدھ کی ہڈیاں اور حضرت مسیحؑ ناصری کی قبر

ہمارے ناظرین ملک کشمیر۔ شہر سری نگر۔ محلہ خان یار کی قبر سے بخوبی واقف ہیں جو نبی صاحب اور عیسیٰ صاحب کی قبر کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخی کتابوں میں اس قبر والے کا نام شہزادہ یوز آسف لکھا ہے اور یوز آسف کے نام پر ایک قصّہ بھی موجود ہے اور چونکہ اس قصّہ کے بعض واقعات گوتم بُدھ کی زندگی کے واقعات سے مشابہت رکھتے ہیں اسلیئے اکثر عیسائی صاحبان کا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ

شہزادہ یوزآسف گوتم بدھ کا ہی دوسرا نام ہے۔ یہ رائے اُسوقت رکھی جاتی تھی جبکہ ابھی یوزآسف کی قبر کا کشمیر میں ہونا عام طور پر معلوم نہ تھا اور اس امر کے دریافت ہونے کے بعد کہ یوزآسف کی قبر ملک کشمیر میں ہے مناسب تھا کہ پُرانی رائے کو عیسائی صاحبان ترک کر دیتے۔ کیونکہ سری نگر کا شہزادہ کسی صورت میں گوتم بُدھ نہیں ہو سکتا تھا مگر پادریوں کی ایک عجیب عادت ہے کہ اصل حقیقت کُھلنے کے بعد بھی وہی پُرانی رام کہانی سنائے جاتے ہیں اسلیئے یوزآسف کی قبر کشمیر میں دریافت ہونیکے بعد بھی یہی کہتے رہے کہ یوزآسف کوئی نیا شخص نہیں وہ گوتم بُدھ کا ہی دوسرا نام ہے۔ اور اس بات کے ماننے میں کہ یوزاسف گوتم بدھ نہیں انکو موت نظر آتی تھی کیونکہ اس سے یہ ماننا پڑتا تھا کہ سری نگر کا شہزادہ وہی شہزادہ ہے جس نے یروشلم میں صلیب سے نجات پاکر مشرقی بنی اسرائیل میں آکر پناہ لی۔ اگر سری نگر کی قبر بدھ کی قبر ہوتی تو وہ دنیا کے کُل بُدھ مذہب کے پیرووں کا مرجع ہونی چاہیئے تھی۔ علاوہ ازیں بُدھ کی کچھ ہڈیاں تھوڑا عرصہ ہوا کہ نیپال کے پاس دریافت ہوئی تھیں اور اب حال ہی میں پادریوں کی بدقسمتی سے اُس کی کچھ اور ہڈیاں پشاور کے پاس سے نکلی ہیں جو بڑی عزت اور شان وشوکت کے ساتھ ملک برہما میں ایک خاص مندر تیار کر کے اُسمیں رکھی گئی ہیں۔ ان ہڈیوں کے دریافت ہونے میں ایک دنیا نے دلچسپی حاصل کی ہے مگر ہمارے لیئے ان کا دریافت ہونا خصوصیت کے ساتھ دلچسپی کا باعث ہے کیونکہ اب وہ پادریوں کا بیہودہ خیال کہ سری نگر کا شہزادہ گوتم بُدھ ہی ہے بالکل نابود ہو گیا اور اب پادریوں کو یہ کہتے ہوئے ضرور شرم آئیگی کہ شہزادہ یوزآسف جسکی قبر محلہ خانیار سری نگر کشمیر میں ہے وہ گوتم بدھ ہی ہے۔

ایک نیا عیسائی فرقہ

فری تھنکر لکھتا ہے کہ عیسائیوں کا ایک نیا فرقہ ملک روس میں نکلا ہے۔ اس فرقہ کا بڑا اصول یہ ہے کہ دنیا کا خاتمہ قریب ہے۔ اور یہ کہ نجات صرف خودکشی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ پولیس نے اس فرقے کی طرف اُسوقت توجہ کی جبکہ انہوں نے بہت سی

لاشوں کو جنگلوں میں لٹکا ہوا دیکھا اور آخر کو معلوم کیا کہ یہ ایک نئے عیسائی فرقے کی کارروائی تھی۔ جنکو سلف ڈِسٹرائرس یعنی خودکش کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ خودکشی کر چکے ہیں اور ایک علاقہ میں تو اس فرقے کے قریباً سب لوگوں نے اپنے آپ کو تباہ کر دیا ہے۔

اس فرقے کے اصول پر بحث کرتے ہوئے اخبار فری تھنکر لکھتا ہے۔ اپنے آپ کو تباہ کرنیکا خیال عیسائی دنیا میں اور خصوصاً ملک روس میں کوئی نیا خیال نہیں تیس سال سے زیادہ عرصہ گذرا ہے کہ ایک عیسائی فرقہ ظہور پذیر ہوا جس کے اصول قریباً وہی تھے جو آجکل کے خودکشوں کے اصول ہیں اس فرقے کے لوگ مرد عورتیں۔ بچے ایک جگہ جمع ہو جاتے۔ بالغ بچوں کو قتل کرتے۔ مرد عورتوں کو ذبح کرتے اور پھر آپسمیں مرد ایک دوسرے کو قتل کر کے اپنا خاتمہ کر دیتے۔ ایک اور فرقہ کے لوگ مسیح کی خاطر بڑی بڑی آگیں جلاتے اور اپنے تئیں جلتی ہوئی آگ کے شعلوں کی نذر کرتے۔ ہر ایک صورت میں لیڈر خوابیں دیکھتے اور لوگوں پر اپنی روح ڈالتے اور جب لوگ رُوح سے بھر جاتے تو پھر اسکے بعد اپنے تئیں آپ ہلاک کرنیکی کارروائی شروع ہو جاتی۔ اس قسم کے کئی فرقے ملک روس میں پیدا ہو چکے ہیں۔ اور مسٹر ہیڈ نے اپنی کتاب "رشن چرچ اینڈ رشن ڈسنٹ" میں ان فرقوں کا کچھ بیان کیا ہے اگرچہ وہ بیان بہت نرم الفاظ میں ہے۔ یہ فرقے اس بات کا ایک بیّن ثبوت ہیں کہ مذہب عیسائیت میں ایک گندہ عنصر ہمیشہ موجود رہا ہے۔ اکثر ملکوں میں یہ گندہ عنصر نسبتاً بے ضرر شکل میں ظاہر ہوتا رہا ہے۔ لیکن اگر مذہب عیسائیت کی تاریخ ایک قابل اور سمجھدار مورخ کے قلم سے لکھی جاوے تو اس میں بہت سی اس قسم کی دلچسپ باتیں ملیں گی۔

دھرم کی کسوٹی:۔ مرتبہ ماسٹر محمد یوسف صاحب ایڈیٹر "نور"

یہ کتاب ان چودہ سوالات کا جواب ہے جنکو درشنانند پرچارک آریہ سماج نے اسلام کے برخلاف اپنے زعم میں لاینحل سمجھکر پبلک پر راولپنڈی میں پیش کیئے۔ اس کتاب میں بہت قوی دلائل سے سوامی صاحب کے اعتراضات کا بخیہ ادھیڑ اگیا ہے صفحہ ۹۴ قیمت ۱؎ خورد۔ ایڈیٹر نور قادیان سے مل سکتی ہے۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ — بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء — نمبر ۷

چندہ سالانہ ۵

عوام سے — طلباء سے

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجرب

اصلی ممیرا اور ممیرا کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعفِ نظر کی عام شکایت ہے۔ مینے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مینے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضانِ چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب کیکر طیار کیے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اسلئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اول قسم عہ قسم دوم عہ قسم سوم عہ فی تولہ۔ قیمت ممیرا قسم اول صہ جسکو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم سے۔ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو۔

ست سلاجیت

مقوی جمیع اعضا۔ نافع صرع مشہی طعام قاطع بلغم و ریاح دافع بواسیر جذام و استسقا و زردی رنگ و تنگی نفس و دق و شیخوخیت و فساد بلغم و قاتل کرم شکم مفتت سنگ گردہ و مثانہ و سلسل البول جریان منی و سستی و درد مفاصل وغیرہ وغیرہ بہت مفید ہے بقدر دانہ نخود صبح کے وقت دودھ کے ساتھ استعمال کریں قیمت فی تولہ

لنگیاں اور کلاہ :- ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری بادامی سیاہ سفید ماشی ریشمی سوتی سُسری صافے سفید اور بادامی اور پشاوری ٹوپیاں اور زری کی پشاوری جوتیاں ہر قسم کی اور ہر قیمت کی مل سکتی ہیں عاسے ۲۵ تک۔

حمائل خورد روسی ہدیہ عہ اور شاہ رفیع الدین کا مترجم کلام اللہ چمڑے کی جلد قیمت عہ

المشتہر :- احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور پنجاب۔

نوٹ :- خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

انبیائے عالم

سردار پریتم سنگھ صاحب ایم اے نے ایک قابل دید مضمون مذکورہ بالا عنوان پر گورو کل میگزین میں لکھا ہے۔ سردار صاحب موصوف کے خیالات قریباً قریباً ایسے ہی ہیں جیسا کہ ہم اکثر اس رسالہ میں روئے زمین کے انبیاء کے متعلق ظاہر کرتے رہے ہیں اور چونکہ یہ مضمون ایک تعلیم یافتہ سکھ سردار نے لکھا ہے ہم اس مضمون میں سے بہت سے اقتباسات یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو کہ قرآن شریف کی جو تعلیم دوسرے مذاہب کے متعلق ہے وہ ایسی معقول ہے کہ ہر ایک سلیم الفطرت انسان خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو اسکو قبول کریگا۔

اس مضمون کے لکھنے والا اپنے مضمون کی ابتدا میں انبیاء کا شعراء اور فلاسفروں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے لکھتا ہے " نبی میں وہ سب اچھی باتیں موجود ہوتی ہیں جو شاعر اور فلاسفر میں پائی جاتی ہیں۔ وہ دونوں کے درمیان ایک اوسط راہ پر چلتا ہے وہ الٰہی پیغمبر ہوتا ہے وہ ایک مشن یعنی پیغام لاتا ہے اسکو خدا کے ہاں سے حکم ملتا ہے اسکے الفاظ اگرچہ بظاہر نثر کی صورت میں ہوتے ہیں مگر وہ نظم کا اثر اپنے اندر رکھتے ہیں اور اسکے فرمان اگرچہ سادہ ہوتے ہیں مگر تاہم بڑے بڑے فلسفہ کے اصولوں کو اپنے اندر لئے ہوتے ہیں پیغمبر وہ حکم دیتا ہے جنکی اس زمانہ کے لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے

اسکی تعلیم آسانی سے سمجھ آسکتی ہے اور اسکے احکام ایسے ہوتے ہیں جو سب کو ماننے پڑتے ہیں وہ فلاسفر کی طرح دقیق باتیں نہیں کرتا اور نہ ہی شاعر جیسے تصوّر باندھتا ہے وہ روزمرہ کی زندگی کے متعلق عملی قواعد بتاتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ ان قواعد کی پابندی کیجاوے وہ احکام خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں"۔

پھر سردار صاحب موصوف بیان کرتے ہیں کہ نبی کی شان فلاسفر یا شاعر کی حیثیت سے نہایت بالاتر ہوتی ہے اور اسکے ثبوت میں ایک ایسی معقول دلیل دیتے ہیں جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی کے کام کا اندازہ اس اثر سے ہوتا ہے جوکہ وہ لوگوں کے دلوں پر ڈالتا ہے اور جو اثر کہ انبیاءؑ کی تعلیم کا لوگوں پر پایا جاتا ہے اور جس اخلاص سے دنیا انبیاءؑ کی پیروی کرتی ہے اُس کا نام ونشان بھی فلسفی لوگوں یا شاعروں میں نہیں پایا جاتا۔ دنیا کو بحیثیت مجموعی دیکھا جاوے تو دنیا کے لوگ مفصلہ ذیل فرقوں میں منقسم پائے جاتے ہیں یعنی ہندو مسلمان عیسائی بُدھ مذہب کے پیرو زردشتی یہودی وغیرہ کیا دنیا میں کوئی ایسا فلاسفر بھی ہوا ہے جس نے دنیا میں کسی مذہب کی بنیاد ڈالی ہو اور دنیا اسکی ایسی اتباع کرتی ہو جیسی کہ انبیاءؑ کی اتباع کرتی ہے۔ ان مذہبوں میں سے ہر ایک فرقہ میں ایک کتاب اور ایک مقدس بزرگ پایا جاتا ہے ہندوؤں کے پاس وید ہیں اور انکے رشی صاحبان کو الہام ہوا آخری زمانہ میں انکے پاس گیتا آئی جو کرشن علیہ السلام پر خدا کی طرف سے نازل ہوئی مسلمانوں کے پاس قرآن شریف ہے اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) انکے پیغمبر ہیں عیسائیوں کے پاس بائبل ہے اور حضرت مسیحؑ انکے پیغمبر ہیں بُدھ مذہب کے لوگوں کے پاس تری پٹک ہے اور اُنکا پیشوا بُدھ ہے پارسیوں کے پاس انکی کتاب زندوستا ہے اور اُنکا نبی زردشت ہے اور یہودیوں کے پاس انکا عہدنامہ عتیق ہے اور انکے پیغمبر حضرت موسیٰؑ ہیں چینی لوگوں میں کنفیوشیس اور اسکے احکام ہیں۔

مسٹر پریتم سنگھ پھر مفصلہ ذیل اصول بیان کرتے ہیں۔ اوّل تمام مذہب

دراصل خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ دُوم۔ تمام انبیأ خدا کے رسول تھے۔ سوم جو کتابیں وہ لائے وہ خدائی الہام کے ذریعہ سے نازل ہوئیں۔

وہ مفصلہ ذیل دلیل سے ان مذکورہ بالا اصول کو ثابت کرتا ہے "ہم عام طور پر مشاہدہ کرتے ہیں کہ دنیا انبیار کے خدا کی طرف سے ہونے اور اُنکی کتابوں کے الہامی ہونے پر ایمان لاتی ہے اور یہ ایمان جو عام طور پر مشاہدہ کیا جاتا ہے مندرجہ بالا اصول کے سچا ہونیکے لیئے کافی دلیل ہے اور اگر اور ثبوت کی ضرورت ہو تو میں ایک اور ثبوت بھی پیش کرتا ہوں جو میرے لیئے موجب یقین کا ہوا ہے اور امید ہے کہ ناظرین کو بھی یقین دلانیوالا ہوگا۔ بنی نوع انسان ہمیشہ ترقی کرتے ہیں مختلف انسان مختلف طور سے سوچتے ہیں اور انسانوں کی جماعت کی بہبودی کیلیئے کوئی معیار قرار نہیں دیا جا سکتا جبتک کہ ان میں ایک ایسا انسان پیدا نہ ہو جو دوسروں سے ہر طرح بڑھ چڑھکر ہو ایسا آدمی دنیا کے لیئے کشتیبان یا ہادی ہوتا ہے۔ انسان اس کی عزت کے لیئے اسکے آگے جھکتے ہیں اور لوگ اسکا حکم مانتے ہیں ایسا آدمی جماعت انسان کے لیئے کچھ قواعد مقرر کرتا ہے جس کی تعمیل ہر ایک فرد کرتا ہے اور یہ قواعد دنیاوی گورنمنٹ کے قانون کی طرح نہیں ہوتے جنپر حاکمان وقت جبر سے عملدرآمد کراتے ہیں بلکہ یہ قواعد ایسے ہوتے ہیں جنکی تعمیل ہر ایک فرد کو ضرور کرنی پڑتی ہے یہ قواعد چند صدیوں تک زیر عمل رہتے ہیں حتّٰی کہ افراد کی حالت بدل جاتی ہے اور ایک نیئے قواعد مقرر کرنیوالے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے پھر الٰہی قواعد کے مطابق ایک نیا مامور آتا ہے جو کہ گذشتہ نبیوں کے احکام کی تائید کرتا ہے مگر اُنکی شریعت میں ایک نئی رُوح پھونک دیتا ہے اور اُسپر ایک نیا رنگ چڑھاتا ہے۔ اور ان قواعد میں ضرورتِ وقت کے مطابق کچھ تبدیلیاں بھی کر دیتا ہے اس طرح سے وقتاً فوقتاً خدا کے نبی بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیئے آتے رہتے ہیں اور ضرورت وقت اور ضرورت مکانی کے مطابق وہ اپنی قوم کے سامنے ایک نئی تعلیم پیش کرتے ہیں گذشتہ زمانہ

...کی مذہبی تاریخ اس دستور کی شاہد ہے پانچ ہزار برس ہوئے کہ آریہ قوم کی ضرورت کے مطابق وید اُترے جب زمانہ بدل گیا اور آریہ قوم کے خیالات نے ترقی کی تو پھر بھاگوت گیتا کرشنؑ پر نازل ہوئی یہ کتاب ہندوؤں کے قدیمی علم ادب میں ایک اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے، بھاگوت گیتا میں لکھا ہے کہ جب مذہب زوال پذیر ہو جاتا ہے اور لامذہبی ترقی کر جاتی ہے تو اُس وقت مَیں آتا ہوں اور دنیا میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہوں بھاگوت گیتا کی یہ عبارت میری بات کی تائید کرتی ہے (گیتا کی عبارت جو اوپر نقل کی گئی ہے وہ خدا کا کلام ہے جو کرشن پر نازل ہو اسواسطے لفظ مَیں خدا کی طرف پھرتا ہے نہ کہ حضرت کرشن علیہ السلام کی طرف جو ایک انسان تھے جن کے ذریعہ سے خدا نے اپنے آپ کو دنیا میں ظاہر کیا جیسا کہ وہ دیگر انبیاءؑ کے ذریعہ اپنے آپ کو وقتاً فوقتاً دنیا پر ظاہر کرتا رہا ہے)

پھر فاضل مضمون نویس دنیا کے مذاہب کی موجودہ حالت کا خاکہ کھینچتا ہے ہندوؤں کے مذہب کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ "ہندو مذہب کی صحیح تعریف کرنا ایک محال کام ہے کسی ہندو کو اسکے مذہب کے متعلق سوال کرو تو کوئی دو ہندو ایسے نہیں ملیں گے جنکا مذہب بالکل ایک ہی ہو۔ ہندو مذہب میں اس قدر تفرقہ اور تقسیم پیدا ہو گئی ہے کہ اب یہ عدم کے کنارے پر پہنچ گیا ہے۔ ممکن ہے کہ اسکا فلسفہ اعلیٰ درجہ کا ہو مگر جو کام ایک زندہ مذہب کا ہونا چاہیئے وہ کام اب ہندو مذہب پورا نہیں کر سکتا اور ایک عرصہ دراز سے اس نے اپنے فرائض کو ادا کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اب یہ بوڑھا اور بے جان ہو گیا ہے اور اگرچہ اسکو زندہ رکھنے اور اسکو سہارا دینے کیلئے لوگوں نے بہت سی اصلاحی سوسائٹیاں قائم کر رکھی ہیں مگر پھر بھی وہ بڑھاپے کی وجہ سے مر رہا ہے اور ضروری تھا کہ اس قسم کا ایک سوشل مذہب مرورِ زمانہ کی وجہ سے موت کا مزہ چکھتا"

بُدھ مذہب کے متعلق مسٹر پریتم سنگھ صاحب لکھتے ہیں "اس مذہب کا سہارا ایک عالی شان انسان اور لاثانی نفس کشی پر ہے۔ ہندو مذہب میں زوال آچکا تھا اُسوقت خدا کی روح ازسرِنو بُدھ مذہب کی شکل میں نازل ہوئی اور اُس نے

دوبارہ ملک ہند میں صحیح اعتقادات کی بنیاد ڈالنی چاہی۔ اور اس ملک میں ذات پات کے سلسلہ کی وجہ سے جواختلاف پیدا ہوگئے تھے اُنکو دُور کرنا چاہا۔ اُسوقت ویدوں کو ہندوؤں نے پڑھنا چھوڑ دیا تھا اور درحقیقت وہ اُس زمانہ کے مناسب حال بھی نہیں رہے تھے کیونکہ ہر ایک الہام ایک خاص زمانہ اور خاص ملک کیلئے ہوتا ہے اس لیئے ایک نئے مذہبی سلسلہ نے اُنکی جگہ لے لی۔ بُدھ مذہب کا سرعت کے ساتھ ہند اور گردونواح کے ممالک میں پھیلنا ایک تاریخی واقعہ ہے جس سے ہر ایک تاریخدان آگاہ ہے۔ اور ہند میں یہ پہلا مذہب تھا جس نے غیر قوموں کو اپنے اندر لینے کا اصول قائم کیا مگر آجکل بُدھ مذہب میں بھی اُسی طرح زوال واقعہ ہوگیا ہے جیسا کہ ہندو مذہب میں۔ اور اگرچہ بُدھ مذہب کی حالت ایسی ردّی نہیں جیسی کہ ہندو مذہب کی ہے اور بدھ مذہب کے عقائد کا وہ حال نہیں جو ہندو مذہب کے عقائد کا ہے تاہم اس مذہب سے بھی زندگی کی روح نکل چکی ہے اور اب چھلکا ہی چھلکا باقی رہ گیا ہے"

اسکے بعد سردار پریتم سنگھ زردشتی مت اور یہودی مذہب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "دنیا کے دو پرانے مذہبوں زردشتیت اور یہودیت کا بھی اب وہی حال ہے جو بُدھ مذہب اور ہندو دھرم کا ہوگیا ہے زردشت ایران کا ایک بزرگ نبی گذرا ہے۔ اُسکے احکام اور قوانین زندوستا کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں کئی صدیوں تک یہ ایرانیوں کا مذہب رہا۔ اور اب یہ بھی پُرانا ہوگیا ہے۔ پُرانے سے میری یہ مراد نہیں کہ مذہب کے اصول اور راستیاں تغیر پذیر ہیں بلکہ اس سے میری یہ مراد ہے کہ اس مذہب کے قواعد اور ضوابط صرف ایک خاص زمانہ اور خاص قوم کیلئے تھے۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی لہر کے آگے اس مذہب کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسیح سے چھ سو سال بعد ایرانیوں نے مذہب اسلام کو قبول کیا۔ ایران بھی ہمارے آریہ ورت کی طرح ایک پُرانی تہذیب کا مرکز تھا اور جیسا کہ اُنکی تہذیب ہماری تہذیب کی طرح قدیم تھی ایسا ہی اُنکا مذہب بھی ہمارے مذہب کی طرح قدیم تھا۔

اور جیساکہ ہر ایک سوشل سلسلہ مرور زمانہ کی وجہ سے زوال پذیر اور بگڑا ہوا ہوتا جاتا ہے یہی حال زردشت کے مذہب کا ہوا۔ یہودیوں کے پاس بھی ایک ضابطہ قوانین تھا اور حضرت موسیٰ انکے نبی صاحب شریعت تھے۔ اسرائیل کے بیٹے ایک دفعہ روئے زمین کی قوموں میں سب سے زیادہ زبردست قوم تھے۔ مگر جس روحانی لہر کو حضرت موسیٰ نے چلایا تھا آخر اُس نے اپنا زور کھو دیا اور پیشتر اسکے کہ مسیحی مذہب ظاہر ہو یہود دنیا میں منتشر ہو چکے تھے اور وہ گھٹتے گئے گھٹتے گئے یہان تک کہ اب بہت تھوڑے یہودی پائے جاتے ہیں جو ایک پرانے بوسیدہ مذہب کے پیرو ہیں اور یہ مذہب آجکل کے حالات کیلئے ہرگز موزون نہیں۔"

یہودی مذہب کے بعد سردار صاحب موصوف مسیحی مذہب کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ "وہ نصایح اور تعلیم جو مسیحؑ دنیا میں لایا وہ چند صدیوں تک تو افراد قوم کیلئے موجب رہنمائی ہوئے۔ پھر اُسکے بعد عرب کی سرزمین میں ایک نبیؐ پیدا ہوا جس نے اپنی قوم یعنی اہل عرب میں ایک معجزانہ تغیر پیدا کرکے دنیا کو عجائبات کا مشاہدہ کرایا۔" مسیحی مذہب کی موجودہ حالت کا ذکر کرتے ہوئے سردار صاحب لکھتے ہیں کہ "جسم تو موجود ہے مگر جسم میں سے روح پرواز کر گئی ہے۔"

اسکے بعد سردار پریتم سنگھ صاحب اُس اعتراض کا ذب کرتے ہیں جو اکثر مسیحی صاحبان اور بہت سے ہنود خصوصاً پنجاب کا فرقہ آریہ سماجیوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ سچے نبی نہیں تھے۔ سردار صاحب موصوف لکھتے ہیں "میں ایک لمحہ کیلئے بھی اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا کہ ... نبی جھوٹا ہو یا اُسکی زبان پر کچھ اور اُسکے دل میں کچھ اور ہو۔ وہ اپنی تمام قوت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ لوگ اُسکا مقابلہ کرتے ہیں اور اُسکو طرح طرح کے دکھ دیتے ہیں مگر وہ اپنے کام میں ثابت قدم رہتا ہے اور آخرکار کامیاب ہوکر رہتا ہے۔ کیا تم مجھی اس بات کا

یقین دلا سکتے ہو کہ ۳۰ کروڑ مسلمان جو آج قرآن مجید کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سچا ایمان رکھتے تھے وہ تمام ایسے لوگ تھے جنہوں نے ایک جھوٹی بات پر اپنے ایمانوں کو جمایا۔ آپکے احکام پر آج ایک دنیا اپنا سر جھکاتی ہے اور گذشتہ تیرہ سو سال سے مومنین کم از کم دن میں پانچ دفعہ محمد رسول اللہ کا نام مبارک اپنی زبانوں پر جاری رکھتے ہیں۔ میرے مہربانو! مجھے بتلاؤ کہ یہ طاقت یہ قوت کہاں سے آئی کیا یہ جو تم دیکھتے ہو الٰہی طاقت نہیں ہے؟ میں نہیں سمجھ سکتا کہ الٰہی نصرت کے بغیر یہ طاقت پیدا ہو سکے"۔

اسکے بعد سردار صاحب اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں بھی خدا کا ایک نبیؑ آیا مگر انہوں نے صراحت کے ساتھ اس نبیؑ کا نام بیان نہیں فرمایا۔ آپ لکھتے ہیں "بالآخر ہمارے زمانہ میں بھی ایک نبیؑ پیدا ہوا اور اسکی تعلیم کے لیئے یہ امر مقدر ہے کہ اس عظیم الشان زمانہ کے لوگ اس سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کریں گے"۔

اگرچہ سردار صاحب نے بالصراحت اس موجودہ زمانہ کے نبی کا نام نہیں لیا مگر اُن کے مضمون پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا اشارہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح و مہدی موعودؑ کی طرف ہے کیونکہ جو کیفیت سردار صاحب ایک سچے نبی کی بیان کرتے ہیں وہ حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بالکل چسپاں ہوتی ہے۔ سردار صاحب سچے نبی کی نسبت لکھتے ہیں کہ وہ بڑے وثوق اور قوت کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ میں خدا تعالےٰ کی طرف سے مامور ہوں اور دنیا اُسکے مقابل میں مخالفت کا ایک جوش دکھلاتی ہے اور اُسکو نابود کرنا چاہتی ہے مگر وہ بڑے عزم اور استقامت کے ساتھ اپنی بات پر قائم رہتا ہے آخر کار وہ کامیاب ہوتا ہے اور اُس کے دشمنوں کی ساری کوشش بے فائدہ ثابت ہوتی ہے۔ یہ بیان اس زمانہ میں صرف

حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کامل اور اتم طور پر صادق آتا ہے۔
اس زمانہ میں جسقدر لوگ اصلاح کے لیئے اُٹھے ہیں۔ اُن میں سے ایک احمدؑ ہی
ہے جو ایک نبی کے لباس میں اور نبوت کے منہاج پر ظاہر ہوا۔ تمام وہ خصوصیتیں
جو صرف انبیائؑ میں پائی جاتی ہیں وہ ہمارے زمانہ کے احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام
میں کامل طور پر پائی جاتی ہیں۔ اگر انبیائؑ کی ایک الگ جماعت ہے جو دنیا کے
دوسرے لوگوں سے ممتاز ہے تو یقیناً ہمارا احمدؑ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اُسی جماعت
کا ایک ممتاز فرد ہے۔ اگر زردشتؑ ایک نبی تھا۔ اگر بدھؑ اور کرشنؑ نبی تھے اگر
حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیحؑ خدائے تعالیٰ کی طرف سے نبی ہو کر دنیا میں آئے
تو یقیناً یقیناً احمدؑ بھی ایک نبی ہے کیونکہ جن علامتوں کے ذریعہ زردشتؑ
اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا نبی ہونا ہمیں معلوم ہوا وہ تمام علامتیں حضرت
مرزا غلام احمدؑ قادیانی فداہ ابی وامّی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود ہیں۔
آپنے اپنا ابتدائی زمانہ دیگر انبیائؑ کی طرح خلوت اور عبادت الٰہی میں بسر کیا۔ اور
آپ اس عرصہ میں دنیا کے لوگوں سے الگ رہے۔ آپنے دیکھا کہ دنیا کسی طرح کے
ظلمات میں پھنسی ہے۔ اور آپ کا دل یہ نظارہ دیکھکر غم وحزن سے بھر گیا۔ اور
آپنے خدائے تعالیٰ کے آگے رو رو کر دعائیں کیں کہ حق کی روشنی دنیا پر پھر چمکے۔
ان خلوت کے ایام میں وحی الٰہی آپ پر نازل ہوئی اور خدائے تعالیٰ نے آپ سے
اُسی طرح کلام کیا اور آپ سے اُسی رنگ میں بولا جس طرح اور جس رنگ میں وہ گذشتہ
نبیوں سے بولا اور اُن سے کلام کیا۔ خدائے تعالیٰ نے غیب کی عجیب در
عجیب خبریں آپ پر ظاہر کیں اور جن باتوں کی آپ کو بذریعہ وحی الٰہی خبر دی گئی
جب وہ سب کی سب اُسی طرح پوری ہوئیں تو آپ کو یقین ہوا کہ جس آواز کو آپنے
سنا تھا وہ خدا کی آواز تھی اور جو کلام آپکے کانوں میں ڈالا گیا تھا وہ اُسی خدا کا
کلام تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر توریت نازل کی اور جس نے
حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید جیسی بے نظیر کتاب اُتاری

ہر ایک نئے کلام کے بعد آپ کا یقین بڑھا اور اُس ذو العرش رب نے آپ پر اُسی طرح تجلی کی جسطرح کہ اُس نے پہلے انبیاء پر اپنے تئیں ظاہر کیا تھا۔ آخر خدائے تعالیٰ نے آپ کو امر کیا کہ خلوت سے باہر نکل کر روئے زمین کی قوموں کے سامنے نبوت کرو جیسے کہ پہلے نبیوں نے نبوت کی۔ آپ نے خدائے تعالیٰ سے خبر پاکر اس امر کا اعلان کیا کہ مَیں وہ آخری زمانہ کا موعود ہوں جسکی مختلف ملکوں کے تمام عظیم الشان نبیوں نے خبر دی اور صرف دعویٰ ہی نہ کیا بلکہ خدائے تعالیٰ نے آپکے دعویٰ کی تائید میں بے شمار زبردست نشان دکھلائے۔ جب آپ بالکل تنہائی اور گمنامی کی زندگی ایک گمنام گاؤں میں بسر کر رہے تھے اُس وقت خدائے تعالیٰ کا کلام آپ پر نازل ہوا اور خدائے تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی کہ دنیا کے گوشوں تک مَیں تیرے نام کو عزت کے ساتھ شہرت دونگا۔ اور دُور دراز رستوں سے جوق در جوق لوگ تیرے پاس چلکر آئیں گے یہانتک کہ قریب ہے کہ وہ اپنی کثرت کی وجہ سے تجھے تھکا دیں۔ اُسکے دعویٰ کو سُنکر دنیا چونک اُٹھی خصوصًا مسلمان جو ایک عرصہ دراز سے یہ یقین کر چکے تھے کہ آیندہ کوئی ایسا شخص مسلمانوں میں سے پیدا نہیں ہوگا جسپر خدائے تعالیٰ وہی انعام نازل کرے جو اُس نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل کیئے سخت تیزی کے ساتھ ہر ایک طرف سے مخالفت کا جوش اُٹھا۔ مگر آپ استقامت سے اپنے کام میں مصروف رہے یہانتک کہ خدائے تعالیٰ کی نصرت نے آپ کو کامیابی کا تاج پہنایا۔ آپ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں کئی واقعات کی قبل از وقت خدائے تعالیٰ سے آگاہی پاکر خبر دی اور اُن واقعات نے پورا ہوکر اس بات کی شہادت دی کہ جو کلام آپکے مُنہ سے نکلتا ہے وہ آپ کی بناوٹ نہیں بلکہ وہ خدائے تعالیٰ کی وحی ہے جو آپ پر نازل ہوئی۔ کئی صدیوں کے بعد دنیا نے آپکے ذریعہ خدائے تعالیٰ کا تازہ کلام اپنے کانوں سے سنا۔ مَیں آپ کی پیشگوئیوں کی عظمت ظاہر کرنیکے لیئے دو تین مثالیں پیش کرتا ہوں۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے کہ ایک یا دس یا سو یا ہزار لوگوں نے

نہیں بلکہ کُل دنیا کے لوگوں نے خدائے تعالیٰ کے اُس کلام کی سچائی کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے جو ۱۵۔جنوری ۱۹۰۶ء میں آپ پر نازل ہوا۔ اُس تاریخ کو خدائے تعالیٰ کا زبردست کلام آپ پر اُترا اور اُس نے یہ عجیب و غریب خبر دی کہ عنقریب ایران کے شاہ کجکلاہ کے ایوان میں ایک زلزلہ آنیوالا ہے جو اُسکی جڑھوں کو ہلا دے گا۔ اُس الہام الٰہی کے الفاظ یہ ہیں "تزلزل در ایوان کسرے فتاد" جسکے معنے ہیں کہ کسرے شاہ ایران کے محل میں ایک ہل چل پڑنے والی ہے۔ یہ الہام اُسوقت نازل ہوا جبکہ ایران کا شہنشاہ بڑے امن کے ساتھ اپنے آبائی تخت پر بیٹھکر ایران کی قدیم سلطنت پر حکمرانی کر رہا تھا اور اُس کبھی نہ بھولنے والے حادثہ کا نام و نشان بھی نہیں تھا جس نے تھوڑے دن ہوئے کہ اُسکے تخت کو ایسا ہلا دیا اور اُسکے ایوان میں ایسی ہل چل ڈالدی کہ شہنشاہ کو اُس کے تخت سے نیچے گرا دیا اور بادشاہ مکرم کو اپنے محلوں سے بھاگنا پڑا۔ دیکھو یہ کیسی عظیم الشان پیشگوئی ہے اور کیسے چونکا دینے والے رنگ میں پوری ہوئی اور ایسی صفائی سے اس نے اپنے سچا ہونیکی گواہی پیش کی ہے کہ کسی شخص کو انکار کی کچھ بھی گنجائش نہیں رہی۔

اسی طرح بہت عرصہ قبل اسکے کہ ملک میں طاعون نمودار ہو آپنے پیشگوئی فرمائی کہ ایک خوفناک وبا ملک میں ظاہر ہوگی اور اُسکے بعد آپنے پنجاب کے شہروں، قصبوں اور دیہات میں بذریعہ اشتہار لوگوں کو آنیوالی طاعون سے متنبہ کیا۔ آپنے لکھا کہ مَیں نے فرشتوں کو پنجاب کے شہروں اور دیہات میں طاعون کے بد شکل پودے لگاتے ہوئے دیکھا ہے اور اس عذاب الٰہی سے بچنے کی ایک ہی راہ ہے اور وہ توبہ۔ زاری اور خدا کے حضور عاجزی کے ساتھ گڑگڑانا ہے۔ مگر بجائے اسکے کہ آپکے اس اعلان سے فائدہ اُٹھایا جاتا اُلٹا ہنسی اور ٹھٹھے سے کام لیا گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جس تیزی اور شدت کے ساتھ طاعون نے پنجاب کو تباہ کیا اس کی نظیر ملک ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں نہیں پائی جاتی۔

پھر آپ نے پیشگوئی فرمائی کہ ایک "زلزلہ کا دھکا" آنیوالا ہے اور ساتھ ہی یہ الہام شائع کیا کہ عفت الدیار محلھا ومقامھا یعنی ایک ایسی آفت آنیوالی ہے جو مکانات کو زمین کے ساتھ ملا دیگی خواہ وہ مکانات عارضی رہائش کے ہوں یا مستقل رہائش کے۔ چنانچہ ان الہامات کے شائع ہونیکے بعد جلدی ہی ایک زلزلہ کا دھکا ملک پنجاب میں آیا جو ایسا سخت تھا کہ طرفۃ العین میں ایک سرسبز سرزمین کھنڈرات کا ویرانہ ہوگئی اور ان گرنیوالے مکانات نے بلند آواز کے ساتھ اُس الہام کے سچا ہونے کی گواہی دی جو قادیان سے تھوڑا عرصہ پہلے شائع کیا گیا تھا۔ مگر آپ نے پھر فرمایا کہ یہ زلزلہ کا دھکا تو صرف ایک پیش خیمہ ہے بہت سے خوفناک زلزلوں کے لیئے جو دنیا کے کسی ایک حصہ میں نہیں بلکہ مختلف حصوں میں عنقریب آنیوالے ہیں اور وہ زلزلے قیامت کا نمونہ ہونگے اور بعض اُنمیں ایسے شدید ہونگے کہ دنیا کی تاریخ میں اُن کی نظیر نہیں ملے گی چنانچہ ایسے زلزلے آئے اور اُنہوں نے اس کرّہ ارض کے بہت سے حصوں کو تہ و بالا کیا اور جیسا کہ اُس ندا کرنیوالے نے آسمانی وحی سے خبر پاکر ڈنکے کی چوٹ سے دنیا کے کونوں تک اس خبر کو پہنچایا تھا وہ ایسے شدید زلزلے تھے کہ دنیا پکار اُٹھی کہ واقعی یہ ایسے زلزلے ہیں کہ تاریخ عالم کے صفحوں میں ان زلزلوں کی نظیر نہیں پائی جاتی بلکہ یہ بھی تسلیم کیا کہ امید نہیں کہ پھر دنیا میں کبھی ایسے سخت زلزلے واقع ہوں۔ پس خدائے تعالیٰ کا کلام جیسے زور سے شائع کیا گیا تھا اُسی زور سے وہ پورا ہوا تا دنیا کو معلوم ہو کہ دنیا میں ایک نذیر آیا ہے اور یہ کہ آج وہ زمانہ ہے کہ خدا آسمان سے بول رہا ہے۔ الغرض احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تائید اور تصدیق میں خدائے تعالیٰ نے زبردست نشان دکھلائے اور ابھی ان نشانوں کا خاتمہ نہیں ہوا۔ ابھی دنیا بہت سے اور نشانات کا مشاہدہ کرے گی اور خدائے تعالیٰ بس نہیں کرے گا جب تک کہ وہ ساری باتیں پوری نہ ہولیں جو انبیاء کے صحیفوں اور خود احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی میں قبل از وقت

بیان کی گئی ہیں۔

الغرض جو شخص ذرا بھی تدبر سے کام لے گا اُس کو اس امر کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا کہ حضرت مرزا **غلام احمدؐ** اُسی پاک گروہ میں سے ایک عظیم الشان فرد ہے جو انبیائؑ کے نام سے ممتاز ہے اور چونکہ جن خیالات کا سردار پریتم سنگھ صاحب نے اظہار فرمایا ہے وہ اُن بیانات سے بہت مشابہ ہیں جو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جس نبیؑ کو انہوں نے موجودہ زمانہ کا نبیؑ کر کے پکارا ہے اُس سے اُن کی مراد حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جاوے کہ انہوں نے حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اشارہ نہیں کیا پھر بھی اس بات میں کچھ شک نہیں کہ جو کچھ انہوں نے ایک سچے نبی کی شناخت کے متعلق لکھا ہے وہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایسا صادق آتا ہے کہ اگر وہ اپنے اصول پر خود کاربند ہوں تو اُنکو اس امر کے ماننے سے ہرگز چارہ نہ ہوگا کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام درحقیقت ایک سچے نبی ہیں۔ اور اُسی زمرہ میں سے ہیں جن کو انبیائؑ اور رسل کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

مسٹر پریتم سنگھ صاحب کی ایک بات کسی قدر تصیح کے لائق ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہر ایک الہامی کتاب مختص الزمان اور مختص المکان ہوتی ہے ہمیں اس امر کے ماننے سے انکار نہیں کہ گذشتہ زمانہ میں خداوند تعالیٰ ایسی الہامی کتابیں نازل کرتا رہا جو صرف ایک خاص ملک اور خاص زمانہ کے لئے تھیں اور وہ کتابیں کل دنیا کے لئے اور کل زمانوں کیلئے نازل نہیں ہوئی تھیں۔ مگر ہم اس بات کے ماننے کیلئے تیار نہیں کہ یہی طریق آئندہ بھی جاری رہے گا۔ گذشتہ زمانہ اور موجودہ زمانہ میں ایک عظیم الشان فرق ہے۔ پہلے دنیا کی حالت اس قسم کی تھی کہ ایک ملک کے لوگ دوسرے ممالک کے لوگوں سے بالکل الگ تھے اور

اُنہیں باہمی تعلقات اور آمد ورفت کے ذرائع یا تو بالکل معدوم تھے یا بہت محدود تھے۔ مثلاً ہند کے لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ عرب میں کیا ہو رہا ہے اور شام کے باشندوں کو چین کے حالات سے خبر نہ تھی۔ ہر ایک قوم اپنے اپنے دائرہ میں محدود تھی۔ اسلیئے ایسے حالات کے ماتحت یہ ممکن نہ تھا کہ اُس زمانہ میں کل دنیا کے لیئے ایک ہی نبی مبعوث ہوتا اور ایک ہی کتاب نازل ہوتی۔ اس لیئے مختلف ممالک میں مختلف نبی پیدا ہوئے۔ اور جو تعلیم وہ لائے وہ اُنکی قوم کے خاص حالات کے مطابق تھی۔ اُن نبیوں نے اُنہی بدیوں کو دُور کرنے کی کوشش کی جو اُن کی قوم میں پائی جاتی تھیں اور اُنکے مناسب حال اُنکو تعلیم دی۔ اُنکی تعلیم اُنکی اپنی قوم کی حالت کے مطابق تھی اور اُسی قوم کی تربیت اُنکو منظور تھی اسلیئے اُسی قوم کی استعداد اور حالت کے مطابق اُنہوں نے تعلیم دی مثلاً ملک ہند میں جب حضرت بُدھ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو اُسوقت ایک بڑی بدی جو ہندوؤں میں پائی جاتی تھی وہ ذات پات کا فرق تھا ایک قوم اپنے تئیں خدا کا برگزیدہ اور خدا کا نائب یقین کرتی تھی اور دوسری قوموں کو ناحق ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ اور طرح طرح کے حقوق سے اُنکو محروم رکھا جاتا تھا۔ اسلیئے جب حضرت بُدھ علیہ السلام نبی ہو کر ملک ہند میں ظاہر ہوئے تو اُنہوں نے اس بات پر زور دیا کہ نجات کسی خاص قوم کے لیئے مخصوص نہیں بلکہ سب انسان برابر ہیں اور ہر ایک اسی طرح نجات اور رضائے الٰہی کو حاصل کر سکتا ہے جس طرح کہ دوسری قوموں کے لوگ حاصل کر سکتے ہیں۔ نجات کے حاصل کرنے میں برہمن اور شودر میں کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو اُنکی قوم فرعون کی غلامی میں رہنے کی وجہ سے بہت سخت دل اور کمینہ ہو گئی تھی اور انصاف اور عدل کے قواعد سے بالکل بے بہرہ تھی اسلیئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں عدل اور انصاف پر بہت زور دیا گیا۔ لیکن جب حضرت مسیح علیہ السلام کا وقت آیا تو اسوقت اُن میں انتقام کی صفت حد سے بڑھ گئی

تھی اسلیئے آپ نے رحم اور درگذر پر زور دیا غرض ہر ایک نبی کو چونکہ اپنی ہی قوم کی اصلاح منظور تھی اسلیئے اُس نے اسی قوم کی حالت کو مدّ نظر رکھکر تعلیم دی۔ جو بدی اُسکو اپنی قوم میں نظر آئی اُسی کی اصلاح پر اُسنے زور دیا اور اپنی تعلیم میں اپنی قوم کی خاص ضروریات کو خصوصیت کے ساتھ مدّ نظر رکھا۔ جیسا کہ تربیت کے قواعد کا مقتضی ہے۔ اور جب اُس نبی کے بعد اُس قوم میں نئی بدیاں پیدا ہو گئیں جنکا علاج اُس نبی کی تعلیم میں نہیں پایا جاتا تھا تو خدائے تعالیٰ نے اُن نئی بدیوں کے دُور کرنے کے لیئے ایک نیا مصلح کھڑا کیا۔

مگر اُس زمانہ میں جب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے دنیا کے حالات بدل رہے تھے۔ اُسوقت وہ دیواریں جنھوں نے ایک ملک کے لوگوں کو دوسرے ممالک کے باشندوں سے علیحدہ کر رکھا تھا ٹوٹنی شروع ہو گئی تھیں اور قوموں کی باہمی اجنبیّت دُور ہونی شروع ہو گئی تھی اور آپسمیں اُنکے تعلقات اور آمد و رفت کے وسائل بڑھنے شروع ہو گئے تھے اور وہ زمانہ بالکل قریب آگیا تھا کہ کل دنیا ایک ملک کی طرح ہو جاوے۔ اُسوقت خدائے واحد نے جو کُل دنیا کا ایک ہی خدا ہے یہ چاہا کہ اب کل دنیا کے لیئے ایک ہی نبی مبعوث ہو اور ایک ہی کتاب نازل ہو تا جیسا خدا ایک ہے ایسا ہی کُل دنیا کے لیئے ایک ہی نبی ہو اور کُل بنی نوع انسان کے لیئے ایک ہی کتاب ہو۔ کیونکہ اب دنیا کی قومیں ایک ہو رہی تھیں اور اُن سب کی طرف ایک نبی بھیجنے اور ایک کتاب نازل کرنیکا وقت آگیا تھا تب خدائے تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ وآلہ وسلم کو کل دنیا کے لیئے ایک نبی بناکر بھیجا اور آپ کو ایک کامل کتاب عطا کی جس میں نوع انسان کی تمام ضروریات کے لیئے سامان جمع کیا گیا۔ اب کوئی بیماری نہیں جسکا علاج قرآن مجید میں نہ ہو اور کوئی بدی نہیں جسکی اصلاح کا سامان قرآن شریف میں مہیّا نہ ہو۔ یہ کتاب کُل بنی نوع انسان کے لیئے تھی اسلیئے اسکو تمام ہدایتوں کا جامع بنایا گیا تاکہ اسکے بعد کسی اور کتاب کی ضرورت نہ رہے۔ پس یہ کامل کتاب اب کُل

زمانوں کیلیئے ہدایت اور نور اور شفا ہے۔ اور وہ کامل نبی جسکو خدائے تعالےٰ خاتم النبیین کر کے پکارتا ہے کل زمانوں کے لیئے اور کل قوموں کے لیئے ایک ہی نبی ہے۔

اور یہ کامل نبی اور یہ کامل کتاب عین وقت پر ظاہر ہوئے۔ نہ صرف اُس وقت ایک ایسے زمانہ کا آغاز ہوگیا تھا جس میں دنیا کے مختلف ممالک کے لوگ ایک قوم بننے والے تھے بلکہ وہ زمانہ اپنی مذہبی اور اخلاقی ابتری کی وجہ سے ایک مصلح کے وجود کو طلب کر رہا تھا۔ اُس زمانہ کی تاریخ گواہی دیتی ہے کہ روئے زمین پر کوئی ایسی قوم اور کوئی ایسی بستی اور کوئی ایسا مذہب اور کوئی ایسا ملک نہ تھا جو بگڑ نہ چکا ہو۔ اُسوقت سب سے تازہ مذہب مسیحیوں کا مذہب تھا مگر آجکل کے مسیحی خود اس بات کا اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ اُسوقت اس مذہب میں بھی سخت بگاڑ اور نہایت درجہ کا فساد پڑ چکا تھا غرض اُسوقت دنیا کی حالت بزبان حال ایک عظیم الشان اور جلیل القدر مصلح کے وجود کیلیئے پکار رہی تھی۔ اُسوقت کی حالت کا خود قرآن کریم نقشہ کھینچتا ہے۔ وہ فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ* خشکی اور تری یعنی کل قوموں میں فساد اور بگاڑ زور اور غلبہ میں ہے۔ پس اسوقت خدائے تعالیٰ کے قانون کے مطابق ایک بڑے نبی کی ضرورت تھی اور جیسا کہ مَیں بیان کر چکا ہوں اُسوقت ایسا زمانہ آگیا تھا کہ کل دنیا کیلیئے ایک ہی نبی ہو اور ایک ہی شریعت ہو اور ایک ہی کتاب ہو۔ پس اُسوقت خدائے تعالیٰ نے عرب کی سرزمین ** جو ہر ایک بدی کا مرکز تھی ایک نبی پیدا کیا اور اُسکو حکم ہوا کہ وہ لوگوں کو یہ پکار کر سنا وے۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔** کہہ کہ اے انسانو! مَیں تم سب کی طرف خدائے تعالیٰ کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں اور جیسا کہ اس نبی (علیہ الف الف صلوٰۃ) نے کل دنیا کے لیئے رسول ہونیکا اعلان کیا۔ ایسا ہی اُس کتاب نے یہ دعویٰ کیا کہ مَیں تمام گذشتہ دینوں کو جو اب بگڑ چکے ہیں منسوخ کرنے

* روم - ** اعراف

کے لیئے اور کُل دنیا کے لیئے ایک ہی شریعت لیکر آئی ہوں چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ - خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام پہلے دینوں پر غالب کرے۔

ناظرین! یہ غور کا مقام ہے کہ دنیا کے تمام نبیوں میں ایک ہی نبی ہے جس نے کُل دنیا کے لیئے رسول ہونے کا دعویٰ کیا اور دنیا کی تمام الہامی کتابوں میں ایک ہی کتاب قرآن مجید ہے جو کُل دنیا کیلیئے ایک کامل شریعت لانے اور دوسرے دینوں کو منسوخ کرنیکا دعویٰ کرتی ہے۔ اسکی وجہ صاف ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے نبیؑ اور پہلی کتابیں خاص قوموں اور خاص زمانوں کے لیئے تھیں اسی لیئے انہوں نے دوسری قوموں کو مخاطب نہیں کیا اور نہ ہی یہ دعویٰ کیا کہ ہم کُل دنیا کے لیئے نازل ہوئے ہیں مگر چونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برخلاف گذشتہ انبیاءؑ کے کُل دنیا کے لیئے نبی ہو کر آئے تھے اسلیئے انکو حکم ہوا کہ وہ اپنا کُل دنیا کیلیئے رسول ہو کر آنا ظاہر کردیں۔ اور چونکہ قرآن مجید برخلاف پہلی کتابوں کے ایک ایسی شریعت لیکر آیا جو کُل زمانوں اور کُل قوموں کیلیئے ایک ہی کامل شریعت ہے، اسلیئے قرآن شریف نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ پہلے دینوں کو منسوخ کرنے کیلیئے اور ایک کامل شریعت قائم کرنے کیلیئے آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سب سے آخری نبی حضرت مسیح علیہ السلام تھے مگر انہوں نے دوسری قوموں کو مخاطب نہیں کیا بلکہ جب دوسری قوموں میں سے کسی ایک نے آپ سے برکت حاصل کرنی چاہی تو اسکو جھڑک دیا اور کہا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کیلیئے آیا ہوں مجھے کسی دوسرے سے سروکار نہیں۔ دیکھو متی ۱۵ باب ۲۴ ورس۔ اور جب ایک غیر قوم کی عورت نے آپ سے برکت حاصل کرنے پر بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ میں بچوں (یعنے بنی اسرائیل) کی روٹی کتوں (یعنے غیر اقوام) کے آگے ڈالوں۔ دیکھو متی باب ۱۵۔ ورس ۲۶۔ ایسا ہی جب حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے

حواریوں کو ملک میں پھر کر وعظ کرنے کا حکم دیا تو انکو یہ ہدایت دی کہ صرف اسرائیل کی بھیڑوں سے سروکار رکھیں۔ غیر قوموں سے دُور رہیں٭ مگر برخلاف حضرت مسیح علیہ السلام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ یعنی ہم نے تجھے کُل عالمین کے لیئے رحمت کر کے بھیجا ہے۔ اس وسعت کا حضرت مسیح علیہ السلام کی تنگی سے مقابلہ کرو۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو قطعاً اس بات سے انکار کیا کہ وہ بنی اسرائیل کے سوا کسی اور کو اپنے فیض سے بہرہ ور کریں بلکہ بنی اسرائیل کو تو اپنے بچوں سے مشابہت دی اور غیروں کو کُتّے کر کے پکارا اسکے مقابل میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کُل عالمین کے لیئے رحمت ہیں اور ساری دنیا اور دنیا کی ساری آنیوالی نسلیں آپکے لیئے بچّوں کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب اور زیادہ عزیز۔ کیونکہ آپ سب کے لیئے سراسر رحمت ہیں۔

اسی طرح انجیل جو آسمانی کتب میں قرآن مجید سے پہلے سب سے آخری کتاب ہے اپنے ناقص ہونے کی خود ہی گواہی دے رہی ہے۔ کیونکہ یوحنا کی انجیل باب ۱۶ ورس ۱۲ و ۱۳ میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ مَیں نے ابھی تم سے بہت سی باتیں کہنی تھیں مگر تم اب اُنکی برداشت نہیں کر سکتے۔ مگر جب وہ جو سچّائی کی روح ہے تمھارے پاس آئیگا تو وہ تمام سچائیوں کی طرف تمھاری رہنمائی کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنے پاس سے کچھ نہیں کہے گا بلکہ جو کچھ وہ سُنیگا وہی بیان کریگا۔ اور وہ تمھیں بہت سی آنیوالی باتیں بتائیگا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس بیان سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیم کامل نہ تھی اور بہت سی باتوں کو اُنھوں نے بیان نہیں کیا کیونکہ اُن باتوں کے بیان کرنیکا ابھی وقت نہیں آیا تھا اور انکی تعلیم میں اُنکے اپنے بیان کے مطابق تمام صداقتیں شامل نہ تھیں بلکہ آپنے فرمایا کہ میرے بعد ایک اور معلم آئیگا اور وہ معلم ساری صداقتوں کو بیان کریگا یعنی اُسکی

٭ دیکھو متی باب ۱۰ ورس ۵ و ۶

تعلیم کامل تعلیم ہوگی اور فرمایا کہ وہ اپنے پاس سے کچھ بیان نہیں کرے گا بلکہ وہی کہیگا جو کچھ وہ سُنے گا۔ جیساکہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى یعنی یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا بلکہ جو کچھ وہ بولتا ہے وہ وحی الٰہی ہے جو اُسکی طرف بھیجی جاتی ہے یہ آیت حضرت مسیح علیہ السلام کے قول کے بالکل مطابق ہے۔

پادریصاحبان "سچائی کی روح" کے کچھ ہی معنے کریں مگر وہ اس سے انکار نہیں کرسکتے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس قول کے مطابق اُنکی تعلیم کامل نہ تھی اور انہوں نے بہت سی باتوں کو اسلیئے بیان نہ کیا کہ ابھی اُنکے بیان کرنیکا وقت نہیں آیا تھا۔ اور یہ بھی اُنہوں نے اقرار کیا کہ اُنکی تعلیم میں ساری صداقتیں شامل نہیں ہیں پس یہ بیانات ہمارے دعوے کے ثابت کرنیکے لیئے کافی ہیں کہ انجیل کامل کتاب نہ تھی بلکہ اُسکے بعد ابھی ایک اور کتاب کی ضرورت باقی تھی جو کامل تعلیم اپنے اندر رکھتی ہو۔

پادریصاحبان فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ وعدہ کسی نبی کی آمد سے پورا نہیں ہوا بلکہ اُنکی وفات کے بعد اُن کے حواریوں پر روح القدس نازل ہوئی جسکی شکل پادریصاحبان فاختہ یا کبوتر کی طرح بیان کرتے ہیں اور اُس نے مسیح کے بارہ ۱۲ شاگردوں کو کامل صداقتوں سے بھرپور کردیا۔ ہم پادریصاحبان کے اس بیان کو بخوشی قبول کریں گے بشرطیکہ وہ کوئی اور ایسی مثال پیش کریں جب خدائے تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیئے کسی فاختہ یا کبوتر کو ہادی بناکر زمین پر بھیجا ہو۔ جب سے خدائے تعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا کیا وہ ہمیشہ انسانوں کی ہدایت کے لیئے انسانوں کو ہی نبی بناکر مبعوث کرتا رہا اُس نے انسانوں کو تعلیم دینے کیلیئے کبھی کسی کبوتر کو نہیں بھیجا۔ خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا

نُّوحِیۤ اِلَیۡہِمۡ مِّنۡ اَہۡلِ الۡقُرٰی (یوسف) (ترجمہ) نہیں بھیجے ہم نے تجھسے پہلے مگر مرد جنکی طرف ہم وحی نازل کرتے تھے بستیوں کے رہنے والوں میں سے۔ یعنی تجھسے پہلے جسقدر رسول آئے وہ انسان اور انسانوں میں سے مرد تھے اور ہم نے اُنکو کسی دوسرے عالم یا آسمانوں سے دنیا میں نہیں اُتارا بلکہ وہ دنیا کی بستیوں میں سے ہی منتخب کیئے گئے اور اُنپر وحی نازل ہوئی۔ قرآن شریف کے اس بیان کی ہر ایک شخص تصدیق کرے گا اور تاریخ اس امر کی شہادت دیتی ہے مگر پادری صاحبان ہیں جو کہتے ہیں کہ نہیں ایک دفعہ خدائے تعالیٰ نے کبوتر کو بھی انسانوں کی تعلیم کے لیئے مبعوث کیا تھا اور جو باتیں حضرت مسیح علیہ السلام نے بیان نہیں کی تھیں اُن کو اُس کبوتر نے بیان کیا۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کا کچھ ذکر تو موجودہ اناجیل میں پایا جاتا ہے کیا پادری صاحبان نشان دے سکتے ہیں کہ جو تعلیم حضرت مسیحؑ نے بیان نہیں کی تھی اور جو روح القدس نے حواریوں کے سامنے بیان کی وہ کس کتاب یا صحیفہ میں درج ہے تا معلوم ہو کہ یہ وہ تعلیم تھی جسکو روح القدس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردوں کے پاس بیان کر کے حضرت مسیحؑ کی تعلیم کی تکمیل کی۔ پھر وہ یہ بھی بتلائیں کہ کس طرح وہ نیا معلم جو کبوتر کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے ایسے لوگوں کو تعلیم دینے کے قابل ہوا جنکو خود حضرت مسیح علیہ السلام تعلیم دے نہ سکے۔ کیا اُس میں حضرت مسیحؑ کی نسبت زیادہ طاقت اور قوت تھی کہ مسیحؑ تو اپنے کند ذہن شاگردوں کو وہ تعلیم نہ دے سکا مگر اُس نے آکر وہی تعلیم اُنہی لوگوں کو دے دی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ وہ آنیوالا معلم انسان ہونا چاہئیے تھا کیونکہ حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ وہ اپنے پاس سے کچھ بیان نہیں کریگا بلکہ جو کچھ وہ سُنے گا وہی بولے گا۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ جس نے حضرت مسیحؑ کے بعد آکر لوگوں کو کامل صداقتیں سکھائی تھیں اور جنکے سیکھنے کے لیئے حضرت مسیحؑ اپنے شاگردوں میں کافی استعداد نہیں دیکھتے تھے وہ انسان تھا نہ کوئی کبوتر

کیونکہ بولنا انسان ہی کا کام ہے کسی کبوتر یا چڑیا کی نسبت بولنے کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا۔ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان الفاظ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس معلم کے آنے کی انہوں نے خبر دی وہ وہی نبیؐ ہے جسکے آنیکی پیشگوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب استثنار باب ۱۸۔ آیت ۱۸ میں موجود ہے۔ وہاں لکھا ہے کہ میں اُنکے یعنی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ایک نبی تجھ سا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل اُنکے لیئے برپا کرونگا۔ اور میں اپنا کلام اُسکے منہ میں ڈالوں گا اور وہ اُن سے وہ تمام باتیں کہے گا جنکا میں اُسے حکم دونگا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی اُسکی بات کو نہیں سنے گا جو وہ میرے نام میں کہیگا تو میں اُس سے اس کا حساب لوں گا۔

اب اگر ہم حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشگوئی کا کہ وہ اپنی نہ کہے گا لیکن جو کچھ وہ سُنے گا سو کہے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کے الفاظ سے کہ میں اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے فرماؤنگا وہ سب اُنسے کہے گا مقابلہ کریں تو ہم صاف اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ ہر دو نبیؐ ایک ہی شخص کی آمد کی خبر دے رہے ہیں کیونکہ دونوں نے جو کچھ اُس آنیوالے نبیؐ کی نسبت بیان کیا ہے وہ بالکل مطابق ہے اسلیئے دونو پیشگوئیوں کا مصداق ایک ہی شخص ہے اور وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنکی نسبت قرآن مجید میں لکھا ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى یعنی یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتا بلکہ جو کچھ وہ کہتا ہے وہ خدا کا کلام ہے جو اُس کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔

الغرض یوحنا کی انجیل باب ۱۶۔ ورس ۱۲ و ۱۳ سے صاف طور پر یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اُنکی تعلیم کامل نہیں اور بہت سی ایسی صداقتیں ہیں جو اُنہوں نے اسلیئے بیان نہیں کیں کہ ابھی اُنکے بیان کرنیکا وقت نہیں آیا تھا۔ اور یہ کہ اُنکے بعد ایک نبیؐ آئیگا جو کامل تعلیم لائے گا اور وہ اپنے پاس سے کچھ بیان نہیں کریگا بلکہ وہ وہی کہے گا جو وہ خدا سے سُنیگا۔ اس پیشگوئی

کے مطابق وہ نبی آیا اور جو کتاب وہ اپنے ساتھ لایا وہ انجیل کی طرح اپنے ناقص ہونیکا اقرار نہیں کرتی اور نہ اُس نے اپنے کامل یا ناقص ہونیکے متعلق سکوت اختیار کیا ہے بلکہ وہ بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ مَیں کامل تعلیم لائی ہوں چنانچہ قرآن شریف میں خدائے تعالیٰ فرمایا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا٭ یعنی آج مَینے تمھارے لیئے تمھارے دین کو کامل کر دیا ہے اور اتم طور پر اپنی نعمت تمھیں عطا کی ہے اور مَیں نے تمھارے لیئے اسلام کا دین پسند کیا ہے۔ جیساکہ مَیں پہلے بیان کر چکا ہوں دنیا کے نبیوں میں صرف ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے جس نے یہ دعویٰ کیا کہ مَیں کُل دنیا کے لیئے اور کُل زمانوں کیلیئے رسول ہو کر آیا ہوں اور دنیا کی کتابوں میں سے صرف ایک قرآن مجید ہی ایسی کتاب ہے جسنے برملا یہ اعلان کیا کہ میرے میں ساری تعلیمیں اپنے کمال تک پہنچ گئی ہیں۔ یہ اسلیئے ہے کہ دنیا میں کوئی اور نبی کُل دنیا کیلیئے کبھی مبعوث نہیں ہوا اور نہ کوئی اور کتاب کُل قوموں کے لیئے ہدایت نامہ بنکر نازل ہوئی اسلیئے کسی اور نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔

قرآن شریف میں ایک اور خصوصیت ہے جو دوسری کتب مقدسہ میں نہیں پائی جاتی۔ اور جس سے قرآن شریف کا خاتم الکتب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ گذشتہ انبیاء اور گذشتہ الہامی کتب کا تعلق صرف اپنی ہی قوم سے تھا اور دیگر ممالک سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا اسلیئے ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کتابوں میں دوسرے ممالک کے انبیاء یا دوسرے ممالک کی کتب مقدسہ کا کوئی ذکر نہیں۔ یعنی اُن کتابوں میں یہ تعلیم نہیں دی گئی کہ تم دوسرے ممالک کے انبیاء پر بھی ایمان لاؤ اور اُن کتب مقدسہ کو بھی الہامی کتابیں یقین کرو جو غیر ممالک کے انبیاء پر نازل ہوئیں مگر چونکہ قرآن مجید خاتم الکتب ہے اور اس نے سب سے بعد آکر کل پہلی کتابوں کی صحیح تعلیم کو اپنے اندر جمع کر کے انکو منسوخ کیا ہے اسلیئے ہم اس میں دوسرے ممالک کے انبیاء اور غیر قوموں کی الہامی کتب کا ذکر پاتے

٭ مائدہ - ۱

ہیں۔ قرآن شریف بالصراحت یہ تعلیم دیتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ یعنی کوئی ایسی قوم نہیں جس میں کبھی نہ کبھی کوئی نذیر نہ آیا ہو۔ برخلاف دوسری کتب کے۔ قرآن شریف اپنے پیروؤں کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ ان تمام انبیائؑ پر ایمان لائیں جو دنیا کے مختلف حصوں میں مبعوث ہوئے۔ اور فرماتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (مومن ۸) یعنی ہمنے تجھ سے پہلے رسول بھیجے۔ اُن میں سے بعض کا ذکر ہم نے تیرے پاس کیا ہے اور بعض کا ذکر نہیں کیا۔ پھر فرماتا ہے قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (بقرہ ۱۶) یعنی کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور ایمان لائے ہیں اُس وحی پر جو ہماری طرف اُتاری گئی اور اُس وحی پر جو ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ۔ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ پر اور اُسکی اولاد پر اُتاری گئی اور ہم ایمان لائے ہیں اُس کلام اِلٰہی پر جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دی گئی اور ہم ایمان لائے ہیں اُس وحی پر جو دنیا کے کُل نبیوں کو اُنکے رب کی طرف سے دی گئی۔ ہم اُن نبیوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم خدائے تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اس آیت کے رُو سے اور ایسی ہی بہت سی دیگر آیات کے رُو سے ایک مسلمان دنیا کے ہر ایک نبی پر ایمان لاتا ہے خواہ وہ نبی شام میں پیدا ہوا یا مصر میں یا ایران میں مبعوث ہوا یا ہند میں۔ ہم جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کی عزت کرتے ہیں ایسا ہی ہم حضرت زردشتؑ۔ حضرت کرشنؑ۔ حضرت کنفیوشسؑ اور دنیا کے دیگر انبیاءؑ کی تعظیم کرتے ہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ دنیا کے کل نبیوں میں اس لحاظ سے کہ وہ خدا کے نبی ہیں کوئی فرق نکریں۔ ہم سب کو خدا کے الہام کا مورد یقین کرتے ہیں۔ مگر یہ تعلیم صرف قرآن شریف میں پائی جاتی ہے۔ وید کے اوراق کو ٹٹولو اُسمیں کہیں اس تعلیم کا

نام و نشان نہ پاؤ گے۔ ایسا ہی بائیبل کے صفحات کو اول سے آخر تک پڑھ جاؤ انہیں اس تعلیم کا پتہ تمھیں کہیں نہیں ملیگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اُن کتابوں کو بیرونی دنیا سے ... ... کوئی سروکار نہ تھا مگر قرآن مجید چونکہ کل دنیا کے لیئے آیا۔ اسلیئے اس کے لیئے ضروری تھا کہ وہ گذشتہ انبیاءؑ کے بارے میں اپنی گواہی نہیں دی کہ دنیا میں اور ملکوں میں بھی نبی آئے اور خدا کا کلام نازل ہوا بلکہ ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کیا کہ جو تعلیمیں متفرق طور پر دوسری کتابوں میں نازل کی گئی تھیں وہ سب قرآن شریف میں جمع کی گئی ہیں۔ اور بقول حضرت مسیح علیہ السلام تمام صداقتیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اسلیئے اس جامع کتاب کے بعد اب کسی پہلی کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہی اور قرآن شریف نے دوسری قوموں کو پکارا ہے کہ تم سب اس تازہ وحی پر ایمان لاؤ جیسا یہ اپنے پیرووں کو یہ حکم دیتی ہے کہ تم دنیا کے کُل انبیاءؑ پر ایمان لاؤ ایسا ہی یہ دیگر انبیاءؑ کے پیرووں سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین اور تمام نبیوں کے کمالات کا جامع مانیں اور قرآن شریف کو تمام سچی تعلیموں کو اپنے اندر اکٹھا کرنیوالا یقین کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ٥ (بینہ) یعنی ایک رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پاک صحیفے پڑھتا ہے جنمیں تمام درست کتابیں شامل ہیں۔ پھر فرماتا ہے یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَ یَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ یَتُوْبَ عَلَیْکُمْ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ٥ (نساء-۵) یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمھارے لیئے کھولکر بیان کرے اور تمھیں اُن لوگوں کی راہوں کی طرف ہدایت کرے جو تم سے پہلے گذرے ہیں اور تم پر رجوع برحمت کرے اور اللہ تعالیٰ جانتا اور حکمت والا ہے۔ اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ جو ہدایت کی راہیں پہلی قوموں کو بتلائی گئی تھیں وہ سب قرآن شریف میں جمع کی گئی ہیں۔ قرآن شریف پہلی کتابوں کی سچی تعلیموں کا مصدق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے وَ ھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ یعنی یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے اُتاری ہے۔ یہ سب برکتوں کی جامع ہے اور جو کلام الٰہی

ھو دنیا اور اس سے غرض بھی گواہی

اس سے پہلے اُتر چکا ہے اُسکی یہ تصدیق کرتی ہے۔ پھر قرآن شریف اُن غلطیوں کے ازالہ کرنے کا دعویٰ کرتا ہے جو مرور زمانہ کی وجہ سے دنیا کے مذاہب اور قوموں کے اعتقادات واعمال میں داخل ہوگئی تھیں اور اُس سچّی راہ کے ظاہر کرنیکا مدّعی ہے جس سے لوگ دُور چلے گئے تھے۔ چنانچہ فرماتا ہے تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٥ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥ یعنی خدا کی قسم البتہ تحقیق ہم نے تجھ سے پہلے قوموں کی طرف رسول بھیجے۔ پس شیطان نے انکے بُرے کاموں کو انکے لیئے خوبصورت کرکے دکھایا۔ پس وہی آج کے دن انکا دوست ہے اور انکے لیئے دردناک عذاب ہے۔ اور ہمنے تیرے پر یہ کتاب نہیں اُتاری مگر اسلیئے کہ جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں وہ تو کھولکر انکے واسطے بیان کردے اور یہ مومنوں کی قوم کے لیئے ہدایت اور رحمت ہے (نحل - ۸) اس آیت سے پایا جاتا ہے۔ کہ اگرچہ مختلف قوموں میں رسول آئے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت وہ قومیں بُرے کاموں میں لگی ہوئی تھیں بلکہ انکی حالت یہانتک بگڑ گئی تھی کہ بُرے کام اُن کو بھلے نظر آتے تھے۔ اور وہ طرح طرح کے اختلافوں میں پڑ گئے تھے۔ اور قرآن شریف اسلیئے نازل ہوا کہ انکو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرے اور انکے اختلافوں کو دُور کرے۔ پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران - ۲) یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی سچا دین ہے۔ پھر فرمایا وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ٥ (آل عمران ۹) یعنی جو کوئی اسلام کے سوائے کسی اور دین کی پیروی کریگا تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانیوالوں میں سے ہوگا۔ ان ہر دو آیات میں یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ اگرچہ پہلے

زمانے میں مختلف نبی اور مختلف اُمتیں تھیں مگر اب زمانے کی حالت بدلگئی ہے۔ اسلیئے اب کُل قوموں پر واجب ہے کہ اس کامل مذہب کی پیروی کریں۔ اپنے پُرانے مذہبوں کو جن میں طرح طرح کے اختلافات اور غلطیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ چھوڑ کر اس تازہ وحی پر ایمان لائیں اب کل دنیا کے لیئے ایک ہی مذہب ہوگا یعنی اسلام اور اس وقت کے بعد اگر کوئی اپنے پُرانے مذہب پر رہیگا۔ تو اسکا مذہب قبول نہیں کیا جائیگا۔ اب بُدھ مذہب والوں کو چاہیئے کہ اپنے غلط خیالات کو چھوڑ کر اسلام کی پیروی کریں۔ ایسا ہی ہندوؤں زردشتیوں۔ مسیحیوں اور موسوی لوگوں کو چاہیئے۔ کہ اس کتاب پر جسمیں ساری صداقتیں جمع کیگئی ہیں اور سارے اختلافات کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ایمان لائیں۔ کیونکہ انکے اپنے مذہب اب مردہ ہو چکے ہیں۔ اور انمیں اسقدر جھوٹ مل گیا ہے۔ کہ حق اور باطل میں تمیز کرنا دشوار ہوگیا ہے اب نجات کی ایک ہی راہ ہے اور وہ اسلام ہے۔

قرآن شریف کی ایک اور خصوصیت جو کہ اسکو تمام دوسری الہامی کتابوں سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ ہے کہ اسکے متعلق خداوند تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ مَیں ہمیشہ اسکی حفاظت کروں گا۔ چونکہ یہ کُل زمانوں کے لیئے کامل ہدایت نامہ ہو کر نازل ہوا تھا۔ اسلیئے ضروری تھا۔ کہ اسکا اصل متن ہمیشہ کے لیئے خالص اور محفوظ رہے تاکہ ساری نسلیں اسکی صحیح اور اصل عبارت کو پڑھ سکیں۔ اسپر کوئی ایسا زمانہ نہیں آنا چاہیئے تھا کہ یہ وید کی طرح گمنامی کے گوشے میں چھپ جائے۔ کسی ہاتھ کو یہ اجازت نہیں ہونی چاہیئے تھی کہ اسکے اصل متن کو گھٹائے یا بڑھائے جیسا کہ پہلی کتابوں کے ساتھ ہوا۔ اسپر کوئی ایسا زمانہ نہیں آنا چاہیئے تھا کہ اسکے مختلف اور متضاد نسخے پیدا ہو جاتے اور یہ معلوم کرنیکا کوئی ذریعہ نہ رہتا کہ انمیں اصل اور صحیح نسخہ کونسا ہے اسلام پر کوئی ایسا زمانہ نہیں آنا چاہیئے تھا۔ جیسا کہ مسیحیت پر آیا جبکہ مسلمانوں کی کونسل کو اس بات کا فیصلہ کرنیکے لیئے جمع ہونا پڑتا کہ قرآن شریف کے مختلف نسخوں میں سے کونسا نسخہ درحقیقت خدا کا کلام ہے اور کونسا جعلی ہے۔ تاکہ وہ بعض کو انتخاب کرتے اور بعض کو وہ رد کرتے۔ جیسا کہ مسیحی کونسلوں نے بہت سی اناجیل میں سے صرف چار کو منتخب کیا

اور باقی کو رد کر دیا ہو۔ چونکہ قرآن شریف ہمیشہ کے لیئے ایک ہدایت نامہ تھا۔ اسلیئے یہ مناسب نہ تھا کہ مسلمانوں کو ایسا فیصلہ کرنیکی ضرورتیں پیش آتیں۔ ہمپر کوئی ایسا زمانہ نہیں آنا چاہیئے تھا کہ اصل عربی نسخہ ہم سے گم ہو جاتا اور صرف ترجمے ہی ترجمے ہمارے پاس رہ جاتے جیساکہ مسیحیوں کے ساتھ ہوا جنکے پاس مسیح کے صرف چند اقوال موجود ہیں اور وہ بھی ترجمہ کی صورت میں اور صرف ایک ہی فقرہ ہے جو اصل زبان میں ابتک موجود ہے یعنی ایلی ایلی لما سبقتانی۔ جسکے معنے ہیں اے میرے اللہ اے میرے اللہ تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ الغرض اگر قرآن شریف تمام زمانوں کیلیئے نازل ہوا تھا تو یہ ضروری تھا کہ وہ ان تمام افسوسناک مشکلات سے محفوظ رہتا جو پہلی کتابوں کو پیش آئے اور یہ ضروری تھا کہ ہر ایک زمانے کے لوگوں کے پاس خدا کا کلام ٹھیک اسی صورت میں موجود ہوتا جیساکہ وہ خدا کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اسلیئے ہم دیکھتے ہیں کہ خود قرآن شریف میں خدائے تعالیٰ اس بات کا وعدہ فرماتا ہے کہ میں اسکو ہمیشہ ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رکھوں گا۔ چنانچہ فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ*۔ یعنی ہم نے ہی اس کتاب کو نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کرینگے۔ یہ الٰہی حفاظت کا وعدہ تمام کتب مقدسہ میں سے صرف قرآن شریف کے لیئے ہی مخصوص ہے۔ جسقدر پہلے الہامی کتابیں نازل ہوئیں انمیں سے کسی ایک کے متعلق بھی خداوند تعالیٰ نے ایسا وعدہ نہیں فرمایا۔ اسکی وجہ صاف ہے وہ کتابیں خداوند تعالیٰ نے اس لیئے نہیں بھیجی تھیں کہ وہ تمام زمانوں کے لیئے اور تمام آنیوالی نسلوں کے لیئے ہدایت نامہ کا کام دیں۔ اسلیئے انکو ہمیشہ تک محفوظ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن قرآن شریف کا یہ حال نہیں تھا یہ ایک کامل شریعت تھی تمام زمانوں کے لیئے اور تمام قوموں کے لیئے۔ اسلیئے یہ ضروری تھا کہ یہ ہمیشہ کیلیئے محفوظ رہے۔ سو خداوند تعالیٰ نے اسکی حفاظت کا خود ذمہ اُٹھایا۔ اور خدا کا یہ وعدہ عجیب طور سے پورا ہوا کل دنیا قرآن شریف کے متن کی صحت اور حفاظت کی گواہ ہے اور جیساکہ خداوند تعالیٰ نے اب تک اسکو محفوظ رکھا ہے یقیناً آئندہ بھی اسکو محفوظ

* حجر-۱

رکھے گا۔ مسلمانوں کی کتاب ایسی محفوظ ہے کہ اگر اس کا ایک ایک نسخہ چن چن کر بھی تباہ کیا جائے یا جلا دیا جائے پھر بھی خدائے تعالیٰ کے کلام کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ یہ کاغذ نہیں جو اسکو محفوظ رکھتے ہیں۔ بلکہ اسکے حروف لاکھوں انسانوں کی دلوں کی تختیوں پر کھدے ہوئے ہیں کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا جب ہزارہا ایسے لوگ موجود نہ ہوں جنکے سینوں میں قرآن شریف شروع سے لیکر آخر تک حرف بہ حرف محفوظ تھا اور قرآن شریف کے حافظ کسی ایک ملک میں محدود نہیں رہے بلکہ تمام اسلامی بلاد میں ہزاروں کی تعداد میں ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ یہ ایک خصوصیت ہے جسپر قرآن شریف اور صرف قرآن شریف فخر کرسکتا ہے۔ اور یہ عجیب حفاظت جو قرآن شریف کو ہمیشہ سے حاصل ہے اور ہمیشہ حاصل رہے گی۔ اس بات کا ایک اور صریح ثبوت ہے کہ یہ کتاب تمام زمانوں کیلیئے اور تمام آنیوالی نسلوں کے لیئے ہے۔

اس امر کا ایک اور ثبوت کہ آج قرآن شریف ہی ایک کتاب ہے جسپر تمام قوموں کو کاربند ہونا چاہیئے اور قرآن شریف کے سوا اور کوئی کتاب ایسی نہیں جسپر چلنا خدا کے نزدیک انکا فرض ہو۔ اس بات میں پایا جاتا ہے کہ تمام دوسری الہامی کتابوں کی زبانیں اب مردہ ہو چکی ہیں اور قرآن شریف ہی ایک الہامی کتاب ہے جسکی زبان ایک زندہ زبان ہے۔ ویدوں کی زبان سنسکرت تھی وہ مر چکی ہے بائیبل کی زبان عبرانی تھی وہ بھی مُردہ زبانوں میں شامل ہو چکی ہے۔ زندوستا کی زبان بھی مُردہ زبان ہے غرض قرآن مجید کے سوا کوئی اور ایسی کتاب موجود نہیں جسکی نسبت الہامی ہونیکا دعویٰ کیا جاتا ہو۔ اور اسکی زبان زندہ زبان ہو۔ یہ فخر بھی تمام الہامی کتابوں میں صرف قرآن شریف کو ہی حاصل ہے۔ کہ اسکی زبان دوسری الہامی کتابوں کی زبانوں کی طرح مردہ زبان نہیں ہے بلکہ زندہ زبان ہے✤۔ خدائے تعالیٰ نے تمام دوسری الہامی کتابوں کی زبانوں کو مردہ کر دیا تا یہ امر عقلمندوں کے نزدیک اس امر کا ایک نشان ہو کہ اب یہ کتابیں قابل عملدرآمد نہیں رہیں اور خدائے تعالیٰ

✤ عربی زبان کی نسبت یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ کبھی یہ زبان بھی مردہ زبانوں میں داخل ہو جاوے [illegible] قرآن [illegible] زندہ [illegible] منہ

نہیں چاہتا کہ لوگ ان کتابوں کو پڑھیں اور انپر عمل کریں۔ بلکہ آج وہی ایک الہامی کتاب قابل پیروی ہے جسکی زبان زندہ زبان ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ کا یہ منشاء ہوتا کہ لوگ مثلاً وید پر یا ژند وستا پر عمل کریں تو وہ ہرگز انکو گمنامی کے تاریک گوشے میں نہ پھینکتا اور انکی زبانوں کو موت کا مزہ نہ چکھاتا۔ یہ کتابیں اب مردہ کتابوں میں شامل ہوگئی ہیں اور لوگوں پر کوئی زندہ اثر نہیں ڈال سکتیں۔ خدائے تعالیٰ نے اسلام کو زوال سے محفوظ رکھنے کے لیئے ایک اور سامان بھی کیا ہے۔ صرف قرآن شریف کے الفاظ کا محفوظ رہنا اسلام کو زوال سے بچا نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ باوجود کتاب کے موجود ہونیکے لوگ مذہب سے غافل اور لاپرواہ ہوسکتے تھے اور آہستہ آہستہ قرآن شریف کی تعلیم کو بھلا کر اور اُس کے احکام پر عمل نہ کرکے راہ راست سے دُور جاسکتے تھے اس لیئے خداوند تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً ایسے معلم کھڑے کرتا رہے گا جو اسلام کی صحیح تعلیم ہمیشہ تازہ کرتے رہیں اور لوگوں میں روحانی زندگی از سر نو پھونک کر اُن کے ایمانوں کو تازہ کرتے رہیں گے تا مرور زمانہ کی وجہ سے جو غفلت لوگوں میں پیدا ہوجاتی ہے اُسکا علاج ہوتا رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک صدی کے سر پر خدائے تعالیٰ ایک ایسے شخص کو مبعوث کرتا رہے گا جو اُس زمانہ میں دین کی تجدید کرے گا۔ خداوند تعالیٰ قرآن شریف میں مندرجہ ذیل وعدہ دیتا ہے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ (نور-۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اُن لوگوں سے جو تم میں ایمان لانیوالے اور نیک عمل کرنیوالے ہیں کہ البتہ خلیفہ بنائیگا انکو زمین میں جس طرح کہ اُس نے خلیفہ بنایا اُن لوگوں کو جو اُن سے پہلے تھے اور البتہ استحکام دے گا اُنکے لیئے اُنکے اُس دین کو جو اُس نے اُن کے لیئے پسند کیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں خداوند تعالیٰ مسلمانوں سے وعدہ کرتا ہے کہ جس طرح اُن سے پہلی اُمت یعنی بنی اسرائیل میں خدائے تعالیٰ نے انبیاءؑ بھیجے جو حضرت موسیٰؑ کے خلیفے تھے اسی طرح وہ اس اُمت محمدیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے خلفاء بھیجے گا۔ ایک اور آیت کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل قرار دیا گیا ہے وہ آیت یہ ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ (مزمل) یعنی ہم نے تمھاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ اس آیت میں بانئے اسلام علیہ الف الف سلام کو موسوی شریعت کے بانی علیہ السلام سے مشابہت دی گئی ہے اور آیت استخلاف میں جو اوپر لکھی جا چکی ہے محمدی سلسلہ کو موسوی سلسلہ سے مشابہت دی ہے اور فرمایا ہے کہ جس طرح موسوی سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلفاء پیدا ہوتے رہے اسی طرح میرا وعدہ ہے کہ میں محمدی سلسلہ میں خلفاء مبعوث کروں گا۔ چنانچہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد حضرت یوشعؑ بن نون کھڑے کیئے گئے اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپکے قائم مقام اور آپکے خلیفہ بنائے گئے اور جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آخری اور عظیم الشان خلیفہ حضرت مسیح علیہ السلام تھے اسی طرح خدائے تعالیٰ نے اُمّت محمدیہ میں ایک عظیم الشان خاتم الخلفاء کی خبر دی اور اُسکو وہی خطاب دیا جو موسوی سلسلہ کے آخری خلیفہ کا خطاب تھا تا موسوی سلسلہ اور محمدی سلسلہ کی باہمی مشابہت ظاہر ہو۔ اور اس خاتم الخلفاء کی نسبت فرمایا کہ وہ اُمّت محمدیہ میں سے مسلمانوں کا ایک امام ہوگا۔ جسکو شک ہو وہ صحیح بخاری میں امامکم منکم پڑھ لے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی اپنے وقت میں اپنے نشانات کے ساتھ پوری ہو چکی ہے اور خدائے تعالیٰ نے اپنے قدیم وعدہ کے مطابق احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کر کے اور اُسکی صداقت کے سارے نشانات کو پورا کر کے اپنی پیشگوئی کو سچّا کیا۔ یہ وہی احمدؑ ہے جس کا ذکر اس مضمون کے اثنا میں اختصاراً کیا گیا ہے اور یہ سلسلہ خلفاء کا خداوند تعالیٰ نے اسلیئے قائم کیا ہے کہ مذہب اسلام میں زوال نہ آئے۔ ایسے خلیفے قیامت تک اسلام میں پیدا ہوتے رہیں گے اور جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے

بشارت دی کوئی صدی اسلامی مجددکے وجود سے خالی نہیں جائیگی تا اس کامل کتاب کی تعلیم جو کُل آنیوالی نسلوں اور دنیا کی کُل قوموں کیلیئے نازل کیگئی تھی اور جسکو دنیا کے کونوں تک پہنچانے کیلیئے خدائے تعالیٰ نے کُل دنیا کو ایک ملک کے حکم میں کردیا ہے ہمیشہ تازہ ہوتی رہے تا یہ مذہب زوال سے محفوظ رہے۔

اس بیان سے ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ اب آئندہ کوئی نئی شریعت نازل نہ ہوگی اور کوئی ایسا نبی دنیا میں نہیں آئیگا جو قرآن شریف کی شریعت کو منسوخ کرنیکے لیئے آئے۔ چونکہ پہلی مقامی شریعتوں کے لیئے منسوخ ہونا مقدر تھا اسلیئے خدائے تعالیٰ نے اُن الہامی کتابوں کو ہی یا تو گمنامی کے تاریک کوئیں میں ڈالدیا یا وہ کتابیں انسانی دست برد سے محرف مبدل ہوگئیں تاکہ یہ امور اُن کتابوں کے منسوخ ہونے کیلیئے بطور الٰہی شاہد کے ہوں مگر چونکہ قرآن شریف ایک دائمی اور عالمگیر شریعت ہے اسلیئے خداوند تعالیٰ نے ابتداء سے ہی ایسے سامان کردیئے کہ یہ کتاب ہمیشہ کیلیئے محفوظ رہے۔ اسکے الفاظ کی حفاظت کے لیئے قرار بنا دیئے اور اسکی معنوی حفاظت کے لیئے خلفاء مقرر کردیئے تا یہ کتاب ہر طرح اور ہر رنگ میں محفوظ چلی آئے۔ اور اُسکی یہ دائمی حفاظت اس امر کے لیئے ایک الٰہی شہادت ہے کہ یہ کتاب انسان کی نسل کیلیئے ایک دائمی شریعت لائی ہے۔ اب اسکے بعد کوئی نئی شریعت نہیں آئے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا صاحب شریعت نبی نہیں آئے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ آیندہ خدائے تعالیٰ کسی انسان سے کبھی کلام بھی نہیں کرے گا۔ کیونکہ برگزیدوں سے کلام کرنا اُسکی ایک لازوال صفت ہے جو کبھی دُور نہیں ہوسکتی۔ کامل شریعت کے آنے سے یہ مراد نہیں کہ آیندہ کے لیئے الٰہی انعامات کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔ بلکہ یہ دروازہ ہمیشہ کھلا ہے مگر یہ انعام اب صرف قرآن مجید کی سچی پیروی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع سے حاصل ہوتا ہے۔ اب اس انعام کے لینے کے لیئے ایک ہی دروازہ ہے اور وہ اسلام کا دروازہ ہے اب سوائے اس دروازہ کے اور

کسی راستے سے یہ انعام نہیں مل سکتا اور یہ امر بھی اس بات کی ایک الٰہی شہادت ہے کہ آج روئے زمین پر ایک ہی مذہب ہے جو خدائے تعالیٰ کی نظر میں مقبول ہے اور وہ اسلام کا مذہب ہے۔ اسلام میں ہمیشہ اس انعام کے حاصل کرنیوالے موجود رہے ہیں اور اس زمانہ میں بھی خدائے تعالیٰ نے ایک کامل انسان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل غلام پیدا کیا جسکو اپنے مکالمات کے شرف اور نبوت کے انعامات سے مالا مال کر کے اس بات کا ثبوت دیا کہ آج اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے۔ ایسے لوگوں کا اسلام میں ہی پیدا ہونا اور دوسرے مذاہب کا ایسے مقدس اور ملہم نفوس سے خالی ہونا اس بات کا ایک بیّن ثبوت ہے کہ آج اسلام کے سوا اور کوئی مذہب زندہ نہیں سب مذاہب مر چکے ہیں۔ سب ندیاں خشک ہو چکی ہیں اور اسلام ہی ایک مذہب ہے جسکے روحانی برکات جاری ہیں۔ اگر آج نبوت کے برکات کسی پاک انسان کو حاصل ہو سکتے ہیں تو وہ قرآن شریف ہی کے ذریعہ سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں کیونکہ آپ خاتم النبیین یعنی انبیاء کے لیئے مُہر ہیں۔ اب کوئی ایسا نبی نہیں ہو سکتا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی مُہر اپنے ساتھ نہ رکھتا ہو۔ غرض نبوت کے برکات بند نہیں ہوئے بلکہ اب بھی ایسے ہی حاصل ہو سکتے ہیں جیسے کہ پہلے حاصل ہوتے تھے مگر اب کوئی صاحب شریعت نبی نہیں آسکتا کیونکہ شریعت قرآن مجید کے ذریعہ کامل ہو چکی ہے اور نہ اب کوئی ایسا نبی پیدا ہو سکتا ہے جو خاتم النبیین کی اتباع کا سرٹیفکیٹ اپنے ساتھ نہ رکھتا ہو۔ پس سردار صاحب موصوف کا یہ کہنا درست نہیں کہ ہر ایک شریعت ایک زمانہ کے بعد بدل جاتی ہے بے شک پہلی شریعتیں ایک خاص زمانہ کے لیئے اور خاص قوموں کے لیئے تھیں مگر انہوں نے نہ کامل ہونے کا دعویٰ کیا اور نہ اُن شریعت کے لانیوالوں نے اپنے تئیں کُل دنیا کے لیئے رسول ظاہر کیا۔ اُن کا کام اپنی اپنی قوم کی وقتی اصلاح تھا اور اُن کتابوں نے محرف و مبدل ہو کر یا گمنامی کی تاریکی میں داخل ہو کر اور اُن زبانوں نے جن میں وہ نازل ہوئی تھیں موت کا مزہ چکھ کر اس بات کی خود ہی شہادت دے دی کہ اب دنیا کو اُنکی ضرورت

نہیں رہی کیونکہ اب کامل شریعت اور کل دنیا کو نبی اپنے وقت پر آچکے ہیں اور اب ہر ایک فیض اسی کامل نبی کے ذریعہ حاصل کرنی چاہیئے۔ مگر افسوس کہ ان مُردہ کتابوں کے حامی مدعی سست گواہ چست کا مصداق بنکر ان مُردہ کتابوں کو پھر دوبارہ زندہ کرنا چاہتے ہیں اور اُنکی نسبت ایسے ایسے دعاوی پیش کرتے ہیں جو خود ان کتابوں نے پیش نہیں کیئے۔ مگر قرآن شریف کا یہ حال نہیں۔ ہم اُس کی طرف سے خود کوئی دعوے نہیں گھڑتے بلکہ ہر ایک دعوی وہ خود دنیا کے آگے پیش کرتا اور کل دنیا کو اپنے پر ایمان لانے کے لیئے خود دعوت دیتا ہے۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

ریویو

رسالہ ترکیب بند صادق :- اس رسالہ میں لائق مصنف نے مختلف انگریزی فرانسیسی اور فارسی تاریخ کی کتابوں سے اہل عرب کو جمیع علوم و فنون کا سرچشمہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے اور جہانتک ہمنے اس رسالہ پر غور کیا ہے مصنف صاحب اپنے ارادے میں بہت کامیاب ہوئے ہیں۔ رسالہ مذکور عام فہم نظم میں مع حواشی مفصل بزبان اردو سلیس ہے۔

۵۰ صفحے کا رسالہ ہے قیمت ۴ر

رسالہ صمصام الحق :- اسمیں مصنف موصوف نے خلفاء کرام کی خلافت کا ثبوت اہل تشیع کی معتبر کتب سے بالتفصیل نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ دیا ہے۔ عبارت برجستہ اردو سلیس حوالجات مفصل مع ترجمہ صفحہ ۵۷

سیف اللہ القہار علیٰ رؤس الاشرار :- مصنف مذکور نے اس رسالہ میں شیعہ صاحبان کے باطل عقائد مثلاً تقیہ اور نجوم اور دیگر ایسے لچر عقائد کی مختصر طور پر مگر عمدہ پیرائے میں مہذبانہ تردید کی ہے قرآن کریم سے استدلال پکڑا ہے۔ ۲۰ صفحے کا رسالہ ہے۔

یہ ہر ۳ کتابیں سید محمد صادق حسین صاحب صادق مختار عدالت و ایڈیٹر اخبار اٹاوہ پنچ و رسالہ صبح صادق۔ اٹاوہ مصنف کتب مذکور بالا سے مل سکتی ہیں۔

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

مدرسہ تعلیم الاسلام - ۱۸ - ۱۹ جون کو جناب اسسٹنٹ انسپکٹر صاحب مدارس حلقہ لاہور نے سکول کا معائنہ کیا جس کا خلاصہ ناظرین کی آگاہی کیلئے درج کیا جاتا ہے۔ "میں نے ۱۸ و ۱۹ جون کو مدرسہ ہذا کا بیکایک معائنہ کیا اور کام کو اکثر صورتوں میں قابل اطمینان طور پر رواں پایا۔ گذشتہ سالانہ معائنہ سے تعداد طلبار میں ۷۶ کی ترقی ہوئی ہے میرے پہلے روز کے معائنہ پر ۲۸۱ میں سے ۲۳۴ طلبار حاضر تھے۔ موجودہ عمارت مدرسہ و بورڈنگ کی روز افزوں تعداد کیلئے ناکافی ہو رہی ہے۔ بورڈنگ کی عمارت زیر تعمیر ہے اور مدرسہ کیلئے شاید دوسرے سال شروع کیجاویگی جو زمین مدرسہ اور بورڈنگ کے لیئے خریدی گئی ہے۔ وہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ اور موزون جگہ پر ہے۔ سامان مدرسہ کافی ہے۔ گذشتہ معائنہ کے بعد کچھ چیزیں ایزاد کیگئی ہیں۔ عملہ میں ۱۴ مدرسین ہیں جنمیں سے گیارہ سند یافتہ ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مینجر کا انتظام اچھا ہے جسمانی ورزش پر کافی توجہ ہوئی ہے۔ اور لڑکوں کی حرکات عموماً قواعد اور مارچنگ میں یکساں نہیں ضبط میرے معائنہ کے وقت اچھا تھا اور لڑکے اسکے پابند معلوم ہوتے تھے۔ سکول کے لگنے کا وقت بھی قابل اطمینان معلوم ہوا۔ خاتمہ پر میں خوشی سے اظہار کرتا ہوں کہ مدرسہ موجودہ ہیڈ ماسٹر مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی کے ماتحت اچھی ترقی پر ہے۔ وہ ایک خلیق شریف آدمی ہیں اور ان کو اپنے ماتحتوں سے رضامندی کے ساتھ کام لینا خوب آتا ہے"۔

مدرسہ کی ایڈ میں سال رواں کے ابتدار سے بہ سبب عمدہ نتایج ہونیکے زیادتی ہوئی تھی یعنی دو سو روپے ماہوار کے قریب امداد ملنی منظور ہوئی تھی مگر فنڈ ڈسٹرکٹ بورڈ میں عدم گنجایش کے باعث اپریل گذشتہ سے بند ہوگئی تھی۔ جسپر ہائی سکول اور اسکی شاخوں کی ضروریات تعلیم کے اظہار اور اس حکم پر نظر ثانی کرانے کیلئے ایک ڈیپوٹیشن بخدمت جناب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع گورداسپور گیا۔ اور ایسا ہی ایک میموریل بخدمت ڈائرکٹر صاحب بہادر سررشتہ تعلیم بھیجا گیا۔ جنکی مہربانی اور توجہ سے امداد کا ڈسٹرکٹ فنڈ سے ملنا بحال ہوگیا ہے۔ اور امید کی جاتی ہے کہ آیندہ کے لیئے صاحب ڈائرکٹر یہ امداد پراونشل

فنڈ سے دلاکر احمدی قوم کو ممنون فرمادیں گے۔

مولوی صدرالدین صاحب بی اے۔ بی ٹی ہیڈ ماسٹر مدرسہ کی سابق رخصت ختم ہوگئی تھی مگر صاحب ڈائرکٹر صیغہ تعلیم نے جو اس مدرسہ کی طرف ہمیشہ خاص توجہ فرماکر احمدی قوم کو مشکوری کا موقعہ دیتے رہے ہیں جناب مولوی صاحب موصوف کی رخصت میں توسیع منظور کی ہے۔ مجلس معتمدین صاحب ڈائرکٹر کی اس مہربانی کے لئے بہت شکر گذار ہے۔

گذشتہ ایام میں موضع سیکھواں میں پلیگ پڑی تھی جس سے کئی ایک طلبار مرگئے اسوجہ سے تعداد اسقدر کم رہ گئی تھی کہ اسکے لئے علیحدہ شاخ رکھنے کی ضرورت نہ تھی اسلئے یکم جون سے شاخ سیکھواں کو شاخ "تلونڈی" کے ساتھ ملادیا گیا ہے۔

۱۶۔جولائی سے ۳۱۔اگست تک ڈیڑھ ماہ کے لئے سکول بوجہ موسمی تعطیلات بند کیا گیا ہے تمام طلبار اور اساتذہ کو یکم ستمبر کو سکول میں حاضر ہوجانا چاہیئے۔ حسب دستور سابق طلبار کو سکول کے وصولی چندہ کیلئے رسیدات اور سندات مطبوعہ دی گئی ہیں۔ایک رسید کتاب میں رہے گی دوسری چندہ دہندہ کو دیجاوے گی۔ سند پر صدر انجمن کی مہر۔ دستخط سکرٹری صدر انجمن۔ اور ہیڈ ماسٹر یا سپرنٹنڈنٹ مدرسہ احمدیہ ثبت کیئے ہیں۔ جماعت کو چاہیئے کہ اس موقع پر طلبار کی امداد کرے اور انکی حوصلہ افزائی کرکے انکو دینی کاموں میں مزید حصہ لینے کا شوق دلاویں۔ سکول کے ہندو طلبار نے بھی یہ سندات وغیرہ حاصل کی ہیں۔

تعمیر۔ اگرچہ برسات کا موسم اس دفعہ پہلے ہی شروع ہوگیا ہے اور تعمیر کا کام جس رفتار سے جاری تھا اس میں کسی قدر روک پڑگئی ہے۔ مگر سکول۔ بورڈنگ اور مدرسہ احمدیہ کے ضروریات نے ایسا مجبور کیا ہے کہ کام بند نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اُس رفتار پر جاری رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ سکول کے موجودہ کمرے طلبار کی روزمرہ بڑھتی ہوئی تعداد کے لیئے بالکل ناکافی ہیں بڑی تنگی سے لڑکوں کو کمروں میں بٹھایا جاتا ہے جیسا کہ انسپکٹر صاحب نے اپنے معاینہ میں بھی ریمارک کیا ہے۔ ادھر مدرسہ احمدیہ اور بورڈنگ ہوس کے

لیئے بھی کمرے ناکافی ہیں۔ اسلیئے بہت ضروری ہے کہ جس طرح سے بھی ہوسکے موسمی
تعطیلوں میں باہر کمرے طیار ہوجاویں اور طلبار کی واپسی پر کم از کم بورڈنگ ہوس باہر
آجاوے تاکہ بورڈنگ کے موجودہ کمروں میں وہ جماعتیں جنمیں طلبار کی تعداد خدا کے
فضل سے بڑھ رہی ہے اور چالیس چالیس تک لڑکے ہیں کُھلے کمروں میں بٹھائی
جاسکیں۔ مگر یہ سب کام جماعت کی ہمت پر موقوف ہے۔ اگر چندہ تعمیر کی طرف کافی توجہ
کی گئی جیسے کہ پہلے بذریعہ سرکلر لکھا گیا ہے تو امید ہے انشاء اللہ تعالیٰ بہت سا حصہ
کام کا جلد تیار ہو جاویگا جس سے طلبار کو موسمی تعطیلات سے واپسی پر آرام ہو جاوے
اور ایک گونہ تکلیف رفع ہو جاویگی۔

تبلیغ۔ گذشتہ ایام میں شیخ غلام احمد صاحب اضلاع منٹگمری۔ ہوشیار پور۔ جالندھر
اور گورداسپور کے متفرق مقامات میں وعظ کے لیئے گئے۔ اب انجمن سیالکوٹ کی درخواست
پر شیخ صاحب کو سیالکوٹ بھیجا جانا تجویز ہوا ہے اور وہ عنقریب اس دورہ پر تشریف
لے جانیوالے ہیں۔ احباب ضلع سیالکوٹ کو چاہیئے کہ ہر طرح سے انکی امداد کریں۔

انجمن احمدیہ سیالکوٹ۔ قواعد صدر انجمن احمدیہ قاعدہ نمبر ۷ کے ضمن ھ کے اغراض
کے لیئے حسب منشار قواعد شاخہائے صدر انجمن احمدیہ کے قاعدہ نمبر ۷ انجمن احمدیہ
سیالکوٹ کو مجلس معتمدین نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۹ جون میں قواعد کی پابندی اور
باقاعدہ کارروائی کرنیکے باعث سرٹیفکٹ عطا فرمایا ہے۔ جسکی رو سے انجمن مذکور
کو مجلس معتمدین کے لیئے بوقت ضرورت ممبر منتخب کرنیکا حق حاصل ہوگا افسوس ہے
کہ سَو سے زیادہ انجمنوں میں سے صرف ایک انجمن کا کام ابتک اس قابل اطمینان
حالت کو پہنچا ہے جو انجمنوں کے قائم کرنے میں مجلس معتمدین کا منشار تھا۔ امید ہے
کہ دوسری بڑی بڑی انجمنیں ضرور اس طرف توجہ کریں گی۔

مساکین۔ علاوہ متفرق امداد کے [illegible] ماہوار کے وظائف طلبار کو بیرونی کالجوں
میں امسال مجلس معتمدین نے دینے منظور کیئے ہیں۔

زکوٰۃ۔ اس مد کی طرف میں اسوقت خصوصیت سے احباب کو توجہ دلاتا ہوں کیونکہ

یہ ایک خاص موقعہ ادائگی زکوٰۃ کا ہے۔ زکوٰۃ سے بہت سے ضروری کام اسوقت ہو رہے ہیں۔ کئی نومسلموں کی امداد اس سے ہوئی ہے۔ بہت سے لوگوں کو جو حاجتمند ہوتے ہیں زاد راہ دینے کی ضرورت پیش آتی ہے وہ بھی زکوٰۃ کی مد ابناء السبیل سے پوری ہوتی ہے اور متفرق امداد اہل حاجت کو دیجاتی ہے بلکہ بعض وقت مدرسہ احمدیہ کے لیئے اصل میں گنجائش نہ ہونیکی وجہ سے زکوٰۃ سے ہی بعض طلباء کو وظائف دینے پڑتے ہیں۔ غرضیکہ بہت سے ضروری کام زکوٰۃ کے روپے سے ہو رہے ہیں اسلیئے میں جملہ انجمنوں کو اور جملہ احباب کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ زکوٰۃ کا روپیہ جسقدر ہو سکے ارسال فرما کر ممنون فرمادیں۔

ایک جھوٹے بابی مدعی کی پردہ دری

یہ سُنت اللہ چلی آئی ہے کہ سچے نبیوں کے ساتھ ہی جھوٹے مدعی بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں تاکہ خلق خدا جھوٹے کی ہلاکت سے سچے نبی کی صداقت کو پہچان سکے اللہ تعالیٰ سچے نبیوں کی حمایت کرتا اور انکی تائید میں بڑے بڑے نشانات دکھاتا ہے جب تک وہ اپنے فرض منصبی کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچاتے دنیا سے رخصت نہیں ہوتے۔ بڑے زور شور اور سرگرمی سے انکی مخالفت کیجاتی ہے اور ان کے دشمن انکو تباہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے لیکن وہ خدا جسکی طرف سے وہ مامور ہوتے ہیں اپنے زبردست ہاتھ سے انکی مدد کرتا ہے اور اسکا دردناک عذاب انکے دشمنوں کو ہلاک کر دیتا ہے انکے دیکھا دیکھی جھوٹے مدعی بھی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر صرف اسلیئے کہ تا وہ اپنی عبرت انگیز ہلاکت سے سچے نبیوں کی صداقت کی شہادت دیں۔ جھوٹے مدعیوں کا ظہور لوگوں کو موقعہ دیتا ہے تا وہ جھوٹ اور سچ میں امتیاز کریں اور راستباز کو کاذب کی مدد سے پہچانیں مثلاً ان لوگوں نے جنھوں نے حضرت مسیحؑ ناصری کو پایا اور دیکھا انہوں نے اور جھوٹے مسیح بھی دیکھے۔ اسی طرح

ہمارے نبی کریم صلعم کے زمانے میں بھی کم از کم تین جھوٹے مدعیان نبوت ظاہر ہوئے لیکن خدا نے جھوٹوں کو ہلاک کیا اور رسول کریم صلعم کو نمایاں فتح عطا فرمائی۔ یہ عجیب بات ہے کہ عرب کے جھوٹے مدعیوں نے ابتدائے دعویٰ میں کثیر التعداد مرید بنا لیئے بلکہ بہت سی قومیں یک لخت انکے دعویٰ کرتے ہی انکے پاس جوق در جوق آنے لگ گئی تھیں لیکن اسقدر بیشمار مریدوں کے ہوتے بھی اللہ تعالیٰ نے انکو سخت ذلیل کیا اور انکو شرمناک انجام دکھایا۔ برخلاف انکے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تن تنہا تھے آپکی اپنی قوم آپکے برخلاف ہوگئی اور آپکے پیرو جو بہت ہی قلیل التعداد اور وہ بھی غریب تھے سخت بیرحمی سے ستائے گئے اور طرح طرح کے دکھوں میں مبتلا کیئے گئے ان دکھوں کا آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ انکو اپنے پیارے وطنوں اور عزیز و اقارب کا داغ جدائی سینوں پر لگا کر ہجرت اختیار کرنی پڑی۔ دشمنوں نے اسلام کو جڑھ سے اکھیڑنے میں انتہائی حد تک زور لگایا بلکہ انہوں نے رسول کریم صلعم پر خونی حملہ کرنے کی نیت سے ایک شب آپکے گھر کا محاصرہ کر لیا اگرچہ آپکے راستے میں اسقدر رکاوٹیں تھیں تاہم جبتک کہ آپ کو بے نظیر اور عالیشان کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ آپکو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف نہیں اٹھایا وہ تن تنہا واعظ اس دنیا سے رخصت نہ ہوا جبتک کہ تمام خطۂ عرب نے آپکو سچا نبی نہ مان لیا۔ لیکن وہ جو بڑی تعداد کے ساتھ آئے اور ظاہر بین کی نظر میں انکو کامیاب ہونیکا ایک موقعہ حاصل تھا خدا کے زبردست ہاتھ نے انکو سطح زمین سے بالکل مٹا دیا۔ یہ اسلیئے ہوا تا لوگ جھوٹے اور سچے نبیوں میں امتیاز کرسکیں اور جان لیں کہ رسول کریم صلعم کی وہ شاندار اور لاثانی کامیابی تعداد کی کثرت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ خدائے تعالیٰ کی تائید سے حاصل ہوئی۔ ایسا ہی حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی مسعودؑ بھی ایسی شہادتوں کے بغیر نہیں رہے چونکہ وہ اپنے مطاع حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تمام دنیا کے لیئے مامور ہوکر آئے تھے اسلیئے آپکی شہادتیں بھی ایک براعظم یا ایک ملک تک محدود نہیں رہیں بلکہ جیسے آپکے نشانات دُور دراز براعظموں میں پھیلے گئے ویسے ہی آپکے گواہ دور کے ملکوں اور شہروں میں ظاہر ہوئے۔ مَیں یہاں

ان گواہوں کا ذکر نہیں کرونگا جو ہندوستان میں جھوٹے مدّعیوں کے لباس میں ظاہر ہوئے میں صرف ان دو کا ذکر کرونگا جو امریکہ میں پیدا ہوئے۔ ایک انہیں سے ڈاکٹر ڈوئی شکاگو کا رہنے والا تھا جس نے الیاس کا مثیل ہونیکا دعویٰ کیا۔ دنیا اس مفتری کے دردناک انجام سے بخوبی واقف ہے وہ اپنے شہر سے نکالا گیا اُسکے پیرو اور بیوی اور بیٹے اس سے برگشتہ ہوگئے اور وہ مفلوج اور آخر میں پاگل ہو کر مرگیا۔ اسکی موت صرف موجودہ نسل کے لئے نہیں بلکہ تمام آیندہ نسلوں کے لئے عبرت کا مقام ہے اس نے اپنے نمونہ سے یہ دکھایا کہ جھوٹے نبی ایسے ہوتے ہیں تا دنیا اسکے ذریعہ اس زمانے کے سچے مسیح کو پہچان سکے۔

حال کے ایک امریکن اخبار ایک اور نئے مدعی نبوت کی خبر دیتے ہیں اسکا نام ہنری کلیٹن ٹامسن ہے جو امریکہ کے بابی فرقہ کا ایک جھوٹا نبی ہے تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ اُس نے یہ ظاہر کیا کہ میں خدائے تعالیٰ کی سلطنت کا ایک خوشخبری دینے والا ہوں۔ اور میرا یہ کام ہے کہ موجودہ نسل کو تمام راستیوں کی حقیقت سے آگاہ کروں۔ اور مجھے عبدالبہا کی طرف سے جو بہائی فرقہ کا بانی ہے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ میں ایک نئے فرقے کی بنا ڈالوں۔ اُس نے کہا میرے خدا کا نام ذان ذھوم ہے اور یہ کہ ذان ذھوم ہی تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا اور آخر میں اُس ذان ذھوم نامی خدا نے مجھے یعنی ٹامسن صاحب کو مبعوث کیا ہے۔ مجھے الٰہی پیغام ایسٹل نامی روح کے ذریعہ پہنچتے ہیں اور ایسٹل ملاء اعلیٰ کا ایک ممبر ہے۔ مگر اس مفتری کو یہ دعویٰ کئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ اُس کا افترا طشت از بام ہوگیا۔ وہ روح جسکا نام ایسٹل تھا ایک عورت کی شکل میں ایک اخبار کے ایڈیٹر کے دفتر میں ظاہر ہوئی اور اُس نے یہ ظاہر کیا کہ ذان ذھوم کا نام میرا ہی تجویز کردہ ہے اور ٹامسن صاحب کے الہامات میرے دماغ ہی کی ساخت ہیں۔ اس عورت کا نام مسز ایسٹل ایم ہیملے ہے۔ وہ یہ بھی کہتی ہے کہ ٹامسن نبی کے الہامات کی تختیاں

میرے ہاتھ کی تحریریں ہیں۔ مَیں اپنے باورچی خانہ میں کھانا پکاتے وقت اُنکو لکھا کرتی تھی۔ مَیں چند پرانی مشرقی کتابوں کو لیکر اُنہیں سے چند فقرے کچھ یہاں سے اور کچھ وہاں سے لیکر اُنکو جمع کر لیتی تھی۔ مَیں نے ٹامسن صاحب کو یہ بھی یقین دلایا کہ ایک مشرق کے بزرگ مغل نے تیرے آنیکی خبر دی ہے اور یہ پیشگوئی کی ہے کہ تو دُنیا کے لیئے نجات دینے والا ہوگا۔ اور ٹامسن نے مجھ سے ایک دن کہا کہ اب مجھے یقین ہوگیا کہ جسکو بائیبل میں یہوواہ کہتے ہیں وہ اصل میں ذان ذہوم ہی ہے۔ مَیں نے بعد میں اُسکے دھوکہ کو دُور بھی کرنا چاہا اور اُس کے سامنے اس امر کا اقرار کیا کہ مَیں نے تجھے دھوکہ دیا تھا مگر اُسکو میری بات پر یقین نہ آیا۔ ذان ذھوم کا نام مَیں نے ایک بازار کی گاڑی پر ایک اشتہار کو پڑھکر تجویز کیا۔ ایک رات ٹامسن نبی میرے پاس اپنے چند پیرووُں کے ہمراہ آیا اور ہم نے وہ شام ذان ذہوم کی یاد میں گذاری۔ ہم نے کچھ پھل اور شراب میز پر اپنے سامنے رکھے مگر کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا تاکہ ہم نفس کُشی کی مشق کریں۔ ہم میں سے کسی نے اتفاقاً ٹامسن نبی پر کچھ شراب گرا دیا۔ اسپر ٹامسن صاحب نے بڑے وثوق کے ساتھ فرمایا کہ یہ شراب کا گرنا اس امر کا نشان ہے کہ میرا خون گرایا جائے گا اور میری موت ایک شہید کی موت ہوگی۔

جب ٹامسن نبی کے بابی شاگردوں کو یہ کُل ماجرا جو مسز ایسٹل نے اخباروں کے ذریعہ شائع کیا ہے معلوم ہوا تو وہ بہت غضب میں آگئے اور ٹامسن نبی کے برخلاف ایک ہنگامہ برپا کر دیا مگر ٹامسن نبی نے اس جوش کو یہ کہکر فرو کر دیا کہ تم ایک لعنتی اور پلید نسل ہو۔

اب پادری صاحبان کیلیئے غور کا مقام ہے۔ جو جھوٹے نبی غیروں کی امداد سے الہامات بناکر اُنکو بطور وحی الٰہی کے شائع کرتے ہیں اُنکی اسی طرح پردہ دری ہوتی ہے جس طرح کہ امریکہ کے بہائی فرقہ کے جھوٹے نبی مسٹر ٹامسن صاحب کی ہوئی ہے۔ کاش کہ پادری صاحبان کو عقل سلیم سے کچھ حصّہ حاصل ہوتا تا وہ ایسے نمونوں سے سبق حاصل کرتے۔

ریویو

اسلام کا گر۔ نجات کی حقیقت مؤلفہ شیخ رحیم بخش صاحب راجپوت نو مسلم واعظ اسلام۔ اس میں شیخ صاحب نے اپنی وہ مفید خط و کتابت جو انکو اور انکی اہلیہ مرحومہ کو مسیحی مذہب ترک کرنے کے وقت عیسائی مشنریوں سے پیش آئی بتفصیل درج کی ہے اور مشنری اعتقاد کا خوب قلع قمع کیا ہے۔ اس خط و کتابت سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ کسطرح پادری صاحبان خلق خدا کو اپنے دام تزویر میں پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں قیمت ۱/
یرمیاہ نبی کی پیشگوئی شیخ صاحب موصوف نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس پیشگوئی کا صادق آنا مدلل تقریر سے ثابت کیا ہے اور ساتھ ہی عیسائیوں کے خیالی اور وہمی کفارے کا ابطال بھی کیا ہے قیمت ۸/ یہ دونوں کتابیں مؤلف سے حسب

اولی الامر۔ مؤلفہ قاضی غلام محی الدین اخگر ایڈیٹر العزیز بٹالہ مصنف نے یہ ظاہر کیا ہے کہ مذہب اسلام کے رو سے حاکم وقت کی اطاعت فرض ہے حاکم و محکوم کے احکام کے بیان کے علاوہ سلطنت برطانیہ کی برکات کو نظم و نثر میں بیان کیا گیا ہے قیمت ۱/

پولیٹیکل قاعدہ یا امن کی ابجد۔ مؤلفہ حکیم محمد حسین صاحب قریشی موجد مفرح عنبری حویلی کابلی مل لاہور اس میں مؤلف موصوف نے سی حرفی کی طرز پر مگر دلچسپ نثر میں اطاعت حکام وقت اور شورش سے بچنے کے متعلق مفید ہدایات دی ہیں اور بہت سی تعداد میں مفت تقسیم کر کے سلطنت برطانیہ کی ایک وفادارانہ خدمت کرادا کیا ہے۔

مذہب منصوری۔ مصنفہ محمد منصور علی صاحب۔ اس کتاب میں مصنف نے خدا تعالےٰ کی ہستی اور نبوت حضرت ختم المرسلینؐ اور دیگر مسائل کے ثبوت میں بہت سی عقلی دلائل پیش کیے ہیں۔ قیمت ۸/ صفحہ ۱۲۴ پتہ ذیل سے مل سکتی ہے حکیم منصور علیخاں سرائے بوہرہ حیدر آباد دکن۔

الناظر۔ یہ رسالہ لکھنؤ سے ماہوار شائع ہوتا ہے اسمیں علمی اور تاریخی مضامین عمدہ پیرائے میں نکلتے ہیں۔ اردو لٹریچر کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ کاغذ اور چھپائی عمدہ اور صاف ہے قیمت ۲/ سالانہ دفتر رسالہ الناظر فلاوز منڈ لکھنؤ سے ملتا ہے۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۱۰ء نمبر ۸

چندہ سالانہ
عوام سے عا طلباء سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ اگست سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

نوٹ:۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ینابیع الاسلام پر ریویو۔ حصہ دوم

پادری ٹسڈل صاحب کا ججی کی کرسی پر رونق افروز ہونا

پادری صاحب اسلام کے ینابیع تلاش کرتے وقت ایک عجیب روش اختیار کرتے ہیں۔ انہوں نے اعتراضات کو اپنی طرف سے پیش نہیں کیا بلکہ بجائے معترض کی حیثیت اختیار کرنے کے ایک حکم کی پوزیشن کو اختیار کیا ہے اعتراض کرتے وقت وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ اسلام پر فلاں فلاں اعتراض کرتے ہیں پھر خود ایک جج کی حیثیت اختیار کرکے اس امر کی تحقیق شروع کرتے ہیں کہ یہ اعتراض کہاں تک صحیح ہے۔ یہ روش انہوں نے ایکدفعہ نہیں دو دفعہ نہیں بلکہ ہر ایک موقعہ پر اختیار کی ہے اور اعتراض بیان کرنے کے بعد وہ بناوٹی تحقیقات کو ایسے الفاظ سے شروع کرتے ہیں جیسے کہ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔ آپ صفحہ ۱۸۰ پر ایک اعتراض کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ چونکہ مناسب نیست کہ ایں قول معترضین را بدوں دلیل مسلم بداریم اکنوں بائد ادلہ آں ادعا را ازیشان بطلبیم۔ (ترجمہ) چونکہ یہ مناسب نہیں کہ معترضین کے اس اعتراض کو بغیر دلیل کے مان لیا جاوے اس لیئے اب ہمیں چاہیئے کہ اُن سے اس دعوے کے دلائل طلب کریں دراصل پادری صاحب خود ہی معترض ہیں اور جن فرضی دلائل کا وہ خیالی معترضین سے مطالبہ کرتے ہیں وہ درحقیقت اُنکے اپنے دلائل ہیں جنکے جمع کرنے پر انہوں نے سالہا کی محنت کی

صرف کیا ہے اور جن کی وجہ سے ولیم میور صاحب نے اُنکی اسقدر مدح سرائی کی ہے۔ مگر پادری صاحب خود ہی معترض ہیں اور خود ہی حکم کی حیثیت اختیار کرتے ہیں اور اُنکی غرض ایسا کرنے سے یہ ہے کہ لوگوں پر اُنکی بات کا اثر ہو اور وہ یہ خیال کریں کہ پادری صاحب نے اس کتاب کے لکھنے میں پرلے درجہ کے انصاف اور تحقیق سے کام لیا ہے اور جب تک معترضین اسلام اپنے دعوے کے ثبوت میں قوی دلائل پیش نہیں کرتے پادری صاحب اُنکے اعتراض کو تسلیم نہیں کرسکتے اسی لیئے وہ ہر ایک اعتراض کے متعلق مخالفین اسلام سے دلائل کا مطالبہ کرتے ہیں اور مخالفین اسلام کو صاف طور پر کہدیتے ہیں کہ جب تک تم اپنے دعوے کو دلائل قاطعہ سے مؤیّد نہ کرو گے ہم تمہارے اعتراض کو تسلیم نہیں کرسکتے۔ یہ ہے پادری صاحب کی چالاکی جو آپنے عوام الناس پر ناجائز اثر ڈالنے کیلیئے اختیار کی ہے اور آپکے اس قسم کے الفاظ کہ مناسب نیست کہ این قول معترضین را بدوں دلیل مسلم بداریم اور ایسے الفاظ کہ اکنوں باید ادلہ آں ادّعا را ازیشاں بطلبیم یہ صرف لوگوں کو دھوکہ دینے کیلیئے لکھے گئے ہیں۔ ولیم میور صاحب اس کتاب کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ اپنے طرز کی ”پہلی کتاب“ ہے اور یہ کہ جو شہادتیں اس میں جمع کی گئی ہیں وہ بالکل نئی ہیں اور نیز وہ پادری صاحب کی تحقیقات اور تفتیش اور عالمانہ انکشافات کی بڑے زور سے داد دیتے ہیں جس سے پایا جاتا ہے کہ جو فرضی شہادتیں اس کتاب میں جمع کی گئی ہیں وہ پادری صاحب کا اپنا کام ہے مگر پادری صاحب اس تحقیقات کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ اسکو غیروں کی طرف سے بطور شہادت پیش کرتے ہیں اور اپنے لیئے صرف جج کا عہدہ پسند فرماتے ہیں تاکہ وہ معترضین اسلام اور اسلام کے درمیان جو جھگڑا ہے اُس میں ایک حکم کی حیثیت سے اپنا فیصلہ دیں اور لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم نے کمال انصاف سے فریقین کے بیانات سُنکر فیصلہ کیا ہے۔ آپ صفحہ ۱۸۰ پر اس امر کی تحقیقات شروع کرتے وقت کہ اسلام کی تعلیم کا ایک بڑا حصّہ زردشتیوں اور ہندوؤں کی کتب مقدسہ سے اخذ کیا گیا ہے لکھتے ہیں ” درجواب ایں سوال مے گوئند کہ باید بعضے از آیات قرآن و بعضے از احادیث را بیازمائیم و با آنچہ در کتب زردشتیاں و ہنود مندرج است مقابلہ کنیم۔ (ترجمہ) ہمارے

اس مطالبہ کے جواب میں کہ اس دعوے کے ثبوت میں دلائل اور شہادتیں پیش کی جائیں معترضین کہتے ہیں کہ قرآن کی بعض آیات اور بعض احادیث کی پڑتال کی جاوے اور جو کچھ زردشتیوں اور ہندوؤں کی کتب قدیمہ میں درج ہے اُسکے ساتھ مقابلہ کیا جاوے۔ (صفحہ ۱۸۰) اس قسم کے الفاظ کے ساتھ پادری صاحب اپنی تحقیقات کو شروع کرتے ہیں جس سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ایک معترض کے رنگ میں اس کتاب کو نہیں لکھتے بلکہ معترضین اسلام اور مذہب اسلام کے درمیان میں حَکَم کی حیثیت سے اپنا قول فیصل پیش کرتے ہیں۔ اسی طریق کو انہوں نے اوّل سے آخر تک ملحوظ رکھا ہے چنانچہ جب ایک اعتراض پر اپنی فرضی تحقیقات کو ختم کر چکتے ہیں تو اپنے بیان کو ایسے الفاظ کے ساتھ ختم کرتے ہیں جیسے کہ ذیل میں لکھے جاتے ہیں:۔ حاصل کلام اینکہ ادّعاے معترضینے کہ بر آنند کہ انجیل و کتا بہاے دیگر مسیحیان وخصوصًا بعضے صحیفہ ہاے جعلی بدعتیان قدیم یکے از ینابیع تعالیم دین اسلام بودہ است ہرگز قابل انکار نمے باشد (ترجمہ) خلاصہ کلام یہ ہے کہ اُن معترضین کا دعویٰ جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم کا ایک چشمہ انجیل اور دوسری مسیحی کتب خصوصًا جعلی صحیفے ہیں ایسا مضبوط ہے کہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

لیکن اگرچہ پادری صاحب نے جج کی کُرسی کو اپنے لیے پسند کیا ہے مگر جج کے فرائض کے ادا کرنے میں بہت کوتاہی کی ہے۔

آپ مسلمانوں اور مسیحی معترضین کے درمیان فیصلہ کرنیکے لیئے جج کا عہدہ اختیار کرتے ہیں۔ امر زیر بحث یہ ہے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ وسلم نے انسانی اور زمینی چشموں سے اپنی تعلیم کو حاصل کیا ہے یا جو کچھ آپنے بیان فرمایا وہ خدائے تعالیٰ کی پاک وحی تھی۔ مسیحی معترضین کا یہ دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تعالیم کو مسیحیوں۔ یہودیوں۔ زرتشتیوں۔ صابیوں۔ اہل عرب۔ ہندوؤں وغیرہم سے حاصل کیا اور مسلمانوں کا بیان ہے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام ہے جو زمین و آسمان کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے۔ جس نے دنیا کی کل قوموں

کی طرف نبی مبعوث فرمائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپ کو ایک کتاب عطا فرمائی جو دنیا کی کل عمدہ تعالیم کی جامع ہونیکا دعویٰ کرتی ہے۔ یہ ہیں فریقین کے بیانات اور پادری ٹسڈال نے ان ہر دو فریق کے مابین امر متنازعہ فیہ کے فیصلہ کرنیکا کام خود ہی اپنے ذمہ لیا ہے آپنے اپنے تئیں بالکل غیر متعصب اور انصاف پسند جج ظاہر کیا ہے اور آپنے یہ دکھلانے کی کوشش کی ہے کہ آپ مخالفین اسلام کے کسی دعوے کو نہیں سنیں گے جبتک کہ وہ اپنے دعوی کے ساتھ یقینی شہادت پیش نہ کریں آپ کو حق ظاہر کرنیکی اسقدر تڑپ ہے کہ آپ صرف تراجم پر قناعت نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے فیصلہ میں اصل کتابوں کے حوالے اُنکی پرانی زبانوں میں لفظ بلفظ درج کرتے ہیں۔ آپ ہر ایک شہادت کے وقت معترضین سے اصل کتاب کا حوالہ طلب کرتے ہیں۔ اور اُس حوالہ کو اصل عبارت میں درج کرتے ہیں۔ چنانچہ آپنے اپنی کتاب میں بہت سے حوالجات مندرجہ ذیل پرانی زبانوں میں درج کیے ہیں۔

عبرانی۔ صفحات ۳۸۔ ۴۰ و ۵۲۔ ۵۵ و ۵۷ و ۶۴۔ ۶۷ و ۸۴۔ ۸۸ و ۹۲۔ ۹۳ و ۹۷ و ۹۸ و ۱۰۰ و ۱۰۱ و ۱۰۲ و ۱۰۳ و ۱۰۴ و ۱۰۶ و ۱۰۹۔ ۱۱۰ و ۱۱۲ و ۱۱۸۔

یونانی۔ ۱۰۵ و ۱۲۴۔ ۱۲۵ و ۱۲۶۔ ۱۳۱ و ۱۳۳۔ ۱۳۶ و ۱۳۹۔ ۱۴۲ و ۱۶۱۔ ۱۶۴ و ۱۶۸۔ ۱۷۳ و ۱۷۴ و ۱۷۵ و ۱۹۸۔ ۱۹۹۔

لاطینی۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔

ارمنی۔ ۸۷ و ۱۵۷ و ۲۰۹۔ ۲۱۰۔

پہلوی و زند۔ ۱۹۲۔ ۱۹۵ و ۱۹۷۔ ۱۹۸ و ۲۰۴ و ۲۰۵ و ۲۰۶۔ ۲۰۸ و ۲۱۱۔ ۲۱۴ و ۲۱۶۔ ۲۱۷ و ۲۱۹۔

بابلی۔ ۸۹۔ ۹۰۔

نبطی ۱۳۲ و ۱۵۵۔

حبشی۔ صفحہ ۹۴۔

قدیمی مصری زبان۔ ۱۶۵ و ۱۶۶ و ۱۶۷۔

سنسکرت صفحہ ۹۱ و ۲۰۳۔

یہ وہ زبانیں ہیں جن میں سے حسب زعم پادری ٹسڈال صاحب کے قرآن شریف کی تعلیم کو اخذ کیا گیا۔ ہر ایک زبان کے مقابل میں جن صفحات کے نمبر لکھے گئے ہیں وہ پادری صاحب کی کتاب ینابیع الاسلام کے صفحات ہیں۔ اِنپر ناظرین اُن عبارتوں کو دیکھیں گے جن میں سے پادری صاحب کے گمان فاسد کے بموجب مختلف اسلامی تعلیموں کو نکال نکالکر ایک نیا مذہب بنا یا گیا۔ پادری صاحبان کے خیال کے بموجب یہ وہ سرچشمے ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم کو جمع کیا۔ اور اس امر کے ثابت کرنیکے لیئے پادری صاحب نے اصل عبارتوں کو اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے تا ناظرین ان عبارتوں کے مضامین کا اسلام کی تعالیم سے مقابلہ کر کے یہ دیکھ لیں کہ دونوں میں کیسا تطابق ہے۔ پادری صاحب کبھی اپنے ناظرین کو اپنے ہمراہ لیکر انکو اُس سرزمین کی سیر کراتے ہیں جو دریائے نیل سے سیراب ہوتی ہے۔ اور وہاں کے قدیم مقبروں میں سے ایک پرانی کتاب کتاب الاموات نام نکالکر اُنکے آگے پیش کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم کا ایک سرچشمہ مصر کی یہ پرانی کتاب ہے۔ اسکو پڑھو اور قرآن مجید کی تعلیم سے اس کا مقابلہ کرو۔ پھر پادری صاحب ہمیں اُن قدیمی کھنڈرات کی طرف لیجاتے ہیں جو دریائے دجلہ و فرات کے مابین واقع ہیں اور پرانے کتبوں پر اپنی اُنگلی رکھکر ہم سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ ان عبارتوں کو جو ان قدیمی پتھروں پر بابلی زبان میں کُھدی ہوئی ہیں پڑھو کیونکہ اسلامی تعلیم کا یہ بھی ایک سرچشمہ ہے۔ پھر آپ اسلام کے سرچشموں کی تلاش میں ایران میں سے گذر کر دریائے گنگا تک اپنے ناظرین کو لیجاتے ہیں اور سنسکرت کی پُرانی اور گمنام پستکوں کو کھولکر وہ اُنسے مخاطب ہوکر کہتے ہیں۔ ان تحریروں کو پڑھو کیونکہ یہ بھی اسلام کی تعلیم کا سرچشمہ ہیں مگر تعجب یہ ہے کہ وہ دریائے گنگا تک آکر ٹھہر جاتے ہیں معلوم نہیں کہ وہ ہندوؤں کی اس مقدس ندی سے پار کیوں نہیں جاتے کیونکہ اگر وہ گنگا کے مقدس پانیوں کو عبور کر کے اور ہمالیہ کے پہاڑوں کو طے کر کے ملک تبت و چین میں بھی اسلام کے سرچشموں کی تلاش کرتے تو ضرور اُنکو کنفیوشس اور بُدھ کی تعلیم میں بہت سی ایسی باتیں مل جاتیں جو اسلام کی تعلیم کے عین مطابق ہوتیں اور جنکو وہ اپنے اصول کے مطابق اسلام کی تعلیم کا

سرچشمہ قرار دے سکتے۔

ناظرین! کیا آپ جانتے ہیں کہ پادری صاحب نے کیوں اس قدر محنت اور مشقت اٹھا کر اس قدر مختلف زبانوں میں سے لمبی چوڑی عبارتوں کو اصل الفاظ میں نقل کر کے اپنی کتاب کو سیاہ کیا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ انہوں نے سنسکرت۔ ایرانی۔ عبرانی۔ یونانی قبطی۔ قدیم مصری۔ بابلی۔ لاطینی حبشی۔ ارمنی وغیرہ مردہ زبانوں کی مردہ کتابوں کی ورق گردانی کر کے لمبی لمبی عبارتوں کو اصلی زبانوں اور اُن زبانوں کے اصلی حروف میں نقل کر کے ناظرین کے آگے پیش کیا ہے۔ ایسا کرنے سے پادری صاحب کی سوائے اسکے اور کوئی غرض نہیں کہ ناظرین ان مختلف زبانوں کے عجیب در عجیب نقوش کو دیکھکر یہ خیال کریں کہ پادری صاحب نے اسلام کے سرچشمے تلاش کرنے میں کمال تحقیق اور تدقیق سے کام لیا ہے انہوں نے ناظرین پر ان نقوش کے ذریعہ ناجائز اثر اور رُعب ڈالنا چاہا ہے مگر مَیں ناظرین کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ ان لمبے لمبے حوالجات کو دیکھکر دھوکہ میں نہ آجائیں۔ پادری صاحب کی اس ساحرانہ کارروائی کی حقیقت انشاء اللہ تعالےٰ ابھی ناظرین پر ظاہر ہو جائے گی۔

تعجب ہے کہ جب پادری صاحب مقدس اناجیل کا بھی حوالہ دیتے ہیں تو وہ بھی یونانی حروف میں۔ پادری صاحب! کیا یسوع کی مادری زبان یونانی تھی۔ اگر انکی زبان یونانی نہیں تھی تو پھر کیا ایرانی۔ کیا یونانی ناظرین کیلئے دونوں برابر ہیں اور انجیل متی کے متعلق تو آپکا دعویٰ ہے کہ وہ عبرانی میں لکھی گئی تھی۔ پھر آپ کو چاہیئے تھا کہ متی کا حوالہ دیتے ہوئے اصل عبرانی عبارت نقل کرتے۔ اگر آپ فرمادیں کہ اصل عبرانی اب گم ہو گئی ہے تو پھر مَیں آپ سے پوچھتا ہوں کہ پھر یونانی عبارت کو کیوں نقل کیا۔ جب اصل موجود نہیں رہا اور یونانی اور فارسی دونوں تراجم ہیں تو پھر یونانی عبارت درج کرنے سے کیا فائدہ؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کی غرض صرف ناظرین پر ناجائز رُعب ڈالنا ہے اور کچھ نہیں۔ پادری صاحب۔ اگر آپکے نزدیک اصل عبارتوں کا نقل کرنا ضروری ہے اور اصل عبارت پیش کرنے کے بغیر یقین کامل حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو پھر کیا پادری صاحبان کیلئے آپکے اصول کے رو سے ماتم کا مقام نہیں کہ اُن کے پاس آج کوئی ایسی کتاب موجود نہیں

جس میں حضرت مسیح کے مُنہ کے کلمات اُنکی مادری زبان میں درج ہوں۔ پادری صاحب کیا یہ افسوس کا مقام نہیں کہ آپنے سنسکرت اور پہلوی اور بابلی اور حبشی وغیرہ زبانوں کے حوالجات تو اصل زبان میں دیئے ہیں مگر جب اپنی باری آئی اور مسیح کے اقوال کو پیش کرنے کا موقعہ آیا تو پھر آپ اس امر سے عاجز رہ گئے کہ آپ اُن کے اقوال کو انکی اپنی زبان میں پیش کرتے۔ جب اپنے گھر کا یہ حال تھا تو پھر غیر زبانوں کے متعلق اسقدر مشقت اُٹھانیکی کیا ضرورت تھی؟ کیا پادری صاحب! آپ کو مسیح کے اقوال یونانی زبان میں پیش کرتے ہوئے شرم نہ آئی؟ کیا فارسی ترجمہ یا دیگر تراجم آپکے نزدیک غیر معتبر ہیں کہ مسیح کے اقوال پیش کرنیکے لئے آپنے یونانی حروف کو اختیار کیا۔ کیا آپ کی اس کارروائی سے ہم یہ نتیجہ نکالیں کہ اناجیل کے جسقدر تراجم ہیں وہ سب ناقابل اعتبار ہیں۔ صرف یونانی نسخے ہی اعتبار کے لائق ہیں۔

غرض مَیں ناظرین کو آگاہ کرتا ہوں کہ وہ پادری صاحب کے لمبے چوڑے حوالجات سے جلدی سے یہ نتیجہ نہ نکال لیں کہ انہوں نے بھی کے اُس فرض کو ادا کر دیا ہے جو انہوں نے خود بخود اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ پیشتر اسکے کہ ہم کسی نتیجہ پر پہنچیں ہمیں اس بات کو دیکھنا چاہیئے کہ آیا پادری صاحب نے اس سوال کے سب پہلوؤں پر غور کر لیا ہے۔ پادری صاحب کی غرض یہ تھی کہ وہ قرآن شریف کے منزل من اللہ ہونیکے دعوے کی تردید کریں اور اس غرض کو پورا کرنیکے لئے صرف یہی دکھانا کافی نہیں تھا کہ قرآن مجید کی تعلیم دوسری کتب میں موجود ہے بلکہ یہ بھی ثابت کرنا چاہیئے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی طور پر یا تو براہ راست اُن کتابوں میں سے ان تعالیم کو اخذ کیا یا ایسے لوگوں سے ان تعالیم کو حاصل کیا جو ان کتابوں سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ اگر مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی تعالیم کو ایجاد کیا اور یہ کہ جو کچھ اس مقدس کتاب میں درج ہے وہ کسی پہلی کتاب میں نہیں پایا جاتا تو پھر پادری صاحب کا صرف یہ دکھلا دینا کافی ہوتا کہ یہ تعالیم پہلی کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر مسلمانوں کا یہ اعتقاد نہیں کہ اسلام کی تعالیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایجاد ہیں بلکہ اُن کا ایمان ہے کہ یہ کتاب اُس خدا کا کلام ہے جو غیب السموات والارض کا جاننے والا ہے اور جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اس لئے اگر

پادری صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ کتاب خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں تو اُن کو صرف یہی نہیں دکھلانا چاہیئے کہ قرآن شریف کی تعالیم بعض دیگر کتب میں بھی متفرق طور پر پائی جاتی ہیں بلکہ یہ بھی قطعی اور یقینی شہادت کے ذریعہ ثابت کرنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الواقعہ ان تعالیم کو اُن کتابوں سے لیا یا ایسے لوگوں سے سیکھا جو ان کتابوں کے ماہر تھے۔ اگر پادری صاحب یہ دونوں امر قطعی اور یقینی شہادتیں پیش کر کے پورے طور پر ثابت کر دیں تو پھر ہمیں اس امر کے قبول کرنے سے انکار نہ ہوگا کہ واقعی پادری صاحب اپنے کام میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اسلیئے ناظرین کو چاہیئے کہ کتاب ینابیع الاسلام کی نسبت رائے لگاتے وقت ان دونوں امور کا لحاظ رکھیں اور یہ دیکھیں کہ آیا پادری صاحب نے فی الواقعہ ان ہر دو امور کو پورے طور پر ثابت کر دیا ہے۔ صرف پادری صاحب کے یونانی۔ ایرانی وغیرہ حوالوں اور ان حوالجات کے عجیب غریب نقوش اور اشکال سے مرعوب ہو کر یہ نتیجہ نہ نکال لیں کہ پادری صاحب نے عالمانہ تحقیق سے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ انسانی سرچشموں سے اخذ کیا گیا ہے۔ ناظرین پہلے یہ دیکھیں کہ جو حوالجات پادری صاحب نے پیش کیئے ہیں آیا انمیں واقعی وہ تعلیم ہے جو قرآن مجید میں پائی جاتی ہے یا صرف سحروا اعین الناس پر عمل کر کے پادری صاحب نے ان حوالجات سے اپنی کتاب کو لاد دیا ہے پھر اُس کے بعد یہ دیکھیں کہ آیا پادری صاحب نے یہ بھی قطعی شہادت کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مختلف اور قدیم کتابوں اور کتبوں سے اپنی تعلیم کو اخذ کیا۔ یہ دو معیار ہیں جن سے ہم پادری صاحب کی کتاب ینابیع الاسلام کو پرکھیں گے اور اگر وہ ان ہر دو معیاروں کے رُو سے پوری اُتری تو پھر واقعی وہ اُس تعریف کی مستحق ہو گی جو پادری صاحبان نے کی ہے۔

کیا قرآن مجید کے مضامین پادری ٹسڈل کے حوالجات سے ملتے ہیں

جب ہم پادری صاحب کی کتاب کو پہلے معیار کے رو سے جانچتے ہیں تو ہم

نہایت حیرت سے کے ساتھ معلوم کرتے ہیں کہ پادری صاحب نے قرآن مجید کی تعالیم مضامین کا دوسری کتب میں کھوج لگاتے ہوئے ایمانداری کو بالکل بالائے طاق رکھدیا ہے۔ پادری صاحب کی کتاب اسلیئے لکھی گئی تھی تا یہ ثابت کیا جاوے کہ قرآن مجید نعوذ باللہ خدائے تعالےٰ کا کلام نہیں۔ اسلیئے اُسکو چاہیئے تھا کہ قرآن مجید کے بیانات و تعالیم سے باہر نہ جاتا۔ مگر اُس نے بجائے اسکے کہ اصل قرآن شریف کے مضامین کا دوسری کتابوں میں کھوج لگائے اُس نے تفسیروں اور قصص کی کتابوں کی طرف رجوع کیا ہے اور جو رطب و یابس قصے بعض تفسیروں میں پائے جاتے ہیں اُنکو لیکر یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ یہ بیانات فلاں فلاں سرچشمے سے لیئے گئے ہیں اور اس سے آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن کریم خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں۔ یہ عجیب منطق ہے جو پادری صاحبان کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے۔

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ کہ خدائے تعالیٰ کا فرشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ یہ کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں کہ جو قصے تفسیروں میں پائے جاتے ہیں وہ بھی الہامی ہیں اور یہ کہ جو کچھ مفسروں نے لکھا وہ بھی وحی جبرئیل کے ذریعہ اُن مفسروں پر نازل ہوا۔ پس تفسیروں کے قصوں کا دوسری کتابوں میں کھوج لگانے سے یہ ہرگز کسی عقلمند کے نزدیک ثابت نہیں ہوتا کہ معاذ اللہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں۔ مثلاً پادری صاحب صفحہ ۱۱۹ پر لکھتے ہیں۔ "بیضاوی و مفسرین دیگر نوشتہ اند کہ زن عمران دیرینہ سال وعاقر بود و روزے چوں پرندۂ دید کہ بچہ ہائے خود را قوت مے دہد بہ نہایت آرزو مند اولاد گشتہ از خدا مسئلت نمود کہ طفلے بوے عطا فرماید" (ترجمہ یعنی بیضاوی اور دوسرے مفسروں نے لکھا ہے کہ عمران کی بیوی نے جو بڑھیا اور بانجھ تھی ایک دن ایک پرندہ کو دیکھا کہ وہ اپنے بچے کو چوگ دے رہا ہے۔ یہ دیکھکر اُس کا دل بھی للچایا اور خدائے تعالیٰ سے اُس نے دعا کی کہ اے خدا مجھے بھی ایک بچہ عطا فرما۔

اس کہانی کو نقل کرکے پادری صاحب لکھتے ہیں کہ معترضین کا قول ہے کہ یہ قصہ مسیحیوں کی کتابوں سے لیا گیا اور فرماتے ہیں چونکہ مناسب نیست کہ ایں قول ایشاں را بدوں دلائل کافی قبول کنیم مے بائد آں ادلہ را کہ ایشاں پیش مے آورند بدقت تمام اصغا نمائیم یعنی

یہ مناسب نہیں کہ ہم معترضین کے قول کو بغیر کافی دلیل کے قبول کریں اسلیئے یہ مناسب ہے کہ جو دلائل وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اُن کو بڑی توجہ سے سنیں۔ اسکے بعد پادری صاحب کتاب پروتو نجیلیون یعقوب صغیر میں سے ایک یونانی عبارت نقل فرماکر اُسکو فارسی میں اسطرح ترجمہ کرتے ہیں " وحنّا بسوئے آسمان نگریستہ آشیانہ گنجشکہا را در درخت غار دیدہ و در خود فریاد کردہ گفت وائے برمن وائے برمن کیست کہ مرا زائید وائے برمن بچہ چیز مشابہت دارم من مثل پرندگان ہوا نیستم زیرا پرندگان ہوا ہم درحضور تو بار در ہستند خداوندا " یعنی حنّا نے ایک درخت پر چڑیوں کا ایک آشیانہ دیکھا اور کہا کہ مجھ پر افسوس۔ وہ کون تھی جس نے مجھے جنا۔ میں تو ہوا کے پرندوں جیسی بھی نہیں کیونکہ اے خداوند ہوا کے پرندے بھی تیرے حضور بار ور ہیں مگر میں ہوں کہ بے ثمر ہوں۔

اس کہانی کو نقل کرکے پادری صاحب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن کریم خدا کا کلام نہیں بلکہ اسکے مضامین دوسری کتابوں میں سے اخذ کیئے گئے ہیں۔ پادری صاحب کی عقل پر افسوس۔ کیا جج ایسے ہی ہوتے ہیں؟

پادری صاحب لکھتے ہیں کہ ہم معترضین کے اعتراض کو بغیر دلیل کے قبول نہیں کرینگے اور انکے پیش کردہ دلائل کو غور سے سُنکر اپنا فیصلہ دینگے مگر آپنے یہ نہیں سوچا کہ آیا یہ کہانی قرآن مجید میں بھی ہے یا نہیں۔ اگر یہ کہانی قرآن شریف میں نہیں تو پھر یونانی عبارتوں سے کتاب کو سیاہ کرنیسے کیا فائدہ۔ آپ اس یونانی کتاب کے باب اور فصل کا حوالہ دیتے ہیں مگر یہ نہیں بتاتے کہ قرآن شریف کے کس رکوع اور کس پارہ میں یہ کہانی درج ہے؟

پھر پادری صاحب صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں " ونیز جلال الدین بر آنست کہ بعد از چند سال چون مادر مریم کہ اسمش حنّا بود دیرا بہ ہیکل رسانیدہ بکاہنان سپرد ایشان اورا قبول کردہ زکریا را گماشتند تا ویرا نگاہدارد و او ویرا در اطاقے جا دادہ و نگذاشت کہ ہیچکس دیگر بنزد وے داخل شود و لکن فرشتہ ویرا پرورش نمودہ"

یعنی جلال الدین اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت مریمؑ کی ماں نے حضرت مریمؑ کو کاہنوں کے سپرد کیا اور کاہنوں نے حضرت زکریاؑ کے سپرد کیا تو حضرت زکریاؑ نے حضرت مریمؑ کو ایک حجرہ میں بند کر دیا اور وہ کسی کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ حضرت مریم کے پاس جائے اور اُس حجرہ میں فرشتے اُسکی پرورش کرتے تھے۔ پادری صاحب جلال الدین کی اس کہانی کو نقل کر کے اُسی یونانی کتاب میں سے مندرجہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں۔ ”مریم مثل کبوترے در ہیکل خداوند اقامت مے نمود و غذا از دست فرشتہ میگرفت۔“ پھر ایک قبطی کتاب سیرۃ باکرہ میں سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں جسکا ترجمہ فارسی حسب ذیل ہے۔ ”او در ہیکل مثل کبوتران پرورش مے یافت و غذا برائے وے از آسمان بوسیلہ فرشتگانِ خدا مے آوردند۔ و نیز اکثر اوقات میوہ ہا از درخت حیات برائے وے مے آوردند تا از انہا بشادمانی بخورد“ اگرچہ پادری صاحب نے جلال الدین کی کہانی کا منبع دریافت کرنے کیلئے بہت مشقت اُٹھائی ہے اور ایک نہیں بلکہ دو کتابوں میں سے اُس کا اصل پیش کیا ہے مگر افسوس کہ اُن کی ساری محنت بالکل رائگاں گئی کیونکہ اس کہانی کا ذکر قرآن شریف میں کسی جگہ نہیں پایا جاتا اور اسلیئے اس کہانی کا اصل دریافت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں ہے اس جگہ میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ بعض اوقات مسلمان مفسروں نے قرآن شریف کے کلمات کو پھیر پھار کر سُنی سنائی کہانیوں پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی سلوک قرآن مجید کی ایک آیت سے کیا گیا جس میں حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ فتقبلها ربها بقبول حسن و انبتها نباتا حسنا و کفلها زکریا کلما دخل علیها زکریا المحراب وجد عندها رزقا۔ قال یمریم انی لک ھذا۔ قالت ھو من عند اللہ۔ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب۔

یعنی جب حضرت مریمؑ کی والدہ نے حضرت مریمؑ کو خدائے تعالیٰ کیلیئے نذر کیا تو خدائے تعالیٰ نے اُسے قبول کیا اور اُسکو اچھی طرح بڑھایا اور زکریاؑ کو اُسکا متکفل بنایا۔ جب حضرت زکریاؑ محراب میں داخل ہوتے تو اُسکے پاس کھانیکی چیزیں دیکھکر پوچھتے کہ اے مریم تجھے یہ کھانے کی چیزیں کہاں سے ملیں۔ تو وہ جواب دیتیں کہ اللہ تعالیٰ نے دیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔ (آل عمران) ان آیات میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ حضرت زکریا نے حضرت

مریم کو جب وہ چھوٹی تھیں کسی کوٹھڑی میں بند کر رکھا تھا اور کوئی انسان وہاں جا نہیں سکتا تھا۔ اور حضرت مریم کبوتر کی طرح ہیکل میں رہتی اور فرشتوں کے ہاتھ سے کھانا کھاتی تھیں۔ اس آیت کے بعد کی آیت یہ ہے هنالك دعا زكريا ربه قال رب هب لي من لدنك ذرية طيبة انك سميع الدعاء۔ یعنی حضرت مریم کا یہ جواب سنکر حضرت زکریا نے اپنے رب سے دعا کی اور کہا کہ اے میرے رب مجھے بھی اپنے پاس سے پاکیزہ ذریۃ عطا کر۔ ان آیات کا مطلب بالکل صاف ہے کسی عجوبہ کے ایجاد کرنیکی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ عام طور پر رواج ہے کہ جب لوگ بچوں کے پاس کوئی چیز دیکھتے ہیں تو پیار کی وجہ سے اور یہ دیکھنے کیلئے کہ بچہ کیا جواب دیگا اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ چیز تجھے کس نے دی۔ اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ بچہ کے پاس وہ چیز کسی خارق عادت طور پر پہنچی ہے۔ اسی طرح جب حضرت مریمؑ کے پاس جو ابھی بچہ تھیں اور جن کی نگرانی حضرت زکریاؑ کے سپرد تھی حضرت زکریاؑ کوئی کھانے کی چیز دیکھتے تو ان سے پیار کرنیکی غرض سے دریافت کرتے کہ یہ چیز تجھے کہاں سے ملی۔ مگر چونکہ حضرت مریم کی فطرت نہایت پاکیزہ تھی اور آپ کی تربیت حضرت زکریاؑ جیسے پاک انسان کے ہاتھوں میں تھی اور آپ کی والدہ بھی ایک نیک عورت تھیں اسلیئے حضرت مریمؑ نے نہایت پاکیزہ جواب دیا کہ یہ رزق مجھے خدائے تعالیٰ نے دیا ہے۔ خدائے تعالیٰ جسکو چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔ اس جواب سے یہ نہیں پایا جاتا کہ وہ فرشتوں کے ہاتھ سے کبوتر کی طرح خوراک حاصل کرتی تھیں۔ ایسا جواب تو ہمارے بچے بھی بسا اوقات دیدیتے ہیں جنکی تربیت اچھی ہو اور جنکی فطرت پاک ہو۔ علاوہ ازیں ایسے لفظ تو قرآن مجید میں اور کئی مقامات پر آئے ہیں اور اُنکا مطلب یہ نہیں کہ براہ راست فرشتوں کے ذریعہ غیر معمولی طور پر رزق ملتا ہے۔ چنانچہ انہی مذکورہ بالا آیات سے چند آیتیں پہلے یہ آیت ہے۔ قل اللهم مالك الملك تؤتي الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شيء قدير۔ تولج الليل في النهار وتولج النهار في الليل وتخرج الحي من الميت وتخرج الميت من الحي وترزق من تشاء بغير حساب۔ اس آیت کے آخری فقرہ کے معنے

ہیں کہ تو جسکو چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے کیا اس فقرہ کے یہ معنے ہیں کہ جن کی نسبت چاہتا ہے اُنکو آسمان سے فرشتوں کے ہاتھ کھانے کی چیزیں بھیجتا ہے۔ بلکہ کل دنیا کو جو رزق ملتا ہے اُس کا دینے والا خدائے تعالیٰ ہی ہے۔ اسی طرح حضرت مریم کو بھی دیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ کفّلھا زکریا کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کا متکفل حضرت زکریاؑ کو بنایا یعنی اُنکی پرورش کی خدمت اُنکے سپرد کی۔ پھر سورۃ بقرہ رکوع ۲۶ میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے و اللّٰہ یرزق من یشآء بغیر حساب۔ یعنی اللہ تعالےٰ جسکو چاہتا ہے بلا حساب رزق دیتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام والصلوٰۃ فرماتے ہیں ھو یطعمنی و یسقین یعنی اللہ تعالیٰ ہی مجھے کھانیکو دیتا ہے اور وہی مجھے پانی پلاتا ہے۔ ان آیات میں رزق دینے اور کھانا کھلانے اور پانی پلانیکا کام خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ کسی خارق عادت طور پر فرشتوں کے ہاتھ خدائے تعالیٰ آسمان سے بنی بنائی چیزیں بھیجتا ہے۔ اسی طرح حضرت مریم کا فرمانا کہ خدائے تعالیٰ مجھے رزق دیتا ہے اور وہ جسکو چاہتا ہے بلا حساب رزق دیتا ہے یہ ظاہر نہیں کرتا کہ وہ کبوتروں کی طرح فرشتوں کے ہاتھ سے کھانیکی چیزیں حاصل کیا کرتی تھیں۔ جب حضرت زکریاؑ نے حضرت مریم سے یہ پاکیزہ جواب سُنا تو آپکے دل میں بھی اس خواہش نے جوش مارا کہ کاش ایسی پاک اولاد جیسی یہ لڑکی ہے مجھے بھی خدائے تعالیٰ عطا فرمائے چنانچہ انہوں نے یہ دعا کی۔ غرض یہ آیات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کس طرح حضرت زکریاؑ کو اولاد کی خواہش پیدا ہوئی اور کونسی بات تھی جو اُنکی دعا کی محرّک ہوئی۔ ان آیات میں کوئی ذکر فرشتوں کے ہاتھ سے کبوتر کی طرح کھانا حاصل کرنے کا نہیں۔ اور اس امر سے بھی تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ کیوں ہر وقت اُن کے پاس کھانے کی چیزیں موجود رہتی تھیں۔ وہ ایک چھوٹی سی لڑکی تھیں جو ہیکل کی نذر کی گئی تھیں۔ اسلیئے ضرور لوگ اُن سے طبعاً پیار کرتے ہونگے اور اُنکے لیئے طرح طرح کی کھانے کی چیزیں اور میوے لاتے ہونگے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فرشتے آسمان سے میوے لایا کرتے تھے۔

غرض پادری صاحب نے قرآن کو چھوڑ کر تفسیروں کی روایات پر بڑا زور دیا ہے اور اُنکے

ماخذ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے ۔ مگر اُن کو یاد رہے کہ تفسیروں کے قصوں کے ماخذ دریافت کرنے سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں ۔ لیکن اگر پادری صاحب صرف تفسیروں پر ہی بس کرتے تب بھی خیر تھی مگر آپ نے تفسیروں سے بھی تجاوز کر کے مختلف کہانیوں اور قصوں کی کتابوں پر بھی ہاتھ مارا ہے اور اُن کہانیوں کے ماخذ دریافت کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں ۔ واہ ! پادری صاحب شاباش آپ کی عقل پر ۔ جج ہوں تو ایسے ہوں ! ۔ جن کتابوں میں سے انہوں نے قصے اور کہانیاں لی ہیں اُن کے نام یہ ہیں (۱) قصص الانبیاء (۲) عرائس المجالس (۳) روضۃ الاحباب (۴) التواریخ القدیمہ ۔ ناظرین تعجب کرینگے کہ ان کتابوں کو خدائے تعالیٰ کے الہام سے کیا تعلق ہے اور ان کتابوں کے قصص کا پرانی کتابوں میں کھوج لگانے سے کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی ۔ ان کتابوں نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اُنکے مضامین بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تھے ۔ بلکہ ان میں کئی ایسی کہانیاں ہیں جنکی وقعت الف لیلہ کے قصوں سے زیادہ نہیں اور اسلام کے کسی فرقہ کے نزدیک یہ معتبر اور قابل عملدرآمد کتب میں شمار نہیں کیجاتیں پھر معلوم نہیں کہ پادری صاحب نے قرآن شریف کو چھوڑ کر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اقوال کو چھوڑ کر جو مستند کتابوں میں پائے جاتے ہیں کیوں ان کتابوں کی طرف رجوع کیا ۔ پھر طرفہ یہ کہ ان کتابوں میں سے بھی اسنے ایسے حصوں کو منتخب کیا ہے جو اکثر محض بیہودہ اور لچر ہیں ۔ معلوم نہیں پادری صاحب نے کس عقل کے بھروسہ پر اپنے لیے جج کا عہدہ پسند فرمایا ۔ کس مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ جو حکایات مذکورہ بالا کتب میں پائی جاتی ہیں وہ وحی جبرائیل کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتری تھیں ۔ پادری صاحب ! اگر آپ ان کتب کی حکایات کو یہودیوں ۔ مسیحیوں ۔ زرتشتیوں ۔ ہندوؤں وغیرہم کی کتابوں میں سے نکالکر دکھا دیں تو اس سے کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی فرشتہ نازل نہیں ہوا تھا ۔ پادری صاحب مجھے

بار بار آپکی عقلمندی پر اور آپ کی جج پر تعجب آتا ہے۔ اگر اتنی ہی سمجھ تھی تو خواہ مخواہ جج بنکر کیوں اپنی پردہ دری کرا لی۔ اگر کوئی شخص پادری صاحب پر اور اُنکے مدّاح ولیم میور پر جس نے انکی تعریف میں اسقدر لمبا گیت گایا ہے حسن ظن کرکے یہ گمان کرے کہ شاید عرائیس المجالس۔ قصص الانبیاء۔ التواریخ القدیمہ وغیرہ میں سے پادری صاحب نے جو حکایات پیش کی ہیں وہ ایسی حکایات ہیں جو قرآن مجید میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ اگر وہی حکایات قرآن مجید میں بھی پائی جاتی ہیں تو پھر پادری صاحب کو کیا ضرورت پیش آئی کہ قرآن مجید جیسی کتاب کو چھوڑ کر دوسری کتابوں کی طرف رجوع کیا۔ پھر اس بھلے مانس جج نے ان قصوں کی کتابوں میں سے ایک نہیں دو نہیں تین نہیں بلکہ ایک کثیر تعداد حکایات کی لیکر پرانی کتابوں میں اُن کا کھوج لگایا ہے اور اس طرح اپنی کتاب کے ورق کے ورق بے فائدہ سیاہ کر دیئے ہیں۔ بے شک پادری صاحب نے بہت جفاکشی سے کام لیا ہے اور عبرانی یونانی وغیرہ کتابوں میں سے بہت سے طول طویل حوالجات اصل زبانوں میں نقل کئے ہیں مگر ہم اُن کی اس محنت کی کیا داد دیں اور اُنکی لمبی عبارتوں کو کیا کریں جو اُنہوں نے اصل زبانوں میں ہمارے آگے پیش کی ہیں جب کہ وہ قصے ہی قرآن مجید میں نہیں پائے جاتے جنکا اُنہوں نے اسقدر محنت سے مردہ کتابوں اور مردہ زبانوں میں کھوج لگایا ہے۔ اور جبکہ کوئی عقلمند اُن بیہودہ اور لغو کہانیوں کو اسلام کی تعلیم کی جزو خیال نہیں کرتا۔ پادری صاحب نے اس کثرت سے ان کتابوں کی حکایات کو نقل کیا ہے کہ کتاب کو پڑھتے ہوئے ایک شخص کے دل میں بلا اختیار یہ خیال گذرتا ہے کہ پادری صاحب نے قرآن شریف کے ماخذ دریافت کرنیکے لیئے نہیں بلکہ عرائیس المجالس قصص الانبیاء روضۃ الاحباب۔ اور التواریخ القدیمہ کے ماخذ دریافت کرنیکے لیئے اس کتاب کو تصنیف کیا ہے۔ چنانچہ صفحات ذیل انہی کتابوں کی حکایات اور اُنکے ماخذ دریافت کرنیکے لیئے کلیۃً وقف کر دیئے گئے ہیں۔ صفحہ ۱ سے ۵۸ تک۔ ۹۰ سے ۹۵ تک ۱۰۷ سے ۱۱۲ تک ۱۵۶ سے ۱۵۸ تک اور ۲۰۶ سے ۲۱۵ تک۔ میں ذیل میں ان چہار کتب کی حکایات میں سے چند ایک بطور نمونہ کے یہاں نقل کرتا ہوں تا ناظرین کو معلوم ہو کہ وہ کس قسم

کی کہانیاں ہیں جنکو پادری صاحب نے نقل کیا ہے اور جنکا ماخذ دریافت کرنیکے بعد یہ پادری
جج اس عظیم الشان نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ کتاب قصص الانبیاء میں سے جن حکایات کو اس پادری
جج نے نقل کیا ہے اُنمیں سے چند حسب ذیل ہیں:۔

(۱) صفحہ ۷۰ پر پادری صاحب لوح محفوظ کے متعلق مندرجہ ذیل عبارت کتاب
قصص الانبیاء میں سے نقل کرتے ہیں "اما اگر استفسار کنیم کہ اہل اسلام دربارہ
آں لوح محفوظ چہ چیزرا از احادیث خود آموختہ اند جواب ایں سوال را در قصص الانبیاء
صفحہ ۳ و ۴ میابیم وآں ایں است آنگاہ در زیر عرش دانۂ مروارید بیافرید واز آں
مروارید لوح محفوظ را بیافرید بلندی وے ہفت صد سالہ راہ وپہنای وے سہ صد
سالہ راہ گرداگرد وے ہمہ بیاقوت سرخ آراستہ شد بقدرت خدائے تعالیٰ
آنگاہ قلم را فرمان آمد کہ اکتب علمی فی خلقی وماھو کائن الیٰ یوم القیٰمہ
...... واصل ایں حکایت در کتابہائے یہود یافت مے شود"۔ یعنی اگر ہم یہ
دریافت کریں کہ اہل اسلام نے لوح محفوظ کے متعلق اپنی احادیث سے کیا سیکھا ہے
تو اس کا جواب ہم قصص الانبیاء میں پاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے
عرش کے نیچے ایک مروارید کا دانہ پیدا کیا اور اُس مروارید سے لوح محفوظ کو پیدا کیا
اُسکی بلندی سات سو سال کی راہ ہے اور چوڑائی تین سو سال کی راہ ہے اور اس کا
گرداگرد یاقوت سرخ سے آراستہ ہے ...... اس حکایت کا اصل یہود کی کتابوں
میں پایا جاتا ہے۔

اب اس کہانی کا پادری صاحب پرانی کتابوں میں سے کھوج لگانے کے بعد اس
نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی حالانکہ یہ کہانی
نہ قرآن مجید میں پائی جاتی ہے اور نہ صحیح احادیث میں۔ پھر باوجود اسکے پادری
صاحب یہ گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی تحقیقات کے ذریعہ اسلام کی عمارت کو
منہدم کر دیا ہے۔

(۲) پھر پادری صاحب اسی کتاب قصص الانبیاء میں سے ایک اور عجیب غریب کہانی نقل کرتے ہیں آپ صفحہ ۱۱۱ پر لکھتے ہیں "در قصص الانبیاء صفحہ ۵ گفتہ شدہ است کہ روزے عبد اللہ ابن سلام از حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پرسید فراز زمین از چیست۔ گفت از کوہ قاف۔ گفت کوہ قاف از چیست۔ گفت از زمرد سبز و سبزئے آسمان از آنست۔ گفت صدقت یا رسول اللہ۔ گفت بالائے کوہ قاف چہ مقدار است گفت پانصد سالہ راہ راست۔ گفت گرداگرد وے چند است گفت دو ہزار سالہ راہ است۔ انتہی" یعنی ایک دن عبد اللہ بن سلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ زمین کا بلند ترین مقام کونسا ہے۔ آپ نے جواب دیا کوہ قاف۔ جو سبز زمرد کا بنا ہوا ہے اور آسمان کی سبزی بھی اسی پہاڑ کی وجہ سے ہے۔ پانچسو سال کی راہ اسکی اونچائی ہے اور اس کا گرداگرد دو ہزار سال کی راہ ہے عبد اللہ نے کہا آپ نے سچ فرمایا اے اللہ کے رسول۔

اس کہانی کو نقل کرنے کے بعد پادری صاحب اس کا اصل ایک یہودیوں کی کتاب حگیگاہ نامی سے نکالتے ہیں مجھے اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ ساری کہانی محض ایک جھوٹ ہے جو صرف لوگوں کا دل بہلانے کے لیئے گھڑی گئی ہے۔ اس کی بنا نہ کسی قرآنی آیت پر ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں اس کا پتہ ملتا ہے مگر پادری صاحب اسکو اسلام کی تعلیم کا ایک جزو عظیم ظاہر کر کے اسکو اپنی کتاب میں جگہ دیتے ہیں گویا اسلام کی سچائی کا مدار اسی کہانی پر ہے افسوس پادریصاحبان کے انصاف پر۔ وہ کیسی کیسی چالاکیوں سے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

(۳) پھر پادری صاحب اسلام کی ایک اور بڑی عظیم الشان تعلیم کا ذکر کرتے ہیں جسکا پتہ نہ قرآن شریف میں ملتا ہے اور نہ صحیح احادیث میں۔ آپ صفحہ ۲۰۶ پر لکھتے ہیں۔ "در قصص الانبیاء صفحہ ۹ چنیں مکتوبست۔ خدا تعالیٰ عزازیل را پیدا کرد عزازیل در سجین ہزار سال خدائے تعالیٰ را سجدہ کرد تا بر زمین دنیا آمد" یعنی قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ عزازیل نے زمین کے نیچے مقام سجین میں ہزار سال خدائے تعالیٰ کی عبادت کی پھر زمین پر آیا اور ہر ایک طبقہ طے کرنے کے بعد ہزار سال خدائے تعالیٰ کے آگے سجدہ

کرتا رہا۔

(۴) پھر آپ صفحہ ۲۱۰ و ۲۱۱ پر اُسی کتاب قصص الانبیاء میں سے ایک اور فرضی اسلامی تعلیم پیش کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔ "ونیز گفتہ شدہ است در احادیث کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گفت خدا تعالیٰ آں نور را بچہار قسم گردانیدہ از یک قسم عرش را بیافرید واز یک قسم قلم را بیافرید واز یک قسم بہشت را بیافرید واز یک قسم مومنانرا بیافرید۔ ایں چہار قسم را باز چہار قسم کرد از قسم اوّل عزیز تر ومکرم تر مرا بیافرید کہ رسولم واز قسم دوم عقل را بیافرید و در سر مومناں نہاد واز قسم سوم شرم را بیافرید و در چشم مومناں نہاد و از قسم چہارم عشق را بیافرید و در دل مومناں نہاد (قصص الانبیاء صفحہ ۲)" یعنی احادیث میں لکھا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ سے عرش کو پیدا کیا دوسرے سے قلم کو۔ تیسرے سے بہشت کو۔ چوتھے سے مومنوں کو۔ اور ان چار حصوں کو پھر چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک سے مجھے پیدا کیا۔ دوسرے سے عقل کو تیسرے سے حیا کو چوتھے سے عشق کو (قصص الانبیاء صفحہ ۲)

مجھے اس امر کے ظاہر کرنیکی ضرورت نہیں کہ یہ کہانی بھی پہلی کہانیوں کی طرح نہ قرآن شریف سے لی گئی ہے اور نہ صحیح احادیث میں اسکا کچھ نشان پایا جاتا ہے بلکہ یہ بھی اُن جھوٹی بناوٹوں میں سے ہے جو جاہلوں کے خوش کرنیکے لئے تراشی گئی ہیں۔

(۵) پھر پادری صاحب صفحہ ۲۰۸ و ۲۰۹ پر ایک اور دلچسپ قصہ کتاب قصص الانبیاء میں سے لیکر نقل کرتے ہیں آپ لکھتے ہیں۔ "ہم از احادیث وہم از کتابہائے زردشتیاں پدید مے آید کہ طاؤس با عزازیل کہ اہرمن باشد نسبت داشتہ است و در قصص الانبیاء چنیں مذکور است کہ چوں عزازیل پیش در جنت نشستہ بود ومیخواست داخل گردد۔ طاؤس از بہشت برکنگرۂ نشستہ بود دیکے را دید کہ اسمہائے اعظم میخواند طاؤس گفت توکیستی گفت من فرشتہ ام از فرشتگان خدائے عزوجل گفت اینجا چرا نشستہ گفت اُنظُرُ الجَنَّۃَ میخواہم کہ در بہشت آئم طاؤس گفت مرا فرمان نیست کہ کسے را در بہشت گذارم تا آدمؑ در بہشت است گفت اگر مرا در بہشت راہ دہی چناں دعا آموزانم ہر کہ آں دعا را بخواند

وے را سہ چیز بود۔ یکے آنکہ پیر نشود دوم سرکش نباشد سوم آنکہ ہرگز او را از بہشت بیروں نکنند۔ ابلیس آں دعا را بخواند طاؤس نیز بخواند۔ از کنگرہ در بہشت پرید۔ ہرچہ از ابلیس شنیدہ بود بامار گفت و بعد ازاں گفتہ شدہ است کہ چوں خدائے تعالیٰ حضرت آدم و حوّا و ابلیس را از بہشت بزمین انداخت طاؤس را نیز ہمراہ ایشاں اخراج نمود" یعنی احادیث سے اور نیز زردشتیوں کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مور کو عزازیل سے تعلق ہے۔ قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ عزازیل جنت میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ مور بہشت کے کنگرہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے عزازیل کو دیکھکر پوچھا تو کون ہے۔ اُس نے کہا میں فرشتہ ہوں اور جنت میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ مور نے کہا مجھے حکم نہیں کہ میں کسی کو بہشت کے اندر جانیکی اجازت دوں عزازیل نے کہا اگر تو مجھے اندر جانے کی اجازت دے تو میں تجھے ایک ایسی دعا سکھاؤں جس کے پڑھنے سے تین باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اوّل پڑھنے والا بوڑھا نہیں ہوتا۔ دوسرے وہ سرکش نہیں ہوتا۔ تیسرے وہ جنت سے خارج نہیں ہوتا جب حضرت آدم علیہ السلام اور حوّا اور شیطان کو بہشت سے نکالا گیا تو مور بھی اُن کے ساتھ نکالا گیا۔

بے شک یہ بہت دلچسپ کہانی ہے مگر افسوس ہے کہ اس کا ذکر نہ قرآن شریف میں ہے نہ احادیث میں اور پادری صاحب نے زردشتی کتابوں میں اس کہانی کا کھوج لگاکر اور پُرانی زبانوں کے حوالوں سے اپنی کتاب کے اوراق سیاہ کرکے بے فائدہ اپنے وقت کو ضائع کیا ہے۔ یہ ہے نمونہ اُن کہانیوں کا جو پادری صاحب کتاب قصص الانبیاء میں سے نقل کرتے ہیں آپ انہی کہانیوں کو اسلام کی عین تعلیم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ظاہر کرکے ناظرین کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مذاہب کے پیروؤں سے مدد لیکر ایک نیا مذہب تجویز کیا ہے۔ پادری صاحب! آخر دھوکہ دینے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ کیا آپنے دنیا کے لوگوں کو ایسا جاہل اور نادان سمجھ لیا ہے کہ وہ آپکے دھوکہ میں آکر یہ سمجھ لیں گے کہ جو لچر کہانیاں آپ قصص الانبیاء میں سے نقل کرتے ہیں وہ اسلام کی صحیح اور اصلی تعلیم ہے اور کیا یہ آپ خیال کرتے ہیں کہ ان قصوں کا پُرانی کتابوں سے کھوج نکالکر آپ یہ امر ثابت کرینگے کہ

قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور اسلام کا دین سچا دین نہیں۔ پادری صاحب! کیا مسیحی تعلیم کا یہی پھل ہے جو آپ نے ہمیں دکھایا ہے؟ کیا تمھارے ہاں یہی تعلیم دی جاتی ہے کہ سفید جھوٹ بولکر خلق خدا کو گمراہ کرو؟ ہم تاریخ میں پڑھا کرتے تھے کہ پہلے زمانہ کے مسیحی لوگ اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے ہر ایک ناجائز طریق کو اختیار کرنا جائز بلکہ موجب ثواب یقین کرتے تھے اور یہ کہ افترا اور جعلسازی سے مسیحی دین کو ترقی دینا انکے نزدیک کوئی معیوب امر نہ تھا۔ مگر اس زمانہ میں ہم نے آپکے ذریعہ اس امر کا مشاہدہ بھی کر لیا اور آپ نے اپنی کارروائی سے تاریخ کی تصدیق کی اور ثابت کر دیا کہ آپ اپنے بزرگوں کے صحیح معنوں میں قائم مقام ہیں اور یہ کہ اُن مسیحی بزرگوں کی ذرّیت اس روشنی کے زمانہ میں بھی مفقود نہیں ہوئی۔ آپ پر تو چنداں افسوس نہیں۔ اگر افسوس ہے تو سر ولیم میور کے سی ایس آئی۔ ڈی سی ایل۔ ایل ایل ڈی۔ پی ایچ ڈی پر ہے جنکو علاوہ دنیا دی عظمت اور کرامت کے مورخیت کا بھی دعویٰ ہے مگر انہوں نے باوجود علم کے نہ صرف ان افتراؤں کو ترجمہ کر کے شائع کیا بلکہ پادری صاحب کو اپنی کامل خوشنودی کا پروانہ بھی عطا کیا۔ معلوم نہیں کہ اسلام کی عداوت اور بغض کیوں ان لوگوں کو ایسا اندھا کر دیتا ہے۔

کتاب قصص الانبیاء کے بعد اب میں پادری صاحب کے اُن حوالوں میں سے چند ایک بطور نمونہ کے یہاں درج کرتا ہوں جو انہوں نے کتاب عرائس المجالس میں سے نقل کئے ہیں اور جنکا پرانی کتابوں میں کھوج لگانے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسلام سچا مذہب نہیں اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔

(۱) آپ صفحہ ۷۹۔۸۰ پر ایک لمبی کہانی عرائس المجالس میں سے نقل کرتے ہیں جسکا خلاصہ مَیں یہاں اُردو میں نقل کرتا ہوں۔ آپ لکھتے ہیں کہ ”عرائس المجالس میں لکھا ہے کہ مفسّرین بیان کرتے ہیں کہ جب فرشتوں نے حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں انسانوں کے بداعمال کو آسمان کی طرف چڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے خدائے تعالیٰ کی خدمت میں عرض کی کہ تُو نے ان انسانوں کو زمین پر حکومت کرنیکے لئے منتخب کیا ہے اور دیکھ یہ تیری نافرمانی کرتے ہیں۔ اسپر خدائے تعالیٰ نے فرشتوں کو جواب دیا کہ مَیں تمکو دنیا میں بھیجوں تو تم بھی وہی کام کرو جو انسان کر رہے ہیں۔ تم اپنے میں سے دو اور کلبی کی روایت کے موجب تین فرشتے

انتخاب کرو میں اُن کو زمین میں بھیجوں گا۔ قتادہ بیان کرتا ہے کہ ابھی اُن فرشتوں کو زمین پر اُترے پورے دو مہینے نہیں گذرے تھے کہ وہ پھسل گئے۔ کیونکہ ایک نہایت ہی خوبصورت عورت جو حضرت علیؓ کے قول کے بموجب ملک فارس کی شہزادی تھی شراب کا پیالہ لیئے ہوئے انکے سامنے آئی۔ انہوں نے شراب کو پیا اور بدمست ہوکر زنا کے بھی مرتکب ہوئے ایک شخص نے انکو دیکھا۔ انہوں نے اُسکو قتل کر دیا۔ اور کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک بُت کی بھی پرستش کی۔ اور خدائے تعالیٰ نے زہرہ کو جو پہلے عورت تھی ستارہ بنا دیا جو اب تک زہرہ کے نام سے مشہور ہے۔ پادری صاحب اس قصہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ نقل کرنیکے بعد فرماتے ہیں "الان اگر ہمیں حکایت را در طالمود بجوئیم آنرا در سہ موضع مے یابیم" یعنی اگر ہم اس کہانی کو یہودیوں کی کتاب طالمود میں تلاش کریں تو اسکو ہم تین جگہوں پاتے ہیں۔ پادری صاحب بے شک اسکو تین مقاموں سے نہیں بلکہ تین سے زیادہ مقاموں میں سے نکال کر دکھائیں۔ سوال تو یہ ہے کہ کیا وہ اس کہانی کو قرآن شریف میں سے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح اقوال میں سے نکالکر دکھا سکتے ہیں۔ یا کیا پادری صاحب یہ چاہتے ہیں کہ ہم قرآن شریف کو اسلیئے خدائے تعالیٰ کا کلام نہ مانیں کہ کتاب عرائس المجالس کے مصنف نے اس قصہ کو طالمود کے تین مقامات سے اخذ کیا ہے یا یہودیوں سے سُنا ہے۔ کیا ایسی شہادتوں ہی کی بنا پر پادری صاحب اپنی کتاب کے آغاز میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے قرآن شریف کی تعالیم اور مضامین کا دوسری کتب میں سے ماخوذ ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے اور یہ کہ انکے ایسا کرنے سے اسلام کی ساری عمارت منہدم ہو چکی ہے۔

(۲) پادری صاحب کی کہانی جو انہوں نے کوہ قاف کے متعلق قصص الانبیاء میں سے نقل کی ہے اسی کی تائید میں وہ عرائس المجالس کا حوالہ بھی پیش کرتے ہیں چنانچہ صفحہ ۱۱۱ پر لکھتے ہیں "و اصل آنچہ در احادیث نسبت بکوہ قاف موہوم مندرج است در کتابہائے یہود یافت مے شود و اگر آنچہ را کہ در عرائس المجالس و در قصص الانبیاء نوشتہ شدہ است با آنچہ یہود مے گویند مقابلہ کنیم این امر مدلل مے گردد و در عرائس المجالس چنیں مندرج است خلق اللہ تعالےٰ جبلاً عظیماً من زبرجدۃ خضری خضرۃ السماء منہ یقال لہ جبل قاف فاحاط بہا کلہا وھو الذی اقسم اللہ بہ فقال قٓ والقرآن المجید"

یعنی جو کچھ احادیث میں کوہ قاف کی نسبت لکھا ہے اُسکا اصل یہود کی کتابوں میں پایا جاتا ہے چنانچہ عرائس المجالس اور قصص الانبیاء کے بیان کو یہودیوں کی کتابوں کے ساتھ مقابلہ کرنیسے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے۔ عرائس المجالس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سبز زمرد کا ایک پہاڑ پیدا کیا اور آسمان کی سبزی بھی اسی پہاڑ کی وجہ سے ہے اُس نے کُل دنیا کا احاطہ کیا ہوا ہے اسکا نام کوہ قاف ہے، اور خدائے تعالیٰ نے اسی پہاڑ کی قسم کھائی ہے۔ یہی قصہ پہلے قصص الانبیاء میں سے نقل ہو چکا ہے مگر عرائس المجالس کا مصنف قصص الانبیاء کے مؤلف سے ایک بات میں بڑھ گیا ہے کیونکہ اس نے اس پہاڑ کا نام قرآن شریف میں بھی نکالکر دکھا دیا ہے مگر میں پوچھتا ہوں کہ اگر سورہ ق کے شروع میں حرف ق کوہ قاف کی طرف اشارہ کرتا ہے تو دوسری سورتوں کے ابتداء میں جو حروف مقطعات ہیں۔ وہ کن پہاڑوں کے نام ہیں اور وہ پہاڑ دنیا کے کس کس حصہ میں واقع ہیں۔ افسوس پادری صاحب پر کہ وہ ایسی لچر باتوں کو اسلام کی صحیح اور اصلی تعلیم ظاہر کرکے دنیا کے آگے پیش کرتے ہیں اور ان کہانیوں کو پرانی بوسیدہ کتابوں اور مردہ زبانوں میں سے نکالکر اپنے ناظرین کو یقین دلاتے ہیں کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں۔

(۳) پادری صاحب ایک اور کہانی عرائس المجالس میں سے نقل کرتے ہیں۔ آپ صفحہ ۲۰۶ پر لکھتے ہیں " در عرائس المجالس صفحہ ۴۳ نوشتہ شدہ است کہ ابلیس تا سہ ہزار سال نزد دروازہ جنّت ماند بامید ضرر رسانیدن بحضرت آدم و حوّا زیرا دلش از حسد پُر بود" عرائس المجالس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ضرر پہنچانے کی نیت سے ابلیس ۳ ہزار سال جنّت کے دروازہ پر ٹھہرا رہا۔ یہ کہانی نقل کرکے پادری صاحب ایک پرانی ایرانی کتاب میں پرانے حروف میں ایک حوالہ پیش کرکے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ کہانی ایرانی کتب میں سے لیگئی۔ مَیں صرف اس کے جواب میں اتنا ظاہر کر دینا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ اگر یہ کہانی ایرانی کتب میں سے اخذ کیگئی ہو تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن مجید کے مضامین یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعالیم ایرانی سرچشموں سے نکلی ہیں کیونکہ یہ کہانی نہ قرآن شریف میں ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال صحیحہ میں پائی جاتی ہے

(۴) پھر پادری صاحب ایک اور کہانی عرائس المجالس میں سے نقل کرتے ہیں اس امید پر کہ

اُس کہانی کا یہودی منبع دریافت کرکے وہ اسلام کی عمارت کو منہدم کر دینگے۔ آپ صفحہ ۲۹۷ پر عرائس المجالس کی بنا پر لکھتے ہیں کہ جب ملکہ سبا نے شاہی محل میں داخل ہوتے وقت شیشہ کو پانی سمجھا اور اپنی پنڈلیوں کو ننگا کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی نظر اُس کی پنڈلیوں پر پڑی اور آپ نے دیکھا کہ اُس کی پنڈلیاں نہایت ہی خوبصورت ہیں مگر انہیں ایک عیب تھا کہ اُن پر بہت بال اُگے ہوئے تھے۔

پادری صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کا بیان متعلق ملکہ سبا نامکمل ہے اور احادیث سے قرآن شریف کی تکمیل ہوتی ہے اور اسکے ثبوت میں وہ مندرجہ بالا کہانی عرائس المجالس سے نقل کرتا ہے۔ مگر مَیں افسوس کے ساتھ پھر ظاہر کرتا ہوں کہ یہ حکایت احادیث میں نہیں پائی جاتی یہ پادری صاحب کا محض افترا ہے۔

اب مَیں عرائس المجالس کے زیادہ حوالے یہاں نقل نہیں کروں گا۔ جو حوالے نقل کیئے جاچکے ہیں، وہ پادری صاحب کی تحقیقات کی حقیقت ظاہر کرنیکے لیئے کافی سے زیادہ ہیں۔ اب باقی دو کتابوں یعنی روضۃ الاحباب اور التواریخ القدیمہ میں سے جنسے حوالے پادری صاحب نے نقل کیئے ہیں اور جن کا پرانی کتابوں میں کھوج لگاکر انکے ذریعہ اسلام کی عمارت کو منہدم کرنا چاہا ہے انکو یہاں بطور نمونہ نقل کرتا ہوں۔ پہلے روضۃ الاحباب کے دو حوالے پیش کرتا ہوں۔

(۱) صفحہ ۱۳۶ پر مسیح کی ولادت کے حالات کے تذکرہ کے بعد جو بعض مسیحی کتابوں میں درج ہیں۔ پادری صاحب لکھتے ہیں۔ "واضح باد کہ ایں افسانہ اصل آں حکایتے است کہ در روضۃ الاحباب نسبت بولادت حضرت محمد و آں عجائبیکہ درآں وقت بوقوع پیوستہ باشد مندرج است" یعنی، روضۃ الاحباب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اسی افسانہ میں سے لیا گیا ہے۔ فرض کیا کہ روضۃ الاحباب میں جو حالات ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درج ہیں وہ اُن واقعات سے مشابہ ہیں جو بعض مسیحی صاحبان نے اپنے خداوند یسوع مسیح کے متعلق لکھے ہیں مگر مَیں پوچھتا ہوں کہ اس امر سے یہ کسطرح ثابت ہوا کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ کس نے کہا کہ جو واقعات ولادت روضۃ الاحباب کے مصنف نے لکھے ہیں وہ بذریعہ الہام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تھے۔ معلوم نہیں کہ پادری صاحب کے

عمر اپریل

دماغ کو کیا ہوگا۔ روضۃ الاحباب کے مصنف کی روایات متعلق ولادت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں۔

(۲) صفحہ ۲۱۰ پر پادری صاحب لکھتے ہیں "در روضۃ الاحباب مرقوم است کہ حضرت محمد گفت کہ چوں حضرت آدم آفریدہ شد خدا آں نور را بر پیشانی وے نہادہ گفت اے آدم ایں نورے کہ بر پیشانی تو نہادم نور نجیب ترین و بہترین فرزندانت و نور رئیس انبیائے کہ فرستادہ خواہند شد مے باشد" یہ روایت روضۃ الاحباب میں لکھی ہوگی مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ روایت قرآن شریف میں یا احادیث کی مستند کتابوں میں بھی پائی جاتی ہے یا نہ ؟۔

اب میں التواریخ القدیمہ کی ایک روایت بطور نمونہ درج کرتا ہوں جسکو پادری صاحب نے نقل کرکے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ قرآن مجید کے مضامین یہود وغیرہم سے حاصل کیئے گئے۔ وہ صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں "در کتاب ابی الفداء کہ بہ التواریخ القدیمۃ من المختصر فی اخبار البشر مسمی است نوشتہ شدہ کان آزر ابو ابراہیم یصنع الاصنام و یعطیھا ابراھیم لیبیعھا فکان ابراھیم یقول من یشتری ما یضرہ ولا ینفعہ۔

یعنی ابراہیم کا باپ آزر بت بنا کر حضرت ابراہیمؑ کو دیا کرتا تھا کہ انکو جاکر بیچ آوے۔ پس ابراہیمؑ جاکر پکارتا۔ کون شخص خریدے گا اُس چیز کو جو اُسکو کوئی نفع نہیں پہنچائے گی بلکہ بجائے نفع کے نقصان کا موجب ہوگی۔ پادری صاحب اس کہانی کو یہودیوں کی کتابوں میں سے نکالکر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے مضامین یہود سے سیکھے مگر قرآن شریف کو اوّل سے آخر تک پڑھ جاؤ۔ آپ کو کوئی ایسی آیت نہیں ملیگی جس میں اس کہانی کا ذکر ہو۔ پھر معلوم نہیں پادری صاحب کس منطق کے زور سے اس کہانی کے ذریعہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن شریف کے مضامین یہودیوں کی کتابوں میں سے لیئے گئے۔ کیا اُن میں اس قدر عقل نہیں کہ قرآن شریف اور کتاب التواریخ القدیمہ میں تمیز کرسکیں۔

پادری صاحب نے ایک عجیب چال اختیار کی ہے۔ اُنھوں نے قرآن شریف اور مستند حدیث کی کتابوں کو چھوڑ کر چند ایسی کتابوں کو منتخب کیا ہے جن میں بہت سے

رطب و یابس قصے درج ہیں اور جنہیں سے اکثر یہود و نصاریٰ وغیرہم سے سن سنا کر لکھے گئے ہیں۔ اوّل وہ ان کتابوں کو ایسی کتابیں ظاہر کرتا ہے جو اسلام کی صحیح صحیح تعلیم کو پیش کرتی ہیں پھر انکے مضامین کا کھوج یہود۔ نصاریٰ۔ زردشتیوں کی کتابوں میں سے نکالکر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اسلام کی تعلیم یہود وغیرہم سے حاصل کی گئی ہے۔ اب پادری صاحب کی کتاب کی منزلت ان کتابوں کی منزلت پر موقوف ہے بلکہ اُن خاص حصوں کی حقیقت پر منحصر ہے جنکو اُسنے نقل کیا ہے اگر یہ کتابیں واقعی اسلام کی سچی تعلیم کو پیش کرتی ہیں اور جو کچھ ان میں لکھا گیا ہے وہ حرف بحرف بعینہٖ اسلام کی وہ تعلیم ہے جو وحی الٰہی کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو ایسی صورت میں ہم اس امر کے تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں کہ واقعی پادری صاحب کی کتاب ہر ایک تعریف کی مستحق ہے لیکن اگر ان کتابوں کی حکایات قرآن شریف کے مضامین اور احادیث صحیحہ کی تعلیم سے اخذ نہیں کی گئیں تو پھر اس بات کو ماننا پڑیگا کہ جسقدر محنت پادری صاحب نے ان کتابوں کی حکایات کے ماخذ دریافت کرنے میں خرچ کی ہے وہ بالکل رائگاں گئی ہے اور یہ کہ انہوں نے اپنے وقت کو ناحق ضائع کیا ہے اور جو حوالجات اُنہوں نے دنیا کی مردہ کتابوں میں سے اور مردہ زبانوں میں سے نکالکر جمع کیے ہیں اُنکی قیمت ایک کوڑی کے برابر بھی نہیں مگر اس امر کے ثابت کرنے کے لیئے کہ ان کتابوں کی حکایتیں خصوصاً وہ جنکو پادری صاحب نے پیش کیا ہے قرآن شریف یا احادیث صحیحہ میں سے اخذ نہیں کی گئیں کسی لمبی بحث کی ضرورت نہیں۔ ناظرین اُنہی حکایات کو پڑھ لیں جنکو پادری صاحب نے نقل کیا ہے۔ خود وہ حکایات اس امر کی کافی شہادت ہیں کہ وہ اسلامی تعلیم کو پیش نہیں کرتیں۔

پادری صاحب اگر چند صدیاں پہلے دنیا میں آتے تو شاید وہ ایسی بیہودہ کہانیوں کو اسلام کی طرف منسوب کر کے دنیا کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتے مگر اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اب اسلام کی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب کوئی پوشیدہ چیزیں نہیں رہیں کہ پادری صاحب ایسے بیہودہ قصوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کریں اور آپ کا راز افشانہ ہو اب تو مَیں یقین کرتا ہوں کہ خود یورپ میں بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جو پادری صاحب کے بیہودہ قصوں کو جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیئے ہیں پڑھ کر یقین کریں گے کہ پادری صاحب نے نہایت فریب بازی سے کام لیا ہے۔ ہاں پادریوں میں اب

بھی بہت سے ایسے جاہل لوگ ضرور ہیں جنہیں یہ تمیز ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ اور جو جہل مرکب کی بیماری میں ابتک مبتلا ہیں۔ ایسے لوگ ضرور پادری صاحب کی مدح کے گیت گائیں گے۔ غرض پادری صاحب کی ایسی ہی لچر کتاب ہے جیسے کہ وہ قصے لچر ہیں جن سے کہ پادری صاحب نے اپنی کتاب کو بھر دیا ہے اور پادری صاحب نے یہ محض فضول کام کیا ہے کہ پرانے پستکوں کی ورق گردانی کر کے بیہودہ حوالجات سے اپنی کتاب کو سیاہ کر دیا ہے۔ اب بجائے اسکے کہ ہم ان پرانی زبانوں کو پڑھکر اور پرانے حروف کا نظارہ کر کے پادری صاحب کی علمیت اور محنت کی داد دیں ہمیں پادری صاحب کی عقل پر سخت افسوس آتا ہے کہ انہوں نے کیوں ناحق اپنے وقت کو ضائع کیا۔

مَیں یہ نہیں کہتا کہ اسلام کی تعلیم کا کھوج پرانی کتابوں میں نہیں ملتا۔ ضرور ملتا ہے کیونکہ جیسا کہ مَیں پہلے مضمون میں لکھ چکا ہوں۔ قرآن شریف کے رو سے کل دنیا میں نبی پیدا ہوئے اور اسلام کی بہت سی تعلیموں کو ان انبیاء کی تعلیموں میں سے نکالنا ناممکن نہیں مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن شریف خدا کا کلام نہیں۔ پادری صاحب اگر سیدھی راہ پر چلتے تو وہ بہت سی اسلامی تعالیم کا کھوج پرانی کتابوں میں سے نکال سکتے تھے مگر انہوں نے اس راہ پر قدم نہیں مارا اور اگر مارا ہے تو بہت تھوڑا۔ اگر وہ پورے طور پر اس راہ پر قدم مارتے تو پھر بھی ہم کہہ سکتے تھے کہ انکی محنت ضائع نہیں گئی کیونکہ اس راہ پر چلنے سے اگرچہ یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں مگر یہ کہہ سکتے تھے کہ انہوں نے ایک تحقیقات کا کام کیا ہے۔ بلکہ اس صورت میں ہم ان کے ایک حد تک ممنون بھی ہوتے کیونکہ انکی تحقیق سے قرآن شریف کے دعاوی کی تصدیق ہوتی۔ اور یہ ثابت ہوتا کہ قرآن شریف واقعی ایک ایسی کتاب ہے جس میں سب سچی تعلیمیں جمع کی گئی ہیں اسطرح انکی کتاب اگر ان کیلئے مفید نہ ہوتی تو کم از کم ہمارے لیئے ہی مفید ہوتی اور اسطرح انکی محنت ضائع نہ ہوتی۔ مگر موجودہ صورت میں انکی ساری مشقت محض اکارت گئی۔ کیونکہ اگر انہوں نے کچھ ثابت کیا ہے تو یہی ثابت کیا ہے کہ جو افسانے عرائس المجالس وغیرہ کتابوں میں لکھے ہیں ان میں سے بعض یہودیوں۔ مسیحیوں وغیرہم سے لیئے گئے مگر اس تحقیق سے نہ مسیحیوں کو کچھ فائدہ ہوا نہ مسلمانوں کو کچھ نفع پہنچا۔ پس پادری صاحب کے ان عجیب و غریب اشکال کے حروف

اور اُن نرالے نقوش کو دیکھکر افسوس آتا ہے کہ پادری صاحب نے کیوں بے فائدہ اس قدر مشقت اُٹھا کر اپنی زندگی کے ایک حصہ کو بالکل ضائع کر دیا اور ایک بالکل نکما کام کیا جس سے دشمن و دوست کسی کو بھی کچھ فائدہ نہیں پہنچا پادری صاحب نے ججی کا عہدہ تو اپنے لیئے منتخب کیا تھا مگر افسوس کہ ججی کا کوئی جوہر نہ دکھلایا۔

پادری صاحب کی راست گوئی

پادری صاحب کی اس کارروائی پر تو افسوس تھا ہی کہ انہوں نے عرائس المجالس وغیرہ کتابوں کے مضامین کو عین اسلامی تعلیم کے طور پر ظاہر کیا ہے مگر سب سے بڑھکر افسوس اُن کی ایک اور کارروائی پر آتا ہے جس کا انہوں نے اس کتاب میں ارتکاب کیا ہے۔ وہ کارروائی ایسی قابل شرم ہے کہ شریف انسان ایک لمحہ کے لیئے بھی ایسی کارروائی کا ارتکاب اپنے لیئے پسند نہیں کر سکتا مگر پادری صاحب کو اپنے مذہب کی حمائت اسقدر منظور ہے کہ انہوں نے ایسی قابل شرم کارروائی کا ارتکاب بھی اپنے لیئے گوارا کر لیا ہے۔ احادیث کا لفظ اسلامی لٹریچر میں ایک معروف لفظ ہے۔ علاوہ اسکے وہ مسلمانوں کے نزدیک ایک مقدس نام ہے۔ اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کلمات طیبات ہیں جو ہر ایک مومن کیلیئے موجب حیات ہیں۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال پر بھی بعض اوقات یہ لفظ لگایا جاتا ہے مگر ایسی حدیث کو حدیث فعلی کہتے ہیں۔ آپکے یہ کلمات طیبات چند کتابوں میں جمع کیئے گئے ہیں جنکا ذکر خود پادری صاحب نے اپنے رسالہ کے ابتدا میں کیا ہے۔ چنانچہ آپ صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں

"ارکان اربعہ دین حق (۱) اولاً قرآن مجید (۲) ثانیاً احادیث (۳) ثالثاً اجماع (۴) رابعاً قیاس مے باشد۔ و در بارۂ رکن سوم و چہارم لازم نیست کہ در اینجا چیزے بنویسیم چونکہ ہویدا است کہ آنہا ضد قرآن و احادیث نباید باشد زیرا فی الواقع بنیان دین اسلام قرآن و احادیث است۔ یعنی اسلام کے چار رکن ہیں اول قرآن مجید۔ دوم احادیث سوم اجماع۔ چہارم قیاس اجماع اور قیاس کے متعلق اس کتاب میں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ قرآن مجید اور احادیث کے برخلاف نہیں ہو سکتے۔ اس لیئے در اصل اسلام کی بنیاد قرآن مجید اور حدیث ہے۔ اسکے بعد پادری صاحب ان کتب احادیث

کی فہرست دیتے ہیں جو سُنّیوں کے نزدیک معتبر شمار کی جاتی ہیں اور نیز اُن کتب احادیث کے نام لکھتے ہیں جو شیعوں کے نزدیک مسلّم ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔ "معلوم است کہ بر حسب تعلیم اہل شیعہ جمیع احادیث معتبرہ درایں پنج کتاب مندرج است یعنی (۱) درکافی تالیف ابوجعفر محمد (۲) درمن لایستحضرہ الفقیہ تالیف شیخ علی (۳) درتہذیب شیخ ابوجعفر محمد (۴) دراستبصار ہماں مؤلف و (۵) درنہج البلاغہ تالیف سید رضی وامااہل سنہ بعوض آں صحف مزبورہ شش کتاب دیگر را منتخب ساختہ اند یعنی (۱) مؤطا (۲) صحیح بخاری (۳) صحیح مسلم (۴) سنن ابوداؤد (۵) جامع ترمذی (۶) ابن ماجہ۔

اب پادری صاحب کے اس بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ اسلام میں احادیث کیسی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور قرآن مجید کے بعد جس چیز کا درجہ ہے وہ احادیث ہی ہیں۔ اس بیان سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ کیوں پادری صاحب نے اسلام کے سرچشمے تلاش کرتے وقت قرآن مجید کے ساتھ احادیث کو بھی ملایا ہے۔ قرآن مجید تو خدائے تعالیٰ کا کلام ہے اور احادیث خدائے تعالیٰ کے رسول کا کلام ہے اور چونکہ مسلمان قرآن شریف اور احادیث دونوں پر کاربند ہیں اسلیئے پادری صاحب نے اپنے کام کی تکمیل اسی میں دیکھی ہے کہ نہ صرف قرآن شریف کے مضامین کا کھوج پہلی کتابوں میں لگائیں بلکہ احادیث کی تعلیم کا بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے پرانی کتابوں میں کھوج لگائیں۔ قرآن شریف کے سرچشمے تلاش کرتے وقت تو انہوں نے تفاسیر کو بھی لے لیا ہے گویا جو قصے مفسروں نے اپنی کتابوں میں درج کیئے ہیں وہ بھی خدائے تعالیٰ کا ہی کلام ہیں جو وحی جبرئیل کے ذریعہ اُنپر نازل ہوئے۔ مگر جب احادیث کی باری آئی ہے تو انہوں نے ایک ایسی کارروائی کی ہے جسکو دیکھکر انسان کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ معلوم نہیں اُنکو ایسی کارروائی کے ارتکاب پر کس طرح جرأت ہوئی۔ ایک شریف انسان کا دل تو ایسی کارروائی کے خیال سے بھی کانپ جاتا ہے۔ ناظرین! پادری صاحب نے اپنی کتاب میں شروع سے لیکر آخر تک عمداً ایسی چیزوں کا نام احادیث رکھا ہے جو یقیناً احادیث نہیں ہیں اور جنکی نسبت خود اُسکو اور اُسکے عالی مرتبہ مترجم کو بخوبی معلوم

تھا کہ وہ احادیث نہیں۔ اُس نے خود اپنے دیباچہ میں ظاہر کیا ہے کہ احادیث سے کیا مراد ہے
ہیں اُسکی دیباچہ کی عبارت کو پہلے نقل کر چکا ہوں اور اُس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ احادیث
سے مراد وہ کلمات طیبات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلے یا ایسے افعال جو آپ نے
کئے اور یہ کہ قرآن شریف کے بعد دوسرا درجہ احادیث کو دیا جاتا ہے مگر باوجودیکہ اُسکو اس بات کا
علم ہے پھر بھی وہ نہایت بے باکی سے ایسی کتابوں کا نام احادیث رکھتا ہے جنکو کوئی فرقہ
مسلمانوں کا احادیث کی کتابوں میں شامل نہیں کرتا اور جو کسی عقلمند آدمی کے نزدیک احادیث نہیں
کہلا سکتیں۔ مثلاً ملاحظہ ہو پادری صاحب کا مندرجہ ذیل بیان۔ آپ صفحہ ۵۲ پر لکھتے ہیں۔ الآن
چوں ایں حکایت را از روئے قرآن و احادیث مسلمانان خواندیم بائد بسوئے کتابہائے
یہود رجوع نمودہ مقابلہ کنیم۔ یعنی ہم اس حکایت کو قرآن مجید اور احادیث سے نقل کر چکے ہیں اب
ہم یہود کی کتابوں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔

اب اس عبارت میں پادری صاحب نے احادیث کا لفظ قرآن مجید کے بعد لکھکر یہ ظاہر کیا ہے
کہ یہاں احادیث سے وہی احادیث مراد ہیں جنکو مسلمان عام طور پر احادیث کہتے ہیں اور ہر ایک پڑھنے
والا یہی خیال کریگا کہ پادری صاحب نے اس حکایت کو پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں سے نقل
کیا ہے جو کتب مشہورہ احادیث میں پائے جاتے ہیں مگر جب پیچھے مُڑ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب نے
عرائس المجالس۔ قصص الانبیاء۔ اور التواریخ القدیمہ کا نام احادیث رکھا ہے اور یہی کتب ہیں
جنکو پادری صاحب نے قرآن مجید کے بعد دوسرے درجہ پر رکھا ہے۔ حالانکہ کوئی مسلمان ان کتابوں کو احادیث
کی کتابوں میں شمار نہیں کرتا۔ مگر پادری صاحب کا افترا دیکھو کہ وہ ایسا ظاہر کرتا ہے کہ گویا مسلمان انکو
قرآن مجید سے دوم درجہ پر سمجھتے ہیں ان کتابوں کی قدر و منزلت اسلامی تعلیم کے لحاظ سے تو
ناظرین نے اُن حکایات سے سمجھ لی ہوگی جو پادری صاحب نے جا بجا نقل کی ہیں۔ بعض روایات تو
ایسی بیہودہ ہیں کہ الف لیلہ کی کہانیاں بھی لغویت میں اُنکا مقابلہ نہیں کر سکتیں مگر افسوس ہے پادری صاحب
کی راست گوئی پر جو ان سب ہزلیات کا نام احادیث رکھکر انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب
کرتے ہیں اور اس طرح ایک ایسے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں جو مصنفین کی دنیا میں ناقابل معافی ہے
جو روایتیں پادری صاحب نے ان کتابوں سے نقل کی ہیں۔ ان میں سے بے شک چند ایک ایسی بھی

ہیں جنکو اُن کتابوں کے مصنفین نے بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے مگر وہ روایتیں خود اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ کی باتیں نہیں ہیں بلکہ مفتریات اور کذب ہیں مثلاً کوہ قاف کی کہانی کو دیکھو۔ کیا کوئی عقلمند انسان خواہ وہ کسی مذہب کا ہو یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ بیہودہ اور لغو کہانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو سکتی ہے۔ اُس شخص سے زیادہ کوئی ظالم نہیں ہو سکتا جو ایسی روایات کو احادیث کا نام دیکر اسلام پر نکتہ چینی کرے اُسکا صحیح احادیث اور معتبر روایات کو چھوڑ کر ایسی لغویات کی طرف رجوع کرنا اور اُنکی بنا پر اسلام اور بانی اسلام علیہ الف الف سلام پر اعتراض کرنا اس بات کا ایک روشن ثبوت ہے کہ اُسکی نیت فاسد ہے اور اُس کی غرض سوائے فریب دینے کے اور کچھ نہیں۔ ناظرین! اس پادری جج کو دیکھیے جو مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان انصاف کرنے کیلئے بیٹھا ہے اور جو کوہ قاف جیسی لغو قصوں کو اسلام کی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُنہ کی باتیں ظاہر کر کے اپنے مسیحیوں کے حق میں فیصلہ دیتا ہے۔ اگر اس جج کی نیت صاف ہوتی اور اُسکا دل شرارت سے پاک ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتا کہ مسلمانوں کی مسلمہ کتب کو چھوڑ کر ایسے لغو قصوں پر اپنے فیصلہ کو مبنی کرتا۔ مگر صرف یہی نہیں کہ وہ ایسی کہانیوں کو احادیث کہتا ہے جو افترا کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی گئی ہیں بلکہ وہ بہت سی ایسی روایات کو بھی احادیث ہی کہتا ہے جو نہ صرف اپنی لغویت میں بے نظیر ہیں بلکہ ان کتابوں میں اُن کو افترا کے طور پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔ میں ایسی روایتوں کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کی گئیں اور پھر بھی پادری صاحب اُنکو احادیث کا نام دیکر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہیں چند مثالیں یہاں درج کرتا ہوں تا پادری صاحب کی راست گوئی پورے طور پر ناظرین پر واضح ہو جاوے۔

(۱) آپ صفحہ ۹۰ و ۹۱ پر لکھتے ہیں۔ واضح باد کہ دریں قصّہ قدیم بُت پرستاں بابل ذکر صعود نمودن اشتر یعنی زہرہ یافتہ مے شود چنانکہ آں امر ہم در احادیث اہل اسلام وہم دراں تفسیر یہود مندرج است۔

یہاں پادری صاحب بیان فرماتے ہیں کہ زہرہ کے آسمان پر چڑھنے اور ستارہ بننے کا ذکر احادیث میں پایا جاتا ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح حدیث میں زہرہ کے آسمان پر

چڑھنے کا ذکر نہیں۔ ہاں عرائس المجالس میں ذکر ہے اور پادری ٹسڈل کمال دیانت داری سے عرائس المجالس کی کہانی کو حدیث کہکر یہ ظاہر کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ اُنکا یہ اصول ہے کہ کوئی کہانی ہو اگر کسی مسلمان کی کتاب میں وہ پائی جائے تو وہ نہایت ہی پکی حدیث ہے خواہ اُس مسلمان مصنف نے کسی جگہ سے اُس کہانی کو لیا ہو۔

(۲) صفحہ ۴۴ پر پادری صاحب اپنی پیاری کتاب عرائس المجالس میں سے ایک حوالہ نقل کرتے ہیں جس میں یہ الفاظ لکھے ہیں "گفتہ اند کہ پدروے بتہامے ساخت"۔ یعنی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ بُت بنایا کرتا تھا۔

اب گفتہ اند کے فقرہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ کہانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں سے نقل نہیں کی گئی بلکہ کسی اور منبع سے اخذ کی گئی ہے مگر پھر بھی پادری صاحب اس کہانی کو احادیث میں شامل کرتے ہیں اور یہودی کتابوں میں اسکا کھوج لگا کر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر اُدھر سے تعالیم اور مضامین جمع کرکے ایک نیا مذہب کھڑا کر لیا

(۳) پادری صاحب کی حدیث کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو۔ آپ صفحہ ۱۰۷ پر لکھتے ہیں "واما اگر استفسار کنیم کہ اہل اسلام دربارہ آں لوح محفوظ چہ چیز را از احادیث خود آموختہ اند جواب ایں سوال را در قصص الانبیاء صفحہ ۳ و ۴ مے یابیم و آں انیست آنگاہ در زیر عرش دانہ مروارید بیافرید واز آں مروارید لوح محفوظ را بیافرید بلندئے وے ہفت صد سالہ راہ و پہنائی وے سہ صد سالہ راہ الخ

دیکھیئے پادری صاحب پہلے سوال کرتے ہیں کہ لوح محفوظ کی نسبت احادیث میں کیا لکھا ہے۔ پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ اس کا جواب قصص الانبیاء کے صفحہ ۳ و ۴ میں ملیگا اور جو عبارت وہ قصص الانبیاء میں سے نقل کرتے ہیں اُس میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پادری صاحب کے نزدیک جو کچھ قصص الانبیاء میں لکھا ہے وہ حدیث ہی حدیث ہے واہ! پادری صاحب راستگوئی آپ پر ختم ہو گئی ہے۔

(۴) لیجیئے پادری صاحب کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ پادری صاحب سورۂ نمل کی آیت و کشفت عن ساقیھا قال انہ صرح ممرد من قواریر کی نسبت فرماتے ہیں کہ یہ بیان بالکل نامکمل ہے اور اگر کسی نے اسکی تفصیل معلوم کرنی ہو تو وہ احادیث کو پڑھے۔ چنانچہ

آپ فرماتے ہیں "و چونکہ آنچہ قرآن درباره صفت ساقہائے آں ملکہ گفتہ است ناکامل مے باشد پس ازآں سبب تکمیل آنرا ور احادیث مے باید جست" (صفحہ ۴۷) اب ناظرین خیال فرمائیں گے کہ اسکے بعد پادری صاحب کسی معتبر حدیث کی کتاب مثلاً صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں سے کوئی حدیث نقل فرمائینگے مگر یہ کتابیں پادری صاحب کے نزدیک معتبر نہیں۔ ناظرین تعجب کے ساتھ دیکھیں گے کہ پادریصاحب اس کے بعد کسی حدیث کی کتاب کا ذکر نہیں فرماتے بلکہ آپ کتاب عرائس المجالس میں سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں اور چونکہ جو کچھ ان کتابوں میں لکھا ہے وہ پادریصاحب کے نزدیک بڑی پکی احادیث ہیں اسلیئے جب آپ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کے ناقص بیان کی احادیث سے تکمیل ہوتی ہے تو اُسوقت اُن کی مراد لفظ احادیث سے عرائس المجالس ہی ہے۔ اگر ناظرین معلوم کرنا چاہیں کہ وہ کونسی چیز ہے جسکو نہ بیان کرنے کی وجہ سے قرآن شریف کا بیان پادریصاحب کے بیان کے رُو سے نامکمل رہ گیا ہے تو میں وہ عبارت یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ پادریصاحب فرماتے ہیں کہ آیت وکشفت عن ساقیھا اور آیت قال انہ صرح ممرد من قواریر کے درمیان مندرجہ ذیل عبارت ہونی چاہیئے۔ فنظر سلیمان ؑ فاذا ھی احسن الناس ساقا وقدما الا انھا کانت شعراء الساقین فلما رای سلیمان ذالک صرف بصرہ عنھا ونادا ھا انہ صرح ممرد من قواریر۔ یعنی جب ملکہ نے اپنی پنڈلیوں کو ننگا کیا تو حضرت سلیمانؑ نے دیکھا کہ اُسکی پنڈلیاں نہایت خوبصورت ہیں مگر اُنپر بڑے بڑے بال ہیں۔ یہ دیکھکر حضرت سلیمانؑ نے اپنی آنکھ پھیر لی اور فرمایا کہ یہ شیشوں کا پٹاؤ ہے پانی نہیں۔

پادری صاحب یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن شریف کے بیانات ناقص ہیں اور جبتک قصص الانبیار اور عرائس المجالس میں سے کہانیاں اُٹھا کر اُس میں نہ رکھی جاویں قرآن شریف کمل نہیں ہو سکتا۔ اس طرح عرائس المجالس و قصص الانبیار کی کہانیاں گویا قرآن مجید کا جزو ہیں اور جب ان کا ماخذ پرانی کتابوں میں سے پیش کیا جاوے تو ضرور ہی کہ اسلام کی عمارت منہدم ہو جاوے کیونکہ یہ کہانیاں قرآن شریف کا جزو ہیں اور اُن کے بغیر قرآن شریف بغیر مکمل رہتا ہے۔

کتاب ینابیع الاسلام میں سے اور بھی بہت سے حوالے پیش کئے جا سکتے تھے جنسے ظاہر ہوتا ہو کہ پادریصاحب نے ہر ایک چیز کا نام جو عرائس المجالس۔ قصص الانبیاء وغیرہ میں لکھی گئی ہو حدیث رکھا ہو۔ ساری مثالیں یہاں نقل نہیں کیجا سکتیں مگر مَیں ناظرین کی توجہ ینابیع کے مندرجہ ذیل صفحات کی طرف پھیرتا ہوں۔ اُن صفحوں کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ جو کچھ عرائس المجالس وقصص الانبیاء میں کہانیاں درج ہیں پادری صاحب نے کمال راستبازی سے اُن سب احادیث کے نام سے یاد فرمایا ہے وہ صفحات یہ ہیں ۴۱-۵۲ و ۴۷ و ۴۸ و ۹۱ و ۱۰۱ و ۱۰۷ و ۱۱۱ و ۱۵۶ و ۲۰۶ و ۲۰۸ و ۲۲۱- اب مَیں کل پادریصاحبان سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ کبھی کسی اور پادری یا مسیحی نے اس سے بڑھ کر جھوٹ بولا ہے جو پادری ٹسڈل صاحب نے بولا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کذب بیانی ہوسکتی ہو کہ ایک چیز جو محض کہانی کے طور پر کسی مصنّف نے لکھی ہے اُسکو صرف اسوجہ سے حدیث کہا جاوے کہ وہ مسلمان نے لکھی ہو اور پھر کیا اس سے بڑھ کر ابلہ فریبی ہوسکتی ہے کہ ایسی کہانیوں کا نام احادیث رکھنے کے بعد اور اُن کا کھوج پرانی کتابوں میں لگا کر ناظرین کو اس بات کا یقین دلانیکی کوشش کی جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کہانیوں کو یہودیوں یا اور لوگوں سے سیکھا اور یہ کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ خود پادریوں میں اگر تم ایسی کذب بیانی اور ایسی ابلہ فریبی کی مثال تلاش کروگے پھر بھی امید نہیں کہ اسکی نظیر مل سکے۔

پادریصاحبان اپنے سنہری اصول پر بڑا فخر کیا کرتے ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ دوسروں سے وہی سلوک کرو جو تم چاہتے ہو کہ دوسرے لوگ تم سے کریں۔ مگر یہ اصل پادری صاحبان نے صرف فخر کرنیکے لئے اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ اسپر عمل کرنے سے اُنکو کوئی سروکار نہیں۔ کم ازکم پادری ٹسڈل صاحب نے اپنی کتاب ینابیع میں اس تعلیم پر کچھ عمل کرنا گناہ سمجھا ہو۔ اسلام کی تعلیم کے سرچشمے ڈھونڈتے ہوئے آپ کا اوّل سے آخر تک یہ اصول رہا ہے کہ جو کچھ مسلمان افسانہ نویسوں نے لکھا ہے وہ عین حدیث ہے مگر جہاں کہیں بائبل کا ذکر آیا ہو یا مسیح کی تعلیم کا موقعہ آیا ہو تو اُس نے بار بار ناظرین کو متنبہ کیا ہے کہ خبردار یہودی مفسرین کی تفسیروں اور مسیحی مصنفوں کی تحریروں کو کہیں صحیح نہ سمجھ لینا۔ چنانچہ صفحہ ۲۸ پر وہ یہودیوں کی عہد عتیق کی تفسیروں کو موہومہ تفاسیر کے نام سے یاد کرتا ہے۔

صفحہ ۳۵ پر یہودیوں کے قصوں کو قصص باطلہ کہکر پکارتا ہے۔ صفحہ ۳۶ پر وہ افسانہائے باطل یہود کا ذکر کرتا ہے۔ صفحہ ۷۵ پر وہ یہودی کے مشہور معروف مفسر یوناتان بن عزئیل کو مفسر نادان کا خطاب عطا کرتا ہے۔ ایسا ہی صفحہ ۷۷ پر ترگوم کتاب استر کے مشہور مصنف کو مفسر نادان کہتا ہے۔ صفحہ ۹۲ پر تمام یہودی مفسرین کو افسانہ دوست اور زود اعتقاد کا خطاب دیتا ہے۔ صفحہ ۹۳ پر انکو طالب عجائب کے نام سے یاد کرتا ہے۔ صفحہ ۹۶ پر کہانہائے باطل یہود کا ذکر کرتا ہے۔ علاوہ اسکے وہ خاص مثالیں بھی پیش کرتا ہے جہاں یہودی مفسرین نے عہد عتیق کی تفسیر میں سخت غلطیاں کھائی ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل عہد عتیق کی درسوں کے متعلق لکھتا ہے کہ یہودی مفسرین نے انکی تفسیر کرنے میں فاش غلطی کھائی ہے۔ وہ مقامات یہ ہیں پیدائش باب ۱۔ درس ۲۔ نیز باب ۲ درس ۴ و نیز باب ۱۱ درس ۲۸ و باب ۱۵ درس ۷ و باب ۲۶ درس ۱ خروج باب ۱۴ درس ۱۲۔ نیز باب ۳۲ درس ۱۹ و ۲۰ و باب ۲ درس ۸۔ وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ یہودی مفسرین نے بہت سے قصے اور کہانیاں بائبل کے کئی مقامات کی تشریح اور توضیح اور تکمیل کی غرض سے درج کی ہیں اور وہ ناظرین کو آگاہ کرتا ہے کہ ایسی کہانیوں کو بالکل صحیح سمجھنا سخت غلطی ہے۔ مگر جب قرآن شریف کی تفسیروں کا ذکر آتا ہے تو اُسکا خیال بالکل بدل جاتا ہے مسلمانوں کی تفسیروں میں پادری صاحب کے نزدیک جو جو قصے درج ہیں وہ سب قرآن شریف کے اجزاء ہیں اور ہر ایک کہانی جو کسی مسلمان مصنف نے لکھی ہے وہ بعینہٖ حدیث نبوی ہے۔ اس لئے پادری تسڈل مفسرین کی کہانیوں اور مسلمان مصنفین کے قصص کو عین اسلام ظاہر کرکے انکا کھوج پُرانی کتابوں میں لگاتا ہے اور اس طرح اپنے زعم میں اسلام کی عمارت کو مسمار کرتا ہے۔ میں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہودی مفسرین نے ایسی کہانیاں اپنی تفسیروں میں درج کردی ہیں جو درحقیقت بائبل کا جزو نہیں ہیں تو پھر کیا مسلمان مفسرین کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ بھی ایسی حکایات درج کرتے جنکو قرآن شریف سے کچھ تعلق نہ تھا؟ اگر پادری صاحب دیانتداری سے کام لیتے تو وہ ہرگز مفسرین کے قصوں کو قرآن شریف کا جزو ظاہر نہ کرتے اور اسطرح اُن قصوں کا کھوج نکالکر خواہ نخواہ اپنے اور اپنے ناظرین کے وقت کا خون نہ کرتے۔

اپنی کتاب میں وہ بہت سی مسیحی کتب کا بھی ذکر کرتا ہے جنکو وہ جعلی قرار دیتا ہے مگر جب مسلمانوں کا ذکر آتا ہے تو ہر ایک کتاب جو کسی مسلمان نے لکھی خواہ وہ کیسی ہی بیہودہ ہو اُسکو عین اسلام کی تعلیم قرار دیتا ہے بلکہ اُنکی ہر ایک بات کو حدیث کہہ کے پکارتا ہے۔ پادری صاحب بتلاؤ یہی انصاف ہے۔ کیا آجکل لوگ ایسی ہی کارروائیاں کیا کرتے ہیں؟ پادری صاحب خوب سمجھتے تھے کہ ان سے یہ سوال کیا جاویگا کہ انہوں نے تفسیروں کے قصوں کو کیوں قرآن مجید

کی جزو قرار دیا۔ اسلیئے آپ اسکی ایک دلیل بیان کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ تفسیروں کے قصے قرآن مجید کے
مضامین کی توضیح اور تکمیل کرتے ہیں اسلیئے قرآن مجید کے ینابیع تلاش کرتے وقت ان تفاسیر کی طرف
رجوع کرنا ضروری ہے۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ یہودی مفسروں نے اپنی تفاسیر میں جو قصے درج کیئے ہیں کیا
اُن کی یہ غرض نہ تھی کہ ان قصوں کے ذریعہ بائبل کے مضامین کی توضیح اور تکمیل کی جاوے۔ پس اگر اسکے نزدیک
یہودی مفسروں کے قصص کو بائبل کی جزو خیال کرنا غلطی ہے تو مسلمان مفسروں کے قصص کو قرآن مجید
کی جزو قرار دینا وہ کیوں جائز خیال کرتا ہے؟

پادری صاحب پر یہ بھی سوال ہو سکتا تھا کہ کیوں انہوں نے احادیث کی مسلمہ کتب کی طرف رجوع نہیں کیا۔
اسکی بھی آپ وجہ بیان کرنے سے نہیں چوکے۔ آپ فرماتے ہیں کہ چونکہ سنیوں کی مسلمہ کتب کو شیعہ لوگ
قبول نہیں کرتے اور شیعہ کی مقبولہ کتب کو سنی قبول نہیں کرتے اسلیئے میں نے ان دونوں قسم کی کتابوں سے
اجتناب کیا ہے۔ یہ مستند کتابوں کا حوالہ نہ دینے کے لیئے عجیب بہانہ ہے۔ ایسا عذر بجائے اس کے
کہ پادری صاحب کی نیک نیتی کو ظاہر کرے اُلٹا آپکی دیانتداری پر شبہ کرنیکا موقعہ دیتا ہے۔ اگر تمام
احادیث اسلیئے ناقابل اعتبار ٹھہر جاتی ہیں کہ سنیوں کے مسلمہ مجموعوں کو شیعہ لوگ قبول نہیں کرتے
اور شیعہ کی کتابوں کو سنی صاحبان رد کرتے ہیں تو پھر کسی شخص کو اسلام یا بانیٔ اسلام علیہ الف الف
سلام کی تاریخ لکھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ ایسی تاریخ کا مصالح زیادہ تر انہی کتابوں سے
ہی لیا جاتا ہے۔ ایک محقق صرف اس وجہ سے تمام روایات کو ترک نہیں کریگا کہ انکو ایک مخالف فرقہ کسی
وجہ سے قبول نہیں کرتا۔ میں یہاں ولیم میور کی رائے کو نقل کرتا ہوں جو انہوں نے سنیوں اور شیعوں کی
مسلمہ کتب احادیث کے متعلق اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیباچہ میں لکھی ہے۔ آپ
دیباچے کے صفحہ ۲۹ پر سنیوں کی مسلمہ کتب کے مؤلفوں کی نسبت لکھتے ہیں "اسمیں کچھ شک نہیں کہ
ان احادیث کے جمع کرنیوالوں نے اس کام میں جو انہوں نے اختیار کیا نہایت دیانتداری اور اخلاص نیت سے
کام کیا۔ اور یہ کہ انہوں نے نہایت نیک نیتی سے مروجہ احادیث کو اکٹھا کیا اور جن راویوں کے ذریعہ اُن کو
وہ احادیث پہنچیں انکی انہوں نے نہایت احتیاط سے چھان بین کی اور نہایت ہی احتیاط اور صحت
کے ساتھ ان احادیث کو قلم بند کیا۔" جب احادیث کے جمع کرنیوالوں نے اسقدر دیانتداری اور احتیاط سے
احادیث کو جمع کیا تو ایسی صورت میں نہ صرف اسلام کے حق میں بلکہ خود ان احادیث کے جمع کرنیوالوں کے حق

میں سخت بے انصافی ہے کہ ان احادیث کو صرف اس وجہ سے ردّ کر دیا جاوے کہ ایک فرقہ مذہبی مخالفت کی وجہ سے انکو قبول نہیں کرتا۔ پھر میور ان کتب احادیث کا جو سنیوں کے نزدیک مسلّم ہیں شیعوں کی کتب سے مقابلہ کرتے ہوئے لکھتا ہے "سنیوں کی صحاح ستّہ سب کی سب عباسی خلفاء کے زمانہ میں لکھی گئیں اور انہیں جو سب سے پہلی ہیں وہ خلیفہ مامون کے عہد میں مرتب ہوئیں۔ شیعوں کی چار مسلّمہ کتابیں سنیوں کی صحاح ستّہ سے کچھ زمانہ بعد لکھی گئیں اور وہ سنیوں کی صحاح ستّہ کے مقابل میں ایسی کم اعتبار کے لائق ہیں کہ اُن کے ساتھ اِن کا مقابلہ کرنا بھی درست نہیں انکی بڑی غرض یہ تھی کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اور انکی اولاد کی امامت کو ثابت کیا جاوے" یہ ہے میور کی رائے شیعہ کی کتب احادیث کے متعلق۔ اور پادری ٹسڈل کا صرف اس وجہ سے صحاح ستّہ کو ردّ کرنا کہ شیعہ لوگ محض مذہبی مخالفت کی وجہ سے انکو قبول نہیں کرتے نہ صرف بے انصافی ہے بلکہ محققانہ طریق سے بہت بعید ہے مگر پادری صاحب کے مسلّم کتب احادیث کو ترک کرنیکی نسبت خواہ کچھ ہی خیال کیا جاوے اُنکے پاس کوئی وجہ نہیں تھی کہ احادیث کی مسلّمہ کتب کو چھوڑکر عرائس المجالس۔ قصص الانبیاء۔ التواریخ القدیمہ وغیرہ جیسی کتابوں کی طرف رجوع کرتے۔ اور انکے قصوں اور کہانیوں کا نام احادیث رکھتے۔ اگر صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی کتابوں کو اُس نے اسلیئے ردّ کر دیا کہ شیعہ انکو نہیں مانتے تو عرائس المجالس وغیرہ کتب کس قاعدہ کے رو سے قابل اعتبار بلکہ صحیح بخاری صحیح مسلم سے زیادہ معتبر ٹھہر گئیں ایک طرف تو آپ اسقدر محتاط ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں کہ صحاح ستّہ جیسی قابل اعتبار کتابوں کو اسوجہ سے ترک کرتے ہیں کہ شیعہ انکو نہیں مانتے دوسری طرف وہ بیہودہ قصوں اور کہانیوں کیطرف اپنی کتاب کے لیئے مصالح جمع کرنیکے لیئے جھکتے ہیں اور پھر اسپر طرّہ یہ کہ ان قصوں اور افسانوں کا نام احادیث رکھتے ہیں اور صرف ان کو احادیث ہی نہیں کہتے بلکہ انکو اعلیٰ پائے کی احادیث ظاہر کرتے ہیں جنکا درجہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ اُسکے قول کے بموجب یہ ایسی کتابیں ہیں جو سنیوں اور شیعوں دونوں کے نزدیک مسلّم ہیں وہ ان کتابوں کو صرف احادیث کی کتابیں ہی نہیں کہتا بلکہ انکو ایسی احادیث کی کتابیں ظاہر کرتا ہے جو اسلام کے ہر ایک فرقہ کے نزدیک قابل تسلیم ہیں اور جنپر شیعہ سنّی سب کا اتفاق ہے کیا اس سے بڑھ کر کذب

کسی انسان کے وہم و گمان میں آسکتا ہے؟ ان پر اتفاق کرنا تو کجا اسلام کا کوئی فرقہ انکو احادیث کی کتابوں میں بھی شامل نہیں کرتا۔ اگر ہر ایک فرقہ کے نزدیک یہ کتابیں مسلم تھیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہر ایک فرقہ کے پاس الگ الگ کتابیں ہیں جنپر اُن کا عملدرآمد ہے اگر درحقیقت یہ ایسی ہی قابل وثوق کتابیں تھیں جیسا کہ پادری صاحب انکو ظاہر کرتے ہیں تو پھر چاہیئے تھا کہ میور بھی اپنی کتاب لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ سلم) کا بہت سا مصالح انہی کتابوں میں سے اکٹھا کرتا۔ اور اُسکی کتاب میں بہت سی ایسی حکایتیں درج ہوتیں جیسی کہ طاؤس اور کوہ قاف اور لوح محفوظ کی کہانیاں جو پادری ٹسڈل نے اپنی کتاب میں کثرت سے درج کی ہیں اور جنکو وہ اسلام کی حقیقی اور صحیح اور متفق علیہ تعلیم کے طور پر پیش کرتا اور جنکا پرانی کتابوں میں کھوج لگا کر اسلام کی عمارت کو مسمار کر دینے کا دعویٰ کرتا ہے۔ پادری صاحب اپنی کتاب کے ابتدا میں بڑے زور کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ وہ اپنی کتاب میں صرف ایسی احادیث نقل کرینگے جنپر سب فرقوں کا اتفاق ہو اور جو سُنّیوں اور شیعوں ہر دو کے نزدیک مسلّم اور معتبر ہوں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ”چونکہ حاجت ما باختصار است ایں را مصمم کردہ ایم کہ ہیچ عقیدۂ و ہیچ تعلیم اہل اسلام را ذکر نہ کنیم خبر آنہا یکہ اصل و بنیاد آنہا در خود قرآن یافت مے شود و شرح آں نیز درآں احادیث مندرج است کہ میان جمیع مسلمان خواہ شیعہ باشند خواہ سنی رواج کلی دارد زیرا ارادۂ ما ایں است کہ ایں کتاب برائے جمیع اہل اسلام عموماً فائدہ داشتہ باشد“ (صفحہ ۹)

پادری صاحب نے جس ارادہ کا اظہار فرمایا ہے وہ بے شک عمدہ ہے مگر افسوس ہے کہ یہ ارادہ صرف دکھانیکے لیئے ہے۔ آپ اس جگہ دو اصول قائم کرتے ہیں اوّل یہ کہ وہ کسی ایسے عقیدۂ اسلامی کا ذکر نہیں فرمائیں گے جس کا اصل قرآن شریف میں موجود نہ ہو۔ دوم یہ کہ وہ صرف ایسی احادیث نقل فرما دیں گے جو اسلام کے ہر ایک فرقہ کے نزدیک مسلم ہوں۔ بے شک یہ دونوں بہت عمدہ اصول ہیں مگر افسوس سے تو یہ کہ انہوں نے یہ اصول عمل کرنیکے لیئے نہیں بلکہ صرف اپنے کرتوتوں کو ڈھانپنے کے لیئے لکھے ہیں۔ یہ بات کہ وہ ان اصول پر کہاں تک کاربند رہے ہیں یہ اُن حوالجات سے ظاہر ہے جو میں پہلے اس مضمون کے اثنا میں درج کر چکا ہوں۔ وہ ایک خاصی تعداد کہانیوں اور افسانوں کی نقل کرنے میں جنکو وہ اسلام کی تعلیم کے طور پر پیش

کرتے ہیں۔ ان کہانیوں میں سے میں چند ایک بطور نمونہ کے نقل کر چکا ہوں اور ہر ایک شخص جسکو قرآن شریف کی تعلیم سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ بآسانی دیکھ سکتا کہ ان افسانوں کو قرآن شریف کی تعلیم سے کچھ بھی تعلق نہیں اور انکا اصل قرآن شریف میں کہیں نہیں ملتا۔ مگر پادریصاحب ایک نرالے طرز سے ان افسانوں کا اصل قرآن شریف میں دریافت کرتے ہیں۔ دو مثالوں سے پادری صاحب کا یہ نرالا طرز واضح ہو جائیگا۔ صفحہ ۱۱۱ پر آپ کوہ قاف کی دو کہانیاں عرائس المجالس اور قصص الانبیاء میں سے نقل کرتے ہیں اور ان کہانیوں کو اسلام کی تعلیم ظاہر کرتے ہیں میں ان فسانوں کو پہلے نقل کر چکا ہوں۔ اب دیکھیئے کہ کس طرح ان کہانیوں کا اصل قرآن شریف میں سے نکالتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کی پچاسویں سورۃ کے ابتداء میں جو حرف ق ہے اسمیں اسی کوہ قاف کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ہے طریق پادری صاحب کا جس کے ذریعہ آپ افسانوں کا اصل قرآن مجید میں سے تلاش کر لیتے ہیں۔ مگر پچاسویں سورۃ کے علاوہ قرآن شریف میں اور بھی بہت سی سورتیں ہیں جو ایسی ہی حروف سے شروع ہوتی ہیں۔ مگر پادریصاحب نے یہ ظاہر نہیں فرمایا کہ وہ کن پہاڑوں۔ دریاؤں۔ جزیروں۔ جھیلوں یا سمندروں کے نام ہیں۔ اگر کوئی افسانہ نویس ایک بیہودہ اور بے اصل کہانی بیان کرے اور پھر یہ کہدے کہ قرآن شریف کے فلاں حرف کا اشارہ اسی افسانہ کی طرف ہے تو کیا اس سے ثابت ہو جاویگا کہ واقعی اس حرف میں اسی بے بنیاد افسانہ کی طرف اشارہ ہے۔ اگر پادریصاحب اسی طریق سے اسلام کی فرضی تعالیم کا اصل قرآن شریف میں تلاش کرتے ہیں تو دنیا میں کوئی ایسی بیہودہ سے بیہودہ اور لغو سے لغو کہانی نہیں ہو سکتی جسکا اصل اسی طریق سے قرآن شریف میں مل نہ سکے۔ اور اس طریق پر چلکر ان ساری کہانیوں کا اصل پرانے اور نئے عہدناموں میں بھی دریافت ہو سکتا ہے جو یہودیوں اور مسیحیوں نے لکھی ہیں اور جنکو پادری صاحب جھوٹی قرار دے چکے ہیں۔ کبھی کسی معتبر مفسر نے یہ نہیں لکھا کہ قرآن شریف کی بعض سورتوں کے ابتداء میں جو حروف مقطعات ہیں وہ پہاڑوں۔ دریاؤں۔ براعظموں۔ خلیجوں۔ آبناؤں اور خاکناؤں وغیرہ کے نام ہیں۔ قرآن شریف میں سے بے بنیاد قصوں کا اصل دریافت کرنیکا جو طریق پادری صاحب نے اختیار کیا ہے اسکی ایک اور مثال میں انکی کتاب ینابیع الاسلام میں سے پیش کرتا ہوں۔ آپ صفحہ ۷۵ پر

عرائس المجالس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ملکہ سبا کی پنڈلیوں پر بڑے بڑے بال تھے اور آپکے نزدیک اس کہانی کا اصل قرآن شریف کی آیت ہے وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا چونکہ اس آیت میں ساق کا لفظ آیا ہے اسلیئے ملکہ سبا کی ساق یعنی پنڈلی کے متعلق جو کہانی ہوگی اُسکا اصل یہ آیت قرآنی ہے۔ یہ ہے پادریصاحب کا طریق قرآن شریف میں سے اصل نکالنے کا۔ ایسی اور مثالیں بھی پادریصاحب کی کتاب میں سے پیش کی جاسکتی ہیں مگر جن دو کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس طریق کو ظاہر کرنیکے لیئے کافی ہیں جو پادری صاحب نے قرآن شریف میں سے ہر ایک بات کا اصل نکالنے کیلیئے اختیار کیا ہے۔ پادریصاحب کیا خوبصورتی سے اپنی کتاب کے ابتدا میں ظاہر فرماتے ہیں کہ وہ کوئی ایسی بات پیش نہیں کرینگے جسکا اصل قرآن مجید میں پایا جاتا ہو۔ اس اعلان کو پڑھکر ہر ایک شخص یہ خیال کرتا ہے کہ پادریصاحب بڑے محقق ہیں مگر جب پادریصاحب کے طریق کو جو انہوں نے قرآنی اصل دریافت کرنیکے لیئے اختیار کیا ہے دیکھا جاوے تو ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ اعلان صرف دھوکہ دینے کیلیئے کیا ہے۔ ناظرین! آپنے بہت سی کتابیں پادریوں کی لکھی ہوئی پڑھی ہونگی مگر میں اُمید نہیں کرتا کہ آپنے کوئی ایسی تحریر دیکھی ہو جسمیں مسیحی مصنف نے تمہید میں ایسے خوبصورت اصول باندھے ہوں جیسے ہمارے پادریصاحب نے باندھے ہیں اور پھر کتاب کے اثنا میں اُنکا ایسا ناجائز استعمال کیا ہو۔ پادری صاحب کا طریق استدلال کیا ہی نرالا ہے۔ چونکہ ساق کا لفظ قرآن مجید میں ہے اسلیئے ہر ایک کہانی جو کسی شخص نے ملکہ کی ساق کے متعلق لکھی ہے وہ قرآن ہی کی کہانی سمجھنی چاہیئے اور اُسکا کھوج پرانی کتابوں میں نکالنے سے اسلام کی عمارت مسمار ہو جاتی ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ جبتک یہ بیان کیا جاوے کہ ملکہ کی پنڈلی پر بڑے بڑے بال تھے قرآن شریف کا بیان مکمل نہیں ہوتا۔ مینز سنتے ہیں کہ پادریصاحب ابھی زندہ ہیں۔ کیا آپ مجھے بتلا سکتے ہیں کہ بالوں کا قصہ کسطرح قرآن مجید کے بیان کی تکمیل کرتا ہے۔ دراصل یہ پادریصاحب کی ساری چالبازیاں ہیں اور آپ کی غرض صرف یہ ہے کہ کسی طرح قرآن مجید کو اس کہانی کا ذمہ وار ٹھہرا کر اسکا کھوج پرانی کتابوں میں لگایا جاوے اور اسطرح یہ ثابت کیا جاوے کہ قرآن مجید کے مضامین دوسری کتابوں میں سے اخذ کیئے گئے ہیں۔

ناظرین دیکھ چکے ہیں کہ کسطرح پادریصاحب پہلے بیہودہ افسانوں کو اسلام کی تعلیم ظاہر کرتے ہیں اور پھر کس طریق سے اُس فرضی تعلیم کا اصل قرآن مجید میں سے نکالتے ہیں اب میں پادریصاحب کے دوسرے اصول کی طرف رجوع کرتا ہوں یعنی یہ اصول کہ وہ صرف ایسی احادیث پیش کرینگے جو سنیوں اور شیعوں ہر دو کے نزدیک مسلم ہوں۔ اسکے متعلق میں پہلے دکھا چکا ہوں کہ جن چیزوں کا نام اُس نے احادیث رکھا ہے سنیوں اور شیعوں کا اُنپر اتفاق ہونا تو کجا اُنکو احادیث کہنا ہی ایک افترا ہے۔ اکثر کہانیاں جو پادریصاحب نے نقل کی ہیں اور جنکو اُس نے احادیث کے نام سے یاد کیا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

منسوب ہی نہیں کی گئیں اور جو ایک دو بظاہر منسوب کیگئی ہیں مثلاً کوہ قاف کا قصہ وہ سنیّوں اور شیعوں ہر دو کے نزدیک مفتریات ہیں اور پادریصاحب کا یہ کہنا کہ وہ مسلمانوں کے کل فرقوں کے نزدیک مسلم ہیں محض افترا ہے۔

پادری صاحب کا یہ فرمانا کہ میں نے صحاح ستّہ وغیرہ کو اس لئے نہیں لیا کہ وہ شیعہ کے نزدیک معتبر نہیں محض بہانہ ہے۔ اگر آپ اس دعویٰ میں سچے ہیں تو آپنے بیضاوی و جلال الدین کو کیوں نقل کیا ہے کیونکہ وہ بھی سنیوں کی تفسیریں ہیں۔ پادریصاحب نے یہ عذر صرف اسلیئے کیا ہے تا آپکو عرائس المجالس وغیرہ کتابوں کی طرف رجوع کرنیکے لئے بہانہ ہاتھ آجائے کیونکہ جسقدر اُسکو ان کہانیوں کی کتابوں میں سے مصالح مل سکتا تھا وہ صحاح ستّہ میں سے کہاں مل سکتا تھا۔ ان کہانیوں کی کتابوں میں بہت سے قصّے ایسے ہیں جو یہودیوں وغیرہ سے لئے گئے ہیں انکا آسانی سے کھوج لگ سکتا تھا۔ اس لیئے اُسنے ان کہانیوں کو صحاح ستّہ پر ترجیح دی۔ باقی رہا یہ ثابت کرنا کہ یہ اسلام کی تعلیم میں شامل ہیں۔ پادریصاحب کے نزدیک یہ کام کوئی مشکل نہ تھا۔ اُنہوں نے ان کہانیوں کا نام احادیث رکھدیا اور دوسری چال یہ چلی کہ انکا اصل قرآن مجید میں نکالنے کیلیئے ایک نرالا طریق ایجاد کیا۔ مثلاً پادری صاحب کے نزدیک ہر ایک کہانی جو فسانہ گو ل نے خیالی کوہ قاف کے متعلق لکھی ہے وہ سب قرآن کی تعلیم ہے کیونکہ قرآن مجید کی پچاسویں سورہ کے شروع میں حرف ق ہے۔ پھر ہر ایک کہانی جو افسانہ گو یوں نے لوح محفوظ کے متعلق لکھی ہے وہ قرآن مجید کی کہانی ہے کیونکہ قرآن شریف میں لوح محفوظ کا لفظ آیا ہے۔ ایساہی ہر ایک کہانی جو ملکہ سبا کے بدن کے بالوں کے متعلق لکھی گئی ہے وہ قرآنی تعلیم ہے کیونکہ قرآن مجید میں ساق کا لفظ آیا ہے اور جبتک ساق کے بالوں کا بیان نہ ہو قرآن شریف کا کلام ناقص رہتا ہے۔ ایساہی حضرت ابراہیمؑ کا بازار میں بُت بیچنے کا قصّہ پادریصاحب کے نزدیک قرآنی قصہ ہے کیونکہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وعظ بُت پرستی کی برخلاف درج ہے۔ ایساہی ہر ایک واقعہ جو مفسرین نے لکھا ہے وہ قرآن مجید کی جزو ہے کیونکہ ایسے قصوں سے قرآن مجید کے بیانات کی تکمیل ہوتی ہے۔ جب اسطرح ہر ایک لغو کہانی اسلام اور قرآن مجید کی تعلیم ثابت ہوگئی تو پھر کیا رہا۔ اُنکا کھوج پرانی کتابوں میں سے نکالا اور لمبی چوڑے حوالے عجیب و غریب حروف میں نقل کردیئے اور آخر بڑی محققانہ لہجہ میں ججی کی کرسی پر بیٹھکر یہ فیصلہ سُنادیا کہ جو کچھ مسیحی معترضین اسلام بانیٔ اسلام کے متعلق اعتراض کرتے ہیں وہ سب کے سب لاجواب اور درست ہیں۔ چلو فیصلہ ہوا۔ مسیحی بھائیوں کو ڈگری مل گئی۔

اگر پادریصاحب واقعی یہ چاہتے تھے کہ وہ صرف ایسی ہی کتاب پیش کریں جو اسلام کے کل فرقوں کے نزدیک مسلم ہو اور اگر واقعی اُنکی نیت فریب بازی سے منزّہ تھی تو اُنکے لیئے راہ بالکل صاف تھی۔ اُنکو چاہیئے تھا کہ نہ عرائس المجالس کیطرف رجوع کرتے نہ قصص الانبیاء کی طرف اور نہ تفسیر بیضاوی کا حوالہ دیتے اور نہ جلال الدین کا ذکر کرتے بلکہ صرف قرآن مجید

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

لنگر خانہ:- لنگر خانہ کی آمد اخراجات کے لیئے مکتفی نہ ہونیکے باعث یہ فنڈ قریباً ایک سال سے مقروض چلا آتا ہے۔ گذشتہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر رپورٹ پیش کرتے وقت اس امر کی طرف جب حاضرین جلسہ کو توجہ دلائی گئی تو احباب نے سچے مخلصانہ جوش سے اسی وقت اس قرضہ کی رقم کو پورا کرنیکی کوشش کی چنانچہ اسی جلسہ میں اور قبل اسکے کہ رپورٹ کا باقی ماندہ حصہ سنایا جاتا آٹھ سو روپیہ چندہ ہوا جس سے گذشتہ قرضہ قریباً سارے کا سارا اُتر گیا۔ مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ جو تحریک اس آٹھ سو روپیہ کے قرضہ کو ہلکا کرنیکا موجب ہوئی وہی لنگر خانہ کے بار کو پھر اسیقدر رقم کے ساتھ بڑھانیکا موجب بھی ٹھہری۔ جلسہ سالانہ کے متعلق اصول یہ ہونا چاہیئے کہ اس کے اخراجات الگ کے الگ پورے ہو جائیں اور لنگر خانہ پر انکا بوجھ نہ پڑے۔ چنانچہ گذشتہ سال قریباً اڑھائی ہزار روپے کا خرچ جلسہ سالانہ کے چندہ سے پورا ہو گیا تھا۔ مگر اس سال باوجودیکہ اخراجات گذشتہ سال سے قریباً سات سو روپے کم ہوئے یعنی کل خرچ جلسہ سالانہ کا ۱۷۱۵ روپے ہوا مگر یہ رقم بھی جلسہ سالانہ کے چندہ سے پوری نہ ہو سکی۔ اور آمد بہ نسبت اخراجات کے ۷۲۱ روپے کم رہی اسلیئے یہ بوجھ پھر لنگر خانہ پر پڑا اور لنگر خانہ اسوقت پھر قریباً ایک ہزار روپے کا مقروض ہو گیا ہے۔ اخراجات جلسہ سالانہ کے پورا کرنیکے لیئے مجلس معتمدین دو سال گذشتہ سے یہ تحریک کرتی رہی ہے کہ ایک تو ہر ایک انجمن کچھ رقم بطور چندہ ان اخراجات کے پورا کرنیکے لیئے دے اور دوسرے ہر ایک دوست جو جلسہ میں شامل ہو کم از کم ایک روپیہ ان اخراجات کے لیئے دے۔ چنانچہ اس سے پہلے جلسہ سالانہ پر ان دونوں ذریعوں سے معتدبہ آمد ہو کر کل اخراجات جلسہ پورے ہو گئے مگر اس سال گو تحریک پہلے کی طرح ہی کیگئی تھی مگر اس مد میں صرف وہی رقم آئی جو انجمنوں نے تھوڑی تھوڑی بطور چندہ بھیجی تھی اور دوسرے ذریعہ سے یعنی یہ کہ ہر ایک دوست جو جلسہ میں شامل ہو وہ ایک روپیہ کم از کم ان اخراجات کے پورا کرنیکے لیئے ادا کرے بہت کم آمد ہوئی یا یوں کہنا چاہیئے کہ کچھ بھی آمد نہ ہوئی۔ دو اڑھائی ہزار آدمی کے مجمع میں اگر ایک روپیہ فی کس والی تجویز پر عملدرآمد ہوتا تو اخراجات جلسہ سالانہ کو پورا کرکے کچھ رقم بڑھ بھی رہتی مگر انجمنوں نے اور نہ ہی فرداً فرداً احباب نے اس طرف توجہ فرمائی۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ پھر لنگر خانہ کا فنڈ ایک ہزار روپے کا مقروض ہو گیا ہے مجلس معتمدین میں یہ سوال پیش ہو کر مجھے یہ ہدایت ہوئی ہے کہ میں اس رقم کیلیئے

عمارت:- مذکورہ بالا تحریک کے ساتھ میں مجبور ہوں کہ چندہ تعمیر کیطرف پھر احباب کو توجہ دلاؤں۔ اسوقت جب میں یہ رپورٹ لکھ رہا ہوں بورڈنگ ہوس کو دو ونگ یعنی نصف عمارت چھتوں تک پہنچ چکی ہے اور گرڈر بھی آئی ہوئے موجود پڑے ہیں خدا نے چاہا تو ایک مہینہ تک اس حصہ پر چھت پڑ کر رہائش کے گذارہ کیلیئے کافی ہو جائیگا

اور اس کے بعد ایک ماہ تک اور تیسرا ونگ بھی اسطرح کی تکمیل کی حد کو پہنچ جاویگا۔ یا تین چوتھائی بورڈنگ قریباً تیار ہو کر پہلی پکی ہوئی اینٹ کا خاتمہ ہو جائیگا۔ چوتھا ونگ۔ برامدے۔ فرش۔ پلستر۔ ٹیپ اناریاں یہ کام ابھی باقی ہوگا۔
دوسری طرف چاروں طرف سے یہ خوشخبری بھی آرہی ہے کہ بہت سے طلبا نئے آنیوالے ہیں اس خوشخبری کے ساتھ یہ فکر بھی ضروری ہو کہ چوتھا ونگ بلکہ دوسرا حصہ بورڈنگ کا بھی بہت جلد تیار ہو۔ شفاخانہ ہیڈ ماسٹر مدرسوں چپڑاسیوں کے کوارٹروں کے بغیر بھی گذارہ نہیں ہوسکتا۔ اسوقت تک قریباً چھ سات ہزار روپیہ ایسا بھی اس تعمیر میں خرچ ہوچکا ہے جو چندہ تعمیر بورڈنگ سے وصول ہوکر دوسرے کاموں پر خرچ ہونا چاہیئے۔ نئی عمارت کا فکر ابھی سے کرکے بھٹہ کا انتظام ابھی برسات کے اختتام پر شروع ہو جانا ضروری ہے اور مجلس معتمدین نے دسہزار روپیہ اس کام کیلئے منظور بھی کرلیا ہے۔ قریباً دو ہزار روپے کا خرچ ہر ماہ میں اجرت مزدوری کا اور متفرق بھی ہے۔ یہ دوسری تحریک ہے جس کی طرف توجہ دلانا میرے ذمہ ہے۔ مگر ابھی ایک اور تحریک بھی باقی ہے۔
ایڈورڈ میموریل فنڈ:۔ ملک معظم شاہ ایڈورڈ ہفتم کی وفات پر دنیا کے ہر حصہ میں بادشاہ کی وفادار رعایا کے دلوں میں یہ تحریک پیدا ہوئی ہے کہ ہر جگہ آپ کی یادگاریں قائم کیجاویں۔ ہندوستان کے بھی ہر صوبہ میں یہ تحریک ہوچکی ہے۔ ہمارے بیدار مغز لفٹننٹ گورنر سر لوئیس ڈین نے اعلیٰ حکام گورنمنٹ و معزز رؤسائے و جاگیرداران اور والیان ریاستہائے اور عام رعایا کے وکلائے کے ایک عظیم الشان جلسہ میں جو ۳۰۔ جولائی کو لاہور میں ہوا یہ فیصلہ کیا ہے کہ ملک معظم کے صوبہ پنجاب کی رعایا اس یادگار کو مریضوں کے ساتھ ہمدردی کے رنگ میں جس میں شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم ہمیشہ دلچسپی لیتے تھے قائم کرے اور اس غرض کیلئے لاہور میں میڈیکل کالج کی اور مردانہ اور زنانہ ہسپتال کی توسیع کیجاوے اور اسکے لیے چودہ لاکھ روپے چندہ جمع کرنیکا اعلان کیا ہے چنانچہ اسوقت ہر ایک ضلع میں یہ تحریک ہو رہی ہے اور گورنمنٹ کی وفادار رعایا ہر جگہ حسب مقدور اس تحریک میں شمولیت کو اپنا فخر سمجھتی ہے۔ سلسلہ احمدیہ کے افراد اس گورنمنٹ کے نیچے رکھا جانیکو اللہ تعالیٰ کے خاص احسانات میں سے سمجھتے ہیں۔ اور انکے مقدس امام نے ہمیشہ گورنمنٹ برطانیہ کے احسانات کی شکرگذاری کو بحکم من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ اپنا فخر سمجھا ہے۔ چنانچہ اسی شکرگذاری کے رنگ میں ہی ٹرانسوال کے جنگ کے مجروحین کے لیے اس سلسلہ کی اسوقت جبکہ ابھی یہ بہت کمزور حالت میں تھا پانچ سو روپیہ چندہ بھیجا گیا تھا۔ اب اس موقعہ پر حضرت مسیح موعود کے خلیفہ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے اس چندہ ایڈورڈ میموریل فنڈ میں جماعت کی شمولیت کو ضروری سمجھا ہے اور خود بھی ایک رقم دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر آپ نے ضروری سمجھا ہے اور مجلس معتمدین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ چندہ کل ایک جگہ

جمع ہو۔ چنانچہ ذیل کا رزولیوشن انجمن کے گذشتہ اجلاس میں پاس ہوا ہے جسکی طرف (اور یہ تیسری تحریک ہے) میں جملہ احباب کو توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ "یہ مجلس کی رائے میں یہ ضروری ہے کہ سلسلہ احمدیہ میں جسقدر احباب داخل ہیں وہ سب کے سب حسب استطاعت اس چندہ میں شامل ہوں جو شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی یادگار میں کیا جا رہا ہے۔ اور جسکی تحریک ہندوستان کے ہر صوبہ میں ہو چکی ہے۔ مگر ساتھ ہی مجلس معتمدین اس ضرورت کو بھی محسوس کرتی ہے کہ جماعت کا چندہ ایک جگہ یعنی قادیان میں جمع ہو۔ اور چونکہ اس یادگار کی اصل منشاء یہ ہے کہ ان نیک کاموں کو جن میں شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم خاص طور پر دلچسپی لیتے تھے جیسے غرباء اور بیماروں کی ہمدردی یا اور رفاہ عام کے نیک کام۔ انہیں مستقل طور پر کسی نہ کسی رنگ میں ہر صوبہ میں قائم کیا جائے تاکہ یہ انکی نیکیوں کی یادگار ہمیشہ کیلئے دنیا میں قائم رہے۔ اور چونکہ ہماری صوبہ پنجاب کی گورنمنٹ نے بیماروں کے ساتھ ہمدردی کے کام کو شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی یادگار کا بہترین کام قرار دیکر میڈیکل کالج لاہور اور مردانہ و زنانہ ہسپتال کی توسیع کے رنگ میں اس یادگار کو قائم کرنیکا فیصلہ کیا ہے۔ لہذا اس مثال کو مدنظر رکھکر مجلس نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ علاوہ اس بڑی یادگار میں شامل ہونیکے مقام قادیان میں جو سلسلہ احمدیہ کا مرکزی مقام ہے شہنشاہ کی اس یادگار کو علیحدہ بھی خاص طور پر قائم کیا جاوے اور اس غرض کیلئے جیسا کہ نہ صرف اس مقام کی بلکہ گرد و نواح کی بھی ضروریات اس امر کی مقتضی ہیں ایک شفاخانہ شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کے نام پر قائم کیا جاوے۔ اور اسطرح پر بیماروں اور خصوصاً ان بیماروں کے ساتھ جو غریب ہیں جیسا کہ دیہات کے اکثر لوگ ہوتے ہیں عملی طور پر ہمدردی دکھائی جاوے۔ لہذا مجلس اس بات کا اعلان ضروری سمجھتی ہے کہ جہاں جہاں احمدیہ انجمنیں ہیں وہ سب اس چندہ کیلئے تحریک کریں اور حسب استطاعت سب ممبروں کو اس میں شامل ہونیکی ترغیب دیں اور جہاں انجمنیں نہیں وہاں کے سرکردہ احباب اسی قسم کی تحریکیں کریں۔ اور جہانتک جلدی ممکن ہو اس کام کو شروع کریں اس رقم کی جو اس جمع شدہ روپیہ میں سے پروونشل فنڈ میں بھیجی جاویگی اسوقت تک کوئی تعیین نہیں کیجا سکتی جبتک کہ اسکا معتد بہ حصہ جمع نہ ہو جاوے۔ نیز سلسلہ احمدیہ کے جو ممبر اس یادگار کا چندہ اس اعلان سے پہلے اپنے اپنے مقامات کے مقامی جلسوں میں دے چکے ہیں وہ سب بھی اپنے اسمائے گرامی اور رقم چندہ سے جو وہ دے چکے ہیں اطلاع دیں تا مکمل فہرست میموریل فنڈ میں چندہ دینے والوں کی شائع کیجاوے۔

نیز فیصلہ ہوا کہ اس رزولیوشن کی ایک نقل بخدمت صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور اور ایک نقل بخدمت نواب لفٹنٹ گورنر پنجاب بھی بھیجی جاوے اور اسکا اعلان عام طور پر بذریعہ اخبارات بھی کیا جاوے"۔

اس تحریک کے مجلس میں پیش ہونے سے پہلے احتیاطاً بذریعہ سرکلر لیٹر سب انجمنوں کو یہ اطلاع بھیجدی گئی تھی

کہ مجلس میں ایسی تحریک پیش ہونیوالی ہی تاکہ سب احباب کو اطلاع ہوجاوے کہ سلسلہ احمدیہ کا چندہ ایڈورڈ میموریل فنڈ صدر انجمن احمدیہ کے خزانہ میں جمع ہوکر پھر مناسب طور پر پیش کیا جاویگا۔ یہ سُنکر مجھے خوشی ہوئی ہی کہ گورنمنٹ کے اعلی حکام نے بھی اس تجویز کو کہ سلسلہ احمدیہ کا چندہ ایک جگہ اکٹھا ہوکر سلسلہ کیطرف سے پیش کیا جاوے پسند کیا ہی چنانچہ میر حامد شاہ صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ صاحب ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے اس سرکلر چٹھی کے پیش ہونے پر جسکا ذکر مینے ابھی اوپر کیا ہی یہ ہدایت سکرٹری ایڈورڈ میموریل فنڈ کمیٹی کو کی کہ جسقدر چندہ احمدیوں کا اس فنڈ میں لکھا یا گیا ہی وہ سب رقم سلسلہ احمدیہ کے چندہ میں جمع ہونیکے لیے دیدی جاوے امید ہے کہ جملہ حکام اس تجویز کو پسند فرماوینگے۔ مگر میں اس تحریک میں ایک اور امر کی طرف احباب کی توجہ لانی چاہتا ہوں جسکا ذکر مذکورہ رزولیوشن مجلس معتمدین میں بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلس معتمدین صرف اسی بات کو کافی نہیں سمجھتی کہ پروونشل فنڈ میں چندہ پیش کرے بلکہ سلسلہ کے مرکزی مقام میں وہ ایک علیحدہ یادگار بھی اپنی وسعت کے مطابق قائم کرنا ضروری سمجھتی ہی۔ قادیان اسوقت ایک ایسا مقام ہے جہاں دنیا کے دور دور کے کونوں سے لوگ آتے ہیں بلکہ انگلستان اور امریکہ اسٹریلیا وغیرہ سے بھی لوگ آتے ہیں۔ گردونواح کے دیہات میں کئی کئی میل تک اب قادیان کو وہ گاؤں نہیں سمجھا جاتا جو پہلے تھا بلکہ بہت سی اپنی ضروریات کے لیے لوگ اسی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ہائی سکول جسمیں تین سو تک تعداد طلبا کی پہنچی ہوئی ہی ایک دینی مدرسہ کئی اخباریں رسالے کتابوں کی تصنیف کا سلسلہ ان سب امور نے اس قصبہ کو اب ایک خاص وقعت دیدی ہے۔ اور چونکہ پہلے یہ ایک معمولی سا گاؤں تھا جسمیں نہ صرف کوئی شفاخانہ ہی نہ تھا بلکہ کوئی چھوٹا موٹا طبیب بھی نہ تھا اب ان تمام وجوہات مذکورہ بالا کے لحاظ سے اسجگہ ایک شفاخانہ کا قائم کیا جانا ازبس ضروری ہی۔ اور گو اسوقت ایک معمولی سی ڈسپنسری ہے جو ابتداءً سکول کے طالب علموں کی خاطر کھولی گئی تھی۔ مگر ان تمام ضروریات کے لیے جنکا ذکر اوپر کیا گیا ہی یہ ڈسپنسری اب کچھ کام نہیں دے سکتی اور وسیع پیمانہ پر شفاخانہ کا جاری ہونا اب از حد ضروری ہوگیا ہی اسلیئے مجلس معتمدین نے اس ضرورت کو محسوس کرکے یہ تجویز کی ہی کہ ہمارے احباب ایڈورڈ میموریل فنڈ میں اسقدر دل کھولکر چندہ دیں کہ علاوہ پروونشل فنڈ میں معتدبہ رقم بھیجنے کے شفاخانہ کی تجویز کی بھی تکمیل ہو سکے اور شہنشاہ کی یہ یادگار سلسلہ احمدیہ کے مرکزی مقام میں بھی قائم ہو جیسا کہ کُل صوبہ کے مرکزی مقام میں قائم ہوگی۔

سو یہ تین تحریکیں مجھے ایک ہی وقت اور سب کو یکساں ضروری سمجھکر ہی پیش کرنی پڑی ہیں۔ لنگرخانہ کے قرضہ کیلیئے تو اگر انجمنیں توجہ کریں تو مقامی ضروریات کے چندہ سے تھوڑی تھوڑی رقم دیکر معقول مدد بہم پہنچا سکتی ہیں۔ تعمیر کے چندہ کیلیئے میں پہلے تجویز عرض کر چکا ہوں اور اب صرف یاددہانی کی ضرورت ہے کہ سب احباب اس میں شامل ہوں تاکہ کچھ روپیہ جمع آنا شروع ہو۔ ابتک اس کی طرف کافی توجہ نہیں ہوئی۔ اور نئی تحریک صرف ایڈورڈ میموریل فنڈ کے لیئے ہے۔ اس قدر ذکر کر دینا اور بھی ضروری ہے کہ قادیان میں شفاخانہ کی تجویز میں حضرت میر ناصر نواب صاحب کی قابل رشک کوششوں سے بہت کچھ آسانی ہوگئی ہے۔ کیونکہ شفاخانہ میں رہ کر علاج کرنیوالوں مریضوں کے لیئے نامرواڑد کیلیئے پانچہزار روپیہ چندہ فراہم کرنیکی کوشش میں حضرت میر صاحب موصوف لگے ہوئے ہیں۔ اور بیرونی ہسپتال اور اسکے لیئے باقی سامان وغیرہ کا بہم پہنچانا اس تجویز کے ماتحت ہوجائیگا۔

محمد علی
سکرٹری مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر ناظر

جلد ۹ — بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۰ء — نمبر ۹

چندہ سالانہ ۵ عوام سے ۔ طلبا سے

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ ستمبر ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

نوٹ:۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط وکتابت میں نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

ینابیع الاسلام پر ریویو۔ حصہ سوم

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی سرچشموں سے اپنی تعلیم کو جمع کیا؟

وقال الذین کفروا ان ھٰذا الا افک افترٰہ واعانہ علیہ قوم اٰخرون فقد جاء و ظلما وزورا۔ وقالوا اساطیر الاولین اکتتبھا فھی تملٰی علیہ بکرۃ و اصیلا۔ قل انزلہ الذی یعلم السر فی السمٰوٰت والارض انہ کان غفورا رحیما۔ (الفرقان)

منکر کہتے ہیں کہ یہ ایک جھوٹ ہے جو اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنا لیا ہے اور اَور لوگوں نے اسکو اس قرآن کے بنانے میں مدد دی ہے۔ ایسا کہنے والے بے انصافی اور جھوٹ سے کام لیتے ہیں (اُن کا یہ دعویٰ بلا ثبوت ہے) اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس نے لکھ لی ہیں اور صبح شام یہ کہانیاں اس کو سنائی جاتی ہیں۔ تو کہہ کہ اس قرآن شریف کو اس نے اتارا ہے جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے۔ تحقیق وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

مَیں نے اس مضمون کے دوسرے حصہ میں ناظرین کو اس امر کی طرف متوجہ کیا تھا کہ صرف قرآن مجید کے

مضامین کو بعض دوسری کتب کے مضامین سے مشابہ ثابت کرنیسے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور یہ کہ اگر پادری صاحبان یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں۔ تو انہیں صرف اس پر ہی قناعت نہیں کرنی چاہیئے کہ قرآن مجید کے مضامین کا کھوج دوسری کتابوں میں سے نکالیں بلکہ انکو یہ امر بھی قطعی اور یقینی طور پر ثابت کرنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے واقعی طور پر اُن کتابوں میں سے قرآنی مضامین کو حاصل کیا۔ لیکن اگر ہم پادری ٹسڈل کی کتاب کو اس نظر سے دیکھیں کہ اس نے کہانتک یہ امر ثابت کیا ہے کہ واقعی اور یقینی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں۔ مسیحیوں۔ زردشتیوں۔ بابلیوں۔ قبطیوں۔ ہندوؤں اور ارمنی وغیرہ قوموں سے یا اُن کے نوشتوں سے اپنی تعالیم کو اخذ کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ثبوتوں سے پادری صاحب کی کتاب بالکل خالی ہے اور پادری صاحب ہرگز یہ ثابت نہیں کر سکے کہ واقعی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمینی سرچشموں سے اپنی تعالیم کو حاصل کیا۔ بلکہ اُن کی کتاب کے مطالعہ سے اُلٹا یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زمینی منبع سے اپنی تعلیم کو حاصل نہیں کیا بلکہ جو کچھ آپ نے سکھایا وہ آپ نے خدائے تعالیٰ کی وحی سے سیکھا۔

سب سے پہلے میں اُن کتابوں یا مصنفین کی فہرست یہاں درج کرتا ہوں جن کا ذکر پادری صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور جن کو وہ اسلام کی تعالیم کے سرچشمے قرار دیتے ہیں۔ اور اس فہرست میں ہر ایک کتاب یا مصنف کے نام کے مقابل میں جو ہندسے لکھے گئے ہیں وہ کتاب ینابیع کے صفحات ہیں جن پر ان کتابوں یا مصنفین کا ذکر ہے

اول۔ یہودی کتب

(۱) ربّی یہوداہ	۹۸	(۶) کتاب پیدائش	۱۱۲
(۲) ترگوم یروشلمی	۳۷	(۷) ترگوم ثانی کتاب استر	۵۹
(۳) پرقی ربّی الیعذر	۳۹ و ۹۸	(۸) سلاطین کی پہلی کتاب	۷۵
(۴) مشناہ سنہدرین	۳۹ و ۱۰۳	(۹) کتاب دوم تواریخ	۷۵
(۵) مدراش ربّاہ	۴۱ و ۵۲	(۱۰) مدراش یلکوت	۸۳ و ۹۵

(۱۱) ترگوم یوناتان بن عزئیل ۳۷ و ۵۷ و ۹۳
(۱۲) ترگوم اونقلوس ۹۳
(۱۳) کتاب خنوخ ۹۳
(۱۴) عبوداہ سارہ ۹۷
(۱۵) ھگیگاہ ۱۰۰ و ۱۰۳ و ۱۱۲
(۱۶) سوہر ۱۰۰
(۱۷) مدراش۔ یہود ۱۰۲
(۱۸) اوتیوت دربی عقیباہ ۱۰۳
(۱۹) روش ھشاناہ ۱۰۳
(۲۰) مشناہ براخوت ۱۰۴ و ۱۰۹
(۲۱) زبور ۱۰۴
(۲۲) استثنار ۱۰۹
(۲۳) ربی شمعون ۱۰۹
(۲۴) کتاب خروج ۹۷ و ۱۱۰
(۲۵) اول سلاطین ۱۰۹
(۲۶) پرقی دہ آبوت ۱۱۰
(۲۷) ایک کتاب یہودیوں کی جس کا نام بیان نہیں کیا گیا۔ ۹۹
(۲۸) راشی ۱۰۱
(۲۹) ایک اور یہودیوں کی کتاب جس کا نام بیان نہیں کیا گیا۔ ۱۱۸
(۳۰) گنتی کی کتاب ۱۱۷

دوم۔ مسیحی کتب

(۳۱) لاطینی کتاب مسمی بہ جلال الشہداء تصنیف گرگوریس طورسی ۱۱۴
(۳۲) متی کی انجیل ۱۰۵ و ۱۴۵ و ۱۷۴ و ۲۰۰
(۳۳) پولوس کا خط عبرانیوں کی طرف ۱۰۹
(۳۴) پروتوئنجیلیون یعقوب صغیر ۱۲۴ و ۱۳۴ و ۱۳۶
(۳۵) نیاحۃ ابینا القدیس الشیخ النجار ۱۲۶ و ۱۳۰ و ۱۵۵
(۳۶) سیرۃ باکرہ بزبان قبطی ۱۳۲
(۳۷) کتاب قبطی مسمی بہ رحلت یوسف ۱۳۲
(۳۸) حکایت تولد مریم وطفولیت منجی ۱۳۶ و ۱۳۹
(۳۹) انجیل توماء اسرائیلی ۱۳۹
(۴۰) انجیل طفولیت ۱۴۲ و ۱۴۳
(۴۱) انجیل مرقس ۱۴۵ و ۱۵۹ و ۲۰۰
(۴۲) انجیل لوقا ۱۴۵ و ۱۷۳ و ۲۰۰
(۴۳) انجیل یوحنا ۱۴۵ و ۲۰۰
(۴۴) اعمال ۱۴۵ و ۱۵۲
(۴۵) ایرینیوس ۱۴۹
(۴۶) مکاشفات ۱۵۳
(۴۷) کتاب قبطی مسمی بہ حکایت خفتن حضرت مریم ۱۵۵
(۴۸) نوشتجات شخص یونانی مسمی بہ مرتیون ۱۵۶

(۴۹) اوّل قرنتیون ۱۵۹ و ۱۷۴

(۵۰) وصیت نامہ ابراہیم ۱۶۰ و ۱۶۴ و ۱۶۷ و ۱۹۹

(۵۱) رؤیائے پولوس یونانی ۱۹۸ و ۲۰۰

سوم۔ زردشتی۔ سنسکرت اور متفرق کتابیں۔

(۵۲) ارتائی ویراف نامک ۱۹۱ و ۱۹۲

(۵۳) زردشت نامہ ۱۹۶

(۵۴) اندر لوکاگمنم (سنسکرت) ۱۹۷

(۵۵) اوستا ۱۰۲ و ۱۹۷ و ۲۰۲ و ۲۰۵ و ۲۰۶

(۵۶) بُونْدھِشینہ (پہلوی) ۲۰۶

(۵۷) ردّ بدعتہا تصنیف یزنیق (ارمنی) ۱۵۹/۲۰۹

(۵۸) مینو خرد (پہلوی) ۲۱۱

(۵۹) یَشْت (نہایت قدیم ایرانی کتاب) ۱۰۱ و ۲۱۱

(۶۰) دساتیر آسمانی ۲۱۵ و ۲۱۸ و ۲۱۹

(۶۱) دین کرت (قدیم ایرانی) ۲۱۷

(۶۲) مہابھارت ۹۱

(۶۳) کتاب الاموات (قدیم مصری) ۱۶۵

(۶۴) نامعلوم الاسم ارمنی مصنف ۸۷

(۶۵) قدیم بابلی کتبے جو کھنڈرات سے کھود کر نکالے گئے ہیں۔ ۸۹

(۶۶) یوسوبیس (قدیم یونانی مورخ) ۵۶

(۶۷) ملک شام کے قدیم بُت پرست ۱۰۲

(۶۸) ایک نامعلوم الاسم سنسکرت کی کتاب ۹۷

(۶۹) ایک اور نامعلوم الاسم سنسکرت کی کتاب ۱۹۷

(۷۰) وَندیداد (قدیم ایرانی) ۱۹۷

(۷۱) منو دہندہ کا مشہور واضع قوانین ۲۰۳

(۷۲) نَلَوپاکھیانَم (سنسکرت) ۲۰۳

مندرجہ بالا نام اُن مختلف کتابوں اور مصنفوں کے نام ہیں جو پادری ٹسڈل کی تحقیقات کے رُو سے دینِ اسلام کے ینابیع یعنی سرچشمے ہیں۔ اگرچہ یہ ایک کثیر تعداد کتابوں اور مصنفوں کی ہے مگر ناظرین یہ خیال نہ کریں کہ یہ فہرست مکمل ہے۔ پادری صاحب کے بیان کے رُو سے یہ ایک نہایت ہی نامکمل فہرست ہے۔ کیونکہ وہ ہر ایک عنوان کے نیچے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ سرچشمے صرف بطور نمونہ کے ذکر کیے گئے ہیں اور یہ کہ اگر تمام سرچشموں کا ذکر کیا جاوے تو کتاب کا حجم بہت ہی بڑا ہو جائے گا۔ مثلاً جب وہ زردشتی سرچشموں کا بیان کرتا ہے تو خاتمہ کے قریب لکھتا ہے اما چونکہ بیان مفصل جمیع آں امور یکہ اہل اسلام از زردشتیان اخذ کردہ اند زیادہ طول میکشید پس برائے اختصار معانی بذکر سہ چہار مطلب دیگر اکتفا میکنم (صفحہ ۲۱۷)

یعنی " اگر اُن تمام تعالیم کا ذکر کیا جاوے جو اسلام نے زردشتی مذہب سے حاصل کی ہیں تو مضمون بہت ہی طول پکڑ جائے گا اسلیئے مَیں صرف تین چار امور کا ذکر کرکے اسی پر اکتفا کرونگا۔"
اسی طرح وہ یہودی اور مسیحی سرچشموں کے متعلق بیان کرتا ہے کہ اُس نے صرف چند سرچشموں کو بطور نمونہ کے بیان کیا ہے۔ ان بیانات سے پایا جاتا ہے کہ اگر وہ تمام یہودی سرچشموں۔ تمام مسیحی منبعوں اور تمام زردشتی اور ہندی وغیرہ ینابیع کا ذکر کرتا تو ایسے ینابیع کی تعداد بہت بڑھ جاتی اور جو فہرست کتابوں کی اوپر دی گئی ہے اُس سے تعداد کتب بہت زیادہ ہوجاتی۔ مندرجہ بالا ۲۷ سرچشمے تو صرف بطور نمونہ کے دیئے گئے ہیں اگر کُل سرچشمے دیئے جاتے تو اُن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ جاتی۔ مگر کیا اچھا ہوتا اگر پادری صاحب صرف نمونوں پر اکتفا نہ کرتے بلکہ اسلام کی تعلیم کے سارے سرچشموں کی کمل فہرست دیدیتے مگر افسوس کہ اُنہوں نے ایسا نہ کیا۔ اگر وہ کُل سرچشموں کی فہرست دیتے تو پھر یہ امر اور بھی زیادہ صفائی سے واضح ہوجاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زمینی سرچشمے سے اپنی تعلیم کو اخذ نہیں کیا۔ موجودہ تعداد کتب بھی جن کا حوالہ پادری صاحب نے دیا ہے اس امر کے لیئے کافی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ان سرچشموں سے ہرگز نہیں نکلی کیونکہ کوئی مسیحی یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ یہ ۲۷ کتابیں جن میں سے اکثر گمنام ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسائی میں تھیں یا ان کتابوں کے عالم آپ کی خدمت میں دن رات موجود رہتے تھے یا ان سب کتابوں کے جاننے والے ملک عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھے۔ جب ان ۲۷ کتابوں سے جو صرف بطور نمونہ کے دی گئی ہیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ان کتابوں میں سے ہرگز نہیں لی گئی تو پھر اگر پادری صاحب سارے ینابیع کا ذکر کرتے اور اُن سب کتابوں اور مصنفوں کا بیان کرتے جن سے اُن کے زعم کے بموجب اسلامی تعالیم اخذ کی گئیں تو یہ امر اور بھی وضاحت کے ساتھ ثابت ہوجاتا کہ یہ کتابیں اسلام کی تعلیم کا سرچشمہ نہیں۔ پادری صاحب کی موجودہ فہرست اور وہ مختلف گمنام کتابیں جن کا اُنہوں نے ذکر کیا ہے خود اس امر کی شہادت دے رہی ہیں کہ نبی عرب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتابوں میں سے کسی تعلیم کو اخذ نہیں کیا اور اگر پادری صاحب اپنے سارے

ذخیرہ کو کھول کر پیش کر دیتے اور اُن کتابوں کی مکمل فہرست دیدیتے جو اُن کے زعم فاسد میں اسلام کی تعالیم کے سرچشمے ہیں تو اور بھی وضاحت کے ساتھ اُن کے دعویٰ کا کذب خود ہی ثابت ہو جاتا۔ پس ہم افسوس کرتے ہیں کہ پادری صاحب نے کیوں مکمل فہرست کتب کی درج نہ کر دی۔

اس امر کے ثابت کرنیکے لیئے کہ پادری صاحبان ہرگز یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کُتب یا ان کُتب کے عالموں سے اپنی تعالیم کو اخذ کیا مَیں چند مثالیں بطور نمونہ یہاں لکھتا ہوں۔

(۱) پادری صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اَبْ کا نام جو آزر لکھا ہے وہ آپ نے مسیحیوں یا یہود سے نہیں سیکھا کیونکہ یہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارح بیان کرتے ہیں بلکہ آپ نے یہ نام ایک یونانی مورخ یوسی بی اس کی کتاب سے حاصل کیا۔ اور اس سوال کا جواب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اس یونانی کتاب سے یہ نام حاصل کیا پادری صاحب یُوں دیتے ہیں ”یکے از مورّخین یونانی کہ یوسی بی اس نام داشت و کتاب او بزبان سریانی ترجمہ شدہ او را آتر مے گوید کہ اشتباہ کلی است۔ اما چوں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) در شام سفر کردہ بود ممکن است کہ در آنجا آں اسم را شنیدہ بخوبی بخاطر نداشتہ از آنجہت پدر ابراہیمؑ را آزر خواندہ است“ (صفحہ ۵۶) یعنی یوسی بی اس کی کتاب سریانی میں ترجمہ ہو چکی تھی اور اس کتاب میں حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آتر لکھا ہے جو آزر سے بہت مشابہ ہے۔ ممکن ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کا سفر کیا تو اُس وقت یہ نام سُن لیا ہو مگر اچھی طرح اُنکو یاد نہ رہا ہو اس لیئے آپ نے بجائے آتر کے آزر کہہ دیا ہو۔ یہ ہے پادری صاحب کا قطعی ثبوت جس سے اُنکے زعم میں یہ امر اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیروں سے قرآنی مضامین حاصل کیئے۔ آپ لکھتے ہیں ممکن ہے کہ آپ نے شام میں یہ نام سُن لیا ہو۔ پادری صاحب! کبھی ممکن ہے سے بھی کوئی امر قطعی طور پر ثابت ہوا کرتا ہے؟ کیا ایک جج کیلیئے یہ جائز ہے کہ کسی شخص کو صرف اس لیئے جیلخانہ میں

بھیجدے یا پھانسی چڑھا دے کہ ممکن ہے کہ اس نے کسی کا مال چرایا ہو یا کسی کو قتل کیا ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے دو مرتبہ شام کا سفر کیا۔ پہلی مرتبہ ۱۲ سال کی عمر میں اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ۔ دوسری مرتبہ ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا کچھ مال تجارت لیکر۔ دونوں مرتبہ آپ شہر بصری سے آگے نہیں گئے اور کوئی ایسی شہادت نہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ آپ نے وہاں جاکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولدیت کے متعلق کسی یہودی یا مسیحی سے کچھ استفسار کیا ہو۔ بلکہ یہ بھی ثابت نہیں کہ آپ نے وہاں جاکر یہودی یا مسیحی مذہب یا کسی اور مذہب کے متعلق کوئی تحقیقات کی ہو۔ پہلی مرتبہ تو آپ کی عمر صرف ۱۲ سال کی تھی اور دوسری مرتبہ جب آپ حضرت خدیجہ رض کا مال لیکر گئے تو آپ صرف چند روز ٹھہرے اور مال تجارت کا تبادلہ کرکے واپس تشریف لے آئے۔

پادری صاحب نے یہ نہیں بتلایا کہ اگر آپ نے ملک شام میں جاکر کسی یہودی یا مسیحی عالم سے کوئی مذہبی گفتگو تحقیق کی غرض سے کی یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولدیت کے متعلق استفسار کیا تو کیا وجہ ہے کہ وہاں کے یہود یا مسیحی صاحبان نے تارح کا نام نہ بتلایا جو توریت میں موجود ہے بلکہ اُس کی بجائے وہ نام بتا دیا جو یوسی بی اس کی تاریخ میں لکھا ہے۔

مَیں اس جگہ یہ ظاہر کردینا مناسب سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام نہ تھا۔ کیونکہ جب آزر کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کرنی چاہی تو خدائے تعالیٰ نے آپ کو روک دیا (سورہ توبہ رکوع ۱۴ اور سورہ ممتحنہ رکوع ۱) مگر آپ اپنے والد کیلئے آخر عمر تک دعا کرتے رہے چنانچہ آپ کی آخر عمر کی دعا قرآن شریف میں مذکور ہے جس میں آپ فرماتے ہیں رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (ابراہیم ۶) آزر کی نسبت قرآن مجید میں اَب کا لفظ آیا ہے اور والد صرف باپ کے لئے خاص ہے کسی اور شخص پر نہیں لگ سکتا مگر اَب کا لفظ دوسروں پر لگ سکتا ہے۔ اس سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آزر آپکے والد کا نام نہ تھا۔

(ب) پادری صاحب لکھتے ہیں کہ ہاروت اور ماروت کے نام یہودیوں مسیحیوں اور زردشتیوں کی کتابوں میں نہیں پائے جاتے اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام قدیم ارمنی لوگوں سے سیکھے کیونکہ اُن کے ہاں دو دیوتے تھے جن کو وہ ہوروت اور موروت کہتے تھے۔ چنانچہ آپ صفحہ ۸۶ و ۸۷ پر لکھتے ہیں۔ "واما اگر استفسار نمودہ بپرسیم کہ آں دو اسم کہ در قرآن و احادیث مذکور است از کجا ماخوذ گشتہ ہویدا مے گردد کہ ہاروت و ماروت اسمائے دو بت قدیمی است کہ در قدیم الایام اہل ارمنستان آنہارا پرستش مے نمودند زیرا در تصنیفات مورخین ارامنہ ذکر ایں دو معبود یافت مے شود کہ بتلفظ ارمنی ہوروت و موروت نامیدہ اند" اسکے آگے ایک نامعلوم الاسم ارمنی مصنف کی کتاب کی عبارت اپنے بیان کی تصدیق کیلئے اصلی ارمنی حروف میں نقل کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ پادری صاحب نے بہت مہربانی کی ہے کہ ایسی تحقیقات سے اپنی کتاب کو آراستہ اور ہمیں محظوظ کیا ہے اور ایک پُرانی کتاب بھی اپنے دعوے کی تائید میں پیش کی ہے اور بڑی محنت سے اُسکی اصل عبارت کو اصلی حروف میں درج کیا ہے مگر ایک امر میں آپ نے بہت کوتاہی کی ہے۔ یعنی آپنے یہ نہیں بتلایا کہ کس ذریعہ سے یہ ارمنی نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قدیم ارمنی لوگوں سے سیکھے۔ اور کس طریق سے آپ کو معلوم ہوا کہ قدیم زمانے میں ارمنی قوم کے لوگ دو بتوں کی پرستش کرتے تھے جن کو وہ ہوروت اور موروت کہتے تھے۔ غرض وہ یہ ثابت نہیں کرسکا کہ واقعی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام قدیم ارمنی کتابوں یا لوگوں سے حاصل کیئے اور جب تک وہ یہ نہ دکھلائے کہ فلاں ذریعہ سے یہ دو نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے۔ پرانی کتابوں سے لمبی چوڑی عبارتوں کا نقل کرنا محض بے سود ہے۔ نیز وہ لکھتا ہے کہ ان دیوتوں کا نام کتب قدیمہ اہل ہنود میں بھی پایا جاتا ہے جہاں انکو مُرُت کہا گیا ہے۔ مگر پادری صاحب کو یہ بتلانا چاہیئے کہ یہ سنسکرت لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسطرح سُن لیا؟

(ج) اسی طرح پادری صاحب بابل کے قدیمی کتبوں کو جو حال میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان کھنڈرات میں سے برآمد ہوئے ہیں اسلامی تعلیم کے سرچشموں میں شمار کرتے ہیں اور اُن کتبوں کی عبارتوں کو اصلی پرانے بابلی حروف میں نقل کرتے ہیں مگر سوائے اس کے کہ ان کتبوں کی عبارتیں پادری صاحب کی کتاب کے لئے زینت کا کام دیں اور کوئی فایدہ اُنسے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہ انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بابل کے قدیم کھنڈرات کو کھود کر اور وہاں کے کتبے پڑھوا کر اپنی تعلیم کے لئے مصالح جمع کیا ہو۔ انسان پادری صاحب کی تحقیقات کو دیکھکر حیرت میں پڑجاتا ہے کہ پادری صاحب کی عقل کو کیا ہوگیا۔ اُنکو اتنا بھی سمجھ نہ آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ بابل کے کھنڈرات میں جو پرانے کتبے مدفون تھے اُن سے اپنی تعلیم اخذ کرتے۔ مگر پادری صاحب کو اس سے سروکار نہیں کہ وہ یہ دکھائیں کہ فلاں طریق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں سرچشمے سے اپنی تعلیم کو حاصل کیا۔ اُن کا کام صرف مشابہت دکھلا دینا ہے اور بس۔ خواہ وہ مشابہت کسی سنسکرت کی کتاب میں پائی جاوے یا زردشتی صحیفوں میں یا ارمنی تصانیف میں یا مصر کی مدفون کتب میں یا بابل کے کھنڈرات میں۔

(د) صفحہ ۱۰۲ پر پادری صاحب فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ میں جو لفظ مٰلِك ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلسطین کے قدیم بُت پرستوں سے حاصل کیا کیونکہ اُنکے ہاں ایک دیوتے کا نام مولک تھا۔ مگر پادری صاحب یہ بیان نہیں فرماتے کہ کب اور کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک کا نام جو مندرجہ بالا مکی آیت میں پایا جاتا ہے فلسطین کے قدیم بُت پرستوں سے سیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ملک فلسطین میں کوئی ایسے بُت پرست نہ تھے جو کسی دیوتا مولک نامی کی پرستش کرتے ہوں۔ بلکہ پادری صاحب یہ بھی ثابت نہیں کرسکتے کہ واقعی ملک فلسطین کے بُت پرست کسی زمانہ میں مولک نامی کسی بُت کی پرستش کرتے تھے۔ کیونکہ اس امر کیلئے کہ بُت پرستان مذکور کے ہاں مولک نامی کوئی بُت تھا کوئی بھی تاریخی شہادت نہیں۔ صرف بائیل کے بعض مقامات سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اس نام کا کوئی بُت تھا کیونکہ

اُن مقامات میں یہ ذکر ہے کہ مولک نام ایک معبود کے لئے بنی اسرائیل نے اپنے بچے قربان کئے مگر اب محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ کسی دیوتے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ یہوواہ کا ہی نام ہے اور اُس کے معنے ہیں بادشاہ۔ ملاحظہ ہو جیوئش انسائیکلو پیڈیا جلد ۸ صفحہ ۶۵۶ بلکہ اس مشہور کتاب کے فاضل مصنفین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کیا وجہ تھی کہ بنی اسرائیل نے یہوواہ کے لئے اپنے بچے قربان کئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کتاب میکاہ باب ۶ ورس ۷ میں یہ فقرہ لکھا ہے ”کیا میں اپنے ظلم کے لئے اپنا اکلوتا بیٹا قربان کروں۔ کیا میں اپنی روح کے گناہ کیلئے اپنے بدن کا پھل نذر دوں گا؟“۔ یہی ورس اس امر کا محرک ہوئی کہ بنی اسرائیل اپنے خداوند کے آگے اپنے اکلوتے بیٹے قربان کرنے لگ گئے۔ جب اسرائیل کی قوم پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تو انہوں نے محسوس کیا کہ اگر خداوند کی رضامندی حاصل ہو جاوے تو اُس کیلئے وہ ہر ایک قیمت ادا کرنے کیلئے تیار ہیں جب اُنہوں نے دیکھا کہ اُنکے پڑوسی اپنے دیوتاؤں کے آگے اپنے بچے قربان کرتے ہیں تو انہوں نے بھی خداوند کی رضا حاصل کرنے کیلئے مذکورہ بالا آیت کے سہارے پر اپنے بُت پرست پڑوسیوں کی تقلید کر کے اپنے خداوند کے آگے اپنے بیٹے قربان کئے مگر ساتھ ہی اسکے ہیکل میں اپنی معمولی عبادت کو حسب دستور سابق جاری رکھا۔ ملاحظہ ہو حزقیل باب ۲۳ ورس ۳۹۔ جیوئش اینسائیکلو پیڈیا کے مندرجہ بالا بیان سے واضح ہے کہ وہ کسی بُت کے آگے اپنے بیٹوں کی قربانی نہیں کرتے تھے بلکہ خداوند کے آگے ایسا کرتے تھے لیکن اگر فرض بھی کر لیا جاوے کہ اُسوقت فلسطین کے بُت پرستوں کے ہاں کوئی ایسا دیوتا تھا جو مولک کے نام سے مشہور تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے صدہا سال پیشتر ایسے دیوتے کی پرستش مفقود ہو چکی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ملک فلسطین میں کوئی ایسا بُت پرست نہ تھا جو کسی دیوتے مولک نامی کی پرستش کرتا ہو۔ ملاحظہ ہو جیوئش اینسائیکلو پیڈیا جلد ۸ صفحہ ۶۵۷۔ لیکن اگر واقعات کے برخلاف ہم یہ بھی فرض کر لیں کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں ملک فلسطین میں کوئی ایسے بُت پرست تھے جو مولک نامی دیوتے کی پرستش کرتے تھے تو پادری صاحبان کوئی ایسا موقعہ ثابت نہیں کر سکتے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلسطین کے بُت پرستوں سے یہ نام سیکھا ہو

اور یہ خیال کرنا ہی محض بیہودہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا بت پرستی کا دشمن بت پرستوں کے خیالی اور جھوٹے معبودوں کو قرآن شریف میں ایسے طور پر داخل کرے جس سے بت پرستوں کے خیال کی تائید ہو اور بت پرستی کو تقویت پہنچے۔

(ھ) پادری ٹسڈل صفحہ ۱۹۷ پر لکھتا ہے کہ در کتبہائے ہنود مرقوم است کہ در آنجا رود ہائے جاوید رستنیہائے تروتازہ را آب یاری مے نماید یعنی ہندوؤں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اُسجگہ (یعنی بہشت میں) ابدی نہریں چلتی ہیں جو تروتازہ روئیدگیوں کی آب پاشی کرتی ہیں۔ اُس کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید میں جو جنّات اور انہار کا ذکر ہے وہ سنسکرت کی کتابوں سے اخذ کیا گیا مگر میں پوچھتا ہوں کہ ہندوؤں کی اس تعلیم کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح ہوا۔ شائد اُس کا یہ خیال ہو کہ ایرانیوں کی وساطت سے آپ کو اس تعلیم کا علم ہوا مگر وہ کسی ایرانی کتاب کا حوالہ نہیں دیتا جس سے ثابت ہو کہ ایرانیوں نے اس تعلیم کو ہندوؤں سے سیکھا اور اگر فرض بھی کر لیں کہ ایرانیوں نے یہ تعلیم ہندوؤں سے سیکھی مگر اس امر کے لیے کوئی ثبوت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم ایرانیوں سے حاصل کی۔

(و) اسی طرح پادری ٹسڈل لکھتا ہے کہ **غلمان** کا ذکر جو قرآن مجید میں پایا جاتا ہے یہ بھی ہندوؤں کی کتابوں کی تعلیم ہے اور اس کی تائید میں ایک نہیں بلکہ دو حوالے سنسکرت کی کتابوں میں سے نکال کر پیش کرتا ہے اور صرف ترجمہ پر قناعت نہیں کرتا بلکہ اصل سنسکرت بولی میں اور سنسکرت حروف میں عبارتیں نقل کرتا ہے مگر اس امر کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرتا کہ فلاں طریق سے یہ تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوؤں کی کتابوں میں سے اخذ کی۔

مندرجہ بالا چھ مثالوں سے یہ امر واضح ہو جاویگا کہ پادری ٹسڈل کو اس امر سے کچھ بھی غرض نہیں کہ وہ یہ ثابت کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں ذریعہ سے فلاں تعلیم حاصل کی۔ اُس کا کام صرف یہ ہے کہ اپنے خیال میں قرآن مجید کے بعض مضامین یا فرضی اسلامی تعلیم کی غیر مذاہب کی کتابوں کے مضامین یا تعالیم سے کسی قدر مشابہت دکھا کر

خواہ وہ غیر مذاہب کی تعلیم گنگا کے کنارے پر ملے یا رود بار نیل کے ساحل پر یا بابل کے کھنڈرات میں یا کنعان کے بُت پرستوں کی خیالی تعلیم میں۔ غرض وہ اس امر میں بالکل ناکام رہا ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعالیم کو غیر لوگوں سے حاصل کیا۔ یا تو اسکو یہ سمجھ ہی نہیں کہ ثبوت کس چیز کا نام ہے یا وہ عمداً اعوام الناس کو دھوکہ دیتا ہے اور سنسکرت اور ارمنی اور پہلوی اور بابلی اور قبطی اور یونانی اور حبشی وغیرہ زبانوں کے حوالے نقل کرکے اپنی کتاب کو جہلاء کی نظر میں ایک عالمانہ جامہ پہناتا ہے مگر اسکو یہ امر معلوم ہونا چاہیئے کہ صرف سنسکرت کی عبارت اصل سنسکرت حروف میں نقل کرنے یا بابل کے کھنڈرات کے کتبوں کی عبارتوں کو ہو بہو درج کرنے سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الواقع سنسکرت کی کتابوں سے یا دجلہ و فرات کے کھنڈرات سے اپنی تعلیم کو حاصل کیا۔

اگر میں اسی طرح پادری صاحب کی ہر ایک بات کو لیکر یہ دکھاتا جاؤں کہ پادری صاحب یہ ثابت نہیں کرسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی طور پر پادری صاحب کے پیش کردہ سرچشموں سے اپنی تعلیم کو حاصل کیا تو مجھے خوف ہے کہ ناظرین اُکتا جائینگے اسلیئے بجائے اسکے کہ پادری صاحب کی ایک ایک بات کو فرداً فرداً لیکر اُسپر علیحدہ علیحدہ بحث کیجاوے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پادری صاحب کے ایک قسم کے سرچشموں پر یکجائی طور پر گفتگو کی جاوے اسلیئے میں پہلے یہودی سرچشموں پر بحث کروں گا اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ مسیحی اور زردشتی وغیرہ سرچشموں پر یکے بعد دیگرے یکجائی طور بحث کیجائے گی۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

یہودی سرچشمے

پادری صاحب کا بیان ہے کہ جو تیس کتابیں یہودیوں کی بطور نمونہ اوپر درج ہو چکی ہیں اور اُن کے علاوہ بہت سی اور کتابیں یہود کی جن کا ذکر پادری صاحب نے بخوف طوالت ترک کر دیا ہے ان کتابوں کے مضامین کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن یہود کے ذریعہ ہوا جو آپکے زمانہ میں ملک عرب میں آباد تھے۔ اس دعویٰ کو ثابت

کرنے کیلئے آپ مندرجہ ذیل امور کو پیش کرتے ہیں۔

اوّل۔ "ہر چند کہ اکثر ایشاں نتوانستند زبان عبرانی را بخوبی بفہمند اما مثل یہود سکنہ ایران درایں ایام بسیارے از قصہ ہا و حکایتہائے تلمود و اکثر فسانہ ہائے باطل دیگر را از اجداد خود شنیدہ و بتواتر پذیرفتہ بودند و اکثر اوقات چوں توراۃ موسیٰ و سائر کتب ربّانی را ادراک نمے کردند پس آں روایتہائے بے بنیاد را بعوض تعلیمات الہامئی آں صحف سماویہ بر زبان خود جاری مے ساختند۔ (صفحہ ۳۲) یعنی عرب کے یہود اکثر عبرانی زبان کو سمجھ نہیں سکتے تھے لیکن آجکل کے ایران کے یہود کی طرح تالمود کے بہت سے قصوں اور باطل افسانوں کو انہوں نے اپنے آباؤ اجداد سے سُنا ہوا تھا اور توراۃ اور دوسری الہامی کتابوں کو نہیں سمجھتے تھے اسلئے اکثر اوقات انہی قصوں کو دُہرایا کرتے تھے۔

دوم۔ "چوں در دل خود تصمیم داد کہ قوم خویشرا بسوئے دین ابراہیم خلیل برگرداند پس بنہایت احتمال میرفت کہ بطرف اہل یہود مائل گردیدہ استفسار کند کہ آیا دین حضرت ابراہیم مشتمل برکدام عقائد و فرائض و رسوم مذہبی مے باشد (صفحہ ۳۳) یعنی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصمم ارادہ فرمایا تھا کہ اپنی قوم کو ابراہیم علیہ السلام کے دین کی طرف مائل کریں اس لیئے یہ نہایت ہی قرین قیاس امر ہے کہ انہوں نے یہود کی طرف رجوع کرکے یہ دریافت کیا ہو کہ دین ابراہیم میں کون کونسی باتیں شامل تھیں۔

سوم۔ صفحہ ۳۴ و ۳۵ پر پادری ٹسڈل لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی اس لیئے نہیں کہا جاتا کہ "حضرت محمد بالکل بے سواد بودہ است" یعنی آپ بالکل لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے بلکہ "میتواں گفت کہ سبب آں لقب ایں بودہ است کہ او نہ از یہود بلکہ از اُمّتہا (کہ غیر یہود مے باشند) برپا شد۔ یعنی کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو اُمّی کا لقب اس لیئے دیا گیا کہ آپ اُمّتہا میں سے برپا ہوئے اور اُمّتہا کے معنے ہیں ایسی قومیں جو یہود میں سے نہیں۔" "ولکن فرضاً کہ ہیچ علمے نداشتہ باشد آیا ممکن نبودہ کہ از دیگراں استفسار نمودہ تعالیم اہل یہود را بیاموزد۔ البتہ

مے توانست خصوصاً ازایں جہت کہ بعضے از اصحابش مثل عبید اللہ ابن سلام و حبیب ابن ملک و ورقہ یا خود از اہل یہود بودند یا دین ایشانرا قبول کردہ بعد از مدتے بحضرت محمد گرویدند و شکے نیست کہ ایں اشخاص اگرچہ از تعلیمات صحیحہ عہد عتیق واقفیت کلی نداشتند امّا اقلاً چیزے از روایات و قصص باطلہ ... مید انستند" یعنی اگر فرض بھی کر لیا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ تھے تو کیا ان کے لئے ممکن نہ تھا کہ دوسروں سے دریافت کرکے یہود کی تعلیم وغیرہ کو سیکھ لیتے خصوصاً جب آپکے بعض اصحاب مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ یا تو خود یہودیوں میں سے تھے یا یہودیوں کے مذہب میں رہ چکے تھے اور یہ لوگ اگرچہ بائیبل کی صحیح تعلیم سے پوری واقفیت نہیں رکھتے تھے مگر یہود کے جھوٹے قصے اور روایتیں کسیقدر تھوڑی بہت جانتے تھے۔

چہارم۔ پادری ٹسڈل کے خیال کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود پر بڑا اعتبار تھا اور جو کچھ آپ اُن لوگوں سے سنتے تھے اسکو وحی الٰہی یقین کرتے تھے " امّا حیف است کہ ایشاں وے را فریفتہ اند" (صفحہ ۹۸) مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں نے آپ کو دھوکہ دیا۔

یہ وہ ثبوت ہیں جن کی بناپر پادری صاحب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے اپنی تعالیم کے ایک بڑے حصہ کو حاصل کیا۔ لیکن پادری صاحب کے ان ثبوتوں سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس امر کو ہرگز ثابت نہیں کرسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے قرآنی مضامین کا ایک بڑا حصہ سیکھا۔ اُسکی کتاب کو غور سے پڑھو تمہیں ایک بھی شہادت ایسی نہیں ملے گی جس سے یہ ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم کو یہود سے سیکھا۔ جن باتوں کو وہ بطور ثبوت کے پیش کرتا ہے وہ خود دعوے ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں۔

وہ کہتا ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی علیہ وسلم اپنی اُمت کو ملّۃ ابراہیم علیہ السلام پر چلانا چاہتے تھے اس لیئے یہ غالب احتمال ہے کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب دریافت کرنے کے لیئے یہود کی طرف رجوع کیا ہو اور اس خیال کی تائید میں لکھتا ہے " و ایں قیاس تقویت مے یابد ازیں مقدمہ کہ قرآن در اکثر مواضع صریحاً مے گوید کہ

دین ابراہیم راست و برحق بودہ است و نیز برحقیت مذہب یہود و برصحت و من جانب اللہ بودن کتب الہامیہ ایشاں شہادت مے دہد" (صفحہ ۳۳) یعنی اس قیاس کو اس امر سے قوت ملتی ہے کہ قرآن مجید میں اکثر جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے سچا ہونے کا ذکر ہے اور کئی مقامات میں قرآن شریف اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ یہود کا مذہب برحق ہے اور اُن کی کتابیں واقعی خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جو آیات قرآنی ہیں اُن سے ہرگز وہ نتیجہ نہیں نکلتا جو پادری صاحب نکالنا چاہتے ہیں بلکہ اُن میں یہ صاف طور پر لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی مذہب رکھتے تھے اور نہ مسیحی مذہب کے پیرو تھے۔ قرآن مجید کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ملت ابراہیمؑ کا تذکرہ قرآن شریف میں دو غرض سے کیا گیا ہے۔ بعض موقعوں پر ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کا ذکر بت پرستان عرب کے مقابل میں اُن کو اپنی غلطی پر متنبہ کرنے کی غرض سے کیا گیا ہے۔ مکہ کے بت پرست اس بات پر نازاں تھے کہ وہ ابراہیمی الاصل ہیں اور اُنکے مورث اعلیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے اور وہ مکہ کی عظمت بھی اسی لیے کرتے تھے کہ یہ ابراہیمی طریق ہے اس لیئے اُنکو قرآن مجید میں بتلایا گیا کہ وہ ابراہیم جس کے طریق پر وہ چلنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بُت پرست نہ تھا بلکہ ایک خدائے تعالیٰ کی عبادت کرنیوالا تھا اسی لیئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وعظ اور مباحثات جو بُت پرستی کی تردید میں آپ کو کرنے پڑے اُنکا جابجا قرآن مجید میں ذکر ہے تا مکہ کے بُت پرست اپنی غلطی پر آگاہ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سچّے اور صحیح مذہب پر چلیں۔ اسی غرض سے اُن کو بتلایا گیا کہ ہمارا مذہب ابراہیمی مذہب ہے اور اگر تم بھی اُس کے قدم پر چلنے کا دعویٰ کرتے ہو تو آؤ اسلام کو قبول کرو کیونکہ یہی ابراہیمی طریق ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کی طرف بار بار توجہ دلانا بُت پرستان مکہ پر و دیگر اہل عرب پر ایک حجت تھی۔ کل اہل عرب کعبہ کی تکریم ابراہیم علیہ السلام کی سُنّت سمجھتے ہیں اسی لیئے اسپر کاربند تھے پس اُن کو بتلایا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا

مذہب جس پر تم کاربند ہونے کے مدعی ہو وہ بت پرستی نہ تھا بلکہ اُس کا مذہب توحید کا مذہب تھا جو عین اسلام ہے۔

دوسری غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کی طرف توجہ دلانے سے یہودیوں اور مسیحیوں کے غلط خیال کی تردید تھی جو کہتے تھے کہ نجات صرف مسیحی مذہب یا یہودی طریق میں ہے اور جو کوئی مسیحی یا یہودی نہ بنے وہ نجات یافتہ نہیں ہو سکتا چنانچہ قرآن شریف اُنکے قول نقل کرکے فرماتا ہے قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہودی بنو یا مسیحی مذہب اختیار کرو تب ہی ہدایت یافتہ ہوگے اُنکو جواب دے کہ ہم ابراہیم کی ملت کے پیرو ہیں جو حنیف تھا یعنی سیدھی راہ پر چلنے والا یعنی اگر تمہارا دعویٰ سچا ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تم ہدایت یافتہ کسطرح کہہ سکتے ہو کیونکہ وہ ان دونوں مذہبوں کے وجود سے پہلے گذر چکا ہے مگر باوجود اسکے تم دونوں قومیں اسکو ہدایت یافتہ تسلیم کرتی ہو۔ پس ہم اُسی طرح ہدایت یافتہ ہیں جسطرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تم دونوں قوموں کے مسلمہ عقیدہ کے مطابق ہدایت یافتہ تھا۔ اس سے اگلی آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اصلی ہدایت یہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ کا فیضان یہودیوں اور نصاریٰ تک محدود کردیا جاوے اور ان ہر دو قوموں کے سوا باقی کل دنیا کو اس انعام سے محروم سمجھا جاوے بلکہ سیدھی راہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ہر ایک رسول پر ایمان لایا جاوے یہ نہیں جو رسول بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے صرف اُن کو مانا جاوے اور اُن کے سوا خدائے تعالیٰ کے ہر ایک کلام کو ردّ کردیا جاوے اسلیئے ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہم دنیا کے کل انبیاءؑ کو مانتے ہیں جسطرح ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وحی کو مانتے ہیں اسی طرح ہم قرآن مجید پر ایمان لائے ہیں پس سچی ہدایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی وحی کے ساتھ اس وحی پر بھی ایمان لایا جاوے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ اس لیئے اگلی آیت میں اسلامی عقیدہ کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم

و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا وان تولوا فانما ھم فی شقاق فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم (البقرہ ع ۱۶)۔ یعنی تم ان مسیحیوں اور یہودیوں کو یہ جواب دو کہ ہمارا ایمان یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور ہم اُس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو ہماری طرف اُتاری گئی یعنی قرآن مجید پر اور اُس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ اور حضرت یعقوبؑ کی اولاد پر نازل ہوئی اور اُس وحی پر جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دی گئی بلکہ ہم اُن تمام وحیوں پر ایمان لاتے ہیں جو کُل نبیوں کو اُنکے رب کی طرف سے دی گئیں ہم دنیا کے نبیوں میں کسی میں فرق نہیں کرتے (یعنی ہم تمھاری طرح نہیں کہ بعض نبیوں کی وحی کو قبول کریں اور بعض کی وحی کو رد کریں) اور ہم خدائے تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ (یہ ہمارا ایمان ہے) پس اگر یہ لوگ (یہود و نصاریٰ) بھی ایسا ہی ایمان لائیں جیسا کہ تم ایمان لائے ہو تب یہ ہدایت یافتہ ہونگے اور اگر وہ ایسے ایمان سے مُنہ پھیریں تو وہ خلاف کی راہ پر چلتے ہیں پس خود خدائے تعالیٰ تجھے ان کی طرف سے کفایت کریگا (یعنی یہ تجھے نابود کرنا چاہیں گے تا اس مذہب کی اشاعت کو روکدیں مگر خدا تیری طرف سے اُنکے ساتھ جنگ کریگا اور تجھے اُن کے ضرر سے بچائیگا) وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ غرض اہل کتٰب کے مقابل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کی طرف جو توجہ دلائی گئی ہے وہ یہود و نصاریٰ کے خیال کی تردید کے لیئے ہے چنانچہ اسی مضمون کی طرف مندرجہ ذیل آیت اشارہ کرتی ہے۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ۔ یعنی کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور حضرت یعقوبؑ کی اولاد یہودی تھے یا نصرانی۔ کہہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ۔ اس آیت کریمہ میں بھی یہود و نصاریٰ کے اس دعویٰ کی تردید کی گئی ہے کہ جب تک انسان یہودی یا مسیحی مذہب اختیار نہ کرے

وہ ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتا۔ یہ انبیاء جن کا نام اس آیت شریفہ میں ہے یہ سب یہود و نصاریٰ
ہر دو کے مسلمہ عقیدہ کے بموجب ہدایت یافتہ تھے مگر یہ توریت اور انجیل کے نزول سے
پہلے گذر چکے تھے اس سے یہودیوں اور مسیحیوں کے اعتقاد کا باطل ہونا ثابت ہوا۔ اس سے
خدائے تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ حقیقی اور سچی ہدایت یہ ہے کہ انسان خدائے تعالیٰ کی ہر ایک وحی پر
ایمان لائے۔ یہ سچا مذہب ہے اور یہی اسلامی عقیدہ ہے اور ایک یا دو کتابوں کو اڑ کر بیٹھ رہنا
اور ہر ایک دوسری الہامی کتاب کا انکار کرنا یہ ہدایت نہیں بلکہ ضلال ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اہل کتب کے مقابلہ میں کس غرض سے کیا گیا ہے یہ مندرجہ
ذیل آیات سے اور بھی زیادہ واضح ہو جائے گا:- یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِی
ابراھیم وما انزلت التورٰۃ والانجیل الا من بعدہٖ افلا تعقلون۔
ھٰانتم ھٰٓؤُلَآءِ حاججتم فیما لکم بہٖ علم فلم تحاجّون فیما لیس لکم بہ
علم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون ما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا
ولکن کان حنیفا مسلما وما کان من المشرکین۔ (آل عمران۔ ۷) اے
اہل کتاب۔ تم ابراہیم علیہ السلام کے معاملہ میں کیوں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ توریت اور انجیل
اسکے بعد نازل ہوئیں۔ کیا تمھیں عقل نہیں۔ دیکھو تم ایسے لوگ ہو کہ تم نے ایسی بات کے
بارے میں جھگڑا کیا جس کا تمھیں علم ہے پس تم ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جسکا تمھیں
علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ
وہ حنیف (سیدھا) اور مسلم (فرمانبردار) تھا۔ اس سے آگے خدائے تعالیٰ فرماتا
ہے اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰھِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ وَھٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَاللہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ وَدَّتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یُضِلُّوْنَکُمْ
وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ قریب
(بہ نسبت یہود و نصاریٰ وغیرہم کے) وہ لوگ ہیں جو اس کی پیروی کرتے ہیں اور یہ نبی اور
وہ لوگ جو اس نبی پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے۔ اہل کتاب میں سے
ایک گروہ چاہتا ہے کہ کاش کہ گمراہ کر دیں تمھے (یہ کہکر کہ ابراہیم یہودی مذہب تھا اسلئے تم بھی

ہماری شریعت پر چلو) مگر وہ ایسا کرنے سے درحقیقت خود اپنے تئیں گمراہ کرتے ہیں لیکن انکو شعور نہیں۔ ان آیات سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ پادری صاحب کا یہ کہنا بالکل واہیات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیمی مذہب دریافت کرنے کیلئے یہودی شریعت کی طرف رجوع کیا۔ برخلاف اسکے قرآن شریف سے پایا جاتا ہے کہ یہود کہتے تھے کہ اگر تم ابراہیمی مذہب پر چلنے کا دعویٰ کرتے ہو تو آؤ ہماری شریعت پر چلو مگر انکو بتلایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی مذہب نہ تھا کیونکہ توریت اُس کے بعد نازل ہوئی۔ پھر کس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیمی مذہب دریافت کرنیکے لیئے توریت کو یہود سے سیکھا۔ یہی تو یہود کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جھگڑا تھا وہ کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے مذہب کے پیرو تھے اس لیئے تم بھی ہماری شریعت پر کاربندی اختیار کرو مگر انکو بتلایا گیا کہ ہم ابراہیمی ملت پر چلنے کے لیئے تمہاری کتاب کی طرف رجوع نہیں کر سکتے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں اس کتاب کا وجود نہ تھا اور خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ یہ لوگ ایسا کہکر تجھے دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ وہ تجھے دھوکہ نہیں دے سکتے کیونکہ تُو کسی انسان کی تجویز پر عمل کرنیوالا انسان نہیں بلکہ تُو تو صرف وحی الٰہی پر چلنے والا ہے اس لیئے وہ ایسے دھوکوں سے صرف اپنے تئیں دھوکہ دے رہے ہیں کیونکہ وہ اس طرح اس حق کو جو تیرے پاس آیا ہے قبول کرنیسے محروم رہ جائیں گے۔ غرض اس خیال سے زیادہ بیہودہ کوئی خیال نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیمی مذہب دریافت کرنیکے لیئے یہود سے توریت کو سیکھا۔

پھر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہودی مذہب کو ایک سچا مذہب اور توریت کو الہامی کتاب سمجھتے تھے اس لیئے احتمال ہے کہ انہوں نے ابراہیمی مذہب کی حقیقت دریافت کرنے کیلیئے انکی طرف رجوع کیا ہو۔ مگر جو کتاب یہودی مذہب کے دراصل خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہونے اور توریت کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونیکا اعلان کرتی ہے وہ ساتھ ہی اس امر کا بھی اعلان کرتی ہے کہ وہ خود کامل کتاب ہے اور کوئی ایسی سچائی نہیں

جو اس سے باہر رہ گئی ہو۔ پھر ایسی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ضرورت تھی کہ وہ دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرتے۔ پادری صاحب نے اُس شہادت کی حقیقت کو جو قرآن شریف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت کے بارہ میں دیتا ہے نہیں سمجھا۔ اگر قرآن شریف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سچا نبی بیان کرتا ہے تو وہ اسی طرح دنیا کے کُل انبیاءؑ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ظاہر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی ایسی قوم نہیں جس میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہادی پیدا نہ ہوئے ہوں۔ پس اب کسی ایک نبی کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہی۔ اور جس طرح قرآن شریف حضرت موسیٰ کی شریعت کی نسبت شہادت دیتا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے تھی ایسا ہی وہ دوسرے بڑے مذاہب کی نسبت بھی یہی شہادت دیتا ہے کہ وہ دراصل خدائے تعالیٰ کی طرف سے تھے۔ قرآن شریف نے محض ایک امر کا اظہار کیا ہے اور اُس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ جن مذاہب کے دراصل برحق ہونیکے متعلق قرآن مجید شہادت دیتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن مذاہب کے پیرؤوں سے تعلیم حاصل کی محض لغو اور بیہودہ ہے۔ مگر افسوس ہے کہ پادری صاحب صرف ایسے ہی توہمات کی بنا پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید کا انسانی سرچشموں سے ماخوذ ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے۔

بجائے اس کے کہ پادری صاحب قرآن مجید کی آیات سے یہ نتیجہ نکالیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہبی حقائق دریافت کرنیکے لئے یہود کی طرف رجوع کیا قرآن شریف سے اُلٹا یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے یہود پر کسی طرح کا اعتبار نہیں کر سکتے تھے اور کسی ہدایت کے معلوم کرنیکے لئے یہود کی طرف رجوع نہیں کر سکتے تھے۔ میں قرآن مجید سے چند آیات بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔

(۱) بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے واٰتینٰھم بیّنٰتٍ من الامر فما اختلفوا الا من بعد ما جآءھم العلم بغیا بینھم ان ربک یقضی بینھم یوم القیٰمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون ثم جعلنٰک علٰی شریعۃ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون۔ (جاثیہ ۲) یعنی ہم نے انکو کھلی کھلی باتیں دین کی عطا کیں۔ اور اُن میں جو اب اختلاف پڑ گیا ہے

یہ اختلاف علم آنیکے بعد واقع ہوا۔ تیرا رب قیامت کے دن ان میں فیصلہ کرے گا۔ انکے بعد اب ہم نے تجھے ایک شریعت دی ہے پس تو اب اس شریعت کی پیروی کر جو ہم نے تجھے دی اور ان جاہل یہودیوں کی خواہشوں کی پیروی مت کر۔

(۲) الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتٰب یشترون الضللۃ و یریدون ان تضلوا السبیل - واللہ اعلم باعدائکم - وکفیٰ باللہ ولیا وکفیٰ باللہ نصیرا - (نساء - ۷) کیا تو نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی کو مول لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راستے سے بہک جاؤ۔ (وہ تمہارے دشمن ہیں) اور خدائے تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے۔ مگر وہ تیرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے کیونکہ تیرا کارساز اور تیرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے اور وہ تیری مدد اور نصرت کیلئے کافی ہے۔

(۳) قل یا اھل الکتٰب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق ولا تتبعوا اھواء قوم قد ضلوا من قبل و اضلوا کثیرا و ضلوا عن سواء السبیل (مائدہ ۱۰) یعنی اہل کتب کو کہو کہ تم اپنے دین میں ناحق غلو مت کرو اور جو لوگ تم سے پہلے خود بھی گمراہ ہوئے اور بہت سے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھول گئے ان کے نقش قدم پر مت چلو۔

(۴) یحرفون الکلم عن مواضعہ و نسوا حظا مما ذکروا بہ ولا تزال تطلع علیٰ خائنۃ منھم الا قلیلا منھم فاعف عنھم و اصفح ان اللہ یحب المحسنین - یعنی یہودی کلمات کو اُن کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں اور جو اُن کو تعلیم دی گئی تھی اُس کا ایک حصہ انہوں نے بھلا دیا ہے اور تو ہمیشہ ان کی خیانت پر مطلع ہوتا رہے گا سوائے چند کے پس تو ان سے درگذر کر اور انکو معاف کر اللہ تعالیٰ محسنوں سے محبت کرتا ہے۔

(۵) یٰاھل الکتٰب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتٰب و یعفوا عن کثیر - اے اہل کتاب - تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے اور کتاب کے جن حصوں کو تم چھپاتے تھے اُن میں سے اکثر کو تم پر بیان کرتا ہے اور ایک

بڑے حصہ سے چشم پوشی کرتا ہے۔ (مائدہ ۳)

مذکورہ بالا آیات کو پڑھکر کوئی عقلمند تسلیم نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان آیات سے واضح ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے جو اسلام کو بیخ و بُن سے اُکھیڑ دینا چاہتے تھے۔ وہ خود سیدھے راستے سے بہک چکے تھے بلکہ اُن کے آباؤ اجداد بھی بہک چکے تھے۔ وہ اپنی تعلیم کا بڑا حصہ بھلا چکے تھے۔ وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے وہ دیانت دار نہیں تھے بلکہ خائن تھے۔ وہ کتاب الٰہی کے بڑے حصہ کو چھپاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صریح حکم تھا کہ آپ کسی امر میں یہود کی اتباع نہ کریں بلکہ اس نئی شریعت پر چلیں جو آپ کو دی گئی۔ پھر بھی پادری صاحب کہتے ہیں کہ قرآن شریف کی آیات سے یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ آپ نے یہود کی طرف ضرور رجوع کیا ہوگا۔ اور اُن سے تعلیم حاصل کی ہوگی۔

علاوہ ازیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات کی طرح کوئی پوشیدہ نہیں۔ آپ کے دن رات کے واقعات مفصل موجود ہیں اور آپ کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات بھی نہایت بسط کے ساتھ ہم تک پہنچائے گئے ہیں۔ مگر اس امر کے لیئے ایک ذرّہ بھر بھی شہادت موجود نہیں کہ آپ نے ابراہیمی مذہب کے معتقدات اور فرائض معلوم کرنیکے لیئے یہودان عرب کی طرف رجوع کیا ہو اور اگر آپ نے ایسا کیا ہوتا تو یہ امر ہرگز مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔ باوجودیکہ آپ کے اندرونی اور بیرونی حالات تفصیل کے ساتھ ہم تک پہنچائے گئے ہیں اور آپ کے سارے تعلقات جو آپ کو یہود یا دیگر اہل مذاہب کے ساتھ تھے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیئے گئے ہیں مگر کوئی امر ایسا بیان نہیں کیا گیا جس سے ظاہر ہو کہ آپ نے یہود سے کچھ تعلیم بھی حاصل کی تھی پس یہی امر اس دعویٰ کی تغلیط کے لیئے کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیمی مذہب کی حقیقت دریافت کرنیکے لیئے یہود کی طرف رجوع کیا۔ مگر پھر بھی پادری صاحب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے اسلامی تعالیم کا یہودی سرچشموں سے ماخوذ ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے۔

پادری صاحب نے لفظ اُمّی کے متعلق جو تحقیقات لکھی ہے وہ بالکل نئی ہے۔ یہ لفظ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کیا گیا ہے اور پادری کے نزدیک اس کے معنے یہ نہیں کہ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے بلکہ اس لفظ کے معنے ہیں ایسا آدمی جو یہود میں سے نہ ہو۔ عجیب تحقیقات ہے اور ایسی تحقیق کے لیئے صرف پادری صاحب ہی اکیلے تعریف کے مستحق ہیں کیونکہ آپ سے پہلے کسی شخص کو یہ معنے نہیں سوجھے تھے۔ آپ ہی ان جدید معنوں کے موجد ہیں۔ آپکے نزدیک یہ لفظ اُمّتھا سے نکلا ہے جس کے معنے آپ کی تحقیق کے بموجب ایسے لوگ ہیں جو یہودی نہیں۔ اوّل تو لفظ اُمّتھا کوئی عربی صیغہ نہیں۔ عربی لفظ اُمَمْ کا واحد اُمّت ہے اُمّتھا عربی جمع نہیں بلکہ فارسی جمع ہے اور ایک عربی لفظ کا اشتقاق بیان کرتے وقت پادری صاحب کو عربی لفظ دینا چاہیئے تھا نہ کہ فارسی۔ مگر شاید آپ میں اسقدر علمی تمیز نہ تھی کہ ایک فارسی جمع اور عربی جمع میں فرق کر سکتے۔ خیر یہ غلطی تو پادری صاحب کو معاف۔ مگر سب سے عجیب بات لفظ اُمّتھا کے معنی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اسکے معنے ہیں ایسی قومیں جو یہودی نہیں۔ یہ معنے ایسے ہیں کہ نہ کسی لغت والے کو سوجھے ہیں اور نہ کسی اہل زبان نے اس لفظ کو ان معنوں میں استعمال کیا ہے[۴]۔ پادری ٹسڈل پہلا شخص ہے جس نے اس لفظ کی طرف یہ جدید معنے منسوب کیئے ہیں اور یہ امر کہ کہاں سے پادری جی نے یہ معنے دریافت کیئے یہ ایک ایسا ہی ناقابل حل عقدہ ہے جیسا کہ تثلیث کا مسئلہ ایک لاینحل راز ہے اُمّت کا لفظ قرآن مجید میں کئی مقامات پر آیا ہے اور ہر ایک جگہ اس کے معنے عام قوم کے ہیں۔ نہ کہ ایسی قوم جو یہود کے سوا ہو۔ مثلاً خدائے تعالےٰ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ یعنی کوئی ایسی قوم نہیں جس میں نذیر نہ آیا ہو کیا پادری صاحب کے نزدیک اس آیۃ کریمہ کے یہ معنے ہیں کہ یہود کے سوا اور کوئی ایسی قوم نہیں جس میں نذیر نہ آیا یعنی صرف یہود ہی ایک ایسی قوم ہے جس میں کوئی نذیر مبعوث نہیں ہوا باقی سب قوموں میں خدا کے مامور مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ کیا یہ معنے صریحاً غلط نہیں۔ مگر پادری جی کے معلومات اہل زبان سے بھی زیادہ وسیع ہیں۔ آپ کئی الفاظ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اہل لغت عرب نے ان الفاظ کی تشریح میں سخت سراسیمگی ظاہر کی ہے مگر آپ ان الفاظ کو بڑے آسان مگر ایسے ہی نرالے طرز پر واضح کر دینے کا دعویٰ کرتے ہیں

[۴] اور نہ اصطلاحاً یہ لفظ ان معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ آپ نے لفظ اُمّی کی تشریح کی ہے۔ امید ہے کہ ان الفاظ میں سے بعض کا ذکر آگے آجائے گا۔

آپ کا یہ فرمانا کہ لفظ اُمّی اُمّتھا سے مشتق ہے یہ ظاہر کر رہا ہے کہ آپ کو عربی زبان کے قواعد سے ذرہ بھر بھی مس نہیں۔ اگر آپ کو عربی کے قواعد کا شمہ بھر بھی علم ہوتا تو آپ کو معلوم ہوتا کہ اگر لفظ اُمّی اُمّت سے مشتق ہوتا تو وہ اُمّتی ہونا چاہیئے تھا نہ کہ اُمّی۔ غرض نہ صرف لفظ اُمّتھا کے نرالے معنے جو پادری جی نے پیش کیئے ہیں اُنکی جہالت کی گواہی دے رہے ہیں بلکہ آپ کا لفظ اُمّی کو اُمّتھا سے مشتق کرنا بھی آپ کی نادانی کی ایک بیّن شہادت ہے۔ بہتر ہوتا کہ پادری جی ایسی علمی تحقیقات سے اپنی کتاب کو مزین نہ کرتے تا اُنکی نادانی مخفی رہتی شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد۔

اگر یہ مان لیا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ نہ تھے بلکہ آپ لکھنا پڑھنا اچھی طرح جانتے تھے تو کیا اس سے ثابت ہو جائے گا کہ آپ عبرانی بھی جانتے تھے اور یونانی میں بھی ماہر تھے اور ایرانی میں بھی آپ کو دسترس تھی اور سنسکرت کو آپ اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ معلوم نہیں پادری صاحب کی غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خواندہ آدمی ثابت کرنے سے کیا ہے۔ کیا ضروری ہے کہ ہر ایک خواندہ آدمی دنیا کی ہر ایک مُردہ زبان بھی جانتا ہو۔ صرف ایک خواندہ آدمی ثابت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حبشی اور ارمنی اور قدیمی مصری وغیرہ بولیاں بھی جانتے تھے۔

پادری صاحب فرماتے ہیں کہ اگر فرض بھی کر لیا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناخواندہ تھے تو کیا اُن کے لیئے ممکن نہیں تھا کہ اپنے زمانہ کے یہود سے استفسار کرتے کہ ابراہیمی مذہب کیا تھا اور یہ کہ یہودی مذہب کی نسبت زبانی طور پر اُن سے تحقیقات کرتے۔

مگر پادری صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک امر کا ممکن ہونا اور چیز ہے اور فی الواقع اُس امر کا واقع ہونا اور چیز ہے۔ مثلاً پادری صاحب کے لیئے بالکل ممکن ہے کہ زہر کا پیالہ پی کر خودکشی کر لیں اور کئی مسیحی لوگ ایسا کرتے بھی ہیں مگر کیا ہم اس سے یہ نتیجہ

نکال لیں کہ پادری صاحب ضرور ایسا ہی کریں گے۔ صرف یہ کہنے سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہود سے تعلیم حاصل کرنا ممکن تھا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور ایسا کیا۔ اگر پادری صاحب دنیا کو یہ منوانا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مذہب کا مصالح جمع کرنے کیلئے اور قرآن شریف کے لئے مضامین اکٹھے کرنیکے لئے یہودان عرب کی طرف رجوع کیا اور ان سے اس کام میں مدد لی تو آپ کو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ فی الواقع آپ نے ایسا کیا۔ صرف یہ کہنے سے کہ آپ کے لئے ایسا کرنا ممکن تھا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے فی الواقع یہود سے مدد لی۔ بلکہ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپنے نہ یہود سے نہ مسیحیوں سے اور نہ کسی اور قوم سے کسی قسم کی مدد لی۔ اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ آپ کے لئے یہود سے مدد لینا ممکن تھا۔ آپ یہود کے لئے ہادی اور نبی ہونیکا دعویٰ فرماتے تھے اور انکو اسلام کی طرف بلاتے تھے پھر کس طرح ممکن تھا کہ ایسا شخص خود یہود کی طرف امداد حاصل کرنیکے لئے رجوع کرتا۔ پھر دیکھو کہ قرآن مجید یہود کی مذمت سے بھرا ہوا ہے یہ امر بھی اس بات کی ایک قوی دلیل ہے کہ آپنے یہود سے کسی قسم کی مدد نہیں لی۔ کیونکہ یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ ایک طرف تو آپ یہود کی اور ان کے بڑوں کی مذمت کریں اور انکے ملعون ہونیکا اعلان کریں دوسری طرف انہی کی طرف امداد حاصل کرنیکے لئے رجوع کریں۔

پادری راڈویل قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عرب کے یہود اور اپنے مسیحی مخبروں سے خفیہ طور پر تعلیم حاصل کی'' پادری صاحب کا یہ قول اس امر کی صریح شہادت ہے کہ پادری لوگوں کے پاس اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے یا مسیحیوں سے تعلیم حاصل کی۔ کیونکہ یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب سے مخفی طور پر تعلیم حاصل کیا کرتے تھے دوسرے لفظوں میں اس امر کا اقرار ہے کہ آپکے ایسا کرنے کے متعلق کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں۔ راڈویل کہتا ہے کہ ''چونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہودان عرب اور اپنے مسیحی مخبروں سے تعلیمات حاصل کرنے میں نہایت اخفاء سے کام لیا۔ اس لئے وہ اس بات کے قابل ہوئے کہ مکہ کے جاہل بت پرستوں کے آگے بڑی دلیری سے اس بات کا اعلان

کریں کہ یہ باتیں خدا کی طرف سے مجھے الہام ہوئی ہیں" راڈول کی اس عبارت سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ آپ پوشیدہ طور پر اہل کتاب سے مدد لیتے ہیں۔ اسی لیے اُن کے سامنے آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن شریف کے مضامین میں نے کسی انسان سے حاصل نہیں کیے بلکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر بذریعہ وحی نازل ہوئے ہیں۔ راڈول کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف آپ کے دشمنوں سے یہ امر مخفی تھا بلکہ آپ کے پیرو بھی نہیں جانتے تھے کہ آپ یہودیوں یا مسیحیوں سے مدد لیکر قرآن مجید کے مضامین مرتب کرتے ہیں کیونکہ اگر آپ کے کسی پیرو کو اس امر کا علم ہوتا کہ آپ غیروں سے مدد لیتے ہیں تو آپ ہرگز اس بات کا بار بار اور پُرزور الفاظ میں اظہار نہ کرتے کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت اور اس پاک کتاب کا ہر ایک لفظ اور ہر ایک تعلیم خاص خدائے تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوئی ہے اور قرآن شریف میں ایسی آیتیں نہ ہوتیں جیسی کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اور وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (نسار ۱۷) یعنی رحمٰن نے تجھے قرآن سکھلایا ہے (سورہ رحمٰن) اور اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور خدا ہی نے تجھے وہ باتیں سکھائی ہیں جن کا تجھے پہلے علم نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کا تیرے پر بڑا فضل ہوا ہے۔ کون عقلمند آدمی اس امر کو قبول کر سکتا ہے کہ ایک شخص دوسروں سے خفیہ طور پر تعلیم حاصل کرے اور باہر آکر اپنے دشمنوں اور دوستوں کے آگے یہ ظاہر کرے کہ جو کچھ میں بیان کرتا ہوں وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ وہ باتیں ہیں جو مجھ پہلے معلوم نہ تھیں اور خدائے تعالیٰ ہی نے یہ باتیں مجھے سکھائی ہیں۔ اور پھر سالہا سال گذر جائیں اور یہ راز کسی پر نہ کھلے۔ باوجودیکہ ہزاروں آدمی دن رات اُسکے ہر ایک فعل کو نظر غور دیکھ رہے ہوں اور اُس کا کوئی فعل ایسا نہ ہو جو انکی نظر سے پوشیدہ ہو۔ اس بات کو کون نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو اس امر کا کامل یقین اور سچا ایمان تھا کہ ہر ایک آیت جو آپ بیان فرماتے ہیں اُس کا لفظ لفظ خدائے ذی العرش کی طرف سے آپ پر

نازل ہوا ہے اور اس میں کسی انسان کی طرف سے کیا بلحاظ مضمون کے کیا بلحاظ عبارت کے کسی طرح کی کوئی بھی ملونی نہیں۔ اور اُن میں سے جنکو آپ سے زیادہ گہرا تعلق تھا اور جو آپ کے اندرونی و بیرونی حالات سے زیادہ آگاہی رکھتے تھے وہ آپ کی وحی کے منجانب اللہ ہونے پر اور بھی زیادہ واثق یقین رکھتے تھے۔ اور اگر ان لوگوں کو اس امر کا کچھ شبہ بھی ہوتا کہ آپ غیروں سے شائد کچھ پوشیدہ مدد لیتے ہیں تو اُن کے ایمان ایسے مستحکم نہ ہوتے اور اُن کا یقین ایسا غیر متزلزل اور راسخ نہ ہوتا۔ اور یہ امر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت ہی گہرے تعلقات رکھنے والوں اور آپ کی اندرونی اور بیرونی زندگی کے واقف کاروں کو اس امر کا کبھی شبہ بھی پیدا نہ ہوا کہ آپ شائد غیروں سے بھی مدد لیتے ہوں یہ امر اس بات کا ایک یقینی اور قطعی نشان ہے کہ آپ نے کبھی کسی سے پوشیدہ طور پر امداد حاصل نہیں کی۔ کیونکہ اگر آپ نے ایسا کیا ہوتا تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ ۲۳ سال کے دراز عرصہ میں یہ امر آپ کے محرم راز اصحاب سے بالکل مخفی رہتا۔ صرف آپ کے حالات سے گہری واقفیت رکھنے والے اصحاب ہی قرآن مجید کے ایک ایک حرف کو منجانب اللہ یقین نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کے ازواج مطہرات اور آپکی بیٹیاں بھی ایسے ہی یقین سے قرآن مجید کی ایک ایک آیت کو خدائے تعالیٰ کے مُنہ کا کلام سمجھتی تھیں اور کوئی عقلمند آدمی اس امر کو مان نہیں سکتا کہ آپ نے ایسے مخفی رنگ میں اہل کتاب سے مدد حاصل کی کہ سالہا سال میں نہ صرف آپ کے صحابہؓ اس امر سے بیخبر رہے بلکہ آپکی ازواج مطہرات اور آپکی لڑکیاں بھی اس سے تا آخر دم بالکل بے خبر رہیں۔ راڈول مترجم قرآن لکھتا ہے کہ " یہ مضمون ایسے اخفار کے پردوں میں محجوب ہے کہ اس فاصلہ سے ہماری آنکھوں کے لیئے ان پردوں کو پھاڑ کر حقیقت تک پہنچنا محال ہے" ضرور محال ہونا چاہیئے کیونکہ یہ راز تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی پر نہ کھلا اور جو لوگ آپکے پاس نہایت قریب رہتے تھے انکو بھی کبھی یہ شبہ کرنیکا موقعہ نہ ملا کہ آپ کسی انسان سے پوشیدہ طور پر مدد لیتے ہیں بلکہ ہمیشہ بصیرۃ کے ساتھ وہ سب ہی یقین کرتے تھے کہ جو کچھ آپ سناتے ہیں وہ حرف بحرف خدائے تعالیٰ کا کلام ہے۔ لیکن پادری ٹسڈل کی آنکھ کل دنیا کی آنکھوں سے زیادہ

تیز معلوم ہوتی ہے کیونکہ جس چیز کو راڈول صاحب لاینحل راز قرار دیتے ہیں اُسی چیز کے متعلق ٹسڈل صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اُسکو اظہر من الشمس کر دیا ہے در اصل جس چیز کا نام ریورنڈ راڈول ناقابل حل معمہ رکھتا ہے حقیقت میں اُس کا کوئی وجود نہیں۔ یہ پادری صاحبان کی اپنی ایجاد ہے۔ وہ پہلے قرآن شریف کے متعلق ایک بے بنیاد دعوے کرتے ہیں مگر جب اُس دعوے کے ثبوت کا وقت آتا ہے اور وہ ثبوت پیش کرنے سے عاجز رہ جاتے ہیں تو کہدیتے ہیں کہ بھائیو یہ ایک ناقابل حل معمہ ہے جسکو ہم اتنی دُور سے حل نہیں کر سکتے۔ اگر انکی آنکھیں اتنی دُور سے اس بات کے ناقابل ہیں کہ وہ ان حجابوں کو چیر کر اصل چیز تک پہنچ سکیں تو سوال یہ ہے کہ پھر پادریصاحبان کو اس امر کا کسطرح علم ہوگیا کہ ان حجابوں کے پیچھے کوئی چیز بھی ہے۔ وہ کونسی آنکھیں ہیں جن کے ذریعہ انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ ان حجابوں کے پیچھے فی الواقع کوئی چیز موجود ہے۔ کیا انہوں نے اپنی آنکھوں کی مدد کے بغیر ایک ایسی چیز کو دیکھ لیا ہے جہانتک اُن کی آنکھوں کو رسائی نہیں۔ کیا نابینا بھی کچھ دیکھ سکتے ہیں؟ مسیح اپنے زمانہ کے فریسیوں کے متعلق کہتا ہے کہ انکی آنکھیں ہیں مگر وہ نہیں دیکھتے مگر مسیح کے پیرو عجیب مخلوق ہے کہ انکی آنکھیں نہیں پھر بھی یہ دیکھ سکتے ہیں۔ غرض پادری راڈول کا یہ بیان کہ یہ مسئلہ اسقدر حجابوں کے نیچے چھپا ہوا ہے کہ ہماری آنکھوں کو وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی دوسرے لفظوں میں اس امر کا صریح اعتراف ہے کہ ہمارے پاس اس دعوے کے ثبوت میں کوئی شہادت موجود نہیں یعنی ہمارا دعویٰ صرف ایک خیالی دعویٰ ہے جس کی تائید میں ہم کوئی شہادت پیش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جہاں پادریصاحبان کی آنکھوں کو گذر نہیں مل سکتا وہاں پادریصاحبان کا کسطرح گذر ہوا۔

میور اپنی کتاب لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں صفحہ ۱۰۰ پر لکھتا ہے "یہودیوں کی کتابوں اور قصوں کے ایک بڑے حصہ کا مفصل علم حاصل کرنا۔ اپنے پہلے ذخیرہ کے ساتھ اُن کو جوڑنا اور قافیہ دار اور مانجھی ہوئی سورتوں میں اُنکو ڈھالنا۔ یہ ایک ایسا کام تھا جس کے پورا کرنے کیلئے بے شک بہت بڑی محنت اور بہت لمبے

وقت کی ضرورت تھی .... محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور آدھی رات کو بہت سے گھنٹے نیند سے
چھین کر اس کام پر صرف کرتے ہونگے" اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طریق پر جو میور تجویز
کرتا ہے قرآن مجید کی سورتوں کو اپنی طرف سے گھڑا کرتے تھے تو یہ امر آپکے حالات سے گہری واقفیت
رکھنے والے صحابہؓ اور آپکی ازواج مطہرات اور آپکی بیٹیوں اور آپکے اقارب سے ہرگز پوشیدہ
نہیں رہ سکتا تھا۔ مگر کوئی مسیحی اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ ان سب لوگوں کو اس امر
کا محکم یقین تھا کہ آپ اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں گھڑتے بلکہ قرآن شریف کا ہر ایک لفظ
اللہ تعالیٰ کے منہ کی باتیں ہیں آپ کا ہر ایک فعل جو آپ دن کے وقت کرتے یا رات کو
کرتے۔ آپ کا سونا۔ آپ کا جاگنا۔ آپ کا اٹھنا آپ کا بیٹھنا۔ آپ کا بولنا۔ آپکا خاموش رہنا
آپ کی ہر ایک بات نہایت توجہ اور غور کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ جس کو شک ہو وہ احادیث
کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔ تب اُسپر یہ امر واضح ہوجائے گا کہ آپ دن کو یا رات کو کوئی ایسا
کام نہیں کرتے تھے جو آپکے صحابہؓ۔ آپکے ازواج مطہراتؓ۔ آپکے خدام۔ آپکے اقربا سے
پوشیدہ ہو۔ اگر آپ .... یہودی کتب اور یہودی قوانین اور یہودی قصص کی
تفصیلات جمع کرنے انکو ترتیب دینے اور اپنی تعلیم میں انکو پیوند کرنے اور لمبی اور
مسجع عبارتوں میں انکو آراستہ کرنے میں ... گھنٹے کے گھنٹے خرچ کردیتے تھے تو کیا
وجہ ہے کہ آپ اسقدر وقت اس کام پر لگائیں اور اُس کا حال کسی متنفس کو معلوم نہ ہو اور
دوست و دشمن۔ اپنے اور بیگانے۔ مرد اور عورتیں۔ اقربا اور اغیار سب کے سب اس
امر سے بالکل بے خبر رہیں اور کسی کو یہ پتہ نہ لگے کہ آپ اپنے وقت کا ایک معتدبہ حصہ اس
قسم کی تصنیف پر صرف کیا کرتے ہیں۔ آپکے دن رات کے افعال نہایت تفصیل اور
بسط کے ساتھ ہم تک پہنچائے گئے ہیں مگر اس امر کی ذرہ بھی شہادت نہیں ملتی کہ آپ
اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ اس قسم کی تصنیف میں بھی خرچ کیا کرتے تھے۔ میور کی طرح راڈول
بھی اپنے ترجمہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ "اس میں کچھ شک نہیں ہوسکتا کہ جمع کردہ مصالح
کو اپنے خیالات کے ساتھ مطابق کرنا۔ اُسکو خوب تیار کی ہوئی سورتوں میں گھڑنا اور عام پبلک کے
سامنے پڑھنے کے لیئے اُن کو تیار کرنا یہ ضرور ایسا کام تھا جس کے لیئے بہت سے وقت

بہت سے مطالعہ۔ اور بہت سے غور و فکر کی ضرورت تھی" یہ بیانات خود اس امر کی شہادت ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بے شک یہودیوں سے اس قدر تفصیل کے ساتھ قرآن مجید کیلئے مصالح جمع کرنے۔ اُس مصالح کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے اور پھر اُنکو مقفی اور اور فصیح و بلیغ سورتوں میں ترتیب دینے کیلئے بڑی محنت اور بڑا وقت اور بہت سا غور و فکر صرف کرنیکی ضرورت تھی۔ مگر یہی امر کہ اس کام کے لیئے اسقدر محنت اور وقت صرف کرنیکی ضرورت تھی اس بات کی ایک بیّن دلیل ہے کہ آپنے ایسا نہیں کیا کیونکہ اگر آپ قرآن مجید کو راڈول اور میور کے مجوزہ طریق کے مطابق اپنی طرف سے گھڑتے تو یہ امر کسی طرح آپ کے اصحاب۔ آپکی ازواج مطہرات رضہ اور آپکے خدام پر مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔

پادری صاحبان کے دعوے کا بطلان ایک اور طریق سے بھی بالکل عیاں ہو جاتا ہے اور وہ طریق یہ ہے کہ اُن مضامین کی طرف توجہ کیجاوے جو پادری صاحبان یہودی سرچشموں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ دیکھا جاوے کہ یہ مضامین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کس زمانہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ذیل میں مَیں اُن مضامین کی ایک فہرست دیتا ہوں جو پادری ٹسڈال کے قول کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے یہود سے سیکھ کر قرآن مجید میں پیوند کر دیئے۔

(۱) واقعہ ہابیل و قابیل (مائدہ ۳۰۔ آیت ۳۵۔)
(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات۔
(۳) حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کے حالات (نمل)
(۴) ہاروت و ماروت (بقرہ۔ آیت ۹۶)
(۵) سورہ اعراف کی آیت ۱۷۲
(۶) بچھڑے کی پرستش (طٰہٰ)
(۷) سورہ حجر آیت ۴۴ متعلق سات دروازوں بہشت کے
(۸) سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۴ متعلق سبع سموات

(۹) سورہ زخرف آیت ۷۷ ذکر ملک الموت۔

(۱۰) سورہ اعراف آیت ۷۷ (مقام اعراف کا بیان)

(۱۱) سورہ حجر آیت ۱۷ و ۴۳ (رجم شیطان)

(۱۲) سورہ صٰفّٰت آیت ۷ (ایضاً)

(۱۳) سورہ ملک آیت ۵ (ایضاً)

(۱۴) سورۂ ہود آیت ۹ (عرش پانی پر)

(۱۵) یوسف اوّل سے آخر تک

(۱۶) حضرت داؤد علیہ السلام (سورہ انبیاء۔ نمل۔ سبا۔ ص)

(۱۷) طالوت (بقرہ)

(۱۸) الفاظ طاغوت۔ جنات عدن۔ فرقان وغیرہ

(۱۹) سورہ قٓ آیت ۳۰۔ یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝

(۲۰) سورہ ہود آیت ۴۰ وَفَارَ التَّنُّوْرُ

(۲۱) مؤمنون آیت ۲۷ وَفَارَ التَّنُّوْرُ

(۲۲) بقرہ رکوع ۲۳۔ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔

(۲۳) انبیاء رکوع ۷ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔

(۲۴) سورہ بروج آیت ۲۱ و ۲۲ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِىْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝

(۲۵) سورہ قٓ آیت اوّل۔

مندرجہ بالا فہرست کے ساتھ میں مندرجہ ذیل مضامین جیوئش انسائیکلوپیڈیا میں سے اضافہ کرتا ہوں جن کا پادری ٹسڈل نے ذکر نہیں کیا۔

(۲۶) پیدائش زمین و آسمان۔

(۲۷) حضرت نوح علیہ السلام۔

(۲۸) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام
(۲۹) حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کی اولاد
(۳۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام
(۳۱) حضرت ہارون علیہ السلام
(۳۲) حضرت اسحٰق علیہ السلام
(۳۳) حضرت ایوب علیہ السلام
(۳۴) حضرت یونس علیہ السلام
(۳۵) حضرت لوط علیہ السلام
(۳۶) حضرت آدم علیہ السلام

مذکورہ بالا مضامین پر میں مندرجہ ذیل آیات پروفیسر نول ڈیک کے مضمون میں سے بڑھاتا ہوں جو اینسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۶ میں مندرج ہے۔ پروفیسر موصوف کے نزدیک یہ آیات بھی یہود سے اخذ کی گئیں۔

(۳۷) سورہ فاتحہ۔ آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ زبور ۲۷۔ ورس ۱۱ سے لی گئی۔
(۳۸) سورہ مائدہ رکوع ۵ کی آیت مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا مشناہ سنہدرین باب ۴ ورس ۸ سے اخذ کی گئی۔
(۳۹) سورۂ نساء رکوع ۷ کی آیت دربارہ تیمم کتاب مشناہ براخوت سے نقل کی گئی۔

یہ ہے فہرست ان مضامین اور آیات قرآنیہ کی جنکے متعلق پادری صاحبان کا دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے سیکھیں اور قرآن مجید میں درج کیں۔ اور مَیں نے پادری ٹسڈل کی کتاب کے علاوہ دوسری کتابوں کو بھی دیکھکر حتی الوسع اس فہرست کو مکمل کیا ہے۔ اور ناظرین میں سے جن صاحبان کو اس بات کا علم ہے کہ شہر مکہ میں کوئی یہودی یا یہودی المذہب شخص آباد نہیں تھا وہ یہ معلوم کرکے حیرت میں پڑ جائیں گے کہ مندرجہ بالا مضامین فرقانی اور آیات رحمانی میں سے اکثر ایسی ہیں جو مکہ ہی میں جہاں کوئی یہودی یا یہودی المذہب شخص

نہیں رہتا تھا نازل ہوئیں۔ مندرجہ بالا فہرست میں صرف نمبر ۱ و ۴ و ۱۷ و ۲۲ و ۲۸ و ۳۳ و ۳۹ صرف ۷ مضامین و آیات وہ ہیں جو مکہ سے ہجرت کر لینے کے بعد نازل ہوئیں۔ باقی ۳۰۳ آیات و مضامین سب کے سب مکی ہیں۔ نمبر ۱۸ کے الفاظ میں سے عدن اور فرقان مکی سورتوں میں موجود ہیں مثلاً عدن کا لفظ سورہ رعد سورہ کہف۔ سورہ فاطر میں موجود ہے جو مکی سورتیں ہیں۔ لفظ فرقان سورہ انبیاء اور سورہ فرقان میں موجود ہے اور یہ دونوں سورتیں مکی ہیں۔ اور دوسری سورۃ کا تو نام ہی فرقان ہے۔ تمام انبیاء کے حالات پوری تفصیل کے ساتھ مکی سورتوں میں موجود ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا بیان سورہ انبیاء۔ شعراء۔ سباء۔ اور سورہ ص میں ہے جو سب مکی سورتیں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات سورہ انعام۔ اعراف۔ یونس۔ ہود۔ ابراہیم۔ بنی اسرائیل۔ کہف۔ مریم۔ طٰہٰ۔ انبیاء۔ فرقان۔ شعراء۔ نمل۔ قصص۔ عنکبوت۔ سجدہ۔ صافات۔ مومن۔ حم سجدہ۔ زخرف۔ دخان۔ احقاف۔ ذاریات۔ قمر۔ مزمل۔ عبس وغیرہا میں درج ہیں اور یہ سب مکی سورتیں ہیں اور ان میں سے بہت سی سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے حالات بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات کے ساتھ مندرجہ بالا سورتوں میں سے بعض میں موجود ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر سورہ اعراف۔ یونس۔ ہود۔ انبیاء۔ مومنون۔ فرقان۔ شعراء۔ عنکبوت۔ صافات۔ سورہ نوح اور بہت سی دیگر مکی سورتوں میں درج ہے۔ حضرت یعقوبؑ۔ حضرت یوسفؑ اور دیگر پسران یعقوب کا بیان سورہ یوسف میں مذکور ہے اور یہ سورہ بھی مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے حالات کے لیئے دیکھو سورہ انبیاء اور سورہ ص اور یہ دونوں سورتیں مکہ میں اتریں۔ حضرت یونس علیہ السلام کے حالات کے لیئے دیکھو سورہ یونس۔ انبیاء۔ صٰفٰت۔ اور سورہ ن جو سب مکی سورتیں ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے تذکرہ کیلیئے دیکھو سورہ اعراف۔ ہود۔ حجر۔ انبیاء۔ فرقان۔ شعراء۔ نمل۔ عنکبوت۔ صٰفٰت وغیرہا اور یہ سب مکی سورتیں ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے حالات کیلیئے دیکھو سورہ اعراف۔ حجر۔ بنی اسرائیل۔ مریم۔ طٰہٰ۔ اور سورہ ص اور یہ سب سورتیں مکی زمانہ کی ہیں۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہم السلام کے حالات سورہ انعام۔ ہود۔ ابراہیم۔ حجر۔ نمل۔ مریم۔ انبیاء۔ شعراء۔ عنکبوت۔ صٰفٰت۔ ص۔ زخرف۔ ذاریات۔ اور سورہ اعلیٰ میں ہیں جو

ہیں یہ سب سورتیں مکہ معظمہ میں نازل ہوئیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر سورہ صٰفٰت میں ہے جو مکی سورۃ ہے۔ زمین و آسمان کی پیدائش کے بیان کیلئے دیکھو سورہ نمل آیت ۳۔ سورہ ق آیت ۳۷ سورہ رعد آیت ۳ و ۴۔ سورہ فاطر آیت ۱۲۔ سورہ حم سجدہ آیت ۸۔۱۱ اور یہ سب مکی آیات ہیں۔ مذکورہ بالا تفصیل سے ناظرین معلوم کر سکتے ہیں کہ قرآن شریف کے جو مضامین یہودی سرچشموں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اُنہیں سے اکثر یا یوں کہو کہ وہ قریباً سب کی سب مکی سورتوں میں پائے جاتے ہیں حالانکہ مکہ معظمہ میں ایک ایسا شخص بھی موجود نہ تھا جو یہودی الاصل یا یہودی المذہب ہو۔ اگر مکہ میں نازل ہوئی ہوئی سورتیں ان مضامین سے بالکل خالی ہوتیں اور یہ مضامین صرف مدنی سورتوں میں پائے جاتے تب بھی پادری لوگوں کو یہ کہنے کی کچھ گنجائش ہوتی کہ یہ اس امر کی ایک شہادت ہے کہ یہ مضامین یہود سے سُنکر یا سیکھ کر لکھے گئے کیونکہ یہود مدینہ میں آباد تھے۔ ایسی صورت میں معترضین کہہ سکتے تھے کہ چونکہ مکہ میں کوئی یہودی آباد نہیں تھا اس لیے مکی سورتوں میں ان مضامین کا نام و نشان نہیں پایا جاتا اور چونکہ مدینہ اور اُس کے قرب و جوار میں بہت سے یہود آباد تھے اس لیے اُن سے سیکھ کر یہ مضامین قرآن میں درج کر دیئے گئے۔ مگر پادری صاحبان کی بدقسمتی سے یہاں تو معاملہ بالکل برعکس نکلا۔ جس شہر میں کوئی یہودی آباد نہیں تھا بلکہ جس شہر کے آس پاس بھی دُور دُور تک کسی یہودی کا پتہ نہیں ملتا تھا اُس شہر میں جو سورتیں نازل ہوئیں وہ اُن مضامین سے پُر ہیں جنکو یہودی سرچشموں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے یہ امر اس بات کی یقینی دلیل ہے کہ پادری صاحبان کا دعویٰ کہ یہ مضامین یہود سے سیکھے گئے بالکل لغو اور بے بنیاد ہے۔ (باقی آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان

ایڈورڈ میموریل فنڈ:۔ اس فنڈ کے متعلق میں پچھلے نمبر میں تحریک کر چکا ہوں ہز آنر نواب لفٹنٹ گورنر صاحب پنجاب نے مجلس معتمدین کی تجویز متعلق یادگار پر اظہار خوشنودی فرمایا ہے اور اب وقت ہے کہ بہت جلد ہمارے احباب اسکی طرف توجہ کریں۔ ۱۵۔ اکتوبر تک سب جگہ انجمنیں اس کے متعلق کارروائی کر کے اطلاع دیں۔ میں اس امر کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے ایک سو روپیہ چندہ اس فنڈ میں خود دیکر اس کام کیلئے عملی طور پر جماعت کو توجہ دلائی ہے

چنانچہ یہ روپیہ ۹۔ستمبر کو وصول ہوکر انجمن کے خزانہ میں جمع ہوچکا ہے۔
عید فنڈ:۔ غالباً یہ رسالہ عید سے دو ہفتے پہلے احباب کے ہاتھوں میں پہنچ جاویگا اور میں امید کرتا ہوں کہ ہر ایک مقامی انجمن کے کارکن عہدہ دار حسب معمول اس فنڈ کی طرف جملہ احباب کو متوجہ کرکے ممنون فرماویں گے۔ عید سے کچھ دن پہلے ہر ایک انجمن میں اس کے متعلق تحریک ہو جانی چاہیئے تاکہ نماز عید کے اجتماع کے موقعہ پر روپیہ فراہم ہو جاوے بلکہ اس سے بھی بہتر ہوکہ دو دو تین تین محصل انجمن کی طرف سے مقرر ہوکر عید سے پہلے سب احباب کے مکانوں پر جاکر تحریک کریں اور چندہ وصول کریں۔ تعلیم الاسلام سکول کو جو قبولیت اسوقت اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے دی ہے اس کا عملی شکریہ احمدی جماعت کی طرف سے کم سے کم اسقدر ضرور ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی کوششوں میں جو اس مدرسہ کی ترقی کیلئے ضروری ہیں پہلے سے زیادہ جوش کے ساتھ قدم اٹھاویں۔ تاکہ انکی کوششیں اور بھی بڑھکر اللہ تعالیٰ کے فضل کی جاذب ہوں۔

مختار عام:۔ قریباً دو سال سے شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی مختار عام صدر انجمن احمدیہ کا کام کرتے تھے اور اس کام کے لیئے وہ موزون بھی تھے مگر ایک تو اس وجہ سے کہ شیخ عبدالرحمٰن کی ضرورت دوسرے کام کے لیئے تھی جہاں سے باہر آنے جانیکے لیئے وقت نہیں نکل سکتا چنانچہ وہ محرر اول دفتر میگزین کی اسامی پر لگائے گئے ہیں اور دوسرے اس وجہ سے کہ سپرنٹنڈنٹ دفاتر کا عہدہ جس پر حال میں ہی منشی فقیر اللہ خاں صاحب کو لگایا گیا ہے مختار عام کے کام کیلئے زیادہ موزون ہے شیخ عبدالرحمٰن صاحب کی بجائے مجلس معتمدین نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۰۔اگست ۱۹۱۰ء میں بروئے رزولیوشن نمبر ۱۳۳۶ منشی فقیر اللہ خاں صاحب کو مختار عام صدر انجمن احمدیہ مقرر کیا ہے۔ لہٰذا یہ چند الفاظ عام اطلاع کے لیئے لکھے جاتے ہیں کہ آیندہ مختار عام کا کام منشی فقیر اللہ خاں صاحب کریں گے۔

تعمیر بورڈنگ ہوس:۔ مَیں نہایت خوشی سے احباب کو یہ اطلاع دیتا ہوں کہ نئے بورڈنگ ہوس کی عظیم الشان عمارت کے دو ونگ پر سوائے ایک آدھ کمرہ کے

چھت پڑ گئی ہے۔ اب صرف لکڑی کا کام باقی ہے مگر افسوس ہے کہ احباب نے ابتک اسکے چندہ کی طرف پوری توجہ نہیں کی۔ انجمنوں کے کارکن احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ پورے جوش سے اس چندہ کی وصولی کا انتظام فرماویں۔ تاکہ اگر ممکن ہو تو جلسہ سالانہ سے پہلے پہلے یہ عمارت مکمل ہو جاوے اور پھر مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ ہوس اور شفاخانہ کی تعمیر کے لیئے قدم اُٹھایا جاوے۔

محمد علی

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان۔ ۱۱ستمبر ۱۹۱۰ء

ریویو

عربی بول چال:۔ مولنا مولوی محمد عبد الحیی صاحب عرب مؤلف لغات القرآن وغیرہ نے ایک ۸۰ صفحہ کا چھوٹی تقطیع کا رسالہ عربی زبان میں تالیف کیا ہے۔ مقابل میں اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ عربی میں بول چال کی مشق کرنیکے لیئے یہ رسالہ بہت مفید ہے۔ قیمت ۲ر ملنے کا پتہ محمد عبد الحیی عرب۔ قادیان۔

بائیبل کا پرچار:۔ مؤلفہ شیخ رحیم بخش صاحب نومسلم واعظ اسلام قادیان یہ رسالہ مسیحی مذہب کی تردید میں لکھا گیا ہے صفحہ ۲۶۔ قیمت ۱؍ مؤلف سے مل سکتا ہے۔ شیخ صاحب کو مسیحی مذہب کی تردید اور اسلام کی تائید کا بہت جوش ہے۔

ذوالفقار علی:۔ مؤلفہ مولوی قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق دہلی یہ کتاب نو آریہ اسنہ دیو کی کتاب نعرہ حیدری کے جواب میں لکھی گئی ہے جسمیں علاوہ اور امور کے نو آریہ کے سفرنامہ کا ایک عجیب اور ناقابل جواب طریق سے جھوٹ ہونا دکھلایا گیا ہے۔ تعداد صفحہ ۹۶۔ قیمت ۳ر مؤلف سے مل سکتی ہے۔

بیدر گزٹ:۔ یہ ۱۴ صفحہ کا اخبار مہینہ میں چار بار بیدر ریاست نظام سے شائع ہوتا ہے اسکا مقصد اصلاح ملک و بہبودی رعایا ہے۔ یہ ایک نہایت اچھے پایہ کا اخبار ہے جو بہت سرگرمی سے اپنے کام میں معروف ہے سالانہ قیمت عوام سے ۱۲ ؎ کم استطاعت احباب اور طلباء سے ۱۱ ؎ محبان ملک و قوم کیلیئے اسکا خریدنا منفعت کا موجب ہوگا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے + لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ | بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء | نمبر ۱۰

عام قیمت دو روپیہ | سالانہ طلباء سے ایک روپیہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور ۲۰ - اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نور الدین صاحب کا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں۔ کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں۔ اور ضعف نظر کی عام شکایت ہے۔ میں نے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کے لئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اس کے اصل ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم نور الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنے کے بعد میں نے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر تیار کئے ہیں اور اب فائدہ عام کے لئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں اس لئے ہر ایک کی قیمت جُدا جُدا ہے۔ قیمت سرمہ اول دو روپیہ عہ۔ قسم دوم ڈیڑھ روپیہ قسم سوم ایک روپیہ فی تولہ۔ قیمت ممیرا قسم اوّل عہ جس کو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں قسم دوم ہے۔ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کر کے قیمت لے لو۔

ست سلاجیت

مقوی ممبیج اعضا۔ نافع صرع مشہی طعام۔ قاطع بلغم و ریاح دافع بواسیر و جذام و استسقا و زردی رنگ۔ و تنگی نفس و دق و شیخوخیت و فساد بلغم و قاتل کرم شکم و منفتت سنگ گردہ و مثانہ و سلسل بول و سیلان منی و یبوست و درد مفاصل وغیرہ وغیرہ بہت مفید ہے بقدر دانہ نخود صبح کے وقت دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔ قیمت فی تولہ ۸/

لنگیاں اور کلاہ:۔ ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری سیاہ۔ سفید۔ ماشی۔ ریشمی۔ سوتی۔ تُسری صافے سفید۔ اور پشاوری ٹوپیاں اور زری کی پشاوری جوتیاں ہر قسم کی اور ہر قیمت کی مل سکتی ہیں۔ عہ سے عہ تک۔

حمائل خورد روسی ہدیہ عہ اور شاہ رفیع الدین کا مترجم کلام اللہ چمڑے کی جلد عہ

المشتہر:۔ احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب)

نوٹ:۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور لکھا کریں ◆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ینابیع الاسلام پر ریویو۔ حصہ سوم

یہودی سرچشمے

سلسلہ کیلئے دیکھو گذشتہ نمبر

اور صرف یہی نہیں کہ مکّہ میں کوئی شخص یہودی الاصل یا یہودی المذہب آباد نہیں تھا بلکہ اس امر کیلئے بھی کسی قسم کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ مدینہ کے یہودی مکّہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو یہودی علوم کی تعلیم دیتے تھے۔ میور اپنی کتاب کے باب پنجم کے خاتمہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت کے ۵ سال سے ۱۰ سال تک کے واقعات پر بحث کرنیکے بعد لکھتا ہے۔ "اس زمانہ کے قریب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہودیوں کے ساتھ یا ایسے لوگوں کے ساتھ جو یہودی علوم سے واقفیت رکھتے تھے تعلقات قائم کرنیکے لئے ضرور ذرائع میسّر آگئے ہونگے۔" میور کے اس قسم کے الفاظ سے ایک انسان خیال کریگا کہ اسکو اس قدر یقین ہے کہ اس زمانہ میں یعنی بعثت کے سال پانچ سے دس سال تک کے عرصہ میں ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی لوگوں یا یہودی علوم کے ماہروں سے تعلقات قائم کر لئے تھے۔ اس لئے ایسے یقینی علم کی بنا ضرور کسی قطعی ثبوت پر ہوگی ورنہ میور ایسے وثوق

سے اس قسم کی رائے کا اظہار نہ کرتا۔ مگر جب ہم میور کے اگلے فقرے کو پڑھتے ہیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس یعنی پادریصاحبان کے پاس اس بات کا ذرہ بھی ثبوت موجود نہیں کہ اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں یا یہودی علوم کے ماہروں کے ساتھ تعلقات قائم کر لیئے تھے۔ پادری صاحبان کے نامی مورخ میور صاحب کو اس بات کا کس طرح علم ہوا کہ اس زمانہ کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے تعلق قائم کر لیئے تھے؟ اس سوال کا جواب میور صاحب خود بیان کرتے ہیں اُنکے مندرجہ بالا فقرے کا دوسرا حصہ یہ ہے "کیونکہ اسوقت اُنکے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے) قرآن میں کثرت سے ایسے حالات بیان ہونے شروع ہو گئے جو یہودیوں کی کتابوں اور قصوں سے لیئے گئے ہیں اور اکثر اوقات یہ حالات بڑی بسط کے ساتھ (قرآن مجید میں) بیان کیئے گئے ہیں" یہ ہے وہ زبردست ثبوت جس کی بنا پر وہ یہ یقینی رائے ظاہر کرتے ہیں کہ اسوقت آنحضرتؐ کے تعلقات یہودیوں کے ساتھ یا یہودی علوم کے واقفکاروں کے ساتھ ضرور قائم ہو گئے ہونگے۔ میور صاحب کے نزدیک چونکہ وہ سورتیں جو بعثت کے پانچویں سال سے دسویں سال تک نازل ہوئیں ایسے مضامین کثرت سے اپنے اندر رکھتی ہیں جو یہودی کتب کے مضامین سے مشابہ یا مطابق ہیں اسلیئے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ضرور اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات یہودیوں وغیرہم سے قائم ہو گئے ہونگے۔ مگر میور صاحب کے اس بیان سے یہ صاف طور پر عیاں ہے کہ اُنکے پاس واقعی طور پر کوئی ایسی شہادت موجود نہیں جس سے ثابت ہو کہ فی الواقع اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات یہودیوں کے ساتھ قائم ہو گئے تھے۔ صرف مشابہت مضامین سے وہ یہ نتیجہ نکال رہے ہیں۔ ناظرین! غور فرماویں پادریصاحبان کے ہاتھ ثبوت سے کیسے خالی ہیں۔ اگر میور صاحب کے ہاتھ میں ذرا بھی ثبوت موجود ہوتا تو وہ اس موقعہ پر ضرور اُس کا ذکر کرتے۔ اُنکا یہ کہنا کہ چونکہ اس زمانہ کے مضامین یہودی صحف کے مضامین سے مشابہ یا مطابق ہیں اس لیئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود سے تعلقات قائم کرنے کیلیئے ذرائع میسر آ گئے ہونگے صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ میور صاحب کے ہاتھ میں کوئی شہادت اس بات کے ثابت کرنیکے لیئے موجود نہیں۔ صرف مشابہت

دیکھکر انکلیں دوڑا رہے ہیں۔ وہ خود مورخ ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں اور اُنہوں نے اسلامی تاریخ کا خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات کے متعلق بڑی بڑی کتابوں کو دیکھا ہے اگر کہیں بھی اُنکو اس امر کا پتہ لگتا کہ یہودی مدینہ شریف سے چلکر مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جایا کرتے تھے اور خلوت میں یا جلوت میں یہودی تاریخ اور یہودی شریعت اور عقائد اور مسائل کے متعلق وہ لوگ آپ سے گفتگو کیا کرتے تھے تو ضرور میور صاحب اس واقعہ پر بڑی قوت کے ساتھ پنجہ مارتے اور اس واقعہ کو اپنے دعوے کی تائید میں بطور شہادت کے پیش کرتے۔ مگر اُنکا بیان اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اُنکے پاس کوئی بھی ثبوت اس امر کا نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہودان مدینہ آیا کرتے تھے اور اپنی تاریخ اور اپنی کتابیں اور اپنے عقائد وغیرہ آپ کو سکھایا کرتے تھے۔ صرف یہ کہدینے سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودان عرب یا عالمان کُتب یہود کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے ذرائع میسر آگئے ہونگے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعی تعلقات قائم کرنیکے ذرائع میسر آگئے تھے۔ اگر اس بیان سے کچھ ثابت ہوتا ہے تو صرف یہی کہ پادری صاحبان کے پاس کوئی بھی ثبوت اس بات کا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ذرائع میسر آگئے تھے۔ ناظرین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ انہی مکی سورتوں کے مضامین کے متعلق ہی میور اور راڈول صاحبان لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں سے تعلیم حاصل کرنے اور اُس تعلیم کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے اور فصیح بلیغ سورتوں میں اُن حاصل کردہ معلومات کو آراستہ کرنے میں بڑا وقت اور بڑی محنت اور بہت سا غور و فکر خرچ کرنا پڑتا ہوگا۔ ان صاحبان کے پاس اس بات کا تو کوئی ثبوت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودان مدینہ سے تعلقات قائم کرنیکے لیئے ذرائع میسر آگئے تھے پھر بھی وہ بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ ان تعلیمات کے حاصل کرنے اور اُنکو حفظ کرنے اور قرآنی سورتوں میں ڈھالنے کیلیئے آپ کو بہت وقت خرچ کرنا پڑتا تھا۔ تحقیق اسی کا نام ہے۔ کوئی ثبوت ہاتھ میں نہیں۔ کوئی شہادت ان لوگوں پاس نہیں جس سے ثابت ہو کہ آپ کو ایسے تعلقات قائم کرنیکے ذرائع حاصل ہوگئے تھے اور نہ کوئی دلیل اس بات کے یقین کرنے کے لیئے

ان لوگوں کے پاس ہے کہ آپ اس کام پر بہت سا وقت خرچ کیا کرتے تھے۔ وہ کونسی کوٹھری تھی یا وہ کونسی وادی تھی جہاں آپ یہودی لوگوں یا یہودی علوم کے عالموں سے ملاقات کیا کرتے تھے اور گھنٹوں تک اُن کے پاس بیٹھکر یہودی تاریخ کی تفصیل اور یہودی مسائل کی کیفیت اُن سے سُنا کرتے تھے۔

ٹسڈل صاحب تین اشخاص کا نام لیتے ہیں جن کی نسبت وہ لکھتے ہیں کہ وہ یا تو خود یہودی تھے یا یہودی مذہب رکھتے تھے۔ وہ نام یہ ہیں۔ عبداللہ بن سلام۔ حبیب بن مالک اور ورقہ بن نوفل۔ ان تین اشخاص میں سے صرف تیسرا آدمی مکہ کا باشندہ تھا۔ مگر ٹسڈل صاحب کی بدقسمتی سے نہ تو وہ خود یہودی تھا اور نہ یہودی مذہب رکھتا تھا۔ ہاں اُس کی نسبت یہ لکھا ہے کہ اُس نے بُت پرستی چھوڑ کر مسیحی مذہب اختیار کر لیا تھا مگر پیشتر اسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نبی ہونیکا اعلان فرمایا وہ اس عالم سے رحلت کر چکا تھا ہاں جب اُس نے اپنی زندگی میں یہ سُنا تھا کہ غار حرا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خدائے تعالیٰ کا فرشتہ ظاہر ہوا ہے تو وہ اس بات پر ایمان لایا تھا کہ آپ خدائے تعالیٰ کی طرف سے نبی ہوکر ظاہر ہونیوالے ہیں۔ مگر وہ اسکے بعد جلدی ہی فوت ہو گیا۔ اس لیئے اگرچہ وہ اُن لوگوں میں سے ہے جو سب سے اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لائے مگر اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کے قول کے مطابق یہودی تاریخ اور یہودی مذہب کا منفصل علم حاصل کیا۔ ہمارے پاس اس امر کیلیئے ذرہ بھی شہادت موجود نہیں کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ورقہ کے پاس یہودی علوم سیکھنے کے لیئے اور یہودی تاریخ سے واقفیت حاصل کرنیکے لیئے تشریف لے گئے ہوں۔ علاوہ ازیں میور تو کہتا ہے کہ آپ کی بعثت سے قریباً ۵ سال بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودی لوگوں یا یہودی علوم کے عالموں سے تعلقات قائم کرنیکا موقعہ حاصل ہوا ہوگا مگر ورقہ تو اس سے ایک دراز عرصہ پہلے فوت ہو چکا تھا اور پھر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ ورقہ یہودی تاریخ اور یہودی عقاید اور یہودی علوم سے ایسی ہی گہری واقفیت رکھتا تھا جیسی کہ قرآن مجید کے مضامین سے پائی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں مکی سورتوں میں۔ بہت سے انبیاءؑ کے حالات ایسی باریک تفصیل کے ساتھ بیان کیئے گئے ہیں اور قرآن شریف کی بعض آیات ایسی لفظ بہ لفظ یہودی صحف سے تطابق رکھتی ہیں کہ انکی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ صرف زبانی بات چیت میں آنحضرتؐ نے ان تفصیلات اور ان فقرات کو سیکھ لیا۔ انبیاءؑ کے حالات کی تفصیلات کو مَیں یہاں درج نہیں کرسکتا مگر بعض اُن فقروں کو بطور نمونہ یہاں درج کرتا ہوں جو یہودی کتب کے فقرات سے ایسے مشابہ ہیں کہ انکی نسبت دو ہی صورتیں متصور ہوسکتی ہیں۔ یا تو وہ یہودی صحیفے اور اُن کے وہ خاص مقامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کتابیں کھولکر مکّہ معظمہ میں پڑھے گئے۔ یا وہ فقرے بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔ زبانی گفتگو کے ذریعہ وہ فقرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

(۱) پادری صاحب صفحہ ۱۱۲ پر لکھتے ہیں۔ کہ قرآن مجید کی پچاسویں سورہ کے سر پہ جو حرف ق ہے وہ یہودیوں کی ایک کتاب سے لیا گیا۔ جس کا نام حگیگاہ ہے پیدایش باب اوّل ورس ۲ میں جو لفظ تُوھُو ہے کتاب حگیگاہ باب ۱۱۔ ورس ۱ میں اس لفظ کی تفسیر میں لکھا ہے "تُوھُو قاوِ سبزے است کہ تمامِ تمام جہاں را احاطہ مے کند کہ تاریکی ازاں جا درمے شود"۔ پادری صاحب لکھتے ہیں کہ لفظ قاو کے معنے عبرانی میں خط یعنی لکیر کے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے یہ فقرہ یہود سے سنا اور لفظ قاو کو نہ سمجھا اور چونکہ اُن کو یہ معلوم نہیں تھا کہ لفظ قاو کے معنے ہیں خط یا شاقول۔ انہوں نے گمان کیا کہ جس چیز نے تمام دنیا کو گھیرا ہوا ہے وہ ضرور اونچے پہاڑوں کا لمبا سلسلہ ہوگا۔ اس لیئے اُس پہاڑ کا نام پچاسویں سورہ کے سر پر رکھدیا گیا اور چونکہ وہ عبرانی خوب نہیں سمجھتے تھے اسلیئے بجائے قاو کے قاف لکھدیا۔ ہم تھوڑی دیر کے لیئے پادری صاحب کے جھوٹ کو سچ فرض کر لیتے ہیں۔ اور پھر اُس پر غور کرتے ہیں۔ ناظرین کو معلوم ہوگا کہ سورہ ق مکّی سورۃ ہے۔ اگر فرض کر لیا جاوے کہ پادری صاحب نے جھوٹ نہیں بولا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی مدینہ سے مکّہ میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی کتابیں کھولکر پڑھا کرتے تھے اور ایک دفعہ انہوں نے کتاب حگیگاہ کا گیارہواں باب بھی آپ کو سُنایا تھا مگر چونکہ آپ عبرانی نہیں سمجھتے تھے

اس لیئے آپنے غلطی سے قاؔو کو قاف سمجھا* اور وہ چیز جو دراصل ایک لکیر تھی اسے بلند پہاڑوں کا ایک لمبا سلسلہ سمجھ لیا اور چونکہ آپ کا یہ عقیدہ تھا کہ جو کچھ یہودیوں کی کتابوں میں لکھا ہے وہ سب خدا کا کلام ہے اس لیئے آپنے اس پہاڑ کا نام اٹھا کر ایک سورہ کے سر پر رکھ دیا۔ اس قصہ کی بیہودگی اور لغویت کو نظر انداز کر کے مَیں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا اُن کے پاس اس امر کی کوئی شہادت ہے کہ مدینہ کے یہودی مکہ میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کتابیں اصل عبرانی زبان میں پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ پادری صاحب! یہود ان مدینہ کا مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر مذہبی تذکرے کرنا ہی ثابت نہیں۔ آپ کو یہ کسطرح علم ہو گیا کہ وہ مکہ میں جا کر اپنی کتابیں بھی آپ کے سامنے کھولتے اور پڑھ کر سناتے تھے۔ پادری صاحب تو یہ بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ مدینہ کے یہودیوں کے پاس حگیگاہ کتاب موجود تھی اور اُنکو اُس کے مضامین کا علم تھا۔ ناظرین پادری صاحب کی اس بیہودہ رام کہانی کو دیکھیئے۔ ایسے ہی ثبوتوں کی بنا پر آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے قرآن مجید کا زمینی سرچشموں سے نکلا ہوا ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے۔

(۲) پادری صاحب صفحہ ۱۰۶ پر لکھتے ہیں کہ قرآن کی آیت وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ زبور ۳۷ ورس ۱۱ سے اخذ کی گئی جہاں لکھا ہے "لیکن وے جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہونگے"۔ اس آیت کریمہ کے متعلق بھی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو خدائے تعالیٰ کی وحی کے ذریعہ آپ پر یہ آیت نازل ہوئی یا کسی یہودی عالم نے مکہ میں آکر ۳۷ زبور آپکے سامنے پڑھا اور اُس زبور کو سُنکر آپنے یہ آیت چن لی۔ مگر مکہ میں آکر ۳۷ زبور کا پڑھکر سنانا تو کجا پادری صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں یہودیوں کا آنا اور مذہبی تذکرے کرنا بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ اس لیئے سوائے اسکے اور کوئی راہ نہیں کہ اس آیت کریمہ کو وحی الٰہی مانا جاوے۔

(۳) ینابیع کے صفحہ ۱۰۳ پر آپ لکھتے ہیں کہ قرآنی آیت و فار التنور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی کتاب روش ھشاناہ کے باب ۶ کی آیت ۲ اور کتاب سنھدرین

*نوٹ: پادری صاحب بتلائیں کہ یہودیوں نے لفظ قاؔو کا عربی میں ترجمہ کیوں نہ کیا تا یہ مغالطہ پیدا نہ ہوتا۔ منہ

فصل ۸ ۱۰ سے اخذ کی جہاں لکھا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم آب جوش دار یعنی اُبلتے ہوئے پانی کے ذریعہ ہلاک کی گئی۔

(۴) پادری صاحب صفحہ ۱۰۳ پر لکھتے ہیں کہ قرآنی آیت يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (سورہ ق) یعنی ہم اُس دن جہنم سے کہیں گے کیا تو پُر ہوگیا اور وہ جواب دیگا کہ کیا کچھ اور ہے اُوتیوت دِ ربّی عقیباہ سے لی گئی جہاں لکھا ہے کہ امیر جہنم ہر روز یہ آواز دے گا کہ مجھے غذا دو تا میں سیر ہو جاؤں۔

(۵) سورہ حجر کی آیت اِسْتَرَقَ السَّمْعَ پادری صاحب کے خیال میں کتاب حگیگاہ باب ۱۶ فصل اوّل سے لی گئی جہاں لکھا ہے کہ جن ہا از عقب پردہ مے شنوند یعنی جن پردہ سے پیچھے غیب کی خبریں آسمان پر جاکر سنتے ہیں (ینابیع صفحہ ۱۰۳)

(۶) سورہ اعراف کی آیت وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ پادری صاحب کے گمان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدراش سے اخذ کی جہاں کتاب جامعہ باب ۷ آیت ۱۴ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جہنم اور جنّت کے مابین ایک دیوار ہے۔ (ینابیع صفحہ ۱۰۲)

(۷) سورہ ہود کی آیت كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ پادری صاحب کے زعم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راشی نام یہودی مفسر سے اخذ کی جس نے کتاب پیدائش کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کرسی جلال در ہوا قائم بود و بر روئے آبہا حرکت کرد (ینابیع صفحہ ۱۰۱)۔

(۸) داروغہ جہنم کا خیال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پادری جی کے خیال کے بموجب یہودیوں سے سیکھا جو ایک امیر جہنم کو مانتے ہیں (ینابیع صفحہ ۱۰۲)

(۹) سورہ اعراف کی آیت وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پادری صاحب کے قول کے بموجب کتاب عبوداہ ساراہ باب ۲ فصل ۲ سے اخذ کی جہاں لکھا ہے کہ پوشانیدم من بر شما کوہ را کہ گویا آں سرپوشے بود یعنی میں نے

تمہارے سروں پر پہاڑ کو سرپوش کی طرح کھڑا کر دیا۔ (ینابیع صفحہ ۹۷)

(۱۰) پروفیسر نول ڈیک کے قول کے بموجب آیت اھدنا الصراط المستقیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبور ۲۷ ورس ۱۱ سے اخذ کی جہاں لکھا ہے "اے خداوند مجھ کو اپنی راہ بتا اور میرے دشمنوں کے سبب مجھے اُس راہ پر جو برابر ہے چل"۔

مندرجہ بالا ساری آیات جن کا لفظی تطابق یہودی کتب کے فقرات کے ساتھ دکھایا گیا ہے سب مکی آیات ہیں۔ انکی نسبت پادری صاحبان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ فقرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے سیکھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا واقعات ایسے خیال کی تائید کرتے ہیں۔ کیا پادری صاحبان اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی شہادت پیش کر سکتے ہیں۔ ان سوالات کا جواب سوائے نفی کے نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان فقرات کو مذکورہ بالا کتب یہود سے صرف اُسی صورت میں لے سکتے تھے جب یہ کتابیں آپ کی رسائی میں ہوتیں۔ مگر کوئی مسیحی خواہ وہ کیسا ہی متعصب کیوں نہ ہو یہ کہنے کی جرأت نہ کرے گا کہ مکے کے شہر میں یہ کتابیں آپ کی رسائی میں تھیں۔ یہ صرف عام کہانیاں نہیں جو زبانی بول چال کے ذریعہ حاصل ہو سکتی تھیں۔ یہ ایسے فقرات ہیں جن میں سے اکثر یہودیوں کی کتابوں سے لفظ بہ لفظ ملتے ہیں۔ اور یہ فقرات صرف دو طریق سے ہی آپ ان یہودی کتب سے حاصل کر سکتے تھے یا تو خود آپ ان کتابوں کو پڑھتے یا کوئی یہودی عالم ان کتابوں کو آپ کے سامنے پڑھتا مثلاً قرآن مجید کی آیت وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ○ کا زبور کی آیت "وے جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہونگے" سے مقابلہ کرو۔ اب اس آیت کے متعلق مسیحی صاحبان کا یہ قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت بذریعہ وحی نہیں نازل ہوئی بلکہ آپنے یہود سے سیکھی۔ خوب۔ ہم پادری صاحبان کے اس دعویٰ کو قبول کرنیکے لیئے بالکل تیار ہیں۔ صرف ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ یہ آیت کس طرح آپنے یہود سے حاصل کی۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود زبور کی کتاب اوّل

سے آخر تک یا اس کا ایک حصہ پڑھا اور اس میں سے زبور ۳۷ کی آیت ۱۱ کو قرآن شریف میں درج کرنے کیلئے منتخب کر لیا یا کیا مسیحی صاحبان کو اس بات کا علم ہے کہ زبور کی کتاب کوئی یہودی عالم آپکے پاس مکہ معظمہ میں لے آیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ کتاب آپکو سنائی اور اس میں سے آپنے باب ۳۷ کی آیت ۱۱ پسند فرمائی اور اس کو قرآن مجید میں داخل کر دیا۔ کوئی مسیحی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ یہودی عالم آپکے پاس مکہ میں آکر زبور کی کتاب یا دیگر کتابیں جن کے نام اوپر درج ہو چکے ہیں سنایا کرتے تھے اور یہ کہ آپنے مذکورہ بالا آیات ان کتابوں سے منتخب فرمالیں۔ جب عالم یہودیوں کا اپنی کتابیں لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا تو کجا۔ جاہل یہودیوں کا بھی مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا اور مذہبی تذکرے کرنا مسیحی صاحبان ثابت نہیں کر سکتے۔ تو پھر یہ کس طرح خیال میں آسکتا ہے کہ بہت سے گمنام فقرے جو یہودیوں کی گمنام کتابوں کے اندر مُردوں کی طرح مدفون ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتابوں میں سے وہ فقرے نکالکر قرآن مجید میں داخل کر لیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کتابوں سے فقروں کا حاصل کرنا تو الگ رہا کوئی مسیحی یہ بھی ثابت نہیں کر سکتا کہ یہ سب کتابیں خود یہودان مدینہ کے پاس موجود تھیں اور وہ ان کے مضامین سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ غرض پادری صاحب کا یہ دعویٰ کہ میں نے قرآنی مضامین کا یہودی کتب سے نکلا ہوا ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے بالکل غلط ہے۔

پروفیسر نول ڈیک لکھتا ہے کہ مندرجہ بالا فقروں کے اخذ کرنے کے لیئے ان کتابوں کا میسر ہونا ضروری نہیں۔ معمولی گفتگو میں آسانی سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے فقروں کو اخذ کر سکتے تھے۔ پروفیسر صاحب کی قابلیت کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے میں ان سے پوچھتا ہوں کہ (۱) آیا مندرجہ بالا فقرے اس قسم کے ہیں کہ وہ عام طور پر ہر ایک یہودی کی زبان پر جاری رہتے ہوں تاکہ یہ کہا جا سکے کہ عام گفتگو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے یہ فقرات سن لیئے تھے (۲) کیا مکہ میں ایسے یہود آباد تھے جو اپنی کتابوں میں پوری دسترس رکھتے تھے کیونکہ یہ فقرات مکی سورتوں میں پائے جاتے ہیں۔

(۳) اگر مکہ میں موجود نہیں تھے تو کیا اس امر کا کوئی ثبوت ہے کہ مدینہ کے یہود کثرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اور ایسی آمد و رفت رکھنے والے عالم یہودی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکثر اوقات مذہبی گفتگو میں مصروف رہتے تھے۔ (۴) کیا مدینہ کے یہود خود ان کتابوں میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ ہر ایک شخص جو ان فقرات پر نظر ڈالے گا وہ اس بات کا اقرار کرے گا کہ یہ ایسے فقرے نہیں جو سرسری بات چیت میں آسانی سے اخذ کیے جا سکیں۔ اور اسلامی تاریخ کا ہر ایک طالب علم اس بات کی گواہی دے گا کہ مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیرونی یہودیوں کی کثرت آمد و رفت اور کثرت سے یہودیوں کے ساتھ مذہبی گفتگو کا ہونا یہ ایسے امر ہیں جن کے ثبوت میں کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں غرض اُن مضامین میں سے جو یہودی سرچشموں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اکثر مضامین کا مکی سورتوں میں ہونا مسیحی معترضین کے لیے ایک تیز کلہاڑا ہے جو اُن کے اعتراض کو بیخ و بن سے کاٹ دیتا ہے اور پھر ایسی آیات کا وجود جو اُن کی کتابوں کے گمنام فقروں سے لفظی تطابق رکھتی ہیں جبکہ لفظی تطابق کا کوئی زمینی ذریعہ موجود نہیں تھا یہ ایک ایسا امر ہے جو اُن کے زعم فاسد کو پاش پاش کر دیتا ہے اور اس بات کے لیے ایک زبردست شہادت ہے کہ یہ عالم الغیب خدا کا کلام ہے کسی انسان کی بناوٹ نہیں۔

آخر میں مَیں اُن چند مدنی مضامین کی طرف رجوع کرتا ہوں جو پادریوں کے زعم کے مطابق یہودی سرچشموں سے اخذ کیے گئے۔ مدنی مضامین کے متعلق بھی مسیحیوں کے اعتراض کی بیہودگی مندرجہ ذیل وجوہات سے ظاہر ہے۔

اوّل۔ جب مکہ معظمہ میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی بھی موجود نہ تھا خدائے تعالیٰ ایسے مضامین کثرت سے اور پوری تفصیل کے ساتھ وحی کر سکتا تھا جن کا پتہ پادری صاحبان ہمیں یہودی کتب میں دیتے ہیں تو کیا وہی خدا مدینہ میں چند ایسے مضامین اور فقرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل

نہیں کر سکتا تھا ؟ جب سیحیوں کے ۹۳ پیش کردہ مضامین و آیات میں سے ۳۳ کے متعلق یہ دکھایا جا چکا ہے کہ وہ بغیر یہودیوں کی مدد کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل ہوئے تو باقی ۶۰ کے متعلق یہودیوں کی امداد کی کیا ضرورت تھی۔

دوم۔ مدینہ میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دعویٰ میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ جیسا مکہ میں آپ نے یہ دعویٰ فرمایا کہ میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے نبی ہوں اور جو کچھ مجھ پر نازل ہوتا ہے وہ خدائے تعالیٰ کی خاص وحی ہے اور پھر جیسا کہ آپ مکہ کے بُت پرستوں کو اسلام کی طرف بلاتے تھے اسی طرح آپ نے مدینہ کے یہود کو اس بات کی دعوت کی کہ وہ آپ کی نبوت پر ایمان لاویں اور قرآن شریف کو خدائے تعالیٰ کا کلام مانیں تو پھر ایسی صورت میں آپ کس طرح اُن کی شاگردی اختیار کر سکتے تھے۔ پادری ٹسڈل لکھتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود یہود کی کتابیں نہیں پڑھ سکتے تھے تو کیا آپ اُن سے زبانی طور پر اُن کی مذہبی باتیں استفسار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ میں اس سوال کے جواب میں کہتا ہوں کہ ہاں آپ اُن سے زبانی بھی مذہبی باتیں استفسار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ امر آپ کی شان سے بعید تھا۔ آپ اُنکے لیئے معلم اور ہادی ہو کر گئے تھے اور آپ کا یہ دعویٰ تھا کہ میں کسی بات میں تمہارا محتاج نہیں کیونکہ ہر ایک ضروری بات خدائے تعالیٰ خود مجھے سکھاتا ہے۔

سوم۔ مدینہ کے یہود آپکے دوست نہیں تھے بلکہ آپکے جانی دشمن تھے اُن کے دل حسد سے بھرے ہوئے تھے۔ اُن میں سے بعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گاہی گاہی آتے تھے مگر قرآن شریف سے ظاہر ہے کہ وہ آکر بھی شرارتیں ہی کرتے تھے وہ فاسد نیت کے ساتھ آتے اور بُغض کی آگ دل میں لیکر اُٹھتے۔ میور لکھتا ہے کہ مدینہ کے یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے ہمیشہ تکلیف کا ذریعہ تھے اور آآکر آپ کا سوالات کے ذریعہ امتحان کرتے تھے (دیکھو لائیف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۱۷۹)۔ پھر ایسے لوگوں کی نسبت کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے قرآن مجید کا مصالح جمع کیا کرتے تھے۔

چہارم۔ مدنی سورتوں میں یہودان عرب اور یہودیوں کے بڑوں کی بدکرداریوں اور اُن کے اُن فعلوں کا کثرت سے ذکر ہے جن کی وجہ سے خدائے تعالیٰ کی لعنت اُن پر وارد ہوئی۔ پادری صاحبان بتلائیں کہ کیا مدینہ کے یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بزرگوں کے بدافعال ہی آکر بیان کیا کرتے تھے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کا مصالح انہی یہودیوں سے حاصل کیا تھا اور آپ اُن کے ممنون تھے تو پھر کس طرح آپ اُنکی ایسی سخت مذمت کر سکتے تھے جیسی کہ مدنی آیات میں پائی جاتی ہے۔

پنجم۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے سیکھ کر مضامین جمع کیے تھے اور پھر اُنکو وحی الٰہی ظاہر کرکے اپنے شاگردوں میں شائع کیا تھا تو کیوں مدینہ کے یہود باوجود اپنی سخت عداوت اور بغض اور حسد کے خاموش رہے اور کیوں اُنہوں نے یہ ظاہر نہ کیا کہ جس چیز کا نام یہ نبی وحی ظاہر کرتا ہے وہ اُس نے ہم ہی سے سیکھی ہے۔ حالانکہ وہ چاہتے تھے اور ہر وقت اس کوشش میں مصروف رہتے تھے کہ کسی طرح لوگ اس نبی کو قبول نہ کریں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ خاموش رہے اور اصل حقیقت کا افشا کرکے لوگوں کو اسلام سے برگشتہ نہ کیا۔

ششم۔ اگر یہ کہا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام یہودیوں سے یہ معلومات حاصل نہیں کیے تھے بلکہ جن دو تین یہودیوں نے اسلام قبول کیا تھا اُن سے یہ معلومات حاصل کیے تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک نبی ہرگز اپنے شاگردوں سے اس قسم کی سازش نہیں کرسکتا کہ اُن سے خفیہ طور پر معلومات جمع کرکے پھر عام لوگوں میں اُن کو وحی الٰہی کہکر شائع کرے اور نہ ایسے شاگرد اُس نبی کو نبی مان سکتے ہیں۔ ضروری ہے کہ وہ ایسے نبی سے جلدی برگشتہ ہوجاویں اور اُس کا سارا راز افشا کرکے اُس کی جھوٹی دوکان کا خاتمہ کردیں۔ غرض اس سے زیادہ کوئی خیال بیہودہ نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو تین یہودی نومسلموں سے جو آپ پر ایمان لائے تھے اور جنہوں نے آپ کو نبی آخرزمان مانا تھا معلومات حاصل کرکے اُس کا نام وحی رکھا اور لوگوں میں اُس کو بطور وحی الٰہی کے شائع کیا۔ اُن یہودیوں کا آخر دم تک مومن رہنا اس بات کی شہادت ہے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے اس قسم کی کوئی امداد نہیں لی۔

ہفتم۔ علاوہ ازیں اُن مدنی مضامین میں جن کو یہودی سرچشموں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ایسے فقرات ہیں جو یہودی کتب سے لفظ بلفظ مطابقت رکھتے ہیں اور اُن کی نسبت دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو یہودیوں کی اصل کتابوں میں سے لفظ بہ لفظ نقل کیئے گئے ہوں یا بذریعہ وحی الٰہی آپ پر نازل ہوئے ہوں۔ مگر کوئی مسیحی ثابت نہیں کرسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کتابوں کو خود پڑھا یا کسی یہودی عالم نے آپکے سامنے وہ کتابیں پڑھکر سنائیں۔ اُن میں سے دو تین فقرے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

(ا) پادری صاحب صفحہ ۷۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ سورہ مائدہ کی آیت مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا مشناہ سنھدرین۔ باب ۴ آیت ۵ سے لفظ بلفظ نقل کی گئی ہے جہاں پیدائش باب ۴ ورس ۱۰ کی تفسیر میں لکھا ہے ”بنا بر ایں انسان بہ تنہائی آفریدہ شد برائے آزمودن تو کہ ہر کہ ہلاک کرد نفسے از اسرائیل را کتاب بروئے حساب شرا مینماید کہ گویا ہمہ عالم را ہلاک کردہ باشد و ہر کہ یک نفسے از اسرائیل را زندہ کرد کتاب بروئے حساب شرا مے نماید کہ گویا ہمہ عالم را زندہ کردہ باشد۔ یعنی جس نے ایک اسرائیلی کو قتل کیا گویا اُس نے کل عالم کو قتل کیا اور جس نے ایک اسرائیلی کو زندہ کیا گویا اُس نے کل عالم کو زندہ کیا۔

(ب) صفحہ ۷۰ پر آپ لکھتے ہیں کہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۳ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشناہ براخوت باب اوّل فصل دوم سے نقل کی جہاں لکھا ہے کہ شروع روز ہماندم است کہ دراں کسے مے تواند مابین نخ نیل رنگ و نخ سفید تمیز دہد یعنی دن اُس وقت شروع ہوتا ہے جب کہ نیلے اور سفید دھاگے میں

تمیز ہو سکے۔

(ج) سورہ نساء کی آیت تیمم بقول پروفیسر نول ڈیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب براخوت کے ۱۵ باب میں سے اخذ کی۔

اب اس قسم کی آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود سے صرف دو صورت میں لے سکتے تھے۔ یا تو آپ نے خود ان کتابوں کو مطالعہ کیا ہوتا اور اُن میں سے یہ آیات انتخاب کر لی ہوتیں یا کسی یہودی عالم نے یہ کتابیں آپ کو پڑھ کر سنائی ہوتیں۔ مگر مسیحی صاحبان ان دونوں صورتوں میں سے ایک صورت بھی ثابت نہیں کر سکتے بلکہ پادری ٹسڈل صاحب تو فرماتے ہیں کہ یہودانِ عرب علم عبرانی سے بے بہرہ تھے جب یہ حال تھا تو اُن کو ان تفاسیر کے اندر دبی ہوئی آیات کا کس طرح علم ہو گیا۔ یہ کوئی کہانیاں نہیں جو اُن کے نوک زبان ہوں اور باتوں باتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے سیکھ لی ہوں۔ ان آیات کا شان نزول بھی پادریوں کے دعوے کے بطلان کو واضح کر رہا ہے۔ مثلاً آیت تیمم سفر میں نازل ہوئی۔ جبکہ حضرت عائشہؓ کا ہار ٹوٹ کر گر گیا اور جنگل میں جہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے ہمراہیوں کو قیام کرنا پڑا۔ اُسوقت لوگ حیران تھے کہ کیا کریں۔ بعض نے بلا وضو نماز بھی ادا کر لی۔ اُسوقت آیت تیمم نازل ہوئی۔

اب مَیں پادری صاحبان سے پوچھتا ہوں کہ وہاں جنگل میں کونسا یہودی آپکے پاس تھا جس سے آپنے یہ مسئلہ تیمم کا سیکھا۔ اگر کسی یہودی نے عام لوگوں کے سامنے یہ مسئلہ آپ کو سکھایا تھا تو چاہیئے تھا کہ آپکے صحابہؓ کو بھی اس مسئلہ کا آیت تیمم کے نزول سے پہلے علم ہوتا مگر صحیح بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی صحابی کو اس آیت کے نزول سے پہلے اس مسئلہ کا علم نہ تھا اور یہ کہنا محض فضول گوئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت میں کسی یہودی عالم کو بلا کر یہ مسئلہ سیکھا تھا اور جب اب جنگل میں ناگہانی طور پر ایک ایسا موقعہ آیا تو اُسوقت آپنے یہ ظاہر کیا کہ یہ مسئلہ مجھے بذریعہ وحی معلوم ہوا ہے اور اب اسی وقت میرے پر خدائے تعالیٰ کا

کلام نازل ہوا ہے پہلے مجھے اس مسئلہ کا علم نہ تھا۔ جب اس آیت کا اعلان مدینہ میں ہوا تو کیوں اُس یہودی عالم نے یہ کہا کہ یہ مسئلہ تو میں نے سکھایا تھا۔ یہ تو لوگوں کو برگشتہ کرنے کا عمدہ موقعہ تھا۔ کیوں اس سے یہودی مخبروں نے فائدہ نہ اُٹھایا اگر وہ یہودی عالم کوئی شاگرد تھا تو وہ اس اعلان کے بعد کہ یہ آیت خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مسئلہ کا پہلے علم نہ تھا کیوں اسلام سے برگشتہ نہ ہوا۔ افسوس ان مسیحیوں پر جو اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے راستبازوں کو جعلساز ٹھہراتے ہیں۔ افسوس ان کی تحقیقات پر جس کی تائید میں انکو خواہ مخواہ بیگناہ لوگوں کو گنہگار کہنا پڑتا ہے۔ المرء یقیس علی نفسہ چونکہ اپنے لیئے یہ ہر ایک کارروائی جائز کر لیتے ہیں اس لیئے سمجھتے ہیں کہ دنیا میں ہر ایک شخص ایسا ہی کرتا ہے۔ ان کے اعتراض کے اس تحقیقی جواب کے بعد ہم ان کو ایک دوسرا جواب بھی دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ لعنت اللہ علی الکاذبین ؛

چوتھے حصے میں انشاء اللہ تعالیٰ مسیحی پیشگوئیوں پر بحث کی جائیگی۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

اسلام کی اشاعت برِّاعظم افریقہ میں۔

دنیا کے مختلف حصص مثلاً امریکہ اور اڈنبرا میں حال میں مسیحی لوگوں کی کئی ایک کانفرنسیں۔ اور کانگریسیں وغیرہ قائم ہوئی ہیں اور اُن کے اجلاسوں کی رپورٹوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی صاحبان نے اب یہ عزم کر لیا ہے کہ کُل دنیا کو اسی قرن میں مسیحی بنا دیں۔ اگر ناظرین کو اس امر میں کچھ شبہ ہو تو وہ ایک مشنری کانگریس کی مندرجہ ذیل کارروائی کو ملاحظہ فرما دیں جو شہر شکاگو کے اخبار ایگزیمنر مورخہ ۵ مئی سنہ ۱۹۱۰ء میں۔ سے یہاں نقل کی جاتی ہے۔ اُس روئداد کا عنوان یہ ہے۔

"مشنری لوگ دنیا کو عیسائی بنانے کا ذکر کرتے ہیں۔

ہندوستان ۔ افریقہ ۔ ٹرکی ۔ اور ایران میں اپنی کارروائی کا بیان کرتے ہیں ۔
ہر ایک مسیحی مشن کے لیڈر کل نسلِ انسان کے آگے صلیب پیش کرنے کے واسطے ایک عالمگیر جنگ کا نقشہ کھینچتے ہیں"

اس عنوان کے نیچے اخبار مذکورہ کا ایڈیٹر لکھتا ہے "چار ہزار سے زیادہ مسیحی سپاہی ۔ پر جوش ۔ سرگرم ۔ مستقل مزاج لوگ جنہوں نے دنیا میں کچھ کام کیا ہے ۔ جج ۔ وکیل ۔ تاجر ہر ایک پیشہ کے لوگ ۔ پادریوں ۔ واعظوں اور مشنریوں کے پہلو بہ پہلو ۔ جنہوں نے اس سے پہلے بھی مسیحی جنگ میں ایک نامی حصہ لیا ہے ۔ اور زیادہ جنگ کرنیکے لیے بھی مستعد ہیں ۔ اس قسم کے لوگ تھے جو مینز نیشنل مشنری کانگرس کے اجلاس میں موجود تھے ۔ جو اسی قرن میں دنیا کو عیسائی بنانے پر تُلے ہوئے ہیں"

ایک کنونشن میں جو شہر نیویارک میں قائم ہوئی ایک تقریر کرنیوالے نے بیان کیا ۔ "ہمارے لیے یہ ایک خوشی کا مقام ہے کہ ہم ایک ایسے زمانہ میں رہتے اور کام کرتے ہیں جس میں ہمیں اس قدر فتوحات حاصل کرنے کا وسیع موقعہ حاصل ہے وسیع دنیا ہمارے آگے کھلی ہے ۔ قوموں تک پہنچنے کے ذریعے ہمیں میسر ہیں ۔ دنیا کی قومیں ہمارا انتظار کر رہی ہیں" ایک اور تقریر کرنیوالے نے بیان کیا "عظیم الشان موقعوں کے لیے عظیم الشان انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ خدا کرے کہ کلیسیا کو اُسکے تبلیغ کے کام میں وہ عظیم الشان لیڈر میسر آجاویں جن کے ذریعہ مذہبی دنیا کی اس آخری جنگ میں کلیسیا کو آخری فتح نصیب ہو" ایک اور مقرر نے اُسی کنونشن یعنی سٹوڈنٹ والنٹیر مُوؤمینٹ کنوینشن کے اجلاس میں بیان کیا کہ "اس کنونشن کی ایک ہی غایت اور اُسکا ایک ہی مقصد ہے اور وہ کل دنیا کو اسی قرن میں عیسائی بنانا ہے"

مذکورہ بالا بیانات سے واضح ہے کہ نہ صرف مسیحی مشنری بلکہ عام مسیحی لوگ ہر ایک درجہ اور ہر ایک فرقہ اور پیشہ کے اس بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ کل غیر مسیحی دنیا کو مسیحی بنایا جاوے اور وہ بھی اسی زمانہ میں ۔ اُن کے نزدیک یہ آخری جنگ ہے اور

انہوں نے یہ مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ اس کشت و خون میں صلیب کے لیئے فتح حاصل کرنے کے واسطے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا جاوے۔ انہوں نے یہ بھی ٹھان لیا ہے کہ کُل دنیا میں یسوعی جھنڈا کھڑا کرنیکے لیئے باہمی تفرقوں کو بھی بالکل فراموش کر دیا جاوے۔ ہر ایک فرقہ کے مسیحی ایک ہی جھنڈے کے نیچے لڑنے مرنے کو تیار کھڑے ہیں تا کہ یسوع کی فتح ہو اور دنیا کے ہر ایک گوشہ میں صلیبی جھنڈا لہرائے۔ دنیا کے مختلف حصوں سے مسیحی مشنری جمع ہوتے ہیں اور باہم ملکر مشورہ کرتے اور سوچتے ہیں کہ وہ کونسا بہترین طریق ہے جس سے کُل دنیا صلیبی جھنڈے کے نیچے اکٹھی کی جاوے۔ یہ اُن قدیمی پیشگوئیوں کا ظہور ہے جن میں یہ خبر دی گئی ہے کہ آخری زمانہ میں باطل اپنی ساری قوت اور زور کے ساتھ نکلے گا اور دنیا کو گمراہ کرنے کی کوشش کریگا اور وہ شیطان کی حق کے ساتھ آخری جنگ ہوگی مگر فتح حق کو حاصل ہوگی اور باطل نابود کیا جاوے گا۔

اگرچہ پادری صاحبان کُل دنیا کو اسی قرن میں مسیحی بنا دینے پر تُلے ہوئے ہیں مگر اُنکے اجلاسوں کی روئدادیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنا فکر اُن کو برّ اعظم افریقہ کے متعلق ہے اتنا اور کسی برّ اعظم کے متعلق نہیں چنانچہ مینز نیشنل مشنری کانگرس کے اجلاس میں ایک تقریر کرنیوالے نے بیان کیا کہ "خدائے تعالیٰ کی حکمت سے افریقہ ایک عجیب ترقی کر رہا ہے۔ ۱۸۸۵ء کے عہدنامہ برلن کے رو سے یورپ کی طاقتوں نے اس برّ اعظم کو آپس میں بانٹنا شروع کیا اور اُسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ آجکل برّ اعظم عملاً یورپ کی طاقتوں کے قبضہ میں ہے صرف مشرق میں ملک حبشہ (ابی سی نی ایا) اور مغرب میں لائی بے ریا کا علاقہ اس سے باہر ہے۔ سلطنتہائے برطانیہ۔ جرمنی۔ فرانس۔ اٹلی۔ بلجیم۔ اور پرتگال اس برّ اعظم پر بڑی بڑی سلطنتیں قائم کر رہے ہیں جن کا رقبہ یورپ سے ۳ چند ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اب مسیحی کلیسیا کو اپنے آقا مسیح کے لیئے اس برّ اعظم کے فتح کرنیکا ایک بے نظیر موقعہ میسّر آگیا ہے یورپ کی سلطنتیں سڑکیں اور

آمد و رفت کے ذرائع تیار کر رہی ہیں۔ جنہپر صلیب کی بشارت نسبتہً آسانی اور سلامتی کے ساتھ پہنچائی جاسکتی ہے۔ غیر ممالک کا اثر وہم پرست دیسی حکیم کی طاقت کو توڑ رہا ہے اور قانون اور انتظام نے مردم خواری اور باہمی جنگ وجدال کی جگہ لے لی ہے اور ایک مشنری کو اپنے کام کے پورا کرنے کیلیئے عمدہ موقعہ حاصل ہوگیا ہے۔"

بے شک ایک وجہ جس سے مسیحی صاحبان کو براعظم افریقہ کی طرف خاص توجہ پیدا ہوگئی ہے یہ ہے کہ اب قریباً کل براعظم افریقہ۔ یورپ کی مسیحی طاقتوں کے قبضہ میں آگیا ہے مگر ایک اور امر بھی ہے جسکی وجہ سے مسیحی لوگوں میں براعظم افریقہ کے متعلق اس قدر جوش پیدا ہو رہا ہے یہانتک کہ انہوں نے اب فیصلہ کرلیا ہے کہ اس براعظم کو اپنے خداوند مسیح کے لیئے فتح کرنیکے واسطے ہر ایک باہمی تفرقہ کو ترک کر دیا جاوے اور متحدہ کوششوں سے اس پر ایک ہی دفعہ چڑھائی کی جائے۔ اور وہ امر یہ ہے کہ اس برّاعظم میں مذہب اسلام روز بروز ایک حیرت انگیز ترقی کر رہا ہے جسکی وجہ سے پادریوں کے دلوں میں ایک حسد کی آگ شعلہ زن ہے وہ اس امر کی برداشت نہیں کرسکتے کہ مذہب اسلام کو ترقی ہو خصوصاً ایسے ممالک میں جو مسیحی طاقتوں کے قبضہ میں ہیں۔ اسلیئے انہوں نے یہ عزم کرلیا ہے کہ افریقہ کی سرزمین پر اسلام کے برخلاف ایک صلیبی جنگ کی تیاری کی جاوے۔ اور انہوں نے یہ ارادہ ظاہر کیا ہے کہ وہ اس جنگ کو جاری رکھیں گے یہانتک کہ وہ برّاعظم افریقہ کو اپنے خداوند کے نام میں فتح کرلیں یا اسی کوشش میں اپنی جانیں قربان کرکے صلیب کے لیئے جان دینے والے کہلائیں۔

وہی مقرر جسکی تقریر میں سے ایک اقتباس میں اوپر درج کرچکا ہوں بیان کرتا ہے "آخری دھمکی ہمیں اسلامی افریقہ کی طرف سے ہے۔ اسلام کی برّاعظم افریقہ میں باقاعدہ اشاعت کی جارہی ہے۔ واعظ بھی بھیجے جارہے ہیں اور ہر ایک مسلمان تاجر خود ایک اسلامی واعظ ہے۔ واقعات کا مطالعہ کرنے سے یہ امر یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروؤں نے گذشتہ پچاس سال

میں زیادہ لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کیا ہے بہ نسبت اسکے کہ کل مسیحی مشنریوں نے
ملکر لوگوں کو مسیحی مذہب میں داخل کیا ہے اب کلیسیا کے سامنے یہ ایک عظیم الشان
سوال درپیش ہے کہ آیا یہ برّ اعظم ایک مسیحی برّ اعظم بنے گا یا اسلامی برّ اعظم؟
آیا اشاعت کے ان جوش وخروش کے ایام میں مسیحی مذہب اسلام کی طاقتوں کے آگے
ہزیمت اُٹھائیگا جیساکہ اس نے ابتدائی زمانہ میں اسلام کے ہاتھ سے شکست کھائی
تھی اور کیا ایک برّ اعظم کا برّ اعظم ہمیشہ کے لیئے ہمارے خداوند یسوع مسیح سے چھین لیا
جاوے گا۔ کیا ہم یہ اُمید کر سکتے ہیں کہ ہم یسوع مسیح کے لیئے برّ اعظم افریقہ کو فتح
کرسکیں گے۔ ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ اگر کلیسیا اپنی فوجوں کی تعداد کو بہت نہ
بڑھاویگی تو فتح اسلام ہی کے لیئے مقدر معلوم ہوتی ہے۔"

مندرجہ بالا بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ افریقہ میں اسلام کی روز افزوں اشاعت
سے پادری صاحبان کو کیسا دھڑکا لگا ہوا ہے انہوں نے یہ پیشگوئی کے طور پر کہدیا ہے
کہ جب تک امریکہ۔ برطانیہ۔ اور برّ اعظم یورپ کی کل کلیسیا اسلام کے برخلاف ایک
عام صلیبی جنگ میں شامل نہ ہوجاوینگے اور مسیحی دنیا کے کل حصوں سے پادریوں
کی فوجوں کی فوجیں روانہ کی جاویں گی کل برّ اعظم افریقہ مسلمان ہوجاوے گا۔ پچھلے
دنوں میں جو شہر ایڈنبرا میں کل دنیا کے پادریوں کی ایک کانفرنس قائم ہوئی تھی
اُس میں بھی اس امر کی طرف خاص توجہ کی گئی تھی اور اس معاملہ پر غور کرنے کیلیئے
ایک کمشن بیٹھا تھا اُس کمشن نے جو رپورٹ پیش کی اُس میں اُنہوں نے یہ بھی
بیان کیا کہ "برّ اعظم افریقہ کے کل حصوں میں دیسی قومیں مذہب اسلام میں برابر
بڑی سرعت کے ساتھ جذب ہوتی جاتی ہیں۔ ہمارے پاس اس امر کی یقینی شہادت
اُن مشنریوں کے ذریعہ سے پہنچی ہے جو دریائے نیل کے کناروں۔ مشرقی وسطی افریقہ
جنوب مشرقی افریقہ۔ مغربی ساحل کے مختلف اضلاع۔ شمالی نائی جیریا۔ سوڈان
اور کانگو کے مختلف حصوں اور خود جنوبی افریقہ میں کام کرتے ہیں اور اُنھیں
سے ہر ایک نے اپنے اپنے علاقہ کے متعلق یہی شہادت دی ہے کہ اسلام بڑی

سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے" ایڈنبرا کی کانفرنس کے وائس پریسیڈنٹ ریورنڈ ڈاکٹر جارج رابسن نے بیان کیا کہ اس امر کی فوری ضرورت درپیش ہے۔ کہ افریقہ مین مشنریون کی فوج کو سہ چند کیا جاوے اور میڈیکل مشن اور مسیحی مدرسے جا بجا قائم کئے جاوین کیونکہ افریقہ مسیحی بننے کی نسبت مسلمان زیادہ سرعت سے بن رہا ہے۔ مسلمان تاجر برابر جنوب کی طرف سے بڑھ رہے ہین اور ہر ایک مسلمان تاجر اپنے مذہب کا ایک واعظ ہے۔ اگر افریقہ کو یسوع مسیح کے نام پر فتح کرنا مقصود ہے تو سب سے پہلے جس امر کی ضرورت ہو وہ یہ ہے کہ ایک زبردست مشنری فوج برّاعظم افریقہ کے بیچون بیچ ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا دی جاوے تاکہ اسلام کی آگے بڑھنے والی رفتار کے راستہ مین ایک روک پڑ جاوے اور انجیل کو شمال کی طرف سوڈان کے اندر تک پہونچا دیا جاوے۔

مین یہاں ڈاکٹر کرل کم کے بیان کو بھی نقل کرتا ہوں۔ یہ وہی صاحب ہیں جن کے اسلام پر حملے کا جواب اس میگزین کے ایک پہلے نمبر مین دیا جا چکا ہے انہوں نے حال ہی مین دریائے نائیجر سے لے کر دریائے نیل تک ایک لمبا سفر صرف اس غرض سے کیا ہے تاکہ وسطی سوڈان مین اسلامی مسئلہ پر اور اسلام کی اشاعت پر غور کیا جاوے یہ سیاح اپنے سفر کے ختم کرنے کے بعد لکھتا ہے۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ افریقہ میں اسلام پھیل رہا ہے۔ اگرچہ کوئی اسلامی سوسائٹی موجود نہین جس نے باقاعدہ طور پر اس کام کو اپنے ذمہ لیا ہوا ہو۔ مگر پھر بھی مسلمان تاجر اور واعظ سوڈان کے جنوبی حصون تک پہونچ رہے ہیں اور وہ اپنا اثر مغربی افریقہ۔ مشرقی افریقہ اور جنوبی افریقہ میں ڈال رہے ہیں اور ممکن ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ براعظم افریقہ سارے کا سارا مسلمان ہو جاوے اور اگر باقی رہیں تو صرف ساؤتھ افریقہ۔ برٹش ایسٹ افریقہ۔ یوگانڈا اور ابی سینیا عیسائی رہیں اور وہ بھی صرف برائے نام۔

ڈاکٹر کرل کم ایک تجویز بھی پیش کرتا ہے جس سے وہ امید کرتا ہے کہ افریقہ مین اسلام

کی اشاعت رک سکتی ہے۔ وہ کہتا ہے:" اگر وسطی سوڈان کے غیر مسیحی قبائل جن میں یوروپین لوگوں کا بہت اثر ہے مسیحی مذہب قبول کرنے کے لئے ترغیب دئے جائیں تو پھر اسلام کی ترقی کے راستہ میں ایک زبردست سدّراہ قائم ہو جائے گی۔" وہ یہ بھی ترغیب دیتا ہے کہ تجارت کے راستے بند کردئے جاویں۔

تعجب آتا ہے کہ مسیحی لوگ اسلام سے اس قدر کیوں خائف ہیں۔ کیا وہ اس کو ایک جھوٹا مذہب نہیں کہا کرتے کیا وہ اپنے مذہب کی نسبت یہ نہیں کہتے کہ کل دنیا میں ایک ہی سچا مذہب ہے اور وہ ہمارا مذہب ہے۔ پھر ان کو اس قدر خوف کیوں انگیز ہے کہ جھوٹ سچ پر غالب آجائے گا۔ وہ کیوں ڈرتے ہیں کہ مسیحی مذہب ایک ایسے مذہب کے ہاتھ سے جس کو وہ جھوٹا مذہب کہا کرتے ہیں شکست کھا جائیگا۔ جب تک کہ کل دنیا کے مسیحی یک جان ہو کر اس کا مقابلہ نہ کریں اور جب تک اس کی ترقی کے روکنے کے لئے طرح طرح کے حیلے اختیار نہ کئے جاویں۔ کیا ہم مسیحی لوگوں سے بار بار یہ نہیں سُنا کرتے تھے کہ اسلام میں خود کوئی طاقت نہیں اور یہ کہ وہ دنیا میں اپنے زور سے نہیں بلکہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ نہایت خوشی کا مقام ہے۔ کہ دشمنانِ اسلام کے اعتراضوں کا جواب خدا تعالیٰ خود دیتا ہے۔ یہ جو بار بار اعتراض کرتے تھے کہ اسلام اپنے زور سے نہیں بلکہ تلوار کے زور سے پھیلا۔ اب خود اس بات کے اقرار کرنے کے لئے مجبور ہوئے ہیں کہ اسلام بلا کسی تلوار کی مدد کے ایسے زور سے پھیل رہا ہے۔ کہ جب تک اس کے راہ میں طرح طرح کے پتھر نہ پھینکے جاویں اور جب تک پادریوں کی بڑی بڑی فوجوں کے ساتھ اس کا مقابلہ نہ کیا جاوے۔ قریب ہے کہ کل برّاعظم کا برّاعظم سارے کا سارا مسلمان ہو جاوے۔ اور پھر تعجب کی بات ہے۔ کہ اسلام یہ ترقی ایسے حالات کے ماتحت کر رہا ہے جو اس کے لئے مضر واقع ہیں۔ اور اگر اس کے راستہ میں کئی قسم کے مشکلات ہیں جو اس کی ترقی کو روک رہے ہیں پھر بھی اپنی سچائی کے زور سے کل روکاوٹوں کو مغلوب کرتا ہوا ایسی ترقی کر رہا ہے کہ ایک دنیا اس ترقی کو دیکھ کر حیران ہے۔ افریقہ میں اسلام کے راستہ میں پہلی

روکاوٹ یہ ہے کہ جیسا ڈاکٹر کرل کم بیان کرتا ہے۔ کوئی ایسی اسلامی سوسائٹی موجود نہیں جس نے براعظم افریقہ میں واعظ بھیج کر اشاعت اسلام کا کام اپنے ذمہ لیا ہُوا ہو۔

دوسری روکاوٹ جو افریقہ میں اسلام کی اشاعت کے لئے مزاحم ہو رہی ہے وہ سینکڑوں ہزاروں پادریوں کا وجود ہے۔ جو انھوں تک زور لگا رہے ہیں کہ کسی طرح اسلام پھیلنے نہ پائے اور افریقہ کا براعظم خداوند یسوع مسیح کے نام پر فتح ہو جاوے ایک کثیر تعداد ایسی مسیحی سوسائٹیوں کی ہے۔ جو مسیح کے نام پر ایک باقاعدہ صلیبی جنگ میں مصروف ہیں اور بہت سے ایسے نفس ہیں جنھوں نے اپنے تئیں اسی کام کے لئے وقف کر دیا ہے۔ مگر اسلام کی قوت دیکھو کہ باوجودیکہ اس کو کسی باقاعدہ سوسائٹی کی امداد نہیں پھر بھی وہ ایسی حیرت انگیز ترقی کر رہا ہے کہ پادریوں کے کیمپ میں ایک ہل چل پڑ گئی ہے اور جو پادری صاحبان افریقہ میں کام کر رہے ہیں وہ اپنے ہموطن احباب کو یہ کہہ رہے ہیں کہ جب تک ہماری تعداد کو کم از کم سہ چند نہ کر دیا جاوے گا۔ یقیناً ہم اسلام کے ہاتھ سے سخت ہزیمت اُٹھائیں گے اور یہ ملک یسوع مسیح کے ہاتھوں سے ہمیشہ کے لئے نکل جاوے گا۔

ایک اور امر جو اسلام کے مقابل میں مسیحی مذہب کے لئے مفید ہے وہ یہ ہے کہ قریباً کل براعظم ملکی طور پر مسیحی سلطنتوں کے قبضہ میں ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے جس سے قدرتاً مسیحی مذہب کو تقویت پہنچنی چاہیئے۔ چنانچہ ڈاکٹر کرل کم کے مندرجہ ذیل بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ یورپ کی طاقتیں ملکی طور پر بھی اپنا فائدہ اسی میں دیکھتی ہے کہ وہاں مسیحی مذہب کی اشاعت ہو۔ چنانچہ ڈاکٹر مذکور لکھتا ہے۔

"فرانس اور برطانیہ کے حکام جو وسط افریقہ میں ہیں وہ اب اُس خطرناک مشکل کو محسوس کرنے لگ گئے ہیں جس کا ان کو اسلام کی اشاعت کی وجہ سے سامنا کرنا پڑا ہے اور ایسے لوگ اب بہت کم نظر آتے ہیں جو مسیحی سلطنتوں سے تعلق رکھنے کے باوجود یہ رائے رکھتے ہوں کہ افریقہ کے باشندوں کے لئے اسلام کا مذہب سب سے زیادہ موزوں ہے

ایک اور فائدہ جو مسیحی مذہب کی اشاعت کے لئے مفید ہے اور جو مسلمانوں کو حاصل نہیں وہ یہ ہے کہ مسیحی قومیں مادی اور دنیاوی امور میں بہت ترقی کر گئی ہے اور مسلمانوں کو وہ ظاہری ترقی حاصل نہیں۔ اگرچہ یہ ظاہری ترقی مسیحی مذہب کی صداقت کے لئے کوئی دلیل نہیں اور اس دنیوی جاہ و جلال سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسیحی مذہب ایک سچا مذہب ہے۔ مگر پھر بھی افریقہ کی سادہ قوموں کی نظر میں یہ امر بھی مسیحی مذہب کی سچائی کی ایک دلیل ہو سکتا ہے۔ یا کم از کم یہ ظاہری شان و شوکت مسیحی مذہب میں داخل ہونے کے لئے ایک کشش کا کام دے سکتی ہے۔ اس بات کی تائید میں میں خود ایک پادری کا بیان پیش کرتا ہوں۔ جس نے مینز نیشنل مشنری کانگریس کے اجلاس میں اپنے چودہ سال کے کارہائے نمایاں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "ایک دفعہ افریقہ کے دیسی باشندوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کی ترغیب سے مجھے بھوکا رکھ کر مار دینے کی کوشش کی۔ میں اپنی بندوق لے کر نکلا اور ایک گینڈے کو قتل کیا۔ میری یہ کارروائی دیکھ کر وہ اس قدر میری طرف مائل ہو گئے کہ اونھوں نے روٹیوں کے ساتھ مجھے لاد دیا۔ میں نے اسی جگہ ایک مشن قائم کیا۔ اور لوگ صرف اس وجہ سے میرے ساتھ ہو گئے کہ میں نے ایک ایسا کام کیا تھا جو اون کے مذہبی پیشرو نہین کر سکتے تھے۔" ایسے لوگ جو مسیحی پادری کے مذہب کو اپنے مذہب پر صرف اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ مسیحی مذہب کے پادری بندوق کے ساتھ گینڈے کا شکار کر سکتے اور ان کے گرو ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ طبعاً اسلام کے مقابل میں بھی مسیحی مذہب کو ترجیح دیں گے۔ کیونکہ مسیحی کہلانے والے لوگ ہوا میں پرندوں کی طرح اڑ سکتے ہیں اور بغیر تار کے پیغام بھیج سکتے اور اسلام کے پیرو ایسے کام نہین کر سکتے۔ غرض مسیحی قوموں کی ترقی مادی امور میں افریقہ کے دیسی باشندوں کی نظر میں ایسا امر ہے جس سے اسلام کے مقابل میں مسیحی مذہب کی اشاعت کو بہت امداد ملتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام کے راستہ میں ملک افریقہ میں کئی قسم کے مشکلات ہیں اور مسیحی مذہب کو ظاہری طور پر ایسے بہت سے فوائد حاصل ہیں جو اسلام کو

حاصل نہیں پھر اسلام کی طاقت ایک غضب کی طاقت ہے۔ جو ان سب مشکلات کے ہوتے ہوئے اپنے زبردست حریف کو جس کو بہت سے ظاہری فوائد حاصل ہیں روز بروز شکست دے رہی ہے۔ کیا اب بھی پادری صاحبان اس بات سے انکار کریں گے کہ اسلام میں ذاتی طور پر ایک زبردست طاقت اور قوت موجود ہے جس کی وجہ سے اس نے گذشتہ زمانہ میں بھی لوگوں کے دلوں کو فتح کیا۔ اور اب بھی فتح کر رہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی پادری صاحبان اپنے اس اعتراض کو دُہرایا کرینگے۔ کہ اسلام اپنی سچائی کے زور سے نہیں بلکہ تلوار کی قوت سے پھیلا۔ کیا اب بھی وہ اسلام کی زبردست طاقت کا اقرار نہیں کریں گے۔ جب آج اسلام ایسے مخالف اُمور کے باوجود ایسی سُرعت کے ساتھ ترقی کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ تو کیا اس سے پہلے زمانوں میں جبکہ اس کی اشاعت کو روکنے والی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ خود بخود ترقی نہین کر سکتا تھا۔ جب آج اس ضعف کے زمانہ میں بغیر کسی شمشیر کی امداد کے اسلام ترقی کر رہا ہے تو پہلے زمانوں میں جو اسلام کی قوت اور جوانی کا زمانہ تھا اس کو کس تلوار کی ضرورت تھی؟ جب آج یہ کل کلیسیا کی متحدہ کوششوں کے باوجود روز بروز محض خدا تعالیٰ کے فضل سے اور اپنی صداقت کے زور سے ترقی کر رہا ہے۔ تو پہلے زمانہ میں کیوں یہ بغیر کسی تلوار کی مدد کے ترقی نہین کر سکتا تھا آج افریقہ میں پادری صاحبان اسلام کا دو دھاری تلوار کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں وہ صرف اسی کوشش مین نہیں کہ افریقہ کے دیسی باشندوں کو اپنے دام میں پھنسائیں بلکہ وہ اسلام کی ترقی کی راہ میں بھی ہر ایک قسم کی روکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر ان کی یہ تمام کوششیں اسلام کی پُر زور طاقت کے آگے ہیچ ہیں۔ افریقہ میں اسلام کی اشاعت مسیحی صاحبان کے لیئے ایک سبق ہے اور اگر پادری صاحبان کچھ بصیرت سے کام لینے۔ تو وہ موجودہ زمانہ مین اسلام کی اس ترقی کو دیکھ کر کبھی اپنی زبان پر یہ اعتراض نہ لاتے کہ اسلام اپنے زور سے نہین بلکہ تلوار سے پھیلا۔ اوھنوں نے اب اپنے گھر میں

خود تجربہ کرکے دیکھ لیا ہے۔ کہ ایک ہی میدان میں دو مذہب کام کر رہے ہیں۔ ایک کو تو ہر طرح کے فوائد حاصل ہیں اور دوسرا یعنی اسلام اس ملک میں ایک یتیم بچہ کی طرح ہے۔ مگر پھر بھی پادری صاحبان اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔ اور چلّا چلّا کر اپنی قوم سے امداد کی اپیلیں کر رہے ہیں۔ چاہیئے تھا کہ ایسا نظارہ دیکھکر پادری صاحبان اپنی زبانوں کو ایسے اعتراض کے بیان سے روک لیتے۔ مگر پادریوں کی ہٹ بھی عجیب ہٹ ہے۔ کہ باوجودیکہ اُنہوں نے اپنے گھر میں اور ایسے ملک میں جہاں مسیحی حکومت ہے اسلام کو بغیر کسی باقاعدہ انتظام اشاعت کے اور باوجود پادریوں کی مخالفانہ کوششوں کے اپنی صداقت کے زور سے پھیلتا ہوا دیکھ لیا ہے۔ پھر بھی وہ یہی کہے جا رہے ہیں۔ کہ اسلام میں بلا تلوار کی مدد کے پھیلنے کی قابلیت نہیں۔ غرض افریقہ میں اسلام کی اشاعت پادریوں کے اعتراض کا ایک ایسا عملی جواب ہے۔ جس کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکتے۔

پادریوں کے جو بیانات اوپر نقل ہو چکے ہیں۔ اُن سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ اسلام کے ساتھ پادری صاحبان ناجائز سلوک کرنا بھی جائز رکھتے ہیں۔ بیشک پادری صاحبان کو پورا حق حاصل ہے۔ کہ وہ اپنے مذہب کی افریقہ کے جنگلوں اور صحراؤں میں منادی کریں۔ مگر اُن کو کوئی حق حاصل نہیں۔ کہ وہ دوسرے مذاہب کی راہ میں روڑے ڈالیں۔ انصاف اس امر کا مقتضی ہے۔ کہ ہر ایک مذہب کو اپنے تئیں پھیلانے کا پورا موقعہ دیا جاوے۔ اور کوئی ایسی کارروائی نہ کی جاوے۔ جس سے دوسرے مذہب کی اشاعت میں روک پیدا ہو مگر بجائے اس کے کہ پادری صاحبان اسلام سے انصاف کا سلوک کریں۔ وہ اس کوشش میں ہیں۔ کہ اسلام کو اشاعت کا موقعہ نہ دیا جاوے اور دیسی باشندوں تک اس کو رسائی نہ ملے۔ ان کا یہ خوف اور اُن کی یہ کوشش کہ اسلام کو افریقہ کے براعظم سے دور رکھا جاوے اور ایسی تجویز کی جاوے۔ کہ افریقہ کے باشندوں کو وعظ سنانے والے صرف مسیحی لوگ ہی ہوں۔ اور مسلمانوں کو ان لوگوں تک رسائی نہ ملے۔ یہ امور صاف طور پر ظاہر کر رہے ہیں کہ پادری صاحبان کو اپنے مذہب کی کمزوری اور اسلام کی زبردست قوت کا خوب علم ہے۔ اسی لئے وہ ایسے ناجائز حیل اور تدابیر سے کام لینے کی فکر میں ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ ایک مساوات کے میدان میں جہاں اسلام کو بھی اپنے تئیں پھیلانے کا ایسا ہی موقعہ حاصل ہو جیسا کہ مسیحی مذہب کو حاصل ہے مسیحی مذہب اسلام کے آگے ضرور شکست کھائے گا۔ اس لئے وہ چاہتے ہیں۔ کہ میدان صرف ہمارے لئے ہی خالی ہو اور

مسلمانوں کو وہاں جانے کا موقعہ بھی نہ دیا جاوے۔ ناظرین پادری صاحبان کے مندرجہ ذیل بیانات پر غور فرماویں
ایڈنبرا کی کانفرنس کے والیس پریزیڈنٹ نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ "اگر افریقہ کو یسوع مسیح کے لئے فتح
کرنا مقصود ہو۔ تو سب سے پہلا کام جو ہمیں کرنا چاہئے۔ وہ یہ ہے کہ افریقہ کے بیچوں بیچ ایک سرے سے لیکر
دوسرے سرے تک پادریوں کی ایک زبردست فوج پھیلادی جائے۔ تاکہ اسلام کی آگے بڑھنے والی رفتار
رک جاوے۔ اور انجیل کو شمال کی طرف سوڈان کے اندر تک پہنچا دیا جاوے" ڈاکٹر کرل کم لکھتا ہے۔ کہ
"اگر وسطی سوڈان کے غیر مسیحی قبائل کو جن میں یورپین قوموں کا اثر بہت بڑھا ہوا ہے۔ مسیحی مذہب میں
داخل کرنے کی ترغیب دی جاسکے۔ تو اسلام کے برخلاف ایک زبردست سدّراہ قائم ہو جائیگی"۔ ان دونو
بیانات سے واضح ہو رہا ہے کہ مسیحی صاحبان کی رائے میں افریقہ یسوع مسیح کے نام پر کبھی فتح نہیں ہو سکتا
جب تک اسلام کی اشاعت کے آگے زبردست رکاوٹیں نہ ڈالی جاویں۔ وہ افریقہ کو صرف اسی صورت میں
فتح کرنے کی امید کرتے ہیں۔ جب اسلام کے مذہب کو اندر گھسنے کا موقع نہ دیا جاوے۔ اسلام کی موجودگی میں
وہ یقین رکھتے ہیں کہ عیسائیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ شکست کھائے۔ اور اُن کے خیال میں مسیحی مذہب کے
لئے ایک ہی راہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسلام کو افریقہ میں سے خارج کر دیا جاوے۔ ڈاکٹر کرل کم یہ بھی مشورہ دیتا ہے
کہ جن قوموں میں یورپین رسوخ قائم ہو چکا ہے۔ اُن کی طرف پہلے توجہ کی جاوے۔ اور عیسائیت کے پھیلانے
میں اُس ظاہری رسوخ اور جاہ و جلال سے فائدہ اٹھایا جاوے۔ یہ سب تجویزیں مسیحی مذہب کے لئے بطور مددگار
کے ہیں۔ تاکہ جو کمی اس مذہب کی ذاتی کمزوری کی وجہ سے ہے۔ یورپین قوموں کے رسوخ کے ذریعہ سے اُس کی
تلافی کی جاوے۔ پادری صاحبان کو شرم کرنی چاہئے۔ ایک طرف تو اسقدر فوج در فوج مسیحی واعظ بھیجے جاتے
ہیں۔ روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ ملک میں حکومت مسیحی طاقتوں کی ہے۔ یورپ۔ امریکہ میں کثرت سے
سوسائٹیاں قائم ہیں۔ جو اس کام کو باقاعدہ چلاتی ہیں۔ مسیحی مذہب کے پھیلانے کے لئے مدرسے قائم کئے جاتے
ہیں۔ ہسپتال کھولے جاتے ہیں۔ ہر ایک طرح کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اور اس کے مقابل میں ان باتوں
میں سے ایک بات بھی اسلام کو حاصل نہیں۔ پھر بھی پادری لوگ اسلام کے مقابل میں اپنے عجز کا اقرار
کر رہے ہیں۔ اور باوجود اسقدر ذرائع کے پھر بھی ناجائز ذریعوں کے استعمال سے دریغ نہیں کرتے۔ کبھی یہ
تجویز کی جاتی ہے کہ اسلام کے افریقہ میں داخل ہونے کے راستے بند کر دیئے جاویں۔ کیونکہ اسلام کے ہوتے ہوئے
مسیحی مذہب کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور کبھی یہ تجویز کی جاتی ہے کہ مسیحی مذہب کی اشاعت کے لئے یورپین قوموں

سکے رسوخ اور ظاہری شان وشوکت کو کام میں لایا جاوے۔ اور پھر ان باتوں کے باوجود یہ کہتے جاتے ہیں کہ اسلام کا مذہب ایک جھوٹا مذہب ہے جس کی بنا ایک افترا پر ہے۔ اور یہ کہ دُنیا میں صرف مسیحی مذہب ہی سچا مذہب ہے۔ پادری صاحبان سچ بتلاؤ۔ سچّے مذہب کے یہی لچھن ہوتے ہیں۔ کہ باوجود اسقدر سہاروں اور امدادوں کے پھر بھی اس کی اشاعت کے لئے ناجائز ذریعوں کے استعمال کی ضرورت پڑے۔

غرض افریقہ کے براعظم پر آج اسلام اور مسیحی مذہب کے مابین ایک مقابلہ ہو رہا ہے۔ مسیحی مذہب کو ہر ایک ظاہری سامان حاصل ہے۔ مگر اسلام کو ان سامانوں میں سے ایک سامان بھی حاصل نہیں۔ بلکہ کئی ایک مشکلات سدّراہ ہو رہے ہیں۔ مگر پھر بھی ہم امید کرتے ہیں کہ باوجود اِن رُکاوٹوں کے اور باوجود حریف کے ساز وسامان کے وہ اپنے حریف کو شکست دیگا بشرطیکہ پادری صاحبان ناجائز وسائل کو استعمال کر کے اس کی اشاعت کو روک نہ دیں۔ اور اس کو افریقہ کے باشندوں تک پہنچنے کا موقعہ دیں صرف خوف یہ ہے کہ پادری صاحبان ناجائز سدّراہیں اسلام کے راستہ میں ڈال کر اسکو افریقہ سے خارج کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور ہماری یہ رائے گذشتہ تجربہ پر مبنی ہے۔ کیونکہ جب کبھی پہلے مسیحی مذہب اور اسلام میں باہم مقابلہ ہوا ہے۔ تو ہمیشہ اسلام ہی غالب رہا ہے اور عیسائیت نے ہمیشہ اسلام کے ہاتھوں سے ہزیمت اُٹھائی ہے۔ چنانچہ مسیحی تقریر کرنے والوں نے خود اس امر کی شہادت دی ہے چنانچہ بشپ جوزف سی ہارٹ ذیل نے گذشتہ دسمبر کو سٹوڈنٹ والنٹیر موومنٹ کے اجلاس میں بیان کیا کہ "مسیح سے چھ سو سال بعد مسیحی مذہب نے شمالی افریقہ میں جو اُس وقت کلیسیا کا مرکز اور قلعہ تھا اسلام کے ہاتھوں سے ہزیمت اُٹھائی۔ اور آج اس شمالی افریقہ کے علاقہ میں ۹۱ فی صدی لوگ اسلام کے پیرو ہیں۔ آج کل دُنیا کے مسلمانوں کا ½ حصّہ افریقہ میں آباد ہے۔" اس بیان میں اس بات کا بھی اقرار پایا جاتا ہے کہ شمالی افریقہ میں اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ وہ مقابلہ جس میں مسیحی مذہب نے اسلام کے ہاتھ سے ہزیمت اُٹھائی۔ وہ بقول بشپ صاحب اسلام اور عیسائیت میں مقابلہ تھا۔ وہ اسلام کی تلوار اور عیسائیت میں مقابلہ نہیں تھا اور عیسائیت نے شمالی افریقہ میں اسلام کی تلوار سے شکست نہیں کھائی بلکہ خود اسلام کے ہاتھ سے شکست کھائی۔

ایک اور مسیحی مقرر نے مقام ایڈنبرا کی ورلڈز مشنری کانفرنس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ایک اور شکست کا ذکر کیا جو مسیحی مذہب نے اسلام کے ہاتھ سے دُنیا کے ایک اور حصّہ میں کھائی۔ اس

سوال کے جواب میں "کہ کیا کلیسیا کو یک دفعہ ایسے ملکوں میں آگے بڑھنا چاہئے جو ابھی تک مسیحی طاقتوں کے قبضہ میں نہیں آئیں" ڈاکٹر ایس ایم ذومیر نے نہائت پرجوش الفاظ میں بیان کیا۔ کہ "ہاں ضرور آگے بڑھنا چاہئے۔ افریقہ میں سات کروڑ اور ایشیاء میں سات کروڑ ۲۰ لاکھ ایسے لوگ ہیں جن کے کانوں میں ابھی انجیل کی آواز نہیں پہنچی۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ایشیا کا قلب (یعنی وسطی حصہ) خداوند مسیح کا پیرو تھا اور آج وہی حصہ اسلام کا پیرو ہے۔ خداوند خدا ہمیں ان ممالک میں بلا رہا ہے اور اب ہمارا فرض ہے کہ وہاں جائیں۔"

اب ہم مشرق سے مغرب کی طرف جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ایشیا اور افریقہ میں تو مسیحی مذہب نے اسلام کے ہاتھ سے شکست اٹھائی۔ مگر مسیحی یورپ کے نہائت مغربی حصہ میں جہاں مسیحی مذہب کا مقابلہ اسلام سے ہوا۔ وہاں اس مذہب نے اسلام کے سامنے کہاں تک ثبات قدم دکھایا۔ پریچنگ آف اسلام کا مصنف اپنی کتاب کے اس باب کو جس میں ملک ہسپانیہ میں اسلام کی اشاعت کا ذکر ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ شروع کرتا ہے "۷۱۱ء میں فاتح مسلمانوں نے ملک ہسپانیہ میں اسلام کو داخل کیا اور ۱۵۰۲ء میں (مسلمانوں کے نکلنے کے بعد) شاہ فرڈی ننڈ اور ملکہ آئے زابیلا نے ایک فرمان جاری کر کے کل مملکت میں اسلامی فرائض کی بجا آوری کو روک دیا۔ ان دو تاریخوں کے درمیانی زمانہ میں مسلمانوں نے یورپ کی تاریخ میں ایک نہائت روشن صفحہ تحریر کیا۔" اس زمانہ میں کس حد تک مسیحی مذہب کی جگہ اسلام نے لیلی۔ یہ امر ایک خط سے معلوم ہو سکتا ہے جو "۱۳۱۱ء میں لکھا گیا جس میں لکھا ہے کہ ایک شہر غرناطہ میں اس سال ۲ لاکھ مسلمان تھے جن میں سے صرف ۵۰۲ فاتحین کی اولاد تھے اور باقی سب ایسے لوگ تھے جنہوں نے مسیحی مذہب کو ترک کر کے اسلام کو قبول کیا تھا" (پریچنگ آف اسلام صفحہ ۱۲۴) اسی کتاب کا مسیحی مصنف لکھتا ہے کہ "اسلام اہل ہسپانیہ کے دلوں میں نہائت ہی گہری جڑیں پکڑ گیا چنانچہ جب ۱۶۱۰ء میں مورسکو لوگوں (سپین کے اصلی باشندے جنہوں نے مسیحی مذہب ترک کر کے اسلام اختیار کر لیا تھا) کے آخری بقیہ کو ملک سے خارج کیا گیا۔ تو یہ بیچارے اس وقت بھی اسلام پر سچے دل سے قائم تھے۔ اگرچہ ایک سو سال سے زیادہ عرصہ انہیں اس بات پر مجبور کیا گیا تھا کہ وہ ظاہری طور پر مسیحی مذہب کی پیروی کریں۔ اور اُس وقت جو آخری حصّہ ان لوگوں کا ملک سے خارج کیا گیا تھا۔ اُن کی تعداد جو سب سے کم بیان کی گئی ہے۔ ۵،۶ لاکھ ہے۔ ان لوگوں کے نکالا جانے سے ملک کو سخت صدمہ پہنچا۔ شہر کے شہر اور گاؤں کے گاؤں بالکل خالی ہو گئے۔ اور گھروں کے گھر اجڑ گئے

اور کوئی نہ تھا۔ جو اُن کو دوبارہ آباد کرے گا۔ اس امر کے ظاہر کرنے کے لئے کہ سپین کے لوگ جنہوں نے مسیحی مذہب کو ترک کر کے اسلام اختیار کیا۔ وہ مسلمانوں کی سلطنت تباہ ہونے کے بعد بھی کیسی وفاداری سے اسلام پر قائم رہے۔ میں ایک حوالہ مشہور تاریخی کتاب ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ میں سے بھی یہاں درج کرتا ہوں۔ اس میں لکھا ہے "کہ شاہ فرڈی ننڈ کا ہرگز منشا نہ تھا۔ کہ جو اُس نے معاہدہ کیا تھا اس کی شرطوں پر کاربند رہے ۱۴۹۹ء میں اس نے دلیری سے اپنے مُنہ پر سے بناوٹی پردہ اُتار دیا اور یہ حکم دیا کہ ہر ایک مسلمان جو بپتسمہ لینے سے انکار کرے۔ اس کو ملک میں سے نکال دیا جاوے۔ کل سلطنت غرناطہ میں اس کی اس بدعہدی پر ایک شور برپا ہوا۔ مگر کون سُنتا تھا۔ اگرچہ لوگ ظاہری طور پر گرجے میں جاتے تھے۔ مگر جب گھروں میں آتے تو خدا تعالیٰ سے معافی مانگتے اور ایک علاقہ کے مسلمانوں نے کھُلے طور پر اس حکم کی پابندی سے انکار کیا اور مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے"۔ ناظرین! یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے مسیحی مذہب کو ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا۔ آج ان کو مجبور کیا جاتا ہے۔ کہ پھر اپنے آبائی مذہب میں واپس آجاؤ۔ مگر وہ جلاوطن ہونا اور اپنے مال و اسباب کو ترک کرنا بلکہ جان تک دیدینا پسند کرتے ہیں۔ مگر اسلام کو ترک کر کے اپنے قدیمی مذہب کی طرف واپس آجانا اُن کو منظور نہیں ہے۔ اسلام کی کشش۔ اور یہ ہے اسلام کی صداقت کہ اب مرنا قبول ہے۔ مگر واپس اپنے آبائی مذہب کی طرف جانا منظور نہیں۔ اور پادری صاحبان کو یہ بھی

۳۸۹ ریویو آف ریلیجنز نمبر ۱۰

مسیحی درویش مرد و عورتیں آرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اور ان کے علاوہ کئی نئی خانقاہیں بھی تیار کی گئیں۔ مسیحی درویش اپنے فرقہ کا لباس پہن کر آزادی سے باہر پھر سکتے تھے اور مسیحی علماء کو اس امر کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اپنے خاص نشانات کو چھپائیں۔ بلکہ مسیحی لوگ مسیحی رہ کر بڑے بڑے معزز عہدوں پر مقرر کئے جاتے تھے۔ اور خود دربار شاہی میں اعلیٰ عہدوں پر سرفراز ہوتے تھے۔"

جب اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد مسلمانوں پر مسیحی صاحبان کی طرف سے سخت سے سخت بے رحمیاں کی گئیں۔ اور آخر ایک مسلمان بھی اس ملک میں باقی نہ رہا۔ اُس وقت جن یورپین مسلمانوں کو اُن کے وطن سے نکالا گیا۔ اُن میں سے ایک شخص جو سپین کا باشندہ تھا۔ اپنے ہموطن مسیحیوں کو مخاطب کرکے ایک خط لکھتا ہے۔ جس کو ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ وہ نہائت ہی غیرت بھرے الفاظ میں لکھتا ہے۔ کہ "کیا کبھی ہمارے مسلمان بزرگوں نے سپین میں سے باوجود طاقت کے مسیحی مذہب کی بیخکنی کرنے کی کوشش کی۔ کیا انہوں نے تمہارے آباؤ اجداد کو پوری مذہبی آزادی نہیں دے رکھی تھی؟ کیا یہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکیدی حکم نہیں۔ کہ جس قوم کو مسلمان فتح کریں۔ اُن سے ایک معمولی سالانہ رقم بطور جزیہ کے وصول کرنے کے سوا اور کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ اُن سے نہ کریں اور اُن کو اجازت دیں کہ وہ اپنے مذہب کے پیرو رہیں۔ خواہ وہ مذہب کیسا ہی بیہودہ کیوں نہ ہو۔ یا جس مذہب کو چاہیں اختیار کریں اگر کبھی کسی مسلمان نے کسی مسیحی کو جبراً مسلمان کیا۔ تو ایسی مثالیں بہت ہی کم پائی جاتی ہیں۔ اور اس قابل نہیں کہ ان کا ذکر بھی کیا جاوے۔ ایسے فعل کے مرتکب صرف ایسے لوگ ہو سکتے ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ کا کوئی خوف نہیں۔ اور ایسا کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی صریح خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور اسلام کے اصول کو توڑتے ہیں۔ یہ لوگ اس قابل نہیں کہ ان کو مسلمان کا معزز خطاب دیا جاوے تم ہم مسلمانوں میں کوئی خونی مثال پیش نہیں کر سکتے جیسی تمہاری انکوئیزیشن (مسیحی محکمۂ مذہب میں اختلاف کرنے والوں کا خون پینے کے لئے)۔ اس میں شک نہیں۔ کہ مسلمانوں کے بازو ہمیشہ ایسے لوگوں کو قبول کرنے کے لئے کھلے ہیں جو اُن کا مذہب قبول کرنا چاہیں مگر اُن کا قرآن مجید اُن کو اجازت نہیں دیتا کہ لوگوں کو اُن کی مرضی کے برخلاف اسلام میں داخل ہونے کے لئے مجبور کریں۔" (پریچنگ آف اسلام صفحہ ۱۲۳)

مسلمان فاتحین نے ایسی مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ کہ یہی کام مسیحی لوگوں کے نزدیک ایک جرم قرار پا گیا۔ چنانچہ جب سنہ ۱۶۰۲ء میں ویلینشیا کے آرچ بشپ نے ہسپانیہ کے مسلمان باشندوں کے قصوروں کی

ایک فہرست شاہ فلپ سوم کے سامنے پیش کرنے کے لئے تیار کی - تو اُن میں جو جو کفر کی باتیں اُن کی طرف منسوب کیں - اُن میں ایک یہ تھی کہ "یہ لوگ کسی چیز کو ایسا پسند نہیں کرتے جیسا کہ تمام مذہبی امور میں ہر ایک شخص کو بالکل آزاد سمجھنا اور ترک اور تمام دوسرے مسلمان اپنی رعایا کو مذہبی امور میں بالکل آزاد رکھتے ہیں" (پریچنگ آف اسلام صفحہ ۱۲۴) ناظرین غور فرماویں - کہ مسلمانوں کا مذہبی آزادی دینا ہی مسیحی صاحبان کی آنکھوں میں ایک جرم ٹھہرا اور وہ اس قابل سمجھے گئے کہ ملک سے خارج کئے جاویں - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے فاضل مصنف ہسپانیہ میں اسلامی سلطنت کے ماتحت مذہبی آزادی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں - "گر آٹھویں صدی کا ایک پادری مورخ اس بات کا تو واویلا کرتا ہے - کہ ہسپانیہ کی سلطنت ایک غیر قوم کے قبضہ میں آگئی - مگر اس بات کا ذکر بھی نہیں کرتا کہ وہ غیر قوم ایک غیر مذہب کی پیرو ہے اور اس کی یہ خاموشی عربوں کی عالیشان مذہبی آزادی کے لئے ایک فصیح شہادت ہے"

الغرض جس جگہ اسلام اور مسیحی مذہب میں باہم مقابلہ ہوا ہے - ہمیشہ مسیحی مذہب نے ہی ہزیمت اُٹھائی ہے اور اس سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ افریقہ میں بھی اسلام ہی انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہوگا - بشرطیکہ پادری صاحبان ناجائز طریقوں سے اس کی رفتار کو نہ روکیں اور اس کی رفتار کے آگے طرح طرح کے پتھر پھینک کر اس کی اشاعت میں مزاحم نہ ہوں" (باقی آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

ریویو

ویدکے ظہور میں فتور - یہ ۳۲ صفحہ کا رسالہ منشی محمد ظہیر الدین صاحب نے جو پہلے الحکم کے دفتر میں اسسٹنٹ ایڈیٹر کا بھی کام کرتے رہے ہیں - اور جن کے مضامین سے ناظرین میں سے اکثر لوگ آگاہ ہوں گے - تالیف کیا ہے اس رسالہ میں ویدکے متعلق آریہ صاحبوں کے دعاوی کی حقیقت کو کھولا گیا ہے - قرآن مجید کے بے مثل ہونے کے دعویٰ پر بحث کی گئی ہے اور آریوں کے وید جدید کی قلعی کھولی گئی ہے - قیمت ۱/ - ملنے کا پتہ مولوی محمد الدین صاحب حکیم - گوجرانوالہ - دروازہ دیسہ سنگھ

الصنعت - اس نام کا رسالہ حال میں انجمن مؤید الصنعت لاہور کی طرف سے شائع ہونا شروع ہوا ہے - اس کے بڑے اغراض یہ ہیں - ملک میں مختلف صنائع کو رواج دینا - تجارت کے متعلق مفید مشورے اور قیمتی مضامین مشہور قدیمی صناعوں اور موجدوں کی سوانح درج کرنا - اس میں زیادہ تر مندرجہ ذیل مضامین پر بحث ہوتی ہے

تعلیم - اصلاح تمدن - ڈرائنگ - نجاری - آہنگری - انجینئرنگ - تجارت - تاریخ - متفرقات - یہ مضمون اہل تجربہ اصحاب سے لکھائے جاتے ہیں - ہر ایک نمبر میں علاوہ چھوٹے چھوٹے نقشوں کے ایک اعلیٰ درجہ کا نقشہ علیحدہ لگایا جاتا ہے - امید ہے کہ اہل صنعت کے لئے یہ رسالہ بہت مفید ہوگا قیمت سالانہ عوام سے عا درخواستیں بنام جنرل سکرٹری انجمن مویّد الصنعت لاہور جانی چاہئیں -

تحفۃ العرب - تالیف جناب مولوی محمد عبد المحی الحویزی حال نزیل قادیان - یہ ۴۴ صفحہ کا عربی رسالہ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دعویٰ کی تائید میں لکھا گیا ہے - اور حضرت مسیح ناصری علیٰ نبینا الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات پر سیر کُن بحث کی گئی ہے - قرآنی آیات - احادیث - تفاسیر کتب لغت اور سلف کی شہادت کو کثرت سے پیش کیا گیا ہے - آخر میں حضرت اقدس علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اپنی کلام کو درج کیا گیا ہے - اور آپ کے چند قصائد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں درج کئے گئے ہیں - رسالہ خوشخط و کاغذ عمدہ ہے - قیمت ۳ ر ہے - اگر یہ رسالہ عرب و مصر و روم وغیرہ ممالک میں کثرت سے شائع کیا جاوے - تو امید ہے - کہ نہائت مفید ثابت ہوگا

سومنگلا - تالیف شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور قادیان - یہ ایک مذہبی ناول ہے - جو ۱۸ - ۲۲ کے ۷۶ صفحہ پر ختم ہوتا ہے - اس میں تناسخ کی بہت دلچسپ اور عام فہم پیرایہ میں تردید کی گئی ہے - اور روح اور مادہ کی ازلیت کا ابطال کیا گیا ہے - رسالہ بہت دلچسپ اور قابل دید ہے - قیمت صرف ۲ ر

اطلاع

رپورٹ سالانہ جلسہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۰۹ء چھپکر شائع ہو چکی ہے - اور مختلف انجمنوں کو اس کی مناسب تعداد بھیجی جاچکی ہے - اگر کسی صاحب کو کچھ اور زائد کاپیاں درکار ہوں - تو دفتر

میگزین

سے بلاقیمت منگوالیں - والسّلام

مینجر میگزین

براہین احمدیہ چار جلد

حضرت مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی لاجواب۔ بے نظیر پُرمعارف تصنیف جس کا حجم قریباً ۶۰۰ صفحہ تقطیع کلاں۔ کاغذ عمدہ ہے۔ اور جس میں قرآن شریف کی صداقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بڑے زبردست دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے ثابت کر کے عیسائیوں۔ آریوں۔ برہموؤں اور دہریوں کو ان دلائل کے توڑنے اور جواب لکھنے پر مبلغ دس ہزار روپیہ انعام دینے کا بخط جلی ۱۸۸۰ء سے اعلان ہے۔ مگر آجتک اس انعام کا کوئی دعویدار نہیں ہو سکا۔ ان دنوں کتاب مذکور کی ۲۰۰ کاپیاں میاں معراج الدین صاحب عمر نے بمدّ اعانت صدر انجمن احمدیہ قادیان کو بغرض اشاعت کتاب عطا کی ہیں۔ کتاب کی قیمت مبلغ ۲۵ تھی۔ مگر چونکہ صدر انجمن احمدیہ کو مدّ اعانت میں بغرض اشاعت ملی ہے۔ لہذا انجمن موصوف نے کتاب موصوف کی قیمت محض سہولت اشاعت کو مدّ نظر رکھکر اب صرف دو روپے کر دی ہے۔ جو کہ کتاب کی اصل لاگت سے بھی کم ہے۔ لہذا عام طور سے اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ احباب اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ دیں۔ خریداری کتاب کے واسطے مینجر بک ڈپو قادیان کے نام پر درخواستیں آنی چاہئیں

اظہار حق

یہ کتاب سکھ مذہب میں تبلیغ کی غرض سے حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنی گرہ سے اخراجات طبع دیکر شایع کرائی ہے۔ قیمت برائے نام ہے۔ ۵ر

(مینیجر بک ڈپو قادیان)

اطلاع ضروری

خریداران تفسیر القرآن کی خدمت میں اطلاعاً عرض ہے کہ رسالہ بوجہ عدیم الفرصتی ایڈیٹر صاحب ابھی تک شائع نہیں ہو سکا۔

منیجر

بہ اہتمام منیجر میگزین مطبع میگزین قادیان دارالامان میں طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

نمبر ۱۱ | بابت ماہ نومبر ۱۹۱۰ء | جلد ۹

عام قیمت عہ

سالانہ طلبا سے ایک روپیہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ نومبر سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام میں شائع ہوا۔

نوٹ:۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اسلام کی اشاعت براعظم افریقہ میں ۲

سلسلہ کیلیئے ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر

چونکہ اس بات کا اقرار کہ افریقہ میں مسیحی مذہب اسلام کے ہاتھ سے شکست کھاتا جاتا ہے مسیحی مذہب کے لیئے ایک قابل شرم بات تھی اس لیئے مشنری کانفرنسوں میں جہاں تقریر کرنیوالوں نے مسیحی مذہب کے مقابل میں اسلام کی کامیابی کا اعتراف کیا ہے وہاں اپنے مذہب پر سے بدنامی کا داغ دھونے کیلیئے طرح طرح کے اسباب بھی بیان کیئے ہیں جن کی وجہ سے اسلام کو فتح اور مسیحی مذہب کو شکست ہو رہی ہے۔ افریقہ میں اسلام کی کامیابی کی ایک وجہ جو ایک مشنری نے بیان کی یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت کے لیئے باقاعدہ سوسائیٹیاں موجود ہیں جو مشنری بھیجکر افریقہ میں مذہب اسلام کو پھیلاتی ہیں۔ مگر ڈاکٹر کرل کم اس امر کا انکار کرتا ہے۔ میں اُس کے بیان کو پہلے نقل کر چکا ہوں وہ لکھتا ہے کہ "اگرچہ کوئی ایسی اسلامی مشنری سوسائٹی قائم نہیں جس نے باقاعدہ طور پر افریقہ میں اسلام کی اشاعت کا کام اپنے ذمہ لیا ہوا ہو مگر پھر بھی مسلمان تاجر اور واعظ سوڈان کے جنوبی حصوں تک پہنچ رہے ہیں"۔ لیکن اگر ہم مان بھی لیں کہ کوئی ایسی اسلامی سوسائٹی ہے جو افریقہ میں اپنے واعظ اشاعت اسلام کے لیئے بھیجتی ہے تو پادری

صاحبان کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی سوسائٹی موجود بھی ہے تو اُس کی بے شمار مالدار مسیحی سوسائٹیوں کے مقابل میں کوئی حقیقت نہیں۔ جو رات دن مسیحی مذہب کی اشاعت میں مصروف ہیں۔

پھر پادری صاحبان بار بار ہمیں یہ سناتے ہیں کہ افریقہ میں اسلام مسلمان تاجروں کے ذریعہ پھیل رہا ہے۔ مگر کیا ایسا کہنے سے مسیحی مذہب کی بریّت ہو جاتی ہے۔ اور بدنامی کا داغ اُس کے چہرے سے مٹ جاتا ہے۔ کیا مسلمان تاجروں اور سیاحوں کی نسبت مسیحی تاجر اور سیاح تعداد میں کئی درجے زیادہ نہیں؟۔ پھر اگر مسلمان تاجر غیر ممالک میں جا کر اسلام کو پھیلاتے ہیں تو مسیحی تاجر اور مسیحی سیاح کیوں اپنے مذہب کو نہیں پھیلاتے؟ دنیا کے کل حصّوں میں اس قدر عیسائی لوگ پھیلے ہوئے ہیں کہ اگر وہ مسلمان تاجروں اور سیاحوں کی طرح غیر قوموں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کا کام اپنے ذمہ لیں تو وہ اُن تنخواہ دار پادریوں کی نسبت جو بائیبل کو بغل میں دبائے ہوئے گاؤں گاؤں میں پھرتے ہیں بہت زیادہ کام کر سکتے ہیں۔ اگر وہ بے شمار عیسائی جو غیر ممالک میں تجارت یا دیگر اغراض کے لیئے جاتے ہیں مسلمان تاجروں اور سیاحوں کے نمونہ پر چلیں تو پھر تنخواہ دار پادریوں کی ضرورت ہی نہیں رہے گی مگر غور طلب سوال یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ جب مسلمان تاجر غیر ممالک میں جاتے ہیں تو وہ اُن ممالک میں اسلام کا اثر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور غیر قوموں میں اپنے مذہب کی اشاعت کرنے میں مصروف رہتے ہیں مگر مسیحی تاجر اور مسیحی سیاح وغیرہم غیر ممالک میں جا کر اپنے مذہب کا وعظ نہیں کرتے۔ اس کی وجہ صاف ہے۔ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی سچائی کا یقین ہے حالانکہ اکثر مسیحی صاحبان کو خود اپنے مذہب کی سچائی پر کوئی ایمان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب اوّل الذکر غیر ممالک میں جاتے ہیں تو اپنے مذہب کی روشنائی اپنے ساتھ لیجاتے ہیں اور غیر ملکوں کے لوگوں کو اسلام کے نور سے منور کرتے ہیں مگر عیسائی تاجر تو خود اس بضاعت سے تہیدست ہیں۔ وہ غیروں کو کیا دیں یہ صرف تنخواہ دار پادریوں ہی کا کام ہے کہ وہ بطور ڈیوٹی کے لوگوں کے آگے

صلیب اُٹھائے پھرتے ہیں۔ یہ صرف تنخواہ دار پادری کی کوشش ہی ہے جو مسیحی
مذہب کے لئے سہارے کا کام کر رہی ہے اور پادری کو بجائے خود اپنی تنخواہ کا سہارا ہے۔
اگر تنخواہ نہ ہوتی تو غیر ممالک میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے والے مسیحی بہت کم نظر
آتے اور اگر یہ پادریوں کی جماعت نہ ہوتی تو مسیحی مذہب کا حال ناگفتہ بہ ہوتا۔ غرض
یہ امر کہ مسلمان تاجر اور سیّاح جہاں جہاں جاتے ہیں اسلام کی تبلیغ میں واعظانِ اسلام کا
کام کرتے ہیں مگر مسیحی تاجر اور سیّاح وغیرہم اپنے مذہب کے متعلق ایسا نہیں کرتے یہ امر
خود اسلام کی خوبی اور مسیحی مذہب کے بودا پن پر دلالت کرتا ہے اور اس امر کو پیش کرتے
وقت پادری صاحبان کو بجائے خوش ہونیکے شرمندہ ہونا چاہیئے۔

مسیحی تاجر وغیرہ بجائے اسکے کہ مسلمان تاجروں اور سیّاحوں کی طرح اپنے مذہب کو
کچھ فائدہ پہنچائیں اُلٹا نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ سٹوڈنٹس کانونش کے اجلاس
میں برطانیہ کے سفیر مسٹر جیمز برائیس نے بیان کیا کہ "بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ
ایسے لوگوں نے جو مسیحی کہلاتے ہیں غیر قوموں کو لوٹا ہے۔ دھوکہ دیکر اُن کی زمینیں
اُن سے لے لی ہیں۔ اُن کی کانوں کو خالی کر دیا ہے اُن سے بلا اُجرت محنت کا کام
لیا ہے۔ شراب کے ذریعہ اُن کو تباہ کیا ہے اُن سے سختی۔ حقارت اور بعض اوقات
سفاکی کے ساتھ برتاؤ کیا ہے۔ ایسے لٹیرے نئے ممالک میں بہت کثرت سے پائے
جاتے ہیں اور جو کچھ مسیحی مذہب اصولی طور پر تعلیم دیتا ہے اُنکے چال چلن اسکے
برخلاف ہیں اور عیسائیت کے اثر کو زائل کرنے والے ہیں۔"

مسیحی مذہب کا خود اپنے ملک میں لوگوں کی زندگیوں پر کیسا اثر ہے اسکا ذکر کرتے
ہوئے سفیر مذکور نے بیان کیا کہ "اُس نقصان کے علاوہ جو مسیحی اقوام کے لوگ
بیرونی ممالک میں مسیحی مذہب کو پہنچا رہے ہیں سب سے بڑی رکاوٹ جو غیر ممالک میں
انجیل کی اشاعت کو روک رہی ہے وہ خود مسیحی ملکوں میں انجیل کا کمزور اثر ہے۔"

افریقہ میں اس سرعت سے اسلام کے پھیلنے کی ایک اور وجہ جو مسیحی تقریر کرنے
والوں نے بیان کی وہ یہ ہے کہ "اسلام کثرت ازدواج کی اجازت دیتا ہے اور گناہ

کرنے کے لیئے لوگوں کو دلیر کرتا ہے" افسوس ہے کہ مسیحی مشنری عام جلسوں میں ایسے خلاف واقعہ امور کے بیان کرنے میں ایسے دلیر ہوں۔ میں اُن سے پوچھتا ہوں کہ کیا افریقہ کے باشندے بغیر اسلام قبول کرنے کے ایک سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتے اور وہ کونسی چیز ہے جو اُن کو گناہوں کے ارتکاب کے لیئے اسلام میں داخل ہونے پر مجبور کرتی ہے۔ کیا وہ اسلام سے باہر رہ کر ہر طرح کے معاصی کا ارتکاب نہیں کر سکتے؟ پھر اگر اسلام میں داخل ہونیکے لیئے جو امر اُنکے لیئے محرک ہوتا ہے وہ کثرت ازدواج ہی ہے تو مسیحی صاحبان خود کثرت ازدواج کی اجازت دیکر تجربہ کر لیں۔ اور ایسا تجربہ کرنے میں اُنکا کچھ خرج نہیں۔ مسیح نے کہیں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی ممانعت نہیں کی۔ اور از روئے عہد نامہ عتیق کثرت ازدواج نہ صرف جائز بلکہ انبیاء علیہم السلام کی سُنّت ہے اگر یورپ اور امریکہ کے مسیحی اپنے تئیں حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ خیال کرتے ہیں اور اس لیئے جو بات ان انبیاء علیہم السلام کے لیئے نہ صرف جائز تھی بلکہ جسپر انہوں نے خود عمل کیا اُس کو یورپ اور امریکہ کے مسیحی ترقی یافتہ ہونے کے سبب اپنی ذات کے لیئے حرام خیال کرتے ہیں۔ تو کم از کم افریقہ کے حبشی عہد عتیق کے انبیاءؑ سے زیادہ مہذب نہیں اور جو بات حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے عظیم الشان انسان کے لیئے جائز تھی اُس کو اگر مسیحی صاحبان اپنے افریقہ کے چیلوں کے لیئے جائز ٹھہرا دیں تو اُس میں اُنکا کچھ بھی حرج نہیں بلکہ سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے کیونکہ انکے قول کے بموجب ایسی جائز اجازت کے بعد وہ جوق درجوق مسیحی مذہب میں داخل ہونا شروع کر دینگے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسلام بدکاری کو ترقی دیتا ہے اور اس لالچ سے افریقہ کے لوگ آسانی سے اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ اسکے جواب میں میں کہتا ہوں کہ حضرت مسیحؑ کے قول کے بموجب درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور اس امر کے دیکھنے کے لیئے کہ اسلام اور مسیحی مذہب دونوں میں سے کونسا مذہب بدکاری پر لوگوں کو دلیر کرتا ہے ہمیں صرف اتنی ہی ضرورت ہے کہ اسلامی ملکوں اور مسیحی ملکوں کی عملی حالت پر ایک نظر دوڑائیں۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ مسیحی ممالک میں

فسق و فجور ایک دریا کی طرح موجزن ہے حالانکہ اسلامی ممالک کی حالت مسیحی ممالک
کی نسبت بدرجہا بہتر ہے۔ اور صرف اسی پر بس نہیں مسیحی ممالک صرف خود ہی بدکاری
کے مرکز نہیں بلکہ انہوں نے اپنا بد اثر ایک خطرناک متعدی بیماری کی طرح غیر ممالک
میں بھی پہنچا دیا ہے۔ مثال کے طور پر میں افریقہ کو پیش کرتا ہوں جس کے باشندوں
کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مسیحی مذہب پر اسلام کو اس لیئے ترجیح دیتے ہیں کہ اسلام
بدکاری کو ترقی دیتا ہے۔ ذیل میں میں افریقہ کے ایک دیسی مگر تعلیم یافتہ رئیس کی
شہادت پیش کرتا ہوں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یورپ کی مہذب قوموں نے کس قسم کی
تہذیب براعظم افریقہ میں داخل کی ہے۔ علاقہ سیرالیون کے راجہ مبیو مولوساقوی
نے جو انگریزوں کے ماتحت ہے ۱۹۰۵ء میں رسالہ سینچری میگزین میں ایک مضمون
بھیجا جس میں وہ اُن بدکرداریوں کا ذکر کرتا ہے جو مسیحی یورپ کے ذریعہ افریقہ میں پہنچی
ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ اُن دیسی باشندوں میں جو وسط ملک میں رہتے ہیں اور اُن
میں جو ساحل کے قریب رہنے کی وجہ سے یورپ کے مسیحیوں کے زیر اثر ہیں زمین و آسمان
کا فرق ہے۔ جہاں جہاں مسیحی لوگ گئے ہیں وہاں شراب خواری اور زناکاری کی مہلک
بدیوں کا بہت رواج ہو گیا ہے۔ کثرت ازدواج اگرچہ یورپ کے قانون اور اخلاقی تعلیم کے
رو سے جائز نہیں مگر جس کثرت سے افریقہ کے دیسی باشندے اسپر عمل کرتے ہیں اُسی کثرت
سے یورپ کے مسیحی صاحبان اُسپر کاربند ہیں۔ اس ملک میں یہ نظارہ عام طور پر دیکھا جاتا
ہے کہ ایک ایک یوروپین تاجر کے پاس دو سے لیکر پانچ تک بلکہ اس سے بھی زیادہ
بیویاں ہوتی ہیں۔ ایک اور بد رسم جو یورپ کے لوگوں نے ساحل پر جاری کر رکھی ہے وہ یہ ہے
کہ ایک کاکیشین کی بیویاں اُس کے تمام دوستوں کے لیئے بھی جو اُس کی ملاقات کے لیئے
آتے ہیں بیویوں کا ہی کام دیتی ہیں۔ جب ان عورتوں کا مالک جو برائے نام اُن کا
خاوند کہلاتا ہے واپس یورپ کو چلا جاتا ہے تو اُن کا کوئی خبر گیراں نہیں رہتا اور وہ
جہاں جاتی ہیں اپنا بُرا سبق دیس میں پھیلاتی ہیں۔ میں نے یہ خود حساب کر کے معلوم
کیا ہے کہ میری ریاست میں جسقدر اسباب باہر سے آتا ہے اُس میں سے نصف

حصہ شراب ہوتا ہے اور شراب بھی نہایت ہی خراب قسم کا۔ دیسیوں کے دل میں یہ خیال بیٹھا ہوا ہے کہ ہر ایک چیز جو یورپ سے آتی ہے اور جس کو گورے لوگ استعمال کرتے ہیں۔ وہ ضرور اچھی ہی ہوتی ہے اور تہذیب کا ایک نشان ہوتی ہے۔ اس لیئے یہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ ایسے آدمی جن کے پاس کافی شراب خریدنے کے لیئے روپیہ نہیں ہوتا وہ اپنے سر اور مونچھوں پر عطر کی طرح شراب کا ایک قطرہ مل دیتے ہیں تاکہ لوگ شراب کی بُو سونگھ کر انکو مہذب آدمیوں میں شمار کریں۔ یہ زہر نہایت تیزی سے اپنا کام کر رہی ہے اور چند ہی دنوں میں یہ اسقدر زور پر ہو جائے گی کہ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ لیکن ہمارا خون اہل یورپ کے سر پر ہو گا اور چلّا چلّا کر آسمان سے اپنا بدلہ مانگے گا"۔

رئیس موصوف کے مندرجہ بالا بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر افریقہ کے باشندے ایسے مذہب کو پسند کرتے ہیں جس کے پیرو زیادہ بدکار ہیں تو انہیں مسیحی مذہب کو دوسرے مذاہب پر ترجیح دینی چاہیئے۔

آؤ اب ہم افریقہ سے رخصت ہو کر دنیا کے ایک اور حصے کی طرف سفر کریں اور دیکھیں کہ مسیحی مشنریوں اور مسیحی تاجروں نے دنیا کے اُس حصہ کو کس قدر نفع پہنچایا ہے۔ اب میں ایک بڑے جلیل القدر انگریز یعنی مسٹر جے اے فرُوڈ کی شہادت کو پیش کروں گا۔ وہ اپنی مشہور تصنیف اوشی آنا میں جزیرہ نیوزیلنڈ کی بہادر قوم یعنی قوم مے آری کی تباہی پر مندرجہ ذیل الفاظ میں ماتم کرتا ہے:-

"شراب نے ان لوگوں کو جسمانی طور پر بھی تباہ کر دیا ہے اور اخلاقی طور پر بھی اُن کا ستیاناس کر دیا ہے۔ وہ اس زہر سے محبت کرتے ہیں اور شکر گذاری کے ساتھ پادریوں کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'پادری اچھے لوگ ہیں۔ کیونکہ وہ تین اعلیٰ درجہ کی چیزیں اپنے ہمراہ لائے ہیں۔ اوّل بارود۔ دوم شراب۔ سوم تمباکو۔'" (صفحہ ۲۲۳)

مسٹر فرُوڈ صاحب ایک دلچسپ حکایت بیان کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پادری صاحبان غیر ممالک میں جا کر کس قسم کا نمونہ لوگوں کے آگے پیش کرتے ہیں

اور اُن کا اپنا عمل اُنکی تعلیم سے کہانتک مطابق ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "ایک پادری اور قوم ماری کا ایک رئیس باہم گہرے دوست تھے۔ اُس رئیس کا نام میرے خیال میں ٹکوئی تھا۔ اس میں کئی خوبیاں تھیں۔ وہ بہادر تھا۔ وہ وفادار تھا وہ دیانت دار تھا مگر شراب پینے کا سخت عادی تھا۔ کئی دفعہ پادری نے ملاقات کے وقت اُس کو شراب کے نشہ سے بدمست پایا۔ اور آخرکار اُسکو بطور نصیحت کے کہنے لگا ٹکوئی! تم اچھے آدمی ہو۔ مَیں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ تم شراب کو مت پیا کرو۔ ٹکوئی اگر تم ایسا کرو گے۔ تم اپنا مال۔ اپنا چال چلن۔ اپنی صحت۔ اور آخرکار اپنی زندگی کھو بیٹھو گے۔ نہیں۔ ٹکوئی۔ ان سب سے بدتر بات یہ ہے کہ آخرکار تم اپنی غیر فانی روح کو بھی کھو دو گے۔ ٹکوئی خاموش ہوکر پادری کی بات کو سنتا رہا۔ پادری چلا گیا۔ کئی دن کئی ہفتے۔ اور کئی مہینے گذر گئے۔ اور پادری نے اُس رئیس کو پھر نہ دیکھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ رئیس پادری سے کہیں دُور نہیں تھا صرف مناسب موقعہ کا انتظار کر رہا تھا۔ قریباً ایک سال بعد ایک طوفانی رات کو پادری جو اپنے دَورہ پر گیا ہوا تھا بھیگا ہوا اور کانپتا ہوا اپنے مکان پر واپس آیا۔ آگ خوب بھڑک رہی تھی۔ کمرہ گرم تھا۔ پادری نے خشک کپڑے پہنے۔ کھانا کھایا۔ اور آرام محسوس کرنے لگا۔ اُس کو خیال آیا کہ ایسا نہ ہو زکام لگ جائے آؤ سونے سے پہلے ایک گلاس وِسکی شراب کا (جو آپ کے باورچی خانہ میں ہروقت موجود رہتا تھا) پی لیں۔ اُس کا ملازم جھٹ شراب کی دیگچی لایا۔ وِسکی کی بوتل نکالی گئی۔ اور کچھ شکر اور لیموں آور پادری صاحب شراب کا پیالہ مُنہ کو لگانے ہی لگے تھے کہ دروازہ کُھلا اور ایک منقش چہرہ نے اندر جھانکا۔ چہرے کے بعد باقی جسم بھی اندر داخل ہوا اور پادری صاحب کیا دیکھتے ہیں کہ (بدقسمتی سے) وہی ٹکوئی دروازہ میں کھڑے ہیں۔ ٹکوئی نے پادری کو مخاطب کرکے کہا۔ "چھوٹے باپ! تم شراب کو مت پیو۔ چھوٹے باپ! اگر تم شراب پیو گے تو تم اپنا مال۔ اپنا چال چلن۔ اور اپنی صحت کھو بیٹھو گے اور شاید تم اپنی جان بھی کھو بیٹھو گے۔ نہیں چھوٹے باپ تم اپنی.... مگر ایسا نہیں ہوگا۔ تمھاری غیر فانی روح میری روح سے زیادہ

قیمتی ہے۔ شراب تمہاری نسبت مجھے کم نقصان پہنچائے گا۔ تمہاری غیر فانی روح کو بچانے کے لیئے میں خود اس پیالہ کو پی لوں گا۔"

غرض مسیحی صاحبان کا یہ فرمانا بالکل بے جا ہے کہ افریقہ کے باشندے اسلام کو اس لیئے قبول کرتے ہیں کہ وہ بدی کو ترقی دیتا ہے۔ اگر یہی سبب ہوتا تو وہ مسیحی مذہب کو اسلام پر ضرور ترجیح دیتے۔ تعجب آتا ہے کہ کس طرح عام جلسوں میں پادری صاحبان ایسی کذب بیانی پر جرأت کر لیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ولایت کے عوام کالانعام ایسی دھوکہ کی باتوں کو سُنکر م صرف یہی نتیجہ نکالیں گے کہ پادری صاحبان میں نہایت ہی سیاہ قسم کی خلاف بیانی کی قابلیت پائی جاتی ہے۔ پادری صاحبان کو چاہیئے کہ پہلے اپنی اصلاح کریں۔ اُس کے بعد اپنے ہم مذہب تاجروں کی جو وسکی اور رَم کی بوتلیں لیکر غیر ممالک میں سایہ کی طرح پادریوں کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اس کے بعد اُن کو اختیار ہے کہ غیر ممالک کے باشندوں کی طرف رجوع کریں۔

مسٹر فروُڈ صاحب پادریوں کو ایک نصیحت بھی کرتے ہیں۔ کیا پادری صاحبان ایسے جلیل القدر خیر خواہ کی نصیحت پر کان دھریں گے؟ وہ نہایت خیر خواہی اور درد دل سے لکھتے ہیں کہ "اگر رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ مشنری مسلمانوں سے شراب کی ممانعت کرنا اور عملاً اُس کو روکنا سیکھ سکیں تو اس نہایت ہی عجیب قوم یعنی قوم مآری میں سے جو لوگ ابھی باقی ہیں وہ تباہی سے بچ سکتے ہیں"۔ مَیں کہتا ہوں کہ اگر پادری صاحبان مسٹر فروُڈ صاحب کی نصیحت پر عمل کرکے مسلمانوں سے یہ سبق سیکھ لیں تو نہ صرف قوم مآری ہلاکت سے بچ جائے گی بلکہ ایک دنیا جو آج مسیحی صاحبان کی مہربانی سے شراب خواری کی آفت میں گرفتار ہے اس بلا سے نجات پا جائے گی۔

واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

م یورپ میں آ جائیں مگر جو لوگ اسلام کی پاکیزہ تعلیم سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں وہ ایسی باتوں کو سنکر

ینابیع الاسلام پر ریویو - حصّہ ۴

مسیحی سرچشمے

ریورنڈ ٹسڈل نے اکیس (۲۱) مسیحی کتابوں کا ذکر کیا ہے جن کو وہ اسلامی تعالیم کے سرچشمے قرار دیتا ہے مگر اُس کے نزدیک ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی مسیحی کتابیں ہیں جو اسلامی تعالیم کا ماخذ ہیں وہ لکھتا ہے کہ بسیارے از مسیحیاں ساکن جزیرۃ العرب نہ فقط نادان بلکہ مرتکب بدعتہائے متنوعہ گردیدہ بودند یعنی عرب کے اکثر عیسائی صرف نادان ہی نہ تھے بلکہ طرح طرح کی بدعتوں میں بھی مبتلا تھے پھر لکھتا ہے آن بدعتیان از انجیل و از صحایف حواریین چنداں اطلاع نداشتند و ازاں سبب بعضے کتابہائے جعلی پُر افسانۂ باطل میاں خود شاں انتشار دادہ آنہا را مے خواندند و آن حکایتہا را کہ در آنہا مندرج بود برزبانہائے خویش میراندند یعنی مسیحیوں کے بدعتی فرقے جو عرب میں آباد تھے انجیل اور حواریوں کے صحیفوں سے چنداں واقفیت نہیں رکھتے تھے اس لیئے باطل اور جعلی کتابیں اُن میں کثرت سے رائج تھیں اور وہ کتابوں کو پڑھتے تھے اور جو حکایات اُن کتابوں میں درج تھیں بیان کیا کرتے تھے۔

پھر پادری صاحب اس سوال کے جواب میں کہ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن بدعتیوں سے علم حاصل کیا اور کس طرح آپ کو بدعتیوں کی باطل کتابوں کے مضامین سے آگاہی حاصل ہوئی بیان کرتے ہیں قول معترضین این است کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چوں از انجیل واقفیت کامل نداشت و با ابنائے جنس مذکور مراودۃ و معاشرت میداشت گماں برد کہ ہرچہ از زبان ایشان شنید در انجیل و یا در رسالہ ہائے حواریین مندرج است یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انجیل سے پوری واقفیت نہیں تھی آپ کا میل جول ہمیشہ بدعتی مسیحیوں کے ساتھ رہتا تھا اور جو کچھ آپ نے ان بدعتیوں سے سُنا آپ نے خیال کیا کہ یہی انجیل اور حواریوں کے

صحیفوں کے مضامین ہیں پس اس طرح آپ نے انکی باتوں کو انجیل اور حواریوں کی تعلیم سمجھ کر قرآن شریف میں داخل کردیا اور اُس کا نام وحی الٰہی رکھا۔ یہ ہیں پادری صاحب کی شہادات جو آپ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہیں پادری صاحب کے بیان سے مندرجہ ذیل باتیں بطور نتیجہ کے پیدا ہوتی ہیں (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مسیحیان عرب بدعتی فرقوں سے تعلق رکھتے تھے (۲) اناجیل اور صحف حوارین سے بے خبر تھے مگر بدعتی فرقوں کی کتب سے خوب واقفیت رکھتے تھے (۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مسیحیوں کے درمیان ہر وقت رہتے تھے اور باہمی ملاقات اور میل ملاپ کا سلسلہ جاری رہتا تھا (۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بدعتی مسیحیوں پر پورا اعتماد تھا آپ جو کچھ اُن کی زبان سے سُنتے تھے اُسے انجیل اور صحف حوارین کی عبارت یقین کرتے تھے اور اُسے وحی الٰہی ظاہر کر کے قرآن مجید میں داخل کر دیتے تھے (۵) مسیحی مذہب کا جو بیان قرآن مجید میں پایا جاتا ہے وہ بدعتی فرقوں کے عین مطابق ہے۔ یہ ہیں وہ نتائج جو پادری ٹسڈل کے بیان سے پیدا ہوتے ہیں اگر ان کی بنا واقعات پر ہو تو کسی شخص کو پادری صاحب کے ساتھ اتفاق کرنے سے انکار نہ ہوگا مگر اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ پادری صاحب کے یہ بیانات بالکل خلاف واقعہ ہیں تو پھر پادری صاحب کا سارا دعویٰ باطل ہو جائے گا اس لیئے ہم سب سے پہلے پادری صاحب کے ان بیانات کی صحت کی پڑتال کریں گے۔

پادری ٹسڈل کے برخلاف تین جلیل القدر مسیحیوں کی گواہی

پادری صاحب کے بیانات کی بیخکنی کے لیئے اس سے زیادہ کوئی بہتر طریق نہ ہوگا کہ خود مسیحی مصنفین کے بیانات کو نقل کر دیا جاوے جو ہر ایک امر میں پادری صاحب کے بیانات کی تردید کرتے ہیں پہلا مسیحی مصنف جس کو میں پادری صاحب کے برخلاف شہادت دینے کے لیئے بلاتا ہوں وہ جے۔ ایم راڈویل ایم اے۔ ریکٹر آف سنٹ ایتھلبرگ و مترجم قرآن مجید ہے۔ پادری صاحب نے صرف دو بڑے بڑے بدعتیوں کا نام لیا ہے جن کی تحریریں اُن کے

خیال میں عرب کے مسیحیوں میں کثرت سے رائج تھیں اور اس لیئے اُن کے مضامین قرآن مجید میں داخل ہو گئے یہ مرقیوں اور بسیلیدس ہیں جو ایک بدعتی فرقہ ناسٹک نامی کے دو عظیم الشان امام ہیں ملاحظہ ہو ینابیع الاسلام صفحہ ۱۴۹ و ۱۵۷۔ پس پادری صاحب کے نزدیک مسیحیوں کے جن بدعتی فرقوں کا بڑا اثر قرآنی مضامین و تعالیم پر ہوا وہ ناسٹک مذہب کے فرقے تھے اب دیکھتے ہیں کہ راڈویل صاحب اس بارے میں کیا شہادت دیتے ہیں وہ قرآن شریف کے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "یہ خیال کیا جاتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسیحی مذہب کے متعلق اپنے بہت سے خیالات کو ناسٹک فرقہ سے حاصل کیا لیکن ایسا خیال کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ فرقہ اُس زمانہ میں عرب میں کثرت سے پھیلا ہوا تھا مگر اس کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں بلکہ ہمارے پاس کوئی ایسی تاریخی سند بھی موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ اس فرقہ کے اصول کبھی کسی زمانہ میں ملک عرب میں سکھائے گئے یا اس فرقہ کا کوئی پیرو ملک عرب میں کبھی گذرا ہے برخلاف اس کے یہ ایک یقینی امر ہے کہ پانچویں صدی مسیحی کے وسط کے قریب۔ بسیلیدین۔ وے لین ٹی نی آن اور دوسرے ناسٹک فرقے یا تو بالکل معدوم ہو چکے تھے یا عام مسیحیوں میں جذب ہو گئے تھے اور ملک مصر سے چھٹی صدی سے پہلے معدوم ہو گئے تھے" دوسرا مسیحی مصنف جس کو میں پادری ٹسڈل کے برخلاف شہادت دینے کے لیئے پیش کرتا ہوں سر ولیم میور ہے وہ اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لکھتا ہے کہ "ناسٹک مذہب چھٹی صدی سے پہلے مصر سے نابود ہو چکا تھا اور اس امر کے لیئے ہمارے پاس کوئی شہادت نہیں کہ یہ مذہب کبھی ملک عرب میں داخل ہوا" مگر پادری ٹسڈل کے خیال کے مطابق ناسٹک مذہب کے مشہور لیڈروں بسیلیدس اور مرقیوں کے پیرو نہ صرف کثرت سے عرب میں پائے جاتے تھے بلکہ وہ بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں رہتے تھے اور ہر وقت باہمی ملاقات اور میل جول کا سلسلہ جاری رہتا تھا پادری صاحب بعض اُن اناجیل کا بھی ذکر کرتے ہیں جو اناجیل اربعہ کے علاوہ ہیں اور جن کو مسیحیوں کی اصطلاح میں

اپوکرفا کہتے ہیں پادری صاحب ان اناجیل کو بھی اسلام کے ینابیع میں شامل کرتے ہیں اور اُن کے نزدیک اگرچہ عرب کے مسیحی لوگ اناجیل اربعہ سے واقفیت نہیں رکھتے تھے مگر ان کتابوں میں پوری مہارت رکھتے تھے اور قرآن شریف کے مضامین پادری صاحب کے نزدیک اپوکرفا سے پوری مطابقت رکھتے ہیں اس کے متعلق سر ولیم میور لکھتا ہے کہ "بعض نے قرآنی مضامین کا کھوج اناجیل اپوکرفا میں لگانے کی کوشش کی ہے جن کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسائی میں تھیں مگر اگرچہ قرآن کی بعض تفاصیل ان اناجیل کے مشابہ ہیں مگر عام طور پر کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی۔ اور اگر یہ کتابیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسائی میں ہوتیں تو ضرور تھا کہ قرآن مجید کے بہت سے مضامین ان کتابوں میں سے لیے جاتے بعض کا خیال ہے کہ نسلاً بعد نسلاً مسیحی مذہب کے جو عقائد اور حالات اور تاریخی واقعات روایت کے طور پر ملک عرب کے مسیحیوں میں چلے آتے تھے قرآن مجید کے مضامین اُن سے اخذ کیے گئے مگر یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ اگر یہی روایتی واقعات قرانی مضامین کا منبع ہوتے تو یہ اس غرض کے لیے بالکل ناکافی تھے ہمارے پاس کوئی ثبوت اس بات کا موجود نہیں کہ مکہ میں یا مدینہ میں اسقدر روایتی حالات مسیحی مذہب کے متعلق موجود تھے کہ اُن سے اُس قسم کے بیانات پوری تفصیل اور بسط کے ساتھ مرتب ہو سکتے جیسے کہ قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں جو اناجیل اربعہ اور دیگر اناجیل کے مضامین کے ساتھ گہری مشابہت اور تفصیلی مطابقت رکھتے ہیں (لائف آف محمدؐ ۱۴۹-۱۵۰) صفحہ ۱۱۹ پر ولیم میور لکھتا ہے "درحقیقت اگر ہم ایک یا دو جتھوں کو مستثنےٰ کر دیں جو دُور دراز مسیحی قبیلوں کی طرف بھیجی گئیں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی ساری زندگی میں مسیح کے پیروؤں سے کوئی میل جول کرنے کا موقعہ نہیں ملا"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کس قدر مسیحی ملک عرب میں آباد تھے اُنکے متعلق ولیم میور لکھتا ہے "پانچ صدی کی جدوجہد کے بعد ایسے لوگ جنہوں نے

مسیحی مذہب قبول کیا صرف کہیں کہیں ملتے تھے یعنی نجران میں بنی حارث - یمامہ میں بنی حنیفہ - اور تیما میں بعض بنی طے - انکے علاوہ اور کوئی مسیحی مذہب کے پیرو ملک عرب میں موجود نہیں تھے (دیباچہ لائیف آف محمدؐ ۸۴) اب میں پادری صاحب کے برخلاف شہادت دینے کے لیئے ایک تیسرے صاحب کو پیش کرتا ہوں اور وہ پروفیسر نول ڈیک ہے پادری صاحب کے خیال کے بموجب اگرچہ عرب کے مسیحی اناجیل اربعہ اور صحف حوارین سے چنداں آگاہی نہیں رکھتے تھے مگر دیگر اناجیل جو پادری صاحب کے نزدیک جعلی اور پُر افسانہ باطل ہیں اور کتب مرتدین اُن کے پاس موجود تھیں اُن کو خود پڑھتے تھے اور اُن کے مضامین وہ اکثر لوگوں کو سنایا کرتے تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ آں بدعتیاں از انجیل و از صحائف حواریین چنداں اطلاع نداشتند و از آں سبب بعضے کتابہائے جعلی پُر افسانہ باطل میاں خود شاں انتشار دادہ آنہا را مے خواندند و آں حکایتہا را کہ در آنہا مندرج بود بر زبانہائے خویش مے راندند - اور یہ کتابیں عبرانی - یونانی - سریانی وغیرہ زبانوں میں تھیں کیونکہ اُس وقت تک کوئی کتاب پادری صاحبان کے مسلمہ عقیدہ کے بموجب عربی میں ترجمہ نہیں ہوئی تھی پس پادری صاحب کے خیال کے بموجب عرب کے مسیحی یعنی بنی حارث و بنی حنیفہ - اور بنی طے ان زبانوں میں مہارت رکھتے تھے اور عبرانی - یونانی - سریانی وغیرہ مسیحی کتب کو پڑھ سکتے تھے مگر پروفیسر مذکور اس سے انکار کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ "عرب کے مسیحی قریباً کچھ بھی نہیں جانتے تھے" ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا - جلد سولہ صفحہ ۶۰۰ اب پادری صاحب کے برخلاف تین گواہ کھڑے ہیں جو ہر ایک امر میں پادری صاحب کے برخلاف بیان دیتے ہیں پادری صاحب تو فرماتے ہیں کہ عرب کے مسیحی مرقیون اور بسیلیدس اور دیگر مرتدین کی تعالیم سے پوری واقفیت رکھتے تھے اور اگرچہ اناجیل اربعہ سے انکو چنداں تعلق نہ تھا مگر دیگر اناجیل سے جن کو اپوکرفا کہتے ہیں اُن کو پوری واقفیت حاصل تھی مگر مذکورہ بالا صاحبان بیان کرتے ہیں کہ مرقیون اور بسیلیدس اور دیگر ناستکی بدعتیوں کی تعالیم کو عرب میں کبھی دخل حاصل نہیں ہوا اور یہ کہ اناجیل اپوکرفا یا دوسری اناجیل تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی رسائی نہیں ملی - اور یہ کہ عرب کے مسیحی اناجیل

اپوکرفا تو کجا قریباً کچھ بھی نہیں جانتے تھے پادری صاحب یہ نہیں کہتے کہ عرب کے عیسائی مسیحی عقائد اور تاریخی حالات کو روایتی طور پر جانتے تھے بلکہ اُن کا بیان ہے کہ اناجیل اپوکرفا اُن کے پاس موجود تھیں بلکہ کثرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ لوگ خود اُن کتابوں کو پڑھ سکتے تھے اور براہِ راست بلاواسطہ ان کے مضامین سے آگاہی حاصل کر سکتے تھے ملاحظہ ہو ینابیع صفحہ ۱۱۳۔ افسوس ہے کہ ایک مقدس پادری کہلا کر ایسی باتیں مُنہ پر لانے کی جرأت کرے جن کا کچھ بھی ثبوت اُس کے پاس نہیں اور جنکو وہ خود خلاف واقعہ سمجھتا ہے مگر پادری صاحب صرف اسی پر بس نہیں کرتے آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ اناجیل اپوکرفا پڑھنے والے مسیحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن لوگوں سے ہر وقت میل ملاپ اور نشست وبرخاست رکھتے تھے چنانچہ پادری صاحب فرماتے ہیں حضرت محمدؐ با ابنائے جنس مذکور مراودة و معاشرت میداشت۔ یہ کیسی صریح کذب بیانی ہے اور امید نہیں کہ پادری ٹسڈل کے سوا کوئی اور پادری اس قسم کی خلاف بیانی پر جرأت کر سکے۔ مَیں پہلے میور کے قول کو نقل کر چکا ہوں جس نے لکھا ہے کہ ملک عرب میں صرف تین جگہ تھوڑے تھوڑے عیسائی آباد تھے نجران میں بنی حارث۔ یمامہ میں بنی حنیفہ اور تیما میں چند بنی طے۔ اس کے سوا کوئی قوم مسیحیوں کی کسی جگہ آباد نہیں تھی اور میور نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں مسیحؑ کے پیروؤں سے کوئی میل جول کرنیکا موقعہ نہیں ملا۔ اس میں شک نہیں کہ یا تو پادری صاحب بالکل نادان اور اسلامی تاریخ کے علم سے بالکل بے بہرہ ہیں یا عمداً خلاف واقعہ باتیں بیان کرکے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں افسوس ہے کہ ایسا شخص یہ دعویٰ کرے کہ مَیں نے قرآنی مضامین کا زمینی سرچشموں سے ماخوذ ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے۔

پادری ٹسڈل کی علمیت

پادری صاحب قدم قدم پر اگر عمداً خلاف بیانی کا نہیں تو کم از کم اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہیں اپنی تحقیقات کی اثنا میں وہ چند قبطی تحریروں کا ذکر کرتے ہیں جنکو وہ اسلام کے سرچشموں میں شمار کرتے ہیں اور جس طریق سے وہ ان

کتابوں کے مضامین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتی ہیں اُس کو پڑھ کر بلا اختیار پادری صاحب کی علمیت پر تعجب آتا ہے۔ ان کتابوں میں سے ایک کا نام انجیل طفولیت ہے اس انجیل میں سے ایک عبارت نقل کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے کہ "بے شک و شبہ حضرت محمدؐ ایں حکایت را از آں کتاب جعلی اخذ نمودہ و اگر شخصے بپرسد کہ آں امر بچہ طور ممکن بودہ در جوابش مے تواں گفت کہ ایں کتاب از قبطی بعربی ترجمہ شدہ است و چوں ماریہؓ قبطیہ در میان کنیزکہائے حضرت محمدؐ بود ایں فسانہ را از آں زن نادان شنیدہ گمان برد کہ ایں داستان در انجیل اصلی حقیقی مرقوم است پس از آں سبب آنرا قدرے تبدیل دادہ داخل قرآن گردانید۔ یعنی اس میں کچھ شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس حکایت کو انجیل طفولیت سے (جو پادری صاحب کے نزدیک جعلی کتاب ہے) اخذ کیا۔ اور اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے کس طرح ممکن تھا کہ آپ اس مضمون کو انجیل طفولیت مسیحؑ سے حاصل کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اب یہ انجیل عربی میں ہے مگر اصل میں قبطی زبان میں تھی اور چونکہ حضرت ماریہؓ بھی قبطی قوم میں سے تھی جو مصر سے شاہ مقوقس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجی تھی اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ حضرت ماریہؓ سے سن لیا اور یہ خیال کر کے کہ یہ بیان اصل انجیل میں ہے اسکو کسی قدر تغیر دیکر قرآن مجید میں داخل کر دیا۔ ایک جاہل مسیحی پادری صاحب کی اس تحقیقات کو پڑھکر اُنکی قابلیت کی ضرور داد دیگا اور بلا شک وشبہ وہ یہ خیال کریگا کہ پادری صاحب نے بڑا کمال کیا ہے کیسی صفائی سے ایک قرآنی مضمون کا ایک مسیحی کتاب میں سے کھوج نکالا ہے اور پھر کیسے تاریخی واقعہ سے اس مضمون کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا ثابت کر کے دکھا دیا ہے مگر ہر ایک ایسا شخص جس کو اسلامی تاریخ کا کچھ علم ہے وہ پادری صاحب کی اس تحقیقات پر ہنسے گا۔ اوّل تو اس بات کا ہی کوئی ثبوت پادری صاحب کے پاس موجود نہیں کہ حضرت ماریہؓ جب اپنے وطن ملک مصر میں رہتی تھیں تو انہوں نے انجیل طفولیت کو پڑھا تھا اور وہ اس انجیل کے اس مضمون سے آگاہی رکھتی تھیں اور پھر جب وہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس آئیں تو انہوں نے انجیل مذکورہ کی اصل عبارت ہو بہو سنادی جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل انجیل کی عبارت سمجھکر ایک خفیف تغیر کے ساتھ قرآن مجید میں داخل کردیا مگر ہم یہ سب کچھ محض پادری صاحب کی خاطر مان بھی لیتے ہیں لیکن اس کے متعلق ایک خاص مشکل ہے جس کا حل کرنا پادری صاحب کے لئے محال ہے اور وہ مشکل یہ ہے کہ مضمون زیر بحث جس کی نسبت پادری صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ماریہؓ کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انجیل طفولیت سے اخذ کیا یعنی آیت قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَھْدِ صَبِیًّا قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا سورۂ مریم میں واقع ہے اور یہ سورہ مکّی زمانہ کی سورہ ہے اور مکّہ میں بھی بہت ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی کیونکہ جب بعثت کے سال ۵ و ۶ میں مکّہ کے بعض مسلمان قریش کی تعدیوں سے تنگ آکر حبشہ کی طرف بھاگ گئے اور پھر اس کے بعد قریش نے اپنے آدمی نجاشی شاہ حبشہ کے پاس اس غرض سے بھیجے کہ پناہ گزین مسلمانوں کو اُنکے حوالے کردے تو اُسوقت حبشہ کے مسلمان بادشاہی دربار میں طلب کئے گئے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ایک فصیح تقریر میں قریش کے مظالم کا ذکر کرکے اور اپنی مذہبی تعلیم کا نقشہ کھینچکر اس سے حفاظت طلب کی اُس وقت قریش کے سفیروں نے اُس عیسائی بادشاہ کو یہ کہکر بھڑکانا چاہا کہ انکا نبی حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت ہتک آمیز الفاظ کہتا ہے تو اُسوقت اس الزام کے جواب میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہی سورہ مریم بلکہ یہی آیات زیر بحث دربار شاہی میں پڑھکر سنائیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورۃ ہجرت حبشہ سے پہلے نازل ہوچکی تھی یعنی ہجری سن سے کم از کم سات سال قبل مگر حضرت ماریہؓ جنکی نسبت پادری صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات اُن سے سیکھیں مدینہ میں ہجرت کے ساتویں سال میں آپ کے پاس آئیں یعنی آیت مذکورہ کے نزول سے قریبًا چودہ سال بعد۔ اب پادری صاحب فرمادیں کہ یہ کسطرح ممکن ہوا کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس آنے سے چودہ سال پہلے یہ آیات آپکو سکھادیں یہ ایک مشکل ہے جس کا حل کرنا پادری
صاحب کیلئے کیا اُن کے فاضل مترجم سر ولیم میور کے لیئے بھی محال ہے ناظرین! یہ ہے نمونہ
پادری صاحب کی اعلیٰ تحقیقات کا ایسا ہی پادری صاحب کی اعلیٰ تحقیق کا ایک اور نمونہ
ملاحظہ ہو میں ایک پہلے مضمون میں مصریوں کی ایک پرانی کتاب مسمی بہ کتاب الاموات کا ذکر
کرچکا ہوں پادری صاحب کے نزدیک یہ کتاب بھی قرآن مجید کی تعالیم کا ایک سرچشمہ ہے اور وہ
ایک نہایت ہی پیچ در پیچ راہ سے اس کتاب کے مضامین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے
ہیں وہ لکھتے کہ اس کتاب میں ایک تعلیم ہے اعمال کے تولاجانے کے متعلق یہ تعلیم اس
کتاب سے اخذ کرکے مسیحیوں نے اپنی کتاب وصیت نامہ ابراہیمؑ میں داخل کردی پھر ماریہ قبطی
نے وصیت نامہ ابراہیمؑ کو پڑھکر اس تعلیم سے آگاہی حاصل کی اور جب وہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں پہنچی تو اُس نے یہی تعلیم آپ کو سکھادی آپنے خیال کیا کہ جو کچھ یہ
بیان کرتی ہے یہ عین انجیل کی تعلیم ہے اس لیئے آپنے اس کو قرآن مجید میں داخل کردیا
اور یہ ظاہر کیا کہ یہ تعلیم بذریعہ وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے پادری صاحب کی خاطر ہم اس جگہ
بھی اُن کا ہر ایک دعویٰ بلا دلیل صحیح ماننے کے لیئے تیار تھے ہم اس بات کے ماننے کیلیئے
بھی تیار تھے کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا ایک عالمہ فاضلہ عورت تھیں جو اپنے مذہب کی کتب
سے گہری واقفیت رکھتی تھیں اور یہ کہ انہوں نے وصیت نامہ ابراہیمؑ کو اچھی طرح پڑھا ہوا تھا
اور ہم پادری صاحب کی خاطر یہ بھی فرض کر لیتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی ہر ایک
بات کو انجیل کی تعلیم یقین کرتے تھے مگر مشکل تو یہ ہے کہ پادری صاحب کی بدقسمتی سے
جن دو آیات قرآنی کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ دونوں مکی ہیں حالانکہ حضرت ماریہؓ ہجرت
کے ساتویں سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور وہ دو آیات یہ ہیں۔

(۱) فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ
خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (سورۂ قارعہ) (۲) اَللّٰهُ الَّذِيْٓ
اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ (شوریٰ)

دو باتوں میں سے ایک بات تو ضرور ہے یا تو پادری صاحب بوجہ نادانی ایسی آیات کو جو

سالہا سال پہلے نازل ہو چکی تھیں ایسے لوگوں کی طرف منسوب کرتے ہیں جو آیات کے نزول سے کئی سال بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے یا پادری صاحب صرف عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں مگر بہر حال اُنکی کارروائی ہر ایک عقلمند کے نزدیک قابل نفرت ہے اگر انکو اتنا بھی علم نہ تھا کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کس زمانہ میں اور کس شہر میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور یہ کہ سورۃ القارعہ اور الشوریٰ مکی سورتیں ہیں یا مدنی تو انہوں نے کس علم کے بھروسہ پر اس تحقیقات کو اپنے ذمہ لیا۔ اور اگر اُن کو ان امور کا علم تھا مگر صرف عوام الناس کو دھوکہ دینے کی غرض سے ایسا لکھا ہے تو اُن کی کارروائی اور بھی زیادہ قابل شرم ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب نے جتنا وقت قرآنی تعالیم کے سرچشمے دریافت کرنے کے لئے خرچ کیا ہے اتنا اپنی بائبل کے پڑھنے پر خرچ نہیں کیا۔ قرآن مجید نے جو تعلیم وزن اعمال کے متعلق دی ہے اُسپر پادری صاحب اعتراض کرتے ہیں کہ یہ غلط تعلیم ہے کیونکہ اس کا اصل ہماری کتاب مقدس میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ اصل میں یہ مصر کے قدیم بت پرستوں کی تعلیم ہے جو اُن کی کتاب کتاب الاموات میں پائی جاتی ہے اور حضرت ماریہؓ قبطی کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہنچی۔ افسوس۔ پادری صاحب اسلامی تاریخ سے تو بے خبر تھے ہی۔ کاش کہ اپنی ہی کتاب مقدس کی آپ کو کچھ خبر ہوتی۔ بیچارے پادری صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یہ تعلیم جس کو وہ بت پرستوں کی تعلیم قرار دیتا ہے خود پادری جی کی کتاب مقدس میں پائی جاتی ہے کیونکہ ۱۔سموئیل باب ۲ ورس ۳ میں لکھا ہے ”غرور سے بہت باتیں نہ کہو اور بڑا بول تمھارے مُنہ سے نہ نکلے کیونکہ خداوند دانش کا خدا ہے اور اعمال اُسکے آگے تولے جاتے ہیں“ اب پادری صاحب میں کچھ انصاف کا حصہ ہے تو جیسا کہ انہوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ وزن اعمال کے متعلق قرآنی تعلیم مصر کے قدیم بت پرستوں سے لی گئی ایسا ہی اب اُسکو اس بات کا بھی اقرار کرنا چاہیئے کہ کتاب مقدس میں جو اعمال کے تولے جانے کا ذکر ہے وہ بھی دراصل مصر کے قدیمی بت پرستوں کی تعلیم ہے جو اُنکی کتاب کتاب الاموات میں سے

چرائی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو کوئی ذریعہ ایسا نہیں تھا جس سے وہ اس تعلیم کو کتاب الاموات سے حاصل کرسکتے۔ مگر کتب مقدس کے روحانی مصنفوں کے پاس تو قدیم مصریوں سے اس تعلیم کا سرقہ کرنے کے لئے کئی آسان ذریعے موجود تھے پھر کیوں یہ خیال نہ کیا جاوے کہ کتاب مقدس میں جو اعمال کے تولا جانے کا ذکر ہے وہ مصر کے بُت پرستوں سے چرایا گیا مگر پادری صاحب اپنی کتاب مقدس کے لیئے تو ہرگز گوارا نہ فرمائیں گے کہ اُس کی تعلیم غیروں سے چرائی گئی بلکہ یہ کہیں گے کہ جو کچھ کتاب مقدس میں ہے وہ خداوند خدا کا کلام ہے مگر جب قرآن مجید میں وہی تعلیم دی گئی تو اُس کی نسبت فرماتے ہیں کہ یہ مصریوں سے حاصل کیگئی سچ کہو پادری صاحب یہی انصاف ہے!! پادری صاحب نے اسلامی ینابیع کی تلاش میں اپنی اور پرائی سب کتابوں کی ورق گردانی کی ہے اور تالمود کو بھی عبور کیا ہے مگر تعجب ہے کہ انکو تالمود کا مندرجہ ذیل فقرہ کیوں نظر نہ آیا۔ "جب گناہ اور نیک اعمال انصاف کے ترازو میں ایک دوسرے کے مقابل میں رکھے جاتے ہیں تو خدائے تعالیٰ اُس کو رحم کی طرف جھکا دیتا ہے ملاحظہ ہو پیکلتا باب ۲۶- ۱۶۷ الف۔ غرض اعمال کے تولا جانے کا ذکر خود بائبل میں اور یہودیوں کی دوسری کتابوں میں موجود ہے مگر پادری صاحب کو اپنے گھر کی بھی خبر نہیں اور دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں پادری صاحب صفحہ ۱۶۴ پر صریح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ اس تعلیم کا نام و نشان بھی کتاب مقدس میں نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ کتاب ۱۔سموئیل باب ۲ ورس ۳ میں بالصراحت اس کا ذکر موجود ہے اور تالمود میں یہود کا یہی عقیدہ بیان کیا گیا ہے پس کیا ایسا شخص جسکو نہ کتاب مقدس کی تعلیم کی کچھ خبر ہے اور نہ یہود کے معتقدات سے اُسکو کچھ آگاہی ہے نہ اسلام کی تاریخ سے کچھ واقفیت رکھتا ہے اور نہ مکی اور مدنی سورتوں میں تمیز کرسکتا ہے کیا ایسا نادان پادری یہ حق رکھتا ہے کہ اسلامی تعلیم کے سرچشموں کے متعلق کسی رائے کا اظہار کرے۔ خدائے تعالیٰ نے جو تعلیم اعمال کے موازنہ کے متعلق قرآن مجید میں.... دی ہے وہ کوئی نئی تعلیم نہیں یہی تعلیم گذشتہ انبیاء کر

نے دی اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور جس طرح خدائے تعالیٰ یہ تعلیم گذشتہ مرسلین کو سکھا سکتا تھا اسی طرح وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سکھا سکتا تھا پادری صاحب کا یہ کہنا محض لغو ہے کہ آپنے یہ تعلیم حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے سیکھی۔ حضرت ماریہؓ کے پہنچنے سے کئی سال پہلے آپ اس تعلیم کو شہر مکہ میں شایع کر چکے تھے۔

پادری ٹسڈل کی تحقیقات کی حقیقت پادری صاحب کی کتاب واقعی ایک عجیب کتاب ہے مگر ان معنوں میں نہیں جن میں میور اُس کو عجیب کتاب کہتا ہے۔

پادری صاحب کا طرز بالکل نرالا ہے جو خود اُنکی ذات کے ساتھ مخصوص ہے جب اُنکو کوئی امر ثابت کرنا منظور ہوتا ہے تو اُن کو یہ ضرورت نہیں ہوتی کہ اُس کے ثابت کرنیکے لیئے صحیح واقعات کی تلاش کریں کیونکہ اُن کے پاس ایک جادو کی قلم ہے جسمیں یہ خاصیت ہے کہ وہ خود واقعات کو ایجاد کر سکتی ہے وہ اس امر کے محتاج نہیں کہ ایک دعویٰ کو ثابت کرنیکے لیئے معمولی تاریخ کی طرف توجہ کریں۔ کیونکہ وہ یہ طاقت رکھتے ہیں کہ خود ایک نئی تاریخ کو پیدا کرلیں۔ وہ معدوم امور کو عدم سے وجود میں لانے کی استعداد رکھتے ہیں اس لیئے ہر ایک بات کے ثابت کرنے کیلیئے وہ خود اپنے ڈھب کے واقعات پیدا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کا زمینی سرچشموں سے ماخوذ ہونا ثابت کرنیکے لیئے انہوں نے اپنی اسی قوت سے کام لیا ہے مثلاً انکو یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ قرآن شریف کی بعض تعالیم اور اُس کے بعض مضامین مسیحی سرچشموں سے ماخوذ ہیں اس بات کے ثابت کرنے کے لیئے انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ بعض مسیحی کتب اور بعض مسیحی عقائد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسائی میں پہنچائے اس لیئے وہ بغیر کسی تاریخی ثبوت کے صرف اپنی زبان کی سند پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ سب کتابیں اور عقائد عرب کے مسیحیوں میں پوری طرح رائج تھے اور عرب کے مسیحی ان کتابوں کو اچھی طرح پڑھ سکتے تھے اور وہ مشہور بدعتیوں مرقیون اور بسیلیدس کے معتقدات سے پوری واقفیت

رکھتے تھے بلکہ خود اُن کے پیرو تھے اس کے علاوہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور ہر وقت آپکے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ پھر ان سب باتوں سے بڑھکر آپ کو ان مسیحی ہمنشینوں پر پورا اعتماد تھا اور ہر ایک حکایت اور ہر ایک مسئلہ جو آپ ان مسیحی دوستوں سے سنتے تھے اُس کو عین الہام الٰہی یقین کرتے تھے جو حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا۔ اور اس لئے اسکو بلا تامّل قرآن مجید میں داخل فرماکر یہ ظاہر کرتے تھے کہ یہ کلام بذریعہ وحی میرے پر نازل ہوا ہے۔ یہ ہے پادری صاحب کے دلائل کا خلاصہ۔ مگر یہ سب ایسے امور ہیں جو سب پادری صاحب کے خیال کی ایجاد ہیں۔ ان کا وجود نہ زمین پر پایا جاتا ہے نہ آسمان پر۔ اگر یہ امور کہیں پائے جاتے ہیں۔ تو صرف پادری صاحب کی خود تراشیدہ خیالی تاریخ میں یہ بیان سراسر بے بنیاد ہے کہ جن کتابوں کا نام پادری صاحب نے لیا ہے اور دیگر بہت سی کتابیں جن کا ذکر انہوں نے بخوف طوالت ترک کر دیا ہے یہ سب کتابیں عرب کے مسیحیوں کے پاس موجود تھیں یا کبھی انہوں نے اُن کتابوں کا نام بھی سُنا تھا۔ پھر پادری صاحب کا دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ عرب کے مسیحی ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے تھے اور آپ کا اُن کے ساتھ ہمیشہ میل جول رہتا تھا۔ میں اوپر ولیم میور کا قول نقل کر چکا ہوں جو صریح الفاظ میں اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ ساری زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیحیوں سے میل جول کرنے کا کبھی موقعہ نہیں ملا۔ سوائے ایک دو دُور دراز کی مہموں کے اور ایک دو سفارتوں کے۔ پھر سب سے بڑا جھوٹ جو پادری صاحب نے بولا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن عرب کے بدعتی مسیحیوں پر پورا اعتماد تھا اور جو کچھ آپ اُن سے سُنتے تھے اُسکو وحی الٰہی یقین کرتے تھے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اور اس لیئے اُس کو قرآن مجید میں داخل کر لیتے تھے اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے مسیحیوں سے روزانہ میل ملاپ رکھتے تھے اور یہ لوگ کثرت سے مکہ معظمہ میں آباد تھے پھر بھی کوئی عقلمند

ایک لمحہ کے لیئے یہ بات تسلیم نہیں کریگا کہ آپ کو اِن جاہل اور بدعتی مسیحیوں پر اس قدر اعتماد تھا کہ جو کچھ آپ اُن کی زبان سے سُنتے تھے اسکو وحی الٰہی یقین کر کے قرآن شریف میں داخل کر لیتے تھے یہ ایک ایسا بیہودہ خیال ہے کہ ہر ایک عقلمند آدمی اس خیال پر ہنسیگا۔ خصوصاً جبکہ ایسا خیال ایک ایسے شخص کی نسبت کیا جاوے جسکی تعلیم یہ تھی۔ کفیٰ بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع۔ یعنی اگر ایک شخص جو بات سنے اُسے لوگوں کے پاس بیان کرے تو یہی بات اُس کے جھوٹا ہونے کیلیئے کافی ہے اس تعلیم میں آپ اپنے پیروؤں کو اس سے روکتے ہیں کہ وہ ہر ایک سُنی سنائی بات لوگوں کے پاس بیان کرتے پھریں۔ کیونکہ ایسی سُنی ہوئی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور اکثر ان میں سے جھوٹی نکلتی ہیں اور جو شخص ہر ایک سُنی ہوئی بات کو سچا سمجھ کر لوگوں کے پاس بیان کرتا ہے یہی امر اُس کو جھوٹا بنانے کے لیئے کافی ہے کیا ایسے شخص کی نسبت جو اس قسم کی تعلیم دیتا ہے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اُس نے جو کچھ عرب کے جاہل مسیحیوں سے سُنا اُس کو خدا کا کلام سمجھ لیا۔ پھر جب ہم غور کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے مسیحیوں کو کس نظر سے دیکھتے تھے تو اس خیال کی لغویت اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ کہ سورۂ فاتحہ کے آخر میں جو لفظ ضآلّین ہے اس سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ نصاریٰ۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اُس زمانہ کے مسیحیوں کو ضالین یعنی سیدھے راستے سے بھکے ہوئے یقین کرتے تھے پھر ایسی صورت میں آپ اُن پر کس طرح اعتماد کر سکتے تھے اور کس طرح اُن کے مُنہ کی باتوں کو خدا کا وہ کلام یقین کر سکتے تھے۔ جو انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوا۔ نیز ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل آیات قرآنی۔ جن سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ آپ مسیحیوں کو کس آنکھ سے دیکھتے تھے۔ ان آیات کے مطالعہ سے صاف طور پر ثابت ہو جائیگا کہ آپ کسی صورت میں اُن کی طرف کسی قسم کی رہنمائی کے لیئے رجوع نہیں کر سکتے تھے (۱) وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ

فَنَسُوْا حَظًّا كَثِيْرًا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ..... يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۵ یعنی اُن لوگوں سے جو اپنے تئیں نصاریٰ کہتے ہیں ہم نے عہد لیا مگر جو تعلیم اُنکو دی گئی تھی اُس کا ایک بڑا حصہ وہ بھلا چکے ہیں .... اے اہل کتاب اب ہمارا رسول تمہارے پاس آیا ہے اور کتاب کے جن حصوں کو تم چھپایا کرتے تھے اُن میں سے ایک حصہ کو وہ بیان کرتا ہے اور ایک حصہ سے درگذر کرتا ہے (مائدہ - ۳) (۲) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْ اِسْرَاءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ .... لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ..... قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ - (مائدہ - ۱۰) وہ لوگ منکر ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا مسیح ابن مریم ہی ہے حالانکہ مسیح نے بنی اسرائیل کو یہ تعلیم دی تھی کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو - جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ..... وہ لوگ منکر ہیں جو کہتے ہیں کہ تین میں سے تیسرا اللہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں .... تو اہل کتاب کو کہہ کہ تم اپنے دین میں غلو نہ کرو اور تم اس قوم کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکی اور بہتوں کو گمراہ کیا اور خود سیدھی راہ سے بھول گئے (۳) فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ (مائدہ - ۷) پس ان (نصاریٰ) میں اُس وحی کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ تعالیٰ نے اُتاری ہے اور جو حق تیرے پاس آیا ہے اُس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی مت کر (۴) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۵ اور اگر بعد اس کے کہ تیرے پاس علم پہنچ چکا ہے تو اُن (اہل کتاب) کی خواہشوں کی پیروی کرے تو تیرے لیے اللہ تعالیٰ سے

بچانیوالا اور حامی کوئی نہ ہوگا (رعد - ۵) (۵) فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ پس ہلاکت ہے اُن لوگوں کے لیئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (بقرہ - ۹) مندرجہ بالا آیات سے پادری صاحب کے اس بیان کی پورے طور پر تردید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے زمانہ کے مسیحیوں پر اس قدر اعتماد تھا کہ آپ اُنکی ہر ایک بات کو وحی الٰہی سمجھ کر قرآن مجید میں داخل کر لیتے تھے پادری صاحب کا خیال ایک اور وجہ سے بھی باطل ثابت ہوتا ہے یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ یہودی اور مسیحی دونوں قومیں اسلام کی مخالف تھیں اگر پادری صاحب کا یہ کہنا درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود اور نصاریٰ سے تعلیم حاصل کر کے اُس کو قرآن مجید میں داخل کر دیا اور پھر اُس کی نسبت یہ ظاہر کیا کہ یہ باتیں میں نے کسی انسان سے نہیں سیکھیں بلکہ یہ وحی الٰہی ہے جو بذریعہ جبرائیل مجھ پر نازل ہوئی۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ باوجود مذہبی مخالفت کے خاموش بیٹھے رہے اور انہوں نے یہ ظاہر نہ کیا کہ جن باتوں کو یہ نبی وحی الٰہی ظاہر کرتا ہے یہ باتیں اس نے ہم سے سیکھ کر قرآن مجید میں داخل کر لی ہیں غرض یہود و نصاریٰ کا خاموش رہنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئی نزول وحی کی تردید نہ کرنا اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ آپ نے اُن لوگوں سے کسی قسم کی مدد حاصل نہیں کی تھی ورنہ کبھی ممکن نہ تھا کہ یہ لوگ باوجود مخالفت کے خاموش بیٹھے رہتے مسیحی صاحبان اکثر مندرجہ ذیل آیت کو اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کے شائع کرنے میں غیر مذاہب کے پیروؤں سے امداد حاصل کی پیش کرتے ہیں۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ (نحل - ۱۴) اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ وہ (مشرکین مکہ) کہتے ہیں کہ اُس کو ایک شخص تعلیم دیتا ہے مسیحی صاحبان کہتے ہیں کہ چونکہ قریش مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ شبہ کیا تھا کہ وہ مخفی طور پر ایک شخص سے مدد

لیتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکے پاس کوئی ثبوت تھا جسکی بنا پر اُنہوں نے ایسا شبہ ظاہر کیا۔ اوّل تو یہ آیت کسی ایسی امداد کا ذکر نہیں کرتی جیسی کہ پادری صاحبان بیان کرتے ہیں کیونکہ پادری صاحبان کا تو یہ دعوٰی ہے کہ قرآن شریف کے مضامین جمع کرنے میں دوسرے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کی مگر اس آیت میں کسی ایسی امداد کا ذکر نہیں۔ بلکہ اس جگہ مشرکین مکّہ کا جو قول نقل کیا گیا ہے اُسکا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبارت آرائی میں ایک اور شخص سے امداد لیتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات ساتھ کی آیت سے واضح ہو جاتی ہے جس میں لکھا ہے لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ لیکن اگر مان بھی لیا جاوے کہ اس آیت کریمہ میں اُسی قسم کی امداد کا ذکر ہے جس کو پادری لوگ بیان کرتے ہیں پھر بھی آیت پادری صاحبان کیلئے بجائے مفید مطلب ہونیکے مضر اور نقصان رساں ہے کیونکہ پادری صاحبان کی تشریح کے مطابق اس سے مندرجہ ذیل نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اوّل۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسیحیوں یا یہودیوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی ظاہری میل جول نہ تھا بُت پرستانِ مکّہ نے یہ الزام نہیں لگایا کہ آپ قرآنی مضامین اُن یہود اور نصارٰی سے حاصل کرتے ہیں جو مکّہ میں آکر آپ کی ملاقات کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکّہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود یا نصارٰی کی کوئی آمد رفت نہ تھی۔ ثانیاً۔ اس آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الزام لگانے والے نہ یہود تھے اور نہ نصارٰی یعنی کسی یہودی یا نصرانی نے یہ نہیں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنسے قرآنی مضامین سیکھے ہیں۔ یہ الزام لگانے والے مکّہ کے بُت پرست تھے کیونکہ یہ قول مکّہ والوں کا ہے اور اگر یہودی یا مسیحی لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی مضامین سیکھے ہوتے تو وہ کبھی خاموش نہ رہتے کیونکہ جیسے مکّہ کے قریش اسلام کے مخالف تھے ایسا ہی یہود اور نصارٰی اسلام کے مخالف تھے۔ ثالثاً۔ یہ آیت قرآنی صاف طور پر ظاہر کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت ہی گہری

واقفیت رکھنے والے اصحاب بھی اس بات سے بے خبر تھے کہ آپ کسی یہودی یا مسیحی سے مخفی طور پر مدد لیتے ہیں۔ آپ نے برملا اس آیت میں اور ایسی ہی اور بہت سی آیات میں اس امر سے انکار کیا ہے کہ آپ قرآن کے بارہ میں کسی متنفس سے کوئی امداد لیتے ہیں اگر یہ الزام درست ہوتا اور اگر آپ کے بعض اتباع کو اس بات کا علم ہوتا کہ آپ کسی غیر شخص سے کسی قسم کی امداد حاصل کرتے ہیں تو آپ کبھی اس زور کے ساتھ بار بار یہ اعلان نہ کرتے کہ آپ کسی یہودی یا مسیحی یا کسی اور شخص سے کسی قسم کی امداد نہیں لیتے پھر یہی نہیں کہ آپ نے اپنی زبان سے انکار کیا بلکہ جن الفاظ میں یہ انکار پایا جاتا ہے انکو بھی آپ نے وحی الٰہی ہی ظاہر کیا پس اگر آپ نے کسی شخص سے مخفی یا ظاہر طور پر امداد حاصل کی ہوتی اور آپ کے اتباع کو اس کا علم ہوتا تو وہ کبھی قرآن مجید کو خدائے تعالیٰ کا کلام یقین نہیں کر سکتے تھے مگر وہ آخر دم تک قرآن شریف کے ایک ایک لفظ کو خدائے تعالیٰ کا کلام یقین کرتے رہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکو کبھی بھی شبہ نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی یہودی یا مسیحی سے مخفی طور پر امداد لیتے ہیں لیکن اگر آپ کسی سے امداد لیتے تو یہ امر کسی طرح آپ کے صحابہؓ سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔ رابعاً۔ میور لکھتا ہے۔ کہ آیت مذکورہ میں جس بشر کا ذکر ہے وہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ تھے لیکن حضرت صہیبؓ کے حالات پر جب نظر کیجاوے۔ تو اس خیال کا بطلان عیاں ہو جاتا ہے میور خود اس کا حال مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم) کا ایک اور شاگرد جس کو آپ نے سابق الروم کا خطاب دیا وہ صہیبؓ تھا۔ اس کا اصل وطن موصل یا اس کے قریب کسی گاؤں میں تھا اس کا باپ یا چچا ایک ایرانی حاکم تھا۔ رومیوں کی ایک جماعت نے اس ملک پر چھاپا مارا۔ اور اس لڑکے کو پکڑ کر ملک شام میں لے گئے۔ اس کے بعد بدوؤں کی ایک جماعت نے اسکو خرید ا اور مکّہ میں آکر بیچ دیا۔ مکّہ کے جس رئیس نے اس کو خریدا۔ اس نے بعد ازاں اس کو آزاد کر دیا۔ صہیبؓ نے شہر مکّہ میں تجارت شروع کر دی جس سے وہ

بہت بڑا مالدار آدمی ہوگیا۔ لیکن جب اس نے اسلام قبول کیا۔ اور اس کا سابق آقا بھی جو اس کی ہمیشہ حمایت و حفاظت کیا کرتا تھا۔ مر گیا۔ تو اس کو قریش مکہ نے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ اور جب مسلمانوں نے مدینہ کی طرف بھاگنا شروع کیا اس وقت قریش نے کوشش کی کہ صہیب کو روک لیا جاوے۔ مگر اس نے اپنا سارا مال دے کر اپنی رہائی حاصل کرنی چاہی۔ چونکہ وہ بڑا مالدار تھا اس کی دولت کو دیکھکر قریش لالچ میں آگئے۔ اور انہوں نے اس کا سارا مال اس سے لیکر اسکو آزاد کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا کہ صہیبؓ نے اپنی ساری دولت دیکر رہائی حاصل کی ہے تو آپ نے فرمایا۔ ربح صہیب ربح صہیب یعنی صہیب نے اس تبادلہ سے بڑا نفع حاصل کیا ہے۔ (لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے یہ واقعہ اس غرض سے لکھا ہے کہ ناظرین کو معلوم ہو کہ اس شخص کا جس پر مخفی امداد دینے کا شک کیا گیا ہے۔ کیسا قوی ایمان تھا۔ کیا ایسے قوی الایمان انسان کی نسبت یہ گمان ہوسکتا ہے۔ کہ وہ مخفی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امداد دیا کرتا تھا اور جب آپ نے بذریعہ ایک آیت قرآنی اس قسم کی امداد سے انکار کیا۔ تو وہ پھر بھی مومن کا مومن ہی رہا۔ افسوس ہے پادری صاحبان کی سمجھ پر! پادری ٹسڈل کو یہ کہتے ہوئے سُن کر افسوس آتا ہے کہ چونکہ مکہ کے کفار نے مخفی امداد کا شبہ کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور کوئی شبہ کرنیکی وجہ ان کے پاس موجود تھی پادری صاحبان کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ صرف یہی ایک الزام نہیں تھا۔ جو آپ کے دشمن آپ کی طرف منسوب کرتے تھے وہ تو آپ کو ساحر بھی کہتے تھے کاہن بھی کہتے تھے مجنون بھی کہتے تھے مگر کوئی سمجھدار مسیحی یہ نہیں کہے گا۔ کہ ان کے یہ سب الزام درست تھے اور انہوں نے یہ الزامات بلاوجہ نہیں لگائے تھے۔ اگر دشمن کی بات کو پادری ٹسڈل صاحب اس قدر وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور ان کے الزامات پر بڑے بڑے نتائج کی بناڈ التے ہیں۔ تو کیوں یہی قاعدہ اپنے گھر میں استعمال کر کے نہیں دیکھ لیتے تا ان پر اس قاعدے کا حسن و قبح بخوبی

واضح ہو جاوے حضرت مسیح علیہ السلام کے بھی ان کے ہم قوم وہم وطن یہودی دشمن تھے اور ان یہودیوں نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام پر کچھ الزام لگائے مثلاً وہ الزام جو حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے متعلق ہے کیا اب ہم پادری ٹسڈل صاحب کے قاعدے پر چلکر یہ کہیں کہ چونکہ شریر یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ایسے الزام لگائے اس لیئے ان الزاموں کی ضرور کوئی اصلیت ہوگی۔ غرض یہ نہایت ہی ناپاک قاعدہ ہے کہ دشمن کے الزامات کو بطور حجت کے پیش کیا جاوے۔

مَیں یہاں ایک معزز مسیحی رسالہ کلکتہ ریویو میں سے ایک مسیحی کہانی نقل کرتا ہوں اس رسالہ کے اپریل سنہ ۱۹۰۲ء کے پرچہ میں یہ رائے ظاہر کی گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شامی مسیحی اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ اور یہی وہ فرشتہ تھا۔ جو آپ کو الہام کیا کرتا تھا۔ اور جب آپ کو اس کی امداد کی ضرورت نہ رہی تو اس کو مخفی طور پر قتل کر دیا تا وہ راز کو افشا نہ کر دے۔ مجھے اس کہانی کی تردید کی ضرورت نہیں۔ مَیں نے یہ کہانی صرف بطور نمونہ کے درج کی ہے تا ناظرین کو معلوم ہو کہ کس قسم کے جھوٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شائع کیئے جاتے ہیں۔

احمد کی پیشگوئی پادری ٹسڈل ...... صرف ایسی ہی کہانیاں بیان نہیں کرتا جن کا کوئی تاریخی ثبوت اس کے پاس نہیں بلکہ وہ ایسی باتیں بھی بیان کرتا ہے جس سے اس کے ہوش و حواس کے متعلق بھی پڑھنے والے کو شک پیدا ہو جاتا ہے۔ جن آیاتِ قرآنی کا اس نے کھوج لگانے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىۃِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (الصف) پادری صاحب کہتے ہیں کہ احمد کا لفظ یوحنا کی یونانی انجیل سے لیا گیا ہے اور غلط فہمی سے فارقلیط کا ترجمہ احمد کیا گیا چنانچہ پادری صاحب لکھتے ہیں۔ "واصل آں اشتباہ است کہ در قرآن یافتہ مے شود ایں است کہ اہل عرب معنی ایں لفظ (یعنی فارقلیط) را ندانستہ

گمان بردند کہ ترجمۂ آں احمد مے باشد اگرچہ ہر آئینہ معنئ آں لفظ یونانی تسلی دہندہ است امالفظ دیگر در زبان یونانی ہست کہ در سمع اجنبیاں صدائش از صدائے پاراقلیطوس چنداں تفاوتے ندارد۔ یعنی پیری قلیطوس کہ معنئ آں لفظ بہ نہایت نامدار و یا بسیار ستودہ مے باشد و مے تواں گفت کہ شخصے از اہل عرب کہ زبان یونانی بخوبی ندانست ازاں سبب اشتباہ کردہ گمان برد کہ معنی پاراقلیطوس (یا فارقلیط) احمد است۔ یہ اشتباہ جو قرآن مجید میں پایا جاتا ہے اس کا اصل یہ ہے کہ اہل عرب کو چونکہ لفظ فارقلیط کے صحیح معنے معلوم نہ تھے۔ انہوں نے غلطی سے یہ گمان کیا۔ کہ اس کے معنے احمد ہیں۔ حالانکہ اسکے صحیح معنے تسلی دینے والا ہیں۔ ہاں یونانی میں ایک اور لفظ ہے جسکی آواز ایک اجنبی کے کان میں پاراقلیطوس (فارقلیط) کی آواز سے مشابہ ہے یعنی پری قلیطوس جسکے معنے ہیں نامدار یا بہت تعریف کیا گیا۔ اور کہا جاسکتا ہے۔ کہ اہل عرب میں سے کسی شخص نے جو یونانی سے اچھی طرح واقف نہ تھا۔ اس مشابہت کی وجہ سے گمان کیا۔ کہ لفظ پاراقلیطوس (فارقلیط) کے معنے احمد ہیں۔

اس طرح پادری صاحب کے خیال کے بموجب لفظ احمد جو قرآن شریف میں ہے یہ یونانی لفظ پاراقلیطوس کا غلط ترجمہ ہے۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس یونانی لفظ کا کس طرح علم ہوا۔ اس سوال کا جواب پادری صاحب یہ دیتے ہیں کہ اہل عرب معنے ایں لفظ پاراقلیطوس (فارقلیط) را ندانستہ گمان بردند کہ ترجمہ آں احمد مے باشد۔ یعنی یونانی میں دو لفظ ہیں۔ جن کی آواز ملتی جلتی ہے۔ ایک کے معنے تسلی دینے والا اور دوسرے کے معنے نہایت تعریف کیا گیا یعنی احمد ہیں۔ چونکہ اہل عرب یونانی زبان اچھی طرح نہیں جانتے تھے اس لیئے انہوں نے غلطی سے پاراقلیطوس (فارقلیط) کے معنی احمد سمجھ لیئے حالانکہ پیری قلیطوس کے معنے احمد کے ہیں بے شک اگر ایسا ہوا تو اس سے پایا جاتا ہے کہ اہل عرب یونانی کو پوری طرح نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیئے ایک لفظ کے معنے وہ سمجھ لیئے

جو دوسرے ہم آواز لفظ کے معنے تھے۔ مگر اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ وہ اس زبان سے بالکل بے خبر بھی نہ تھے۔ اُن کو یونانی زبان کا اس قدر علم تھا۔ کہ اگرچہ وہ پاراقلیٹوس کے معنے اتفاقاً نہیں جانتے تھے مگر انکو اس کے ہم آواز لفظ پیری قلیطوس کے معنے ضرور آتے تھے اسی لیئے تو انکو غلطی لگی۔ غلطی لگنے کے لیئے بھی تو کسی قدر علم کی ضرورت تھی۔ اور جن کو یونانی زبان کا اس قدر علم تھا۔ کہ وہ پیری قلیطوس جیسے مشکل لفظ کے معنی جانتے تھے اور انکو معلوم تھا۔ کہ اس لفظ کے معنے احمدؐ ہیں۔ وہ لوگ یقیناً یونانی زبان میں خاصی مہارت رکھتے ہونگے۔ اگرچہ وہ اس زبان میں کامل مہارت نہ رکھتے ہوں اور یہ یونانی دان عرب ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو بھی ہونگے۔ تب ہی تو انہوں نے آپ کو یہ بتلایا کہ لوقا کی یونانی انجیل میں آپ کی آمد کی پیشگوئی ہے اور اس میں ایک فارقلیط یعنی احمدؐ کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ اور آپکے یہ پیرو ضرور مکہ کے رہنے والے تھے۔ کیونکہ یہ مکی آیت ہے۔ تعجب ہے۔ کہ خود عرب کے مسیحی تو ایسے جاہل ہوں۔ کہ اناجیل اربعہ سے قریباً بے خبر ہوں۔ اور مکہ کے مسلمان یونانی زبان میں بھی خاصی مہارت رکھتے ہوں۔ اور لوقا کی یونانی انجیل سے بھی آگاہی رکھتے ہوں مگر ناظرین پادری صاحب کی اس تحقیق سے تعجب نہ کریں۔ ایک یونانی کیا۔ آپ تو کئی زبانوں میں لکھی ہوئی ایک کثیر تعداد کتابوں کا نام لیتے ہیں۔ جو آپ کے نزدیک اسلام کے سرچشموں میں داخل ہیں۔ اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں تھیں۔ جن کا ذکر وہ بخوف طوالت چھوڑ گئے ہیں۔ جو انکے نزدیک اسلام کے ینابیع میں شامل ہیں۔ اگر پادری صاحب کی تحقیق کی پیروی کی جائے۔ تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ سب کتابیں جو دنیا کی مختلف زبانوں میں لکھی ہوئی ہیں مکہ میں موجود تھیں۔ کیونکہ جن تعالیم کا وہ ان کتابوں میں کھوج لگاتے ہیں۔ وہ اکثر مکی تعالیم ہیں۔ گویا مکہ میں ایک عظیم الشان لائبریری تھی جس میں لاطینی۔ یونانی۔ عبرانی۔ قدیم مصری۔ حبشی ارمنی۔ بابلی۔ قدیم ایرانی۔ سنسکرت وغیرہ زبانوں کے قلمی نسخوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا اور ایک وہاں میوزیم بھی تھا۔ جہاں بابل کے قدیمی کتبے بھی رکھے ہوئے تھے

اور ایک باقاعدہ محکمہ تھا جہاں اِن مختلف زبانوں کے ماہر اِن کتابوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے عربی میں ترجمہ کرتے رہتے تھے ....

....

.... اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن مختلف مذاہب اور مختلف زبانوں کی کتابوں میں سے انتخاب کر کے ایک کتاب تیار کی جس کا نام قرآن مجید ہے اس صورت کے سوا اور کوئی صورت ایسی خیال میں نہیں آسکتی کہ آپ نے ان کثیر التعداد کتابوں سے جنکا ذکر پادری صاحب کرتے ہیں۔ اور جو دنیا کی مختلف مردہ زبانوں میں لکھی ہوئی ہیں قرآنی مضامین اخذ کیئے ہوں۔

پادری ٹسڈل کی اختلاف بیانی

تعجب ہے کہ پادری صاحب ایک طرف تو عرب کے عیسائیوں کو عہدنامہ جدید کی کتابوں سے محض جاہل اور لاعلم بتلاتے ہیں اور دوسری طرف آپکی تحقیقات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عہدنامہ جدید سے پوری پوری واقفیت رکھتے تھے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیمات کو پادری صاحب نے نئے عہدنامہ کی عبارات میں تلاش کیا ہے اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عبارتیں جن کا پادری صاحب نے حوالہ دیا ہے واقعی عرب کے عیسائیوں ہی سے سیکھی تھیں تو اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عرب کے عیسائی عہدنامہ جدید کے مضامین سے بخوبی آگاہی رکھتے تھے۔

اس بات کو واضح کرنے کیلئے ذیل میں ہم وہ عبارتیں بھی نقل کر دیتے ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بزعم پادری صاحب عہدنامہ جدید سے اخذ کیا۔

من جملہ اُن کے ایک حوالہ مصنف نے مکاشفات باب ۱۹ درس ۷ سے ۹ کا دیا ہے جو حسب ذیل ہے "آؤ ہم خوشی و خورمی کریں اور اُس کو عزت دیویں اس لیئے کہ برے کا بیاہ آپہنچا اور اُس کی دلھن نے آپ کو سنوارا ہے" یہ عبارت ہے جس کی بنا پر معزز مصنف کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی کی کہ

آخری دنوں میں مسیحؑ چالیس سال تک زمین پر رہے گا اور شادی کرے گا۔

دوسرا حوالہ پادری جی نے اس عبارت کا دیا ہے "اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گذر جانا اس سے آسان ہے کہ ایک دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو (متی ۱۹-۲۴)

اور تیسرا حوالہ پادری صاحب نے قرنتیوں کی طرف پولوس کے پہلے خط سے دیا ہے

اب اگر یہ درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا اور اس قسم کی دیگر عبارات مسیحی صحیفوں سے اخذ کیں تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلانیوالے عیسائی بھی اِن کتابوں سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ عرب کے مسیحی ان کتابوں سے ایسی گہری واقفیت نہیں رکھتے تھے کہ اس قسم کے فقرے اُن کو نوک زبان یاد ہوتے یا کتابوں کو کھولکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھکر سناتے۔ اور اس امر کو مسیحی پادری بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن تعلیمات کو اُن سے نہیں سیکھا۔

مسیحؑ کی آمد ثانی

اُن تعلیمات میں سے ایک مسیحؑ کی آمد ثانی کے متعلق پیشین گوئی بھی ہے جو کہ بقول پادری صاحب کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں سے سیکھی لیکن انہیں یہ ایک صریحاً دھوکا لگا ہوا ہے۔ کیونکہ اس پیشین گوئی کے اندر..... بہت سی ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی مسیحیوں سے اخذ نہیں کی گئی بلکہ بذریعہ وحی الٰہی شائع کی گئی۔ پہلی شہادت تو پیشین گوئی کے وہ الفاظ ہیں جن میں لکھا ہے کہ مسیحؑ ثانی صلیبی مذہب کے غلبے کے زمانے میں مبعوث ہوگا اور اس کا پہلا اور اہم کام یہ ہوگا کہ وہ صلیب کو توڑے (یکسر الصلیب) یہی ایک بات کافی طور سے ظاہر کرتی ہے کہ یہ پیشین گوئی عیسائیوں سے نہیں لی گئی۔ دوسری اندرونی شہادت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیحؑ ثانی کی نسبت اماماکم منکم فرمایا یعنی وہ ایک امام ہوگا جو تم ہی میں سے ہوگا۔ (دیکھو صحیح بخاری) اس قسم کی پیشگوئی یقیناً ایک عیسائی نہیں کرسکتا کہ مسیحؑ ثانی مسلمانوں میں سے مبعوث ہوگا اور صلیبی مذہب کو پاش پاش کردیگا۔ سوئم یہ کہ مسیحؑ ثانی کی آمد کے

متعلق نہ صرف یہی پیشین گویاں ہیں جو کہ مسیحی صاحبان کے مذاق کے برخلاف ہیں بلکہ وہ پیشین گویاں بھی موجود ہیں جو کہ پادری صاحبان کے خواب و خیال میں بھی نہ گذری ہوں مثلاً مسیح ثانی کی آمد کے نشانات میں سے ایک نشان یہ بھی ہے کہ اس کے وقت میں ایک ایسی سواری نکلے گی جس کے سبب سے اونٹ بیکار ہو جائیں گے۔ یُترک القلاص فلا یسعٰی علیھا پیشین گوئی کے اصل الفاظ ہیں جس کے معنے یہ ہیں کہ اونٹ ترک کیئے جائیں گے اور ان پر کوئی سواری نہ کرے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری دنوں کے موعود کے متعلق یہ ایک نشان بتلایا ہے جس کے پورا ہو جانے پر تمام دنیا گواہ ہے۔ اور وہ نئی سواری خود عرب میں بھی جو کہ اونٹوں کی سرزمین ہے جا پہنچی ہے۔ یہ پیشگوئی ایک اصلی اور سچی پیشگوئی ہے یہودیوں یا عیسائیوں سے اس کا صادر ہونا کسی طرح سے بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور ہر ایک انصاف پسند انسان کو ماننا پڑتا ہے کہ اس کی خبر دینے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور جس صفائی سے یہ پیشگوئی پوری ہو گئی ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ مخبر صادق ایک سچے نبی تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔

مسیح موعود کے متعلق اسی پاک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے یتزوج و یُولدُ لہٗ۔ یعنی وہ شادی کرے گا اور اس کے ہاں اولاد پیدا ہو گی لیکن کسی عیسائی نے کبھی یہ یقین نہیں کیا کہ مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آکر شادی کرے گا اور اس کے ہاں اولاد ہو گی۔ یہ امر بدیہی ہے کہ وہ شخص جس کے متعلق مندرجہ بالا پیشین گوئی ہے وہ وہی مسیح نہیں ہے جو عوام کے خیال میں اپنے جسم عنصری کے ساتھ دوسرے آسمان پر انیس سو سال سے اب تک بیٹھا ہوا ہے۔ کیونکہ ۱۹۰۰ سال کا بوڑھا آدمی کب شادی کے لائق ہو سکتا ہے خاصکر وہ جس نے کہ اپنی جوانی کے ایام میں بھی شادی کرنے سے پرہیز کیا ہو۔ یہ پیشگوئی صریحاً کسی دوسرے شخص کے متعلق ہے جو کہ روحانی طور سے مسیح ناصری کا اسی طرح مثیل ہو۔ جیسا کہ یحیٰی علیہ السلام الیاس علیہ السلام کے مثیل تھے۔ مجھے اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ پیشین گوئی قادیانی احمدؑ کے

ظاہر ہونے سے پوری ہو چکی ہے جو عین اپنے وقت پر اُن تمام نشانوں کے ساتھ آیا جن کی خبر مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سو برس پہلے دی تھی۔ الغرض اس سے زیادہ کوئی ثابت شدہ امر نہیں ہو سکتا کہ یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائی گئی تھی یہودیوں یا عیسائیوں سے نہیں سیکھی گئی۔ اور یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ کاش کہ لوگ سمجھیں۔

بنت عمران اُن لوگوں کی جہالت پر تعجب آتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ افترا باندھتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ مسیحؑ کی ماں مریم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ سمجھتے تھے۔ حالانکہ قرآن شریف سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانوں میں بہت بڑا بُعد تھا۔ پھر بھی بکے جاتے ہیں کہ وہ مقدس نبی فداہ امی و ابی حضرت مسیحؑ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھانجا خیال کرتے تھے۔ کیسی بیہودگی ہے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ غلط فہمی غالباً یہودیوں کی اس کہانی سے پیدا ہوئی کہ "ملک الموت بروئے تسلط نیافت بلکہ او بہ بوسہ الٰہی وفات یافت و کرم وخراطین بروئے مسلط نہ گشت" یعنی ملک الموت حضرت موسیٰؑ کی ہمشیرہ مریم پر کوئی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ وہ خداوند کے بوسے سے مرگئی اور کوئی کیڑا اس کے جسم کو چھو نہیں سکتا۔ اس کہانی سے پادری صاحب نے خیال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسیحؑ کی ماں مریم کو وہی مریم سمجھتے تھے جس پر ملک الموت کوئی طاقت نہیں رکھتا تھا اور وہی عیسوی سن تک مسیح کی ماں بننے کے لیئے زندہ رہی۔ یہ ایسی لغو اور بیہودہ بات ہے کہ اس پر کچھ لکھنے کی بھی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ گویا عیسائیوں کے خیال فاسد میں وہ مقدس نبیؐ اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ ایک سے زیادہ آدمیوں کا ایک ہی نام ... ہو سکتا ہے ...... اور جب آپ نے حضرت عیسیٰؑ کی ماں کا نام مریم سنا اور پھر وہی نام حضرت موسیٰؑ کی ہمشیرہ کا سُنا۔ تو آپ اس دقیق سوال کو سوائے یہ فرض کرنیکے حل ہی نہ کر سکے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ مریم ہی عیسوی سن تک زندہ رہی ہو گی۔ لیکن آپ نے اُس مریم کے متعلق کیا خیال کیا جو عیسائیوں کے بادشاہ مقوقس نے آپ کی طرف بھیجی تھی کیا یہی کہ وہ بھی موسیٰ ہی کی ہمشیرہ تھی جو کہ آپکے زمانہ تک زندہ رہی۔ ؟ حقیقت میں جو جہالت

یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں اِنھی پر اُلٹ پڑتی ہے۔ جن آیات کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ خیال منسوب کیا جاتا ہے وہ ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ سورہ مریم میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ پاک بچے کی پیدائش کے بعد لوگوں نے مریم کے پاس آکر یہ کہا یٰاُخْتَ ھٰرُوْنَ مَا کَانَ اَبُوْكِ امْرَءَ سَوْءٍ وَّمَا کَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا یعنی اے ہارون کی بہن! تیرا باپ بُرا آدمی نہ تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی۔ اور دیگر مواقع میں مریم کو عمران کی بیٹی کہکے پکارا گیا ہے۔ ان آیات سے مسیحی معترضین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ مقدس نبی صلی اللہ علیہ سلم ابن مریم کو حضرت موسیٰؑ برادر ہارون کی ہمشیرہ خیال کرتے تھے۔

مسیحی معترض اسلام کے ساتھ اسقدر تعصب رکھتے ہیں کہ وہ قرآن شریف پر اعتراض کرتے وقت اپنے صحیفوں کو بھی بھول جاتے ہیں۔ جو کچھ مُنہ میں آیا کہدیا۔ کون پوچھتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کا تھوڑا ہی خوف ہے۔ افسوس کہ وہ تعصب کو دُور کرکے اعتراض کرتے دقت ذرا اپنی کتابوں پر بھی نظر کر لیتے تو یہ جہالت اُنسے ظاہر نہ ہوتی۔ اگر "بنت عمران" اور "اختِ ہارون" کے محاورات واقعی اعتراض کے نیچے آسکتے ہیں۔ تو اس قسم کے محاورات انجیلوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ متی باب ۱ ورس ۲۰ میں لکھا ہے "دیکھو خداوند کے ایک فرشتہ نے اُسپر خواب میں ظاہر ہوکے کہا اے یوسف ابن داؤد" الخ اسی انجیل کے باب ۹ ورس ۲۷ میں ہے "اور جب یسوع وہاں سے روانہ ہوا دو اندھے اُس کے پیچھے پکارتے اور یہ کہتے آئے کہ اے ابن داؤد ہم پر رحم کر" "اور ساری بھیڑ دنگ ہوگئی اور کہنے لگی۔ کیا یہ داؤد کا بیٹا نہیں" (متی باب ۱۲ آیت ۲۳) اس قسم کے اور بہت سے حوالے دیئے جاسکتے ہیں لیکن مندرجہ بالا ہی کافی ہونگے۔

اب مسیحی صاحبان اُس شخص کے متعلق کیا خیال کرتے ہیں جو اِن حوالوں کی بنا پر انجیلوں کے مصنفوں کو کذب یا غلط بیانی کے ساتھ متہم کرے کہ انہوں نے داؤد علیہ السلام کو یوسف نجار اور حضرت مسیح علیہ السلام کا باپ ٹھہرا کر اِن دونوں کو سگے بھائی بنا دیا۔ غالباً ایسے

معترض کو عیسائی احمق ہی کہیں گے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ اُن لوگوں نے مسیحؑ کو ابن داؤد اس لیئے نہیں پکارا تھا کہ وہ درحقیقت حضرت داؤد علیہ السلام ہی کے بیٹے تھے بلکہ انہیں یہ رواج تھا کہ وہ ایک بزرگ مورث اعلیٰ کی اولاد کو اُسی کے نام پر پکارتے تھے۔ یعنی اگر کسی کو مخاطب کرنا ہو تو اس کے اصلی نام سے نہیں بلکہ اس کے خاندان کے عظیم الشان بزرگ کا نام لیکر مخاطب کرتے تھے۔ فلاں ابن فلاں۔ یا اختِ فلاں۔ پس اسی رسم و رواج کے مطابق مریمؑ کو بھی بنتِ عمران اور اختِ ہارون ...... کہا گیا ہے اگر ابن داؤد کی اصطلاح پر جبکہ اُس سے مراد مسیح علیہ السلام ذیوسف نجار ہوں اعتراض کرنا حماقت ہے تو ویسے ہی بنت عمران اور اختِ ہارون کی اصطلاحات پر جبکہ اُس سے مراد مریم والدہ حضرت مسیحؑ ہی ہے اعتراض کرنا سخت درجے کی حماقت ہے جب اُن لوگوں نے مریم علیہا السلام کو۔ بنتِ عمران اور اخت ہارون سے موسوم کیا تو صرف رسم و رواج کی پیروی کی۔ گناہ کونسا کیا۔ قرآن شریف کے متعلق یونہی کہتے جانا کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں مریمؑ کو وہی مریم سمجھا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھی اور اس طرح اِن دو مریم کو خلط ملط کر دیا ہے۔ یہ اُسی طرح کی جہالت اور بے وقوفی ہے جس طرح انجیل کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے مریم کے خاوند یوسف کو اور مریم کے بیٹے کو داؤد علیہ السلام کے بیٹے ٹھہرایا ہے کیونکہ مریم کے خاوند یوسف اور مسیح علیہ السلام دونوں کو ابن داؤد کہا ہے۔ اگرچہ تمام مسیحی معترضوں نے بنتِ عمرانؑ اختِ ہارون کی اصطلاحات پر اندھا دُھند اعتراضات کر دیئے ہیں تاہم بعض نے انکے اصلی اور صحیح معنوں کی طرف بھی توجہ کی ہے۔ چنانچہ راڈول صاحب اپنے قرآن شریف کے انگریزی ترجمہ کے صفحہ ۱۱۳ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں "اگر ہارون سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا بھائی مراد ہو تو مریم اُس کی ہمشیرہ کہی جاسکتی ہے یا تو اس لیئے کہ وہ لاوی قوم سے تھی یا مقابلہ کے طور پر"۔ لیکن اگر ہم فرض بھی کرلیں کہ قرآن شریف میں واقعی طور پر یہی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام عمران اور اُن کے بھائی کا نام ہارون تھا۔ پھر بھی پادری صاحبان کو کوئی حق نہیں کہ اعتراض کریں کیا اُن کے نزدیک دنیا میں ایک ہی

عمران گذرا ہے اور ایک ہی ہارون۔ پادری صاحبان کو خود حقیقی طور پر کوئی علم نہیں کہ
حضرت مریم کے والد یا والدہ کا کیا نام تھا۔ ایسی صورت میں انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ
قرآن شریف کے الفاظ پر اعتراض کریں خواہ انکے معانی بالکل ظاہر پر ہی محمول کیئے جائیں
ہاں اُس حالت میں انہیں اعتراض کرنے کا حق ہو سکتا ہے جب وہ یہ ثابت کر دکھلائیں کہ
یہودیوں میں صرف ایک ہی عمران تھا اور صرف ایک ہی ہارون تھا جو حضرت موسےٰ
علیہ السلام کے رشتہ دار تھے۔ جبکہ وہ اس بات کو ثابت نہیں کر سکتے اور جبکہ وہ خود بھی
مریم علیہا السلام کی ولدیت سے ناواقف ہیں اور جبکہ ہارون اور عمران کے نام یہودیوں
میں عام تھے تو کیا ان الفاظ کے استعمال پر اعتراض کرنا حماقت نہیں خواہ انکے وہی معنے
لیئے جائیں جو عیسائی صاحبان لیتے ہیں؟ انجیلوں میں تو آیا ہے "اور یعقوب سے یوسف
پیدا ہوا جو شوہر مریم تھا جس سے یسوع جو مسیح کہلاتا ہے پیدا ہوا" (متی باب ۱ درس ۱۶)
اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مریمؑ یوسف بن یعقوب کی بیوی تھیں۔ تو کیا ہم اس سے
یہ نتیجہ نکال لیں کہ وہی یوسف مریم کا خاوند تھا جو کنوئیں میں ڈالا گیا اور مصر میں فروخت
کیا گیا۔ خاصکر جبکہ اس نتیجے کو مضبوط کرنیکے لیئے انجیل میں اُس کو یعقوب کا بیٹا
بھی کہا گیا ہے۔ اگر مندرجہ بالا صریح درس سے یہ نامناسب نتیجہ نکالنا بے وقوفی ہے
تو یہ بھی بے وقوفی ہے کہ جہاں کہیں کسی باپ بیٹے کے نام عمران اور ہارون ہو
تو اُن سے وہی عمران اور ہارون مراد لیئے جاویں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رشتہ دار
تھے مندرجہ بالا درس میں جو یوسف اور یعقوب دو نام بیٹے اور باپ کے لیئے آئے ہیں
جب اُس سے مراد وہ یعقوب اور یوسف نہیں جو ابراہیم علیہ السلام کا پوتا اور پڑپوتا تھا
تو کیا اگر قرآن شریف کے الفاظ کو ظاہری معانی پر بھی حمل کیا جاوے تو ان پر اعتراض کرنا
ایک احمقانہ حرکت نہیں؟ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اول تو جب حضرت مریمؑ کو قرآن مجید
میں اخت ہارون اور بنت عمران کہا گیا ہے تو یہ اُس رواج کے مطابق ہے جو یہودیوں
میں بلکہ بعض دوسری قوموں میں بھی عام طور پر پایا جاتا ہے کہ اولاد کو انکے بزرگ کے
نام پر پکارا جاتا ہے اسی محاورہ کے مطابق اناجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام اور

یوسف نجار کو ابن داؤد کر کے پکارا گیا ہے۔ دوم اگر مان بھی لیا جاوے کہ قرآن شریف واقعی اور ظاہری طور پر حضرت مریم کے باپ کا نام عمران اور آپ کے بھائی کا نام ہارون رکھتا ہے تو بھی پادری صاحبان کا اعتراض محض بیہودہ ہے کیونکہ بنی اسرائیل میں کئی ایسے لوگ گذرے ہیں جن کا نام عمران اور ہارون تھا پھر پادری صاحبان کیوں اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کے باپ اور بھائی کا نام عمران اور ہارون نہیں ہوسکتا خصوصاً جب اُنکو خود یہ معلوم نہیں کہ اُن کے باپ اور بھائی کا کیا نام تھا۔ اینسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی جلد ۱۵ کے صفحہ ۳۹۰ پر لکھا ہے "مریم کی ولدیت کے متعلق پہلی صدی کی کسی تاریخی کتاب میں کچھ ذکر نہیں ہے اور جو شجرۂ نسب لوقا نے دیا ہے وہ صریحاً یوسف کا ہے"۔

مسیحی اعتراض کی بیہودگی جو مفصل طور سے واضح کی گئی ہے ناظرین دیکھ چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ قریباً تمام کے تمام عیسائی مصنف اِس مضمون کے متعلق اُسی قابل افسوس غلطی میں پڑے ہیں۔ اس سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلام کے متعلق اُن کے اعتراضوں کی کیا اصلیت ہوتی ہے۔ وہ صاحب لیاقت بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اسلام کے متعلق بچوں کی سی باتیں کہدیتے ہیں۔ آگا پیچھا نہیں سوچتے۔

اطلاع

(۱) اسوقت مردم شماری کا کام گورنمنٹ کی طرف سے جاری ہے۔ اس موقع پر احمدی احباب کو خاص طور پر اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ اپنی قومیت لکھانے وقت اپنے آپ کو احمدی فرقہ میں لکھاویں۔

(۲) بعض جگہ سے احباب صدر مقام قادیان سے واعظ یا لکچرار سالانہ جلسوں پر بلا بھیجتے ہیں مگر ساتھ انکو اخراجات سفر نہیں بھیجے جاتے۔ جو صدر انجمن کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اس قسم کا خرچ مل ملا کر صدر انجمن پر ایک معقول بوجھ پڑ جاتا ہے۔ اسلئے انجمنوں کی آگاہی کیلئے لکھا جاتا ہے۔ کہ جو احباب جسقدر واعظ یا لکچرار صدر مقام قادیان سے بلاویں۔ انکا خرچ آمد و رفت ادا کرنا چاہیئے۔ اور وہ کوشش کریں کہ یہ رقم مقامی چندہ یا یکمشت چندہ سے ادا ہو۔

محمد علی
سکرٹری

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

سالانہ جلسہ:- سالانہ جلسہ کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ اس سال دسمبر کی تعطیلات میں ہو اور غالباً ۲۵-۲۶-۲۷ دسمبر اسکی تاریخیں ہونگی۔ گو مارچ کا مہینہ کھلا موسم تھا مگر ایک تو ان دنوں میں طاعون کی شکایت بڑھ جاتی ہے۔ اور اس لیئے بعض اوقات انتظام میں بھی مشکلات پیش آتی ہیں جیسا کہ گذشتہ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر ہوا اور دوسرے ایسٹر کی تعطیلات کے دن جن میں جلسہ کیا جاتا ہے صرف چار دن ہوتے ہیں اور احباب کو کافی طور پر ٹھہرنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ لہٰذا ان اور بعض دیگر وجوہات کی بنا پر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ سالانہ جلسہ مثل سابق دسمبر میں ہی ہوتا ہے ریل کے کرایہ میں رعایت کا سوال ایسا ہے کہ اس کا فیصلہ حکام ریلوے کے ہاتھ میں ہے۔ حسب معمول درخواست بھیجدی گئی ہے اگر کچھ رعایت مل گئی تو احباب کو اطلاع دیدی جاوے گی۔ اخراجات جلسہ کے پورا کرنیکے لیئے انجمنہائے احمدیہ کو تحریک کی گئی ہے۔ مگر چونکہ بہت سے احباب ایسے مقامات پر ہیں جہاں باقاعدہ انجمنیں نہیں اور ایسا ہی بہت سے مقامات پر چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہیں۔ ان سب کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ ان اخراجات کے پورا کرنیکے لیئے عملی طور پر اس چندہ میں حصہ لیکر وہ بھی مستحق ثواب ہوں۔ جس چٹھی کے ذریعہ انجمنہائے احمدیہ کو اخراجات جلسہ کے چندہ کے لیئے تحریک کی گئی ہے اس کا ایک حصہ تمام احباب کی اطلاع کے لیئے یہاں بھی درج کیا جاتا ہے

"جلسہ کے اخراجات کا سوال ایک اہم سوال ہے۔ لنگر خانہ جہاں سے یہ خرچ ہونا چاہیئے پہلے خود مقروض ہے اور اس دفعہ اس کے مقروض ہونے کی وجہ گذشتہ سال کے جلسہ کے اخراجات ہی ہیں۔ اخراجات جلسہ کو پورا کرنیکے لیئے دو سال سے صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے چند تجاویز احباب کے سامنے پیش کی جاتی رہی ہیں۔ اور گو پہلے سال میں ان تجاویز پر عملدرآمد ہو کر خاطر خواہ چندہ اخراجات جلسہ کو پورا کرنیکے لیئے ہو گیا تھا مگر پچھلے جلسہ میں باوجودیکہ تھوڑے ایام جلسہ رہنے کی وجہ سے اخراجات بھی نسبتاً کم تھے مگر اخراجات سے نصف رقم بھی وصول نہ ہوئی۔ اور لنگر خانہ

ایک ہزار کا مقروض ہوگیا۔ اب کم از کم تین ہزار روپے کی ضرورت اس دفعہ جلسہ سالانہ کے اخراجات کو پورا کرنیکے لیئے ہوگی۔ کیونکہ جلسہ زیادہ دنوں تک رہیگا۔ پہلے سالوں میں تین تجاویز عموماً پیش کیجاتی رہی ہیں۔ یعنی اول یہ کہ انجمنیں اپنی اپنی مقامی ضروریات سے ایک رقم وضع کر کے دیں۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک صاحب جو جلسہ میں تشریف لاویں کم از کم ایک روپیہ اخراجات جلسہ کے لیئے دیں تیسرے یہ کہ ریل کے کرایہ میں جس قدر تخفیف ہو وہ رقم ادھر دیدی جاوے۔ یہ آخری رقم اگر گذشتہ سالوں میں انجمن کو پوری ملتی رہتی تو غالباً باقی دو ذرائع سے چندہ جمع کرنیکی ضرورت نہ رہتی مگر اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی۔ اس سال چونکہ جلسہ دسمبر میں ہی بہت کم امید ہے کہ کرایہ کی کوئی رعایت ملے اس۔ لیئے اس ذریعہ آمد کو تو اب خود ہی چھوڑنا پڑا۔ ایک روپیہ فی کس والی تجویز بھی نہایت عمدہ تھی مگر اس پر عین ایام جلسہ میں صدر انجمن کی طرف سے عملدرآمد کرانیکی کوشش کرنا نامناسب ہے اور احباب کو خود بعض دیگر ضروریات یہاں آکر معلوم ہوتا ہے کہ ایسا مجبور کرتی ہیں کہ وہ یہ حصہ نہیں نکال سکتے بس صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے یعنی یہ کہ انجمنیں اور احباب قبل از وقت ان اخراجات کے پورا کرنیکی فکر کریں۔

سالانہ جلسہ یا ساری قوم کا سالانہ اجتماع قومی ضروریات میں اول درجہ پر ہے اور جب اجتماع ضروری ہے تو لازماً اس کے لیئے انتظام کرنا بھی سب سے مقدم کام ہے۔ ایسے موقعوں پر جو لوگ اپنے دنیوی کاموں کے لیئے جمع ہوتے ہیں یا پولٹیکل اغراض کے لیئے یا سوشل یا تعلیمی اغراض کے لیئے انکو بھی ان اخراجات کا حصہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ پس جن لوگوں کا اجتماع محض دین کے لیئے اور خدا کے لیئے ہے وہ جو کچھ بھی ان اخراجات کے پورا کرنیکے لیئے دیں گے وہ کسی طرح رائگاں نہیں جاتا بلکہ انفاق فی سبیل اللہ میں داخل ہے اور گو وہ اپنے اخراجات کیلیئے ہی دیں مگر چونکہ یہ سارا کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیئے ہے اس لیئے وہ مستحق ثواب بھی ہیں۔ اب بحساب اوسط ہر ایک مہمان کو پانچ چھ یوم بھی یہاں ٹھہرنا پڑے اور میری رائے میں اس قدر ضرور ٹھہرنا چاہیئے تاکہ احباب کچھ نہ کچھ حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے فیض صحبت اور مواعظ حسنہ سے متمتع ہوسکیں۔ اور سلسلہ کے کاروبار

میں بھی حصہ لے سکیں۔ تو اس قدر عرصہ کیلئے فی کس ڈو روپے خرچ خوراک اور دیگر متفرق اخراجات مثلاً مکان کے انتظام روشنی پانی کے انتظام یا بٹالہ میں انتظام باربرداری کے لیئے کچھ زیادہ اندازہ نہیں ہے۔ اس سے میرا یہ ہرگز منشا نہیں ہے کہ دوسرے مجمعوں کی طرح کوئی ٹکٹ داخلہ ہمیں تجویز کرنا چاہیئے۔ بلکہ اندازہ کے طور پر اگر ہر ایک شامل ہونیوالا اسقدر رقم ادا کرے تو اخراجات جلسہ آسانی سے پورے ہو سکتے ہیں لیکن ہماری جلسوں میں کوئی پابندی ایسی نہ ہو سکتی ہے اور نہ ہونی چاہیئے کیونکہ بہت سے غربا اور غیر مستطیع لوگ بھی شامل ہوتے ہیں اور بہت سے غیر احمدی بھی تشریف لاتے ہیں پس اس لحاظ سے میں جملہ انجمنہائے احمدیہ بلکہ سب احمدی احباب کی خدمت میں یہ درخواست پیش کرتا ہوں کہ اندازاً اس لحاظ سے سب احباب اخراجات جلسہ کے لیئے چندہ دیں۔ اور صاحب استطاعت احباب غیر مستطیع احباب کی کمی کو پورا کریں۔ اوّل تو ہر ایک احمدی کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس سالانہ اجتماع میں شامل ہونیکی کوشش کرے اور جو احباب کسی مجبوری کی وجہ سے شریک جلسہ نہ ہو سکتے ہوں وہ شامل ہونیوالے احباب کے اخراجات کے پورا کرنے میں حصہ لیکر ہی ثواب حاصل کریں۔ بلکہ انپر اور بھی زیادہ حق ہے۔

اگر انجمنیں کوشش کریں تو تین ہزار کی رقم اخراجات جلسہ کے لیئے پوری ہونی کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ مینے یہ دیکھا ہے کہ جہاں کسی انجمن نے اپنے مقام میں سالانہ جلسہ کی تجویز کی ہے یا کسی اور جلسہ کے لیئے تجویز کی ہے تو کئی کئی سو روپے کی رقم ادا اگی اخراجات کے لیئے جمع کر لی ہے۔ پس اگر سب انجمنیں زیادہ نہیں تو اس قدر ہی سمجھ لیں کہ سلسلہ کے صدر مقام میں یہ ہم سب کا اجتماع اور پھر ایک اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ کی زیارت اور اسکی پاک صحبت سے مستفیض ہونیکے لیئے ہم سب کا اکٹھا ہونا۔ اور پھر سلسلہ کی ان ضروریات اور کاموں پر غور کرنیکے لیئے یہ جلسہ انکے اپنے اپنے مقامی جلسوں سے کم ضروری نہیں اور اس کے اخراجات کا پورا کرنا مقامی جلسوں کے اخراجات کے پورا کرنے سے اہمیت میں کم نہیں بلکہ زیادہ ہی ہے جیسا کہ فی الحقیقت ہے۔ تو ان اخراجات کیلئے کسی تحریک کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔

اخراجات جلسہ کے متعلق جو چندہ احباب بھیجیں وہ کوشش کی جاوے کہ ۳۰ نومبر سے پہلے پہلے پہنچ جاوے کیونکہ ہر ایک قسم کا سامان جلسہ سے پہلے مہیا ہو جانا ضروری ہے۔ بٹالہ میں حسب معمول باربرداری کا انتظام کیا جاوے گا باقی امور جن کے متعلق اطلاع دینی ضروری ہوگی انکی اطلاع اخبارات میں یا بذریعہ چٹھیوں کے انشاء اللہ تعالیٰ دی جاوے گی۔ یہ یاد رہے کہ سب احباب کو اپنے بستر اور لحاف ساتھ لانے چاہییں کیونکہ اتنے بڑے مجمع میں اس قسم کا انتظام اس جگہ نہیں ہو سکتا۔

بورڈنگ ہوس کی تعمیر:- اللہ تعالیٰ کے بیحد فضلوں اور نصرتوں میں سے اس عمارت کا بن جانا بھی ہے اس وقت تین پہلو اس عمارت کے تیار ہو چکے ہیں اور چوتھا پہلو باقی ہے۔ جس کے لیئے اور اینٹ بکار ہے جو تیار ہو رہی ہے۔ جو جگہ چند دن پہلے ایک سنسان جنگل تھی وہ اب ایک عظیم الشان علمی شہر بن رہا ہے اور اس کا نہایت ہی موزون نام حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے **دار العلوم** تجویز فرمایا ہے۔ اس دار العلوم میں گذشتہ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر صرف مسجد نور کی دیواریں تھوڑی تھوڑی نکلی ہوئی تھیں اس آٹھ نو ماہ کے عرصہ میں اس عظیم الشان مسجد کا ایک ہال ۶۰ فٹ لمبائی میں اور ۲۲ فٹ چوڑائی میں تیار ہو چکا ہے اور علاوہ اس کے بورڈنگ ہوس کے چھ بڑے ہال چالیس چالیس فٹ طول میں۔ چار ہال پینتیس پینتیس فٹ طول میں ایک ڈائننگ ہال ۶۵ فٹ طول میں اور ۲۰ فٹ عرض میں سب بورڈروں کی رہائش کے لیئے تیار ہو چکے ہیں البتہ ایک وِنگ میں دروازوں کھڑکیوں کا کام باقی ہے۔ علاوہ اس کے غسلخانوں کے دو کمرے باورچی خانہ کے سات کمرے سپرنڈنٹوں کیلیئے چار کوارٹر یہ بھی سب قریباً تکمیل کو پہنچ چکے ہیں اور جلسہ سالانہ تک یہ سب عمارتیں تیار ہونگی۔ اتنی بڑی عمارتوں کا اس تھوڑے سے عرصہ میں تیار ہو جانا اور پھر دس بارہ ہزار روپے کے صرف سے نئی اینٹ کا اُسی وقت تیار کرانا کس قدر

اخراجات کو چاہتا ہے اور پھر کس طرح ان اخراجات کے پورا ہونیکے لئے محض اللہ تعالےٰ کے فضل سے راہیں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ چندہ تعمیر گو مختلف جماعتوں اور احباب کی طرف سے آرہا ہے مگر اخراجات کے لحاظ سے یہ رفتار بہت سست ہے۔ ماہ ستمبر کے دس یا دس روپے سے زیادہ کی رقوم حسب ذیل ہیں۔ یعنی جماعت بنگہ لہ عہ۔ ڈاکٹر غلام مجتبےٰ مع احباب ہی ؎۔ چودھری غلام مصطفےٰ صاحب عہ۔ ڈاکٹر یعقوب خاں صاحب مونہ ہی عہ۔ جماعت ڈیرہ اسمٰعیلخاں صہ عہ۔ ماسٹر محمد دین صاحب قادیان عہ۔ جماعت امرتسر للعہ چودھری عنایت اللہ خاں صاحب بدوملی صہ عہ۔ جماعت مردان ہی صہ۔ سیٹھ اسمٰعیل آدم بمبئی صہ۔ بابو غلام حسین و محمد رمضان صاحبان وزیرآباد دللہ عہ ماہ اکتوبر کی ایسی رقوم تعمیر حسب ذیل ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب رسالہ ۱۵ عہ ہے۔ جماعت سیالکوٹ مابہر۔ سردار شیر بہادر خاں صاحب عہ۔ جماعت لاہور مابہر۔ جماعت فیروز پور للعہ۔ جماعت وزیرآباد منجانب بابو عطاء الٰہی صہ عہ۔ میاں عبداللہ درزی جھنڈو ساہی عہ۔ جماعت لائل پور صہ عہ۔ ناصر فنڈ یعنی ہسپتال وغیرہ معرفت جناب میر ناصر نواب صاحب۔ صما عہ۔ مگر تعمیر کا ماہوار خرچ اس وقت بحساب اوسط دو اڑھائی ہزار کے قریب پہنچا ہوا ہے۔ اور اب بھٹہ کی وجہ سے پانچ چھ ہزار ماہوار کا خرچ ہوگا۔ اس لئے جملہ احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اس وقت پوری ہمت سے کام لیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کے کام ہیں جو جس کے ہاتھوں سے چاہتا ہے کراتا ہے مگر کوشش اور ہمت شرط ہے۔ مکان تو سینکڑوں نہیں ہزاروں دنیا میں بنتے ہیں اور بڑے بڑے عظیم الشان محل لاکھوں نہیں کروڑوں کی صرف سے تیار ہوتے ہیں مگر الٰہی تائید اور نصرت کا پتہ اس چھوٹے مگر عظیم الشان فقرہ سے لگتا ہے جو آج سے چالیس سال پہلے ایک برگزیدہ کی زبان پر جاری ہوا کہ وسع مکانك اور یأتون من کل فج عمیق۔ یعنی لوگ دور دور سے

چلکر تیرے پاس آنیوالے ہیں تُو اپنے مکانوں کو فراخ کر۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کمال علم اور کمال قدرت کا کیسا عجیب پتہ اس چھوٹے سے فقرہ سے لگتا ہے۔ ایک اکیلا انسان دنیا سے بے تعلق۔ اس کو کہا جاتا ہے کہ تو ہمارے کمال علم اور کمال قدرت کا یہ نشان لوگوں کو بتا دے کہ تجھے اس گمنامی سے نکال کر دنیا کے ہر حصہ میں شہرت دیجاوے گی اور دُور دراز ملکوں کے لوگ تیرے پاس چلکر آویں گے۔ اور اس گاؤں میں جہاں کچے کوٹھوں کو بھی کوئی پوچھتا نہیں بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں بنائی جاوینگی غیب کا یہ علم کیا کسی ضعیف انسان کی قدرت میں ہے؟ اور ابھی یہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں یہ تو محض ابتدا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو ہی علم ہے کہ پیچھے آنیوالی نسلیں اس جگہ ان نشانات الٰہی کا کیسا کیسا ظہور دیکھیں گی۔ ہاں بے شک یہ قادر عالم الغیب کا کلام ہی ہو سکتا تھا کہ چالیس سال پہلے ان واقعات کا علم ایک شخص کو دے اور پھر ساری دنیا کی متفقہ کوششوں کے خلاف اسے کامیاب کرے اور بڑی بڑی مشکلات میں سے گذار کر آخر اپنے کلام کی صداقت کو ظاہر کرے۔ بے شک جب اس گمنام گاؤں میں ایک شخص ان عظیم الشان عمارتوں کو دُور دُور کھیتوں میں پھیلے ہوئے دیکھتا ہے اور پھر اس کلام کو جو آج سے چالیس سال پہلے دنیا میں مشتہر ہو چکا ہے دیکھتا ہے تو اسکی روح اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال علم کے سامنے سجدہ میں گر جاتی ہے یہ وہ نشان ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ہستی اس مادیت اور دہریت کے زمانہ میں آفتاب نصف النہار کی طرح نظر آجاتی ہے۔ سو دوستو! کوشش کرو کہ تم ان نشانات الٰہی کے پورا کرنے میں معاون بنکر سچے معنوں میں انصار اللہ میں داخل ہو جاؤ۔

عید فنڈ:۔ عید اضحی دوسرے رسالہ کے نکلنے اور احباب کے جلسہ مین جمع ہونیسے پہلے ہو چکی ہوگی۔ پس نہایت مختصر الفاظ میں میری یہ درخواست سب احباب اور انجمنوں کے کارکن عہدہ داران کی خدمت میں ہے کہ عید فنڈ کا ایک ایک روپیہ حسب معمول جمع کر کے ممنون فرماویں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ مسکین فنڈ کی آمد کا بڑا حصہ عید اضحیٰ کے موقعہ پر ہی ہوتا ہے۔ اگر سب احباب قربانی کی کھالوں کی قیمت اس فنڈ میں دیدیں تو ایک معقول رقم

مسکین طلباء کے اخراجات کے لیئے جمع ہو سکتی ہے۔ اِن دونوں امور کی طرف خاص توجہ کی جاوے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ وہ وقت آویگا کہ اس کی فیسوں اور امدادی روپے سے ملکر کُل اخراجات مدرسہ وسیع پیمانہ پر پورے ہو جاویں مگر ابھی یہ ضرورت ہے کہ مدرسہ کی اعانت کا بھی خاص خیال رکھا جاوے اور اس لیئے عید فنڈ کی تحریک جو مدرسہ کی اعانت کے لیئے ہوئی تھی اس کی طرف جملہ احباب کی پوری توجہ اور اعانت بکار ہے۔

تبلیغ:۔ سلسلۂ تبلیغ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے اس سال بہت سا کام ہو رہا ہے۔ شیخ غلام احمد صاحب ضلع ہوشیارپور اور جالندھر سے ہو کر اب منٹگمری گئے ہیں۔ شیخ صاحب وعظ کے ساتھ سلسلہ کی ضروریات کی طرف بھی احباب کو توجہ دلاتے رہتے ہیں اور یہ بہت ضروری ہے۔ کیونکہ کسی کام میں شمولیت تب ہی سمجھی جا سکتی ہے، جب انسان اپنے مال کو اس راہ میں صرف کرنے سے دریغ نہ کرے علاوہ ازیں چند اسلامی جلسوں میں ہمارے احباب بھی حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد سے شامل ہوئے منجملہ انکے کانپور کے جلسۂ تقسیم انعامات مدرسہ الٰہیات اور اٹاوہ کی انجمن اسلامیہ کے جلسہ میں۔ کانپور اور اٹاوہ میں دونوں جگہ جناب خواجہ کمال الدین صاحب کے نہایت مؤثر لیکچر ہوئے ایسا ہی اٹاوہ میں جناب مولوی صدرالدین صاحب کے لیکچر اُردو اور انگریزی میں اور مفتی محمد صادق صاحب و مولوی سرور شاہ صاحب کے لیکچر بھی ہوئے قنوج کے اسلامی جلسہ میں ماسٹر محمد یوسف صاحب اور ماسٹر عبدالرحیم صاحب شریک ہوئے اور اب انجمن احمدیہ مونگیر کے سالانہ جلسہ میں مفتی محمد صادق صاحب مولوی سرور شاہ صاحب اور میر قاسم علی صاحب تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بہتوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا دے اور انکے کلام کو مؤثر بنا دے۔ مذاہب کے جلسہ میں جو جنوری میں الہ آباد میں ہوگا بانیان جلسہ نے ہماری طرف سے ایک مضمون کا پڑھا جانا منظور کیا ہے۔

فرقہ احمدیہ:۔ مردم شماری کا کام اکثر جگہ شروع ہو چکا ہے۔ گذشتہ مردم شماری کے موقعہ پر چونکہ ہمارے اس سلسلہ کا نام دیر سے تجویز ہوا تھا اس لیئے بہت سے

احباب ناواقفیت کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ احمدیہ فرقہ کا نام نہ لکھوا سکے ایسا ہی بہت جگہ سے یہ شکایتیں پہنچی تھیں کہ شمار کنندگان نے فرقہ احمدیہ کے اشخاص کو اس نام کے نیچے لکھنے سے انکار کیا۔ امید ہے اس دفعہ یہ دقتیں پیش نہ آئیں گے۔ نام سے تو اب سب احباب واقف ہیں ہاں خود احتیاط سے لکھوا دینا یہ ضروری ہوگا۔ اس بارے میں بے توجہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صحیح تعداد احمدیوں کی معلوم نہیں ہوسکتی۔ اور اگر شمار کنندگان فرقہ کا خانہ مردم شماری کے نقشہ میں ہوتے ہوئے احمدیہ فرقہ کا اندراج کرنے سے انکار کریں تو ایسی صورت میں اطلاع دیجائے۔

لنگر خانہ:- گو اس رپورٹ میں دوسری جگہ یہ اطلاع دی گئی ہے کہ لنگر خانہ مقروض ہو رہا ہے اور احباب کو اس سے پہلے بھی خاص طور پر توجہ دلائی گئی تھی۔ مگر ماہ ستمبر کا گوشوارہ جو دوسری جگہ اس رسالہ میں درج ہے اسکے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ لنگر خانہ اس وقت قریب ڈیڑھ ہزار روپے کا مقروض ہے۔ اخراجات جلسہ سالانہ کے تین ہزار روپے کو ملا کر اب ساڑھے چار ہزار روپے کا فکر ضروری ہے۔ چٹھی جو انجمنوں کو لکھی گئی تھی وہ صرف تین ہزار روپیہ کے پورا کرنے کے لئے لکھی گئی تھی اس لئے جملہ انجمنیں پہلی رقم کو جس کا مطالبہ چٹھی میں کیا گیا تھا ڈیوڑھا کر کے پورا کرنے کی کوشش کریں اور دوسرے احباب بھی توجہ فرماویں۔

کرایہ ریلوے میں رعایت: میں بڑی خوشی سے اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ اس رپورٹ کے لکھنے کے بعد مینجر نارتھ وسٹیرن ریلوے کی طرف سے یہ اطلاع پہنچ گئی ہے کہ ۲۵-۲۶-۲۷ دسمبر کے جلسہ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں شمولیت کی غرض سے جو احباب تشریف لاویں ان کے لئے تیسرے درجہ کے کرایہ ریل میں یہ تخفیف ہوگی کہ آمد و رفت کا سفر ایک طرف کے کرایہ سے ڈیوڑھا کرایہ دیکر کرسکیں۔ بشرطیکہ سو میل سے زیادہ سفر ایک طرف کا ہو۔ یہ رعایت بعینہٖ ویسی ہے جیسی گذشتہ مارچ کے جلسہ میں ملی تھی۔ پس احباب اُن ہدایات کو دیکھ لیں جو گذشتہ جلسہ کے موقعہ پر لکھی گئی تھیں۔ سرٹیفکٹ عنقریب چھپ جائیں گے۔ انجمنیں بہت جلد

اطلاع دیں کہ کتنے کتنے احباب ان میں سے آنیوالے ہیں۔ تاکہ اسی کے مطابق انتظام بھی کیا جاوے اور سرٹیفکٹ بھی اس تعداد میں بھیجے جاویں۔ یہ ضروری ہے کہ جو تعداد لکھی جاوے وہ قریب قریب درست ہو۔ تاکہ مہمانوں کی تعداد کا درست اندازہ ہو کر سب انتظام درست ہو سکے۔

محمد علی
سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

نوٹ اور رائیں

افریقہ میں اسلام:- شہر نیویارک کا اخبار ٹروتھ سیکر لکھتا ہے کہ افریقہ میں اسلام کا پھیلنا ایک ایسا امر ہے جس کی وجہ سے لنڈن اور جرمنی کی مسیحی کلیسیا کو بہت اضطراب ہو رہا ہے۔ تھوڑے دن ہی گذرے ہیں کہ کینٹر بری کے آرچ بشپ نے اس کا ذکر کیا اور ساتھ ہی برلن (جرمنی) کے ایک نامہ نگار نے لکھا کہ "اس امر کا ذکر کثرت سے اس ملک کے اخبارات میں اور ریک سٹیگ (ملک جرمنی کی پالیمنٹ) میں کیا گیا ہے کہ افریقہ کی بستیوں میں دیسی باشندے مسیحی مذہب کی نسبت اسلام کو زیادہ کثرت سے قبول کر رہے ہیں۔ برلن کی مشنری سوسائٹی نے ۱۹۰۹ء کی سالانہ رپورٹ میں اس امر کا اقرار کیا ہے کہ اگر مسیحی مشن اسلام کے اثر کو روکنے کے لئے سخت کوشش نہیں کریں گے تو ایسٹ افریقہ کے اُس علاقہ میں جو ملک جرمنی کے ماتحت ہے، دیسی باشندے آئندہ ۵۰ یا ۶۰ سال کے عرصہ میں یقیناً سب کے سب مسلمان ہو جائیں گے۔ ایک دفعہ ان لوگوں کو مسیحیوں نے اپنے مذہب میں داخل بھی کر لیا تھا مگر وہ مسیحی مذہب پر قائم نہ رہے۔

ڈاکٹر اینو لٹمین جو سٹراس برگ کی یونیورسٹی میں السنۂ مشرقیہ کا پروفیسر ہے شمالی ابی سی نیا میں گذشتہ سو سال میں اسلام کی اشاعت کی طرف

توجہ دلاتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ قبیلے کے قبیلے جو پہلے مسیحی مذہب رکھتے تھے اور جن کے نام اب بھی مسیحی ہیں اب مسلمان ہوگئے ہیں۔ وہ بالخصوص دو مینسا قبیلوں کا ذکر کرتا ہے جن کی نسبت ۵۰ سال ہوئے کہ سیاحوں نے لکھا تھا کہ وہ مسیحی مذہب کے پیرو ہیں۔ جب پروفیسر مذکور ۱۹۰۵ء میں ملک ابی سی نیا میں گیا تو اُسکو اُن کی نسبت مندرجہ ذیل اطلاع ملی۔ "ان کا مذہب پہلے مسیحی تھا۔ اور ہر ایک شاخ کے اپنے اپنے گرجے اور علمار تھے۔ مگر اُس کے بعد ایک زمانہ آیا کہ اُن کے علمار پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ پھر ان میں مسلمان آئے اور اُنھوں نے اُن کو مسلمان بنالیا۔ اب اُن میں بہت قلیل لوگ ایسے ہیں جو مسیحی مذہب کے پیرو ہوں"۔ مسیحی کلیسیا کی کمزور رفتار کو دیکھکر آرچ بشپ آف کینٹر بری نے مندرجہ ذیل مایوسی کے الفاظ اپنے مُنہ سے نکالے۔ "مسیحی مذہب کی ۱۹ سو سال کی کارروائی کے بعد اب بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا زیادہ تر غیر مسیحی مذاہب کی پیرو ہے"۔

"احمدی"

شروع جنوری ۱۹۱۱ء سے انشاء اللہ ایک ماہوار رسالہ مندرجہ عنوان نام کا ۱۸×۲۲ کی تقطیع پر ۳۲ صفحہ کا علاوہ ٹائٹل کے زیر ایڈیٹری عاجز قاسم علی احمدی دفتر الحق دہلی سے شائع ہوگا۔ اس رسالہ کی غرض صرف احمدیہ مشن کا ڈیفنس اور مخالفین حضرت مسیح موعود مرحوم و مغفور علیہ السلام کے اعتراضات سابق و جدید کا مکمل و مفصل جواب دینا ہے۔ اور سب سے اوّل مولوی ثناء اللہ امرتسری کے اخبار اہلحدیث و مرقع قادیانی و الہامات مرزا وغیرہ پر نظر غائر کی جاویگی۔ حسب موقع دیگر مخالفین سلسلہ۔ سیالکوٹی چکڑالوی لاہوری۔ بٹالوی۔ شیعہ۔ گولڑوی۔ شاہجہانپوری۔ بھوپالی۔ سیہسوالی۔ دہلوی۔ میرٹھی بریلوی وغیرہ کے بے بنیاد اعتراضوں کی بھی وقتاً فوقتاً خبر لیجائیگی۔ قیمت بغرض خریداری عام صرف عہ سالانہ مع محصولڈاک ہے۔ احمدی برادران بہت جلد پانسو درخواستیں پوری کردیں تاکہ رسالہ موصوف جلد شائع ہوجائے۔

المشتہر

عاجز قاسم علی احمدی ایڈیٹر اخبار الحق دہلی ترا ہا بہرام خاں

اے لوگو کہ ہمیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۰ء نمبر ۱۲

چندہ سالانہ عوام سے ۳ طلبا سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ دسمبر ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ینابیع الاسلام پر ریویو حصہ پنجم

تحسبھم جمیعاً و قلوبھم شتیٰ۔ ذٰلک بانھم قوم لا یعقلون ۵ (حشر ۲) تو سمجھتا ہے کہ ان میں باہم اتفاق ہے۔ حالانکہ ان کے دل ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ یہ ایک لایعقل قوم ہے

مسیحی معترضین کے مابین تنازع

مَیں گذشتہ حصہ میں مسیحی سرچشموں پر بحث کرچکا ہوں۔ اب مَیں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اس بارہ میں خود مسیحی صاحبان میں اختلاف ہے۔ مَینے مسیحی سرچشموں کی بحث کے اثنا میں یہ دکھایا تھا کہ ہر ایک امر جو پادری ٹسڈل نے قرآنی تعالیم کا مسیحی سرچشموں کی طرف کھوج لگانے کے بارے میں بطور شہادت کے پیش کیا ہے۔ ولیم میور راڈویل۔ اور پروفیسر نول ڈیک نے اُس کی تردید کی ہے۔ ان امور کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ جو صاحب دیکھنا چاہتے ہیں کہ کس طرح بات بات میں ان صاحبان نے پادری جی کی تردید کی ہے وہ گذشتہ نمبر کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرمالیں۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ ان صاحبان میں خود اتفاق نہیں۔ وہ سب ملکر پادری ٹسڈل کے بیانات سے اختلاف کرتے ہیں مگر جب اُن کے بیانات کا ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا ہے تو وہ خود بھی ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔

پادری ٹسڈل کے برخلاف راڈویل اور نولڈیک کی یہ رائے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیحی مذہب کے متعلق اپنے معلومات کسی تحریری سرچشمے سے حاصل نہیں کئے بلکہ جو حالات اور تعلیمات روایتی طور پر مسیحی مذہب کے متعلق ملک میں رائج تھیں وہی اسلامی تعالیم کا سرچشمہ ہیں۔ راڈویل کا بیان ہے کہ "اس بات کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مسیحی کتب تک رسائی ملی"، یعنی آپ نے کسی مسیحی تحریر سے اپنے مضامین حاصل نہیں کئے بلکہ اُن روایتی حالات سے جو ملک میں زبانی طور پر پھیلے ہوئے تھے قرآنی مضامین کے لئے مصالح جمع کئے۔ اسی طرح پروفیسر نول ڈیک لکھتا ہے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کسی تحریری سرچشمہ کا استعمال نہیں کیا"۔ اس طرح یہ دونوں صاحبان پادری ٹسڈل کے بیان کی تغلیط کرتے ہیں جو لکھتا ہے کہ بہت سی مسیحی کتب ملک عرب کے مسیحیوں کے پاس موجود تھیں جو ان کتابوں کو دن رات پڑھتے تھے اور ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر وقت نشست و برخاست رہتی تھی۔ مگر سر ولیم میور خود راڈویل اور پروفیسر نول ڈیک کی رائے کی تردید کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی معلومات کسی تحریری سرچشمہ سے حاصل نہیں کئے بلکہ نسلاً بعد نسلٍ مسیحی مذہب کے جو عقاید اور حالات اور تاریخی واقعات روایتی طور پر ملک عرب کے مسیحیوں میں چلے آتے تھے قرآن مجید کے مضامین اُن سے اخذ کئے گئے مگر یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ اگر یہی روایتی واقعات قرآنی مضامین کا منبع ہوتے تو یہ اس غرض کے لئے بالکل ناکافی تھے ہمارے پاس کوئی ثبوت اس بات کا موجود نہیں کہ مکّہ میں یا مدینہ میں اسقدر روایتی حالات مسیحی مذہب کے متعلق موجود تھے کہ اُن سے اُس قسم کے بیانات پوری تفصیل اور بسط کے ساتھ مرتّب ہو سکتے جیسے کہ قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں جو اناجیل اربعہ اور دیگر اناجیل کے مضامین کے ساتھ گہری مشابہت اور تفصیلی مطابقت رکھتے ہیں" (لائیف آف محمد ۱۴۹-۱۵۰)

خود مسیحی معترضین میں یہ اختلاف اس امر کی ایک واضح دلیل ہے کہ ان لوگوں کے پاس کوئی ثبوت اس بات کا موجود نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے

مسیحیوں سے قرآنی مضامین حاصل کیئے کیونکہ اگر اِن کے پاس اس امر کا کوئی یقینی ثبوت موجود ہوتا تو ان میں باہم یہ اختلاف نہ ہوتا۔ ایک مسیحی معترض ایک رائے ظاہر کرتا ہے دوسرا اس کی تردید کرتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان کے ہاتھ میں کوئی یقینی ثبوت موجود نہیں۔ بعض اُن میں سے یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ عرب کے مسیحیوں کے پاس بہت سی مسیحی کتابیں اور اناجیل اپوکرفا موجود تھیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی مضامین اخذ کیئے۔ مگر دوسرے اُٹھکر اس رائے کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ امر درست نہیں اور اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ کوئی مسیحی کتاب آپ کی رسائی میں تھی۔ بلکہ بات یہ ہے کہ آپنے قرآنی مضامین اُن روایتی حالات سے اخذ کیئے جو زبانی طور پر عرب کے عیسائیوں میں پھیلے ہوئے تھے مگر میور کہتا ہے کہ یہ بھی غلط ہے آپنے نہ کسی مسیحی کتاب سے قرآنی مضامین حاصل کیئے اور نہ زبانی روایات سے۔ کیونکہ جو روایات مسیحی مذہب کے متعلق عرب میں موجود تھیں وہ اس غرض کے لیئے ہرگز کافی نہ تھیں کہ قرآنی مضامین اُن سے اخذ کیئے جاتے۔ وہ لکھتا ہے کہ " اناجیل اپوکرفا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسائی میں نہ تھیں" اور کہ " ان کو اپنی ساری زندگی میں مسیح کے پیرووں سے میل جول کرنے کا کوئی موقعہ نہیں ملا"۔ غرض ولیم میور اُن تمام اقوال کی تردید کرتا ہے جن کے رو سے یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے مسیحیوں سے قرآنی مضامین حاصل کیئے۔ اُس کے نزدیک عرب کے مسیحیوں کے پاس نہ تو وہ مسیحی کتب موجود تھیں جن میں اسلامی تعالیم کا کھوج لگایا جاتا ہے اور نہ اُن کے معلومات اس قدر وسیع تھے کہ قرآنی مضامین اُن سے اخذ ہوسکتے اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ساری زندگی میں عرب کے مسیحیوں کے ساتھ میل جول کرنے کا موقعہ ملا۔ غرض وہ پورے طور پر اس خیال کی تردید اور تغلیط کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے مسیحیوں سے قرآنی مضامین حاصل کیئے۔ اور ہم اس اسلامی خدمت کے لیئے ولیم میور کا شکریہ ادا کرتے ہیں کیونکہ اُس نے ہمیں اس امر سے سبکدوش کر دیا ہے کہ ہم مسیحی صاحبان کے اعتراضات کا جواب دیں۔ ہر ایک سبیل جو مسیحی صاحبان نے

قرآنی مضامین کے اخذ کرنیکے لیئے تجویز کی ہے میور اُس کی صریح الفاظ میں تردید
کرتا ہے۔ اور اُن کے خیالات کو بے بنیاد ٹھہراتا ہے اس سے بڑھکر اور کونسی تردید
ہو سکتی ہے کہ ہر ایک مسیحی سرچشمہ جو دوسرے مسیحی صاحبان نے قرآنی مضامین کے
لیئے تجویز کیا ہے ولیم میور اُس کو بے بنیاد قرار دیتا ہے۔ بعض مسیحیوں کا پادری سٹڈل
کی طرح یہ بیان تھا کہ وہ مسیحی کتب ملک عرب میں موجود تھیں جن میں اسلامی
تعالیم کا کھوج ملتا ہے۔ ولیم میور اس کی بھی تغلیط کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کتابیں
ملک عرب میں موجود نہیں تھیں۔ پھر بعض مسیحیوں کا یہ بیان تھا کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے مسیحیوں کے ناسٹک فرقہ سے تعلیم حاصل کی۔ مگر ولیم میور اس قول کی
بھی تردید کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ یہ فرقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے
نابود ہو چکا تھا اور ملک عرب میں تو اس فرقہ کو کبھی دخل ہی نہیں ملا۔ پھر بعض
مسیحیوں کا یہ قول تھا کہ اگرچہ وہ مسیحی کتب جن میں اسلامی تعالیم و قرآنی مضامین کا
پتہ لگتا ہے ملک عرب میں موجود نہ تھیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی
مضامین اُن حکایات و واقعات سے حاصل کیئے جو روایتہً نسلاً بعد نسلٍ ملک عرب
میں مشہور چلے آتے تھے۔ مگر ولیم میور اس قول کی بھی تردید کرتا ہے اور لکھتا ہے
کہ اس قسم کی روایتیں ملک عرب میں بہت قلیل تھیں اور وہ اس قابل نہ تھیں
کہ اُن سے قرآنی مضامین تیار ہو سکتے۔ غرض سر ولیم میور نے مسیحیوں کے اقوال کو
ایک ایک کر کے خوب توڑا ہے اور اب ہمارے لیئے ضرورت باقی نہیں رہی کہ ہم خود
ان اقوال کی تردید کے لیئے قلم اُٹھائیں۔ ہمارا کام اُس نے کر دیا ہے اور خوب کیا ہے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب سر ولیم میور نے دوسرے مسیحیوں کے اقوال کو
یکے بعد دیگرے گن گن کر ردّ کیا ہے اور بڑی معقولیت سے ردّ کیا ہے تو اُس نے
خود کیا رائے پیش کی ہے۔ مگر مَیں افسوس سے کہتا ہوں کہ وہ دوسروں کے اقوال کو
تو بے بنیاد کہکر ردّ کرتا ہے مگر جو قول وہ خود پیش کرتا ہے وہ دوسرے اقوال سے
بھی زیادہ بے بنیاد اور زیادہ غیر معقول ہے۔ یہ کہنے کے بعد کہ ملک عرب میں اس قدر

مسیحی روایتیں موجود نہیں تھیں کہ اُن سے قرآنی مضامین مرتب ہو سکتے۔ وہ لکھتا ہے "لیکن اس غرض کے لیئے کافی روایتیں ملک شام کی جنوبی حدود میں ابھی باقی تھیں اور اُس جگہ سے بلا ریب کسی یہودی واسطہ سے یہ روایتیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچیں"۔ یہ میور صاحب کی اپنی رائے ہے مگر انہوں نے اس امر کی طرف توجہ نہیں فرمائی کہ جس وجہ سے انہوں نے دیگر مسیحیین کے اقوال کو رد کیا ہے وہی وجہ اُن کے اپنے قول میں پائی جاتی ہے یعنی جس طرح انہوں نے دوسروں کے اقوال کو اس لیئے رد کیا ہے کہ وہ بے بنیاد ہیں اور کوئی تاریخی شہادت اُن کی تائید میں پیش نہیں کی جا سکتی یہی نقص خود ولیم میور کے قول میں پایا جاتا ہے یعنی اُس کے پاس ذرا بھر شہادت اس امر کی موجود نہیں کہ ملک شام کی جنوبی حدود سے مسیحی روائتیں یہودیوں کے ذریعہ مکّہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا کرتی تھیں۔ صرف یہی کہنا کہ ملک شام کی جنوبی حدود میں کافی مسیحی روایتیں موجود تھیں اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ ضرور وہ روایتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئیں۔ میور کو اس بات کا خوب علم ہونا چاہیئے کہ قرآنی مضامین جو مسیحی تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں زیادہ تر مکّی سورتوں میں پائے جاتے ہیں اور میں یہودی سرچشموں کے عنوان میں یہ دکھا چکا ہوں کہ مسیحی صاحبان کے پاس کوئی ثبوت اس امر کا موجود نہیں کہ مکّہ میں یہودی یا عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اپنے مذہبی قصّے سنایا کرتے تھے۔ اگرچہ میور صاحب کو بہت سے مسیحیوں کی نسبت اسلامی تاریخ کا زیادہ علم ہے اور انہوں نے اسلام کی تاریخی کتب کا بہت مطالعہ کیا ہے مگر باوجود اس علم کے وہ کوئی شہادت پیش نہیں کر سکے جس سے ثابت ہو کہ مکّہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شام سے یا مدینہ سے یہودی آیا کرتے تھے اور مسیحی تاریخ یا یہودی علوم کے متعلق آپ سے ذکر اذکار کیا کرتے تھے۔ اگر وہ یہ ضروری سمجھتا ہے کہ دوسرے مسیحیوں کے اقوال کو اس لیئے رد کرے کہ کوئی تاریخی شہادت اُنکی تائید نہیں کرتی تو ہم بھی مجبور ہیں کہ اُس کے قول کو

اسی وجہ سے رد کریں جس وجہ سے وہ دوسرے مسیحیوں کے اقوال کو رد کرتا ہے۔ اگر ولیم میور کے نزدیک یہ خیال کرنا بیہودگی ہے کہ ملک عرب میں بہت سی مسیحی کتب موجود تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کتابوں تک رسائی حاصل تھی یا یہ کہ جزیرہ نما عرب میں اس قدر مسیحی روایتیں موجود تھیں جن سے قرآنی مضامین تیار ہو سکتے تھے تو ہمارے نزدیک یہ خیال کرنا اور بھی زیادہ بیہودہ ہے کہ شام سے مسیحی روایتیں یہودیوں کے واسطے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا کرتی تھیں۔ میور اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی شہادت نہیں پیش کرتا۔ اُس نے وہی غلطی کی ہے جو پادری ٹسڈل نے اپنی کتاب ینابیع نام میں کی ہے جیسا پادری ٹسڈل اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی شہادت پیش نہیں کرتا۔ ایسا ہی میور نے صرف دعویٰ پر ہی اکتفا کیا ہے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ ان دونوں صاحبان کے نزدیک صرف یہی دکھا دینا کافی ہے کہ قرآن مجید کی فلاں تعلیم فلاں کتاب یا کتبہ میں یا فلاں ملک اور قوم میں موجود تھی۔ اِس سے اِن کو کوئی سروکار نہیں کہ اُس کتاب یا اُس ملک سے وہ تعلیم کس طرح اور کب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔ مثلاً ریورنڈ ٹسڈل ایک عبرانی۔ یونانی۔ ایرانی۔ سریانی قبطی سنسکرت وغیرہ کسی زبان کی کتاب میں سے ایک تعلیم یا ایک مضمون کو پیش کرتا ہے اور پھر اسلامی تعلیم اور قرآنی مضمون سے اُس کی مشابہت دکھا کر فوراً اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کتاب سے اس تعلیم یا اس مضمون کو اخذ کیا۔ اسی اصول پر عمل کر کے میور کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیحی مضامین ملک شام کی جنوبی حدود سے حاصل کیے اور اس کے پاس اس کی دلیل سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ ملک شام کی جنوبی حدود میں مسیحی روایتوں کا کافی ذخیرہ موجود تھا۔ اور یہ ذخیرہ ملک عرب میں نہیں پایا جاتا تھا۔ ہمیں اس سے سروکار نہیں کہ ملک شام کی جنوبی حدود میں مسیحی روایتوں کا کافی ذخیرہ پایا جاتا تھا یا نہیں۔ سوال یہ نہیں کہ مسیحی روایتوں کا کافی ذخیرہ کہیں پایا جاتا تھا یا

نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ جس جگہ مسیحی روایتوں کا کافی ذخیرہ بیان کیا جاتا ہے کیا اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے اپنے معلومات کا ذخیرہ حاصل کیا - میور کہتا ہے کہ ملک شام کی جنوبی حدود سے کسی یہودی واسطہ سے مسیحی روایتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا اس بات کا کوئی ثبوت موجود ہے کہ ملک شام سے یہودی آپکے پاس آتے تھے اور مسیحی روایتیں آپ کو سنایا کرتے تھے ؟ اس سوال کا جواب سوائے نفی کے اور کچھ نہیں - خود میور کا یہ کہنا کہ کسی یہودی واسطہ سے یہ روایتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ اُس کے پاس اپنے دعوے کے لیئے کوئی دلیل نہ تھی - کسی کا لفظ (" کسی یہودی واسطہ سے ") اس امر کی ایک دلیل ہے کہ میور کو علم نہیں کہ واقعی یہودیوں کی وساطت سے مسیحی روایتیں ملک شام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں " کسی یہودی واسطہ سے " کہکر اُس نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا ہے اگر اُس کو کسی خاص یہودی واسطے کا یقینی علم ہوتا تو وہ ایسے الفاظ استعمال نہ کرتا - بلکہ اُس واسطہ کی تعیین کرتا اور کسی خاص یہودی کا مثال کے طور پر نام لیتا جس کی وساطت سے یہ مسیحی روایتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں - ولادت مسیحؑ کا ذکر کرتے ہوئے میور لکھتا ہے کہ " ممکن ہے کہ لوقا کی انجیل میں جو مسیحؑ کی ولادت کے حالات لکھے ہیں کسی شخص نے زبانی یہ حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائے ہوں یا اس انجیل کے کسی قلمی نسخہ سے پڑھ کر سنائے ہوں مگر یہ محض ایک خیالی بات ہے " لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف یہ ایک خیالی بات ہے بلکہ وہ سب باتیں جو میور نے اور دوسرے مسیحی معترضین نے اسلام کے سرچشموں کے بارے میں لکھی ہیں محض خیالی ہیں جن کا کوئی تاریخی ثبوت اُنکے پاس موجود نہیں - جیسا میور کا یہ بیان محض خیالی ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوقا کی انجیل کا وہ باب پڑھکر یا زبانی سنایا جس میں مسیحؑ کی ولادت کا

ذکر ہے۔ ایسا ہی میور کا یہ بیان بھی محض خیالی ہے کہ شام کے ملک سے مسیحی روایتیں یہودیوں کے ذریعہ آپ کو مکہ میں پہنچا کرتی تھیں۔ دونوں بیان یکساں خیالی ہیں اور میور کا کوئی حق نہیں کہ ان دونوں بیانوں میں کوئی تمیز کرے۔ یعنی ایک بیان کو محض خیالی کہکر دوسرے کو واقعی ظاہر کرے۔ دونوں بیان یکساں بے بنیاد ہیں اور اگر وہ ایک کو محض خیالی کہکر اُسے نا قابل اعتماد ٹھہراتا ہے تو دوسرا بھی ایسا ہی بے بنیاد اور خیالی ہے اور اس قابل نہیں کہ اُسپر کچھ توجہ کی جاوے۔

علاوہ ازیں خود قرآن شریف کے وہ حصص جس میں مسیحی مذہب اور اُس کے بانی کا ذکر ہے اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ وہ میور کے قول کے مطابق "کسی یہودی واسطہ سے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہنچے۔ اگر مسیحی حالات یہودی ہاتھوں میں سے ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے تو ضروری تھا کہ اُنپر کچھ یہودی ہاتھوں کا نشان ہوتا مگر اُنپر کوئی ایسا نشان نہیں۔ یہودی عداوت اور بُغض کا کوئی نشان قرآن شریف کے اُن حصوں پر نہیں جو مسیحی مذہب اور اُس کے بانی علیہ السلام کے متعلق ہیں۔ برخلاف اس کے ہر ایک بات جو حضرت مسیحؑ آپکی والدہ صدیقہ اور آپکے حواریوں کے بارے میں قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے وہ صریحاً یہودی سپرٹ کے مخالف ہے۔ حضرت مسیح علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کو اُن تمام الزامات سے پاک کیا گیا ہے جو یہودی آپ کی طرف منسوب کرتے تھے آپ کی والدہ کو صدیقہ کہا گیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک راستباز نبی بیان کیا گیا ہے۔ پھر اس امر سے انکار کیا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب کی لعنتی موت کا شکار ہوئے۔ اور خود حواریوں کے حالات ایسے رنگ میں بیان کیئے گئے ہیں کہ کوئی یہودی برداشت نہیں کرسکتا کہ اُنکو ایسے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پیش کرے۔ غرض حضرت مسیحؑ کا کل قصہ اور آپکے اور آپکے متعلقین کے سارے حالات جو قرآن مجید میں بیان کیئے گئے ہیں وہ میور کے اس خیال کی تردید کر رہے ہیں کہ یہودیوں کے واسطہ سے مسیحی

حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے۔ مَیں کہوں گا کہ یہ خیال کرنا ایک حماقت ہے کہ وہ خیالی یہود جن کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ شہر مکّہ میں آکر انہوں نے حضرت مسیحؑ کے حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کئے انہوں نے بجائے اس کے کہ حضرت مسیحؑ کی اور آپکی والدہ صدیقہ اور آپکے حواریوں کی اپنے رنگ میں آپکے سامنے تصویر پیش کرتے لوقا کی انجیل یا کوئی اور مسیحی کتاب آپ کو پڑھ کر سنائی۔ یہودیوں سے ایسی توقع نہیں ہو سکتی۔ اگر یہودی حضرت مسیح علیہ علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانے والے ہوتے تو وہ لوقا کی انجیل سنانے کے بجائے آپکے پاس وہ مسیح پیش کرتے جس کا نقشہ اُن کی کتاب تالمود میں کھینچا گیا ہے۔ اور وہ بجائے اس کے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے حالات اُس رنگ میں بیان کرتے جس رنگ میں لوقا کی انجیل کے پہلے باب میں بیان کیئے گئے ہیں وہ اس رنگ میں ان حالات کو پیش کرتے جس طرح انکی کتابوں تالمود وغیرہ میں بیان کیئے گئے ہیں اور جس طرح اُن کا اپنا عقیدہ تھا اور مسیحیوں کا کسی زمینی باپ کا نام بیان نہ کرنا یہودیوں کی معاندانہ اتہامات کا مؤید تھا۔ اور اس صورت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کا نقشہ اس طرح نہ کھینچا جاتا جس طرح کہ اب خدائے تعالیٰ کے کلام میں کھینچا گیا ہے بلکہ اُس طرح کا نقشہ ہوتا جس طرح کہ یہودیوں کی کتابوں میں کھینچا گیا ہے اور جس طرح یہودی ابتک یقین رکھتے ہیں۔ اور یہودی اپنی تالمود کے اتہامات کی تائید میں خود مسیحیوں کی کتابیں بھی پیش کر سکتے تھے۔ یہ امر کہ خود بعض مسیحیوں کے صحیفے یہودیوں کے حاسدانہ بہتانات کی تائید کرتے تھے مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے جو مَیں کتاب ریڈل آف دی یونی ورس مصنّفہ ارنسٹ ہیکل میں سے نقل کرتا ہوں۔ صفحہ ۳۲۵ پر مصنّف مذکور لکھتا ہے۔

"روح القدس سے کنواری مریمؑ کے حاملہ ہونیکے متعلق ہمیں کہا جاتا ہے کہ اناجیل کو پڑھو کیونکہ یہ کتابیں اس واقعہ کی شہادت دیتی ہیں۔ چار انجیل نویسوں میں سے دو یعنی متی اور لوقا اس امر کا ذکر کرتے ہیں اور دونوں کا بیان یہ ہے کہ کنواری مریمؑ کی نسبت یوسف بڑھئی کے ساتھ کی گئی تھی لیکن وہ اُس سے تعلق کرنے کے بغیر ہی روح القدس کے ذریعہ

حاملہ ہوگئی۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں چار موجودہ اناجیل جن پر مسیحی کلیسیا کی بنیاد ہے عمداً بہت سی اناجیل میں سے انتخاب کی گئیں۔ ان کثیر التعداد اناجیل میں باہمی ایسا ہی اختلاف کثیر ہے جیسا کہ ان چار انجیلوں میں اختلاف کثیر ہے کلیسیا کے بزرگ ۹۰ سے لیکر ۵۰۰ تک ایسی اناجیل کا ذکر کرتے ہیں جن کو جعلی کہا جاتا ہے اور جو اناجیل اپوکرفا کے نام سے مشہور ہیں۔ بعض ان میں سے یونانی اور لاطینی دونوں زبانوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ مثلاً یعقوب کی انجیل۔ تھوما کی انجیل۔ نکودیمس کی انجیل۔ وغیرہ وغیرہ۔ جو حالات ان اناجیل میں بیان کیے گئے ہیں خصوصاً مسیحؑ کی ولادت اور طفولیت کے حالات وہ بھی تاریخی طور پر وہی پایہ رکھتے ہیں جو اناجیل اربعہ رکھتی ہیں (یا یوں کہو کہ سب اناجیل ناقابل اعتبار ہونے میں ایک ہی درجہ رکھتی ہیں)۔ اب ہم ان اناجیل میں سے ایک میں ایک تاریخی واقعہ لکھا ہوا پاتے ہیں جس کی سفر ٹولڈتھ جیسکو آ میں بھی تائید کی گئی ہے۔ اس انجیل کا یہ بیان غالباً مسیح کی ولادت کے معمہ کو بالکل حل کر دیتا ہے۔ اس انجیل کا مصنف ایک ہی فقرہ میں اس مسئلہ کو حل کرتا ہے اور وہ فقرہ یہ ہے ...." (اس فقرہ میں جو کتاب ورلڈ رڈل کا مصنف ایک انجیل میں سے نقل کرتا ہے حضرت مسیحؑ کی مقدس والدہ حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کی عصمت پر ایک ناپاک حملہ کیا گیا ہے جس کو میں یہاں نقل نہیں کر سکتا) اے ناشکر گذار مسیحیو! کیا تم اُس محسن کا شکریہ ادا نہیں کرتے جس نے حضرت مریمؑ اور اُس کے بیٹے یسوع مسیحؑ کو اُن ناپاک اتہامات سے پاک کیا ہے جو نہ صرف شریر دشمن بلکہ بعض نادان دوست بھی اُنکی طرف منسوب کرتے تھے اور جن کے دُور کرنے کے لئے تمہارے پاس کوئی سامان نہ تھا۔ یہ اتہامات ایسے ناپاک ہیں کہ ایک مسلمان کی قلم اُنکے نقل کرنے سے بھی کانپتی ہے اور ایک مسلمان کا ہاتھ اپنے آپ میں یہ طاقت نہیں پاتا کہ اُن کے لکھنے کے لیئے اپنی قلم کو ہلائے۔ معلوم نہیں کہ ورلڈ رڈل کے مسیحی مصنف نے مسیح کے پرستاروں میں پیدا ہو کر یہ کس طرح جرأت کی کہ ایسے گندے فقرہ کو نقل کر کے اپنی کتاب کے اوراق کو ناپاک کیا۔ قرآن مجید نے مسیحی قوم

پر ایک عظیم الشان احسان کیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اور اُس کے بیٹے حضرت مسیح علیہ السلام کو اُن تمام ناپاک الزامات سے پاک کر دیا ہے جو دشمن اُنکی طرف منسوب کرتے تھے۔ اگر قرآن مجید حضرت مریم علیہا السلام کو صدّیقہ نہ کہتا اور اُس کے بیٹے کو خدا کا برگزیدہ انسان بیان نہ کرتا اور ان دونوں کو یہودیوں کے ناپاک اتّہامات سے بری نہ کرتا تو مسلمان دنیا آج حضرت مریم علیہا السلام کو صدّیقہ کہکر نہ پکارتی پھر بھی ناشکرگذار مسیحی یہی کہتا ہے کہ قرآن مجید حضرت مسیح علیہ السلام اور آپکی والدہ کے متعلق جو کچھ بیان کرتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شام سے آنیوالے یہودیوں سے سیکھا۔ اُن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں سے حضرت مسیحؑ اور آپکی والدہ اور آپکے حوارین کے حالات دریافت کرتے تو آپ اُن کو راستباز کہکر نہ پکارتے۔ یہودی تو حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک ایسے شخص کے رنگ میں پیش کرتے تھے جس کی ولادت بھی ایک لعنتی ولادت تھی اور جس کی موت بھی ایک لعنتی موت تھی۔ ایک معمولی آدمی ایسا نقشہ اپنے سامنے کھچا ہوا دیکھکر کبھی ایسے شخص کو راستباز نبی نہیں مان سکتا۔ خصوصاً جب ایسے شخص کے پیرو بھی اس قابل نہ ہوں کہ ان الزامات کو غلط ثابت کر سکیں بلکہ ایک حد تک اُنکو قبول بھی کرتے ہوں۔ دو بڑے الزامات تھے جو یہودی حضرت مسیح علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کرتے تھے ایک اُنکی ولادت کے متعلق تھا دوسرا اُنکی وفات کے متعلق تھا یعنی دونوں کو وہ نعوذ باللہ لعنتی قرار دیتے تھے۔ پہلے امر کے بارے میں یعنی ولادت کے بارہ میں اگرچہ مسیحی اُنکے الزام کو تسلیم نہیں کرتے تھے مگر کسی باپ کا پتہ بھی نہیں دیتے تھے اور دوسرے امر میں وہ کھلے الفاظ میں تسلیم کرتے تھے کہ ضرور مسیح لعنت کی موت سے مرا اور صلیب پر جان دیکر لعنتی ہوا۔ اب ان حالات میں اگر خدائے تعالیٰ کا الہام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی نہ کرتا تو آپ کسی طرح یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ ایسا شخص جسکی نسبت دشمن و دوست اس قسم کے حالات بیان کرتے ہیں ایک راستباز نبی تھا۔ یہ خدائے تعالیٰ کا کلام تھا جس نے ایسے حالات میں آپ کی رہنمائی کی اور آپ نے

دشمن و دوست دونوں سے بیانات کو ردّ کر کے یہ ظاہر کیا کہ مسیح ناصری ایک راستباز آدمی تھا جو اُن تمام عیبوں سے مبرّہ تھا جو مسیحی اور یہودی اس کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ولادت کے بارہ میں آپ نے حضرت مسیح کی ماں کو صدیقہ کہکر سارے الزامات کو جھوٹا ٹھہرایا اور وفات کے بارے میں آپ نے مسیحیوں اور یہودیوں ہر دو کے بیانات کو ردّ کر کے یہ ظاہر فرمایا کہ اُنہوں نے صلیب پر جان نہیں دی بلکہ اپنی طبعی موت سے وفات پائی۔ اور میں انشاء اللہ تعالیٰ آگے چلکر دکھاؤں گا کہ اناجیل بھی آپ کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں۔ آپ نے کسی یہودی سے سنکر نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ سے الہام پاکر مریم کو صدیقہ کا خطاب دیا اور اس طرح ہمیشہ کے لئے مسیحی دنیا کو ممنون احسان کیا۔ یہودی اُسکو پاکدامن عورت کے رنگ میں پیش نہیں کرتے تھے اور مسیحی اُس کی عصمت کو ثابت کرنیکے لئے اپنے پاس کوئی ایسا ثبوت نہیں رکھتے تھے جس سے ایک غیر انسان کے دل سے یہودیوں کا ڈالا ہوا شبہ دور ہو بلکہ اُن کا کسی باپ کا پتہ نہ دینا ایک اجنبی کے دل میں اس شبہ کو اور بھی مضبوط کرنے والا تھا اب میں مسیحیوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کے نور سے منوّر نہ ہوتے تو وہ کس طرح ایسے ظلمانی حالات کے ماتحت حق کو دیکھ سکتے تھے۔ یہ وحی الٰہی ہی کا نور تھا جس سے روشنی حاصل کر کے آپ نے صدّیقہؓ کو راستباز ٹھہرایا اور اگر آج ایک دنیا مسیحؑ کی والدہ کو صدیقہ کہکر پکارتی ہے تو یہ بھی اُسی وحی الٰہی کی برکت ہے۔ مگر مسیحیوں سے بڑھکر کوئی شخص احسان فراموش نہ ہوگا جو ایسے محسن کو دغاباز کہتے ہیں اور ایسے حق بتانیوالے کے حق میں یہ کہتے ہیں کہ اُس نے مسیح کے بارے میں یہودیوں سے اپنے معلومات کا ذخیرہ جمع کیا۔ مسیحیوں کو غور کرنا چاہیئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو امور حق ہیں اُن کی تصدیق کرنا اور جو غلطیاں تھیں اُنکو ردّ کرنا یہ اس امر کی ایک صریح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے نور سے ایسا کیا۔ نہ کسی یہودی یا مسیحی کے خیالات سے مؤثر ہوکر۔

الغرض۔ اس سے زیادہ کوئی بیہودہ بات نہیں ہو سکتی کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے شام سے آنیوالے یہودیوں کے ذریعہ مسیحی معلومات حاصل کیئے۔
مسیحی سرچشموں کا سوال میور نے فیصلہ کر دیا ہے۔ جو جو قول دوسرے مسیحی معترضین نے اس بارے میں پیش کیئے ہیں میور نے اُن میں سے ہر ایک کو خود ہی رد کر دیا ہے اور ہمیں اس ضرورت سے آزاد کر دیا ہے کہ ہم اُن معترضین کے اقوال کی تردید کی تکلیف اُٹھائیں۔ جب میور جیسے تاریخدان مسیحی نے اُن اقوال کو بے بنیاد ٹھہرایا ہے تو اب ہمارے لیئے ضرورت نہیں رہی کہ اُنپر کچھ بحث کریں۔ جو کام ہمنے کرنا تھا وہ خود میور نے کر دیا ہے اور ہم اس لیئے میور کا شکریہ ادا کرتے ہیں کیونکہ ہم مسیحیوں کی طرح ناشکرگذار نہیں۔ اب ہمارا کام صرف اتنا باقی رہ گیا ہے کہ جو رائے میور نے پیش کی ہے اُسپر غور کریں۔ اور میں دکھا چکا ہوں کہ جیسا دوسرے مسیحیین کے اقوال بے بنیاد ہیں میور کا قول اُس سے بڑھ کر بے بنیاد ہے اور اس لیئے ہم مجبور ہیں کہ جیسا اُس نے دوسروں کے اقوال کو رد کیا ہے ایسا ہی ہم اس کے قول کو رد کریں۔ پس میور کے قول کو بے بنیاد ثابت کرنے کے بعد ہمارا کام جہان تک مسیحی سرچشموں سے تعلق رکھتا تھا ختم ہو چکا ہے اور اب ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کا حق رکھتے ہیں کہ مسیحی صاحبان کے پاس کوئی ثبوت اس بات کا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی مضامین مسیحیوں یا اسرائیلیوں سے حاصل کیئے۔ مسیحی معترضین میں اس قدر اختلاف ہونا صرف یہی امر ایک عقلمند کی نظر میں اس بات کی ایک صریح دلیل ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھ مین کوئی بھی یقینی ثبوت نہیں۔ کیونکہ اگر ان کے ہاتھ میں کوئی قطعی دلیل ہوتی تو ان میں اس قدر اختلاف ہرگز نہ ہوتا۔

زردشتی سرچشمے

مسیحی اور یہودی سرچشموں پر بحث کرنے کے بعد اور مسیحی معترضین کے اقوال کی بیہودگی ظاہر کرنے کے بعد اب میں اُن تعالیم کی طرف رجوع کرتا ہوں جن کو مسیحی صاحبان زردشتی سرچشموں سے نکلا ہوا بتاتے ہیں وما توفیقی الا

باللہ العلی العظیم۔

جن اسلامی تعالیم کو پادری ٹسڈل صاحب زردشتی ینابیع سے نکلا ہوا بیان کرتے ہیں اُن کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج۔
(۲) جنّت۔ حور۔ غِلمان وغیرہ کا حال۔
(۳) ملک الموت۔
(۴) عزازیل کا جہنم میں سے نکلنا۔
(۵) نور محمدؐی۔
(۶) پل صراط۔
(۷) ہر ایک نبی کا آنیوالے نبی کی آمد کے متعلق خبر دینا۔
(۸) آیت بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔
(۹) جنّ۔
(۱۰) ذرّات کائنات۔

مندرجہ بالا مضامین میں سے نمبر ۴ و ۵ و ۷ و ۱۰ کا ذکر قرآن مجید میں نہیں اور نہ کسی صحیح حدیث میں ان کا بیان ہے باقی مضامین میں سے نمبر ۶ کا ذکر صحیح احادیث میں ہے اور اس کے سوا دوسرے مضامین سب قرآنی ہیں۔ نمبر ۱ کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کے ابتدا میں ہے۔ نمبر ۲ کا بیان اور سورتوں کے علاوہ مندرجہ ذیل سورتوں میں ہے سورہ الواقعہ آیت ۱۲۔ سورۂ الرحمٰن آیت ۴۶۔ سورۂ یٰس آیت ۵۴۔ سورہ والصافات آیت ۳۸۔ مضمون نمبر ۳ کا ذکر سورۂ انعام آیت ۶۱۔ الاعراف آیت ۳۵۔ النحل آیت ۳۵ السجدہ آیت ۱۱ میں ہے۔ نمبر ۸ یعنی آیت بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ قرآن کی قریباً کُل سورتوں کیا مکّی کیا مدنی کے ابتدا میں ہے اور سورہ النمل کے اندر بھی یہ آیت وارد ہے اور مضمون نمبر ۹ کا ذکر قرآن مجید کی بہت سی سورتوں میں ہے جو سب کی سب مکّی ہیں مثلاً انعام۔ آیت ۱۰۰ و ۱۲۸۔ حم سجدہ آیت ۲۴ و ۲۹۔ الحجر آیت ۲۷۔

الرحمٰن آیت ۱۴ وغیرہ۔

یہ سب سورتیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے مکّی ہیں پس وہ سب قرآنی مضامین جن کا زردشتی کتب میں کھوج لگایا جاتا ہے مکّی زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان مضامین میں سے بعض کو مدنی سورتوں میں بھی دُہرایا گیا ہے مگر ایسا دُہرانا بہت کم ہے۔ مَیں اب ناظرین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس امر کو نوٹ کریں کیونکہ یہ بات پادری ٹسڈل کے بیانات کی پڑتال کرنے میں بہت مدد دیگی۔ یہ دکھانیکے بعد کہ وہ قرآنی مضامین جن کا پادری ٹسڈل زردشتی سرچشموں سے نکلا ہوا ہونا ظاہر کرتا ہے سب کے سب مکّی سورتوں کے مضامین ہیں مَیں اُن ذرائع کی طرف رجوع کرتا ہوں جن سے یہ مکّی مضامین پادری ٹسڈل کے قول کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے۔ پادری صاحب لکھتے ہیں "اگر شخصے بگوید کہ محال است کہ حضرت محمدؐ حکایتہا و رسوم زردشتیاں را پسندیدہ داخل قرآن و احادیث خود گردانیدہ باشد و نیز ممکن نخواہد بود کہ آں نبی اُمّی از ایں امور واقفیت ہم داشتہ باشد" کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ محال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زردشتیوں کی حکایات و رسوم کو پسند کرکے اُنکو قرآن مجید و احادیث میں داخل کر دیا بلکہ یہ بھی ممکن نہیں کہ اُس اُمّی نبی کو ان زردشتی تعالیم کی خبر بھی ہو"

اس سوال کے پادری صاحب نے چار جواب دیئے ہیں اور مَیں ان چاروں پر یکے بعد دیگرے اس جگہ غور کرتا ہوں۔

پادری صاحب کہتے ہیں۔ "اوّلاً در روضۃ الاحباب مندرج است کہ حضرت محمد عادت داشت کہ بہ اشخاص ہر طائفہ کہ نزد وے مے آمدند بزبانِ شاں بگوید و چوں بدینطور بعضے اوقات بزبانِ فارسی حرف مے زد از ایں سبب چند الفاظ فارسی در زبان عربی رواج یافت" یعنی اس سوال کا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح زردشتی صحیفوں کے مضامین پہنچے پہلا جواب یہ ہے کہ کتاب روضۃ الاحباب نام میں یہ

لکھا ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ جس قوم اور جس ملک کے لوگ آپکے پاس آتے تھے آپ انہی کی بولی میں اُن سے کلام کرتے تھے اور چونکہ اسی طریق پر عمل کر کے آپ بعض اوقات فارسی زبان میں بھی گفتگو کرتے تھے اس لیئے بعض فارسی الفاظ خود عربی زبان میں بھی داخل ہوگئے۔ پادری صاحب کی غرض روضۃ الاحباب کے اس قول کو نقل کرنے سے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے زردشتی کتب میں سے مضامین اخذ کرنا بالکل آسان تھا کیونکہ آپ فارسی زبان میں اچھی مہارت رکھتے تھے اور اُس میں بلا تکلف گفتگو کر سکتے تھے اور صرف فارسی زبان ہی نہیں بلکہ آپ ہر قوم اور ہر ملک کی بولی جانتے تھے اور جس قوم اور جس ملک کا آدمی آپکے پاس جاتا آپ اُسی کی زبان میں اُس سے بات چیت کرتے تھے۔ یہی آپ کی عادت تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ امر واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فارسی اور دوسری قوموں کی زبانوں سے خاصی واقفیت رکھتے تھے اور جس ملک کا آدمی آپکے پاس جاتا آپ اُسی کی زبان میں اُس سے گفتگو کرتے تھے۔ کیا پادری ٹسڈل درحقیقت اسکو صحیح اور درست یقین کرتا ہے؟ کیا اُس کا یہ خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کئی زبانوں بلکہ کل ممالک اور کل اقوام کی زبانوں کو جانتے تھے؟ کیا وہ روضۃ الاحباب کے اس بیان کو کہ آپ ہر ملک کے آدمی سے اُسی کی زبان میں گفتگو کر سکتے تھے صحیح سمجھتا ہے؟ اگر وہ ایک دیانت دار آدمی ہے تو وہ ہمیں صاف یہی جواب دے گا کہ وہ خود ان امور کو صحیح نہیں سمجھتا بلکہ اس بیان کو محض ایک افسانہ سمجھتا ہے۔ مگر باوجود اس بیان کو ایک افسانہ سمجھنے کے وہ اس کو اپنے دعوے کے لیئے بطور ثبوت کے پیش کر رہا ہے۔ اور اس بیان سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ آپکے لیئے زردشتی کتابوں سے مضامین لینا کوئی مشکل نہ تھا کیونکہ آپ فارسی کیا دیگر ممالک کی زبانوں کو بھی جانتے تھے۔

کوئی معتبر حدیث یہ نہیں کہتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم کی زبان جانتے تھے اور اُس میں گفتگو کر سکتے تھے مگر پادری صاحب کو صحت یا عدم صحت سے کوئی سروکار نہیں۔ جس بات کو وہ مفید مطلب دیکھتا ہے اُسے فوراً پکڑ لیتا

ہے خواہ وہ کیسی ہی بیہودہ کیوں نہ ہو۔ میور نے اور بہت سے دیگر مسیحی مصنفین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح لکھے ہیں مگر کسی نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی جس سے ظاہر ہو کہ آپ مادری زبان کے علاوہ اور زبانیں بھی جانتے تھے۔ اگر آپ عربی کے علاوہ دیگر زبانوں کے بھی ماہر ہوتے تو یہ ایک ایسا امر تھا کہ مسیحی صاحبان اُس کے بیان کرنے سے ہرگز خاموش نہ رہتے۔ مگر پادری صاحب کو سچائی سے اس قدر محبت ہے کہ وہ اسی امر کو اپنے دعوے کے ثبوت میں بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں۔ کیا ایک محقق کی شان کے یہ لائق ہے کہ ایک ایسے امر کو اپنے دعوے کی تائید میں پیش کرے جس کو وہ خود لغو سمجھتا ہے؟ کیا ایسا کرنا دیانت داری کے موافق ہے؟ اُس نے ثابت تو یہ کرنا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زردشتیوں سے مضامین حاصل کیئے۔ اب اس کے ثابت کرنیکے لیئے اُسکو چاہیئے تھا کہ کوئی قوی بات اور مسلم امر پیش کرتا تا اُس کی کتاب کے پڑھنے والوں کو یقین حاصل ہوتا کہ جو اس نے دعویٰ کیا ہے وہ سچا ہے مگر پادری صاحب نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ایک ایسا امر پیش کیا ہے جس کو دوسرے لوگ تو کیا وہ خود بھی غلط سمجھتے ہیں۔ کیا غلط بات کے پیش کرنے سے بھی کوئی دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ پیش کرنے والے نے ایمانداری سے کام نہیں لیا اور عدالت کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔

مگر ہم پادری صاحب کی خاطر یہ فرض کر لیتے ہیں کہ انکا کہنا درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی زبانیں جانتے تھے اور اُن میں فارسی زبان بھی جانتے تھے مگر افسوس ہے کہ اس امر کو قبول کرنے کے بعد بھی پادری صاحب کی غرض پوری نہیں ہوتی۔ جب تک وہ یہ ثابت نہ کریں کہ زردشتی مذہب کے عالم یا پیرو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور فارسی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مذہبی امور کے بارے میں گفتگو کرتے تھے۔ میں دکھا چکا ہوں کہ جسقدر مضامین پادری صاحب نے زردشتی مذہب سے نکلے ہوئے پیش کیئے ہیں وہ سب غلط ہیں۔ اب پادری صاحب

ثابت کریں کہ مکہ میں ایرانی لوگ آپ کے پاس آیا جایا کرتے تھے اور فارسی زبان میں مذہبی امور پر آپ سے گفتگو کرتے تھے۔ مگر پادری صاحب ایک ایرانی عالم یا غیر عالم کا مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا بھی ثابت نہیں کر سکتے اور جب تک وہ یہ ثابت نہ کریں تو اُن کا یہ کہنا بے سود ہے کہ آپ فارسی زبان اور دیگر زبانیں جانتے تھے۔

اس سوال کا کہ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زردشتی کتب سے مضامین اخذ کرنا ممکن تھا دوسرا جواب پادری صاحب نے یہ دیا ہے کہ "چوں معلوم شد کہ حضرت محمد افسانہ ہائے یہود و داستانہا و رسوم عرب بُت پرست را پسندیدہ داخل قرآن خود ساخت پس چہ اشکال دارد کہ قصہائے فارسیاں نیز مقبول وے گردیدہ باشد" یعنی چونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی داستانوں اور بت پرستوں کے رسوم پسند کر کے اُنکو قرآن مجید میں داخل کر دیا تو کونسی مشکل بات تھی کہ انہوں نے ایرانیوں کے قصوں کو بھی پسند کر لیا ہو پادری صاحب کی عقل پر تعجب آتا ہے۔ سوال یہ نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زردشتیوں کے مضامین کو کس طرح پسند کر لیا بلکہ سوال یہ تھا کہ آپنے زردشتی صحیفوں سے **کس طریق** سے ان مضامین کو اخذ کیا۔ پسند کرنا یا نہ کرنا اس کو اس سوال سے کہ کس طرح اور کس ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مضامین کو اخذ کیا کوئی تعلق نہیں۔ نیز میں پادری صاحب کے اس دعوے کے بطلان کو پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے یا کسی اور قوم سے کوئی تعالیم یا مضامین حاصل کیئے۔ مگر اگر پادری صاحب کی خاطر فرض بھی کر لیا جاوے کہ آپنے یہودی وغیرہ قوموں سے قرآنی مضامین اخذ کیئے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپنے زردشتی کتب سے بھی قرآنی مضامین اخذ کیئے۔ اگر پادری صاحب کی اس انوکھی منطق کی پیروی کی جاوے تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپنے چینیوں۔ جاپانیوں بلکہ امریکہ کے پرانے باشندوں اور افریقہ کے حبشیوں سے

بھی قرآنی مضامین اخذ کیئے ہوں گے۔ سوال تو ثبوت کا ہے یعنی یہ ثابت کیا جاوے
کہ کس طریق سے اور کس ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زردشتی کتب تک
کسی قسم کی رسائی نہیں رکھتے تھے اُن سے قرآنی مضامین اخذ کیئے۔ اس کے جواب
میں پادری صاحب یہ کہتے ہیں کہ چونکہ انہوں نے یہودیوں وغیرہ سے مضامین
حاصل کیئے اس لیئے انہوں نے زردشتیوں سے بھی ضرور مضامین حاصل کیئے
ہونگے۔ اس طرح تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ انہوں نے یہود وغیرہ سے مضامین
اخذ کیئے اس لیئے انہوں نے ہندوستان کے پنڈتوں اور چین کے بدھوں سے
بھی بلکہ کنفیوشش کے پیروؤں سے بھی ضرور تعالیم حاصل کی ہونگی۔ یہ پادری
صاحب کی عجیب منطق ہے۔ اُن سے تو اس امر کا مطالبہ ہے کہ وہ ثابت کریں کہ
کس طرح مکہ میں بیٹھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زردشتی کتب سے مضامین اخذ کیئے
اسکے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ چونکہ انہوں نے مکّہ کے بُت پرستوں اور مدینہ کے
یہود سے مضامین اخذ کیئے اس لیئے انہوں نے زردشتی صحیفوں سے بھی ضرور
مضامین اخذ کیئے ہونگے۔ یہ عجیب منطق ہے!

پادری صاحب کا تیسرا جواب یہ ہے کہ "از سیرۃ الرسول تصنیف ابن ہشام
و ابن اسحٰق معلوم است کہ میان اصحاب حضرت محمدؐ شخصے ایرانی مسمّی بہ سلمان فارسی
بود کہ حضرت محمدؐ، در وقت محاصرہ کردن مدینہ برحسب نصیحت وے آں خندق راکند
و نیز در حین غزوۂ ثقیف طایف منجنیق را موافق رائے او اوّلاً باستعمال آورد۔
دشمنانش بر آں بودند کہ سلمان در تصنیف کردن
قرآن مددگار حضرت محمدؐ مے باشد و ذکر ایں مطلب در سورۂ نحل بایں الفاظ یافت
مے شود وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ
يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ٥" یعنی کتاب
سیرۃ الرسول مصنّفہ ابن ہشام و ابن اسحٰق سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ایک ایرانی شخص تھا جس کا نام سلمان تھا۔ محاصرۂ مدینہ کے

وقت اُسی نے خندق کھود نے کا مشورہ دیا تھا اور طائف کے محاصرہ میں اُسی کے مشورہ سے منجنیق کا اوّل اوّل استعمال کیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بھی آپ کو یہ الزام دیا کرتے تھے کہ آپ قرآن شریف کے تیار کرنے میں سلمان فارسی سے امداد لیتے ہیں۔ چنانچہ سورہ نحل کی آیت وَلَقَدْ نَعْلَمُ الخ میں اسی سلمانؓ کا ذکر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی لوگوں کو اس امر کا علم تھا کہ سلمان فارسی آپ کو مدد دیتا ہے۔

پادری صاحب کے اس تیسرے جواب کی لغویت ظاہر کرنے کے لیئے میرے لیئے صرف اتنا ظاہر کر دینا ہی کافی ہوگا کہ سلمان فارسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں پہنچا حالانکہ وہ سب مضامین قرآنی جن کا ذکر پادری صاحب نے کیا ہے مکی ہیں۔ پادری صاحب کے حال پر رحم آتا ہے۔ وہ اپنی تحقیق میں ہمیشہ زمانہ کے سوال کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جس سے اُن کی ساری کارروائی کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ وہ ہمیں سناتا ہے کہ قرآن مجید کا فلاں مضمون فلاں شخص کی وساطت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔ مگر اس امر کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتا کہ وہ مضمون اُس شخص کے آنے سے پہلے شائع ہوا یا اس کے آنے کے بعد۔ مثلاً اُس نے قرآن مجید کی چند آیات کے متعلق لکھا ہے کہ وہ آپ نے حضرت ماریہ قبطیہؓ سے سیکھیں مگر اس امر پر غور نہیں کیا کہ وہ سب آیات مکّہ کے ابتدائی زمانہ کی ہیں حالانکہ حضرت ماریہ قبطیہ رضؓ مدینہ میں ہجرت کے ساتویں سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں۔ مَیں اس امر کا ذکر مسیحی سرچشموں کی بحث میں کر چکا ہوں۔ اسی طرح اب پادری صاحب ہمیں یہ سناتے ہیں کہ بہت سے قرآنی مضامین جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسیؓ سے سیکھے حالانکہ سلمانؓ آپ کے ساتھ مدینہ میں ہجرت کرنے کے بعد ملا اور یہ سب قرآنی مضامین بلا استثنا مکی زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تعجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مضامین حضرت ماریہ قبطیہؓ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اُن کے آنے سے سالہا سال پہلے سیکھ لیئے۔ مسیحیوں میں پادری ٹسڈل صاحب سے بڑھ کر کوئی محقق آج تک پیدا

نہیں ہوا اور یقین ہے کہ آئندہ بھی اس پایہ کا محقق کبھی عیسائی قوم میں ظاہر نہیں ہوگا۔ پادری صاحب کے حال پر تو چنداں افسوس نہیں۔ افسوس تو سر ولیم میور کے سی ایس آئی۔ ڈی سی ایل۔ ایل ایل ڈی۔ پی ایچ ڈی پر آتا ہے کہ اُس نے باوجود مورخیت کے دعوے کے نہ صرف ایسی لچر تحقیقات کو انگریزی جامہ پہنایا بلکہ اس پادری کی علمیت اور اس کی لیاقت اور تحقیق کی مدح سرائی کرکے اپنی مورخیت پر خواہ مخواہ داغ لگالیا۔ اور ایسی بیہودہ کتاب پر اپنی تصدیق کی مہر لگاکر پادری ٹسڈل کی معکوس نیکنامی میں اپنے آپ کو حصہ دار بنا دیا۔ مگر اس نیک نامی میں۔ .... ایک تیسرا نامی مسیحی بھی شریک ہے اور وہ جے۔ ایم۔ راڈویل۔ ایم۔ اے۔ ریکٹر آف سینٹ ایتھلبرگہ لنڈن مترجم قرآن مجید ہے۔ کیونکہ وہ بھی اپنے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ میں اسی قابل شرم تحقیقات کی طرف رجوع کرتا ہے "کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جنت و نار کے حالات جو زندوستا کے بیانات سے مشابہت رکھتے ہیں اسی سلمان فارسی سے سیکھے ہونگے"۔ یہ دیکھکر افسوس آتا ہے کہ ایسے لوگ جن کو اسلام کے حالات سے کچھ بھی مس نہیں اسلام پر نکتہ چینی کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ ناظرین یہ سُنکر تعجب کریں گے کہ راڈویل وہ شخص ہے جس نے دوسرے مترجموں سے یہ نرالا طریق اختیار کیا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کو موجودہ ترتیب پر نہیں رکھا بلکہ نزولی ترتیب کو اختیار کیا ہے یعنی جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں اُنکو پہلے رکھا ہے اور جو مدینہ میں نازل ہوئیں اُنکو بعد رکھا ہے اور اُن میں بھی جو پہلے نازل ہوئیں اُنکو پہلے اور جو بعد میں نازل ہوئیں اُنکو پیچھے رکھا ہے مگر باوجود اس کے اُس نے یہ نہیں دیکھا کہ جنت و نار کا بیان مکہ کی ابتدائی سورتوں میں موجود ہے حالانکہ سلمان فارسی مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہوا۔ اس محقق نے باوجود نزولی ترتیب اختیار کرنے کے یہ نہیں دیکھا کہ جنت و نار کا بیان مکہ کی ابتدائی سورتوں میں سلمان فارسیؓ کے وجود سے پہلے نازل ہوچکا تھا۔ پھر بھی وہ کہتا ہے کہ یہ بیانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی سے سیکھے ہونگے۔ افسوس ان لوگوں کی تحقیق پر اور افسوس ان کی عقل پر۔ اور افسوس اُن

لوگوں پر جو اسلام کے بارے میں ایسی جاہلانہ تحقیقات کی پیروی کرتے ہیں۔
پادری ٹسڈل اپنے اس قول کی تائید میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے امداد لی یہ بیان کرتا ہے کہ اُس زمانہ میں بھی مخالفان اسلام کو یہ معلوم تھا کہ آپ سلمانؓ سے مدد لیتے ہیں چنانچہ اس قرآنی آیت میں سلمانؓ کا ہی ذکر ہے وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ۔ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّھٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے ہم جانتے ہیں کہ دشمن کہتے ہیں کہ ایک آدمی اس کو تعلیم دیتا ہے۔ جس شخص کی طرف یہ لوگ کجراہی کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ کھول کر بیان کرنے والی عربی زبان ہے۔ میں گذشتہ پرچے میں یہ ظاہر کر چکا ہوں کہ اس آیت کریمہ میں ایسی امداد کا ذکر نہیں ہے جس کی پادری صاحب کو شکایت ہے یعنی مضامین قرآنی اخذ کرنے کا بیان ذکر نہیں ہے بلکہ یہاں قرآن مجید کی فصیح بلیغ عبارت میں امداد لینے کا انکار ہے۔ مگر اگر مان بھی لیا جاوے کہ یہاں مضامین کے بارے میں امداد حاصل کرنے کا ذکر ہے پھر بھی افسوس ہے کہ پادری صاحب کی غرض پوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ آیت جو سورہ نحل میں واقع ہے ایک مکّی آیت ہے اور مکہ میں جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں سلمان فارسیؓ کا نام ونشان بھی نہ تھا پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ مکہ کے کفار ایک ایسے شخص سے امداد حاصل کرنے کا ذکر کرتے جس کا وجود ہی مکّہ میں موجود نہ تھا۔ افسوس ہے پادری صاحب لکھنے سے پہلے کچھ بھی نہیں سوچتے۔ اندھا دھند جو کچھ آیا لکھ دیا۔ طرفہ یہ کہ بڑے محقق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

پادری صاحبان کے لیئے یہ نہایت بدقسمتی کی بات ہے کہ جس قدر قرآنی مضامین وہ یہودیوں۔ مسیحیوں یا زردشتیوں کی کتب سے ماخوذ ہونا بیان کرتے ہیں وہ قریباً کُل کے کُل مکّی سورتوں کے مضامین ہیں۔ یہ ایک ایسا امر ہے جو اُنکی تحقیقات کو پاش پاش کرنے کے لیئے ایک تبر کا کام دیتا ہے۔ مکّہ میں نہ یہودی آباد تھے۔ نہ وہاں کوئی مسیحیوں کا مشن قائم تھا اور نہ ہی ایران کے زردشتیوں کا وہاں نام ونشان

پایا جاتا تھا۔ اور نہ ہی مسیحی صاحبان یہ ثابت کر سکتے تھے کہ ان قوموں کے فاضل کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتے اور مذہبی امور پر آپ کو درس دیا کرتے تھے۔ مکّہ میں ایک یہودی۔ ایک مسیحی یا ایک زردشتی متنفس کا بھی نہ ہونا اور قریباً کُل مضامین زیر بحث کا مکّی سورتوں میں وارد ہونا یہ ایک ایسا امر ہے جو اس بات کی ایک روشن دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی یہودی یا مسیحی یا زردشتی سے امداد نہیں لی۔ مکّہ میں ایک دو غلام ایسے تھے جن کے ماں باپ عیسائی تھے۔ اور جو ابتدا ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر ایمان لائے تھے مگر یہ غلام بچپن میں ہی اپنے وطن سے پکڑ کر لائے گئے تھے اور مکّہ میں غلامی میں فروخت کیے گئے تھے اور کوئی عقلمند انسان یہ قبول نہیں کرے گا کہ مکّی سورتوں میں جو اسرائیلی اور مسیحی تاریخ کے مفصل حالات نہایت بسط کے ساتھ درج ہیں وہ ان غلاموں سے سیکھے گئے ان غلاموں میں سے مثلاً ایک زید تھا ناظرین ملاحظہ فرماویں کہ خود میور اس کے متعلق کیا لکھتا ہے:۔ "زید ابھی بچّہ ہی تھا جب کہ اسکی ماں اُس کے ساتھ ایک سفر پر جا رہی تھی۔ اُنکی جماعت پر عرب کے لٹیروں کا ایک گروہ جا پڑا۔ اِن لٹیروں نے زید کو پکڑ لیا اور مکّہ میں آکر فروخت کر دیا۔ (ملاحظہ ہو لائیف آف محمد۔ صفحہ ۳۴)۔ کیا ایسے بچّوں کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان سارے اسرائیلی اور مسیحی مضامین سے آگاہی رکھتے تھے جن کی تفصیل قرآن شریف میں پائی جاتی ہے۔ اور خود مسیحی صاحبان اس بات کو خوب سمجھتے ہیں اور کوئی انہیں سے یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ جسقدر قرآن مجید میں اسرائیلی اور مسیحی تاریخ اور مذہب کے حالات پائے جاتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن مکّہ کے غلاموں سے ہی حاصل کیئے۔

غرض قریباً تمام مضامین زیر بحث کا مکّی سورتوں میں واقع ہونا۔ یہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے پادریوں کے اعتراضات کا ایک ایسا جواب ہے جس کا اُن کے پاس کوئی بھی جواب نہیں۔ نہ تو وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ مکّہ میں یہودی۔ یا مسیحی یا زردشتی

قوم کے لوگ آباد تھے اور نہ یہ ثابت کر سکتے تھے کہ باہر سے ان مذاہب کے پیرو آپ کے پاس آکر مذہبی امور پر آپ سے گفتگو کرتے تھے۔ طرفہ یہ ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ بھی مدینہ ہی میں آپ کے پاس آئے وہ بھی مکہ میں مضامین زیر بحث کے نزول کے وقت موجود نہیں تھے۔ مسیحی معترضین نے اسلام کے سرچشمے تلاش کرتے وقت اس امر کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے مگر یہ ایک ہی امر ایسا ہے جس کے آگے اُنکی ساری تحقیقات اس طرح بہ جاتی ہے جس طرح سیلاب کے آگے تنکا۔ یہ ایک ایسا حربہ ہے جس کے سامنے پادری صاحبان جس قدر ہاتھ پیر ماریں اُنکی ایک پیش نہیں جاتی۔

ایک اور امر جس میں پادری صاحبان کو سخت غلطی لگی ہے وہ یہ ہے کہ اُن کے خیال میں قرآن مجید میں جو انبیاءؑ و قرونِ سابقہ کے حالات لکھے ہیں وہ صرف قصوں کے رنگ میں لکھے گئے ہیں اور جب خدائے تعالیٰ اُنکو انباء الغیب یعنی غیب کی خبریں کہہ کر پکارتا ہے تو اُس سے یہ مراد ہے کہ یہ حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نزول قرآن سے پہلے معلوم نہ تھے مگر خدائے تعالیٰ نے آپ کو یہ حالات نامعلومہ جتلا دیئے اور اس طرح ان نامعلوم اور پوشیدہ حالات تاریخی کا بیان کرنا آپ کی نبوت کا ایک ثبوت ہے۔ مگر یہ مسیحی صاحبان کی غلطی ہے۔ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ جس تفصیل اور بسط کے ساتھ پہلے انبیاءؑ اور گذشتہ اُمتوں کے حالات قرآن مجید میں مذکور ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ان کا علم نہ تھا اور قرآن شریف کے نزول کے بعد آپ کو ان حالات کا پورا علم ہوا مگر قرآن شریف میں ان حالات کو جہاں نشان کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وہاں اُن کے نشان ہونے سے یہ مراد نہیں کہ یہ خبریں تاریخی رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھیں اور خدائے تعالیٰ نے اُنکو آپ پر ظاہر کر دیا ہے بلکہ جب خدائے تعالیٰ انکو انباء الغیب کہتا ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ ان حالات کو تم محض کہانیاں نہ سمجھو بلکہ یہ آنیوالے واقعات کی پیشگوئیاں ہیں۔ اور وہ تمام امور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کے اتباع اور آپ کے مخالفین کے متعلق ابھی پردہ غیب میں مخفی ہیں اُن کی ان واقعات میں خبر دی گئی ہے۔ یہ قصے نہیں

بلکہ یہ پیشگوئیاں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور آپکے اتباع کی ترقی اور آپکے دشمنوں کی تباہی کی خبر دیتی ہیں اور اُن میں اور بہت سے غیبکے واقعات کی خبر دیگئی ہے جو آئندہ واقع ہونے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے حالات جن کو مخالفین قصص کہتے ہیں مکہ میں ابتدائی زمانہ میں ہی نازل ہوئے تاکہ قبل از وقت تمام آنیوالے واقعات کو بطور پیشگوئی کے دشمن و دوست میں شائع کیا جاوے اور یہ پیشگوئیاں پوری ہوکر آپ کی صداقت کا نشان ٹھہریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس امر پر میں انشاء اللہ تعالیٰ ایک الگ مضمون میں مفصل بحث کروں گا۔ اسوقت صرف اتنا جتلا دینا ہی کافی ہے کہ یہ قصے نہیں بلکہ پیشگوئیاں ہیں جنمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور آپکے دشمنوں کی ناکامی اور بہتسے دیگر امور کی قبل از وقت خبر دی گئی اور ان پیشگوئیوں نے پورا ہوکر قطعی اور یقینی اور بدیہی اور کامل طور پر ثابت کر دیا کہ خدائے تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اگر ان واقعات کو صرف کہانیوں کے رنگ میں پیش کیا جاتا تو پادری صاحبان کہہ سکتے تھے کہ یہ کہانیاں فلاں فلاں سرچشمے سے جمع کی گئیں ہیں مگر یہ تو پیشگوئیاں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح اور دشمن کی شکست اور دیگر بہتسے آنیوالے واقعات کی ایسے وقت میں خبر دی گئی جب کہ کسی انسان کی طاقت میں یہ نہیں تھا کہ ان واقعات کی خبر دے سکتا۔ پادری صاحب بتلا دیں کہ اگر آپنے ان پیشگوئیوں کو انہی سرچشموں سے اخذ نہیں کیا تو اور کس سرچشمے سے انکو اخذ کیا۔ کیا پادری ٹسڈل کی طاقت میں ہے کہ پرانی کتابوں میں سے بہتسے قصے لیکر اُن کو اپنے حق میں بطور پیشگوئیوں کے شائع کر دے جن میں اُس کے متعلق اور اُس کے دشمنوں کے متعلق آنیوالے امور کی خبر دی گئی ہو۔ مثلاً کیا پادری صاحب کی طاقت میں ہے کہ یہ کہدیں کہ جسطرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا معاملہ ہوا وہی اُنکا اور اُن کے دشمنوں کا حال ہوگا۔ یا کیا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جسطرح حضرت یوسف علیہ السلام کو اُن کے بھائیوں نے اپنے شہر سے نکالا اور ایک تنگ و تاریک جنگل کے گڑھے میں پھینکا اور پھر جسطرح حضرت یوسف علیہ السلام ایک غیر ملک میں جاکر معزز اور طاقتور ہوئے اور جسطرح ..... اُن کے بھائی ذلیل ہوکر آخر کار اُن سے معافی کے خواستگار ہوئے بعینہ اسی قسم کے واقعات پادری صاحب کو پیش آئیں گے

اب میں پھر زردشتی سرچشموں کی طرف رجوع کرتا ہوں پادری ٹسڈل صاحب کہہ سکتے ہیں کہ کم از کم وہ تعلیم جو کہ پل صراط کے متعلق ہے اور جو کہ معتبر احادیث میں موجود ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی سے سیکھ لی ہو گی۔ مگر پادری صاحب کا یہ ڈھکوسلا کسی طرح سے بھی مانا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ اوّل تو اگرچہ قرآن شریف میں اس کا صریح ذکر نہیں آیا۔ مگر بعض مفسر وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا میں اس کی طرف اشارہ پاتے ہیں جس کے یہ معنی ہے کہ "ہر ایک تم میں سے .... اس میں وارد ہونیوالا ہے یہ تیرے رب کے نزدیک فیصلہ شدہ امر ہے" اور پادری صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ آیت سورہ مریم کی ہے جو کہ مکہ کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی تھی نہ کہ مدینہ میں اور یہی ایک بات پادری صاحب کے پراگندہ خیال کی حقیقت فاش کرنے کیلیئے کافی ہے کیونکہ سلمانؓ مکہ میں موجود نہ تھا۔ لیکن اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ مندرجہ بالا آیت میں پل صراط کے متعلق کوئی اشارہ نہیں۔ تب بھی کسی طرح سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمانؓ فارسی سے ہی اس تعلیم کو سیکھا تھا۔ اس بات کو بہ پایہ ثبوت پہنچانے کیلیئے اوّل تو معزز پادری کو یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ پل صراط کی تعلیم مکہ میں نہیں سنائی گئی اور پھر اس بات کا کوئی شاہد پیش کرنا چاہیئے کہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمانؓ ہی سے اس تعلیم کو سیکھا تھا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیگر تعلیمات جن کا کھوج زردشتیوں کی کتب میں لگایا جاتا ہے بغیر سلمان فارسیؓ کی مدد کے دے سکتے تھے تو کیا یہ ایک تعلیم اس کی مدد کے بغیر نہیں دے سکتے تھے بھلا اس سے بھی زیادہ کوئی بیہودہ بات ہو سکتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار اصحاب آپکو یہودیوں۔ عیسائیوں اور زردشتیوں کی تواریخ اور تعلیمات سکھاتے لیکن جب انہی باتوں کا آپ وحی من اللہ ہونا بیان کرتے اور مخالفوں کو اپنے مقابل پر للکارتے تو وہی صحابہؓ آمنا وصدقنا بھی کہدیتے تھے۔ حالانکہ کیا عرب کے مشرک اور کیا عیسائی اور کیا یہودی سب کے سب انگشت بدنداں ہو رہے تھے کہ کون وہ طاقت ہے جو یہ کلمات آپ کی زبان مبارک سے نکلوا رہی ہے۔ اُن لوگوں کی حیرانگی کا تو یہ حال تھا۔ مگر آج تیرہ سو برس

کے بعد پادری ٹسڈل کو یہ سوجھ گیا کہ ہاں وہ آمنا وصدقنا کہنے والے صحابہؓ ہی تھے
جو آپ کو قرآنی مضامین سکھاتے تھے۔

پادری صاحب نے اس سوال کا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مضامین زیر بحث کو
کس طرح زردشتی کتب سے حاصل کیا چوتھا جواب یہ دیا ہے کہ از تصنیفات مؤرخین عرب
ویونان معلوم است کہ قبل از تولد حضرت محمد و در ایام وے پادشاہان ایران بر بسیارے
از ممالک عرب حکمرانی مے نمودند ابو الفدا مارا مطلع ساختہ است کہ انوشیروان کسرے
افواج خود را در سلطنت حیرہ فرستادہ حارث ملک آں مملکت را از تختش اخراج نمودہ
منذر بار السمار را کہ مطیع خود بود بعوض وے بر سریر شاہی بنشاند و بعد ازاں ہماں
پادشاہ نامدار قشون خود را کہ وھرز سپہ سالار آں بود بہ یمن روانہ داشتہ و اہل حبش
را خارج گردانیدہ .... لہٰذا آشکار است کہ اہل ایران در ایام حضرت محمد و قبل ازاں
ہم با اہل عرب معاشرت کلی داشتند و چونکہ ایشاں از اعراب جاہلیت در علوم و مدنیت
بنہایت بیشتر ترقی کردہ بودند مناسب بود کہ دین و رسوم و علوم شاں بر اعراب تاثیر
فراواں کند یعنی عربی اور یونانی مؤرخوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ
وسلم) سے پیشتر اور آپ کے عہد میں بھی جزیرہ نمائے عرب کے بہت سے حصوں پر فارس کے
بادشاہ حکمران تھے چنانچہ نوشیروان کسرے نے حیرہ کی طرف ایک فوج بھیجکر شاہ حارث
کو شکست دی۔ اور اس کی جگہ منذر کو تخت نشین کیا۔ اُس نے ایک اور فوج یمن کی طرف
بھیجکر ابی سینا کے حملہ آوروں کو باہر نکال دیا.... اب اس سے ظاہر ہے کہ محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) سے پیشتر اور آپ کے عہد میں فارس کے لوگ عرب میں ہمیشہ آتے جاتے تھے
اور چونکہ وہ عرب کی جاہل اقوام سے زیادہ ترقی یافتہ تھے اس لیئے اِنکے مذہب۔ انکے
عادات اور رسم و رواج پر اُن کا بڑا اثر پڑا ہوگا"۔

عرب کے صرف دو ہی علاقے ہیں یعنی یمن اور حیرہ جو اہل فارس کے تحت میں تھے۔
اور وہ دو حملے جن کا ذکر پادری صاحب نے کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نہیں
بلکہ آپ کے عہد مبارک میں ہی ہوئے تھے۔ یمن کا صوبہ غلاان اور حمیر کی اولاد کے قبضہ حکومت

میں تھا اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پچیس سو سال تک اسپر حکومت کی تھی۔ آخر کار انکی سلطنت ۵۲۹ء میں پامال کی گئی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے صرف چالیس برس پہلے اہل حبشہ کے حملے سے تباہ ہوئی مگر دوبارہ حمیر کا خاندان ملک یمن میں ۶۰۳ء میں فارس کی حکومت کے ماتحت بحال کیا گیا پس معلوم ہوا کہ وہ حملہ جس کیطرف پادری صاحب نے اشارہ کیا ہے وہ ۶۰۳ء یعنی اسوقت ہوا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس اور چالیس برس کی عمر کے بین بین تھے۔ اور حیرہ کی سلطنت کی بنیاد کو کسرے نے پہلے حملے کے سات سال بعد یعنی ۶۱۰ء میں اکھاڑا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد۔ یہ اصلی حقیقت ہے اُن دو حملوں کی جس کو پادری صاحب نے بیان کرکے عوام کو یہ دھوکہ دینا چاہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیج سیج پارسیوں سے ہی قرآن شریف کی بعض تعلیمات سیکھی تھیں۔ اب میں ذیل میں چند ایک غور طلب امور پیش کرتا ہوں جو کہ امید قوی ہے کہ پادری صاحب کے خیالات کے پول کو ناظرین پر ظاہر کردینگے۔ اوّل۔ پادری صاحب نے جن دو حملوں کا ذکر کیا ہے وہ حملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپکے زمانہ بعثت کے قریب واقع ہوئے اور جیسا پادری صاحب بیان کرتے ہیں آپکے زمانہ سے پہلے یہ حملے واقع نہیں ہوئے تو کیا (پادریوں کے سوائے) کسی کی عقل اس بات کو قبول کرسکتی ہے کہ جونہی ادھر یہ دو فارسیوں کے حملے یمن اور حیرہ پر ہوئے تو اُدھر فوراً مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوزخ۔ بہشت اور فرشتوں کے متعلق وہ مضامین پہنچ گئے جو قرآن شریف کی شروع ہی کی سورتوں میں موجود ہیں۔ اور ایسا ہی آپنے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا کلمہ بھی سن لیا۔ اور یہ باتیں اور کسی کو نہیں پہنچیں صرف ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی پہنچیں جو کہ دنیا سے الگ حرا کی غار میں گوشہ نشین تھے۔ دوئم یہ کہ یمن اور حیرہ کے صوبوں میں فارسی لوگ کبھی آباد نہیں ہوئے جس سے کہ یہ سمجھا جا سکے کہ شاید فارسیوں کے وہاں آباد ہونے سے انکے عقائد عرب کے ریگستان میں ادھر اُدھر پھیل گئے۔ پادری صاحب کی تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ فارس کی فوج نے اہل سینیا کے حملہ آوروں کو یمن سے نکالکر حیرہ کے پرانے خاندان ہی کو اس کی حکومت پر بحال کیا تھا۔ اور دوسرے

واقعہ کے متعلق بھی پادری صاحب اقرار کرتے ہیں کہ حیرہ کے پہلے بادشاہ کو تخت سے اُتار کر اسکی جگہ ایک اور بادشاہ منذر نامی کو تخت پر بٹھلایا تھا۔ اور چونکہ یہ ظاہر ہے کہ ان صوبوں میں فارسیوں کی کوئی بھی بستی نہ تھی۔ اِس لیئے زردشتی تعلیم اور اصول کا اسقدر جلد عرب کے ریگستان میں پھیل جانا ایک ناممکن الوقوع امر ہے۔ کون اس بات کو تسلیم کرسکتا ہے۔ کہ بس ادھر فارسیوں کی چھوٹی سی فوج کا جنگ سے فارغ ہی ہونا تھا کہ اُدھر باقی ماندہ آدمیوں کو یہی سوجھا اور انہوں نے آناً فاناً یمن سے لیکر مکّہ تک اپنے عقاید کا اعلان کردیا اور وہ بھی سُنے کس نے۔ ایک اُمّی غاروں میں زندگی بسر کرنیوالی پاک روح نے (ہزار ہزار برکتیں اور رحمتیں خدا کی اسپر ہوں) بھلا کبھی ایسا بھی ہوا ہے؟ جو لوگ اپنے عقاید اپنے محکوموں میں پھیلانا چاہتے ہیں۔ وہ ایسی جلد بازی نہیں کیا کرتے۔ وہ اپنی بستیاں انکے درمیان آباد کرتے ہیں۔ صلح اور آشتی کے ساتھ انکے درمیاں بود و باش اختیار کرتے ہیں اور اس طرح آہستہ آہستہ اپنے عقیدوں اور اصولوں کی عقدہ کشائیاں کرتے ہیں۔ لیکن پادری صاحب کی اپنی ہی تحریر سے صاف ثابت ہے کہ یمن اور حیرہ کے صوبے صرف فارسیوں کی حفاظت میں تھے فارسیوں نے وہاں اپنی کوئی بستی نہیں بنائی۔ اس لیئے ثابت ہوا کہ وہم پرست پادری صاحب کا استدلال محض باطل ہے۔ سوئم یہ کہ یمن اور حیرہ کے اضلاع جزیرہ نمائے عرب کے کناروں پر واقع ہیں اور مکّہ ان دونوں سے بہت ہی بڑے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور ان دُو صوبوں کی آپسمیں اور مکّہ کے شہر کے ساتھ کوئی آمد و رفت یا راہ و رسم نہ تھی ۔ نقشہ دیکھنے سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ یمن جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغربی گوشے پر واقع ہے اور حیرہ ملک عراق میں شمال مشرقی گوشے پر واقع ہے۔

چہارم پادری صاحب نے بھولے مُنہ سے یہ تو دعویٰ کردیا ہے کہ فارسیوں کی تعلیم نے عرب کے جاہل لوگوں کے مذہبی عقاید اور علم پر (اسقدر قلیل مدت میں) بہت بھاری اثر کردیا تھا۔ مگر اُس اثر کی کوئی مثال پیش نہیں کی تا ناظرین کو یہ بھی معلوم ہوجاتا کہ آپ کا دعویٰ کس حد تک درست ہے ہاں آپنے النضر بن الحارث کی حکایت بیان کی ہے کہ وہ

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد قریش کی ایک جماعت میں آیا اور اُس نے رستم اور اسفندیار اور شاہان فارس کے قصے انکو سناکر کہا "میں خدائے تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قصص میری کہانیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ وہ محض گذشتگان کی حکایتیں ہیں اُس نے بھی اسی طرح لکھدیں جسطرح مَیں نے لکھدیں" ناظرین یہی ایک قصہ ہے جو پادری صاحب نے اس بڑے دعوے کے لئے پیش کیا ہے کہ فارسیوں کی تعلیم کا اثر عرب کے لوگوں پر آناً فاناً ہو گیا تھا۔ اس قصہ سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے کناروں پر ایرانی حملوں کے بعد زردشتی تعلیم کا اثر عرب کے لوگوں پر ہو گیا تھا۔ کیا کسی دشمن اسلام کو ایک دو فارسی قصوں کا محض یاد ہونا اس بات کی دلیل ہو سکتی ہے کہ دو ہی فارسیوں کے حملوں سے عرب کے لوگوں میں زردشتی تعلیم نے آناً فاناً ایک عظیم الشان اثر پیدا کر دیا تھا۔ برخلاف اس کے متذکرہ بالا قصہ اگر سچا مانا جائے تو وہ صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کہانیاں محض النضر بن الحارث کو یاد تھیں۔ اور باقی اہل مکہ کے لئے وہ نئی کہانیاں تھیں۔

پنجم۔ اُن مضامین پر جن کا کھوج پادری صاحب زردشتیوں کی کتب میں لگاتے ہیں صرف ایک سرسری نظر ڈالنا پادری صاحب کے بیانات کی بیہودگی کو ظاہر کر دیگا۔ وہ مضامین ہی ایسے ہیں کہ جن کی نسبت یہ وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک یا دو ہی حملوں سے عرب کے ریگستان میں اسقدر جلد پھیل گئے کہ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں بھی پہنچ گئے۔ ناظرین پہلے پادری ٹسڈل کے اُن حوالوں کو بغور نظر ملاحظہ فرمائیں جنکو وہ زردشتی صحیفوں سے نقل کرتا ہے اور پھر دیکھیں کہ آیا وہ واقعی ایسی ہی باتیں ہیں جو عرب کے تمام لوگوں میں اسقدر قلیل مدت میں پھیل سکتی تھیں۔ (۱) صفحہ ۲۱۸ پر پادری صاحب فرماتے ہیں واضح باد کہ کتابے میان کتب زردشتیہ مسمی بہ دساتیر آسمانی موجود است.... زردشتیاں مے گویند کہ بزبان آسمانی مکتوب شدہ۔ و در ایام خسرو پرویز بزبان دری ترجمہ گشتہ است.... محتوی است بر پانزدہ صحیفہ نازلہ بر پانزدہ پیغمبر.... واز اں جملہ حضرت زردشت سیزدھم است۔ وآیت دوم ہریک ازیں صحیفہ ہمین است

بنام ایزد بخشایندہ بخشائیش گر۔ مہربان دادگر۔ و ہر کس مے بیند کہ ایں قول با آنچہ بر سر صد و سیزدہ سورہ از سورہ ہائے قرآن مکتوب است یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مطابقتے دارد والفاظ اوّل پوند ہشنیہ نیز مثل آنست یعنی بنام ادرمزد آفرینندہ۔ یعنی زردشتیوں کے پاس وساتیر آسمانی نام ایک کتاب ہے جس کو زردشتی لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ آسمانی زبان میں لکھی گئی تھی اور خسرو پرویز کے زمانے کے قریب وہ دری زبان میں ترجمہ کرائی گئی۔ اسمیں پندرہ کتابیں ہیں جو پندرہ نبیوں پر نازل ہوئی تھیں جن میں سے خود زردشت تیرھواں نبی تھا ان سب کتابوں کی دوسری آیت یہ ہے "بنام ایزد بخشائیش گر مہربان دادگر"۔ اور ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ یہ الفاظ ان الفاظ کے مطابق ہیں جو قرآن کی ہر سورۃ کے سرے پر ہوتے ہیں یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اور ایک اور زردشتی کتاب کا پہلا فقرہ یہ ہے "بنام اُرمزد آفرینندہ۔ (ب) پادری صاحب خیال کرتے ہیں کہ پل صراط کی تعلیم زردشتیوں کی کتاب دین کرت کے مفصلہ ذیل عبارت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخذ کی:۔ ادامیکنم آں پرستش ترا بخیال دگفتار و کردار بہ تا بمانم در راہ روشن تا نرسیدہ باشم بسزائے گران دوزخ۔ درگذرم از چینود بر سم تا باں مسکن بہترین پر بوئے تمام مرغوب ہمیشہ درخشان۔ یعنی میں تیری عبادت اپنے نیک خیال اور نیک اقوال اور نیک اعمال کے ساتھ ادا کرتا ہوں تا روشن راستہ پر پر رہوں اور جہنم کے سخت عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ تاکہ میں چینود کو عبور کر کے اُس مبارک ٹھکانے میں پہنچ جاؤں جو کہ خوشبو سے پُر اور ابدی خوشحالی اور امن کی جگہ ہے (ج) پھر پادری صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حال اپنے معراج کا بیان کیا ہے وہ ارتائے ویراف نامک سے لیا گیا۔ یہ ایک کتاب ہے جو ہجرت سے ۴۰۰ برس پہلے اردشیر کے زمانہ میں لکھی گئی تھی۔ اور وہ عبارت یُوں ہے:۔ (ترجمہ اردو) "ہم نچلے آسمان کی طرف اوپر بڑھے اور وہاں ہم نے پاک روحوں کے فرشتے کو دیکھا کہ شعلہ کی طرح چمکتی ہوئی روشنی دے رہا تھا" اسطرح پر ہمیں بتلایا گیا ہے کہ ارتا علی الترتیب دوسرے تیسرے اور چوتھے آسمانوں کیطرف بڑھا یہانتک کہ وہ بتلاتا ہے کہ "آخر کار میرا رہبر اور آگ کا فرشتہ بہشت دکھلا کر مجھے دوزخ کی طرف لے گئے"۔ یہ تین نمونے کافی طور سے ظاہر کرتے ہیں کہ پادری ٹسڈل کا یہ بیان

کیسا بیہودہ ہے کیونکہ یہ مضامین صرف دو ہی فارسی حملوں سے عرب کے جاہلوں کے درمیان ایک قلیل مدت میں مشہور ہوگئے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ پادری صاحب کے پاس کوئی معقولی یا منقولی ثبوت اس بات کا ہرگز نہیں ہے کہ درحقیقت فارسیوں نے اہل عرب کے خیالات۔ عادات اور ان کے علم پر ایسا اثر ڈالا تھا کہ جس سے وہ انکے صحیفوں کے مذکورہ بالا دقیق مضامین سے واقف ہوگئے تھے۔ کیا کوئی عقلمند اس امر کو قبول کرسکتا ہے کہ صحرائے عرب کے رہنے والے زردشتیوں کی پرانی کتابوں سے اس قدر آگاہی رکھتے تھے کہ انکو انکے اندرونی مضامین سے بھی آگاہی تھی اور انکو یہ بھی علم تھا کہ انکی بعض کتابوں کا دوسرا فقرہ اس طرح پر ہے۔

الغرض صرف یہی امر کہ ایرانیوں نے یمن اور حیرہ پر دو حملے کیئے تھے اس بات کو ثابت نہیں کرسکتا کہ انہوں نے ایک نہایت قلیل مدت میں تمام جزیرہ نما عرب کے لوگوں کے خیالات اور معلومات پر اسقدر عظیم الشان اثر پیدا کر دیا تھا کہ وہ پرانی زردشتی کتابوں سے بھی خوب واقف ہوگئے تھے (جنکو غالباً خود ایرانی بھی اچھی طرح سے نہیں جانتے تھے) یہانتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتابوں کے مضامین کو قرآن شریف میں داخل کردیا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جو رب العالمین ہے ہر ایک ملک میں نبی بھیجے جیسا کہ قرآن شریف میں آتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ۔ یعنی ہر ایک امت میں نذیر آئے وہ ایک ہی تعلیم لائے اور ویسے ہی تجارب انکو پیش آئے۔ اسلیئے اگر قرآن شریف کی کوئی خاص عبارت پرانی زردشتی صحیفوں کے مضامین سے مطابقت رکھتی ہے اور اگر ایران کے کسی نبی کو بھی اس قسم کا معراج نصیب ہوا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا (جو درحقیقت کل انبیاء کے معراجوں سے بڑھا ہوا تھا) تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس پاک نبی نے (ہزار ہزار رحمتیں اور برکتیں خدائے تعالیٰ کی اسپر ہوں) زردشتی کتابوں کی نقل کی تھی یا کسی زردشتی عالم سے سازش کرلی تھی۔ نعوذ باللہ منہا۔ برخلاف اسکے اسقدر مطابقت اور موافقت کا (بغیر کسی ظاہری ذریعہ کے) انمیں پایا جانا اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ ان تمام کتابوں کا ایک ہی سرچشمہ ہے اور ان کتابوں کے سکھانیوالے اسی زبردست ہستی کے رسول اور مقبول تھے۔ اس قسم

کی مشابہت صرف اسلام اور زردشتی مذہب تک ہی محدود نہیں بلکہ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب میں پائی جاتی ہے۔ اور یہ موافقت اس لیئے نہیں کہ ان نبیوں نے ایک دوسرے سے یہ تعالیم اخذ کرلی تھیں بلکہ اس لیئے کہ انہوں نے ایک ہی سرچشمے سے یہ تعالیم حاصل کیں اُن تعالیم کا مختلف زمانوں اور مختلف مقاموں میں مختلف قسم کے لوگوں پر مختلف زبانوں میں نازل ہونا اور پھر اُن کا باہم مشابہ بلکہ مطابق ہونا اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ وہ ایک ہی زبردست ہستی کی طرف سے نازل ہوئیں۔ الغرض پادری ٹسڈل نے قرآن شریف کی تعالیم کو دوسرے نبیوں کی تعالیم سے مطابق اور موافق دکھلاکر یہ ثابت کردیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سچے نبی تھے۔ (باقی انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ)

ماہوار رپورٹ

ایک نشان:۔ اس رپورٹ میں سب سے پہلے مَیں اللہ تعالیٰ کے ایک نشان اور اس کے ایک فضل کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نشانات ایک تو وہ ہیں جن سے یہ صحیفہ قدرت بھرا پڑا ہے۔ جدھر نظر اُٹھاکر دیکھو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی قدرت کے نشانات نظر آتے ہیں۔ مگر چونکہ اکثر نظریں غفلت کے بہت سے پردوں کے نیچے ہیں اور خلق السمٰوات والارض میں تدبّر و تفکر سے کام لینے والے بہت تھوڑے ہیں۔ اسلیئے اللہ تعالیٰ انسان کی بھلائی کیلیئے وقتاً فوقتاً دنیا میں ایسے لوگوں کو بھیجتا رہا ہے جن کے ذریعہ سے اسکے ایک دوسری قسم کے نشانات ظاہر ہوتے ہیں جو زیادہ بیّن ہونیکی وجہ سے لوگوں کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرکے ان میں خدا کی ہستی پر یقین کامل پیدا کردیتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ صدیوں بعد آتے ہیں اسلیئے ان کے نشانات انکی اپنی دنیوی زندگی کے دائرہ تک ہی محدود نہیں ہوتے بلکہ انکی وفات کے بعد بھی صدہا بلکہ ہزاروں سالوں تک ان نشانات کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور ان نشانات کے ظہور سے اس عالم الغیب کے وجود کا پتہ لگتا رہتا ہے جو صدیوں پہلے آنیوالے واقعات کا اظہار اپنے برگزیدہ بندوں کے منہ سے کراتا رہتا ہے۔ اور ان نشانات کی طرف تھوڑی سی توجہ سے بھی انسان اپنے مالک حقیقی کے وجود کا یقینی پتہ پاکر وہ لذت اُٹھاتا ہے۔ جو محض صحیفہ قدرت کے نشانات پر غور کرنیوالے انسان کو میسر نہیں آسکتی۔ اور پھر اس لذت سے وہ اپنا تعلق اس پاک

ذات سے بڑھانا اور ان اعلیٰ صفات اور اخلاق کو اپنے اندر لیتا ہے جن سے باری تعالیٰ کی قدوس اور بے عیب ذات بوجہ اتم و اکمل متصف ہے۔ ایسا ایک کامل انسان بلکہ انسانوں میں اکمل ترین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن کے نشانات ہم اس زمانہ میں جو تیرہ صدیاں آپ کی وفات پر گذر چکیں پورے ہوتے دیکھتے ہیں۔ مگر غفلت شعار انسان کا بھی یہ حال ہے کہ قدم قدم پر نشان دیکھ کر بھی اور بدیہی سے بدیہی نشان دیکھکر بھی وہ غفلت کے گڑھے سے قدم باہر نہیں نکالتا اور اس پستی سے جس میں اسکی روح اللہ تعالیٰ سے دور ہوکر گر چکی ہے اوپر کی طرف قدم اُٹھانا اسکے لئے نہایت ہی دشوار ہو رہا ہے انسان کی اس حالت کی طرف ہی اشارہ کرکے اللہ تعالیٰ سورہ یوسف کے اخیر میں اپنے برگزیدہ نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے یوں فرماتا ہے وما اکثر الناس ولو حرصت بمؤمنین کہ تم کتنا ہی چاہتے ہو کہ لوگ ایمان لاویں مگر اکثر ان میں سے محروم ہی رہتے جاتے ہیں۔ یہ کیوں ہوتا ہے؟ فرماتا ہے وکاین من اٰیۃ فی السموات والارض یمرون علیہا وھم عنہا معرضون۔ اس لئے نہیں کہ انکو نشان دکھلائے نہیں جاتے۔ بلکہ اس لئے کہ کتنے ہی نشان آسمانوں میں اور زمین میں ان کو دکھائے جاویں پر وہ ایسے پستی کی طرف جھکے ہوئے ہیں کہ انکے اوپر سے گذر جاتے ہیں اور پرواتک نہیں کرتے یہی حالت ہمارے اس زمانہ میں بھی دیکھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آخری زمانہ میں بھی اپنے ایک برگزیدہ بندہ کو منتخب فرماکر اپنے کلام سے مشرف فرمایا اور اسکو اس زمانہ کیلئے خدا نما بنایا مگر کتنے انسان ہیں جو بہت سے ان نشانات کے ساتھ یمرون علیہا وھم عنہا معرضون کا سلوک کرتے ہیں۔ وہ نشان پیش کیے جاتے ہیں مگر انکی طرف وہ توجہ بھی نہیں کرتے ہاں جیسا اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ایسے برگزیدہ بندوں کے نشانات صرف اپنی زندگی تک محدود نہیں ہوتے بلکہ وہ ایک دراز زمانہ تک اپنا اثر دکھلاتے رہتے اور غور کرنیوالی طبیعتوں کے لئے ہستی باری تعالیٰ کی طرف سچے رہنما کا کام دیتے رہتے ہیں حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی معہود اگرچہ اپنا کام کرکے اور بہت سے نشانات اپنی زندگی میں دکھاکر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے مگر انکے نشانات صادقوں کی طرح انکی زندگی کے بعد بھی اسی طرح ظاہر ہو رہے ہیں جس طرح وہ انکی زندگی میں ظاہر ہوتے تھے۔ چنانچہ انہی نشانات

میں سے ایک تازہ نشان کی طرف میں اپنے احباب کو بالخصوص اور جملہ طالبان حق کو بالعموم توجہ دلاتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت مغفور نے ایک دفعہ رویا میں دیکھا کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب ایک گھوڑی پر سوار ہوئے ہیں اور گر گئے ہیں۔ جو لوگ حضرت مولوی صاحب کی طرز زندگی سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت مولٰنا کی طبیعت ایسے مشاغل سے کہ آپ گھوڑوں کی سواری کا شوق رکھیں کسقدر دُور واقع ہوئی ہے۔ اور یہ کوئی آج کی بات نہیں جب حضرت مغفور نے یہ رؤیا دیکھا تھا اسوقت بھی بلکہ اس سے پہلے سے ہی حضرت مولوی صاحب کے اشغال اس قسم کے تھے کہ ایسی پیشگوئی قیاس کی بنا پر ایک محال امر تھا۔ کیونکہ اگر ایک شخص مثلاً گھوڑوں پر اکثر چڑھتا ہے یا اپنے پاس گھوڑی رکھتا ہے اور گھوڑے کی سواری بھی کبھی تفریحاً کر لیتا ہے۔ تو اس کے متعلق تو ایسا خیال بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کبھی گھوڑے پر چڑھے اور اس سے گر جائے اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا خیال ایک رؤیا کا رنگ اختیار کرے اور اتفاقاً اس کے گھوڑی سے گر جانے سے وہ بات پوری ہو جائے۔ ایسی حالت میں پیشگوئی کی کوئی عظمت نہیں ہوسکتی۔ مگر ان باتوں کے برعکس ہمارے حضرت خلیفۃ المسیح کو کبھی بھی اس قسم کا شوق نہیں ہوا۔ ہاں جب وہ بعض معزز عہدوں پر ممتاز رہے ہیں تو ضرورتاً اسوقت گھوڑی کی سواری بھی کر لیتے تھے۔ مگر جب سے آپ ان تمام باتوں سے قطع تعلق کر کے قادیان میں تشریف لے آئے یہ تمام باتیں ساتھ ہی جاتی رہیں۔ قادیان میں حضرت موصوف کے اشغال شروع سے ہی صرف قرآن کریم کا درس، حدیث شریف کا درس، مطالعہ کتب، تصنیف کتب اور مریض جو باہر سے قادیان میں آجاویں انکو دیکھنا اور علاج کرنا رہے ہیں۔ اور گھوڑوں کی سواری کا خیال یا شوق تو ایک طرف آپکو پیدل سیر کیلئے بھی کبھی شوق نہیں ہوا۔ غرضکہ جو شخص ادنیٰ واقفیت بھی حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی طرز زندگی سے رکھتا ہے وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ ظاہر حالات میں ان واقعات کا خود بخود پیدا ہونا جن سے یہ پیشگوئی پوری ہو کہ آپ ایک گھوڑی پر چڑھے ہیں اور گر گئے ہیں ایک کیسا مشکل امر تھا۔ مگر اسی عالم الغیب نے جس نے کئی سال قبل از وقوع اس بات کو بتایا تھا۔ آخر اپنی خاص مصلحت سے ان واقعات کو پیدا کر کے اس نشان کو پورا کر دکھایا۔ ۱۸ نومبر گذشتہ کو خانصاحب محمدؐ علی خانصاحب مالیرکوٹلہ سے واپس تشریف لاکر قادیان میں وارد ہوئے جمعہ کا دن تھا حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے جمعہ کی نماز پڑھائی جناب نواب صاحب بھی نماز جمعہ میں موجود تھے اور نماز جمعہ کے بعد آپ نے حضرت خلیفۃ المسیحؑ سے ملاقات بھی کی مگر حضرت خلیفۃ المسیح

پہلے سے یہ ارادہ کر چکے تھے۔ کہ سنّت کے مطابق نواب صاحب کی کوٹھی پر جا کر اُن سے ملاقات کریں۔ چنانچہ اس غرض کے لیئے آپ نواب صاحب کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ قریباً ایک میل کا فاصلہ ہے اس لیئے شہر سے باہر نکلتے ہی گھوڑی پر سوار ہوئے ساڑھے چار بجے شام کے وہاں سے واپس آتے ہوئے پھر اسی گھوڑی پر سوار ہوئے۔ شہر کے قریب پہنچکر گھوڑی بے قابو ہوگئی اور آخر ایک گلی کے موڑ پر ایک ایسی جگہ پر آکر آپ گرے جہاں دو تین پتھر پڑے ہوئے تھے۔ اور بہت سی چوٹیں آئیں جن میں سے ایک سخت چوٹ دائیں آنکھ کی اوپر کی طرف اور کچھ حصّہ پیشانی پر آئی۔ اسہال وغیرہ بعض بیماریوں کی وجہ سے آپ پہلے ہی کمزور ہو رہے تھے پھر اُنپر ایسی شدید چوٹیں اور ایسا سخت صدمہ۔ بہت دنوں تک ضعف اور طرح طرح کی پیچیدگیاں سے جو اس مرض میں پیدا ہوتی گئیں سب احباب نہایت دردمند دلوں سے دعاؤں میں ہی مصروف تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا اور بڑا زخم اب قریباً اچھا ہو چکا ہے۔ گو ابھی تک ضعف بہت ہے۔ امید ہے کہ ایام جلسہ تک آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بکلی صحتیاب ہو جاویں گے۔ سب احباب دست بدعا رہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفائے کامل عطا فرماوے الحمدللہ کہ جہاں یہ نشان اسطرح پر پورا ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس جماعت پر رحم فرما کر حضرت خلیفۃ المسیح کو بھی گویا دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ گھوڑی سے گرنیکی خبر فی الواقع یہی بتاتی تھی کہ کوئی خطرناک بات ہے کیونکہ اگر معمولی طور پر گرنا ہوتا تو اس کیلیئے ایسی پیشگوئی کی ضرورت ہی کیا تھی۔ دوسرے اس رؤیا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو کس قدر روحانی تعلق حضرت خلیفۃ المسیح سے تھا کہ آپ کو انکی زندگی کے وہ واقعات بھی قبل از وقوع دکھائے گئے جو آپ کی وفات کے بعد پیش آنیوالے تھے۔ درحقیقت بغیر شدید تعلق روحانی کے رؤیا میں آپکے متعلق ایسے واقعہ کا دکھایا جانا سمجھ میں نہیں آسکتا۔ بالآخر ان لوگوں کو جو سینکڑوں نشانات سے اعراض کرکے جو حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر انکی زندگی میں دکھائے گئے ایک دو پیشگوئیوں پر اپنا سارا زور لگا رہے ہیں جو وہ بھی گو ایک مخالف کتنے ہی اعتراض کرے مگر عین سنّت اللہ کے مطابق واقع ہوئی ہیں۔ ان لوگوں کو میں یہ کہتا ہوں کہ کیا تاریخ دنیا کوئی ایسا جھوٹا مدعی پیش کرسکتی ہے جس کی پیشگوئیاں اسطرح پر اس کی زندگی کے بعد بھی پوری ہوتی رہی ہوں۔ اگر ایسا نہیں اور میں دعوے سے کہتا ہوں

کہ ایسا ہرگز نہیں تو پھر میں کہتا ہوں کہ جو نشانات حضرت صاحب کی زندگی میں واقع ہوچکے انکو الگ رکھکر اب انہی نشانات کو دیکھتے جاؤ جو حضرت مغفور کی وفات کے بعد ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور اس بات سے خوف کرو کہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جن کی نسبت یہ ارشاد آلہی صادر ہوا ہے ––

وکاین من اٰیۃ فی السمٰوات والارض یمرون علیہا وھم عنہا معرضون۔

غیب کی خبروں کا ایسا علم کہ ایک شخص اپنی وفات سے سالوں بعد پیش آنیوالے واقعات کو ایسی صراحت سے اپنی زندگی میں بتا سکے یہ صرف خدا کے سچے برگزیدوں کی نشانی ہے۔ اللہ تعالےٰ سب طالبان حق کو اس حق کی طرف سچی ہدایت فرماوے۔ آمین۔

سالانہ جلسہ :۔ سالانہ جلسہ ۲۵-۲۶-۲۷- دسمبر کو قرار پایا ہے۔ صدر انجمن کی درخواست پر حکام ریلوے نے یہ رعایت ریل کے کرایہ میں منظور فرمائی ہے کہ جو اشخاص ایک سو میل سے زیادہ فاصلہ سے بغرض شمولیت جلسہ آنا چاہیں انکو بشرطیکہ وہ تیسرے درجہ کا ٹکٹ لیں۔ اصل کرایہ سے ڈیوڑھا کرایہ دینے پر آمد ورفت کی اجازت ہوگی۔ اس غرض کیلئے دفتر سکرٹری سے چھپے ہوئے سرٹیفکٹ جاری کیئے جاویں گے۔ ان سرٹیفکٹوں کی خانہ پُری کرکے ریلوے سٹیشن پر دینے سے ڈیوڑھا کرایہ لیکر رعایتی ٹکٹ مل جائیگا۔ اس ٹکٹ کا نصف حصہ بٹالہ اترتے وقت دیدینا چاہیئے اور واپسی کا حصہ اپنے پاس محفوظ رکھنا چاہیئے واپسی کے وقت بٹالہ سٹیشن سے ٹکٹ لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ۲۰- دسمبر سے لیکر ۲۶- دسمبر تک یہ سرٹیفکٹ کام دے سکیں گے۔ ۱۹- دسمبر اور اس سے پہلے یا ۲۷- دسمبر اور اس کے بعد ان سرٹیفکٹوں پر رعائیتی ٹکٹ نہ مل سکیگا۔ اور واپسی کے لیئے دس دن سے زیادہ نہ ملیں گے یعنی جس تاریخ کو ٹکٹ لیا ہو اس سے دس دن کے اندر اندر اسی سٹیشن پر واپس پہنچ جانا ضروری ہوگا۔

انجمنیں آنیوالے احباب کا اندازہ کرکے اور جہاں انجمنیں نہیں ہیں خود وہ احباب بہت جلد دفتر سکرٹری میں اطلاع دیں کہ وہ کس تاریخ بٹالہ سٹیشن پر پہنچیں گے۔ اور کس قدر تعداد میں تاکہ بٹالہ میں اسباب لانے کے لیئے چھکڑوں کا مناسب انتظام کیا جاوے۔ چھکڑوں کا انتظام بٹالہ میں صرف تین دن کے لیئے ہوگا یعنی ۲۴ دسمبر ہفتہ کے دن دس بجے دن کے پہنچنے والی گاڑی سے لیکر ۲۶- دسمبر یعنی پیر کے دن ایک بجے والی

گاڑی تک۔ کیوں کہ ۲۷۔ دسمبر بعد از دوپہر جو احباب، واپس جانے والے ہوں گے ان کے لیئے انتظام کرنا ضروری ہوگا۔ عموماً رات کے دس بجے والی یا دن کے دس بجے والی گاڑی میں پہنچنا زیادہ مفید ہوگا کیونکہ ان گاڑیوں پر پہنچنے والے احباب کے بستر اور سامان شام کے سات آٹھ بجے تک قادیان پہنچ سکیں گے اور جو احباب ایک بجے بٹالہ پہنچیں گے انکے بستر دس گیارہ بجے رات تک بمشکل پہنچ سکتے ہیں۔ اور اس طرح پر انکو تکلیف ہوگی۔ پس عموماً احباب یہ کوشش کریں کہ یا رات کے دس بجے کی گاڑی میں بٹالہ پہنچیں اور یا دن کے دس بجے والی گاڑی میں۔ یکوں پر آنیوالے احباب کو ایسی پابندی کی ضرورت نہیں ہے۔ بٹالہ میں کچھ احباب موجود رہیں گے جو حتی الوسع ہر قسم کی مدد بٹالہ سٹیشن پر دینے کو تیار ہوں گے۔

ایڈورڈ میموریل فنڈ:۔ گذشتہ اجلاس میں مجلس معتمدین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایک ہزار روپیہ اس فنڈ میں صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے پروونشل فنڈ میں دیا جاوے اور دس ہزار روپیہ ہسپتال کی تعمیر میں لگایا جاوے۔ اس لیئے سب احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ بہت جلد اس روپیہ کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ کل گیارہ ہزار روپیہ جمع ہو جانا ضروری ہے تاکہ روپیہ بھی دیا جاوے اور ہسپتال کی تعمیر کا کام بھی شروع ہو جائے۔

کانفرنس انجمنہائے احمدیہ:۔ کانفرنس انجمنہائے احمدیہ ایام جلسہ میں ہوگا۔ ذیل کے دو امور کا اس کانفرنس میں پیش کیا جانا مجلس معتمدین نے منظور کیا ہے۔ اگر اور کوئی تحریک کوئی صاحب اس کانفرنس میں پیش کرنا چاہتے ہوں تو اسکی اطلاع دفتر سکرٹری میں دیں۔ دو امور یہ ہیں۔

(۱) ہر ایک انجمن یہ کوشش کرے کہ اس کے سب ممبر کم از کم بحساب دو پیسے فی روپیہ اپنی ماہوار آمد میں سے بطور چندہ مدات لنگر خانہ۔ ہائی سکول۔ اشاعت اسلام و مدرسہ احمدیہ کے اخراجات کو چلانے کیلیئے باقاعدہ ادا کریں۔ اور ایسے معاونین کی تعداد کو دس ہزار تک پہنچانے کی کوشش کی جاوے۔

(۲) جن انجمنوں نے ابتک پابندیٔ قواعد کی طرف توجہ نہیں کی۔ انکو قواعد چلانے کیلئے کیا کارروائی کی جاوے۔

حسب رزولیوشن ۱۵۰ جماعت احمدیہ سانگلہ کی درخواست کے مطابق مجلس معتمدین نے یہ منظور کیا ہے کہ حکیم محمد صالح صاحب ضلع لائل پور اور گوجرانوالہ کے مضافات سے چندہ وصول کریں جس کے لیئے انکو رسید بکیں دیجاوینگی ہر ایک رقم جو وہ وصول کریں لازم ہوگا کہ اس کی رسید اپنے دستخطوں سے معطی کو دیں اور رسید کی ایک نقل مثنے پر رہے یہ تمام رسیدوں کے مثنے وہ ہر ماہ کے اخیر پر دفتر سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان میں مع تفصیل حساب کہ اس قدر روپیہ سارے مہینہ میں وصول ہوا ہے بھیجدیا کریں لہٰذا احباب کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ وصول چندہ میں ان کی امداد کرکے مشکور فرماویں۔

محمد علی
سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

نوٹ اور رائیں۔

مسیحی ملکوں میں مسیحی مذہب کا زوال۔

شہر نیویارک کا اخبار آؤٹ لک لکھتا ہے کہ گرجا سے غیر حاضر رہنے والے مسیحیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ ذیل میں ہم بعض اُن وجوہات کا ذکر کرتے ہیں جو خود غیر حاضر رہنے والے مسیحیوں نے بیان کی ہیں۔ ایک ہاورڈ کلاس کے سکرٹری نے اپنی پندرہ سالہ رپورٹ تیار کرنے سے پہلے تمام ممبروں سے بند لفافوں میں یہ سوال کیا کہ وہ گرجا جانے سے کیوں پرہیز کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ جتلا دیا کہ کسی کا نام رپورٹ میں ظاہر نہیں کیا جاویگا اس لیئے ہر ایک اُن میں سے بلا تکلف اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے۔ ۰۰ ۵ سو کچھ زیادہ ممبروں سے جن کا نام فہرست میں درج تھا سوال کیا گیا جن میں سے ۳۷۰ آدمیوں نے جواب بھیجا۔ بعض نے تو صرف یہ وجہ بیان کی کہ وہ ایک فرقہ کو چھوڑ کر دوسرے فرقہ میں شامل ہوگئے ہیں مگر اکثر نے اور ہی وجہ بیان کی۔ ایک بڑی تعداد نے یہ جواب دیا کہ "ہمارا کوئی مذہب نہیں" یا یہ کہ ہماری غیر حاضری کی وجہ یہ ہے کہ "ہم اپنا

ایک ذاتی مذہب رکھتے ہیں۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ ہم کسی گرجے کے ممبر نہیں ہیں۔ بعض کے جواب استہزاء کے رنگ میں تھے مثلاً یہ کہ "باقاعدہ حاضر ہونے میں ایک قسم کا ریا پایا جاتا ہے"۔ "مجھے گرجا جانے کی بالکل عادت نہیں رہی"۔ "گرجا جانے کی نسبت مجھے ٹینس کھیلنے سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے"۔ "میں ایک بے چین دل کا شکار نہیں ہوں"۔ "گرجا کی عبادت سے انسان تھک جاتا ہے"۔ "گرجا کی عبادت کیلئے مناسب وقت مقرر نہیں"۔ دوسری قسم کے جواب وہ ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجیب گرجا جانے کو صرف ایک دل لگی سمجھتے ہیں۔ ایک لکھتا ہے۔ "کسی سبب سے گرجا اور اس کی تعلیم میرے لیئے دلچسپی کا موجب نہیں ہیں"۔ "اب مجھے اس قدر دلچسپی پیدا نہیں ہوتی جتنی کہ پانچ سال قبل ہوتی تھی"۔ "گرجا کے اصول اور عبادات میرے دل پر کوئی اثر نہیں کرتے"۔ "گرجا میں کوئی ایسی کارروائی یا تقریر نہیں کی جاتی جس سے میرے دل میں کوئی دلچسپی پیدا ہو"۔ "پادری صاحب کا وعظ اور انکے مسائل میرے لیئے کسی دل لگی کا موجب نہیں ہوتے"۔ "پادری ادنیٰ درجہ کے لوگ ہیں"۔ "پادری کے برخلاف میرے دل میں تعصب ہے"۔ تیسری قسم کے جواب وہ ہیں جنہیں دلائل سے کام لیا گیا ہے اور بعض انہیں سے حقارت سے بھرے ہوئے ہیں۔ مثلاً "گرجا جانا ضروریات زندگی میں سے نہیں ہے"۔ "آیندہ کی زندگی یا خدا کے وجود سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں"۔ "تمام گرجاؤں کی بنا غلطیوں پر ہے"۔ "جب اتوار کی عبادت ایک اوسط درجہ کے آدمی کے لیئے مفید ہوگی تو میں بھی حاضر ہوا کرونگا"۔ "گرجا کی قابلیت یا خوبی پر اب مجھے بہت کم اعتقاد ہے"۔

اخبار مذکور لکھتا ہے کہ یہ جوابات خاص وجوہ سے زیادہ تر قابل توجہ ہیں۔ اول انہیں کسی خاص یا مقامی گرجے کا ذکر نہیں بلکہ عام طور پر ہر ایک قسم کے گرجوں سے نفرت ظاہر کی گئی ہے یہ جوابات ملک کے مختلف حصوں سے بھیجے گئے۔ دوم۔ ان جوابات میں کوئی بناوٹ نہیں پائی جاتی ہے بلکہ جواب دینے والوں کے اندرونی خیالات کا صحیح صحیح نقشہ پیش کرتے ہیں۔ سوم۔ یہ جاہل لوگوں کے جواب نہیں ہیں اور نہ ہی نوجوانوں کے جواب ہیں بلکہ تعلیم یافتہ اور اچھی عمر والے لوگوں کے خیالات ہیں۔ بہت سے انہیں سے ایسے لوگ ہیں جو اہل و عیال رکھتے ہیں۔ چہارم۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو قوم میں ایک حیثیت اور عزت رکھتے ہیں۔ اور اہل الرائے لوگوں میں سے ہیں ۀ

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے | لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

مذاہب عالم پر نظر

(جلد ۱۰)

از جنوری سنہ ۱۹۱۱ء تا دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء

ایڈیٹر۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل بی

اسسٹنٹ ایڈیٹر مولوی شیر علی صاحب بی۔ اے

چندہ سالانہ عا

طلبا سے عہ

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ⁂ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ | بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۱

چندہ سالانہ — عوام سے ۲ ع — طلبا سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - جنوری سنہ ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ینابیع الاسلام پر ریویو حصہ ششم

عربی سرچشمے

ینابیع الاسلام کا مصنف صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی مضامین اور اسلامی اصول یہود۔ نصاریٰ۔ اور اہل فارس سے سیکھے بلکہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مضامین خود اہل عرب سے بھی حاصل کیے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "چوں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خیال کرو کہ جمیع عادات و رسوم اہل عرب جز بت پرستی و شرک و قتل دختران شان و بعضے چیز ہائے قبیح دیگر مثل اینہا از ایام حضرت ابراہیم میان اعراب حفظ کردہ شدہ بود پس بسیارے ازاں عادات و رسوم دینی و اخلاقی را در دین خود نگاہ داشت ..... بعضے از ایشاں از یقطان (قحطان) و بعضے از فرزنداں قطورہ زوجہ دوم حضرت ابراہیم و بعضے از حضرت اسمٰعیل ابن ابراہیم پدید آمدہ بودند کہ میان اینہا خود قوم قریش ازآں سبب مشہور ہستند .... وقتیکہ تقریباً جمیع اقوام و طوائف دیگر جز اہل یہود وحدانیت ذات پاک الٰہی را بالکل فراموش کردند۔ آنگاہ سکنہ ولایتہائے شمالی و مغربی جزیرہ عرب آں عقیدہ را محکم نگاہ داشتند.... و ایں کہ ایں لقب خدائے عزوجل قبل از ایام حضرت محمد میان اہل عرب مشہور و منتشر بود از معلقات سبعہ آں شعرائے عرب کہ قبل از تولد وے یا اقلاً قبل از بعثت آنحضرت (صلعم)

ریسہ ... ند پدید مے آید ازیں روکہ ایشاں اکثر اوقات اسم اللہ را ذکر کردہ اند ....عقیدہ وحدانیت الٰہی میان عرب ہرگز فراموش نشدہ بود...... و عربان جاہلیت چیزہائے مے کردند کہ شریعت اسلام آنہا را جاری ساخت زیرا مادران و دختران خود را بزنی نمیگرفتند و نزد ایشاں نکاح کردن دو خواہر چیز بسیار زشت شمردہ مے شد و آں شخص کہ بازن پدر عروسی کردہ باشد دشنام دادہ ویرا ضیزن مے نامیدند۔ و حج بیت را نمودہ وعمرہ بجائے مے آوردند... و بعد از جنابت غسل مے کردند وغیرہ وغیرہ'' پس اہل عرب عبادت خدائے تعالیٰ را تا بایام حضرت محمد نگاہداشتہ مقر وحدانیت ذات اقدس الٰہی بودند۔ ..... حاصل کلام اینکہ ینبوع اول دین اسلام آں عادات و رسوم و عقائد مذہبی بودہ است کہ در ایام حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میان طوایف عرب وخصوصاً میان قریش معمول و متداول مے بود'' یعنی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خیال تھا کہ اہل عرب کی تمام عادات اور رسومات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے محفوظ چلی آتی ہیں سوائے بُت پرستی۔ شرک۔ دختر کشی اور بعض دیگر قبیح رسوم کے۔ اس لیئے آپ نے اہل عرب کے بہت سے مذہبی خیالات اور رسومات کو اپنے مذہب میں قائم رکھا اہل عرب میں سے بعض قحطان کی اولاد تھے۔ بعض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھی انکی بیوی قطورہ میں سے۔ اور بعض حضرت ابراہیم کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی اولاد تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں قریش کی قوم سب سے زیادہ مشہور تھی۔ ایسے وقت میں جبکہ دنیا کی قومیں سوائے یہود کے خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کو فراموش کر چکی تھیں اُس وقت میں بھی عرب کی شمالی و مغربی قومیں توحید کے عقیدہ پر قائم تھیں۔ اور قصائد سبعہ معلقہ سے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی یا کم از کم آپ کی بعثت سے پہلے تصنیف ہو چکے تھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ (اللہ) کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اہل عرب میں مشہور تھا۔ کیونکہ انکے شعروں میں اللہ تعالیٰ کا نام بہت دفعہ آیا ہے۔ غرض وحدانیت الٰہی کا عقیدہ اہل عرب میں بالکل فراموش نہیں ہوا تھا..... اہل عرب میں بہت سی ایسی باتوں کا رواج تھا جو اب اسلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً وہ اپنی

بیٹیوں اور ماؤں سے نکاح نہیں کرتے تھے اور دو بہنوں سے ایک ہی رشتہ میں نکاح
کرنا بھی اُنکے ہاں معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اور جو شخص۔ اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرتا اُسے
ضیزن کہتے تھے اور لفظ بطور گالی کے استعمال کیا جاتا تھا۔ اہل عرب حج بھی کرتے تھے اور
عمرہ بھی ادا کرتے تھے۔ جنابت کے بعد غسل بھی کرتے تھے۔ اور ایسے ہی اور بہت سی
رسوم اُن میں پائی جاتی تھیں جو اب اسلام میں داخل ہیں مثلاً ختنہ کرنیکی رسم وغیرہ وغیرہ۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ دین اسلام کا ایک سرچشمہ وہ عبادات۔ اعتقادات اور رسومات ہیں جو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اہل عرب میں پائی جاتی تھیں"۔

یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ پادری صاحب نے یہ امر ثابت کرنیکے لئے اس قدر محنت کیوں اُٹھائی
ہے کہ اسلام میں جو توحید کا عقیدہ سکھایا گیا ہے اور نکاح کے لئے بعض قیود قائم کئے
ہیں اور ایسے ہی بعض اسلامی رسمیں مثلاً ختنہ وغیرہ یہ اسلام سے پہلے اہل عرب میں بھی
پائے جاتے تھے۔ اُس کا مدعا تو یہ ثابت کرنا تھا کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں
اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ سچے نبی نہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
بعثت سے پہلے اہل عرب توحید کے عقیدہ سے بے خبر نہ تھے اور اگر وہ ختنہ کی رسم ادا کرتے
تھے اور اگر وہ نکاح کے متعلق بعض قیود کے پابند تھے تو اس سے یہ کسطرح ثابت ہوا کہ
قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی نہیں۔
کیا اُس کا یہ مطلب ہے کہ عرب کے ملک میں جو کلام الٰہی نازل ہوتا۔ اُس میں توحید کی تعلیم کا
نام و نشان نہیں ہونا چاہیئے تھا اور نہ اُن بعض عقاید صحیحہ اور اعمال پاکیزہ کا کچھ بیان ہونا
چاہیئے تھا جن پر اہل عرب پہلے ہی سے کاربند تھے۔ کیا پادری صاحب کے نزدیک آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اس لیئے سچے نبی نہیں ہو سکتے کہ انہوں نے ختنہ کو جاری رکھا جس پر
اہل عرب کا پہلے ہی عمل تھا۔ کیا اُس کے نزدیک عرب کے نبی کو مناسب نہیں تھا کہ وہ توحید
کی تعلیم دیتا۔ کیونکہ اہل عرب وحدانیت الٰہی سے بے خبر نہ تھے؟ کیا پادری صاحب کے
نزدیک عرب کے نبی کو بجائے توحید کے کوئی اور نئی تعلیم پیش کرنی چاہیئے تھی؟ اگر عرب
میں نازل ہونیوالی کلام الٰہی میں بھی ضرور توحید کی تعلیم ہونی چاہیئے تھی تو پھر پادری صاحب

قرآن مجید پر کیوں اعتراض کرتے ہیں اگر عرب کے نبی کے لئے ضروری تھا کہ وہ ختنہ کا حکم دیتا تو پھر پادری صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے ختنہ کی رسم کو قائم رکھا۔ ملک عرب میں توحید کے عقیدہ کا موجود ہونا یا ختنہ کی رسم اور بعض دیگر اسلامی اعمال کا موجود ہونا ہرگز اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ سچے نبی نہیں۔ جب تک یہ نہ دکھایا جاوے کہ عرب کی الہامی کتاب میں یہ تعلیم نہیں ہونی چاہیئے تھی اور عرب کے نبی کو نہیں چاہیئے تھا کہ ان تعالیم اور اعمال کو اپنے مذہب میں داخل کرتا۔ جب خود پادری صاحب کے عقیدہ کے مطابق ایک سچی الہامی کتاب میں توحید کی تعلیم ہونی چاہیئے تھی اور سچے نبی کے لئے ضروری تھا کہ وہ توحید کی طرف بلاتا اور ایسا ہی ختنہ وغیرہ رسومات کو جائز ٹھہراتا خواہ ان تعالیم اور اعمال کا وجود پہلے ہی ملک عرب میں بطور نشان کے پایا جاتا تو پھر پادری صاحب قرآن مجید پر کیوں اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں وہ تعالیم پائی جاتی ہیں جن کا وجود پہلے بھی موجود تھا۔ کیا عرب کے الہامی کلام میں توحید کی تعلیم نہیں ہونی چاہیئے تھی؟ کیا عرب کے نبی کو نکاح وغیرہ کے لئے قیود قائم نہیں کرنے چاہیئے تھے؟ جب قرآن شریف نے وہی تعلیم دی جو ایک الہامی کتاب میں لابدی طور پر ہونی چاہیئے تھی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی امور کو جائز یا ناجائز ٹھہرایا جو ایک سچے نبی کو جائز یا ناجائز ٹھہرانے چاہیئے تھا تو پھر معلوم نہیں کہ پادری صاحب کیوں اس قدر زور لگاتے ہیں کہ توحید کی تعلیم عرب میں پائی جاتی تھی اور ختنہ پر بھی عمل ہوتا تھا اور بعض مسائل متعلقہ نکاح پر بھی اہل عرب کاربند تھے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسا کرنے سے پادری صاحب کی کونسی غرض پوری ہوتی ہے۔ ان تعالیم اور اعمال کا ملک عرب میں پہلے سے موجود ہونا صرف ایک ہی صورت میں پادری صاحب کے لئے مفید ہو سکتا تھا اور وہ صورت یہ ہے کہ پادری صاحب یہ ثابت کرتے کہ یہ تعالیم ایسی ہیں کہ ایک الہامی کتاب میں ان کا وجود نہیں ہونا چاہیئے تھا اور ایک نبی کی شان کے لائق نہیں

تھا کہ وہ ان ہدایات کو جاری کرتا۔ جبکہ کوئی الہامی کتاب ایسی تعالیم سے خالی نہیں ہوسکتی تھی اور کوئی ایسا رسول نہیں ہوسکتا تھا کہ توحید وغیرہ تعالیم پر زور نہ دیتا تو پھر پادری صاحب کی عقل پر تعجب آتا ہے کہ وہ انہی امور کو جو لابدی طور پر ایک الہامی کتاب کے اندر پائے جانے چاہیئے تھے اور ایک نبی کی تعلیم میں شامل ہونے چاہیئے تھے پادری صاحب انہی امور کو اپنے اس دعوے کی تائید میں بطور ثبوت کے پیش کر رہے ہیں کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے رسول نہیں۔ پادری صاحب کی سمجھ پر افسوس آتا ہے کہ وہی امور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت ہیں وہ انہی امور کو آپ کی عدم صداقت کے ثبوت میں پیش کر رہا ہے۔ مَیں پھر پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا ایک الہامی کتاب میں توحید کی تعلیم نہیں ہونی چاہیئے تھی؟ اگر اُن میں کچھ انصاف کا حصہ ہے تو وہ یقیناً یہ شہادت دینگے کہ الہامی کتاب میں ضروری تھا کہ توحید کی تعلیم ہوتی۔ جب ایک الہامی کتاب توحید کی تعلیم سے اور دوسرے مسائل مثلاً قیود نکاح وغیرہ جن کا ذکر پادری صاحب کرتے ہیں خالی نہیں ہوسکتی تھی تو پھر کیا ضروری نہیں تھا کہ قرآن مجید میں جو الہامی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یہ تعالیم پائی جاتیں جب قرآن مجید کے الہامی ہونے کیلئے ضروری تھا کہ اُس میں یہ تعالیم ہوتیں اور جب وہ ان تعالیم سے کسی طرح خالی نہیں ہوسکتا تھا بلکہ ضروری تھا کہ وہ ان تعالیم پر خصوصیت سے زور دیتا تو پھر پادری صاحب کیوں بیہودہ طور پر زور لگا رہے ہیں کہ قرآن مجید میں ان تعالیم کا ہونا اُس کے انسانی کلام ہونے کا ثبوت ہے۔ ہاں وہ اُس صورت میں یہ زور دے سکتے تھے جب وہ یہ ثابت کرتے کہ یہ بُری تعالیم ہیں اور ایک الہامی کتاب کو ایسی تعالیم سے پاک ہونا چاہیئے تھا مگر وہ ایسا ثابت نہیں کر سکتے بلکہ یہ ایسی تعالیم ہیں کہ ایک الہامی کتاب ان سے خالی نہیں ہوسکتی تھی اور اس طرح قرآن مجید میں ان تعالیم کا ہونا اُس کے الہامی ہونیکا ایک یقینی ثبوت ہے مگر پادری صاحب کی عقل کو دیکھئے کہ وہ اسی امر کو قرآن شریف کے غیر الہامی ہونیکا ثبوت خیال کرتا ہے۔

اس امر کو زیادہ واضح کرنے کیلئے مَیں پادری صاحب کی توجہ توریت کے دس

احکام کی طرف پھیرتا ہوں۔ پادری ٹسڈل ان دس احکام کو خدائے تعالیٰ کا یقینی کلام سمجھتا ہے بلکہ وہ اُن کو خداوند خدا کی اپنی اُنگلیوں کی نوشت یقین کرتا ہے۔ اب اُن دس احکام میں لکھا ہے کہ خداوند خدا واحد خدا ہے اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پھر لکھا ہے کہ کسی کا خون نہ کیا جائے۔ زنا نہ کیا جاوے۔ چوری اور جھوٹی گواہی سے پرہیز کیجاوے۔ پڑوسی کی بیوی یا اُس کے مال کا لالچ نہ کیا جاوے۔ ماں اور باپ کی عزت کی جاوے اب میں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان احکام کے نزول سے پہلے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور اُن کی قوم ان تعلیمات سے بے خبر تھے۔ کیا اُن کو خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کا علم نہ تھا؟ کیا وہ ناحق کسی انسان کا خون کرنا جائز سمجھتے تھے؟ کیا اُنکے نزدیک زنا۔ چوری اور جھوٹی گواہی جائز تھے؟ کیا وہ پڑوسی کی بیوی اور اُسکے مال کو لینا جائز سمجھتے تھے؟ کیا وہ ماں باپ کی ہتک کرنا موجب ثواب سمجھتے تھے؟ مگر باوجود اسکے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون اور اُن کی قوم کو پہلے ہی سے ان سب امور کا علم تھا اور جو چیزیں ان احکام میں ناجائز ٹھہرائی گئی ہیں وہ پہلے ہی سے ان کو ناجائز سمجھتے تھے مگر پھر بھی پادری ٹسڈل صاحب ان کو خداوند خدا کا کلام سمجھتا ہے۔ پس اگر خدائے تعالیٰ ان احکام کو بذریعہ وحی نازل کرسکتا تھا باوجودیکہ بنی اسرائیل کو پہلے سے ان امور کا علم تھا تو کیا وہی خدائے تعالیٰ قرآن مجید میں توحید کی تعلیم اور نکاح کے احکام کو نازل نہیں کرسکتا تھا خواہ یہ مان بھی لیا جاوے کہ اہل عرب کو ان امور کا پہلے سے علم تھا۔

مگر سچ یہ ہے کہ جس خدا کو قرآن شریف نے پیش کیا ہے عرب کے رہنے والے اُس خدا سے محض بے خبر تھے۔ پادری ٹسڈل لکھتا ہے کہ عرب کے رہنے والے اللہ کے نام کو جانتے تھے اور اُن کے شعراء کی تصانیف میں یہ نام کثرت سے پایا جاتا ہے مگر صرف یہ امر کہ عرب کے رہنے والے ایک اعلیٰ ہستی کو مانتے تھے جس کو وہ اللہ کے نام سے پکارتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے چنداں مفید نہیں ہوسکتا تھا مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا جب پادری ٹسڈل کہتا ہے کہ خدا کی ہستی کا خیال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب سے سیکھا

کیا اُس کی یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود فطرتی طور پر خدا کی ... اور اگر آپ کے ہم عصر مشرکین کا وجود نہ ہوتا تو آپ ہستی باری کے علم سے محض بے خبر رہتے ؟ صرف اس امر کیلئے کہ خدا ہے آپ کو کسی ہم عصر کی امداد کی ضرورت نہ تھی۔ یہ امر تو ہر ایک سلیم الفطرت انسان کے دل پر لکھا ہوا ہے اور یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک فطرت کے صفحہ پر بھی نہایت صفائی سے لکھا ہوا تھا۔ مگر خدائے تعالیٰ کے صفات اور اس کے حقوق کی تفصیل ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا پورا پورا علم بغیر وحی الٰہی کی امداد کے کامل طور پر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اہل عرب کو ضرور اس بات کا علم ہو گا کہ ایک اعلیٰ ہستی ہے جس کا نام اللہ ہے مگر وہ اُس ہستی کی قدرت۔ اُس کے علم۔ اُس کی قدوسیت اور اُسکی دیگر صفات سے بے خبر تھے اور وہ اُن حقوق خداوندی کو نہیں جانتے تھے جو انسان کے ذمہ ہیں۔ اس لیئے اس امر کے جانچنے کیلئے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب سے کچھ اخذ کیا ہمیں صرف ہستی باری پر بس نہیں کرنی چاہیئے بلکہ صفات باری پر بھی غور کرنا چاہیئے اور اُن حقوق الٰہی پر جو انسان کے ذمہ ہیں اور اُس رشتہ پر جو انسان کو خدا کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ یہ ایسے امور ہیں کہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہموطنوں سے کسی قسم کی امداد کی اُمید نہیں کر سکتے تھے۔ ناظرین کو اُس نقشہ پر غور کرنا چاہیئے جو قرآن شریف نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا کھینچا ہے۔ جو تصویر خدائے تعالیٰ کی قرآن شریف میں کھینچی گئی ہے وہ کیسی خوبصورت ہے۔ کیسی حسین ہے۔ کسطرح ہر ایک نقص سے پاک ہے۔ کسطرح ہر ایک خوبی اپنے اندر رکھتی ہے۔ چینی جنرل گارڈن کا مشہور قول کیسا سچا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "میں ایک مسلمان کو پسند کرتا ہوں۔ وہ اپنے خدا کی وجہ سے شرمندہ نہیں ہوتا" کیا وجہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے خدا کے سبب سے شرمندہ نہیں ہونا پڑتا۔ وجہ صاف ہے۔ اُس کا خدا ہر ایک عیب سے پاک ہے اور ہر ایک خوبی اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مسلمان کسی مجلس میں اپنے خدا کو پیش کر کے شرمندہ نہیں ہوتا بلکہ اُس کا خدا ایسا ہے کہ ہر ایک مجلس میں فخر کے ساتھ وہ اُس کو پیش کر سکتا ہے۔ نہ اُس کا خدا ایسا کمزور ہے کہ وہ روح۔ یا مادہ کے پیدا کرنے

سے ... نہ ایسا محدود ہے کہ ایک انسان کی شکل میں ڈھل سکے اور وہ اس سے پاک ہے کہ کسی عورت کے پیٹ میں داخل ہو اور عام انسانی بچوں کی طرح چلاتا ہوا ایک ماں کے پیٹ سے نکلے یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنے خدا کی وجہ سے کبھی نہیں شرماتا۔ راڈول مترجم قرآن لکھتا ہے " ہم اس امر کا اقرار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی جو تصویر قرآن نے اُس کی قدرت۔ اُس کے علم۔ اُس کی عالمگیر ربوبیت اور اُس کی وحدانیت کے لحاظ سے کھینچی ہے اُس کی وجہ سے قرآن مجید نہایت ہی اعلیٰ تعریف کا مستحق ہے۔ ربّ السمٰوٰت والارض۔ پر جو بھروسہ اور ایمان قرآن مجید میں پایا جاتا ہے وہ نہایت گہرا اور سرگرم ہے "

قرآن مجید میں جو نقشہ صفات باری کا پیش کیا گیا ہے اُس کو دیکھکر صاف یہ نتیجہ نکلتا کہ ایسا نقشہ نہ عرب والوں سے حاصل کیا گیا اور نہ کسی اور انسانی چشمہ سے اخذ کیا گیا بلکہ یہ نقشہ خود خدائے تعالیٰ کی وحی نے کھینچا ہے۔

حجر اسود پادری صاحب لکھتے ہیں " اما عادت بوسیدن حجر الاسود کہ بت پرستان قدیم آنرا بدانطور عبادت مے کردند چونکہ آنرا یکے از سنگہائے بہشت مے انگاشتند آں عادت نزد اہل عرب چناں پسند آمدہ بود کہ حضرت محمد نتوانست ایشاں را ازاں رسم ممانعت نماید وازاں جہت است کہ حاجیاں تا بحال آں سنگ را مے بوسند "

یعنی اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کی تمام بت پرستیوں کو ترک کر دیا مگر حجر اسود کے چومنے کی عادت کو ترک نہ کیا جس کی قدیم بت پرست اس طریق سے عبادت کرتے تھے۔ چونکہ اس پتھر کو وہ بہشتی پتھر سمجھتے تھے اس لیئے یہ عادت اُنکو اس قدر مرغوب تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عادت کو روک نہیں سکتے تھے۔ اس لیئے حاجی لوگ ابتک اس پتھر کو بوسہ دیتے ہیں۔ اوّل تو پادری صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ بوسہ دینا عبادت میں شامل نہیں۔ کیا پادری صاحب نے اپنے بچوں کو کبھی بوسہ نہیں دیا ؟ تو پھر کیا ہمیں کہنا چاہیئے کہ پادری صاحب اپنے بچوں کی عبادت یا پرستش یا پوجا یا ورشپ کرتے ہیں ؟ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ مرد اپنی منکوحہ بیوی کی پرستش کرتا ہے ؟ بلکہ بوسہ کے لیئے تو مسیحی

صاحبان کے نزدیک نکاح کی شرط ضروری نہیں۔ وہ تو غیر محرم عورت سے بھی پاس محبت کا بوسہ لینا جائز سمجھتے ہیں۔ تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسیحی صاحبان ہر ایک عورت کی پرستش جائز سمجھتے ہیں خواہ وہ عورت محرم ہو یا غیر محرم؟ پادری صاحب بتلائیں کہ عبادت کی کیا تعریف ہے؟ عبادت میں تین چیزیں شامل ہیں (۱) حمد اور تعریف جسے ہندو لوگ اُستُتی کہتے ہیں (۲) دعا جسے ہندو پرارتھنا کہتے ہیں (۳) دھیان جسے ہندو اُپاشنا کہتے ہیں۔ حجر اسود کے متعلق ان تینوں چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں کی جاتی۔ مسلمان نہ اُس کی تعریف کرتے ہیں۔ نہ اُس سے کوئی دعا مانگتے ہیں اور نہ اُس کا دھیان کرتے ہیں۔ کسی اسلامی عبادت میں اس پتھر کا ذکر بھی نہیں۔ بلکہ خود مکہ کا بھی کسی عبادت میں ذکر نہیں۔ مسلمان اس پتھر سے نہ کسی سزا کا خوف رکھتے ہیں اور نہ کسی انعام کی اُمید رکھتے ہیں۔

پیشتر اس کے کہ میں یہ بیان کروں کہ یہ پتھر کعبہ میں کیوں رکھا گیا اور اُس کے چومنے میں کیا سر ہے میں یہ ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ پادری صاحب نے یہ جھوٹ بولا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کے چومنے یا چھونے کو اس لئے نہیں روکا کہ اہل عرب اس پتھر سے سخت محبت رکھتے تھے اور آپ کو خوف تھا کہ اگر آپ اس پتھر کے بوسہ دینے کو روکیں گے تو لوگ منحرف ہو جاوینگے اور آپ کا کہنا نہیں مانیں گے۔ جو شخص ایسا کہتا ہے وہ نابینا ہے اور وہ اُس تبدیلی کو نہیں دیکھتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے آپکے اتباع میں پیدا کر دی تھی۔ ایسا کہنے والا نہیں جانتا کہ آپکے اتباع آپ کی تعلیم کی برکت سے توحید کے کیسے فدائی ہو گئے تھے اور ہر ایک رنگ کے شرک اور غیر اللہ کی پرستش سے کیسے متنفر ہو گئے تھے۔ جس قدر پہلے شرک اور بُت پرستی سے اُنکو محبت تھی اُس سے بڑھکر اب اُنہیں اِن چیزوں سے نفرت تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حجر اسود کو چومتے ہوئے نہ دیکھتے تو وہ خود بخود اس پتھر کا چومنا ترک کر دیتے خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو ایسا کرنے کا حکم بھی نہ دیتے۔ اب اگر مسلمان اُسے چومتے ہیں تو وہ اس لئے نہیں چومتے کہ اُن کو اس پتھر سے کوئی مشرکانہ محبت ہے

بلکہ صرف اس لیئے چومتے ہیں کہ اُن کے نبی نے ایسا کیا۔ وہ اپنے نبی کے ایسے فدائی ہیں کہ آپ کے ہر ایک فعل کی پیروی کرنا اُن کے روح کی غذا ہے۔ جو لوگ حجر اسود کی پرستش کا الزام مسلمانوں کے ذمہ لگاتے ہیں انکو چاہیئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشہور قول پر غور کریں۔ آپ نے حجر اسود کو چوم کر فرمایا انی اعلم انك حجر لا تضر ولا تنفع و لولا انی رئیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلك ما قبلتك۔ یعنی میں جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے جو نہ ضرر پہنچانیکے قابل ہے اور نہ کسی کو کچھ نفع پہنچا سکتا ہے اور اگر میں اللہ کے رسول کو (جس پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں اور سلامتی نازل فرمائے) تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں ہرگز تجھے نہ چومتا۔ یہ الفاظ اُس انقلاب کا نتیجہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے آپکے ہم عصروں کے اعتقادات میں پیدا کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کسی شخص نے حجر اسود کو مخاطب کرکے یہ الفاظ نہیں کہے جو حضرت عمرؓ نے کہے۔ یہ الفاظ اُس توحید کی تعلیم کا نتیجہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فائدہ اُٹھانیوالوں کے رگ و ریشہ میں اثر کر گئی تھی اور جس خیال کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِن الفاظ میں اظہار کیا وہ صرف حضرت عمرؓ تک محدود نہ تھا انھوں نے یہ کہکر نہ صرف اپنے دل کے خیال کو ظاہر کیا بلکہ ہر ایک مسلمان کے دل کے خیال کو ظاہر کیا ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں نے حجر اسود کو چوما تو انھوں نے اپنی مرضی کے برخلاف اسے چوما۔ اُنھوں نے اس لیئے اُسے نہیں چوما کہ اُن کو اس پتھر سے مشرکانہ محبت تھی بلکہ اُنھوں نے صرف اپنے آقا اور ہادی کے نمونہ کی پیروی کرنیکے لیئے اُسے چوما۔ ٹسڈل کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو چھونے یا چومنے کی رسم کو اس لیئے جاری رکھا کہ لوگوں کی شدید محبت کی وجہ سے وہ اُسے روک نہیں سکتے تھے مگر واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ آپ نے لوگوں کے خیالات میں ایسی عجیب تبدیلی پیدا کر دی تھی کہ اگر آپ چومکر اُن کے لیئے ایک نمونہ قائم نہ کر دیتے تو لوگ خود بخود اس کا چومنا ترک کر دیتے۔ آپ نے حجر اسود کے چھونے یا چومنے کے فعل کو اس لیئے قائم نہیں رکھا کہ لوگوں کو اس سے شدید محبت

تھی اور وہ اس فعل کو ترک نہیں کر سکتے تھے بلکہ آپ نے اس فعل کو قائم رکھا باوجودیکہ آپ کی تعلیم کی برکت سے لوگ اس بات کو پسند کرتے کہ یہ فعل ترک کر دیا جاوے۔ آپ نے یہ فعل لوگوں کی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیئے قائم نہیں رکھا بلکہ آپ نے لوگوں کے میلان کے برخلاف اس فعل کو قائم رکھا۔ اس لیئے پادری ٹسڈل کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ آپ نے اس رسم کو اس لیئے جاری رکھا کہ وہ ڈرتے تھے کہ لوگ اس رسم کو کسی صورت میں ترک کرنا پسند نہیں کریں گے۔

اب مَیں اس سوال کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ یہ پتھر کعبہ میں قدیم سے کس غرض سے رکھا گیا تھا اور اس کے چھونے یا چومنے میں کیا راز مخفی تھا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پتھر تصویری زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشگوئی تھی۔ یہ پتھر جو قدیم سے کعبہ میں دھرا تھا یہ اُس پیشگوئی کا نقشہ تھا جو ۱۱۸ زبور آیت ۲۲ و ۲۳ میں لکھی ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا وہی کونے کا سرا ہوا"۔ اہل عرب ایک اَن پڑھ قوم تھے جن کے پاس کوئی الہامی کتاب موجود نہ تھی۔ اس لیئے انکو بجائے تحریری پیشگوئی کے ایک تصویری پیشگوئی ایک پتھر کی شکل میں دی گئی۔ اور قدیم زمانہ میں تحریر کا کام تصویر سے لیا جاتا تھا سو اُسی طریق کے مطابق تصویری زبان میں اُن کو ایک پیشگوئی دی گئی۔ وہ پتھر اُسی نبی کا نشان تھا جس کی خبر یسعیا باب ۲۸۔ آیت ۱۶ و ۱۷۔ زبور ۱۱۸۔ آیت ۲۲ و ۲۳ اور متی باب ۲۱۔ آیت ۴۲۔ ۴۴ میں دی گئی تھی۔ اور وہ پتھر کعبہ کی عمارت کے کونے میں رکھا گیا تھا تا وہ اس بات کا نشان ہو کہ وہ موعود نبی کونے کا سرا ہوگا۔ یہ وہی پتھر تھا جس کی نسبت مسیح علیہ السلام نے فرمایا "کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو راجگیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا یہ خداوند کی طرف سے ہے اور ہماری نظروں میں عجیب"۔ یہ وہی پتھر تھا جس کی نسبت یسعیا نبی نے فرمایا "خداوند یہوداہ یوں فرماتا ہے دیکھو میں صیہون میں بنیاد کے لیئے ایک پتھر رکھوں گا ایک آزمایا ہوا پتھر کونے کے سرے کا۔ ایک مہنگ مولا۔ ایک مضبوط نیو والا پتھر۔ اُسپر جو ایمان لاویگا تاولی

نہ کرے گا۔" ہاں میں کہتا ہوں یہ وہی پتھر تھا جس کو نبوکدنضر نے اپنے مشہور و معروف رؤیا میں دیکھا جس نے مورت پر گر کر اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور پھر وہ ایک بڑا پہاڑ بن گیا۔ (دانیال - ۲ باب) ان پیشگوئیوں کی جو تصویر کعبہ میں بنائی گئی اُس سے بڑھ کر صحیح تصویر بنانا محال ہے۔ ایک پتھر کو کعبہ کے کونے میں رکھا گیا۔ اور پھر اُس کو اُس شہر میں جہاں سے وہ موعود نبی ظاہر ہونیوالا تھا رکھا گیا۔ اور اسطرح وہ پتھر بزبان حال یہ کہہ رہا تھا کہ میں وہ پتھر ہوں جسکی نسبت انبیاءؑ نے یہ گواہی دی ہے کہ وہ پتھر جسے معماروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔ اور میرا کعبہ میں رکھا جانا اس امر کی علامت ہے کہ وہ موعود پتھر اسی شہر سے ظاہر ہوگا۔ پھر اس پتھر کا نام تھا یمین الرحمٰن یعنی رحمٰن کا دایاں ہاتھ اور اُس پتھر کا چھونا یا چومنا اس بات کا نشان تھا کہ جب وہ موعود نبی ظاہر ہوگا تو لوگوں کا فرض ہوگا کہ اُس کے دائیں ہاتھ پر بیعت کریں اور وہ بیعت اُس کے دائیں ہاتھ پر نہیں ہوگی بلکہ یمین الرحمٰن یعنی رحمٰن کے دائیں ہاتھ پر ہوگی۔ چنانچہ اسی کے مطابق اس نبی نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ جو لوگ میرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ میرے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے بلکہ خدائے تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور یہ میرا ہاتھ نہیں ہوتا جو اُن کے ہاتھوں کو اپنے اندر لپیٹتا ہے بلکہ وہ خدائے تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے جو اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا ہے۔ دیکھو قرآن شریف میں کیا لکھا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ یعنی سوائے اس کے نہیں کہ جو لوگ تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ خود اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہوتا ہے (سورہ الفتح - رکوع ۱) تصویری زبان میں پیشگوئیوں کا ہونا خود مسیحی صاحبان کے نزدیک ایک مسلم امر ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ جانوروں کی قربانی کا حکم اس لیئے دیا گیا تھا تاکہ یہ قربانیاں مسیحؑ کی قربانی کا ایک نشان ہوں بلکہ خود ختنہ کی رسم مسیحی صاحبان کے نزدیک ایک ابراہیمی النسل انسان یعنی مریم صدیقہ کے بیٹے کی قربانی کا ایک نشان تھی۔ اخبار کی مندرجہ ذیل عبارت میں جو پولا ہلانے کا ذکر ہے مسیحی صاحبان کے نزدیک یہ مسیحؑ کے قبر سے جی کر اُٹھنے کی ایک تصویری پیشگوئی

تھی۔ وہ عبارت حسب ذیل ہے۔

"پھر خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو فرما اور اُن سے کہہ کہ جب تم اُس زمین میں جو مَیں تمھیں دیتا ہوں داخل ہو اور اُس کا غلہ کاٹو تو تم اپنے غلّے کے پہلے حاصل میں سے ایک پولا کاہن پاس لاؤ اور وہ اُسے خداوند کے حضور ہلاوے تاکہ وہ تمھاری طرف سے قبول ہووے اور سبت کے دوسرے دن صبح کو کاہن اُسے ہلاوے" (احبار ۲۳-۱۰) پولوس ۱- قرنتیوں باب ۱۵ میں لکھتا ہے۔ "پر اب مسیح تو مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے اور اُن میں جو سوگئے ہیں پہلا پھل ہوا" یعنی جس طرح احبار کے رُو سے پہلا حاصل یا پہلا پھل کُل فصل کو پاک کر دیتا ہے اسی طرح مسیح کا جی اُٹھنا جو سبت کے دوسرے دن صبح کو واقع ہوا کُل ایمانداروں کو پاک کر دیتا ہے۔

اسی طرح مسیحی صاحبان کے نزدیک جن ۱۲ بارہ پتھروں کا ذکر یوشع کی کتاب کی مندرجہ ذیل عبارت میں ہے وہ بارہ حواریوں کے لیئے بطور تصویری پیشگوئی کے تھے۔ وہ عبارت حسب ذیل ہے۔ "تب یشوع نے اُن ۱۲ بارہ مردوں کو جنھیں اُس نے بنی اسرائیل میں سے فرقہ پیچھے ایک ایک مرد کر کے تیار کیا تھا بلایا اور یشوع نے انہیں کہا کہ یردن کے بیچ خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کے آگے گذر جاؤ اور ہر ایک تم میں سے بنی اسرائیل کے فرقوں کے شمار کے مطابق ایک ایک پتھر اپنے کاندھے پر اُٹھاوے تاکہ یہ تمھارے درمیان ایک نشان ہو اور جب تمھاری اولاد آئندہ زمانہ میں تم سے پوچھے کہ ان پتھروں سے کیا مراد ہے*

---

* اس سے پایا جاتا ہے کہ اُس زمانہ میں بنی اسرائیل کی تاریخ نہیں لکھی جاتی تھی۔ اسی لیئے اس واقعہ کو قوم میں محفوظ رکھنے کے لیئے ۱۲ بارہ پتھروں کی تجویز اختیار کی گئی۔ یہ پتھر ایک تاریخی واقعہ کو محفوظ رکھنے کیلیئے خیمہ گاہ کے پاس گاڑ دیئے گئے تا یہ واقعہ بطور روایت کے آنیوالی نسلوں تک محفوظ رہے اگر تاریخ لکھنے کا اُسوقت رواج ہوتا تو ایسا نشان رکھنے کی کیا ضرورت تھی پس ثابت ہوا کہ پُرانے عہدنامہ کی موجودہ کتابیں سب یشوع بن نون کے زمانہ کے سالہا سال بعد قلمبند کی گئیں اسلیئے حضرت موسیٰ یا حضرت یشوعؑ کی طرف ان کتابوں کا منسوب کرنا ایک غلطی ہے۔ منہ

تو تم اُنہیں جواب دو کہ یردن کا پانی خداوند کے عہد کے صندوق کے آگے دو حصے ہو گیا تھا کیونکہ اُسی وقت جس میں وہ یردن سے ہو کے گذرا تب یردن کا پانی دو حصے ہوا۔ (یشوع ۴ باب۔ ورس ۶۔۷)

مسیحی صاحبان کی عادت ہے کہ ہر ایک پیشگوئی کو وہ خواہ مخواہ مروڑ تروڑ کر حضرت مسیح ناصری علیہ السلام پر تھوپتے ہیں۔ اسی عادت کے بموجب وہ کونے کے پتھر کی پیشگوئی بھی حضرت مسیح علیہ السلام پر ہی چسپاں کرتے ہیں مگر خود مسیح علیہ السلام کا یہ خیال نہیں تھا۔ باغ کی تمثیل میں وہ پہلے نوکروں کا ذکر کرتے ہیں جن کو باغ کے مالک نے باغبانوں کے پاس بھیجا۔ مگر باغبان اُن نوکروں سے بُری طرح پیش آئے اور باغ کا پھل دینے سے انکار کیا۔ پھر مالک نے اُن باغبانوں کے پاس اپنا بیٹا بھیجا مگر جب مالیوں نے اُس بیٹے کو دیکھا آپس میں کہنے لگے۔ وارث یہی ہے آؤ اسے مار ڈالیں اور انہوں نے اُسے پکڑا اور قتل کر دیا۔ تب مسیح کہتا ہے کہ اس کے بعد مالک اُن مالیوں کو بُری طرح سزا دیگا۔ اور باغ کو اُن سے چھین کر ایک اور قوم کو دیگا جو اُسے موسم پر میوہ پہنچاویں گے۔ مسیح اس تمثیل کو ختم کرنے کے بعد یہود کو مخاطب کر کے کہتا ہے "کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو راجگیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔ یہ خدا کی طرف سے ہے اور ہماری نظروں میں عجیب۔ اس لیئے مَیں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائیگی اور ایک قوم کو جو اُس کے میوے لاوے دیجائیگی۔ جو اُس پتھر پر گرے گا چور ہو جائے گا پر جس پر وہ گرے اُسے پیس ڈالے گا" اس تمثیل میں باغ کا مالک خدائے تعالیٰ ہے اور باغ سے مراد نبوت کا باغ ہے اس باغ کے مالی بنی اسرائیل ہیں جن میں نبوت کا سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ قائم کیا گیا اور اُن کو ایک شریعت دی گئی جس پر وہ عمل کریں اور نیکی کا پھل اپنے مالک کو دیں۔ مالک کے نوکر جو ان مالیوں کی طرف بھیجے گئے اُن سے مراد وہ اسرائیلی نبی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے اور بیٹے سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام ہیں جن کو یہود نے پکڑا اور صلیب پر چڑھا کر مُردے کی طرح کر دیا۔ اسطرح بنی اسرائیل نے اپنے تئیں باغی باغبان ثابت کر دیا۔ اب اس بغاوت کی

سزا کا وقت آیا۔ وہ سزا کیا تھی۔ حضرت مسیحؑ کے قول کے مطابق وہ سزا یہ تھی کہ باغ نبوت
اُن سے چھین لیا جاتا اور **ایک قوم** کو دیا جاتا جو وقت پر اپنے میوے ادا کرتی۔ مسیحؑ کے
الفاظ میں **ایک قوم** کا لفظ قابل توجہ ہے کیونکہ اس سے اس تمثیل کے سمجھنے میں بڑی
مدد ملتی ہے۔ **ایک قوم** کے لفظ سے پایا جاتا ہے کہ وہ باغ ایک خاص قوم کو . . .
دیا جانا تھا نہ کہ عام طور پر کسی قوم کو۔ بنی اسرائیل اپنی بغاوت کی وجہ سے اُس باغ میں سے
نکالے گئے اور وہ باغ ایک ایسی قوم کو دیا گیا جو بنی اسرائیل کی طرح باغی نہیں تھی بلکہ موسم پر
باغ کے میوے اپنے مالک کو دیتی تھی۔ دوسرے۔ اس تمثیل سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ
باغ کا یہ انتقال بیٹے کے مارا جانیکے بعد واقع ہونا چاہیئے تھا۔ پہلے باغبانوں نے اپنے
مالک کے بیٹے کو ذبح کرنیکے بعد اپنے ورثہ کو ضائع کیا اور جیسا کہ باغ کا انتقال بیٹے کے مارا
جانیکے بعد واقع ہوا ایسا ہی مسیحؑ کی پیشگوئی کے رو سے موعود پتھر کا ظہور بھی بیٹے کے
مارا جانے کے بعد ہی ہونا چاہیئے تھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ دوسری قوم کونسی ہے جو
بنی اسرائیل کے بعد نبوت کے باغ کے وارث بنائے گئے اور وہ پتھر کونسا ہے جس کی حضرت
مسیحؑ خبر دیتے ہیں۔ اُس دوسری قوم کی نسبت حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں۔ کہ وہ اپنے مالک کو
موسم پر میوہ پہنچاویگی۔ پس یہ دوسری قوم یقیناً بنی اسمٰعیل کی قوم ہے جن کو حضرت مسیحؑ
کے بعد یا یوں کہو کہ بیٹے کے مارا جانیکے بعد ایک شریعت دی گئی اُس شریعت کی مانند
جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو دی گئی تھی۔ یہ بنی اسرائیل کی طرح باغی
نہیں تھے بلکہ انہوں نے اُس باغ کی خوب حفاظت کی جو اُن کے سپرد کیا گیا۔ مثال کے
طور پر مَیں ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔ باغ نبوت کے پہلے وارثوں یعنی بنی اسرائیل کو
جب کہا گیا یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ یعنی
کنعان کی زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیئے لکھی ہے تو انہوں نے
داخل ہونے سے انکار کیا اور نہایت نامردی سے یہ قابل شرم جواب دیا یٰمُوْسٰۤى اِنَّا
لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا
هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۝ یعنی اے موسیٰ جب تک پہلی قوم اس زمین میں موجود ہے

ہم کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہونگے پس تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور تم دونوں لڑائی کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ مگر جب دوسری قوم کو نبوت کا باغ سونپا گیا اور جب دشمن اُنکے باغ کی تباہی کیلئے ہر طرف سے دوڑا اور اُس نے چاہا کہ اُن کے باغ کو جڑھ سے کاٹ دے۔ اُس وقت اُس چھوٹی سی جماعت کے سردار نے اُن سے بدر کے میدان پر دریافت کیا کہ کیا تم اپنے باغ کی حفاظت کیلئے میرے ساتھ ملکر اس دشمن کا مقابلہ کرو گے تو انہوں نے جواب دیا کہ "ہم تجھے وہ جواب نہیں دیتے جو موسیٰؑ کے ساتھیوں نے موسیٰؑ کو دیا بلکہ ہم تیرے دائیں اور تیرے بائیں۔ تیرے آگے اور تیرے پیچھے دشمن کا مقابلہ کریں گے" غرض کل دنیا گواہ ہے کہ یہ دوسرے باغبان پہلے باغبانوں کی طرح نہیں تھے بلکہ وہ اپنے مالک کے نہایت فرمانبردار تھے اور انکو اُن کی فرمانبرداری کی وجہ سے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ کا سرٹیفکیٹ عطا کیا گیا۔

پتھر کی نسبت لکھا ہے کہ جو اُسپر گرے گا چور ہو جائیگا پر جسپر وہ گرے اُسے پیس دیگا۔ ایسا پتھر یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے یعنی وہ نبی جو عرب کی سرزمین میں شہر مکّہ کے اندر مسیح سے قریباً ۶۰۰ سال بعد مبعوث ہوا۔ وہ ایک ایسا پتھر تھا جس کی نسبت یہ کہنا بالکل درست ہے کہ جو اُسپر گرا وہ چور ہو گیا پر جس پر وہ گرا اس نے اُسے بالکل پیس ڈالا۔ یہ علامت صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے۔ مسیحؑ کی نسبت ایسا کہنا درست نہیں ہو سکتا کیونکہ جب باغی باغبان اُسپر گرے تو بجائے اس کے کہ وہ خود چور ہو جاتے اُنہوں نے مسیحؑ کو چور کر دیا۔ جیسا انگورستان کی تمثیل میں لکھا ہے اُنہوں نے اُسکو پکڑا۔ اور انگورستان سے باہر نکالدیا اور اپنے زعم میں اُس کو قتل کر دیا۔ اس لیے جو کچھ پتھر کی صفت میں لکھا ہے وہ مسیحؑ پر کسی طرح بھی صادق نہیں آسکتا۔ اب اُس کے ساتھ اسمٰعیلی نبی کا مقابلہ کرو۔ جب مدینہ کے یہود اُسپر گرے تو بجائے اس کے کہ وہ اُسے چور کر دیں جیسا کہ اُنہوں نے ۶۰۰ سال قبل مسیحؑ کو چور کر دیا تھا وہ خود چور چور ہو گئے۔ جب ابو جہل مکّہ کے سرداروں کے ہمراہ ایک زبردست فوج لیکر بڑے گھمنڈ کے ساتھ اس لیئے نکلا کہ اس نبی کو چور کر دے اور اُس کی جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُڑا دے تو اُس وقت کیا ہوا۔ خود مسیحی صاحبان

گواہی دینگے کہ بدر کے میدان پر خود ابو جہل بمعہ اپنے ہمراہی سرداروں کے چور ہوا اور اسکی ساری جمعیت پاش پاش ہوگئی۔ ابو جہل بڑے زور سے اُس پتھر پر گرا مگر بجائے اس کے کہ وہ اس پتھر کو کچھ نقصان پہنچائے اُس کا اپنا سر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور یہی حال اُس کے ہم رکاب سرداروں کا ہوا۔ ناظرین! اسوقت مجھے وہ خواب یاد آگیا ہے جو ابولہب کی ہمشیرہ عاتکہ نے مکہ میں بدر کی جنگ سے چند روز پہلے دیکھا۔ وہ ایک رات کیا دیکھتی ہے کہ شہر مکہ پر ایک پتھر گرا ہے اور شہر مکہ کا کوئی گھر ایسا نہیں رہا جس پر اُس پتھر کا ٹکڑا نہ گرا ہو۔ یہ خواب چند روز بعد بدر کی لڑائی کے ذریعہ پورا ہوا۔ مَیں یہاں خود میور کے الفاظ کو نقل کرتا ہوں تا ناظرین کو ایک دشمن کی گواہی سے معلوم ہو کہ شہر مکہ پر اس لڑائی کا کیا اثر ہوا اور پتھر والی خواب کس طرح پوری ہوئی میور لکھتا ہے۔ "جب مکہ میں شکست کی خبر پہنچی تو شہر والوں کے حواس جاتے رہے کچھ عرصہ تک تو جلا دینے والی شرم اور بدلہ لینے کی پیاس نے اُن کو ایسا گنگ کر دیا کہ وہ اپنے درد و الم کا اظہار نہ کر سکے۔۔۔۔ ایک مہینہ اسطرح گذر گیا۔ مگر اس کے بعد وہ اپنے دُکھ زیادہ دیر تک روک نہ سکے اور آخر زمانہ دراز تک رُکے ہوئے درد کی ایک وحشیانہ چیخ تمام شہر سے پھوٹ نکلی۔ کوئی گھر نہ تھا جس میں کسی مقتول یا اسیر کے لیئے آنسو نہ بہائے گئے ہوں اور دانت نہ پیسے گئے ہوں۔ تمام شہر میں صرف ایک ہی گھر تھا جس میں چلّانے کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ لوگوں نے ابو سفیان کی بیوی ہند سے دریافت کیا کہ تُو اپنے باپ عتبہ کے لیئے اور اپنے چچا کیلیئے اور اپنے بھائی کے لیئے کیوں آنسو نہیں بہاتی؟ ہند نے جواب دیا کہ اگر آنسو میرے دل کے درد کو دھو سکتے تو مَیں ضرور آنسو بہاتی مگر ہند کا درد ایسا نہیں کہ آنکھوں کے آنسو اُس کو دھو سکیں۔"

وہ کونسا پتھر تھا جسے عاتکہ نے شہر مکہ پر گرتے ہوئے دیکھا۔ یہ وہی پتھر تھا۔ ہاں یہ وہی پتھر تھا جس کی نسبت حضرت داؤدؑ نے اور حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ جو کوئی اُس پتھر پر گرے گا چور چور ہو جائے گا اور جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔ جب خیبر کے یہودیوں نے آپ کو اور آپ کی جماعت کو عرب کے قبائل کے ساتھ سازش کر کے تباہ کرنا چاہا تو آپ نے خیبر پر حملہ کیا اور جب وہاں جا کر نزول فرمایا تو یہ کلمات پڑھے خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحة قوم فساء

صبح ... دین۔ یعنی خیبر تباہ ہوچکا۔ جب ہم کسی مخالف قوم کے صحن میں اُترتے ہیں تو اُن کے لیئے وہ دن بُرا ہوتا ہے۔ آپکے یہ الفاظ مسیحؑ کے الفاظ کا ترجمہ ہیں کیونکہ مسیحؑ نے آپ کی یہ علامت بیان فرمائی تھی کہ جس قوم پر وہ پتھر گرے اُسے پیس ڈالے گا اس لیئے ضروری تھا کہ ایسا ہوتا۔ یہودیوں نے اُس پتھر کا مزہ چکھ لیا اور انہوں نے اُس پتھر پر گر کر اپنے آپ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس طرح مسیحؑ کے قول کی صداقت پر اپنی ہلاکت کے ساتھ شہادت دی۔ اور یہ شہادت نہ صرف یہود نے دی بلکہ ہر ایک قوم نے جو اُس پتھر پر گری ٹکڑے ٹکڑے ہوکر زبان حال سے اس امر کی شہادت دی کہ یہ وہی موعود پتھر ہے جس کی نسبت مسیحؑ نے فرمایا تھا کہ جو اُس پتھر پر گرے گا وہ چُور ہو جائے گا اور جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔

اس قسم کی گواہی دینے والوں میں ایک ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز بھی تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب اُس مغرور بادشاہ کے نام پہنچا تو اُس نے اپنے غرور کے نشہ میں اُس خط کو چاک کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپنے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اسی طرح اُس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس پیشگوئی کا پورا ہونا دنیا کی تاریخ کے صفحہ پر موٹے حروف میں لکھا ہوا اب تک موجود ہے۔ یہ ایسا پتھر تھا کہ جب اُسی خسرو پرویز نے طیش میں آکر یہودیوں کی ترغیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لیئے سپاہی بھیجے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے خبر پاکر اُن سپاہیوں کو خبر دی کہ آج رات میرے خداوند نے تمہارے خداوند کو اُسی کے بیٹے کو اُسپر مسلط کرکے قتل کروادیا ہے۔ چنانچہ وہ سپاہی یہ خبر سنکر واپس عامل یمن کے پاس چلے گئے اور جب اس خبر کا سچا ہونا معلوم ہوا تو وہ عامل بمعہ بہت سے دوسرے لوگوں کے اس معجزہ کو دیکھکر مسلمان ہوگیا۔ غرض اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ نبی جو مکّہ میں ظاہر ہوا وہ درحقیقت ایک ایسا پتھر تھا کہ جو اُسپر گرا چُور ہوگیا اور جس پر وہ گرا اُسے پیس ڈالا۔ جب سے یہ پتھر کی پیشگوئی بنی اسرائیل کے انبیاءؑ نے خدائے تعالیٰ سے الہام پاکر شائع کی کوئی نبی سوائے مکّی نبی فداہ امی وابی کے ایسا ظاہر نہیں ہوا جسپر یہ الفاظ صادق آئیں کہ جو اُس پر گرے گا چُور ہو جائیگا اور جسپر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالیگا۔ صرف ایک ہی نبی ایسا ظاہر ہوا اور وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اسی نبی

کے وقت میں انگورستان پہلے باغبانوں یعنی بنی اسرائیل کے خاندان سے لے لیا جاوے گا اور ایک دوسری قوم یعنی بنی اسمٰعیل کو دیا گیا۔ بنی اسرائیل کا آخری نبی یعنی حضرت مسیحؑ بے شک ماں کی طرف سے اسرائیلی تھے مگر اسرائیلی باپ نہیں رکھتے تھے۔ اُن کا بے باپ ایک اسرائیلی عورتؓ (صدیقہؓ) کے پیٹ سے پیدا ہونا اس بات کا نشان تھا کہ اب نبوّت کا باغ خاندان اسرائیل سے منتقل ہونے کو ہے۔ حضرت مسیحؑ تو صرف ماں کی طرف سے اسرائیلی تھے اور باپ کی طرف سے اسرائیلی نہ تھے مگر جو نبی اُن کے بعد آیا وہ نہ ماں کی طرف سے اسرائیلی تھا اور نہ باپ کیطرف سے اور اسطرح وہ نبوت کا باغ جو صدہا سال تک خاندان اسرائیل کے قبضہ میں رہا اُن سے منتقل ہوکر ایک دوسری قوم کو دیا گیا جو بنی اسمٰعیل کی قوم تھی اور جن کی نسبت قدیم سے توریت میں وعدہ موجود تھا جس کا ذکر مَیں اسوقت بخوف طوالت یہاں نہیں کرسکتا۔ بنی اسرائیل میں ایک ایسے نبی کا پیدا ہونا جو اسرائیلی باپ نہیں رکھتا تھا بنی اسرائیل کے لیئے ایک تنبیہ تھی کہ اب عنقریب نبوّت کا انعام اُن سے چھین لیا جاوے گا۔ بغیر باپ کے ایک نبی کا پیدا ہونا الٰہی ناراضگی کا ایک نشان تھا کیونکہ اس سے پایا جاتا تھا کہ اب بنی اسرائیل اس قابل نہیں کہ اُن میں سے کوئی شخص ایک نبی کا باپ ہو۔ اور یہ کہ وہ ایسے بگڑ چکے ہیں کہ خدائے تعالیٰ یہ مناسب نہیں دیکھتا کہ انہیں سے کسی کو ایک نبی کا باپ بنائے۔ یہ غضب الٰہی کی ایک علامت تھی۔ حضرت مسیحؑ نے نہ صرف اپنی پیدائش کے ذریعے بنی اسرائیل کو اس بات کی خبر دی کہ وہ اب نبوت کے انعام کے مستحق نہیں ہیں اور یہ کہ عنقریب یہ انعام اُن سے ہمیشہ کے لیئے چھین لیا جاوے گا بلکہ حضرت مسیحؑ نے صریح الفاظ میں بھی باغ کی تمثیل کے ذریعہ اُن کو بتلا دیا کہ میرے بعد اب نبوّت کا باغ تم سے چھین لیا جائیگا۔ اُس نے انکو خبر دی کہ تمھارے مالک نے تمھارے پاس اپنے چاکر یعنی نبی بھیجے اور تم نے اُن سے بُرا سلوک کیا اور جو باغ شریعت الہامی کا تمھیں دیا گیا تھا اُس کا پھل تم نے اپنے مالک کو ادا نہیں کیا۔ پھر آخر تمھارے مالک نے تمھارے پاس اپنا عزیز بیٹا یعنی مجھے بھیجا مگر تم مجھ سے پہلے کی نسبت زیادہ بدسلوکی کروگے اور مجھے قتل کرنا چاہوگے اس بغاوت کی سزا تمھارا مالک تمھیں یہ دیگا کہ آیندہ کوئی نبی تم میں مبعوث نہیں ہوگا۔ اور یہ باغ تم سے ہمیشہ کیلیئے چھینا جاوے گا اور ایک اور قوم کو دیا جاوے گا جو تمھاری طرح باغی نہ ہوگی بلکہ اپنے پھل موسم پر اپنے مالک کو دیگی۔

پہ پہ رت مسیح کے بعد جو نبی آیا وہ اُنکے بھائیوں میں پیدا ہوا جو حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام کی اولاد تھے اور عرب کے ملک میں آباد تھے۔ یہ وہ قوم تھی جس کو بنی اسرائیل نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ چونکہ اب تک سارے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل سے پیدا ہوئے تھے اور کوئی نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے مبعوث نہیں ہوا تھا اس لیئے اِن راجگیروں کی قوم نے ہمیشہ اپنے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل کو حقارت کی آنکھ سے دیکھا اور سمجھا کہ ہم تو خدائے تعالے کے انعامات حاصل کرنے کے لیئے پیدا ہوئے ہیں اور ہمارے بھائی اس قابل نہیں کہ خدائے تعالےٰ اُنپر کوئی انعام کرے۔ اس لیئے خدائے تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور وہ آخری نبی جو سب نبیوں سے اپنے کمال میں بڑھا ہوا تھا اور جس نے کونے کا سرا ہونا تھا اُسکو بنی اسمٰعیل میں سے اُٹھایا۔ اسی لیئے حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ جس پتھر کو راجگیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا اور پھر فرمایا یہ خدا کی طرف سے ہے اور ہماری نظروں میں عجیب۔ یعنی بنی اسرائیل تو ہمیشہ بنی اسمٰعیل کو حقیر سمجھتے رہے ہیں مگر خدائے تعالیٰ نے اُنہی کو نوازا اور کونے کے سرے کو انہی میں سے پیدا کیا۔ یہ خدا کے کام ہیں خدا جسکو چاہے انعام عطا فرماوے۔ بنی اسرائیل کی نظروں میں تو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ وہ موعود نبی ریگستان میں رہنے والے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بیٹوں میں ہوا اور وہ خود جنہیں ہمیشہ نبی مبعوث ہوتے رہے اس انعام سے محروم کیئے جاویں اور نبوت اُن سے ہمیشہ کیلیئے چھینی جاوے اور بنی اسمٰعیل کو جو اُن کی نظروں میں حقیر ہیں دی دیجاوے جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں: ”اسلیئے مَیں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لی جاویگی اور ایک قوم کو جو اُس کے میوے لاوے دی جائیگی۔“ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح حضرت داؤد علیہ السلام بھی فرماتے ہیں ”یہ خدا سے ہوا جو ہماری نظروں میں عجیب ہے“۔

مسیحی صاحبان اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ یہ دوسری قوم ایسی ہی ثابت ہوئی جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہ اپنے وقت پر میوے ادا کریگی اور بنی اسرائیل کی طرح باغی نہ ہوگی اور اُن میں جو نبی پیدا ہوا وہ بھی واقعی ایسا ہی نکلا جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے

اُس کی نسبت فرمایا کہ وہ ایک ایسا پتھر ہوگا کہ جو اُس پر گرے گا وہ چُور ہو جاوے گا اور جس پر وہ گریگا اُسے پیس ڈالے گا۔

یسعیا نبی کی پیشگوئی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ موعود جلد ظاہر ہونیوالا نہیں تھا بلکہ ایک لمبے عرصہ کے بعد ظاہر ہونیوالا تھا۔ کیونکہ وہ لکھتا ہے "اُس پر جو ایمان لاوے اُتاولی نہ کرے گا" یعنی جو شخص اس موعود کے ظہور پر ایمان لاتا ہے اُسے چاہیئے کہ وہ اُتاولی یعنی جلدی نہ کرے بلکہ صبر سے اُس کے ظہور کا انتظار کرے یعنی وہ جلدی ظاہر ہونیوالا نہیں ہے بلکہ ایک عرصہ دراز کے بعد سب نبیوں سے آخر میں ظاہر ہونیوالا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ موعود پتھر ظاہر نہ ہوا جب تک کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کے بعد ۶۰۰ سال نہ گذر گئے۔ پس ایمانداروں کو اُس کے ظہور کے لیئے ۶۰۰ سال انتظار کرنا پڑا۔ یہ لمبا زمانہ بالکل خالی رہا اور اس عرصہ میں کوئی مامور من اللہ ظاہر نہ ہوا۔ اسی لیئے یسعیا نبیؑ فرماتا ہے کہ وہ جو ایمان لاوے یعنی اس وعدہ کو سچا سمجھنے والا اُسے چاہیئے کہ جلدبازی نہ کرے بلکہ صبر سے انتظار کرے۔

مَیں اسجگہ یہ امر بھی ظاہر کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موعود پتھر یعنی کونے کا پتھر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصر احسن بنیانہ۔ ترک منہ موضع لبنۃ الی ان قال فکنت انا سددت موضع اللبنۃ وفی روایۃ فانا تلک اللبنۃ (بخاری ومسلم) یعنی میری اور دوسرے انبیاءؑ کی مثال ایک محل کی سی ہے جس کو بنانیوالے نے خوب بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ پس مَیں نے اُس خالی جگہ کو پُر کیا ہے اور ایک روایت میں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مَیں وہ اینٹ ہوں۔

جیساکہ حضرت مسیحؑ نے ایک باغ کی تمثیل کے ذریعہ بنی اسرائیل سے نبوّت چھینا جانے اور بنی اسمٰعیل کو نبوّت دیا جانے کی خبر دی ہے ایسا ہی قرآن مجید میں بھی ایک تمثیل کے ذریعہ اس مضمون کو واضح کیا گیا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا۔ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّ

فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۙ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝ (کہف ۔ ۵) یعنی ان لوگوں کو تم ایک تمثیل سناؤ۔ دو آدمی تھے۔ اُن میں سے ایک کے پاس دو انگورستان تھے (مسیح بھی انگورستان ہی کی تمثیل دیتے ہیں) اُن دو انگورستانوں کے گرداگرد کھجوریں تھیں اور اُن دو باغوں کے درمیان کھیتی بھی تھی۔ یہ دونوں باغ اپنا میوہ دیتے اور اُس میوہ میں کچھ کمی نہیں کرتے تھے۔ اُن دونوں انگورستانوں میں ہم نے ندی چلا دی تھی اور اُس باغ والے کو باغ کا پھل ملتا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھی سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ تیری نسبت میرے پاس زیادہ مال ہے اور میرا جتھا زیادہ زبردست ہے۔ وہ اپنے باغ میں ایسے حال میں داخل ہوا کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا تھا۔ اور اُس نے کہا کہ میں نہیں گمان کرتا کہ میرا یہ باغ کبھی تباہ ہو۔ اور میں نہیں گمان کرتا کہ کبھی حساب وکتاب کی گھڑی میرے پر آئے اور اگر میں اپنے رب کے پاس گیا بھی تو مجھے اس باغ سے بھی اچھی جگہ ملے گی۔ اُس کے ساتھی نے اُس سے

گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ کیا تُو نے اُس ذات کا انکار کیا ہے جس نے تجھے مٹی سے ۔ پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر تجھے ٹھیک ٹھاک کر کے ایک انسان بنایا ۔ لیکن مَیں کہتا ہوں کہ وہی اللہ میرا رب ہے اور مَیں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور جب تُو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تُو نے یہ کیوں نہ کہا کہ جو اللہ چاہے ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی قسم کی قدرت حاصل نہیں ہو سکتی ۔ اگر تیری نظر میں میرا مال اور میری اولاد تیری نسبت کم ہے تو قریب ہے کہ میرا رب تیرے باغ کی نسبت ایک اچھا باغ مجھے دیدے اور تیرے باغ پر آسمان سے ایک عذاب بھیجے اور تیرا باغ تباہ ہو کر ایک پھسلا دینے والی زمین ہو جاوے یا تیرے باغ کا پانی زمین میں دھس جائے اور تُو پھر پانی کو تلاش نہ کر سکے ۔ (سو ایسا ہی ہوا) اور اُس کے پھل کا احاطہ کیا گیا اور جو کچھ اُس نے اُس باغ پر خرچ کیا تھا وہ اُس پر اپنے ہاتھ ملتا رہا ۔ اُس کے باغ کی بیلیں اپنی چھتریوں پر گری پڑی تھیں اور وہ کہتا تھا کاش کہ مَیں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ۔ کوئی ایسا جتھہ نہیں تھا جو بجز اللہ تعالیٰ کے اُس کی مدد کرتا ۔ اور نہ وہ خود اپنی مدد کر سکا ۔ حقیقی مالک اللہ ہی ہے اور وہ حق ہے ۔ وہ اچھا بدلہ دیتا ہے اور اچھا نتیجہ پیدا کرتا ہے ۔

قرآن شریف کی اس تمثیل کا خلاصہ وہی ہے جو مسیح کی انگورستان کی تمثیل کا خلاصہ ہے ۔ جن دو شخصوں کا قرآنی تمثیل میں ذکر ہے وہ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل ہیں ۔ بنی اسرائیل اپنے باغ کی وجہ سے گھمنڈ میں آ گئے اور سمجھا کہ ہم ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے اور اُنکا باغ کبھی تباہ نہ ہو گا اور جیسا اُن کو اس عالم میں باغ دیا گیا ہے ایسا ہی آخرت میں بھی اُنکے لیئے اچھی جگہ مقرر ہے ۔ وہ بجائے شکر گذار ہونے کے مغرور ہو گئے اور اپنے غریب بھائیوں بنی اسمٰعیل پر اپنے باغ نبوت اور کثرتِ انبیاء کا فخر کرنے لگے مگر جو حقوق الٰہی اُنکے ذمہ تھے اُن کو ادا نہ کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سو خدا نے ایسا کیا کہ اُنکے باغ کو تباہ کر دیا اور اُن کے غریب بھائیوں کو جن کو وہ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اُس سے بہتر باغ عطا کیا ۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی انگورستان کی تمثیل سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حضرت مسیح سے اور دیگر انبیاء بنی اسرائیل سے نہایت ہی بالا تر ہے

یوحنا ۱۔ س ۔ ۔ ۔ ۔ ما جو نبی بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے آئے اُنکو مالک کے نوکر کرکے پکارا گیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کو باغ کے مالک کا بیٹا کہکر پکارا گیا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنیکو خود خدا کے آنے سے تعبیر کیا گیا ہے حضرت مسیح فرماتے ہیں "جب انگورستان کا مالک آوے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کریگا" اس تمثیل سے پایا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے انبیاء کو خدائے تعالیٰ سے وہ نسبت تھی جو ایک وفادار نوکر کو اپنے مالک سے ہوتی ہے مگر حضرت مسیح علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ کے حضور میں اس سے بڑھکر قرب حاصل تھا اور اس تعلق کے ظاہر کرنیکے لیئے نوکر کا لفظ کافی نہ تھا۔ اس لیئے اُس قرب کے درجہ کو ظاہر کرنیکے لیئے نوکر سے بڑھکر لفظ استعمال کیا گیا یعنی بیٹے کا لفظ۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اس سے بھی بڑھا ہوا تھا اور بیٹے کا لفظ ہرگز اُس رشتہ کو ظاہر نہیں کرسکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ سے ایسی شدید یگانگت کا رشتہ تھا کہ اُن کا آنا خود خدائے تعالیٰ کا آنا بیان کیا گیا اُنکی ذات الٰہی صفات کا ایک کامل مظہر تھی اور بیٹے کا لفظ اُنکے درجے سے بالکل گرا ہوا تھا۔ اس لیئے استعارہ کے طور پر اُن کا آنا خود خدائے تعالیٰ کا آنا بیان کیا گیا۔ قرآن شریف بھی اس کی تصدیق فرماتا ہے کیونکہ اُس میں لکھا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ جو لوگ تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ پھر لکھا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی یعنی مٹھی کنکروں کی تُو نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نہ حضرت مسیح حقیقی طور پر خدائے تعالیٰ کے بیٹے تھے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی طور پر خدا تھے یہ الفاظ صرف استعارہ کے طور پر استعمال کیئے گئے ہیں حقیقت پر انکا حمل کرنا جہالت ہے۔

اس تمثیل میں لکھا ہے کہ باغبانوں نے اپنے مالک کے بیٹے کو مار ڈالا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیب پر جان دیدی تھی۔ ہاں انہوں نے اُنکو صلیب پر چڑھا کر ایسی حالت میں کر دیا تھا جو موت کے مشابہ تھی اسلیئے تمثیل میں اُس کو قتل سے تعبیر کرنا بالکل درست ہے۔ اُنہوں نے خود تو قتل کرنے میں کوئی کسر باقی

نہیں رکھی تھی - یہ تو ایک الٰہی قدرت کا کرشمہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی جان بچ گئی - مگر چونکہ یہودیوں نے اُن کے قتل کرنیکا ارادہ کر لیا تھا بلکہ صلیب پر چڑھا دیا تھا اور اپنے زعم میں اُن کو قتل بھی کر دیا تھا اس لیئے وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک مسیح کے قاتل ٹھہر گئے - باقی موت سے بچ جانا یہ ایک الگ امر ہے - خدائے تعالیٰ نے نہ چاہا کہ ایک راستباز لعنتی موت کا شکار ہو اسلیئے اُس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بچا لیا گویا مردوں میں سے پھر زندہ کیا -

خلاصہ کلام یہ ہے کہ زبور - یسعیا - دانیال اور متی میں جو ایک پتھر کے متعلق پیشگوئی ہے اُس کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کعبہ میں جو قدیم سے ایک پتھر دھرا تھا وہ اسی پیشگوئی کی ایک تصویر تھی اور اُس پتھر کا مکہ میں رکھا جانا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ موعود نبی اِس شہر سے ظاہر ہوگا اور اُس کا یمین الرحمٰن کے نام سے موسوم ہونا اور اُسکو چھونا یا چومنا اس بات کا ایک نشان تھا کہ جب وہ موعود ظاہر ہو تو لوگوں کو چاہیئے کہ اُس کے دائیں ہاتھ کو چھو کر اُس سے بیعت کا اقرار کریں اور اُس کے ہاتھ پر بیعت خود خدائے تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت ہوگی اور وہ رحمٰن کا مظہر یعنی رحمٰن کی طرح رحمۃ للعٰلمین ہوگا جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ - اس پتھر کا مکہ میں موجود ہونا اس بات کی ایک بیّن دلیل ہے کہ وہ پتھر کی پیشگوئی جو یسعیا - زبور - دانیال اور انجیل میں پائی جاتی ہے وہ کسی اور نبی کی نسبت نہ تھی بلکہ ایک ایسے نبی کی طرف اشارہ کرتی تھی جو مکہ میں پیدا ہونیوالا تھا - پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اسکے کہ اُن کو ان پیشگوئیوں کا علم ہو کونے کا پتھر ہونیکا دعویٰ کیا - یہ بھی اس بات کی ایک دلیل ہے کہ یہ پیشگوئیاں آپ ہی کے متعلق تھیں - اے خدا - تو اس کونے کے پتھر پر صلوات - سلام - رحمتیں اور برکات نازل فرما اور ہمیں اُس کے خدام میں اپنے فضل سے داخل فرما اور دنیا کو ہدایت دے کہ وہ اس یمین الرحمٰن کو پہچانیں اور اُس کی اتباع کا شرف حاصل کریں - اے خدا تو ایسا ہی کر -

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ -

دینِ محبت

(مرقومہ شیخ تیمور صاحب۔ ایم۔ اے)

عیسائی لوگوں کے دلوں میں عام شائع شدہ خیال اسلام کی نسبت یہ ہے کہ اسلام ایک ہیبت ناک اور زبردست مذہبی کل ہے جو ظلم اور بے رحمی کے پتلے تیار کرتی رہتی ہے جو روئے زمین پر ہر چیز کو تباہ کرتے ہوئے جان اور عزت کو روندتے ہوئے آباد ملکوں کو ویران کرتے ہوئے آزاد قوموں کو غلام بنا کر شر اور بدامنی پھیلاتے ہیں۔ ہم اُنہیں کہتے ہیں کہ ہم امن پسند لوگ ہیں ہم تمام قوموں اور تمام رنگ کے لوگوں کو (بلا امتیاز سیاہ و سفید) صلح اور اخوت کا وسیع پیغام دیتے ہیں۔ ہم جنگ نہیں کرتے مگر حفاظت کیلئے۔ جب ہم قوموں کے فاتح بنتے تو ہم اُنکے ساتھ بھائیوں کی طرح سلوک کرتے تھے ہم اُنکے ہاتھوں میں اُن کے ملکوں کی عنانِ حکومت دیدیتے تھے ہم مفتوح قوموں کو بڑے بڑے عہدے دیتے تھے اور تمھاری اپنی گورنمنٹیں باوجود آزادی اور خود حکومتی کے خیالات کی اشاعت کے غیر لوگوں پر اسقدر اعتبار نہیں کرسکتیں۔ ہم نے اپنے عہد حکومت میں سیاہ و سفید کا فرق مٹا دیا تھا جو تم سے نہیں ہوسکا اور نہ ہوگا۔ اب بھی وہ کہتے ہیں کہ تم ایک خونخوار قوم ہو ہم گہوارے کے زمانے سے یہی سنتے چلے آئے ہیں۔ یہ سچ ہے تاریکی میں تیز سے تیز آنکھ بھی رنگوں کو نہیں پہچان سکتی۔ موسیٰؑ اور یوشع کی جنگیں دشمنوں کے جان اور مال کا جلا دینا جب مرد عورت بچے اور گھر یکساں بے اعتنائی کے ساتھ راکھ کر دیئے جاتے تھے[1] یہ سب درگذر کی جاتی ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہوئیں مگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاعی جنگیں بے رحمی کے نمونے سمجھکر دنیا کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ شاید ہمارے عیسائی دوستوں کا یہ مطلب ہے کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے اُنکے قتل کا منصوبہ کیا تھا تو اُنہیں چاہیئے تھا کہ اپنے متبعین کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے اپنے آپ کو متمند بُت پرستوں کے سپرد کر دیتے۔ کوئی عقلمند آدمی اس بدنیتی کے مشورہ پر راضی نہیں

---

[1] تورایت میں پوری کیفیت درج ہے کس پُرتکلیف بے رحمی کے ساتھ تباہی کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ منہ

ہو سکتا۔ بھلائی اور بُرائی کی باہمی جنگ میں بھلائی کو یہ ابدی حق حاصل ہے کہ وہ بڑھتی ہوئی بُرائی کو کچل ڈالے۔ ہم عیسائیوں کے سامنے رسول خدا کی راست باز۔ نڈر اور صاف گو طرز زندگی کو پیش کرتے ہیں اور ہم اُنہیں بلاتے ہیں کہ یسوع کی زندگی کا اس سے مقابلہ کرو۔ ہم اُنہیں اُس عملی نفع کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو اسلام نے دنیا کو پہنچایا ہے کہ کس طرح اسلام نے اور صرف اسلام نے ہی خدائے تعالیٰ کی سچی وحدانیت کو اُس کی کامل صفات کے ساتھ دنیا میں شایع کیا ہے اور قائم کر دکھایا ہے اور کس طرح اس نے دنیا کی تمام قوموں کو اپنی آغوش میں پناہ دی ہے اور کس طرح اس نے دنیا کو صحیح آزادی اور اخوت کا خیال بتایا ہے[1] اور یہ عیسائیت نے کیا کیا ہے۔ اس نے ساری قوموں کو شراب کا مزا چکھایا ہے اور تباہ کن زندگیوں کے نمونے قائم کیئے ہیں۔ جب ہم اُن سے اُنکے بڑے بڑے مسائل پر دلائل پوچھتے ہیں تو وہ کہدیتے ہیں کہ ہم نے اُنکو ایمان سے تسلیم کیا ہے نہ کہ عقل سے۔ ایمان بے شک اچھی چیز ہے مگر وہ ایمان کیا ہے جو عقل کی روشنی کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا خدا محبت کا خدا ہے اور جو خدا کہ اسلام پیش کرتا ہے اُس کے سارے قانون جزا و سزا کے اصول پر مبنی ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ عیسائی خدا میں صفت رحم[2] نہیں ہے جسکو ناقص طور پر یسوع پورا کرتا ہے اور یسوع کا رحم بھی وسیع نہیں۔ غیر عیسائیوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور انکے لیئے خدا باپ نے ابدی جہنم مقرر کر رکھا ہے جس سے کبھی نکلنا نہ ہوگا۔ مگر اسلام کا خدا کہتا ہے عذابی اصیب بہ من اشاء و رحمتی وسعت کل شیءٍ
میرا عذاب جس کو میں ارادہ کرتا ہوں پہنچتا ہے اور میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔

اس مضمون میں میرا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور نبی اسلام صلعم کی محبت اور رحم کا نقشہ پیش کیا جائے اسلام کا اصل مقصد قرآن شریف میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ کنتم خیر

ف۱ علم و عمل دونوں سے۔

ف۲ یہ عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ خدا باپ میں صفت انصاف ہے۔ اور رحم نہیں اور یسوع میں رحم ہے اور انصاف نہیں۔ دونوں ناقص ٹھہرے۔

امۃٍ اُخرجت للنّاس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ (عمران) تم سب سے اعلیٰ
قوم ہو جو دنیا کی بھلائی کیلئے بھیجی گئی ہے تمہیں چاہیئے کہ لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرو اور برائیوں
سے روکو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی امام بخاری کی صحیح میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے
ہیں۔ من کان یؤمن باللہ فلیقل خیرًا او لیسکت۔ جو خدا پر ایمان رکھتا ہو اُسے چاہیئے
کہ وہ بھلی بات کرے یا چُپ ہو رہے۔ قال کے معنے عربی زبان میں بہت وسیع ہیں زبان کی بات
اور جسم کے فعل دونوں پر آسکتا ہے اس لیئے اسجگہ فلیقل خیرًا کے معنے "بھلی بات کرے"
لکھے ہیں کیونکہ "بات کرنا" قول اور فعل دونوں کے معنے دیتا ہے۔ فلیقل خیرًا کے معنے یہ ہوئے کہ
بھلی بات کہے اور کرے اسلام کی وسیع نفع رسانی کا نبی کریم صلعم نے اور بھی بیان کیا۔ من رای منکرًا
فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذٰلک اضعف
الایمان۔ جو کوئی بُری بات دیکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ اُسے ہاتھ سے درست کردے اور اگر نہ کرسکے
تو پھر زبان سے ہی سہی اور اگر یہ نہ کرسکے تو دل سے بُرا منائے اور یہ نہایت کم درجہ کا ایمان ہے۔ یہ حدیث
صحیحین میں آئی ہے۔ اور ایک حدیث بخاری میں لکھی ہے جس کا یہاں مطلب بیان کیا جاتا ہے
نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ ہر ایک شخص کو کوئی ہمدردی کا کام کرنا چاہیئے لوگوں نے پوچھا کہ اگر نہ کرسکے
فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے کام کرے خود فائدہ اُٹھائے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ کسی نے پھر پوچھا کہ
اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو۔ فرمایا کسی غریب محتاج کو اُسکے کام میں مدد کرے کسی نے پوچھا کہ اگر یہ
بھی نہ کرسکے تو فرمایا کہ نیکی کا حکم کرے اور بدی سے منع کرے اور جو یہ بھی نہ کرسکے تو لوگوں کو اپنے شر سے بچائے
اور یہ اُس کے لیئے نیکی ہوگی۔ ایک اور جگہ بخاری میں فرمایا کہ ایک اچھا کلمہ خیرات کا حکم رکھتا ہے غیر اقوام
کے ساتھ سلوک کرنیکے لیئے یہ جامع تعلیم قرآن شریف میں موجود ہے۔ لا ینھٰکم اللہ عن الذین
لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ
یحب المقسطین انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم
من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظٰلمون۔ (ممتحنہ ع۲)
اللہ تعالیٰ تمہیں اُن لوگوں کے ساتھ نیکی اور سلوک کرنیسے نہیں روکتا جنہوں نے تمہارے ساتھ لڑائی نہیں کی
اور تمہیں گھروں سے نہیں نکالا اللہ تعالیٰ تو تمہیں اُن لوگوں کی دوستی سے منع کرتا ہے جنہوں نے

تمہارے دین کی وجہ سے تمہارے ساتھ جنگ کی اور تمہاری نکالنے میں مدد کی اور جو کوئی انکی دوستی
کرتا ہے وہ ظالم ہے۔ پھر قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم
ولا تعتدوا[۴]۔ اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرنا اللہ زیادتی
کرنیوالوں سے پیار نہیں کرتا۔ و اذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا او ردوھا (نساء) جب تم دعا
دیئے جاؤ تو اس سے احسن دعا دو یا ویسی ہی۔ و ان جنحوا للسلم فاجنح لھا و توکل علی اللہ (انفال)
اگر صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کر لو اور اللہ تعالی پر بھروسا رکھو یعنی خواہ تمہیں بدعہدی کا خوف
ہو اللہ تعالی پر بھروسا کر کے صلح کر لو۔ فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم ان اللہ یحب
المتقین (توبہ ۲)۔ جبتک یہ صلح پر پابند رہیں تم بھی رہو اللہ تعالی پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے
یعنی عہد کے پورا کرنے میں تقویٰ سے کام لو۔ ان آیتوں کے سیاق سباق سے معلوم ہو جائیگا کہ یہ سلوک
کا غیر مسلمانوں سے تعلق کے بارے میں ہیں اور اسلام کے اندر تو جنگ ہونی ہی نہیں چاہیئے کیونکہ
ایک مسلمان بھائی کا خون اگر کوئی مسلمان بھائی ارادۃً اور بغیر شرعی وجہ کے تو قاتل کا ایمان
ضائع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالی اور بھی کئی جگہ مسلمانوں کو کفار کے ساتھ نیکی کا سلوک کرنیکا حکم
کرتا ہے اور لا ینھٰکم والی آیت سے جسکو ہم اوپر لکھ چکے ہیں خوب صفائی اور کمال سادگی سے ظاہر
ہوتا ہے کہ اسلام کی جنگوں کا اصل کیا تھا اور کفار کو مسلمانوں سے کس سلوک کی امید رکھنی چاہیئے
موجودہ دنیا کی عالمگیر شکایت یہ ہے کہ زبردست قومیں اپنی ماتحت رعایا کے حالات سے آگاہ ہونیکی تکلیف
بھی نہیں اٹھاتیں حکومت کا واحد اصول حکمرانوں کا فائدہ تصور کیا جاتا ہے نہ کہ محکوموں کا۔ جو گورنر اپنی
گورنمنٹ کی پالیسی اور اغراض کو مدنظر رکھتے ہیں انہیں مدبر کہتے ہیں اور جو لوگوں کی خیرخواہی کا خیال
مقدم رکھتے ہیں انہیں حاکم کہتے ہیں۔ گورنمنٹ کے اغراض کو ہمیشہ رعایا کے منفعات پر ترجیح دیجاتی
ہے۔ موجودہ گورنمنٹیں حاکم نہیں چاہتیں بلکہ آجکل تو چالاک مدبروں کی بڑی مانگ ہے۔ ہمارے
...... خودغرض زمانے میں کمزور کو تباہ ہونا پڑتا ہے اور دولت کمانیکی سرتوڑ کوشش میں جو پیچھے
رہ جائیں انہیں بیکسی اور ماندگی کی حالت میں راستہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے کہ جنگلی درندے یعنی دنیا کی
آفات اسے نوچ ڈالیں اور تمام نیکی اور انسانیت کے قوانین کو اس زمانے کے خودغرض فلاسفروں نے
بالائے طاق رکھ دیا ہے اور اس خودغرضی کا نام یہ رکھا ہے کہ جو جینے کے قابل ہو وہ جیئے۔ پھر بھی

[۴] ان اللہ لا یحب المعتدین (بقرہ - ۲۴)

یورپی ممالک میں بیکار لوگوں کی کثرت اور اُنکے تقاضے نے ان خود غرض دولتمند فلاسفروں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ ہمدردی کے کاموں میں حصہ لیں مگر یہ نیکی کے خیال سے نہیں بلکہ اپنی ہی اغراض کے لیئے اور اسکا خوب نقشہ اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے "فقیر کو پیسہ پھینک دو یہ ہمارے امن میں خلل انداز ہوتا ہے" آپ اس ملک کے ساری طول اور عرض میں سفر کر جائیں مگر آپ کو سو مالک ایسے نہیں ملیں گے جو اپنے نوکروں پر اعتبار کرتے ہوں یا نوکر جو اپنے مالکوں سے محبت رکھتے ہوں۔ انسان انسان کے درمیان ایک عجیب قسم کی بیگانگی پیدا ہو رہی ہے۔ خیر البشر صلعم نے بہت مدت پہلے ان سب مصائب کو دیکھا ہے اور کیا خوب علاج بتایا ہے۔ اخوانکم خولکم جعل اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یأکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم ما یغلبھم فان کلفتموھم فاعینوھم۔ جو تمہاری خدمت کرتے ہیں وہ تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ نے انکو تمہارے ماتحت رکھا ہے۔ پس چاہیئے کہ جس کسی کا بھائی اُس کے ماتحت ہو وہ اُسکو ویسا ہی کھانا کھلائے جیسا کہ خود کھاتا ہے اور اُسکو ویسے ہی کپڑے پہنائے جیسے کہ وہ خود پہنتا ہے اور اُنکو اس قدر کام نہ دو جتنا کہ وہ برداشت نہ کر سکیں اور اگر اُنکو زیادہ کام دو تو اُنکی اُسمیں مدد کرو۔ کام اور مزدوری اور حق اور اجر کے سوالات کو جنھوں نے موجودہ دنیا کو حیران کر رکھا ہے کس خوبی سے نبی کریمؐ نے حل کر دیا ہے۔ ہمارے نوکر اور ---- ہماری رعایا کسی طرح سے اصل یا نسل میں ہم سے ادنیٰ نہیں۔ ہم انسان ہونیکے لحاظ سے سب بھائی ہیں۔ تو یہ نوکری نوکری نہیں بلکہ اعانت اور مدد ہے۔ ہمارا کوئی حق نہیں کہ ہم انسے اسطرح کام لیں جسطرح حیوانوں سے لیتے ہیں اور یہ نوکری اور خدمتگذاری کسی انسان کی زندگی میں کوئی ---- قائم اور دائم دھبا نہیں ہے بلکہ یہ ایک عارضی گرہن ہے۔ حیوانوں کی طرح ترقی اور بڑائی کے دروازے اُنپر بند نہیں ہیں وہ ہر وقت ہماری برابری حاصل کر سکتے ہیں اور اسی لیئے نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اُنکے ساتھ بھائیوں کی طرح سلوک کرو۔ اگر اسلام کی کسی مفتوح قوم پر حکومت ہو تو وہ اس قاعدے کے مطابق ہونی چاہیئے۔ ایک دن نبی کریمؐ ایک شخص کا قصہ سُنا رہے تھے جس نے ایک کُتے کی جان بچائی تھی کسی نے پوچھا کہ کیا ہمیں حیوانوں کا بھی اجر ملے گا آپ نے فرمایا ہاں ہر ایک جاندار چیز کا اجر ملے گا۔

نبی کریم صلعم کے ذاتی حالات بھی کوئی کم دلچسپ نہیں ہیں۔ انس رضؓ جس نے دس سال تک نبی کریمؐ کے مدینہ میں وردو سے یوم وصال تک خدمت کی۔ کہتا ہے کہ اس عرصہ میں مجھے کبھی کسی خطا پر جھڑکا نہیں تھا۔ نبی کریمؐ کی وفات پر انسؓ کی عمر بتیس سال کی تھی۔ نبی کریمؐ کی چالیس سالہ زندگی قبل از نبوّت بالکل خاموش زندگی معلوم ہوتی ہے آپ میں کوئی بڑا بننے کی طرف توجہ نہیں معلوم ہوتی بالکل ایک پرائیویٹ صالح زندگی تھی جو راہ تیز طبع عربی نوجوان ترقی اور عروج کے لیئے عموماً اختیار کرتے تھے وہ شاعری اور فصاحت کے کمالات کی تحصیل ہوتی تھی اور انہی ذرائع سے اپنے ہموطنوں میں عزت اور قوّت حاصل کر لیتے تھے۔ شاعر ملک کے ذی عزت سردار کیئے جاتے تھے اور لوگ کسی شاعر کو مدعو کرنا باعث عزت خیال کرتے تھے قبل اسلام تاریخ عرب کے ماہر اس امر کو خوب جانتے ہیں مگر نبی کریمؐ نے کوئی ایسی راہ اختیار نہیں کی۔ آپکو نہ شاعری کی طرف رغبت تھی اور نہ ہی کوئی اس قسم کی قابلیت فطرت نے بخشی تھی۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ اس امر کی گواہی دیتا ہے وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ ہم نے اُس کو شعر کی تعلیم نہیں کی اور نہ یہ اسکی شان کے لائق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ میں شاعری کا مادہ ہی نہیں رکھا تھا۔ نبی کریمؐ نے ساری عمر کسی اور کا شعر بھی کبھی نہیں پڑھا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا منشا رنہ ہوتا تو آپ دنیا سے گمنام ہی چلے جاتے جیسا کہ آپکی اوائل چالیس سالہ زندگی کی طرز سے معلوم ہوتا ہے اور یہی عمر جوانی کا زمانہ بڑی بڑی ارادوں اور ترقیات کا وقت سمجھا گیا ہے۔ اس وقت تک انسانی قویٰ تکمیل پا چکتے ہیں اور جو قوتیں اسوقت تک ظاہر نہیں ہوتیں گویا کہ ہوتی ہی نہیں۔ دنیا کے بڑی بڑے طوفان جیسے اسکندر رومی یا تیمور یا نپولین سب جوان تھے نبی کریمؐ کے پاس ذاتی نیکی اور پاکیزہ زندگی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ جب وحی نازل ہوئی تو آپ بڑے مضطرب ہوئے اور گھر کو دوڑ گئے اور اپنی بیوی کو بلایا اور کہا خدیجہ مجھے کپڑا سے ڈھانپ دو میری تو جان بھی خطرہ میں ہے۔ تب آپنے اسے سارا ماجرا سنایا۔ حضرت خدیجہ نے تسلی دی اور کہا خدا کی قسم خدا تمھیں کبھی ذلیل نہیں کریگا تو صلہ رحمی کرتا ہے یعنی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتا ہے اور تو مہمان نواز ہے اور تو دکھی کا بوجھ بٹاتا ہے اور تو مصیبت کے وقت میں نیک صلاحیں دیتا ہے۔ اب جوں جوں وحی آنی شروع ہوئی نبی کریمؐ نے تبلیغ کا کام شروع کردیا

ساری تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات میں سے کسی چیز میں بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی ذاتی کمال نہیں اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اپنے قیام اور پرورش کیلئے۔ یہی معنے ہیں لا الٰہ الا اللّٰہ کے۔ عرب کے بُت پرستوں نے اس نئے خیال پر ناک چڑھائی اور سخت مقابلہ کیا اس وقت کی سچی تصویر قرآن شریف کی مکی سورتوں میں پائی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ جو اور...... نبیوں کے حالات کا قرآن شریف میں بیان ہے وہ اصل میں نبی کریمؐ کے حالات کا ہی ایک نقشہ ہے۔ فقال الملأ الذین کفروا من قومہ ما نرٰک الا بشرًا مثلنا وما نرٰک اتبعک الا الذین ہم اراذلنا بادی الرای وما نری لکم علینا من فضل بل نظنکم کاذبین قال یا قوم ارایتم ان کنت علیٰ بینۃ من ربی واٰتنی رحمۃً من عندہٖ فعمیت علیکم۔ انلزمکموھا وانتم لھا کارھون۔ (ہود ۳)

قال یا قوم ارایتم ان کنت علیٰ بینۃٍ من ربی ورزقنی منہ رزقًا حسنًا ما ارید ان اخالفکم الیٰ ما انھٰکم عنہ ان ارید الا الاصلاح ما استطعتُ وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ اُنیب۔ ویٰقوم لا یجرمنکم شقاقی ان یصیبکم مثل ما اصاب قوم نوحٍ او قوم ھود او قوم صٰلحٍ وما قوم لوطٍ منکم ببعید واستغفروا ربکم ثم توبوا الیہ ان ربی رحیم ودود۔ قالوا یٰشعیب ما نفقہ کثیرًا مما تقول وانا لنرٰک فینا ضعیفًا ولولا رھطک لرجمنٰک وما انت علینا بعزیز۔ (ہود ۸)

اتقتلون رجلًا ان یقول ربی اللّٰہ وقد جاءکم بالبینات من ربکم وان یک کاذبًا فعلیہ کذبہ وان یک صادقًا یصبکم بعض الذی یعدکم ان اللّٰہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب۔ (مومن ۴) واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک۔ (انفال ۴) اُس کی قوم کے امیر لوگوں نے جو منکر تھے کہا تو تو ہماری طرح ہی ایک انسان ہے اور تیرے پیچھے چلنے والے ظاہرًا ہم میں سے نہایت ذلیل لوگ ہیں اور تمھیں کوئی ہم پر فضیلت نہیں ہے بلکہ ہمیں خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو اُس نے کہا کہ اے قوم تم دیکھتے ہو کہ میں اپنے رب کی طرف سے کھلے کھلے نشان لیکر آیا ہوں اور اُس نے مجھے رحمت عطا کی ہے اب تمھاری آنکھیں اسپر اندھی ہوگئی ہیں کیا میں تمھیں زبردستی وہ رحمت دیدوں حالانکہ تم اُسے لینا نہیں چاہتے۔ اے میری قوم میں اپنے رب کی طرف سے کھلے کھلے نشان لیکر آیا ہوں اور اُس نے مجھے عمدہ رزق دیا ہے اور جو کچھ میں تمھیں کہتا ہوں میں خود بھی

اُسکے خلاف نہیں کرنا چاہتا اور مَیں صرف اصلاح چاہتا ہوں جسقدر کہ مجھ سے ہو سکے اور مجھے اللہ ہی توفیق دیگا اُسی پر میرا بھروسا ہے اور اُسکی طرف مَیں جھکتا ہوں اور اے میری قوم میری دشمنی تمہیں مجرم نہ بنادے اور ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی نوحؑ اور ہودؑ اور صالحؑ کی قوم کی طرح عذاب پہنچے اور لوطؑ کی بستی تو تمہارے قریب ہی ہے اور اپنے رب سے گناہوں کی معافی چاہو پھر اسی کی طرف رجوع کرو میرا رب رحم کرنیوالا ہے اور بڑا مہربان ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اے شعیب ہم تیری بہت سی باتیں نہیں سمجھتے اور تجھ کو ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہمارے سامنے کمزور ہے اور اگر تیری برادری کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تجھ کو پتھروں سے ماردیتے اور تو کوئی ہم پر قادر نہیں ہے (ایک مومن نے کہا) کیا تم ایک شخص کو قتل کرتے ہو اسلیئے کہ اُس نے کہا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس نشان بھی تمہارے رب کی طرف سے لایا ہے اگر یہ جھوٹا ہے تو اس جھوٹ کا وبال اسپر اور اگر یہ سچا ہے تو جو تم کو یہ وعید کرتا ہے اس میں سے بعض تمکو پہنچکر رہیں گے۔ اور اللہ تعالےٰ جھوٹے بدکار کو کبھی کامیاب نہیں کرتا۔ اور جب منکر تیرے قتل کیلیئے منصوبے کر رہے تھے اور یا تجھے قید کرنا چاہتے تھے اور یا تجھے جلاوطن کرنا چاہتے تھے۔

جب بات اس حد تک پہنچ چکی تھی اور عرب کے سرکش لوگوں کے لیئے تمام علاج بے سود ہو گئے تو یہ مجرم ٹھہرائیگئے تھا چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے۔ قل انظروا ماذا فی السموات والارض وما تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یؤمنون فهل ینتظرون الا مثل ایام الذین خلوا من قبلهم قل فانتظروا انی معکم من المنتظرین ثم ننجی رسلنا والذین آمنوا کذلک حقاً علینا ننج المؤمنین آسمانوں اور زمین میں دیکھو کس قدر نشانات ہیں مگر نہ ڈرانا اور نہ نشان اس بے ایمان قوم کو کچھ فائدہ پہنچاتے ہیں۔ کیا وہ اُن دنوں کا انتظار کرتے ہیں جو اُن سے پہلے بدکار قوموں پر گذر چکے ہیں کہو مَیں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں تم بھی منتظر رہو پھر اُس دن ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کو بچالیا کرتے ہیں اور مومنوں کو بچانا ہم پر فرض ہے" جب وہ عذاب کی ساعت آئی تو یہ اعلان کیا گیا کداب آل فرعون والذین من قبلهم کذبوا بآیٰت ربهم فاهلکنٰهم بذنوبهم واغرقنا آل فرعون وکل کانوا ظٰلمین ۰ فرعون کے لوگوں اور اُن سے پہلوں کی چال پر انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا تو ہم نے انکو ہلاک کردیا اُنکے گناہوں کی وجہ سے اور ہم نے فرعون کے لوگوں کو غرق کردیا تھا اور یہ سب ظالم تھے۔

یہ نبی کریم صلعم کی حیات کا ایک مختصر نقشہ ہے اور اگر ہم تمام انبیاء کے حالات کو جو توریت میں لکھے ہیں پڑھیں اور خاصکر حضرت موسیٰؑ کے واقعات کو تو ہمیں معلوم ہوگا کہ سب نبیوں کی زندگیں

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل نمونہ کے مطابق واقع ہوئی ہیں مگر عیسائی پھر بھی کہے جاتے ہیں کہ آپ نعوذ باللہ اپنے دعویٰ میں راست باز نہ تھے اگر یہ سچ ہو تو کوئی معیار قائم نہیں ہو سکتا جس سے ایک سچا دعویدار جھوٹے سے پہچانا جا سکے۔ ہمیں اسجگہ اس بات کے ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ نبی کریمؐ کے پیرووں کو آپ سے کیا موت و حیات کا تعلق تھا اسکو ہر ایک جانتا اور مانتا ہے۔ ذیل کی عبارت سے جو بخاری سے نقل کی گئی ہے خوب روشن ہوتا ہے کہ آپ کے متبع آپ پر کیسے فدا تھے۔

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ ؛ اذا انشق معروف من الفجر ساطع
یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ ؛ اذا استقلت بالمشرکین المضاجع
ارانا الھدی بعد العمی فقلوبنا بہ ؛ مطمئن ان ما قال واقع

یہ اشعار ایک صحابی نے کہے تھے جو بخاری میں نقل کیے ہیں اور یہ نبی کریمؐ کے حالات پر خوب روشنی ڈالتے ہیں۔ انکا مطلب یہ ہے ہم میں خدا کا رسول ہے جو فجر کے وقت اپنی کتاب پڑھتا ہے اور راتیں گذارتا ہے اور اس کے پہلو اس کے بستر سے نہیں چھوتے جبکہ مشرکوں کے بوجھ سے انکے پلنگ ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں ہمیں اس نے اندھے پن کے بعد ہدایت کا راستہ دکھایا اور ہمارے دل مطمئن ہیں کہ جو اس نے کہا ہے وہ پورا ہو گا۔

نبی کریمؐ کے زندگی کے ذیل کے واقعات آپکے ذاتی اخلاق پر خوب روشنی ڈالتے ہیں اور آپکا برتاؤ نرمی اور خوش خلقی کا نمونہ معلوم ہوتا ہے جیسے کہ قرآن شریف نے فرمایا ہے رحمۃ للعلمین یعنی سب جہانوں کے لیے اس رسول کو رحمت کر کے بھیجا ہے۔ انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریمؐ کے ساتھ جا رہا تھا جبکہ ایک اعرابی آیا اور اس نے آپکے گلے میں کپڑا ڈالکر زور سے کھینچا اور میں نے دیکھا کہ اس کپڑے کے نشان آپکے گلے پر پڑ گئے اور اس اعرابی نے یہ کہا "اے محمدؐ مجھے بھی کچھ مال دے جو تیرے پاس ہے" نبی کریمؐ مسکرائے اور اسے کچھ دینے کے لیے حکم دیا۔ یہ واقعہ نبی کریمؐ کے دنیاوی عروج کے وقت مدینہ میں ہوا (دیکھو بخاری) ایک عورت نبی کریمؐ کے پاس آئی اور اس نے ایک چادر نبی کریمؐ کو تحفتہً پیش کی اور کہا کہ یہ میں نے آپکے لیے اپنے ہاتھ سے بنی ہے نبی کریمؐ کو اس کی ضرورت تھی آپنے اسکو لے لیا اور اسے پاجامہ کی جگہ پہن کر باہر تشریف لائے ایک آدمی نے اس چادر کو چھوا اور کہا کہ یہ مجھے دیدیجئے نبی کریمؐ نے کہا "اچھا" اور پھر آپ کچھ دیر باتیں کر کے اندر تشریف لے گئے اور اسے وہ چادر بھیجدی۔ لوگوں نے اسکو ملامت کی کہ کیا تو نہیں جانتا تھا کہ

رسول صلعم کو اس چادر کی ضرورت تھی اور وہ کسی سائل کو رد نہیں کرتے تھے اُسنے جواب دیا کہ میں نے چاہا کہ میں اس چادر کا کفن اپنے لیئے بناؤں۔ سہل روایت کرتا ہے کہ ایسا ہی ہوا وہ چادر اُس کا کفن بنی۔ (بخاری) بخاری اور مسلم میں سینکڑوں اس قسم کی احادیث ملیں گی جنمیں نبی کریم کے اعلیٰ اخلاق کی جھلک پڑتی ہے انکو یہاں اسلیئے نقل کیا ہے کہ تا پڑھنے والے کو آپکے رحم اور محبت جو خلق اللہ کے ساتھ تھی اُسکا اندازہ ہو جائے

بعض دفعہ کہا جاتا ہے کہ رسولِ خدا صلعم قتل انسان کو معمولی بات سمجھتے تھے اور جان کو ضائع کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ یہ بات اصل واقعات سے بہت ہی دور ہے۔ اول تو اللہ تعالیٰ کا حکم قرآن شریف میں موجود ہے من قتل نفساً بغیر نفسٍ او فسادٍ فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً۔ جو شخص بغیر قصاص کے کسی کو ماردے یا بغیر فساد مٹانے کی نیت کے تو گویا اُسنے ساری انسانوں کو قتل کر دیا یعنی ایک شخص کا ناحق قتل ساری مخلوق کے قتل کے برابر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جان کو نبی کریم کتنا عزیز سمجھتے تھے مگر ذیل کے واقعہ سے نبی کریمؐ کے عمل کا خوب پتہ لگتا ہے۔ مقداد نے نبی کریمؐ کو کہا کہ میں کفار میں سے ایک شخص کو ملا وہ مجھ سے لڑنے لگا اور اُسنے میرا ایک بازو کاٹ دیا اور ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا اور کہا کہ میں خدا کا فرمانبردار ہوا۔ اے رسولِ خدا کیا میں اُسکو قتل کر دوں کیونکہ اُس نے میرا ہاتھ پہلے کاٹا تھا اور یہ کلمہ پیچھے کہا تھا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تم اُسکو قتل نہیں کر سکتے کیونکہ اگر تم کرو تو وہ بمنزلہ تمھارے ہوگا جب تم نے اُسکو قتل نہیں کیا تھا اور تم اُس کی جگہ ہوگے جبکہ وہ ایمان نہیں لایا تھا مطلب یہ کہ اگر اُس کو قتل کروگے تو تم کافر ہو جاؤگے۔ یہ بخاری کی حدیث ہے رسول اللہؐ کے اصل لفظ یہ ہیں قال رسول اللہ لا تقتلہ فان قتلتہ فانہ بمنزلتک قبل ان تقتلہ وانک بمنزلتہ قبل ان یقول کلمتہ التی قال۔ اسی قسم کی ایک اور حدیث ہے۔ بعثنا رسول اللہ صلعم فی سریۃٍ فصبحنا الحرقات من جہینۃ فادرکت رجلاً فقال لا الٰہ الا اللہ فطعنتہٗ فوقع فی نفسی من ذٰلک فذکرتہٗ للنبی صلعم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقال لا الٰہ الا اللہ و قتلتہٗ قال قلت یا رسول اللہ انما قالہا خوفاً من السلاح قال افلا شققت عن قلبہ حتٰی تعلم اقالہا ام لا فما زال یکررھا علیّ حتٰی تمنیت انی اسلمت یومئذٍ۔ نبی کریمؐ نے ہمیں ایک قافلے کے ساتھ بھیجا میں نے ایک شخص کو پکڑا اور اُس نے لا الٰہ الا اللہ کہا مگر میں نے اُسے نیزہ سے مار دیا مگر میرے دل میں خدشہ ہوا اور میں نے نبی کریمؐ سے ذکر کیا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کیا اُس نے لا الٰہ الا اللہ کہا تھا

اور تو نے اُسکو قتل کردیا میں نے کہا کہ یا رسول اللہ اُس نے یہ میرے ہتھیار کے خوف سے کہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے اُسکے دلکو چیر کر دیکھا تھا کہ اُس نے دل سے کہا ہی یا ڈر سے اور آپ نے اس کلمہ کو اسقدر دُھرایا کہ میں خواہش کرتا تھا کہ میں آج ہی ایمان لایا ہوتا یعنی اپنے کیئے پر اسقدر نادم تھا۔

مسلمانوں کی کفار کے ساتھ ایک جنگ میں ایک کافر نے بہت سے مسلمانوں کو مار دیا پھر وہ ایک مسلمان کی زد میں آیا اور اُس نے تلوار اُٹھائی کہ اس موذی کو قتل کر دے جب اُس نے تلوار سر پر دیکھی تو لاالٰہ الا اللہ کہدیا مگر مسلمان نے ہاتھ نہ تھاما اور کافر قتل ہوگیا۔ پھر وہ مسلمان نبی کریمؐ کے پاس آیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کیا تو نے قتل کیا ہے اُس نے جواب میں بہت سے صحابیوں کے نام لیئے جنکو اُس مقتول نے تہ تیغ کیا تھا نبی کریمؐ نے فرمایا حساب کے دن لاالٰہ الا اللہ کے ساتھ کیا کرو گے اور آپ اُسکو دُہراتے رہے۔

ان واقعات سے بہت سے قیمتی نتائج پیدا ہوتے ہیں اول تو یہ کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں داخل ہوتے ہی سب گذشتہ عناد اور جھگڑے بند ہوجاتے ہیں بلکہ لاالٰہ الا اللہ کہتے ہی دشمن دوست بنجاتے ہیں اور یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ نبی کریمؐ اپنے سخت سے سخت مخالفوں کی جان بچانیکی کوشش کرتے رہے جنکو دنیا کا کوئی قانون موت کی سزا سے بچا نہیں سکتا تھا اور یہ بھی کہ نبی کریمؐ کو رات دن تڑپ لگی رہتی تھی کہ کسطرح کوئی روح نجات پاجائے یہانتک کہ قاتل موذی بھی اگر سزا کے وقت لاالٰہ الا اللہ کہدے تو اُسکو بھی چھوڑ دیا جاتا تھا اور یہ بھی ان واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ ایمان وہی ہے جو دل سے ہو چنانچہ صحابی کے عذر کی کہ اُس نے دل سے نہیں کہا تھا نبی کریمؐ نے تردید نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ تمہیں دل کے حالات کیسے معلوم ہوسکتے ہیں۔ ان سب واقعات پر غور کرنیسے پتہ لگتا ہے کہ نبی کریمؐ کا مسلمان بنانیکا ذریعہ تلوار نہیں تھی بلکہ تلوار تو کسی اور غرض کیلیئے استعمال کی گئی تھی اور وہ غرض ان واقعات سے خوب کھلتی ہے کیونکہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ کو قتل سے سخت نفرت تھی اور آپ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی جان ضائع ہو۔ آپ نے ایسے مشکل وقت میں میدان کارزار میں صحابی کو ایک سخت دشمن کے قتل کرنیسے منع فرمایا تاکہ کوئی جان بے فائدہ ضائع نہ ہو اور کوئی روح ہدایت پانیسے محروم نہ رہے۔ یہ آپکا کمال رحم تھا۔ ایسا رحم اور ایسی ہمدردی سوائے نبی کریمؐ کے کسی میں نہیں پائی جاتی۔ یورپ کا عام خیال کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے کسی ایسی ہی روایت کی غلط فہمی سے پھیلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اور نبی کریمؐ کے رحم کے نمونے آخری ایام حیات تک ملتے ہیں۔ جب آپکی زندگی کی بڑی کامیابی کا دن تھا جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے قریش مکہ کو جو آپ کی جان کے دشمن تھے حضرت یوسفؑ کے الفاظ

میں جو قرآن کریم میں ہیں خطاب کیا۔ جب قریش سے پوچھا گیا کہ تم کس سلوک کی امید رکھتے ہو تو انہوں نے کہا وہی جو یوسف نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا اور گویا کہ کہا لقد اٰثرک اللہ علینا و ان کنا لخاطئین ۔ خدائے تعالیٰ نے آپکو ہم پر ترجیح دی ہے اور ہم تو غلطی ہی پر رہے ہے۔ نبی کریم نے فرمایا لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم و ھو ارحم الراحمین ۔ آج تم پر کوئی ہلاکت نہیں خدا تمھیں معاف کرے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔

جو آخری لفظ آپ بولے وہ یہ تھے بالرفیق الاعلیٰ انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ رفیق اعلیٰ سے اب ملنا ہوگا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ نبی کریم کا پیشہ محبت الٰہی تھی تو یہ سچائی کے بہت قریب ہوگا۔ شہروں اور جنگلوں میں کثرت اور قلت غربت اور امارت میں آپ خدا ہی کے نشان دیکھنے تھے۔ جنگوں میں لڑتے ہوئے بھی اور دوستوں میں بیٹھے ہوئے بھی گھر میں لیٹے ہوئے یا اونٹ پر سفر کرتے ہوئے آپکی زبان پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہی جاری رہتی تھی۔ اونٹ پر چڑھتے ہوئے۔ کھانا کھاتے ہوئے یا رات کو سوتے ہوئے سب وقتوں اور سب کاموں میں حمد الٰہی کرتے تھے۔ پہلا لفظ جو سونے سے اٹھکر آپ کی زبان مبارک سے نکلتا تھا وہ بھی حمد الٰہی پر مشتمل ہوتا تھا۔ نبی کریم صلعم کی ہر موقع کی دعائیں اصل الفاظ میں محفوظ ہیں اور ان سے ہم آپکی ذات اور اخلاق اور آپکی محبت کا جو ذات باری سے تھی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں اسلام محبت کا مذہب نہیں ہے ہم انکو کہتے ہیں کہ اسقدر محبت کے الفاظ جو نبی کریم نے اللہ تعالیٰ کیلیئے ہر موقع پر بولے ہیں تم اپنے مسیح کے کلام میں تو دکھاؤ کوئی اُس کی دعائیں ہی ہوں جن میں اللہ تعالیٰ کو اُسنے پکارا ہو مگر مسیح کے الفاظ جو ہمیں پہنچے ہیں وہ وہی دردناک فقرہ ہے جو صلیب کے موقعہ پر انکی زبان سے نکلا۔ ایلی ایلی لما سبقتانی اے میرے خدا اے میرے خدا تُونے کیوں مجھے چھوڑ دیا غور کیجئے کیا یہ شاندار لفظ ہیں؟ قرآن شریف فرماتا ہے والذین اٰمنوا اشد حباً للہ جو ایمان والے ہیں وہ خدا سے سب سے بڑھکر محبت کرتے ہیں۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ۔ اگر تم خدا سے پیار کرتے ہو تو میری (یعنی رسول اللہ صلعم کی) پیروی کرو خدا تم سے محبت کریگا۔ ظاہر ہے کہ انسان کی زندگی کا بے تعداد محبتوں اور منافعوں پر مدار ہے جو اسے مختلف اشیاء کی طرف کھینچتی ہیں۔ بیوی بچوں کی محبت اپنے نفس کی محبت۔ خاندان اور دوستوں کی محبت اور اپنے وطن اور عام انسانوں کے

ساتھ ہمدردی یہ ہر ایک شریف انسان کی زندگی کے ضروری لوازمات ہیں۔ پھر آرام دہ گھر، عمدہ خوراک بھی انسان کی ضروریات ہیں اور اگر ہم گننے لگیں تو بے انتہا ضروریات انسانی معلوم ہونگی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ انسان ان میں سے کسی چیز کو بھی چھوڑ سکتا ہے اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان سب سے یکساں محبت کرتا ہے۔ وقت آتے ہیں جب اُسکو ایک کو دوسری کیلیئے چھوڑنا پڑتا ہے۔ چھوٹی الفت کو بڑی کیلیئے ترک کرنے کا عام قاعدہ معلوم ہوتا ہے۔ جب مختلف محبتوں کا مقابلہ ہوتا ہے تو یہی قانون کام آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ مجھ سے سب سے بڑھکر محبت کرو اُس کا یہی مطلب ہے کہ سب محبتوں کو خدائے تعالیٰ کی محبت کے نیچے رکھنا چاہیئے۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں جس چیز سے محبت ہو وہ خدا ہی کیلیئے ہو۔ ہماری دوستی و دشمنی اور عزت سب خدائے تعالیٰ کیلیئے ہو۔ دنیاوی خواہشات میں بھی اُسی کی رضامندی مدنظر ہو۔ اسطرح سے ہماری ادنیٰ خواہشات بھی خدائی رضا کے موجود ہونے سے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائیں گی۔ نبی کریم نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ عن انس عن النبی صلعم ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الایمان ان یکون الله ورسوله احب الیه مما سواهما وان یحب المرءُ لا یحبه الا لله وان یکره ان یعود فی الکفر بعد ان انقذه الله منه کما یکره ان یقذف فی النار۔ جس میں تین صفات ہوں وہ ایمان کا مزہ پاگیا۔ یہ کہ اللہ اور رسول سے غیروں کی نسبت بڑھکر محبت ہو۔ اور یہ کہ کسی انسان سے اگر محبت ہو تو صرف اللہ ہی کیلیئے ہو اور یہ کہ کفر میں لوٹ جانے سے ایسا ڈرے جیسا آگ میں داخل ہونے سے ڈرتا ہے‘‘۔

کامل قدرت اور کامل ذات والے خدا کی رضا کے ساتھ کوئی کام بھی ادنیٰ اور کمینہ نہیں۔ وہ جس نے ہمیں نیستی سے ہست کیا ہے آئندہ ترقیات کیلیئے بھی اپنے آپکو اُسی کے سپرد کرنا چاہیئے۔ اُسکی محبت انسان کی محبت سے متعارض نہیں ہے بلکہ انسانوں کی محبت کی صحیح وجہ ہی خدا کی محبت میں ملتی ہے۔ انسانوں سے محبت کے بارے میں نبی کریم صلعم نے فرمایا ہے۔ لا یؤمن احدکم حتّٰی یحب لاخیه اولجاره مایحب لنفسه۔ جو چیز تم اپنے لیئے پسند کرتے ہو وہی تمھیں اپنے بھائی کیلیئے کرنی چاہیئے اور جب تک تم ایسا نہ کروگے تم مومن نہیں بن سکتے۔ ایک عیسائی فقرہ بھی اسی قسم کا مشہور ہے مگر

دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ یہ ہے ''اور لوگوں سے ایسا سلوک کرو جیسا کہ تم چاہتے ہو کہ وہ تم سے کریں'' عیسائی قول کے مطابق ایک انسان اپنی ساری عمر بغیر ایک ہمدردی کا کام کرنیکے بھی گذار سکتا ہے اُس سے یہی چاہا گیا ہے کہ وہ بُرائی نہ کرے کیونکہ خودغرض انسان جو مالدار بھی ہے اور کسی کی حاجت بھی نہیں رکھتا اُسے کیا پڑی ہے کہ وہ لوگوں سے ہمدردی کرتا پھرے جب اُسے خود لوگوں کی ہمدردی کی ضرورت نہیں وہ کہتا ہے نہ کوئی ہم سے سلوک کرے اور نہ ہم کسی سے کرتے ہیں۔ قصہ تمام ہوا اور مسیح کے قول کے مطابق وہ پورا عامل ہے۔ اور جرائم کیلئے بھی یہ قانون کوئی مفید نہیں کیونکہ ایسے بدمعاش بھی دیکھے گئے ہیں جو بالکل لاابالی ہوتے ہیں اور وہ کُھلے طور پر کہتے ہیں کہ جس کی مرضی ہو وہ جو چاہے ہمارے ساتھ کرے ہم اُسی طرح کریں گے جیسے ہم کرتے ہیں۔ اب مسیح کے قول کے مطابق وہ صحیح طور پر وہی سلوک کر رہے ہیں جو وہ دوسروں سے چاہتے ہیں۔ مگر نبی کریمؐ کا قول کیسا پُرحکمت ہے کہ دوسروں سے ایسا سلوک کرو جیسا تم اپنے نفس کے ساتھ پسند کرتے ہو اب اپنے نفس کے لیئے بُرائی تو کوئی بے وقوف بھی نہیں چاہتا۔ پھر جو سلوک ایک انسان دوسرے سے امید کرسکتا ہے اُس میں اور جو اپنے لیئے پسند کرتا ہے اُس میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مسیح نے ہماری نیکی کو دوسروں کے سلوک پر منحصر رکھا ہے مگر نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تم پروا نہ کرو کہ وہ تمھارے ساتھ کیا کرتے ہیں تم اُنکے ساتھ اپنی جان کی طرح نیکی کرو۔ مسیح کی تعلیم خودغرضی کی طرف مائل کرتی ہے مگر نبی کریمؐ کا قول اعلیٰ درجہ کی بےنفسی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے میں پھر اللہ تعالیٰ کے رحم کی طرف توجہ کرتا ہوں جس پر ہم سب کی نجات کا مدار ہے۔ قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ اذا جاءك الذين يؤمنون بآياتنا فقل سلام عليكم كتب ربكم على نفسه الرحمة انه من عمل سوءً بجهالة ثم تاب من بعده واصلح فانه غفور رحيم۔ جب وہ لوگ تمھارے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو اُنکو کہو کہ تمھارے ربنے اپنے اوپر رحمت لکھ رکھی ہے جو کوئی تم میں سے جہالت کے ساتھ بدی کرے اور پھر توبہ کر کے اور اصلاح کرے تو اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔ پھر فرمایا ہے۔ قل لعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعًا۔

میرے اُن بندوں کو کہدو جنہوں نے خطا کاری کی ہے کہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دیگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی مضمون کو بیان کیا ہے۔ بخاری میں آیا ہے جس کا ترجمہ بیان کیا جاتا ہے۔ "دکیا تم نے دیکھا کہ ماں بچے کو کس طرح دودھ دیتی ہے مگر ہمارا خدا اُس سے بھی زیادہ مہربان ہے اور اُس کی رحمت قیامت کے دن سوگنا ہو گی"

اطلاع

چودھری غلام سرور رقانونگو سے۔ اور قاضی محمدؐ عبداللہ منشی ضلعداری سرگودہ نے محض خدا کی خوشنودی اور سلسلہ کی خدمت کی خاطر احمدی احباب سے چندہ فراہم کرنیکی تکلیف گوارا فرمائی ہے خدا ئے تعالیٰ اُنکو جزائے خیر عطا فرمادے۔ اس غرض کیلیئے چھپی ہوئی مجلد رسید بکیں اُنکو دیگئی ہیں امید ہے کہ احباب چندہ کی وصولی میں اُنکی مدد فرماویں گے جو چندہ دیں گے اُنکو اُنکی تسلی کیلیئے چھپی ہوئی رسید دیں گے جس کا مثنیٰ کاپی میں اُنکے پاس رہے گا۔ محمدؐ علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

ریویو

احمدی۔ اس نام کا ماہوار رسالہ جس کا اشتہار اس میگزین میں پہلے شائع ہو چکا ہے مولوی قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق دہلی تراہا بیرام خان نے جاری کیا ہے اس کا پہلا نمبر شائع ہو چکا ہے اس کا اصلی مقصد سلسلہ احمدیہ کے اندرونی مخالفوں کے اعتراضوں کا مفصل و مدلل جواب دینا ہے۔ پہلے نمبر میں آجکل کے مولویوں کا حسب پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل یہود ہونا مدلل طریق سے ثابت کیا ہے۔ قیمت سالانہ عہ

نظم براہین احمدیہ حصہ پنجم ا۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم کی ۵۰۰ سے زیادہ اشعار کی نظم کو جو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کے ثبوت میں ایک اعلیٰ درجہ کی نظم اردو زبان میں ہے محمدؐ یسین و محمدؐ یمین تاجران قادیان نے الگ خوشخط لکھوا کر شائع کیا ہے۔ احمدیوں کے لیئے اس کا پڑھنا موجب ازدیاد ایمان ہے اور غیر احمدیوں میں اسکی اشاعت بہت مفید ہے

قیمت فی کاپی ار

۲۰ کاپی کی قیمت عہ

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

صدر انجمن احمدیہ کا سالانہ جلسہ :- چونکہ سال گذشتہ کے جلسہ میں جو مارچ میں تعطیلات ایسٹر میں ہوا تھا احباب کو بہت سی دقتیں تھوڑے دن ملنے کی وجہ سے پیش آئی تھیں اسلئے مجلس معتمدین نے اس دفعہ دسمبر میں ہی جلسہ کے ہونیکا فیصلہ کیا ادھر ریل کے کرایہ میں گذشتہ سال کے برابر تخفیف بھی منظور ہو گئی۔ جلسہ کی تاریخیں ۲۵-۲۶-۲۷ دسمبر قرار دی گئیں۔ اس اعلان کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح کو گھوڑے سے گر جانیکی وجہ سے چوٹیں آئیں اور آپکی طبیعت ایسی ناساز ہوئی کہ آپ چارپائی سے اٹھ بھی نہ سکتے تھے۔ آپکی اس علالت کی وجہ سے یہ خیال ہوا کہ بہتر ہو حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی صحت یابی تک جلسہ کو ملتوی کر دیا جاوے چنانچہ آپکی خدمت میں عرض کیا گیا مگر آپنے پسند نہ فرمایا کہ اب کسی قسم کی تبدیلی اعلان میں کیجاوے اس کی وجہ وہی تڑپ ہے جو آپکے دل میں رکھی گئی ہے کہ کسی نیک نصیحت سے کسی متنفس کو فائدہ پہنچ جائے۔ کیونکہ فرمایا کہ آئندہ کی کیا خبر ہے۔ اس حالت میں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کچھ تکلیف اُٹھا کر بھی کوئی نیک کلمہ لوگوں کے کانوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ مہمانوں کی آمد ۲۲ دسمبر سے ہی شروع ہو گئی۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی علالت طبع کی وجہ سے پروگرام کی کوئی تعیین نہ ہو سکی۔ جلسہ کے پہلے دن یعنی ۲۵ دسمبر کو سب احباب نماز ظہر و عصر سے فراغت کے بعد مدرسہ تعلیم الاسلام کے صحن میں جمع ہو گئے۔ اور اسی جگہ بہت سی تکلیف اُٹھا کر حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے ایک تقریر فرمائی جو اعلیٰ درجہ کی نیک نصائح اور پاکیزہ اخلاق کو اپنے اندر لیئے ہوئی تھی۔ یہ تقریر گو اخبار بدر میں شائع ہو چکی ہے مگر مزید اشاعت کے لیئے اسے اس جلسہ کی رپورٹ میں بھی درج کیا جاتا ہے۔ ۲۵ دسمبر کو جلسہ کی کارروائی اسی پر ختم ہوئی۔ ۲۶ دسمبر کا جلسہ دار العلوم کے میدان میں ہوا۔ ساڑھے دس بجے صبح کے سب احباب مسجد نور میں جمع ہو گئے اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے دو گھنٹہ تک تقریر فرمائی اسکے بعد نماز ظہر و عصر جمع کر کے پڑھی گئی۔ نماز کے بعد اول جناب میر حامد شاہ صاحب نے اپنی نظم سنائی اور اس کے بعد جناب خواجہ کمال الدین صاحب وکیل کی تقریر ہوئی۔ یہی وقت رپورٹ سالانہ کے سنانے کا بھی تھا مگر وقت تھوڑا ہونیکی وجہ سے رپورٹ کے متعلق اسیقدر کافی سمجھا گیا کہ موٹی موٹی رقوم آمد و خرچ سے خواجہ صاحب ہی اپنی تقریر کے اثنا میں احباب کو مطلع فرما دیں جن میں کل آمد قریباً ننانوے ہزار اور خرچ قریباً چورانوے ہزار دکھایا گیا۔ خواجہ صاحب کی تقریر کے آخر میں کسیقدر چندہ بھی ہوا۔ چونکہ اس سال کے اثنا میں تعمیر کے چندہ کیلیئے احباب کو بہت کچھ کوشش کرنی پڑی تھی اس لیئے جلسہ کے موقعہ پر مستقل سرمایہ کے چندہ یا کسی اور چندہ

کیلئے کوئی خاص تحریک کی جانی مناسب نہیں سمجھی گئی تاہم ایام جلسہ میں سات ہزار روپے کے قریب دفتر
محاسب میں آیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ ۲۷ دسمبر کی صبح کو حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کا وعظ جامع
مسجد میں ہوا اور نماز ظہر وعصر کے بعد پھر سب احباب صحن مدرسہ میں حضرت خلیفۃ المسیح سے ملاقات کیلئے حاضر
ہوئے۔ آپ پالکی میں تشریف لائے اور گو ۲۶ دسمبر کو زیادہ دیر تک بلند آواز سے تقریر کرنے اور کثرت سے احباب سے
ملاقات اور مصافحہ کی وجہ سے آج کے دن آپکی طبیعت ایسی کمزور تھی کہ ڈاکٹر صاحبان نے یہی مشورہ دیا تھا
کہ آپ بولیں نہیں مگر پھر بھی اس دردمند دل نے اپنی تکلیف کی پروا نہ کرکے چند کلمات جماعت کو سنائے۔
اسکے بعد پیر عابد علی شاہ صاحب نے مختصر طور پر چند باتیں فرمائیں اور پھر مسجد مبارک میں کانفرنس انجمنہائے
احمدیہ کا اجلاس ہوا۔ کانفرنس میں اہم امر جو طے ہوا وہ مجلس معتمدین کا یہ رزولیوشن تھا کہ جملہ انجمنہائے
احمدیہ یہ کوشش کریں کہ ہر ایک احمدی دوست اپنی ماہوار آمد میں سے کم از کم بحساب دو پیسے فی روپیہ چندہ چار
مدات یعنی لنگر خانہ۔ مدرسہ تعلیم الاسلام۔ مدرسہ احمدیہ۔ اور اشاعت اسلام کیلئے دیں اور ایسے معاونین
کی تعداد کو دس ہزار تک پہنچانیکی کوشش کی جاوے۔ یہ بھی قرار پایا کہ سب انجمنیں تین ماہ کے اندر اندر
ایسے معاونین کی فہرستیں تیار کرکے دفتر صدر انجمن احمدیہ میں بھیجدیں اور اس چندہ کی باقاعدہ وصولی
ہوتی رہے جو چندہ اس طرح پر آئیگا وہ دفتر محاسب صدر انجمن احمدیہ میں ان جملہ مدات میں تقسیم ہوکر
داخل ہو جایا کریگا۔ اور انجمنوں کو اپنی اپنی جگہ تقسیم مدات کی ضرورت نہیں ہوگی اور حساب میں آسانی
ہوگی۔ نیز کانفرنس نے جملہ انجمنوں کو قواعد شاخہائے صدر انجمن احمدیہ کی پابندی کی طرف توجہ دلائی۔ اس کانفرنس
کے بعد نماز مغرب ہوئی اور اسکے بعد جملہ سکرٹری و پریذیڈنٹ صاحبان انجمنہائے احمدیہ جو کانفرنس میں جمع تھے
حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسجگہ پھر آپ نے اتفاق اور وحدت کی طرف توجہ دلائی اور باہمی
نزاع اور فساد کے بدنتائج سے ڈرایا۔ عہدہ داروں کو سمجھایا کہ انکے فرائض کسقدر نازک ہیں اور انکو ہدایت
کی کہ وہ دوسروں کیلئے نمونہ بنیں۔ گو اعلان کے مطابق ۲۷ دسمبر کو سالانہ جلسہ ختم تھا مگر دو نہایت
ضروری لیکچر ۲۸ دسمبر کی صبح کو ہوئے۔ یہ دونوں تقریریں پشتو زبان میں تھیں۔ اور غرض انکی یہ تھی کہ
جو افغان لوگ علاقہ کابل اور سرحد سے آئے ہوئے تھے اور جن میں سے بعض ایسے تھے جو اردو کی تقریروں
سے فائدہ نہ اٹھا سکتے تھے انہیں بھی کچھ سنا دیا جاوے۔ چنانچہ ان تقریروں میں جن میں سے پہلی
تقریر جناب خواجہ کمال الدین صاحب کی تھی اور دوسری ملا سید احمد نور صاحب کی۔ ہر دو صاحبان

نے حاضرین کو فوائد و برکات برٹش گورنمنٹ سے آگاہ کیا اور یہ سمجھایا کہ سلسلہ احمدیہ ان تمام خیالات کا استیصال کرتا ہے جو جہاد کے متعلق خصوصاً سرحدی لوگوں اور افغانوں کے دلوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور یہ بتایا کہ کس طرح پر اس گورنمنٹ کے نیچے ہمیں وہ مذہبی آزادی حاصل ہے جو اسلامی سلاطین کے نیچے ہمیں نہیں مل سکتی۔ یہ جلسہ کی مختصر کیفیت ہے۔ مہمانداری کے انتظام میں بہت سے احباب نے نہایت سرگرمی اور جوش سے کام کیا۔ بیرونی احباب میں سے اس دفعہ صرف مولوی عمر الدین صاحب مدرس صریح اور ان کے ساتھی تھے جن کے سپرد کھانا پکوانے کا انتظام تھا۔ جزاہم اللہ خیراً۔ آئندہ کیلئے تجویز ہے کہ باہر کے احباب کو زیادہ حصہ اس کام میں دیا جاوے اس سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ وہ اپنی اپنی جماعتوں کی ضرورتوں کو بہتر سمجھیں گے اور اسطرح پر شکایت کا موقعہ کم ہوگا۔ مدرسین میں سے ماسٹر عبدالعزیز صاحب اور منشی اکبر شاہ خاں صاحب نے قابل تعریف مستعدی سے کام کیا گو محنت اور جانفشانی سے تو سب ہی کام کرتے ہیں مگر بٹالہ میں مہمانوں کے استقبال اور انکی اسائیش کا انتظام اس ساری کام میں ایک ایسا حصہ ہے جس میں بہت سے دینی فوائد کی بھی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ اس جگہ جانیوالے احباب عملی طور پر جلسہ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اس لیئے اس فرض کے ادا کرنے میں بہت سے احباب کو معذوریاں پیش آجاتی ہیں۔ ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے دلی خلوص سے اس کام کو اپنے ذمہ لیا اور میاں غلام قادر و منشی غلام محمد وغیرہ دیگر احباب انکے ساتھ شامل ہوئے جزاہم اللہ خیراً۔ میں اس بات کا ذکر کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب بعض احباب نے بٹالہ جانے میں عذر کیا تو قاضی امیر حسین صاحب نے نہایت خوشی سے اس کام کو اپنے ذمہ لینا چاہا مگر چونکہ کھانا پکوانے کے انتظام میں انکی یہاں بھی ضرورت تھی اسلیئے قاضی صاحب کو اسی جگہ رکھا گیا۔ قاضی صاحب کا نمونہ ہماری بہت سے دوستوں کے لیئے قابل تقلید ہے۔ قادیان میں مہمانوں کے استقبال اور انکے اسباب وغیرہ کو اتار کر ڈیروں میں پہنچانے کا کام اور پھر کھانا کھلانے میں مدد دینے کا کام منشی اکبر شاہ خان صاحب اور انکے ساتھ کے نوجوان طالبعلموں نے قابل تعریف مستعدی سے کیا۔ ایسا ہی منشی برکت علی صاحب و میاں فخر الدین صاحب و ماسٹر فقیر اللہ صاحب و شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی نے بھی شب و روز محنت اور جانفشانی سے مہمانوں کی آسائش کے لیئے ہر طرح سے کوشش کی۔ روشنی کا انتظام ماسٹر محمد دین صاحب کے سپرد تھا اور پانی کا میاں شادیخان صاحب کے اور دونوں صاحبوں نے اپنے فرائض کی ادائگی میں پوری سرگرمی سے کام کیا۔ حساب کتاب جلسہ کا کام شیخ محمد نصیب صاحب محرر اول دفتر سکرٹری کے سپرد تھا۔ اور انہوں نے قابل قدر محنت

اور دیانت سے اس کام کو سرانجام دیا۔ اور کسی قسم کی تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھا۔ باورچی خانہ کیلئے اشیاء مہیا کرنیکا کام حکیم محمد عمر خاں صاحب کے سپرد تھا اور انکے ساتھ سیکھواں کے مخلص اور محنتی دوست میاں امام الدین۔ میاں جمال الدین اور میاں خیر الدین اور بعض اور احباب تھے۔ جو کھانا کھلانے میں بھی مدد دیتے رہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو اور ان دوسرے احباب کو جن کے نام طوالت کے خوف سے میں لکھ نہیں سکتا بہت بہت جزائے خیر دے اور انکی ہمت اخلاص اور جوش میں برکت دے آمین۔ ہاں ایک امر کا اظہار ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مہمانوں کی تعداد کی کوئی تعیین نہ ہو سکنے سے منتظمین کو بہت سی مشکلات ہوتی ہیں۔ ہمارے مہمان خدا کا شکر ہے کہ اس بات کو سمجھتے ہیں اور اگر کوئی تکلیف بھی پیش آجائے تو اسے خوشی سے برداشت کرتے ہیں۔ چونکہ جو لوگ انکی مہمانداری کا انتظام کرتے ہیں وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہے میں امید کرتا ہوں کہ اگر کوئی نقص بھی کثرت کار کی وجہ سے ہو جاوے تو وہ وسعت حوصلہ سے کام لیکر ان احباب کیلئے دعائے خیر کریں گے۔

اس مختصر کیفیت کے بعد میں اس نہایت ضروری چٹھی کی طرف سب احباب کو توجہ دلاتا ہوں جو علیحدہ چھپوا کر مختلف انجمنوں میں جا چکی ہے۔ اور یہ استدعا کرتا ہوں کہ جہاں کہیں ہمارے دوست ہوں وہ اس تجویز کو جو اس چٹھی میں درج ہے بہت جلد عملدرآمد میں لانیکی کوشش کریں۔ وہ چٹھی اگلے صفحہ پر درج ہے۔

تعمیر فنڈ:۔ بورڈنگ ہوس کی عمارت جسے جلسہ پر آئے ہوئے احباب دیکھ چکے ہیں تکمیل کیلئے بہت سا روپیہ چاہتی ہے اسکے لئے میں بھی جملہ انجمنوں اور سب احباب کی خدمت میں یہ اپیل کرتا ہوں کہ ایک ماہ کی سالم تنخواہ والی تجویز کی طرف بہت جلد توجہ کیجاوے۔ ابھی ہمارے دوستوں میں کثرت سے ایسے احباب ہیں جنہوں نے تعمیر کا چندہ اس تجویز کے مطابق ادا نہیں کیا۔ سب انجمنیں بہت جلد توجہ کریں۔

مدرسہ احمدیہ۔ مدرسہ احمدیہ کی بنیاد رکھے جانے پر بعض احباب نے خاص اس مد کیلئے چندوں کے وعدے کئے تھے جبتک کہ اس چٹھی جو ساتھ شائع کیگئی ہے عملدرآمد ہو۔ مدرسہ احمدیہ احباب کی خاص توجہ کو چاہتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت ابھی تک علیل چلی جاتی ہے۔ اصل زخم اچھا ہو گیا تھا مگر قریب ہی یعنی جبڑے کی ہڈی کے نیچے کچھ پیپ ہو گئی۔ آج ۱۶ جنوری کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسپر ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے بڑی کامیابی سے اپریشن کیا۔ سب احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس نافع وجود کو شفائے عاجل اور کامل عطا فرماوے۔ آمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

مکرم بندہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کانفرنس انجمنہائے احمدیہ کے اجلاس منعقدہ ۲۷ دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء میں منجملہ اور امور کے جو پیش ہوئے ایک اہم امر مجلس معتمدین کی یہ تجویز تھی کہ جملہ انجمنہائے احمدیہ یہ کوشش کریں کہ انکے سب ممبران کم از کم بحساب دو پیسے فی روپیہ اپنی ماہوار آمد میں سے سلسلہ کی چار بڑی مدات یعنی لنگرخانہ - ہائی سکول - مدرسہ احمدیہ اور اشاعت اسلام کیلئے چندہ دیں - اور کہ ایسی معاونین کی تعداد کو دس ہزار تک پہنچانیکی کوشش کیجاوے جس جوش اور اخلاص سے مختلف انجمنوں کے سکرٹری یا پریزیڈنٹ صاحبان نے اس موقعہ پر اس تجویز کی تائید کی اس سے مجھے یقین ہوتا ہے کہ کانفرنس کی اس کارروائی کی بناپر جو اپیل میں آپ کی خدمت میں اسوقت کرتا ہوں وہ بے سود نہ ہوگی -

گذشتہ سال کی آمد پر جب میں نظر کرتا ہوں جس کی اطلاع مفصل عنقریب آپ کو بذریعہ مطبوعہ رپورٹ پہنچیگی تو اس میں چار مدات مذکورہ بالا کی کل آمد اس سال کی ۲۰۱۵۹-۸-۰ نظر آتی ہے جسمیں سے نصف سے کچھ زیادہ یعنی ۱۰۵۲۲-۷-۳ لنگرخانہ کی آمد ہے اور نصف سے کچھ کم باقی تینوں مدات کی تعلیم الاسلام ۴۹۳۵-۸-۶ اشاعت اسلام ۱۷۴۳-۱۱-۹ مدرسہ احمدیہ ۱۲۷۳-۱۲-۶ - ان میں سے دو مدات ایسی ہیں جنکی آمد کا ذریعہ سوائے چندہ کے کچھ نہیں یعنی لنگرخانہ اور مدرسہ احمدیہ - اور دوسری دو مدات یعنی تعلیم الاسلام ہائی سکول میں علاوہ چندہ کے سرکاری گرانٹ - عید فنڈ - فیس کی آمد اور اشاعت اسلام میں فروخت رسالہ کی آمد علاوہ چندہ کے ہے جس کا نتیجہ یہ ہے جیساکہ رپورٹ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ہائی سکول کو چھوڑ کر جسکو مختلف قسموں کی مدد پہنچنے سے دوسرے ذرائع سے خاصی آمد ہو جاتی ہے یعنی چار ہزار روپے کے قریب فیس کی آمد اور تین ہزار سے اوپر سرکاری گرانٹ اور عید فنڈ کی آمد - باقی تینوں مدات میں خرچ آمد سے بڑھ رہا - اسطرح پر کہ اشاعت اسلام میں خرچ آمد سے ۹۸۷ زیادہ ہے - مدرسہ احمدیہ میں ۱۱۹۹ اور لنگرخانہ میں ۱۰۲۵ - یہ تو گذشتہ کیحالت ہے اور آیندہ کیلئے اس سے بھی زیادہ مشکلات نظر آتی ہیں ایک مدرسہ احمدیہ کے لیئے ہی ۵۹۴۴ یعنی قریباً چھ ہزار روپیہ خرچ کا اس سال میں بکار ہے - اور یہ خرچ سوائے چندہ کے اور کسی طرح پورا نہیں ہو سکتا - ادھر آمد کا اگر یہی حال رہے تو بارہ تیرہ سو سے بڑھنے کی امید کم ہے - یہی وہ حالات ہیں جنپر غور کر کے گذشتہ پیوستہ سال کی رپورٹ میں اس امر کی طرف احباب کو توجہ دلائی گئی تھی کہ "اگر ہم انجمنوں کے ذریعہ صرف دس ہزار آدمیوں سے بھی باقاعدہ چندہ وصول کر سکیں اور یہ دس ہزار آدمی عہد کر لیں کہ وہ اپنی آمد میں سے دو پیسے فی روپیہ اس سلسلہ کی

اغراض لنگرخانہ مدرسہ احمدیہ واشاعت اسلام کیلئے دیدیں گے تو پانچہزار روپے ماہوار یا ساٹھ ہزار روپے
سالانہ کی مستقل آمد اس ذریعہ سے ہوسکتی ہے" اب ایک اور سال کا تجربہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ہمیں اس تجویز کو
عملی رنگ میں لانیکے لیئے کوئی دن کیا کچھ گھنٹے بھی ضائع نہیں کرنے چاہییں۔ اور جسطرح ممکن ہو اس
تجویز کو عملی جامہ بہت جلد پہنانا چاہیئے۔ مجلس معتمدین اور پھر کانفرنس انجمنہائے احمدیہ نے بھی اس ضرورت کو
سخت محسوس کیا ہے اور اس لیئے ان سب باتوں کو آپ کی خدمتمیں پیش کرکے میں یہ درخواست آپکی خدمتمیں
کرتا ہوں کہ آپ اس امر کو کسی قریب تر اجلاس انجمن میں پیش کرکے ان سب احباب کو جو اس سلسلہ میں
شامل ہیں پُرزور تحریک کریں کہ وہ اس تجویز پر کاربند ہوں۔ مانا کہ ہماری کوئی قہری حکومت نہیں۔
ہم کسی کو مجبور نہیں کر سکتے کہ ضرور اتنا چندہ دو اور وعدہ کرکے وقت پر نہ دیں تو ہمارے پاس کوئی ذریعہ
نہیں کہ ہم جبراً اس موعودہ رقم کو بھی وصول کر سکیں۔ لیکن کیا اس سلسلہ میں جو لوگ داخل ہوتے
ہیں وہ جبراً ہوئے ہیں۔ یا اب انکو کوئی مجبور کرسکتا ہے کہ وہ اس میں شامل رہیں۔ ہمارے جو احباب انشراح صدر
سے اس سلسلہ میں شامل ہیں۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ سب احباب انشراح صدر سے ہی اسمیں شامل
ہیں۔ کیا وہ اس بات سے ناواقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس سلسلہ کو اس زمانہ میں قائم کرنیکی غرض
ہے ہی خدمت اسلام۔ اگر اس میں ہو کر بھی ہم خدمت اسلام میں حصہ نہیں لیتے تو عملی رنگ میں ہم اس
سلسلہ میں نہیں کہلا سکتے۔ اور فرضی طور پر ایک ایسے سلسلہ میں رہنے سے حاصل کیا ہے جو دنیا
کی طرف سے مورد طعن و ملامت ہو رہا ہے اور تکفیر کا نشانہ بن رہا ہے۔ ایمانی رنگ میں یہ ماننا کہ حضرت مرزا
غلام احمد صاحب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے اور وہی مسیح اور مہدی تھے جسکے آنیکا وعدہ دیا گیا تھا اور
عملی رنگ میں اسلام کی خدمتمیں لگے رہنا یہ دونوں امر سلسلہ میں شمولیت کے لیئے ضروری ہیں جیسا کہ اگر
یہ سلسلہ خدانخواستہ خدمت اسلام کے کام کو چھوڑ دے تو پھر یہ مسیح موعودؑ کا سلسلہ نہیں کہلا سکتا۔ اسی طرح
پر اگر کوئی شخص اس سلسلہ میں شامل ہو کر خدمت اسلام کے کام کو چھوڑتا ہے۔ تو وہ بھی عملی طور پر سلسلہ میں
داخل نہیں کہا جا سکتا۔ خدمت اسلام کے کیا کیا پہلو ہیں انکی بنیاد خود بانی سلسلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے رکھدی ہے۔ اور انہی کاموں میں حصہ لیکر ہم عملی طور پر اس سلسلہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔
انہی کاموں کو چلانیکے لیئے ایک یہ تجویز ہے جو اسوقت آپ کی خدمتمیں پیش کیجاتی ہے۔
دو پیسے فی روپیہ اپنی آمد میں سے اس سلسلہ کے لیئے کاٹ دینا کوئی ایسی درخواست نہیں

جیسے غریب سے غریب شخص بھی جو اس سلسلہ میں شامل ہو پورا نہ کرسکتا ہو۔ یہ کوئی جان کی قربانی نہیں کوئی عزت و وجاہت کی قربانی نہیں۔ ان بڑی بڑی دنیوی امیدوں کی قربانی نہیں جو ہر ایک کے دل میں ہوتی ہیں۔ ہاں ایک مالی قربانی ہے اور وہ بھی بہت چھوٹے پیمانہ پر۔ مگر یاد رکھو کہ اس تمہاری چھوٹی سی قربانی سے دنیا میں عظیم الشان کام ہو سکتے ہیں۔ کتنی چھوٹی سی بات ہے کہ جو شخص سولہ روپیہ ماہوار کماتا ہے وہ یہی سمجھ لے کہ میں سولہ نہیں ساڑھے پندرہ کماتا ہوں۔ جو بتیس روپے کماتا ہے وہ اپنے نفس کو آسانی سے سمجھا سکتا ہے کہ میں بتیس نہیں اکتیس کماتا ہوں۔ یاد رکھو کہ اس چھوٹے سے حصہ کے کاٹ دینے میں تمہارا نقصان کوئی نہیں اور فائدے بہت سے ہیں اس حصہ کے خدا کی راہ میں خلوص نیت سے کاٹ دینے سے تمہارے اموال پاک ہو جائیں گے اور انہیں برکت ہوگی تمہارے ایمان عملی رنگ اختیار کرکے مضبوط ہو جائیں گے۔ تم انصار اللہ کہلاؤ گے تم دنیا میں بڑے بڑے کاموں کو سرانجام دیکر ایک بڑی قوم بن جاؤ گے۔ تم اللہ کے نزدیک اجر و ثواب کے مستحق ٹھہرو گے۔ تم سے پہلے ان لوگوں نے جنکے نقش قدم پر تمہیں چلنے کا دعویٰ ہے وہ وہ قربانیاں کرکے دکھائی ہیں کہ مالوں گھروں جائدادوں قریبیوں رشتہ داروں عزت و وجاہت سب کچھ قربان کرکے آخر جانیں بھی قربان کر دیں۔ انکے نام آسمان پر روشن ستاروں کی طرح دنیا کی آخر تک چمکیں گے۔ ان مثالوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ اور اسی راہ پر قدم مارنیکی کوشش کرو۔ اگر تم میں سے وہ اشخاص ہیں جنہوں نے اپنی کل کی کل امیدوں کو خدا کی راہ میں قربان کر دیا۔ یا جنہوں نے اپنے مالوں کے بڑے حصے کو خدا کی راہ میں صرف کر دیا تو تم خود ہی غور کرکے دیکھ لو کہ آیا وہ فی الواقع دنیا میں غریب اور ذلیل ہو گئے اور معیشت کی تنگی ان پر وارد ہو گئی؟ اور اگر تم میں سے وہ اشخاص ہیں جنہوں نے اپنے مالوں کے کسی معتدبہ حصہ کو اس راہ میں آجتک صرف نہیں کیا تو کیا وہ اس کے نہ دینے سے دنیا میں معزز اور امیر بن گئے ہیں؟ یہ مال جو تم کماتے ہو یہ تو کسی نہ کسی طرح فنا ہوتے چلے ہی جاویں گے مبارک ہے وہ جو انکے کسی حصہ کو قربان کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ حصہ ہے جو بیج کی طرح بویا جاتا ہے اور جو آخر کار وہ ثمر لاتا ہے جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ پس اب بھی گذشتہ نقصان کی تلافی کے لئے کمربستہ ہو جاؤ۔ ہمتیں آگے

سب مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں۔

یاد رہے کہ اس تحریک سے یہ غرض ہے کہ (۱) جو احباب ابتک چندہ نہیں دیتے یا دو پیسے فی روپیہ یعنی اپنی آمد کے بتیسویں حصہ سے کم چندہ دیتے ہیں ان سے کم ازکم اس حساب سے چندہ لیا جاوے نہ یہ کہ جو احباب اب زیادہ چندہ دیتے ہیں وہ اسے کم کردیں۔ (۲) چندہ کی وصولی باقاعدہ ماہوار ہو جاوے دینے والے بھی یہ کوشش کریں کہ مہینہ کے مہینہ اس رقم کو شروع سے ہی کاٹ کر الگ کردیں اور وصول کرنیوالے بھی یہ کوشش کریں کہ وہ دوسرے مہینہ تک بقایا نہ رہنے دیں کیونکہ اسطرح سے دینے والے کے لیئے مشکل ہوجاتا ہے (۳) نئی فہرستیں اگر ممکن ہو تو ۳۱ جنوری تک ورنہ اخیر فروری تک ضرور دفتر سکرٹری میں پہنچ جانی چاہییں تاکہ یہاں بھی حساب کتاب جملہ چندہ دہندگان کا کھول دیا جاوے اور بقایا وغیرہ کا مطالبہ کیا جاسکے۔

نوٹ جو احباب وصیت کے رو سے دسواں حصہ آمد دیتے ہیں ان کے سب چندے اسی دسویں حصہ میں شامل سمجھے جاویں گے۔

نوٹ:۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ اس جلسہ انجمن میں سب احباب کو جمع کرنیکی کوشش کی جاوے اور جو نہ شامل ہوسکیں۔ انکو اس تجویز میں شامل کرنے کے لیئے ہر ایک انجمن میں سے ایسے تین مستعد احباب جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ یہ جوش ڈالے انکے پاس گھروں میں جاویں اور حتی الوسع یہ کوشش ہو کہ کوئی فرد اس سے باہر نہ رہے۔ والسلام

خاکسار
محمد علی

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۱۱ء

(۱۶)

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجرب

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آج کل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعفِ نظر کی عام شکایت ہے۔ مینے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کے لیئے مسلم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اس کے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیحؑ حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق کی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مینے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کیئے ہیں اور اب فائدہ عام کیلیئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اسلیئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اول قسم عہ قسم دوم عہ قسم سوم عہ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اول ۵ جس کو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم سے اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کر کے قیمت لے لو۔

ست سلاجیت

مقوی جمیع اعضا۔ نافع مرض مشتہی طعام قاطع بلغم ورياح دافع بواسیر جذام و استسقاد زردی رنگ و تنگی نفس و دق و تشیح و فساد بلغم و قاتل کرم شکم متفتت سنگ گردہ و مثانہ و بواسیر بول سیلان منی و بوسٹ درد مفاصل وغیرہ وغیرہ بہت مفید ہے بقدر دانہ نخود صبح کے وقت دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔ قیمت فی تولہ ۸

لنگیاں اور کلاہ:۔ ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری بادامی سیاہ سفید ماشی ریشمی سوتی ٹسری صاف سفید اور بادامی اور پشاوری ٹوپیاں اور زری جوتیاں ہر قسم کی اور ہر قیمت کی مل سکتی ہیں عا سے ۲۵ تک۔

حمائل خورد روسی ہدیہ عہ۔ اور شاہ رفیع الدین کا مترجم کلام اللہ چمڑے کی جلد قیمت عہ

المشتہر:۔ احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور۔ (پنجاب)

فہرست مضامین رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو بابت سال ۱۹۱۱ء

قادیان ضلع گورداسپور سے ہر مہینہ کی ۲۰- تاریخ کو صدر انجمن احمدیہ کے

اہتمام سے شائع ہوتا ہے

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ | بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۲

چندہ سالانہ — عوام سے ۳ / طلباء سے ۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - فروری سنہ ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اسلام*

پیشتر اس کے کہ میں اصل مضمون کو شروع کروں۔ میں یہ اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تمام احمدیہ قوم کی طرف سے کنونشن آف ریلیجنس (جلسہ مذاہب) کے معزز بانیان کا شکریہ ادا کروں جن کی قابل تعریف کوششوں سے اس کنونشن کا دوسرا جلسہ الہ آباد میں قائم ہوا۔ فی الحقیقت احمدیہ جماعت اس کنونشن کے ذریعہ اپنے مقدس امام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی اُس خواہش کو پورا ہوتے ہوئے دیکھ رہی ہے جو عرصہ دراز سے آپ کے دل میں تھی اُس آخری زمانہ کے مصلح کی یہ بڑی خواہش تھی کہ مختلف مذاہب کے لیڈر ایک جگہ جمع ہوکر ایک ہی پلیٹ فارم سے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں۔ اور کوئی شخص دوسرے مذاہب کے بانیوں یا مقدس کتابوں پر حملہ نہ کرے۔ اس تجویز کے پیش کرنے سے آپکی غرض یہ تھی کہ آجکل جو مذہبی عداوت اور قومی نفرت کا بازار گرم ہے وہ ٹھنڈا ہوکر اُسکی جگہ

---

* یہ اُس انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے جو حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ نے جلسۂ مذاہب الہ آباد کیلئے تحریر فرمایا اور جناب مولوی صدرالدین صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی۔ نے ۱۰ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء کو جلسۂ مذکور میں پڑھ کر

دوستانہ اتحاد اور برادرانہ محبت کا بیج بویا جاوے۔ آج سے پندرہ سال پہلے یعنی ۱۸۹۵ء میں جبکہ احمدیہ فرقہ ابھی ابتدائی حالت میں تھا آپنے ایک اشتہار شائع کیا جس کا مدعا یہ تھا کہ مذہبی تحقیق کیلیئے ایک کانفرنس یعنی مجلس قائم کی جاوے جس کا صدر مقام قادیان ہو اور مختلف مذاہب کے علماء و فضلاء ایک مجلس میں جمع ہوکر اور تعصب و ضد سے خالی ہوکر اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں اور ایک دوسرے کے دلائل کو ٹھنڈے دل سے سنیں اور اُنپر غور کریں۔

اُس اشتہار میں اس کانفرنس کے اجلاسوں کی کارروائی کے لیئے ایک قاعدہ آپنے یہ تجویز کیا تھا کہ کوئی صاحب اپنی تقریر میں کسی دوسرے مذہب کا ذکر کنایۃً یا اشارۃً بھی نہ کریں۔ مگر بعض ایسے وجوہات سے جنکا ذکر کرنا میں یہاں مناسب نہیں سمجھتا اس مجوزہ کانفرنس کا انعقاد نہ ہوسکا مگر فرقہ احمدیہ کے بانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی خواہش کو خدائے تعالیٰ نے اس رنگ میں پورا کردیا کہ دوسرے سال ہی دسمبر میں جلسہ اعظم مذاہب مقام لاہور میں قائم ہوا اور جو پرچہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف سے اُس جلسہ میں پڑھا گیا وہ نہایت مقبول ہوا اور تمام فرقوں اور قوموں کے لوگوں نے اُس کو سُنکر بلا اختیار نہایت مسرت اور خوشی کا اظہار کیا۔ مگر افسوس ہے کہ جلسہ اعظم مذاہب (دھرم مھوتسو) کا اس کے بعد کوئی دوسرا اجلاس نہ ہوا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آج کل لوگوں میں مذہبی امور کی طرف بہت ہی کم توجہ ہے۔ اس سے دو سال بعد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اُسی تڑپ کی وجہ سے جو آپ کو مختلف مذاہب کے لوگوں میں صلح کے خیالات پھیلانے کے بارے میں تھی ایک میموریل برٹش گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجا۔ اور اُس میں سرکار انگریزی سے یہ درخواست کی کہ چونکہ مذہبی مباحثات میں بعض لوگ حد سے بڑھ جاتے ہیں اور سرکار

انگریزی نے جو مذہبی آزادی دے رکھی ہے اُس سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر عداوت اور بُغض اور بدامنی کا بیج بو رہے ہیں۔ اس لئے بعض ایسے قواعد پاس کئے جاویں جن سے اِس بدی کا انسداد ہو اور اس کے لئے عملی تجاویز پیش کیں مگر گورنمنٹ ان تجاویز پر عمل نہ کر سکی۔ پھر بھی اس صلح کے رسول کا حوصلہ کچھ کم نہ ہوا اور اُس نے ۱۹۰۸ء میں اپنا صلح کا پیغام پھر پبلک کو پہنچایا مگر پیشتر اس کے کہ آپ کا یہ **پیغام صلح** چھپکر شائع ہو سکے وہ صلح کا پیغام پہنچانے والا اس عالم سے رخصت ہو کر اپنے **رفیق اعلیٰ** سے جا ملاقی ہو۔ اور اُس کا **پیغام صلح** اُسکی رحلت کے بعد شائع ہوا۔ اُس **پیغام صلح** میں آپ نے جو اصول صلح کی بنیاد ڈالنے کے لئے پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ نے مختلف ممالک میں مختلف کتابوں کے ذریعہ جو مختلف قوموں میں مختلف نبیوں اور رسولوں پر نازل ہوئیں اپنے تئیں ظاہر کیا ہے۔ اور یہ کہ خدائے تعالیٰ کے مکالمات اور الہامات کا سلسلہ کبھی بند نہیں ہوا اور نہ آئیندہ کبھی بند ہوگا۔ اور آپنے اس پیغام میں کُل قوموں کو مدعو کیا ہے کہ وہ اس اصول کو قبول کریں تا صلح کی بنیاد محکم طور پر قائم ہو جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ احمدیہ سلسلہ اس مذہبی کنونشن میں نہایت ہی گہری دلچسپی لیتا ہے جس کے پہلے اجلاس کا اعلان **پیغام صلح** کے شائع ہونے سے صرف ۶ ماہ بعد ہوا۔

اسلام کی تصویر آپ صاحبان کے سامنے پیش کرتے ہوئے میں اُس اصول کی پیروی کروں گا جو سب سے پہلے سلسلہ احمدیہ کے مقدس بانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے قائم کیا اور وہ اصول یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو دعویٰ اپنے مذہب کے متعلق پیش کرے اُس کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اُس دعویٰ کو اپنی ہی الہامی کتاب میں سے پیش کرے اور جو دلیل اُس دعوے کے ثبوت میں پیش کرے وہ دلیل بھی اُسی الہامی کتاب میں سے پیش کرنی چاہیئے تا ایسا نہ ہو کہ مدعی سُست۔ گواہ چست کی مثل صادق آئے۔ پس اسی اصول کے مطابق میرے تمام دعاوی اور دلائل قرآن شریف سے ہی ماخوذ اور اُسی پر مبنی ہونگے۔ درحقیقت یہ نہایت ہی ضروری امر ہے کہ

ہر ایک شخص جو کسی کتاب کو الہامی سمجھتا ہے اور اُس کو خدا کا کلام یقین کرتا ہے اُسے چاہیے کہ اپنے مذہب کے اصول کی تشریح کرتے ہوئے اس الہامی کتاب سے باہر نہ جائے یا ایسے دلائل پر انحصار نہ کرے جو اُس کی مسلمہ الہامی کتاب میں نہیں پائے جاتے۔ یہ ایک ایسا اصول ہے کہ اس کی پابندی کرنے سے ایک مذہب کی حقیقت بہت جلد کھل سکتی ہے۔

میں نے اپنے مضمون کا عنوان "محمدی مذہب" کی بجائے "اسلام" تجویز کیا ہے کیونکہ یہی نام قرآن مجید میں اس مذہب کو دیا گیا ہے۔ یہ اس مذہب کی پہلی خصوصیت ہے کہ جس نام سے یہ مذہب مشہور ہے وہ اُس کے پیرؤوں نے بعد میں بانی مذہب کے نام پر تجویز نہیں کیا بلکہ جس مذہب کی ایک مسلمان پیروی کرتا ہے وہ ایسا مذہب ہے کہ خود اُس کتاب میں اُس کے لیے ایک نام تجویز کیا گیا ہے جس کو وہ الہامی کلام مانتا ہے چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچا دین اسلام ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا ہے وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ-۱) یعنی خدائے تعالیٰ نے تمہارے لیے الاسلام کا دین پسند کیا ہے۔ علاوہ ازیں اسلام کا نام ایک پُرمعنی نام ہے بلکہ یہ نام تمام قرآن کی تعلیم کا ایک خلاصہ ہے اس کے اصلی معنے ہیں صلح کرنا اور صلح اسلام کی کُل تعالیم کی روح ہے۔ قرآن مجید کے رُو سے مسلمان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے صلح کر لے جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ (بقرہ-۱۳) اور چونکہ وہ خدائے تعالیٰ سے پوری صلح رکھتا ہے۔ اس لیے اُسکو ہمیشہ اطمینان قلب اور راحت حاصل رہتی ہے۔ (وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ۔ نحل-۱۴)۔ جب ایک مسلمان دوسرے بھائی کو ملتا ہے تو اُسے سلام یعنی صلح ہی کا تحفہ دیتا ہے اور بہشت میں بھی مسلمان ایک دوسرے کی ملاقات کیوقت سلام ہی کہیں گے۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَتَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ (یونس-۱) یعنی بہشت میں اہل جنت کی دعائے ملاقات سلام ہوگی۔ بلکہ جس

بہشت کا قرآن شریف نے نقشہ کھینچا ہے اُس میں سوائے سلام کے اور کوئی بات نہ ہوگی ۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ۔ لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡہَا لَغۡوًا وَّ لَا تَاۡثِیۡمًا اِلَّا قِیۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝ (واقعہ - ۱) یعنی جنت والے بہشت میں کوئی بیہودہ یا گناہ کی بات نہیں سُنیں گے مگر یہی کہنا کہ سلام ہے سلام ہے قرآن شریف میں السَّلٰمُ خدائے تعالیٰ کا ایک نام ہے جس کے معنے ہیں امن اور سلامتی کا سرچشمہ ۔ (حشر - ۳) اور جس منتہیٰ کی طرف اسلام بلاتا ہے اُس کا نام بھی دارالسلام ہے یعنی سلامتی کا گھر ۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَ اللّٰہُ یَدۡعُوۡۤا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ؕ ۔ (یونس - ۳) یعنی اللہ تعالیٰ سلامتی کے مقام کی طرف بلاتا ہے ۔ پس ثابت ہوا کہ سلامتی اور صلح اسلام کے مذہب کی روح ہے کیونکہ سلامتی ہی اس کا سرچشمہ ہے جس سے یہ پیدا ہوتا ہے اور سلامتی ہی اُس کا ثمرہ ہے جو اس سے حاصل ہوتا ہے ۔ اس لئے اسلام سب سے بڑھ کر ایک صلح اور سلامتی کا مذہب ہے اور اس سلامتی اور صلح کی تعلیم پر احمدیہ سلسلہ خصوصیت کے ساتھ زور دیتا ہے ۔

اسلام کے اصول پر بحث کرنے سے پہلے مَیں چاہتا ہوں کہ آپ صاحبان کی توجہ اسلام کی ایک اور خصوصیت کی طرف پھیروں ۔ یہ کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب اپنی اصلیت کے لحاظ سے ایک ہیں اور شکل میں مختلف یہ ایک ایسی سچائی ہے جس کو آجکل عام طور پر قبول کیا جاتا ہے مگر جب اسلام دنیا میں نمودار ہوا اُس وقت اِس صداقت کو کوئی نہیں جانتا تھا ۔ اِس روشن صداقت کے لیئے مقدر تھا کہ اس کا سب سے پہلے ایک ایسے شخص کے مُنہ سے اعلان کیا جاوے جو ایک ایسے ملک کا رہنے والا تھا جو کبھی کسی مہذب قوم کے زیر اثر نہیں رہا تھا اور جو بیرونی دنیا سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا ۔ اُس ملک کے باشندے مدت سے غیر ممالک کے باشندوں کو گویائی کی قوت سے محروم خیال کرتے تھے اور جو لفظ انہوں نے غیر ملک کے باشندوں کے لیئے تجویز کیا ہوا تھا یعنی عجم

اُسی لفظ کے معنے گونگے اور بے زبان کے بھی تھے۔ ایسے ملک میں مذہب اسلام پیدا ہوا اور یہی مذہب تھا جس نے قومی علیحدگی کے برخلاف آواز اٹھائی اور یہ قومی علیحدگی اگرچہ ہر ایک جگہ موجود تھی مگر سب سے بڑھکر یہ روح اہل عرب کی قوم میں پائی جاتی ہے جو سب دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہو کر رہتے تھے۔ پہلا لفظ جو ایک مسلمان کو سکھایا جاتا تھا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص قوم یا خاص قبیلہ یا فرقہ کا رب نہیں بلکہ تمام نوع انسان اور تمام عالمین کا رب ہے۔ اور اسلیئے پہلی شرط اسلامی برادری میں داخل ہونیکی یہ تھی کہ انسان نہ صرف اُس وحی کی صداقت پر ایمان لائے جو اسلام کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوئی بلکہ جو کچھ اُس نبیؐ کے ظہور سے پہلے دنیا کے تمام انبیاءؑ پر نازل ہوا اُس سب پر ایمان لائے ابتدا ہی میں قرآن مجید کھلے الفاظ میں یہ بیان کرتا ہے کہ اسکی ہدایتیں صرف ایسے لوگوں کے لیئے رہنمائی کا موجب ہونگی جو اُس وحی پر ایمان لائیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اُتاری گئی اور نیز جو کچھ اس نبیؐ سے پہلے اُتارا گیا اُسپر ایمان لاویں۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (بقرہ - ۱) جابجا قرآن مجید کی نسبت فرمایا ہے مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ یعنی یہ اُس سچائی کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے موجود ہے۔ اس لیئے ایک مسلمان نہ صرف قرآن شریف کی صداقت پر ایمان لاتا ہے بلکہ وہ تمام الہامی کتابوں پر ایمان لاتا ہے خواہ وہ کسی ملک میں اور کسی زمانہ میں نازل ہوئی ہوں۔ وہ نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے بلکہ وہ تمام انبیائے عالم کو خدا کی طرف سے مامور اور خدا کے فرستادے یقین کرتا ہے خواہ وہ کسی قوم کے نبی ہوں اور کسی زمانہ میں مبعوث ہوئے ہوں۔ یہ خیال کرنا ایک غلطی ہے کہ قرآن کریم صرف اُنہی انبیاءؑ کو خدا کی طرف سے بیان کرتا ہے جو قوم اسرائیل میں پیدا ہوئے۔ اور یہ کہ اُس کے نزدیک الہامی کتابیں صرف توریت۔ زبور اور انجیل ہی ہیں۔ قرآن مجید کھلے الفاظ میں فرماتا ہے

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ - یعنی کوئی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی نذیر (خدا کی طرف سے ڈرانے والا) نہ گذرا ہو۔ (فاطر - ۳) اور اس سے چند آیات آگے چلکر فرماتا ہے وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ - (فاطر - ۴) یعنی جو کتاب ہم نے تیری طرف وحی کی ہے وہ حق ہے اور جو سچائیاں اس کے پہلے موجود ہیں اُنکی تصدیق کرتی ہے۔ اور چونکہ دنیا کے تمام انبیاءؑ کے نام قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (مومن - ۸) یعنی ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے۔ اُن میں سے بعض کا ذکر ہم نے تجھے سنایا ہے اور بعض کا ذکر تجھے نہیں سنایا اس لیئے ایک مسلمان کے اعتقاد کو مندرجہ ذیل عام الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۵ (بقرہ - ۴۰)

پس احمدیہ سلسلہ کا مقدس بانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) قرآن شریف کی صریح تعلیم کے باہر نہیں گیا جب آپنے یہ اعلان کیا کہ "قرآن مجید اپنے پیرؤوں کے لیئے یہ لازمی ٹھہراتا ہے کہ وہ اُن تمام انبیاءؑ کو قبول کریں جن کو انسانی نسل کی ایک عظیم تعداد نے قبول کیا ہے" الا جبکہ آپنے اس سے بھی زیادہ کھلے الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ "وہ مقدس نفوس جن کے ذریعہ آریہ ورت کے لوگوں کو ہدایت پہنچائی گئی اور آریہ قوم کے دیگر راستباز لوگ جیسے رام چندرؑ اور کرشنؑ یہ سب خدائے تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے جنپر اُس نے اپنا فضل نازل فرمایا اور جنپر اُس نے اپنی برکات کی بارش برسائی"۔

اس لیئے اسلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے پیرؤوں سے

یہ منواتا ہے کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے ادیان جو اسلام سے پہلے دنیا میں موجود تھے اُن سب کی بنیاد الہام الٰہی پر تھی۔ اور اس طرح اسلام جیسا کہ اس کا نام ظاہر کرتا ہے دنیا کے تمام مذاہب کے درمیان صلح اور اتحاد کی بنیاد ڈالتا ہے۔ قرآن کریم کے رو سے دنیا کے تمام مذاہب کا سرچشمہ ایک ہی ہے جس سے وہ شروع ہوتے ہیں یعنی الہام الٰہی۔ مگر اسلام کا بڑا کام صرف یہی نہیں تھا کہ وہ اس نئی صداقت کا وعظ کرے جس کا پہلے کسی شخص نے وعظ نہیں کیا تھا بلکہ اسلام کا کام یہ بھی ہے کہ وہ اُن غلطیوں کی اصلاح کرے جو مرورِ زمانہ کی وجہ سے پہلے مذہبوں میں داخل ہوگئی تھیں۔ اور صداقت کو جھوٹ اور غلطی سے الگ کر دے اور نیز یہ کہ وہ اُن صداقتوں کا وعظ کرے جن کا سوسائٹی کے خاص حالات کی وجہ سے اور نوع انسان کی ابتدائی حالت کے سبب کسی نبی نے پہلے وعظ نہیں کیا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تمام سچائیاں جو پہلے کسی ملک کی کسی الہامی کتاب میں پائی جاتی تھیں اُن سب کو انسان کی ہدایت کیلیے ایک جگہ جمع کر دے اس لیے اسلام یہ امر اپنے لیے بطور امتیازی نشان کے پیش کرتا ہے کہ وہ آخری شریعت اور کامل ہدایت ہے چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (مائدہ ۔ ۵) یعنی آج مینے تمھارا دین تمھارے لیے کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا ہے اور مینے اسلام کا دین تمھارے لیے پسند کیا ہے۔ جو بات اسلام میں اور باقی ادیان میں مشترک ہے وہ یہ ہے کہ یہ اُنکی طرح ایک الہامی مذہب ہے۔ اور اسلام میں اور دوسرے مذاہب میں فرق یہ ہے کہ اسلام کی الہامی کتاب قرآن مجید خدا کے تعالیٰ کا آخری اور کامل الہام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس پر یہ کامل اور جامع کلام نازل ہوا اُس کا نام خاتم النبیین رکھا گیا اور اُس آخری کتاب کی نسبت کہا گیا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۔ یعنی

پاک صفحات جن میں تمام درست کتابیں شامل ہیں۔ (بعینہ)

جہانتک اس مضمون کا دائرہ مجھے اجازت دیتا تھا میں اس بارے میں
کہ دنیا کے مذاہب میں اسلام کیا درجہ رکھتا ہے اور دنیا کی الہامی کتابوں سے
قرآن مجید کو کیا نسبت ہے، کافی بیان کر چکا ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ اپنے
مضمون کے لیئے بطور تمہید کے اسلام کی ایک اور خصوصیت کا یہاں ذکر
کردوں۔ اور وہ خصوصیت یہ ہے کہ اسلام بلاشک وشبہ ایک تاریخی مذہب
ہے اور بانی اسلام (علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام) ایک تاریخی انسان
ہے۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ دوست و دشمن دونوں کے نزدیک مسلّم ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر ایک واقعہ ہم تاریخ کی مدد سے پڑھ سکتے ہیں۔ اور
قرآن مجید جو کہ اسلام کے تمام روحانی۔ اخلاقی اور تمدنی قواعد کا سرچشمہ ہے بقول
باسورتھ سمتھ "ایک ایسی کتاب ہے جو کہ اپنے اصل اور اپنی حفاظت کے لحاظ سے بالکل
بے نظیر ہے اور جس کے مستند اور صحیح ہونے کی نسبت کوئی شخص شبہ نہیں کر سکتا"
میور بھی اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ "دنیا بھر میں غالباً کوئی اور ایسی کتاب نہیں جو
۱۲۰۰ سال تک ایسی محفوظ رہی ہو جیسا کہ قرآن مجید" اور وہ "وان ہیمر" کے اس قول کی
تصدیق کرتا ہے "کہ جیسا مسلمانوں کو اس امر کا یقین ہے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ
کا کلام ہے ایسا ہی ہمیں یقین ہے کہ یہ بعینہ وہی قرآن ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
کے مُنہ سے نکلا" یعنی اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ چونکہ ہر ایک مسلمان
کے پاس ایک ایسی الہامی کتاب ہے جو صدہا سال سے بالکل محفوظ چلی آتی ہے جس میں
اُس کی روحانی اور اخلاقی بہتری کے لیئے کامل ہدایتیں موجود ہیں اور چونکہ اُس کے
سامنے ایک ایسے عظیم الشان اور مقدس نبی کا نمونہ موجود ہے جسکی زندگی میں اُس کو
ہر ایک موقع اور ہر ایک کام کے لئے مثالیں ملتی ہیں اسلیئے اُسکو یقین ہے کہ اُس نے
کسی ایسی سچائی کو ترک نہیں کیا جو کسی قوم پر کسی زمانہ میں نازل ہوئی اور اُس نے
کسی ایسی خوبی کو رد نہیں کیا جو کسی نیک انسان کی زندگی میں ملتی ہے۔ اسطرح وہ نہ

صرف تمام الہامات کی صداقت پر ایمان لانا اور تمام قوموں کے مقدس لیڈروں کو قبول کرتا ہے بلکہ وہ آخری اور کامل الہام کی پیروی کرکے اُن تمام مستقل اور دائمی سچائیوں کی بھی پیروی کرتا ہے جو دنیا کی الہامی کتابوں میں پائی جاتی ہیں اور سب سے اکمل اور احسن اُسوہ کی پیروی کرکے وہ تمام نیک آدمیوں کی اُنکے نیک کاموں میں پیروی کرتا ہے اور یہ کامل اُسوہ وہ ہے جس کے تمام فعل بقول باسورتھ سمتھ جہاں تک ممکن ہوسکتا ہے ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

اسلام کے بڑے بڑے اصول قرآن مجید کے ابتدا ہی میں بیان کیئے گئے ہیں سورہ بقرہ کے ابتدا میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ یہ کتاب (اس میں کچھ شک نہیں) متقیوں کے لیئے ہدایت ہے۔ یعنی اُنکے لیئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُنکو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ جو ایمان لاتے ہیں اُس پر جو تیری طرف اُتارا گیا اور اُس پر جو تجھ سے پہلے اُتارا گیا اور جن کو آخرت پر یقین ہے۔ ان آیات میں اُن ضروری اصول کا ذکر ہے جو ہر ایک مسلمان کو ماننے پڑتے ہیں۔ ان آیات میں تین ضروری اعتقادوں کا ذکر ہے اور دو بڑے بڑے اعمال کا۔ پیشتر اسکے کہ میں اِن پانچ امور پر یکے بعد دیگرے بحث کروں میں اتنا ظاہر کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام میں صرف اعتقاد کچھ حیثیت نہیں رکھتا جبتک کہ اسکے ساتھ عمل نہ ہو۔ قرآن مجید میں بار بار مومنوں کی تعریف میں لکھا ہے:۔
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی وہ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال بجالاتے ہیں۔ اعتقاد صحیح کی مثال ایک بیج کی طرح ہے اور یہ بیج بڑھکر اُسی صورت میں ایک درخت بن سکتا ہے جبکہ اُس کو زمین میں سے غذا حاصل ہو۔ یہ غذا ایمان کے بیج کو اعمال صالحہ کے ذریعہ پہنچتی ہے۔

ایک اور بات جو ان پانچ اصول اعتقادی و عملی کے متعلق یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ ان پانچوں امور کو تمام نسل انسان کسی نہ کسی رنگ میں ضرور مانتی ہے یہ پانچ اصول جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے یہ ہیں (۱) خدا کی ہستی پر ایمان جو غیب ہے (۲) الہام الٰہی پر ایمان (۳) آخرت پر ایمان (۴) عبادت الٰہی جو محبت الٰہی کا سرچشمہ ہے (۵) صدقہ و خیرات اپنے وسیع معنوں میں۔

ان پانچ امور میں سے آخری دو اعمال کے متعلق ہیں اور ان میں سے ایک کا تعلق حق اللہ سے ہے اور دوسرے کا تعلق حقوق العباد اور دیگر مخلوقات کے حقوق سے ہے۔ یہ پانچ امور اعتقادی اور عملی ایسے ہیں جن کو اصولی طور پر کل قومیں تسلیم کرتی ہیں اور دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کی بنیاد انہی پر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے یہ پانچ بنیادی اصول انسانی فطرت کے صفحہ پر نقش کیے ہوئے ہیں۔ اس لیئے انکے قبول کروانے کے لیئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں بجز اس کے کہ کل نسل انسان عام طور پر ان کو قبول کرتی ہے اور یہ کہ یہ اصول انسان کی فطرت میں نہایت گہرے طور سے گڑے ہوئے ہیں۔ اب میں انپر قرآنی تفصیل کے مطابق علیحدہ علیحدہ بحث کرتا ہوں۔

(۱) تین اعتقادی امور میں سے پہلا امر خدائے تعالیٰ کی ہستی کا اعتقاد ہے۔ انسان سے ایک بالاتر ہستی پر اعتقاد ابتدا سے جہانتک تاریخ کے ذریعہ ہمیں پتہ ملتا ہے چلا آتا ہے مگر مختلف قومیں مختلف زمانوں اور مختلف ممالک میں خدائے تعالیٰ کی نسبت مختلف قسم کے تصور رکھتی رہی ہیں اور اسلام ایک ایسے خدا کو پیش کرتا ہے جو تمام قومی دیوتوں اور مقامی معبودوں سے بالاتر ہے۔ اسلام کا خدا کسی خاص قوم کا خدا نہیں جو صرف اسی قوم کی پرورش کرے بلکہ اُس کو قرآن شریف کے ابتدا میں ہی رب العلمین یعنی سب عالموں کا رب بیان کیا گیا ہے۔ اسطرح ایک طرف تو خدائے تعالیٰ کی ربوبیت کو وسیع قرار دیا گیا ہے اور دوسری طرف اخوت کے دائرہ کو ایسی وسعت دی گئی ہے کہ روئے زمین کی تمام قومیں اس میں شامل کی گئی ہیں اور اسطرح انسانی ہمدردی کے احاطہ کو بہت وسعت

دی گئی ہے۔ قرآن کریم کا بڑا مضمون جس کو بہت زور سے بیان کیا گیا ہے وہ توحید الٰہی کا مضمون ہے۔ خدائے تعالیٰ کی ذات میں خالص وحدانیت ہے۔ جس میں کسی قسم کی شرکت یا کثرت کی گنجایش نہیں ہوسکتی۔ اسلام میں توحید خدائے تعالیٰ کے تصور کی کلید ہے۔ اسلام اس بات سے انکار کرتا ہے کہ خدا میں ایک سے زیادہ اشخاص یا اقنوم شامل ہیں اور وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ دنیا کے معاملات میں اُس کے ساتھ کوئی اور ہستی بھی شریک ہے۔ نہایت ہی اعلیٰ اور نہایت ہی کامل صفات اسکی طرف منسوب ہیں مگر رحمت کی صفت سب صفات پر غالب ہے۔ قرآن شریف کی ہر ایک سورۃ الرحمٰن اور الرحیم کے ناموں کے ساتھ شروع ہوتی ہے جن الفاظ کے ساتھ ان ناموں کا انگریزی اور اردو زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے وہ خدائے تعالیٰ کے اُس وسیع اور بلیغ رحم کو پورے طور پر ظاہر نہیں کرتے جو کہ رحمٰن اور رحیم کے ناموں میں، پایا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (اعراف - ۱۹) یعنی میری رحمت ہر ایک چیز کو جو وہم میں آسکتی ہے گھیرے ہوئے ہے۔ اس لیئے جس رسول نے خدائے تعالیٰ کی اس عالمگیر رحمت کا وعظ کیا اُسے قرآن شریف میں نہایت مناسب طور پر رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء - ۷) کے لقب سے پکارا گیا ہے۔ توحید الٰہی کے اس یگانہ واعظ کے وہم و گمان میں بھی کبھی ایسا خدا نہیں آسکتا تھا جو ہر ایک موجود چیز کا پیدا کرنے والا نہ ہو۔ خدائے تعالیٰ کی قدرت اور علم میں اس قسم کی کمی ڈالنا اُس نبی کے نزدیک خدائے تعالیٰ کی طرف ایک ایسا عیب منسوب کرنا تھا جس سے اُس کی عظمت اور علوّ شان بالکل مٹ جاتے۔ قرآن شریف کی چھوٹی سورتوں میں سے ایک سورۃ کے آخری کلمات اسطرح پر ہیں:۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ٥ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ٥ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ٥ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ٥ (حشر - ۳) وہ ہے اللہ جس کے سوا کوئی

معبود نہیں پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔ بادشاہ۔ بہت پاک۔ سلامتی کا سرچشمہ۔ امن کا دینے والا۔ سب کا نگہبان۔ غالب۔ ہر ایک نقصان کی تلافی کرنے والا۔ ہر ایک بڑائی کا مالک اللہ پاک ہے اُس چیز سے جسکو اُس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ وہ ہے اللہ ہر ایک چیز کا بنانے والا۔ تمام موجودات کا پیدا کرنے والا۔ اور تمام صورتوں کا بنانے والا۔ تمام خوبصورت اور اعلیٰ نام جو وہم میں آسکتے ہیں اُس کی طرف منسوب ہیں۔ ہر ایک چیز جو آسمان میں یا زمین پر ہے اُسی کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ وہ ہر ایک چیز کو سننے والا۔ ہر ایک چیز کو دیکھنے والا۔ ہر ایک مصیبت سے نجات دینے والا۔ فیاض۔ مہربان۔ بخشنے والا۔ اور قریب ہے جو نیکی کو پسند کرتا اور بدی سے نفرت کرتا ہے۔ اور جو تمام انسانی اعمال کا محاسبہ لے گا۔

پس اسلام اگرچہ دوسرے مذاہب کی طرح خدائے تعالیٰ کی ہستی پر اپنی بنیاد رکھتا ہے مگر اس میں اور دوسرے مذاہب میں یہ فرق ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی ذات کی طرف ایک خالص وحدانیت منسوب کرتا ہے جس میں کسی قسم کی شراکت کی گنجائش نہیں اور وہ خدائے تعالیٰ کی قدرت اور اُسکے علم پر کوئی اس قسم کی حدبندی نہیں کرتا جیسی کہ خدائے تعالیٰ کو روح اور مادہ کا خالق نہ ماننے سے لازم آتی ہے۔ اور نہ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی انسان کی شکل میں ڈھل سکتا ہے۔ اگر نسلِ انسان عام طور پر خدائے تعالیٰ کی ہستی کو مانتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ایسی کامل اور خوبصورت اور اعلیٰ صفات والے خدا سے نفرت کرے جس کو اسلام پیش کرتا ہے۔

(۲) دوسرا اعتقادی اصول جس کو اسلام پیش کرتا ہے وہ الہام الٰہی پر ایمان ہے اور یہ ایمان صرف اُسی وحی الٰہی تک محدود نہیں جو قرآن شریف میں پائی جاتی ہے بلکہ اس میں تمام زمانوں اور روئے زمین کی تمام قوموں کے الہامات شامل ہیں۔ اگرچہ تمام مذاہب کی بنیاد الہام الٰہی پر ہے۔ مگر اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں کسی نہ کسی رنگ میں الہام الٰہی کی حدبندی کی گئی ہے۔ بعض مذاہب کے پیرؤوں کا یہ اعتقاد ہے

کہ الہام صرف ایک ہی مرتبہ ہوا۔ بعض اُس کو صرف خاص قوم تک محدود خیال کرتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ ایک خاص زمانہ کے بعد الہام کا دروازہ مسدود ہو چکا ہے۔ مگر اسلام جیسا کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت علم۔ ربوبیت اور دیگر صفات کو وسیع بیان کرتا ہے ایسا ہی اُس میں الہام آلہی کے متعلق بھی وسیع خیالی پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید الہام کے بارے میں نہ زمانہ کے لحاظ سے کوئی حد بندی قائم کرتا ہے اور نہ مورد الہام کی قومیت کے لحاظ سے وہ کسی حد بندی کو تسلیم کرتا ہے۔ اس کے رُو سے تمام قوموں پر ایک نہ ایک زمانہ میں الہام آلہی نازل ہوا اور یہ الہام آلہی کے دروازہ کو اب بھی اور آیندہ کے لیئے بھی اسی طرح کھُلا ہوا بتاتا ہے جیسا کہ زمانہ ماضی میں کھُلا ہوا تھا۔ الہام آلہی کی مدد کے بغیر کوئی قوم خدا رسیدہ نہیں بن سکتی تھی۔ اس لیئے یہ ضروری تھا کہ خدائے تعالیٰ جو تمام دنیا کا رب ہونیکی وجہ سے تمام انسانوں کے لیئے بلا امتیاز قوم ملک جسمانی ضروریات کا سامان مہیا کرتا تھا۔ اُسی طرح اُنکی روحانی ضروریات کا سامان بھی اُنکے لیئے مہیّا کرتا۔ پس اگرچہ دوسرے مذاہب الہام آلہی کے وجود کو ماننے میں اسلام کے ساتھ شریک ہیں مگر اسلام اُنکی طرح کسی پہلو سے وحی آلہی کی حد بندی جائز نہیں سمجھتا۔

ایک اور پہلو کے لحاظ سے بھی الہام آلہی کے متعلق اسلامی عقیدہ دوسرے مذاہب کے اعتقاد سے ممتاز ہے۔ اور وہ امتیاز یہ ہے کہ وہ اس بات سے انکار کرتا ہے کہ خود خدائے تعالیٰ انسان کی شکل اختیار کر کے ہمارے درمیان میں ظاہر ہو۔ یعنی وہ خدائے تعالیٰ کے تجسم کے عقیدہ کی تکذیب کرتا ہے۔ یہ بات عام طور پر قبول کی جاتی ہے کہ مذہب کا سب سے اعلیٰ مقصد خدائے تعالیٰ سے ملنا ہے۔ اسلام کے رُو سے یہ غرض اس طرح حاصل نہیں ہو سکتی کہ خود خدائے تعالیٰ مجسم ہو کر زمین پر ظاہر ہو اور ہمارے ساتھ میل جول اختیار کرے بلکہ وہ غرض اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ انسان نفسانی خواہشوں اور ادنےٰ ارادوں سے پاک ہو کر روحانی طور پر درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہوا خدا کی طرف بڑھے۔ وہ کامل وجود جو دنیا پر خدا کا چہرہ ظاہر کرتا ہے وہ خدا نہیں ہوتا جو انسان کی شکل میں مجسم ہو کر ظاہر ہوتا ہے بلکہ وہ ایک انسان ہوتا ہے

جس کی ذات خدائے تعالیٰ کی محبت میں بھسم ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ خدائی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے۔ اُس کا نمونہ دوسروں کے لیئے ایک محرک ہوتا ہے اور وہ دوسروں کی پیروی کیلیئے ایک اُسوہ حسنہ بن جاتا ہے وہ اپنی مثال سے یہ دکھاتا ہے کہ کس طرح ایک محض انسان خدا سے مل سکتا ہے اسی وجہ سے اسلام میں اس وسیع اصول کی تعلیم دی گئی ہے کہ کوئی شخص اس سے محروم نہیں کیا گیا کہ وہ خدا سے ملے اور الہام الٰہی کے سرچشمہ سے سیراب ہو اور یہ کہ یہ انعام اُس کامل وحی کی پیروی سے حاصل ہو سکتا ہے جو قرآن شریف میں موجود ہے۔

(۳) آخرت پر ایمان بھی ایک ایسا اعتقاد ہے جو سب مذہبوں میں پایا جاتا ہے اور ایک مسلمان کے اعتقادی اصول میں یہ تیسرا اصل ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو اعمال انسان اِس عالم میں کرتا ہے اُنکے لیئے وہ ایک دوسرے عالم میں جواب دہ ہوگا۔ دوسرے عالم کا مسئلہ جیسا اسلام میں کھولکر بیان کیا گیا ہے ایسی صفائی سے کسی اور مذہب میں بیان نہیں کیا گیا۔ اسلام کی تعلیم کے بموجب دوسری زندگی موجودہ زندگی سے کسی لمبی چوڑی حدفاصل کے ذریعہ جدا نہیں کی گئی بلکہ آنے والی زندگی اسی زندگی کے سلسلہ میں واقع ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل - ۲) یعنی ہم نے اسی زندگی میں انسان کے اعمال کے نتائج اُس کی گردن کے ساتھ لگا دیئے ہیں اور ان مخفی نتائج کو قیامت کے دن ایک کتاب کی شکل میں نکالیں گے جس کو وہ کھُلا ہوا دیکھے گا۔ پھر اسی سورۃ میں ایک اور مقام پر فرمایا ہے۔ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل - ۸) یعنی جو شخص اس عالم میں (روحانی طور پر) اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ اس آیت کے رُو سے انسان کی دوزخی زندگی جس کو اندھاپن کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی عالم میں شروع ہو جاتی ہے اسی طرح بہشتی زندگی بھی اسی عالم سے شروع ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف

فرماتا ہے یَآ اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ۵ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۵ (فجر) یعنی اے اطمینان یافتہ دل اپنے رب کی طرف واپس آ۔ اس حال میں کہ تیرا رب تجھ پر راضی ہے اور تو اپنے رب پر راضی ہے اس لیئے میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے جنّت میں داخل ہو جا۔

عقبیٰ کے متعلق قرآنی تعلیم سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دوسری زندگی کا بہشت اور دوزخ اُنہی نیک یا بداعمال کے روحانی نتائج کی محض تصویریں ہیں جو انسان اس دنیا میں کرتا ہے مثلاً دوزخ کی آگ اِس زندگی کی دل کی سوزشوں کی ایک واضح تصویر ہے اور اُس زندگی کے زنجیر اِس زندگی کی اُن خواہشات کی تصویریں ہیں جو انسان کو ہر وقت زمین کی طرف جھکائے رکھتی ہیں علیٰ ہذا القیاس جنّت کی نعمتیں صرف اُس روحانی راحت اور لذّت کی تصویریں ہیں جو راستباز لوگ اسی عالم میں محسوس کرتے ہیں۔

اب مَیں مختصراً اسلام کے اُن تین اصول کا ذکر کرچکا ہوں جو اعتقاد سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے ساتھ میں یہ بھی ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ایمان بالغیب میں وہ وسایط بھی شامل ہیں جن کو ہم ملائکہ کہتے ہیں اور جو کہ خدائے تعالیٰ اور انسان کے درمیان بطور واسطہ کے کام کرتے ہیں۔ لیکن ایمان بالملائکہ کا یہ مطلب نہیں کہ محض زبانی طور پر اس مضمون کے چند کلمات زبان پر جاری کیئے جاویں۔ برخلاف اسکے۔ ایک سچّے مسلمان کی زندگی پر اس ایمان کا ایک عملی اثر واقع ہوتا ہے۔ مَلَک کا کام ہے کہ وہ انسان کو نیکی کی ترغیب دیتا ہے اور ملائکہ کو ماننے کا یہ مطلب ہے کہ فوراً اس ترغیب کے بعد اُس نیکی پر عمل کرے یہ ہے اصلی حقیقت ایمان بالملائکہ کی۔

اس کے بعد مَیں اسلام کے اُن دو اصول کی .... طرف رجوع کرتا ہوں جو عمل سے تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ مَیں پہلے بیان کرچکا ہوں اسلام میں

اعمال مذہب کا ایسا ہی ضروری جزو ہیں جیسا کہ ایمان - اسلام کے علاوہ جو مذاہب دنیا میں موجود ہیں وہ دو اقسام میں منقسم ہوتے ہیں اوّل وہ جنہوں نے مذہب کے عملی پہلو کو بالکل فراموش کر دیا ہے اور دوسرے وہ جنہوں نے اپنے پیرؤوں کے سروں پر رسومات کا ایک پہاڑ لاد دیا ہے اور چھوٹی چھوٹی رسوم کے پیچ در پیچ پھندوں میں اُن کو جکڑ دیا ہے۔ اسلام ان دونوں قسم کے مذاہب کے درمیان ایک اوسط حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام انسان کے قویٰ کی تکمیل کیلیئے عام ہدایتیں دیتا ہے اور پھر ہر ایک شخص کے لیئے کافی گنجائش چھوڑتا ہے کہ وہ موقعہ اور محل دیکھکر اُن ہدایات کو کام میں لاوے۔ اگر مذہب کے ساتھ ایک مضبوط عملی پہلو نہ ہو تو ایسا مذہب جلدی ہی ایک خیالی مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے اور اُس کا انسان کی عملی زندگی پر کوئی اثر نہیں رہتا۔ اسلام کے احکام دو حصوں پر منقسم ہیں ایک حصہ حقوق اللہ کے متعلق ہے اور دوسرا حصہ حقوق العباد کے متعلق ہے اور اِن دونوں قسموں کے احکام انسانی فطرت کے اُس گہرے علم پر مبنی ہیں جو اُس فطرت کے خالق کو ہی ہو سکتا تھا اور اُس کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ وہ انسان کی ترقی کے تمام مرحلوں کو اپنے اندر لیئے ہوئے ہیں اور اس لیئے اُن میں مختلف اقوام کی ضروریات کے لیئے عجیب موزونیت پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں جیسا کہ ایک معمولی درجہ کے انسان کے لیئے ہدایات ملتی ہیں ایسا ہی اُس میں بڑے بڑے حکماء اور فلاسفروں کے لیئے بھی ارشادات موجود ہیں اور جیسا کہ ادنےٰ درجہ کی قوموں کے لیئے یہ کتاب ایک ہدایت نامہ ہے ایسا ہی نہایت ہی مہذب قوموں کے لیئے بھی یہ نور اور ہدایت اور شفاء ہے۔ اس کے احکام کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ آسانی سے قابل عمل در آمد ہیں اور اس لیئے جیسا کہ اسلام کے اصول وسیع اور عالمگیر ہیں ایسا ہی اس کے احکام بھی وسیع اور عالمگیر ہیں جو تمام زمانوں اور تمام قوموں کی ضروریات کے لیئے نہایت موزون ہیں۔

سورہ بقرہ کی وہ آیات جو میں اوپر درج کر چکا ہوں وہ اسلام کی تعلیم کو (جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں) خلاصہ کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ وہ دو اصول جو عمل سے تعلق رکھتے ہیں جب انکو وسیع معنوں میں لیا جاوے تو وہ علی الترتیب اُن احکام کو ظاہر کرتے ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے متعلق ہیں صلوٰۃ یا نماز میں انسان اپنے دل کے خیالات کا اظہار کرتا۔ خدائے تعالیٰ کے آگے عاجزی سے التجا کرتا اور روح کی نہایت ہی سچی خواہشوں کو ادب اور انکسار کے ساتھ روح کے خالق کے سامنے پیش کرتا ہے۔

اسلام میں جیسا دوسرے اصول کی توسیع اور تکمیل کی گئی ہے ایسا ہی عبادت کے مسئلہ کو بھی انتہائی نقطہ تک پہنچایا گیا ہے۔ قرآن مجید کے رو سے عبادت اُس تزکیہ قلب کا سچا ذریعہ ہے جس کے بغیر انسان خدائے تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور جو کہ خدائے تعالیٰ سے ملنے کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ (عنکبوت - ۵) یعنی جو کچھ کتاب میں سے تیری طرف وحی ہوا ہے اُسے پڑھکر سنا اور نماز پر قائم رہ کیونکہ نماز بے حیائی کے کاموں اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے اسلام نماز کی تاکید کرتا ہے کیونکہ یہ اخلاقی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ ایسی نماز جو صرف ایک رسمی رنگ میں ادا کیجاوے جس میں کوئی روح اور کچھ جان نہ ہو اور جس کو دل کے اخلاص کے بغیر پڑھ لیا جاوے ایسی نماز وہ نماز نہیں جس کی اسلام تعلیم دیتا ہے ایسی نماز کے متعلق خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ۝ (ماعون) یعنی ہلاکت ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے لیئے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں وہ

جو صرف دکھلاوے کی نماز پڑھتے ہیں۔

روح کے تزکیہ کے لیئے قرآن شریف روزے کا بھی حکم کرتا ہے۔ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا۔ اگرچہ یہ الفاظ اول اول ایک دوسرے نبی کے مُنہ سے نکلے مگر یہ ایک ایسی سچائی ہے جس پر اسلام نے ہی عمل کیا ہو۔ روزہ صرف کھانے یا پینے سے پرہیز کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ ہر ایک قسم کی بدی سے پرہیز کرنا بھی روزہ دار کے لیئے ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ کھانے یا پینے کی چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ بلکہ کھانے سے پرہیز کرانے میں بھی انسان کو یہ سبق دینا منظور ہے کہ جب وہ خدا کے حکم سے ایک جائز اور حلال چیز کو ترک کر دیتا ہے تو اُس کے لیئے اُن چیزوں سے پرہیز کرنا کس قدر زیادہ ضروری ہونا چاہیئے جو جائز اور حلال نہیں بلکہ حرام اور ممنوع ہیں۔ قرآن شریف میں کھلے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ روزہ انسان کی اخلاقی بہبودی کے لیئے تجویز کیا گیا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ .... لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ٥ (سورہ بقرہ ۲۴) یعنی تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں .... تاکہ تم بدیوں سے بچنا سیکھ جاؤ۔

بیت اللہ کا حج روحانی ترقی کی آخری منزل کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ اس روحانی سیڑھی کا نشان ہے جس میں انسان کے سارے ادنیٰ تعلقات بالکل منقطع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اپنے تئیں بالکل خدا کی رضا کے حوالے کر کے اپنے سارے فوائد کو خدا کے لیئے قربان کر دیتا ہے۔

اس طرح آپنے دیکھ لیا ہوگا کہ اسلام کے سارے احکام صرف انسان کی اخلاقی بہبودی کے لیئے تجویز کیئے گئے ہیں۔ اسلام کوئی ایسا قاعدہ قائم نہیں کرتا جسکو خدائے تعالیٰ کی بے معنی عبادت کہا جا سکے۔ جو احکام اسلام نے دیئے ہیں اُن سب کی غرض انسان کے نفس کا تزکیہ ہے تاکہ وہ مزکی و مطہر ہو کر خدائے تعالیٰ سے مل سکے جو کہ تمام پاکیزگی کا سرچشمہ ہے۔

اسلامی احکام کی دوسری شاخ اُن حقوق سے تعلق رکھتی ہے جو حقوق العباد کہلاتے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان دو قسم کے احکام کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق ہے قرآن شریف کا ایک عظیم الشان مضمون انسان کی اخلاقی ترقی ہے۔ اور اوّل سے آخر تک قرآن شریف نے اس مضمون کو مدّ نظر رکھا ہے۔ اس کے سارے احکام کی غرض یہ ہے کہ انسانوں کو درجہ بدرجہ اُس اعلیٰ اخلاقی ترقی تک پہنچایا جاوے جہاں تک کہ انسان کے لیئے پہنچنا ممکن ہے۔ لا یؤمن احدکم حتّٰی یحب لاخیه ما یحب لنفسه یعنی جبتک انسان اپنے بھائی کے لیئے وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لیئے پسند کرتا ہے تو وہ مومن نہیں کہلا سکتا۔ یہ ایک ایسی تعلیم ہے جو سونے کے حروف میں لکھنے کے لائق ہے۔

اوّل۔ اسلام ہر ایک بناوٹی قومی تمیز کو مٹاتا ہے۔ قرآن کریم کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ شریف وہ ہے جو تم سب سے زیادہ متقی ہے یہ قول ذات کی بڑائی یا ذات کے چھوٹاپن کے اصول کو جڑھ سے اکھیڑتا ہے۔ شرافت یا کمینہ پن قرآن شریف کے نزدیک ذات پات پر مبنی نہیں بلکہ اعمال پر مبنی ہے۔ اسلامی تعلیم کے رو سے کل نسل انسان ایک کنبہ کی طرح ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ (حجرات - ۲) اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تمھارے قبائل و کنبے بنا دئے جس کی غرض صرف یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ مگر خدائے تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اسطرح اسلام ایک وسیع اخوّت کی بنیاد ڈالتا ہے جس میں تمام مرد و زن خواہ کسی قوم۔ ذات یا خاندان سے تعلق رکھتے ہوں اور خواہ سوسائٹی میں ان کی کیسی ہی حیثیت ہو اور خواہ کونسا پیشہ رکھتے ہوں خواہ امیر ہوں یا غریب ہوں اُن کے حقوق یکساں ہیں اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اپنے بھائی کے حقوق کو دبالے۔ اس اخوّت میں ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ دوسرے سے ایسا ہی سلوک کرے

جیسا اپنے بھائی سے سلوک کرنا چاہیئے چنانچہ اسلام میں حکم ہے کہ آقا اپنے غلام کو وہی کپڑے پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے اور وہی کھانا کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اُس کو کمینہ یا حقیر نہ سمجھے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ٥ یعنی جیسا مرد کے حقوق عورت پر ہیں ایسا ہی عورت کے حقوق مرد کے ذمہ ہیں۔ کوئی شخص کسی حق سے اپنے پیشہ یا ذات کی وجہ سے محروم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ عظیم الشان اخوت صرف لفظوں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے خلفاءؓ اور صحابہؓ کے اعلیٰ نمونوں کی وجہ سے یہ اخوت عملدرآمد میں آکر ایک زندہ طاقت بن گئی۔ اسلامی اخوت کا محکم اصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ لا یؤمن احدکم حتّٰی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ یعنی تم میں سے ہر ایک اُسی وقت مومن کہلا سکتا ہے جب وہ اپنے بھائی کے لیئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیئے پسند کرتا ہے۔

لیکن اگرچہ اسلام حقوق کی مساوات کی تعلیم دیتا ہے مگر ساتھ ہی اس کے اولی الامر کی نہایت اعلیٰ درجہ کی اطاعت کا بھی سبق سکھاتا ہے۔ گھر وہ اصلی درس گاہ ہے جہاں انسان کی اخلاقی تربیت کا آغاز ہوتا ہے اور اس لیئے قرآن شریف میں والدین کی اطاعت پر بڑا زور دیا گیا ہے اس بارے میں قرآن کریم کی ایک آیت یہاں نقل کی جاتی ہے۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ٥ (بنی اسرائیل۔ ۳) اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا اور کسی کی پرستش نہ کیجاوے اور تیرے رب نے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر اُن میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے

بڑھاپے تک پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک بھی نہ کہو اور نہ اُن کو جھڑکو۔ نہایت مہربانی سے اُن سے کلام کرو اور نہایت محبت سے عاجزی کے بازو اُن کے آگے جھکاؤ۔ اور اُن کے لیئے یہ دُعا کرو۔ اے میرے رب اُن دونوں پر رحم کر جیسا کہ اُنہوں نے میری پرورش کی جب کہ مَیں چھوٹا تھا۔ ایک اور مقام قرآن کریم فرماتا ہے کہ ایک ہی صورت ہے جس میں انسان کو اپنے والدین کا حکم نہیں ماننا چاہیئے اور وہ صورت یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم کریں۔ والدین کی یہ اعلیٰ درجہ کی فرمانبرداری ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ ہر ایک فرماں روا کی اطاعت کا اعلیٰ خلق انسان کو باسانی حاصل ہوتا ہے۔ اور ہر ایک با اختیار انسان کی فرمانبرداری کے بارے میں قرآن شریف فرماتا ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (نساء - ۸) یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور اُن کی اطاعت کرو جن کے ہاتھ میں عنانِ حکومت ہے۔ اولی الامر کے لفظ سے صرف حکام ہی مراد نہیں ہیں بلکہ ہر ایک ایسا شخص بھی مراد ہے جس کو کسی طرح کا اختیار حاصل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ یعنی تم میں سے ہر ایک بادشاہ ہے اور ہر ایک سے اُس کی رعیت سے متعلق پوچھا جائیگا۔ اسلام کا حکم ہے کہ ہر ایک شخص اپنے افسروں کی اطاعت کرے اور یہ ایسی تعلیم ہے جس سے تمام قسم کی بغاوتیں اور شورشیں جڑھ سے کاٹی جاتی ہیں۔ صاحبِ اختیار افسر خواہ کسی مذہب کا پیرو ہو۔ اُس کی اطاعت مسلمانوں پر ایسی ہی فرض ہے۔ جیسی کہ والدین کی اطاعت فرض ہے خواہ والدین اسلام کے سوا کسی اور مذہب کے پیرو ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کے رُو سے ایک مسلمان کا فرض ہے کہ خواہ ایک حبشی غلام کو بھی امیر بنایا جاوے تو اُس کی بھی اطاعت کرنی چاہیئے۔ الغرض حقوق کی مساوات اور افسر یا حاکم کی اطاعت یہ دو اسلامی سوسائٹی

کے بنیادی اصول ہیں۔ اور اس بنیاد پر اسلام نے جو ایک وسیع عمارت کھڑی کی ہے۔ میرا مختصر وقت مجھے اجازت نہیں دیتا کہ میں اس موقعہ پر اُس کی تفصیل بیان کروں تاہم میں اسلامی اخوت کی ایک خصوصیت بیان کرنے سے نہیں رُک سکتا۔ ہر ایک مذہب نے خیرات اور صدقہ کی تعلیم دی ہے مگر اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے اپنے پیرؤوں کیلیئے صدقہ کا ادا کرنا فرض اور لازم ٹھہرادیا ہے اس کا نام زکوٰۃ ہے اور اس کا ادا کرنا ایک مسلمان کے لیئے ایسا ہی فرض ہے جیسا نماز۔ روزہ۔ اور حج کا ادا کرنا۔ ہر ایک شخص کو جو ایک مقدار مقررہ سے زیادہ مال کا مالک ہو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اُس مال کا ایک مقررہ حصّہ الگ کردے ایسے الگ کیئے ہوئے حصّہ کو بادشاہ یا امام جمع کرکے مندرجہ ذیل مصارف پر خرچ کرے۔

(۱) مساکین و فقرار کی امداد کے لیئے۔

(۲) محکمہ زکوٰۃ کے ملازمین کی تنخواہیں ادا کرنے کے لیئے۔

(۳) غلاموں کو اپنی آزادی حاصل کرنے میں مدد دینے کے لیئے۔

(۴) ایسے قرضداروں کی امداد کے لیئے جو قرض ادا نہیں کرسکتے۔

(۵) ابنار سبیل کی امداد کے لیئے۔

پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ اس صدقہ کے علاوہ جس کا ادا کرنا مسلمان کے لیئے فرض ہے اور جس کا نام زکوٰۃ ہے عام صدقہ و خیرات کے لیئے قرآن شریف میں جابجا تاکید کی گئی ہے۔ غلاموں کا آزاد کرنا اور غریبوں کو کھلانا انکو بار بار بڑی نیکی کے کام بیان کیا گیا ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ تجھے کونسی چیز بتلائے گی کہ گھاٹی کسے کہتے ہیں یہ گردنوں کے آزاد کرنے اور بھوک کے دن یتیم رشتہ دار یا خاک میں پڑے ہوئے مسکین کو کھانا

کھلانے کا نام ہے (سورہ بلد)

میں اس مختصر پرچے میں اسلام کی اخلاقی تعلیم کی تفاصیل بیان نہیں کر سکتا۔ یہ انسانی اعمال کی تمام شاخوں پر حاوی ہیں اور ان کے ذریعہ انسان کے تمام قویٰ کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسلام ہر ایک صفت کو جو انسان کے اندر رکھی گئی ہے عمل میں لاتا ہے اور ان صفات کے استعمال پر صرف ایک قید لگاتا ہے اور وہ قید یہ ہے کہ ہر ایک صفت کا استعمال اُس کے مناسب محل اور موقع پر ہونا چاہیئے۔ مثلاً وہ عفو کی تعلیم دیتا ہے مگر ساتھ ہی یہ شرط ہے کہ جب جرم اس قسم کا ہو کہ اُس کی اصلاح اور انسداد کے لیئے سزا کا دینا ضروری ہو تو اس جرم کے اندازہ کے مطابق سزا دینی چاہیئے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنْ عَفَىٰ وَاَصْلَحَ یعنی معاف کرو جب تم دیکھو کہ معافی کا نتیجہ اصلاح ہوگا۔ اسی طرح اسلام سکھاتا ہے کہ نہایت ہی دشوار موقعوں پر بھی اعلیٰ اخلاق سے کام لو۔ دیانتداری اختیار کرو خواہ ایسا کرنے سے تم مشکلات میں کیوں نہ پھنسو۔ سچ بولو خواہ سچ بولنے سے تمھارا اپنا یا تمھارے پیاروں اور عزیزوں کا نقصان کیوں نہ ہو اپنے فوائد و اغراض کی قربانی کر کے بھی دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرو اور سخت سے سخت مصائب کے وقت صبر سے کام لو اور اُن لوگوں سے بھی نیکی کرو جو تم سے بدی کرتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی اس کے وہ درمیانی راہ پر چلنے کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ سکھاتا ہے کہ جو اعلیٰ صفات تم میں رکھی گئی ہیں اُن کو عمل میں لاؤ مگر ساتھ ہی اپنا کاروبار بھی کیئے جاؤ۔ اسلام یہ تعلیم نہیں دیتا کہ تم دنیاوی تعلقات کو قطع کر دو۔ یہ عفت کی تعلیم دیتا ہے مگر یہ نہیں کہتا کہ تم اپنے تئیں خوجہ بنا دو۔ وہ کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عبادت کرو مگر یہ نہیں کہتا کہ کاہن بن کر عبادت کرو۔ وہ کہتا ہے کہ اپنے مالوں کو خرچ کرو مگر اس طرح نہیں کہ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا کے مصداق ہو جاؤ (یعنی ایسا نہ ہو کہ خود تہیدست ہو کر پچھتاؤ اور لوگوں کی ملامتوں کا نشانہ ٹھہر جاؤ) وہ کہتا ہے کہ اطاعت کرو مگر اس طرح نہیں کہ اپنے تئیں ذلیل بنا دو۔ وہ عفو کی تعلیم دیتا ہے مگر ایسی عفو نہیں جس سے جرائم پیشہ لوگ جرم کے ارتکاب میں دلیر ہو جاویں...... اور ملک پر تباہی نازل ہو۔

و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت خدا کے فضل سے دن بدن صحت کی طرف ترقی کر رہی ہے اور امید ہے کہ غالباً ایک ماہ تک زخم بالکل بھر جائیگا۔ جلسہ کے بعد آپ کی دوبارہ بیماری پر جملہ انجمنوں کو خصوصیت سے دعا کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ سو خدا کا شکر ہے کہ اس نے ان دعاؤں کو جو سب جماعت کے دلوں سے نکل رہی تھیں قبول فرمایا اور حضرت خلیفۃ المسیح کو مرض کے ایسے خطرناک مراحل سے با امن گذرا کہ آپ کی شفایابی ایک اعجازی رنگ اپنے اندر رکھتی ہے۔ درحقیقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ رؤیا جس میں اتنی مدت وقت سے پہلے آپ کا گھوڑے سے گرنا بتایا گیا تھا صاف اشارہ کر رہا تھا کہ یہ کوئی خطرناک امر ہے۔ کیونکہ معمولی طور پر تو لوگ گھوڑوں سے گرتے ہی ہیں ان ایام میں مرض نے بعض وقت ایسی خطرناک اور پیچیدہ صورتیں اختیار کیں کہ خدام گھبرا گئے مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے حضرت کو گویا دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی اس بیماری نے جماعت کے دلوں میں خاص طور پر دعا کی طرف توجہ پیدا کر دی اور اس طرح پر آپ کا مرض نہ صرف آپ کے اپنے مراتب کی ترقی کا باعث ہی ہوا بلکہ ساری احمدی قوم میں سوز و گداز اور انابت الی اللہ پیدا کرنے کا موجب ہو کر عملی طور پر ان کو وہ روحانی مدارج طے کرانے والا ٹھہرا ہے۔ جو بڑے بڑے مجاہدات سے طے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب احباب کو حضرت کی اس بیماری سے یہ فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے کہ وہ ہر ایک قسم کی شوخیوں اور گستاخیوں کو چھوڑ کر خدا کے سچے فرمانبردار بندوں کی طرح عجز و نیاز سے اس کی درگاہ میں جھکے رہیں اور اپنے بھائیوں کے ساتھ اس تذلل اور انکسار سے برتاؤ کریں جو رحماء بینھم کا الٰہی ارشاد چاہتا ہے۔ درحقیقت جو ابتلا خدا کے برگزیدہ لوگوں پر آتے ہیں وہ نہ صرف انکے اپنے اصطفا کے لیئے ہوتے ہیں بلکہ ان سے وہ لوگ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں جو ان سے روحانی تعلق رکھنے والے

ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ مصائب گو بظاہر مصائب کہلاتی ہیں مگر انکے نیچے بڑے بڑے ثمار آلٰہی مخفی ہوتے ہیں۔

چندہ کی تحریک جیسا کہ گذشتہ نمبر میں اطلاع دی گئی تھی مجلس معتمدین کی یہ تجویز کہ سب احباب کم از کم بحساب دو پیسے فی روپیہ اپنی آمد میں سے چندہ دیں۔ عملی رنگ میں لانیکے لئے احباب کے سامنے پیش کی جاچکی ہے۔ اس وقت تک بہت تھوڑے احباب کی طرف سے اس کا جواب آیا ہے۔ سب سے اول قابل ذکر انجمن احمدیہ فیروزپور ہے۔ جہاں منشی فرزند علی صاحب نے سب سے پہلے اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا۔ اور بجائے دو پیسے کے اڑھائی پیسے فی روپیہ چندہ کا سب احباب سے اقرار لیا۔ زائد رقم مقامی ضرورت کا کام دے گی۔ منشی فرزند علی صاحب کی یہ کوشش بہت قابل شکریہ ہے جزاہ اللہ خیراً۔ اسکے علاوہ ذیل کی انجمنوں اور احباب کی طرف سے بھی اس تجویز پر عملدرآمد کی اطلاع آئی ہے۔

بابو ایوب احمد صاحب خوشاب۔ انجمن احمدیہ چندوسی۔ انجمن احمدیہ پشاور۔ انجمن احمدیہ ڈیرہ غازیخاں۔ بابو عبدالحی صاحب۔ منشی ہاشم علی صاحب گرداور۔ اور انجمن انبالہ۔

اب دوبارہ سب انجمنوں کو میں اس تجویز کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ معمولی ماہوار چندوں کی کمی کی وجہ سے بعض مدات مقروض ہو رہی ہیں اور جتنے دن اس نئی تجویز کے عملدرآمد میں آنے میں زیادہ لگیں گے اسی قدر بوجھ ان مدات پر بڑھتا چلا جاوے گا جسے پھر خاص چندوں سے پورا کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ مدرسہ احمدیہ کی آمد تو اس وقت بہت ہی کم ہو رہی ہے اور خرچ بڑھ رہا ہے اور ابھی اور بھی اس کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ تاوقتیکہ آمد میں کوئی معقول ترقی کی صورت نظر نہ آوے مدرسہ میں کوئی ترقی نہیں ہو سکتی۔ لنگرخانہ کی آمد بھی ابتک اسکے اخراجات کو پورا نہیں کرتی اشاعت اسلام کی مد میں بھی آمدنی سال گذشتہ کے خرچ سے کم رہی ہے۔ اور ابھی صرف ایک کتاب دو سو صفحہ کی اور وہ بھی پانچ ہزار کی تعداد میں چھپی ہے۔ حالانکہ اسکے بعد ایک دو سال تک قرآن شریف کے ترجمہ کے چھپوانیکا

اہم خرچ درپیش ہوگا جس کے لیئے ابھی سے انتظام خرچ رکھنا ضروری ہے
عمارت جو شروع ہو چکی ہے خود اس کی تکمیل ابھی بہت سا روپیہ چاہتی ہے ان
ساری ضرورتوں کو پیش کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ اگر ماہوار چندوں میں
کافی اضافہ ہوجاوے تو معمولی اخراجات کے چلانے کے لیئے وہ کافی ہوسکتے
ہیں۔ مگر اس کے لیئے ضرورت ہے کہ انجمنوں کے سکرٹری اور دیگر کارکن احباب کچھ
دنوں کے لیئے کمر ہمت باندھ لیں۔ اور ان ضروریات کو ایسی طرح پر احباب کے ذہن نشین
کریں کہ یہ نئی تجویز جلدی عملدرآمد میں آسکے۔ میرے دوستو بہت سے ضروری کام
رُکے پڑے ہیں ایسا نہ ہو کہ ہم تو اپنے شغلوں میں لگے رہیں اور ہمارے نام
غافلوں میں لکھے جاویں ہمیں اس وقت بہت باتوں کی ضرورت نہیں کام کی
ضرورت ہے۔ عملی رنگ کو اختیار کرو کیونکہ یہی وہ رنگ ہے جس میں ہر ایک نبی خدا
کے ہاتھ سے رنگا جاتا ہے۔ اور یہی وہ گُر ہے جو ہر ایک نبی نے لوگوں کو سکھایا
ہے۔ پس اپنی عملی قوتوں کو تیز کرو اور ہر ایک بات میں عملی رنگ اختیار
کرو۔ اگر عملی رنگ ہم لوگ اختیار نہیں کرینگے تو ہماری سب باتیں ایک نرا
تخیلات کا مجموعہ رہ جاوے گا۔ جو دنیا میں کبھی باوردنہیں ہوسکتا۔ کیونکہ
بغیر عمل کے کوئی کامیابی نہیں اگر تم کوئی کام کر کے دکھاؤگے تو تمھیں یہ کہنے
کی بھی ضرورت نہیں رہے گی کہ ہم نے فلاں کام کیا ہے لوگوں کے دل خود
محسوس کریں گے۔ پس میں دوبارہ سہ بارہ یہ التجا کرتا ہوں کہ ان امور کی طرف
بہت جلد توجہ کرو ایسا نہ ہو کہ سال کے اخیر پر ہم جہاں تھے وہیں ہوں اور ہمارے
کاروبار میں کوئی نمایاں ترقی نظر نہ آوے اسوقت سال میں سے پانچ ماہ کے قریب
تو گذر چکے ہیں۔ اگر اخیر فروری تک یا زیادہ سے زیادہ پندرہ مارچ تک سب
انجمنوں کی طرف سے اطلاع آجاوے تو اس نئی تجویز پر چھ ماہ کے تجربہ سے ہم آئندہ
سال کے لیئے کچھ کہنے کے قابل ہوجاویں گے۔

مدرسہ تعلیم الاسلام کا سالانہ معائنہ یکم و ۲- فروری کو ہو چکا ہے۔ افسران

ملاحظہ کر کے بہت خوش ہوئے ہیں ضروری حالات رپورٹ معاینہ کے پہنچنے پر درج ہو سکیں گے۔ بورڈر باہر کی عمارت میں چلے گئے ہیں۔ امید ہے ...... کہ انشاء اللہ تعالیٰ گورنمنٹ ہمیشہ کے لئے مولوی صدر الدین صاحب کی خدمات منتقل کرنا منظور کرے گی۔

محمد علی
سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

ریویو

نورِ دل۔ ایک چھوٹی سی نظم ہے جو شیخ رحیم بخش صاحب نومسلم واعظ اسلام کی تصنیف ہے اور جس کی دوسری ایڈیشن انہوں نے حال میں شائع کی ہے۔ شروع میں حمد الٰہی ہے اور اس کے بعد ایک لمبی مناجات ہے آخر میں مختصر الفاظ میں بائبل کے اُن حصوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو فحش کی حد سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ افسوس ہے کہ پادری صاحبان ایسی غلیظ تعلیم اپنی بغلوں میں دبائے قرآن جیسی پاک کتاب پر حملہ کرتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ اسلام پر ناپاک حملے کرنے میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں جب اُنکی اپنی مقدس کتابوں اور پستکوں کو ٹٹولا جاتا ہے تو اُن میں اس قدر گند پایا جاتا ہے کہ ایک شریف آدمی اُن کو پڑھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ یہ اُن کے اسلام پر حملہ کرنے کی ایک سزا ہے جو خدائے تعالیٰ نے اُن کے لئے تیار کی ہے۔ ہندوؤں میں اسلام پر حملہ کرنے والے آریہ صاحبان ہیں اور اُن کو خدائے تعالیٰ نے یہ سزا دی ہے کہ اُن کی کتاب میں اُن کے گرد کے ہاتھوں سے نیوگ جیسی ناپاک تعلیم لکھوادی۔ دوسری قوم جو اسلام پر حملے کرتی ہے وہ پادری صاحبان کی جماعت ہے۔ اُن کی بائبل میں جو جو فحش باتیں لکھی ہیں اُن کو نقل کر کے میں اپنے ریویو کے صفحات کو ناپاک کرنا پسند نہیں کرتا۔ نورِ دل میں سے ایک حوالہ صرف اس لئے یہاں نقل کرتا ہوں تا ناظرین کو معلوم ہو کہ مسیحی صاحبان جو اسلامی جہاد پر اعتراض کرتے

ہیں اُن کی اپنی بائبل میں دشمنوں سے کیسا سلوک کرنے کی تعلیم دی گئی ہے استثنا کی کتاب ۲۱ ملاحظہ کرو۔ "جب تُو لڑائی کے لیئے اپنے دشمنوں پر خروج کرے اور خداوند تیرا خدا ان کو تیرے ہاتھ میں گرفتار کرے اور تُو انہیں اسیر کرلائے اور اُن اسیروں میں خوبصورت عورت دیکھے اور تیرا جی اُسے چاہے۔ تو اسے اپنی جورو بنائے تو تُو اُسے اپنے گھر میں لا۔ اُس کا سر منڈوا۔ اور ناخن کٹوا۔ تو وہ اپنا اسیری کا لباس اُتارے اور تیرے گھر میں رہے اور ایک مہینہ بھر اپنے باپ اور اپنی ماں کے سوگ میں بیٹھے۔ بعد اُس کے تُو اس کے ساتھ خلوت کر اور اُس کا خصم بن اور وہ تیری جورو بنے۔ بعد اس کے اگر تُو اُس سے خوش وقت نہ ہو تو جہاں وہ چاہے اُسے جانے دے۔" پادری صاحبان اب بھی ہماری نصیحت مانیں تو اسلامی اصول کے زیر سایہ آکر وہ اس گند سے نجات پاسکتے ہیں اور خدا کا مقدس کلام بھی ایسے اعتراضوں سے بچ سکتا ہے۔ اور وہ یہ بات ہے کہ یہ کتابیں چونکہ خدائے تعالیٰ کی حفاظت میں نہیں رہیں اسواسطے ان میں بہت کچھ بیگانے ہاتھوں سے مل جل گیا ہے۔ جس کا نکالنا اور الگ کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ بہتر ہے کہ اِس ساری کتاب کو ہی تحریف شدہ اور منسوخ شدہ تسلیم کرکے بالائے طاق رکھا جائے۔ اور اسلام کو قبول کر لیا جائے تاکہ سب جھگڑے دُور ہوں۔ یہ رسالہ مصنف سے اور نیز محمد یٰسین و محمد یٰسین تاجران قادیان سے بقیمت ۲ر مل سکتا ہے ۱۶ جلد کے لیئے ۵ر ۵۰ جلد کیلیئے ۱۲ر

گوشت خوری:۔ اس نام کا رسالہ حال میں منشی برکت علی صاحب سکرٹری انجمن احمدیہ شملہ نے شائع کیا ہے۔ اس رسالہ میں منشی صاحب نے اپنی اُن تین تقریروں کو نقل کیا ہے جو اُنہوں نے اکتوبر ۱۹۰۲ء میں آریہ سماج کے ساتھ ایک مباحثہ کے موقعہ پر پڑھیں۔ تقریریں نہایت معقول اور مدلل ہیں۔ علاوہ ازیں آریوں کی کتابوں سے نہ صرف گوشت خوری کو جائز ثابت کیا ہے بلکہ یہ بھی دکھایا ہے کہ ویدوں کے زمانہ میں گائے کا گوشت بھی آریہ ورت میں عام طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور

جابجا ہندوؤں کی دوکانوں میں بکتا تھا قیمت ۲ر مصنف سے مل سکتی ہے۔

پیدائش عالم:۔جس میں پنڈت دیانند کے ان تمام دلائل پر محققانہ رنگ میں بحث کی گئی ہے جو پنڈت مذکور نے ازلیت دنیا کے بارے میں ستیارتھ پرکاش وغیرہ کتابوں میں دیئے ہیں اور قوی دلائل سے دنیا واجزاءِ دنیا کا حادث ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ منشی محمد عمر الدین صاحب احمدی مقیم شملہ کی تصنیف ہے۔ ۶۴ صفحہ۔قیمت ۳ر ملنے کا پتہ۔ مولوی قاسم علی صاحب مالک اخبار الحق۔ ترا ہا بیرام خاں دہلی۔

فغان دل دردمند یعنی مسدس ناصر مصنفہ سید ناصر علی صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری انجمن احمدیہ اٹاوہ یہ ایک نہایت ہی مفید اور مؤثر نظم بدعات محرم کے بیان میں سید صاحب نے نہایت دردِ دل سے لکھی ہے۔ ۱۸ صفحہ۔ ۸ کاپیوں کی قیمت ۴ر۔ ملنے کا پتہ سید معصوم علی صاحب محلہ حکیماں۔اٹاوہ۔

ایک مسلمان دا سدّا:۔ یعنی ایک مسلمان کا پیغام سکھ بھائیوں کے نام۔ اس رسالہ میں مندرجہ ذیل مضامین پر بحث کی گئی ہے۔ مسلمان اور محمدی کی فلاسفی۔ مساجد بنانے کا راز۔ مصلح عالم حقیقۃً کون ہے۔ باوا صاحب کے مسلمان ہونے کا ثبوت۔ یہ نہایت مدلل اور مفید رسالہ منشی محمد حسین صاحب کلرک چھاؤنی لاہور مصنف اذان کی فلاسفی قبلہ نما۔ وغیرہ کی تصنیف ہے جس کو انہوں نے ایک سکھ صاحب کی تازہ تصنیف کے جواب میں تحریر کیا ہے۔ ملنے کا پتہ مولوی قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق۔ ترا ہا بیرام خاں دہلی۔

خورشید عاقل مصنفہ بابو محمد حسین صاحب (لاہور چھاؤنی) یہ کتاب جو ناول کے رنگ میں لکھی گئی ہے۔ پھلہاری سبھا (حیدر آباد سندھ) کے رسالہ سماچار کا ایک معقول جواب ہے جس میں گوشت خوری کے قوی ویدوں دلائل بیان کئے گئے ہیں اور آریہ صاحبان کے خیالات کی مہذبانہ پیرایہ میں تردید۔ اور ختنہ کا اصل راز بیان کیا گیا ہے۔ منشی دوست محمد صاحب کوچہ چابک سواراں شہر لاہور سے بقیمت ار مل سکتی ہے۔ صفحہ ۲۴۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ❊ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد — بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء — نمبر

چندہ سالانہ — عوام سے ع۲ طلباء سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے — صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شایع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام

ترجمہ تقریر انگریزی

جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی اے۔ ایل ایل بی

بہ تقریب جلسہ مذاہب منعقدہ الہ آباد

اسلام یعنی کامل فرمانبرداری جس سے مراد یہ ہے۔ کہ ہم اپنے طریق وعمل زندگی میں خالص الٰہی حکومت کے ماتحت آجاویں۔ اور اپنے خیالات۔ میلان طبع اور محاکوں کو چھوڑ کر ان قوانین کی کامل اطاعت کریں جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے انسان پر الہام ہوئے ایک ایسا مذہب ہے۔ کہ جس کا اطلاق ہر ایسے مذہب پر ہو سکتا ہے جو مقدس معلمین نے مختلف زمانوں اور ملکوں میں خدائے تعالیٰ سے الہام پاکر تعلیم کیا چنانچہ اس امر میں قرآن کریم فرماتا ہے:۔ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (پ ۱ ع ۱۶) کہو ہم ایمان لائے خدا پر اور اس چیز پر جو ہم پر نازل ہوئی۔ اور ایسا ہی جو ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اسحٰقؑ اور ان کی اولاد پر نازل ہوئی۔ اور ایسا ہی ہم ان کو بھی مانتے ہیں جو موسیٰ عیسیٰ اور دنیا

کے تمام نبیوں کو دیا گیا۔ ہم اُن سب انبیاءؑ کو قبول کرتے ہیں۔ اور اُن میں کوئی فرق اور تمیز نہیں کرتے ۔

قرآن مجید کے نازل ہونے سے پہلے جہاں ہر ایک قوم اپنے اپنے مذہب کو ربّانی چشمہ سے نکلا ہوا مانتی تھی وہاں اُنہوں نے دوسرے مذاہب کو یہ عزّت دینے سے انکار کیا۔ جس سے لوگوں میں نخوت تکبّر اور حقارت کے خیالات پیدا ہوگئے اور خدائے تعالیٰ کے کُنبہ میں سخت اختلاف اور عداوت بڑھی۔ کسی شخص نے بھی ایک لمحہ بھر کے لیئے اُن ربّانی اخلاق پر غور نہ کیا۔ جن کا مشاہدہ ہم روزانہ اُس کی قدرت کے کارخانہ میں کرتے ہیں۔ وہ خدائے تعالیٰ جس نے جسمانی پرورش کے اسباب بہم پہنچانے میں کُل نسل انسان پر یکساں مہربانی کی ممکن نہ تھا کہ وہ ان انعامات کے عطا فرمانے میں کسی قوم کی طرفداری یا رعایت کرتا جن پر ہماری رُوحانی ترقی حصر رکھتی تھی۔ کیا اُس کا سورج اُس کا چاند اُس کے ستارے اور اُس کا کُل کا کُل نظام شمسی کُل بنی نوع کا یکساں طور پر خادم نہیں ؟ اگر نسل انسانی کی کوئی شاخ پانی زمین ہوا اور ایسا ہی دیگر مظاہر قدرت کے فوائد سے محروم نہیں کی گئی۔ تو کیوں خدائے تعالیٰ کی غیر طرفدارانہ اور عامہ ربوبیت پر معاملات الہام میں ایمان نہیں لایا جاتا۔ حالانکہ الہام ہی انسانی قویٰ کی نشو و نما کے لیئے ضروری اور از بس مفید ہے۔ دراصل دنیا نے ربوبیت الٰہی کا ایک غلط مفہوم قائم کر رکھا تھا۔ اور انسانی اخوت عامہ کے قیام کے خلاف یہ ایک خطرناک غلطی تھی جس میں قوموں کی قومیں صدیوں تک پڑی رہیں۔ حتّٰی کہ خدا کا آخری کلام نازل ہوا۔ جس نے پہلے ہی فقرہ میں اس غلط اور طرفدارانہ مفہوم ربوبیّت کا بطلان کیا۔ قرآن کریم ذیل کے الفاظ سے شروع ہوا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تمام حمد و ستائش اُسی اللہ کے لیئے ہے جو ہندوستان یا عرب یا ایران یا شام کا ہی رب نہیں۔ بلکہ وہ کُل عالموں کا رب ہے۔ جس نے جسطرح تمام انسانوں کو جسمانی نشو و نما کے ذرائع عطا فرمائے ویسے ہی اُس نے یکساں طور پر

سب کی روحانی آبیاری کی۔ اس وسیع دل کے عقیدہ نے جو قرآن میں تعلیم ہوا از سر نو انسانوں میں اخوت اور یگانگت کی روح پھونک دی۔ اور اس تنگدلی کا قلع قمع کیا۔ جس نے انسانی سوسائٹی کے ڈھانچ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے خدائے تعالیٰ کے کنبہ میں بھائی سے بھائی کو جدا کر رکھا تھا؛

لہذا قرآن کریم کی یہ فیاضانہ تعلیم اگر میرے دل میں جناب موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے لیئے محبت اور عزت کے خیالات پیدا کرتی ہے۔ تو وہی تعلیم مجھے اس بات پر بھی مجبور کرتی ہے۔ کہ میں عزت اور محبت کے ساتھ شری رامچندر جی مہاراج۔ اور شری کرشن جی مہاراج اور عارف بدھ کو دیکھوں۔ اگر قرآن کے علاوہ میں بائبل کو اصلی صورت میں کلام ربانی سمجھتا ہوں۔ تو میں ہندو بھائیوں کے ساتھ گیتا اور ہندوستان کے دیگر مقدس نوشتوں کو بھی اپنی جائداد مشترکہ قرار دیتا ہوں۔

الغرض قرآن کریم کی تعلیم کے ماتحت **اسلام** ہر ایک مذہب یا عقیدہ کا نام ہے۔ جو مختلف ممالک اور اقوام میں وقتاً فوقتاً ربانی ملہمین نے تعلیم کیا۔ یہ تمام کے تمام مذاہب ایک ربانی چشمہ سے نکل کر ایک ہی قسم کی صداقت دنیا میں لائے۔ لیکن امتداد زمانہ نے اور ایسا ہی پرانے وقتوں میں ان مناسب اسباب کے نہ ہونے نے جن سے تعلیم اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہ سکتی ہو تحریف و تبدیل اور غلط تعبیر کے موقعہ پیدا کر دیئے۔ اسی طرح وہ زبانیں جن میں قدیم مقدس صحیفے نازل ہوئے متروک ہوگئیں جس سے آنیوالی نسلوں کو ان پاک الفاظ کے حقیقی معانی تک پہنچنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہوگیا۔ علاوہ ازیں اگر ایک طرف انسانی قوٰی نے ترقی کی تو دوسری طرف گناہ اور بدی نے پیچیدہ شکل اختیار کی جو زمینی تہذیب کا لازمی نتیجہ تھا۔ یہ باتیں نئی تعلیم کو چاہتی تھیں۔ چنانچہ اس ضرورت حقہ کے رفع کرنے کے لیئے پیغمبر یکے بعد دیگرے تشریف لائے جنھوں نے نہ صرف انہی صداقتوں کی تجدید کی

جو پہلے الہام ہو چکی تھیں - بلکہ ضرورتِ زمانہ کے مناسب حال اُن پر مناسب ایزادیں بھی کیں
اُن وقتوں میں نسل انسانی کی مختلف شاخیں ایک دوسرے سے دُور دُور آباد تھیں۔ اور
قدرتی سدِّ راہوں نے اُن کو ایک دوسرے سے جُدا کر رکھا تھا۔ آپس میں میل جول اور
آمدورفت کے ذرائع بھی محدود تھے۔ ایسے وقت میں ہر ایک قوم کو ایک الگ نبی کی ضرورت
تھی۔ جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے:۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ

کوئی قوم ایسی نہیں کہ جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ اگر ہندوستان میں ویدک
رشی آئے اور اُن کے بعد کرشن رامچندر گوتم مبعوث ہوئے تو چین نے اپنا معلّم
کنفیوشس کی صورت میں دیکھا۔ اگر زردشت نے آتش روحانیت ایران میں سلگائی
تو وادی دریائے یردن اُس ربّانی ندی سے سیراب کی گئی جو زیتونی پہاڑ سے اُتری۔
چنانچہ جب کبھی اور جہاں کہیں بدی پھیلی اور انسان گمراہ ہوا خدائے تعالیٰ کی طرف سے
مُلہمین اُس قدیمی مذہب **اسلام** کی تجدید کے لیئے آئے۔ حتّٰی کہ زمانہ نے ایک نئے
انقلاب کو دیکھا۔ جب یک لخت دنیا کے تمام گوشوں میں الٰہی قوانین سے انحراف کیا گیا۔
اور ایک ہی وقت تمام روئے زمین پر ربّانی حدود توڑے گئے۔ ہر ایک ملک اور قوم نے
کامل ضلالت اور اخلاقی گمراہی کو دیکھا نیکی کالعدم ہو گئی اور ایسا نظر آنے لگا کہ گویہ خدائے
تعالیٰ نے زمین کو چھوڑ دیا ہے۔ اور شیطان اپنی جہنمی سلطنت کو قائم کر رہا ہے۔ کوئی
مؤرّخ تاریخ زمانہ میں چھٹی صدی مسیحی سے بدتر زمانہ نہیں دکھلا سکتا۔ جب انسانی
سوسائٹی رُوحانی اور اخلاقی پستی کے ادنٰے سے ادنٰے نقطہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ اب
اگر صحیفۂ قدرت میں ہر ایک تاریکی کے بعد روشنی اور ہر امساکِ باراں کے بعد بارش لازمی ہے۔ اگر
پیغمبران زمانہ ایسے ہی وقتوں میں آتے ہیں جب ظلمتِ گمرہی کمال کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے
اگر ہندوستان میں وشنو کے اوتار آسمان سے اُسی وقت نازل ہوتے ہیں جب دھرتی
زیادہ تمر پاپوں کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتی۔ اور اگر کرشن بھگوان اپنے الفاظ مندرجہ گیتا کے
پورا کرنے کے لیئے ادھرمی زمانہ میں تشریف لایا کرتے ہیں۔ تو چھٹی صدی مسیحی بڑے

سے بڑا وقت ان صداقتوں کے پورا ہونے کا تھا۔ حالات زمانہ اس امر کے متقاضی تھے۔ کہ یا مختلف ممالک میں مختلف پیغمبر پیدا ہوں یا ایک زبردست انسان پیدا ہو جو کُل رُوئے زمین پر اُسی قدیمی پراچین مذہب اسلام کو کامل صورت میں قائم کرے۔ لیکن تاریخ زمانہ نے ایک نئی صورت اختیار کر لی تھی۔ ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے جنھوں نے دنیا کی مختلف اقوام میں آمدورفت اور میل جول کے ذرائع آسان کر دیئے۔ انسانی سوسائٹی کے مختلف اعضا و جوارح جنہیں قدرتی اور مصنوعی رکاوٹوں نے ایک دوسرے سے جدا کر رکھا تھا وہ عنقریب باہم ترکیب پا کر ایک ہونیوالے تھے وقت قریب تھا کہ جب یہ بڑی اور وسیع دنیا ایک ملک کے رنگ میں آجاوے جس میں ممالک دنیا بمنزلہ شہر اور شہر بمنزلہ محلّوں کے ہو جاویں مختلف قوموں اور مذاہب کے افراد باہمی اختلاط و ارتباط کے آستانہ پر کھڑے تھے۔ کل افراد عالم کے اس میل جول پر مختلف قوموں کو مختلف تعلیمیں دیتا ایک کامل بدنظمی اور خطرناک اختلاف کو پیدا کرنا تھا۔ لہٰذا حکمت بالغہ نے یہی پسند کیا کہ ایسے وقت میں وہ آخری نبیؐ کو اس جگہ مبعوث کرے جو معلومہ دنیا کے مرکز میں ہو۔ چنانچہ نبی آخر الزّمان نے عرب میں پیدا ہو کر اُسی قدیمی اسلام کی تعلیم کی۔ جو دوسروں نے اس سے پہلے تعلیم کیا تھا وہ ایک کتاب لایا جس میں قدیمی صداقتوں کو انسانی آمیزش سے پاک کر کے جمع کیا گیا۔ اور اس پر دیگر امور ضروریہ ایزاد کیئے گئے جیسے قرآن شریف نے فرمایا۔

صحفا مطهرة ۝ فيها كتب قيمة (سورہ بیّنہ)۔ ما فرطنا فی الکتب من شیء۔

قرآن تو وہی قدیمی صحیفے ہیں جنہیں انسانی آمیزش سے پاک کر دیا گیا ہے۔ ہاں اس میں جہاں صداقتہائے مندرجہ کتب مقدسہ کو جمع کیا گیا ہے وہاں وہ تمام نئی باتیں بھی درج کر دی گئی ہیں جو تمام انسانی نشوونما کے لیئے ضروری تھیں۔ دراصل قرآن ازسرِنو اُن صداقتوں کو سکھلاتا ہے جو وید مقدس یا بائبل یا رامچندر یا بدھ اور دیگر انبیاءؑ کے ملفوظات میں تھیں اور ان پر کثرت سے ان باتوں کو ایزاد کرتا ہے جو اُن پہلی تعلیموں میں موجود نہیں ۔

یہ فیاضانہ تعلیم جس کے ماتحت ہم تمام مذاہب کو ربّانی چشمہ سے نکلا ہوا مانتے ہیں
قرآن مجید نے اور ایسا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح اور صاف الفاظ میں مسلمانوں کو
تعلیم کی۔ اور آپ کے بعد بھی وقتاً فوقتاً مسلمان علمائے ربّانی یہ تعلیم دیتے رہے لیکن
صدیوں کے گذرنے نے اس وسعتِ قلبی کو پھر فراموش کرادیا اور تنگ ظرفی اور تنگدلی
کی بیماری اور اہل مذاہب کی طرح ہم پر بھی اثر کرنے لگی۔ ہم نے بھی دیگر مذاہب کی
خوبیوں سے انکار کرنا شروع کیا جس کا نتیجہ وہ کشیدگی ہوئی جس سے انسانوں میں
تمام ہمدردانہ خیالات کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کشیدگیٔ خیالات کا خصوصاً ہندوستان
پر اثر ہوا جو قریباً کُل مذاہب کا گھر ہے۔ مذہبی مباحثات بُرے مذاق اور بُرے دل
سے ساتھ خطرناک طور پر شروع ہوگئے۔ نکتہ چینی شعار دنیا ہوگیا۔ اور مذاہب کے اُن
مقدّس بانیوں کے متعلق جن کی عزّت اور اطاعت دنیا کے کروڑہا انسان اسوقت
بھی کر رہے ہیں نہایت بے رحمی سے گندی سے گندی بدزبانی کی گئی۔ اور اُن
لوگوں کے ہاتھوں سے اُن مقدّس معلّمان کی عزّت پر بے حجابانہ حملہ کیا گیا جنہوں
نے نہایت قلیل علمیّت کے ساتھ اس ناپسندیدہ مذہبی تنقید کو بطور تجارت
اختیار کیا۔ میں بلاخطرہ اختلاف کہہ سکتا ہوں کہ مذہبی مباحثات کا یہ کینہ افزا طریق
پولیٹیکل معاملات کے مقابل کہیں زیادہ تر اُس جدائیگی کا ذمہ وار ہے۔ جو اس ملک کے
ہندو اور مسلمانوں میں پیدا ہو رہی ہے۔ مثال کے طور پر میں صوبۂ پنجاب کی طرف
اشارہ کرسکتا ہوں جو اِن ناملائم مذہبی مناقشات کا مرکز بن رہا ہے۔ لیکن خدائے امن نے
جو امن کو پسند کرتا ہے۔ اور اپنی مخلوق میں امن دیکھنا چاہتا ہے ایسے وقت میں
ہماری دستگیری کی۔ اُس نے عین وسط پنجاب میں ایک مصلح اسلام میں بھیجا جس نے
حضرت محمد صلعم کی غلامی کا دعویٰ کرکے ازسرِنو اُس مذہبی فیاضی اور طریق وسعت قلبی کی
تجدید کی۔ جو اُس کے مخدوم ومطاع نے آج سے تیرہ نسو ۱۳۰۰ برس پہلے تعلیم کیا تھا۔
اس نے ہم میں پھر اس امر کا احساس پیدا کیا کہ ہم دنیا کے مقدّس معلّمین کی عظمت
اور قدر دانی کریں۔ اس نے ہر مذہب کی خوبیوں کا اعتراف کیا اور اس ملک کے

متضاد عناصر میں اتفاق اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیئے وہ مسلمانوں کے لیئے مہدی اور عیسائیوں کے لیئے مسیح موعود اور ہندوؤں کے لیئے کرشن ہوکر آیا۔ وہ لوگ جو ہندو مسلمانوں کے درمیان یگانگت اور ہمدردانہ خیالات پیدا کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ اس سے بہتر کوئی اور صورت تجویز نہیں کرسکیں گے۔ جو اس مصلح زمانہ حال نے اپنے اُس پیغام صلح میں لکھ دی جو آپنے عین اس دن ہندو اصحاب کے لیئے لکھا جس دن وہ بہشت بریں میں چلے گئے ؂

اب مَیں پھر اپنے مضمون کی طرف آتا ہوں۔ یہ حقیقت ہے اس عالمگیر مذہب کی جسکا نام اِسلام ہے۔ جس کی آخری کتاب یعنی قرآن نے اپنے اندر ان تمام صداقتوں کو جمع کیا جو وید میں بائبل اور دیگر کتب مقدسہ میں تھیں۔ اور اُن پر اُن قوانین کو ایزاد کیا جو ایسے زمانہ کے مناسب حال ہوں جبکہ خدا کے کنبہ کے اُن مختلف افراد نے جمع ہوجانا تھا جو قدیم کتب الہامی کے وقت ایک دوسرے سے جدا جدا رہتے تھے ؂

قرآن میں وہ تمام قواعد وضوابط ہیں جن کی متقاضی زندگی کی ضروریات مختلفہ تھیں۔ قرآن صرف چند اخلاقی جملوں کا مجموعہ نہیں نہ یہ چند رسموں کی کتاب ہے۔ اگر یہ ایک طرف ہم کو خدا کی صفات کاملہ کا پتہ دیتی ہے تو دوسری طرف اُن عظیم الشان صداقتوں پر روشنی ڈالتی ہے جن میں ملائکہ الہام نبوت قیامت بہشت دوزخ وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ ایسا ہی یہ اُن اصولوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ جو ہمیں پولیٹکل سوشل اقتصادی اور معاشرت کے امور میں مدد دے سکیں۔ تاکہ تمام نسل انسانی ان قوانین پر چلکر کمال حقیقی کو حاصل کرے۔ قرآن نماز روزہ اور قربانیوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں زندگی کا ایک کامل سے کامل ضابطہ ہے۔ ایک بادشاہ وقت کے لیئے اگر اس میں قانون ہے جو اُس نے امور ملکداری میں برتنا ہے۔ تو ایسے ہی اُس میں اطاعتِ فرمانروا کی ہدایات بھی ہیں خواہ وہ اپنی قوم سے ہو یا غیر قوم سے۔ اسی طرح ایک مقنن ایک مدبر سلطنت۔ ایک جج ایک فوجی افسر ایک سوداگر ایک اہل حرفہ ایک بیٹا ایک باپ ایک بھائی ایک خاوند ایک عورت ایک ہمسایہ ایک دوست ایک دولتمند ایک مفلس الغرض ہر ایک انسان ہر حیثیت اور حالت میں ایسے اصول ہدایت اس کتاب میں دیکھیگا۔

کہ جس پر چل کر وہ سوسائٹی کے لئے مفید ہو سکے۔ یہ مکمل تعلیم مجھے قرآن میں ہی ملی۔ اور اس لئے ہم مسلمان ایمان رکھتے ہیں۔ کہ اس قدیمی مذہب یعنی اسلام نے جسے پیغمبروں کی جماعت نے وقتاً فوقتاً تعلیم کیا اپنی مکمل صورت خدا کی اس کتاب میں پائی جس کے بعد الہام شریعت بند ہو گیا جیسے قرآن نے فرمایا

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

آج ہم نے تمہارے لیئے شریعت کو کامل کر دیا

وقت[1] اجازت نہیں دیتا کہ میں ان امور کی جن کا خلاصہ میں نے اوپر دیا ہے چھوٹی سے چھوٹی تشریح بھی کر سکوں۔ لیکن خاتمہ سے پہلے میں ایک ضروری امر کا ذکر کرونگا جسے تعلیم کرکے قرآن کریم نے نسل انسانی پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ انسان کا بڑے سے بڑا محسن وہی ہو سکتا ہے جو انسانوں میں یہ احساس پیدا کر دے کہ اُن میں اعلیٰ سے اعلیٰ استعدادیں موجود ہیں۔ اور پھر اُن کے سامنے اُن کے نصب العین اور مقصود بالذّات کو بلند کر دے۔ اس لیئے قرآن کریم نے یہ قبول نہیں کیا کہ گناہ ہماری جزو فطرت ہے اور ہم اپنے اعمال کے ذریعہ اس کی زنجیروں سے نجات نہیں پا سکتے۔ بلکہ ہمیں یہ سکھلایا ہے۔ کہ انسان اس دنیا میں معصومی کی حالت میں داخل ہوتا ہے۔ اور بعض قوانین پر چل کر لامحدود اور لاانتہا ترقیات حاصل کر سکتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔ پ ۳۰ ع ۲۰

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

تحقیق ہم نے انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ اور عمدہ سے عمدہ استعدادوں کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ بعض صداقتوں پر ایمان لاکر اور ان پر عمل کرکے لامحدود نتائج حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اُن کی پروا نہ کرے تو یقیناً ادنیٰ سے ادنیٰ نقطہ پر پہنچے گا۔ اس تعلیم سے بڑھکر نہ کوئی زبردست تحریک ترقی کی ہو سکتی ہے اور نہ اس سے

[1] منتظمان جلسہ کی طرف سے ہر ایک شخص بولنے والا تیس منٹ سے زیادہ تقریر نہ کر سکتا تھا۔

بڑھ کر کوئی اور روک انسان کے لیئے تنزّل اور زوال کے مقابل ہو سکتی ہے۔ اگر ہم یہ یقین کر لیں کہ گناہ ہماری جزو فطرت ہے۔ تو اس کی گرفت سے آزاد ہونیکے لیئے ہماری تمام کوششیں رائیگان سمجھنی چاہیئیں۔ یہ امر ہمارے قویٰ کے دبا دینے کے لیئے اور ہمارے عزم کو ڈھیلا کرنے کے لیئے کافی ہے۔ اس سے بڑھ کر ہماری پستی روحانیت کا اور کیا اندازہ ہو سکتا ہے؟ اور عجیب بات ہے۔ کہ مادی دنیا میں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کہ ہم لامحدود ترقیات کر سکتے ہیں۔ پیغمبر عرب نے یہ تعلیم نہیں کیا۔ کہ انسان دنیا میں گناہ لے کر آیا۔ بلکہ یہ سکھلایا۔ کہ انسان پیدا ہونے کے وقت اپنے اندر اطاعت قوانین کی استطاعت رکھتا ہے۔ اور اس لیئے وہ بیگناہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ عدم اطاعت قوانین کا نام ہی گناہ ہے۔ اور دنیا میں کوئی ترقی پیروی قانون کے سوا نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا انسان کو بروقت پیدائش معصوم فطرت قبول کر لینے سے ہی اُسے لامحدود ترقیات کا وارث بنا دیتا ہے۔ اسی لیئے اس اشرف اور وسیع دل کے نبیؐ نے یہ تعلیم دی کہ انسان اپنی پیدائیش کے وقت معصوم ہوتا ہے۔ نہ اس لیئے کہ وہ مسلمان کا بیٹا ہے۔ بلکہ اس لیئے کہ وہ انسان کا بیٹا ہے۔ اب اگر اس پاک فطرت کو عمدہ قوانین بھی مل جاویں تو یقیناً وہ معراج کمال تک پہنچ جاویگا۔ اگر دنیا نے اپنی مادی ترقی میں آئے دن نیوٹن۔ ہرشل۔ ایڈیسن پیدا کیئے ہیں تو کیوں دوبارہ کرشنؑ۔ مسیحؑ اور بدھؑ جیسے انسان دنیا میں پیدا نہ ہوں۔ خصوصاً جب اُن بزرگ معلموں نے صاف اور صریح الفاظ میں اپنے دوبارہ آنے کا وعدہ کیا۔ اور میرے نزدیک وہی کتاب آخری کتاب ہونیکا دعویٰ کر سکتی ہے جیسے کہ ہر اہل مذہب اپنی کتاب کو سمجھا ہوا ہے۔ جس میں وہ ہدایات مندرج ہوں جن پر چلکر انسانوں میں سابقین کا سا کمال پیدا ہو سکے آخر سابقین نے بھی بعض ہدایات پر ہی چل کر تکمیل روحانیت کی تھی۔ اگر کسی کتاب میں یہ ضروری تعلیم نہیں تو اُس کے بعد کسی اور ناطق اور آخری کتاب کی ضرورت پڑیگی۔ ایسا ہی انبیاء میں سے خاتم النبیین کہلانے کا وہی مستحق ہے۔ اور مجھے حق الیقین ہے کہ وہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے) جو ہم کو اُس راہ پر چلائے۔ کہ جس پر چلکر ہم وہ کمالات روحانی حاصل کرسکیں کہ جہاں الہام ربانی کا فیض ہوتا ہے۔ اگر روحانی کمال یافتہ انسان مکالمہ الہیہ سے ممتاز تھے جیسے کہ اُن کے متبع اُن کے متعلق مانتے ہیں۔ اور اگر انسان کے ساتھ خدا کا کلام کرنا خدا کی ایک صفت ہے تو پھر کن وجوہ پر یہ امر یقین کیا جاسکتا ہے کہ دروازہ الہام پہلے کھلا تھا اور اب بند ہوگیا ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ اب بھی ویسے ہی علیم حاضر ناظر رحیم اور دیگر صفات رکھتا ہے جیسے کہ وہ پہلے رکھتا تھا اور اگر صفات الہیہ پر تعطل لازم نہیں تو ضروری ہے۔ کہ وہ ہمیشہ اسی طرح بولتا رہے۔ جیسے کہ وہ پہلے ایام سابقہ میں بولا۔ لیکن ہم میں سے بعض یہ ایمان رکھتے ہیں۔ کہ کسی خاص واقعہ کے بعد خدا نے انسان سے کلام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ منطقیانہ طور پر دو امور میں سے ایک امر ضرور واقعہ ہوگا۔ یا تو معاذ اللہ خدائے تعالیٰ کی بعض صفات ضائع ہوگئی ہیں یا تنزل سے انسان میں وہ استعدادیں نہیں رہیں۔ جو اس کے بزرگوں میں تھیں لیکن یہ ہر دو امور بالبداہت غلط ہیں۔ کامل خدا کے صفات ہمیشہ کامل ہونے چاہئیں اور از روئے علم تشریح موجودہ انسان کے قوی وہی ہیں جو پہلوں کے تھے۔ بعض لوگ اب بھی کہیں گے کہ انسان ناقابل ہے۔ لیکن میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ جب میں نے گیتا میں پڑھا کہ کرشن بعض حالات کے پیدا ہوجانے پر دُنیا میں دوبارہ آجایا کرتا ہے۔ اور مجھے اس بات کا فخر ہے کہ میں ایک ایسی کتاب پر ایمان رکھتا ہوں کہ جس نے ذیل کے الفاظ میں مجھے وعدہ دیا ہے۔

(سورۃ فاتحہ)
اھدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم۔ الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصلحین

اے خدا ہم کو وہ سیدھے سے سیدھا راستہ دکھلا کہ جس پر تیرے انعام یافتہ چلے یعنی نبی صدیق شہدا اور صالحین ۔ اِس دعا کے جواب میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (پ ۲۱ ع ۳)

جو ہمارے راستہ میں کوشش کیا کرتے ہیں۔ ہم انہیں ضرور راستہ دکھلا دیا کرتے ہیں ۔

لہٰذا بالفاظ قرآن کسی انسان کا ربانی راہوں پر قدم زن ہونا اس کو اس خاص الخاص انعام الٰہی کا مستحق ٹھہرا دیتا ہے جس کا نام الہام ہے۔ قرآن نے وہ قواعد اور قوانین بتلائے ہیں۔ کہ جن کے ذریعہ انسان ان ربانی فیوض کو حاصل کرتا ہے جو خدائے تعالیٰ نے کاملین سابقہ کو عطا فرمائے۔

الغرض جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ہم آخری نبی قرار دیتے ہیں۔ تو نہ صرف اس لیئے کہ انہوں نے ہمیں زندگی کے متعلق کامل ہدایات دی ہیں بلکہ اس لیئے بھی کہ انہوں نے ہمیں انبیاء کا ورثہ حاصل کرنے کے قابل ظاہر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل

میری اُمت کے علمائے ربانی اسرائیلی نبیوں جیسے ہوں گے

آپ نے ہمیں یہ بھی وعدہ دیا کہ ہر صدی کے سر پر ایک الہام پانے والا مصلح اسلام میں پیدا ہوگا جسے اسلامی اصطلاح میں مجدد کہا گیا ہے۔ اور حضور والا کی پیشین گوئی کو ہم اسلامی تاریخ کے ہر زمانہ میں پورا ہوتا دیکھتے آئے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں کہ آیا وید پر چلنے والوں میں سے کرشن اور رامچندر جیسے انسان اور بھی ہندوستان میں پیدا ہوئے یا نہیں اور اور نہ مجھے یہ پورا علم ہے۔ کہ عیسائی مذہب نے پطرس اور یوحنا جیسے انسان پیدا کیئے یا نہیں جن میں یقینی طور پر بعض مسیح جیسی صفات تھیں۔ لیکن اسلام پر تو کوئی صدی نہ گذری کہ جس میں الہام پانے والے مقدس انسان پیدا نہ ہوئے۔ مثال کے طور پر۔ عمر بن عبدالعزیز۔ بایزید بسطامی۔ جنید بغدادی۔ محی الدین ابن عربی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی اور ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی۔ شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی۔ خواجہ نظام الدین اولیاء۔ بابا فرید شکر گنج۔ داتا گنج بخش۔ شاہ ولی اللہ اور سید احمد بریلوی وہ لوگ ہیں کہ جو خدا سے ہمکلام ہوئے۔ یہ صداقت قرآن کریم نے بڑے صریح الفاظ میں تعلیم کی۔ لیکن زمانہ حال کے مادی خیالات جو اس تمام تشکک اور توہم کے ذمہ دار ہیں جو چاروں طرف ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس قدر زبردست تاثیر رکھتے ہیں۔ کہ یہ صداقت بھی حوالہ نسیان ہوکر الہام کو فسانہ کے رنگ میں لے آنے۔ جیسا کہ اس وقت یورپ میں ہو چکا ہے۔ اگر اس صدی کے سر پر موعود مجدد نہ آتا۔ خدا نے پنجاب میں احمد کو پیدا کیا جس نے اپنے ہمجنسوں کے آگے اپنا نمونہ پیش کیا۔ اس نے دکھلایا کہ قرآن کریم کی کامل اطاعت اور سنت نبوی کی کامل متابعت نے بمقولائے آیت کریمہ ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین اسے خدائے تعالیٰ کے

اعلیٰ سے اعلیٰ انعام کا جس کا نام الہام ہے وارث کیا۔ اس نے ظاہر کیا کہ یہ دروازہ ہر ایک کھٹ کھٹانے والے کے واسطے کھلا ہے یہی اعلیٰ سے اعلیٰ نصب العین انسان کا ہونا چاہیئے۔ اور یہی بلند سے بلند منزل مقصود انسانی کوشش کی ہے۔ اسی امر کے حاصل کرنے کے واسطے اسلام نامعلوم وقتوں سے دنیا میں آکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مکمل ہوا۔ خدا کے خاص الخاص درود اور سلام اس پر ہوں۔ آمین

مبارک ہے وہ کتاب جو تم میں اعلیٰ استعدادوں کا احساس پیدا کر کے تمہارے نصب العین کو بلند کرے اور ایسا ہی مبارک ہے وہ انسان جو اپنے عملی نمونہ کو تمہارے سامنے پیش کر کے تم میں اس اعلیٰ سے اعلیٰ مقصد کے حاصل کرنے کی تحریک و تحریص پیدا کرے۔ آمین

تصحیح

گذشتہ نمبر میں صفحہ ۶۴ سطر ۱۴ پر جو آیت کریمہ درج ہے وہ اس طرح ہے۔ یَاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی الآیۃ۔ ترجمہ۔ اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ الخ

ریویو۔ ہائے حسینؓ مظلوم۔ اس نام کا ۸ صفحہ کا رسالہ منشی خادم حسینؓ خادم بھیروی احمدی نے لکھا ہے جس میں انہوں اپنی کتاب تحقیق کربلا کے مضامین کا ایک مختصر خلاصہ بطور مشتے نمونہ خروار درج کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ قاتلان امام سُنی نہ تھے بلکہ شیعہ تھے اور شیعہ بھی شیعان علیؓ و امام حسنؓ جن سے پہلے کوئی شیعہ ہی نہیں ہوا۔ قیمت فی کاپی ۸ر ۴ کاپی سے کم درخواست نہ ہونی چاہیئے۔ اور درخواست کے ساتھ ٹکٹ ۲ر کے ہوں۔ ملنے کا پتہ میاں شمس الدین ہیڈ ماسٹر متصل ڈاکخانہ بھیرہ۔

ابطال کفّارہ

(۱)

مرقومہ مولوی الہ دین صاحب واعظ اسلام

ہر خاص و عام پر واضح ہو کہ نجات عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنے رہائی چھٹکارا۔ مخلصی کے ہیں۔ نجات کی امید ہر ایک مذہب کا آدمی اپنے دل میں رکھتا ہے اور کوئی نہ کوئی وسیلہ مغفرت کا اپنی مانی ہوئی کتاب سے متصوّر کرتا ہے۔ اس تحریر میں ہم صرف عیسائیوں کی نجات کا بیان کرنا چاہتے ہیں۔ وسیلہ نجات عیسائیوں نے مسیح کا کفّارہ تجویز کیا ہے۔ چنانچہ حضرت یوحنا حواری اپنے خط اول کے باب ۲ درس اول و دوم میں فرماتے ہیں۔ یسوع مسیح جو صادق ہے باپ کے پاس ہمارا وکیل ہے اور وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے فقط ہمارے گناہوں کا نہیں بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی *

اور پادری فنڈر صاحب اپنی میزان الحق مطبوعہ ۱۸۶۲ء کے صفحہ ۱۲۱ سطر ۱۶ میں فرماتے ہیں۔ یسوع مسیح سب کی نجات کا واسطہ اور سبب ہے۔ اور اس کے دُکھ اور صلیبی موت جو اس نے ہمارے لیئے اپنے اوپر قبول کیئے وہی اس بات کے باعث ہوئے کہ خدا اس کی خاطر اُن لوگوں کے گناہ کی سزا سے جو یسوع مسیح پر ایمان لائے درگذر کرتا اور انہیں ہمیشہ کی نیک بختی کو پُہنچاتا ہے انتہیٰ *

صاحب موصوف اپنی دوسری کتاب طریق الحیات مطبوعہ ۱۸۶۷ء کے صفحہ ۱۱۲ سطر ۱۹ میں فرماتے ہیں "غرض کہ گناہ کی معافی اور نجات حاصل کرنے کے وسیلے جو گنہگار بندوں کے لیئے خدا کے حضور سے مقرّر اور انجیل میں بیان ہوئے ہیں سو مسیح کا وہی دُکھ اور موت ہے۔ پس جو کوئی مسیح پر ایمان لاوے گا اور اس کے کفارہ کو قبول کریگا اس کے سارے گناہ معاف ہوں گے اور مسیح کی خاطر خدا کی رضامندی اس پہ ہوگی اور وہ حقیقی اور ابدی نیک بختی کا مالک بنے گا" انتہیٰ *

اور پولوس صاحب اپنے خط رومیوں باب ۳ ورس ۲۸ میں فرماتے ہیں ”پس ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ آدمی ایمان ہی سے بے اعمال شریعت کے راستباز ٹھہرتا ہے“ انتہی۔

دیکھئے بقول۔ پولوس صاحب صرف مسیح اور کفارے پر ایمان لانے سے نجات حاصل ہو سکتی۔ بے اعمال صالح کا بجالانا بالکل ضروری نہیں ہے۔ اول تو ایمان بدون اعمال حسنہ جو نجات کا ذریعہ یا راستبازی کا زینہ پولوس صاحب نے ٹھہرایا ہے۔ اس کو خود سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواری یعقوب مردود قرار دیتا ہے۔ دیکھو خط یعقوب باب ۲ ورس ۲۴ میں لکھا ہے۔ ”تم دیکھتے ہو کہ آدمی اعمال سے راستباز ٹھہرایا جاتا ہے صرف ایمان سے نہیں اسی طرح راحب بھی جو فاحشہ تھی جب اس نے جاسوسوں کی مہمانی کی اور انہیں دوسری راہ سے باہر کر دیا کیا اعمال سے راستباز نہ ٹھہری۔ پس جیسا بدن بے روح مردہ ہے ویسا ہی ایمان بے اعمال مردہ ہے“۔

دیکھئے۔ یعقوب حواری صرف ایمان کو بدون اعمال صالح کے مردہ قرار دیتے ہیں کیا مردہ ایمان نجات کا وسیلہ ہو سکتا ہے ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ دوم صرف مجرد ایمان پر نجات یا راستبازی کا مدار ٹھہرانا پولوس صاحب کا صریح گمراہی پھیلانا اور گناہوں پر دلیر کرنا ہے چنانچہ پولوس کی اس آزادی بخشنے والی یا گناہوں پر افروختہ کرنے والی ناقص تعلیم نے عیسائیوں کو یہاں تک بے لگام کر دیا اور خصوصاً مسئلہ کفارہ نے چنانچہ لوتھر مارٹین فرقہ پروٹسٹنٹ کے پیشوا فرماتے ہیں کہ فقط ایمان رکھو اور بغیر روزہ کی سختی اور کسی پرہیز کے بار کے بغیر اعتراف کی تکلیف کے اور نیک کاموں کی سختی کے یقین ہی جانو تم بچائے جاؤ گے تمہارے واسطے نجات ایسی تحقیق اور بے شک ہے جیسی مسیح کے واسطے ہاں گناہ کرو اور خوب دلیری سے گناہ کرو فقط ایمان رکھو اور اگرچہ ایک دن میں ہزار دفعہ حرام کاری یا خون کرو صرف ایمان رکھو کہتا ہوں میں۔ تمہارا ایمان تم کو بچاوے گا۔ دیکھو پادری بیڈیلی صاحب کی کتاب کا ترجمہ طامس انگلش مطبوعہ ۱۸۵۱ء کا صفحہ ۳۳۔ انتہی۔

اب رہا ذاتِ خود مسئلہ کفارہ اور اس کی حقیقت بھی ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے اول تو اس کفارے کو بائبل ہی رد کرتی ہے۔ دیکھو کتاب حزقی ایل باب ۱۸ ورس ۲۔ تم اسرائیل کے ملک

کے حق میں کیوں یہ کہاوت کہتے ہو کہ باپ دادوں نے کھٹے انگور کھائے اور بیٹوں کے دانت کُند ہو گئے۔ خداوند یہوواہ کہتا ہے کہ مجھے اپنی حیات کی قسم کہ تم پھر اسرائیل میں یہ مثل نہ کہو گے۔ دیکھو ساری جانیں میری ہیں۔ دیکھو جس طرح باپ کی جان اسی طرح بیٹے کی جان دونوں میری ہیں۔ وہ جان جو گناہ کرتی ہے سو ہی مرے گی۔ باب ایضاً ورس ۲۰ وہ جان جو گناہ کرتی ہے سو ہی مریگی۔ بیٹا باپ کی بدکاری کا بوجھ نہیں اٹھاویگا اور نہ باپ بیٹے کی بدکاری کا بوجھ اُٹھاوے گا۔ صادق کی صداقت اسی پر ہو گی اور شریر کی شرارت اسی پر پڑے گی۔ انتہیٰ۔

کیوں عیسائیو! جب الٰہی قانون سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ باپ بیٹے کا یا بیٹا باپ کے گناہوں کا ذمہ وار نہیں ہو سکتا اور یہی عدل بھی ہے اور صادق کی صداقت کا فائدہ صادق کو ہو گا اور شریر کی شرارت کی سزا خود شریر کو ہو گی جو عین انصاف ہے پھر برخلاف عدل خداوندی اور قانون الٰہی کے حضرت مسیح خدا کے صادق بندے پر عیسائیوں کی شرارت اور گناہوں کا بوجھ اللہ جل شانہٗ اپنے انصاف اور عدل کو توڑ کر کیونکر رکھ دیگا ہرگز نہیں ہرگز نہیں اور بائبل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شریر صادقوں کا کفارہ ہونگے۔ دیکھو کتاب امثال باب ۱۱ آیت ۸ میں صاف لکھا ہے۔ صادق مصیبت سے رہائی پاتا ہے اور اُس کے بدلے شریر پکڑا جاتا ہے۔ کتاب ایضاً باب ۲۱ آیت ۱۸۔ شریر لوگ صادقوں کے بدلے اور خطاکار راستبازوں کے عوض فدیہ دیئے جاویں گے انتہیٰ ؀

خلاف بائبل کے عیسائی صاحبان شریروں کے عوض صادق کو فدیہ ٹھہراتے ہیں۔ یعنی اپنی شرارت اور گناہوں کا فدیہ حضرت مسیح صادق کو بناتے اور بائبل کی تکذیب کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتے ؀

فدیہ و کفارہ بذات خود باطل ہے اور اس کے ابطال پر قانون قدرت اور ہمارا مشاہدہ یعنی دو کافی گواہ موجود ہیں۔ دیکھئے کتاب پیدائش باب ۳ آیت ۱۳ سے ۱۹ تک جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ منع کیئے ہوئے پھل کھانے پر خدا نے اول سانپ کو سزا دی کہ تُو ملعون ہوا۔ اور اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور تمام عمر مٹی کھائیگا۔ دوم حوّا کو

یہ حکم سنایا گیا کہ تیرے حمل میں درد ہوگا اور تو درد سے جنے گی۔ اور تیرا شوق تیرے خصم کی طرف ہوگا اور تیرا خاوند تیرے پر حکومت کریگا۔ سوم آدم کو کہا گیا کہ زمین تیرے باعث سے لعنتی ہوگی۔ وہ تیرے لئے اونٹ کٹارے اُگائے گی۔ اور تُو اپنے مُنہ کے پسینے سے روٹی کھائے گا۔

یہ تمام سزائیں سانپ اور حوّا اور آدم کو خدائے تعالیٰ نے باغ عدن میں منع کئے ہوئے پھل کھانے کی وجہ سے دیں اور عیسائیوں کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ آدم کے گناہ کرنیسے تمام بنی آدم گنہگار ہی پیدا ہوتے ہیں آدم کے گناہ کے باعث تمام نوع انسانی کا گنہگار پیدا ہونا اس گناہ کو عیسائی موروثی یا فطری کہتے ہیں۔ عیسائیوں کا یہ بھی خیال خام ہے کہ مسیح تمام بنی آدم کا کفارہ ہوا تھا چنانچہ یوحنا حواری اپنے خط اول باب ۲ درس ۲ میں لکھتے ہیں۔ وہ یعنی مسیح ہمارے گناہوں کا کفّارہ ہے فقط ہمارے ہی گناہوں کا نہیں بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی۔

اب اس کفّارے کے ابطال پر بڑی دلیل یہ ہے کہ بقول عیسائیوں کے مسیح کو کفّارہ ہوئے آج ۱۰۔ نومبر ۱۹۱۰ء کو ۱۸۷۷ برس ہو چکے مگر کفارے کا کوئی نتیجہ تسلّی بخش ظاہر نہیں ہوا کیونکہ باغ عدن میں جو منع کئے ہوئے پھل کھانے پر حوّا اور آدم کو سزائیں ہوئیں تھیں وہ جوں کی توں موجود ہیں آدم کے بجائے اس کی ذرّیت جو موروثی اور فطری گناہ میں ملوّث ہوگئی ہے جس کی سزا مشقّت سے روٹی کمانا اور زمین کا لعنتی ہونا اونٹ کٹارے اُگانا مقرر ہوا تھا اور عورت کا خاوند کی طرف شوق ہونا اور درد سے اولاد پیدا ہونا اور خاوند کا عورت پر حکومت کرنا یہ سزائیں اب بھی ہماری آنکھوں کے سامنے برقرار ہیں حالانکہ حضرت آدم و حوّا بقول پادری فنڈر صاحب مسیح کے کفّارے پر ایمان بھی لا چکے تھے۔ دیکھو طریق حیات مطبوعہ ۱۸۶۷ء کے صفحہ ۱۹ سطر ۳ میں لکھا ہے۔ اور موعودہ نجات دینے والے پر ایمان لانے سے جو توریت اور انجیل کی آیات کے موافق یسوع مسیح ہے آدم کی توجہ خدا کی درگاہ میں قبول ہوئی۔ انتہی۔

ظاہر ہے کہ اگر حضرت آدم و حوّا کی توبہ اور مسیح کے کفّارے پر ایمان لانے۔

بخشش ہو جاتی اور کفارے کا نیک اثر پایا جاتا تو آدم کی ذریت میں فطری گناہ کا اثر بالکل نہ رہتا اور جو سزائیں آدم و حوا کو تجویز ہوئی تھیں موقوف ہو کر ذریت آدم بدون مشقت روٹی کھاتی اور زمین بھی لعنت سے پاک ہو کر کانٹے اُگانے سے رُک جاتی اور عورتیں بدون درد کے بچے جنتیں وغیرہ وغیرہ مگر اُن سزاؤں کا جاری رہنا ثابت کر رہا ہے کہ مسیح کا کفارہ درگاہ الٰہی میں ہنوز منظور ہی نہیں ہوا۔ اگر منظور ہو جاتا تو یہ عام سزائیں ضرور اُٹھ جاتیں پس ہمارا مشاہدہ عینی قانون قدرت پر نظر ڈالنے سے شہادت دے رہا ہے کہ مسیح کے کفارے سے گناہوں کی بخشش کا ہونا سراسر باطل ہے *

اب ہم مثال کے طور پر مسئلہ کفارہ کا بیکار ہونا ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ مثلاً پنڈت گنگا رام نے اپنی عمر کا ایک حصہ تقریباً چالیس سال اپنے آبائی مذہب بت پرستی میں بسر کیا۔ بعد ازاں پنڈت صاحب کو تحقیق ہو گیا کہ میرا قدیم مذہب بالکل باطل ہے اور مذہب مسیحی نہایت عمدہ ہے پنڈت صاحب موصوف بڑی خوشی سے مسیحی ہو گئے اور اس تبدیلیٔ مذہب میں پنڈت گنگا رام صاحب کو محض نجات ابدی مدنظر ہے کوئی دنیوی لالچ عام مسیحیوں کی طرح نہیں ہے اور اصطباغ بھی ماشاء اللہ پادری بشپ صاحب سے لیا اور عشائے ربانی میں بھی داخل ہوئے۔ عیسائیوں کا خیال ہے کہ پنڈت گنگا رام صاحب نے جو بعد بلوغت چالیس برس کی عمر تک گناہ کیے تھے وہ مسیح کے خون سے دھوئے گئے اور پنڈت صاحب بالکل گناہوں سے پاک ہو گئے اور گناہوں سے پاک ہو کر آدمی نجات ابدی پا سکتا ہے اس لیے پنڈت صاحب نجات یافتہ ہو گئے۔ عیسائیوں کی اس خام خیالی کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ از روئے بائبل اور قرآن پاک سچی توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور توبہ کا منظور ہونا خدا کی رحمت کا ثبوت دے رہا ہے۔ دیکھیے کتاب یسعیاہ باب ۵۵ آیت ۷ میں لکھا ہے۔ جو شریر و فاسق اپنے اندیشوں سے باز آوے اور خدا کی طرف پھرے سو وہ رحم کریگا اور کثرت سے عفو کریگا۔ انتہیٰ *

توبہ کے معنے گناہ سے پھرنا۔ باز آنا کے ہیں اور توبہ سے گناہوں کا بخشا جانا۔ انجیل لوقا

باب ۱۵ آیت ۳ سے ثابت ہے۔ "تب اس نے یعنی مسیح نے اُن سے یہ تمثیل کہی کہ تم میں سے کون ہے کہ جس کے پاس سو بھیڑ ہوں اگر اُن میں سے ایک کھوئی جائے اُن ننانوے کو جنگل میں نہ چھوڑے اور اس کھوئی ہوئی کو جب تک نہ پاوے ڈھونڈھا نہ کرے اور پا کے خوشی سے اپنے کاندھے پر اُٹھا نہ لے اور گھر میں جا کے دوستوں اور پڑوسیوں کو بلا کے نہ کہے کہ میرے ساتھ خوشی کرو کیونکہ میں نے اپنی کھوئی ہوئی بھیڑ پائی میں تم سے کہتا ہوں کہ اس ہی طور پر آسمان میں ایک گنہگار کے واسطے جو توبہ کرتا ہے ننانوے راستبازوں سے جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے زیادہ خوشی ہوگی"۔ انتہیٰ۔

دیکھئے سچی توبہ سے آسمان پر خدا خوش ہوتا ہے اور خدا کی خوشی کا نتیجہ اس کی رحمت ہی جس سے گناہ معاف کر دینا ہے چنانچہ پولس اپنے خط دوم قرنیتوں کے باب ۷ ورس ۹ میں فرماتے ہیں۔ اب میں خوش ہوا ہوں اس واسطے کہ تم غمگین ہوئے پر اس واسطے کہ تمھارے غم کا انجام توبہ ہوا کیونکہ تم خدا کے لیئے غمگین ہوئے تاکہ ہم سے بات میں نقصان نہ پاؤ۔ کیونکہ وہ غم جو خدا کے لیئے ہے ایسی توبہ پیدا کرتا ہے جس سے نجات ہوتی ہے انتہیٰ۔

دیکھئے سچی توبہ سے نجات کا حاصل ہونا پولس صاحب نے تسلیم کر لیا ہے اور توبہ سے گناہوں کی معافی کا ذکر بائبل میں بکثرت پایا جاتا ہے جس کا کوئی عیسائی انکار نہیں کرسکتا پھر کیوں عیسائی صاحبان توبہ سے گناہوں کی معافی کا مسئلہ بائبل میں موجود پاکر پنڈت گنگا رام صاحب کے گناہوں کا سچی توبہ سے ۔۔۔ معاف ہونا تسلیم نہیں کرتے اور ناحق کفّارہ کا مسئلہ جو سراسر عدلِ خداوندی کے خلاف ہے از راہ نادانی پیش کرتے ہیں عیسائیوں کا سچی توبہ سے گناہوں کا معاف ہونا نہ تسلیم کرنا بائبل کی تکذیب کرنا ہے۔ بالفرض اگر بقول عیسائیوں کے سچی توبہ سے گناہ معاف نہیں ہوتے اور جہاں جہاں بائیل میں سچی توبہ سے گناہ معاف ہونے کا بیان ہے بالکل غلط اور سراسر جھوٹ ہے، اور پنڈت گنگا رام صاحب کے گناہ مسیح کے خون ۔

دھوئے گئے یعنی مسیح کفارے پر ایمان لانے سے پنڈت گنگا رام اپنے پہلے گناہوں سے
پاک ہو گیا تو یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پنڈت صاحب موصوف جب چالیس
برس کی عمر میں عیسائی ہوئے اور عیسائی ہونے سے ان کے پہلے گناہ بقول عیسائیوں
کے مسیح کے خون سے دھوئے گئے۔ پھر عیسائیت کی حالت میں پنڈت گنگا رام صاحب
بیس سال اور جی کر ساٹھ برس کی عمر پوری کر کے فوت ہوئے اس بیس سال میں جو عیسائیت
میں گذرے پنڈت صاحب سے گناہ سرزد ہوئے ہونگے یا نہیں۔ شق اول اگر پنڈت صاحب
بالکل گناہ نہیں کرینگے اور ان کو گناہوں سے بکلی نفرت ہو جائے گی جیسا کہ پادری فورمن
صاحب لاہوری اپنی کتاب تیغ و سپر عیسوی مطبوعہ ۱۸۸۵ء کے صفحہ ۷ میں فرما چکے ہیں
تو یہ خیال پادری فورمن صاحب اور عام عیسائیوں کا بالکل غلط ہے کیا عیسائیوں کو بحالت
عیسائیت یہودہ حواری کا جو از روئے انجیل متی باب ۱۹ آیت ۲۸ بارھویں تخت کا وارث تھا
چوری کرنا یاد نہیں ہے؟ دیکھو انجیل یوحنا باب ۱۲ آیت ۶۔ اور پطرس حواری کا اپنی جان بچانے
کے لئے جھوٹی قسمیں کھانا عیسائیت کی حالت میں انجیل متی باب ۲۶ ورس ۷۲ و ۷۴ سے
عیسائی صاحبان معلوم کر سکتے ہیں علیٰ ہذا القیاس یہی حال تمام مؤلفین اناجیل کا تھا
حتیٰ کہ مؤلفین اناجیل حضرت مسیح سے بے ایمانی کا خطاب حاصل چکے ہیں دیکھو انجیل مرقس
باب ۱۶ آیت ۱۴۔ اور یوحنا حواری کلیہ طور پر جمع کے صیغہ سے اپنے خط دوم باب اول آیت ۸
میں فرماتے ہیں۔ اگر کہیں کہ ہم بے گناہ ہیں تو ہم اپنے تئیں فریب دیتے ہیں اور سچائی
ہم میں نہیں۔ جائے انصاف ہے کہ مسیح کے ہاتھ پر ایمان لانے والے خاص حواری حالت
عیسائیت میں گناہ کرتے رہے اور خود وہ اپنے گنہگار ہونے کا اقرار بھی کریں باوجود انجیل
میں یہ حالات دن رات پڑھتے ہوئے کس شیخی پر پادری فورمن صاحب نے لکھ مارا کہ سچا عیسائی
بحالت عیسائیت گناہ نہیں کرتا افسوس عیسائی از روئے بائبل پیغمبروں کو تو حالت پیغمبری
گنہگار خیال کریں جیسا کہ پادری فنڈر صاحب اپنی کتاب طریق النجات مطبوعہ ۱۸۶۶ء کے
۲۹ سطر ۱۲ میں لکھتے ہیں۔ مقدس کتابوں میں آدم کا اور بعض پیغمبروں کا گناہ مثل
داؤد و سلیمان و یونس وغیرہ کے لکھا ہے تا کہ ظاہر ہو کہ ہر آدمی بلکہ پیغمبر بھی گناہ میں

پھنسے ہیں۔ انتہی ؛

جائے غور ہے کہ جب بقول پادری فنڈر صاحب پیغمبر حالتِ پیغمبری میں گناہ کرتے رہے تو نو مرید خاکروب وچمار اور ہندو مشرک جو بموجب کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۵ کے اپنے والدین کے شرک کی وجہ سے چار پشت تک پاک نہیں ہو سکتے مسیحی ہوتے ہی گناہوں سے پاک ہو کر بے گناہ ہو جائیں اور پھر اُن میں گناہ کا مادہ ہی نہ رہے اس سفید جھوٹ کا کیا ٹھکانہ ہے۔ شق ثانی اگر پنڈت گنگارام صاحب بعد عیسائی ہونیکے اور حالتِ عیسائیت میں گناہ کریں گے اور ضرور کریں گے۔ اور عام عیسائی حالتِ عیسائیت میں رات دن گناہ کرتے ہیں تو عیسائیت کی حالت میں گناہ کرنیوالوں کے حق میں خط عبرانیہ کے مصنّف کا یہ فتویٰ موجود ہے کہ حالتِ عیسائیت میں گناہ کرنیوالے ابدی جہنمی ہیں دیکھو خط عبرانیہ باب ۶ آیت ۴ میں صاف لکھا ہے۔ کیونکہ وے جو ایک بار روشن ہوئے اور آسمانی بخشش کا مزہ چکھا اور روح قدس میں شریک ہوئے اور خدا کے عمدہ کلام و آئیندہ جہان کی قدرتوں کا مزہ اُڑایا اگر گر جاویں تو انہیں پھر ازسرِ نو کھڑا کرنا تاکہ وے توبہ کریں ناممکن ہے کیونکہ انہوں نے خدا کے بیٹے کو اپنے لیئے دوبارہ صلیب پر کھینچکر ذلیل کیا۔ کیونکہ جو زمین اس مینہ کو کہ بار بار اس پر برسے پی جاتی ہے اور ایسی سبزی جو کسان کو مفید ہو لاتی ہے سو خدا سے برکت پاتی ہے پر وہ جو کانٹے اور اونٹ کٹارے پیدا کرتی ہے نامقبول اور نزدیک ہے کہ لعنتی ہو جس کا انجام جلنا ہوگا۔ انتہی ؛

دیکھئے عبارت مذکورہ بالا سے صریح اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی ہو کر آسمانی روشنی سے روشن یعنی روح قدس سے فیض یاب ہو کر اور کلام الٰہی کے راز کے مزے پاکر۔ اگر گر جاویں یعنی گناہ کر کے تنزّل کی حالت میں گر جاویں تو ان لوگوں کا ازسرِ نو کھڑا کرنا یعنی ان کا توبہ کر کے اصلی حالت پر آجانا غیر ممکن ہے کیونکہ انہوں نے ایک دفعہ اپنے گناہ کا بوجھ مسیح پر رکھ کر دوبارہ پھر گناہ کا بوجھ مسیح پر ڈالنا چاہا یہ دوبارہ اپنے گناہوں کا بوجھ مسیح پر رکھنا مسیح کو دوبارہ صلیب پر کھینچکر ذلیل کرنا ہے اس لیئے

حالتِ عیسائیت میں گناہ کرنیوالے کی توبہ قبول ہونی امکان سے خارج ہے جب توبہ قبول نہ ہوئی تو یہ گناہ دوزخ کا باعث ہونگے۔ چنانچہ اس بیان مذکورہ بالا کی تائید خط عبرانیہ باب ۱۰ ورس ۲۶ سے بخوبی ہوتی ہے کیونکہ اگر بعد اس کے کہ ہم نے سچائی کی پہچان حاصل کی ہے جان بوجھ کے گناہ کریں تو پھر گناہوں کے لیئے کوئی قربانی نہیں مگر عدالت کا ایک ہولناک انتظار اور آتشی غضب جو مخالفوں کو کھاے گا باقی ہے۔ انتہیٰ ؛

سچائی کی پہچان یعنی دین عیسوی کی سچائی جان کر عیسائی ہونا اور پھر حالتِ عیسائیت میں گناہ کرنا تو ان گناہوں کے لیئے کوئی فدیہ باقی نہیں کیونکہ عیسائی ہونے کے پہلے جو گناہ ہوئے تھے وہ تو مسیح کے خون نے دھو دیئے اب بعد عیسائی ہونے کے جو گناہ ہونگے ان کے لیئے کوئی اور قربانی باقی نہیں جو یہ گناہ دھوئے جاویں مگر ایسے گنہگاروں کے لیئے عدالت کا ایک ہولناک انتظار اور آتشی غضب یعنی دوزخ جو گنہگاروں کے لیئے تیار کیا گیا ہے باقی ہے یعنی حالتِ عیسائیت میں گناہ کرنے والا سیدھا جہنم میں داخل کیا جاویگا۔ عیسائی ہوکر گناہوں سے بچنا غیر ممکن اور گناہوں کا بدلہ صریح دوزخ گویا عیسائی ہونا جہنمی ہونا ہے اگر کسی عیسائی کے دل میں یہ خیال گذرے کہ جو گناہ حالتِ عیسائیت میں عیسائیوں سے ہوتے ہیں وہ بذریعہ توبہ بخشے جا سکتے ہیں اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ پادری فنڈر صاحب اپنی کتاب طریق النجات مطبوعہ ۱۸۶۲ء کے صفحہ ۵۴ سطر ۹ میں فرماتے ہیں۔ توبہ و بازگشت کے سبب گناہ کی سزا سے درگذر نہ کرے گا۔ انتہیٰ ؛

اس سے ظاہر ہے کہ گناہ کی سزا سے درگذر نہ ہوگی اور بقول پادری فنڈر صاحب مندرجہ میزان حق صفحہ ۳۵ سطر ۱۶ توبہ و بازگشت گناہوں کا کفارہ نہیں ہوسکتا اور گناہ صرف اسی سے معاف نہ ہوگا۔ انتہیٰ ؛

الغرض عیسائی مذہب کا دارومدار اور نجات کا ذریعہ مسئلہ فدیہ اور کفارہ نجات کے لیئے کافی نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی مسیحی مسیحیت کی حالت میں گناہوں سے بچ سکتا ہے اور نہ نجات ابدی پاسکتا ہے بلکہ از روئے خط عبرانیہ دوزخی ہوسکتا ہے سو عیسائیو!

نجات کا ٹھیکہ ٹوٹ گیا اور مفت کی نجات کا ستون یعنی تمہارے فرضی کفارے کا ابطال درحقیقت تمہاری نجات کا ابطال ہے جو انجیل ہی سے کر کے دکھلا دیا گیا ہے؛

اسلام اور دیگر مذاہب

مرقومہ حضرت میر ناصر نواب صاحب

عیسائیوں نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ قرآن شریف پچھلی کتابوں سے بطور سرقہ لیا گیا ہے کیونکہ تعلیمیں ملتی جلتی ہیں لہٰذا وہ انسانی تصنیف ہے پھر عیسائیوں کے خوشہ چین آریہ صاحبان نے اُن کی پیروی کر کے یہی الزام قرآن شریف پر لگایا ہے اس لئے مجھے خیال آیا کہ اپنی مبارک و حقانی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سے میں بھی بقدر اپنی طاقت کے اس الزام کو دُور کروں؛

حقیقت یہ ہے کہ ملتی جلتی تعلیم سے ان لوگوں نے دھوکہ کھایا ہے یا مخلوق خدا کو دھوکہ دینا چاہا ہے سو سب سے پہلے خیال کرو کہ پچھلے زمانہ کے دولتمندوں کے پاس روپیہ اشرفیاں لعل جواہر موتی ہیرے گھوڑے ہاتھی وغیرہ ہوتے تھے۔ اور اس زمانہ کے اُمرا بھی یہی چیزیں رکھتے ہیں تو کیا اگر پچھلے لکھ پتیوں سے زیادہ اس زمانہ میں کوئی کروڑ پتی یا پدم پتی ہو تو وہ اس سبب سے دولتمند نہ گنا جاوے کہ یہ دولت تو پہلے بھی ہوتی تھی اور ایسے امیر تو پہلے بھی ہو چکے ہیں یہ دولت اُنکی چرائی ہوئی ہے جب دولتمندی کے بھی مسلم نشانات ہیں تو کیا اب یہ مخالفان اسلام چاہتے ہیں کہ اب جو دولتمند ہو اسکے خزانہ میں بجائے روپیہ کے نجاست کے ڈھیر ہوں تب معلوم ہو کہ وہ دولتمند ہے یا پہلے امرا کے باغوں میں امرود و انار و انگور کھجوریں ناشپاتیاں کیلے وغیرہ کے درخت ہوتے تھے اور اب جو نہایت عمدہ باغ کوئی لگائے تو اسمیں

ان درختوں میں سے کسی کا نام بھی نہ ہو بلکہ نیم بکائن ببول اندرائن دھتورہ وغیرہ لگائے جائیں تب ثابت ہو کہ یہ باغ انوکھا ہے ورنہ ثابت ہوگا کہ پچھلوں کا سرقہ ہے اسپر بھی غور کرو پہلے بادشاہ اپنے اعلیٰ درجہ کے امیروں کو خطابات دیا کرتے تھے تو اُن کا مضمون اس قسم کا ہوتا تھا ہمارے قوت بازو یا ہمارے خیر خواہ یا سلطنت کی پشت و پناہ وغیرہ اب اسکے برخلاف باغی سرکش دشمنِ سلطنت حرامخور وغیرہ خطابات عطا ہوں تب معلوم ہو کہ پچھلوں کا سرقہ نہیں ہے پچھلے خوبصورتوں کی تعریف ہوئی تھی عمدہ بوٹا سا قد چاند کی طرح چہرہ گورا رنگ دانت موتی کی لڑیاں آنکھیں حور جیسی ناک سوتوان ٹھوڑی تارا ما تھے چاند کان جیسے پھول وغیرہ۔ اب ہمارے مدعی چاہتے ہیں کہ یہ تعریفیں تو باسی ہو چکی ہیں اب اس کے برخلاف یہ تعریف معشوقوں کی ہونی چاہیئے تاڑ کے برابر قد سور کا سا چہرہ شبِ دیجور کی طرح رنگ کُتے جیسے دانت ہاتھی کی طرح آنکھیں پکوڑے جیسی ناک مسے والی ٹھوڑی رسولی والا ماتھا خرگوش کی طرح کان۔ پچھلے انبیاءؑ وحدانیت کی تعلیم دیتے تھے راست گفتاری اور نیک کرداری کا حکم فرماتے تھے زنا سے روکتے تھے فساد سے اور لُوٹ مار سے ہٹاتے تھے حرص و لالچ سے منع فرماتے تھے عبادت الٰہی کا حکم کرتے تھے وغیرہ۔ اب جو نبی تشریف لاویں تو انکی صداقت کا معیار یہ ہو کہ شرک کا حکم کریں عبادت سے روکیں راست گفتاری و نیک کرداری کے پاس قطعًا نہ جانے دیں زنا کو جائز فرماویں فساد اور لُوٹ مار کو فرض و واجب ٹھہرادیں حرص و لالچ کو باعث ثواب کہیں وغیرہ۔ پہلے نبیوں نے حکم فرمایا ہے خون نہ کرو ماں باپ کا ادب کرو اب جو نبی ہو وہ اس کے برخلاف حکم دے کہ خونریزی ثواب ہے اور ماں باپ کا ادب باعثِ عذاب۔ ماں باپ کو خوب جوتے مارنے چاہئیں اور ہرگز اُن کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے اور ہر ایک گھر میں ایک پتھر عبادت کے لیئے ضرور رکھا جاوے تب ثابت ہو کہ اس نبی نے توراۃ سے اپنی تعلیم نہیں چرائی اور نیز یہ حکم کرے کہ خدا سے پیار نہ کرو بلکہ دنیا سے دل لگاؤ اور مخلوقِ خدا کو پیار نہ کرو بلکہ جسقدر ممکن ہو انکو ستاؤ تو معلوم ہو کہ انجیل

سے اس بزرگ نے کچھ نہیں حاصل کیا بلکہ اس شخص کی طرح جس نے گندہ بروزہ کے ساتھ خشکہ کھا کر کہا کہ خشکہ با گندہ بروزہ اگرچہ گندہ است لیکن ایجاد بندہ است۔

پیارے ناظرین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کب فرمایا ہے کہ میں تمام دنیا سے جداگانہ مذہب لایا ہوں جو پچھلے مذاہب سے بھی بالکل الگ ہے اور فطرت انسانی سے مغائر ہے اور قرآن شریف نے کس جگہ دعویٰ کیا ہے کہ میرا گذشتہ مذاہب سے کچھ بھی تعلق نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور قرآن شریف نے تو بار بار ذکر کیا ہے کہ قرآن شریف گذشتہ مذاہب کی اصلاح کے لیئے آیا اور اللہ تعالیٰ نے گذشتہ کتابوں کی غلطیوں کی اس میں اصلاح فرمائی پچھلے کل باغوں کے درخت اس باغ میں لگا دیئے ہیں اور پچھلے کل خزانوں کے مال و دولت اس خزانہ میں جمع کر دیئے ہیں اور کل معشوقوں کے خد و خال و حسن و جمال اس قرآن شریف کے پاک چہرہ میں اکٹھے فرما دیئے ہیں۔

نزول قرآن شریف کے وقت نبوت کا خوشنما چہرہ بدنما کیا گیا تھا اور نبوت کے باغ ویران ہو گئے تھے اور اس کے مالی پانی دینے والے اور صاف کرنیوالے مر چکے تھے اور نبوت کے محل بوم و چغد کا مسکن بن گئے تھے نبوت کے خزانے تاراج ہو چکے تھے ہر ایک چیز اپنی جگہ سے سرک گئی تھی نمک اور مٹھاس میں کوئی فرق کرنیوالا نہیں تھا آب شیریں و آب شور ایک برتن میں جمع کیئے گئے تھے موتی اور ٹھیکریاں ایک جگہ میں اکٹھی کی گئی تھیں سوئر اور بھیڑ کے گلے ایک مکان میں رکھے جاتے تھے اور دونوں کو یکساں حلال سمجھ کر کھایا جاتا مذہبی نشانات بھی مٹائے گئے تھے ختنہ کی رسم عیسائیوں نے موقوف کر دی تھی اور حرام خوری و حرام کاری سے نہیں شرماتے تھے لکڑیوں کی صلیبیں بڑے بڑے عقلمندوں کے گلوں کا ہار تھیں۔ ادھر ہندوستان میں بت پرستی اور دیوی دیوتا کی پوجا ترقی پر تھی بے حیائی یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ فرج پرستی بھی ہوتی تھی اور شرک و بت پرستی و فرج پرستی کو ثواب سمجھا جاتا تھا ترقی کے رستے مٹ گئے تھے بلکہ دین و دنیا میں ترقی معکوس ہو رہی تھی لوٹ مار اور کشت و خون کے

بازار گرم تھے خدا کی عبادت کا ایک مکان بھی نہ تھا نہ اب ہے بلکہ لاکھوں کروڑوں دیوی دیوتا اور ٹھاکر دوارہ بنے ہوئے تھے اور بنتے جاتے تھے بلکہ اب بھی بن رہے ہیں اور آئندہ بھی بنتے جائیں گے آریوں نے بھی کوئی خالص خدا کی عبادت کا مکان ہنوز نہیں بنایا اور نہ خدا کی عبادت کا اُن کو اسطرح شوق ہے جسطرح مسلمانوں کو ہے۔

غرضکہ نزول قرآن کے وقت تمام ادیان مرچکے تھے اور تباہ ہو گئے تھے قرآن کریم اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مرے ہوئے مذاہب کو دوبارہ زندہ کیا اور جو نقص ان میں تھے انکو نکالدیا اور دوسرے کمال انہیں اضافہ کرکے اس کا نام اسلام رکھا جس کو اسم بامسمیٰ کہنا واجب ہے۔

پچھلے ادیان کہنہ محلوں کی طرح شکستہ و ویران ولائق مرمت ہو گئے تھے اور ایک زمانہ دراز سے اس کے ساکنین مر کھپ چکے تھے اور ان کا کوئی وارث حقیقی زندہ نہیں تھا بلکہ موجودہ اینٹوں کے ڈھیر پر دو گنوار اور نا اہل قابض تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب ویران اور اُجاڑ محلوں کے مصالحہ سے ایک نیا محل تیار کیا جس کا نام قرآن ہے اور اپنے فضل وکرم سے اور مصالحہ بھی اس کی تکمیل میں اپنے خزانہ عامرہ سے لگایا یہانتک کہ وہ محل مکمل ہو گیا پچھلے محلوں میں کوئی ایسا کمرہ نہیں تھا جو اس میں نہیں ہے نہ کوئی ایسی شاہ نشین تھی جو اس میں نہیں تعمیر کی گئی ہر موسم کے آرام کے مکان ہیں خلوت وجلوت کے ہال ہیں ہر قسم اسباب سے یہ محل سجا ہوا ہے کوئی ضروری سامان نہیں جو اس میں مہیا نہ ہوں اندر باہر سے یہ محل آراستہ وپیراستہ ہے۔ دربار کے مکان بھی ہیں زنان خانے بھی ہیں پائیں باغ بھی ہیں کچہریاں بھی ہیں اصطبل بھی ہیں فیل خانے اور شتر خانے بھی ہیں سول اور ملٹری محکمہ موجود ہیں ججوں اور منصفوں کے لئے جگہ ہے

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ٭ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جو کچھ پچھلے متعدد محلوں میں تھا وہ بھی اس محل میں ہے اور اس سے زیادہ بھی ہے اب اس پر زیادت ناممکن ہے جیساکہ انسان کی پیدائیش جامع کل موجودات ہے اسی طرح قرآن شریف کل مذاہب کی حقانی باتوں کا جامع ہے ایک دائرہ کی طرح کل صداقتوں پر

محیط ہے اسپر زیادتی ہوگی تو بدنمائی ہوگی کیونکہ خوشنمائی اور کمال کی اسپر حد ہو چکی ہے کسی آدمی کے ہاتھ میں اگر چھ انگلیاں ہوں تو یہ زیادتی باعث نقصان ہوگی نہ کہ سبب کمال یا اگر انسانی جسم پر خصوصاً چہرہ پر مسّے اور رسولیاں پیدا ہو جاویں تو بیماری کہلائے گی نہ زیادت حُسن و جمال۔

عیسائیوں کو اپنے کفارہ اور تثلیث کا بہت ناز ہے اور آریوں کو اواگون اور نیوگ کا بڑا گھمنڈ ہے۔ اللہ اللہ اسلام کے معترض اپنے نقصوں کی طرف خیال بھی نہیں فرماتے اور اسلام کے حُسن کو قبح سے تعبیر کرتے ہیں اپنی آنکھ کے شہتیر کو تنکے سے بھی کمتر سمجھتے ہیں اور اسلام کی خوبیوں کو معائب بتاتے ہیں تعصّب بھی عجب بُری بلا ہے اس میں آدمی اندھا ہو جاتا ہے بہرا ہو جاتا ہے عقل ماری جاتی ہے غیرت اُڑ جاتی ہے شرم نہیں رہتی انصاف کا خون ہوتا۔ بھلے چنگوں کو مذہبی جنون ہوتا ہے دنیا کے معاملات میں بڑے ہشیار بڑے لائق فائق بڑے موجد بڑے صناع بڑے سوداگر بڑے امیر بڑے مدبّر بڑے منصف۔ مگر دین کے معاملہ میں بڑے نادان بڑے کمزور بڑے پست .... بڑے بودے بڑے ناقص بڑے لاپروا ؏ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا ❊ مناسب تو یہ تھا کہ دین کا نام ہی نہ لیتے اس کا ذکر بھی درمیان نہ لاتے۔ نہیں بلکہ دنیا سے زیادہ ان کے پادری دین کی منادی میں سرگرم ہیں کروڑوں روپیہ پانی کی طرح لٹاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ امیروں کو غریبوں کو ہندوؤں کو مسلمانوں کو چوہڑوں کو چماروں کو عیسائی بنالیں اور اپنی طرح انسان پرستی پر قائم کریں۔ اصل غرض وہی عیسائی بنانا ہے اور کوئی مطلب نہیں عیسیٰ عیسیٰ بول تیرا کیا لگے کا مول۔ یہ اُن عقلمندوں کا وظیفہ ہے انکے مُنہ سے خدا کا نام کہیں نہیں سنا خدا کو چھوڑ کر مسیح کے نام کے گیت گاتے پھرتے ہیں اور اس کا جلال سناتے پھرتے ہیں پھر اپنی نجات کیلئے حضرت مسیح ناصری علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے مقدس و مطہر انسان کیلئے ملعون ہونا اور تین دن کے لیئے دوزخ میں رہنا قبول کرتے ہیں خدا سے نہیں شرماتے خدائے تعالیٰ ہدایت دے ❊ آریہ صاحبان جنہوں نے چالیس

سال سے ہندوؤں کے گھر میں جنم لیا ہے جب سے ان آرین مہاشوں نے رشی دیانند کے وید بھاش کو پڑھا ہے اور بھیونی سبھا کا مطالعہ کیا ہے تب سے ان لوگوں کے دلوں میں ایک خاص ولولہ اور جوش پیدا ہو گیا ہے جس کے باعث یہ لوگ اپنے سے غیر مذاہب والوں کو عموماً نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس کی وجہ سے مذہبی طبقہ میں آزردگی اور کشیدگی کی کھاڑی وسیع ہوئے جا رہی ہے ....

... اپنے نئے مذہب کی تائید میں اخبار نکالتے ہیں رسالے چھاپتے ہیں سماجیں بناتے ہیں سکول اور کالج بناتے ہیں لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کرنے کیلئے کوشش کرتے ہیں خدا اور رسول کو گالیاں دیتے ہیں بزرگوں اور پیشواؤں کی ہجو کرتے ہیں جھوٹے الزام مسلمانوں کے بزرگوں پر لگاتے ہیں مسلمانوں کو بھی اکساتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ہوں سکھوں کو بھی ورغلاتے ہیں شدھیاں دو چار کر چکے ہیں جس میں بجز ندامت کچھ ہاتھ نہیں آیا اور شدھ ہونے والے بھی اکثر بڑے جھوٹے نکلے انہیں مردم شناسی بھی نہیں ایک شخص کو جو مسلمان نہیں تھا مسلمان ٹھہرا کر آریہ بنایا اس نے عجیب عجیب گل کھلائے مگر انہوں نے سبق حاصل نہ کیا اور ایک انگریز کو آریہ بنایا وہ کھا پیکر چمپت ہوا ایسا گیا جیسے گدھے کے سر سے سینگ اور ایک شخص کو مولوی اور سید بنا کر مسلمانوں کو اس کے نام سے گالیاں دیں آخر اس کا بھانڈا پھوٹ گیا اور معلوم ہو گیا کہ یہ سب آریہ صاحبان کی عنایت تھی وہ شخص پڑھا لکھا بھی معمولی تھا چہ جائیکہ مولوی۔ معلوم نہیں کہ اصل میں آریہ صاحبان کا کیا قصد ہے اُن کے وید میں بے شک جہاد کا حکم ہے لیکن اب وہ زمانہ نہیں۔ ہمارے امام عالی مقام علیہ السلام نے آجکل جہاد کے حرام ہونے میں ایک نظم لکھی ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال ٭ دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور جدال

اب زمانہ بدل گیا ہے یہ علم و عقل کا زمانہ ہے دنیا نے کایا پلٹ لی ہے۔ آج یہ پادری

اور آریہ دونوں اسلام کے برخلاف تُلے ہوئے ہیں اور ہم پر چڑھے آتے ہیں اور کچھ نہ کچھ چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ لڑائیاں* شروع ہیں آخر اسلام کی فتح ہوگی جتنا اسلام نے گھٹنا تھا گھٹ چکا اب یہ بڑھے گا خوش نصیب اور عقلمند اسلام میں داخل ہونگے۔ اور بیوقوف اور بے عقل پست حالت میں گر جائیں گے اور لاجواب ہوکر شرمندہ ہونگے اسلام کا باغ پھولے گا پھلے گا اور کانٹے دار جھاڑیاں کاٹی جائیں گی اور جلائی جائیں گی خدا کے فضل کی ہوا چلے گی اور آنکھوں سے پردہ اُڑا دے گی کانوں کے بوجھ دُور ہو جائینگے عقلیں اور ذہن مصفّا و معطر ہو جائیں گے۔ اندھاپن اور بہراپن دُور ہو جائے گا۔ حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی مسعودؑ کی تصانیف لوگ غور سے پڑھیں گے اور فائدہ اُٹھائیں گے۔ اور قرآن شریف و رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائینگے۔ جسطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کافر تلوار اُٹھا کر خود قتل کیئے گئے تھے اسی طرح اسلام کے برخلاف قلم اُٹھانیوالی قلم سے ذبح ہونگے کچھ اسلام میں داخل ہونگے اور کچھ چُپ چاپ ہو جائیں گے اسلام سر بلند ہوگا سچے مسلمان اقبالمند ہونگے سارے جھگڑے مٹ جائینگے امن وامان ہو جاویگا یا اللہ وہ زمانہ جلد لا اور ہمیں ہماری آنکھوں سے قدرت ثانیہ کا تماشا دکھا۔ آمین یارب العالمین

اسلامی یونیورسٹی

حامداً و مصلیاً

ہم مسلمانانِ ہندوستان کے لیئے ۱۹۱۱ء (یا ۱۳۲۹ھ) کیسا مبارک سال ہے جس میں مرحوم سرسید احمد خان بہادر کے پُرانے خواب (اسلامی یونیورسٹی) کی تعبیر کا آغاز ہوگیا۔ کون خیال کرتا تھا کہ مسلمان اسقدر دلی جوش کے ساتھ ایک اسلامی یونیورسٹی قائم

* یعنی مذہبی مقابلہ و مباحثات۔ ایڈیٹر

کرنے کے لیئے اتنی جلد آمادہ اور مستعد ہو جائیں گے۔ مگر خداوند تعالیٰ جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو اس کے سامان ہی جُدا نظر آتے ہیں۔ اسلامی یونیورسٹی کی ایسی عام تحریک جو اسوقت ہندوستان کی اسلامی آبادی میں پائی جاتی ہے ہمیں بتاتی ہے کہ اس کا تعلق ارادۂ الٰہی کیساتھ ہے جو پورا ہو کر رہیگا ہمیں اِس نعمتِ عظمیٰ کے حاصل کرنے کیلیئے پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ اور دنیا کو دکھا دینا چاہیئے کہ جس قوم پر سُستی کاہلی۔ جہالت کے اعتراضوں کا انبار ہے وہ خدا کے فضل سے اب چُست۔ چالاک اور علم دوست قوم بن رہی ہے۔ خداوند تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو سب سے پہلے عام طور پر اُس کے اسباب اس دنیا میں پیدا کرتا ہے (اذا اراد اللّٰہ شیئًا ھیّأ اسبابہ) یعنی جب خدا کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے اسباب مہیّا کر دیتا ہے ٹھیک اِسی سُنت الٰہی کے مطابق اِس وقت بھی ایسا ہو رہا ہے ایک طرف تو حضور ملک معظم قیصر ہند کے جشن تاجپوشی کا غلغلہ بلند ہوا اور دوسری طرف ہماری قوم کے پرنس ہز ہائینس سر آغا خان بالقابہ نے اسلامی یونیورسٹی کی تکمیل کا ارادہ کر کے کم سے کم بیس لاکھ روپیہ کے فراہم کرنیکے لیئے تمام ہندوستان میں بذاتِ خود سفر کرنا شروع کر دیا۔ جس سے تمام مسلمانان ہندوستان کے دلوں میں وہ روح چمک اٹھی جس کے دیکھنے کا شوق ہر ایک قوم کے بہی خواہ کے دل میں تھا اور جس کے دیکھنے کی آرزو مرحوم سر سید افسوس ہے کہ اپنے ساتھ لے گئے میرے عزیزو و بزرگو! اب صرف کام کا وقت ہے اُٹھو اور اس ارادہ الٰہی کو پورا کر کے دنیا کو دکھا دو کہ تم میں وہی روح ابتک باقی ہے جو تمھارے اسلاف میں تمھارے مقدس دین اسلام نے ودیعت کی تھی۔ اور اُن قوموں کو جو آج دنیا میں زندگی کا دعویٰ کرتی ہیں اپنے طریق عمل سے یہ سمجھا دو کہ حجازی رسول (ارواحنا فداہ) کی پاک اور روحانی تعلیم جو ہر ایک مسلمان کے دل میں ہے کس طرح مشکل سے مشکل کاموں کو آسان کر دیتی ہے۔

میرے بھائیو! میری آخری عمر کی صرف ایک بڑی تمنا یہ ہے کہ اب تم میں سے ہر شخص اپنا یہ فرض سمجھکر کہ اسلامی یونیورسٹی کو اُسکی تکمیل کرنا ہے اپنی پوری کوشش چندہ کی فراہمی میں صرف کرے۔ اور تاجپوشی کے مبارک جشن سے پہلے کم سے کم بیس لاکھ روپیہ فراہم کر کے اپنی قومی زندگی کا عملی ثبوت دیدے ۔

ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد ۔ اگر خارے بود گلدستہ گردد

خاکسار۔ مشتاق حسین۔ آنریری سکرٹری تکمیل محمڈن یونیورسٹی کمیٹی۔ علیگڈھ ۱۱- فروری

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت اب خدا کے فضل سے بہت اچھی ہے گو ابھی باہر تشریف نہیں لاتے مگر تھوڑی دور اٹھکر چل لیتے ہیں زخم کا اب بہت تھوڑا حصہ باقی ہے خدا کے فضل سے امید ہے کہ اگلی رپورٹ لکھنے تک زخم پورا مندمل ہو جاویگا +

اسلامی یونیورسٹی۔ اسلامی یونیورسٹی کے متعلق جو اعلان عالی جناب نواب وقارالملک کی طرف سے شائع ہوا ہے وہ دوسری جگہ اس رسالہ میں درج ہو چکا ہے۔ چونکہ بہت احباب دریافت کرتے تھے کہ ہمیں اس تحریک میں شریک ہونا چاہیئے یا نہیں اس لیئے اسکے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح نے ان سب احباب کی ہدایت کے لیئے جنہوں نے آپکے ہاتھ پر بیعت کی ہے ایک عام اعلان شائع فرمایا ہے۔ جسپر ہمارے سب احباب کو کاربند ہونا چاہیئے۔ وہ اعلان جس کا عنوان ہے۔ "اعلان ضروری بتعلق تکمیل تجویز محمڈن یونیورسٹی" حسب ذیل ہے :-

"چونکہ اس وقت ایک عام تحریک ایک اسلامی یونیورسٹی کی ہندوستان میں قائم کرنیکے لیئے ہو رہی ہے۔ اور بعض احباب نے یہ دریافت کیا ہے کہ اس چندہ میں ہمیں بھی شامل ہونا چاہیئے یا نہیں اس لیئے ان سب احباب کی اطلاع کے لیئے جو اس سلسلہ میں شامل ہیں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اگرچہ ہمارے اپنے سلسلہ کی خاص ضروریات بہت ہیں اور ہماری قوم پر بہت بوجھ چندوں کا ہے۔ تاہم چونکہ یونیورسٹی کی تحریک ایک نیک اور مفید تحریک ہے اس لیئے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے احباب بھی اس تحریک میں شامل ہوں اور قلمی قدمی سخنی درمی مدد دیں"۔ نورالدین

بعض اخبارات میں یہ غلط خبر چھپی ہے کہ جناب خواجہ کمال الدین صاحب وکیل چیف کورٹ پنجاب نے احمدی جماعت کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ چندہ فراہم کر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ درست نہیں۔ خواجہ صاحب نے جہانتک ہمیں معلوم ہے کوئی ایسا

وعدہ نہیں کیا۔ احمدی جماعت کی شرکت جو کچھ اسلامی یونیورسٹی میں ہوگی وہ اس اعلان کے مطابق ہوگی جو اوپر درج ہے۔ یعنی ہماری جماعت کوئی خاص رقم علیحدہ فراہم کرکے دینے کا وعدہ نہیں کرسکتی۔ ہاں خود حضرت خلیفۃ المسیح نے ایک ہزار روپیہ اس چندہ میں دینے کے لیئے تکمیل کیٹی کو لکھدیا ہے۔ دوسرے احباب جہانتک اُن کو توفیق ہوگی اسمیں شریک ہوسکیں گے۔ جہانتک چندوں کا سوال ہے ہماری جماعت دوسری جماعتوں یا عامہ اہل اسلام سے ایک حد تک ایک خاص امتیاز رکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس چھوٹی سی جماعت پر چندوں کا اسقدر بوجھ ہے کہ دوسری کسی جماعت میں اسکی نظیر نہیں ہے۔ دو مدرسے ایک خالص دینی تعلیم کے لیئے اور ایک دینی و دنیوی تعلیم کے لیئے۔ اشاعت اسلام کا ایک عظیم الشان سلسلہ ایک لنگر خانہ۔ مساکین و یتامیٰ کی پرورش۔ عمارتوں کا وسیع سلسلہ۔ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس جماعت کے چندوں سے ہورہے ہیں اگر سب مسلمان اسطرح پر دینی کاموں کے لیئے چندے دیں جس طرح احمدی جماعت دیتی ہے تو بیس لاکھ کیا بیس کروڑ روپیہ کا جمع ہوجانا کچھ مشکل امر نہیں ہے۔ ایک ماہ کی آمدنی دیدینا بہت سے لوگوں کو گراں معلوم ہوتا ہے مگر ہماری جماعت نے علاوہ معمولی چندوں کے ابھی تعمیر بورڈنگ و مدرسہ کے لیئے ایک ایک ماہ کی آمد دینی منظور کی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے انفاس طیبہ کی برکت سے اس جماعت میں دینی خدمت کا وہ رنگ پایا جاتا ہے جس کی نظیر بحیثیت جماعت دوسری جگہ ملنی مشکل ہے پس ہمارے دوست بہرحال ان سب چندوں کے علاوہ اسلامی یونیورسٹی کے چندہ میں بھی اپنی استطاعت کے مطابق شامل ہونگے اور دوسرے چندہ دینے والوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔ علاوہ روپیہ یا قلمی مدد دینے کے ہم دل سے بھی اس تحریک میں شامل ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس تحریک کو مسلمانوں کے لیئے مفید اور بابرکت بنادے۔ اور اس کو کامیاب کرے۔ آمین

مردم شماری میں سلسلہ احمدیہ:۔ گذشتہ مردم شماری میں جو مشکلات سلسلہ احمدیہ کے افراد کے شمار میں پیش آئی تھیں اس دفعہ پھر انہی کا اعادہ ہورہا ہے۔ حالانکہ گورنمنٹ کی

طرف سے شمار کنندوں کو صاف ہدایات ملی تھیں کہ جو فرقہ کوئی اہل مذہب لکھا دے وہ لکھا جاوے اور اس کے لیئے علیحدہ خانہ بھی صوبہ پنجاب کے فارموں میں ہے۔ مگر شمار کنندوں کو چونکہ اپنے کام کی پڑتال کا کوئی ..... خوف نہیں وہ جو چاہتے ہیں گذرتے ہیں۔ امرتسر سے ہمیں یہ شکایت پہنچی ہے کہ احمدی نام کا اندراج فرقہ کے خانہ میں درست نہیں ہوا اور شمار کنندوں نے پرواتک نہیں کی کہ دریافت کر کے لکھیں بلکہ بعض وقت کسی کے احمدی لکھوانے پر بھی نہیں لکھا۔ اس کا علاج اسوقت تو کچھ بھی ہونا مشکل ہے کیونکہ شمار کا کام عموماً بہت تنگ وقت میں شروع ہوا ہے اور جبتک کہ سپرنڈنٹ صاحب مردم شماری کے نوٹس میں ایسی باتیں لائی جاینگی اسوقت تک مردم شماری کا کام ختم ہو چکا ہوگا۔ اور ان شکایتوں پر اب کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ جب امرتسر جیسے شہر میں یہ حال ہے تو باہر مفصلات میں کیا امید ہو سکتی ہے کہ شمار کنندے فرقہ کے درست اندراج کی پرواکریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ صحیح تعداد کا پتہ لگنا پھر مشکل ہو گیا۔

ادھر بنگال سے خطوط آئے ہیں جنسے معلوم ہوا کہ وہاں فرقہ کا خانہ علیحدہ کوئی رکھا ہی نہیں گیا۔ پنجاب میں جس بے ترتیبی سے فرقہ کا اندراج ہوتا ہے اس سے بہتر تو یہی تھا کہ ایسا اندراج نہ ہی ہوتا تاکہ کم از کم گورنمنٹ اور پبلک کو صحیح اعداد کے متعلق کوئی دھوکہ تو نہ لگتا۔ اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ایک صوبہ میں فرقوں کی تعداد علیحدہ معلوم کرنے سے اور دوسروں میں نہ کرنے سے محکمہ مردم شماری کا کیا منشا رہے۔ اگر فرقوں کی تعداد کا پتہ لگانا مقصود تھا تو کل ہندوستان میں یک ہی عملدرآمد ہونا چاہیئے تھا اور اگر اس کی ضرورت نہ تھی تو پنجاب میں اس خانہ کے رکھنے اور اسپر ہدایات کے دینے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ بنگال میں انجمن احمدیہ مونگیر کے سکرٹری حکیم خلیل احمد صاحب نے سپرنڈنٹ صاحب مردم شماری بنگال کو اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ فرقہ کا اندراج بھی ہو تو ان کو یہ جواب ملا کہ صرف بڑے مذاہب جیسے ہندو اور مسلمان ہی مردم شماری میں لکھے جاویں گے۔ اور فرقوں کے

نام نہیں لکھے جاویں گے۔ حالانکہ اسی ضلع مونگیر میں وہاں کے سپرنٹنڈنٹ مردم شماری نے احمدی فرقہ کے متعلق یہ رپورٹ کی ہے کہ اس ضلع میں یہ فرقہ بہت ترقی کر رہا ہے۔ بہرحال یہ اچھا ہوتا اگر فرقوں کی عدد شماری کے متعلق ہندوستان کے سب صوبوں میں ایک ہی راہ اختیار کی جاتی۔

انجمنہائے احمدیہ:۔ فروری ۱۹۱۱ء کے آخر جو اجلاس مجلس معتمدین کا ہوا اس میں چند تجاویز انجمنہائے احمدیہ کے متعلق منظور کی گئی ہیں۔ اوّل کانفرنس انجمنہائے احمدیہ منعقدہ دسمبر ۱۹۱۰ء میں ایک تجویز ایک واصل باقی نویس کے رکھا جانیکی پیش کی گئی تھی جس کا منشاء یہ تھا کہ موجودہ صورت جس میں بقایوں کا مطالبہ مقامی انجمنوں پر ہی چھوڑا جاتا ہے اطمینان بخش نہیں اور کہ باقاعدہ وصولی چندہ کے لیئے ایک واصل باقی نویس دفتر محاسب صدر انجمن احمدیہ میں ہونا چاہیئے جو اسموار فہرست جملہ ممبران انجمنہائے احمدیہ مع اندراج موعودہ چندہ کی رکھے اور جیسا جیسا چندہ کسی ممبر سے وصول ہوتا ہے وہ اس کے رجسٹروں میں درج ہوتا رہے اور جن ممبران کی طرف بقایا ہو انسے مطالبہ صدر انجمن سے کیا جاوے تاکہ ایسا مطالبہ مقامی انجمن کے کارکنوں کے لیئے بطور یاددہانی اور مدد کے کام دے اس تجویز کے ساتھ بعض ممبران کانفرنس کو اختلاف رائے بھی تھا۔ کانفرنس کی کارروائی مجلس معتمدین میں پیش ہوکر کثرت رائے سے یہ فیصلہ ہوا ہے کہ واصل باقی نویس رکھا جاوے یہ اسامی عنقریب پر ہوکر نئے وعدوں کے مطابق چندوں کا اندراج ہوکر باقاعدہ مطالبے جاری ہونگے۔ اس تجویز کو زیادہ مفید بنانے کے لیئے میں پھر سب انجمنوں اور احباب سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ دو پیسہ فی روپیہ چندہ والی تجویز کو بہت جلد عملدرآمد میں لادیں ابتک بہت سی بڑی بڑی انجمنیں اس بارے میں خاموش ہیں۔ اس ماہ میں صرف ذیل کی انجمنوں اور احباب کی طرف سے اس تجویز پر عملدرآمد کی اطلاع آئی ہے۔ انجمن احمدیہ حصار۔ انجمن احمدیہ میرٹھ شیخ فضل کریم سٹیشن ماسٹر بابہری باندہ ضلع کوہاٹ انجمن احمدیہ بنارس۔

انجمن احمدیہ سانگلہ ۔ انجمن احمدیہ جموں ۔ انجمن احمدیہ پشاور ۔ انجمن احمدیہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں ؛

دوئم ۔ انجمنوں کی آمد میں ترقی کے دیگر وسائل میں سے ایک یہ ذریعہ سوچا گیا ہے کہ دیہات میں چونکہ انجمنیں بننی مشکل ہیں اور دو پیسے فی روپیہ والی تجویز پر بھی عملدرآمد مشکل ہے ۔ اس لیئے بجائے دو پیسے فی روپیہ ۔ ۔ ۔ ماہوار آمد سے لینے کے دیہات میں وصولی غلہ کا انتظام کیا جاوے اس کے لیئے ذیل کی تجاویز منظور کی گئی ہیں ؛

ا ۔ دیہات میں جو احمدی رہتے ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں اُن سے بحساب ایک سیر فی من غلہ اور دیگر پیداوار سے بطور چندہ لینے کی تحریک کیجاوے ؛

ب ۔ ایسے دیہات میں بجائے انجمنوں کے جماعتیں قائم کی جاویں اور ان جماعتوں میں صرف ایک کارکن وصولی چندہ وغیرہ کے لیئے رہے جو وصول شدہ غلہ کا حساب موٹے طور پر رکھے ؛

امید ہے کہ اگر ہمارے زمیندار احباب اس تجویز پر عمل اپنے لیئے ضروری قرار دے لیں گے تو یہ دو پیسے فی روپیہ والی تجویز سے کم مفید تجویز نہ ہوگی ۔ اور قطرہ قطرہ بہم شود دریا کا مصداق ہو کر دکھاوے گی ۔ غلہ نکلنے کے وقت یا پیداوار گھر میں آتے وقت اس میں سے صرف چالیسواں حصہ نکال دینا کچھ مشکل امر نہیں ۔ چالیس سیر میں سے ایک سیر یا چالیس من میں سے ایک من خدا کی راہ میں دیدینا انکے دین و دنیا کے لیئے برکات کا موجب ہوگا ۔ اور وہ یاد رکھیں کہ اس سے انکے مالوں میں کمی نہیں ہوگی بلکہ اگر وہ خالصًا لوجہ اللہ اس حصہ کو اپنے اوپر فرض کر لیں تو اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ انکی پیداوار کو بہت بڑھاوے اور چاہے تو اس چالیسویں حصہ کی بجائے انہیں دوگنا بلکہ دس گنا دیدے ۔ انه كان غفارا يرسل السماء عليكم مدرارا و يمددكم باموال و بنين و يجعل لكم جنت و يجعل لكم انهارا ۔ زمیندار کی آمد محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہی ہے پس اس کی راہ میں دے کر اس کے فضل کو

پوری طاقت سے کھینچو۔ زمیندار تو اپنا دانہ زمین میں گلنے کے لیئے پھینک آتا ہے پھر خدا کا فضل ہے جو اسے اگاتا ہے بڑھاتا ہے۔ اس میں پھل لگاتا ہے اور پھر اس کو سب آفتوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَہٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰہُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَکَّھُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝

یعنی کیا جو کچھ تم بوتے ہو اسے دیکھتے ہو کیا تم اُسے اگاتے ہو اور کھیتی بناتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں۔ ہاں ہم چاہیں تو اس کو ریزہ ریزہ کردیں پھر تم اس وقت کیا کر سکتے ہو سوائے اس کے کہ کہا کرو کہ ہائے ہم پر تو یونہی چٹی پڑی بلکہ ہم محروم رہ گئے۔" اسی لیئے زمیندار کی معیشت متوکلانہ ہوتی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے زمیندار احباب اس تجویز کو عمل میں لاکر دنیا کی دوسری قوموں کو ایک نمونہ دکھائیں گے کہ ان کا پاک مرشد۔ مسیح آخر زمان ان میں دین کی خدمت اور اللہ تعالیٰ کی خاطر قربانی کی کیسی روح پھونک گیا ہے ہاں سب طاقت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی ہے کہ وہ ہمارے احباب کو اپنے فضل سے ہی یہ توفیق بھی دے+

سوئم۔ جملہ انجمنہائے احمدیہ کی اطلاع کے لیئے اس امر کا ذکر کردینا بھی ضروری ہے کہ مجلس معتمدین نے اس اجلاس میں اس تجویز کو بھی منظور کیا ہے کہ سپرنڈنٹ دفاتر جس کے فرائض میں جس طرح صدر انجمن کے دفاتر کے حساب کتاب کی پڑتال ہے اسی طرح انجمنہائے احمدیہ کے حساب کتاب کی پڑتال بھی داخل ہے۔ عموماً سال میں کم از کم ایک دفعہ ہر انجمن کے حساب کی پڑتال وہاں جاکر کیا کریں۔ عموماً ایک طرف کی انجمنوں کی پڑتال...... سپرنڈنٹ دفاتر ایک ہی سفر میں کیا کریں گے۔ اور سفرخرچ بحصہ رسدی ہر انجمن اپنی مقامی ضروریات سے دیدیا کرے جو عموماً بہت تھوڑی رقم ہوا کرے گی+

میموریل فنڈ ۱۔ ایڈورڈ میموریل فنڈ میں مبلغ ایک ہزار روپیہ احمدی جماعت کی طرف سے علاوہ ان رقوم کے جو بعض احباب غلطی سے علیحدہ دے چکے ہیں

دیدیا گیا ہے۔ سب انجمنوں کو یاد دہانی کرائی گئی تھی کہ چونکہ علاوہ اس روپے کے ہسپتال کا بننا بھی ملک معظم کی یادگار میں ضروری ہے۔ اس لیئے وہ بہت جلد اس فنڈ میں سب احباب کو شامل کرکے اور چندہ جلد وصول کرکے بھیجدیں۔ اسپر بہت سی انجمنوں نے توجہ کی ہے امید ہے باقی انجمنیں اور احباب بھی جلد تر توجہ کرکے ممنون فرماویں گے ؛

شکریہ گورنمنٹ :۔ مجلس معتمدین تمام احمدی جماعت کی طرف سے گورنمنٹ کا شکریہ دس ہزار روپے کے اس عطیہ کیلیئے کرتی ہے جو بورڈنگ ہوس ہائی سکول کی تعمیر میں امداداً گورنمنٹ نے اس سال دیا ہے یہ رقم وصول ہوکر داخل خزانہ ہوگئی ہے۔ ہمیں پوری امید ہے کہ ہز آنر سر لوئیس ڈین آیندہ سال میں دس ہزار روپیہ کی اور امداد کرکے احمدی جماعت کو مشکور فرماویں گے۔ کیونکہ مع کوارٹروں وغیرہ کے ساٹھ ہزار روپیہ بورڈنگ ہوس پر خرچ ہوگا ؛

لنگر خانہ و مہمانخانہ کی توسیع کے لیئے ایک ٹکڑہ قریباً ۲۳ - ۲۴ مرلہ زمین کا موجودہ مہمانخانہ کے مشرقی جانب حاصل کرلیا گیا ہے انجمن میاں معراج الدین عمر صاحب پرو پرائیٹر ہمدرد کی مشکور ہے جنہوں نے مہمانخانہ کی شرقی جانب کی اپنی زمین کو دوسری زمین کے عوض بدل لینا منظور کیا ہے اس طرح پر موجودہ مہمانخانہ کے ساتھ ہی نیا مہمانخانہ بھی بن سکے گا بالفعل مقبرہ بہشتی والی سڑک کے ساتھ جدید لنگر خانہ بنوانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ جو امید ہے برسات سے پہلے پہلے تیار ہو جاویگا۔ اور پھر اس لنگر خانہ اور موجودہ مہمانخانہ کے درمیان مہمانخانہ کے لیئے جدید مکانات تیار ہوکر مہمانوں کی بہت سی مشکلات رفع ہو جاویں گی۔ پہلے یہ خیال تھا کہ ہائی سکول کا بورڈنگ ہوس باہر جانے پر یہی مکانات مہمانخانہ کا کام دیں گے مگر مدرسہ احمدیہ کی ضروریات اور خود ہائی سکول کی جماعتوں کے بڑھ جانے سے یہ نہ ہو سکا۔ اس لیئے مہمانخانہ و لنگر خانہ کی توسیع دوسری طرف کرنی پڑی ؛

مدرسہ احمدیہ :۔ مدرسہ احمدیہ کی ترقی اور بہتری کے لیئے بہت کوشش کیجارہی ہے،

اس کا ایک حصہ تو منتظمین کے متعلق ہے اور دوسرا حصہ جماعت سے متعلق۔ بہتری اور ترقی کے لئے ضرورت ہے روپے کی۔ اور ضرورت ہے اپنے خرچ پر تعلیم حاصل کرنیوالے طالب علموں کی۔ اور ان امور کے حصول کے لئے منتظمین سے بڑھکر جماعت کی توجہ درکار ہے منتظمین اس حد سے آگے قدم نہیں اٹھا سکتے جس حد تک مدرسہ کی مالی حالت انہیں اجازت دے یا جس حد تک تعداد طلبا ترقی کی مقتضی ہو۔ روپیہ بھی ہو اور پڑھنے والوں کی تعداد معتد بہ نہ ہو تو مدرسہ میں کوئی ترقی ہو نہیں سکتی۔ پڑھنے والے ہوں اور روپیہ نہ ہو تو مجبوری ظاہر ہی ہے۔ موجودہ صورت کہ صرف وظیفے دیکر طالب علموں کو داخل کیا جاوے ہرگز قابل اطمینان نہیں۔ جبتک کثرت سے اچھے دلوں اور دماغوں کے لڑکے اس میں پڑھنے نہ آویں گے اسوقت تک کوئی مفید نتائج اس صرف زر سے پیدا نہیں ہو سکتے۔ اور صرف وظیفے دے دیکر تعداد طلبار کو بڑھانا اس کے معنے یہ ہیں کہ جسقدر روپیہ آتا جاوے وہ بجائے مدرسہ کی بہتری پر صرف ہونے کے تعداد طلبار کے بڑھانے پر صرف ہو اور پھر اس مجبوری سے داخل ہوے ہوئے طالب علم ترقی کیا کریں گے؟ اس لئے میں مجلس معتمدین کی طرف سے ساری احمدی جماعت کو اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنے بچوں کو اپنے خرچ سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے اس مدرسہ میں نہیں بھیجیں گے جسطرح کہ وہ انگریزی مدرسہ میں بھیجتے ہیں تو وہ مدرسہ احمدیہ سے اعلیٰ نتائج کے متوقع بھی نہ رہیں حضرت مسیح موعودؑ کی دعوت کی اصل غرض صرف دین تھی۔ اس کی طرف لانے کیلئے ہائی سکول بھی ایک زینہ ہے۔ ابتدا میں قوم کی حالت ایسی تھی کہ وہ باوجود دنیوی تعلیم ساتھ ہونیکے بھی اپنے لڑکوں کو بہت کم یہاں بھیجتے تھے۔ اب خدا کے فضل سے وہ مرحلہ طے ہو گیا۔ اور قوم کو اب سمجھ آگئی ہے کہ یہاں بچے تعلیم کے لئے بھیجنے سے کیا فوائد ہیں۔ لیکن اس مرحلہ پر ہمیں ٹھہر نہ جانا چاہیئے بلکہ ایک دوسرے مرحلہ کو طے کرنیکی طرف قدم اٹھانا چاہیئے۔ تاکہ ہماری ترقی اسی حد پر رک نہ جاوے مدرسہ احمدیہ اس وقت ایک کمزور حالت میں ہے اس میں تعداد طلبار کو بڑھانے سے اسکی حالت مضبوط ہو سکتی ہے

مگر صرف وظیفے دیکر پڑھانے سے نہیں۔ سردست اس مدرسہ کے لیئے طالب علم تیار کرنیکے واسطے ایک سپیشل کلاس ۔۔۔۔۔ کا کھولا جانا بھی منظور کیا گیا ہے۔ یہی علاوہ پرائمری پاس شدہ طلبار کے اور لڑکے بھی جو اچھی استعداد رکھتے ہوں اس جماعت میں داخل ہو کر سیدھے مدرسہ احمدیہ میں جا سکتے ہیں۔ سکیم بھی اس سال پھر بدل گئی ہے گو یہ تبدیلی اصول سکیم میں نہیں یعنی درجے اور جماعتیں اسی طرح رہیں گے صرف تعداد کتب چونکہ پہلی سکیم میں عموماً زیادہ تھی اس لیئے اب کم کر کے اسے ہلکا کیا گیا ہے کہ طالب علموں کے لیئے وہ ایسا بوجھ نہ ہو جس کو اُٹھا کر وہ ترقی سے ہی رُک جاویں۔ سکیم کو درست کرنے میں سپرنڈنٹ صاحب مدرسہ احمدیہ نے بہت محنت اور توجہ کو صرف کیا ہے مگر یہ حصہ تو ایسا تھا کہ بغیر روپے کے اس میں اصلاح ہو گئی۔ اساتذہ کے سٹاف کو تقویت دینے کے لیئے روپے کی ضرورت ہے اور اس کیلیئے قوم کی توجہ کی۔ اور سب باتوں کے لیئے خدا کے فضل کی۔

تعمیر۔ بورڈنگ ہوس کی تعمیر میں اب چوتھا پہلو شروع ہے۔ اینٹ اڑھائی تین لاکھ کے قریب پکی تھی کہ جنوری کی غیر معمولی بارشوں نے ایک عارضی روک پیدا کر دی۔ امسال جو بارش جنوری میں یہاں ہوئی اس کی نظیر صرف برسات کی بارشوں میں ملتی ہے۔ تین دن اور رات سوائے بہت قلیل وقفہ کی بارش لگاتار رہی۔ اور برسات کی طرح سیلاب آگیا۔ جہاں اینٹیں پنھوائی جا رہی تھیں وہاں بھی پانی پھر گیا۔ اور بھٹہ بھی باوجود کارکنان کی بہت محنت اور جانفشانی کے مقابلہ نہ کر سکا۔ ہمارے بعض احباب کو یہ خیال گذرا ہے کہ کارکنان نے کوئی غفلت کی ہوگی اور بعض نے تو یہ یقین کر لیا ہے۔ مگر میں چشم دید شہادت دے سکتا ہوں کہ سردیوں کے موسم میں بارش اور راولوں میں آندھی اور سرد ہوا کے زور میں جہانتک ہو سکتا تھا بھٹہ کی حفاظت کے لیئے کوشش کی گئی مگر چونکہ بارش کا سلسلہ بالکل غیر معمولی تھا کوششیں کارگر نہ ہوئیں۔ بادل دیکھ کر بھٹے کا کام بند ہی کیوں نہ کر دیا اس کا جواب صرف یہی ہے کہ لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر۔

بادل تو اب بھی ہوتے رہتے ہیں اور بعض وقت ترشح بھی ہو جاتا ہے۔ تو آج تک گورنمنٹ کا محکمہ آب و ہوا بھی باوجود زرکثیر کے صرف کے نہ بتا سکا کہ کب بارش ہو گی یا کب نہیں یا کب بڑے زور کی ہو گی اور کب معمولی طور پر۔ مگر کاروبار اس طرح نہیں چلا کرتے کہ بادل کی شکل دیکھی اور کام بند کر دیا۔ معمولی روک تھام کے لیئے انتظام کر لیا جاتا ہے۔ لیکن اگر غیر معمولی واقعات پیش آجاویں تو انسان بے چارہ ہے۔ بارہ سال تو مجھے بھی قادیان میں رہتے ہوئے ہو گئے ہیں سردیوں کے موسم میں اتنی بارش اور ایسا سیلاب نہیں دیکھا۔ بہر حال نتیجہ یہ ہوا کہ بھٹہ میں اور بھٹہ سے باہر جو اینٹ گل گئی وہ پونے دو لاکھ تھی اور قریب اڑھائی سو روپیہ قیمت کی۔ سارا نقصان حساب کرنے سے سوا پانچ سو روپے کا معلوم ہوا۔ مگر خدا کے فضل سے امید ہے کہ اینٹ اب بھی گراں نہ پڑے گی۔ پچھلی دفعہ اس سے بھی زیادہ نقصان ہوا تھا مگر آخر حساب کرنے پر معلوم ہوا تھا کہ بارہ لاکھ اینٹ جو پکوائی گئی اگر قیمتاً لی جاتی تو اصل لاگت سے جس میں ملازمین کی تنخواہیں انعام وغیرہ سب کچھ شامل تھا چار ساڑھے چار ہزار روپیہ زیادہ دینا پڑتا۔

اشاعت اسلام :۔ اس حصہ میں یہ افسوس سے ذکر کرنا پڑا ہے کہ کتاب ٹیچنگز آف اسلام یعنی حضرت مسیح موعودؑ کے لیکچر مہوتسو کا ترجمہ انگریزی جس کے آخری پروف کو ولایت بھیجے ہوئے چھ ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے اب تک مکمل ہو کر نہیں آئی۔ گو چھاپنے والی کمپنی یقین دلاتی ہے کہ مکمل ہو چکی۔ بل چھپوائی کا بھی پہلے تخمینہ سے دوگنا بن کر آیا ہے۔ یعنی جہاں پہلے آٹھ نو سو روپیہ چھپوائی کا اندازہ تھا اب قریب پندرہ سو روپے کا بل آیا ہے۔ اس عذر پر کہ کتاب کا سائز زیادہ نکلا ہے اور دو سو صفحہ کی کتاب ہو گئی حالانکہ پہلے یہ اندازہ تھا کہ ایک سو بارہ صفحہ کی ہو گی۔ بہر حال کمپنی کی بعض کارروائیوں سے یہ خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ ولایت میں اس کی اشاعت اور فروخت کا ایسا عمدہ انتظام نہ ہو سکے گا جیسا پہلی خیال کیا گیا تھا۔ اور تبلیغ کے سلسلہ کو ولایت میں خود قائم کرنے کی ضرورت اور بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی ہیں۔

جو پرچہ جلسہ مذاہب الہ آباد میں "اسلام" پر مَیں نے تیار کیا تھا اور جناب مولوی صدرالدین صاحب نے پڑھا تھا علیحدہ رسالہ کی صورت میں دو ہزار انگریزی میں اور پانچہزار اردو میں چھپوانا منظور کیا گیا ہے۔ تقسیم مفت ہوگا مگر محصول ڈاک منگوانے والوں کے ذمہ ہوگا۔ اس کے متعلق مفصل اعلان پھر ہوگا؛

تفسیر القرآن۔ تفسیر القرآن پچھلی ششماہی کے بعد ابتک نہیں نکل سکی۔ اب گذشتہ سال کے دونوں نمبر تیار ہو گئے ہیں جو امید ہے بہت جلد خریداران تفسیر کے ہاتھ میں پہنچ جاویں گے۔ اسی توقف کی وجہ سے نئے سال کے چندہ تفسیر القرآن کا مطالبہ بھی بند کر دیا گیا تھا۔ اب امید ہے کہ نئے سال کا پرچہ بھی اپریل میں نکل سکے گا۔ اور آئیندہ غالباً وقت پر پرچہ نکلتا رہیگا اور موجودہ بے ترتیبی جس کے اسباب سے ناظرین کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہے جاتی رہے گی۔ لیکن اس کے متعلق مَیں سب احباب کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ تفسیر کے خریداران کی تعداد بجائے بڑھنے کے کم ہو رہی ہے۔ یہ تفسیر ایک اعلیٰ پایہ کی علمی تفسیر ہے۔ اہل علم اور کم علم اس سے برابر فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب علاوہ حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے نکات درس قرآن کو شامل کرنے کے خود بھی نہایت خوبی سے اور تفاسیر پر وسیع نظر رکھکر تفسیر لکھتے ہیں۔ قیمت بلحاظ حجم بالکل معمولی ہے یعنی چارسو صفحہ کی کتاب کی قیمت مع محصول وغیرہ صرف ایک روپیہ ہے جو اس کا سالانہ چندہ ہے۔ انجمنیں توجہ کریں تو کم از کم ایک ہزار تک تو اس کی خریداری آسانی سے پہنچ سکتی ہے۔ جملہ انجمنوں کے سکرٹری صاحبان کی خدمت میں یہ درخواست ہے کہ وہ اس معاملہ پر اپنی انجمنوں کے ممبران کو توجہ دلاویں؛

محمد علی سکرٹری
صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان

ضروری نوٹ:۔ ہر قسم کا روپیہ جو صدر انجمن احمدیہ کے متعلق ہو خواہ چندہ ہو خواہ ریویو کی قیمت وہ کسی شخص کے نام پر نہ بھیجا جایا کرے بلکہ محاسب صدر انجمن احمدیہ کے پتہ پر بھیجنا چاہیئے۔ سکرٹری یا مینجر کے نام بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ اور نام بالکل نہ لکھا جاوے صرف محاسب صدر انجمن احمدیہ کافی ہے؛

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

ضروری اطلاع

تفسیر القرآن کے پچھلے دو باقی ماندہ پرچے سنہ ۱۹۱۰ء کے ۹۔ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء کو دفتر ہذا سے روانہ کیئے جا چکے ہیں۔ اب جن دوستوں کو اس اطلاع کے پہنچنے تک پرچے نہ ملیں وہ برائے مہربانی بہت جلد بذریعہ کارڈ دفتر ہذا میں اطلاع دیں۔ تا انکے پاس فوراً بھیجے جاویں۔ پندرہ روز تک انتظار کی جاوے گی۔ بعد میں دفتر ہذا ذمہ وار نہ ہوگا۔ اسی طرح خریداران رسالہ کی خدمت میں بھی التماس ہے۔ کہ آئندہ اگر کوئی پرچہ نہ ملے۔ تو اسکو کم ازکم دوسرے مہینے کی دس تاریخ تک منگا لیا کریں۔ بعض احباب تین تین چار چار ماہ کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ فلاں پرچہ نہیں ملا تھا اس لیئے وہ بھیجدیں۔ حالانکہ کئی دفعہ ایسا واقع ہوتا ہے۔ کہ پرچہ کوئی دوست آشنا لیجاتے ہیں۔ اور وہ بے پرواہی سے واپس نہیں کرتے۔ پھر اس سے نتیجہ نکال لیا جاتا ہے۔ کہ فلاں پرچہ جو فائل میں موجود نہیں ضرور دفتر میگزین سے ہی نہیں آیا ہوگا۔ اس طرح دفتر کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔

اب اس سال سے حتی الوسع یہ کوشش کی گئی ہے۔ کہ آئندہ تفسیر اور رسالہ باقاعدہ رہے گا۔ یعنی تفسیر اس شروع سال کی اپنے مقررہ وقت پر انشاء اللہ شائع ہوگی۔ اور رسالہ بھی اپنی مقررہ تاریخ تک شائع ہوتا رہے گا۔ اس لیئے ان احباب کی خدمت میں التماس ہے۔ جنہوں نے تفسیر کی لگاتار بے قاعدگی سے تنگ آکر تفسیر بند کرائی ہوئی ہے۔ کہ اگر انکے بند کرانے کی طرف یہی وجہ ہے تو اب اپنے نام جاری کرا لیں۔ اور سلسلہ احمدیہ کی اس اکیلی بے نظیر تفسیر سے محروم نہ رہیں۔ چار سو صفحہ کی تفسیر اور پھر عمدہ چھپائی اور عمدہ کاغذ والی صرف ایک روپیہ میں گھر بیٹھے بٹھائے ملجاتی ہے۔ اس قسم کے بیش بہا تحفہ سے اپنے آپ کو محروم رکھنا میرے خیال میں کفران نعمت ہوگا۔ ہماری سلسلہ کا اصل الاصول اور منشا صرف اشاعت القرآن ہے۔ اور اس کا بڑا ذریعہ یہی ایک تفسیر ہے۔ جس سے ہر قسم کے ان اعتراضات بیجا کی بخوبی تردید ہو رہی ہے جو پہلی تفسیروں پر آجکل کے مخالفین اسلام سینہ زوری سے کر رہے ہیں۔ اس لیئے جہانتک ممکن ہو سکے اس تفسیر کی خریداری کو وسعت دینے میں برادران ملت ضرور کوشش فرما دیں۔ مینیجر میگزین

(مطبع میگزین قادیان میں مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا)

ریویو

ثنائی چکر:- یہ ۳۲ صفحے کا رسالہ انجمن احمدیہ مونگیر نے حال میں شائع کیا ہے جسمیں ثناء اللہ امرتسری کی چالبازیوں کو بخوبی کھولا گیا ہے اور جس فرضی مباہلہ کو پیش کرکے ثناء اللہ عوام الناس کو دھوکہ دیا کرتا ہے اُس سے ثناء اللہ کا اُنہی کے قول کے مطابق جھوٹا نکلنا واضح طور پر ثابت کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ عوام الناس کو ثناء اللہ کی دھوکہ دہی سے بچانے کے لیئے اور اصل معاملہ عوام کے ذہن نشین کرانے کے لیئے ایک عمدہ ہتھیار ہے اگر اس پرچہ کو خرید کر عوام میں اچھی طرح شائع کیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ نہایت ہی مفید ثابت ہوگا۔

ملنے کا پتہ منشی محمد عبد العزیز صاحب محاسب انجمن احمدیہ مونگیر یا میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر رسالہ احمدی دارالحق تراہا بیرام خان۔ دہلی۔ فی نسخہ ۱ر ایک روپیہ کے بیس نسخے؛

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے حالات ٭

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ

البتہ ضرور ان کے حالات میں عقلمندوں کے لیئے عبرت ہے۔

مسیحی معترضین کو قرآنی تذکروں کے بارے میں ایک سخت غلطی لگی ہے۔ ان تذکروں کے متعلق قرآن شریف انباء الغیب یعنی غیب کی خبریں اور اسی قسم کے اور الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اور نیز ان کو آیات یعنی نشان کہکر پکارتا ہے۔ مسیحی صاحبان نے ان الفاظ کے سمجھنے میں سخت غلطی کھائی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ قرآن شریف میں گذشتہ انبیائ اور گذشتہ اقوام کے حالات کو اس لیئے انباء الغیب یعنی غیب کی خبریں کہکر پکارا گیا ہے تا اس سے یہ ظاہر ہو کہ ان حالات کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے خبر نہ تھی اور آپ کا ان غیر معلوم قصوں کو بیان کرنا گو یا غیب کی باتوں کا بیان کرنا تھا اور اس بات کا ایک ثبوت تھا کہ یہ سب باتیں آپ کو بذریعہ وحی جتلائی گئی ہیں۔ آپ کو پہلے ان تفاصیل کی خبر نہ تھی اور نہ آپنے یہ تفاصیل کسی یہودی۔ مسیحی یا مجوسی سے حاصل کیں بلکہ جو کچھ آپنے بیان کیا خدائے تعالیٰ سے الہام پاکر بیان کیا

٭ بجواب کتاب ینابیع الاسلام۔

اور اس میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف خالص وحی الٰہی کے پاک سرچشمہ سے نکلا ہوا ہے مگر جب قرآن شریف ان حالات کو انباء الغیب اور آیات کہکر پکارتا ہے تو اُس کا یہ مطلب نہیں کہ چونکہ یہ قصے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھے اس لیئے یہ غیب کی خبریں ہیں اور آپکا ان قصوں کو بیان کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ خدائے تعالیٰ کے نبی ہیں۔ خدائے تعالیٰ کہیں بھی یہ نہیں فرماتا کہ اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس لیئے سچا نبی سمجھنا چاہیئے کہ یہ ایسی ایسی کہانیاں سناتا ہے جن کا اُس کو پہلے علم نہ تھا۔ بے شک قرآن مجید اُن حالات کو جو قرآن مجید میں مذکور ہیں آیات کہتا ہے مگر جو شخص اس سے یہ خیال کرے کہ ان حالات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے علم نہ تھا اس لیئے یہ حالات آپ کی نبوت کے آیات ہیں وہ قرآن شریف کے مطالب سے بے خبر ہے۔ راڈویل مترجم قرآن سورہ یوسفؑ کا ترجمہ کرتے ہوئے اپنے ایک نوٹ میں لکھتا ہے کہ "میور کا خیال ہے۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس زمانہ میں یقیناً عمداً دھوکہ دینا شروع کر دیا تھا یہ ظاہر کرکے کہ یہ واقعات مجھے خدا کی طرف سے بذریعہ وحی معلوم ہوئے ہیں"۔ مسیحی معترضین کو شرم نہیں آتی کہ کیسی جلدی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوکہ دینے کا الزام لگاتے ہیں۔ عربی میں یہ مثال کیسی سچی ہے کہ المرءُ یقیس علیٰ نفسہ ہر ایک شخص اپنے نفس پر دوسروں کا بھی قیاس کرتا ہے۔ اگر ایک شخص خود اپنے لیئے دوسرے کو فریب و دھوکہ دینا جائز سمجھتا ہے تو دوسروں کی نسبت بھی ایسی ہی رائے لگاتا ہے مگر جو شریف انسان ہوتا ہے وہ دوسرے شریف لوگوں کے بارے میں بُری رائے قائم نہیں کرتا۔ مسیحی معترضین بڑے عقلمند ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر جب اسلام پر نکتہ چینی کرنے کا وقت آتا ہے تو معلوم نہیں کیوں اُنکی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اس بات کے سمجھنے کے لیئے کہ قرآن مجید گذشتہ اُمتوں اور نبیوں کے حالات کو کیوں آیات قرار دیتا ہے کسی بڑے فکر اور تدبّر کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید سے یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ان حالات کو بطور پیشگوئیوں کے بیان کرتا ہے اور اسی لیئے انکا نام آیات رکھتا ہے۔

یہ امر کہ خدائے تعالیٰ کس غرض سے گذشتہ اُمتوں اور اُن کے نبیوں کے حالات قرآن شریف میں بیان کرتا ہے مندرجہ ذیل آیات قرآنی سے ہویدا ہے :-

(ا) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (یوسف - ۱۲)

ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے مگر مرد کہ وحی بھیجی تھی ہم نے اُنکی طرف بستیوں کے رہنے والوں میں سے - کیا اُنھوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھا کہ اُن سے پہلی اُمتوں کا کیسا انجام ہوا - اور آخرت کا گھر متقیوں کے لیئے اور بھی بہتر ہے - یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہو گئے اور اُنھوں نے یہ خیال کیا کہ اُن سے جھوٹ بولا گیا (ایسی حالت میں) اُنکے پاس ہماری مدد پہنچی - پس جس کو ہم چاہتے تھے نجات دیگئی اور ہمارا عذاب مجرموں کے گروہ سے نہیں ٹلتا - ان کے حالات میں عقلمندوں کے لیئے یقیناً ایک سبق ہے ؛

(ب) اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ ...... وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۭ

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝ وَ اسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ (ابراہیم - ۲ و ۳)

ترجمہ کیا تمھارے پاس اُن قوموں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھیں - یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود کی قومیں اور وہ لوگ جو اُن کے پیچھے آئے - اُنکو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا - جب اُن کے پاس اُن کے رسول کھلی کھلی دلیلیں لیکر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھکر کہا کہ جو کچھ تم لے کر آئے ہو ہم اُس کا انکار کرتے ہیں اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اُس کی طرف سے ہم شبہ اور شک میں ہیں ...... اور منکرین نے اپنے رسولوں کو کہا کہ اگر تم لوٹ کر ہمارے مذہب میں نہ آؤگے تو ہم تمھیں اپنے ملک سے نکالدیں گے اُس وقت اُن کے ربنے اُن کی طرف (یعنی رسولوں کی طرف) یہ وحی نازل کی کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کردینگے اور اُنکے بعد تم کو (یعنی انبیاءؑ اور اُن کی جماعت کو) اُس ملک میں آباد کرینگے - یہ اُن لوگوں کے لیئے نصیحت ہے جو میرے حضور حاضر ہونے اور میرے وعید سے ڈرتے ہیں - اور انبیاءؑ نے خدا سے دعائیں مانگیں کہ سچ کا فیصلہ ہو اور ہر ایک جبّار دشمنی کرنے والا نامراد مرا ۔

(ج) قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ۝

(انعام ۴)

ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ (تیرے دشمن) کہتے ہیں اُس سے تو دلگیر ہوتا ہے - یہ تیری تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم اللہ تعالیٰ کے نشانوں کا انکار کرتے ہیں - تجھ سے پہلے بھی رسولوں کی تکذیب کی گئی - اور انہوں نے مخالفوں کی تکذیب اور ایذا پر صبر سے کام لیا - یہاں تک کہ ہماری نصرت اُن کے پاس آگئی اور خدائے تعالیٰ کی باتوںکو

کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اور اُن رسولوں کی خبریں تجھے (اس قرآن مجید کے ذریعہ سے) پہنچ چکی ہیں ؛

(د) وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ج (ہود - ۱۰)

ترجمہ۔ اور ہر ایک بات جو ہم رسولوں کی خبروں میں سے تیرے پاس بیان کرتے ہیں اُسکی غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ہم تیرے دل کو مضبوط کریں ؛

مندرجہ بالا آیات سے یہ ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں جو گذشتہ نبیوں اور پچھلی قوموں کے حالات بیان کیئے گئے ہیں وہ اس غرض سے بیان نہیں کیئے گئے کہ ان سے یہ ثابت کیا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ کہانیاں اور مخفی قصے بیان کر سکتے ہیں اور اس طرح آپ کا نبی ہونا ثابت ہو بلکہ اُنکے بیان کرنے سے اور ہی غرض مقصود ہے۔ یہ حالات کہانیوں اور قصوں کے رنگ میں بیان نہیں کیئے گئے بلکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ؕ یعنی ان انبیاء کے حالات میں عقلمندوں کے لیئے عبرت اور نصیحت ہے ؛ پھر فرمایا ہے نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ج یعنی قرآن شریف میں جو انبیاء سابقین کے حالات بیان کیئے گئے ہیں اُن کی غرض یہ ہے کہ تیرا دل مضبوط ہو یعنی جیسا اس وقت تو کمزور ہے اور دشمن تیری کمزوری اور اپنی قوّت اور کثرت کو دیکھ کر اتراتا اور تجھے دکھ دیتا ہے اور بظاہر تیری کامیابی کا کوئی سامان موجود نہیں ایسا ہی گذشتہ انبیاءؑ کا حال تھا۔ جیسا اس وقت دشمن اپنی طاقت اور جتھے کے گھمنڈ میں تجھے دھمکاتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اپنے نئے مذہب کو چھوڑ کر ہمارے مذہب میں داخل ہو جاؤ ورنہ ہم تمھیں اس قدر ستائیں گے کہ آخر تمھیں اس شہر سے بھاگ کر اپنی جان بچانی پڑے گی ایسا ہی تجھ سے پہلے جو نبی آئے اُن کو کہا گیا۔ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا یعنی اگر تم ہمارے مذہب میں واپس نہیں آجاؤ گے تو ہم تمھیں اپنے ملک میں سے نکال دینگے مگر ایسی حالت میں خدا نے اپنے رسولوں کو

یہ تسلّی دی کہ دشمن تمھیں نابود نہیں کرسکیں گے بلکہ بجائے اس کے کہ تمھیں نابود کریں وہ خود نابود کیئے جاوینگے اور جس ملک سے وہ تمھیں نکالکر خود امن سے رہنا چاہتے ہیں ایک زمانہ آئیگا کہ تمھارے مخالفین کا اُس ملک میں پتہ و نشان نہ ملے گا اور اُن کی جگہ تم ہی آباد ہوگے۔ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یعنی خدائے تعالیٰ نے اُن نبیوں کی طرف یہ وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کردینگے اور اُن کے بعد تمھیں اس زمین میں آباد کرینگے۔ جس شخص کو کچھ بھی بصارت سے حصہ دیا گیا ہے وہ صاف دیکھ سکتا ہے کہ اس آیت میں یہ پیشگوئی ہے کہ جیسا کہ تجھ سے پہلے نبیوں کے دشمنوں کو خدائے تعالیٰ نے نابود کردیا اور اُن کی جگہ انبیاءؑ کے پیروؤں کو اُس ملک میں آباد کیا ایسا ہی اب ہوگا یعنی تیرے دشمن ہلاک کیئے جائیں گے اور ملک عرب میں تیرے پیرو آباد ہونگے۔ جب خدائے تعالیٰ نے فرمایا وَ لَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ٥ یعنی تیرے پاس رسولوں کی خبر پہنچ چکی ہے تو ایسا کہنے سے خدائے تعالیٰ کا یہ ہرگز منشا نہیں کہ تجھے ہم نے ایسے قصے اور کہانیاں سنائی ہیں جو تُو نے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں بلکہ اس سے یہ منشاء ہے کہ جیسا گذشتہ نبیوں اور اُن کی قوموں کا حال ہوا وہی تیرا اور تیری قوم کا حال ہوگا خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۔ یعنی جیسا اب تیری قوم تجھے جھوٹا کہتی ہے اور تجھے ایذا دیتی ہے ایسا ہی جو رسول تجھ سے پہلے آئے اُن کی بھی تکذیب کی گئی اور انکو بھی اسی طرح دُکھ دیا گیا مگر اُنہوں نے اسپر صبر کیا یہانتک کہ ہماری مدد آگئی اور خدا کی باتوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ ناظرین بتلائیں کہ اس آخری فقرہ کا کیا مطلب ہے اور خدائے تعالیٰ کیوں فرماتا ہے کہ خدا کی باتوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا اُن نبیوں نے صبر کیا اور آخر ہماری مدد آپہنچی ایسا ہی اب بھی ہوگا یہ خدا کی بات ہے اور خدائے تعالیٰ کی باتیں ٹلا نہیں کرتیں۔ غرض قرآن مجید میں جو

حالات گذشتہ قوموں اور گذشتہ انبیاءؑ کے لکھے ہیں وہ کہانیاں نہیں بلکہ اُن میں اُن واقعات کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی قوم کو پیش آنے والے تھے یعنی یہ حالات آنے والے واقعات کی زبردست پیشگویاں ہیں یہی وجہ ہے کہ ان حالات کو خدائے تعالیٰ انباء الغیب کہکر پکارتا ہے اور یہ خیال کرنا بالکل بے ہودہ ہے کہ چونکہ یہ کہانیاں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھیں اس لیئے اُن کو غیب کی خبریں کہا گیا ہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ یہ واقعات بھی اس تفصیل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھے مگر جب ان حالات کو خدائے تعالیٰ غیب کی خبریں کہتا ہے تو اُس سے مراد یہ ہے کہ اُن میں آیندہ کے واقعات کی خبر دی گئی ہے نہ یہ کہ گذشتہ قصے اور کہانیاں بیان کی گئی ہیں یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد گذشتہ اُمتوں اور نبیوں کے حالات بیان کرنے سے بظاہر کرنا نہ تھا کہ آپ ایسی کہانیاں بیان کر سکتے جن کی آپ کو خبر نہ تھی اس امر سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں جن نبیوں اور قوموں کا ذکر کیا گیا ہے اُن میں بعض ایسے نبی اور ایسے لوگ بھی ہیں جن کے حالات سے ملک عرب کے لوگ بے خبر نہ تھے اور جن کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ پوشیدہ کہانیاں ہیں جو مینے تمھارے پاس بیان کی ہیں مثلاً حضرت ہودؑ کے حالات اور قوم عاد کا بیان۔ حضرت صالحؑ کے حالات اور قوم ثمود کا بیان۔ مگر قرآن شریف میں جیسا حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسیٰ علیہم السلام اور اُن کی قوموں کے حالات بیان کیئے گئے ہیں ایسا ہی حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے حالات بھی بیان کیئے گئے ہیں۔ بلکہ جیسا دیگر انبیاء علیہم السلام کے حالات کو آیات کے طور پر پیش کیا گیا ہے ایسا ہی حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے حالات کو بھی بطور آیات کے پیش کیا گیا ہے۔ (دیکھو سورہ شعراء) اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام اور اُن کی قوموں کے حالات کو اس لیئے آیات نہیں کہا کہ وہ پوشیدہ کہانیاں تھیں بلکہ اس لیئے آیات کہا ہے کہ اُن میں آنے والے واقعات کی پیشگویاں ہیں جن کا پورا ہو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا نشان تھا۔

قرآن مجید میں گذشتہ نبیوں اور اُن کی اُمتوں کے تذکرے کس غرض سے بیان کیئے گئے ہیں یہ امر اور بھی واضح ہو جاتا ہے جب ہم اُن آیات پر غور کرتے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو بار بار متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ گذشتہ اُمتوں اور اُنکے انبیاء کے حالات سے سبق حاصل کریں ورنہ اُن کا بھی وہی حشر ہوگا جو گذشتہ انبیاءؑ کے دشمنوں کا ہوا۔ ناظرین مندرجہ ذیل آیات قرآنی کو غور سے پڑھیں۔

(ا) وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ (انعام - ۱ و ۲)

تجھ سے پہلے جو رسول گذرے ہیں اُن پر بھی ہنسی کی گئی۔ مگر جس چیز پر ہنسی کرتے تھے اُسی نے آخر ہنسی کرنے والوں کو گھیر لیا۔ تو اپنے جھٹلانیوالوں کو کہہ کہ زمین میں پھر کر دیکھو پہلے جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا (پس ایسا ہی تمھارا بھی انجام ہوگا)

(ب) وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ○ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ○ (ق - ۳) ان (مکہ والوں) سے پہلے ہم نے کتنی نسلیں ہلاک کیں جو ان مکہ والوں سے طاقت میں . . . . زیادہ زبردست تھے۔ پس انہوں نے زمین میں چھید ڈالے کیا کوئی بھاگنے کی جگہ ہے۔ اس میں نصیحت ہے، ایسے شخص کیلئے جس کا دل ہو اور جو کان رکھ کر سنے اور وہ دل سے حاضر ہو۔

(ج) كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○ وَلَقَدْ

ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

(زمر - ۳) ان (مکہ والوں) سے پہلے بھی لوگوں نے (انبیاء کی) تکذیب کی۔ پس اُنپر عذاب ایسی جگہ سے آیا جہاں کہ اُن کو خواب وخیال بھی نہ تھا۔ اس ورلی زندگی میں خدائے تعالیٰ نے انکو ذلت کا مزہ چکھایا اور آخرۃ کا عذاب تو اس سے بھی بڑھکر ہے کاش کہ وہ جانتے۔ اور ہم نے لوگوں کے لیئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کی ہے تاکہ وہ سبق حاصل کریں ؛

(د) فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝ (فصلت - ۲) اگر (مکہ والے) منہ پھیرلیں تو انکو کہدے کہ میں تم کو ایسے ہی عذاب سے ڈراتا ہوں جیساکہ عاد اور ثمود کا عذاب تھا ؛

(ھ) وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۙ اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝

(فاطر - ۵) اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی سخت قسم کھائی کہ اگر اُنکے پاس نذیر آیا تو وہ ہر ایک اُمت سے زیادہ راہ پانے والے ہونگے۔ مگر جب اُنکے پاس نذیر آیا تو اس کے آنیسے اُنہوں نے صرف بیزاری اور نفرت میں ترقی کی۔ بہ سبب اس کے کہ اُنہوں نے زمین میں تکبر کیا اور بُری تدبیریں کیں۔ اور بُری تدبیریں تو صرف کرنے والوں کو گھیرتی ہیں۔ پس یہ لوگ صرف اُسی سلوک کا انتظار کرتے ہیں جو پہلی قوموں کے ساتھ کیا گیا۔ اور خدا کی اُس سُنت میں جو نبیوں کے دشمنوں کے متعلق ہے تو ہرگز کوئی تبدیلی نہیں

پائیگا اور خدائے تعالیٰ کی سنّت نہیں ٹلے گی۔ کیا تیرے دشمنوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھا کہ جو قومیں اُن سے پہلے گذری ہیں (یعنی جنہوں نے اُن کی طرح نبیوں سے عداوت کی) اُن کا کیا انجام ہوا اور وہ ان سے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے) طاقت اور قوّت میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اور کوئی چیز نہیں نہ آسمانوں میں نہ زمین میں جو اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکے۔ وہ علیم بھی ہے اور قدرت بھی رکھتا ہے ؂

(و) ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۤءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَاۤىِٕمٌ وَّ حَصِيْدٌ ۝ ..... وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ (ہود - ۹) یہ ہیں بعض خبریں بستیوں کی جو ہم تیرے پاس بیان کرتے ہیں۔ بعض ان میں سے ابھی موجود ہیں اور بعض بالکل جڑھ سے کاٹی گئیں اور اُن کا اب نام ونشان بھی باقی نہیں ...... تیرا رب جب ظالم بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اسی طرح پکڑتا ہے اُس کا پکڑنا بڑا دردناک اور سخت ہے۔ اس میں نشان ہے ایسے شخص کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے ؂

(ز) وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ (رعد - ۵) (جیسا تجھ پر تیرے دشمن ہنسی کرتے ہیں ایسا ہی) تجھ سے پہلے بھی رسولوں پر ہنسی کی گئی ہے۔ ہم نے منکروں کو ایک عرصہ تک مہلت دی اُس کے بعد میں نے اُنکو پکڑا اور میرا عذاب کیسا سخت تھا ؂

(ح) اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ (دخان - ۲) کیا یہ (تیرے مخالف) اچھے ہیں یا قوم تبع اور اور قومیں جو اُن سے پہلے گذری ہیں۔ ہم نے اُنکو ہلاک کیا۔ تحقیق وہ مجرم

لوگ تھے ؟

(ط) وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ (محمد-۲) اور بہت بستیاں ہیں جو تیری اُس بستی سے جس نے تجھے نکالا زیادہ طاقتور تھیں۔ ہم نے اُن کو ہلاک کیا اور کوئی اُنکی مدد نہ کر سکا۔

(ی) اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (مجادلہ-۱) جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کرتے ہیں وہ ہلاک کیئے جائیں گے جیسا کہ وہ قومیں ہلاک کی گئیں جو اُن سے پہلے تھیں۔ اور کافروں کے لیئے رسوا کرنے والا عذاب ہے ؟

(ك) اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (روم-۱) کیا اُنھوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھا کہ جو قومیں ان سے پہلے گذریں اُن کا کیا انجام ہوا وہ اِن سے قوت میں بڑھے ہوئے تھے اور انھوں نے زمین کو پھاڑا اور مکہ والوں کی نسبت زیادہ زمین کو آباد کیا۔ اور اُنکے رسول اُن کے پاس کھلے دلائل لیکر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنپر ظلم نہیں کیا بلکہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے پھر بدی کرنیوالوں کا انجام بُرا ہوا اس لیئے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے نشانوں کی تکذیب کی اور وہ اُنپر ہنسی کیا کرتے تھے ؟

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات کافی طور سے اس امر کو ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن شریف میں گذشتہ انبیاءؑ اور اُن کی قوموں کے حالات کس غرض سے بیان کیئے گئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نبی بھی (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ایسا ہی نذیر ہے جیسا کہ

اس سے پہلے دنیا میں نذیر آئے۔ اور یہ کہ خدائے تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ وہ اپنے نبیوں کے دشمنوں کو ہلاک کر دیتا ہے اور اپنے پاک بندوں کو اُن کے ستانے والوں پر فتح مبین عطا فرماتا ہے۔ یہ خدائے تعالیٰ کا اٹل قانون ہے اور چونکہ یہ نبی بھی ایک سچا نبی ہے اس لیئے اس کے دشمنوں سے بھی وہی برتاؤ کیا جائیگا جو پہلے نبیوں کے دشمنوں سے برتاؤ کیا گیا۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (مجادلہ - ۳) جو اللہ اور اُس کے رسول کا مقابلہ کرتے ہیں وہی نیچا دیکھیں گے۔ خدائے تعالیٰ نے یہ بات لکھ رکھی ہے کہ ضرور میں اور میرے رسول ہی غالب آیا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ طاقتور اور زبردست ہے ۔ اسی قانون کی تشریح کے لیئے قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام اور اُن کی قوموں کے حالات کثرت سے بار بار بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان حالات کے بیان کرنیکی غرض خود اُنہی حالات میں واضح طور پر بیان کی گئی ہے اور جب ہم ان حالات کو پڑھتے ہیں تو یہ امر صاف طور پر کُھل جاتا ہے کہ اِن حالات کے بیان کرنے والے کی غرض یہ نہیں کہ ایک قصہ ہمیں سنائے بلکہ اُس کی غرض یہ ہے کہ سُننے والے اُس سے عبرت حاصل کریں۔ اس امر کے ثابت کرنیکے لیئے میں بعض انبیاءؑ کے حالات کو جو قرآن شریف میں بیان کیئے گئے ہیں بطور مثال کے پیش کرتا ہوں :-

حضرت نوح علیہ السلام کے حالات

پہلے میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیان کو پیش کرتا ہوں۔ ناظرین اس عظیم الشان نبیؑ کے حالات کو سورہ یونسؑ میں ملاحظہ فرما دیں۔ اِس سورہ شریفہ میں آپکے حالات ان الفاظ کے ساتھ شروع ہوتے ہیں وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ یعنی ان لوگوں کو نوح (علیہ السلام) کی خبر پڑھ کر سُناؤ۔ خود یہی لفظ جن کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کے بیان کو شروع کیا گیا ہے صاف طور پر ظاہر کر رہے ہیں کہ اس بیان سے بیان کرنیوالے کی غرض کیا ہے۔ خدائے تعالےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کرتا ہے کہ تم اپنی قوم کو حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا

حال سُناؤ۔ یہ حکم کیوں دیا گیا ہے۔ اس لیئے کہ اس بیان میں آپ کی قوم کے لیئے ایک عبرت اور ایک سبق ہے۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے وہ الفاظ درج ہیں جو آپنے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمائے۔ اور وہ الفاظ یہ ہیں۔ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَ تَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ یعنی اے میری قوم۔ اگر میرا کھڑا ہونا اور میرا اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ نصیحت کرنا تمھیں دو بھر معلوم ہوتا ہے تو میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے پس تم اپنے کام کو مقرر کر لو اور اپنے شرکا کو جمع کر و پھر تمھاری بات تم پر پوشیدہ نہ رہے پھر تم مجھ پر ٹوٹ پڑو اور مجھے مہلت نہ دو۔ کیا ناظرین یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ صرف کہانی کے الفاظ ہیں۔ یہ صرف حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ نہیں تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا بلکہ یہ آپ کے ذاتی واقعات تھے جو آپنے اپنی قوم کو سنائے۔ اور اس لیئے جو کچھ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سُنایا وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے سُنایا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرح آپنے اپنی قوم کو کہا کہ میرا بھروسہ خدائے تعالیٰ پر ہے۔ تم اپنی تدبیروں کو جمع کرو اور اپنے سب معبودوں کو بھی اپنی مدد کے لیئے بلاؤ اور اپنے شرکا کو بھی اکٹھا کرو اور چھپ کر میری دشمنی نہ کرو بلکہ کُھلم کُھلا زور لگاؤ۔ اور سب کے سب مجھ پر ٹوٹ پڑو اور مجھے مہلت نہ دو ان الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو کُھلم کُھلا چیلنج دیا کہ میرے تباہ کرنے کے لیئے تم جتنا زور لگا سکتے ہو لگاؤ اور میرے سلسلہ کی بیخکنی کے لیئے تم کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑو۔ میرا خدا میری مدد کریگا اور بجائے اس کے کہ تم مجھے تباہ کر سکو تم خود تباہ کیئے جاؤ گے جیسا کہ نوح علیہ السلام کی قوم تم سے پہلے تباہ کی گئی۔ اس کے بعد قرآن شریف یہ بیان کرنے کے بعد کہ کس طرح خدائے تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بچایا اور آپ کے دشمنوں کو ہلاک کیا اس بیان کو مندرجہ ذیل پر معنی الفاظ میں ختم کرتا ہے فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ پس دیکھ کہ ان

لوگوں کا جن کو پہلے ڈرایا گیا تھا کیسا انجام ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کو ان الفاظ پر ختم کرنے سے صاف یہ غرض ہے کہ جیسا حضرت نوح علیہ السلام کے مخالفوں کا انجام ہلاکت ہوا۔ ایسا ہی اس وقت کے مخالفین کا حال ہوگا بشرطیکہ وہ حق کی طرف رجوع نہ کریں ؛

سورۂ ہودؑ میں خدائے تعالیٰ اُن الفاظ کو نقل کرتا ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ کو کہے اور وہ الفاظ یہ ہیں فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ٥ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے انکار کرنے والے سرداروں نے حضرت نوحؑ کو کہا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تُو صرف ہمارے جیسا ایک انسان ہے اور تیرے تابعدار بھی ہم میں نہایت ہی چھوٹے درجہ کے لوگ ہیں اور ہم تم میں کوئی فضیلت کی بات نہیں دیکھتے بلکہ ہم تمھیں کاذب خیال کرتے ہیں۔ مگر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے منکر سرداروں کی طرح قریش کے متکبر سردار ابوجہل۔ عتبہ۔ شیبہ۔ وغیرہم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اتباع کے بارہ میں اسی قسم کے الفاظ کہا کرتے تھے۔ اور اس لیئے حضرت نوحؑ کے قصہ میں اُنکے لیئے ایک عبرت اور ایک پیشگوئی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام اور آپکے اتباع کو آپ کی قوم کے منکر سردار کمزور سمجھتے تھے اور نہائت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مگر خدائے تعالیٰ نے اپنے نبی اور اُس کے کمزور اتباع کی نصرت فرمائی اور اُنکے مغرور دشمنوں کو ہلاک کیا۔ اور خدائے تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام اور آپکے متکبر دشمنوں کا یہ قصہ مکہ کے سرکش سرداروں کو سنا کر یہ بتلاتا ہے کہ یہی حال تمھارا ہوگا اس سورہ یعنی سورہ ہودؑ میں بھی جن الفاظ کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ختم ہوتا ہے وہ بھی نہایت قابل غور ہیں۔ اس قصہ کو ختم کرکے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ٥ یہ غیب

خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اس سے پہلے یہ نہ تجھے معلوم تھیں اور نہ تیری
قوم کو پس تُو صبر کر۔ اور اس بات پر یقین رکھ کہ انجام متقیوں کے لئے ہے حضرت
نوح علیہ السلام کے قصہ کو کیوں انباء الغیب کہا گیا اس کو غیب کی خبر اس لئے نہیں
کہا گیا کہ طوفان نوح کی خبر کبھی پہلے کسی کو معلوم نہ تھی نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
اور نہ آپ کی قوم میں سے کسی فرد کو بلکہ اِس قصہ کو اس لئے انباء الغیب کہا گیا ہے کہ
اس میں آپ کے اور آپ کی قوم کے آنے والے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ
فرماتا ہے کہ تو ان غیب کی خبروں کو پہلے نہیں جانتا تھا اور نہ تیری قوم ان خبروں کو
پہلے جانتی تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کو اور آپ کے زمانہ کے لوگوں کو طوفانِ نوح
وغیرہ کی کچھ بھی خبر نہ تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن آنیوالے واقعات کی اس قصہ
کے ذریعہ خبر دی گئی ہے اُن کی خبر نہ تجھے پہلے تھی اور نہ تیری قوم کو۔ مکّہ کے سردار
نہیں جانتے تھے کہ ہمارے لئے بدر کے میدان میں غرق مقدّر ہے۔ جب حضرت
نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ماجرا اُن کو سنایا گیا تو اُس وقت اُن کو اپنی طاقت
کا اسقدر گھمنڈ تھا کہ اُن کے وہم وگمان میں بھی یہ امر نہیں آسکتا تھا کہ ہمارا انجام
ہلاکت ہے اور وہ مسلمانوں کی ضعفاء کی جماعت کو جو اُن کے شہر کا نبی (صلی اللہ
علیہ وسلم) اُن کے سامنے تیار کر رہا تھا ایسی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ
اُنکے واہمہ میں بھی یہ خیال نہیں آسکتا تھا کہ انہی ضعفاء کے ہاتھوں سے وہ نابود
کیئے جائیں گے۔ جیسا حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اُنکی کشتی کو دیکھ کر ہنستی تھی
ایسا ہی مکّہ کے صنادید اس چھوٹی سی اسلامی جماعت کو دیکھکر ہنستے تھے اور اُن کو
یہ معلوم نہیں تھا کہ یہی کشتی۔ اسلام کی نجات کا ذریعہ ٹھہریگی اور اسی کشتی کے سامنے
وہ صنادید خشک بیابان میں غرق ہونگے۔ یہ عجیب وغریب خبریں تھیں جو حضرت
نوح علیہ السلام کے قصہ میں اُن کو پیش از وقت سُنائی گئی تھیں اور انہی کا نام انباء الغیب
رکھا گیا کیونکہ یہ واقعات ابھی غیب کے پردہ میں مخفی تھے۔ اسی لئے تو قرآن شریف
حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کو ختم کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب

کرکے فرماتا ہے فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ پس صبر کرو۔ اور یقیناً یاد رکھو
کہ انجام متقیوں کے لیئے ہے۔ ان الفاظ سے خدائے تعالیٰ اس امر کی طرف متوجہ کرتا
ہے کہ جیسا نوح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا حال ہوا ویسا ہی اب ہوگا پس تم مت
گھبراؤ اور دشمن کی طاقت اور اُن کی تعدیوں کو دیکھکر حوصلہ نہ ہارو کیونکہ جیسا کہ حضرت
نوح علیہ السلام کے زمانہ میں متقیوں کا گروہ آخرکار کامیاب ہوا اور اُن کے دشمن غرق
کیئے گئے ایسا ہی اب بھی خدائے تعالیٰ متقیوں کی جماعت کی مدد کرے گا اور اُن کے
دشمنوں کا نام ونشان مٹا دیگا۔ غرض قرآن شریف کے پڑھنے سے یہ امر روز روشن
کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ قرآن شریف میں صرف کہانی کے
طور پر بیان نہیں کیا گیا بلکہ اس میں آنیوالے واقعات کی خبر دی گئی ہے اور یہ تبلایا گیا
ہے کہ جیسا نوح علیہ السلام کے زمانہ میں آپکے دشمن ہلاک ہوئے ایسا ہی اب بھی شہر
مکہ کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کامیاب ہوگا اور اُس کے دشمن صفحہ ہستی سے مٹا دیئے
جائیں گے یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے متعلق خدائے تعالیٰ فرماتا ہے
تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں اور پھر سورۂ مومنون میں اسی
قصہ کے بارے میں فرمایا ہے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ یعنی اس بیان میں نشانات
ہیں۔ (مومنون ع ۲)

حضرت شعیب۔ حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام جیسا قرآن شریف میں حضرت نوح علیہ السلام کے
حالات کے پڑھنے سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ یہ حالات
بطور قصہ کے بیان نہیں کیئے گئے۔ بلکہ بطور پیشگوئی کے بیان کیئے گئے ہیں یہی امر دوسرے
انبیاءؑ کے حالات کے مطالعہ سے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں ثابت ہوتا ہے۔ ان حالات کو غور
سے پڑھو تو تمھیں معلوم ہو جائیگا کہ ان میں سے ہر ایک بیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
متعلق ایک پیشگوئی ہے۔ ہر ایک بات میں جو انبیائے سابقین کے متعلق بیان کی گئی
ہے سوچنے والوں کے لیئے ایک نشان اور ایک سبق ہے۔ جو جو باتیں پہلے نبیوں نے
اپنی قوموں کو کہیں وہی باتیں مکّی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قوم پر چسپاں ہوتی تھیں۔ مثلاً

سورہ ہود میں وہ اقوال درج کیئے گئے ہیں جو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے اپنے نبی کو کہے اور نیز وہ اقوال درج ہیں جو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہے اور یہ اقوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم پر بھی ایسے ہی زور کیساتھ چسپاں ہوتے ہیں جیسے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم پر چسپاں ہوتے تھے۔ مثلاً خدائے تعالیٰ فرماتا ہے قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا اے شعیب تیری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تجھے اپنی جماعت میں بہت ضعیف دیکھتے ہیں اور اگر تیری برادری کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تجھے پتھر مار مار کر مار ڈالتے اور تو ہم پر قدرت نہیں رکھتا۔ اب ہو بہو یہی بات مکہ والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہتے تھے۔ اس لیئے جو جواب حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف سے اُن کی قوم کو دیا گیا وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مکہ والوں کے قول کا جواب تھا اور وہ جواب یہ ہے يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ اے میری قوم کیا میری برادری کی عزت تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی نسبت زیادہ ہے اور تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈالدیا ہے تحقیق میرا رب تمہارے کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے۔ اور اے میری قوم (تم میری برادری کا ہرگز لحاظ نہ کرو بلکہ) جہانتک تمہارا بس چل سکتا ہے اپنا زور لگا لو۔ میں بھی اپنا کام کیئے جاتا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ کس کو رسوا کرنے والا عذاب پہنچتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ اور تم بھی (خدا کے فیصلہ کا) انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ ان الفاظ میں مکہ والوں کو یہ بتلایا گیا کہ جہانتک تم میں طاقت ہے تم میرے نابود کرنے کے لیئے زور لگاؤ۔ تمہاری

کوششیں کچھ کارگر نہ ہوں گی کیونکہ میرا خدا میرے ساتھ ہے اور تمھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس فریق کو خدائے تعالیٰ عذاب دیکر اور ذلت اور ناکامی کا مزہ چکھا کر کس کی سچائی کی گواہی دیتا ہے۔ اور مکہ والوں کو کہا گیا کہ تم بھی اس الٰہی فیصلہ کا انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں ؛

مَیں بوجہ خوف طوالت زیادہ مثالیں اس بات کی پیش نہیں کرسکتا کہ قرآن مجید میں جو کچھ گذشتہ انبیائؑ کے حالات بیان کیئے گئے ہیں وہ کہانیاں نہیں بلکہ پیشگوئیاں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور آپ کے دشمنوں کی تباہی اور دیگر آنے والے واقعات کی قبل از وقت خبر دی گئی ہے۔ مَیں صرف چند اور آیات قرآنی یہاں نقل کرتا ہوں جن سے واضح ہوتا ہے کہ دشمنانِ اسلام کو بار بار متنبہ کیا گیا کہ وہ اُن انبیائؑ اور اُممؑ کے نمونہ سے سبق حاصل کریں جن کے حالات قرآن شریف میں اسی غرض سے بیان کیئے گئے ہیں ناظرین کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ مندرجہ ذیل آیات کریمہ کو غور سے پڑھیں تا اُن کو معلوم ہو کہ گذشتہ انبیائؑ کے حالات کس غرض سے قرآن شریف میں بیان فرمائے گئے ہیں ؛

(ا) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۝ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ۝ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝ (ص ۔ ۱) اُن سے پہلے (یعنی تیرے مخالفین سے پہلے) نوح (علیہ السلام) کی قوم نے اور عاد اور فرعون ذوالاوتاد نے اور ثمود اور قومِ لوط (علیہ السلام) اور بن والوں (یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم) نے نبیوں کی تکذیب کی۔ یہ تھیں بڑی جماعتیں۔ ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کی تکذیب کی پس اُن پر میرا عذاب ثابت ہوا ؛

(ب) وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝

سَیُھۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَ یُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ؕ (قمر - ۳) فرعون کی قوم کے پاس ڈرانے والے آئے۔ انہوں نے (یعنی اُس قوم کے لوگوں نے) ہمارے سارے نشانوں کی تکذیب کی۔ پس ہم نے انکو پکڑا جیسا ایک طاقت ور قدرت والا پکڑتا ہے (بھلا اے مکہ والو بتلاؤ) کیا تمہارے کفار اُن کفار سے بہتر ہیں یا تمہارے لیئے الٰہی کتابوں میں بریّت آچکی ہے کیا وہ (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ ہم ایک بدلا لینے والی جماعت ہیں۔ یہ جماعت (کفار) ہزیمت اُٹھائیگی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے ؏

(ج) اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا ؕ فَعَصٰی فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ فَاَخَذۡنٰہُ اَخۡذًا وَّبِیۡلًا ؕ فَکَیۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ کَفَرۡتُمۡ یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبَا ؕ (مزمل - ۱) ہم نے تمھاری طرف ایک رسول بھیجا ہے تم پر گواہی دینے والا جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا فرعون نے اُس رسول کی نافرمانی کی اس لیئے ہم نے سخت عذاب کے ساتھ پکڑا پس تم کس طرح کفر کر کے اُس دن سے بچ سکتے ہو جو (سخت عذاب کی وجہ سے) بچوں کو بھی بوڑھا کر دیگا ؏

(د) کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ بِذُنُوۡبِہِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ؕ ..... کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ فَاَہۡلَکۡنٰہُمۡ بِذُنُوۡبِہِمۡ وَ اَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ ۚ وَ کُلٌّ کَانُوۡا ظٰلِمِیۡنَ ؕ (انفال - ۷) ان کا حال ایسا ہے جیسا کہ فرعون کی قوم کا اور اُن قوموں کا جو اُن سے بھی پہلے تھے۔ انہوں نے خدائے تعالیٰ کے نشانوں کا انکار کیا پس اللہ تعالیٰ نے اُنکو اُنکے گناہوں کی وجہ سے پکڑا۔ اللہ تعالیٰ طاقتور اور عذاب دینے میں سخت ہے..... اُن کا حال ایسا ہے جیسا کہ فرعون کی قوم کا اور اُن قوموں کا جو اُن سے پہلے تھے۔ انہوں نے اپنے رب کے نشانوں کی تکذیب کی سو ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں کی وجہ سے

ہلاک کردیا اور فرعون کی قوم کو غرق کردیا اور سب ظالم تھے ۔

(ھ) اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْھَادُ ۝ (مومن - ۶) اس ورلی زندگی میں بھی ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی نصرت کرتے ہیں اور اُس دن بھی جبکہ گواہ کھڑے ہونگے ۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ امر بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ قرآن شریف میں جو قصص پہلے نبیوں اور اُن کی اُمتوں کے بیان کیئے گئے ہیں وہ یونہی کہانیوں کے طور پر بیان نہیں کیئے گئے بلکہ وہ ایک غرض اور مدعا رکھتے ہیں یعنی اُن میں سے ہر ایک ایک پیشگوئی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور آپ کے دشمنوں کی ذلت اور ہلاکت اور دیگر امور متعلقہ کی خبر دی گئی ہے ۔ ان قصصوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے تسلّی اور بشارت تھی اور آپ کے دشمنوں کیلئے ہلاکت کی خبر تھی ۔ اور نہ صرف عام طور پر مومنوں کی کامیابی اور دشمنوں کی ہلاکت کی خبر دی گئی تھی بلکہ ان قصصوں میں سے بعض میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آنے واقعات کو بھی قبل از وقت ظاہر کردیا گیا تھا ۔ میں اوپر قرآن شریف کی وہ آیات نقل کرچکا ہوں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہم السلام سے مشابہت دی گئی ہے اور آپ کے دشمنوں کو بتلایا گیا ہے کہ وہ ایسی ہی سزا کے منتظر رہیں جو فرعون کو دی گئی تھی (دیکھو آیات نمبر ج اور د صفحہ ۱۳) چنانچہ ہم انہی آیات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ایک گہری مشابہت پاتے ہیں ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مشابہت کی طرف اشارہ کیا جب آپ نے مکّہ کے بدقسمت انسان ابوجہل کو فرعون ھٰذہ الامۃ کا خطاب دیا ۔ دیکھو جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ہمراہیوں سمیت ملک مصر سے بھاگے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو شہر مکّہ سے ہجرت کرنی پڑی اور جیسا فرعون نے طیش میں آکر بھاگنے والے اسرائیلیوں کا اپنے لشکر سمیت

تعاقب کیا ایسا ہی مکہ کے فرعون نے ایک لشکر جرار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ پر ہجرت کے بعد چڑھائی کی مگر اُس کا وہی انجام ہوا جو فرعون کا ہوا تھا یعنی جیسا فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپکے ہمراہیوں کی آنکھوں کے سامنے غرق ہوا ایسا ہی ملک عرب کا فرعون اپنے ہمرکاب سرداروں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی جماعت کی آنکھوں کے سامنے غرق ہوا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمن فرعون مصر اور اُس کے ہمراہیوں کے غرق ہونے کے لیئے تو دریا کی ضرورت پڑی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن فرعون عرب اور اُس کے ساتھیوں کو خدا کی غیرت نے خشکی ہی میں غرق کر دیا اور اس طرح خدائے تعالیٰ کا وہ کلام پورا ہوا جو کئی سال پہلے شہر مکہ میں نازل ہوا تھا اور جس کے الفاظ یہ ہیں۔ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ (باقی آیندہ)

ابطال کفارہ (۲)

(مرقومہ مولوی اللہ دیا صاحب واعظ اسلام)

نجات کی تعریف نجات عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنے رہائی۔ چھٹکارا۔ مخلصی کے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ چھٹکارا یا مخلصی کس بات سے ہے۔ جو لوگ نجات یا مکتی اور خدا کی ذات پاک کو مانتے ہیں انکی طرف سے یہ جواب ملتا ہے کہ خدا کی نافرمانیوں کی وجہ سے آدمی لائق سزا کے ہو جاتا ہے اس سزا سے خلاص ہونا اور پھر خدا کے فضل سے یا اعمال صالح کی وجہ یا کسی شفیع کی شفاعت سے آرام دائمی کا وارث ہونا اس کا نام نجات ہے۔

بہشت کی کنجیاں نجات کے وسائل ہر مذہب وملت میں مختلف بیان کیئے

جاتے ہیں مگر اس تحریر میں ہم صرف مسیحی مذہب کے وسائل نجات پر غور کرنا چاہتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو نجات یافتہ یقین کرتے ہیں یہانتک کہ بہشت کی کنجیاں اپنی جیب میں ڈالے ہوئے ہیں چنانچہ ان کے بزرگ پادری کچھ نقد لے کر گناہوں کی معافی کی ایک سند بھی دیا کرتے تھے جس کا مضمون یہ ہوتا تھا۔ "اے فلانے ہمارا خداوند یسوع مسیح تجھ پر رحم کرے میں حواریوں کی نیابت کے اقتدار سے جو مجھ کو میسّر ہوا ہے تجھ کو کلیسیا کی اُس ملامت اور الزام اور تکلیف سے جن کا تو مستوجب ہوا ہے بری کرتا ہوں علاوہ اسکے اُن تمام زیادتیوں اور تقصیروں اور گناہوں سے جو تجھ سے سرزد ہوئے ہیں کیسے ہی کیوں نہ بڑے ہوں اور کسی سبب سے وقوع میں آئے ہوں اگر وہ خطائیں پوپ ہمارے مرشد کی معافی کے لئے رکھے ہوں میں ساری نالیاقتی کے نشان اور بدنامی کے داغ جو تجھ پر اسوقت تک ہوئے ہوں مٹاتا ہوں اور اُن تکلیفات کو جو مقام پرگیٹوری میں پاوے دُور کرتا ہوں کلیسیا کے تمام سکرمنٹ میں تیرا حصہ نیا قائم کرتا ہوں اولیاؤں کے گروہ میں تجھکو شامل کرتا ہوں اور اُس پاکی اور نیک نامی میں جو اصطباغ کے وقت تجھ کو حاصل تھی پھر داخل کرتا ہوں پس مرنیکے وقت سب دروازے جس سے گنہگار رنج وسزا میں داخل ہوں تیرے لیئے بند ہوجائیں اور اُس کے بدلے خوشی اور عیش کا دروازہ جو بہشت کو جاتا ہو تیرے واسطے کھولا جاوے اگر تُو برسوں کے بعد مرے تو یہ معافی تیری زندگی کے آخر ساعت تک قائم رہے گی۔ باپ اور بیٹے۔ اور۔ روح القدس کے نام سے آمین۔ دستخط فرائر جان تٹزل انتہیٰ"۔ تواریخ کلیسیا بپٹسٹ مشن کلکتہ سنہ ۱۸۴۹ء کے صفحہ ۱۶۵ میں لکھا ہے کہ پاپا صاحب نے آپ ہی عفونامہ کا مطلق اختیار اپنے ہاتھ میں لیا اور وہ ایسے عفوناموں کو روپے لیکر بیچا کرتا تھا انتہیٰ۔ یہ پاپا صاحب اپنے آپ کو پطرس کا نائب قرار دیتا تھا اور پطرس کو مسیح نے بہشت کی کنجیاں دینے کا وعدہ انجیل متی باب ۱۶ ورس ۱۹ میں یوں کیا تھا۔ اور میں آسمان کی بادشاہت

کی کنجیاں تجھے دونگا جو کچھ تُو زمین پر بند کریگا آسمان پر بند کیا جاویگا اور جو کچھ تُو زمین پر کھولیگا آسمان پر کھولا جائیگا انتہیٰ ۔ سبحان اللہ یہ بہشت کی کنجیاں مسیح نے اس شخص کو دینے کا وعدہ کیا جس کو چند منٹ کے بعد ہی آپنے شیطان کے خطاب سے عتاب کر کے شرمندہ کردیا دیکھو انجیل متی باب ۱۶ ورس ۲۳ - اور مرقس باب ۸ ورس ۳۳ -

مسیح نجات دہندہ نہیں ہو سکتا - علاوہ ازیں بہشت کی کنجیاں عنایت کرنیوالے حضرت مسیح علیہ السلام کو جو ذاتی اختیار رکھا ہو یہ ناظرین کیا جاتا ہے دیکھو انجیل متی باب ۲۰ ورس ۱۷ سے ۲۴ تک جس کا خلاصہ اور مطلب صرف یہ ہے کہ ایک عورت اپنے بیٹوں کو لے کر مسیح کے پاس آئی اور ملتجی ہوئی کہ میرے لڑکے تیری بادشاہت میں ایک تیری دہنی اور دوسرا تیری بائیں طرف بیٹھیں مسیح اس عورت کے جواب میں فرماتے ہیں کہ میری دہنی اور بائیں طرف بیٹھنا میرا اختیار نہیں کسی کو دوں مگر اُن کو جن کے لیئے میرے باپ نے مقرر کیا ۔ انتہیٰ ۔

کیوں حضرات مسیحی صاحبان مسیح بیچارے کو تو خود اتنا بھی اختیار نہیں تھا کہ بدوں مرضئ خدا کے کسی کو میدان حشر میں اپنے دائیں یا بائیں بٹھا سکیں ایسے بیکس اور بے بس اور عاجز انسان کا کسی اپنے خادم کو بہشت کی کنجیاں عنایت کرنا کیا معنے اور کنجیاں بھی ماشاء اللہ ایسے . . . . . شخص کو دینا جس کو خود ہی شیطان کے بدلقب سے یاد کیا یہ بہشت کی فرضی کنجیاں صرف طفل تسلی کی باتیں گھڑی گئی ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں ہے دیکھو مسیح کا وجود بعد قصہ صلیب کے عنصری ہی تھا ثبوت اس امر کا - انجیل لوقا باب ۲۴ ورس ۳۹ میں لکھا ہے ۔ میرے ہاتھ پاؤں کو دیکھو کہ میں ہی ہوں اور مجھے چھوؤ اور دیکھو کیونکہ روح کو جسم اور ہڈی نہیں جیسا مجھ میں دیکھتے ہو ۔ حضرت مسیح کا جسم خاکی عنصروں سے مرکب خون اور ہڈیوں کا ڈھانچا باعث ترکیب شدہ ہونے کے فنا ہونیوالا ۔ ایسے ناقص وجود کی بابت پولوس اپنے خط اول قرنتیوں باب ۱۵ ورس ۵۰ میں لکھتا

ہے۔ اے بھائیو! میں اب یہ کہتا ہوں کہ جسم اور خون خدا کی بادشاہت کے وارث نہیں ہو سکتے اور نہ فانی بقا کا وارث ہو سکتا ہے انتہیٰ۔ جائے انصاف ہے کہ جب مسیح خون اور جسم اور فانی وجود رکھتے ہوئے خود ہی بقول پولوس صاحب خدا کی بادشاہت کے وارث نہیں ہو سکتے۔ تو اوروں کو وہ بہشت کی کنجیاں کیونکر دے سکتے ہیں یا نجات کا ٹھیکہ دار کیونکر بنا سکتے ہیں جن کو خود آسمانی بادشاہت حاصل نہیں ہوئی نجات تو خدا کے ہاتھ میں ہے نہ مسیحؑ کے ہاتھ میں۔ دیکھو دوم سمویل باب ۲۲ ورس ۴۷ میں حضرت داؤد علیہ السلام فرماتے ہیں۔ خداوند زندہ ہے اور میری چٹان مبارک ہے میری نجات کی چٹان کا خدا بلند اور بالا ہے۔ یہ میں ہوں جو راستبازی کی شہرت دیتا ہوں اور نجات دینے پر قادر ہوں انتہیٰ۔ ہاں مسیحؑ نجات کے لئے شفاعت کر سکتے ہیں جیسے کہ خط رومیوں باب ۹ ورس ۳۴ میں لکھا ہے۔ وہ تو ہماری سفارش کرتا ہے۔ جائے انصاف ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ خود نجات دینے پر قادر ہوتے تو خدا سے نجات کے بارے میں لوگوں کی سفارش کیوں کرتے اور خدا کی جناب میں سفارش یا شفاعت گنہگار بندوں کے حق میں کرنا یہ منصب نبوت ہے چنانچہ سیدنا حضرت موسیٰؑ کا تشفیع ہونا حوالجات مندرجہ ذیل سے ثابت ہے۔ گنتی ۱۴/۱۹ ایضاً ۱۲/۱۳ استثنا ۹/۱۹ اسی ۲۲ خروج ۸/۸ ایضاً ۹/۲۹ و ۳۰ بیان مذکورہ بالا سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ مسیحؑ بذاتِ خود نجات دینے والے نہیں ٹھہر سکتے۔ اور تشفیع ہونا ہمارے پیغمبر علیہ السلام کا قرآن شریف سے بخوبی ثابت ہے۔

مسیحی نجات رحمت الٰہی سے حاصل نہیں ہوتی یہ بھی عیسائیوں کا خیال ہے کہ مسیح ہمارے گناہوں کا کفارہ ہوا ہے۔ یوحنا حواری اپنے خط اول باب ۲ ورس اول میں مسئلہ کفارے کا ذکر یوں بیان کرتا ہے "اگر کوئی گناہ کرے تو یسوع مسیح جو صادق ہے باپ کے پاس ہمارا وکیل ہے اور وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے فقط ہمارے گناہوں کا نہیں بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی انتہیٰ۔ فدیہ اور کفارے کے معنے ہیں عوض و معاوضہ چنانچہ۔ اس لئے پولوس صاحب اپنے خط

گلیتوں باب ۳ ورس ۱۳ میں لکھتا ہے "مسیح نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلے میں لعنتی ہوا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے" انتہی ۔ دیکھئے پولوس صاحب کے قول سے صریح معلوم ہوگیا کہ مسیحؑ نے اپنے خون کے بدلے سے مسیحیوں کو مول لیا ہے گویا حضرت مسیحؑ مشتری اور خدا بائع اور مسیحی لوگ مبیع ٹھہرے۔ ناظرین بانصاف غور فرمائیں کہ جب مسیحیوں کی نجات معاوضہ پر ٹھہری تو پھر رحمت اور شفقت خداوندی سے مسیحیوں کی نجات کا کیا تعلق اور یہ امر ظاہر ہے کہ جہاں عوض و معاوضہ ہے وہاں رحمت اور شفقت نہیں اور جہاں رحمت و شفقت ہے وہاں عوض معاوضہ کیا۔ پس عیسائیوں کو خود ہی اپنے فرضی کفارے کو غلط قرار دینا پڑیگا یا رحمت اور شفقت خداوندی سے دربارہ نجات محروم و مایوس ٹھہرینگے کیونکہ مسئلہ فدیہ و کفارہ متضاد اور منافی ہے صفت رحمت اور شفقت خداوند کریم رحیم کے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام زبور ۶ درس ۴ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۳ء میں فرماتے ہیں۔ "اے خداوند پھر آ میری جان کو مخلصی دے اپنی رحمت کے سبب مجھے نجات بخش" انتہی ۔ جائے غور ہے کہ حضرت داؤدؑ کا بامر الٰہی نجات کا ... خدا کی رحمت پر منحصر کرنا۔ اور عیسائیوں کا نجات کو عوض و معاوضہ پر ٹھہرانا اور صریح خدا کے برگزیدہ پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام اور زبور کا جس کو خود بھی عیسائی کلام الٰہی مانتے ہیں خلاف کرنا سراسر ایمان سے ہاتھ دھونا ہے اس لیئے مسئلہ فدیہ و کفارہ جو خدا کی رحمت و شفقت کے متضاد ہے بالکل رد کرنے کے قابل ہے پھر اس کو نجات کا ذریعہ خیال کرنا زبور اقدس کی تکذیب کرنا ہے۔

مسئلہ کفارہ الوہیت مسیح کو باطل کرتا ہے۔

علاوہ ازیں عیسائیوں کا مسیح کے فدیہ و کفارے پر نجات منحصر کرنا کئی وجہ سے باطل ہے۔ اول مسیح کی فرضی خدائی کا ابطال لازم آتا ہے کیونکہ مسیح کو یہودیوں نے اپنے خیال میں بباعث کفر قتل کیا تھا جیسے انجیل یوحنا باب ۱۰ ورس ۳۲ میں ہے "تب یہودیوں نے پھر پتھر اٹھائے کہ اس پر پتھراؤ کریں۔ تب یسوع نے

انہیں جواب دیا کہ میں نے اپنے باپ کے بہت سے اچھے کام تمہیں دکھائے ہیں ان میں سے کس کام کے لیئے تم مجھے پتھراؤ کرتے ہو یہودیوں نے اسے جواب دیا اور کہا کہ ہم تجھے اچھے کام کے لیئے نہیں بلکہ اس لیئے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تو کفر کہتا ہے اور انسان ہو کے اپنے تئیں خدا بناتا ہے" انتہٰی ❊ الغرض یہود قاتل اور مسیحؑ مقتول باعث اس قتل کا بقول عیسائیوں کے مسیحؑ کا عیسائیوں کے گناہوں کی خاطر قتل ہونا اور یہود کے نزدیک اپنے کفر کی وجہ سے قتل کیا جانا۔ مگر اس قتل سے مسیحؑ کی فرضی خدائی کا ابطال کتاب حزقیل باب ۲۸ درس ۹ سے بخوبی ہوتا ہے چنانچہ لکھا ہے "کیا تو اس کے آگے جو تجھے قتل کریگا پھر کہیگا کہ میں اللہ ہوں لہٰذا تو اپنے قتل کرنے والے کے ہاتھ میں اللہ نہیں بلکہ انسان ٹھہرا" ❊

مسیح صرف بنی اسرائیل کے لیئے آیا ❊

یہودیوں کے ہاتھ سے مسیحؑ قتل ہو کر انکا خدا کیونکر ٹھہر سکتا ہے جائے انصاف ہے کہ مسیحؑ خالص قوم بنی اسرائیل ہی کی طرف مبعوث ہوئے تھے جیسے انجیل متی باب ۱۵ درس ۲۴ میں لکھا ہے میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی پاس نہیں بھیجا گیا ❊ جس قوم بنی اسرائیل کی طرف مسیحؑ مبعوث ہوئے تھے اس قوم نے بقول حضرت حزقیل انکی فرضی خدائی خاک میں ملا دی اور مسیحؑ بنی اسرائیل کے ہاتھ سے قتل ہو کر انکا خدا تو ہو ہی نہیں سکتا اور دوسری قوموں سے مسیحؑ کا کوئی تعلق تھا ہی نہیں پھر مسیح کی خدائی سے دنیا کو کیا فائدہ واہ رے عیسائیوں کے فرضی خدا تیری خدائی تیرے قتل کے غلط مسئلہ نے دنیا سے نیست و نابود ہی کر دی ❊

قربانیوں کے اقسام

مسیح کا قتل جس کو عیسائی اپنے خیال میں اپنے گناہوں کا کفارہ ٹھہرائے ہوئے ہیں یہود کی نگاہ میں ادنے کام تھا دلیل اسپر یہ ہے کہ یہود بحکم الٰہی تین قسم کی قربانیاں کیا کرتے تھے۔ اوّل نذر کی قربانیاں بنوتے انکا

کتاب احبار باب ۲ ورس ۶ اور کتاب گنتی باب ۸ ورس ۸ - اور انجیل متی باب ۵ ورس ۲۳ - دوم شکریہ کی قربانیاں زبور ۱۰۷ ورس ۲۲ - دوم تواریخ باب ۳۳ ورس ۱۶ - سوم خطا کی قربانیاں کتاب خروج باب ۲۹ ورس ۱۴ - اور احبار باب ۴ ورس ۵ و ۶ وغیرہ ۞

کفارہ میں مسیح کی تحقیر پائی جاتی ہے

خطا کی قربانیوں سے بنی اسرائیل کے گناہوں کی معافی بکثرت توریت میں بیان ہوئی ہے جائے انصاف ہے کہ جو کام یعنی گناہوں کی معافی بکرے اور بیل کے خون سے ہو سکتی تھی کیا اس کام کے لیئے یہودی کسی انسان کو ذبح کر سکتے تھے؟ مسیح کا قتل یہود نے اپنی خطاؤں یعنی گناہوں کی خاطر نہیں کیا بلکہ اس کا باعث وہی تھا جس کا ذکر انجیل یوحنا باب ۷ میں بیان ہو چکا ہے اب عیسائیوں کا یہ خیال کہ مسیح کا قتل ہماری خطاؤں کی بخشش کا موجب تھا قوم یہود سے ہنسی کرانا ہے کیونکہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری خطائیں تو ہمارا خدا بھیڑ - بکری اور بیل کے خون کی عوض بخشدے اور زیادہ سے زیادہ حضرت موسیٰ کی شفاعت سے معافی گناہوں کی ہو سکتی ہے جس کا ثبوت کتاب خروج باب ۳۲ ورس ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ میں موجود ہے پھر کتاب گنتی باب ۱۴ ورس ۱۹ - اور کتاب استثنا باب ۹ ورس ۱۹ میں پایا جاتا ہے اور عیسائیوں کو اپنے گناہوں کی معافی کے لیئے اپنے فرضی خدا کا خون بہانا تجویز کرنا سراسر اپنے مسیح کی حقارت کرانا ہے کیونکہ جو کام بھیڑ کے بچے کے خون سے ہو سکتا تھا اسکے عوض اپنے پیر و مرشد مسیح کا خون بہانا . . . . گویا مسیح کے خون کو ایک بھیڑ کے بچے کے برابر ٹھہرانا ہے اور صریح مسیح کی توہین کرنا ہے اور سیدنا حضرت موسیٰ کی شفاعت کے مقابل مسیح کا شفیع نہ ٹھہرنا اور بجائے شفاعت کے اپنی جان پر کھیلنا مسیح کا حضرت موسیٰ سے کم رتبہ ہونے کی دلیل ہے ۞

گناہوں کی معافی کا ذریعہ

تمام کتب آسمانی میں سچی توبہ سے گناہوں کی معافی کا ہونا بیان ہوا ہے جس کا انکار کوئی عیسائی نہیں کرسکتا اور تمام انبیاء کرام کا یہی

مذہب تھا کہ توبہ سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ نینوہ کے باشندوں نے مع بادشاہ کے روزہ رکھا اور ہر ایک نے ٹاٹ کا لباس پہنا اور خدا کے حضور بہت روئے اور ہر ایک نے بُری عادت کو ترک کیا اور ظلم چھوڑ دیا اور خدا نے انکے ان کاموں کو دیکھا کہ وے اپنی اپنی بُری راہ سے باز آئے تب خدا ان کی توبہ قبول کر کے اپنے غضب سے باز آیا۔ دیکھو کتاب یونہ نبی باب ۳ اول سے آخر تک ۔ اور کتاب دوم تواریخ باب ۳۲ ورس ۲۶ میں لکھا ہے "تب حزقیاہ دل کے اس غرور کی بابت خاکسار ہوا اور وہ اور یروشلم کے باشندے بھی سو حزقیاہ کے دنوں میں خداوند کا غضب ان پر نازل نہ ہوا"۔ اور انجیل لوقا باب ۱۵ ورس ۳ میں سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام نے مسئلہ توبہ کو تمثیل کے رنگ میں یوں بیان کیا ہے "تم میں سے کون ہے جس کے پاس سو بھیڑ ہوں۔ اگر اُن میں ایک کھوئی جائے اُن ننانوے کو جنگل میں نہ چھوڑے اس کھوئی ہوئی کو جب تک نہ پاوے ڈھونڈھا نہ کرے اور پا کے خوشی سے اپنے کاندھے پر اُٹھا نہ لے اور گھر میں جا کے دوستوں اور پڑوسیوں کو بلا کے نہ کہے کہ میرے ساتھ خوشی کرو۔ کیونکہ مَیں نے اپنی کھوئی ہوئی بھیڑ پائی مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس ہی طور آسمان میں ایک گنہگار کے واسطے جو توبہ کرتا ہے ننانوے راستبازوں سے جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے زیادہ خوشی ہو گی" انتہی ۔ مطابق اس کے انجیل لوقا میں (باب ۱۵ ورس ۸ سے ۱۰ تک) توبہ کا بیان موجود ہے۔ اور خط دوم قرنتیوں باب ۷ ورس ۱۰ میں لکھا ہے "کیونکہ وہ غم جو خدا کے لیئے ہے ایسی توبہ پیدا کرتا ہے جس سے نجات ہوتی ہے"۔ دیکھیئے سچی توبہ سے نجات کا حاصل ہونا۔ پولوس نے مان لیا ہے اور کتاب یونہ نبی کے باب ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ سچی توبہ سے غضب الٰہی نینوہ والوں سے دور ہوگیا۔ جائے انصاف ہے کہ جب بذریعہ توبہ کے از روئے بائبل گناہ معاف ہوسکتے ہیں اور ہو بھی گئے حتّٰی کہ توبہ سے بقول پولوس نجات حاصل ہوجاتی ہے پھر صریح توبہ کے مسئلہ کے موجود ہوتے ہوئے ناحق

کسی کے قتل یا خون کے بہانے پر گناہوں کی معافی کا دار و مدار ٹھہرانا سراسر نادانی نہیں تو اور کیا ہے ؏

توبہ سے مسیحیوں کا انکار مسئلہ توبہ سے عیسائی ... منکر ہیں۔ چنانچہ پادری فنڈر صاحب اپنی کتاب طریق الحیات مطبوعہ ۱۸۶۷ء کے صفحہ ۵۴ سطر ۸ میں لکھتے ہیں کہ "خدا بھی اپنی عدالت کے موافق مجھ سے تجھ سے اور ہر آدمی سے چاہیگا اور توبہ و بازگشت کے سبب گناہ کی سزا سے درگزر نہ کرے گا" عیسائیوں کا یہ خیال کہ توبہ سے گناہ بخشے نہیں جاتے صریح کلام الٰہی کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ توبہ کا مسئلہ کتب آسمانی میں موجود ہے اور کلام ربانی کی تکذیب کا باعث صرف کفارہ کا لغو مسئلہ ہے جس کا ثبوت نہ دلائل عقلی سے ہو سکتا ہے اور نہ نقلی سے ؏

نجات کا مدار اعمال صالحہ پر اس من گھڑت تجویز انسانی یعنی مسئلہ کفارہ کا ابطال اعمال حسنہ مندرجہ بائبل سے ہوتا ہے دیکھیئے زبور ۶۲ ورس ۱۲ میں لکھا ہے "اے خداوند کہ تو ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق بدلا دیتا ہے"۔ اور انجیل متی باب ۱۶ ورس ۲۷۔ "ہر ایک کو اس کے اعمال کے موافق بدلا دے گا"۔ خط رومیوں باب ۲ ورس ۶۔ "وہ ہر ایک کو اس کے کام کے موافق بدلا دیگا"۔ باب ایضاً ورس ۹۔ "ہر ایک آدمی کی جان جو برائی کرتا ہے رنج اور عذاب میں پڑے گی۔ پہلے یہودی کی پھر یونانی کی اور ہر ایک کو جو بھلائی کرتا ہے بزرگی اور عزت اور سلامتی ملے گی پہلے یہودی کو پھر یونانی کو کیونکہ خدا کے حضور کسی کی طرفداری نہیں ہوتی" انتہیٰ ؏ پولوس نے تو فیصلہ ہی کر دیا ہے کہ نجات اعمال سے ہو گی اور دوزخ بد اعمالی سے اور اعمال نیک و بد کرنے والا خواہ یہودی ہو یا کسی اور قوم کا اپنے نیک اعمال سے بچ سکتا ہے اور بد اعمالی سے گرفتار ہو گا عیسائی ہونے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ؏ اور کتاب مکاشفات باب ۲۰ ورس ۱۲ میں لکھا ہے "پھر میں نے دیکھا کہ مردے کیا چھوٹے کیا بڑے خدا کے حضور کھڑے ہیں اور کتابیں کھولی گئیں اور مردوں کی عدالت جس طرح سے ان کتابوں

میں لکھا تھا اُن کے اعمال کے مطابق کی گئی"۔

وزن اعمال اور کتاب اوّل سموئیل باب ۲ ورس ۳ میں مذکور ہے "کیونکہ خداوند دانش کا خدا ہے اور اعمال اس کے آگے تولے جاتے ہیں" انتہی۔ کیوں حضرات عیسائی صاحبان جب جزا و سزا کا ہونا ہر ایک آدمی کے لیئے نیک و بد اعمال کے مطابق ٹھہرا تو پھر مسیح کا فرضی کفارہ بالکل ناکارہ ہو گیا اگر نجات کا دار و مدار جیسے مکاشفات باب ۲ ورس ۱۲ - اور انجیل متی باب ۱۶ ورس ۲۷ میں اعمال حسنہ پر بیان کیا گیا ہے تو کفارہ غلط ہوا اور اگر نجات کفارے پر موقوف ہے تو اعمال صالحہ پر بدلہ ٹھہرانا اور اعمال کا وزن کرنا سراسر لغو ہو جائیگا۔

ایمان بغیر اعمال کے مفید نہیں اگر کسی عیسائی کے دل میں یہ خیال گذرے کہ ہمارے پولوس صاحب اپنے خط رومیوں باب ۳ ورس ۲۸ میں فرما گئے ہیں۔ "پس ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ آدمی ایمان سے بے اعمال شریعت کے راست باز ٹھہر سکتا ہے" یعنی قابلِ نجات ہو جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پولوس نہ خدا کا نبی ہے اور نہ خدا کا رسول اور نہ حضرت مسیح علیہ السلام کا حواری پھر اس کی بات کا کیا اعتبار ہے۔ عدم نبوت و رسالت پولوس صاحب پر ہم نے ایک مضمون اپنی اخبار نورٌ علیٰ نور مطبوعہ ۲۸ - اگست سنہ ۱۸۹۳ء نمبر ۳ جلد اول کے صفحہ ۳ میں لکھا ہے جس کا جواب عیسائیوں کی طرف سے ہنوز نہیں ہوا اور نہ ہونے کی امید ہے۔ پولوس صاحب کا صرف ایمان ہی کو بدون اعمال صالحہ کے نجات کا ذریعہ ٹھہرانا اس کا ردّ خود انجیل ہی میں موجود ہے دیکھو یعقوب حواری اپنے خط کے باب ۲ ورس ۲۲ میں فرماتے ہیں "تو دیکھتا ہے کہ ایمان نے اس کے (یعنی حضرت ابراہیمؑ کے) ساتھ کام کیا اور اعمال سے ایمان کامل ہوا اور وہ نوشتہ پورا ہوا جو کہتا ہے ابراہیمؑ خدا پر ایمان لایا اور یہ اس کے لیئے راستبازی گنی گئی اور خلیل اللہ کہلایا تم دیکھتے ہو کہ آدمی اعمال سے راستباز ٹھہرایا جاتا ہے صرف ایمان سے نہیں اسی طرح راحب بھی جو فاحشہ تھی جب اس نے جاسوسوں کی

مہمانی کی۔ اور انہیں دوسری راہ سے باہر کردیا کیا اعمال سے راستباز نہ ٹھہری پس جیسا بدن بے روح مردہ ہے ویسا ہی ایمان بے اعمال مردہ ہے ۔ بقول حضرت یعقوب حواری مجرّد ایمان بدون اعمال صالح کے مردہ ہے کیا مردہ ایمان نجات کا باعث ہوسکتا ہے اسلئے پولوس کا صرف ایمان پر بدون اعمال کے نجات کا مدار ٹھہرانا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سراسر لغو ہے جس کو ایک حواری نے ردّ کردیا ہے ۔

کفارہ نہ صرف قرآن مجید بلکہ مروجہ اناجیل کے بھی مخالف ہے ۔

اے عیسائیو! گناہوں کا کفارہ ناحق حضرت مسیحؑ کو تجویز کرنا قرآن شریف اور اناجیل مروجہ حال کے بعض مقامات کے بھی منافی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ جلشانہٗ قرآن پاک کی سورہ ہود رکوع ۱۰ میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِؕ یعنی البتہ نیکیاں دُور کرتی ہیں برائیوں کو ۔ نیکیاں بدیوں کا کفارہ کیونکر ہوسکتی ہیں اس کا جواب سورہ نور۔ رکوع ۳ میں موجود ہے وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْاؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝ (ترجمہ) اور چاہیئے کہ معاف کریں وہ جرم جو اُن سے ہوا ہے اور چاہیئے کہ بدلہ لینے سے مُنہ پھیر لیں اور چشم پوشی کریں (اس نیک کام کا ثمرہ یہ ہوگا۔ کہ خدا تمھارے گناہوں کو بخشدیگا) کیا تم دوست نہیں رکھتے ہو اس بات کو کہ بخشدے خدا تم کو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

مرقس باب ۱۱ ورس ۲۵ "اگر کوئی تمھارا مخالف ہو تو اُسے معاف کرو تاکہ تمھارا باپ جو آسمان پر ہے تمھارے قصور معاف کرے اور اگر تم معاف نہ کروگے تو تمھارا باپ جو آسمان پر ہے تمھارے قصور معاف نہ کریگا" دیکھیئے اپنے قصورواروں کا معاف کرنا ایک نیک کام ہے اس نیک کام کے بدلے میں خداوند تعالیٰ معاف کرنیوالے کے گناہوں کو

معاف کرتا ہے یہ معنے ہیں نیکیاں کفارہ ہو جاتی ہیں بدیوں کا۔ انجیل متی باب ۱۸ ورس ۲۱ "تب پطرس نے اس کے پاس آکے کہا اے خداوند اگر میرا بھائی میرا گناہ کرے تو میں کتنی مرتبے تک معاف کروں سات مرتبے تک۔ یسوع نے اُسے کہا میں تجھے سات مرتبے تک نہیں کہتا بلکہ ستر کے سات مرتبے تک" اور انجیل لوقا باب ۱۹ ورس ۶ "جب سبھوں نے یہ دیکھا کُڑکُڑا کے کہا کہ وہ ایک گنہگار کے یہاں جا اُترا ہے۔ زکی نے کھڑا ہو کے خداوند سے کہا دیکھ اے خداوند میں اپنا آدھا مال غریبوں کو دیتا ہوں اور اگر کسی کا مال دغا بازی سے لیا ہے چوگنا دیتا ہوں۔ تب یسوع نے اس کے حق میں کہا کہ آج اس گھر میں نجات آئی" انتہیٰ۔ دیکھیئے یہ شخص زکی اپنا مال محتاجوں کو دینے کی وجہ سے اور حق العباد کے ادا کرنے سے جو یہ اعلیٰ درجہ کے نیک کام تھے اپنی تمام بدیوں سے خلاصی پاکر نجات کا بقول حضرت مسیحؑ مستحق ہو گیا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ہنوز مسیحؑ صلیبی لعنتی موت سے کفارہ بھی نہیں ہوا تھا بدون کفارے کے یہ شخص اپنے نیک اعمال کا کفارہ دیکر نجات پا گیا۔ اب کہاں گیا نجات کے لیئے مسیحؑ کے کفارے کا ضروری ہونا جس کا ابطال ہم نے اناجیل کے اکثر مقامات ہی سے کر دیا ہے۔

لعنت میں گذشتہ نمبر میں گنگا رام کی مثال کے ذریعہ یہ ثابت کر چکا ہوں کہ از روئے عقائد مسیحیان کوئی مسیحی نجات نہیں پا سکتا میں سچ کہتا ہوں کہ از روئے اناجیل مروجہ حال عوام عیسائی تو کیا نجات پا سکتے ہیں خود مسیحؑ بھی نجات یافتہ ثابت نہیں ہو سکتے۔ پولوس صاحب اپنے خط گلیتوں باب ۳ ورس ۱۳ میں لکھتے ہیں "مسیحؑ نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلہ میں لعنتی ہوا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے" انتہیٰ۔ اے ناظرین یسوع کا صلیبی

لعنتی موت کے تحت میں آنا یہود اور عیسائیوں کا اتفاقی مسئلہ ہے اور اس صلیبی لعنتی موت کے مدعا اور مفہوم میں اختلاف ہے چنانچہ قوم یہود اس لعنت کا موجب یسوع کا انسان ہو کر خدائی کا دعویٰ کرنا اور اس کفر کے باعث صلیب پر مارا جانا مانتے ہیں۔ اور عیسائیوں کا یہ خیال ہے کہ یسوع نے ہمارے گناہ اپنے سر پر لیئے اور ہمارے گناہوں کی خاطر فدیہ ہوا اور یہی فدیہ وکفارہ صلیبی لعنتی موت کا باعث ہے ۔ چونکہ لفظ لعنت کا یہود اور عیسائیوں نے بالاتفاق یسوع کے حق میں استعمال کیا ہے اور خصوصاً عیسائیوں نے بڑی خوشی اور فخر سے لفظ لعنت کا یسوع کے حق میں گلیتون میں تسلیم کیا ہے۔ سو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لعنت کے معنے از روئے لُغت بیان کیئے جائیں ۔ دیکھیئے لسان العرب جو لُغت عربی کی ایک اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے اور قطر المحیط اور اقرب الموارد یہ دونوں لغات کی کتابیں علمائے مسیحی کی تالیفات سے ہیں جو حال ہی میں بمقام بیروت چھپی ہیں اور ایسا ہی دیگر کتب لغت کی کتابوں میں لفظ لعنت کے معنے لکھے ہیں۔ ان کتابوں کے رُو سے ملعون ایسے شخص کو کہتے ہیں جو ہر ایک خیر وخوبی اور ہر قسم کی ذاتی صلاحیت اور خدا کی رحمت اور خدا کی معرفت سے بالکل بے بہرہ اور بے نصیب ہو جائے اور عذاب دائمی کا وارث ہو جائے انتہیٰ ۔ معاذ اللہ اگر بقول یہود ونصاریٰ کے یسوع پر لفظ لعنت کا وارد ہونا تسلیم کیا جاوے خواہ یہود کے خیال کے بموجب یا عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ہونے کی وجہ سے مگر بہرصورت لعنت کے وارد ہونے سے لعنتی شخص کا خدا کی ذات پاک سے قطع تعلق ہو جاتا ہے اور وہ خدا کی رحمت سے محروم ہو کر عذاب دائمی کا وارث ہو جاتا ہے ۔ لعنت کے باعث یسوع کا صلیبی موت کے بعد دوزخ میں جانا عیسائیوں کے بڑے بزرگ پادری فنڈر صاحب نے مان لیا ہے چنانچہ صاحب موصوف اپنی کتاب حل الاشکال المطبوعہ ۱۸۴۷ء کے صفحہ ۱۰۶ سطر ۱۳ میں فرماتے ہیں "سچ ہے کہ مسیح موت کے بعد جہنم میں گیا اور اور تیسرے دن قیام وعروج کیا۔ مگر اس جگہ جہنم سے مراد ہادس ہے نہ اصل جہنم اور ھادس وہ جگہ ہے جو اصل جہنم اور آسمان کے بیچ ہے" انتہیٰ ۔ دیکھیئے پادری

فنڈر صاحب نے تسلیم کرلیا ہے کہ مسیحؑ بعد موت کے جہنّم میں گیا۔ مگر دفع اعتراض کیلئے اپنے پاس سے بجائے جہنّم کے ہادس کا لفظ گھڑ لیا اور بول اُٹھے کہ ہادس وہ جگہ ہے جو اصل جہنّم اور آسمان کے درمیان ہے۔ مگر اس من گھڑت اور اور بیجا تاویل بعیدہ مجوزہ پادری فنڈر صاحب کو خود انکے بھائی بند علمار مسیحی ردّ کرتے ہیں۔ چنانچہ پادری جی ایل ٹھاکر داس اپنے رسالہ آیندہ زندگی مطبوعہ لودھیانہ ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۵۰ سطر ۱۹ میں لکھتا ہے۔ "یاد رہے کہ اس موت کے بعد روح آسمان میں جاتی ہے یا دوزخ میں اور کسی جگہ نہیں۔ کیونکہ کلام اللہ میں نہ تو پرگے ٹوری کا اور نہ دیگر جانوروں میں جانے کا ذکر ہے" انتہیٰ۔ کیوں اے عیسائیو! از روئے کلام اللہ بعد از مرگ روح کے لیئے دو ہی مقام جانے کے ثابت ہوتے ہیں یعنی آسمان یا دوزخ اور پادری فنڈر صاحب مسیحؑ کا دوزخ میں جانا خود تسلیم کر چکے ہیں اور تیسرا کوئی مقام کلام الٰہی سے ثابت نہیں پھر ناحق از راہِ تاویل بعیدہ مسیحؑ کے دوزخ میں جانے کو ہادس میں جانا گھڑ لینا جس کا ثبوت کلام اللہ سے مطلقاً نہ ہوسکے صریح بندگانِ خدا کو دھوکہ دینا نہیں تو اور کیا ہے۔ اے عیسائیو! جہنّم کا لفظ اور اسکی ... کیفیت اناجیل موجودہ میں کئی جگہ بیان ہوئی ہے۔ مثلاً انجیل متی باب ۵ ورس ۲۲۔ باب ایضاً ورس ۳۰۔ انجیل لوقا باب ۱۲ ورس ۵۔ انجیل مرقس باب ۹ ورس ۴۳۔ باب ایضاً ورس ۴۵ و ۴۷ وغیرہ۔ اِن مقامات مذکورہ بالا میں جہنّم کا جائے غضب اور عذاب الٰہی ہونا پایا جاتا ہے۔ صریح لفظ جہنّم سے پادری فنڈر صاحب کا کوئی تیسرا مقام مراد لینا اناجیل کے خلاف ہے۔ اور پادری فنڈر صاحب کے اس قول کی تصدیق کہ مسیحؑ بعد موت جہنّم میں گیا۔ پطرس صاحب حواری بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اپنے خط اول کے باب ۳ ورس ۱۸ میں فرماتے ہیں۔ "کیونکہ مسیحؑ نے بھی ایک بار گناہوں کے واسطے دُکھ اٹھایا یعنی راستباز نے ناراستوں کے لیئے تاکہ وہ ہم کو خدا کے پاس پہنچائے کہ وہ جسم کے حق میں تو مارا گیا جس میں ہو کے اس نے اُن روحوں کے پاس جو قید تھیں جا کے منادی کی جو آگے نافرمانبردار تھیں"۔ کیوں حضرات عیسائی صاحبان آپ کے گناہوں کی

خاطر مسیحؑ کا دُکھ اُٹھانا اور لعنت کے تحت میں آنا اور قیدی روحوں کے پاس
الٰہی قیدخانہ میں جانا جہاں وہ خدا کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب پا رہی تھیں اسی جائے
عذاب کا نام ہی تو جہنّم ہے جہاں مسیحؑ کا جانا پطرس حواری بیان کر رہا ہے۔ یہ وہی
قیدخانہ ہے جس کا ذکر انجیل لوقا باب ۱۶ ورس ۱۹ سے ۳۱ تک میں بیان کیا گیا ہے*
اب رہا عیسائیوں کا یہ کہنا کہ مسیحؑ الٰہی قیدخانے یعنی دوزخ میں تو ضرور گئے تھے مگر منادی
کرنے کے لیئے نہ عذاب پانے کے واسطے۔ تو اس کمزور حیلے اور بہانے کا جواب یہ ہے
کہ اصل مدعا ہمارا عیسائیوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ مسیحؑ بعد موت کے بقول پادری
فنڈر صاحب جہنّم میں گیا۔ رہی یہ بات کہ جیل کے اندر ایک سزا یافتہ لوگ جاتے ہیں۔
دوم حاکم وقت یا کوئی پادری صاحب وعظ سنانے جائیں تو وہ قیدیوں میں شمار
کیئے جا دیں گے۔ پس مسیحؑ کا خدائی جیلخانہ یعنی دوزخ میں جانا صرف منادی کرنیکے واسطے تھا
نہ عذاب پانے کے لیئے* جواب اے عیسائیو! تم خود مانتے ہو کہ مسیح ہمارے گناہوں کا فدیہ ہوا
اور ہمارے گناہوں کی خاطر اُس نے دُکھ اُٹھایا اور ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے
چھڑایا وہ ہمارے عوض لعنتی ہوا۔ لفظ لعنت کے معنے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ لعنتی
عذاب دائمی کا وارث ہو جاتا ہے اور خدا کی رحمت اور معرفت سے بکلی محروم ہو جاتا
ہے۔ کیا واعظ صاحب یا حاکم وقت جو جیلخانے میں جاتے ہیں پناہ بخدا لعنتی ہو کر اور
عذاب بھگتنے کو جاتے ہیں ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ پھر ایک لعنتی اور غضب الٰہی میں مبتلا
شخص کا شاہی قیدخانہ میں جانا بھلا حاکم وقت اور واعظ کے برابر کب ہو سکتا ہے اور
یہ بھی واضح ہو کہ عیسائیوں کے گناہوں کی وجہ سے مسیحؑ کا صلیبی لعنتی موت سے
مرنا مسیحؑ کا آخری عمل یا فعل تھا جس کے باعث خدا سے یسوع کو بالکل علیحدگی
ہو چکی تھی اور لعنت کے سبب عذاب دائمی کا یسوع پر فتویٰ ہو چکا تھا۔ اور یہ امر ظاہر
ہے کہ مرنے کے بعد دفتر اعمال بند ہو جاتا ہے پھر کوئی نیک یا بد عمل نہیں ہو سکتا اور
قرب الٰہی کا باعث نیک اعمال ہی ہیں جن کا بعد موت یسوع سے صادر ہونا ممکن نہیں
تھا اور بدوں جدید نیک اعمال کے قرب الٰہی کا ہونا غیر ممکن ٹھہرتا ہے۔ اب نتیجہ صاف

یہ ہے کہ لعنت کے ماتحت یسوع کا لعنتی موت پانا خدا کی دُوری اور غضب الٰہی اور دوزخی ہونے کا موجب تھا اور اس دُوری اور غضب الٰہی کی تلافی اگر ہو سکتی تھی تو بذریعہ توبہ اور نیک اعمال ہی۔۔۔ ہوسکتی تھی جو یسوع بعد از مرگ کر ہی نہ سکا کیونکہ بعد از موت اعمال کا دروازہ بند ہو جاتا ہے جب لعنت کی تلافی نہ ہوئی تو خدا کی رحمت اور قرب الٰہی سے مسیح کا بالکل محروم ہونا درحقیقت نجات ابدی سے محروم ہونا ثابت ہوتا ہے جائے انصاف ہے کہ جب ۔۔ مسیحی عقائد کے بموجب یسوع مسیح نجات سے خود ہی محروم رہے اور بجائے نجات کے غضب الٰہی میں گرفتار ہو گئے تو آپ کے پیروکار عیسائی جو حالت عیسائیت میں رات دن گناہ کرتے ہیں کیونکر نجات پا سکتے ہیں لو عیسائیو مسیح پر لعنت کے وارد ہونے نے تمہاری نجات کا راستہ بالکل مسدود کر دیا۔ آؤ اگر نجات ابدی کے متلاشی ہو تو اسلام کا اتباع کرو دیکھو قرآن کریم نجات ابدی کا سیدھا راستہ بتاتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ کہ اگر ہو تم چاہتے اللہ کو پس پیروی کرو میری (جس کا نیک نتیجہ یہ ہو گا) کہ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دیگا اور اللہ ہی معاف کرنیوالا ہے گناہوں کی معافی کا ثمرہ نجات ابدی کا حاصل ہوتا ہے جو آج صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری پر منحصر ہے۔ تمام شد

(آل عمران)

نوٹ از طرف ایڈیٹر

مسیحیوں کا ایک طرف یہ کہنا کہ یسوع مسیح لعنتی ہوا اور اُس نے کُل دنیا کے گناہوں کی لعنت کو اپنے سر پر اُٹھا لیا اور ان گناہوں کی سزا کو اپنے لیے قبول کیا اور دوسری طرف یہ دعویٰ کرنا کہ یسوع مسیح جب جہنم میں اُترا تو سزا پانے کے لیے نہیں بلکہ جہنمی لوگوں کو وعظ سنانے کے لیے تو یہ دونوں قول بالکل متضاد ہیں۔ ہر ایک لفظ کا ایک مفہوم ہوتا ہے اور جب ہم ایک لفظ کو کسی شخص کے بارے میں استعمال کرتے ہیں تو اس پر وہ لفظ بمعہ اپنے مفہوم کے اطلاق پاتا ہے نہ صرف برائے نام۔ مثلاً جب ہم کسی شخص کی نسبت یہ کہیں

کہ فلاں شخص کو جنون ہو گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صرف برائے نام پاگل ہے ورنہ اس کی عقل بالکل درست ہے اور اُس کے ہوش و حواس میں کچھ فرق نہیں آیا بلکہ اسکا یہ مطلب ہے کہ جنون کے لوازمات اُس میں پائے جاتے ہیں ایسا ہی جب ہم ایک شخص کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ بخار میں مبتلا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف نام کا بخار ہے ورنہ بخار کی کوئی علامت بھی اُس میں نہیں پائی جاتی۔ اسی طرح جب ہم ایک شخص کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ ملعون ہو چکا ہے تو اُس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صرف برائے نام ملعون ہے ورنہ لعنت کا کوئی مفہوم اُس میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ لعنت کے بعد بھی اُسکی وہی حالت رہی جو پہلے تھی۔ وہ پہلے کی طرح خدا کا پیارا اور خدا کا محبوب اور برگزیدہ اور راستباز تھا مگر ساتھ ہی اسکے وہ لعنتی بھی ہوا۔ یہ عجیب لعنت ہے۔ ایسی لعنت تو رحمت ہے نہ کہ لعنت۔ اگر لعنت کا مفہوم سمجھنا ہو تو اس کی عمدہ مثال شیطان ہے جس کا نام بالاتفاق لعین یعنی ملعون ہے اب جس شخص نے لعنت کا مفہوم سمجھنا ہو وہ شیطان کی حالت پر غور کرے جس شخص پر لعنت وارد ہوتی ہے وہ ایک رنگ میں شیطان بن جاتا ہے اور جس قدر لعنت سخت ہو گی۔ اُسی قدر اُس کو شیطان سے زیادہ مشابہت ہو گی۔ اور جو لعنت مسیحی صاحبان حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ تو ایسی سخت لعنت ہے کہ اُس سے بڑھکر کوئی لعنت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اُس پر دنیا کی تمام لعنتیں جمع کی جاتی ہیں اور اوّلین و آخرین کے تمام بداعمال کی لعنت اُسپر وارد ہوتی ہے اور یہ لعنت روز بروز بڑھ رہی ہے اور جب تک دنیا کا سلسلہ قائم ہے اور جب تک لوگ مسیحی مذہب اختیار کرتے رہیں گے اور اس طرح اپنی لعنت کو مسیح کی طرف منتقل کرتے رہیں گے تب تک یہ لعنت زیادہ اور زیادہ ہوتی جائے گی اور مسیحیوں کی یہ کوشش کہ تمام دنیا مسیحی کفارہ پر ایمان لائے گویا حضرت یسوع مسیح پر لعنت کے بوجھ کو بڑھانا ہے اور حضرت یسوع مسیح کے لئے تو یہی بہتر ہے کہ جس قدر ممکن ہو کم لوگ مسیحی کفارہ پر ایمان لاویں تاکہ لعنت کا بوجھ بھی اُسی نسبت سے کم ہو۔ غرض جو لعنت مسیحی صاحبان حضرت مسیحؑ پر (نعوذ باللہ) ڈالنا چاہتے ہیں وہ کوئی کم لعنت نہیں اگر اُس کو ایک پہاڑ لعنت کا بھی کہیں تب بھی تھوڑا ہے۔ پھر جس شخص پر اس قدر لعنت

وارد ہو اُس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ باوجود اس لعنت کے پھر بھی خدا کا مقرب اور پیارا رہا اور کچھ بھی شیطانی حصہ اُس میں نہ آیا اور لعنت کے لوازمات میں سے کوئی چیز اُس میں نہیں پائی گئی تو ایسی لعنت کو لعنت نہیں کہہ سکتے اگر مسیح نے لعنت کا مزہ نہیں چکھا اور خدائے غضب کی آگ اُس پر ایک لمحہ کے لیئے بھی نہیں بھڑکی اور خدا سے کچھ دوری اُسکو حاصل نہیں ہوئی تو پھر ایسے شخص کی نسبت کہنا کہ وہ لعنتی ہوا اور اُس نے کُل دنیا کی لعنتوں کو اپنے سر پر اُٹھایا بالکل غلط ہے۔ مسیحی صاحبان کو پہلے فیصلہ کرنا چاہیئے کہ لعنت کا کیا مفہوم ہے اور اُسکی کیا کیا لوازمات ہیں اُس کے بعد یہ لفظ اپنے مُنہ سے نکالنا چاہیئے ؛

ہم اس امر کے فیصلہ کے لیئے پادری صاحبان سے ایک سوال کرتے ہیں ہم اُن سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا اُن کے نزدیک شیطان ملعون ہے یا نہیں۔ یقیناً ہر ایک پادری اس سوال کا یہی جواب دیگا کہ ہاں۔ بے شک شیطان ملعون ہے۔ اس کے بعد ہم اُن سے سوال کرتے ہیں کہ کیا شیطان خدا کا مقرب ہے یا خدا سے دُور ہے ؟ کیا وہ خدائے تعالیٰ کی رحمت کا مورد ہے یا خدا کے شدید غضب کے نیچے ؟ کیا وہ اہل جنت میں سے ہے یا جہنمی ؟ کیا وہ خدائے تعالیٰ کا دوست ہے یا دشمن ؟ کیا اُس کا دل تاریک ہے یا الٰہی نور سے منور ہے ؟ پھر ہم اُنسے یہ پوچھتے ہیں کہ جو لعنت تم حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہو وہ اُسی قسم کی لعنت ہے جس سے شیطان کو حصہ دیا گیا یا کیا وہ کوئی نرالی لعنت ہے جو عام لعنت سے بالکل مختلف ہے اور جسکے وارد ہونے سے انسان پر کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ وہ لعنتی ہونیکی حالت میں بھی .. راستباز اور خدائے تعالیٰ کا مقرب اور برگزیدہ اور خدائے تعالیٰ کا پیارا اور محبوب ہی رہتا ہے اور باوجود لعنتی ہونیکے اُسکے اُس تعلق میں کچھ فرق نہیں آتا جو اُس کو پہلے خدائے تعالیٰ سے تھا۔ امید ہے کہ ان سوالات سے مسیحی صاحبان کی سمجھ میں یہ امر آجائیگا کہ لعنت اپنے ساتھ ایک خطرناک مفہوم رکھتی ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر کسی طرح صادق نہیں آسکتا اور یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام لعنت کے صحیح مفہوم کے مطابق ایک لمحہ کے لیئے بھی ملعون نہیں ہوئے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ لعنت اپنے اصلی مفہوم کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام پر وارد نہیں ہوئی تو مسئلہ کفارہ باطل ہوا کیونکہ اسکی مدار اسی لعنت پر تھی۔ لعنت ایک بہتان تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ م

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی صحت اب اچھی ہے گو زخم ابھی تک صاف نہیں ہوا۔ قریب پانچ ماہ بستر علالت پر اب آپ کو ہو گئے ہیں ۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول میں سالانہ امتحان ختم ہو کر دس دن کی ایام بہار کی تعطیل کر دی گئی ہے ۱۵۔اپریل کو مدرسہ کھل جائیگا۔ سب احباب کو جو اپنے بچوں کی تعلیم اور تربیت اس مدرسہ میں چاہتے ہیں چاہیئے کہ شروع سال میں ہی اپنے بچوں کو یہاں بھیجیں جو لڑکے سال کا کچھ حصہ گذر جانے پر آکر شامل ہوتے ہیں انکی تعلیم میں بہت حرج واقع ہوتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ بورڈنگ ہوس کے تین ونگ قریباً مکمل ہو چکے ہیں۔ اور کافی گنجایش نکل آئی ہے جو لڑکے سال گذشتہ میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے واپس گئے تھے وہ پھر آسکتے ہیں۔ تمام کمروں میں الماریوں کے لگ جانے سے سامان کی تنگی کی شکایت بھی جاتی رہی ہے۔ اور انتظام میں ہر طرح سے ترقی ہو رہی ہے کھانے کے متعلق بعض شکایات کی وجہ سے اس طرف بھی کافی توجہ ہو رہی ہے اور علاوہ اول درجہ کے ایک درجہ خاص بھی کھانے کا کھل سکتا ہے بشرطیکہ کافی تعداد طلبا اسکی خواہاں ہو اللہ تعالیٰ نے اس سکول کیلئے اسوقت ایسے اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ لڑکوں کی تعلیم اور تربیت میں اس مدرسہ کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ مروجہ تعلیم کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی دینداری اور اخلاقی تربیت کے سامان مہیا ہیں اور سب سے زیادہ یہ کہ شہری زندگی کے بہت سے نقائص سے یہ جگہ خالی ہے مسلمانوں کو اپنی اولاد کی بہتری کے لیئے یہ مدرسہ مغتنمات سے سمجھنا چاہیئے اور بالخصوص احباب کو اس سے فایدہ اُٹھانا چاہیئے۔ جملہ احباب کی اطلاع کے لیئے ذیل میں اس مدرسہ کا پراسپکٹس شائع کیا جاتا ہے ۔

عملہ مدرسہ

(۱) مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر (۲) ماسٹر محمد الدین صاحب بی اے (علیگڈھ) ٹرینڈ
(۳) چودھری غلام محمد صاحب بی اے (علیگڈھ) ٹرینڈ (۴) شیخ عبدالرحمن صاحب سینئر ٹرینڈ
(۵) مولوی غلام محمد صاحب سینئر ٹرینڈ اول مدرس عربی دینیات (۶) ماسٹر عبدالحق صاحب ٹرینڈ

(۷) منشی اکبر شاہ خانصاحب اول مدرس فارسی و اُردو ✽ (۸) ماسٹر عبدالرحیم صاحب ٹرینڈ ✽ (۹) ماسٹر عبدالعزیز صاحب ✽ (۱۰) شیخ عبدالرحیم صاحب دوم مدرس عربی و دینیات ✽ (۱۱) منشی محمد اشرف صاحب ٹرینڈ ✽ (۱۲) منشی غلام محمد صاحب سٹیفکیٹڈ ✽ (۱۳) منشی سکندر علی صاحب ✽ (۱۴) ماسٹر امونخاں صاحب ڈرل ماسٹر۔ سینئر سرٹیفکیٹڈ ✽

مضامین :۔ جملہ مضامین اس مدرسہ میں پڑھائے جاتے ہیں۔ ہاں بجائے فارسی کے عربی اور سائنس پر زور دیا جاتا ہے اور اب فارسی صرف ان طلباء کے لئے رہ گئی ہے جو پنجم ہائی میں آکر داخل ہوں اور وہ عربی یا سائنس کے ساتھ فارسی لینا چاہتے ہوں۔ تعلیم دینیات اول پرائمری ہی سے شروع کر دیجاتی ہے سوم پرائمری میں قرآن شریف ختم کر لیا جاتا ہے۔ اور پھر چہارم پرائمری سے لیکر پنجم ہائی تک پہنچنے میں قرآن شریف کا ترجمہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ علاوہ قرآن شریف کے عملی دینیات کی تعلیم حدیث شریف سے دیجاتی ہے ✽ زبان عربی کی تعلیم چہارم پرائمری سے شروع کر دی جاتی ہے ✽

نوٹ :۔ کتابیں وہی پڑھائی جاتی ہیں جو سرکاری مدارس میں رائج ہیں ✽

فیس مدرسہ :۔ اول پرائمری۔ دوم ۲/ سوم ۳/ چہارم ۱۰/ پنجم ۱۴/ ✽ اول مڈل ۱۸/ دوم مڈل ۱؎/ سوم مڈل ۱؎/ چہارم ہائی ۱؎/ پنجم ہائی ۱؎ ✽

دو یا دو سے زیادہ حقیقی بھائی جو اس مدرسہ میں تعلیم پاتے ہیں ان میں سے بڑے سے پوری فیس لیجاتی ہے اور باقی سے نصف ✽

عملہ بورڈنگ

(۱) چودھری غلام محمد صاحب بی اے (علیگڈھ) سپرنڈنٹ ✽ (۲) ماسٹر عبدالحق صاحب ✽ (۳) منشی اکبر شاہ خاں صاحب ✽ (۴) شیخ عبدالرحیم صاحب ✽ (۵) ماسٹر عبدالعزیز صاحب ✽ (۶) منشی محمد اشرف صاحب ✽

یہ اساتذہ بورڈروں کی تعلیم۔ کھانے۔ صحت۔ ورزش جسمانی اور دینی تعلیم کی نگرانی کرتے ہیں۔ علاوہ تعلیم کے عملی دین سکھاتے ہیں مثلاً صبح کے وقت قرآن شریف کا پڑھانا سب نمازوں کا ان کے ساتھ ملکر ادا کرنا۔ اسی طرح ان کے ساتھ

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

ملکہ کھیلتے ہیں غرض ان کے کھلانے پلانے نہلانے دیگر اخلاقی باتوں کا سکھانا وغیرہ وغیرہ میں ماں باپ کا کام دیتے ہیں۔

عمارت بورڈنگ ہوس:- بورڈروں کی رہائش کیلئے گاؤں کی باہر ایک وسیع بورڈنگ ہے جسکے کمرے علاوہ وسیع ہونے کے اونچی چھتوں والے ہوادار اور خوبصورت ہیں۔ یہ بورڈنگ ایک ایسے حصے میں واقع ہے جو نہایت ہی پرفضا اور صحت افزا ہے۔ اسکے ساتھ سو بیگھ زمین ہے جس میں کھیلنے کیلئے میدان ہے۔

فیس بورڈنگ فی بورڈر عـہ ماہوار۔ اس فیس میں خرچ ادویہ فیس ڈاکٹر اور تیل کا خرچ شامل ہے اور طلباء کو ایک چارپائی اور ایک صندوق یا الماری ملتی ہے۔

اخراجات:- کھانے کے فی الحال تین درجے ہیں اس سال چوتھا درجہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے، جو غالباً بہت جلد قائم کر دیا جائیگا اس درجہ کا نام درجہ خاص ہوگا جو ان طلباء کیلئے ہوگا جو خصوصیت کے ساتھ آسودہ گھروں سے آتے ہیں۔ انکا خرچ غالباً عـہ ماہوار ہوگا اور ان سے عـا ماہوار فیس بورڈنگ لی جائیگی۔ ذیل میں جو ان درجات کے خرچ خوراک دیئے جائیں گے یہ مقرر نہیں ہیں۔ جو اصل خرچ کسی بورڈر کے ذمہ ہر مہینے نکلتا ہے وہی اس سے لیا جاتا ہے۔ اوسط خرچ درجہ اول ہے اسمیں دونوں وقت گوشت دیا جاتا ہے۔ مہینے میں کم از کم ایک دفعہ پلاؤ وغیرہ دیا جاتا ہے۔ درجہ دوم کا اوسط خرچ ماہوار للعہ ہے اسمیں ایک وقت گوشت اور دوسرے وقت دال دیجاتی ہے۔ سوم کا خرچ ہے اسمیں دونوں وقت دال یا ہو سکے تو کسی دن سبزی ملتی ہے اور ہفتہ میں دو تین دفعہ گوشت دیا جاتا ہے۔

متفرق اخراجات:- (۱) دھوبی۔ حجام۔ کاغذ۔ قلم دوات وغیرہ پر تو کچھ پیسے ہی لگتے ہیں۔ (۲) دودھ پینے والے طلباء کیلئے اطلاع دیجاتی ہے کہ قادیان میں ۲ر فی سیر دودھ ملتا ہے۔ (۳) دودھ کے علاوہ جو طلباء ناشتہ وغیرہ کرتے ہیں انکا خرچ اسکے علاوہ ہوتا ہے۔ اس تفصیل سے ہر ایک شخص اندازہ لگا سکیگا کہ وہ کس حیثیت میں اپنے بچے کو رکھنا چاہتا اور کتنا خرچ اسکے لیے ضروری ہوگا۔ **نوٹ:-** ہر طالبعلم کو دو مہینے کا خرچ پیشگی جمع کرانا چاہیئے۔

دینی مذاکرات و علمی مشاغل:- علاوہ اس دینی تعلیم کے جو مدرسہ اور بورڈنگ میں طلباء کو دیجاتی ہے اس بات کا ذکر کرنا نہایت ہی ضروری ہے کہ سب سے ضروری اور موثر ذریعہ جو دین اور اخلاق فاضلہ سکھانے کا اس سکول کو میسر ہے قرآن کریم کا درس ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ جیسے مقدس انسان کی پاک زبان سے وہ سنتے ہیں اسکے علاوہ ہر ہفتہ مدرسہ میں ایک جلسہ ہوتا ہے جسمیں سوم مڈل سے لیکر پنجم ہائی تک کے طالب علم انگریزی میں مضامین بیان کرتے یا مباحثات میں حصہ لیتے ہیں قرآن شریف کو ترتیل سے پڑھتے اور اسکا ترجمہ سناتے ہیں آخر میں قریباً ایک گھنٹہ تک ہیڈ ماسٹر صاحب حدیث شریف کا درس دیتے اور طلباء کو اسلامی اخلاق اور اسلامی زندگی

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

کی طرز سکھاتی ہیں۔ اسی طرح بورڈنگ ہوس میں بھی اکثر جمعرات کی شب کو تمام طلباء ایک جلسہ کرتے ہیں ٭ سکول کی ایک لائبریری ہے۔ اور ایک ریڈنگ روم ہے جس میں اردو و انگریزی اخبار آتے ہیں ٭

ورزش و صحت جسمانی ٭ عصر کی نماز کے بعد اور کبھی اس سے پہلے طلباء برابر ہاکی۔ فٹ بال۔ کرکٹ کھیلتے ہیں اور انمیں اساتذہ بھی حصہ لیتے ہیں۔ بیمار طلباء کیلئے اول تو حضرت خلیفۃ المسیح جیسے نادر وجود شفقت کرنیکے لئے ہیں اور اس کے علاوہ دو ڈاکٹر ہیں جو سکول کے شفاخانے پر مقرر ہیں۔ نیز سلسلہ عالیہ کے مکرم و معظم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب بھی وقتاً فوقتاً بورڈنگ میں طلباء کا معائنہ فرماتے ہیں ٭

چندہ کی نئی تحریک میں اس ماہ میں ذیل کے احباب اور انجمنوں کی طرف سے اطلاع آئی ہے کہ وہ دو پیسے فی روپیہ والی تجویز پر آئندہ کے لئے عملدرآمد کریں گے ٭

میاں غلام نبی صاحب سیٹھی سوداگر راولپنڈی بجائے دو پیسے فی روپیہ کے ایک آنہ فی روپیہ دینے کا اقرار فرماتے ہیں جزاہ اللہ خیراً۔ جماعت میرٹھ۔ کاٹھگڑھ۔ افریقہ۔ سانگلہ۔ لالہ موسیٰ۔ سید ابرار حسین صاحب منصوری۔ مولوی امام الدین صاحب گولیکی مع دیگر احباب۔ اس کے علاوہ اس ماہ میں جماعت لودھیانہ نے طبع لیکچر الہ آباد میں لوصہ کی مدد دی اور بابو غلام محی الدین صاحب کلرک جناب احمد اللہ صاحب انسپکٹر اور منشی حامد حسین خانصاحب سکنہ میرٹھ نے اپنے خرچ پر ایک ایک رسالہ انگریزی جاری کیا جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ مولوی عمر الدین صاحب صریح نے اپنے لڑکے کی شادی کی تقریب میں لنگر کا ایک دن کا خرچ عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ جو اطلاع جانے پر ارسال کریں گے۔ خدائے تعالیٰ انکو جزائے خیر دے اور یہ نکاح دینی دنیاوی برکات کا موجب ہو۔ چودھری غلام احمد صاحب بی اے انسپکٹر ڈاکخانجات علاقہ کوئٹہ نے اس تجویز پر عملدرآمد کرنے کے لیئے بہت سے احباب سے وعدے لیئے ہیں اور امید دلاتے ہیں کہ اس سال انشاء اللہ پہلے سے تگنا روپیہ وصول ہو سکے گا۔ خدائے تعالیٰ انکی سعی کو قبول فرما دے ٭ آمین

جن احباب نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی انکی طرف سے مایوسی تو نہیں مگر افسوس ضرور ہے اور زیادہ تر افسوس اس وجہ سے ہے کہ ہماری بعض اول درجہ کی انجمنیں ابتک اس تحریک میں شامل ہونے سے قاصر ہیں۔ میں یہ کہنے سے رک نہیں سکتا کہ اس کی وجہ ہمارے کارکن احباب کی بے توجہی ہے۔ دو پیسے فی روپیہ سلسلہ کے اہم ضروریات کے لیئے نکالدینا کوئی ایسا امر نہ تھا جو کسی پر خواہ وہ امیر ہو یا غریب شاق گذرتا۔ جن احباب نے ابتک توجہ نہیں فرمائی وہ خدا کے لیئے اس بات پر غور کریں کہ جنہوں نے اس تجویز کو منظور کر لیا ہے وہ بھی آخر ہمارے ہی بھائی ہیں نہ کوئی مشکلات میں پڑ گئے ہیں جو ہم ڈر جائیں۔ کچھ قربانی کرو تا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستحق اجر ٹھہرو۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ بہت سے دوستوں کو نئی نئی تجاویز سلسلہ کی بہتری کی سوجھتی ہیں۔ میں کہتا ہوں انکو بھی پورا کر سکتے ہو تو کرو مگر جو کام ہاتھ میں لے چکے ہو۔ جو سلسلہ کے فرائض میں داخل ہو چکا ہے اس کی طرف بہت زیادہ توجہ کرو۔ تین ماہ سے زیادہ عرصہ اس تجویز کو اس رسالہ کے صفحات میں چکر کھاتے گذر گیا ہے۔ حالانکہ اگر ہمارے احباب توجہ فرماتے تو تین دن میں ہر طرف سے لبیک کی آواز آ سکتی تھی ٭

اگر میرے احباب پوری توجہ کریں تو پھر مجھے اس مضمون پر لکھنے کی ضرورت پیش نہ آوے ٭

محمد علی

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان ٭

اعلان تمام روپیہ جو خزانہ انجمن میں داخل ہونا ہو وہ بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان بھیجا کریں اور ساتھ کوپن پر یا علیحدہ خط میں تفصیل ضرور دیا کریں کہ کس مد میں وہ روپیہ جمع ہوگا۔ اگر کسی صاحب کے نزدیک مرسلہ روپیہ کا علم سکرٹری کو دینا لازمی ہو تو یہ تفصیل میرے نام پر روانہ کر سکتا ہے۔ مگر روپیہ ضروری ہے کہ محاسب کے نام ہی آیا کرے ٭

محمد علی سکرٹری

(مطبع میگزین قادیان میں منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ — بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۱ء — نمبر ۵

چندہ سالانہ — عوام سے [illegible] — طلبار سے [illegible]

فہرست مضامین

[illegible]دیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مئی سنہ ۱۹۱۱ء [illegible] کے اہتمام سے شائع ہوا۔

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیحؑ شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آج کل کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعفِ نظر کی عام شکایت ہے۔ مینے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کے لئے مسلم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیحؑ حکیم نورالدین صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق کی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مینے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کئے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اس لئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہی قیمت سرمہ اوّل قسم عا قسم دوم عہ٨ قسم سوم عہ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل صہ جسکو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم للعہ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو

سنت سلاجیت

مقوی جمیع اعضا۔ نافع ضعف مشتہی طعام قاطع بلغم و ریاح دافع بواسیر جذام و استسقا و زردی رنگ و تنگی نفس و دق و شیخوخیت و فساد بلغم دفع کرم شکم مفتت سنگ گردہ و مثانہ و سلسل بول سیلان منی و سستی و درد مفاصل وغیرہ وغیرہ بہت مفید ہے بقدر دانہ نخود صبح کے وقت دودھ کے ساتھ استعمال کریں قیمت فی تولہ ۸

لنگیاں اور کلاہ:- ہر قسم کی لنگیاں شہدی اور پشاوری، بادامی سیاہ سفید ماشی ریشمی سوتی لسری صافے سفید اور بادامی اور پشاوری ٹوپیاں اور زری جوتیاں ہر قسم کی اور ہر قیمت کی مل سکتی ہیں عا سے ۲۵ تک۔

حمائل خورد روسی ہدیہ عہ۔ اور شاہ رفیع الدین کا مترجم کلام اللہ چمڑے کی جلد قیمت عہ

المشتہر:- احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے حالات

(۲)

سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر

حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات

قرآن مجید میں سب سے لمبا بیان حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے اور اس لیئے مناسب ہے کہ دیکھا جاوے کہ آیا اس قدر لمبے حالات صرف دل لگی کے طور پر بیان کیئے گئے ہیں یا انکے بیان کرنے میں اسی قسم کے اغراض مدِ نظر ہیں جیسے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حالات بیان کرنے میں مدِ نظر ہیں۔ راڈویل مترجم قرآن کہتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اس بات کا ایک صریح ثبوت ہے کہ "حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عالم یہودیوں کے ساتھ خفیہ تعلقات رکھتے تھے" اور میور لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہودیوں سے سُنے ہوئے قصوں کا نام وحی الٰہی رکھکر لوگوں کو عمداً دھوکہ اور فریب دینا شروع کر دیا تھا۔ غرض ان ہر دو بزرگ مسیحیوں کی یہ رائے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات مخفی طور پر یہودی علماء سے سیکھے اور پھر اُن کا نام وحی الٰہی رکھکر ان کو اپنی

نبوت کے ثبوت میں پیش کیا - یہ ایسے کمینہ اعتراضات ہیں کہ ان سے خود معترضین کا کمینہ پن ظاہر ہوتا ہے ۔

ایک طرف قرآن شریف میں سورۂ یوسفؑ کا مطالعہ کرو اور دوسری طرف بائبل کی کتاب پیدائش کا وہ حصہ پڑھو جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات درج ہیں۔ اور آپ پر یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ قرآن شریف میں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات بیان کیئے گئے ہیں وہ وحی الٰہی کے پاک سرچشمہ سے نکلے ہوئے ہیں اور پیدائش کی کتاب کا قصہ انسانی ہاتھوں کی تحریر ہے جو الہام الٰہی کے نور سے بالکل خالی ہے - اور جس کی بنا صرف قومی روایت پر ہے اور بس۔

کتاب پیدائش کا مصنف ہمیں صرف ایک داستان سُناتا ہے - اس سے زیادہ اُس کی کوئی غرض نہیں - وہ اس قصہ کو صرف قصہ کی خاطر بیان کرتا ہے اس ساری کہانی کو کتاب پیدائش میں اوّل سے آخر تک پڑھ جاؤ اور تمھیں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملے گا جس سے یہ ظاہر ہو کہ کہانی بیان کرنے کے سوا کچھ اور بھی تھی۔ اس کی غرض یہ نہیں کہ اس کہانی سے کوئی سبق حاصل کیا جاوے یا کوئی نتیجہ نکالا جاوے بلکہ وہ صرف ہمیں ایک کہانی سناتا ہے تاکہ ہم اُس کہانی کو سنکر خوش ہوں - اگر کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ غرض ہو سکتی ہے تو صرف یہی ہو سکتی ہے کہ ایک تاریخی واقعہ کو قومی روایات میں سے جمع کر کے قلمبند کیا جاوے اس سے بڑھ کر کوئی غرض کتاب پیدائش کے مصنف کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی اپنے طور پر مسیحی صاحبان خواہ ہزار نتیجے اُس داستان سے نکالیں - مگر اُس کہانی کا لکھنے والا کسی نتیجہ کی طرف اشارہ نہیں کرتا اور کہیں ناظرین کی توجہ کو اس طرف نہیں پھیرتا کہ اس داستان سے کوئی سبق حاصل کیا جاوے اگر مسیحی صاحبان اُس سے کوئی نتیجہ نکالیں تو ایسا ہی وہ رامائن اور مہابھارت کے افسانوں سے بھی کئی ایک سبق حاصل کر سکتے ہیں اور کئی نتیجے اخذ کر سکتے ہیں - اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خود افسانہ گو کی بھی یہ غرض تھی کہ اس قصہ کے ذریعہ لوگوں کو کوئی سبق سکھائے یا کوئی صداقت اُن کے

محض کہانی بیان کرنے والے کی غرض

ذہن نشین کرے۔ برخلاف اس کے کہانی کے پڑھنے سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ اُس کی غرض صرف ایک کہانی بیان کرنا ہے اور بس۔ مگر جو حالات حضرت یوسف علیہ السلام کے قرآن مجید میں مذکور ہیں اُن کا یہ حال نہیں۔ قرآن شریف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات بطور قصہ اور کہانی کے بیان نہیں کیئے گئے۔ اور نہ یہ ثابت کرنے کے لیئے بیان کیئے گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخفی اور پوشیدہ کہانیوں کو بھی بیان کر سکتے ہیں۔ قرآن شریف میں یہ حالات اس لیئے بیان کیئے گئے ہیں کہ ہم اُن سے بڑے بڑے عظیم الشان نتائج اخذ کریں اور جا بجا ان نتائج کی طرف صریح الفاظ میں توجہ بھی دلائی گئی ہے۔ مثلاً انہی الفاظ پر غور کرو جن کے ساتھ یہ بیان شروع کیا گیا ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۝ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں (جو قرآن شریف میں بیان کیئے جاتے ہیں) حق کی تحقیق کرنیوالوں کے لیئے ایک نشان نہیں بلکہ کئی نشانات ہیں۔ اس طرح ابتدا میں ہی یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ جو حالات اب بیان کیئے جاتے ہیں اُس میں حق کی جستجو کرنے والوں کے لیئے بہت سے نشانات ہیں جن کے ذریعہ وہ حق کی شناخت کر سکیں گے۔ پھر اُن الفاظ پر غور کرو جن کے ساتھ یہ بیان ختم ہوتا ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ پس قرآن شریف حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کو بطور انباء الغیب یعنی غیب کی خبروں کے پیش کرتا ہے یعنی قرآن شریف کے نزدیک ان حالات میں آنیوالے پوشیدہ واقعات کی خبریں قبل از وقت بیان کی گئی ہیں۔ یہی امر اُس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے جو اس کے بعد مذکور ہے اور وہ یہ ہے وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ۝ یعنی تو اُن کے پاس نہ تھا جب اُنہوں نے (حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے) اپنی بات پر ایکا کیا درحالیکہ وہ مخفی تدبیریں کر رہے تھے۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں

سے نے اپنے بھائی کے برخلاف مشورہ کیا ایسا ہی تیرے بھائی (قریش کے سردار) تیرے برخلاف ایک آنیوالے زمانہ میں مخفی طور پر سازش کرینگے تاکہ تجھے نابود کردیں۔ اس سے اگلی عبارت میں ہے کہ اگرچہ لوگ تیرے بھائیوں کی سازشوں سے تیری نجات کا نشان دیکھینگے مگر وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ؁ اکثر ان لوگوں میں سے تجھ پر اس نشان کو دیکھکر بھی ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ تیری بڑی خواہش ہے کہ یہ لوگ ایمان لاکر عذاب الٰہی سے بچ جاویں ؞

جو آیات اس کے بعد آتی ہیں اُن سے بھی اسی نتیجہ کی تائید ہوتی ہے یعنی یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات بطور قصہ کے بیان نہیں کیئے گئے بلکہ ان میں عقلمندوں کے لیئے سبق ہیں۔ ان آیات میں گذشتہ انبیاءؑ کا ذکر کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ؁ یعنی ان انبیاءؑ کے بیان میں عقلمندوں کے لیئے ایک عبرت ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان بھی اسی غرض سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ وہ بھی گذشتہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی ہیں ؞

مگر پیشتر اس کے کہ مَیں بیان کروں کہ وہ کون کون سی غیب کی خبریں ہیں جو سورہ یوسف میں قبل از وقت بیان کی گئیں اور وہ کون کون سی آیات ہیں جن کی طرف اس سورہ کے ابتدا میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ ناظرین کی توجہ بعض اُن خصوصیات کی طرف پھیروں جو سورہ یوسفؑ میں پائی جاتی ہیں۔ اور کتاب پیدائش اُن سے خالی ہے ؞

سو پہلی خصوصیت تو وہ الفاظ ہیں جن سے حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان سورہ مذکورہ میں شروع کیا گیا ہے۔ یعنی لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ۔ یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں حق کی تلاش کرنیوالوں کے لیئے کئی نشانات ہیں۔ ان الفاظ کے ذریعہ شروع میں ہی یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ یہ حالات قصہ کے رنگ میں بیان نہیں کیئے جاتے اور نہ اس بات

کے ثابت کرنے کے لیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ کہانیاں بیان کرسکتے ہیں بلکہ یہ حالات اس وجہ سے بیان کیئے جاتے ہیں کہ ان میں حق کے طالبوں کے لیئے ایک نہیں بلکہ کئی نشانات ہیں۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے نام کے ساتھ اِخْوَتِہٖ یعنی آپ کے بھائیوں کا نام شامل کرنا بھی بلا وجہ نہیں بلکہ اپنے اندر ایک معنی رکھتا ہے خدائے تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں حق کے طالبوں کے لیئے کئی نشانات ہیں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو انبار الغیب (غیب کی خبریں) ان حالات کے ذریعہ قبل از وقت بیان کی گئی ہیں وہ صرف اُس زمانہ کے یوسفؑ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی تعلق نہیں رکھتیں بلکہ آپکے بھائیوں یعنی قریش سے بھی تعلق رکھتی ہیں۔ اس سورہ کی تیسری آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ جن آنیوالے واقعات کی اس سورہ میں خبر دی گئی ہے وہ ایسے پوشیدہ ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِن کی خبر نہ تھی۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ۝ ہم تیرے پر بیان کرتے ہیں بہت اچھی طرح بیان کرنا اس طرح سے کہ وحی کیا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو (ان باتوں سے جن کی اس سورہ میں خبر دی گئی ہے) پہلے بیخبر تھا۔

قرآنی بیان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات ایسی طرز سے بیان کیئے گئے ہیں کہ جس سے خدائے تعالیٰ کے علم اور اُس کی حکمت کا احساس نہایت ہی محکم طور پر پڑھنے والے کے دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو لڑکپن کے زمانہ میں آپکے بھائیوں نے ایک تاریک اور گہرے کنوئیں میں پھینک دیا تو ایسی حالت میں جبکہ ہر طرف سے ہلاکت ہی ہلاکت نظر آتی تھی۔ خدائے تعالیٰ کا تسلّی بخش کلام آپ پر نازل ہوا جسمیں ایک عجیب اور عظیم الشان آنیوالے واقعہ کی خبر دی گئی۔ اور جو جو نظارے اور واقعات آپ کو آئندہ پیش آنیوالے تھے اُنکے حیرت انگیز خاتمہ سے اُس کنوئیں میں گرے ہوئے

بچہ کو آگاہی دی گئی اور جو ڈراما آئندہ کو پیش آنیوالا تھا اُس کے آخری سین کا نقشہ اُس کے سامنے کھینچا گیا۔ وہ کلام الٰہی جو کنوئیں کی تہ میں اُس بے کس بچہ پر نازل ہوا وہ یہ تھا لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۔ یعنی جب حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت اُس کے بھائیوں نے فیصلہ کر دیا کہ اُس کو کوئیں میں پھینک دیا جاوے اور اُس وقت اُس کو اُس کے خونخوار بھائیوں کے ہاتھوں سے کوئی چھڑانے والا موجود نہ تھا تو ایسی بے بسی اور بے کسی کی حالت میں اُس ویرانہ میں اُس بچہ کے کانوں میں ایک تسلّی دینے والے کی آواز پہنچی اور وہ آواز یہ تھی کہ اگرچہ اس وقت تیرے باپ کے بیٹے تیرے خونی دشمن ہیں اور وہ غالب اور تُو مغلوب نظر آتا ہے مگر بہت سے تغیرات زمانہ کے بعد خدائے تعالیٰ ایک ایسا وقت لائے گا کہ یہی تیرے بھائی تیرے حضور پیش ہونگے اور تُو اُن سے سوال کرے گا کہ تم نے اپنے بھائی یوسف سے کیا سلوک کیا اور اُسوقت تیرا جاہ و جلال اور تیری عظمت اور شان اس قسم کے ہونگے کہ وہ تجھے نہ پہچان سکیں گے کہ یہ ہمارا ہی بھائی یوسف ہے۔

اور صرف قرآن شریف اسی بشارت کا ذکر نہیں کرتا جو بیابان میں کوئیں کے اندر حضرت یوسف علیہ السلام کو دی گئی بلکہ جو کچھ وہ اس کے بعد ذکر کرتا ہے اُس میں بھی اُس کو یہی دکھلانا مقصود ہے کہ کس طریق اور کس راہ سے خدائے تعالیٰ کی یہ عجیب بشارت آخر کار پوری ہوئی۔ چنانچہ اثنائے بیان میں ہر ایک ضروری موقعہ پر قاری کی توجہ اس طرف پھیرتا ہے اور دکھلاتا ہے کہ کن کن پُر حکمت اور لطیف راہوں سے خدائے تعالیٰ اپنے ارادوں کو پورا کرتا ہے اور جس شخص کو اُس کے بھائیوں نے نابود کرنا چاہا تھا کس طریق سے وہ اُس کی مدد کرتا ہے اور جس بے کس انسان کو اُس کے بھائیوں نے اپنے وطن سے نکال دیا تھا کن راہوں سے خدائے تعالیٰ اُس کو ایک غیر ملک میں اجنبی لوگوں کے درمیان عزت بخشتا ہے۔ چنانچہ اس بیان کے بعد کہ کس طرح خدائے تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس تاریک اور مہیب کوئیں سے نکالکر مصر میں ایک رئیس کے گھر میں ایک

عزت کی جگہ پر پہنچایا خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اس طرح ہم نے یوسف کو زمین میں جگہ دی تاکہ ہم اُس کو باتوں کی حقیقت سمجھائیں اور اللہ تعالیٰ اپنی بات پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اسی طرح جب آخر حضرت یوسف علیہ السلام ملک مصر میں ایک نہایت ہی معزز عہدہ پر ممتاز ہوئے تو اس امر کا ذکر کرنے کے بعد بھی خدائے تعالیٰ ہماری توجہ کو اپنے عجیب کاموں اور اپنی حیرت انگیز قدرتوں کی طرف پھیر کر فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ اس طرح ہم نے یوسف کو (جسے بھائیوں نے کوئیں میں پھینک دیا تھا اور جس کو ہم نے اپنی مدد کی بشارت دی تھی) زمین میں جگہ دی (اور اُس کو اس قسم کی آزادی بخشی کہ) وہ جہاں چاہتا اپنا مقام کرتا جس کو ہم چاہتے ہیں (اسی طرح) اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور ہم کسی محسن کا اجر ضائع نہیں کرتے اور آخرۃ کا اجر مومنوں متقیوں کے لیئے اس سے بھی بڑھکر ہے

یہ تو درمیانی مرحلے ہیں جن کو بیان کر کے خدائے تعالیٰ ہمیں دکھاتا ہے کہ کن راہوں سے اُس نے اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ ان کے بعد خدائے تعالیٰ اُس قرۃ آئین نظارہ کا نقشہ کھینچتا ہے جب کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے مصر کے ایک شاہزادے کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ قحط کی مصیبت میں گرفتار اور قریبًا تہیدست اس شاہزادے سے یہ التجا کرتے ہیں۔ يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ یعنی اے عزیز۔ ہم اور ہمارے گھر والے قحط کے دُکھ میں مبتلا ہیں۔ ہم ایک حقیر پونجی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ آپ ہمیں پورا تول مرحمت فرمادیں اور ہم پر خیرات کریں۔ اللہ تعالیٰ خیرات کرنیوالوں کو اچھی جزا دیتا ہے۔

اسپر وہ شاہزادہ ان خیرات مانگنے والے اجنبیوں سے پوچھتا ہے ہَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ ۝ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اُس کے بھائی سے اپنی جہالت کے دنوں میں کیا کیا۔ اُس وقت اُن کو معلوم ہوا کہ یہ شاہزادہ جس سے وہ خیرات مانگ رہے ہیں یہ تو وہی اُن کا چھوٹا بھائی یوسف ہے جس کو اُنہوں نے کوئیں میں پھینکا تھا اور جس کو وہ اُس کی شان وشوکت کی جھلک کی وجہ سے اب پہچان نہیں سکے۔ حیرت میں ہوکر پوچھنے لگے اَءِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ۔ کیا آپ ہی ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے اور جو شخص تقویٰ کرے اور صبر کرے تو اُس کو ایسا ہی اجر ملتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی مُحسن کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ تو اُس وقت اُن بھائیوں نے سخت شرمندگی کے ساتھ اپنے قصور کا اقرار کیا اور کہنے لگے تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ۝ اللہ تعالیٰ کی قسم۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کو ہم پر ترجیح دی اور ہم خطاوار تھے۔ مگر اُس رحیم وکریم انسان نے پسند نہ کیا کہ اپنے بھائیوں کو ملامت کرکے اُنکو رنجیدہ خاطر کرے۔ وہ نہایت لُطف کے ساتھ اُن سے پیش آیا اور اُنکے قصوروں کی معافی دیکر نہایت کرم سے فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ خدائے تعالیٰ تمھیں معاف کردیگا وہ سب سے زیادہ رحیم وکریم ہے۔ اس طرح وہ وعدہ پورا ہوا جو خدائے تعالیٰ نے اُس بیکس بچے سے نہایت بےبسی کی حالت میں بیابان کے اندر ایک تنہا اور تاریک کوئیں میں کیا تھا ؂

اس کے بعد وہ نظارہ ہے جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا باپ اور ماں اور بھائی خدائے تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے کہ اس قدر لمبی جدائی کے بعد اور اس قدر تغیرات اور حوادث کے گذرنے کے بعد اُس نے بچھڑے ہوؤں کو پھر ملا دیا اور غم کو خوشی سے بدلا دیا زمین پر سجدہ میں گر پڑے اُس وقت حضرت

شاہزادے نے جواب دیا کہ میں یوسف ہی ہوں۔ اور یہ ...

یوسف علیہ السلام بول اُٹھے یٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ میرے ابا جان! یہ ہے نتیجہ میرے اُس رؤیا کا جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ میرے ربنے اس کو سچّا کر دیا اور اُس نے میرے پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکال لایا اور تمھیں بیابان سے لایا بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈالدیا۔ میرا رب جو چاہتا ہے اُس کو لطیف طریق سے پورا کرتا ہے۔ وہ جاننے والا اور حکیم ہے۔ انہوں نے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنا وہ خواب یاد دلایا جو بچپن میں انہوں نے دیکھا تھا اور جو سورہ یوسف کے ابتدا میں مذکور ہے۔ یہ خواب کیسے عجیب طریق کے ساتھ آخر پورا ہوا ؛

غرض قرآن شریف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان ایک حیرت انگیز بشارت اور ایک عجیب پیشگوئی کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور اس بیان کے اثنا میں جابجا اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کس طرح خدائے تعالیٰ نے اپنے ارادہ کو پورا کیا۔ اور اس سورہ شریفہ کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیان کرنے والے کی غرض یہ نہیں کہ صرف ایک کہانی سنائی جائے بلکہ یہ دکھلانا مقصود ہے کہ کس طرح خدائے تعالیٰ نے اُس حیرت انگیز کلام کو پورا کیا جو اُس نے بیابان میں ایک کوئیں میں گرے ہوئے بچے پر بالکل بے کسی اور بے بسی کی حالت میں نازل فرمایا تھا۔ مگر پیدائش کی کتاب میں اس قسم کی کوئی غرض مدّ نظر نہیں بلکہ اس کتاب کے مصنف کی اتنی ہی غرض ہے کہ ایک کہانی کو قلمبند کرے۔ پادریصاحبان اپنے طور پر خواہ کتنے ہی مطالب اس کہانی میں سے اخذ کریں مگر وہ اس کہانی میں کوئی ایک بھی ایسا لفظ نہیں دکھا سکتے جس سے صاف طور پر ظاہر ہو کہ کہانی بیان کرنے والے کی اپنی غرض قصّہ گوئی کے سوا کچھ اور بھی تھی ؛

ایک اور امر جس سے صاف طور پر یہ عیاں ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی غرض کہانی بیان کرنا نہیں مگر مصنف کتاب پیدائش کی غرض صرف قصہ گوئی ہے یہ ہے کہ قرآن شریف غیر ضروری تفاصیل کو بغیر بیان کرنے کے چھوڑ دیتا ہے مگر کتاب پیدائش کا مصنف چھوٹی چھوٹی بیہودہ تفاصیل پر بڑا زور دیتا ہے اور نکمی نکمی لچر باتوں کو جن سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا بڑی تفصیل اور تطویل سے بیان کرتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن شریف ایک حکیم کا کلام ہے کیونکہ اس میں لغو اور غیر ضروری تفاصیل سے اعراض کیا ہے اور صرف انہی امور کو خوبصورت اور پیارے پیارے دلربا پیرایہ میں بیان کیا ہے جو اصلی اغراض سے تعلق رکھتے ہیں۔ ناظرین۔ اس امر کو مدِ نظر رکھ کر دونوں جگہ یعنی قرآن شریف میں اور کتاب پیدائش میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کو پڑھیں تا اُن کو اس فرق بیّن کا پورا پورا لطف حاصل ہو۔

ایک اور بڑا بھاری فرق جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں وہ وحی الٰہی کے ہی سرچشمہ سے نکلے ہوئے ہیں اور کتاب پیدائش کا بیان ایک انسان کا کلام ہے جس کو قصہ گوئی کے سوا اور کوئی غرض نہ تھی یہ ہے کہ سورۂ یوسفؑ میں خدائے تعالیٰ کے علیم اور خبیر ہونے کا ایک زبردست ثبوت دیا گیا ہے مگر کتاب پیدائش کا بیان اس وصف سے خالی ہے۔ سورۂ یوسفؑ کو پڑھو اور تمہیں معلوم ہوگا کہ شروع سے آخر تک حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس بات کا یقین ہے کہ میرا بیٹا ابھی زندہ ہے۔ کئی سال گذر گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا کوئی پتہ و نشان نہیں ملا۔ سب اُس کی زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو انکے بیٹے یہ کہکر ملامت بھی کرتے ہیں تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ۔

اللہ تعالیٰ کی قسم تو ہمیشہ یوسف کو یاد ہی کرتا رہے گا یہانتک کہ تو مضمحل ہو جاوے
یا (اسی غم میں) گذر جاوے۔ اس کے جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے
ہیں اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ؁
مَیں تو اپنی بے قراری اور غم کا شکوہ صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ
سے مجھے وہ علم دیا گیا ہے جو تمھیں نہیں دیا گیا۔ ایسا ہی جب حضرت یوسف علیہ السلام
کے بھائی آپ کی قمیص کو بطور نشان کے لیئے ہوئے مصر سے روانہ ہوتے ہیں تو اِدھر
کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ
لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ؁ مجھے تو اسوقت یوسف کی خوشبو آرہی ہے اگر تم مجھے
بہکا ہوا نہ کہو غرض اوّل سے آخر تک حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس بات کا
یقین ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں اور وہ بار بار اپنے اس یقین کا
اظہار بھی کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ سے مجھے وہ علم دیا گیا ہے جو تمھیں نہیں دیا
گیا۔ چنانچہ جو علم خدائے تعالیٰ نے آپ کو دیا تھا وہ صحیح ثابت ہوا اور جب حضرت
یوسف علیہ السلام کا پیراہن آپکے سامنے رکھا گیا اور آپ کا علم الیقین بصیرت اور
رؤیت سے بدل گیا تو آپ فرماتے ہیں اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ؁ کیا مَیں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک
علم دیا گیا ہے جو تمھیں حاصل نہیں۔ آپ اپنے پاس رہنے والوں کو یہ بتلاتے ہیں
کہ دیکھو جو بات مَیں تمھیں کہتا تھا وہ آخر پوری ہوئی اور خدا کا کلام سچّا ثابت ہوا۔
غرض قرآن شریف نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات میں اپنے علیم و خبیر ہونیکا
ثبوت دیا ہے اور دکھایا ہے کہ کس طرح وہ اپنے برگزیدوں پر غیب کی خبریں ظاہر کرتا ہی
اور کس طرح اُس کی بتائی ہوئی باتیں جو لوگوں کی نظر میں اَن ہونی معلوم ہوتی ہیں۔
پوری ہوکر رہتی ہے۔ غرض یہ علیم و خبیر اور قدیر ہونے کا ثبوت جو سورہ یوسف
میں دیا گیا ہے کتاب پیدائش اس خصوصیت سے بالکل بے بہرہ ہے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ کتاب پیدائش کا لکھنے والا ایک انسان تھا جس نے ان واقعات کو

صرف روائیت سے اخذ کرکے جمع کر دیا اور اُس کا کلام الہام الٰہی کے رنگ سے رنگین نہیں ہے۔ اور سورہ یوسف کا طرز بیان بتا رہا ہے کہ وہ علیم و حکیم کا کلام ہے۔

ایک اور امتیاز جو سورہ یوسف کو حاصل ہے اور جس سے پیدائش کی کتاب محروم ہے وہ یہ ہے کہ اس سورہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس تہمت سے بری کیا گیا ہے جس کی وجہ سے آپ کو قید خانہ میں ڈالا گیا تھا۔ مگر پیدائش کی کہانی میں آپ کو اُس خطرناک اتہام سے بری نہیں کیا گیا جو آپ کے آقا کی بیوی نے آپ پر لگایا تھا اس میں شک نہیں کہ پیدائش کی کتاب میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک پاک انسان ظاہر کیا گیا ہے مگر اس میں کوئی ایسی بات بیان نہیں کی گئی جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ کے ہمعصروں کی نظروں میں بھی آپ کا معصوم ہونا اور تہمت معلومہ سے بری ہونا ثابت ہو گیا تھا۔ وہ الزام جس پر آپ کو قید خانہ میں داخل کیا گیا سب کو معلوم تھا مگر کتاب پیدائش کی کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی موقعہ پر آپ نے اپنے تئیں اس الزام سے بری کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ خاموشی اختیار کی جس سے شبہ کرنیوالوں کو اور بھی شک کرنے کا موقعہ مل سکتا تھا۔ مگر یہ امر وہم میں بھی نہیں آسکتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام جیسا بزرگ نبی ایک نہایت ہی بُرے کام کے ساتھ متہم کیا جاوے اور وہ ذرا بھی اپنی بریت ثابت کرنے کے لیئے کوشش نہ کرے۔ اُس نے ضرور اس داغ کو اپنے مقدس نام پر سے دُور کرنے کی کوشش کی ہو گی۔ چنانچہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مصر کے بادشاہ نے آپ کے پاس اپنا خاص قاصد اس غرض کیلئے بھیجا کہ وہ آپ کو قید خانہ سے نکالکر دربار شاہی میں لاوے آپ نے پسند نہ کیا کہ اس طرح رعایتی طور پر قید خانہ سے باہر قدم بھی رکھیں۔ چنانچہ آپ نے اُس شاہی قاصد کو کہا کہ تم واپس بادشاہ کے پاس جاؤ اور اُسے کہو کہ میں اس جگہ سے باہر نہیں آسکتا جب تک کہ اُس مقدمہ کی بادشاہ بنفس خود تحقیقات کر کے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ نہ کرے جس کی وجہ سے مجھے جیلخانہ میں بھیجا گیا تھا۔ اور جب تک تحقیقات کے بعد آپ کا گناہ سے بکلی پاک ہونا ثابت نہ ہوا۔ آپ نے قید خانہ سے قدم باہر نہ رکھا۔ اُس عورت نے جس نے

جھوٹا الزام لگاکر حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کروایا تھا یہ کہکر اپنے قصور کا اقرار کیا اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ اب سچ ظاہر ہوگیا ہے۔ مَیں نے ہی اُس کو اُس کے نفس سے پھسلانا چاہا تھا۔ اور وہ سچا ہے۔ یہ اقرار اُس نے اُس وقت کیا جب کہ ساتھ والی عورتوں نے جو اس سازش میں شریک تھیں بادشاہ مصر کے آگے یہ بیان دیا حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ہم نے اُس میں کوئی بُرائی نہیں دیکھی۔ غرض جب بادشاہ نے خود کُل عورتوں کو اپنے پاس بُلاکر اُن سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ میں دریافت کیا اور بادشاہ کی تحقیق سے یہ امر کُھل گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بالکل بے قصور ہیں۔ اُسوقت حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ میں سے نکلنا منظور کیا۔ آپ نے نہ چاہا کہ آپ کی حالت لوگوں پر مشتبہ رہے بلکہ آپنے اپنے دامن کو بالکل پاک اور صاف دکھاکر لوگوں کو اپنا چہرہ دکھایا۔ چنانچہ آپ خود ہی اس بات کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ آپنے یہ تحقیقات کیوں کرائی۔ آپ فرماتے ہیں ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝ مَیں نے یہ تحقیقات اس لیئے کرائی ہے تاکہ میرے سابق آقا پر یہ بات ظاہر ہوجاوے کہ مَیں نے اُس کے گھر میں رہکر اُس کی پیٹھ کے پیچھے اُسکی کسی قسم کی خیانت نہیں کی۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی تدبیر کو کامیاب نہیں کرتا۔ کوئی شریف آدمی پسند نہیں کرتا کہ اُسپر ایسا سخت الزام بلاوجہ لگایا جاوے اور وہ اپنی بریّت کے لیئے اور اپنے چال چلن کی صفائی کے لیئے ذرا بھی کوشش نہ کرے۔ ضرور ہر ایک معزز آدمی جو علاوہ معزز ہونے کے بے قصور بھی ہے اس بات کے ثابت کرنیکی کوشش کریگا کہ جو قابل شرم الزام اسپر لگایا گیا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ جب ایک معمولی درجہ کا شریف آدمی بھی پسند نہیں کرتا کہ ناجائز طور پر اُسپر خطرناک بہتان باندھے جائیں تو ایک نبی جو دوسروں کے لیئے ایک نمونہ ہوتا ہے کس طرح پسند کرسکتا ہے کہ اُس کا چال چلن مشتبہ حالت

میں رہے۔ اس پر نہایت ہی گندے الزام لگائے جائیں اور وہ ذرا بھی اپنی بریت کی کوشش نہ کرے اس کو جھوٹے الزام لگا کر قید خانہ میں بھی ڈالا جائے اور پھر بھی وہ خاموش رہے اور اس طرح اپنی خاموشی سے لوگوں کے شبہ کو اور بھی مضبوط کرے اور جب اس کو اپنی بریت کا موقعہ بھی میسر آجائے اُسوقت بھی وہ خاموشی ہی اختیار کرے۔ اور باوجود عوام الناس کا انگشت نما بن جانے کے اپنے ہونٹوں پر سے خاموشی کی مُہر کو نہ توڑے۔ ان لوگوں کو اسقدر اپنی عزت کا فکر نہیں ہوتا جتنا کہ اس بات کا فکر ہوتا ہے کہ لوگ انکی نسبت کوئی شبہ اپنے دل میں رکھکر اپنے تئیں ہلاک نہ کر دیں۔ اس لیئے وہ اس امر کو برداشت نہیں کر سکتے کہ لوگ انکی نسبت کوئی بدگمان اپنے دل میں رکھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت احادیث میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جب آپ مسجد میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے آپ کی بی بی حضرت صفیہؓ آپ کے پاس تشریف لائیں اور آپکے پاس تھوڑی دیر بیٹھکر گفتگو کرتی رہیں۔ اور جب پھر اُٹھکر چلنے لگیں تو آپ بھی اُنکے ساتھ مسجد کے دروازہ تک تشریف لے گئے۔ وہاں انصار میں سے دو آدمی آپکے پاس سے گذرے اُنھوں نے آپ کی طرف دیکھا اور آپ کی خدمت میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عرض کیا۔ آپنے اُن دونو کو فرمایا کہ ٹھہر جاؤ اور دیکھ لو کہ یہ میری بی بی صفیہؓ ہے۔ اُنھوں نے عرض کیا سبحان اللہ یا رسول اللہ۔ یعنی ہم کب آپ کی نسبت کوئی بُرا گمان کر سکتے ہیں۔ آپنے جواب دیا۔ ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم وانی خشیت ان یلقی فی انفسکما شیئا۔ یعنی شیطان انسان کے اندر اس طرح چلتا ہے جیسا کہ خون انسان کی رگوں کے اندر چلتا ہے اور میں نے خوف کیا کہ شیطان تمھارے دل میں کوئی وسوسہ نہ ڈال دے اس لیئے میں نے تمھیں بتلا دیا کہ یہ میری بی بی حفصہ ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءؑ کہاں تک محتاط ہوتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں اُن کی نسبت کوئی بدظنی پیدا نہ ہو۔ تا وہ بدظنی اُن کی ہلاکت کا موجب نہ ہو۔

غرض حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت یہ وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ اُن پر الزام تو ایسا خطرناک لگایا جاتا اور وہ اپنی بریّت کے لیئے کچھ سعی نہ فرماتے خصوصًا ایسے وقت میں جبکہ آپ کو ایک نہایت ہی اعلیٰ موقعہ خدائے تعالیٰ نے اپنی بریت ثابت کرنے کا دیدیا تھا۔ خدائے تعالیٰ اپنے انبیاء کے بارے میں سخت غیرت رکھتا ہے۔ اور کبھی ممکن نہیں ہوسکتا تھا کہ غیور خدا اپنے ایک پاک نبی اور ایک مطہر انسان کے روشن نام سے وہ سیاہ دھبہ دُور نہ کرتا جو ایک عورت اور اُس کے مددگاروں کی شرارت سے آگیا تھا۔ ضرور خدائے تعالیٰ نے ایسا کیا۔ مگر کتاب پیدایش میں کسی ایسی بریّت کا ذکر تک نہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو قصہ اس کتاب میں کسی لکھنے والے نے درج کیا ہے وہ ایک ناقص اور نامکمل اور ناقابل اعتماد قصہ ہے۔ دیکھو تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ بعض بداندیش لوگوں نے ہمارے معظم شہنشاہ کنگ جارج پنجم قیصر ہند کی نسبت یہ الزام شائع کیا کہ آپ نے شہزادگی کے زمانہ میں ایک بحری افسر کی لڑکی سے شادی کی تھی اور بعد میں اُس کو ترک کرکے موجودہ شہزادی سے نکاح کیا اور اس لیئے یہ نکاح مسیحی قانون کے رُو سے ناجایز ہے۔ اگرچہ اکثر اخباروں نے اس الزام کی تردید شائع کی اور اس کو بے بنیاد بیان کیا اور عام طور پر اس کو ایک غلط اور نہایت ہی کمینہ بہتان سمجھا جاتا تھا اور اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور لوگ خوب سمجھتے تھے کہ اس الزام کے شائع کرنیوالے صرف بداندیشی اور حسد کی وجہ سے ایسے اتہامات کو پھیلا رہے ہیں پھر بھی ہمارے معظم شہنشاہ کی غیرت نے پسند نہ کیا کہ ایسے بے بنیاد الزاموں سے وہ اپنی پوری بریت ثابت کرکے اپنے شاہی دامن کو ہمیشہ کے لیئے اس بہتان سے پاک نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے خود اپنا مقدمہ اپنی سلطنت کے ایک جج کے پاس بھیجا تا عدالت کے ذریعہ باقاعدہ طور پر تحقیق کی جاوے کہ یہ الزام کہاں تک درست ہے اور یہ بھی لکھا کہ اگر قوانین سلطنت مجھے اجازت دیتے تو مَیں خود عدالت میں حاضر ہوکر بیان دیتا۔ چنانچہ اُس مقدمہ کی پوری تحقیق بہ پابندی قوانین سلطنت کی گئی اور جو اس الزام

کا بانی مبانی تھا اُس سے بر سرِ اجلاس ثبوت طلب کیا گیا مگر وہ کوئی ثبوت پیش نہ کر سکا بلکہ شہادتوں سے یہ ثابت ہوا کہ یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ اس تازہ مثال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شریف آدمی ایک لمحہ کے لیئے بھی یہ پسند نہیں کر سکتا کہ اُسے خطرناک اتہامات سے متہم کیا جاوے اور اُسے اپنی بریّت ثابت کرنے کا موقعہ بھی ملے مگر وہ اپنی بریّت کے لیئے کچھ بھی سعی نہ کرے۔ جب ایک شریف آدمی ایسا نہیں کر سکتا تو یوسف علیہ السلام جیسا راستباز اور مقدّس اور مطہر انسان جو نبی بھی تھا کس طرح پسند کر سکتا تھا کہ وہ اپنی حالت کو لوگوں کی نظروں میں مشتبہ رہنے دے اور لوگوں کو موقعہ دے کہ وہ نہایت ہی خطرناک بہتان آپکی طرف منسوب کریں اور آپ کچھ بھی کوشش نہ فرماویں کہ اپنا بری ہونا ثابت کریں۔ مگر کتاب پیدائش سے . . . . ظاہر ہوتا ہے کہ آپنے کوئی کوشش نہ کی جس سے عیاں ہوتا ہے کہ کتاب پیدائش ناقص اور ناقابل اعتبار ہے اور جو کچھ قرآن شریف نے بیان فرمایا ہے ہر ایک سلیم الفطرت انسان کی فطرت اسکے سچّا ہونے کی گواہی دیتی ہے۔

اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن سے کتاب پیدائش کی کہانی کا ادنی پن ثابت ہوتا ہے مگر اس سے زیادہ اس مقابلہ پر بحث کرنا موجب تطویل ہوگا۔ اس لیئے اب میں اُن پیشگوئیوں کی طرف رجوع کرتا ہوں جو اس سورۂ کریمہ میں پائی جاتی ہیں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سورہ کریمہ میں بہت سی غیب کی خبریں (انباء الغیب) ہیں اس لیئے ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ وہ کون سی غیب کی خبریں یعنی پیشگوئیاں ہیں جو قرآن شریف کے اس حصہ میں بیان کی گئی ہیں۔ ان پیشگوئیوں کے دریافت کرنے کے لیئے کسی بڑی سعی کی ضرورت نہیں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيٰتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۝ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں جو اس سورہ میں بیان کیئے گئے ہیں حق کی تلاش کرنیوالوں کے لیئے بہت سے نشانات ہیں۔ جس زمانہ میں یہ سورہ شریفہ

نازل ہوئی اُس وقت بھی ایک یوسف تھا اور اُس وقت بھی اُس یوسف کے بد اندیش بھائی موجود تھے جو اُس سے عداوت رکھتے تھے اور اُسے نابود کرنا چاہتے تھے۔ وہ یوسف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے مقابل میں یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی بند قریش تھے۔ اور جو واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کو پیش آئے اور ایسا ہی جو سلوک آپکے بھائیوں قریش کی طرف سے آپ کے ساتھ ہوا اور پھر آخر میں جو سلوک آپنے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا جب ان سب پر نظر کیجاوے اور پھر اُن کا اُن واقعات کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے جو حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کو پیش آئے۔ تو اس میں کچھ بھی شک باقی نہیں رہتا کہ وہ کون سے آنیوالے واقعات تھے جنکی اس سورہ کریمہ میں قبل از وقت خبر دی گئی۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں یُوْسُفَ وَاِخْوَتِہٖ کے الفاظ اس امر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جن آنیوالے واقعات کی اس سورہ کریمہ میں خبر دی گئی ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہی تعلق نہیں رکھتے بلکہ آپکے بھائیوں قریش کا بھی اُن میں بڑا دخل ہے۔ . . . .

. . . . آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے حالات کو حضرت یوسف علیہ السلام اور آپ کے بھائیوں کے تعلقات سے ایک نہایت ہی حیرت انگیز مشابہت ہے اور وہ مشابہت اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ یہ کہنا بھی کچھ مبالغہ نہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہُو بہُو وہی واقعات پیش آئے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو پیش آئے تھے اور جن کو بطور پیشگوئی کے سورہ یوسفؑ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سورہ کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک رُویا دیکھا جسکی تعبیر آپکے باپ نے یہ بیان کی وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ یعنی تیرا رب تجھے برگزیدہ کریگا

اور تجھے باتوں کی حقیقت سکھائیگا۔ اور اپنی نعمت کو تجھ پر پورا کرے گا جیسا کہ اُس نے اس سے پہلے تیرے دو بزرگوں حضرت اسحٰق اور حضرت ابراہیم علیہما السلام پر اپنی نعمت کو پورا کیا تھا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی جس میں آپ کو یہ بشارت دی گئی کہ ہم تیرے ذکر اور تیری شان کو بلند کرینگے اور اپنی نعمتوں کو تیرے پر ایسا ہی پورا کرینگے جیسا کہ اس سے پہلے تیرے دو بزرگوں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام پر پورا کیا تھا اور جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا یہ دیکھکر حسد بھڑکا کہ اُن کا باپ اپنے اس بیٹے سے زیادہ محبت کرتا ہے اور جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا رؤیا سن کر اُن کو یہ نصیحت کی کہ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا یعنی تیرے اس رؤیا کو سنکر جس میں تجھے بڑے بڑے انعاموں کا وعدہ دیا گیا ہے تیرے بھائی تیرے برخلاف سازشیں کرینگے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا۔ جب آپکے بھائیوں قریش نے دیکھا کہ اُن کا آسمانی باپ اُن کی نسبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیار کرتا ہے اور اپنی نصرت اور تائید سے اُس کو روز افزوں ترقی دے رہا ہے تو اُن کا حسد بھڑکا اُن میں یہ تاب نہ تھی کہ آپ کے سلسلہ کو ترقی کرتے ہوئے دیکھیں جوں جوں آپ کا سلسلہ اُن کو بڑھتا ہوا نظر آتا تھا اُن کے حسد کی آگ زیادہ اور زیادہ بھڑکتی تھی۔ آخر جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حسد کی وجہ سے آپ کو نابود کرنے پر اتفاق کر لیا تھا ایسا ہی قریش نے بھی اُسی حسد کی وجہ سے یہ ارادہ کر لیا کہ اپنے بھائی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیں ؂

پھر جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی سازشوں کا آخر یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جنگل میں ایک تاریک کوئیں کے اندر رہنا پڑا ایسا ہی اِس مثیل یوسف صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائیوں کی سازشوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ کو بھی جنگل میں ایک تنگ و تار غار کے اندر رہنا پڑا اور پھر جیسا کہ اُس کوئیں میں حضرت یوسف علیہ السلام کو

خدائے تعالیٰ نے اپنی نصرت کا وعدہ دیکر تسلّی دی ایسا ہی اُس غار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ کی نصرت کے وعدوں پر پورا یقین تھا اور جب آپ کے یار غار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دشمنوں کو اپنے سر پر کھڑا دیکھکر گھبرائے تو آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ یعنی کچھ غم نہ کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے ؛

پھر جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کوئیں سے نکلکر ایک غیر ملک میں گئے تو وہاں خدائے تعالیٰ نے آپ کو ایک عزت کا مقام بخشا چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اور جس شخص نے مصر والوں سے اُسے خریدا اُس نے اپنی جورو سے کہا کہ اس کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھنا۔ شاید یہ کسی دن ہمارے کام آوے یا ہم اُس کو اپنا بیٹا بنالیں اور اسی طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو مصر کے ملک میں جمایا اور غرض یہ تھی کہ اُس کو باتوں کی حقیقت سکھائیں یعنی اُس کو اس بات کا تجربہ ہو کہ خدائے تعالیٰ کی باتیں کس طرح پوری ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے جو کام چاہتا ہے پورا کرتا ہے۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غار سے نکلکر اپنے خون کے پیاسے بھائیوں سے ایک اجنبی شہر میں جاکر پناہ لی۔ تو وہاں خدائے تعالیٰ نے آپ کو عزت کے مقام پر پہنچایا ؛

سورۂ یوسفؑ میں خدائے تعالیٰ قحط کے واقعہ کو بڑی بسط کے ساتھ بیان کرتا ہے جو ملک مصر میں واقعہ ہوا اور نیز بیان کرتا ہے کہ کس طرح لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آکر امداد طلب کرتے۔ یہ واقعہ بھی جیسا حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوا۔ صحیح بخاری میں اُس شدید قحط کا حال لکھا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں

واقع ہوا۔ عبداللہ کہتا ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما رأی من الناس ادبارا قال اللّٰھم سبعا کسبع یوسف فاخذتھم سنۃ حصت کل شیٔ حتی اکلوا الجلود والمیتۃ والجیف و ینظر احدھم ۔۔۔ الی السماء فیری الدخان من الجوع۔
جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگوں نے حق کی طرف پیٹھ پھیر دی ہے اور آپ نے چاہا کہ لوگوں میں تضرع اور خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع پیدا ہو تو آپ نے دعا کی * کہ اے اللہ تو اُسی قسم کے قحط کے سال بھیج جیسے کہ یوسف (علیہ السلام) کے زمانہ میں تُو نے بھیجے تھے۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور ایسا سخت قحط پڑا جو ہر ایک چیز کو کھا گیا۔ یہانتک کہ لوگوں نے چمڑے اور مردار اور لاشیں کھا کھا کر اپنا پیٹ بھرا اور جب اُن میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف نظر کرتا تو بھوک کے مارے آسمان اُسے دھوآں دھار نظر آتا" (دیکھو صحیح بخاری جزو اوّل ابواب الاستسقاء) یہ قحط مدنی زمانہ میں واقع ہوا۔ مگر اس کی خبر بطور پیشگوئی کے مندرجہ ذیل مکّی آیت میں موجود تھی۔
فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَغْشَى النَّاسَ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ یعنی اُس دن کا منتظر رہ جب کہ آسمان ایک کھلا کھلا دُھوآں لائیگا یہ دُھوآں لوگوں کو ڈھانپ لے گا (وہ دھوآں نہ ہوگا بلکہ) ایک دردناک عذاب ہوگا۔ چنانچہ جب اُس شدید قحط کے دنوں میں لوگوں کو مارے بھوک کے

* معلوم ہوتا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کے مُرسل دنیا کو فسق و فجور کے دریا میں غرق دیکھتے ہیں تو اُنکی طبیعت ایسے عذاب کیلئے دعا کرنیکی طرف جُھکتی ہے جس سے لوگوں میں تضرع اور رجوع الی الحق پیدا ہوا۔ چنانچہ اس زمانہ کا مصلح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ صفحہ ۷۹ پر ایک قصیدہ عربی میں اسی قسم کی ایک دعا کا ذکر کرتا ہے اور وہ شعر یہ ہیں:۔

فلما طغی الفسق المبید بسیلہ ✤ تمنیت لو کان الوباء المتبر
فان ھلاک الناس عند اولی النھی ✤ احب واولی من ضلال یخسر

آسمان دھواں دھار نظر آنے لگا اُس وقت لوگوں کو یہ آیت یاد آگئی اور مومنوں کو یقین ہوگیا کہ یہ وہی عذاب الیم ہے جس کی خبر سورۂ دخان میں دی گئی تھی *

اور جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط زدہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جاتے اور آپکے ذریعہ اس مصیبت سے آرام حاصل کرتے تھے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کے لوگ اس مصیبت کی فریاد آپکے پاس لاتے تھے۔ ہاں اتنا فرق تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک زمینی بادشاہ کے خزانوں سے غلہ دیکر لوگوں کی امداد کرتے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زمینی چیز کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ آپنے اُس بادشاہ کی طرف رجوع کیا جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ جس طریق سے آپنے قحط زدہ لوگوں کی امداد کی وہ مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے ان رجلا دخل یوم الجمعة من باب کان وجاه المنبر ورسول الله صلی الله علیه وسلم قائم یخطب۔ فاستقبل رسول الله صلی الله علیه وسلم قائما فقال یا رسول الله هلکت المواشی وانقطعت السبل فادع الله یغیثنا فرفع رسول الله صلی الله

بقیہ حاشیہ۔ یعنی جب میں نے دیکھا کہ فسق و فجور کا سیلاب زور پر ہے تو میں نے یہ آرزو کی کہ کاش ایک ہلاک کرنے والی وبا ہوتی کیونکہ عقلمندوں کے نزدیک ایسی گمراہی سے جو خسران میں ڈالے آدمیوں کا مرنا بہتر ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب ان لوگوں کے مُنہ سے کوئی بات نکلتی ہے تو خدائے تعالیٰ اُس کو پورا کر دیتا ہے۔ اور خود قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی کوئی رسول دنیا میں آتا ہے تو ضرور ہے کہ اُس کے وقت میں وبائیں اور قحط پڑیں کیونکہ وہ رجوع الی اللہ اور تضرع کا زمانہ ہوتا ہے اور یہ آفات تضرع اور رجوع الی اللہ کا ایک ذریعہ ہوتی ہیں۔ خوشحالی اور امن عافیت کے وقتوں میں غفلت زیادہ ہوتی ہے۔ خدائے تعالیٰ اس اٹل قانون کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں کرتا ہے مَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

علیہ وسلم یدیہ فقال اللّٰھم اسقنا اللّٰھم اسقنا اللّٰھم اسقنا
قال انس ولا واللہ ما نری فی السماء من سحاب ولا قزعۃ ولا
شیئًا وما بیننا وبین سلع من بیت ولا دار قال فطلعت من
ورائہ سحابۃ مثل الترس فلما توسطت السماء انتشرت ثم
امطرت قال واللہ ما رأینا الشمس ستا ثم دخل رجل من
ذلک الباب فی الجمعۃ المقبلۃ ۔ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قائم یخطب فاستقبلہ قائما فقال یا رسول اللہ ھلکت الاموال
وانقطعت السبل فادع اللہ یمسکھا قال فرفع رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ ثم قال اللّٰھم حوالینا ولا علینا
اللّٰھم علی الاکام والجبال والظراب والاودیۃ ومنابت الشجر
قال فانقطعت وخرجنا نمشی فی الشمس (صحیح بخاری جزو اوّل
ابواب الاستسقاء) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اُن شدید قحط کے دنوں میں) ایک

بقیہ حاشیہ ۔ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ (الاعراف) یعنی جب کبھی ہم کسی بستی میں کوئی نبی بھیجتے ہیں تو وہاں کے رہنے والوں کو قحط اور بیماری کے ساتھ پکڑتے ہیں اور ہماری غرض اس پکڑنے سے یہ ہوتی ہے کہ لوگ عاجزی اور تضرع کریں۔ چنانچہ اسی قاعدہ مستمرہ کے مطابق خدائے تعالیٰ نے اس زمانہ میں نہ صرف قحط اور وبائیں بھیجیں بلکہ اور بہت سی آفات نازل کیں مثلاً زلزلے اور سیلاب تاکہ لوگوں میں تضرع پیدا ہو اور چونکہ اس زمانہ کے رسول کا (جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام ہے) دائرہ تبلیغ بہت وسیع تھا اور کُل دنیا پہ محیط تھا۔ اس لئے ان آفات کا دائرہ بھی اُسی طرح وسیط اور کل دنیا پر محیط ہے۔ دنیا کے ہر ایک حصہ میں اس زمانہ کے رسول **غلام احمد** (علیہ وعلی مطاعہ الصلوٰۃ والسلام) کی صریح پیشگوئیوں کے مطابق خطرناک زلزلے جو اپنی شدت میں بے نظیر تھے آئے ہیں اور دنیا کے بہت سے حصوں میں طاعون ظاہر ہو رہی ہے اور احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی ہے کہ

دن مسجد میں خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص سامنے کے دروازہ سے مسجد میں داخل ہوا اور آنحضرت صلی اللہ و سلم کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے رسول خدا (قحط کی وجہ سے) مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اور راستے (بہ سبب قزاقوں اور راہزنوں کے) چھوٹ گئے ہیں پس آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ خدائے تعالیٰ بارش نازل فرما دے۔ آپ نے اسی وقت دونوں ہاتھ اُٹھائے اور تین دفعہ دعا کی کہ اے اللہ ہمیں پانی پہنچا۔ انس کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی قسم اُس وقت آسمان پر بادل کا ٹکڑا تو کجا کوئی چیز بھی نظر نہیں آتی تھی اور ہمارے اور سلع پہاڑی کے درمیان کوئی گھر نہیں تھا (جو اُس پہاڑی کو ہماری نظروں سے چھپاتا) اُسی وقت ہمارے دیکھتے دیکھتے اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک چھوٹا سا بادل اُٹھا جو شکل میں ایک ڈھال کی طرح تھا اور جب وہ آسمان کے وسط میں پہنچا تو سارے آسمان پر پھیل گیا۔ اور پھر بارش برسنی شروع ہوئی اور برابر چھ دن یعنی دوسرے جمعہ تک برستی رہی خدا کی قسم ہم نے اس عرصہ میں سورج کو بالکل نہیں دیکھا جب دوسرے جمعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر خطبہ کے لئے منبر پر چڑھے تو ایک شخص (وہی یا کوئی اور) پھر سامنے کے دروازہ سے داخل ہوا۔ اور آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور عرض کی اے اللہ کے رسول۔ مویشی (بہ سبب بارش کے) ہلاک ہو رہے ہیں اور راستے (بہ سبب پانی کے سیلابوں کے) متروک ہو چکے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اس بارش کو تھام لے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دونوں ہاتھ اُٹھائے (اور ایک روایت میں ہے کہ آپ یہ سُنکر مسکرائے اور ہاتھ اُٹھائے) اور دعا کی کہ اے اللہ یہ بارش ہمارے ارد گرد ہو

بقیہ حاشیہ یورپ اور دیگر عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی وبا پڑیگی جو نہایت سخت ہو گی۔ اور یہ سب آفات قرآنی آیت کے رُو سے اور خود احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں کے مطابق اس زمانہ کے مرسل غلام احمدؐ کی صداقت کے نشانات ہیں منہ

اور ہم پر نہ ہو۔ اے اللہ اس بارش کو پہاڑیوں اور ٹیلوں اور وادیوں اور درختوں کے اُگنے کی جگہوں پر برسا (ہم پر نہ برسا) انس کہتا ہے کہ بارش فی الفور تھم گئی اور جب ہم جمعہ کی نماز ادا کر کے باہر نکلے تو بجائے بارش کے دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ صحیح بخاری کی دوسری روایتوں میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ بارش کے لیئے دعا فرمائی تو ابھی آپ منبر پر ہی تھے کہ بارش شروع ہو گئی چنانچہ جب آپ منبر پر سے اُترے تو آپ کی ریش مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا اور لکھا ہے کہ جب آپ نے دوسرے جمعہ کو یہ دعا کی اللّٰھم حوالینا ولا علینا تو بارش مدینہ پر تو تھم گئی اور گرد و نواح کی وادیوں پر برابر برستی رہی چنانچہ بعض وادیاں برابر ایک مہینہ تک دریاؤں کی طرح بہتی رہیں اور ہر ایک آدمی جو بیرونجات سے مدینہ میں آتا وہ بارش کا ہی ذکر کرتا تھا اور مدینہ ایک گول دائرہ کی طرح آتا تھا:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے نشانات اس کثرت سے دیکھے گئے کہ ابو طالب کا مندرجہ ذیل شعر اپنے لفظی معنوں میں آپ پر لگایا جاتا تھا ابو طالب نے اپنے نامی بھتیجے کی تعریف میں چند شعر کہے تھے اور یہ شعر بھی انہی اشعار میں سے ایک ہے:۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ: ثمال الیتامی عصمۃ للا رامل

وہ پاکیزہ ہے۔ بادل اُس کے چہرہ سے پانی پیتے ہیں۔ وہ یتیموں کا مددگار اور بیواؤں کی پشت پناہ ہے۔ ابو طالب نے تو استعارہ کے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا تھا کہ بادل اُس کے چہرہ سے پانی پیتے ہیں۔ مگر جب صحابہؓ نے دیکھا کہ واقعی آپکی دعائیں ایسی جلدی مستجاب ہوتی ہیں کہ آپ ابھی منبر پر ہی تشریف رکھے ہوتے ہیں کہ بارش کے ساتھ پرنالے بہنے لگتے ہیں تو اُن کو ابو طالب کا یہ شعر یاد آیا اور وہ آپ کی تعریف میں یہ شعر پڑھا کرتے اور حقیقی معنوں میں آپ پر چسپاں کرتے (دیکھو صحیح بخاری۔ ابواب الاستسقا

پھر ایک اور بڑی عجیب مشابہت یہ ہے کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے قحط کے دنوں میں اپنے بھائی کی طرف رجوع کیا اور اُس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یٰاَیُّھَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَ اَھْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْکَیْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَیْنَا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ۔ اے عزیز ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر قحط کی مصیبت پڑی ہے اور ہم تھوڑی سی پونجی لیکر آئے ہیں۔ آپ ہم کو پوری ماپ غلہ مرحمت فرماویں اور ہم پر خیرات کریں۔ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ اسی طرح شدید قحط کے مصائب سے تنگ آکر ابو سفیان جو اُس وقت قریش کا سردار تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ یا محمد جئت تامر بصلة الرحم وان قومك هلكوا فادع اللہ تعالےٰ۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو لوگوں کو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم کرتا ہے۔ اور تیری قوم قحط کی وجہ سے ہلاک ہو رہی ہے۔ پس آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ خدائے تعالیٰ اس مصیبت کو دُور کرے۔ (صحیح بخاری۔ ابواب الاستسقاء) غرض ملک میں قحط کا پڑنا اور لوگوں کا اور خود قریش کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا اور آپ کی خدمت میں دعا کی درخواست کرنا اور پھر آپ کی دعا کی برکت سے قحط کی مصیبت کا دُور ہونا یہ ایسے امور ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات سے سخت مشابہت رکھتے ہیں۔

پھر۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ملک مصر میں جا کر جہاں وہ بطور غلام کے بیچے گئے تھے۔ آخر کار ایک نہایت ہی اعلیٰ اور معزز عہدہ پر سرفراز ہوئے چنانچہ خود اُن کے بھائی اُن کو یٰاَیُّھَا الْعَزِیْزُ یعنی اے عزیز مصر کہکر پکارتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں ہجرت کرنے کے بعد خدائے تعالیٰ نے کُل عرب کا بادشاہ بنا دیا۔ چنانچہ جب آپ دس ہزار قدوسیوں کی فوج کے ساتھ مکّہ کے قریب پہنچے تو قریش کا سردار ابو سفیان آپ کے جاہ و حشم کو دیکھکر ششدر رہ گیا اور

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ لقد اصبح ملك ابن اخیك ملكا عظیما (مواہب زرقانی جلد ثانی صفحہ ۳۸۲) تیرے بھتیجے کی سلطنت ایک نہایت عظیم الشان سلطنت ہے۔

سب سے بڑی عظیم الشان مشابہت جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات کے درمیان ہے وہ اُس وقت پوری ہوئی جبکہ آپ فاتح ہو کر شہر مکہ میں داخل ہوئے جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے بھائی کے سامنے طرح طرح کی مخالفتوں اور ناکامیوں کے بعد آخر شرمندگی کے ساتھ اپنے قصور کا اقرار کیا اور کہا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ۔ اللہ تعالیٰ کی قسم۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر برگزیدہ کر لیا ہے اور ہم خطاکار تھے۔ ایسا ہی جب قریش قریباً ۲۱ سال کی لگاتار اور جان توڑ کوششوں کے بعد آخر عاجز ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے دس ہزار مقدس ہمراہیوں کے شہر مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اُن قریش سے (جو اب تک آپ کے خون کے پیاسے رہے تھے) یہ سوال کیا یا معشر قریش ما ترون انی فاعل فیکم۔ اے قریش اب تم مجھ سے کیسے سلوک کی امید کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا خیرا اخ کریم وابن اخ کریم۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے کیونکہ آپ ہمارے رحیم کریم بھائی ہیں اور ہمارے شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ اُس وقت آپ نے فرمایا انی اقول کما قال اخی یوسف لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝ اذھبوا فانتم طلقاء۔ اب میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے۔ وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ تم چلے جاؤ۔ میں تم سب کو آزاد کرتا ہوں یعنی اگرچہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح تم نے مجھے نابود کرنا چاہا مگر خدائے تعالیٰ نے میری مدد کی اور تم اپنے ارادوں میں ناکام رہے۔

لیکن مَیں آج تمھیں معاف کرتا ہوں اور تمھارے ظلموں سے درگذر کرتا ہوں اور اگرچہ تم اپنے مظالم کی وجہ سے سزائے قتل کے مستحق ہو مگر مَیں تمھیں آزاد کرتا ہوں اور جیسا ہیں تمھارے قصوروں کو معاف کرتا ہوں ایسا ہی میرا خدا بھی معاف کردیگا کیونکہ وہ سب رحم کرنیوالوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اور اگر اُس نے جنگ کا حکم دیا تھا تو وہ اس لیئے دیا تھا کہ تم نے خود پیشدستی کی اور تم نے چاہا کہ تلوار سے مسلمانوں کو نابود کردیا جاوے مگر اب چونکہ تم میں تاب مقابلہ نہیں رہی اس لیئے اب تمھیں معاف کیا جاتا ہے اور تمھارے قصوروں سے درگذر کیا جاتا ہے۔ اس معافی سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ زیادتی کس فریق کی طرف سے ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جیسا میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا ایسا ہی مَیں تمھیں معاف کرتا ہوں اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جیسا حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی قصوروار تھے کیونکہ اُنھوں نے تلوار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی جماعت کو نابود کرنا چاہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حالت کو حضرت یوسفؑ کی حالت سے مشابہ کرتے ہیں اور قریش کے حالات کو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے حالات سے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے تئیں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح مظلوم سمجھتے تھے اور قریش کو ظالم ؎

غرض ہم دیکھتے ہیں کہ سورہ یوسف کے نازل ہونے کے بعد جو واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے وہ بالکل حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات کے مشابہ ہیں گویا سورہ یوسف کیا ہے آپکے آنیوالے واقعات کا نقشہ ہے۔ اسی واسطے اس سورہ کے آغاز میں یہ بیان کیا گیا ہے لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ۝ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں حق کے طالبوں کے لیئے کئی نشانات ہیں۔ اب ناظرین کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان حالات کو کیوں نشانات کہا گیا۔ ان کو اس لیئے نشانات کہا گیا ہے کہ یہ آنیوالے واقعات کی پیشگوئیاں ہیں اور یہ بتلایا گیا ہے کہ جس قسم کے

واقعات حضرت یوسف علیہ السلام کو پیش آئے اور جس طرح اُن کو آخر کار عزت اور کامیابی حاصل ہوئی اور اُن کے بھائی اُنکے آگے ذلیل و ناکام ہوئے اسی طرح اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بھائیوں قریش کا حال ہوگا۔ چنانچہ آنیوالے واقعات نے اس امر کی تصدیق کی۔ اس لیئے ہر ایک بات جو اس سورہ شریفہ میں بیان کی گئی ہے وہ ایک پیشگوئی اور ایک نشان ہے اس لیئے کہ اُس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور آپکے دشمنوں کا کاذب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

پیشتر اس سے کہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کی بحث کو ختم کر دوں میں ناظرین کی توجہ کو ایک اور مماثلت کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں اور وہ مماثلت یہ ہے کہ جیسا حضرت یوسف علیہ السلام پر ایک جھوٹا الزام لگایا تھا مگر آخر کار خدائے تعالیٰ نے اُن کا اس لزام سے بری ہونا ثابت کر دیا۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک جھوٹا الزام لگایا گیا تھا اور وہ الزام یہ تھا کہ آپ اپنے دعوی میں نعوذ باللہ کاذب ہیں مگر خدائے تعالیٰ نے آپ کی نصرت پر نصرت کر کے اور آپ کی صداقت کے بہت سے نشانات ظاہر کر کے آپ کا اس جھوٹے الزام سے بری ہونا ثابت کر دیا۔ کیونکہ اگر آپ نعوذ باللہ اپنے دعوی میں صادق نہ ہوتے تو آپ کا وہی انجام ہوتا جو کاذبوں کا انجام ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے جب سے کہ انبیاءؑ کا سلسلہ قائم کیا ہے اُس کا یہ اٹل قانون چلا آیا ہے کہ وہ صادقوں کی تائید کرتا اور اُن کو اُن کے دشمنوں پر آخر کامیاب کرتا ہے مگر جو جھوٹے طور پر دعوی نبوت کرتے ہیں اور جو جھوٹے طور پر کہتے ہیں کہ ہم پر خدائے تعالیٰ اپنی وحی نازل کرتا ہے حالانکہ خدائے تعالیٰ اُن پر کوئی وحی نازل نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کو خدائے تعالیٰ ناکام کرتا ہے۔ وہ ناکامی اور حسرت کی موت مرتے ہیں اور اُن کا خاتمہ دنیا کے لیئے ایک عبرت کا مقام ہوتا ہے۔ یہ خدائے تعالیٰ اس لیئے کرتا ہے تا سچوں اور جھوٹوں میں تمیز ہو جاوے۔ پس اسی قانون کے مطابق خدائے تعالیٰ نے اوّل سے آخر تک آپکی تائید فرمائی آپکے دشمن باوجود قوت اور طاقت کے آخر کار

عاجز آ گئے اور آپ غالب اور کامیاب ہوئے۔ اور اس طرح خدائے تعالیٰ نے آپ کے صادق ہونے کی خود گواہی دی اور اپنی گواہی سے آپ کا سچا ہونا ثابت کیا اور آپ کو اُس جھوٹے الزام سے بری ثابت کر دیا۔ آپ کی کامیابی کی آخری سیڑھی فتح مکّہ تھی جب کہ خدائے تعالیٰ نے آپکے زبردست اور خونی دشمنوں کو ذلیل کر کے آپ کے پاؤں میں گرا دیا اور اپنی کامل تائید اور نصرت سے آپ کا سچا ہونا ثابت کر دیا۔ اور اُن تمام الزامات سے آپ کو بری کر دیا جو آپ پر جھوٹے طور پر لگائے جاتے تھے۔ اسی واسطے جب آپنے دیکھا کہ اب خدائے تعالیٰ نے اپنی نصرت میں کمال کر دیا ہے تو آپ مکّہ معظمہ میں داخل ہونے سے پہلے اپنے اونٹ پر ہی سجدہ میں گر پڑے اور اپنے اُس خدا کا شکر ادا کیا جس نے اُس دن پورے طور پر آپ کو کامیابی کی آخری سیڑھی پر پہنچا کر اور آپکے دشمنوں کو کُلی طور پر عاجز کر کے آپ کی صداقت کا ایک بے نظیر معجزہ دکھا دیا اور اس طرح اُن تمام فرضی گناہوں کو اپنی نصرت کے پانی سے دھو دیا جو اب تک آپ کی طرف منسوب کیے جا چکے تھے یا آئندہ آپکے بدطینت دشمنوں نے آپ کی طرف منسوب کرنے تھے۔ اسی لیئے خدائے تعالیٰ اس فتح کا ذکر کر کے فرماتا ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (سورہ فتح) یعنی ہم نے تجھے کھلی کھلی فتح دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر عیب تیری طرف اب تک منسوب کیئے گئے ہیں یا آئندہ منسوب کیئے جاوینگے وہ سب ڈھپ گئے ہیں کیونکہ ایسا شخص جس کو خدائے تعالیٰ اس طریق سے اپنی نصرت کے ساتھ مؤید کرے وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا اور اُس کی طرف کوئی ایسا عیب منسوب نہیں ہوسکتا جو جھوٹوں میں پایا جاتا ہے اور اس فتح کے ذریعہ خدائے تعالیٰ نے تجھ پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے ؎

اب میں اُن آیات یعنی نشانات میں سے بعض کا ذکر کر چکا ہوں جو سورہ یوسف میں پائے جاتے ہیں اور جنکی نسبت خدائے فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ

فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِہٖٓ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝ یعنی یوسف علیہ السلام اور اُن کے بھائیوں کے حالات میں بہت سے نشانات ہیں جن سے حق کے طالب فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور جن کی نسبت اس سورہ کریمہ کی ابتدائی آیات میں فرمایا گیا ہے کہ اس سورہ میں ایسے واقعات کی خبر دیجاتی ہے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بے خبر تھے کیونکہ وہ آنیوالے واقعات تھے جنکی خبر دی گئی۔ اب ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ کیوں اس سورہ کریمہ کے مضامین کی نسبت آخر میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ذٰلِکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْہِ اِلَیْکَ۔ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم بذریعہ وحی قبل از وقت تجھ پر اس سورہ شریفہ کے ذریعہ ظاہر کرتے ہیں ؛

اصحاب کہف اب میں ایک اور تذکرہ کی طرف رجوع کرتا ہوں جس کا ذکر قرآن شریف میں بطور پیشگوئی کے بیان فرمایا ہے اور وہ اصحاب کہف کا تذکرہ ہے۔ جو سورہ کہف کے ابتدائی حصہ میں مذکور ہے اس سورہ کے پڑھنے سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی بطور پیشگوئی کے نازل ہوئی۔ اصحاب کہف کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ شروع ہوتا ہے اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَھْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ۝ کیا تو گمان کرتا ہے کہ اصحاب کہف ورقیم ہمارے نشانوں میں سے کوئی عجیب نشان ہیں۔ ان الفاظ میں صریح طور پر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اصحاب کہف کا ایک کہف میں پناہ گزین ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ آپ کے لیئے بھی مقدر ہے کہ آپ بھی اصحاب کہف کی طرح ایک غار میں پناہ گزین ہونگے۔ اصحاب کہف کے متعلق خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّھُمْ فِتْیَۃٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّھِمْ وَزِدْنٰھُمْ ھُدًی ۝ وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلٰـھًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝ ھٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِھَۃً ۝ لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْھِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَیِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۝ یہ لوگ

(اصحاب کہف) چند جوان شخص تھے جو اپنے مالک پر ایمان لائے تھے اور ہم نے اُنکو
اور زیادہ ہدایت دی اور ہم نے اُن کے دلوں کو مضبوط کر دیا تو وہ اُٹھ کھڑے ہوئے
اور کہنے لگے کہ ہمارا مالک تو وہی ہے جو آسمان اور زمین کا مالک ہے ہم تو ہرگز اُس کے
سوا کسی دوسرے خدا کو پکارنیوالے نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہم نے بڑی کفر کی
بات کہی۔ یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بنا رکھے
ہیں۔ اُن کے معبود ہونے پر کوئی کُھلی سند کیوں نہیں لاتے۔ پھر اُس سے
بڑھکر کون زیادہ ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے۔ بعینہٖ یہی عقاید اور یہی
تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اصحاب
کہف کی طرح اُٹھکر کہا کہ خدائے تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور آپ نے بھی
اُن کی طرح جھوٹے معبودوں کی مذمت کی۔ مگر سب سے بڑی مشابہت جو اصحاب کہف
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جیسا کہ اصحاب کہف نے
ایک کہف میں پناہ لی ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک وفادار ہمراہی
کے ساتھ غار ثور میں پناہ لی مگر آپ میں اور اصحاب کہف میں ایک بڑا فرق یہ ہے
کہ آپ نے کوئی بہت لمبا عرصہ اُس غار میں نہیں رہنا تھا جیسا اصحاب کہف کی
نسبت مشہور ہے۔ اس تذکرہ کے آخر میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا
تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَ
اذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ
مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝ یعنی تو کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہہ کہ یہ کام میں کل کروں گا۔
مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے اور جب تو بھول جائے تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر۔ اور کہہ کہ
قریب ہے کہ خدائے تعالیٰ مجھے (اصحاب کہف کی نسبت) زیادہ قریب راہ پر
چلاوے۔ ان الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی
کام کرنے والے تھے اور وہ کام اُسی قسم کا تھا جیسا کہ اصحاب کہف نے کیا۔
یعنی جیسا کہ اصحاب کہف نے بھاگ کر ایک کہف میں پناہ لی ایسا ہی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم بھی کرنے والے تھے۔ لیکن یہ کہ وہ بھاگنا اور اصحاب کہف کی طرح ایک ہولناک اور ڈراؤنی غار میں پناہ لینا کب ہوگا اس امر کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ آپ کوئی وعدہ نہ کریں بلکہ ہر ایک بات خدائے تعالیٰ کے منشار پر چھوڑ دیں جسطرح اور جب خدائے تعالیٰ چاہے گا اس بات کو پورا کردیگا۔ مگر یہ بتلا دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر عرصہ غار میں نہیں رہنا پڑیگا جسقدر کہ اصحاب کہف کی نسبت مشہور ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَ قُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۔ یعنی تو کہ کہ قریب ہے کہ میرا رب مجھے (اصحاب کہف کی نسبت) زیادہ قریب راہ پر چلائے یعنی مجھے خدائے تعالیٰ اس سے بچائے گا کہ مجھے بہت عرصہ تک غار میں رہنا پڑے جیسا کہ اصحاب کہف کی نسبت کہا جاتا ہے بلکہ میرا رب بہت جلدی مجھے اس غار میں سے نکال لے گا۔ اور مجھے ایسی راہ پر چلائے گا جس سے کہ میں جلدی کامیابی کے منزل پر پہنچ جاؤں گا۔ خدائے تعالیٰ نے یہ نہیں بتلایا کہ اصحاب کہف تعداد میں کتنے تھے یا کتنا عرصہ وہ غار میں چھپے رہے بلکہ فرماتا ہے قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ یعنی کہ کہ میرا رب بہتر جانتا ہے کہ اُن کی تعداد کتنی تھی اور فرماتا ہے قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا یعنی کہہ کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنا عرصہ غار میں ٹھہرے رہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کا ذکر کرنے سے خدائے تعالیٰ کی غرض کوئی کہانی بیان کرنا نہیں۔ بلکہ یہ تذکرہ بطور پیشگوئی کے بیان کیا گیا ہے اور خدائے تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ میں اُن غار میں پناہ لینے والوں کی تعداد اور مدت قیام کو بہتر جانتا ہوں یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اُن آدمیوں کی تعداد جو ایک غار میں پناہ لیں گے اور اُن کا غار میں رہنے کا عرصہ یہ ایسی غیب کی باتیں ہیں جن کو اس وقت سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا ؛

غرض جس عظیم الشان واقعہ کی اصحاب کہف کے تذکرہ کے ذریعہ خبر

دی گئی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بمع اپنے یارِ غار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غار ثور میں پناہ گزین ہونے کا واقعہ ہے۔ اُس وقت اگرچہ غار کے اندر دو ہی آدمی تھے اور اُن کے ساتھ تیسرا خدا تھا مگر اُن کے علاوہ بعض آدمی اور بھی تھے جنکا اس عرصہ میں اُس غار کے ساتھ تعلق رہا۔ اُن میں سے ایک حضرت ابوبکرؓ کا غلام عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ تھا جو سارا دن بکریاں چراتا اور شام کے بعد بکریوں کو ہانکتا ہانکتا غار ثور کے پاس لاتا اور اُن کا دودھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پلاتا۔ دوسرا شخص جس کا تعلق غار ثور سے رہا وہ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما تھے۔ یہ سارا دن شہر مکہ میں رہتے اور شام کے بعد اپنی ہمشیرہ حضرت اسمار رضی اللہ عنہا کھانا پکوا کر لاتے اور شہر کے حالات اور قریش کے خیالات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کو مطلع کرتے لکھا ہے کہ کھانا لانے کے بعد یہ غار میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے اور پچھلی رات کو اُٹھکر چلے جاتے۔ ایسا ہی لکھا ہے کہ خود حضرت اسمار رضی اللہ عنہا بھی غار ثور میں تشریف لائیں۔ چنانچہ جب غار ثور سے روانگی کا وقت آیا تو وہ جلدی جلدی سفر کے لیئے کھانا تیار کرکے شام کے بعد غار ثور میں تشریف لائیں مگر جلدی کی وجہ سے وہ تسمہ لانا بھول گئیں جس سے کہ اُس کیسہ کا مُنہ بند کرتیں یا اُس کو اونٹ کے کجاوہ کے ساتھ باندھتیں۔ اس لیئے اپنے ہی کمربند کے دو ٹکڑے کرکے ایک کے ساتھ کیسے کا مُنہ بند کیا اور دوسرے ٹکڑے کے ساتھ اُس کو اونٹ کے کجاوہ سے باندھ دیا۔ اسی وجہ سے وہ تاریخ اسلام میں ذات النطاقین کے لقب سے مشہور ہیں۔ چوتھا شخص جس کو غار ثور سے تعلق تھا اور جو اس معاملہ میں رازدار تھا وہ عبداللہ بن اریقط تھا۔ یہ شخص مشرکین میں سے تھا مگر وہ راستے سے خوب واقف تھا۔ اس لیئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو اس کام کے لیئے پہلے سے مقرر کر رکھا تھا چنانچہ وہ دو اونٹنیاں جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سوار ہوکر مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے گئے وہ اسی عبداللہ بن اریقط یا اریقد یا ارقد کے سپرد تھیں اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ غار ثور میں چھپے ہوئے تھے اُس وقت یہ شخص

اونٹنیوں کو غار ثور کے منہ کے پاس اِدھر اُدھر چراتا رہا اور جب روانگی کا وقت آیا تو اُس نے دونوں اونٹنیوں کو لاکر حاضر کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بطور رہنما کے روانہ ہوا۔ اس مشرک لیکن وفادار خادم کو اگر اصحاب کہف کے وفادار کُتّے سے تشبیہ دیجاوے تو بیجا نہ ہوگا۔ جیسا اصحاب کہف نے کھانا لانیکے لیئے اپنا آدمی شہر میں بھیجا ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آدمی بھی کھانا لانے کے لیئے شہر میں جایا کرتا تھا اور جیسا کہ اصحاب کہف نے مشرکوں کی اذیت کے خوف سے اپنے ساتھی کو تاکید کی تھی کہ ہوشیاری اور احتیاط سے کام لینا اور کسی سے جھگڑا نہ کرنا تا ایسا نہ ہو کہ ہمارے دشمنوں کو ہماری اس پناہ گاہ کی خبر ہو جاوے اور وہ ہمیں مار ڈالیں ایسا ہی اصحاب غار ثور کی طرف سے اُن کے ساتھی عبداللہ بن ابی بکرؓ کو تاکید تھی کہ وہ کسی طرح شہر کے رہنے والوں کو خبر نہ ہونے دے کہ وہ توحید کے حامی کس جگہ پناہ گزین ہیں چنانچہ وہ دن کو چوکنّا ہو کر شہر میں پھرتا اور دشمن کے حالات کی خبر رکھتا اور ایسے وقت میں کھانا لاتا جبکہ کوئی اُس کو دیکھنے والا نہ ہوتا تھا۔ چونکہ اصحاب غار ثور کی نسبت پہلے وعدہ ہو چکا تھا کہ اصحاب کہف کی نسبت خدائے تعالیٰ اُنکو زیادہ قریب راہ پر چلائیگا اس لیئے اصحاب کہف کی جائے پناہ کی تو دشمنوں کو خبر ہو گئی مگر غار ثور کا پتہ نہ لگا جبتک کہ اصحاب غار ثور وہاں سے نکل نہ گئے۔ غار ثور کے اصحاب نے اپنی غار کو چھوڑ کر ایک زیادہ محفوظ جگہ یعنی مدینہ میں جاکر پناہ لی۔ اب کل مشرکان عرب کو خبر ہوگئی کہ وہ موحّدوں کی جماعت جو مشرکانِ مکّہ کی اذیّت سے تنگ آکر بھاگی تھی۔ اُس نے مدینہ میں آکر پناہ لی ہے اور وہ اس جماعت کے نابود کرنیکے لیئے آمادہ ہو گئے۔ یہ اس لیئے ہوا تاکہ اُن کو معلوم ہو کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور موعودہ گھڑی میں کوئی شک نہیں یعنی خدائے تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والی جماعت غالب آئیگی اور اُن کے دشمن جو اُن کو نابود کرنا چاہتے تھے وہ خود نابود کیئے جائیں اور تاکہ حق اور باطل کے فیصلہ کی گھڑی ظاہر ہو جاوے۔ (وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا۔ اسی طرح ہم نے اُنکی خبر کھولدی تا اُن کو معلوم ہو جاوے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ (نصرت الٰہی کا) سچا ہے اور جس گھڑی کی خبر دیگئی

تھی اُس میں شک نہیں) یہ وعدہ بدر کے میدان پر پورا ہوا اور اُس دن کا نام خدائے تعالیٰ نے یوم الفرقان رکھا ہے (انفال - ۵) یہی وہ موعودہ گھڑی تھی جس کی نسبت خدائے تعالیٰ نے بطور پیشگوئی کے فرمایا تھا قُلْ لَّكُمْ مِّيعَادُ يَوْمٍ (سورہ سبا) اگرچہ قریباً سارا عرب ان موحدوں کی جماعت کا جانی دشمن تھا لیکن اس ملک میں ایک ایسی جماعت بھی پیدا ہوگئی جو انکی طرفدار ہوگئی اس جماعت کا نام انصار کی جماعت ہے جب موحدوں کی جماعت کو انہوں نے اپنے ہاں پناہ دی تو انہوں نے انکے لیئے ایک مسجد تیار کی اور یہ مسجد جو غریب مہاجرین کی جائے پناہ میں تیار کی گئی اب تک موجود ہے۔ نہیں بلکہ جس جگہ اصحاب غار ثور نے پہلے پہل آکر مدینہ سے باہر راستہ کی تکلیف اور تھکان سے آرام کیا وہاں بھی انصار نے ایک مسجد بنائی جو مسجد قُبا کے نام سے مشہور ہے اور مسجد اُس غار ثور میں پناہ لینے والے موحد کا ایک ایسا نشان ہے کہ جہاں جہاں اُسکی تعلیم پھیلی ہے وہاں یہ نشان بھی موجود ہے (قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا) اصحاب کہف کے انصار نے تو ایک مسجد بنائی مگر اصحاب غار ثور کے خدام نے ہزاروں نہیں لاکھوں نہیں بلکہ بے شمار مسجدیں بنائیں۔ غرض اصحاب کہف کا واقعہ خدائے تعالیٰ نے بطور قصہ کے بیان نہیں کیا بلکہ یہ ایک پیشگوئی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعات کی خبر دیتی تھی اور اس کے علاوہ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں اور بھی آنیوالے واقعات کی خبر دی گئی ہے مگر جو کچھ یہاں لکھا گیا ہے وہ اس بات کے ثابت کرنیکے لیئے کافی ہے کہ اصحاب کہف کے حالات کہانی کے رنگ میں بیان نہیں کیئے گئے بلکہ جیسا دوسرے حالات بطور پیشگویوں کے بیان کیئے گئے ہیں۔ ایسا ہی یہ بھی بطور پیشگوئی کے بیان کیئے گئے ہیں ؛

مینے گذشتہ نمبر میں اور نیز اس مضمون میں (بتوفیق ایزدی) یہ دکھایا ہے کہ قرآن شریف میں جو گذشتہ انبیاء اور گذشتہ قوموں کے حالات بیان کیئے گئے ہیں وہ بطور قصہ کے بیان نہیں کیئے گئے بلکہ ان میں آنیوالے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ یہ امر - اوّل تو اُن حالات کے پڑھنے سے ظاہر ہو جاتا ہے دوسرا اس سے کہ انکی نسبت صراحتہً یہ لکھا ہے کہ یہ انباء الغیب یعنی آنیوالے واقعات کی خبریں ہیں۔ ایک اور بڑی بھاری

دلیل اُن کے پیشگوئیاں ہونیکی یہ ہے کہ یہ سب کے سب حالات مکّی زمانہ میں نازل ہوئے اسلام مکّہ میں پیدا ہوا۔ اور مکّہ کے مسلمان نہ صرف ضعیف اور کمزور تھے بلکہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سے ناقابل بیان اذیّت اُٹھا رہے تھے۔ ایسے حالات میں جبکہ اسلام ابھی ابتدائی حالت میں تھا اور مسلمان طرح طرح کے دُکھ دیئے جاتے تھے۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس مذہب کا انجام کیا ہوگا۔ ایسے وقت میں خدائے تعالیٰ نے گذشتہ انبیاءؑ اور گذشتہ اُمّتوں کے حالات کے ذریعہ اور نیز دوسری پیشگوئیوں کے ذریعہ اپنے نبی کو (فداہ امی و ابی) خبر دی کہ تو مظفر و بامراد ہوگا اور تیرے دشمن ذلیل و ناکام ہونگے اور یہ کہ ایک زمانہ آنیوالا ہے کہ ملک میں صرف تیرے ہی پیرو ہونگے اور تیرے دشمنوں کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔ یہ سب پیشگوئیاں ایسے وقت میں مشتہر کی گئیں جبکہ اُن کے پورا ہونے کا کوئی نشان موجود نہ تھا۔ دشمن طاقتور اور زور آور تھے اور اسلام کے پیرو نہایت کمزوری اور بے بسی کی حالت میں تھے۔ مسلمان مارے مارے پھرتے تھے۔ اور اُنکو سر چھپانے کے لیئے جگہ نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ جیسے عظیم الشان انسان کو مکّہ سے بھاگنا پڑا اور آخر ایک قوم کے رئیس کی سفارش سے آپ کو مکّہ میں بعض شرائط کے ماتحت رہنے کی اجازت دی گئی۔ ایسے وقت میں یہ پیشگوئی کی گئی کہ یہ طاقتور دشمن سب کے سب یا تو ہلاک ہوجائیں گے یا اسلام میں داخل ہونگے اور یہ ملک جو اب بُت پرستی کا گھر ہے اسمیں اسلام ہی اسلام ہوجائے گا۔ جن واقعات کی انبیاءؑ کے حالات کے ذریعہ خبر دی گئی وہ ایک عرصہ کے بعد ہُو بہُو پورے ہوگئے۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو دیکھو۔ جن عظیم الشان واقعات کی اس میں خبر دی گئی ہے کیا کوئی انسان اُسوقت اُن واقعات کو قبل از وقت بیان کرسکتا تھا۔ کیا اُس وقت کوئی شخص کہہ سکتا تھا کہ یہ نبی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح جنگل کے ایک گڑھے میں رہکر ایک غیر شہر میں جائے گا اور وہاں جاکر خدائے تعالیٰ اُس کو ایسی عزت اور ایسا جلال بخشیگا کہ آخر مغرور قریش حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح آپ سے نہایت عاجزی کے ساتھ طالب معافی ہونگے۔ کون اِن واقعات کو اُس وقت بیان کرسکتا تھا۔ یہی حال اُن

پیشگوئیوں کا ہے جو دوسرے انبیاءؑ کے تذکروں میں پائی جاتی ہیں۔ ان تذکروں کا ایسے وقت میں نازل ہونا جب اُن واقعات کا ابھی نام و نشان بھی نہ تھا جن کی ان میں خبر دیگئی تھی اور پھر ان واقعات کا ہُو بہُو واقع ہونا اس بات کا ایک صریح ثبوت ہے کہ یہ تذکرے اس بات کے ثابت کرنے کے لیئے بیان نہیں کیئے گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ کہانیاں بیان کر سکتے ہیں بلکہ انکو بطور پیشگویوں کے بیان کیا گیا ہے ؛

ان تذکروں کا پیشگوئیاں ہونا اُس جواب سے بھی ظاہر ہے جو خدائے تعالیٰ نے اُن مشرکوں کو دیا ہے جو حقارت سے قرآن شریف کا نام اساطیر الاوّلین رکھتے تھے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ کہ اس کو اُس خدا نے نازل کیا ہے جو ہر ایک پوشیدہ بات کو جو آسمان اور زمین میں ہے جانتا ہے یعنی یہ کہانیاں نہیں ہیں بلکہ یہ آسمان اور زمین کے اسرار ہیں یعنی وہ غیب کی خبریں جن کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہے اور جو زمین پر ظاہر ہونے والی ہیں ؛

اب اس بات کا جانچنا کہ آیا یہ تذکرے خدائے تعالیٰ کا کلام ہیں یا کسی انسان کی بناوٹ ہیں بالکل آسان ہے۔ اگر یہ صرف بطور کہانیوں کے بیان کیئے جاتے تو شاید اس امر کا فیصلہ کرنا مشکل ہوتا مگر اب چونکہ قرآن شریف اُن کو بطور پیشگوئیوں کے بیان کرتا ہے اور مخالفین اسلام کو ان سے سبق حاصل کرنے کا حکم کرتا ہے اس لیئے ہمارے ہاتھ میں اب ایک پختہ معیار آگیا ہے جس سے ہم ان کا الہامی یا غیر الہامی ہونا آسانی سے جانچ سکتے ہیں۔ اب امور تنقیح طلب یہ ہیں (اوّل) آیا یہ تذکرے جو آئندہ واقعات کو ظاہر کرنیکا دعویٰ کرتے ہیں دراصل اُن واقعات کے ظہور سے پہلے نازل ہوئے یا بعد (دوم) آیا ان واقعات کی اُس وقت خبر دینا جبکہ یہ سورتیں نازل ہوئیں انسان کی طاقت میں تھا (سوم) آیا جن واقعات کی اُن میں خبر دی گئی ہے وہ پورے ہوئے یا نہ (چہارم) کیا ان پیشگویوں کا پورا ہونا ایک نبی کی سچائی کا نشان ہو سکتا ہے یا نہیں ؛ ان سوالات کے جواب صاف ہیں جن سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ یہ سورتیں اُن واقعات کے ظہور سے بہت عرصہ پہلے نازل ہوئیں جنکی ان میں خبر دی گئی ہے۔ اور ایسے وقت میں نازل ہوئیں جبکہ کسی انسانی طاقت میں یہ تھا

کہ اُن واقعات کی خبر دے سکے۔ اور کوئی اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ واقعات جنکی ان سورتوں میں خبر دیگئی تھی ہو بہو واقع ہو گئے پس اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ باتیں خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں۔ اور جسپر یہ خبریں نازل ہوئیں وہ ایک سچا نبی تھا۔

ان پیشگوئیوں کی حقیقت سمجھنے کے لیئے ضروری ہے کہ ان سورتوں کے پڑھنے کے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا جاوے کہ اُس وقت مسلمانوں کی کیا حالت تھی ایک طرف ان زبردست پیشگوئیوں کو پڑھو اور دوسری طرف اُس زمانہ کی تاریخ کا مطالعہ کرو کہ مسلمان کیسی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے پھر تمھیں معلوم ہو جائیگا کہ یہ کیسی زبردست پیشگوئیاں ہیں جن سے نہ صرف خدائے تعالیٰ کا علم ثابت ہوتا ہے بلکہ اُس کی قدرت اور طاقت کا بھی پتہ لگتا ہے۔ کاش کہ دنیا ان پیشگوئیوں کو غور سے پڑھے اور پھر ساتھ ہی اُس زمانہ کا نقشہ اپنے سامنے رکھے جس زمانہ میں یہ پیشگوئیاں نازل ہوئیں۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جسمیں خدائے تعالیٰ کا چہرہ صاف صاف نظر آجاتا ہے اور یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

سکھ صاحبان کا چیلنج اور ڈبل چیلنج منظور

ہر خاص و عام کو واضح رہے کہ آج سے سولہ سال پہلے ہمارے مرشد و آقا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قدس اللہ سرہ نے نہایت تحقیق کے بعد اپنی کتاب ست بچن میں یہ امر شائع کیا کہ حضرت باوا نانک صاحب علیہ الرحمۃ ایک راستباز مسلمان اور خدا کے ولی تھے۔ اس تصنیف کے بعد بھی حضرت مرزا صاحب مختلف کتب میں اس مضمون پر کچھ نہ کچھ ارقام فرماتے رہے۔ عرصہ تین سال کا ہوا ہے کہ ہمارے ایک نومسلم دوست شیخ عبد الرحمٰن صاحب (مہر سنگھ نومسلم) نے ایک کتاب باوا نانک صاحب کا چولہ لکھی۔ یہ کتاب بھی تین سال سے شائع ہے اُس کتاب کی بنا پر سکھ صاحبان کی طرف سے دو چیلنج ایک لاہور اور دوسرا امرتسر سے شائع ہوئے ہیں۔ یہ معاملہ چونکہ نہایت اہم ہے اور اس میں اصل غرض

احقاق حق ہے اور چونکہ اس چیلنج کا جواب دِہ نہ صرف کوئی خاص احمدی فرد ہے بلکہ کُل احمدی جماعت ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت باوا صاحب مسلمان تھے۔ اس لیئے اس چیلنج کی مخاطب کُل جماعت احمدیہ ہم سمجھتے ہیں۔ ہم سکھ صاحبان کی خدمت میں بذریعہ اشتہار اطلاع دیتے ہیں کہ ہم آپ کا چیلنج قبول کرتے ہیں لیکن ہم اس امر کے متعلق تحقیق یا مباحثہ ایسی صورت میں کرنا چاہتے ہیں کہ جس سے کوئی مفید نتیجہ بھی پیدا ہو اور امن عامہ میں بھی خلل نہ آوے اور معاملہ بھی خوش اسلوبی سے طے ہو جاوے۔ سکھ صاحبان جس مقام اور جس شہر میں مباحثہ کرنا چاہیں وہاں کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کی اجازت اس معاملہ میں حاصل کریں۔ اور اس کے بعد ہم سے مباحثہ کی شرائط طے کر لیں شرائط بالتفصیل تو بروقت طے ہو جاوینگی لیکن ذیل کی شرائط کا ہونا ضروری ہوگا۔ مباحثہ کسی خاص مکان کے اندر ہوگا جس میں فریقین کی طرف سے خاص تعداد کے آدمی شریک ہونگے اس مکان میں حفظ امن قائم رکھنے کا کافی انتظام ہوگا اور اس کے ذمہ دار سکھ صاحبان ہیں سے کوئی ایسا شخص ہوگا جس کو ہم یا پبلک ذمہ وار سمجھ سکیں ذمہ یہ سکھ صاحبان نے اپنے چیلنج میں خود لے لیا ہے۔ مباحثہ تحریری ہوگا خاص وقت فریقین کو دیا جاوے گا۔ فریقین کی طرف سے ایک ایک مباحثہ کرنیوالا ہوگا اور اس کے سوا کسی اور کو بولنے کا حق نہ ہوگا ؛

اگر اس اصول پر سکھ صاحبان کوئی مباحثہ کرنا چاہیں تو ہم طیار رہیں اور ہم اُن کا چیلنج قبول کرتے ہیں۔ اُن کے جواب پر ہماری طرف سے چند اصحاب امرتسر میں شرائط طے کرنیکے لیئے آسکتے ہیں۔ جواب میں یہ بھی ہنو چاہیئے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی اجازت حاصل کر لی گئی ہے ؛

ہاں یہ بھی یاد رہے کہ ست سنگھ سبھا امرتسر کے لیئے لازمی ہوگا کہ یہ اہم مباحثہ جسکا تعلق تمام سکھ قوم کے افراد ...... کے ساتھ ہے چیف خالصہ دیوان امرتسر کو بھی اس میں شامل کریں اور انکی طرف سے اعلان شائع کرادیں کہ فتح و شکست کیحالت میں وہ بھی اُن کے شریک اور حصہ دار ٹھہریں گے ؛

المشتہر :- محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان - مورخہ ۶- مئی سنہ ۱۹۱۱ء

ریویو

الاسلام:۔ اس نام کا ایک ہفتہ وار اخبار زیر ایڈیٹری چودھری مولوی عبد اللطیف صاحب راجپوت ابھی لاہور سے شائع ہوا ہے۔ جس کا پہلا نمبر ہمارے پاس پہنچا ہے۔ اس اخبار کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں نہ صرف عام اخباروں کی طرح دنیا کی خبریں اور واقعات تازہ بتازہ شائع کیئے جاتے ہیں اور ضروری نوٹ اور رائیں درج کیجاتی ہیں۔ بلکہ اسلامی مضامین بھی درج کیئے جاتے ہیں پس یہ نہ صرف ایک عام اخبار ہے بلکہ ایک مذہبی اخبار بھی ہے اور ہم پہلے نمبر کو دیکھ کر اُمید کرتے ہیں کہ یہ ان دونوں غرضوں کو بخوبی انجام دے گا۔ جو شخص مذہبی مذاق رکھتے ہیں اور ساتھ ہی عام خبروں سے بھی آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں اُنکے لیئے اُمید ہے کہ یہ اخبار بہت مفید ثابت ہوگا۔ لکھائی اور چھپائی عمدہ ہے۔ حجم ۱۶ صفحہ۔ عام قیمت ستے ؍ سالانہ ۔

آریہ دھرم کا فوٹو:۔ یہ رسالہ شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور قادیان کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ یہ کتاب صحیح معنوں میں آریہ دھرم کا فوٹو ہے۔ لائق مصنف نے سوال جواب کے پیرایہ میں آریہ دھرم کی تعلیم کی تمام شاخوں کا پورا نقشہ کھینچا ہے آجکل چونکہ آریہ صاحبان دوسرے مذاہب پر حملہ کرنیکا بہت شوق رکھتے ہیں۔ اسلیئے ضروری ہے کہ انکے اپنے مذہب کی حقیقت کو بھی فاش کیا جاوے اور یہ غرض آریہ دھرم کے فوٹو نے بہت اچھی طرح ادا کی ہے۔ اسکا پڑھنا نہ صرف مسلمانوں کے لیئے مفید ہوگا بلکہ دیگر مذاہب کے پیروؤں کیلیئے بھی قیمت ۶ ؍

بدھ اور اسلام:۔ مؤلفہ جناب میر محمد اسحٰق صاحب۔ اسمیں لائق مصنف نے بدھ کے ان اعلیٰ اصولوں جنپر بدھ کے پیروؤں کے علاوہ اس زمانہ میں مولوی عزیز مرزا صاحب جیسے لوگ بھی فخر کیا کرتے ہیں کہ ایسے اصول دنیا کے کسی مذہب میں بھی نہیں پائے جاتے انکی بالمقابل قرآن کریم کی تعلیم نہایت ہی آسان اور عام فہم پیرایہ میں بالترتیب بیان فرمائی ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصنف موصوف نے نہایت ہی محنت اور جانفشانی سے اس کتاب کو طیار کیا ہے۔ بہرحال میری رائے میں یہ کتاب علاوہ بدھ مذہب کے محققوں کے دوسرے لوگوں کو بھی ضرور مطالعہ کرنی چاہیئے چھپائی اور کاغذ وغیرہ عمدہ ہے تقطیع ۲۰×۲۶ صفحات ۸۰ قیمت ۳ ؍ محمد یامین تاجر کتب مہاجر سہارنپوری حال قادیان سے طلب کریں۔ حضرت خلیفۃ المسیح

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۱ء نمبر ۶

چندہ سالانہ عوام سے عا طلبا سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰-جون سنہ ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ

رسالہ

اصولِ اسلام

یعنی وہ لیکچر جو جلسہ مذاہب الہ آباد میں

بڑی شان وشوکت سے پڑھا گیا۔

شیخ عبد الرحمن صاحب احمدی قادیانی تاجر کتب قادیان سے

محصولڈاک بھیجنے سے مفت مل سکتا ہے

المشتہر

مینیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علےٰ رسولہ الکریم

قرآن کریم کے الہامی ہونے پر بائیبل کی شہادت

ہم کو نہایت افسوس اور تعجب سے لکھنا پڑتا ہے کہ یسوعی اہل قلم جب اسلام اور قرآن پر نکتہ چینی کرنے بیٹھتے ہیں تو نہ صرف عقل سلیم کو فارغ خطی دیدیتے ہیں بلکہ قوّت حافظہ سے بھی اُن کا اسقدر بگاڑ ہو جاتا ہے کہ فرط نسیان میں مقدّس بائیبل اُن کی یادداشت سے محو ہو جاتی ہے جائے حیرت ہے کہ اگر قرآن کریم کو انسانی بناوٹ (معاذ اللہ) یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) جھوٹا نبی ثابت کرنا ہو تو ہمارے یسوعی دوست دفتر کے دفتر سیاہ کرڈالیں گے مگر خیر سے دلائل دینگے تو ایسے بھونڈے اور بے جوڑ کہ جن سے اُنکی اپنی بائیبل ہی مورد الزام ٹھہر جاتی ہے۔ ہم کو رہ رہ کر اس بات پر تعجب آتا ہے کہ جب پادری صاحبان بائیبل سے عملاً فائدہ نہیں اُٹھاتے اور نہ ہی اسے اپنا دستور العمل ٹھہراتے ہیں تو پھر اس موٹی بوجھل کتاب کو کیوں بغل میں دبائے پھرتے ہیں؟ کہنے کو تو وہ ہونٹ چبا چبا کر کہدینگے کہ یہ خدا کا کلام ہے مگر اُن کا عمل اُن کے اس قول کی تکذیب کرتا ہے اور روز روشن کی طرح ظاہر کرتا ہے کہ اُن کا بائیبل کی تعلیم پر ایک شعشہ بھی ایمان نہیں۔ مسیح نے تو کہا تھا کہ مَیں شریعت کے مٹانے کو نہیں آیا مگر مسیح کے نام لیوا نہ صرف اس شریعت کو ہی ملیامیٹ کرتے ہیں بلکہ کتاب مقدس کی ہر ایک سچائی اب اُن کے نزدیک سچائی ہی نہیں۔ خدا کا کلام اب عیسائی پادریوں کی آنکھ میں کلام خدا نہیں رہا بلکہ ایک متروک تحریر ہے جسے وہ ردّی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل سمجھتے ہیں۔

پیارے ناظرین! اگر آپ ہم سے ہمارے اس دعویٰ کی دلیل پوچھیں تو ہم آپ کی توجہ عیسائی مصنفین کے اس طرز استدلال کی طرف منعطف کراتے ہیں جو ہمارے مہربان قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے وقت استعمال فرماتے ہیں۔

ذرہ سی توجہ کے بعد آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ مسیح کے پرستار اسلام کی نسبت وہ وہ باتیں پیش کرتے ہیں جن کو انکی اپنی بائیبل غلط قرار دیتی ہے۔ یہ ہرگز ہرگز قرین قیاس نہیں کہ وہ بائیبل کے مضامین سے ناآشنا ہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ بہت سی اُن سچائیوں سے تو بخوبی واقف ہیں جو حضرت موسیٰ و دیگر انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں مگر وہ دیدہ و دانستہ ان سچائیوں کو محض اس لئے نظرانداز کرتے ہیں کہ ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی کی تصدیق ہوتی ہے قرآن مجید کا منجانب اللہ ہونا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا کی طرف سے مبعوث ہو کر آنا ایسی باتیں تھیں جو بائیبل کی طرف رجوع کرنے سے بآسانی فیصل ہو سکتی تھیں لیکن جھوٹ کے پیارنے مسیحی واعظین کو راستی سے ایسا دُور کر دیا ہے کہ وہ اسلام کی سچائی کو اُس محک پر ہرگز کَسنا نہیں چاہتے جو انکی اپنی مقدس کتاب میں دی ہوئی ہے حالانکہ ایسا کرنے سے وہ خود بائیبل کئی ایک کتابوں کا مجموعہ ہے اور یسوعی صاحبان کہتے ہیں کہ انکے مصنف صاحب الہام تھے اور وہ ان کتابوں کو انسان کا کلام نہیں کہتے بلکہ 'خدا کا کلام' کہکر پکارتے ہیں۔ اب ہم یہاں پر مسیحی دوستوں سے سوال کرتے ہیں کہ اگر یہ کتابیں خدا کا کلام ہیں اور اگر اُن کے مصنفین صاحب الہام تھے تو پھر سچے اور جھوٹے نبی میں یا خدا کے کلام اور انسانی بناوٹ میں تمیز اور امتیاز کرنے کے لئے آپکے ہاں کیا معیار رکھا گیا ہے؟ اگر ان کتابوں میں کوئی ایسا معیار نہیں تو ان کا وجود و عدم وجود برابر ہے اور یہ محض لاشئے و بے حقیقت ہیں اگر کثیر التعداد اسرائیلی انبیاء نے خدا کے سچے الہام و سچے نبی کے پہچاننے کا کوئی معیار نہیں ٹھہرایا تو انہوں نے بنی نوع انسان کے لئے کچھ بھی نہیں کیا اور انکی تعلیم سخت ناقص اور نامکمل ہے۔ اگر عہد عتیق کی چالیس کی چالیس کتابیں ہمیں سچے نبی کی شناخت کا معیار بتلانے سے قاصر ہیں تو ان کا نزول بے سود اور بے فائدہ تھا۔ لیکن جب

بائبل کے ماننے والوں کی تحریروں اور خصوصاً اُن تحریروں کو جو قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لکھی جاتی ہیں دیکھا جاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُنکی کتابیں کسی ایسے معیار سے معرا ہیں۔ جو سچے نبی اور جھوٹے دعویدار نبوت میں تمیز کرائے۔ اگر ان کتابوں میں حقیقتاً سچے نبی کی شناخت کے لیے کوئی تعلیم درج نہیں اور سچے و جھوٹے میں تمیز کرنے کا کوئی معیار ہی نہیں بتلایا گیا تو ہم بڑی جرأت اور تحدی سے پوچھ سکتے ہیں کہ ایسی کتابوں کے ماننے والوں کو کسی نبی کی سچائی پر سوال کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ جن کی مقدس کتاب ہی اس امر پر ہرگز روشنی نہیں ڈالتی کہ سچے کی کیا علامت ہوتی ہے اور جھوٹا کس طرح پہچانا جاتا ہے ایسے اندھیرے والوں کو بھلا دکھائی دے تو کیونکر؟ مگر لطف یہ ہے کہ باوجود نابینا ہونیکے یہ لوگ آنکھیں رکھنے کے مدعی ہیں اور بڑی جرأت سے کہدیتے ہیں کہ فلاں نبی سچا اور فلاں جھوٹا تھا۔

معزز ناظرین! یہاں پر لامحالہ آپکے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ آیا بائبل جسمیں تورات زبور وغیرہ مقدس کتب اور صحائف انبیاء بھی شامل ہیں واقعی اس اہم اور ضروری مسئلہ پر یعنی راستباز اور کذاب مدعیان نبوت کے معاملہ میں خاموش اور ساکت ہیں؟ بائبل پر کمزور اور ناقص ایمان رکھنے والے مسیحی تو اس سوال کا جواب دینا اپنے لیئے موت سمجھیں گے مگر چونکہ اُنکی اس موت میں اسلام کی زندگی ہے لہٰذا ہم بتلاتے اور کھولکر بتلاتے ہیں کہ نصاریٰ کی مقدس کتب میں راستباز اور کذاب مدعیان نبوت کی شناخت کا معیار موجود ہے۔ اور اس معیار کے ذریعہ سے رسالت کے کسی مدعی کا دعویٰ بآسانی جانچا جا سکتا ہے۔ اگر ہم ایسا معیار مسیحی کتب مقدسہ میں سے دکھادیں تو یسوعی منادوں کا عین فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اسے تسلیم کریں اور جس نبی کی سچائی پر اُنکو شبہ ہو اُس کو اس محک پر کس کر دیکھ لیں۔

اب ہم بتاتے ہیں کہ بائبل نے کہاں کہاں اس معیار کا ذکر کیا ہے۔ اگر استثنا باب ۱۸ کی مفصلہ ذیل سطر کو بہ نظرِ غور دیکھا جاوے تو ہرگز اس امر میں شک و شبہ

کی گنجائش نہیں رہتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی سے خدائے تعالیٰ نے راستباز اور کذاب میں تمیز کرنے کا معیار سکھا دیا تھا اور اگر موسوی سلسلہ کے آخری خلیفہ یعنی مسیح ناصری علیہ السلام پر ایمان لانیوالے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ایمان میں غلو کرنیوالے لوگ ذرا سی توجہ سے کام لیتے تو اسی معیار پر پرکھنے سے اُنکو مثیل موسیٰ یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت نظر آجاتی ہے۔ محولہ بالا عبارت حسب ذیل ہے۔

"لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی ہلاک ہوگا (اردو تراجم میں لکھا ہے کہ وہ نبی قتل کیا جاوے مگر یہ ترجمہ غلط اور محرف ہے۔ اصل عبرانی میں موت کا لفظ ہے اور انگریزی تراجم میں بھی مرنے کا ہی لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نبی ایک ناکامی کی موت مریگا) استثناء ۱۸-۲۰" اس جگہ خدائے تعالیٰ نے کسی نبی کی شناخت کے لیئے ایک یقینی معیار مقرر فرمایا ہے۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسے مدعی نبوت کو ہلاک کردیتا ہے جو اپنی من گھڑت باتوں کو اس کی پاک ذات کی طرف منسوب کرتا ہے۔ وہ غیور خدا ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اس کے نام سے اس کی مخلوق کو دھوکہ دیا جائے اُس کے قہر کی آگ ایسے شخص کے خلاف پورے زور سے بھڑکتی ہے جو جھوٹے الہامات دنیا میں شائع کرتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ الہامات تو درکنار خدائے تعالیٰ کی آنکھ میں وہ شخص بھی مقہور گردانا جاتا ہے جو اپنے کسی ایک لفظ کو بھی جھوٹ موٹ خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بغرض محال اگر کوئی نبی ہزاروں سچے الہامات شائع کرنیکے بعد کوئی ایک آدھ کلمہ ایسا بھی شائع کردے جو دراصل اُسکی اپنی بناوٹ ہے اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے وہ کلمہ القاء نہ کیا گیا ہو تو ایسا شخص بھی غضب الٰہی کا مورد ہوگا اور صرف اس ایک طبعزاد کلمے کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے منسوب کرنیکی پاداش میں اسکے تمام اعمال حبط کیئے جائیں گے۔

اب ہم مسیحی صاحبان سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا مذکورہ بالا عبارت خدا کا کلام ہے یا نہیں؟ آیا مسیحیوں کے نزدیک اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونا مسلم ہے یا نہیں؟ اگر یہ الفاظ عیسائیوں کے اعتقاد کے بموجب خدا کا سچا الہام ہیں تو ضرور ہے کہ جو معیار ایک صادق نبی کی شناخت کیلئے ان میں دیا گیا ہے وہ بھی سچا ہو اور جو نبی اپنی کذب بیانی سے کسی بات کو جو درحقیقت خدائے تعالیٰ کا الہام نہیں جھوٹ موٹ اُس پاک ذات کی طرف منسوب کرے وہ ناکام و نامراد ہو کر ہلاکت کے گڑھے میں گرنا چاہیئے۔

مسیحی صاحبان! اگر تمھیں کتاب مقدس کے الہامات پر ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہے اور اگر تم کتاب مقدس کے اُس حصہ کو خدا کا کلام جانتے ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا تو پیارو! ہم اُن سچائیوں کا واسطہ دیکر جو خدا کے نبی دنیا میں وقتاً فوقتاً لاتے رہے ہیں آپ کی خدمت میں درخواست کرتے ہیں کہ معیار مذکورہ پر۔ جو تمھاری اپنی کتاب میں درج ہے اور جسے تم کلام خدا بھی کہتے ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی کو پرکھ لو۔ صاحبو! دیدہ دانستہ حق کا چھپانا اور جھوٹ سے پیار کرنا انسان کو خدائے تعالیٰ اور اُس کے پاک بندوں اور خود اُس کے اپنے ضمیر کی آنکھ میں ذلیل و رسوا کر دیتا ہے آؤ حق کی طرف رجوع کرو ؎

کب تک کروگے دوستو تم جھوٹ سے پیار حق کی طرف رجوع بھی لاؤگے یا نہیں۔

اے جناب دیکھو اور کان کھولکر سنو! محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہیں بلکہ لاکھوں کلمات کو خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے اور ہم کو قرآن کریم کے لفظ لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ جس شخص پر یہ کتاب نازل ہوئی تھی وہ اس بات کا مدعی تھا کہ اس کا ہر لفظ براہ راست خدائے تعالیٰ کی طرف سے اس کو وحی کیا گیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو قرآن کریم کی ہر ایک آیت کو خدائے تعالیٰ کے مُنہ کی بات قرار دیتے تھے اور بڑی وثوق اور یقین سے اپنے ہر الہام کو کلام الٰہی کے نام سے یاد فرماتے تھے۔ پھر یہ سلسلہ الہام ایک دن۔ ایک ہفتہ۔ ایک ماہ یا ایک سال میں ختم نہیں ہوا بلکہ قریباً ربع صدی یعنی

۲۳ سال ... تک جاری رہا۔ اور اس عرصہ میں وہ خدا کا مقدس بندہ بجائے ناکام ہونیکے کامیاب ہوتا گیا اور بجائے زوال پانے کے با اقبال ہوا کتب سماوی کے ماننے والو! خدا کو عادل سمجھنے والو!! راستی سے پیار اور جھوٹ سے نفرت رکھنے والو!!! اللہ کے لیئے خدا لگتی بات کہنا۔ بھلا کیا جھوٹے مدعیان نبوت سے بھی یہی سلوک ہوا کرتا ہے یا ہونا چاہیئے تھا جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ تورات کے قائم کردہ معیار کے بموجب تو خدائے تعالیٰ کی طرف صرف ایک جھوٹا کلمہ منسوب کرنا ہی اُسکے غضب کی آگ کو بھڑکانے اور ایسے کاذب نبی کو بھسم کرڈالنے کا باعث ہوسکتا تھا مگر یہاں تو معاملہ ہی اور ہے۔ اسرائیل کے بھائیوں میں سے پیدا ہونیوالے نبی کی تائید کے لیئے آسمان سے ہر صبح ایک تازہ نشان اور ہر شام ایک نئی شان کا ظہور ہوتا گیا۔ ہر مہینے اُس کے فتوحات میں اضافہ اور ہر سال اُسکے جلال میں ترقی ہوتی رہی اور وہ ہرگز دنیا سے نہ اُٹھایا گیا جبتک کہ الیوم اکملت لکم دینکم کی فرحت افزا اور پرجاہ وجلال نوید اُسکے حق شنو گوش میں نہ پہنچائی گئی۔ اللّٰھم صل علی محمدٍ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ؛

مسیحی دوستو! جن قدوسیوں کے سردار کو تمھاری گندی زبانیں جھوٹا نبی (نقل کفر کفر نباشد) کہتی ہیں اگر تم آنکھوں سے تعصب کی پٹی اُٹھا کر اُسکی زندگی پر غور کرتے اور عرب سے ویران ملک میں جو باغ اُس نے لگایا تھا اُس پر نظر ڈالتے تو تمھیں معلوم ہوتا کہ ہر ایک بیج جو اس مقدس مالی نے بویا وہ اوگا۔ بڑھا۔ پھولا اور پھلا اور ایسا باور درخت ہوا کہ اُس مالی نے اپنی عین حیات میں خود اُس کا میوہ کھایا اور جھولیوں بھر بھر لوگوں میں تقسیم کیا خدائے تعالیٰ نے اُسے ایسی کامیابی عنایت فرمائی جسکی نظیر تاریخ عالم کے صفحات پر مفقود ہے۔

پس توریت شریف کے مقرر کردہ معیار کے بموجب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے سچے اور راستباز نبی تھے اور اگر انبیاء علیہم السلام کے مدارج مقرر کیئے جائیں تو اُن تمام لوگوں کی نسبت جو نبوّت کے خلعت سے سرفراز کیئے گئے ہیں اسلام کا

معزز و ممتاز نبی بڑھ چڑھکر راستباز ثابت ہوتا ہے۔

مسیحیو! اگر تمھارا یہ ایمان ہے کہ حضرت کلیم اللہ اللہ تعالیٰ کے مکالمہ اور مخاطبہ سے ممتاز تھے اور اگر توریت شریف کا مقرر کردہ معیار تمھارے نزدیک غلط نہیں تو پھر تم پر لازم ہے کہ تم اُس نبی کو بھی خدائے تعالیٰ کا سچا رسول تسلیم کرو جو مکہ میں مبعوث ہوا تھا۔ اس نبی کی زندگی دوسرے انبیاء کی سوانح کی طرح کوئی پوشیدہ اور مبہم امر نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو تمھارے اپنے مؤرخین کے نزدیک بھی تاریخی نبی ہیں اس لیئے دنیا اس امر سے ناواقف نہیں کہ مکہ میں مبعوث ہونے والا نبی جھوٹے مدعیان .. .. رسالت کی طرح ناکام و نامراد نہیں ہوا بلکہ تاریخی شہادت تو ہر مخالف و موافق کو اس بات کے ماننے پر مجبور کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ پُرشوکت وپُرجلال کامیابی نصیب ہوئی جو آپ کی بعثت سے پہلے آنیوالے رسولوں کے حصے میں نہیں آئی تھی اور نہ آیندہ کسی کو حاصل ہوگی دوسروں کا تو ذکر ہی کیا خود اُس نبی کو بھی یہ نصرت نصیب نہ ہوئی جس کا چودھواں خلیفہ مسیحیوں کا مقدس خداوند تھا یعنی خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سی کامیابی حاصل نہیں ہوئی حالانکہ استثنا کی محولہ بالا آیت کا نزول بھی انہی پر ہوا تھا۔ اب یسوعی اور نیز اُنکے بڑے بھائی یہودی دونوں کو ذیل کے دو نتایج میں سے ایک ضرور ماننا پڑیگا یعنے یا تو وہ یہ تسلیم کریں کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی تھے اور اگر ایسا نہ کریں تو موسیٰ علیہ السلام کے الہام مندرجہ استثنا کو غلط سمجھکر ترک کریں اور آیندہ بائیبل کو خدا کا کلام نہ کہیں بلکہ اُسکی بیانات کو جھوٹ کا پُتلا سمجھیں۔

پیارے ناظرین! اب ہمیں دیکھنا ہے کہ موسائی اور مسیحی ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات اختیار کرتے ہیں۔ ہر ایک ایسا آدمی جسے خدائے تعالیٰ نے صحیح دماغ دیا ہو ہرگز یقین نہیں کرسکتا کہ دو متضاد باتوں کو ایک ہی وقت میں مانا جائے یعنی یہ محال ہے کہ ایک طرف تو معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا نبی کہا جائے اور دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے الہام کو سچا بھی مانا جائے۔ اس حالت میں

ہر ایک عقلمند آدمی اس سوال کا حق رکھتا ہے کہ آیا استثنا کا معیار مذکورہ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ اگر اسے صحیح مانا جائے۔ تو لازماً یہ بھی ماننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ جھوٹے مدعی نبوّت کو ہلاک کرتا ہے اور سچے داعی حق کی نصرت اور تائید فرماتا ہے۔ اگر تعصب اور کسی خاص مذہب کی طرفداری کو تھوڑی دیر کے لئے ایک طرف رکھ دیا جاوے اور خدا کے کلام یا کسی عقلمند کے مقولے کی بحث کو ایک آن کے لئے اُٹھا دیا جاوے اور تورات کو ایک پرانی تصنیف ہی سمجھ لیا جائے تو بھی باب استثناء کے... قائم کردہ معیار کے متعلق فطرت انسانی اور عقل سلیم کا یہی فتویٰ ہوگا کہ راستباز اور کاذب کی شناخت کے لیئے اس سے بڑھکر کوئی میزان نہیں ہوتی۔

دوستو! کیا ہم آئے دن اس بات کو مشاہدہ نہیں کرتے کہ زمینی حکومتیں ایسے شخص کو نہ صرف گرفتار کر لیتی ہیں بلکہ سخت سزا بھی دیتی ہیں جو جھوٹ موٹ سرکاری افسر بنکر رعیت پر ناجائز دباؤ ڈالتا ہے اجی دباؤ تو درکنار اگر کوئی یونہی اپنے آپ کو سرکاری افسر کے نام سے مشہور کر کے فقط شہرت ہی حاصل کرنا چاہے تو وہ بھی سرکاری قانون کے مطابق عوام کو دھوکہ دینے کے جرم میں گرفتار ہوکر کیفر کردار کو پہنچتا ہے بھلا جب دنیا کے ادنیٰ حاکم اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے کہ کوئی شخص بہانہ سازی سے سرکاری ملازم بنکر خلق خدا کو دھوکہ دے اور ناجائز دباؤ ڈالے تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ احکم الحاکمین خدا اس بات کو گوارا فرمائے کہ کوئی شخص اس کا جھوٹا نائب بنکر اسکی مخلوق کو فریب اور دغا میں مبتلا کرے اور برسوں تک ایسا کرنے کے بعد کامیابی کا مرصع تاج پہن کر دنیا سے رخصت ہو۔ پیارو! یہ ممکن ہے کہ کوئی دنیوی حکومت چند روز کے لیئے دھوکہ کھا جائے مگر یہ خیال میں لانا بھی کم سمجھی اور قلتِ عقل ہوگی کہ اُس عالم الغیب خدا کو جو ازل سے ابد تک کا علم رکھتا اور عالم کل ہے ایک لحظہ کے لیئے بھی دھوکہ دیا جاسکتا ہے اگر خدائے تعالیٰ جھوٹے مدعیانِ نبوّت کے ساتھ بھی وہی سلوک

کرے جو راستبازوں کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر جھوٹے بھی سچوں کی طرح کامیاب و مظفر و منصور ہو کر دنیا سے اُٹھائے جائیں تو پھر حق و باطل میں کیا تمیز رہی اور ہمارے پاس صادق اور کاذب کیا معیار رہا؟ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ جو راستی کا حامی اور باطل کا دشمن ہے ہرگز ہرگز باطل کے فرزندوں کی نُصرت نہیں فرماتا اور نہ ہی انکو وہ مدارج عنایت فرماتا ہے جو حق کی ذریت کے لیئے اس کے قانون میں ابدالاباد سے مقرر ہیں یاد رہے اور خوب یاد رہے کہ

ع کبھی نُصرت نہیں ملتی درِ مولا سے گندوں کو ؂

ناظرین! جب ہم یرمیاہؑ کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو خدائے تعالیٰ کا یہ قانون اور زیادہ واضح اور بیّن ہو جاتا ہے اس کتاب پر نظر ڈالنے سے آپ معلوم کرینگے کہ خدائے تعالیٰ کس زور سے یرمیاہ نبی کے ہمعصر کاذب مدعیان نبوت کو ملامت فرماتا ہے۔ کتاب مذکور کے باب ۱۴ اور ۱۴-۱۵ کی حسب ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

(۱۴) تب خداوند نے مجھے کہا کہ (جھوٹے) انبیا میرا نام لیکے جھوٹی نبوت کرتے ہیں۔ مینے انہیں نہیں بھیجا اور حکم نہیں دیا نہ انہیں کہا۔ وے جھوٹی رؤیا اور جھوٹا علم غیب اور بے اصل باتیں اور اپنے دلوں کی مکاریاں نبوت کی طرح تم پر ظاہر کرتے ہیں ؂

(۱۵) اس لیئے خداوند یوں کہتا ہے اُن نبیوں کی بابت جو میرا نام لیکے نبوت کرتے ہیں۔ جنہیں مینے نہیں بھیجا۔ اور جو کہتے ہیں کہ تلوار اور کال اس سرزمین پر نہ ہوگا یہ نبی تلوار اور کال سے ہلاک کیئے جاویں گے ؂

پھر اس کتاب کے باب ۲۳ ورس ۱۶-۳۲ میں اللہ تعالیٰ نے جھوٹے دھوکہ دینے والے دعویداران الہام کی بات سُننے تک سے منع فرمایا ہے۔ اور ایسے لوگوں کی نسبت اپنے غضب کی تباہ کن آندھی اور بگولوں کی پیشگوئی فرمائی ہے چنانچہ وہ عبارت حسب ذیل ہے:۔

ملاحظہ ہو۔ رب الافواج یوں کہتا ہے کہ اُن نبیوں کی باتیں مت سنو جو تم سے نبوت کرتے ہیں۔ وے تم کو بطالت کی طرف مائل کرتے۔ وے اپنے دلوں کے خواب خیالوں کو کہتے ہیں اور نہ کہ وہ باتیں جو خداوند کے مُنہ سے نکلیں۔ وے اُنکو جو مجھے حقیر جانتے ہیں کہتے رہتے ہیں خداوند نے کہا کہ تمھاری سلامتی ہوگی۔ اور ہر ایک کو جو اپنے دل کی مچلاہٹ پر چلتا وے کہتے ہیں

کہ تم پر کوئی بلا نہ آوے گی۔ پر اُن میں سے کون خداوند کی مصلحت میں ثابت قدم رہا۔ کس نے اُس کے سخن پر لحاظ کیا۔ اور اُسے سنا۔ کس نے اُس کے کلام کی طرف توجہ کی اور اُس پر کان لگایا۔ دیکھ خداوند کے قہر سے ایک آندھی اُن کی طرف چلی۔ ایک چکّر مارتا ہوا طوفان جو شریروں کے سر پر پڑے گا خداوند کا غضب پھر دھیما نہ ہوگا جبتک کہ وہ اسے انجام تک نہ پہنچاوے اور اپنے دل کے ارادے پورے نہ کرے۔ تم آنے والے دنوں میں اُسے بخوبی معلوم کرو گے۔ مَینے نبیوں کو نہیں بھیجا پر وے دوڑے ہیں مَینے اُن سے نہیں کہا پر اُنہوں نے نبوت کی۔ پس اگر وے میری مصلحت میں ثابت قدم رہتے تب وے میری باتیں میرے لوگوں کو سناتے۔ تاکہ اُن کو اُنکی بُری راہ سے اور اُنکے کاموں کی بُرائی سے پھرادیں۔ کیا میں نزدیک ہی کا خدا ہوں خداوند کہتا ہے اور دُور کا خدا نہیں۔ کیا کوئی آدمی چھپی جگہوں میں اپنے کو چھپا سکتا ہے کہ میں اُسے نہ دیکھوں۔ خداوند کہتا ہے کیا آسمان اور زمین مجھ سے بھرے نہیں ہیں خداوند کہتا ہے مَینے سنا جو نبیوں نے کہا جو میرا نام لیکے جھوٹی نبوت کرتے اور کہتے ہیں کہ مَینے خواب دیکھا۔ خواب دیکھا۔ کب تک یہ نبیوں کے دل میں رہے گا کہ جھوٹی نبوت کریں ہاں اپنے دل کی فریب کاری کے نبی ہیں جو گمان رکھتے ہیں کہ اپنے خوابوں سے جو اُن میں سے ہر ایک اپنے پڑوسی سے بیان کرتا میری قوم کو میرا نام بھلادیں جسطرح اُنکے باپ دادے بعل کے سبب سے میرا نام بھول گئے۔ جس نبی کے پاس خواب ہے سو خواب بیان کرے اور جس کے پاس میرا کلام ہے سو میرے کلام کو دیانتداری سے کہے۔ گیہوں کو بھوسے سے کیا نسبت خداوند کہتا ہے کیا میرا کلام سراسر آگ کی مانند نہیں ہے خداوند کہتا ہے۔ اور ہتھوڑے کی مانند جو چٹان کو چور چار کرتا ہے۔ اس لیئے دیکھ مَیں اُن نبیوں کا مخالف ہوں خداوند کہتا ہے جو ہر ایک اپنے پڑوسی سے میری باتیں چُرا رکھتے ہیں۔ دیکھ مَیں اُن نبیوں کا مخالف ہوں خداوند کہتا ہے جو اپنی زبان کو استعمال کرتے اور کہتے ہیں کہ وہ فرماتا ہے۔ دیکھ مَیں اُن کا مخالف ہوں خداوند کہتا ہے۔ جو جھوٹے خوابوں کو نبوت سے کہتے ہیں اور اُنہیں بیان کرتے اور اپنی جھوٹی باتوں سے اور شیخیوں سے میرے لوگوں کو بھٹکاتے ہیں۔ لیکن مَینے اُنہیں نہیں بھیجا نہ اُنہیں حکم دیا۔ اس لیئے اس قوم کو اُن سے ہرگز فائدہ

نہ ہوگا خداوند کہتا ہے؛

مقدس بائیبل کے منادو! خداوند خدا کے نام کو اور کلام کو دنیا میں پھیلانے کے مدعیو! خدارا ہمیں یہ تو بتلاؤ کہ جب خداوند خدا ہمیشہ سے جھوٹے مدعیان الہام کا دشمن ہے اور جبکہ اُس کے غضب کی آگ ایسے کذابوں کو دانہ سیاہ کی طرح جلاکر خاکستر کر دیتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ الٰہی آگ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ بھڑکی جبکہ تمہارے نزدیک (معاذ اللہ) وہ جھوٹے نبی تھے۔ تمہارے عناد اور دشمنی سے جو تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ معاذ اللہ وہ بڑے جھوٹے تھے پھر کیا وجہ ہے کہ غضب الٰہی کی خطرناک آندھی اُنکے خلاف نہ چلی اور کیا وجہ ہے کہ چٹانوں کا توڑنے والا ہتھوڑا اُن کے خلاف نہ اُٹھا؟ - کیا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خدا کا قانون تبدیل ہو گیا تھا؟ کیا یرمیاہ نبی کے زمانہ کا خدا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے خدا سے جُدا اور نرالا تھا؟ کیا خداوند خدا اسرائیل کا خدا اپنے اُس قانون کو بھول گیا تھا جسکی رُو سے جھوٹے مدعیان رسالت کو تباہ کرنا ضروری تھا؟ کیا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خدائے تعالٰی نے پُرانے قانون کو منسوخ کر کے کوئی ایسا نیا قاعدہ جاری کر دیا تھا؟ جسکے رُو سے وہ جھوٹوں کی تائید و نصرت اور اُنکے دشمنوں کو تباہ کرنے لگا تھا؟

مقدس تالوث کے پُجاریو! خداوند باپ خداوند بیٹا اور روح القدس کے پرستارو! ہمارا خیال ہے کہ شاید خداوند خدا کے اکلوتے بیٹے نے اپنی لعنت کی موت کے بعد آسمان پر جاکر اور اپنے ابا جان کے داہنے ہاتھ مسند نشین ہوکر خداوند باپ کو اپنا پرانا قانون منسوخ کرنے اور نیا رائج کرنے کی ترغیب دی ہوگی؟ اے جناب! ذرا سوچکر جواب دیجیئے کیوں یہی بات ہے نا؟ واقعات ہمارے اس خیال کی تائید کرتے ہیں کیونکہ اُس نبی کو جسے تم ہرگز ہرگز صادق ماننے کو تیار نہیں خدائے تعالٰی کی طرف سے ایسی تائید و نصرت ملی جس کا شمہ بھی خداوند خدا کے چاہیتے اور اکلوتے بیٹے کو اپنی زندگی میں نصیب نہیں ہوا پرانے قانون کے مطابق جھوٹا ناکام و نامراد ہوکر ہلاک ہونا چاہیئے تھا مگر پیغمبر اسلام کو تو بجائے ہلاکت کے نصرت اور بجائے ناکامی و نامرادی کے اعلٰی درجہ کی

باجلال کامیابی اور فتح حاصل ہوئی۔ پس اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ خداوند یسوع نے اپنے باپ کو کہکر پرانے قاعدے کو تو منسوخ کرایا اور خیر سے نیا قانون جو پاس کرایا تو ایسا کہ وہ پرانے کی عین ضد بنا۔ کیا یہاں پر آپ ہمیں یہ کہنے کی اجازت دینگے کہ ایک کو تین اور تین کو ایک یا سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر کے دکھا دینا تمہارے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے مگر مسیحی دوستو! ہم تمہیں مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں ایک نصیحت کرتے ہیں یعنی ؎

آؤ عیسائیو ادھر آؤ ؎ نورِ حق دیکھو راہِ حق پاؤ ؎ کب تلک جھوٹ سے کروگے پیار ؎ کچھ تو سچ کو بھی کام فرماؤ
کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو ؎ کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ ؎ سر یہ خالق ہے اُسکو یاد کرو ؎ یونہی مخلوق کو نہ بہکاؤ

ناظرین! یرمیاہ نبیؑ کی کتاب میں حضرت یرمیاہ کے ہمعصر ایک جھوٹے مدعی نبوت مسمی حننیاہ کے بد انجام کا ذکر بھی خصوصیت سے توجہ کے قابل ہے۔ لکھا گیا ہے کہ جب حننیاہ نے کاہنوں اور سارے لوگوں کے سامنے اپنی جھوٹی پیشگوئی بیان کی تب یرمیاہ نبیؑ نے حننیاہ نبی سے کہا اے حننیاہ سُن خداوند نے تجھے نہیں بھیجا ہے پر تُو اس قوم کو جھوٹ کہہ کہہ کے امیدوار کرتا ہے اس لئے خداوند یوں کہتا ہے کہ دیکھ میں تجھے روئے زمین پر سے خارج کردوں گا تُو اسی سال میں مرے گا کیونکہ تُو نے خداوند کی طرف سے پھر جانیکی بات کہی ہے چنانچہ اُس سال ساتویں مہینے حننیاہ نبی مرگیا یرمیاہ باب ۲۸ ورس ۱۵-۱۶

واقعہ مذکورہ کو پہلے حوالجات سے ملاکر مطالعہ کرنیکے بعد ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب سنن ماضیہ میں سنت الٰہی یہ تھی کہ کاذب مدعی نبوت خائب و خاسر ہوکر ہلاک ہوتا تو پھر یسوع مسیح کے چھ سَو سال بعد یہ الٰہی قانون کیوں منسوخ ہوگیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو جنہیں مسیحی مناد بڑی شوخی سے جھوٹا نبی کہکر پکارتے ہیں کیوں ایسی آسمانی نُصرت و تائید ملی جو آپ سے پہلے سچے نبیوں کو بھی میسر نہ آئی۔ اس سوال کا ایک جواب تو ہم پہلے دے آئے ہیں یعنی یہ کہ شاید خداوند بیٹے کی سفارش و پیروی سے خداوند باپ نے اپنے قدیمی قانون کو تبدیل کردیا لیکن حقیقی جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ انسان پرستی کی خطرناک ظلمت نے عیسائیوں کو ایسا شپرہ چشم بنا دیا ہے کہ وہ اپنی کتب مقدسہ میں راستبازوں کی شناخت کا معیار تلاش کرنے کی بجائے خود راستی کے ہی دشمن جانی ہوگئے ہیں وہ آنکھیں تو رکھتے ہیں

لیکن حقیقی روشنی سے محروم ہیں اگر توحید کی مخالفت کا زنگ اُنکے دلوں پر نہ لگا ہوتا تو بائبل کا قائم کردہ معیار اُنکے لیئے ضرور مفید ہوتا اور وہ سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام اور اُنکی والدہ صدیقہ کے حقیقی محسن یعنی فاران پر اُترنے والے فارقلیط پر ایمان لانے سے محروم نہ رہتے۔

خداوند مسیح کے پرستارو! شاید تم میں سے کوئی من چلا سورما اُٹھے اور کہے کہ عہد عتیق کی کتابیں اور اُس کے حوالجات ہمارے نزدیک کچھ ایسے معتبر نہیں اس لیئے ہم تمہاری خاطر سے عہد عتیق کو چھوڑ کر اب رسالجات اور خطوط کے اُس مجموعہ کی طرف رُخ کرتے ہیں جس کا نام مسیحی اصطلاح میں عہد جدید ہے۔ اس مجموعہ پر نظر ڈالنے سے بھی تمہاری بدقسمتی ہمیں بکرے کی ماں والی مثال یاد دلاتی ہے یعنی عہد جدید کی کتابوں میں بھی وہی قانون مشاہدہ ہوتا ہے جو عہد عتیق کے صحائف میں موجود تھا دیکھیئے تمہارے خداوند خود فرماتے ہیں کہ ہر ایک درخت جو اچھا پھل نہیں لاتا کاٹا جاتا اور آگ میں پھینک دیا جاتا ہے٭ یسوع مسیحؑ کے اس قول سے صاف واضح ہوتا ہے کہ جھوٹا نبی اپھل درخت کی طرح کاٹا جاتا اور آگ میں جھونکا جاتا ہے لہٰذا جھوٹے اور سچے مدعی نبوت کی شناخت کا معیار مسیح کے نزدیک بھی وہی ہے جو کتاب استثنا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور یرمیاہ نبی کی کتاب میں حضرت یرمیاہ علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا گیا تھا۔ لیکن جائے افسوس ہے کہ یسوع کے شاگرد نام کو تو اپنے خداوند کے لیئے جان دینے کے لیئے بھی تیار ہونگے مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس معیار حقہ کا استعمال کرنا حرام سمجھیں گے۔

پیارے ناظرین! مسیحیوں کا قول ہے کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو مسیحیوں یہودیوں اور دیگر ذرائع سے معلومات کا بڑا ذخیرہ بہم پہنچایا بعد ازاں نیم شبی ساعتوں میں بیٹھ بیٹھ کر ان معلومات کو موزون سورتوں کا لباس پہنایا اور پھر (نعوذ باللہ) اس اپنی بناوٹ کو خدائے تعالیٰ کے الہام سے تعبیر کر دیا۔ اور آئے دن اس طرح نئی نئی سورتیں بناتے گئے حتیٰ کہ ۲۳ برس کا لمبا عرصہ گذر گیا اور لطف یہ کہ اس تمام زمانہ میں جھوٹ سرسبز اور جھوٹا کامیاب ہوتا گیا۔ آخر کار وہ برومند اور فاتح ہوا اُس کے دشمن جو اُس کی تخریب و بیخ کنی کے درپے

٭ دیکھو متی کی کتاب۔ باب ۷۔ ورس ۱۹

تھے اُسکی آنکھوں کے سامنے خود تباہ و برباد ہو گئے اور وہ ملک جہاں کسی وقت اس کے جانی دشمن سکونت پذیر تھے آخر وہی اُس کے دوستوں اور جاں نثار اصحاب کا وطن ہو گیا۔ ہر ایک نیا الہام جو اس شخص نے دنیا میں شائع کیا اُس کے ساتھ ہی اُسے خدائے تعالیٰ کی طرف سے نئی نصرت و تائید عطا ہوئی اور جوں جوں ان الہامات کی تعداد میں ترقی ہوئی اسی طرح اس کے جلال اور شکوہ میں اضافہ ہوتا گیا اور کلام الٰہی کی تکمیل کے ساتھ ہی اس کی پُر جاہ و جلال کامیابی ترقی کے انتہائی مدارج پر پہنچگئی۔ آہ۔ اِس پر بھی مریم کے بیٹے کو خدا سمجھنے والے۔ انسان پرست یسوعی اس کامیاب نبی کو جھوٹا نبی کہتے ہیں اور اُس کے پُر عظمت الہامات کو اس کی اپنی بناوٹ خیال کرتے ہیں۔

صاحبو! یہاں پر ہم ہرگز ہرگز یہ بات کہنے سے نہیں رُک سکتے کہ اگر ایسا کامیاب نبی جھوٹا نبی ہے تو پھر وہ الہامات جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ و حضرت یرمیاہ علیہما السلام پر اُن کا نزول ہوا تھا یقیناً سراسر دروغ اور کذب ہیں پیغمبر اسلام کو جھوٹا سمجھنے سے نہ صرف پُرانے عہدنامے کے انبیاءؑ کی تکذیب لازم آتی ہے بلکہ عیسائیوں کا خدا خود جھوٹا ٹھہرتا ہے کیونکہ وہ انجیل میں کہہ چکا ہے کہ جھوٹا نبی اپھل درخت کی طرح کاٹا جاتا ہے۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ عیسائی لوگ موسیٰؑ اور یرمیاہؑ کے الہامات کو خدا کا کلام مانکر پیغمبر اسلام کو جھوٹا نبی کہیں۔ روشنی اور اندھیرا ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ ہاں اور نہیں ایک ہی وقت میں نہیں کہے جا سکتے پس اگر نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ جھوٹے نبی ہیں تو موسیٰ و یرمیاہ اور خود مسیح نعوذ باللہ بڑھ چڑھ کر جھوٹے اور بائبل جھوٹ کی پٹاری ماننی پڑتی ہے بڑی حیرت اور استعجاب کا مقام ہے کہ ایک شخص جو آسمان کی طرف سے مامور نہیں خود بخود روزانہ نئے نئے الہامات بناتا۔ خواب اور رؤیا تراشتا اپنی بناوٹ کو خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا اور قریباً صدی کی ایک چوتھائی حصے تک برابر ایسا کرتا چلا جاتا ہے پھر خدائے تعالیٰ بھی ایسے شخص کو اپنے غصہ کی آگ میں بھسم کر ڈالنے کی بجائے آئے دن نئی نئی نصرتیں اور کامیابیاں عنایت فرماتا چلا جاتا ہے۔ اور اُسے ہرگز دنیا سے نہیں اُٹھاتا جبتک وہ کامیابی کے عرش پر پوری شوکت سے متمکن نہیں ہو لیتا۔

اگر جھوٹے نبی بھی سچوں کی طرح بامراد اور کامیاب ہوتے ہیں اور اگر خدائے تعالیٰ صادقوں کی طرح کاذبوں کی بھی حمایت و نصرت فرماتا ہے تو پھر صادق اور کاذب کی شناخت کا قطعاً کوئی معیار ہی نہ رہا۔ ہر ایک سمجھدار اور ذی فہم آدمی ضرور یہ کہیگا کہ صادق اور کاذب میں ضرور فرق ہوتا ہے اور جو معیار موسیٰ علیہ السلام اور یرمیاہ نبی کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے وہ واقعی راست اور محکم معیار ہے۔ پس اگر یہ معیار صحیح مانا جائے تو اسکے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ضرور خدائے تعالیٰ کے برگزیدہ اور راستباز رسول تھے۔ اگر ہمارے مسیحی مہربان اب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا انکار کریں تو انہیں لازم ہے کہ موسیٰ اور یرمیاہ اور مسیح علیہم السلام کے الہامات و کلمات کو جھوٹ اور دھوکہ سمجھ کر رد کر دیں آیندہ نہ تو ان کلمات کو خدا کا کلام سمجھیں نہ ان ملہموں کو صادق نبی خیال کریں۔

یسوعی دوستو! تمھاری حالت سخت قابل رحم ہے آہ۔ تمھارے عقل پر کیا پتھر پڑے ہیں کہ تمھیں اُس قدر سمجھ بھی نہیں رہی جسقدر کہ تمھارے حواریوں کے زمانہ میں فریسیوں کو تھی تمھیں معلوم ہے کہ جب سردار کاہن اور صدر مجلس نے حواریوں کے قتل کا ارادہ کیا "تب گملیل نامی ایک فریسی نے جو شریعت کا معلم اور سب لوگوں میں عزت دار تھا مجلس میں اُٹھکے حکم دیا کہ رسولوں کو ذرا باہر لے جاؤ اور انہیں کہا کہ اے اسرائیلی مردو آپسے خبردار ہو کہ تم ان آدمیوں کے ساتھ کیا کیا چاہتے ہو کیونکہ ان دنوں کے آگے تھیوداس نے اُٹھ کے کہا کہ مَیں کچھ ہوں اور تخمیناً چار سو مرد اُس سے مل گئے وہ مارا گیا اور سب جتنے اُس کے تابع تھے پریشان و تباہ ہوئے بعد اس کے بعد یہوداہ جلیلی اسم نویسی کے دنوں اُٹھا اور بہت سے لوگوں کو اپنے پیچھے کھینچا وہ بھی ہلاک ہوا اور سب جتنے اُس کے تابع تھے تتر بتر ہو گئے اور اب مَیں تمھیں کہتا ہوں کہ ان آدمیوں سے کنارہ کرو اور انکو جانے دو کیونکہ اگر یہ تدبیر یا کام انسان سے ہے تو ضائع ہو گی پر اگر خدا سے ہے تو تم اُسے ضائع نہیں کر سکتے۔ ایسا نہ ہو کہ تم خدا سے بھی لڑنیوالے ٹھہرو اُنہوں نے اُس کی مانی" اعمال باب ۵ ورس ۳۴ - ۴۰ -

آہ ! جن مسیحیوں کو گمیلیل فریسی سے زیادہ شریعت کا واقف ہونا چاہیئے تھا وہ اپنے گھر سے اتنے بھی واقف نہیں جتنا کہ وہ فریسی تھا۔ اس سے بھی زیادہ قابل افسوس یہ امر ہے کہ اگرچہ پادری صاحبان گمیلیل کے الفاظ اپنے لیکچروں اور وعظوں میں لوگوں کو سناتے ہیں مگر خود اُن سے قطعاً فایدہ نہیں اُٹھاتے ہمیں بتلایا جاتا ہے کہ جن کاہنوں نے گمیلیل فریسی کی باتوں کو سُنا اُنہوں نے اُس کی نصیحت پر عمل کیا اور رسولوں پر ہاتھ نہ چھوڑا۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہودی کاہنوں نے تو گمیلیل کی مفید باتوں سے فائدہ اُٹھایا اور رسولوں کے قتل سے باز آ گئے مگر مسیحی پادری جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ روح القدس نے انکے اندر حلول کیا ہوا ہے کچھ ایسے غبی اور کند ذہن ہو گئے ہیں کہ انہیں دوسروں کی نصیحت سے فائدہ اُٹھانے کا مادہ ہی نہیں رہا۔ اُنکی زبانیں اور دل ایک دوسرے سے کوسوں دُور ہیں جو کچھ اُنکی زبان پر ہوتا ہے وہ ہرگز اُنکے حلق سے نیچے نہیں اُترتا۔ اُن کا فہم و ذکا کچھ ایسا سلب ہو گیا ہے کہ وہ اُس سچائی کو محسوس نہیں کر سکتے جو کہ گمیلیل فریسی نے سکھائی تھی۔ گمیلیل کے الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ جھوٹا نبی ہرگز ہرگز بامراد نہیں ہوتا خواہ کوئی شخص اسکی مخالفت کرے یا نہ کرے وہ یقیناً ناکام و نامراد ہو کر چاہ ہلاکت میں ڈالا جاتا ہے۔ اور برعکس ازیں راستباز انسان کامیاب و بامراد ہوتا ہے اور کوئی انسانی ہاتھ اُسے قطعاً زیر نہیں کر سکتا۔ جو شخص اُس کا مقابلہ کرتا ہے وہ خدائے تعالیٰ سے لڑتا اور اُس زبردست ہستی کا مقابلہ کرتا ہے اور آخر خود ہلاک ہوتا ہے۔

اے کاش۔ مسیحی پادریوں میں گمیلیل کی سی سمجھ ہوتی اور اگر بدقسمتی سے وہ ایسے فہم سے محروم تھے تو کم از کم اُنہیں وہ قوت فیصلہ ہی ہوتی جس کی وجہ سے یہودی کاہنوں نے گمیلیل کی عقلمندانہ اور مخلصانہ نصیحت کو مان لیا تھا۔

مسیحی دوستو! اگر آپ ذرا بھی انصاف اور سمجھ سے کام لیں تو آپ کی اپنی کتابوں میں جیسا کہ ہم نے اوپر دکھایا ہے بہت سے ایسے معیار ہیں جنکے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے سچے نبی ثابت ہوتے ہیں آہ افسوس اسپر

بھی آپ کا اصرار ہے کہ (معاذ اللہ معاذ اللہ) وہ جھوٹے نبی تھے۔ واللہ مسیحی نادانی مسیحی تعصب اور مسیحی ہٹ دھرمی اپنی نظیر آپ ہیں ؟

مسیحی دوستو! تم اپنی مقدس کتابوں کی سچائیوں کو صرف اس لیئے منسوخ سمجھتے ہو کہ انپر عمل پیرا ہونیسے تم کو پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اور اس اقرار کے ساتھ ہی پولوسی آزادی کا خاتمہ ہوکر تمہیں مقدس اسلام کا حلقہ بگوش غلام بننا پڑے گا اور آزادی کی جگہ پابندی اختیار کرنی ہوگی اور یہ تمھارے لیئے موت سے کم نہیں پیارو یاد رکھو مبارک ہیں وہ جو راستی کے لیئے موت اختیار کرتے ہیں اور مرکر پھر نئی زندگی پاتے ہیں ؟

معزز ناظرین! ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مسیحی تعصب اپنی نظیر آپ ہے اسکا زبردست ثبوت ایک تو وہی ہے جو ہم اوپر دے چکے ہیں یعنی بائیبل کے مقرر کردہ معیاروں کا موجود ہونا اور عیسائیوں کا عمداً محض حق کی مخالفت کیوجہ سے اُن کا ترک کر دینا۔ اگر آپ اس سے بھی بڑھکر کوئی اور ثبوت چاہیں تو قرآن کریم پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ فرقان حمید خود کسطرح پکار پکار کر کہتا ہے کہ اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو جانچنا چاہو تو اُس معیار کے ذریعہ سے پرکھ لو جو کہ حضرت موسیٰ یرمیاہ اور خود مسیح ناصریؑ کے الہامات و کلمات میں موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۙ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۙ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۚۙ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۡ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۙ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ (الحاقۃ ع ۲) ترجمہ۔ سو قسم کھاتا ہوں اُن چیزوں کی جو دیکھتے ہو اور جو چیزیں نہیں دیکھتے یہ کہا ہے ایک پیغام لانیوالے سردار کا اور نہیں یہ کہا کسی شاعر کا۔ تم تھوڑا یقین کرتے ہو اور نہ کہا پریوں والے کا تم تھوڑا دھیان کرتے ہو۔ یہ اُتارا ہے جہان کے رب کا اور اگر یہ بنا لاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑتے اسکا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے اُس کی ناڑ۔ پھر تم میں کوئی نہیں اس سے

روکنے والا اور یہ تو سمجھوتی ہے ڈرنے والوں کو ۔

معزز ناظرین! میں آپکی توجہ مذکورہ بالا ترجمہ کے اُن فقرات کی طرف خصوصیت سے منعطف کراتا ہوں جن کے نیچے خط کھنچا ہوا ہے۔ ان فقرات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُس ابدی قانون کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو کاذب مدعیان نبوت کے متعلق ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے سچے اور صادق رسول ہیں اگر وہ میری طرف سے نہ ہوتے تو میں اُن کو اسی طرح ہلاک اور تباہ کر دیتا جیسا کہ جھوٹے مدعیان رسالت تباہ کیے جاتے رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان آیات سے تو پایا جاتا ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے چند ایک آیات بھی بناتے تو اس کا وہی انجام ہوتا جو ابتدائے عالم سے کذّاب لوگوں کا ہوتا آیا ہے۔

اللہ۔ اللہ کیا دلائل ہیں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے لیئے خدائے تعالیٰ نے خود دیئے ہیں۔ جس آدمی کے دماغ میں ذرا بھی عقل ہوگی وہ ضرور ان دلائل کو قوی دلائل سمجھیگا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا قائل ہوگا اور تسلیم کرے گا کہ قرآن کریم نے بھی خدائے تعالیٰ کے اُس قدیمی قانون کو یاد دلایا ہے جو پہلے حضرت موسیٰؑ و یرمیاہؑ اور مسیحؑ کی طرف وحی کیا گیا تھا۔ عقلمند لوگ تو اس آسمانی قانون کی داد دیں اور اسے صادق و کاذب کی جانچ کا ایک زبردست معیار سمجھیں لیکن سچائی کے دشمن مسیحی پادری جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی پر نظر کرتے ہیں تو تعصب سے اندھے ہو کر اس آسمانی قانون کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ اس معیار کا نظر انداز کرنا گویا موسیٰؑ اور یرمیاہؑ نبی کے الہامات کو جھٹلانا ہے۔ دوستو! ہم تو کہتے ہیں کہ اگر قرآن کریم میں معیار مندرجہ الہامات حضرت موسیٰ و حضرت یرمیاہ علیہما السلام کی طرف اشارہ نہ بھی ہوتا تو بھی مسیحیوں کو جو کتاب مقدس پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں اور یسوع مسیح اور رسولوں کی پیروی کا ادّعا رکھتے ہیں یہ لازم تھا کہ وہ اِس معیار حقہ کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی کی پرتال کرتے؟ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ قرآن کریم کے متوجہ کرنے اور پتہ کی بات بتلانے کے باوجود مسیح کے نادان دوست ہرگز ہرگز اپنے ہاں کے مسلّمہ معیار کا استعمال جائز نہیں رکھتے۔ دراصل بائیبل کا مقرر کردہ معیار ایک آسمانی گواہی ہے جو کاذب کی ہلاکت اور صادق کی نصرت کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور ہمیشہ سے

یہی الٰہی قانون چلا آیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے قول کے ساتھ اس کا فعل ضرور ہوتا ہے یس صادق کے الہامات کی شہادت کے لیئے خدائے تعالیٰ کی نصرت آتی اور اُس کے دشمن مغلوب ومغضوب ہوتے اور وہ غالب اور مُنعم علیہ ہوتا ہے۔ یرمیاہ نبی کی کتاب میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے " دیکھ میں اُن کا مخالف ہوں خداوند کہتا ہے جو جھوٹے خوابوں کو نبوت کہتے ہیں۔ اور اُنہیں بیان کرتے ہیں اور اپنی جھوٹی باتوں سے اور شیخیوں سے میرے لوگوں کو بہکاتے ہیں لیکن میں نے اُنہیں نہیں بھیجا نہ اُنہیں حکم دیا" باب ۲۳ ورس ۳۲

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ جھوٹے نبیوں کا مخالف ہے اور اُنکو جلد ہی تباہ کر دیتا ہے وہ سچے نبیوں کے ساتھ ہوتا ہے اُنکی نصرت فرماتا ہے اور اُنکے مخالفین کو ہلاک کر دیتا ہے لاریب یہ اللہ تعالیٰ کی خاص شہادت ہوتی اور اس شہادت کے ذریعہ سے وہ صدق اور کذب میں فرق کرتا اور جھوٹے کو جھوٹا اور صادق کو صادق ثابت کرتا ہے۔ قرآن کریم اس الٰہی شہادت کی طرف متواتر توجہ دلاتا ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت میں خود خدائے تعالیٰ کے فعل کو پیش کرتا ہے چنانچہ ہم اپنے ناظرین کی آگاہی کے لیئے ذیل میں چند ایک آیات کریمہ درج کرتے ہیں۔

ا۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝ یعنی کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے یہ (قرآن مجید) بطور افتراء کے بنا لیا ہے تو کہہ کہ اگر میں نے یہ کتاب بطور افتراء کے بنائی ہے تو اس جرم کی سزا مجھے ملیگی اور میں تمھارے جرموں سے بری ہوں (سورہ ہود)

ب۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (سورہ العنکبوت پارہ ۲۱) یعنی کون ظالم ہے اُس شخص سے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔

ج۔ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل) کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے۔ وہ اپنے بندوں سے خوب خبردار اور انکے حالات کو خوب دیکھنے والا ہے (سوہ صادق کی تائید کرکے اور کاذبوں کو ہلاک کرکے اپنی گواہی دے گا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون)

د - وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ ۝ یعنی مت غمگین ہو اوپر اُنکے اور اُن کی تدبیروں سے تو تنگدل نہ ہو تحقیق اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقوی کرتے ہیں اور اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو محسن ہیں (سورہ نحل پارہ ۱۴)

ر - رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ۝ یعنی اے پروردگار ہمارے حکم کر درمیان ہمارے اور درمیان قوم ہماری کے ساتھ حق کے اور تو بہتر حکم کرنے والا ہے (اعراف پارہ ۹)

س - قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنْظِرُونِ ۝ إِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ۝ یعنی کہ بلاؤ تم شریکوں اپنے کو پھر جنگ کرو مجھ سے پس مت ڈھیل دو مجھکو۔ تحقیق میرا دوست اللہ ہے جس نے یہ کتاب اُتاری ہے اور وہ صالحین سے دوستی کرتا ہے (سورہ اعراف پارہ ۹)

ک - وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا (سورۃ الفتح پارہ ۲۶) یعنی اور اللہ تعالےٰ تیری زبردست مدد کرے گا۔

ل - كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ (سورۃ المجادلہ پارہ ۲۸) (ترجمہ) لکھ رکھا ہے خدا نے البتہ غالب آؤں گا میں اور پیغمبر میرے تحقیق اللہ غالب ہے عزت والا۔

م - إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ (سورہ مومن پارہ ۲۴) ترجمہ تحقیق ہم البتہ مدد دیتے ہیں پیغمبروں کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے بیچ زندگانی دنیا کے اور اُس دن کہ کھڑے ہوں گے گواہی دینے والے۔

و - وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ - إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ (سورہ والصّٰفّٰت پارہ ۲۳) ترجمہ اور تحقیق پہلے گذری ہے بات ہماری واسطے بندوں ہمارے پیغمبروں کے۔ تحقیق وہی ہیں مدد دیے گئے۔

ی - اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (سورہ الزمر پارہ ۲۴ ع ۲) ترجمہ کیا نہیں اللہ تعالیٰ کفایت کرنے والا بندے اپنے کو۔

قرآن کریم میں ایسی آیات بکثرت ہیں اور یہی ایسی آیات کریمہ ہیں جن کی طرف مسیحی پادری مطلق توجہ نہیں فرماتے انکی اس عدم توجہگی کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر وہ دلائل دیئے گئے ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام کی صداقت کیلئے ہمیشہ سے پیش ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور ان آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے صادق نبی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انکی اسی طرح بلکہ بڑھ چڑھ کر نصرت فرمائی جیساکہ عہد عتیق کے انبیاء کی نصرت و تائید فرمائی گئی تھی۔ اب ہمارے مسیحی مہربان ان آیات کی طرف توجہ فرمائیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ کا راستباز رسول ماننا پڑتا ہے کیونکہ اگر ان آیات کی دلائل کا انکار کریں تو ان کو خود اپنے ہاں کے مسلمات سے روگردانی کرنی پڑتی ہے اور کتاب اقدس کو جھوٹا ماننا لازم آتا ہے مسیحی دوستو! جس قدر آپ تجاہل عارفانہ سے کام لیکر حق کو چھپاتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ آپکا راز طشت ازبام ہو اسی قدر ہمارے دل میں حق کا جوش ہے۔ سنئے صاحب! ہم ایک اور پتہ کی بات کہتے ہیں اور وہ عہد عتیق کے اُس عظیم الشان نبی کا الہام ہے جو اسرائیلی شریعت کا لانیوالا اور یہود و نصاریٰ کا مسلمہ صادق نبی ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ ایک اور معیار پیش کرتے ہیں اس کے رُو سے بھی آپکو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا قائل ہونا پڑے گا ملاحظہ ہو استثنا باب ۱۸۔ ورس ۲۱ و ۲۲ "اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اُس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اُس نبی نے گستاخی سے کہی ہے تو اُس سے مت ڈر" خداوند کے اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی مدعی نبوت کی پیشگوئیاں صریح جھوٹی نکلیں تو ایسا نبی کاذب اور جھوٹا ہے لیکن اگر اُس کی پیشگوئیاں درست ثابت ہوں تو وہ سچا نبی ہے پس معیار ہذا کے مطابق بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے راستباز نبی ثابت ہوتے ہیں۔

رسالہ ہذا کی گذشتہ اشاعت میں ہم اس امر کا اظہار کر چکے ہیں کہ قرآن کریم میں جسقدر انبیاء و امم سلف کے واقعات بیان ہوئے ہیں وہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیاں تھیں اور یہ پیشگوئیاں ایسے وقت میں شائع کی گئی تھیں جبکہ اُن کا پُورا ہونا واہمہ میں بھی نہ آسکتا تھا بلکہ برعکس اس کے حالات اس امر پر دال تھے کہ یہ پیشگوئیاں صحیح نہیں نکلیں گی۔ لیکن انجام کار اپنے وقت پر پہنچکر یہ سب باتیں پوری ہوئیں اُن کا پورا ہونا ہی اس بات کا ثبوت تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے راستباز ملہم اور قرآن مجید خدائے تعالیٰ کی مقدس وحی ہے۔ لہٰذا باب استثنا کے اس دوسرے معیار کے مطابق بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے صادق رسول ثابت ہوتے ہیں۔

معزز ناظرین! جن پیشگوئیوں کا ہم گذشتہ اشاعت میں ذکر کر چکے ہیں وہ تاریخی واقعات تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آئندہ واقعات زندگی کے ساتھ مماثلت اور مناسبت تھی اگرچہ ان پیشگوئیوں کا پورا ہونا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بڑا ثبوت تھا تاہم اس ثبوت کی مزید تائید کے لئے ہم یہ بتلا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ان تمثیلی پیشگوئیوں کے علاوہ کھلی کھلی پیشگوئیاں بھی تھیں جو اسی طرح صفائی کے ساتھ پوری ہوئیں جس طرح پہلی پیشگوئیاں پوری ہوئی تھیں۔ گو اس قسم کی پیشگوئیوں کی ایک بڑی تعداد اپنے مضمون اشاعت اسلام میں بعنوان "ایک عظیم الشان معجزہ" پہلے درج کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو ریویو نمبر ۵ بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۰ء

تاہم اس نوع کی چند ایک پیشگوئیاں ہم یہاں بھی درج کرتے ہیں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ وہ کیسی زبردست اور کھلی کھلی پیشگوئیاں تھیں جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اعلان فرمایا اور پھر وہ پیشگوئیاں پوری بھی کیسی کامل اور بیّن صفائی سے ہوئیں۔ لیکن ان پیشگوئیوں کے اندراج سے قبل ہم آپکی توجہ اُن آیات کی طرف منعطف کرانے میں جن کا حوالہ ہم ابھی دے چکے ہیں ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپکی نصرت۔

حفاظت اور کامیابی کا وعدہ فرمایا تھا کیا کوئی شخص خواہ وہ عیسائی ہی کیوں نہ ہو اس حق سے انکار کر سکتا ہے کہ آخر خدائے تعالیٰ نے یہ موعودہ نصرت۔ حفاظت اور کامیابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائی۔ اور اپنے وعدوں کا ایفا کیا۔ پس یہ آیات بجائے خود پیشگوئیاں تھیں اور ان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھا۔ آپکی نصرت کی اور آخر عظیم الشان کامیابی عنایت فرمائی علاوہ ازیں ذیل میں چند ایک اور پیشگوئیاں دیجاتی ہیں۔

ا۔ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کمزور اور بے کس تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مفصلہ ذیل وحی سے تسلّی دی۔ فرمایا

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (سورۃ الضحٰی پارہ ۳۰) ترجمہ نہیں چھوڑ دیا تجھ کو رب تیرے نے اور نہ ناخوش رکھا۔ اور البتہ تیری پچھلی حالت تیری پہلی حالت سے اچھی ہوگی

ب۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ترجمہ۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیئے کافی نہیں۔ سورہ الزمر پارہ ۲۳

ج۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ یعنی تیری موجودہ تنگی کے بعد آسانی کے دن آنے والے ہیں۔ سورہ الانشراح پارہ ۳۰۔

د۔ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (ابراہیم۔ ۷) ترجمہ پس ہرگز مت گمان کر کہ اللہ تعالےٰ اُن وعدوں کا خلاف کرے گا جو وہ اپنے رسولوں کے ساتھ کرتا ہے۔ تحقیق اللہ غالب اور (رسولوں کے دشمنوں سے) انتقام لینے والا ہے۔

۲۔ جب مکّہ میں مسلمانوں کو ہر طرف سے ایذا دی جا رہی تھی۔ اور محض خدا تعالےٰ کو ایک ماننے کے جرم میں اُنپر طرح طرح کے مظالم توڑے جاتے تھے اُس وقت خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ اگر وہ ہجرت کریں گے اور خدائے تعالیٰ کے لیئے اپنے

عزیز وطن کو خیر باد کہیں گے تو اُن کو اس ورلی دنیا اور آخرت میں بہتر انعام اور برکتیں دیجائیں گی دنیا کے انعامات تو تاریخ بتلاتی ہے عقبیٰ کا اندازہ اربعہ متناسبہ کے قاعدہ سے لگایا جاسکتا ہے بہر حال ایسے اڑے وقت میں اللہ تعالےٰ نے مظلوم مُٹھی بھر مسلمانوں کو جن کے خوش آئند مستقبل کی کوئی دنیوی آنکھ ہر گز پیشگوئی نہ کر سکتی تھی بدیں الفاظ تسلّی دی اور فرمایا

۱۔ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (نحل۔ رکوع ۶)

جو لوگ دُشمنوں کے ظلموں سے ستایا جاکر خدا کی راہ میں ہجرت کرینگے اللہ تعالیٰ انکو اسی دنیا میں اچھی جگہ دے گا اور آخرۃ کا اجر اس سے بھی بڑھ کر ہے کاشکہ وہ جانتے۔ یعنی وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ب۔ وَمَنْ يُّھَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرتا ہے وہ زمین میں فراخ جگہ اور کشادگی پاوے گا جسکو دشمن دیکھکر جلیں گے۔ (نساء۔ ع ۱۴)

۳۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے تعالیٰ سے خبر پاکر یہ اعلان کیا تھا کہ آپ کا مذہب غالب آئیگا اور تمام ادیان باطلہ مغلوب ہوکر ملیا میٹ ہو جائیں گے۔ یہ پیشگوئی ایسے وقت کی گئی تھی جب اسلام ایک نوزائیدہ بچہ تھا اور باوجود اس صغرسنی کے دنیا کا ہر فرد بشر اس کا دشمن اور جانی دشمن تھا ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ جہاں موقع پائے جھٹ اس کا گلا گھونٹ دے ایسے وقت خدائے تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ یہ بچہ جوان ہوگا سب پر غالب آئیگا راستی کا بول بالا اور جھوٹ کا مُنہ کالا ہوگا چنانچہ اس طرح ارشاد باری ہوا۔

۱۔ وَقُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل۔ ۹) اور کہہ دے کہ اب حق آگیا ہے اور اس حق کے آنے سے باطل نابود ہو جائیگا

تحقیق باطل گم ہونے والا ہے۔

ب ۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ (انبیاء ع ۲) بلکہ ہم حق کو باطل کے اوپر پھینکیں گے پس حق باطل کا سر توڑ دیگا اور باطل فنا ہو جائے گا۔

ج ۔ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ٥ (صف ۔ ع ۱) (دشمن) چاہتے ہیں کہ اپنے مونہوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھادیں اللہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے خواہ کافر اُس کو بُرا منائیں۔

۴ ۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ میں ہی تھے آپ ہر طرح بے کس بے بس اور آپ کے دشمن ہر طرح زبردست و طاقتور تھے اُسوقت ہی اللہ تعالیٰ نے آپکو تسکین دی اور آپ کے دشمنوں کو آپکی زبان سے چیلنج دلایا کہ وہ اپنی کوششوں اور منصوبوں میں ذرا بھی کمی کریں اور پورے زور سے مخالفت کرلیں لیکن یاد رکھیں کہ جس پودے کو وہ اپنی دشمنی کے تبرے کاٹنا چاہتے ہیں وہ چٹان سے بھی زیادہ سخت ہے اُسے کاٹنے کی کوشش فضول ہوگی وہ پھولیگا پھلیگا اور نخل بار ور ہوگا کیونکہ اُس کا نگران اور مالی خود خدائے زبردست اور قہار ہے۔ ناظرین! آپ ذیل کی آیات کو ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ٥ (انعام ۔ ۱۶) ترجمہ (اے نبی) تو کہہ کہ اے میری قوم جہانتک تم سے ہو سکتا ہے تم (میری مخالفت میں) کوشش کرلو۔ مَیں بھی اپنے کام میں لگا رہوں گا۔ پس تمھیں عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ اس گھر کا انجام کس کے لیئے ہے (یعنی انجام کار کون کامیاب ہوتا ہے) تحقیق ظالم بامراد نہیں ہوتے۔

(ب) أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُنْتَصِرٌ ٥ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ٥ (قمر ۔ ۳) کیا یہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والی جماعت ہیں۔ عنقریب ان کی جماعت شکست

کھائیگی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔

(ج) وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْيًا ۝ (مریم - ۴)

اور جب انپر ہمارے نشان پڑھے جاتے ہیں تو کافر مومنوں کو کہتے ہیں کہ دونوں فریق میں سے کون زیادہ اچھی حیثیت رکھتا ہے اور کس کی جماعت بہتر ہے۔ (انکو اپنے جتھے اور اپنے عزّ و جاہ پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے) ہم نے اُن سے پہلے کئی ایسی سنگتوں کو ہلاک کیا ہے جو اپنے ساز و سامان اور اپنے نمود میں ان سے بڑھے ہوئے تھے۔

(د) حَتّٰى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ۝ (جن - ۲) یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو کہ وعدہ دیئے جاتے ہیں اُس وقت اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ کون اپنے مددگاروں کے لحاظ سے کمزور ہے اور کس کا جتھا تھوڑا ہے۔

ہمارے ناظرین اس بات کو ضرور یاد رکھیں کہ مذکورہ بالا آیات کا نزول مکّہ میں ہوا اور ایسے وقت ہوا جب مسلمان نہایت ہی کمزور اور بے پر تھے اور اُنکے دشمن طاقت کے پورے عروج پر تھے جیساکہ خود ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے

۵۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں تھے اور دشمن بھی ایسے جو ہر وقت آپ کے خون کے پیاسے تھے اُسوقت عالم الغیب خدا نے آپ سے وعدہ فرمایا کہ اُس کا طاقتور ہاتھ آپ کے ساتھ ہوگا اور آپکے وجود باجود کو دشمنوں کی قاتلانہ تدابیر کے اثر سے محفوظ رکھا جائیگا اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ مفصلہ ذیل الفاظ میں نازل ہوا تھا۔

يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ - ۱۰)

اے رسول جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تیری طرف اُتارا گیا ہے وہ تو پہنچا دے اور اگر

تُو نے ایسا نہ کیا تو پھر تُو نے اپنی رسالت کو نہیں پُہنچایا (اور لوگوں کی عداوت اور اپنی جان کا خوف تجھے تبلیغ کے کام میں نہ روکے کیونکہ) اللہ تعالیٰ لوگوں سے تجھے بچائے رکھے گا۔

یہاں پر یہ یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نہ صرف میدان جنگ میں۔ جہاں کہ دشمنوں کے حملوں کا نشانہ خاص آپ کا وجود ہوتا تھا۔ معرض خطر میں تھی بلکہ ہر وقت آپکی جان ہتھیلی پر رہتی کیونکہ مکّہ اور مدینہ دونوں جگہ کے دشمنوں کا ہمیشہ یہی خیال رہا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کو شہید کر دیا جائے تو اسلام کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور اسی خیال کو لیکر اسلام کے دشمنوں نے اکثر اوقات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قتل کے منصوبے کیئے۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے حسب وعدہ ہر دفعہ پر آپ کو محفوظ رکھا اور دشمنوں کو ناکام و نامراد کیا۔ ع وہ سیچے وعدوں والا منکر کہاں کدھر ہیں؟

۶۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکّہ میں ہی تھے اور آپکے مٹھی بھر جاں نثار مرید بُت پرستوں کے ہاتھ سے ہر طرح کے مظالم کا نشانہ بنائے جا رہے تھے ایسے نازک وقت میں آپنے اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر یہ اعلان کیا کہ بُت پرستوں کا نام و نشان مٹ جائے گا اور اُنکی زمین پر مسلمان قابض ہو جائیں گے چنانچہ جن مکّی آیات میں یہ پیشگوئی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

ا۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ (انبیاء-۷) اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ پہلے سے لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہونگے۔

ب۔ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ط (ابراہیم - ۳) ہم ضرور ظالموں کو ہلاک کریں گے اور اُن کے بعد تمھیں زمین میں آباد کریں گے۔

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کے علاوہ قرآن کریم میں آپ کی وفات کے بعد پیش آنیوالے وقوعات کی بھی پہلے ہی سے خبر دیدی گئی تھی اور فرمایا گیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کے بعد بھی اسی طرح خلفاء ہونگے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام

کے بعد ہوئے تھے۔ اور یہ کہ ان خلفاء کے ذریعہ سے ایسے خطرات و فتن کا قلع قمع کیا جائیگا جو ایک وقت یہاں تک زور پکڑ جائیں گے کہ اگر کوئی زبردست ہاتھ نہ دبا جائیگا تو خود اسلام کی ہستی معرض خطر میں ہوگی۔ جس آیت کریمہ میں یہ پیشین گوئی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(نور۔ ۷) اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک اعمال کیئے البتہ اللہ تعالیٰ اُنکو زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اُس نے خلیفہ بنایا اُن لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے) اور جو دین اُس نے اُن کے لیئے پسند کیا ہے اُسے اُن کے لیئے قائم کرے گا اور خوف کے پیدا ہونے کے بعد پھر اُنہیں امن دیگا۔ وہ میری ہی عبادت کرینگے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرینگے اور جو اس کے بعد کفر کریں گے وہ فاسق ہونگے۔

اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عین حیات میں ہی اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت یہ بتلایا تھا کہ اگرچہ مسلمانوں پر ایک وقت سخت ابتلا آئیگا لیکن خدائے تعالیٰ اُن کی دستگیری فرمائیگا اور ڈگمگاہٹ کے بعد دوبارہ اُن کو مضبوط اور با استقلال بنائیگا اسلام پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ کی طرح آپ کے جانشینوں کے ماتحت بھی ویسے ہی پھولے پھلیگا اور ترقی کرے گا۔

۸۔ کلام پاک قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں اس کی ابد الآباد تک حفاظت کروں گا اور اس کتاب کا وہ حال نہ ہوگا جو دوسری کتب سماوی کا ہوا ہے چنانچہ فرمایا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر۔ ۱) ہم ہی نے یہ قرآن مجید (جو اُس تعلیم کو یاد دلانے والا ہے جو انسان کی فطرت میں مرکوز ہے) نازل کیا ہے

اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

۹۔ جب ایرانی بُت پرستوں نے رومیوں کو جو اہل کتاب تھے شکست دی تو مکہ کے بُت پرست بہت خوش ہوئے اور ایرانیوں کی فتح کو اپنی کامیابی کا ایک مبارک فال سمجھا اُس وقت خدائے تعالیٰ کا جو کلام بطور پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ حسب ذیل ہے۔

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۝ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہو چکے ہیں۔ مگر وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب کئی ایک برس میں پھر غالب ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے حکم پہلے سے اور پیچھے سے اور اُس دن مومن بھی نصرت الٰہی کے ساتھ خوش ہونگے۔

اس آیت کریمہ میں دو پیشگوئیاں ہیں اوّل تو یہ ہے کہ رومی جو کہ اہل کتاب تھے وہ آخر فتحیاب ہو کر رہیں گے اور دوئم یہ کہ مسلمان بھی رومیوں کی فتح کے دن خدائے تعالیٰ کی خاص نصرت اور تائید سے متمتع ہونگے۔ چنانچہ جس دن رومیوں کی فتح کی خبر آئی اُس دن مسلمان بدر کی فتح پر خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کر رہے تھے۔

ناظرین! تاریخ کے صفحات اس امر کے شاہد ہیں کہ یہ سب پیشگوئیاں نہایت صفائی سے پوری ہو کر رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیکس کمزور مسلمانوں کو طاقتور اور حکمران جماعت بنایا۔ بت پرستی کا نام نشان مٹا اور خدائے واحد و یگانہ کی توحید کا سنہرا پرچم کعبہ کی چھت پر لہرانے لگا۔ جس کتاب کی حفاظت کا اُس نے وعدہ کیا تھا وہ برابر ہزاروں حُفاظ کے سینوں میں محفوظ چلی آتی ہے اور واحد اس کتاب کو کامل حفاظت کی یہ خصوصیت حاصل ہے۔

پیارو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعلان برسوں پہلے کیا آخر وہ لفظ بہ لفظ پورا ہوا پس استثنا کے معیار کے بموجب وہ خدائے تعالیٰ کے راستباز اور صادق رسول ٹھہرے اگر مسیحی متعصب اب بھی نہ مانیں تو ہم کہیں گے۔ ؎

ہم اپنا فرض دوستو اب کر چکے ادا ✽ اب بھی اگر نہ مانو تو منوائیگا خدا

ہم خیال کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا پیشگوئیاں ہی ہمارے دعاوی کے ثبوت کیلئے کافی ہیں اور اگرچہ قرآن کریم میں ایسی پیشگوئیاں اس کثرت سے ہیں کہ ابھی ایک اور بڑی تعداد کا حوالہ دیا جا سکتا تھا لیکن طوالت کا خوف مجھے مجبور کرتا ہے کہ محولہ بالا حوالجات پر ہی اکتفا کروں

واضح رہے کہ قرآن کریم کی پیشگوئیاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ انہیں ایسے واقعات بھی بتلائے گئے ہیں جن کا تعلق آئندہ نسلوں سے تھا اور جو اس زمانہ تک برابر پورے ہوتے چلے آئے ہیں۔ غرض جو پیشگوئیاں ہم نے بیان کی ہیں وہ ہمارے اس مدعا کو خوب ثابت کرتی ہیں کہ توریت کے دوئم معیار کے رُو سے بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے صادق اور راستباز نبی ثابت ہوتے ہیں۔ ان پیشگوئیوں میں جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ جب ان پیشگوئیوں کا اعلان ہوا تو حالات ہرگز ہرگز اس بات کو خیال میں لانے کے بھی متقاضی نہ تھے کہ کبھی آمنہ کا یتیم و مسکین بے زر بے پر بیٹا اس عروج پر پہنچیگا جس کا اُسے وعدہ دیا جاتا ہے مگر آخر ہوا وہی جو برسوں پہلے شائع کیا گیا تھا اس لیئے اگر استثنا باب ۱۸ ورس ۲۱ و ۲۲ کی عبارت صحیح اور سچی ہے اور مسیحی صاحبان اس پر ایمان بھی رکھتے ہیں تو اُنکو لازم ہے کہ جس طرح عہد عتیق کے الہامات کو خدا کا کلام مانتے ہیں اور عہد عتیق کے انبیاء کو سچے رسول جانتے ہیں اُسی طرح قرآن کریم کو بھی اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا رسول یقین کریں۔

عیسائی دوستو! آپ تثلیث کے قائل اور تین کے عدد سے خاص محبت رکھتے ہیں اس لیئے آپکی خاطر پہلے دو معیاروں کے علاوہ ایک اور تیسرا معیار بھی پیش کرتے ہیں۔ اسکی رُو سے بھی آپ کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ عرب میں مبعوث ہونیوالا نبی واقعی "وہ نبی" تھا جسے راستی کی روح اور کونے کا پتھر کہا گیا ہے۔ دیکھیئے عہد عتیق کی پانچویں کتاب یعنی استثنا باب ۱۸ ورس ۱۸-۱۹ میں لکھا ہے کہ "میں اُنکے لیئے اُنکے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا۔ اپنا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکے کہیگا نہ سُنیگا تو میں اُس کا حساب اُس سے لُوں گا"

اللہ اللہ کس صفائی سے بتایا گیا ہے کہ اسمٰعیل کے بھائیوں میں پیدا ہونیوالے نبی کے دشمن

خدائے تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہونگے اور اُن سے جواب طلبی کیجائیگی۔ اگر مسیحی صاحبان کو ذرا بھی حق کا پاس ہوتا تو وہ ہرگز ہرگز آنحضرت صلعم کی نسبت زبان درازی نہ کرتے۔

دوستو! اگر سورج پر خاک ڈالکر اُسے دُنیا کی آنکھ سے چھپایا جا سکتا ہے تو ممکن ہے کہ یہ امر بھی پوشیدہ رہ سکے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام دشمن آپکی آنکھوں کے سامنے ہلاک وتباہ ہوئے اُن کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ لیکن نہ سورج چھپایا جا سکتا ہے نہ اس حق سے انکار ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے اللہ تعالیٰ نے خوب حساب لیا۔ اگر قرآن کریم اسلام کے دشمنوں کی بربادی وتباہی کی پیشگوئیاں نہ بھی کرتا اور وہاں اشارتاً یا کنایتاً بھی اُن کا ذکر نہ ہوتا تو بھی واقعات صحیحہ اور بائیبل کے اس تیسرے معیار کے مطابق مسیحی لوگوں کو مناسب تھا کہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو صدق دل سے ایمان لاتے اور اپنی مسلمہ سچائیوں کو پس پُشت نہ ڈالتے۔ لیکن قرآن جس طرح خدا کی کامل کتاب ہے اسی طرح اس میں راستی کی تائید کے لیے ہر بات بوضاحت بیان کی گئی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا قابل عبرت انجام بڑی صراحت سے ظاہر کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی تباہی وبربادی کے متعلق جو پیشگوئیاں قرآن کریم میں ہیں وہ آغاز اسلام اور آغاز مخالفت کے وقت کی گئی تھیں ایسی پیشگوئیاں تو قرآن کریم میں بکثرت ہیں لیکن ہم صرف چند ایک آیتیں ذیل میں درج کرتے ہیں۔

ا۔ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِندَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ۝ مجرموں (یعنی دشمنانِ اسلام) کو اُنکی بدتدبیروں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذلت اور سخت عذاب پہنچیگا (انعام - ۱۵)

ب۔ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَآتٍ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ۝ جس (عذاب) کا وعدہ تمھیں دیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور تم عاجز کرنیوالے نہیں ہو۔ (انعام)

ج۔ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝ (اعراف - ۲۳) اور جن لوگوں نے ہماری نشانوں کو جھٹلایا ہم اُن کو درجہ بدرجہ عذاب کی طرف کھینچیں گے ایسے طریق سے کہ وہ

نہیں جانتے اور (اگرچہ) میں انکو ڈھیل دے رہا ہوں میرا جنگ بڑا مضبوط ہے۔

د۔ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۵ (فرقان۔ ۶) پس تحقیق تم نے (اس نبی) کو جھٹلایا ہے پس البتہ ہوگا وبال اُس کا لگ جانیوالا۔

س۔ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۵ اور اے میری قوم جہانتک تم سے ہوسکتا ہے تم (میری مخالفت میں) زور لگالو۔ میں بھی اپنے کام میں لگا رہوں گا اور عنقریب تمھیں معلوم ہوجائیگا کہ کس کو رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے تم منتظر رہو۔ میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں (ہود۔ ۸)

حاصل کلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی ایسی بیّن اور اظہر من الشمس ہے کہ جس سے کوئی ذی فہم انسان تو قطعًا انکار نہیں کرسکتا۔

عیسائی دوستو! ایکدفعہ اور ہم تمھیں اُن سچائیوں کا واسطہ دیتے ہیں جنپر تم زبان سے ایمان لائے ہو۔ دیکھو خدائے تعالیٰ نے آپکو ضمیر دیا ہے اور ضمیر کی آواز گو دھیمی ہو لیکن راستی کی حامی ضرور ہوتی ہے پیارو! اللہ سے ڈرو اُس کی پُرسش اور اُس کے حساب لینے سے خوف کرو۔ اور سنو! ہاں کان کھولکر سنو!! اور دیکھو! ہاں آنکھیں کھولکر دیکھو!! ہم کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جانچ کے لیئے آپ اپنی کتابوں میں سے سچے نبی کی شناخت کا کوئی سا معیار نکالیں اور پھر اُس معیار پر ہمارے مقدس نبی کی جانچ کریں ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ اگر آپ حق کی تلاش کے لیئے ایسا کریں گے تو یقینًا آپ کو تسلی دینے والا ملجائیگا اور آپکے قلب میں ایک طمانیت ہوگی اور اس کے بعد آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور راستباز اور صادق نبی مانیں گے۔ اگر آپ خود کوئی ایسا معیار نکالنے سے قاصر ہیں تو جن کا ہم نے حوالہ دیا ہے خدارا اُنپر ہی غور کریں۔ بات یہ ہے کہ اگر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کریں تو اپنی مقدس کتابوں کو پہلے جواب دیدیں۔ غضب ہے کہ خداوند تو حضرت

موسیٰ علیہ السلام سے تھا کہ جو میرے نام سے ایک لفظ بھی جھوٹ موٹ بنائیگا میں اُسے تباہ اور ہلاک کرونگا لیکن آپ وہی مرغی کی ایک ٹانگ والی مثال پر عمل کرکے خدا کے قول کے خلاف برابر یہی کہے جاتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ اللہ ایک پوری کی پوری جھوٹی کتاب بنائی اور پھر دنیا سے کامیاب اور فاتح و منصور ہوکر رخصت بھی ہوئے۔ ہم آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ اگر وہ سچے نبی نہیں تھے اور قرآن انکی اپنی بناوٹ ہے خدا کا کہا ہوا نہیں تو وہ کیوں توریت کے معیار کے مطابق ہلاک نہ ہوئے؟ کیوں وہ برابر ترقی کرتے گئے اور آخر سچے رسولوں کی طرح کامیاب و بامراد ہوکر اپنی طبعی موت سے فوت ہوئے؟ اگر باوجود جھوٹا ہونے اور خدا کی نہ کہی ہوئی بات کہنے کے کوئی شخص بامراد و منصور ہو سکتا ہے تو پھر آپ بائیبل کو جس میں صاف لکھا ہے کہ جھوٹا نبی غضب الٰہی کا مورد ہوتا ہے۔ کیوں ایک منسوخ کتاب سمجھکر چراغ کی نذر نہیں کرتے۔

بائیبل کے واعظو! مسیح کے پرستارو!! خدا کی بادشاہت کے وارث ہونیکے مدعیو!!! تم خواہ پوپ کے غلام ہو یا لیوتھر اور کالون کے پیرو ہم تم سب کو ایک خدا لگتی اور نہایت سچی بات کہتے ہیں یونہی نہیں بلکہ دلائل کے ساتھ ثابت کرنیکے بعد تمھارے گوش گذار کرتے ہیں کہ اگر وہ کتاب جسے مسلمان خدا کا کلام سمجھتے ہیں اور جو دنیا میں ایک بے نظیر تبدیلی پیدا کر چکی ہے جسکی تمام پیشگوئیاں سچی نکلیں اور آجتک برابر نکل رہی ہیں اور اگر وہ نبی جس کے ہر قول کے ساتھ ہمیشہ خدائے تعالیٰ کا فعل اور نصرت رہی اور جو ہر جگہ فاتح اور کامیاب اور ہر مقام پر مظفر و منصور رہا تمھارے خیال میں جھوٹا ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ آپکی بائیبل جسے آپ بغل میں دبا کر خدا کا کلام خدا کا کلام پکارا کرتے ہیں بلاشک وشبہ کاسر صلیب کے اس مصرع کی مصداق ہے ع اُسکی ہر بات فقط جھوٹ کا پُتلا نکلا ؎

ضروری اطلاع:- چونکہ مولوی غلام امام عزیز الواعظین سکرٹری انجمن احمدیہ منی پور ملک آسام انجمن کے کام میں دلچسپی اور کوشش سے کام لیتے ہیں۔ اور بہت مخلص ہیں۔ اس لیئے آسام کی دیگر انجمنوں اور احباب کو اس طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ وہ مولوی صاحب موصوف سے ملکر کام کیا کریں۔ اور دلچسپی حاصل کرکے مشکور فرمادیں۔ اور کہ وہ اپنے چندے انجمن احمدیہ منی پور آسام کی وساطت سے یہاں بھجوائیں اس کا یہ بھی فائدہ ہوگا کہ باہم تعلقات بڑھیں گے۔ محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

ماہوار رپورٹ

تعلیم الاسلام ہائی سکول:۔ ایثار ہر ایک قسم کی ترقی کی جڑھ ہے۔ یہی وہ اصل الاصول تھا جس کی تعلیم پاکر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی جانیں دین کی راہ میں قربان کر دیں۔ اور ان قربانیوں پر وہ نتائج مترتب ہوئے جو انتک ایک دنیا کو حیرت میں ڈال رہے ہیں۔ عرب کے اُمّی لوگوں۔ ریگستان کے رہنے والی ایک قوم۔ نے جو دنیا کے مہذب ممالک کے تمدن و تہذیب سے بہت دُور پڑے ہوئے تھے۔ جو کارہائے نمایاں دنیا میں کر دکھلائے۔ وہ اس قربانی کی بدولت ہی تھے جس کی سچی تڑپ ایک مزکّی معلّم نے ان کے دلوں میں پیدا کر دی تھی۔ یہ اس مسلمان قوم کی بنیادی اینٹیں تھیں۔ اور اگر یہ بنیاد ایسی مضبوط اور محکم نہ رکھی گئی ہوتی تو یہ قوم کبھی کی فنا ہو گئی ہوتی۔ اور مخالفت کی تُند ہواؤں اور طوفانوں نے اس کو کبھی کا بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہوتا۔ مگر نہیں جس عمارت کے کونے کا پتھر ساری نبوتوں کا موعود نبی تھا اور جس کی بنیادی اینٹیں وہ قدوسی تھے جو ایک کامل مزکّی کے ہاتھ سے پختہ ہو چکے تھے اسکو دنیا اور دنیا کے لوگ ہلا نہ سکتے تھے۔ مگر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی بعد یہ روح کم ہوتی چلی گئی۔ یہانتک کہ اس آخری زمانہ میں یہ پتہ بھی نہیں لگ سکتا کہ یہ مسلمان انہی لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں جنہوں نے وہ پہلے نمونے دکھلائے تھے۔ گر وہ خدائے علیم جس نے اس عمارت کی بنیاد ایسی محکم رکھی تھی اس نے ہی یہ بھی مقرر کر رکھا تھا کہ اس زمانہ میں پھر ایک شخص اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہو کر مسلمانوں سے پھر وہ پاک وعدہ لے جو انکی ساری ترقیوں کا راز تھا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ خدا کے فضل سے اس ایثار کے روح کے نمونے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں اس وقت بھی پائے جاتے ہیں۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح کی تعلیم کے نیچے احمدی قوم اسی راہ پر قدم مار رہی ہے۔ جناب مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی نے حال میں ہی ایک سچی قربانی کا نمونہ

دکھایا ہے۔ جناب مولوی صاحب موصوف لاہور ٹریننگ کالج کے پروفیسروں کے
سٹاف میں کام کرتے تھے۔ فنِ تعلیم میں ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص ملکہ عطا فرمایا
ہے اور جہاں کہیں وہ اپنی گورنمنٹ سروس میں رہے ہیں قابل تعریف کام کر کے دکھایا
ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی ایک دو مرتبہ یہ کوشش کی گئی تھی کہ
مولوی صاحب موصوف کو تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ہیڈ ماسٹری پر بلایا جاوے مگر بعض
وجوہات جو زیادہ تر امور خانگی سے پیدا ہوئیں اس کوشش کے پورا ہونے میں مانع رہیں
آخر اپریل ۱۹۰۹ء میں مولوی صدر الدین صاحب اپنے بعض احباب اور صدر انجمن احمدیہ
کی تحریک پر سوا سال کی رخصت لے کر تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ہیڈ ماسٹری پر تشریف
لائے۔ اس رخصت کے اختتام پر ایک سال کی اور رخصت ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم
نے منظور کی۔ مگر اس سے زیادہ توسیع رخصت منظور نہ کی۔ اس دوسرے سال میں
یہ کوشش کی گئی کہ گورنمنٹ مولوی صاحب کو سرکاری ملازمت میں ہی رکھکر انکی خدمات
صدر انجمن احمدیہ کو منتقل کر دے مگر اس کا آخری فیصلہ بعض قواعد کی روک کی وجہ سے یہ ہوا
کہ مولوی صدر الدین صاحب کی خدمات منتقل نہیں ہو سکتیں۔ پس اب دو ہی صورتیں
رہ گئی تھیں یا مولوی صدر الدین صاحب اپنی رخصت کے اختتام پر واپس چلے جاتے
یا سرکاری ملازمت کو چھوڑ دیتے۔ اس کا فیصلہ انہوں نے خلیفۃ المسیحؑ نے انہیں خانگی
رکاوٹوں کی وجہ سے یہ فرمایا کہ اگر مولوی صاحب شرح صدر سے ان رکاوٹوں کی پروا نہیں
کرتے اور وہ رکاوٹیں انکے لئے کسی وقت باعث ابتلا نہ ہوں تو وہ سرکاری ملازمت کو ترک
کر دیں۔ ورنہ نہیں۔ اسپر جناب مولوی صدر الدین صاحب نے شرح صدر سے ان تمام
روکوں کو جو دنیوی رنگ کی تھیں دین کی خاطر قربان کر دیا۔ اب جبکہ وہ یہ قربانی کر چکے
ہیں تو میرا یہ ذکر کرنا بے فائدہ ہے کہ محکمہ تعلیم میں وہ کس قدر ترقی کر سکتے تھے۔ سال
گذشتہ میں انسپکٹر صاحب مدارس نے سالانہ معاینہ کے وقت خود مجھ سے گفتگو کرتے
ہوئے جناب مولوی صاحب کے متعلق یہ فرمایا تھا کہ وہ بہترین ہیڈ ماسٹروں میں سے ہیں
جو کسی عمدہ سے عمدہ سکول کی ہیڈ ماسٹری کر سکتے ہیں۔ خود ہمارے ہائی سکول میں ہم

دیکھتے ہیں کہ انکی نگرانی کے نیچے سکول کس طرح ترقی کر رہا ہے۔ اس کے متعلق اس موقعہ پر میں اسی قدر ذکر کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح ؑ نے عزیز عبدالحی سلمہ ربہ کو اس سال بورڈنگ ہوس میں داخل کرنا ہی یہ بتانے کے لیئے کافی ہے کہ بورڈنگ ہوس میں بچوں کی تعلیمی اخلاقی اور دینی نگرانی کس قدر ہوتی ہے حالانکہ اسوقت بورڈنگ ہوس سکول سے کوئی آدھ پون میل کے فاصلہ پر ہے اور وہاں سے خصوصاً گرمی کے موسم میں آنے جانے میں ضرور تکلیف ہوتی ہے پھر یہ بھی یقینی بات ہے کہ کھانے پینے کے متعلق جس قدر آرام بچوں کو اپنے گھروں میں مل سکتا ہے۔ وہ بورڈنگ ہوس میں نہیں مل سکتا مگر ان رکاوٹوں کی آپنے کچھ پروا نہیں کی بلکہ اب تو آپ کا چھوٹا بچہ عبدالسلام جسکی عمر قریباً ساڑھے پانچ سال ہے وہ بھی باہر بورڈنگ ہوس میں ہی اپنے بھائی کے ساتھ رہتا ہے۔ میں اس امر کو احباب کے سامنے خصوصیت سے پیش کرتا ہوں تاکہ وہ اس نمونہ کو اختیار کریں اور اپنے امام کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ میں کسی خاص شخص کو مخاطب نہیں کرتا بلکہ سب بھائیوں کو مخاطب کرتا ہوں کہ انکے بچوں کے لیئے خالص دینی۔ پھر دینی اور دنیوی۔ دونوں قسم کی تعلیم کا اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت عمدہ انتظام ہے۔ اب وہ کس وقت کی انتظار میں ہیں جب اپنے بچوں کو اس درس گاہ میں تعلیم کے لیئے بھیجیں گے۔ کاش وہ اسوقت کی محبت پر۔ یا بعض فرضی رکاوٹوں پر۔ اپنے بچوں کی آئندہ کی بہبودی کو ترجیح دیں۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنے بچوں کو ہی یہاں بھیجکر احمدی قوم کے نشو و نما میں معاون بنیں۔

تعمیر کا کام جہانتک بورڈنگ ہوس کا سوال ہے غالباً تین چار ماہ کے اندر اندر ختم ہو جائے گا مالی مشکلات کے متعلق علیحدہ چٹھیوں کے ذریعہ احباب کو توجہ دلائی گئی ہے کہ ہر جگہ انجمنیں اور احباب چندہ تعمیر کے بقایوں کو ادا کرنے کی طرف بہت جلد توجہ فرماویں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس چٹھی کا جواب بہت جگہ سے دل خوش کن آیا ہے۔ سب سے پہلے جناب منشی غلام رسول صاحب سب انسپکٹر نے ایک سو روپے کا وعدہ فرمایا ہے جماعت لاہور میں جو تحریک ہوئی ہے اس سے جیساکہ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب سکرٹری انجمن و حکیم محمد حسین صاحب قریشی فنانشل سکرٹری انجمن کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے

کر دیا ہے آپکا اپنے عزیز بچہ کو باوجود گھر کے آرام کے ہوتے ہوئے بورڈنگ ہوس میں داخل

امید ہوتی ہے کہ دو ہزار روپے تک وہاں سے آجاوے گا۔ مردان سے کچھ روپیہ آگیا ہے اور کچھ اور بھیجنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ علیٰ ہٰذا پشاور سیالکوٹ وغیرہ مقامات سے اطلاع آئی ہے کہ ہر جگہ کوشش کی جارہی ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ سے ہی دعا ہے کہ وہ آپ دلوں میں تحریک کرے کیونکہ اخلاص اور جوش سے جو کام ہوتا ہے وہی بابرکت ہوتا ہے اور اخلاص کا پیدا کرنا محض اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ان دو تین ماہ کے اندر کام کی تکمیل کے لیئے دس ہزار روپے کی ضرورت ہے ؛

یتیم فنڈ۔ اس فنڈ میں بھی اس وقت روپیہ ختم ہو چکا ہے۔ چنانچہ گذشتہ ماہ میں کچھ اس نے بقایا رہ گیا تھا۔ اس ماہ میں حضرت خلیفۃ المسیح نے اس کمی کو دیکھکر ایک سو روپیہ اس فنڈ میں دیا ہے۔ .. .. احباب بھی توجہ فرماویں ؛

لنگر خانہ کی جدید عمارت پچھے مہمانخانہ کے سامنے تیار ہو رہی ہے۔ گو بارشوں کے قبل از وقت شروع ہو جانے سے کام میں کچھ حرج ہوا ہے مگر امید ہے کہ انشاء اللہ جلد مکمل ہو جاوے گی ؛

بھٹہ کا کام عنقریب بند ہونے والا ہے۔ قریب بارہ تیرہ لاکھ اینٹ کے تیار ہو گئی ہے جو ہسپتال وغیرہ دیگر ضروری عمارات کے کام میں آتی رہے گی ؛

تعلیم اسلام۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لیکچر مہوتسو کا انگریزی ترجمہ جو بصورت کتاب ولایت میں چھپا ہے اس کی تیرہ سو کاپی جہاز پر روانہ ہو چکی ہے۔ اور آج کل کراچی پہنچ جاوے گی۔ مجلد دو سو صفحوں کی کتاب کی قیمت صرف ایک روپیہ رکھی گئی ہے اور بہت سا حصہ مفت تقسیم ہوگا یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر مسلمان کے پاس جو انگریزی سمجھ سکتا ہو اس کی ایک کاپی رہے ؛

خاکسار

محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

* حکیم محمد حسین صاحب قریشی نے جس قدر محنت وصولی چندہ کیلئے اٹھائی ہے وہ بہت ہی قابل قدر ہے انہوں نے ...... ایک ہفتہ کے اندر اندر آٹھ سو روپیہ جمع کر کے بھیجدیا ہے اور اسی قدر روپیہ اگلے ہفتہ میں آجانیکی اُمید ہے اللہ تعالیٰ اس سعی کی انکو جزائے خیر عطا فرماوے اور دوسرے احباب کے دلوں میں بھی ایسی گرمجوشی پیدا کرے۔ قادیان میں بھی حضرت میر ناصر نواب صاحب نے کوشش شروع کر دی ہے۔

ریویو

ایک معزز شیعہ کے خط کا جواب ۔ حضرت مسیح و مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے جو اعلیٰ درجہ کے حقائق و معارف سے بھرا ہوا ہے ۔ اور مفت تقسیم کرنے کے لیئے شائع کیا گیا ہے ملنے کا پتہ محمدؐ صدیق احمدی رجمنٹل بازار چھاؤنی میرٹھ۔

علمائے خلف ۔ مؤلفہ میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق و رسالہ احمدی۔ ترا ہیرام خان دہلی ۔ میر صاحب موصوف نے وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا پر عمل کر کے اپنے رسالہ احمدی میں مخالفین کی تحریروں کا ترکی بہ ترکی جواب دینا شروع کیا ہے ۔ چنانچہ رسالہ علمائے خلف میں جو رسالہ احمدی کے چند نمبروں کا مجموعہ ہے ۔ مخالفین سلسلہ کے دجل و افتراء کا عموماً اور میاں ثناء اللہ امرتسری کے کذب و افتراء کا خصوصاً خوب قلع قمع کیا گیا ہے ۔ ۱۹۲ صفحہ کی کتاب ہے قیمت ۸؍

حضرت مسیح کی آمد ثانی یسوع اور یسوع کی بھیڑوں کا روحانی نقشہ ۔ مؤلفہ شیخ رحیم بخش صاحب راجپوت نو مسلم واعظ اسلام ۔ چونکہ شیخ صاحب عیسائی سے مسلمان ہوئے تھے انکی تحریرات گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے کا اثر رکھتی ہیں ۔ کتاب زیر ریویو کا نفس مضمون تو اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے ۔ یہ بطور سوال و جواب کے تالیف کیگئی ہے ۔ جو انہوں نے اپنی مرحومہ بیوی مسز الفت بیگم سے کیئے تھے ۔ جسکے بعد وہ مسلمان ہو گئیں ۔ رعایتی قیمت ۳؍ مؤلف سے مل سکتی ہے ۔ امرتسر ۔ ہاتھی دروازہ ۔ کوچہ قادر لونگڈھ ۔ دفتر راجپوتاں

رسالہ کشف الحقیقت ۔ مؤلفہ خواجہ غلام الحسنین صاحب پانی پتی اسمیں آیت کریمہ یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ کی تفسیر کیگئی ہے اور عام لغات ۔ لغت قرآن و حدیث ۔ تفاسیر اور اشعار عرب کے حوالہ سے ایک آریہ کے اس اعتراض کا دفعیہ کیا گیا ہے کہ اس آیت سے خدائے تعالیٰ کی جسمیت ثابت ہوتی ہے ۔ ہمیں اس تفسیر سے پورا اتفاق ہے مگر ہم اس بات کو نوٹ کیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس رسالہ کے آخر میں تشیع کی تعلیم کو بلا ضرورت داخل کر دیا گیا ہے ۔ اگر یہ رسالہ اس مخفی ملاوٹ سے پاک ہوتا تو بہت اچھا تھا ۔ ۴۴ صفحہ کا رسالہ قیمت ۲؍ مصنف سے مل سکتی ہے ۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم اور آج کل کے مسیحی

بہ بیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا

امریکہ کا ایک مسیحی اخبار آجکل کے مسیحیوں کا اور خصوصاً گرجا میں جانے والے مسیحیوں کی حالت کا نقشہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کھینچتا ہے :-

مسیحؑ کے زمین پر واپس آنے اور روزمرّہ کی زندگی کے متعلق حضرت مسیحؑ کے خیالات کا نقشہ بسا اوقات ہمارے سامنے کھینچا جاتا ہے مگر لطف یہ ہے کہ اُسی وقت بھلا بھی دیا جاتا ہے۔ اس سے ہم اُس تغیر کا کسی قدر اندازہ لگا سکتے ہیں جو آجکل کے مسیحیوں کے خیالات میں پیدا ہو گیا ہے۔ مسیح علیہ السلام کی تعلیم کے متعلق ابتدائی زمانہ میں جو مسیحیوں کے خیالات تھے اُن میں اور آجکل کے مسیحیوں کے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ جس مسیحیت کا آجکل وعظ کیا جاتا ہے اور جس مسیحیت پر آجکل عملدرآمد ہے وہ ابتدائی زمانہ کی مسیحیت سے بالکل نرالی ہے ہم نے مسیح کے نقش قدم پر چلنا چھوڑ دیا ہے اور ہم میں یہ طاقت نہیں کہ ایک گنہ گار کو دیکھ بھی سکیں۔ ہمیں ایک دوسرے میں فرق کرنا خوب آتا ہے اور جو خلیج ہمارے درمیان اور غریب گنہ گاروں کے درمیان واقع ہے وہ ایسی چوڑی اور ناقابل گذر ہے جیسا کہ اُس زمانہ میں تھی جب مسیحیوں کا اس مقولہ پر عملدرآمد تھا "مسیحؑ کا اقرار کرو ورنہ ملعون ہو کر سزا کے مستحق ٹھہر جاؤ گے" امریکہ کے کسی شہر کے امرا کا گرجا لو۔ کیا وہ پسند کرینگے کہ شہر کے لنگڑے۔ اپاہج۔ اور مفلس لوگ اُنکے عالیشان گرجے میں جو پبلک عبادت کیلئے بنایا گیا ہے قدم رکھیں۔ کیا ان گرجوں کے دربان ایک غریب ادنیٰ درجہ کی عورت کو ساتھ لے گرجا میں کسی ایسی سیٹ پر جا کر بٹھانا پسند کرینگے جہاں سے وہ اُس پیغام کو سن سکے جو مسیحؑ کل دنیا کے لیئے لایا۔ نہیں بلکہ غالباً گرجے کے دربان پولیس کو اطلاع دیں گے کہ ایسے منحوس مداخلت کنندگان کو احاطہ سے نکالدیں اور اُنکو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ ہم نے اپنی طرف سے درجے تجویز کر لیئے ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ ادنیٰ درجہ کے لوگ اُن گرجوں میں مسیح سے تسلی طلب کریں جو اُن کے لیئے اُنکے غلیظ محلوں میں تیار کرائے گئے ہیں اور اُن کو

اُن عالیشان گرجاؤں میں داخل نہیں ہونا چاہیئے جو اُمرا کے لیئے تجویز کیئے گئے ہیں۔
اس مسیحی اخبار کا ایڈیٹر امریکہ کی حالت پر افسوس کرتا ہے شائید اُسکو معلوم نہیں کہ جن غیر ملکوں میں مسیحی مذہب کے واعظ انجیل کی منادی کرانے کے لیئے تشریف لے جاتے ہیں وہاں بھی یہی تمیز موجود ہے۔ کالے لوگوں اور نیٹو صاحبان کے گرجے الگ ہیں اور یوروپین صاحبان کے گرجے الگ ہیں۔ اخبار مذکور اپنے ملک کے متعلق شہادت دیتا ہے کہ اگر کوئی بچاری غریب عورت بھولے سے کسی ایسے گرجے کی طرف چلی جاوے جو بڑے لوگوں کے لیئے بنایا گیا ہے تو اُسکو دربان پکڑ کر نکال دینگے اور اگر وہ اسی جگہ مسیح سے تسلّی حاصل کرنے پر اصرار کرے تو پولیس کے ذریعہ اُس کو نکال دیں گے۔ مَیں کہتا ہوں اگر خود حضرت یسوع مسیح (علیہ السلام) بالفرض دوبارہ دنیا میں آجائیں یا اُن کا کوئی حواری آجائے اور اُن کا لباس اعلیٰ سوسائٹی کے فیشن کے مطابق نہ ہو اور اُن کا گذر یورپ یا امریکہ کے کسی گرجا کی طرف ہو تو شائد دربان اُن سے بھی وہی سلوک کریں۔ جو غریب بڑھیا سے کرینگے اور خواہ مسیح ہزار دفعہ یقین دلائے کہ مَیں تمھیں تسلّی دینے کے لیئے آیا ہوں اُس کی ایک نہیں سُنی جائے گی۔ اگر کوئی مسیحی کہے کہ وہ تو بڑے جلال کے ساتھ آئے گا تو یہ کہنا غلط ہے کیا اُس کی آمد اوّل کے متعلق جلالی آمد کی پیشگوئیاں نہ تھیں مگر جب وہ ظاہر ہوا تو یہودیوں کی ساری امیدوں کو خاک میں ملاکر عجز و انکسار کی حالت میں ظاہر ہوا اور پھر اُس کی دوبارہ آمد کے متعلق تو لکھا ہے کہ وہ چور کی طرح آئے گا۔ یعنی ایسے بھیس میں آئیگا کہ ہر ایک شخص اُس کو نہیں پہچان سکے گا۔ مسیحیو! مساوات کا سبق اسلام سے سیکھو۔ اسلامی مساجد میں بادشاہ و گدا ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اپنے خدا کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور اسلامی خدا کے دربار میں فقیر و امیر کی کوئی تمیز نہیں! خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ یعنی بڑائی مال اور مرتبہ میں نہیں ہے بلکہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک تم میں بڑا اور باعزت وہ ہے جو دوسروں سے تقویٰ میں بڑھا ہوا ہے۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۷

چندہ سالانہ عوام سے عا طلباء سے عم

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

ریویو

کرامات المہدی :- مرتبہ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل۔ اس رسالہ میں قاضی صاحب موصوف نے حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ۱۳۲ نشانات کو جمع کیا ہے اور آخر میں مختصر طور پر مندرجہ ذیل مضامین پر بحث کی ہے (۱) وفات مسیحؑ (۲) ابن مریم سے مراد اُس کا مثیل ہے (۳) وقت نزول (۴) مقام نزول (۵) خاص مسیحؑ کے نشان۔ یہ رسالہ بہت مفید ہے اور تھوڑے سے حجم میں بہت سے مضامین کو جمع کر دیا گیا ہے خصوصاً وہ حصہ جس میں نشانات کی فہرست دی گئی ہے نہایت مفید ہے۔ گویا حضرت مسیح موعودؑ کے نشانات کا ایک آئینہ ہے ۱۸ صفحہ کا رسالہ قیمت ار؎ ملنے کا پتہ محمد یامین مہاجر تاجر کتب قادیان :

تاریخ اسلام کے دلچسپ واقعات :- اس نام کا ایک رسالہ منشی غلام قادر صاحب فصیح نے شہر سیالکوٹ سے جاری کرنا شروع کیا ہے جس میں اسلامی تاریخ کے واقعات بالترتیب شائع کیے جاتے ہیں۔ اس رسالہ کی آجکل کے مسلمانوں کو بہت ضرورت بھی کیونکہ وہ اسلامی تاریخ سے عموماً بالکل ناواقف ہیں۔ علاوہ ازیں ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں کے حالات پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت اور صحابہ کرام کی راستبازی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے یہ ایک ایسی قوم تھی جسکی نظیر نہ کبھی پہلے پیدا ہوئی اور نہ آئندہ گمان ہوسکتا ہے کہ کبھی پیدا ہو۔ ان کے حالات پڑھنے سے انسان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔ رسالہ زیر ریویو میں حضرت ابوبکرؓ کے حالات قابل دید ہیں۔ ہر ماہ میں عموماً ۵۲ صفحے کے دو رسالے شائع ہوتے ہیں۔ جو بعد میں کتاب کی شکل میں جمع ہو سکتے ہیں۔ قیمت سالانہ للعہ۔ ششماہی عا؎ ۳ ماہی عہ ر

اقیموا الصلوٰۃ :- اس رسالہ میں شیخ عبد الرحیم صاحب قادیان مصنف رسالہ الذکر نے نماز کی حقیقت اور اُس کے ادا کرنیکے شرائط کو نہایت عمدگی سے بیان کیا ہے میں یقین کرتا ہوں کہ جو شخص اس رسالہ کو پڑھیگا انشاء اللہ تعالےٰ ضرور اُس سے بیش بہا روحانی فائدہ حاصل کریگا کاغذ اور چھپائی بہت عمدہ ہے قیمت صرف ۱؎ ملنے کا پتہ شیخ عبد الرحمٰن قادیانی تاجر قادیان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

انما امرہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون ۰

فسبحٰن الذی بیدہ ملکوت کل شیءٍ والیہ ترجعون ۰

حقیقی سُکھ کی راہ

مرقومہ جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب

انسان کے حقیقی سُکھ کا معیار بوجہ اختلاف مذاق اختلاف طبیعت اختلاف عادات مختلف ہونا چاہیئے اور مختلف ہے۔ اور اسی لیئے اگر سُکھ کی تعریف کی جائے تو وہ یہی ہو سکتی ہے کہ ایک انسان کے ارادوں اور خواہشوں کا ہمیشہ پورا ہوتے رہنا۔ اس کے حصول کے لیئے مخلوق نے تین راہیں اختیار کی ہیں (۱) ایک تو وہ راہ ہے جو مادی لوگوں نے اختیار کی ہے اور جنہوں نے خلق سے فائدہ اُٹھانا چاہا ہے اُس کے تین بڑے ذریعے ہیں۔ سلطنت۔ دولت علم مخلوقات۔ اپنے ارادوں کے پورا کرنے کے لیئے انسان نے یہ کوشش کی کہ وہ ملک پر زمین پر۔ نباتات پر۔ مویشیوں پر۔ دوسرے انسانوں پر قبضہ کرے تا اُس کو اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں مدد ملے۔ اسی کا نتیجہ دنیا میں سلطنتیں اور حکومتیں ہیں۔ جو اس طرح کامیاب نہیں وہ طرح طرح سے دولت کماتے ہیں تا روپے کے زور سے وہ بات حاصل کریں جو دوسروں کو حکومت سے ملی۔ اور پھر تیسرا ذریعہ علم سائنس ہے جس کے ذریعہ طرح طرح کی ایجادیں دنیا میں کی گئیں۔ حتّٰی کہ اُن کے ذریعہ انسان نے اپنے ارادوں کی تکمیل میں عناصر تک سے مدد لی۔ مگر بایں ہمہ یہ ناممکن ہے کہ انسان کے

کُل ارادے پورے ہو جائیں۔ ہر ایک امر اُس کی خواہش کے مطابق ہو۔ بڑے بڑے شہنشاہوں۔ دولتمندوں۔ ڈاکٹروں۔ موجدوں کو حسرت۔ بےکسی۔ بے بسی۔ دُکھ مصیبت وغیرہا کا ویسا ہی شکار پایا جاتا ہے جیسا ایک ادنیٰ فرد بشر۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ انہوں نے ایک حد تک سکھ کو پایا اور اپنے ارادوں کے پورا کرا لینے میں ایک حد تک کامیابی حاصل کی۔ مگر آگے وہی بے بسی ہے جو لازمۂ مخلوق ہے (۲) دوسری وہ راہ ہے جو مسمرائزر لوگوں کی ہے اس قوم نے نفس سے فائدہ اُٹھانا چاہا ہے انہوں نے اس حقیقت کو پالیا کہ در اصل خود انسان کے اندر ایسی ایسی قوتیں مخفی ہیں کہ انسان عظیم الشان ترقی کر سکتا ہے اور یہ تمام عالم انسان کے نفس کے مقابل میں عالم صغیر ہے اور خود نفس عالم کبیر ہے۔ اُنہوں نے مختلف طریقوں سے مجاہدات کرکے اپنی ارادی قوت کو بڑھایا۔ اور اُس سے فائدہ اُٹھایا اور سُکھ کے حصول میں مادی لوگوں سے آگے بڑھ گئے۔ جو ارادہ ایک بادشاہ یا ایک امیر کسی طرح پورا نہیں کر سکتا وہ بعض حالتوں میں ایک مسمرائزر کر سکتا ہے اسی قوت ارادی کے کرشمے اس زمانہ میں لوگوں نے مشاہدہ کیئے ہیں۔ جو بڑی بڑی مادی طاقتوں سے بھی بڑھکر ثابت ہوئے ہیں مگر آخر ایک حد پر جاکر یہ بھی رہ گئے۔ کیونکہ انسان ایک محدود ہستی ہے اور اُس کی قوتیں بھی لازماً محدود ہیں۔ وہ وہیں تک ترقی کرے گا جہانتک اُس کی استعداد ہے وہ اپنی ارادی قوتوں کو وہیں تک کام میں لاسکتا ہے جہاں تک اُس کا ارادہ دوسروں پر غالب آسکتا ہے۔ دنیا میں ایسی بہت سی قوتیں موجود ہیں جن پر اُن کا ارادہ غالب نہیں آسکتا۔ خود بعض انسان قدرتی طور پر زبردست ارادی قوت اپنے اندر رکھتے ہیں جن پر ایک مسمرائزر کی توجہ غالب نہیں آسکتی یا ایک جماعت پر وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مجموعی قوت اُس اکیلے انسان کی قوت سے بڑھ جاتی ہے۔

پھر باایں ہمہ ایسا انسان اخلاق فاضلہ سے محروم رہ جاتا ہے۔ وہ رات دن اپنی خواہشات کا تابع ہوتا ہے۔ انسان کے اندر بُری بھلی سب ہی قسم کی خواہشیں پیدا ہوتی ہیں۔ جو انسان دن رات اپنی خواہشوں کے تابع ہے وہ کبھی نیکی کے اعلیٰ معیار پر نہیں پُہنچ سکتا۔ اگر قوت ارادی سے کسی شخص کو نیکی کی طرف مائل کر سکتے ہیں تو اُسی قوت ارادی سے ایک عورت سے ناجائز تعلق بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ کسی کی بیماری کو دُور کر سکتے ہیں تو کسی کو اپنے ناجائز فائدہ کی خاطر

بیمار بھی ڈال سکتے ہیں۔ غرضکہ یہ ایک بڑی خطرناک راہ ہے۔ اور ایسا انسان نفس کے تابع اور اخلاق فاضلہ سے محروم ہوتا ہے۔ پھر ان خواہشات کی اتباع سے انسان بڑے بڑے نقصان بھی اُٹھاتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک خواہش یا ارادہ جو انسان کے قلب میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ انسان کے لیئے مفید ہو۔ بلکہ بارہا وہ نہایت مضر ہوتا ہے۔ اس لیئے ایسا انسان اکثر اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی بھی مار لیتا ہے اور چنانچہ ایسے لوگوں کا انجام بالعموم ہلاکت ہوتا ہے۔ پھر سب سے بڑھکر یہ کہ باوجود اتنی ریاضتوں اور محنتوں کے یہ حالت ایک قلیل مدت کیلئے ہوتی ہے یعنی موت کے ساتھ ہی سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا دو راہوں پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دونوں راہیں حقیقی سکھ کی نہیں۔ کیونکہ محدود ہیں کیا باعتبار ترقی اور وسعت کے اور کیا باعتبار زمانہ کے یعنی ایک حد تک سکھ پہنچا سکتی ہیں اور بس اور پھر یہ کہ فانی ہیں ہمیشہ کے لیئے نہیں ہیں جہاں اس وجود اور عالم کو چھوڑا اُس کے ساتھ اس کی قوتیں اور طاقتیں بھی رخصت ہو گئیں (۳) اب تیسری راہ اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے خدا کو اختیار کیا اور وہ انبیاء ہیں۔ اُنہوں نے انسانی نفس اور تمام مخلوقات کا عجز دیکھکر اس حقیقت کو معلوم کر لیا کہ در اصل حقیقی سکھ کے حصول کا صحیح طریق یہی ہے کہ اُس ذات کے ساتھ تعلق پیدا کیا جائے جو ہر ایک عجز اور نقص اور کمزوری اور فنا اور زوال سے پاک ہے۔ اور وہ سب پر غالب ہے اور جو ارادہ کرتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اُس کے آگے کوئی چیز جس کا وہ ارادہ کرے اَن ہونی نہیں عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ اور علم تام رکھتا ہے اور ہر ایک چھپی کھلی بات اور ہر ایک غیب کو جانتا ہے۔ اور ہر ایک نفع و نقصان اُسی کے ہاتھ میں ہے اور جو چاہے پیدا کر سکتا ہے اور جو چاہے مٹا سکتا ہے اور وہ اللہ ہے جو اس تمام موجودات عالم کا خالق اور مالک ہے۔ جب دنیا کے بادشاہوں کے ساتھ جو خود عاجز مخلوق ہیں تعلق پیدا کرنے سے انسان ایک حد تک سکھ پاتا ہے تو جو حقیقی بادشاہ اور مالک الکل ہے اُس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے ابدالآباد کیلیئے کیسا کامل سکھ انسان حاصل کر سکتا ہے۔ اب یہ سچی بات ہے کہ بادشاہ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ اُس کا فرمانبردار بنے اور فرمانبرداری محبت اور اخلاص پر

بنی ہو نہ کہ ظاہرداری پر اور ہر حالت عسر و یسر میں یکساں فرمانبرداری کرے اسی طرح خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں بھی ضرور ہے۔ کہ وہ خدائے تعالیٰ کی سچی فرمانبرداری اختیار کرے اور اُس کے کسی امر سے کبھی بھی خواہ دُکھ میں ہو یا سکھ میں باہر نہ ہو اور کامل اخلاص اور محبت سے اُسکی فرمانبرداری کرے۔ فرمانبرداری کے دو رنگ ہیں ایک تو یہ کہ جو احکام اوامر و نواہی کے خدا نے الہام کے ذریعہ ظاہر فرمائے ہیں (کیونکہ الہام ہی کے ذریعہ اُس کی مرضی کا صحیح علم ہو سکتا ہے) اُن کی سچے اخلاص سے کامل اطاعت کرے دوسرے یہ کہ جو تقدیر خدا کی طرف سے جاری ہو خواہ وہ سُکھ ہو یا دُکھ ہو اُس کو بخوشی اور برضاو رغبت اور کامل محبت سے برداشت کرے گویا ہر حالت میں خدا کی حکومت کو اپنے اوپر قبول کرے اور اُس کے اپنے دل میں کوئی خواہش سوا اسکے نہ ہو کہ خدا راضی ہو۔ یعنی ہر آن ہر گھڑی خدا ہی مطلوب مقصود محبوب اور معبود ہو۔ اور یہی معنے لا الٰہ الا اللہ کے ہیں جو تمام نبیوں کا کلمہ ہے۔ اور اس میں یہانتک فنائیت ہو کہ اپنی کُل خواہشات اور ارادوں کو خواہ دنیا کے لیئے ہوں یا آخرت کے لیئے بکلی ترک کر دے اور خدا کے ارادوں کے ماتحت ایک بے جان مشین کی طرح اپنے تئیں ڈالدے۔ کوئی بات کوئی حرکت اپنی خواہش یا ارادہ سے نہ کرے یعنی اپنی ہستی سے بالکل فنا ہو جائے اور خدا کے ارادوں کی گاڑی کے چلنے کے لیئے وہ بطور سڑک کے ہو۔ اور یہی معنے عبد کے ہیں۔ جب اس حالت پر انسان پُہنچ جاتا ہے اور اُس کا اپنا کوئی ارادہ نہیں رہتا۔ اور تمام ارادوں اور خواہشوں سے بکلی پاک ہو جاتا ہے اور اُس کے دل میں سوا خدا کے اور کوئی مطلوب نہیں ہوتا تب خدا اُس کی طرف رحمت اور محبت سے نظر کرتا ہے کیونکہ اب وہ تمام قسم کے شرک کی گندگیوں سے پاک ہو کر آیا ہے اور خواہشات اور نفسانی ارادوں کے بُت ٹوٹ گئے ہیں۔ اور دل کا حرم اب اس لائق ہے کہ اُس میں خدا نازل ہو پھر خدا کا اُس بندہ کے ساتھ ایسا شدید تعلق ہو جاتا ہے کہ اُس بندہ کے تمام قول و فعل خدا میں ہو کر سرزد ہوتے ہیں چنانچہ اس گروہ کے سرتاج حضرت محمد مصطفیٰ صلعم نے جب بدر میں اپنی فوج کی حالت نازک دیکھی تو ایک مٹھی کنکری کی کفار کی طرف پھینکی جس کے پھینکتے ہی ایسی سخت ہوا کفار کے خلاف

چلی کہ تمام بیابان کے کنکر پتھر کفار کے منہ پر پڑنے لگے اور اُنہیں شکست ہو گئی۔ چنانچہ قرآن کریم میں وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اسی امر کے متعلق آیا ہے یعنی تو نے کنکریاں نہیں پھینکیں بلکہ خدا نے پھینکی تھیں۔ اور بائبل میں بھی اسی کی پیشین گوئی ہے کہ اُس کا دایاں ہاتھ مہیب کام دکھائیگا۔* یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جو اعلیٰ درجہ کی صحت پر مبنی ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ غرضکہ انبیاءؑ اور اولیاءؒ اور باخدا لوگوں کے حالات میں ہزارہا ایسے اتفاقات موجود ہیں جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے ساتھ خدا کا نہایت شدید تعلق ہوتا ہے اور خدا ہر مقام پر اِن کی نصرت کرتا اور انکے دشمنوں کا دشمن ہوتا ہے جدھر ان لوگوں کا منہ ہوتا ہے اُسی طرف خدا کا منہ ہوتا ہے اس زمانہ کو بھی خدا نے خالی نہیں چھوڑا چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود علیہ السلام کا واقعہ تمام دنیا پر روشن ہے اور اُن کے ہاتھ پر تازہ بتازہ نشان ایک عالم نے دیکھے۔ غرض اس مقام پر انسان پر ایک قسم کی موت وارد ہو کر ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے اور انسان مثل بچّہ معصوم کے ہوتا ہے اور جسطرح ماں باپ بچہ کی ہر ایک ضرورت کے متکفّل ہوتے ہیں اور اُس کو ہر طرح راضی اور خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس انسان کی ہر ایک ضرورت کا متکفّل ہوتا اور اُس کو ہر طرح راضی رکھتا ہے اور اسکی ہر خواہش کو پورا کرتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں آیا ہے وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُوْنَ۔ یعنی جو خواہش کرینگے اُن کے لیئے مہیا کی جاویگی۔ مگر یہ یاد رہے کہ اُس بندہ کے قلب میں کوئی ایسی خواہش نہیں اُٹھتی جو نفس کی طرف سے ہو اور کوئی ارادہ نفس کی طرف سے نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر ایک خواہش یا ارادہ جو اُس کے قلب میں اُٹھتا ہے وہ منجانب اللہ ہوتا اور خدا کے ارادہ اور رضا کے ماتحت ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس بندہ کا ارادہ تمام دنیا کے ارادہ پر غالب آتا ہے اور جس امر کا وہ ارادہ کرتا ہے پورا ہو کر رہتا ہے۔ کیونکہ وہ دراصل خدا کا ارادہ ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلعم کا واقعہ دنیا کو معلوم ہے کہ کسطرح ایک ایسے زمانہ میں جو شرک اور فسق و فجور سے بھرپور تھا اور بالخصوص جبکہ عرب کا ملک شیطان کا تخت گاہ بنا ہوا تھا آپ نے خود عرب میں آکر ایسا توحید اور نیکی کا نور پھیلایا کہ نہ صرف عرب ہی اُس سے روشن ہو گیا بلکہ تمام عالم اُس کی چمک سے جگمگا اُٹھا۔ کیا تمام عرب اور ایران اور روم و مصر کی متفقہ قوتوں نے

* زبور ۴۵-۳و۴

اُسے روک دیا ہرگز نہیں۔ یہ اسی لیئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ دراصل خدا کا ارادہ تھا۔ خدا کے ارادوں کے مقابل میں مخلوق کا ارادہ کیا ہستی رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی مثالیں موجود ہیں۔ باوجود مخالفتوں کے آخر وہی ہوا جو انہوں نے چاہا تھا۔ پھر یہی نہیں کہ انسانوں پر ہی اُس کا ارادہ غالب آتا ہے بلکہ چاند سورج اور ملائکہ تک فرمانبرداری کرتے ہیں ملائکہ کو آدم کی فرمانبرداری کے حکم کا یہی راز تھا اور یوسفؑ کے رؤیا میں چاند سورج اور ستاروں کو اپنی فرمانبرداری کرتے ہوئے دیکھنے کی یہی تعبیر تھی ؀

غرض یہ وہ مقام ہوتا ہے کہ جہاں بندہ اپنے رب کی گود میں (جو حقیقی سُکھ کا سرچشمہ ہے) جا پڑتا ہے۔ اس طرح نہ صرف وہ اپنے لیئے ہی مفید ہوتا ہے۔ بلکہ غیر کے لیئے بھی۔ اپنے لیئے تو یُوں کہ لا انتہا ترقی کا دروازہ اُس پر کُھل جاتا ہے جس طرح خدا کی ربوبیت کی کوئی انتہا نہیں اسی طرح بندہ کی ترقی کی پھر کوئی انتہا نہیں رہتی۔ اور ابدی خدا میں ہو کر وہ ابدی زندگی پاتا ہے۔ اور اخلاق فاضلہ کو حاصل کرتا ہے اور خدا کی مختلف صفات کا وہ مظہر ہوتا ہے۔ غیر کے لیئے یوں کہ وہ اپنے ان صفات سے مخلوق کو نفع پہنچاتا ہے وہ خدا کے رحم سے حصہ لیتا ہے وہ رحیم ہوتا اور دنیا کی مخلوق پر شفقت کرتا اور اُنہیں نفع پُہنچاتا۔ وہ پھر اُنہیں اُسی راہ پر چلانے کی کوشش کرتا اور چلنے میں مدد دیتا ہے جس پر چلکر وہ خود کامیاب ہوا اور حقیقی راحت کا وارث بنا۔ غرض وہ دنیا کے لیئے ہادی اور نور ہوتا ہے۔ اور ایک نافع وجود ہوتا ہے ؀

ممکن ہے کہ یہاں کوئی اعتراض کرے کہ کبھی نبیوں کو بھی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ وہ تکالیف صرف ترقی درجات کے لیئے ہوتی ہیں۔ جس طرح ایک شفیق باپ اپنے بچہ کو سکول اور کالج اور اُنکے سخت سے سخت امتحانوں کی تکالیف میں ڈالدیتا ہے تا وہ بچہ ترقی کرے اور یہ محبت کا نتیجہ ہے اسی طرح کبھی خدا بھی اپنے برگزیدوں کو تکالیف میں ڈالتا ہے مگر اُس کا مطلب بھی وہی ترقی ہوتا ہے۔ اور جس طرح ایک سمجھدار بچہ ایسے شفیق باپ کا شکر گذار ہوتا ہے جو اُسے تعلیم کے لیئے سکولوں میں ڈالتا ہے اسی طرح وہ اپنے رب کا شکر گذار رہتا ہے کہ وہ اُس کی ترقی کے سامان پیدا کرتا ہے اور وہ خوش ہوتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ اس کے اندر بہت بڑا انعام مخفی ہے۔ وہ تکلیف اُسکے لیئے عین راحت ہوتی ہے۔ اور راحت کا کمال بھی

یہی ہے کہ وہ حالت بھی جسے دنیا مصیبت سمجھتی ہے بندہ کو عین راحت معلوم ہو۔ غرض
کسی حالت میں بھی وہ راحت سے باہر نہیں ہوتے بلکہ ہر وقت وہ راحت و آرام میں
ہوتے ہیں۔

امید ہے کہ اب یہ بات صاف ہو گئی ہو گی کہ نبیوں کی راہ ہی راحت حقیقی کی راہ ہے۔ مادی
لوگوں اور مسمرائزر لوگوں نے مخلوق سے یہ فائدہ اٹھانا چاہا تھا اور نبیوں نے خالق سے۔
مادی انسان نے خلق کو لیا۔ مسمرائزر نے نفس کو لیا۔ نبی نے خدا کو لیا۔ نبی کامیاب ہوا
کیونکہ وہ حقیقت کو پہنچ گیا۔ خالق کا طالب ہوا۔ پہلے دو مخلوق کے طالب ہوئے اور ناکام رہے
مادی لوگوں اور مسمرائزر لوگوں کا مطلوب و مقصود یہ دنیا اور اُس کے عیش و آرام تھے۔ نبی کا
مطلوب و مقصود خدا تھا جو سرچشمہ ہے تمام سُکھوں کا اور مالک ہے تمام دنیا و آخرت کا۔ مادی
لوگوں نے اپنے ارادوں کے پورا کرنے کے لیئے اسباب خلق سے کام لیا۔ مسمرائزر لوگوں
نے خود اپنے ارادی قوتوں کو بڑھایا۔ مگر نبی نے اپنے کل ارادوں کو چھوڑ دیا۔ اور اپنی ساری
توجہ خدا کے لیئے کر دی اور فائز المرام ہوا - یہاں یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ بعض
لوگ نادانی سے کہدیتے ہیں کہ مسمرائزر میں اور نبی میں فرق کیا ہے - اجی فرق تو جب ہو کہ
کچھ مشابہت ہو۔ یہ تو ایک دوسرے کے نقیض ہیں - ایک ارادہ کو بڑھاتا ہے۔ دوسرا اُسے
مٹاتا ہے ایک تو اپنی خواہشوں کو فنا کر چکا ہے۔ غرض رات اور دن اور ظلمت اور نور کا سا فرق
ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسمرائزر ناکام ہوتا ہے اور نبی کامیاب۔ ایک خواہشوں کے
پیچھے پڑکر اسفل السافلین کو چلا جاتا ہے دوسرا اخلاق فاضلہ حاصل کر کے دنیا کے لیئے
رحمت ثابت ہوتا ہے۔ ایک قدرے سُکھ پا کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ دوسرا ابدالآباد کے
لیئے زندگی پاتا اور حقیقی راحت کا وارث ہوتا ہے۔ اب ایک طالب کے لیئے یہ بتلانا ضروری
ہے کہ نبیوں کی راہ کا علم حاصل کرنے کے لیئے اِسوقت دنیا میں اگر کوئی راہ ہے تو وہ
اسلام ہے کیونکہ دنیا میں ایک ہی نبی ہے جس کا نمونہ کلی طور پر تاریخ نے یا یوں کہو کہ خدا نے
محفوظ رکھا ہے۔ اور وہ محمد رسول اللہ صلعم ہے اور یہ بھی بشارت ہو کہ وہ جامع ہے تمام
کمالات نبوت کا۔ لہٰذا تمام نبیوں کی کامیابی کی راہیں اس الہامی کتاب میں جو وہ لایا یعنی قرآن کریم

میں جو ایک محفوظ کتاب ہے موجود ہیں اور خود اُس کا سب سے اعلیٰ اور افضل نمونہ کممل طور پر تاریخ میں ہمارے سامنے ہے۔ کوئی اور مذہب اپنی کتاب یا ہادی کے نمونہ کو ایسے یقین کے ساتھ دنیا کے آگے پیش نہیں کر سکتا کیونکہ زمانہ نے اُنہیں محفوظ نہیں رکھا۔ بلکہ صدہا دلائل اُنکے محرف و مبدل ہونے کے موجود ہیں مگر قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلعم کا نمونہ دنیا میں کامل طور پر محفوظ اور موجود ہے جس میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ نہیں۔ پھر اِس زمانہ میں ایک شخص مرزا غلام احمد نامی نے اُس نمونہ اور اُس تعلیم کی اقتدا کر کے یہاں تک ترقی کی کہ وہ نہ صرف مسیح بن گیا بلکہ جری اللہ فی حلل الانبیاء کا خطاب پایا۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ محمد مصطفےٰ صلعم جامع ہیں تمام کمالات نبوت کے کیونکہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب اُن کی غلامی سے تمام نبیوں کی خلعتوں کے وارث ہوئے الحاصل حضرت مرزا صاحب کی اس ترقی نے ثابت کر دیا کہ واقعی نبیوں کی راہ اسلام ہی ہے کیونکہ اسپر چلکر وہ نبیوں کے وارث بنے اور کہ یہ ایسا محفوظ اور زندہ مذہب ہے کہ اب بھی اِس پر چلکر انسان پہلوں کی طرح ترقی کر سکتا ہے اور حقیقی راحت کا وارث ہو سکتا ہے ؎

آؤ لوگو! کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا ٭ نور ہے نور اُٹھو دیکھو سنایا ہم نے

قرآنی بیانات کی صحت*

رسالہ ہذا کے گذشتہ نمبروں میں ہم اس بات کا اظہار کر چکے ہیں کہ قرآن کریم میں جن تاریخی واقعات کا حوالہ ہے وہ دراصل پیشگوئیاں تھیں جو اپنے اپنے وقت پر بصراحت تامہ پوری ہوئیں - ان پیشگوئیوں کا پورا اترنا ہی اس امر کا ایک زبردست ثبوت ہے کہ قرآن کریم منجانب اللہ ہے ۔جن حالات کے ماتحت یہ پیشگوئیاں کی گئی تھیں اگر ان کو مدنظر رکھا جائے تو انسانی آنکھ قطعاً اس عظیم الشان مستقبل کو نہیں دیکھ سکتی تھی جس کی خبریں ان پیشگوئیوں میں برسوں پہلے دی گئی تھیں ۔مثلاً ایک یتیم مسکین بے زر بے پر انسان ایسے وقت جبکہ در و دیوار اُس کے خون کے پیاسے ہیں یہ اعلان کرتا ہے کہ میرے دشمن تباہ و برباد ہو جائیں گے جو مذہب میں دنیا میں لایا ہوں وہی کامیاب اور غالب ہوگا اس کے مقابل دوسرے تمام ادیان ناکام و مغلوب ہونگے اور لطف یہ ہے کہ جو کچھ اس شخص نے برسوں پہلے کہا تھا وہ لفظ بلفظ پورا ہوا ۔ یعنی عین پیشگوئیوں کے مطابق اسلام اور صاحب اسلام علیہ التحیات والسلام غالب و منصور اور آپ کے دشمن ناکام و نامراد ہوئے ۔ جس پودے کو کفار نے بیخ و بن سے اکھاڑنا چاہا تھا وہ وعدہ الٰہی کے مطابق ایک بارور درخت ہوا اور جس ملک سے خدائے واحد کے پرستاروں کا اخراج تجویز کیا گیا تھا آخر وہی ملک ان موحدین کے زیر نگین ہوا اور انکے اعداء کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے ۔جن بتوں کی حمایت میں انکے راسخ الاعتقاد خادموں نے جانیں تک لڑا دیں تھیں وہ خود سرنگوں اور ان کے حامی ذلیل و خوار ہوئے بلکہ یوں کہنا عین بجا و درست ہوگا کہ جھوٹے خداؤں کے پرستاروں پر سچے خدا پر ایمان رکھنے والوں نے فتح حاصل کی اور فتح بھی ایسی کھلی کھلی اور کامل کہ اول الذکر کا نام و نشان تک مٹ گیا اور کعبہ میں ۳۶۰ پتھروں کی بجائے خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت ہونے لگی ۔کیا یہ سب واقعات اچانک ہو گئے ؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ان پیشگوئیوں سے ناواقف تھے جو آئے دن انکی تباہی اور ان کے گمنام حریف کی بے نظیر کامیابی کا اعلان کرتی رہتی تھیں ؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ دشمنان اسلام کی سخت اور خطرناک عداوت کا بڑا باعث یہی تھا کہ وہ اپنے

* قابل توجہ مؤلف ینابیع الاسلام

پورے زور اور طاقت سے ان پیشگوئیوں کو جھٹلانا چاہتے تھے اور آجکل کے مسیحیوں کی طرح اپنے جھوٹے معبودوں کی خدائی ثابت کرنیکی غرض سے اُن کی حمایت میں ناخنوں تک زور لگاتے تھے مگر چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اس لیئے آخر ش اُن کی کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور خدا کا کلام اپنے پورے جلال سے فاران کی چوٹی پر چمکا اُس کی روشنی کعبہ کے اندر پہنچی اُس کی شعاعوں نے تیرہ چشم دشمنوں کو ایک آن کے لیئے بھی آنکھ بھر کر اپنی طرف نہ دیکھنے دیا۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کریم کی پیشگوئیاں جو ایک لمبا عرصہ پہلے شایع کی گئی تھیں وہ جیساکہ ہم پہلے ثابت کرچکے ہیں بڑی آب وتاب سے پوری ہوئیں ؛

پیارے ناظرین! ممکن ہے کہ کوئی شخص ان پیشگوئیوں کو معمولی بات سمجھے اور ان کے پورا ہونیکے اتنا عرصہ بعد ان کی اہمیت کا احساس نہ کرسکے۔ اس لیئے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ تھوڑی دیر کے لیئے قوت متخیلہ کے تیز گام اسپ پر سوار ہولیں اور تاریخ کے وسیع میدان پر اسے جولانی دیکر اُس مقام پر پہنچ جائیں جہاں آج سے قریباً چودہ سو برس [۱۴۰۰] پہلے عرب کا دارالخلافہ یعنی متولیان کعبہ کا مسکن واقع تھا یہاں پہنچکر اگر آپ تصور کی دُوربین سے چاروں طرف کا نظارہ بغور ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ اسلام کا مقدس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی طاقت کے مطابق اُس کے درپئے آزار ہے۔ گویا ان سب نے عزم بالجزم کرلیا ہے کہ اب اسلام اور اسلام کے بانی کو تباہ ہی کرکے چھوڑیں گے اور ظاہر اسباب سے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ آخر دشمن ہی غالب رہیں گے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ذرا بھی دل نہیں چھوڑتے اُن کے چہرہ مبارک پر مایوسی کی کوئی علامت دکھائی نہیں دیتی اور لطف یہ کہ وہ اس اڑے وقت اور ایسے نازک حالات کے ماتحت بھی بڑی تحدی سے اپنی فتح و کامیابی اور دشمنوں کی ناکامی و نامرادی کی پیشگوئی فرمارہے ہیں۔ کیا اس منظر کو دیکھکر بھی کسی شخص کو ان پیشگوئیوں کی اہمیت میں کلام ہوسکتا ہے؟ اب آپ عالم خیال سے رجعت کرکے عالم ظاہر میں آجائیں اور جو کچھ وہاں دیکھا ہے اس کی تصدیق قرآن کریم کے مطالعہ سے کریں۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے آپ کو پوری صفائی سے معلوم ہوجائے گا کہ ان

پیشگوئیوں کا اعلان اُسوقت کیا گیا تھا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی کمزور اور آپ کے
دشمن اپنی طاقت کے پورے معراج پر متمکن تھے اور اس طاقت اور زور سے فائدہ اُٹھاکر
وہ غریب مُٹھی بھر مسلمانوں پر ہر طرح کے مظالم توڑ رہے تھے اُن کے جبر اور سختیوں کا جواب
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دیا گیا وہ خدائے تعالیٰ سے خبر پاکر ان
پیشگوئیوں کا شائع کرنا تھا۔ اللہ اللہ کیا عجیب بات ہے کہ اُن مغرور طاقتور موذی دشمنوں
کو جن کے خیال میں کمزور مُٹھی بھر مسلمانوں کا تباہ و برباد کرنا بس چند ہی دن کی بات تھی یہ
کہا جاتا ہے کہ دیکھو! وہ دن قریب آتا ہے جب تم اپنے کیفر کردار کو پہونچوگے۔ یاد رکھو!
خدائے تعالیٰ کا زبردست ہاتھ تمھارے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جو پہلے راستبازوں کے
دشمنوں کے ساتھ تم سے پہلے ہو چکا ہے تم نے اپنے ہاتھ سے ہلاکت کا بیج بو دیا ہے بس دن
ہی جاتے ہیں کہ تم کو اس سے ہلاکت کا ثمر نصیب ہوگا جن مسلمانوں کو آج تم بیدردی سے
اپنے پاؤں تلے روند رہے ہوگے وہ تمھارے املاک کے وارث اور مالک ہونیوالے ہیں۔
حاصل کلام ان مکی پیشگوئیوں کی عظمت اور اہمیت کا صحیح اندازہ لگانے کے لیئے یہ ضروری
ہے کہ اُس زمانہ کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ یہ پیشگوئیاں کیسے
ناموافق حالات کے ماتحت شائع کی گئی تھیں۔ اور کفار نے اُنپر کیسا مضحکہ اڑایا تھا اور کسطرح حضرت
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار ان پیشگوئیوں کے جلدی پورا ہونیکا مطالبہ کیا جاتا تھا۔
علاوہ ازیں جن پر زور اور پُرجلال الفاظ میں یہ پیشگوئیاں بیان کیگئی ہیں انپر سرسری نظر ڈالنے سے
یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے پر رعب الفاظ کا استعمال ایک کمزور اور بےکس انسان کا کام
ہے جو نیست کو ہست کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزوری اور
بیکسی کے مقابلہ میں مکی آیات کی پیشگوئیوں کے پُرجلال اور پُرہیبت الفاظ پر غور کیا جائے
تو واقعی حیرت اور تعجب کا سماں بندھ جاتا ہے کیونکہ ایک طرف تو مُٹھی بھر کمزور مسلمان دکھائی دیتے
ہیں اور اُنکے مقابل خونخوار دشمنوں کا مور و ملخ سا لشکر نظر آتا ہے اگرچہ دشمن اپنی کثرت پر
نازاں و مغرور ہے اور فتح پر کامل یقین رکھتا ہے مگر بایں ہمہ اُسے ڈانٹ بتلائی جاتی ہے
اور ڈانٹ بھی ذیل کے پرزور الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ (۱) اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ

مُنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ یعنی کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والی جماعت ہیں بشتاب شکست دیجاویگی یہ جماعت اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (سورہ قمر پارہ ۲۷)

(۲) وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ - قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ۝ یعنی اور جب پڑھی جاتی ہیں اُنپر ہماری آیتیں تو کافر مومنوں کو کہتے ہیں کہ فریقین میں سے کس کا درجہ اچھا ہے اور کس کی مجلس اور جماعت بہتر ہے ہم نے ان سے پہلے کئی ایسی سنگتیں ہلاک کردی ہیں جو اپنے ساز وسامان اور نمود کے لحاظ سے ان سے بڑھ چڑھ کر تھے۔

محولہ بالا پیشگوئیاں بطور مثال کے اُس کثیر التعداد مجموعہ میں سے نقل کردیگئی ہیں جس سے مکّی سورتیں بھری پڑی ہیں ان آیات کریمہ کی پُرجلال عبارت صاف بتلارہی ہے کہ یہ کسی کمزور بنی آدم کا کلام نہیں اور نہ ہی ایک ضعیف و بے وسیلہ انسان کا دل گردہ ہوسکتا ہے کہ اپنے نہایت طاقتور جانی دشمنوں سے ڈرنے کی بجائے اُلٹا اُنہیں ڈانٹ چلائے۔ البتہ یہ بات ممکن ہوسکتی ہے کہ کسی کمزور کی پُشت پناہ کوئی بہت بڑا زورآور ہو اور اس کمزور کو اپنے بڑے سہارے کی بروقت امداد پر کامل یقین بھی ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعینہٖ یہی معاملہ تھا یہ پیشگوئیاں خدائے تعالیٰ کی وحی تھیں اور خدا کے مقدس نبی کو اپنے مولا کے وعدوں پر پورا بھروسہ تھا اس لیئے وہ اُنکی اشاعت میں ذرا نہ جھجکے۔ انسانی آنکھ میں یہ پیشگوئیاں بلاریب ایک اعجوبہ ہیں مگر جس طرز سے یہ پوری اُتریں وہ اور بھی زیادہ عجیب اور حیران کن ہے۔ بھلا یہ کون کہہ سکتا تھا کہ لات و عزّیٰ کے زبردست پجاری مع اپنی بے شمار جماعت کے عنقریب برباد و تباہ ہوجائیں گے اور ایک دن آئیگا جب اُن کو اپنا سامنہ لے کر اُس مختصر سی اور کمزور جماعت کے سامنے ذلیل ہوکر بھاگنا پڑے گا جس کی زندگی بھی اس وقت اُنکے رحم پر موقوف نظر آتی ہے۔ اس میں قطعاً کلام نہیں ہوسکتا کہ یہ پیشگوئیاں اپنی اشاعت کے وقت نہایت عجیب بلکہ یوں کہیں تو بجا ہے کہ ناممکن الوقوع معلوم ہوتی تھیں لیکن یہ پوری ہوئیں اور بڑی آب و تاب سے بعینہٖ اسی طرح

پوری اتریں جس طرح اللہ تعالیٰ کے کلام میں وعدہ کیا گیا تھا ؛

معزز ناظرین! ہم نے ان پیشگوئیوں پر بڑے اصرار اور بڑے تکرار سے زور دیا ہے اس اصرار اور تکرار سے ہماری صرف یہ غرض ہے کہ اگر قرآن انسانی کلام اور انسانی منصوبہ ہوتا تو پہلے اس کے بنانیوالے ہی کو حالات مذکورہ بالا کے ماتحت ہرگز ہرگز حوصلہ نہ ہوتا کہ اپنے زبردست دشمنوں کو چڑائے اور زیادہ دشمن بنائے دوم زمینی کلام زمین ہی سے پیوند ہو جاتا اور اس طرح شان و شوکت اور جاہ و جلال سے ہرگز پورا نہ اترتا جس طرح کہ باوجود سخت مخالفت کے ان مکی آیات کے وعدے پورے ہوئے پس ان پیشگوئیوں کا پورا ہونا اس امر کی قطعی اور بیّن شہادت ہے کہ قرآن انسانی بناوٹ نہیں بلکہ اُس خدائے قدوس کا کلام ہے جس نے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی اصلاح کے لیئے مامور کر کے بھیجا تھا اور خاص اپنی نصرت و تائید سے اپنے وعدوں اور اپنے کلام کو پورا کر دکھایا؛

اے وے لوگو جو قرآن کریم کو انسانی منصوبہ اور خدا کی کتاب کو مسیحی اور یہودیوں کی روایات کا مجموعہ سمجھا کرتے ہو! آؤ اور ہمیں بتلاؤ کہ ہم تمھاری بات پر کیونکر یقین کریں جبکہ ہم اپنی آنکھوں سے قرآن کریم کے وعدوں کو صادق اور اسکی پیشگوئیوں کو برحق اور لفظ بہ لفظ پورا اُترتا مشاہدہ کرتے ہیں دیکھو قرآن فرماتا ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (سورہ انبیاء پارہ ۱۷) یعنی البتہ تحقیق لکھدیا ہے ہم نے بیچ زبور کے پیچھے ذکر کے یہ کہ میرے صالح بندے زمین کے وارث ہونگے ؛

اس مکی آیت کریمہ کے متعلق تمھارا اعتراض ہے کہ داؤد کی زبور سے اس کا اقتباس کیا گیا ہے ہم اس اعتراض کی تردید سے قبل یہ دکھانا ضروری سمجھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو مکہ اور مکہ والوں کا کیا حال تھا۔ سُنیئے صاحب! مکہ اُس وقت مسلمانوں کا مکرمہ نہ تھا بلکہ لات و منات کے بھگتوں کی بستی تھی ۔ ہاں اس عرب کی سرزمین میں اُن دنوں خدائے واحد کے چند ایک پرستار تھے مگر اُن کا شمار نفی کے برابر تھا۔ ایسے وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بُت پرست اہل مکہ کو مطلع کر دیا کہ میری

مختصر جماعت جو انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے نہ صرف تمہارے اس شہر کی مالک ہوگی بلکہ کل ملک عرب اُنکے تابع فرمان ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں اُن کو سُنا دیا گیا کہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ترجمہ آیا حق اور گم ہوا باطل تحقیق باطل تھا گم ہو جانیوالا (سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵) پھر اسکے ساتھ ہی یہ بھی منادی کردی گئی۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ۔ یعنی پھینکتے ہیں ہم حق کو اوپر باطل کے پس توڑتا ہے سر اُس کا پس ناگہاں وہ فنا ہو جاتا ہے (سورۃ الانبیا پارہ ۱۷)

مذکورۃ الصدر آیات بلا ریب پیشگوئیاں تھیں اور ان میں سے یہ الفاظ" ان الارض یرثها عبادي الصلحون " تو ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی جس میں بُت پرست دشمنانِ اسلام کی تباہی اور مسلمانوں کی کامیابی قبل از وقت بتلائی گئی تھی اگرچہ جب اس پیشگوئی کا اعلان کیا گیا تھا اُس وقت مغرور بُت پرستوں نے اسے ایک ناممکن امر سمجھا تھا اور اس پر ہنسی و مضحکہ اُڑایا تھا۔ لیکن یہ خدا کی بات تھی اور چونکہ خدا کے کام بندوں کی رکاوٹوں اور مخالفتوں سے ہرگز نہیں رُک سکتے غرض رُکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے ✤ بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے اس لیئے آخر وہی ہوا جو برسوں پہلے شائع کر دیا جا چکا تھا۔ اور اس پیشگوئی کے لفظ بہ لفظ پورا اُترنے سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ یہ الفاظ خدائے تعالیٰ کے منہ کی باتیں تھیں نہ کسی انسان کی بناوٹ نہ کسی کتاب کا اقتباس تھا۔ جس خدا نے داؤدؑ پر یہ الہام نازل کیا تھا وہی خدا اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کر رہا ہے ✤

مسیحی دوستو! تم کہہ سکتے ہو کہ عبارت مذکور کا زبور سے نقل کر لینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے ممکن تھا لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اُن واقعات کا پیدا کر لینا اور اس پیشگوئی کا رنگ دیکر بعینہٖ لفظ بہ لفظ پورا اُتار لینا بھی آپکے حیطہ اقتدار میں تھا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اس بات کا ثبوت آپ لوگوں کی گردن پر ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عبارت داؤد کے زبور سے نقل کرائی تھی۔ ہر ایک وہ آدمی جو عقل و سمجھ
سے عاری نہ ہو ضرور سوچ سکتا ہے کہ اگرچہ بُت پرست۔ یہودی اور عیسائیوں کی خطرناک دشمنی
کے باوجود یہ امر محال تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زبور سے کوئی عبارت نقل کرتے یا کراتے تاہم
جو امر بڑھ چڑھ کر تعجب خیز ہے وہ یہ ہے کہ زبور سے انتخاب بھی کیا گیا تو اُس عبارت کا جو
ایک عظیم الشان پیشگوئی کے طور پر قبل از وقت شائع کی گئی اور اپنے وقت پر نہایت صفائی
سے پوری اُتر کر آنحضرتؐ کی صداقت کا نشان ہوئی ہم ایکدفعہ پھر اس بات کے اظہار سے
نہیں رُک سکتے کہ اس پیشگوئی کا لفظ بہ لفظ پورا اُترنا ہی اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ
قرآن کریم خدا کا کلام ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے راستباز رسول تھے۔
ناظرین! قرآن کریم پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے اور اسکی سب پیشگوئیاں سچی پیشگوئیاں ہیں
پس یہ کتاب بلاریب خدائے تعالیٰ کا سچا الہام اور خاص وحی ہے۔ قرآن مجید اپنی سچائی کے
لیئے اپنے اندر بے شمار ثبوت رکھتا ہے اس کتاب کو خدا کی کتاب ثابت کرنے کے لیئے
کسی بیرونی سہارے یا ثبوت کی ضرورت نہیں۔ آپ اس مقدس کتاب کی تلاوت فرمائیں اسکی
آیات پر غور کریں اس کی پیشگوئیوں کا اندازہ لگائیں۔ اور اُن حالات کو تصور کی آنکھ کے سامنے
رکھیں جن کے ماتحت یہ پیشگوئیاں شائع کی گئی تھیں۔ پھر ان پیشگوئیوں کے پُر زور اور پُر جلال
الفاظ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی کمزوری اور بے بس حالت سے مقابلہ کریں
تب آپ کو معلوم ہوگا کہ ان پیشگوئیوں کی اصل حقیقت کیا تھی۔ اگر آپ پورے غور و خوض سے
کام لیں گے تو آپ پر واضح ہو جائیگا کہ فرقان حمید اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے۔ اور روئے زمین پر
کوئی ایک بھی ایسی آسمانی کتاب نہیں جو قرآن کریم کی طرح اپنے منجانب اللہ ہونے کا آپ ثبوت
دے۔ یہ صرف قرآن پاک کا ہی حصہ ہے کہ اپنی سچائی کے آپ دلائل دیتا ہے اور کسی بیرونی
مدد کا محتاج نہیں اس کی ہر آیت بجائے خود ایک بین نشان اور ہر عبارت ایک سرسبز
گلستان ہے۔ ۵

بہارِ جاوداں پیدا ہے اُسکی ہر عبارت میں ؎ نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اُس سا کوئی بستاں ہے

اسکے الفاظ بے نظیر موتی اور اسکے معانی سراسر نور ہیں۔ اس میں اگر تاریخی واقعات بھی مذکور

ہیں تو وہ بھی زبردست پیشگوئیاں ہیں جن کا لفظ بلفظ پورا ہونا ہی انکو خدا کا کلام ثابت
کرتا ہے غرض قرآن کریم پر یہ مصرعہ صادق آتا ہے ع وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا
اب جبکہ یہ ایک مسلم امر ہے کہ جن آیات میں پیشگوئیاں ہیں وہ خدا کا کلام ہیں تو پھر معترضین کا منہ
خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ اور اُن کے اعتراضات خس و خاشاک کی طرح اُڑ جاتے ہیں۔
قرآن کریم میں کثیر التعداد پیشگوئیوں کے موجود ہونے اور پھر اُنکے پورا اتر آنے سے نہ صرف
اس اعتراض کا قلع قمع ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو
اِدھر اُدھر سے سُن سنا۔ لے لوا کر خود بخود تصنیف کیا تھا بلکہ ان پیشگوئیوں کا وجود مخالفین
کے ایک اور اعتراض کو بھی رد کرتا ہے یعنی اُن کے اس قول کی بھی تکذیب ہو جاتی ہے
کہ بعض واقعات مندرجہ قرآن غیر صحیح ہیں۔ کسی واقعہ کی صحت یا عدم صحت کا مدار معترضین
کے نزدیک محض پروٹسٹنٹ فرقہ کی بائیبل پر ہے۔ اُن کے نزدیک بس صرف وہ بات درست
اور صحیح ہے جو بائیبل کے مطابق ہو اور جو بات بائیبل سے ذرا بھی مختلف ہو وہ مسیحی صاحبان کی آنکھ میں
نادرست اور جھوٹ ہے۔ اس سے بھی بڑھکر اور سُنیئے اُن کے خیال میں بائیبل نہ صرف
ایک کامل صحیح کتاب ہے بلکہ عالمگیر معلومات کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ اس خود ساختہ معیار پر عمل
پیرا ہوکر وہ ہر ایک ایسے واقعہ کو غلط اور جھوٹا قرار دیتے ہیں جو قرآن میں تو مذکور
ہو مگر بائیبل میں اُس کا بیان نہ آئے اسی خیال خام کی بنا پر وہ حضرت موسٰی اور حضرت
ابراہیم علیہما السلام کے حالات مندرجہ قرآن پر اعتراض اُٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو
تفصیل قرآن کریم نے دی ہے چونکہ وہ بائیبل میں نہیں ہے پس اس لیئے غلط اور
جھوٹ ہے۔ خلاصہ یہ کہ پادری صاحبان نے قرآن کریم کے قصص کی جانچ کا معیار
اپنی پروٹسٹنٹ بائیبل کو قرار دیا ہے۔ لیکن وہ ہمیں یہ نہیں بتلاتے کہ اُن کے پاس اس
بات کا ثبوت کیا ہے کہ بائیبل اغلاط سے مبرا اور جملہ یہودی و مسیحی واقعات تاریخیہ کا
دائرۃ المعارف ہے اگر پادری صاحبان کو معلوم نہ ہو تو ہم اُن کو بتلاتے ہیں کہ بائیبل
جھوٹے افسانوں۔ متضاد روایتوں اور لغویات سے مملو ہے۔ پادری صاحبان قرآن مجید
کے بیان کردہ قصص کو محض اس بنا پر جھوٹا سمجھتے ہیں کہ وہ بائیبل کی روایات کے مطابق

نہیں مگر ہم ان سب سے پوچھتے ہیں کہ اگر بائیبل خود تضاد اور بیہودگی سے بھری ہوئی ثابت ہوجائے پھر اس پر کیا حکم لگاؤ گے؟

پادری صاحبان کی خاطر سے ہم ذیل میں بائیبل کے چند ایک متضاد مقامات پیش کرتے ہیں اور سب سے پہلے عہد عتیق اور عہد جدید سے چند ایک حوالے دیکر پادری صاحبان کو اُنکے اپنے گھر کی سیر کراتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ کتاب مقدس کسطرح اپنی آپ تکذیب کر رہی ہے الله۔ الله ایک طرف قرآن ہے جو اپنی سچائی کا ثبوت دیتا ہے دوسری طرف عیسائیوں کی کتاب مقدس ہے جو اپنے تئیں آپ جھوٹا ثابت کر رہی ہے۔ وہ متضاد عبارتیں یہ ہیں

عہد عتیق	عہد جدید
(۱) جب ارفکسد پینتیس برس کا ہوا اس سے سلح پیدا ہوا پیدائش باب ۱۱ ورس ۱۲	(۱) اور وہ (سلح) قینان کا اور وہ ارفکسد کا (بیٹا تھا) لوقا باب ۳ ورس ۳۵ و ۳۶

نوٹ:۔ عہد عتیق کے رو سے سلح ارفکسد کا بیٹا تھا اور عہد جدید کے رو سے سلح کے باپ کا نام قینان تھا۔

عہد عتیق	عہد جدید
(۲) اور جب تارہ ستر برس کا تھا اس سے ابرام نحور اور حاران پیدا ہوئے .... اور تارہ کی عمر دو سو پانچ برس کی ہوئی تب تارہ حران میں مرگیا۔ پیدائش باب ۱۱ ورس ۲۶ و ۳۲	(۲) اور ابرام جب حران سے روانہ ہوا پچھتر برس کا تھا پیدائش ۱۲ ورس ۴ تب کھلدیوں کے ملک سے باہر جاکے حاران میں جا رہا وہاں سے اسکے باپ کے مرنیکے بعد اسکو اس ملک میں جس میں تم اب رہتے ہو پہنچایا۔ اعمال ۷ ورس ۴

نوٹ:۔ پیدائش باب ۱۱ ورس ۲۶ و ۳۲ کے رو سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اپنے باپ تارہ کی وفات کے وقت ۱۳۵ برس کی تھی اور پیدائش ۱۲ ورس ۴ اور اعمال ۷ ورس ۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت انکی عمر ۷۵ برس کی تھی ...... گویا ۱۳۵ برس کی عمر میں ابراہیم ابھی صرف ۷۵ برس کے تھے۔

عہد عتیق	عہد جدید
(۳) یہ قانون ابدی ہے احبار ۲۳ ورس ۱۴ و ۲۱ و ۳۱ و ۴۱۔	(۳) پر اب جو ہم مرگئے تو شریعت سے جسکی قید میں تھے چھوٹ گئے رومیوں باب ۷ ورس ۶

عہد عتیق	عہد جدید
(۴) اور زمین مصر سے بنی اسرائیل کے نکلنے کے بعد چار سو اسی برس گذرے تھے کہ سلیمان کی سلطنت جو اسرائیل پر تھی اُس کے چوتھے سال زیو کے مہینے جو دوسرا مہینا سال کا ہے ایسا ہوا کہ اُس نے خداوند کا گھر بنانا شروع کیا۔ اسلاطین ۶ ورس ۱	(۴) اور برس چالیس ایک وہ بیابان میں اُنکو دائی کی طرح پئے پھرا..... اور بعد اُس کے ساڑھے چار سو برس کے قریب سموئیل نبی تک انہیں قاضی مقرر کیئے اُس وقت سے اُنھوں نے بادشاہ چاہا تب خدا نے ایک مرد بنیامین کے گھر سے قیس کے بیٹے ساؤل کو چالیس برس تک انپر مقرر کیا پھر اسے اُتار کے داؤد کو کھڑا کیا کہ اُن کا بادشاہ ہو اعمال ۱۳ ورس ۱۸-۲۲

نوٹ:- کتاب سلاطین کے رو سے خداوند کا گھر خروج کے چار سو اسی برس بعد بننا شروع ..... ہوا لیکن اعمال کی کتاب کے حساب کے بموجب اس کے تعمیر پانسو پچانوے برس بعد شروع ہوئی کیونکہ ۴۰ و ۴۵۰ یعنی ۴۹۰ میں ۲۱ سال عہد سموئیل ۴۰ سال عہد ساؤل اور ۴۰ برس عہد داؤد یعنی ۱۰۱ برس اور جمع کیئے جائیں تو ۵۹۱ سال ہوتے ہیں اگر انہیں سلیمان کے ۴ سال اور ملائیں تو کل مجموعہ ۵۹۵ ہوا۔

عہد عتیق	عہد جدید
(۵) اور ایلیاہ بگولے میں ہو کے آسمان پر جاتا رہا ۲ سلاطین باب ۲ ورس ۱۱ ایمان کے سبب سے اُٹھایا گیا تاکہ موت کو نہ دیکھے عبرانیوں ۱۱ ورس ۵ حنوک خدا کے ساتھ چلتا تھا اور غائب ہو گیا اس لیئے کہ خدا نے اُسے لے لیا۔ پیدایش باب ۵ ورس ۲۴	(۵) اور کوئی آسمان پر نہیں گیا سوا اُس شخص کے جو آسمان پر سے اُترا یعنی ابن آدم جو آسمان پر ہے یوحنا باب ۳ ورس ۱۳

عہد عتیق

(۶) تب داؤد نوب میں اخیملک کاہن کے پاس آیا... سو کاہن نے مقدس روٹی اُس کو دی کہ وہاں نذر کی روٹی کے سوا جو خداوند کے آگے سے اُٹھائی گئی تھی (اور روٹی نہ تھی) اسموائیل باب ۲۱ ورس ۱ و ۶

افیطوب کے بیٹے اخیملک کے بیٹوں میں سے ایک شخص جس کا نام ابی یاتر تھا بچ نکلا اور داؤد کی طرف بھاگ گیا۔ اسموائیل باب ۲۲ ورس ۲۰

عہد جدید

(۶) اُس (یسوع) نے اُنہیں کہا کہ کیا تم نے کبھی نہیں پڑھا کہ داؤد نے جب وہ اور اُس کے ساتھی محتاج اور بھوکے تھے کیا کیا وہ کیونکر سردار کاہن ابیاتر کے وقت میں خدا کے گھر میں گیا اور نذر کی روٹیاں جن کا کھانا کاہنوں کے سوا کسی کو روا نہ تھا کھائیں اور اپنے اور اپنے ساتھیوں کو بھی دیں۔ مرقس باب ۲ ورس ۲۵ و ۲۶

نوٹ۔ ناظرین! جن عبارتوں کے اوپر خط کھینچا گیا ہے اُن کا باہم مقابلہ کریں تا آپ کو معلوم ہو کہ حضرت یسوع کا قول عہد عتیق کے بیان سے کس قدر مخالف ہے۔

مذکورۃ الصدر حوالجات میں ہم نے صرف عہد عتیق اور عہد جدید کا باہم تضاد اور تناقض دکھایا ہے اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ عہد جدید کی کتابیں بھی اس تضاد و تناقض کے مرض سے بری نہیں ملاحظہ ہوں ذیل کے چند ایک اقتباسات۔

(۱) وہ (یسوع) یوسف کا بیٹا تھا اور وہ ہیلی کا۔ لوقا باب ۳ ورس ۲۳

(۱) اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا جو شوہر تھا مریم کا جس سے یسوع جو مسیح کہلاتا ہے پیدا ہوا۔ متی باب ۱ ورس ۱۶۔

نوٹ۔ لوقا کے بیان کے بموجب یوسف نجار کے باپ کا نام ہیلی تھا اور متی کی روایت کے رو سے اُس کا نام یعقوب تھا۔

(۲) اور جب وے خداوند کی شریعت کے موافق سب کچھ کر چکے تو

(۲) تب وہ اُٹھ کے رات ہی کو لڑکے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو

جلیل میں اپنے شہر ناصرت کو پھر گئے۔ لوقا باب ۲ ورس ۳۹

روانہ ہوا اور ہیرودیس کے مرنے تک وہاں رہا۔ متی باب ۲ ورس ۱۴ و ۱۵

نوٹ۔ لوقا کہتا ہے کہ یروشلم سے حضرت مریمؑ اور یوسف نجار سیدھے اپنے شہر ناصرہ کو واپس چلے گئے اور متی کہتا ہے کہ نہیں وہ مصر کو بھاگ گئے۔

(۳) پھر یوحنا کی گرفتاری کے بعد یسوع نے جلیل میں آکر خدا کی بادشاہت کی خوشخبری کی منادی کی۔ مرقس باب ۱ ورس ۱۴

(۳) بعد ان باتوں کے یسوع اور اس کے شاگرد یہودیہ کی سرزمین میں آئے اور وہ وہاں ان کے ساتھ رہا کرتا اور بپتسما دیتا تھا اور یوحنا بھی بپتسما دیتا تھا کیونکہ یوحنا ہنوز قید خانہ میں ڈالا نہ گیا تھا۔ یوحنا باب ۳ ورس ۲۲ و ۲۴

نوٹ۔ اسکے بعد شمعون (پطرس) اور اندریاس کے ایمان لانے کا ذکر ہے مرقس باب ۱ ورس ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ شمعون اندریاس پہلے بھی ایمان لاچکے تھے دیکھو یوحنا باب ۱ ورس ۴۰ و ۴۲۔

(۴) یسوع نے ناصرت جلیل سے آکر یردن میں یوحنا کے ہاتھ سے بپتسما پایا۔ اور جونہی وہ پانی سے باہر آیا اس نے آسمان کو کھلا اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر اترتے دیکھا۔ اور روح اسے فی الفور بیابان میں لے گئی اور وہ وہاں بیابان میں چالیس دن تک رہ کر شیطان سے آزمایا گیا مرقس باب ۱ ورس ۹-۱۳

(۴) اور تیسرے دن (یعنی مسیح کے بپتسما لینے اور روح القدس کے کبوتر کی شکل میں اُترنے کے بعد) قانائے جلیل میں کسی کا بیاہ ہوا۔ اور یسوع اور اُس کے شاگردوں کی بھی اس بیاہ میں دعوت تھی یوحنا باب ۲ ورس ۱ و ۲

نوٹ۔ مرقس کہتا ہے کہ بپتسمہ پانے کے بعد فی الفور روح بیابان میں لے گئی

اور مسیح چالیس دن بیابان میں رہا مگر یوحنا لکھتا ہے کہ نہیں بپتسمہ سے تیسرے دن مسیحؑ ایک دعوت میں شریک تھا۔

(۵) وہیں ایک آدمی جس میں ایک ناپاک روح تھی قبروں سے نکلتے ہوئے اُسے ملا۔ مرقس باب ۵ درس ۲

اور جب وہ کنارے پر اترا تو اس شہر کا ایک مرد جس پر مدت سے دیو تھے اسے ملا۔ لوقا باب ۸ درس ۲۷

(۵) دو شخص جن پر دیو چڑھے تھے قبروں میں سے نکل کر اسے ملے وے ایسے تند تھے کہ کوئی اس راستہ سے چل نہیں سکتا تھا۔ متی باب ۸ درس ۲۸

نوٹ۔ مرقس اور لوقا فرماتے ہیں کہ ایک شخص جس میں ناپاک روح تھی مسیحؑ کو ملا۔ متی کہتا ہے کہ ایک نہیں تھا دو تھے۔ پھر مرقس اور متی کہتے ہیں کہ قبروں میں سے نکلکر ملے۔ لوقا کہتا ہے کہ نہیں وہ شہر میں سے نکلکر اسے ملا۔

(۶) یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے کو آیا ہوں۔ متی باب ۵ درس ۱۷ و ۱۹

(۶) سب جتنے مجھ سے آگے آئے چور اور بٹمار ہیں... یوحنا باب ۱۰ درس ۸
چنانچہ اپنا جسم دیکے دشمنی کو یعنی شریعت کے حکموں اور رسموں کو کھولدیا (یعنی منسوخ کردیا)
افیسون باب ۲ درس ۱۵

نوٹ۔ ناظرین ملاحظہ فرماویں یسوع پہلے نبیوں کا نام چور اور بٹمار رکھتا ہے۔

(۷) تب سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ متی باب ۲۶ درس ۵۶

(۷) تاکہ وہ کلام جو اس نے کہا پورا ہو کہ جنہیں تو نے مجھے دیا میں نے انہیں سے ایک بھی گم نہیں کیا یوحنا باب ۱۸ درس ۹

نوٹ۔ جب سب شاگرد بھاگ گئے تو وہ کلام خوب پورا ہوا۔

(۸) اور تیسرا گھنٹہ تھا کہ انہوں نے اسے صلیب دی۔ مرقس باب ۱۵ درس ۲۵

(۸) اور چھٹے گھنٹہ کے قریب تھا تب وہ چلائے لیجا لیجا اسے صلیب دے۔ یوحنا باب ۱۹

(۹) اور اس نے (یہودا نے) اپنی بدی کی مزدوری سے ایک کھیت مول لیا اور اوندھے منہ گرا اور اسکا پیٹ پھٹ گیا اور اسکی تمام انتڑیاں نکل پڑیں۔ اعمال باب ۱ درس ۱۸

(۹) تب وہ (یہودا) روپے ہیکل میں پھینک کر چلا گیا اور جاکر آپ کو پھانسی دی۔ متی باب ۲۷ درس ۵

(۱۰) مسیح چار مختلف مقامات سے آسمان پر چڑھا

(۱) بیت عنیاہ سے لوقا باب ۲۴ درس ۵۰ و ۵۱۔ (۲) زیتون کے پہاڑ سے۔ اعمال باب ۱ درس ۹ و ۱۲۔ (۳) یروشلم کے ایک مکان سے مرقس باب ۱۶ درس ۱۴ و ۱۹۔ (۴) بظاہر جلیل سے متی باب ۲۸۔ درس ۱۶ - ۲۰

ان اقتباسات میں ہم نے اولاً عہد عتیق و عہد جدید اور ثانیاً عہد جدید کی کتابوں کا باہم اختلاف و تناقض بطور نمونہ کے دکھایا ہے اب شاید کوئی خیال کرے کہ عہد عتیق کی کتابیں اس نقص سے منزہ ہیں اس لیئے ہم ذیل میں چند ایک ایسے حوالے بھی دیئے دیتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد جدید کی طرح عہد عتیق بھی تضاد و تناقض کے مرض کا شکار رہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

(الف) اور ابراہام نے اس مقام کا نام یہواہ یری رکھا چنانچہ یہ آج تک کہا جاتا ہے خداوند کے پہاڑ پر دیکھا جاویگا۔ پیدائش باب ۲۲ درس ۱۴

پھر خدا نے موسیٰ کو فرمایا کہ میں نے ابراہام اور اسحٰق اور یعقوب پر خدائے قادر مطلق کے نام سے اپنے تئیں ظاہر کیا اور یہوواہ کے نام سے اپنے تئیں ظاہر نہیں ہوا۔ خروج باب ۶ درس ۲ و ۳

نوٹ۔ کتاب پیدائش سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہوواہ نام معلوم تھا مگر کتاب خروج میں لکھا ہے کہ یہوواہ کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم نہ تھا یہ نام سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتلایا گیا۔

(ب) اور قادس سے چلکر کوہ حور میں جو زمین ادوم کی حد ہے خیمہ گاہ کی

تب بنی اسرائیل نے بیرات بنی یعقان سے موسیرہ کو کوچ کیا وہاں ہارون کا

یہاں ہارون کاہن خداوند کے حکم کے مطابق کوہ حور پر گیا... اور وہاں وفات پائی.... اور کوہ حور سے کوچ کر کے ضلمونہ میں ڈیرے کئے اور ضلمونہ سے کوچ کر کے فونون میں ڈیرے کئے۔ گنتی باب ۳۳ ورس ۳۷-۴۲

انتقال ہوا اور وہیں گاڑا گیا.... وہاں سے انہوں نے جدجودہ کوچ کیا اور ہدجودہ سے یوطبات کو۔ (استثنا باب ۱۰ ورس ۶ و ۷)

نوٹ۔ ملاحظہ ہو یہ دونوں بیانات کیسے مطابق ہیں! اگر یہ تاریخیں الہامی ہیں تو ان میں ایسا کھلا کھلا اختلاف کیوں ہے؟

(ج) یسّی نے اپنے ساتوں بیٹوں کو سموایل کے سامنے حاضر کیا.... اور سموایل نے یسّی کو کہا کہ تیرے سب لڑکے یہی ہیں وہ بولا کہ سب سے چھوٹا اب تک باقی ہے کہ دیکھ بھیڑ بکریاں چراتا ہے... (اسموایل باب ۱۶ ورس ۱۰ و ۱۱)

اور یسّی سے اس کا پلوٹھا الیاب پیدا ہوا اور ابنداب دوسرا اور سمع تیسرا۔ انتنیل چوتھا۔ ردی پانچواں۔ عوضم چھٹواں۔ داؤد ساتواں (۱ تاریخ باب ۲ ورس ۱۳-۱۵)

نوٹ۔ اسموایل کے رو سے داؤد علیہ السلام یسّی کے آٹھویں بیٹے تھے ۱ تواریخ میں لکھا ہے کہ نہیں وہ ساتواں بیٹا تھا۔

(د) سو ساؤل نے ہرکارون سے یسّی کو کہلا بھیجا کہ اپنے بیٹے داؤد کو... مجھ پاس بھیج.... اور داؤد ساؤل پاس آیا اور اس کے حضور کھڑا ہوا اور اس نے اسے بہت پیار کیا یہو وہ اس کا سلح بردار ہوا اور ساؤل نے یسّی کو کہلا بھیجا کہ داؤد کو میرے حضور رہنے دیجئے کہ وہ میرا منظورِ نظر ہوا ہے (اسموایل باب ۱۶ ورس ۱۹-۲۲)

اور ساؤل نے جس وقت داؤد کو فلسطی کے سامنے جاتے دیکھا تو اس نے لشکر کے سردار ابنیر سے پوچھا ابنیر یہ جوان کس کا بیٹا ہے ابنیر بولا اے بادشاہ تیری جان کی قسم میں نہیں جانتا تب بادشاہ نے کہا تو تحقیق کر کہ یہ جوان کس کا فرزند ہے (اسموایل باب ۱۷ ورس ۵۵-۵۶)

نوٹ۔ تعجب ہے کہ اسموایل کے ۱۶ باب میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد ساؤل کے

بہت پیارے ننھے چنانچہ اُس نے اُن کو اُنکے باپ کی اجازت .... کے ساتھ اپنے پاس رکھ لیا مگر اُسی کتاب کے ۱۷ باب میں لکھا ہے کہ ساؤل حضرت داؤد علیہ السلام کو بالکل نہیں جانتا تھا اور نہ اُس کا وزیر اُن کو جانتا تھا چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا کہ تحقیق کی جاوے کہ یہ جوان کون ہے۔ اور کس کا فرزند ہے۔

(س) اس وقت فلسطیوں کے لشکر سے ایک مرد سورما نکلا جس کا نام جاتی جولیت تھا اس کا قد چھ ہاتھ ایک بالشت لمبا تھا.... اور اسکے بھالے کی چھڑ ایسی تھی جیسی جلاہے کا شہتیر.... سو داؤد ایک فلاخن اور ایک پتھر سے اس فلسطی پر غالب ہوا اور اس فلسطی کو مارا اور قتل کیا۔
(۱سموایل باب ۱۷ ورس ۴۔ ۷۔ ۵۰)

الحنان بن یعری آرجیم نے جو بیت لحم کا تھا جاتی جولیت کو جس کا نیزہ ایسا تھا جیسا کہ جولاہے کا شہتیر ہوتا ہے مارا۔
(۲ سموایل باب ۲۱ ورس ۱۹)

(ش) اور جب وے نکون کے کھلیہان پر۔ پہنچے تو عزہ نے ہاتھ بڑھا کے خدا کے صندوق کو پکڑ کر تھام لیا۔ (۲سموایل باب ۶ ورس ۶)

اور جب وے کیدون کے کھلیہان پر پہنچے تو عزا نے صندوق کے تھامنے کو اپنا ہاتھ بڑھایا۔ (۱ تاریخ باب ۱۳ ورس ۹)

(ص) اور داؤد نے ارامیوں کی سات سو گاڑیاں اور چالیس ہزار سوار کاٹ ڈالے اور انکی فوج .... (۲ سموایل باب ۱۰ ورس ۱۸)

اور داؤد نے ارامیوں کے سات ہزار گاڑی کے سواروں کو اور چالیس ہزار پیادوں کو کاٹ ڈالا اور لشکر کے سردار سوفاک کو قتل کیا۔
(۱ تاریخ باب ۱۹ ورس ۱۸)

(ض) اور شیطان اسرائیل کے مقابلہ میں اٹھا اور داؤد کو ابھارا کہ اسرائیل کو شمار کرے۔ (۱ تاریخ باب ۲۱ ورس ۱)

بعد اس کے خداوند کا غصہ اسرائیل پر پھر بھڑکا کہ اس نے داؤد کے دل میں ڈالا کہ انکا مخالف ہو کے کہا کہ جا اور اسرائیل اور یہواہ کو گن۔

(۲ سموایل باب ۲۴ ورس ۱)

(ط) تب بادشاہ نے اروناہ سے کہا یوں نہیں ... بلکہ میں قیمت دیکے اس کو تجھ سے مول لونگا.... سو داؤد نے وہ کھلیھان اور وے بیل پچاس مثقال چاندی دیکر مول لئے
(۲ سموایل باب ۲۴ ورس ۲۴)

سو داؤد نے ارنان کو اس جگہ کے لیئے چھ سو مثقال سونا تول کے دیا۔
(۱ تاریخ باب ۲۱ ورس ۲۵)

(ظ) سو ساؤل کی بیٹی میکل مرتے دم تک بے اولاد رہی۔ (۲ سموایل باب ۶ ورس ۲۳)

ساؤل کی بیٹی میکل کے پانچ بیٹے جو برزلی محولانی کے بیٹے عدرائیل کیلیئے جنی تھی۔
(۲۔ سموایل باب ۲۱ ورس ۸)

نوٹ۔ پادری صاحبان بتلائیں کہ کیا یہ دونوں عبارتیں الہامی ہیں ؟

(ك) یہورام (بن اخی اب) شاہ یہوداہ یہورام بن یہوسفط کی سلطنت کے دوسرے سال اس کی جگہ بادشاہ ہوا
(۲۔ سلاطین باب ورس ۱۷)

اور شاہ اسرائیل یورام (یہورام) بن اخی اب کی سلطنت کے پانچویں سال جس وقت کہ یہوسفط شاہ یہوداہ تھا یہورام یہوسفط کا بیٹا تخت پر بیٹھا اور سلطنت کرنے لگا۔
(۲ سلاطین باب ۸ ورس ۱۶)

نوٹ۔ ۲ سلاطین باب کے رو سے یہورام بن یہوسفط۔ یہورام بن اخی اب سے ۲ سال پہلے حکومت کر چکا تھا مگر اسی کتاب کے باب میں لکھا ہے کہ یہورام بن اخی اب ۵ سال پہلے تخت پر بیٹھا۔

(ل) اور رجبعام ابی سلوم کی بیٹی معکہ کو اپنی ساری جوروں اور حرموں سے زیادہ پیار کرتا تھا.... اور رجبعام نے ابیاہ بن معکہ کو رئیس کیا کہ اپنے بھائیوں میں سردار ہو
(۲ سلاطین باب ورس ۲۱-۲۲)

یربعام بادشاہ کی سلطنت کے اٹھارھویں برس میں ابیاہ یہوداہ میں تخت پر بیٹھا اس نے یروشلم میں تین برس بادشاہت کی اسکی ماں کا نام میکایاہ تھا جو اوری ایل جبیعی کی بیٹی تھی (۲ تاریخ باب ۱۳ ورس ۱۔

نوٹ۔ ۲ سلاطین کے رو سے ابیاہ کی ماں معکہ ابی سلوم کی بیٹی تھی مگر ۲ تواریخ کے

روسے ابیاہ کی ماں اوری ایل جبیعی کی بیٹی تھی

(م) یہویکین آٹھ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا (۲ تاریخ باب ۳۶ ورس ۹)

اور یہویکین جب تخت پر بیٹھا تب اٹھارہ برس کا تھا (۲ سلاطین باب ۲۴ ورس ۸)

نوٹ- قرآن مجید پر اعتراض کرنیوالے اپنی کتابوں کی قابل افسوس حالت دیکھکر کچھ شرم کریں !!

(ن) غرض بعشا اپنے باپ دادوں میں شامل ہوکے سویا اور ترضہ میں گاڑا گیا اور ایلا اس کا بیٹا اس جگہ بادشاہ ہوا... اور شاہ یہوداہ آسا کی سلطنت کی چھبیسویں ۲۶ برس بعشا کا بیٹا ایلا ترضہ میں بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا (۱ سلاطین باب ۱۶ ورس ۶-۸)

آسا کی سلطنت کے چھتیسویں ۳۶ برس میں اسرائیل کا بادشاہ بعشا یہوداہ پر چڑھ آیا اور رامہ کو بنایا (اس طرح گویا بعشا نے اپنی موت کے دس سال بعد شہر کی تعمیر کی)
(۲ تاریخ باب ۱۶ ورس ۱)

(ک) اخزیاہ بائیس ۲۲ برس کا تھا جبکہ بادشاہ ہوا (۲ سلاطین باب ۸ ورس ۲۶)
اور وہ (اخزیاہ کا باپ یہورام) بری بیماری میں مبتلا ہوکر مرگیا اور وہ بتیس ۳۲ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا اور اس نے آٹھ برس یروشلم میں بادشاہت کی اور وہ بغیر اس پر ماتم کیے ہوئے جاتا رہا اور یروشلم کے باشندوں نے اسکے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اس کی جگہ بادشاہ کیا - (۲ تاریخ باب ۲۱ ورس ۱۹-۲۰ اور باب ۲۲ ورس اول)

اخزیاہ بیالیس ۴۲ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا (۲ تاریخ باب ۲۲ ورس ۲)

نوٹ- ۲ تاریخ باب ۲۱ ورس ۱۹و۲۰ اور باب ۲۲ ورس ا سے معلوم ہوتا ہے کہ اخزیاہ کے باپ یہورام کی عمر ۴۰ برس کی تھی جب اُس نے وفات پائی اور اس نے

اگلی ورس یعنی باب ۲۲ ورس ۲ میں لکھا ہے کہ اُس کے بیٹے اخزیاہ کی عمر اُسوقت ۴۲ برس کی تھی یعنی وہ اپنے باپ سے ۲ سال بڑا تھا اور طرفہ یہ کہ اخزیاہ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ اپنے باپ یہورام کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ جب سب سے چھوٹا بیٹا اپنے باپ سے ۲ سال بڑا تھا تو اسپر دوسرے بیٹوں کی نسبت آسانی سے قیاس ہوسکتا ہے۔ پادری صاحبان کیا یہی آپ کی الہامی کتاب ہے جو ایسی لغو اور بیہودہ غلطیوں سے بھرپور ہے کیا اسی کتاب کو تم قرآن شریف کے بیانات کی صحت کے جانچنے کے لئے معیار ٹھہراتے ہو۔

مذکورہ بالا متضاد عبارتوں پر نظر ڈالنے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی اور اس میں شک وشبہ کی گنجایش نہیں رہتی ہے کہ بائیبل جو اپنی آپ مکذّب ہے وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ قرآن کریم کی جانچ کا معیار ہوسکے۔ بھلا جس کتاب کی ایک عبارت دوسری کے خلاف ہو وہ کیونکر اس قابل ہوسکتی ہے کہ اُسے قرآن کریم کے قصص کی صداقت کا معیار ٹھہرایا جاوے اگر قرآن نے کسی واقعہ کی تفصیل میں بائیبل سے اختلاف کیا ہے تو اس کے یہ معنے کیونکر ہوسکتے کہ قرآنی واقعہ جھوٹ ہے جبکہ بائیبل خود تضاد۔ لغویات اور اغلاط سے پُر ہے جب بائیبل کی اپنی کتابیں ایک دوسری کے متضاد ہیں تو کسی کو یہ کیا حق ہے کہ ایسی کتاب کو صداقت کا معیار ٹھہرائے اور اگر قرآن کریم کا کوئی واقعہ اس کتاب کے مطابق نہ ہو تو اُسے جھوٹ قرار دے ﴿ (باقی آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

خاتم الانبیاؐ اور خاتم الخلفاءؑ

مرقومہ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل

آدمؑ سے لیکر ایں دم تک رسولانِ الٰہی آتے رہے۔ اور اپنے منجانب اللہ ہونیکے ثبوت میں نشان پر نشان لاتے رہے۔ سعید روحوں نے ان سے فائدہ اُٹھایا اور بدبخت یہی کہتے رہے لولا انزل علیه اٰیة ۔ اور یہ کہ اگر کوئی نشان دکھاؤ۔ تو ہم ایمان لے آئیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واقسموا باللّٰه جهد ایمانهم لئن جاءتهم اٰیة

لیؤمنن بہا۔ قل انما الآیات عند اللہ۔ وما یشعرکم انہا اذا جاءت لا یؤمنون۔ بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر کوئی نشان دکھلایا جائے تو ہم ضرور ایمان لائیں گے کہو وے نشان تو اللہ کے پاس بہت ہیں۔ مگر تمہیں کیا معلوم کہ جب نشان آویں تو یہ ایمان لانے کے نہیں ٭

جناب خاتم النبیین۔ رحمۃ للعالمین کے دست مبارک پر کئی نشان ظاہر ہوئے میں انسے بارہ انتخاب کرتا ہوں۔ اور بعینہ اسی رنگ میں ان کے بروز جناب مسیح موعود کے ہاتھ پر جو نشان دکھائے گئے ان کا بھی ذکر کر کے اپنے مسلمان بھائیوں سے سوال کرنے کا حق رکھتا ہوں کہ حضرت خاتم الانبیاء پر ایمان لاتے ہیں۔ تو پھر خاتم الخلفاء کی بیعت سے کیوں انکار کرتے ہیں ٭

خاتم الانبیاءؐ	خاتم الخلفاءؑ
(۱) آپ کو قرآن مجید ایسی جامع فصیح و بلیغ کتاب دی گئی اور دعویٰ یہ تھا۔ لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یأتوا بمثل ھذا القرآن لا یأتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا (بنی اسرائیل رکوع ۱۰)	باوجود ہندی الموطن ہونے اور کسی استاد سے با قاعدہ تعلیم علوم رسمیہ نہ پانے کے آپنے عربی کتابیں بڑی تحدی سے شائع کیں اور عرب و عجم کے فصحاء بلغاء علماء و فضلاء کو چیلنج کیا کہ اکی مثل لاؤ انعام پاؤ۔ بلکہ یہاں تک ارشاد کیا جو اعجاز المسیح کا جواب لکھنے پر تیار ہوگا وہ ہلاک ہو جائیگا (یہ پیشگوئی اپنے وقت پر پوری ہو چکی ہے)
(۲) سیھزم الجمع ویولون الدبر کے ذریعے حضور انور نے اعلان کیا کہ تمام مخالف گروہ شکست یاب۔ اور جو مباہلہ کے لیئے مقابلہ پر آئیں گے وہ ہلاک ہونگے۔	جلسہ مذاہب اعظم میں اور پھر مختلف موقعوں پر خدا نے اپنے پاک بندے کی نصرت کی۔ کوئی مخالف سامنے نہ آسکا آزمایش کے لیئے کوئی نہ آیا۔ ہرچند۔ ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے۔ جو مباہلہ کیلیئے اٹھا ہلاک ہوا۔ لیکھرام۔ عبداللہ آتھم

(۳) واللہ یعصمک من الناس

اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔

چنانچہ ایسے ملک میں جہاں باوجود پوری شان و شوکت و حصول سلطنت کے حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ شہید ہوئے آپ طوائف الملوکی۔ بےکسی بے بسی ہونے کی حالت میں جانی دشمنوں کی ضرر رسانی سے محفوظ رہے۔

خدا نے آپ سے بھی یہی وعدہ فرمایا۔ اور اپنی الہامی عمر کے مطابق اپنی طبعی موت سے مظفر و منصور۔ کامیاب و بامراد فوت ہوئے۔ قتل کے مقدمے بنا کر مخالفوں نے پھانسنا چاہا۔ مگر خدا کی حفاظت و نصرت و تائید آپ کے شامل حال رہی۔

(۴) انا نأتی الارض ننقصہا من اطرافہا۔

یہ ایسے وقت میں پیشگوئی فرمائی جبکہ چاروں طرف سے آپ کی مخالفت ہو رہی تھی آخر خدا نے کفر کی سرزمین کو گھٹا دیا۔ اور گھٹاتے گھٹاتے یہاں تک گھٹایا کہ بل للہ الامر جمیعا کے مطابق سارے عرب میں اسلام پھیل گیا۔

ایک گاؤں میں آپ گمنامی اور خلوت کی زندگی بسر کرتے تھے خدا نے آپ کی زبان پر فرمایا۔ یأتون من کل فج عمیق دُور دُور سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اس کے ثبوت میں اب کوئی قادیان کو دیکھے کہ ۲۵ برس میں امریکہ۔ اسٹریلیا۔ کابل غزنی کشمیر سے لوگ آ رہے ہیں۔

(۵) ان شانئک ہو الابتر

آپ کے دشمن مقطوع النسل ہونگے۔ چنانچہ ان شدید مخالفوں۔ عنادی منکروں کا کوئی نام لیوا نہیں۔

آپ کے دشمنوں کا بھی یہی حال ہے۔ خود قادیان میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ اور بہت سی مثالیں باہر کی مل سکتی ہیں۔

(۶) فتمنوا الموت ان کنتم صادقین

آپ نے اعلان کیا کہ ہمارے خلاف کوئی دعا قبول نہ ہوگی۔ وما دعاء الکفرین الا فی ضلال

آپ نے اپنی کتابوں میں کئی جگہ لکھا کہ اگر کوئی دعا کرتے کرتے مر بھی جائے تو میرے خلاف وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

(۷) حضورؐ نے فرمایا کہ خانہ کعبہ کی کنجیاں ہمارے قبضے میں آئیں گی گو اب اس کے طواف سے بھی ہمیں روکا جاتا ہے۔	آپؑ نے فرمایا کہ مسجدوں سے ہمیں روکا جاتا ہے مگر آخر یہ مسجدیں ہماری ہی ہو جائیں گی۔ خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس کے بھی کئی نمونے موجود ہو چلے ہیں
(۸) آپ نے خسرو پرویز کے مرنے کی خبر دی جس نے آپ کا خط پھاڑ ڈالا تھا۔	جس نے آپؑ کی براہین کی ناقدری کی اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ نواب صدیق حسن خاں کی گرفتاری اسکی ثبوت میں پیش کیجا سکتی ہے سید احمد خاں۔ اندرمن۔ دیانند کئی لیڈران قوم کے مرنے کی خبر قبل از وقت دی
(۹) نہروں کا نکالا جانا۔ خسوف و کسوف رمضان میں۔ یقتل الخنزیر یعنی ایک بڑے سور (بے غیرت انسان) کا قتل۔ دجال۔ یاجوج ماجوج کا خروج۔ کتابوں کا پھیلنا۔ ایک دخانی سواری کا نکلنا۔	یہ تمام نشان آپ ہی کے زمانے میں پورے ہوئے۔
(۱۰) ایک شخص کی نسبت جہنمی ہونے کی پیشگوئی فرمائی جس نے بہت عمدہ جنگ کی مگر آخر زخموں کی تکلیف سے خودکشی کر لی۔	چراغ جمونی نے پہلے بڑے اخلاص کا اظہار کیا۔ آپؑ نے الہام شائع فرمایا نزل بہ جبیز۔ اور یہ کہ آخر وہ ہلاک ہوگا۔ ایسا ہی ہوا۔ پھر عبد الحکیم۔
(۱۱) آپ کی دعا سے قریب المرگ تندرست ہوئے۔	آپؑ کی دعاؤں سے کئی ایسے مریض جن پر ڈاکٹر موت کا حکم لگا چکے۔ اچھے ہو گئے نواب محمد علی خاں صاحب کا لڑکا۔ میر ناصر نواب صاحب کا لڑکا۔

(۱۲) اہالئی عرب کی جو حالت تھی وہ امرء القیس کے ایک شعر سے واضح ہوسکتی ہے کہ یہ لوگ گناہ کو گناہ بھی نہیں سمجھتے تھے ؎ فمثلک حبلےٰ قد طرقت ومرضع۔ فالھیتھا عن ذی تمائم محول ؛ اذا ما بکی من خلفھا انصرفت لہ بشق وتحتی شقھا لم تحول آخر اسی زمین کے لوگ عباد الرحمٰن یمشون فی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما تا آخر سورۃ کے شان نزول بنے۔

گئے یہ ایسے لوگ جو نسیہ کاریوں (؟) بدکاریوں میں ضرب المثل تھے آپ کی قوت قدسیہ کے ذریعے پاکباز بنے۔ زندہ نظیریں موجود ہیں اور ایک دنیا ایسے اصحاب کو جانتی ہے

نماز جمعہ کی ادائگی کیلئے میموریل

ذیل کا میموریل متعلق ادائگی نماز جمعہ جو حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف سے حضور وایسرائے ہند کی خدمت میں بھیجا جاوے گا۔ بغرض اعلان ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ امید ہے کہ جملہ اہل اسلام اس کی تائید کرکے مسلمان ملازمین اور مسلمان طلباء کی راہ سے ایک بڑی روک کو دُور کرنے کی کوشش کا ثواب لیں گے ؛ (ایڈیٹر)

شہنشاہ جارج پنجم شاہ برطانیہ وقیصر ہند کے دربار تاجپوشی کا عظیم الشان دربار جو ۱۲ دسمبر کو ہندوستان کے شاہان اسلامی کے قدیم دار الخلافہ میں منعقد ہونیوالا ہے۔ وہ تاریخ ہندوستان میں ایک ایسا اہم واقعہ ہے کہ اس کے متعلق طبائع میں عجیب ولولے پیدا ہو رہے ہیں۔ ہندوستان کو صدیوں بعد یہ

عزت نصیب ہوگی کہ اس کا شہنشاہ اس کے قدیم دار الخلافہ میں تخت نشین ہوگا۔ اور شہنشاہ بھی ایسا کہ اپنی وسعت مملکت کے لحاظ سے نہ اس زمانہ میں اور نہ کسی پرانے زمانہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ پس یہ لازمی امر تھا کہ ایسے عظیم الشان اور مبارک موقعہ پر طرح طرح کی امنگیں طبائع میں پیدا ہوتیں۔ اور خصوصاً رعایا کے اس حصہ کے دلوں میں جو اپنے بادشاہ کی وفاداری کو اپنے مذہب کا ایک جزو سمجھتے ہیں۔

اس مبارک موقعہ پر مَیں سلسلہ احمدیہ کا امام ہونیکی حیثیت سے ایک اہم امر کی طرف تمام مسلمانان ہند کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ سلطنت انگریزی نے جب سے ہندوستان میں قدم رکھا ہے یہ زرین اصول ہمیشہ اپنے مدِّ نظر رکھا ہے کہ ہر قوم کو پوری مذہبی آزادی حاصل رہے اور اپنے فرائض مذہبی کی ادائگی میں اسے کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو چنانچہ سب قومیں جو وسیع ملک میں آباد ہیں اپنے اپنے مذہبی فرائض اور مذہبی رسوم کی ادائگی میں ایسی ہی آزاد ہیں جیسے کہ وہ اپنے اپنے ہم مذہبوں کی حکومت کے نیچے ہوتیں گورنمنٹ انگریزی کا نہ کبھی یہ منشاء ہوا اور نہ ہی ہو سکتا ہے کہ کسی قوم کو بلا وجہ اس کے کسی مذہبی فرض کی ادائگی سے روکا جاوے یا ایسے اسباب پیدا کیئے جاویں جن سے ایسی ادائگی میں کسی قسم کی رکاوٹ واقع ہو۔ ہاں اگر کسی قوم کو کوئی ایسی تکلیف محسوس ہو تو گورنمنٹ کو اسکی اطلاع دینا یا اسکی طرف متوجہ کرنا یہ خود اس قوم کا فرض ہے۔ اہل اسلام سلطنت انگریزی کی ان برکات سے ہر طرح سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں لیکن ایک امر ابھی تک ایسا ہے کہ اس کی طرف گورنمنٹ کو پورے زور سے توجہ نہیں دلائی گئی اور مسلمانوں کو قیصر ہند کے ہندوستان میں تاجپوشی کے مبارک موقعہ سے بڑھکر بہتر موقعہ اس غرض کے لیئے پھر میسر آنا مشکل ہوگا۔

جمعہ کا دن اسلام میں ایک نہایت مبارک دن ہے اور یہ مسلمانوں کی ایک عید ہے بلکہ اس عید کی فرضیت پر جسقدر زور اسلام میں دیا گیا ہے ان دو بڑی عیدوں پر بھی زور نہیں دیا گیا جن کو سب خاص و عام جانتے ہیں کیونکہ یہ عید نہ صرف عید ہے بلکہ اس دن کے لیئے قرآن کریم میں یہ خاص طور پر حکم دیا گیا ہے کہ جب جمعہ کی

اذان ہو جائے تو ہر قسم کے کاروبار کو چھوڑ کر مسجدوں میں جمع ہو جاؤ۔ جیسا کہ فرمایا۔ یاایھاالذین
اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع
یہی وجہ ہے کہ جب سے اسلام ظاہر ہوا اسلامی ممالک میں جمعہ کی تعطیل منائی جاتی رہی ہے
اور خود اس ملک ہندوستان میں برابر کئی سو سال تک جمعہ تعطیل کا دن رہا ہے۔ کیونکہ آیت مذکورہ بالا
کے رو سے یہ گنجائش نہیں دی گئی کہ جمعہ کی نماز کو معمولی نمازوں کی طرح علیحدہ علیحدہ بھی ادا کیا جا سکتا
ہے بلکہ جماعت میں حاضر ہونا اور خطبہ سننا اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اس کے لیے ضروری
قرار دیئے گئے ہیں۔ بلکہ عید کی نماز کے لیے بھی اس قدر تاکید اسلام میں نہیں جس قدر کہ جمعہ کی
نماز کے لیے ہے۔ اور مذہب اسلام کے رو سے جو شخص جمعہ کو چھوڑتا ہے وہ سخت گنہگار ہے۔
ہندوستان کی تین بڑی قوموں یعنی ہندوؤں عیسائیوں اور مسلمانوں میں سے ایک خاص دن
میں عبادت الٰہی کے لیے جس شدومد سے قرآن شریف میں جمعہ کے متعلق حکم ہے باقی دو
قوموں کے سبت کے متعلق اس زور سے قطعاً انکی مقدس کتابوں میں ذکر نہیں۔
ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ ایک عظیم الشان اسلامی تہوار ہے اور جمعہ کے
تمام شرائط کے ساتھ ادا کرنے کی ہر ایک مسلمان کو ایسی سخت تاکید کی گئی ہے کہ اسے صاف
الفاظ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس وقت کسی دوسرے کام کو قطعاً نہ کرے۔

اب یہ امر ظاہر ہے کہ جس قدر کسی بڑی قوم کے بڑے بڑے تہوار ہیں ان کے
منانے کے لیے گورنمنٹ نے اپنی سب رعایا کو یکساں آسانی دے رکھی ہے۔ سب سے زیادہ مشکلات
ایسے تہواروں کے منانے میں ان لوگوں کو ہو سکتی ہیں جو بوجہ ملازمت گورنمنٹ اپنے
وقت کے آپ مالک نہیں مگر ہماری مہربان گورنمنٹ نے صرف مذہبی آزادی کو مدنظر
رکھکر یہ ضروری قرار دیا ہے کہ سب قوموں کے بڑے بڑے تہواروں کے دنوں
میں تمام سرکاری دفاتر اور سب عدالتیں وغیرہ بند رہیں تاکہ وہ حصہ رعایا جو ملازم گورنمنٹ
ہیں اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ ان تہواروں کے منانے میں شریک ہو سکیں
درحقیقت اگر گورنمنٹ اپنے ملازمین کو اس قدر آزادی نہ دیتی تو پھر مذہبی آزادی
برائے نام ہوتی پس گورنمنٹ کے اس طریق عمل سے کہ اپنے ملازمین کی خاطر وہ بڑے

بڑے قومی تہواروں کے دنوں میں اپنے سب دفاتر کو بند رکھتی ہے یہ امر تو ظاہر ہو گیا کہ گورنمنٹ کا دلی منشا ریہ ہے کہ کسی قوم کو اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں کسی قسم کی روک محسوس نہ ہو۔ لیکن جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لیئے جہاں تک دیکھا گیا ہے اس قسم کی آزادی ابھی تک حاصل نہیں اور شہنشاہ ہند کی تاجپوشی کے مبارک موقعہ اس آزادی کے حصول کے لیئے جس قدر زور دیا جائے کم ہے ۔

یہ تو ظاہر ہے کہ نظام گورنمنٹ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہر ہفتہ میں ۲ دن کی تعطیل ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اتوار شاہ وقت کے مذہب کے لحاظ سے تعطیل کا ضروری دن ہے۔ پس کوئی ایسی تجویز گورنمنٹ کے سامنے پیش کرنی چاہیئے جس سے نظام گورنمنٹ میں بھی کوئی مشکلات پیش نہ آویں اور اہل اسلام کو یہ مذہبی آزادی بھی مل جائے اس کی آسان راہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے وقت یا تو سب دفاتر اور عدالتیں سکول کالج وغیرہ ۲ دو گھنٹے کے لیئے بند ہو جاویں یا کم از کم اتنی دیر کیلیئے مسلمان ملازمین اور مسلمان طلبار کو اجازت ہو کہ وہ نماز جمعہ ادا کریں اور اس کے متعلق جملہ دفاتر و جملہ محکموں میں گورنمنٹ کی طرف سے سرکلر ہو جائے۔ گو اس وقت بعض افسر اس قسم کی اجازت اپنے ماتحتوں کو دیدیتے ہیں مگر ایسی مثالیں کم ہیں اور خصوصاً سکولوں اور کالجوں میں تو بالکل نہیں۔ ایسی اجازت نہ صرف مسلمانوں کی راہ سے ایک بڑی روک کو اٹھائی گی بلکہ آخر کار گورنمنٹ کیلیئے بھی یہ فائدہ مند ثابت ہو گی۔ کیونکہ نماز جمعہ میں ایک لازمی جزو خطبہ کا سننا ہے۔ اور خطبہ کیا ہے اس میں یا تو اخلاقی وعظ ہوتا ہے یا پیش آمدہ امور میں مسلمانوں کو جو راہ اختیار کرنی چاہیئے اس کا ذکر ہوتا ہے۔ گورنمنٹ خود اس ضرورت کو محسوس کرتی ہے کہ طلبار کی مذہبی تعلیم کا کوئی انتظام ہو تا کہ جو بد نتائج خالی دنیوی تعلیم سے پیدا ہو رہے ہیں جس کے ساتھ اخلاقی اور دینی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ان کا انسداد ہو سکے۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر گورنمنٹ اور علمائے اہل اسلام توجہ کریں تو جمعہ کے خطبہ سے بڑھکر کوئی بہتر صورت اخلاقی اور دینی وعظ اور تعلیم کی نہیں کیونکہ اس سے سب خاص و عام فائدہ اٹھا سکتے ہیں ۔

اور یہ امر کہ جمعہ کے دن دو گھنٹوں کے لیئے مسلمان ملازمین اور مسلمان طلباء کو نماز جمعہ کی ادائگی کے لیئے اجازت دیدی جاوے کوئی ایسا امر نہیں جس سے گورنمنٹ کی راہ میں کوئی مشکلات پیدا ہوتی ہوں کیونکہ سکولوں اور کالجوں میں تو یہ ضرورت صرف سردیوں کے موسم میں پیش آئے گی گویا سال میں صرف چھ ماہ کیلیئے اس انتظام کی ضرورت ہوگی باقی چھ ماہ اس وجہ سے کہ سکول اور کالج گرمیوں میں گیارہ یا بارہ بجے بند ہوجاتے ہیں۔ ایسی ضرورت نہ ہوگی۔ اور ملازمین گورنمنٹ کی اس قدر دیر کے لیئے غیر حاضری سے جس قدر نقصان ہوگا اسکی تلافی وہ خود بعد از وقت کام کر کے کر سکتے ہیں کیونکہ جو کام انکے ذمہ ڈالا گیا ہے وہ انہیں بہر حال پورا کرنا ہوگا۔ برٹش گورنمنٹ کے نظام میں اس قسم کی مثالیں پہلے موجود ہیں کیونکہ اس گورنمنٹ کو مختلف قوموں پر حکمرانی کا موقعہ خدا نے دیا ہے اس لئے وہ حتی الوسع ان مختلف اقوام کے مذہبی اصولوں کو مدنظر رکھکر کام کرتی ہے۔ چنانچہ مصر میں جہاں بڑا عنصر آبادی کا مسلمان ہے اور خدیو مصر برٹش نگرانی کے نیچے حکمرانی کرتے ہیں۔ وہاں تعطیل کا دن بجائے اتوار کے جمعہ ہی ہے۔ چنانچہ سکول کالج دفاتر عدالتیں وہاں جمعہ کو بند ہوتی ہیں اور اسطرح پر اہل اسلام کو اس حکم کے بجالانے میں جو نماز جمعہ کے متعلق تاکیدی طور پر قرآن کریم میں دیا گیا ہے کوئی دقت نہیں۔ مگر وہاں چونکہ ایک کثیر حصہ اعلیٰ عہدہ داران کا انگریزوں کا ہے جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں اس لیئے گورنمنٹ نے انکو یہ سہولت دے رکھی ہے کہ وہ اتوار کے دن چاہیں تو کام پر حاضر نہ ہوں اور اپنے کام کو باقی دنوں میں پورا کردیں۔ پس جہاں اعلیٰ عہدہ داران کو محض ان کی مذہبی آزادی قائم رکھنے کے لیئے برٹش گورنمنٹ نے اس قدر اجازت دیدی ہے۔ ہندوستان میں مسلمان ملازمین کو جنکی نسبت بھی کل عملہ سے بہت تھوڑی ہے۔ صرف دو گھنٹے کے لیئے اجازت کا ملجانا ایک یقینی امر ہے۔ کیونکہ صرف ساتویں دن دو گھنٹے کے لیئے چند ملازمین کی غیر حاضری سے .. .. جو وہ بھی اکثر غیر ذمہ داری کے عہدوں پر ہوں گے کام کا کوئی بڑا حرج متصور نہیں اور اگر کوئی حرج ہو بھی تو وہی

ملازم خود اپنے کام کو پورا کرنے کے ذمہ وار ہونگے ؛

غرضکہ ایک طرف جب ہم نماز جمعہ کے لئے سخت تاکیدی حکم قرآن شریف میں پاتے ہیں۔ جسمیں اسقدر تاکید ہے کہ صاف الفاظ میں یہ کہا گیا ہے کہ جب نماز جمعہ کا وقت آجائے تو تم دنیا کے ہر ایک قسم کے کاروبار چھوڑ کر نماز جمعہ کی ادائگی میں مصروف ہو جاؤ۔ اور جبتک نماز ادا نہ کر لو کسی کام کی طرف متوجہ نہ ہو ورنہ اللہ تعالیٰ کی سخت گرفت کے نیچے آؤ گے اور اس کے ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ نماز جمعہ میں خطبہ میں جو اخلاقی تعلیم مسلمانوں کو دیجاتی ہے وہ ملک اور گورنمنٹ کے لئے کسقدر مفید ہے۔ اور پھر دوسری طرف ہم ایسی نظیر بھی پاتے ہیں جس میں اسی قسم کی دقت ایک دوسرے ملک میں پیش آنے پر انگریزی گورنمنٹ نے اپنے ملازمین کے مذہبی حقوق کی ادائگی کو ان کے سرکاری کام میں حاضری پر ترجیح دیکر علاوہ تعطیل کے دن کے ایک دن اور بھی انہیں غیر حاضر رہنے کی اجازت دی ہے۔ اور جو امر ہم پیش کرتے ہیں اس کی دقت اس دقت سے بدرجہا کم بھی ہے کیونکہ صرف دو گھنٹے کی رخصت نماز جمعہ کی ادائگی کے لئے نہ آرام کیلئے ہم چاہتے ہیں۔ تو ہمیں یقین کامل ہوتا ہے کہ شہنشاہ جارج پنجم کی تاجپوشی کے موقعہ پر کرکے پچھ سات کروڑ نہیں بلکہ کل دنیا کے مسلمانوں کے دلوں کو مسخر کرے گی کیونکہ مسلمان قوم سب سے بڑھکر مذہبی آزادی کی دل سے قدردانی کرنے والی ہے ؛

ان وجوہات مذکورہ بالا کی بنا پر ہم نے ایک میموریل تیار کیا ہے جو حضور وائسرائے ہند کیخدمت میں بھیجا جاویگا لیکن چونکہ جس امر کی اس میموریل میں درخواست کیگئی ہے وہ جملہ اہل اسلام کا مشترک کام ہے۔ اس لئے قبل اسکے کہ یہ میموریل حضور وائسرائے کی خدمت میں بھیجا جاوے ہم نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ اسکا خلاصہ مسلمان پبلک اور مسلمان اخبارات اور انجمنوں کے سامنے پیش کیا جاوے تاکہ وہ سب اس پر اپنی اتفاق رائے کا اظہار بذریعہ رزولیوشنوں و تحریرات وغیرہ کے کرکے گورنمنٹ پر اس سخت ضرورت کو ظاہر کریں۔ تاکہ اس مبارک موقعہ پر یہ آزادی اہل اسلام کو حاصل ہو جاوے۔ ہمیں غرض صرف اس امر سے ہے کہ جملہ اہل اسلام کے اتفاق سے جیسی کہ یہ ضرورت متفقہ ہے یہ درخواست حضور وائسرائے ہند کی

م اگر کل ہندوستان کے مسلمان متفق ہو کر اس مذہبی رکاوٹ کے دور کیے جانے کی درخواست کریں تو گورنمنٹ انگریزی ضرور ان کی اس دقت پر غور فرما کر اس کی اصلاح اس مبارک موقعہ پر۔

خدمتمیں پیش ہو۔ اور یہ غرض نہیں کہ ضرور ہم ہی اس کو پیش کرنیوالے ہوں چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہماری دل میں یہ تحریک ڈالی ہو اس لیئے ہم نے اسے پیش کردیا ہو۔ اگر کوئی انجمن یا جماعت ایسی ہو جو صرف اس وجہ سے اس کے ساتھ اتفاق نہ کرے کہ یہ میموریل ہماری طرف سے کیوں پیش ہوا ہو۔ تو ہم بڑی خوشی سے اپنے میموریل کو گورنمنٹ کی خدمتمیں نہیں بھیجیں گے بشرطیکہ اس کے بھیجنے کا اور کوئی مناسب انتظام کرلیا جاوے ؛

پس یہ اشتہار جملہ ایڈیٹران اخبارات اسلامی۔ وسکرٹریان انجمنہائے وشاخہائے لیگ ومعزز اہل اسلام کی خدمت میں اس غرض کیلیئے بھیجا جاتا ہے کہ بہت جلد بذریعہ زولیوشنوں کے اور بذریعہ تحریرات کے اسپر اظہار رائے کریں تاکہ عام مسلمانوں کی طبائع کا میلان دیکھکر اس درخواست کو پیش کیا جاوے ؛

المعلن

نورالدین (خلیفۃ المسیح الموعودؑ) یکم جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان

تعلیم الاسلام ہائی سکول :- امتحان انٹرنس میں ۲۶ طلباء میں سے جو امتحان میں گئے ۱۵ کامیاب ہوئے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ یہ نتیجہ اس لحاظ سے کہ امتحان انٹرنس میں نصف سے کم طلباء بحیثیت مجموعی کامیاب ہوئے ہیں قابل تعریف ہے۔ جسقدر محنت اس سکول کے طلباء یا اساتذہ کرتے ہیں اسکی نظیر بہت کم ہیں۔ مگر بعض مشکلات ایسی ہیں کہ جن کا اثر کچھ نہ کچھ نتائج پر لازمی طور پر پڑتا ہے۔ مثلاً یہ کہ بہت سے لڑکے جو آخری سال میں آکر اس سکول میں داخل ہوتے ہیں۔ کمزور ہوتے ہیں اور احباب کی دلشکنی اور بعض دیگر وجوہات سے انکو لینے سے انکار کرنا مناسب نہیں ہوتا مگر انکی کمزوری کا چند ماہ میں رفع ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اور اس کا اثر یونیورسٹی نتائج پر پڑتا ہے۔ اسی لیئے بار بار احباب کیخدمت میں سے گذارش کیگئی ہے کہ عموماً طلباء کو یہاں چھوٹی عمر میں بھیجنے کی کوشش کریں ایسے طلباء دینی فائدہ بھی زیادہ اٹھاتے ہیں اور دنیوی تعلیم میں بھی اچھی ترقی کرسکتے ہیں

بہر حال گذشتہ تین سال سے نتائج متواتر بلحاظ عمدگی کے ترقی پر ہیں۔ چنانچہ گذشتہ سے پیوستہ سال میں ۴۷ فیصدی طلباء کامیاب ہوئے۔ سال گذشتہ میں پچاس فیصدی اور اس سال ۵۸ فیصدی کل تعداد طلبا میں بھی جو یونیورسٹی امتحان میں شامل ہوئے گذشتہ سے پیوستہ سال کی نسبت ۱۳ فیصدی کی ترقی ہوئی ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر آئندہ سال میں گذشتہ کی نسبت ترقی ہی نظر آئے گی۔

چندہ تعمیر۔ چندہ تعمیر کے متعلق جو تحریک کی گئی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس میں بہت کچھ کامیابی ہوئی جسکی کسی قدر اطلاع گذشتہ نمبر میں دیجا چکی ہے۔ قادیان میں بھی حضرت میر ناصر نواب صاحب کی تحریک سے خاصی رقم چندے کی ہو گئی۔ اور جناب میر صاحب موصوف بٹالہ امرتسر کپورتھلہ تک بمعیت جناب مفتی محمد صادق صاحب ایک مختصر سا دورہ چندہ تعمیر بورڈنگ ہوس کے لیئے کر آئے ہیں۔ اور قریب دو سو روپیہ نقد وصول کرنے کے علاوہ ہر جگہ تحریک کر آئے ہیں کہ چندہ تعمیر بورڈنگ کے لیئے جو تجویز ہر ایک احمدی سے ایک ماہ کی آمد لینے کے متعلق کی گئی تھی۔ اسکو تازہ رکھا جاوے اور باقساط چندہ وصول کرنے کی کوشش کی جاوے۔ اب آپ کا ارادہ لاہور سے آگے گوجرانوالہ۔ وزیر آباد۔ گجرات لالہ موسیٰ۔ بھیرہ۔ جہلم۔ راولپنڈی۔ ایبٹ آباد۔ مانسہرہ۔ مقامات میں جانیکا ہے۔ امید ہے کہ احباب ہر جگہ پہلے سے ہی خاص تحریک کر کے جناب میر صاحب کی خیر مقدم کے لیئے تیار رہینگے اور انہیں خوش کر کے آگے رخصت کریں گے۔ یہ کام محض ایک قومی کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا کام ہے وہی اس کے سامان بھی پیدا کر دے گا۔ حضرت میر صاحب بھی اقرضوا اللہ قرضاً حسناً پر عمل کرنیکی ترغیب دلانیکے لیئے احباب کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ احباب اس موقعہ پر اپنی تکالیف اور مشکلات پر سلسلہ کی مشکلات کو متقدم کر کے دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عملی ثبوت دیں گے۔ جیسا کہ بہت سے مقامات سے یہ عملی ثبوت مل بھی چکا ہے۔

موجودہ مالی مشکل کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ بورڈنگ ہوس کی تکمیل کیلئے کسی قدر

اور اینٹ کی ضرورت تھی جسکی خاطر بھٹہ چڑھانا پڑا۔ اور بھٹہ چڑھاکر پھر صرف اسیقدر اینٹ پکوانے پر بس نہ ہوسکتی تھی جسکی ضرورت صرف بورڈنگ ہوس کے لیئے تھی۔ بلکہ آئندہ کاموں کو مدِ نظر رکھکر کچھ زاید اینٹ بھی پکوانی پڑی۔ اور اس طرح پر عمارت کے خرچ کے ساتھ قریب گیارہ ہزار روپیہ بھٹہ پر بھی خرچ ہوگیا جس میں سے انشاء اللہ تعالے بورڈنگ ہوس کی تکمیل پر سات آٹھ ہزار روپے سے زیادہ کی اینٹ آئندہ ضرورتوں کے لیئے موجود رہے گی۔ دوسری طرف عمارت کے بعض اخراجات اکٹھے آپڑتے ہیں مثلاً اسی موقعہ پر گرڈروں کی خرید تین ہزار روپے کے قریب اکٹھا خرچ کرنا پڑا۔ مگر خزانہ انجمن میں پندرہ سَو روپے کا رہ جانا اگر فکر کی بات تھی تو محض اس وجہ سے کہ عمارت کا کثیر خرچ ابھی در پیش ہے۔ ورنہ معمولی ماہوار اخراجات کیلیئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے عموماً معمولی ماہوار آمد مکتفی ہوجاتی ہے۔ اور یُوں تو جب سے سلسلہ کے ساتھ سکول میگزین وغیرہ کے اخراجات شروع ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کا جو اس کاروبار کے چلانے میں معاون رہے ہیں ہمیشہ یہی یقین رہا ہے کہ یہ کاروبار محض خدا کے فضل سے چل رہے ہیں۔ اس نے بڑی بڑی مشکلات کے وقتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی اور ہر کام میں محض اسی کے فضل اور نصرت سے یوماً فیوماً ترقی ہی ہوتی چلی گئی ہے۔ گو ظاہری مشکلات بعض وقت کارکنوں کو ایسی بھی محسوس ہوئی ہوں کہ وہ مایوسی کے قریب قریب پہنچ گئے ہوں۔ چنانچہ آج سے چھ سات سال پہلے ایسے ہی بعض مشکلات کے پیش آنے پر جبکہ مدرسہ کا انتظام جناب خانصاحب محمد علی خان صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت مسیح موعود نے ہمارے موجودہ امام خلیفۃ المسیح حضرت مولوی نورالدین صاحب و حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور اس عاجز کو بلاکر فرمایا کہ مدرسہ میں سخت مالی مشکلات کی وجہ سے نواب صاحب گھبرا گئے ہیں اور وہ اس مدرسہ کے توڑنے کی تجویز کرتے ہیں مگر ایسا نہیں ہوسکتا۔ گھبرانیکی کوئی ضرورت نہیں آپ اس کام کو اپنے ذمہ لے لیں اللہ تعالیٰ ہمارے سب کاروبار کا معاون ہے اور وہ یقیناً ہمارے ہر ایک کام میں ہمارا ناصر و معاون ہوگا اور یہ مشکلات سب پاش پاش ہوجاویں گی چنانچہ اسوقت کے بعد مدرسہ

ایک غیر معمولی ترقی ہر پہلو سے کی ہے۔ نہ صرف مدرسہ کی عمارت کا وہ حصہ جو ... کی مالی مشکلات کی وجہ سے فروخت ہو چکا تھا واپس آگیا۔ بلکہ مدرسہ کے اخراجات ہر طرح سے بڑھتے گئے بہت سی نئی عمارتوں کی سابقہ عمارت مدرسہ کے ساتھ ایزادی ہوئی اور آخر کار یہ وسیع قطعہ شہر سے باہر مزید توسیع کے لیئے خرید اگیا جہاں اسوقت اللہ تعالیٰ کے فضل سے بورڈنگ ہوس کی ایک ایسی عظیم الشان عمارت کھڑی ہو گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے قایم کردہ سلسلہ کی عظمت کا ایک ظاہری نشان ہے اور یہی دارالعلوم کا بنیادی پتھر ہے ؛

یتامیٰ کے متعلق بھی میں اپنے احباب کو خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اس فنڈ کی موجودہ گنجائش کا یہ حال ہے کہ اور درخواستوں کی منظوری تو ایک طرف رہی جن یتامیٰ کی پرورش کو انجمن اپنے ذمہ لے چکی ہے انکے اخراجات چلانیکے لیئے بھی کافی روپیہ نہیں ہے کسی یتیم کی درخواست آجانے پر ایسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو گنجائش نہیں ہوتی اور دوسری طرف یتیم کو رد کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ بالخصوص حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی رحیم طبیعت اس بات کو برداشت نہیں کرتی۔ اس لیئے میں سب احباب کو زور سے توجہ دلاتا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے جناب میر صاحب کو چندہ تعمیر کے علاوہ یتامیٰ کے لیئے چندہ کرنیکی تحریک کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ امید ہے کہ سب احباب اس نیک تحریک میں بھی انکی اعانت فرمائیں گے ؛

اصول اسلام یعنی لیکچر جو ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز کی طرف سے جلسہ مذاہب میں بمقام الہ آباد پڑھا گیا تھا علیحدہ رسالہ کی صورتوں انگریزی اور اردو میں چھپکر تیار ہے اشاعت اسکی مفت ہے۔ احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ محصولڈاک کے ٹکٹ بھیجکر حسب ضرورت کاپیاں منگوالیں اور بکثرت شائع کریں ؛

محمد علی
سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ | بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۸

سالانہ چندہ عوام سے ۴ طلباء سے ۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے (صدر انجمن کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

قرآنی بیانات کی صحت

سلسلہ کیلیئے ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر

علمی دنیا سے اب یہ امر مخفی نہیں کہ بائیبل کی بعض کتابوں کو اب خود عیسائی دنیا ناقابل اعتبار سمجھتی ہے اور بارہا یہ کوشش ہو چکی ہے کہ عہد عتیق کی بعض کتابوں کو اُن کے غیر معتبر ہونیکے باعث کتاب اقدس میں سے خارج کر دیا جائے چنانچہ اس کے متعلق جوئش انسائکلو پیڈیا یعنی یہودیوں کے دائرۃ المعارف کے مصنفین کہتے ہیں ایک عرصہ تک " اس بات پر مباحثات ہوتے رہے کہ آیا حزقیئل کی کتاب اور سلیمان کی تین کتابوں (یعنی امثال۔ واعظ اور غزل الغزلات) اور استر کو بھی کتاب اقدس میں شامل کیا جائے یا نہ؟ حزقیئل کی مخالفت عارضی تھی اور اس کی وجہ اس کتاب اور توریت کا باہمی تضاد تھی۔ بہت لوگوں نے چاہا کہ اس کتاب کو چھپا ڈالیں لیکن حننیاہ بن حزقیاہ بن گارون نے تیل کے تین سو پیپے خرچ کر کے اس کتاب کو واگذار کرا لیا امثال کی بھی ہلکی سی مخالفت ہوئی اور اس مخالفت

کی وجہ بھی باہمی تضاد و تناقض ہی تھی۔ اسی سبب سے جھگڑا ہوا تھا کہ واعظ کی کتاب نہ پڑھی جایا کرے۔ بعض کے نزدیک واعظ کی تلاوت سے مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ اس کتاب میں کفر کی تعلیم ہے۔" آستر کے بارہ میں جوئش انسائکلوپیڈیا میں لکھا ہے "کئی ایک ذرائع سے واضح ہوتا ہے کہ اس کتاب کا کتاب اقدس میں شامل ہونا یقینی امر نہیں ہے۔"

پادری صاحبان ان کتابوں کو معتبر ثابت کرنیکی جو دلیل دیتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ یہ کتابیں خدا کے الہام سے لکھی گئی ہیں اور کلامِ خدا ہیں۔ لیکن جائے تعجب ہے کہ نہ تو ان کتابوں نے کہیں خدا کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی انہیں سے بہت سی کتابوں کے مصنفوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایسی صورت میں ہماری بھولے پادری صاحبان پر مدعی سست گواہ چست کی مثال صادق آتی ہے۔ بہرحال ہم پادری صاحبان کی اس دلیل کی طرف توجہ کرتے ہیں اور مثال کے طور پر عہد عتیق و جدید میں سے نہایت معتبر اور ضروری کتابیں یعنی بائیبل کی پہلی پانچ کتابیں لیتے ہیں جو توریت کے نام سے مشہور ہیں۔ پادری صاحبان کا قول ہے کہ ان کتابوں کے مصنف خود حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں چونکہ لوہا لوہے سے ہی خوب کٹتا ہے اس لئے ہم اُن کے اس قول کی تردید میں انسائکلوپیڈیا ببلیکا کے قابل یوروپین مصنفین کی رائے پیش کرتے ہیں وہ ہو ہٰذا "عرصہ دراز ہوتا ہے جب یہ شکوک پیدا ہوئے تھے کہ آیا پہلی پانچ کتابیں حضرت موسیٰؑ کی اپنی لکھی ہوئی ہیں یا نہ۔ لیکن سترھویں صدی مسیحؑ میں یہ شکوک اسقدر مضبوط ہو گئے کہ اُن کا دبانا امرِ محال ہو گیا۔ یہ بات مشاہدہ میں لائی گئی کہ موسیٰ علیہ السلام صیغۂ متکلم میں نہیں بولتے بلکہ کوئی اور شخص اُن کا ذکر صیغۂ غائب میں کرتا ہے۔ اور اس شخص کا زمانہ بھی موسیٰ علیہ السلام سے بہت عرصہ بعد کا ہے۔ پیدائش باب ۱۲ ورس ۶ کے اس فقرہ سے کہ "اُس وقت ملک میں کنعانی تھے" ناظرین کو بتلایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل سے پہلے ارض مقدس میں ایک اور قوم آباد تھی جو اب اُن کی یاد سے اُتر چکی ہے۔

پیدائش باب ۳۶ ورس ۳۱ کے یہ الفاظ "اور بادشاہ جو ملک ادوم پر مسلط ہوئے پیشتر اس سے کہ اسرائیل کا کوئی بادشاہ ہو" پیشگوئی کے رنگ میں نہیں ہیں بلکہ کسی ایسے مصنف کا پتہ دیتے ہیں جو عبرانیوں کے ایام سلطنت میں ہوا۔ پھر گنتی باب ۲۱ ورس ۱۴ میں "خداوند کے جنگنامہ" کا جو حوالہ ہے اُسے موسیٰ کس طرح دے سکتے تھے جبکہ اس میں خود اُنکے اپنے کارناموں کا ذکر ہے۔ اور جب استثنا باب ۳۴ ورس ۱۰ (گنتی باب ۱۲) میں یہ کہا گیا ہے کہ "ابتک بنی اسرائیل میں موسیٰ کی مانند کوئی نبی نہیں اُٹھا" تو ضرور مصنف کوئی ایسا آدمی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے اور بہت سے انبیاء کے آچکنے کے بعد ہوا ہے۔ اور جب اسی زمانہ میں (سترھویں صدی میں) توجہ دلائی گئی کہ تورات کے واقعات مساوات۔ نقل اور تکرار میں متضاد ہیں تو یہ خیال دلوں سے نکل گیا کہ پہلی پانچ کتابوں کا مصنف کوئی واحد شخص ہے" انسائکلوپیڈیا ببلیکا جلد ۲ کالم ۲۰۴۵ اور ۲۰۴۶ ؎

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جس کتاب کے تاریخی واقعات کو قرآن کریم کے قصص کی صداقت کا معیار قرار دیا جاتا ہے اُس کے اپنے تاریخی واقعات کہانتک صحت کے قریب ہیں۔ چنانچہ توریت اور بائیبل کی دوسری کتابوں کے متعلق انسائکلوپیڈیا ببلیکا کا فیصلہ حسب ذیل ہے۔

اس زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے جبکہ عبرانیوں نے اپنی تاریخ لکھنی شروع کی تھی انسائکلوپیڈیا مذکور میں لکھا گیا ہے کہ "تاریخ بننی پہلے ہے اور لکھی پیچھے جاتی ہے اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ تاریخ نویسی کا شوق کسی ایسی بڑی کامیابی کے بعد پیدا ہوتا ہے جو کسی قوم کو اپنی ہستی کا احساس کراتی اور یہ خیال دلاتی ہے کہ اُس کے کارنامے اب قابل یادگار ہیں .... اسرائیل کی تاریخ کا آغاز اُسوقت سے ہوتا ہے جب اُنکی تمام قوموں کا اتحاد ہوا اور فلسطینیوں کی حکومت کا جوا اُنکی گردن سے اُتر گیا.... اندرونی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اغلباً عبرانیوں کی سب سے پہلی تاریخ حضرت سلیمان عم کے زمانہ میں لکھی گئی تھی (یعنی دسویں صدی قبل از مسیح کے وسط میں) اور عبرانی تاریخ نویسوں نے سب سے پہلے گذشتہ

نصف صدی کے واقعات قلم بند کیئے۔ جب اس طرح تاریخ کا آغاز ہو چکا تو اسرائیلی مصنفین نے طبعاً اپنی قدیم تاریخ کو حوالہ قلم کرنے کا شوق کیا، جابر تاریخی لٹریچر ناظرین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہاں عبرانیوں کی تاریخ سے مراد بائیبل کی کتابیں ہیں جن میں اُن کی تاریخ درج ہے ؂

مصنف ینابیع نے قرآن کریم کو سنی سنائی روایات کا مجموعہ قرار دیا ہے لیکن چاہ کن راچاہ درپیش پادری صاحب کی بائیبل خود اسی الزام کے نیچے آتی ہے صرف فرق یہ ہے کہ قرآن کریم کے متعلق تو سوائے من گھڑت باتوں اور بائیبل کو پیش کرنیکے اور کوئی ثبوت نہیں ملتا مگر بائیبل شریف کا بخیہ خود اُن کے اپنے بھائی اُدھیڑ رہے ہیں اور یہی بتاتے ہیں کہ واقعی بائیبل سُنی سُنائی باتوں کا مجموعہ ہے چنانچہ یہودی تاریخ (یعنی بائیبل) کے ماخذوں کا ذکر کرتے ہوئے انسائکلوپیڈیا بابلیکا کے لائق مصنفین فرماتے ہیں "اسکے ماخذ اشعار۔ شجرہ نسب۔ مختلف قومی اور مقامی روایتیں متبرک خانقاہوں کی پُرانی کہانیاں۔ مقدس مقامات کے متبرک قصے .... قوانین۔ دیسی اور بدیسی توہمات۔ قبائل کا قدیم دستور اور تمثیلیں۔ المختصر ہر ایک ایسی بات جو زمانہ قدیم کے متعلق شہادت دے سکتی .... ہمارے خیال میں ان ماخذوں کا بڑا حصہ قطعاً تاریخی نہیں"۔

عہد عتیق کی پہلی چھ کتابوں کے متعلق انسائکلوپیڈیا بابلیکا میں لکھا ہے کہ "نہایت قدیم اسرائیلی تاریخ کا ایک بڑا حصہ بائیبل کی پہلی چھ کتابوں کے اوراق میں درج ہے... محققوں نے اس کی علامت حرف ج رکھی ہے اور ایسا ہی قاضیوں وسموئیل کے اکثر بابوں میں سے جو ج سے ملتے جلتے ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ اسرائیل کی تاریخ ہم تک متواتر اور اصل حالت میں نہیں پہنچی۔ اس تاریخ کے جامع لوگوں نے اسے دوسرے ماخذوں کے ساتھ ملاتے وقت نہ صرف بعض حصص کو ہی نظر انداز کر دیا ہے بلکہ ایسے واقعات ایزاد کر دیئے ہیں جن کی نوعیت اور زمانہ اسرائیل کی تاریخ سے جداگانہ ہے"۔ "زمانہ قدیم کے عبرانی تاریخ نویس

اپنی تصانیف پر اپنا نام نہیں لکھتے تھے۔ اُن کو مصنف ہونے کا خیال و گمان بھی نہ تھا۔ جن قصے کہانیوں کو اُنہوں نے جمع کیا تھا وہ سب کا مشترک ورثہ تھے اور حوالۂ قلم ہونیکے بعد بھی بدستور اُنکی یہی حیثیت رہی۔ یہ تحریری نُسخے بہر صورت ربی لوگوں یعنی اہل شریعت کے قبضہ میں ہوتے تھے... پہلی کتابوں میں روایات کے بڑے ذخیرے کا صرف ایک حصّہ درج تھا۔ بڑھانے والوں نے اور نئی نئی باتیں ایزاد کردیں لیکن ماخذ انکے بھی وہی تھے جو اصل مصنفین کے تھے۔ اس طرح ہر ایک نیا نسخہ تازہ ترمیم شدہ ہوتا تھا... ربیوں نے مختلف نسخوں کا باہم مقابلہ کیا اور اپنے سمجھ۔ قوت فیصلہ اور ذاتی مفاد کو مد نظر رکھکر اُن کے مضامین کو جمع کیا۔ سلیمانؑ کے وقت تک تاریخ نویسوں کے ماخذ محض مختلف المضامین اور مختلف الانواع روائتیں ہی تھیں۔ کسی تحریری یادداشت یا یادگاری عمارت کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ اگر چلتا بھی ہے تو اس میں بڑی حد تک شک کی گنجائش ہے۔"

ہمارے ناظرین! جو حوالجات ہم نے اُوپر دیئے ہیں یہ دراصل عیسائی یُورپ کے قابل ترین نہایت روشن خیال اور غیر جنبہ دار عیسائی مصنفین کی تحقیق اور رائیں ہیں جو انسائکلو پیڈیا ببلیکا میں بائیبل کی نہایت ضروری کتاب یعنی توریت موجودہ کے متعلق ظاہر کیئے گئے ہیں۔ جب نہایت مشہور اور ضروری کتاب کا یہ حال ہو تو باقی کا آپ خود اندازہ لگالیں پس اس شہادت کے مقابل پادری صاحبان کا یہ کہنا کہ جو تاریخی واقعات بائیبل میں بیان کیئے گئے ہیں وہ نہ صرف نقائص سے بری بلکہ تکمیل تک پہنچے ہوئے ہیں محض خام خیالی اور ہٹ دھرمی ہے۔

پادری صاحبان بار بار قرآن کریم کا حوالہ دیکر کہتے ہیں کہ چونکہ قرآن کریم توریت کا مصدق ہے لہٰذا اس کے تمام واقعات معتبر اور قابل تسلیم ہیں۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ جب آپ قرآن کو خدا کا کلام ہی نہیں مانتے بلکہ اُسے ایک انسان کی بناوٹ خیال کرتے ہیں تو آپکو اس شہادت کے پیش کرنے سے فائدہ ہی کیا؟ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ جھوٹے ہی تھے جیسا کہ عیسائی صاحبان

آپکو خیال کرتے ہیں۔ اور اگر قرآن دراصل آپ ہی کا منصوبہ ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ عیسائی اُس شہادت پر فخر و ناز کریں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُنکی کتب مقدسہ کے متعلق ثابت ہو بلکہ یسوع کے پرستاروں کو تو ایسے فعل پر نادم ہونا چاہیئے کیونکہ جسے وہ (معاذ اللہ) جھوٹا سمجھتے ہیں اُس کے ہی الفاظ کو وہ اپنی کتب مقدسہ کی صداقت میں پیش کرتے ہیں۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا بیشک اُسوقت پادری صاحبان حوالہ دے سکتے تھے اگر وہ آپ کو ایک سچا نبی تسلیم کرتے۔

واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا تسلیم کرنا گویا آپ کی وحی یعنی قرآن کریم کو خدا کی کتاب ماننا ہے اور یہ مسیحیوں کے لیئے موت ہے۔ اگر مسیحی اس موت کو جس میں ابدی زندگی ہے اپنے لیئے پسند نہیں کرتے تو اُن کا بار بار توریت کی مصدق آیات قرآنی کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرنا فضول ہے کیونکہ جو کتاب توریت کی تصدیق کرتی ہے وہ بڑی تحدّی سے اپنے متعلق بھی خدا کی کتاب ہونے کا دعویٰ کرتی ہے پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسیحیوں کا مسلمانوں کو ان آیات کی طرف توجہ دلانا کیا معنے رکھتا ہے۔ اگر اُن کا یہ منشار ہو کہ مسلمان قرآن کو چھوڑ کر توریت کی پیروی اختیار کریں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لائیں اور دوسرے سے انکار کریں غرض اگر قرآن مجید کی اُس شہادت کو صحیح مانا جائے جو توریت کے متعلق ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ کیوں قرآن مجید کے اپنے منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ نہ تسلیم کیا جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم توریت کا مصدق ہے مگر یہ بھی پوشیدہ امر نہیں کہ وہ اپنے منجانب اللہ اور آخری شریعت ہونے کا بھی بڑی تحدّی سے مدعی ہے پس ایک ہی کتاب کی ایک شہادت کو تسلیم اور دوسری کو رد کرنا سراسر معقولیت کے خلاف ہے۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم (نعوذ باللہ) واقعی ایسے ہی ہیں جیسا کہ مسیحی واعظین اپنی تقریر و تحریر میں اُنہیں ظاہر کرتے ہیں تو پھر اُنکی شہادت اور عدم شہادت دونوں مساوی ہیں اور اُن کے اقرار یا انکار سے توریت خدا کا کلام ثابت نہیں

ہو سکتی ہاں اگر مسیحی صاحبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی شہادت سے فائدہ اُٹھانا چاہیں تو اُن کو لازم ہے کہ پہلے آپکی راستبازی کا اقرار کریں کیونکہ اس کے بغیر اُن کی پیش کردہ شہادت ہرگز قابل سماعت نہیں ہو سکتی۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو راستباز ماننے سے لازم آتا ہے کہ قرآن کریم کو بھی خدا کا کلام اور آخری وحی تسلیم کیا جائے کیا مسیحی صاحبان ایسا کریں گے؟

ہمارے مسیحی مہربان چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کی شہادت سے بائیبل کے بیان کردہ تاریخی واقعات کو صحیح ثابت کریں لیکن اُن کو یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید اگر توریت کا مصدق ہے تو صرف موسوی شریعت کی تصدیق کرتا ہے نہ کہ تاریخی حصہ کی مسلمانوں کی مقدس کتاب میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے اشارۃً یا کنایۃً پرانے یا نئے عہدنامے کے قصے کہانیوں کی تصدیق پائی جاتی ہو۔ ہمیں اس بات سے ہرگز انکار نہیں کہ قرآن توریت کا مصدق ہے یعنی موسوی شریعت کی تصدیق کرتا ہے لیکن اس بات کا ثبوت کیا ہے؟ کہ ہر ایک بات جو پیدائیش یا خروج کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے وہ موسیٰؑ کے اپنے قلم سے ہے۔ ہم اس مضمون میں کافی شہادتوں سے یہ ظاہر کر چکے ہیں کہ موجودہ توریت کے مصنف حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ کوئی اور شخص ہے۔ قرآن کریم سے یہ ہرگز ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کبھی کوئی کتاب یا تاریخ لکھی تھی۔ ہمارے اس دعویٰ کی تائید میں انسائکلوپیڈیا پر مفصلہ ذیل الفاظ قابل ملاحظہ ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر قرآن کریم توریت یا موسوی شریعت کو خدا کا کلام مانتا ہے تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ بائیبل کی موجودہ کتابیں جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں وہ ضرور آپ کے اپنے قلم سے ہیں۔

’بائیبل کی قدامت‘ کے عنوان سے مذکورہ بالا دائرۃ المعارف میں لکھا ہے ’’اگرچہ عہد عتیق کی پہلی پانچ کتابیں (موجودہ توریت) موسیٰ سے قریباً ایک ہزار برس بعد لکھی گئی ہیں تاہم ممکن ہے کہ توریت کے اصل بانی خود موسیٰ ہی

ہوں" جلد۲ کالم ۲۰۵۵

پھر ہم کہتے ہیں کہ اکیلی توریت پر کیا موقوف ہے قرآن کریم انجیل کا بھی مصدق ہے مگر قرآن کی تصدیق سے جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہیں ہرگز یہ مراد نہیں کہ قرآن موجودہ توراۃ کے قصوں یا موجودہ اناجیل کی کہانیوں کا مصدّق ہے بلکہ جس امر کا قرآن مصدق ہے وہ شریعت۔ پیشگوئیاں اور تعالیم ہیں۔ اور قرآن شریف کی تصدیق کا مفہوم صرف یہی ہے کہ توریت اور انجیل کی تعالیم پیشگوئیاں اور قوانین کا منبع اور مبدا در اصل خدائے تعالیٰ کا مقدس الہام تھا۔ پس یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم نے جہاں کہیں توریت کی تصدیق کی ہے وہاں توریت کی پیشگوئیوں اور شریعت کی تصدیق ہے اور جہاں انجیل کی تصدیق کی ہے وہاں صرف حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشگوئیوں کی تصدیق ہے نہ کہ اُن قصّے کہانیوں کی جنکے مصنف ایک جگہ متی۔ لوقا۔ مرقس یوحنا وغیرہ ظاہر کیئے جاتے ہیں اور دوسری جگہ کوئی گمنام لوگ ہیں۔ حاصل کلام قرآن کریم کی تصدیق کا صرف یہی مطلب ہے کہ توریت جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی تو لاریب یہ خالص خدا کا کلام تھی مگر امتداد زمانہ اور عرصہ دراز کے بعد قلمبند ہونے سے اس میں انسانی تصرف ہوگیا اور جس طرح زرِ خالص میں ملاوٹ ہونے سے کم حیثیت ملمع بن جاتا ہے اسی طرح گو موجودہ بائبل اپنی اصل ہیئت سے بدلکر کچھ اور کی اور بنی ہوئی ہے۔ تاہم باوجود اس تبدیلی کے اگر طالب حق موجودہ توریت و اناجیل کا بغور مطالعہ کرے تو اُسے سچی تعالیم اور پیشگوئیوں کی ایک بڑی تعداد کا پتہ چل سکتا ہے اور اُس کا قلب اُسے یقین دلا دیتا ہے کہ باوجود زیادہ کھوٹ کے اس ملمع میں زرِ خالص ضرور ہے۔ پس اگر قرآن ان کتابوں کا مصدق ہے تو وہ طالب حق کے دل کی طرح زرِ خالص کی تصدیق کرتا ہے نہ کہ ملاوٹ کی.........

...... ہم اپنے دعوےٰ کی تائید میں ایک مسیحی مترجم قرآن کا بیان پیش کرتے ہیں

مسٹر راڈول اپنے ترجمہ کے ایک نوٹ میں صفحہ ۵۰۴ پر لکھتا ہے "قرآن میں جہاں کہیں انجیل کا لفظ آتا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ نیا عہدنامہ یا اُس کا کوئی حصہ مراد ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ (قرآن میں انجیل کے لفظ سے) خدا تعالےٰ کا وہ کلام مراد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوا تھا" اب اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ جس طرح انجیل سے خدائے تعالیٰ کا وہ الہام مراد ہے جو حضرت مسیح پر نازل ہوا تھا اسی طرح توریت سے وہ الہام الٰہی مراد ہے جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نزول ہوا تھا۔ غرض قرآن کریم سے ہرگز ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ عہد عتیق وعہد جدید کی کتابیں اپنی موجودہ حالت میں خدائے تعالیٰ کا کلام کہلانیکی مستحق ہیں۔ بلکہ اس کے متعلق قرآن کریم کا جو صریح فتویٰ ہے وہ حسب ذیل ہے۔

(۱) فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (ترجمہ) بھول گئے ایک حصہ اُس چیز سے کہ نصیحت کیئے گئے تھے (پارہ ۶ سورۃ المائدہ)۔

یہاں صاف فرمایا ہے کہ نصاریٰ اُس کلام الٰہی کا ایک حصہ بھول گئے ہیں جو موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوا تھا۔

(۲) فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (ترجمہ) پس وائے ہے اُن لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (پارہ اوّل سورہ بقرہ)

یہاں یہود و نصاریٰ کو ملزم کیا گیا ہے کہ وہ انسان کی تصنیف کی ہوئی کتابوں کو کلام اللہ کہتے ہیں۔

(۳) جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ (ترجمہ) آیا ہے تمھارے پاس پیغمبر ہمارا بیان کرتا ہے واسطے تمھارے بہت اُس چیز سے کہ تھے تم چھپاتے کتاب میں سے (پارہ ۶ سورۃ المائدہ)

اس جگہ اہل کتاب کو کلام الٰہی کے چھپانے کا الزام دیا گیا ہے۔

(۴) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ

وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ۔ (ترجمہ) کیا نہ دیکھا تو نے طرف اُن لوگوں کے کہ دیئے گئے ایک حصہ کتاب سے مول لیتے ہیں گمراہی کو اور ارادہ کرتے ہیں یہ کہ بہک جاؤ تم راہ سے ۔ (پارہ ۵ سورۃ النساء)

اس آیت شریف میں اہل کتاب کو کلام الٰہی میں ردوبدل کرنے کا مزم ٹھہرایا ہے۔

اب اگر قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات کو ایک طرف رکھا جائے اور اُن عبارتوں کو دوسری طرف رکھیں جن میں توریت وانجیل کی تصدیق ہے تو صاف معلوم ہوجائیگا کہ قرآن پاک نے کس بات کی تصدیق کی ہے کس کی تکذیب۔ یعنی اس میں شک کو قطعاً گنجائش نہ رہے گی کہ مسلمانوں کی مقدس کتاب ہرگز ہرگز اُس تمام رطب ویابس ہزلیات اور لغو کہانیوں کی مصدق نہیں جو موجودہ بائیبل میں بھری پڑی ہیں بلکہ قرآن کی اصطلاح میں توریت اور انجیل حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل شدہ کلام الٰہی کا نام ہے۔ اور قرآن شریف کی شہادت کا مدعا یہ ہے کہ جو توریت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور جو انجیل حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی وہ خدائے تعالیٰ کا کلام تھا۔

جب یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ بائیبل کے بیانات غلطی سے پاک نہیں تو کسی تاریخی واقعہ کو محض اس بنا پر کہ وہ بائیبل کے مطابق نہیں ہرگز غلط قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی پادری صاحبان کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات کو محض اس بنا پر جھوٹا قرار دیں کہ وہ بائیبل سے مطابقت نہیں رکھتے۔ محض یہ کہدینا قابل وقعت نہیں ہوسکتا کہ چونکہ فلاں واقعہ جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے اُس کی تفصیل بائیبل کے بیانات سے مختلف ہے اس لئے وہ قابل تسلیم نہیں کیونکہ جیسا ہم ثابت کرچکے ہیں خود بائیبل کے اپنے بیانات تصدیق کے محتاج ہیں اور اب اس امر میں قطعاً شک کی گنجائش ہی نہیں کہ بائیبل صحت سے دور اور ملاوٹ سے بھرپور ہے۔ اگر مسیحی صاحبان غور کرتے تو قرآن مجید کا بائیبل سے اختلاف کرنا بھی اس کتاب کی سچائی کی ایک دلیل تھی کیونکہ صحیح کتاب ہر بات میں اُس کتاب کے مطابق نہیں ہوسکتی جس میں اغلاط کی ملاوٹ ہو۔ قرآن کریم کا ایک نام فرقان یعنی فرق

کرنے والا بھی ہے قرآن کے نزول کی اصل غرض بھی یہی تھی کہ اہل کتاب نے اپنے نفسانیت سے خدا کے کلام میں جو ملاوٹیں کر دی تھیں اُن ملاوٹوں کو نکالکر واقعات صیحہ اور اصل کلام ربانی دنیا کے سامنے رکھے پس قرآن حمید کا بائیبل جیسی مشتبہ کتاب سے اختلاف کرنا اصلیت کا اظہار ہے اور اس کتاب کے خدائے تعالیٰ کا کلام ہونیکی ایک دلیل ہے۔ الحمد للہ قرآن کریم کی جو بات دشمن کی نظر میں بڑا سقم اور عیب تھی جب غور سے دیکھا گیا تو وہی ایک بڑی خوبی اور زیور ثابت ہوئی۔ بات یہ ہے کہ در اصل قصور دیکھنے والے کی آنکھ کا تھا ورنہ اللہ کا کلام تو روشن اور چمکتا ہوا سورج تھا سو ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور ؕ ایسا چمکا کہ صد نیرِ بیضا نکلا۔

قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات کو غیر معتبر سمجھنے کی ایک اور دلیل جو پادری جان نے دی ہے وہ یہ ہے کہ ان واقعات کی تفصیل اُن یہودی اور مسیحی روایات سے ملتی ہے جن کا ذکر بائیبل میں نہیں ہے۔ اس دلیل کے لانے سے پادری صاحبان کا یہ منشاء معلوم ہوتا ہے کہ جن واقعات کو بائیبل نے چھوڑ دیا ہے اُنکو قرآن نے لے لیا ہے لہٰذا قرآنی واقعات غلط ہیں۔ لیکن بائیبل کی صحت کے متعلق جو ثبوت ہم ابھی ابھی دے چکے ہیں اُن کی بنا پر ہم بجرأت تمام یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہودی اور مسیحی روایات نہ تو محض اس بنا پر صحیح قرار دیجا سکتی ہیں کہ اُن کا بائیبل کی کسی ایک یا دوسری کتاب میں ذکر ہے اور نہ ہی محض اس وجہ سے اُن کی تردید کیجا سکتی ہے کہ بائیبل میں اُن کا اندراج نہیں جس طرح یہ ثابت ہوا ہے کہ موجودہ بائیبل کی کتابوں میں اغلاط۔ بناوٹ اور ہزلیات کی ملاوٹ ہے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ یہودی اور مسیحی روایات میں اگر بہت غلطیاں ہیں تو کچھ سچائی بھی ہو یعنی جس طرح نئے اور پرانے عہد نامے کی کتابوں کو اغلاط سے پاک قرار نہیں دیا جا سکتا بعینہٖ اسی طرح یہودی اور عیسائیوں کی دوسری کتابوں کو جن میں اُن کی روایات درج ہیں سچائیوں سے خالی نہیں مانا جا سکتا۔ چونکہ مستند اور غیر مستند ہر دو قسم کی عیسائی کتب میں غلط اور صیح واقعات کا خلط ملط ہے اس لیئے نہ کسی واقع کو محض بائیبل کی عدم مطابقت

کے سبب سے غیر صحیح مانا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کتاب کو محض اس وجہ سے رد کیا جا سکتا ہے کہ اُس کے بعض بیانات کی تفصیل غیر مسلمہ عیسائی کتابوں کے مطابق ہو۔ اس میں کلام نہیں کہ ہر دو قسم کی کتابوں میں راستی کے ساتھ ضرور جھوٹ ملا ہوا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ ایک میں راستی کم اور جھوٹ زیادہ ہو دوسری میں جھوٹ کم اور راستی زیادہ ہو۔ جب اس اصلیت کو ایک دفعہ پھر دوہرا دیا جائے کہ موجودہ بائیبل کے ماخذ بھی یہودی اور عیسائی روایات ہیں جن کو آج غیر مستند کہا جاتا ہے تو یہ امر اور بیّن ہو جائیگا کہ جس طرح منتخب شدہ کتابوں میں غلطیاں درج ہو گئی ہیں اسی طرح جہاں سے انتخاب کیا گیا ہے وہاں ضرور سچائیاں باقی تھیں۔

غرض اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً جسطرح بائیبل اور قرآن کریم کے کسی بیان کا اختلاف اس بات کا ثبوت نہیں کہ قرآن کا بیان غلط ہے اسی طرح قرآن کریم اور یہودی و عیسائی روایات کا تطابق اس بات کی شہادت نہیں ہو سکتا کہ اول الذکر غیر صحیح ہے۔ ثانیاً جس طرح بائیبل میں سچائی اور جھوٹ کی ملاوٹ ہے اسی طرح دوسری یہودی و نصرانی کتب میں بھی حق کے ساتھ باطل کا خلط ملط ہے۔ پس ایسی حالت میں اگر قرآن کریم ان دوسری قسم کی کتب کے کسی بیان سے مطابقت کھاتا ہے تو اس کے یہ معنے کیونکر ہو سکتے ہیں کہ نعوذ باللہ قرآن کریم سچی کتاب اور خدا کا کلام نہیں۔ اگر ہم یہاں پر یہ بتاویں کہ قرآن کریم کا ان غیر مسلمہ روایات سے جو تطابق ہے وہ بقول میور صاحب دراصل تطابق بھی نہیں کہلا سکتا کیونکہ صرف تفصیل میں جزوی مطابقت ہے نہ کہ کسی پورے واقعہ میں۔ چنانچہ سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں "اگرچہ ان غیر مسلمہ کُتب سے بعض تفاصیل میں (قرآن) مشابہت رکھتا ہے مگر (یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ) بیانات (باہم) پوری مطابقت رکھتے ہیں"۔ پس اب اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہودی اور مسیحی روایات میں شاذ سچائی اور بہت جھوٹ ہے تو بھی پادری صاحبان کا اعتراض خود میور کے قول سے رد ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا واقعہ بھی ہو جس کا ذکر نہ بائیبل میں آئے

اور نہ ہی یہودی عیسائی روایات اس کا پتہ دیں مگر ایک اور الہامی کتاب اسے بیان کردے تو کیونکر اور کس بنا پر ایسے واقعہ کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے اور کیونکر ایسی کتاب کی تکذیب کی جا سکتی ہے جو اس نئے واقعہ پر بذریعہ الہام روشنی ڈالے۔ صرف یہ کہدینا دانائی نہیں کہ چونکہ بائیبل یا یہود و عیسائیوں کی دوسری کتب میں ایسے تاریخی واقعہ کا کوئی پتہ نہیں لہٰذا یہ واقعہ غلط اور جس کتاب نے اسے بیان کیا ہے وہ غیر صحیح ہے۔ حالانکہ بائیبل کی صحت کا وہ حال ہے جو بحوالہ انسائکلوپیڈیا ببلیکا ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں اور دوسری تصانیف کو خود پادری صاحبان غیر مستند اور غیر صحیح قرار دیتے ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ انکے سوا سب غلط ع۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

پادری صاحبان کے نزدیک غیر مسلمہ تصانیف سے ذراسی مطابقت رکھنا بھی کسی کتاب کے غلط اور جھوٹ ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی مخالفت میں پادری صاحبان کچھ ایسے حواس باختہ ہیں کہ انہیں یا تو اپنے گھر کی خبر ہی نہیں یا محض تعصب سے تجاہل عارفانہ کرتے ہوئے اس امر کو نظر انداز کرتے ہیں کہ جن یہود و نصاریٰ کی روایات کو آج غیر مستند کتب کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ایک دن تھا کہ بقول جوئش انسائکلوپیڈیا وہی بعض حلقوں میں مقدس کتب بھی جاتی تھیں، جلد ۲ صفحہ ۲۔ مسیحی لوگ خوب جانتے ہیں کہ اگرچہ مسیحی مقتدایان مذہب نے بہت سی کتابوں کو زمانہ قدیم ہی میں غیر مستند قرار دیکر کتاب اقدس میں سے خارج کر دیا تھا تاہم اُن خارج شدہ کتب کے علاوہ ابتک بھی ایسی کتب موجود ہیں جو سالہا سال سے عیسائی دنیا کے ایک بڑے حصے میں مقدس کتب سمجھی جاتی ہیں۔ پادری صاحبان اس سے ناواقف نہیں کہ لاطینی اور یونانی بائبل میں سے بہت سی کتابوں کو پروٹسٹنٹوں نے نکالڈالا تھا مگر فرقہ کیتھولک نے کونسل اوف ٹرنٹ میں ان کتابوں کو برابر مستند اور مقدس قرار دیا وہ کتب حسب ذیل تھیں (۱) اول ایسدراس (۲) دوم ایسدراس

(۳) توبیت (۴) جوڈیتھ (۵) آستر کی کتاب کے باقی باب (۶) سلیمان کی حکمت (۷) سراک کے بیٹے یسوع کی حکمت (۸) باروک معہ یرمیاہ کے خط کے (۹) تین مقدس بچوں کا گیت (۱۰) سوسانہ کی تاریخ (۱۱) بعل اور اژدہا کی تباہی (۱۲) مناسز کی دعا (۱۳) اوّل میکابیس (۱۴) دوم میکابیس۔

یہ کتابیں سوائے نمبر ا و ۲ و ۱۲ کے تاحال فرقہ رومن کیتھولک کے نزدیک کلام خدا کا درجہ رکھتی ہیں۔ جس بائیبل پر انگلستان کے بادشاہ ابتک تخت نشینی کے وقت حلف اُٹھاتے ہیں اُس میں ایسی کتابیں موجود ہیں جن کو کلیسائی انگلستان غیر مستند قرار دیتا ہے ۔

اگر پادری صاحبان قرآن کریم کی صرف اس لیئے تکذیب کرتے ہیں کہ اُس کے بعض فقرات غیر مستند مسیحی کتب سے ملتے ہیں تو اُنہیں یہی فتوی نئے عہد نامے پر دینا پڑے گا کیونکہ عہد جدید کے مصنفین نے بھی ایسی ایسی کتابوں کا حوالہ دیا ہے جن کا پروٹسٹنٹ بائیبل میں تو کیا خود اصل یونانی بائیبل میں بھی نام نہیں وہ حوالجات یہ ہیں۔ (۱) "یرمیاہ نبی" متی باب ۲۷ ورس ۹ (۲) "خدا کی حکمت" لوقا باب ۱۱ ورس ۴۹ (۳) 'حنوک' یہوداہ ورس ۱۵-۱۶ (۴) 'موسیٰ کا آسمان پر جانا' یہوداہ ورس ۹ (۵) 'مکاشفات ایلیا' افسیوں باب ۵ ورس ۱۴ و قرنتیون باب ۲ ورس ۹ (۶) 'یسعیاہ کی شہادت' عبرانیوں باب ۱۱ ورس ۳۷ ۔

جائے تعجب ہے کہ مسیح کے پرستاروں کو اپنی آنکھ کا شہتیر تک نظر نہیں آتا ہے اور دوسرے کے تنکے پر اعتراض کر دیتے ہیں عہد جدید کے مصنف اِنہی غیر مستند کتابوں کا حوالہ دیں تو وہ قابل معافی مگر قرآن کی ذرا سی عبارت بھی اُنسے ملجائے تو قابل اعتراض اور لطف یہ ہے کہ خود مسیحیوں نے بحث مباحثہ کے وقت اُن کتابوں کے حوالجات دیئے ہیں جن کو اب غیر مستند سمجھ کر رد کیا جاتا ہے اور وہ پہلے یونانی بائیبل میں شامل تھیں ۔

معزز ناظرین مضمون ہٰذا میں ہم نے نہ صرف بائیبل کا اختلاف دکھایا ہے

بلکہ یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ جن کتابوں کے مجموعہ کا نام یسوعی منا د خداوند کا کلام رکھتے ہیں اور جس کو وہ قرآن کریم کے لیئے بطور معیار کے پیش کرتے ہیں وہ دراصل چند لوگوں کے خیالات اور سُنی سُنائی روایات کا مجموعہ ہے اور اس میں تضاد تناقض۔ توہمات۔ ہزلیات وغیرہ بکثرت بھرے ہوئے ہیں۔

اب اگر مسیحی واعظین انصاف کریں تو وہ اِس پُر اغلاط مجموعہ کتب یعنی بائیبل کو ہرگز خدا کا کلام نہ کہیں اور نہ اس کو بطور معیار کے پیش کریں بلکہ یہ سمجھیں کہ خدا کا کلام جو موسیٰ اور عیسیٰ پر نازل ہوا تھا وہ محرف و مبدل ہو گیا اور اس پر کہیں یہودی ربیوں کے حاشیے چڑھ گئے اور کہیں پولوسی جِلا ہو گئی ہے۔

مسیحی دوستو! ہمارا یہ مشورہ بے شک خیر خواہی اور نیک نیتی پر مبنی ہے مگر آپ ہی غور کریں کہ اگر عام دنیا کے انسان خواہ کیسے ہی لائق کیوں نہ ہوں موجودہ بائیبل کی بجائے کوئی اور انتخاب کریں تو اس میں بھی پہلے کی طرح غلطیوں کا امکان ہو گا کیونکہ خدا کا کلام تو اُس وقت اچھی طرح سے انسانی کلام سے جدا کیا جا سکتا ہے جب خدائے تعالیٰ خود ہی اپنے خاص الہام سے کسی کی دستگیری کرے پس مسیح کے بعد کسی ایسے بہت بڑے ملہم کی ضرورت تھی جو خدا کا کلام پھر دنیا کے سامنے اصل حالت میں پیش کرتا ایسے ملہم کے الہامات بے شک فرقان کہلائے جا سکتے اور تمام جھگڑوں کے لیئے وہی حَکَم قرار دیا جاتا تمہاری موجودہ بائیبل سے بھی گہن میں آئے ہوئے سورج کی طرح پیشگوئیوں کی شعاعیں نکلتی ہیں اور اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن مریم علیہ السلام کے بعد کوئی اور سچائی کی روح یا مُلہم من اللہ آنے والا تھا اور اُس کی بعثت کی بڑی غرض بھلا اس کے سوا کیا ہو سکتی تھی کہ حق کو باطل سے جدا کرتا اور اُس کے آتے ہی باطل غائب اور حق ظاہر ہو جاتا۔ اور خدا کا کلام ایکدفعہ پھر کلام اللہ کہلاتا۔

مشورہ دیکر خود راستہ نہ دکھانا شرط وفا نہیں اس لیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ ایسا اولوالعزم ملہم اور حَکَم آج سے تیرہ سو برس پہلے فاران کی چوٹی پر جلوہ گر

ہو چکا ہے اور جو شریعت اس کے ہاتھ میں رہ گئی تھی وہ فرقان یا قرآن کریم ہے۔ مگر آہ مسیح کے پیروؤں نے اس مقدس کتاب کی جانچ کے لئے جو معیار مقرر کیا وہ اپنی پہلی محرف بائیبل تھی۔ بھولے ہوئے لوگو! حق کی شناخت کے لئے باطل کو معیار مقرر کرنا عقل و دانش کا شیوہ نہیں مثل مشہور ہے آنکس کہ خود گم است کرا رہبری کند۔ اے جناب جس طرح مہر انور کو ضرورت نہیں کہ اپنے اظہار کے لئے پرند شب کا محتاج ہو اسی طرح خدائے تعالیٰ کا اصل اور خالص کلام اس بات کا محتاج نہیں کہ کوئی بگڑی ہوئی کتاب اُس کی صداقت کا معیار ہو ع نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی۔ یہ کہنا بھی خدا کے کلام کی ہتک ہے کہ چونکہ کلام اللہ کی فلاں بات محرف و مبدل بائیبل سے یا دیگر یہودی یا مسیحی کتب سے ملتی ہے لہٰذا یہ سچی ہے۔ ایسی ہتک اور خدا کے کلام کی ہتک ایماندار انسان ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ فرقان حمید اگر خدا کا کلام ہے تو اس کے لئے قطعاً قطعاً اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنی سچائی کے لئے کسی محرف مبدل کتاب کی شہادت کا محتاج ہو جس طرح خدا کے نبی سلامتی کے فرزند اور امن کے شہزادے ہوتے ہیں اُن کا وجود اُن کی صداقت کا خود ایک نشان ہوتا ہے اسی طرح خدا کا کلام ایک چمکتا ہوا سورج ہوتا ہے اور وہ اپنی شعاعوں سے اپنے وجود کا خود اظہار کرتا ہے پس قرآن کریم اپنی سچائی کا آپ شاہد ہے۔ اس مطہر کتاب نے ہزارہا عظیم الشان پیشگوئیاں دنیا کے سامنے پیش کیں اور وہ تمام لفظ بہ لفظ ایسی صفائی سے پوری ہوئیں کہ انکی قبل از وقت اشاعت اور پھر صفائی سے پورا اترنا ہی اس کتاب کو اُس عالم الغیب خدا کا کلام ثابت کرتا ہے جس نے موسیٰ و مسیح اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر پہلے زمانوں میں وحی نازل کی تھی۔ اُسی نے اسرائیل کے بھائیوں میں سے ایک شخص کو قدوسیوں کا سردار بنا کر اُس پر اپنا فضل کیا اور اُس پر اپنا کلام نازل کیا اس خالص وحی الٰہی میں کثرت سے غیب کی خبریں درج ہیں جن کی سچائی پر تاریخ عالم کے روشن صفحات شاہد اور گواہ ہیں۔ پس یہی ایک بے نظیر ثبوت اس امر کا ہے کہ قرآن کریم کی ہر ایک سورۃ منجانب اللہ اور الہام الٰہی ہے اسلئے دشمن

ثبوت کی موجودگی میں ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اس کے بیان کردہ واقعات کی تصدیق زید یا بکر کی کتاب سے کریں۔ جو بات ہمیں ثابت کرنا ہے وہ صرف یہ ہے کہ قرآن کریم خدائے تعالیٰ کا کلام ہے۔ اسی بارہ میں ہم نے رسالہ ہذا کے گذشتہ دو نمبروں میں بحث کی ہے۔ اور بائیبل کے مقرر کردہ معیاروں سے دکھا چکے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے سچے رسول اور آپ کی کتاب اللہ تعالیٰ کی سچی اور کامل وحی ہے۔ ہم نے لکھا تھا کہ مسیحی قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونیسے انکار نہیں کرسکتے کیونکہ انجیل کے معیار کے مطابق یہ اللہ کا کلام ٹھہرتا ہے یعنی یہ جو مسیحؑ نے انجیل میں کہا ہے کہ جھوٹا نبی اچھل درخت کی طرح کاٹا جاتا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے اگر نعوذ باللہ محمد رسول اللہ جیسا کامیاب نبی سچا نبی نہیں تھا تو پھر مسیح کا قول غلط ہے۔ نہ ہی یہودی قرآن کی صداقت سے منہ پھیر سکتے ہیں کیونکہ بحوالہ توریت ہم دکھا چکے ہیں۔ کہ جھوٹے نبی کو جو اپنی طرف سے ایک لفظ بھی جھوٹ بنا کر کہتا ہے خدا کے غضب کی آگ بھسم کر ڈالتی ہے۔ پس موسیٰؑ کے متبعین یا تو توریت کو جھوٹی کتاب کہیں یا محمد رسول اللہ جیسے منصور اور کامیاب نبی کو خدا کا مامور سمجھیں۔ ہم نے اس بات پر بھی زور دیا تھا کہ ہر ایک سمجھدار اور ذی فہم انسان جب ایک طرف قرآن کی زبردست پیشگوئیوں اور اُن کے پُرزور الفاظ اور پھر اُن کے پُورا اُترنے پر نظر ڈالے گا۔ اور دوسری طرف اُن حالات کو دیکھے گا جن کے ماتحت یہ پیشگوئیاں کی گئی تھیں تو ضرور عقل سلیم اُسے اس بات کے ماننے پر مجبور کرے گی کہ قرآن کریم خدائے تعالیٰ کی وحی ہے ؛

ہم یہ بھی دکھا چکے ہیں کہ جن واقعات کو قصے سمجھا جاتا ہے وہ دراصل پیشگوئیاں تھیں اور اُنکے پُورا ہونے سے قرآن کی صداقت اور اس کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جب قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات پیشگوئیاں ہیں اور پیشگوئیاں بھی ایسی جن کے پورا ہونے سے اس کتاب کی سچائی کا اظہار اور اس کا کلام اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ کہنا بیہودگی نہیں تو اور کیا ہے کہ قرآن کا فلاں فلاں قصہ غلط ہے

کیونکہ اس کا بائیبل سے تطابق نہیں۔ اور یہ بیہودگی اور زیادہ قابل مضحکہ بنتی ہے جب ہماری اس بات پر توجہ دیجائے کہ موجودہ بائیبل کسی صداقت کا معیار ہونیکے قابل ہی نہیں۔ مضمون ہذا میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ موجودہ بائیبل اور دوسری یہودی مسیحی روایات ہر دو قسم کی کتب میں سچ اور جھوٹ کی ملاوٹ ہے۔ مسیحیوں کا فرض ہے کہ پہلے کوئی معیار بتلائیں جس کی رو سے راستی اور ناراستی میں تمیز کیجا سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ فلاں امر صحیح اور فلاں غلط ہے۔ لیکن مسیحیوں سے ایسا ہونا ناممکن ہے کیونکہ بائیبل میں جھوٹ اور سچ اس طرح ملا ہوا ہے جس کا جدا کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ ہاں جیسا ہم ابھی کہہ چکے ہیں یہ بات صرف ایک طرح ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ کوئی نیا مُلہم پیدا کرے اور اُس کا کلام فرقان ہو کر سچ اور جھوٹ میں فرق کر دے۔ یہ نیا الہام قرآن پاک تھا۔ جس کے مسیحی لوگ منکر ہیں اور اس کی بیان کردہ باتوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ ایسے یسوعی پادریوں کا یہ دلیل پیش کرنا سراسر خلاف عقل ہے کہ چونکہ قرآن کا فلاں بیان بائیبل کے خلاف ہے لہٰذا غلط ہے۔

طالبان حق! سنو اور غور سے سنو! مسیحیوں کی موجودہ بائیبل ہرگز اس قابل نہیں کہ اسے کسی امر متنازعہ فیہ پر حَکَم بنایا جائے۔ صاحبو! آپ بائیبل کا خیال چھوڑ کر ہم سے قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونیکا ثبوت مانگیں۔ اور اس کی پیشگوئیوں پر نظر تدبّر ڈالیں جب اسکی پیشگوئیاں اپنے پورا اُترنے سے اسے عالم الغیب خدا کا کلام ثابت کریں تو پھر اس کے بیان کردہ واقعات خود صحیح اور درست ہیں۔ ہم مکرر کہتے ہیں کہ قرآن اپنا ثبوت آپ اور اپنی سچائی کا آپ شاہد ہے۔ کیا کوئی ہے جو ہمارے مقرر کردہ معیار پر غور کرے۔ جو شخص حق کا جوئندہ ہو کر قرآن کریم کی صداقت کیلئے قرآن پر غور کرے گا اور ہمارے پیش کردہ ثبوت یعنی صرف اس کی پیشگوئیوں پر ہی نظر عمیق ڈالیگا اُسے ہمارے ہم آہنگ ہو کر کہنا پڑیگا ؎

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا ✻ پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا ✻ ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا

یا الٰہی ترا فرقاں ہے کہ اِک عالم ہے ٭ جو ضروری تھا وہ سب اسمیں مہیا نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ ٭ وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دُکانیں دیکھیں ٭ مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا

دانیال نبی کی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیشین گوئی

اَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولٰى (سورہ طٰہٰ)

کیا اُن کے پاس پہلی کتابوں کی کُھلی شہادت نہیں پہنچی ٭

رسالہ ہٰذا کے کسی گذشتہ پرچہ میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ نبوکدنضر کے خواب میں جو پتّھر مذکور ہے اصل میں اس پتّھر سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک وجود مقصود ہے اور یہ کہ اس خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمثیلی رنگ میں پتّھر سے مماثلت دیگئی ہے چونکہ پتّھر کا کام ہے کہ جو کوئی اس کے مقابل ہو اُسے چکنا چور کر دیتا ہے پس خدائے تعالیٰ کا قدیم سے یہی منشاء معلوم ہوتا تھا کہ مکّہ میں مبعوث ہونے والے نبی کے تمام دشمن پامال اور مغلوب ہونگے اور وہ حسب وعدہ الٰہی کامیاب و منصور ہوگا۔ ہمارا منشاء ہے کہ مضمون ہٰذا میں محولہ بالا خواب پر مفصل بحث کریں اور یہ دکھلاویں کہ فی الواقعہ اس پتّھر سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک وجود ہے۔ اس غرض کے لیئے ہم ذیل میں شاہ نبوکدنضر کا خواب اور دانیال نبی کی تعبیر درج کرتے ہیں تاکہ اصل الفاظ پر نظر ڈالکر ہمارے ناظرین کو اُس کی تعبیر کے سمجھنے میں آسانی ہو وہ خواب

یہ ہے "تو نے اے بادشاہ نظر کی تھی اور دیکھ ایک بڑی مورت تھی وہ بڑی مورت جسکی رونق بے نہایت تھی تیرے سامنے کھڑی ہوئی اور اُس کی صورت ہیبت ناک تھی اس مورت کا سر خالص سونے کا تھا۔ اس کا سینہ اور اُس کے بازو چاندی کے اس کا شکم اور رانیں تانبے کی تھیں اُس کی ٹانگیں لوہے کی اور اُس کے پاؤں کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے تھے اور تو اسے دیکھتا رہا۔ یہانتک کہ ایک پتھر بغیر اسکے کہ کوئی ہاتھ سے کاٹے نکالے آپ سے نکلا جو اس شکل کے پاؤں پر جو لوہے اور مٹی کے تھے لگا اور اُنہیں ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ تب لوہا اور مٹی اور تانبا اور چاندی اور سونا ٹکڑے ٹکڑے کیئے گئے اور تابستانی کھلیہان کے بھوسے کی مانند ہوئے اور ہوا اُنہیں اُڑا لیگئی یہانتک کہ اُن کا پتا نہ ملا اور وہ پتھر جس نے اس مورت کو مارا ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین کو بھر دیا" دانیال باب ۲ ورس ۳۱-۳۵

مذکورہ بالا خواب کی تعبیر حضرت دانیال نبی نے اس طرح فرمائی "تو اے بادشاہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس لیئے کہ آسمان کے خدا نے تجھے ایک بادشاہت اور توانائی اور قوت اور شوکت بخشی ہے اور جہاں کہیں بنی آدم سکونت کرتے ہیں اس نے میدان کے چوپائے اور ہوا کے پرندے تیرے قابو میں کر دیئے اور تجھے اُن سبھوں کا حاکم کیا تو ہی وہ سونے کا سر ہے اور تیرے بعد ایک اور سلطنت برپا ہوگی جو تجھ سے چھوٹی ہوگی اور اُس کے بعد ایک اور سلطنت تانبے کی جو تمام زمین پر حکومت کریگی۔ اور چوتھی سلطنت لوہے کی مانند مضبوط ہوگی اور جس طرح کہ لوہا توڑ ڈالتا ہے اور سب چیزوں پر غالب ہوتا ہے ہاں لوہے کی طرح سے جو سب چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے اُس ہی طرح وہ ٹکڑے ٹکڑے کریگی اور کچل ڈالیگی اور جو کہ تو نے دیکھا کہ اُس کے پاؤں اور انگلیاں کچھ تو کمہار کی ماٹی کی اور کچھ لوہے کی تھیں سو وہ سلطنت منقسم ہوگی پر لوہے کی توانائی اس میں ہوگی اور جیسا کہ پاؤں کی انگلیاں کچھ لوہے کی اور کچھ ماٹی کی تھیں سو وہ سلطنت کچھ قوی اور کچھ ضعیف ہوگی اور جیسا تو نے دیکھا کہ لوہا گلاوے سے ملا ہوا ہے وے اپنے کو انسان کی نسل سے ملا دینگے لیکن جیسا لوہا مٹی سے

میل نہیں کھاتا تیساوے باہم میل نہ کھائیں۔گے اور ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہوویگی اور وہ سلطنت دوسری قوم کے قبضہ میں نہ پڑیگی وہ ان سب مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کریگی پہاڑ سے کاٹ نکالے آپ سے آپ نکلا اور اس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونیکو ٹکڑے ٹکڑے کیا خدائے تعالیٰ نے بادشاہ کو وہ کچھ دکھایا جو آگے کو ہونیوالا ہے اور یہ خواب یقینی اور اس کی تعبیر یقینی" دانی ایل باب ۲۔ ۴۵۔

اب اس خواب اور اس کی تعبیر سے صاف ظاہر ہے کہ سونے کا سر خود نبوکدنضر یعنی سلطنت بابل تھی۔ چاندی کا سینہ اور بازو سلطنت میدیا (فارس) تھی تانبے کا شکم رانوں سے سکندر اعظم کی سلطنت یونان مراد تھی جس کے بانی نے بگولہ کی طرح اٹھکر عرصہ قلیل میں اسوقت کی معلومہ دنیا کے ایک بڑے حصہ کو مغلوب مفتوح کرلیا اور اس بات پر آنسو بہائے کہ مزید فتوحات کے لیئے کوئی ملک باقی نہیں رہا۔ لوہے کی ٹانگوں سے رومیوں کی سلطنت مراد تھی جو کہ سخت اور زور آور تھے اور جنہوں نے قوموں کی قومیں پاؤں تلے روند ڈالیں۔ واضح ہو کہ اس خواب میں کل دنیا کے سلاطین یا سلطنتوں کے متعلق پیشگوئی نہیں بلکہ صرف اُن سلطنتوں کا ذکر ہے جن کا نبوکدنضر سے تعلق تھا یعنی جن کے قبضہ میں سلطنت بابل یکے بعد دیگرے آنیوالی تھی۔ یہ کوئی پوشیدہ امر نہیں کہ نبوکدنضر فاتح یروشلم کی سلطنت کو ایرانیوں نے فتح کرلیا تھا۔ پھر ایرانیوں کو یونانیوں نے مغلوب کیا تھا۔ بعد ازاں سکندر اعظم کے مفتوحہ ممالک پر رومیوں کا قبضہ ہوگیا غرض ہر سلطنت نے یکے بعد دیگرے فاتح یروشلم کے مقبوضات پر اپنا تسلّط جمایا۔

یہانتک جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے تو مسیحی صاحبان کو کلی اتفاق ہے لیکن جب اس خواب کے آخری حصے یعنی اس شکل کو توڑنے والے پتھر کا ذکر آتا ہے تو ہمارے مسیحی دوست محو حیرت ہو کر دائیں بائیں دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ گویا اس آپ سے نکلنے والے پتھر کا نام سنتے ہی اُن کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے مسیحی مفسرین نے اس مورت کے سر۔

اور نیست کریگی اور وہی تا ابد قائم رہیگی اور جیسا تو نے دیکھا کہ وہ پتھر بغیر اسکے کہ کوئی ہاتھ سے اسکو

سینہ و بازو۔ شکم درانوں اور ٹانگوں کا بالاتفاق وہی مطلب سمجھا ہے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں مگر اس شکل کے پاؤں کی انگلیوں اور اس ہیبت ناک مورت کے پاؤں پر گرنے والے پتھر کے متعلق اُن میں اس قدر اختلاف آرائے ہے کہ یہاں پہنچکر کسی دو کا باہمی اتفاق نہیں۔

معزز ناظرین! شاید آپ کو خیال آئے کہ جب اسقدر علماء کو اس عبارت کا صاف مطلب سمجھ میں نہیں آیا اور جب اُنکے خیالات ایک دوسرے کے متضاد ہیں تو ضرور یہ مقام بہت مشکل اور لاینحل ہے مگر ہم بتائے دیتے ہیں کہ یہ بات نہیں بلکہ معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ بات تو بالکل صاف اور بیّن تھی اور دانیال نبی کی تعبیر کا آخری حصہ بھی ایسا ہی واضح تھا جیسا کہ پہلا حصہ مگر رکاوٹ یہ ہوئی کہ چونکہ مسیحی پادری ہر بات کو اپنے خداوند پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں اس لیئے وہ اس کوشش میں رہے ہیں کہ کسی طرح دانی ایل کی کتاب کے اس مقام کو حضرت مسیح ناصری کے متعلق پیشگوئی ثابت کردیں۔ پس اُن کی اس کوشش نے پیشگوئی مذکور کے آخری حصہ کو اُنکے لیئے ایک معمہ اور چیستان بنا رکھا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام خواب اور تعبیر میں جن سلطنتوں کی طرف اشارہ ہے وہ ظاہر ہے کہ زمین کی حکومتیں ہیں نہ کہ صرف آسمانی اور روحانی۔ جس سلطنت کا یسوع نے وعدہ دیا تھا وہ "آسمان میں" ہونے والی تھی نہ کہ "آسمان کے نیچے"۔ چنانچہ یسوع مسیح نئے عہد نامہ میں کہتے ہیں کہ "میری سلطنت اس دنیا کی سلطنت نہیں"۔ جائے حیرت ہے کہ ایک طرف تو نبوکد نضر کے خواب اور حضرت دانیال کی تعبیر میں ایسی سلطنت کا ذکر نہیں جو صرف آسمان سے تعلق رکھتی ہو بلکہ صریحًا اسی دنیا کی حکومتوں کا ذکر ہے اور دوسری طرف خود یسوع مسیح اپنی سلطنت کو آسمانی سلطنت بتاتے ہیں پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ یسوع کے نام لیوا لوگ کیوں عقل سے دشمنی کرتے اور ایسی بات پیش کرنیکی سعی کرتے ہیں جس کی اصلیت ہی نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ یہودی لوگ بڑی شدو مد سے ایک مسیح موعود کے منتظر تھے جس کی نسبت اُن کا یقین تھا کہ

وہ آکر اُن کا بادشاہ ہوگا اور اُن کو رومیوں کے قبضہ سے نکالدے گا اور اُنکے لیئے زمین پر ایک سلطنت قائم کریگا۔ یہود کے اس خیال سے خود یسوع مسیح بھی متاثر ہوئے اور اُنکو بھی ایک زمینی سلطنت قایم کرنیکا خیال پیدا ہوا جس کے لیئے اُنہوں نے ایک موقعہ پر اپنے حواریوں کو حکم دیا کہ اپنے کپڑے بیچکر تلواریں خرید کرلیں مگر آخر اُنکو اپنی اس غلطی کا پتہ لگ گیا اور وہ سمجھ گئے کہ ایسی امید کرنا بے سود ہے۔ گو حضرت یسوع مسیحؑ کو اپنی غلطی کا علم ہوا اور اُنہوں نے اس خلاف امید امید کو ترک کر دیا لیکن اُن کے شاگرد آخری دم تک برابر اس خیال پر قائم رہے حتیٰ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا یہ حالت دیکھکر آپکے شاگردوں کی امیدوں پر پانی پھر گیا اُن کا ایمان متزلزل ہوا اور اُن میں سے بعض نے اپنے تئیں دھوکہ خوردہ سمجھ لیا چنانچہ ان میں سے دو نے واقعہ صلیب کے تیسرے دن بعد بھیس بدلے ہوئے اجنبی سے جو دراصل خود حضرت مسیح علیہ السلام تھے اماؤس کے راستہ پر یہ الفاظ کہے "پر ہم امید رکھتے تھے کہ یہی اسرائیل کو مخلصی دینے کو تھا"

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع کے حواری امید رکھتے تھے کہ اُن کا اُستاد ایک دن اسرائیل کا بادشاہ ہوگا اور اُنکو رومیوں کی حکومت سے آزاد کریگا۔ اور وہ خود اپنی سلطنت قائم کرے گا۔ آہ۔ غریب حواریوں کی امیدیں خاک میں ملگئیں اور حضرت یسوع مسیح کے آخری ایام میں جو واقعات پیش آئے اُن سے نہ صرف وہ مایوس ہی ہوئے بلکہ بعض کا ایمان بھی متزلزل ہوگیا۔ اور وہ خیال کرنے لگے کہ اُنہوں نے مریم کے بیٹے کو مسیح موعود ماننے میں جلد بازی سے کام لیا۔

الغرض حضرت مسیح ناصری کوئی حکومت قائم نہیں کرسکے پس ایسی حالت میں اس پیشگوئی کو۔ جس میں صریحاً ظاہری سلطنت کا ذکر ہے۔ ان کی طرف منسوب کرنا سراسر غلطی ہے۔ جو شخص اس خواب کے آخری حصہ سے حضرت مسیح ع

کی بعثت مراد لیتا ہے ہم اُس سے پوچھتے ہیں کہ مسیح کی آمد سے قبل لوہے کی ٹانگوں یعنی رومیوں کا زوال ہونا چاہیئے تھا مگر برعکس ازیں مسیح کی پیدائش (جیسا کہ لوقا کی انجیل سے ظاہر ہوتا ہے) قیصر آگسٹس کے عہد حکومت میں ہوئی جو کہ رومیوں کا پہلا قیصر تھا گویا حضرت مسیح ایسے وقت دنیا میں آئے تھے جبکہ اہل روم قواعد دان فوجوں قابل جرنیلوں اور بے شمار دولت سمیت دنیا کے مالک تھے اور اُنکی طاقت دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی تھی۔ رومیوں کی سلطنت کا زوال حضرت مسیح کے کئی سال بعد شروع ہوا یعنی اس کا آغاز آجسے کوئی پندرہ سو سال قبل ہوا۔ اور جس پتھر نے اس شکل کے پاؤں اور انگلیوں پر گرنا تھا وہ رومیوں کی سلطنت کے زوال سے پہلے وجود میں نہیں آسکتا تھا پس یسوع مسیح جن کی بعثت کے زمانہ میں اہل روم ملک کنعان اور دنیا کے مالک تھے ہرگز ہرگز وہ موعود پتھر قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ چونکہ ایک جھوٹ کو نبھانے کیلئے بہت سے جھوٹ بنانے پڑتے ہیں اس لئے نبوکدنضر کے خواب کو مسیح پر چسپاں کرنیکے لئے ہمارے عیسائی دوستوں کو عجیب عجیب حیلوں سے کام لینا پڑا ہے اور اس کھینچ تان میں انہیں چند در چند مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جن میں سے ایک تو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اب دوسری ادر ملاحظہ ہو۔ ہم ابھی ابھی کہہ چکے ہیں کہ خواب مذکور کی عبارت سے ظاہری سلطنتیں ظاہر ہوتی ہیں نہ کہ کوئی خیالی آسمانی سلطنت جیسا کہ مسیحی صاحبان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ شاہ نبوکدنضر اپنے بستر پر بیٹھے لیٹے سلطنت بابل کی آئندہ حالت پر غور کر رہا تھا اور اس رویا میں اس کی سلطنت کے آئندہ انجام کا اظہار کیا گیا تھا۔ ایک زمینی سلطنت کے بعد دوسری زمینی سلطنت برپا ہونیوالی تھی یعنی جس طرح سلطنت بابل کی جگہ سلطنت ایرانی نے لی تھی اسی طرح ایرانیوں کی حکومت پر یونانیوں کا قبضہ ہونا تھا اور ازاں بعد سلطنت یونان کی جگہ رومیوں کی حکومت برپا ہونی تھی اسی طرح ان چاروں سلطنتوں کے بعد ایک پانچویں سلطنت قائم ہونی تھی اور سلطنت روم کی تباہی کسی خیالی آسمانی سلطنت کے ہاتھوں مقدر

نہ تھی بلکہ اسی پانچویں ظاہری سلطنت کے سامنے رومیوں کو سرنگون ہونا تھا۔ اور جس وسیع
سلطنت کی آیندہ قسمت پر شاہ نبوکدنضر اپنے خیالات کا اُتار چڑھاؤ کر رہا تھا آخر وہ ملک اس
پانچویں سلطنت کے زیرنگین ہونا تھا۔ اور رؤیا کے رو سے یہ پانچویں سلطنت ہی اس سلسلہ
کی آخری حکومت ہونیوالی تھی اسکی تباہی کسی انسانی سلطنت کے ہاتھوں مقدر نہ تھی بلکہ نبوکدنضر
فاتح یروشلم کے مقبوضات پر اس سلطنت کو ہمیشہ کے لیئے قابض و حاکم رہنا تھا۔ اب ہم
مسیحی صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ آیا کبھی تمھارے خداوند نے بھی کسی ایسی سلطنت
کی بنیاد رکھی تھی؟ کیا اُس نے چوتھی سلطنت کو تباہ کرکے اُس کی جگہ کوئی نئی حکومت برپا
کی تھی؟ ان سوالوں کا جواب سوائے نہیں کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ بیچارے یہودی
امید رکھتے تھے کہ اسرائیل کا بادشاہ آئیگا اور آکر انکو رومیوں کی سلطنت سے آزاد کریگا
مگر جسے اسرائیل کا بادشاہ کہا جاتا ہے افسوس اس کی ذات سے اُن کی کوئی امید پوری
نہ ہوئی۔ مسیح کے بعض حواری بھی یہی اُمید رکھتے تھے کہ اُن کا اُستاد اسرائیل کا
بادشاہ بنکر اُن کو رومیوں کی سخت حکومت سے آزاد کرے گا لیکن انکی امیدیں خاک
میں مل گئیں جب اُنہوں نے دیکھا کہ اسرائیل کا بادشاہ خود اسرائیلیوں کے ہاتھ سے
صلیب پر کھچا گیا۔ مسیحی لوگ کہتے ہیں کہ اگر یسوع مسیح نے کوئی زمینی سلطنت قائم نہیں
کی تاہم وہ آسمانی سلطنت قائم کر گئے ہیں جسے زمینی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ ہم اس کے
جواب میں کہیں گے کہ ہمیں زیر بحث مضمون میں کسی ایسی سلطنت سے سروکار نہیں
جسے زمینی آنکھ نہ دیکھ سکے بلکہ دانیال کی کتاب سے تو بداہت یہ ثابت ہوتا ہے کہ پانچویں
سلطنت کا زوال مقدر نہ تھا۔ بعض مسیحیوں کا خیال ہے کہ رومیوں کی سلطنت کا رفتہ رفتہ
دین مسیحی اختیار کرنا گویا اُس سلطنت کا مغلوب اور زوال پذیر ہونا تھا لیکن ایک سلطنت
میں کسی خاص مذہب کا ترقی پکڑ جانا ہرگز ہرگز اُس سلطنت کی تباہی و بربادی سے تعبیر
نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں نبوکدنضر کے خواب کی تعبیر کرتے وقت اس خاص ملک کا
ضرور لحاظ رہنا چاہیئے جو کہ فاتح یروشلم کے زیرنگین تھا۔ اگر اس رؤیا کے اصل منشا کا
خیال رکھا جائے تو سلطنت بابل کے علاوہ اور ممالک کا مضمون زیر بحث سے کوئی

تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ جو ملک شاہ نبوکدنضر کی سلطنت کا جزو تھا صرف اُس کا اس خواب سے تعلق ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے ملکوں کا بیچ میں لانا غیر ضروری اور اصل رؤیا کے خلاف منشاء ہے۔ دنیا میں صرف نبوکدنضر ہی ایک بادشاہ نہیں ہوا نہ ہی سلطنت بابل کے علاوہ اور سلطنتوں کا وجود مفقود رہا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ نبوکدنضر کے خواب میں صرف وہی سلطنتیں دکھائی گئی ہیں جن کا تعلق شاہ بابل کی سلطنت سے آئندہ ہونیوالا تھا یا یوں کہو کہ اس خواب میں کوئی دنیا بھر کے ملکوں یا دنیا بھر کے سلاطین کا ذکر نہیں بلکہ صاف بات یہ تھی کہ ایک بادشاہ کو اپنی سلطنت کے آئندہ انجام کی فکر ہوئی اُس فکر میں اُسے نیند آگئی اور خداوند خدا نے اُسپر کھولدیا کہ آئندہ فلاں فلاں قومیں تیری سلطنت کی وارث ہونگی۔ اس رؤیا کو بائیبل میں اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ خود دانیال نبی کو بھی ایسا ہی خواب ہوا جس کا ذکر دانی ایل باب ۷ میں ہے جسپر تھوڑی غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبوکدنضر کے خواب کو ہی ذرا وسعت کے ساتھ دوبارہ بیان فرما دیا گیا ہے۔ اس تکرار سے پتہ چلتا ہے کہ خداوند بھی اس رؤیا کو اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ورنہ ایک بات کو دو دفعہ لانے سے کیا فائدہ تھا؟ آخر پھر اس میں راز کیا ہے کہ نبوکدنضر کا خواب دوبارہ حضرت دانیال کو بھی دکھایا گیا؟ اگر خواب کا تعلق صرف شہر بابل سے ہوتا تو اس شہر کے آئندہ انجام کو اس قدر اہمیت دینے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ البتہ اس اہمیت کی مستحق .... سلطنت بابل ہو سکتی تھی کیونکہ اس میں وہ شہر بھی شامل تھا جس کے باعث نبوکدنضر فاتح یروشلم کہلایا پس اس رؤیا کی اہمیت کا باعث یروشلم کا مقدس شہر یعنی بیت المقدس ہے اور اس رؤیا میں ایرانی۔ یونانی اور رومی سلطنتوں کا جو ذکر آیا ہے اُس کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہ اقوام یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام کے قدیم شہر بیت المقدس پر قابض ہونیوالے تھے۔ لہٰذا اس رؤیا کی تفسیر کرتے وقت جو شخص ارض مقدس کے مقدس شہر یعنی بیت المقدس یا یروشلم کا اس خواب سے کوئی تعلق نہیں رکھتا وہ خواب کے منشاء کو نہیں سمجھتا ہے۔ اب اگر

مسیحی تفاسیر کو اس معیار پر پرکھا جائے تو اُن کو صحت سے معرّا پایا جاتا ہے۔ مسیحی صاحبان
کہتے ہیں کہ آپ سے نکلنے والے پتھر سے دین مسیحی کی اشاعت اور چکنا چور کر دینے
رومیوں کی سلطنت کا مسیحی مذہب اختیار کر لینا مراد تھا۔ ہم اُنکی اس بات کو تھوڑی
دیر کے لئے تسلیم کرتے اور اس کی صحت و عدم صحت کی جانچ کے لئے اسے معیار
بالا پر پرکھتے ہیں بے شک یروشلم کے باشندوں نے ایک وقت عیسائی مذہب
اختیار کیا تھا لیکن کیا مسیحی مذہب کا قبضہ یروشلم یا ارض مقدس پر مستقل طور سے
بھی رہا؟ تاریخ کے صفحات پر جلی قلم سے لکھا ہوا ہے کہ جب نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم
کے جانشینوں کی افواج ظفر امواج نے ارض مقدس کے موعودہ باغ کو فتح کیا
تو آپ کے مقدس مذہب نے بھی رعیت کے مذہب کو مغلوب کر لیا اور جو ملک کبھی مسیحی تھا
وہ مسلمان ہو گیا اور ابتک الحمد للہ مسلمان ہے اگر اس ملک کے مذہب عیسوی اختیار
کرنے سے یہ رؤیا پوری ہوئی تھی تو پھر دین عیسوی کی سلطنت وہاں تا ابد قائم رہنی
چاہیئے تھی کیونکہ پیشگوئی کے الفاظ یہ تھے "اور وہی (سلطنت) تا ابد قائم رہے گی"
ہم نے مانا کہ روما پر عیسائیت کا پھریرا لہرا رہا ہے ہم نے تسلیم کیا کہ نہ صرف تمام
یورپ اور دونوں امریکہ دین مسیحی کے پیرو ہیں بلکہ اور بھی کئی ایک ایسے ممالک
ہیں جہاں مسیحیت کا زور ہے مگر اس سے نبوکدنضر کے خواب اور دانیال کی تعبیر کو
کیا تعلق اور مضمون زیر بحث سے اسے کیا واسطہ بات جب بنتی کہ نبوکدنضر کی
سلطنت پر یا یوں کہو کہ ارض مقدس پر جہاں بیت المقدس واقع ہے دین مسیحی کا
قبضہ ہوتا اور انبیاء علیہم السلام کا مولد مسیح کے پیرووں کی ملکیت ہوتا! یہاں تو
معاملہ ہی برعکس ہوا ہے یعنی اگر دین مسیحی کا دخل ایک وقت ارض مقدس پر ہوا
بھی تو جھٹ اُس کی جگہ ایسے مذہب نے آ لی جو عیسائی نکتہ خیال سے نعوذ باللہ کفار
کا مذہب ہے اگر فلسطین کسی وقت مسیحی مذہب کا پیرو تھا یا مسیحی اصطلاح میں یوں
کہہ لیں کہ کسی وقت وہاں مسیح کا راج تھا تو اب ظاہری و باطنی دونوں طور سے ملک
فلسطین پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راج ہے۔ یعنی وہاں کا زمینی بادشاہ اب بھی محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ چاکر ہے اور وہاں کے باشندے جن کے دلوں پر کسی وقت حضرت مسیحؑ کی حکومت تھی اب بہ طیب خاطر نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوش غلام ہیں۔ بعض عیسائیوں نے کوشش کی ہے کہ رؤیا مذکور کو پوپ کی طرف منسوب کر کے اُس کا پورا ہونا ثابت کر دیں لیکن یاد رہے کہ مسیح کے راج کی طرح پوپ کی حکومت بھی ارض مقدس میں نہ کبھی ہوئی اور نہ اب ہے اور نہ انشاء اللہ ہو گی۔ جب پوپ کی حکومت کے جوئے سے خود اہل یورپ اپنی گردنیں ہٹا رہے ہیں اور جسے حال ہی میں پرتگال جیسے چھوٹے سے ملک نے سخت نیچا دکھایا ہے۔ اُس کی نسبت ارض مقدس پر حکمران ہونے کا گمان بھی باطل گمان ہے۔

اس پیشگوئی میں ظاہر کیا گیا ہے کہ "آپ سے نکلنے والا پتھر اس شکل کے پاؤں پر لگا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کیا" اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ پتھر چوتھی سلطنت کو "نیست" کرنے والا تھا نہ کہ رفتہ رفتہ دین مسیحی میں داخل کرنے والا۔ اب اس سے خود بخود اس خیال کا ابطال ہو جاتا ہے کہ چوتھی سلطنت کو نیست کرنے کے لئے مسیح کی کوئی "پوشیدہ سلطنت" قائم کی گئی تھی یا یہ کہ کلیسائے روم نے اس پیشگوئی کو پورا کیا تھا۔

کسی نے خوب کہا ہے ع خدا پنج انگشت یکسان نکرد یعنی ہاتھ کی پانچوں انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں ایسا ہی عیسائی بھی سب کے سب یکساں نہیں بعض ایسے بھی ہیں جن کے قلوب پر سچائی کا کچھ نہ کچھ اثر پڑ ہی جاتا ہے ایسے لوگوں کی رائے ہے کہ اس مشہور رؤیا کا آخری حصہ نہ تو رومیوں کی سلطنت کے مسیحی دین میں آنے سے پورا ہوا ہے نہ ہی پوپ کی حکومت اسے پورا کر سکی ہے وہ تسلیم کرتے ہیں کہ پتھر کے شکل کے پاؤں پر گرنے سے مسیح کی آمد اول مراد نہیں لی جا سکتی کیونکہ چوتھی سلطنت میں ابھی طوائف الملوکی نہیں شروع ہوئی تھی لہٰذا پاؤں میں کوئی انگلیاں نہیں تھیں۔ ان لوگوں کے نزدیک ابھی تک یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی نہ ہی چوتھی سلطنت تباہ ہوئی ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ اسکا ظہور

مستقبل بعیدہ میں مسیح کی آمد ثانی کے وقت ہوگا چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "عیسائیوں کا کام نیست و نابود کرنا نہیں۔ کیونکہ انکو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ہر ایک حکومت کی اطاعت کریں پس یہ کام خود مسیح اپنی آمد ثانی کے وقت کریں گے۔ اِس وقت مسیح کی سلطنت زمینی سلطنت نہیں دُان کی آمد ثانی پر انکی حکومت زمینی حکومت ہوگی۔ حضرت دانیال کی پیشگوئی زمینی حکومتوں کے متعلق ہے اس لیئے وہ عیسائیت کا اُسوقت تک ذکر نہیں فرماتے جبتک کہ عیسائیت ایک عالمگیر زمینی سلطنت نہیں ہو لیتی یعنی جبتک مسیح کی آمد ثانی نہیں ہو لیتی۔ خدا کی سلطنت آنکھوں سے اُس وقت تک پوشیدہ ہے جبتک کہ مسیح دوبارہ دنیا میں نہیں آتے۔ روم زمینی سلطنت تھی جبکہ وہ حالت کفر میں تھی گو اب مسیحی دین میں آچکی ہے تاہم اب بھی زمینی ہی ہے نئے عہدنامہ کی رو سے موجودہ زمانہ کفر و الحاد کا زمانہ ہے جس سے ہم مسیح کو چھوڑنے کے بغیر محبت نہیں کر سکتے۔"

ہمارے ناظرین! مذکورہ بالا حوالہ سے مضمون زیر بحث کا جسقدر تعلق مسیح کی آمد اول سے ہے وہ تو صاف حل ہو جاتا ہے۔ اور یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ مورت کے پاؤں پر گرنیوالا پتھر مسیح نہیں تھا اور نہ ہی مسیح کی آمد اول سے یہ پیشگوئی پوری ہوئی یا بالفاظ دیگر یُوں کہا جائے کہ جب مسیح کا زمین پر ظہور ہوا اُسوقت وہ موعود پتھر نہیں تھا۔ جب یسوع مسیح خود موعودہ پتھر نہ تھے تو اُن کے اس قول کے کچھ اور معنے ہونگے وہ فرماتے ہیں "جو اس پتھر پر گرے گا چُور ہو جائیگا پر جس پر وہ گرے اُسے پیس ڈالیگا" متی ۲۱ باب ۴۴۔ یہ مسلم امر ہے کہ متی نے جس پتھر کا ذکر کیا ہے وہ نبوکدنصر کے خواب کا پتھر ہے۔ پس اگر یسوع مسیح نے چوتھی سلطنت کو نیست و نابود نہیں کیا تو انکا نام "پتھر" نہیں رکھا جا سکتا۔ کیونکہ موعودہ پتھر کا کام چوتھی سلطنت کو تباہ کرنا تھا جب انہوں نے مورت کو ہی نہیں توڑا تو اُن کا نام "پتھر" رکھنا سراسر غلطی ہے۔ جس موعودہ پتھر کا ذکر یسوع مسیح کرتے ہیں اُس کی آمد ایسے وقت ہونی چاہیئے تھی جب خداوند کی بادشاہت یہودیوں کے گھر سے نکلکر ایک اور قوم کے پاس چلی جاتی ٭ یہ بدیہی امر ہے کہ خداوند کی بادشاہت کو

٭ دیکھو متی باب ۲۱ درس ۴۳ و ۴۴

دوسری قوم کے ہاں تبدیل ہوئے ایک عرصہ گذر چکا ہے لہٰذا وہ موعودہ پتھر بھی ضرور آچکا ہے۔ چونکہ یسوع مسیح نے رومیوں کی سلطنت کو نیست نہیں کیا لہٰذا وہ موعودہ پتھر نہیں ٹھہرائے جا سکتے جب وہ موعودہ پتھر نہیں تو اس پتھر کی کسی اور جگہ تلاش کرنی چاہیئے۔

یہ اُمید رکھنا خام خیالی اور دھوکہ ہے کہ مسیح دوبارہ آکر اُس سلطنت کو نیست کریں گے جو رومیوں کی سلطنت پر حکمران ہے مسیحی دنیا یسوع مسیح کی آمد ثانی کا بے سود انتظار اُس وقت سے ہی کر رہی ہے جب سے اُن کا خیالی صعود ہوا ہے مسیحیوں کی تاریخ میں کوئی ایسا وقت نہیں گذرا جب یسوع مسیح کے پیرو اپنے خداوند کے نزول کے منتظر نہ رہے ہوں خداوند کے بادلوں میں سے اُتر آنے کی مختلف تاریخیں مقرر کی جا چکی ہیں مگر افسوس کہ ہمارے مسیحی دوستوں کی امیدیں نہ تو ابتک پوری ہوئی ہیں اور نہ آئندہ اُنکے پورا ہونیکی کوئی امید دکھائی پڑتی ہے اس کی وجہ صریحًا یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے دائیں ہاتھ پر ہرگز ہرگز نہیں بیٹھے جیسا کہ مسیحی لوگوں کا خیال ہے بلکہ دوسرے فانی انسانوں کی طرح ملک کشمیر محلہ خان یار شہر سری نگر میں زیر خاک سو رہے ہیں۔ بنی اسرائیل کی چند ایک قومیں جو بخت نصر کے ہاتھ سے بچ گئی تھیں اور جو ابھی تک ملک کنعان میں سکونت پذیر تھیں اُنکو آسمانی بادشاہت کی بشارت دیکر یسوع مسیح نے ایک سچّے گلہ بان کی طرح گم شدہ بھیڑوں یعنی اسرائیل کی دوسری قوموں کی تلاش شروع کی اور آخر اُنکو افغانستان و کشمیر میں آباد پا کر اُنکی روحانی رہنمائی کی جس طرح کنعانی اسرائیلیوں کے درمیان عمر کا ایک حصہ گذارا تھا اسی طرح صلیب کی لعنتی موت سے نجات پا کر آپ نے اپنی اور بھیڑوں کا خیال فرمایا اور اُن کے پاس آکر اُنکے درمیان سکونت اختیار کی آخر وہیں اُنکا وصال بھی ہوا۔ آپ کا مقبرہ ابتک عیسیٰ صاحب کے مقبرہ کے نام سے مشہور ہے بھلا جس شخص کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے ۱۹۰۰ برس گذر گئے ہوں وہ کیونکر اس عالم سفلی میں دوبارہ آکر سلطنتیں قائم کر سکتا ہے۔ عیسائی دوستو! اگر مسیح زندہ ہوتے تو اب تک ضرور آ لئے ہوتے وہ دوسرے عالم یعنی عالم اسرار میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو چکے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ کے پرہیزگار مسیحیوں کو گو اپنے خداوند کی

آمد ثانی کا سخت انتظار کرنا پڑا - مگر یہ انتظار بے ثمر رہا اور منتظر لوگ اپنی امیدوں کو سینوں کے صندوق میں محفوظ رکھکر کمال مایوسی سے اس عالم سے سدھار گئے - اس امید و یاس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے عیسائیوں نے مسیح ناصری کی دوبارہ آمد کا انتظار ترک کر دیا ہے اور جو باقی ابھی تک برابر امیدوں میں لگے ہوئے ہیں اُنکی امیدیں بر آنا ناممکن و محال ہے ؎ ایں خیال است و محال است و جنوں ۔ آنیوالا آ چکا ہے اور کسی دوسرے کی انتظار اب بے فائدہ ہے -

یہ صحیح ہے کہ یسوع مسیح نے اپنی آمد ثانی کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی لیکن اس کے یہ معنے کرنا کہ خود مسیح دوبارہ دنیا میں آئیں گے سخت غلطی ہے - جو لوگ ایکدفعہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں وہ ہرگز واپس نہیں آتے ابتدائے آفرینش سے یہی سُنّت الٰہی رہی ہے - پھر اس پیشگوئی کے کیا معنے ہیں؟ اس کے جواب میں ہم بلا تامل کہیں گے کہ مسیح نے خود اس کے معنے کر دیئے ہیں جب آپ سے پوچھا گیا کہ مسیح سے پہلے الیاس کا آنا ضروری تھا تو آپ نے فرمایا کہ الیاس موعود یوحنا بپتسمادینے والا تھا - اب بعینہ یہی معنے مسیح کی اپنی آمد ثانی کے کیئے جانے چاہئیں یسوع مسیح کا قول عیسائیوں کے لیئے حجت اور معیار ہے پس جس طرح الیاس کی آمد ثانی سے خود مسیح نے الیاس کا مثیل یعنی یوحنا بپتسمادینے والا مراد لیا ہے اسی طرح مسیح کی آمد ثانی سے بھی مسیح کا کوئی مثیل ہی مراد لینا چاہیئے - اگر بفرض محال یہ بھی مان لیا جائے کہ خود مسیح ناصری ہی واپس تشریف لائینگے تو اس سے یہ کہاں ظاہر ہوتا ہے کہ پتھر والی پیشگوئی آپکی آمد ثانی کے متعلق تھی - یسوع مسیح نے کسی جگہ بھی نہیں فرمایا کہ پہلی آمد کے وقت اُنکی آسمانی سلطنت ہے مگر دوسری آمد کے وقت زمینی سلطنت ہوگی - لہٰذا یہ کیا ایک مضحکہ خیز بات ہے کہ جب مسیح دوبارہ آئیں گے تو اُنکی سلطنت زمینی ہوگی اور وہ ایک طاقتور زمینی بادشاہ کی طرح ظہور پذیر ہو کر حکمران سلطنت سے آمادہ پیکار ہونگے - ہم نہیں جانتے کہ ہمارے مسیحی دوست کب تک ریت پر مکان بناتے جائیں گے اور کب تک غیر مدلل امور پیش کر کے دنیا کو ہنسی کا موقعہ دیتے جائیں گے جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ پتھر والی پیشگوئی سے مسیح کی آمد ثانی مراد ہے اُنکو غور کرنا چاہیئے

کہ اُن کے اپنے ہی بعض عیسائی اب حضرت مسیح کی آمد ثانی والی پیشگوئی کو پورا ہوا ہوا سمجھتے ہیں اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ آج دنیا کے ہر حصہ میں مسیحی مناد خداوند یسوع کے نام کو پورے زور اور خلوص سے پھیلا رہے ہیں پس یہی مسیح کی آمد ثانی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسیح کی روح اب ہمارے درمیان موجود اور مسیحی کلیسیا کی رہبری و رہنمائی کر رہی ہے۔ اور یہی یسوع مسیح کی آمد ثانی کا مفہوم تھا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی صاف ایسی پیشگوئی تھی جس سے ظاہر ہوتا کہ یسوع مسیح اپنی آمد ثانی پر ایک زمینی عالمگیر سلطنت قائم کریگی تو پھر یہ لوگ کیوں مسیح کی آمد ثانی والی پیشگوئی کو پورا ہوا ہوا سمجھتے ہیں۔

جن لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیح موعود کے نزول پر پتھر والی پیشگوئی پوری ہوگی اُنکو یاد رکھنا چاہیئے کہ موعودہ پتھر نے پہاڑ ہونے سے قبل چوتھی سلطنت کو نیست کرنا تھا نہ کہ نیست کرنے سے قبل پہاڑ بنکر آنا تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح موعود پورے جلال سے عالمگیر سلطنت لیکر آئیگا بھلا اس عالمگیر سلطنت کا چھوٹے پتھر سے کیونکر مقابلہ ہوسکتا ہے؟ اس سلطنت کو تو پہلے چھوٹی اور پھر رفتہ رفتہ وسیع ہونا چاہیئے تھا کیونکہ پتھر نے رفتہ رفتہ پہاڑ بننا تھا نہ کہ پہلے ہی پہاڑ یعنی عالمگیر سلطنت لے کر آنا تھا۔ یہاں پر اگر کوئی یہ کہدے کہ مسیح کی سلطنت بھی رفتہ رفتہ عالمگیر ہوگی اُسے یاد رکھنا چاہیئے کہ خداوند کا پورے جلال کے ساتھ بادل پر سوار آسمان سے اُترنا لکھا گیا ہے نہ کہ پہلے گمنام اور پھر پورے جلال سے ظاہر ہونا۔

اس ضمن میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ رومیوں کی سلطنت کو توصفحہ ہستی سے مٹے ہوئے عرصہ دراز گذر چکا ہے اور موعودہ پتھر کو ایسے وقت گرنا چاہیئے تھا جب وہ "سلطنت" موجود اور کچھ قوی اور کچھ ضعیف، ہوتی ان الفاظ سے صاف واضح ہوتا ہے کہ موعودہ پتھر کے مورت پر گرنے سے قبل چوتھی سلطنت موجود ہونی چاہیئے تھی۔ لہٰذا اس پیشگوئی کو حضرت مسیح ناصری کی خیالی آمد ثانی پر چسپاں کرنا غلطی ہے کیونکہ اول تو مسیحی اعتقاد کے بموجب دوبارہ آنیوالے مسیح کا جلال اسقدر ہوگا کہ اُسے چھوٹے سے پتھر سے تشبیہ نہیں دیجاسکتی دوم یہ کہ

مسیحی عقیدہ کے بموجب

جس چوتھی سلطنت کو تباہ کرنے کے لیئے مسیح کی آمد ثانی کا انتظار کیا جاتا ہے اُس سلطنت کو صفحہ ہستی سے مٹے ہوئے صدیاں گذر چکی ہیں۔

معزز ناظرین! نبوکدنضر کے خواب کے آخری حصہ کو یسوع مسیح پر چسپاں کرنے کی بے سود کوشش اس امر پر دال ہے کہ مسیحی صاحبان اس پیشگوئی کو برمحل چسپاں نہیں کرتے پہلی چار حکومتوں کے متعلق مسیحی صاحبان میں کوئی اختلاف رائے نہیں مگر پانچویں سلطنت پر پُہنچکر کھینچ تان سے اُسے مسیح کی سلطنت ثابت کرنیکا خیال انہیں راہ راست سے بھٹکا تا ہے آخر یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ موعود پتھر کی تعبیر کرتے وقت اُن کی عقل پر پردہ پڑجاتا ہے اور وہ حواس باختہ ہوکر اِدھر اُدھر ہاتھ مارتے ہیں۔ اے کاش! یہ لوگ ایمانداری سے تاریخ کا مطالعہ کرتے اور خوف خدا سے اُس موعودہ پتھر کی تلاش میں لگجاتے۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ انہیں اُس موعودہ پتھر کی تلاش میں ذرا بھی وقت محسوس نہ ہوتی جسکی نسبت کہا گیا تھا کہ "ایک پتھر بغیر اُس کے کہ کوئی ہاتھ سے کاٹکے نکالے آپ سے نکلا جو اُس تمثل کے پاؤں پر...لگا اور ...ٹکڑے ٹکڑے کیا" اگر یہ لوگ تاریخ کو ایمانداری سے پڑھنا گناہ سمجھتے ہیں تو اُنکی خاطر سے ہم ہی بتاتے ہیں کہ وہ موعودہ پتھر کون تھا۔ لیکن قبل ازیں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنے ناظرین کو دوبارہ یاد دلائیں کہ نبوکدنضر فاتح یروشلم کا خواب جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں دراصل بیت المقدس کے آئندہ انجام کی پیشگوئی تھی اس لیئے خدا کے ہاں تمثیلاً اُسی شخص کا نام پتھر تھا جسکے زیرنگین ارض مقدس کا دارالخلافہ ہوا تھا پس وہ موعودہ پتھر عرب کا برگزیدہ نبی تھا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ناظرین کی سہولت کے لیئے ہم یہاں پر رومیوں کی سلطنت کے زوال کی نہایت مختصر سی تاریخ بیان کرتے ہیں وھوہذا یہ قیصر آگسٹس کا زمانہ تھا جبکہ رومی جمہوریت سلطنت روم کے نام سے موسوم کی گئی اور اس کا دارالخلافہ شہر روم تھا۔ قسطنطین اول نے جس کا عہد حکومت سنہ ۳۰۶ء سے ۳۳۷ء تک رہا اس سلطنت کا دارالخلافہ قدیم یونانی شہر بازنیطم میں منتقل کرلیا۔ اور اسے روم جدید کے نام سے موسوم کیا لیکن جدید دارالخلافہ اپنے بانی کے نام پر اُسی زمانہ سے برابر قسطنطنیہ کہلاتا رہا ہے۔ تھیوڈوسیس اول جس کا عہد حکومت سنہ ۳۹۲ء سے ۳۹۵ء تک ہوا ہے

سلطنت روم کا آخری بادشاہ تھا جسکی حکومت کل رومی سلطنت پر تھی۔ اس کی وفات پر اُس کے بیٹوں نے اپنے باپ کی سلطنت کو باہم تقسیم کر لیا۔ ہنوریس نے مغربی حصہ پر قبضہ کر لیا اور آرکیڈیس نے مشرقی حصہ پر تسلّط جما لیا۔ اس وقت سے سلطنت روم دو حصوں میں منقسم ہوگئی یعنی مغربی روم یا لاطینی حکومت اور مشرقی روم یا بازنطینی سلطنت۔ ہمیں مغربی سلطنت سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ بیت المقدس مغربی روم میں واقع نہیں تھا بلکہ مشرقی روم یعنی سلطنت بازنتیں کے ماتحت تھا۔ سلطنت غربی آخر تباہ ہوگئی اور غیر مہذب اقوام کے ہاتھوں میں آگئی۔ آخر ش ۴۷۶ء میں اس کا بالکل نام و نمود اُٹھ گیا۔ اور برائے نام رومن سینیٹ نے جو ابھی تک باقی تھی تاج اور زرد پوشاک جو مغربی سلاطین نے اپنی شناخت کا نشان رکھا تھا روم سے قسطنطنیہ بھیجدیا۔ اس تاریخ کے بعد سے مشرقی سلاطین نے اپنے آپ کو کل سلطنت روم کا وارث قرار دیا اور مشرقی حکومت کو سلطنت روم کہنے لگے۔ ۵۵۳ء میں اٹلی فتح کی گئی اور اسے بازنیتین یعنی سلطنت قسطنطنیہ کا ایک صوبہ بنایا گیا یہاں کے صوبہ دار کا تقرر قسطنطنیہ سے ہوا کرتا اور اُسے روینہ کا حاکم کہا جاتا تھا یہ حکام دو سو برس تک روینہ۔ روم نیپلز اور ایک حصہ ساحل پر حکومت کرتے رہے۔ الغرض غربی سلطنتِ روم کی تباہی کے بعد بھی عرصہ مدید تک قسطنطنیہ کے حکمران اٹلی کے مالک اور سلاطین روم کے لقب سے ملقب رہے۔ ان رومیوں کی سلطنت کے زمانہ میں وہ موعودہ پتھر ظاہر ہوا۔ اُس کے زمانہ میں سلطنت روم کا بادشاہ قیصر ہرقل تھا۔ یہ پتھر فاران کا مقدس نبی تھا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی تمثیلی رنگ میں پتّھر کہا گیا تھا۔ " یہ پتّھر بغیر اُس کے کہ کوئی ہاتھ سے اسکو کاٹے آپ سے آپ نکلا" تھا یعنی اُس نے اپنے باپ دادا سے کوئی سلطنت میراث میں نہیں پائی تھی بلکہ خود بخود ایک سلطنت ایسے ملک میں قائم کی تھی جہاں اس سے پیشتر کبھی کوئی ایک سلطنت قائم ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ آخری سلطنت پہلی چار سلطنتوں سے بالکل مختلف تھی۔ یسوع مسیح کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُنکی سلطنت گو پہلی آمد پر دنیوی سلطنت نہیں مگر آمد ثانی پر وہ ایک عالمگیر حکومت کے بانی ہونگے۔ برعکس ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں کہ زمین پر بھی ایک سلطنت قائم کر گئے اور آسمان پر انبیاء علیہم السلام کی سلطنت ہوا ہی کرتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یسوع مسیح کو تو دنیا میں سلطنت قائم کرنیکی خواہش تھی چنانچہ آپ نے اپنے شاگردوں کو کپڑے بیچکر آلات حرب خریدنے کا حکم دیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی طبیعت کے خلاف تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھنا پڑا جیسا کہ مضمون زیر عنوان اشاعت اسلام میں دلائل سے ثابت کر چکے ہیں اور جہاں حضرت یسوع مسیح کو اپنی خواہش میں ناکامی ہوئی وہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محض الٰہی نصرت سے ہر جگہ بامراد ہوئے اور خدائے تعالیٰ نے آپ کی خواہش کے برخلاف آپکو دنیا کی سلطنت کا بھی مالک بنا دیا۔ یعنی حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک سلطنت کی بنیاد ڈالنی پڑی۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت رومیوں کی سلطنت موجود تھی اور وہ سلطنت کچھ قوی اور کچھ ضعیف تھی۔ اس سلطنت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام پتھر کی طرح گرے اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اگر یہاں پر کوئی یہ سوال کرے کہ مسلمانوں نے رومیوں کی سلطنت پر کیوں حملہ کیا تو ہم کہیں گے کہ مضمون زیر بحث سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور یہاں اس کی بحث بے محل ہے۔ البتہ جو صاحب اس سوال کا مفصل جواب دیکھنا چاہیں وہ ہمارے مضمون اشاعت اسلام کا مطالعہ کریں جو ریویو آف ریلیجنز کی گذشتہ جلد میں شائع ہو چکا ہے اور جسکا ایک حصہ اخبار وکیل نے کتاب کے طور پر شائع کیا ہے۔ یہ ایک جملہ معترضہ تھا اصل مضمون کو مدنظر رکھکر ہم صرف اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ جو چھوٹی سی سلطنت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ معظمہ میں قائم کی تھی وہ گو پہلے پہل غیر مشہور اور مختصر تھی یعنی ایک چھوٹے سے پتھر کے مشابہ تھی مگر وہ چھوٹا سا پتھر پہلے تو رومن سلطنت کے صوبوں پر گرا انکو ٹکڑے ٹکڑے کیا پھر رفتہ رفتہ رومیوں کی ساری سلطنت پر گرا اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ گویا یہ چھوٹا سا پتھر جو آپ سے آپ نکلا تھا اس قدر بڑھا کہ مشرق سے مغرب تک پھیلا اور ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین کو بھر دیا۔ یعنی وہ چھوٹی سی مختصر حکومت جو مدینہ میں قائم کی گئی تھی آخر وہ

ایک زبردست سلطنت ہو گئی اور ایک وقت چار دانگ عالم میں اس کا ہی ڈنکا بجتا تھا۔ اس طرح نبوکدنصر کے خواب کے آخری حصہ کی عظیم الشان پیشگوئی نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے پوری ہوئی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اول جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ملک شام کے ایک حصہ اور عراق عرب پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا اور خلیفہ دوئم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں عربی افواج نے مصر اور شمالی افریقہ کو مطیع و منقاد کر لیا۔ سنہ ۷۱۱ء میں "عمامہ پوش عربوں کی ایک فوج نے جن کے ہاتھوں میں شمشیر ہائے برہنہ تھیں طارق بن زید کے زیر کمان پانی کے اُس تنگ قطعہ کو عبور کیا (جو افریقہ و یورپ کو جدا کرتا ہے) اور اس چٹان پر اُتر کھڑے ہوئے جو آج تک اُنکے سپہ سالار کے نام سے موسوم ہے" پھر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ لوگ قریباً سارے کے سارے جزیرہ نمائے اندلس کے مالک ہو گئے۔ اور بعد ازاں اُنہوں نے جزیرہ سسلی اور جنوبی اٹلی کو بھی فتح کر لیا۔ یہ تمام ممالک سلطنت روم کے صوبجات تھے۔ آخر بازنطین سلطنت کا دار الخلافہ قسطنطنیہ بھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام اور ہمنام کے ہاتھ پر فتح ہو گیا۔

یہاں پر یہ ذکر کر دینا بے محل نہ ہو گا کہ قسطنطنیہ کی فتح کی پیشگوئی صرف دانیال کی کتاب ہی کے متعلق نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صاف الفاظ میں پیشگوئی فرمائی تھی کہ آپ کا ایک ہمنام جو خدائے تعالیٰ کی آنکھ میں مہدی یعنی ہدایت یافتہ ہو گا اس شہر کو فتح کرے گا۔ اس پیشگوئی میں فاتح قسطنطنیہ کے ہمراہیوں کا بھی ذکر ہے یہ حدیث کتب احادیث میں فتح قسطنطنیہ سے کئی سو برس پہلے درج ہو کر شائع ہو چکی تھی۔ فتح قسطنطنیہ کی پیشگوئی اور اُس کا محمد ثانی کے ہاتھ پر عین پیشگوئی کے مطابق فتح ہونا اس امر کا مزید ثبوت ہے کہ وہ موعودہ پتھر جس نے چوتھی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا تھا اس پیشگوئی کا شائع کرنیوالا انسان ہی تھا۔ رومیوں کی سلطنت کے قدیم دار الخلافہ کو فتح کرنیوالے کا بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمنام ہونا گویا اس امر کی یاددہانی تھی کہ جو پیشگوئیاں دانیال کی کتاب میں مذکور ہیں اور جن کے مطابق

چوتھی سلطنت کا ایک پتھر سے تباہ ہونا لکھا ہے اُن کو پورا کرنے والا محمد عربی
صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے پانچویں سلطنت کے متعلق لکھا گیا تھا کہ وہ تمام زمین کو
بھر دیگی۔ اس سے یہ مراد لینا غلطی ہوگی کہ وہ دراصل ہر دو کرہ ارض پر پھیل جائیگی
کیونکہ پیشگوئی میں تیسری سلطنت کے متعلق بھی ایسے ہی الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں
حالانکہ یہ تیسری حکومت یعنی سلطنت یونانی کبھی بھی دنیا بھر کی مالک نہیں ہوئی۔
ان الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ وہ سلطنت بڑی وسیع ہوگی اور ظاہر ہے کہ سلطنت
اسلام اُس سلطنت سے کہیں زیادہ وسیع تھی جو سکندر اعظم کے زیر فرمان تھی۔
مضمون ہذا میں ہم نے متواتر اس بات پر زور دیا ہے کہ نبوکدنضر کا خواب شہر بیت المقدس
کی آئندہ قسمت کا اظہار تھا پس ارض مقدس کا مقدس شہر ساڑھے تیرہ سو برس سے
ابتک برابر پانچویں سلطنت کے زیر تحت ہی اور تا ابد رہیگا انشاء اللہ تعالیٰ)

اس عرصہ میں سارے یورپ نے عیسائیت کے متبرک مولد کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھڑانے کی
اَن تھک کوشش کی لیکن خدا کے کام ہیں کہ انکی یہ تمام کوششیں ناکام و نامراد ہو کر رہ گئیں
پطرس راہب نے یورپ بھر کو جنگ مقدس کے لیئے اُبھارا اور ملک ملک میں وحشیانہ جوش کی آگ
جلادی عیسائی شہزادے اور بادشاہ بڑی بڑی افواج کے ساتھ بار بار ارض مقدس پر حملہ آور
ہوئے لیکن خدائی ہاتھ نے اُنہیں بار بار ناکام و نامراد پھرایا۔ آٹھ مرتبہ صلیب کی بے شمار فوجوں نے
فلسطین پر دھاوا کیا مگر بایں ہمہ یروشلم کا مقدس شہر مستقل طور پر انکے قبضہ میں نہ رہ سکا
آخر اس ناکامی کی کوئی وجہ بھی؟ بس یہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بادشاہت کے متعلق خدائے
تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ تا ابد ارض موعود کی مالک رہیگی۔ کیا مسیحیوں میں سے کوئی سعید روح
ایسی ہے جو اس موعودہ پتھر کو شناخت کریگی اور تین کی غلامی سے نکلکر ایک کی خادم ہو رہیگی۔
اے قدوس علیم خبیر۔ قادر و قیوم خدا! اے اچھے وعدوں والے! اے سب سے پیارے آقا
تو نے جس طرح دانیال نبی پر آئندہ کے واقعات کھولے تھے اسی طرح تو مسیح ناصری کے پیرووں
کی آنکھ کھول تاکہ وہ موعودہ پتھر کے کارنامے دیکھ سکیں انکے کان کھول تاکہ وہ اس پتھر کے
متعلق باتیں سُن سکیں ان کے دل کھول تاکہ تیرے آپ سے آپ نکلنے والے پتھر کے نام اور کام پر غور

آمین۔ آمین۔ یا رب العالمین۔

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان

تعلیم الاسلام ہائی سکول:- ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ بوجہ موسمی تعطیلات ۱۶- اگست لغایت ۳۰- ستمبر ۱۹۱۱ء ڈیڑھ ماہ کے لیئے بند رہیگا - جن احباب کے لڑکے یہاں پڑھتے ہیں انکو چاہیئے کہ سکول کھلنے سے دو تین یوم پہلے ہی بچوں کو یہاں بھیجدیں۔ تا وقت پر حاضر سکول ہو جاویں اس موقع پر بعض طلبار کو وصولی چندہ کی اجازت دیجائیگی۔ انکے نام اخبار بدر میں جلد شائع کیئے جاویں گے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ہر طالب علم کو اس کام کی اجازت نہیں دیجائیگی۔ اس غرض کیلیئے ایسے طلبار کے پاس رسید بکیں ہونگی۔ جو رقم وہ کسی سے لیں گے اسکی رسید اپنی ضروری ہوگی جس کا مثنیٰ وہ اس کاپی میں اپنے پاس بھی رکھیں گے۔ امید ہے کہ احباب اس موقع پر بھی ہمت سے کام لے کے ان بچوں کی حوصلہ افزائی فرماویں گے۔ ایسے طلبار کو ایک سند دیجاویگی جس کے دکھانیکے بغیر وہ چندہ وصول کرنیکا مجاز نہ ہوگا۔

چندہ تعمیر:- چندہ تعمیر کی وصولی کا کام حضرت میر ناصر نواب صاحب نے بڑی سرگرمی سے جاری کیا ہوا ہے۔ انکے ساتھ حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی بھی سفر میں ہیں خدائے تعالیٰ ہر دو صاحبان کو جزائے خیر دے۔ اور انکی سعی میں برکت دے۔ اس عمر میں میر صاحب کے یہ سفر ایسی گرمی میں انکے سچے اخلاص اور جوش کو جو خدا تعالےٰ نے انکو عطا فرمایا ہے ظاہر کرتے ہیں۔ جناب میر صاحب نے اس سفر میں بالفعل مندرجہ ذیل رقوم ارسال فرمائی ہیں گوجرانوالہ و وزیرآباد سے ڈیڑھ سو گجرات سے ایک سو اور لالہ موسیٰ سے عہ بھیرہ سے صہ پنڈ دادنخاں سے ایک سو ایک جہلم سے ایک سو ایک۔ پشاور سے یتامیٰ کیلیئے للعہ مردان سے عہ۔

امداد کی درخواستیں:- مساکین وغیرہ کی امداد کے لیئے درخواستیں بھیجنے والے مطلع رہیں کہ اسوقت گنجائش مطلق نہیں۔ جو صاحب درخواست بھیجنا چاہیں وہ آئندہ اپریل میں بھیجیں۔ اسوقت جو یہ طریق جاری ہے کہ احباب کسی مسکین یا قابل امداد شخص کو حضرت خلیفۃ المسیح کے نام رقعہ دیکر بھیجدیتے ہیں۔ یہ ایک بے ادبی بھی ہے چاہیئے کہ پہلے خط و کتابت کر کے گنجائش کا حال دریافت کر لیا کریں۔ بعض یتامیٰ ایسے آجاتے ہیں کہ انکے ہاتھ میں ایک رقعہ تو ہوتا ہے مگر کسی کی ص

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ | بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۱ء | نمبر ۹

چندہ سالانہ عوام سے [illegible] طلباء سے [illegible]

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ ستمبر ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

رسالہ

اصول اسلام

یعنی وہ لیکچر جو جلسہ مذاہب الہ آباد میں بڑی شان و شوکت سے پڑھا گیا۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی تاجر کتب قادیان سے محصولڈاک بھیجنے سے مفت مل سکتا ہے ۔ (مینجر)

تعلیم اسلام

لیکچر موسومہ ٹیچنگز آف اسلام یعنی وہ لیکچر جو حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے لاہور کے عظیم الشان جلسہ مذاہب میں سنہ ۱۸۹۶ء میں پڑھا گیا تھا اس کا انگریزی ترجمہ ولایت سے چھپ کر آ گیا ہے۔ دو سو صفحہ کی کتاب ہے۔ مجلد کی قیمت عہ اور غیر مجلد کی ۱۴ ہے چونکہ ولایت میں اسکی مفت اشاعت ہو گی اس لئے احباب اپنے لئے بھی خریدیں اور اس جگہ یا ولایت میں مفت تقسیم کرا کر بھی ثواب لیں ۔

(سکرٹری صدر انجمن احمدیہ)

ریویو

ثنائی ہرزہ درائی ۔ اس رسالہ کا مضمون اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس میں میاں ثناء اللہ امرتسری کی بدزبانی اور گندہ دہانی کی مختصر فہرست ہے جو اُس کے رسالوں اور تصانیف میں حضرت امام ربانی مسیح قادیانی علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یا آپ کی جماعت کی نسبت استعمال کی گئی ہے۔ اس رسالہ کے مصنف میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق و رسالہ احمدی ہیں۔ ترا ہا بیرام خاں دہلی۔ اس رسالہ کی نظمیں خصوصاً قابل دید ہیں۔ مصنّف سے مل سکتا ہے۔ ۶۸ صفحہ کی کتاب قیمت ۲/

ریویو آف ریلیجنز کے گذشتہ پرچے

ذیل کے اُردو یا انگریزی ریویو کے پرچوں میں سے کوئی پرچہ یا بعض پرچے اگر کسی صاحب کے پاس ہوں اور فروخت کرنا چاہیں یا مفت دینا چاہیں تو مینجر میگزین قادیان سے خط و کتابت کریں۔

اردو ریویو ۔ جنوری سنہ ۱۹۰۲ء ۔ جنوری ۔ فروری سنہ ۱۹۱۰ء ۔ انگریزی ریویو ۔ جنوری ۔ اپریل جولائی ۔ اگست ۔ ستمبر ۔ اکتوبر ۔ نومبر ۔ دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء ۔ نومبر و دسمبر سنہ ۱۹۰۳ء ۔ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء ۔ مارچ سنہ ۱۹۰۵ء جنوری سنہ ۱۹۰۶ء ۔ فروری سنہ ۱۹۱۰ء ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

ایک بدھ ایڈیٹر اور اسلام

(مرقومہ ماسٹر محمد دین صاحب بی۔ اے)

مولوی برکت اللہ کی کتاب سے جو کہ ٹوکیو جاپان میں شایع ہوئی ہے مہابدھی سیلون کے ایڈیٹر کو سخت اضطراب میں ڈال دیا ہے یہ خبر کہ ابھی چند جاپانیوں نے اسلام قبول کیا ہے اور یہ کہ ایک کوشش کی گئی ہے کہ غیر ممالک کے مسلمان جو جاپان میں سکونت پذیر ہیں انوار اسلام کو جاپان میں پھیلا رہے ہیں مذکورۃ الصدر امر سے وہ متفکر ہو گیا ہے گویا کہ خوف کی حکومت کا آغاز ہو گیا ہے ظاہری طور پر جیسا کہ یہ عجیب معلوم ہوتا ہے یہ ایک واقعی امر ہے کہ مقدس مذہب اسلام کو عیسائی اور بدھ مذہب کے وظیفہ خوار ایماندار وں کے ہاتھوں پر اور مذاہب کے پیرووں کے ہاتھوں پر سے بڑھ کر بُری طور پر پبلک کے سامنے پیش ہونا پڑا ہے۔ عیسائی واعظوں کا سب سے اعلیٰ ترکہ ورثت جو انہوں نے اپنے ہم وطنوں کے لیے پیچھے چھوڑا ہے وہ مقدس مذہب اسلام

اور اشرف الانبیاء علیہم السلام کی سیاہ تصاویر ہیں۔ جو انہوں نے اپنے ہی زعم سے گھڑی ہیں۔ لیکن اس گوئے سبقت میں بدھ کا پیرو مریم کے صاحبزادے کے مقدس پرستاروں سے پیچھے نہیں رہا اعلیٰ ترین الفاظ جو اسے اسلام اور اسلامیوں کے لیئے ملے ہیں وہ ہیں بھوت۔ دہشت راکھشش وغیرہ۔ تعجب ہے کیا بدھ اور یسوع نے ان کو یہی تعلیم دی تھی۔ انہوں نے تعمیل کر رہی ہے بدزبانی کی کوئی حد نہیں رہی۔ بدی پورے زور میں ہے۔ انکے پیرو اب اسلامی مسلمہ معتقدات کے سخت برخلاف دوڑ رہے ہیں۔ یہ ہے انسانیت اور خود انکاری جو کہ فاضل ایڈیٹر ہم سے قبول کرانا چاہتا ہے فاضل ایڈیٹر عیسائیوں اور اپنے برادران آریوں سے بڑھ کر کوئی بڑی ذہانت ظاہر نہیں کرتا جبکہ وہ پاک اسلام پر تنقید کرتا ہے اس کو اور اس کے بھائی مجوسیوں کو مسلمان مجرم دکھائی دیتے ہیں کیونکہ وہ طلوع الشمس کے ملک کی طرف پیٹھ کرتے ہیں اور مکہ کی طرف منہ کرتے ہیں جو کہ سورج کے غروب ہونے کا ملک ہے اگر واقعی مکہ پر سورج غروب ہوتا ہے اور جاپان ہی سورج کے چڑھنے کی زمین ہے تب یہ قسمت کے کھیل ہیں کہ اگر طلوع الشمس کے ملک کے باشندے غروب الشمس کے ملک کے خیالات کی طرف بڑی آہستگی سے آویں۔ کیا ایڈیٹر سچائی کی تلاش میں ہزل سے کام نہیں لے رہا۔ بدھ ایڈیٹر کے زعم کے مطابق جاپان کے لیئے یقیناً وہ دن بڑے غم کا دن تھا جبکہ جاپان کو اس کے آبائی پرستش سے پھیر کر بدھ مذہب میں داخل کیا گیا تھا۔ اور اسے گوتم ساکی منی کے آگے اپنا سر جھکانا پڑا تھا۔ یہ ایک عجیب امر ہے کہ مہا بدھی کا ایڈیٹر اس روشنی اور علم کے زمانہ میں اپنے ہم وطنوں کے بہلانے کے لیئے پھسلانے والی اصطلاحوں سے کام لے۔ اسے مکہ طلوع الشمس اور غروب الشمس کی زمین دکھائی دینا چاہیئے تھا جیسا کہ جاپان یا کوئی اور ملک دنیا کا نظر آتا ہے۔ شاید بدھ مذہب

کے علم جغرافیہ کے لحاظ سے مکہ غروب الشمس کی زمین یا غروب الشمس کی
چٹان ہوگا۔ کیونکہ ہم بدھ مذہب کی پیدائیش عالم کی تصویری میں یہ لکھا پاتے
ہیں کہ فضا میں پھیلے ہوئے بے شمار دنیا ہیں اور ایک سیٹ میں تین
تین ہیں۔ یہ تمام کی تمام ہماری دنیا کے بالکل بعینہٖ مشابہ ہیں اور ہر ایک
کے مرکز میں ایک بڑا پہاڑ نمودار ہوتا ہے جس کو مہا میرو کہا جاتا ہے۔
جس کو ایک ہی مرکز والے سات دائرے گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ ایک
بڑی طویل چٹان ہے اور سب سے بیرونی دائرہ چار قطعات میں منقسم ہے
اور یہی چار براعظم ہیں۔ ایک کے حصہ میں جم بدویپا ہے اور یہی زمین
ہے جس میں کہ ہم رہتے ہیں مہا میرو کی چوٹیوں اور اس کے اوپر اور چٹانی
دائروں کے اوپر چوبیس آسمان ہیں اور اس کے نیچے اور زمین کے
نیچے آٹھ بڑی پہاڑیاں ہیں۔ مہا میرو اور سب سے بیرونی چٹانی دائرہ کے
درمیان سورج۔ چاند اور ستارے فضا میں گھومتے ہیں اور جب وہ
چٹان پہلے دائرہ سے گذر جاتی ہے تو جم بدویپا کے باشندوں کو غروب
ہوتے معلوم ہوتے ہیں ؛

ایڈیٹر کی ہر ایک بات اور نکتہ چینی پر مبسوط بحث کرنا میرے لیئے
غیر ضروری معلوم ہوتا ہے ایڈیٹر کہتا ہے کہ جس دن جاپان اپنا مذہب
تبدیل کرے گا اسی دن سے بہادر جاپانیوں کی مردانگی کے زوال کا آغاز
ہوگا۔ فی الحقیقت قومی کمزوری کے لیئے بدھ مذہب۔ کنفیوشس اور
شنٹوز کی تین خوراک تریاق کا حکم رکھتی ہیں۔ چینی بے ایمان ہیں جو
مردانہ قوم نہیں ہیں ہاں ابھی صرف چالیس برس کا عرصہ گذرتا ہے کہ
جاپان بھی بے ایمان تھا جبکہ پہلے پہل عیسائی مشنریوں نے جزیرے کو
دیکھا اور جاپانی مردانگی کا سبق سیکھنے کے لیئے چچا سام کے پاس
گئے۔ ہاں کیوں نہ وہی خوراک سیام اور کوریا کو بھی دی جاوے اگرچہ کم تر طاقت کی۔

کہاں تک مذہبی تعصب سچائی اور انصاف کا خون کر دیتا ہے۔ گیارہ لمبی صدیوں تک بدھ مذہب کے نیچے جاپان رہا لیکن اس نے کوئی کسی قسم کی ترقی نہیں کی۔ وہ اس زمانے میں خونخوار لڑائیوں اور وحشی تندی کا شکار بنا رہا جس دن کہ اس نے اپنے کہنہ پارچات اتار پھینکے۔ اور رسومات نہایت اور سستی سے اپنے آپ کو آزاد کیا قوت نظریہ کو عملیہ سے بدل دیا اور اس طرز کو عملاً ترک کر دیا جو کہ اخلاقی سعیون کا اجر فنا فی السقر ہونے کا وعدہ کرتا ہے اور اپنے پرستاروں کو بھول بھلیاں کے کوئیں میں گرا دیتا ہے وہ مشرقی کرہ ارض کے آغاز کا دن تھا۔ میں سوال کرتا ہوں کیوں چینی خواب خرگوش اور غفلت کے لحافوں میں سو رہے ہیں جبکہ تمام قوم کو بدھ مذہب کا ڈوز برابر مل چکا ہے۔ اور بدھ مذہب انکی ایک جزو بن گیا ہے سب سے بڑا گناہ جو ایک مذہبی اخبار کا ایڈیٹر کر سکتا ہے اور خصوصاً ایسے اخبار کا ایڈیٹر جو کہ انسانیت۔ ہمدردی۔ اور نروان کے اعتقاد اور اصول کا حامی ہو وہ یہ ہے کہ وہ پبلک کو بے ہودہ ترین اور غلط واقعات کے پیش کرنے سے اصل امر سے اندھا کر دے ؛

موجودہ اسلامی ریاستوں کی ابتر حالت اسلام کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اسلام سے انحراف کی وجہ سے ہے۔ سلف کے مسلمانوں اور ہم کو یکساں اسلام آسمانی تحفے کی ہر قسم کا وعدہ دیتا ہے۔ پہلے مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی کی اور دنیا کے مالک بنے۔ اسلام نے عرب کے تھکوں ماندوں اور زوال پذیر اجسام میں اور نیز دیگر اقوام میں بھی جو اسلام سے مشرف ہوئیں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی تھی ہر ایک قسم کے علم کو ترقی دی گئی تھی۔ دنیا کے مختلف حصص میں دار العلوم پیدا ہو گئے تھے اور مسلمانوں نے انوار کی مشعلیں ہر ایک ظلمت پسند قوم کے آگے رکھیں خصوصاً ہندوستان اور یورپ کے باشندوں کے سامنے۔ بہت سی

صدیوں تک یہ لمپ بڑی تیز اور نمایاں روشنی دیتا رہا اور ہر ایک رہرو کے لیئے نور کا ایک نشان تھا اور ہر ایک جہاز کے لیئے جو کہ ہر طرف سے سیاہ طوفان کے ساتھ محاط ہوتا تھا ایک لائٹ ہاوس کا کام دیتا تھا۔ دنیا خصوصاً ٹیتھو گیٹو کی جائے ولادت۔ اسلام اور اسلامیوں کے بڑے احسان کے نیچے ہے*

ایڈیٹر کوتاہ نظری اور واقعات کے اُلٹا دکھانے کے جب عمیق میں جا پڑا ہے اور اشاعت اسلام کو بزور شمشیر اور اکراہ قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا یہی مقولہ تھا کہ کافروں کو قتل کرو۔ شائید ایڈیٹر نے قرآن شریف پر نظر ڈالنے کی کبھی تکلیف گوارا نہیں کی۔ قرآن شریف بڑی صراحت کے ساتھ فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ دین میں زبردستی اور جبر ہو ہی نہیں سکتا۔ ہدایت گمراہی سے بالکل ممتاز ہو گئی ہے۔ اس مضمون کی بہت سی آیات پیش کی جا سکتی ہیں اس کے مدمقابل پر جبکہ بڑی زبردست شہادت موجود ہے تو کیا یہ مذہب کے نام پر دھبہ نہیں ہے کہ ایک ایسے مذہب کی طرف الزامات اور تہمت منسوب کی جاویں جو کہ انسے بالکل مبرا اور پاک ہے۔ کیا یہ سیاہ اور جھوٹ محض نہیں ہوگا؟

یہ کہ مسلمان بہت سے جنگوں میں شریک ہوئے ایک بالکل الگ مضمون ہے۔ کیا اشوک کا لنکا ریاست سے نہیں لڑا۔ کیا بدھ مذہب کے لوگ ہندوؤں سے نہیں لڑے کیا جارسہ اور سا سوڈر گپتہ اور بے شمار دوسروں نے پولیٹیکل لڑائیاں نہیں کیں کیا طلوع الشمس کے ملک زادے اپنے بھائی چینیوں سے نہیں لڑے اور کیا چینی فرنگیوں سے اور جاپانی روسیوں سے نہیں لڑے۔ زندگی کے لیئے جدوجہد اور ایک قوم کی اپنی زندگی کی جدوجہد بعض اوقات انکو مجبور کر دیتی ہے کہ اپنے بچاؤ کیلئے ہتھیار ہاتھ میں

ہیں۔ پہلے مسلم حملہ آوروں سے کیوں ایڈیٹر کو غیظ و غضب ہے اس کا صرف یہ سبب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے زعم میں سمجھے ہوئے ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں اور دیگر ممالک میں ہندوؤں اور بدھ مذہب کے مندروں کو مسمار کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے" قدیم ہند کی تہذیب مسلم حملہ آوروں نے تباہ کی ہے۔ قابل عزت مکانات جو صدیوں سے چلے آتے تھے مسلمانوں نے انکے ساتھ شفیقانہ برتاؤ نہیں کیا۔ فن عمارت انکے نزدیک شیطانی کام تھا۔ اور وحشیوں نے تمام خوبصورت اشیاء کو تباہ کر دیا جو کہ قدیم انڈیا میں تھیں۔ جاوا کی قدیمی ہندوستانی تہذیب کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا۔ صدیوں تک مسلمانوں نے یہ تباہی کا کام ہر ہندوستانی مندر کے ساتھ جاری رکھا جو کہ تاریخی جگہوں میں چلے آتے تھے۔ حملہ آور جب اسلامی جھنڈے کے ماتحت ہند میں آئے تو سب سے پہلی غرض ان کی بدھ مذہب تھا۔ مسلمان حملہ آوروں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ خوتن۔ بامیان۔ بلخ۔ چترال۔ ترکستان۔ طرفان۔ قندھار اور افغانستان میں بہت سے مندر بدھ کے نام پر بنائے ہوئے تھے انکے استیصال کے بعد انہوں نے یہ غارت گری کا کام کشمیر پنجاب اور دوابہ گنگا میں جاری رکھا۔ ہندوستان کے ہندوؤں کو یہ لوٹیرے ہندو کے لفظ سے ظاہر کیا کرتے تھے۔ اور بُت کے پجاریوں کو بُت پرست کا خطاب دیتے تھے جس کے معنے ہیں بُت کے پوجنے والے جو کہ بدھ سے فارسی والوں نے بُت کی شکل میں مبدل کر لیا ہے"۔

اس تمام سلسلہ تباہی کو پڑھ کر ایک کو حق پہنچتا ہے کہ عالم ایڈیٹر سے دریافت کرے کہ تمہارے اس دعویٰ کا ثبوت کیا ہے۔ جیسا کہ اس کی ملامت قابل افسوس نہیں ہے ایسا ہی اس کی حالت قابل رحم ہوگی جبکہ وہ اپنے دعووں کے ثبوت میں کوئی حوالہ پیش نہیں کر سکے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ محض اس غرض سے کہ وہ اپنی عبارت کو سجائے اور اپنی بات کو قائم رکھے اس نے پروا بھی نہیں کی کہ وہ

کیا لکھ رہا ہے جب تک اس کو اپنی اغراض اس سے پوری ہوتی نظر آتی ہیں - یقیناً اس نے مہا بدھی سوسائٹی کی حمایت کا حق ادا کر دیا ہے اور جب وہ دوسرا جنم لے گا تو وہ بدھا متیریہ بنیگا جو کہ بندھیکا کے عنوان کے ماتحت ہے

چونکہ مہا بدھی کا ایڈیٹر مسٹر انگریکا دھرمپالہ بدھ مذہب کا پیرو ہے اس لیئے میں ان واقعات کو نہیں چھیڑوں گا جو کہ ہندوؤں سے تعلق رکھتے ہیں - اور ان باتوں کے ذکر کو بھی چھوڑ دونگا جو کہ ہندو مذہب اور ہندو تہذیب سے تعلق رکھتے ہیں - مسلمانوں کا بُدھ مت کے لوگوں سے کبھی بھی مقابلہ نہیں ہوا - اور یہ ایک ایسا امر واقعی ہے جو کہ میں چاہتا ہوں کہ فاضل ایڈیٹر اس کی تہ کو پہنچ جاوے - اس ملک میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے پہلے بُدھ مذہب معدوم ہو چکا تھا - بُدھ مذہب پھر برہمنی مت میں جذب ہو گیا تھا اور اس لیئے وہ ملک سے اٹھ چکا تھا - وہی دن بُدھ مت کے زوال کے آغاز کا تھا جبکہ اشوک نے اسے شاہی مذہب قرار دیا تھا - سن عیسوی شروع ہوتے ہی اس مذہب کا زوال ہر طرف سے محسوس ہونے لگ پڑا تھا - اگرچہ فاہین ایک چینی طواف نے چوتھی صدی عیسوی میں بھی ایک حصہ ملک پر خوب پھیلے ہوئے پایا مگر وہ اپنے آپ کو بمشکل سنبھالنے کے قابل تھا - دو صدی بعد ہیون سینگ نے اس سے اسکو بدتر حالت میں پایا - بُدھ مذہب کے ایک مصنف اور عالم کی پختہ گواہی سے ثابت ہو سکتا ہے کہ اس سلسلہ کی تباہی میں مسلمانوں نے کوئی حصہ نہیں لیا - وہ لکھتا ہے یہ فرض کیا گیا ہے کہ ہند میں بُدھ مت کا زوال برہمنوں کے تعاقب کے باعث سے ہوا ہے (آٹھویں اور نویں صدی میں ایک تعاقب ہوا اور بُدھ مت کے لوگ یا اسے استیصال کیئے گئے کہ اب ایک بھی تمام ہندوستان میں بُدھ نہیں ہے انسیکلوپیڈیا برٹینیکا) اس وقت جو ہمارے پاس پرانے شواہد ہم پہنچ سکتے ہیں ایک مشکوک استثنا کے علاوہ کوئی بھی

تعاقب کا ذکر نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں وہ مشابہت جو ہم پرانے برہمن مت اور پچھلی صدیوں کے نسخے سے لے کر لکھتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زوال کی رفتار لگاتار جاری رہی ہے اعنی بُدھ مت کے لوگوں کے خیالات آہستہ آہستہ ہندوستان کے دوسرے فلسفوں اور مذاہب کی طرف مائل ہوتے گئے۔ ہم اب دیکھ سکتے ہیں کہ جو واقعہ دنیا کی نظر میں نئی تحریک کی کامیابی کے اثبات کے لئے ایک بہت عجیب معلوم ہوتا تھا یعنی اشوک کا تیسری صدی قبل مسیح کے بدھ مذہب میں داخل ہونا جو کہ ہند کا سب سے بڑا بادشاہ تھا وہی واقعہ بُدھ مذہب کے زوال کا باعث ٹھہرا آدمیوں کی کثیر تعداد نے جو کہ بُدھ مذہب میں داخل ہوئے تھے خصوصاً اُن اضلاع اور صوبجات کے جو کہ نئے مفتوح اور کم ترقی پائے ہوئے تھے اصلاح کی تحریک میں بجائے طاقت کے کمزوری پیدا کر دی۔ مداہنہ کا دن آپہنچا تھا پُرانے لوگوں کی جفاکشی کی بجائے سستی نے آجگہ لی تھی اور پورے طور سے بُدھ مت منوانے کی بجائے ادھورے طور پر لوگوں کو بُدھ مذہب میں داخل کر لیا کرتے تھے۔ اسطرح سے بُدھوں اور جو انکے دشمنوں میں تفرقے کی ایک دیوار حائل تھی وہ درمیان سے بالکل اُٹھ گئی۔ روح کی تھیوری نے پھر آہستہ آہستہ اپنا وہی اعلیٰ درجہ حاصل کر لیا۔ ایک دفعہ اور بُدھ لوگ بتوں اور توہم پرستی کو پسند کرنے لگ پڑے۔ پرانے الٰہیات کی فلسفیانہ بنیاد نئی سوچ بچار کے نیچے دب گئی۔ اور نیز زندگی کا پُرانا نمونہ۔ ارا ہت کی نجات بالکل نسیاً منسیاً ہو گئی یا محض عیب گیری کے لیے بیان کی جاتی تھی۔ نتیجہ جتنی تھا تفرقہ کی ضرورت ظاہراً کم ہوتی گئی۔ ویدک دیوتاؤں اور ٹھاکروں کی پوجا بمع تمام رسومات اور قربانیوں کے اس جہان سے چلی گئیں۔ مگر قدیمی بدھ مذہب۔ گروہ مصلحان اسکے کرنے میں دب گیا اور موجودہ ہندو مت ان ہر دو کھنڈرات پر قائم ہوا۔

ہندوستان کی اصلی اسلامی فتوحات محمود غزنی اور محمد بن سام غوری کے حملوں سے شروع ہوئیں۔ اور یہ گیارھویں صدی کے آغاز میں واقعہ ہوا۔ ان حملوں کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کا ہندو تہذیب کے ساتھ واسطہ پڑا۔ بے ہودہ ترین توہم پرستی اور بدترین اخلاقی حالت اُس زمانے کا رویہ تھا۔ گیارھویں اور بارھویں صدیوں میں مسلمان حملہ آوروں نے شمالی ہند کو تاراج و تسخیر کیا۔ اور بدھ مذہب تو بالکل ساتویں صدی کے اخیر پر ہند سے مفقود ہوچکا تھا۔ کیسے مسلمان ایک ایسے مذہب کو تباہ کرسکتے تھے جو انکی آمد سے پیشتر چار سو سال سرزمین ہند سے اُٹھ چکا تھا یہ ایک ایسا معما ہے جس کو بدھ ایڈیٹر کی ہی عجیب منطق حل کرسکتی ہے۔ ہند کا صرف ایک ہی قطعہ تھا جہاں مسلمانوں کی فتوحات کی لہر پہنچی تھی اور وہ سندھ تھا۔

وہ اسباب اور وجوہ جن کی وجہ سے بدھ مذہب دنیا سے بالکل مفقود ہوا۔ اسلامی فتوحات کے علاوہ کسی اور جگہ تلاش کرنے چاہیئے۔ ہند سے وہ کس طرح مفقود ہوا؟ ہند سے وہ اس طرح مفقود ہوا کہ پُرانے برہمن مت میں جذب ہوگیا اور یہ ایک ایسا امر واقعہ ہے کہ فرنگی علمار کی آرار۔ یادگاروں اور اُس زمانے کے علم ادب کا اسپر اتفاق ہے ریس ڈیوڈز بھی تامل کے بعد اس کو تسلیم کرتا ہے یہ تبدیلی اگرچہ آہستہ آہستہ دنیا میں نمودار ہوئی ہے مگر بالکل عیاں ہے پہلے پہل ہم دیکھتے ہیں کہ بدھ کو بالکل بطور علم کے متصور کیا جاتا ہے پھر اسکے اقدام کے آثار تک کی پرستش کی جاتی ہے اور اس درخت کی تصویر کی پوجا کی جاتی ہے جس کے نیچے کہا جاتا ہے کہ اس نے نروان حاصل کیا تھا۔ اور بعد ازاں اس کو تمام مندروں میں ایک دیوتا کے طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔ پہلے پہل وہ اکیلا بُت بنایا گیا تھا۔ جیسا کہ اجنتا کے اکثر قدیم مندروں میں پایا جاتا ہے پیچھے اس کے وہ برہمنوں کے دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ ظہور پاتا ہے جیسے اندر۔ کالی۔ سرسوتی وغیرہ جیسا کہ بدھوں کے اور وہ کے سلسلہائے

یادگاروں میں پایا جاتا ہے کچھ زمانہ بعد خداؤں کے گروہ میں گم ہو کر جنہیں وہ پہلے اعلیٰ سمجھا جاتا تھا چند صدیوں کے بعد صرف وشنو کا ایک اوتار خیال کیا جاتا ہے نیپال بدھ مذہب کا ابتدائی مقام ایک ایسا قطعہ ہے جس نے تبدیلیوں کا سخت مقابلہ کیا ہے جبکہ اس کو قدیمی برہمنی مت سے واسطہ پڑنے لگا اور وہاں وہ اب اس درجہ تبدیلی کو پہنچا ہے جہانکہ وہ برہمنی مت سے ملا تھا بالکل جذب ہونے کے بغیر۔ بدھ اور ہندو مت کے بت نیپال کے مندروں میں ایسے ملے ہوئے ہیں کہ اکثر اوقات یہ مشکل پیش آتی ہے کہ کونسا مندر کس مذہب کے ساتھ ملایا جاوے۔ شو کی مندروں میں اکثر بدھ کا بت بنایا گیا ہے اور کئی ایک مندر جنمیں دونوں مذہب کے بت دھرے ہوئے ہیں وہاں ہر دو برہمن اور بدھ جاتے ہیں۔ میرے نزدیک سب سے بڑی شہادت بدھ مت کی ہندو مت میں جذب ہونیکی اور مسلمانوں کے آنے سے پیشتر اسکے ہند سے مفقود ہونیکی بودھی درخت کی جگہ معلوم ہوتی ہے جس کے نیچے بدھ نے وہ اعلیٰ درجہ کی عقل حاصل کی تھی جو کہ ہر ایک چیز بمع اس الٰہی مشابہت کے بہا لیگئی۔ یہ مقدس جگہ شو کے ایک مہنت کے قبضہ تصرف میں ہے شو کے مہنت مسلمانوں کی آمد سے پہلے پہلے اس مقدس جگہ کے مالک تھے۔ اور وہاں تمام مسلمان خاندانوں نے انکو بغیر کسی ضرر کے چھوڑ دیا تھا جو یکے بعد دیگرے ہند کے حکمران ہوتے رہے۔ یہ ایک مبین اور قائم مضبوط شہادت ہے کہ تمام ہند پر تبدیلی آئی تھی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ شو کے پوجاری بدھ کی مقدس جگہ کے سرپرست اور نگران حال بنے۔ اسلامیوں کی آمد سے پہلے پہلے بدھوں کو روئے زمین ہند سے مٹایا جانا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدھوں کا گیا شہر ہندوؤں کے ہاتھ میں جا پڑا۔

پیشتر اس کے کہ میں اصلی مضمون کو لوں اور ظاہر کر دوں کہ ظلمت پسند ایڈیٹر کے الزامات بالکل حق وحقیت سے عاری ہیں جو کہ وہ مقدس مذہب اسلام پر

لگاتا ہے میں پہلے یہ بیان کروں گا کہ آیا قرآن شریف مندروں کے منہدم اور مسمار کرنے کا حکم دیتا ہے یا اس سے منع فرماتا ہے قرآن مجید فرماتا ہے اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز - اجازت دی گئی ہے اُن کو جن سے لڑائی کیجاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہو چکے ہیں اور اللہ انکی مدد کے لیئے قادر ہے وہ بغیر کسی قصور کے اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے صرف اسی بات کہ انہوں نے کہا اور اپنے اعمال سے ثابت کر دکھایا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض سے نہ بچاتا تو ضرور گرجے۔ یہودیوں کے عبادت خانے۔ تکیئے اور مسجدیں منہدم کر دی جاتیں جن میں اللہ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتا ہے تحقیق اللہ قوت والا اور غالب ہے ؛ یہاں لڑائی اور جنگ کا بڑا فائدہ یہودیوں۔ عیسائیوں مجوسیوں اور دیگر مذاہب کے عبادت خانوں کی حفاظت کرنا فرمایا گیا ہے جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہے مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ وہ ان مقدس جگہوں کی حفاظت اور دفاع کریں اور اللہ انکو یقین دلاتا ہے کہ وہ ان کو اس مقدس کام میں مدد اور تائید عطا فرماوے گا۔ اس عمدہ اور اعلیٰ تعلیم کے ہوتے بھی انسانی طبیعت کی کیسی ضد اور تعصب ہے جو کہ اسلام پر ہندو اور بدھ مت کے مندروں کے مسمار کرنے کی تہمت اور الزام لگایا گیا ہے کیا اس سے زیادہ مذہبی آزادی ممکن ہو سکتی ہے اسلام کے سوا کوئی اور مذہب ہے جو یہ جانتا ہے کہ اسلامی عبادت خانے کے سوا اور عبادت خانوں میں بھی اللہ کا نام لیا جاتا ہے ہم فخر یہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہی ہیں اور صرف ہم ہی ہیں جو ہر مذہب کی نیکی کو تسلیم کرتے

اور مانتے ہیں جو کہ ہر ایک مذہب میں پائی جاتی ہے ہم ایک مذہب کے مقدس پیشوا کی عزت اور احترام کرتے ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ دنیا بھر میں کوئی بھی قوم نہیں ہے جہاں کہ خدا کا نذیر نہیں آیا کوئی قوم کوئی مذہب ظاہر نہیں کر سکتا کہ ان کو دیگر اقوام کے معبدوں کی حفاظت کا حکم ملا ہوا ہے۔ ہم کو ہی یہ کرنے کا حکم ہوا اور ہم نے اس کو کر کے دکھا دیا۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ فاضل ایڈیٹر کو اعتراض کے لیئے زبان کھولنے سے پیشتر بہت غور کر لینی واجب تھی پھر اسکے بعد وہ یہ ایسے لچر اعتراض کرنیکی جرأت کرتا۔

جب ایک مذہب ایسی صراحت سے زبردستی دین پھیلانے کو بُرا قرار دیتا ہے اور اپنے معتقدوں کو حکم صادر کرتا ہے کہ دیگر اقوام کے معبدوں کی بھی حفاظت تلوار کے ذریعہ سے کریں تو کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ انکے معتقدوں کو زبردستی مسلمان بنالے۔ تو پھر دیگر اقوام کے معبدوں کی حفاظت کے معنے ہی کیا جبکہ انکے عابد نہ رہیں گے تو معبد کس کام کے۔ جبکہ بے جان چیزوں کی ایسی حفاظت کا حکم فرمایا تو جاندار چیزوں کو کیوں تباہ کرنے کا حکم فرمانے لگا۔ کسی خاص فرد کی غلطی مذہب پر عائد نہیں ہو سکتی۔ اگر فردی غلطی سے اسلام پر الزام عائد ہوتا ہے تو دنیا میں کوئی مذہب بھی اس اعتراض سے بچتا نظر نہیں آتا۔ اگر دیوی دتا بدمعاش ہے تو اس کی بدمعاشی کا الزام بُدھ اور بدھزم پر نہیں عائد ہو سکتا۔ تم بدھ مذہب کے افراد کی بدیوں کی وجہ سے بدھ مذہب کو بُرے کہنے کے مجاز نہیں ہو۔ آؤ ہم فرض کریں کہ کسی مسلمان حملہ آور نے قرآن کی تعلیم کے برخلاف بغیر ہندوؤں اور بدھوں کے خیالات کی پروا کرنیکے بعض مندروں کو مسمار کرایا زیادہ سے زیادہ ہم اُنکی نسبت یہی کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پیغمبر اور خدا کے فرمودہ کے برخلاف عمل کیا۔ اگر ایک بُدھ چوری۔ ڈاکے یا کسی اور جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اس کے لیئے ہم بُدھ مذہب کو نہیں کوس سکتے۔ ہر ایک مذہب

اپنے معتقدوں کی بدافعالیوں اور بدیوں سے مبرا ہوتا ہے جو وہ اسکی تعلیم کے برخلاف کرتے ہیں ؛

اب تک ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام جبراً مذہب میں لانے کو ناپسند کرتا ہے اور مندروں کی تباہی کو منع فرماتا ہے۔ اسکے برخلاف ان دو باتوں کو یعنی جبراً مذہب میں لانے اور معبدوں کے گرانے کو بڑے زور سے بُرا قرار دیتا ہے وہ اپنے متبعین کو حکم صادر فرماتا ہے کہ وہ اپنی رفتار گفتار سے دوسرے لوگوں کو اسلامی علم کے نیچے لادیں۔ اور فرماتا ہے کہ دیگر مذاہب کے معبدوں کی حفاظت کریں۔ مَیں پہلے بتا آیا ہوں کہ مسلمان جب ہند میں تشریف لائے۔ تو بدھ مذہب ملک سے رفع دفع ہو چکی تھی اس لیئے مسلمان بدھوں کا تعاقب نہیں کر سکتے اور نہ انکے مندروں کو منہدم کر سکتے تھے۔ صرف فتح سندھ کے متعلق اعتراض باقی رہتا ہے جبکہ بدھ مذہب کا انتقال ہو رہا تھا اور اس میں بھی شک ہے۔ محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا مَیں مختصراً حملہ کا ذکر کر کے ثابت کرنیکی کوشش کرتا ہوں کہ اصلی واقعات کیا وقوع میں آئے۔ ہیون سینگ نے ۶۴۲ء میں سندھ کو دیکھا۔ وہ بدھوں کی ایک بڑی تعداد کا ذکر کرتا ہے اور حملہ کے متعلق عربی مؤرخ بیان کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کا اشارۃً ذکر کرتے ہیں جو کہ بدھ مذہب اور ہندوؤں کے اخلاط سے پیدا ہوئے تھے۔ وہ لوگوں کو برہمن کہتے ہیں بلکہ بیان کردہ رسومات میں بعض ایسی بھی بیان کرتے ہیں جو بدھ مذہب سے تعلق رکھتی ہیں یہ اسی مداہنہ کی وجہ سے تھا جو طاقت ہند میں ہر جگہ کام کر رہی تھی لیکن وہ بدھ مذہب کی جڑھوں کو نیچے سے کاٹ رہی تھی جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مذہب ہندوستان سے چلتا بنا۔ براہمن فوقیت لے گئے۔ داہر والئے سندھ ایک برہمن کا چ نامی کا پوتا تھا جس نے غصباً سلطنت پر تصرف کر لیا تھا۔ اور اپنی سلطنت کو اتنی وسعت دی تھی کہ ایک طرف تو قنوج کی ریاست

سے اجمیر پر ٹکر کھاتی ہے اور دوسری طرف جہلم پر کشمیر کی ریاست سے اور مغرب کی طرف سیستان اور کرمان تک پھیلی ہوئی تھی۔ دارالخلافہ برہمن آباد تھا حد پر نصف آزاد قبائل رہتے تھے۔ ان لٹیروں نے جو دیبال میں سندھ کے دہانہ پر ایک بستی تھی رہتے تھے جہازوں کے ایک چھوٹے بیڑے کو پکڑ لیا جو کہ سیلون کے بادشاہ نے حجاج کو بھیجے تھے ان میں حاجی تحائف اور مسلمان یتامیٰ تھے اور یہ مسلم امر ہے کہ حجاج ایک بڑا لائق اور مدبر رکن سلطنت تھا۔ داہر سے تقاضا کیا گیا کہ وہ اس نقصان کے عوض کچھ جرمانہ کے طور پر ان لٹیروں کو سزا دے راجہ نے جواب دیا کہ وہ ان لٹیروں پر قابو نہیں پا سکتا۔ پھر حجاج نے بڑی مشکل کے ساتھ ستائل خلیفہ سے لڑائی کی اجازت حاصل کی اور ایک مہم طیار کی۔ جو وقوع میں آیا وہ ایک تاریخی امر ہے۔ وہ مجھے اس کی تفصیل کرنے کی ضرورت نہیں۔ سندھ فتح ہو گیا فتح کا کام باشندوں کی نااتفاقی سے جلدی پورا ہوا اور ہند میں ایسا ہی اکثر ہوا کرتا ہے۔ قومی اور مذہبی اختلاف نے مسلمانوں کی بڑی تائید کی۔ محمد بن قاسم نے بڑی آزادی والی شرائط سے انکے ساتھ برتاؤ کیا۔ جیسا کہ عرب لوگ اپنے اعدا کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ اس نے معمولی جنگی پال ٹیکس لگایا اور عمدہ چال چلن کیلئے ضمانت کے طور آدمی لیئے۔ اور تمام لوگوں کی جانیں اور زمینیں بخشدیں۔ اور ان کے مندروں اور معبدوں کو بھی ویسی ہی صحیح و سالم چھوڑ دیا۔ اس نے اعلان شائع کیا کہ مندر عیسائیوں کے گرجوں اور یہودیوں کے معبدوں اور مجوسیوں کے آتشکدوں کی طرح محفوظ رہیں گے۔ برہمنوں کی حفاظت کی گئی اور انہیں بڑے بڑے عہدے دیئے گئے۔ فاتح کی ہدایات افسروں کے نام بڑی حکمت اور دلجوئی پر مبنی تھیں۔ اس نے حکم دیا کہ لوگوں اور حکومت کے درمیان دیانت سے کام کرنا۔ آمدنی کے مطابق لوگوں پر خراج لگانا (میڈیول انڈیا مصنفہ سٹینلی لین پول) فاتح نے نیز یہ بھی اجازت دی

کہ تین فیصدی برہمنوں کے لئے خزانے میں جمع ہوتا رہے جو کہ پہلے زمانہ میں بھی جمع ہوا کرتا تھا۔ محمد بن قاسم کی اساطیر میں ایک واقعہ ہے جو تاریخ میں ایک عجیب واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ تھا حملہ اور یہ تھا حملہ آور تمام کچھ یہ ۷۱۲ء میں ہوا۔ مسلمانوں کا دوسرا حملہ اُس وقت ہند میں ہوا ہے جبکہ بدھ مذہب کا نام بھی ہند سے مٹ چکا تھا۔ بُدھ ایڈیٹر اور بھی مقامات کے نام لیتے ہیں جو کہ اس کے نزدیک مسلمانوں کی دست برد کے نیچے آئے۔ کہاں تک وہ صحیح ہے قاری میرے مذکورہ بیان سے فیصلہ کر سکتا ہے شاید وہ دھوکے میں آگیا جبکہ وہ لٹیروں اور ان کے افعال کے متعلق اپنے نوٹ لکھ رہا تھا۔ میں نے ظاہر کر دیا ہے کہ ہندوستان پر یہ اعتراض عاید نہیں ہو سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ خوتن مسلمانوں کی تباہی کے نیچے آیا۔ میں اسکی توجہ کو ایم سٹین ایم۔ اے کی نئی تحقیقات کی طرف منعطف کرتا ہوں۔ بہت سے راز اس قابل اور لائق عالم زمین کن نے اپنی نئی دریافت سے حل کر دیئے ہیں۔ اس کے خوتن کے کھنڈرات دبے پڑے ہیں پڑھو اور تم کو پتہ لگ جائیگا کہ خوتن کے کھنڈرات جو ریت کے نیچے دبے ہوئے ہیں آنحضرت فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مبارک سے پہلے کے دبے ہوئے ہیں ایک چیز ضرور ہے جس کا اقرار کیئے بغیر میں رہ نہیں سکتا۔ مسلمان بانتا ہوں سے شہر ہند کے اور بیرونی ممالک کے اپنی پہلی شان و شوکت کی طرف بحال کیئے گئے تھے اگر ہم ہیوں سینگ کی بات باور کریں قنوج تین میل لمبائی میں تھا اور اب وہاں ایک پتھر بھی نہیں ہے جو اس کی تاریخ کا پتہ دے سکے۔ مسلمانوں کے حملوں سے پیشتر یادگاروں کی تباہی ایسی تکمیل کو پہنچ چکی تھی جیسا کہ تمام پرانے دارالخلافوں کے متعلق یہی حال ہے کننگھم اپنے بڑے زور کے بعد ایک پرانا بقیہ یادگار دریافت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ پرانی سے پرانی چیز جو وہ قنوج سے دریافت کر سکا

وہ ایک تحریر ہے جو ۱۰۳۶ء کی معلوم ہوتی ہے یعنی مسلمانوں کے حملہ کے بعد کی ہے۔ شہر کی تمام موجودہ یادگاریں خالص مسلمانوں کے زمانہ کی ہیں اگرچہ بعض پرانی ہندو یادگاروں سے منقول معلوم ہوتی ہیں۔ دیکھو ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ جلد دوم صفحہ ۱۰۶ فرشتہ سولویں صدی میں لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ جب وہ قنوج پہنچا اس نے ایک ایسا شہر دیکھا جس کا سر آسمان تک پہنچا ہوا تھا اور جو اپنی عمارت اور قلعوں کے لحاظ سے صحیح طور سے فخر کر سکتا تھا کہ اس کا مثال دنیا بھر میں نہیں ہے۔ اگر مسلمانوں کے نزدیک فن عمارت ایک شیطانی کام تھا اگر اسلام خون کا پیاسا۔ نہ آزادی دینے والا تھا تو کیوں دنیا بھر میں فاضل ایڈیٹر سے سوال کرتا ہوں مسلمانوں نے بدترین بت پرستی اور توہم پرستی کے مرکز کو بغیر ضرر کے سالم رہنے دیا۔ جیسا بدھ گیا۔ بنارس۔ ہردوار۔ مسلمانوں کے زمانے سے پیشتر کے بہت قدیم مندر اب تک کیوں ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اشوک کی یادگاریں اب تک محفوظ چلی آتی ہیں اور وہ پڑھی جارہی ہیں۔ اشوک کے بعد صرف ہندوؤں کی تاریخ پر روشنی ڈالنے والی چیزیں مسلمانوں کے زمانہ تک اگر پرانوں کی کہانیوں کو الگ چھوڑ دیا جاوے صرف یادگاریں ہی ہیں۔ ایڈیٹر کہتا ہے کہ جاوا کی پرانی ہندوستانی تہذیب کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا۔ مجھ سمجھ نہیں آتی کہ ہندوستانی تہذیب سے ایڈیٹر کا کیا مطلب ہے۔ کیا اس کا مطلب بدھ کی تہذیب سے ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں ایڈیٹر کو یاد دلاتا ہوں کہ جب مسلمان جزیرے میں پہنچے تو بدھ مذہب وہاں سے مفقود ہو چکا تھا۔ مسلمان نہ اس حصہ دنیا میں اور نہ انڈیا میں کبھی بھی بدھ مذہب کے مدِ مقابل بنے۔ ہندو مذہب کی تجدید کی لہر جو ہند میں پھیلی ملایا کے جزائر ...... میں بھی پہنچی۔ بدھ کی پرستش کی بجائے شو کی پرستش بحال کی گئی۔ مسلمانوں کو بدھ کی تہذیب سے کبھی مقابلہ نہیں پڑا۔ بلکہ ہندو تہذیب سے واسطہ پڑتا رہا جس نے ملک میں اپنی

جڑھیں مضبوطی سے قائم کر لی تھیں۔ بالی کے لوگ اب تک ہندو مذہب کے ہیں موجودہ دنوں تک انہوں نے مسلمانوں کی سخت کوششوں کا سختی سے مقابلہ کیا ہے اگرچہ وقتاً فوقتاً نومسلم بھی ہوتے رہے ہیں اور مسلمانوں کی ایک چھوٹی کمیونٹی اصلی باشندوں سے بھی پیدا ہوگئی۔ آٹھ لاکھ باشندوں میں سے صرف تین ہزار اب تک مسلمان جزیرے میں پائے جاتے ہیں۔ چونکہ جزیرہ بلحاظ تجارت کے ایک عمدہ موقع پر واقع ہوا ہے اس لیئے بیرونجات سے لوگ یہاں آکر آباد ہو جاتے رہے تھے اور پھر یہیں کے باشندے بن گئے تھے بہت سے نوآباد لوگ اصلی باشندوں سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے اور بہت سے انکے ساتھ شادی وغیرہ رسومات میں شریک بنجاتے تھے۔ اور انہیں میں کے بنجاتے تھے یہ مؤخرالذکر لوگوں کی کوشش سے ہوا ہے کہ اسلام نے آہستہ آہستہ لیکن یقینی ترقی کی ہے اور کہا گیا ہے کہ بالی کے مسلمان ایک بڑی مستحکم جماعت ہے اور اپنے مذہب کی اشاعت میں بڑے سرگرم اور پرجوش ہیں۔ جو کہ انکے کافر پڑوسیوں پر بڑی اثر کرنیوالی بات ہے اگرچہ وہ ابھی تک کامیاب نہیں ہوئے کہ ان سے انکی پسندیدہ خوراک سؤر کا گوشت چھڑا سکیں اللہ کی پرستش کی خاطر۔ (سے فرنک صفحہ ۲۴۱)

جاوا اور ہندوستان کی ہندو تہذیب کی کیسے ہی کوئی تعریف اور حسن بیان کرے مگر جب مسلمان آتے ہیں تو حالت بالکل اُلٹ پاتے ہیں۔ ۱۴۱۳ء کو ایک چینی مسلمان جو چینی بادشاہ کے قاصد کے ساتھ بطور ترجمان کے جاوا کو جاتا ہے وہ جزیرے کا کچھ بیان ذکر کرتا ہے وہ کہتا ہے اس ملک میں تین قسم کے لوگ ہیں اوّل قسم میں مسلمان ہیں جو مغرب سے آئے تھے اور یہیں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ دوسرے چینی ہیں جو وہاں سے بھاگ کر یہاں آباد ہوئے۔ جو وہ کھاتے اور استعمال کرتے ہیں وہ بہت عمدہ اشیاء ہیں اور بہت نے ان میں سے اسلام کو قبول کر لیا ہے اور اس کے احکام بجا لاتے

ہیں۔ تیسری قسم اصلی باشندے ہیں جو بڑے بدصورت اور بدشکل ہوتے ہیں وہ ننگے پاؤں اور نہ کنگھی کیئے ہوئے سروں کے ساتھ اِدھر اُدھر پھرتے ہیں۔ اور بڑی سرگرمی سے شیطان پر ایمان لاتے ہیں بدھ مذہب کی کتب میں اس ملک کو بھی شیطانی ملکوں میں سے شمار کیا ہے۔ (گرونولڈٹ۔ ۷ ۴۹ و ۵۰) یہ تو جاوا کی ہندوستانی تہذیب کا حال ہے۔ اب میں مختصراً ہندوستان کی تہذیب کا خاکہ کھینچتا ہوں۔ ہم اس مرد کی شہادت پیش کرتے ہیں جس نے بڑے بڑے مصائب اور مشکلات میں اپنی سیرت پر بٹہ نہیں لگنے دیا۔ بابر لکھتا ہے کہ ہندوستان کا ملک اور قصبہ جات بہت ہی بدنما ہیں ہندوستان ایک ایسا ملک ہے کہ اس میں بہت ہی کم خوشی کے سامان مہیا ہیں۔ لوگ خوبصورت اور حسین نہیں ہیں۔ دوستانہ مجالس کی خوبیوں کا انہیں خیال تک نہیں ہے۔ ان میں نہ تو کوئی ذکاوت نہ فہم۔ نہ خوش اخلاقی نہ شفقت یا ہمدردی نہ کوئی ایجادی طاقت یا ہتھیاروں کی ایجاد حرفوں کے پورا کرنے اور چلانے میں اور فنِ عمارت یا خاکہ کھینچنے میں انکو کوئی ہنر یا علم نہیں آتا۔ انکے پاس کالج۔ قنادیل۔ یا مشعلیں بھی نہیں ہیں۔

سخت اضطراب کا ضروری ساتھی تباہی ہے مندروں کی تباہی ایک اچھی طرح باور کر سکتا ہے اگر جبراً مسلمان بنانے کے واقعات کسی نہ کسی طور سے ورطہ ظہور میں لائے جاویں۔ ہندوستان کے متعلق ایک آدمی اپنے دعوی کو بیرونی مسلمان حملوں سے سجا سکتا ہے اور ظاہراً لوگوں کو دھوکے میں ڈال سکتا ہے۔ اگرچہ یہ واقعات صحیحہ کے بالکل برخلاف ہے مگر تاہم ایک کہہ سکتا ہے کہ مسلمان افواج محمود۔ محمد بن سام۔ تیمور اور نادر شاہ کے ماتحت تمام شمالی ہند پر تخت و تاراج کر گئیں اور جہاں جہاں وہ گئیں تباہی اور ہلاکت برسا گئیں اور ہندو معبدوں کو برباد کرتی گئیں اور تماثیل اور بتوں کو پاؤں کے نیچے کچلتی گئیں۔ لیکن جاوا کے فن عمارت کی اندھی تباہی کے متعلق کوئی

بھی ایسا بہانہ نہیں مل سکتا - باہر سے کبھی مسلمانوں کی فوج اس ملک میں داخل نہیں ہوئی - پرائیویٹ افراد کی سعی تبلیغ کا نتیجہ اشاعت اسلام تھا - یہاں پر میں ٹی - ڈبلیو آرنلڈ کی پریچنگ آف اسلام کی چند ایک عبارتیں خلاصہ کے طور پر نقل کرتا ہوں -

آخری چھ سو سال کی جزائر ملایا کی تاریخ ہمارے سامنے ایک عجیب باب پیش کرتی ہے اور وہ باب من ابواب اشاعت اسلام کی کہانی ہے جو واعظین کی سعی و کوشش کا نتیجہ تھی اس تمام زمانے میں ہم کو بہت سی شہادتیں ملتی ہیں کہ مسلمان واعظوں نے کسی نہ کسی مشرقی جزائر ہند میں بڑے زور سے لگاتار مذہب کے پرچار کو جاری رکھا ہے - شروع میں ہر ایک مثال میں ان کا کام بغیر سرپرستی یا تائید والیان ملک ہوتا رہا بلکہ محض ترغیب کے زور سے جاری رہا - اور بہت دفعہ سخت مقابلے اور مخالفت کے ہوتے بھی وہ اس کام سے باز نہ آئے خصوصاً اہل سپین انکی مخالفت پر سخت تلے ہوئے تھے - لیکن باوجود ان تمام مصائب اور مشکلات کے انہوں نے بڑی سرگرمی سے اپنی سعی تبلیغ کو نہ چھوڑا اور اپنے کام کو پورا کرتے رہے خصوصاً جیسا کہ آجکل کے زمانے میں جہاں جہاں کہ انہیں ادھوری کامیابی ہوتی تھی -

اسلام کے معتقدات کی اشاعت بلا ریب ایک بڑے طویل زمانے تک فرداً فرداً سوداگروں اور چھوٹی جماعت کے امام کی کوششوں ہی کا نتیجہ تھا کیونکہ جاوا میں مسلمانوں کی کوئی سلطنت قائم نہ تھی جو کہ نئے مذہب کی طرف سے کسی قسم کا رعب اور اثر ڈال سکتی اور جنگ جیسے ذرائع سے جبراً مذہب منوا سکتی -

میں جزیرے کے اسلام میں داخل ہونیکی کہانی مختصراً بیان کرتا ہوں جہاں کہ مسلمانوں کے ہتھیار یا رعب کہیں باہر سے نہیں آئے بلکہ خاموش اور غریب واعظوں کا کام تھا جس کی طرف مؤرخ کی نظر نہیں پڑ سکتی - بارہویں صدی کے

خاتمہ کے قریب ملک کے ایک باشندے کی طرف سے جزیرے کے مسلم بنانے کی کوشش ابتدا ہوئی جبکہ ہندو مذہب اپنی فوقیت دیگر جذبات مثل دہریت وغیرہ پر حاصل کرچکا تھا۔ پاجاجاران کے پہلے بادشاہ کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے نے ایک سوداگر کے مذہب کو اختیار کرلیا اور سلطنت چھوٹے بھائی کو دیدی۔ وہ اپنے تجارتی اور جہازی اسفار میں حسن اتفاق سے کسی عرب تاجر کو ملا اور اسلام قبول کیا۔ واپس گھر جانے پر اس نے ایک عرب واعظ کی مدد سے اپنے بھائی اور شاہی خاندان کو مذہب اسلام میں لانیکی کوشش کی چونکہ اس کی کوشش اس سمت میں بارآور نہ ہوئی۔ اس لیئے وہ جنگل میں بھاگ گیا اور اس کے بعد اس کا کوئی پتہ نہیں چلا لیکن بیج بویا جاچکا تھا۔ چودھویں صدی کے آخری نصف میں مولنا ملک ابراہیم نے ایک واعظانہ تحریک قائم کی جو اپنے چند ہم مذہبوں کے ساتھ جاوا کے مشرقی ساحل پر اترا۔ لیکن مسلمانوں کی اس چھوٹی سی نوآبادی میں بیماری پھوٹ پڑی اور بہتوں کو بہا کرلے گئی۔ ان مصائب اور تکالیف کو دیکھکر لوگوں کے دل اس نئے مذہب کی طرف شبہات میں پڑگئے اور مہاجا بہت کا راجہ بھی انکے برخلاف ہوگیا اور اس نے کہا کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اپنے پرستاروں کو کیوں نہ بچاتا۔ چنانچہ یہ مشن ناکام رہا۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ مذہب جاوا میں ترقی پکڑتا گیا۔ پوری صدی تک یہ خمیر ان میں لگتا رہا۔ اور یہاں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بالتفصیل واقعات کو بیان کیا جاوے تاکہ معلوم ہوجاوے کہ یہ اسلام کی اشاعت کسی عرب کی دیوانگی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ خود ملک کے باشندوں میں ریوولیوشن شروع ہوگئی تھی (کرن صفحہ ۲۱)

اس میں شک نہیں کہ ایک لڑائی بھی واقع ہوئی۔ لیکن یہ ایک خانگی جنگ تھی جس میں مسلمان اور ہندو ہر دو اطراف میں تھے اگرچہ بڑا حصہ مسلمانوں کا ایک طرف تھا اور مشترکہ مذہب ہونیسے انکو تقویت بہت ملی۔ مگر جمع ہونیکے لیئے وہ مذہبی جنگ کے وعظ سے اشتعال میں نہیں لائے گئے تھے لیکن تخت کے

ایک خواہشمند کی نصائح کے ذریعہ سے جس کے ساتھ بدسلوکی کیگئی تھی

(ولٹ تیسری جلد صفحہ ۱۸۶-۱۹۸ + رائفلز جلد دوم صفحہ ۱۱۳-۱۳۳)

مَیں مندرجہ ذیل لمبا حوالہ آرنلڈ کی پریچنگ آف اسلام سے لیتا ہوں یہ ظاہر کرنیکے لیئے کہ کسطرح یہ ریوولیوشن وقوع میں آئی جزیرے کی پولیٹیکل حالت اسطرح پر نسے بیان کی جاسکتی ہے جزیرے کی وسطی اور مشرقی صوبے بڑے دولت ورزرد اسلے اور آباد اور زیادہ تہذیب یافتہ تھے اور یہ مہا جاپہت کے ہندو بادشاہ کے ماتحت تھے۔ مغرب کی طرف چربیبن اور چند اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں اور باقی کا جزیرہ بمعہ مغربی کنارے کے اضلاع کے پاجاجرن کے ماتحت تھا۔ مہا جاپہت کے بادشاہ نے چمپہ کے والی کی بیٹی سے شادی کی۔ خلیج سیام کے مشرقی طرف یہ کمبوڈیا میں ایک چھوٹی سی ریاست ہے وہ چونکہ بادشاہ کی محبوبہ لونڈی کا حسد کرتی تھی اس لیئے اس لونڈی کو بادشاہ نے اپنے بیٹے اریہ دمار والیئے پالمبنگ درسماٹرا کے پاس بھیجدیا وہاں جاکر اس نے رون فتح نامی ایک بیٹا جنا جس کی والی کے بیٹوں میں سے ایک کی طرح تربیت ہوئی۔ اور یہ مقدر تھا کہ یہ لڑکا اس ظلم اور بدسلوکی کا بدلہ اور انتقام لے جو اس کی ماں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ چمپہ کے بادشاہ کی ایک لڑکی ایک عرب واعظ سے بیاہی گئی تھی جو کہ اسلام کی حقیقت پر لوگوں کو وعظ کرنیکے لیئے آیا تھا اس عقد کا نتیجہ رون رحمت تھا جس کو باپ نے بڑی احتیاط سے اسلام مذہب کی تربیت سے مرتب کیا تھا۔ اور اب تک جاوا کے باشندے اسکو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ دیکھتے ہیں اور اسے اپنے ملک کے اسلام کیلیئے پیغامبر سمجھتے ہیں۔ جب وہ بیس برس کا ہوا تو اس کے والدین نے اس کو تحائف اور خطوط کے ساتھ اس کے ماموں مہا جاپہت کے بادشاہ کے پاس بھیجا راستہ میں وہ پالمبنگ میں دمار کے ہاں دو ماہ مہمان رہا اور اس کو اس قدر سمجھایا کہ مسلمان ہونے کے لیئے بالکل طیار ہوگیا لیکن وہ لوگوں سے ڈر کے مارے

کھلم کھلا اقرار کرنے کی جرأت نہ کر سکا اور اس کے لوگ اپنے آبائی مذہب میں بڑے پکے اور توہم پرستی کے دلدادہ تھے۔ سفر کرتا ہوا ردن رحمت گریسک میں پہنچا جہاں ایک عرب واعظ اسلام نے جو کہ مولنا جمادی الاکبری کے نام سے مشہور تھا اس کا خیر مقدم کیا اور اسکو مشرقی جاوا کے لیئے اسلام کا موعودہ پیغامبر سمجھا۔ اور پیشگوئی کی کہ بُت پرستی کا استیصال اسکے ہاتھ پر مقدر ہے اور اس کی سعی بلیغ سے بہت مذہب میں داخل ہونگے مہاجاپہنت پر بادشاہ نے اس کو بڑے احترام سے استقبال کیا اور چمپہ کے شہزادے عزت سے اس کے ساتھ پیش آئے۔ اگرچہ بادشاہ نے اسلام میں داخل ہونا مناسب نہ سمجھا لیکن اس نے ردن رحمت کی اس قدر توقیر اور عزت کی کہ تین ہزار قبائل پر امپل میں اس کو اپنا جانشین بنا دیا جو کہ گریسک کے ذرا جنوب کی طرف مشرقی ساحل پر واقع ہے اور اس کو اجازت دی کہ وہ اپنے مذہب پر بڑی آزادی سے عملدرآمد کر سکتا ہے اور اس کو اسلام کی اشاعت کی بھی کھلے طور پر اجازت دیدی یہاں کچھ مدت کے بعد اس نے اپنے ماتحتوں میں سے بہتوں کو اسلام کا گرویدہ بنا لیا۔

امپل اب جاوا میں اسلام کا ایک بڑا مرکز تھا اور روالی کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی جو کہ بڑی سرگرمی اور مستعدی سے اسلام کی اشاعت میں منہمک تھا۔ اسوقت کوئی مولنا اسحٰق امپل آن پہنچے اور اس کے اس کام میں ممد اور معاون بنے۔ اور انکو پالمبنگ کی سلطنت میں اشاعت اسلام کے لیئے لگا یا گیا جہاں کہ اس نے بادشاہ کی بیٹی کو اچھا کیا جو کہ سخت بیمار تھی۔ باپ نے اپنے لڑکی جگر کے ٹکڑے کو اسی سے بیاہ دیا اس نے بڑی اشتیاق سے اسلام کو قبول کیا اور اس کے باپ نے اجازت دی کہ وہ اسے اسلام کی تعلیم سے بہرہ ور کرے لیکن جب مولنا نے بڑا زور دیا کہ وہ کھلم کھلا لوگوں کے سامنے مسلمان بن جاوے جیسا کہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس کی

لڑکی اچھی ہوگئی۔ تو وہ مسلمان ہو جائے گا۔ اس پر بادشاہ نے مولانا کو اپنی سلطنت سے بدر کر دیا۔ اور حکم دیا کہ وہ لڑکا جو اس کی بیٹی سے عنقریب پیدا ہوگا قتل کر دیا جاوے۔ لیکن ماں نے اس شیر خوار بچے کو خفیہ طور سے گریسک میں ایک دولتمند مسلمان بیوہ عورت کے پاس بھیجدیا جس کو اس نے تمام ماں کی مامتا سے پالا اور اس کی تربیت کی یہانتک کہ وہ بارہ برس کا ہوگیا تب اس نے اس لڑکے کو رون رحمت کے سپرد کر دیا۔ اس نے اس لڑکے کے تمام واقعات سُنکر اس کا نام رون پاکو رکھا۔ اور کچھ عرصہ میں اس کو اپنی بیٹی سے بیاہ دیا۔ بعدازاں رون پاکو نے گیری مقام میں ایک مسجد بنائی گریسک کے جنوب مغرب کو جہاں کہ ہزاروں اس کے ہاتھ پر اسلام سے مشرف ہوئے۔ اس کا اتنا اثر اور رُعب تھا کہ رون رحمت کی وفات کے بعد مجاپہت کے بادشاہ نے اس کو گریسک اور امپیل کا عامل بنا دیا۔ اسی اثنا میں کئی ایک مشن گریسک سے جاری ہوچکے تھے۔ رون رحمت کے دو لڑکوں نے شمال مغربی ساحل کے مختلف حصوں پر اپنے آپ کو بسایا اور مذہبی سرگرمی میں بڑے مشہور ہوگئے اور ان حصوں میں انہوں نے بہت سے مذہب اسلام میں داخل بھی کیئے۔ رون رحمت نے شیخ خلیفہ حسین نامی ایک مشنری مدورا کے جزیرے میں بھیجا تھا جہاں کہ اس نے ایک مسجد تعمیر کی اور بہتوں کو اپنے دین میں لے آیا۔ مغربی صوبہ جات میں اشاعت اسلام کا کام شیخ نورالدین صاحب کر رہے تھے جو کہ جزائر میں پھرتے پھرتے آخر کار ۱۴۱۲ء میں چری بن کے جزیرہ میں مقیم ہوئے۔ یہاں ایک مبروص عورت تھی اور وہ انکے ہاتھ پر بفضل اللہ صحت پاگئی اس سے انکی شہرت بڑی ترقی کر گئی اور ہزاروں آپکے ساتھ مذہب میں داخل ہوگئے۔ پہلے پہل قرب وجوار کے رؤسا نے اس تحریک کی بڑی مخالفت پر کمر باندھنی چاہی۔ لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ انکی مخالفت ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی وہ بھی اس نئی موج

کے ساتھ چلتے گئے یہانتک کہ بہت سے ان میں سے بھی ایمان لے آئے۔

ہم اب آریہ ومار والیئے پالمبنگ کی طرف رجوع کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی اولاد کو اسی مذہب میں تربیت دی جس کو وہ علانیہ طور پر مان نہیں سکتا تھا اور جب رون فتح بیس برس کا ہوا تو اس نے اسکو اسکے رضاعی بھائی رون حسین کے ساتھ جو اس سے عمر میں دو برس کم تھا جاوا کو بھیجا اور وہ گریسک میں جا اُترے رون فتح کو جب اپنے حسب نسب اور اصل نسل کا پتہ لگا اور اسے معلوم ہوا کہ کیسے اس کی ماں کے ساتھ بدسلوکی کی گئی تو اس نے رون حسین کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور وہیں رون رحمت کے ساتھ امپل میں رہ پڑا اور رون حسین نے سفر جاری رکھا اور وہ بڑے احترام کے ساتھ مہاجاپہت کے بادشاہ سے استقبال کیا گیا اور اسے ایک ضلع پر افسر بنا دیا گیا اور بعدازاں وہ فوج کا سپہ سالار ہو گیا اس اثنا میں رون رحمت کی بڑی بیٹی سے رون فتح نے شادی کر لی اور اس نے ایک آبادی قائم کی جس کو بنٹارا کہا جاتا تھا اور قدرتی طور سے وہ بڑی محفوظ جگہ تھی اور قدرت نے اس کی حفاظت اچھی طور سے کی تھی اور یہ گریسک کے مغرب کو دلدلی ملک کے عین وسط میں واقع تھی۔ جونہی کہ مہاجاپہت کے بادشاہ نے یہ نئی آبادی سُنی۔ اس نے اسکے بھائی رون حسین کو ان احکام کے ساتھ روانہ کیا کہ اس کو تباہ کر دے ورنہ اس کا مالک اور بانی ہمارے دارالخلافہ میں آوے اور ہماری بیعت کرے۔ رون حسین نے اسے ایسی ترغیب دی کہ وہ ماننے پر آمادہ ہو گیا۔ اور وہ دربار میں حاضر ہوا جہاں کہ اس کی شکل و شباہت بادشاہ کے ساتھ مشابہ پائی گئی۔ اور بڑی عزت سے اس کا خیر مقدم کیا گیا اور اس کو بنٹارا کا حاکم بنایا گیا۔ ابھی تک وہ انتقام لینے اور اپنے آپ کی حکومت تباہ کرنے پر تُلا ہوا تھا وہ امپل کو گیا اور اس نے اپنی یہ تمام تدابیر رون رحمت کے پاس بیان کر دیں جس نے

اس کو نصیحت کی اور یاد دلایا کہ اس نے اپنے باپ کے ہاتھ پر سوائے بھلائی اور مہربانی کے کچھ نہیں دیکھا اور صراحت سے بتا دیا کہ اسلام ظلم تعدی اور حدود سے تجاوز کرنے کو منع فرماتا ہے رون فتح ہنتارا کو واپس گیا جو کہ آبادی اور اہمیت میں ترقی پر تھا۔ اس نے ایک مسجد بنوانی شروع کی جب کہ اسے خبر آئی کہ رون رحمت سخت بیمار ہے وہ جلدی سے امپل کو گیا تاکہ اس شخص کے بستر مرگ پر حاضر ہو جو کہ تمام مسلمانوں کا ایک امام سمجھا جاتا تھا چند دن بعد رحمت مرگیا اور رون فتح اپنی تدابیر کے موافق کام کرنیکے لیئے بالکل آزاد تھا۔ اس نے پہلے مسجد کی تکمیل کی اور پھر بعض مسلمانوں کو اپنی طرف لایا تاکہ وہ مہا جہ پہت کے برخلاف اس کی مدد کریں رون حسین اپنے آقا کے ساتھ وفادار رہا اور اس نے اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا تب وہ لڑائی شروع ہوئی جو سات دن تک رہی نتیجہ یہ ہوا کہ مہا جہ پہت ہار گیا اور مشرقی جاوا کی ہندو سلطنت مسلمان سلطنت سے بدل گئی کچھ عرصہ بعد رون حسین کا محاصرہ کیا گیا اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا گیا جب وہ امپل آیا بڑے احترام سے اس کے بھائی نے اس کا خیر مقدم کیا آہستہ آہستہ مغربی جاوا مسلمان بنایا جا رہا تھا ان واعظوں کے ذریعے سے جنہوں نے آب ہوا اور موسموں کی کوئی پروا نہ کی اور نہ ان جسمانی مصائب و تکالیف کی پروا کی جو ان کے راستے پر آجایا کرتے تھے۔ ہر مصیبت انہوں نے اپنے اوپر جھیلی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب تمام کا تمام جزیرہ مسلمان ہے اور جاوا کے لوگ اپنے مذہب کے معاملہ میں بڑے سرگرم ہیں۔ جزیرہ نما ملایا کے اور جزائر میں بھی یہی طریق عمل نے واقعات کے ہوتے ہوئے میں نہیں دیکھتا کہ کس طرح ایک آدمی واقعات کو توڑ مروڑ کر کیسے مخالف نتائج اخذ کر لیتا ہے۔

مسٹر انگاریکا دھرمپالہ نے ایک نئی دریافت علم السنہ کے متعلق کی ہے اور علم السنہ والے لوگ اس کے اس احسان کے بڑے ممنون ہیں جیسا کہ وہ بتاتا ہے کہ مسلم لیڈروں نے بت پرستوں کے لیئے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ

بُت فرس ہے جسکے معنے ہیں بُت کے پوجاری۔ جوکہ لفظ بُدھ کی دوسری متغیر فارسی شکل ہے"۔ جہانتک مجھے علم ہے مسٹر دھرمپالہ یہاں سخت غلطی کا مرتکب ہوا ہے کیونکہ وہ فارسی عربی سے محض جاہل ہے تاہم وہ عالم کا عالم بنا رہیگا کیوں کہ دنیا اس کو اسکے لغو دعووں اور بیہودہ قیاسوں کے اثبات کیلئے بلائیگی نہیں۔ مَیں نے پہلے یہ ظاہر کردیا ہے کہ مسلمان کابل اور فارس سے ہندوستانی بدھوں کے مقابلہ میں کبھی نہیں آئے۔ مسلمانوں کا اگر کوئی حملہ اپنا اثر ڈال سکتا ہے تو وہ صرف محمد بن قاسم کا حملہ ہے جو بمعہ اپنے ساتھیوں کے عرب باشندہ تھے۔ اور عرب لوگ کیسے بُت پرست کا لفظ استعمال کرسکتے تھے یہ ایک معما ہے جوکہ مہابدھی کے لائق فائق ایڈیٹر سے حل ہونے کے قابل ہے بُت پرست فارسی لفظ ہے اور عرب اس کو استعمال نہیں کرسکتے۔ وہ خالص عرب سمجھا ہی نہیں جاتا جوکہ اپنی خالص وطنی زبان کے علاوہ دیگر الفاظ اجنبی کو استعمال کرتا ہے۔ بت کے لیئے صنم اور وثن لفظ ہیں اور پوجاری کے لیئے عبد۔ پس انہیں لکھنا چاہیئے تھا عبدۃ الاصنام یا عبدۃ الاوثان۔ پھر فارسی لفظ بُت پرست ہے نہ کہ بُت فرس مسٹر دھرمپالہ کو مؤخر الذکر لفظ عربی یا فارسی کی کسی لغت کی کتاب میں نہیں ملے گا۔

پھر مَیں فاضل ایڈیٹر سے پوچھتا ہوں کیا حرج ہے اگر ہم جھوٹ کو جھوٹ کہیں۔ یہ امر واقعہ ہے جو مجھے یقین ہے کہ وہ بھی اس سے انکار کی گنجائش نہیں رکھتا کہ اس زمانہ کے سندھ کے لوگ اور اب کے بدھ ممالک کے باشندے بدھ کی تصاویر اور تماثیل کی پرستش کرتے تھے اور کرتے ہیں جو تماثیل احجار اور اشجار کی پوجا کرتا ہے وہ ایک مسلمان کی نگاہ میں بُت پرست ہے اس معنے کے لحاظ سے بدھ لوگ بدھ کے پوجاری ہیں لہٰذا وہ ایک بت پرست قوم ہے کیوں اس کو یہ بُرا لگتا ہے؟

مسٹر دھرمپالہ اپنے ناظرین کو توجہ دلاتا ہے کہ اس وقت کے مسلمانوں کیلئے

کو ملاحظہ کریں جو انکے اپنے ممالک میں انکی حالت سے وہ کہتا ہے "دوم انکی حکومت مطلق العنان ہے اور توحید سے یہ بات مترشح ہوتی ہے" اگر شکسپیر زندہ ہوتا وہ اپنی بیان کی سچائی کی ایک اور مثال دیکھ لیتا جبکہ وہ انسان کے اندرونی جذبات کا خاکہ کھینچتا ہوا لکھتا ہے کہ مذہبی تعصب آنکھوں سے نہیں دیکھا کرتا۔ . . . . اسی لیئے محبت کا دیوتا انہوں نے تصویروں میں اندھا دکھایا ہے ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حبك الشئ یعمی ویصم یعنی - - - - - - - - - - - - - - -
- - - کسی چیز کی محبت انسان کو بہرہ اور اندھا کر دیتی ہے جیسا کہ دھرمپال کو بدھ مذہب کی محبت نے دیگر مذاہب کے محاسن اور خوبیوں سے اندھا اور بہرہ کردیا ہے۔ مذہبی تنفر نے اس کو ایسا اندھا کر دیا ہے کہ اس کے نزدیک واقعات واقعات ہی نہیں رہے۔ دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھنا کیسے ہی آسان ہے اس کی بدھ اور بدھ مت کے متعلق کیا رائے ہے میں اس سے یہ سوال استفسار کرتا ہوں اور اسکا جواب دیتے ہوئے وہ مندرجہ ذیل ممالک اور انکے باشندوں کی سوشل اور پولیٹیکل حالت کو مدنظر رکھے۔ چین۔ سیام شان کی ریاستیں۔ منگولیا۔ منچوریا۔ کوریا۔ برہما کے لوگ اور شان کے باشندے۔ میں اس کے اپنے بیانات کی طرف اس کی توجہ دلاتا ہوں جو اس نے بدھوں کی خاطر اپنی اخبار کی اسی اشاعت میں بیان فرمائے ہیں "بدھ کا بڑا مذہب جو کہ ہمدردی کی اعلیٰ روح پھونکتا اور اپنے آپکو دوسروں کی بھلائی کے لیئے قربان کردینا سکھاتا ہے . . . .
. . . . وہ مذہب جو کہ بڑا زور دیتا ہے اور تمام عطایا میں سب سے بڑا عطیہ دھرم کے عطیہ کو قرار دیتا ہے اب وہ خود غرضوں کی جائے پناہ بنا ہوا ہے آجکل بدھ مت اپنے بڑے مستعد اور جان نثار کام کرنے والوں کی قلت اور کمی سے سخت تر نقصان اٹھا رہا ہے بہ نسبت کسی اور مذہب کے۔

مشنری روح بدھ زم سے مفقود ہو چکی ہے۔ بہت سے معلم سخت سست الوجود ہیں اُنکی پُرانی امثلہ میں جو بہادری اور ہمدردی پائی جاتی تھی اس کی روح اُنکو پاس سے جاتی رہی ہے بدھ ممالک کے معلم سُستی اور کسل میں کمال رکھتے ہیں "۔

ایڈیٹر اطلاع دیتا ہے کہ امریکن لوگ ۱۸۹۳ء میں مذاہب کی پارلیمنٹ میں بمقام شکاگو جمع ہوئے۔ اور انہوں نے اسلام کے وکیل پر استہزاء اور ہنسی کی جب اس نے تعدد ازواج کی خوبیوں پر بولنے کی کوشش کی۔ اور پھر جلدی سے خود نتیجہ نکالتا ہے کہ اسلام مہذب لوگوں کے مناسب نہیں ہے۔ ہاں وہ اسلام کے وکیل پر ہنسے لیکن یہ کیسے اور کہاں معلوم ہوا کہ اسلام مہذب ممالک کے لوگوں کے لیئے مناسب حال نہیں۔ تم کہتے ہو کہ اسلام پر ہنسی ہوئی۔ ہاں اور بُدھ پر ہنسی ہوئی اگر مجھے ٹھیک یاد ہے نہیں نہیں۔ بلکہ اس کے معتقد اس سے زیادہ بدنامی اور تشہیر میں مبتلاء ہوئے۔ مَیں اسے بتلاتا ہوں کہ سرور کائنات پر ہنسی کیگئی اُنکی زندگی لینے کے لیئے بھی بہت سی کوشش اور سعی کی گئی۔ ایسا ہی سلوک فریسیوں نے یسوع کے ساتھ کیا۔ شکاگو کی مذہبی پارلیمنٹ کی یہ دایمی بدبختی ہے کہ اس میں اتنی بھی بردباری اور تحمل اور برداشت نہ ہوئی کہ وہ مسلمان وکیل کی وجوہات اور دلائل کو سُنتے۔ ہم ڈنکے کی چوٹ اور زور سے کہتے ہیں کہ اسلام تعدد ازواج کے مسئلے کی اجازت دیتا ہے اور دنیا جو چاہے کہے اسکا اختیار ہے بہت سی شریف آوازیں عوام الناس کے شور وغل میں غرق ہو جاتی ہیں۔ وہ غلام ہیں جو نفرت۔ گالی اور عار کو حق کے لیئے نہیں اُٹھا سکتے۔ اور وہ غلام ہیں جو سچائی کو خاموشی سے ٹال دیتے ہیں اور اس سچائی سے پیچھے ہٹتے ہیں جس کو وہ سہل تر سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ قیدی اور غلام ہیں جو کثرت اور قلت کی پروا کرتے ہیں۔ اور قلیل جماعت کے ساتھ نہیں ہوتے اگرچہ اس کے ساتھ ہی حق ہے۔ خدا کی کتاب کیسی ہی سچی ہے اور کیا ہی خوب فرماتی ہے۔ وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ٭ اگر تو زمین کے بہت سے

٭ انعام ۱۴

لوگوں کی اتباع کرے گا تو تجھکو وہ اللہ کی راہ سے گمراہ کر دینگے اخیر میں میں پھر ایڈیٹر سے استفسار کرتا ہوں کہ اسلام کے مقابلہ میں ہمیں بدھ مذہب کیا دیتا ہے کیا وہ دہریت نہیں دیتا ؟ اس کے سوا وہ کس بات کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ زندگی کی حقارت اور پیسیمزم کے متعلق کیا کہتا ہے جو کہ بدھ مت کے بڑے جزو ہیں۔ بدھ صراحت سے خودکشی کی رغبت دیتا ہے جو کہ ہر ملک کی تمدنی زندگی کی سب سے بری حالت ہے۔ قاری کو چاہیئے کہ مندرجہ ذیل کہانی غور سے پڑھے جو سمیوٹا نا کیا جلد اول ۔ گھی اور نیز دھامپدہ میں ہے۔

"جب معزز گوڈ ہیکا نے اپنی ایک رگ کھولنے سے خودکشی کی تو اس کے شاگردوں نے دھوئیں کا ایک سیاہ بادل اسکی لاش کے اردگرد تمام اطراف پھرتے دیکھا۔ وہ بدھ سے پوچھتے ہیں کہ اس دھوئیں کا کیا مطلب ہے بدھ کہتا ہے کہ وہ شریر مارا* ہے۔ اے شاگردو وہ شریف گوڈ ہیکا کی ہوش کو تلاش کر رہا ہے۔ شریف گوڈ ہیکا کی ہوش نے کہاں جگہ پائی ہے لیکن شریف گوڈ ہیکا نروان میں داخل ہو گیا ہے اس کے ہوش و حواس کہیں بھی نہیں ہیں"۔ اخلاق کی بنیاد ہل جاتی ہے جب ہمیں کہا جاتا ہے کہ مسئلہ تناسخ یا آواگون کو مان لو۔ تمام کوشش کی جڑھ میں پانی پڑ جاتا ہے جب کہا جاتا ہے کہ دنیا محض دھوکا ہے۔ لیکن بدھ مت کی یہی تعالیم ہیں میرے بدھ دوست مجھے ایسی باتیں بتائیں میں کبھی نہیں ماننے کا کہ خدا نے یہ تمام سلسلہ سبب اور مسببات کا بیہودہ بنایا ہے اور اس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ جب ہم دنیا میں دیکھتے ہیں۔ کہ ہر شئے اپنا نتیجہ رکھتی ہے تو کیا اتنا بڑا کارخانہ بغیر کسی نتیجہ کے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لو اردنا ان نتخذ لھوا لاتخذناہ من لدنا ان کنا فاعلین (انبیاء)

اگر ہم چاہتے کہ اس کارخانہ دنیا کو بغیر کسی نتیجہ خیز سبب کے بناتے تو ہم اپنی طرف سے بنا سکتے تھے۔ ہم ایسا نہیں کیا کرتے۔ بلکہ حق کے ساتھ باطل کا بھیجا کچل دیا کرتے ہیں۔ پس باطل بھاگ جاتا ہے اور ولکم الویل مما تصفون۔ اور

* مست شیطان

تمہارے لئے ہلاکت ہے جو تم ایسی باتیں بیان کرتے ہو۔

بد اخلاقی کی کوئی حد و نہایت رہتی ہی نہیں جب بدھ مذہب کے اصول کو مان لیا جاوے چنانچہ ایسا ہی ہندوستان میں واقع ہوا جبکہ بارہ لمبی تاریک صدیوں میں بد اخلاقی اور گندگی اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی جبکہ ہندوستان بارہ صدیوں کی لمبی تیرو تاریک رات کی سخت ظلمت اور اندھیرے کے نیچے تھا۔ قوی بہیمیہ کو بڑا اکھلاشتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیا گیا تھا جبکہ سادھو مرد اور سادھو عورتیں پاکدامنی عفت اور تجرد کی قسمیں کھاتے تھے اور باہم خلط ملط کرتے تھے اور اپنے قویٰ بہیمیہ حیوانیہ کی مہار آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ ان کی ڈراؤنی تصویر ابھی تک وام مارگی مندروں میں پائی جاتی ہے۔

بدھوں کے نزدیک ہستی مصیبت ہے۔ ہستی کا سرچشمہ پانے کے ناقابل ہو کر یہ عجیب بات ہے کہ بدھ مصیبت کا سبب چشمہ اور علاج پانے کے قابل ہو گیا۔

پیشتر اس کے کہ میں اس مضمون کو ختم کروں میں اپنا فرض خیال کرتا ہوں کہ قابل ایڈیٹر کو بتلاؤں کہ وہ ملک جو کہ یوسف زئی کے پاس ہے اور وہ ملک جو کہ پشاور اور جلال آباد کے مابین واقع ہے یونانی اور ہندوستانی یادگاروں سے پُر ہے۔ اگر خود ایڈیٹر ان مقاموں میں جا کر تحقیقات کرنے سے قاصر ہے تو اُسے صرف یہی تکلیف گوارا کر لینی چاہیئے کہ وہ مہربانی کر کے ارکیالوجیکل سروییرز اور دوسرے علماء کی رپورٹیں پڑھے جو کہ وہاں پہنچے ہیں۔ اور قدیمی جگہوں کی انہوں نے پڑتال کی ہے۔ پشاور کے قریب شاہ باز گڑھی کے کھنڈرات دیکھے جا سکتے ہیں اور اشوک کے چٹانی اشتہارات ابھی تک ایسے ہی تازہ ہیں جیسا کہ گویا ابھی یونانی یا ہندوستانی معمار کے ہاتھ سے نکلے ہیں بدھ کے کروڑوں چٹانی بُت ابھی اس زمانے میں ان جگہوں سے لاہور کے عجائب گھر میں رکھے گئے ہیں۔ نیز

حال ہی میں تباہ شدہ سٹوپا کی قدیم جگہ کھودی گئی اور بُدھ کی ہڈیوں کو نکالکر برما بھیجا گیا اور ابھی تک بہت سے بُت پائے جاتے ہیں۔ اور یہ تمام یادگاریں خالص اسلامی ملک میں پائی جاتی ہیں۔

ہندوستان کا وہ حصہ مسلمان حملہ آوروں کی زد کے نیچے بہت رہا ہے اور تمام مسلمان حملہ آور اسی راہ سے ہندوستان میں آئے ہیں۔ مَیں جاپانیوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو کبھی بھی عبادت گاہوں کی تباہی اور مسمار کرنیکا حکم نہیں دیتا خواہ وہ کسی ہی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ نہیں نہیں بلکہ وہ صریح اور قطعی الدلالۃ آیات میں کھلے طور سے لکھا ہوا پاوینگے کہ عباد تگاہوں کا انہدام جہاں خدا کا بہت ذکر کیا جاتا ہے خدا کی نگاہ میں ایک سخت مکروہ کام ہے اور خدا ہمیں حکم دیتا ہے کہ ایسے مقامات کی حفاظت کے ذرائع بہم پہنچائے جائیں جہاں کہ خدا کا ذکر ہوتا ہے خواہ وہ کسی ہی مذہب کے ہوں۔

درحقیقت اگر کوئی شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اسے اب کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اور مذاہب کے عبادت گاہوں میں جایا کرے۔ اسے صرف مسجد میں حاضر ہونا چاہیئے۔ مَیں خیال کرتا ہوں کہ اس طریق عمل سے اسلامی مساجد کے علاوہ اور مذاہب کے عبادت خانوں سے مسلمانوں کی بے تعلقی کا دائرہ زیادہ تر وسیع ہوگیا۔ ملک فارس اسلام سے مشرف ہوگیا اس میں شک نہیں کہ پارسیوں نے اپنے آبائی عباد تگاہوں میں جانا ترک کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانے اور آب و ہوا کے مہلک اثرات نے آہستہ آہستہ ان عمدہ مکانات کو تباہ کردیا۔ لاریب ایک شخص مسلمانوں پر اعتراض کرسکتا ہے کہ انہوں نے ان قدیمی یادگاروں کی کیوں حفاظت نہ کی۔ ہاں بعض اوقات انہوں نے ایسا بھی کیا ہے لیکن مَیں اس امر پر کوئی خاص زور نہیں دیتا۔ میرے لیئے یہ کہنا کافی ہے کہ مسلمان اُن تمام الزامات سے پاک اور بری ہیں جو ان کے ذمہ تھوپے جاتے ہیں۔

مَیں وَنڈلزم کے متعلق ایک لفظ لکھتا ہوں اور مَیں اس مضمون کو اب

ختم کرتا ہوں ونڈل ایک لاطینی لفظ ہے جس کے معنے غالباً آوارہ گرد کے ہیں قدیمی تاریخ میں ونڈل ٹیوٹانک قوم کے لوگ تھے جو کہ بالٹک کے جنوبی ساحل پر بستے تھے وہ شمالی اقوام میں سے سب سے زیادہ تند اور بہت وحشی تھے جنہوں نے پانچویں صدی میں روم لوٹا اور وہ علم ادب اور فن عمارت کے تباہ کرنے میں بڑے بدنام تھے مسٹر دھرم پالہ مسلمانوں کو محض بلاوجہ اس لیئے ونڈل کہتا ہے کہ وہ دوسروں کے خیالات کے دکھانے کی پروا نہ کر کے تباہی کا کام جاری رکھتے ہیں[۵] لیکن میں اپنے دوست سے عرض پرداز ہوں کہ وہ اس مضمون میں ذرا گہری نظر کرے کیا یہ ونڈلزم نہیں ہے کہ اُن تمام عمارتوں میں سے ایک اعلیٰ عمارت کو جو کبھی کسی انسانی ہاتھ نے دنیا میں قائم کی ہے تباہ کرنے کی کوشش کی جاوے یعنی وہ جو اسلام کی تباہی کا خواہاں ہے کیا وہ ونڈل نہیں ہے میں نے اسلام کا قائم ہونا انسانی ہاتھ سے اس لیئے کہا ہے کہ میں اپنے بدھ دوست کو ایسا آزاد خیال نہیں مانتا کہ وہ اس کو دین الٰہی سمجھتا ہو میں نے اس کے زعم کا خاکہ کھینچا ہے اگرچہ وہ اسے خدا کا قائم کردہ سلسلہ نہیں مانتا مگر وہ انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام کروڑوں کے لیئے اطمینان اور تسلی کا موجب ہوا ہے اور ہزاروں نے اس کے نیچے آکر آشتی اور صلح اور سلامتی پائی ہے اور تیرہ سو طویل برسوں سے اس میں کروڑوں تک انسان داخل ہوئے ہیں۔ مسٹر دھرمپالہ کی یہ کوشش کہ اسلام کے نقائص بیان کیئے جاویں اور اس کی خوبیوں اور محاسن کو بالکل نظر انداز کیا جاوے۔ یہ مذہبی تعصب معلوم ہوتا ہے کہ جس کی مثال کینہ ورز تنقید کی تاریخ میں بالکل مفقود ہے کیا اسے خدا کی توحید کا اعلیٰ عقیدہ بھی اسلام سے پسند نہ آیا۔ خدا کی توحید اس کے صفات کاملہ اور اعلیٰ درجہ کی ربوبیت اور اخوت انسانی یہی اعلیٰ درجہ کے مضامین ہیں جن کو قرآن شریف بار بار مختلف پیرایوں میں بیان کرنے سے تھکتا نہیں اُسے بڑا فخر ہے بدھ کی ترک دنیا پر لیکن وہ اس سے بڑی ترک اسلام میں پا سکتا ہے جو اسلام ہر ایک سے چاہتا ہے اسلام کے معنے ہیں اپنی مرضی کو خدا

[۵] حالانکہ یہ الزام بالکل غلط ہے

کی مرضی پر چھوڑ دینا۔ اور مسلمان وہ ہے جو اپنے تئیں خدا کی مرضی پر چھوڑ دیتا ہے قرآن شریف صاف طور سے فرماتا ہے۔ قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی لِلّٰہ رب العٰلمین۔ کہدے میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کو انکی ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف لیجاتا ہے۔ کیا اس سے بڑی اور بہتر ترک ہو سکتی ہے۔ مذہب اسلام میں ایک مسلمان کی جان و مال خدا کے ہیں۔ کیا ایک بُدھ کی ترک اس ترک سے بڑھکر ہے مجھے کوئی کیسے بُدھ کی ترک کا یقین دلا سکتا ہے۔ جب میں اس کو دیکھتا ہوں کہ باوجودیکہ اس نے موت پر فتح حاصل کر لی ہے پھر بھی موت کا شکار ہوگیا یسوع مسیح کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے بھی موت پر فتح پائی لیکن موت ایک امر قطعی ہے۔ اس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ اسی لیئے یسوع کو بھی مرنا پڑا۔ مسیحی مرتے ہیں۔ ہادم اللذات ہمیشہ تازہ موجود ہے۔ بدھ نے بڑا زور دیا کہ ...... گوشت نہ کھایا جاوے اور حیوانات کی حفاظت کا حکم دیا لیکن بدھ کی اپنی موت سوٗر کے زیادہ گوشت کھانے سے واقع ہوئی جو کہ اس کے مخلص مرید نے اس کے آگے رکھا تھا اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم قرآن کریم فرماتا ہے کہ کیا لوگوں کو حکم کرتے ہو نیکی کا اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو۔ کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون ۔ یہ اللہ کو بہت ناراض کرنیوالی بات ہے کہ وہ بات کہو جو تم خود نہیں کرتے یہ اسی کتاب مبارک کا سنہری قاعدہ ہے جو ہر مسلمان کے لیئے ہدایت کا کام دیتی ہے ؂

جمال و حُسنِ قرآں نور جان ہر مسلماں ہے ‍ قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
اسکے مُنکر جو بات سکتے ہیں ‍ یونہی اک واہیات کہتے ہیں
بات جب ہو کہ میرے پاس آویں ‍ میرے مُنہ پر وہ بات کہ جاویں
مجھ سے اُس دل ستاں کا حال سُنیں ‍ مجھ سے وہ صورت وجمال سُنیں
آنکھ پھوٹی تو خیر کان سہی ‍ نہ سہی یونہی امتحان سہی

اپنے مذہبی جوش میں اندھا ہو کر بفحوائے حبك الشیء یعمی و یصم وہ مسلمانوں کے جذبات اور خیالات کے دُکھانے کی پروا نہیں کرتا اور ان کے عندیات کو اس نے سخت زخمی اور مجروح کیا ہے اور انکی ہر بات کو قابل جرح قرار دیا ہے۔ ایک راستباز انسان سچائی کا محب ایسا طریق اختیار کرنے سے مضائقہ کرتا ہے۔ بدھ لوگ اپنی بڑی ترک دنیا پر بڑا ناز کرتے ہیں لیکن اسلام میں وہ اس سے بڑا ترک حاصل کر سکتے ہیں بُدھ مت کا یہ اصل اصول ہے کہ ادنیٰ حیوانات کی اعلیٰ کے مقابلے میں حفاظت کی جاوے لیکن میں شک میں ہوں کہ آیا تمام بدھ مذہب کی تعلیم میں اسلام کی اخوت انسانی کے مقابل میں کوئی قولی یا فعلی تعلیم بھی مل سکتی ہے۔ بڑا اسلامی ترک اس انانیت اور نفسانیت پر موت وارد کرتا ہے اور موتوا قبل ان تموتوا کا مزا چکھاتا ہے جس کو ایک بدھ مت کا انسان بے ہودہ طور سے اپنے ماتحت کرنیکی کوشش کرتا ہے۔

ہم اسلام پر مسیحیوں اور آریہ صاحبان کے سخت حملے سننے کے عادی تھے اور ہم نے یہ کبھی خیال بھی نہیں کیا تھا کہ بُدھ کے متبعین بھی اسلام کے برخلاف ایسے سخت تلخ خیالات رکھتے ہیں جو کہ مسیحیوں اور آریوں کی طرح ہی سخت ہیں۔ بُدھ اخبار کا یہ مضمون ایک غیر مترقبہ مضمون معلوم ہوتا ہے اور پہلی دفعہ ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ بدھوں میں بھی ایسے انسان پائے جاتے ہیں جو کہ اسلام کے ایسے ہی سخت مخالف اور دشمن ہیں جیسا کہ پنڈت دیانند اور حضرت مسیحؑ کے ماننے والے۔ تاہم ہم امید کرتے ہیں کہ مسٹر دھرمپال جیسے آدمی بہت ہی کم ہونگے جو گوتم بُدھ کی پیروی کا دم بھرتے ہیں جس کے متعلق ہم کو قرآن شریف ارشاد فرماتا ہے کہ ہم اس کی بڑے نبی کے طور پر عزت و توقیر کریں جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کی عزت کرنے کا حکم ہے۔

صلی اللہ علیہم و علی نبینا بالخصوص سلم اجمعین
و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین (محمد دین)

اُسوۂ حسنہ

یا زندہ اور کامل نبی اس لیکچر کا عنوان ہے جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے ایل ایل بی وکیل چیف کورٹ پنجاب نے ۵۔ دسمبر ۱۹۱۰ء کو ایم اے او کالج علیگڈھ کے طلباء کے سامنے دیا اور اب اسی نام کی کتاب کی صورت میں یہ لیکچر اُردو دان پبلک کے سامنے پیش ہوا ہے۔ اس کتاب میں فاضل لیکچرار نے جس کے لیکچر ہندوستان میں اور بالخصوص اہل اسلام میں اعلیٰ درجہ کی قبولیت کا امتیاز حاصل کر چکے ہیں۔ یہ دکھایا ہے کہ ہر انسان جو ایک متمدن اور با اخلاق انسان بننا چاہتا ہے ایک نمونہ کا محتاج ہے اور کہ یہ نمونہ جہاں ہر ملک اور ہر قوم کے راستبازوں میں ایک حد تک پایا جاتا رہا ہے .... اتم اور اکمل طور پر صرف حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں ہی ملتا ہے اور اسی ایک انسان کیلئے وہ اسباب بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیئے کہ اس کے تمام حالات آجتک محفوظ چلے آتے ہیں۔ مذاہب کے جنگ یا مقابلہ مذاہب میں ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے مذہب کی فضیلت اسی میں سمجھ رکھی ہے کہ دوسرے مذاہب کے مقدس لوگوں کو بُرے الفاظ سے یاد کیا جاوے اور انکے ہر ایک قول اور فعل کو ایک بدنما رنگ میں پیش کیا جاوے "اسوہ حسنہ" یہ اعلیٰ درجہ کا اخلاقی سبق سکھاتی ہے کہ سچی بزرگی اور فضیلت وہی ہے جو دوسروں کی فضیلت کو مان کر بھی قائم رہ سکے۔ شاید دوسرے بزرگوں کو بُرا کہنے کے لیئے یہ امر بھی بعض وقت ایسے حامیان مذاہب کے دلوں میں محرک ہوا ہو کہ ایک خاص شخص کی بزرگی جس کو وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے کہ دوسروں کی کسی فضیلت کو تسلیم نہ کیا جائے بلکہ انکی خوبیوں کو بھی بُری رنگ میں پیش کیا جاوے تا مقابلہ میں ایک معمولی درجہ کی خوبی بڑی معلوم ہو مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت جو آپ کو کل بنی نوع انسان پر حاصل ہے۔ ایسی جامع فضیلت ہے۔ جو ایسے امور کے محتاج نہیں ہاں یہ کوئی ایسا ستارہ نہیں جسکی دھیمی روشنی تاریکی میں ہی ظاہر ہو سکے بلکہ اس آفتاب عالمتاب کی چمکدار شعاعیں ہر ایک روشنی پر غالب آکر یہ ثابت کر رہی ہیں کہ روشنی تو ہر جگہ ہے مگر اس چشمہ نور کے سامنے

دوسری روشنیاں بھی ماند پڑ جاتی ہیں۔ اسی لیئے ایک مسلمان کے لیئے یہ ضروری
قرار دیا گیا کہ وہ ایک نبی اور ایک کتاب پر نہیں بلکہ سارے نبیوں اور ساری کتابوں پر ایمان
لائے کیونکہ دوسروں کی خوبی مان لینے سے وہ اس خطرہ میں نہیں کہ اپنے نبی یا اپنی کتاب
کی عزت اس کے دل میں کم ہو جائے بلکہ آنحضرتؐ کو سب انبیاء پر اور قرآن کریم کو سب کتب پر
ایسی نمایاں فضیلت حاصل ہے۔ اور دوسروں کی خوبیاں ان میں ایسے اکمل اور اتم وجہ پر
موجود ہیں کہ ان کو مان لینے سے اس نبی اور اس پاک کتاب کی روشنی اور بھی چمک اُٹھتی ہے۔ اس
زرین اصول کی بنا پر یہ کتاب لکھی گئی ہے اور اس کے یہ فقرات مجھے ایسے پیارے معلوم ہوتے ہیں
کہ میں ان کو نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ "دنیا میں جسقدر نبی رسول رشی اوتار رہنما ہو کر
آئے وہ کسی نہ کسی ملک میں ہمارے لیئے اخلاق اور سیرت کا اعلیٰ نمونہ چھوڑ گئے ......
اور چونکہ وہ سب کے سب خدا کے ہاتھ سے پاک صاف کیئے گئے تھے۔ خواہ وہ جناب عیسیٰ کی شکل میں تھے
یا حضرت موسیٰ کے لباس میں۔ خواہ اُن کا نام سری مہاراج رامچندر جی تھا یا سری کرشن بھگوان
وہ ضرور متصف باخلاق ستودہ تھے۔ انکی مقدس زندگیاں اُس وقت بھی اور آج بھی اہل دنیا
کے لیئے نیک مثال اور ان کے کارنامے انسان کیلئے بہترین نمونہ ہیں..... مگر جس امر
نے مجھ پر قرآن کریم کا یہ دعویٰ متحقق کر دیا ہے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
مبارک ہی اتباع عالم کے لیئے من کل الوجوہ کامل نمونہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین میں
اور دنیا کے تمام رشی منی اور راستبازوں میں سے آپ کی مطہر زندگی میں وہ تمام حالات
مختلف پیدا ہو گئے جن کے ماتحت آپ کو کل اخلاق فاضلہ کے اظہار کا موقع ملا۔"

یہ میں نے صرف ایک پیرے کے چند فقرات نقل کیئے ہیں مگر یہ قابل قدر کتاب اس قابل ہے
کہ جملہ طالبان حق اس کے ایک ایک فقرہ کو کئی بار پڑھیں۔ ایک اور خصوصیت جو فاضل مصنف
نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں دکھائی ہے علمی دنیا کیلئے قابل توجہ ہے۔ اور وہ یہ ہے
کہ جہاں دوسرے رہبران انسان کے کمالات کو کسی قدر اس زمانہ اور ملک کے جس میں وہ پیدا ہوئے
قدرتی حالات سے تعلق ہے۔ اور اس قسم کے اسباب انکے کمالات میں ایک حد تک
معاون ہو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل کمالات کا ظہور ایسے ملک اور زمانہ میں

ہوا کہ وہ حالات بالکل انکے مخالف پڑے ہوئے تھے۔ فاضل مصنف نے اپنا یہ دعویٰ نہایت صفائی سے ثابت کیا ہے۔ اور یہ دکھایا ہے کہ کس طرح پر صرف عرب ہی نہیں بلکہ ساری دنیا سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت وہ اعلیٰ درجہ کی خوبیاں گم ہو چکی تھیں جو آپنے از سرِ نو دنیا میں قائم کیں اور ہر قسم کی آلائشوں سے ایسی پاک کر کے قائم کیں کہ جس کی نظیر دنیا میں اور کہیں ہمیں نہیں ملتی۔ اس خیال کو فاضل مصنف نے مسئلہ ارتقا کے ماننے والوں کے سامنے ایک زبردست دعوے کے رنگ میں پیش کیا ہے۔

"مسئلہ ارتقا یعنی تھیوری آف ایوولیوشن کے دلدادوں کے لئے یہ امر واقعی غور طلب ہے کہ جب انکے نزدیک دنیا کی رفتار ترقی میں ہر ایک نیا مرحلہ موجودہ حالات میں سے ہی پیدا ہوا کرتا ہے اور نئی تحریکیں علی العموم انہی خیالات کا عکس ہوا کرتی ہیں جو پہلے سے چاروں طرف مستعد طبائع میں پیدا ہو چکے ہوں تو ساتویں صدی عیسوی کا وہ تاریک زمانہ جس نے ہر طرف فطرت انسانی کو پستی کی تہ میں پہنچا دیا تھا وہ عرب جیسی تاریک ترین سرزمین میں کمال انسانی کی معراج پر پرواز کرنے والی فطرت کسطرح پیدا کر سکتا تھا۔"

یہ اعجاز نہ صرف ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی نظر آتا ہے بلکہ خود قرآن کریم میں بھی یہ اعجاز ہے۔ اس زمانہ کا عرب کا لٹریچر دیکھو اور پڑھو اور پھر دوسری طرف قرآن کریم کو پڑھو۔ تو قرآن کریم کے اعجاز کے آگے اور اس کے منجانب اللہ ہونے کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے کیونکہ اس ساری لٹریچر میں جو اس وقت مروج تھا اور قرآن کریم میں زمین و آسمان کا فرق دکھائی دیتا ہے۔ یہ امر بہت وضاحت سے بیان کرنے کے قابل ہے جسکی اس ریویو میں گنجائش نہیں مگر ایک اور مثال اسی کی ہم اس اپنے زمانہ میں دیکھتے ہیں۔ فاضل مصنف نے سوامی دیانند بانی آریہ سماج کا تذکرہ اس ضمن میں کر کے یہ دکھایا ہے کہ سوامی جی نے کسطرح زمانہ کی نبض شناسی سے کام لیکر اصلاح کا وہ راستہ تجویز کیا جسپر ملک کے تعلیم یافتوں کا ایک حصہ پہلے سے قدم مار رہا تھا۔ برعکس اس کے جب ہم ایک خدا کے مامور کو اس زمانہ میں دیکھتے ہیں یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ کو تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا سے الہام پانیوالے ایک الگ ہی راہ پر قدم مارتے ہیں آپنے دنیا

میں وہ بات پیش کی جسے ساری دنیا کھو چکی تھی یا بھول چکی تھی یعنی یہ کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے اب بھی ہمکلام ہوتا ہی جیسا کہ پہلے ہوتا تھا۔ ایسی وقت میں خود اس امر کا پیش کرنا ہی اس کے اس دعوی کا کافی ثبوت ہے کہ وہ خدا سے ہمکلام ہوتا تھا۔

"اسوہ حسنہ" نہایت ہی عمدہ سفید چکنے کاغذ پر چھپی ہوئی کتاب اپنی ظاہری حیثیت میں بھی قابل قدر ہے۔ ۸؍ قیمت پر مصنف سے مل سکتی ہے۔

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

اس ماہ میں زیادہ امور رپورٹ میں پیش ہونے والے نہیں ہیں۔ ہر دو مدرسے بند ہیں عمارت بورڈنگ ہوس کے بقیہ کام میں سے فرش لپائیاں سفیدی برامدی وغیرہ اخیر ستمبر سے پہلے پہلے ختم ہو جاوینگے۔ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سی یہ عظیم الشان عمارت اس جنگل میں کھڑی ہو گئی ہے۔ ان تمام احباب کا شکر ہے جنہوں نے چندہ کی فراہمی میں سر توڑ کوششیں کی ہیں اور یہ بھی عرض ہے کہ ابھی یہ کوششیں جاری رکھنی ضروری ہیں۔ تاکہ بقیہ کام جس پر قریب دو ہزار کا خرچ ہونیوالا ہے پورا ہو جاوے اس کے علاوہ ابھی ڈیوڑھی پر اوپر کی منزل بھی قریباً اسی قدر یا اس سے کچھ زیادہ خرچ چاہتی ہے۔

نئے بجٹ کے انجمنوں میں بھیجنے میں اس دفعہ بعض مشکلات کی وجہ سے غیر معمولی توقف ہو گیا ہے۔ امید ہے اس رسالہ کے نکلنے تک سب احباب کے ہاتھ میں پہنچ چکا ہو خصوصیت سے میں احباب کو دو امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اول چندہ لنگر خانہ کی طرف اور دوسرے عید فنڈ کی طرف۔ لنگر خانہ کے چندہ کیلئے اگر کافی توجہ معمولی ماہوار چندوں میں نہ ہوئی تو پھر خاص چندہ غیر معمولی طور پر اس قرضہ کو دور کرنیکے لئے ضروری ہوگا جس کے نیچے اس وقت لنگر خانہ کا فنڈ ہے۔ افسوس ہے کہ دو پیسے روپے والی تحریک پر کافی توجہ انجمنوں نے نہ کی ورنہ ان تمام دقتوں کا انشاء اللہ تعالےٰ خاتمہ ہو جاتا حضرت خلیفۃ المسیح نے چندہ کے متعلق ایک اشتہار کی تجویز فرمائی ہے جو عنقریب شائع ہو کر احباب کی خدمت میں پہنچیگا۔ دوسرا امر قابل توجہ عید فنڈ کا چندہ ہی۔ جس کے لیئے احباب سے التجا ہی کہ

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ | بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۱۰

چندہ سالانہ | عوام سے عہ طلبا سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ابطال تناسخ*

(از طرف قاضی عبد الحق صاحب)

عالم حیوانات میں جو مختلف قسم کے نظارے مشاہدہ میں آتے ہیں اور وہ گوناگون تغیرات جو اس عالم میں نظر آرہے ہیں ان کو دیکھ کر انسانی عقل حیرت میں رہ جاتی ہے اور اس معمہ کے حل کرنے کے لیئے تمام کوششیں ناکام رہی ہیں۔ اس مشکل کے حل کرنے کے لیئے انسانی دماغ نے مختلف قسم کی راہیں سوچی ہیں جو صرف اٹکل بازی سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ بہت سے اہل الرائے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے ایک گھر میں ایک بینا بیٹا پیدا ہوتا ہے اور دوسرے میں نابینا۔ ایک بادشاہ کے عالیشان محل میں پیدا ہوتا ہے اور دوسرا ایک غریب درویش کی جھونپڑی میں۔ قدیم زمانہ سے اس مسئلہ پر بحث مباحثے اور غور و فکر ہوتا رہا ہے۔ ہندوؤں کے رشیوں نے اس مشکل کو نہایت ہی عجیب طریق سے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہندوؤں کا قول ہے کہ موجودہ اختلاف مراتب انسان کی پہلی جونوں کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور یہ کہ یہ جونوں کا سلسلہ بڑا لمبا اور طویل ہے۔ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ ہندوؤں میں یہ خیال کب پیدا ہوا مگر ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ خیال ایسے زمانہ میں پیدا ہوا جبکہ دنیا ابھی اپنی بچپن کی حالت میں تھی ہند کی سرزمین ہمیشہ وہم پرستی کا گھر بنی رہی ہے

*اصل مضمون انگریزی میں ہے جس کا یہ اردو ترجمہ ہے

اس لیئے یہ تناسخ جیسے خیالات کیلیئے نہایت موزون تھی ۔

زمانہ ہائے دراز کے گذرنے کیوجہ سے تناسخ کا خیال اب عام ہندوؤں کے رگ و ریشہ میں ایسا رچ گیا ہے کہ اب اس کا نکالنا کوئی آسان امر نہیں۔ ہر ایک ہندو بچہ اپنی ماں کے دودھ کے ساتھ اس خیال کو جذب کرتا ہے۔ جب سے کہ بیرونی مذاہب نے ہندوستان میں قدم رکھا ہے۔ مسئلہ تناسخ نہایت ہی زبردست نکتہ چینی کا نشانہ بنا رہا ہے یہاں تک کہ معقول اعتراضوں کے حملوں نے اس عقیدہ کے بطلان کو اظہر من الشمس کر دیا ہے مگر پھر بھی کئی لوگ ایسے ہیں جو اپنے پرانے اور دیرینہ وہم کو ترک کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ اس مضمون کے لکھنے سے میرا یہ منشاء نہیں کہ میں اُن اعتراضات کو پھر دُہراؤں۔ میں صرف اُس اصل پر بحث کروں گا جسپر اس سارے مسئلہ کی بنا رکھی گئی ہے ۔

اس عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ دنیا کا رنج و راحت گذشتہ جونوں کے بُرے یا بھلے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اگر کوئی راجہ بنکر زندگی کے مزے اُٹھا رہا ہے تو اس لیئے کہ اُس کی پہلی جُون کے اعمال اس قسم کے تھے کہ وہ اسی راحت اور آرام کا مستحق تھا اور اگر کسی نے چوہے یا بلی کی جُون میں جنم لیا ہے تو اس لیئے کہ اُس کی پہلی زندگی کے اعمال اسی لائق تھے کہ اُسکو چوہا یا بلی بنایا جاتا۔ جسقدر مفید اور کار آمد جانور دنیا میں پائے جاتے ہیں جو انسان کے آرام کا موجب ہیں اُن کا وجود تناسخ کے عقیدہ کے رُو سے اُنہی بداعمال کی برکت کی وجہ سے ہے جو انسانوں نے پہلی جونوں میں کیئے جن کی وجہ سے اُن کی روحوں کو گھوڑوں۔ بیلوں۔ اونٹوں۔ ہاتھیوں گدھوں۔ بکریوں۔ بھینسوں۔ گایوں۔ مُرغیوں وغیرہ کی جُونوں میں ڈالا گیا پس گناہوں کا انسان پر بڑا احسان ہے کیونکہ اُنہی کی وجہ سے ایسے ایسے جانور وجود میں آئے جن کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر انسان پہلی جونوں میں گناہ نہ کرتے تو ان مفید اور ضروری جانوروں کا وجود بھی نہ ہوتا۔ اگر انسان گنہگار نہ ہوتا تو زمین کی سطح ان کار آمد جانوروں سے بالکل ننگی ہوتی۔ اگر اتفاقاً انسان گناہوں سے

پاک ہوتا تو جس قدر جانور سمندروں دریاؤں اور جھیلوں میں پائے جاتے ہیں اُنکا
بھی نام و نشان نہ ہوتا کیونکہ ہندوؤں کے مسئلہ تناسخ کے رو سے برّ و بحر کے
سب جانور اور سب کیڑے اور مکوڑے۔ چارپائے اور مچھلیاں اور ہوا کے پرندے
انسانوں کی روحیں اپنے اندر رکھتے ہیں جو اپنی گذشتہ جُونوں کے اعمال بد کی
شامت سے ان جانوروں کے اجسام میں قید ہیں۔ اس مسئلہ کی معقولیت یا
عدم معقولیت کے جانچنے کے لیئے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ انسان کس
غرض کے لیئے پیدا کیا گیا۔ اُس کے بعد ہم یہ دیکھیں گے کہ آیا اس دنیا کا رنج و
راحت انسانی زندگی کے اصل مدّعا کے ساتھ کیا تعلق رکھتا ہے۔ اگر انسانی
پیدائیش کے اغراض پر راحت یا رنج کے حالات کچھ اثر نہیں ڈالتے اور اس رنج و
راحت سے انسانی زندگی کے مقاصد میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا تو پھر تناسخ کا عقیدہ
صریحاً باطل ہے۔ جس قدر مذاہب روئے زمین پر موجود ہیں اُن سب کا
متفق علیہ عقیدہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کی غرض و غائت اور اصل مقصود نجات کا
حاصل کرنا ہے۔ اور یہ بھی مسلم امر ہے کہ نجات سے مراد خدائے تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنا ہے
جو بد اعمال سے پرہیز کرنے اور نیک اعمال کے بجالانے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس
دنیا کا عیش و آرام کسی کے نزدیک بھی انسانی زندگی کا مدّعا نہیں ہے۔ اس لیئے
یہ کہنا درست نہیں کہ موجودہ زندگی کا عیش و آرام ہر صورت میں ضرور انسان کے
نیک اعمال کا ہی نتیجہ ہے۔ ایک درویش اپنی پھٹی پُرانی چٹائی پر بیٹھ کر ایسے
ہی نیک اعمال بجالا سکتا ہے جیسے کہ ایک بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھکر بجالا سکتا
ہے۔ اگر دونوں اپنے خداداد قویٰ کو نیک محل پر استعمال کریں اور خدائے تعالیٰ
کے حکموں کے مطابق چلیں تو دونوں نجات حاصل کرنے کے لحاظ سے مساوات کا
درجہ رکھتے ہیں۔ اسطرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زندگی میں انسان خواہ
کیسی ہی حیثیت اور درجہ رکھتا ہو اعمال کے بجالانے میں اُس کو آزادی حاصل
ہے۔ اگر ایک نابینا اپنی آنکھوں کے ذریعہ نیک کام بجا نہیں لا سکتا تو وہ اُن

آنکھوں کے ذریعہ بُرے کاموں کا بھی تو ارتکاب نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ایک بہرا اور گونگا اگر اُن نیک کاموں کو بجا نہیں لا سکتا جو کانوں اور گویائی سے تعلق رکھتے ہیں تو وہ اُن بُرے کاموں سے بھی تو محفوظ رہتا ہے جن کا ارتکاب انسان ان دو عضووں کے ذریعہ کرتا ہے اسی طرح اگر ایک دولتمند بادشاہ کے لیئے یہ ممکن ہے کہ وہ لوگوں پر ظلم کرے تو اس کے لیئے یہ بھی تو ممکن ہے کہ غربا پر رحم کرے اور خیرات سے اُن کو خوشحال کرے جو صریحاً ایک نیکی کا کام ہے۔ اسی طرح اگر ایک غریب آدمی میں چوری کرنے کا لالچ پیدا ہو سکتا ہے تو وہ حلیمی اور انکسار کے بھی بمقابلہ دولتمندوں کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک صورت میں نیکی اور بدی کا یکساں امکان پایا جاتا ہے اور سب کو نجات حاصل کرنے کا موقعہ یکساں طور پر حاصل ہے۔ کوئی ایسا درجہ یا حیثیت نہیں جو انسان کو نجات حاصل کرنے سے مانع ہو۔ دنیا کی راحتیں انسان کی زندگی کے اصل مقصود کو حاصل کرنے کے لیئے کوئی یقینی سیڑھی نہیں ہیں اور نہ ہی تکالیف اور مصائب نجات کے راستے میں سدِ راہ ہو سکتی ہیں۔ مختلف قسم کے حالات جن میں سے انسان کو گذرنا پڑتا ہے وہ اُس کے اندرونی مخفی قویٰ کے ظاہر کرنے اور اُن کی تربیت اور تکمیل کا ایک ذریعہ ہیں۔ خدائے تعالیٰ جس نے تمام روحوں کو پیدا کیا وہ اُن کے میلانوں۔ قابلیتوں اور مخفی طاقتوں کا پورا پورا علم رکھتا ہے تمام لوگ جو خدائے تعالیٰ کی صفات کاملہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ یقین رکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ایسا رحیم اور ایسا حکیم ہے کہ جو کچھ وہ کرتا ہے وہ انسان کی بھلائی اور فائدہ کے لیئے کرتا ہے۔ جب انسان اُن باتوں کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے جن کی حقیقت معلوم کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہے اور جب وہ اُن امور پر احاطہ کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے دائرہ فہم سے باہر ہیں۔ غرض جب وہ اپنے انسانی دائرہ سے نکلکر الٰہی اسرار پر حاوی ہونے کی جراُت کرتا ہے تو اُس وقت وہ اپنے تئیں مشکلات میں پھنسا دیتا ہے۔ یہ

ضروری نہیں کہ زمین و آسمان کے اسرار سب کے سب اُس کو معلوم ہوں - اگر وہ صرف اُنہی چیزوں تک اپنے تئیں محدود رکھے جو اُس کی ہیں اور اُن چیزوں سے اجتناب کرے جو اُس کی نہیں ہیں تو یہ اُس کے لیئے بہتر ہے - اگر اُس کو خدائے تعالیٰ کی کامل حکمت اور علم پر پورا ایمان ہوتا تو جو انتظام خدائے تعالیٰ نے اس کے لیئے کیا ہے اُسکی موزونیت پر اُس کو کبھی شک نہ گذرتا - چونکہ خدائے تعالیٰ انسان کا خالق ہے اس لیئے وہ جانتا ہے اور اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ ایک انسان کی طاقتیں اور قابلیتیں کن حالات میں سرسبز ہو سکتی ہیں اور کہاں وہ اچھے سے اچھے نتائج پیدا کر سکتی ہیں - انسان کے لیئے یہ کہنا محض حماقت ہے کہ فلاں گداگر اگر بادشاہ ہوتا تو وہ اچھا بادشاہ بنتا اور اگر فلاں بادشاہ کلرکی کے عہدہ پر مقرر کیا جاتا تو وہ کلرکی کے لیئے سب سے زیادہ موزون ہوتا - صرف طاقتوں اور قوتوں کا پیدا کرنیوالا اس امر کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اُس کے سوا اور کوئی شخص اس امر کا فیصلہ نہیں کر سکتا - صرف قوی کا فرق بے انصافی کی دلیل نہیں ہو سکتا جبکہ ہر ایک آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ جس مقام پر وہ رکھا گیا ہے وہ اُس کے لیئے سب سے زیادہ موزون ہے اور اُس کی اندرونی طاقتوں اور میلانوں کے لیئے سب سے زیادہ مناسب ہے - جو جو طاقتیں انسان کے اندر رکھی گئی ہیں اُن کی تربیت و تکمیل جیسی اُن حالات میں ہو سکتی ہے جن کے ماتحت وہ رکھا گیا ہے ایسی اور ہر ایک جگہ نہیں ہو سکتی - اسی طرح جو اختلاف مختلف انسانوں کے حالات میں دیکھا جاتا ہے اُس کے لیئے کسی وجہ کے دریافت کرنے اور اُس کی کوئی تشریح پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ نجات کی اغراض کے لیئے اس اختلاف اور اس فرق کی کوئی حقیقت نہیں اور اس دنیا کا رنج و راحت زندگی کی علّت غائی نہیں ہیں بلکہ اس علّت غائی کے حاصل کرنیکے ذریعے ہیں - تعجب ہے کہ مسئلہ تناسخ کے حامی اگرچہ نجات کو زندگی کی اصل علّت غائی قرار دیتے ہیں پھر بھی اس دنیا کے آرام اور مصائب کو

اس قدر وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ گویا یہی رنج و راحت انسانی زندگی کا مقصد اعلیٰ ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہماری ساری کوششیں اسی راہ میں خرچ ہو جائیں کہ اس دنیا کا آرام حاصل ہو اور اُنکے نزدیک اعمالِ نیک کا ثمرہ دنیا کا عیش و آرام ہی ہے۔ حالانکہ غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق قائم کرنا انسان کی زندگی کا مدّعا ہے اس لیئے اس دنیا کے مصائب اور خوشحالی صرف اس مقصد کے حاصل کرنے کے ذرائع ہیں اور انکو خدائے تعالیٰ نے اپنی حکمت تامّہ اور علم کامل کے ساتھ نہایت ہی مناسب طریق سے نوع انسان میں تقسیم کیا ہے کچھ سمجھ نہیں آتا کہ اس مسئلہ کے تجویز کرنے میں آریہ صاحبان کے بزرگوں نے کیا فایدہ دیکھا انسانی طریق خیال میں اس کے لیئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ ایک مثال کے ساتھ مَیں اس امر کو زیادہ واضح کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس دنیا کو ہم ایک مکتب سے مشابہت دے سکتے ہیں۔ اس مکتب کا معلم اپنے چند شاگردوں کو گنتی اور ہندسوں کے لکھنے کا قاعدہ سکھانا چاہتا ہے۔ اور اس غرض کے لیئے وہ اُن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں چند چیزیں دیتا ہے۔ ایک کو وہ چند روپے دیتا ہے۔ دوسرے کو لعل۔ تیسرے کو کاغذ کے ٹکڑے۔ چوتھے کو لکڑی کے ٹکڑے۔ اسطرح ہر ایک لڑکے کو مختلف چیزیں دیتا ہے۔ ہم مکتب کے ایک کونے میں ایک لڑکے کو دیکھتے ہیں کہ سسکیاں لیکر رو رہا ہے۔ اُستاد اس سے پوچھتا ہے کہ تم کیوں روتے ہو وہ غمزدہ ہو کر کہتا ہے کہ آپنے فلاں لڑکے کو تو لعل دیئے ہیں اور مجھے لکڑی کے ٹکڑے پکڑائے ہیں۔ اُستاد اس نافہم بچّے کو سمجھاتا ہے کہ سبق کی اغراض کے لیئے لعل اور لکڑی کے ٹکڑے ہر دو مساوی ہیں۔ دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ جس لڑکے کے ہاتھ میں لعل ہیں وہ ان لعلوں کی وجہ سے اُس دوسرے لڑکے کی نسبت جس کے ہاتھ میں لکڑی یا کاغذ کے ٹکڑے ہیں سبق کو زیادہ اچھی طرح سمجھنے کے قابل نہیں ہو گیا بلکہ ممکن ہے

کہ جس لڑکے ہاتھ میں کاغذ یا لکڑی کے ٹکڑے ہیں وہ لعلوں والے لڑکے سے زیادہ ذہین ہونے کی وجہ سے سبق کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہو۔ غرض لڑکے کو جب بتایا گیا۔ کہ ان چیزوں کی وجہ سے جو ہر ایک لڑکے کے ہاتھ میں ہیں کسی ایک لڑکے کو دوسروں پر فضیلت حاصل نہیں ہوجاتی اور یہ کہ ان چیزوں میں کوئی ایسی ذاتی خوبی نہیں جو سبق کی اغراض کے لیئے زیادہ مفید ہو۔ تو لڑکے کو تسلی ہوگئی اور سسکیاں رک گئیں۔ سبق کے سیکھنے میں جو چیزیں مددگار ہیں وہ اُستاد کا طرز تعلیم اور بچوں کی ذہانت ہے۔ ان چیزوں کی ذات میں کوئی ایسا اثر نہیں جو سبق کے جلدی ذہن نشین کرانے کے لیئے دوسری چیزوں کی نسبت زیادہ مفید ہو۔ اُس بچے کو اُستاد نے یہ بھی سمجھایا کہ یہ سب چیزیں ہمیشہ کے لیئے بچوں کو نہیں دی گئیں بلکہ سبق کے ختم ہونے پر یہ سب چیزیں ایک ایک کرکے واپس لے لیجاویں گی اور کسی لڑکے کے پاس کوئی چیز باقی نہیں رہے گی اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ اس سے ان چیزوں کی قدر اُن کی ذاتی خوبیوں کے لحاظ سے بالکل نابود ہوجاتی ہے۔ وہ تو زیادہ سے زیادہ سبق کو آسانی سے ذہن نشین کرانے کا ایک ذریعہ ہیں اور اس لحاظ سے سب کی قیمت بالکل یکساں ہے کسی ایک چیز کو دوسری پر فضیلت نہیں۔ مختلف حالات جنھوں نے انسانی زندگی کو گھیرا ہوا ہی وہ بھی اُن مختلف ٹکڑوں کی طرح ہیں جو اُستاد نے اپنے شاگردوں کے ہاتھ میں دیئے۔ کیونکہ یہ بھی انسانی زندگی کے اصل مقصد یعنی نجات کے حصول کا ذرائع ہیں اور جب یہ مقصد حاصل ہوجائے گا تو اُس وقت انسان ان حالات میں سے نکل جائیگا۔ جیسا مکتب میں اُستاد کی تشریح۔ طریقہ تعلیم اور رہنمائی لڑکوں کے لیئے سبق کے سمجھنے اور سیکھنے میں مددگار ہوتی ہے ایسا ہی نجات کا راستہ بھی الٰہی ہدایت ہی دکھاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مختلف قسم کے حالات اور مدارج جو ہم انسانوں میں دیکھتے ہیں یہ سب نجات کے اغراض کے لیئے یکسان درجہ رکھتے ہیں ؛

پس یہ کہنا بیہودگی ہے کہ اس دنیا کا آرام اور دُکھ گذشتہ جونوں کے نیک و بداعمال کا نتیجہ ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں نجات کے حصول کے لیئے یکساں درجہ رکھتی ہیں۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ اس دنیا کا سُکھ اور دُکھ گذشتہ جونوں کے نیک و بدکرموں کا پھل ہے تو پھر اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نیکی اور بدی گویا دو توام بھائی ہیں۔ جن سے ایک ہی نتیجہ مترتب ہوتا ہے یعنی دونوں نجات کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں کیونکہ اس دنیا کا سُکھ اور دُکھ (جن کو گذشتہ جونوں کے نیک و بداعمال کا پھل کہا جاتا ہے) نجات کے حصول کا ایک ذریعہ ہیں۔ کیا یہ خیال بیہودہ نہیں کہ نیکی اور بدی دونوں یکساں نجات کے حصول کا ذریعہ ہوں؟

تناسخ کے ذریعہ اس مسئلہ کے موجدوں نے ایک ہی وقت میں دو باتوں کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اس کے ذریعہ صرف اس امر کو صاف کرنے کی ہی کوشش نہیں کی کہ انسانوں کی حالتوں اور حیثیتوں میں جو فرق نظر آتا ہے اس کی کیا وجہ ہے بلکہ انہوں نے اس مسئلہ کے ذریعہ ایک ایسے سوال کے حل کرنے کی بھی کوشش کی ہے جو ہر ایک انسان کے دل میں اُٹھتا ہے یعنی یہ موت کے بعد کیا ہوگا۔ انہوں نے بظاہر ان ہر دو امور کو بڑی سادگی کے ساتھ حل کر دیا ہے مگر افسوس ہے کہ یہ سادہ طریق تسلّی بخش ثابت نہیں ہوا مسئلہ تناسخ میں ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس میں روح اور مادہ کو خدا کی طرح ازلی ماننا پڑتا ہے اور دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کے رُو سے نجات بھی ایک میعادی نجات قرار دی گئی ہے کیونکہ اس کے رُو سے ضروری ہے کہ روحوں کو ایک زمانہ کے گذرنے کے بعد پھر مکتی خانہ سے نکالا جائے تا دنیا کا سلسلہ کل روحوں کے مکتی خانہ میں داخل ہو جانے سے ختم نہ ہو جاوے۔ مسئلہ تناسخ کے ان پہلوؤں پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سرمہ چشم آریہ، چشمہ معرفت اور اپنی دیگر تحریروں میں قابل دید بحث کی ہے۔ اس لیئے ان کے متعلق مَیں زیادہ بحث نہیں کرتا۔

یہاں پر صرف اتنا ظاہر کر دینا کافی ہے کہ اگر ارواح اور مادہ کو خدا کی طرح ازلی مانا جائے تو اس سے خدائے تعالیٰ کی کامل قدرتوں اور صفات کا انکار لازم آتا ہے نہ تو وہ خالق کہلا سکتا ہے اور نہ علیم و خبیر اور اُس کی خدائی کا سارا دارو مدار مادہ اور روح پر ٹھہرتا ہے اگر مادہ اور ارواح کا وجود نہ ہوتا تو خدائے تعالیٰ نعوذ باللہ ایک بیکار ہستی ہوتا کیونکہ تناسخ کے ماننے والے خدائے تعالیٰ کو مادہ اور ارواح پیدا کرنے سے عاجز قرار کر دیتے ہیں۔ اُن کے عقیدہ کے مطابق اُن کا پرمیشر ایک روح بھی پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ مادہ کا ایک ذرہ پیدا کر سکتا ہے۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ اگر بالفرض ارواح اور مادہ کا وجود نہ ہوتا تو پھر اُن کا پرمیشور کیا کرتا اور اگر بالفرض اُن کا پرمیشور ہی نہ ہوتا تو پھر مادہ اور ارواح کے وجود سے کیا فایدہ ہوتا۔ ایک محتاج خدا خدا نہیں کہلا سکتا۔ اور اگر وہ ارواح اور مادہ کا خالق نہیں تو اُس کو چیزوں کے نہاں در نہاں خواص اور قویٰ کا پورا علم بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ جس چیز کا پورا علم ہو تو ضرور ہے کہ وہ بنائی بھی جا سکے۔ پس اگر پرمیشور کو خالق ارواح اور خالق مادہ نہ مانا جائے تو اُس کے علم کو ناقص ماننا پڑتا ہے اور ناقص العلم خدا خدا کہلانے کے لائق نہیں ؛

میعادی نجات کے ماننے سے ایک اور بھاری دقّت پیش آتی ہے۔ نجات خدائے تعالیٰ کے قرب کا نام ہے جو نہایت ہی اعلیٰ راحت کی حالت ہے۔ اور یہ حالت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک انسان کے بُرے میلان اور گناہ کی خواہشیں کُلی طور پر مر نہ جاویں اور انسان کے اخلاق اور قوتیں اپنی تکمیل کی آخری حد تک پُہنچ نہ جاویں اور تنزل کا امکان دُور نہ ہو جاوے۔ جب انسان نجات کو حاصل کرتا ہے تو وہ گناہ اور لالچ اور بُری خواہشات سے پورے طور پر محفوظ ہو جاتا ہے اور شیطان اُس پر تسلط نہیں کر سکتا۔ جب گناہ کے کرنے یا تنزل کی حالت کی طرف رجوع کرنے کا امکان دُور ہو جاتا ہے جب خدائے تعالیٰ کا فضل انسان کی دستگیری کرتا ہے تو وہ ایک ہی قدم میں تمام منزلوں کو طے کر کے اُس وسیع

میدان میں جا پہنچتا ہے جہاں کا چاند اور سورج خود خدائے تعالیٰ ہوتا ہے اور جہاں سے کہ ادنیٰ حالت کی طرف لوٹنا ناممکن ہے۔ اس لیئے ممکن نہیں کہ جو ایک دفعہ نجات حاصل کر چکے وہ پھر دنیا میں آکر جونوں کے غیر متناہی سلسلہ میں داخل ہو ؛

تناسخ کے حامی کہا کرتے ہیں کہ چونکہ انسان کے افعال محدود ہیں اس لیئے اُن کا اجر غیر محدود نہیں ہوسکتا اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان ابدی اور غیر منقطع نجات حاصل نہیں کرسکتا مگر ان کا یہ قول بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ ایک دھوکہ ہے جس کی جڑھ جہالت ہے ہمارا یہ تجربہ ہے کہ چند مرتبہ کے اعادہ سے ہمارے بعض صفات ایسے محکم ہوجاتے ہیں کہ انسان کے لیئے اُن کا اُکھیڑنا بالکل ناممکن ہوجاتا ہے۔ بعض بیماریوں کا اگر تھوڑے عرصہ کے لیئے علاج نہ کیا جاوے تو پھر وہ ہمیشہ کے لیئے لاعلاج ہوجاتی ہیں۔ اس لیئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اگر انسان نیکی پر ایک عرصہ تک استقامت رکھے تو وہ اُس کا ایک دائمی ورثہ ہوجائے ایسا ہی اگر انسان ایک بدی پر ایک عرصہ تک قائم رہے تو اُس کے دل کے دروازے ایسے محکم طور پر بند ہوجاتے ہیں کہ کوئی نیک اثر اُس کے اندر راہ نہیں پاسکتا ؛

انسان کی ترقی کی آخری منزل خدائے تعالیٰ کے ساتھ ملنا ہے۔ اور ہر ایک انسان آخر اس منزل پر پہنچنے والا ہے۔ جن حالات میں وہ اس دنیا میں رکھا گیا ہے وہ اس لیئے ہیں کہ وہ اُن کے ذریعہ اپنے قویٰ کی تکمیل کرے اور اپنی کمزوریوں کو دُور کرے۔ انسان کی مختلف قابلیتوں کے مطابق یہ حالات بھی مختلف ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ اپنے کامل علم اور اپنی کامل حکمت سے ہم میں سے ہر ایک کو ایسے حالات میں رکھتا ہے جو اُس کے لیئے نہایت ہی موزون ہوتے ہیں۔ تاکہ ہماری مخفی طاقتیں پورے طور پر ظاہر ہوں اور اُن کو اپنی تکمیل کے لیئے پورا وسیع میدان حاصل ہو۔ اگر اس اختلاف کو دیکھکر کوئی خدائے تعالیٰ پر اعتراض کرتا ہے تو اُس کی وجہ اُس کی اپنی جہالت اور حقیقت کو سمجھنے کی ناقابلیت ہے ؛

علاوہ ازیں۔ عارضی نجات انسانی فطرت کے مطابق بھی نہیں ہے۔ ہر ایک انسان فطرتی طور پر اپنے محبوب سے جُدا ہونے کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ انسان کا کام ہے کہ وہ ہر ایک چیز کی نسبت خدائے تعالیٰ سے زیادہ محبت کرے اور جب وہ ترقی کی آخری سیڑھی پر پُہنچیگا تو اُس میں سوائے خدائے تعالیٰ کی محبت کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اُس کی آنکھوں کو خدائے تعالیٰ کا دلربا چہرہ دیکھنے کے سوا آرام نہیں آئیگا اور اُس کے دل کا چین اسی میں ہوگا کہ ہر وقت خدائے تعالیٰ سے قریب اور ہم کلام رہے۔ غرض وہ خدا کا ہوگا اور خدائے تعالیٰ اُس کا ہو جائے گا۔ تمام زمینی محبتیں اُس کی نظر میں ہیچ ہو جائیں گی اور تمام دنیا کی دل کشیاں اُس کے نزدیک بے حقیقت ہو جائیں گی۔ اس حالت میں جب الٰہی محبت انسان میں اپنے آخری نقطہ تک پُہنچ چکے گی اور وہ اعلیٰ سے اعلیٰ راحت کو حاصل کر رہا ہوگا ایسے وقت میں اُس کو ایسے بہشت سے نکالکر دنیا میں دوبارہ بھیجنا اور پھر جسمانی جونوں میں اُس کو قید کرنا اگر ظلم نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ دنیا کے محبوب بھی پسند نہیں کرتے کہ وہ اپنے سچے محبوں سے بیوفائی کا برتاؤ کریں پھر خدائے تعالیٰ کسطرح اپنے سچے پرستاروں اور عاشقوں کو اپنے حضور سے بے رحمی کے ساتھ دھکے دیکر باہر نکال سکتا ہے۔ وہ کسطرح ایسا بخیل ہو سکتا ہے کہ یک لخت اپنے سارے انعامات اور برکات اُن لوگوں سے ہٹالے جو دل وجان سے اُس پر فدا ہیں اور جو کہ ایک صید نیم بسمل کی طرح اُس کے آستانہ پر گرے پڑے ہیں۔ محبوب اور محب میں ایک قسم کی یکرنگی ہونی چاہیئے۔ اگر محبوب کے انعامات غیر منقطع ہیں اور اگر وہ اپنے انعامات اپنے محبوں پر ہمیشہ جاری رکھنے والی ہستی ہے تو ضروری ہے کہ اُس کا محب بھی اُس کے اُن انعامات کا ہمیشہ مورد بنا رہے اور کبھی خدائے تعالیٰ کی غیر منقطع نعمتوں سے محروم نہ ہو ؛

ایک پُرانی کتاب میں لکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا۔ ان الفاظ میں ایک بڑی سچائی مخفی ہے۔ خدا میں جو دینے والا ہے اور

بندہ میں جو لینے والا ہے ایک طرح کا تطابق ہونا چاہیئے۔ اس لیئے نجات یافتہ انسان ہمیشہ خدائے تعالیٰ کے انعامات کو لینے کے لیئے تیار اور مستعد رہتا ہے اور خدائے تعالیٰ بھی اُس سے وہی سلوک کرتا ہے جس کی انسانی فطرت مقتضی ہوتی ہے اور اس لیئے وہ اس پر اپنی رحمت اور فضل کی بارش کو متواتر اور ہمیشہ جاری رکھتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی نسبت یہ کہنا کہ وہ اپنے ایک محب کو ایک دفعہ اپنی رحمت اور انعامات کے بہشت میں داخل کر کے پھر اُس کو اُس حالت راحت سے نکالکر جونوں کے غیر متناہی چکر میں ڈال دیتا ہے خدائے تعالیٰ کی بے ادبی ہے کوئی عقلمند انسان خدائے تعالیٰ کی طرف ایسی بیوفائی منسوب نہیں کر سکتا ؛

مسئلۂ تناسخ کا بطلان ظاہر کرنے کے بعد اب مَیں اس امر کیطرف رجوع کرتا ہوں کہ اسلام نے اس کے بجائے کیا تعلیم پیش کی ہے۔ انسانوں کے حالات اور مدارج میں جو بظاہر اختلاف نظر آتا ہے اُس کا خدائے تعالیٰ نے چند ہی الفاظ میں قطعی فیصلہ فرما دیا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَٰئِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَٰكُمْ (سورہ انعام) اور اُسی نے تم کو زمین میں دوسروں کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر مدارج میں فضیلت دی تاکہ جو کچھ اُس نے تم کو دیا ہے اس میں تم کو آزمائے (اور اُس کے مطابق تم کو انعام دے)۔ اس آیۂ کریمہ کے رُو سے انسانوں کے حالات اور درجات کا اختلاف اُن کی ترقی کے لیئے مددگار ہے۔ ایک لمحہ کے لیئے ایک ایسی دنیا کا تصور باندھو جس میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہو اور پھر دیکھو کہ وہ دنیا کیسی ہوگی۔ اُسوقت دنیا پر ایک مُردنی چھائی ہوئی ہوگی تمام انسانی ترقی کیا اخلاقی اور کیا روحانی مفقود ہوگی۔ ترقی کرنے کا کوئی محرک موجود نہ ہوگا۔ انسانوں کی تمام قوتیں ٹھنڈی پڑی ہوئی ہونگی۔ تمام طاقتیں سرد ہو چکی ہوں گی۔ اور کسی قسم کی چستی و چالاکی پائی نہیں جائیگی۔ تھوڑے عرصہ میں انسان اپنا تمام عقلی مادہ کھو بیٹھے گا اور پورا کوڑ مغز ہو جائے گا جو تمام

قابلیتوں سے خالی ہوگا۔ یہ اختلاف انسانوں کے لیئے ایک برکت کا سرچشمہ ہے۔ یہ ترقی کے لیئے ایک محرک ہے اور آگے بڑھنے کے لیئے ایک ترغیب اپنے اندر رکھتا ہے۔ جب ہم اُن لوگوں کو دیکھتے ہیں جو ہم سے بہتر حالت میں ہیں تو ہم میں رشک کی ایک روح جوش مارتی ہے اور اُن کے برابر ہونے کے لیئے یا اُن سے سبقت لے جانے کے لیئے ہماری ساری طاقتیں کام میں لگ جاتی ہیں۔ اگر اختلاف نہ ہوتا تو دنیا میں نہ نیکی ہوتی نہ بدی۔ اگر دنیا بُرے لالچوں سے پاک ہوتی تو ہمیں اپنے بُرے جذبات کو دبانے اور فرو کرنے کا موقعہ نہ ملتا اور اس طرح ہم کمال حاصل کرنے اور روحانی طور پر ترقی کرنے سے محروم رہ جاتے اور ہمیں اخلاق فاضلہ حاصل کرنے کا موقعہ میسر نہ آتا۔ جب تک ہمارے پوشیدہ قوٰی اور ہماری مخفی طاقتیں بیرونی محرکوں کی وجہ سے ظہور پذیر نہیں ہوتیں اور پھر مناسب ذریعوں سے اُن کی اصلاح نہیں ہوتی تب تک ضروری ہے کہ ہم ایک ناقص حالت میں رہیں جب تک ہماری پوشیدہ بُری خواہشوں کی بیخکنی نہیں ہو لیتی تب تک ہماری زندگی معرض خطر میں ہی رہتی ہے اور بُری خواہشوں کی بیخکنی صرف اُسی صورت میں ممکن ہے جب کہ حالات میں اختلاف ہو۔ دنیا کی خوبصورتی اور زندگی کی دلکشی اسی اختلاف میں پائی جاتی ہے جس کو ہم ہر طرف ہر جنس اور ہر نوع میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ انسانی نسل کا ہر ایک فرد خواہ وہ کیسی ہی گری ہوئی حالت میں کیوں نہ ہو اپنی ذات کے ساتھ بعض فرائض وابستہ رکھتا ہے اور اگر وہ اُن فرائض کو ایمانداری کے ساتھ ادا کرے اور جو قوتیں اور طاقتیں خدائے تعالیٰ نے اُس کو دے رکھی ہیں اُن سے جائز طور پر اپنے اپنے محل پر کام لے اور طاقتوں اور دوسری خداداد چیزوں کو خدائے تعالیٰ کی عبادت اور نوع انسان کی ہمدردی میں خرچ کرے تو وہ کامل انسان ہو سکتا ہے۔ دنیاوی طور پر اعلیٰ یا ادنیٰ حیثیت کا رکھنا براہ راست اُس کی نجات پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔

غرض یہ بالکل ایک صاف اور کھلی بات ہے اور تناسخ کی کہانی محض ایک

خیالی ڈھکوسلہ ہے جو بالکل فضول اور بے بنیاد ہے یہ صرف چند توہمات کا مجموعہ ہے ؛
مسئلہ نجات کی طرف رجوع کرکے پھر میں کہتا ہوں کہ عارضی یا میعادی نجات صرف اُنہی لوگوں کا حصہ ہے جو تناسخ کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایک شخص جونوں کے طول طویل دورہ کو پورا کرتا ہے اور کروڑوں سال اس دُکھ میں گذار کر ایک ایسی جگہ حاصل کرتا ہے جہاں کہ اُس کو آواگون یعنی تناسخ کے چکر سے نجات ملتی ہے اور جسے وہ خواہ کچھ ہی ہو چھوڑنا پسند نہیں کرتا لیکن باایں ہمہ کچھ عرصہ تک اُس جگہ میں جسے ہندو سُرگ کہتے ہیں رہنے کے بعد پرمیشور کا پروانہ اُس کے نام پہنچتا ہے کہ اس جگہ میں سے اب تمھیں نکلنا پڑے گا اور پھر اُسی آواگون کے منحوس چکر میں تمھیں داخل ہونا پڑے گا جس سے تم کو پہلے نجات دی گئی تھی۔ یہ ایسی بات ہے جس کو انسانی فطرت نہایت ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ وہ کیسا سُرگ میں جس میں ہر وقت انسان کو یہی دھڑکا لگا رہے کہ معلوم نہیں کس گھڑی میں مجھے یہاں سے نکالا جائے گا اور پھر تناسخ کے دوزخ میں ڈالا جائے گا جس سے کروڑوں سال میں بھی چھٹکارا حاصل کرنا محال ہے اور پھر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ کیوں پرمیشور روحوں کو مُکتی خانہ سے نکالے گا تو ہنسی آجاتی ہے۔ بیچاری روحوں کو بلا قصور مُکتی خانہ سے نکالکر دوبارہ آواگون کے چکر میں لگانے کی ضرورت پرمیشور کو یہ پیش آجاتی ہے کہ پرمیشور میں یہ طاقت نہیں کہ ایک آدھی روح کو بھی پیدا کر سکے اور اگر ساری روحیں نجات پا کر سُرگ میں داخل ہوتی جائیں تو روحوں کا ذخیرہ ختم ہو جائے اور پرمیشور دنیا کے کاروبار کو چلانے سے عاجز رہ جائے۔ اس لیئے پرمیشور نے یہ قاعدہ ٹھہرا رکھا ہے کہ وہ ہمیشہ تک کسی روح کو سُرگ میں نہیں رہنے دیتا۔ تا دنیا کا کاروبار چلتا رہے۔
ناظرین خیال کریں یہ کیسا خدا ہے۔ اس سے تو لازم آتا ہے کہ پرمیشور (نعوذ باللہ) نہ صرف محتاج ہے بلکہ خود غرض بھی ہے کیونکہ اپنے کارخانہ خدائی کو قائم رکھنے کے لیئے بیچاری روحوں کو اُس آرام سے محروم کر دیتا ہے جو اُنہوں نے سالہا سال

دُکھ اُٹھانے کے بعد حاصل کیا تھا۔ نعوذ باللہ خدائے تعالیٰ کی نسبت ایسی خودغرضی اور ایسا عجز منسوب کرنا سخت کفر ہے۔ اسلام نے اس مسئلہ کو انسان کی فطرت کے مطابق حل کیا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے یَاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ یعنی اے اطمینان یافتہ نفس۔ تو اپنے رب کی طرف واپس جا۔ اس حال میں کہ تُو اپنے رب پر راضی ہے اور تیرا رب تجھ پر راضی ہے اور میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو۔ خدا سے ملنا انسانی روح کی تڑپ ہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی۔ یعنی انسانی روح پکار کر یہ کہتی ہے کہ اے خدا تُو ہی میرا رب اور میرا سہارا ہے۔ کامل تسکین اور کامل اطمینانِ قلب حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ انسان خدائے تعالیٰ کی عبادت میں اپنے تئیں فنا نہ کر دے۔ خدائے تعالیٰ کی محبت انسان کی روح میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور ایک سلیم روح خدائے تعالیٰ کی گود کے سوا اور کسی جگہ آرام نہیں پاتی۔ اگر کسی روح میں یہ تڑپ نہ ہو (خدائے تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے) تو ایسی روح ایک بیمار روح ہے۔ جیسا بعض اوقات ایک بیمار جسم اس خوراک سے نفرت کرتا ہے جو اُس کے قیام کے لیئے لابدی ہے ایسا ہی ایک مریض روح کسی روحانی بیماری کی وجہ سے اپنے اصل مطلوب سے دور جا پڑتی ہے اور جب تک مناسب علاج کے ذریعہ اُس کو اصلی حالت پر نہ لایا جاوے تو وہ بگڑی ہوئی فطرت کے آثار ظاہر کرتی ہے۔ اس امر سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ انسانی روح اپنی صحت کی حالت میں الٰہی محبت کی تخت گاہ ہے دنیا کے کل مذاہب کا اس پر اتفاق ہے۔ تمام بڑے بڑے مذاہب خدائے تعالےٰ کی ہستی کا اقرار کرتے ہیں اور نجات کو انسانی زندگی کا مقصد قرار دیتے ہیں۔ چونکہ خدائے تعالیٰ سے ملنا انسانی زندگی کی اصل غرض ہے اس لیئے ضروری ہے کہ انسان دنیا کی میل سے بالکل پاک اور صاف ہو جاوے اور اُس کی

طبیعت کا وہ پہلو جو بُرائی کی طرف کھینچتا ہے پورے طور پر دبا دیا جاوے اور مغلوب کیا جاوے کیونکہ خدائے تعالیٰ پاک ہے اور وہ ناپاکی کو پسند نہیں کرتا۔ چونکہ مخلوق کو خالق کے ساتھ جوڑنے والی چیز محبت ہے اس لیئے انسان اپنی ترقی کی منزل میں ہر وقت اپنے تئیں الٰہی انعامات کے لیئے زیادہ اور زیادہ لائق بنا رہا ہے۔ ہر ایک قدم پر خدائے تعالیٰ انسان کی محبت کا جواب دیتا ہے اور اُس کی فطرت کی خواہش کے پورا ہونے کے لیئے سامان مہیا کرتا ہے۔ انسانی محبت کا آخری نقطہ یہ ہے کہ انسان اپنے محبوب کو دیکھ لے اور بغیر کسی واسطہ یا درمیانی چیز کے براہ راست اُس کا تعلق اپنے محبوب سے ہو جاوے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے رحم اور کرم کی وجہ سے انسان کی اس خواہش کے پورا کرنے کے لیئے سامان پیدا کر دیا ہے ایک دن آئے گا کہ انسان اپنے خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اور براہ راست اُس سے ہمکلام ہوگا۔ مگر تناسخ کا مسئلہ انسانی روح کے اس پہلو کے لیئے کوئی سامان پیش کرنے سے عاجز ہے۔ آیۃ مذکورہ بالا میں انسان کی اسی تڑپ کی طرف اشارہ ہے ؛

جب آدمی یہاں تک خدائے تعالیٰ کی طرف بڑھتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے تئیں خدائے تعالیٰ کی رضا کے حوالے کر دیتا ہے بلکہ خدائے تعالیٰ جو کچھ کرے اُس پر خوش ہوتا ہے اور جب انسان اس زندگی میں اس دنیا کے لحاظ سے اپنے اوپر ایک موت وارد کر لیتا ہے اور اپنی تمام اُمیدوں اور محبتوں کو خدائے تعالیٰ کی ذات سے وابستہ کرتا ہے۔ اُس وقت اُس کے جواب میں خدائے تعالیٰ کی محبت کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ اُس وقت خدائے تعالیٰ انسان سے راضی ہو جاتا ہے اور انسان اپنے خدا سے راضی ہو جاتا ہے۔ اس منزل پر انسان دنیا میں ہی جنّت میں داخل ہو جاتا ہے قیامت کے دن انسان اپنے خالق کو روبرو ہو کر دیکھے گا اور اُس وقت اُس کی خوشی کا کوئی انتہا نہ ہوگا اُس محبوب حقیقی کے دیکھنے سے سچے محبوں کو کیسی خوشی ہو گی اس کا اندازہ کسی قدر

وہ لوگ بھی لگا سکتے ہیں جن کو اس دنیا کی فانی محبت کا بھی تجربہ ہو چکا ہے ۔

ایک اور غلطی جس میں تناسخ کے حامی گرفتار ہیں یہ ہے کہ وہ اس امر کو بھول جاتے ہیں کہ جب ایک دفعہ انسان اس دنیا میں خدائے تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے اور اپنے تئیں کامل کرنے کے ذرائع سے فائدہ نہیں اُٹھا سکا تو پھر بار بار اُس کو اُنہی حالات میں لوٹانا جہاں کہ وہ پہلے ناکام رہ چکا ہے سخت غلطی ہے ۔ اس کے بعد وہی چیز اُس کی اصلاح کر سکتی ہے جو اس دنیا سے باہر ہو ۔ جو سامان اور ذرائع اس میں میسر آ سکتے ہیں وہ اُس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے ۔ اور پھر اسکو پھیر پھیر کر اُنہی حالات کے ماتحت رکھنا عقلمندی کا کام نہیں ہے جب تناسخ کے مسئلہ کو اس پہلو سے دیکھا جاوے تو اُس کا غلط ہو جانا کُھل جاتا ہے جب دنیا میں اصلاح کے ذرائع بھی وہی ہیں اور انسان کی فطرت اور طبیعت بھی وہی ہے جو پہلے تھی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ دوبارہ سہ بارہ ایک ہی تجربہ کو دُہرانے سے کوئی مختلف نتائج پیدا ہوں ۔ روح انسانی اس دنیا میں خواہ کسی لباس میں ظاہر ہو اُس کے لیئے شیطان کے قبضہ سے نجات پانا اور گناہ کے پنجہ سے رہائی حاصل کرنا بغیر معرفت الٰہی کے مشکل ہے ۔ تمام اعمال صالحہ کی جڑھ تقویٰ ہی اور تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدائے تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین نہ ہو ۔ اور اُس کے اسماء پر پورا پورا ایمان نہ ہو ۔ جُون کے بدلنے سے خدائے تعالیٰ کی معرفت کے ذرائع میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور اس کے بغیر کوئی اصلاح اور کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے ۔

میرے خیال میں اگر یہاں سزا کی حکمت پر کسی قدر غور کیا جاوے تو بیجا نہ ہوگا ۔ سزا خواہ کسی رنگ میں دی جاوے اُس میں اصلاح کا پہلو غالب رہنا چاہیئے ۔ انسانوں کو سزا دینے سے خدائے تعالیٰ کا منشا اُن کی اصلاح ہے اور اس دنیا میں سزا مصائب کے رنگ میں نازل ہوتی ہے ۔ مگر کُل مصائب سزا کے لیئے نہیں ہوتے ۔ بعض مصائب سزائی حصہ سے ایسے ہی پاک ہوتے ہیں جیسا کہ خود راحت ۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝ (بقرہ) یعنی جب اُن کو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لیئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ یعنی خدائے تعالیٰ کے بندے ہمیشہ اپنی نظر خدائے تعالیٰ پر ہی رکھتے ہیں جب کبھی کوئی عزیز یا قریبی موت کا شکار ہوتا ہے یا اُن کے مال کا نقصان ہوتا ہے یا اُن کو کوئی اور مصیبت پہنچتی ہے تو وہ بول اُٹھتے ہیں کہ ہم در اصل خدائے تعالیٰ کے ہیں اور اُسی کی طرف ہم نے جانا ہے۔ یہ چیزیں بھی اب ہماری نہیں رہیں اور نہ ہم اُن کے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصائب آزمائش کا کام دیتے ہیں۔ اور خدا کے بندے ان امتحانوں میں سے سلامت گذر کر خدائے تعالیٰ سے اور بھی گہرا تعلق حاصل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کی نسبت فرماتا ہے :-

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ یعنی ان لوگوں پر اُن کے پروردگار کی طرف سے صلوات اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور وہی لوگ راہ پانیوالے ہیں۔ اُن کا تعلق خدائے تعالیٰ کے ساتھ اور بھی مضبوط اور محکم ہو جاتا ہے۔ کمال کے لیئے امتحان ایک لابدی چیز ہے ہر ایک امتحان سے سلامت گذرنے کے بعد انسان کو ایک رفع حاصل ہوتا ہے۔ اُس کا قدم زیادہ اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے اور وہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں آگے اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کے برگزیدوں پر جو تکالیف آتی ہیں وہ اسی قسم کی ہوتی ہیں۔ وہ خدائے تعالیٰ کی رحمتوں کا ایک ذریعہ ہوتی ہیں۔

خدائے تعالیٰ کے انبیاءؑ پر بڑی بڑی تکالیف وارد ہوئیں اور اُن کو بڑے بڑے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور دشمنوں کی طرف سے اُن کو سخت سے سخت ایذا دیگئی مگر اُس کا نتیجہ سراسر خیر و برکت ہی ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳ سال تک مکّہ میں کفار کے ہاتھ سے طرح طرح کی تکلیف نہایت صبر اور بردباری اور بہادری کے ساتھ برداشت کی اور اُس کے بعد مدینہ میں بھی دشمنوں نے پیچھا نہ چھوڑا بلکہ مکّہ میں تو صرف قریش ہی دشمن تھے مدینہ میں قریش کے علاوہ کئی اور قومیں عداوت

اور ایذادہی پر آمادہ ہوگئیں آپ کو سب سے زیادہ تکلیف دی گئی اس لیئے کہ آپ سب سے بڑے نبی تھے۔ ہر ایک راستباز آدمی کو اپنے روحانی منازل کے طے کرنے کے لیئے کچھ نہ کچھ تکلیف سہنی پڑتی ہے ؛

اسکے علاوہ مصایب بطور سزا کے بھی ہوتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ عام انسانوں کو مخاطب کرکے فرماتا ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ یعنی جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص بے وقوفی سے ایک بڑی مقدار میں سم الفار کھالے تو اُس کا نتیجہ موت ہونا چاہیئے۔ اسی طرح ہر ایک فعل ایک نتیجہ رکھتا ہے اور جو شخص بُرے کام کرے گا وہ بُرا پھل پائے گا۔ خدائے تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور بدی کا علم دیدیا ہی چنانچہ فرماتا ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا یعنی خدائے تعالیٰ نے ہر ایک نفس کو بُرائی کی باتوں اور نیکی کے کاموں کا علم دے دیا ہے اور پھر جب دنیا مین بدی پھیل جاتی ہے تو خدائے تعالیٰ کھلے کھلے انذار کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا ہے تاکہ وہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ راست کی طرف بلائیں۔ اور اُس نے انسانوں کی ہدایت کے لیئے وقتاً فوقتاً الہامی کتابیں انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائیں تاکہ بعد کی نسلیں اُن کے ذریعہ راہ راست کو اختیار کریں اور سب سے آخر کامل کتاب قرآن شریف کو نازل فرمایا جو کُل سچائیوں کا جامع ہے اب بھی اگر انسان خدائے تعالیٰ کے حدود کو توڑے تو اُس کا خون اُس کے اپنے سر پر ہے۔ مگر یہ سزا بھی جو انسان کو اُس کی بدکاریوں کی وجہ سے آتی ہے یہ بھی اُس کے لیئے اچھا نتیجہ رکھتی ہے۔ یہ بات انسان کی فطرت میں رکھی گئی ہی کہ جہاں سے اُس کو دُکھ پہنچتا ہے وہ طبعاً اُس جگہ سے پرہیز کرتا ہے۔ اس طرح یہ سزائیں انسانوں کے متنبہ کرنے کا ذریعہ ہیں۔ تمام تکالیف انسان کے اپنے فائدہ کے لیئے ہیں سزا اکثر دو رنگ کا فائدہ دیتی ہے۔ ایک تو وہ گنہگار کے لیئے بطور علاج کے کام کرتی ہے اور اُس کو پاک وصاف کرتی ہے۔ دوسرے وہ

اور لوگوں کے لیے عبرت کا کام دیتی ہے تاکہ لوگ گناہوں کے بدنتائج کو دیکھ کر
اُن کے ارتکاب سے بچیں اور وہ سزا یافتہ شخص خود بھی آئندہ کے لیے گناہوں
سے پرہیز کرے جو سزا خدائے تعالیٰ نے آخرت میں رکھی ہے اُس کی غرض
بھی انسانوں کو پاک وصاف کرنا ہی ہے۔ اسی لیئے دوزخ کی نسبت خدائے
تعالیٰ فرماتا ہے فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ یعنی بدکار کے لیئے دوزخ بطور ماں کے
ہے۔ دوزخ بھی انسان کے فائدہ کیلیئے ہے کیونکہ اُس کے ذریعہ انسان اپنے
گناہوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے اور جو نقص اُس میں باقی ہوتے ہیں
اُن کی تلافی ہوجاتی ہے ؛

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا اِنَّهَا
سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۔ اٰمین
و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

مسیحی معجزات

مثل مشہور ہے۔ کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ یہ مثل مسیحی صاحبان پر خصوصیت
سے صادق آتی ہے۔ چونکہ وہ سچے راستہ سے بہت دُور جا پڑے ہیں۔ اور
ان کا تعلق خدا سے ٹوٹ گیا ہے۔ اور وہ اُن نشانات کے دکھانے سے عاجز
ہوگئے ہیں۔ جو کہ صرف اُنہیں لوگوں کا حصہ ہے۔ جنہوں نے کہ راہ حق کو نہیں
چھوڑا۔ مگر ساتھ ہی چونکہ وہ یہ بھی ظاہر کرتے ہیں۔ کہ وہ راہ حق پر ہیں۔ اور
نیکی کا راستہ وہی ہے۔ جس پر وہ قدم مار رہے ہیں۔ اسواسطے وہ ہمیشہ ایسی
باتوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ جن کو کہ وہ معجزہ کہ سکیں۔ حال میں ایپی فنی
جو کہ مسیحیوں کا ایک ہفتہ وار اخبار ہے۔ اور جو آکسفورڈ مشن کے زیر اہتمام
کلکتہ سے نکلتا ہے اُس میں ایک بہت بڑے موجودہ زمانے کے مسیحی معجزہ

کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اِس اخبار کا ایک مسیحی نامہ نگار بڑے فخر سے ان حقیقی معجزات (جیسا کہ وہ اُن کو کہتا ہے) کا ذکر کرتا ہے۔ جو کہ آجکل مقام لورڈ علاقہ فرانس میں ظاہر ہو رہے ہیں اور جن کا مدعا یہ ہے۔ کہ عیسائیت کی برکت سے بیمار تندرست ہو رہے ہیں۔ اور ایڈیٹر بھی اس نامہ نگار کے ساتھ اتفاق کرتا ہوا ایک بہت بڑا حاشیہ چڑھاتا ہے۔ جس کے دوران میں وہ کہتا ہے۔ "کہ بہت سے بیمار جو کہ بروئے طب لا علاج ثابت ہو چکے ہوں۔ عام طور پر تندرست ہوئے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں اس قسم کے معجزات نہ صرف کسی خاص جگہ پر وقوع میں آ رہے ہیں۔ بلکہ کلیسیا کے مختلف حصوں میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اور ہمارا یقین ہے۔ کہ یہ ان معاہدات کی تکمیل ہے۔ جو کہ مسیح نے مرقس کی انجیل کے سولھویں باب کی اٹھارھویں ورس میں کیئے ہیں"۔

ان معجزات کی اصل حقیقت دکھانے کے لیئے میرے پاس اس سے اچھا مصالح نہیں ہے۔ کہ لنڈن کو اٹرلی ریویو (جس کا ایڈیٹر بھی اپی فنی کے ایڈیٹر کی طرح ایک معزز پادری بنام جان ٹلمفورڈ بی۔اے ہے) کے اپریل کے پرچہ سے ایک مضمون نقل کروں جو کہ ڈاکٹر ایڈورڈ واکر ایم۔ ڈی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر ایڈورڈ واکر اُن "حقیقی معجزات" کی بابت جو کہ لورڈ وغیرہ جیسے مقامات پر ظاہر ہو رہے ہیں اپنی رائے مندرجہ ذیل الفاظ میں ظاہر کرتا ہے "موجودہ زمانہ میں اعتقاد کی مدد سے بیماروں کے تندرست کرنے کا طریقہ بہت سرعت سے ترقی کر رہا ہے۔ خاص کر امریکہ میں۔ اگرچہ اس کے طریقے یکساں نہیں ہیں۔ اور موجودہ زمانے میں اس قسم کے علاجوں کی نہایت ہی مشہور مثال لورڈ کے معبدوں میں پائی جاتی ہے۔ جہاں کہ ہر سال بہت سے بیمار اچھے ہوتے ہیں۔ اور اگرچہ تندرست ہونیوالوں کی تعداد دوسروں کے مقابل میں بہت ہی قلیل ہے۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ بعض بیمار واقعی صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ کیا پھر ہم کو یہ کہنا چاہیئے۔ کہ یہ مسیحی معجزات ہیں۔ اور اُن معاہدات کی تکمیل

ہیں۔ جو کہ یسوع مسیح نے مرقس کی انجیل کے سولھویں باب کی اٹھارھویں ورس میں کیئے ہیں۔ نہیں ہر گز نہیں۔ اس مضمون کے لکھنے والے نے ایسے خیالات کو جڑھ سے اُکھاڑ دیا ہے۔ جبکہ وہ لکھتا ہے۔ کہ "اس قسم کا علاج کوئی نئی بات نہیں . . . . . ہے بلکہ اس قسم کے معالجات زمانہ قدیم سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور ان کی صحت میں کبھی کسی کو کوئی شبہ نہیں ہوا۔ ہم اِن کی کامیابی کا ذکر ایسے وقت سے پاتے ہیں جس وقت سے کہ تواریخ کے لکھنے کا شوق اول اول پیدا ہوا۔ چنانچہ ایک اور نامور سخندان سر کلفوڑ انبٹ کہتا ہے۔ کہ دنیا کی تواریخ میں اس قسم کے معجزانہ معالجات کا ذکر اس کثرت سے کہیں نہیں ملتا۔ جیساکہ قدیم روما کی طب اور شفا کے دیوتاؤں کے مندروں میں" ڈاکٹر ایڈورڈ واکر لنڈن کوارٹرلی ریویو کے نامہ نگار کے خیال میں اس قسم کے معالجات سے عیسائیت کو کوئی تعلق ہے۔ بلکہ ان کی تشریح مکمل طور پر موجودہ سائنس سے ہو سکتی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ "اعتقادی رنگ میں بیماروں کے علاج کرنے کی مثالیں دیکھنے کے لیئے ہمیں موجودہ قانون طب سے باہر نہیں جانا پڑتا۔ ہر ایک ڈاکٹر کو اس قسم کے بہت سے مریض ہر روز ملتے ہیں۔ اور ہر ایک عمدہ ہسپتال میں اس قسم کی بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں۔ ۱۸۔ جون ۱۹۱۰ء کے برٹش میڈیکل جرنل میں پروفیسر آسلر اور مسٹر بٹلن بہت سی اس قسم کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ اور اس قسم کی فہرست غیر محدود طور پر بڑھ سکتی ہے۔ بلاشبہ یہ بہت ضروری ہے۔ کہ ہر ایک ڈاکٹر میں اپنے مریض کا اعتقاد حاصل کرنے کی ایک بھاری قوت ہونی چاہیئے۔ اور یہی اس کی کامیابی کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اگر کوئی مریض اپنا اعتقاد کسی ڈاکٹر سے اُٹھالے۔ تو پھر اس ڈاکٹر کے لیئے اس کا علاج کرنا نہایت مشکل ہو جاوے گا۔ غرضکہ ایسا اثر جو کہ انسانی دل کا اس کے جسم پر ہوتا ہے کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ ایسی مثالیں ہر روز ہمارے مشاہدہ میں آتی ہیں۔ ہر ایک آدمی اُن اثرات سے خوب واقف ہے۔ جو کہ انسان کے جسم پر کسی ڈر۔ خوف۔ غضب یا مایوسی کے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خوش ہو۔ تو وہ خوشی اس کے وجود سے

ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی اس کا جسم سیدھا ہوتا ہے۔ قدم مضبوط ہوتے ہیں آنکھیں روشن ہوتی ہیں اور چہرہ بشاش ہوتا ہے۔ اور اس کے تمام وجود سے ایک قسم کی ہوشیاری اور تر و تازگی ٹپکتی ہے۔ برخلاف اس کے اگر اس کو کوئی بری خبر سُنا دی جاوے۔ تو اس کا جسم مُرجھا جاتا ہے۔ پاؤں بوجھل ہو جاتے ہیں۔ اور چہرہ پر سُستی اور پژمردگی چھا جاتی ہے۔ غرضکہ دل کی ہر ایک حالت اس کے وجود سے ظاہر ہوتی ہے۔ غضب میں آنکھوں سے آگ برستی ہے۔ آنکھوں کی پتلیاں سکڑ جاتی ہیں .... اور وہ ایسی تیزی سے چلتا ہے۔ کہ دیکھنے والا ڈر جاتا ہے۔ کون ہے جو کہ پاکدامنی کی بشاشت اور بدکاری کی زردی سے خوب واقف نہیں ہے۔ ہم روزانہ گفتگو میں سنتے ہیں۔ کہ فلاں کا دل خوشی سے اُٹھ رہا ہے۔ اور فلاں کا ڈر کے مارے گرتا جاتا ہے۔ دل کے جذبات کا جو اثر اعصاب اور رگوں پر ہوتا ہے۔ اس سے جسم کے تمام اعضا مؤثر ہو جاتے ہیں۔ پھیپھڑہ۔ دل معدہ۔ انتڑیاں۔ جگر۔ گردے اور اور اعضا کے عمل بگڑ جاتے ہیں۔ جب غم دُور ہو جاتا ہے۔ تو ہم زیادہ آرام سے سانس لیتے ہیں۔ جب طبیعت میں کوئی جوش ہوتا ہے۔ تو ہمارے دل کی رفتار زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔ بُری خبر کے سُننے سے بھوک نہیں لگتی۔ اور ہمارا معدہ خراب ہو جاتا ہے۔ امتحان کا جوش عام طور پر ہمارے گردوں کی تیزی کو بڑھا دیتا ہے۔ یہ تغیرات تو طبعی افعال میں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر بیماریوں پر بھی اس کے ایسے ہی تغیرات ہیں۔ کسی صدمہ سے انسان کو بیخودی ہو جاتی ہے۔ یا وہ دیوانہ ہو جاتا ہے۔ یا مر جاتا ہے۔ یا برخلاف اس کے کئی بیماروں کا علاج ہو جاتا ہے۔ بہت سی اس قسم کی مثالیں ہیں۔ کہ وہ مرد اور عورتیں جو کہ بستروں سے اُٹھ نہیں سکتے تھے۔ اور جن کے اعضا بہت بُری طرح سے جُڑ گئے تھے۔ جب اچانک "آگ" کی آواز ان کے کانوں تک پہنچی۔ تو وہ بستروں سے باہر کو دپڑے۔ اور ایسے بھاگے۔ کہ گویا بیمار ہی نہ تھے۔ یہ مسلمہ بات ہے۔ کہ بہت سے غموں کیوجہ سے انسان یرقان اور ذیابیطس ایسی بیماریوں میں گرفتار ہو جاتا ہے صدمے کا

غدودِ گردن پر بعض دفعہ ایسا اثر ہوتا ہے۔ کہ گلھڑ پیدا ہوجاتا ہے۔ اچانک ڈر سے
عام طور پر رعشہ پیدا ہوجاتا ہے۔ غضب بہت دفعہ نقرس پیدا کر دیتا ہے۔ اور
بہت دفعہ اس کا ایک عمدہ علاج بھی ہو جاتا ہے۔ غالباً انسانی جذبات کا سب سے
بھاری اثر اس کے جسم کی غدودوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً غدود حلق و دماغ خصیۃ الرحم
اور معدہ اور انتڑیوں کے غدود۔ اور ان غدودوں کا اجزائے بدن۔ غذا اور
قویٰ سے بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ لہٰذا ہم نہایت آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ
سکتے ہیں۔ کہ خیالات کا اثر جسم کی بناوٹ اور اس کے اجزاء پر بہت ہی بھاری
ہوتا ہے۔ پھر دَوران بیماری میں بھی ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اس سے
بیماری رُک سکتی ہے۔ اس کی رفتار تیز ہو سکتی ہے۔ یا اس کی ترقی میں کمی واقعہ
ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ سکتے ہیں۔ خیالات کا اثر ان بیماریوں میں بہت
ہی بیّن ہوتا ہے۔ جن میں کہ انسانی جسم کی بناوٹ میں کچھ تغیر واقعہ نہیں ہوتا۔ مگر
دوسری بیماریوں میں بھی اثر ضرور ہوتا ہے۔ ان بیماریوں میں بھی جو کہ اجرام کی وجہ
سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس اثر کو ہم معدوم نہیں سمجھ سکتے۔ غالباً یہ اثر اجرام پر تو
نہیں ہوتا۔ مگر جسم میں اور اس خوراک میں جس سے کہ یہ پرورش پاتے ہیں۔ ایک
تغیر پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس سے ان کی طاقت اور تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔
حق بات تو یہ ہے۔ کہ یہ کہنا موجودہ سائنس کے ہرگز خلاف نہ ہوگا۔ کہ انسانی اعتقادات
اور جذبات کا اثر بُرا یا اچھا انسانی بیماریوں پر ضرور ہوتا ہے۔ معمولی خیالات کا
بھی بیّن اثر ہوتا ہے۔ ان حالات کے ماتحت یہ امر روشن ہے۔ کہ جو روحانی وجد
اور جذبہ سنیٹ فرنیس اور سنیٹ تھیریسا کے معبدوں میں دیکھا جاتا ہے۔
ضرور اُس سے عجیب نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ لڑائی کے وقت میں سپاہیوں کو
اپنے زخموں کا پتہ تک نہیں لگتا۔ شہدا اپنی چتا پر ان تمام عذابوں اور تکلیفوں
سے بے پروا نظر آتے ہیں۔ کہ جس کا صرف بیان ہی ایک شاہ زور آدمی کا کلیجہ ہلا
دیتا ہے۔ جب کسی بچہ کی جان خطرہ میں ہو۔ تو ماں اپنی جان سے بے پروا ہو جاتی

ہے۔ ضعیف سے ضعیف وجود بھی بعض دفعہ اس قسم کا صبر اور استقامت دکھلاتے ہیں۔ جو کہ انسانی احاطہ سے باہر ہوتے ہیں۔ اور ان کو اس طرح سے برداشت کرتے ہیں کہ معمولی حالت میں ہرگز برداشت نہ کرسکتے۔ بلکہ یقیناً اس میں فیل ہوجاتے۔ اعتقاد کی مدد سے بیمار اپنی تکلیفات کو بھول جاتا ہے۔ اور دل کو اس بیماری کے نیک نتائج پر متوجہ کرلیتا ہے۔ اور اُن فوائد کو سوچتا ہے۔ جو کہ اُس کی بیماری سے مترتب ہونیوالے ہوتے ہیں۔ اعتقاد ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی مدد سے ایک عورت جو کہ اختناق الرحم جیسی بیماری میں مُبتلا ہو۔ اپنی دردوں اور تکلیفات کو بھول سکتی ہے۔ اور ان کو بہت ہی معمولی اور حقیر سمجھکر اپنے آپ کو بہت ہی خوشگوار اور فرحت آمیز نتائج کی طرف متوجہ کرسکتی ہے۔ جو کہ اس سے پیدا ہونیوالے ہیں۔ اس کا .. اعتقاد اس کے ڈر کا دُور کردیتا ہے۔ اور بیمار بستر پر زندگانی کی اُمنگیں پیدا کرنے سے علاج کرنیوالے ڈاکٹر کا بہت ہی بھارا معاون بن جاتا ہے۔"

مندرجہ بالا بیان ایسے خیال کو جڑھ سے اُکھیڑ دیتا ہے۔ کہ بغیر دوائیوں کی مدد کے بیماروں کا اچھا ہوجانا عیسائیت کی سچائی کی دلیل ہے۔

ایسی بیماریوں کا علاج اِن طریقوں سے اس وقت ہوتا تھا۔ جبکہ یسوع مسیح ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ بیماریوں کے علاج کا یہ طریقہ نہ صرف عیسائیوں تک ہی محدود رہا ہے۔ بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں نے بھی اس نسخہ کو نہایت کامیابی سے برتا ہے۔ لہٰذا یہ بالکل ہنسی ہوگی۔ اگر ہم یہ کہیں۔ کہ اس قسم کا علاج عیسائیت کا ایک معجزہ ہے۔ یہ کسی مذہب کا معجزہ نہیں ہے۔ بلکہ چند بیماریوں کے اچھا کرنے کا ایک قدرتی علاج ہے۔ جس کو ہر ایک شخص مرد یا عورت استعمال کرسکتا ہے۔ خواہ وہ کسی مذہب یا ملک کا ہو۔ بلکہ عیسائی ممالک میں بھی جو آدمی کہ اس قسم کا علاج کرتے ہیں۔ وہ ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے۔ کہ انہیں یہ طاقت مسیح سے ملی ہے۔ بلکہ ان میں بعض ایسے بھی ہیں۔ جو کہ اپنے آپ کو مسیح کا حریف ٹھہراتے ہیں۔ ایسے وجود کی مثال مسٹر اڈی آنجہانی میں پائی جاتی ہے۔ جس نے کہ ایک ایسی تحریک کی

بنیاد ڈالی ہے۔ جس کا نام کرسچن سائینس ہے۔ اس تحریک کی بابت بی اُدھی صاحب یہ لکھتے ہیں۔ کہ "اس تحریک کے محرک اس کو ایک الٰہی مذہب قرار دیتے ہیں جسکی غرض یہ ہے کہ موجودہ رواجی عیسائیت کو منسوخ کرکے خود اُس کی جگہ قائم ہو"۔

اس فرقہ کی ایک کتاب ہے جس کا نام سائینس اینڈ فیتھ ہے۔ اور جو کہ مسز اڈی کے زعم میں اپنے پایہ میں انجیل سے کچھ کم نہیں۔ مسز اڈی کا یہ دعویٰ تھا۔ کہ وہ اُسی طاقت سے بیماروں کو اچھا کرتی ہے۔ جس سے یسوع مسیح اچھا کرتا تھا بلکہ اس نے اپنی کتاب میں یہ دعویٰ کیا ہے۔ کہ اس کی طاقت یسوع سے بڑھکر ہے۔ یسوع کو الہام کا صرف ایک حصہ دیا گیا تھا۔ اور میرے کلام میں اس کی تکمیل کی گئی ہے۔ وہ کہتی ہے۔ کہ اگر یسوع کو وہ طاقت ملتی جو کہ مجھ کو ملی ہے۔ تو وہ ہرگز صلیب کی موت سے نہ مرتا۔ اور نہ وہ اپنی موت کی پیشگوی کرکے۔ اتنی جلدی موت کے مُنہ میں جاتا"

اگرچہ لنڈن کوارٹرلی ریویو کی رائے اس مذہب اور فرقہ کے بارہ میں اچھی نہیں ہے مگر وہ اس بات کے ماننے پر مجبور ہے۔ کہ اس قسم کے علاج نہ صرف مسز اڈی (بانیہ فرقہ) نے کئے ہیں۔ بلکہ اس کے مریدوں سے بھی ظہور میں آئے ہیں۔ اس کا مقولہ ہے۔ کہ "کرسچن سائینس کو ایک حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے" اور وہ دوسری جگہ کہتا ہے۔ "بعض قسم کے امراض میں اس کو بہت ہی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے" اس سے صرف یہی نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ کہ مسز ایڈی کے پیرو بعض بیماریوں کا علاج ایسے طریقوں سے کرتے ہیں۔ جو کہ عام طریقوں سے جُدا ہیں۔ تو کیا اپی فنی کا ایڈیٹر ایسے معالجات کو مسیحی معجزات قرار دیتا ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کریگا۔ جبکہ اس موجودہ نئے طریقے کا مُوجد ایک ایسا وجود ہے۔ جو اپنے آپ کو یسوع کا حریف ظاہر کرتا ہے۔ اور زور سے اعلان کرتا ہے۔ کہ اس کی طاقتیں یسوع سے کہیں زیادہ ہیں۔

مَیں یہ امر بھی بیان کرنے سے رُک نہیں سکتا۔ کہ اپی فنی کا ایڈیٹر اس بات پر

زور دیتا ہے۔ کہ مقام لورڈ میں بیماروں کا اچھا ہونا عیسائیت کا ایک بڑا بھاری معجزہ ہے۔ مگر وہ یہ نہیں بتلاتا کہ یہ معجزہ بہت سی حالتوں میں فیل ہو جاتا ہے۔ اب قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیوں حضرت یسوع مسیح اپنے وعدہ کو اکثر مریضوں کی صورت میں ایفا نہیں کرتے۔ اِس کا جواب صرف یہ ہے۔ کہ یہ کوئی معجزہ یا کسی وعدہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہنر ہے۔ اور جتنا ایک ہنرور زیادہ مشتاق ہوگا۔ اتنا ہی وہ زیادہ کامیاب اور لائق ہوگا۔ یہ ایک بے ہودگی ہے کہ ہم ایسی باتوں کو معجزے جیسے متبرک ناموں سے یاد کریں۔ بلکہ ایسی باتوں سے صرف یہ پایا جاتا ہے۔ کہ مسیحیوں کے پاس کوئی ایسے سچے معجزے نہیں ہیں جن کو وہ پیش کر سکیں اور جب ان کو لوگ مجبور کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے مذہب کی سچائی حقیقی معجزات سے ثابت کریں۔ تو وہ ایسے نام کے معجزات پیش کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ایسے معجزات سے عیسائیت کا سچا ثابت ہونا تو درکنار بلکہ ان سے یہ شبہ پڑ جاتا ہے کہ کہیں وہ معجزات جو کہ انجیل میں حضرت یسوع مسیح کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ ایسے ہی ہنروں کے کارنامے نہ ہوں انجیل کے معجزات اول تو غیر مستند ہیں۔ مگر ان کو اگر بفرض محال سچا بھی مان لیا جاوے۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ بھی ایسی ہی طاقتوں کا اظہار ہیں۔ جیسی کہ موجودہ زمانے میں بعض مشتاق لوگوں سے ظاہر ہو رہی ہیں۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ سچے عیسائیوں کا جو نشان حضرت مسیح علیہ السلام نے بتلایا ہے۔ وہ ایسے واقعات سے بالکل علیحدہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی سچا مسیحی کسی بیمار کو چھو جاوے گا۔ تو وہ فی الفور تندرست ہو جاویگا۔ مسیح کے الفاظ یہ ہیں۔ "وے جو ایمان لائیں گے اُن کے ساتھ یے علامتیں ہونگی کہ وے میرے نام سے دیووں کو نکالیں گے۔ اور نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو اُٹھالیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پیئیں گے اُنہیں کچھ نقصان نہ ہوگا وے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائیں گے"

اگر مذکورہ مقامات میں بیماروں کا تندرست ہوجانا اُس وعدے کے ماتحت ہے جو کہ حضرت یسوع مسیح نے مندرجہ بالا درسوں میں کیا ہے۔ تو بیماروں کو فی الفور اچھا ہوجانا چاہیئے۔ اور اس کے لیئے صرف ہاتھ سے چُھونا ہی کافی ہونا چاہیئے۔ مگر اس طرح پر بیماروں کا تندرست ہوجانا کسی جگہ پر وقوع میں نہیں آیا۔ اور تو اور لورڈ میں بھی ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ دوسرے ایڈیٹر صاحب یہ بتلانے سے بھی قاصر ہیں۔ کہ ایسے واقعات کیوں کسی خاص جگہ پر مخصوص ہیں۔ اور اگر یسوع مسیح کے وعدے سچّے ہیں۔ اور ایڈیٹر صاحب کو ایمان ہے۔ تو اُس کو بھی چاہیئے۔ کہ وہ بھی اس قسم کے معجزات اپنے ہاتھوں سے عمل میں لاوے۔ بلکہ یسوع کے الفاظ کے مطابق ایسے معجزات ہر ایک مشنری کا دستورالعمل ہونے چاہیئے۔ لامحالہ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ یا تو حضرت یسوع مسیح کا قول درست نہیں۔ اور یا تمام دنیا میں کوئی سچا عیسائی نہیں ہے۔

علاوہ بریں حضرت یسوع مسیحؑ صرف اِس ایک نشان کا ہی ذکر نہیں فرماتے۔ وہ اُن لوگوں کے جو ایمان رکھتے ہیں۔ چار اور نشان بھی بتلاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں (۱) وہ دیووں کو نکالیں گے۔ (۲) نئی زبانیں بولیں گے۔ (۳) وہ سانپوں کو پکڑ سکیں گے۔ (۴) اگر وہ کسی مہلک چیز کو پی جاویں گے۔ تو وہ ان کو ضرر نہیں پہنچائے گی ؛ اب ایڈیٹر صاحب اس بات پر تو روشنی نہیں ڈالتے۔ کہ کیوں پہلے چار نشانات کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور صرف پانچواں ہی ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ اور وہ بھی نہ اُس طور پر جس طور پر کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بیان فرمایا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی قابل افسوس ہے۔ کہ پانچواں نشان جو کہ ایپی فنی کے ایڈیٹر کے زعم میں پورا ہو رہا ہے۔ وہ بھی صرف مسیحی صاحبان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ بدقسمتی سے مسیح کے ایسے وعدوں کا حصہ مسز ایڈی جیسے اشخاص کو مل چکا ہے جو کہ اپنے آپ کو مسیح کا حریف ظاہر کرنے سے نہیں ٹلتے۔ جبکہ مسیح کے نہایت ہی مخلص مرید ایسے عطیہ سے محروم ہو رہے ہیں۔ یہ ایک معمہ ہے۔ جس کو کہ کوئی مسیحی حل نہیں کرسکتا ؛

یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ یسوع کے پہلے وعدے حواریوں کے وقت میں پورے ہو چکے ہیں۔ مگر یہ دلیل ہرگز تسلی بخش نہیں ہے۔ اوّل تو حضرت مسیح کے قول میں کوئی ذکر اس بات کا نہیں ہے۔ کہ ایسے وعدوں کا تعلق حواریوں سے تھا*۔ بلکہ وہ صاف طور پر ان تمام سے متعلق ہیں جو کہ مسیح پر ایمان لاتے ہیں۔ دوسرے جبکہ پانچویں وعدہ کے متعلق مسیحی صاحبان دعوی کرتے ہیں۔ کہ وہ اس زمانہ میں پورا ہو رہا ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ پہلے چار وعدے بھی تمام مسیحی صاحبان کے لیئے تھے۔ اور کسی خاص زمانے سے ان کا تعلق نہیں تھا۔ علاوہ ازیں ہمارا حق ہے۔ کہ ہم حواریوں کے معجزات کو بھی بناوٹی قصے اور کہانیاں ہی سمجھیں جبکہ موجودہ زمانہ میں سچے سے سچے مسیحی بھی ایسے تمام معجزات سے عاجز اور عاری ہیں۔

پھر حضرت مسیح نے ایمانداروں کے لیئے صرف یہی نشان مقرر نہیں کیئے کہ وے دیووں کو نکالیں گے۔ نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو پکڑیں گے اور سانپ اُن کو نقصان نہیں پہنچائیں گے اور اگر کوئی مہلک زہر پی جائیں گے تو وہ اُنکو کوئی ضرر نہیں پہنچائیگی اور یہ کہ اگر وہ بیماروں اور کوڑھیوں پہ ہاتھ دھرینگے تو وہ فی الفور چنگے ہو جائیں گے بلکہ آپنے ایمان کی بعض اور علامتیں بھی بیان فرمائی ہیں مگر افسوس ہے کہ جیسے یہ پانچ علامتیں مسیحی صاحبان میں نہیں پائی جاتیں۔ ایسا ہی دوسری بیان کردہ علامات بھی اُن میں بالکل مفقود ہیں۔ متی کی کتاب میں لکھا ہے۔" جب وے جماعت کے پاس پہنچے ایک شخص اُس (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام) کے پاس آیا اور اُس کے آگے گھٹنے ٹیک کے کہا۔ ای خداوند میرے بیٹے پر رحم کر کیونکہ وہ سڑی ہے اور بہت دُکھ اُٹھاتا ہے کہ اکثر آگ میں گرتا اور اکثر پانی میں۔ اور میں اسکو تیرے شاگردوں کے پاس لایا تھا پر وے اُسے چنگا نہ کر سکے۔ یسوع نے جواب میں کہا اے بے اعتقاد اور ٹیڑھی قوم میں کب تک تمھارے ساتھ رہونگا کب تک تمھاری برداشت کروں گا۔ اُسے یہاں میرے پاس لا۔ تب یسوع نے دیو کو دھمکایا وہ اُس سے نکل گیا۔ اور وہ چھوکرا اُسی گھڑی چنگا ہو گیا۔ تب شاگردوں نے الگ یسوع پاس آکے کہا ہم

* زہر پینے کا معجزہ جہاں تک ہمیں علم ہے کسی حواری کی طرف بھی منسوب نہیں

کیوں اسکو نکال نہ سکے۔ یسوع نے انہیں کہا اپنی بے ایمانی کے سبب۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوتا تو اگر تم اس پہاڑ سے کہتے کہ یہاں سے وہاں چلا جا تو وہ چلا جاتا اور کوئی بات تمہاری ناممکن نہ ہوتی۔" (باب ۱۷ ورس ۱۹۔۲۰) حضرت مسیحؑ کے اس قول سے جو متی نے نقل کیا ہے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ایک مسیحی کے دل میں رائی بھر بھی ایمان ہو تو وہ اگر ایک پہاڑ کو بھی حکم کرے کہ اپنی جگہ سے ہٹ جا تو وہ پہاڑ سچ مچ اپنی جگہ سے ہٹ جاوے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کسی مسیحی میں ایسی کرامت دکھانے کی طاقت ہے؟ اگر نہیں تو اس بات کا کیا ثبوت ہے؟ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس قول کی تصدیق اناجیل مروّجہ کے دیگر مقامات سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت مسیحؑ ایک اور موقعہ فرماتے ہیں "یسوع نے جواب میں انہیں کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم یقین کرو اور شک نہ لاؤ تو نہ صرف یہی کر سکو گے جو انجیر کے درخت پر ہوا بلکہ اگر اس پہاڑ سے کہو گے تو اٹھ کر دریا میں جاگر تو ویسا ہی ہوگا" (متی ۲۱ باب۔ورس ۲۱) لوقا لکھتا ہے کہ "اگر تم میں خردل کے دانہ کے برابر ایمان ہو تو جب تم اس توت کے درخت کو کہو کہ جڑ سے اکھڑ کے دریا میں لگ جا تو تمہاری مانیگا۔" (۱۷ باب ورس ۶) مرقس باب ۱۱ ورس ۲۳ میں لکھا ہے "میں تم سے سچ کہتا ہوں جو کوئی اس پہاڑ کو کہے اٹھ اور دریا میں گر پڑ اور اپنے دل میں شک نہ لاوے بلکہ یقین کرے کہ یہ باتیں جو وہ کہتا ہے ہو جائینگی تو جو کچھ وہ کہیگا سو ہوگا" ان تمثیلوں سے ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر (نہ کہ مجازی طور پر) پہاڑ کا اپنی جگہ سے ٹل جانا حضرت مسیحؑ ایمان کی علامت قرار دیتے ہیں اور خود مسیح کے پیرو بھی اس امر کو ایمان کی علامت قرار دیتے تھے چنانچہ پولوس قرنتیوں کی طرف اپنے پہلے خط میں لکھتا ہے "اگر میں نبوت کروں اور اگر میں غیب کی سب باتیں اور سارے علم جانوں اور میرا ایمان کامل ہو یہاں تک کہ میں پہاڑوں کو چلاؤں" (۱۔قرنتیوں۔باب ۱۳۔ورس ۲)۔ مگر باوجودیکہ مسیحؑ حقیقی طور ان عجوبوں کو ایمان کی علامتیں قرار دیتا ہے مگر کوئی مسیحی ان علامتوں اور کرامتوں کو دکھا نہیں سکتا جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مسیحؑ کے مقرر کردہ نشان کے مطابق کوئی مسیحی ایمان نہیں رکھتا۔ اور جب یہ ثابت ہوا کہ انہیں مسیحؑ کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ایمان نہیں یہاں تک کہ خردل کے برابر ایمان نہیں تو ان کا یسوع کے کفارہ پر بھروسہ کرنا بے سود ہے کیونکہ اس کے لئے ایمان کی ضرورت ہے اور انہیں ایمان موجود نہیں۔ پس مسیحؑ کے

مگر وہ ایمان دار ہیں

معیار کے رُو سے کسی مسیحی کو نجات حاصل کرنیکی اُمید نہیں کرنی چاہیئے ۔

سچ بات تو یہ ہے ۔ کہ عیسائیت ایک مردہ مذہب ہے ۔ اور یہی اسلام کے ماسوا ہر ایک مذہب کا حال ہے ۔ اسلام میں ہر ایک زمانے میں ایسے اشخاص پیدا ہوتے رہے ہیں ۔ جن پر وہ تمام برکات نازل ہوتے رہے ہیں ۔ جو کہ پہلے نبیوں پر ہوئے تھے ۔ ایسے اشخاص حقیقت میں اسلام کے زندہ گواہ ہیں ۔ اور ان کا وجود یہ ثابت کرتا ہے ۔ کہ اسلام ہی فی الحقیقت ایک زندہ مذہب ہے ۔ ہمیں اس وقت گذشتہ زمانے کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ موجودہ زمانے کے مسلمانوں میں سے خدا نے ایک آدمی کو چن لیا ۔ وہ اس سے بولا ۔ جیسا کہ وہ پہلے نبیوں سے بولتا تھا ۔ یہ شخص حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں ۔ آپ نے ہزارہا نشانات دکھلائے ۔ اور تمام مذاہب و اقوام کو چیلنج دیا ۔ کہ وہ اپنے اپنے مذہب کی سچائی میں آسمانی نشان دکھلائیں جو نشانات حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود سے ظاہر ہوئے ہیں ۔ وہ ایسے نہیں ہیں ۔ کہ جن میں مسز ایڈی جیسے اشخاص کا کوئی حصہ ہو ۔ جو معجزات آپ نے دکھلائے ۔ وہ زیادہ تر عظیم الشان پیشین گوئیوں پر مشتمل تھے ۔ جن کے پورا ہونے نے یہ ثابت کر دیا ۔ کہ وہ اُس خدائے علیم کے الفاظ تھے ۔ جو کہ آسمان اور زمین کے بھیدوں سے واقف ہے ۔ ان پیشین گوئیوں میں سے جو آپ نے کیں ۔ بہت سی ایسی ہیں جو ابھی پوری ہونے والی ہیں ۔ ان کا تعلق صرف ایک ملک یا برّ اعظم سے نہیں ہے ۔ بلکہ وہ تمام ملکوں اور برّ اعظموں پر مشتمل ہیں ۔ تا کہ ان کے پورا ہونے کو تمام دنیا دیکھ سکے ۔ اور اس بات کی گواہی دے سکے کہ موجودہ زمانے کا نبی برحق نبی تھا ۔ وہ مسیح موعود تھا ۔ ہزارہا انسانوں نے اس کی زندگی میں اس کو پہچان لیا ۔ اور بہت سے اسکو اب پہچان رہے ہیں ۔ اور وہ دن دُور نہیں ہے جبکہ دنیا کے مختلف اطراف کے لوگ آپ کی صداقت پر ایمان لائیں گے اور انمیں سے ہر ایک رو رو کر یہ کہے گا ۔ یا ولی اللہ کنت لا اعرفك ۔

ریویو

بدر کامل - یہ ایک مذہبی ناول ہے جو حال میں بابو محمد حسین صاحب احمدی کلرک لاہور چھاؤنی نے تصنیف کیا ہے اور مسلم ٹریکٹ سوسائٹی لاہور کی طرف سے شائع ہوا ہے - اس میں ایک آریہ کے بیس سوالات کا نہایت متانت اور معقولیت کے ساتھ جواب دیا گیا ہے - اور مندرجہ ذیل مضامین پر خصوصیت سے بحث کی گئی ہے - کُن سے فیکون ہونے کی بحث - عبادت کی فلاسفی - نماز - روزہ - حج - زکوٰۃ کی ضرورت اور غرض - یوم جمعہ کے مقاصد - دوزخ و بہشت - استغفار - شیطان کا وجود - اسلام کی صداقت - معجزات و کرامات - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت -

مسلم ٹریکٹ سوسائٹی کی غرض جس کی طرف سے یہ رسالہ شائع کیا گیا ہے یہ ہے کہ مختصر ٹریکٹوں اور رسالوں کے ذریعہ اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور توسیع کیجاوے اور نوجوانان اسلام کو احکام دین پر کاربند ہونے اور اسلام کی اشاعت کے کام میں مدد دینے پر اُبھارا جائے - کتاب زیر ریویو ۱۰۸ صفحوں پر ختم ہوتی ہے قیمت ۸؍ ملنے کا پتہ منشی دوست محمد صاحب مینجر مسلم ٹریکٹ سوسائٹی معرفت میاں ہدایت اللہ صاحب - کوچہ چابکسواراں - لاہور -

مباحثہ مونگیر - اس رسالہ میں وہ عربی پرچہ بمعہ ترجمہ و تشریح شائع کیا گیا ہے جو مونگیر کے مباحثہ کے موقعہ پر ہماری جماعت کی طرف سے پڑھا گیا تھا - اس میں حضرت عیسیٰ ابن مریم کی وفات اور مسیح موعودؑ کی صداقت کو مدلل طور پر ثابت کیا گیا ہے - دیباچہ میں مباحثہ مذکور کی مفصل کیفیت بیان کی گئی ہے - قیمت ۸؍ ملنے کا پتہ میر قاسم علی صاحب -

تصدیق کلام ربانی :- مصنفہ مولوی سید صادق حسین صاحب مختار عدالت - اٹاوہ - اس میں ایک آریہ کے اُن اعتراضات کا تحقیقی اور الزامی جوابات کے ذریعہ خوب قلع قمع کیا گیا ہے جو اُس نے ایک ٹریکٹ (مسلمانی کے بانی کی کہانی) کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

ایک ضروری اعلان

میرے دوستو! میں درد دل سے یہ اعلان شائع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تمہاری بھلائی کے لیئے کرتا ہوں میرے دل کو بہت دکھ پہنچتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ تم میں بہت سے ایسے ہیں جو اپنے اصل فرض سے غافل ہو کر کبھی بحثوں اور لغو جھگڑوں میں اپنے اوقات کو ضائع کرتے ہیں۔ کیا تم اس بات سے واقف نہیں ہو کہ کس غرض کے لیئے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو دنیا میں قائم کیا ہے۔ یاد رکھو کہ جن بحثوں اور جھگڑوں کو تم تازہ کرنا چاہتے ہو انہی کے لیئے یہ سلسلہ قائم ہوا ہے پس اگر تم اس سچی راہ پر قدم نہ مارو گے جو تمہیں دکھائی گئی ہے اور جس کی حجت بھی تم پر پوری ہو چکی ہے تو خدا کو بھی تمہاری کوئی پروا نہیں ما یعبؤ بکم ربی لولا دعاؤکم۔ تم وہ لوگ ہو جو ایک دفعہ نہیں دو دفعہ یہ معاہدہ اللہ تعالیٰ کے حضور کر چکے ہو کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے۔ اور خوب سمجھ لو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے توڑتا ہے وہ سخت قابل مواخذہ ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ ایمان بغیر اعمال صالحہ کے کچھ چیز نہیں۔ بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو دعویٰ کرنے میں تو سب سے آگے قدم رکھتے ہیں مگر عمل کے وقت کچھ بھی نہیں۔ اگر تم کو یہ دعویٰ ہے کہ تم مرزا صاحب پر ایمان لائے ہو تو یہ دعویٰ کسی وقعت کے قابل نہیں جبتک تم اپنے عمل سے اس دعویٰ کی سچائی کو ثابت کر کے نہ دکھاؤ۔ جبتک ان کاموں میں دلی جوش اور سچی ہمدردی سے حصہ نہ لو جو تمہیں کرنے کے لیئے کہا گیا ہے۔ اور صدق دل سے ان احکام کے بجا لانے میں ساعی نہ رہو جو تم کو دیئے گئے ہیں میں اپنے

نفس کے لیئے تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ ان اجری الا علی اللہ۔ بلکہ تمھاری بھلائی کے لیئے تمھیں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تم چندوں میں سستی کو چھوڑ دو۔ میں تمھیں اس اشتہار کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان لوگوں کے ساتھ جو مرید کہلاتے ہیں آخری فیصلہ قرار دیا ہے جس میں آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے:-

"یہ اشتہار کوئی معمولی تحریر نہیں بلکہ ان لوگوں کے ساتھ جو مرید کہلاتے ہیں آخری فیصلہ کرتا ہوں۔ مجھے خدا نے بتلایا ہے کہ میرا انہیں سے پیوند ہے یعنی وہی خدا کے دفتر میں مرید ہیں جو اعانت اور نصرت میں مشغول ہیں۔ مگر بہتیرے ایسے ہیں کہ گویا خدائے تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں سو ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ اس نئے انتظام کے بعد نئے سرے عہد کر کے اپنی خاص تحریر سے اطلاع دیں کہ وہ ایک فرض حتمی کے طور پر اس قدر چندہ ماہواری بھیج سکتا ہے۔ مگر چاہیئے کہ اس میں لاف گزاف نہ ہو جیسا کہ پہلے بعض سے ظہور میں آیا کہ اپنی زبان پر وہ قائم نہ رہ سکے سو انہوں نے خدا کا گناہ کیا جو عہد کو توڑا .... اس اشتہار کے شائع ہونے سے تین ماہ تک ہر ایک بیعت کرنے والے کے جواب کا انتظار کیا جائے گا۔ کہ وہ کیا کچھ ماہواری چندہ اس سلسلہ کی مدد کے لیئے قبول کرتا ہے۔ اور اگر تین ماہ تک کسی کا جواب نہ آیا تو سلسلہ بیعت سے اس کا نام کاٹ دیا جاویگا اور مشتہر کر دیا جائے گا۔ اور اگر کسی نے ماہواری چندہ کا عہد کر کے تین ماہ تک چندہ کے بھیجنے سے لاپروائی کی اس کا نام بھی کاٹ دیا جائے گا۔ اور اس کے بعد کوئی مغرور اور لاپروا جو انصار میں داخل نہیں۔ اس سلسلہ میں ہرگز نہیں رہیگا۔"

اب اس سے بڑھکر میں تمھیں کیا کہہ سکتا ہوں جو لوگ چندہ نہیں دیتے یا چندہ دینے میں سستی اور کاہلی سے کام لیتے ہیں وہ خود ہی سوچ لیں کہ کہانتک وہ احمدی ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ دوسروں کا فتویٰ پوچھتے ہیں اور اپنی حالتوں پر کچھ غور نہیں کرتے۔ بہت سے آدمی ہماری نگاہ میں ہیں جنہیں بہت کچھ دعویٰ ہے کہ ہم یہ ہیں اور یہ ہیں مگر وہ دیتے کچھ نہیں۔ وہ خدا کے لیئے سوچیں

کہ آیا وہ حقیقی طور پر اس سلسلہ میں شامل بھی ہیں ؟ خدا کو وہی لوگ پیارے ہیں جو اپنے ایمان کو اپنے اعمال سے پختہ کرتے ہیں۔ بعض ایسے مخلص بھی ہیں جو بہت غریب ہیں اور اپنے لیئے کوئی سبیل معاش بھی نہیں رکھتے مگر باایں جب ان کو کچھ مل جاتا ہے تو وہ چندہ میں دیتے ہیں۔ جیسے یہاں حافظ معین الدین حضرت صاحب کے پرانے خادم ہیں۔ کوئی شخص یہ نہ خیال کرے کہ میں بہت نہیں دے سکتا۔ جس حد تک کوئی شخص استطاعت رکھتا ہے اسی حد تک ادا کرے مگر یہ ضروری ہے کہ مقررہ چندہ کی ادائگی کو اپنے اوپر فرض کر لے اور وقت مقرر پر اس کی ادائگی میں غفلت نہ کرے۔ تمھارے مالوں کے اللہ کی راہ میں خرچ ہونے سے تم ہی کو فائدہ ہوگا۔ بہت سے ہیں جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے۔ مگر دین کے لیئے کچھ مانگا جائے تو یہ کہدیتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ حالانکہ دنیا کے لیئے اگر خرچ کرنیکی ضرورت ہو۔ یا محض نمود کے لیئے بھی۔ تو اس بات سے بھی پرہیز نہیں کرتے کہ قرض لے کر خرچ کر دیں۔ بلکہ سود پر قرض لے کر بھی خرچ کر لیتے ہیں۔ وہ غور کریں کہ خدا کی راہ میں دینے کے لیئے کیوں وہ ویسا جوش نہیں دکھا سکتے جو دنیا کے لیئے خرچ کرنے میں دکھاتے ہیں۔ کیا اس سے ان کا دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے یا جھوٹا ؟

دیکھو میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم روپے کو اپنا معبود مت بناؤ۔ یہ تمھارے کسی کام نہیں آئے گا۔ جس نفس کی حظ کے لیئے۔ جس اہل وعیال کے لیئے۔ جن دوستوں کے لیئے۔ تم ناجائز کماؤ گے یا خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے رکو گے وہ تمھیں کبھی کوئی فائدہ نہ دیں گے۔ اور اس طرح سے تمھارے دل کو کبھی اطمینان اور خوشی نصیب نہیں ہو سکتی۔ بلکہ حرص کی جلن دن بدن ترقی کرتی چلی جاوے گی اور تمھارے ایمان کو بھی برباد کر کے چھوڑے گی ؟

یہاں ایک لنگر خانہ ہے۔ جو ان لوگوں کے لیئے ہے جو اپنے دنیوی
کاروبار سے فراغت کا وقت نکال کر یہاں علم دین سیکھنے کے لیئے آتے
ہیں۔ یہ اس سلسلہ کی سب سے پہلی شاخ ہے۔ وہ بھی اس وقت قریباً دو ہزار
روپے کا مقروض ہے۔ اگر سب احمدی اپنے اوپر حسب استطاعت ایک
رقم مقرر کرکے ساتھ باقاعدہ ادا کریں تو اس کے اخراجات بآسانی چل سکتے
ہیں۔ مگر بہت ہیں جن کو باوجود بار بار کی تاکید کے اس طرف توجہ نہیں ہوتی۔
یا کوئی رقم مقرر کرکے وعدہ کر لیتے ہیں تو پھر ادا نہیں کرتے۔ پھر ایک مدرسہ
ہے جس میں تمھارے بچوں کی دنیوی و دینی تعلیم کا سامان کیا گیا ہے۔ اور
اس زہریلی ہوا سے بچانے کی فکر اس میں کی جاتی ہے۔ جس نے بہت
سی روحوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ ایک دوسرا مدرسہ ہے جس میں صرف دینی
تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے استحکام کے لیئے ابھی بہت سے روپے
کی ضرورت ہے۔ اشاعت اسلام کا سلسلہ ہے۔ یتامیٰ اور مساکین کیلئے
علیحدہ ضرورت ہے۔ ایسے ہی اور کئی قسم کے ضروری کاروبار ہیں جن میں تم
سب کو حصہ لینا ضروری ہے۔ پھر ان کے ساتھ ہر ایک کام کے لیئے عمارت کی ضرورت
ہے۔ تمھیں ان اخراجات کا فکر کم از کم اتنا تو ہونا چاہیئے جتنا اپنی ضروریات کا فکر رکھتے ہو۔
میں آخر میں تمھیں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ ہر قسم کی لغو بحثوں کو چھوڑ دو۔ انسے
نہ تمھارے دین کو فائدہ پہنچ سکتا ہے نہ دنیا کو۔ آپس میں تنازعات اور جھگڑوں کو
چھوڑ دو اور محبت اور رحم کا برتاؤ کرو۔ بڑے چھوٹوں کو اپنا بھائی سمجھیں اور انکی
تحقیر نہ کریں چھوٹے بڑوں کا ادب کریں۔ چاہیئے کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے
اور اگر ایک شخص زیادتی کرتا ہے تو دوسرا بجائے بالمقابل جواب دینے کے صبر سے کام لے۔
ان اغراض کے لیئے جو اس سلسلہ کے اہم اغراض ہیں۔ چندہ دینے کو اپنے اوپر
فرض کر لو۔ دنیا کی حرص کو کم کرو۔ اور ہر ایک قسم کے ناجائز طریق حصول روپیہ
کو ننگ سمجھو۔ میں محض تمھاری خیرخواہی کے لیئے اور تمھارے ساتھ ص

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

قادیان

اس ماہ کی رپورٹ میں۔ میں احباب کو صرف لنگرخانہ و مہمانخانہ کی ضروریات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ باوجود بارہا اپیلوں کے لنگرخانہ کا فنڈ ابتک قریب دو ہزار روپے کا مقروض چلا آتا ہے۔ اور اب جلسہ سالانہ جس کی وجہ سے لنگرخانہ کا فنڈ قرض کے بوجھ کے نیچے دب جایا کرتا ہے۔ پھر قریب چلا آتا ہے گو لنگرخانہ کی مستقل آمد اس کے ضروری اخراجات کے لیئے مکتفی نہیں۔ مگر کسی قدر تنگی کے ساتھ یہ گذارہ ہوتا چلا جاتا ہے بشرطیکہ کسی غیر معمولی خرچ کا بوجھ اس فنڈ پر نہ پڑے۔ ان غیر معمولی اخراجات میں سے جلسہ سالانہ کا خرچ بھی ایک ہے۔ تین سال سے یہ کوشش کی جاتی ہے کہ جلسہ سالانہ کے خرچ کے لیئے علیحدہ چندہ اس قدر ہو جایا کرے جس سے لنگرخانہ پر کوئی بوجھ نہ پڑے مگر سوائے پہلے سال کے یہ خاص چندہ اخراجات کے نصف تک بمشکل پہنچتا رہا ہے۔ اس لیئے اس دفعہ اس انتظام کے لیئے ہمارے مخلص احباب کی خاص توجہ بکار ہوگی۔ مگر قبل اس کے کہ اس مشکل کا علاج کیا جاوے دو باتیں نہایت ضروری ہیں۔ اوّل یہ کہ اس وقت جو قریباً دو ہزار روپے کا بوجھ لنگرخانہ پر ہے اس کو فی الفور دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ

اس وقت موسم سرما کی وجہ سے بہت سے مزید اخراجات بھی کرنے پڑیں گے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی لنگرخانہ کے اخراجات کے چلانے کے لیئے ایسی مشکلات پیش آجایا کرتی تھیں اور ایسے موقعہ پر جماعت کو خاص چندے کے لیئے آپ تحریک فرمایا کرتے تھے۔ اسی کی تتبع میں مَیں مخلص احباب کی خدمت میں یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ بہت جلد اس رقم کو پورا کرنے کی کوشش فرماویں۔ مَیں یہ جانتا ہوں کہ اس وقت بظاہر ایک قسم کے قحط کے آثار ہیں۔ مگر ایسے ہی تنگی کے اوقات میں خدا کی راہ میں دینا بھی ہمت کا کام ہے۔ میری یہ اپیل ان لوگوں سے نہیں جو خدا کی راہ میں دیکر جلد تھک جاتے ہوں بلکہ میرا روئے سخن ایک ایسی قوم کی طرف ہے جس نے دین کے لیئے اس زمانہ میں اپنے مالوں کی قربانی میں بہت حد تک اس پاک جماعت کے قدم پر قدم مارنے کی کوشش کی ہے جنہوں نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں دے دیا تھا۔ گو یہ افسوس کی بات ہے کہ اس جماعت کے بہت سے افراد ابھی باقاعدہ تھوڑا چندہ دینے میں بھی کوتاہی کرتے ہیں۔ تاہم جہاں اس وقت دنیا کے اکثر لوگوں نے روپے پیسے کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ خدا کے مسیح کی قائم کردہ جماعت نے اپنے امتیازی نشان "دین کو دنیا پر مقدم کرونگا" کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ میرے دوستو! درحقیقت یہی وہ جھنڈا ہے جس کو ہاتھ میں لیکر تم لیظهره علی الدین کلہ کی پاک پیشگوئی کے پورا کرنے میں معاون ٹھہر سکتے ہو۔ اگر کوشش کی جاوے تو اس رقم کا پورا ہونا ایک جماعت کی ہمت کے سامنے کچھ بھی بات نہیں۔ بہت سے ایسے ہمارے احباب ہونگے جن سے باقاعدہ چندوں کی ادائگی میں اکثر مرتبہ کوتاہی ہوئی ہوگی کیا وہ کچھ تھوڑا سا یکمشت چندہ اس قرض کو دُور کرنیکے لیئے دینا مشکل سمجھیں گے؟ ایسے

احباب کی خدمت میں میری یہ التماس ہے کہ وہ اس گناہ کے کفارہ کے طور پر کہ انہوں نے حضرت صاحب کے ارشاد کے مطابق باقاعدہ چندہ ادا کرنے میں کبھی کبھی کوتاہی کی ہے اس موقعہ پر حسب استطاعت یکمشت چندوں سے مدد فرماویں۔ اور جو احباب باقاعدہ ادا کرتے رہے ہیں۔ ان کی خدمت میں میری یہ التماس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ توفیق انکو دی کہ اس کار خیر میں ان سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی وہ اس کے شکریہ میں کچھ مدد فرماویں اللہ تعالیٰ ان کے اجروں کو ضائع نہیں کریگا ؎

دوسری ضرورت جو میں اس موقعہ پر پیش کرنی چاہتا ہوں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مہمانوں کی تعداد میں روز بروز ترقی ہے۔ اکثر احباب نے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں نہیں آئے تھے یا کم آتے تھے اس غلطی کو محسوس کیا ہے۔ اور اب وہ اس برگزیدہ کے خلیفہ کے انفاس طیبہ اور پاک کلمات اور نیک صحبت سے مستفیض ہونے کے لیئے تشریف لاتے ہیں۔ اور خصوصاً حضرت خلیفۃ المسیح کے درس قرآن کریم سے جو اس زمانہ میں ایک ایسی برکت ہے جس کا دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ غرضکہ مہمانوں کی آمدورفت میں بہ نسبت سابق بہت ترقی ہے۔ مگر یہاں مہمانخانہ میں ان سب احباب کے لیئے گنجائش نہیں ہوتی۔ اس بات کو چھوڑکر بھی کہ بعض معزز مہمانوں کے لیئے کسی قدر آسائش کی جگہ مل سکے عام طور پر جو مہمان مہمانخانہ میں رہتے ہیں ان کے لیئے بھی کافی جگہ نہیں۔ ابھی اسی سال لنگرخانہ کی بھی نئی عمارت بنائی گئی ہے جس پر قریب ایک ہزار روپے کے خرچ ہوا ہے۔ ادھر صیغہ جائداد دس ہزار روپے کی ایڈ گورنمنٹ سے وصول کرنے کے بعد بھی قریب ایک ہزار روپے کا مقروض رہے گا۔ اس لیئے میری یہ درخواست ہے کہ مہمانخانہ کی عمارت کے لیئے کم از کم دو ہزار روپیہ فراہم کرنے کی کوشش کیجاوے

اس وقت زمین سابقہ مہمانخانہ کے ساتھ تین سو روپے کی خریدی جاچکی ہے جو منشی عبدالمجید خاں صاحب کپورتھلوی سے لی گئی ہے۔ اب اس پر عمارت کیلئے اگر دو ہزار روپیہ جلد فراہم ہو جاوے تو جلسہ سالانہ سے پہلے پہلے ایک مختصر سا مہمانخانہ اور بن سکتا ہے جس سے مہمانوں کی تکالیف رفع ہو جاویں۔ ہائی سکول کا بورڈنگ ہوس باہر جانے سے جس قدر جگہ خالی ہوئی تھی وہ سکول کی اپنی ضروریات اور مدرسہ احمدیہ کی جماعتوں اور بورڈران کی ضروریات کو بھی مکتفی نہیں ہوسکی بلکہ اس وقت بھی ایک جماعت ہائی سکول کی جامع مسجد میں بٹھائی جاتی ہے۔

پس یہ دو ضرورتیں ہیں جو میں اس وقت احباب کی خدمت میں پیش کر کے ملتجی ہوں کہ ان کی طرف بہت جلد توجہ فرما کر ممنون فرماویں۔ انجمنوں کے سکرٹری ہر جگہ ان دونوں تجاویز کو اپنی انجمنوں میں پیش کر کے ہر دو ضروریات کے لیئے علیحدہ علیحدہ چندہ کریں اور جو روپیہ اس طرح پر ان دونوں ضرورتوں کے لیئے خاص چندوں سے وصول ہو وہ محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام اسی تفصیل کے ساتھ ارسال فرماویں یعنی قرضہ لنگرخانہ کا روپیہ علیحدہ اور چندہ تعمیر مہمانخانہ کا روپیہ علیحدہ۔ یا اگر اکٹھا چندہ کریں تو صرف اس تحریک کا حوالہ دیکر چندہ ارسال فرماویں یہاں ہر دو ضروریات کے لیئے نصف نصف کر لیا جاوے گا۔

والسّلام

محمدؐ علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

ریویو

عبرت:- یہ ایک ناول ہے جو ایک مکرمہ خاتون (اہلیہ ملک کرم الٰہی صاحب) کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ قصہ کے اثنا میں بعض ایسے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو غیر مذاہب کے لوگ خصوصاً مسیحی صاحبان اسلام پر کرتے ہیں اور جن سے ناواقف لوگوں کو دھوکہ لگ سکتا ہے۔ نیز جا بجا نصائح اور وعظ سے کام لیا گیا ہے۔ اگرچہ ناول نویسی اور ناول خوانی بعض ضرر بھی اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ مگر ہم اس بات کے اظہار سے نہیں رُک سکتے کہ لائق مصنفہ نے اس ناول کو محض نیک نیتی سے لکھا ہے۔ خدائے تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے اور اس سے بہتر دینی کاموں کے سرانجام کرنے کی اُن کو توفیق عطا فرماوے۔ قیمت ۸ر ملنے کا پتہ مولوی میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق و احمدی۔ تراہا بیرام خان۔ دہلی؛

نبی اللہ کا ظہور حصہ اول:- یہ ۱۲۶ صفحہ کی چھوٹی تختی کی ایک کتاب ہے جو ہمارے دوست منشی محمد ظہیر الدین صاحب نے حال میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق میں تصنیف کی ہے۔ اس میں لفظ خاتم النبیین پر بڑی بسط اور تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت سے مفید اور قیمتی مضمون اس میں شامل ہیں اور بہت سے شبہات اور اعتراضات کو نہایت مدلل طور سے دُور کیا گیا ہے۔ بہت سی قرآنی آیات پر لطیف پیرایہ میں بحث کی گئی ہے۔ قرآن شریف نے جو نشانات ایک سچے مرسل کے لیئے مقرر فرمائے ہیں اُن کو آیات کے حوالہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

والسلام پر اُن کو چسپان کرکے دکھا دیا ہے۔ بعض نئے رقسم کے چکڑالوی وساوس کا بھی خوبی سے ازالہ کیا گیا ہے کتاب واقعی قابل دید ہے۔ کاغذ اور چھپائی بھی اچھی ہے قیمت ۵ ر ملنے کا پتہ۔ شیخ الٰہی بخش و رحیم بخش احمدی تاجران کُتب گجرات۔ پنجاب ؛

مطبع میگزین قادیان مین منیجر میگزین کے اہتمام سی طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے — لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی
دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ — بابت ماہ نومبر ۱۹۱۱ء — نمبر ۱۱

چندہ سالانہ — عوام سے عا طلبا سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - نومبر ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

رسالہ

اصول اسلام

یعنی وہ لیکچر جو جلسہ مذاہب الہ آباد میں بڑی شان و شوکت سے پڑھا گیا۔ شیخ عبد الرحمن صاحب قادیانی تاجر کتب قادیان سے محصولڈاک بھیجنے پر مفت مل سکتا ہے۔

(مینجر)

ضروری اطلاع

بعض احباب کارڈ کے پتہ والی طرف لفظ "Stamped" "ٹکٹ لگایا گیا" "بعونہ تعالیٰ" وغیرہ الفاظ لکھدیتے ہیں اس سے کارڈ بیرنگ ہو جاتا ہے۔ اور دفتر کو خواہ مخواہ کے دو پیسے بھرنے پڑتے ہیں۔ مہربانی کرکے آئندہ پتہ والی طرف سوائے دفتر کے پتہ کے کوئی لفظ یا فقرہ نہ لکھا کریں۔ نیز بعض احباب محاسب صدر انجمن احمدیہ کے نام روپیہ بھیجتے ہیں تو منی آرڈر کے کوپن میں یا الگ رقم کی کوئی تفصیل نہیں دیتے جس سے ایک مد کا روپیہ دوسری مد میں جمع ہو جاتا ہے۔ اور بعد میں دقت ہوتی ہے مناسب ہے کہ ہر ایک منی آرڈر بھیجتے وقت کوپن میں رقم کی مکمل تفصیل

ریویو آف ریلیجنز کے گذشتہ پرچے

ذیل کے اردو یا انگریزی ریویو کے پرچوں میں سے کوئی پرچہ یا بعض پرچے اگر کسی صاحب کے پاس ہوں اور فروخت کرنا چاہیں یا مفت دینا چاہیں تو مینجر میگزین قادیان سے خط و کتابت کریں۔ دفتر میں ان کی ضرورت ہے:

اردو ریویو:۔ جنوری سنہ ۱۹۰۲ء: جنوری۔ فروری سنہ ۱۹۱۰ء:

انگریزی ریویو:۔ جنوری۔ اپریل۔ جولائی۔ اگست۔ ستمبر۔ اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء: نومبر و دسمبر سنہ ۱۹۰۳ء: جنوری سنہ ۱۹۰۴ء: مارچ سنہ ۱۹۰۵ء: جنوری سنہ ۱۹۰۶ء: فروری سنہ ۱۹۱۰ء

اطلاع:۔ خریداران کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت اپنے نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرماویں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت دانیال نبیؑ کی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئی نمبر ۲

سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو نمبر ۸ بابت اگست ۱۹۱۱ء

وہ سینگ جو مقدسوں سے جنگ کرتا رہا

حضرت دانیال نبی کی کتاب کے ساتویں باب میں حضرت دانیال علیہ السلام کا ایک رؤیا درج ہے جس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

"شاہ بابل بیلشضر کے پہلے سال میں دانی ایل نے اپنے بستر پر ایک خواب اور اپنے سر کی رویتیں دیکھیں تب اس نے اس خواب کو لکھا اور اس احوال کا مفصل بیان کیا۔ دانی ایل بولا اور کہا کہ مَیں نے رات کو ایک رویا دیکھی اور کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان کی چار ہوائیں بڑے سمندر پر باہم زور سے چلیں۔ اور سمندر سے چار بڑے حیوان جو ایک دوسرے سے متفرق تھے نکلے۔ پہلا شیر ببر کی مانند تھا اور عقاب کے سے پنکھ رکھتا تھا اور میں دیکھتا رہا جبتک اس کے پر اکھاڑے گئے اور وہ زمین سے اُٹھایا گیا اور آدمی کی طرح پاؤں پر کھڑا کیا گیا اور انسان کا دل اسے دیا گیا۔ اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک دوسرا حیوان ریچھ کی مانند

تھا اور وہ ایک طرف سیدھا کھڑا ہوا اور اُس کے مُنہ میں اُس کے دانتوں کے درمیان تین پسلیاں تھیں اور انہوں نے اُسے کہا کہ اُٹھ اور بہت گوشت کھا۔ بعد اُس کے مَیں نے نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اور حیوان تیندوا کی مانند اُٹھا جس کی پیٹھ پر پرندے کے سے چار پر تھے اور اُس حیوان کے چار سر تھے اور سلطنت اُسے دی گئی۔ اِس کے پیچھے مَیں نے رات کی رویتوں کے وسیلے سے دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ چوتھا حیوان ہولناک اور ہیبتناک اور نہایت زبردست اور اُس کے دانت لوہے کے تھے اور بڑے بڑے تھے وہ نگل جاتا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا اور بچی کو اپنے پاؤں سے لتاڑتا تھا اور یہ اُن سب حیوانوں سے جو اُس کے آگے تھے متفرق تھا اور اُس کے دس سینگ تھے۔ مَیں نے اُن سینگوں پر غور سے نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ اُن کے بیچ میں سے ایک اور چھوٹا سا سینگ نکلا جس کے آگے پہلے تین سینگ جڑھ سے اکھاڑے گئے اور کیا دیکھتا ہوں کہ اُس سینگ میں آنکھیں تھیں انسان کی آنکھوں کی مانند اور ایک مُنہ تھا جو بڑی بڑی باتیں بول رہا ہے۔

مَیں یہاں تک دیکھتا رہا کہ کرسیاں رکھی گئیں اور قدیم الایّام بیٹھ گیا اُس کا لباس برف سا سفید تھا اور اُس کے سر کے بال صاف ستھرے اُون کی مانند اُس کا تخت آگ کے شعلہ کے مانند تھا اور اُس کے پہیے جلتی آگ کے مثل تھے۔ ایک آتشی سیلاب بہ رہا جو اُس کے آگے سے نکلا تھا ہزاروں ہزار اُس کی خدمت میں حاضر تھے اور لاکھوں لاکھ اُس کے آگے کھڑے تھے عدالت ہو رہی تھی اور کتابیں کُھلی ہوئی تھیں۔ مَیں نے دیکھا یہانتک کہ اُس سینگ کی آواز کے سبب جو بڑے گھمنڈ کی باتیں بولتا رہا ہاں مَیں یہانتک دیکھتا رہا کہ وہ حیوان مارا گیا اور اُس کا بدن ہلاک کیا گیا اور شعلہ زن آگ میں ڈالا گیا۔ اور باقی حیوانوں کی سلطنت بھی اُن سے لے لی گئی پر اُن کی زندگی قائم رہی اور وے ایک مدت اور ایک ساعت تک جیئے۔ مَیں نے رات کی رویتوں کے وسیلے دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص آدمزاد کی مانند آسمان کے بادلوں کے ساتھ آیا اور قدیم الایّام تک پہنچا۔ وے اُسے اُس کے آگے لائے۔ اور تسلّط اور حشمت اور سلطنت اُسے دی گئی کہ سب قومیں اور اُمّتیں اور مختلف زبان بولنے والے اُس کی خدمت گذاری کریں اُسکی

سلطنت ابدی سلطنت ہے جو جاتی نہ رہے گی اور اُس کی مملکت ایسی جو زایل نہ ہو گی ؛
مجھ دانی ایل کی روح میرے بدن میں ملول ہوئی اور میرے سر کی رویتوں نے مجھے
گھبرا دیا۔ مَیں اُن میں سے جو نزدیک کھڑے تھے ایک شخص کے پاس گیا اور اُس سے
ان ساری باتوں کی حقیقت پوچھی اُس نے مجھ سے کہا اور ساری حقیقت مجھے بتلائی
یہ چار بڑے حیوان چار بادشاہ ہیں جو زمین میں برپا ہونگے۔ لیکن حق تعالیٰ کے
مقدّس لوگ سلطنت لے لیں گے اور ابد تک ہاں ابد الآباد تک اُس سلطنت کے
مالک رہیں گے۔ تب مَیں نے چاہا کہ چوتھے حیوان کی حقیقت جانوں جو اُن سبھوں سے
متفرق تھا کہ نہایت ہیبتناک تھا جس کے دانت لوہے کے اور ناخن پیتل کے تھے
جو نگلتا اور ٹکڑے ٹکڑے کرتا اور بچتی کو اپنے پاؤں سے لتاڑتا تھا۔ اور دس سینگوں
کی جو اُس کے سر پر تھے اور اُس ایک کی جو نکلا اور جس کے آگے تین گر گئے ہاں
اُس سینگ کی جس کی آنکھیں تھیں اور ایک مُنہ جو بڑے گھمنڈ کی باتیں بولتا تھا
اور اُس کا چہرہ اُس کے ساتھیوں کی نسبت سے زیادہ رعبدار تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ
وہی سینگ مقدّسوں سے جنگ کرتا اور اُنپر غالب ہوتا رہا۔ جب تک کہ قدیم الایّام
آیا اور حق تعالیٰ کے مقدّسوں کا انصاف کیا گیا اور وقت آپہنچا کہ مقدّس لوگ سلطنت
کے مالک ہوویں۔ وہ یوں بولا کہ چوتھا حیوان چوتھی سلطنت ہے جو دنیا میں ہو گی
وہ ساری سلطنتوں سے متفرق ہو گی اور ساری زمین کو نگلے گی اور اُسے لتاڑیگی
اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کریگی۔ اور وے دس سینگ جو ہیں سو دس بادشاہ ہیں جو
اُس سلطنت میں سے اُٹھیں گے اور اُن کے بعد ایک اور اُٹھے گا اور وہ پہلوں سے
متفرق ہو گا اور تین بادشاہوں پر غالب ہو گا۔ اور وہ حق تعالیٰ کی مخالفت میں
باتیں کرے گا اور حق تعالیٰ کے مقدّسوں کو تصدیعہ دیگا اور چاہیگا کہ وقتوں اور
شریعتوں کو بدل ڈالے اور وے اُس کے قبضے میں دیئے جائیں گے یہاں تک کہ
ایک مدّت اور مدّتیں اور آدھی مدّت گذر جائے گی۔ پر عدالت بیٹھے گی اور وے اُسکی
سلطنت اُس سے لے لیں گے کہ اُسے ہمیشہ کے لیئے نیست و نابود کریں۔ اور تمام

آسمان تلے کے سارے ملکوں کی سلطنت اور مملکت اور سلطنت کی حشمت حق تعالیٰ کے مقدس لوگوں کو بخشی جائے گی اُس کی سلطنت ابدی سلطنت ہے اور ساری مملکتیں بندگی کریں گی اور فرمانبردار ہو دیں گی۔ وہ بات یہاں تک تمام ہوئی میں جو دانی ایل ہوں میرے اندیشوں نے مجھے نہایت گھبرایا اور میرا چہرہ مجھ میں مبدل ہوا پر میں نے یہ بات اپنے دل میں رکھی"۔

چونکہ اس رُؤیا کا مفہوم دراصل وہی ہے جو نبوکدنضر کے خواب کا تھا۔ اور نبوکدنضر کے خواب پر مضمون ہذا کے پہلے حصہ میں بحث ہو چکی ہے لہٰذا ضروری نہیں سمجھتا کہ دانیال کے اپنے خواب کی مفصل تفسیر کروں البتہ اس رُؤیا میں ایک بات نئی اور قابل تشریح ہے اور اس کا ذکر نبوکدنضر کے خواب میں نہیں۔ وہ نئی بات یہ ہے کہ حضرت دانیال کے خواب میں مسیحی مذہب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اُس چھوٹے سینگ کا ذکر ہے جسکی آنکھیں تھیں۔ جو بڑی بڑی باتیں بول رہا تھا اور جو مقدسوں سے جنگ کرتا اور اُنپر غالب ہوتا رہا۔ چونکہ پہلے خواب میں اس چھوٹے سینگ کی جگہ کوئی اور چیز تمثیل کے رنگ میں نہیں آئی اس لیئے اس سینگ کے متعلق چند الفاظ بیان کرنا عین مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چوتھے حیوان یعنی چوتھی سلطنت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت دانیال فرماتے ہیں۔ "میں نے اُن سینگوں پر غور سے نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں اُن کے بیچ میں سے ایک اور چھوٹا سا سینگ نکلا جس کے آگے پہلے تین سینگ جڑھ سے اکھاڑے گئے اور کیا دیکھتا ہوں کہ اُس سینگ میں آنکھیں تھیں انسان کی آنکھوں کی مانند اور ایک مُنہ تھا جو بڑی بڑی باتیں بول رہا ہے"۔ جس فرشتہ سے حضرت دانیال نے اس رُؤیا کی تعبیر پوچھی اُس نے جواب دیا " وہ حق تعالیٰ کی مخالفت میں باتیں کرے گا اور حق تعالیٰ کے مقدسوں کو تصدیعہ دیگا اور چاہیگا کہ وقتوں اور شریعتوں کو بدل ڈالے اور وے اُن کے قبضے میں دیئے جائیں گے یہانتک کہ ایک مدت اور مدتیں اور آدھی مدت گذر جائیگی پر عدالت بیٹھے گی اور وے اُس کی سلطنت اس سے لے لیں گے کہ اُسے ہمیشہ کے لیئے نیست و نابود کریں"۔

جس طرح آپ سے نکلنے والے پتھر کے متعلق مسیحی صاحبان میں اختلاف تھا اسی طرح اس سینگ کے متعلق بھی وہ متفق الرائے نہیں۔ ہمیں ضرورت نہیں کہ پہلے کی طرح مختلف آرائے کا تذکرہ کریں ہاں ہم اس چھوٹے سینگ کی تلاش دوسرے سینگوں میں کرتے ہیں کیونکہ لکھا ہے "اُن کے بیچ میں سے ایک اور چھوٹا سا سینگ نکلا"۔ اگر تاریخی واقعات کو بہ نظر امعان دیکھا جائے اور اس پیشگوئی کے مصداق کو وقائع عالم کے صفحات میں تلاش کیا جائے تو زبردست دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ چھوٹا سینگ ہرقل رومی تھا وہ دوسرے سینگوں کے بیچ میں سے نکلا اور خود چھوٹا سینگ بنا یعنی ابتداءً نہ وہ خود بادشاہ تھا اور نہ کسی صوبے کا گورنر تھا بلکہ مصر کے رومی گورنر کا بیٹا تھا۔ پس اس طرح یہ چھوٹا سینگ دوسرے سینگوں کے بیچ میں سے نکلا یعنی سلطنت روما کے گورنروں میں سے ایک گورنر کے گھر پیدا ہوا اور اپنی خداداد قابلیت اور لیاقت سے اپنے باپ کی زندگی میں اونی درجہ سے اعلیٰ مدارج پر ترقی کر گیا یا یوں کہو کہ وہ چھوٹا سینگ آخر بڑا ہو گیا اور اس کے "آگے پہلے تین سینگ جڑھ سے اُکھاڑے گئے"۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ "تین سینگ" کونسے تھے اور کس طرح چھوٹے سینگ یعنی ہرقل نے اُن کو جڑھ سے اُکھاڑ پھینکا اس امر کو معلوم کرنیکے لیئے صرف اس قدر جاننا کافی ہے کہ جب شہنشاہ مارس فوکس کے ہاتھ سے سنہ ۶۰۲ء میں قتل ہو چکا اور موخر الذکر نے مقتول شاہ کا تخت و تاج غصب کر لیا تو ہرقل نے سنہ ۶۱۰ء میں فوکس کے خلاف بغاوت برپا کر دی اور یاوری بخت و مساعدت طالع نے اُس کا اس خوش اسلوبی سے ساتھ دیا کہ آخرش کامیابی کا تاج اسکے سر پر رکھا گیا اور وہ جو کہ ایک دوسرے گورنر کا بیٹا اور چھوٹا سینگ تھا زمانہ کے ایک ہی چکر نے اُس کو رومیوں کا شہنشاہ بنا دیا۔ پس اس طرح اس چھوٹے سینگ نے پہلے ایک بڑے سینگ یعنی فوکس کو جڑھ سے اُکھاڑ ڈالا۔ اس کے بعد دوسرا سینگ خسرو ثانی شاہ ایران تھا جس نے رومی سلطنت پر حملہ کر کے ملک شام مصر اور بعض دیگر رومی صوبجات پر تسلّط جما لیا تھا۔ لیکن ہرقل نے بہت سے جنگ و جدل اور جوہر مردانگی و شجاعت دکھانیکے بعد سلطنت ایران کو نیچا دکھایا اور متکبر کسرائے

کو اپنا تخت و تاج چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس فتح سے گورنر مصر کا لڑکا اور اس کے سپاہی خوب مالا مال ہو گئے اور اس طرح چھوٹے سینگ نے اس دوسرے سینگ کو جڑھ سے اکھاڑ ڈالا۔

تیسرے سینگ کی کیفیت جس کو اس چھوٹے سے سینگ نے جڑھ سے اکھیڑا یہ ہے کہ سلطنت روم کی مغربی حد پر آوار کی جنگجو قوم آباد تھی۔ جن کا ہمیشہ صرف لوٹ مار ہی کام تھا۔ ان لوگوں نے نواح اسٹریا سے لیکر حد تھریس تک تاخت و تاراج کا بازار گرم کر رکھا تھا ایک دفعہ ان لوگوں نے خود ہرقل کو گھیر لیا اور اس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس وقت شاہ روم نے نہایت استقلال سے کام لیا اس نے اپنا تاج اتار کر اپنے بازو کے ساتھ باندھ دیا اور خود تیز گام اسپ پر سوار ہو کر دشمنوں کے پنجہ سے نکل گیا۔ ۶۲۰ء میں ہرقل نے مجبور ہو کر اس قوم کے ساتھ معاہدہ صلح کر لیا اور ان کے آیندہ حملوں کا سدّباب کرنے کے لیئے اپنے دار الخلافہ اور انکی حد کے درمیان سرب اور کروٹ قوم کے لوگوں کو آباد کر کے ایک زندہ دیوار حائل کر دی یہ قومیں ابتک برابر موجود ہیں جب ہرقل ایرانیوں سے جنگ کر رہا تھا تو خسرو ثانی نے آوار قوم کے سردار سے جس کا خطاب چاغان تھا نامہ و پیام کا سلسلہ چھیڑا اور اس کو سلطنت روم کی باہمی تقسیم کا لالچ دلاکر اپنا دوست بنا لیا۔ اس معاہدہ اتحاد کی تکمیل کے بعد قوم آوار کے سردار چاغان نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا اور اسکی اعانت کے لیئے کسرٰی نے بھی ایک زبردست فوج بھیجدی۔ ایام محاصرہ میں رومیوں کی طرف سے ایلچی بھیجے گئے۔ جب وہ ایلچی اپنی منزل مقصود پر پہنچے تو چاغان نے انکو مخاطب کر کے کہا۔ "تمہارا بادشاہ ہرقل قسطنطنیہ کو اپنی قسمت پر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا ہے اب وہ یا تو گرفتار ہو چکا ہے یا بھگوڑوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہے۔ تم یاد رکھو کہ اب آوار اور ایرانیوں کی تلواروں سے تمہارا بچاؤ محال ہے۔ ہاں اگر تم پر لگا کر اڑ جاؤ یا مچھلیاں بنکر پانی میں غوطہ لگالو تو اس صورت میں شاید تمہاری جانیں بچ جائیں" جب ان حالات کی خبر ہرقل کو پہنچی تو اس نے جھٹ اپنی فوج میں سے بارہ ہزار

مسلح سپاہی علیحدہ کر کے قسطنطنیہ کی طرف بھیجدیئے۔ اس فوج کی آمد پر آوار لوگ پس پا کیئے گیئے اور ان کی کشتیوں کا بیڑا بندرگاہ کے اندر ہی تباہ کر دیا گیا۔ چاغان کے ہمراہی اُس کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے اور اُس کا سامان رسد بھی ختم ہو چکا تھا۔ اس لیئے اس نے اپنے انجنوں کو جلا دیا اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دیا قوم آوار اور ایرانیوں کی متفقہ فوج کی یہ ناکامی اور چاغان کی یہ نامرادی باشندگان .... دار الخلافہ کے لیئے حیرت انگیز امر بلکہ اعجاز تھا۔ خوش اعتقاد لوگوں نے اپنی مخلصی کو حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کی شفاعت کا نتیجہ سمجھا۔ یہاں ہمیں کسی کے خیال و گمان سے بحث نہیں ہمیں تو صرف یہ دکھانا ہے کہ ہرقل کا تیسرا دشمن کس طرح بے نیل و مرام ہوا اور کس طرح اچانک اُسے نامرادی سے واپس جانا پڑا۔ پس یہ تیسرا سینگ تھا جو چھوٹے سینگ کے آگے جڑھ سے اُکھاڑا گیا۔ اس سینگ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ”بڑی بڑی باتیں بول رہا ہے.... وہ حق تعالیٰ کی مخالفت میں باتیں کریگا.... اور چاہے گا کہ وقتوں اور شریعتوں کو بدل ڈالے“ ان الفاظ سے اس سینگ یعنی ہرقل کے مذہب کی طرف اشارہ ہے اور حق تعالیٰ کی مخالفت میں بڑی بڑی باتیں بولنے سے مسیحی مذہب کی تعلیم خصوصاً حضرت مسیح ناصری کو ابن اللہ کہنا مراد ہے اس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا یعنی یہ ایک بڑی بھاری بات ہے جو اُن کے مُنہ سے نکلتی ہے۔ ان کی یہ بات بالکل جھوٹ ہے (سورہ کہف ع ۱) - علاوہ ازیں مسیحی مذہب نے موسوی شریعت کے بہت سے احکام میں تغیر و تبدل کر دیا ہے مثلاً ختنہ کا حکم تھا اور سوٗر کو ابدی طور پر حرام کیا گیا تھا۔ لیکن ”شریعتوں کو بدل“ ڈالنے والوں نے ان احکام کو بالکل ہی اُڑا دیا ہے۔ ان لوگوں نے صرف ’شریعتوں‘ کو ہی تبدیل نہیں کیا بلکہ ’وقتوں‘ کو بھی بدل ڈالا ہے چنانچہ یہودیوں کے نزدیک یوم سبت ہفتہ تھا لیکن مسیحی قوموں نے ہفتہ کی بجائے اتوار کو یوم سبت بنا لیا اور اس طرح ’وقتوں اور شریعتوں‘ ہر دو کو بدل ڈالا۔ یسوع نے تو کہا تھا کہ ”یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے کو آیا۔ منسوخ کرنیکو

نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جاویں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھاوے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا پر جو کہ عمل کرے اور سکھلاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا۔ کیونکہ میں تمھیں کہتا ہوں ص لیکن اپنے خداوند کے اس کھلم کھلے حکم اور اس کی اپنی مثال کے خلاف مسیحیوں نے شریعت کو لعنت سمجھا اور تمام احکام شریعت کو تبدیل کر ڈالا ہے۔ جس شریعت کو یسوع مسیح راستبازی سے تعبیر کرتا اور اس کی اطاعت کو آسمانی بادشاہت کا دروازہ سمجھتا تھا وہ یسوع مسیح کے برائے نام پیروؤں کے نزدیک لعنت قرار دیگئی ہے۔ غرض اس میں کچھ بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ پیشگوئی کے محولہ بالا الفاظ میں ہرقل کے مذہب کی طرف اشارہ تھا۔

معزز ناظرین! اس سینگ کی نسبت یہ بھی کہا گیا تھا کہ "وہ حق تعالیٰ کے مقدسوں کو تصدیعہ دیگا" اگر آپ اس کی تفسیر و تفصیل چاہیں تو جنگ موتہ کے واقعات پر ایک نظر ڈال دیکھیں۔ ہرقل کی حسب ایما پر اس کے گورنروں نے حق تعالےٰ کے مقدسوں' یعنی مسلمانوں کو' تصدیعہ' دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک شام اور رومی سلطنت کے دوسرے صوبجات حق تعالیٰ کے مقدسوں نے ہرقل کی سلطنت سے لے لیئے۔ 'خدائے تعالیٰ کے مقدسوں کو تصدیعہ' دینے کی ایک اور مثال فروہ گورنر شام کی سرگذشت میں پائی جاتی ہے۔ جب فروہ کو دعوتِ اسلام پہنچی تو اس نے بعد تحقیق مذہب اسلام اختیار کرلیا اور اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ خط دیدی۔ اور خط کے ساتھ ہی ایک سفید خچر۔ ایک گھوڑا۔ ایک گدھا اور ایک مطلا پوشاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بطور خادمانہ نذرانہ کے ارسال کی۔ جب ہرقل کو یہ خبر پہنچی تو اس نے فروہ کو بلوا بھیجا اور اپنے پاس بلا کر اس کو دوبارہ مسیحی مذہب میں داخل کرنے کی بے سود کوشش کی۔ جب 'خدائے تعالیٰ کے اس مقدس' پر کسی ترغیب کا اثر نہ ہوا۔ تو اسے پھانسی دیکر شہید کر دیا گیا۔ لکھا ہے کہ

ص مگر اگر تمھاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے زیادہ نہ ہو تو تم آسمان کی بادشاہت میں کسی طرح داخل نہ ہو سکو گے" (متی باب ۵۔ ورس ۱۷-۲۰)

جب فروہ سے کہا گیا کہ تم اسلام ترک کر دو تو اس رومی نو مسلم نے نہایت استقلال سے
جواب دیا "مَیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو ہرگز ترک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ (اے
ہرقل) تو خوب جانتا ہے کہ یسوع مسیح نے اُن کی آمد کی پہلے سے خبر دی ہوئی ہے۔
اور تُو اگر ایمان نہیں لاتا تو صرف تجھے یہ خوف ہے کہ مبادا سلطنت ہاتھ سے نہ جاتی
رہے" الغرض خدائے تعالیٰ کے مقدسوں کو تصدیعہ دینے سے مسلمانوں کی
ایذا رسانی مقصود تھی۔ فروہ کی سرگذشت ملاحظہ ہو میور کی تصنیف لائیف آف محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) میں۔ صفحہ ۳۸۳ و ۵۱۶۔

پیارے ناظرین! مقدسوں کا یہ "تصدیعہ" الٰہی وعدہ کے مطابق دیرپا نہیں
تھا کیونکہ لکھا گیا تھا کہ "وے اُس کے قبضے میں دیئے جائیں گے یہانتک کہ ایک مدت
اور مدتیں اور آدھی مدت گذر جائیگی"۔ اب عیسائی مفسرین کے اقوال کے بموجب مذکورہ بالا
ورس میں مدت سے ایک سال اور مدتوں سے دو سال اور آدھی مدت سے ½ سال
مراد ہے اس طرح یہ مدت کل ½ ۳ سال ہوتی ہے۔ اور جب تاریخی واقعات پر نظر ڈالی
جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۶۲۸ء کے موسم خزاں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرف سے ہرقل شاہِ روم کو دعوتِ اسلام کا پیام پہنچا تھا۔ اس دعوت کے
ساڑھے تین سال بعد یعنی جون سنہ ۶۳۲ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا
دعوت کے خط اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بین بین جو زمانہ ہے
اس میں مسلمانوں کو رومیوں کی طرف سے طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی گئیں۔ سرحد شام
پر موتہ کے قریب ایک مقام موآب ہے وہاں پر ہرقل کے ایک نائب شرجیل نامی
نے نہایت بے رحمی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو شہید کیا۔ واضح ہو کہ
یہ ظلم دعوت کے خط کے تھوڑے ہی عرصہ بعد وقوع میں آیا تھا۔ پھر اس کے ایک
سال بعد ہرقل کی مسیحی رعایا نے مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت کو جس میں پندرہ
آدمی تھے تہ تیغ کر دیا پندرہ میں سے صرف ایک آدمی بچ کر نکل آیا اور اس نے اس
واقعہ کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی۔ ان سب واقعات کو میور نے اپنی کتاب

لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تسلیم کیا ہے۔ غرض اس مُدّت یعنی عرصہ ۳½ سال میں خدائے تعالیٰ کے مقدسوں کو تصدیعہ پہنچایا گیا اور وے اس کے قبضے میں رہے لیکن مدّت۔ مدّتیں اور آدھی مدّت گذرنے کے بعد یعنی عرصہ ۳½ سال کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرماگئے تو "عدالت بیٹھ گئی اور نہ صرف مقدسوں کا تصدیعہ بند ہوگیا بلکہ ہرقل "سے سلطنت لے لینے" اور "اُسے ہمیشہ کے لیئے نیست و نابود" کردینے کا وقت آگیا اور حق تعالیٰ کے مقدسوں نے ملک شام کو فتح کرنا شروع کردیا۔ شاہ ہرقل کو خوف تھا کہ مسلمان ہوجانے سے کہیں سلطنت اُس کے ہاتھ سے نہ جاتی رہے اسی خوف کے مارے وہ دولت اسلام سے بہرہ مند نہ ہوسکا لیکن خدائے تعالیٰ چاہتا تھا کہ اپنے پاکباز بندوں کو زمین کا وارث بنائے اور جن مقدسوں کو تصدیعہ دیا گیا تھا اُن کے ہاتھ سے اُس کی سلطنت کو نیست و نابود کرائے اس لیئے ہرقل نے اپنی موت سے پہلے دیکھ لیا کہ اُس کی سلطنت مسلمانوں کے ہاتھ آرہی ہے۔ جب مسلمانوں نے ملک شام فتح کرلیا اور ہرقل کو اپنی سلطنت کے نہایت محبوب اور قیمتی صوبے سے دست بردار ہوکر قسطنطنیہ کی طرف مراجعت کرنی پڑی اُس وقت وہ ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور شام کے زرخیز سبزہ زاروں پر نظر ڈالکر اُس نے درد بھری آرزو سے کہا "اے مقدس اور بابرکت ملک شام خدا حافظ اب مجھے امید نہیں کہ میں تیری طرف واپس آسکوں۔ نہ ہی کوئی رومی کبھی تیری زیارت کرسکے گا ہاں اگر کوئی رومی آئیگا بھی تو مارے خوف کے ڈرتا اور کانپتا رہے گا" پس اب اسمیں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ چھوٹا سینگ ہرقل رومی تھا اور خدائے تعالیٰ کے مقدس لوگ مسلمان تھے ان مقدسوں کا سردار وہی "آپسے نکلنے والا" پتھر تھا جس نے "مورت کو پاش پاش کردیا تھا" یعنی دانیال نبیؑ کی کتاب میں جو رؤیا بطور پیشگوئیوں کے درج ہیں اُن کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقدس صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی ان پیشگوئیوں کے مصداق ہیں غرض نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود میں یہ پیشگوئیاں پوری ہوچکی ہیں اور مسیحیوں کا یہ

خیال کہ ان کا تعلق مسیح کی آمد ثانی سے ہے محض بناوٹ اور واقعات کی تکذیب ہے؛

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو نہ صرف دانیال کی کتاب میں خدائے تعالیٰ کے مقدس، کہا گیا بلکہ بائبل کی ایک اور پیشگوئی میں بھی اُن کا نام مقدس اور قدوسی رکھا گیا ہے۔ اور یہ دوسری پیشگوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح صفائی سے صادق آتی ہے جس طرح دانیال نبی والی پیشگوئی۔ اور یہ دوسری پیشگوئی حسب ذیل ہے "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اور اُس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت اُن کے لیئے تھی۔ استثنا ۳۳: ۲ - ان ورسوں میں جن دس ہزار قدوسیوں کا ذکر ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں کیونکہ فاران یعنی مکّہ میں مبعوث ہونیوالا نبی جب فتح مکّہ کے وقت اس مقدس شہر میں اپنے اللہ کے آگے سجدۂ شکر کرتا ہوا داخل ہوا تو اُس کے ہمراہ ٹھیک دس ہزار صحابہؓ تھے اور اسی گروہ کا نام خدائے تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں دس ہزار قدوسیوں کی فوج' رکھا گیا تھا۔

اس پیشگوئی میں خدائے تعالیٰ کی تین مظہروں کا ذکر ہے اول حضرت موسیٰ علیہ السلام جو کوہ طور پر تجلی باری تعالیٰ کے مورد ہو کر کلیم اللہ ہوئے۔ دوم حضرت مسیح علیہ السلام جن کو کوہ شعیر پر جلوہ ایزدی کا مشاہدہ ہوا۔ سوم۔ فاران کی چوٹی پر سے چمکنے والا آخری اور اتم مظہر یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فاران یعنی مکّہ میں مبعوث ہوئے۔ واضح رہے کہ مقدس کتب کی رو سے فاران اُس میدان کا نام ہے۔ جہاں حضرت ہاجرہؑ اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جُدا ہو کر اقامت گزین ہوئی تھیں۔ بنی اسمٰعیلؑ میں تواتر سے یہ روایت چلی آتی ہے کہ فاران کا میدان مکّہ معظمہ کے سوا کوئی اور دوسرا نہیں پر اس کے علاوہ چاہ زمزم جس کا ذکر پیدایش باب ۱۹ میں ہے خود اس امر کا بدیہی ثبوت ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہ السلام نے اپنے میاں سے جُدا ہو کر اپنے ننھے بیٹے اسمٰعیلؑ کو لے کر اس میدان میں ڈیرہ لگایا تھا۔ اب اگر اس زندہ اور بیّن شہادت کے خلاف بنی اسمٰعیل کے دشمنوں کی اپنی کوئی روایت ہو

تو وہ ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ غرض خدائے تعالیٰ کا تیسرا مظہر جس کا ذکر محولہ بالا پیشگوئی میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نہیں اور یہ مکّہ کی پہاڑیاں تھیں جہاں سے ہدایت کا سورج تیسری دفعہ پورے کمال سے چمکا اور اسرائیل کے بھائیوں میں سے یعنی بنی اسمٰعیل میں سے ایک عظیم الشان نبی پیدا ہوا۔ جس کے گرد فتح مکّہ کے قدوسیوں کی ٹھیک دس ہزار فوج جمع تھی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آٹھ سال بے وطن رہ کر اپنے مولد مولوف کی طرف فاتح و منصور ہو کر واپس آنا دنیا کی تاریخ میں ایک بے نظیر واقعہ ہے اور خدائے تعالیٰ کی ہستی کا ایک زبردست ثبوت ہے کیونکہ جس بے کسی کی حالت میں آنحضرت صلعم ہجرت پر مجبور ہوئے تھے۔ اس پر نظر ڈالنے سے ہرگز یہ امید نہیں ہو سکتی تھی کہ کسی دن یہی بے کس اور بے بس انسان مکّہ کا فاتح اور بادشاہ ہوگا اور خدائے تعالیٰ کا فرمودہ لفظ بہ لفظ پورا ہو کر رہے گا پس فاران پر آنیوالا نبی خدائے تعالیٰ کا چمکتا ہوا نشان اور مظہر ہے فتدبروا یا اولی الابصار ۔

حضرت دانیال کی کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین کی سلطنت حق تعالیٰ کے مقدّس بندوں کو دیجائے گی چنانچہ آخر اس پیشگوئی کے مطابق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے موعودہ ممالک کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ملک شام اور رومی سلطنت کے دوسرے صوبجات بھی مسلمانوں کے تحت میں آگئے اور اس طرح حق تعالیٰ کے مقدّس تمام سلطنت روم کے وارث ہو گئے۔ اور دانیال نبی کی پیشگوئی لفظ بہ لفظ پوری ہو گئی یہاں پر یہ بتا دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ اس پیشگوئی میں جہاں دوسرے بادشاہوں کو حیوانوں سے مشابہت دی گئی ہے وہاں ایک بادشاہ کو انسان کی شکل میں بھی دکھایا گیا ہے۔ یاد رہے کہ یہ بادشاہ وہی مقدسوں کا سردار ہے جس کے پیروؤں کا نام حق تعالیٰ کے مقدّس بندے رکھا گیا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ذات باری کے مظہر اتم تھے اس لئے آپ کی بادشاہت کو انسانی شکل میں دکھایا گیا حاصل کلام

دانیال نبی کا رؤیا بھی نہو کہ نصر کے خواب کی طرح محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور آپ کی پیشگوئی ہے۔ جو لوگ کھینچ تان کر اس کو مسیح پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں وہ ضمیر کا خون کرتے اور روشن سورج پر چادر ڈالنا چاہتے ہیں اور خدا کے جلائے ہوئے چراغ کو پھونک مار کر بجھانا چاہتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ٭ کسے کو پف زند ریشش بسوزد

اِسلام کے اصول

اسلام کے مخالف بہت دفعہ اُس پر یہ الزام لگاتے ہیں۔ کہ اسلام انسانی جذبات کو اُکساتا ہے وہ ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اور طلاق سے نہیں روکتا۔ مگر وہ یہ تکلیف گوارا نہیں کرتے۔ کہ ان خیالات کے ماتحت وہ اس لعنت کی بھی تشریح کریں۔ جو کہ اسلام نے شرابخوری مردوں اور عورتوں کے میل جول۔ اور جوابازی .... پر کی ہے۔ ایک ایسا مذہب کہ جس کا رجحان عیش وعشرت اور شہوت پرستی کی طرف ہو ممکن ہے کہ قدیم روما کے عیش وعشرت اور شرابخوری کی اجازت نہ دے۔ لیکن موجودہ زمانے کے ناچ گھر کی رنگین خوشیوں سے محروم نہیں رکھ سکتا۔ وہ شرابخوری کی ضرور اجازت دے دیتا۔ اگرچہ وہ اُس کو مذہبی رسومات کا جزو بننے کی عزت نہ دیتا۔ وہ ضرور جوابازی کی اجازت دیدیتا۔ اگرچہ وہ اس کو مذہبی تہواروں کی رونق کا لازمہ قرار نہ دیتا۔ مگر جب ان خیالات کی طرف مخالفین اسلام کی توجہ کو منعطف کیا جاتا ہے۔ تو وہ کہہ دیتے کہ اسلام بہت ہی تنگ اور خشک مذہب ہے۔ مگر حق یہ ہے۔ کہ وہ تنگی خیالات سے ایسا ہی متنفر ہے۔ جیساکہ وہ اس عیش وعشرت اور شرابخوری سے بعید ہے۔ جس کو کہ بہت سے مذاہب کے بانیوں نے یا تو مذہبی رسومات کی تکمیل کے لئے ضروری سمجھا ہے یا ان موقعوں پر انکے استعمال کئے جانیکی اجازت

دی ہے۔ توکیا پھر اسلام اضداد کا ایک مجموعہ ہے؟ اسلام کے مخالف اس سوال کے جواب میں کہیں گے۔ کہ "ہاں"، مگر ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ عقل اس کے جواب میں کیا کہتی ہے۔ .... قرآن مجید فرماتا ہے لا یکلف اللّٰہ نفسًا الّا وسعھا۔ کہ خداوندکریم کسی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ وہ خواہشات اور شہوات جو کہ قدرتی ہیں۔ اور جو کہ خدا نے انسان کو دی ہیں۔ ان میں کوئی بُرائی نہیں ہوسکتی۔ اور شہوت کی موجودگی بذاتہٖ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ اور چونکہ ہم قدرت کے خلاف نہیں چل سکتے۔ اس واسطے ہم قدرتی شہوات اور خیالات کو ردّ نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمارا کام یہ ہے۔ کہ انکو راستے پر چلائیں۔ جیسا کہ انتقام لینے کی خواہش ایک قدرتی امر ہے۔ اور شائستہ اقوام نے زیادہ سے زیادہ یہ کیا ہے کہ اس کو فوجداری قانون کی زنجیر سے جکڑ دیا ہے۔ اسی طرح شہوت بھی ایک قدرتی امر ہے۔ اور ترقی یافتہ جماعتوں نے (بجائے اسکے کہ وہ اس کو تجرد کی کڑی زنجیر سے روک دیتے) اسپر قوانین ازدواج کی بنیاد رکھی ہے۔ جس طرح کہ مسیح کے اس حکم نے کہ "کسی کو جان سے مت مارو"۔ دنیا سے پھانسی کی سزا کو موقوف نہیں کر دیا۔ اور نہ ہی ہر قسم کے جنگ وجدال کو روک دیا ہے۔ اسی طرح تمام حالات کے ماتحت ایک ہی بیوی کرنے کا اصول اٹل قانون نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی شادی صرف اسی صورت میں شرعی شادی ہو سکتی ہے۔ کہ جو مرد اور عورت ایک دفعہ ملجاویں۔ وہ کسی صورت میں بھی ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہوں۔ ہر ایک ملکی قانون آسانی کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے۔ اور اس میں مستثنیات ہوتے ہیں تو پھر کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ خداوندکریم کا بھیجا ہوا قانون یعنی قرآن شریف جو کہ نہ تو تبدیل ہونیوالا تھا اور نہ اس کی کوئی ترمیم ہوسکتی تھی۔ اس قدر سخت اور اٹل ہوتا۔ کہ اسمیں کسی مستثنیات کو کسی حالت میں بھی دخل نہ ہوتا۔ لیکن ضروری ہے۔ کہ مستثنیات کی صاف صاف توضیح کی جاوے۔ جیسا کہ اسلام نے کیا ہے۔ اور ان مستثنیات کو کبھی بھی قانون کی جگہ نہیں لے لینی چاہیئے۔ عورتوں اور مردوں کے ملاپ کے بارہ میں

بڑی دقت یہ ہے۔ کہ خاصکر اسلامی ہندوستان میں پُرانے وضع کے آدمی بڑی سختی سے عورتوں کو قید رکھتے ہیں یہ رواج صرف رسوم پر مبنی ہے جو بعد میں پیدا ہوگیا بغیر اس کے کہ اسلام کا اس بارہ میں کوئی حکم ہو اور نئی روشنی کے لوگ چاہتے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ عام طور پر میل جول کرنے کے لیئے کسی قسم کی رُکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ مردوں اور عورتوں میں بلا تکلف میل جول سے کہ جس کی اجازت اسلام صرف بیوی اور خاوند اور محرم لوگوں کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیتا ایسے نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ جو کہ قانون ازدواج کے لیئے ایسے ہی مضر ہوں۔ جیسا کہ ایک ایسی سوسائٹی میں جہاں انتقام لینے کی خواہش قوانین کے ذریعہ سے جکڑی گئی ہو کسی کو مارنے کی دھمکی امن عامہ میں مخل ہو سکتی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ مرد اور عورت کے بے روک اور کُھلے ملاپ سے قوائے شہوانی جوش میں آتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ وہ بدکاریاں ہوتی ہیں۔ جو کہ ایک شائستہ سوسائٹی کے لیئے باعثِ ننگ ہیں۔ مگر چونکہ قوائے شہوانی کا جوش میں آنا قدرتی امر ہے۔ اسواسطے ازدواج اور محرمات وغیرہ کے قانون کی ضرورت ہے۔ شرابخوری اور جوا بازی قدرتی خواہشات نہیں ہیں۔ اسواسطے اسلام نے انکو بالکل روک دیا ہے۔ کیونکہ اسلام کا یہ اصول ہے۔ کہ جبکہ وہ قدرتی شہوات کو بذریعہ قانون سیدھے راستہ پر چلاتا ہے۔ تو ایسی خواہشات کو جو کہ قدرتی نہیں ہیں۔ سرے سے روک دیتا ہے۔ یہی اصول ہے جس کے ذریعہ اسلام کے مختلف اصولوں کی باہم موافقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور یہ موافقت بالکل معقول ہے۔ اگر ہم مندرجہ ذیل دو اصول سمجھ لیں۔ جنپر اسلامی احکام کی بنیاد ہے۔ (۱) قدرتی خواہشات اور شہوات کو ہرگز روکنا نہیں چاہیئے۔ بلکہ اُن کو راہ راست پر چلانا چاہیئے۔ (۲) ایسی خواہشات اور شہوات کو جو کہ قدرتی نہ ہوں بالکل روک دینا ہی سب سے عمدہ علاج ہے ؁

ترجمہ از
کامریڈ۔ کلکتہ

طریق وصول الی اللہ

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش کی علت غائی عبادت ہے اور عبادت کا انجام ہے خدائے تعالیٰ اپنے خالق میں محو ہونا اب خدا کو پانے کے ذرائع وابتغوا الیہ الوسیلۃ کے ارشاد کی تعمیل میں معلوم کرنے چاہئیں۔ جو میرے نزدیک یہ ہیں۔

(۱) اس سچے خدا کی تلاش کی جائے۔ جو تمام عیبوں سے منزہ اور تمام نقصوں سے مبرا ہے۔ جو جامع جمیع صفات کاملہ ہے۔ پھر متصرف بالارادہ۔ اور متکلم ہے اپنی جناب میں عاجزی سے پکارنے والوں کی دعائیں سننا اور ان کو جواب دیتا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ لہ دعوۃ الحق۔ والذین یدعون من دونہ لا یستجیبون لھم بشیئ الا کباسط کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ھو ببالغہ وما دعاء الکفرین الا فی ضلال۔

پکارے جانیکا حق اسی کو پہنچتا ہے۔ جو لوگ اس کے سوا کسی اور کو پکارتے ہیں وہ معبودان باطل کچھ جواب نہیں دیتے۔ ان سے کسی نفع یا جواب کی امید ایسی ہی ہے جیسے کوئی پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے۔ کہ پانی اس کے منہ میں خود بخود آپڑے اور یوں تو کبھی ہونے کا نہیں۔ پس کافروں کی پکار ضائع ہی جاتی ہے۔

(۲) اس کے حسن پر اطلاع پائی جائے۔ کہ جس قدر خوبیاں مخلوقات میں پائی جاتی ہیں یا انسان کے ذہن میں آسکتی ہیں وہ سب کی سب اس ذات والاصفات میں موجود ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی شان میں فرماتا ہے (۱) لیس کمثلہ شیئ۔ (۲) ولہ المثل الاعلیٰ۔ (۳) قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد۔ وہ اپنی ذات وصفات میں یگانہ ہے۔ وہ اپنی خوبی اپنے کمال اپنے علو میں کسی کا محتاج نہیں۔ اس کا کوئی ہمسر کوئی ہمتا نہیں۔

(۳) اس کے احسانوں کا مطالعہ کیا جائے جس کی یہ صفتیں ہیں۔ رب العلمین۔ الرحمٰن الرحیم۔ مالک یوم الدین۔ تمام مخلوقات عالم کا خواہ وہ از قسم جمادات ہو یا نباتات یا حیوانات۔ وہی پرورش کرنے والا ہے وہ انہیں آہستہ آہستہ کمال تک پہنچاتا ہے۔ وہ بے مانگے۔ زندگی بخش اسباب بہم پہنچانے والا۔ اعمال پر ثمرات مرتب کرنے والا۔ پھر مارنے و فنا کرنے پر قادر۔ اور جزا و سزا میں کامل اختیارات رکھنے والا ہے۔ اس کے ہم پر ایسے ایسے انعامات ہیں کہ ہم شمار نہیں کر سکتے۔ اور کیونکر گن سکیں جبکہ ارشاد ہوتا ہے وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔

(۴) جناب باری تعالیٰ میں دعا کی جائے۔ سورۂ بقرہ رکوع ۲۳ میں فرماتا ہے واذا سئلک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی۔ میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو انہیں بتا دو میں بہت قریب ہوں۔ پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔ پس مجھ پر ایمان پیدا کرو۔ مجھ ہی سے طلب کرو۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ ادعونی استجب لکم۔ دعا مانگو میں قبول کروں گا۔

(۵) مجاہدہ یعنی اپنا مال۔ اپنی جان۔ اپنی طاقت خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔ انما المؤمنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا۔ وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون۔ اور یہ بات عملی زندگی میں نظر آئے یعنی اپنا مال اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کردے اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ ثمرہ کیا ملیگا۔ اس محبوب حقیقی سے وصال چنانچہ فرماتا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبُلنا۔

(۶) استقامت۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ نحن اولیاءکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ۔ اللہ کو اپنا ربّ سمجھنا اور پھر اُسپر استقامت۔ واقع میں جو اللہ کو اپنا ربّ یقین کرے پھر وہ کسی گناہ میں نہیں پڑتا۔ چور چوری

کیوں کرے اگر اسے یقین ہو کہ اللہ میری ربوبیت کرنے والا خیر الرازقین ہے۔ انسان غیر کے دروازے پر کیوں گرے جب وہ خدا پرست ہو کر یہ آواز فرشتوں کی زبانی سن رہا ہو کہ ہم دنیا و آخرت میں تیرے والی تیرے ناصر ہیں۔

(۷) صحبت صادقین۔ فرماتا ہے۔ کونوا مع الصادقین۔ صادقوں کی صحبت میں رہو اور ارشاد ہوتا ہے واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداوة والعشي يريدون وجهه (کہف) انسان جب کسی صادق سے اپنا تعلق بڑھاتا ہے اور اس کی ذات کے ساتھ اپنی روح کو پیوست کر لیتا ہے تو اس غذا سے حصہ پا کر غیر معمولی نشوونما حاصل کرتا ہے۔ جو وہ سرچشمہ حقیقی سے پا رہا ہوتا ہے۔

(۸) خواب۔ کشف۔ الہام۔ وحی کہ خدا پر سچا یقین پیدا کرنے کے لئے سب سے بڑھکر یہی ذریعہ ہے۔ لهم البشرى في الحيوة الدنيا وفي الآخرة۔

(اکمل)

قرآن شریف کی ایک پیشگوئی

حامداً و مصلیاً۔ مسیحی صاحبان کا یہ گمان ہے۔ کہ قرآن شریف میں صرف ایک ہی پیشگوئی ہے جو کہ سورہ روم کے ابتداء میں ہے یعنی آیت غُلِبَتِ الرُّومُ ۙ فِيٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ یعنی سلطنت روم (ایرانیوں کے ہاتھ سے) مغلوب ہو چکی ہے نزدیک کی زمین میں۔ لیکن رومی مغلوب ہونے کے بعد دس سال کے اندر غالب ہونگے چونکہ پادری صاحبان کا خیال ہے کہ قرآن شریف میں مندرجہ بالا پیشگوئی کے سوا اور کوئی پیشگوئی نہیں ہے اور یہ کہ اسلام کی صداقت کا سارا دار و مدار

صرف اسی ایک ہی پیشگوئی پر ہے اس لیئے اُنہوں نے اس پیشگوئی کو مٹانے کے لیئے ناخنوں تک زور لگایا ہے چونکہ اُن کے دلوں میں یہ وہم تھا کہ یہ ایک ہی ستون ہے جس نے اسلام کی عمارت کو سہارا ہوا ہے اور یہ ایک ہی شہادت ہے جو اہل اسلام قرآن شریف کے مُنزل مِن اللہ ہونے کے ثبوت میں پیش کرسکتے ہیں۔ اور یہ اگر ہم اس ستون کے گرانے میں کامیاب ہوگئے تو اسلام کی ساری عمارت گر جائیگی اور مسلمانوں کے ہاتھ میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں رہے گا کہ قرآن شریف خدائے تعالےٰ کا کلام ہے اس لیئے اُنہوں نے اس پیشگوئی پر حملے کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا اور جہاں تک اُن کی طاقت تھی اُنہوں نے اس کے مٹانے کے لیئے زور لگایا ہے اس لیئے پیشتر اس کے کہ ہم مسیحی صاحبان کے اُن حملوں کا جواب دیں جو اُنہوں نے اس پیشگوئی پر کیئے ہیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اُن کے اس خیال باطل کو دُور کیا جاوے کہ قرآن شریف میں صرف یہی ایک پیشگوئی ہے اس کے سوا اور کوئی پیشگوئی نہیں۔ پادری صاحبان کا یہ خیال بالکل ایک دھوکہ ہے جسکو سُنکر وہ سخت مایوس ہوں گے کہ قرآن شریف میں یہی ایک پیشگوئی نہیں بلکہ اس میں ہزارہا پیشگوئیاں ہیں جو قرآن شریف کی صداقت کے لیئے بطور گواہ کے ہیں۔ یہ سب پیشگوئیاں ایسے وقت میں شائع کی گئیں جبکہ کوئی انسان اُن واقعات کی خبر نہیں دے سکتا تھا جن کی اُن میں خبر دی گئی ہے ان میں سے بہت سی پیشگوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں بہت سی آپ کی وفات کے بعد کے آنیوالے واقعات کی خبر دیتی ہیں چنانچہ ان میں سے بعض موجودہ زمانہ کے حالات کا نقشہ کھینچتی ہیں اور بعض ایسی پیشگوئیاں ہیں جو اس زمانہ کے بعد پوری ہونگی۔ غرض قرآن شریف کی پیشگوئیاں دنیا کے انجام تک کی خبر دیتی ہیں بلکہ اس دنیا کے خاتمہ کے بعد بھی قرآنی پیشگوئیاں اپنا رنگ دکھائیں گی۔ اور نہ صرف اسی زندگی میں ہم قرآنی پیشگوئیوں کو پورا ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں بلکہ جب ہم اس دنیا سے رخصت ہوکر دوسرے عالم میں قدم رکھیں گے وہاں بھی اسکی طاقت کو ہم مشاہدہ کریں گے۔ اس مضمون میں اس قدر گنجائش نہیں کہ میں ان پیشگوئیوں پر مفصل بحث کروں

مگر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحبان کو جو دھوکہ لگا ہوا ہے اس کے دور کرنے کیلئے بعض پیشگوئیوں کا یہاں ذکر کیا جاوے۔ تا اُن کو معلوم ہو کہ ایک ہی پیشگوئی پر بس نہیں بلکہ قرآن شریف میں اور بھی پیشگوئیاں ہیں اور قرآن شریف کی صداقت پر بحث کرتے ہوئے انہیں سب قرآنی خبروں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

مَیں پہلے اُن پیشگوئیوں میں سے چند ایک بطور نمونہ کے پیش کرتا ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں سے اکثر پیشگوئیاں مکہ میں نازل ہوئیں۔ جب کہ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اسلام کا انجام کیا ہوگا۔ اور جبکہ مکہ معظمہ کے غریب معدودے چند نومسلم اپنے زبردست دشمنوں کے ہاتھوں سے طرح طرح کی اذیتیں اور دُکھ اُٹھا رہے تھے۔ اس بے کسی۔ کس مپرسی اور ضعف کی حالت میں جو پیشگوئیاں شائع کی گئیں ناظرین ذرا اُن کی طاقت اور شوکت پر غور کر کے بتائیں کہ کیا یہ ایک بیکس ضعیف انسان کی باتیں ہیں یا قادرِ مطلق۔ غالم الغیب خداوند کا مقتدرانہ کلام ہیں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ (الصّٰفّٰت۔ ۵)

تیرے مخالفوں نے اس قرآن کا انکار کیا ہے۔ اُن کو جلدی پتہ لگ جائے گا۔ ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے بارے میں جن کو ہم رسول بنا کر بھیجتے ہیں پہلے سے ہو چکا ہے۔ کہ وہی مظفر و منصور ہونگے اور ہماری جماعت ہی غالب رہیگی۔ پس تُو کچھ عرصہ تک ان لوگوں سے منہ پھیر لے۔

(۲) اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (زمر۔ ۴) کیا اللہ اپنے بندہ کیلئے کافی نہیں ہے؟ یعنی دشمن خواہ کتنا ہی زور لگائیں اُن کی ایک پیش نہ جائے گی کیونکہ اکیلا خدا اپنے بندہ کی امداد کے لئے کافی ہے۔

(۳) بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ

(انبیاء - ۲) بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینکیں گے اور حق باطل کو توڑ دے گا اور باطل فنا ہو جائیگا - یعنی اسلام باطل کو پاش پاش کر دے گا -

(۴) مکہ کے مغرور قریش غریب مسلمانوں کی بے کسی کو دیکھکر تکبر کے نشہ میں پوچھتے
اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِیًّا ۝ (مریم - ۵) ہر دو فریق میں سے کس فریق کی حیثیت اور درجہ اچھا ہے اور کس فریق کی جماعت اور مجلس بہتر ہے - اس سوال کے جواب میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَکَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنْ قَرْنٍ ھُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْیًا ۝ یعنی (یہ لوگ اپنے جتھے کا گھمنڈ نہ کریں) - ان سے پہلے کئی ایسی سنگتیں گذر چکی ہیں جن کا مال و اسباب اور جن کی نمود ان کی نسبت بہت زیادہ تھی مگر (جب انہوں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کی تو) ہم نے ان کو ہلاک کر دیا (ایسا ہی اب ان کا حال ہوگا) پھر فرمایا فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ ھُوَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ۝ یعنی ان کو جلدی معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں فریقوں میں سے کس کی حالت بُری ہے اور کس کا جتھا کمزور ہے -

(۵) اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ (قمر - ۳) کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والی جماعتیں ہیں - یہ جماعت ہزیمت اٹھائے گی اور پیٹھ دیکر بھاگیں گے - یعنی اگرچہ اسوقت ان کو اپنی کثرت اور طاقت کا گھمنڈ ہے مگر وقت قریب ہے کہ یہ جماعتیں انہی غریب مسلمانوں کے ہاتھ سے شکست کھائیں گی اور یہ مغرور قریش ان بے کس مسلمانوں کے آگے پیٹھ دے کر بھاگیں گے -

(۶) اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (انبیاء - ۷) میرے صالح بندے زمین کے وارث ہوں گے - یعنی اگرچہ اس وقت مسلمانوں کی جماعت کفار کی نظر میں بہت قلیل دکھائی دیتی ہے مگر ہمارا قدیم سے یہ وعدہ ہے کہ ہم اپنے صالح بندوں کو ملک کا وارث کرتے ہیں پس اب بھی ایسا ہی ہوگا

یعنی اُن کے دشمن ہلاک ہو جائیں گے اور یہی قلیل جماعت آخر اس ملک کی وارث ہو گی۔

یہ ہیں چند پیشگوئیاں بطور نمونہ کے جو مکہ معظمہ میں اُس وقت شائع کی گئیں جبکہ اسلام کے طاقتور اور زور آور دشمن دن رات اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ اسلام کے نئے پودے کو بالکل جڑھ سے اکھاڑ کر اُس کو نیست و نابود کر دیں اور جو چند غریب مسلمان مکہ شریف میں پائے جاتے تھے اُن کو طرح طرح کے دکھ دیئے جا رہے تھے۔ اب میں پادری صاحبان سے ہی سوال کرتا ہوں کہ وہ بتائیں کہ آیا یہ زبردست پیشگوئیاں جو سخت زیردستی کی حالت میں شائع کی گئی تھیں۔ نہایت صفائی کے ساتھ پوری ہوئیں یا نہ۔ پادری صاحبان سے میں یہ سوال اس لیے کرتا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ وہ ان کے پورا ہونے سے ہرگز انکار نہیں کر سکتے۔ یہ پیشگوئیاں ایسی صفائی سے پوری ہوئیں کہ خواہ کوئی کیسا ہی متعصب کیوں نہ ہو وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جن حیرت انگیز امور کی خبر ان آیات کریمہ میں قبل از وقت دی گئی تھی وہ امور بالکل ان پیشگوئیوں کے مطابق ظاہر ہوئے اور نہ پادری صاحبان اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ جب ان عظیم الشان پیشگوئیوں کا اعلان مکہ معظمہ میں کیا گیا اُس وقت مسلمانوں کی حالت نہایت ہی قابل رحم تھی اور اُن کے دشمن اُس وقت اپنی طاقت کے معراج پر تھے اور کوئی انسان نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ کمزور انسان جو نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے اور اُس کی کمزور جماعت اپنے طاقتور اور زبردست دشمن پر غالب آئیں گے کون اُس وقت بتا سکتا تھا کہ مکہ معظمہ کے صنادید جو گرم پتھروں اور جلا دینے والے کنکروں اور جنگل کی جلتی ہوئی ریت پر غریب مسلمانوں کو پکڑ کر لٹاتے اور دُکھ دیتے تھے وہ انہی مسلمانوں کے سامنے ایک دن پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ اگر مسیحی صاحبان میں کچھ انصاف ہے اور سچائی سے کچھ بھی پیار ہے تو وہ ضرور شہادت دیں گے کہ اُس وقت کسی انسان کی طاقت میں نہیں تھا کہ ایسی چونکا دینے والی خبروں کا ایسے ناگفتہ بہ حالات کے ماتحت

اعلان کرتا۔ پھر دیکھو کہ یہ پیشگوئیاں کسی شیخی باز کی بڑ نہ تھی بلکہ سچے واقعات کی قبل از وقت ایسے حالات کے ماتحت خبر دیتی تھیں کہ جن حالات کے ماتحت یہ واقعات انسان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ کیا کوئی مسیحی انکار کرسکتا ہے کہ جن واقعات کی خبر ان آیات کریمہ میں دی گئی تھی وہ بالکل سچے واقعات ثابت ہوئے ہ کیا سچ مچ ہجرت کے قریباً ایک سال بعد ہی مکّہ کے قریش اُنہی غریب مسلمانوں کے سامنے پیٹھ دیکر نہ بھاگے جن کو وہ سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور جن کے نیست و نابود کرنے کے وہ درپے ہو رہے تھے ہ دیکھو یہ کلّی پیشگوئیاں کیسے حیرت انگیز طور سے پوری ہوئیں۔ اور طرفہ یہ کہ اُن کے پورا ہونے کے وقت تک بھی کسی کو گمان نہ تھا کہ ایسا ہوگا۔ کیا بھلا جب مکّہ کی وادی کا سردار ابوجہل دیگر صنادید مکّہ کے ہمراہ بدر کے میدان کی طرف ایک لشکر جرّار لے کر روانہ ہوا کیا اُس وقت اُس کے وہم وگمان میں تھا کہ ۳۱۳ ناتجربہ کار۔ اور بے ساز و سامان مسلمانوں کے ہاتھ سے اُس کا لشکر سخت ہزیمت اُٹھائے گا اور وہ خود اور اُس کے دیگر متکبّر ہمراہی بدر کے ریگستان میں ہلاک ہوں گے اور اُس کے کوچ کے چند روز بعد ہی مکّہ کا شہر ایک ماتم کدہ بن جائے گا اور اُس میں کوئی ایسا گھر نہ ہوگا جس سے چیخنے اور چلّانے کی دردناک آواز برپا نہ ہو گی۔ وہ تو بڑے گھمنڈ کے ساتھ گانے والی عورتیں ساتھ لے کر مکّہ سے نکلا تھا اور اُس کا ارادہ تھا کہ بدر کے میدان پر جاکر جشن کرے گا اور کُل عرب کو مسلمانوں کے مقابل میں اپنی طاقت اور شوکت کا نظارہ کرائے گا۔ اُس کو کیا معلوم تھا کہ مَیں اپنے ہمراہیوں کو موت اور ہلاکت کے گڑھے میں دھکیلنے کے لیئے لیجا رہا ہوں۔ غرض وہ عجیب اعلان تھے جو مکّہ کے شہر میں ڈنکے کی چوٹ سے سنائے گئے اور اُنہوں نے نہایت ہی حیرت انگیز طور سے دنیا کی اُمیدوں کے بالکل برخلاف اپنی صداقت کو ظاہر کیا۔ ان کلّی اعلانوں میں نہ صرف خدائے تعالیٰ کا علیم اور خبیر ہونا پایا جاتا ہے بلکہ ان سے اُس کا قدیر۔ عزیز۔ اور ذو انتقام ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے ان پیشگوئیوں کے ذریعہ

آسمان سے یہ شہادت دی کہ مکّہ میں جو شخص نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے وہ میری طرف سے ہے اور میں اُس کے ساتھ ہوں اور میں اُس کو فتح دوں گا اگرچہ بظاہر کوئی آثار فتح کے نظر نہیں آتے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایسا کرشمہ دکھایا کہ جس وقت اُس نے اپنے بندوں کو فتح بخشی اُس وقت بھی کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان کو فتح حاصل ہو گی۔ مسیحی صاحبان انصاف کریں۔ وہ کیسی عجیب باتیں تھی جن کا اعلان مکّہ کی گلیوں میں کیا گیا۔ کیا اُس وقت اس مکّہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ کہنا عجیب نہ تھا کہ میرے پیرو اس ملک کے وارث ہونگے؟ اور پھر کیا یہ عجیب بات حقیقی طور پر سچّی اور درست ثابت نہ ہوئی۔ کیا یہ پیشگوئی اس بات کا قطعی اور یقینی ثبوت نہیں کہ وہ سچا نبی تھا جس نے اس سچّی اور زبردست پیشگوئی کو شائع کیا۔

مدینہ منوّرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت اور بھی نازک تھی۔ کیونکہ مکّہ معظمہ میں تو صرف ایک قریش ہی دشمن تھی مگر مدینہ منوّرہ میں ہجرت کرنے کے بعد نہ صرف قریش مسلمانوں کی بیخکنی پر پہلے سے بھی زیادہ آمادہ ہو گئے۔ بلکہ ریگستان عرب کے بے شمار قبائل نے بھی قریش کی طرح مسلمانوں کو دُکھ دینے پر کمر باندھ لی۔ اور اُن پر متواتر حملے کرنے شروع کر دیئے۔ اور انہی پر بس نہ تھی۔ خود مکّہ کے اندر ایک جانی دشمنوں کی جماعت تھی جو اپنے تئیں مسلمان ظاہر کرتے تھے مگر در اصل مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے۔ اور ان کے علاوہ یہود کے کئی ایک طاقتور قبائل تھے جن کے سینوں کے اندر حسد کی آگ شعلہ زن تھی اور جو مسلمانوں کے استیصال کے لیئے عرب کے قبائل کو اُکساتے تھے اور جنہوں نے مسلمانوں کے برخلاف کل جزیرہ عرب میں پھر کر جنگ کی آگ بھڑکانے کے لیئے جان توڑ کوششیں کیں۔ پھر یہ دشمنی جزیرہ عرب تک ہی محدود نہ رہی بلکہ عرب کے حدود پر جو زبردست سلطنتیں ایرانیوں اور رومیوں کی تھیں انہوں نے بھی مسلمانوں کے برخلاف سر اُٹھایا اور چاہا کہ اس نئے مذہب کا خاتمہ کر دیں ایسے مشکلات کے ماتحت پھر خدائے تعالیٰ کی وحی نے نصرت اور کامیابی کی خوشخبری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنائی۔ چنانچہ چند آیات مدنی سورتوں کی یہاں نقل کیجاتی

ہیں جو نصرت اور تائید کے وعدوں پر مشتمل ہیں :-

(۱) كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ - اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ٥ (مجادلہ-۳) اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور ضرور غالب آئیں گے تحقیق اللہ تعالیٰ طاقتور اور زبردست ہے۔

(۲) اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ (مجادلہ-۳) یہی لوگ (یعنی صحابہ کی جماعت) خدائے تعالیٰ کا گروہ ہیں۔ آگاہ رہو کہ ضرور خدائے تعالیٰ کا گروہ ہی کامیاب ہوگا۔

(۳) اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (مجادلہ-۱) جو لوگ کہ خدائے تعالیٰ اور اُس کے رسول کا مقابلہ کرتے ہیں وہ اسی طرح ہلاک کیے جاویں گے جیسے کہ وہ لوگ ہلاک کیے گئے جو ان سے پہلے تھے۔

(۴) وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ٥ (فتح-۱) اور اللہ تعالیٰ ایک زبردست مدد کے ساتھ تیری نصرت کرے گا۔

(۵) وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ (مائدہ-۱۰) اللہ تعالیٰ لوگوں سے تجھے بچائے گا۔ یعنی اگرچہ ہزارہا آدمی تیرے خون کے پیاسے ہیں۔ مگر کسی کو اپنے بد ارادے میں کامیابی حاصل نہ ہوگی اور خدائے تعالیٰ تیری جان کی حفاظت فرمائے گا۔

(۶) قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ یعنی اپنے منکروں کو کہہ دے کہ تم مغلوب کیے جاؤ گے۔ (آل عمران-۲)

اب میں پادری صاحبان کے فیصلہ پر ہی یہ امر چھوڑتا ہوں کہ آیا یہ پیشگوئیاں پوری ہوئیں یا نہ۔ مثلاً کیا خدائے تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ میں تیری جان کی حفاظت کروں گا سچا نکلا یا نہ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کئی گھمسان کی لڑائیوں میں شریک تھے اور دشمنوں کے خاص حملوں کا نشانہ رہے بلکہ لڑائیوں کے علاوہ بھی آپ کی جان پر کئی کوششیں کی گئیں۔ مگر خدائے تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق آپ کی جان کو محفوظ رکھا۔ مسیحی صاحبان خود قیاس کر سکتے ہیں کہ دشمنوں نے جو اسلام کا نام و نشان مٹانے کے

دسپے تھے کیا کیا کوششیں آپ کی جان کے لینے کے لیئے نہ کی ہونگی۔ یہودیوں نے ایک سے زیادہ دفعہ آپ کو قتل کرنا چاہا۔ چکی کے پاٹ کے نیچے آپ کو کچل ڈالنے کا منصوبہ کیا گیا۔ زہر دی گئی۔ مکّہ سے ابوسفیان نے ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کے لیئے مدینہ میں مخفی طور پر روانہ کیا۔ خود فتح مکّہ کے دن آپ کو قتل کرنیکی تدبیر کی گئی۔ اُحد کی لڑائی میں ایک فوج نے آپ کی ذات پر دھاوا کیا چنانچہ آپ کے دانت مبارک بھی شہید کیئے گئے۔ آپ کے خود کی کنڈیاں آپ کے رخساروں میں دھس گئیں اور آپ کو اور بھی زخم پہنچے۔ بلکہ ایک شیطان نے یہ بھی کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل ہو چکے ہیں۔ ان تمام کوششوں کے باوجود اور ان تمام خطرات کے ہوتے ہوئے خدائے تعالیٰ نے آپ کو یہ بشارت دی کہ آپ کی جان دشمن کے ہاتھ سے ہمیشہ محفوظ رہیگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کیا پادری صاحبان اس پیشگوئی کے وجود سے اور اس کے پورا ہونے سے انکار کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں ۔

بیشتر اس کے کہ میں اُن پیشگوئیوں کی طرف رجوع کروں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بعد کے واقعات کی خبر دیتی ہیں دو اور پیشگوئیونکو بھی یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو آپ کی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (دخان-۱) پس تو منتظر رہ اُس دن کا جب کہ آسمان ایک کھلا کھلا دھوآں لائے گا۔ جو کہ آدمیوں کو ڈھانک لے گا۔ یہ درد دینے والا عذاب ہے۔ یہ پیشگوئی کسطرح پوری ہوئی اس کی کیفیت صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل حدیث سے ظاہر ہو جائے گی۔ حدثنا عثمان بن ابی شیبہ قال حدثنا جریر عن منصور عن ابی الضحیٰ عن مسروق قال کنا عند عبد اللہ فقال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما رای من الناس ادبارا قال اللھم سبعا کسبع یوسف فاخذتھم سنۃ حصت کل شئ حتی اکلوا الجلود والمیتۃ والجیف وینظر احدھم الی السماء فیری الدخان من الجوع فاتاہ ابو سفیان فقال یا محمد انک تامر

بطاعة الله و بصلة الرحم و ان قومك قد ھلکوا فادع الله لھم
قال الله تعالیٰ فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین الیٰ قولہ عائدون
یوم نبطش بطشة الکبریٰ فالبطشة یوم بدر و قد مضت الدخان
و البطشة و اللزام و آیة الروم ۔ (صحیح بخاری جزء اوّل صفحہ ۱۴۱)
یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگوں نے حق کی طرف سے پیٹھ پھیر لی ہے
تو آپ نے دعا کی کہ اے خدا، تو ایسے ہی سات سال قحط کے بھیج جیسا کہ تو نے حضرت
یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال کا قحط بھیجا تھا۔ (تاکہ لوگ خدائے تعالیٰ
کی طرف رجوع کریں) چنانچہ (اس دعا کے مطابق) ایسا قحط پڑا جو ہر ایک چیز کو کھا گیا۔
یہاں تک کہ لوگوں نے چمڑے اور مردے۔ اور مرداروں کی لاشیں کھانی شروع کر دیں
اور جب کوئی آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتا تو بھوک کی وجہ سے اُس کو آسمان
دُھوآں دھار نظر آتا۔ جب یہانتک نوبت پہنچ گئی تو آپ کے پاس ابوسفیان آیا اور
اُس نے آکر عرض کی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری
اور صلہ رحمی کا حکم کرتا ہے اور تیری قوم قحط کی وجہ سے ہلاک ہو گئی ہے۔ پس تُو
خدا کے پاس دعا کر کہ یہ قحط دُور ہو جاوے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فَارْتَقِبْ
یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ ۙ اور پھر فرمایا ہے یوم نبطش بطشة
الکبریٰ۔ پس بطشة کی پیشگوئی بدر کے دن پوری ہوئی۔ دخان کی پیشگوئی۔
بطشة کی پیشگوئی اور لزام (فسوف یکون لزاما۔ سورہ فرقان) کی
پیشگوئی یہ سب پیشگویاں پوری ہو چکی ہیں۔ غرض دخان کی پیشگوئی جس کی نسبت
خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ھٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وہ سخت قحط کے ذریعہ پوری
ہوئی اور جب لوگوں کو بھوک کی وجہ سے آسمان دھوآں دھار نظر آنے لگا اُسوقت
اُن کو یہ پیشگوئی جو خدائے تعالیٰ نے مکہ میں نازل فرمائی تھی یاد آگئی۔ یعنی فارتقب
یوم تاتی السماءُ بدخان مبین۔ یغشی الناس۔ ھٰذا عذاب
الیم۔ اُس وقت اُن کو اس پیشگوئی کا نظارہ آنکھوں کے سامنے آگیا اور جو نقشہ

پیشگوئی مذکورہ نے لفظوں میں قبل از وقت کھینچا تھا جب وہی نقشہ اُن کی نظروں کے سامنے آگیا اور واقعات کی تصویر اُس لفظی تصویر کے بالکل مطابق ہو گئی تو اُسوقت لوگ بول اُٹھے کہ یہ وہی عذاب الیم ہے جس کی سورۃ دخان میں خبر دی گئی تھی ؟

مکّی سورتوں میں ایک اور بھی عجیب پیشگوئی ہے۔ وہ خدائے تعالیٰ کا کلام جو مکّہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اُسی کلام الٰہی میں ایک آیہ کریمہ یہ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ (سورہ قصص - ۹) یعنی جس خدائے تعالیٰ نے تجھ پر قرآن کا حکم فرض کیا ہے وہ تجھے پھر وطن کی طرف واپس لائے گا۔ اس آیت کریمہ میں دو پیشگویاں شامل ہیں یعنی خدائے تعالیٰ نے دو امور کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از وقت خبر دی اوّل یہ کہ آپ کو اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑیگی دوسرے یہ کہ آپ پھر اسی شہر میں واپس تشریف لاوینگے۔ مگر مکّہ میں جو دشمنوں کا گھر تھا ہجرت کے بعد دوبارہ آنا کوئی آسان امر نہ تھا۔ جب تک وہ زبردست دشمن جن کی ایذا دہی اور مظالم سے تنگ آکر اپنی جان بچانے کے لیے مسلمان ایک دُور کے شہر میں بھاگ گئے تھے وہ پھر اُس شہر میں داخل نہیں ہو سکتے تھے جب تک اُن کے زبردست اور ناخداترس دشمن ذلیل ہو کر عاجز نہ ہو جاویں۔ پس خدائے تعالیٰ نے اس پیشگوئی میں ایک تیسرے امر کی بھی خبر دی یعنی یہ کہ اگرچہ اس وقت تو ایسی لاچاری کی حالت میں ہے کہ تیرے لیے اور تیرے پیروؤں کے لیے اس شہر میں رہنا محال ہو گیا ہے مگر خدائے تعالیٰ تیری ایسی نصرت کرے گا کہ یہی تیرے ظالم دشمن جو اس وقت تیری جان کے پیاسے ہیں۔ تیرے سامنے خاک میں ملا دیئے جائیں گے۔ تو مظفر و منصور ہوگا اور تیرا دشمن مغلوب ہوگا اور تو کامیاب ہو کر پھر واپس اپنے وطن میں آئیگا غرض اس ایک آیہ کریمہ میں دو نہیں بلکہ تین پیشگویاں ہیں۔ اوّل یہ کہ تجھے تیرے دشمن اس بات پر مجبور کریں گے کہ تو اُن کے خونی ہاتھوں سے اپنی جان بچانے کیلئے کسی اور شہر میں جا کر پناہ لے۔ دوم یہ کہ یہی ظالم دشمن آخر تیرے سامنے ہلاک کیئے جاویں گے اور جو باقی رہ جائیں گے وہ تیرے فرمانبردار ہو جائیں گے تو

مظفر و منصور ہوگا اور نمبر ۲ دشمن مغلوب ہوگا - سوم یہ کہ پھر تو مظفر و منصور ہو کر اسی شہر میں داخل ہوگا جس سے کہ اب تجھے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگنا پڑے گا۔ خدائے تعالیٰ نے ایک اور مکی سورہ میں فرمایا وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۝ (بنی اسرائیل - ۸) اور تحقیق نزدیک تھے کہ پھسلا دیں تجھکو اس زمین سے تاکہ تجھ کو اس میں سے نکالدیں اور اُس وقت نہ رہیں گے تیرے پیچھے مگر تھوڑا عرصہ - یہ طریق اُن ہمارے رسولوں کے ساتھ وابستہ رہا ہے جن کو ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا اور تو اس طریق میں کوئی تغیر نہیں پائے گا - اس آیۂ کریمہ میں بھی دو امور کی خبر دی گئی ہے ایک یہ کہ تیرے مخالف تجھے اس بات پر مجبور کریں گے کہ تُو اپنے شہر سے بھاگ کر کسی اور شہر میں جاکر پناہ لے - دوسرے یہ کہ جب تُو اس شہر سے نکل جائیگا تو اُس کے بعد تیرے مخالف بہت عرصہ تک اپنے شہر میں عیش نہیں منائیں گے بلکہ جلدی ہی اُن کا فیصلہ کیا جائے گا گذشتہ انبیاؑ کی صورت میں بھی ہمارا یہی دستور رہا ہے اور اب بھی یہی دستور برتا جائے گا - اس قاعدہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی - چنانچہ ایسا ہی ہوا - جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لے گئے تو اُس کے بعد جلدی ہی یعنی قریباً ایک سال بعد مکہ کے قریش ابوجہل کی سرداری کے ماتحت اپنے شہر سے نکلے اور بدر کے میدان پر مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کی جس میں تمام سرداران قریش ہلاک ہوئے اور کئی قید میں پکڑے گئے اور دوسرے ہزیمت اُٹھاکر بھاگے - بعض سمندر میں بھی جاکر غرق ہوگئے اور اس طرح وہ وعدہ پورا ہوا جو آیۂ مذکورہ بالا میں کیا گیا تھا یعنی یہ کہ تیری ہجرت کے بعد یہ لوگ جو تیرے قتل کرنے کے منصوبے کر کے تجھے اس شہر سے بھاگنے کے لئے مجبور کرینگے تھوڑا عرصہ ہی ٹھیر سکینگے +

اب میں اُن پیشگوئیوں میں سے چند ایک بطور نمونہ کے نقل کرتا ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے واقعات کی خبر دیتی ہیں - ان میں سے ایک پیشگوئی

اُن امور کے متعلق ہے جو فوراً آپ کی وفات کے بعد پیش آنیوالے تھے۔ اس وقت
جب کہ اسلام ابھی پیدا ہی ہوا تھا اور ہر لمحہ یہ خوف تھا کہ دشمن کا ہاتھ اس کو صفحہ ہستی
سے مٹا دیگا۔ ایسے وقت میں نہ صرف یہ وعدہ دیا گیا کہ دشمن اپنے بد ارادہ میں ناکام
رہے گا اور یہ کہ اسلام بڑھے گا اور ترقی کرے گا بلکہ یہ بھی خبر دی گئی کہ یہ ملک جو اَب
بُت پرستی کا گھر بنا ہوا ہے یہ اسلام کا ملک ہوگا اور موجودہ بُت پرست صفحہ ہستی سے
نابود ہو کر اُن کی جگہ اسلام کے پیرو لیں گے اور یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم اپنا کام پورا کر کے اس عالم سے رخصت ہو کر اپنے رفیق اعلیٰ کے ساتھ جاملیں گے
اُس وقت خدائے تعالیٰ زمین میں آپ کے جانشین قائم کرے گا جو آپ کے کام کو جاری رکھیں
جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خدائے تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ کے
جانشین کھڑے کیئے۔ اس کے ساتھ یہ بھی خبر دی گئی کہ اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات
کے بعد پھر اس مذہب پر ایک خطرناک زمانہ آنے والا ہے مگر اُس وقت خدائے تعالیٰ
پھر اس کی مدد کرے گا اور اسلام کو دوبارہ ملک میں استحکام دے گا اور خوف کو دُور
کر کے اُس کی جگہ امن کو قائم کرے گا۔ جس آیہ کریمہ میں یہ پیشگوئی قبل از وقت شائع
کی گئی وہ یہ ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ
لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا
(نور - ۷) یعنی اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے
ہیں اور نیک کام کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اُن کو زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح
اُن لوگوں کو خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے تھے (یعنی موسوی سلسلہ کے خلیفے) اور جس
دین کو خدائے تعالیٰ نے اُن کے لیئے پسند کیا ہے خدا اُسے استحکام دے گا اور خوف
اُن پر آئیگا مگر خدائے تعالیٰ اُس کو دُور کر کے اُس کی جگہ امن اُن کے لیئے قائم کر دیگا۔

یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آیہ مذکورہ بالا میں صرف اُنہی خلفاء کا ذکر نہیں ہے
جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی اس آیہ کریمہ کا مصداق ہوئے بلکہ

اس میں خلفاء کے ایک لمبے سلسلے کا وعدہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تجدید دین کے لئے موسوی خلفاء کے قدم پر آنیوالے تھے۔ خدائے تعالیٰ محمدی اور موسوی سلسلوں کے درمیان ایک مماثلت قائم کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ بانی سلسلہ محمدی ہیں آپ کو بانی سلسلہ موسوی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل بیان کیا گیا ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (مزمل)۔ یعنی ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا۔ اس آیۂ کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مشابہت دی گئی ہے دونوں سلسلوں کے بانیوں میں مشابہت قائم کرنے کے بعد خدائے تعالیٰ دونوں سلسلوں کے خلفاء کو ایک دوسرے کا مثیل بیان فرماتا ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے ظاہر ہوتا ہے۔ انہی خلفاء کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ یبعث لهذه الامة علیٰ رأس کل مأية من یجدد لها دینها۔ یعنی ہر ایک صدی کے سر پر خدائے تعالیٰ اس اُمت میں سے ایک شخص کو پیدا کرتا رہے گا جو اس زمانہ میں دین کی تجدید کرے گا۔ یعنی جو غلطیاں لوگوں کے عقائد و اعمال میں داخل ہوگئی ہونگی وہ اُن کو دُور کرے گا اور لوگوں میں روحانیت اور پاکیزگی کی روح پھونکے گا۔ چونکہ قرآن شریف کے رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مماثلت رکھتے ہیں اور اُن کے خلفاء کا سلسلہ موسوی خلفاء کے سلسلہ سے مشابہت رکھتا ہے اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محمدی سلسلہ میں آخری خلیفہ موسوی سلسلہ کے آخری خلیفہ یعنی حضرت مسیح ابن مریم کا مثیل ہوگا۔ اور یہ کہ جیسا کہ موسوی سلسلہ کے خلفاء میں حضرت مسیح علیہ السلام ایک خاص درجہ اور خاص شان رکھتے ہیں ایسا ہی محمدی سلسلہ کے خلفاء میں جس نے مثیل مسیحؑ ہو کر آنا تھا اُسکی شان بھی دوسرے محمدی خلفاء میں ایک خاص امتیاز رکھنے والی ہونی چاہیئے تھی۔ اس آخری خلیفہ کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ ابن مریم رکھا ہے

یہ بھی اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ موسوی سلسلہ کے آخری خلیفہ حضرت عیسیٰ ابن مریم سے خاص مماثلت رکھنے والا ہوگا۔ یہ ایسا ہی نام ہے جیسا کہ اسرائیلی نبیوں نے حضرت یحییٰ ابن زکریا علیہما السلام کا نام روحانی مشابہت کی وجہ سے الیاسؑ رکھا۔ چنانچہ جب حضرت مسیح علیہ السلام سے یہودی علماء نے یہ سوال کیا کہ اگر تو مسیح موعود ہے تو وہ الیاس (علیہ السلام) کہاں ہے جس کے آنے کا وعدہ آسمانی کتابوں میں دیا گیا ہے اور جس نے مسیح موعود کے ظہور سے پہلے ظاہر ہونا تھا تو اس سوال کا جواب حضرت مسیح علیہ السلام نے یہی دیا کہ تمہارا یہ انتظار کہ خود حضرت الیاس علیہ السلام دوبارہ آسمانوں سے زمین پر نازل ہونگے محض لغو ہے۔ آنیوالا الیاسؑ آچکا ہے اور وہ یہی یحییٰ ابن زکریا (علیہما السلام) ہیں۔ چاہے قبول کرو چاہے نہ کرو۔

اُمّتِ محمدیہ میں ایک عظیم الشان خلیفے کا آنا جس نے موسوی اور محمدی سلسلوں کی باہمی مماثلت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ ابن مریم کے قدم پر آنا تھا صرف اُسی آیت استخلاف سے ثابت نہیں ہوتا جس کو میں اوپر نقل کر چکا ہوں بلکہ قرآن شریف کے اور مقامات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک آیت جس میں محمدی سلسلہ کے ایک عظیم الشان امام کے ظہور کا ذکر ہے یہ ہے اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰٓی اِمَامًا وَّرَحْمَۃً (ھود-۲) کیا وہ جو اپنے ربّ کی طرف سے کھلی کھلی دلیل پر ہے اور اُس کے پیچھے ایک شاہد آتا ہے جو اُسی میں سے ہے اور اُس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب ہے جو امام اور رحمت ہے۔ اس آیہ کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت میں تین قسم کی شہادتیں پیش کی گئی ہیں۔ اوّل وہ نشانات۔ معجزات اور براہین جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت جس کی پیشگوئیاں اور مقرر کردہ نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتے ہیں۔ تیسرا ایک گواہ جو بعد میں آنیوالا تھا اور جو کسی غیر شریعت یا ملت سے تعلق نہیں رکھتا تھا بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع۔ یعنی آپ ہی میں سے تھا۔ یہاں خدائے تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

صداقت کا نہایت ہی زبردست ثبوت دیتا ہے۔ اوّل فرماتا ہے کہ یہ نبی تو خود بیّنہ لیکر
آیا ہے۔ یعنی اس کو ہرگز ضرورت نہیں کہ کوئی غیر شخص اس کی صداقت کی گواہی دیکر اسکی
تائید کرے بلکہ جو جو نشانات اور معجزات اور بیّنات یہ نبی اپنے ساتھ لایا ہے وہی اس کی
صداقت کا زبردست ثبوت ہیں۔ یہ اس بات کا ہرگز محتاج نہیں کہ کسی پہلی کتاب میں سے
اس کی تائید کے لیئے کوئی پیشگوئی یا مقرر کردہ علامت تلاش کی جائے اور نہ اس کو اس امر
کی ضرورت ہے کہ بعد میں آنیوالا کوئی عظیم الشان مکالمہ الٰہی کا مورد اس کی صداقت کی گواہی
دے بلکہ یہ خود خدائے تعالیٰ کی طرف سے اپنے سچّا ہونے کے زبردست کھلے کھلے نشان اپنے
ساتھ لایا ہے جو بیّن طور پر اور نہایت وضاحت کے ساتھ آپ کی سچائی کو ثابت کر رہے ہیں
اور اگر اور کوئی شہادت نہ بھی ہوتی پھر بھی کوئی حرج کی بات نہ تھی کیونکہ خود اس کے اپنے بیّنات
اور نشانات اور معجزات اور خوارق اور آیات نے اس کی صداقت کو اظہر من الشمس کر دیا ہے۔ مگر
خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو اور بھی زیادہ چمکانے کیلئے دو اور گواہ
بھی پیش کیئے ہیں ایک گواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے گذر چکا ہے۔ دوسرا
آپ کے بعد آنیوالا تھا۔ پہلا گواہ جیسا میں بیان کر چکا ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہے جو
اپنی پیشگوئیوں اور مقرر کردہ علامات کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں سے ہے
مگر اس کی گواہی بھی وہی وقعت رکھتی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گواہی وقعت رکھتی ہے
بلکہ اگر قرآنی ترتیب کو دیکھا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس پیچھے آنیوالے شاہد کی گواہی
توریت کی شہادت سے بھی زیادہ وقعت رکھتی ہے۔ کیونکہ اگرچہ زمانی ترتیب کے لحاظ سے چاہیئے تھا کہ اس
آخری زمانہ کے شاہد کی گواہی کو آخر میں رکھا جاتا ... اور توریت کی گواہی کو جو پہلے گذر چکی ہے
پہلے رکھا جاتا.... مگر خدائے تعالیٰ نے اس ترتیب کو توڑ کر ظاہری قیاس کے برخلاف پہلی
آخری زمانہ کے شاہد کی گواہی کو ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پیچھے آنیوالے شاہد
کی شہادت توریت کی شہادت سے اعلیٰ درجہ رکھتی ہے۔ اور قرآن شریف میں جو وقعت
اس پیچھے آنیوالے شاہد کی شہادت کو دیگئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی شہادت بھی
اسی قسم کی شہادت ہے جو خدائے تعالیٰ کے انبیاء کی شہادت ہوتی ہے یعنی وہ بھی خدا تعالیٰ

سے الہام پاکر اور وحی الٰہی کے سرچشمہ سے سیراب ہو کر دنیا کے سامنے یہ گواہی دیگا کہ وہ نبی جو عرب میں پیدا ہوا اور جس پر قرآن کریم جیسی کتاب نازل ہوئی اور جس کو خاتم النبیین کا معزز خطاب دیا گیا وہ واقعی کُل نبیوں کا سردار تھا اور فی الحقیقت نبوت کے تمام انعامات اُسپر کامل اور اتم طور پر پورے ہو چکے ہیں۔ اس شاہد کی نسبت کہا گیا شَاھِدٌ مِّنْهُ یعنی یہ گواہی دینے والا کوئی باہر سے نہیں آئے گا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہوگا اور آپ کا غلام یعنی غلامِ احمد ہوگا۔ مگر باوجود غلام ہونے کے اُس کی شہادت کو بطور ثبوت کے پیش کیا گیا ہے بلکہ توریت کی شہادت سے اُس کی شہادت کو اعلیٰ درجہ دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی انبیاء علیہم السلام کی طرح خدائے تعالیٰ سے وحی پاکر شہادت دیگا۔ اس لیے اُس کی شہادت معمولی شہادت نہیں ہوگی۔ اوّل وہ اپنی تائید اور تصدیق میں خود نشانات دکھائیگا اور دنیا پر ثابت کرے گا کہ میں اُسی جماعت میں سے ہوں جو انبیاء کی جماعت کہلاتی ہے۔ وہ انبیاء کی خلعت میں ظاہر ہوگا اور اپنی سچائی کو روشن نشانات اور آسمانی گواہیوں اور زبردست براہین کے ذریعہ دنیا پر ثابت کریگا۔ پس جبکہ اُس کی صداقت ایک ثابت شدہ امر ہوگی اسلیئے اُس کو حق حاصل ہوگا کہ وہ ایک نبی کے دعویٰ کے متعلق اپنی شہادت دے۔ اس لیئے باوجود غلام احمد ہونیکے اُس کی شہادت وہی درجہ رکھے گی جو انبیاء علیہم السلام کی شہادت کا درجہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اُسی قسم کے نشانات سے اپنا مرسل من اللہ ہونا ثابت کرے گا۔ چونکہ وہ خدا کی طرف سے آئے گا اور اپنی سندوں اور سرٹیفکٹوں کے ساتھ آئیگا اس لیئے اُس کی شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بیّن ثبوت ہوگی۔ غرض خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے نبی کے ماننے میں تمھیں کیا تامل ہو سکتا ہے جو خود بھی ایسے روشن دلائل اور نشانات و معجزات کے ساتھ آیا ہے کہ اُس کو کسی دوسرے شخص کی شہادت کی کچھ بھی ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی خدائے تعالیٰ نے اُس کی صداقت کو اور بھی درخشاں و تاباں بنانیکے لئے دو عظیم الشان گواہ کھڑے کر دیئے ہیں ایک گواہ تو پیچھے آنیوالا ہے جو اسی نبی کی فیض سے کامل طور پر مستفیض ہو کر نبوت کا منصب حاصل کریگا وہ غلامِ احمد ہوگا اور خود اس کا وجود ایک یقینی ثبوت اس امر کا ہوگا کہ

وہ نبی بڑا ہی عظیم الشان نبی ہے جس کا یہ غلام ہے۔ چنانچہ اس امر کی طرف خدائے تعالیٰ اُس تازہ وحی میں اشارہ کرتا ہے جو اس زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی اور وہ وحی یہ ہے۔

برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے ٭ جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے

دوسرا گواہ پہلے گذر چکا ہے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت ہے۔ غرض آیہ کریمہ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ایک پیشگوئی ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کی خبر دی گئی ہے ٭

مَیں ایک دو اور قرآنی پیشگویاں یہاں نقل کرتا ہوں جو موجودہ زمانہ سے تعلق رکھتی ہے اور جو حضرت مسیح موعود علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعض علامات کا ذکر کرتی ہیں۔ قرآن شریف کی ایک آیۂ کریمہ فرماتی ہے کہ جب آسمانی نشانوں کے ذریعہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائیگی اور لوگ ہمارے نشانوں کا (جو مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر ظاہر ہونگے) انکار کرینگے تو اُس وقت ہم زمین میں سے ایک کیڑا پیدا کریں گے جو لوگوں کو زخمی کرے گا۔ یقیناً یہ کیڑا طاعون کا کیڑا ہے جس نے حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت اور لوگوں پر اتمام حجت کے بعد ظہور کیا ہے اور جو لاکھوں انسانوں کو زخمی کر چکا ہے اور معلوم نہیں کہ کتنے لوگوں کو آیندہ زخمی کریگا۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۝ (نحل - ۷) یعنی جب حجت پوری ہو جائے گی (اور فرد جرم لگ جائیگا) اُس وقت ہم لوگوں کے لئے زمین میں سے ایک کیڑا نکالیں گے جو اُن کو کاٹے گا اس لئے کہ لوگ ہمارے نشانوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔ اس آیۂ کریمہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کیڑا لوگوں کے لئے ایک عذاب ہوگا اور یہ عذاب نشانات کے ظاہر ہونے کے بعد واقع ہوگا یعنی اُس وقت جبکہ نشانوں کے ذریعہ لوگوں پر حجت پوری ہو چکی ہوگی۔ پھر اس آیۂ کریمہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ عذاب کس قسم کا ہوگا یعنی وہ عذاب ایک کیڑے کی شکل میں ظاہر ہوگا اور ظاہر ہے کہ طاعون کا عذاب جس میں آجکل دنیا مبتلا ہے وہ دراصل ایک کیڑا ہی ہے اور یہ کیڑا زمین کے

پیٹ میں پرورش پاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا پہلا حملہ چوہوں پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ انسانوں کو زخمی کرنا شروع کر دیتا ہے پس یہ پیشگوئی حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ظاہر ہو کر آپ کے صدق دعویٰ پر ایک مُہر الٰہی ہے اور اس کا سب سے سخت حملہ پنجاب پر ہوا جہاں وہ موعود ظاہر ہوا۔ لیکن دوسرے ممالک بھی اس قہری نشان کو دیکھیں گے کیونکہ وہی خدا جس نے ۱۳۰۰ سال پہلے اس عذاب کے ظہور کی خبر دی اور یہ بھی بتلا دیا کہ وہ عذاب ایک کیڑے کے ذریعہ سے واقع ہو گا جو زمین میں پیدا ہو گا اور جس خدا نے اپنے مسیح موعود علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کو قبل از وقت آنیوالے عذاب کی خبر دی اُسی خدا نے حضرت مسیح موعود (علیہ و علیٰ مطاعہ الصلوٰۃ والسلام) کو یہ بھی خبر دی ہے کہ یورپ اور دوسرے عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی وبا پھیلے گی جو بہت ہی سخت ہو گی۔

قرآن شریف کی ایک اور آیت کریمہ جو اس زمانہ کے متعلق اپنے اندر ایک پیشگوئی رکھتی ہے اور جو حضرت مسیح موعود (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے لئے بطور ایک نشان کے ہے یہ ہے وَ اِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ یعنی جب اونٹ بیکار چھوڑ دیئے جائیں گے۔ یہ امر کہ یہ آیت حضرت مسیح موعود علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک ثبوت ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حدیث میں حضرت مسیح موعود (علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام) کے ظہور کی یہ علامت لکھی ہے۔ ایترکن القلاص فلا یسعی علیہا یعنی مسیح موعودؑ کے زمانہ میں اونٹ ترک کر دیئے جائیں گے اور کوئی ان پر سواری نہ کریگا۔ ان دونوں پیشگوئیوں کا مقابلہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں پیشگوئیاں دراصل ایک ہی ہیں یعنی جس امر کی قرآن مجید میں آیت کریمہ وَ اِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ میں خبر دی گئی ہے اُسی کی حدیث شریف میں خبر دی گئی ہے اور چونکہ حدیث شریف میں اونٹوں کا ترک کیا جانا حضرت مسیح موعودؑ کی آمد کا ایک نشان ہے اس لئے وَ اِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ بھی حضرت مسیح موعود (علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام) کے زمانہ کی ہی ایک علامت ہے۔ چنانچہ یہ علامت اس زمانہ میں ریل کے جاری ہونے سے پوری ہو چکی ہے بلکہ خود مدینہ منورہ تک ملک عرب میں ریل پہنچ گئی ہے۔ غور کرنیوالے اس نشان سے فائدہ اُٹھائیں ۔

اب ناظرین صاحبان کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ قرآن شریف میں صرف ایک ہی پیشگوئی ص

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

سالانہ جلسہ

سال گذشتہ میں بعض احباب کی تحریک پر یہ سوال کہ آیا سالانہ جلسہ ایام تعطیلات کرسمس ماہ دسمبر میں ہوا کرے یا ایام تعطیلات ایسٹر ماہ اپریل میں انجمنہائے احمدیہ کے سامنے رکھا گیا تھا۔ اس وقت اس تفصیل کی ضرورت نہیں کہ کن انجمنوں نے ایک کو ترجیح دی اور کن نے دوسرے کو اور کیا وجوہات ترجیح کی تھیں۔ اس سوال کا آخری فیصلہ ۵ نومبر کے جلسہ معتمدین میں ہو گیا ہے اور حضرت خلیفۃ المسیحؑ سے بھی استصواب کرکے آئندہ سالانہ جلسہ کی تاریخیں ۲۷-۲۸-۲۹ دسمبر قرار دی گئی ہیں۔ سال گذشتہ میں ۲۵ دسمبر سے جلسہ شروع کیا گیا تھا۔ مگر بہت سے احباب جنہوں نے دُور سے آنا تھا پہلے اجلاسوں میں شامل نہ ہو سکے اس لیئے تعطیلات کی درمیانی تاریخیں تجویز کی گئی ہیں۔ تاکہ دور و نزدیک سے احباب کم ازکم پورے تین یوم کے لیئے جلسہ میں شامل ہو سکیں۔ یہ خیال کہ ملک معظم کی کی تاجپوشی کے متعلق جو جلسہ دہلی میں ہونیوالا ہے وہ ہمارے احباب کے اپنے سالانہ جلسہ میں شامل ہونے میں مانع ہوگا صحیح نہیں ہے۔ جلسۂ تاجپوشی ۱۲ دسمبر کو ختم ہو جاویگا۔ اور پورے دو ہفتہ بعد ہمارا سالانہ جلسہ شروع ہوگا اور یہ وقت ان احباب کے لیئے جنہیں جلسۂ دہلی میں حصہ لینے کی ضرورت پڑی ہے۔ وہاں سے فراغت پاکر اپنے جلسہ میں شامل ہونیکے لیئے کافی ہے ؛

سالانہ جلسہ کے موقعہ پر گذشتہ دو تین سال میں جو رعایت تخفیف کرایہ کی ملجایا کرتی تھی وہ اس سال حاصل نہیں ہو سکی۔ اور محکمہ ریلوے نے ان رعایتوں کے علاوہ جو معمولی طور پر تعطیلات کرسمس کے موقعہ پر ہوا کرتی ہیں کسی مزید رعایت کے دینے سے انکار کیا ہے۔ اس لیئے کسی درخواست کے کانسشن سرٹیفکٹوں کے لیئے بھیجنے کی ضرورت نہیں میں اپنے دوستوں پر یہ حسن ظن رکھتا ہوں کہ ریل کے کرایہ میں ایک خفیف سی رعایت کا

نہ ملنا خدا کی راہ میں قدم اٹھانے میں ان کے لیئے روک نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کسقدر احسان ہے کہ سفر کے لیئے اس نے ایسی آسان راہیں پیدا کر دی ہیں۔ ورنہ ہمارے زمانہ سے پہلے کسقدر صعوبتیں اُٹھا کر لوگ سفر کیا کرتے تھے۔ کامیابی اور ترقی کی یہ علامت ہے کہ ہر ایک مشکل کے وقت قوم کی ہمت اور بھی بڑھے۔ اور ایک عظیم الشان غرض اور مقصد کے بالمقابل مشکلات ایسی ہی معلوم ہوں جیسے ایک پہاڑ کی بلندی پر چڑھنے کے لیئے رستہ کے چھوٹے چھوٹے پتھر یا چھوٹی چھوٹی خار دار جھاڑیاں۔

پس اس سالانہ اجماع میں شمولیت کے لیئے میں اپنے دوستوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بلند ہمتی سے کام لیں اور اگر کوئی مشکل نظر آئے تو اس پر غالب آنے کیلیئے اور بھی ہمت کو بلند کریں۔ بہت سے دوست ہیں جو چھوٹے چھوٹے عذروں کی وجہ سے اس بابرکت اجتماع میں شمولیت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ میرے دوستو! چھوٹی اغراض کو بڑے مقاصد کے سامنے قربان کرنا سیکھو جب تک اس گر کو ہاتھ میں لیکر کام نہ کرو گے کامیابی کا منہ دیکھنا مشکل ہے۔ یاد رکھو کہ دنیا کی ہر ایک غرض دین کے مقاصد کے سامنے ایک حقیر چیز ہے۔ کیا ایک سال میں پانچ سات یا دس دنوں کے لیئے تم اپنے وطنوں کو چھوڑ نہیں سکتے اور ایک نہایت خفیف حصہ اپنے مال کا اللہ کی راہ میں سفر کرنے کے لیئے خرچ نہیں کر سکتے؟ جب تم ان باتوں کو مانتے ہو تو عملی طور پر ان کو کر کے دکھاؤ ورنہ خیالی مان لینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ موت ہر وقت سامنے کھڑی ہے۔ کون جانتا ہے کہ جب وہ ایک نیکی کے موقعہ کو ہاتھ سے دیدیگا تو اس کے کفارہ کے لیئے پھر اسے دوسرا موقعہ بھی ملجائیگا۔ پس جو موقعہ ملتا ہے اسے غنیمت سمجھکر اس سے فائدہ اُٹھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ کسی مشکل کو تمھاری راہ میں روک نہ ہونے دے۔

سالانہ جلسہ کی اطلاع کے ساتھ میں ایک دوسرے اہم امر کی طرف اپنے احباب کو متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ جلسہ سالانہ کے اخراجات کا سوال ہے۔ یہ بات احباب سے پوشیدہ نہیں کہ لنگر خانہ خود اس وقت دو ہزار روپے کا مقروض ہے۔ اور مزید برآں لنگر خانہ کی توسیع کے لیئے روپے کی اشد ضرورت ہے۔ ان ضرورتوں پر اب تیسری ضرورت

اس مد کی جلسہ سالانہ کے اخراجات ہیں۔ ہینے گذشتہ ماہ میں احباب کو ان تینوں ضرورتوں کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اور مَیں امید کرتا ہوں کہ ہمارے دوست ان ضروریات کے لیئے فکر میں ہوں گے۔ مگر سر دست اخراجات جلسہ سالانہ کا سوال مجھے دوبارہ پیش کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ ۳۰ نومبر تک کافی روپیہ اخراجات جلسے کے لیئے ہمارے ہاتھ میں ہونا چاہیئے تاکہ اطمینان سے ضروری اشیاء مہیّا کر لیجاویں۔ اخراجات جلسہ کا تخمینہ تین ہزار روپے سے کم کسی صورت میں نہیں۔ کیونکہ تین دن خاص جلسے اور ایک ایک دن آنے جانے کا۔ کل پانچ دن یہ ہیں اور علاوہ بریں احباب کی آمد در اصل ۲۲ دسمبر سے شروع ہو جاتی ہے اور یکم جنوری تک اچھا مجمع رہتا ہے۔ اس طرح پر جلسہ سالانہ در اصل قریباً گیارہ دن رہتا ہے۔ جن ایام میں سے پانچ یوم فی وقت دو ہزار آدمی کی اوسط ہو گی اور چھ یوم ایک ہزار کے۔ اس طرح پر گویا سولہ ہزار آدمی کا انتظام ایک دن کیلیئے کرنا ہے۔ اور ادنیٰ خرچ ۳ر یومیہ فی کس لگانے سے بھی جس میں کھانے کے علاوہ دیگر ضروریات بھی شامل ہونگی تین ہزار روپے خرچ ہوتا ہے۔ اگر یہ خرچ پورا سالانہ جلسہ کے اخراجات کے بلوں میں نظر نہیں آتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً پانچ یوم سالانہ جلسہ کے رکھکر باقی خرچ لنگر خانہ میں ڈالدیا جاتا ہے۔ اور ان مہینوں میں لنگر خانہ کا خرچ اسوجہ سے بڑھا رہتا ہے۔ بہر حال اگر جلسہ ضروری ہے۔ تو اس کے اخراجات کے لیئے تین ہزار روپے کی ضرورت بھی ہے۔ اور یہ اٹل ضرورت ہے اور اسے پورا بھی احمدی جماعت نے ہی کرنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ ان ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں انکے نام خدا کے دفتر میں ہی لکھے جاتے ہیں۔ اور نام بنام انکا شکریہ ہم لوگ ادا نہیں کر سکتے مگر ایسا کرنا ممکن بھی نہیں ہے:

اور یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ امور فرائض میں داخل ہیں۔ جو شخص دیتا ہے وہ اپنے فرض کو ادا کرتا ہے۔ اور یہی دینے والے کیلیئے زیادہ برکت کا بھی موجب ہے کیونکہ اس سے قربانی کی روح نشوونما پاتی ہے۔ پس مَیں یہ کہوں گا کہ یہ ضرورت اب سب ضرورتوں پر مقدم ہے۔ بحیثیت قوم احمدی قوم کا یہ فرض ہے کہ پہلے اس خرچ

کو پورا کرکے پھر دوسری ضروریات کی طرف توجہ کرے۔ خدا کی راہ میں دینے کی بہت سی راہیں ہیں مگر ایک وقت ہوتا ہے کہ بعض ضرورتوں کو دوسری ضرورتوں پر مقدم کرنا پڑتا ہے۔ میں یہ بھی سب احباب کو اطلاع دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس تحریک کے منشاء کو پورا کرنے کے لیئے کوئی وقت گنوایا نہ جاوے۔ اور ہر جگہ فوری کارروائی کیجاوے۔ اس سے پہلے یہ تجویز کی گئی تھی کہ سب احباب ایک ایک روپیہ اخراجات جلسہ کے لیئے دیں۔ مگر چونکہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر اس طرح پر چندہ فراہم کرنے کا نہ ہی موقعہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس وقت ایسا انتظام ہو سکتا ہے۔ اور علاوہ بریں اس وقت سب فنڈوں میں روپے کے کم ہونیکی وجہ سے بدون روپیہ جمع ہوئے اخراجات جلسہ کا انتظام پہلے سے ہو نہیں سکتا۔ لہذا سب انجمنیں اس تجویز پر فوری عملدرآمد کریں۔ ایک روپیہ فی کس کم از کم چندہ وصول کیا جاوے۔ اور جو احباب زیادہ وسعت رکھتے ہیں وہ زیادہ دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اگر ساری جماعت میں چار سو آدمی پانچ پانچ روپے دینے والے کھڑے ہو جاویں اور ایک ہزار آدمی ایک ایک روپیہ تو یہ رقم آسانی سے پوری ہو سکتی ہے۔ اگر مخلص احباب توجہ فرماویں تو یہ تعداد جو اوپر لکھی ہے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ کانفرنسوں وغیرہ جلسوں میں شمولیت کے لیئے پانچ پانچ روپے صرف ٹکٹ داخلہ کے بھی لوگ خوشی سے دیدیتے ہیں۔

انجمنہائے احمدیہ کے سکرٹری صاحبان کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اپنی اپنی انجمنوں کے اجلاس اس تحریک کے پہنچنے پر فی الفور کریں۔ اور فی الفور فہرستیں مرتب کرکے اور روپیہ وصول کرکے اطلاع دیں۔ ۳۰ نومبر تک جس قدر چندے وصول ہونگے انکی اطلاع انشاء اللہ تعالیٰ سب احباب کو دیجاویگی۔ مکرر التماس یہ ہے کہ اس تحریک پر فوری کارروائی ہو۔

محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

۸۔ نومبر ۱۹۱۱ء

قصائدِ احمدیہ

من الاسلام

حجۃ الاسلام

حضرت اقدس کی اُردو اور فارسی نظمیں تو پہلے الگ شائع ہو چکی ہیں

مگر اب تک آپ کے قصائد الگ رسالہ کی شکل میں شائع نہیں ہوئے۔ اب عربی

قصائد بھی جمع کر کے ایک کتاب کی شکل میں شائع کیے گئے ہیں۔ یہ قصائد

نصرت معارف و اسرار سے لبریز ہیں اور حمد الٰہی اور نعت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے خزائن ہیں اور حضرت اقدس کے دعویٰ کے دلائل سے پُر ہیں

بلکہ عربی سیکھنے کا بھی ایک اعلیٰ ذریعہ ہیں؛

کتاب ۱۵۸ صفحوں پر ختم ہوتی ہے قیمت صرف ۶

شائقین دفتر میگزین۔ قادیان سے طلب کریں۔

(مینیجر)

تازہ بشارت

حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کا وہ عظیم الشان لیکچر جو ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں چار پانچ ہزار کے مجمع میں پڑھا گیا اور نہایت ہی دلچسپی اور قبولیت سے پبلک نے سُنا۔ اور جس میں مصنف موصوف نے اسلام کو نہایت ہی احسن پیرایہ میں صرف قرآن کریم سے استنباط کرکے بیان فرمایا ہے۔ اور تمام اعتراضات جو بڑے بڑے مخالفین و معاندین اسلام بڑی تحدی اور زور سے کرتے رہے یا اب کرتے ہیں۔ نہایت ہی سنجیدگی اور لطافت سے انکے جوابات اصولی طور پر بیان فرمائے ہیں جن سے خواہ کیسا ہی متعصب اور زود رنج مخالف کیوں نہ ہو کبیدہ خاطر نہیں ہوسکتا بلکہ سوائے سکوت کے اور کوئی جواب بھی پیش نہیں کر سکیگا اور ایک شریف الطبع اور حق جو مخالف اسلام کو سوائے سر تسلیم خم کرنیکے اور کوئی چارہ نہیں ہوسکتا۔

بڑی خوبی اور لطافت جو اس مضمون کو خاص فوقیت اور یکتائی دے رہی ہے یہ ہے۔ کہ اوّل اس مضمون کو اسلام کی الہامی کتاب یعنی قرآن کریم سے بیان کیا گیا ہے دوم اس مضمون میں باوجود اعتراضوں کا جواب دینے اور دوسرے مذہب کے تذکرہ کرنیکے کسی قسم کی اشارۃً یا کنایۃً زد نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف اسلام کی سچی فلاسفی اور خوبیاں پبلک کے کانوں تک پہنچانیکی کوشش کی گئی ہے۔ اور توحید باریتعالیٰ اور رسالت مآب صلعم کی صداقت بیان کی گئی ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر بھر کی تصنیفات اور تالیفات کا خلاصہ یہی ایک مضمون تھا جس میں مکمل طور پر اسلام کی صداقت بیان کیگئی ہے اس لیئے پبلک کی عام قبولیت اور پسندیدگی دیکھکر اور تبلیغ اسلام کا بڑا ذریعہ سمجھکر اس کو انگریزی زبان میں ترجمہ کرکے ولایت میں چھپوایا گیا ہے اور اسکی بہت سی کاپیاں ولایت اور دیگر بلاد یورپ اور امریکہ وغیرہ میں مفت تقسیم کیجائینگی اور کچھ کاپیاں یہاں بھی منگوالی گئی ہیں۔ جو صاحب منگوانا چاہیں دفتر ریویو آف ریلیجنز قادیان ضلع گورداسپور سے منگوالیں۔ قیمت بغرض توسیع اشاعت باوجود دو سو صفحہ اور عمدہ

(مطبع میگزین قادیان میں منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے :: لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ | بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۱ء | نمبر ۱۲

سالانہ چندہ — عوام سے عا طلباء سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ دسمبر ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

قصائد احمدیہ
من الامام
حجۃ الاسلام

حضرت اقدسؑ کی اردو اور فارسی نظمیں تو پہلے الگ شائع ہو چکی ہیں
مگر اب تک آپ کے قصائد الگ رسالہ کی شکل میں شائع نہیں ہوئے تھے
اب عربی قصائد بھی جمع کر کے ایک کتاب کی شکل میں شائع کئے گئے

ہیں۔ یہ قصائد نہ صرف معارف و اسرار سے لبریز ہیں اور حمد الٰہی اور نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خزائن ہیں اور حضرت اقدسؑ کے دعویٰ کے دلائل سے پُر ہیں بلکہ عربی سیکھنے کا بھی ایک اعلیٰ ذریعہ ہیں
یہ کتاب ۱۵۸ صفحوں پر ختم ہوتی ہے قیمت صرف ۶ر شائقین دفتر میگزین۔ قادیان سے طلب کریں

اطلاع:۔ بعض احباب کارڈ کے پتہ والی طرف لفظ [illegible] لکھ کر ٹکٹ لگایا گیا "بعونہ تعالیٰ" وغیرہ الفاظ لکھدیتے ہیں اس سے کارڈ بیرنگ ہو جاتا ہے۔ اور دفتر کو خواہ مخواہ کے دو پیسے بھرنے پڑتے ہیں۔ مہربانی کر کے آئندہ پتہ والی طرف سوائے دفتر کے پتہ کے کوئی لفظ یا فقرہ نہ لکھا کریں۔ نیز بعض احباب محاسب صدر انجمن احمدیہ کے نام روپیہ بھیجتے ہیں تو منی آرڈر کے کوپن میں یا الگ رقم کی کوئی تفصیل نہیں دیتے جس سے ایک مد کا روپیہ دوسری مد میں جمع ہو جاتا ہے اور بعد میں دقت ہوتی ہے مناسب ہے کہ ہر ایک منی آرڈر بھیجتے وقت کوپن میں رقم کی مکمل تفصیل دیدیا کریں تا کہ کسی قسم کا مغالطہ نہ لگے۔ اور نیز خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرما دیں ؎

ضروری اطلاع:۔ پچھلے پرچے میں عرض کیا گیا تھا کہ چونکہ آئندہ کے لئے صدر انجمن احمدیہ کے منشاء کے مطابق تمام خریداران ریویو سے پیشگی قیمت وصول کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اور اس کے لئے دسمبر کا پرچہ وی پی ہوگا۔ جو صاحب دسمبر کا پرچہ کسی وجہ سے وصول نہ کر سکیں قبل از وقت اطلاع دیدیں تا وی پی نہ کیا جائے مگر معلوم ہوتا ہے احباب نے اس نوٹ پر کافی توجہ نہیں فرمائی۔ کیونکہ دفتر میں ایسی چند ایک ہی اطلاعیں وصول ہوئی ہیں۔ چونکہ وی پی انکاری ہونے میں دفتر کا بہت حرج اور خود خریداران صاحبان کو بھی بیفائدہ خط و کتابت سے تکلیف ہوتی ہے اسلئے مناسب خیال کیا گیا ہے کہ علاوہ رسالہ میں نوٹس دینے کے ہر ایک صاحب کی خدمت میں اس مضمون کا ایک کارڈ بھی لکھا جا رہا ہے۔ بہت سے احباب کے نام دسمبر کا پرچہ وی پی کرنے کے لئے کارڈ لکھدیئے گئے ہیں۔ اور جن احباب کو وقت پر اطلاع دینے کیلئے کافی وقت نہیں مل سکا انکو جنوری کا پرچہ وی پی کرنے کے لئے کارڈ لکھے جا رہے ہیں۔ لہٰذا گذارش ہے کہ جو صاحب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

آسماں بارد نشاں الوقت مے گوید زمیں ٭ ایں دو شاہد از پئے تصدیق من استادہ اند

حضرت مسیح موعودؑ کی تصدیق میں ایک آسمانی نشان اور حضور قیصر ہند کا شاہی اعلان

خدائے تعالیٰ نے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک عظیم الشان پیشگوئی کو حضور قیصر ہند شاہ انگلستان جارج پنجم کی زبان سے ۱۲۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کو شاہی دربار کے عالیشان موقعہ پر لاکھوں انسانوں کے مجمع میں پورا کیا۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک

حضور قیصر ہند کی ہندوستان میں تشریف آوری خود بخود ایک ایسا بے نظیر تاریخی واقعہ ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ کے لیئے یادگار رہیگا اور ۱۲۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کی تاریخ کو ہندوستان کی آنیوالی نسلیں کبھی نہ بھولیں گی کیونکہ یہ وہ دن ہے جب کہ ملکہ معظمہ کے پوتے۔ ہندستان کے قیصر اور دنیا کے ایک عظیم حصہ کے بادشاہ۔ شاہ انگلستان جارج پنجم نے ہندوستان میں تشریف فرما ہو کر ایسی دھوم دھام اور ایسی شان و شوکت سے ہندوستان کے بادشاہوں کے قدیمی پایۂ تخت میں اپنی تاجپوشی کا جشن منایا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں اس کی نظیر نظر نہیں آتی۔ بے شک یہ دربار اس لیئے بھی بے نظیر ہے کہ اس دھوم دھام اور اس شان کا جشن اور ایسا نادر موقعہ ہندوستان کے باشندوں کو دیکھنا کبھی پہلے نصیب نہیں ہوا مگر اس سے بھی بڑھکر ایک اور باعظمت اور باشوکت واقعہ ہے جس نے ۱۲۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کے قیصری دربار کو ایک ایسی پاک شان عطا کی ہے کہ یہ دربار نہ صرف ملکی تاریخ میں ایک بے نظیر واقعہ شمار کیا جائے گا بلکہ کل عالم کی مقدس تاریخ میں جو بڑے بڑے شاندار واقعات ظہور میں آئے ہیں اُن میں اس دربار کو بھی ایک نمایاں مقام دیا جائیگا۔

اور نہ صرف ملکی معاملات میں دلچسپی لینے والے اس دربار کے متعلقہ واقعات کو ہمیشہ یاد رکھیں گے بلکہ خدائے تعالیٰ کے وہ پاک بندے جو دن رات خدائے تعالیٰ کے نشانات کے تدبر میں مصروف رہتے ہیں اور جنکو دنیا کی ظاہری شان و شوکت سے چنداں دلچسپی نہیں ہوتی وہ بھی جب اُن امور کا مطالعہ کرینگے جن کے ذریعہ خدائے تعالیٰ نے اپنا مبارک چہرہ دنیا پر ظاہر کیا ہے تو وہ اُس وقت اس شاہی دربار کا بھی نہایت لطف کے ساتھ ذکر کرینگے اور اس شاہی اجتماع پر تدبّر کرنا اُن کے لیئے ایک روحانی غذا ہوگی کیونکہ جس دن بڑے بڑے نوابوں اور راجاؤں ۔بڑے بڑے رؤسا اور علماء۔ بڑے بڑے وزراء اور اُمراء ۔ بڑے بڑے کرنیلوں اور جرنیلوں ۔ بڑے بڑے مدبّروں اور حکیموں اور بڑے بڑے نامی گرامی انسانوں اور دیگر مختلف ملکوں ۔اور دور جوں کے ایک تاریخی اجتماع میں جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی تھی ملک معظّم نے کل ہندوستان کے مرکز اور بڑے بڑے عالیشان بادشاہوں اور مہاراجوں اور راجاؤں کے پایۂ تخت شہر دہلی میں اپنی تخت نشینی کی رسم کو ایسے شاہی جشن کے ساتھ ادا کیا کہ دہلی کی در و دیوار نے ایسی شان کا جلسہ پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا اُسی دن خدائے تعالیٰ نے اُسی شہر میں عین اُس لاکھوں انسانوں کے مجمع کے اندر خود اُس ملک معظّم کے ذریعہ جبکہ وہ پورے تجمل کے ساتھ اپنے شاہی تخت پر جلوہ گزین تھا ایک آسمانی نشان ظاہر کیا جس کے ذریعہ خدائے تعالیٰ نے یہ شہادت دی کہ وہ شخص جو چودھویں صدی کے سر پر مسیحیت۔ اور مہدویت کا مدعی ہوکر ظاہر ہوا ہے وہ اپنے دعویٰ میں صادق ہے ۔اس نشان کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن نے بعض ملکی مصلحتوں کو مدنظر رکھکر صوبہ بنگال کو دو حصوں پر تقسیم کردیا۔ اس وقت بنگالیوں نے بہت شور مچایا اور ہر ایک طریق سے کوشش کی کہ یہ تقسیم نہ ہونے پائے مگر باوجود اُن کی تمام کوشش اور شورش کے گورنمنٹ نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کرکے ہر ایک حصہ پر ایک لفٹننٹ گورنر مقرر کردیا۔ گورنمنٹ کی بڑی غرض اس تقسیم سے یہ تھی کہ مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی اور اُن کے حقوق کی حفاظت کے لیئے ضروری تھا کہ اُن کا علاقہ

بنگال کے باقی علاقہ سے جدا کر دیا جاوے۔ اس تقسیم کے بعد بھی بنگالیوں نے بہت کوشش کی کہ یہ تقسیم منسوخ کی جاوے مگر گورنمنٹ نے قطعی طور پر فیصلہ کر دیا کہ یہ تقسیم منسوخ نہیں ہو سکتی اور نہ اس میں کوئی ترمیم ہو سکتی ہے۔ لارڈ کرزن کے بعد جب لارڈ منٹو گورنر جنرل ہو کر آیا تو اُس نے بھی بنگالیوں کو یہی سنایا کہ بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا ہے اُس میں اب کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں ہو سکتی۔ پارلیمنٹ میں بھی جب بعض ممبروں نے بنگالہ کی نسبت تحریک کی تو لارڈ مارلے وزیر ہند نے کھلے الفاظ میں سنا دیا کہ یہ ایک فیصلہ شدہ امر ہے جس کو گورنمنٹ کسی صورت میں منسوخ نہیں کر سکتی اور نہ اب اس میں کوئی ترمیم ہو سکتی ہے۔ غرض جب قطعی طور پر فیصلہ ہو چکا اور بنگالیوں کو نہایت کھلے الفاظ میں جواب دے دیا گیا کہ اب اس کے متعلق کوئی اُمید رکھنا بے سود ہے اُس وقت ۱۱۔ فروری ۱۹۰۶ء کو زمینی گورنمنٹ کے فیصلہ کے برخلاف اور زمینی حکام کے اعلان کے اُلٹ آسمان پر ایک فیصلہ کیا گیا اور اُسکی اطلاع بذریعہ آسمانی تار کے خدائے تعالیٰ کے خلیفہ حضرت مسیح موعودؑ کو دیگئی جس کے الفاظ یہ تھے "پہلے بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا تھا اب اُنکی دلجوئی ہوگی"۔ خدائے تعالیٰ کے مسیحؑ نے اس آسمانی پیام کو فوراً ملک میں شائع کر دیا اور نہ صرف اس سلسلہ کے اخبارات۔ بدر۔ الحکم۔ ریویو٭ وغیرہ میں یہ وحی شائع کی گئی بلکہ ملک کے دوسرے اخبارات اُردو اور انگریزی نے بھی اُسی وقت اس پیشگوئی کو شائع کر دیا اور بعض نے جو سلسلہ سے عناد رکھتے تھے اس پر ہنسی کی اور جب کبھی پالیمنٹ میں وزیر ہند کسی ممبر کی تحریک پر یہ جواب دیتا کہ تقسیم بنگالہ ایک ایسا امر ہے جو قطعی طور پر فیصلہ ہو چکا ہے جسمیں کوئی ترمیم نہ ہوگی تو پنجاب کے بعض اخبارات کو فوراً یہ الہام یاد آجاتا اور طعنہ دیتے ہوئے سلسلہ احمدیہ سے سوال کرتے کہ تمھارا الہام کہاں گیا۔ جو لوگ اخبار خوانی کے عادی ہیں وہ اس بات کی شہادت دینگے کہ تقسیم بنگالہ کے بارے میں اب گورنمنٹ اور پارلیمنٹ کی طرف سے قطعی طور پر مایوسی ہو چکی تھی اور کوئی اُمید باقی نہ رہی تھی۔ اور اعلیٰ حکام نے ایک بار بلکہ کئی بار ایسے قطعی الفاظ میں جواب دیدیا

٭ دیکھو ریویو انگریزی و اُردو بابت ماہ فروری ۱۹۰۶ء

تھا۔ کہ اب ذرا بھر امید بھی باقی نہیں رہی تھی۔ کہ اس حکم میں کوئی ترمیم کی جاویگی جس سے بنگالیوں کی دلجوئی ہو۔
چنانچہ خود بنگالیوں نے آخر مایوس ہو کر اسکے متعلق اس قسم کی کوشش و شورش کرنا عملی طور پر چھوڑ دیا تھا۔
جیسی وہ ابتدا میں کیا کرتے تھے۔ ناظرین میں سے جو اصحاب خود اخبار خوانی کی عادت نہیں رکھتے وہ ایسے
احباب سے دریافت کر سکتے ہیں جو باقاعدہ طور اخبار پڑھنے کے عادی ہیں اور اُن کو معلوم ہوگا کہ
تقسیم بنگالہ کی نسبت گورنمنٹ کی طرف سے قطعی طور پر مایوسی کا جواب مل چکا تھا۔

اگرچہ ظاہری طور پر کوئی اُمید نہیں تھی کہ بنگالہ کے بارے میں جو پہلے حکم جاری کیا گیا تھا اُسکی
کوئی ایسی ترمیم کیجاویگی جس سے بنگالیوں کی دلجوئی ہوگی۔ مگر ممکن نہیں تھا کہ خدائے تعالیٰ کے
مُنہ کی بات ٹل جاوے۔ وہ اپنی ہستی اور اپنے علم اور اپنی قدرت کا ثبوت دینے کیلئے ہمیشہ ایسے امور کی
خبر دیتا ہے جو ظاہری نظر میں انہونے ہوتے ہیں چنانچہ اس موقعہ پر بھی اُس نے ایسا ہی کیا اور جب پورے طور پر دنیا
کو مایوسی ہو چکی اُسوقت اُس نے اپنی بات کو پورا کر دیا اور پورا بھی ایسے طور پر کر دیا کہ ایک دنیا کو حیرت میں ڈالدیا۔
اُس نے اپنی بات کو پورا کرنیکے لیئے ایک بڑی عظیم الشان بادشاہ کے دل میں یہ تحریک پیدا کی کہ وہ سابق
دستور اور رسم کے برخلاف ہندوستان کے بادشاہوں کے پرانے پایۂ تخت دہلی میں اپنی تاجپوشی کا جشن منائے
اور جب وہ دربار کر چکا اور ساری رسمیں ادا کر چکا اور اُس کا نائب السلطنت اُسکی طرف سے بڑی بڑی انعامات
کا اعلان کر چکا اور قریب تھا کہ وہ شاہی جلسہ ختم ہو اُس وقت وہ بادشاہ اپنے تخت کے سامنے کھڑا ہوا
اور خدائے تعالیٰ نے اُس کی زبان کو ایک ایسا اعلان کرنیکے لیئے گویا کیا جس کو سُنکر نہ صرف اُس عظیم الشان
دربار کے حاضرین دنگ رہ گئے بلکہ جب وہ اعلان انگلستان کے دار الخلافہ لنڈن میں پارلیمنٹ کے ممبروں کے
سامنے سنایا گیا تو وہ ممبر بھی اُس اعلان کو سُنکر چونک اُٹھے اور جب یہ خبر ہندوستان میں شائع ہوئی تو کُل
ہندوستان کے لوگ اسکو سُنکر سکتہ کے عالم میں ہو گئے۔ اور جب یہ خبر بنگالیوں کے کان میں پہنچی تو اُنہوں نے بلا اختیار
خوشی کے نعرے بلند کیئے۔ جو اعلان ملک معظم نے ۱۲۔ دسمبر کو کیا وہ یہ تھا کہ آج سے بجائے کلکتہ کے یہ شہر جسمیں انگلستان کا
بادشاہ اسوقت کھڑا ہوں ہندوستان کا پایۂ تخت ہوگا اور تقسیم بنگالہ میں یوں ترمیم کیجائیگی کہ مشرقی بنگال اور مغربی
بنگال دونوں کا ایک گورنر ہوگا۔ اور بہار۔ ناگپور۔ اڑیسہ کے* علاقے ملا کر ایک علیحدہ صوبہ ہوگا اور آسام† میں چیف
کمشنر ہوگا۔ یہ اعلان ہے جس سے خدائے تعالیٰ نے اپنے اُس وعدہ کو پورا کیا کہ تقسیم بنگالہ کے بارے میں اب بنگالیوں کی دلجوئی
ہوگی۔ وہ دن سلسلہ احمدیہ کیلئے عید کا دن تھا کیونکہ اُس دن خدائے تعالیٰ نے اپنے مُرسل مسیح موعود علیہ السلام کے

* یہ علاقے پہلے مغربی بنگال میں شامل تھے۔
† یہ علاقہ پہلے مشرقی بنگال کے ساتھ شامل تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن شریف کی ایک پیشگوئی ۲

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر)

اس مضمون کے پہلے حصہ میں یہ دکھایا گیا تھا کہ قرآن شریف میں صرف یہی ایک پیشگوئی نہیں کہ رومی سلطنت مغلوب ہونے کے بعد پھر غالب ہو جائے گی جیسا کہ مسیحی صاحبان کا خیال ہے بلکہ قرآن شریف پیشگوئیوں سے لبریز ہے اور قرآن شریف میں مکی سورتیں جو ابتدائے اسلام میں نازل ہوئیں عظیم الشان اور حیرت انگیز پیشگوئیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اور یہ اس قسم کی پیشگوئیاں ہیں کہ کوئی انسان اُن حالات کے ماتحت ایسی پیشگوئیاں شائع نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے اُسکو اطلاع نہ دی جاتی۔ مَیں ناظرین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اُن پیشگوئیوں پر غور کریں جو مَیں بطور نمونہ پہلے حصہ میں نقل کر چکا ہوں پھر اُن حالات کا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے لائیں جن حالات کے ماتحت یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔ اور پھر خود ہی فیصلہ کریں کہ آیا اُن حالات کے ماتحت ایک انسان کی طاقت میں تھا کہ ایسے عجیب اور بعید از قیاس و وہم امور کی قبل از وقت خبر دیتا۔ مثلاً کیا اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغیر خدائے تعالیٰ سے علم حاصل کرنے

کے کئی سال پہلے یہ خبر دے سکتے تھے کہ ایک وقت آنے والا ہے جبکہ مکہ کے مغرور دشمن جن کو اپنی طاقت اور جتھے کا اس قدر گھمنڈ ہے انہی غریب اور معدودے چند مسلمانوں کے ہاتھ سے جو اس وقت طرح طرح کی اذیتیں اٹھا رہے ہیں اور جنکو اسوقت حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح سر چھپانے کے لئے جگہ نہیں ملتی سخت ہزیمت اٹھائیں گے اور پیٹھ دیکر بھاگیں گے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ - سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ - (
کیا یہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والی جماعت ہیں۔ یہ جماعت شکست کھائیگی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔ اس پیشگوئی کی پوری عظمت اُس وقت ظاہر ہوتی ہے جب انسان اُن حالات کا مطالعہ کرے جن حالات کے ماتحت اس پیشگوئی کا اعلان کیا گیا۔ اگر ناظرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے حالات پر غور کریں گے تو اُن کو اس بات کے قبول کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا کہ بے شک ایسے حالات میں اس قسم کی پُر شوکت اور عجیب وغریب پیشگوئی کا شائع کرنا ایک انسان کی طاقت سے بالکل بالاتر تھا۔
ان پیشگوئیوں میں دو باتیں قابل توجہ ہیں۔ اُن میں نہ صرف آیندہ کی خبریں کئی سال پیشتر بیان کی گئی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ ایک ایسی ہستی کا قول ہے جو عالم الغیب ہے بلکہ یہ پیشگوئیاں اپنے اندر ایک شوکت اور جلال رکھتی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایسی ہستی کا کلام ہیں جو نہ صرف عالم الغیب ہے بلکہ قدرت بھی رکھتا ہے اور اُس میں یہ طاقت ہے کہ متکبروں کی گردن کو توڑ دے اور کمزوروں کو زبردستوں پر غلبہ عطا فرماوے۔ ان پیشگوئیوں نے سچا ہو کر صرف یہی ثابت نہیں کیا کہ یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ عالم الغیب خدائے تعالیٰ کا کلام ہے بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ خدا اسلام کا حامی تھا اور اسلام کے دشمنوں کا دشمن تھا۔ ان پیشگوئیوں نے پورا ہو کر دکھا دیا کہ خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور آپکا مددگار ومعاون ہے اس لیئے آپ ایک سچے نبی ہیں اور آپکے دشمن جھوٹے ہیں۔
اب چونکہ یہ پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں اور جن واقعات کی یہ خبر دیتی تھیں وہ

واقع ہو چکی ہیں اس لیئے آجکل قرآن شریف کے پڑھنے والے جلدی سے ان پیشگوئیوں کو پڑھ جاتے ہیں اور اُن کے دل میں صرف یہی خیال گذرتا ہے کہ یہ تاریخی واقعات کا بیان ہے۔ بے شک ان میں تاریخی واقعات کا ہی بیان ہے مگر جس امر کو لوگ نظر انداز کر جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ تاریخی واقعات وقوع کے بعد قلمبند نہیں کیئے گئے جیسے عام تاریخ کی کتابوں میں ہوتا ہے بلکہ یہ تاریخی واقعات وقوع سے پہلے مکہ میں ایسے وقت میں قلمبند اور شائع کیئے گئے تھے جب کہ اُن واقعات کا نام و نشان بھی موجود نہ تھا بلکہ اُن کا وقوع محال سمجھا جاتا تھا اسی لیئے مشرکین مکہ ان آیات کو سن کر ہنسی اُڑاتے تھے اور حقارت کی نظر سے دیکھکر کہتے تھے کہ کیا تمہارا جتھا زبردست ہے یا ہمارا اور دونوں فریق میں سے کونسا فریق طاقت ور ہے اور کونسا اچھی حیثیت رکھتا ہے اور طعنہ دیکر پوچھتے کہ ان دھمکیوں کا وجود کب اور کس زمانہ میں ہوگا۔ ان پیشگوئیوں کی عظمت سمجھنے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ انسان اُس زمانہ کے حالات کا نقشہ اپنے سامنے لائے اور پھر ان پیشگوئیوں پر غور کرے کہ کیا اُس زمانہ میں ایک کمزور انسان کے لیئے یہ ممکن تھا کہ اپنے زبردست دشمنوں کی ہلاکت اور تباہی کی ایسے پُرزور الفاظ میں کئی سال پہلے خبر دے ؛

پادری صاحبان کا گمان ہے کہ قرآن شریف میں ایک ہی پیشگوئی ہے یعنی غُلِبَتِ الرُّومُ کی پیشگوئی حالانکہ قرآن شریف میں جو گذشتہ انبیائ کے حالات بیان کیئے گئے ہیں وہ بھی پیشگوئیاں ہی ہیں۔ مثال کے طور پر میں حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان پیش کرتا ہوں آپ کا بیان ان الفاظ کے ساتھ شروع ہوتا لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ یعنی یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں سوال کرنے والوں کے لیئے یعنی حق کی جستجو کرنیوالوں کے لیئے ایک نہیں بلکہ کئی نشان ہیں۔ اور جب خدائے تعالیٰ اس بیان کو ختم کرتا ہے تو فرماتا ہے

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ یعنی جو کچھ ہم نے اس سورہ میں بیان کیا ہے یہ غیب کی باتیں ہیں جو بذریعہ وحی تجھ پر ظاہر کرتے ہیں۔ یہ سورہ کریمہ مکہ میں نازل ہوئی اور ہم دیکھتے ہیں کہ جو کچھ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کی نسبت بیان کیا گیا ہے وہ آن آنے والے امور کا ایک نقشہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے بھائیوں قریش کے مابین واقع ہوئے۔ چنانچہ جیسا یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں کی عداوت کی وجہ سے ایک ویرانہ کے اندر ایک تاریک اور سنسان کوئیں میں رہنا پڑا ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بھائیوں یعنی قریش کی دشمنی کے سبب تین دن جنگل میں ایک ہیبت ناک غار کے اندر رہنا پڑا۔ پھر جس طرح یوسف علیہ السلام اس گڑھے سے نکل کر ایک دور کے شہر میں پہنچے اور وہاں خدائے تعالیٰ نے انکو عزت اور عظمت بخشی یہانتک کہ ایک ملک کے اختیارات آپ کو دیئے گئے اور آخر آپکے بھائی عاجز ہو کر آپ سے معافی کے خواستگار ہوئے اور آپنے نہایت فراخ دلی سے اپنے بھائیوں کے قصوروں کو معاف فرمادیا ہو بہو ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا۔ آپ اس غار سے نکلکر ایک دور کے شہر میں پہنچے اور وہاں خدائے تعالیٰ نے آپ کو حشمت و جبروت عطا فرمایا اور آپ کا اقتدار اس حد تک پہنچا کہ کل ملک عرب کے آپ بادشاہ ہوگئے اور آپ کو خداوند تعالیٰ نے اس قدر طاقت بخشی کہ جب فتح مکہ کے دن ابوسفیان نے شہر سے باہر آپکے لشکر کو اپنے سامنے سے پرّہ باندھ کر گذرتے ہوئے دیکھا تو وہ ششدر رہ گیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے جو آپکے پاس کھڑے تھے حیران ہو کر کہنے لگا کہ تیرے بھتیجے کی سلطنت ایک عظیم سلطنت ہے اور آخر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح آپکے بھائیوں یعنی قریش نے ہاتھ باندھ کر عاجزی سے آپسے اپنے تمام گذشتہ جرموں کی معافی مانگی

اور آپ نے اس یوسفی مماثلت کی طرف اور اسی سورہ شریفہ کی عظیم الشان پیشگوئیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مَیں تم کو وہی جواب دیتا ہوں جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو دیا تھا یعنی یہ کہ لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین- آج مَیں تمھیں کوئی ملامت نہیں کرتا - خدائے تعالیٰ تمھاری خطاؤں کو معاف کرے گا اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے اور فرمایا کہ تم جاؤ مَیں نے تم کو آزاد کر دیا۔ یعنی اُس سزائے موت سے جس کے تم بوجہ اپنی تعدیوں اور خونریزیوں کے مستحق تھے تم کو آزاد کیا جاتا ہے۔ غرض جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اُن واقعات کا جو سورہ یوسف ؑ کے نزول کے بعد آپ کو پیش آئے حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کے حالات سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو صاف اُن کی باہمی مماثلت ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ امر روز روشن کی طرح کھل جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جو حالات قرآن شریف میں بیان کیئے گئے ہیں وہ بطور پیشگوئی کے بیان فرمائے گئے ہیں یعنی وہ غیب کی باتیں تھیں جو بذریعہ وحی آپ پر ظاہر کی گئیں اور اس لیئے اس بیان میں حق کے طالبوں کے لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات میں جن امور میں مماثلت پائی جاتی ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جیسا حضرت یوسف علیہ السلام نے اُسی ملک میں قیام اختیار کیا جس میں کہ وہ جنگل کے گڑھے سے نکل کر پہنچے تھے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دار الہجرت کو ہمیشہ کے لیئے اپنا قیام گاہ بنا لیا اور فتح مکہ کے بعد بھی آپ نے مدینہ میں ہی انصار کی جماعت کے ساتھ رہنا پسند فرمایا۔

یہ دکھا کر کہ پادری صاحبان کا یہ خیال غلط ہے کہ قرآن شریف میں صرف ایک ہی پیشگوئی ہے کیونکہ اس میں ایک عظیم تعداد پیشگوئیوں کی ہے۔ اب مَیں اُس پیشگوئی کی طرف رجوع کرتا ہوں جس کی تردید میں انھوں نے ناخنوں تک

زور لگایا ہے۔ یعنی الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ
مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ (ترجمہ) مَیں ہوں
اللہ جاننے والا سلطنت روم قریب کی زمین میں مغلوب ہو چکی ہے مگر مغلوب
ہونے کے بعد وہ پھر غالب ہونگے۔ دس سال کے عرصہ میں۔ مسیحیوں کا بڑا
اعتراض جو اس پیشگوئی پر کیا گیا ہے یہ ہے کہ یہ پیشگوئی صرف اٹکل کی بنا پر کی
گئی۔ مَیں پوچھتا ہوں کیا وہ پیشگوئیاں جو کثرت سے قرآن شریف میں پائی جاتی
ہیں سب کی سب اٹکل کی بنا پر ہی کی گئیں۔ اگر سب اٹکل کی بنا پر کی گئی تھیں تو
کیا وجہ ہے کہ وہ سب کی سب سچی ثابت ہوئیں۔ وہ سب کی سب ایسے وقت میں
کی گئیں جبکہ اُن کے پُورا ہونے کا کوئی سامان موجود نہ تھا بلکہ ہر ایک سامان اُنکے
برخلاف موجود تھا۔ مثلاً کیا ابتدائی مکی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
لیئے یہ اعلان کرنا سوائے وحی الٰہی کے ممکن تھا کہ میرے پیرو اس سرزمین کے
وارث ہونگے اور اسلام کے دشمن نیست ونابود کیئے جائیں گے۔ ایسی پیشگوئی
سوائے ایک نبی کے کون کر سکتا تھا؟ یہ خدا کا ہی کلام تھا اور خدائے تعالیٰ کے
ہی زبردست ہاتھ نے اس کو پُورا کیا۔ ....

....

.... مخالفوں نے سر توڑ کوششیں کیں کہ ان پیشگوئیوں
کو پورا ہونے سے روکیں۔ مگر باوجود اُن کی سخت کوششوں کے خدائے تعالیٰ
کے مُنہ کی باتیں پوری ہوئیں۔ ان پیشگوئیوں کے متعلق ایک عجیب بات یہ ہے
کہ نہ صرف شائع ہونے کے وقت ان کو حیرت اور تعجب کی نظر سے دیکھا جاتا
تھا بلکہ جب عین پُورا ہونے کا وقت آگیا۔ اُس وقت تک بھی کوئی نہیں کہہ
سکتا تھا کہ یہ پیشگوئیاں پوری ہونگی مثلاً جیسا سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ
الدُّبُرَ۔ کی پیشگوئی شائع ہونے کے وقت عجیب تھی ایسا ہی یہ عجیب طور
سے خلاف اُمید پوری ہوئی۔ کیونکہ جب بدر کے میدان میں اس پیشگوئی کے
پورا ہونے کا وقت آگیا اُس وقت بھی کوئی شخص یہ رائے نہیں لگا سکتا

تھا کہ ۳۱۳ بے ساز و سامان غریب مسلمانوں کے ہاتھ سے ایک ہزار مسلح بہادر شکست کھائیں گے اور اپنے سرداروں کو کھیت میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اسی طرح جنگ احزاب کے وقت جب جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ کی پیشگوئی پوری ہوئی اُس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ وہ عرب کے قبیلوں کا ٹڈی دل جس نے ایک سمندر کی طرح صرف ۶۰۰ مسلمانوں کا احاطہ کر لیا تھا وہ ناکام و نامراد ہو کر شہر کو خالی چھوڑ رات کے وقت بھاگ جائیگا۔ غرض جیسی شائع ہونے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں بعید از قیاس تھیں ایسا ہی جب وہ پوری ہوئیں اُس وقت اُن کا پُورا ہونا بھی خلاف امید ہی تھا۔ مگر تعجب ہے تو اس بات کا ہے کہ باوجود ایسی خلاف اُمید ہونیکے وہ ہمیشہ سچی ہی نکلیں۔ جو حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری پیشگوئیوں کا ہے وہی غُلِبَتِ الرُّومُ والی پیشگوئی کا حال ہے۔ جس وقت مکہ معظمہ میں اس پیشگوئی کا اعلان ہوا اُس وقت رومی سلطنت کی حالت ایسی ناگفتہ بہ تھی کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ رومی سلطنت کبھی غالب آئے گی اور اس پیشگوئی کے شائع ہونے کے بعد بھی کئی سال تک رومی سلطنت کی حالت روز بروز بدتر ہوتی گئی اور جب یہ پیشگوئی پوری ہوئی اُس وقت بھی وہ بالکل اُمید کے برخلاف پوری ہوئی جس کو دیکھکر کُل دنیا دنگ رہ گئی۔ اور نہ صرف اُس وقت دنیا رومیوں کی فتح کو دیکھکر حیرت زدہ ہوئی بلکہ اب تک مؤرخ اس عقدہ کو حل نہیں کر سکے چنانچہ جیسا کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ ابھی دکھاؤں گا دنیا کے مؤرخ اس کو ایک لاینحل تاریخی معمہ قرار دیتے ہیں کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اس پیشگوئی کو ایک ایسے شخص کے ہاتھ سے پورا کرایا جس کی زندگی کے حالات قبل و بعد فتح اس قسم کے تھے کہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایسا شخص ایسے ابتر حالات کے ماتحت ایران کے شہنشاہ کی افواج کو شکست دے سکتا تھا۔

اس پیشگوئی کی تحقیق کرنے کے لئے اوّل امر قابل دریافت یہ ہے کہ یہ پیشگوئی کب شائع کی گئی۔ اس امر کا پتہ خود اس پیشگوئی کے اپنے الفاظ سے لگ سکتا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے غُلِبَتِ الرُّوۡمُ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ یعنی قریب کی زمین میں سلطنت روم مغلوب ہو چکی ہے۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پیشگوئی کا اعلان اُس وقت کے بعد ہوا جب رومیوں کو ملک کنعان میں جو رومی سلطنت کا قریب ترین علاقہ تھا ایرانیوں کے ہاتھ سے شکست ملی۔ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شکست ۶۱۵ء میں واقع ہوئی کیونکہ اسی سال ایرانی فوج نے ملک فلسطین کو فتح کیا اور شہر بیت المقدس کو غارت کیا ملاحظہ ہو ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۷ صفحہ ۷ اس خبر کو مکّہ معظّمہ تک پہنچنے میں کچھ وقت لگنا چاہیئے تھا کیونکہ اُس زمانہ میں سفر کی موجودہ آسانیاں اور پیغام رسانی کے موجودہ ذرائع موجود نہ تھے۔ اور عرب کے ریگستان کو طے کرکے کچھ عرصہ کے بعد یہ خبر مکّہ میں پہنچی ہوگی اور پھر متواتر خبروں کے آنے کے بعد اہل مکّہ نے اس کو صحیح تسلیم کیا ہوگا۔ اور چونکہ پیشگوئی زیر بحث مکّہ میں اس خبر کے عام طور پر شائع ہو جانے کے بعد شائع کی گئی اس لئے غالباً اس کا نزول ۶۱۵ء کے بعد ۶۱۶ء میں ہوا ہوگا۔ یعنی ہجرت سے قریباً ۶ سال پہلے کیونکہ ہجرت جون ۶۲۲ء میں واقع ہوئی۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت زیر بحث کا نزول ہجرت سے ۵ سال پہلے ہوا۔ اور تاریخ بھی اس روایت کی تائید کرتی ہے کیونکہ یہ زمانہ فتح بیت المقدس کے زمانہ کے قریب ہے۔ مگر اگر اس روایت کو تسلیم نہ بھی کیا جاوے (اگرچہ اس کے تسلیم نہ کرنے کی ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں) پھر بھی زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس پیشگوئی کا نزول ہجرت سے قریباً ۶ سال پہلے ہوا۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہجرت سے ۵ یا ۶ سال قبل رومیوں کی کیسی حالت تھی۔ جب ایرانیوں نے ملک کنعان کو فتح کیا اور شہر بیت المقدس

(یروشلم) کی اینٹ سے اینٹ بجائی تو یہ انکی آخری فتح نہ تھی بلکہ اس کے بعد بھی انہوں نے اپنی فتوحات کو جاری رکھا اور برابر رومیوں کو اپنے پاؤں کے تلے روندتے رہے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت جو اہل روم کی حالت تھی اُس کو خود ایک دشمن اسلام کی زبان سے بیان کیا جائے۔ سیل مترجم قرآن اس آیہ کریمہ پر نوٹ دیکر لکھتا ہے "ایرانیوں کو نقصان پہنچانا تو کجا اُس وقت اتنی بھی اُمید نہ تھی کہ اہل روم اپنے ہی نقصان کی کچھ تلافی کر سکیں چنانچہ اس کے بعد ایرانیوں نے اور بھی بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں اور آگے آگے قدم بڑھاتے گئے اور آخر کار خود قسطنطنیہ (دار الخلافہ سلطنت روم) کا محاصرہ کر لیا" سیل کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ جب یہ پیشگوئی کی گئی اُس وقت کوئی اُمید باقی نہ تھی کہ اہل روم ایرانیوں پر غالب آجائیں گے۔ گبن جس نے سلطنت روم کی ایک مفصل اور معتبر تاریخ لکھی ہے اور جس سے بڑھکر اس مضمون کے متعلق کسی کی رائے مؤرخانہ رنگ سے زیادہ قابل وقعت نہیں ہو سکتی یہ نامی گرامی مؤرخ بھی اپنی مشہور تاریخ میں اس پیشگوئی کا ذکر کرتا ہے اور اُس کی رائے اس کی نسبت یہ ہے:- "جب یہ پیشگوئی شائع کی گئی۔ اُس وقت ایسی حالت تھی کہ کسی پیشگوئی کا پورا ہونا اس سے زیادہ بعید نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ہرقل شاہ روم کے عہد حکومت کے پہلے ۱۲ سال (یعنی سنہ ۶۱۰ء سے سنہ ۶۲۲ء تک) سلطنت کے لئے سخت تباہی کے سال تھے جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ عنقریب یہ سلطنت بالکل نابود ہو جائے گی" ان راؤں سے ظاہر ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹکل سے پیشگوئی کرتے تو آپ بجائے رومیوں کی فتح کے رومیوں کی تباہی کی پیشگوئی کرتے کیونکہ اُس وقت سب طرف سے سلطنت روم کی تباہی کے نشان ظاہر ہو رہے تھے اور کوئی عقلمند ان نشانات کو دیکھکر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ رومی غالب آئیں گے۔ اُس وقت سلطنت روم کی تباہی بالکل قریب نظر آتی تھی۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی گیارھویں (آخری) ایڈیشن۔ جلد ۱۳۔ صفحہ ۳۱۰ میں ہرقل کی نسبت جس کے ذریعہ سے خدائے تعالیٰ

نے اس پیشگوئی کو پورا کیا لکھا ہے کہ اُس نے سلطنت روم کو ’’قریباً یقینی تباہی‘‘ سے بچا لیا۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ جب پیشگوئی زیر بحث کا اعلان کیا گیا اُس وقت سلطنت کی تباہی ’’قریباً یقینی‘‘ تھی۔ ناظرین غور فرماویں جب مؤرخین کی رائے میں پیشگوئی کے اعلان کے زمانہ میں سلطنت روم کی حالت ایسی خستہ ہوگئی تھی کہ اہل الرائے کے نزدیک اس سلطنت کا بے نام ونشان ہوجانا قریباً یقینی ہوگیا تھا تو اس وقت یہ کس طرح اُمید ہو سکتی تھی کہ ایسی حالت میں وہ نہ صرف تباہی سے بچ جائے گی بلکہ اپنے زبردست دشمن پر غالب آکر اُس کی گردن کو توڑ دے گی۔ غرض ناظرین یہ دیکھ سکتے ہیں کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری پیشگویاں ایسے وقت میں شائع کی گئیں جب کہ ان کے پورا ہونے کی کسی متنفس کو اُمید نہ تھی بلکہ حالات سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ پیشگویاں ضرور خطا جائیں گے۔ ایسا ہی یہ پیشگوئی بھی ایسے حالات میں شائع کی گئی جب کہ کوئی شخص یہ رائے نہیں دے سکتا تھا کہ رومی غالب آجائیں گے بلکہ روم کی حالت ایسی تباہ وخستہ تھی کہ سب کے نزدیک یہ امر قریباً یقین کی حد تک پہنچ چکا تھا کہ دشمن کو شکست دینا تو کیا اب خود اس سلطنت کا خاتمہ ہونیوالا ہے اور وہ وقت نہایت قریب ہے کہ اس کا نام ونشان صفحہ ہستی پر سے مٹا دیا جاوے۔ ناظرین۔ آپ ہی بتائیں کہ کیا ایسے حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیشگوئی کرنا کہ اگرچہ اب رومی شکست پر شکست کھا رہے ہیں مگر دس سال کے عرصہ کے اندر یہ پھر غالب آئیں گے اور ایرانی جو اس وقت فاتح اور غالب ہیں وہ مغلوب ومقہور ہو جائیں گے کیا ایسی پیشگوئی سوائے الٰہی سرچشمہ کے کسی اور جگہ سے نکل سکتی تھی۔ مگر افسوس ہے اسلام کے اندھے دشمنوں پر جو کہتے ہیں کہ آپنے یہ پیشگوئی محض قیاس اور اٹکل کی بنا پر شائع کر دی۔ قیاس تو اس وقت یہ چاہتا تھا کہ سلطنت روم نابود ہو جائے گی۔ نہ یہ کہ وہ پھر غالب ہو جائے گی۔ جب اس پیشگوئی کا مکہ معظمہ کے مبارک شہر سے اعلان کیا گیا اُس وقت ایرانیوں

کی فتوحات کا سلسلہ متواتر جاری تھا اور اُن کی افواج ہر روز آگے قدم بڑھاتی جاتی تھیں اور اُن کو دھڑا دھڑ فتح حاصل ہو رہی تھی اور رومیوں کی ساری طاقت اور سکت جاتی رہی تھی اُن میں ذرا بھی تاب مقابلہ باقی نہ رہی تھی۔ اس پیشگوئی کے بعد متواتر چھ سال تک اُنکی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اور رومی اُنکے ہاتھ سے ہر روز نئی شکست اُٹھاتے رہے یہاں تک کہ ایک طرف ایرانی ملک کو فتح کرتے ہوئے دریائے نیل تک پہنچ گئے اور دوسری طرف اُن کی فوجوں نے اُس سمندر کے کنارے جاکر ڈیرے لگائے جس کے دوسرے ساحل پر قسطنطنیہ دارالخلافہ روم واقع تھا۔ اگر ناظرین اُس وقت کی رومی بے کسی کا اندازہ لگانا چاہیں تو وہ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آخر خود ہرقل جس کے ہاتھوں سے آخر خدائے تعالےٰ نے اپنی پیشگوئی کو پُورا کیا ایسا لاچار اور مایوس ہو گیا کہ اُس نے ارادہ کر لیا کہ اپنے دارالخلافہ سے بھاگ جائے۔ ناظرین یہ ہرقل جو آپ اپنے پایۂ تخت کو چھوڑ کر بھاگنے کے لئے تیار ہو گیا یہ کون شخص تھا۔ یہ رومیوں کا شہنشاہ تھا جو قیصر کے فاخرانہ خطاب سے اپنے نام کو مزین رکھتا تھا مگر اس قیصر روم کی جان ایسی ناک میں آگئی اور اسکی حالت ایسی خطرناک بلکہ قابل رحم ہو گئی کہ اس نے مجبور ہو کر یہ ٹھان لیا کہ مَیں اپنے پایۂ تخت کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں اور یہ بات صرف ارادہ تک ہی محدود نہ رہی بلکہ فی الواقعہ اُس نے بھاگنے کے لئے ساری تیاری بھی کر لی اور اپنا سارا مال واسباب و خزائن و جواہر جہازوں میں بھر دیئے اور خود تیار تھا کہ اپنے بیوی بچوں سمیت اُن جہازوں میں سوار ہو کر افریقہ کے ایک دُور دراز شہر کی طرف بھاگ جائے جس کا نام کارتھیج تھا اور جہاں اُسکو اُمید تھی کہ ایرانی سپاہی نہیں پہنچ سکیں گے۔ جب شہر کے لوگوں نے دیکھا کہ ہمارا بادشاہ ہمیں ہمارے دشمنوں کے ہاتھ میں چھوڑ کر جا رہا ہے تو انہوں نے سخت الحاح کے ساتھ اُس سے التجا کی کہ وہ اس طرح انہیں دشمن کے ہاتھ میں نہ چھوڑ دے۔ اور شہر کے اسقف اعظم نے شہنشاہ پر بڑا زور دیا کہ وہ اپنے منحوس ارادہ سے

باز آجائے۔ آخر ان التجاؤں نے بادشاہ پر اثر کیا اور اُس نے وعدہ کیا کہ مَیں اپنی رعایا کو اس حال میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اب وقت آگیا کہ خدا کی بات پوری ہو اور اہل روم شکست پر شکست کھانے اور ذلّت کے انتہائی درجہ تک پُہنچنے کے بعد اپنے خونخوار دشمنوں پر غالب ہوں۔ اب رومی سلطنت کی تباہی اپنے آخری نکتہ تک پُہنچ چکی تھی اور ذلّت کا کوئی ایسا درجہ نہیں تھا جو باقی رہ گیا ہو۔ بھلا اس سے زیادہ کیا ذلّت ہو سکتی ہے کہ رومی سلطنت کا شہنشاہ اپنے پایۂ تخت کو ہمیشہ کے لیئے خیرباد کہکر بھاگ جانے کے لیئے آمادہ ہو جاوے۔ خدائے تعالیٰ نے یہ اس لیئے کیا تا کہ اُس کی پیشگوئی کی عظمت دنیا پر ظاہر ہو جس سلطنت کو اُس نے فتح دینے کا وعدہ فرمایا تھا پہلے اُس نے اُس کو ذلّت اور تباہی کے انتہائی نکتہ پر پُہنچا دیا تا کوئی شخص بعد میں یہ نہ کہے کہ یہ پیشگوئی رومیوں کی ظاہری حالت پر قیاس کرکے اور فتح کے نشانات دیکھکر شائع کی تھی۔ خدائے تعالیٰ نے اوّل رومیوں کو ذلّت و رسوائی کے گہرے گڑھے میں گرا دیا اور اُس کے بعد اُن کا ہاتھ پکڑا اور اپنی قدرت کا ایک کرشمہ دکھاکر رومیوں کو ایرانیوں پر غالب کردیا۔ جب خدائے تعالیٰ نے رومیوں کی دستگیری کی اُس وقت وہ رنگارنگ کے مصایب میں گرفتار تھے۔ ایک مصیبت تو یہ تھی کہ ایرانی اُنکے ملک کے ایک بڑے حصہ کو نہ صرف فتح کر چکے تھے بلکہ اُنہوں نے اُنکے ملک کو پامال کردیا تھا اور اُس کی ساری دولت لُوٹ لی تھی۔ دوسری مصیبت یہ تھی کہ پہلے دارالسلطنت روم میں غلہ ملک مصر سے پُہنچا کرتا تھا۔ اب چونکہ ایرانیوں نے مصر کا ملک بھی فتح کرلیا تھا اس لیئے قسطنطنیہ میں غلہ پُہنچنا بند ہوگیا اور لوگ سخت قحط کی مصیبت میں گرفتار ہوگئے۔ قیصر کی حالت ایسی زار تھی کہ اُس نے شاہ ایران کے پاس متواتر اپنے ایلچی بھیجکر یہ درخواست کی کہ آپ میری رعایا پر رحم کریں اور میری طرف سے خراج قبول کرکے میری رعایا کو اس مصیبت سے رہائی بخشیں۔ مگر کسرائے ایران نے ایسی التجا کا جواب دھمکیوں اور حقارت آمیز الفاظ کے ساتھ دیا اور

بعض اوقات نفرت کے ساتھ اپنا منہ پھیر لیا اور کچھ جواب دینا پسند نہ کیا (دیکھو گبن کی تاریخ روم - جلد ۵) ایک دفعہ جب کسریٰ کے ایک جرنیل سنے ہرقل کی حالت پر رحم کھاکر یہ تجویز پیش کی کہ معافی حاصل کرنے کی کوشش کروں گا تو ہرقل نے اس تجویز کو نہایت شکر گذاری کے ساتھ قبول کیا اور تین شہر کے معزز عہدہ داروں کے ذریعہ معافی اور صلح کا خواستگار ہوا مگر جب ان قاصدوں کو لیکر کسریٰ کا جرنیل اپنے بادشاہ کے دربار میں پہنچا - تو اس مغرور بادشاہ نے اپنے جرنیل کو مخاطب ہوکر کہا کہ "بجائے اس کے کہ ہرقل کے سفیر تو میرے حضور پیش کرتا تجھے چاہیئے تھا کہ خود ہرقل کو بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر کے میرے سامنے پیش کرتا - میں رومیوں کے بادشاہ کو امن نہیں دوں گا جب تک کہ وہ اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر آفتاب کی پرستش اختیار نہ کرے" اس سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قیصر روم کی ذلت کس حد تک پہنچ چکی تھی ؛

قیصر روم کا دشمن صرف ایران کا شہنشاہ ہی نہ تھا بلکہ جیسا مشرق کیطرف سے ایرانیوں نے قیصر کا دم ناک میں کر رکھا تھا ایسا ہی ایک دشمن مغرب کی طرف سے قیصر روم کی بیخکنی پر تلا ہوا تھا - یہ مغربی دشمن آوار کی قوم تھی جنکی آنکھیں ہمیشہ قسطنطنیہ کی دولت پر لگی رہتی تھی - گبن لکھتا ہے کہ "شام مصر اور ایشیائی صوبے تو ایرانی افواج نے دبا لیئے تھے اور سلطنت روم کا وہ حصہ جو یورپ میں تھا وہ قوم آوار کی تاخت و تاراج کا میدان بنا ہوا تھا مثلاً پے تونیا کے مقدس میدان میں جسقدر مرد گرفتار ہوئے اُن کو سردمہری کے ساتھ قتل کیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا اور نہایت ہی شریف خاندان کی عورتوں کو وحشی سپاہیوں نے ذلیل کیا . . . . . .

اس طرح ہر طرف سے ہرقل کا محاصرہ ہو رہا تھا اور اُس کو ذلیل کیا جا رہا تھا - اور رومی سلطنت صرف قسطنطنیہ کی چار دیواری تک محدود تھی یا صرف چند صوبے مثلاً یونان - اٹلی وغیرہ کا باقیماندہ حصہ اور ایشیائی ساحل کے چند شہر سلطنت روم

میں باقی رہ گئے تھے۔ مصر کے مفتوح ہو جانے کے بعد دار السلطنت قسطنطنیہ قحط اور وبا کا شکار بن گیا۔ اور قیصر روم میں اب چونکہ مقابلہ کی تاب نہ رہی تھی اور نہ اُس کو اب دشمنوں کے ہاتھ سے نجات پانے کی کچھ اُمید باقی تھی اس لیئے اُس نے ارادہ کر لیا کہ کارتھیج کے زیادہ محفوظ مقام میں جا کر پناہ حاصل کرے۔"

اب میں اُن لوگوں سے جو اس پیشگوئی کو اٹکل بازی کا نتیجہ خیال کرتے ہیں سوال کرتا ہوں کہ کیا ایسے حالات میں کوئی شخص یہ قیاس کر سکتا تھا کہ رومی ایرانیوں پر غالب آجائیں گے؟

اب دیکھو کیسے عجیب طور سے خدا کا کلام پورا ہوا۔ رومیوں کو خدا تعالیٰ نے ایسے وقت میں فتح دی جبکہ بقول سیل "فتح کی اُمید نہیں ہو سکتی تھی"۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ہرقل نے ہر طرف سے ناکامی نامرادی۔ ذلت اور رسوائی دیکھ کر یہ ارادہ کر لیا کہ اپنے پایۂ تخت کو چھوڑ کر کارتھیج کے زیادہ محفوظ مقام کی طرف بھاگ جائے اور اپنا سارا مال و متاع محل شاہی سے نکلوا کر جہازوں میں بھر دیا اور خود سوار ہونے کو تھا کہ شہر کے اسقف اعظم نے اُس کو روکا اور اُس سے یہ عہد لیا کہ میں اب اس شہر سے نہیں بھاگوں گا اور میرا جینا اور میرا مرنا اپنی رعایا کے ساتھ ہی ہوگا۔ اسوقت کے بعد خدا تعالیٰ نے اس کے اندر ایک جوش کی روح پھونکی اور وہ باوجود اپنی حالت زار کے اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ ایرانیوں پر حملہ کرے۔ جب اُس نے ارادہ کیا اُس وقت اُس کی سلطنت بدترین حالت میں تھی۔ گبن اپنی تاریخ کے جلد ۵ میں لکھتا ہے کہ جب ہرقل نے ایک بہادر کی روح کو اختیار کیا اُس وقت اگر رومی سلطنت کے بچنے کی کوئی اُمید باقی تھی تو وہ صرف یہی تھی کہ شائد اتفاقی طور پر آسمان کی گردش میں کوئی ایسا تغیر واقع ہو جاوے کہ کسریٰ کے عروج و اقبال میں زوال آجائے اور رومیوں کی فلک ایسی یاوری کرے کہ اُنکے اقبال کا ستارہ جو غروب ہو چکا تھا پھر طلوع کرے کیونکہ اسوقت رومیوں کی حالت پستی کے پست ترین نقطہ تک پہنچ چکی تھی۔"

(دیکھو صفحہ ۱۷۸) جب ہرقل نے ایرانیوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اُسوقت اُسکو

سخت مصایب کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے پہلی مشکل جو ہرقل کے راستہ میں سدِ راہ تھی یہ تھی کہ اُس کا شاہی خزانہ روپے سے بالکل خالی تھا۔ اور جنگ بغیر روپے کے نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اُس کی رعایا میں یہ سکت تھی کہ روپے کے ساتھ اپنے بادشاہ کی مدد کرے۔ اُس وقت اُس کی سلطنت میں اگر کہیں روپیہ نظر آتا تھا تو وہ مسیحی گرجاؤں کا روپیہ تھا۔ کیونکہ اگرچہ ان لوگوں کو مسیح نے منع کیا تھا کہ روپیہ مت جمع کرو کیونکہ دولتمند کے لیئے بہشت کے دروازہ میں سے گذرنا ایسا ہی محال ہے جیسا کہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ کا گذرنا محال ہے۔ مگر باوجود ایسی سخت ممانعت کے اُس کی سلطنت میں صرف ایک ہی مقام تھا جہاں سے روپیہ ڈھیروں ڈھیر مل سکتا تھا۔ اور وہ روپیہ مسیحی گرجاؤں میں تھا۔ اگرچہ ایسے خزانوں کا جمع کرنا حضرت مسیح علیہ السلام کے حکم کی صریح نافرمانی تھی مگر یہ روپیہ ہرقل کے لیئے بہت ہی کارآمد ہوا۔ اُس نے پادریوں کی خدمت میں التماس کی کہ یہ روپیہ مجھے جنگ کی ضرورتوں کے لیئے قرض دیا جاوے۔ جنگ کے خاتمہ پر سود کے ساتھ میں اس روپیہ کو واپس کر دونگا۔ گرجوں میں اس قدر روپیہ جمع تھا کہ صرف ایک اسکندریہ کے گرجے میں سے اتنا روپیہ نکل آیا جو کل جنگ کے اخراجات کے لیئے کافی تھا۔ مگر اسکندریہ کے پادری صاحب نے عاقبت اندیشی سے کام لیکر ظاہر نہ کیا کہ یہ گرجا کا روپیہ ہے بلکہ یہ کہا کہ معجزانہ طور پر ایک عظیم خزانہ مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے اور اُس نے سونے کی مہروں سے بھرے ہوئے پیپے نکال کر پیش کیئے اور کہا کہ یہ شہد کے پیپے تھے مگر خداوند مسیح کی معجزانہ طاقت سے یہ شہد سونے کی مہروں میں مبدل ہو گیا ہے۔ غرض ہرقل نے روپیہ کی ضرورت کو اس طرح پورا کیا کہ مسیحی گرجا کے مقدّس خزانے پادریوں سے قرض لیئے اور وعدہ کیا کہ میں سود کے ساتھ یہ خزانے واپس کر دوں گا۔ چونکہ مسیحی سلطنت ایک مصیبت میں مبتلا تھی اس لیئے پادریوں کو بھی اس پر رحم آیا اور انھوں نے اپنے خزانے بطور قرض کے دینے منظور کر لیئے۔

دوسری مشکل جس کا ہرقل کو سامنا کرنا پڑا وہ قوم آوار کی مخالفت تھی۔ وہ

قسطنطنیہ کے لوٹنے کے لیئے ہر وقت گھات میں لگے رہتے تھے اور ہرقل کو خوف تھا کہ میری عدم موجودگی میں ضرور میرے پایۂ سلطنت پر حملہ کر کے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیں گے۔ اس کے روکنے کے لیئے اُس نے دو تجویزیں کیں۔ ایک یہ کہ دُو زبردست قوموں کو اُس علاقہ میں آباد کر دیا جو اُس کے پایۂ تخت اور قوم آوار کے علاقے کے مابین واقع تھا اور اس طرح یہ دو قومیں دشمنوں کے حملوں کو روکنے کے لیئے ایک انسانی دیوار کی طرح ہو گئیں اور دوسری تجویز یہ کی کہ آوار قوم کے سردار کو بہت سا روپیہ دیکر اُس سے صلح کر لی۔

تیسری مشکل جو ہرقل کو پیش آئی یہ تھی کہ اُس کے پاس تجربہ کار سپاہ نہ تھی جس کے ذریعہ وہ ایرانیوں کے ساتھ جنگ کرے۔ اس لیئے اُس نے نئے آدمی بھرتی کیئے اور سخت محنت اُٹھا کر ان نئے آدمیوں کو جنگ کے قواعد سے آگاہ کیا۔ جس محنت سے اُس نے اپنے ناتجربہ کار سپاہیوں کو قواعد جنگ سے آگاہ کیا اور اُن کو عملی طور پر مشق کرائی اس امر کو اور نیز اُس پہلی فتح کو جو اُس نے ایرانیوں پر حاصل کی گبن مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ "ہرقل کی فوج اسّس کے میدان پر اُتری ہوئی تھی جس جگہ سکندر نے دارا کی افواج کو شکست دی تھی۔ اس میدان کے اردگرد سی لیسیا کے پہاڑ تھے جن کے ذریعہ یہ میدان نہ صرف محفوظ تھا بلکہ دشمن کی نظر سے چھپا ہوا تھا۔ اس میدان پر ہرقل نے باقی ماندہ پرانے سپاہیوں کی کاہلی اور بے ترتیبی کو درست کیا اور رنگروٹوں نئے سپاہیوں کو فوجی قواعد کی تعلیم دی اور مشق کرائی۔ اُن کو اُس نے بذات خود ہتھیاروں کا استعمال اور میدان جنگ کے کرتب بڑی محنت سے سکھلائے سی لیسیا کا فوراً ایرانی افواج نے محاصرہ کر لیا۔ مگر ایرانی فوج کے سواروں نے کوہ طورس کے دروں میں سے گذرنے میں تامل کیا۔ اتنے میں ہرقل ایسی چال چلا کہ اچانک اُنکی پچھلی طرف آنکلا۔ اُس وقت اُس نے عمداً اپنی فوج کو ایسی بے ترتیبی میں ڈال دیا کہ اگرچہ اُسوقت ایرانی ہرقل کی فوج پر حملہ نہیں کرنا چاہتے

تھے مگر اُس بے ترتیبی کو دیکھکر حملہ کر ہی دیا۔ اور جب وہ لڑائی کرنے کے لئے آگے بڑھے تو اُس وقت زمین اور سورج اور دیگر حالات رومیوں کے موافق تھے اور ایرانیوں کے مخالف۔ رومیوں نے میدان جنگ میں ایسی چالاکیوں اور تدابیر سے کام لیا کہ ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی اور رومی غالب آگئے اور ہرقل فتح اور ناموری کے ساتھ میدان جنگ سے روانہ ہوکر کوہ طورس کی بلندیوں پر چڑھ گیا اور کیپاڈوشیا کے میدانوں میں سے گذرتا ہوا دریا ہیلیس کے کنارہ پر اپنی فوج کو لے گیا"۔ بقول ہسٹورینیس ہسٹری آف دی ورلڈ (جلد ۷) یہ پہلی فتح ہرقل کو۔ جنوری ۶۲۳ء میں حاصل ہوئی یعنی ہجرت سے قریباً ۶ ماہ بعد اور پیشگوئی غُلِبَتِ الرُّوْمُ کے شائع ہونے سے ۶ یا ۷ سال بعد۔ اس طرح خدائے تعالیٰ کا وہ کلام پورا ہوا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ رومی مغلوب ہونے کے بعد پھر دس سال کے عرصہ کے اندر ایرانیوں پر غالب آجائیں گے۔ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ میں لفظ بضع ایسے عدد کو ظاہر کرتا ہے جو ۳ سے کم نہ ہو اور ۱۰ سے زیادہ نہ ہو۔ دیکھو لسان العرب جس میں لکھا ہے کہ البضع والبضع بالفتح والکسر ما بین الثلاث والعشر۔ اور پیشگوئی کے الفاظ کے مطابق اسی عرصہ میں رومی ایرانیوں پر غالب ہوئے۔ میور بھی اس پیشگوئی کا ذکر اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ لفظ بِضْع ۳ سے لیکر ۱۰ تک کے لئے استعمال ہوتا ہے اور صریح الفاظ میں قبول کرتا ہے کہ یہ پیشگوئی سچی نکلی چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "نتیجہ نے اس پیشگوئی کو سچّا کر دیا" (دیکھو صفحہ ۱۱۹) ایسا ہی مشہور فرنچ مؤرخ بولین وِلیرس اپنی کتاب وائی ڈی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صفحات ۳۲۹-۳۴۴ میں بڑی زور سے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی اپنی میعاد مقرر کردہ میں پوری ہوگئی؛

ہرقل کی پہلی فتح جو اس کو جنوری ۶۲۳ء میں حاصل ہوئی بہت سی عالیشان

فتوحات کا صرف ایک پیش خیمہ تھی۔ جس لڑائی کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں
اس کو مؤرخ ہرقل کی پہلی مہم کہتے ہیں۔ اُس کے بعد اُس کی دوسری مہم
شروع ہوتی ہے جو ۶۲۳ء سے لیکر ۶۲۵ء تک رہی۔ اس دوسری مہم کو
گبن مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے "سیپیو اور ہنی بل کے زمانہ
سے لیکر کسی نے ایسی بہادرانہ مہم اختیار نہیں کی جیسی کہ ہرقل نے اپنے
ملک کی نجات کے لیئے اختیار کی۔ پانچہزار منتخب سپاہیوں کے ساتھ ہرقل
قسطنطنیہ سے روانہ ہوا (کیونکہ پہلی فتح کے بعد وہ خود اپنے پایۂ تخت کیطرف
چلا گیا تھا) اور اپنی اُن فوجوں کو جمع کیا جنہوں نے جاڑے کا موسم علاقۂ
پانٹس میں کاٹا تھا اور دریائے فےسس سے بحیرہ خزر تک اپنی رعایا اور اپنے
مددگاروں کو اُکسایا کہ وہ قسطنطین اعظم کے جانشین کا ساتھ دیں۔ وہ میڈیا
(علاقہ ایران) کے قدیمی دارالخلافہ تورِس یا گنڈزاکا کی طرف بڑھا۔ ہرقل
کے مقابلہ کے لیئے خود کسریٰ ۴۰ ہزار آدمیوں کے ساتھ ایک دُور دراز
مقام سے دوڑا مگر جب ہرقل سامنے آیا تو ایران کا شہنشاہ کسریٰ اپنے
قدموں پر واپس ہٹ گیا اور لڑائی کرنے سے گریز کر گیا۔ ہرقل سرعت
کے ساتھ ملک کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور جب پھر جاڑے کا موسم آیا
تو اُس نے اپنی فوج کو آرام دیا۔ اس کامیاب حملہ کے اثنا میں اُس نے ایرانیوں
کی مشہور و معروف مقدس آگ کو بجھا دیا۔ مجوسیوں کے معبد کی اینٹ سے
اینٹ بجا دی۔ خود کسریٰ کے بتوں کو (جس نے فرعونِ مصر کی طرح جاہ و جلال
کے اعلیٰ معراج پر پہنچکر اپنے تئیں اپنی قوم کا معبود بنا دیا تھا) جلتی ہوئی آگ
کے شعلوں کے حوالہ کر دیا اور شہر اُرمیا کو جو ایرانیوں کے نبی حضرت زردشت
رحمۃ اللہ علیہ کا مولد تھا مسمار کر دیا اور اُس طرح اُس فتح کا ایک حد تک انتقام
لیا جس میں ایرانیوں نے مسیحیوں کے مقدس شہر یروشلم کو تباہ کر دیا تھا
اور حضرت مسیحؑ کی قبر کو جہاں مسیحیوں کے خیال کے بموجب حضرت مسیحؑ نے

صلیب کے واقعہ کے بعد ایک دن اور دو رات آرام کیا تھا توڑ دیا۔ ان فتوحات کے اثنا میں پچاس ہزار دشمن ہرقل کے ہاتھ میں آیا مگر ہرقل نے اُن سب کو آزاد کر دیا"
مَیں یہاں ناظرین کی توجہ اس امر کی طرف پھیرتا ہوں کہ یہ فتوحات ہرقل کو ۶۲۳ء میں حاصل ہوئیں اور یہ زمانہ وہی زمانہ ہے جس میں خدائے تعالیٰ نے مسلمانو کی نصرت فرمائی اور بدر کے میدان پر اُن کو عظیم فتح عطا فرمائی کیونکہ بدر کی لڑائی جنوری ۶۲۴ء میں واقع ہوئی ؛

ہرقل کی دوسری مہم کے باقی حصہ کو گبن اس طرح بیان کرتا ہے۔ "اب جب کسریٰ نے دیکھا کہ اُسکی اپنی سلطنت خطرہ میں ہے تو اُس نے فوراً اپنی بڑی افواج کو دریائے نیل اور بحیرہ باسفورس سے ہرقل کے مقابلہ کے لیئے واپس بلا لیا۔ اب تین عظیم لشکروں نے ایک ایسی زمین میں جو نہ صرف ہرقل کے پایۂ تخت سے بہت دور تھی بلکہ دشمنوں کی زمین تھی ہرقل کا محاصرہ کر لیا۔ مگر اُس نے ان تینوں حملہ آور فوجوں کو پس پا کر دیا۔ ایرانی سرداروں کو متفرق کر دیا اور آخر کار میدان سے اُن کا تعاقب کر کے میڈیا اور اسبیریک کے شہروں میں اُن کو پہنچا دیا۔ چونکہ اب جاڑے کا موسم آگیا تھا ایرانی جرنیل سربرازہ نے سمجھا کہ اس موسم میں ہم اپنے قلعوں اور شہروں کے اندر محفوظ رہیں گے اور ہم پر کوئی حملہ نہیں کیا جائیگا مگر اُس کی اُمید کے برخلاف ہرقل رات کی تاریکی میں ایک لمبا کوچ کر کے اچانک آ پہنچا۔ ایران کے بڑے بڑے سردار بمعہ اپنی بیوی بچوں کے۔ اور بڑے بڑے جنگی جوان یا قتل ہوئے یا گرفتار کیئے گئے۔ جرنیل بھاگ گیا مگر اُس کی سونے کی زرہ فاتح کے ہاتھ آگئی"۔ یہ دوسری مہم جس کا خاتمہ ایسی کامیابی کے ساتھ ہوا ۶۲۵ء میں ختم ہوئی یعنی غُلِبَتِ الرُّومُ کی پیشگوئی کی اشاعت سے دس سال کے اندر۔ اب مجھے ضرورت نہیں کہ مَیں اُن فتوحات کا مفصل ذکر کروں جو ہرقل کو اس مہم کے بعد حاصل ہوئیں کیونکہ قرآنی پیشگوئی ہرقل کی پہلی اور دوسری مہم کے ساتھ کامل طور پر پوری ہوگئی۔ جو واقعات اس کے بعد

ہوئے اُن کی نسبت صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ تیسری مہم میں ہرقل نے اپنی پہلی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور ۶۲۷ء میں بمقام نینوہ میں کسریٰ پر ایک اور عظیم الشان فتح حاصل کی۔ کسریٰ اپنے پایۂ تخت سے بھاگ گیا۔ اور دوسرے سال کے ابتدا میں اُس کے اپنے بیٹے شیرویہ نے اُس کو قتل کر دیا۔ (جس کی مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی دن ایرانی قاصدوں کو جو یمن کے راستہ سے مدینہ میں پہنچے تھے خبر دی اور جب یہ خبر عامل یمن نے ان قاصدوں کی زبانی سُنی اور بعد اس کے شیرویہ کے پروانے سے اسکی پوری پوری تصدیق ہوئی تو اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیّن نشان دیکھکر بمعہ ایک بڑی جماعت کے اسلام قبول کیا) شیرویہ نے تخت پر بیٹھ کر ہرقل سے صلح کر لی*

ہرقل کی اُن فتوحات پر جن کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوئی دنیا نے حیرت ظاہر کی ہے۔ نہ صرف حالات اس قسم کے تھے کہ کوئی شخص اُمید نہیں کر سکتا تھا کہ رومی غالب آئیں گے بلکہ وہ شخص بھی جس کے ذریعہ خدائے تعالیٰ نے اپنی بات کو پورا کیا اس طرز کا آدمی تھا کہ کسی کو اُس کی نسبت گمان نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ یہ اس قسم کی بہادری دکھلائے گا جیسی کہ جنگ کے موقعہ پر اُس سے ظاہر ہوئی۔ ہرقل فاتح ایران تخت پر بیٹھنے کے بعد برابر ۱۲ سال تک ایک بے دست و پا انسان کی طرح بیٹھا رہا۔ اُس کی سلطنت کو فتح کیا جا رہا تھا۔ اُس کی رعایا کو پاؤں تلے روندا جا رہا تھا۔ مگر اُس میں طاقت نہ تھی کہ دشمن کے مقابلے کے لیے اپنا ہاتھ اُٹھائے۔ وہ ایک نامرد کی طرح اپنی سلطنت کی تباہی کو دیکھتا اور اپنی رعایا کی مصیبت کا مشاہدہ کرتا رہا مگر کسریٰ کا اُس پر اس قدر رعب تھا کہ وہ ہرگز اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ آخر اپنے پایۂ تخت سے بھاگ جانے پر آمادہ ہوگیا۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ جب اُس نے ایرانیوں پر فتح حاصل کی تو اُس کے بعد وہ پھر اپنی پہلی سُستی اور کاہلی میں غرق ہو گیا۔ وہی صوبے جو اُس نے اس قدر بہادری کے جوہر دکھا کر ایرانیوں کے پنجے سے چھڑائے تھے پھر اُس جنگ کے بعد ایک

اور بہادر قوم نے فتح کرنے شروع کر دیئے مگر ہرقل ایک عورت کی طرح ان صوبوں پر آنسو بہاتا ہوا میدان جنگ سے رخصت ہوا۔ اور پھر پہلے کی طرح اپنی دار السلطنت میں جا کر بیٹھ رہا۔ غرض اُس کی ساری زندگی سوائے ان چند سالوں کے جنمیں وہ قرآنی پیشگوئی کے پورا کرنے کے لیئے میدان میں نکلا نہایت نامردی اور بزدلی کی زندگی ہے۔ وہ ان فتوحات سے پہلے بھی ایک کاہلانہ اور بزدلانہ زندگی بسر کرتا رہا اور ان فتوحات کے بعد بھی وہ اپنی کاہلانہ زندگی میں غرق ہو گیا۔ یہی فتوحات کے چند سال ہیں جن میں وہ بجلی کی طرح چمکا اور جو چیز اُس کے سامنے آئی اُس کو بھسم کر دیا۔ جب اُس کے ان چند سالوں کی کارروائی کا اُس کی پہلی اور بعد کی زندگی کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے تو بالکل دو متضاد چیزیں ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ اس امر پر کُل مؤرخوں نے حیرت ظاہر کی ہے کہ کیا وجہ ہے کہ ایسا شخص جس نے پہلے بھی ایک قابل شرم نامردی کا نمونہ دکھایا اور بعد میں اپنی پرلے درجے کی بزدلی کا ثبوت دیا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔ تھوڑے عرصہ کے لیئے ایک شیر بن گیا اور دو تین چھلانگوں میں ہی اُن دشمنوں کو نیست و نابود کر دیا جنھوں نے پہلے اُسے اپنے پایۂ تخت چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ گبن لکھتا ہے کہ "دُنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کے زندگی کے حالات ایسے عجیب اور ایسے متضاد ہوں۔ اپنی لمبی سلطنت کے پہلے اور آخری حصہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کاہلی۔ عیش و عشرت۔ اور وہم پرستی کا غلام بنا ہوا تھا۔ جو اپنی سلطنت کے مصایب کو سخت بے پروائی اور نامردی کے ساتھ دیکھتا رہا اُس کی زندگی کو اگر ایک دن سے تشبیہ دیجائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اُس دن کے اوّل اور آخری حصّہ پر ایک دھواں دھار کُہر چھایا ہوا ہے مگر درمیانی حصہ میں وہ اس طرح چمکتا ہے جس طرح آفتاب نصف النہار کے وقت"

انیسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (دسویں ایڈیشن) میں لکھا ہے کہ "ہرقل کی زندگی ایک عجیب بجھارت ہے جس کا حل کرنا کوئی آسان امر نہیں ہے۔ اُس کے

عہد کے آخری حصّہ میں اُس کی سلطنت اُس کی آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھی مگر وہ سُستی سے اُس کو دیکھتا رہا اور اُس کے بچانے کے لیئے ذرا بھی کوشش نہ کی۔ اس طرح ہم اُس کی زندگی کے مختلف زمانوں میں ایک ایسا تضاد دیکھتے ہیں جس سے یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ وہ متضاد صفات کا جامع تھا۔ اُس کی ناموری کے لیئے یہ بہتر ہوتا کہ وہ ایرانیوں پر فتح پانے کے بعد ہی فوراً مر جاتا؟

ایک مشہور مؤرخ مسٹر بیری لکھتا ہے کہ ہر ایک شخص جو ہرقل کے حالات کا مطالعہ کرتا ہے "دو مشکل سوال اُس کو پیش آتے ہیں۔ اوّل یہ کہ اُس نے پہلے دس سال کیوں ایسی سُستی میں گذارے۔ دوم یہ کہ ایرانیوں پر فتح پانے کے بعد پھر وہ کیوں پہلے کی طرح غفلت کی نیند سو گیا؟"

ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ کا ایڈیٹر لکھتا ہے۔ "اس شخص (یعنی ہرقل) کے افعال کی توجیہ بیان کرنے کے لیئے بہت سی رائیں پیش کی گئی ہیں اس نے اوّل ایک سلطنت (اپنی فتوحات کے ذریعہ) قائم کی پھر وہی سلطنت اُس کی آنکھوں کے سامنے تباہ ہو گئی مگر اُس نے اُس کے بچانے کے لیئے کچھ سعی نہ کی۔ بیری نے جو اُس کی وجہ بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ درحقیقت ایک کمزور ارادہ کا آدمی تھا مگر اُس میں احساس کی قوّت تیز تھی۔ اور ایک وقت کے لیئے جب اُس کے اندر ایک جوش کی روح پھونکی گئی تو اُس نے ایسا کام کیا جو اُس کی طاقت سے بالاتر تھا۔ اور جب اُس کے عہد کے پچھلے حصہ میں جوش کی عارضی چادر اُس پر سے اُتر گئی تو اُس کی اصلی کمزوری پھر نمایاں طور پر ظاہر ہو گئی؟" (جلد ۷ صفحہ ۱۷۰)

حق یہ ہے کہ یہ خدائے تعالیٰ کا ہاتھ تھا جس نے اُسکو اُٹھایا اور اُس سے ایسا کام لیا جو درحقیقت اُس کی اصلی طاقت سے بہت بالاتر تھا خدائے تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ مَیں رومیوں کو باوجود اُنکی حالت

مغلوبیت کے ایرانیوں پر فتح دوں گا۔ اور جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں یہ وعدہ ایسے وقت میں کیا گیا جبکہ اُس کے پُورا ہونے کا کوئی نشان نظر نہ آتا تھا۔ اور خدائے تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا کرنے سے پہلے ہرقل کو اور اُس کی سلطنت کو ذلت اور بے کسی کے آخری درجہ تک پُہنچا دیا۔ خدائے تعالیٰ نے ایسا اس لیئے کیا تاکہ دنیا کو معلوم ہوجاوے کہ جو فتح وہ اب رومیوں کو دینے والا ہے وہ اُنکے اپنے زور بازو کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ خدائے تعالیٰ کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔ پہلے اُس نے ایرانیوں کو موقعہ دیا کہ وہ رومیوں کو اپنے پاؤں کے تلے روندیں اور پیشگوئی کے شائع ہونے کے بعد بھی چھ سات سال تک وہ رومی سلطنت کو تہ و بالا کرتے رہے یہانتک کہ قریب تھا کہ رومی سلطنت فنا ہوجاوے اور اُس کا نام و نشان مٹ جاوے۔ مگر اب وقت آگیا تھا کہ خدائے تعالیٰ کی بات پوری ہو اور اُس کا وعدہ سچّا ہو۔ موعودہ مہلت اب ختم ہونے والی تھی۔ مقررہ دس سال میں سے چھ سات سال گذر چکے تھے۔ اب رومیوں کی بے کسی اور اُن کا عجز دنیا پر ظاہر ہوچکا تھا۔ اور اُسکی سلطنت کی تباہی دنیا کی نظروں میں یقین کی حد تک پُہنچ چکی تھی۔ اب خدائے تعالیٰ کی نصرت نے رومیوں کا ساتھ دیا اور اُن کے کمزور اور بزدل بادشاہ سے خدائے تعالیٰ کے ہاتھ نے وہ کام لیا جس کو دیکھکر دنیا کے مؤرخ آجتک حیرت کے گرداب میں پڑے ہوئے ہیں اور اُس کو ایسے وقت میں فتح بخشی جب کہ کسی کو بھی فتح کی اُمید نہ تھی۔ آج مورخ اس واقعہ کو ایک تاریخی معمہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسی بجھارت ہے جس کا حل کرنا کوئی آسان امر نہیں۔ مگر یہ خدائے تعالیٰ کی قدرت کا ایک نشان ہے۔ اور خدائے تعالیٰ نے یہ نشان اس لیئے ظاہر کیا کہ اُس کے رسول فداہ ابی و امی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت دنیا پر ظاہر ہو جس نے مکّہ کے دُور دراز کے شہر سے خدائے تعالیٰ سے خبر پاکر یہ پیشگوئی کی تھی کہ مغلوب رومی دس سال کے ۶ حصے کے اندر پھر غالب ہوگا۔ اس جنگ کے اثنا میں خدائے تعالیٰ نے ایسے ایسے عجیب رنگوں میں رومیوں کی مدد

کی کہ رومیوں نے بھی محسوس کیا کہ کوئی غیبی ہاتھ اُن کی نصرت میں لگا ہوا ہے اور وہ بول اُٹھے کہ اُن کی یہ خلاف اُمید کامیابی اُن کی اپنی بہادری کا ثمرہ نہیں ہے بلکہ خدائے تعالیٰ خارق عادت طور پر اُن کی نصرت کر رہا ہے اس احساس اور اس اقرار کی ایک مثال تاریخ میں آج تک لکھی ہوئی موجود ہے جس کو میں یہاں ناظرین کی آگاہی کے لئے پیش کرتا ہوں ؂

جب ہرقل کسریٰ کی افواج کے ساتھ جنگ کرنے میں مصروف تھا اُس وقت ایرانیوں نے یہ چال چلی کہ ایک بڑی فوج ہرقل کے پایۂ تخت کا محاصرہ کرنے کے لئے روانہ کی اور کسریٰ نے ایک اور کام یہ کیا کہ قوم آوار کے لیڈر چاغان کے ساتھ سازش کر کے اُس کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اُس سے وعدہ کیا کہ ہرقل کی سلطنت کو فتح کر کے ہم باہم بانٹ لیں گے۔ چاغان کو اور کیا چاہیئے تھا۔ اُس نے فوراً اس تجویز کو منظور کر لیا اور ایرانیوں کے ساتھ مل کر سمندر کے راستے سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا جب شہر والوں نے دیکھا کہ دو زبردست فوجوں نے ہمارے بادشاہ کی عدم موجودگی میں ہمارا محاصرہ کر لیا ہے تو اُن کے اوسان خطا ہو گئے اور اُنہوں نے بہت مال و متاع دیکر اپنے قاصد چاغان کے پاس روانہ کئے اور اُس سے درخواست کی کہ یہ زر و جواہر قبول کرو اور ہم پر اور ہمارے بال بچوں پر رحم کرو۔ مگر چاغان اُس وقت کس طرح اُن کی التجاؤں کو سن سکتا تھا جب شہر والوں کے قاصد اُس کی خدمت میں پہنچے تو اُس نے اُنکے ساتھ نہایت حقارت سے سلوک کیا اور کسریٰ کے اُن سفیروں کی طرف جو ریشمی لباس پہنکر اُسکی دائیں جانب بیٹھے تھے اشارہ کر کے کہا کہ "تم اس بڑے بادشاہ (یعنی کسریٰ) کے ساتھ میرے پورے اتحاد کا ثبوت دیکھ رہے ہو۔ اب میں تمھارا مالک ہوں اور تم میرے غلام ہو۔ اب تم ایسے ناچیز تحفے پیش کر کے اپنے مالک کو لالچ میں ڈالنے کی جرأت مت کرو۔ اب تمھارا شہر اور تمھاری تمام دولت یہی دو تحفے ہیں جن کو میں منظور کر سکتا ہوں۔ ہاں تمھیں میں اس قدر اجازت دیدوں گا کہ تم صرف ایک کرتہ اور ایک چادر پہنے ہوئے شہر سے نکل جاؤ اور میں اپنے دوستوں ایرانیوں کی خدمت میں بھی سفارش

کروں گا کہ وہ تمھیں اپنی صفوں میں سے گذرنے کی اجازت دیدیں۔ تمھارا بادشاہ جو اس وقت یا تو ایرانیوں کے ہاتھ میں قید ہے یا ایک بھگوڑا ہو کر اپنی جان بچانے کی فکر میں ہے وہ تمھارے شہر کو خالی چھوڑ گیا ہے۔ اب تم اوار قوم اور ایرانیوں کے قبضے میں ہو اور تمھارے لیئے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں۔ ہاں اگر تم سے ہو سکتا ہے تو پرندے بن کر اُڑ جاؤ یا مچھلیوں کی طرح غوطہ لگا کر نکل جاؤ"۔ غرض شہر کیلیئے سوائے ہلاکت کے اور کوئی راہ نظر نہیں آتی تھی۔ مگر خدا کا ارادہ نہیں تھا کہ سلطنت روم کا پایہ تخت اُس کے دشمنوں کے ہاتھ میں آجائے۔ اس لیئے اُس نے اس موقعہ پر بھی اپنی قدرت کا ہاتھ دکھا کر شہر کو ایرانیوں اور قوم اوار کی متحدہ فوجوں سے بچالیا۔ چونکہ شہر والوں کو بچنے کی کوئی اُمید نہیں تھی اس لیئے اُنھوں نے اس غیر مترقبہ نجات کو حضرت مریم علیہا السلام کی مہربانی کا نتیجہ سمجھا کیونکہ وہ بہ سبب مسیحی ہونیکے اپنے خداوند کی ماں کو ایک دیوی کی طرح پوجتے تھے۔ مگر درحقیقت اُسی غیبی ہاتھ نے اُن کی تائید کی جو باہر میدان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق اُنکے بادشاہ ہرقل کی تائید کر رہا تھا۔ اگرچہ انہوں نے اپنی غیر معمولی نجات کو اپنے بُت پرستانہ خیال کی وجہ سے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف منسوب کیا مگر اس سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس جنگ کے اثنا میں خدائے تعالیٰ نے ایسے خارق عادت طور پر رومیوں کی نصرت فرمائی کہ انہوں نے خود محسوس کیا کہ کوئی غیبی طاقت اُن کا ساتھ دے رہی ہے اور اُنھوں نے کھلے الفاظ میں اُس کا اعتراف بھی کیا چنانچہ ان کا اعتراف آج تک تاریخ کے صفحات میں درج پایا جاتا ہے۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ رومی لوگ بجائے اس کے کہ خدائے تعالیٰ کی نعمت کا شکر کریں اور عاجزی کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے آگے سر جھکائیں وہ ان فتوحات کے بعد بھول گئے اور اپنی پہلی بے کسی کو بھول کر بے گناہ لوگوں پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ شام کی سرحد کے رومی سرداروں کو ایرانیوں کے چابک بہت جلدی بھول

گئے اور جب خدائے تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ایرانیوں کا جوا اُن کی گردن سے ہٹا دیا تو انہوں نے اپنے مسلمان پڑوسیوں پر ظلم و تعدی کرنی شروع کردی۔ بے گنہ مسلمانوں کی جماعتوں کی جماعتیں شام کی سرحد پر مسیحیوں کے ہاتھ سے بلاوجہ قتل کی گئیں۔ (ملاحظہ ہو لائیف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ میور صفحہ ۳۸۰) سلطنت روم کے گورنروں نے مسلمان سفیروں کو بغیر کسی قصور کے صرف مذہبی تعصب کی وجہ سے قتل کردیا (ملاحظہ ہو کتاب مذکور۔ صفحہ ایضاً)۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدمعاش شرجیل کی گوشمالی کے لیئے۔ جس نے آپ کا ایک قاصد رسوں سے جکڑ کر قتل کردیا تھا ایک جماعت حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ماتحت سرحد شام کی طرف روانہ فرمائی۔ تا آئندہ ایسی وارداتیں رُک جائیں (جیسا کہ آجکل ہماری صلح پسند گورنمنٹ ایسی اقوام کی گوشمالی کے لیئے فوج بھیجدیتی ہے جن میں اُس کا کوئی آدمی مارا جاتا ہے چنانچہ آجکل بھی ایسی ہی ایک بھاری مہم صرف ایک آدمی ولیم سن نام کے قتل کا بدلہ لینے کے لیئے قوم ابور کے برخلاف سرحد آسام کی طرف بھیجی ہوئی ہے) تو نہ صرف سرحد کے کل مسیحی قبائل اور رومی گورنروں نے اُس خونی شرجیل کا ساتھ دیا بلکہ خود قیصر کی فوج اُس ظالم انسان کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیئے تیار ہوگئی۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھیجی ہوئی جماعت واردات کے مقام پر پہنچی تو وہ کیا دیکھتی ہے کہ ایک ایسا بھارا لشکر اُن کے مقابلہ کے لیئے صف آرا ہے کہ ایسا لشکر اُنہوں نے زندگی بھر میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس عظیم لشکر نے مسلمانوں پر حملہ کیا اور کئی عظیم الشان صحابی اس جنگ میں شہید ہوئے۔ رومیوں نے اس طرح خود بخود مسلمانوں کے ساتھ جنگ چھیڑ لی۔ جس کا نتیجہ آخر یہ ہوا کہ وہ صوبے جو ہرقل نے چند سال پہلے رومیوں کے ساتھ جنگ کر کے دوبارہ فتح کیئے تھے وہ پھر ہرقل کے ہاتھ سے نکل گئے اور ہرقل نے پھر پہلے کی طرح قسطنطنیہ میں پناہ لی۔ جس حالت میں وہ جنگ سے پہلے تھا خدائے تعالیٰ نے پھر اُس کو اُس کی زندگی میں ہی جنگ کے ختم ہونے سے

چند دن بعد اُسی حالت میں کر دیا۔ یعنی جیسی خراب و خستہ حالت میں وہ جنگ سے پہلے تھا اُس کی جنگ کے بعد پھر وہی حالت ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ مؤرخین نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ کاش وہ جنگ ختم ہونے کے ساتھ ہی اس عالم سے رخصت ہو جاتا تا وہ فاتح کہلا کر اس دنیا سے جاتا اور جو ذلّت اُس کے لیئے جنگ کے ختم ہونے کے بعد مقدر تھی اُس سے بچ جاتا۔ غور کرنے والوں کیلیئے یہ مقام ایک سبق حاصل کرنیکا مقام ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اُس کو ایرانیوں پر فتح دینے سے پہلے ذلّت کے گہرے گڑھے میں گرا دیا اور اُس کی ساری طاقتیں جاتی رہیں مگر غایت درجہ کی رسوائی کے بعد خدائے تعالیٰ نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور اُس کو ایک زبردست شہنشاہ پر جس کی شوکت نے اُس کی ساری سلطنت میں بھونچال ڈالدیا تھا غالب کیا مگر جب وہ غالب ہو کر اپنی طاقت کے اعلیٰ معراج پر پہنچ چکا تو پھر اُس کو خدائے تعالیٰ کے زبردست ہاتھ نے نیچے گرا دیا اور ایک ایسی قوم کے ہاتھ سے اُس کو شکست دلائی جو ایک بیابان کے رہنے والی خانہ بدوش قوم تھی اور جس کو رومی لوگ سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اُسی بیابانی قوم نے جس کو مہذب رومی اس قدر حقیر سمجھتے تھے قیصر کے قصر کو بنیاد سے اکھیڑ کر زمین سے پیوست کر دیا اور ہرقل جس ذلّت کے گڑھے میں اپنی فتوحات سے پہلے گرا ہوا تھا اُسی ذلّت کے گڑھے میں وہ دوبارہ گرایا گیا۔ خدائے تعالیٰ نے ایسا اس لیئے کیا تا دنیا پر ظاہر ہو کہ درمیانی فتوحات ہرقل کی کسی ذاتی بہادری کا پھل نہیں ہیں بلکہ خاص نُصرت الٰہی کا نتیجہ ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ اسی پیشگوئی میں فرماتا ہے یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَ ھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ۔ خدائے تعالیٰ جس کو چاہتا ہے نُصرت دیتا ہے اور وہ غالب۔ رحم کرنے والا ہے۔

ناظرین کو یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ نے سورۂ روم کی ابتدائی آیات میں صرف ایک امر کی ہی پیشگوئی نہیں فرمائی یعنی صرف یہی خبر نہیں دی

کہ رومی مغلوب ہونے کے بعد پھر غالب ہو نگے بلکہ اس خبر کے ساتھ ایک اور خبر کو
بھی وابستہ کیا ہے جو ایسی ہی عظیم الشان ہے جیسا کہ رومیوں کی فتح کی خبر عظیم الشان
ہے اور دونوں خبریں ملکر اس پیشگوئی کی عظمت کو اور بھی دو بالا کر دیتی ہیں۔
جس وقت یہ پیشگوئی شائع کی گئی اُس وقت دو قومیں ظالموں کے پاؤں کے
نیچے روندی جارہی تھیں۔ ایک تو رومیوں کی قوم تھی جس کو ایران کا شہنشاہ
اپنے پاؤں تلے کچل رہا تھا۔ دوسری قوم جو اُس وقت طرح طرح کے مظالم کا نشانہ
ہو رہی تھی وہ مکّہ کے مسلمانوں کی ضعیف جماعت تھی۔ اس ضعیف گروہ پر ظلم
کرنے والے مکّہ معظمہ کے قریش تھے۔ جب ان ظالموں نے رومیوں پر جو اہل کتاب
کہلاتے تھے ایرانی آتش پرستوں اور آفتاب پرستوں کے غلبہ کی خبر سنی تو وہ
بہت خوش ہوئے اور اُنہوں نے بطور تفاؤل کے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ جیسا کہ
ایرانیوں نے جو اُن کی طرح بت پرست ہیں رومیوں پر جو مسلمانوں کی طرح اہل کتاب
کہلاتے ہیں غلبہ حاصل کر لیا ہے ایسا ہی ہم بھی مکّہ کے اہل کتاب یعنی محمد
صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت پر غالب آجائیں گے۔ اُنہوں نے اُن پیشگوئیوں
کو اچھی طرح سنا ہوا تھا جن میں اُن کو خبر دی گئی تھی کہ وہ آخر مغلوب ہونگے اور اسلام
غالب ہوگا اور بُت پرستی اور کفر مٹ جائیں گے اور جزیرہ عرب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے پیرووں کے سوا اور کوئی نظر نہ آئے گا۔ اس لئے اُنہوں نے مسلمانوں کو کہا
کہ جیسا کہ اہل ایران جن کا مذہب آتش پرستی اور آفتاب پرستی کی وجہ سے ہمارے
مذہب کے مشابہ ہے وہ سلطنت روم کے اہل کتاب پر غالب آرہے ہیں۔ ایسا ہی
اس ملک میں بھی بُت پرستی اسلام پر غالب آکر اسلام کو جڑھ سے اُکھیڑ دیگی۔ اور
تمہاری پیشگوئیاں دھری رہ جائیں گی۔ اس کے جواب میں خدائے تعالیٰ نے
اُن کو اطلاع دی کہ انکی یہ ساری خوشی جھوٹی ہے۔ خدائے تعالیٰ اُن کی دونوں
اُمیدوں پر[۱] زبردست ہیں اور اہل روم زیردست ہیں مگر اس پیشگوئی کے اعلان
کے بعد دس سال نہیں گذرنے پائیں گے۔ کہ زیردست زبردست ہو جائیں گے

یونانی پھر دسے گا

۱؎ ایرانی اگرچہ اسوقت

اور جو اس وقت زبردست ہیں وہ مغلوب و مقہور ہو جائیں گے اور فرمایا کہ اس کے ساتھ ہم تمھیں ایک اور خبر سناتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ اہل اسلام اسوقت تمھاری نظروں میں ایسے ہی ضعیف ہیں جیسے کہ رومی ایرانیوں کے مقابل میں کمزور ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ مگر خدائے تعالیٰ نہ صرف رومیوں کو انکے ظالم دشمنوں پر فتح دیگا بلکہ ان مسلمانوں کی جماعت کو بھی ستمگر قریش پر غلبہ عطا فرماوے گا اور ان دونوں غلبوں کا زمانہ ایک ہی ہوگا۔ یعنی جب رومی اپنے بے رحم دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کی وجہ سے خوشی حاصل کر رہے ہونگے اُس وقت مسلمان بھی اُس نصرت الٰہی پر خوشیاں منا رہے ہونگے جو انکو اپنے ظالم اعدار کے مقابل میں حاصل ہوگی۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (ترجمہ) اور اُس دن مومن بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت کی وجہ سے خوش ہونگے۔ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ غالب رحم کرنے والا ہے۔ پس جو پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شائع کی اُس میں ایک نہیں بلکہ چار پیشگوئیاں تھیں۔

اوّل یہ کہ مغلوب رومی آخر غالب ہو جائیں گے۔

دوم یہ کہ یہ غلبہ اُن کو دس سال کے اندر حاصل ہوگا۔

سوم یہ کہ مسلمان بھی اسی طرح اپنے ظالم اور زبردست دشمنوں پر غالب ہونگے۔

چہارم یہ کہ ان دونوں غلبوں کا زمانہ ایک ہی ہوگا۔

اب میں ناظرین سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس قسم کی پیشگوئی شائع کرنا انسان کا کام ہو سکتا ہے۔ اوّل تو دونوں فریق جن کے غلبہ کی پیشگوئی شائع کی گئی ایسے ضعیف تھے اور اُن کے دشمن ایسے زبردست اور طاقتور تھے کہ اسوقت کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ مظلوم اور مقہور گروہ اپنے زبردست دشمنوں پر

ایسا غالب ہوگا کہ انکی ساری شوکت کو پاش پاش کر دیگا اور ان طاقتور دشمنوں کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔ مجھے یقین ہے کہ ہر ایک باانصاف شخص اُس زمانہ کے حالات پر نظر کرکے ضرور یہی رائے ظاہر کرے گا کہ اُس وقت کوئی شخص یہ نہیں کہ سکتا تھا کہ یہ دونوں مغلوب گروہ اپنے ظالم اور زبردست دشمنوں پر غالب آجائیں گے۔ پھر دوسرا امر جو اس پیشگوئی کی عظمت کو اور بھی بڑھاتا ہے یہ ہے کہ اس غلبہ کے لئے میعاد بھی مقرر کردی۔ جب اس پیشگوئی کے بعد برابر چھ[ص] سات سال تک ایرانی رومیوں کو کوئی فتح حاصل نہ ہوتی غرض میعاد کا مقرر کرنا اور پھر کئی سال تک رومیوں کا سخت حالت زار میں رہنا اور پھر میعاد کے خاتمہ کے قریب یکایک حالات کا اُلٹ جانا اور رومیوں کا غالب آجانا یہ ایسے امور ہیں جن سے اس پیشگوئی کی عظمت اور بھی زیادہ چمکتی ہے کیونکہ یہ خدا کی قدرت اور اُس کے عالم الغیب ہونے کے بیّن ثبوت ہیں۔ پھر اگر رومیوں کو خلاف اُمید غلبہ حاصل ہو بھی گیا اور غلبہ بھی میعاد مقررہ کے اندر حاصل ہوا تو کیا ضروری تھا کہ دوسری مغلوب قوم یعنی مسلمان بھی اپنے زبردست دشمنوں پر غالب آجاتے۔ مگر خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ ثبوت دیا کہ نہ صرف رومیوں کو غلبہ عطا کیا بلکہ مسلمانوں کو بھی جو انہی کی طرح مغلوب تھے اُنکے دشمنوں پر غالب کیا۔ پھر ممکن تھا کہ مسلمان بھی غلبہ حاصل کرتے مگر وہ غلبہ رومیوں کے غالب ہونے کے بعد ہوتا۔ مگر خدائے تعالیٰ کے کام عجیب اور اُس کی قدرت بھی عجیب ہے اُس نے وعدہ کیا تھا کہ یہ دونوں گروہ اپنے زبردست دشمنوں پر غالب ہونگے اور اُنکے غلبہ کا زمانہ بھی ایک ہی ہوگا۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ جب بدر کے میدان پر خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو قریش پر فتح عطا کی اُسوقت اُنکی ظاہری حالت قریش کے مقابل میں بالکل کمزور تھی۔ اور ممکن تھا کہ وہ فتح حاصل نہ کرتے بلکہ ظاہری حالت کے رُو سے ضروری تھا کہ قریش کو فتح حاصل ہوتی مگر جس خدائے تعالیٰ نے کئی سال پہلے یہ وعدہ کیا تھا کہ رومیوں اور ایرانیوں کی فتح کا زمانہ ایک

ص یاد رہے کہ چھ برس گذرنے پر تو کیا ممکن نہ تھا کہ دو تین سال اور بھی اسی طرح گذر جاتے اور رومیوں کو

ہی ہوگا اُس نے ۳۱۳ مسلمانوں کو جن کا ساز و سامان دشمنوں کے مقابل میں کچھ نہ تھا قریباً ایک ہزار مسلح جوانوں پر غالب کیا۔ دو مغلوب گروہوں کی فتح کی ایسے وقت میں خبر دینا جب کہ اُنکے دشمن زور پر تھے اور اُنکے فتح پانیکا کوئی نشان نظر نہیں آتا تھا اور پھر اُس فتح کے لیئے ایک میعاد مقرر کرنا اور پھر دونوں فتحوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ایسا وابستہ کرنا کہ جب ایک گروہ کو فتح ہوگی تو انہی دنوں میں دوسرے گروہ کو بھی فتح نصیب ہوگی یہ ایسی پیشگوئیاں ہیں جو خدائے تعالیٰ کی قدرت اور اُسکے علم کا نقشہ انسان کی آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتی ہیں۔ کسی انسان کی کیا مجال ہے کہ ایسی زبردست پیشگوئیاں کر سکے غور کرنیوالوں کے لیئے یہ خدائے تعالیٰ کی قدرت اور قرآن شریف کے خدائے تعالیٰ کا کلام ہونے کا بیّن نشان ہیں۔ مسلمانوں کے لیئے انپر غور کرنا انکے ایمان کی تقویت کا موجب ہے اور دوسرے لوگوں کے لیئے یہ پیشگوئیاں اسلام کی صداقت کا ایک روشن ثبوت ہیں۔ مَیں ہر ایک پڑھنے والے سے اپیل کرتا ہوں خواہ وہ مسلمان ہو یا کسی اور مذہب کا پیرو ہو کہ وہ تھوڑی دیر کے لیئے اپنے سارے خیالات کو دُور کر کے خالی الذہن ہو کر ان پیشگوئیوں پر غور کرے۔ اور فیصلہ کرے کہ کیا اُسوقت کسی انسان کی طاقت میں تھا کہ رومیوں اور مسلمانوں جیسی مغلوب و مقہور قوموں کے لیئے غلبہ کی خبر دیتا اور پھر اُس غلبہ کے لیئے میعاد بھی مقرر کر دیتا اور پھر یہ شرط بھی بڑھا دیتا کہ ان دونوں غلبوں کا زمانہ ایک ہی ہوگا۔ اس مضمون کا پڑھنے والا اگر مسلمان ہے تو وہ تھوڑی دیر کے لیئے اس قرآنی پیشگوئی پر ایک اجنبی کی حیثیت سے غور کر کے دیکھے اور اگر وہ غیر مسلم ہے تو تھوڑی دیر کے لیئے اپنے تعصب اور طرفداری کو بھلا کر محض انصاف کی نظر سے دیکھے اور سوچے کہ کیا واقعی طور پر ایسی پیشگوئی خدائے تعالیٰ کی طاقت اور قدرت اور علم کا ایک زبردست ثبوت نہیں ہے۔ ایک طرف رومیوں اور مسلمانوں کی کمزور حالت کا مطالعہ کرے اور اُنکے دشمنوں کی طاقت اور اقتدار کا مشاہدہ کرے۔ پھر اُن شرائط

اور قیود کو دیکھے جن کے ساتھ اس پیشگوئی کو جکڑا گیا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے صرف رومیوں کے غلبہ کی ہی خبر نہیں دی بلکہ اس کے ساتھ یہ شرط بھی لگائی کہ دوسری قوم جو رومیوں کی طرح اس وقت مظلوم اور مغلوب ہے اور جس کے نابود ہونیکی نسبت مکہ کے قریش ایرانی فتوحات سے فالیں لے رہے ہیں وہ بھی اپنے ظالم دشمنوں پر غالب ہونگے۔ یعنی صرف ایک مظلوم گروہ ہی غالب نہ ہوگا بلکہ دوسرا مغلوب گروہ جو مکہ میں ہے وہ بھی غالب ہوگا۔ پھر دوسری شرط اس پیشگوئی کے ساتھ یہ لگائی کہ اس اعلان کے بعد دس سال نہیں گذرنے پائیں گے کہ رومی ایرانیوں پر غالب ہوجائیں گے پھر تیسری شرط یہ لگائی کہ دوسرے گروہ کے غالب ہونے کا بھی یہی زمانہ ہوگا اور جب رومی ایرانیوں پر غالب ہوکر خوشیاں منارہے ہونگے اُسی زمانہ میں مکہ کا مغلوب گروہ بھی اپنے ظالم دشمنوں پر فتح پاکر خدائے تعالیٰ کی حمد کررہا ہوگا۔ پھر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگ ان خبروں کو سُنکر انکو بعید اور اَنہونی نہ سمجھیں اگرچہ یہ دونوں گروہ اس وقت مغلوب ہیں اور بظاہر کوئی نشان نہیں جس سے انسان یہ نتیجہ نکال سکے کہ یہ دو مظلوم گروہ کبھی غالب بھی آجائینگے مگر خدائے تعالیٰ قادر ہے کہ ضعیفوں کو زور آوروں پر فتح بخشے اسی کی طرف خدائے تعالیٰ اشارہ فرماکر فرماتا ہے ینصر من یشآء وھو العزیز الرحیم یعنی تم ان گروہوں کی کمزور حالت کو دیکھکر تعجب نہ کرو کہ یہ کیونکر ایسے زبردست دشمنوں پر غالب آئیں گے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ غالب اور رحم کرنے والا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے یہاں اپنی دو صفتیں بیان فرمائی ہیں اوّل عزیز یعنی وہ غالب ہے جس کو چاہے غلبہ عطا فرماوے۔ دوم رحیم۔ یعنی وہ رحم کرنیوالا ہے۔ اس لئے وہ دونوں مظلوم گروہوں کی مدد کریگا۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ نیز خدائے تعالیٰ اسی پیشگوئی میں فرماتا ہے لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ۔ یعنی حکومت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اول بھی اور بعد بھی۔ وہ جسکو چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے۔

رومیوں اور مسلمانوں کی تاریخ کے مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں گروہوں کی صورت میں حالات نے ایک ہی وقت میں پلٹا کھایا جس زمانہ میں ہرقل کی رعایا کو کسرائے ایران کی فوجیں پامال کر رہی تھیں اُسی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے پیروؤں کو مکّہ کے قریش طرح طرح کے دُکھ دے رہے تھے جن کو مسلمان بڑے صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ جب قسطنطنیہ میں ہرقل نے اپنے ملک کو ایرانیوں کے مظالم سے نجات دینے کی تیاریاں شروع کر دیں اُنہی دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم اس فکر میں لگے ہوئے تھے کہ کوئی ایسا مقام تلاش کیا جاوے جہاں آپ اور آپ کی جماعت ہجرت کرکے چلے جاویں اور اس طرح آپ کے پیرو اُن تکالیف سے نجات حاصل کریں جو وہ قریش کے ہاتھ سے مکّہ میں جھیل رہے تھے۔ جب ہرقل نے کسریٰ کے پاس اس مضمون کی درخواست بھیجی کہ وہ خراج لینا منظور کرے اور اُس کی رعایا کو امن دے۔ تو کسرےٰ نے اُس کی درخواست کو ردّ کر دیا اور جس طرح وہ پہلے رومی رعایا کو دکھ دے رہا تھا اُس سے بھی زیادہ جرأت اور دلیری کے ساتھ اُس نے اپنے مظالم کو جاری رکھا۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت مکّہ معظّمہ سے ہجرت کرکے چلے گئے اور ایک دُور کے شہر میں جا کر پناہ لی۔ اُن کا مدعا اس ہجرت سے یہ تھا کہ وہ اُس دُور دراز شہر میں جا کر شاید مکّہ والوں کے دستِ تعدی سے محفوظ ہو جاویں گے مگر قریش بجائے اس کے کہ مسلمانوں کو ستانے سے باز آجاویں۔ اوّل تو انہوں نے ہجرت کے وقت مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور پُورا زور لگایا کہ مسلمانوں کو ہجرت سے روک لیں۔ مسلمان چھپ چھپ کر ایک ایک دو دو ہو کر مدینہ کی طرف بھاگ گئے۔ جب قریش کو کسی کے بھاگنے کا علم ہوتا تو وہ اُس کے پکڑنے کے لئے اُسکے پیچھے دوڑتے اور اگر وہ پکڑا جاتا تو اُس کو گھسیٹتے ہوئے شہر میں لاتے تا دوسرے مسلمان اس کی حالت کو دیکھکر ہجرت کے ارادہ سے باز آجائیں۔ کئی غریب مسلمانوں کو انہوں نے قید کر دیا۔ مگر جس طرح ہو سکا اکثر مسلمان آنکھ بچا کر مکّہ سے بھاگ گئے۔ اس ہجرت کے

بعد قریش کا غصہ اور بھی بھڑکا اور مدینہ میں پہنچنے کے بعد بھی انہوں نے مسلمانوں کو امن سے زندگی بسر کرنے کا موقعہ نہ دیا اور مسلمانوں کے مدینہ میں پناہ گزین ہونے کے بعد تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ صنادید قریش کی تحریک سے قریش کا ایک لشکر مسلمانوں کی بیخ کنی کے ارادہ سے مکّہ سے نکلا۔ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ قریش کا جنہوں نے تلوار سے اسلام کی بیخ کنی کرنی چاہی تھی تلوار سے ہی مقابلہ کیا جاتا۔ اب تک مسلمانوں کو صبر کرنے کا حکم تھا اس لیئے انہوں نے اپنے گھروں کو چھوڑنا منظور کیا مگر مقابلہ نہ کیا۔ اب چونکہ دشمن نے ہجرت کے بعد بھی مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑا تو خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ اپنی جانوں کی حفاظت کے لیئے دشمن کا مقابلہ کریں۔ اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کا تلوار سے مقابلہ کیا۔ اور خدائے تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کو بدر کے مقام پر فتح عطا فرمائی اگرچہ بظاہر فتح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی کیونکہ مسلمان صرف ۳۱۳ تھے اور اُن کے پاس بھی کافی سامان جنگ نہ تھا اور دشمن کی تعداد بھی ایک ہزار تک پہنچتی تھی۔ اور اُن کے پاس جنگ کا بھی سارا سامان موجود تھا۔ یہ فتح مسلمانوں کو جنوری ۶۲۴ء میں حاصل ہوئی۔ اور مَیں اوپر دکھا چکا ہوں کہ یہ وہی زمانہ ہے جبکہ ہرقل ایرانیوں پر فتح پر فتح حاصل کر رہا تھا۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہوا جس میں لکھا تھا وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ ۚ يَنصُرُ مَن يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ (ترجمہ) اور اُس دن (جب رومی ایرانیوں پر غالب آئیں گے) مومن بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل کر کے خوش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے نصرت کرتا ہے۔ اور وہ غالب رحم کرنے والا ہے ؎

(باقی آئندہ)

دربار دہلی کی مبارکباد۔ سلسلہ احمدیہ کے مکرم ممبر مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی نے ایک خوبصورت سنہری رسالہ شائع کیا ہے جس میں مبارکباد کا ایک عربی قصیدہ بمعہ ترجمہ۔ ایک فارسی نظم اور دو اردو نظمیں درج کی ہیں۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء ؎

ایک اور پیشگوئی

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس جگہ ایک اور پیشگوئی کی طرف ناظرین کی توجہ کو پھیروں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۴۔ جنوری ۱۹۰۴ء کو شایع کی چونکہ یہ پیشگوئی بھی انہی الفاظ میں ہے جس میں وہ قرآنی پیشگوئی ہے جس پر ہم اس مضمون میں بحث کر چکے ہیں۔ اس لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ پر اس پیشگوئی کو دوبارہ شایع کیا جاوے اور وہ پیشگوئی یہ ہے۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ۔ ترجمہ۔ روم قریب کی زمین میں مغلوب کی گئی مگر وہ مغلوب ہوجانے کے بعد پھر غالب ہو جائیں گے۔ (دیکھو ریویو آف ریلیجنز۔ اُردو۔ جلد ۳۔ نمبر ۱۔ صفحہ ۴۰)

ریویو

ردّ افترا۔ بجواب رافع الافترا۔ چند دن ہوئے کہ لاہور کے ایک نیٹو پادری صاحب کو بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ ایک رسالہ احمدی سلسلہ کی مخالفت میں لکھا جاوے چنانچہ اُنہوں نے ایک اعتراض کا جو کئی سال ہوئے ریویو میں چھپا تھا جواب لکھا ہے وہ اعتراض موجودہ اناجیل پر تھا کہ وہ حضرت مسیح ناصری جیسے مقدس انسان کیطرف ایسی بُری بات منسوب کرتی ہیں کہ انہوں نے نعوذ باللہ ایک بدچلن عورت کو اجازت دی کہ وہ آپکے بدن پر تیل ملے۔ پادری صاحب جواب میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک بہتان ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر لگایا گیا ہے وہ عورت کسبن نہ تھی اس طرح پادری صاحب اس فعل کو واقعی بُرا سمجھتے ہیں مگر اُن کے نزدیک اناجیل ایسے شنیع فعل کے بیان سے پاک ہیں۔ اس کا جواب جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم سے شائع کیا ہے جس میں اُنہوں نے خود پادری صاحب کے گھر کی شہادتوں سے اور انجیل کے

بیان سے یہ امر قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ وہ عورت کسبن تھی۔ اب پادری صاحب دو قسم کے مشکلات میں پھنس گئے ہیں۔ اوّل تو اُن کو ایسا جواب ملا ہے جسکا اب اُنکے پاس کوئی جواب نہیں۔ دوم۔ وہ اپنے رسالہ میں اس فعل کا بُرا ہونا تسلیم کر چکے ہیں۔ اور جناب خواجہ صاحب نے قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ فعل موجودہ اناجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام جیسے مقدّس و مطہر انسان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اب پادری صاحب کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ تسلیم کریں کہ واقعی موجودہ اناجیل میں ایک بُرا فعل حضرت مسیح علیہ السلام جیسے پاک انسان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اگر پادری صاحب کو پہلے ان مشکلات کا علم ہوتا تو وہ کبھی رفع الافترا کے لکھنے کے لئے قلم نہ اُٹھاتے۔ اب یقین ہے کہ وہ اپنے فعل پر سخت نادم ہونگے۔ ع چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی ؛

جناب خواجہ صاحب نے علاوہ پادری صاحب کے بیان کی تردید کے مسئلہ کفارہ۔ حضرت مسیحؑ کے مُردوں میں زندہ اُٹھنے۔ آپ کی آخری دعا اور اُس کے قبول ہونے پر ایک لطیف بحث کی ہے۔ یہ رسالہ واقعی ایک قابل قدر رسالہ ہے اور خدائے تعالیٰ جناب خواجہ صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اسکو اپنے خرچ سے چھپوا کر مفت تقسیم کیا ہے۔ ناظرین ۱ر کا ٹکٹ برائے محصول ڈاک بھیجکر رسالہ کو منگوا سکتے ہیں خواجہ صاحب کی خواہش ہے کہ اگر بعض بھائی ٹکٹ ڈاک بھیجدیں تو مسیحی قوم میں اسکی پوری اشاعت ہو جاوے۔ ملنے کا پتہ خواجہ کمال الدین صاحب۔ وکیل چیف کورٹ۔ عزیز منزل نولکھا۔ لاہور۔

تعلیم المہدی :۔ محمد یٰسین تاجر کتب و مہتمم کتب خانہ حضرت اقدس علیہ علیٰ مطاع الصلوٰۃ والسلام نے کشتی نوح کے تعلیمی حصّہ کو خوشخط۔ عمدہ کاغذ پر چھپوا کر علیحدہ۔ مختلف عنوان دیکر رسالہ کی صورت میں شائع کیا ہے۔ اس رسالہ کا نام تعلیم المہدی ہے۔ اسکے آخر میں حضرت خلیفۃ المسیحؑ (رضی اللہ عنہ) کی ایک تحریر درج ہے جس میں آپنے اپنا مذہب بیان فرمایا ہے۔ قیمت صرف ۱ر صفحے ۳۶۔

تہنیت نامہ۔ شہنشاہِ معظم کی تاجپوشی کی مبارک تقریب پر اس نام کا ایک رسالہ منشی حسین بخش صاحب سیکرٹری انجمن اسلامیہ بٹالہ نے مفت شائع کیا ہے جسمیں گورنمنٹ برطانیہ کی برکات کا ذکر ہے ؛

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان

رپورٹ متعلق جلسہ کاروینشن دربار

۱۲ - دسمبر ۱۹۱۱ء کو ۱۲ بجے حضور ملک معظم قیصر ہند جارج پنجم کی ہندوستان میں تشریف آوری کی تقریب پر قادیان میں ایک عام جلسہ احمدی جماعت کی طرف سے کیا گیا جس میں پانچ سو سے زائد احمدی موجود تھے۔ اس اجلاس کا انعقاد بصدارت خلیفہ رشید الدین صاحب ایل - ایم - ایس ہوا اور سکرٹری سکرٹری انجمن احمدیہ منتخب ہوا۔ مولوی صدر الدین صاحب بی - اے - بی - ٹی ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان نے پریذیڈنٹ و سکرٹری کے متعلق تحریک پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی کام نفاق سے نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر انسان ایسا کرتا ہے تو نہ صرف مخلوق کے ساتھ نفاق سے پیش آتا ہے بلکہ اسے اپنے خالق کی عبادت میں بھی نفاق کرنا پڑتا ہے۔ اس لیئے اسلامی تعلیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عملدرآمد کی رو سے ہمارا فرض ہے کہ جیسے کہ بظاہر خوشی کا اظہار کرتے ہیں دل سے بھی خوشی منائیں اور حضور ملک معظم قیصر ہند اور ان کی ملکہ معظمہ کی درازی عمر کے لیئے دعائیں کریں اور وفادار رہیں۔ پھر فرمایا کہ دیکھو رسول کریم صلعم نے اپنی زندگی میں اپنے طرز عمل سے دکھا دیا کہ اپنے حاکموں سے کسی حالت میں بھی بغاوت اور سرکشی نہ کی جاوے چنانچہ تیرہ سال تک مکہ معظمہ میں دشمنوں سے سخت تکالیف اُٹھاتے رہے مگر نہ خود نہ اپنے کسی متبع سے کوئی ایسا فعل سرزد ہونے دیا جس سے اسوقت کی گورنمنٹ کی مخالفت ہوتی ہو۔ بلکہ ہمیشہ امن کی زندگی کو ہی پسند کرتے رہے چنانچہ جب مسلمان حد سے زیادہ ستائے گئے تو بجائے فساد کرنیکے اس شہر کو چھوڑ دیا۔ اور جہاں کہیں گئے اپنے بادشاہ کے بڑے وفادار ہو کر رہے۔ اسکے بعد میر مجلس صاحب کی اجازت سے شاہی اعلان حاضرین کو پڑھ کر سنایا گیا۔ پھر سکرٹری نے تقریر کی جسکا خلاصہ ذیل میں دیا جاتا ہے" جیسے کہ جناب مولوی صدر الدین صاحب نے فرمایا ہے واقعی ہمارا کوئی کام منافقانہ نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ خدائے تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہونا چاہیئے اسوقت روئے زمین پر تمام اہل مذہب کو عموماً اور مسلمانوں کو اور پھر مسلمانوں میں سے سلسلہ احمدیہ کو خصوصاً بڑی خوشی ہے۔ ایک طرف تو خدائے تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر

منکم۔ یعنی خدا۔ رسولؐ اور گورنمنٹ کی اطاعت کرو۔ اس لحاظ سے ہمیں اپنی گورنمنٹ کا فرمانبردار رہنا چاہیئے۔ اور ہمارے کسی قول و فعل سے اسکے خلاف کوئی امر سرزد نہ ہو۔ اس لحاظ سے ہمارا یہ جلسہ کرنا اور خوشی منانا خدائے تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہے۔ دوسری طرف خدا کا حکم ہے هل جزاء الاحسان الا الاحسان یعنی احسان کے بدلے احسان کرنا چاہیئے۔ گورنمنٹ برطانیہ کے ہم پر اس قدر احسان ہیں کہ ہم گن نہیں سکتے۔ اور یہ فوائد کسی اسلامی گورنمنٹ کے ماتحت رہ کر ہمیں درحاصل حاصل نہیں ہو سکتے اگر میرے اس کہنے میں کسی کو تعجب ہو تو موجودہ اسلامی سلطنتوں اور انکی رعایا کی طرف نگاہ دوڑائی جاوے۔ پس ان احسانات کے بدلے ہم اپنی مہربان گورنمنٹ سے کیا احسان کر سکتے ہیں صرف یہی کہ ہم اس کے فرمانبردار رہیں۔ اس کی خوشی میں دل سے شریک ہوں اور اس سلطنت کے لیئے۔ اپنے بادشاہ جارج پنجم اور انکی ملکہ معظمہ کے لیئے خدائے تعالیٰ کے حضور دل سے دعا کریں کہ وہ انکو عرصہ دراز تک صحیح و سلامت رکھے۔ آمین ۔

اس جلسہ میں طلباء ہائی سکول و مدرسہ احمدیہ کو صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے مٹھائی تقسیم کی گئی۔ اسکے بعد پریذیڈنٹ صاحب نے فرمایا کہ میں دعا کرتا ہوں تمام حاضرین بھی دل سے دعا کریں اور جلسہ برخاست ہوا۔

رات کو صدر انجمن احمدیہ قادیان کی طرف سے خاص طور پر بورڈنگ ہائی سکول کی وسیع عمارت پر بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں اور مہمانخانہ میں روشنی کا انتظام کیا گیا۔ علاوہ ازیں ۴۰۰ آدمیوں کو دعوت دی گئی۔

جلسہ سالانہ جیسے کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ ۲۷-۲۸ اور ۲۹- دسمبر کو ہوگا۔ پروگرام اور ضروری امور سے اطلاع کی جاویگی۔ اس موقع پر منشی ہاشم علی صاحب گرداور سٹے نمک کا اور ڈاکٹر نور بخش صاحب وٹرنری اسسٹنٹ سمندری نے ہلدی کا اور بابو محمد افضل صاحب ٹھیکہ دار بھٹہ سمندری ضلع لائل پور نے مرچ کا خرچ دینا منظور فرمایا ہے۔ جلسہ کے اخراجات میں اعانت کا یہ بھی عمدہ طریق ہے۔ منشی غلام رسول صاحب انسپکٹر پولیس موگا علاوہ مالی خدمات کے جسمانی خدمات سے بھی جلسہ کے کام میں حصہ لیتے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ سال اور اب بھی انہوں نے گھی خرید کر کے روانہ فرمایا اور ہر دو بار اپنی گرہ سے کچھ روپیہ ڈالا۔ علاوہ ازیں مستورات میں چندہ لنگر کے لیئے تحریک کی جنہوں نے زیور اتار کر چندہ میں دیا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

چندہ جلسہ سالانہ جس قدر تجویز کیا گیا تھا اس سے بہت کم وصول ہوا ہے۔ احباب کو اس طرف خاص توجہ کرنی چاہیئے۔ تا لنگر مزید مقروض نہ ہو جاوے ۔

(محمد علی سکرٹری)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۱ بابت ماہ جنوری ۱۹۱۲ء نمبر ۱

فہرست مضامین

چندہ سالانہ عوام سے … طلباء سے …

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جنوری ۱۹۱۲ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام اور علوم جدیدہ ※

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران ۲) اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ..... وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۰ (پ ۳ ع ۱)

دین کیا ہے؟ زندگی چلانے کا بہترین طریقہ۔ اور خدا کے نزدیک وہ طریق کیا ہے؟ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ وہ تو اسلام ہے۔ یعنی قوانین الٰہیہ کی کامل اطاعت اور ایسے دین کے سوا کوئی اور طریق زندگی اختیار ہی کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ زمین اور آسمان اور جو کچھ اُن میں ہے سب کے سب خدا کے مقابل اس ایک اسلامی طریق اطاعت کو اختیار کیے ہوئے ہیں لَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

※ لیکچر جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔ جو انہوں نے ۴ دسمبر ۱۹۱۱ء کو بمقام دہلی میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرس کے سالانہ اجلاس میں پڑھکر سنایا۔

طَوْعًا وَّ کَرْهًا اور اگر اس دین اسلام کے ماسوا کوئی اور طریق اختیار کرنا ہے تو یاد رہے یہ امر مقبول نہ ہوگا اور بروقت نتیجہ یقیناً یقیناً نقصان اور خسران دیکھنا ہوگا وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ - ان مختلف آیات میں جن کا مفہوم یہ اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ خدا کی آخری کتاب نے اس دین کی حقیقت اور اس پر چلنے یا اسی چھوڑنے کے نتائج بیان کر دیئے ہیں۔ جس کا نام اسلام ہے کل دنیا کے مقدس لٹریچر میں قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب مجھے نظر آئی ہے جس نے لطیف حقائق اور باریک مسائل اور نظری امور کے سمجھانے کے لیئے موقعہ بموقعہ صحیفۂ قدرت اور اسکے مظاہر کی طرف انسان کو متوجہ کیا۔ چنانچہ اس جگہ بھی دین اسلام کی حقیقت اور اسکو ترک کرنے کے نقصان مبرہن کرنیکے لیئے فرمایا۔ کہ تمام کے تمام مظاہر قدرت جنکی طرف الفاظ۔ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بہ تصریح اشارہ کرتے ہیں اور جو اس قدر خوبصورت اس قدر دلکش ایسے نفع رسان اور ایسے راحت بخش ہر نہج اور ہر پہلو سے نظر آرہے ہیں۔ ان سب پر غور کرو۔ یہ سب کے سب طوعاً و کرہاً اسلام یعنی قوانین الٰہیہ کی اطاعت کی مضبوط زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ ان کا اپنا وجود اور انکا انسان کے لیئے مفید ہونا اسی حد تک ہے جب تک ان میں قوانین الٰہیہ کی انقیاد اور اطاعت ہے یہ سورج اور چاند یہ سیارے اور ستارے یہ ہوا اور بادل یہ زمین اور پانی یہ شجر اور حجر جن کے ساتھ ہماری زندگی وابستہ ہے انہیں سے کس کی مجال ہے کہ وہ اس قانون سے ذرہ بھر بھی اِدھر یا اُدھر ہو سکے جنپر قدرت کا زبردست ہاتھ انکو چلا رہا ہے۔ کیا ابتدائے آفرینش سے آجتک سورج ایک لمحہ بھر کے لیئے اپنے طلوع اور غروب کے وقت سے اِدھر اُدھر ہوا۔ کیا چاند نے اپنے مقررہ دوائر کو کبھی چھوڑا۔ کیا سورج کبھی چاند کے راہ میں آگیا۔ کیا دن نے رات پر یا رات نے دن پر کبھی ایک ثانیہ کے لیئے سبقت کی۔ کیا اسلام ہے اور کیسے مطیع اور منقاد ہو کر یہ سب کے سب اُن قوانین کی پابندی کر رہے ہیں کہ جو خالق حقیقی نے اُن کے لیئے بنا رکھے ہیں۔ یہ وہ اسلامی کیفیت اُن مظاہر قدرت میں ہے جس سے نتائج اخذ کرنے کے لیئے

خدا کی کتاب نے ایک اور موقعہ پر فرمایا۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ

(پ ۲۳ ع ۲) یہ سورج بمعہ اپنے کل نظام شمسی کے ایک مستقر کی طرف بڑھا جارہا ہے۔ اور یہ وہ مستقر ہے جس کو ایک غالب اور علیم خدا نے اُس کے لیئے مقرر کر دیا ہے۔ اور چاند کے لیئے بھی ہم نے خاص منازل مقرر کر دیئے ہیں جن کو طے کر کے آخر کار وہ ہلالی شکل میں نظر آتا ہے۔ ان کی کیا مجال ہے کہ یہ اپنے مقررہ طریقوں کو چھوڑ کر ایک دوسرے سے مداخلت کریں نہ تو سورج کے اوقات ہی چاند کے اوقات میں دخل دیتے ہیں اور نہ رات کی گھڑیاں کبھی دن پر سبقت لے جاتی ہیں۔ یہ کل کے کل نورانی گولے اپنے اپنے مقرر کردہ دائروں اور محوروں میں گھوم رہے ہیں ؏

اللہ اللہ کیا اسلامی انقیاد اور مسلمانہ اطاعت ہے جو ان مظاہر قدرت میں نظر آرہی ہے۔ یہی انکا اسلامی طریق ہے جو اُن سے مفید نتائج مترتب کرا رہا ہے اور اگر ایک لمحہ بھر کے لیئے بھی یہ اسلامی فطرۃ چھوڑ دیں تو یہ نفع رسان کائنات خطرناک نقصان اور ہلاکت کا موجب ہو جاوے۔ پہلے کے دمدار ستارہ کے قریب آجانے پر کیا زمین کی تباہی قیاس نہ کی جاتی تھی۔ لیکن یہ دمدار ستارہ خواہ کیسے ہی اپنی چال میں منحنی اور ہماری نگاہ میں بے قاعدگی رکھتا ہے۔ لیکن اُس کی کیا مجال تھی کہ اپنے مقررہ مقام رجعت سے ایک انچ بھر بھی آگے آتا۔ اسی لیئے تو فرمایا۔ لَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا زمین اور آسمان اور جو کچھ ان میں ہے طوعاً کرہاً اسلامی فطرۃ پر ہیں) اور اگر یہ فطرت چھوڑ دیں تو نتیجہ اسکا خسران ہوگا۔ الغرض یہ ساری کی ساری کائنات خدائے تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین پر چل رہی ہے اور اُس صورت میں نفع رسان ہو سکتی ہے جب کوئی ان ان قوانین

کے مطابق فائدہ لینا چاہے۔ لہٰذا جو شخص اُن قوانین سے واقف ہو کر ان قوانین کے ذریعہ اپنی حکومت کرنا چاہے تو انکی مجال نہیں کہ یہ مظاہر قدرت اُس سے انحراف کر سکیں ہاں اگر کوئی اُن قوانین کے خلاف انسے کام لینا چاہے تو یہ ہرگز فائدہ نہ دینگے بلکہ یہ خود ضائع ہو جاویں گے یا خلاف قانون کام لینے والے کو نقصان پہنچاویں گے۔ دور کیوں جاویں ان اپنے اعضاء اور جوارح میں بھی ہمیں ہر روز یہی صداقت ظاہر ہوتی نظر آتی ہے۔ یہ میرے اعضا کسقدر مسلم طریق پر میرے مطیع و منقاد ہیں۔ جن جن کاموں کے لیئے یہ بنے ہوئے ہیں اگر میں وہ کام ان سے لینا چاہوں تو ان کی کیا مجال کہ یہ جوارح میری اطاعت نہ کریں۔ اگر میں کسی چیز کو دیکھنا چاہوں تو آنکھ کی اسلامی فطرۃ اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ اُس طرف دیکھے جس طرف میرا ارادہ ہو چکا ہے یہی حال میرے دیگر اعضاء کا ہے۔ لیکن اگر میں پیاس بجھانے کے لیئے پانی اپنے کان میں ڈالدوں اور نمک چکھنے کے لیئے کوئی نمکین چیز اپنی آنکھ میں ڈال دوں یا کسی آواز کے سننے کے لیئے منہ کو پھاڑ پھاڑ کر کھولوں تو کیا یہ طریق جس میں ان جوارح کے متعلق مقررکردہ قوانین الٰہیہ کا انحراف ہوتا ہے۔ کبھی مفید و مقبول ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ نقصان اور خسران ہے۔ دیکھو وہی صداقت وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ کس طرح ہر طرف اور ہر طرح ثابت ہوتی نظر آتی ہے۔

الغرض اسلام کی اس حقیقت نے ہم پر متحقق کر دیا کہ تمام کی تمام کائنات جو انسان کے فائدہ کے لیئے اُس مبدأ فیوض نے بنائی وہ سب کی سب ایک نہ ایک قانون کی زنجیر سے جکڑی ہوئی ہیں۔ جن کا انحراف اُن کی فطرت میں ہی نہیں۔ اس لیئے یہ ہوا یہ آگ یہ پانی یہ گاسین یہ بادل یہ دریا یہ الکٹرسٹی یہ شجر یہ حجر یہ نباتات یہ معدنیات الغرض سارے کے سارے عناصر اسی وقت اور اسی صورت میں انسان کے مفید ہوں گے جب انسان یہ سمجھکر کہ یہ سب چیزیں اپنے اپنے قوانین مقررہ کے ماتحت ہی نفع رساں ہیں اُنکے مختلف قوانین سے واقف ہو جب وہ مظاہر قدرت کے خواص اور ماہیت سے آگاہ ہو

اور جب اُن کے متعلقہ قوانین کے مناسب حال اپنا طریق عمل اختیار کرے یا بالفاظ دیگر علوم جدیدہ سیکھ کر اُن پر کاربند ہو۔ ہاں اگر یہ قوانین انسانی قوانین کی طرح ناپائدار اور متلون الحال ہوتے تو ان قوانین کے علم کی نہ ہمیں چنداں ضرورت ہوتی نہ ان کی اطاعت کی حاجت۔ لیکن موجودہ سائینٹفک تحقیقات نے ہی نہیں بلکہ صدیوں پہلے خدا کی کتاب نے ہم کو سکھلایا خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا۔ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللهِ تَحْوِيلًا۔ خدائے تعالیٰ نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور اُن کے متعلق اندازے اور قوانین باندھ دیئے۔ خدائے تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت کو مت بدلو۔

خدائے تعالیٰ کے قوانین حتمی طور پر اَن ٹل ہیں اگر ان سے فائدہ ہوسکتا ہے تو ان قوانین کو ماننے اور اُن کی اطاعت کرنے سے ہی ہوسکتا ہے اور یہ تب ہوگا جب ہم کو انکا علم ہوگا۔ انکے خلاف جو کرے گا وہ نقصان اُٹھائے گا یہ وہ صداقت تھی جس کو کتاب حکیم نے مسئلہ تقدیر سے تعبیر کیا تھا۔ اور ہمیں وَالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللهِ تَعَالٰی کی حقیقت پر ایمان لانیکے لیئے مجبور کیا جسکا یہ مطلب تھا کہ نیک و بد جو ظاہر ہوگا وہ اَن ٹل قوانین کے ماتحت نیک اور بد اسباب کے مقابل بطور نتیجہ ہوگا۔ وہ بطور اتفاق یا چانس chance یا اچانک حادثات کی شکل میں نہ ہوگا بلکہ ہر ایک واقعہ علت و معلول کے رشتہ سے مربوط اور اسباب و نتائج کے قوانین میں جکڑا ہوا ہے۔ اگر بُرے کام کروگے تو یاد رکھو بُرے پھل پاؤ گے۔ اگر نیک اسباب مہیا کروگے تو نیک پھل کاٹو گے۔ تمہاری غفلتوں اور لاپروائیوں اور سہل انگاریوں اور لاعلمیوں سے خدا کے بنائے ہوئے قوانین اپنے نتائج دیئے بغیر نہیں رہ سکتے اگر تم ان کو اپنے لیئے مفید کرنا چاہتے ہو تو ان قوانین کا علم حاصل کرو اور اپنے حالات کو انکے مطابق کرو اس سے بڑھکر ہماری اور کونسی بدنصیبی اور بدقسمتی ہوگی کہ یہی مسئلہ تقدیر جو ہمیں محتاط کرکے ہماری ترقیوں کا زینہ ہوجاتا ہم کو صحیفۂ قدرت کے اَن ٹل تقدیر کردہ قوانین سے واقفیت پیدا کرنے کا محرک ہوتا۔ ہمیں علوم جدیدہ سیکھنے

کے لیئے رغبت دلاتا ہمیں اتفاقات اور چانسس کی تھیوریوں سے متنفر کرکے ہمیں کارزار زندگی کے لیئے مردانہ وار طیار کرتا۔ آج یہی مسئلہ ہماری غفلتوں کے بدنتائج کی سپر ہماری ناواقفیت قوانین قدرت کا عذر اور ہماری خود پیدا کردہ تکالیف کی تشریح ہوجاتا ہے۔

الغرض اسلام کی اس حقیقت نے ہم پر ظاہر کردیا کہ یہ خاکی پتلا جو کل کائنات کا حکمران اور زمین پر جامع مظاہر اسمائے الٰہیہ سمجھا جاتا ہے اس کی حکومت اور خلافت اس کائنات پر اسی صورت میں ہوسکتی ہے۔ جب اس میں خود اسلامی فطرۃ پیدا ہوجاوے یعنی جب انسان اُن تمام قوانین آلہیہ کی جو اسکے متعلق ہوں یا صحیفۂ قدرت کے کسی جزو عنصر کے متعلق ہو عزت کرنے اور اُن قوانین پر چلنے کے لیئے مستعد ہوجاوے۔ جب یہ اپنے حالات اور طریق زندگی کو اُن قوانین کے مناسب حال کرلے اور یہ اُسوقت ہوگا جب ان قوانین کا کماحقہ علم اُسے ہوگا اس لیئے اسلام اگر ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہم اُن تمام قوانین کی اطاعت اور عزت کریں جو ہماری روح اور جسم کے فائدہ کے لیئے قادر مطلق نے بنائے تو ساتھ ہی اسلام ہمیں اس طرف بھی متوجہ کرتا ہے کہ ہم اُن تمام قوانین کے متعلق تحقیقات کریں اور انہیں دریافت کریں۔ اور اپنے علم میں لاویں۔ جو ربّانی حکمار نے اُس قدیر اور علیم سے الہام پائے۔ یا مادّی حکمار نے اُس کی فعلی کتاب یعنی صحیفۂ قدرت سے مطالعہ کیئے کیونکہ اسلام یعنی اطاعت قوانین یعنی قوانین آلہیہ کے علم کے بغیر ہو ہی کیسے سکتی ہے؟ اگر ربانی حکمار نے جن کا نام نبی ہے (اللہ تعالےٰ کا اُنپر سلام اور درود ہو) ہماری روح ہمارے اخلاق ہمارے تمدن اور ہماری معاشرت کی اصلاح اور تہذیب کے متعلق ہمیں اُن قوانین کا پتہ دیا جن کو خدائے تعالیٰ نے ہمارے لیئے مقرر کیا۔ تو مادّی حکمار یعنی محققان سائینس کی کوششوں کی انتہا بھی کوئی اختراعی قوانین نہ تھے بلکہ انہیں قوانین کی تلاش اور دریافت تھی جو خدائے تعالیٰ نے کائنات اور اُس کے عناصر کے متعلق ازل سے بنا رکھے تھے۔

لہٰذا اسلام ہمکو سکھلاتا ہے کہ جہاں ہم اُن علوم سے اطلاع پائیں جو خدا کے

انبیاء (علیہم السلام) نے خدا کے قول کے ذریعہ سے پائے جن کا نام علوم دین ہے ویسے اسلام ہمیں تاکید کرتا ہے کہ ہم اُن علوم کی بھی تحصیل کریں جو زمانہ کے علماء نے خدا کے فعل یعنی صحیفۂ قدرت سے اخذ کیے جن کا نام بالفاظ دیگر علوم جدید ہیں کیونکہ اسلام کیا ہے۔ قوانین الٰہیہ کی اطاعت اور ان قوانین میں جیسے قوانین متعلقہ جسم و روح آجاتے ہیں ویسے ہی اُن تمام چیزوں کے متعلق قانون بھی آجاتے ہیں۔ جن کا اثر روح اور جسم پر ہے۔ اور کون نہیں جانتا کہ کائنات کے ذرہ ذرہ کا اثر ہماری روح اور جسم پر ہے۔ لہٰذا اگر خدائے اسلام نے تمہارا یہ فرض کر دیا ہے کہ تم تہذیب نفس کے لئے علوم دین سے واقفیت پیدا کرو اور اُنپر چلو تو میں کہتا ہوں اُسی خدا نے تمہارا یہ اسلامی فرض بھی کر دیا ہے کہ تم علم دین کے بعد علوم جدیدہ کو بھی حاصل کرو۔ اور اُن سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اور یہ بات دوستو! میں نہیں کہتا خود قرآن تمھیں کہتا ہے۔ جاؤ قرآن کو دیکھو وہ اولوالباب کی تعریف کیا کرتا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا۔ وہ اولوالباب جن میں انبیاء علیہم السلام کا گروہ بھی شامل ہے وہ کون ہیں وہ وہ ہیں جو ایک طرف تو اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے۔ الغرض ہر حال میں خدا کے ذکر میں لگے رہتے ہیں اور اُسے یاد کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف زمین اور آسمان اور جو کچھ ان میں ہے اُن سب کی بناوٹ اور اُن کے قیام و بقا اور اُنکے مفوضہ کاموں کو دیکھتے اور جانچ پڑتال کرتے اور اُن سے نتائج اخذ کرتے یا بالفاظ دیگر اشیائے کائنات کی ماہیت اور خواص دریافت کرتے ہوئے اس نتیجہ پر آجاتے ہیں کہ رب العالمین کی پیدا کردہ چیزوں میں کوئی چیز بھی فضول اور بیکار نہیں۔ کیا یہ تفکر فی خلق السمٰوات والارض سائنٹفک تحقیقات جدیدہ نہیں تو اور کیا ہے۔ مقام غور ہے کہ خدا کی کتاب تو ہمارے لیئے وہ دین تجویز کرے۔ جسکا نام اسلام رکھے یعنی قوانین الٰہیہ کی اطاعت اور یہ نام رکھکر ہمیں روحانی اور

مادی کل کے کل قوانین آلہیہ کے جاننے اور سمجھنے کی رغبت دلائے اور خدائے تعالیٰ ہمیں اولوالباب کے شاندار خطاب کا مستحق اسوقت بنائے جب ہم علوم دینیات کے ساتھ علوم مادیات یعنی علوم جدیدہ سے حظ وافر حاصل کر چکے ہوں اور ہم اس زمانہ کی جہالت کے باعث نہ ان علوم سے ہی محروم رکھے جاویں بلکہ جو ہم میں سے انکے حصول کی کوشش کریں وہ زندیق اور ملحد کا خطاب حاصل کریں۔ اور دوستو! کبھی آپنے غور کیا کہ یہ علوم جدیدہ جن کے ذریعہ حکمائے مغرب اور ان کی طفیل یورپین اقوام ہم پر بلکہ ایک حد تک کل کائنات عالم پر انسانی حیثیت میں حکومت کر رہی ہیں ان علوم کے سیکھنے اور ان سے مستفید ہونے کی طرف سب سے پہلے کس کتاب اور کس مذہب نے انسان کو رغبت دلائی؟

دنیا پر ایک زمانہ گذرا ہے جب دنیا کا زیادہ حصہ کائنات اور اس کے عناصر کو اپنا معبود قرار دے رہا تھا انسان نے مختلف وقتوں میں شجر۔ حجر۔ سورج چاند۔ ستارے۔ ہوا۔ پانی۔ آگ بادل عالم کے مختلف عناصر اور قوائے کی اور سب کے بعد انسان کی پرستش کی۔ یہ ایک فطرتی امر ہے کہ ہم اپنے معبود کو ہمیشہ عزت اور ادب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لیئے ایسے وقت میں ان عناصر اور ان مظاہر قدرت کے متعلق کسی قسم کی چھان بین کرنا یا ان کو معرض تحقیقات میں لانا لازماً ایک گناہ عظیم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک کل کائنات اور اس کے عناصر معبود کے رنگ میں انسان پر حکمران رہے۔ انسان نے کوئی علمی اور سائینٹفک ترقی اور تحقیق نہیں کی۔ اس قسم کی ترقی کی طرف انسان کی توجہ تو اسی وقت منعطف ہوگی جب انسان ان تمام چیزوں کو اپنا معبود نہیں بلکہ اپنا خادم اور نوکر سمجھے۔ جب اسپر یہ حقیقت کھل جاوے کہ یہ سب چیزیں جو خدائے تعالیٰ نے بنا رکھی ہیں یہ سب میرے خدا نہیں بلکہ غلام ہیں۔ جسطرح ایک انسان اپنے نوکر کی مزاج شناسی اور اس کی استعداد اور جوہر کا علم حاصل کرنے پر طبعاً مائل ہوتا ہے اسطرح موجودات عالم کے متعلق اس حقیقت کے کھلنے پر کہ موجودات عالم میرے خادم ہیں قدرتاً انسان

قوائے عالم کی تحقیق میں لگ جاوے گا۔

الغرض علوم جدیدہ اور سائینس کی ترقی کا زمانہ کسی ملک میں اسوقت شروع ہو سکتا ہے جب انسان کائنات اور اُس کے عناصر کی عبادت کے جوئے سے نکلکر اُنکو اپنا غلام اور خادم سمجھے لیکن اے تاریخ عالم کے واقف کارو مجھے بتلاؤ کہ کس زمانہ تک یہ مظاہر قدرت اور عناصر دنیا کے معبود بنے رہے۔ اور پھر کس کتاب نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ انکی اس حکومت کو خاک میں ملا کر مذہبی رنگ میں انسان کو یہ یقین دلایا کہ یہ اگنی یہ وایو یہ جل یہ آکاش یہ سمندر یہ پہاڑ یہ درخت یہ سورج یہ ستارے یہ سب کے سب مظاہر قدرت تمہارے خدا نہیں تمہارے غلام ہیں۔

جاؤ وید ژندوستا انجیل توریت بدھ کے صحائف کنفیوشس کی وصایا چھان مارو یہ تعلیم ہرگز ہرگز نہ پاؤ گے ہاں وہ خدا کے کامل و مکمل اور ناطق الہام کی آخری تخت گاہ کتاب حکیم تمکو یہ صداقتیں کھلے الفاظ میں سکھلائے گی یہی وجہ ہے کہ جب تک وہ کتاب نازل نہ ہوئی زمانہ نے سائینٹیفک تحقیقات کی طرف رُخ نہ کیا جو علوم ذہنی امور سے تعلق رکھتے تھے وہ بے شک زیر تحقیق رہے

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۤءِ مَاۤءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاۤىِٕبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ (پ ۱۳ ع سورہ ابراہیم)

اور پھر ایک اور جگہ فرمایا۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔

ترجمہ۔ اے انسان دیکھ تو کن چیزوں کی پرستش کر رہا ہے اور انہیں اپنا معبود بنا رہا ہے اُن چیزوں کو جو تیری خادم اور غلام ہیں۔ پرستش کے قابل تو وہ اللہ ہے جس نے زمین اور آسمان کو اور جو کچھ ان میں ہے اور جنہیں تو معبود بنا رہا ہے پیدا کیا۔ کیا تو وید کے رچاؤں میں اندر کا نام لیکر اُس آکاش کی پرستش کر رہا ہے۔ جہاں سے پانی اترتا ہے وانزل من السماء ماءً۔ یہ پانی تو وہ خدا تیری خاطر

اُتار کر تیرے رزق کے لیۓ مختلف پھلوں کو پیدا کر دیتا۔ کیا تُو ویدک زمانہ کے ورونا یعنی سمندر دیوتا کے آگے سر جھکاتا ہے اور اس لیۓ تو نے سمندر سے پار جانیکی کوشش کی کہ مبادا سمندر دیوتا تیرے پاؤں تلے آجاوے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهٖ ط

ہم نے تو اس سمندر دیوتا کی چھاتی پر کشتیوں اور جہازوں کو چلا کر اُسے تیرا خادم کر رکھا ہے کیا دریا سندھو کے شفاف پانیوں نے تجھے اس کا اسقدر پرستار بنا رکھا ہے کہ تُو وید میں اُس کے گیت گاتا۔ کیا تُو گنگا اور جمنا سے منتیں مانگتا ہے وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ یہ دریا تو تیرے غلام ہیں کیا تُو سورج اور اُس کی مختلف کیفیات کو دیکھ دیکھکر اُسے اریمان پشان نواشرے وغیرہ کے نام سے یاد کرکے اُس کے آگے سربسجود ہو رہا ہے۔ یہ ہے کیا وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ۔ یہ سورج اور اُس کے ساتھ ہی چاند بھی تیری خدمت میں کمربستہ ہوکر چکر لگا رہے ہیں۔ ہم نے دن اور رات تک تیرے لیۓ مسخر کر دیا ہے۔ الغرض جو کچھ تجھے زمین پر نظر آتا ہے اور جو کچھ تو اس میں پاوے یا دکھ یہ سب تیری ہی خدمت کے لیۓ ہے۔

پیارو! اس میں شک نہیں کہ ان آیات نے کل دنیا جہان کے معبودوں کو تخت الوہیت سے اُتارنے کے لیۓ ایک کامل توحید کو سکھلایا ہے لیکن کیا ان آیات میں علمی ترقی اور سائنٹیفک تحقیق کے لیۓ ایک زبردست تحریک نہیں۔ غور تو کرو کہ جس دن سے انسان نے یہ سمجھا کہ یہ چارپاۓ یہ مویشی یہ سواری کے جانور اُس کی خدمت کے لیۓ مامور ہیں کیا وہ اُن کو قبضہ میں لانے اُن سے خدمت لینے اُنکو مفید بنانے کیلیۓ مختلف طور پر ان جانوروں کی مزاج شناسی اور اُن کی طبیعت کا حال دریافت نہیں کرتا تو پھر جب ان آیات میں موجودات عالم کا ذکر کرکے تمھیں بتلایا گیا ہے کہ یہ تمھاری ہی خدمت کے لیۓ پیدا ہوۓ ہیں تمھارا فرض نہیں کہ تم اُن قواعد اور ضوابط سے اطلاع پاؤ کہ جن سے یہ مظاہر قدرت فی الواقعہ تمھارے مسخر ہو جاویں۔ تیرہ سو برس

ہوئے کہ ان چیزوں کے بنانے والے نے تمکو یہ خوشخبری دی کہ یہ تمھارے غلام ہیں تم بتلاؤ کہ تم نے ان کو مسخر کرنیکی طرف کس قدر توجہ کی کیا یہ خبر سنکر کہ آسمان سے پانی کا اُترنا تمھاری ہی خاطر ہے تاکہ تم زمین سے طرح طرح کے ثمرات پیدا کرلو۔ تمھارا فرض نہ تھا کہ تم یہ اشارہ پاکر علم فلاحت علم زراعت علم نباتات میں ترقی کرتے۔ تم کو تو بتلایا گیا تھا کہ تمھاری ہی خدمت کے لیئے کشتیاں اور جہاز سمندر میں چلتے ہیں۔ تم نے اگر یہ خبر سنکر فن جہازرانی میں ید طولیٰ حاصل کیا ہوتا تو خیر جو تجارتی تمدنی اور اقتصادی فوائد تمھیں ہوتے سو ہوتے آج جنگ ٹریپولی میں تم کو ندامت اُٹھانی نہ پڑتی ۔

کیا سَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ کا مژدہ سنکر تمھارا فرض نہ تھا کہ تم فن آبپاشی کے کل شعبوں کا علم حاصل کرتے۔ آبپاشی کی کلوں اور مشینوں سے واقف ہوجاتے یہ سورج دیوتا اور یہ چندرما اور اُن کے ساتھ کل کے کل ستارے تو تمھارے بے داموں غلام تھے تم نے جب قرآن میں یہ بشارت پڑھی تھی تو تم نے اسٹرانومی سیکھ کر ان سے خدمت نہ لی۔ الغرض قرآن بھیجکر خدا تعالےٰ نے تم کو اطلاع دی تھی کہ جو کچھ زمین میں ہے وہ سب تمھارے لیئے ہے پھر کیوں تم نے باٹونی جی آلوجی ذوالوجی منرولوجی کمسٹری فزیکس اور وہ تمام کے تمام علوم جن کو نیچرل فلاسفی سے ملقب کیا گیا ہے نہ پڑھے۔ خدارا۔ کسی علم جدیدہ سائنس کی شاخ کا نام لوجسکی دریافت ہونے پر یورپ نے کائنات کے کسی عنصر سے کام لیا ہو اور ان آیات میں اُن کی طرف اشارہ نہ ہو۔ کیا آپ الکٹرسٹی (بجلی) کیطرف اشارہ کرتے ہیں۔ آؤ میں آپ کو ایک جامع آیت سناتا ہوں جس میں نہ صرف الکٹرسٹی ہی شامل ہے۔ بلکہ آیندہ بھی جس قدر موجودات کا پتہ لگے اور اُن کے متعلق علوم دریافت ہوں وہ سب اس میں آجاتے ہیں فرمایا ہے

سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے وہ سب کے سب تمھارے خادم ہیں یہ اب تمھارا

اختیار ہے کہ اُن راہوں کو اختیار کرو یا نہ کرو۔ اُن علوم کو سیکھو یا نہ سیکھو ایسی تحقیقاتوں میں پڑو یا نہ پڑو جن سے تم کائنات کے کل قوائے فطریہ سے واقف ہو جاؤ۔ کائنات اور اُس کے عناصر کو اپنا خادم بنالو۔ دیکھو ایک قوم نے آج ان علوم میں ترقی کی اور ان آیات کی حقیقت کو واقعات کے رنگ میں لاکر انکی صداقت پر مہر لگادی۔ کیا ایک حد تک مغربی اقوام نے سمندروں کو دریاؤں کو ہواؤں کو بادلوں کو بجلی کو زمین اور اس کے قوائے کو اپنی حکومت تلے نہیں کر لیا؟

بتلاؤ تم کو اپنے اسلام پر بڑا ناز ہے تم کو قرآن کے احکام پر چلنے کا بڑا فخر ہے ان وصایا کو جو ان آیات میں ہیں تم نے قبول کیا یا یورپ نے؟ ان اشارات کو جو ان مقدس کلمات میں تھے تم نے اپنا ہادی راہ کیا۔ یا اُن لوگوں نے جن کو تم ملحد دہریے بے ایمان کافر اور مشرک قرار دیتے ہو۔ ہاں ایک تم کو فخر ہے تو اپنی توحید پہ ہے کاش اس توحید کی حقیقت کو ہی سمجھا ہوتا اور کبھی تھوڑا سا وقت اس سوال پر ہی خرچ کیا ہوتا کہ ہمیں شرک سے کیوں روکا گیا۔ اور خدا کی کتاب نے کیوں یہ سکھلایا کہ خدائے تعالیٰ سب گناہ معاف کر دیگا مگر شرک کی اسکی جناب میں معافی نہیں۔ کیا تم نے اُس رب العالمین کو دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند کا مصداق سمجھکر یہ خیال کر لیا ہے کہ وہ دیکھ نہیں سکتا کہ اُس کے مقابل تم اور خدا بنالو۔ یاد رکھو وہ حمید خدا نہ تمھاری حمد کا محتاج نہ تمھاری تسبیح کا خواہشمند۔

وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ (لقمان) إِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ (ابراہیم)

تم ایک نہیں لاکھ خدا بنالو اُس کی سلطنت میں ایک انچ بھر کمی نہ آویگی تم رات دن اُس کی حمد میں لگ جاؤ اُس کی سلطنت میں ایک جو کے برابر زیادتی نہ ہوگی یہ توحید کی تاکید اور شرک کی ممانعت تو محض تمھارے ہی فائدہ کیلئے ہے۔ تاکہ تم جن کو خدا بنا رہے ہو اُن کو خادم سمجھکر اُن راہوں کو دریافت کرو کہ جن سے یہ تمھاری خدمت کر سکیں ۔

دوستو! میں نے ابھی آپ کی خدمت میں عرض کیا ہے کہ انسان جب ماسوے اللہ کی پرستش کرتا ہے اور وہ وہ چیزیں ہیں جو اُس کے فائدہ کے لیئے بنائی گئی تھیں تو اُن کو معبود بناکر اُنکو معرض تحقیق میں نہیں لاتا۔ اور اس لیئے کسی قسم کی سائیٹیفک ترقی نہیں کرسکتا۔ دیکھ لو اسلام کے آنے تک دنیا میں اگر کوئی ترقی ہوئی تو وہ بالکل ذہنی علوم کے متعلق تھی۔ جو بعض وقت اور شرک کے پھیلانے میں مؤید ہوئی۔ دنیا مادّیات میں قطعاً قطعاً کوئی ترقی نہ کرسکی اور اس کی وجہ وہ شرک تھا جس کے ماتحت قوائے فطریہ اور اس کے عناصر مختلف شکلوں میں ہمارے مخدوم نہیں بلکہ معبود بن رہے تھے۔ ہاں جب دنیا ان معبودوں کی حکومت سے آزاد ہوئی تو یہ معبود معرض تحقیقات میں آئے۔ اور یاد رہے یورپ جس نے علوم جدیدہ میں آج اسقدر ترقی کی یہ کسی کلیسیا کی طفیل سے نہیں یہ ترقی بقول پادریان اُن ملحد انسانوں کی طفیل ہوئی جنھوں نے عملاً انسان پرستی کو جواب دیا۔ کسقدر مقام حیرت ہے کہ وہ قوم جن کو کائنات اور ما فیہا کے متعلق کامل علم حاصل کرنے کے لیئے کامل توحید کا سبق دیا گیا اور جنکو مخاطب کرکے کہا گیا وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (پ ۲۵ ع ۲/۱۸) وہ تو آج تیرہ سو برس سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے ہیں اور وہ قوم جس کا زیادہ حصہ آجتک بھی انسان پرستی جیسے شرک کے اندھیرے میں ہو اور جس اندھیرے نے چودہ پندرہ سو برس تک اُن کو ہر قسم کی علمی ترقی اور تحقیق سے دور رکھا ہو اُن میں سے چند افراد اس انسان پرستی کو خیرباد کہکر ہمارے ہی بزرگوں یعنی قرون اولیٰ کے مخاطبین قرآن کی علمی تحقیقات کو پڑھیں اور اُس میں سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا کی صداقت کو ایک حد تک حقیقت کی شکل میں دیکھیں اور پھر اس کی علمی چاشنی سے کچھ ایسے گرویدہ ہو جاویں کہ آج اپنی تحقیقات سے علوم جدیدہ پیدا کرکے سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا کو سچ کر دکھاویں۔ اور دوستو یہ

امر بھی آپ یاد رکھیں کہ ان تسخیر کائنات کی آیات سے جو میں یہ استنباط کر رہا ہوں کہ ان میں قرآن کے مخاطب کے لیئے سائینٹفک تحقیقات کرنے اور علوم مادّیہ کے حاصل کرنے کی ایک زبردست تحریک ہے۔ اگرچہ یہ استنباط کسی تصنع اور تکلف کے ماتحت نہیں لیکن یہ ایجاد بندہ سے نہیں بلکہ خود قرآن نے ان امور کو ہم پر ظاہر کیا ہے اگر ایک طرف ان آیات کے ذریعہ ہم پر یہ ظاہر کیا ہے کہ ہم ہی کائنات اور اُس کے عناصر کے حکمران ہیں تو دوسری طرف قرآن نے مختلف پیرایوں میں ہم کو یہ بھی سکھلایا ہے کہ اگر تم کائنات اور اُس کے عناصر پر حکمرانی کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم اس زمین پر جامع مظہر اسمائے الٰہیہ اور اُس کے نائب ہو کر اس عالم پر نافذالامر ہونا چاہتے ہو تو اُس کا طریق یہی ہے کہ تم اُن علوم کو حاصل کرو جن کے ذریعہ تمکو موجودات عالم کے خواص اُن کے فوائد اور اُن کی قوتوں کا علم حاصل ہو۔ بالفاظ دیگر تم اُن علوم کو سیکھو اور اُن میں چھان بین کرو کہ جن کا نام آج زمانہ نے علوم جدیدہ رکھا ہے۔

کیا آپنے اُن آیات پر کبھی غور کی جو عموماً ایک طرف نو تعلیم یافتہ اصحاب کے لیئے اور دوسری طرف ہمارے ساجی مہربانوں کے لیئے ذریعہ مضحکہ ہوا کرتی ہیں۔ میرا مطلب پہلے سپارہ کے پہلے ربع کی اُن آیات سے ہے جن میں آدم کی پیدائش کا ذکر۔ فرشتوں کا پیدائش آدم کی ضرورت کے متعلق استفسار۔ خدائے تعالیٰ کا ضرورت پیدائش آدم تبلانا اور ملائکہ کا سجدہ اطاعت کرنا وغیرہ وغیرہ ہے اگر آپ غور فرمادیں تو ان میں بھی تو یہی حقیقت کھولی گئی ہے۔ یہ وقت نہیں اور نہ میرے مضمون کے مناسب حال ہے۔ کہ میں ملائکہ کے وجود پر انہگنہ بحث کروں اگرچہ میں جانتا ہوں کہ یہ اس قسم کی گولی ہے۔ جو انگریزی خوان حلق میں کسی قدر دقت سے اُترتی ہے۔ یہاں میں صرف اُس حقیقت کا خلاصہ بیان کر دیتا ہوں۔ جو کہ ملائکہ کے متعلق حکمائے اسلام میں سمجھی گئی ہے۔ بعض متکلمین اسلام ملائکہ کو قوائے فطریہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک خواص الاشیاء کا نام ہی ملائکہ

ہے یعنی ملائکہ سے مراد وہ تمام قوتیں ہیں جو آگ پانی ہوا بادل سورج وغیرہ عناصر کائنات اور مظاہر قدرت میں فرداً فرداً اور مشترکہ موجود ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ اس کائنات میں کوئی چیز نہیں جس پر کوئی ملک مامور نہیں۔ لیکن قرآن میں ان فرشتوں کے متعلق ایسی آیات بھی موجود ہیں جن سے ایک طرف تو ان ملائکہ کا ذی علم ذی عقل اور ذی تدبیر ہونا نظر آتا ہے جیسے فرمایا وَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا۔ اور دوسری طرف انکی ماموریت صرف قوائے مادیہ پر ہی نہیں بلکہ اُن قوائے انسانی کے متعلق بھی پائی جاتی ہے جو اخلاق اور روحانیت کی ذیل میں آتے ہیں۔ لہٰذا ملائکہ سے وہ ذی عقل ذی تدبیر نفوس مراد ہیں جو خدا کے امر سے اُن تمام قوائے فطریہ کو فعل میں لانے کے محرک اور داعی ہوتے ہیں جو موجوداتِ عالم میں ودیعت شدہ ہیں وہ کائنات اور اُس کے عناصر میں بمنزلہ جان اور روح کے ہیں وہ جس امر پر مامور ہیں اسکو بلا تامل وقت پر فعل میں لے آتے ہیں اس لیئے اُن کے متعلق قرآن کہتا ہے یفعلون ما یؤمرون ملائکہ کی اُس حقیقت کو سمجھنے کے بعد اب ہم اُن آیات پر غور کرتے ہیں جن میں ملائکہ کے سوال پر ہماری پیدائش کا ایک راز ہمپر کھولا جاتا ہے۔

آدم سے پہلے کل کائنات موجود ہے اس کائنات کے عناصر میں اور اجزا میں قوتیں بھی موجود ہیں۔ ان قواء کو فعل میں لانے کے لیئے ملائکہ بھی مامور ہیں۔ جن کی نگاہ میں کائنات بہمہ وجوہ مکمل ہے۔ ہر ایک ذرہ ذرہ کائنات کا وہ کام دے رہا ہے جس کے لیئے وہ بنایا گیا ہے ہر ایک شئے ملکی تحریک پر اپنی اپنی قوتوں کے نتائج مرتب کر رہی ہے۔ کوئی قوت کسی کی حارج نہیں۔ متضاد عناصر ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہیں ہر طرف امن آرام سلامتی اور صلاحیت ہے۔ کہ اتنے میں ملائکہ پر کائنات کے ایک حکمران کے پیدا ہونے کا ارادہ ظاہر ہوتا ہے وہ دیکھتے ہیں کہ کائنات کی ذرہ ذرہ کی غرض پیدائش ہمارے ذریعہ پوری ہو رہی ہے اب یہ ایک نئی مخلوق آنے والی ہے۔ جو بظاہر کسی عنصر کائنات سے فرداً فرداً مجانست نہیں رکھتی وہ بجز اس کے کہ فساد اور ہلاکت کا باعث ہو اور کیا ہو سکتی ہے۔

اس لیئے خداوند کے اس ارشاد پر کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً تو وہ عرض کرتے ہیں۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ۔ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط۔ حضور والا۔ جو کچھ کائنات میں حضور نے اپنی جلال اور قدوسیت کے شایان حال بنایا اُس کے متعلق عملاً حمد اور تسبیح تو ہم ہروقت کررہے ہیں۔ تو پھر اس نئے وجود کو کیوں بنایا جاتا ہے جو غالباً زمین پر فساد یا قتل مقاتلہ کرے۔ ملائکہ کی اس عرض پر حضرت احدیت مآب نے کیا کہا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۰ پ ۱ ع ۴

خدائے تعالیٰ نے آدم کو موجودات کے نام بتلائے اور کل اشیائے کائنات کے اسمار اور اُن کے خواص جاننے کی استعداد اُس میں رکھدی۔ کیونکہ ناموں کے ذریعہ ہی مختلف اشیاء میں تمیز ہوا کرتی ہے اور یہ مختلف ناموں کا مقرر کرنا مختلف خواص کے معلوم ہونے پر منحصر ہوتا ہے۔ اور اسطرح ملائکہ کو جتلایا کہ جن قوائے فطریہ کو فعل میں لانے کے تم محرک اور داعی ہو وہ آخر کسی فائدہ کے لیئے بنائے گئے ہیں اُن کا کوئی مصرف ہے اس مصرف اور فائدہ کے لیئے ضروری ہے کہ ان تمام قوائے فطریہ کا کما حقہٗ کسی کو علم ہو جو تم میں نہیں تم اس طرح سے اس کائنات کے خلیفہ (سردار) نہیں ہوسکتے۔ اس کائنات پر اور اُس کی قوتوں پر تو وہی حکمران ہوگا جو تمام قوائے فطریہ کے اسمار اور خواص سے واقف ہوگا۔ تم تو صرف ان قوتوں کو فعل میں لانے کے لیئے مامور ہو۔ لیکن تمھاری اس ماموریت اور تمھاری تحریک سے فائدہ تو وہ اُٹھا دے گا جن کو ان قوتوں کا علم ہوگا۔

اِنِّیْ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اس تمام کی تمام کائنات میں جو قوتیں چھپی ہوئی ہیں اُن کو میں ہی خوب جانتا ہوں اور تم کو اُن کا علم نہیں میرا نافذ الامر خلیفہ وہ ہوگا جو ان قوتوں کا علم رکھے گا۔ اس لیئے تم جو کل مظاہر قدرت اور عناصر کی قوتوں کو فعل میں لانے کے محرک

اور داعی ہو تم اِن چھپے ہوئے قوائے کے علوم سے باخبر آدم کے آگے سجدہ کرو۔ یعنی تمھیں اُس کی اطاعت کرنی ہوگی۔ جب اُن کو ضرورت ہو۔

اللہ اللہ یہ کیسی سچی اور واقعات پر مبنی حقیقتیں ہیں جو اِن آیات میں ظاہر کی گئی ہیں۔ ایک طرف تم کو مخاطب کر کے یہ کہا کہ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ یعنی آسمان اور زمین میں کی کُل کی کُل چیزیں تمھاری خادم ہیں دوسری طرف یہ اطلاع دی کہ ہم نے تمھارے جدِّ اوّل میں قوائے عالم کے متعلّق علم حاصل کرنے کی استعداد رکھدی اور پھر اس علم کی وسعت کے متعلّق فرمایا اِنِّیْ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ دوسری طرف ملکوت السّمٰوٰت والارض کو تمھاری اطاعت پر مامور کرنیکی خبر تم کو دی بتلاؤ اس سے بیّن اور روشن طریق پر کس کتاب نے تمھاری فطرت اور استعداد کو بلند کیا کس نے تم کو بتلایا کہ یہ زمین اور آسمان کی قوّتیں تمھارے منشار کو پورا کر سکتی ہیں۔ اگر تم اُن کا علم حاصل کرو۔ بالفاظ دیگر علوم جدیدہ جن کی غرض اِس زمین اور آسمان وَمَا فِیہِمَا کی قوّتوں کو دریافت کرنا ہے اُس کی طرف کس کتاب نے انسان کو ایسے صاف اور بیّن طریق پر مائل کیا۔ اس میں شک نہیں کہ اور کتابوں نے بھی آدم کو خدا کی تصویر کہا۔ آدم اور ملائکہ کے تنازع اور اُن کے سجدہ کا ذکر کیا۔ لیکن وہ تو کہانیاں ہی کہانیاں تھیں۔ جس کی طرف معقول پسند طبائع نے کبھی توجہ نہ کی ہاں قرآن نے اس واقعہ کی علمی حقیقت سے دنیا کو اطلاع دی کہ زمین اور آسمان کے فرشتے اُس آدم اور اُس کی اولاد کے آگے سجدہ کریں گے جو زمین اور آسمان کے مضمر قوائے کا علم حاصل کرے گا۔ اور کیا واقعات عالم نے ان قرآنی حقائق کو آج سچ کر نہیں دکھایا۔ کیا اولاد آدم کے ایک طبقے نے اپنے اُس علم کے ذریعہ جو اُس نے سائنٹفک تحقیقات کے ذریعہ قوائے عالم کے متعلق حاصل کیا ہے فرشتوں سے ایک حد تک سجدہ نہیں کروالیا۔ کیا بقدر علم و تحقیقات سمندروں کے ہواؤں کے دریاؤں کے آگ کے پانیوں کے بادلوں کے بجلی کے معدنیات کے نباتات کے

شجر کے حجر کے ملائکہ اُن کے آگے سجدۂ اطاعت نہیں کر رہے۔ لیکن اے قرآن کے پڑھنے والو تیرہ صد برس ہوئے آپ کو اس صداقت سے اطلاع دی گئی آپنے اس سے کیا فائدہ اُٹھایا۔ قرون اولیٰ کے مخاطبین قرآن نے اس حقیقت کو سمجھا اور تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا کے مالک ہو گئے۔ کیا تم اُنکے خلف الصدق کہلانے کے مستحق ہو۔ جنہوں نے اُن کی علمی تحقیقات کو خاک میں ملایا یا اُنکے سچے خلف الصدق ان علمی معاملات میں وہ اصحاب مغرب ہیں جنہوں نے ہمارے بزرگوں کی علمی تحقیقات سے اس ملکوت السمٰوٰت والارض کے سجدہ کے راز کو سمجھا اور پھر عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے مصداق بننے کی کوششیں کیں۔ افسوس اور ہزار افسوس وہ قوم جن کی کتاب میں آدم اور سجدہ ملائکہ کی حکایت ایک کہانی سے زیادہ وقعت نہ رکھے جسپر عقلائے روزگار کو ہنسی آوے اور جن کے علماء العیات اُس درخت کا نام درخت علم رکھیں کہ جس کے چکھنے سے آدم بہشت سے نکالا گیا یعنی جن کے نزدیک ایک طرح علم کا حاصل کرنا بہشت کو گنوانا ہو وہ اس قصے کی علمی حقیقت کو ہمارے بزرگوں سے سمجھکر آدم کا اصلی ورثہ ہم سے چھین لیں اور وہ قوم جن کو مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا مسجود بنانے کیلئے اس قصہ کا علمی رنگ تعلیم کیا گیا وہ اس پُر معارف واقعہ کو ایک قصہ کہانی سمجھے۔

الغرض قرآن کریم نے پیدائش آدم اور سجدہ ملائکہ کی حقیقت بیان فرماکر در اصل ہمیں سائینٹیفک تحقیقات کی طرف متوجہ کیا۔ اِن آیات نے نہ صرف ہماری نصب العین کو ہی انتہائی مقام تک بلند کر دیا بلکہ ہم کو تحریک کی کہ ہم ہر قسم علوم عالیہ میں جنہیں علوم جدیدہ بھی شامل ہیں علیٰ وجہ الکمال ترقی کریں۔ قرآن کریم میں بے شمار ایسی آیات ہیں جن سے نظر آتا ہے کہ اسلام کی مہتمم بالشان غرض یہ تھی کہ دنیا میں احیاء علوم ہو۔ گھر گھر علم کا چرچا پھیلے انسان پہ وہ علوم کھولے جاویں جن سے پہلے انسان ناآشنا تھا۔ قلم کی حکومت دنیا پر ہو اور آئندہ اشاعت علوم کا ذریعہ قلم ٹھہرے۔

یہ تو درست ہے کہ اسلام سے پہلے بھی درس تدریس تھی لیکن یہ کون نہیں جانتا کہ اُس درس تدریس کا ذریعہ قلم و کاغذ نہ تھے اُس کا ذریعہ زیادہ تر سننا اور بولنا تھا وہ سینہ بسینہ علم اور اُس کی سینہ بسینہ اشاعت جو اگر تھی تو انہیں ایام کے موزون حال تھی اور در اصل انسان مجبور بھی تھا۔ کاغذ کا قائم مقام تو ہندوستان میں بھوج پتّر اور اور ممالک میں خال خال طریق پر چمڑا تھا کامل اشاعت علم تو اُسوقت تک نہ ہو سکتی تھی جبتک دنیا کاغذ کے استعمال سے آگاہ نہ ہوتی اور یہ کون نہیں جانتا کہ دنیا پر یہ خدائے تعالیٰ کی رحمت جس کا نام کاغذ ہے یہ بھی رحمت للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کی طفیل بغرض استعمال موجودہ دنیا کے علم میں آیا۔ چنانچہ کل دنیا کا پُرانے سے پُرانا مسودہ جو کاغذ پر محفوظ ہے وہ ایک کتاب موسوم بہ غریب الحدیث ہے جو ۸۶۶ء عیسوی میں لکھی گئی اور جو اس وقت لیڈن کی یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں علم کے خلاف عَلَمِ جنگ تو خود اُن بزرگوں نے اُٹھا رکھی تھی جن کے گھر میں علم کی ایک دھندلی سی جھلک تھی۔ ہندوستان میں برہمنوں کے سوا کس کی مجال تھی اور اُن میں سے بھی خاص الخاص افراد جن کے کانوں میں اُسوقت کے معلومہ علوم کے اسرار نہایت احتیاط کے ساتھ ڈالے جاتے تھے۔ یہی حالت ایران کی تھی۔ یورپ میں کنیسوں اور خانقاہوں سے باہر علم کا لیجانا پاپائے اعظم کے ارشاد کے ماتحت قریب قریب جُرم تھا۔ اور پاپائے مقدس ایک حد تک حق بجانب بھی تھے آخر اس علم کے درخت کا ایک دانہ چکھ کر جب آدم پر بہشت حرام ہوئی۔ اور دنیا سیاہ کار ہو گئی اور خود خدا کو (معاذ اللہ) جس کے عوض میں صلیب پر چڑھنا اور تین دن دوزخ میں رہنا پڑا تو پھر اگر سارے کا سارا درخت علم کا انسان چٹ جاتا تو پھر نہ معلوم کسقدر زبردست کفارہ کی ضرورت پڑتی ؛

الغرض وہ زمانہ کہ جس میں اشاعت علم کا ذریعہ کتاب یعنی قلم اور کاغذ ہو اس کو دنیا میں اسلام لایا۔ اسلام آیا اور اپنے ساتھ قلم کی حکومت لایا جس سے انسان نے وہ سیکھا جو اُسے پہلے معلوم نہ تھا یہ میرا خالی دعویٰ نہیں بلکہ زمانہ کی

تاریخ اور واقعات عالم اس کے شاہد ہیں، جو میں اس جگہ عرض کر رہا ہوں۔ کیونکہ اگر علم کا مذاق تمھارے اسلاف نے دنیا میں پیدا کیا اور دوسری قوم نے اُس کو ترقی دی تو در اصل یہ ایک ہی سلسلہ ہے اور میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ حسن اتفاق ہے۔ بعثت اسلام اور اشاعت علوم کیا یہ محض Coincidence ہے۔ جیسا کہ بعض مادہ پرست طبائع خیال کریں گی یا خاص ارادہ خداوندی ہے میں تو اسے ارادہ خداوندی ہی کہوں گا۔ اور خدارا میرے اس کہنے کو ایک ڈھل مل یقین طبیعت کا نتیجہ نہ سمجھنا۔ نہیں نہیں جب بعثت محمدیہ کی ایک زبردست غرض خود قرآن ایسے وقت قلم و علم بتلائے جب علم و قلم النادر کالمعدوم ہوں تو پھر یہ کیسے اتفاق کا نتیجہ ہو سکتا ہے یہ تو اُس علیم و قدیر کی ہستی اور اُسکے پاک ارادوں کا ایک عملی ثبوت ہے کہ وہ پیشگوئی کے رنگ میں بعثت نبوی کی ایک غرض قلم اور علم بتلائے اور پھر واقعات عالم اُس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدام کے ذریعہ اُس کو پورا کر دکھادیں جانتے ہو وہ کونسے صداقت بھرے الفاظ تھے جو غار حرا میں روح الامین نے دنیا کے سب سے بڑے محسن اور سب سے زیادہ خیر خواہ اور بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کی شان والے انسان کے قلب مطہر پر القا کیے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ہ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ہ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ہ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ہ (پ ۳۰ ع ۲۱)

اُس رب کے نام سے پڑھ جس نے تجھے پیدا کیا۔ وہ وہ ہے جو ایک جمی ہوئے قطرہ خون سے ایک انسان بنا دیا کرتا ہے۔ وہ تیرا رب اکرم ہے۔ وہ تیری ایسی بڑی ربوبیت کرے گا کہ تو دنیا میں اکرم اور مکرم ہو جاوے گا؛ اور یہ کوئی مشکل نہیں۔ دیکھ کہاں خون کا جما ہوا بے حیثیت قطرہ اور کہاں وہ ہیولا جس کا نام انسان ہے اگر وہ چھوٹی چیز ربوبیت الٰہیہ سے ہی ایسی

اکرم ہو جاتی ہے کہ جس کا نام انسان ہے تو وہی تیرا رب ہے تو بھی دنیا میں
اکرم اور مکرم ہونے والا ہے۔ الخ تو ہی اکرم نہیں بلکہ وہ رب تیری طفیل انسان
کو اکرم کرنے والا ہے۔ کیونکہ اُس نے ارادہ کر لیا ہے۔ کہ انسان کو قلم کے ذریعہ
علوم سکھلائے اور انسان پر وہ علوم کھول دے جو اُسے معلوم نہ تھے۔ الذی
علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم انسان قلم کے ذریعہ سکھلایا
جاویگا انسان وہ سیکھے گا جس کا اُس کو علم نہ تھا۔ یہ لفظی معنے ان آیات کے ہیں۔
نہ کوئی تکلف اور نہ کوئی تصنع بلکہ علم الانسان مالم یعلم میں لفظاً
اور معناً پیشگوئی علوم جدیدہ کی ہے۔ علوم جدیدہ کیا ہیں وہ علوم جو پہلے معلوم
نہ تھے اس آیت کے لفظی معنے کیا ہیں انسان وہ علم پڑھے گا جو اُسے پہلے معلوم
نہ تھے۔ کیا یہ زبردست سے زبردست پیشگوئی نہیں۔ کیا یہ الفاظ ایسے وقت
نہیں بولے گئے جب انسان قلم کے پورے استعمال سے واقف نہ تھا۔ کیا وہ
علوم دنیا میں تھے۔ جو اسلام کی دنیا نے دیکھے۔ فرمایا اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ
فرمایا پڑھ اور تیرا رب اکرم ہے۔ کیا اس علم سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اکرم
نہیں ہوئے۔ اور اُس کے اتباع میں انسان کیا پڑھنے کی برکات کا اس میں
کھلا کھلا اشارہ نہیں۔ کہ پڑھنے سے دنیا میں لوگ مکرم ہوا کرتے ہیں کیا انسان
جو کل دنیا کا مکرم ہے۔ انسان جو خدا کی تصویر ہے۔ انسان جو خدا کا خلیفہ اور
اور کائنات کا بادشاہ ہے کس کی طفیل۔ قلم کی طفیل اور اُن علوم کی طفیل جو اُسے
ان آیات کے نزول سے پہلے معلوم نہ تھے۔ یہ الفاظ جو برنگ پیشگوئی ہیں یہ
اُس علیم اور قدیر خدا کی ہستی کا پتہ دیتے ہیں جس کے علم میں ایک زمانہ علم کا
آنیوالا ہے۔ جب انسان قلم و کاغذ کے ذریعہ علمی فتوحات حاصل کر کے کل
کائنات میں مکرم ہوگا۔ وہ علیم خدا ان اسباب سے واقف ہے کہ جو دنیا میں ہیں
اور جن کے جمع ہونے پر وہ نتائج مرتب ہونیوالے ہیں۔ اور وہ قدیر خدا بھی
ہے کہ جس کے حیطۂ قدرت میں اُن اسباب کو جمع کرنا ہے کہ جس سے انسان قلم

اور علم کے ذریعہ کائنات کا مالک ہو جاویگا اور آج زمانہ نے دیکھا کہ جو الفاظ اُس علیم اور قدیر خدا نے تیرہ صد برس پہلے کہے وہ آج کیسے پورے ہوئے۔ دراصل یہ امر ہستی باری تعالیٰ کا خود ایک ثبوت ہے، اور پیشگوئیاں خدا کے نبی اسی لئے کیا کرتے ہیں ؛

مبارک ہے وہ دین جس کا نام اسلام ہے یعنی قوانین آلہیہ کی متابعت اور اطاعت۔ جس کے نام میں اشارہ ہے کہ اسلام کے نام لیوا۔ قوانین آلہیہ کی واقفیت کے لئے علوم جدیدہ سیکھیں مبارک ہے وہ مکرم معظم انسان علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام جس کی تشریف آوری کی ایک غرض علم الانسان مالم یعلم یعنی تعلیم علوم جدیدہ ہوں۔ مبارک ہے وہ کتاب جس نے پیدائش آدم کی ایک زبردست غرض علوم جدیدہ کا حاصل کرنا اور اُن کے ذریعہ مسجود ملائکہ کائنات ہونا بتلایا۔ پرانے قرآن پڑھنے والوں کی اولاد کیا کل دنیا میں سب سے اوّل تم ان آیات کے مخاطب نہ تھے تم نے قرآن میں نہ دیکھا تھا کہ آدم مسجود ملائکہ اگر ہوسکتا ہے تو علم کے طفیل آدم کا اگر حقیقی ورثہ ہے تو علم۔ خدا کی اگر تمھیں بنانے کی منشاء ہے تو علم۔ لیکن تم بتلاؤ تم نے منشاء خداوندی کو پورا کیا۔ کیا تم علم حاصل کرکے زمین پر اُس کے خلیفہ بنے پر خیر تم نے خدا کی منشاء نہ سہی فرشتوں کا خیال تو پورا کر دیا ؛

آدم کی پیدائش پر آدم کے متعلق دو باتوں کی توقع دو طرفوں سے کی گئی تھی۔ اگر خدائے تعالیٰ اس امر کا آدم سے متوقع تھا کہ اولاد آدم فرشتوں کی مسجود ہوگی تو ملائکہ کی توقع وہ تھی جو اُن کے اس قول سے ظاہر ہوئی۔

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ

کیا آدم کو اس لئے بنایا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں موجب فساد اور قتل مقاتلہ کرے۔ چلو خلیفۃ الارض کی حیثیت میں مسجود ملائکہ نہ سہی مفسد زمانہ سہی یہ ہم سے کب ہوسکتا تھا کہ ملائکہ جیسے وجود ہم سے ایک توقع رکھیں اور ہم اُس کو پورا نہ کریں۔

کونسا فساد ہے جو ہم نہیں کرتے۔ کونسی مفسدہ پردازیاں ہیں جو ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل نہیں۔ کونسی اصلاح ہے کہ جس کے مقابل عَلَمِ مخالفت ہم بلند نہیں کرتے ہم ہیں کہ قعرِ مذلت میں روز بروز گرتے جاتے ہیں۔ جاہلانہ زندگی سے ہم کو عار نہیں اخلاق ہمارے تباہ ہو رہے ہیں۔ معاشرت ہماری بگڑی ہوئی ہے۔ سوسائٹی ہماری بدکرداریوں کا پردہ۔ فسق و فجور کے ہم بادشاہ۔ جائدادیں ہماری نیلام وثیقہ ہمارے رہن نہ غربت کا احساس نہ شرافت کا خیال حوالات ہیں تو ہم سے معمور جیل میں شاہی مہمان ہیں تو ہم شراب خانہ کے مربی ہیں تو ہم۔ قمار خانہ کی باعثِ رونق ہیں تو ہم۔ جائدادیں بکتی ہیں تو ہماری وثیقوں پر اُدھار کھاتے ہیں تو ہم۔ اچھا یہ تو وہ باتیں ہیں جن کے متعلق آپ میں سے تعلیم یافتہ طبقہ یہ فرمائے کہ یہ باتیں اُن سے تعلق رکھتی ہیں جو شاید ہماری قوم میں سے زیور علم سے معرّا ہیں لیکن مجھے آپ معاف فرماویں اگر مَیں اپنے ہم چشم تعلیم یافتہ اصحاب سے دریافت کروں کہ کیا آپ ایک دوسرے کے مقابل پر آج سر پیکار نہیں۔ کیا آئے دن انجمنوں میں کمیٹیوں میں مجلسوں میں ہماری ذاتی غرضیں ہمیں ایک دوسرے کے مقابل نہیں لا رہی ہیں کیا ہم ایک دوسرے پر الزام لگانے میں مشاق نہیں۔ اگر اتفاقاً ہم میں سے کوئی قومی خدمت کا ذمہ لے لے تو کیا ہم اُس پر نفسانیت کا الزام دینے کو طیار نہیں ہم نہ خود کوئی کام کرتے ہیں اور جو کر رہے ہیں چلو ذاتی غرض سے ہی سہی اُن کو کرنے نہیں دیتے کیا اگر ہم میں کوئی محض فضل ربی سے صف اول میں آجاوے اور گورنمنٹ کے مراحم خسروانہ کا مورد ہونے لگے تو ہم میں حسد نہیں بھڑک اُٹھتا اور اُس کی پبلک میں تضحیک و تذلیل کے ہم درپے نہیں ہوجاتے کیا بعض وقت آفیشل سرکل میں عزت پانے کے لیئے ہم قوم فروشی دین فروشی دوست فروشی نہیں کیا کرتے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے دماغ روشن ہیں اور ہم اصلاح کے لیئے آئے دن انجمنوں اور اسوسی ایشنوں کی بنیاد بھی ڈالتے

ہیں۔ لیکن خدارا بتلاؤ انجمنیں جو ہم بناتے ہیں، قوم کو فائدہ پہنچانے کے لیئے
یا اپنے کلاہ عزت میں ایک پر اور لگانے کے لیئے یعنی اُن دو تین چوٹی کے
عہدوں کو حاصل کرنے کے لیئے کہ جس سے ہم دنیا میں فلاں انجمن یا
اسوسی ایشن کے پریسیڈنٹ یا سکرٹری کہلائیں کیا اگر چلتی ہوئی انجمنوں میں ہمیں عہدہ
نہ ملے تو اُن انجمنوں کی بیخکنی کرنے کے لیئے ہم نئی انجمنیں نہیں بنالیا کرتے۔
بسا اوقات قومی مفاد اور قومی انٹرسٹ کو ہم نے نفسانیت کے مذبحہ پر قربان
نہیں کیا۔ ہم میں کون ہے جس نے قوم کی خدمت کی لیکن خطاب حاصل
کرنے معزز عہدہ پانے اور بڑے آدمی کہلانے کے خیال کو سر سے نکال دیا
ہم تعلیم پاکر بیشک چار پیسے کما لیتے ہیں ہم اور ہمارے خاندانی تعلق والے
خوش حال زندگی بسر کرتے ہیں۔ لیکن کیا اُس روپیہ میں قوم کا بھی کوئی
حصہ ہے؟

ہم کو اپنی ڈگریوں اور اعلیٰ تعلیم پر تو بڑا دعویٰ ہے لیکن حقیقی کام اگر
تعلیم کا معیار سمجھا جاوے اور اس معیار پر ہمیں پرکھا جاوے تو گذشتہ
پچاس سالوں میں ہماری تعلیم یافتہ جماعت نے کتنے نورالدین کتنے
اسمٰعیل شہید کتنے سید احمدؒ کتنے نذیر احمدؒ کتنے مہدی علی کتنے مشتاق حسین
پیدا کیئے۔ او ہو یہ تو بڑا مطالبہ ہے ہم تو اُس جوش کو بھی قائم نہیں رکھ
سکتے اور اُس سے فائدہ اٹھانا نہیں جانتے جو بعض تحریکات سے ہمارے
بزرگ ہم میں پیدا کردیتے ہیں وہ جوش اور سرگرمی کا دریا جو سر آغاخاں نے
اگلے دن ہماری قوم میں بہا دیا جس کی موجوں کو دیکھکر ایک زمانہ دریائے حیرت
میں غرق ہوگیا جس پر کل دنیا پکار اُٹھی کہ مسلمان زندہ ہیں افسوس اُس
سرگرمی اور اُس زندگی پر ایک سال بھی نہ ہوا کہ اُوس پڑ گئی۔ ایک لہر زندگی
کی تھی جو اُٹھی اور بیٹھ گئی۔ پھر وہی مُردنی وہی سراسیمگی وہی سہل انگاری
وہی غفلت یہ کیوں اس لیئے کہ ہم میں عقد ہمت نہیں ہم میں استقامت

نہیں ہم میں قوت فیصلہ نہیں ہم میں استقلال نہیں ہم قول مردان جان دارد
کے قائل نہیں۔ ہم میں ایفائے عہد نہیں ہم میں مروّت نہیں ہم میں ایثار
نہیں ہم میں قدردانی کا مادّہ نہیں ہم میں شجاعت نہیں ہم میں صبر نہیں
کسی قانون مذہبی اور عرفی کے ہم پابند نہیں اِلّا ماشاء اللہ۔ اور میں فی الجملہ
کہتا ہوں کہ ہم میں تقویٰ و طہارت نہیں۔ اور یہ وہ اخلاق ہیں جو قوم بنانے
کے لیئے ضروری تھے۔ یہ کیوں یہ اس لیئے کہ ہم نے اُن علوم سے مُنہ موڑا
جن کے حاصل کرنے پر ہم میں یہ اخلاق فاضلہ پیدا ہوتے ہم نے اُس
کتاب کو پس پشت کیا جو انسان کو انسان بنانے کے لیئے دنیا میں آئی۔
کیا مراکو طرابلس اور ایران کے معاملات نے اسلام کی حالت کو زیادہ
مخدوش کر دیا ہے۔ مَیں کہتا ہوں نہیں۔ اگر اس زمانہ نے غلبت الروم
فی ادنی الارض کے واقعات کو دُھرایا ہے تو وھم من بعد غلبھم
سیغلبون کا مژدہ بھی عنقریب دُھرایا جاوے گا۔ اصلی اور حقیقی
خطرہ میں تو اسلام کو یورپین اقوام نے نہیں بلکہ انگریزی خوانوں نے
خود ڈال رکھا ہے اور بالفرض اگر عیسائی اقوام نے ہمارے بھائیوں سے
کچھ ملک چھین لیا تو کیا ہوا۔ تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ
(پ ۴ ع ۵)۔ لیکن ہم انگریزی خوان تو اپنے بھائیوں کا دین و ایمان تک
چھین کر رہیں گے۔ کون نہیں جانتا کہ قوم کی آنکھ اس وقت
انگریزی خوان جماعت پر ہے کون نہیں جانتا کہ ہمارے افعال و اقوال
ہمارے متعلقین پر کسقدر اثر ڈال رہے ہیں وقار الملک اور اُس کے
معاصرین بُڈھوں کو گذرنے دو تو پھر کل کی کل قوم ہمارے رنگ میں
رنگین ہونیوالی ہے۔ لیکن کیا ہم خود اسلامی رنگ میں رنگین ہیں یا کعبہ
چھوڑ کلیسیا کو جا رہے ہیں اگر بعض یورپین اقوام اسلام کے لیئے خیر اندیش
نہیں تو ہم کہاں کے خیرخواہ ہیں اگر یہی اسلام ہے جو ہم میں ہے تو بتلاؤ

کتنے دن کا یہ مہمان ہے او کامریڈ وا اے خدا تیرا بھلا کرے کیا سچ تو نے کہا ہے کہ اسلام اقوام یورپ سے نہیں بلکہ تعلیم یافتہ مسلمانوں سے زیادہ خطرہ میں ہے۔ آخر اسلام کس کا نام ہے بخش اور دین کا جزو نام ہونا اگر یہی ہے تو کیوں تم کو گنگا دین۔ ماتا دین اور دیوی بخش کا بھائی نہ سمجھا جاوے۔ اور اگر اسلام کی تمیز کے لیئے شعار اسلام ہونے چاہییں تو بتلاؤ وہ ہم میں کہاں ہیں؟ خدا کی کتاب ہے تو پس پشت۔ فرائض اسلام ہیں تو متروک۔ سنت نبوی ہے تو ناقابل توجہ۔ کیا جس طریق اباحت کو ہم نے اختیار کر رکھا ہے ... یہ پچاس سال میں اسلام کی ہیئت کو نہ بگاڑ دیگا دیکھو اسلام کا ایک نشان اسلامی نماز ہے۔ بتلاؤ ہم میں سے اس کے کتنے پابند ہیں کیا یہ مڈل ایجز (ایام وسطی) کی وحشیانہ رسوم کا بقیہ ہے جو ہمارے گلے سے اترتا نہیں یا اُس حکمت و فضیلت کے سرچشمہ نے کسی خاص حکیمانہ اصول پر ہمارے لیئے اسے اختیار کیا تھا کہ جس کا نام جانم فدا محمدؐ ہے کیا نماز کا حکم کسی حدیث کی بنا پر ہے جسے ہم وضعی یا ضعیف ٹھہرا کر پیچھا چھڑالیں یا اس کا ذکر اُس کتاب حفیظ میں ہے جس کی شان میں اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ آیا ہے وہ نماز جو سفر میں حضر میں۔ امن میں جنگ میں چھوڑی نہ جاسکتی تھی جتی کہ تلواروں کی چھاؤں اور نیزوں کے سایہ تلے جس کے پڑھنے کے لیئے قوانین قرآن نے مرتب کیئے تھے وہ نماز آج کیا ہے افسوس یہ ہماری حالت ہے ہمارا نقشہ یہ بیخکنی اسلام کی خود ہمارے ہاتھ سے اور اٹلی کی قزاقی پر ہم کو رنج۔ یہ سب کچھ کیوں اس لیئے کہ ہم نے قرآن کو چھوڑا ؟

درس قرآں نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا	یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا
ہم نے قرآں کو مسلک جو بنایا ہوتا	قوم کے خفتہ نصیبوں کو جگایا ہوتا
ڈالتے ہم نہ پس پشت اگر قرآں کو	میرے آقا کو نہ محشر میں رلایا ہوتا
چاٹ لیں تم نے کتب فلسفہ اور منطق کی	ہاتھ بھولے سے بھی قرآں کو لگایا ہوتا

لائی ہر ڈاک تیرے واسطے لنڈن سے کتاب
گھر سے ہمسایہ کے قرآں بھی منگا یا ہوتا

غیر یورپ کی ہی تقلید اگر مقصد ہے
تو نمونہ اُسے ہر طرح بنا یا ہوتا

وہ جو انجیل یہاں تجھ کو سنانے آئے
تُو نے قرآن وہاں جا کے سنا یا ہوتا

قوم کا لفظ ترے ورد زباں رہنا ہی
قوم کو راز ترقی بھی بتا یا ہوتا

قوم کے درد کا درماں ہے تو یہ قرآں ہی
مفلسی میں کوئی ساماں ہے تو یہ قرآں ہی

کچھ تو بتلاؤ کہ تھا کونسا فطرۃ کا وہ راز
جس سے اسلاف تمہارے ہوئے سب پر ممتاز

باغ عالم میں وہ تھی صورت مرغ بے پر
کس کے اُڑنے سے اُڑے یہ نرالے انداز

اُڑ کے اس عالم سفلی سے فلک بوس ہوئے
پر شکستوں کو دیا کس نے مذاق پرواز

کس نے تعلیم دیئے علم لدنی اُن کو
قوم امی تھی فضیلت کے لیئے مایۂ ناز

صید ہونے لگے مرغان علوم عالم
اُنکی تحقیق کے اُڑنے لگے جب جرہ باز

کس نے وہ اوج کمال اُن کا کیا نصب العین
منتہی غیر کی اور اُن کا ابھی ہو آغاز

ہم نفس ہو کے وہ کیا راگ انہوں نے چھیڑا
نظم عالم کے قوی ہو گئے اُنکے دمساز

کچھ تو اے قوم بتا کونسا وہ افسوں تھا
تیرے اسلاف نے جس سے یہ دکھائے اعجاز

مَیں یہ کہتا ہوں وہ اعجاز یہی قرآں سے ہے
اور ترقی کا تری راز یہی قرآں سے ہے

پیارو وہی قرآن ہے اور وہی اُس کے مقدس الفاظ۔ اگر اس میں پہلے اعجاز تھا تو اب بھی وہی ہے۔ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیلًا۔ خدا را تاریخ زمانہ دیکھو کیا عربوں سے زیادہ جہالت اور اخلاقی پستی میں کوئی قوم ہوگی۔ جب قرآن آیا۔ پھر کیا وہ اُس کی طفیل جس معراج ترقی پر پہنچے اُسکی نظیر کہیں ہے؟ اور پھر مَیں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جسقدر اقل سے اقل زمانہ تمہارے بزرگوں نے اس کتاب پر چلکر منازل ترقی طے کرنیکے لیئے لیا۔ کیا وہ خود ایک حیرت انگیز واقعہ دنیا کی تاریخ میں نہیں۔ اور پیارو تم تو تعلیم یافتہ ہو جو ایام جاہلیت

کے عرب نہ تھے۔ آپ زیور علم سے آراستہ ہیں جو قرآن سے پہلے وہ نہ تھے۔ آپ کی عقلیں صیقل شدہ ہیں آپ کی طبیعت منجھ چکی ہے اور یہ بات اُن کو نصیب نہ تھی۔ اگر وہ ایام جاہلیت سے نکلکر قرآن کی طفیل یہ کچھ کر گئے۔ تو اس علم و روشنی کے زمانہ میں تم کیا کچھ کر سکتے ہو۔ پیارو میں تم کو سچ سچ کہتا ہوں اور اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں قرآن کا اگر کوئی قدردان ہو سکتا ہے تو تم انگریزی خوان قرآن کے معارف اور معانی پر جان قربان کرنیکی کوئی اہلیت رکھتا ہے تو تم نو تعلیم یافتہ اس بحر علوم کے دُرِ شاہوار کا اگر کوئی غواص ہے تو تم گر بجوایٹ ذرا اس عروس حکمت و فضیلت کا نقاب تو اُٹھاؤ تو پھر کیا مجال کہ اس کے بے داموں غلام نہ بنجاؤ۔ بیسیوں نیوٹن سیکڑوں ہیزل ہزاروں لاک اور لاکھوں سپنسر٭ اسپر تم قربان کرو گے۔

سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔

کی حقیقت سے اطلاع دینے کے بعد کیا ریناّن کا حق ہے کہ وہ اسلام کو علم و فضیلت کی روک بتلائے۔ کیا عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کی تعلیم کے بعد یورپین مورخین کا حق ہے کہ وہ اسلام پر حملہ کریں اور کہیں کہ اس نے صدیوں تک یونانی اور رومی حکمت و فلسفہ کی ترقی کو مسدود کر رکھا۔ لیکن انکا کیا قصور ہم خود اس معارف سے آگاہ نہیں تو انکو کون اطلاع دے۔ اے قرآن کے سچے خادم ہونیکے مستحق گریجوایٹو اُٹھو جاگو ہوشیار ہو جاؤ اگر یورپین قومیں من کل حدب ینسلون کی پیشگوئی پوری کرتی ہوئیں ممالک مختلفہ کو فتح کر رہی ہیں تم روحانیت اور اخلاق کے ساتھ علم و فضیلت کے ساتھ قرآن کے حقائق و معارف کے ساتھ انکے دلوں کو فتح کر لو۔ اُن کے دین و مذہب پر فتح اُن کے گرجاؤں پر اُن کے کلیسیوں پر بالآخر انکی یونیورسٹیوں پر۔ اور یاد رکھو اسلام کی یہ فتح اب مقدر ہے وہ ہو کے رہے گی ہاں۔

بمفت ایں اجر نصرت را دہندت اے اخی ورنہ ٭ فضلے آسمانست ایں بہر حالت شود پیدا

٭ یہ یورپین فلاسفروں کے نام ہیں۔

یورپ کی سوسائٹی پر چند ایک اصول حکمت حکمران ہیں جنکے مجموعہ کا نام ریشنلزم ہے۔ اُن اصولوں پر غور کرو اور میں آپ کو علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ وہ اصول سب کے سب یا تو بجنسہٖ یا اُن سے بہتر تم قرآن حکیم میں پاؤ گے۔ دنیا میں یہ اصول چھٹی صدی عیسوی سے پہلے نہ تھے اور یورپین محقق کہتے ہیں کہ گذشتہ دو ایک صدی کی تحقیق کا نتیجہ یہ اصول ہیں جاؤ اور اُن کو بتلاؤ کہ انکا ماخذ تیرہ صد برس سے پہلے دنیا میں آچکا ہے وہ تمھارے خود بخود غلام ہو جاویں گے۔ وہ مسجود ملائکہ تو ہیں لیکن یہ امر چنداں قابل رشک نہیں وہ تو اُن ملائکہ کے مسجود ہیں جو عالم سفلی سے تعلق رکھتے ہیں اور تمھارے بزرگ تو علیین کے بادشاہ تھے اگر آگ پانی ہوا اور بجلی کے فرشتے ایک حد تک اُن کے زیر فرماں ہیں تو تم روحانیات اور اخلاق فاضلہ کے فرشتوں کو اپنا تابع فرمان کرو۔ اور یہ وہ بات ہے جو انہیں نصیب نہیں۔ آج اٹلی کی قزاقی اور اُسپر یورپ کی خاموشی نے یورپ کی تہذیب کا بُت اُس کے اونچے سے اونچے معبد سے نیچے خاک میں گرادیا اور اچھا ہوا جو ہماری نگاہ سے اُن کی تہذیب کی وقعت جاتی رہی۔ اور یاد رکھو یہ تاریخ کا سچا مسئلہ ہے کہ اخلاق فاضلہ کے ماتحت عالم اسفل کی چیزیں آجاتی ہیں۔ اگر روحانیات کے اور اخلاق فاضلہ کے ملائکہ تمھیں سجدہ کرنے لگ جاویں تو عالم سفلی تو انکی اطاعت سے الگ نہیں۔ یہی وہ راز ترقی ہے جو تمھارے بزرگوں کو نصیب ہوا۔

اے تعلیم یافتہ جوانو! اسلام تم سے ایک فدیہ مانگتا ہے اور بحمداللہ تم اُس فدیہ کے قابل ہو۔ وہ فدیہ تمھارے ذہنی قویٰ تمھارے سلجھے ہوئے دماغ اور منجھی ہوئی عقلوں کا کچھ حصہ ہے۔ تم سے خدائے اسلام خدائے محمدؐ اور خدائے قرآن خدمتِ قرآن چاہتا ہے اور تم اُس خدمت کے

قابل ہو سکتے ہو۔ مگر اُس وقت جب تمھارے ہاتھ میں قرآن تمھارا شعار اسلام تمھارے سر سجدوں میں اور تمھارے ہونٹ روزوں سے خشک۔ تمھارے مالوں وقتوں اور ذہنی قوتوں میں خدا کا حصہ بصورتِ زکوٰۃ۔ تم ٹھیک اُسی طرح خدا کی راہ میں ذبح ہونے کے لیئے طیار ہو جاؤ جس طرح تم قربانیوں کو ذبح کرتے ہو۔ تم جس طرح اللہ اکبر کی چھری اُنکی گردن پر پھیرتے ہو اُسی طرح خدا کی راہ میں قوم کی خدمت میں۔ دین کی عزت میں۔ اپنے خیالات پر اپنے جذبات پر اپنی آسائشوں پر اپنے گھروں کی محبت پر اور اولاد کے تعلق پر قربانی اللہ اکبر کی خاطر اور اُس کے نام پر چُھری پھیر دو کیونکہ اصل مقصد ملاً کا یہی ہے۔ فی الجملہ تم مسلمان بنجاؤ تو پھر ممکن ہے کہ خدا کی طرف سے نصرت کا دروازہ تمپر کُھل جاوے۔

ریویو

دافع البلاء والطاعون والوباء۔ یہ رسالہ انجمن احمدیہ حیدر آباد دکن ذکو ملہ عالیجاہ۔ بی بی بازار نے ان دنوں میں جب کہ علاقہ حیدر آباد میں طاعون زور سے پھیلی ہوئی تھی تبلیغ کی غرض سے شائع کیا ہے۔ اس میں حضرت اقدس کی تحریروں میں سے دس مختلف مقام طاعون کے متعلق انتخاب کر کے نقل کیئے گئے ہیں اور آخر میں طاعون سے بچنے کے لیئے حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح علیہما الصلوٰۃ والسلام کی فرمائی ہوئی دعائیں درج کی گئی ہیں۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء

کلمۃ اللہ اعنی ابن عبد اللہ۔ یہ رسالہ مولوی الہ دین صاحب لدھیانوی واعظ انجمن حمایت اسلام نے ایک پادری کے جواب میں لکھا ہے جس میں قرآن مجید کے رُو سے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونے کے متعلق مفصل بحث کی گئی ہے رسالہ قابل دید ہے۔ مولوی صاحب موصوف کو مسیحی مذہب سے خاص دلچسپی ہے اور اُن کی تحریریں اس مذہب کے متعلق بہت مفید ہوتی ہیں اس رسالہ پر اُنہوں نے قیمت نہیں لکھی۔ ۲۶ صفحہ کا رسالہ ہے۔ مصنف سے مل سکتا ہے۔

آریہ دھرم کا پول۔ شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور نے اپنے ایک لیکچر کو جو انہوں نے ۷۔ مئی ۱۹۱۱ء کو انجمن احمدیہ بٹالہ کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر دیا تھا سامعین کی خواہش کے مطابق ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ آریہ دھرم کے پول کو خوب اچھی طرح سے ظاہر کرتا ہے۔ اس مذہب کا نقشہ مختصر رنگ میں بڑی عمدگی کے ساتھ کھینچا گیا ہے صفحے ۲۴ قیمت ۱ر

ادعیۃ الاحادیث۔ مؤلفہ محمد ظہور الدین اکمل آف گولیکے۔ اس رسالہ کا مضمون اس کے نام سے ظاہر ہے مؤلف رسالہ عرض حال میں لکھتے ہیں۔

"اب خدا نے مجھے توفیق دی کہ میں نے احادیث کی تمام دعائیں جمع کیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات کے لئے اپنی امت کے افراد کو فرمائیں۔ یہ وہ دعائیں ہیں۔ جو خدائے تعالیٰ کے حضور قبولیت کی سند لے چکی ہیں پس کیا ہی خوش قسمت ہے وہ انسان جو یہ دعائیں اپنا وظیفہ بنائے" دعاؤں کا ترجمہ سلیس اردو نثر میں دیا گیا ہے۔ ادعیۃ القرآن (قرآن مجید کی دعاؤں) کا ترجمہ انہوں نے نظم میں دیا تھا۔ ۴۲ صفحے قیمت صرف ۱ر دفتر تشحیذ الاذہان قادیان سے طلب کرو۔

نیر اسلام۔ یہ ۸۴ صفحہ کی کتاب شیخ رحیم بخش صاحب نومسلم واعظ اسلام نے تصنیف کی ہے۔ جسمیں۔ صداقت اسلام۔ بائبل کی پیشگوئیوں۔ قرآن شریف

کی بعض خوبیوں۔ اور روح القدس کے نزول پر مفصل بحث کی ہے۔ خصوصاً بائبل کی پیشگوئیوں پر یہ کتاب بہت محنت سے تیار کی گئی ہے۔ خدائے تعالےٰ مصنف کو جزائے خیر دے۔ قیمت ۵۔ر ملنے کا پتہ محمد یمین صاحب سہارنپوری تاجر کتب قادیان ؛

احمدی پاکٹ بک حصہ اوّل و دوم } یہ دو رسالے جیبی تقطیع پر سید عبدالحی صاحب عرب (مولوی فاضل) قادیان نے حال میں تالیف کیئے ہیں۔ ان رسالوں میں مندرجہ ذیل مضامین پر ناظرین کے فائدہ کے لیئے مختصر لیکن کافی بحث کی گئی ہے۔ (۱) قرآنی آیات متعلق وفات مسیح (۲) لفظ توفی کے معنے قرآنی آیات کے رُو سے (۳) لفظ توفی کو آنحضرت صلعم صحابہؓ اور اُمہات المومنینؓ نے موت کے معنوں میں استعمال کیا (۴) وفات مسیح احادیث کے رُو سے (۵) انی متوفیك اور فلما توفیتنی کی تفسیر کتب تفاسیر میں۔ (۶) توفی کے معنی لغت عرب کے رو سے (۷) لفظ خلا کی تحقیق۔ اوّل قرآن شریف کے رو سے۔ دوم احادیث کے رو سے سوم کتب تفاسیر کے رُو سے۔ (۸) خاص پانچ آیات متعلقہ وفات مسیح کی تفسیر متقدمین مفسرین کے رو سے (۹) لفظ رفع کی تحقیق بطریق بالا۔ (۱۰) لفظ نزول کی تحقیق بطریق بالا۔ (۱۱) دجال کے متعلق لفظ نزول کا استعمال (۱۲) وفات مسیح کے متعلق پہلے نیک لوگوں کی گواہی۔ (۱۳) عدم رجوع موتیٰ (۱۴) دجّال کی تحقیق (۱۵) مجددین اسلام (۱۶) آخری زمانہ کے علامات اور مسیح اور مہدی کا ظہور - (۱۷) ثبوت دعویٰ مسیح موعودؑ۔ اوّل قرآن مجید سے دوم احادیث سے سوم نشانات آسمانی سے۔ (۱۸) خدمات مسیح موعودؑ۔ یہ مضامین صرف پہلے حصہ کے ہیں۔ اس سے ناظرین اس پاکٹ بک کے مفید ہونے کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ دونوں حصوں کی قیمت ۱۴؍ مؤلف سے طلب کرو ؛

ایک قرآنی پیشگوئی

(سلسلہ کے لیئے ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر)

سیل کا اعتراض متعلق پیشگوئی

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ

مسیحی پادری ایسی بیّن پیشگوئی کے ماننے میں بہت پس و پیش ظاہر کرتے ہیں۔ اور انہوں نے سچائی کو چھپانیکے لیئے بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ لیکن انکی تمام کوششیں ایسی ہیں جنکو دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔ سیل کے اعتراض کی بنا صرف مفسرین کے اختلاف رائے پر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ پیشگوئی صریح طور سے پوری ہوئی۔ مگر وہ تکمیل کی تفصیل میں متفق نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ایرانیوں کو سنہ ہجری سے پانچ سال پہلے فتح حاصل ہوئی تھی۔ اور رومیوں نے انکو جب شکست دی اسوقت سنہ ہجری کا دوسرا سال تھا۔ جس سال کہ بدر کا معرکہ ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں ایرانیوں کو سنہ ہجری سے تین یا چار سال پہلے فتح ہوئی تھی اور رومیوں نے انکو سنہ چھ یا سات ہجری میں شکست دی جبکہ صلحنامہ حدیبیہ واقع ہوا۔"

ان دونوں راؤں میں سے کونسی صحیح رائے ہے۔ اس کا دریافت کرنا کوئی مشکل امر نہیں صرف ضرورت اتنی ہے کہ ہر شخص اول پیشگوئی کے اصل الفاظ کو دیکھ لے اور پھر تاریخ کا ملاحظہ کرے دونوں کے ملانے سے صحیح واقعات کا پتہ لگ جانا بہت سہل امر ہے۔ کیونکہ اس طرح بخوبی پتہ لگ جاتا ہے کہ کب یہ پیشگوئی شائع ہوئی اور کب پوری ہوئی۔ خود آیت پر غور کرنے سے پتہ لگ جاتا ہے کہ وہ سنہ ۶۱۵ عیسوی کے بعد نازل ہوئی۔ سیل خود لکھتا ہے "تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ خسرو پرویز شاہ ایران نے جب رومی سلطنت پر چڑھائی کی تو اس کو فتوحات نمایاں حاصل ہوئیں۔ اس لڑائی کی وجہ یہ ہوئی کہ خسرو پرویز کے خسر کو فوکس نے قتل کر ڈالا تھا۔ اس کا انتقام لینے کے لیئے خسرو نے مشرقی رومی سلطنت جسکو یونانی سلطنت بھی کہہ سکتے ہیں چڑھائی کی۔ رومی تاب مقابلہ نہ لاسکے نتیجہ یہ ہوا کہ قریبًا بائیس سال تک ایرانی فتح پر فتح حاصل کرتے گئے۔ خاص کر کے ۶۱۵ عیسوی میں یعنی سنہ ہجری سے چھ سال پہلے۔ اسوقت ایرانی اپنے عروج پر پہنچ گئے۔ اس سے ایک سال قبل انہوں نے

شام فتح کرلیا تھا اور اب انہوں نے فلسطین پر قبضہ کرکے یروشلم پر جھنڈا گاڑ دیا۔ غالباً اس آیت کا
اشارہ اسی واقعہ کی طرف ہے کیونکہ یہی واقعہ الفاظ آیت سے مطابقت کھاتا ہے۔ اور عربوں کو خواب خرگوش سے
بھی بیدار کرنیوالا یہی واقعہ ہوسکتا ہے کیونکہ فلسطین اور یروشلم انکی سرحد پر واقع ہیں۔ اسوقت
رومیوں کا حال ایسا پتلا ہوگیا تھا کہ بظاہر کوئی وجہ انکے سر اٹھانے کی معلوم نہ ہوتی تھی۔ غالب آنا تو درکنار
اپنی کھوئی ہوئی طاقت کا بحال کرنا ایک ناممکن امر معلوم ہوتا تھا ایسی حالت میں انکا ایرانیوں کو چشم زخم
پہنچانا غالباً وہم میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ اور ہو بھی کیسے سکتا تھا کیونکہ ۶۱۵ء کے بعد بھی ایرانیوں کو پہلے
سے بھی زیادہ فتوحات حاصل ہوئیں یہانتک کہ انہوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔"

اس سے ظاہر ہے کہ سیل کی رائے میں یہ پیشگوئی ۶۱۵ عیسوی کے بعد کی ہے۔ کیونکہ غُلِبَتِ الرُّومُ
والی آیت فلسطین کی فتح کے بہت بعد نازل ہوئی۔ سیل اس بات کا بھی مقر ہے کہ جب یہ پیشگوئی
شائع کی گئی اسوقت رومی سلطنت بڑی مصیبت میں مبتلا تھی۔ اور اسوقت بالکل امید نہ تھی کہ
رومی اپنے نقصانات کو پورا کرسکیں گے۔ ایرانیوں کو نقصان پہنچانا تو بالکل الگ رہا۔ رہا اب معاملہ
پیشگوئی کے پورا ہونیکا۔ تاریخ کھولکر بتلاتی ہے کہ ایرانیوں پر جب معاملہ صورت دگرگوں اختیار کرنے
لگا اسوقت سنہ عیسوی ۶۲۳ تھا جبکہ رومیوں کو پہلی فتح نصیب ہوئی۔ میں پہلے بھی ذکر کرآیا ہوں
کہ پہلی فتح ہرقل کو ۶۲۳ء عیسوی یعنی ہجرت سے ۶ ماہ بعد نصیب ہوئی۔ اس کے بعد فتح ہمیشہ ہرقل کے
شامل حال رہی۔ یہانتک کہ اس نے آذربایجان پر حملہ کرکے ایرانیوں کے ایک بڑے آتشکدہ کو
تباہ کردیا۔ دیکھو انسائیکلوپیڈیا برٹینکا۔ گیارھویں ایڈیشن جلد ۱۲ صفحہ ۲۲۴۔

ہرقل کی یہ کامیابی خسرو پرویز کی کامیابی کے عین مشابہ اور بمقابل تھی۔ کیونکہ جب خسرو پرویز نے
یروشلم کو ہلّا کرکے فتح کرلیا تو جو تباہی آتشزدگی کی وجہ سے وقوع میں آئی اس میں قبر مسیح اور ہیلینا اور فلسطین کے
گرجے سب جلکر راکھ ہوگئے یا کم سے کم انکو سخت نقصان پہنچا۔ ایک دن کی ظالمانہ کارروائی نے تین سو سال کے
چڑھاوے چشم زدن میں تباہ کردیئے۔ ایرانی سردار کاہن زکریا اور اصلی صلیب کو ایران لے گئے۔ ان
نقصانات کی تلافی جنکی وجہ سے یہ پیشگوئی وقوع میں آئی ہرقل نے ۶۲۴ عیسوی میں کی بقول گبن
"ہرقل کے احکام کے بموجب اس کے سپاہیوں نے ہزاروں سال سے جلتی ہوئی مقدس آگ کو بالکل بجھادیا۔
اور آتش پرستوں کے مندروں کو تباہ کردیا۔ جسقدر شاہان ایران کے مجسمہ قائم تھے اور جن کو اپنے

زمانوں میں خدائی کے دعوے تھے ان تصویروں کو آگ کے سپرد کر دیا گیا یہانتک کہ رومی سپاہیوں نے ارومیہ کو تباہ کر دیا تھا جو حضرت زردشت کا زاد بوم تھا اور اس طرح اس بے حرمتی کی کچھ حد تک اس نے تلافی کر لی جو ایرانیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کے مقدس مقامات کے متعلق ظہور میں آئی تھی۔" ہرقل کی ان فتوحات نے کچھ حد تک نہیں بلکہ اس بے حرمتی کا جو ایرانیوں سے سرزد ہوئی تھی پورا پورا بدلہ لیا عیسائی اسکو پورا بدلہ نہ سمجھیں کیونکہ وہ اپنی نادانی اور کم فہمی سے مسیح کو خدا سمجھے ہوئے ہیں مگر اس طرح ایرانی بھی اپنے شاہان کو خدا اور حضرت زردشت کو خدا سے بڑھا ہوا سمجھتے تھے۔ لیکن ایک تاریخ نویس کی نظر میں اور ایرانیوں کے نقطہ خیال سے جو بے حرمتی ہرقل کے ذریعہ ایرانیوں کے مقدس مقامات کی وقوع میں آئی وہ مسیحیوں کے مقدس مقامات کی بے حرمتی سے بدرجہا بڑھکر تھی۔ اور چونکہ ہرقل کی یہ فتح خسرو پرویز کی اس فتح کی مقابل تھی جو فتح یروشلم کے وقت ظہور میں آئی تھی اور جس کے متعلق خدائے تعالیٰ فرماتا ہے غُلِبَتِ الرُّوْمُ اس لئے ہرقل کی اس فتح کو پیشگوئی کا اتم طور سے پورا ہونا خیال کرنا چاہیئے۔ ہاں ہم اس بات کے کہنے سے رک نہیں سکتے ہیں کہ ہرقل کی دانائی قابل تحسین ہے کہ اس نے پچاس ہزار قیدیوں کی رہائی کیلئے حکم دیدیا۔ گبن کہتا ہے کہ اس احسن تدبیر کی وجہ سے ہرقل کی نیکدلی کی شہرت جابجا ہو گئی۔ اور ایرانی لوگ اپنے بادشاہ کے تکبر اور ظلم کے متعلق ہر جگہ شکایت کرنے لگے۔" ہرقل کی یہ نمایاں فتح سنہ ۶۲۴ء میں حاصل ہوئی۔ یعنی جس سال جنگ بدر واقع ہوئی۔ اس طرح وہ مفسرین جو پیشگوئی کے پورا ہونیکا وقت جنگ بدر کا سال ٹھہراتے ہیں وہ حق پر ہیں۔ وہ مفسرین جو پیشگوئی کے اعلان کو ہجرت سے تین یا چار سال پہلے رکھتے ہیں اور اس کے پورے ہونیکی میعاد سنہ چھ یا سات ہجری ٹھہراتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور ان کی غلطی کی وجہ بھی بہت صاف ہے انکے خیال کے بموجب یہ پیش گوئی اس سال پوری ہوئی جبکہ ہرقل نے فتح نمایاں حاصل کرنیکے بعد وہ صلیب دوبارہ حاصل کی جو ایرانی اٹھاکر فارس لے گئے تھے۔ اور اپنی نذر کو پورا کرنیکے لئے اس نے یروشلم تک پا پیادہ سفر کیا۔ تاکہ اس اصل صلیب کو اپنے ہاتھ سے اس جگہ نصب کرے جہاں سے ایرانی اٹھاکر لیگئے تھے۔ لیکن یہ ایک غلط فہمی ہے اس بات کے دیکھنے کے لئے کہ پیشگوئی کب پوری ہوئی یہ ضروری نہیں کہ ہم لڑائی کے انجام تک کو دیکھیں۔ یہ پیشگوئی تو تب ہی پوری ہو گئی جب ہرقل کو پہلی فتح نصیب ہوئی۔ اس لئے لڑائی کے انجام کو پیشگوئی کا انجام خیال کرنا غلطی ہے ؎

مسٹر سیل اس بات کو ثابت کرنیکے لیے کہ پیشگوئی ۲ سنہ ہجری میں پوری نہیں ہوئی اس روایت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ابی ابن خلف سے شرط باندھی تھی جب اس پیشگوئی کا اعلان کیا گیا اسوقت حضرت ابو بکرؓ نے ابی ابن خلف سے یہ شرط باندھی تھی کہ ایرانی تین سال میں مغلوب ہو جائیں گے۔ درصورت پورا نہ ہونیکے وہ راضی تھے کہ ابی ابن خلف کو دس اونٹ دیدیں۔ لیکن جب حضرت نبی کریم صلعم کو اس معاملہ کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مدت کو لمبا کر دو اور شرط بڑھا دو۔ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ مشورہ دینا اس امر پر مبنی تھا کہ بضع کا لفظ جو پیشگوئی میں واقع ہوا اس کے معنے تین سے لیکر دس سال تک کے ہیں دیکھو لائیف آف محمد (صلعم) مصنفہ میور صاحب صفحہ ۱۱۹۔ اسی پر حضرت ابو بکرؓ نے عمل کیا اور ابی کے ورثاء سے سو اونٹ جیت لیئے۔ کیونکہ ابی بسبب غزوہ احد میں زخم کھانیکے مرچکا تھا۔ اس سے سیل صاحب نے نتیجہ نکال لیا کہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔ کیونکہ احد کی لڑائی سنہ تین ہجری میں واقع ہوئی۔ لیکن اس کا یہ نتیجہ نکالنا غلط ہی کیونکہ یہ ضروری نہ تھا کہ جونہی یہ پیشگوئی پوری ہوتی تبھی حضرت ابو بکرؓ اپنی شرط جیت لیتے وجہ یہ ہے کہ آپ تو اسوقت مدینہ میں تھے۔ شرط مکہ میں باندھی۔ اب آپسمیں سخت دشمنی تھی۔ علاوہ ازیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ قریش مکہ اور مدینہ کے مسلمانوں میں جنگ تک نوبت پہنچ چکی تھی۔ اور چونکہ خونریز لڑائی شروع ہو گئی تھی اس واسطے اس شرط کو فوراً وصول کر لینا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ سیل نے شرط ٹھہرنے کے واقعہ سے خواہ کچھ ہی نتیجہ نکالے اس واقعہ سے یہ امر تو قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ پیشگوئی اپنی مقررہ میعاد میں پوری ہو گئی کیونکہ اگر پیشگوئی بین طور پر پوری نہ ہوتی تو ابی ابن خلف کی اولاد کبھی شرط کے موافق سو اونٹ ادا نہ کرتے۔ ان کا سو اونٹ ادا کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ پیشگوئی کھلے طور پر پوری ہو گئی تھی۔ سیل نے تو اپنے خیال میں اس واقعہ کو یہ ثابت کرنیکے لئے نقل کیا تھا کہ پیشگوئی اپنی میعاد کے اندر پوری نہ ہوئی۔ مگر افسوس ہے کہ جس واقعہ کو اس نے اپنے خیال میں اپنے لیئے مفید سمجھا تھا وہ الٹا یہ ثابت کر رہا ہے کہ پیشگوئی اپنے وقت مقررہ میں پوری ہو گئی۔

راڈول کا اعتراض

میور کی طرح پادری راڈول صاحب بھی اس پیشگوئی کا جس صورت میں ہے انکار نہیں کرسکا مگر اس نے ایک ایسا نوٹ چڑھایا ہے جو اُس کے مترجم ہونیکی حیثیت پر ایک سخت داغ لگاتا ہو۔ وہ لکھتا ہے "کہ مسلمان ہمیشہ اپنے نبی کی سچائی ظاہر کرنیکے لئے اس آیت کی طرف توجہ دلایا کرتے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس آیت میں جو لفظ سیغلبون آیا ہے اسپر اوائل ایام میں اعراب نہیں ہوتے تھے۔ اعراب کا پڑھنا پڑھنے والے پر منحصر تھا خواہ وہ اس کو سَیَغْلِبُوْنَ پڑھے یا سَیُغْلَبُوْنَ پڑھے۔ اسطرح پیشگوئی ہر دو صورتوں میں پوری ہوسکتی تھی کیونکہ اگر رومی غالب آگئے تو سَیَغْلِبُوْنَ پڑھ لیا اور اگر رومی مغلوب ہوجاتے تو سَیُغْلَبُوْنَ بھی پڑھا جاسکتا تھا اس طرح ہر دو معانی اسمیں سے نکل سکتے ہیں اور یہ لفظ ہر دو صورتوں میں صحیح کا صحیح رہتا تھا۔ خواہ ایرانی غالب ہوتے یا مغلوب۔ یہ ساری آیت اسی غرض کو مدِّ نظر رکھکر بنائی گئی تھی کہ ہر دو صورتوں میں مطلب اپنا درست ہوجائے"

عربی سے ناواقف عیسائیوں کے نزدیک یہ اعتراض شائد کچھ وقعت رکھے۔ اور ممکن ہے کہ وہ پادری راڈول صاحب کو بہت تحسین و آفرین کہیں کہ کس خوبی سے لطیف اعتراض کیا ہے اور گویا اپنے خیال سے اسلام کو جڑھ سے ہلا دیا ہے کیونکہ انکے نزدیک صرف اسی پیشگوئی پر ہی اسلام کی سچائی کا مدار ہے۔ مگر راڈویل صاحب نے یہ اعتراض کر کے سوائے اس کے کہ اپنے علم کی پردہ دری کرالی اور کچھ حاصل نہیں کیا۔ کیونکہ اس آیت میں اگر سَیَغْلِبُوْنَ کی بجائے سَیُغْلَبُوْنَ پڑھا جاوے یعنی اگر یہ آیت اس طرح پڑھی جائے غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیُغْلَبُوْنَ تو ہر ایک عربی زبان سے کچھ مناسبت رکھنے والا جانتا ہو کہ اس آیت کے معنے یہ ہونگے کہ رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہوچکے ہیں مگر وہ پھر غالب ہونگے اور غالب ہونیکے بعد پھر مغلوب ہونگے۔ یعنی سَیُغْلَبُوْنَ پڑھنے سے بھی رومیوں کے ایرانیوں پر غالب آنیکی پیشگوئی قائم رہتی ہے۔ چنانچہ ایک قرأت اس طرح بھی آئی ہے اور اس قرأت کے بموجب اس پیشگوئی کے یہ معنے ہیں کہ رومی جو اسوقت ایرانیوں کے

ہاتھ سے مغلوب ہو چکے ہیں وہ اُنپر غالب آجائیں گے مگر غلبہ حاصل کرنیکے بعد وہ پھر مغلوب کیئے جائیں گے اور یہ بھی بالکل درست ہے کیونکہ اول ہرقل نے ایرانیوں کے ہاتھ سے سخت شکست کھائی اور ایرانیوں نے اسکے ملک کا بڑا حصہ اپنے قبضہ میں کرلیا۔ مگر وہ پھر ایرانیوں پر غالب آیا اور جو ملک اُس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اُس کو اُس نے دوبارہ ایرانیوں سے فتح کر لیا۔ مگر اس فتح کے بعد وہ پھر مسلمانوں کے سامنے مغلوب ہو گیا اور جو ملک اُس نے ایرانیوں کے پنجہ سے چھڑایا تھا وہ اُس کے ہاتھ سے نکلکر مسلمانوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

غرض راڈ ویل صاحب کا یہ کہنا کہ اس پیشگوئی کے الفاظ عمداً اس طرح ترتیب دیئے گئے تھے کہ ذرا سی تبدیلی کے ساتھ دونوں مطلب ظاہر کر سکتے تھے یعنی رومیوں کا غالب ہونا اور مغلوب ہونا دونوں مطالب اس پیشگوئی سے نکل سکتے تھے یہ راڈ ویل صاحب کی سخت جہالت ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ آپ کو عربی زبان سے ذرا مناسبت نہیں چنانچہ اُنکے ترجمہ میں بھی بہت سی فاش غلطیاں پائی جاتی ہیں جن سے اُن کی سخت ناواقفیت عربی سے ثابت ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی غلطی ہے جس پر ہر ایک ایسا شخص جو عربی زبان سے مَس رکھتا ہے ہنسیگا اور اگر راڈول صاحب کو اپنی اس غلطی کا علم ہو جاتا تو وہ یقیناً اس نوٹ کو اپنے ترجمہ میں سے نکال دیتے اور اپنی اس پردہ دری سے سخت شرمندہ ہوتے۔ راڈول کے قول کے بالکل برخلاف اِس پیش گوئی کے الفاظ اس طور پر ترکیب دیئے گئے ہیں کہ خواہ سیغلبون کو سَیَغْلِبُوْنَ پڑھیں خواہ سَیُغْلَبُوْنَ پڑھیں رومیوں کا ایرانیوں پر غالب آجانا دونوں صورتوں میں قائم رہتا ہے۔ پادری صاحب نے یہ اعتراض کر کے صرف اپنی پردہ دری کرائی ہے۔ اور کچھ حاصل نہیں کیا۔ اور ہر ایک ذی علم کی نظر میں اپنی منزلت کو گرا دیا ہے۔ اور اپنی حالت پر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی وہ مثل صادق کر لی ہے جو بوستان میں ہے اور وہ یہ ہے

یکے نیک خلق و خَلَق پوش بود	کہ در مصر یک چند خاموش بود
جہانے برو بود از صدق جمع	چو پروانہا وقت شب گرد شمع

شبے در دلِ خویش اندیشہ کرد — کہ پوشیدہ زیر زبان است مرد
اگر ماند فطنت نہاں در سرم — چہ دانند مردم کہ دانش ورم
سخن گفت و دشمن بدانست و دوست — کہ در مصر ناداں تر از وے ہموست
حضورش پریشاں شد و کار زشت — سفر کرد بر طاق مسجد نوشت
در آئینہ گر روئے خود دیدمے — بہ بیدانشی پردہ ندریدمے

راڈویل صاحب نے سب مسیحیوں سے ایک نرالا اعتراض نکالکر نہ صرف یہ ثابت کیا ہی کہ آپ خبر سی علم عربی سی بے بہرہ ہیں بلکہ یہ بھی کہ آپ معمولی فہم سی بھی حصہ وافر نہیں رکھتے۔ اگر آپ کو علم عربی سے چنداں مس نہیں تھا تو آپ اُنہی حالات کا ہی مطالعہ کر لیتے جن کے ماتحت یہ پیشگوئی شائع کیگئی تھی اسطرح آپ پر یہ روشن ہو جاتا کہ اس آیت کریمہ سے سوائے ایرانیوں پر رومیوں کے غالب ہونے کے اور کوئی معنے نہیں نکل سکتے اور اسطرح آپ اس علمی پردہ دری کے عذاب سے محفوظ رہتے۔ جن حالات کے ماتحت یہ پیشگوئی شائع کی گئی تھی اُن کو میں خود سیل کے الفاظ میں بیان کرتا ہوں۔ وہ اپنے ترجمہ کے نوٹ میں لکھتا ہی "کہتے ہیں کہ یہ آیت اسوقت نازل ہوئی جبکہ ایرانیوں کو رومیوں پر ایک نمایاں فتح حاصل ہوئی تھی جب یہ خبر مکہ پہنچی تو مشرکین عجیب خوشی سے بھر گئے اور لگے نبی کریم صلعم اور آپکے صحابہؓ کو گالیاں دینے انکو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ جسطرح ایرانیوں کو رومیوں پر فتح حاصل ہوئی ہی اسی طرح انکو بھی مسلمانوں پر فتح حاصل ہوگی کیونکہ انکی طرح ایرانی بھی بُت پرست ہیں اور رومی بہ سبب عیسائی ہونے کے مسلمانوں کی طرح الہامی کتاب کے قائل اور کم سی کم دعوی کے طور پر ایک خدا کے پرستار ضرور تھے اسواسطے ان مشرکین کے زعم میں ایرانیوں کی فتح گویا ان کی آئندہ فتح کا پیش خیمہ اور ایک قسم کا وعدہ تھا کہ وہ بھی عنقریب مسلمانوں پر غالب آجائیں گے۔ تو ان جھوٹی امیدوں کو خاک میں ملانے کی غرض سے اس آیت میں یہ بتلایا گیا۔ کہ اگرچہ بظاہر رومیوں کی کامیابی ناممکن معلوم ہوتی ہے تاہم چند سال میں معاملہ اور صورت پکڑ جائیگا۔ اور مغلوب رومی آخر کار غالب آجائیں گے"۔ سیل کا یہ بیان صاف طور سی واضح کردیتا ہی کہ اس پیشگوئی کا مطلب یہ تھا۔ کہ رومیوں کی فتح بتلائی جائے جنکے لیئے قدرتاً مسلمانوں کو ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ اور اس آیت میں مسلمانوں کے لیئے بھی بشارت تھی۔ اسواسطے اس کے وہ معنے نہیں ہوسکتے جو پادری راڈول صاحب کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں وہ مسلمانوں کے لیئے

خوشی کا باعث نہیں ہو سکتے تھے۔

پادری راڈول کو یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف کی پیشگوئیاں بائبل کی پیشگوئیوں کی طرح نہیں۔ وہ اس طرز پر نہیں لکھی گئی تھیں کہ واقعات پر چسپاں کرنے کیلئے معروف سے مجہول اور مجہول سے معروف بنا دی جائیں یا اصل الفاظ میں ہی تحریف لفظی یا معنوی سے کام لیا جاوے۔ قرآن شریف کی پیشگوئیاں دوست دشمن ہر دو کو سنا دی گئی تھیں۔ صحابہؓ کو یاد تھیں۔ عام جلسوں میں ان پر بحث ہوتی تھی۔ نبی کریم صلعم کسی ایسے نسخہ میں لکھکر نہیں رکھتے تھے کہ جب موقع پایا اور مطلب نکلتا ہوا نظر آیا تو اصل الفاظ تک کو اڑا دیا۔ برخلاف اسکے آپ انکو دوست دشمن ہر دو کے سامنے پڑھتے۔ اسطرح وہ سب کے درمیان مشترک سرمایہ کی طرح ہو گئیں۔ جس دن یہ پیشگوئی شائع ہوئی اسی دن اسکا گھر گھر چرچا ہو گیا۔ اور زبان زد خلائق بن گئی۔ آپکے صحابہؓ اسکو خدا کی وحی سمجھکر پڑھتے پڑھاتے اور بڑی دلیری سے لوگوں کے سامنے بیان فرماتے اور دشمن برخلاف اسکے موجودہ حالات پر نظر رکھتے ہوئے اور مادی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اسپر تمسخر اڑاتے تھے۔ یہانتک کہ اسپر شرطیں باندھی گئیں۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ پیشگوئی کرنیوالا اسمیں ذرا سی بھی تحریف عمل میں لا سکتا۔ اگر آپ ایسا کرتے تو لوگ آپکو ہنسی اور ٹھٹھے میں اڑا دیتے۔ خود آپکے صحابہؓ کا ایمان بالکل جاتا رہتا۔ عیسائیوں کا اسطرح کے اعتراض ڈھونڈنا گویا دیکھنے والوں کی آنکھوں پر پٹی باندھنا ہے۔ مگر حق کیسے چھپ سکتا ہے۔ ہاں پادریوں کا ایسی کوشش کرنا بتلاتا ہے کہ آخر مرتا کیا نہ کرتا۔

پادری راڈول کا اعتراض ایک اور طریق سے بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ایرانی اس پیشگوئی کے شائع ہونیکے بعد قریباً چھ سال تک فتح کے گھوڑے پر سوار رہے۔ اگر یہ آیت اسلئے بنائی گئی تھی کہ ہر دو صورتوں میں صادق آجائے تو کیوں معاً بعد کی شکست کے وقت مسلمانوں نے کہدیا کہ بس پیشگوئی میں لکھا تھا کہ رومیوں کو اور شکست ہونیوالی ہے پس وہ ہو گئی اور پیشگوئی پوری ہو گئی۔ فلسطین کی فتح کے بعد ایرانیوں نے مصر فتح کیا۔ اور اگر اس پیشگوئی کے دو معنے ہو سکتے تھے اور نبی کریم صلعم نے صرف اسی لئے اسکو بنا کر پیش کیا تھا کہ گول مول بات کہکر پیشگوئی کی پیشگوئی بنی رہے اور واقعات کے خلاف بھی نہ ہو۔ تو آپکو چاہیئے تھا کہ پیشگوئی کا پورا ہونا آپ مصر کی فتح پر محمول کرتے مگر آپنے نہیں کیا۔ رومی اس وقت ایک بڑی مصیبت میں گرفتار تھے۔ اور اگر پیشگوئی واقعی ایسی گول مول تھی کہ فتح اور شکست ہر دو پر چسپاں ہو سکے۔ تو پیشگوئی کرنیوالے کو ہرگز ذرا دیر نہیں کرنی چاہیئے تھی فوراً کہدینا چاہیئے تھا کہ پیشگوئی پوری ہو گئی اس کے شائع ہونیکے متواتر کئی سال تک رومی شکست پہ شکست کھاتے رہے۔ ان حالات میں دیر کرنا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۱ — بابت ماہ فروری ۱۹۱۲ء — نمبر ۲

چندہ سالانہ — عوام سے عہ طلباء سے [illegible]

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- فروری ۱۹۱۲ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

ریویو

ثنائی فرار اور مباہلہ سے انکار:- یہ رسالہ احمدی دہلی کا چھٹا مضمون ہے جس میں پر زور دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ میاں ثناء اللہ امرتسری ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے مقابل میں گریز ہی کرتا رہا ہے۔ قیمت ۲ر میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق دہلی۔ تیرا ہا بیرام خاں سے طلب کریں ؀

تحفۂ بنارس۔ یہ وہ پیام توحید ہے جو جناب مفتی محمد صادق صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم سے بنارس کے شہر کو پہنچایا۔ بت پرستی کی نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیخ کنی کی گئی ہے۔ حضرت اقدسؑ کی صداقت کی ہندوؤں اور اہل اسلام ہر دو کو تبلیغ کی گئی ہے۔ رسالہ اخلاص سے لکھا ہوا بہت ہی مؤثر اور مفید ہے۔ قیمت ۱؍ر۔ بک ایجنسی سے طلب کریں۔ ناظرین اس کو پڑھکر ضرور حظ اُٹھائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

نورِ فرقان:- مصنفہ محمد نظام الدین صاحب احمدیہ بلڈنگس نولکھا لاہور۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کی تائید میں ایک مفید کتاب ہے۔ تبلیغ کا حق بہت عمدگی سے ادا کیا گیا ہے۔ قیمت ایک جلد کیلئے ۲ر ایک سے زیادہ کے لیے ۱؍ر فی نسخہ مصنف سے طلب کریں ؀

لیکچر مہوتسو:- ٹیچنگز آف اسلام یعنی وہ لیکچر جو حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے لاہور کے عظیم الشان جلسہ مذاہب میں سنہ ۱۸۹۶ء میں پڑھا گیا تھا اس کا انگریزی ترجمہ ولایت میں چھپ کر آگیا ہے۔ دو سو صفحہ کی کتاب ہے۔ مجلد کی قیمت عہ اور غیر مجلد کی ۱۴ر ہے چونکہ ولایت میں اسکی مفت اشاعت ہوگی اسلیئے احباب اپنے لیئے بھی خریدیں اور اسجگہ یا ولایت میں مفت تقسیم کراکے بھی ثواب لیں ؀

ضرورت۔ دفتر میگزین کے لیئے ایک کلرک کی ضرورت ہے۔ کم سے کم انگریزی انٹرنس تک تعلیم یافتہ ہو۔ دفتر کے کام سے واقف شخص کو ترجیح دی جائیگی۔ تمام درخواستیں بنام منیجر میگزین قادیان۔ پنجاب آنی چاہئیں ؀

اطلاع:- خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط وکتابت کے وقت اپنے نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرماویں ؀ (مینیجر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی ایک نئی شہادت

ایک نئی حدیث اس بارہ میں کہ مسیح موعود امام مہدی ہوگا

صداقت کی یہ ایک بڑی بھاری دلیل ہے کہ جس طرف سے دیکھو اُس کی تائید میں ثبوت مہیا ہوتے جاتے ہیں جھوٹا ممکن ہے کہ ایک دو باتوں کو توڑ مروڑ کر اپنے دعوے کی تائید میں پیش کرے مگر اُس کی ایسی تحویلیں ایک دو امور تک چلکر آگے بند ہو جاتی ہیں۔ مگر صادق کی صداقت ہر ایک پہلو سے روز روشن کی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ جس طرف دیکھو اُس کی سچائی کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک جھوٹے مدعی نبوت کا قصہ مشہور ہے جس کا نام لا تھا۔ جب اُس نے نبوت کا دعویٰ کیا تو لوگوں نے اُس سے سوال کیا کہ تو کس طرح نبی ہو سکتا ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ یعنی میرے بعد کوئی (صاحب شریعت) نبی نہیں آئے گا۔ اُس نے جواب دیا کہ یہی حدیث میرے نبی ہونے کا ثبوت ہے۔ مگر یہ اس طرح نہیں جس طرح اب تک لوگ اسکو پڑھتے آئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دراصل یہ فرمایا تھا کہ لَا نَبِیٌّ بَعْدِیْ یعنی میرے بعد ایک نبی پیدا ہوگا جس کا نام لا ہوگا۔ مگر ایک حدیث کو تو اُس نے بگاڑ کر اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کر دیا۔ اُس کی یہ کارروائی یہانتک ہی ختم ہوگئی۔ کوئی اور

شہادت وہ اپنے دعوے کی تصدیق میں پیش نہ کرسکا۔ نہ کوئی آسمانی نشان اُس کی تائید میں ظاہر ہوا۔ نہ سچی پیشگوئیوں نے اُس کے دعوے پر تصدیق کی مہر لگائی۔ نہ وہ کوئی ایسی قرآنی آیت یا حدیث پیش کرسکا جس میں اُس کے آنیکے علامات بیان کیئے گئے ہوں اور وہ اُس کے زمانہ میں پورے ہوئے ہوں اور نہ خدائے تعالیٰ نے اپنی تائید کے ذریعہ اُس کی سچائی کی شہادت دی اور وہ ناکام و نامراد ہو کر مرگیا۔ مگر سچوں کا یہ حال نہیں۔ اُنکی سچائی پر آسمان بھی گواہی دیتا ہے اور زمین بھی **الوقت الوقت** پکار کر اُنکے سچا ہونیکی شہادت دیتی ہے۔ خدائے تعالیٰ کا کلام اُنپر نازل ہوتا ہے جس میں زبردست پیشگوئیاں ہوتی ہیں جو اپنے وقت پر منہاج نبوت کے مطابق پوری ہو کر اُنکی سچائی کی شہادت دیتی ہیں۔ پہلے نبیوں کے مقررکردہ نشانات اُن کے وقت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ اُنکی تائید کرتا ہے۔ اور اُنکے دشمنوں کو ہلاک کرتا ہے۔ غرض ہر ایک رنگ میں اُنکی صداقت اپنے تئیں ظاہر کرتی ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں خدا کا مسیح اور مہدی ظاہر ہوا تو اُس نے اپنے دعوے کی تائید میں نہ ایک دلیل بلکہ لاکھوں شہادتیں پیش کیں۔ گذشتہ انبیاءؑ کی بیان کردہ پیشگوئیاں اُس پر مطابق اُتریں۔ قرآن شریف کی سینکڑوں آیتوں نے اُس کے منجانب اللہ ہونے کی گواہی دی۔ آسمان پر نشان ظاہر ہوئے۔ زمین نے گواہی دی۔ ہزاروں لوگوں نے اپنے رؤیا صالحہ اور سچے الہاموں کے ذریعہ اُس کی صداقت کی شہادت دی۔ خدائے تعالیٰ سے الہام پاکر اُس نے سینکڑوں پیشگوئیاں شائع کیں جو اُسی طرح پوری نکلیں جس طرح خدائے تعالیٰ کے نبیوں کی پیشگوئیاں پوری ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان دنوں میں ہی دہلی میں ملک معظم قیصر ہند کے ہاتھ سے خدائے تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک عظیم الشان پیشگوئی کو بیّن طور پر پورا کردیا۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کی ہر رنگ میں تائید کی۔ آپنے علمی دنیا کو اپنے معجزے دکھلائے۔ آپنے پولٹیکل دنیا کو بھی نشان دکھا کر اُنپر حجت پوری کی۔ ہر قوم کے مقابل میں آپنے نشان دکھلائے ہر ایک میں آپکے نشان ظاہر ہوئے اور روز بروز ظاہر ہورہے ہیں۔ آپ کی پیشگوئیوں اور پرانی پیشگوئیوں کے مطابق طاعون دنیا میں ظاہر ہوا۔ زلزلوں نے زمین کو ہلا دیا۔ جنگوں نے دنیا کو قیامت کا نمونہ دکھا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقررکردہ نشانات آپکے وقت میں

ظاہر ہوئے اور آپ کی پیشگوئیاں آپ پر صادق آئیں۔ آپنے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں ہی مسیح ہوں اور میں ہی امام مہدی ہوں۔ اس کی تصدیق میں خدائے تعالیٰ نے آپکے وقت میں آپکے دعوے کے بعد رمضان شریف میں مقررہ تاریخوں پر سورج کے کسوف اور چاند کے خسوف کا نشان آسمان پر ظاہر فرمایا جو کہ امام مہدی کے ظہور کا ایک بھاری اور مشہور نشان تھا۔ چنانچہ جب یہ نشان ظاہر ہوا تو بہت سے مخالف مُلّاں بول اُٹھے کہ اب اس نشان کو دیکھکر بہتسے لوگ اس مدعی مہدویت کو قبول کر لیں گے اور اسطرح (انکے زعم کے مطابق) یہ نشان اُن کی گمراہی کا موجب ہوگا۔ پھر آپنے اپنے اس دعوے کی تائید میں صحیح بخاری کی وہ حدیث پیش کی جس میں آنیوالے مسیح کے متعلق لکھا ہے کہ امامکم منکم یعنی وہ تمھارا ایک امام ہوگا جو تم ہی میں سے ہوگا۔ پھر آپنے ابن ماجہ کی وہ حدیث پیش کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا مهدی الا عیسیٰ۔ یعنی مہدی اور عیسیٰ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ یہ حدیثیں آپکے ظہور سے پہلے موجود تھیں۔ آپنے ان کو اپنے پاس سے نہیں بنایا۔ اسی طرح کسوف اور خسوف کا نشان بھی پہلے سے مقرر تھا آپنے اس نشان کو کتابوں میں پہلے سے نہیں لکھا تھا۔ اور نہ آپکے اختیار میں تھا کہ اس نشان کو آسمان پر اپنی طاقت سے ظاہر کریں۔ اب خدائے تعالیٰ کے فضل سے آپکے اس دعوے کی تصدیق میں ایک اور حدیث نکلی ہے جو مسند امام احمد بن حنبل کی جلد ۲ صفحہ ۴۱۱ پر درج ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔ اس حدیث شریف میں صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ آنیوالا مسیح موعودؑ وہی امام مہدی ہوگا اور وہ جنگ نہیں کریگا۔

اور وہ حدیث یہ ہے عن ابی هريرة رض عن النبي صلى الله عليه وسلم يوشك من عاش منكم ان يلقى عيسى بن مريم اماماً مهدياً وحكماً عدلاً فيكسر الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية وتضع الحرب اوزارها۔

(ترجمہ) ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپنے فرمایا کہ قریب ہے کہ جو تم میں سے زندہ رہے وہ عیسیٰ ابن مریم سے ملے وہ عیسیٰ ابن مریم امام مہدی ہوگا حَکَم عادل ہوگا صلیب کو توڑے گا۔ خنزیر کو قتل کرے گا۔ جزیہ دور کر دے گا اور اُس کے زمانہ میں لڑائی اپنے بوجھوں کو رکھدیگی یعنی وہ دین کے لئے جنگ نہیں کریگا بلکہ دلائل اور

نشانات کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کریگا) دیکھو کیسے صریح الفاظ میں اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنیوالا مسیح **امام مہدی** ہوگا۔ اس سے زیادہ بیّن شہادت کیا ہو سکتی ہے کہ مسیح موعود ہی امام مہدی بھی ہوگا۔ پھر اس میں یہ بھی تبلایا گیا ہے کہ وہ جنگ نہیں کرے گا بلکہ لڑائیاں موقوف کی جائیں گی۔ کیا اب ہمارے مخالف اس بات پر اصرار کرینگے کہ **امام مہدی** اور شخص ہوگا اور مسیح موعود اور شخص ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسیح موعود کا ہی نام **امام مہدی** رکھتے ہیں اس حدیث نے صحیح بخاری کی حدیث **امامکم منکم** کے معنے بھی صاف کر دیئے۔ ہمارے مخالف کہا کرتے تھے کہ اس حدیث کے یہ معنے ہیں کہ مسیح موعودؑ تو نازل ہوگا مگر وہ تمہارا امام نہ ہوگا بلکہ تمہارا امام تم میں سے ہوگا اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے تھے کہ امام مہدی مسیح موعود سے الگ ہوگا۔ اب اس حدیث نے انکے اس خیال کی تردید کی اور جو معنے ہم کیا کرتے تھے اُس کی تائید کی یعنی یہ کہ مسیح موعود مسلمانوں کا ایک امام ہوگا جو انہی میں سے پیدا ہوگا۔ باہر سے نہیں آئے گا۔

بعض لوگ لفظ عیسیٰ بن مریم پر بہت اڑا کرتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی اسرائیلی مسیح پھر دوبارہ آئے گا۔ اگر وہ ذرا بھی غور سے کام لیتے تو بالکل اس بات پر نہ اَڑ سکتے۔ کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا بیان اس بات کا فیصلہ کر رہا ہے کہ اسرائیلی مسیح اور محمدی مسیح یہ ایک وجود نہیں بلکہ دو الگ الگ شخص ہیں۔ کیونکہ اسرائیلی مسیح کا حلیہ بیان کرتے وقت آپ نے فرمایا فاما عیسٰی فاحمر جعد عریض الصدر (یعنی عیسیٰ ابن مریم (جس کو آپ نے معراج کی رات میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ دوسرے آسمان پر وفات یافتہ انبیاءؑ کے ساتھ دیکھا) سرخ رنگ تھا۔ گھونگروالے بالوں والا۔ چوڑے سینہ والا۔ اور آنے والے مسیح محمدی کی نسبت جس کو ایک رؤیا میں آپ نے کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا اور اُسی رؤیا میں دجّال کو بھی دیکھا اُس مسیح کا حلیہ بیان فرماتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔ رجل اٰدم سبط الشعر تنطف او تھراق رأسہ ماءً یعنی وہ ایک آدمی ہے گندم گوں رنگ والا۔ سیدھے بالوں والا اور اُس کے بال ایسے صاف ہیں کہ گویا سر سے پانی ٹپک رہا ہے۔ اگر ہمارے مخالف ذرا انصاف اور تدبر سے کام لیتے تو وہ ان دونوں حدیثوں کو دیکھکر یقین کر لیتے کہ اسرائیلی مسیح

اور ہے۔ اور محمدی مسیحؑ اور ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا حلیہ بالکل اُلٹ بیان فرماتے ہیں۔ ایک کا رنگ گندم گوں۔ دوسرے کا سُرخ ایک کے بال گھونگر والے۔ دوسرے کے سیدھے۔ اب یہ دونوں متضاد حلیے کس طرح ایک ہی شخص میں جمع ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں حلیے صاف بتلا رہے ہیں کہ آنیوالا مسیح اور شخص ہے۔ صرف روحانی مشابہت ظاہر کرنیکے لئے اُس کا نام عیسیٰ ابن مریم رکھا گیا ایسا ہی چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سخت مشابہت روحانی رکھتا تھا اس لیئے اُس کا نام آپنے محمدؐ بن عبداللہ بھی فرمایا۔ غرض اگر دوسرے سارے دلائل اور نشانات کو چھوڑ بھی دیا جاوے تو صرف احادیث ہی ایک زبردست ذخیرہ آپکی سچائی کا مہیا کر رہی ہیں۔ دیکھو حلیہ والی حدیث ہی کیسی آپ پر صادق آئی۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیہ کس غرض سے بیان فرمایا تھا۔ اسمیں کیا شک ہے کہ آپنے آنیوالے مسیح کا حلیہ اس لیئے بیان فرمایا تھا کہ لوگ اس حلیہ کے ذریعہ اس مسیح کو پہچان سکیں۔ حلیہ کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ اُس کے ذریعہ ایک شخص پہچانا جائے۔ دیکھو! اسی حلیہ کے ساتھ مسیح موعودؑ آیا مگر باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے حلیہ کے آپ پر صادق آنیکے تم لوگوں نے اُس کو نہ پہچانا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے باوجود حلیہ درست نکلنے کے حضرت مسیح موعودؑ کو نہیں پہچانا وہ آنکھیں نہیں رکھتے اور اُنپر قرآن شریف کی کوئی آیہ کریمہ صادق آتی ہے تو وہ یہ ہے من کان فی ھٰذہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ۔

دیکھو آج خدائے تعالیٰ نے ایک اور حدیث نبوی کے ذریعہ تم لوگوں پر حجت پوری کردی۔ تم کب تک انکار میں لگے رہو گے ؛

اِسلام میں عورت کیا حیثیت رکھتی ہے ؑ ۱

(ترجمہ مضمون قاضی عبدالحق صاحب)

۱۔ جسمانی حالت

جو لوگ آجکل عورتوں کے حامی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اُن میں مبالغہ کرنے کا بہت میلان پایا جاتا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ عورتیں کسی پہلو سے بھی مردوں سے کسی طرح

ذرا اُلٹا کر تو دیکھو کیا نتیجہ ہوگا - ایک ہی دن میں سارا انتظام درہم برہم ہو جائیگا۔ یہ دنیا کی چستی و چالاکی سکون سے بدل جائے گی - ہتھیاروں اور اوزاروں کی کھڑکھڑاہٹ بند ہو جائے گی فتح کے نعرے اور خوشی کی آوازیں سُننے میں نہیں آئیں گی - ہر طرف درد کی چیخیں اور اضطراب کا چلانا سنائی دے گا - عورت اپنے خیالات کی نرمی - اور اپنے جسم کی کمزوری کے ساتھ دنیا کو سستی اور کاہلی کا ایک خوفناک منظر بنا دے گی۔ اور مرد اپنے چُست قوا، اور محنت کش طبیعت کے ساتھ اپنے تئیں گھر میں رہنے کے بالکل ناقابل پائے گا - اور جلدی زندگی سے بیزار ہو جائے گا - اس طرح جلدی ہی دنیا کی حالت بگڑ جائے گی - تمام کاروبار خراب ہو جائے گا اور تمام تحریکیں رُک جائیں گی - جہاں دلیری اور جرأت کی ضرورت ہے وہاں کمزوری اور نرم دلی کام نہیں دیں گی - بے شک نرم دلی اور رقیق القلب ہونا ایک اچھی چیز ہے مگر جہاں دلیری اور بہادری کی ضرورت ہو وہاں رقت قلب اور نرم دلی کس طرح کام دے سکتی ہیں - علاوہ ازیں چونکہ عورتوں کو ہر مہینہ میں ایام حیض گذارنے پڑتے ہیں - اس لئے ضروری ہوگا کہ ہر ماہ میں کم از کم ایک ہفتہ تک دنیا کا کاروبار روک دیا جائے ایسا ہی ایام حمل میں ایک سال تک اُن کو دنیا کی محنت کشی اور جفاکشی سے سبکدوش ہونے کی ضرورت پیش آئے گی - الغرض - جو لوگ یہ شور مچا رہے ہیں کہ عورتیں کسی رنگ میں بھی مردوں سے کم نہیں وہ اُس صریح فرق کو جو قدرت نے دونوں میں رکھا ہے نظر انداز کر رہے ہیں اور عورتوں کو اُس درجہ سے بڑھانا چاہتے ہیں جو قدرت نے اُنکے لئے مقرر کر دیا ہے۔

مگر جہاں ایک گروہ عورتوں کے معاملہ میں افراط سے کام لے رہا ہے وہاں ایک گروہ تفریط کی طرف چلا گیا ہے - یہ دوسری قسم کے لوگ عورت کو سخت بے قدری کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جو منزلت خدائے تعالیٰ نے اُنکو عطا کی ہے اُس سے اُن کو گرانا چاہتے ہیں - اُنکے نزدیک عورت کی اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں کہ مرد اُنکے ذریعہ اپنی خواہش کو پورا کریں - وہ اُنکو ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ گائے بکری - اونٹ وغیرہ اور جب چاہتے ہیں ایک پُرانے کپڑے کی طرح اُنکو پھینک دیتے ہیں - اُنکے نزدیک عورتیں

کوئی ہستی نہیں رکھتیں۔ اور وہ اُن کا یہی کام سمجھتے ہیں کہ غلاموں کی طرح اُن کے ساتھ گذارہ کریں۔ مرد جو چاہے اُن سے سلوک کرے۔ عورتوں کا مردوں پر کوئی حق نہیں عورت کا فرض ہے کہ رنج و راحت میں مرد کی خدمت کرے لیکن جب عورت اس قابل نہ رہے کہ مرد کی کوئی خدمت کر سکے تو مرد اُس کو ایک ردّی چیز کی طرح پھینک سکتا ہے۔ خواہ عورت نے سالہا سال تک اپنے خاوند کی نہایت جانفشانی سے خدمت کی ہو۔ بیماری کے وقت کئی دن تک اُس کے سرہانے بیٹھی رہی ہو اور کئی راتیں اُس کے بستر کے پاس جاگتی رہی ہو۔ بخار میں اُس کے جلتے ہوئے ابروؤں کو اپنے ٹھنڈے ہونٹوں کے ساتھ چوما ہو۔ اور اپنی سسکتی ہوئی آواز کے ساتھ آنکھوں سے آنسو بہا کر اپنے خداوند کے آگے دعائیں کی ہوں کہ اے میرے رب تو میرے ننھے ننھے بچوں کے باپ کا ہمارے سروں پر قائم رکھ۔ لیکن ان سب باتوں کا عوض اُس کو یہ دیا جاتا ہے کہ ایک معمولی غلطی پر ڈنڈوں سے اُس کو پیٹا جاتا ہے اور وحشیانہ بیرحمیوں کا اُس کو تختۂ مشق بنایا جاتا ہے۔ ایسا سلوک اپنے عمر بھر کے ساتھی کے ساتھ کرنا سخت قابل نفرت ہے مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اُسوقت عورت کی حالت اس سے بھی بدتر تھی صحرائے عرب کے رہنے والے عورت کو انسان کے لئے ایک ذلت کا داغ سمجھتے تھے۔ اور اُسپر ہر قسم کا ظلم کرنا جائز سمجھتے تھے۔ مگر عورت کی خوش قسمتی سے اُس ملک میں ایک نبی پیدا ہوا جس نے عورت کو وہ عزت دی جس کی وہ سچے معنوں میں حقدار ہے۔ اسلام ایسا مذہب نہیں جو کسی امر میں حد سے بڑھ جائے۔ کسی چیز کی ناجائز رعایت وہ روا نہیں رکھتا اور نہ کسی چیز کی حق تلفی کی وہ اجازت دیتا ہے بلکہ جو امر حق اور درست ہو وہ اُس کو بیان کرتا ہے اُس نے عورت سے پورے انصاف کا برتاؤ کیا ہے۔ دنیا کے کل مذاہب میں سے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے عورت کے حقوق کی حفاظت کی ہے جن جن حقوق کی وہ جائز طور پر مستحق تھی وہ سب اُس کو دیئے ہیں کوئی ایسا حق نہیں جس سے اسلام نے عورت کو محروم رکھا۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ دنیا میں اسلام ہی ایک مذہب ہے جس نے عورت کی جائز حمایت کا بیڑا اُٹھایا ہے اور جو لوگ آجکل عورت کی حمایت میں جائز حدود سے بھی نکل رہے ہیں

وہ اگر اپنی اپنی مقدس کتابوں کو ٹٹولیں گے تو اُنہیں ہرگز کوئی ایسی تعلیم نہ ملیگی جو اُن کے آزادی کے خیالات کی تائید کرے اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے عورت کو وہی حیثیت دی ہے جس کی وہ مستحق ہے اور صرف اسلام ہی ایک مذہب ہے جس میں عورت کی راہ سے ہر ایک قسم کی رُکاوٹ کو ہٹا دیا گیا ہے تا جن جن امور کے حاصل کرنے کے لیئے اُس میں قابلیت رکھی گئی ہے اُن کو وہ بآسانی حاصل کر سکے آجکل جن لوگوں نے عورتوں کے حقوق کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا ہوا ہے انہوں نے قرآن شریف ہی سے ہی ایک شعلہ لیا ہے جس کو وہ وسعت دے رہے ہیں اور جس کی تائید کے لیئے وہ اپنے اپنے مذہب کی کتابوں میں سے کوئی ہدایت پیش نہیں کر سکتے۔ قرآن شریف افراط اور تفریط کی راہ کو چھوڑ کر عورت کے معاملہ میں نہایت ہی سیدھی اور سچی راہ کو اختیار کرتا ہے جب کہ وہ ارشاد فرماتا ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ ۔ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ (النسآء - ۶) مرد عورتوں کے لیئے مؤدب ہیں۔ اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اسلیئے کہ مرد (عورتوں کے لیئے) اپنا مال خرچ کرتے ہیں پس نیک بی بیاں وہ ہیں جو فرمانبردار ہوں اور اپنے خاوندوں کی غیر حاضری میں اُن چیزوں کی حفاظت کرنیوالی ہوں جن کی خدا تعالیٰ نے حفاظت کی ہے *

خدائے تعالیٰ کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ نہ تو اُس نے اُن لوگوں کی فضولیوں کی پیروی کی ہے جو ہر ایک امر میں عورتوں اور مردوں کو مساوات دینا چاہتے ہیں۔ اور جو عورتوں کی آزادی پر حد سے زیادہ زور دیتے ہیں اور نہ ہی مذکورہ بالا آیت میں اُن لوگوں کی طرفداری کی گئی ہے جو عورتوں کو بھیڑ بکری سے بھی کمتر خیال کرتے ہیں۔ بلکہ جو درجہ نظام قدرت میں عورت کو دیا گیا ہے اُسی کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ مرد عورت پر جسم کے لحاظ سے اور نیز عقل کے لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے۔ اور اس لیئے جسمانی دنیا

ہیں اُسے عورت پر فضیلت حاصل ہے۔ اپنی بیوی اور بچوں کا تکفل اور انکی تادیب و تربیت مرد کا کام ہے۔ گھر کا کاروبار اور امور خانہ داری عورت کے فرائض میں شامل ہیں۔ نیک مرد کماتا اور اپنی کمائی گھر لاتا ہے اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کرتا ہے۔ نیک بیوی اپنی عفت اور اپنے خاوند کی عزت کی حفاظت کرتی ہے۔ ایک کا کام دوسرے کی مدد کے بغیر نہیں چل سکتا۔ اگرچہ عورت جسماً اور عقلاً صریحاً مرد سے کمتر ہے مگر وہ ایک دوسرے کے ایسے محتاج ہیں کہ ایک کا گذارہ دوسرے کے بغیر نہیں چل سکتا ؛

مذکورہ بالا آیت میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ مرد عورت کے لئے سہارا ہے اور مرد کا فرض ہے کہ کما کر اُس کو کھلائے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ عورت اپنی کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور بہ سبب جسمانی کمزوری کے اُسے مرد کے ساتھ محض طفیلی زندگی بسر کرنی ہوگی۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے متعلق خاص حقوق رکھتا ہے اگر مرد کا یہ فرض ہے کہ اپنے اہل وعیال کے لئے محنت کرے اور روزی کمائے تو عورت کا فرض ہے کہ خاوند کی غیر حاضری میں اُسکے گھر کی ناموس کی حفاظت کرے۔ اور اُسکے بال بچوں کی خبر گیری کرے۔ اس طرح ہر ایک کے سپرد وہ کام کیا گیا ہے جو اُس کی طبیعت اور فطرت کے عین مطابق ہے۔ مرد چونکہ عورت کی نسبت مضبوط ہے اس لئے محنت و مشقت کا کام مرد کے سپرد کیا گیا ہے اور عورت چونکہ مرد کی نسبت نازک ہے اس لئے آرام کا کام اُس کے ذمہ ڈالا گیا ہے مگر دونوں میں سے کوئی دوسرے کی مدد کے بغیر گذارہ نہیں کر سکتا۔ یہ ہے صحیح عملی تقسیم اُن کے فرائض کی جو خدائے تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف نے تجویز فرمائی ہے۔ اس طرح جسمانی دائرہ میں عورت کی حیثیت کا سوال قرآن شریف نے نہایت صفائی سے حل کر دیا ہے اور اس تقسیم کی حکمت بھی بالکل عیاں ہے۔ اس تقسیم میں خدائے حکیم نے عورت کی معذوریوں کو کیسا ملحوظ رکھا ہے۔ اب اگر اُس کو حیض کا خون آتا ہے یا اُس کو یکے بعد دیگرے حمل کے دورے گذارنے پڑتے ہیں یا ایک چھوٹا کر

دو دو بچوں کو اُسے اپنی چھاتی کے دودھ سے پالنا پڑتا ہے تو کچھ بھی ہرج کی بات نہیں۔ کیونکہ موجودہ تقسیم میں جو قرآن شریف نے اُس کے لیئے کام مقرر کیا ہے اس میں اُس کو بیرونی دنیا کے جھگڑوں سے سبکدوش کیا گیا ہے۔ گھر ہی اُس کے لیئے چھوٹی دنیا ہے اور بچوں کی میٹھی زبان اُس کے لیئے ایک ایسی راگنی ہے جو بیرونی دنیا کے شور و غل سے ہزار درجے زیادہ شیریں ہے۔ گھر اُس کے لیئے نہائیت موزون جگہ ہے اور وہ گھر کے لیئے نہائیت موزون ہے۔ نر کی جسمانی فضیلت مادہ پر نہ صرف انسانوں تک محدود ہے بلکہ دوسرے حیوانوں میں بھی نظر آتی ہے۔ مرد کی فضیلت سے عورت کی کوئی تحقیر و توہین لازم نہیں آتی۔ بلکہ یہ فرق صرف اس لیئے ہے کہ دونوں پر ظاہر ہو جاوے کہ ہر ایک اُن میں سے کس کام کے لیئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ نسل انسان امن کے ساتھ اور مناسب طریق پر بڑھے اور ترقی کرے۔ اگر دونوں میں جسمانی طور پر پوری مساوات ہوتی تو بچوں کی پرورش اور تربیت کا انتظام کرنا مشکل ہوتا کیونکہ عورت بصورت ایک سخت اور پھرتیلی طبیعت رکھنے کے یہ پسند نہ کرتی کہ گھر کی چار دیواری میں رہ کر اپنے بچوں کی پرورش میں مشغول رہے۔ اب چونکہ یہ صاف بات ہے کہ مرد کے جسمانی اور عقلی قوا عورت کی نسبت زیادہ قوی ہیں اس لیئے یہ سراسر انصاف کی بات ہے کہ اس لحاظ سے عورت کا دائرہ زندگی مرد کے دائرہ زندگی کے ماتحت رہے اگر اس کے ساتھ دونوں میں باہم محبت اور خیر خواہی ہو اور ہر ایک ان میں سے دوسرے کے ساتھ ملکر کام کرنا اور اسکی مدد کرنا اپنا فرض سمجھے تو عورت کی یہ ماتحتی عین برکت اور خیر کا موجب ہو گی ؛

روحانی حالت

عورت کی جسمانی حالت پر بحث کرنے کے بعد اب مَیں اُس کی روحانی حالت کی طرف رجوع کرتا ہوں جو انسانی فطرت کا نہایت ہی ضروری پہلو ہے۔ خدائے تعالیٰ کی عبادت انسانی زندگی کی اصل غرض ہے خواہ وہ انسان کیا ہی حیثیت رکھتا ہو

چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ
یعنی میں نے جن و انس کو اسی لیئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اسلیئے
انصاف اس بات کا مقتضی ہے کہ مرد عورت دونوں کو اپنے اپنے روحانی قویٰ
کی تکمیل کا برابر موقعہ دیا جاوے۔ جسمانی حالات میں جو فرق ہے اُس کا اثر تو صرف
یہی ہے کہ مرد و عورت کی زندگی کے دائرے جدا جدا قائم ہو گئے۔ اگر اُن کے
روحانی حالات میں کچھ فرق ہوتا تو زیادہ نقصان کی بات ہوتی۔ مادی دنیا میں
انکی زندگی کے دوائر جدا جدا ہیں اس لیئے اُنکے مطابق انکی جسمانی حالتیں بھی
جدا جدا بنائی گئیں۔ مگر اُنکی زندگی کا روحانی مقصد ایک ہی ہے۔ خواہ مرد ہو خواہ عورت
ہر ایک کا مقصد نجات کا حاصل کرنا ہے۔ جب روحانی طور پر دونوں کی زندگیوں
کی غرض ایک ہی ہے اس لیئے اس غرض کے حاصل کرنے کے لیئے دونوں کے
لیئے برابر سہولت ہونی چاہیئے اور دونوں میں مساوات کا رنگ رہنا چاہیئے۔
چنانچہ اسی اصل کے مطابق اسلام نے روحانی ترقی کا میدان مرد عورت
دونوں کے لیئے یکساں کُھلا رکھا ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ
وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ
وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ
وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ
اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا
عَظِیْمًا (احزاب - ۵)

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں - ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں - فرمانبردار
مرد اور فرمانبردار عورتیں - سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں - صبر کرنیوالے
مرد اور صبر کرنے والی عورتیں - عاجزی کرنیوالے مرد اور عاجزی کرنیوالی عورتیں -
صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں - روزہ رکھنے والے مرد اور

روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنے فروج کی حفاظت کرنیوالے مرد اور حفاظت کرنیوالی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرنیوالے مرد اور بہت یاد کرنیوالی عورتیں۔ ان سب کے لیئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

اس آیۂ کریمہ میں خدائے تعالیٰ نے روحانی ترقی کے تمام منازل میں مرد کو عورت کے ساتھ ساتھ رکھا ہے کیونکہ برخلاف جسمانی پہلو کے عورت کا روحانی پہلو مرد کی نسبت کچھ کم تربیت پذیر اور قابل ترقی نہیں۔ یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ نہیں۔ ہر ایک زمانہ میں ایسی عورتیں پیدا ہوتی رہی ہیں جنہوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی منازل کو طے کیا یہانتک کہ خدائے تعالیٰ کے مکالمہ سے بھی مشرف ہوئیں۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کو خدائے تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کی بشارت دی۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ تو اپنے بچے کو دودھ پلا اور جب تجھے اُس کی نسبت خوف پیدا ہو تو اُس کو دریا میں ڈالدے اور کچھ خوف نہ کر اور نہ کچھ غم کھا۔ ہم اُس کو تیرے پاس پھر واپس بھیجیں گے اور اُسکو ایک رسول بنائیں گے۔ علاوہ ازیں اسلام سے پہلے بہت سی اور بزرگ عورتیں بھی ہوئی ہیں اور اسلام میں ایسی عورتیں بہت ہوئی ہیں جو بہت سے روحانی منازل کو طے کرکے خدائے تعالیٰ سے جا ملیں۔ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیئے ایک ہی کتاب ہے۔ دونوں کے لیئے ایک نبی مبعوث ہوا اور سب کے لیئے ایک ہی شریعت نازل ہوئی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ روحانی امور میں مرد اور عورتیں مساوات کا درجہ رکھتی ہیں شریعت میں عورت کے لیئے بعض ایسی رعائتیں رکھی گئی ہیں جو مرد کو حاصل نہیں اور جو رعائتیں مردوں کو حاصل ہیں اُن میں عورتیں بھی شریک ہیں مثلاً سفر میں نماز کا قصر۔ اور بیماری اور سفر کی حالت میں روزوں کا افطار وغیرہ۔

خدائے تعالیٰ ایک اور مقام میں فرماتا ہے وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا - (سورہ ۴ - نساء - آیت ۱۲۳) یعنی جو کوئی نیک کام کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہونگے اور انپر کھجور کی گٹھلی کے گڑھے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ اس مضمون کی قرآن شریف میں اور بھی آیات ہیں مگر اس مختصر مضمون میں سب کے لکھنے کی گنجائش نہیں۔

مجھے افسوس کے ساتھ اس بات کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ وہ لوگ جو جسمانی امور میں عورت کو مرد کے ساتھ برابری کا درجہ دینے کا اسقدر شوق رکھتے ہیں اُن کے مذاہب میں روحانی امور میں عورت کو بالکل پیچھے ڈالدیا گیا ہے۔ اگر جسمانی امور میں عورت مرد کے برابر نہ ہو تو چنداں ہرج کی بات نہیں مگر اگر روحانی امور میں عورت کو مرد سے نیچے گرا دیا جاتا تو واقعی بڑے ہرج کی بات تھی۔ مگر اسلام ہی ایک مذہب ہے جس نے عورت کا روحانی امور میں مرد کا ہم پایہ ہونا کھلے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ اناجیل نویسوں نے روحانی امور میں عورت سے کیا سلوک کیا ہے صرف مندرجہ ذیل عبارتوں پر ہی نظر کرنا کافی ہے۔

پولوس جس کو محققین نے موجودہ مسیحی عقائد کا بانی قرار دیا ہے عورت کے متعلق لکھتا ہے۔ "چاہیئے کہ عورت چپ چاپ کمال فرمانبرداری سے سیکھے اور میں پروانگی نہیں دیتا کہ عورت سکھلاوے یا اپ شوہر پر حاکم بن بیٹھے بلکہ خاموشی کے ساتھ رہے کیونکہ پہلے آدم بنایا گیا۔ بعد اس کے حوا۔ اور آدم نے فریب نہیں کھایا پر عورت فریب کھا کے گناہ میں پھنسی" (۱ تمطاوس - باب ۲ - ورس ۱۱-۱۴)

پھر پولوس قرنتیوں کی طرف اپنے پہلے خط کے باب ۷ ورس ۲۸ میں لکھتا ہے کہ جو لوگ بیاہ کرتے ہیں وہ گنہگار تو نہیں مگر وہ جسم میں دکھ اٹھائیں گے۔ اس سے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ نکاح کو کس نظر سے دیکھتا تھا۔

پولوس مندرجہ بالا عبارت میں عورتوں کے لیئے یہ روا نہیں رکھتا کہ اُس کو دینی علم حاصل کرنے کی پوری آزادی دیجاوے۔ وہ عورت کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ دینی علم حاصل کرنیکے وقت کچھ بولے بلکہ اُس کا فرض ہے کہ ایک بےزبان حیوان کی طرح چپ چاپ بیٹھی رہے ہم پولوس کے اس قول کی فلاسفی سمجھ نہیں سکتے۔ تعجب ہے کہ اگرچہ پولوس نے صریح الفاظ میں منع کیا ہے کہ عورت کسی کو دینی تعلیم نہ دے۔ پھر بھی آجکل مشنری لیڈیاں جوق درجوق دیہات اور شہروں میں مسیح کی منادی کرتے اور لوگوں کو دینی تعلیم دینے کے لیئے پھرتی نظر آتی ہیں۔ ہم پادری صاحبان سے سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ صریحاً پولوس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں ہے؟ کیا وہ صریح الفاظ میں حکم نہیں دیتا کہ کوئی عورت دوسرے کو دینی تعلیم نہ دے۔ مگر باوجود اس تعلیم کے ہزاروں لیڈیاں غیر ملکوں میں لوگوں کو دین سکھانے کے لیئے جاتی ہیں اور اُنپر لاکھوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ پولوس کے حکم کے مطابق چاہیئے کہ ان سب کو فوراً واپس بھیجدیا جائے اور آئندہ اس فعل سے روک دیا جاوے یہ ایک بدعت ہے جس کا ارتکاب نئے عہدنامہ کے روسے ایک سخت گناہ ہے۔ خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا جو پادری صاحبان کی توجہ کے لیئے ہم نے لکھدیا ہے۔ ہم پھر اصل امر کی طرف رجوع کرکے کہتے ہیں کہ پولوس نے عورتوں کے معلمہ ہونے کو تو ناجائز ٹھہرایا ہی تھا۔ یہ سمجھ نہیں آتا کہ اُس نے اُس سے دینی علم کے حاصل کرنیکے راستہ میں کیوں روک ڈالدی اور کیوں حکم دیا کہ اُس کو سیکھنے کے وقت بولنے کی اجازت نہیں۔ پھر سوائے اس کے دنیا میں جسقدر گناہ ہے اُس کا بانی عورت کو ہی قرار دیا جاتا ہے کیونکہ مسیحی صاحبان کا عقیدہ ہے کہ جسقدر گناہ دنیا میں آیا وہ عورت کے ذریعہ ہی سے آیا۔ اُنکے نزدیک گناہ ایک ورثہ ہے جو انسان نے اپنی ماں حوّا سے حاصل کیا۔ اس طرح مسیحی لوگ اپنے مقتدار پولوس کے قول کی پیروی کرکے عورت کی عزت پر سخت حملہ کرتے ہیں؛

۱- قرنتیوں میں جو خیال عورت کی نسبت پولوس نے ظاہر کیا ہے وہ کچھ کم بُرا نہیں وہ اُسکو نوع انسان

کے لئے جسم کے دُکھ کا موجب سمجھتا ہے اور اُس کے نزدیک یہ بہتر ہے کہ انسان تجرد کی زندگی اختیار کرے۔ اُس کے خیال میں عورت اور مرد کا جوڑا ایک ایسی بُرائی ہے جسے انسان کو مجبوراً اختیار کرنا پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکی وجہ سے مرد کو جسم کا دُکھ اُٹھانا پڑتا ہے اس طرح پولوس اور اُسکی پیروؤں نے روحانی ترقی کا دروازہ عورت پر ہمیشہ کے لئے بند کر دیا ہے۔ اور خود یسوع کا نمونہ اور جو نامناسب سلوک اُس نے اپنی ماں کے ساتھ کیا وہ اس مقدس گروہ کے خیالات کی تائید کر رہا ہے۔ آج اگر بعض مسیحی صاحبان عورت کے حقوق پر زور دیتے ہیں تو ہمارا یہ حق ہے کہ ہم اس کو کسی بیرونی اثر کا نتیجہ سمجھیں۔ اور وہ اثر اسلامی تعلیم کا ہے کیونکہ مسیحی اور مسلمان عرصہ دراز سے باہم میل جول رکھتے آئے ہیں۔ ان کے بزرگ عورت کی نسبت جس قسم کا خیال رکھتے رہے ہیں وہ مندرجہ ذیل اقوال سے ہویدا ہے۔

سینٹ برنارڈ کہتا ہے ”عورت شیطان کا ہتھیار ہے“۔

سینٹ اینٹونی کہتا ہے ”عورت شیاطین کے ہتھیاروں کی کان ہے۔ اُس کی آواز سانپ کا چلچلانا ہے“۔

سینٹ بوناوینٹر کہتا ہے ”عورت ایک بچھو ہے جو ڈسنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے وہ شیطان کا نیزہ ہے“۔

سینٹ سائپرین کہتا ہے ”عورت وہ ہتھیار ہے جس کو شیطان ہماری روحوں پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے“۔

سینٹ جیروم کہتا ہے ”عورت شیطان کا دروازہ ہے۔ ظلم کی سڑک ہے اور بچھو کا نیش ہے“۔

سینٹ جاہن دمشقی کہتا ہے ”عورت جھوٹ کی بیٹی ہے۔ دوزخ کا سپاہی اور امن کا دشمن ہے۔ اُسی کے ذریعہ انسان نے بہشت کو کھویا۔ تمام وحشی درندوں میں سے

عورت سب سے زیادہ خطرناک ہے"۔

سنیٹ گریگری اعظم کہتا ہے۔ "عورت سانپ کی زہر رکھتی ہے اور اژدہا کا کینہ"

مگر قرآن شریف کے رُو سے وہ سب مونسوں سے زیادہ عزیز ہے۔ وہ گناہ سے بچنے اور تقویٰ کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ وہ مرد کی ہمراز اور تمام اچھے اور مفید اثروں کے قبول کرنے کی قابلیت رکھتی ہے۔ وہ محبت کا سرچشمہ ہے اور چھوٹے بچوں کی مربّی اور اُن کو نیک باتوں کی طرف رہنمائی کرنے والی ہے۔ مَینے اپنی پیاری ماں کے زانوؤں پر بیٹھکر سب سے پہلے اپنے خالق کا نام سیکھا۔ اور اُسی کی آرام دہ گود میں مَیں نے توحید کا کلمہ پڑھا۔ جو کہ اسلامی تعلیم کا مغز اور خلاصہ ہے ؛

ممکن ہے کہ یہاں کوئی ایسا شخص جو عمیق نظر نہیں رکھتا یہ اعتراض کرے کہ اگرچہ عورت کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس کو روحانی ..... حقوق حاصل ہیں۔ مگر رسالت کے عہدہ سے وہ محروم رکھی گئی ہے۔ اس اعتراض کی بنا اس غلط خیال پر ہے کہ رسالت بھی انسان کی روحانی ترقیات کا ایک درجہ ہے۔ رسالت کوئی ایسا مرحلہ نہیں ہے جو ہر ایک انسان کو اپنی روحانی تکمیل کے اثنا میں طے کرنا پڑتا ہو۔ تمام انسان رسول بنکر دنیا کی طرف مبعوث نہیں ہوسکتے۔ انسان کی روحانی ترقی کا آخری مرحلہ اعلیٰ درجہ کا مکالمہ الٰہی ہے اور یہ ایک ایسا مرتبہ ہے جس کو ہر ایک انسان خواہ مرد ہو یا عورت حاصل کرنیکی یکساں قابلیت رکھتا ہے۔ ایسے وقت میں جب کہ دنیا میں روحانیت کا قحط ہوتا ہے خدائے تعالیٰ ایسے لوگوں میں سے جو روحانیت کے اس اعلیٰ مرتبہ پر پُہنچے ہوئے ہوتے ہیں ایک کو چُن لیتا ہے اور اُس کے ذریعہ ہدایت کی بارش دنیا پر نازل فرماتا ہے۔ ایسے شخص کو مذہب کی اصطلاح میں رسول کہتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو روحانی مدارج میں سے کوئی درجہ ہو۔ یہ صرف ایک خاص واسطہ ہے جس کو ضرورت کے وقت خدائے تعالیٰ کام میں لاتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا عہدہ ہے جسکے لئے عورت موزون نہیں۔ ایک عام مجمع میں عورت کے خط و خال اور اُس کا حُسن عام لوگوں کے لیئے ٹھوکر کا موجب ہونگے اور بجائے اس کے کہ وہ ایک رسول کی طرح ایک روشنی کی مشعل لوگوں کے آگے پیش کرے وہ دنیا کے لیئے فتنہ کا موجب ہوجائے گی۔ اس لیئے

رسالت کا عہدہ صرف مرد کے لیئے خاص ہے مگر اس سے عورت کی روحانی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ؛

الغرض روحانی ترقی کے لیئے عورت اور مرد دونوں کو یکساں موقعہ دیا گیا ہے روحانی ترقی ہی اس دنیا میں انسان کا بڑا کام ہے اور صرف اسلام نے ہی اس کام میں عورت اور مرد کے پلڑے کا برابر ہونا کھلے طور پر بیان کیا ہے۔ مسیحی اور دیگر مذاہب نے عورت کی روحانیت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ بلکہ انہوں نے عورت کو روحانی ہستیوں کی فہرست میں شامل کرنے سے مضائقہ کیا ہے۔ اور یہ بات ہمیں اور بھی عجیب معلوم ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ انہی مذاہب کے پیرو آجکل جسمانی اور مادی امور میں مرد و عورت کی پوری مساوات پر بہت زور دیتے ہیں۔ دنیا کے جدوجہد میں کمزور طاقتور کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ضروری ہے کہ طاقتور کمزور سے آگے نکل جائے۔ اور آجکل لوگوں میں عورت کو جسمانی اور مادی امور میں مرد کے برابر بنانے کا اسقدر جوش پھیلا ہوا ہے کہ انہوں نے اُس پہلو کو بالکل بھلا دیا ہے جس میں مرد و عورت درحقیقت مساوات کا درجہ رکھتے ہیں۔ یعنی روحانی پہلو ؛

مرد کا سلوک عورت کے ساتھ

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام مرد کو عورت کے ساتھ کیسا سلوک کرنیکا حکم دیتا ہے ناظرین کو سب سے پہلے یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ اسلام جسکی لاٹھی اُسی کی بھینس کی تعلیم نہیں دیتا اگر مرد عورت کی نسبت زیادہ طاقتور ہے تو اسکی یہ طاقتوری اسکو یہ حق نہیں دیتی کہ وہ عورت پر تشدد کرے اور اپنی طاقت کا گھمنڈ دکھلائے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ (سورۃ نساء۔ آیت ۳۶)

جس چیز کے ساتھ خدائے تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اُس کی تمنا نہ کرو۔ مردوں کے لیئے حصہ ہے اُس چیز سے جو انہوں نے کمایا اور

عورتوں کے لیئے حصّہ ہے اُس چیز سے جو انہوں نے کمایا (یعنی ہر ایک کو اُس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا۔ خواہ مرد ہو یا عورت) اور اللہ تعالیٰ سے اُس کا فضل مانگو۔ اللہ تعالےٰ ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے۔ اس آیہ کریمہ میں عورتوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ مردوں کی نسبت اپنی جسمانی کمزوری کی وجہ سے کبیدہ خاطر نہ ہوں اور نہ مرد کو اپنی جسمانی فضیلت کی وجہ سے مغرور ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ فرق جو دونوں میں بظاہر نظر آتا ہے وہ انسان کے اصل مقصد زندگی کے حاصل کرنے پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔ اصلی غرض تقویٰ ہے اور جسمانی حالت خواہ کمزور ہو یا مضبوط اس مقصد پر کچھ اثر نہیں ڈالتی۔ ہر ایک کو اُس کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ اس لیئے دونوں کو یکساں حکم ہے کہ وہ نیکی میں ترقی کریں۔ ایک اپنے دائرہ کے اندر تقویٰ کی راہ پر قدم مارے اور خدائے تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرے جو ہر ایک کی کمزوریوں اور فضیلتوں کا پورا پورا علم رکھتا ہے اور دونوں کو حکم ہے کہ وہ خدا کا فضل طلب کریں۔

اب یہ دیکھنا آسان ہے کہ مرد اور عورت سے ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح کا سلوک کرنے اور کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ گذارہ کرنے کی اُمید رکھی گئی ہے دونوں نے اپنے اپنے اعمال کا پھل پانا ہے اس لیئے ان میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ دوسرے کی حقارت کرے یا اُس پر اپنی بڑائی ظاہر کرے۔

آؤ اب ہم دیکھیں کہ مرد اور عورت کے باہمی سلوک کے بارے میں پولوس کیا تعلیم دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ جیسا کلیسیا مسیح کے ماتحت ہے ایسا ہی ہر ایک بات میں عورتوں کو اپنے خاوندوں کے ماتحت ہونا چاہیئے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ آجکل جو ولایت میں عورتوں کے ممبر پارلیمنٹ ہونیکے بارے میں تحریک جاری ہے کیا وہ پولوس کی اس تعلیم کے مطابق ہے۔ اگر پولوس کو موجودہ زمانہ کا علم ہوتا جبکہ عورتیں ہر ایک امر میں مردوں کے برابر حقوق حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں تو وہ اس قسم کے کلمات کو مُنہ سے نکالنے کی جرأت نہ کرتا بلکہ زیادہ احتیاط سے کام لیتا۔ اس قسم کے فقرے پڑھکر آجکل کی ولایتی لیڈیوں کے دلوں پر ضرور سخت چوٹ لگتی ہوگی کیونکہ وہ اب مرد کی کسی امر میں بھی ماتحتی اختیار کرنا ہتک کا موجب

یقین کرتی ہیں۔ پھر جیسا کہ میں پہلے پولوس کا قول نقل کر چکا ہوں وہ کہتا ہے کہ "عورت چپ چاپ کمال فرمانبرداری سے سیکھے اور میں پروانگی نہیں دیتا کہ عورت سکھلاوے یا اپنے شوہر پر حاکم بن بیٹھے بلکہ خاموشی کے ساتھ رہے کیونکہ پہلے آدم بنایا گیا بعد اُس کے حوا۔ اور آدم نے فریب نہیں کھایا پر عورت فریب کھا کے گناہ میں پھنسی"۔ پھر پولوس ا۔ قرنتیوں باب ۱۴۔ ورس ۳۴ و ۳۵ میں لکھتا ہے "تمہاری عورتیں کلیسے میں چپکی رہیں کہ انہیں بولنے کا حکم نہیں ہے بلکہ چاہیئے کہ فرمانبردار رہیں جس طرح شریعت میں بھی لکھا ہے اور اگر وے کچھ سیکھا چاہیں تو گھر میں اپنے خصم سے پوچھیں کیونکہ شرم کی بات ہے کہ عورتیں کلیسے میں بولیں"۔ اس بات کی وجہ کہ کیوں عورت مرد کی دائمی غلام مسیحی مذہب میں قرار دی گئی ہے یہ ہے کہ پولوس کے قول کے مطابق "آدم نے فریب نہیں کھایا پر عورت فریب کھا کر گناہ میں پھنسی"۔

پولوس یہ فتویٰ اپنی طرف سے نہیں دیتا بلکہ کہتا ہے کہ ہماری شریعت کا یہی فتویٰ ہے۔ دیکھو اسلامی تعلیم اور مسیحی تعلیم میں کسقدر فرق ہے۔ مسیحی مذہب کے نزدیک عورت کی حیثیت ایک غلام سے بھی بدتر ہے اور اُس کے لئے حکم ہے کہ خواہ پسند کرے یا نہ کرے نہایت کمینگی کے ساتھ مرد کے آگے دست بستہ کھڑی رہے یہانتک کہ دینی تعلیم حاصل کرتے وقت یا عبادت کے وقت اُس کی کیا مجال ہے کہ اپنی زبان بھی ہلائے۔ برخلاف اس کے قرآن کریم نے اس ظاہری جسمانی فرق کو جو مرد و عورت میں پایا جاتا ہے یہ کہکر بالکل بے حقیقت کر دیا ہے کہ اُن کی قسمت کا فیصلہ انکے اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوگا۔ اس لئے درحقیقت اسلام کے رو سے مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں اور وہ دونوں مساوات کی پٹڑی پر کھڑی ہیں۔ کسی کو حق نہیں کہ دوسرے پر کسی فوقیت کا فخر کرے کیونکہ زندگی کی اصل غرض یعنی نجات کے حاصل کرنے میں دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں اور ہر ایک کا برابر فرض ہے کہ اپنی اپنی نجات کی آپ فکر کرے اور مرد کو کوئی اختیار نہیں کہ عورت کو اُسکے منشاء اور خواہش کے برخلاف اپنی ماتحتی کے شکنجے میں جکڑے رکھے۔ مگر مسیحی مذہب زندگی بھر کے لیئے عورت کو مرد کا بے بس غلام اور بے کس خادم قرار دیتا ہے اور اُس کی کوئی علیحدہ حیثیت قائم نہیں رکھتا۔

پھر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا (سورہ نساء-۱)

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا اور اُسی کی جنس کا اُس کا جوڑا بنایا اور اُن دونوں میں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ اور رحموں کے معاملہ میں تم تقویٰ سے کام لو اور یاد رکھو کہ خدائے تعالیٰ تم پر نگران ہے (یعنی وہ دیکھتا ہے کہ تم رحموں یعنی عورتوں کے تعلقات میں کہاں تک تقویٰ سے کام لیتے ہو)

ان آیات میں مرد کو سخت تاکید کی گئی ہے کہ وہ عورتوں سے نیک سلوک کرے اور جو جسمانی طور پر اُسکو ضرورۃً عورت کی نسبت زیادہ طاقت دی ہے اُس سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر عورت کو دُکھ نہ دے یہاں ان کو بتلایا گیا ہے کہ مرد اور عورتیں ایک ہی منبع سے نکلی ہیں اور وہ ایک ہی جنس کی مخلوق ہیں۔ اسلیئے ایسا نہ ہو کہ مرد عورت کو کمزور دیکھکر اُس سے سختی کا برتاؤ کرے یا اُس کو حقارت کی نظر سے دیکھے۔ خدائے تعالیٰ انسان کو حکم دیتا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ سے ڈرے جو عورت اور مرد دونوں کا خالق ہے اور مرد کو حکم ہے کہ وہ عورت کا احترام اور اکرام کرے۔

مذکورہ بالا آیات میں جو رحموں کے تعلقات کے بارے میں تقویٰ سے کام لینے کا ارشاد ہے یہ اپنے معنوں میں بہت وسیع اور اپنے اطلاق میں بہت فراخ ہے۔ اس میں عورت کے تمام رشتے اور تمام تعلقات اور مختلف قسم کے حالات شامل ہیں خواہ مرد کس حیثیت کا ہو۔ بادشاہ ہو یا مزدور اور خواہ اُس کے حالات کسی قسم کے ہوں اُس کا فرض ہے کہ تمام قسم کے رحم کے رشتوں کا احترام کرے۔ اور اپنی والدہ - اپنی بیوی - اپنی ہمشیرہ - اپنی لڑکی وغیرہن کا پورا پاس کرے۔ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ مرد اُنکے کسی حق کو تلف کرے اور اُن کے اکرام و احترام میں کسی قسم کا فرق کرے۔

پھر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً۔ اور خدائے تعالیٰ کے نشانات میں سے ایک نشان یہ ہے کہ اُس نے تمھارے لئے تمھاری ہی جنس میں سے بی بیاں پیدا کی ہیں تاکہ تم کو اُن کے ذریعہ سکینت اور آرام حاصل ہو اور خدائے تعالیٰ نے تمھارے یعنی میاں بیوی کے درمیان محبت اور رحمت ڈال دی ہے۔ (سورہ روم)

اس آیہ کریمہ میں خدائے تعالیٰ اُس راحت اور آرام کی طرف توجہ دلاتا ہے جو مرد اور عورت ایک دوسرے کی صحبت سے حاصل کرتے ہیں۔ جبکہ دونوں ایک دوسرے کی طرف ایک زبردست کشش محسوس کرتے ہیں اور اُن کا باہمی تعلق اُنکے لئے راحت کا سرچشمہ ہے اس لئے یہ بالکل درست ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور پیار کا برتاؤ کریں۔ خدائے تعالیٰ مندرجہ بالا آیت میں مرد اور عورت کے باہمی تعلق کی کیا ہی سچی حقیقت ظاہر کرتا ہے۔ اس کے رُو سے ضروری ہے کہ انکے سارے تعلقات محبت کی حکومت کے نیچے ہوں۔ قرآن شریف یہ نہیں کہتا کہ عورت اور مرد کے تعلقات ایسے ہوں جیسے ایک غلام اور اُس کے مالک کے تعلقات ہوتے ہیں بلکہ فرماتا ہے کہ اُن کے تعلقات کی بنا محبت اور رحمت پر ہونی چاہیئے۔ مرد کو اپنی بیوی سے حاکمانہ رعونت کے ساتھ پیش نہیں آنا چاہیئے اور اُس کا سلوک اپنی بیوی کے ساتھ اس خیال کی بنا پر نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ حاکم ہے اور اُس کی بیوی محکوم بلکہ چاہیئے کہ انکے باہمی تعلقات میں محبت اور پیار کی روح کام کرے۔

پھر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا اے وے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ یہاں خدائے تعالیٰ مرد کو حکم دیتا ہے کہ جو اُس کو عورت کی نسبت بعض بہتر قویٰ عطا کیئے گئے ہیں اُن کو نیک طور پر استعمال کرے اور عورت کو ایسے علم کے حاصل کرنے میں مدد دے جو اُس کو تقویٰ کی راہوں پر چلنے کے لئے مفید ہو

اور اس طرح اُس کے دوزخ کی آگ سے بچنے کا ذریعہ ٹھہرے۔ خدائے تعالیٰ کی کتاب نے پولوس کی طرح اس بات پر زور نہیں دیا کہ چونکہ مرد عورت کی نسبت زیادہ قوی ہے اس لیئے وہ اس قوت کو عورت پر حکومت کرنے اور اُسپر اپنا بے جا رُعب بٹھانے میں خرچ کرے بلکہ اُس کے لیئے ایک ایسی راہ تجویز کی ہے جہاں وہ اپنی طاقت کو بہترین طریق پر خرچ کر سکتا ہے اور عورت کو تقویٰ کی راہوں پر چلنے میں مدد دے سکتا ہے مرد کا فرض ہے کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو گناہ کی راہوں پر چلنے سے روکے جسکا نتیجہ جہنم کی آگ ہوتا ہے۔ آدمی کو صرف اپنے لیئے ہی جنت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اپنے متعلقین کو بھی اپنے ساتھ بہشت میں پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور یہ وہ اُسی صورت میں کر سکتا ہے کہ اپنی خود غرضی کو چھوڑے اور اپنے متعلقین کو جہانتک ممکن ہو خدائے تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرنے میں مدد دے۔ مرد کو اپنی بیوی بچوں کی تعلیم و تربیت کا ذمہ وار بنایا گیا ہے مگر اس میں کسی قسم کی ناجائز سختی کو روا نہیں رکھا گیا بلکہ محبت اور مہربانی کے ساتھ اس غرض کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

مَیں جرأت سے کہہ سکتا ہوں کہ کوئی مذہب مرد کی نظر میں عورت کی وقعت کو اس قدر نہیں بڑھاتا جس قدر کہ قرآن کریم بڑھاتا ہے۔ دوسرے مذاہب کے بعض پیرو عورت کے حقوق پر آجکل بڑا زور دیتے ہیں مگر افسوس ہے کہ اُن کا یہ زور دینا اُنکے اپنے مذہب کی کسی ہدایت کی بنا پر نہیں ہے۔

سوشل حقوق

اس کے بعد جو بات غور کے قابل ہے وہ عورت کے سوشل حقوق ہیں۔ اس مضمون پر بحث کرنے سے پہلے مَیں جائز فخر کے ساتھ کہوں گا۔ کہ تمام مذاہب میں سے صرف ایک ہی مذہب ہے جس نے عورت کو سوشل حقوق دیئے ہیں اور عورت کو سوسائٹی کا ایک ضروری جزو ٹھہرایا ہے اور وہ اسلام ہے۔ سب سے پہلے اس بات کو یاد رکھنا

چاہیئے کہ جسقدر ایک شخص ایک سوسائٹی کے کاموں میں حصہ لے اُسی کے مطابق اُس سوسائٹی میں اُس کا حق قائم ہوتا ہے۔ سوسائٹی میں ایک شخص کا درجہ قائم کرنے میں اس امر کا بڑا لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ وہ شخص سوسائٹی کے لیئے کسقدر محنت خرچ کرتا ہے اور وہ کس قسم کا کام ہے جو اُسے کرنا پڑتا ہے اس لیئے یہ ضروری نہیں کہ سوسائٹی کے تمام افراد کے حقوق بالکل مساوی ہوں اور نہ ایسا کرنا مناسب ہے اور نہ ہی ممکن ہے۔ ایسا کرنا صرف اُسی صورت میں ممکن ہوسکتا تھا جبکہ تمام افراد کی قابلیتیں اور طاقتیں بالکل مساوی اور یکساں ہوتیں۔ مگر چونکہ انسانی سوسائٹی کے ہر ایک فرد کی طاقتیں اور قابلیتیں مختلف ہیں اسلیئے اُن کے حقوق بھی مختلف ہیں ؛

سوسائٹی کے کسی فرد کو اُسکے جائز حق سے محروم رکھنا بڑی بے انصافی ہے مگر سوائے اسلام کے باقی مذاہب کا بالکل یہی حال ہے۔ جو لوگ سننا چاہتے ہیں ہیں انپر یہ ناگوار سچائی ظاہر کروں گا کہ جن کتابوں کے پیرو آجکل مرد اور عورتکے تمام حقوق کی مساوات پر بڑے زور سے لیکچر دیتے ہیں وہ سب کی سب کتابیں عورت کو سوسائٹی کا جزو بھی قرار نہیں دیتیں۔ اُنکے نزدیک سوسائٹی کے اجزا صرف مرد ہی مرد ہیں۔ عورتوں کو سوسائٹی میں کوئی جگہ نہیں دی گئی۔ بائبل کے بیانات سے بھی ظاہر ہوتا ہے مگر اگر بائبل نے عورت کے حقوق کو نظر انداز کیا ہے تو قرآن نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے عورت کے متعلق صریح اور مفصل قواعد قائم کیئے ہیں ؛

سورۂ نساء میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۚ فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ ۚ وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَیْهِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنْ کَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ کَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَآ اَوْ دَیْنٍ ؕ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا ؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۝

(ترجمہ) خدائے تعالیٰ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے۔ مرد کا حصہ دو عورت کے حصے کے برابر ہے۔ اور اگر وہ عورتیں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو انکے لیئے چھوڑے ہوئے مال کا دو تہائی حصہ ہے، اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اُس کے لیئے نصف ہے اور متوفی کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیئے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے اگر اُس کی اولاد ہو اور اگر اُس کی اولاد نہ ہو اور اُس کے ماں باپ ہی اُسکے وارث ہوں تو اُسکی ماں کے لیئے ایک تہائی حصہ ہے اور اگر اُسکے بھائی بھی ہوں تو اُس کی ماں کے لیئے چھٹا حصہ ہے۔ مگر یہ تقسیم اُس وصیت کے بعد ہوگی جو متوفی کر جائے ایسا ہی اس تقسیم سے پہلے اگر متوفی کے ذمہ کچھ قرض ہو تو وہ ادا کیا جائے گا۔ تم نہیں جانتے کہ تمھارے باپوں اور بیٹوں میں سے نفع کے لحاظ سے کون زیادہ قریب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔

اسکے آگے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝ (ترجمہ) اور جو کچھ تمھاری بیویاں چھوڑ جائیں اُس کا نصف حصہ تمھارے لیئے ہے اگر اُنکی اولاد نہ ہو اور اگر اُنکی اولاد ہو تو جو کچھ وہ چھوڑ جائیں اُس کا چوتھا حصہ تمھارے لیئے ہے وصیت کے بعد جو وہ کر جائیں یا قرض کے بعد۔ اور جو کچھ تم چھوڑ جاؤ اُس کا چوتھا حصہ تمھاری بی بیوں کیلیئے ہے اگر تمھاری اولاد نہ ہو اور اگر تمھاری اولاد ہو تو جو کچھ تم چھوڑ جاؤ اُس کا آٹھواں حصہ تمھاری بی بیوں کے لیئے ہو وصیت کے بعد جو تم کر جاؤ یا قرض کے بعد۔ اور اگر متوفی ایسا مرد ہو کہ نہ اُس کے والدین زندہ ہوں اور نہ اولاد ہو یا ایسی عورت ہو اور اُس کا ایک بھائی ہو یا ایک بہن پس ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیئے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب تیسرے حصہ میں برابر

شریک ہیں متوفی کی وصیت یا قرض کے بعد جب اوروں کا نقصان نہ کیا ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور تحمل والا ہے۔

یہ احکام جو میراث کے متعلق ہیں نہایت وضاحت کے ساتھ عورت کے حقوق کو ظاہر کر رہے ہیں اور جہاں سے مرد کو حصہ دیا گیا ہے وہاں عورت بھی حصہ دار ہے وہ ہر ایک مال میں مرد کے ساتھ شریک .... اور حصہ دار ہے۔ اگر مرد کو باپ۔ بیٹے۔ بھائی۔ خاوند وغیرہ کی حیثیت سے حقدار ٹھہرایا گیا ہے تو عورت کو بھی ویسے ہی ماں۔ لڑکی۔ بہن اور بیوی وغیرہ کی حیثیت سے حصہ دار مقرر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مرد ایک مال کا مالک ہو سکتا ہے ایسا ہی عورت بھی مستقل طور پر اپنے مال کی مالک ٹھہرائی گئی ہے اور مرد کا کوئی اختیار نہیں کہ اس کے حق کو کسی طریق سے دبا لے۔

اسی سورہ شریفہ میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ اے ایمان والو تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث ہو جاؤ۔ دیکھو اسلام میں عورت کیسی مستقل حیثیت رکھتی ہے اسکی حیثیت ایسی نہیں رکھی گئی جیسی کہ ایک غلام کی ہوتی ہے بلکہ وہ مرد کی طرح ایک آزاد حیثیت رکھتی ہے۔

اسی طرح طلاق کے وقت بھی مرد کو اختیار نہیں کہ وہ اپنی بیوی کے مال میں سے کچھ لے سکے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ۝ اور اگر تم ایک عورت کو طلاق دیکر اس کی جگہ دوسری جورو کرنی چاہو اور انہیں سے ایک کو تم مال کا ایک خزانہ بھی دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی نہ لو۔ کیا تم اس مال کو بہتان لگا کر اور صریح گناہ کا مرتکب ہو کر لوگے؟۔

عورت مرد کے یعنی اپنے خاوند کے مال کی وارث ہو سکتی ہے اور مرد عورت کے مال کا وارث ہو سکتا ہے۔ کیا کوئی اور مذہب دنیا میں ہے یا کوئی اور کتاب روئے زمین پر ہے جس نے عورت کو ایسی مستقل حیثیت دی ہو۔ ہم بڑی جرأت اور بڑے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ اور کوئی ایسی کتاب نہیں۔ کیا دنیا میں کوئی مذہب ہے جو ہمارے اس دعویٰ کی تردید کر سکے۔

پھر دنیا کے کاروبار میں جس قدر عورت حصہ لیتی ہے اُسی کے مطابق میراث میں اُسکا حصہ مقرر

کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ عورت کے لیئے یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ ایک طرف تو وہ مرد کے ساتھ میراث سے حصہ حاصل کرتی ہے دوسری طرف اس کے اخراجات کا ذمہ وار بھی مرد کو ہی بنایا گیا ہے۔ اسی طرح اپنے بچوں پر بھی اس کو اپنے مال میں سے کچھ خرچ کرنا نہیں پڑتا کیونکہ بچوں کا متکفل بھی مرد کو ہی قرار دیا گیا ہے۔ عورت جائداد رکھ سکتی ہے مگر اس کو نہ اپنے آپ پر کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے اور نہ اپنے بچوں پر۔ ان کے کل اخراجات کا ذمہ وار مرد ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی رعایت ہو سکتی ہے۔ پھر اسپر طرفہ یہ کہ نکاح کے وقت اسکے لیئے ایک رقم بطور مہر کے مقرر کی جاتی ہے جس کی مقدار خاوند کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے اور مرد کا فرض ہے کہ وہ ساری رقم اپنی بیوی کو ادا کرے۔ غرض جس قدر ذریعے مال حاصل کرنے کے ہیں وہ عورت کیلیئے کھلے ہیں کسی طرف سے اسکو محروم نہیں رکھا گیا۔ جہاں جہاں میراث سے حصہ لینے کا مرد کو حق ہے وہاں وہاں عورت کو بھی حق ہے اور مہر کی رقم اس کے علاوہ ہے مگر عورت پر کوئی خرچ لازم نہیں ٹھہرایا گیا۔ بلکہ کل اخراجات کا ذمہ وار مرد ہے۔ اور کسی مرد کو حق نہیں کہ وہ عورت کے مال میں سے اس کی مرضی کے خلاف کچھ لے سکے خواہ وہ مرد اس عورت کا باپ ہو یا بھائی۔ بیٹا ہو یا خاوند۔ اسقدر تو وراثت کے متعلق تھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ قرآن شریف نے مرد اور عورت کے حقوق کے متعلق کیا فرمایا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ جیسے عورتوں کے ذمہ مردوں کے حقوق ہیں ایسا ہی مردوں کے ذمہ عورتوں کے متعلق حقوق ہیں۔ معروف طریق کے ساتھ۔ اور مرد عورتوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا۔ اس آیۂ کریمہ میں مرد اور عورت دونوں کو یکساں حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حق معروف اور انصاف کے طریق کے ساتھ ادا کریں اور مرد کو بتلایا گیا ہے کہ اگرچہ اس کو جسمانی اور عقلی جہت سے عورت پر فوقیت ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ صرف عورت کے ذمہ ہی اسکے حقوق ہیں بلکہ جیسے عورت کے ذمہ مرد کے حقوق ہیں ایسا ہی مرد کے ذمہ بھی عورت کے حقوق ہیں اور ان حقوق کو انصاف کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔ مرد چونکہ زیادہ مضبوط ہے اس لیئے اس کو خصوصیت کے ساتھ سمجھایا گیا ہے کہ وہ عورت کے حقوق کی انصاف کے ساتھ نگاہداشت

کرے عورت کو ایک کمینہ خادم قرار نہیں دیا گیا ہے جس کی زندگی مرد کے رحم پر موقوف
ہو۔ بلکہ اُس کو ایک مستقل حیثیت دی گئی ہے اُسکے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسکو مرد کے پاؤں
میں نہیں ڈالا گیا۔ بلکہ دونوں کے ذمہ ایک دوسرے کے حقوق رکھے گئے ہیں اور اس طرح
اُنکا گذارہ آرام کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد عورت کے سوشل حقوق میں سے سب سے زیادہ ضروری امر طلاق کا مسئلہ
ہے۔ اس مسئلہ پر پہلے اسی رسالہ میں مبسوط بحث ہو چکی ہے اس لئے اسوقت اسپر کوئی
مفصل بحث کرنیکی ضرورت نہیں۔ اس جگہ صرف قرآن شریف کی بعض آیات بمعہ ترجمہ نقل کر دینا
کافی ہوگا تاکہ ناظرین خود دیکھ لیں کہ طلاق کے احکام میں کسقدر انصاف سے کام لیا گیا ہے
اور عورت کے حقوق کی نگاہداشت کی گئی ہے اور کہانتک اُس کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے (۱) لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ
أَشْهُرٍ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ
اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا
يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا

ترجمہ۔ جو لوگ اپنی عورتوں سے قسم کھا لیتے ہیں وہ چار مہینے انتظار کریں اور اگر وہ (اس
عرصہ میں) پھر آویں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے۔ (یعنی رجوع کرنیکی صورت میں
خدائے تعالیٰ اُنکی غلطی کو معاف کر دیگا) اور اگر وہ طلاق دینے کا مصمم ارادہ کر لیں تو
خدائے تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے (یعنی وہ جانتا ہے کہ طلاق دینے والا ظلم سے
کام لے رہا ہے یا سچے عذر کی وجہ سے طلاق دینے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اس لئے طلاق دینے والا
خدائے تعالیٰ کے خوف کو نہ بھلائے) اور جن عورتوں کو طلاق دیا جاوے وہ تین طہر یا تین
حیض تک اپنے تئیں روک رکھیں اور اگر اُن کو اللہ اور آخرت پر ایمان ہے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ
نے اُنکے پیٹوں میں پیدا کیا ہوا اُسکو چھپانا اُنکو درست نہیں اور اُنکے خاوندوں کو اُس مدت
کے اندر اپنی عورتوں کو پھر اپنے کا زیادہ حق ہے اگر وہ ملاپ کرنا چاہیں (یہاں مردوں کو بھی

اصلاح۔ بابت صفحہ ۶۰ سطر ۱۱ غلط [illegible]

ترغیب دی ہے کہ تین طہر یا تین حیض کے عرصہ کے اندر وہ عورتوں کی طرف رجوع کرلیں حتی الوسع طلاق سے اپنے تئیں روکیں) بقرہ - رکوع ۲۸

(ب) اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ صلے فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ہ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ہ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ہ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ہ بقرہ رکوع ۲۹-۳۰

طلاق دوبار ہے پھر دو طلاقوں کے بعد یا تو نیک طریق کے ساتھ اپنی بی بی کو اپنے پاس رہنے دے یا احسان کے ساتھ اُس کو رخصت کر دے۔ اور تمھارے لیئے جائز نہیں کہ جو کچھ تم اُنکو دے چکے ہو اُس میں سے کچھ پھیر لو مگر جب میاں بی بی دونوں کو ڈر ہو کہ اللہ کے حکموں پر نہیں چل سکیں گے۔ پھر اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ میاں بی بی اللہ کے حکموں اور قاعدوں پر نہیں چل سکینگے تو اگر عورت اپنا پیچھا چھڑانے کے لیئے کچھ دے تو اُن دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اُن سے آگے مت بڑھو یعنی اُنکا خلاف نہ کرو اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے بڑھ جاوے

تو ایسے ہی لوگ گنہگار ہیں - اب اگر پھر تیسری بار اُسکو طلاق دیا تو وہ عورت اُسپر حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے - اب اگر دوسرا خاوند اُس کو طلاق دیدے تو پہلا میاں اور یہ بی بی پھر ملاپ کر سکتے ہیں اگر دونوں یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چل سکیں گے - یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں جنکو سمجھ والوں کے لیئے وہ بیان کرتا ہے اور جب تم عورتوں کو طلاق دو (یعنی ایک یا دو) اور عدت پوری ہونے لگے تو اچھے طریق کے ساتھ اُنکو رکھ لو یعنی پھر ملاپ کر لو یا اچھے طریق کے ساتھ رخصت کر دو - اور تنگ کرنیکے لیئے ظلم کی نیت سے اُنکو اٹکائے نہ رکھو اور جو کوئی ایسا کرے اُس نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکموں سے ٹھٹھا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ نے جو تم پر احسان کیا اُس کو یاد کرو اور جو تم پر کتاب اور حکمت تمہارے سمجھانیکے لیئے اُتاری اُسکو یاد کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور جب عورتوں کو طلاق ہو جاوے پھر اُنکی عدت پوری ہو جائے تو اُن کو پہلے (دستور) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنیسے مت روکو اگر اچھے طریق کے ساتھ آپس میں رضامندی ہو جائے - اِن حکموں سے اُسی کو نصیحت ہو گی جو اللہ تعالیٰ اور پچھلے دن پر یقین رکھتا ہے - یہ حکم تمہارے لیئے بہت مفید اور بہت پاکیزہ ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ؛

(ج) وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا (بقرہ - ۳۰) اور جو شخص اپنی اولاد کو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے تو مائیں دو برس تک دودھ پلائیں اور بچہ کے باپ کو اچھے طریق کے ساتھ اُنکو کھانا کپڑا دینا ہو گا (خواہ اُس عورت کو طلاق دے چکا ہو) کسی شخص کو اُس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہ دی جاوے - نہ ماں کو اُس کے بچہ کیوجہ سے نقصان دیا جاوے اور نہ باپ کو اُس کے بچہ کیوجہ سے اور (بچہ کا باپ نہ ہو تو باپ کے) وارث کے واسطے بھی یہی حکم ہے پھر اگر ماں باپ دونوں اپنی صلاح اور رضامندی

سے (دو برس سے پہلے) . . . . دودھ چھڑانا چاہیں تو کچھ گناہ اُنپر نہ ہوگا؛

(د) لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ (بقرۃ - ۳۱) اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگانے اور مہر ٹھہرانے کے آگے ہی طلاق دیدو تو کچھ گناہ تمپر نہ ہوگا (مگر پھر بھی) اُنکو کچھ تحفہ دو۔ امیر اپنی حیثیت کے موافق اور غریب اپنی حیثیت کے موافق یہ تحفہ اچھے طریق سے دینا نیک لوگوں پر فرض ہے اور اگر چھونے سے پہلے اُنکو طلاق دو اور مہر ٹھہرا چکے تھے تو جو ٹھہرایا تھا اُس کا نصف ادا کرنا ہوگا مگر جب عورتیں خود معاف کردیں یا وہ شخص معاف کردے جس کے اختیار میں نکاح باندھنا ہے۔ اور معاف کردینا پرہیزگاری سے بہت نزدیک ہے اور آپس میں (مرد و عورت) ایک دوسرے پر احسان کرنا مت بھولو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمھارے کاموں کو دیکھ رہا ہے؛

(ھ) وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۚ وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ جو لوگ تم میں سے وفات پاتے ہیں اور بی بیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ اپنی بی بیوں کے حق میں وصیت کر جاویں کہ ایک سال تک اُن کے وارث اُنکو رکھیں اور گھر سے نکالیں نہیں۔ ہاں اگر وہ خود چلی جائیں تو تمپر کوئی گناہ نہیں ہے جو کچھ وہ اپنے حق میں معروف طریق سے کریں اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے اور متقیوں کا یہ فرض ہے کہ جن بی بیوں کو وہ طلاق دیں اُنکو نیکی کے ساتھ تحفہ دیکر رخصت کریں؛

یہ آیات خود ایسی واضح ہیں کہ ان پر کچھ مفصل بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

طلاق کی صرف اسی وقت اجازت ہے جب اُسکی ضرورت حد سے بڑھ جاوے اور سوائے جدائی کے اور کوئی علاج باقی نہ رہے۔ مثلاً جب فریقین میں سے ایک دوسرے کا جانی دشمن ہوجائے اور اگر وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں تو خطرہ ہو کہ ایک دوسرے کو قتل کر دیگا۔ ایسی ہی کئی ایسے امور پیش آسکتے ہیں کہ ان دونوں کا ملکر رہنا محال ہو جاوے۔ پھر بھی قرآن شریف نے دونوں کی راہ میں جسقدر ممکن ہوسکتی ہیں ایسی رکاوٹیں ڈالی ہیں کہ جدائی واقع نہ ہو۔ مثلاً اگر میاں بی بی میں کوئی ایسا اختلاف واقع ہو جاوے جس سے انکی جدائی کا خطرہ ہو تو خدائے تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ دونوں کے رشتہ داروں میں سے ایک ایک شخص بطور حکم کے مقرر کیا جاوے جو دونوں میں صلح کرانے کی کوشش کریں اسی طرح دونوں کو اور خصوصاً مرد کو تاکید کی گئی ہے کہ خدائے تعالیٰ سے ڈرے۔ اور ہر ایک امر میں تقویٰ سے کام لے۔ پھر طلاق کے تین مرحلے قرار دیئے ہیں اور تین طہر یا تین حیض کی عدت مقرر کی ہے تا اس عرصہ میں دونوں کو باہم صلح کرنیکا موقعہ مل جاوے۔ ایسا ہی طلاق سے روکنے کے لیئے مرد کے سر پر مہر کا بوجھ رکھدیا یہ بھی اس لیئے کیا کہ مرد جلد بازی سے اپنی بیوی کو طلاق نہ دیدے۔ غرض جسقدر ممکن ہوسکتی تھیں میاں بی بی کے ایک دوسرے سے جدا ہونیکے راستہ میں روکیں ڈالی گئی ہیں مگر چونکہ بعض اوقات طلاق کے بغیر چارہ نہیں ہوتا اس لیئے طلاق کی بھی اجازت دی ہے۔

نیز یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ طلاق کے احکام یک طرفہ نہیں۔ بلکہ عورت کو بھی اختیار ہے کہ وہ مرد سے جدائی حاصل کرے اور اُسکا نام خلع ہے۔ عورت و مرد کے باہمی تعلقات میں جیسا قرآن شریف نے پوری انصاف کو ملحوظ رکھا ہے ایسا انصاف کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ مسیحی مذہب میں اس امر کے متعلق تعلیم ایسی ناقص تھی کہ آخر بہت سی ٹھوکریں کھانے اور بہت سے ناپسندیدہ تجارب کے بعد آخر مسیحی سلطنتوں کے واضعان قوانین کو اپنے مذہب کی مخالفت کرکے قانون طلاق پاس کرنا پڑا کسی نے سچ کہا ہے۔ ؎

ہر چہ دانا کند کند نادان ٭ لیک بعد از ہزار رسوائی

(باقی آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان

سالانہ جلسہ - سالانہ جلسہ صدر انجمن احمدیہ قادیان جو اخیر دسمبر ۱۹۱۱ء میں ہوا اسکی مختصر رپورٹ گذشتہ ماہ میں شائع ہونی چاہیئے تھی مگر بعض دوسرے ضروری اشغال کی وجہ سے یہ کام وقت پر نہ ہوسکا - اب چونکہ اخباروں میں بھی یہ کیفیت کسیقدر شائع ہوچکی ہے - لہٰذا میں نہایت اختصار کے ساتھ چند امور اسکے متعلق بیان کروں گا ؛

سالانہ جلسہ پہلے اعلان میں ایک خفیف سی تبدیلی ہوکر بجائے ۲۷ - دسمبر کی صبح کو شروع ہونیکے ۲۶ - دسمبر کو بعد از دوپہر شروع ہوا - اور بجائے ۲۹ - دسمبر کی شام کو ختم ہونیکے ۲۹ - دسمبر کو نماز جمعہ کے ساتھ ختم ہوا - اس سال جو انتظام کھانا کھلانے کا کیا گیا اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے احباب کو عموماً بہت آرام رہا - گو کام کرنیوالے پہلے بھی ہمیشہ اسی طرح مستعدی سے کام کرتے تھے مگر تقسیم کام ٹھیک نہ ہونیکی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ سب مہمانوں کو اکٹھا کھانا کھلایا جاتا تھا اس سے پہلے احباب کو بہت سی تکلیف پیش آتی رہی - اس تکلیف کو دور کرنیکے لیئے اس سے پہلے سالانہ جلسے کے اختتام پر جملہ احباب اور انجمنوں سے رائے طلب کرکے یہ تجویز سوچ لی گئی تھی کہ کھانا کھلانیکا انتظام ہر جماعت کا خود اس جماعت کے ہاتھ میں رہے - چنانچہ اسی کے مطابق اس سال انتظام رہا اور کام کرنیوالوں کو اس سے بڑھکر کیا خوشی ہوسکتی ہے کہ مہمانوں کو جہانتک ممکن تھا آرام ملا اور کسی قسم کی شکایت پیدا نہیں ہوئی - اسکے ساتھ ہی یہ بھی انتظام کیا گیا تھا کہ روزانہ مہمانوں کی تعداد معلوم ہوتی رہے اور ہر جماعت میں آنیوالے احباب کے نام بھی لکھ لیئے جاویں - چنانچہ یہ حصہ کام کا بھی بہت ہی سہولت اور آسانی سے ہوتا رہا - گو پہلا سال ہونیکی وجہ سے بعض اسماء لکھنے سے رہ گئے جیسا کہ کھانا کھانیوالے مہمانوں کی تعداد کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے ؛

مہمانوں کی آمد ۲۴ - دسمبر کی صبح سے شروع ہوگئی تھی - اور اس تاریخ کی شام تک ۱۷۶ مہمان آچکے تھے - ۲۵ کی شام تک یہ تعداد ۵۲۵ تک پہنچ گئی تھی اور ۲۶ کی شام تک ۱۲۲۴ تک - ۲۷ دسمبر کی شام کو کل تعداد مہمانوں کی ۱۶۰۷ اور ۲۸ - دسمبر کی شام کو ۱۸۰۲ تھی - اور یہی سب سے زیادہ تعداد مہمانوں کی ایک وقت میں تھی - اسکے بعد مہمانوں کی روانگی شروع ہوگئی - چنانچہ ۲۹ - دسمبر کی شام تک

صرف ۶۱۱ مہمان رہ گئے گویا قریب دو تہائی مہمان جمعہ کے دن رخصت ہوگئے تھے۔ اور ۳۰۔ دسمبر
کے بعد صرف دو سو کے قریب مہمان باقی رہ گئے۔ جو ہموار فہرستیں تیار کی گئی تھیں انکے رُو سے
کل تعداد مہمانوں کی صرف ۱۵۵۲ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریب اڑھائی سو مہمانوں کے نام
نہیں لکھے گئے امید ہے کہ آئندہ اس نقص کی بھی اصلاح ہو جاوے گی۔ ضلع وار آنیوالے مہمانوں
کی تعداد کی رو سے سب سے زیادہ مہمان ضلع گورداسپور کے تھے جن کی تعداد ۳۸۸ تھی۔ اسکے
بعد ضلع سیالکوٹ کی تعداد ۲۸۰۔ اور پھر ضلع لاہور کی ۱۴۱ تھی۔ گوجرانوالہ ۱۰۵۔ لائل پور
۸۰۔ ہوشیارپور ۶۴۔ گجرات ۸۵۔ امرتسر ۵۷۔ فیروزپور ۵۶۔ شاہ پور ۴۰۔
جہلم ۳۸۔ جالندھر ۳۷۔ اضلاع ہندوستان بشمولیت دہلی ۳۷۔ پٹیالہ ۳۶۔
لدھیانہ و مالیر کوٹلہ ۲۷۔ راولپنڈی بشمولیت کشمیر ۲۴۔ ڈیرہ غازیخاں ۱۷۔ پشاور
۱۴۔ ملتان ۹۔ کپورتھلہ ۹۔ شملہ ۶۔ جھنگ ۶۔ کوہاٹ ۵۔ نابھہ ۴۔ ہزارہ
۴۔ حصار ۲۔ کانگڑہ ۲۔ منٹگمری ۲۔ کوئیٹہ ۲۔ انبالہ ۱۔ حیدرآباد سندھ ۱
اس ضلع وار تعداد میں اگر کوئی غلطی ہے تو صرف جن احباب کے نام نہیں لکھے گئے
انکی تعداد کے لحاظ سے ہوگی ؛

جلسہ میں پہلے دن ابتدائے جلسہ چودھری فتح محمد صاحب بی اے کی تقریر سے ہوئی
اس کے بعد مولوی غلام رسول صاحب راجیکے کا وقت تھا مگر انکے تشریف نہ لانیکی
وجہ سے انکی تقریر نہ ہوئی انکی بجائے میر ناصر نواب صاحب نے اپنا مضمون پڑھا۔ اور
اس کے بعد حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کی تقریر کو جو بوجہ بیماری شامل نہ ہوسکے
مفتی محمد صادق صاحب نے پڑھکر سنایا۔ بعد ازاں درس قرآن شریف ہوا۔ ۲۷۔ دسمبر کو
سب سے پہلے شیخ تیمور صاحب ایم اے کی تقریر ہوئی۔ اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے
قریباً اڑھائی گھنٹہ تک تقریر فرمائی۔ اور ازاں بعد صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کی تقریر
ہوئی جو قریب شام کے ختم ہوئی۔ ۲۸۔ دسمبر کو پہلے جناب مفتی محمد صادق صاحب کی تقریر ہوئی
بعد ازاں رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ بابت سال مختتمہ ۳۰۔ ستمبر ۱۹۱۱ء سکرٹری صدر انجمن احمدیہ
نے پڑھکر سنائی۔ اسکے بعد جناب میر حامد شاہ صاحب کی نظم اور اس کے بعد جناب خواجہ کمال الدین صاحب

کی طرف سے اپیل ہوئی - ۲۹ کی صبح کو جناب مولوی صدر الدین صاحب ہیڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام کی تقریر ہوئی اور جلسہ بخیر ختم ہوا - ۲۸ اور ۲۹ کی صبح کو علاوہ تقریروں کے چند طلبائے مدرسہ احمدیہ نے عربی اور اُردو میں مضمون حاضرین جلسہ کو سُنائے ۔

یہ مختصر کیفیت سالانہ جلسہ کی ہے - جن لوگوں نے انتظام جلسہ میں حصہ لیا - ان سب کے نام تو لکھے نہیں جا سکتے البتہ تقسیم کام میں جن جن احباب کو خاص خاص کاموں کے ہیڈ بنایا گیا تھا انکے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں ماسٹر عبد العزیز صاحب مرزا برکت علی صاحب چودھری غلام محمد صاحب بی اے - قاضی سید امیر حسین صاحب - ڈاکٹر شیخ عبد اللہ صاحب سید محمد سرور شاہ صاحب - مولوی شیر علی صاحب - مفتی محمد صادق صاحب - ان احباب نے جس جانفشانی اور شبانہ روز محنت سے کام کیا اسکی جزائے خیر اللہ تعالیٰ انکو دے ان سب کو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے انسے کام لیکر انکے بھائیوں کو انکے ہاتھوں سے آرام پہنچایا ۔ اور ان سب کے علاوہ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب نے جس محنت اور جانکاہی سے ایام جلسہ میں کام کیا وہ خاص طور پر قابل تشکر ہے - افسر لنگر خانہ کی حیثیت میں جناب خلیفہ صاحب موصوف نے جس جانسوزی سے کام کیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انکی صحت کے خیال سے بعض وقت مجھے اور انکے دوسرے احباب کو انکی خدمت میں یہ عرض کرنا پڑا کہ وہ تھوڑا آرام بھی کر لیا کریں ایسا نہ ہو کہ انکی صحت پر بُرا اثر پڑے ان سب احباب کے لیئے اللہ تعالیٰ سے ہی یہ دعا ہے کہ وہ انکو جزائے خیر دے اور آئندہ کیلیئے اس سے بھی بڑھکر اپنے بھائیوں کی خدمت کی توفیق انہیں دے - ایام جلسہ میں طلبائے مدرسہ احمدیہ اور طلبائے ہائی سکول نے بھی مہمانوں کی خدمت میں بہت حصہ لیا - جزاہم اللہ خیرا - سالانہ رپورٹ عنقریب طبع ہو کر احباب کی خدمت میں پیش ہوگی ؛

تعمیر مدرسہ :- بورڈنگ ہوس ہائی سکول کا کام تو قریباً ختم ہو گیا جسپر کل خرچ قریباً ۵۲۰۰۰ روپے ہو چکا ہے - اسمیں سے گورنمنٹ نے ۲۰۰۰۰ کی امداد کی اور باقی ۳۲۰۰۰ روپے میں سے کچھ حصہ بذریعہ چندہ وصول ہوا اور کچھ بذریعہ فروخت جائداد بیرونی - آنریبل مسٹر گاڈلے ڈائرکٹر صاحب بہادر سررشتہ تعلیم اس مدرسہ میں اپنے زمانہ انسپکٹری سے جب وہ دورہ پر

یہاں تشریف لائے تھے خاص دلچسپی لیتے ہیں۔ اور جب کبھی اس مدرسہ کی بہتری کی کوئی تجویز آپکی خدمت میں پیش کی گئی یا گورنمنٹ سے کچھ اعانت کی درخواست کی گئی تو ہمیشہ آپنے نہایت فراخدلی سے اسکی تائید فرمائی اور یہ امر واقع ہے کہ اگر آپکی طرف سے تعمیر بورڈنگ ہوس میں اس قدر امداد کی امید نہ ہوتی تو اتنے بڑے کام کا شروع کرنا مشکل تھا۔ اب بھی صاحب ممدوح کیخدمتمیں ایک درخواست قریباً چھ ہزار روپے کی مزید اعانت تعمیر بورڈنگ کے واسطے پیش کی گئی ہے۔ کیونکہ بروئے قواعد کسی عمارت کے نصف خرچ تک گورنمنٹ اگر چاہے تو مدد دے سکتی ہے اور ہمیں پوری امید ہے کہ صاحب ممدوح اس درخواست کو منظور فرماکر احمدی قوم کو ایک اور شکر گذاری کا موقعہ دیں گے ؛

یہ بورڈنگ ہوس قریباً پونے دوسو طالب علموں کی رہائش کیلئے بنایا ہوا تھا۔ او قبل اسکے کہ اسکی تعمیر سے پوری فراغت ملے ایک سو ساٹھ لڑکے اس میں آچکے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ کام ختم ہونے تک اس کے سارے کمرے بھر جائیں۔ سابقہ بورڈنگ ہوس کے ایک حصہ میں بورڈنگ ہوس مدرسہ احمدیہ رکھا گیا تھا اور ایک حصہ میں کمروں کو کچھ تنگ کرکے ہائی سکول کی جماعتوں کے بٹھانیکا انتظام کیا گیا تھا۔ مگر یہ کیسا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ جگہ بھی اب سب پر ہی نہیں ہوگئی بلکہ وہاں بورڈنگ ہوس مدرسہ احمدیہ کیلئے کافی گنجائش ہے اور نہ ہائی سکول کی جماعتیں ان کمروں میں آتی ہیں۔ یہ وسعت مکانات کی ضرورت کا ختم نہ ہونا "وسع مکانک" کے پاک کلام کی صداقت کو ظاہر کرتا ہے جو ۱۸۸۲ء حضرت مسیح موعودؑ کی زبان پر جاری کیا گیا جب یہاں آنیوالوں کا کوئی پتہ اور نشان تھا نہ مکانات کی اس قدر توسیع کی ضرورت کا کسی کو وہم و گمان تھا۔ وہ لوگ جنہوں نے حضرت صاحب کے ابتدائے ایام میں مسجد مبارک کا وہ نظارہ دیکھا ہوا ہے کہ جب ۸ فٹ چوڑی اور ۲۴ فٹ لمبی کل ایک مسجد تھی جسمیں کل نمازی سما جایا کرتے تھے۔ اب وہ اس نظارہ کو دیکھکر کہ نہ صرف وہ مسجد ہی اسقدر وسیع ہوئی ہے کہ پرانی مسجد اس کے سامنے ایک گلی سی معلوم ہوتی ہے بلکہ اس سی کئی گنی بڑی دو مسجدیں اور بھی ساتھ بن گئی ہیں اور پھر یہ کل کی کل مساجد بھی اب نمازیوں کی کثرت سے تنگ ہو رہی ہیں کس قدر حظ اٹھا سکتے ہیں۔ درحقیقت مسیح موعودؑ کے الہام کی صداقت پر اللہ تعالیٰ کے اس فعل کی گواہی کو دیکھکر کسی اور دلیل کی حاجت نہیں رہتی ؛

غرض جب اس بورڈنگ ہوس کا کام قریباً ختم ہونیوالا تھا۔ تو اسوقت ایک طرف کام کی کثرت سے کچھ فراغت حاصل کرنیکے لیئے اور دوسری طرف اسلیئے کہ تا ہمارے احباب کو چندوں کے غیر معمولی بوجھ سے

کچھ دن آرام ملجائی ارادہ یہ تھا کہ اب تعمیر کے کام کو کچھ عرصہ کیلئے بند کردیا جاوے یا کم از کم یہ کہ بہت چھوٹے پیمانے پر جاری رکھا جاوے مگر اللہ تعالیٰ کے کاموں کا انسان کو پتہ نہیں ہوتا۔ ابھی اس بوجھ کو اتار کر رکھا نہیں تھا۔ کہ ایک طرف ضروریات سلسلہ نے مجبور کیا دوسری طرف محض اللہ تعالیٰ کے فضل نے وہ سامان پیدا کردیئے کہ تعمیر بورڈنگ کے ساتھ ہی تعمیر مدرسہ کے کام کو شروع کرنیکی ضرورت سمجھی گئی اور حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے ارشاد سے ایک نقشہ عمارت مدرسہ کا جو سکولوں کی عمارتوں میں انشاء اللہ تعالیٰ اسی طرح ممتاز ہوگا جسطرح بورڈنگ ہوس کی عمارت اس قسم کی عمارتوں میں ممتاز ہے۔ تیار کرایا گیا ہے۔ اور اب عنقریب اس کام کو شروع کرنیکی ضرورت درپیش ہے بلکہ اینٹ تیار کرانے کا کام تو توکلاً علی اللہ شروع ہو بھی گیا ہے۔ ضروریات کا تو یہ حال ہے کہ نہ ہائی سکول کی جماعتیں موجودہ تنگ کمروں میں سما سکتی ہیں نہ مدرسہ احمدیہ کے نئے بورڈروں کیلئے کوئی جگہ رہی ہے۔ اور اسپر دقت یہ ہے کہ کوئی عمارت کرایہ پر یہاں اس قسم کی مل نہیں سکتی اسلیئے منتظمین کو سخت مشکلات کا سامنا ہے اور مدرسہ میں جماعت بندی کے بعد جب نئے لڑکے داخل ہونگے یعنی شروع اپریل میں تو مکان کی دقت کے رفع کرنیکی کوئی صورت سردست نظر ہی نہیں آتی بعض جگہ دوستوں کو یہ خیال گذرتا ہے کہ کیوں چندہ کی مقدار کو مدنظر رکھکر کام نہیں کیا جاتا مگر انکی خدمت میں یہ عرض ہے کہ جب ایک کام کو اپنے ذمہ لیا ہے تو اسکو پورا کرنا بھی تو ایک بڑی بھاری ذمہ داری ہے کیا منتظمین اب ان کاموں کو ادھورے چھوڑ کر بیٹھ سکتے ہیں۔ یا آنیوالے طلبا کو یہ کہدیں کہ ہمارے پاس جگہ نہیں اسلیئے ہم داخل نہیں کرتے۔ دوسری طرف میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کچھ ایسی اس سلسلہ کے شامل حال ہے کہ جن کاموں کے پورا ہونیکی کوئی ظاہری صورت نظر نہیں آتی انکے لئے بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کچھ سامان پیدا کرہی دیتا ہے آج سے تین سال پیشتر کونسے ظاہری سامان تھے جنکی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اس جنگل میں دو سال کے اندر اندر ساٹھ ستر ہزار کی عمارتیں تیار کرلیں گے۔ اسی طرح میں دیکھتا ہوں کہ اب بھی تعمیر مدرسہ کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کچھ سامان پیدا کر رہا ہے مگر انسے فائدہ اٹھانیکے لئے ہماری طرف سے بھی ایک سخت کوشش بکار ہے۔ اسلیئے میں اپنے دوستوں کو قبل از وقت یہ خبر دیتا ہوں کہ وہ کمر ہمت کو باندھ لیں۔ اور تیار ہو جاویں۔

بٹالہ سے قادیان تک کی سڑک:۔ اس سڑک کی حالت بوجہ کثرت آمدورفت چھکڑا گاڑی وغیرہ کے ہمیشہ سے خراب ہی ہے اور اس کا ایک خاص حصہ موسم برسات میں بالکل ناقابل گذر ہو جاتا ہے۔ اس سڑک کیلئے کم و بیش توجہ حکام کو ذریعہ سے دلائی جاتی رہی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کی

زندگی میں ہی جب فنانشل کمشنر صاحب بہادر نے دورہ میں ایک مقام قادیان کیا تو اسوقت مسٹر ڈکنگ صاحب ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں حضرت مسیح موعودؑ کے ارشاد پر آپ کے خدام نے حاضر ہو کر یہ عرض کیا تھا کہ سڑک کے پختہ کرانیکا انتظام کیا جاوے - چنانچہ مسٹر ڈکنگ کے زمانہ میں ایک تجویز ریلوے کے جاری کرنیکی بھی یہاں ہوتی رہی - مگر اس وجہ سے کہ خرچ زیادہ تھا یہ تجویز بھی تکمیل کو نہ پہنچی اب میجر ایلیٹ صاحب بہادر موجودہ ڈپٹی کمشنر کی تشریف آوری پر جب ۲۹ - جنوری کو وہ قادیان میں تشریف لائے - ایک میموریل سب باشندگان قادیان کی طرف سے تیار کیا گیا - اور ۳۰ - جنوری کو جب صدر انجمن احمدیہ کے ممبران موجودہ قادیان کی ایک منتخب جماعت نے حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد سے ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کی ملاقات کا شرف حاصل کیا تو سکرٹری نے یہ میموریل بھی صاحب بہادر کی خدمت میں پیش کیا - جس پر صاحب ممدوح نے یہ وعدہ فرمایا کہ اس سڑک کی درستگی کا حکم تو ہم فی الفور دیدیں گے اور اس کے پختہ کرنیکا کام اُن سڑکوں کی پختگی کے بعد جن کا کام اسوقت تجویز ہو چکا ہوا ہے اور جن پر غالباً ایک سال کا عرصہ لگیگا - شروع کرا دیا جاوے گا - اور صرف اسیقدر نہیں بلکہ فی الفور آپ نے ایک حکم ڈسٹرکٹ انجینیر صاحب گورداسپور کے نام لکھا اور اسکی ایک نقل سکرٹری صدر انجمن احمدیہ کو اس نوٹ کے ساتھ بھیجدی کہ اگر ہمارے وقت میں یہ کام نہ ہو سکے تو جو صاحب ضلع ہمارے بعد آئیں یہ تحریر انکو دکھائی جاوے اس تحریر میں صاحب بہادر نے ڈسٹرکٹ انجینیر کے نام یہ حکم لکھا ہے کہ قادیان کی سڑک کی طرف فوراً توجہ ہونی چاہیئے " اسے اونچا کیا جاوے اور ہموار اور صاف کیا جاوے اور جہانتک ممکن ہو اسکی حالت درست کیجاوے - اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جن سڑکوں کی پختگی کا کام شروع ہو چکا ہے جن میں علیوال بٹالہ کی سڑک شامل ہے جب وہ مکمل ہو جاوے تو یہ پہلی سڑک ہے جس کو شروع کیا جاوے اور جہانتک ممکن ہو اسے پختہ کیا جاوے سو آیندہ جو تجویز کیجاوے اسبات کو مدنظر رکھکر کیجاوے " میجر ایلیٹ صاحب کی اس مہربانی کے نہ صرف قادیان اور اس سارے علاقے کے باشندگان ہی شکر گذار ہیں بلکہ احمدی قوم جہاں کہیں بھی ہے وہ میجر ایلیٹ صاحب کی اس مہربانی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہے - اور یہ آرام جو انکو سڑک کے پختہ ہو جانے سے ہمیشہ کیلئے پہنچیگا - میجر ایلیٹ صاحب بہادر کے زمانۂ ڈپٹی کمشنری کی ایک قابل قدر یادگار ہوگی -

صاحب بہادر نے اپنے مقام قادیان میں تعلیم الاسلام ہائی سکول مدرسہ احمدیہ مہمانخانہ و

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۲۳

مطبع میگزین قادیان میں منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۱ بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء نمبر ۳

چندہ سالانہ عوام سے عا طلباء سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

تعلیم اسلام

لیکچر ہوتسو | ٹیچنگز آف اسلام یعنی وہ لیکچر جو حضرت مسیح موعود کی طرف سے لاہور کے عظیم الشان جلسہ مذاہب میں ۱۸۹۶ء میں پڑھا گیا تھا اس کا انگریزی ترجمہ ولایت سے چھپ کر آگیا ہے۔ دو سو صفحہ کی کتاب ہے۔ مجلد کی قیمت عہ اور بے جلد کی ۱۴ ہے چونکہ ولایت میں اسکی مفت اشاعت ہوگی اس لیئے احباب اپنے لیے بھی خریدیں اور اس جگہ یا ولایت میں اسکو تقسیم کرا کر بھی ثواب لیں۔

محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

قصائد احمدیہ
منزل الامام حجۃ الاسلام

حضرت اقدسؑ کی اردو اور فارسی نظمیں تو پہلے الگ شائع ہو چکی ہیں مگر اب تک آپکے قصائد الگ رسالہ کی شکل میں شائع نہیں ہوئے تھے اب عربی قصائد بھی جمع کر کے ایک کتاب کی شکل میں شائع کیئے گئے ہیں۔ یہ قصائد نہ صرف معارف و اسرار سے لبریز ہیں اور حمد الٰہی اور نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خزائن ہیں اور حضرت اقدسؑ کے دلائل سے پر ہیں بلکہ عربی سیکھنے کا بھی ایک اعلیٰ ذریعہ ہیں۔ یہ کتاب ۱۵۸ صفحوں پر ختم ہوتی ہے قیمت صرف ۶ر شائقین دفتر میگزین قادیان سے طلب کریں۔

اطلاع - خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت اپنے نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرمادیں۔

(مینیجر)

قاعدہ یسرنا القرآن - یعنی عربی کا قاعدہ جس کے پڑھنے سے ایک بچہ چھ ماہ میں قرآن شریف ختم کر لیتا ہے۔ ایسا مفید ثابت ہوا ہے اور اس قدر اس کی مانگ بڑھ گئی ہے کہ اب اسکا چوتھا ایڈیشن بھی قریب الاختتام ہے اور کچھ دنوں بعد احباب کو پانچویں ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔

پارہ اول - دوم - سوم - چونکہ ایسے قرآن شریف یا علیحدہ پارے بہت کم ملتے ہیں جن میں اعراب صحیح لکھے ہوں اور یہ قاعدہ ختم کر کے بچے آسانی قرآن شریف پڑھ سکیں۔ ہم نے یہ دقت محسوس کر کے قاعدہ یسرنا القرآن کی طرز پر پارہ اول - دوم - سوم خاص اہتمام سے چھپوائے ہیں۔ جو احباب اپنے بچوں کو قاعدہ یسرنا القرآن شروع کرواتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ قاعدہ ختم ہونے پر پہلے یہ پارے ضرور پڑھوائیں تا بچہ کو قرآن شریف پڑھنے میں دقت نہ ہو۔ یہ پارے اُن بچوں کے لیے بھی مفید ہیں جو دوسرے قاعدے پڑھتے ہیں۔ کیونکہ ان پر اعراب بہت صحیح اور اپنے اپنے موقعہ پر دیئے ہیں۔ نیز ہم نے ایسے قرآن شریف بھی منگوائے ہیں جو نسبتاً بہت صحیح ہیں اور اعراب اپنے اپنے موقعہ پر صحیح دیئے ہیں۔ ہماری رائے میں عام قرآن شریفوں کی نسبت ان پر پڑھنے سے بچوں کو بہت سہولت ہوگی۔ تینوں پارے ا ر فی پارہ کے حساب سے اور قرآن شریف بے جلد عہ دفتر میگزین قادیان سے مل سکتے ہیں۔

(مینیجر میگزین)

نوٹ - ہمارے پاس قرآن شریف بے جلد ہیں۔ اگر کوئی صاحب ہماری معرفت جلد بندھوا کر منگوانا چاہیں تو جیسی جلد چاہیں اس کی قیمت علیحدہ ہوگی۔ یا خود منگوا کر حسب منشاء جلد بندھوا لیں۔

(مینیجر میگزین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام میں عورت کیا حیثیت رکھتی ہے

(ترجمہ مضمون قاضی عبد الحق صاحب)

پردہ

معترضین کا قول ہے کہ اسلام نے پردہ کی رسم کو جاری کر کے عورتوں کے ساتھ بے انصافی کا برتاؤ کیا ہے۔ چونکہ اس مضمون پر اسی رسالہ میں سیر کن بحث ہو چکی ہے* اور جس قدر پردہ کے متعلق اعتراض کیے جاتے ہیں ان کا کافی جواب دیا جا چکا ہے اس لیے اس وقت اس مضمون پر زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ گھر عورت کی سلطنت ہے اور محبت اس کا عصائے شاہی ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بچوں پر حکومت کرتی ہے۔ اس کو اجازت ہے کہ وہ اپنے کاروبار کے لیے یا دیگر ضروریات زندگی کے لیے گھر سے باہر جائے مگر اس کا باہر جانا جاہلانہ طریق پر نہ ہو بلکہ تَمۡشِیۡ عَلَی اسۡتِحۡیَآءٍ کا مصداق ہو جس اصل پر پردہ کے حکم کی بنا ہے وہ یہ ہے کہ عورت سوسائٹی میں بدی کے پھیلنے اور لوگوں کے لیے بڑے لالچ کا باعث نہ ہو۔ کامل عصمت اور اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ بدی کے تمام راستوں کا سدباب نہ کیا جاوے اور جن جن طریقوں سے شیطان انسان پر حملہ کرتا ہے ان کو بند نہ کیا جاوے۔ ہانڈی کو آگ پر رکھ کر پھر یہ امید کرنا کہ اس میں اُبال نہیں آئے گا یہ پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ اسلام ہر ایک بدی کو جڑھ سے کاٹتا ہے اور وہ انسان کو ان راہوں کے نزدیک جانے کی بھی اجازت

* ملاحظہ ہو ریویو اُردو بابت جنوری و فروری ۱۹۰۵ء

نہیں دیتا جن سے بدی انسان کے اندر داخل ہو سکتی ہے۔ تمام احکام میں اس نے اس اصل کو مدّ نظر رکھا ہے۔ پردہ کا حکم بھی اسی اصل پر مبنی ہے۔ مسیحی مذہب میں اس اصل سے کام نہیں لیا گیا یہی وجہ ہے کہ جسقدر بدکاری مسیحی ممالک میں پائی جاتی ہے اسلامی ممالک میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ بے پردگی کے بدنتائج کو دیکھ کر پھر بھی اسلامی پردہ پر اعتراض کرتے ہیں۔

مرد اور عورت کا باہمی تعلّق

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ یعنی عورتیں مردوں کے لیئے لباس ہیں اور مرد عورتوں کے لیئے لباس ہیں۔ اس آیۂ کریمہ میں ایک خوبصورت تشبیہ کے ذریعہ مرد اور عورت کے باہمی تعلق کو ظاہر کیا گیا ہے۔ لباس سے تین قسم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اوّل۔ لباس سردی اور گرمی سے انسان کو بچاتا ہے۔ دوم۔ وہ انسان کی برہنگی کو ڈھانپتا ہے۔ سوم وہ لوگوں کے لیئے زینت اور تجمّل کا ذریعہ ہے۔ یہی تینوں خصوصیتیں مرد اور عورت کے تعلق میں پائی جاتی ہیں۔ اُن کا تعلق ایک دوسرے کو بدی سے بچاتا ہے جیساکہ لباس دھوپ اور سردی کے ضرر سے انسان کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح انسان میں طبعاً مؤانست کی خواہش پائی جاتی ہے وہ چاہتا ہے کہ زندگی میں اُس کا کوئی یارِ غمگسار اور محرمِ راز ہو۔ انسان کی یہ خواہش بھی مرد و عورت کے تعلق سے پوری ہوتی ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیئے یارِ غمگسار ہوتے ہیں۔ ایک کی عزّت دوسرے کی عزّت ہوتی ہے وہ ایک دوسرے کے مددگار اور مونس غمگسار ہوتے ہیں۔ تنہا شخص ایک برہنہ آدمی کی طرح ہوتا ہے مگر میاں بی بی کا تعلق اس تنہائی اور برہنگی کو دُور کرتا ہے۔ ایسا ہی ان دونوں کا جوڑ انکے لیئے زینت اور زیبائش کا موجب ہوتا ہے اور تنہائی کی بے مزگی کو دُور کر کے گھر کی رونق کو دوبالا کرتا ہے۔

پھر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً خدائے تعالیٰ نے تمھارے درمیان پیار اور رحمت رکھدی ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ دونوں کا تعلق محبت اور پیار کا تعلق ہونا چاہیئے۔

پھر خدائے تعالیٰ سورہ نساء میں فرماتا ہے۔ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (نساء-۳) اور اُن سے یعنی عورتوں سے نیک برتاؤ کرو اور اگر تم اُنکو ناپسند کرو (پھر بھی اُن سے نیک سلوک رکھو) کیونکہ قریب ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اُس میں بڑی بھلائی رکھدے۔ اس آیہ کریمہ میں حکم دیا گیا ہے کہ تم محض خدائے تعالیٰ کی خاطر اپنی بیویوں سے نیک سلوک کرو اور جہانتک تم سے ہو سکتا ہے محبت اور حسن سلوک کے ساتھ اُنکے ساتھ بود و باش رکھو خواہ وہ تمھیں ناپسند بھی ہوں اور بشارت دیتا ہے کہ اگر تمھیں تمھاری بی بیاں پسندیدہ ہوں اور پھر تم اُن سے خدائے تعالیٰ سے ڈرکر نیک سلوک کرو تو خدائے تعالیٰ تمھیں اس کا یہ اجر دے گا کہ اس بی بی میں تمھارے لیئے خیر کثیر رکھدے گا۔ یہ ایسی بشارت ہے جو صرف قرآن شریف سے خصوصیت رکھتی ہے۔ دنیا میں کسی اور کتاب میں خواہ وہ الہامی ہو یا غیر الہامی یہ بشارت نہ پاؤ گے۔ اور یہ نہایت سچی بشارت ہے۔ جو چاہے اس کو آزما کر دیکھ لے۔ عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے لیئے اس سے بڑھ کر کوئی ترغیب اور تحریض ہم میں نہیں آسکتی اور قرآن ہی ایک کتاب ہے جس نے عورتوں کے حق میں ایسی تعلیم دی ہے پس عورتیں جس قدر اس پیاری کتاب پر قربان ہوں تھوڑا ہے اور جس قدر اس کتاب سے محبت کریں کم ہے اور جس قدر اس نبی پر جس نے ایسی بے نظیر تعلیم عورتوں کے حق میں دی صدقے جائیں تھوڑا ہے اللّٰھم صل علی محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید۔

اے یورپ کی لیڈیو! اے امریکہ کی معزز بی بیو! اے آریہ ورت کی استریو! جس قدر اسلام کی کتاب اور اسلام کے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھاری رعایت اور پاسداری کی ہے کسی اور کتاب اور کسی اور معلم نے ایسی رعایت اور ایسی پاسداری نہیں کی قرآن شریف تمھارے حقوق کی نگہداشت سے بھرا پڑا ہے۔ وہ جا بجا مردوں کو تاکید کرتا ہے کہ تم عورتوں کے ساتھ پیار اور محبت سے پیش آؤ۔ اور اُنکے ہاتھ کو تم پر ظلم کرنے سے روکتا ہے اور وہ اُن کو مختلف پیرائیوں میں ترغیب دیتا ہے کہ وہ تمھارے ساتھ نیک

سلوک کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑیں۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ جیسا قرآن شریف نے تمھاری حمایت کا بیڑا اُٹھایا ہے ایسا اور کسی کتاب نے نہیں اُٹھایا۔ پس آؤ تم بھی اُس کتاب سے محبت کرو جو تمھارے ساتھ محبت کرنے کا سبق انسان کو سکھلاتی ہے اور جس نے تمھاری حفاظت اور رعایت میں کمال کر دیا ہے ؛

ایک اور مقام پر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَ اِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِھَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَآ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَھُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَیْرٌ ؕ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۝ (نساء۔ ۱۹)

اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی شرارت یا بے پروائی کا ڈر ہو تو میاں بی بی دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں صلاح کر کے صلح کر لیں اور صلح ہر حال میں بہتر ہے اور لالچ تو جان سے لگی ہوئی ہے اور اگر تم بھلائی کرو اور (بدسلوکی۔ حق تلفی۔ ظلم) سے بچے رہو تو اللہ تعالیٰ تمھارے کاموں سے خبردار ہے (اس لیے وہ تمھیں اجر دیگا)؛

اس آیۂ کریمہ میں مرد اور عورت دونوں کی قوّتِ تحمل سے اپیل کی گئی ہے کہ اگر میاں بی بی کے درمیان کوئی ناچاقی پیدا ہو جاوے تو دونوں کو چاہیئے کہ باہم صلح کر لیں تا آئندہ وہ اتفاق اور یگانگت کے ساتھ زندگی بسر کریں ؛

الغرض مرد بیوی کے لیے اور بیوی مرد کے لیے راحت کا سرچشمہ خیر و خوبی کا ذریعہ اور سچّا دوست ہے اور دونوں کو تاکید ہے کہ باہم پیار اور محبت سے برتاؤ کریں ؛

یسوع مسیح کا نمونہ

اگر ہم مسیحی مذہب کی طرف رجوع کریں تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یسوع مسیح .... کے نزدیک عورت کیا حیثیت رکھتی تھی۔ جو حالات یسوع مسیح کے مروّجہ اناجیل میں بیان کیے گئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شادی نہیں کی تھی اس لیے اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میاں بی بی کے تعلقات کے بارہ میں وہ اُنکے عملی نمونہ سے کچھ روشنی حاصل کرے تو وہ کچھ روشنی حاصل نہیں کر سکتا۔ ہاں گر اُن کی مجردانہ زندگی پر غور کیا

جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے اور انہوں نے نکاح کے تعلق کی نسبت عورت سے الگ رہنے کو زیادہ پسند کیا اور آئندہ نسلوں کے لیئے ایسا نمونہ پیش نہیں کیا جو قابل تقلید ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی مسیحی یہ کہے کہ چونکہ وہ خدا تھے اس لیئے انہوں نے شادی نہ کی کیونکہ شادی کرنا خدائے تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا عورت کے پیٹ میں رہنا اور اُس کا خون چوسنا۔ خدائی شان کے لائق ہے؟ کیا دوسرے بچوں کی طرح ماں کے پیٹ سے باہر آنا خدائی شان کے لائق ہے؟ کیا کھانا کھانا۔ پانی پینا۔ بھوکا اور پیاسا رہنا۔ اور دوسری ضروریات انسانی کا محتاج ہونا خدائی شان کے لائق ہے؟ سچ کہو کہ کیا ایسا انسان خدا کہلا سکتا ہے؟ یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے کہ یسوع مسیح مریم کے بیٹے نعوذ باللہ خداوند خدا تھے یا خدائے تعالیٰ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ انسانی فطرت کی احتیاجیں اور نقائص اور خدائی کمال ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اُنکی تعلیم سے جو انجیل میں منقول ہے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکے نزدیک مجردانہ زندگی اور عورت کی ذات سے دُور رہنا انسانی کمال میں شامل تھا اور اُنکی رائے میں نکاح کی نسبت تجرد قابل ترجیح بلکہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہونیکا ایک نہایت ہی آسان ذریعہ تھا۔ متی کی انجیل میں لکھا ہے "اُس کے شاگردوں نے اُسے کہا اگر مرد کا حال جورو کے ساتھ ایسا ہے تو جورو کرنا اچھا نہیں۔ اُس نے اُن سے کہا کہ سب اس بات کو قبول نہیں کرتے ہیں مگر وے جنہیں دیا گیا کیونکہ بعضے خوجہ ہیں جو ماں کے پیٹ ہی سے ایسے پیدا ہوئے اور بعضے خوجہ ہیں جنہیں لوگوں نے خوجہ بنایا اور بعضے خوجہ ہیں جنہوں نے آسمان کی بادشاہت کے لیئے آپ کو خوجہ بنایا جو اُس کو قبول کر سکتا ہے سو کرے" (متی باب ۱۹ ورس ۱۰-۱۲) یہاں حضرت یسوع مسیح انسان کا کمال اس امر میں دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے تئیں اپنے ہاتھ سے خوجہ بنا دے۔ مگر انکے نزدیک یہ ایسی تعلیم ہے جسپر ہر ایک شخص عمل کرنے کے لیئے تیار نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے وہ اپنے پیروؤں کے لیئے اس کو لازمی قرار نہیں دیتے۔ ہاں یہ کہتے ہیں کہ جو اسکو قبول کر سکتا ہے سو کرے۔ ان الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ اُنکے نزدیک نکاح کرنے کی نسبت یہ بہتر ہے کہ

٭ اس عبارت کا مطلب صاف یہ ہے کہ جنکو خدائے تعالیٰ نے فہم دیا ہے وہ مجرد رہنے کی تعلیم کو قبول کرلیں۔ منہ

انسان اپنے تئیں اپنے ہاتھ سے خوجہ بنا دے۔ نکاح کو وہ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے مگر چونکہ فطرتی طور پر یہ خواہش انسان میں رکھی گئی ہے اور اس سے انسان کو چارہ نہیں ہے اس لیئے کراہت کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اور خود انہوں نے اُس راہ کو اختیار کیا جس کو وہ ترجیح دیتے تھے اور نکاح کے قابل نفرت طریق سے پرہیز کیا۔ اور یسوع مسیح کے پیروؤں میں ایسے شخص کثرت سے پیدا ہوئے جنہوں نے آپ کے نمونہ پر عمل کیا اور نکاح کو عمر بھر حقارت اور کراہت کی نظر سے دیکھتے رہے اور بعض ایسے بہادر بھی نکلے جنہوں نے اپنے تئیں خوجہ بنانے کی اعلیٰ تعلیم پر عمل کر کے دکھلا دیا اور حضرت یسوع مسیح کے اس قول پر کاربند ہوئے "اور بعضے خوجہ ہیں جنہوں نے آسمان کی بادشاہت کے لیئے آپ کو خوجہ بنایا جو اُس کو قبول کر سکتا ہے سو کرے"۔ چنانچہ کلیسیا کے مشہور و معروف بزرگ آرجن نے اس قابل نفرت کارروائی پر عمل کیا (دیکھو اینسائیکلو پیڈیا برٹانیکا) یہ صاحب کلیسیا کے بزرگوں میں دوم درجہ پر شمار کیئے جاتے ہیں اور آگسٹن سے انکا نمبر دوسرے درجہ پر ہے یسوع مسیح کی پیروی میں کلیسیا کے کئی بزرگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ شادی نہ کرنا بہتر ہے۔ چنانچہ اس امر کا بڑا حامی سکندریہ کا مسیحی بزرگ کلیمنٹ تھا۔ اور وہ اپنے دعویٰ کی تائید میں نہ صرف مروجہ اناجیل کے اقوال کو پیش کرتا ہے بلکہ مسیحؑ کے اُن اقوال کو بھی پیش کرتا ہے جو ان چار اناجیل کے علاوہ دیگر اناجیل میں منقول ہیں۔ چنانچہ اُن اقوال میں سے بعض اقوال یہ ہیں۔ "میں عورت کے کاموں کو مٹانے کے لیئے آیا ہوں" (منقول از انجیل مصری) "ہر ایک بوٹی کھاؤ مگر وہ جو تلخی رکھتی ہے نہ کھاؤ"، "تلخ بوٹی سے بقول کلیمنٹ وہ تعلق مراد ہے جس سے ایک عورت بچے کی ماں بنتی ہے۔ "وہ جو بیاہا ہوا ہے اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ اور وہ جو بیاہا ہوا نہیں ہے اُسے چاہیئے کہ بیاہ نہ کرے۔ وہ جس نے معصوم رہنے کے ارادہ سے یہ ٹھان لیا ہے کہ میں بیاہ نہیں کروں گا اُسے چاہیئے کہ وہ کوارا ہی رہے"۔ یسوع مسیح کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کے نزدیک بیاہ کرنا انسان کی عصمت پر ایک داغ ہے۔

اور سچے معنوں میں وہی شخص معصوم ہے جو نکاح نہ کرے۔ یسوع کے ان اقوال کے لیئے دیکھو کلیمنٹ اسکندری کی کتاب سٹروماٹی اس جزو ۳ فصل ۹ صفحہ ۶۳ اور فصل ۱۵ صفحہ ۹۷ مسلمانوں کے لیئے یہ بڑے فخر کا مقام ہے کہ اُنکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ایسے قابل شرم داغوں سے پاک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہیں تعلیم نہیں دی کہ لوگ شادی نہ کریں اور اپنے آپ کو خوجہ بنا دیں بلکہ آپنے ترغیب دی کہ لوگ نکاح کریں۔ اور جن کو نکاح میسّر نہ ہو انکو حکم دیا کہ روزے رکھا کریں مگر یہ نہیں فرمایا کہ اپنے تئیں خوجہ بنا دیں۔ چنانچہ جن غریب مسلمانوں کو نکاح میسّر نہیں ہوتا تھا۔ انہوں نے آپکی خدمت میں عرض کی کہ کیا ہم اپنے آپ کو خوجہ بنا دیں تو آپنے منع فرمایا اور کہا کہ نکاح کرو۔ اگر نکاح نہ ملے تو روزے رکھا کرو۔ صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۴۷-۱۴۸ پر عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کنا مع النبي صلے اللہ علیه وسلم شبابا لا نجد شیئا فقال لنا رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم یا معشر الشباب من استطاع الباءة فلیتزوّج فانه اغض للبصر و احصن للفرج و من لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء یعنی ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کئی نوجوان تھے اور ہمارے پاس کچھ نہ تھا۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نوجوانو! جو تم میں سے شادی کی طاقت رکھتا ہے پس چاہیئے کہ وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح آنکھ کے نیچے رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے اور جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا پس اُسپر لازم ہے کہ روزے رکھا کرے کیونکہ اس سے شہوانی قویٰ دب جاتے ہیں۔

پھر اُسی کتاب کے جلد ۳ صفحہ ۱۴۸ پر یہ حدیث لکھی ہے عن ابن مسعود رضی اللہ عنه قال کنا نغزو مع النبي صلے اللہ علیه وسلم لیس لنا نساء فقلنا یا رسول اللہ الا نستخصی فنهانا عن ذلك۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کیا کرتے تھے اور ہمارے پاس بی بیاں نہ تھیں۔ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ کیا ہم اپنے تئیں خوجہ نہ بنا دیں تو آپنے ہمیں اس سے روکا۔ پھر اُسی صفحہ پر سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا

قول لکھا ہے۔ ردّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی عثمان بن مظعون التبتل ولو اذن لہ لاختصینا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون کو راہبانہ زندگی سے روکا اور اگر آپ اُس کو اس کی اجازت دیدیتے تو ہم بھی اپنے تئیں خوجے بنا دیتے۔ آپ نے اپنے صحابہؓ کو افراط و تفریط سے روکا اور فرمایا کہ میرے نمونہ کی پیروی کرو۔ آپ نے ارشاد فرمایا واللّٰہ انی لاخشاکم للّٰہ واتقاکم لہ لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی (صحیح بخاری۔ جلد ۳۔ صفحہ ۱۴۷) یعنی خدائے تعالیٰ کی قسم۔ میں تم سب سے زیادہ خدائے تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں نماز تہجد بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جو شخص میرے طریق کو چھوڑکر اور راہ اختیار کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں ہے ؎ آپ نے اپنا نمونہ پیش کیا کہ یہی نمونہ اعلیٰ تقوےٰ کا نمونہ ہے۔ اس کے مقابل میں یسوع کی تعلیم اور عمل کو دیکھو وہ اپنے پیروؤں کو کہتا ہے کہ انسان کا کمال اس میں ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنے تئیں خوجہ بنا دے اس طرح وہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہو جائیگا۔ اور اپنے پیروؤں کو ترغیب دی کہ اگر تم سے ہو سکے تو عورتوں سے بالکل اجتناب رکھو اور خود بھی مجرد رہ کر اپنے پیروؤں کو یہ عملی سبق دیا کہ مجردانہ زندگی سب سے بہتر زندگی ہے۔ چنانچہ انکی تعلیم اور نمونہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحی مذہب میں لاکھوں لوگوں نے مجردانہ زندگی اختیار کی۔ اگر کُل دنیا اس اعلیٰ نمونہ پر چلنا اختیار کرے تو ایک ہی نسل میں دنیا کا خاتمہ ہو جاوے۔ یہ ہے اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ نمونہ جو ہم یسوع مسیح کی زندگی میں پاتے ہیں ؎

اس کے علاوہ اناجیل مروجہ میں جو سلوک ..... یسوع مسیح کا اپنی ماں حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے وہ بھی ایسا نہیں کہ اس کو قابل تقلید کہا جا سکے۔ یوحنا لکھتا ہے ”اور تیسرے دن قانائے جلیل میں کسی کا بیاہ ہوا اور یسوع کی ماں وہاں تھی اور یسوع اور اُس کے شاگردوں کی بھی اُس بیاہ میں دعوت تھی۔

اور جب مے گھٹ گئی تو یسوع کی ماں نے اُس سے کہا کہ اُن کے پاس مے نہ رہی یسوع نے اُس سے کہا کہ "اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام"۔ میں مسیحی صاحبان سے پوچھتا ہوں کہ کیا ماں سے نیک سلوک کرنے کا یہی اعلیٰ نمونہ ہے جو یسوع نے اس شادی کے موقعہ پر عام لوگوں کے مجمع میں دکھایا۔ اس کے مقابل میں دیکھو قرآن شریف والدین سے کس قسم کا سلوک کرنے کی تعلیم دیتا ہے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۝ (بنی اسرائیل ۳) اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرو۔ اگر تیرے سامنے اُن میں سے ایک (ماں یا باپ) یا دونوں بڑھاپے تک پہنچ جائیں تو اُن سے ہُوں تک نہ کرنا اور نہ جھڑکنا اور نرمی سے اُن سے بات کرنا اور مہربانی سے اپنی عاجزی کا بازو اُنکے لیئے جھکا دے اور دعا کر مالک میرے اُنپر رحم کر جیسے اُن دونوں نے مجھ پر رحم کر کے چھٹپنے میں مجھ کو پالا ؞

دیکھو یہ تعلیم یسوع کی کارروائی کے کیسے اُلٹ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یسوع مسیح نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام سے یہ بدسلوکی (حسب روایت اناجیل مروجہ) صرف ایک ہی دفعہ نہیں کی بلکہ دوسرے موقعوں پر بھی اُنکی والدہ کو اُن کی طرف سے اسی قسم کا رنجدہ سلوک دیکھنا پڑا مرقس کی انجیل باب ۳ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ اُنکی والدہ ماجدہ اپنے دوسرے بیٹوں کو ہمراہ لیکر یسوع مسیح کی ملاقات کے لیئے گئی۔ خدائے تعالیٰ نے والدہ میں ایک ایسی سچی محبت رکھی ہے کہ خواہ بیٹوں کی طرف سے کیسا ہی دل دُکھانیوالا سلوک اُنکو دیکھنا پڑے پھر بھی وہ اپنے بیٹوں سے محبت ہی کرتی ہیں۔ اسی محبت کی وجہ سے یسوع مسیح کی والدہ اپنے بیٹے کی تلاش میں نکلی تا اُس کے مُنہ کو ایک نظر دیکھکر اپنے دل کو ٹھنڈا کرے۔ تلاش کرتے کرتے وہ ایک مکان کے دروازہ پر پہنچی جس میں یسوع مسیح بہت سے لوگوں کے ساتھ جن میں اُس کے ۱۲ شاگرد بھی تھے بیٹھا ہوا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم صدیقہ نے حیا کی وجہ سے عام مجمع میں جانا پسند نہ کیا۔ اندر اپنے بیٹے کو اطلاع بھیجی کہ میں تجھے دیکھنا چاہتی ہوں۔ مگر یسوع نے پسند نہ کیا کہ اپنی ماں کو ایک لمحہ کے لیئے اپنا چہرہ دکھا کر اُس کے دل کو ٹھنڈا کرے اور اُس سے محبت اور پیار سے پیش آکر اپنے شاگردوں اور دوسرے حاضرین کو اپنے عملی نمونہ سے دکھائے کہ ماں سے کیسا سلوک کرنا چاہیئے۔ بجائے اس کے کہ وہ ایک نیک بچے کی طرح باہر نکلکر اپنی ماں کے آگے اپنا سر جھکاتے تا اُن کی مہربان ماں اُنکے سر پر بوسہ دیتی اور پیار کرتی اُنھوں نے نہایت ہی دل کو صدمہ پہنچانے والا جواب دیا۔ انجیل نویس مذکور لکھتا ہے۔

"اُسوقت اُس کے بھائی اور اُس کی ماں آئی اور باہر کھڑے رہ کے اُسے بلوا بھیجا اور جماعت اُس کے آس پاس بیٹھی تھی اور اُنھوں نے اُس سے کہا کہ دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر تجھے طلب کرتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا کون ہے میری ماں یا میرے بھائی۔"

ناظرین۔ خیال فرماویں کہ یہ جواب سُنکر اُن کی والدہ کا دل کیسا دُکھی ہوا ہوگا۔ وہ جو اپنی مادرانہ محبت کے سبب اسقدر تکلیف اُٹھا کر اپنے بچے کو ایک نظر دیکھکر اپنا دل ٹھنڈا کرنے کے لیئے آئی تھی اُس کو اُس کا بیٹا کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میری ماں کون ہے اور اُسکے سامنے آنے سے انکار کرتا ہے اُس نے ذرا بھی اپنی ماں کی محبت کا خیال نہ کیا۔ اور کچھ بھی پروا نہ کی کہ میرا جواب سُنکر میری ماں کے دل پر کیا گذرے گا۔ پنجابی میں ایک مثل ہے "ماواں چچّے آن دِچھّا جھاڑ آن" یعنی بچھڑے کی ماں محبت کی وجہ سے اپنے بچے کے پیچھے پیچھے جاتی ہے مگر اُسکے بچے کو اپنی ماں کی ذرا بھی پروا نہیں وہ جنگل کی طرف مُنہ اُٹھائے چلا جاتا ہے۔

الغرض۔ یسوع مسیح کی والدہ ماجدہ مایوس ہوکر وہاں سے رخصت ہوئی۔ اُسوقت اُن کے دل کا کیا حال ہوا ہوگا اس کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جس کو اس بات کا علم ہے کہ ایک ماں کو اپنے بچے سے کیسی محبت ہوتی ہے۔ غرض جو نمونہ یسوع مسیح کا اناجیل مروّجہ میں بیان کیا گیا ہے وہ ایسا نہیں کہ لوگوں کے لیئے اُسوۂ حسنہ ہو سکے۔ اس جگہ میں اتنا ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو قابل افسوس نمونہ اناجیل میں یسوع مسیح کا

پیش کیا گیا ہے قرآن شریف اس سے حضرت مسیح علیہ السلام کو پاک ٹھہراتا ہے کیونکہ وہ آپ کے مُنہ میں یہ الفاظ ڈالتا ہے قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۪ۖ وَّبَرًّا ۢبِوَالِدَتِیْ ۫ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ۝ مَیں اللہ کا بندہ ہوں اُس نے مجھ کو کتاب دی اور مجھ کو پیغمبر بنایا اور مَیں جہاں رہوں اُس نے مجھے برکت والا بنایا اور جب تک مَیں زندہ ہوں اُس نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور **اپنی ماں کا تابعدار** (بنایا) اور اُس نے مجھ کو مگرا نالائق نہیں بنایا۔ قرآن شریف کے حضرت مسیح علیہ السلام اور آپکی والدہ پر اور خود مسیحی قوم پر بڑے بڑے احسان ہیں جن کی مَیں اس جگہ تفصیل نہیں کر سکتا۔ حضرت مسیح پر جو قرآن شریف کے احسانات ہیں اُن میں سے ایک احسان یہ ہے کہ اناجیل مروّجہ کے لکھنے والوں نے اُن کو ایسے رنگ میں پیش کیا ہے کہ وہ اپنی ماں سے سخت بدسلوکی سے پیش آتے تھے مگر قرآن شریف نے بَرًّا ۢبِوَالِدَتِیْ کے الفاظ حضرت مسیح علیہ السلام کے مُنہ میں ڈالکر اُن کو اس داغ سے پاک کر دیا ہے مگر اس جگہ یہ سوال نہیں کہ قرآن شریف حضرت مسیح علیہ السلام کو کس رنگ میں پیش کرتا ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ اناجیل مروجہ جو مسیحی مذہب کی کتب مقدسہ ہیں عورت سے کیسے سلوک کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔۔۔۔ مسیحی قوم اُس یسوع کی پیروی کرتی ہے جس کا نقشہ اناجیل مروّجہ میں کھینچا گیا ہے نہ کہ اُس مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ رسول اللہ کی جس کا فوٹو قرآن شریف اُتارتا ہے کیونکہ یہ اُنکے نزدیک معتبر نہیں۔ اور ہم دکھا چکے ہیں کہ جو نمونہ اناجیل مروّجہ میں پیش کیا گیا ہے وہ اس قابل ہرگز نہیں کہ اُس کی پیروی کی جاوے ؛

صرف یہی نہیں کہ یسوع مسیح نے خود اپنی والدہ ماجدہ سے ایسا سلوک کیا جو مناسب نہیں تھا بلکہ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو بھی اسی رنگ کی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں "اگر کوئی میرے پاس آوے اور اپنے ماں باپ اور جورو۔ لڑکے اور بھائی بہن بلکہ اپنی جان کی دشمنی نہ کرے میرا شاگرد ہو نہیں سکتا"

دلوقا باب ۱۴ ورس ۲۶) اس کے مقابل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے ہیں کہ میرا پیرو وہ شخص کہلا سکتا ہے جو اپنے والدین۔ اپنی جورو اور دیگر ذوی القربیٰ سے محبت کا تعلق بڑھائے اور اُن سے نیک سلوک کرے۔

طلاق کے معاملہ میں بھی یسوع مسیح نے عورت کو بالکل بے دست و پا کر دیا ہے اور اُس کی جائز آزادی کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اسلام میں اگر مرد عورت پر ظلم کرے اور صلح کی سب کوششیں بے سود ثابت ہوں تو عورت کا اختیار ہے کہ مرد سے جدائی حاصل کرلے۔ اس کا نام اسلامی اصطلاح میں خلع ہے مگر مسیحی مذہب میں کسی صورت میں عورت مرد سے اپنا دامن چھڑا نہیں سکتی خواہ اُس کا خاوند کیسا ہی بدسلوکی کرنے والا ہو اور خواہ اُس کے گھر میں رہنا اُس کے لئے جہنّم کے برابر ہو۔ ہاں ایک ہی راہ ہے جس کو اختیار کرنے سے وہ اپنے ظالم خاوند سے نجات حاصل کرسکتی ہے اور وہ بدکاری کا ارتکاب ہے۔ اس طرح یسوع مسیح کی تعلیم عورت کے اپنے ظالم خاوند سے اپنا دامن چھڑانے کی ساری راہیں بند کرکے اُسکو بدکاری پر مجبور کرتی ہے۔ چنانچہ جب مسیحی دنیا نے اس تعلیم کے بدنتائج کا مشاہدہ کیا اور لوگوں پر ثابت ہو گیا کہ عورت کی جائز آزادی اُس سے چھیننا سوسائٹی میں بدکاری کو پھیلاتا ہے تو اُنہوں نے مجبور ہو کر یسوع مسیح کے قانون کو اپنی پارلیمنٹوں میں منسوخ کر دیا اور عورت کے لئے خاص حالات میں خاوند سے مخلصی حاصل کرنے کے واسطے قانون تجویز کئے ۔

اب میں ایک مشہور اور فاضل انگریز کی رائے اس بارہ میں یہاں نقل کرتا ہوں کہ مسیحی مذہب میں عورت کیا حیثیت رکھتی ہے۔ جاہن سٹوارٹ مل انگلستان کا مشہور فلاسفر لکھتا ہے کہ "ہم اکثر سُنتے ہیں کہ تہذیب اور مسیحیت نے عورت کو اُس کے جائز حقوق واپس دیدیئے ہیں۔ تاہم بیوی اپنے خاوند کے لئے صحیح معنوں میں ایک گولی کی طرح ہے۔ اور قانونی حقوق کے لحاظ سے بھی وہ اُس گروہ پر جن کو عام طور لوگ غلام (بردہ) کہتے ہیں کچھ فوقیت نہیں رکھتی ...... وہ کوئی کام خواہ کسی

قسم کا ہو خاوند کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتی۔ وہ کوئی مال حاصل نہیں کر سکتی مگر اپنے
خاوند کے لئے۔ جونہی کوئی مال اُس کے ہاتھ میں آتا ہے خواہ وراثت کے ذریعہ سے ہی
کیوں نہ ہو اُسی وقت وہ مال اُس کے خاوند کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس
لحاظ سے عورت کی حیثیت انگلستان کے رُو سے بہت سے ممالک کے قانون کے
مطابق غلاموں کی حیثیت سے بھی بدتر ہے۔ مثلاً رومی قانون کے ماتحت ایک غلام (بردہ)
بھی کچھ مال جمع کر سکتا تھا جس کا وہ خود مالک ہوتا تھا اور اُس میں اُس کے آقا کا کچھ
دخل و تصرف نہ ہوتا تھا ایسے جمع کئے ہوئے مال کا نام پے کیولیم peculium
ہوتا تھا۔ مگر انگلستان کے قانون کے ماتحت عورت کو اسقدر بھی حق حاصل نہیں
جتنا کہ رومی قانون کے ماتحت ایک غلام کو حاصل تھا۔"

عورتوں کے بارے میں یسوع مسیح کے نمونہ اور تعلیم کا جو اناجیل میں مذکور ہے
بیان کرنے کے بعد اب میں بتوفیق ایزدی دکھاتا ہوں کہ اس بارہ میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ کا عملدرآمد کیا ہے۔

نمونہ کی ضرورت

کہتے ہیں عملی نمونہ پند و نصیحت سے کہیں بڑھکر ہے اس میں شک نہیں کہ
کریکٹر (چال چلن) بنانے میں جو عملی نمونہ کام دیتا ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔
فطرتاً انسان دوسرے کے نمونہ کی نقل اُتارتا ہے جو دیکھتا ہے وہی کرنے لگ جاتا
ہے۔ اس لئے جیسی اس کی صحبت ہوگی ویسا ہی اس کا چال چلن ہوگا۔ پس نمونہ
ہی وہ سانچہ ہے جس میں انسانی کریکٹر ڈھالا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت
حد تک انسان آزاد اور خود مختار ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ بہت حد تک
اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اور مجبور نہیں کہ کٹھ پتلی کی طرح جس طرح چاہا اُس سے کرا لیا لیکن
یہ بھی صحیح امر ہے کہ وہ اپنے گرد و نواح اور آس پاس کے حالات کے سامنے ایک حد تک
بے بس بھی ہے۔ خواہ کیسا ہی ضدی اور اپنی ہٹ پر اڑا رہنے والا کیوں نہ ہو آخر
جس صحبت میں رہتا ہے وہ اپنا اثر کئے بغیر نہیں چھوڑتی اُس کو آخر سوسائٹی کے

پُر قوّت اثرات کے آگے جُھکنا پڑتا ہے۔ بچپن وہ زمانہ ہے جبکہ فطرت انسانی اپنی اصلی شکل میں نظر آتی ہے اور اس میں ذرا بھی تصنع کا رنگ و آمیزش نہیں ہوتی۔ اسلیئے جو شخص انسانی فطرت کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اس کے لیئے بچپن سے کوئی بہتر نمونہ نہیں مل سکتا۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بچپن اور لڑکپن ہی وہ زمانہ ہے جبکہ نقل اُتارنے کی عادت انسان میں نمایاں طور پر پائی جاتی ہے بچّہ جو دیکھتا ہے وہی کرتا ہے۔ گویا دوسرے الفاظ میں بچّہ ایک نقل مجسم ہوتا ہے۔ یہی بچّہ آخر بڑا ہوکر انسان بنتا ہے گویا بچپن شباب کا باپ ہے۔ انسان جب بڑا ہوتا ہے تو انہیں بچّے کے ہی عادات اور خصائل ایک حد تک توسیع یافتہ ہوتے ہیں مگر ہوتے وہی ہیں۔ تمام وہ باتیں جو بچّے میں ایک نامکمل شکل میں موجود تھیں بڑے انسان میں حالت تکمیل میں دیکھی جاتی ہیں۔ اگر بچّہ دوسروں کو دیکھ کر نقل اُتارتا ہے تو بڑا ہوا انسان بدرجہ اولیٰ ایسا کرتا ہے۔ اس لیئے عملی نمونہ کریکٹر بنانے میں ایک بے مثل ذریعہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صرف الفاظ میں عمل کے بغیر بھی ایک خوبی ہوتی ہے مگر جہاں بُرائی کی گردن توڑنے اور چال چلن کے درست کرنے میں عملی نمونہ کام میں آتا ہے وہاں محض الفاظ کیسے ہی خوبصورت کیوں نہ ہوں وہ کام نہیں دیتے۔ اسلیئے اسلام مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ نیکوں کی صحبت اختیار کرو۔ سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ قرآن شریف فرماتا ہے کُونُوا مَعَ الصَّادِقِیْن۔ یہاں زن و مرد سب کو حکم ہے کہ صالحین کی صحبت اختیار کریں۔ اس لیئے صاف پتہ لگ گیا کہ عملی نمونہ کا ہونا تقاضائے فطرت انسانی میں داخل ہے اور اس تقاضائے فطرت کے پورا کرنے کیلیئے اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً ایسے بندے مبعوث کرتا رہتا ہے جو ہر بھولے بھٹکے کیلیئے اندھیری رات کا چراغ ہوتے ہیں اور بنی نوع انسان کے لیئے ایک کامل نمونہ بنتے ہیں۔ بہت سے انبیاء پیدا کرنے کے بعد آخر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور فطرت انسانی کے لیئے آنحضرت صلعم کو انسانیت کے کمال تک پہنچا کر لوگوں کے لیئے ایک اُسوہ حسنہ مقرر کیا۔ زندگی کی پرورش میں اور چال چلن

کے ہر پہلو میں آپ نے وہ وہ کمالات دکھائے۔ کہ بس آپ ہی دنیا کے لیئے رہبر ٹھہرے اور جب تک دنیا قائم ہے آپ کا اسوہ حسنہ ہر اس شخص کے لیئے جو شاہراہ صدق پر قدم مارنا چاہتا ہے ایک بے نظیر نمونہ ہے۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے عیسائی متعصبین نے لاکھ لاکھ کوشش اور بہت سر مارا پر وہ آپ کی ذات ستودہ صفات میں ایک ذرا سا بھی نقص نہ دکھا سکے اور آپکی بے عیب اور بے لوث زندگی نے آخر آپکے کئی دشمنوں کے منہ سے بھی تعریفی کلمات ہی نکلوائے۔ آپکی پاک زندگی کی مثال ایسی واضح اور بدیہی ہے کہ جیسے اصول متعارفہ اور موضوعہ مسلم ہیں۔

عورتوں کے متعلق آپ کی تعلیم

یہاں تک ہمنے ثابت کیا ہے کہ کریکٹر بنانے کے لیئے علمی نمونہ کا ہونا کیسا ضروری اور لابدی امر ہے اور یہ بھی ہمنے بیان کیا ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے اخلاق اور روحانیت کا عملی نمونہ سوائے ایک مقدس انسان کے اور کسی میں نہیں پایا جاتا اب میں چاہتا ہوں کہ پڑھنے والے کی توجہ اس بات کی طرف پھیروں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اقربا خصوصاً عورتوں سے کیا سلوک تھا۔

جس طرح کہ قرآن شریف کے باقی احکام کے لیئے عملی نمونہ آپکی ذات بابرکات میں ملتا ہے ویسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک آپکی ازواج مطہرات سے قرآن شریف کے احکام متعلقہ ازواج کا ایک عملی نمونہ ہے۔ قرآن شریف کے رو سے عورتوں کی حیثیت کیا ہے اسپر ہم بحث کر آئے ہیں اسوقت ہم نظر عمیق سے آپکے عملی نمونہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ آسانی کی خاطر میں اس مضمون کے دو حصے کرتا ہوں۔

اوّل۔ عورتوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کیا ہیں۔

دوم۔ ازواج مطہرات اور دیگر اقارب کے ساتھ آپ کا عملی سلوک کیا تھا۔

آپکے نصائح عورتوں کے متعلق اس کثرت سے ہیں کہ اُن کا پورے طور پر بیان کرنا مشکل ہے اس جگہ میں سرسری طور سے اس کا خلاصہ بیان کر دیتا ہوں اس لیئے بطور نمونہ چند اقوال پیش کرتا ہوں۔ بیہقی حضرت انسؓ سے روایت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتق اللہ فی النصف الباقی
جب انسان بیاہ کرتا ہے تو وہ اپنا نصف دین پورا کر لیتا ہے۔ اس لیئے لازم ہے کہ خدا سے ڈر کر دوسرے حصہ کو بھی پورا کرے۔

سچ ہے کہ جورو کے بغیر انسان ایک ایسے چھکڑے کی طرح ہے جس کا صرف ایک ہی پہیہ ہو۔ حالت تجرد میں اس کا عملی نمونہ بالکل اندھیرے میں ہوتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ بیاہ کے بعد انسان کے احساس اور طرز زندگی میں کیسی پاکیزگی کی روح چل اُٹھتی ہے۔ انسان فطرۃً مجلس پسند ہے۔ اکیلا رہنا اُسے ناگوار ہے۔ اس لیئے اس کی زوجہ جو اس کی ہم نوالہ اور ہم پیالہ ہوتی ہے اور جس کے ساتھ وہ محبت کے گہرے رشتوں سے مربوط ہوتا ہے۔ وہ اس کی اس فطرتی خواہش اور تقاضا کو پورا کرتی ہے۔ اگر بیاہ کا سلسلہ نہ ہوتا تو کم سے کم انسانی فطرت کا یہ پہلو ضرور نامکمل رہ جاتا۔ پھر میاں بی بی ہر دو ایک دوسرے کو گناہ سے بچانیکے لیئے ایک بڑا عمدہ ہتھیار ہیں۔ فطرۃً وہ ایک دوسرے کی صحبت کے خواہش مند ہیں اور اس سے حظ اُٹھاتے ہیں۔ یہ باہمی کشش بڑی بڑی بُرائیوں کا باعث ہو جاتی اگر خدائے علیم و حکیم کمال حکمت سے اس کے لیئے ایک جائز راہ نہ پیدا کر دیتا۔ اسطرح بآسانی پتہ لگ سکتا ہے کس طرح دین کا منشاء بیاہ کے ذریعہ پورا ہو جاتا ہے۔ چال چلن کی پاکیزگی اور تزکیہ نفس کے لیئے بیاہ جس قدر مفید ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ انجام کار یہی نکاح آخر وصال خداوندی کا ذریعہ بن کر دین کی روح و رواں بن جاتا ہے۔ کیونکہ دین کا خلاصہ یا لب لباب سوائے اس کے نہیں کہ وصال خداوندی حاصل ہو۔ اسطرح جو شخص شادی کرتا ہے گویا وہ برائی کا ایک دروازہ ہمیشہ کے لیئے بند کر دیتا ہے اور نیکی کی راہ کھول لیتا ہے پس یہ سچ ہے کہ بیاہ نصف دین اور ایمان ہوتا ہے۔ جب آپ نے بیاہ کو اتنا ضروری اور عظیم الشان قرار دیا تو آپ نے پھر ایسے ایسے احکام بھی تعلیم فرمائے کہ جس سے ہر دو زن و شوہر احسن طور سے رہ سکیں اور ان کا جوڑ ایک دوسرے کے لیئے خوشی طمانیت سکینت اور راحت کا موجب ہو۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی تم سے بہتر وہی ہے

جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہے اور میں سب سے بہتر ہوں کیونکہ میرا سلوک اپنی بیویوں سے تم
سب سے بہتر ہے۔ (ابن ماجہ) کس زور اور خوبی سے آپ نے زور دیا ہے کہ اس رشتہ بیاہ کو
کیسا مضبوط بنانا چاہیئے اور بی بیوں سے نیک سلوک کرنے کی کیسی تاکید فرمائی ہے۔
بھلا اس سے زیادہ تاکید کیا ہو سکتی ہے کہ فرمایا کہ تم میں خدائے تعالیٰ کے نزدیک
سب سے زیادہ نیک وہ ہے جس کا سلوک اپنی بیوی کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا ہے۔
کیا ایسی مبارک تعلیم عورتوں کے حق میں کسی اور کتاب میں پائی جاتی ہے؟ کیا کسی
اور ہادی نے عورت کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے بارہ میں ایسے زور سے تاکید کی
ہے جیسی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔ بیوی کے حقوق کے متعلق
حکیم ابن معاویہ کے باپ نے آپ سے دریافت کیا آپ نے جواب دیا ان تطعمها اذا
طعمت وتکسوها اذا اکتسیت ولا تضرب الوجه
ولا تقبح ولا تهجر الا فی البیت - یعنی جو آپ کھاؤ
سو اُسے کھلاؤ۔ جب تم نئے کپڑے پہنو تو اس کے لیئے بھی ویسے ہی بنواؤ۔ کبھی اُسے
مُنہ پر نہ مارو اور اُسے کوئی بُرا کلمہ نہ کہو اور اس سے کبھی جُدا نہ ہو۔ ہاں گھر کے
اندر۔ (ابن ماجہ) اس طرح زن و شوہر کو دنیاوی معاملات اور خانگی امور میں ایکدوسرے کا
شریک ٹھہرا دیا۔ یہ نہیں کیا کہ عورت کو کہدیا کہ بس خاوند یا تمام خاندان کا بچا کھچا کھاؤ اور
پہنو اور خاوند کی جوتی بن کر رہو۔ کھانے پینے اور گھر کے دیگر معاملات میں اُس کو مرد کے
ساتھ مساوات دی گئی ہے۔ شوہر کا کوئی حق نہیں۔ کہ اس سے بُرا سلوک کرے یا اس سے
تُرش روئی سے پیش آئے۔ برخلاف اس کے وہ حق کے طور پر خاوند کے کھانے اور
پہننے میں حصّہ لے سکتی ہے۔ شوہر کو حکم ہے کہ اپنی بیوی سے کبھی علیحدگی اختیار نہ کرے
سوائے خاص حالتوں کے مگر وہاں بھی علیحدگی گھر کی چار دیواری کے اندر تک ہی
محدود ہونی چاہیئے۔ کھانا ایک پہننا ایک۔ مرد کو تنبیہ کی گئی ہے کہ عورت کی جسمانی کمزوری
اور ماتحت طرز زندگی سے کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔ بعض دفعہ رنجش کے دُور کرنیکے لیئے
یا کسی نقص کے رفع کرنے کے لیئے علیحدگی ضروری سمجھی گئی ہے۔ اس لیئے اگر کبھی ضرورت پڑے

تو کچھ وقت علیحدگی کیلئے کی اجازت ہے بشرطیکہ علیحدگی گھر کی چار دیواری کے اندر محدود ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ علیحدگی دشمنی کا موجب ہو جاوے۔ کیونکہ پاس رہ کر علیحدگی اختیار کرنیکے بعد بعض اوقات محبت کا رشتہ اور بھی مضبوط ہوتا ہے۔ شاعر بھی بعض اوقات انسانی فطرت کا صحیح خاکہ کھینچتے ہیں۔ ولایت کا ایک مشہور شاعر ٹینی سن کہتا ہے۔ "وہ بڑی ہی بابرکت ہے وہ جدائی جو رشتۂ محبت کو پہلے سے زیادہ مضبوط کر دیتی ہے جبکہ ہم اپنے محبوبوں سے لڑکر پھر محبت بھرے آنسوؤں سے ایک دوسرے کے گلے لگتے ہیں" یہ بڑے ہی سچے الفاظ ہیں کیونکہ تھوڑے سے وقفہ کی روک ازدیاد محبت کا باعث ہو جاتی ہے۔ اس پر زیادہ بحث کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ اور کوئی دانا اس سے انکار نہیں کر سکتا ؂

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیاہ کے انتہائی مراتب بیان کرنیکے بعد یہ نہیں کیا کہ اس کو یونہیں چھوڑ دیا بلکہ آپنے وہ قوانین بھی بتلائے ہیں جن پر عملدرآمد کرنے سے زندگی خوشی کا موجب بن سکتی ہے۔ آپکی تعلیم کے مطابق صلح اور آشتی اور باہمی اُلفت اور محبت اس جوڑے کا رہنا ہونا چاہیئے۔ آپ فرماتے ہیں۔

اکمل المؤمنین ایمانا احسنہم خلقا وخیارکم خیارکم لنسائھم

جتنا انسان اپنی بیوی پر شفقت اور خلق کا اظہار کرتا ہے اتنا ہی اس کا ایمان کامل ہوتا ہے (ترمذی) اس طرح ایمان کی تکمیل آپنے بیوی کے لیئے رحیم ہونے کے ساتھ مشروط کر دی۔ اس حدیث کی خوبی اور اس حکم کی پوری حقیقت سے صرف مسلمان ہی واقف ہو سکتا ہے۔ مسلمان مجسم دین ہے۔ ایمان اس کی غرض ہے تکمیل ایمان ہو جائے بس تکمیل اخلاق اور روح خود بخود ساتھ ہو گئی۔ ایمان اور عمل لازم و ملزوم ہیں۔ ایمان گویا چشمہ ہے جس سے عمل صادر ہوتے ہیں یا یوں سمجھو تو اعمال اصل میں ایمان کی ظاہری تصویر ہے۔ چونکہ ہر مسلمان کے اعمال خدائی احکام کے ماتحت ہوتے ہیں اس لیئے یہ قدرتی امر ہے کہ جس قسم کا اس شخص کا ایمان ہو گا اور جس قسم کی قوت

ایمان سے حاصل ہوگی اُسی قسم کے اعمال اس شخص سے صادر ہونگے - اسواسطے کسی شخص کے اعمال کا اندازہ لگانے کے لیئے پہلا ضروری امر یہ ہے کہ اس کے ایمان کا اندازہ لگایا جاوے۔ پس اگر ہم یہ کہیں کہ ایک مسلمان کی پہلی اور اصل غرض ایمان ہی ہے تو اُس میں کسی قسم کا مبالغہ نہ ہوگا - اگر کسی شخص کی ایمانی حالت کا اندازہ کرنا ہو تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کا اپنی زوجہ سے کیسا سلوک ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تکمیل ایمان کا نشان یہ ہے کہ انسان کا سلوک اس کی بیوی سے بدرجہ احسن ہو۔ پس تکمیل ایمان اور حسن سلوک کی ایک نسبت ٹھہر گئی ہے - ایمان کی زیادتی حسن سلوک کا موجب اور حسن سلوک از دیاد ایمان کی علامت ٹھہری ؛

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر اکتفا نہیں کی - آپ کا آخری وعظ اسی مضمون پر مشتمل تھا۔ عرفات میں آپ نے کھڑے ہوکر تمام لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔ "لوگو سنو! مَیں نہیں جانتا کہ آیا دوسرے سال مَیں زندہ بھی ہونگا۔ آج کے دن سے اُس دن تک جب تم خدا کے حضور پیش ہوگے حرام ہے کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو قتل کرے یا اس کا مال لیلے - کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھیں اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی پڑے گی - لوگو! کچھ حقوق تمھارے عورتوں کے ذمے ہیں اور کچھ حقوق انکے تمھارے ذمے ہیں .... اپنی بیویوں سے رحم سے پیش آؤ۔ تم نے خدا کو حاضر ناظر جانکر ان سے شادی کی ہے اور خدائے تعالیٰ کے احکام کے بموجب وہ تم پر حلال کی گئی ہیں۔ پس تم نے ان کو خدائے تعالیٰ کی ذمہ واری پر اپنی حفاظت میں لیا ہے" ناظرین - کے لیئے یہ غور کا مقام ہے - آپ اس آخری وصیت میں بھی عورتوں کے حقوق بیان کرنے سے نہیں چوکے - اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ کو عورتوں کا کس قدر خیال تھا آپنے یاد دلایا کہ جس طرح تمھارے حقوق عورتوں پر ہیں ویسے ان کے حقوق تم پر بھی ہیں - پھر ایسی طرز سے جو صرف آپکے ساتھ مخصوص تھی آپنے ان لوگوں کی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرا۔

اور ان کو حکم دیا کہ عورتوں کے ساتھ رحم سے پیش آؤ۔ صرف تقویٰ اللہ کو مدّنظر رکھ کر اس سے آپ کا حکم اور بھی مستحکم اور واجب التعمیل ہوگیا۔ نبی کریم صلعم کو ہمیشہ عورت کی بہتری مدّنظر رہتی تھی۔ اور آخری وصیت میں بھی عورت کی بہتری کا خیال آپ سے جُدا نہ رہ سکا۔ آپ کے اصل مبارک الفاظ یہ تھے فاتقوا اللّٰہ فی النساء فانکم اخذ تموھن بامان اللّٰہ و استحللتم فروجھن بکلمۃ اللّٰہ حضرت انس رض راوی ہیں۔ المرءۃ اذا صلت خمسھا وصامت شھرھا واحصنت فرجھا واطاعت بعلھا فلتدخل من ای ابواب الجنۃ شاءت جو عورت اپنی نمازوں کو قائم رکھتی ہے اور رمضان کے روزے رکھتی ہے۔ اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھتی ہے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرتی ہے وہ بہشت میں داخل ہوگی جس دروازے سے وہ چاہے۔" جنت صرف مردوں کے لئے وقف نہیں۔ عورت کا بھی پورا حصہ ہے اگر وہ ایماندار پاکدامن اور عفیف ہو تو جس دروازے سے چاہے وہ بہشت میں داخل ہو۔ یہاں تک میں نے جو بیان کیا ہے وہ عورت کے متعلق بحیثیت زوجہ ہونیکے ہے اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ عام طور سے عورت کی ذات کے متعلق اس محسن بنی نوع انسان نے کیا تعلیم دی ہے۔ اور اس کی کیا حیثیت رکھی ہے۔ سراقہ بن مالک راوی ہیں۔

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کیا میں تمھیں بتلاؤں کہ اس سے بہتر اور کوئی خیرات نہیں ہوسکتی کہ تو اپنی لڑکی کی مدد اور خبر گیری کرے جبکہ وہ تیرے پاس آئی ہو اور سوائے تیرے اس دنیا میں اس کا کوئی مددگار نہ ہو" (ابن ماجہ) کیا ہی عمدہ طور سے آپ نے اس بات کی تشریح کی ہے کہ والدین کو اپنی لڑکی سے کس طرح محبت کرنی چاہیئے۔ سب سے عمدہ سخاوت اور نیکی کا سلوک وہ ہے جو اس بیٹی سے کیا جاوے جس کا خاوند مر گیا ہو یا وہ کسی اور صورت سے قابل امداد ہوگئی ہو۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ صرف روپے سے مدد کی جاوے۔ یہ اسلام کا منشاء نہیں صدقہ اسلام میں ایک وسیع لفظ ہے۔ اس میں وہ تمام قسم کی

مدد اور محبت کا برتاؤ اور سب قسم کا نیکی کا سلوک شامل ہے۔ اس میں تمام شفقت کے الفاظ۔ مہربانی کی گفتگو۔ پدرانہ سلوک اور اس قسم کی تمام باتیں شامل ہیں پس کسی قسم کا سلوک باقی نہیں رہتا جو لڑکی سے نہ کیا جاوے ؛

ماں کے ساتھ سلوک کرنے کے بارے میں جو آپ کا حکم ہے وہ اس سے کسی طرح کم نہیں۔ والدہ کے حقوق کو کس خوبی کے ساتھ آنحضرت صلعم نے ایک ہی فقرے میں جمع کر دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ الجنۃ تحت اقدام امھاتکم۔ جنّت تمھاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ کیا ہی نیکی سکھانے کی یہ کان ہے کیسی عزّت اور محبّت بھرا ادب ان الفاظ میں بھرا ہوا ہے۔ جتنا کوئی زیادہ خدمتگذار وفادار اور با ادب اپنی والدہ کے حق میں ہو گا اتنا ہی وہ جنّت کے نزدیک ہوگا۔ اس لیئے ہمیں اپنی والداؤں سے بڑی ہی عزّت اور کمال ادب سے اور بڑی گہری محبت اور اعلیٰ درجہ کی مِہر اور اُلفت سے پیش آنا چاہیئے۔ الجنہ تحت اقدام امھاتکم۔ ایک تمثیل اور استعارہ ہے جو کوئی جنّت میں داخل ہونا چاہتا ہو چاہیئے کہ وہ اپنی والدہ کا احترام کرے یا برخلاف اس کے اگر کوئی شخص اپنی والدہ کی طرف سے کسی قسم کی لاپروائی کرتا ہے تو خوف ہے کہ جنّت کا دروازہ اس کے برخلاف بند نہ کیا جاوے (رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا) اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ بس والدہ سے ہی محبت کرنا اور عمدہ سلوک کرنا کافی ہے کہ وہ سیدھا جنّت میں پُہنچ جائیگا۔ اور کسی نیک عمل کی اُسے ضرورت نہیں۔ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں اور اپنے والدین کی خبرگیری صرف اس وجہ سے کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور کسی دنیاوی غرض کی وجہ سے نہیں۔ یہی لوگ ہیں جو ہر طرح سے متقی کہلانے کے مستحق ہیں اور وہی ہیں جو فائز اور بامراد ہو جائیں گے۔ جب ایک شخص محض تقوی اللہ کی وجہ سے ماں کی عزّت کرے گا تو وہ دوسری حالتوں میں کیونکر تقوی کو چھوڑ سکتا ہے۔ پس جب تقوی اللہ انسان کے قویٰ پر اسقدر قابو پا جاتا ہے تو اسوقت بدی کالعدم کی طرح ہو جاتی ہے اس لیئے صرف نیک لوگ ہی اپنے والدین کی خدمت

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں پھر نبی کریم صلعم کا عورتوں کے لئے عام طور سے لوگوں کو نصیحت کرنا ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو انکی کیسی ہمدردی مدِّ نظر تھی۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ

"عورت اور یتیم کے بارے میں خدائے تعالیٰ سے ڈرو۔" آپ محض ہمارے جذبات کی طرف اپیل نہیں کرتے آپ ہماری قوت واہمہ یا محبت کی خواہش کو دنیاوی آدمی کی طرح اُبھارنا نہیں چاہتے۔ یتیموں اور عورتوں کے بارے میں آپ اللہ تعالےٰ کی طرف ہماری توجہ کو لگاتے ہیں کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کمزور مخلوق کے ساتھ رحم سے پیش آو اور اُن کے حقوق تلف نہ کرو۔ کیونکہ خدا ان کا نگران حال ہے۔ انسان ضعیف ہے۔ بعض دفعہ وہ اپنے جذبات کی پیروی کرتا جو اس کو چاہ ضلالت میں گرا دیتے ہیں۔ خدا کا خوف نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ خود غرضی کا شکار ہو سکتا ہے اور اس صورت میں وہ ضمیر کی آواز اور ہمدردی کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت اور یتیم کے معاملہ میں آپ خدائے تعالیٰ کا خوف یاد دلاتے ہیں۔ تمام اخلاق کی جڑھ خوف خدا ہے۔ نیکی کو نیکی کی خاطر کرنا ایک محض موہوم امر ہے۔ جہاں خودغرضی کا دور دورہ ہو وہاں حسن اخلاق اور صلاحیت نفس کی کوئی امید نہیں۔ اور خود غرضی ایک چیز ہے جو انسان میں اکثر غالب رہتی ہے۔ اس خودغرضی کی اصلاح صرف خوفِ خدا سے اور کچھ نہیں۔ ورنہ اس مادی دنیا میں ہر چیز خودغرضی کے بڑھانے اور دوسروں کی پروا نہ کرنے میں ہی مدد دیتی ہے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک فصیح اللسان انسان کی طرح انسانی ہمدردی کی طرف لوگوں کو توجہ دلاتے تو آپکے الفاظ چنداں مؤثر نہ ہوتے۔ فصیح اللسان انسان بڑے زور شور سے عمدہ الفاظ میں ایک چیز کی خوبیوں کو بیان کرتا ہے۔ مگر اُس کی تقریر کا اثر صرف آنی ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی حکمت اور کامل دانائی عطا فرمائی تھی اس لیئے انسانی نبض کو آپ تاڑ گئے اور تشخیص مرض کے بعد آپنے وہ نسخہ تجویز فرمایا جو موزون اور مناسب تھا۔ اور

جس سے شفا کی اُمید ہو سکتی تھی۔ ہمارے احساس اور جذبات اگرچہ محرک تو ضرور ہیں اور وہ ہمیں کام کرنے کی کم و بیش تحریک بھی ضرور کر دیتے ہیں مگر ان کا اثر ایسا نہیں ہوتا کہ ہم مجبور ہو کر وہ کام ضرور کر ہی دیں۔ بعض دفعہ خود غرضی حائل ہو جاتی ہے اور تمام جذبات کو کافور کر دیتی ہے۔ پس نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے جذبات اور احساسوں کی پیروی کرتے ہیں کم ایسا واقع ہوتا ہے کہ وہ منزل مقصود کو پہنچ جاویں بلکہ وہ اکثر راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں لیکن وہ لوگ جو اپنے آپ کو خدائے تعالیٰ کی مرضی کے ماتحت کر دیتے ہیں۔ ان کی خودی اور اس کے ساتھ خود غرضی جاتی رہتی ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی وہ اپنی خواہشات کے تابع نہیں رہتے۔ وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ پس خدائے تعالیٰ کا حکم انکے لئے کافی ہے۔ وہی ان کا عملدر آمد ہے۔ خدا کی محبت اور خوف یہی دو چیزیں ان کے دل پر کامل استیلا پا جاتی ہیں۔ جب ایک دفعہ انسان کو کامل یقین ہو جاتا ہے کہ خدا ہے اور اس نے ایک کامل شریعت انسانوں کے عمل کے لئے نازل فرمائی ہے اس کے بعد اس سے گناہ سرزد ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس امر کی تاکید فرمائی کہ عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے تو آپ نے خدا کی ذات کو درمیان میں ڈالا اور انسانی خواہش کا اس میں دخل نہ رکھا۔

تعدد ازدواج

یہاں تک تو میں نے آنحضرت صلعم کے اقوال کا ذکر کیا ہے اب میں آپ کے عملی نمونہ کو لیتا ہوں جو بطور اُسوہ حسنہ آپ ہمارے لئے چھوڑ گئے۔ اس میں پہلی بات جو ہمیں نظر آتی ہے وہ تعدد ازدواج ہے۔ اسلام کے بڑے بڑے نکتہ چین تعدد ازدواج کے مسئلہ کو اسلام کی ایک بڑی کمزوری خیال کرتے ہیں۔ اور اسلام پر حملہ کرنیکے لئے اس کو ایک بڑا ہتھیار سمجھتے ہیں۔ ذاتی طور پر میں محض نکتہ چینی میں کوئی ہرج نہیں دیکھتا بشرطیکہ تلاش حق اور صدق دل سے ہو۔ لیکن آجکل کی نکتہ چینی میں جو سب سے بڑا عیب ہے

وہ یہ ہے کہ یہ اظہار حقیقت کے لئے نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر غلط واقعات سے نتیجہ نکالنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ خصوصاً یورپ میں اس قسم کی فریب دہ نکتہ چینی انکشاف حق کے بہت برخلاف پڑی ہے۔ اسلام کی حقارت کے لئے کھود کھود کر الفاظ نکالے گئے ہیں اور جان بوجھکر بے حرمتی اور ہتک آمیز الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ اس خس وخاشاک کو منطق کا لباس اور فصاحت و بلاغت کا جامہ پہنایا جاتا اور دنیا کے سامنے اسلام کو ایک بڑی بھیانک شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس بگڑی ہوئی تصویر کے مصور یسوع مسیح کے پیرو پادریصاحبان ہیں۔ اسلام کا اصل چہرہ۔ اس کی سچی فلاسفی اور صحیح منطق آجتک یورپ کے سامنے پیش نہیں کی گئی۔ اب وقت ہے کہ مسیحی یورپ جو آجکل دنیا میں سب سے زیادہ تہذیب کا مدعی ہے وہ اپنی تمام قوتیں اس سچے مذہب کی تحقیقات میں صرف کرے جو آجتک پادریوں کی مہربانی سے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہا ہے۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ عیب چینی کی طرف بڑی توجہ لگائی جاتی ہے لیکن یہ نہیں دیکھا جاتا کہ وہ کون سے اصول ہیں جن پر اسلام نے مسائل کی بنا رکھی ہے۔ مسیحی پادریوں کی دھوکہ دہی۔ اور ابلہ فریبی نے بہتوں کو راہ راست سے دور پھینکا ہوا ہے۔ انکا صرف اتنا کام ہے کہ وہ مقدس اسلام پر اعتراض پر اعتراض کرتے چلے جائیں لیکن جھوٹ اور سچ کی کوئی تمیز نہ ہو۔ اور سب سے زیادہ قابل رحم امر یہ ہے کہ مسیحی دنیا اپنی دنیاوی ترقی کے خیال میں اس قدر محو ہے کہ وہ اتنی فرصت بھی نہیں نکال سکتے کہ وہ پادریوں کی مدد کے بغیر بھی اپنے طور پر تحقیقات کرنے پر کمر باندھیں۔

اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ بعض حالتوں میں نکاح ثانی کے بغیر چارہ نہیں۔ انسان میں قوائے شہوانی کا غیر معمولی طور پر زیادہ ہونا۔ بعض بیماریوں کی وجہ سے پہلی جورو کا بیکار ہو جانا۔ بچوں کا پیدا نہ ہونا غرض نکاح کے ... پورا کرنے کے قابل نہ رہنا۔ نرینہ اولاد کا نہ ہونا۔ بیکس بیواؤں کی ہمدردی اور یتیموں سے سلوک۔ اور اس طرح کی بہت سی ایسی حالتیں ہوتی ہیں جہاں لازمًا

نکاح ثانی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور یہی باتیں ہیں جو تعدد ازدواج کی ضرورت کی بڑی مضبوط دلیل ہیں۔ ایک چیز کا اچھا یا بُرا ہونا اُس کے نتیجہ سے ظاہر ہو جاتا ہے .... ۔شراب خواری۔جوآ۔زنا اور دوسرے جتنے جرائم ہیں وہ بُرے ہیں کیونکہ ان سے بُرے نتائج پیدا ہوتے ہیں اور انسان کے امن میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ اگر اس رنگ سے تعدد ازدواج کو دیکھا جائے تو پتہ لگ جائیگا۔کہ یہ برائی کا بالکل برعکس ہے یا بالفاظ دیگر یہ بُرائی کی جڑھ کاٹنے والا ہے۔ اوّل تو اس کی اجازت اس لیئے دی گئی ہے کہ اس سے زنا کی بدکاری رُک جائے۔ اگر یہ نہ کیا جاتا تو بدکاری کا چشمہ پھوٹ بہتا جس کا مشاہدہ خود یورپ کر رہا ہے۔جس امر کی بنا ایسی پاکیزہ ہو اور جس کے لیئے یہ نیت ہو۔ تو وہ عین برکت اور رحمت ہے۔ عام طور سے اگر مسلمان ممالک کی طرف نگاہ کی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج کی وجہ سے نسبتہً مسلمانوں کے اخلاق اطوار اور عادات کیسے پاک رہے ہیں اور مرد و عورت کے ناجائز تعلقات سے جو جرائم پیدا ہو سکتے ہیں انکی اس نے کیسی جڑھ کاٹی ہے۔اسلامی ممالک کا یورپ سے اگر اس رنگ میں مقابلہ کیا جائے تو بیّن طور سے دیکھا جائیگا۔کہ اس قسم کے جرائم کی کثرت کس جگہ ہے اور قلت کہاں ہے۔ اسلامی ممالک مسیحی ممالک کے مقابل میں اس قسم کے جرائم سے نسبتہً پاک ہیں جس چیز کی بنا ایسی عمدہ ہو اور جس کے نتائج ایسے پاکیزہ ہوں۔ وہ کیسی اعلیٰ اور ارفع اور پاکیزہ چیز ہونی چاہیئے۔ہمیں نہیں سمجھ سکتے کہ مسیحی لوگ تعدد ازدواج کے اس قدر کیوں دشمن ہیں جبکہ اُن کے مسلّمہ انبیا کا خود نمونہ موجود ہے۔جب تعدد ازدواج پر عمل کرنے سے انکے تقدس میں کوئی فرق نہیں آیا تھا تو کیا وجہ ہے کہ آج فرق آجائیگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے معترضین کا مقولہ ہے کہ پہلے عمدہ چیز کو گندہ مشہور کرو اور پھر اس کے برباد کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ جب وہ ایک دفعہ دنیا کو یہ کہدیں کہ فلاں چیز بُری ہے بس پھر کیا ہے۔ دھواں دھار تقریروں سے گالی گلوچ سے اور طعن و تشنیع

سے دنیا کو اس کے برخلاف اُکساتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غیر اسلامی ممالک کے باشندے ان تعلیموں کے متعلق جو واقعی عمدہ اور قابل تعریف ہوتی ہیں عمدگی کا خیال بھی دل میں لانا گوارا نہیں کر سکتے۔ ضرورت کے وقت اسلام نے تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے۔ مگر اس پر قیود اور شرائط لگا دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (النساء ۔ ۱) نکاح کرو اُن عورتوں سے جو تم کو بھلی لگیں۔ دو دو۔ تین تین۔ چار چار۔ لیکن اگر تمھیں خوف ہو کہ تم عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک پر ہی اکتفا کرو۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ۔ اگر تم چاہو بھی تم اپنی بیویوں کے درمیان پُورا عدل نہیں قائم رکھ سکو گے پس چاہیئے کہ بالکل ایک ہی طرف نہ جُھک جاؤ کہ دوسری لٹکی ہوئی معلوم ہو۔ کیسی دانائی کے بھرے ہوئے الفاظ ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ ہمارے دل کا تعلق سب کے ساتھ یکساں ہو۔ فطرۃً جو سب سے زیادہ خوبصورت یا اچھے اخلاق اور زیادہ خوبی والی ہو گی۔ انسان کا دل اسی کی طرف طبعاً مائل ہوگا۔ انسان کے اختیار میں نہیں کہ وہ طبعی خواہش کو دُور کر سکے۔ پس چاہیئے کہ ظاہری سلوک کرنے میں وہ کوئی تفریق اور تمیز نہ کرے اور اگر ایسا کر سکے تو پھر کوئی ڈر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عدل اور انصاف پر زیادہ زور دیا ہے یہ کہنا کہ ایسا ہونا ناممکن ہے ایک بے ہودہ امر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہمارے پیش نظر ہے۔ اور نبیوں کے نمونے ہمارے سامنے ہیں۔ بانیٔ اسلام صلعم نے اپنے بے نظیر نمونہ سے ثابت کر دیا ہے کہ عورتوں سے برابر کا سلوک کرنا کوئی مشکل امر نہیں۔ ہاں خوفِ خدا ضروری امر ہے۔ اگر تقویٰ اللہ مدِّنظر ہے تو کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔

ہر اک نیکی کی جڑھ یہ اتقا ہے ❊ اگر یہ جڑھ رہی سب کچھ رہا ہے

اگر خوفِ خدا مدِّنظر ہو جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نمونہ بتلاتا ہے۔ تو پھر معاشرت اور تعلقات زن و شوہری اور باہمی سلوک میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ ہاں انسان عیاش ہو تو پھر عیاشی کی جہاں اور بہت سی راہیں ہیں ایک یہ بھی ہے وہاں تو ایک بیوی کی بھی ضرورت

نہیں۔ قرآن شریف تو پہلی قسم کے لوگوں کے لیئے ہدایت پیش کرتا ہے جو خدا سے ڈرتے ہوں
دوسری قسم کے لوگوں کو قرآن شریف سے کیا غرض ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ نے
دکھا دیا ہے۔ کہ باوجود تعدد ازواج کے اگر انسان خوف خدا کو مدِ نظر رکھ کر اپنی بیویوں سے
بوجہ احسن پیش آئے تو انسان کی زندگی اُس سے زیادہ پاکیزہ اور باامن ہو سکتی ہے جیسی
کسی ایک بیوی والے کی ہو سکتی ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم کان یقسم بین نسائہ فیعدل یعنی نبی کریم صلعم باری باری اپنی تمام ازواج کے پاس
جاتے تھے اور عدل کا برتاؤ کرتے تھے پھر حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا اذا کانت عند الرجل امرأتان فلم یعدل بینھما جاء یوم القیمۃ و
شقہ ساقط۔ جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ انکے درمیان عدل نہ کرے۔ تو وہ قیامت
کے دن ایسی حالت میں اُٹھے گا کہ اُس کا نصف بدن گرا ہوا یعنی مفلوج ہو گا۔" آپکا اپنا
نمونہ اور عدل نہ کرنیوالے کے متعلق جو آپ کا انداز ہے وہ کافی گواہ ہیں۔ کہ آپ بیویوں میں
عدل کرنا کیسا ضروری سمجھتے تھے۔ آپ اُن کو جنگوں میں بھی اپنے پاس سے علیحدہ نہ کرتے
تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ کسی جنگ پر تشریف لے جاتے تو آپ بذریعہ قرعہ اندازی
یہ فیصلہ کرتے کہ آپکے ساتھ اس دفعہ کونسی بیوی جائے گی۔ اس طرح آپنے ذرا سا موقع بھی
نہ دیا کہ آپ پر کوئی یہ الزام لگا سکے کہ آپ نعوذ باللہ ایک کی دوسری سے بڑھکر رعایت کرتے
تھے۔ علاوہ ازیں جب آپ کی وفات کا وقت قریب پہنچا۔ تو آپکے لیئے عائشہؓ کے گھر میں
ٹھہرنا زیادہ آرام دہ ہو سکتا تھا مگر آپ اس کے گھر تشریف نہیں لے گئے۔ جبتک کہ آپکے
آپکی دوسری ازواج نے اپنی پوری رضامندی اور خوشی سے اس امر کی اجازت نہ دیدی

(باقی آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

ریویو

سورہ فاتحہ کی تفسیر پنجابی نظم میں۔ مصنفہ مولوی محمد عبد اللہ صاحب کھرل۔ تفسیر شروع کرنے سے پہلے
مصنف نے بہت سے اعتراضات کا پنجابی نظم میں جواب دیا ہے جو سلسلہ احمدیہ پر کیئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد سورہ فاتحہ
بمعہ ترجمہ لکھکر تفسیر نظم میں کی ہے۔ ۳۲ صفحے قیمت ۱ر **سورۃ البقرہ** کی تفسیر۔ اسمیں پہلے پارہ کی تفسیر....

حضرت مریم صدیقہؓ کا دردِ زہ اور مسیحی مذہب کا بطلان

حضرت مسیحؑ کی نسبت جو حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے فرزند تھے مسیحی صاحبان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا تھے اور ساتھ ہی خدا کے بیٹے بھی تھے اور اُنکے دنیا میں آنے کی غرض یہ تھی کہ وہ اس گناہ کی سزا سے انسانوں کو نجات دیں جو حوّا کی نافرمانی کی وجہ سے دنیا میں آیا۔ قرآن شریف نے مسیحی صاحبان کے اس باطل عقیدہ کو جس پر کُل مسیحی مذہب کی بنیاد ہے ایک ہی لفظ کے ساتھ جڑھ سے اُکھیڑ دیا ہے خدائے تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریمؑ کی پیدائش کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔
فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ (مریم - ۲) پس حضرت مریمؑ حاملہ ہوگئی ساتھ اُسکے پس جا پڑی ساتھ اس کے مکان دُور یعنی جنگل میں۔ پس اُسکو دردِ زہ درخت خرما کے تنے کی طرف لے آیا اُس نے (شدّت درد کی وجہ سے) کہا کاش کہ میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور ہوتی بھولی بھلائی۔

ناظرین یہ نہ سمجھیں کہ حضرت مریمؑ کے دردِ زہ کی یہ کیفیت صرف بیان کی آرائش کے لیے ذکر کی گئی ہے اور اس سے بڑھکر اسکی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ایسا نہیں۔ قرآن شریف کا کوئی لفظ بغیر حکمت کے بیان نہیں کیا گیا اس پاک کتاب میں کوئی بھی ایسا لفظ نہیں جو بلا ضرورت داخل کیا گیا ہو بلکہ اس کا لفظ لفظ اپنے اندر حکمت رکھتا اور فائدہ سے بھرا ہوا ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ نے جو حضرت مریمؑ کے دردِ زہ کی شدّت کا ذکر کیا ہے یہ بھی فضول طور پر بیان نہیں کیا گیا بلکہ اس ذکر کے اندر ایک ایسا حربہ رکھا ہوا ہے جو مسیحی مذہب کے باطل عقیدہ کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ اِس امر کے واضح کرنیکے لیے کہ یہ آیت کریمہ مسیحی مذہب کی بیخکنی کے لیے کیسا زبردست ہتھیار ہے۔ میں ناظرین کی توجہ کتاب پیدائش باب ۳ کی طرف پھیرتا ہوں جہاں لکھا

ہے" اور عورت (حوّا) نے جوں دیکھا کہ وہ (ممنوع) درخت کھانے میں اچھا اور دیکھنے میں خوشنما اور عقل بخشنے میں خوب ہے اُس کے پھل میں سے لیا اور کھایا اور اپنے خصم کو بھی دیا اور اس نے کھایا..... تب خداوند خدا نے عورت سے کہا کہ تُونے یہ کیا کیا۔ عورت بولی کہ سانپ نے مجھکو بہکایا تو مَیں نے کھایا۔.... اُس نے عورت سے کہا کہ مَیں تیرے حمل میں تیرے درد کو بہت بڑھاؤں گا اور درد سے تو لڑکے جنے گی اور اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا اور آدم سے کہا اسواسطے کہ تُونے اپنی جورو کی بات سنی اور اُس درخت سے کھایا جس کی بابت مَیں نے تجھے حکم کیا کہ اس سے مت کھانا زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی اور تکلیف کے ساتھ تُو اپنی عمر بھر اُس سے کھائے گا اور وہ تیرے لیئے کانٹے اور اونٹکٹارے اُگاویگی اور تُو کھیت کی نبات کھائے گا۔ تُو اپنے مُنہ کے پسینے کی روٹی کھائے گا۔"

ان درسوں میں یہ بتلایا گیا ہے کہ حوّا کے گناہ کی وجہ سے دو قسم کی سزائیں حوّا اور آدم کو دی گئیں۔ عورت کے لیئے تو یہ سزا مقرر ہوئی کہ وہ دردِ زِہ سے بچے جنے گی اور مرد کے لیئے یہ سزا تجویز ہوئی کہ وہ مُنہ کے پسینے یعنی محنت کے ساتھ روٹی کمائیگا۔ اور یہ سزا صرف آدم اور حوّا تک ہی محدود نہ رہی بلکہ اُن کی اولاد بھی اُسی گناہ کی سزا میں شریک ہوگئی جو حوّا سے سرزد ہوا تھا۔ اس کی وجہ مسیحی صاحبان کے نزدیک یہ ہے کہ ہر ایک انسان جو اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ حوّا کا گناہ بطور ورثہ کے اپنے ساتھ لاتا ہے۔ مسیحیوں کی اصطلاح میں اس گناہ کا نام موروثی گناہ ہے جس سے کوئی انسان پاک نہیں۔ اسی واسطے اُن کا عقیدہ ہے کہ اگر ایک بچہ یسوع مسیح کا بپتسمہ لینے سے پہلے ہی وفات پاجائے تو وہ اس موروثی گُنہ کیوجہ سے جہنّم کی جلتی ہوئی آگ میں پھینکا جاویگا۔ ہاں اگر اُس کو موت سے پہلے بپتسمہ دیا جاوے تو وہ اس موروثی گناہ سے پاک ہوکر مریگا۔ اس لیئے وہ دوسرے بچوں کی طرح دوزخ کا نوالہ نہیں بنیگا بلکہ بہشت میں داخل ہوگا۔

مسیحیوں کے اعتقاد کے بموجب یسوع مسیح اس لیئے اس دنیا میں آیا کہ انسانوں کو

گناہ کی سزا سے بچائے۔ مگر اُس کا یہ فضل صرف ایسے لوگوں کے لیے خاص ہے جو اُس پر ایمان لاویں اور اُس کو خدا کا بیٹا بلکہ خود خداوند خدا مان لیں۔ دوسرے لوگ اس فضل سے محروم کیے گئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا درحقیقت یسوع مسیح نے اپنے پیروؤں کو گناہ کی سزا سے بچا لیا ہے۔ کیا مسیحی صاحبان اپنے اس دعویٰ کی تائید میں کوئی قطعی اور یقینی ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟ اگر کوئی مسیحی جو یسوع مسیح کو خداوند خدا کا بیٹا تسلیم کرتا ہے اتفاق سے چوری یا زنا کا ارتکاب کرے تو کیا وہ سزا سے بچ جائیگا۔ کیا مسیحی سلطنتیں ایسے لوگوں کو جیلخانوں میں بند کر کے سزا کا مزہ نہیں چکھاتیں؟ کیا خود کلیسیا کے افسر اپنے ایسے ماتحتوں کو جو یسوع مسیح کے خون پر ایمان لا کر کسی جُرم کے مرتکب ہوتے ہیں سزا نہیں دیتے؟ پھر صرف مسیحی حکام اور کلیسیا کے بزرگ ہی مسیحی قربانی پر ایمان لانیوالے مجرموں کو سزا سے مستثنیٰ نہیں کرتے؟ بلکہ خود نیچر بھی اپنے ایسے مجرموں کو جو مسیح کے پیرو ہوں اسی طرح سزا دیتی ہے جیسے کہ وہ دوسرے لوگوں کو سزا دیتی ہے۔ اگر ایک مسیحی زہر کا پیالہ پی جاوے اُس کا ایمان مسیح کے کفارہ پر خواہ کیسا ہی مضبوط کیوں نہ ہو وہ زہر ضرور اس پر ایسا ہی اثر کریگی جیسا کہ کسی ہندو۔ یہودی یا مسلمان پر۔ غرض مسیحی کوئی ایسا امر پیش نہیں کر سکتے جس سے ظاہر ہو کہ اس دنیا میں وہ غیر قوموں کے مقابل پر گناہ کی سزا سے محفوظ رہتے ہیں؛

یہ امر کہ یسوع مسیح نے کسی متنفس کو گناہ کی سزا سے نجات نہیں دی ایک اور طریق سے بھی ظاہر ہے۔ اگر مسیح اپنے پیروؤں کو گناہوں کی سزا سے نجات دینے کے لیے آیا ہوتا تو ضروری تھا کہ سب سے پہلے موروثی گناہ کی سزا سے اگر کُل دنیا کو نہیں تو کم از کم اپنے بیچاروں کو ہی نجات دیتا۔ جیسا میں اوپر بیان کر چکا ہوں حوا کے گناہ کی وجہ سے اُس کی اولاد پر یہ سزا وارد کی گئی ہے کہ عورت دردِ زہ کے ساتھ بچہ جنے گی اور مرد مُنہ کے پسینے کے ساتھ روزی کمائیگا یہ دو سزائیں ہیں جو دنیا اب تک بھگت رہی ہے اور یہ دونوں سزائیں موروثی گناہ کا نتیجہ بیان کیجاتی ہیں۔ مسیح کو دنیا میں آئے ۱۹۰۰ سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا ہے مگر اب تک دنیا اس سزا میں مبتلا ہے۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح نے دنیا کو گناہ کی سزا سے نہیں بچایا۔ اگر وہ گناہ کی سزا سے بچانے کے لیے دنیا میں آیا تھا تو کوئی

وجہ نہ تھی کہ وہ اِس موروثی گناہ کی سزا سے دنیا کو نہ بچاتا۔ جس میں خود مسیح کے سچے پیرو بھی اسی طرح گرفتار ہیں جس طرح کہ باقی دنیا کے لوگ۔ یہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ مسیحی عورتوں کا ایمان مسیح کی قربانی پر مسیحی مردوں کی نسبت کئی درجے بڑھا ہوا ہے۔ اور جیسا جوش مسیحی عورتوں میں دیکھا جاتا ہے مردوں میں ایسا جوش نہیں پایا جاتا مگر باوجود اس کے کوئی لیڈی ایسی نہیں پاؤ گے جو یہ کہہ سکے کہ مسیح پر ایمان لانے نے مجھے اُس سزا سے بچا لیا ہے جو بائبل کے فتوے اور مسیحی اعتقاد کے بموجب موروثی گناہ کی وجہ سے عورتوں کو بھگتنی پڑتی ہے نہایت پارسا سے پارسا مسیحی لیڈی بھی اسی طرح دردِ زہ کے ساتھ بچہ جنتی ہے جیسے دنیا کی دوسری عورتیں۔ مسیح پر ایمان لانے نے درد کو دور کرنا تو کجا اُس میں کسی قسم کی تخفیف بھی پیدا نہیں کی۔ اور اس سزا کے بھگتنے میں مسیح کی قربانی نے کسی عورت کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچایا۔ جو سزا کا حکم ابتدا میں جاری کیا گیا تھا تمام مسیحی عورتیں اُسکو پوری سختی کے ساتھ بھگت رہی ہیں عام عورتوں کو تو بالائے طاق رکھو خود وہ بی بی جس کے پیٹ سے وہ دنیا کا نجات دہندہ پیدا ہوا نہایت تکلیف کیساتھ بچے جنا کرتی تھی بلکہ جس وقت اُس نے اس بیٹے کو جنا جس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا کو گناہ کی سزا سے نجات دینے کیلیے آیا تھا اُسوقت بھی جننے کے درد نے اُس بی بی کو نہایت بے تاب کر دیا اور اُسوقت شدید درد نے ایسا لاچار کر دیا کہ وہ بے اختیار ہو کر چیخ اُٹھی یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا وَکُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا۔ ایسے شخص سے کیا اُمید ہو سکتی ہے کہ وہ دوسروں کو گناہوں کی سزا سے بچا لیگا جب وہ خود اپنی اماں کو گناہ کی سزا سے عین اُسوقت جبکہ وہ فضل لیکر دنیا میں قدم رکھنے والا تھا نہ بچا سکا کیا مسیحیوں کے عقیدہ کے بموجب جس درد کے ساتھ حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام نے اپنے سب سے بڑے بیٹے یسوع مسیح کو جنا کیا وہ درد اُس کے موروثی گناہ کا نتیجہ نہ تھا۔ ہر ایک مسیحی یہی جواب دیگا کہ ہاں وہ موروثی گناہ کا ہی پھل تھا پھر ہم پوچھتے ہیں کہ اگر مسیح ہر ایک قسم کے گناہ کی سزا سے بچانے کیلیے آیا تھا تو کیا یہ ضروری نہ تھا کہ سب سے اول وہ بی بی جس نے ۹ ماہ اسکو اپنے پیٹ میں رکھا تھا گناہ کی سزا سے کم از کم اُسوقت بچائی جاتی جب وہ گناہ کی سزا سے نجات دینے والے خداوند یا خداوند کے بیٹے کو جن رہی تھی۔ اگر اُسوقت وہ عورت دردِ زہ کی سزا سے بچائی جاتی تو یہ امر اس بات کا نشان ہوتا کہ دنیا میں ایک ایسا وجود ظاہر ہوا ہے جو دنیا کو ہر قسم کے گناہ کی سزا سے نجات دینے کیلیے آیا ہے مگر اُس نے ایسا نہ کیا۔ اب ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ کونسا حربہ ہے جو قرآن شریف کی آیہ کریمہ فَاَجَاءَ......ھَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَۃِ میں رکھا ہوا ہے قرآن شریف نے یہ کہکر کہ حضرت مریم صدیقہؑ نے دردِ زہ کے دکھ سے بہت تکلیف اُٹھائی مسیحیوں کے اس عقیدہ کی بیخکنی کر دی ہے کہ یسوع مسیح دنیا میں لوگوں کو گناہ کی سزا سے نجات دینے کیلیے آیا۔ اگر مسیحیوں کا یہ عقیدہ درست ہوتا تو ضروری تھا کہ کم از کم مریم صدیقہؑ تو دردِ زہ سے محفوظ رہتی جو مسیحیوں کے اعتقاد کے بموجب گناہ کی سزا ہے۔ جب خود خداوند کی ماں اس سزا سے بچ نہ سکی تو اور کون بچ سکتا ہے غرض جبکہ مسیح نے اس دنیا میں کسی قسم کے گناہ کی سزا سے اپنے پیروؤں کو بچانے کا نمونہ نہیں دکھایا تو یہ خیال کرنا بالکل دھوکہ ہے کہ وہ دوسرے عالم میں اپنے پیروؤں کو گناہوں کی سزا سے بچا لیگا۔

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان
بابت ماہ جنوری و فروری ۱۹۱۲ء

گو اس سے پہلے بھی صدر انجمن احمدیہ کے بعض صیغوں کے متعلق ضروری امور ماہوار رپورٹ کے رنگ میں درج رسالہ ہوتے رہے ہیں مگر آئندہ کے لیئے کوشش کیجاویگی کہ ماہوار رپورٹ کے نیچے کُل صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ قادیان کے متعلق ضروری حالات احباب کی اطلاع کے لیئے درج ہوتے رہیں تا انکو جنپر توجہ کرنے کی ضرورت ہو ہر ماہ میں توجہ کرنے کا موقع ملتا رہے۔ اس تجویز کے مطابق ذیل میں صیغہ وار رپورٹ درج کی جاتی ہے ؎

۱- صیغہ یتامےٰ

چونکہ یہ صیغہ احباب کی توجہ خاص چاہتا ہے اس لیئے اس کے حالات مالی سال کے شروع سے یعنی ماہ اکتوبر ۱۹۱۱ء لغایت فروری ۱۹۱۲ء پانچ ماہ کے درج کیئے جاتے ہیں تا احباب توجہ کر سکیں ؎

پانچ ماہ مذکورہ بالا میں آمد [illegible] اور خرچ [illegible] ہے۔ جو چار گنا سے بھی زیادہ ہے۔ گویا فروری کے اخیر پر یہ صیغہ [illegible] کا مقروض ہے۔ اور یہ قرضہ دن بدن بڑھ رہا ہے اور آمد کم ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ جنوری کے اخیر جو قرضہ [illegible] تھا۔ ایک ہی ماہ میں دوگنے کے قریب ہو جانے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ آمد بہت تھوڑی یعنی صرف [illegible] فروری میں ہوئی ہے۔

ان پانچ ماہ میں بیس یتامےٰ کو مد یتامےٰ میں لیا گیا۔ جن میں سے دس یتامےٰ کے کُل اخراجات تعلیم اور اور باقی کو [illegible] ماہوار وظائف دینے انجمن نے اپنے ذمہ لیئے کُل اخراجات دینے کی صورت میں قریباً سات آٹھ روپے ماہوار کم از کم فی لڑکا خرچ ہوتا ہے۔ دوسری طرف بعض معزز احباب اپنی سفارش کے ساتھ یتامےٰ و مساکین کی درخواستیں بھجوا دیتے ہیں جن کے رد کرنیکو ہرگز دل نہیں چاہتا۔ مگر فنڈ کی اس نازک حالت کی وجہ سے ایسی کوئی درخواست منظور نہیں ہو سکتی ہاں گنجایش نکلنے پر غور ہو سکیگا۔ یہ مجبوری امر ہے۔ اس لیئے ایسے تمام احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ مہربانی فرماکر بجائے درخواستیں بھجوانیکے اس صیغہ کی آمد بڑھانے کی فکر کریں۔ اور جب تک یہ قرضہ اتر کر خرچ کے بالمقابل آمد کی

معقول رقم ماہوار پہنچنے کے کوئی صورت نظر نہ آئیگی کوئی درخواست منظور نہ کی جاویگی۔
حضرت خلیفۃ المسیح علیہ السلام نے اس فنڈ ضروری کی ایسی نازک حالت کو معلوم کرکے احباب کی خاص توجہ کیلئے اشتہار شائع فرمایا ہے۔ جو اس رسالہ میں دوسری جگہ درج ہے ۔

۲ - زکوٰۃ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس صیغہ کے بھی پانچ ماہ گذشتہ کے حالات بتائے جاویں۔ چنانچہ آمد ۹۶۱ [illegible] اور خرچ [illegible] ہے یعنی پانچ ماہ میں آمد [illegible] زیادہ ہوئی۔ ماہ فروری میں آمد صرف [illegible] اور خرچ اسکے بالمقابل [illegible] ہوا ہے۔ گو بالفعل آمد میں قدرے زیادتی ہے۔ لیکن اگر آمد کی یہی رفتار رہی تو ایک ماہ میں نہ صرف بقایا پورا ہو جاویگا۔ بلکہ یہ صیغہ بھی مقروض ہو جاویگا۔ [illegible] کے وظائف ماہوار مساکین مہاجرین کو اور [illegible] کے وظائف نومسلموں کو دیئے جاتے ہیں ان وظائف کے علاوہ یکمشت امداد بھی کیجاتی ہے۔ اور غربا کو سفر خرچ دیا جاتا ہے جو حصول دینی تعلیم کے لیئے یہاں آتے اور پھر واپس جاتے ہیں چنانچہ اسوقت بہت سے کابلی اپنے وطن کو واپس ہوئے اور انکو معقول رقم زادِ راہ کے لیئے دی گئی ۔

۳ - مساکین

صیغہ مساکین میں بھی گنجائش مطلق نہیں بلکہ جس قدر وظائف دینے کی گنجائش تھی وہ سب کے سب دیئے جا چکے ہیں۔ اور اب گنجائش نکلنے تک کوئی درخواست نہ لیجاویگی۔ بعض معزز احباب کی سفارش سے درخواستیں آئی ہوئی ہیں جو گنجائش نہ ہونے کے باعث زیر غور ہیں۔ ماہ فروری میں اس صیغہ کی آمد [illegible] اور خرچ [illegible] کے قریب ہوا ہائی سکول میں ۲۰ مساکین کو [illegible] ماہوار کے وظائف مدرسہ احمدیہ میں ۱۶ کو [illegible] ماہوار کے شاخ صنعتی میں ۲ کو [illegible] ماہوار کے اور بیرونی کالجوں میں چار کو [illegible] ماہوار کے وظائف ملتے ہیں۔ ان وظائف کے علاوہ خرید کتب و فیس داخلہ امتحان کے لیئے یکمشت مدد دی جاتی ہے۔ چنانچہ گذشتہ چار پانچ ماہ میں [illegible] کی یکمشت مدد کالجوں وغیرہ میں مساکین طلبا کو دی گئی ہے۔ اسوقت تین طالب علم اسلامیہ کالج لاہور میں یعنی ایک بی۔ اے میں اور دو ایف۔ اے میں ایک بی۔ اے کلاس علیگڈھ کالج میں تعلیم پاتا ہے ۔

۴۔ اشاعت اسلام

اس صیغہ کی آمد بابت ماہ فروری ۱۱۳۲ ۱۲ روپے اور خرچ ۱۱۳ روپے ہوا ہے۔ خریدار ریویو انگریزی ۴ کی زیادتی اور اردو ۲۰ کی کمی اور تفسیر میں ۲ کی کمی واقع ہوئی۔ کمی کی وجہ خریداروں کے نام وی پی کرنا ہے ایسے موقع پر عموماً خریدار کم ہو جایا کرتے ہیں بابو اختر علی صاحب کورٹ انسپکٹر دیوگڑھ اور قاضی محمد یوسف صاحب ساکن پشاور نے ریویو کی اشاعت میں بڑا حصہ لیا ہے۔ جزاہم اللہ خیراً۔ تمام احباب نے تاحال ریویو کی اشاعت کی طرف پوری توجہ نہیں کی۔ تمام احباب کا فرض ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے اس ارشاد کی تعمیل کے لئے جان توڑ کر کوشش کریں ریویو کا دس ہزار خریدار ہو جاوے۔ اور چار لاکھ سے زیادہ تعداد کی جماعت میں دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ذیل میں حضرتؑ کا وہ تاکیدی ارشاد اس جگہ نقل کیا جاوے۔

"اگر اس رسالہ کی اعانت کے لئے اس جماعت میں دس ہزار اردو یا انگریزی کا خریدار پیدا ہو جائے تو یہ رسالہ خاطر خواہ چل نکلے گا۔ اور میری دانست میں اگر بیعت کرنیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں تو اسقدر تعداد کچھ بہت نہیں۔ بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد بہت کم ہے" توجہ دلانے کے لئے ہمارے احباب نے اس طرف پوری توجہ نہیں کی۔ اور رسالہ کی تعداد خریداری میں بجائے زیادتی ہونیکے الٹی کمی واقع ہوئی۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی جماعت کے مخلص احباب کو مفصلہ ذیل الفاظ میں مخاطب کرنا کہ "میں پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردوں کو اسوقت توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت اور مالی امداد میں جہانتک اُنسے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلادیں۔ دنیا جائے گذشتن گذاشتنی ہے۔ اور جب انسان ایک ضروری وقت میں ایک نیک کام کے بجالانے میں پوری کوشش نہیں کرتا تو وہ گیا ہوا وقت ہاتھ نہیں آتا" اور پھر اتنک رسالہ کی خریداری کا دس ہزار کیا دو ہزار تک بھی نہ پہنچنا کیا سخت قابل افسوس نہیں ہے کیا جماعت کے مخلص جوانمردوں کے دل حضرت اقدسؑ کے اس ارشاد کو سنکر اور رسالہ کی خریداری کا یہ حال دیکھکر نہیں پگلتے۔ کہ باوجود رسالہ کے جاری ہوئے دس سال گذر جانیکے

اب تک اُس کی خریداری کی تعداد دو ہزار تک بھی نہیں پہنچی - بلکہ جو تعداد حضرت اقدس ؑ کی زندگی میں تھی - اُس میں بھی روز بروز تنزل آتا جاتا ہے - بعض احباب کثرت اخراجات یا عدم گنجایش کا عذر کر کے رسالہ بند کرا دیتے ہیں یا اس کو نہیں خریدتے - اے میرے دوستو! جو مال نیکی کی راہ میں خرچ کیا جاتا ہے اُس سے کچھ کمی نہیں ہوتی بلکہ وہ مال بڑھ چڑھ کر واپس ملتا ہے - اسی اشتہار میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر کوئی تم میں سے خدا سے محبت کر کے اُس کی راہ میں مال خرچ کریگا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ اُس کے مال میں بھی دوسروں کی نسبت زیادہ برکت دیجاویگی - کیونکہ مال خود بخود نہیں آتا بلکہ خدا کے ارادہ سے آتا ہے - پس جو شخص خدا کے لیئے کچھ حصہ مال کا چھوڑتا ہے وہ ضرور اُسے پائیگا - لیکن جو شخص مال سے محبت کر کے خدا کی راہ میں وہ خدمت بجا نہیں لاتا جو بجا لانی چاہیئے - تو وہ ضرور اُس مال کو کھوئیگا - یہ خیال مت کرو کہ مال تمہاری کوشش سے آتا ہے بلکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے" ریویو کی اشاعت میں خصوصیت سے سکرٹری صاحبان انجمنہائے کو حصہ لینا چاہیئے ۔ منشی محمد عبد اللہ خان صاحب گرداور قانونگو نے حلقہ مد کی ضلع لاہور نے حضرت مسیح موعود ؑ کی تقسیم بنگال والی پیشگوئی کے پورا ہونے پر دو غریب طلباء کے نام ریویو اُردو جاری کرایا - جزاہم اللہ خیراً -

۵ - مدرسہ احمدیہ

اس صیغہ کا خرچ ماہ فروری میں ۱۱۴۳ روپے ہوا اور آمد ۷۱۲ روپے ہوئی - تعداد طلباء ۸۴ ہے جو گذشتہ ماہ کے برابر ہے - اس ماہ دفتر مدرسہ میں بوجہ زیادتی کام پورے وقت کا محرر رکھا گیا - یہ کام پہلے الاؤنس پر ہوتا تھا - آمد میں ۵۱۳ روپے آمد بورڈنگ ہوس ہے جو بذریعہ فیس وغیرہ ہوئی - اور ۱۰۱ روپے کی آمد بذریعہ چندہ ہوئی -

۶ - مقبرہ بہشتی

اس صیغہ کی آمد ۱۴۹۲ روپے اور خرچ ۱۲۹ روپے بابت ماہ فروری ہے - ماہ دسمبر میں حاجی عمر ڈار صاحب کشمیری نے دوسو روپیہ میاں نبی بخش صاحب رفوگر امرتسر نے ایک سو الٰہی بخش صاحب ساکن زیرہ ضلع فیروزپور نے ایک سو شیخ رحیم بخش صاحب ساکن جموں نے

پچاس۔ اور مسماۃ حیات نور ساکن بھڈال ضلع سیالکوٹ نے للعہ اور سید ناصر شاہ صاحب علاقہ جموں نے مالعہ بحساب وصیت ادا کئے اور حکیم غلام محی الدین صاحب نے فروری میں ۱۱عہ بھیجے ماہ جنوری و فروری میں ایک ایک عورت مقبرہ میں دفن ہوئی۔ جنہوں نے وصیت کی ہوئی تھی۔

۷۔ صیغہ جائداد

بورڈنگ کی عمارت کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اور عمارت ہائی سکول کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ گذشتہ نمبر میں احباب کو اس طرف توجہ دلائی گئی تھی کہ اس عظیم الشان کام کے شروع کرنے اور پھر تکمیل کے لئے روپے کی بہت ضرورت ہے اور فراخ حوصلگی سے روپیہ بھیجنے کی طرف احباب کو توجہ کرنی چاہیئے۔ اس صیغہ کی ماہ عسہ ررر آمد ہے۔ دس ہزار تو عطیہ گورنمنٹ ہے اور رقم چندہ از احباب صرف لعہ ہے۔ مزید امداد عمارت بورڈنگ ہوس و عمارت ہائی سکول کیلئے چھپن ہزار کی درخواست برائے امداد گئی ہوئی ہے۔ امید ہے کہ گورنمنٹ پہلے کی طرح جماعت احمدیہ کو کافی روپے کے عطیہ سے ممنون فرمائے گی۔

۸۔ دفتر محاسب

ماہ جنوری میں سید محمد رضوی صاحب وکیل ہائی کورٹ حیدر آباد دکن نے اسامعہ ضروریات انجمن کے لئے ۱۱عہ حضرت خلیفۃ المسیح اور مامہ اہلبیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے بھیجا۔ منشی دلیداد صاحب مشلخواں بنگلہ کوٹ خدا یار خاں نے عسہ اور منشی محمد عبد اللہ صاحب منشی ضلعدار نے لعہ کی رقم جو انکو دربار دہلی کے موقع پر بطور انعام ملی تھی انجمن کو مرحمت فرمائی۔ محاسب صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ آمد سے خرچ ماہ بڑھ رہا ہے خصوصاً صیغہ یتامیٰ۔ جائداد اور مدرسہ احمدیہ دن بدن مقروض ہو رہے ہیں۔

علاوہ ان صیغوں کی رپورٹوں کے یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ انجمن احمدیہ پشاور نے ۹ کتابیں بزبان پشتو اور ایک بزبان فارسی چھاپ کر اس علاقہ سرحدی میں مفت شائع کی ہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ تبلیغ کا یہ بھی بہت عمدہ ذریعہ ہے۔

اشتہار ضروری

مجھے اس بات کو معلوم کرکے بہت افسوس ہوا ہے کہ فنڈ یتامٰی اس وقت پانچ چھ سو روپے کا مقروض ہے اور جہاں اس کے اخراجات دو سو روپے ماہوار کے قریب یا اس سے بھی بڑھے ہوئے ہیں آمدنی پچاس روپے ماہوار بلکہ اس سے بھی کم ہے۔ اس لیے میں جماعت کے مخلصوں کو اس طرف خصوصیت سے توجہ دلاتا ہوں کہ مذہب اسلام کے دو ہی بڑے جزو ہیں ایک طاعت لامر اللہ اور دوسرے شفقت علیٰ خلق اللہ۔ اس دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں یتامٰی کی خبرگیری کے لیے سخت تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہاں صدقات کا ذکر آیا ہے۔ وہاں یتامٰی کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ پارہ دوم میں قرآن شریف میں فرمایا ہے وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ۔ اس آیت میں حقیقی نیکی کو انہی دو حصوں پر منقسم فرمایا ہے جن میں سے پہلے حصہ میں ایمان یا طاعت لامر اللہ کا ذکر ہے اور دوسرے میں مال کے خرچ کرنے یا شفقت علیٰ خلق اللہ کا حکم ہے۔ اور انفاق فی سبیل اللہ میں ذوی القربیٰ کے بعد دوسرے درجہ پر مستحق امداد یتامٰی کو قرار دیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائیوں پر رحم کرنے کے متعلق جو تاکید فرمائی ہے اس سے حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا تری المؤمنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعی له سائر الجسد بالسھر والحمی۔ یعنی مؤمن باہم ایک دوسرے پر رحم کرنے اور ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے پر مہربانی کرنے میں ایک جسم کے حکم میں ہیں اگر جسم کے ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو اسکی خاطر سارا جسم تکلیف اٹھاتا ہے۔ اور پھر خصوصیت سے ان بیکس بچوں پر

رحم کے لیئے جنہیں یتیم کہتے ہیں فرمایا۔ انا و کافل الیتیم لہ و لغیرہ فی الجنۃ ھٰکذا
یعنی میں اور وہ شخص جو یتیم کی خبر گیری کرتا ہے جنت میں اس طرح ملے ہوئے ہونگے جس طرح دو انگلیاں
باہم ملی ہوئی ہیں۔ ایک سچے مومن کی آرزو اس سے بڑھکر کیا ہو سکتی ہے کہ وہ نہ صرف جنت
میں ہو بلکہ جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو۔ اس کے لیئے فرمایا کہ جو یہ
چاہتا ہے وہ یتیم کا کفیل بن جاوے خواہ وہ یتیم کوئی اپنا رشتہ دار ہو یا کوئی اور ہو۔

میرے دوستو! تم میں سے کون ہے جو یہ نہ چاہتا ہو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ جنت میں ہو پس چونکہ تم علیحدہ علیحدہ تو یتیموں کے کفیل بن نہیں سکتے اگر تم
اس ثواب میں شریک ہونا چاہو تو یتیم فنڈ کے لیئے کچھ اپنے ذمہ لگا لو خواہ وہ تھوڑی
رقم ہی ہو۔ یہاں انجمن کی زیر نگرانی تمھاری قوم کے بہت سے یتیم بچے پرورش پا رہے ہیں اور
بہت سے ہیں جن کی درخواستیں آئی ہیں پس تم میں سے جو شخص انکی پرورش کیلیئے
چندہ دیتا ہے وہ یتیم کی کفالت کرتا ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ ہماری جماعت کے مخلص جلد اس طرف توجہ کر کے یتیم فنڈ
کی موجودہ حالت کو ایسا بنانے کی کوشش کریں گے کہ اس کے لیئے دوبارہ مجھے
کہنے کی ضرورت نہ ہو۔ والسلام

نور الدین

مژدہ ہدیہ بیغیری یعنی تفسیر مظہری مصنفہ حافظ قاضی محمد ثناء اللہ صاحب پانی پتی

یہ امر تو مسلم ہے کہ بہترین مفسر معانی اسرار قرآنی ہی صلعم ہیں جبکہ اس تفسیر میں ہر آیت کی تفسیر آیات و احادیث و آثار سے ہی کیگئی ہے تو یہی تفسیر بہترین تفسیر ہے قاضی صاحب کو بوجہ انکے کمال تبحر کے انکے پیر صاحب علیہ الرحمۃ بلقب علم الھدیٰ اور شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی بلقب بیہقی ثانی فرمایا کرتے تھے ۱۳۰۵ھ مولوی رکن الدین صاحب حصاری نے ابتدائی چار سورتیں چھپوائیں اس سے آب پانچویں سورۃ مائدہ سے چھپوائی جا رہی ہے اور سورہ والناس تک بسلسل چھپوا کر انشاء اللہ ابتدائی چار سورتیں بھی چھپوائی جائینگی یہ تفسیر بے نظیر اب تک اس لیئے طبع نہ ہوئی کہ اسکے صرف پانچ ہی نسخہ جات قلمی ہند و بیرون ہند میں ہیں مختصر مضامین یہ ہیں شان نزول آیات تفسیر ہر آیت باحادیث مع تنقید روات تطبیق آیات با آیات مذاہب فقہاء اربعہ بیان مقطعات و محکمات بیان ناسخ و منسوخ منتفقہ صحابہ کرام سرایا و غزوات قصص احسنہ نکات تصوف تردید مذاہب معتزلہ وغیرہ

المشتہر:- مولوی محمد یٰسین رضا صاحب - میرٹھ - محلہ کوٹ دروازہ

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان سے مل سکتی ہیں۔ تمام خط و کتابت بنام منیجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور ہونی چاہیئے۔

الذکر ۲/
الوصیت ۱/
اجرومیہ عربی ۰/
اوامر نواہی عربی ۹/
اظہار حق ۵/
براہین احمدیہ مکمل چہار جلد عہ
برکات الدعا ۲/
پارہ الم ۲ وسیقول پارہ سوم ۲/
چشمہ مسیحی ۳/
رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء ۳/
سرمہ چشم آریہ اردو ۱۲/
سلسلہ دینیہ اردو عربی ۵/
ضرورت امام اردو ۱۰/
قرآن شریف خوشخط صحیح بے جلد عہ
مبادی الصرف اردو ۱/
ہدایات یسرنا القرآن اردو ۔/
یسرنا القرآن عربی ۱۰/
یسرنا القرآن اردو ۱/
نزول مسیح اردو ۴/
الحق لدھیانہ اردو ۶/

الحق دہلی اردو ۸/
اعجاز احمدی عربی ۳/
الہدیٰ عربی مترجم اردو ۶/
ابطال الوہیت مسیح اردو ۱/
اسلامی اصول کی فلاسفی اردو ۴/
تذکرۃ الشہادتین اردو ۵/
تذکرۃ الشہادتین فارسی ۳/
تقریروں کا مجموعہ اردو ۳/
تقریریں اردو ۲/
تحفہ قیصریہ اردو ۲/
تحفہ ندوہ اردو ۰/
جنگ مقدس اردو ۶/
حمامۃ البشریٰ عربی مترجم اردو ۸/
حجۃ الاسلام اردو ۱/
حضرت اقدس کا ریویو اردو ۰/
خطبہ الہامیہ عربی مترجم اردو فارسی عہ
خزینۃ المعارف حصہ اول اردو ۴/
خزینۃ المعارف حصہ دوم اردو ۸/
خلافت راشدہ حصہ اول اردو ۸/
خلافت راشدہ حصہ دوم اردو ۴/

دینیات کا رسالہ اردو ۱/
دعوۃ دہلی اردو ۱/
دعوۃ ندوہ اردو ۱/
دعوۃ الحق اردو ۳/
دافع البلا اردو ۱/
راز حقیقت اردو ۱/
سیرۃ الابدال عربی ۱/
سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب اردو ۲/
سناتن دھرم اردو ۱/
ستارہ قیصرہ اردو ۰/
شہادۃ القرآن اردو ۴/
صیان القرآن اردو ۳/
فضل حق اردو ۱/
کشف الغطاء اردو ۲/
لغات القرآن حصہ اول اردو عہ
لغات القرآن حصہ دوم اردو عہ
لیکچر لاہور اردو ۱/
لیکچر سیالکوٹ اردو ۱/
مواہب الرحمٰن عربی مترجم ۴/

نسیم دعوت ۔ اردو ۳ر
نور القرآن حصہ اول اردو ۲ر
متن اربعین عربی ۔ ر
حقیقت نماز اردو ۳ر
ردّ چکڑالوی اردو ۵ر
رسالہ احمدؐ انگریزی ۸ر
آسمانی فیصلہ اردو ۲ر
رسول اللہؐ کے احکام کی تعمیل اردو ۳ر
قصہ قارون ۱۶ صفحہ اردو ۔ر
ٹیچنگ آف اسلام مجلد انگریزی ۱۳ر
" بے جلد " ۱۲ر
قاعدہ سنسکرت معہ اردو ۱۶ صفحہ ۔ر
سیرۃ المسیحؑ اردو ۸ر
مسک العارف عربی ۱ر
رسالہ گوشت خوری اردو ۲ر
مکتوبات محمدیہ اردو ۴ر
قصائد احمدیہ عربی ۶ر
نماز مترجم ۔ر
تائید مسیح منظوم پنجابی ۲ر
مسلمانوں کا خدا اور اسکے حضور دعا اردو ۲ر

مجموعہ آمین منظوم اردو ۔ر
پنج ارکان اسلام منظوم اردو ۱ر
تفسیر براہین اول یعنی تفسیر سورہ فاتحہ منظوم پنجابی ۱ر
تفسیر براہین دوم یعنی تفسیر پہلا پارہ منظوم پنجابی ۳ر
شرح ترمذی حصہ اول عربی ۶ر
" حصہ ثانی " ۶ر
قاعدہ اردو و عربی نواب صاحب ۱ر
سلاسل القراۃ حصہ سوم عربی ۳ر
" حصہ چہارم " ۴ر
سلاسل الفضائل عربی ۱ر
سلاسل التعلیم عربی ۲ر
مباحثہ رامپور اردو ۱ر
حیرت کی حیرانی حصہ اول اردو ۵ر
" حصہ دوم " ۴ر
باغ بہار یعنی فضائل حضرت عمر رضی اللہ عنہ منظوم پنجابی ۱ر
احمدی کا امن منظوم پنجابی ۱ر

ہدیہ تائب منظوم اردو ۲ر
جام شہادت منظوم اردو ۔ر
التبیان اردو ۲ر
جہاد سہ پنجابی منظوم ۔ر
پارہ پنجم صحیح بخاری اردو
شرح نیل الاوطار ۸ر
ہدیہ سعدیہ عربی مباحثہ بالملیہ درباره تعزیت ۳ر
براہین احمدیہ اول ایڈیشن حصہ اول ۵ر
" حصہ دوم ۴ر
" حصہ سوم ۱۰ر
کتاب المسامرہ مصری عربی علم کلام
التقریر والتحبیر مصری علم اصول
شرح ابن الہمام بہامشہ منہاج الصفا ۳ جلد
کشف الاسرار شرح المنار مصری علم اصول ۲ جزو عربی
تقریب المرام شرح تہذیب الکلام مصری عربی جزو اول و دوم ۱۲ر
شفاء السقام مصری عربی ۶ر
وفائق الاخبار فی ذکر الجنۃ والنار مصری عربی ۳ر
شرح ابن حجر علی مختصرۃ الفکر مصری عربی اصول حدیث ۲ر
جزیرہ مصری عربی
حاشیۃ اللباب ملیدانی ۲ جزو
مختصر المعانی و مواہب الفتاح و عروس الافراح و الایضاح شرح تلخیص المفتاح و حاشیہ الدسوقی مختصر المعانی ۴ جزو مصری عربی

الدین الخالص ۲ جلد عربی
فتاویٰ عالمگیری نصف آخر

مطبع میگزین قادیان میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۱ | بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۲ء | نمبر ۴

چندہ سالانہ — عوام سے عہ طلباء سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- اپریل سنہ ۱۹۱۲ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

(۲)

قصائد احمدیہ

منزل الامام

حجۃ الاسلام

حضرت اقدسؑ کی اُردو اور فارسی نظمیں تو پہلے الگ شائع ہو گئی ہیں مگر ابتک آپکے عربی قصائد الگ رسالہ کی شکل میں شائع نہیں ہوئے تھے اب عربی قصائد بھی جمع کر کے ایک کتاب کی شکل میں شائع کیے گئے ہیں۔ یہ قصائد نہ صرف معارف و اسرار سے لبریز ہیں اور حمد الٰہی اور نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے خزائن اور حضرت اقدسؑ کے دلائل سے پُر ہیں بلکہ عربی سیکھنے کا بھی ایک اعلیٰ ذریعہ ہیں۔ یہ کتاب ۵۸ صفحوں پر ختم ہوتی ہے قیمت صرف ۸/ شائقین دفتر میگزین قادیان سے طلب کریں ۔

قاعدہ یسرنا القرآن

یعنی عربی کا قاعدہ جس کے پڑھنے سے ایک بچّہ چھ ماہ میں قرآن شریف ختم کر لیتا ہے۔ ایسا مفید ثابت ہوا ہے اور اسقدر اس کی مانگ بڑھ گئی ہے کہ اب اس کا چوتھا ایڈیشن بھی قریب الاختتام ہے اور کچھ دنوں بعد احباب کو پانچویں ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا ۔

پارہ اوّل دوم۔ سوم

چونکہ ایسے قرآن شریف یا علیحدہ پارے بہت کم ملتے ہیں جنپر اعراب صحیح لکھے ہوں اور قاعدہ یسرنا القرآن ختم کر کے بچّے آسانی قرآن شریف پڑھ سکیں۔ ہم نے یہ دِقّت محسوس کر کے قاعدہ یسرنا القرآن کی طرز پر پارہ اوّل دوم۔ سوم خاص اہتمام سے چھپوائے ہیں۔ جو احباب اپنے بچّوں کو قاعدہ یسرنا القرآن شروع کرواتے ہیں۔ اُنہیں چاہیئے کہ قاعدہ ختم ہونے پر پہلے یہ پارے پڑھوائیں تا بچّہ کو قرآن شریف پڑھنے میں دِقّت نہ ہو۔ یہ پارے اُن بچّوں کے لیئے بھی مفید ہیں جو دوسرے قاعدے پڑھتے ہیں۔ کیونکہ انپر اعراب بہت صحیح اور اپنے اپنے موقعہ پر دیئے ہیں ۔

نیز ہم نے ایسے قرآن شریف بھی منگوائے ہیں جو نسبتًا بہت صحیح ہیں اور اعراب اپنے اپنے موقعہ پر صحیح دیئے ہیں۔ ہماری رائے میں عام قرآن شریفوں کی نسبت انپر پڑھنے سے بچّوں کو بہت سہولت ہوگی۔ تینوں پارے ۱/ فی پارہ کے حساب سے اور قرآن شریف بے جلد ۱۲/ ہر دفتر میگزین قادیان سے مل سکتے ہیں ۔

(مینیجر میگزین)

اطلاع ۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت اپنے نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرماویں۔ (مینیجر)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کیا احکام قرآنی دربارہ جہاد منسوخ شدہ ہیں؟

ہمارے مضامین دربارہ اشاعت اسلام پر جو اسی رسالہ کی جلد ۹ و ۱۰ سنہ ۱۹۰۹ء میں نکل چکے ہیں بعض معترضین کی طرف سے اعتراض اُٹھایا گیا ہے اور سورہ توبہ کی چند آیات کو پیش کر کے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان آیات کو جن میں بقول معترضین مخالفین اسلام کے ساتھ بلا دریغ اور بغیر کسی وجہ خاص کے مقاتلہ کا حکم ہے یا تو جان بوجھ کر پبلک سے چھپایا گیا ہے یا ایڈیٹر رسالہ ہذا اِن سے ناواقف تھا اِن اعتراضات میں اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ ہمارے متذکرہ بالا مضامین "اشاعتِ اسلام" میں اکثر آیات ایسی درج کی گئی ہیں جو مندرجہ ذیل آیات کی رو سے منسوخ شدہ ہیں۔ اور وہ ناسخ آیات یہ ہیں:۔

(۱) فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ وَخُذُوۡهُمۡ وَاحۡصُرُوۡهُمۡ وَاقۡعُدُوۡا لَهُمۡ كُلَّ مَرۡصَدٍ ۚ فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝

(ترجمہ) اور جب حرمت کے مہینے گذر جاویں پس مشرکین سے لڑو جہاں تم اُنکو

پاؤ اُن کو پکڑو۔ اور اُن کے لئے ہر ایک کمینگاہ میں بیٹھو۔ لیکن اگر وہ توبہ کریں اور نمازیں ادا کریں اور زکوٰۃ دیں پس اُن کا راستہ چھوڑ دو۔ تحقیق اللہ غفور رحیم ہے۔

(۲) قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝

(ترجمہ) لڑو اُن لوگوں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور نہ حرام ٹھیراتے ہیں اُس چیز کو جسے اللہ نے حرام کیا اور اُس کے رسولؐ نے اور نہ دین حق پر چلتے ہیں اُن لوگوں سے جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ محکوم ہو کر اور ذلیل ہو کر جزیہ دیں۔

معترضین نے اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ جہاد کے تمام احکام منسوخ ہو چکے ہیں مندرجہ ذیل آیت پیش کی ہے:۔

مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

(ترجمہ) جو آیت کہ ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں ہم اُس سے بہتر یا اُسی کی مانند اور لے آتے ہیں۔ جانے رہو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اعتراض کی اصل حقیقت ظاہر کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً مسئلہ نسخ کے متعلق کچھ بیان کیا جاوے۔ اگرچہ یہ بحث مفصل طور پر اسی رسالہ کی جلد ۶ ۱۹۰۷ء میں بیان کی جا چکی ہے۔

سب سے زیادہ ضروری بات جس پر ہمیں غور کرنا ہے یہ ہے کہ آیا کسی آیت قرآنی کی تنسیخ قرآن شریف کے رُو سے جائز بھی ہے یا نہیں؟ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ اس لئے اسکی منسوخی بھی اُسی کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ قرآن شریف اسی کا قانون ہے اور وہی اس میں کسی قسم کی تنسیخ کر سکتا ہے۔ لیکن کسی ایک جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہیں

فرمایا کہ ہم نے فلاں فلاں حکم دیا تھا جو کہ اب فلاں فلاں طریقہ سے ترمیم کیا جارہا ہے خصوصاً کوئی ایسی آیت نہ پاؤ گے جس میں لکھا ہو کہ جہاد کے بارے میں جو احکام ہم دے چکے ہیں وہ اب تمام کے تمام منسوخ کیئے جاتے ہیں اور آئیندہ تمھیں عام حکم دیا جاتا ہے کہ کافروں کو بلاوجہ بھی قتل کر دیا کرو۔

ایک اور بات بھی قابل غور ہے وہ یہ کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا آپ کے صحابہؓ نے آپ کی زبان مبارک سے سُنا اور کاتبان وحی نے لکھ لیا۔ اس لیئے اُس کا (قرآن مجید کا) ایک لفظ بھی بغیر حکم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منسوخ شدہ قرار نہیں دیا جا سکتا تھا مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارہ میں کسی قسم کا کوئی حکم موجود نہیں اس لیئے نسخ کا خیال بالکل غلط ہے اور ہم اس بارہ میں بھی معترضین اسلام اور قائلین ناسخ منسوخ کو بڑے زور سے کہتے ہیں کہ اس دعوے کے مخالف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح حدیث یا روایت پیش کریں۔ ہم یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کے مخالفین ایک بھی صحیح حدیث پیش نہیں کر سکتے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آیت قرآنی کو منسوخ شدہ قرار دیا ہو مندرجہ بالا دعووں سے جو سراسر واقعات پر مبنی ہیں ایک طالب حق اس نتیجہ پر بآسانی پہنچ سکتا ہے کہ بعض آیات قرآنی کے منسوخ ہونے کا دعویٰ ایک بے دلیل دعویٰ ہے۔

اب مَیں اُس آیہ کریمہ کی طرف رجوع کرتا ہوں جو نسخ کی تائید میں پیش کی جاتی ہے۔ ایک آیت کے صحیح معنے دریافت کرنے کے لیئے بعض اوقات یہ ضروری ہوتا ہے کہ اُس کا ماسبق اور مابعد دیکھا جائے کیونکہ کسی قرآنی آیت کو اپنے سیاق و سباق سے علیحدہ کرنے سے منشائے قرآنی کے بالکل فوت ہو جانے کا احتمال ہوتا ہے جیسا کہ اگر کسی دوسری کتاب کے چند الفاظ اپنے سیاق و سباق سے علیحدہ کر دیئے جائیں تو ممکن ہے کہ الفاظ بالکل بے مطلب رہ جائیں بعینہٖ یہی حال آیات قرآنی کا ہے کہ جب تک آیات قرآنی کو اپنے سیاق و سباق کے ساتھ ملا کر نہ پڑھا جاوے اُن کے معانی کی اصل حقیقت کھلنی بعض اوقات دشوار ہو جاتی ہے ذیل میں ہم اسی آیت زیر بحث کو اپنے سیاق و سباق کے ساتھ ملا کر لکھتے ہیں تاکہ

ناظرین پر اس کی اصل حقیقت کھل جاوے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسٰى مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

(ترجمہ) وہ لوگ جو اہل کتاب اور مشرکین میں سے اسلام کے منکر ہیں وہ نہیں چاہتے کہ تم کو کوئی بھلائی (وحی۔ الہام) اپنے پروردگار کی طرف سے پہنچے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے خاص فضل ورحمت کے لئے چُن لیتا ہے کیونکہ وہ بڑا صاحب فضل ہے جب کوئی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اُس سے بہتر یا اس کے برابر اور لے آتے ہیں۔ تاکہ تُو جانے رہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ تُو جانے رہ کہ اللہ تعالےٰ ہی کے لئے زمین آسمان کی بادشاہی ہے اور تمہارا ولی اور مددگار سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔ کیا تم اپنے رسولؐ سے سوال کروگے جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰؑ سے سوال کیا گیا؟ لیکن جس نے ایمان کے بدلے کفر بدل لیا وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔ بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ تم کو ایمان کے بعد پھر کفر پر واپس لے آئیں محض حسد کی راہ سے بعد اس کے کہ ان پر حق ظاہر ہوگیا۔ پس اُن کو معاف کر دے اور اُن کو چھوڑ دے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اپنے امر کے ساتھ آئے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ؛

آیات مندرجہ بالا میں یہود و نصاریٰ کو اس آنیوالے خطرہ سے آگاہ کیا گیا ہے جو

بصورت انکار رسالت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم و قرآن انپر ظاہر ہونے والا تھا۔ انہوں نے خدائی الہام و وحی پر مُہر لگا دی تھی یہود کا قول تھا کہ وہ خدا کے مقرب ہیں۔ انہوں نے چند ایک پیغمبروں کو منتخب کر لیا تھا اور باقی دنیا کو گمراہ سمجھتے تھے۔ اسی طرح نصاریٰ نے یسوع کو خدا ٹھیرا کر اللہ تعالیٰ کی وحی پر مہر لگا دی تھی۔ کہ یسوع کا خون تمام دنیا کی گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ اور اب انکے خیال کے مطابق کسی وحی کے آنے کی ضرورت نہ تھی۔ تمام اِن لوگوں نے مع اپنے متعلقین مشرکین عرب کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اور اُسے بالکل ردّ کر دیا اس لیئے اللہ تعالیٰ اُن کو انکی غلطی سے آگاہ کرتا ہے کہ اُس کا فضل لا انتہا ہے وہ جس پر چاہتا ہی اپنی رحمت نازل فرماتا ہے یہود و نصاریٰ نے نئی وحی کو بدیں وجہ ردّ کر دیا کہ وہ پُرانے احکامات کو جو اُن کے پاس تھے منسوخ کرتی تھی۔ اور اُن کا ایسا کرنا محض دشمنی کی وجہ سے تھا لیکن اللہ تعالیٰ اُن کو اطلاع دیتا ہے کہ اُس کی رحمت صرف ایک قوم تک محدود نہیں بلکہ وہ صاحبِ فضلِ عظیم ہے اور اگر اُسنے پُرانا قانون جو اُن (اقوام) کے پاس ہے منسوخ کر دیا ہے اور اُس کی جگہ بہتر قانون قرآن مجید کی شکل میں نازل کیا ہے تو انہیں اسپر ناراضگی ظاہر نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ جو "آیت (نشان یا کلام الٰہی) ہم منسوخ کرتے یا بھلا دیتے ہیں ہم اُس سے بہتر یا اُس کی مانند اور لے آتے ہیں کیونکہ جان تو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے" اس آیت کا آخری ٹکڑا یعنی "جان تو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے" ہماری مندرجہ بالا تشریح کی تائید کرتا ہے کیونکہ اُسمیں اللہ تعالےٰ کے نئے قانون نازل فرمانے اور پُرانے قانون کو منسوخ کر دینے کی قدرت ظاہر کی گئی ہے وہی خدا جس نے حضرت موسیٰؑ پر توریت نازل کی اس بات پر قادر تھا کہ وہ کسی دوسرے انسان پر اِس سے بہتر یا اُس جیسی کتاب نازل کرتا ؛

معترض نے نسخ آیاتِ قرآنی کی ثبوت میں جو آیت پیش کی ہے ہم نے اس کی کافی تشریح کر دی ہے اور اگر کوئی آدمی اس آیت پر سیاق و سباق کے ساتھ ملا کر غور کرے تو وہ فوراً اُسی نتیجہ پر پہنچ جائیگا جو اوپر بیان کیا گیا ہے اور اگر بالفرض ہم

صحیح اور اصلی تشریح کو بالائے طاق رکھکر معترض کے قول کو صحیح تسلیم کرلیں تب بھی اُس کا یہ دعویٰ کہ آیات ماسبق نے تمام دیگر احکامات دربارہ جہاد کو منسوخ کردیا ہے ثابت نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی آیات کے سمجھنے کے لیئے ہمارے لیئے خود ہی ایک معیار بیان فرمادیا ہے اور اگر معترض اُس پر کاربند ہوتا تو وہ ایسی غلطی میں پڑتا مندرجہ ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی غلطیوں سے بچنے اور فہم قرآن کے حاصل کرنیکے لیئے ایک قاعدہ مقرر کردیا ہے :۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۖ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ (آل عمران آیت ۶)

(ترجمہ) وہ جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس کی بعض آیات محکمات ہیں جو کہ اُمّ الکتاب ہیں اور بعض دوسری ہیں جو متشابہات ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ ڈھونڈنے کے لیئے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں اور اسکی تاویل ڈھونڈتے ہیں حالانکہ اس کی تاویل سوائے اللہ کے اور راسخون فی العلم کے کوئی نہیں جانتا وہ جو کہتے ہیں ہم سب پر ایمان لائے کیونکہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے مگر سوائے اولوالالباب کے کوئی نہیں سمجھتا ؛

اِن آیات میں جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے وہ بالکل صاف ہے ہر آیت کے معنے ایسے کرنے چاہئیں جو باقی قرآن شریف کے مخالف نہ ہوں کیونکہ "کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا" تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے" یہ قاعدہ ہے جس کو ہمیں آیات قرآنی پر غور کرتے وقت پیش نظر رکھنا چاہیئے قرآنی آیات کی تفسیر ایسے طریق سے کرنی چاہیئے کہ ایک آیت دوسری کے خلاف نہ ہو۔ اور اگر کسی آیت میں کسی قسم کا شبہ ہو۔ تو اس کے معانی و مطالب سمجھنے کے لیئے دیگر محکمات کیطرف رجوع کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ معانی جو دیگر آیات کے خلاف کیئے جاویں گے وہ مندرجہ بالا

بیان شدہ قاعدہ کے خلاف ہونے کے باعث قابل قبول نہیں ہو سکتے چونکہ "تمام اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے" اس لیئے قرآن شریف کی کوئی آیت کسی دوسری آیت کے خلاف نہیں ہوسکتی اور اسی دلیل سے نسخ کا خیال باطل ہے۔ قرآن شریف کی تمام آیات ایک دوسرے کے ساتھ باہمی مطابقت رکھتی ہیں۔ آیات مذکورہ بالا میں اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جو محکمات کو چھوڑ کر جن سے تمام قرآن شریف بھرا پڑا ہے خواہ مخواہ اختلاف میں پڑتا ہے سخت ناپسند کرتا ہے کیونکہ ایسے اشخاص کی عادت میں داخل ہے کہ صریح اور صاف معانی کو جو دیگر آیات قرآنی سے ثابت ہوں چھوڑ کر متشابہات کے معانی اپنی خودرائی سے کرنے لگتے ہیں اور اس طرح قرآن شریف میں اختلاف بیان خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ انکا مقصد محض نکتہ چینی کرنا ہوتا ہے نہ کہ اصل حقیقت معلوم کرنا؛

قرآن شریف کی ابتدائی مکی آیات سے لیکر انتہائی مدنی آیات کو بڑے غور و خوض سے چھان مارو تو صاف واضح ہوجائے گا کہ قرآن شریف نے ہر جگہ جنگوں کے بارے میں ایک ہی جیسا حکم دیا ہے؛

(۱) وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (پارہ دوم) اللہ تعالیٰ کی راہ میں اُن سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا؛

(۲) لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ نہیں منع کرتا تم کو اللہ ان لوگوں سے کہ نہ لڑیں تم سے دین کے معاملہ میں اور نہیں نکالا اُنہوں نے تم کو تمھارے گھروں سے یہ کہ احسان کرو تم اُن سے اور انصاف کرو اُن سے تحقیق اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے؛

(۳) وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ اور اُن سے لڑو یہانتک کہ زمین میں فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لیئے ہو جاوے یعنی جو شخص جس دین کا تابع ہو وہ اللہ کی خاطر اس کا تابع ہو کسی کے جبر و اکراہ سے کسی دین کا تابع نہ ہو؛

(۴) لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۔

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں کیونکہ حق و باطل کا فرق بخوبی ظاہر ہوچکا ہے ؛

اِس قسم کی آیات بار بار قرآن شریف میں مختلف جگہ آئی ہیں اور یہ سخت ناانصافی کی بات ہے کہ معترض اِن سب آیات کو صرف دو آیات کی بنا پر جن سے اُس نے غلط استدلال کیا ہے منسوخ قرار دے ؛

مکتہ چینوں کے لیئے جو ہر وقت قرآن شریف پر اعتراض کرنے کے عادی ہیں ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۔

"یعنی اگر یہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اسمیں بہت اختلاف ہوتا"۔

قرآن شریف کا دعویٰ ہے کہ اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ۔ جس کا بناوٹی کلام میں ہونا لازمی ہے کیونکہ بناوٹی بات کی ہمیشہ ہر ایک طریقہ سے پیش بندی کی جاتی ہے جو انسان ایک بناوٹی بات بیان کرتا ہے وہ کبھی اپنے اصول پر قائم نہیں رہتا بلکہ مختلف اور متضاد قسم کے جوڑ توڑ وں میں لگا رہتا ہے لیکن الہامی کلام میں یہ بات ہرگز نہیں پائی جاتی ۔ اب اسی آیت پر غور کرنے سے معترضین کے خیالات دربارہ نسخ کی قلعی کُھل جاتی ہے کیونکہ اس آیت کے بموجب احکام قرآنی ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہوسکتے ۔ اس میں ایک طرف اس قسم کے احکام نہیں ہوسکتے تھے جن میں لڑائی کرنے میں پیشدستی سے مناہی ہو اور جن کفار نے مسلمانوں سے لڑائی نہ کی ہو اُن سے لڑنے کی ممانعت ہو اور دشمنوں سے انصاف کا سلوک کرنے اور دین کے بارے میں کسی پر زیادتی نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہو اور دوسری طرف تمام کفار کا بلادریغ اور بلاوجہ قتل عام جائز قرار دیا جاوے اور اُن کو زبردستی اسلام لانے پر مجبور کیا جاوے ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو صاف الفاظ میں یہ کہے کہ اس کے احکام ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہوسکتے بلکہ اُن کا متضاد نہ ہونا اسکے کلام کی سچائی پر زبردست دلیل ٹھیرائی گئی ہو اس لیئے یہ ضروری بات ہے کہ کسی آیت کا ترجمہ یا تشریح کرتے وقت اس بات کو زیر نظر رکھا جائے ۔ کہ اس کا ترجمہ یا تشریح قرآن مجید کی باقی آیات میں سے

کسی کے خلاف نہ ہو۔ جب قرآن شریف نے اس قسم کے ضوابط مقرر کر رکھے ہیں تاکہ اس کے معانی سمجھنے میں کسی کو ٹھوکر نہ لگے تو یہ سخت ناانصافی کی بات ہے کہ معترضین پھر بھی یہی کہتے ہیں کہ قرآن شریف کی بعض آیات دوسری آیات کی ناسخ ہیں ؛

ایک زمانہ تھا کہ قرآن شریف پر یہ الزام لگایا جاتا تھا کہ اس میں اس قسم کی ظالمانہ تعلیم ہے کہ اگر مخالفین اسلام کو مذہب اسلام کے قبول کرنے میں ذرا بھی تامل ہو تو ان کو بے دریغ تہ تیغ کردیا جاوے گو بعض لوگ ابھی تک جہالت کے باعث اپنے قدیم خیالات پر قائم ہیں تاہم اکثر لوگوں نے قرآن مجید کی اصلی تعلیم کو خوبی سمجھ لیا ہے کہ وہ سراسر امن۔ راستی اور انصاف پر مبنی ہے اس لیئے مخالفین اسلام کو جب اس پہلو میں کامیابی کی امید نہیں رہی تو وہ اِن امن اور انصاف پھیلانے والے احکامات میں اپنی کج فہمی کے باعث بعض دوسری آیات کے من گھڑت معنے کر کے نسخ کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں۔ معترضین اسلام کے خیالات میں اس قسم کی تبدیلی ہمارے لیئے خوشی کا باعث ہے کیونکہ وہ اپنی اعتراض میں یہ امر تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن شریف نے اکثر مقامات میں محض اُن لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا ہے جو لڑائی میں پیشدستی کریں اور جب وہ صلح پر راضی ہوں تو فوراً صلح کرلی جاوے اور جو لوگ مسلمانوں سے ڈنگہ فساد نہ کریں اُنکے ساتھ امن و صلاحیت سے گذارہ کیا جاوے اور دین کے معاملہ میں ہرگز کسی قسم کی زبردستی نہ کیجاوے .... مگر اُن کا خیال ہے کہ جن آیات میں بے تعصبی، امن اور انصاف کی تعلیم دی گئی ہے وہ اُن دو آیات کے رُو سے جو اس مضمون کے شروع میں درج کی گئی ہیں منسوخ شدہ ہیں گویا دوسرے معنوں میں موجودہ قرآن شریف کا اکثر حصہ منسوخ شدہ ہے اگر میں اُن تمام آیات کو اسجگہ درج کردوں جو بقول معترض منسوخ شدہ ہیں تو یہ ایک لمبی چوڑی فہرست بنجاویگی تاہم ناظرین کی خاطر میں چند آیات ذیل میں درج کرتا ہوں جو بقول یسوعی معترضین منسوخ شدہ ہیں ؛ احکام قرآنی دربارہ جنگ حسب ذیل ہیں۔

(۱) وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ

لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (سورہ بقرہ آیت ۱۸۶) اللہ تعالیٰ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

(۲) فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۹۰) اور جو تم پر زیادتی کرے تم اسپر اسی کی مانند زیادتی کرو اور اللہ سے ڈرو اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔

(۳) فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْھِمْ سَبِیْلًا (سورہ نساء آیت ۹۲) اگر تم سے کنارہ کریں پھر نہ لڑیں اور تمھارے پاس صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ نے اُنپر تم کو لڑنیکا اختیار نہیں دیا۔

(۴) قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ یَّنْتَھُوْا یُغْفَرْ لَھُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (انفال آیت ۳۹) کہ اُن کفار کو کہ اگر وہ باز رہیں (مسلمانوں کے ساتھ لڑنے سے) تو اُن کے گذشتہ جُرم معاف کر دیئے جائیں گے۔

(۵) وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَھَا وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ (انفال آیت ۶۹) اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کے لیے جھک جا اور اللہ پر توکل کر۔

(۶) وَاِنْ نَّکَثُوْا اَیْمَانَھُمْ مِّنْ بَعْدِ عَھْدِھِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ فَقَاتِلُوْا اَئِمَّۃَ الْکُفْرِ اِنَّھُمْ لَا اَیْمَانَ لَھُمْ لَعَلَّھُمْ یَنْتَھُوْنَ۔ (توبہ) اور اگر وہ عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور تمھارے دین میں طعن کریں پس کفر کے سرداروں سے لڑو کیونکہ یہ لوگ بدعہد ہیں تاکہ وہ باز رہیں۔ (آیت کے آخری حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بدعہدوں سے لڑنا محض اُن کو شرارت سے آیندہ باز رکھنے کے لیے ہے)

جنگ بدر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ کلام نازل کیا:۔

(۷) اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَکُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَھُوْا فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِیَ عَنْکُمْ فِئَتُکُمْ شَیْئًا وَّلَوْ کَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰہَ

مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ (انفال آیت ۱۹) (اے مکہ والو) اگر تم فتح چاہتے ہو پس فتح تمہارے پاس آگئی ہے۔ یہ تمہارے لیئے بہتر ہوگا کہ تم لڑائی سے باز رہو لیکن اگر تم پھر لڑائی کی پس ہم بھی کرینگے اور تمہارے لشکر کی کثرت تمہارے کسی کام نہ آئے گی کیونکہ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے۔

(۸) وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ۔ (توبہ آیت ۶)
اگر مشرکین میں سے کوئی تیری پناہ مانگے تو اسکو پناہ دے تاکہ وہ خدا کا کلام سن لے تب اسے امن کی جگہ پہنچادے یہ اس لیئے کہ وہ لوگ جانتے نہیں۔

(۹) وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا۔ (مائدہ۔ آیت ۲) خبردار اُن لوگوں کی مخالفت جنہوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا ہے تمہیں زیادتی کرنے پر آمادہ کرکے مجرم نہ بنادے۔

(۱۰) وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (نحل آیت ۱۲۶) اور اگر اُن کو سزا دو تو اتنی دو جتنی تم کو تکلیف دی گئی تھی۔

(۱۱) لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝
(الممتحنہ آیت ۸) اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور نہ تم کو گھروں سے نکالا نیک سلوک کرنے اور انکے ساتھ انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ منصفوں کو پسند کرتا ہے۔

(۱۲) مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا۔ (المائدہ۔ آیت ۳۲) جس نے ایک جان کو بغیر جان کے (یعنی بغیر قصاص کے) یا زمین میں فساد کرنے کے قتل کیا تو گویا کہ اُس نے تمام لوگوں کو قتل کیا۔

(۱۳) فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝
(التوبہ آیت ۷) جبتک وہ تمہارے ساتھ (عہد پر) قائم ہیں تم انکے ساتھ عہد پر قائم رہو۔ کیونکہ

اللہ تعالیٰ متقیوں کو پسند کرتا ہے ؛

قرآن مجید نے بہت واضح طور پر بیان کردیا ہے کہ اسلام کا قبول کرنا لوگوں کی مرضی پر موقوف ہے کیونکہ زبردستی کسی شخص کو حقانیت پر نہیں چلایا جا سکتا۔ یہی ہمارے رسول کریم صلعم کا اسوہ حسنہ تھا کہ حضورؐ نے دین کے بارے میں کسی جگہ بھی سختی کو استعمال نہیں کیا مندرجہ ذیل آیات قرآنی اس معاملہ پر مزید روشنی ڈالتی ہیں ؛

(۱۴) وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف آیت ۲۹)
اور کہہ یہ اللہ کی طرف سے حق ہے پس جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے ؛

(۱۵) قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَ مَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ (یونس آیت ۱۰۸) کہ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا پس جو کوئی ہدایت پاوے وہ اپنے نفس کے لیے پاتا ہے اور جو گمراہ ہو پس اس کا وبال اسی پر ہے اور میں تم پر وکیل نہیں ؛

(۱۶) نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ (سورہ ق آیت ۴۵)
ہم خوب جانتے ہیں جو وہ تیری نسبت کہتے ہیں اور تو انپر زبردستی کرنے والا نہیں ؛

(۱۷) فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۔ (الشوریٰ آیت ۴۸)
پس اگر وہ تجھ سے منہ پھیر لیں۔ پس ہم نے تجھ کو انپر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ؛

(۱۸) وَ مَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ۔
(انعام آیت ۱۰۸) اور ہم نے تجھ کو انپر نگہبان نہیں بنایا اور نہ تو انپر وکیل ہے ؛

(۱۹) فَذَكِّرْ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیہ آیت ۲۱-۲۲)
پس یاد کرا کیونکہ تو صرف یاد کرانے والا ہے تو انپر داروغہ نہیں ہے ؛

(۲۰) اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ (فاطر آیت ۲۲-۲۳) تحقیق اللہ سناتا ہے جسے چاہتا ہے اور تو انکو

نہیں سنا سکتا جو قبروں میں ہیں تُو تو ایک نذیر ہے اور بس ؛

(۲۱) اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَلَوْ کَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ (یونس آیت ۴۴)

کیا تُو اندھوں کو ہدایت دے سکتا ہے خواہ وہ بصیرت نہ رکھتے ہوں ؛

(۲۲) فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ

(الانعام آیت ۱۲۶) پس جسکے لیے اللہ ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھولدیتا ہے ؛

(۲۳) لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدٰھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ

(البقرہ آیت ۲۷۲) تجھ پر کسی کا ہدایت دینا نہیں لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ؛

(۲۴) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ (المائدہ آیت ۱۰۵) اے مومنو اپنے نفسوں کی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا ؛

(۲۵) وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (یونس آیت ۹۹) اگر تیرا رب چاہتا تو تمام لوگ جو زمین پر ہیں ایمان لے آتے کیا تُو لوگوں پر زبردستی کرے گا کہ وہ ایمان لے آویں ؟

قرآن شریف میں ہمیں اس بات کا پتہ تک نہیں ملتا کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے رسول مقبولؐ کو تلوار کے زور سے اسلام کو پھیلانے کا حکم دیا ہو۔ برخلاف اس کے اشاعت اسلام کا جو طریقہ رسول مقبولؐ نے سکھلایا وہ دو الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے یعنی

"با امن تعلیم"

قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات ہمارے اس دعوے کی شاہد ہیں ۔

(۲۶) اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (النحل آیت ۱۲۵) اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور نیک

نصیحت کے ذریعہ بلا اور اُن سے بہتر طریق پر مجادلہ کر۔

(۲۷) وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنکبوت آیت ۴۶)

اور اہل کتاب سے نہایت احسن طریق پر مجادلہ کرو۔

(۲۸) قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف ۱۰۸) کہ یہ میرا راستہ ہے میں بصیرت کے ساتھ خدا کی طرف بلاتا ہوں میں اور میرے تابعدار۔

(۲۹) وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (بنی اسرائیل آیت ۵۳)

اور میرے بندوں سے کہہ کہ وہ بات کہا کریں جو سب سے اچھی ہو۔

(۳۰) وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الانعام آیت ۱۰۹)

اور نہ گالی دو اُن کو جو خدا کے سوائے پکارتے ہیں۔

(۳۱) لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (سورہ البقرہ آیت ۲۵۶)

دین میں زبردستی نہیں حق باطل سے جدا ہو گیا ہوا ہے۔

قرآن شریف نفاق یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام پر سچا ایمان نہ ہونے کو بہت بُرا جانتا ہے اور اس لیئے رسول کریم صلی اللہ علیہ سلم کو دین اسلام کے زبردستی پھیلانے کا حکم نہیں دیا جا سکتا تھا کیونکہ جو لوگ زبردستی دین میں داخل کیئے جاویں وہ بجائے مخلص ہونے کے منافق ہوا کرتے ہیں جن کے بارے میں مندرجہ ذیل احکام قرآنی ہیں:-

(۳۲) اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا (النساء آیت ۱۴۰)

تحقیق اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔

(۳۳) اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا (النساء آیت ۱۴۵) اور منافقین دوزخ کے نچلے درجے میں ہونگے اور تو انکے لیئے کوئی مددگار نہ پائیگا۔

کیا ان آیات کی موجودگی میں یہ قابل افسوس بات نہیں ہے کہ معترض یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مخالفین اسلام کو منافق بنا دینے کے لیئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

تلوار چلانے کا حکم دیا ہو جو کفار سے بھی بہت بُرے خیال کیئے گئے ہیں؟؛

آیات مندرجہ بالا پر سرسری نظر کرنے سے ہی ناظرین اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اگر ہم اُن ہر دو آیات کو جو اس مضمون کے شروع میں دی گئی ہیں آخری حکم تصور کریں۔ جسکے رُو سے قرآن کی تمام منصفانہ اور باامن تعلیم جو اُن سے پہلے نازل ہو چکی تھی منسوخ کی گئی تھی تو دوسرے الفاظ میں اس کا یہ مطلب ہوگا کہ گویا سارا نہ سہی تاہم قرآن مجید کا اکثر حصہ منسوخ شدہ قرار دیا جاوے گویا ان دو آیات نے وہ تمام احکامات منسوخ کر دیئے ہیں (۱) جنہیں صرف اُن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے جو مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اُٹھائیں۔ (۲) اور جن میں اُن کفار کے ساتھ جو مسلمانوں کے ساتھ باامن رہیں نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے (۳) اور جن میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف سچّا دلی ایمان قابل قبول مانا گیا ہے اور نفاق کو کفر سے بھی بڑھکر بُرا سمجھا گیا ہے (۴) اور جن میں یہ صریحاً حکم دیا گیا ہے کہ کسی انسان کو زبردستی کے ساتھ سچائی پر نہیں چلایا جا سکتا (۵) اور کہ جن میں کہا گیا ہے کہ یہ پیغمبر جبر کے ساتھ لوگوں سے اسلام منوانے کے لیئے نہیں بھیجا گیا۔ مختصراً یہ کہ معترض کے اِس دعوے کے رُو سے کہ اِن ہر دو آیات مذکورہ بالا نے تمام غیر مسلموں کو بلا دریغ تہ تیغ کر دینے کا حکم دیا ہے اور مسلمانوں کو ہر ایک کافر سے لڑنے کا حکم دیا ہے یہ نتیجہ نکلا کہ قرآن شریف کے وہ احکامات (جنسے قرآن شریف کا اکثر حصہ بھرا پڑا ہے) جن میں انصاف اور امن کی تعلیم دیگئی ہے فضول اور ناکارہ قرار دیئے گئے ہیں اور مسلمانوں کے لیئے صرف دو آیات متذکرہ بالا ہی قابل عمل قرار دیگئی ہیں جن کا ذکر اس مضمون کے شروع میں کیا جا چکا ہے اور جن میں کہ بقول معترض مسلمانوں کو ہر ایک کافر کے مار ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے جسپر کہ وہ قابو پا سکیں۔ یہ سخت ناانصافی ہے کہ تمام قرآن شریف کو چھوڑ کر صرف دو آیات کے معنی اپنے مطلب کے موافق کر کے کوئی معترض اس قسم کا دعویٰ کرے جس کے رُو سے قریباً سارے کا سارا ہی قرآن شریف منسوخ شدہ قرار دیا جاوے حالانکہ قرآن شریف کا صاف حکم ہے کہ اس کے تمام کے تمام احکامات کو مانا جاوے اور جو لوگ بعض احکامات کو مانتے اور بعض کو متروک سمجھتے ہیں اُن کو عذاب سے ڈرایا گیا ہے جیسا کہ فرمایا

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ - الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ - فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ - عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ -

"جیسا اُتارا ہم نے اوپر تقسیم کرنے والوں کے جو قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں پس بخدا ہم اُن تمام سے پوچھیں گے اُن باتوں کی بابت جو انہوں نے کیں"

پھر فرمایا :-

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاۤءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

"کیا تم کتاب کے بعض (احکامات) پر ایمان لاتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو؟ پس اُس شخص کی کیا جزا ہو گی جو تم میں سے ایسا کرتا ہے سوائے دنیا کی رسوائی کے؟ اور آخرت کے دن اُن پر سخت عذاب کیا جائیگا۔ ہم اُس سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو"

اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو قرآنی احکامات کے ٹکڑے کرنے سے منع کیا گیا ہے اور تمام قرآن شریف پر جسمیں کسی قسم کا اختلاف نہیں عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اِن احکامات کی موجودگی میں ایسا خیال کرنا کیسا بیہودہ پن ہے کہ ایک طرف تو قرآن شریف مسلمانوں کو صریحاً دین میں زبردستی کرنے سے منع کرے اور پھر ساتھ ہی اسکے کفار کو جبراً مسلمان بنانے کا حکم دے۔

یسوعی معترضین بار بار اس آیت مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا۔ کو پیش کر کے بیہودہ دعوے کرتے ہیں کہ اِس آیت کے رو سے تمام وہ آیات جن میں مخالفین اسلام سے انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیا گیا ہے منسوخ شدہ ہیں حالانکہ ہم نے یہ واضح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ اس آیت کے رو سے جو نسخ ثابت ہوتا ہے وہ پہلی الہامی کتب کا ہے نہ کہ خود قرآن شریف کی دیگر آیات کا۔ اگر بالفرض ہم معترض کی پاسِ خاطر سے یہ مان بھی لیں کہ یہ نسخ قرآنی آیات کا ہی ہے تاہم موجودہ حالات میں معترض کو اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اس آیت کے رو سے ناسخ

آیات بہرحال یا تو منسوخ آیات جیسی ہونی چاہیئیں یا اُن سے بہتر مگر اُن سے بدتر کسی صورت میں نہ ہونی چاہیئیں۔ اگر ایک حکم دوسرے حکم سے بہتر ہے یا دو احکام ایک جیسے ہی ہیں تو وہ ایک دوسرے کے خلاف نہیں کہے جا سکتے۔ میں نے قرآن شریف کے رُو سے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ اس میں متضاد احکامات ہرگز نہیں ہیں پس اس آیت کے - - - - - - - جس کو عیسائی مصنفین اور معترضین نے بار بار بطور سند کے پیش کر کے قرآن شریف میں نسخ ثابت کرنے کی لاحاصل کوشش کی ہے تاہم اس سے کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید میں متضاد احکامات موجود ہیں۔ لیکن یسوعی معترضین کا قول ہے کہ قرآن مجید کے تمام وہ احکامات جن میں مخالفین اسلام کے ساتھ باانصاف اور باامن اور نیک طریقہ پر معاملات کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ اِن دو آیات مذکورہ بالا کے رُو سے جو میں نے شروع مضمون میں درج کر دی ہیں منسوخ ہو گئے ہیں جن میں (بقول معترضین) مخالفین اسلام کو مار ڈالنے اور اُن کو زبردستی مسلمان بنانے کے احکام دیئے گئے ہیں اب اس بات کا انصاف ہم ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ کیا یہ ہر دو احکامات ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہیں؟

قرآن شریف کا حکم ہے کہ:۔

(۱) وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (بقرہ - ۲۴)

اور لڑو خدا کی راہ میں اُن سے جو تم سے لڑیں اور ہرگز زیادتی مت کرو کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(۲) فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ (بقرہ - ۲۴)

اور جو تم پر زیادتی کرے تو تم اُس پر اُسی کی مانند زیادتی کرو اور اللہ سے ڈرو اور جانے رہو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

(۳) فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ

فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا۔

اگر وہ تم سے کنارہ کریں پھر نہ لڑیں اور تمہارے پاس صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ نے انپر تم کو لڑنے کا کوئی اختیار نہیں دیا۔

(۴) لَاۤ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ۔ دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

مندرجہ بالا آیات میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں :-

اوّل۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کفار پر پہلے حملہ کرکے زیادتی کے مجرم نہ بنیں۔

دوم۔ اگر مخالفین اسلام حملہ میں پیشدستی کریں تو مسلمان اُسی کی مانند جواب دیں۔ کیونکہ دفاعی جنگ میں بھی مسلمانوں کو زیادتی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی "ڈرو اللہ سے" ایک بہت سخت حکم ہے اور مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے کہ اگر دفاعی جنگ میں بھی وہ زیادتی کے مرتکب ہونگے تو اللہ تعالیٰ اُن کو سزا دیگا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ "اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے"۔ یعنی اگر وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو نہیں توڑینگے اور کفار کے ساتھ دفاعی جنگ کرنے میں زیادتی کے مرتکب نہ ہونگے۔ تو اللہ تعالیٰ اُنکی مدد کریگا ورنہ نہیں۔ کیا اس سے بھی زیادہ کوئی رحیمانہ حکم ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے دفاعی جنگ کے موقعہ پر اپنا خوف دلاکر زیادتی کرنے سے مسلمانوں کو منع فرمادیا ہے؟ اس بارہ میں صرف یہی ایک حکم نہیں ہے بلکہ مدنی صورتوں میں اس قسم کے احکامات بکثرت موجود ہیں جیسا کہ فرمایا :-

(۱) وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ...... وَاتَّقُوا اللّٰهَ (المائدہ آیت ۲) جن لوگوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا ہے اُنکی مخالفت کے باعث تم اُنپر زیادتی نہ کرو..... اور ڈرو اللہ سے۔

(۲) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...... وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدہ آیت ۸) اے مومنو! ..... کسی قوم کی مخالفت تم کو انصاف سے نہ روکے عدل کرو یہ تقویٰ سے نزدیک ہے اور ڈرو اللہ سے تحقیق اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو

متذکرہ بالا چند آیات سے کیسا صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہایت سخت دشمنوں سے بھی مساوات کے برتاؤ کا حکم دیا ہے ؛

سوم - اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ صلح کرنے پر رضامند ہوں اُن سے جنگ نہ کرنے کے بارہ میں تاکیدی حکم ہے - فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْھِمْ سَبِیْلًا - "یعنی تمھیں اُن سے لڑنے کی بالکل اجازت نہیں ہے" یہی نہیں بلکہ مخالفین کو اپنی مخالفانہ روش چھوڑ دینے کی ترغیب بھی دی گئی ہے اور اُن کو کہا گیا ہے کہ اگر وہ مخالفت کو چھوڑ دیں گے تو اُن کے گذشتہ قصور معاف کر دیئے جاویں گے - جیسا کہ فرمایا قُلْ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ یَّنْتَھُوْا یُغْفَرْ لَھُمْ مَا قَدْ سَلَفَ (انفال آیت ۳۹) "یعنی کفار کو کہدے کہ اگر وہ لڑائی سے باز رہیں تو اُن کے گذشتہ قصور معاف کر دیئے جاوینگے"

چہارم - مسلمانوں کو صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ دین کے بارے میں کسی پر زبردستی کرنی جائز نہیں لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قرآنِ پاک کا صاف اور صریح حکم ہے ؛

یسوعی معترضین بیان کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا آیات مع دیگر اسی قسم کی آیات کے اِن دو آیتوں کے رو سے جو کہ اس مضمون کے شروع میں درج کی گئی ہیں منسوخ شدہ ہیں گویا مطلب یہ ہوا کہ پہلے پہل اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اپنے مخالفین پر زیادتی کے مرتکب نہ ہوں اور اُنپر پہلے حملہ نہ کریں مگر بعد ازاں اُس نے اس حکم کے بدلے یہ نیا حکم جاری کیا کہ وہ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو کفار و مخالفین پر ہر قسم کی زبردستی کریں اور حملہ میں پیشدستی کریں کیا ایسا خیال کرنا سخت بے انصافی اور بہتان نہیں ہے ؟ سخت افسوس کی بات ہے کہ اس قسم کے متضاد احکامات اُس کتاب کی طرف منسوب کیئے جاویں جو کہ اپنے الہامی ہونے کے ثبوت میں عدم اختلاف کو بطور دلیل پیش کرے - مندرجہ بالا دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ یسوعی معترضین کا ایسا خیال کرنا سخت بیہودہ پن ہے کہ قرآن شریف کی ہر دو آیات زیرِ بحث نے باقی احکامات کو منسوخ کر دیا ہے - اگر ان کے خیال کے مطابق ہم نسخ آیات قرآنی جائز بھی سمجھ لیں تو بھی ناسخ احکامات یا تو منسوخ احکامات کی مانند ہونے چاہیئے تھے یا اُن سے بہتر - مگر یسوعی صاحبان

جن دو آیات کو ناسخ خیال کرتے ہیں وہ ایک سرسری نگاہ سے دیکھنے والے کے نزدیک بھی اُس مطلب کے لحاظ سے جو معترض اُن کا بیان کرتے ہیں منسوخ شدہ آیات سے بہتر تو کجا اُس کے برابر بھی نہیں ہوسکتیں خلاف ازیں حسب قول معترضین ناسخ احکامات قرآن شریف کی صریح تعلیم امن کے خلاف پڑے ہوئے نظر آتے ہیں جو کہ کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ (باقی دارد)

پارسی مذہب

پارسی لوگ زرتشت کے معتقد ہیں اور ان کی متبرک اور مقدس کتاب کو اوِیستا کہتے ہیں جب مسلمانوں نے ایران فتح کیا تو اس وقت ایران کا راج دھرم یہی مذہب تھا۔ لیکن اسلام کے عروج کے سامنے یہ ٹھیر نہ سکا۔ باوجودیکہ مسلمانوں نے پوری پوری مذہبی آزادی پارسیوں اور دوسرے مذاہب والوں کو عطا کی لیکن دین اسلام کو لوگوں نے ایسے شوق سے قبول کرنا شروع کیا۔ کہ دیکھکر تعجب آتا ہے۔ کتاب پریچنگ آف اسلام کا مسیحی مصنف اس مذہبی آزادی کے متعلق لکھتا ہے۔ "دو کہ پارسی مذہب کے علماء کو ریاست میں بڑا دخل تھا۔ اور اس دخل سے ناجائز فائدہ اُٹھاکر انہوں نے دوسرے مذاہب والوں پر ظلم کرنا اور دق کرنا شروع کردیا غیر مذاہب بھی کثرت سے موجود تھے۔ زردشتی مذہب کے مختلف فرقوں کے علاوہ ایران میں عیسائی۔ یہودی۔ صابی۔ اور دوسری قسم کے لوگ بھی موجود تھے جن میں ناسٹک۔ مونی کین اور بُدھ مذہب والوں کے خیالات پائے جاتے تھے۔ پھر جب اسلام کا زمانہ آیا اور پوری مذہبی آزادی ملی۔ تو وہ لوگ جو پارسیوں کے ظلم کا نشانہ بنے ہوئے تھے اب وہ ..... پھر پوری آزادی سے زندگی بسر کرنے لگے۔ صرف ایک ہلکا سا ٹیکس دینا پڑا مگر ساتھ ہی وہ فوجی خدمت سے سبکدوش کردیئے گئے۔" وہی مصنف اسلام کے حیرت انگیز عروج اور ترقی کے متعلق لکھتا ہوا کہتا ہے "یہ امر کہ ایسی حیرت انگیز ترقی اسلام کو بوجہ جبر کے

ہوئی غلط ہے اس وجہ سے کہ ایسے لوگ بھی موجود تھے کہ اپنے آبائی مذہب پر قائم تھے اور ان کو اپنے مذہبی فرائض کی ادائگی میں پوری پوری آزادی حاصل تھی۔ آج تک بھی آتش پرستوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ فارس کے بعض علاقہ جات میں پائے جاتے ہیں اور اگرچہ موجودہ زمانہ کے آتش پرستوں کو تکالیف کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی چند صدیوں تک ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ ان کے مندروں کو بڑی تحریم سے دیکھا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ المعتصم باللہ کے زمانے میں جس نے ۸۳۳ء سے ۸۴۲ء تک خلافت کی۔ ایک مسلمان سپہ سالار نے بدیں وجہ ایک امام مسجد اور ایک موذن کو پٹوایا کہ انہوں نے مقام صغد میں ایک آتش پرستوں کا مندر گروا دیا تھا اور اس کی جگہ ایک مسجد بنوالی تھی۔ جب مسلمانوں نے ایران فتح کیا تو اس سے تین سو سال یعنی دسویں صدی تک آتش پرستوں کے مندر عراق۔ فارس۔ کرمان سجستان خراسان۔ جبال۔ آذربائیجان اور ارآن یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ ایران کے تمام حصص میں پائے جاتے تھے۔ فارس میں تو کوئی ایسا شہر ہوگا جہاں کہ ایسے مندر نہ پائے جاتے تھے۔ شہرستانی بارھویں صدی کا مورخ لکھتا ہے کہ خود بغداد کے قریب اسفینیا میں گبروں کا ایک مندر موجود تھا۔ ان واقعات کے ہوتے ہوئے۔ یہ کہنا کہ زردشتی مذہب کو زوال اسوجہ سے آیا کہ مسلمانوں نے پکڑ پکڑ کر لوگوں کو اپنے دین میں داخل کرنا شروع کیا بالکل بے بنیاد . . . . ہے۔ مذکورہ بالا وجوہات کی وجہ سے اسلام کے اوائل ایام میں بہت سے ایرانیوں کا دین اسلام قبول کر لینا کوئی بعید از قیاس امر نہیں۔ لیکن پارسی مذہب کے پیرووں کا بہت زمانے تک ایران میں موجود رہنا اور گا ہے گا ہے انکا اپنے آبائی مذہب کو ترک کر کے اسلام میں داخل ہوتے رہنا بتلاتا ہے کہ لوگوں نے اسلام برضا و رغبت خود قبول کیا۔ اور انپر اس معاملے میں کسی قسم کا تشدد روا نہ رکھا گیا۔ اگر مابعد زمانے کی قبول اسلام کی مثالیں نسبتاً کم تھیں تاہم ان واقعات کے سلسلہ کا ساڑھے تین صدیوں تک جاری رہنا صاف طور پر شہادت دے رہا ہے کہ مجوس کو مسلمانوں کے عہد میں پوری پوری آزادی حاصل تھی۔ اور لوگوں نے جبر اور اکراہ سے نہیں بلکہ اپنی رضا اور رغبت سے اسلام قبول کیا۔"

موجودہ زمانے میں زرتشت کے پیرووں کی تعداد بیاسی ہزار سے زیادہ نہیں۔ ایران میں وہ کرمان۔ یزد اور طہران میں پائے جاتے ہیں لیکن ان کی بڑی تعداد بمبئی میں اور گجرات کے بعض شہروں میں پائی جاتی ہے۔ ہندوستان کے پارسی ان پارسیوں کی اولاد سے ہیں جو نہوند کی شکست کے بعد ۱۸؎۶۴۱ء میں ہندوستان میں چلے آئے اور بڑودہ کے ہندو راجہ نے انہیں اپنے ہاں جگہ دی۔ وہ ایک عجیب قسم کی ٹوپی پہنتے ہیں جو شکل میں گھوڑے کے سُم سے بہت مشابہ ہے۔ اور یہ اس وجہ سے اختیار کی گئی تھی کہ جس ملک میں وہ آکر آباد ہوئے۔ وہاں کے راجہ کی ماتحتی کا نشان ہے۔ نیند سے بیدار ہو کر پہلا کام جو دیندار پارسی کرتا ہے وہ صبح کی نماز کا ادا کرنا ہے۔ پھر اسکے بعد وہ اپنے مُنہ اور جسم کے دوسرے اعضاء پر نرنگ یعنی گوبر ملتا ہے تاکہ جن بھوت کا اسپر کوئی اثر نہ ہو سکے۔ وہ دو خداؤں پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ ہرمزد (یزدان) یعنی خالق خیر۔ اور دیو (اہرمن) یا خالق شر۔ ان کا خیال ہے کہ ان دو کی آپس میں ہمیشہ کشمکش لگی رہتی ہے لیکن ان کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ زرتشت سے تین ہزار سال بعد اسی کی نسل سے ایک نبی پیدا ہوگا جو خالق شر (شیطان) کو تباہ کر دیگا۔ اور دنیا کو ہر ایک قسم کی برائی سے پاک کر دیگا اور یزدان کے مذہب کو از سرِ نو ترقی دیگا۔ تعجب تو یہ ہے کہ تمام بڑے بڑے انبیاءؑ نے اپنے اپنے طور پر بلاواسطہ ایک ایسے نبی کی آمد کی پیشگوئی کی ہے کہ جو آخری دنوں میں آئیگا اور بدی کو جڑھ سے کاٹ دیگا۔ دنیا میں امن کا شاہزادہ ہوگا راستی اور صلحکاری کو پھیلائیگا اور دینِ حق کو تمام ادیان باطلہ پر حجت نیرہ سے غلبہ دلائیگا۔ علاوہ ازیں تمام مذاہب والے یہی کہتے ہیں کہ یہ نبی دنیا کے آخری ایام میں آئیگا۔ کیا مسلمان کیا ہنود کیا عیسائی کیا یہودی۔ کیا بُدھ مت والے کیا مجوس سب اسی کی انتظار میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ بزرگ نبی مشرق میں ظاہر ہوگا۔ حضرت یسعیا علیہ السلام فرماتے ہیں "وہ کس نے اس راست باز کو پورب کی طرف سے برپا کیا؟" یسعیا باب ۴۰ درس ۲۔ حضرت مسیح بھی اپنے عجیب طرز کلام میں مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہیں (متی باب ۲۴۔ ۲۷ و ۲۸) ہندوؤں کے نزدیک بھی اس اوتار کے آنیکی جگہ ہندوستان ہے جو کہ کلجگ یا بُرے زمانے کے آخر میں ہوگا

ہے۔ ان تمام پیشین گوئیوں کو اگر غور سے دیکھا جاوے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام ایک ہی موعود کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ وہ آنے والا آگیا۔ اور وہ حضرت احمدؑ قادیانی ہیں۔ اور بس۔ ایک اور تعجب انگیز امر یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ وہ فارسی النسل ہوگا۔ حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کے وجود باجود میں یہ تمام پیشگویاں پوری ہوئی ہیں فارسی النسل ہی تھے۔ آپ اپنے تمام نشانات کے ساتھ آئے۔ اور اپنے دعوے کو آپ نے بڑی بڑی عظیم الشان پیشگوئیوں سے ثابت کیا۔ آپنے جو تخم ریزی کی وہ آپ کی زندگی میں ہی بشکل ایک نازک پودے کے نمودار ہوگئی۔ اور وہ پودا دن بدن ترقی پر ہے۔ اور وقت پر وہ تمام دنیا میں پھیل جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ آپنے جو سلسلہ جاری کیا ہے اب وہ بظاہر بشکل ہلال نمودار ہے مگر اپنے وقت پر وہ بدر منیر ہونے والا ہے۔ اسوقت برائی کو زوال ہوگا۔ اور دنیا میں پاکیزگی اور تقدس کا بول بالا ہوگا۔

اب میں پارسی مذہب کی طرف پھر رجوع کرتا ہوں۔ پارسی مذہب کے رو سے انسان کی زندگی دو حصوں میں منقسم ہے ایک وہ زندگی جو وہ اس زمین پر گذارتا ہے دوسری زندگی جو بعد الموت شروع ہوتی ہے۔ حیات بعد الموت زمینی زندگی کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ انسان کے تمام خیالات۔ کلمات اور افعال ایک کتاب میں لکھے جاتے ہیں۔ نیک الگ اور برے الگ۔ نیک کاموں کے سبب برے کام زائل ہو جاتے ہیں ... کوئی شخص بہشت میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ ایک پل پر سے نہ گذرے جو بہشت کے راستہ میں واقع ہے اگر انسان کے نیک کاموں کی میزان اس کے برے کاموں کی میزان سے زیادہ ہو تو وہ سیدھا بہشت میں چلا جاتا ہے اور اگر برے کاموں کا پلڑا بھاری نکلے تو وہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہتا ہے اگر نیک و بد افعال وزن میں یکساں نکلیں تو وہ ایک درمیانی حالت میں رہتا ہے اور اس کی قسمت کا فیصلہ قیامت کے روز تک ملتوی رہتا ہے۔ زرتشت کی یہ تعلیم اسلام کی تعلیم سے بہت ملتی جلتی ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝ (انبیاء ع ۴)

اور حضرت زرتشت فرماتے ہیں کہ وہ میری اولاد میں سے ہوگا یا میرا روحانی بیٹا ہوگا

اور قیامت کے دن ہم ٹھیک ترازوئیں رکھیں گے پھر کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور جو رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اُس کو بھی (تولنے کیلئے) حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے کے لئے کافی ہیں ؛

پھر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ٥ (اعراف - ۱)

اور اُس دن ٹھیک تول ہوگی پھر جن کی تولیں بھاری ہوئیں وہی لوگ مراد پانے والے ہیں اور جن کی تولیں ہلکی ہونگی انہوں نے اپنے تئیں تباہ کیا یہ بدلہ ہے ہماری آیتیں جھٹلانے کا ؛

پھر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ٥ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ٥ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ٥ (القارعہ)

پھر جس کی تولیں (نیک اعمال کی) بھاری نکلیں گی تو وہ چین سے گذران کرے گا اور جس کے (نیک اعمال کی) تولیں ہلکی نکلیں گی اُس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا ؛

نیک کاموں کے سبب بُرے کاموں کے مٹ جانے کے بارے میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ ٥ اور دن کے دونوں سروں (کناروں) پر نماز کو درستی سے ادا کر اور رات کے ٹکڑوں میں کیونکہ نیکیاں بُرائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ اُن لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت مانتے ہیں (ہود - ۱۰) قرآن شریف نے صرف یہی نہیں کہا جیسا کہ زرتشت نے کہا ہے کہ نیکیوں سے بدیاں مٹ جاتی ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہا کہ بعض نیکیوں کے سبب پہلی بدیوں کی جگہ بھی نیکیاں ہی لکھی جاتی ہیں۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے :۔

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ٥ (فرقان - ۶)

یعنی جو سچی توجہ کرتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ؛

حضرت زرتشت علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں صرف انہی امور میں مشابہت نہیں ہے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ان کے علاوہ بھی ایسی باتیں ہیں جنکی تعلیم حضرت زرتشت علیہ السلام نے دی اور انہی باتوں کی تعلیم اُس سے بہتر اور زیادہ خوبصورت اور زیادہ کامل پیرایہ میں اسلام میں دی گئی۔ مگر اس جگہ گنجائش نہیں کہ ان سب امور کا بیان کیا جاوے۔ ان دو نبیوں کی تعلیم کی مشابہت قرآن شریف کی اُن آیات کریمہ کی تصدیق کرتی ہے جن میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی ایسی قوم نہیں جن میں کوئی نذیر نہ بھیجا گیا ہو اور یہ کہ کل نبی فداہ اُمی و ابی کوئی انوکھا رسول نہیں ہے ہاں خاتم النبیین ضرور ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ٥ (فاطر-۳) یعنی کوئی ایسی اُمت نہیں جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو۔ پھر فرمایا وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (یونس-۵) پھر فرمایا اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ٥ (رعد-۱) پھر فرمایا قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (احقاف-۱) یعنی کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مَیں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں۔ ایسا ہی خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (نساء-۲۳) اور بھیجے ہم نے رسول جن میں سے بعض کا ذکر ہم نے تجھ پر پہلے کر دیا ہے اور بعض کا ذکر تجھ پر نہیں کیا؛ یہ مشابہت اور مماثلت اس بات کا ایک یقینی ثبوت ہے کہ ہر دو نبیوں کی تعلیم ایک ہی سرچشمہ سے نکلی ہے اور وہ سرچشمہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ یہ مماثلت صرف حضرت زرتشتؑ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی تعلیموں تک محدود نہیں بلکہ یہ دنیا کے تمام انبیاءؑ کی تعلیم میں پائی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زرتشتؑ کی تعلیم میں جو مشابہت پائی جاتی ہے وہ صرف عام اصولوں تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ چھوٹی چھوٹی فروعات اور تشریحات میں بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اور حضرت زرتشت ؑ نے نہ صرف یہ تعلیم دی کہ مرنے کے بعد جنّت اور دوزخ ہر دو ہونگے بلکہ ان دونوں کے متعلق جو تشریح کی ہے کہ کس کس قسم کے آرام اور نعمار ملیں گے یا کس کس قسم کی تکلیفیں اور عذاب سہنے پڑیں گے ان میں بھی بڑی مشابہت پائی جاتی ہے جزوی تفصیلوں میں پلصراط کا وجود اور اُس کا بیان اسلامی تعلیم میں اس پُل کے ذکر سے بہت ملتا ہے جو پارسیوں کے عقیدہ کے بموجب جنّت میں داخل ہونے کے لیئے عبور کرنا پڑیگا۔ اس طرح کی گہری مماثلت کا ہونا ہمارے دل میں حضرت زرتشت ؑ کے لیئے اعلیٰ درجہ کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔ یقیناً آپ خدائے تعالیٰ کے سچّے فرستادہ ہیں۔ کیونکہ بہت ہی تھوڑے ایسے نبی ہیں جن کی تعلیم میں حضرت نبی کریم صلعم کی تعلیم سے اس درجہ کی مماثلت پائی جاتی ہے جیسے کہ حضرت زرتشت ؑ کی تعلیم میں پائی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (جیسا کہ میں کتاب ینابیع الاسلام پر ریویو کرتے ہوئے دکھا چکا ہوں) کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا کہ آپ زرتشتی مذہب کی تعلیم کے وقیق در دقیق بیانات کو اخذ کر لیتے بلکہ اس مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ ان ہر دو نبیوں کا معلم ایک ہی تھا یعنی اللہ تعالیٰ (ملاحظہ ہو کتاب ینابیع الاسلام پر ریویو)۔

صحابہ کرام رض نے بھی حضرت زرتشت کی وہی عزّت کی جو آپ کی شان کے مناسب حال تھی یعنی انہوں نے مجوس کو وہی رتبہ دیا جو نصاریٰ اور یہود کو دیا۔ اور ان سے ویسا ہی سلوک کیا جیسے کہ اور انبیاء کے اتباع سے جائز رکھا۔

پارسیوں میں جو جاہل لوگ ہیں وہ آگ پانی مٹی اور اجرام فلکی مثلاً سورج چاند اور دیگر ستاروں کی پرستش کرتے ہیں۔ لیکن ان میں جو سمجھدار لوگ ہیں وہ ان چیزوں کی اس لیئے عزّت کرتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ خدائے تعالیٰ کے عطیات میں سے ہیں۔ وہ بڑے شدومد سے اس امر سے انکار کرتے ہیں کہ وہ آتش پرست ہیں۔ پارسیوں کے وہ بزرگ جو ایران سے ہندوستان آئے اپنے ساتھ وہ اس متبرک آگ سے جو ایران کے آتشکدہ میں ہمیشہ سے جلتی آئی تھی چند انگارے اپنے ساتھ ہندوستان

میں لے آئے اور وہ آگ آجتک بمبئی میں پارسیوں کے آتشکدہ میں جلتی ہے۔ اور ان کا خیال ہے کہ اس آگ کو جلتے ہوئے قریباً تین ہزار سال کے قریب عرصہ گذرتا ہے ؁

پارسیوں میں رسم ہے کہ جب کوئی ان میں سے مرجاتا ہے تو اس کی لاش کو ایک خاص جگہ میں کھلا چھوڑ جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے جسم کو کُتّے اور گدھ اور دوسرے مردار خوار جانور کھا جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس رسم کی ابتدا وہ عزت ہے جو وہ عناصر کو دیتے ہیں۔ ان کے عقیدہ کے بموجب جس جسم سے روح نکل جائے وہ پلید اور نجس ہوتا ہے۔ اس لیئے وہ کبھی گوارا نہیں کرسکتے کہ آگ مٹی اور پانی جو اُن کے نزدیک نہائت مقدس عنصر ہیں اس پلید جسم کے ساتھ چھونے سے ناپاک ہوجائیں پس نہ تو وہ اُسے آگ سے جلائیں گے کیونکہ آگ اسطرح پلید ہوجائے گی۔ نہ اُس کو دفن کرینگے تا زمین ناپاک ہو جاوے اور نہ اُسے دریا میں بہا دینگے کیونکہ ایسا کرنے سے پانی نجس ہو جاوے گا۔ اس لیئے انہوں نے یہ تجویز کی کہ اس پلید چیز کو یا تو ہوا کے پرندیا بازاروں کے کُتّے کھا جائیں۔ یہ رسم گھناؤنی اور مکروہ تو ضرور ہے لیکن اس کے گھناؤنا پن اور کراہت کو ان لوگوں نے خاص قسم کے بُرج بنانے سے کچھ کم کردیا ہے ان برجوں کا نام ٹھوارس آف سائیلنس یعنی مینار خاموشاں ہے۔ مینار خاموشاں وہ جگہ ہوتی ہے جہاں کہ پارسی لوگ اپنے مردہ کو چھوڑ آتے ہیں بمبئی کے مینار خاموشاں اس دلکش شہر میں قابل دید عمارات میں سے ہیں۔ یہ مینار ملا بار پہاڑی پر واقع ہیں جو جزیرہ بمبئی میں سب سے اونچی جگہ ہے پانچ گول مینار ہیں جن کا محیط قریباً دو سو فٹ سے لیکر تین سو فٹ تک ہے۔ اور اونچائی ۳۰ فٹ۔ مینار کا احاطہ دیکھنے کے لیئے اجازت بڑی آسانی سے مل جاتی ہے لیکن کسی شخص کو اجازت نہیں کہ وہ پھلواڑی کے آگے جائے۔ جو کہ دروازہ کے پاس جنازہ پڑھنے کے مقام کے نزدیک ہی ہے۔ یہاں تک کہ قریبی رشتہ دار حق نہیں رکھتے کہ اس سے آگے جائیں۔ اس پھلواڑی سے جنازہ کو آگے پہنچانے کے لیئے چند آدمی مقرر

ہیں جن کا کام ہی یہی ہے - اور ان کے ہم مذہب لوگ ان کو نجس سمجھتے ہیں ان سے
چھونا ناپاکی خیال کرتے ہیں - پس وہ لاش کو اٹھا کر آگے لے جاتے ہیں اور میت کے
رشتہ دار وہیں اس باغ کے نزدیک آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کپڑے ٹانک کر
کھڑے ہوجاتے ہیں یہ اس امر کا نشان ہے کہ اس غم میں وہ سب برابر یکساں شامل
ہیں - میت کے اٹھانے والے اسے ایک تختہ پر ڈالکر ایک ڈھلوان راستہ سے
ایک لوہے کے دروازہ کی طرف لیجاتے ہیں جو کہ مینار کی دیوار کے وسط میں ہوتا ہے
یعنی مینار اُس دروازہ سے اتنا ہی اوپر ہوتا ہے جتنا کہ نیچے - میت اٹھانیوالوں
کے سوا اور کسی کو مینار کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے - پارسیوں کا عقیدہ
ہے کہ اگر ان شخصوں کے علاوہ کوئی اور آدمی مُردوں یا اُن کی ہڈیوں کو دیکھ پاوے تو
وہ ابدی لعنت کے نیچے آجاتا ہے اور دائمی عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے - جو نہ صرف
اس کی ذات تک محدود ہوتا ہے بلکہ اس کی اولاد بھی اس میں شامل ہوتی ہے -
مینار کے اندر کی طرف ایک بڑا گول لوہے کا جنگلا لگا ہوا ہوتا ہے جو ایک کوئیں کی طرف
ڈھلوان ہوتا ہے جو کہ مینار کی تہ میں ہوتا ہے اور اس جنگلہ میں لاشوں کے رکھنے کے
لیئے طاقچوں کی تین قطاریں ہوتی ہیں سب سے اندر کی قطار بچوں کے لیئے درمیانی عورتوں
کے لیئے اور بیرونی مَردوں کے لیئے ہے - میت اٹھانے والے میت کو ان طاقچوں میں
سے ایک میں رکھ دیتے ہیں اور کفن اُتار لیتے ہیں اور جسم کو بالکل ننگا اور برہنہ حالت
میں چھوڑ دیتے ہیں - جب وہ ہٹ جاتے ہیں تو گدھ اور دوسرے مردار خوار جانور جو
پہلے سے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں - جھپٹے مار کر مینار پر سے اور ارد گرد کے
درختوں پر سے اُڑ اُڑ کر آتے ہیں - ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں بس جسم ایک
مشت استخوان رہ جاتا ہے جس پر سے تمام گوشت نوچکر کھا جاتے ہیں - وہ ڈھیر کئی
دن وہیں پڑا رہتا ہے - اس کے بعد میت اُٹھانے والے پھر آتے ہیں اور ہڈیوں
کو اٹھا کر درمیانی کوئیں میں پھینک دیتے ہیں چنانچہ آہستہ آہستہ وہ استخوان بوسیدہ
ہو کر مٹی ہو جاتی ہیں - اس مینار کی چھت نہیں یعنی اوپر سے بالکل کھلا ہوتا ہے - اور

اس لیئے جب بارش ہوتی ہے تو اس مینار کے اندر بھی پانی برستا ہے۔ بارش کا پاک
و مطہر پانی لاشوں اور ہڈیوں سے ملکر پھر گندہ ہو جاتا ہے۔ چونکہ پانی بھی ایک مقدس
عنصر ہے اس لیئے اس کا پاک کرنا ضروری ہوتا ہے اس لیئے ایسا انتظام کیا گیا ہے
کہ مینار کا تمام پانی بہکر مرکزی کوئیں میں آجاتا ہے اور اس مرکزی مقام سے پھر چاروں
طرف نالیاں نکلتی ہیں۔ مینار کی دیواروں کے نیچے ہوکر یہ پانی کئی فٹ گہرے پسے ہوئے
کوئلے میں آملتا ہے اور جو غلاظت ہوتی ہے وہ کوئلے کے اندر رہ جاتی ہے اور پانی پاک
ہوکر نکل جاتا ہے اس سے آگے جاکر ریت اور کنکر کٹے ہوئے پڑے ہوتے ہیں
ان میں باقی کی رہی سہی غلاظت چھوڑ کر پانی پھر مصفا کا مصفا ہوکر باہر نکلتا ہے۔
اس طرح پانی صاف اور پاکیزہ بنکر یا تو سمندر میں بہ کر چلا جاتا ہے یا ارد گرد کی زمین کو سیراب
کرتا ہے۔ بمبئی کے پانچ میناروں میں سے ایک جی جی بھائی خاندان کے لیئے مخصوص ہے
جنہوں نے اسے بنوایا تھا اور ایک دوسرا مینار ایسے شخصوں کی لاشوں کے لیئے ہے جو
خودکشی یا کسی دوسری قسم کی حرام موت سے مریں۔ بعض لوگ تو ان میناروں کو اسلیئے
پسند کرتے ہیں کہ ان میں صحت کے امور کے متعلق کافی احتیاط سے کام لیا گیا ہے لیکن
اکثر لوگ جنہوں نے بچشم خود ان حالات کو دیکھا ہے وہ بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے
ہیں ان کے مقابلے میں ہندوؤں کا اپنے مردوں کو چتا پر جلا دینا اتنا بڑا نفرت انگیز معلوم
نہیں ہوتا۔ بیرونی طرف سے یہ سفید مینار بہت گھناؤنے معلوم نہیں ہوتے۔ جنازہ
پڑھنے کا مقام ایک سیدھا سادہ چبوترہ ہوتا ہے جو چاروں طرف سے کھلا ہوتا ہے
اور صرف اوپر چھت پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ پاس ہی ایک خوبصورت باغ ہوتا ہے جہاں کہ
ہر ایک طرح کے پھول اُگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بظاہر یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان
میناروں کے اندر وحشت خیز نظارے واقع ہوتے ہیں۔ لیکن سروں پر مردار خوار پرندوں
کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ ہر وقت اس ہوش ربا سانحہ کی یاد کو تازہ رکھتی ہے۔ مینار
کے کناروں پر ہزاروں جانور بیٹھے ہوئے منتظر ہوتے ہیں کہ کب کسی نازپروردہ انسان کی
لاش آئے اور کب وہ اسے اپنے پنجوں اور چونچوں سے چیر پھاڑ کر کھا جاویں۔ انکی نگت

کی سیاہی مینار کی سفیدی پر ایسی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ سفید دیوار پر ایک سیاہ حاشیہ لگا ہوا ہوتا ہے۔ ان جسیم بدصورت پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ درختوں پر بیٹھے ہوئے ان میناروں کو ایک آبادبستی کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔ اور جہانتک نظر کام کرتی ہے وہ چکر لگاتے اور ادھر اُدھر منڈلاتے دکھائی دیتے ہیں۔ جب یہ پرند میت والوں کی قطار کو سڑک پر آہستہ آہستہ چڑھتے دیکھتے ہیں تو پھر وہ نزدیک نزدیک چکر لگانے شروع کر دیتے ہیں۔ اور جب وہ قطار مینار کے احاطہ کے اندر آجاتی ہے تو یہ حریص قوم سب جمع ہو جاتی ہے۔ جونہی میت اٹھانے والوں نے لاش کو رکھا اور کفن کو ہٹایا بس زور سے آپڑتے ہیں اور بہت جلد چیرنے پھاڑنے کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ صریحا یہ نظارہ بڑا ہی نفرت انگیز اور مکروہ ہے مگر یہ نفرت اور کراہت اور بھی بڑھ جاتی ہے جبکہ ہم شہر میں سے گذرتے ہیں اور جگہ بجگہ کسی مشہور پارسی کا سنگ مرمر کا مجسمہ دیکھتے ہیں جس کے جسم کو یہی گدھ کھا چکے ہوتے ہیں۔ اور پھر جبکہ ہم کسی بڑے امیر اور تعلیمیافتہ پارسی کو جو سرکاری خطاب بھی اپنے نام کے ساتھ رکھتا ہے کسی بنک گھر کے مالک اور تجارت کے آقا ہونے کی حیثیت میں دیکھتے ہیں اور پھر خیال کرتے ہیں کہ آخر اس کے جسم کو بھی پرند کھا جائیں گے تو اس وقت کی نفرت جو انسان کے دل میں پیدا ہوتی اندازہ سے باہر ہے ؛

قبر کے اندر جو حالت لاش کی ہوتی ہے اور جو جو نقصان کیڑا لاش کو پہنچاتا ہے اسکو شعراء نے بڑے غم اور اندوہ کے لہجوں میں بیان کیا ہے۔ لیکن زمانہ اور رسم نے ان خوفناک تصویروں کا ڈراؤناپن دور کر دیا ہے۔ ہم کیڑے کو کم سے کم اپنی نظروں کے سامنے لاش کھاتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ لیکن یہاں تو گدھ دن دہاڑے اپنے شکار پر جھپٹے مار کر گرتے ہیں اور ہرروز یہ نظارہ تازہ بتازہ ہماری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے خیر کسی کی رائے ان میناروں کے متعلق اور جو کچھ ان کے اندر ہوتا ہے کچھ ہی نہ ہو۔ اور ان کالے پروں والے تیز چونچوں والے دربانوں اور میناروں کے ہمسایوں اور آباد کرنے والوں کے متعلق اسکے کیسے ہی بُرے خیالات کیوں نہ ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ

یہ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ایک دفعہ انسان انکو دیکھ لے تو پھر ان کی یاد کبھی فراموش نہیں ہو سکتی ❊

نوٹ اور رائیں

مسیحی واعظ انجیل پر عمل کرنیسے عاجز ہیں

ساری دنیا جانتی ہے کہ یسوع مسیح کی تعلیم بہت حد تک عمل کی حد سے باہر ہے یا یوں کہو کہ بالکل عمل کے قابل نہیں۔ ان کی بہت سی باتیں جو موجودہ اناجیل میں درج ہیں ایسی ہیں کہ انپر کبھی عملدرآمد نہیں ہوا اور نہ آیندہ ہوگا۔ کیونکہ اگر انپر عمل کیا جائے تو اس سے انتظام دنیا درہم برہم ہوتا ہے۔ اس قسم کی تعلیم کی مشہور مثال آپکا یہ قول ہے۔ "پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے" (متی ۵: ۳۹) کیا دنیا ایک لحظہ کے لیئے بھی امن میں رہ سکتی ہے اگر وہ اس تعلیم پر عمل کرے۔ مسیحی واعظ بھی اس نقص کو سمجھتے ہیں اسلیئے اس کو چھپانے کے لیئے وہ نہایت رکیک تحویلات سے کام لینا چاہتے ہیں اور ان الفاظ کے وہ معنے کرنا چاہتے ہیں جن کے یہ الفاظ متحمل نہیں اس لیئے ان کی کوششیں محض بے سود ثابت ہوئی ہیں۔ انجیل کا ایک مفسر لکھتا ہے "کہ خداوند (یعنی یسوع) کا مدعا یہ ہے کہ مسیحی کو چاہیئے کہ ذاتی طور پر بدلہ نہ لے بلکہ اس کو حوالہ بخدا کرے وہ خود بدلہ لیگا یا حاکم وقت پر چھوڑ دے کیونکہ وہ بھی خدا کا نائب ہوتا ہے۔ اس لیئے عدالت میں چارہ جوئی کرکے دادخواہی کرنی چاہیئے"❊ اگر اس امر کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو ماننا پڑے گا کہ یسوع مسیح نے (نعوذ باللہ) دھوکا دہی اور بے رحمی کی تعلیم دی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی پھیر دو۔ اور ایسا ہی اگر تمہارا کوئی کرتا لے تو چغہ بھی

❊ دیکھو تفسیر بائبل مصنفہ ٹے تھنبو لوکل۔ جلد ۳ صفحہ ۲۵۔

اُتار دو۔ اب اگر مسیحیوں کی تحویل درست ہے تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ یسوع مسیح چاہتے ہیں کہ مجرموں کو اوّل اقدام وارتکاب جرائم میں ترغیب دینی چاہیئے پھر ان کے برخلاف عدالت میں نالش کرکے انکو سخت سزا دلوانی چاہیئے۔ خود ہی اغوا کریں اور پھر خود ہی چارہ جوئی کریں کیا انصاف ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دوسری گال کا پھیرنا کوئی نیک نیتی سے نہیں بلکہ ایک طرح کا دھوکا ہے کہ کسی طرح مجرم کو پہلے کی نسبت سنگین سزا ملے۔ یہ رحم کے بالکل خلاف ہے بلکہ سخت بے رحمی اور ظلم ہے اور انجیل مروّجہ نے معلوم ہوتا ہے کہ نرمی اور حلم کی تعلیم نہیں دی بلکہ برخلاف اس کے ایک بڑی کمینہ حرکت کی تعلیم دی ہے تا کہ کسی طرح دشمن اپنے جرم کے ارتکاب میں آگے آگے قدم بڑھاتا چلا جائے اور آخر نہایت سخت سزا کا مستوجب ہو اگر اس تعلیم کا مقابلہ قرآنی تعلیم سے کیا جاوے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئیگا۔ قرآن شریف فرماتا ہے جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ یعنی بدی کی سزا اُس بدی کے مناسب حال ہے لیکن اگر کوئی معاف کر دے بشرطیکہ اس معاف کرنے سے اس بدی کرنے والے کی اصلاح ہو جائے تو ایسے شخص کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے +

یسوع مسیح کی تعلیم ایسی ناقص ثابت ہوئی ہے کہ خود پادری صاحبان بھی اسپر عمل کرنے سے عاجز ہیں۔ یسوع مسیح مشنریوں کو چند ہدایات دیتا ہے مگر مشنریوں کا انپر عملدرآمد کرنے سے عاجز رہنا اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ وہ ناقابل عمل ہیں۔ جب یسوع مسیح نے اپنے بارہ شاگردوں کو بنی اسرائیل کے قبائل میں وعظ کرنے کے لیئے بھیجا تو انھوں نے ان کو حکم دیا "نہ سونا نہ روپا نہ تانبا اپنی کمر بند میں رکھو۔ راستہ کے لیئے نہ جھولی نہ دو کُرتے نہ جوتیاں نہ لاٹھی لو" (متی ۱۰ ورس ۹ و ۱۰) اور جگہ یسوع مسیح کہتے ہیں "اپنی زندگی کے لیئے فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے اور کیا پہنیں گے۔ نہ اپنے بدن کے لیئے کہ کیا پہنیں گے" (متی باب ۶ ورس ۲۵) پھر وہ کہتے ہیں "کل کی فکر مت کرو کیونکہ کل اپنی چیزوں کی آپ ہی فکر کرے گا" (متی باب ۶ ورس ۳۴)

کیا کوئی پادری کہہ سکتا ہے کہ آجکل ان احکام پر عمل ہو سکتا ہے یا کبھی ان پر عملدرآمد ہوا ہے؟ کیا وہ خود ان احکام پر عمل کر رہے ہیں؟ کیا وہ یسوع مسیح کے اس قول پر عمل کرتے ہیں کہ "نہ روپا نہ تامبا اپنی کمر میں رکھو اور راستہ کے لیئے نہ جھولی نہ دو کرتے نہ جوتیاں نہ لاٹھی لو"

ایک صاحب مسٹر ہیری نام جنھوں نے چار سال چین اور جاپان اور جنوبی امریکہ میں سفر کیا ہے ایک امریکہ کے اخبار میں بیان کرتے ہیں۔ "آجکل کے اکثر پادری بالکل مختلف قسم کے لوگ ہیں۔ مَیں شنید سے نہیں کہتا۔ بلکہ چشم دید بیان کرتا ہوں۔ مَینے بہت سے ایسے ممالک دیکھے ہیں جہاں کا مذہب مسیحیت نہیں۔ مہینوں پادریوں کو وعظ کرتے دیکھا ہے۔ مَینے انکو ادھر اُدھر آتے جاتے خوب غور سے دیکھا ہے۔ مَیں کئی ایک مسیحی جلسوں میں شریک ہوا ہوں۔ ان جلسوں میں اندر اور باہر ان مشنریوں کو اسی دُھن میں مشغول دیکھا ہے کہ کسی طرح انکی تنخواہوں میں ترقی ہو۔"

تعجب ہے کہ یہ لوگ دکھاوے کے لیئے تو یسوع مسیح کی انجیل کا وعظ کرتے ہیں۔ لیکن خود اسکی تعلیم کے خلاف کرتے ہیں۔ اس کی اور کوئی وجہ بظاہر نظر نہیں آتی کہ یسوع مسیح کی تعلیم ہی ناقص اور ناقابل عمل ہے۔

رپورٹ ماہوار صدر انجمن احمدیہ قادیان

بابت ماہ مارچ ۱۹۱۲ء

۱۔ صیغہ یتامٰے

گذشتہ ماہ کی رپورٹ کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف سے یتامٰی کے لیئے روپیہ بھیجنے کے واسطے اشتہار شائع ہوا تھا۔ جسکی وجہ سے اس ماہ میں [illegible] آمد بمقابلہ [illegible] آمد ماہ گذشتہ ہوئی۔ یعنی تین سو روپے سے زائد آمد بہ نسبت ماہ گذشتہ ہوئی۔ اور خرچ ماہ مارچ [illegible] اور ماہ فروری [illegible] ہوا۔ یکم اپریل کو اس صیغہ کے ذمہ قریباً سوا پانچ سو روپیہ

قرضہ رہ گیا ہے۔ آمد کی اگر یہی رفتار رہی جیسے کہ اس ماہ رہی ہے تو عنقریب انشاء اللہ قرضہ اتر کر اس فنڈ میں روپیہ ہو جاوے گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے اس ماہ ایک سو آٹھ روپیہ خاص اپنی جیب سے مد یتامیٰ میں مرحمت فرمایا۔ اور آپ کے ارشاد کی تعمیل میں جماعت پشاور نے ۔ جماعت وزیرآباد سے ، میاں زین الدین صاحب انجینیر بمبئی نے اپنے بیٹے کی شادی کی تقریب پر مبلغ یکصد روپیہ اس مد میں چودھری عبد اللہ خاں صاحب ساکن بھلول پور نے چھ روپے۔ سید ناصر شاہ صاحب نے مولوی عمر الدین صاحب مدرس ساکن صریح ضلع جالندھر نے پانچ روپے۔ جماعت غوث گڑھ نے دس روپے عطا فرمائے۔ دیگر متفرق طور پر تھوڑی تھوڑی رقم آئیں۔ ایک لڑکا یتامیٰ سے خارج ہوا کئی ایک درخواستیں یتامیٰ کی گنجائش ہونے تک رکی پڑی ہیں ؛

۲۔ صیغہ زکوٰۃ

اس ماہ میں آمد صرف پانچ روپے اور خرچ ماللعہ ۱۹۱ روپے یعنی خرچ آمد سے مالعہ زائد ہوا ہے۔ اور آمد ماہ فردی مہہ اور خرچ ماا صہ تھا۔ مجھے افسوس سے یہ لکھنا پڑا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد پر جہاں احباب نے مد یتامیٰ میں روپیہ بھیجا وہاں دوسری طرف اس مد میں بالکل نہیں بھیجا۔ اور یہ پانچ روپے کی رقم بھی صرف جماعت بمبئی نے ہی بھیجی ہے اور کسی صاحب نے اس ماہ زکوٰۃ کا پیسہ تک نہیں بھیجا۔ خاص تحریکوں کا یہ مطلب نہیں ہونا چاہیے کہ ایک طرف سے توجہ ہٹا کر دوسری طرف کر لی جاوے۔ بلکہ صرف اسی صورت میں فائدہ پہنچتا ہے کہ معمولی چندوں کے علاوہ خاص تحریک کے ماتحت یکمشت یا ماہواری رقوم خاص طور پر ہی آویں۔ ورنہ اس صورت میں کہ ایک سے بند کر کے دوسری مد میں رقم بھیجدی چنداں مفید نہیں ہوتا۔ اس ماہ چار روپے ماہوار کے وظائف کی ایزادی ہوئی اور ترانوے روپے کابلیوں وغیرہ کے سفر خرچ اور مساکین کی امداد پر خرچ ہوئے۔

۳۔ صیغہ مساکین

ماہ حال میں اس مد کی آمد ۶-۱۰-۵-۱۷۵ اور خرچ ۹-۱۱-۱۴۶ بمقابلہ آمد مہلہ اور خرچ ماا للعہ گذشتہ ماہ ہوا۔ ماہواری وظائف میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ صرف

اتنا لکھنا ضروری ہے کہ اس صیغہ کے اخراجات آمد سے زیادہ ہیں اور احباب کی توجہ کا محتاج ہے :

۴ - صیغہ اشاعت اسلام

اس صیغہ کی آمد ۶ - ۵ - ۱۳۴۵ اور خرچ ۶ - ۸ - ۸۱۵ بمقابلہ آمد ۳ - ۱۰ - ۲۵۰۷ اور خرچ ۰ - ۱۲ - ۳ - ۹۴۳ ماہ گذشتہ ہوا - ۳۱ - مارچ ۱۹۱۲ء کو خریداران رسالہ کی تعداد حسب ذیل تھی - ریویو انگریزی ۳۲۳ - اُردو ۱۰۲۹ تفسیر القرآن ۳۱۳ - یعنی گذشتہ ماہ سے ریویو انگریزی کے خریدار ۷ اُردو کے ۱۴ زیادہ ہوئے اور تفسیر کے ۱۷ کم ہوئے - قیمت پیشگی وصول کرنے والی تجویز پر عملدرآمد کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے نام پیشگی قیمت ادا نہ کرنے کی وجہ سے رسالہ بند ہوا -

مندرجہ ذیل جماعتوں نے حسب ذیل تعداد میں جدید خریدار پیدا کیے - جماعت لاہور ۲۵ - فیروز پور ۴ - کنجاہ ۳ - سرگودہ ۸ - رنمل ضلع گجرات ۱۱ - بابو اختر علی صاحب ۴ - دہلی ۳ - الہ آباد ۳ - لالہ موسیٰ ۲ - مالاکنڈ ۲ - سامانہ ۲ - تلونڈی جھنگلاں ۲ -

بابو اختر علی صاحب و حکیم محمد حسین صاحب قریشی ساکن لاہور کو دینی کاموں میں حصہ لینے کا خاص جوش ہے - جزاہم اللہ احسن الجزاء علی الخصوص قریشی صاحب اشاعت کے کام میں بڑی معرفت

کتاب اصول اسلام یعنی ایڈیٹر ریویو کا وہ لیکچر جو جلسہ مذاہب الہ آباد پر پڑھا گیا تھا - اس کے فرانسیسی اور جاپانی زبان میں چھپوانے کے لیئے ہمارے ایک معزز دوست جو سلسلہ اشاعت میں ہمیشہ خاص دلچسپی لیتے اور اس کے لیئے بڑی بڑی رقوم عطا فرماتے رہتے ہیں - اور جنھوں نے ایک ہزار روپیہ کتاب "ٹیچنگز آف اسلام" کے لیئے بھی دیا تھا - دیر سے تحریک کر رہے ہیں - جاپانی میں ترجمہ وغیرہ کے اخراجات کو غالباً وہ خود ہی دینگے - مگر فرانسیسی میں جس کا تخمینہ خرچ ۳۱۵ روپے ہے - وہ ایک سو روپے کی مدد دینے کو تیار ہیں - اگر ہمارے احباب میں سے دو چار صاحب ہمت اور وسعت والے بقیہ رقم کو پورا کر دیں - تو اس کا انتظام کر دیا جاوے - جس قبولیت کی نگاہ سے یہ چھوٹا سا رسالہ دیکھا گیا ہے - اس سے امید پڑتی ہے - کہ فرانسیسی اور

جاپانی زبانوں میں ترجمہ بہت مفید ثابت ہوگا ؛

۵ - صیغہ مدرسہ احمدیہ

آمد مدرسہ احمدیہ ماہ مارچ ۰ - ۱۴ - ۳۱۵ اور خرچ ۹ - ۰ - ۲۷۰ ہوا - بورڈنگ مدرسہ احمدیہ کی آمد ۹ - ۱۵ - ۲۹۲ اور خرچ ۹ - ۷ - ۲۹۳ ہوا - اس مدرسہ کے سالانہ امتحان ۳۱ - مارچ ۱۹۱۲ء کو ختم ہوئے اور ۱۷ - اپریل تک مدرسہ بند ہے - اس کے بعد پڑھائی شروع ہونے والی ہے - احباب کو شروع سال میں لڑکے بھیجنے کی طرف توجہ ہونی چاہیئے ورنہ سال کے درمیان آنے سے طلبار کی تعلیم میں ہرج واقع ہوتا ہے - مدرسہ احمدیہ میں اول اور دوم رہنے والے طلبار کو وظائیف ملا کرتے تھے جو وظائیف مقابلہ کہلاتے تھے مگر چونکہ یہ مفید ثابت نہ ہوئے اس لیئے آیندہ کے لیئے اس مد کو بند کر کے اس کی بجائے انعامات رکھے گئے ہیں - اور اس کے مطابق اس سال سالانہ امتحان میں اول دوئم اور قرآن مجید و حدیث میں اول رہنے والے طلبار کو انعام ملا ہے - بہت سی کتب شیخ یعقوب علی صاحب نے اور کچھ شیخ عبدالرحمن صاحب نے طلبار کو انعام میں دیں میرزا محمود احمد صاحب افسر مدرسہ احمدیہ نے تقسیم انعامات سے پہلے لطیف تقریر فرمائی جو کسی اخبار میں غالباً درج ہو گی ؛

۶ - صیغہ تعلیم

ہائی سکول سے رپورٹ نہ آنے کی وجہ سے گذشتہ ماہ کی رپورٹ درج رسالہ نہ ہو سکی تھی اب اس ماہ کی درج کی جاتی ہے -

صیغہ تعلیم کی کل آمد بابت ماہ رواں ۹ - ۴ - ۸۶۱ اور خرچ ۳ - ۲ - ۱۰۵۵ یعنی خرچ آمد سے دو سو روپیہ کے قریب زیادہ ہے - اس میں صرف پونے چار سو کے قریب بذریعہ چندہ آمد ہوئی باقی فیسوں کا روپیہ ہے - اسوقت سات طلبار کو سرکاری وظیفہ ملتا ہے - تعداد طلبار ہائی سکول سوا تین سو ہے - اور بورڈران ایک سو اکاون ہے - ایک گرلز سکول اور دو باہر دیہات میں شاخیں ہیں جہاں اپر پرائمری تک تعلیم دی جاتی ہے - سالانہ امتحان مارچ میں ختم ہو کر ۱۵ - اپریل تک سکول بند ہے - ۱۶ - کو کھلیگا - جو احباب اپنے بچے بھیجنے چاہیں

وہ شروع سال میں بھیجدیں۔ کیونکہ اس سے تعلیمی حرج نہیں ہوتا ؛

۷۔ صیغہ مقبرہ بہشتی

اس صیغہ کی کُل آمد ۱۱۱ عہ اور خرچ دوسو آٹھ روپیہ بمقابلہ ۳-۱۲-۲۸۴ آمد اور ۰-۱۲-۲۱۷ خرچ ماہ گذشتہ ہوا۔ آمد میں لعہ شیخ عطاء اللہ صاحب ریلوے گارڈ ہلکوال سے جنہوں نے وصیت کی ہے اپنی نعش یہاں لانے کا خرچ اپنی زندگی میں داخل خزانہ کرایا ہے۔ اس ماہ صرف نو وصایا آئی ہیں۔ اسکے متعلق احباب اگر اپنی اپنی جگہ کوشش کریں تو اس کام میں ترقی ہو سکتی ہے۔ خصوصاً مجمعوں میں حضرت مسیح موعودؑ کا اشتہار پڑھ کر سنانا چاہیئے۔ اور متمول احباب وصیت کرکے دوسروں کے لئے نمونہ بنیں ؛

۸۔ صیغہ جائداد

تکمیل عمارت بورڈنگ ہوس کا کام جاری ہے۔ عمارت ہائی سکول کے لئے بحاضری احباب ذیل حضرت خلیفۃ المسیح کے مشورہ و ارشاد کے مطابق جبکہ آپ موقع پر تشریف لے گئے تھے قرار پایا کہ نواب صاحب کی کوٹھی کے سامنے مسجد نور کے متصل عمارت مدرسہ کھڑی کی جاوے۔ اور عنقریب بنیادیں رکھی جاویں گی۔ صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔ خواجہ کمال الدین صاحب۔ مولوی شیر علی صاحب۔ خانصاحب محمد علی خانصاحب۔ مفتی محمد صادق صاحب۔ مولوی صدر الدین صاحب و راقم۔ اس عمارت کے لئے ایک لاکھ روپے کا تخمینہ خرچ منظور ہوا ہے۔ اس میں سے پچاس ہزار کے لئے گورنمنٹ سے امداد کی درخواست کی گئی تھی۔ جس میں سے خدا کا شکر ہے کہ بالفعل تیس ہزار گورنمنٹ نے منظور کر لیا ہے اور امید ہے کہ بقیہ رقم بھی منظور ہو جاویگی۔ اسکے لئے میں گورنمنٹ کا اور ڈائرکٹر صاحب بہادر سررشتہ تعلیم کا تمام احمدی جماعت کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جو ہمیشہ احمدی قوم کو شکرگذاری کا موقع دیتے رہتے ہیں۔ قریباً چھ ہزار کی رقم اور عمارت بورڈنگ ہوس کی تکمیل کے لئے منظور کی ہے۔ ان اخراجات کثیر کو پورا کرنے کے لئے احمدی قوم کو بھی دل کھول کر روپیہ بھیجنے کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ اس کے لئے عنقریب

دفعہ باہر نکلنے والا ہے۔ کیونکہ یہ تیس ہزار بموجب قاعدہ مل نہیں سکتا جب تک ساٹھ ہزار روپے کا خرچ عمارت مدرسہ پر نہ دکھایا جاوے سو اول یہ ضروری ہے کہ چندوں کے ذریعہ روپیہ وصول کرکے بہت جلد عمارت پر خرچ کیا جاوے ؛

۹- صیغہ بیت المال

گذشتہ ماہ سے آمدورفت مہمانان زیادہ رہی۔ کچھ کابلی اپنے وطن کو واپس ہوئے اور ڈاکٹر ہیرا مل صاحب ولایت سے اور ایک ارمنی صاحب بغداد سے یہاں آئے۔ آمد اس صیغہ کی ۹-۲-۱۱۰۶ اور خرچ ۱۱-۱۱-۲۸۳۷ ہوا جو اڑھائی گنا سے بھی زیادہ ہے۔

۱۰- صیغہ متفرقات

شفاخانہ- آمد شفاخانہ ۰-۱۵-۴۰ اور خرچ ۳-۱۲-۹۶ ہوا ہے۔ اس ماہ میں ۱۱۹۰ مریض علاج کے لئے آئے۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب اسسٹنٹ سرجن جو دو ماہ کی رخصت پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ انہوں نے محض ہمدردی سے ان ایام میں مندرجہ ذیل اپریشن کئے۔ جزاہم اللہ خیرا۔ بہت لوگوں کو انسے فائدہ پہنچا اور وہ ڈاکٹر صاحب کے مشکور ہیں۔ اللہ نے انکو مخلوقات سے ہمدردی و شفقت کرنے کے لئے خاص دل عطا فرمایا ہے اور بڑی شوق سے اپریشن کرتے ہیں۔

کیٹرکٹ کیس یعنی موتیا بند ۳۰۔ ناخونہ ۸ - پڑبال ۱۰- خنازیر یک مختلف امراض چشم ۴۸ اپریشن کیئے ؛

دفتر سکرٹری- مبلغ پندرہ سو پچپن روپیہ پونے تیرہ آنہ چندہ مسلم یونیورسٹی ارسال کیا گیا یعنی ایک ہزار روپیہ حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف سے صدر انجمن احمدیہ نے اور پانسو روپیہ شیخ محمد حسین صاحب سب جج میرٹھ کا ارسال کردہ بھیجا گیا۔ میاں محمد حسن کو ضلع گورداسپور میں فراہمی غلہ وچندہ وغیرہ کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ ضلع گورداسپور میں جہاں وہ جاویں احمدی احباب کو انکی اس کام میں ہر طرح سے مدد کرنی چاہیئے ؛

دفتر محاسب- صدر انجمن احمدیہ قادیان کے سب صیغوں کی کل آمد ۹-۷-۵۵۰۰ اور خرچ ۸-۵-۸۵۹۶ ہوا- جناب حافظ نور احمد صاحب ساکن لوکہ ملک برار نے مبلغ پچاس روپے یکمشت مدد بھیجی ؛

محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

نوٹس

"چونکہ بعض احباب۔ اپنے بچوں کا خرچ یا مدات صدر انجمن احمدیہ قادیان کا روپیہ بھی کبھی میرے نام کبھی ہیڈ ماسٹر مدرسہ یا سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس کے نام بھیجدیتے ہیں جس میں سوائے کام بڑھنے کے اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لیئے التماس ہے۔ کہ اپنے اپنے گاؤں یا انجمن کے تمام احمدی احباب کو جمع کرکے تاکید کر دیں۔ کہ ہر قسم کا روپیہ بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیئے اور اگر کسی قسم کی اطلاع دفتر سکرٹری میں کرنی ضروری ہو تو بذریعہ کارڈ کر دیجاوے"۔

اعلان "گذشتہ سال کی طرح صدر انجمن احمدیہ قادیان نے میاں محمد حسن صاحب کو ضلع گورداسپور میں فراہمی غلہ چندہ اور بھوسہ کے لیئے مقرر کیا ہے۔ جو اس کام کو سرانجام دینے کے لیئے مختلف مقامات پر جاویں گے۔ اس لیئے جہاں وہ جاویں وہاں کے احمدی احباب کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ ہر طرح سے انکے کام میں مدد دیکر ثواب حاصل کریں۔ اور ممنون فرماویں"۔

(محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان)

ریویو

نعم التعویذ العالی۔ یہ رسالہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف نصیحۃ التلمیذ کا اردو ترجمہ ہے جو جناب مولوی محمد الدین صاحب بی۔ اے چیف جج عدالت عالیہ ریاست بہاولپور نے تیار کرکے شائع کیا ہے مضمون کی خوبی کے لیئے امام علیہ الرحمۃ کا نام ہی کافی سند ہے۔ کتاب نصیحۃ التلمیذ جس کا یہ ترجمہ ہے امام غزالی علیہ الرحمۃ نے ایک نافع التحصیل شاگرد کے چند سوالات کے جواب میں لکھی ہے۔ اسمیں بہت سے مفید روحانی مضامین پر مختصراً بحث کی گئی ہے۔ مثلاً علم و عمل۔ عبادت۔ کیفیات قلب۔ توبہ۔ متابعت شریعت۔ توکل۔ اخلاص وغیرہ کی حقیقت۔ الغرض روحانیت پر ایک لطیف مضمون ہے۔ اس زمانہ میں جبکہ دنیا مادی ترقی کی طرف جھکی ہوئی ہے اس رسالہ کا پڑھنا بہت مفید ہے۔ ترجمہ نہایت قابلیت کے ساتھ عام لوگوں کے فائدہ کیلیئے سلیس اردو میں کیا گیا ہے خدائے تعالیٰ مترجم کو جزائے خیر دے آمین۔

فتوح الرحمن۔ یہ رسالہ پانچ مختلف قصائد عربی کا مجموعہ ہے جو مولوی احمد ابن علی ملاباری کی ......

جسٹرڈ نمبر ل ۱۸۶۷

ٹیچنگز آف اسلام

یعنی انگریزی ترجمہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کے اس عظیم الشان لیکچر کا جو ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں چار پانچ ہزار کے مجمع میں پڑھا گیا اور نہایت ہی دلچسپی اور قبولیت سے پبلک نے سُنا۔ اس لیکچر میں مصنف موصوف نے اسلام کو نہایت ہی احسن پیرایہ میں صرف قرآن کریم سے استنباط کر کے بیان فرمایا ہے۔ اور تمام اعتراضات جو بڑے بڑے مخالفین و معاندین اسلام بڑی تحدی اور زور سے کرتے رہے یا اب کرتے ہیں۔ نہایت ہی سنجیدگی اور لطافت سے انکے جوابات اصولی طور پر بیان فرمائے ہیں جن سے خواہ کیسا ہی متعصب اور زود رنج مخالف کیوں نہ ہو کبیدہ خاطر نہیں ہو سکتا بلکہ سوائے سکوت کے اور کوئی جواب کبھی پیش نہیں کر سکے گا۔ اور ایک شریف الطبع اور حق جو مخالفِ اسلام کو سوائے سرِ تسلیم خم کرنیکے اور کوئی چارہ نہیں ہو سکتا۔

بڑی خوبی اور لطافت جو اس مضمون کو خاص فوقیت اور یکتائی دے رہی ہے۔ یہ ہے کہ اوّل اس مضمون کو الہامی کتاب یعنی قرآن کریم سے بیان کیا گیا ہے۔ دوم اس مضمون میں باوجود اعتراضوں کا جواب دینے اور دوسرے مذہب کے تذکرہ کرنیکے کسی قسم کی اشارۃً یا کنایۃً رد نہیں کیگئی۔ بلکہ صرف اسلام کی سچی فلاسفی اور خوبیاں پبلک کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور توحید باری تعالیٰ اور رسالت آنحضرت صلعم کی صداقت بیان کی گئی ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی عمر بھر کی تصنیفات اور تالیفات کا خلاصہ یہی ایک مضمون تھا جس میں کمل طور پر اسلام کی صداقت بیان کی گئی ہے اس لیئے پبلک کی عام قبولیت اور پسندیدگی دیکھکر اور تبلیغ اسلام کا بڑا ذریعہ سمجھکر اسکو انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے ولایت میں چھپوایا گیا ہے اور اسکی بہت سی کاپیاں ولایت اور دیگر بلاد یورپ اور امریکہ وغیرہ میں مفت تقسیم کی گئی ہیں۔ اور کچھ کاپیاں یہاں بھی فروخت کے لیئے منگوائی گئی ہیں۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر ایک انگریزی خوان مسلمان کے ہاتھ میں ہو۔ احباب خود بھی خریدیں اور تبلیغ اسلام کی غرض سے کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کر کے اسکا اجر اللہ تعالیٰ سے لیں۔ جو صاحب منگوانا چاہیں دفتر ریویو آف ریلیجنز قادیان ضلع گورداسپور سے منگوالیں۔ قیمت بغرض توسیع اشاعت باوجود دو سو صفحہ اور عمدہ ولایتی جلد کے بہت ہی تھوڑی

مطبع میگزین قادیان میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے | لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۱ | بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۲ء | نمبر ۵

چندہ سالانہ — عوام سے [illegible] — طلباء سے [illegible]

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - مئی سنہ ۱۹۱۲ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شایع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

کیا احکام قرآنی دربارہ جہاد منسوخ شدہ ہیں؟

نمبر ۲

گذشتہ مضمون میں مَیں یہ دکھا چکا ہوں کہ آئہ کریمہ (۱) مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ الخ (سورہ بقرہ) سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن شریف کی بعض آیات نے بعض دوسری آیات کو منسوخ کر دیا ہے بلکہ سیاق سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں خدائے تعالیٰ اہل کتاب کو سناتا ہے کہ قرآن شریف کے آنے سے موسوی شریعت منسوخ کی گئی ہے اور یہ کہ قرآن شریف کے بعض احکام توریت کے مثل ہیں اور بعض اُن سے بہتر۔

(۲) قرآن شریف کی بعض آیات کے منسوخ ہونے کا خیال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول پر مبنی نہیں ہے۔

(۳) خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ فلاں احکام جہاد جو فلاں فلاں آیت میں قبل ازیں نازل کیے گئے ہیں وہ فلاں آیت کے رو سے منسوخ شدہ سمجھے جاویں۔

(۴) قرآن شریف نہایت زور کی تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اُس میں کسی قسم کا ذرا بھر بھی اختلاف نہیں اور اس امر کو وہ اپنے الہامی اور سچّا ہونے کی دلیل گردانتا ہے۔

(۵) اس نے ہمارے لیے آیات کے صحیح مطالب معلوم کرنے کے لیے ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا۔ یعنی تمام قرآن شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور اس لیے کسی آیت کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں قرآن شریف

کی کسی دوسری آیت کا خلاف نہ ہو۔ متشابہات کا مطلب دریافت کرنے کے لیئے محکمات کے تابع رہنا ضروری امر ہے؛

(۶) اگر بالفرض تھوڑی دیر کے لیئے یہ مان بھی لیا جاوے کہ آیت مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ الخ شریعت موسوی کے نسخ کے متعلق نہیں بلکہ بعض آیات قرآنی کے متعلق ہے تو بھی اس سے اس اعتراض کو کچھ مدد نہیں مل سکتی کہ وہ آیات جن میں غیر مسلموں کی مذہبی آزادی اور اُن سے منصفانہ برتاؤ کے احکام صادر کیئے گئے ہیں وہ سورہ توبہ کی اُن دو آیات کے مطابق منسوخ شدہ ہیں جن میں خیال کیا گیا ہے کہ تمام کفار کو بیدریغ قتل کرنے کے احکامات دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ بموجب آیت مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ناسخ آیت یا تو منسوخ شدہ آیت سے بہتر ہونی چاہیئے۔ یا کم از کم اس کے برابر ہی ہونی چاہیئے نہ یہ کہ آیت ناسخ۔ آیت منسوخ کے بالکل ہی برعکس اور اُس سے کم درجہ پر ہو جو کہ اس آیۃ کے منشا کے بالکل برخلاف ہے کیونکہ اس میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا یہ نہیں فرمایا کہ ناسخ آیت منسوخ سے بدتر ہوگی؛

(۷) اگر سورہ توبہ کی آیات ۵ اور ۲۹ کی وہی تعبیر کی جاوے جو کہ عیسائی صاحبان کرتے ہیں تو اس صورت میں تو قرآن شریف کا ایک بہت بڑا حصہ فضول اور غیر ضروری تسلیم کرنا پڑے گا جو کہ سخت بیہودہ بات ہے اور ناقابل تسلیم ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور وجہ سے بھی یہ خیال قابل تسلیم نہیں ہو سکتا کہ سورہ توبہ کی آیات ۵ و ۲۹ نے تمام اُن احکام کو جو مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے باہمی برتاؤ اور سلوک اور جنگ و جدل کے بارہ میں ان آیات کے نزول سے قبل نازل ہو چکے تھے منسوخ کر دیئے ہیں۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کو دوست و دشمن سب تسلیم کرتے ہیں کہ ہجرت کے نویں سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقعہ پر مکہ معظمہ میں پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور اُنکے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا اور اُنکو حکم دیا کہ سورۂ توبہ کا پہلا حصہ تمام مشرکین عرب کو سنا دو چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپکے اس ارشاد کی تعمیل میں سورۂ توبہ کا ابتدائی حصہ مقام منیٰ میں سب حج کرنے والوں کو بلند آواز سے سنا دیا اس حصہ میں سورہ براۃ

کی پہلی ۳۳ آیات شامل تھیں اور آخری الفاظ یہ تھے و لو کرہ المشرکون (ملاحظہ ہو مواہب زرقانی جلد ۳ صفحہ ۱۰۷- تفسیر فتح البیان جلد ۴ صفحہ ۹۹ اور بیضاوی صفحہ ۳۲۶) اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر دو آیات نمبر ۵ و ۲۹ اس حصہ میں جو باواز بلند مکہ معظمہ میں پڑھا گیا تھا شامل تھیں -اب اگر ہم اس بات کو فرض بھی کر لیں کہ ان آیات نے تمام سابقہ احکام کو منسوخ کر دیا ہے جو قرآن شریف کے دیگر مقامات میں پائے جاتے ہیں تاہم ہمارے معترض کو کم از کم یہ ماننا لازمی ہو گا کہ خاص یہ حصہ تو تمام قسم کے متضاد احکامات سے بری ہونا چاہیئے - اس حصہ کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ اس کو ان تمام مشرکوں کے سامنے بلند آواز سے پڑھا جاوے جو کہ مکہ معظمہ میں حج کے موقعہ پر جمع تھے تا کہ وہ ان تمام امور سے جو اس میں بیان کیئے گئے ہیں آگاہ ہو جاویں یہ مشرکین کے لیئے نہایت ضروری احکام تھے اور اس لیئے ان میں باہمی مطابقت ہونی لازمی بات تھی - یہ ایک نہایت بیہودہ اور بے دلیل بات ہے کہ ہم یہ خیال کریں کہ ایک ہی بیان میں جو کہ ایک ہی موقعہ پر ایک ہی مجمع میں ایک ہی وقت اس لیئے پڑھا گیا کہ لوگ اس کے مطالب سے آگاہ ہو جاویں - باہمی متضاد باتیں ہوں اور اس کی آیات ایکدوسرے کی ناسخ ہوں - اور یہ بات غالباً کسی معترض کے نزدیک بھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتی گو وہ کتنا ہی قرآن مجید میں نسخ کا قائل ہو کیونکہ کوئی عقلمند انسان اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ ایک ہی بیان متضاد باتوں کا مجموعہ ہو- اگر معترض ان ہر دو آیات متذکرہ بالا کو قرآن مجید کے تمام باقی حصہ سے الگ کرنا چاہتا ہے تاہم اسے یہ حق حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ ان آیات کو اس خاص حصہ قرآن سے علیحدہ کر دے جو کہ ۳۳ آیات کا ایک مجموعہ ہے اور جو کہ سارے کا سارا ایک ہی وقت لوگوں کی آگاہی کے لیئے پڑھا گیا - اس لیئے ان ہر دو آیات کی تشریح کے لیئے ہمیں اسی رکوع کی باقی آیات کو زیر نظر رکھنا لازمی ہے اب میں ناظرین کی تسلی کے لیئے اس رکوع کی تمام آیات کو نمبروار نیچے درج کرتا ہوں تا کہ وہ معلوم کر سکیں کہ ان آیات کا اصل مطلب کیا ہے اور معترض کیا سمجھتا ہے ؟

(۱) بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ

اور اس حصہ میں کوئی ایسی آیات نہیں ہونی چاہئیں جو ایک دوسرے کو منسوخ کرتی ہوں

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ جن مشرکوں سے تم نے (اے مسلمانو!) عہد کیا تھا انکے بارے میں اب اللہ اور رسول کی طرف سے بیزاری ہے ؛

(۲) فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۝ اے مشرکو! چار مہینے اور ملک میں چل پھر لو اور یہ جانے رہو کہ تم اللہ تعالیٰ کو تھکا نہیں سکتے اور اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے ؛

(۳) وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ ۚ فَإِن تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے اشتہار ہے مشرکین سے بیزار ہے۔ پس اگر تم توبہ کرو تو یہ تمہارے لیئے بہتر ہوگا اور اگر تم نہ مانو پس جانے رہو کہ تم خدا کو عاجز نہیں کر سکو گے اور کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادے ؛

ہ لوگوں کی طرف حج اکبر کے دن اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول

(۴) إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ مگر یہ اعلان اُن مشرکین سے تعلق نہیں رکھتا جن کے ساتھ تمہارا عہد بندھا ہوا ہے اور جنہوں نے کہ اس کی کچھ بھی خلاف ورزی نہیں کی۔ اور نہ تمہارے خلاف کسی کو مدد دی ہے پس اُنکے عہد کو عہدنامہ کی میعاد تک پورا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت کرتا ہے ؛

(۵) فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ اور جب وہ حرمت کے

مہینے ختم ہو جاویں (جو آیہ نمبر۲ میں بیان کیے گئے ہیں) پس مشرکین کے ساتھ لڑو جہاں تم اُن کو پاؤ اور اُن کو گرفتار کرو اور اُن کا محاصرہ کرو اور ان کے لیئے گھات میں بیٹھو پس اگر وہ توبہ کریں اور نمازوں کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو اُنکا راستہ چھوڑ دو کیونکہ خدا غفور رحیم ہے ؛

(۶) وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۠ اور اگر مشرکین میں سے کوئی تیری پناہ پکڑے تو اسے پناہ دے کہ وہ خدا کا کلام سُن سکے تب اُسے اُس کی امن کی جگہ پہنچاوے یہ اس لیئے کہ یہ قوم علم سے بے بہرہ ہے ؛

(۷) كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۠ کیسے ہو واسطے مشرکین کے عہد اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اُس کے رسول کے نزدیک سوائے اُن کے جن کے ساتھ تم نے مسجد حرام میں عہد باندھا پس جبتک وہ (اپنے عہد پر) قائم رہیں تم بھی قائم رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت کرتا ہے ؛

(۸) كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۠ وہ کیسے (تمہارے ساتھ عہد پر قائم رہ سکتے ہیں) حالانکہ اگر وہ غالب آویں تو نہ عزیز داری کا لحاظ رکھیں نہ عہد کا اپنے مُنہ کی باتوں سے تمھیں راضی کرتے ہیں لیکن انکے دل اسکے خلاف ہیں اور ان میں سے اکثر بدعہد ہیں ؛

(۹) اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ

سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وہ آیات اللہ کو تھوڑی مول میں بیچتے ہیں اور دوسروں کو اسکے راستے سے روکتے ہیں بہت برا ہے جو وہ کرتے ہیں ؛

(۱۰) لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ○ وہ کسی مومن کے باب میں نہ عزیزداری کا لحاظ رکھتے ہیں نہ اپنے عہد کا .... اور وہی حد سے بڑھ جانیوالے ہیں ؛

(۱۱) فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں پس وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں اور ہم سمجھدار لوگوں کے لئے اپنی آیات کھولکر بیان کر دیتے ہیں ؛

(۱۲) وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○ اور اگر عہد باندھنے کے بعد وہ اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن ماریں پس کفر کے سرداروں سے لڑو کیونکہ وہ بدعہد ہیں تاکہ وہ باز آجائیں ؛

(۱۳) اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ کیا تم اُس قوم سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کو نکالنے کا قصد کیا اور پیشقدمی کر کے تم پر حملہ کیا کیا تم اُن سے ڈرو گے؟ پس اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اُس سے ڈرا جاوے اگر تم مومن ہو ؛

(۱۴) قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَ

يَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اُن سے لڑو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے اُن کو عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا۔ اور تم کو اُنپر فتح دے گا اور مومن قوم کے سینوں کو ٹھنڈا کرے گا۔

(۱۵) وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اور اُن کے دلوں کے غصے کو دُور کر دیگا اور اللہ تعالیٰ رجوع کریگا جس کی طرف چاہیگا اور اللہ علیم حکیم ہے۔

(۱۶) اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو چھوڑ دے گا بغیر یہ جاننے کے کہ کونسا تم میں سے اللہ کی راہ میں کوشش کرتا ہے اور خدا کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں پکڑتا اور نہ اسکے رسول کے سوا۔ اور نہ مومنین کے سوا۔ اور خدا جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

(۱۷) مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ یہ مشرکین کے لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں بجائیکہ وہ اپنے کفر پر خود گواہ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال اکارت چلے گئے ہیں۔ اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

(۱۸) اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ اللہ کی مساجد کو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لاتے اور نمازیں قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے ایسے لوگوں کو راہ پانے کی اُمید ہو سکتی ہے۔

(۱۹) اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد رکھنا۔ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں سعی کرنے کی طرح کر دیا۔ خدا کے نزدیک یہ برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا؛

(۲۰) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جانوں سے سعی کی خدا کے نزدیک اُنکا درجہ بڑا ہے اور وہی لوگ کامیاب ہوں گے؛

(۲۱) يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ اُن کا مالک اُنکو اپنی مہربانی اور رضامندی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ہمیشہ کا آرام ہے؛

(۲۲) خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ

ہمیشہ ہمیشہ اُن باغوں میں رہیں گے بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا ثواب ہے؛

(۲۳) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اے مومنو! اپنے باپ دادوں اور بھائیوں کو دل پر تسلط رکھنے والے دوست مت بناؤ اگر وہ ایمان کو چھوڑ کر کفر سے محبت کریں اور جو اُن کو ایسا دوست بنائے گا وہ ظالموں میں سے ہوگا؛

(۲۴) قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ

تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ کہ ۔اگر تمھارے باپ دادا تمھارے بیٹے تمھارے بھائی تمھاری عورتیں اور تمھارا کنبہ اور تمھارا مال جو تم حاصل کرتے ہو اور تجارت جس کے خراب ہوجانے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو خدا اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ عزیز ہیں تب انتظار کردیہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے اور اللہ بدعہد قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا ۔

(۲۵) لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ اللہ تعالیٰ تو بہت معرکوں میں تمھاری مدد کرچکا ہے اور حنین کے دن بھی جب تمھیں اپنی کثرت پر گھمنڈ ہوگیا الخ

(۲۶) ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ تب خدا نے رسول اور مومنوں پر سکینت نازل کی اور ایسے لشکر نازل کیا جنھیں تم دیکھ نہ سکتے تھے اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے ۔

(۲۷) ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ پھر اس کے بعد جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا توبہ کی توفیق دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

(۲۸) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ

خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ اے مومنو! مشرکین نجس ہیں پس اس سال کے بعد اُن کو مسجد حرام کے نزدیک نہ آنے دو اور اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو اگر اللہ تعالےٰ چاہے تم کو اپنے فضل سے دولتمند کریگا تحقیق اللہ تعالیٰ علیم حکیم ہے۔

(۲۹) قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝ اہل کتاب جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ پچھلے دن پر اور جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول نے حرام کیا اُسکو حرام جانتے ہیں اور سچے دین کو نہیں مانتے اُن سے لڑو یہاں تک کہ ذلیل ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

(۳۰) وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ یہود کہتے ہیں عزیر خدا کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں مسیح خدا کا بیٹا ہے یہ انکے مُنہ کی باتیں ہیں یہ پہلے کفار کے اقوال کے مشابہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انپر لعنت بھیجتا ہے وہ کہاں بہکے جاتے ہیں۔

(۳۱) اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ اپنے عالموں اور درویشوں کو اور مسیح ابن مریم کو خدا کے سوا اپنا رب بنا لیا اگرچہ انکو ایک خدا کی پرستش کا حکم دیا گیا تھا۔ جس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اسکے ساتھ کوئی شریک ٹھہرایا جاوے۔

(۳۲) يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ

اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ۝ وہ خدا کے نور کو اپنے
مونہوں سے بجھانا چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتا ہے اگرچہ کفار کو
ناخوش گوار گذرے ۔

(۳۳) ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ
لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝ وہ وہ ہے
جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے تمام دیگر ادیان
پر غالب کر دے خواہ مشرکین اسے ناپسند ہی کریں ۔

مندرجہ بالا آیات حضرت علیؓ نے حج الاکبر کے دن مکہ معظمہ میں تمام لوگوں کے
درمیان پڑھی تھیں ان میں سے وہ دو آیات جن کے رُو سے مسیحی معترضین تمام
اس سے پہلے نازل شدہ احکام کو منسوخ شدہ قرار دیتے ہیں آیۃ نمبر ۵ اور آیۃ نمبر ۲۹
ہیں ۔ جن میں سے اول الذکر تو مشرکین کے بارہ میں ہے اور مؤخر الذکر اہل کتاب کے
بارہ میں ۔ سب سے پہلے ہم آیت نمبر ۵ کو لیتے ہیں جس کے رُو سے مسیحی معترضین خیال کرتے
ہیں کہ ہر ایک مشرک کو قتل کرنے کا حکم ہے اور جس کے رو سے تمام وہ احکام جن میں
دشمنوں کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرنے اور زیادتی سے اجتناب کرنے اور مذہبی آزادی
قائم رکھنے کا حکم دیا گیا تھا منسوخ شدہ قرار دیئے گئے ہیں سخت افسوس ہے
کہ ایسے معترضین اسلام کے ساتھ کیسی بے انصافی کرتے ہیں ۔ گو یہ الفاظ کہ
جب حرمت کے مہینے گذر جاویں جہاں تم مشرکین کو پاؤ اُن کو مارو اور انہیں قید کرو
اور انکا محاصرہ کرو اور ان کے لئے گھات میں بیٹھو " اگر تمام آیات سے علیحدہ
کیئے جاویں تو ایک ظاہر بین آنکھ کو خطرناک معلوم ہوتے ہیں لیکن جو شخص انصاف
سے تمام سیاق و سباق کو زیر نظر رکھے گا وہ فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جائیگا ۔ کہ یہ
آیت بلا تخصیص ہر ایک مشرک کے لئے نہیں بلکہ عرب کے صرف بعض خاص قبائل
کے بارے میں ہے جو کہ ظلم اور زیادتی اور عہد شکنی میں حد سے نکل گئے تھے ۔
جب تمام جسم میں سے ایک عضو کاٹ ڈالا جاوے تو انسان کو سخت

تکلیف پہنچتی ہے لیکن میں معزز ناظرین کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے مسیحی معترضین ایک سچے مسلمان کو اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچاتے ہیں جبکہ وہ ایک آیت کو اُس کے ماسبق اور مابعد سے الگ کرکے یہ بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ اسلام ایک سخت متعصب مذہب ہے جو بلا تخصیص ہر ایک کافر کو قتل کر ڈالنے کا حکم دیتا ہے اور اس طرح سے دنیا کو اسلام سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ وہ آیات جن میں صرف اُن منکروں کے ساتھ لڑائی وغیرہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو مسلمانوں پر سخت بے رحمانہ ظلم اور زیادتی اور قتل و خونریزی کے مرتکب ثابت ہو چکے تھے اُنکو مسیحی معترضین تمام ممالک اور ہر ایک زمانہ کے مشرکین پہ چسپاں کرکے اسلام کو ملزم بنانا چاہتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے قرآن مجید کی بعض آیات چُن رکھی ہیں جن کو وہ وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہتے اور دنیا کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ مسیحی مشنریوں کی کوئی کتاب کوئی رسالہ کوئی اخبار دیکھو بار بار انہیں چند آیات کا اعادہ کرکے اسلام کی نسبت بدظنی پیدا کرنے کی کوشش میں کوئی کمی نہیں کیجاتی۔ وہ ہمیشہ یہی بیان کرینگے کہ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ "کفار کو مارو اُنکو پکڑو اور اُن کے لیئے ہر ایک گھات میں لگے رہو" مگر ان میں اتنی دیانتداری اور جرأت نہیں کہ وہ اس سے اگلی ہی آیت کو پڑھکر یہ بیان کرسکیں کہ یہ حکم عرب کے بعض قبائل کے متعلق تھا جو مختلف قسم کے جرموں کے مرتکب ہو چکے تھے۔ جس کے باعث ایسا حکم نازل کیا گیا۔ مگر مسیحی معترضین کا تعصب یہانتک بڑھا ہوا ہے کہ وہ قرآن شریف کے اُن احکام سے بالکل آنکھیں بند کر لیتے ہیں گویا کہ وہ قرآن شریف میں ہیں ہی نہیں جن سے کہ تمام قرآن شریف بھرا پڑا ہے اور جن میں کہ مسلمانوں کو غیر مذاہب کے پیرودں سے انصاف اور نیک سلوک کرنے کا حکم ہے اور اُن مخالفین کے ساتھ جو ظلم اور زیادتی کے مرتکب نہ ہوں لڑائی کرنے سے ممانعت ہے اور جن میں کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ یعنی دین میں کوئی جبر نہیں کا صریح حکم ہے اور جن میں کہ اپنے عہدوں اور اقراروں پر قائم رہنے کا حکم ہے اور عہد شکنی کے لیئے دنیوی اور اُخروی سزا سے ڈرایا گیا ہے اور بے گناہ

مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے مار ڈالنے سے سخت ممانعت کی گئی ہے جس کی سزا دوزخ ہوگی۔ اور جن میں لڑائی میں پہل کرنے کی نہی ہے اور مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ رحم اور مہربانی اور نیک سلوک کرنے میں مذہب یا قومیت کا کوئی دخل نہیں ہونا چاہیئے۔

اسی طرح سے ایک مسیحی معترض اُن آیات کا بھی مطلق ذکر نہ کرے گا جن میں کہ اُن جنگوں کے وجوہات بیان کیئے گئے ہیں جو مسلمانوں کو مجبوراً اختیار کرنے پڑے اور نہ وہ اُن آیات کا ذکر کریگا جن سے کہ اُن ظلموں اور زیادتیوں کا پتہ لگے جو کفار نے مسلمانوں پر کیں۔ اُس نے صرف اتنا ہی فرض سمجھ چھوڑا ہے کہ بغیر سیاق وسباق بتانے کے ایک دو آیات پیش کر کے دنیا کو دھوکا دینا شروع کر دیا کہ اسلام تمام کفار کے قتل کر دینے کا حکم دیتا ہے خواہ وہ کسی زمانہ میں ہوں اور کہیں ہوں۔ اور اسطرح وہ ایک باغیرت مسلمان کو اس سے زیادہ تکلیف و دُکھ پہنچاتا ہے جتنی کہ پہلے مسیحیوں نے بنی نوع انسان کو تلوار، آگ اور ظالمانہ طریقوں سے محض اختلاف خیالات کی بنا پر پہنچائی تھی۔ وہ (مسیحی معترض) بعض موجودہ عیسائی حکومتوں کی بے تعصبی کی نظیر پیش کرتا ہے حالانکہ وہ اتنا نہیں جانتا کہ یہ سبق اِن حکومتوں کو گذشتہ مسیحی نسلوں کی ظالمانہ کارروائیوں سے حاصل ہوا ہے۔ بے تعصبی کی وہ لہر جو کہ اب مغربی ممالک کے حاکموں اور وزراء سے ظاہر ہو رہی ہے یہ صرف گذشتہ متعصب مسیحیوں کے تعصب کا نتیجہ ہے اور اس لیئے موجودہ مشنریوں کو بجائے فخر کرنے کے شرمندہ ہونا چاہیئے کیونکہ دنیا کے لیئے یہ ایک پختہ دلیل اس بات کی ہے کہ گذشتہ مسیحی نسلوں نے بنی نوع انسان پر کس کس قسم کے جور وجفا محض اختلاف خیالات کی بنا پر روا رکھے بعض مغربی سلطنتوں کی بے تعصبی اُس زمین کا پھل ہے جو کروڑوں بے گناہ انسانوں عورتوں بچوں وغیرہ کے خون سے سینچی گئی ہوئی ہے جو کہ گذشتہ نسلوں کے خونی مسیحیوں کے ظالمانہ تعصب کا شکار ہو چکے ہیں تعصب کی وہ روح ابھی تک یورپ اور امریکہ سے ناپید نہیں ہوگئی بلکہ یہ حکومت کا زبردست ہاتھ ہے جس نے

اُسے قابو کیا ہوا ہے اس بات کا ثبوت کہ مسیحی پادریوں اور مشنریوں میں ابھی تک وہی تعصب ہے جو انکے بزرگوں میں تھا اِس بات سے مل سکتا ہے کہ وہ کس طرح غلط اور قابل شرم طریق سے اسلام کے ساتھ سلوک کرتے ہیں وہ قرآن شریف کی بے شمار آیات کو جن میں بے تعصبی اور مذہبی آزادی کی تعلیم دی گئی ہے جان بوجھکر چھوڑ دیتے ہیں اور اِدھر اُدھر سے چند آیات کے ٹکڑے لیکر دنیا کو اسلام اور بانی اسلام کی نسبت بدگمان کرتے پھرتے ہیں جو کہ انکی گذشتہ خونریزیوں کی دردناک کارروائیوں سے بھی زیادہ قابل نفرت ہے۔

زیر بحث آیت پر غور کرنیسے صاف معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ ہر ایک کافر کے متعلق نہیں ہے کیونکہ جن آیات میں وہ شامل ہے اُن میں ہر ایک کافر کی طرف خطاب نہ تھا یہی نہیں بلکہ ملک عرب کے تمام کفار کی طرف بھی نہ تھا بلکہ صرف خاص قبائل اس کے مخاطب تھے یہ امر اِس سورہ کی سب سے پہلی آیت سے ہی معلوم ہوسکتا ہے جو کہ حسب ذیل ہے۔

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان مشرکین کی طرف اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے جن کے ساتھ تم نے عہد نامہ کیا تھا۔

اس آیت سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب صرف وہی مشرکین عرب تھے جن کے ساتھ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عہد نامہ کیا تھا۔ اور اس اعلان کی رو سے وہ عہد نامہ فسخ کیا گیا اب ایک مسیحی معترض اس جگہ یہ سوال کرسکتا ہے کہ کن وجوہات کی بنا پر یہ عہد نامہ قابل فسخ قرار پایا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپکو اُن کفار سے بری الذمہ قرار دے لیا۔ اس سوال کا جواب خود ان آیات میں موجود ہے کیونکہ اسی اعلان کی چوتھی آیت میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

یعنی اس اعلان سے وہ مشرکین مستثنےٰ ہیں جن کے ساتھ تمہارا عہد بندھا ہوا ہے اور جنہوں نے

کہ اس کی کچھ خلاف ورزی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کو مدد دی ہے پس اُن کے عہد کو عہدنامہ کی میعاد تک پورا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بیزاری کا اعلان صرف اُن لوگوں کی نسبت تھا جنہوں نے عہدوں اور قسموں کو توڑ دیا تھا اور مسلمانوں کے برخلاف لوگوں کو مدد دی تھی۔ پھر انہیں آیات میں سے ساتویں آیت میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کَیْفَ یَکُوْنُ لِلْمُشْرِکِیْنَ عَھْدٌ عِنْدَ اللّٰہِ وَعِنْدَ رَسُوْلِہٖٓ اِلَّا الَّذِیْنَ عَاھَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَکُمْ فَاسْتَقِیْمُوْا لَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝ ترجمہ اوپر گذر چکا ہے۔

ناظرین اس بات کو خصوصیت سے نوٹ کریں کہ ہر دو آیات مندرجہ بالا الفاظ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝ پر ختم ہوتی ہیں اِن الفاظ سے صاف طور پر دو نتیجے پیدا ہوتے نظر آتے ہیں اوّل یہ کہ مسلمانوں کو کہا گیا ہے کہ اگر تم مشرکین کے ساتھ اپنے عہدناموں پر قائم رہوگے تو اللہ تعالیٰ تم سے پیار کرے گا۔ دوم یہ کہ عہدناموں کو توڑ دینا خواہ وہ مشرکین کے ساتھ ہی کیئے گئے ہوں اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہے اور اس لیئے مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ سے ڈریں۔ گویا کہ عہدناموں کی کی پابندی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا موجب ہے اور اُن کا نقض اللہ تعالیٰ کی نارضامندی اور غضب کا موجب ہے۔ یسوعی معترض یہ معلوم کرکے حیرت زدہ رہ جائے گا کہ اُنہی آیات میں جن سے وہ قرآنی تعلیم کا تعصب سے پُر ہونا بیان کرتا ہے اس قسم کی اعلیٰ تعلیم دی گئی ہے یسوعی معترض دعویٰ کرتا ہے کہ قرآن شریف تمام کفار کو بیدریغ قتل کر دینے کا حکم دیتا ہے اور اپنے اس بیہودہ دعوے کے ثبوت میں سورہ توبہ کی ابتدائی آیات کو بطور دلیل کے پیش کرتا ہے لیکن ان آیات میں ایسی پاک تعلیم دی گئی ہے جس سے کوئی دانا آدمی ذرا بھر اختلاف نہیں کر سکتا مخالفین کی طرف سے اکثر دفعہ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ سورہ توبہ کی پہلی آیات نے جن میں بقول معترضین مخالفین اسلام کو بیدریغ تہ تیغ کرنے کا حکم دیا گیا ہے قرآن شریف کی باقی آیات کو جن میں مسلمانوں کو باامن رہنے کی

تاکید کی گئی ہے منسوخ کردیا ہے لیکن ایک سرسری نگاہ سے بھی ان آیات کو دیکھنے سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ یہ آیات قرآن شریف کی اُن دیگر آیات کے ذرہ بھر بھی خلاف نہیں جن میں امن اور اصلاح کی تعلیم دی گئی ہے اور مسلمانوں کو ہر قسم کی بدعہدی اور نقض امن سے منع کیا گیا ہے۔ نہ معلوم یسوعی معترض آیت فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ کے کیا معنے کریگا؟ کیا اِس آیت کا صاف طور پر یہ مطلب نہیں کہ خدائے تعالیٰ اُن مومنوں سے محبت کرتا ہے جو کفار کے ساتھ اپنے عہدناموں پر قائم رہتے ہیں اور اُن کو سخت سزا دے گا جو نقضِ عہد کرینگے؟ کیا یہ سچّی تعلیم نہیں اور قرآن شریف کی باقی تعلیم کے مطابق نہیں؟ جب یہ تعلیم انہیں آیات میں پائی جاتی ہے جو کہ یسوعی معترض اپنے اس بیہودہ دعوے کے ثبوت میں پیش کرتا ہے تو کیا معترض کا ایسا خیال واقعات پر مبنی کہا جا سکتا ہے؟

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ اِن آیات میں دو دفعہ آیا ہے اور انمیں غیرمسلموں کے ساتھ نہ صرف بے انصافانہ سلوک سے منع کیا گیا ہے بلکہ اُن کو وعدہ دیا گیا ہے کہ اگر وہ مخالفین اسلام کے ساتھ اپنے عہدناموں پر قایم رہیں گے تو وہ خدائے تعالیٰ کے پیارے ہونگے۔ اور اللہ تعالیٰ اس نیک کام کے بدلے ان سے محبت کریگا۔ اِن الفاظ کا دو دفعہ بطور تاکید کے بیان کرنا اسبات کی دلیل ہے کہ اسلام نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ دنیا میں امن و امان قایم رہے اور اسکے تابعدار اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اپنے مخالفین سے بُرا برتاؤ کرنے سے بچے رہیں اور یہ الفاظ ان آیات کے ساتھ ہی شامل ہیں جن میں عرب کے بعض خاص قبائل کے ساتھ اُن وجوہات کی بنا پر جو آیات سے ثابت ہوتی ہیں (یعنی نقضِ عہد وغیرہ) لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جن کو معترض سیاق و سباق سے علیحدہ کرکے دنیا کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا ہے اور اسلامی تعلیم کی نسبت غلط فہمی پھیلاتا ہے۔

مندرجہ بالا ہر دو آیات سے ثابت ہوگیا کہ اعلان بیزاری تمام اُن کفار سے تعلق نہیں

رکھتا جنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ عہد نامے کیئے اور اسپر قائم رہے۔ اور جنکے ساتھ عہد نباہنے کی مسلمانوں کو سخت تاکید کی گئی تھی۔ بلکہ اس کا تعلق صرف اُن خاص کفار عرب کے ساتھ ہے جنھوں نے عہد ناموں کو توڑ ڈالا اور جو مسلمانوں پر سخت زیادتی کے مرتکب ہوئے۔ گویا کہ لڑائی کا حکم عام کفار کے مقابلہ پر نہ تھا بلکہ عرب کے بعض خاص قبائل کے مقابلہ پر تھا جو نقضِ عہد کے مرتکب ہوئے تھے انہیں آیات نے لڑائی کرنیکی وجہ خود ہی بتا دی ہے اگر ناظرین مندرجہ ذیل آیات پر غور و خوض کریں تو انکو اس بات کے ماننے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا کہ لڑائی کرنے کا حکم انصاف پر مبنی تھا جو کہ سخت ضرورت کے موقعہ پر دیا گیا تھا۔ لڑائی کرنے کی وجوہات آیات ذیل سے معلوم ہوسکتی ہیں۔

(۸) كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ۝ کسطرح (اُن کا عہد مسلمانوں کے ساتھ درست ہوسکتا ہے) اگر وہ (اے مسلمانو!) تم پر غالب آجائیں تو نہ عزیزداری کا لحاظ رکھیں نہ عہد کا۔ اپنے منہ سے تم کو خوش کرتے ہیں اور دلوں میں انکے انکار ہے اور اُن میں اکثر بدعہد ہیں۔

(۹) اِشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ ڈالا پھر اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنے لگے بے شک یہ لوگ بُرے کام کر رہے ہیں۔

(۱۰) لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ۝ کسی مومن کے بارہ میں نہ وہ عزیزداری کا خیال رکھتے ہیں اور نہ اپنے عہد کا اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔

(۱۱) وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ۝ اور اگر عہد کرکے یہ لوگ اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور تمھارے دین پر طعنہ

ماریں تو کفر کے سرداروں سے لڑو تا وہ باز آ جائیں۔ انکی قسمیں کوئی چیز نہیں ؛

(۱۲) اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط تم کیوں اُن لوگوں سے نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسول کو نکال دینا چاہا اور انہوں نے ہی پہلے تم سے ابتدا کی ؛

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر مسلمانوں کو بعض خاص قبائل عرب کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کا حکم دیا گیا تھا ؛

(۱) جن کفار کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا گیا تھا انہوں نے مسلمانوں پر پہلے حملہ کیا (وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط)

(۲) انہوں نے نقضِ عہد کیا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منافقانہ طور پر عہدنامہ کیا اسپر کاربند ہونے کے لیئے نہیں بلکہ اس لیئے کہ مسلمانوں پر حملہ کرنیکے لیئے مناسب موقعہ کے منتظر رہیں۔ اور اسطرح وہ اسلام کے کھلم کھلا دشمنوں کی نسبت زیادہ خطرناک تھے انہوں نے زبانی تو مسلمانوں کو خوش کر دیا مگر دلوں میں سخت بغض رکھا ؛

(۳) انکی دشمنی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ انہوں نے رشتہ کی فطرتی محبت اور تعلقات کو بھی بالائے طاق رکھدیا۔ گو ظاہراً وہ مسلمانوں سے باامن رہنے کا وعدہ کرتے تھے مگر جہاں اُن کو موقعہ لگتا وہ اپنے مسلمان رشتہ داروں کے مار ڈالنے میں بھی تامل نہ کرتے تھے مگر نہ رشتہ کے تعلقات اُن کو مسلمانوں کے قتل کرنے سے روک سکتے تھے اور نہ عہد کا لحاظ کیا اس سے بھی بڑھکر کوئی ظلم اور زیادتی ہو سکتی ہے؟ اِن آیات میں دوبار اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ رشتہ داری اور اپنے عہدناموں کا بھی لحاظ نہیں رکھتے ؛

(۴) وہ زیادتی کے مرتکب ثابت ہو چکے تھے (وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ)

(۵) وہ لوگوں کو ہدایت سے روکتے تھے یعنی نومسلموں پر سختی اور قتل روا رکھکر لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکتے تھے۔ (فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ)

یہ لوگ تھے جن کے خلاف مسلمانوں کو لڑنے کا حکم دیا گیا تھا۔ مجھے ان آیات میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جو کہ قرآن شریف کی دوسری آیات کے خلاف ہو جنکی یہ ناسخ خیال کی جاتی ہیں ان آیات میں جو سورہ توبہ کے شروع میں ہیں اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں نازل ہوئی تھیں مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر مخالفین اسلام سے لڑنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اور ان سے یہ ہرگز نہیں پایا جاتا کہ جو کفار ان زیادتیوں کے مرتکب نہیں ہوئے تھے انپر بھی تلوار اُٹھانے کا حکم دیا گیا ہو۔ بلکہ انہی آیات میں عام مخالفین اسلام کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرنے اور معاہدہ کی پابندی کرنے کا حکم دیا گیا ہے بلکہ اسکو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا موجب قرار دیا گیا ہے اور بصورت زیادتی اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرایا گیا ہے اور یہی تعلیم قرآن شریف میں سب جگہ پائی جاتی ہے ان آیات کی تعلیم کا قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات سے جو دوسری سورتوں میں پائی جاتی ہیں بالکل تطابق ہے :-

(۱) وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (البقرہ آیت ۱۹۰) تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں اور زیادتی مت کرو اللہ تعالیٰ زیادتی کرنیوالوں سے پیار نہیں کرتا ؛

(۲) لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ (الممتحنۃ آیت ۸) جو لوگ (کافروں میں سے) دین پر تم سے نہیں لڑے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے انہوں نے نکالا اُن سے بھلائی اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ؛

(۳) وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ۘ اور جن لوگوں نے تم کو مسجد حرام میں آنے سے روکا اُن کی دشمنی

تم سے زیادتی نہ کرائے (المائدہ رکوع ۱)

(۴) فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْھِمْ سَبِیْلًا (النساء آیت ۹۰) اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی کریں اور تم سے لڑیں نہیں اور تم سے صلح رکھیں تو ایسے لوگوں کے برخلاف لڑائی کرنے کی اللہ تعالیٰ تم کو اجازت نہیں دیتا۔

(۵) مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا (المائدہ - آیت ۳۲) جو شخص کسی انسان کو بغیر اسکے کہ وہ کسی دوسرے انسان کے قتل یا زمین میں فساد کرنے کا مرتکب ہوا ہو قتل کرے گا تو گویا اس نے سب انسانوں کو قتل کیا (اسمیں مسلمان یا غیر مسلمان کی تمیز نہیں)

کیسے سخت افسوس کی بات ہے کہ وہ کتاب پاک جو ایسی اعلیٰ درجہ کی منصفانہ اور نیکی سے بھری ہوئی تعلیم پیش کرے اُسے یسوع مسیح کے پجاری ایسے رنگ میں پیش کریں کہ وہ لوگوں پر ظلم کرنے اور جبر سے مسلمان بنانے کی تعلیم دیتی ہے۔ اس سے زیادہ ظلم اور زیادتی کی بات اور کونسی ہو سکتی ہے۔ وہ کب تک ہماری کتاب پاک کی نسبت غلط فہمی پھیلاتے رہیں گے؟ کیا یسوعی دنیا میں کوئی ایسا منصف مزاج شخص نہیں ہے جو پادری صاحبان کی اس بیجا ظلم سے بھری ہوئی کارروائی کے خلاف آواز اُٹھائے؟ کیا یہ بے انصافی اور بے رحمی نہیں کہ قرآن شریف کی صاف صاف رحیمانہ اور باامن تعلیم سے آنکھیں بند کر کے بعض آیات کے اپنے مدعا کے مطابق غلط معنے کر کے اسلام کو ظلم اور زیادتی کا مترادف قرار دیا جاوے اور اس طرح ایک دنیا کو اسلام سے نفرت دلائی جاوے۔ ہر ایک یسوعی پادری آیات قرآن کے اُن ٹکڑوں کو تو غلط فہمی پھیلانے کے لیئے ازبر یاد رکھتا ہے جن میں تلوار اُٹھانے کی ترغیب دی گئی ہے مگر وہ حصے عمداً چھپاتا ہے جن میں تلوار اُٹھانے کے اسباب بیان کیئے گئے ہیں۔ آجتک کسی الہامی یا غیر الہامی کتاب کے ساتھ ایسا بے رحمانہ سلوک نہیں کیا گیا جیسا کہ یسوعی صاحبان قرآن شریف کے ساتھ کر رہے ہیں۔

عرب کے معاندین نے جن کے برخلاف سورہ توبہ کی ابتدائی آیات میں جنگ کرنے کا حکم دیا گیا نو مسلموں پر کس کس قسم کے ظلم توڑے تھے یہ امر مندرجہ ذیل آیات سے بھی واضح ہو سکتا ہے جو اسی ابتدائی حصہ میں شامل ہیں :-

(۱) قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (سورہ توبہ آیت ۱۴)

اُن سے لڑو اللہ تعالیٰ تمھارے ہاتھوں سے اُن کو سزا دے گا اور اُن کو ذلیل کرے گا اور تم کو اُنپر فتح دے گا اور مومنوں کے (زخمی) سینوں کو شفا دے گا ؛

(۲) وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ (توبہ آیت ۱۵) اور اُن کے دلوں کا غصہ دُور کرے گا۔

ان الفاظ سے جنپر خط کھینچا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان مشرکین نے مسلمانوں پر ایسے ایسے ظلم کیئے تھے کہ مسلمانوں کے سینے سخت زخمی ہو گئے تھے اور اُن کے دلوں میں بڑا دُکھ تھا۔ اگر ایسے ظالموں کے ساتھ خدائے تعالیٰ نے لڑائی کرنے کا حکم دیا تو کیا یہ حکم ناجائز تھا یا بالکل انصاف پر مبنی تھا؟ جو مذہب ایسے خوں خوار لوگوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا وہ مذہب نوع انسان کے لیئے مفید نہیں ہو سکتا بلکہ ایسا مذہب ایک خطرناک مذہب ہے جس کا نتیجہ سوا تباہی کے اور کچھ نہیں ؛

نیز آیات زیر بحث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس لیئے ایسے معاندین کے خلاف تلوار اُٹھانے کی اجازت دیگئی تھی تاکہ وہ آیندہ ایسی حرکات کرنے کی جرأت نہ کر سکیں آیت نمبر ۱۲ میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے :- "اگر وہ اپنی قسمیں توڑ ڈالیں بعد عہد کرنے کے اور تمھارے دین میں طعن کریں۔ تو کفر کے سرگروہوں سے لڑو (کیونکہ اُنپر کوئی اعتبار نہیں) تاکہ وہ اپنی زیادتیوں سے باز آجائیں" اصل آیت حسب ذیل ہے:-

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ (التوبہ آیت ۱۲)

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں اوّل یہ کہ مقاتلہ کا حکم انصاف پر مبنی اور انصاف کو ہی مدنظر رکھکر دیا گیا تھا۔ اور اس لیئے دیا گیا تھا کہ معاندین اسلام کو جنہوں نے اپنی قسموں کو بالائے طاق رکھکر ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی ظلم اور زیادتی سے باز رکھا جاوے۔ دوم یہ کہ بموجب حکم قرآنی مسلمانوں کو صرف اَئِمَّةَ الْكُفْرِ (کفار کے سرگروہوں) سے ہی مقاتلہ کا حکم ملا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ لڑائی کا مدعا محض دشمنان اسلام کو ظلم اور زیادتی سے باز رکھنا تھا جو کہ صرف سرگروہوں کو سزا دینے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جبر سے کسی کو مسلمان بنانا غرض نہ تھا اور مخالفین کے سرگروہوں کو سزا دینا اسلیئے بھی ضروری ہوگیا تھا کیونکہ انہوں نے نہ صرف عہدناموں کی خلاف ورزی کی بلکہ اپنے نومسلم رشتہ داروں کی قرابت کا لحاظ بھی بالائے طاق رکھکر انپر ہر ایک ظلم اور زیادتی روا رکھی۔ ایسے حالات کی ماتحتی میں سزا دہی کی صورت کے سوائے اور کوئی بہتر علاج نہ تھا۔ انکے ساتھ معاہدوں کی تجدید اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تھا۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ اُن کے نزدیک عہدناموں کی پروا پرکاہ کے برابر بھی نہیں ہے۔

لیکن سب سے اعلیٰ بات جو ہمیں احکام قرآنی مندرجہ سورہ توبہ میں درباره جنگ ملتی ہے وہ اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کے ساتھ نہایت نرم اور متحملانہ سلوک ہے چونکہ مخالفین اسلام نقضِ عہد کے مرتکب ثابت ہو چکے تھے اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُنپر ایسی حالت میں بغیر نوٹس دینے کے بھی حملہ کرنے کے مستحق تھے۔ لیکن قرآن مجید کی باامن اور نرم تعلیم نے جو معاہدہ کی پابندی کا سخت خیال رکھنے کا حکم دیتی ہے مخالفین اسلام کو پورے چار ماہ مقابلہ کرنے کی تیاری کے لیئے یا اپنی حفاظت کا کوئی دوسرا پہلو سوچنے کے لیئے مہلت دیدی۔ کیا ایسے کٹر دشمن کسی قسم کے رحم کے مستحق ہو سکتے تھے؟ لیکن گو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بباعث ان کے نقضِ عہد اور ظلم کے مرتکب ہونے کے ہر طرح اُنپر یکدفعہ حملہ کرنے کے پورے پورے مستحق تھے مگر آپ نے نہ صرف ایک عام اعلان کے ذریعہ عہد شکن دشمن کو متنبہ کر دیا بلکہ آپ نے اُنکو ملک میں تاریخ اعلان سے لیکر چار ماہ کامل تک اِدھر اُدھر نقل و حرکت کرنے کی اجازت دی یہ

اعلان قرآن شریف کے اُس حکم کے مطابق تھا جو اس سے قبل سورہ انفال میں نازل ہو چکا تھا اور وہ حکم یہ ہے وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْبِذْ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَآءٍ (الانفال-آیت ۵۸) ترجمہ۔ اور اگر کسی قوم سے تجھے بدعہدی کا خوف ہو تو ان کا عہد انکو مساوات واپس کردو (تاکہ انکو بھی تیاری کرنیکا پورا موقعہ ملجائے)۔ اس آیت کے رو سے اگر مسلمانوں کو کسی مخالف قوم سے صرف بدعہدی کا خوف ہی ہو تو بھی اُن کو اختیار رہے کہ عہد کو منسوخ کردیں۔ مگر معاملہ زیر بحث میں بدعہدی کا خوف تو کجا مخالفین اسلام فی الواقعہ عہد شکنی کر چکے تھے اور مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کے مرتکب ثابت ہو چکے تھے اس لیئے ایسے ظالم بدعہد لوگوں کو کسی قسم کی مہلت دینی مُسلمانوں پر لازم نہ تھی تاہم قرآن شریف وسیع اخلاق اور سچی انسانی ہمدردی کو مدنظر رکھ کر ایسے عہد شکن ظالم لوگوں کو بھی اپنا بچاؤ کرنے کے لئے چار ماہ کی لمبی مہلت دیتا ہے اور یہ حکم عین رحم پر مبنی ہے کہاں ہیں وہ معترض جو قرآن شریف پر بہتان باندھنے سے باز نہیں آتے اور محض مخالفت اسلام کی وجہ سے کہتے پھرتے ہیں کہ سورہ التوبہ کی پہلی آیات کے رو سے قرآن شریف کے سابقہ احکام منسوخ ہو چکے ہیں حالانکہ اصلیّت یہ ہے کہ جیسا سابقہ احکام رحم اور انصاف پر مبنی ہیں بعینہٖ ایسا ہی سورہ توبہ کے احکام بھی رحم اور انصاف پر مبنی ہیں ایسے حالات کی موجودگی میں کہ معاندین اسلام عہد شکنی اور ظلم کے مرتکب ثابت ہو چکے تھے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر یہ ضروری نہ تھا کہ ان کو قبل از وقت تنسیخ عہد کی اطلاع بذریعہ پبلک اشتہار دیتے جو آپکے ایک عزیز اور قریبی رشتہ دار کے ذریعہ ایک بڑے بھاری مجمع میں علی الاعلان سنایا گیا تھا جس کے ذریعہ نہ صرف تنسیخ عہد کی انکو اطلاع دیگئی بلکہ مخالفین کو اپنی حفاظت کا مناسب انتظام کرنے کے لیئے ایک کافی لمبی مہلت بھی دیدی گئی۔

اسی پر بس نہیں بلکہ معاندین اسلام اپنی کرتوتوں کے بدلے قتل کے مستحق ثابت ہو چکے تھے اور دنیا کا کوئی قانون بھی انکو اس سزا سے بری نہیں رکھ سکتا تھا۔ تاہم

اللہ تعالیٰ نے اپر آسانی رکھدی کہ اگر ان میں سے کوئی مسلمان ہو جاوے اور فرائض اسلام بجالاوے تو اسے معاف کر دیا جاوے کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ یعنی یہ معافی اور نرمی اللہ تعالیٰ کا اُنپر رحم ہے۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیئے رحم تھا کہ وہ اپنی بدکرداریوں اور مسلمانوں کے قتل کی پاداش میں سخت سے سخت سزا کے لائق تھے مگر چونکہ انکا اسلام میں داخل ہونا اس بات کا ثبوت تھا کہ انہوں نے گذشتہ قصوروں سے توبہ کرلی ہے اس لیئے اللہ تعالیٰ نے انکے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے اور انہیں سزا سے بری کر دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دنوں میں اسلام قبول کرنا بھی ایک رنگ میں موت کا سامنا ہی تھا کیونکہ مشرکین اسلام کے ایسے سخت معاند تھے کہ اُن دنوں مسلمان ہونا اپنی زندگی کو ہلاکت میں ڈالنا ہونا تھا۔ چنانچہ انہیں آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مشرکین مسلمانوں کی بیخکنی کرنے میں نہ تو عہدناموں کی پروا کرتے تھے اور نہ قربت رشتہ کا لحاظ رکھتے تھے۔ اس لیئے اسلام قبول کرنا بھی قتل کے فتوے کے قریب ہی تھا۔

لیکن ایسا خیال کرنا سخت غلطی ہے کہ جنگ محض مشرکین کو مسلمان کرنے کیلیئے اختیار کیا گیا تھا۔ کیونکہ آیات زیر بحث پر سرسری نگاہ کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کو محض اس بنا پر کہ مشرکین کو زبردستی مسلمان بنایا جاوے جنگ کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ مندرجہ ذیل وجوہ قابل غور ہیں۔

اوّل۔ ان آیات کے رو سے مسلمانوں کو صرف ایسے مشرکین سے لڑائی کرنے کا حکم دیا گیا تھا جو نقضِ عہد کرکے اور قرابتِ رشتہ کے لحاظ کو ترک کرکے مسلمانوں پر ظلم اور زیادتی کرنے اور انکو قتل کرنے کے مجرم ثابت ہو چکے تھے۔

دوم۔ ان آیات کے رو سے مسلمانوں کو ایسے مشرکین سے لڑنے کی سخت ممانعت تھی جنہوں نے انکے خلاف ہتھیار نہ اُٹھائے تھے اور نیز جنہوں نے نقضِ عہد نہ کیا تھا۔ جیسا کہ آیات ماسبق سے ظاہر ہے۔

سوم۔ اُن کو صرف ائمة الکفر (سرغنوں) سے جو ظلم کے بانی تھے لڑنے کا حکم دیا گیا تھا۔

چہارم۔ لڑائی کا حکم محض بدعہد دشمن کو بدعہدی سے باز رکھنے کے لیے دیا گیا تھا جیسا کہ فرمایا۔ فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ ترجمہ۔ پس کفر کے سرغنوں سے لڑو کیونکہ انکی قسمیں کچھ چیز نہیں تا کہ وہ بدعہدی سے باز رہیں ؛

پنجم۔ عورتیں۔ بچے۔ بڈھے وغیرہ جو ہتھیار نہیں لگا سکتے تھے انکے خلاف ہتھیار اٹھانا سخت منع تھا ؛

مندرجہ بالا دلائل سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ لڑائی کا حکم محض دفاعی اور امن قائم کرنے کے لیے تھا نہ کہ لوگوں کو زبردستی سے مسلمان بنانے کے لیے۔ اور وہ بھی صرف چند اُن قبائل کے خلاف دیا گیا تھا جو عہد شکنی اور ظلم اور زیادتی کے مرتکب ثابت ہو چکے تھے تا کہ وہ بدعہدی سے باز رہ سکیں۔ مسلمان ہو جانے کی وجہ سے قابل عفو سمجھنے کا حکم دینا ہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ ضرور کسی ایسے قصور کے مرتکب ہو چکے تھے جس کی سزا سوائے موت کے اور کوئی نہ ہو سکتی تھی اور جسے مسلمان بجائے خود خواہ وہ لوگ مسلمان ہی کیوں نہ ہو جاتے معاف نہ کر سکتے تھے آیت کریمہ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے خاص حکم کے مسلمان اُن معاندین کو اسلام لے آنے کے بعد بھی معاف نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اُن کے قصور ناقابل عفو تھے۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ سے بھی وہی معلوم ہوتا ہے اور مسلمانوں کو تاکیداً حکم دیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ایسے سخت قصور معاف کر دیتا ہے تو اُن کو بھی اب اِن لوگوں سے درگذر ہی کرنا چاہیئے اور اُن کو اپنا بھائی سمجھنا چاہیئے ؛

میرے خیال میں مندرجہ ذیل احادیث مذکورہ بالا آیت کے مطلب کو واضح کرنے کے لیے بہت مدد دینگی۔ صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۳۷۔۳۸ پر لکھا ہے کہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الحرقة فصبحنا القوم فھزمناھم ولحقت انا ورجل من الانصار رجلا منھم فلما غشیناہ قال لا الٰہ الا اللہ فکف

الانصاری فطعنته برمحی ختی قتلته فلما قدمنا بلغ النبي صلی الله علیه وسلم فقال یا اسامة اقتلته بعد ما قال لا اله الا الله قلت کان متعوذا فما زال یکررها حتی تمنیت انی لم اکن اسلمت قبل ذلك الیوم۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو دشمن کی طرف روانہ فرمایا۔ اس جماعت میں حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ مسلمانوں نے دشمنوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ اور ایک اور انصاری نے دشمنوں میں سے ایک شخص کا تعاقب کر کے اُس کو پکڑ لیا اُس وقت اُس نے کہا لا اله الا الله۔ انصاری تو اُس کو مارنے سے رُک گیا مگر حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے اُس کو برچھے سے قتل کر دیا۔ جب یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ اے اُسامہ کیا تُو نے اُس کو لا اله الا الله کہنے کے بعد بھی قتل کر دیا۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اُس نے تو صرف اپنی جان بچانے کے لئے ایسا کہا۔ مگر آپ یہی کلمات دُہراتے رہے یہاں تک کہ اُسامہ رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ تمنا ہوئی کہ وہ اس دن سے پہلے مسلمان نہ ہوئے ہوتے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فهلا شققت عن قلبه کیا تُو نے اُس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ سچے دل سے لا اله الا الله کہتا ہے یا خوف سے۔

پھر ایک اور حدیث میں لکھا ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں کفار میں سے ایک شخص کو ملا وہ مجھ سے لڑنے لگا اور اُس نے میرا ایک بازو کاٹ دیا اور ایک درخت کے پیچھے پناہ گزین ہوا اور کہا اسلمت لله یعنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوا یا مسلمان ہوا۔ اے رسول خدا کیا میں اُس کو قتل کر دوں۔ آپ نے فرمایا لا تقتله۔ اُسے قتل مت کرو۔ اُس نے پھر عرض کی کہ یا رسول اللہ اُس نے میرا ہاتھ پہلے کاٹا اُس کے بعد اسلمت کہا۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا لا تقتله اُسے قتل مت کرو اور نیز فرمایا ان قتلته فانه بمنزلتك

قبل ان تقتلہ وانک بمنزلتہ قبل ان یقول کلمتہ التی قال یعنی اگر تو اُس کو قتل کر دے گا تو قتل کرنے سے پہلے جو تیرا مقام ہوگا وہ مقام اُسے دیا جائیگا اور اسلمت کہنے سے پہلے جو حالت اُس کی تھی وہ تیری حالت ہو جائے گی یعنی خدائے تعالیٰ کی درگاہ میں اُس کو مومن کا درجہ دیا جائیگا اور تو کافر گردانا جائے گا۔ (صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۹)

ایسا ہی ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک جنگ میں ایک کافر نے بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا پھر وہ ایک مسلمان کی زد میں آیا۔ اور مسلمان نے اُس کے قتل کرنیکے لیئے تلوار اُٹھائی۔ جب اُس نے اپنے سر پر تلوار کو دیکھا تو بول اُٹھا لا الٰہ الا اللہ۔ مگر مسلمان نے اپنا ہاتھ نہ روکا اور اُس کو قتل کر دیا۔ پھر اُس مسلمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر سارا ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا پھر کیا تو نے اُس کو قتل کر دیا اُس نے جواب میں بہت سے صحابیوں کے نام لیئے کہ اُس نے فلاں کو مارا تھا فلاں کو مارا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حساب کے دن تم لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ کیا کروگے۔ حساب کے دن تم لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ کیا کروگے۔ اور آپ اسی بات کو دُہراتے رہے۔

آیت نمبر ۵ کا بھی بعینہٖ یہی منشاء ہے جو ان احادیث کا منشاء ہے یعنی یہ کہ اگرچہ یہ مشرکین سخت سے سخت مظالم کے مرتکب ہو چکے ہیں مگر پھر بھی اگر ان میں سے کوئی شخص اسلام قبول کرلے تو اُسکے گذشتہ ظلموں اور خونریزیوں کے عوض میں اُسے قتل مت کرو۔ بلکہ اُس کو معاف کردو اور خدائے تعالیٰ بھی اگر چاہے گا تو اُس کے قصور معاف کر دے گا۔ کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ ایسے حکم کی ضرورت اس لیئے پیش آئی کہ وہ نہایت ہی خطرناک عہد شکنیوں اور خونریزیوں کے مرتکب ہو چکے تھے اور اگر مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ یہ حکم نہ دیا جاتا کہ اسلام قبول کرنے والوں سے درگذر کردو تو ممکن تھا کہ جیسے مندرجہ بالا مثالوں میں بعض مسلمانوں نے اپنے خونی دشمنوں کو باوجود اُنکے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے قتل کر دیا ایسا ہی اب بھی ان دغاباز لوگوں کو باوجود اُن کے

لا الٰہ الا اللہ کہنے اور اسلام قبول کرنے کے اُن کو قتل ہی کر ڈالتے ؛

یہ امر کہ کوئی شخص دل سے مسلمان ہوا ہے یا صرف جان بچانے کے لیئے اس کا فیصلہ کرنا مسلمانوں کا کام نہ تھا بلکہ یہ خدائے تعالیٰ کا کام تھا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کسی کا دل چیر کر یہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ اُس کے دل میں ایمان ہے یا نہیں اُن کا کام صرف ظاہر کو دیکھنا تھا - اگر ایک شخص ظاہر میں اسلام لاتا اور اسلامی شعار کی پابندی اختیار کرتا تو اُن کو حکم تھا کہ وہ اُس کو اُس کے حال پر چھوڑ دیں - باقی اُنکا حسیب خدائے تعالیٰ تھا ؛ (باقی آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

اسلام میں عورت کیا حیثیت رکھتی ہے

نمبر ۳

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت ازدواجی پر نظر کرنے سے پہلے یہ غور کرنا لازمی ہے کہ وہ کونسے واقعات اور مجبوریاں تھیں جن کے ماتحت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی شادیاں کیں - آپ نے ۲۵ سال کی عین نوجوانی کی عمر میں ایک چہل سالہ بیوہ عورت سے شادی کی اور ۵۰ سال کی عمر تک جبتک کہ وہ زندہ رہی آپنے کسی دوسری شادی کا خیال تک نہ کیا پہلی بیوی کی وفات کے بعد جب ۵۰ سال کی عمر میں آپنے دوسری عورت سے شادی کی، تو وہ عورت بھی پہلی بیوی کی طرح عمر رسیدہ اور بیوہ تھی - آپنے اپنی عمر کے ۵۵ سال کے بعد زیادہ بیویاں کیں. گویا کہ آپنے اپنا عالم شباب جو امنگوں کی عمر ہوتی ہے ایک بڑھیا بیوہ کے ساتھ بسر کیا اور پھر بعد ازاں بھی ایک ایسی بڑھیا سے شادی کی جو پہلی بی بی کی طرح عمر رسیدہ تھی یعنی جوانی کا سارا زمانہ ۵۵ سال کی عمر تک آپنے صرف ایک عورت کے ساتھ بسر کیا - اور آپ کی عمر کا آخری زمانہ جو پولٹیکل اور سوشل باتوں سے بھرا ہوا تھا آپ کی کثرت ازدواجی کا زمانہ تھا - اور آپ کی تمام ازواج مطہرات سوائے حضرت عائشہ رض کے سب کی سب یا تو بیوہ تھیں یا مطلقہ تھیں اسکے ساتھ ہی اسپر غور کیا جاوے کہ آپنے اپنی جوانی کی عمر صرف ایک بڑھیا بیوہ کے ساتھ گزاری اور اسکے بعد بھی سوائے حضرت عائشہ رض کے جو وہ بھی بوقت نکاح

خوردسال تھیں باقی سب کی سب ازواج مطہرات بیوہ یا مطلقہ تھیں تو اس میں ذرا بھی شک نہیں رہتا کہ آپؐ نے کسی نفسانی غرض کو مدِّ نظر رکھکر یہ نکاح نہیں کیے تھے۔ آپؐ کی کثرت ازدواج نے مسلمانوں کو عظیم الشان فوائد پہنچائے۔ آپؐ کی کئی شادیوں سے پُشت ہا پشت کی دشمنیاں اور خونخوار جنگیں مبدل امن ہوگئیں اور بعض شادیاں ہزارہا لوگوں کو غلامی کے پھندے سے بچانے کا موجب ہوئیں۔ جو کہ کسی دوسری وجہ سے ممکن نہ تھا۔ کئی شادیاں محض بیکس عورتوں کی دستگیری کی وجہ سے کی گئیں یا مختلف قبائل میں باہمی محبت و مودّت پیدا کرنے کیلئے کی گئیں اور بعض سے غلامی سے رہائی دینے کے لیے نکاح کیا۔ مختصر یہ کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ سلم کی کثرت ازدواجی میں از روئے تواریخ بھی کوئی ذراسی نفسانی غرض ثابت نہیں کی جاسکتی۔ جگہ کی کمی کے باعث مجھے افسوس ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ایک شادی پر فرداً فرداً مفصل طور پر نہیں لکھ سکتا ورنہ جہانتک ہم اس معاملہ میں زیادہ غور و خوض کرتے ہیں اتنا ہی زیادہ ہمارا ایمان آنجناب پاک صلعم کی مطہر اور بے عیب زندگی پر بڑھتا ہے پس تمام غیر مسلموں اور ناظرین سے انصاف کا واسطہ دیکر اپیل کرتا ہوں کہ وہ نہایت غور و خوض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی پاک زندگی کا مطالعہ کریں۔ آپؐ کی کثرت ازدواجی عین منشائے ایزدی کے مطابق تھی اور اس منشائے ربانی کے پورا کرنے میں آپؐ نے ایسی پاکیزگی کا بیج بویا جو تمام دنیا کے لیے قابل عمل ہے۔ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ہمشیرہ اسماءؓ آپؐ کے سامنے ایک باریک کپڑا اوڑھے آئی تو حضورؐ نے اُس کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ جوان عورت کو ایسا باریک لباس نہیں پہننا چاہیئے۔ آپؐ نے ایک عورت کی طرف ایسی حالت میں جبکہ وہ باریک کپڑا پہنے ہوئے تھی دیکھنا بھی پسند نہ کیا۔ آپؐ معاملات میں ایسے دیانتدار تھے کہ آپکی امانت و دیانت ایک ضرب المثل ہوگئی تھی اور آپکے زمانہ کے لوگ آپؐ کو امین کے معزز خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ آپؐ خشیتہ اللہ میں یہانتک بڑھے ہوئے تھے کہ آپ رات کا اکثر حصہ عبادت میں گذار دیا کرتے تھے اور اس کثرت سے متواتر روزے رکھا کرتے تھے کہ بعض اوقات گمان ہوتا تھا کہ آپ کبھی افطار ہی نہیں کرتے آپؐ کا چال چلن ایسا پاک تھا کہ یسوعی مشنری ۱۳ صدیوں کی متواتر کوششوں کے باوجود ایک بھی دھبہ آپکی پاکدامنی پر نہیں لگا سکے۔ آپؐ نے سلسلہ حقہ اسلام کی اشاعت میں کسی زبردست سے زبردست مخالفت کی کبھی ذرا بھر بھی پروا نہیں کی۔ اور کوئی موقعہ اور دقیقہ اپنے پاک مشن کی اشاعت کا باقی نہ چھوڑا۔ وہ انسان جو اپنے خالق کے منشا کو دنیا پر ظاہر کرنے کے لیے ہر وقت ہمہ تن مصروف رہتا ہو۔ اور جس کی تمام

جوانی کی عمر نہایت باعصمت گذری ہو۔ جس کے کلمات سچ اور جس کا قانون مدلل ہو۔ اور جس کا زرین اصول بنی نوع انسان کی ہمدردی اور اخوت میں ترقی دینا ہو اور جس کا رہنما اور سہارا محض رب العالمین ہی ہو۔ اور جو کہ تواریخی زمانہ کا ایک ہی فرد کامل ہو جس کا ہر ایک فعل اندرونی اور بیرونی تعلقات کا ذرا بھر بھی پوشیدہ نہ ہو اور جو آیات ذیل کا پورا پورا مصداق ہو۔ قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (ترجمہ۔ کہہ تحقیق میری نماز اور میری عبادتیں اور میرا مرنا اور میرا جینا محض اللہ تعالیٰ کے لیئے ہے جو رب العالمین ہے) اور وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی (وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا) اور سب سے بڑھکر یہ کہ جس کے اقوال و افعال ایک عرصہ دراز تک ہر ایک عیب گیر اور نکتہ چین نگاہ کے زیر امتحان رہ کر سچے ثابت ہو چکے ہوں ایسا شخص اسبات کا ہر طرح سے مستحق ہے کہ اُسے سچا اور منجانب اللہ یقین کیا جاوے۔ غار حرا آپ کی اُس سچی اور مخلص محبت کی یادگار موجود ہے جو کہ آپ کو بنی نوع انسان سے تھی جبکہ آپ نے اپنی عزیز عمر کا ایک معتد بہ حصہ اس میں بنی نوع انسان کی بہبودی کے لیئے درد دل سے دعائیں کرنے میں گذارا۔ شرارت اور بدی کا صفحہ دنیا سے قلع قمع کرنے میں آپ نے اپنے آپ کو بھلا دیا۔ اور سب سے زیادہ آپ کو شرک اور بے رحمی کی رسومات نے دکھ پہنچایا جن سے دنیا پر اندھیرا چھا رہا تھا۔ آپ نے دعاؤں پر دعائیں مانگیں یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی سوز و گداز سے بھری ہوئی دعاؤں کو قبولیت کا شرف بخشا اور آپ کو دنیا کی اصلاح کے لیئے مامور کیا۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو دوبارہ قائم کرنے کی غرض پر مامور ہو کر رسول کریم صلعم نے جو کامیابی اس معاملہ میں حاصل کی وہ حیرت انگیز تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی پاکیزہ اور قابل تقلید زندگی کے ہر ایک پہلو پر نظر کرنے کے بعد کیا کوئی شخص اس بات کو تھوڑی دیر کے لیئے بھی ماننے پر طیار ہوگا کہ آپ نے کثرت ازدواجی محض کسی نفسانی غرض کو مد نظر رکھ کر روا رکھی۔ ہم یہاں رسول کریم کے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ سلوک کا کچھ مختصر سا حال بیان کر کے ناظرین پر اس امر کا فیصلہ چھوڑتے ہیں کہ آپ کی معاشرت اپنی بی بیوں کے ساتھ کیسی پاکیزہ تھی۔ بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ خدا کی قسم کھا کر بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ میرے دروازہ پر کپڑے کا پردہ کر کے کھڑے رہے تاکہ میں حبشیوں کی تلوار کے کرتب دیکھ سکوں جو میرے مکان کے مقابل مسجد میں کر رہے تھے اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسی حالت میں کھڑے رہے جبتک کہ میں یہ تماشہ دیکھتی رہی۔ اسوقت کا اندازہ لگانا دشوار ہے جبتک کہ رسول کریمؐ ایسی حالت میں کھڑے رہے اور چونکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اُن دنوں چھوٹی عمر کی تھیں اس لیئے فطرتی تقاضا کے مطابق کھیل دیکھنے کی شوقین تھیں۔ اس معاملہ میں حضرت نبی کریم صلعم نے اپنے پیرووں کے لیئے ایک قابل تقلید مثال قائم کی۔ آنحضرتؐ کا حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایسا سلوک اُس حقیقی ہمدردی اور محبت کا ثبوت دیتا ہے جو آپؐ کو اس کمزور فرقہ نسواں سے تھی۔ آپؐ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے دروازے پر کپڑا پھیلائے کھڑے رہے تاکہ آپؐ کی زوجہ مطہرہ حبشیوں کا تماشہ دیکھ سکیں اور اُس کی خاطر وہاں سے ہلنے تک کا نام نہ لیا جبتک کہ حضرت عائشہؓ اپنی مرضی سے وہاں سے نہ ہٹیں۔ مغربی تہذیب باوجود عورتوں کی آزادی کی اتنی چیخ پکار کے انکی نسبت اتنی عزت نہیں رکھتی جسقدر کہ اسلام نے سکھلائی۔ اسلام نے جیسا کہ بانی اسلام کے فعل سے ظاہر ہے عورتوں کی جائز آزادی میں کوئی روک پیدا نہیں کی ہاں صرف مردوں کے ساتھ عام طور پر عورتوں کے خلا ملا کو جو کئی برائیوں کی جڑ ہے روک دینا چاہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ عوام الناس کے سامنے باہر نہیں نکلیں لیکن پردہ میں اُس تمام تماشہ کو دیکھتی رہیں۔ اگر مرد ایسے تماشوں کو بغیر اخلاقی اور روحانی نقصان برداشت کرنیکے دیکھ سکتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کیوں عورتوں کو ہی اس سے منع کیا جاوے۔ اور یہی وجہ تھی کہ نبی کریمؐ نے اپنی زوجہ مطہرہؓ کو اس کھیل کے دیکھنے میں مدد دی گو آپ تکان کے باعث بیٹھ سکتے تھے مگر آپؐ نے اپنی بیوی کی خاطر داری کو اپنے آرام پر ہر قسم کی ترجیح دی ؛

یہاں اس بات کا واضح کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریمؐ کے واقعات زندگی میں عورتوں کے ناچ وغیرہ میں شمولیت مثل بال وغیرہ یا اس قسم کی دیگر اخلاق کو تباہ کر دینے والی مجالس میں شریک ہونے کا ذرہ بھر بھی خیال نہیں پایا جاتا۔ آپؐ نے حبشیوں کا تلواروں کا تماشہ اپنی زوجہ مطہرہؓ کو ایک پردہ کے پیچھے سے دکھایا۔ جو کہ مسجد میں کیا گیا تھا اور اس لیئے اس میں بداخلاقی کا کوئی شائبہ بھی نہ تھا۔ صرف اس ایک واقعہ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ عورتوں کو ہر ایک قسم کی بداخلاقی کے نظارے بھی دیکھنے کی اجازت ہے رائی کا پہاڑ بنانا ہے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ ایکدفعہ آپؓ اور آنحضرت صلعم نے ایک دوسرے کے ساتھ سواری کے دوڑانے میں مقابلہ کیا اور پہلی مرتبہ حضرت عائشہؓ آگے بڑھ گئیں (معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے عمداً حضرت عائشہؓ کو بڑھ جانے کا موقعہ دیا) مگر دوسری بار آنحضرت صلعم حضرت عائشہؓ سے آگے بڑھ گئے

جب آپؐ نے فرمایا تِلْكَ بِتِلْكَ عوض معاوضہ گلہ ندارد۔ یہ پہلی بار جیتنے کا بدلہ ہے۔ ایک مسلمان کو رسول کریم صلعم کے واقعات زندگی میں ایسے حالات پڑھکر جن سے آپؐ کی عورتوں کے بارے میں کمال مہربانی اور رحیمانہ سلوک کا پتہ لگتا ہے ازحد خوشی حاصل ہوتی ہے مغربی تہذیب باوجود اتنے ادعائے آزادیٔ نسوان کے ابھی تک اُس جائز اور بے ضرر آزادی کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکی جو کہ بانیٔ اسلامؐ نے اپنے اُسوۂ حسنہ سے جائز قرار دی ہے اور نہ ہی اس قسم کے واقعات کا یسوعی صاحبان کے خداوند یسوع کی زندگی میں پتہ ملتا ہے ایسے حالات کی موجودگی میں یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں اگر یوروپین عورتیں اپنے حقوق کے طلب کرنے میں اخلاق اور قانون کو بالائے طاق رکھدیں۔ چونکہ یسوع خود مجرد تھا اس لیئے اسکی زندگی میں ایک سچے یسوعی خاوند کی مثال تلاش کرنا محض لاحاصل ہے ایک یسوعی کے لیئے بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ اِن معاملات میں اپنی کوتاہ بین عقل پر سارا دار و مدار رکھے جو کہ زمانہ کے نشیب و فراز کے ساتھ اِدھر اُدھر بھٹکتی رہتی ہے۔ چونکہ عیسائی دُنیا کا سارا دار و مدار محض عقلی ڈھکوسلوں پر ہے اسلئے انہیں اصلاح نسواں کے بارےمیں کبھی ایک امر پر بھی اتفاق رائے نہیں اور اسلئے انکے خیالات ہمیشہ پلٹا کھاتے رہتے اور مصلحان یورپ ہر وقت اسی اُدھیڑبن میں رہتے ہیں اسکی وجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ عیسائی دُنیا کے پاس نہ تو اپنے بانیٔ مذہب کا کوئی اُسوہ ہے اور نہ ہی انکی الہامی کتاب کا اس بارہ میں کوئی فیصلہ موجود ہے الہامی سرچشمہ کی غیر موجودگی میں ایسے معاملات پر اتفاق ہونا ایک محال امر ہے۔ ایسی حالات کی موجودگی میں مسیحیوں پر لازم تھا کہ وہ بجائے اپنی انسانی عقلوں پر جو ہر لحظہ غلطی کرتی رہتی ہیں بھروسہ کرنیکے کسی دوسرے ملہم ربانی کے اسوہ کی طرف توجہ دیکر اس کی باتوں پر عمل کر کے ایک بچاؤ کی راہ ڈھونڈتے انہوں نے ایک ناقص نمونہ (یسوع) پر ہی سارا سہارا رکھا اور اسی لیئے گمراہی کے ایک اتھاہ گڑھے میں جا پڑے اور بجائے اصلاح کے بڑی بڑی اخلاقی بُرائیوں کے مرتکب ہوئے۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ جب ایک مذہب خیالاتِ مختلفہ کا مجموعہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمانیت کے تقاضے سے ایک نیا نمونہ دُنیا کے سامنے بھیجدیتا ہے جو کہ اپنے اُسوۂ حسنہ سے لوگوں کو سلامتی کی سیدھی راہ دکھا دیتا ہے مگر افسوس کہ مسیحی صاحبان نے اس اُسوہ سے ابتک فائدہ حاصل نہیں کیا اور یسوع کی نامکمل اور ادھوری تعلیم کی اندھی تقلید میں بانیٔ اسلامؐ کے اسوۂ حسنہ سے محروم رہ گئے۔ آپؐ نے اپنی بیویوں کے ساتھ نیک معاشرت اور حسن سلوک کا ایک اعلیٰ نمونہ قائم کر کے دنیا کو جتا دیا کہ بیویوں سے حسن معاشرت کس چیز کا نام ہے آنحضرتؐ نے بطور ایک محبت کرنیوالے خاوند کے اپنی اعلیٰ معاشرت کا ثبوت دیا اور آپؐ کی ازواج مطہراتؓ نے بطور ایک حقیقی مونس و

غمخوار ہونے کے اپنے حسن سلوک کا اظہار کیا۔ مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں جس برتن میں پانی پیتی تھی وہی برتن آنحضرتؐ کو دیدیا کرتی تھی تو آپ اسی جگہ منہ رکھکر پانی پیا کرتے تھے جہاں سے میں نے پیا ہوتا تھا اور میں ایک گوشت کی بوٹی لیکر رسول کریمؐ کو دیا کرتی تھی اور آپ اسی جگہ سے کھاتے تھے جہاں سے میں نے کھایا ہوتا خواہ میں حیض کی حالت میں کیوں نہ ہوتی“ ان واقعات سے پتہ لگ سکتا ہے کہ رسول کریمؐ کے اخلاق کیسے اعلیٰ تھے اور آپ کس قدر اپنی بیویوں کی دلجوئی کو مدنظر رکھا کرتے تھے۔ آپؐ نے سفر و حضر میں اپنی بیویوں کو اپنے پاس رکھا ان کے ساتھ مل کر ایک جگہ ایک ہی برتن میں کھایا پیا۔ اس قسم کے میاں بیوی کے تعلقات کا صفحہ ہستی پر بہت ہی کم نشان پایا جاتا ہے بخاری اور مسلم میں ایک اور حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلعم اپنا سر مبارک میری گود میں رکھکر قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ رسول مقبولؐ کی ہر ایک حرکت و سکون میں اللہ تعالیٰ کا نشان نظر آتا ہے اور آپ کا اپنی ازواج مطہرات سے حسن سلوک بھی محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیئے تھا۔ ازواج مطہرات کے ساتھ ہر ایک تعلق میں آپؐ نے خدا کو یاد رکھا۔ حالانکہ انسان ایسی حالت میں خدائے تعالےٰ کا خیال بھی بہت کم رکھتا ہے آپؐ سے کئی اس قسم کی دعائیں منقول ہیں جو آپؐ نے بوقت مباشرت پڑھیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے ہر ایک انسانی جذبہ کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا اور ایک دم کیلیئے بھی خدا کو نہیں بھلایا؛؛

اسی طرح حضرت میمونہؓ آپؐ کی زوجہ مطہرہ سے ایک روایت ہے کہ آپ نے ایسی حالت میں نماز پڑھی جبکہ آپؐ اور آپکی زوجہ مطہرہؓ ایک ہی کپڑے میں تھے آپؐ نہ صرف اپنی ازواج مطہراتؓ سے محبت ہی کرتے تھے بلکہ انکی بہت عزت فرمایا کرتے تھے ایک موقعہ پر آپؐ نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہؓ کو اپنے گھٹنے کے سہارے اونٹ پر سوار کیا۔ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ رسول کریم صلعم کی زندگی میں ایسے واقعات کے موجود ہوتے ہوئے اسلام پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اسنے عورتوں کی حالت کو ذلیل کر دیا ہے حالانکہ اگر ایک مسلمان اپنے پیغمبرؐ کی طرز عمل اور احکام قرآنی کی خلاف ورزی کرکے اپنی زوجہ سے بدسلوکی کرتا ہے تو اس سے اسلام یا تعلیم قرآنی پر کسی قسم کا الزام قائم نہیں ہو سکتا۔ چونکہ آنحضرتؐ کی تمام ازواج مطہرات کو آپکی عادات و اخلاق کا پورا پورا علم تھا اس لیئے وہ سب کی سب دل و جان سے آپکے پاک مقاصد کی حامی تھیں۔ بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک روایت ہے کہ آپؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی آنحضرتؐ کی کسی

زوجہ مطہرہ پر سوائے حضرت خدیجہؓ کے جو وفات پاچکی تھیں رشک نہیں کیا۔ کیونکہ رسول کریمؐ اکثر دفعہ انکا ذکر فرمایا کرتے تھے اور جب کبھی بکری ذبح فرماتے اور گوشت کے ٹکڑے کرتے تو حضرت خدیجہؓ کی تمام سہیلیوں کو بھیجا کرتے تھے۔ اس لیئے بعض وقت میں رسول کریمؐ سے دریافت کیا کرتی تھی کہ کیا خدیجہؓ دنیا میں ایک لاثانی عورت تھی تو آپ فرمایا کرتے کہ فی الحقیقت وہ ایسی ہی تھی۔ اور نیز فرماتے تھے کہ اس سے مجھے خدائے تعالیٰ نے اولاد بھی دی نہ صرف زندگی میں بلکہ اپنی زوجہ مطہرہ کی وفات کے بعد بھی رسول کریمؐ اس سچی محبت کا اظہار فرماتے رہے جو آپ کو اُن سے تھی اور انکی یادگار کو انکی سہیلیوں میں تحائف تقسیم کرتے رہنے سے قائم رکھا۔ اس سے زیادہ محبت کا اظہار ناممکن ہے اور اس بات کا ثبوت کہ یہ محبت محض للہ تھی یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال کی تھی جو بڑھاپے کا زمانہ ہے جبکہ رسول کریمؐ نے آپؓ سے شادی کی لیکن رسول کریمؐ نے اپنا زمانہ شباب اسکے ساتھ بسر کیا اور کبھی دوسری بیوی کرنے کا خیال تک نہ کیا۔ آنحضرتؐ کی محبت اپنی عمر رسیدہ بیوی سے اس قدر تھی کہ آپؐ نے اُسے مرنے کے بعد بھی فراموش نہ کیا۔ وہ محبت جو نفسانی جذبہ پر منحصر ہوتی ہے وہ بیوی کے مرنیکے بعد ہی فوراً فراموش ہو جاتی ہے لیکن چونکہ آنحضرتؐ کی محبت محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے تھی اس لیئے آپ نے اُسے کبھی فراموش نہ کیا۔

آپؐ نے اپنی ازواج مطہراتؓ سے اعلیٰ درجہ کا شریفانہ سلوک رکھا۔ احمد۔ ابو داؤد۔ ترمذی اور نسائی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک روایت ہے جو اس امر پر واضح روشنی ڈالتی ہے آپؓ فرماتی ہیں۔ کہ جب رسول کریمؐ دروازہ بند کر کے نوافل کی نماز پڑھا کرتے تھے تو میں دروازہ کھولنے کے لیئے دستک دیتی تھی آپؐ تھوڑی دیر کے لیئے نماز چھوڑ کر دروازہ کھول دیا کرتے تھے اور پھر نماز میں مشغول ہو جایا کرتے تھے۔ اور دروازہ کا منہ قبلہ رو تھا۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کو عورتوں کا کتنا اکرام مدنظر تھا۔ آپ اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ وہ نماز کے ختم ہونے تک دروازہ کھلنے کی انتظار میں کھڑی رہیں بلکہ نماز میں ہی دروازہ کھول دیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ اس بات سے لاعلم تھیں کہ آیا آنحضرتؐ نماز میں مشغول ہیں اور دروازہ کھولنے میں ذرا دیری ہو جانیکی وجہ سے ممکن تھا کہ انکو کسی قسم کا اضطراب ہوتا مگر رسول کریمؐ کی شفقت اور پیش بندی اس قسم کی تھی کہ آپ نے اپنے کسی فعل سے کسی کو اضطراب ...... میں پڑنے کا حتی الوسع موقعہ ہی نہیں دیا اور نماز کو تھوڑی دیر کے لیئے چھوڑ کر بھی دروازہ کھول دیا۔

آنحضرتؐ اپنی فرصت کا وقت اپنی ازواج مطہرات کی خدمت کرنے میں صرف فرمایا کرتے تھے اور انکو گھر کے کام کاج میں مدد دیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک صحابیؓ کے سوال کے جواب میں فرماتی ہیں۔ کہ آنحضرتؐ اپنی

ازواج مطہراتؓ کی خدمت گذاری میں مصروف رہتے تھے (یعنی دودھ دوہنے یا پارچات کی مرمت وغیرہ میں) اور جب
نماز کا وقت ہوتا تھا تو آپؐ باہر تشریف لیجایا کرتے تھے۔ کیا اس سے زیادہ کوئی شریفانہ مثال مل سکتی ہے وہ شخص
جو افضل الرسلؐ ہے اور جو ایک طاقتور قوم کا مسلم لیڈر ہے اور جس نے کروڑہا بندگان خدا کے دل مسخر کیے ہوئے ہیں اور
جس کی غلامی کو دنیا کے شہنشاہ اپنی عزت کا باعث سمجھتے ہیں۔ اور اس کے حکم کی فرمانبرداری میں اپنی سلطنت سے
دست بردار ہونے کو تیار ہیں۔ ایسا عظیم الشان شخص اپنی بیویوں کو خانگی امورات میں اپنے ہاتھ سے مدد دیتا ہے،
پھر کیوں دنیا کی روحانی بادشاہت کا اُسے شہنشاہ کہا جاوے۔ باوجود اتنے دینی و دنیاوی اقتدار کے آپؐ نے اپنی
زندگی عام لوگوں کی طرح نہایت سادگی سے بسر کی۔ آپؐ کی صحبت کا وہ اثر آپؐ کی ازواج مطہرات پر ہوا۔ کہ وہ
ہر قسم کے زیور علم سے مزین ہوگئیں اور آنحضرتؐ کے صحابہؓ نے اُن سے آنحضرتؐ کے اقوال و افعال کا سبق سیکھا
ترمذی میں ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تمام صحابہؓ کو کسی قسم کی کوئی مشکلات درپیش نہ تھیں۔ کیونکہ ہم ہر ایک مشکل
امر حضرت عائشہؓ سے عرض کر دیتے تھے جو کہ ہر ایک امر کی واقف کار تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی تمام
ازواج مطہرات علوم دینیہ سے پوری پوری واقف تھیں۔

جبکہ ازواج مطہراتؓ کے ساتھ آپؐ کا اس قسم کا سلوک تھا تو اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ آپؐ کا کیا سلوک ہوتا
اسکا اندازہ آپکے اس سلوک سے لگایا جا سکتا ہے جو آپ اپنی دائی سے فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کی والدہ ماجدہ بچپن
میں ہی وفات پا گئی تھیں۔ لیکن جو سلوک آپنے اپنی دائی سے کیا وہ کوئی کم درجہ کا نہیں۔ ابو داؤد میں ابو الطفیلؓ
فرماتے ہیں کہ میں رسول کریمؐ کی صحبت مبارک میں بیٹھا تھا کہ ناگاہ ایک عورت آئی۔ تو آنحضرتؐ نے اپنی چادر
بچھائی۔ جس پر وہ بیٹھ گئی۔ جب وہ واپس چلی گئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ اس نے رسول کریمؐ کو دودھ پلایا تھا۔
جب رضاعی والدہ کی عزت آپکے دل میں اس قدر تھی تو حقیقی والدہ کا جو احترام آپکے دل میں ہوگا اُس کا تو اندازہ لگانا ہی
دشوار ہے۔ ذیل کی مثال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس حقیقی محبت کا پتہ دیتی ہے جو آپ کو اپنی والدہ کے
رشتہ داروں سے تھی۔ آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو تاکید کر دی تھی کہ جب وہ ملک مصر کو فتح کریں تو وہاں کے باشندوں سے
نیک سلوک کریں کیونکہ آپکے جد حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ وہاں کی رہنے والی تھیں کیا
کسی انسان نے اتنی دور کے رشتے کے ساتھ اس قسم کے تعلقات کا خیال بھی ہو سکتا ہے مگر نہیں وہ رسول
امیؐ جو فرماتا ہے کہ جنت تمہاری ماؤں کے پاؤں کے نیچے ہے وہ اپنے پیرووں کو بزور تاکید کرتا ہے کہ مادری رشتہ
کا جہاں تک اسکا پتہ چلے بہت احترام و اکرام کیا جاوے۔

آپؐ کے اُس سلوک کا جو آپ اپنی بیٹیوں کے ساتھ فرمایا کرتے تھے حضرت ابن عباسؓ کی اِس روایت سے پتہ ملتا ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا۔ کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ بیٹی عطا فرما دے اور وہ اُسے زندہ درگور نہ کرے اسکی بے عزتی نہ کرے اور لڑکوں کو اُسپر ترجیح نہ دے وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ لڑکیوں کا احترام آپؐ کو کسقدر مدِنظر تھا۔ اس سے اول تو اُس بد رسم کا قلع قمع کرنا مدِنظر تھا جو اُن دنوں عرب کی اعلیٰ سوسائٹی میں رائج تھی کہ لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیا جاتا تھا۔ اور دوسرا یہ کہ لڑکی کا پیدا ہونا ایک ذلت کا موجب سمجھا جاتا تھا۔ ایسی ظالمانہ رسومات کے چھوڑانے میں آپنے بڑی بڑی دعائیں کیں اور آخرکار انکو بیخ و بن سے اکھاڑ دینے میں پورے پورے کامیاب ہو گئے اور آپنے لڑکے اور لڑکی کے اختلاف کو جہانتک کہ والدین کی تعلیم و تربیت اور محبت سے تعلق رکھتا تھا بالکل اڑا دیا اور لڑکیوں کی وہ اعلیٰ عزت والدین کے دلوں میں گاڑ دی جو کہ قبل ازیں وہ لڑکوں کی بھی نہیں کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ اپنی بیٹی کا گفتگو۔ نشست و برخاست غرض ہر ایک پہلو میں بڑا ادب اور لحاظ ملحوظ فرمایا کرتے تھے۔ یہانتک کہ جب حضرت فاطمہؓ رسول کریمؐ کی خدمت مبارک میں جایا کرتیں تو رسول کریمؐ کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اور انکی طرف متوجہ ہو کر انکا ہاتھ پکڑ لیا کرتے اور بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھایا کرتے تھے۔ اور جب رسول کریمؐ کبھی حضرت فاطمہؓ کے مکان پر جایا کرتے تو وہ بھی رسول کریمؐ کے لیئے کھڑی ہو جاتیں اور آپکا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ بٹھاتی تھیں اس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ رسول کریمؐ کے دل میں لڑکیوں کے لیئے کتنی عزت۔ محبت اور ادب تھا اور اسی طرح آپؐ کی لڑکیوں کے دلوں میں آپؐ کے لیئے کتنا احترام تھا۔ اللّٰھم صل علےٰ محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ و ازواجہ و ذریتہ و خلفائہ و بارك وسلم انك حمید مجید

مینے اس مضمون میں ناظرین کے سامنے تاریخی شہادتوں کے رو سے وہ سچے سچے واقعات و معاملات پیش کر دیئے ہیں۔ جو بانیٔ اسلامؐ نے اپنی زندگی میں کر کے دکھا دیئے تاکہ آپؐ کے پیرو آپؐ کے نقش قدم پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کر سکیں اور دنیا میں امن پھیلانیوالے ہوں اُمید ہے کہ ناظرین اس مضمون سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرینگے۔ اور بندہ کے لیئے دعا فرماوینگے ۔ والسلام

قاضی عبدالحق۔ قادیان

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ اپریل ۱۹۱۲ء

۱۔ **صیغہ یتامیٰ**:۔ حضرت خلیفۃ المسیح علیہ السلام کی طرف سے یتامیٰ کے لیئے چندہ کی خاص تحریک کی وجہ سے اس ماہ میں بھی اسامہ [illegible] کی رقم وصول ہوئی اور خرچ ما [illegible] ہوا۔ ماہ مارچ میں آمد [illegible] اور خرچ ما [illegible] ہو۔ اسوقت اس صیغہ کے ذمہ [illegible] قرضہ رہ گیا ہے جو امید ہے انشاء اللہ جلد اتر جاویگا مگر آئندہ یہ نقص تب ہی رفع ہو سکتا ہے کہ مستقل طور پر اسکے چندے میں کچھ اضافہ ہو یعنی جو احباب مقدرت رکھتے ہیں وہ کوئی ماہوار چندہ اپنے اوپر مقرر کرلیں اور بڑی بڑی انجمنیں اسکے لیئے خاص طور پر انتظام کریں۔ ورنہ یہ وقتی امداد صرف اسیقدر فائدہ دے گی کہ سر دست اس مد کا قرضہ اتر جائے۔ اس مد کا مستقل خرچ قریباً دو سو روپے ماہوار تک پہنچا ہوا ہے۔ اس ماہ میں مندرجہ ذیل احباب یا جماعتوں نے خاصی رقوم مرحمت فرمائیں۔ (جزاہم اللہ خیراً) جماعت قادیان [illegible] میاں نظام الدین صاحب انسپکٹر پولیس میانوالی [illegible]۔ میاں محمد اسمٰعیل ولد حاجی امیر الدین صاحب [illegible]۔ جماعت بنگہ ضلع جالندھر [illegible]۔ جماعت شملہ [illegible]۔ جماعت لاہور [illegible]۔ بابو اعجاز حسین صاحب سب اوورسیر ڈیرہ اسمٰعیل خاں [illegible]۔ ہمشیرہ مولوی عبد السلام صاحب کاٹھ گڑھ [illegible]۔ جماعت وزیر آباد [illegible]۔ حضرت خلیفۃ المسیح [illegible]۔ جماعت گوجرانوالہ [illegible]۔ سید دلاور شاہ صاحب لاہور [illegible]۔ سید رکن الدین صاحب مقام کرا ضلع الہ آباد [illegible]۔ مستری کریم بخش صاحب بھیرہ [illegible]۔ بذریعہ میاں محمد حسن محصل ضلع گورداسپور [illegible]۔ جماعت حصار [illegible]۔ شیخ فقیر علی صاحب غیر احمدی ساکن سوجانپور ضلع گورداسپور نے اپنے لڑکے کی شادی کی تقریب پر جو ڈاکٹر فیض قادر وٹرنری اسسٹنٹ ساکن فیض اللہ چک کے ہاں بیاہنے آئے تھے مبلغ [illegible] اس مد میں مرحمت فرمائے۔ اور دس روپے طلباء مدرسہ تعلیم الاسلام و مدرسہ احمدیہ وغیرہ کی شیرینی کے لیئے اور پانچ روپے طلباء شاخ فیض اللہ چک کی شیرینی کے لیئے دیئے۔ اور وہاں کی ہر دو مسجدوں میں دریوں کا فرش کرایا۔ جزاہ اللہ خیراً۔ قادیان میں جناب خلیفہ رشید الدین صاحب کی اہلیہ خورد نے [illegible] مستورات سے جمع کر کے داخل کرائے۔ انہوں نے اس سے پہلے بھی جلسہ سالانہ کے لیئے مستورات سے چندہ جمع کیا تھا۔ دو یتامیٰ جنہیں اصل اخراجات ملتے تھے امتحان انٹرنس دیکر چلے گئے۔

۲۔ **زکوٰۃ**:۔ آمد [illegible] بمقابلہ آمد ماہ گذشتہ جو [illegible] تھی اور خرچ ما [illegible] بمقابلہ خرچ ماہ گذشتہ

جو مالعت تھا ہوا۔ گو گذشتہ ماہ سے آمد زیادہ ہوئی مگر اس صیغہ کا خرچ آمد سے ہر ماہ بڑھتا جاتا ہے۔ ان احباب کی توجہ اس طرف بکار ہے جنہیں خدا نے زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل بنایا ہے۔ آئندہ اس صیغہ کے اخراجات میں امید ہے کسیقدر کمی ہو جاوے گی کیونکہ کئی وظائف جو مدرسہ احمدیہ کے طلباء کو اس مد سے دیئے جاتے تھے اب مدرسہ احمدیہ میں وظائف کی رقم کو بڑھا کر وہاں ڈالے گئے ہیں۔ قریباً ... کی رقم اس ماہ مساکین مدرسہ احمدیہ کو لباس وغیرہ کے لیئے دی گئی۔ احباب اگر مستعمل یا نئے پارچات مساکین کے لیئے بھیجا کریں تو کام آسکتے ہیں ؛

۳۔ **مساکین** :۔ آمد ... اور خرچ ... بمقابلہ آمد ... اور خرچ ... ماہ گذشتہ ہوا۔ جو طلباء بیرونی کالجوں میں وظائف لیتے تھے انہیں سے ایک کا امتحان بی۔ اے دینے کی وجہ سے ... ماہوار۔ اور ایک کا امتحان ایف۔ اے دینے کے باعث پانچ روپے ماہوار کا وظیفہ بند ہوا اور ایک طالب علم کے لیئے ... ماہوار کا وظیفہ زراعتی کالج لائل پور میں منظور ہوا۔ مد مساکین مدرسہ احمدیہ اور مساکین شاخ صنعتی کا حال بدستور ہے۔ ان مدات میں کسی قسم کی گنجائش آئندہ درخواستیں لینے کے لیئے نہیں ہے۔ احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ انجمن کی مجبوریوں کو اپنی طرح ہی قیاس فرمایا کریں اور گنجائش نہ ہوتے ہوئے درخواستوں کا چلے آنا یا بعض درخواست کنندگان کا یہاں آموجود ہونا انپر یا انجمن پر بے فائدہ بوجھ بن جاتا ہے۔ انجمن کو امداد کی درخواستوں کے ساتھ پوری ہمدردی ہے مگر گنجائش نہ ہونے کی حالت میں اسی طرح مجبور ہے جس طرح کوئی فرد اپنے گھر میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہو سکتا ہے ؛

۴۔ **صیغہ اشاعت اسلام** :۔ آمد ۱۲۷۴-۸-۶ اور خرچ ۱۳۲۷-۷-۹ بمقابلہ آمد ۱۳۴۵-۵-۶ اور خرچ ۸۱۵-۸-۶ ماہ گذشتہ ہوا۔ ایک ہزار کتاب ٹیچنگز آف اسلام کی اجرت جلد بندی ادا کرنے کی وجہ سے اس ماہ قریباً پانچسو روپیہ گذشتہ ماہ سے زائد خرچ ہوا۔ خریداران ریویو انگریزی میں ۷ کی بیشی اور اردو میں ۶۶ کی بیشی اور تفسیر میں ۱۲ کی کمی واقع ہوئی۔ خریداران تفسیر میں کمی کی وجہ اسکے وقت پر شائع ہونے کے لیئے مضمون کا نہ ملنا ہے۔ ذیل کی انجمنوں نے نئے خریدار دیئے جماعت لاہور ۲۵ جماعت پشاور ۹ جماعت قادیان معرفت دفتر سکرٹری۔ جماعت بمبئی ۲ - جماعت نوگھیر - فیروزپور۔ اٹاوہ اور پٹیالہ دو دو۔ اور جماعت ڈیرہ غازیخان ایک حافظ ابوالبرکات صاحب نے تین نئے خریدار دیئے ؛

سکرٹری جماعت لاہور نے گذشتہ ماہ بھی ۲۹ خریدار دیئے تھے۔ جزاہم اللہ خیرا۔ جماعت سیالکوٹ کے سکرٹری صاحب لکھتے ہیں کہ یہاں کے تمام ممبروں کو خریداری ریویو میں شامل کرنے کا ہمارا ارادہ ہے چنانچہ عنقریب فہرست بھیجنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔ ایسا ہی حکیم محمد حسین صاحب قریشی لاہور سے اطلاع دیتے ہیں۔ حکیم صاحب کو ریویو کی اشاعت کے لیئے خاص جوش و اخلاص ہے۔ اگر دیگر احباب بھی ایسے ہی ہمت کریں تو بہت جلد ریویو کی اشاعت ... حضرت مسیح موعود کے منشا کے مطابق دس ہزار ہو سکتی ہے۔ اس ماہ ملک غلام محمد صاحب ساکن لاہور نے للعہ کی رقم مد اعانت ریویو میں مرحمت فرمائی جزاہ اللہ خیرا ؛

۵۔ صیغہ مدرسہ احمدیہ:۔ آمد ۹-۱۱-۲۴۸ اور خرچ ۰-۱۴-۲۷ بمقابلہ آمد ۰-۱۴-۳۱۵ اور خرچ ۹-۰-۲۷۰ ماہ گذشتہ ہوا۔ اس ماہ کی آمد کے علاوہ دو ہزار روپیہ ایسا ہے جو صیغہ مقبرہ بہشتی سے اس وجہ سے کہ یہ صیغہ مقروض ہوتا جاتا تھا بطور امداد مدرسہ احمدیہ میں منتقل کیا گیا ہے اصل آمد میں ۰-۶-۵۷ فیس بورڈنگ ہوس کا اور ۹-۵-۱۹۱ چندہ کا شامل ہے خرچ میں ۰-۱۲-۲۱۷ عملہ و متفرق اخراجات مدرسہ احمدیہ اور ۰-۲-۵۷ عملہ بورڈنگ و متفرق اخراجات بورڈنگ مدرسہ احمدیہ کا ہے۔

۳۰ اپریل کو تعداد طلباء مدرسہ ۸۶ ... پڑھائی باقاعدہ شروع ہو گئی ہے۔ صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب بمعیت چند علماء مختلف مدارس عربی ہندوستان کو دیکھنے کے لیئے ابتدائے اپریل تشریف لے گئے تھے۔ اخیر اپریل میں واپس ہوئے ؛

۶۔ صیغہ تعلیم:۔ آمد حسب تفصیل ذیل ۳-۵-۱۲۴۹ ہوئی چندہ ۶-۸-۴۷۰ سرکاری امداد ۶-۶-۲۰۸ فیس مدرسہ ۰-۲-۴۰۸ فیس بورڈنگ ۰-۴-۱۶۲ اور خرچ ۳-۵-۸۵۳ حسب تفصیل ذیل ہوا۔ ہائی سکول سامعہ بورڈنگ ہائی سکول ۹-۴-۱۷۰ گرلز سکول عہ شاخ فیض اللہ چک للعہ شاخ تلونڈی عہ وظائف ۰-۷-۱۰ ؛ قاضی عبداللہ صاحب جو دو سال کی رخصت حاصل کر کے علیگڈھ گئے تھے۔ امتحان بی۔ اے سے فارغ ہو کر واپس آکر سکول میں حاضر ہو گئے ہیں ؛ انیس طلباء اس ماہ امتحان انٹرنس دے کر چلے گئے ہیں ؛ ... تعداد طلباء حسب ذیل ہے۔ شاخہائے - گرلز سکول - ہائی سکول ۲۸۹ ۲۵ ۱۱۰ انہیں سے ۱۵۹ بورڈر ہیں۔ سال رواں کے لیئے دو سو چھتیس روپے ماہوار کی امداد تعلیم الاسلام

اور اس کی شاخوں کے لیئے گورنمنٹ نے منظور فرمائی ہے۔ جس کے لیئے ہم سلسلہ احمدیہ کی طرف سے گورنمنٹ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں امداد کی رقم کی تعیین دو امور کی بنا پر کیجاتی ہے۔ اول تعداد طلباء پر دوم تعلیمی حالات پر اس سال تعلیمی حالت بہت عمدہ تھی۔ لیکن تعداد طلباء کی کمی کی وجہ سے جو امداد تعلیمی حالت کے اچھا ہونے کی وجہ سے شمار میں آئی اس میں سے تین سو روپیہ کچھ زائد کی رقم صرف اس لیئے کاٹ دی گئی۔ کہ تعداد طلباء کم ہے۔ تعداد طلباء میں ترقی احباب کی کوشش پر منحصر ہے اگر جس طرح سال گذشتہ میں توجہ کی گئی تھی اس سال بھی احباب اپنے بچوں کو یہاں بھیجنے کی کوشش کرتے تو غالباً آیندہ سال یہ کمی وقوع میں نہ آتی مگر ابھی تک سالانہ امتحان کے بعد تعداد میں جو کمی ہونی لازمی تھی وہ بھی پوری نہیں ہوئی۔ پڑھائی باقاعدہ شروع ہو گئی ہے جن احباب نے اپنے بچے بھیجنے ہوں وہ جلد بھیجدیں کیونکہ دیر سے آنے پر انکی تعلیم میں حرج ہوتا ہے۔

۷۔ **صیغہ مقبرہ بہشتی**:- آمد ۰-۳-۱۵۴۳ حسب ذیل ہوئی ماہوار آمد کا حصہ منجانب موصیان ۶-۱۵-۱۹۲ آمد وصایا ۴-۵-۱۳۰ متفرق ۱-۱۵-۴۴ اور خرچ ۷-۶-۱۷۹ حسب ذیل ہوا مبلغین ۰-۴-۹۵ الاؤنس ہبہ کنندگان ۰-۰-۴۵ متفرق عملہ سائر خرچ وغیرہ ۶-۲-۳۹

اس ماہ میں حکیم غلام محی الدین صاحب ساکن روتی علاقہ ریاست بہاولپور نے دو سو ایک روپیہ منشی نور محمد صاحب نے گلگت سے ایک سو روپیہ حکیم فضل الٰہی صاحب مرحوم لاہوری کی جائداد متروکہ سے ۰-۶-۱۲۱۸ حصہ وصیت میں وصول ہوئے یعنی ایک ہزار قیمت حصہ مکان اور ۰-۶-۲۱۸ خرچہ مقدمہ جسکے ذریعہ سے بسبب انکار ورثاء کی ڈگری لینی پڑی۔ چار کس مقبرہ میں دفن ہوئے انمیں سے تین دو سال ہوئے دوسری جگہ امانتاً دفن تھے اور اب یہاں لائے گئے۔

۸۔ **صیغہ جائداد**:- آمد ۶-۹-۲۰۲ اور خرچ [illegible] بمقابلہ [illegible] اور خرچ [illegible] ماہ گذشتہ ہوا۔ بورڈنگ ہوس کی بالائی منزل کا کام بہت تھوڑا باقی رہ گیا ہے امید ہے مئی کے آخر تک پورا ہو جاوے گا عمارت مدرسہ کا کام شروع ہو گیا ہے۔ بنیادیں کھودی گئی ہیں دیگر مصالح وغیرہ جمع ہو رہا ہے اور بھٹہ میں اینٹ کا کام شروع کرا دیا گیا ہے اب صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ احباب فراخ حوصلگی سے اس عمارت کی تکمیل اور گورنمنٹ سے منظور شدہ تیس ہزار روپیہ وصول کرنے کے لیئے یکمشت یا باقساط روپیہ دیں۔ اس کے متعلق مفصل تحریک کی گئی ہے۔ جو

جابجا احباب کی خدمت میں بھیجی گئی ہے۔ احباب خود پڑھکر اور دوسروں میں اس کی اشاعت کرکے اُس کے اخیر جو نقشہ ہے اس نمونہ کے مطابق نقشہ میں احباب سے وعدہ لے کر جلد مطلع فرماویں۔ اور وعدے لینے کے ساتھ ہی وصولی اقساط کا کام شروع کر دیں سر دست جن احباب کی طرف سے اس اشتہار کے جواب میں اطلاع آئی ہے انکے نام مع رقم ذیل میں درج کیے جاتے ہیں اور آیندہ انشاء اللہ درج ہوتے رہیں گے :۔ جماعت لاہور آٹھ ہزار روپیہ۔ ڈاکٹر محمد شریف صاحب اسسٹنٹ سرجن شاہپور۔ پانچ سو روپیہ۔ بابو احمد دین صاحب سٹیشن ماسٹر پکھووال ضلع شاہپور چالیس روپے۔ جماعت راولپنڈی آٹھ سو روپیہ۔ یہ بہت ہی خوشی کی بات ہے کہ لاہور کے مخلص احباب نے جس طرح فراخدلی سے وعدے کیے تھے اسی طرح مستعدی سے انکا ایفاء بھی کر رہے ہیں چنانچہ پہلی قسط جو یکم مئی کو وصول ہونی چاہیئے تھی اس میں قریباً پندرہ سو روپیہ وصول ہوگیا ہے۔ یعنی جس حساب سے اقساط کی درخواست تھی اس سے بھی زیادہ روپیہ ہمارے احباب نے دیا ہے علاوہ اُن چار ایک ایک ہزار کی رقوم کے جو ہمارے چار معزز احباب یعنی ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے جو مجلس معتمدین کے ممبر ہیں عطا فرمائی ہیں سات سو روپیہ ملک غلام محمد صاحب نے اور تین سو روپیہ میاں چراغ الدین صاحب۔ میاں محمد امین صاحب دو سو روپیہ۔ بابو عبد الحمید صاحب ایکسو تیس۔ بابو محمد منظور الٰہی صاحب یکصد۔ خواجہ شمس الدین صاحب یکصد۔ میاں نبی بخش صاحب یکصد میاں معراج الدین صاحب عمر نے یکصد روپیہ مرحمت فرمایا۔ امید ہے ہر جگہ احباب اور انجمنیں اس فراخ حوصلگی سے جس سے ہمارے لاہور کے مخلص احباب نے کام لیا ہے ایک ایک ماہ کی پوری آمد یا حسب توفیق اس سے بھی زیادہ رقوم دیکر اس دینی خدمت کی ادائگی میں پورا جوش دکھلادیں گے۔

۹۔ صیغہ بیت المال :۔ آمد ۱۳۱۸۳ اور خرچ ۶۳۲۶ بمقابلہ آمد [illegible] اور خرچ ۱۱۱۸۴ ماہ گذشتہ ہوا۔ لنگر میں علاوہ آنیوالے مہمانوں کے مندرجہ ذیل لوگ کھانا کھاتے ہیں۔ مساکین مہاجرین ۳۸۔ نومسلم ۱۷۔ مستقل مہمان ۴۲ جو مدت سے بغرض حصول تعلیم مقیم ہیں۔ اور دیر تک رہنے کا ارادہ ہے۔ مساکین ۴۱۔ ملازمین لنگر ۱۲

خشک رسد لینے والے ۴ ؛ میر محمد سعید صاحب مدرس حیدر آباد دکن نے مبلغ یکصد روپے کی رقم لنگر میں عطا فرمائی ؛

۱۰۔ صیغہ متفرقات ۔ شفاخانہ ۔ آمد شفاخانہ لہ/۹ اور خرچ لعہ/۱۲ بمقابلہ آمد ۔ ۱۵-۴۰ اور خرچ ۳-۱۲-۹۶ ماہ گذشتہ ہو۔ افسر شفاخانہ خلیفہ رشید الدین صاحب ہیں جو اخلاص و بڑی دلچسپی سے کام کرتے ہیں۔ ۹۶۳ مریض اس ماہ علاج کے لیئے آئے۔ مائینر اپریشن ۷ ہوئے۔ آجکل صدر انجمن کے ماتحت دو جگہ شفاخانہ میں کام ہو رہا ہے ایک بورڈنگ ہائی سکول دار العلوم میں دوسرا اندرون قصبہ؛

دفتر محاسب ۔ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے کل صیغہ جات کی آمد ماہ اپریل ۳-۶-۴۰۳ ۷ اور کل خرچ ۶-۰-۷۶۹۹ ہوا ۔ اور ۳۰ ۔ اپریل کو خزانہ میں ۷-۹-۷۹۰۶ نقد موجود تھا ؛

دفتر سکرٹری ۔ اس تحریک پر کہ زمیندار احباب بجائے نقد چندہ کے ہر فصل کے موقع پر گذشتہ سال خاصی رقوم بعض علاقوں سے پہنچ گئی تھیں اس سلسلہ میں خصوصاً چودھری حاکم علی صاحب شکریہ کے قابل ہیں۔ جن کی سعی سے گذشتہ سال بہت بڑی رقم علاقہ شاہ پور سے پہنچی تھی اس سال بھی امید ہے کہ وہ پہلے سے زیادہ کوشش کر کے مشکور فرما دیں گے* اب فصل ربیع کا موقع ہے جبکہ تھوڑی سی ہمت کرنے پر بڑا ثواب مل سکتا ہے اور بڑی بڑی رقوم زمیندار احباب سے مل سکتی ہیں کیونکہ یہ دو پیسے فی روپیہ والی تجویز سے کم مفید تجویز نہ ہوگی۔ اور قطرہ قطرہ بہم شود دریا کا مصداق ہو کر دکھا دیگی۔ غلہ نکلنے کے وقت یا پیداوار گھر میں آتے وقت اس میں سے صرف چالیسواں حصہ نکالدینا کچھ مشکل امر نہیں۔ چالیس سیر میں سے ایک سیر یا چالیس من میں سے ایک من خدا کی راہ میں دینا انکے دین و دنیا کے لیئے برکات کا موجب ہوگا اور وہ یاد رکھیں کہ اس سے انکے مالوں میں کمی نہیں ہوگی بلکہ اگر وہ خالصاً لوجہ اللہ اس حصہ کو اپنے اوپر فرض کرلیں تو اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ انکی پیداوار بہت بڑھا دے اللہ چاہے تو اس چالیسویں حصہ کی بجائے انہیں دگنا بلکہ دس گنا دیدے۔ انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا و یمددکم باموال و بنین و یجعل لکم جنت و یجعل لکم انہارا ۔ زمیندار کی آمد محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہی ہے پس اسکی راہ میں دیکر اسکے فضل کو پوری طاقت سے کھینچو۔ زمیندار تو اپنا دانہ زمین میں گلنے کے لیئے پھینک آتا ہی پھر خدا کا فضل ہی جو اسے اگاتا ہی بڑھاتا ہے۔ اس میں پھل لگاتا ہے اور پھر اسکو آفتوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

* مبلغ ماصہ/۱۳۵ روپیہ اس سلسلہ میں چودھری صاحب داخل کر چکے ہیں ۔ منہ

فرماتا ہے۔ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ہ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ہ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ہ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ہ
یعنی کیا جو کچھ تم بوتے ہو اسے دیکھتے ہو کیا تم اُسے اُگاتے ہو اور کھیتی بناتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں۔ ہاں ہم چاہیں تو اسکو ریزہ ریزہ کردیں پھر تم اسوقت کیا کرسکتے ہو سوائے اس کے کہ کہدو کہ ہائے ہم پر تو یونہی چٹی پڑی بلکہ ہم محروم رہ گئے۔" اسی لیئے زمیندار کی معیشت متوکلانہ ہوتی ہے۔

مَیں امید کرتا ہوں کہ ہمارے زمیندار احباب اس تجویز کو عمل میں لاکر دنیا کی دوسری قوموں کو ایک نمونہ دکھائیں گے کہ انکا پاک مرشد مسیح آخر زمان انمیں دین کی خدمت اور اللہ تعالیٰ کی خاطر قربانی کی کیسی روح پھونک گیا ہے۔ ہاں سب طاقت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی ہے کہ وہ ہمارے احباب کو اپنے فضل سے ہی یہ توفیق بھی دے۔ آمین۔ اسکے متعلق احباب کی خدمت میں علیحدہ چٹھیاں بھی بھیجی گئی ہیں۔ امید ہے کہ پوری توجہ کی جاویگی * انجمنوں کا حساب پڑتال کرنا ضروری ہے چونکہ ہرجگہ جاکر پڑتال کرنے کے لیئے ایک تو وقت بھی نہیں ملتا دوم خرچ کا بوجھ ہوگا۔ اس لیئے یہ تجویز کی گئی ہے کہ رجسٹر یہاں منگا کر دیکھے جاویں۔ جو سات یوم سے زائد نہ رکھے جاویں گے لہٰذا جس انجمن سے کتب حساب منگائی جاویں وہ اس غرض کے لیئے جلد بھیجکر مشکور فرمایا کریں۔ سالانہ رپورٹ سہولت سے تیار کرنیکے لیئے یہ تجویز کی گئی ہے۔ کہ ہر ششماہی پر انجمنوں و دفتر محاسب کا حساب ملا لیا جایا کرے اس غرض کے لیئے جن انجمنوں سے ۶ ماہ گذشتہ کا حساب طلب کیا گیا ہے۔ وہ جلد رپورٹ تیار کرکے بھیجدیں * یہ معلوم کرنے کے لیئے کہ مستقل چندہ ماہوار کی میزان کسقدر ہے جو بموجب ارشاد حضرت اقدس مرحوم مغفور مسیح موعود و حضرت خلیفۃ المسیح علیہما السلام ہر احمدی کو لازمی طور پر باقاعدہ ادا کرنا چاہیئے اور جو لنگرخانہ۔ مدرسہ احمدیہ۔ ہائی سکول اور اشاعت اسلام کے لیئے ہوتا ہے۔ اور اس غرض کے لیئے بھی تا وصولی کا کوئی باقاعدہ انتظام ہوسکے رسید کی مطبوعہ فارم عام طور پر شائع کی گئی ہے۔ اسجگہ پھر تاکیداً لکھا جاتا ہے کہ جن کے پاس یہ فارم پہنچی ہو وہ بھی جن کے پاس نہ پہنچی ہو وہ بھی اس نقشہ پر اپنا اور اپنے شہر کے تمام احمدی احباب کا چندہ جو وہ بخوشی ماہوار باقاعدہ دینا چاہیں قلمبند کرکے بھیجدیں۔ اور اسکی نقل پاس رکھکر باقاعدہ انسے وصول کرکے بھجواتے

رہیں۔ نمونہ نقشہ حسب ذیل ہے ؛

فہرست چندہ ماہوار منجانب ممبران انجمن احمدیہ ضلع

[illegible]	نام مع پورا پتہ	تنخواہ یا آمد ماہوار	[illegible]	کیفیت یہ چندہ ۶ پائی فی روپیہ کے حساب سے لکھا جاوے
				اور اس میں کوئی غیر مستقل چندہ جیسے یتامیٰ۔ زکوٰۃ۔ عید فنڈ مستقل فنڈ۔ جلسہ سالانہ چندہ تعمیر وغیرہ شامل نہیں ہے۔ زمینداروں سے جو نقد چندہ نہ دے سکتے ہوں غلہ کا اقرار لیا جاوے ؛

جن انجمنوں نے گذشتہ سال ایک پیسہ تک چندہ نہیں بھیجا۔ یا تعداد ممبران کے لحاظ سے کم بھیجا ہے انکے نام چٹھیاں لکھی گئی ہیں وہ مہربانی فرماکر توجہ کرکے اس نقص کو رفع کریں۔ انجمن احمدیہ پشاور نے ایک اور کتاب البشریٰ نام جسے منشی نذر علی صاحب نے تصنیف کیا ہے۔ شائع کی ہے ؛

۱۱۔ صیغہ مستقل فنڈ :۔ اس صیغہ میں اسوقت تک [illegible] جمع ہوچکا ہے جن دوستوں نے مستقل فنڈ میں وعدے کیئے تھے اور وہ باقی ہیں مہربانی فرماکر ادا کرکے مشکور فرماویں ؛

۱۲۔ صیغہ بورڈران :۔ آمد [illegible] اور خرچ [illegible] ہے۔ اس صیغہ کے آمد و خرچ سے صدر انجمن کی آمد و خرچ کو در اصل کوئی تعلق نہیں کیونکہ بورڈروں کے لیئے انکے سرپرستوں کی طرف سے روپیہ آتا ہے۔ جو خزانہ میں امانتاً جمع رہتا ہے۔ اور باقاعدہ خرچ ہوتا رہتا ہے۔ جن احباب کے بچے یہاں تعلیم پاتے ہیں انکی خدمت میں التماس ہے کہ وہ ان کا خرچ بورڈنگ کے مطالبہ پر بہت جلد بھیجدیا کریں۔ تا انجمن پر بوجھ نہ پڑے ؛

محمد علی

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے | لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۱ | بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۲ء رجب المقدس سنہ ۱۳۳۰ ہجری | نمبر ۶

چندہ سالانہ | عوام سے عا؎ طلباء سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰-جون سنہ ۱۹۱۲ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا-

قصائد احمدیہ
من کلام
حجۃ الاسلام

حضرت اقدس کی اُردو اور فارسی نظمیں تو پہلے الگ شائع ہو چکی ہیں لیکن ابتک آپکے عربی قصائد الگ رسالہ کی شکل میں شائع نہیں ہوئے تھے اب عربی قصائد بھی جمع کرکے ایک کتاب کی شکل میں شائع کیے گئے ہیں۔ یہ قصائد نہ صرف معارف و اسرار سے لبریز ہیں اور حمد الٰہی اور نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خزائن اور حضرت اقدسؑ کے دلائل سے پُر ہیں بلکہ عربی سیکھنے کا بھی ایک اعلیٰ ذریعہ ہیں۔ یہ کتاب ۱۸۵ صفحوں پر ختم ہوتی ہے۔ قیمت صرف ۶ر ترت تلقین دفتر میگزین قادیان سے طلب کریں ٭

پارہ اوّل چونکہ ایسے قرآن شریف یا علیحدہ پارے بہت کم ملتے ہیں جن پر اعراب صحیح لکھے ہوں اور **دوم۔ سوم** قاعدہ یسرنا القرآن ختم کرکے بچے بآسانی قرآن شریف پڑھ سکیں۔ ہم نے یہ دقت محسوس کرکے قاعدہ یسرنا القرآن کی طرز پر پارہ اوّل۔ دوم۔ سوم خاص اہتمام سے چھپوائے ہیں۔ جو احباب اپنے بچوں کو قاعدہ یسرنا القرآن شروع کرواتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ قاعدہ ختم ہونے پر پہلے یہ پارے پڑھائیں تا بچے کو قرآن شریف پڑھنے میں دقت نہ ہو۔ یہ پارے اُن بچوں کے لیئے بھی مفید ہیں جو دوسرے قاعدے پڑھتے ہیں۔ کیونکہ انپر اعراب بہت صحیح اور اپنے اپنے موقعہ پر لگائے گئے ہیں ٭

نیز ہم نے ایسے قرآن شریف بھی منگوائے ہیں جو نسبتاً بہت صحیح ہیں اور اعراب اپنے اپنے موقعہ پر صحیح دیئے ہیں۔ ہماری رائے میں عام قرآن شریفوں کی نسبت انپر پڑھنے سے بچوں کو بہت سہولت ہوگی تینوں پارے ۱ر فی پارہ کے حساب سے اور قرآن شریف بے جلد ۱۲ر پر دفتر میگزین قادیان سے لے سکتے ہیں ٭

ڈاکٹر کی ہدایت

ہر ایک قسم کے بخار کے لیئے **باٹلی والا کا بخار کا عرق** اور گولیاں استعمال کرنی چاہیئے۔ قیمت ۱۲ر **باٹلی والا کی مقوی گولیاں** ضعف دماغ۔ ضعف اعصاب۔ دق کے ابتدائی عوارض اور بدہضمی کے لیئے بہت مفید ہیں قیمت ۱۲ر **باٹلی والا کا دانتوں کا منجن**۔ نہایت مفید قیمت ۴ر **باٹلی والا کی مرہم** داد۔ پھوڑے۔ پھنسیوں وغیرہ کو ایک دن میں آرام ہو جاتا ہے۔ قیمت ۴ر یہ ادویہ تمام بڑے بڑے دوا فروشوں سے یا براہ راست ڈاکٹر ایچ۔ ایل۔ باٹلی والا جے۔ پی وارلی لیبوریٹری۔ دادر بمبئی سے مل سکتی ہیں۔

اطلاع۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت اپنے نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرمادیں ٭

(مینیجر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

الکتاب

نوٹ:- اس مختصر مضمون کے لکھا جانے کے اصل محرک مولنا ابو الکلام آزاد ہیں قریباً نصف مارچ میں مولنا موصوف کا ایک گرامی نامہ خاکسار کے نام آیا تھا جسمیں آپ نے مجھے دو مضمون سالانہ جلسۂ ندوۃ العلماء میں سنانے کے لیئے تحریک فرمائی تھی۔ آپکے گرامی نامہ کے بعض حصہ کا اندراج میں اس وقت ضروری سمجھتا ہوں ندوۃ العلماء کے مفید بنانے کی تجاویز میں آپنے یہ لکھا۔ کہ "منجملہ دیگر تدابیر کے ایک تجویز یہ ہے کہ اس سال کے اجلاس سالانہ کو جہاں تک ممکن ہو تمام مختلف جماعت ہائے اسلامیہ کا متحد اور مشترک مجمع بنایا جائے۔ اور ہر طبقہ کے لوگ مدعو کیئے جائیں نیز چند سیکشن مختلف اہم مقاصد پر علیحدہ اور مستقل قائم کیئے جائیں جو خدمت دینی نیز خدمت علم کا ذریعہ ثابت ہوں وہ سیکشن حسب ذیل ہیں۔ اشاعت اسلام۔ علم کلام جدید۔ خدمت قرآن کریم۔ خطبات علمیہ۔ .... مجلس کلام جدید کا مقصد یہ ہے کہ علمائے قدیم و جدید کی ایک مشترک مجلس ہو جو سب سے پہلے اس کی تحقیق کرے کہ جدید فلسفہ و علوم کے کون کون سے مسائل اسلام کے مخالف ہیں یا سرے سے مخالفت ہی نہیں ہے اور دونوں کے حدود الگ الگ ہیں (جیسا کہ فی الحقیقت ہے) کسی نئے علم کلام کی ضرورت ہے یا نہیں ...... اس مجلس کے جو ممبر منتخب ہوئے ہیں اس میں مولوی

عبدالقادر بی۔ اے جو مولوی عبدالماجد بھاگلپوری کے فرزند اور آجکل ایم۔ اے کلاس علیگڈھ میں پڑھتے ہیں کا نام بھی مَینے درج کرالیا ہے۔ کہ ان میں جدید فلسفہ کا شوق ودلچسپی ونیز واقفیت ہے اور چاہتا ہوں کہ علمائے قدیم میں جناب مولٰنا حکیم نورالدین صاحب قبلہ اور علمائے علوم جدیدہ میں جناب کا اسم سامی بھی درج کیا جاوے...

....

آخری سیکشن خطبات علمیہ ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ ہر سال ندوہ کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر ارباب علم وذوق جمع ہوں اور ملک کے چیدہ ارباب قلم وتصنیف و تالیف مختلف علمی ومذہبی عنوانوں پر بلند پایہ اور محققانہ تحریرات پیش کریں.....

.... جناب خواجہ کمال الدین صاحب کو بھی خط لکھا گیا ہے اور جناب سے التماس ہے کہ

(۱) آئندہ اجلاس سالانہ ندوہ میں جو ۵ سے ۷۔ اپریل تک لکھنؤ میں منعقد ہوگا شریک ہوں۔

(۲) خدمت قرآن کریم اور خطبات علمیہ کے شعبوں کے لیئے دو تحریریں مرتب فرمائیں جو ان میں پیش ہوں اور اس سال سے بنیاد پڑ جائے۔"

اس کے جواب میں مینے مولٰنا ابوالکلام کی خدمت میں یہ لکھا کہ جہاں تک جلسہ سالانہ میں شریک ہونیکا سوال ہے مَیں خوشی سے شامل ہونگا اور مضمون کے لیئے بھی گو وقت تنگ ہے مگر مَیں کوشش کرونگا۔ باقی رہا کسی مفید تحریک کو کامیاب بنانے کا سوال۔ سو اس کی یہ طرز نہیں کہ کوئی کام کرنے کے لیئے پہلے ہر ایک کی شرکت کی کوشش کی جاوے اور جبتک سب لوگ شامل نہ ہولیں اسوقت تک قدم نہ اٹھایا جاوے بلکہ کام کرنے والوں کو چاہیئے کہ پورے جوش اور اخلاص سے کسی کی بھی مخالفت کی پرواہ کیئے بغیر کام کرتے چلے جاویں۔ ہمارا سلسلہ جہاں تک ممکن ہے خدمت قرآن کے کام کو پہلے ہی ہاتھ میں لیئے ہوئے ہے اور ہم اپنی رنگ میں پوری کوشش اور سرگرمی سے اس کام میں مصروف ہیں:

غرضکہ اس دعوت کی بنا پر مَیں اور میرے مکرم دوست جناب خواجہ کمال الدین صاحب

۶-اپریل کو جلسۂ ندوہ میں شمولیت کے لئے لکھنؤ پہنچے۔ سٹیشن پر پہنچتے ہی پروگرام کو دیکھکر معلوم ہوا کہ گو ہم دونوں نے اپنے آنے کی علیحدہ علیحدہ اطلاع مولٰنا شبلی صاحب کو دیدی تھی مگر اس دن کے پروگرام میں ہم دونوں میں سے کسی کا نام نہ تھا۔ اور اس لئے پہلا کام ہمنے یہ کیا کہ قاضی محمد اکرم صاحب٭ کے مکان پر اسباب رکھتے ہوئے جلسۂ ندوہ میں پہنچے۔ جہاں اس وقت جناب مولوی شبلی صاحب کی تقریر ہو رہی تھی۔ اس تقریر کے بعد اور اس دن کے پہلے اجلاس کے خاتمہ پر جناب خواجہ صاحب کے مولٰنا ابو الکلام سے اپنے لیکچر کے وقت کے متعلق دریافت کرنے پر مولٰنا موصوف نے جن کا وقت اسی دن رات کو اپنی لیکچر کا پروگرام میں درج تھا۔ یہ اعلان فرمایا کہ رات کو اُسوقت خواجہ صاحب کا لیکچر ہوگا۔ اس کے بعد ہم مکان پر واپس آئے وہاں آکر ندوہ کے ایک رکن رکین کی زبانی معلوم ہوا کہ اس امر کی کہ جلسۂ ندوہ میں کسی احمدی کا کوئی لیکچر ہو اراکین ندوہ میں مخالفت ہے۔ حتٰی کہ پہلے دن کے اجلاس میں جب نماز جمعہ کی تعطیل کے میموریل کی تائید میں تقریریں ہو رہی تھیں تو گو مولٰنا شبلی صاحب نے شیخ یعقوب علی صاحب کی تحریک پر اس بات کو پسند فرمایا تھا کہ صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب جو شامل جلسۂ ندوہ تھے۔ بھی اسکی تائید میں تقریر کریں مگر پنجاب کے کسی مشہور مولوی صاحب نے اس بات کی مخالفت کی اور انکی مخالفت کا اثر غالب رہا۔ اس واقعہ کو سُن کر ہمیں اس قدر حیرت ہوئی کہ وہ امر جس کو پہلے پہل احمدی جماعت کے امام نے ہی گورنمنٹ کے سامنے پیش کیا اور جس کا تعلق سب مسلمانوں سے یکساں ہے۔ اس کی تائید میں ندوۃ العلماء کے پلیٹ فارم پر ایک احمدی کو کھڑا ہو کر تقریر کرنے سے روکا جاتا ہے۔ حالانکہ مولٰنا ابو الکلام کے

٭ بحکم من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ میں قاضی محمد اکرم صاحب کا شکریہ ادا کرنے کو ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے بالخصوص ہمارے ایام اقامت لکھنؤ میں اسلامی حق مہمان نوازی ادا کیا۔ جزاہ اللہ خیراً

خطوط سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہ کوشش کر رہے ہیں کہ اجلاس سالانہ کو تمام جماعت ہائے اسلامیہ کا متحد اور مشترک مجمع بنایا جاوے اور ہر طبقہ کے لوگ مدعو کیئے جاویں مگر دوسری طرف یہ کوشش ہو رہی ہے کہ ندوہ کے ایک رزولیوشن کی تائید کرنیکے لیئے ایک شخص کو اس لیئے پسند نہیں کیا جاتا کہ وہ احمدی جماعت کا ممبر ہے۔ مولنا ابوالکلام سے جب مینے اپنے پرچے کے پڑھا جانے کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اگلے دن کے پروگرام میں جو ابھی تک شائع نہ ہوا تھا کوئی وقت رکھا جاویگا۔ مگر یہ بات بھی غلط نکلی اور اسکا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کہ وہ کونسے موانع تھے جن کے باعث خود ہی مدعو کر کے پھر اس مضمون کو سننا گوارا نہ کیا گیا۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مضمون کے پڑھا جانے کے لیئے وقت کا نہ دیا جانا اسی وجہ سے تھا کہ میں احمدی تھا۔ اور محض اس وجہ سے ندوۃ العلماء نے جو خادم قرآن ہونے کا دعوی کرتا ہے قرآن کریم کی فضیلت پر مضمون سُننے سے انکار کیا۔ یہ ہے ان لوگوں کی حالت جو علمائے اسلام کہلاتے ہیں۔ جس قوم کے علماء کی یہ حالت ہو اس کی بہتری کی امید کیا ہو سکتی ہے اس مضمون کو پڑھکر اسلامی پبلک اندازہ بھی لگا سکتی ہے کہ احمدی لیکچراروں کے مضمون میں کونسی زہر ہوتی ہے جسکی وجہ سے یہ جاہلانہ تعصب دکھایا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جناب خواجہ کمال الدین صاحب کا لیکچر اسی اجلاس ندوۃ العلماء میں ہوا مگر اس میں جو رکاوٹ کی کوششیں بعض اراکین ندوہ کی طرف سے ہوئیں وہ بہت ہی قابل افسوس ہیں۔ اور یہ تو یقینی بات ہے کہ اگر حاضرین جلسہ الا اراکین ندوہ کو مجبور نہ کرتے تو اس لیکچر کو بھی درمیان میں بند کرنے کی کوشش کامیاب ہوگئی ہوتی۔ مگر فاضل لیکچرار کی سحربیانی کا اسوقت ایسا اثر تھا کہ سامعین نے بالاتفاق پکار کر کہدیا کہ اگر ساری رات بھی یہ لیکچر ہوتا رہے تو ہم سنکر جاویں گے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسی طبائع بھی ہوتی ہیں جنپر یہ شعر صادق آتا ہے۔ ندارد بصد نکتۂ نغز گوش * چو زحفے ببیند برارد خروش یعنی سینکڑوں عجیب نکات تو انکے کان کے پردے سے ٹکر کھا کر واپس ہو جاتے

ہیں لیکن جہاں کوئی ادنیٰ سی کمزوری دیکھی یا اپنے خیال میں کسی مفید بات کو ہی کمزوری سمجھ لیا۔ تو بس پھر کیا وہی اس سارے مضمون کا خلاصہ بنجاتی ہے۔ لیکن جس کمال حسن بیان سے جناب خواجہ صاحب نے ان معارف کو بیان فرمایا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح کی صحبت بابرکت کا نتیجہ ہیں اس نے واقعی کل کے کل حاضرین کو محو حیرت کردیا۔ اسی لیئے جب ایک دفعہ مولٰنا ابوالکلام کی قربانی سے خواجہ صاحب کا لیکچر شروع ہوگیا تو پھر جو کوشش درمیان میں اسکو روکنے کی کی گئی وہ کامیاب نہ ہوئی اور سامعین نے اس کے مکمل کیا جانے پر اصرار کیا جناب خواجہ صاحب کے لیکچر کا موضوع یہ تھا کہ اصل تہذیب انسانی اسلام ہی ہے۔ اور ناظمان کی خواہش کے مطابق بالخصوص انکے مخاطب انگریزی خوان مسلمان تھے۔ اور سامعین کا اکثر حصہ بھی وہی تھے۔ اسی لیئے جو پیرایہ خواجہ صاحب نے اختیار کیا وہ بھی زیادہ تر انہی کے موزون حال تھا۔ اور جو طریق کلام انکے دلوں پر اثر کرسکتا تھا اسی طریق کو خدمت قرآن اور اشاعت اسلام کی طرف انہیں توجہ دلانے کے لیئے وہ کام میں لائے۔ مگر باایں انگریزی خوان اور غیر انگریزی خوان سامعین پر انکی تقریر کا یکساں اثر تھا۔ چنانچہ اگلے دن جب خواجہ صاحب کی خدمت میں اشاعت اسلام کے ایک رزولیوشن کی تائید میں تقریر کرنے کے لیئے پھر تحریک کی گئی تو انکی پر جوش تقریر کے اثناء میں ایک معزز غیر احمدی کے منہ سے یہ الفاظ میں نے سنے کہ بیشک اس ایمان سے یورپ اور امریکہ کے مادی خیالات پر اسلام کی پاک تعلیم کامیاب ہوسکتی ہے۔

اب میں اصل مضمون کو جو ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسہ کے لیئے لکھا گیا تھا ذیل میں درج کرتا ہوں :-

محمد علی

اس زمانہ میں جو کہ کثرت اشاعت کتب سے قرآنی پیشگوئی اذا الصحف نشرت کا کھلا کھلا مصداق ہو رہا ہے یہ سوال ہر ایک طبیعت میں پیدا ہوتا ہے کہ اس عظیم الشان انبار کتب میں سے جو اگر سب ایک جگہ جمع کی جاویں تو کوہ ہمالہ کے بالمقابل ایک دوسرا

ہما لکھڑا ہو جاوے کونسی کتاب ایسی ہے جو باقی تمام ہجنسوں میں ایک خاص امتیاز رکھنے کی وجہ سے دنیا کی سب سے بڑی کتاب کہلا سکتی ہے. اس سوال کو سنتے ہی بہت سی طبائع گھبرا اُٹھیں گی کہ کس شخص کی یہ طاقت ہے کہ کتابوں کے اس بے پایان ذخیرہ میں سے جن کی فہرست بنانے کو بھی ایک انسان کی زندگی کافی نہیں - اور جن کو پڑھنا یا انکے مضامین پر احاطہ کرنا تو درکنار انکے نام پڑھنے کے لیئے بھی ایک عمر چاہیئے. ایک ایسی کتاب کو باہر نکالنے کی کوشش کرے جو سب میں ممتاز ہو - جس کے متعلق یہ ثابت ہوسکے کہ اس کے اثر کا مقابلہ اس لا انتہا فوج کا کوئی اور سپاہی نہیں کرسکتا - مگر درحقیقت اس سوال کا حل کرنا ایسا مشکل نہیں جیسا کہ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے - سب سے پہلا امر جو اس سوال کا جواب دیتے وقت ہمیں ملحوظ رکھنا ہوگا یہ ہے کہ اگر اس مقابلہ کے لیئے کتابوں کو بلایا جاوے تو کون کونسی وہ کتابیں ہیں جو میدان مقابلہ میں نکل سکتی ہیں ایک سرسری نظر سے اس امر کا فیصلہ ہوجاتا ہے کہ اولاً اس میدان کے مرد صرف وہی کتابیں ہوسکتی ہیں جو کسی خاص فن - خاص حرفہ - خاص پیشہ سے تعلق نہیں رکھتیں - یا جن کا دائرہ اثر کسی خاص فرقہ یا خاص قوم یا خاص افراد تک محدود نہیں - پس پہلے ہی انتخاب میں اس لاتعداد فوج کا وہ حصہ جس کا شمار انسانی حیطۂ قدرت سے باہر نظر آتا ہے چپکے سے الگ ہو کر میدان مقابلہ کو نسبتاً ایک تھوڑی سی تعداد کے لیئے خالی چھوڑ دیتا ہے اور یوں مشکلات کا سب سے بڑا پہاڑ پہلے ہی نفخ میں اڑ جاتا ہے۔
اس تھوڑی تعداد میں جو باقی رہ جاتی ہے اگر پھر ایک غور کی نظر کی جاوے تو معلوم ہوگا کہ اس مقابلہ میں صرف وہی کتابیں رہ سکتی ہیں جو ہر انسان کی زندگی میں سچے رہنما کا کام دے سکتی ہوں اور جن کے اصول و ہدایات کی پیروی کی ضرورت کم و بیش ہر انسان کو اپنی زندگی میں ہوتی ہے یا ہوسکتی ہے - یوں تو ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ ایک اعلیٰ درجہ کی ادب کی کتاب یا اعلیٰ درجہ کی لغت کی کتاب یا اعلیٰ درجہ کی جدید تحقیق یا سائنس کی کتاب یا فلسفہ کی کتاب بڑی مفید کتاب ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس کے فائدہ کا اثر کس حد تک ہے - خیالات انسانی میں کس حد تک اس نے تغیر پیدا کیا اور آیا وہ تغیر نسل انسانی

کی بہتری کے لیئے تھا یا نقصان کے لئے اور آیا وہ انسان کے لیئے انکی زندگی میں رہنما کا کام دے سکتی ہے یا راہ راست سے دُور پھینکتی ہے مگر اس معیار پر بن مقابلہ میں ہم پرکھ سکتے ہیں کہ دنیا کی سب سے بڑی کتاب کونسی ہے شیکسپیر کی کتابوں نے انگلستان میں۔ کالیداس کی کتابوں نے ہندوستان میں۔ ڈینٹی کی کتابوں نے اٹلی میں گیٹی کی کتابوں نے جرمنی میں ہومر کی کتابنے یونان میں یا فردوسی کے شاہنامہ نے ایران میں بیشک ایک اعلیٰ درجہ کا لٹریچر پیدا کیا۔ اور فطرت انسانی کے خیالات کو عمدہ سے عمدہ پیرایوں میں ادا کیا۔ مگر کیا یہ کتابیں دنیا کی ہدایت اور رہنمائی میں وہ درجہ رکھتی ہیں جو دنیا کی مسلم مذہبی کتابیں رکھتی ہیں کیا شیکسپیر یا ڈینٹی یا کالیداس کے خیالات نے دنیا میں ایسی کوئی عظیم الشان تبدیلی پیدا کر کے دکھائی جیسی کہ مثلاً بائبل یا ویدنے۔ پس اس مقابلہ میں صرف وہی کتابیں آسکتی ہیں جو دنیا کی ہدایت کا باعث ہوئی ہیں یا جنہوں نے دنیا کی ہدایت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور یہ صفت صرف دنیا کی مذہبی کتب یا کتب مقدسہ کے اندر پائی جاتی ہے جنکے ہم پایہ نہ کسی قوم کی کوئی اخلاقی۔ نہ فلسفہ کی نہ ادب کی کتاب ہے اور اس طرح پر یہ مقابلہ صرف دنیا کی کتب مقدسہ میں باقی رہ جاتا ہے۔ اب اس مقابلہ میں اگر ذرا اور نظر غور سے کام لیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ اس میدان کا وہ بہادر سپاہی جو **ھل من مبارز** کی ندا شب و روز بلند کر رہا ہے اور جس کے مقابلہ میں اس میدان میں آجتک ایک حریف کو بھی قدم رکھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ وہ وہی الکتاب ہے جس کا نام قرآن ہے علم کلام کا وہ نیا اصول جس کو ہاتھ میں لیکر ایک تدبر سے کام لینے والا مسلمان دنیا کے سب مذاہب پر غالب آسکتا ہے۔ اور جسے سب سے پہلے اس مقابلہ مذاہب کے زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جنہیں مَیں آخری زمانہ کا مسیح موعودؑ اور مہدی یقین کرتا ہوں ایک عظیم الشان مناظرہ میں جو سنہ ۱۸۹۴ء میں عیسائیوں کے ساتھ بمقام امرتسر ہوا اور پھر جلسہ اعظم مذاہب لاہور میں سنہ ۱۸۹۶ء میں پیش کیا اس راہ کو کہ دنیا کی اکیلی بے نظیر کتاب کونسی ہے ہمارے لئے بالکل صاف کر دیتا ہے۔

مختصر الفاظ میں یہ اصول یوں ہے۔ کہ جو شخص کسی کتاب مقدس پر ایمان لاتا اور اسکے کامل اور بے نظیر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کا فرض ہے کہ جو دعویٰ وہ اس کتاب کے متعلق اپنے مذہب کی تائید میں پیش کرے یا جو دلائل ایسے دعوے کی صداقت کے دینا چاہے۔ وہ اسی کتاب مقدس میں سے ہوں یا اور بھی مختصر کرکے یوں کہو کہ ہر ایک کتاب کا جسے کامل آسمانی کتاب یا خدا کا کلام ہونے کا دعویٰ ہے یہ فرض ہے کہ دعویٰ بھی خود پیش کرے اور دلائل بھی خود دے۔ چونکہ اس عظیم الشان اور فیصلہ کن معیار پر سوائے قرآن کریم کے دنیا کی کوئی کتاب مقدس ہو یا غیر مقدس پوری نہیں اترتی اس لئے اس میدان کے حریفوں نے بجائے اپنے عجز کو تسلیم کرنے کے قرآن کریم کے اس معیار پر پورا اترنے کو یوں بگاڑا ہے کہ حامیانِ قرآن صرف اسی بات کو دلیل قرار دیتے ہیں جو قرآن میں لکھی ہے۔ اور اس طرح پر اس بلند پایہ اور قطعی معیار کو ہنسی میں اڑانا چاہا ہے۔ حالانکہ پیش کرنے والے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ جو کچھ رطب و یابس کسی کتاب میں لکھا ہو اسے لازماً دلیل سمجھ لیا جاوے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو کتاب کامل ہونیکا دعویٰ کرتی ہے اسے اصول حقہ کی تائید اور باطل اصول کی تردید میں دعاوی اور دلائل پیش کرنے چاہئیں۔ یعنی جو دعویٰ وہ کرتی ہے حتیٰ کہ اس کا یہ دعویٰ بھی کہ میں خدا کا کلام ہوں خود اس کتاب میں دکھانا چاہیئے نہ یہ کہ اس کی طرف سے آج کوئی شخص کھڑا ہو کر ایک نیا دعویٰ جو اس کتاب نے خود کبھی بھی نہیں کیا دنیا میں پیش کرے اور پھر جو کوئی بھی دعویٰ کوئی کتاب کرے اسکے لئے دلائل بھی خود دے۔ نہ یہ کہ دعویٰ تو کتاب کرے اور اس کے دلائل آج ایک شخص کچھ اور کل دوسرا شخص کچھ پیش کرتا ہے۔ دلیل تو وہی ہوگی جسے عقلمند انسان دلیل کہے لیکن اس دلیل کا وجود کتاب میں دکھانا ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ جو کچھ اس کتاب میں ہو خواہ عقل اس کو دھکے دے رہی ہو خواہ مخواہ خوش اعتقادی سے اسے دلیل سمجھ لیا جاوے اس وضاحت کے بعد اس معیار کے سامنے دنیا کی سب کتابوں کو

پیش کرو تو معلوم ہو جاوے گا کہ سوائے قرآن کریم کے دنیا کی کوئی کتاب الہامی ہو یا غیر الہامی۔ اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ صرف ایک ہی کتاب کل دنیا میں ہے جس نے یہ ندا بلند کی اور بار بار اسے دہرایا کہ میں بے نظیر ہوں میری مثل لانے پر کوئی قادر نہیں خواہ تمام دنیا کے لوگ بھی اکٹھے ہو جاویں قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا۔ بلکہ اور بھی تنزل کر کے فرمایا قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔ یعنی سارا قرآن نہیں تو کوئی دس ہی سورتیں بنا دے۔ اور اس سے بھی اتر کر فرمایا۔ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔ ایک ہی سورۃ اس کی نظیر بنا دو۔

اس تحدی کے بارے میں جو کچھ مخالفین نے کہا ہے اور اس امر کے متعلق کہ قرآن کریم کی بے نظیری کن صفات میں ہے۔ بیان کرنے سے پہلے میں ایک اور ضروری امر کی طرف توجہ دلانی ضروری سمجھتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا الکتاب ہونیکا دعویٰ بھی خود اسی پاک کتاب میں موجود ہے۔ چنانچہ قرآن شریف کی سب سے پہلی آیت یہی ہے ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔ جس میں قرآن کریم کو عظیم الشان "الکتاب" کہا گیا ہے۔

میں افسوس کرتا ہوں کہ مخالفین اسلام نے تو ناسمجھی سے یا ہٹ دھرمی سے قرآن کے متعلق جو کہا تھا کہا تھا۔ مگر مسلمانوں میں بھی ایسے خیالات پیدا ہو گئے کہ قرآن ایک کتاب کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

میں نہیں تھا - حالانکہ قرآن کریم نے اپنی نسبت خود بار بار لفظ کتاب استعمال فرمایا ہے اور احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جیسے جیسے قرآن شریف اُترتا تھا ویسے ویسے ایک خاص ترتیب اختیار کرتا جاتا تھا اور کتاب کی صورت میں بنتا جاتا تھا یوروپین مصنفوں نے اس وجہ سے کہ وہ ان خیالات سے ناآشنا تھے جو قرآن کریم میں ظاہر فرمائے گئے ہیں۔ اور اس زبان سے انکو بہت بُعد واقع ہوا تھا جس میں یہ پاک کلام اُترا۔ قرآن کریم کی عبارت کو پڑھ کر یہ کہدیا کہ قرآن شریف کی عبارت بے ربط ہے - یا یہ کہ ایک مضمون کو بیان کرتے کرتے قرآن شریف اُسے وہیں چھوڑ کر یکایک ایک اور بالکل بے تعلق مضمون کو شروع کر دیتا ہے اس کا صحیح جواب تو یہ تھا کہ اس بُعد اور بے تعلقی کی وجہ سے جو ان لوگوں کو قرآن کریم کے مضامین کے ساتھ ہے وہ ربط کو سمجھ نہیں سکے لیکن یہ جواب دینے کی بجائے اور جہاں اعتراض کیئے گئے تھے ربط دکھانے کی بجائے بعض مصنفین اسلام نے اس اعتراض کو ایک رنگ میں قبول کر کے یوں کہدیا کہ یہ ترتیب خود بخود بعد میں صحابہ رض نے بنالی اور اصل ترتیب ترتیب نزولی تھی - گویا یہ تسلیم کر لیا کہ قرآن شریف سورتوں یا آیتوں کا ایک مجموعہ ہے کتاب نہیں ہے - کیونکہ یہ ایک ظاہر امر ہے کہ بلا ترتیب دینے کے کوئی مجموعہ تحریرات کا کتاب نہیں کہلا سکتا حالانکہ اس خیال کو قرآن شریف کی سب سے پہلی آیت ہی رد کرتی ہے جہاں فرمایا کہ یہ کتاب ایک ہدایت نامہ ہے - یوں نہ کہا کہ یہ سورتیں یا یہ آیتیں یا یہ وحی ایک ہدایت نامہ ہے - آخر لفظ کتاب کو اپنے لیئے اختیار کرنے میں کوئی غرض تو قرآن شریف نے اپنے سامنے رکھی ہے - وہ غرض یہی ہے کہ تا معلوم ہو جائے کہ قرآن کا دعویٰ ایک مکمل اور مرتب کتاب ہونے کا ہے - وحی الٰہی کے منتشر اجزا یا چند سورتوں یا آیتوں کا مجموعہ ہونے کا دعویٰ نہیں ہے پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ جس اعتراض کی وجہ سے سورتوں کی بے ترتیبی کو مان کر نئی ترتیب کا* ایک قرآن شریف بھی شائع کر دیا گیا ہے اس کا تعلق تو سورتوں کی بے ترتیبی سے کوئی نہیں - اعتراض تو ہر ایک سورۃ میں آیات کی بے ترتیبی پر تھا - پس یوں چاہیئے تھا کہ آیات کی ترتیب بھی بدل کر ایک فرضی ترتیب نزولی دے دی جاتی -

* ایک انگریزی مجموعہ قرآن شریف جس میں اصل کلام پاک بھی متن میں موجود ہے اور نیچے ترجمہ ہے - حال میں الہ آباد سے شائع ہوا ہے جس میں راڈول اور دوسرے انگریزی مصنفین کا تتبع کر کے حضرت ترتیب کلام الٰہی کو بدل دیا ہے - یہ بہت ہی قابل افسوس امر ہے

حالانکہ امر واقعہ وہی ہے جس کا پتہ حدیث سے صاف چلتا ہے کہ جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود کاتب کو ہدایت فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں فلاں جگہ رکھو۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں میں آیات کی ترتیب دینے والے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ✻ اور بغیر ایسی ترتیب کے چھوٹی سی چھوٹی سورۃ بھی نہ کوئی حفظ کر سکتا تھا نہ لکھ سکتا تھا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کمل سورتیں بہت سے صحابہؓ نے حفظ کی ہوئی تھیں اور بہتوں کے پاس لکھی ہوئی کمل سورتیں موجود تھیں۔ اگر یہی بات ہوتی کہ ترتیب آیات ہی کوئی نہ تھی اور ہر شخص کا اختیار تھا کہ جس طرح چاہتا خود ہی ایک ترتیب آیات کو دے لیتا تو کس طرح سورتیں کمل سورتیں کہلا سکتی تھیں جن کو ایک دوسرے سے یاد کرتے تھے اور اگر ایک شخص پڑھتے ہوئے ایک آیت چھوڑ دیتا یا ایک آیت کا لفظ بدل کر دوسری آیت میں پڑھ دیتا تو اسکی تصحیح کر دیتے جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اور پھر یہ سورتیں کم از کم چھ مرتبہ ہر چوبیس گھنٹے میں بلند آواز سے دوسروں کو سنائی جاتی تھیں۔ دوسری طرف یہ بھی ظاہر امر ہے کہ ایک وقت میں دو دو تین تین سورتوں کی آیات نازل ہوتی تھیں جس کے لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتانے کی ضرورت پیش آتی تھی کہ فلاں آیت کو فلاں سورۃ میں فلاں جگہ رکھو۔ پس سورتوں کی ترتیب نزولی کیا قرار دی جا سکتی ہے وہ تو اس صورت میں رکھی جا سکتی تھی کہ ایک سورۃ کمل طور پر نازل ہو لے تو پھر دوسری نازل ہو۔ پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ سورتوں کے اندر آیات کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کام تھا۔ تو کیا خود یہی امر سورتوں کی موجودہ ترتیب کے آنحضرت کیطرف سے ہونے کی کافی دلیل نہیں ہے؟ کیا جب قرآن کریم کی ہزارہا آیتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بتا سکتے تھے تو ایک سو سورۃ کی ترتیب نہ بتا سکتے تھے؟ بلکہ وہی دقت (گو چھوٹے پیمانے پر) سارے قرآن کریم کے حفظ کرنے میں سورتوں کی بے ترتیبی کیوقت پیدا ہوتی ہے جو آیات کی بے ترتیبی کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔

✻ [illegible]

جب ہم اندرونی شہادت کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ امر کہ قرآن کریم کی آیات اور سورتوں کی ترتیب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور بھی زیادہ واضح ہوجاتا ہے۔ بے ترتیبی کے قائلوں نے یہ خیال کرلیا ہے کہ قرآن کریم کی ترتیب یوں ہونی چاہیئے تھی کہ پہلے ایک سورۃ ہوتی اس میں صرف توحید الٰہی کا ذکر ہوتا پھر ایک سورۃ میں صرف وحی اور نبوت کا ذکر ہوتا۔ پھر کسی میں نماز کا ذکر ہوتا کہیں روزے کا ہوتا کسی میں اصول معاشرت سب اکٹھے کردیئے جاتے کوئی صرف اصول تمدن پر مشتمل ہوتی وغیرہ۔ غالباً اسی خیال نے اس حد تک مسلمانوں کے خیالات کو بھی پہنچا دیا ہے کہ وہ قرآن شریف میں بے ترتیبی کو ماننے لگ گئے۔ مگر یوں نہیں قرآن کریم کو جو فوقیتیں دنیا کی سب کتابوں پر حاصل ہیں منجملہ انکے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے ہر معاملہ میں انسان کو اللہ تعالٰی کی طرف اسکی عظمت و اقتدار۔ اس کے علم۔ اسکے رحم۔ اس کے غفران کی طرف۔ اس کے خالق اسکے مالک ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور اس لیئے اس میں کوئی ایسی تبویب نہیں پائی جاویگی کہ اللہ تعالٰی کے ذکر کو تو نکال کر ایک طرف رکھدے اور پھر باقی معاملات میں دنیا کے مقننوں کی طرح چند ہدایات دیدے اسی خوبی کو نئے انسکلوپیڈیا برٹینکا میں قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت پر چوٹی کا اعتراض قرار دیا گیا ہے کہ مضمون تو ہوتے ہیں دنیوی رنگ کے مثلاً طلاق کا قانون بیان کیا یا وراثت کا اور ساتھ اسکی بالکل غیر موزون فقرے صرف آیتوں کے اواخر کو موزون کرنے کے لیئے لگادیئے ہیں حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ قرآن کریم کی فصاحت بلاغت بالکل تکلف سے پاک ہے۔ اسی لیئے قرآن شریف کی ترتیب ایسی تبویب کی بنا پر نہیں کیونکہ اسکا منشاء اگر کسی قانون کا بیان کرنا ہے تو پھر وہیں اللہ تعالٰی کا کامل علم و قدرت اور اسکی عظمت اس کی مالکیت کی طرف توجہ دلانا بھی ہے کیونکہ صرف قانون بتانے سے تو خالی اس قانون کے علم دینے کا فائدہ ہوسکتا تھا مگر قرآن کریم کی اصل غرض تھی اس قانون پر چلانا اس کے لیئے ان امور کو ساتھ ساتھ ہر جگہ بیان کرتا گیا ہے جن کو پیش نظر رکھکر انسان راستی کے قوانین پر چل سکتا ہے۔ اس مختصر پرچہ میں کسی قسم کی وضاحت کی گنجائش نہیں لیکن

ترتیب کی اندرونی شہادت کو میں ایک مثال کے ساتھ واضح کیئے بغیر آگے نہیں چل سکتا۔
یہ مثال میں قرآن کریم کی ابتدائی آیات سے ہی لیتا ہوں۔ سورہ بقرہ کے متعلق یہ تو اتفاق
ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس لیئے نزولی ترتیب کے لحاظ سے سب سے اول یہ نہ رکھی جاسکتی
تھی۔ پھر آخر اسے کیوں پہلی سورۃ قرار دیا گیا (یاد رہے کہ سورہ فاتحہ قرآن کریم کے مضامین
کا خلاصہ یا نچوڑ ہونے کی وجہ سے سورہ بقرہ سے بھی پہلے رکھی گئی ہے) اندرونی شہادت
کی طرف غور کریں تو یہ سورۃ یوں شروع ہوتی ہے۔ ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ
ھدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب و یقیمون الصلوٰۃ و
مما رزقنٰھم ینفقون ۝ والذین یؤمنون بما انزل الیک و ما
انزل من قبلک و بالاٰخرۃ ھم یوقنون ۝ یہ دو آیتیں بعینہٖ اسطرح تمہید کا
رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں جیسے ایک مقنن قانون بناتے وقت تمہید میں یہ بیان کرتا ہے
کہ یہ قانون ہم نے کس غرض کے لیئے بنایا سو یہاں پہلے کتاب کے متعلق چند دعاوی کو
بیان فرما کر کہ یہ کتاب ایک عظیم الشان کتاب ہے۔ اور پھر شک اور ریب سے خالی ہے
اور پھر ہدایت نامہ ہے۔ ایک مسلمان کے اصولی اعتقادات و اعمال کو اکٹھا کر دیا ہے۔
چنانچہ اعتقاد کے رنگ میں اصول یہ بیان فرمائے کہ ایمان بالغیب ہو یعنی اللہ اور
ملائکہ پر ایمان ہو۔ اور ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی پر اور کل انبیاء علیہم السلام
کی وحی پر ہو۔ اور بالآخر ایمان آخرت پر ہو۔ یعنی اعمال کی جزا و سزا پر ہو۔ اور اعمال
کے متعلق دو حصے بیان کیئے ایک نماز کا قائم رکھنا جو حقوق اللہ کی ادائگی کا جزو اعظم
ہے اور ایک خرچ کرنا دوسروں کے فائدے کے لیئے اس مال اور ان قویٰ کا جو اللہ نے
دیئے ہیں جو حقوق عباد کا جزو اعظم ہے۔ الٰہی کتابیں دنیا میں بہت سی کہلاتی ہیں اب
مقابلہ کر کے دیکھو کہ کیا کسی کتاب نے ایسی صفائی سے اپنے دعوے کو بیان کیا ہے۔
جیسا کہ قرآن کریم نے عین ابتدا میں بتا دیا کہ میں کس لیئے آیا ہوں اور میرا کام دنیا میں
کیا ہوگا۔ اسجگہ یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بعد میں قرآن شریف کئی جگہ مومنوں
کی صفت میں صرف ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کے درمیان میں لکھا ہے وہ

حصہ ہی بیان فرماتا ہے کیونکہ ابتدا میں جو کچھ [illegible] الیوم الآخر

گویا سب کا سب ایمان باللہ و بالیوم الآخر کے جملے میں آجاتا ہے۔ اسی بات سے بہت لوگوں نے یہ ٹھوکر کھائی ہے کہ قرآن شریف ایک طرف تو ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ کہتا ہے۔ اور دوسری طرف کہتا ہے ان الذین اٰمنوا و الذین ھادوا والنصاریٰ والصابئین من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر وعمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھم ولاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ سو اصل میں اٰمن باللہ و الیوم الاٰخر میں باقی وہ اصل بھی آجاتے ہیں جو الذین یؤمنون بالغیب سے لیکر وبالاٰخرۃ ھم یوقنون تک وارد ہیں کیونکہ یہ اصولی امور ہیں۔

اب میں پھر اصل مطلب کی طرف آتا ہوں نہ صرف ایسی صفائی سے اصولی اعتقادات و اعمال کو بیان کرنے سے تمام کتب مقدسہ کو قاصر پاؤ گے بلکہ جس جامعیت سے یہاں قرآن شریف نے ان اصول کو بیان کر دیا ہے۔ اور تمام سورتوں کو دیکھ لو کسی کے ابتدا میں اس جامعیت سے اصول بیان نہیں فرمائے ہیں۔ کہ ایمان اور اعمال دونوں کے اصل الاصول کو اس طرح پر ایک جگہ کرکے بیان فرمایا ہو پس اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ ترتیب سور قرآن کریم کی منجانب اللہ نہیں تو اس سورت کو ہٹا کر کسی اور سورۃ سے قرآن شریف کو شروع کرو وہ غرض جو ایک قانون کی تمہیدی عبارت سے پوری ہوتی ہے ہرگز پوری نہیں ہوگی۔ پھر ایمان اور اعمال کے ضروری اصول کو بیان کرکے اور ان پر ایمان لانے والوں کا ذکر فرما کر ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو قرآن شریف کے انذار اور عدم انذار کو برابر سمجھتے ہیں یعنی اپنے خیالات سے ہٹنا ہی نہیں چاہتے۔ یہ کافروں کا گروہ ہے۔ پھر اس کے بعد منافقوں کا ذکر فرمایا۔ اور تیسرے رکوع میں وہ سب سے پہلا امر یا حکم بیان فرمایا جو ہر مذہب کی جان ہے جس کا دعویٰ تو ہر مذہب کرتا ہے کہ میرا پہلا حکم یہی ہے مگر اپنی کتاب میں دکھا کوئی نہیں سکتا کہ واقعی اس کا پہلا حکم یہی ہے مگر قرآن کریم میں اس امر سے پہلے کہ یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم اور کوئی امر نہیں پاؤ گے بلکہ سب سے پہلے اپنی غرض اور علت غائی کو بیان فرما کر پھر مومن۔ کافر۔ منافق تین گروہوں کا ذکر کرکے

دوسرے رکوع کے آخر پر دو نہایت اعلیٰ درجہ کی تمثیلوں میں کفار اور منافقین کی مثال دی۔ اور پھر تمام لوگوں کو یہ سب سے پہلا حکم دیا کہ اپنے رب کی عبادت کرو۔ کیا اس سے بہتر ترتیب کسی شخص کے قیاس میں آسکتی ہے؟

پس یہ وہ **الکتاب** ہے جو اولاً اپنی ترتیب کے لحاظ سے ہی جہاں سب سے زیادہ لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے **الکتاب** کہلانے کی مستحق ہے۔ اس کتاب کا سب سے پہلا دعویٰ یہ ہے کہ میں **ھدی** یعنی انسانوں کے لئے سچی رہنما ہوں پس جب وہ یہ تحدی کرتی ہے کہ میری مثل بنا کر دکھاؤ تو صاف ظاہر ہے کہ اس تحدی میں اولاً اس کے ہدایت ہونے کا پہلو ہی لیا جاوے گا۔ بعض لوگوں نے قرآن کریم کی اس تحدی کو صرف فصاحت و بلاغت لفظی تک ہی محدود سمجھا ہے اور پھر خود ہی اسے اس حد تک محدود کر کے خود ہی اعتراض کیئے ہیں۔ حالانکہ قرآن میں یہ کہیں نہیں لکھا۔ کہ صرف بلاغت میں میری مثل بنا دکھاؤ یا فلاں بات میں میری مثل بنا دکھاؤ۔ پس جبکہ قرآن کریم نے اپنی تحدی کو کسی خاص پہلو میں محدود نہیں کیا تو اور کسی کو کس طرح ایسی حد بندی کا حق پہنچتا ہے۔ مثلاً یہی ایک پہلو لے لو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کا نام قران رکھا ہے۔ یہ نام بائبل اور پرانا اور نیا عہدنامہ یا زند یا وید کی طرح کتاب کے پیروؤں کا تجویز کردہ نہیں بلکہ جس طرح اس مذہب کا نام خود اللہ تعالیٰ نے اسلام یا صلح اور سلامتی کا مذہب رکھا کیونکہ اس کے پاک اصول ہر رنگ میں صلح اور سلامتی پر مبنی ہیں۔ اسی طرح اس پاک کتاب کا نام اس نے خود ہی قرآن یا پڑھنے کی چیز رکھا۔ سب سے پہلی وحی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اقرأ باسم ربك کی ہوئی اسی کی مؤید ہے یہ پڑھنے کا حکم اور پھر قرآن نام رکھا جانا اپنے اندر ایک عظیم الشان پیشگوئی کو لیئے ہوئے تھے۔ جس کا ظہور اس طرح پر ہوا کہ **قرآن** وہ کتاب ہے جو تمام دنیا کی کُل کتابوں سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ یہی حکمت تھی کہ اس کا نام قرآن رکھا گیا اور یہی حکمت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے اقرأ کا حکم دیا گیا۔ تاکہ قرآن کو دنیا کی سب کتابوں پر یہ فوقیت حاصل ہو کہ وہ دنیا کی سب کتابوں میں

سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ کیا اس کی نظیر کوئی شخص لا سکتا ہے۔ فرض کرو کہ کوئی شخص اسوقت ایک یا دو سورتیں قرآن کے مقابلہ میں بنا کر پیش کر دیتا مگر عرب باوجودیکہ وہ مخالفت میں حد سے گذرے ہوئے تھے۔ ظاہر طور پر بھی ایسا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے لیکن کیا یہ بھی کسی انسان کی طاقت میں تھا کہ وہ قرآن کے نام کے اندر جو پیشگوئی مخفی تھی اسے بھی اپنی بنائی ہوئی کتاب پر صادق کر دکھاتا۔ کیا ایک انسان کی یہ طاقت تھی؟ یہ جو مَیں نے کہا ہے کہ قرآن وہ کتاب ہے جو دنیا کی تمام کتابوں سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ بلا دلیل دعویٰ ہے۔ ایسا نہیں۔ بائبل کی اشاعت بیشک بہت کثرت سے ہوتی ہے شیکسپیر بے شک بہت پڑھا جاتا ہے۔ مگر قرآن کے برابر دنیا میں کوئی کتاب نہیں پڑھی جاتی۔ اس کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ ہر مسلمان دن میں کم از کم بتیس دفعہ قرآن شریف کے کسی نہ کسی حصہ کو ضرور پڑھتا ہے یہ پڑھنا تو صرف نماز کی رکعتوں میں ہوا اس سے علاوہ بھی قرآن اور کتابوں کی نسبت زیادہ پڑھا جاتا ہے۔ مان لو کہ اس زمانہ میں بے نماز بہت ہیں۔ پھر بھی جس کتاب کا دن میں کئی مرتبہ پڑھنا ہر مسلمان کا پہلا فرض قرار دیا گیا ہو اسکی برابری دوسری کوئی کتاب نہیں کر سکتی۔ پھر رمضان کے مہینہ میں کُل قرآن کی "تلاوت" دنیا کی ہر مسجد میں ہوتی ہے۔ کیا اسکی نظیر کسی اور کتاب میں بائبل ہو یا زند یا دید پائی جاتی ہے۔ بلکہ ساری بائبل کو مَیں نہیں سمجھتا کہ ہزار عیسائی میں سے ایک بھی ساری عمر میں ایک دفعہ پڑھتا یا سنتا ہو۔ حالانکہ مسلمان سارے نہیں تو پچاس فیصدی اور علیٰ سبیل التنزل دس فیصدی تو ضرور سارے قرآن کو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیتے ہیں علاوہ اس کے کہ نمازوں میں یہ پڑھا جاوے یہ ایک ایسا امر ہے کہ غیر مسلموں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے چنانچہ نئے انسکلوپیڈیا برٹینیکا میں "قرآن" کے عنوان پر مضمون لکھنے والے نے یہ تسلیم کیا ہے کہ قرآن (Most Widely read Book in existence.) ہے۔

یعنی سب سے زیادہ پڑھی جانیوالی کتاب جو دنیا میں موجود ہے۔ ساتھ ہی اس جگہ مَیں اس امر

کی طرف بھی توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس طرح قرآن کے لفظ میں اور اقرأ کے حکم میں قرآن کریم
کے دنیا میں بے نظیر طور پر پڑھے جانے کی پیشگوئی مذکور تھی اسی طرح الکتاب کے لفظ میں اور
پھر فی صحف مکرمة مرفوعة مطھرة بایدی سفرة کرام بررة میں اس کے بے نظیر
طور پر لکھا جانے کی پیشگوئی بھی تھی چنانچہ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ کو دیکھ لو کوئی کتاب اسقدر
کثرت سے بار بار لکھی نہیں گئی جیسے کہ قرآن شریف؛ پھر اسکے لکھنے والے واقعی وہ کرام بررہ دنیا
کے معززین ابرار تھے جن میں عظیم الشان سلطنتوں کے بادشاہوں تک کے نام ہیں کسی کتاب
کے ایسے معزز ہاتھوں سے لکھا جانے کی شہادت تاریخ ہرگز نہیں دے سکتی جیسے معزز ہاتھ قرآن
کریم کو ہر زمانہ میں لکھتے رہے ہیں اور نہ ہی کوئی کتاب دنیا کی اس کثرت سے لکھی گئی ہے جیسے کہ
قرآن شریف پس جس طرح قرآن کریم کو دنیا کی کل کتب پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ
اس کے برابر دنیا کی کوئی کتاب پڑھی نہیں جاتی یہ بھی اسے فوقیت حاصل ہے کہ اس کثرت سے
اور ایسے معزز ہاتھوں سے دنیا کی اور کوئی کتاب لکھی نہیں گئی؛

ایسا ہی قرآن کریم کا ایک اور ظاہری اثر ہے جس کو سب نے تسلیم کیا ہے۔ اور جس کے مقابل
میں کوئی دوسری کتاب ایسا اثر پیدا کرنے والی پیش نہیں کی جاسکتی - یہ اثر قرآن کا زبان پر
ہے - عربی زبان کی جو کچھ حکومت دنیا کے مختلف حصوں پر ہے عرب سے باہر[م] جسقدر دوسری
زبانوں میں اس کے الفاظ ہیں وہ سب قرآن کی بدولت ہی ہے - ویدوں کی سنسکرت -
زردشت اور کانفیوشس کی زبانیں - گوتم بدھ کی زبان - حضرت موسیٰؑ - حضرت داؤدؑ اور دیگر انبیائے
بنی اسرائیلؑ کے صحیفوں کی زبان - اور بالآخر حضرت مسیحؑ اور آپ کے حواریوں کی زبان جس میں الہامی
نوشتے لکھے گئے قرآن کریم کی لسان عربی مبین کا مقابلہ تو ایک طرف رہا اس قسم کا کوئی اثر بھی
نہیں دکھا سکتیں - بلکہ آج ان اصل زبانوں کا وجود بھی دنیا سے ایسا مفقود ہوا ہے کہ وہ
کسی قوم یا ملک کی زندہ زبانیں نہیں رہیں - مگر برخلاف اسکے قرآن شریف کی عربی مبین کے
اثر کو دیکھو - نہ صرف اسکی پاک زبان عربی علم ادب کی جان اور اس کی پاکیزگی کا معیار ٹھہری
بلکہ اس نے اس لسان عربی کو ہمیشہ کے لیئے زندہ زبان بنا دیا اور پھر اس سے بھی بڑھکر
اس پاک زبان کو نہ صرف علمی زبان ہی رہنے دیا بلکہ عظیم الشان ممالک کی اصلی اور عوام الناس

م جسقدر ملکوں کی یہ مسلمہ زبان ہوگئی ہے اور

تک کی زبان بنا دیا۔ اور بہت سی زبانوں پر عربی زبان کو ایسا مسلط کر دیا کہ انکی طرز۔ ڈھنگ۔ الفاظ سب کو ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا جس میں عربیت کا عنصر غالب رہا۔ اور یوں قرآن کا اثر وسیع سے وسیع دائروں کی زبانوں پہ ایسا اعجازی ہوا اور ہے کہ دوسری کسی کتاب کا ایسا اثر نظر نہیں آتا۔

ایسا ہی ظاہری فوقیتوں میں سے جو قرآن کریم کو حاصل ہیں تیرہ سو سال کے اندر اس کی اعجازی حفاظت ہے۔ گو اس امر کے متعلق مخالفین اسلام نے بہت کچھ ہرزہ درائی بھی کی ہے لیکن آخر اس امر کے تسلیم کرنے سے انہیں چارہ نہیں ہوا اور سخت سے سخت مخالف کو یہ شہادت دینی پڑی ہے۔ کہ دنیا کی کوئی کتاب تیرہ سو سال تک ایسی محفوظ نہیں رہی جیسی کہ قرآن شریف۔ پس بہرحال دنیا کی دیگر کتب پر یہ فوقیت تو اسے حاصل ہے کہ محفوظ ہونے میں کوئی دوسری کتاب اسکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ قرآن کریم کی حفاظت کے سامانوں میں ایک ظاہری سامان قرآن کریم کے حافظوں کا وجود تھا ادھر قرآن شریف کا نزول شروع ہوتا ہے ادھر ساتھ ہی اس کلام پاک کو دل میں محفوظ رکھنے والی ایک قوم پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ نہیں کہ کسی نے کوئی ٹکڑا محفوظ کر لیا ہو کسی نے کوئی بلکہ شروع سے لیکر اخیر تک کل قرآن شریف کو حفظ کرنے والوں کا وجود اسی ابتدائی زمانہ سے نظر آتا ہے۔ اور یہ تعداد حافظوں کی ایسی ترقی کرتی چلی جاتی ہے کہ وہ دائرہ دن بدن ہر ملک اور ہر قوم میں وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ کیا اس کی کوئی نظیر دنیا کی کسی اور کتاب میں پائی جاتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ دنیا کی چھوٹی سے چھوٹی کتاب کے حفظ کرنے والوں کی تعداد بھی قرآن شریف کے حفاظ کی تعداد کا مقابلہ نہیں کر سکتی ؛

یہ چند امور جن کا ذکر مینے اس جگہ کیا ہے صرف ایک مثال کے رنگ میں بیان کیئے گئے ہیں ورنہ وہ صدہا مختلف پہلو جن میں قرآن کریم کی دنیا کی کل کتابوں پر فضیلت اور اس کی بے نظیری ثابت ہوتی ہے ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی تو انکو قرآن کریم کے ترجمہ کے دیباچہ میں بیان کرونگا۔ لیکن اس مضمون کو ختم کرنیسے پہلے میں ایک امر کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں مینے

ابھی ذکر کیا ہے کہ قرآن شریف نے شروع میں ہی اس مقصد کو بیان فرمایا ہے جس کے لیئے وہ دنیا میں آیا تھا - یعنی یہ کہ یہ کتاب ایک لاریب اور مکمل ہدایت نامہ ہے - اور یہی اصل کام ایک آسمانی کتاب کا ہے کہ وہ دنیا کے لیئے ہدایت ہو - جس طرح پر قرآن کریم کے اس دعوے کی نظیر کہ مَیں ایک مکمل اور لاریب ہدایت نامہ ہوں کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتی - اسی طرح پر اگر دعویٰ کو چھوڑ کر ہم واقعات کی طرف آویں تو ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں دو ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو دنیا کی اور کسی کتاب میں نہیں پائی جاتیں یعنی اول یہ کہ یہ ایک کامل ہدایت نامہ ہے - جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اس کی توحید - اسکے ملائکہ - اس کی وحی - اس کی عبادت کے متعلق - جیسی کامل رہنمائی ہے اور کسی کتاب میں نہیں - الٰہی علم و قدرت - الٰہی عظمت و جبروت کا جو اثر قرآن کریم کو پڑھکر دل پر ہوتا ہے اور کسی کتاب سے ہرگز نہیں ہوتا - بلکہ بہت سی مذہبی کتب تو اخلاقی قوانین کا مجموعہ ہونے سے زیادہ نظر ہی نہیں آتیں - اور وہ بھی ناقص مجموعہ - اور خدائے تعالیٰ کی عظمت و جبروت اس کی قدرت و طاقت اسکی علم و حکمت کا بیان تو ایک طرف رہا - اللہ تعالیٰ کا نام بھی کم آتا ہے برخلاف اس کے قرآن شریف کو دیکھو تو قریباً قریباً کوئی سطر خالی نہیں جاوے گی جس میں اللہ تعالیٰ کے نام یا صفات یا افعال کی طرف اشارہ نہ ہو - اس کتاب پاک کو اُٹھا کر کہیں سے پڑھنا شروع کر دو - کوئی سی سورۃ ہاں چھوٹی سے چھوٹی سورۃ اس کی لے لو - مگر وہی توحید و عظمت قدرت الٰہی کا نظارہ دیکھو گے پھر قرآن کریم میں ہر قسم کے اصول - معاشرت کے اصول تمدن کے اصول سیاست کے اصول جنگ کے اصول صلح کے اصول ایسی بیان فرمائے گئے ہیں جو اصل اخلاق انسانی کی جڑھ ہیں - اور اخلاق کی تعلیم کو اس طرح سے مکمل کر کے پیش کیا گیا ہے کہ اس کے باریک سے باریک شعبوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان راہوں کو کھولکر بیان کیا ہے جن سے اخلاق فاضلہ سیکھے جا سکتے ہیں یا اخلاق رذیلہ سے انسان بچ سکتا ہے - جو کچھ کسی اور کتاب میں اخلاق کی تعلیم موجود ہے وہ قرآن میں بھی پائی جاتی ہے اور علاوہ بریں قرآن کریم میں اور بہت سی باتیں ہیں جن کے بتانے سے دوسری کتب قاصر ہیں - گویا دنیا کی اخلاقی

تعلیم کا نچوڑ اور اس کی تکمیل قرآن کریم میں موجود ہے۔ مگر اس سے بھی بڑھکر یہ امر ہے اور یہ قرآن شریف کی دوسری خصوصیت ہے کہ جس طرح پر قرآن کریم نے اپنی تعلیم کا عامل اپنے پیروؤں کو بنایا اس کی نظیر کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتی۔ اولاً اور بالذات تو وہ نبی ہی اس تعلیم کا مخاطب اور کامل نمونہ ہوتا ہے جو اس کی کتاب میں پائی جاوے اگر اس تعلیم نے اس نبی کو کچھ بنا کر نہیں دکھایا تو اوروں پر اس کا کیا اثر ہوگا۔ سو دیکھو کہ خلقہ القرآن نے جو ایک گھرے واقف کی شہادت آنحضرت کے متعلق ہے قرآن کریم کو وہ رتبہ دیا ہے جو دنیا کی اور کسی کتاب کو حاصل نہیں۔ اور آپ کی زندگی میں جو کامل نمونہ پایا جاتا ہے اسکی شہادت خود لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ سے ملتی ہے اور واقعات اس کی پر زور تائید کرتے ہیں جن کی تفصیل کی افسوس ہے کہ اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں۔ پھر نبی کے ان پیروؤں کو لو جنپر نبی کے بعد قرآن کریم کا پہلا نزول ہوا کیا انکی نظیر کسی اور نبی کے پیروؤں میں ملتی ہے؟ حضرت موسیٰ عیسیٰ بدھ کرشن رامچندر کانفیوشس زردشت کسی کے پیرو اس مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوسکتے اور یہ ایک کھلی بات ہے کہ مخالفین نے بھی اُسے تسلیم کیا ہے اور اب اگر صدیوں بعد بھی دیکھا جاوے تو جس قدر مسلمان قرآن کے عامل نظر آویں گے اور کوئی قوم اپنی کتاب کی عامل نظر نہیں آتی نہ صرف خالص مذہبی تعلیم میں بلکہ اخلاق میں بھی۔ گو مسلمانوں کو یوروپین مصنفوں نے بہت بدنام کرنے کی کوشش کی ہے مگر حق یہی ہے کہ افراد کا مقابلہ تو ایک بہت مشکل امر ہے اقوام کے مقابلہ میں جب ہم دیکھتے ہیں تو یوروپین قومیں بہت سی ایسی پائی جاویں گی جو نہ صرف انجیل کی تعلیم ایک طمانچہ کھاکر دوسری گال پھیر دینے اور جو ایک کوس لے جائے اس کے ساتھ دو کوس جانے پر ہی عمل کرنے کو تیار نہیں بلکہ معمولی اخلاقی تعلیم مثلاً عہد کی پابندی میں سخت کمزور ثابت ہوئے ہیں مسلمان قوموں نے بہت سے ملکی نقصان اُٹھائے مگر عہد کی پابندی کے اصول کو ترک نہیں کیا۔ برخلاف اسکے کتنی یوروپین قوموں نے اس زمانہ میں مضبوط عہدوں کو پسِ پشت ڈالدیا محض اس لیئے کہ کسی ملک کی حکومت کا کوئی ٹکڑا انہیں مل جائے۔ اور گالوں پر طمانچے کھانا تو ایک طرف رہا طمانچے

مارنے پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ ہزارہا بندگان خدا کے ناحق خون بہائے۔

میں اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے کسی عیسائی یا دیگر مخالف کے خیالات کے حوالوں کا محتاج نہیں مگر اس خیال سے کہ بہت لمبے دلائل کی بجائے ایک مخالف کی شہادت بھی کافی ہے۔ والفضل ما شھدت بہ الاعداء۔ میں اس مضمون کو اس شہادت پر مختصر کرتا ہوں جو نئے انسکلو پیڈیا بریٹانیکا کے سخت معاندانہ مضمون سے ملتی ہے جسمیں مضمون نویس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

Most Successful of all prophets and religious personalities. ⁕

تسلیم کرتا ہے۔ اگر جیسا کہ اس حوالہ سے ظاہر ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے تمام نبیوں اور مذہبی اشخاص میں سب سے بڑا کامیاب انسان نظر آتا ہے تو یقیناً وہ ہدایت نامہ قرآن جس پر کامل طور پر چلکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فضیلت بانیان مذاہب اور انبیاء علیہم السلام پر حاصل کی کامل ہدایت نامہ ہونے میں دنیا کی سب سے بڑھکر کامیاب کتاب کہلانے کی مستحق ہے۔

ڈوئی کے شہر صیہون کی موجودہ حالت

ناظرین ڈوئی کی ہلاکت کے نشان سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اُس کا وجود کئی رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا نشان ہے۔ یہ سنت اللہ ہے کہ صادقوں کے زمانہ میں خدائے تعالیٰ کاذبوں کو بھی کھڑا کر دیتا ہے۔ پھر صادقوں کی مدد فرماتا ہے اور اُن کی مرادوں کو پورا کرتا اور اُن کی زندگی میں اُن کو کامیابی کا خوشنما چہرہ دکھاتا ہے اور جو اُن کی ہلاکت اور اہانت کے درپے ہوتے ہیں اُن کو ہلاک اور ذلیل کر کے اپنے پیاروں کے حق میں اپنی گواہی دیتا ہے مگر جو جھوٹے مدعی اُس کے زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں اُنپر اپنا غضب نازل کرتا ہے۔ اُس کے عذاب کی آگ اُنپر اُترتی اور

⁕ تمام نبیوں اور مذہبی لیڈروں میں سب سے بڑا کامیاب انسان۔ منہ

اُنکو بھسم کر دیتی ہے۔ اس طرح حق کی جستجو کرنیوالوں کو صادق اور کاذب میں تمیز کرنے کا موقعہ دیا جاتا ہے اور وہ اُس قہر کو دیکھکر جو کاذبوں پر نازل ہوتا ہے اور اُس ناکامی اور حسرت کی موت کا مشاہدہ کرکے جو جھوٹے مدعیوں کو پیش آتی ہے صادق کو پہچان سکتے ہیں۔ پس ایسے کاذبوں کا پیدا ہونا اور پھر اُن کا عبرت انگیز طور پر غضب الٰہی کا مورد ہونا صادق کی صداقت کا ایک نشان ہوتا ہے۔ ایسے کاذب حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے زمانہ میں بھی پیدا ہوئے اور پھر ایسے کاذب آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے عہد مبارک میں بھی ظاہر ہوئے اور اسی سُنّت کے مطابق خدائے تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں بھی بہت سے کاذب کھڑے کیئے اور اُنکو عبرت انگیز غضب الٰہی کا مورد کرکے حضرت مسیح موعودؑ کے لیئے ایک نشان قائم کیا۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے زمانہ میں جو جھوٹے مدعی پیدا ہوئے اُن کا حال کتاب اعمال باب ۵ میں ملاحظہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے دو مشہور کاذب مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی ہیں جن میں سے اول الذکر آپ کی وفات کے بعد ہلاک ہوا اور دوسرا آپکی وفات کے ایام میں۔ اس زمانہ میں بہت سے لوگ حضرت مسیح موعودؑ کے مقابل میں کھڑے ہوکر ہلاکت کا نشانہ ہوئے اور بعض ایسے بھی ہیں جو آئندہ اپنے وجود سے حضرت مسیح موعود کی صداقت پر انشاء اللہ تعالیٰ مُہر لگائینگے جو کاذب آپکی زندگی میں ہلاک ہوئے اور جنہوں نے اپنی ہلاکت سے حضرت مسیح موعودؑ کے صدقِ دعویٰ پر شہادت دی اُنہیں سے ایک جموں کا رہنے والا چراغدین تھا۔ اُس نے حضرت مسیح موعودؑ کے مقابل میں مخالفت کا جھنڈا کھڑا کیا اور آپکا نام نعوذ باللہ دجال رکھا اور اپنی نسبت یہ دعویٰ کیا کہ مَیں خدا کی طرف سے اسلیئے مبعوث کیا گیا ہوں تا کہ مسیحیوں اور مسلمانوں کو ایک مذہب پر جمع کردوں اور اُس نے ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام اُس نے منارۃ المسیح رکھا اور ایک دعا لکھی جسمیں سے چند الفاظ بطور نمونہ مَیں یہاں درج کرتا ہوں "اب اے میرے خدا ... تو جانتا ہے کہ مَیں وہی شخص ہوں جس کو تُو نے ..... اپنی مشیئت اور ارادہ کے مطابق جو ازل ہی سے مقرر کیا گیا تھا ... اسلام کی خدمت اور نصرت کے لیئے اہل دنیا میں سے چن لیا .... اے میرے خدا تو خود جانتا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ دنیا میں ایک شخص

نبوت اور رسالت کا مدعی اور مسیحیت کا دعویدار موجود ہے جو کہتا ہے کہ .... طاعون اور زلزلہ بھی میری ہی تائید میں ظاہر ہو رہے ہیں تاکہ میرے مخالفوں کو ہلاک اور تباہ کر دیں .... اسلیئے اے میرے خدا دنیا کے دل تذبذب میں ہیں اور حق ظاہر نہیں ہو سکتا .... پس اے میرے خدا اب تُو .... اہل دنیا کو تمام ارضی وسماوی آفات یعنی طاعون و زلزلہ وغیرہ سے محفوظ رکھ .... تو اس سلسلہ کی صداقت کو جو تیرے ہی حکم اور منشاء کے مطابق .... جاری کیا گیا ہے اہل دنیا پر ظاہر کر دے .... اگر تیری امداد میرے شامل حال ہو گی تو میں ناکام رہ جاؤنگا جیسا کہ جھوٹے رہ جاتے ہیں .... تو ہی حق و باطل میں فیصلہ کر سکتا ہے "

جموں کا مدعی اس دعا کے لکھنے کے چند دن بعد ہی مع اپنی عیال کے طاعون کا شکار ہو گیا اور خدائے تعالیٰ نے اُسکی اپنی ذات اور اُس کی اولاد میں ہی اُسکو دکھا دیا کہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ " طاعون اور زلزلہ میری ہی تائید میں ظاہر ہوئے ہیں تاکہ میرے مخالفوں کو ہلاک اور تباہ کر دیں " اُس نے دعا کی تھی کہ چونکہ مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کی وجہ سے دنیا کے لوگ تذبذب میں ہیں اسلیئے اہل دنیا کو طاعون اور زلزلہ وغیرہ سے محفوظ رکھ - اس دعا کا جواب خدائے تعالیٰ نے یہ دیا کہ پہلے اُسکے عزیزوں کو اُسکی آنکھوں کے سامنے طاعون سے ہلاک کیا اور پھر اُسکو طاعون کا مزہ چکھایا تا اُسکی دعا کے مطابق حق اور باطل میں فیصلہ ہو جاوے اُس نے اس دعا میں لکھا تھا کہ اگر تیری امداد میرے شامل حال ہو گی تو میں ناکامیاب رہ جاؤنگا جیسا کہ جھوٹے رہ جاتے ہیں - اسلیئے خدائے تعالیٰ نے اُسکو ناکامی اور حسرت کی موت دیکر نہ صرف اُسپر بلکہ کل دنیا پر ظاہر کر دیا کہ وہ جھوٹا ہے - اور جس کے مقابل پر وہ کھڑا ہوا ہے وہ صادق اور منجانب اللہ ہے -

ایک اور مدعی لاہور میں پیدا ہوا اُسنے بھی حضرت مسیح موعودؑ کے مقابل میں اپنے الہامات کا مجموعہ شائع کیا جس کا نام اُس نے عصائے موسیٰ رکھا وہ بھی بحسرت کے ساتھ طاعون کا لقمہ ہوا - اسکا نام الٰہی بخش تھا تیسرا مدعی امریکہ کی سرزمین میں پیدا ہوا اور جیسا جموں کے مدعی نے ایک کتاب لکھکر اُس کا نام منارۃ المسیح رکھا تھا اُس نے ایک شہر آباد کر کے اُس کا نام صیہون رکھا - اور اُسنے گھمنڈ میں آکر بڑے بڑے دعوے کیئے مگر خدائے تعالیٰ کے غضب نے اُسکو بھی بہت جلد پکڑ لیا - اول اُسکا ولد الحرام ہونا ثابت ہوا جو اُسکے لیئے پہلی ذلت تھی پھر صیہون کی بستی میں اُسکی بدکاری کی

کارروائیاں ثابت ہوئیں یہانتک کہ اُس کی اپنی بیوی اور بیٹا بھی اُس کے مخالف ہوگئے پھر عذاب الٰہی خطرناک فالج کی صورت میں اُسپر نازل ہوا۔ پھر اُسکے اپنے مریدوں نے اُسکو اُسکے شہر سے دھکے دیکر نکالدیا۔ پھر ان سب سے بڑھکر اُسپر یہ مصیبت پڑی کہ وہ ان صدمات کی وجہ سے پاگل ہوگیا۔ اسی حالت میں وہ کتوں کی طرح ذلیل ہوکر ہلاک ہوگیا اور اسپر خدائے تعالیٰ نے اپنا غضب نازل فرماکر یہ ظاہر کردیا کہ جھوٹے مدعیوں پر میرے غضب کی آگ اسطرح بھڑکا کرتی ہے اور اسطرح انکا ہملاکر خاک سیاہ کردیتی ہے۔ اس کے مقابل پر خدائے تعالیٰ نے اپنے سچے موعودؑ کی تائید اور نصرت فرماکر لوگوں کو موقعہ دیا کہ وہ سچے اور جھوٹے میں تمیز کرسکیں۔ ڈوئی کی ہلاکت بذات خود ایک نشان تھا کیونکہ اس سے سچے اور جھوٹے میں امتیاز قائم ہوا اور حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت ثابت ہوئی مگر اسکی ہلاکت ایک اور طرح سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا نشان ٹھہری کیونکہ آپنے اپنی زندگی میں اس کے ہلاک اور تباہ ہوجانے اور اُس کے صیہون پر آفت نازل ہونیکی پیشگوئی فرمائی تھی چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق وہ آپ کی زندگی میں ہلاک ہوا اور صیہون جسپر اُسکو بڑا ناز تھا اُس سے چھین لیا گیا۔ اس صیہون کی موجودہ حالت کا معلوم کرنا بھی ناظرین کے لیئے خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اسلیئے امریکہ کے ایک اخبار سین ڈیگو سن ج میں سے سابق عالیشان صیہون کی موجودہ کیفیت نقل کرتا ہوں۔ اخبار مذکور لکھتا ہے کہ "صیہون شہر اب محض ایک ڈھیر رہ گیا ہے۔ پہلے اُس کی آبادی سات ہزار تھی۔ اب چار ہزار سات سو آدمی کی آبادی ہے۔ اس کے بازار اور کوچہ سنسان پڑے ہیں اور ان میں گھاس پھوس اُگ آیا ہے۔ ڈوئی کی عالیشان تخت گاہ کے ستونوں پر سے رنگ اُتر گیا ہے۔ تختوں کی بنی ہوئی بڑی سڑک جو سٹیشن سے شہر میں جاتی ہے وہ شکستہ ہوگئی ہے۔ قریب ہی ڈوئی کے نامکمل چھاپہ خانہ کا ڈھچر کھڑا ہے جسکی فولادی پسلیاں اب آدھی ننگی ہوگئی ہیں اسکے سابق پیروؤں میں دو پارٹیاں ہوگئی ہیں جنہوں نے صیہون کو ایک جنگ کا میدان بنا رکھا ہے مذہبی طور پر بھی کئی فریق بن گئے ہیں۔"

کچھ عرصہ ہوا کہ شکاگو کے اخبار انٹر اوشن میں یہ خبر لکھی تھی کہ ڈوئی کی بیوہ کی حالت ناگفتہ بہ ہے اُسکی جیب میں ایک پائی بھی نہیں اور بیماری کیوجہ سے اگر کوئی پڑوسی اُسکی حالت پر رحم کرکے اُسکی خبرگیری کرلے تو خیر ورنہ اُسکا کوئی پُرساں حال نہیں ہے اور اُسکی حالت بہت ہی قابل رحم ہے۔

ماہوار رپورٹ صیغجات صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ مئی ۱۹۱۲ء

ایک لاکھ کی تحریک

تعمیر مدرسہ کے لیئے ایک لاکھ روپے کی فراہمی کی تحریک گو وسط اپریل میں لکھی گئی تھی مگر اس اشتہار کی اشاعت عام طور پر شروع مئی میں ہوئی۔ اس لیئے گو پچھلے ماہ کی ماہوار رپورٹ میں وعدوں کی کسی قدر رقوم درج کی گئی تھیں مگر وصولی روپیہ ماہ مئی میں شروع ہوئی اور اس ماہ میں بھی اس وجہ سے کہ جو قسط یکم مئی کو وصول ہونی چاہیئے تھی وہ اکثر جگہ اشتہار کے دیر سے شائع ہونیکی وجہ سے نہیں ہوسکی پوری وصولی حسب منشائے تحریک نہ ہوسکی۔ تاہم خدا کے فضل سے پونے پانچہزار روپے سے کچھ زیادہ وصول ہوگیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ ہمارے احباب کی مخلصانہ کوششیں یقین دلاتی ہیں کہ بہت جلد مطلوبہ روپیہ فراہم ہوجائیگا اور اس طرح سے جو کام شروع کیا گیا ہے اس میں کسی قسم کی مالی رکاوٹ پیش آئے گی۔ تفصیل ان رقوم کی جو وصول ہوئی ہیں درج ذیل ہے۔ مگر جگہ کی تنگی کی وجہ سے دس روپے سے کم کی رقوم اس فہرست میں درج نہیں کی گئیں اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو جزائے خیر دے۔

جماعت لاہور الصمالعہ ۔ محصلہ چودھری حاکم علی صاحب چک پنیار ۹ ڈاکخانہ بھلوالپور ضلع شاہپور از مختلف مقامات مالعہ ۔ معرفت سید محمد اشرف صاحب ہیڈ کلرک دفتر انسپکٹر مدارس راولپنڈی اہلیہ سید محمد اشرف صاحب ڈنڈیاں طلائی ۵ عدد قیمتی ۱۲ اہلیہ سید حسن شاہ صاحب ڈنڈیاں ۲ عدد ۔ منشی غلام نبی صاحب عہ ۔ معرفت منشی محمد اشفاق صاحب وٹرنری اسسٹنٹ حصار۔ ۔ معرفت منشی محمد یوسف صاحب اپیل نویس مردان ۔ بابو قاسم علی صاحب سٹیشن ماسٹر محمود کوٹ ضلع مظفرگڈھ ما ر۔ منشی محمد وزیر خاں صاحب سب اوورسیر ریاست دیوگڈھ بار یا معرفت دیوان صاحب منشی خداداد صاحب سائیدار کراچی چھاؤنی مبول کور عنہ ۳۰ ۔ معرفت چودھری غلام حسین صاحب سٹیشن ماسٹر بہاولپور غربی ۔ معرفت مولوی شیر علی صاحب قادیان منشی غلام نبی صاحب عہ مولوی فضل حق صاحب عہ ومنشی سراج الدین صاحب کنان پٹیالہ دروازہ سیف آبادی عہ ۔ چودھری چھجو خاں صاحب فارسٹ مینجر سڑوعہ ضلع ہوشیارپور۔ ۔ منشی محمد یعقوب صاحب احمدی

مدرس مدرسہ اندرون ڈاکخانہ کاجی کیمس عہ ۔ معرفت مولوی عبداللہ صاحب منجانب منشی رحیم بخش صاحب وڈرنری بھینی ضلع گوجرانوالہ عہ ۔ خانصاحب محمد حسین خانصاحب افسر انہار خیرپور میر سندھ ما قسط اول ۔ میاں عبدالواحد صاحب خاں سامان راجہ صاحب بہادر بنارس چھاؤنی کوٹھی ٹکسالی سہ ۔ سید فتح علی شاہ صاحب کلارک دفتر ٹریفک سپرنٹنڈنٹ خوشاب سعہ سید صادق حسین صاحب مختار عدالت اٹاوہ عہ ۔ معرفت منشی مولا بخش صاحب ایڈیٹر ترجمہ ڈویژنل کورٹ امرتسر ما للعہ ۔ معرفت منشی غلام نبی صاحب ۱۳۲ مچھوا بازار کلکتہ ماللعہ شیخ فتح محمد صاحب ڈپٹی انسپکٹر بسوہلی ریاست جموں صہ ۔ میاں احمد الدین صاحب گوہلکی ضلع گجرات عہ معرفت منشی غلام نبی صاحب مدرس بیگم پور جنڈالہ ضلع ہوشیارپور للعہ ۸؍ معرفت مولوی عزیز بخش صاحب بی اے محافظ دفتر ڈیرہ غازیخاں لعہ ۱۲؍ ۔ معرفت شیخ غلام احمد صاحب واعظ جماعت ریاست نابھہ عہ ۱۲؍ معرفت شیخ غلام احمد صاحب واعظ جماعت پٹیالہ لعہ ۴؍ ۔ جماعت سامانہ معرفت شیخ غلام احمد صاحب واعظ عہ ۱۲؍ مع تنخواہ مولوی عبدالرشید صاحب ۔ جماعت مظفرگڈھ معرفت شیخ غلام احمد صاحب واعظ للعہ ۱۲؍ ۔ جماعت سنور معرفت شیخ غلام احمد صاحب واعظ للعہ ۱۴؍ ۔ معرفت چودھری احمد الدین صاحب مختار عدالت گجرات لعہ ۴؍ ۔ معرفت حکیم خلیل احمد صاحب محلہ دلاور پور مونگیر لعہ ۔ ڈاکٹر محمد شریف صاحب اسسٹنٹ سرجن شاہ پور صہ ۔ جناب مولوی حاجی رحیم بخش صاحب سی ۔ آئی ۔ ای پریزیڈنٹ کونسل ریاست بہاولپور صما ۔ خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب ممبر کونسل بہاولپور ریاست ماا ۔ خان بہادر سردار عبدالرحمٰن صاحب ممبر کونسل ریاست بہاولپور ماا ۔ مولوی حاجی بہادر علی صاحب افسر خزانہ حسابات ریاست بہاولپور صہ ۔ مولوی عبدالمالک صاحب افسر مال ریاست بہاولپور صہ ۔ سردار محمد خاں صاحب سابق جوڈیشنل ممبر ریاست بہاولپور صہ بابو نظام الدین صاحب لاہوری اگزامینر حسابات بہاولپور سابق فنانشل سکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور صہ ۔ مولوی محمد الدین صاحب چیف جج بہاولپور سہ ۔ مرزا سراج الدین صاحب چیف جج بہاولپور سہ ۔ قاضی مہر الدین صاحب افسر تعمیرات ریاست بہاولپور سہ ۔ مولوی رضاء اللہ خاں صاحب افسر انہار ریاست بہاولپور سہ ۔ منشی نجیب خاں صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاولپور عہ ۔ بابو غلام حیدر صاحب تحصیلدار بہاولپور عہ ۔ شیخ محمد حسین صاحب منصف

بہاولپور ۔ عــہ ۔ شیخ عبدالحی صاحب آڈیٹر حسابات بہاولپور عــہ ۔ میراں بخش صاحب احمدی علی پور ڈاکخانہ کبیر والہ ضلع ملتان عــہ ۔ مولوی کریم الدین صاحب مدرس مدرسہ سردار حاکم سنگھ ہائی سکول ڈنگہ ضلع گجرات عــہ ۔ جماعت قادیان لوعــہ

اس فہرست میں خصوصیت سے قابل ذکر ایک ہزار دو سو پچاسی روپے کی وہ رقم ہے جو پنجاب کی سب سے بڑی اسلامی ریاست یعنی ریاست بہاولپور کے اہلکاران کی طرف سے وصول ہوئی ہے۔ جسکے محرک قوم کے مخدوم اور واجب الاحترام بزرگ جناب شیخ رحمت اللہ صاحب ۔ جناب خواجہ کمال الدین صاحب ۔ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ۔ جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ہوئے اور بحکم الدال علی الخیر کفاعلہ یہ دو ہزار ایک سو روپے کی رقم جس میں سے تیرہ سو نقد وصول ہوا ہے ایک طرح سے جماعت لاہور کے حساب میں لکھا جانیکے قابل ہے ۔ عالیجناب خان بہادر مولوی رحیم بخش صاحب سی ۔ آئی ۔ ای پریزیڈنٹ کونسل ایجنسی ریاست بہاولپور کا شکریہ ادا نہیں ہوسکتا جنکی نیک مثال سے دوسرے فیاض اور وسیع دل بزرگوں کے دلوں میں بھی تحریک ہوئی ۔ جناب مولوی صاحب موصوف نے پانچ سو روپیہ خاص اپنی جیب سے عطا فرمایا ۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء ۔ ایسا ہی ہمارے مکرم و مخدوم عالیجناب خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب خاص شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے دو سو روپیہ نقد ادا اور آٹھ سو کا وعدہ فرمایا ۔ اور خان بہادر سردار عبدالرحمن خان صاحب ممبر کونسل نے بھی اس کار خیر میں دلی خلوص سے حصہ لے کر دو سو کی رقم مرحمت فرمائی ۔ اور دیگر بہت سے نیکدل اور بزرگوں نے قابل قدر رقوم عطا فرمائیں جنکی تفصیل فہرست مندرجہ بالا میں پائی جاتی ہے ۔ جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء ۔ یہ فیاضی جو ریاست بہاولپور کے نیکدل اہلکاروں کی طرف سے ظہور میں آئی کہ ملک کے کسی کونہ میں اور عام تحریکات سے بالکل علیحدہ ایک نیک کام ہوتا دیکھکر انہوں نے شرح صدر سے قابل قدر مدد عطا فرمائی اسلامی فیاضی اور وسیع ہمدردی کا سچا نمونہ ہے ۔ اور خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ اسلامی یونیورسٹی کے متعلق اور دیگر نیک کاموں میں خاصہ چندوں کا بوجھ پہلے ہی انپر پڑا ہوا تھا ۔ اس نیک مثال کی طرف بالخصوص میں اپنی جماعت کے صاحب ہمت اور مخلص احباب کو توجہ دلاتا ہوں اور انکو یقین دلاتا ہوں کہ اگر وہ ہمت کریں تو اس تحریک کے بار آور ہونے میں کچھ بھی مشکلات نہیں ۔ کیا ہوا اگر ہماری جماعت غرباء کی ہے سچ یہی ہے کہ تونگری بدل است نہ بمال ۔ دنیا میں روپیہ بہت ہے مگر نیک مصرف پر لگنے والا بہت ہی تھوڑا ہے ۔ ایسا ہی راولپنڈی

کی جماعت میں جناب مفتی محمد صادق صاحب کی تحریک پر دو نیک دل خاتونوں نے ایسی مدد عطا فرمائی ہے جو ہر جگہ کی احمدی خاتونوں میں قابل تقلید ہے یعنی اہلیہ سید حسن شاہ صاحب نے ڈنڈیاں طلائی قیمتی تخمیناً تراسی روپے اور اہلیہ سید محمد اشرف صاحب نے ڈنڈیاں طلائی قیمتی تہتر روپے بارہ آنے چندہ تعمیر میں دیدیں۔ اور اپنے ظاہری زیور کو حقیقی زیور کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ اسی قسم کی ایک اور تحریک بھی مستورات میں پیش کیگئی ہے اور امید کیجاتی ہے کہ ہر جگہ احمدی خواتین اس کار خیر میں اخلاص اور صدق دل سے شریک ہونگی اور جسطرح احمدی قوم کے مرد مالی قربانیوں میں ہمت دکھلاتے رہے ہیں۔ احمدی قوم کی خواتین بھی ایسی ہی ہمت دکھلائیں گی ؛

اس تحریک کے متعلق میں دوبارہ سب احباب کو اس امر کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو نقشہ ساتھ تجویز کیا گیا تھا اس کو غیر ضروری نہ سمجھیں۔ گو تحریک چندہ اسوقت بہت سی جگہ ہو چکی ہوگی۔ مگر مفصل اطلاع اسمواردعدوں کی مجھ تک بہت ہی کم پہنچی ہے۔ جتنی کہ احباب اللہ ہوئے وعدوں کی مفصل اسموار فہرست بھی ابتک نہیں پہنچی۔ میں دوبارہ سہ بارہ سب احباب کیخدمت میں التماس کرتا ہوں کہ ہر جگہ کی جماعت خود مطابق نقشہ جو اشتہار کے ساتھ شامل ہے وعدے لیکر اور پھر انکی ایک اسموار تفصیل دفتر سکرٹری صدر انجمن احمدیہ میں بھیجدیں تاکہ وعدوں کے روپے کی پورے طور پر وصولی کا انتظام ہوسکے اور نیز تاکہ ایسی تفصیلات حسب ضرورت شائع ہوسکیں۔ اسوقت تک ایسی اسموار فہرستیں علاوہ خاص خاص احباب کے صرف ذیل کی انجمنوں کی طرف سے پہنچی ہیں یعنی انجمن احمدیہ مونگیر۔ انجمن احمدیہ میرٹھ۔ اور بالآخر انجمن احمدیہ مردان جسکے سکرٹری اور ممبران کا اخلاص جوش اور باقاعدگی قابل رشک ہیں ص دوسری انجمنوں کے کارکن احباب خدا کے لیئے توجہ کرکے اپنی چندوں کی فہرستوں کو مکمل کریں اور اسموار تفصیل یہاں بھیجدیں تاکہ تحریک۔ مطالبہ اور وصولی برابر اسی سرگرمی سے جاری رہ سکیں جسطرح پر شروع ہوئی ہیں۔ میں پھر سکرٹری صاحبان انجمنہائے کیخدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ اس درخواست کی طرف توجہ فرمادیں۔ سردست جو فہرستیں وصول ہوئی ہیں وہ شائع کی جاتی ہیں۔

انجمن احمدیہ مونگیر ۳۳۵ اوسط ۲۶ روپے۔

انجمن احمدیہ میرٹھ ۵۷۸ اوسط ۷۲ روپے بوجہ عطیہ بیش بہا جناب شیخ محمد حسین صاحب جج

ص اور اکثر دوستوں نے اپنی سہ ماہ کی آمد سے بڑھ کر دیے

انجمن احمدیہ مردان کُل ۱۱۵۹ اوسط ۳۴ روپے۔

فہرست وعدہ تعمیر مدرسہ ممبران انجمن احمدیہ مونگہیر

نمبر شمار	نام ممبر	رقم موعودہ
۱	سید وزارت حسین صاحب	۱۰۰
۲	حکیم خلیل احمد صاحب	۳۰
۳	اہلیہ "	۱۰
۴	ماسٹر محبوب علی صاحب	۲۵
۵	حبیب الرحمٰن صاحب	۱۰
۶	سید عبد الغفار صاحب	۴۰
۷	سید اصغر علی صاحب	۲۰
۸	محمد عبد العزیز صاحب	۲۰
۹	شیخ علی حسن صاحب	۱۰
۱۰	محمد سعید الحسن صاحب مختار	۱۵
۱۱	احسان الحق صاحب پیشکار	۴۵
۱۲	سید ارادت حسین صاحب	۱۰
۱۳	ممونہ صلبیہ دُختر "	۱۰

فہرست چندہ تعمیر مدرسہ ممبران انجمن احمدیہ میرٹھ

نمبر شمار	نام ممبر	چندہ موعودہ
۱	شیخ محمد حسین خانصاحب سب جج	ـما ر
۲	شیخ عبد الرشید خانصاحب	صہ
۳	منشی حامد حسین خانصاحب پیشکار	صہ

نمبر	نام ممبر	موعودہ رقم
۴	بابو غلام محی الدین خانصاحب	دصہ
۵	منشی محی الدین خانصاحب سب انسپکٹر	صہ
۶	بابو علی گوہر خانصاحب	صہ
۷	عبد العزیز ٹوشہروے	عـہ
۸	ڈاکٹر محمد صدیق خانصاحب	ـسے

فہرست چندہ تعمیر مدرسہ ممبران انجمن احمدیہ مردان

نمبر شمار	نام ممبر	چندہ موعودہ
۱	بابو رحمت اللہ صاحب	۱۰۰ ما ر
۲	ہمز اللہ خاں صاحب	۶۰ ـسہ
۳	بابو روشن دین صاحب معرفت ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب	صہ
۴	مولوی معین الدین صاحب	۱۲ ـعہ
۵	مرزا امیر احمد صاحب	۱۱۰ ماعـہ
۶	مولوی محمد علی صاحب	۲۰ عـہ
۷	میاں محمد احسن صاحب	عـہ
۸	بابو فضل دین صاحب	صـہ
۹	مولوی امام الدین صاحب	للـہ
۱۰	مرزا محمد اکرم صاحب	عـہ
۱۱	ملک عبد المطلب صاحب	عـہ
۱۲	بابو علی احمد صاحب	ـعـہ

نمبر شمار	نام ممبر	چندہ موعودہ	نمبر شمار	نام ممبر	چندہ موعودہ
۱۳	منشی نظام الدین صاحب	عہ	۲۵	مرزا غلام حیدر صاحب	عہ
۱۴	بابو محمد شفیع صاحب	سہ	۲۶	خوشحال خاں صاحب	[illegible]
۱۵	مولوی محمد رمضان صاحب	[illegible]	۲۷	فیروز خاں صاحب	صہ
۱۶	مرزا امیر اکبر صاحب	للعہ	۲۸	شیخ نیاز الدین صاحب	عہ
۱۷	غلام قادر خان صاحب	[illegible]	۲۹	مولوی عطاء اللہ صاحب	سہ
۱۸	بابو عبد المجید صاحب غیر احمدی	صہ	۳۰	خانزادہ امیر اللہ خاں صاحب	سہ
۱۹	محمد شریف صاحب	[illegible]	۳۱	بابو نصر اللہ خاں صاحب	[illegible]
۲۰	بابو عبد اللہ شاہ صاحب	[illegible]	۳۲	ملک محمود خاں صاحب	[illegible]
۲۱	میاں غلام حسین صاحب	[illegible]	۳۳	قاضی محمد یوسف صاحب سکرٹری انجمن احمدیہ مردان	[illegible]
۲۲	میاں قمر الدین صاحب	عہ	۳۴	صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب	للعہ
۲۳	مرزا صفدر خاں صاحب	[illegible]			
۲۴	قاضی محمد عمر صاحب	عہ			

میزان ۱۱۵۹

اسکے بعد حسب معمول صیغوں کی رپورٹ درج کیجاتی ہے

۱ - **صیغہ یتامی**:- آمد [illegible] اور خرچ [illegible] ہوا یعنی یکم جون کو قرضہ اتر کر چھبیس روپے کے قریب بقایا رہیگا - اس ماہ مندرجہ ذیل انجمنوں یا اشخاص کی طرف سے حسب ذیل رقوم پہنچی ہیں - انجمن سامانہ [illegible] کپورتھلہ [illegible] - پشاور [illegible] اسمیں [illegible] صرف ملک عادل شاہ صاحب کیطرف سے ہیں - الہ دتا و رحیم بخش و شیر محمد صاحبان [illegible] - محمد میاں صاحب [illegible] - باقی متفرق طور پر تھوڑی تھوڑی رقوم آئیں ؛

۲ - **زکوٰۃ**:- آمد صرف [illegible] اور خرچ [illegible] ہوا - آٹھ روپے ماہوار کا وظیفہ بند ہوا اور بوجہ زیادتی اخراجات زکوٰۃ وکمی آمد [illegible] ماہوار کے وظائف دیگر مدات میں منتقل کیئے گئے ؛

۳ - **مساکین**:- آمد اور خرچ ہوا ایک طالب علم جسے [illegible] ماہوار وظیفہ اسلامیہ کالج میں ملتا تھا امتحان بی - اے سے فارغ ہو کر ہائی سکول میں واپس آگیا اور اس مدسے یہ وظیفہ بند ہوا ؛

۴ - **صیغہ اشاعت اسلام**:- آمد [illegible] اور خرچ [illegible] ہوا - خریداران ریویو انگریزی ہیں

۱۷ کی اُردو میں ۷ کی اور تفسیر القرآن میں ۱۱ کی بیشی ہوئی۔ احباب ذیل نے نئے خریدار دیئے۔ منشی عزیز دین صاحب
منشی معراج الدین صاحب۔ مسٹر عطاء الرحمن صاحب سکرٹری گٹھالیاں۔ رحیم بخش صاحب۔ سکرٹری انجمن شملہ
شیخ محمد رمضان صاحب۔ سکرٹری انجمن ہانگ کانگ۔ منشی امام خاں صاحب سوائے چند انجمنوں کے باقیوں نے
اس طرف مطلق توجہ نہیں کی۔

۵۔ صیغہ مدرسہ احمدیہ:۔ آمد [illegible] اور خرچ [illegible] ہوا۔ آمد میں [illegible] فیس بورڈنگ کا
روپیہ ہے اور باقی چندہ کا۔ خرچ میں [illegible] مدرسہ کا اور [illegible] بورڈنگ کا ہے۔ اس صیغہ کی آمد کم اور خرچ بڑھتا
جاتا ہے۔ احباب کو چندہ سے اور اپنے بچے بھیجنے سے مدد کرنی چاہیئے۔ ۸۹ طلباء مدرسہ اور انہیں ۶۰ بورڈر
ہیں۔ بورڈروں میں ۱۹ اپنا خرچ دینے والے اور باقی سب انجمن کے خرچ پر تعلیم پاتے ہیں۔ مدرسہ میں
۵ کو [illegible] ماہوار کے وظائف ملتے ہیں جو بورڈنگ میں نہیں رہتے۔ ۱۷ مئی بعد نماز جمعہ طلباء مدرسہ احمدیہ
کا ایک جلسہ ہوا جسمیں طلباء نے اشاعت اسلام پر تقریریں کیں حاضرین جلسہ میں علاوہ طلباء و اساتذہ
کے چند ایک دوست حیدر آباد کے بھی شامل تھے جنہوں نے طلبائے تقریر کنندگان کو تیرہ روپے کا انعام
دیا۔ اور دو روپے تمام طلباء کی شیرینی کے لیئے دیئے۔ جزاھم اللہ خیرا۔

۶۔ صیغہ تعلیم:۔ آمد [illegible] اور خرچ [illegible] ہوا۔ اسمیں [illegible] فیس بورڈنگ کا
[illegible] فیس مدرسہ کا [illegible] سرکاری امداد کا روپیہ اور [illegible] چندہ کا ہے۔ خرچ میں [illegible]
ہائی سکول کا [illegible] بورڈنگ ہوس کا ۹ گرلز سکول کا [illegible] شاخ فیض اللہ چک کا [illegible]
شاخ تلونڈی کا ہے۔ صوفی غلام محمد صاحب امتحان بی۔ اے سے فارغ ہو کر سکول میں واپس آگئے ہیں۔
تعداد طلباء حسب ذیل ہے ہائی سکول ۳۱۲۔ شاخہائے ۱۱۴۔ گرلز سکول ۵۰۔ انمیں بورڈر ۱۴۹ ہیں یعنی تعداد طلباء میں
گذشتہ ماہ سے ۵۲ کی زیادتی۔ اور تعداد بورڈران میں دس کی کمی واقع ہوئی۔ ......
...... سکول میں ۹ طالب علم سرکاری وظیفہ خوار ہیں ہائی سکول کا سٹاف خدا کے فضل سے
دن بدن اعلیٰ ہو رہا ہے۔ اس وقت تین صاحب پہلے سے ایسے ہیں جنہوں نے بی اے کی ڈگری حاصل
کی ہوئی ہے۔ اور دو نے اس دفعہ بی۔ اے کا امتحان دیا ہے۔ یہ دونوں صاحب کالجوں میں باقاعدہ پڑھتے
رہے ہیں۔ اور یہ سب ٹرینڈ بھی ہیں۔ ۲۲ مئی کو مسٹر گراس صاحب بہادر انسپکٹر مدارس حلقہ لاہور
مع اپنے تین اسسٹنٹوں کے معائنہ کے لیئے تشریف لائے۔ سکول کو اچھی حالت میں پایا۔

۷۔ صیغہ مقبرہ بہشتی :۔ آمد ۱۱۱۵ع اور خرچ ۱۱۱۷ ہوا۔ مسمّی الٰہ بخش ساکن بہلولپور نے چار ہزار تین سو روپے کی وصیت کی ہے۔ شیخ غلام احمد صاحب تا حال دورہ پر ہیں ۱۱۱ بطور چندہ وصول کر کے بھیجا ہے۔ جزاہم اللہ خیراً۔

۸۔ صیغہ جائداد :۔ .... چونکہ ابھی ساٹھ ہزار روپیہ عمارت مدرسہ پر خرچ نہیں ہوا اسلیئے سرکاری امداد کا روپیہ مل نہیں سکا۔ عمارت بورڈنگ کیلیئے گورنمنٹ نے چھ ہزار دو سو روپیہ منظور فرمایا ہے۔ جسکا شکریہ ادا کیا جاتا ہے ؛

۹۔ صیغہ بیت المال :۔ .... مہمانوں کی آمد زیادہ رہی۔ حیدر آباد سے چند دوست مولوی میر محمد سعید صاحب و ڈاکٹر سید ظہور اللہ صاحب سول سرجن کے ہمراہ تشریف لائے ؛

۱۰۔ متفرقات مستقل چندوں کا سوال انجمن کے کام کے بعض حصے اور وہ سب سے زیادہ ضروری حصے ہیں مستقل ماہوار چندوں پر چلتے ہیں۔ ابتک بہت سی جگہ جماعت کے افراد کی اچھی بڑی تعداد ہونے کے باوجود باقاعدہ چندہ نہیں آتا بلکہ بعض جگہ سے بالکل نہیں آتا۔ گذشتہ سالانہ رپورٹ میں مینے لکھا تھا کہ اگر ماہوار چندے کی میزان پانچہزار ماہوار تک پہنچ جاوے اور اگر ہمارے سب احباب دو پیسے فی روپیہ والی تجویز پر عمل کریں تو یہ کچھ مشکل نہیں تو لنگر خانہ ہائی سکول اشاعت اسلام اور مدرسہ احمدیہ کا کام آسانی سے چل سکتا ہے۔ چنانچہ موجودہ موعودہ چندوں کا اندازہ لگانے کیلیئے دفتر سکرٹری سے مطبوعہ فہرستیں انجمنوں کو خانہ پوری کیلیئے بھیجی گئی تھیں جن میں سے ذیل کی انجمنوں جماعتوں یا احباب کی طرف سے جواب آئے ہیں جن کی کل میزان چندہ موعودہ ۶۔ ۸۔ ۲۹۰ ماہوار ہوتی ہے۔ چونکہ دفتر محاسب میں واصل باقی نویس کی اسامی پر آدمی تجویز کر دیا گیا ہے تاکہ موعودہ چندوں کا مطالبہ باقاعدہ ہوتا رہے اسلیئے معزز احباب کی خدمت میں جو مختلف جگہ پر انجمنوں کے عہدہ دار ہیں یا انکے کام میں دلچسپی لیتے ہیں یہ التماس ہے کہ بہت جلد فہرستوں کی خانہ پُری کر کے انکو واپس ارسال فرما دیں۔ نیز ان فہرستوں کے مکمل کرانیکی یہ بھی غرض ہے کہ تا کوئی دوست جو سلسلہ احمدیہ میں شامل ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں چندہ سے علیحدہ نہ رہیں اور نیز تا کہ کسی کی طرف تین ماہ سے زیادہ کا بقایا نہ رہے کیونکہ جو شخص چندہ میں شامل ہونے سے انکار کرتا ہے یا عملی طور پر چندہ ادا نہیں کرتا ایسے شخص کے برائے نام سلسلہ میں شامل رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اعلان

فرمایا تھا اور وہی اعلان حضرت خلیفۃ المسیح نے دوبارہ شائع فرمایا ہے۔ میں اپنے احباب سے مکرر التماس کرتا ہوں کہ اس اشتہار کی تعمیل میں جو دو بار شائع ہوچکا ہے مدد کریں تاکہ چندہ دینے والوں کی مکمل فہرست صدر انجمن احمدیہ کے دفتر میں رہے اور ایسے احباب سے جو مقررہ چندہ ادا نہ کریں وجہ دریافت ہوسکے۔ ذیل میں وہ فہرست جو اب تک موصول ہوچکی ہے درج کیجاتی ہے اور ان احباب کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنہوں نے بڑی محنت سے یہ فہرستیں تیار کرکے بھیجدی ہیں:

(۱) انجمن احمدیہ مالیر کوٹلہ ۸عہ (۲) انجمن بہاولپور غربی ۲لعہ (۳) انجمن احمدیہ ڈیرہ غازیخاں ہے (۴) انجمن احمدیہ شہر جالندھر للعہ (۵) انجمن احمدیہ راولپنڈی ۸عہ (۶) انجمن احمدیہ سہارنپور ۱۲للعہ (۷) انجمن احمدیہ لورالائی صہ (۸) ڈاکٹر غلام غوث صاحب ہیڈکوارٹر کانپور سے ۔ (۹) انجمن احمدیہ موگہ ۱۲ عہ (۱۰) انجمن احمدیہ چونڈہ ضلع سیالکوٹ ۵للعہ (۱۱) انجمن احمدیہ علی گڈھ ۲لعہ (۱۲) انجمن احمدیہ میرٹھ ۱۵عہ (۱۳) انجمن احمدیہ مونگیر ۱۲عہ (۱۴) انجمن احمدیہ گوجرہ ۶لعہ (۱۵) انجمن احمدیہ اٹاوہ ۹للعہ (۱۶) انجمن احمدیہ چندوسی للعہ (۱۷) انجمن احمدیہ کنجاہ ضلع گجرات ۱صہ (۱۸) محمد سیف الدین صاحب نائب تحصیلدار کوئٹہ بلوچستان للعہ (۱۹) انجمن احمدیہ کیلیانوالہ عہ (۲۰) انجمن احمدیہ حصار ۲عہ (۲۱) انجمن احمدیہ ہمبڑان ضلع لدھیانہ ۶عہ (۲۲) انجمن احمدیہ مردان ۱۲عہ (۲۳) انجمن احمدیہ ملاکنڈ ضلع مردان ۸للعہ (۲۴) عنایت علی خاں صاحب قانونگو حلقہ مردانپور تحصیل راجپورہ عہ

میزان ۱۸للعہ

اخباروں کی تعداد کو کم کرنے کا سوال گذشتہ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر کانفرنس انجمنہائے احمدیہ میں میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق دہلی نے یہ تحریک پیش کی تھی کہ چونکہ احمدی پبلک پر اخباروں کا بوجھ بہت زیادہ ہے اور کہا اسقدر اخباروں کی ضرورت بھی نہیں پس یہ تعداد کم کرکے اس قوت اور روپے کو ایک ہی اخبار کی بہتری پر صرف کیا جاوے۔ کانفرنس میں اسوقت اس سوال پر تھوڑی سی بحث بھی ہوئی تھی مگر چونکہ یہ سوال باقاعدہ مجلس معتمدین میں پیش ہوکر کانفرنس میں پیش نہ ہوا تھا۔ اس لئے اس بحث کو بند کردیا گیا

تھا تاکہ کانفرنس میں پیش ہونے سے پہلے مجلس معتمدین میں پیش ہو کر اگر ضرورت سمجھی جاوے تو انجمنہائے احمدیہ کو اسپر پہلے غور کرنے کا موقعہ دیا جاوے۔ یہ تجویز بجائے خود کوئی نئی تجویز نہ تھی بلکہ اسوقت سے کئی دوستوں کے دلوں میں بار بار یہ تجویز اُٹھتی رہی ہے جبکہ صرف دو ہی اخبار ہمارے احباب کی طرف سے جاری تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ چودھری رستم علی صاحب مرحوم بھی بہت دیر تک اس کوشش میں لگے رہے اس لیئے اس تجویز کے پیش کرنے میں اپنے کسی دوست پر بدظنی کرنا میں تو گناہ سمجھتا ہوں جو لوگ اس تجویز کو پیش کرتے ہیں وہ بھی کسی درد کو ہی اپنے دل میں لیکر پیش کرتے ہیں ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ یہ تجویز عمل میں بھی آسکتی ہے یا نہیں۔ جہانتک مجھے علم ہے یہ سوال چار پانچ سال سے بعض دلوں میں اُٹھتا رہا ہے بلکہ اس سے بھی پہلے جب اخبار بدر کو جاری ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا تھا تو اسوقت بھی یہ تجویز ہوئی تھی کہ دونوں اخباروں کو ایک کرنے کی کوئی صورت پیدا کیجاوے چونکہ گذشتہ کانفرنس انجمنہائے احمدیہ میں یہ سوال بحث میں آچکا تھا لہٰذا تصفیہ کے لیئے اب گذشتہ اجلاس مجلس معتمدین میں پیش کیا گیا۔ جسپر مجلس معتمدین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ "یہ تجویز قابل عملدرآمد نہیں۔ ہر شخص کا اختیار ہے کہ جس اخبار کو وہ چاہے خریدے اور جسے نہ چاہے نہ خریدے سب اخبارات کا خریدنا احمدیوں کے لیئے ضروری نہیں۔ لہٰذا اس تجویز کو کانفرنس میں پیش کرنے کی ضرورت نہیں" اسی کے قریب قریب یہ سوال بھی ہے جو بارہا پیش ہوتا رہا ہے کہ سلسلہ کے متعلق جو نئی کتابیں تصنیف ہوں انپر کسی قسم کی حد بندی کی جاوے یعنی چھپنے سے پہلے ہر ایک کتاب کو دیکھ لیا جایا کرے جو کتاب مفید ہو اس کے چھپنے کی اجازت دیجایا کرے اور باقی کی اشاعت کو روک دیا جایا کرے میرے خیال میں یہ بھی اسی قسم کا سوال ہے۔ جوں جوں سلسلہ ترقی کرتا ہے ایسی حد بندیاں جو اب بھی ناقابل عملدرآمد ہیں عملی صورت سے اور بھی دور پڑتی چلی جارہی ہیں۔ قانون الٰہی کے ماتحت اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ آخر نافع چیز وں کا وجود ہی رہ جاوے گا۔ کوئی کسی کو مجبور نہیں کرسکتا کہ میری کتاب ضرور خریدو۔ اور دوسری طرف جب کسی امر کے متعلق کوشش جاری رہتی ہے تو اسکے مفید پہلو بھی وجود میں آجاتے ہیں۔

شفاخانہ: ۱۔ آمد [illegible] اور خرچ [illegible] ہوا۔ اس ماہ ۱۳۹۰ مریض علاج کیلئے آئے روزانہ اوسط ۴۵ رہی۔

دفتر محاسب: ۔ صدر انجمن احمدیہ کے تمام صیغوں کی کل آمد ۴-۳-۰۸۹۰ اور خرچ ۳-۱۳-۱۰۶۵۷ ہوا۔

محمد علی
سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

ریویو

عسل مصفّٰی پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا ریویو بعض کام ایسے ہوتے ہیں اور ایسے وقت میں شروع کیئے جاتے ہیں کہ ان سے انسان بہت سی برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ کتاب عسل مصفّٰی بھی میں سمجھتا ہوں کہ ایسے نیک ارادہ سے اور مبارک وقت میں لکھی گئی ہے کہ سیکڑوں ہزاروں لوگوں نے اس سے فائدہ اُٹھایا ہے مرزا خدا بخش صاحب نے نہایت محنت اور کوشش سے اس کتاب میں سلسلۂ احمدیہ کے ضروری مباحث کو خود اُن کتابوں سے درج کیا ہے کہ جنکے ماننے سے خود غیر احمدیوں کو انکار نہیں ہو سکتا اس لیئے اسکو دیکھکر اُن سے کچھ جواب بن نہیں پڑتا میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو اس کتاب کو دیکھکر اس سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں اور نتیجہ سے ہی ایک کام کا حسن و قبح معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مسیح ؑ نے فرمایا ہے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے اور یہ کتاب اپنے پھلوں کے لحاظ سے بہت شیرین اور مفید ثابت ہوئی ہے۔ میرے خیال میں ہر ایک احمدی کو اسے پاس رکھنا چاہیئے کیونکہ مخالفین کے اعتراضات کے وقت ایک بے نظیر یار و مددگار ثابت ہوگی انشاء اللہ

و اللہ اعلم بالصواب۔

البشریٰ للشیعۃ و اہل العزاء یہ ایک فارسی رسالہ مولوی نذر علی خانصاحب احمدی ذکوچہ جادہ کوہان شہر بغداد عراق کی تصنیف ہے۔ اس رسالہ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہر ایک امر کے فیصلہ کیلئے قرآن شریف کو معیار ٹھہرایا گیا ہے جو شیعہ مذہب کے ابطال کے لیئے سب سے اچھی راہ ہے رسوم تعزیہ داری۔ بکاء حسینی۔ مصائب خوانی۔ شبیہ سازی جنکو اہل تشیع صنِ مؤکدہ شمار کرتے ہیں ان سب کا فیصلہ قرآن شریف کے رد سے کیا گیا ہے اور بزرگ ائمہ کے نمونہ کو پیش کیا گیا ہے۔ دراصل یہ کتاب مولوی ابوالقاسم صاحب لاہوری کے ایک رسالہ کے جواب میں تصنیف کیگئی ہے قیمت مع محصولڈاک صرف ۲ آنہ شائقین مصنف سے طلب فرمادیں۔

عازمان حج کے لیئے ایک اشتہار حاجیوں کے لیئے اوری انٹ بنک آف انڈیا لمٹڈ لاہور نے ایک حج ڈیپارٹمنٹ کھولا ہے۔ اور اُن کی اطلاع کے لیئے ایک ہدایت نامہ حجاج

رجسٹرڈ L 303

ٹیچنگز آف اسلام

یعنی انگریزی ترجمہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کے اس عظیم الشان لیکچر کا جو سنہ ۱۸۹۶ء کے جلسہ مذاہب میں چار پانچ ہزار کے مجمع میں پڑھا گیا اور نہایت ہی دلچسپی اور قبولیت سے پبلک نے سنا۔ اس لیکچر میں مصنف موصوف نے اسلام کو نہایت ہی احسن پیرایہ میں صرف قرآن شریف سے استنباط کر کے بیان فرمایا ہے۔ اور تمام اعتراضات جو بڑے بڑے مخالفین و معاندین اسلام بڑی تحدی اور زور سے کرتے رہے یا اب کرتے ہیں۔ نہایت ہی سنجیدگی اور لطافت سے انکے جوابات اصولی طور پر بیان فرمائے ہیں جن سے خواہ کیسا ہی متعصب اور زود رنج مخالف کیوں نہ ہو کبیدہ خاطر نہیں ہو سکتا بلکہ سوائے سکوت کے اور کوئی جواب بھی پیش نہیں کر سکے گا اور ایک شریف اور حق جو مخالف اسلام کو سوائے سر تسلیم خم کرنیکے اور کوئی چارہ نہیں ہو سکتا۔

بڑی خوبی اور لطافت جو اس مضمون کو خاص فوقیت اور یکتائی دے رہی ہے۔ یہ ہے کہ اوّل اس مضمون کو الہامی کتاب یعنی قرآن کریم سے بیان کیا گیا ہے۔ دوم اس مضمون میں باوجود اعتراضوں کا جواب دینے اور دوسرے مذہب کا تذکرہ کرنیکے کسی قسم کی اشارۃً یا کنایۃً زد نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف اسلام کی سچی فلاسفی اور خوبیاں پبلک کے کانوں تک پہنچانیکی کوشش کی گئی ہے اور توحید باری تعالیٰ اور رسالت مآب صلعم کی صداقت بیان کی گئی ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی بے نظیر تصنیفات اور تالیفات میں یہ ایک ایسا مضمون ہے جس میں مکمل مگر مختصر طور پر اسلام کی صداقت بیان کی گئی ہے اس لئے پبلک کے دینی اور روحانی فائدہ کو مدنظر رکھکر اور تبلیغ اسلام کا بڑا ذریعہ سمجھکر اس کو انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے ولایت میں چھپوایا گیا ہے اور اسکی بہت سی کاپیاں ولایت اور دیگر بلاد یورپ اور امریکہ وغیرہ میں مفت تقسیم کی گئی ہیں۔ اور کچھ کاپیاں یہاں بھی فروخت کے لئے منگوائی گئی ہیں۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر ایک انگریزی خوان مسلمان کے ہاتھ میں ہو۔ احباب خود بھی خریدیں اور تبلیغ اسلام کیلئے چند کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کر کے اسکا اجر اللہ تعالےٰ سے لیں۔

قیمت بغرض توسیع اشاعت باوجود دو سو صفحے اور عمدہ لائنی کاغذ اور جلد کے بہت ہی تھوڑی رکھی ہے یعنی مجلد کی ۱۲ اور بے جلد کی ۸ علاوہ محصول ڈاک۔ جو صاحب منگوانا چاہیں دفتر ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان ضلع گورداسپور سے منگوا لیں۔

مطبع میگزین قادیان میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے | لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۱ | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۲ء | شعبان سنہ ۱۳۳۰ ہجری المقدس | نمبر ۷

چندہ سالانہ عوام سے عمہ طلباء سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۳۰ جولائی سنہ ۱۹۱۲ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

اطلاع:۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت اپنے نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرما دیں؛ (مینیجر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

کیا احکام قرآنی دربارۂ جہاد منسوخ شدہ ہیں؟

نمبر ۳

جن معترضین کا یہ دعویٰ ہے کہ اگرچہ ابتداء میں صرف ایسے کفار سے لڑنے کا حکم تھا جو مسلمانوں سے جنگ میں ابتداء کرتے مگر آخر میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور ہر ایک کافر سے جنگ کرنے کا حکم صادر ہوا اور آیت لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ اور اس قسم کی تمام دوسری آیات منسوخ قرار دی گئیں اور کُل کفار کو بجبر اسلام میں داخل کرنے کے لئے تلواریں نیام سے نکالی گئیں وہ اپنے اس دعوے کی تائید میں ایک حدیث شریف بھی اکثر پیش کیا کرتے ہیں جو بخاری جلد اول کتاب الایمان میں درج ہے اور وہ حدیث یہ ہے عن ابن عمر ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال امرت ان اقاتل الناس حتّٰی یشھدوا ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدا رسول اللّٰہ ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکاۃ فاذا فعلوا ذٰلک عصموا منی دماء ھم واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علے اللّٰہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اُسوقت تک جنگ کروں کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اور نمازوں کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ پس جب وہ ایسا کریں تو انہوں نے اپنے خونوں اور مالوں کو مجھ سے بچا لیا (سوائے ایسی صورتوں کے جن میں اسلامی شریعت کے بموجب دوسرے مسلمان بھی شامل ہیں) اور اُن کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائی کفار سے اس وجہ سے تھی کہ انکو بجبر مسلمان کیا جائے

حالانکہ اس حدیث سے ایسا نتیجہ نکالنا درست نہیں۔ اس حدیث کے سمجھنے میں پہلی غلطی معترضین کو یہ لگی ہے کہ انہوں نے الناس کے لفظ کو عام بنا لیا ہے حالانکہ اگر وہ خود ہی غور کر کے دیکھیں تو انکو تسلیم کرنا پڑے گا کہ الناس کو عام سمجھنا سخت غلطی ہے۔ تمام معترضین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جب اہل کتاب سے مسلمانوں کی جنگ ہو تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے۔ نماز پڑھنے۔ اور زکوٰۃ دینے کے بغیر بھی اپنے جرموں کی معافی حاصل کر سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ وہ مقابلہ چھوڑ کر مسلمانوں کی سلطنت میں امن سے رہنا منظور کر لیں اور اُس امن اور حفاظت کے عوض میں جو مسلمانوں کی سلطنت میں اُن کو حاصل ہے ایک معمولی ٹیکس ادا کر دیا کریں جس کا نام اسلامی اصطلاح میں جزیہ ہے۔ یہ ایک ایسا مسلمہ امر ہے جس سے مخالفین اسلام کو بھی انکار نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حدیث مذکورہ بالا میں لفظ الناس میں کل انسان شامل نہیں ہو سکتے کیونکہ ہم جانتے ہیں اور خود معترضین اسلام قبول کرتے ہیں کہ اس حدیث کا اطلاق اہل کتاب پر نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے اُن کو ماننا پڑے گا کہ الناس میں اہل کتاب شامل نہیں۔ یعنی اس حدیث میں جو لفظ الناس کا آیا ہے وہ عام نہیں بلکہ خاص قوموں سے تعلق رکھتا ہے قرآن شریف کی جو آیت کریمہ اہل کتاب کو اس حدیث کے مفہوم سے باہر رکھتی ہے وہ یہ ہے:۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ (توبہ۔ آیت ۲۹)

پس جب قرآن مجید کی ایک آیت کی وجہ سے ہم اس بات پر مجبور ہیں کہ الناس کے لفظ کو محدود معنوں میں لیں اور اس کو عام نہ ٹھہرائیں تو ہم پر واجب ہے کہ ہم یہ دیکھنے کیلیئے بھی کہ یہاں الناس سے کون لوگ مراد ہیں قرآن شریف کی طرف ہی رجوع کریں۔ یہ تو ثابت ہو گیا اور سخت سے سخت معاندین کو اس امر کے قبول کرنیسے چارہ نہیں کہ یہاں الناس میں اہل کتاب شامل نہیں یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ حدیث مذکور میں لفظ الناس عام نہیں بلکہ خاص لوگوں سے تعلق رکھتا ہے۔ جب الناس کا اپنے معنوں میں محدود ہونا ثابت ہو گیا تو اب معترضین کو حق حاصل نہیں کہ اس لفظ کو کُل دنیا کے لوگوں پر چسپاں کر کے یہ نتیجہ نکالیں کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے کل دنیا کے لوگوں کو بجبر مسلمان بنانے یا قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اب رہا یہ دیکھنا کہ یہاں وہ کونسے خاص لوگ مراد ہیں۔ اس کے دیکھنے کے لیئے ہمارے لیئے ضروری ہے کہ ہم قرآن شریف کو کھولیں اور دیکھیں کہ کہاں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جن پر یہ حدیث صادق آتی ہے اور جب ہم اس غرض کے لیئے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ حدیث لفظ بہ لفظ سورہ توبہ کی اُس آیہ کریمہ پر مطابق آتی ہے جس پر میں گذشتہ مضمون میں بحث کر چکا ہوں وہ آیت حسب ذیل ہے فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(ترجمہ) پھر جب امان کے مہینے گذر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور اُن کو قید کر لو اور گھیر لو اور اُن کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو اور اگر وہ توبہ کریں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو اُنکے حال پر اُن کو چھوڑ دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

حدیث مذکورہ اور مندرجہ بالا آیت کریمہ کا مقابلہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جن الناس کا ذکر حدیث شریف میں ہے وہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر آیت متذکرہ بالا میں ہے چنانچہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو اسی آیۃ کریمہ کے نیچے رکھکر یہ بتلایا ہے کہ اس حدیث اور اس آیۃ کریمہ کا مضمون ایک ہی ہے۔ علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس حدیث کے شروع میں فرمایا ہے اُمِرْتُ یعنی مجھے خدائے تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا ہے۔ یہ لفظ بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ حدیث کسی آیت قرآنی سے تعلق رکھتی ہے۔ پس اس میں کچھ شک نہیں کہ اس حدیث کا مضمون کسی آیت قرآنی کے مطابق ہے اور وہ آیت قرآنی وہی ہے جو میں اوپر نقل کر چکا ہوں کیونکہ ان دونوں کا مضمون واحد ہے پس اس حدیث میں جو لفظ الناس کا آیا ہے وہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر آیۂ موصوفہ میں ہے یعنی الناس سے وہ مشرکین مراد ہیں جن سے جنگ کرنے کا اور جن کے اسلام قبول کرنے پر اُن سے درگذر کرنے کا

حکم آیت مذکورہ بالا میں دیا گیا۔ اب اگر اس آیت میں تمام مشرکین سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو اس میں کچھ شک نہ ہوگا کہ حدیث شریف میں بھی الناس سے تمام مشرکین ہی مراد ہیں لیکن اگر آیت کریمہ تمام مشرکین کے بارے میں نہیں ہے بلکہ خاص قبائل عرب سے تعلق رکھتی ہے تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ حدیث زیر بحث میں بھی الناس سے تمام مشرکین مراد نہیں ہیں بلکہ وہی خاص قبائل عرب مراد ہیں جن کا ذکر آیت مذکورہ بالا میں ہے۔ اور میں گذشتہ مضمون میں اس آیۂ کریمہ پر بحث کرتے ہوئے یہ دکھا چکا ہوں کہ یہ آیت دنیا کے کُل مشرکین کے متعلق نہیں ہے اور نہ ہی عرب کے کُل مشرکین کے بارے میں ہے بلکہ اس میں صرف اُن قبائل سے جنگ کرنے کا حکم ہے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے صلح کا معاہدہ کیا تھا مگر انہوں نے اُن معاہدوں کو توڑ ڈالا اور وہ اسلام کی بیخکنی پر ایسے تلے ہوئے تھے کہ جب اُن کو موقعہ ملتا تو نہ وہ اپنے عہد کا پاس رکھتے اور نہ قرابت ورشتہ داری کے تعلقات اُنکے خونریز ہاتھوں کو مسلمانوں کا خون بہانے سے روک سکتے تھے۔ ایسے بدعہد اور خونی دشمنوں کے بارے میں مسلمانوں کے لیئے کوئی ضروری نہ تھا کہ انکو باقاعدہ طور پر عہدوں کے منسوخ ہونے کا نوٹس دیا جاتا اور انکو کچھ مہلت دیجاتی کیونکہ سارے عہد انکی عہد شکنی کے ساتھ ہی منسوخ ہو چکے تھے اور باوجود عہدوں کے اور باوجود رشتہ داری کے تعلقات کے اُن کا مسلمانوں کو قتل کر دینا مسلمانوں کو پورا حق دیتا تھا کہ وہ بلا کسی باضابطہ اطلاع کے ان دغاباز دشمنوں پر حملہ کرتے مگر قرآن شریف کی تعلیم کیا ہی رحم پر مبنی ہے کہ ایسے لوگوں کو بھی پہلے اطلاع دی گئی کہ چونکہ تم خود عہد شکنی اور دغا کے مرتکب ہو چکے ہو اس لیئے وہ عہد ٹوٹ چکے اور اگرچہ تم نے عہد ناموں کی آڑ میں مسلمانوں سے دغا کی ہے مگر مسلمان اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ وہ بھی تمھاری طرح عہد ناموں کو دھوکہ بازی کا ذریعہ ٹھہرائیں اور تم سے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ ہمارا عہد تمھارے ساتھ قائم ہے تمھیں دھوکہ میں رکھیں اور تمھاری طرح موقعہ پاکر تمھیں مالی اور جانی نقصان پہنچائیں۔ مسلمان ایسی فریب بازی اور کمینہ پن کے مرتکب نہیں ہو سکتے اس لیئے مسلمانوں نے قبل از وقت

اپنے بد عہد دشمنوں کو آگاہ کر دیا کہ چونکہ تم خود عہدوں کو توڑ چکے ہو اور اپنی بے ایمانی کا ثبوت دے چکے ہو اس لیئے تم ہوشیار ہو جاؤ کہ گذشتہ عہد و پیمان منسوخ ہو گئے ہیں۔ یہ اعلان بھی ایک رحم تھا کیونکہ وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ایسی اطلاع کے مستحق نہیں تھے۔ پھر دوسرا رحم اُنپر یہ کیا گیا کہ یہ اعلان بلند آواز کے ساتھ حج اکبر کے دن مکہ معظمہ میں کیا گیا جہاں تمام اطراف کے مشرک جمع تھے۔ یہ اس لیئے کیا گیا کہ کوئی دشمن بے خبر نہ رہ جائے بلکہ سب آگاہ ہو جاویں اور اپنی حفاظت کا سامان کرلیں۔ تیسرا رحم اُنپر یہ کیا گیا کہ آج کل کی مہذب سلطنتوں کی طرح ۱۲ یا ۲۴ یا ۴۸ گھنٹوں کا الٹی مے ٹم نہیں دیا بلکہ اعلان کی تاریخ سے پورے چار ماہ کی مہلت اُنکو دی گئی ایسے دغاباز اور خونی دشمنوں کے لیئے اس سے زیادہ کیا رعایت ہو سکتی تھی۔ چوتھا رحم اُن سے یہ کیا گیا کہ خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر انمیں سے کوئی شخص بطیب خاطر اسلام قبول کرے تو اُس کو معاف کر دو کیونکہ خدا بھی غفور رحیم ہے تم بھی الٰہی اخلاق کے ساتھ اپنے تیئں رنگین کرو۔ یہ حکم اس لیئے دیا کہ چونکہ مشرک سخت بد عہدیوں اور خونریزیوں کے مرتکب ہو چکے ہیں جیسا سورہ توبہ کی ابتدائی آیات سے ظاہر ہوتا ہے اس لیئے اگر خدائے تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو یہ حکم نہ ہوتا کہ اسلام قبول کرنے والوں سے تعرض نہ کرو تو خطرہ تھا کہ مسلمان باوجود اُنکے اسلام قبول کرنے کے بھی اُن کو قتل کر دیتے کیونکہ ایک تو وہ پہلے دغابازی کے مرتکب ہو چکے تھے اس لیئے اُن کے کسی قول و فعل کا اعتبار نہیں تھا اور دوسرے وہ ایسے جرائم کے مرتکب ہو چکے تھے کہ وہ سزائے قتل کے مستحق تھے۔ اس لیئے خدائے تعالیٰ اُنکو حکم دیتا ہے کہ تمہارا یہ کام نہیں کہ لوگوں کے دل چیر کر دیکھو۔ اگر کوئی شخص بظاہر اسلام قبول کرتا ہے اور شعار اسلام مثلاً نماز۔ زکوٰۃ۔ کو اختیار کرتا ہے تو تمھیں کوئی حق نہیں کہ اُسپر بدظنی کرو اور اگرچہ یہ لوگ سزائے قتل کے مستحق ہیں مگر تم اُنپر یہ رحم کرو کہ اسلام میں داخل ہونے پر اُن کے جرموں سے درگذر کرو۔ عام صورتوں میں تو مسلمانوں کو حکم تھا کہ اگر دشمن صلح کی طرف جھکے تو مسلمان بھی

صلح کی طرف جھک آئیں۔ مگر موجودہ صورت میں دشمن نے اپنے چال چلن سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں نہ کسی عہد کی پابندی کرتے ہیں اور نہ قرابت و رشتہ داری کا کچھ پاس کرتے ہیں۔ اس لیئے اب اُنسے صلح کرنا دیدہ دانستہ ہلاکت کو مول لینا تھا مگر پھر بھی خدائے تعالیٰ نے اُنپر یہ رحم کیا کہ اگر اُن میں سے کوئی اسلامی شعار کی پابندی اختیار کرے تو مسلمانوں کو حکم دیا کہ ایسے شخص کو معاف کر دیں اور اُس کو اُسکے حال پر چھوڑ دیں اگر خدائے تعالیٰ اور اُس کے رسول کا یہ حکم نہ ہوتا تو جیسا کہ بعض صحابہؓ نے عملی طور پر بعض موقعوں پر لوگوں کو باوجود لا الٰہ الا اللہ کہنے کے قتل کر دیا وہ اپنے خونی دشمنوں کے اسلام لانے کو محض بناوٹ پر محمول کر کے اُن کو قتل کرنے سے دریغ نہ کرتے۔ پانچواں رحم اُنپر یہ کیا کہ اگر اُن میں سے کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ مانگے تو اُس کو پناہ دیجاوے اور اُس کو کلام اللہ کے سُننے کا موقعہ دیا جاوے۔ اس کے بعد اگر وہ مشرک رہنا ہی پسند کرے تو اُس پر کوئی جبر نہ کیا جاوے بلکہ اُس کو اُسکے امن کی جگہ میں حفاظت کے ساتھ پہنچا دیا جائے۔ وہ آیت حسب ذیل ہے وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ اور اگر کوئی شخص مشرکوں میں سے تیری پناہ مانگے تو اُسے پناہ دو یہانتک کہ وہ خدائے تعالیٰ کے کلام کو سُن لے۔ پھر اُس کو اُسکے امن کی جگہ میں پہنچا دو۔ یہ رعایت اسواسطے ہے کہ وہ ایک لاعلم قوم ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی ایک بیّن دلیل ہے کہ جن مشرکین سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ حکم اس لیئے نہیں دیا گیا تھا کہ اُنکو بجبر مسلمان کیا جاوے کیونکہ اگر بجبر مسلمان کرنا جنگ کی غرض ہوتی تو جو شخص باوجود خدائے تعالیٰ کا کلام سننے کے اسلام کو قبول نہ کرتا اُس کی نسبت یہ حکم نہیں ہونا چاہیئے تھا کہ اُس کو امن کی جگہ میں حفاظت کے ساتھ پہنچا دو بلکہ یہ حکم ہونا چاہیئے تھا کہ اُس کا سر تلوار سے قلم کر دو۔ غرض سورہ توبہ کی ابتدائی آیات پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ صرف اُن مشرکین کے ساتھ تھا جنھوں نے خود ابتدا کی تھی اور جو عہد شکنیوں کے اور خونریزیوں کے مرتکب ہوئے تھے

اور جن کا عناد اسلام کے ساتھ اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ مسلمانوں کے قتل کرنے میں نہ اپنے عہد کا خیال رکھتے تھے اور نہ رشتہ داری کا پاس اور یہ جنگ بجبر مسلمان کرنے کے لیئے نہیں تھا ہاں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کرلے تو اُس کو اس خیال سے قتل نہ کرو کہ وہ صرف جان بچانے کیلیئے مسلمان ہوتا ہے اُس کے دل کا حال خدائے تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس لیئے اگر ظاہری طور پر کوئی شخص اسلام قبول کرلے تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اُس سے تعرض نہ کریں۔ اور مَیں پہلے دکھا چکا ہوں کہ حدیث زیر بحث اور آیت مذکورہ بالا کا مضمون واحد ہے اس لیئے جیسا آیت مذکورہ سب مشرکین کے حق میں نہیں ہے بلکہ ملک عرب کے خاص قبائل سے تعلق رکھتی ہے جو مستحق قتل تھے اسی طرح حدیث زیر بحث میں لفظ الناس نہ کُل دنیا کے غیر مسلموں کے متعلق ہے اور نہ ہی کُل دنیا کے مشرکین کے متعلق ہے بلکہ اس کا تعلق بھی صرف انہی قبائل عرب سے ہے جن کا ذکر آیت مذکورہ میں ہے۔ اور مَیں اس آیت پر گذشتہ پرچہ میں مفصل بحث کرچکا ہوں؛

حدیث کے اور الفاظ بھی اس امر کی تائید کرتے ہیں کہ یہ حدیث عام انسانوں کے متعلق نہیں ہے بلکہ ایسے لوگوں کے متعلق ہے جو اپنے افعال کی وجہ سے اس بات کے مستحق ہو گئے تھے کہ اُن کی جانیں ماری جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ فاذا فعلوا ذٰلك عصموا منی دماءھم واموالھم۔ یعنی جب وہ ایمان لائیں اور نماز و زکوٰۃ ادا کریں تو انہوں نے اپنے خونوں اور مالوں کو مجھ سے بچا لیا۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ اس امر کے قابل تھے کہ اُن کو قتل کیا جاتا اور اُن کے مالوں کو چھین لیا جاتا۔ اور لفظ اُمِرْتُ جو حدیث شریف کے ابتدا میں ہے ظاہر کرتا ہے کہ اُن کا قتل کرنا خدائے تعالیٰ کے حکم کے بموجب تھا مگر ہم قرآن شریف میں ایک بھی ایسی آیت نہیں پاتے جس میں عام انسانوں کے بلاوجہ قتل کرنیکا حکم ہو بلکہ قرآن شریف میں تو لکھا ہے مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا یعنی جو شخص کسی شخص کو بدون اسکے

کہ اُس نے کسی اور انسان کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد کرنے کا مرتکب ہوا ہو قتل کرے گا تو یہ ایک ایسا خطرناک گناہ ہے کہ گویا اُس نے کُل انسانوں کو قتل کر دیا۔ ہاں قرآن شریف پر جب ہم نظر کرتے ہیں تو ایسے مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے میں ابتداء کی تھی اور جو اس بات پر تُلے ہوئے تھے کہ اسلام کو جڑھ سے اکھیڑ دیں۔ قرآن شریف عام کفار کے ساتھ کہیں جنگ کرنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ اس میں یہ صاف حکم ہے کہ جو کفار تمہارے برخلاف ہتھیار نہیں اٹھاتے اور نہ دوسرے لوگوں کی تمہارے برخلاف مدد کرتے ہیں اُن سے تم نیکی کرو جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اگر یہ لوگ ایمان لائیں تو انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو مجھ سے بچا لیا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ اُن لوگوں کا ذکر فرما رہے تھے جن کے قتل کرنے کا آپ کو حکم دیا گیا تھا اور قرآن شریف سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ وہ تھے جنہوں نے پہلے مسلمانوں کے خون بہائے تھے اور مسلمانوں کی بیخکنی کے درپے تھے۔

پھر اسی حدیث شریف میں ایک اور فقرہ ہے جو بالکل واضح کر دیتا ہے کہ جن لوگوں کا آپ نے اس حدیث میں ذکر فرمایا وہ وہی لوگ تھے جو اسلام کے خونی دشمن تھے اور نیز یہ کہ آپ کا جنگ اسلیئے نہیں تھا کہ آپ لوگوں کو مسلمان بننے کے لیئے مجبور کریں۔ آپ کے وہ کلمات طیبات یہ ہیں وحسابھم علی اللہ یعنی اسلام لا کر وہ مجھ سے تو اپنی جانیں بچا لیں گے آگے یہ امر کہ انہوں نے صرف جان بچانے کے لیئے اسلام قبول کیا ہے یا سچے دل سے مشرف باسلام ہوئے ہیں اس کا علم خدائے تعالیٰ کو ہے اور وہی اُن کا حسیب ہے۔ ان الفاظ مبارک سے صاف یہ خوشبو آرہی ہے کہ آپ کا اُن سے جنگ کرنا اس لیئے نہیں تھا کہ زور سے اور جبر کے ساتھ اُنکو اسلام میں داخل کریں۔ کیونکہ جس شخص کو انسان زبردستی کسی مذہب میں داخل کرتا ہے

وہ خود جانتا ہے کہ اس نے اسلام اکراہاً قبول کیا ہے کیونکہ میں نے اس کی گردن پر تلوار رکھکر اس کو کہا تھا کہ یا تو اسلام میں داخل ہو یا میں تیری گردن کاٹتا ہوں۔ ایسا شخص جب اسلام قبول کرے گا تو اس میں شک نہیں کہ اُس نے اس تلوار کے خوف سے اسلام قبول کیا جو اُسکی گردن پر رکھی گئی تھی۔ پس آپ کا یہ فرمانا کہ جو لوگ اسلام قبول کریں گے وہ مجھ سے تو اپنی جان بچالیں گے آگے اُن کا حساب خدائے تعالیٰ پر ہے یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپنے اُن کے ساتھ اس لیئے جنگ نہیں کی تھی کہ انکو اسلام لانے کے لیئے مجبور کریں بلکہ آپ کی جنگ کے اسباب اور تھے اور آپنے اُن کی گردنوں پر تلوار رکھکر اُن کو یہ دھمکی نہیں دی تھی کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمھاری گردنیں کاٹ دیجائیں گی بلکہ آپنے اس لیئے اُن پر تلوار اُٹھائی تھی کہ اُنھوں نے پہلے مسلمانوں پر تلوار چلائی تھی مگر جب اُنھوں نے اسلام قبول کرلیا تو آپ بموجب حکم آلہی مجبور ہوئے کہ اُن سے درگذر کریں اور آگے اس بات کا علم کہ اُن کا اسلام سچا ہے یا بناوٹی اس کا علم خدائے تعالیٰ کو تھا۔ جو شخص کسی کو جبر سے مسلمان کرتا ہے وہ یہ الفاظ کبھی بھی اپنے مُنہ سے نہیں نکال سکتا کہ حسابہ علی اللہ یعنی اس کا حساب اللہ پر ہے وہ اس کے ایمان کی اصل حقیقت کو جانتا ہے یہ الفاظ تو ایسے شخص کے مُنہ سے ہی نکل سکتے ہیں جس نے خود کسی کو جبر سے مسلمان نہیں کیا بلکہ اسلام لانیوالے نے خود بخود اسلام قبول کیا ہے ایسے شخص کا حال خدائے تعالیٰ جانتا ہے کہ آیا اُس نے دنیاوی فائدہ کو مدِ نظر رکھکر اسلام قبول کیا ہے یا محض ابتغاءً لوجہ اللہ۔ غرض اسمیں ذرا بھی شک نہیں کہ (۱) حدیث زیر بحث میں جو لفظ الناس آیا ہے اُس سے کُل دنیا کے عام انسان مراد نہیں (۲) یہ کہ اس سے مراد وہی مشرکین عرب تھے جن کا ذکر سورہ توبہ کی آیت ۵ میں ہے (۳) یہ ایسے لوگ تھے جنھوں نے جنگ کرنے میں ابتداء کی تھی اور جو اسلام کے جانی دشمن تھے اور چونکہ انھوں نے مسلمانوں کے خون بہانے میں ابتداء کی تھی اس لیئے وہ اس کے مستحق ہوگئے تھے کہ انکے

بھی خون بہائے جاتے (۴) جنگ کرنے کی غرض بجبر اسلام میں داخل کرنا نہیں تھا (۵) اُن خونی دشمنوں پر یہ رحم کیا گیا کہ خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اگر ان خونی دشمنوں میں سے بھی کوئی شخص مسلمانوں میں داخل ہو جاوے تو اُس سے درگذر کی جاوے (۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام لانے پر اپنے خونی دشمنوں سے درگذر الٰہی حکم کے ماتحت تھا اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ اگر کوئی شخص تمہارے دشمنوں میں سے اسلام قبول کرے تو اس سے درگذر کرو اور اُس کے ایمان کی صداقت یا عدم صداقت کو حوالۂ خدا کرو۔

اب مَیں پھر سورۃ التوبہ کی آیت ۵ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اس آیت کا ہرگز یہ منشا نہ تھا کہ زبردستی لوگوں کو اسلام میں داخل کیا جاوے کیونکہ ایسا ایمان جو زبردستی سے قبول کروایا گیا ہو ایک منافقانہ ایمان ہوگا جس کو اسی سورۃ میں بہت زور شور سے رد کیا گیا ہے۔ اور غالباً قرآن شریف کی کسی اور سورۃ میں نفاق کی تردید ایسے زور سے نہیں کی گئی جیسی کہ اس سورۃ شریف میں کی گئی ہے مگر خوبیٔ قسمت کہ یسوعی صاحبان اسی سورۃ کو بطور سند کے گردانتے ہیں کہ اس کے رو سے زبردستی اسلام پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے یہ مناسب ہوگا کہ اس سورہ کی چند آیات جو منافقانہ ایمان کی تردید میں ہیں یہاں درج کردی جاویں:۔

(۱) قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ (سورۃ التوبہ آیت ۵۳-۵۴) کہدے (منافقوں کو) تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تمہارا خرچ کیا ہوا ہرگز مقبول نہ ہوگا۔ کیونکہ تم بدعہد لوگ ہو۔ اور اُن کی خیرات اُنکی طرف سے قبول نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کو نہ مانا اور نماز کے لیئے نہیں آتے مگر الکساتے

ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے مگر دو بھر سمجھکر۔

(۲) وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۙ (سورہ التوبہ آیت ۶۸) ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے اور کفار سے نار جہنم کا وعدہ کیا ہے وہ اس میں رہ پڑیں گے یہ اُنکے لیئے کافی ہے اور انپر اللہ کی لعنت ہے اور اُنکے لیئے قائم رہنے والا عذاب ہے۔

(۳) اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۠ (سورہ التوبہ آیت ۸۰) ترجمہ۔ اُنکے لیئے مغفرت مانگ یا نہ مانگ (یہ برابر ہے) اگر تو ۷۰ دفعہ بھی اُنکے لیئے مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ اُنکو ہرگز معاف نہ کرے گا۔ یہ اس لیئے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

(۴) وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ (سورۃ التوبہ آیت ۸۴) اور ان میں سے کسی کے لیئے بھی جو مر جاوے ہرگز دعا نہ مانگ اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہو۔

جب یہی سورۃ منافق کی ایسے زور سے مذمت کرتی ہے تو پھر یہ خیال کرنا کہ اسی سورۃ کے بموجب مخالفین اسلام کو زبردستی مسلمان بنانے کے لیئے حکم دیا گیا ہے سخت بیہودہ پن ہے یہ آخری نازل شدہ سورۃ ہے اور اس لیئے یسوعی صاحبان ان آیات کے بارے میں جو منافقت کی مذمت میں ہیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بھی منسوخ شدہ ہیں۔ میں نے واضح دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو صرف اُن لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا تھا جو ظلم اور بدعہدی کے مرتکب ہو چکے تھے اور یہ بھی اس لیئے تاکہ وہ اس ظلم و بدعہدی سے باز رہیں۔ یہ ہو سکتا تھا کہ مخالفین میں سے بہت لوگ جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اُٹھائے تھے اور ان کو قتل کیا سچے دل

سے تائب ہوں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں پر رحم کر کے اُن کو بصورت قبولیت اسلام اور پابندئ صلوٰۃ وزکوٰۃ معاف فرما دیا۔ اگر ایسا حکم نہ دیا جاتا تو ممکن تھا کہ مسلمان اُن کو اس لئے بھی قتل کر ڈالتے کہ وہ مسلمانوں کے قتل کے مرتکب ہو چکے تھے یعنی بطور قصاص ہی اُن کو مار دیا جاتا۔ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایکدفعہ فرمایا تھا کہ ان کے ظاہر کو دیکھنا چاہیئے کیونکہ ہم اُن کے دلوں کو چیر کر نہیں دیکھ سکتے کہ آیا وہ سچے ایماندار ہیں یا نہیں۔ نومسلم کے لئے اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لانا۔ صلوٰۃ وزکوٰۃ کا پابند ہونا اسلام کی ظاہری علامات ہیں چونکہ وہ ظاہر طور پر تمام ارکان کا پابند ہوتا ہے اس لئے مسلمان اُسے مومن ہی سمجھتے ہیں خواہ وہ دل میں پکا مومن ہو یا نہ ہو کیونکہ دلوں کے بھید اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس لئے مسلمانوں کو بموجب آیت ۵ سورہ توبہ یہی حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص ظاہری حیثیت سے مسلمان ثابت ہو اُسے مسلمان ہی سمجھیں۔ لیکن زبردستی مسلمان بنانا لڑائی کا مدعا نہ تھا کیونکہ اگر یہی مدعا مدِ نظر ہوتا تو تمام کفار کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کا حکم ہوتا۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ بلکہ جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہیں اُٹھائے اُنکے ساتھ لڑائی کرنے کی ممانعت تھی۔ اور پھر جو لوگ اپنے عہدناموں کے پابند تھے مسلمانوں پر یہ لازمی قرار دیا گیا تھا کہ وہ ان کی حرمت کریں جیسا کہ اسی سورہ توبہ میں فرمایا فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ کیا ایک ایسی کتاب مجید جو اس قسم کے منصفانہ احکام دے اس بات کو روا رکھ سکتی ہے کہ تمام مخالفین کو بذریعہ تلوار مسلمان بنایا جاوے؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو حکم دیتا ہے کہ جو مومن اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے وہ مشرکین کے ساتھ عہد کی پابندی میں سچا رہے گا اور جو شخص مشرکین کے ساتھ معاملات کرنے میں اللہ تعالیٰ کا خوف مدِ نظر رکھکر اُن سے منصفانہ اور نیک سلوک کرے گا اللہ تعالیٰ ایسے مومنوں سے پیار کریگا۔ پس اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور پیار سے بڑھکر اور کونسی نعمت ہو سکتی ہے؟

اے یسوعی صاحبان! ذرا تو اس نیک تعلیم پر دل میں غور کرو۔ کہ قرآن شریف کا خدا

کیسا رحیم وکریم خداوند ہے اعتقادی اختلاف ایک مسلمان کو ایک غیر مسلمان کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے نہیں روک سکتا اور وہ مسلمان جو اُن لوگوں سے نیک سلوک کرتے ہیں جو کسی وقت اُن سے لڑ چکے ہیں مگر اب مسلمانوں کے ساتھ عہد صلح رکھتے ہیں تو ایسے مسلمانوں کو ایسے فعل کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا انعام ملے گا جس سے بڑھکر اور کوئی جزاء نہیں۔ اور وہ لوگ جو مخالفین سے بُرا سلوک کرینگے وہ باوجود مسلمان ہونے کے مستحق عذاب ہونگے۔ سخت افسوس ہے کہ یسوعی صاحبان جان بوجھکر قرآن شریف کی ایسی نیک تعلیم سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور اُن آیات کو جو کسی خاص مخالف قوم کے بارے میں تھیں بغیر سیاق وسباق کے دنیا کے سامنے پیش کر کے اسلامی تعلیم پر نکتہ چینی کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں انکی ایسی بے انصافانہ روش کو دیکھ کر ایک مسلمان کے دل کو سخت صدمہ پہنچتا ہے معاملہ زیر بحث میں دو آیات ایک ہی سورۃ میں آگے پیچھے واقع ہوئی ہیں ایک میں تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ مخالفین سے جبتک وہ عہدوں کے پابند اور سچے رہیں نیک برتاؤ رکھیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا موجب ہے دوسری آیت میں اُن مخالفین سے جنہوں نے نقض عہد کیا ہے اور اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہا ہے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یسوعی مشنری کبھی اول الذکر کا ذکر تک بھی نہ کرے گا اور موقعہ بے موقعہ موخر الذکر آیت کو جو خاص قبائل عرب کے متعلق تھی تمام کفار پر چسپاں کر کے اسلام پر شد و مد سے بہتان باندھیگا۔

اس بات کے ثبوت میں کہ اسلام ہرگز اپنے پیروؤں کو یہ حکم نہیں دیتا کہ مخالفین کو زبردستی مسلمان بنایا جاوے مندرجہ ذیل آیت سے جو اسی سورۃ کی چھٹی آیت ہے ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ۝ ناظرین کو یہ معلوم کر کے سخت تعجب ہوگا کہ یہ آیت اُس آیت کے ساتھ ہی واقع ہے جس کے ذریعہ یسوعی پادری عوام کو دھوکا دیکر اسلام پر الزام لگاتے ہیں کہ اُس نے مخالفین کو بلا کسی استثناء کے قتل کر دینے کا عام حکم دیا

ہوا ہے۔ حالانکہ یہ حکم صرف ان خاص لوگوں کے خلاف تھا جو کہ نقص عہد ظلم و زیادتی اور اپنے رشتہ دار مسلمانوں کے قتل کے مرتکب ہو چکے تھے باوجود ان باتوں کے اسلام نے کیسی باامن اور رحیمانہ تعلیم دی کہ ایسے خوفناک ظالم دشمن بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ پکڑیں تو ان کو پناہ دیجاوے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا کلام سنایا جاوے پھر اس کا قبول کرنا یا نہ کرنا ان کی اپنی مرضی پر منحصر ہے دین میں کسی قسم کا جبر نہیں۔ جیسا کہ لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ سے ظاہر ہوتا ہے اگر مخالف باوجود سننے کلام الٰہی کے اپنی مرضی سے اسے قبول نہ کرے تو یہ نہیں کہ اسے بے حفاظت چھوڑ دیا جاوے نہیں بلکہ اسے امن کی جگہ پر پہنچانا بھی مسلمانوں کا فرض قرار دیا گیا ہے ایک طرف اسلام کے مخالفین کی بدعہدی اور ظلم کو دیکھو اور دوسری طرف اس رحیمانہ تعلیم پر غور کرو۔ افسوس کہ مسیحی صاحب باوجود ایسی رحیمانہ اور کریمانہ تعلیم کے یہی کہے جاتے ہیں کہ قرآن شریف لوگوں کو جبر سے اسلام میں داخل کرنے اور جو اسلام میں داخل نہ ہو اس کو تہ تیغ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ افسوس مسیحیوں کے ظلم اور کذب پر۔

اس بات کا مزید ثبوت کہ سورۃ توبہ کی آیت ۵ میں مخالفین کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم نہیں دیا گیا ہے مندرجہ ذیل آیت سے بھی ملتا ہے جو اسی سورہ شریف میں ہے جیسا کہ فرمایا۔ قَاتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَیْدِیْكُمْ وَ یُخْزِهِمْ وَ یَنْصُرْكُمْ عَلَیْهِمْ وَ یَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَ یُذْهِبْ غَیْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ (سورہ توبہ آیت ۱۴-۱۵) ان آیات کے آخری الفاظ یعنی وَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ کا تعلق آیت ۵ سے صاف طور پر پایا جاتا ہے یعنی جن لوگوں کے ساتھ لڑائی کا حکم دیا جاتا ہے ان میں سے بعض لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ رجوع برحمت کرے گا یعنی وہ ہدایت پا جائیں گے اور بانشراح صدر اسلام میں داخل ہو کر جس کے باعث اس کے عذاب سے بچ جاوینگے۔ اور اللہ تعالیٰ علیم حکیم ہے یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ دشمنوں میں وہ کونسے دل ہیں جو اسلام کے لئے مستعد ہیں اور ایسے

معلوم ہوتا ہے کہ جس توبہ کا ذکر آیت ۵ میں ہے وہ ایسی توبہ نہیں جو جبرًا کرائی جائے بلکہ ایسی توبہ مراد ہے جو خلوص نیت سے ہو کیونکہ یَتُوبُ اللّٰہُ کا لفظ سچی توبہ پر ہی صادق آتا ہے یعنی خدائے تعالیٰ اُنہی کی طرف رجوع برحمت کرتا ہے جو سچے دل سے توبہ کریں اور بطیب خاطر اسلام قبول کریں ؛

آیت وَیَتُوبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ اس بات کی ایک قطعی دلیل ہے کہ سورہ توبہ کی ابتدائی آیات میں جس توبہ پر مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے خونی دشمنوں سے درگذر کریں وہ ایسی توبہ نہیں ہے جو بزور شمشیر کرائی جائے بلکہ ایسی توبہ مراد ہے جو انسان اپنی خوشی سے کرتا ہے کیونکہ یَتُوبُ اللّٰہُ کا لفظ جو آیت مذکورہ بالا میں آیا ہے اور جس کا تعلق صریحًا اُس توبہ کے ساتھ ہے جس کا ذکر آیت ۵ میں ہے اور جس پر مسلمانوں کو دشمنوں سے درگذر کرنے کا حکم ہے صرف سچی توبہ کے موقعہ پر استعمال ہو سکتا ہے اور وہ توبہ سچی نہیں کہلا سکتی جو تلوار کے ڈر سے ہو۔ آیت وَیَتُوبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن کفار کے ساتھ مسلمانوں کو لڑنے کا حکم تھا اُن میں سے بعض اللہ تعالےٰ کے علم میں ایسے بھی تھے جن کے لیئے قبول اسلام کا شرف حاصل کرنا مقدر تھا۔ اس لیئے آیت ۵ میں خدائے تعالیٰ نے حکم دیا کہ اگر ان خونی دشمنوں میں سے کوئی شخص اسلام قبول کرے تو اُس سے درگذر کرو اور آیت ۱۴-۱۵ میں بتلایا کہ ان خونی دشمنوں میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن پر خدائے تعالیٰ رجوع برحمت کرے گا اور انکو اسلام کے قبول کرنے کی توفیق بخشے گا۔ ہر ایک شخص جو سورہ توبہ کی ابتدائی آیات پر نظر کرے وہ دیکھ سکتا ہے کہ صریحًا آیت ۵ و آیات ۱۴-۱۵ ایک ہی گروہ کے بارے میں ہیں اور آیات ۱۴-۱۵ میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان بدعہد دشمنوں سے لڑو مگر بعض انہیں سے ایسے بھی ہیں جن کو خدائے تعالیٰ اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرماوے گا اور علیم و حکیم خدا جانتا ہے کہ وہ کونسی روحیں ہیں جن کے لیئے یہ انعام مقدر ہے اور آیت ۵ میں

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان بدعہد دشمنوں سے جنگ کرو لیکن اگر ان میں سے کوئی شخص توبہ کرے اور اسلامی شعار کی پابندی اختیار کرے تو اس سے درگذر کرو۔ پس ان آیات کے مقابلہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہی ہیں جن کی نسبت خدائے تعالیٰ آیات ۱۴-۱۵ میں فرماتا ہے کہ میں اُن کو اسلام کے قبول کرنے کی توفیق بخشونگا۔ پس یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوا کہ آیت ۵ میں ایسے لوگوں کا ذکر نہیں جن کو جبر سے اسلام میں داخل کیا جاوے بلکہ اس آیت میں ایسے لوگ مراد ہیں جن کی نسبت خدائے تعالیٰ آیات ۱۴ اور ۱۵ میں فرماتا ہے کہ بعض کو توبہ کی توفیق بخشی جائے گی اب اس سے زیادہ واضح بات کونسی ہو سکتی ہے ایک طرف تو خدائے تعالیٰ مسلمانوں کو بتلاتا ہے کہ جن دشمنوں کے ساتھ تمھیں جنگ کرنیکا فرمان دیا گیا ہے اُن میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کو خدائے تعالیٰ توبہ کی توفیق بخشے گا اور دوسری طرف حکم کرتا ہے کہ اگر ان دشمنوں میں سے کوئی شخص اسلام قبول کرے تو اُس سے تعرض نہ کرو بلکہ اُس کو اپنا ایک بھائی سمجھو اور اُس کے پہلے جرموں کو معاف کر دو۔ ان دونوں آیات کو ملانے سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جن سے درگذر کرنے کا حکم ہے وہ وہی لوگ ہیں جن کی نسبت دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ بعض کو اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق بخشے گا پس صاف معلوم ہوا کہ آیت ۵ میں اُس توبہ کا ذکر نہیں جو جبر سے کرائی جاوے بلکہ اُس توبہ کا ذکر ہے جو اپنی خوشی سے انسان کرے۔ ایک حدیث بھی یہاں نقل کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے جس سے ان آیات کا مطلب اور بھی واضح ہو جاتا ہے صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۸ میں لکھا ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال یضحک اللّٰہ الی رجلین یقتل احدھما الآخر یدخلان الجنۃ یقاتل ھذا فی سبیل اللّٰہ فیقتل ثم یتوب اللّٰہ علی القاتل فیستشھد۔ (ترجمہ) حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کو دیکھکر ہنسے گا جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے اور دونوں جنّت میں داخل ہوتے ہیں ایک تو اللہ کی راہ میں لڑتا ہے اور قتل کیا جاتا ہی (پس وہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے کی وجہ سے جنّت میں جاتا ہے) اُس کے بعد بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اُس کے قاتل کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے اور وہ اسلام قبول کر لیتا ہے (اس لیئے اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ کو بخشتا ہے اور اُس کو جنّت میں داخل کر دیتا ہے۔ اس طرح قاتل اور مقتول دونوں جنّت میں چلے جاتے ہیں) یہ حدیث دو طرح سے اس مضمون پر روشنی ڈالتی ہے۔ ایک تو اس میں وہی لفظ آیا ہے جو سورہ توبہ کی آیت ۱۵ میں آیا ہے یعنی یَتُوْبُ اللّٰہُ کا لفظ اور اس حدیث میں ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ یہاں ایسی توبہ اور ایسے اسلام کا ذکر ہے جو کسی جبر و اکراہ کے ذریعہ نہیں بلکہ سچّے دل سے اختیار کیا جاتا ہے جس کی جزا جنّت ہے پس معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ بالا میں بھی یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ میں بھی ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے جو بلا جبر و اکراہ اپنی خوشی سے اسلام قبول کریں۔ اسلیئے آیت ۵ میں جو توبہ کرنے والوں کو معاف کرنے کا حکم ہے وہ بھی ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنی خوشی سے اسلام قبول کریں۔ دوم حدیث شریف مندرجہ بالا سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے زمانے میں ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو پہلے کفر کی حالت میں مسلمانوں کا خون بھی بہا دیتے تھے مگر بعد میں وہ تائب ہو کر مغفرت حاصل کرتے تھے۔ جب ایسے لوگ پیدا ہو جاتے تھے تو پھر کیوں آیت ۵ سے جہاں لکھا ہے کہ توبہ کرنے اور اسلام قبول کرنے کی صورت میں دشمنوں سے درگذر کیجاوے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ یہاں وہ توبہ اور وہ اسلام مراد ہے جو تلوار کے زور سے منوایا جاتا تھا اور جنگ کی بھی یہی غرض تھی کہ لوگوں کو بجبر مسلمان کیا جاوے جب ایسے لوگ موجود تھے جو مسلمانوں کو قتل کرنے کے بعد بھی اپنی خوشی سے اسلام میں داخل ہو جاتے تھے تو کیا یہ ضروری نہ تھا کہ مسلمانوں کو ہدایت دیجاتی کہ ایسے لوگوں کے گذشتہ قصوروں سے درگذر کیا جاوے تا خوف قتل اُن کو مسلمانوں کے پاس آنے اور اسلام قبول کرنے سے مانع نہ ہو

بلکہ جب وہ اسلام قبول کرنا چاہیں تو بلا خوف وہ مسلمانوں کے پاس آسکیں پس یہی منشاء آیت ۵ کا ہے۔

الغرض جن دو آیات نے بقول یسوعی صاحبان تمام سابقہ احکامات کو منسوخ کر دیا ہے ان میں سے پہلی صرف خاص قبائل عرب کے متعلق ہے جو کہ بدعہدی۔ ظلم و زیادتی اور خونریزی کے مرتکب ہو چکے تھے۔ اور نیز سورہ توبہ کی ابتدائی آیات کے حوالہ سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ جو لوگ اپنے عہد ناموں پر کاربند تھے اُن کے ساتھ مسلمانوں کو نیک سلوک کرنے اور پابند عہد رہنے کا حکم تھا اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا موجب قرار دی گئی ہے اور اس کی نافرمانی اس کے غضب کا موجب۔

جب مشرکین کے مقابلہ میں اس قسم کے احکام ہیں کہ مسلمانوں کو لڑائی سے منع کیا گیا ہے جبتک مخالفین ابتداء نہ کریں تو ایسا خیال کرنا محض بیہودگی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ساتھ خواہ مخواہ مسلمانوں کو لڑنے کا حکم دیا ہو خواہ وہ لڑیں یا نہ لڑیں۔ حالانکہ یسوعی صاحبان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن شریف کے نزدیک اہل کتاب بہ نسبت مشرکین کے قابل ترجیح ہیں۔ پھر جبکہ مشرکین کے ساتھ قرآن شریف کو ایسی رعایات مدنظر ہیں تو کیا وہ اہل کتاب کے ساتھ خواہ مخواہ جنگ کرنے کو جائز رکھ سکتا تھا؟ بدیں وجہ وہ احکام جو سورۃ توبہ کی آیت ۲۹ میں اہل کتاب کے ساتھ جنگ کرنے کے بارہ میں ہیں وہ تمام اہل کتاب کے متعلق کسی صورت میں نہیں ہو سکتے بلکہ صرف اُن اہل کتاب کے متعلق ہیں جو ظلم اور زیادتی کے مرتکب ہو چکے تھے۔ کیونکہ انہیں آیات میں مشرکین کے ساتھ پابندی عہد کو مدنظر رکھنا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا موجب قرار دیا گیا ہے اور نقض عہد کرنا اس کے غضب کا باعث۔ جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے اس لئے رضامندی اور محبت کرتا ہے کہ مشرکین کے ساتھ نیک برتاؤ کریں تو وہ اس سے زیادہ کیوں نہ اُن سے پیار کریگا اگر وہ اہل کتاب کے ساتھ نیک سلوک کریں اسی طرح جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس لئے اپنے غضب سے ڈراتا ہے کہ وہ مشرکین سے بدعہدی یا بے انصافانہ برتاؤ کے مرتکب ہوں تو وہ کیوں اہل کتاب پر بغیر کسی وجہ کے لڑنے کا حکم دیتا؟ اس لئے جب قرآن شریف مسلمانوں کو اہل کتاب سے

لڑنے کا حکم دیتا ہے جبتک کہ وہ جزیہ ادا نہ کریں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بغیر کسی قوی وجہ کے، ایسا حکم دیا گیا تھا بلکہ یہ حکم اُن تمام قیود اور شرائط کے ساتھ مقید تھا جن کے رُو سے مشرکین کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا گیا تھا اور جو کہ انہیں آیات میں مفصل بیان کیئے گئے ہیں۔ قرآن شریف قانون جنگ کی کتاب نہیں بلکہ جہاں جہاں دفاعی لڑائیوں کا حکم بھی دیا گیا ہے وہاں بھی، اخلاقی تعلیم کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ جب وہ پہلے حملہ کرنے والوں کا جواب دینے کا حکم دیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا ارشاد ساتھ ہی دیتا ہے اور اگر گذشتہ انبیاء کے حالات اور گذشتہ واقعات بیان کرتا ہے تو اس میں ہمیں نیکوں کی پیروی اور بدوں کے طرزِ عمل سے بچتے رہنے کا اخلاقی سبق دیتا ہے قرآن شریف کا اصل مدعا وعظ و نصیحت۔ یاد دہانی اور نیک اعمال کی ترغیب دینا ہے جس مدعا کو وہ ہمیشہ اور ہر ایک جگہ مدِ نظر رکھتا ہے آیت ۲۹ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ چونکہ اہل کتاب اللہ تعالےٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اللہ اور اسکے نواہی سے بچتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرتے ہیں اس لیئے انکے ساتھ جنگ کیجاوے بلکہ یہ الفاظ بطورِ نصیحت کے بیان کیئے گئے ہیں۔ جس کے ثبوت کے لیئے اِس سے بعد کی آیات کا مطالعہ کرنا چاہیئے جن میں یہودیوں کے غلط عقائد بیان کیئے گئے ہیں۔ قرآن شریف کے ساتھ یہ سخت بے انصافی ہوگی کہ کسی ایک آیت کے وہ معنے کیئے جاویں جو اس کے سیاق و سباق کے ساتھ ہرگز متفق نہ ہوسکیں ہم پہلے آیات کے حوالوں سے بیان کرچکے ہیں کہ قرآن شریف کا دعویٰ ہے کہ وہ سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ اس لیئے قرآن شریف کی کسی ایک آیت کے معنے کرتے وقت ہمیں اس اصل کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔ جنگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک صاف اور سیدھا قاعدہ باندھ دیا ہے جیسا کہ فرمایا وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ (سورہ بقرہ) یعنی اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا ؂

اب اس آیت کی نسبت یہ کبھی نہیں کہا گیا کہ یہ منسوخ شدہ ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے پہل اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا تھا اس لیئے اس نے زیادتی کرنے سے منع کیا مگر بعد ازاں اُس نے زیادتی کرنے والوں سے محبت کرنی شروع کی اور اس لیئے انکو حکم دیا کہ تمام کفار کے ساتھ سختی کریں اور زیادتی کریں خصوصًا اہل کتاب کے ساتھ۔ اور نہ مندرجہ بالا آیت میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ مخالفین پر زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا سوائے اس کے جو اہل کتاب پر کیجاوے۔

آخر میں ہم تمام مخالفین اسلام سے یہ درخواست کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ آیات قرآنی کے معانی کرتے وقت اُس اصل کو جو قرآن کریم نے سورہ آل عمران آیت ۵ و ۶ میں بیان کیا ہے ہاتھ سے نہ دیا کریں۔ اس اصل کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی تردید کرتا ہے جو کسی آیت کے معانی کرتے وقت اُسی مضمون کی دوسری آیات کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اُس آیت کے وہ معنی کرتے ہیں جو دیگر محکمات کے خلاف ہوں حالانکہ موخرالذکر کے معانی میں کوئی جھگڑا نہیں ہو سکتا۔ مخالفین کو یہ بات بھی مدِ نظر رکھنی چاہیئے کہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ اس میں ایک دوسرے کے مخالف و متضاد احکامات ہرگز نہیں ہیں اور اسی دلیل کو وہ اپنے الہامی ہونے کے ثبوت میں پیش کرتا ہے جیسا کہ فرمایا اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔ (سورہ النساء آیت ۸۲)

مخالفین اسلام نے جو آیت بطور ثبوت نسخ آیات قرآنی پیش کی ہے وہ قرآن شریف کی کسی آیت کی تنسیخ کے بارے میں نہیں ہے بلکہ وہ شریعت موسوی کی ناسخ ہے۔ لیکن اگر بالفرض ہم اسے کسی آیت قرآنی کی ہی ناسخ مان لیں تو بھی اس سے یسوعی معترضین کے اعتراض کو کوئی مدد نہیں پہنچ سکتی بدینوجہ کہ ناسخ آیت یا تو منسوخ کی مانند ہونی چاہیئے اور یا اس سے بہتر۔ لیکن یسوعی کہتے ہیں کہ قرآن شریف نے پہلے پہل تو مسلمانوں کو زبردستی کرنے اور مخالفین کو تلوار کے زور سے مسلمان کرنے سے منع کیا مگر بعد ازاں یہ احکامات منسوخ کر دیئے گئے اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کو

زبردستی اسلام میں داخل کریں۔ اور کفار اور اہل کتاب پر بغیر کسی وجہ کے حملہ کر کے مقاتلہ کریں۔ حالانکہ موخر الذکر احکامات کسی صورت میں اول الذکر احکامات سے بہتر تو کجا ان کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اُن لوگوں سے نفرت کرتا ہے جو کفار پر زیادتی کرتے ہیں اور اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اُن کے ساتھ انصاف سے پیش آتے ہیں اب کیا وہ احکام جو مخالفین اپنے خیال میں قرآن شریف کی طرف منسوب کرتے ہیں یعنے یہ کہ تمام کفار کو بغیر کسی وجہ کے تہ تیغ کر دیا جاوے اور اُن سے زبردستی اسلام منوایا جاوے پہلے حکم سے بہتر یا اس کے برابر ہو سکتے ہیں؟

مَیں پھر یسوعی صاحبان سے عرض کروں گا کہ وہ ان آیات کے ذریعہ جو ایسے قبائل عرب کے متعلق ہیں جو زیادتی کے مرتکب ہو چکے تھے عوام الناس کو یہ دھوکا دینا چھوڑ دیں گویا کہ وہ عام طور پر سب مخالفین کے بارے میں ہیں۔ اگر ایک آیت مسلمانوں کو اپنے اُن مخالفین سے جو اُن پر پیش دستی کر کے ظلم کر چکے ہیں لڑائی کا حکم اس بنا پر دیتی ہے کہ وہ آئیندہ شرارت سے باز رہیں تو اس کے یہ معنے ہرگز نہیں ہو سکتے کہ قرآن شریف تمام ملکوں اور ہر ایک زمانہ کے مخالفین کے ساتھ خواہ مخواہ لڑنے کا حکم دیتا ہے یسوعی صاحبان عموماً وہ آیات قرآنی اور احادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ سلم پیش کیا کرتے ہیں جو خاص اُن قبائل عرب کے متعلق تھیں جو کہ نہ تو قرابت کا لحاظ کرتے تھے اور نہ اپنے اقرار ناموں کی پابندی کرتے تھے اور مسلمانوں پر ظلم اور زیادتی کے مرتکب ہو چکے تھے اور ان آیات کو تمام مخالفین اسلام پر چسپاں کر کے ایک دنیا کو دھوکے میں ڈال دیتے ہیں کہ اسلام اپنے تمام مخالفین کو مار ڈالنے کا حکم دیتا ہے، اس سے بڑھکر اور کونسا ظلم اور بے انصافی ہو سکتی ہے مثال کے طور پر یسوعیوں نے شور مچا رکھا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تلوار جنّت کی چابی ہے لیکن وہ ان واقعات کو بالکل نظر انداز کر جاتے ہیں جن کے ماتحت آپؐ نے یہ الفاظ بیان فرمائے تھے۔ تلوار فی الحقیقت اُن دنوں میں جنت کی چابی تھی کیونکہ یہ ان لوگوں کے مقابلہ میں چلائی جاتی تھی جو مسلمانوں کو اور اُن کے دین کو تختۂ زمین پر سے تلوار کے ذریعہ سے نیست و نابود کرنے پر تلے

ہوئے تھے۔ تلوار ایک کڑے وقت اُٹھائی گئی تھی اور محض اپنی جانوں مالوں اور ایمانوں کو
بچانے کے لیئے اُٹھائی گئی تھی اور اس لیئے جن لوگوں نے ایسے موقعہ پر تلوار اُٹھائی
انہوں نے اپنے لیئے جنت کے دروازے کھول دیئے۔ کثیر التعداد مخالفین کے
مقابلہ پر بے سروسامانی کے ساتھ لڑنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ یہ مومنوں کے لیئے ایک
سخت امتحان کا موقعہ تھا جیسا کہ انہیں آیات زیر بحث میں خود قرآن شریف نے بیان
کیا ہے (سورہ توبہ آیات ۱۶-۲۴) تلوار جنت کی چابی اُسی صورت میں ہو سکتی ہے
جبکہ مسلمان صرف اُن مخالفین سے لڑائی کریں جن کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا گیا ہے نہ
اس صورت میں کہ خواہ مخواہ ہر ایک مخالف اسلام کے ساتھ بلاوجہ لڑائی کی جاوے
جس صورت میں کہ (یعنی موخر الذکر حالت میں) یہ دوزخ کی چابی ہوگی نہ کہ بہشت کی۔ کیا
تمام سلطنتیں اُن تمام لوگوں کی جو اپنے ملک و قوم کی حفاظت کے لیئے لڑیں قدر نہیں
کرتیں اور اُن کو انعامات سے مالا مال نہیں کرتیں؟ کیا تلوار ایک سپاہی کے عروج
و ترقی کی چابی نہیں ہے؟ کیا سپاہی محض تلوار کو ٹھیک اور جائز موقع پر بہادری
کے ساتھ استعمال کرنے کی وجہ سے سربلند نہیں ہوتے؟ لیکن کیا ایک سپاہی
اُس صورت میں بھی سرفراز ہو سکتا ہے جبکہ وہ اُن لوگوں کو مارتا پھرے جن کے
خلاف لڑنے کی اُسے ممانعت ہے؟ یسوعی صاحبان نے تعلیم اسلام کو بُری صورت
میں پیش کرنے میں سخت غلطی کھائی ہے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ لاکھوں آدمی
اسلام کے خلاف ایسے بُرے خیالات رکھتے ہیں لیکن انشاء اللہ تعالیٰ وہ دن دُور
نہیں جبکہ یسوعی مشنریوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیاں حرف غلط کی طرح اسلام کے
خوشنما چہرے سے مٹائی جاویں اور جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ
كَانَ زَهُوقًا۔ کا شاندار نظارہ دکھائی دے۔

یسوعی صاحبان سے میری سب سے آخری التماس یہ ہے کہ وہ قرآن شریف کی اس
صاف تعلیم کو چھپانے کی کوشش نہ کریں جسمیں کہ مسلمانوں کو تمام کفار سے نیک اور منصفانہ
سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دین کے قبول کرنے میں کسی جبر کو کام میں لانے سے

سخت منع کیا گیا ہے و اٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین ؂

مادہ فانی ہے ؂

[ذیل کا اقتباس ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب کے اُس لیکچر میں سے لیا گیا ہے جو انہوں نے انجمن ہدایت اسلام آگرہ کے سالانہ جلسہ میں ایک بڑے مجمع کے سامنے پڑھا۔ یہ لیکچر دیانندی مت اور فلسفہ جدید پر تھا اور بدر مورخہ ۲۰ جون ۱۹۱۲ء میں شائع ہو چکا ہے یہ سارا مضمون پڑھنے کے قابل ہے مگر چونکہ وہ بدر میں چھپ چکا ہے اس لئے اُس کو یہاں پورا نقل کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی مگر مادہ کے فنا کے بارے میں جس نئی علمی تحقیقات کا شاہ صاحب ممدوح نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے اسکو ناظرین کے فائدہ کے لئے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ باقی مضمون ناظرین اخبار بدر میں ملاحظہ فرما دیں ؂]

آج سے قریباً دس سال تک پہلے اس دنیا کی ظاہری بناوٹ کے متعلق سب سائنس دانوں اور فلسفیوں کو اس امر پر اتفاق تھا کہ یہ ساری کائنات مادہ اور خلو سے بنی ہوئی ہے اور کہ یہ مادہ اپنی جگہ نہایت ہی چھوٹے چھوٹے نہ تقسیم ہو سکنے والے ذرّات سے مرکّب ہے جو کہ ۷۹ قسم کے پائے جاتے ہیں اور عنصر کہلاتے ہیں ہر ایک عنصر اپنی جگہ ایک علیحدہ ہستی ہے جس کے ذرّات یا ایٹم ایک خاص شکل اور خاص اوصاف اپنے اندر رکھتے ہیں نیز یہ بھی مانا گیا تھا کہ یہ ذرّات ہمیشہ سے اسی شکل میں اپنی صفات کے ساتھ جو اُن میں آج پائی جاتی ہیں موجود چلے آتے ہیں یعنی وہ ذرّات مادہ جن سے یہ ساری دنیا مرکب ہے۔ غیر فانی اور غیر متبدل ہیں اور ہمیشہ سے اسی طرح موجود ہیں اور ہمیشہ تک اسی طرح موجود رہیں گے مذکورہ بالا خیال تھا کہ جو آج سے دس سال پہلے ساری علمی دنیا میں مانا جاتا تھا اور جو کہ ایک سو سال تک فلسفی دنیا میں حکمران رہا تھا ؂

اس گذشتہ فلسفہ کے بیان کرنے کے بعد ہم اب ذیل میں اُس تحقیقات کا نتیجہ تحریر

کرینگے۔ جو ان گذشتہ چند سالوں میں سائنس دانوں نے کی ہے اور اس حقیقت کو جو مادہ کے متعلق حال کے فلسفیوں اور سائنس دانوں کے خیال میں پایہ یقین تک درست ثابت ہو چکی ہے۔ مفصل طور پر بتائیں گے وما توفیقی الا باللہ۔

مصنف کتاب موسومہ ایوولیوشن دی ماسٹر کی اس کتاب کے صفحہ ۳۸ پر اقام فرماتے ہیں۔ کہ فلسفیوں اور عقلمندوں کے دنیا میں دو بڑے کام ہوتے ہیں۔ اوّل دنیا اور دنیا کی چیزوں کے حالات میں غور کر کے انکی اصل حقیقت اور ماہیت کو معلوم کرنا اور یہ سمجھنا کہ ان کی پیدائش کا اصل مدعا کیا ہے۔ دوم۔ ان واقعات سے جو انکے مشاہدہ سے گذریں ایسے ایسے نتائج نکالنے کی کوشش کرنا جو انسان کے لیئے عملی رنگ میں مفید ثابت ہوں اور دنیا میں امن اور صلح قائم کر کے اس کی ترقی کا موجب ہو سکیں اس تحقیقات میں ہر ایک فلسفی کو کچھ نہ کچھ باتیں اصول موضوعی کے طور پر مان لینی پڑتی ہیں۔ اور عین اسی طرح جس طرح حساب میں فرض کر لیا جاتا ہے کہ نقطہ ایک ایسی چیز ہے جس کی نہ کوئی لمبائی ہو اور نہ چوڑائی اور نہ موٹائی اور اس سے آگے علم حساب کے مشکل سے مشکل مسائل کو حل کیا جاتا ہے اسی طرح فلاسفر چند امور اصول موضوعی کے رنگ میں مانکر انپر اپنی تحقیقات کی بنیاد رکھتے ہیں۔ پھر مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ جیسے اور فلسفی اپنے زمانہ کے معلومہ مسائل کو مان کر آگے تحقیقات شروع کرتے ہیں۔ اسی طرح سپنسر نے بھی کیا۔ جو کہ اپنے زمانہ کا بڑا بھاری فلاسفر مانا گیا ہے۔ اور جس کے پیچھے لگ کے ہمارے بہت سے نوجوان اپنے مذاہب سے دست بردار ہو بیٹھے ہیں۔ سپنسر نے اپنی کتاب موسومہ فسٹ پرنسپلز میں ایک باب باندھا ہے۔ جس میں اس نے ثابت کیا ہے۔ کہ مادہ انادی ہے اور غیر فانی ہے اور لازوال ہے۔ مصنف آگے لکھتا ہے کہ سپنسر صاحب کا یہ خیال کہ مادہ غیر فانی ہے۔ گذشتہ چالیس سال کے سخت عقلی جدوجہد کا مقابلہ نہیں کر سکا اور آخر بالکل غلط ثابت ہوا ہے اور دنیا کو یہ ماننا پڑا ہے کہ مادہ فانی ہے اور اس کو بقا نہیں۔ لیکن اس خیال کی نسبت جو تقریباً سو سال تک دنیا میں حکمران رہا ہو۔ بغیر اس کے نشیب و فراز میں غور کرنے کے

یہ کہکر گذر جانا کہ وہ اب متروک ہوگیا ہے ۔ بالکل نامناسب ہے اس لیئے ہم ذیل میں اس امر پر بحث کرینگے اور دکھائینگے کہ کس طرح اس خیال کی غلطی کا انکشاف ریڈیم کی دھات کی ایجاد سے ہوا۔ آجکل یہ امر یقینی طور پر ثابت ہوگیا ہے اور مشاہدہ اور تجربہ نے بتادیا ہے کہ اس تدریجی ترقی کی راہ میں جو ہم اس کائنات کے ہر شعبہ میں دیکھتے ہیں اور جس کی وجہ سے جو دنیا کی حالت آج نظر آتی ہے وہ اس سے ہزار سال پہلے نہ تھی۔ اس ترقی کی راہ میں مادہ صرف ایک منزل ہے۔ جو کہ دنیا کو طے کرنی پڑتی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ مادہ جو ہم دیکھتے ہیں موجود نہ تھا۔ اور پھر ایک زمانہ ہوگا کہ وہ موجود نہ ہوگا یعنی مادہ فانی ہے اور اس کو بقا نہیں۔ ان خیالات کی بنا۔ ریڈیم کی ایجاد نے رکھی۔ اس نے چند ایک خواص ظاہر کیئے جن کو انسان مشاہدہ کرسکتا ہے۔ چونکہ یہ بھی باقی عناصر مادہ کی طرح ایک عنصر ہے یعنی سونے چاندی۔ تانبا وغیرہ دھاتوں کی طرح یہ بھی ایک دھات ہے اس لیئے یہ ماننا پڑا کہ جو حقیقت یہ مادہ کی ثابت کرتی ہے وہ اصل ہے۔ اس لیئے مادہ کی حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیئے ہم اُن کیفیات کو پیش کرینگے۔ جو کہ ہم ریڈیم کی دھات میں مشاہدہ کرتے ہیں تاہم ساری مادی دنیا کی حقیقت کو خیال میں لاسکیں۔ واضح رہے کہ ریڈیم دھات کو اگر اس آلہ میں رکھ کر دیکھا جاوے جس کو سپکٹروسکوپ کہتے ہیں۔ تو اس میں ریڈیم سے روشنی کی کرنیں باہر کو اُڑتی نظر آئیں گی اور یہ حالت ریڈیم میں رات دن جاری رہتی ہے۔ یہ روشنی کی کرنیں کیا ہیں۔ تحقیقات سے معلوم ہؤا کہ یہ بجلی کی چنگاریاں ہیں۔ جو کہ متواتر ریڈیم سے پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ اور جن کے اس طرح نکلتے رہنے سے ریڈیم کے ایک حصّہ کو جو کہ مادہ کا ایک عنصر ہے۔ ہر آن ایک فنا سے گذرنا پڑتا ہے یعنی وہ جو مادہ تھا آہستہ آہستہ بجلی کی چنگاریاں بنجاتا اور فنا ہوکر بجلی کی شکل اختیار کرتا ہؤا کسی نامعلوم حالت میں چلا جاتا ہے۔ یعنی فنا ہوجاتا ہے۔

مذکورہ بالا نظارہ حال میں دو اور دھاتوں میں بھی نظر آیا ہے جنکو تھوریم اور یورینیم کہتے ہیں۔

یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ مادہ کی اصل حقیقت یہی ہے کہ اس کا ہر ایک عنصر نہایت ہی چھوٹی چھوٹی بجلی کی چنگاریوں سے بنا ہؤا ہے جس کا نام سائینس دانوں نے الیکٹران رکھا ہے۔ باالفاظ دیگر ریڈیم ۔ تھوریم ۔ یورینیم سونا ۔ چاندی ۔ سکہ ۔ تانبہ وغیرہ کیا ہیں ۔ صرف ان کے ذرّا

بلکہ یہ مہا چھوٹے چھوٹے بجلی کے ذرّات کا مجموعہ ہیں جن کو مختلف طرز پر ترتیب دینے سے ہر ایک عنصر پیدا کیا گیا ہے یعنی ان ذرات بجلی کو ایک ترتیب سے باندھنے سے ریڈیم بنائی گئی۔ اور دوسری طرز سے باندھنے سے سونا بنایا گیا۔ اور علیٰ ہذا القیاس۔ اور کہ ان سب میں سے یہ ذرّات بجلی ہر دم علیحدہ ہوتے رہتے ہیں کسی میں سے زیادہ تیزی کے ساتھ اور کسی میں سے کم رفتار کے ساتھ۔ اور اس طرح ہر آن ان کے فناء کا موجب ہوتے رہتے ہیں یعنی یہ ذرّات بھی جن سے مادہ مرکب ہے ہر دم منتشر ہوتے رہتے ہیں۔ یہانتک کہ مادہ مادہ نہیں رہتا بلکہ بجلی کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو کہ مادہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک طاقت ہے۔ پس مادہ کیا ہُوا بجلی کے ذرات کا مجموعہ۔ جبتک ان ذرّات کا آپسمیں رشتہ اور تعلق موجود مادہ موجود۔ جونہی کہ وہ تعلق ٹوٹ گیا۔ مادہ کا فنا ہو گیا اور یہ فنا جیسا کہ ریڈیم کی حالت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہر ہزارویں حصہ سکینڈ میں مادہ پر واقع ہوتا رہتا ہے اور یہ بجلی کے ذرات کروڑ ہا میل فی سکینڈ کی رفتار سے بھی زیادہ مادہ سے جدا ہو کر کسی نامعلوم حالت کو چلے جاتے ہیں۔ اور مادہ کے فنا کا باعث ٹھہرتے ہیں۔ اگرچہ ان واقعات سے مادے کا فنا تو ثابت ہو گیا لیکن اس کے انادی ماننے والے اس جگہ یہ سوال پیش کر سکتے ہیں۔ کہ ہم ان چھوٹے چھوٹے ذرّات کو ہی جو باہر کو اڑتے ہیں۔ اور جن سے آج یہ سارا مادہ مرکب مانا جاتا ہے بجائے گذشتہ زمانے کے ایٹم کے لاتبدیل خیال کر سکتے ہیں۔ اور اسی طرح مادہ پھر بھی غیر فانی ہی ٹھہرتا ہے۔ اور اصل حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر مزید تحقیقات کچھ اور نہ ثابت کر دیتی۔ تو صرف مذکورہ بالا واقعات کی بنا پر مادے کے غیر فانی ہونے کا مسئلہ پورے طور پر غلط نہ ٹھہرتا۔ لیکن موجودہ تجربے نے کھُلے کھُلے طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ الیکٹران یا بجلی کے ذرّات جو انتہائی حصہ مادی کا یقین کیئے جاتے ہیں۔ مادے کی تعریف میں نہیں آ سکتے اور وہ مادہ نہیں ہیں بلکہ طاقت ہیں۔ پس موجودہ تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ یہ ساری کائنات مادی۔ جس سے یہ سورج۔ زمین۔ چاند ستارے۔ معدنیات۔ نباتات۔ حیوانات اور انسان بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ حقیقت میں سوائے بجلی کی مختلف صورتوں کے اور کچھ نہیں یعنی یہ سارے کا سارا نظارہ ایک برقی منظر ہے جس کے ذرّات کو مختلف طور پر ترکیب دینے سے مختلف شکلیں پیدا ہوتی ہیں۔ کہیں وہ سونا ہے کہیں

انسان جس میں ہم سب یہاں موجود نظر آتے ہیں۔ یعنی ہم سارے کا سارا گروہ جو یہاں موجود ہیں۔ اور یہ ساری کائنات جس میں ہم موجود نظر آتے ہیں۔ کیا ہیں ذرات بجلی کا ایک مجموعہ جنکا اجتماع ہمارے بقاء کا موجب ہوتا ہے۔ اور جن کا انتشار ہمارے فناء کا۔ اور اب جب مادہ بجلی کی ایک صورت مان لیا گیا۔ تو پھر ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اچھا مادہ کا فنا تو مان لیا۔ لیکن اس بجلی کو تو بقاء ہے جس سے یہ مادہ بنا۔ اس اعتراض کا جواب اصل تو یہی ہے کہ مادہ اور بجلی دو مختلف مانی ہوئی چیزیں ہیں۔ جب مادہ مادہ نہ رہا۔ پھر خواہ وہ کچھ ہے اسکو تو فناء ہوگیا۔ وہ موجودہ شکل میں جس میں روحوں کا ادخال آہیں مانا جاتا ہے۔ تو موجود نہ رہا اور اس کا انادی ہونا غلط ثابت ہوگیا۔ وہ تو اس قابل نہ رہا کہ اس صورت اور ہیئت میں اسے انادی مان لیا جاوے۔ انادی ہونا تو کجا وہ سیکنڈ کے پچھے میں بھی ایک فناء سے گذرتا ہے۔ دوسرا جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ ان بجلی کے ذرات کو بھی آخر بقا نہیں کیونکہ مشاہدہ بتاتا ہے کہ وہ اپنے مرکز سے جدا ہوکر کسی نامعلوم حالت کو جاتے ہیں۔ جہاں جاکر وہ تباہ ہو جاتے ہیں اور انپر بھی اس طرح فنا طاری ہوجاتی ہے۔ اس امر کو سمجھنے کے لیئے کہ وہ نامعلوم حالت کیا ہے اور کس طرح وہاں اُنکو فنا ہوتی ہے ضروری ہے کہ ہم سرسری طور پر ان توانین کو سمجھ لیں جو بجلی میں کام کرتے ہیں کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان اور ثابت کیا گیا ہے وہ ذرات جن سے مادہ بنتا ہے بجلی کے ذرات ہیں۔ سو واضح رہے کہ اگر ہم ایک ریشمی رومال اور ایک شیشے کا رول لیں اور انکو بنظر غور دیکھیں۔ تو وہاں ہم کو کوئی بجلی نظر نہیں آتی۔ لیکن اگر ان ہر دو کو آپسمیں زور سے رگڑیں اور پھر دیکھیں۔ تو ہر دو پر ہم کو بجلی معلوم ہوتی ہے یعنی وہ طاقت جو انکو آپسمیں رگڑنے سے خرچ ہوئی بجلی بنجاتی ہے۔ اور پھر وہ بجلی شیشہ پر ایک قسم کی ہوتی ہے۔ اور ریشمی رومال پر دوسری قسم کی۔ ایک قسم کی بجلی کو مثبت اور دوسری قسم کو منفی کہا جاتا ہے۔ تجربہ نے یہ بتایا ہے کہ مثبت قسم کی بجلی کے ذرّات ایک دوسرے سے علیحدہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور منفی قسم کے ذرّات منفی قسم کی بجلی کے ذرّات سے علیحدہ رہنے کی۔ لیکن یہ ہر دو مخالف قسم کی بجلیوں کے ذرات آپسمیں ہمیشہ ملنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اور جب کبھی مثبت قسم کے بجلی کے ذرّات منفی قسم کی بجلی کے ذرّات سے ملتے ہیں تو

پھر وہ بجلی نہیں رہتے۔ بلکہ وہ طاقت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جو کہ انکی پیدائش کی موجب ہوئی تھی اِس قانون کے سمجھنے کے بعد واضح ہووے۔ کہ یہی حالت ان بجلی کے ذرّات کی ہے جنسے مادہ مرکب ہے بعض ذرّات مادہ کو اگر منفی جسم کے مانا جاوے اور بعض کو مثبت کے تو یہ جانتے ہوئے کہ ریڈیم ایک ہی قسم کے ذرّات بجلی سے بنی ہوئی ہونی چاہئیے۔ یہ سمجھنا کہ کیوں اس کے ذرّات ہمیشہ باہر کو اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں کوئی مشکل امر نہیں رہتا کیونکہ وہ ذرّات ایک ہی قسم کے ہیں اس لیئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ہمجنسوں سے علیحدہ ہونے کی کوشش کرتے رہیں۔ اور چونکہ مخالف قسم کے ذرّات بجلی ہر دم انکو اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں اِس لیئے یہی ضروری ہے کہ وہ باہر کو اُڑتے ہوئے نظر آدیں ؛

اور یہ جو پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے مرکز سے علیحدہ ہو کر کوئی نامعلوم حالت اختیار کر لیتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ جب وہ اپنے ہمجنسوں یا اپنی قسم کے ذراتِ بجلی سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ تو پھر مخالف قسم کے ذرّات بجلی سے جا ملتے ہیں اور خود بھی فنا ہو جاتے ہیں اور اپنے مخالف قسم کے ذرّات بجلی کو بھی فنا کر دیتے ہیں یعنی دونوں بجلی نہیں رہتے اور فنا ہو جاتے ہیں اور ایک اور نامعلوم چیز میں جاتے ہیں جو نہ مادہ ہوتی ہے اور نہ بجلی بلکہ ایک نئی چیز۔ وہ نامعلوم چیز وہ طاقت ہے۔ جو انکی پیدائش کا موجب ہوئی تھی۔ پس اس تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ مادہ کو ہر دم فنا ہے اور کہ مادہ کے فناء کا نتیجہ بجلی ہوتا ہے۔ اور پھر بجلی کو بھی بقا نہیں بلکہ وہ بھی فناء ہو جاتی ہے۔ پس مادہ کیا ہے عارضی رشتہ ہے ذرّات بجلی کا۔ جو کہ ارادہ الٰہیہ کے ماتحت اسی دست قدرت کی طاقتوں کے ذریعہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جونہی کہ وہ رشتے ذرات بجلی کے قطع ہو جاتے ہیں۔ مادہ کا فنا ہو جاتا ہے۔ غرض جہانتک مادہ کا تعلق تھا اس کا فنا ثابت ہو گیا ؛

سنہری اصل

مسیحی صاحبان اکثر ہمیں سنایا کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں جو تعلیم موجود ہے وہ الہامی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعلیم کو مذہبی سرچشموں سے اخذ کیا۔ اُنکے اس اعتراض کا

جواب بفضلہٖ تعالیٰ اسی رسالہ میں دیا جاچکا ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ جو قوم بڑھ بڑھ کر قرآن شریف پر یہ اعتراض کرتی ہے وہ خود ایک ایسے مذہب کی پیرو ہے جس کے سارے اصول اور ساری تعلیم دوسری قوموں دیگر مذاہب اور غیر اشخاص کا مسروقہ مال ہے۔ یہ ہیں کہتے ہیں کہ تمہاری آنکھ میں تنکا ہے مگر انہیں اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ جو خود شیشے کے بنے مکانوں میں رہتے ہوں انہیں مناسب نہیں کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرف پتھر پھینکیں۔ یسوع مسیح کی جس تعلیم پر مسیحیوں کو بڑا ناز ہے اور جس کو وہ بے نظیر بیان کرتے ہیں اُس کے متعلق آجتک یہودی رو رہے ہیں کہ یہ سب ہمارے گھر کا مال ہے جو ہماری مقدس کتابوں اور ہمارے بزرگوں کی تعلیم میں سے چُرا لیا گیا ہے۔ وہ مسیح کی تعلیم کا ایک ایک فقرہ اپنی کتابوں میں سے نکالکر دکھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر مَیں یسوع مسیح کی مشہور دعا کا ذکر کرتا ہوں جس کو مسیحی صاحبان خداوند کی دعا کہا کرتے ہیں یہ ساری کی ساری دعا یہودیوں کی مقدس کتاب کادیش میں موجود ہے۔ یہودیوں میں یسوع مسیح کے زمانہ کے قریب مسیح سے پہلے ایسے مصلح پیدا ہو چکے تھے جن کی تعلیم بعینہٖ وہی تھی جو مسیح نے دی۔ ان مصلحین میں ایک شخص جو خصوصاً قابل تذکرہ ہے اور جس کو مسیح کا اُستاد کہنا بیجا نہ ہوگا وہ ہِلّل ہے یہ اسرائیلی بزرگ سنہ ۱۰ ع میں فوت ہوا۔ اور مسیح کے جس فقرہ کو مسیحی صاحبان سنہری اصل کہا کرتے ہیں اور جس کو مسیح کی تعلیم کا گل سرسبد بیان کیا جاتا ہے۔ یہ فقرہ یسوع مسیح نے اسی فاضل سے اخذ کیا۔ اسی طرح یسوع مسیح نے حلم۔ صلحکاری اور محبت کے بارے میں جو تعلیم دی اُس تعلیم کا بھی مسیح سے پہلے ہلّل نے ہی یہودیوں میں وعظ کیا اور اُسکی تعلیم عام لوگوں میں شائع ہو چکی تھی۔ یسوع مسیح اس تعلیم کا بانی نہیں ہے اور مسیحی صاحبان جو مسیح کی اس تعلیم پر بہت فخر کیا کرتے ہیں اُنکا فخر بالکل بیہودہ ہے کیونکہ اگر یہ تعلیم قابل فخر ہے تو اس فخر کا حق یسوع کو نہیں پہنچتا بلکہ ہلّل اس فخر کا حقدار ہے کیونکہ مسیح سے پہلے وہ اس تعلیم کی یہود میں اشاعت کر چکا تھا۔ اور ہلّل کو نہ صرف سابق ہونے کا فخر حاصل ہے بلکہ اس میں ایک اور فضیلت بھی پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس تعلیم کا وہ وعظ کرتا تھا اُسپر خود بھی کاربند تھا اور اُسکا قول اُسکے عمل کے مطابق تھا مگر جب اناجیل مروجہ پر نظر

کیجاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کا عملدرآمد اپنے وعظ و نصیحت کے مطابق نہ تھا۔
ہلّل جو ہیرودیس کے عہد میں یروشلم میں رہتا تھا۔ اُسکی جائے پیدائش بابل تھی مگر وہ
عنفوانِ جوانی میں یروشلم چلا آیا اور بڑی عمر تک زندہ رہا۔ ۴۰ سال اُس نے علم کی تحصیل میں
صرف کیئے اور اپنی عمر کے آخری ۴۰ سال میں وہ اسرائیلی قوم کی روحانی تربیت میں
مصروف رہا اور یہودیوں میں وہ امام تسلیم کیا جاتا تھا۔ اُس کی تعلیم میں جو خاص بات تھی
وہ صلح اور امن کی تعلیم تھی۔ اور اُس کے ذاتی چال چلن کی بڑی خصوصیت حلم اور صلحکاری
تھی اُسکی طبیعت ایسی حلیم اور سلیم تھی کہ لوگوں میں اُس کا حلم بطور مثال کے مشہور ہو گیا
چنانچہ یہود میں ایک مثال ہے جس کا ترجمہ یہ ہے "آدمی کو ہمیشہ ہلّل کی طرح حلیم اور
بردبار ہونا چاہیئے اور شمّائی کی طرح گرم مزاج نہیں ہونا چاہیئے"۔ (شمّائی ہلّل کا مخالف تھا)
جیوئش انسائیکلوپیڈیا کے لائق مصنّف لکھتے ہیں "ہلّل کی حلیم اور بردبار طبیعت کی
تشریح ایک واقعہ سے اچھی طرح ہوتی ہے۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ دو آدمیوں نے باہم
اس امر پر شرط باندھی کہ ہلّل غضب میں آسکتا ہے یا نہیں۔ انہوں نے اُس کو بہت
بھڑکانے کی کوشش کی اور اُسکے بابلی الاصل ہونے پر اُسکو طعنہ بھی دیا مگر وہ اپنی
کوشش میں کامیاب نہ ہوئے"۔ ہلّل کی نسبت مشہور ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ میرا حلم میری بڑائی ہے
اور میری بڑائی میرا حلم ہے۔ ہلّل کا قول ہے کہ ہمیں امن پسندی، خلقِ خدا کی محبت اور دنیا
کو شریعت کی تعلیم دینے میں حضرت ہارون علیہ السلام کے نمونہ پر چلنا چاہیئے۔ جیوئش
انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے "ہلّل کے مذہب میں نوعِ انسان سے محبت کرنا تمام اسرائیلی
تعلیم کا مغز اور خلاصہ تھا۔ ایک دفعہ ایک غیر یہودی شخص نے جو یہودی مذہب اختیار
کرنا چاہتا تھا ہلّل سے سوال کیا کہ مجھے یہودی مذہب کا خلاصہ چند لفظوں میں بتا دو۔
ہلّل نے جواب دیا یہودی مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو بات تجھے خود ناپسند ہے وہ تجھے
دوسرے نوعِ انسانوں سے بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ شریعت کا اصل ہے باقی سب اسکی
تفسیر ہے۔ اس طرح ہلّل نے اسرائیلی مذہب کا اصل الاصول اُس تعلیم کو قرار دیا جو کتاب
احبار باب ۱۹ ورس ۱۸ میں لکھی ہے اور وہ تعلیم اس طرح ہے "تو اپنی قوم کے فرزندوں

سے بدلا مت لے اور نہ اُن کی طرف سے کینہ رکھ بلکہ تُو اپنے بھائی کو اپنی مانند پیار کر میں خداوند ہوں۔"

یہی تعلیم پولوس نے دی جو ہلل کے پوتے گیملیل کا شاگرد تھا۔ ملاحظہ ہو گلیتیون باب ۵ ورس ۱۴۔ رومیوں باب ۱۳ ورس ۸ اور اسی تعلیم کا وعظ یسوع نے کیا جبکہ اُس نے بیان کیا کہ اپنے پڑوسی سے محبت کرنا دوسرا بڑا حکم ہے جبکہ خدائے تعالیٰ سے محبت کرنا پہلا حکم ہے۔

اس بات کے ماننے میں کچھ شک نہیں ہو سکتا۔ کہ جو جواب ہلل نے اس نومرید کو دیا اور جو اب تک بابلی تالمود میں موجود ہے وہ فلسطین میں عام طور پر شہرت رکھتا تھا اور مسیحی مذہب کے بانی پر اُس کا ضرور اثر ہوا۔" یعنی یسوع نے اپنا سنہری اصل ہلل کے قول سے ہی اخذ کیا۔

سنہری اصل کی اصلیت پر بحث کرتے ہوئے نیو یارک امریکہ کا اخبار ٹروتھ سیکر لکھتا ہے۔ "سنہری اصل کا اصلی منبع درحقیقت غیر اسرائیلی لوگ ہیں اگرچہ ہلل یہودی بھی اس اصل سے آگاہی رکھتا تھا جو سنہ ۱۰ عیسوی میں فوت ہوا۔"

ڈبلیو سٹوارٹ اپنی کتاب گاڈ اینڈ ہز بک میں میور کی کتاب ریلجس اینڈ مارل سٹیٹمنٹس فرام سنسکرت رائیٹرس (سنسکرت مصنفین کے مذہبی و اخلاقی خیالات) کے حوالہ سے ہندوؤں کی ایک پُرانی کتاب پنچاتنتر میں سے مندرجہ ذیل قول نقل کرتا ہے "دوسروں سے ایسا سلوک نہ کر جو تجھے اپنے لئے قابل نفرت معلوم ہوتا ہے۔"

مسیح سے ۵۰۰ پانسو سال پہلے کنفیوشس کے زمانہ میں یہ قاعدہ مندرجہ ذیل شکل میں مشہور تھا اور کنفیوشس نے..... تاہی او کے چوبیسویں پند میں اسکو لکھا ہے "دوسرے آدمی سے وہی سلوک کرو جو تم چاہتے ہو کہ وہ تمھارے ساتھ کرے اور دوسرے آدمی سے ایسا سلوک نہ کرو جو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔"

جب وُوٹنگ فنگ (جو کہ چینی مدبران ملک میں ایک مشہور شخص ہے) چند سال ہوئے نیو یارک میں آیا تو اس نے ایک لیکچر میں بیان کیا کہ جس کو تم لوگ سنہری اصل کہتے ہو وہ ہمارے

ملک میں عام طور پر ایسے لوگوں میں مشہور ہے جو کہ مسیحیت کے نام سے بھی نا آشنا ہیں اور وہ اس قاعدہ کو ایسا ہی اچھی طرح جانتے ہیں جیسا کہ تم لوگ جانتے ہو۔

میکسمولر نے رگ وید کا ترجمہ کرتے ہوئے اس قاعدہ کو رگ وید میں پایا اور یہ ایک ایسی کتاب ہے جو تمام محققوں کے نزدیک پرانے عہد نامہ سے بھی زیادہ پرانی ہے۔

سنہری اصل کے ینابیع کی تلاش کرنیوالوں نے اس کے سرچشموں کی مندرجہ ذیل فہرست تیار کی ہے۔

(۱) کانفیوشس کا سنہری اصل ۵۰۰ سال قبل مسیح "دوسرے آدمی سے ایسا سلوک کرو جو تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ کرے۔ اور دوسرے آدمی سے ایسا سلوک نہ کرو جو تم اپنے لیئے پسند نہیں کرتے۔ تجھے صرف اس قاعدہ کی ضرورت ہے۔ یہ باقی تمام قواعد کی بنیاد ہے۔"

(۲) ارسطو کا سنہری اصل ۳۸۵ سال قبل مسیح۔ "ہمیں دوسروں سے ایسا برتاؤ کرنا چاہیئے جیسا ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ برتاؤ کریں۔"

(۳) پٹےکس کا سنہری اصل ۶۵۰ سال قبل مسیح "اپنے پڑوسی کے متعلق کوئی ایسا کام نہ کرو جو تم خود اس کی طرف سے برا مناؤ گے۔"

(۴) یونانی حکیم تھےلیز کا سنہری اصل ۴۶۴ سال قبل مسیح "ایسا کام کرنے سے پرہیز کرو جس کی وجہ سے تم دوسروں کو ملامت کرو گے۔"

(۵) سقراط کا سنہری اصل ۳۹۹ سال قبل مسیح۔ "دوسروں کے متعلق ایسا کام کرو جو تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ کریں۔"

(۶) یونانی حکیم اَرِس ٹِیس کا سنہری اصل ۳۶۵ سال قبل مسیح۔ "باہم ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی کرو۔ اس سے تم دوسرے کی بھلائی کے ایسے ہی خواہشمند ہو گے جیسے اپنی بھلائی کے۔"

(۷) فیثاغورس کے پیرو سیکس ٹس کا سنہری اصل ۴۰۶ سال قبل مسیح "جیسا تم چاہتے ہو کہ تمہارے پڑوسی تمہارے حق میں ہوں ویسا ہی تم انکے حق میں ہو۔"

(۸) ہلّل کا سنہری اصل ۵۰ سال قبل مسیح "جس بات کو تم خود ناپسند کرتے ہو وہ اپنے بنی نوع انسانوں سے نہ کرو۔"

اخبار ٹروتھ سیکر سنہری اصل کے مندرجہ بالا آٹھ

ماہوار رپورٹ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ جون ۱۹۱۲ء

ایک لاکھ کی تحریک

میں دیکھتا ہوں کہ چندہ تعمیر کی فہرستیں آنے کی رفتار کچھ نرم پڑ گئی ہے۔ حالانکہ وقت تنگ اور کام بہت ہے۔ اور اگر ہمت اور اخلاص سے کام نہ لیا گیا تو کام میں تاخیر ہو جاوے گی بلکہ اس کے لیئے ضرورت ہے کہ اوّل مستعدی سے فہرستیں تیار کریں پھر اس سے زیادہ مستعدی سے روپیہ وصول کر کے بھجوایا جاوے۔ یہ کام تو خدا نے کرنے ہی ہیں اور ہو کر ہی رہیں گے مگر خدا کرے کہ ان میں کوشش کرنے والے اور حصہ لینے والے ہم ہی ہوں۔ آپ لوگ دیکھ لیں گے کہ جیسے خدا کے فضل سے جنگل میں بورڈنگ کی عظیم الشان عمارت کھڑی ہو گئی ویسے ہی انشاء اللہ یہ عمارت بھی تیار ہو جاوے گی۔ آپ لوگوں کو اپنی کوششوں کو جاری رکھنا چاہیئے۔ اور جہاں فہرستیں تیار نہیں کی گئی ہیں وہاں جلد تیار کر کے بھیجی جاویں اور جہاں تیار ہو گئی ہیں وہاں وصولی روپیہ کا باقاعدہ کام ہوتے رہنا چاہیئے۔ ماہ جون میں چندہ تعمیر کا جو روپیہ آیا وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ یہ امر کسقدر افسوس سے دیکھا جاوے گا کہ بجائے اس کے کہ جون میں مئی کی نسبت رفتار تیز ہوتی اس ماہ میں گذشتہ ماہ کے دو تہائی سے بھی کم روپیہ آیا۔

نام معطی	رقم	نام معطی	رقم
سید نادر علی شاہ صاحب سب رجسٹرار چکوال	ہا ر	اہلیہ سید حسن شاہ صاحب معرفت سید محمد اشرف صاحب ہیڈ کلرک انسپکٹر مدارس راولپنڈی	ےہ ۱۰؍ ر
محمد الدین صاحب سب اسسٹنٹ سرجن امپریل سروس الور	صہ ر	جماعت مردان	للعہ ۱۳؍ ر
جماعت قادیان معرفت دفتر سکرٹری وغیرہ	للعہ ۳؍ ر	چودھری احمد الدین صاحب گجرات	صہ ر
سید تاج شاہ صاحب صوبیدار موضع گھیڑ	عہ	ڈاکٹر سید جلال صاحب براہ افریقہ	صہ ر
بابو عطاء اللہ صاحب ریلوے گارڈ ملک وال	عمہ	مولوی محمد حسین صاحب پرجیت پور	ے ر
احمد حسین سپاہی	عہ ر	مرزا علی بخش صاحب	عہ ر
منشی عنایت علی خانصاحب قانونگوے مردان پور پٹیالہ	عہ	منشی کریم اللہ صاحب مہاراج باغ ناگپور	صہ ر
میاں بہادر علی صاحب	عہ ر	جماعت بہادل پور	عہ ر

نام	رقم	نام	رقم
میاں امام علی صاحب مردان پور پٹیالہ	عا ر	ڈاکٹر غلام دستگیر صاحب مجینہ	للعہ
میاں نور الٰہی صاحب " "	عا	میاں محمد الدین صاحب گوبیکے	عہ ر
جماعت پشاور	۱۱ ۵ ر	مولوی ابو الحمید صاحب حیدرآباد دکن	عہ
بابو غلام الدین صاحب پوسٹ ماسٹر قلعہ سوبھا سنگھ	صہ ر	حافظ فتح الدین صاحب مرار	ا ر
بابو احمد الدین صاحب سب پوسٹ ماسٹر کھیوڑہ وال	صہ ر	خواجہ بشیر الدین احمد صاحب ارموڑا	عا ر
میاں مراد بخش صاحب معرفت لفٹنٹ الٰہی صاحب چترال	۸ ر	جماعت گوجرہ	صہ ر
چودھری محمد خان صاحب ڈاکٹر پوسٹ ماسٹر خواجہ باغ اسلام آباد	۱	چودھری خوشی محمد صاحب گوندل	صہ ر
جماعت منشی پور معرفت مولوی غلام امام عزیز الواعظین	صہ	منشی عبد الخالق صاحب مظفر گڑھ	عا ۱۲ ر
جماعت لکھنؤ	۱۸	منشی ولی محمد صاحب ہیڈ کنسٹبل گھیانہ	عا ر
جماعت بمبئی	۱۱	منشی نعمت اللہ خان صاحب ریاست خیرپور میرس سندھ	سہ
عبد اللہ خان صاحب موضع ڈیرہ کنڈا ڈاکخانہ کرک ضلع کوہاٹ	عا	جماعت شادیوال گجرات	للعہ
جماعت ٹہری	۱۱ عہ	جماعت ہوشیار پور	عہ
جماعت ڈنگہ	صہ ر	جماعت کریم پور	للعہ ۱۲ ر
منشی برکت علی صاحب معرفت میاں چراغ الدین صاحب	للعہ	سید صادق حسین صاحب اٹاوہ	عہ
نذیر احمد صاحب معراج منزل لاہور	عہ	جماعت فیروز پور	للعہ
جماعت بنگہ	سہ ۶ ر	جماعت سیالکوٹ معرفت مرزا حاکم بیگ صاحب	عہ
جماعت حصار	عہ	جماعت ملتان معرفت منشی سربلند صاحب	عہ
بابو نور محمد صاحب محافظ دفتر پولیٹیکل ایجنٹ گلگت	سہ	بابو جعفر خان صاحب پانیدھا	عہ ر
جماعت میرٹھ	للعہ	نواب خان صاحب پتاجون	صہ ر
اہلیہ محمد اشرف صاحب ہیڈ کلرک انسپکٹر مدارس راولپنڈی	عہ ۱۲ ر	جماعت ہانگ کانگ	عہ ۹ ر
معرفت میاں محمد حسن واعظ	للعہ ر	جماعت شملہ	عہ
جماعت کراچی	صہ ۳ ر	جماعت کوہاٹ	صہ ۸ ر
منشی کریم بخش صاحب سرہند	عہ ر	ماسٹر محمد علی اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر چانگا مانگا	صہ ر

نام	رقم	نام	رقم
نیاز احمد صاحب کمپونڈر پاک پٹن	لعہ	جماعت گوجرانوالہ	لعہ
جماعت رسول پور ضلع گجرات	صعہ	جماعت دلاور پور مونگیر	عہ ۸
جماعت چکوال ضلع جہلم	ما ر	جماعت میانوالی معرفت ڈاکٹر	
محمد سعید صاحب بھاگل پور	عہ ۱۱	بشارت احمد صاحب	ا صہ
نقیر شاہ صاحب کانپور	صہ	میزان کل ۱۵ ما سعہ	
منشی عبد الرحمن صاحب دیوبہ پٹیالہ	سے	۳ - ۲ - ۲۸۷۳	

ایسا ہی وعدہ چندہ تعمیر کی جو فہرستیں تیار ہو کر پہنچی ہیں وہ بھی ذیل میں درج کی جاتی ہیں *

فہرست وعدہ چندہ تعمیر مدرسہ ہائی انجمن احمدیہ پشاور

(۱) عبد اللہ خان صاحب ما ر (۲) شیخ فضل الٰہی صاحب صہ (۳) مرزا عبد اللہ خان صاحب دعہ (۴) مرزا دلاور خان صاحب صعہ (۵) قاضی محمد یوسف صاحب صعہ (۶) میاں امام دین صاحب صمہ ر (۷) مرزا رمضان علی صاحب معہ (۸) صاحبزادہ سیف الرحمن صاحب دعہ (۹) عبد المنان صاحب عہ (۱۰) بابو فیروز الدین صاحب نامعلوم (۱۱) مرزا نذر علی صاحب صہ (۱۲) بابو نصرت علی صاحب دعہ (۱۳) بابو فضل کریم صاحب عہ (۱۴) ڈاکٹر حسن علی صاحب للعہ (۱۵) ڈاکٹر محمد دین صاحب صہ (۱۶) شیخ مشتاق حسین صاحب ما (۱۷) آغا لعل شاہ صاحب للعہ (۱۸) محمد آصف خان صاحب عہ (۱۹) مولوی مختار علی صاحب صمہ ر (۲۰) مستری میاں محمد علی صاحب للعہ ر (۲۱) نذر احمد صاحب صمہ ر (۲۲) نور احمد صاحب عا ر (۲۳) میاں غلام محی الدین عبد السلام عہ ر (۲۴) حیات گل صاحب صمہ ر (۲۵) فضل قادر صاحب صمہ ر (۲۶) محمد ایوب صاحب دعہ (۲۷) احمد گل صاحب عا ۸ ر (۲۸) حمید اللہ صاحب صمہ ر (۲۹) میاں پیر محمد صاحب عا ۸ ر (۳۰) یوسف علی صاحب صہ (۳۱) نجمل خان صاحب دعہ (۳۲) محمد شریف خاں شیخ محمد صاحب عہ ر (۳۳) سید لعل شاہ صاحب جگر عہ ر (۳۴) میاں محمد صاحب صمہ ر (۳۵) پیر مدثر شاہ صاحب عہ ر (۳۶) میاں محمد زمان صاحب مہ ر (۳۷) خانصاحب مولوی غلام حسن صاحب ما ر (۳۸) عبد الکریم خان صاحب عہ (۳۹) شیخ ہدایت اللہ صاحب عہ (۴۱) ڈاکٹر نور الحسن صاحب ما ر (۴۲) منشی گلاب خان صاحب دعہ (۴۳) شیخ احمد علی صاحب لعہ (۴۴) شیر جنگ صمہ (۴۵) بابو غلام رسول صاحب دعہ (۴۶) جمال دین صاحب عہ ر

میزان کل الـ ۱۸ عہ

فہرست چندہ موعودہ تعمیر فنڈ مدرسہ انجمن احمدیہ فیروز پور

(۱) منشی فرزند علی صاحب ۲۵۰ روپے (۲) اہلیہ صاحبہ منشی فرزند علی صاحب دس روپے (۳) منشی محمد فاضل صاحب ۳۵ روپے (۴) منشی اللہ بخش صاحب ۳۰ روپے (۵) منشی علی بخش صاحب ۴۰ روپے (۶) مرزا ناصر علی صاحب ۲۵۰ روپے (۷) منشی عبد الحمید صاحب ۳۰ روپے (۸) منشی افتخار الدین صاحب ۲۵ روپے (۹) بابو محمد حفیظ صاحب ۶۰ روپے (۱۰) سید محمد شاہنواز صاحب ۸ ـ ۱۷ روپے (۱۱) منشی محمد صدیق صاحب ۱۵ روپے (۱۲) منشی محمد نواز صاحب ۹ روپے (۱۳) منشی عبد اللہ خان صاحب ۸ روپے (۱۴) منشی ننھے خان صاحب ۱۰ روپے (۱۵) منشی محمد خان صاحب ۱۵ روپے (۱۶) منشی محمد اسمٰعیل صاحب ۵۵ روپے (۱۷) بابو الٰہی بخش صاحب ۴۱ روپے (۱۸) میاں غلام رسول صاحب ۱۵۰ روپے (۱۹) شیخ محمد صادق صاحب ۶۰ روپے (۲۰) چودھری فتح محمد صاحب ۱۰۰ روپے (۲۱) شیخ دیوان احمد صاحب ۱۶ روپے (۲۲) شیخ دین محمد صاحب ۸ روپے (۲۳) سید علی احمد صاحب ۸ روپے (۲۴) منشی غلام محی الدین صاحب ۲۵ روپے (۲۵) میاں عبد الکریم صاحب ۱ روپے ـ کل میزان الـ۱۱۴۱ عہ

فہرست وعدہ چندہ تعمیر مدرسہ ہائی۔ انجمن احمدیہ ملتان

میاں اللہ بخش صاحب عسہ مولوی بدر الدین صاحب مدرس للعسہ اہلیہ مولوی بدر الدین صاحب عہ، مولوی الٰہی بخش صاحب عسہ میاں نور محمد صاحب عسہ منشی سر بلند صاحب عسہ میاں عبد اللہ صاحب صہ، میاں کریم بخش صاحب سے، میاں محمد یار صاحب سے، منشی مہر الدین صاحب عسہ، منشی گوہر علی صاحب عسہ۔

کل میزان ۱۱عسہ

فہرست وعدہ چندہ تعمیر مدرسہ ہائی۔ انجمن احمدیہ ہانگ کانگ

ملک چین

غلام مجتبیٰ صاحب ۵۱ ڈالر۔ الٰہی بخش صاحب ۲۸ ڈالر۔ فتح محمد صاحب ۲۵ ڈالر۔ محمد یوسف صاحب ۲۳ ڈالر
محمد شریف صاحب ۲۶ ڈالر

غلام محمد صاحب مدرس ہمبران ضلع لدھیانہ تنخواہ للعسہ وعدہ سہ

فہرست موعودہ چندہ تعمیر منجانب جماعت ٹیری ضلع کوہاٹ

شیخ نورگل صاحب عہ۸ر شیخ عجب گل صاحب عہ ر شیخ نور محمد صاحب عہ ر حضرت مولنا مولویصاحب احمد گل سے ر مولوی حبیب اللہ صاحب عہ ر نور شیخ عا شیخ جہا عہ ر شیرزمان عہ ر عبدالستار عا ر

محمد صغیر صاحب احمدی ساکن ڈنگہ عـہ - حافظ کرم الدین صاحب احمدی ساکن ڈنگہ عـہ ر
نورالدین صاحب احمدی ساکن ڈنگہ عـہ ر

اس کے بعد حسب معمول صیغوں کی رپورٹ درج کی جاتی ہے ؛

۱- صیغہ یتامیٰ - ماہ جون کے اخیر اس مدکا قرضہ اتر گیا ہے - اور اب اس بات کی ضرورت ہے کہ احباب یتامیٰ کے اخراجات کا خیال رکھیں تا آئندہ قرضہ نہ ہونے پائے - اس ماہ میں ذیل کی رقوم دس یا اس سے زائد پہنچی ہیں اور باقی رقوم دس کے اندر اندر ہیں حاجی امیر دین صاحب لدھیانہ عـہ - جماعت گجرات صـہ - حیات محمد آبادکار چک عا۱ سرگودہ عـہ - نواب محمد علی خان صاحب عـہ - مولوی غلام حسین صاحب بھیرہ یک صد روپیہ - جماعت فیروزپور [illegible] - جماعت لاہور [illegible] - میاں محمد صاحب معرفت اختر علی صاحب انسپکٹر عـہ بابو امام الدین صاحب پنشنر سب اوورسیر بھیرہ صـہ - مستری بہادر معرفت بابو امام الدین صاحب عـہ ؛

۲- صیغہ زکوٰۃ - اس ماہ زکوٰۃ کی آمد ۵ اور خرچ ۱۰ ہے - اور مدت سے یہی رفتار آمد و خرچ کی چلی آرہی ہے - ذی استطاعت احباب کو اس طرف توجہ کرنی چاہئیے - کہ جن کے ذمہ زکوٰۃ ادا کرنی ہو وہ بجائے اپنی اپنی جگہ علیحدہ علیحدہ خرچ کرنیکے یہاں زکوٰۃ کا روپیہ بھجوایا کریں - تا جو ضروری اخراجات نومسلموں - مساکین اور مسافروں کی امداد کیلئے کئے جاتے ہیں وہ پورے ہوتے رہیں - بہ نسبت باہر کے یہاں یہ روپیہ برمحل اور مستحقین کو دیا جاتا ہے - اس کے متعلق سکرٹری صاحبان بیرونی انجمنہائے کیخدمت میں علیحدہ سرکلر بھی بھیجا جائیگا - امید کیجاتی ہے کہ انشاء اللہ توجہ سے کام لیا جاوے گا ؛

۳- صیغہ اشاعت اسلام - ماہ جون کے آخر خریداران ریویو اُردو میں ۲۲ کی انگریزی اور تفسیر القرآن میں ایک ایک کی بیشی ہوئی - جماعت فیروزپور نے ۱۴ اور میاں غلام محمد صاحب ساکن موضع کھگہ ضلع ملتان نے ۵ نئے خریدار دیئے ⁂

۴- صیغہ تعلیم - آمد ۰-۵-۱۳۰۲ اور بالمقابل خرچ ۰-۱۳۰-۹۴۱ ہُوا - تعداد طلباء ہائی سکول ۳۲۲ گرلز سکول ۴۵ - فیض اللہ چک ۵۶ اور تلونڈی انداز ۶۰ ہے بورڈر ۱۵۰ ہیں گزشتہ ماہ سے ترقی ہے - امتحان انٹرنس میں ۱۹ میں سے ۱۰ طلباء کامیاب ہوئے ایک زیر تجویز ہے - آمد میں بذریعہ چندہ ساعۃ کی رقم آئی ⁂

۵- دفتر محاسب - انجمن کی ہر ایک قسم کی آمد اس ماہ میں ۷-۵-۱۲۷۷ ہوئی اور خرچ ۹-۶-۸۱۹۱ ہُوا - ماہ رجب میں جیسے امید زکوٰۃ کے آنے کی تھی اسقدر نہیں آئی - اور چندہ تعمیر کا روپیہ بھی گزشتہ ماہ سے کم آیا ہے - احباب توجہ کریں ⁂

محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

ریویو

صراط مستقیم - یہ وہ لیکچر ہے جو جناب مفتی محمد دین صاحب وکیل گجرات نے ۵- اپریل سنہ ۱۹۱۲ء کو انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر دیا - چونکہ یہ لیکچر حاضرین میں بہت مقبول ہُوا اس لئے احباب کے استدعا پر جناب مفتی محمد دین صاحب نے اس کو رسالہ کی شکل میں شائع کیا ہے اس رسالہ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں صرف آیات قرآنی کے ذریعہ یہ دکھایا گیا ہے کہ صراط مستقیم کیا ہے - اُس کے حصول کے طریق کیا ہیں اور اس کی پیروی سے کیا فوائد مترتب ہوتے ہیں - آخر میں خلافت کو صراط مستقیم کا نتیجہ ثابت کیا ہے اور مسلمانوں کو اُنکے ظاہری اور باطنی زوال کی طرف متوجہ کیا ہے بدر لکھتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے اس کتاب کی نسبت فرمایا ہے کہ "بہت ہی عمدہ ہے - بہت ہی پسندیدہ ہے آیات قرآنی سے مدلل ہے - البتہ اس کتاب میں شیطان سے جو مراد ملکہ فطری لیا گیا ہے یہ بات کتاب اللہ - قول رسولؐ اور اقوال ائمہ سے ثابت نہیں" ملنے کا پتہ شیخ غلام رسول صاحب جنرل مرچنٹ گجرات - قیمت فی نسخہ ۲ر

اظہار حق اس کتاب میں بڑی وضاحت کے ساتھ حضرت باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح اور اقوال سے جو گرنتھ صاحب جنم ساکھی تواریخ خالصہ اور سکھوں کی دیگر مستند کتابوں سے لیئے گئے ہیں اور جن کے جابجا مفصل حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ باوا صاحب ہندوؤں کے عقائد سے بالکل بیزار تھے۔ مورتی پوجا۔ مسئلہ چھوت چھات۔ تیرتھوں۔ رسم جنئو اور تناسخ وغیرہ کا کھنڈن یعنی رد کرتے تھے۔ اسلام کے مشہور اولیاء کرام کے مقابر پر فیض حاصل کرنے کے لیئے چلہ کشی کرتے رہے۔ عقائد اسلام کے پورے پابند تھے۔ تین سال اس کتاب کو شائع ہوئے ہو گئے ہیں۔ مگر اب تک کسی ہندو یا سکھ کو اس کا جواب لکھنے کی طاقت نہیں ہوئی۔ جن صاحبوں کو سکھ مذہب کی تحقیق یا باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح پڑھنے کا شوق ہو یا جن احباب کو سکھوں کے ساتھ کبھی بات چیت کرنے کا موقعہ ملتا ہو وہ ضرور یہ کتاب پڑھیں۔ شیخ محمد یوسف صاحب نومسلم۔ ایڈیٹر نور کی تحقیقات سکھ مذہب کے متعلق جس قدر وسیع ہے ہمارے اکثر احباب سے پوشیدہ نہیں یہ کتاب شیخ صاحب کی محنت اور جانفشانی کا نتیجہ اور عجیب معلومات کا ذخیرہ ہے جس کی خوبی دیکھنے پر منحصر ہے۔ خالصہ قوم میں تبلیغ کا بھی بڑا عمدہ ذریعہ ہے۔ تقریباً دو سو صفحہ کی کتاب ہے مگر قیمت محض تبلیغ اور اشاعت کی غرض سے بہت کم یعنی صرف ۵ رہے۔

ملنے کا پتہ **منیجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور**

پارہ عم مترجم۔ چونکہ عموماً مسلمان قرآن شریف کی آخری سورتیں نماز میں پڑھتے ہیں اور یہ صاف ظاہر ہے کہ صرف عربی عبارت ناظرہ یا حفظ پڑھ لینے اور مطلب سمجھنے سے دل میں خشوع خضوع نہیں پیدا ہوتا۔ اور اسی لیئے نمازی وعدہ الٰہی کہ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر کے نیچے نہیں آتا۔ اس لیئے ہر ایک مومن مسلمان پر لازمی ہے کہ کم سے کم آخری پارہ کو با ترجمہ پڑھ لے اور حفظ کرے۔ اور اپنے بچوں کو بھی پڑھائے اور حفظ کروائے۔ ہمارے پاس پارہ عم مترجم موٹے کاغذ پر عمدہ خوشخط صحیح چھپے ہوئے موجود ہیں۔ ہدیہ صرف ۲ر۔ شائقین **منیجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور** سے طلب کریں۔

Reg No. 303

ٹیچنگز آف اسلام

یعنی انگریزی ترجمہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کے اس عظیم الشان لیکچر کا جو ۱۸۹۶ء میں جلسہ مذاہب عالم کے موقعہ پر لاہور میں چار یا پانچ ہزار کے مجمع میں پڑھا گیا تھا اور نہایت ہی دلچسپی اور قبولیت سے پبلک نے سنا۔ اس لیکچر میں مصنف موصوف نے اسلام کو نہایت ہی احسن پیرایہ میں صرف قرآن شریف سے استنباط کر کے بیان فرمایا ہے۔ اور تمام اعتراضات جو بڑے بڑے مخالفین و معاندین اسلام بڑی تحدی اور زور سے کرتے رہے یا اب کرتے ہیں۔ نہایت ہی سنجیدگی اور لطافت سے انکے جوابات اصولی طور پر بیان فرمائے ہیں جن سے خواہ کیسا ہی متعصب اور زود رنج مخالف کیوں نہ ہو کبیدہ خاطر نہیں ہو سکتا بلکہ سوائے سکوت کے اور کوئی جواب بھی پیش نہیں کر سکے گا اور ایک شریف الطبع اور حق جو مخالف اسلام کو سوائے سر تسلیم خم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہو سکتا۔

بڑی خوبی اور لطافت جو اس مضمون کو خاص فوقیت اور یکتائی دے رہی ہے یہ ہے کہ اوّل اس مضمون کو خدا تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن کریم سے بیان کیا گیا ہے۔ دوم اس مضمون میں باوجود اعتراضوں کا جواب دینے اور دوسرے مذاہب کا تذکرہ کرنے کے کسی قسم کی اشارۃً یا کنایۃً زد نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف اسلام کی سچی فلاسفی اور خوبیاں پبلک کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور توحید باری تعالیٰ اور رسالت مآب صلعم کی صداقت بیان کی گئی ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی بے نظیر تصنیفات اور تالیفات میں یہ ایک ایسا مضمون ہے جس میں مکمل اور مختصر طور پر اسلام کی صداقت بیان کی گئی ہے اسلیئے پبلک کے دینی اور روحانی فائدہ کو مد نظر رکھکر اور تبلیغ اسلام کا بڑا ذریعہ سمجھکر اسکو انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے ولایت میں چھپوایا گیا ہے اور اسکی بہت سی کاپیاں ولایت اور دیگر بلاد یورپ اور امریکہ جاپان وغیرہ میں مفت تقسیم کی گئی ہیں۔ اور کچھ کاپیاں فروخت کیلئے بھی منگوائی گئی ہیں۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر ایک انگریزی خوان مسلمان کے ہاتھ میں ہو۔ احباب خود بھی خریدیں اور تبلیغ اسلام کیلئے چند کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کر کے اسکا اجر اللہ تعالیٰ سے لیں قیمت بغرض توسیع اشاعت باوجود دو سو صفحہ اور عمدہ ولایتی کاغذ اور خوبصورت جلد کے بہت ہی تھوڑی رکھی ہے یعنی مجلد کی عہ اور بیجلد کی ۱۲؍ علاوہ محصولڈاک۔ جو صاحب منگوانا چاہیں دفتر ریویو آف ریلیجنز قادیان ضلع گورداسپور سے منگوالیں۔

مطبع میگزین قادیان میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۱ بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۱۲ء ۔ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۰ھ نمبر ۸

چندہ سالانہ عوام ۲ غربا و طلباء عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۳۰ اگست ۱۹۱۲ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مسیحیوں کا آنیوالا مسیح

مسلمانوں میں بے شک بعض ایسے لوگ موجود ہیں جو ایک خونی مہدی کی انتظار میں لگے ہوئے ہیں اور خود ہندوستان کے کئی مولوی اور درویش خود بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی سکھاتے ہیں کہ مسلمانوں میں ایک مہدی پیدا ہوگا جو تلوار کے ساتھ روئے زمین کے تمام کفار کو قتل کرے گا اور صرف ایسے لوگ ہی اُس کی اور اُس کے جرنیلوں کی تلوار کی ضرب سے بچیں گے جو اپنی جانوں کو بچانے کے لیئے اسلام میں داخل ہو جائیں گے اور اُس کی تلوار نہ صرف عام کفار پر چلیگی بلکہ دنیا کی جسقدر غیر مُسلم سلطنتیں ہیں اُن کے بادشاہ بھی پا بہ زنجیر اُس مہدی کے سامنے لائے جائیں گے اور جب سے کہ مسلمانوں کی ظاہری حشمت میں اُنکی شامت اعمال کی وجہ سے زوال شروع ہوا ہے اور ان کی سلطنتیں اُن کے ہاتھ سے نکلنی شروع ہوئی ہیں تب سے اِن خیالات کی اشاعت کثرت سے شروع ہوئی ہے اور جوں جوں وہ غیر مُسلم قوموں کو بڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اپنی حالت کے روز افزوں ضعف کا مطالعہ کرتے ہیں اور اپنے اندر کوئی سکت اور طاقت نہیں پاتے کہ اپنی بگڑی ہوئی حالت میں کوئی اصلاح

کر سکیں توں توں وہ اس خام خیال کے ساتھ اپنے تئیں تسلّی دیتے ہیں کہ عنقریب مہدی کی تلوار زمین پر چمکے گی اور کُل کفار کا نام و نشان مٹا کر ہماری سلطنت کو کُل روئے زمین پر قائم کر دے گی۔ یہی وجہ ہے کہ جب افریقہ کے کسی صحراء میں یا عرب کے کسی ریگستان میں کوئی شخص تلوار لے کر اُٹھتا اور اپنے تئیں مسلمانوں کا موہوم مہدی ظاہر کرتا ہے تو ہزاروں اُس کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور لاکھوں دل سے اُس کے ساتھ ہوتے ہیں اور اُس سے اُسکی مہدویت کا کوئی نشان طلب نہیں کیا جاتا اُس کی مہدویّت کا یہی کافی ثبوت سمجھا جاتا ہے کہ اُس کے ہاتھ میں ایک تلوار ہے اور اُس نے کفار قوموں کے برخلاف جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔ لیکن جب اُن کا مہدی ناکام مر جاتا ہے اور اُن کی کوئی امید پوری نہیں ہوتی تو اُس وقت خجالت سے سر جھکا لیتے ہیں۔ جن دنوں میں افریقہ میں سوڈانی مہدی کا چرچا تھا اُس وقت ہندوستان کے مسلمانوں میں سے بہت سے دل اُس کے ساتھ تھے چنانچہ اُس وقت کی چھپی ہوئی ایک کتاب اقتراب الساعہ میں مہدی سوڈانی کے ایک جرنیل کی ایک چٹھی چھپی تھی۔ یہ کتاب دراصل نواب صدیق حسن خاں کی تصنیف ہے (جن کو قریب تھا کہ کئی مسلمان چودھویں صدی کا مجدد مان لیتے اگر خدائے تعالیٰ اُن کو اس سے پہلے ہی نہ اُٹھا لیتا) مگر اُن کے بیٹے کے نام پر شائع ہوئی تھی۔ سوڈانی مہدی کی چٹھی (جسکو مصنف اقتراب الساعہ نے اپنی کتاب میں شائع کیا) کے آخری الفاظ یہ ہیں ”یاد رکھو جب تک زمین بھر میں پورا پورا اسلام قائم نہ ہوگا تب تک مہدی کی تلوار میان میں داخل نہ ہو گی۔“ اس چٹھی میں مخاطب انگریز تھے اور اسپر رائے زنی کرتے ہوئے اقتراب الساعہ کا فاضل مصنف لکھتا ہے ”مَیں کہتا ہوں کہ جو مضمون اس جواب کا ہے بے شک مہدی موعود یہی کام کرینگے“ اس سے ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ عام مولوی صاحبان اور اُن کے اتباع کا عقیدہ مہدی موعود کے متعلق کیا ہے۔ بلکہ ہندوستان کے بعض مولویوں نے تو یہ بھی لکھدیا ہے کہ ”مہدی اپنا ایک لشکر طرف ہندوستان کے روانہ کرینگے۔ یہاں کے بادشاہ طوق بگردن ہو کر اُن کے پاس حاضر کیئے جائیں گے۔“ پھر یہ بھی لکھدیا ہے کہ ”بڑے بادشاہ اس ولایت کے یوروپین ہیں

غالباً اُسوقت تک بھی یہی حاکم یہاں کے رہیں گے۔ انہیں کو اُنکے روبرو لیجاویں گے" (دیکھو اقتراب الساعہ صفحہ ۶۴ و ۹۴) ایک اور صاحب اپنی کتاب حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۲۰ پر لکھتے ہیں "یہ آیت پوری مصداق ہے حکومت فرقہ ضالہ کی (انگریزی حکومت مراد ہے) جب مہدی موعود آجائیں گے یا عیسیٰ علیہ السلام نزول فرماویں گے۔ اسوقت حال اس سارے مرتبہ کمزوری فوج جرار کا معلوم ہوجائے گا ابھی تو کوئی مد مقابل نہیں ہے" اسی قسم کے خیالات کا اظہار حجج الکرامہ میں کیا گیا ہے جس میں لکھا ہے "پس تمام روئے زمین بقبضہ اقتدار مہدی علیہ السلام آید و اسلام قرار گیرد و گردن اندازد جمیع ملوک ارض حلقہ اطاعتش بگوش کشند و لشکرے بر ہندوستان فرستد و فتح گردد و ملوک ہند را غل کردہ پیش او آرند" یعنی اسکے بعد کُل زمین مہدی کے ہاتھ میں آجاویگی اور اسلام اور دنیا کے تمام بادشاہ مہدی کے ماتحت ہوجاویں گے اور مہدی ایک لشکر ہندوستان میں بھی بھیجے گا اور ہندوستان کے بادشاہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے مہدی کے پیش کیئے جائیں گے۔ یہ ہے نمونہ اُن خیالات کا جو اکثر علماء اور اُنکے پیرو مہدی کی آمد اور اس کے کارناموں کے بارہ میں رکھتے ہیں اور ایسے ایسے خام خیالات کے ذریعہ وہ اپنے دلوں کو تسلی دیتے ہیں اور جب کبھی کوئی تازہ مصیبت مسلمانوں پر اُنکے اپنے اعمال کی شامت سے پڑتی ہے تو اُسوقت مہدی کا خیال مسلمانوں میں تازہ ہوجاتا ہے چنانچہ آجکل جب اٹلی نے طرابلس کا ایک حصہ دبا لیا ہے تو مسلمانوں میں پھر مہدی کے آنے کا چرچا از سر نو تازہ ہوگیا ہے اور بعض اخبارات نے لکھا ہے کہ یہ قرب قیامت کی علامت ہے اور اب قریب ہے کہ مہدی ظاہر ہو اور مسلمانوں کی طاقت کو پھر دنیا میں قائم کرے۔ افسوس ان مسلمانوں پر کہ آنیوالا مہدی اپنے وقت پر ظاہر ہوا اور وہ اپنے نشانات کے ساتھ ظاہر ہوا مگر انہوں نے اسلیئے اُسکو قبول نہ کیا کہ وہ تلوار کے ساتھ نہیں آیا اور کہا کہ ہم تو ایسے مہدی کو قبول کرینگے جو لشکروں کے ساتھ آئے گا اور جس کے حضور میں دنیا کے بادشاہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے پیش ہوں اور جو تلوار کے زور سے لوگوں کو اسلام میں داخل کرے۔

بے شک یہ عقاید نہایت ہی غلط اور بے بنیاد ہیں اور مسلمانوں کی موجودہ گری ہوئی حالت اُن میں اس قسم کی بیہودہ اُمیدیں ابھار رہی ہے اور وہ اس قسم کے

طفلانہ خیالات سے اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ اگر دنیا میں اُن کو ذلت پہنچ رہی ہے تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تقوٰی کو چھوڑ دیا ہے اور جب تک کہ وہ پھر تقوٰی کو اختیار نہ کریں دنیا میں وہ کھوئی ہوئی عزت کو حاصل نہیں کر سکتے۔ کوئی تلوار دالا مہدی مسلمانوں کو پھر معزز نہیں بنا سکتا۔ عزت کے حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ اسلامی احکام کی متقیانہ پابندی ہے۔

غرض عام مسلمان بے شک خونی مہدی کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے قابل الزام ہیں مگر اس سے بھی زیادہ قابل تعجب اور قابل افسوس اور قابل ملامت یہ امر ہے کہ مسیحی صاحبان بھی آنیوالے مسیح کی نسبت اسی قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اگر مسلمانوں میں ایسے لوگ ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مہدی دنیا کی تمام غیر مسلم سلطنتوں کو مٹا کر کُل دنیا میں اپنی سلطنت قائم کرے گا تو بعینہٖ اسی طرح اگر کُل مسیحی نہیں تو اکثر مسیحی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب خداوند مسیح دوبارہ آسمان سے نازل ہوگا تو جسقدر موجودہ سلطنتیں روئے زمین پر اسوقت موجود ہیں اُن سب کو ہلاک کر کے ایک اپنی سلطنت کل زمین پر قائم کرے گا۔ آج کل کے مسلمانوں کی طرح یہود کا بھی (جو اپنی حکومت کھو کر ایک غیر سلطنت کے محکوم تھے) یہ گمان تھا کہ جب داؤد کی نسل کا مسیح دنیا میں آئے گا تو وہ دوبارہ داؤد کے تخت کو قائم کرے گا اور یہود کو غیر سلطنت کے جوئے سے رہائی دے گا۔ آجکل کے مسلمانوں کی طرح یہی خیال اُن کا سہارا تھا اور اسی خیال سے وہ اپنے دل کو بہلایا کرتے تھے مگر جب اسرائیلی مسیح پیدا ہوا تو اُس نے اُن کو اُسوقت یہ جواب دیا کہ میں بے شک بادشاہ ہو کر آیا ہوں مگر میری بادشاہی زمینی نہیں بلکہ میں آسمانی سلطنت کا شہزادہ ہوں۔ اگرچہ مسیح نے اُسوقت زمینی بادشاہ ہونے سے انکار کر دیا مگر دنیاوی جاہ و جلال کی حرص ایسی زبردست ہے کہ مسیح کا یہ قول بھی اُس کے حواریوں کے دل سے زمینی بادشاہت کی تمنا کو نکال نہ سکا اور وہ آخر تک اسی انتظار میں لگے رہے کہ ایک وقت آئیگا جبکہ ہمارا اُستاد بادشاہ بنے گا اور رومیوں کے جوئے سے بنی اسرائیل کو نجات دے گا۔ چنانچہ جب اُنکی امیدوں کے برخلاف یہودنے اُن کے موہوم بادشاہ کو گرفتار کر لیا بلکہ سولی پر بھی لٹکا دیا تو اُسوقت اُن کی اُمیدیں

سب کی سب خاک میں مل گئیں اور ایک یاس کی حالت اُنپر طاری ہوگئی اور انکے ایمان متزلزل ہوگئے بلکہ بعض نے تو برملا کہدیا کہ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے بنی اسرائیل کو غیر سلطنت کے جوئے سے نجات دینی تھی مگر افسوس کہ ہمارا خیال غلط نکلا اور ہم نے غلطی سے اس کو بنی اسرائیل کا نجات دہندہ سمجھ لیا۔ وہ تو اسوقت کے انتظار میں تھے کہ اُن کے اُستاد کے سر پر شاہی تاج پہنایا جائے گا اور وہ بادشاہ ہوکر تخت شاہی پر جلوس فرمائے گا مگر جب اُنہوں نے دیکھا کہ جس کے سر پر وہ شاہی تاج دیکھنا چاہتے تھے اُس کے سر پر ظالم یہود نے کانٹوں کا تاج رکھا ہے اور بجائے اس کے کہ یہود اُسکو اپنا موعود بادشاہ تسلیم کرکے اُس کے لیئے ایک تخت گاہ تیار کریں اُنہوں نے اُسکو صلیب کی لعنتی لکڑی پر چڑھا دیا ہے تو اُنکی ساری امیدیں مایوسی میں بدل گئیں۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ یہ کس طرح ثابت ہوا کہ مسیح کے شاگرد آخر دم تک اسی انتظار میں رہے کہ اُنکا اُستاد بادشاہ بنکر بنی اسرائیل کو غیروں کی ماتحتی سے نجات دے گا تو میں ایسے شخص کو کہوں گا کہ وہ لوقا کی کتاب باب ۲۴ کا مطالعہ کرے جس میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے جو حواریوں کے اندرونی خیالات پر غیر معمولی روشنی ڈالتا ہے یہ واقعہ صلیب کے ماجرا کے بعد کا ہے۔ لوقا بیان کرتا ہے کہ مسیح کے دو شاگرد صلیب کے واقعہ سے تیسرے روز یروشلم سے نکلکر اپنے وطن کو جارہے تھے کہ راستے میں حضرت مسیح جو قبر سے نکل آئے تھے اور یہود کے ڈر سے بھیس بدلے ہوئے تھے اُنکو ایک گاؤں اماؤس نامی کے پاس ملے اور اُن سے سوال کیا کہ "یہ کیا باتیں ہیں جو تم راہ میں آپس میں کرتے جاتے ہو اور اُداس ہو" اس سوال کا جو جواب انہوں نے اس وقت حضرت مسیح کو (جنکو وہ پہچان نہ سکے) دیا اُس میں ایک نہایت ہی پُرمعنی فقرہ بولا جس سے حواریوں کی امیدوں اور اُمنگوں کا خوب ہی پتہ چلتا ہے۔ اُنہوں نے جواب میں اس اجنبی شخص کو (جو درحقیقت قبر سے نکلا ہوا اور یروشلم سے بھاگا ہوا مسیح ہی تھا) کہا "سردار کاہن اور ہمارے سرداروں نے اُس کو (مسیح کو) قتل کے حکم کے لیئے حوالہ کیا اور صلیب دی پر **ہم اُمید رکھتے تھے کہ یہی اسرائیل کو مخلصی دینے کو تھا**" اس عبارت کے صاف یہی معنے

ہیں کہ ہم تو یہ اُمید باندھے بیٹھے تھے کہ یہ مدعی وہی شخص تھا جس نے اسرائیلی قوم کو غیروں کی حکومت سے نجات دینی تھی۔ مگر صلیب کے واقعہ نے ہماری ساری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ ہماری اُمیدوں کے موافق اسرائیل کو غیروں کی ماتحتی سے نجات دیتا وہ خود اپنی ہی قوم کے ہاتھوں سے مصلوب ہو چکا۔ ہائے افسوس! دیکھو حواریوں کی کیا کیا اُمیدیں تھیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو دن رات حضرت مسیحؑ کی صحبت میں رہتے تھے اور ہر وقت آپ کے پاک خیالات کو سُنتے اور آپ کے کلمات طیبات سے بہرہ مند ہوتے مگر پھر بھی آخر دم تک وہ یہی سمجھتے رہے کہ ہمارا اُستاد بادشاہ بنے گا اور بنی اسرائیل کو غیر قوموں کی حکومت کے جُوئے سے رہائی دے گا۔ آخر جب اُن کا اُستاد صلیب پر لٹکایا گیا اُس وقت اُن کو معلوم ہوا کہ اُن کی ساری امیدیں بے بنیاد تھیں اور جس شخص پر اُنکی نظر تھی کہ وہ بادشاہ بنکر یہود کو غیر سلطنت کی ماتحتی سے نجات دیگا۔ وہ ایسا نہ نکلا اور بجائے یہود کا بادشاہ بننے کے خود یہود کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔

حواریوں کی امیدیں تو صلیب کے واقعہ کے وقت سب خاک میں مل گئیں مگر بعد میں آنیوالے مسیحیوں کے سر سے یہ خیال ابھی تک نہیں نکلا۔ قدیم زمانہ کے یہود اور مسیح کے شاگردوں کی طرح اب تک وہ یہ اُمید رکھے بیٹھے ہیں کہ زمینی بادشاہت کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور یہ کہ یہ وعدہ مسیح کی دوبارہ آمد کے وقت پورا ہو گا۔ یعنی اگرچہ مسیح اپنی پہلی آمد کے وقت زمینی بادشاہت قائم نہ کر سکا مگر وہ اپنی دوسری آمد کے وقت حقیقی اور ظاہری معنوں میں ایک زمینی سلطنت قائم کرے گا۔ اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ جو سلطنتیں قدیم رومی سلطنت کے تباہ ہونے کے بعد قائم ہوئی ہیں مسیح اُن سب سلطنتوں کو دوبارہ آکر تباہ کرے گا۔ اور اُنکی جگہ وہ ایک اپنی سلطنت قائم کرے گا جو امن اور انصاف کی سلطنت ہو گی۔

کتاب بلینیل ڈان جلد اول کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے مسیحیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہود اور حواریوں کی یہ اُمید کہ مسیح ایک ظاہری سلطنت قائم کرے گا بالکل بے بنیاد نہ تھی اور یہ کہ خود مسیحؑ نے اپنے شاگردوں کو ایسی سلطنت

کی اُمید دلائی تھی کتاب مذکور کا مسیحی مصنف لکھتا ہے "جو شخص بائیبل اور کلید الکتاب کو ہاتھ میں لے کر اس مضمون (یعنی مسیح کی زمینی سلطنت) پر غور کرے گا وہ یہ معلوم کر کے تعجب کرے گا کہ یہودیوں اور مسیحیوں کی مذہبی کتب میں اس مضمون کو بہت مہتم بالشان قرار دیا گیا ہے عہد عتیق کی کتابوں میں کثرت سے ایسے وعدے اور پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں جن میں خداوند کی سلطنت اور اُس کا بادشاہ مسیحؑ بطور مرکز کے ہیں۔ ہر ایک اسرائیلی یہ اُمید رکھتا تھا کہ مسیح کے زمانہ میں خدائے تعالیٰ اُنکی قوم کو عروج بخشے گا اور جب خداوند مسیح اُن کے پاس آئے گا تو وہ اُن کا بادشاہ بنکر آئیگا تاکہ زمین پر وہ الٰہی سلطنت قائم کرے جس کا عرصہ دراز سے انتظار چلا آتا تھا (دیکھو لوقا کی کتاب باب ۳ ورس ۱۵) ہمارا خداوند مسیح اپنے شاگردوں سے گفتگو کرتے ہوئے اُنکی آنیوالی سلطنت کی اُمیدوں کو اور بھی تقویت دیتا اور بڑھاتا تھا چنانچہ اُس نے اُنکو کہا "جیسا میرے باپ نے میرے لیئے ایک بادشاہت مقرر کی ہے مَیں بھی تمھارے لیئے مقرر کرتا ہوں تاکہ میری بادشاہت میں میری میز پر کھاؤ پیو اور تختوں پر بیٹھکر اسرائیل کے بارہ گھرانوں کی عدالت کرو" (لوقا کی کتاب باب ۲۲ ورس ۲۹ و ۳۰) پھر مسیحؑ نے کہا "اے چھوٹے جھنڈ مت ڈر کیونکہ تمھارے باپ کو پسند آیا کہ بادشاہت تمھیں دے۔" (لوقا کی کتاب باب ۱۲ ورس ۳۲) اور جب بجائے تاجپوشی اور تخت نشینی کے یسوع کو صلیب پر لٹکایا گیا تو اُس کے شاگردوں کو سخت مایوسی ہوئی جیسا کہ اُسکے دو شاگردوں نے یسوع کے قبر سے اُٹھنے کے بعد اماؤس کو جاتے ہوئے اُس کے آگے (جس کو وہ اجنبی سمجھتے تھے) کہا "پر ہم اُمید رکھتے تھے کہ یہی اسرائیل کو مخلصی دینے کو تھا" یعنی ہم اُمید رکھتے تھے کہ یسوع بنی اسرائیل کو رومیوں کے جوئے سے نجات دیگا اور اسرائیلیوں کی سلطنت زمین پر بڑی شان و شوکت کے ساتھ قائم کرے گا۔ لیکن گذشتہ چند دنوں کے انقلابات نے انکو بالکل مایوس کر دیا تھا۔ اُس وقت یسوع نے کتب مقدسہ کے حوالے سے انکو سمجھایا کہ سلطنت کے قائم ہونے سے پہلے قربانی کا ہونا ضروری تھا (دیکھو لوقا کی کتاب باب ۲۴۔ ورس ۲۱ و ۲۵۔ ۲۷)۔

"یہ بات کہ مسیحؑ نے پیشگوئیوں کی تشریح کر کے موعودہ سلطنت کے بارے میں حواریوں کی اُمیدوں کو پھر تازہ کر دیا اس امر سے ظاہر ہے کہ اس کے بعد جب مسیحؑ اُن سے رخصت ہونے لگا تو اُنہوں نے اس سے سوال کیا۔ "اے خداوند کیا تُو اسی وقت اسرائیل کی بادشاہت کو پھر بحال کیا چاہتا ہے" اس سوال کا جو جواب مسیحؑ نے دیا اگرچہ وہ صاف نہیں مگر مسیح نے اُس جواب میں حواریوں کی اُمید کی تردید نہیں کی۔ اُس نے کہا کہ "تمہارا کام نہیں کہ اُن وقتوں اور موسموں کو جنہیں باپ نے اپنے ہی اختیار میں رکھا ہے جانو" (اعمال کی کتاب باب ۱۔ ورس ۶ و ۷)

"اسمیں شک نہیں کہ عام یہودیوں کی طرح پہلے حواریوں کا خیال خداوند کی سلطنت کے بارے میں بہت ناقص تھا۔ کیونکہ وہ محض اسکو ایک زمینی سلطنت سمجھتے تھے جیسا کہ آجکل بہت سے لوگوں نے بالکل اُلٹی راہ اختیار کر کے یہ گمان کر رکھا ہے کہ خداوند کی سلطنت سے مراد محض آسمانی سلطنت ہی۔ ہمارے خداوند یسوع کی بہت سی مثالیں اور پُر معمہ باتیں ایسی ہیں کہ اُن میں اپنے وقت پر ان غلط خیالات کی اصلاح مدنظر رکھی گئی ہے مگر وہ ہمیشہ ایک ایسی سلطنت کے خیال کو حواریوں کے آگے پیش کرتا رہا جو زمین پر قائم ہونے والی تھی اور جس میں انسانوں پر حکومت کی جانی تھی۔ اور وہ نہ صرف حواریوں کو یہ اُمید دلاتا رہا کہ وہ بھی اُس حکومت میں حصہ دار ہونگے بلکہ یہ بھی تعلیم دی کہ اس سلطنت کے قیام کے لئے ہمیشہ دعا کرتے رہو اور اُن کو یہ دعا سکھلائی۔ "تیری بادشاہت آوے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر ہے زمین پر بھی آوے۔" یہ سخت غلطی ہے جو نام کے مسیحی کلیسیا میں داخل ہو گئی ہے کہ موعودہ سلطنت سے صرف موجودہ کلیسیا مراد ہے اور یہ غلطی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اس نام کے کلیسیا کا دنیا کے ساتھ ناپاک اتحاد اور حکومت بہتوں کے نزدیک اُس الٰہی سلطنت کا مصداق ہے جو دنیا پر قائم ہونے والی تھی۔ بے شک یہ کلیسیا بھی ایک رنگ میں اسوقت خداوند کی سلطنت کہلا سکتی ہے اور ایمانداروں کے دلوں میں ایک فضل کا کام جاری ہے مگر اسی کو سب کچھ خیال کر لینا اور اُس حقیقی آنے والی خداوند کی سلطنت کا

انکار کر دینا جو ابھی دنیا پر قائم ہونے والی ہے اُن تمام پُر زور اور زبردست وعدوں کو لغو اور بے حقیقت قرار دینا ہے جو ہمارے خداوند اور حواریوں اور نبیوں نے ہماری حوصلہ افزائی اور دنیا پر غالب آنے میں ہمیں مدد دینے کے لیئے بیان کیئے "

مسیحیوں میں بہت سے لوگوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ جو سلطنت مسیح دوبارہ آمد کے وقت قائم کرینگے وہ ایک زمینی سلطنت ہوگی۔ مسیحیوں نے ابتدائی زمانہ میں جو بہت سی تکالیف اور ایذا رسانی کو صبر کے ساتھ برداشت کیا اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ انکو عنقریب عزت اور سلطنت کے ملنے کی اُمید تھی۔ ایسے الفاظ جیسے ذیل میں درج کیئے جاتے ہیں اُن کو تسلّی اور حوصلہ دیتے تھے "جو تم پاس ہے اُسے مانتے رہو جب تک کہ مَیں آؤں اور وہ جو غالب ہوتا اور میرے کاموں کو آخر تک حفظ رکھتا ہے مَیں اُسے قوموں پر اختیار دوں گا اور وہ لوہے کے عصا سے اُنپر حکومت کرے گا" (مکاشفات باب ۲ ورس ۲۵-۲۷) "جو غالب ہوتا ہے مَیں اُسے اپنے تخت پر اپنے ساتھ بیٹھنے دونگا" (مکاشفات باب ۳ ورس ۲۱) اُنکے نزدیک یہ وعدے اسی دنیا کے متعلق تھے اور اُنکا اعتقاد تھا کہ مصائب اور تکالیف کے بعد زمینی عزوجاہ اور دنیوی شان وشوکت حاصل ہوگی اور یہ کہ زمین پر مسیح کی سلطنت قائم ہونے کے لیئے ضروری ہے کہ پہلے مخالفین کی طرف سے مسیحیوں کو اذیت اور تکلیف پُہنچے۔ جب وہ دعا کرتے تھے کہ "تیری بادشاہت آئے" تو وہ کسی مخفی سلطنت کے لیئے دعا نہیں کرتے تھے بلکہ ایک ظاہری زمینی سلطنت کے قیام کے لیئے دعا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب سلطنت کی طرف سے مسیحیوں کی ایذا رسانی ختم ہوگئی تو یہ رائے عام طور پر مسیحیوں میں رائج ہوگئی کہ مسیح کے کلیسیا کا اصلی کام دنیا کو فتح کرنا۔ آسمان کی بادشاہت زمین پر قائم کرنا اور خداوند کی آمد ثانی سے پہلے قوموں پر حکومت کرنا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ کلیسیا میں دنیاوی سازشیں۔ نمود۔ ظاہری شان وشوکت اور خودنمائی شروع ہوگئی تاکہ کلیسیا کا دنیا پر رعب قائم ہو اور کلیسیا کی عظمت لوگوں کے دلوں میں جاگزین ہو۔ کلیسیا کے سردار پوپ نے یہ دعویٰ کرنا شروع کر دیا کہ اُس کی حکومت مسیح کی سلطنت کے قائم مقام ہے اور

اس لیئے اُس کا حق ہے کہ کُل دنیا کے بادشاہ اور زمین کی ساری سلطنتیں اور جہان کی کُل قومیں اُس کی ماتحتی اور اطاعت اختیار کریں۔ اسی دعویٰ کی بنیاد پر روما کے پوپ یورپ کے جس بادشاہ کو چاہتے تخت سے اُتارتے اور جس کو چاہتے تاج بخشتے اور رفتہ رفتہ پوپ کا اقتدار اس قدر وسیع ہوگیا کہ یورپ کے کُل بادشاہ اُسکے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے اور اُس کے خوف سے تھرتھراتے تھے اور اُسکے لیئے بطور غلاموں کے تھے اور اب تک پوپ اس حق کا دعویٰ کرتے ہیں اگرچہ اب اُن میں یہ طاقت نہیں رہی کہ اپنے اختیارات کو عملی صورت میں ظاہر کرسکیں۔

اب بہت سے مسیحیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح کی دوبارہ آمد کے موقعہ پر خداوند کی سلطنت پورے طور پر قائم ہوجائے گی۔ اُس وقت نہ صرف ایک مخفی روحانی سلطنت ہوگی بلکہ ایک ظاہری زمینی سلطنت بھی مسیح کی موجود ہوگی۔ کتاب ملینیل ڈان کا فاضل مسیحی مصنف مسیح کی اُس زمینی سلطنت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"خداوند کی بادشاہت کے زمینی پہلو کا تعلق اِس عالم کے کاروبار اور دنیا کے لوگوں سے .... ہوگا۔ اور جن لوگوں کو اس سلطنت میں حصہ لینے کا شرف حاصل ہوگا وہ انسانوں میں سب سے زیادہ عالیجاہ اور سب سے بڑھکر معزز ہونگے ..... اس کاروبار کے چلانے کے لیئے ضروری ہوگا کہ انسانوں میں ایک کامل سلطنت قائم کیجاوے۔ اس سلطنت میں جو لوگ عہدہ دار ہونگے وہ بھی کامل لوگ ہونگے تاکہ وہ سلطنت کے کاروبار کو درستی کے ساتھ چلائیں۔ یہ بھی ضروری ہوگا کہ تعلیم کی ترقی کے لیئے آسانیاں پیدا کی جاویں اور مختلف قسم کے رفاہِ عام کے کام بھی اُس سلطنت کے ذریعہ سرانجام دیئے جاویں۔" جس سلطنت کو حضرت مسیحؑ آکر قائم کرینگے اور جس کے دو پہلو ہونگے ایک زمینی اور ایک روحانی اُس کو حضرت موسیٰؑ حضرت ہارون۔ حضرت یوشع بن نون اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے عہد سے مشابہ بیان کیا جاتا ہے۔ جن کے عہد میں نہ صرف ظاہری سلطنت تھی بلکہ اُس کے ساتھ ساتھ باطنی اور روحانی بادشاہت بھی موجود تھی اور ان نبیوں کا عہد آنیوالی مسیح کی سلطنت

ظاہری و باطنی کا ایک صحیح نمونہ ہے۔ جیسا حضرت موسیٰ حضرت یوشع اور بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کے عہد میں سلطنت کی دونوں شاخیں یعنی روحانی و جسمانی۔ اتحاد اور موافقت کے ساتھ چلتی تھیں ایسا ہی مسیح کی آنیوالی سلطنت میں ہوگا۔ صرف اتنا فرق ہوگا کہ آنیوالی سلطنت میں الٰہی قدرت کی تجلی گذشتہ زمانہ کی نسبت زیادہ شاندار ہوگی ؀

مگر یہ بھی معلوم رہنا چاہیئے کہ مسیح کی زمینی سلطنت پر ہر ایک آدمی خوش نہ ہوگا کتاب مذکور کا مسیحی مصنف لکھتا ہے "مسیح کی سلطنت کے قواعد میں گذشتہ سلطنتوں کی نسبت زیادہ تشدد ہوگا اور لوگوں کی آزادیوں کو اس حد تک محدود کیا جائے گا کہ بہت سے لوگ جو آجکل آزادی کی توسیع کے لیئے شور مچا رہے ہیں وہ اس حد بندی کی وجہ سے بہت کڑھیں گے" اس لیئے مسیح کی حکومت بہت سے لوگوں کے نزدیک نہایت سخت ہوگی۔ وہ لوگوں کی تمام پہلی عادات اور رسومات کو توڑ دیگی۔ اور تمام موجودہ کمیٹیاں۔ مجالس۔ مدارس۔ شفاخانے۔ غرض ہر ایک قسم کے انتظام جو آجکل پائے جاتے ہیں اُن سب کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ وہ ایک مضبوط اور زور آور حکومت ہوگی کیونکہ لکھا ہے "وہ لوہے کے عصا سے اُنپر حکومت کرے گا کہ وے کمہار کے برتنوں کی مانند چکنا چور ہو جائیں گے" (مکاشفات باب ۳ ورس ۲۷) بہت سے لوگ جو دنیا کے شاہزادے یعنی شیطان کی حکومت کے نیچے دوسروں کی کمائی پر عیش کرتے ہیں اور اس کے عوض میں کوئی ایسا کام نہیں کرتے جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے اور اس طرح عوض معاوضہ گلہ ندارد کی مثال صادق آجائے ایسے لوگ زندگی کے شہزادے یعنی مسیح کی حکومت کے نیچے بغاوت پر آمادگی ظاہر کریں گے اور اُن کی عیش و عشرت کی زندگی اس بات کی مقتضی ہوگی کہ اُسے بہت سی سخت تازیانے لگائے جائیں اور ایسے تازیانے وہ کھائیگی"

یہ کیفیت ہے اُس سلطنت کی جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ مسیح آخری زمانہ میں آکر قائم کرے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مسیح دوبارہ دنیا پر لوہے کی لاٹھی کے

ساتھ حکومت کرنے کے لیئے آئے گا تو اُس وقت اُن سلاطین اور ملوک کا کیا حال ہوگا جو اُس وقت زمین پر سلطنت کر رہے ہونگے۔ اِس سوال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ موجودہ سلطنتیں جن میں مسیحی سلطنتیں بھی شامل ہیں دنیا کے شہزادے یعنی شیطان کے زیر حکومت ہیں اور جب مسیح آئے گا تو وہ ان سب سلطنتوں کو اُڑا دے گا اور انکی جگہ اپنی سلطنت روئے زمین پر قائم کرے گا۔ مسیحیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دنیا کی موجودہ بادشاہ بلا چون و چرا اپنی اپنی سلطنتیں مسیح کے حوالے نہیں کر دینگے جیسا کہ تھوڑا عرصہ ہُوا کوریا کے غریب بادشاہ نے اپنی سلطنت اپنے زبردست پڑوسی میکاڈو (شاہ جاپان) کے حوالے کر دی بلکہ وہ سب ملکر مسیح کا مقابلہ کرینگے کیونکہ وہ اُن کی نظر میں ایک غاصب کی حیثیت رکھے گا۔ لیکن اس مقابلہ کا یقینی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مسیح کے مقابل میں شکست فاش کھائیں گے۔ کیونکہ خداوند خدا یُوں فرماتا ہے "قومیں کس لیئے جوش میں ہیں اور لوگ باطل خیال کرتے ہیں۔ زمین کے بادشاہ سامنا کرتے ہیں اور سردار آپس میں خداوند کے اور اُس کے مسیح کے مخالف منصوبے باندھتے ہیں کہ آؤ ہم انکی بندکھول ڈالیں اور اُن کی رسّی اپنے سے توڑ پھینکیں وہ جو آسمان پر تخت نشین ہے ہنسیگا اور خداوند اُنہیں ٹھٹھوں میں اُڑا دے گا تب وہ غصہ میں اُن سے باتیں کرے گا اور نہایت بیزار ہو کے اُنہیں پریشانی میں ڈالے گا میں نے تو اپنے بادشاہ کو کوہ مقدس صیہون پر بٹھلایا۔ میں حکم کو آشکارا کروں گا کہ خداوند نے میرے حق میں فرمایا تُو میرا بیٹا ہے میں آج کے دن تیرا باپ ہُوا مجھ سے مانگ کہ میں تجھے قوموں کا وارث کروں گا اور زمین سراسر تیرے قبضے میں کروں گا۔ تو لوہے کے عصا سے اُنہیں توڑے گا۔ کمہار کے برتن کی مانند تو اُنہیں چکنا چور کریگا۔ پس اے بادشاہو ہوشیار ہو۔ اے زمین کی عدالت کرنے والو تربیت لو۔ ڈرتے ہوئے خداوند کی بندگی کرو اور کانپتے ہوئے خوشی کرو۔ بیٹے کو چومو تا نہ ہووے کہ وہ بیزار ہو اور تم راہ میں ہلاک ہو جاؤ جب اُس کا قہر اِک ذرا بھڑکے۔ مبارک وے سب جن کا توکّل اُس پر ہے" (۲ زبور)

حضرت دانیالؑ کی کتاب میں جو نبوکدنظر اور حضرت دانیال علیہ السلام کی خوابیں درج ہیں اُن کی تعبیر کرتے وقت مسیحیوں نے اس بات کو قبول کیا ہے کہ اگرچہ پہلی آمد کے وقت مسیح بے کسی اور انکسار کی حالت میں ظاہر ہُوا مگر جب وہ دوبارہ دنیا میں آئیگا تو بڑے جلال کے ساتھ آئیگا اور دنیا کی سلطنتوں کو بلکہ موجود مسیحی سلطنتوں کو بھی تباہ کر دے گا اور اُن کی جگہ علاوہ ایک روحانی حکومت کے ایک ظاہری اور زمینی سلطنت بھی قائم کرے گا۔ بنوکدنظر نے رؤیا میں ایک مورت دیکھی جس کا سر سونے کا تھا۔ سینہ اور بازو چاندی کے۔ شکم اور رانیں تانبے کی۔ ٹانگیں لوہے کی اور اُس کے پاؤں کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے تھے۔ نبوکدنظر اس ہیبت ناک مورت کو دیکھ رہا تھا کہ ایک پتھّر بغیر اس کے کہ کوئی ہاتھ سے کاٹ کے نکالے آپ سے نکلا اور اُس شکل کے پاؤں پر لگا اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جیسا کہ حضرت دانیال علیہ السلام نے اس خواب کی تعبیر کی اس شکل کے ذریعہ نبوکدنظر کو وہ سب سلطنتیں دکھائی گئیں جو اُس کے بعد اُس ملک میں خصوصاً یروشلم میں جو اُسوقت اُس کی سلطنت میں داخل تھا قیامت تک قائم ہونے والی تھیں۔ سونے کے سر سے مراد اُس کی اپنی سلطنت تھی۔ چاندی کے سینہ او بازوؤں سے مراد میڈو فارس کے بادشاہوں کی سلطنت تھی جو اُس کے بعد قائم ہوئی۔ تانبے کے شکم اور رانوں سے مراد یونانی سکندر کی سلطنت تھی جو فارسیوں کی سلطنت کی جگہ قائم ہوئی اور لوہے کی ٹانگوں سے مراد رومیوں کی سلطنت تھی اور اُنگلیوں سے مراد وہ مختلف حصے تھے جن میں رومی سلطنت زوال کے زمانہ میں تقسیم ہوگئی۔ اب رہا وہ پتھّر جو خود بخود نکلا اور جس نے مورت کے پاؤں پر گر کر اُسکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

مَیں پہلے ایک مضمون میں یہ ثابت کر چکا ہوں کہ اس پتھّر سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر مسیحیوں کا خیال ہے کہ وہ موعود پتھّر مسیح تھا مگر اُن کے اس خیال کے آگے بہت سی رُکاوٹیں ہیں۔ سب سے پہلی رُکاوٹ تو یہ ہے کہ جب مسیحؑ پیدا ہوئے اُس وقت ابھی مورت کی اُنگلیوں کا ظہور نہیں ہوا تھا یعنی رومی

سلطنت میں کسی قسم کا ضعف پیدا نہیں ہُوا تھا اور اُن حصوں کا نام و نشان بھی نہ تھا جو بعد میں سلطنت مذکورہ کے زوال کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے بلکہ وہ زمانہ رومی سلطنت کے عروج کا زمانہ تھا کیونکہ مسیح پہلے قیصر روم کے زمانہ میں پیدا ہُوا اور سلطنت کی تقسیم مختلف حصوں میں مسیح سے کئی سو سال بعد واقع ہوئی مگر جب آنحضرت صلی اللہ وسلم مبعوث ہوئے تو یہ صوبے وجود میں آچکے تھے۔ دوسری رکاوٹ جو مسیحیوں کے راستے میں پیش آتی ہی یہ ہے کہ مسیح نے رومی سلطنت کو تباہ نہیں کیا۔ تباہ کرنا تو کجا اُس نے کسی نکمی سی سلطنت کی بھی بنیاد نہیں ڈالی ہاں تاریخ گواہی دیتی ہے کہ اسلامی سلطنت جو ابتداء میں ایک چھوٹے پتھر کی طرح تھی رومی سلطنت کے پاؤں کی انگلیوں پر پڑی اور اُس نے رومی سلطنت کو تباہ کر دیا اور پھر پیشگوئی کے مطابق وہ پتھر بڑا پہاڑ بنکر زمین میں پھیل گیا اور اسوقت تک نبوکدنظر کی سلطنت پر اسلامی سلطنت کی حکومت موجود ہے مسیحی صاحبان کہتے ہیں کہ بے شک مسیح نے اپنی پہلی آمد میں اس پیشگوئی کو پورا نہیں کیا مگر جب وہ دوبارہ دنیا میں آئے گا تو اُسوقت علاوہ روحانی سلطنت کے وہ ایک زمینی سلطنت بھی قائم کرے گا چنانچہ نبوکدنظر کی خواب کی شرح کرتے ہوئے کرٹیکل کمنٹری (محققانہ تفسیر) کا مسیحی مصنف لکھتا ہے " مورت پر پتھر کے گرنے سے چوتھی (یعنی رومی) سلطنت کی ہلاکت مراد ہے نہ اُس کا آہستہ آہستہ مسیحی مذہب اختیار کرنا۔ اور یہ ہلاکت مسیحیوں کے ذریعہ اُس سلطنت پر وارد نہیں ہو سکتی کیونکہ مسیحیوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ کسی سلطنت کا مقابلہ نہ کریں اس لئے ضروری ہے کہ مسیح خود اپنی دوبارہ آمد کے وقت یہ ہلاکت وارد کرے"۔ اس بیان سے ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ اگر کُل نہیں تو اکثر مسیحیوں کا جو بائبل پر ایمان رکھتے ہیں یہ پختہ ایمان ہے کہ جب دوبارہ مسیح دنیا میں آئے گا تو وہ موجودہ سلاطین اور موجودہ سلطنتوں کو تباہ کر کے اُن کی جگہ اپنی سلطنت قائم کرے گا۔ اس طرح مسیحیوں کے آنیوالے مسیح اور جاہل مسلمانوں کے خونی مہدی میں کوئی بھاری فرق نہیں ہے اور مسیحی صاحبان کو کوئی حق

حاصل نہیں کہ وہ نادان مسلمانوں کے عقیدۂ خونی مہدی پر اعتراض کریں کیونکہ انکا موعوم مسیح بھی وہی کام کرے گا جو خونی مہدی کی طرف منسوب کیئے جاتے ہیں ؛

پھر وہی مصنف صاف الفاظ میں اقرار کرتا ہے کہ "مورت کے پاؤں پر پتھر کا گرنا مسیح کی پہلی آمد کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اُس وقت چوتھی (یعنی رومی) سلطنت ابھی مختلف حصوں میں تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ یعنی مورت کی اُنگلیاں ابھی نمودار نہیں ہوئی تھیں" دیکھو صفحہ ۵۷۴ (۱) اس بیان سے بھی مصنف موصوف کا یہی مطلب ہے کہ مسیح دوبارہ آمد کے وقت زمینی سلطنتوں کو تباہ کر کے اپنی سلطنت قائم کرے گا ؛

دوسرا خواب خود حضرت دانیال علیہ السلام کا ہے اور اسکی تعبیر بھی وہی ہے جو نبوکدنظر کے خواب کی ہے۔ صرف اس میں تفصیل زیادہ ہے۔ اس خواب کی تشریح کرتے ہوئے جو ریمارک کتاب کرٹیکل کمنٹری کا مسیحی مصنف کرتا ہے اُس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ بائبل کے معتقد مسیحیوں کے نزدیک مسیح کی وہ سلطنت جس کو وہ دوبارہ آکر قائم کرے گا ایک زمینی سلطنت ہوگی۔ چنانچہ وہ اپنی تفسیر بائبل کے صفحہ ۵۷۹ (۳) پر لکھتا ہے :-

"مسیح کی موجودہ سلطنت زمینی نہیں ہے (دیکھو یوحنا کی کتاب باب ۱۸ درس ۳۶) ہاں دوبارہ آمد کے وقت اُس کی سلطنت اس دنیا کی ایک ظاہری سلطنت ہو جائے گی چونکہ دانیالؑ کی پیشگوئی کا تعلق صرف زمینی سلطنت سے تھا اس لیئے اُس نے مسیحیت کا ذکر نہیں کیا جب تک کہ وہ ایک زمینی سلطنت نہیں بن گئی یعنی مسیح کی دوبارہ آمد کے وقت۔ خداوند کی سلطنت مسیح کے دوبارہ آنے تک ایک مخفی سلطنت رہے گی۔ رومی سلطنت مسیحیت قبول کرنے سے پہلے بھی ایک دنیاوی سلطنت تھی اور مسیحیت قبول کرنے کے بعد بھی وہ دنیاوی ہی رہی اسی لیئے نئے عہدنامہ کے رُو سے اس زمانہ کی مسیحی سلطنتیں دراصل غیر مسیحی ہی ہیں اور ہم مسیح کو ترک کرنے کے بغیر ان سے محبت نہیں کر سکتے"

پھر وہی مسیحی مفسر صفحہ ۵۸۰ پر لکھتا ہے "وہ تمام طاقتیں جو پہلی چار سلطنتوں کو حاصل تھیں وہ سب کی سب مسیح کی سلطنت کو عطا کی جائیں گی دانیالؑ کے الفاظ "تمام آسمان تلے" (دانیال باب ۷ ورس ۲۷) یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مسیح کی موعودہ سلطنت زمین پر یعنی زمینی ہوگی۔ آسمان پر یا آسمانی نہ ہوگی"۔ ان عبارتوں کے پڑھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیحیوں کے عقیدہ کے رُو سے مسیح جب دوبارہ دنیا میں آئے گا تو وہ زمین پر موجودہ سلطنتوں کو ہلاک کر کے ایک اپنی سلطنت قائم کرے گا؛

ناظرین نے اب معلوم کر لیا ہوگا کہ مسیحی صاحبان بھی ایک ایسے مسیح کے آنیکا عقیدہ رکھتے ہیں جو مسلمانوں کے موہوم مہدی سے اپنے حالات میں مختلف نہیں بلکہ دونوں کے حالات بالکل مشابہ ہیں۔ جیسے بہت سے نادان مسلمان ایک ایسے مہدی کے منتظر ہیں جو دنیا میں آکر ایک سلطنت قائم کرے گا اور اس کے ظہور کے وقت جس قدر غیر مسلموں کی سلطنتیں ہونگی اُن سب کو مٹا دے گا اسی طرح بہت سے مسیحی جو اپنے تئیں بہت دانا اور عالم ظاہر کرتے ہیں ایک ایسے مسیح کی انتظار میں لگے ہوئے ہیں جو آکر دنیا کی کل سلطنتوں کو جڑھ سے اُکھیڑ دے گا اور اپنی سلطنت کُل روئے زمین پر قائم کرے گا؛

یہ حسرت کا مقام ہے کہ لوگ پھر پھر کر وہی پُرانی غلطیوں کو دُہراتے رہتے ہیں اور پہلے لوگوں کی ٹھوکر سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ سب سے پہلی قوم جو اس غلطی میں پڑی وہ یہودیوں کی قوم تھی۔ اُنکو ایک مسیح کا وعدہ دیا گیا تھا اور جب وہ اپنی ظاہری طاقت کھو بیٹھے اور دوسروں کے محکوم ہوگئے تو انہوں نے یہ امید کر کے اپنے دل کو تسلّی دی کہ اُن کا آنیوالا مسیح اُن کو غیر قوموں کے پنجہ سے چھڑائے گا۔ اور داؤدؑ کے تخت کو پھر قائم کرے گا۔ اور جب اُن کا سچّا مسیح مبعوث ہوا تو انہوں نے اس کو صرف اسی لیئے ردّ کر دیا کہ اُس کا ظہور اُنکی اُمیدوں کے موافق نہ تھا۔ اسی طرح جب حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے پیرؤں کو اپنی دوبارہ آمد کی بشارت سنائی تو اس بشارت

کے سمجھنے میں مسیحیوں نے بھی وہی غلطی کھائی جو اُن سے پہلے یہودیوں نے کھائی تھی اور اُن میں اکثر لوگ جو مسیح کی دوبارہ آمد کا انتظار رکھتے ہیں وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں (جیسا کہ میں نے کتاب ملینیل ڈان کے حوالے سے دکھایا ہے) کہ اگرچہ پہلی آمد میں مسیحؑ ظاہری سلطنت کی بنیاد ڈالنے سے قاصر رہے مگر جب وہ بار دوم دنیا میں آئیں گے تو وہ بڑے جاہ وجلال کے ساتھ آئیں گے اور اُسوقت نہ صرف وہ ایک روحانی سلطنت دنیا میں قائم کرینگے بلکہ ظاہری حکومت کی عنان بھی اُنہیں کے ہاتھ میں ہوگی - افسوس کی بات ہے کہ ان مسیحیوں نے یہود سے سبق حاصل نہ کیا اور جو غلطی اُن سے سرزد ہوئی تھی اُسی غلطی کا ارتکاب یہ لوگ کر رہے ہیں - خدائے تعالیٰ فرماتا ہے - لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ہ (سورہ یوسف) یعنی پہلے انبیاءؑ اور اُن کی قوموں کے حالات میں عقلمندوں کے لئے عبرت ہے - مسیحیوں کے لیئے اچھا ہوتا کہ مسیح کی آمد کی دوسری پیشگوئی کے سمجھنے میں یہودیوں کی غلطی سے عبرت پکڑتے جنھوں نے مسیحؑ کو صرف اسی لیئے قبول نہ کیا کہ وہ اُن کے خیال کے مطابق ظاہری جاہ وجلال کے ساتھ نہیں آیا تھا مگر افسوس ہے کہ مسیحیوں نے پھر وہی غلطی کھائی جو اُن سے پہلے یہود نے کھائی تھی - یعنی یہ سمجھ لیا کہ اگرچہ پہلے مسیح کی سلطنت اس عالم کی سلطنت نہ تھی مگر دوسرے مسیح کی سلطنت اسی عالم

مسیحیوں کی دوسری غلطی

آنیوالے مسیح کو ایک زمینی بادشاہ سمجھنا بھی ایک غلطی نہیں جس میں مسیحی صاحبان نے غلط کار یہود کی راہ اختیار کی ہے - یہود نے ایک اور بھاری غلطی کا ارتکاب کیا تھا جس کی وجہ سے وہ سچے مسیح کی شناخت سے محروم رہے اور نہایت افسوس کا مقام ہے کہ اس زمانہ کے مسیحیوں نے پھر وہی غلطی کی اور اُس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے زمانہ کے یہود کی طرح یہ بھی اس زمانہ میں سچے مسیح علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کی پہچان سے بے نصیب رہے - دوسری بھاری غلطی جو یہود

نے کھائی وہ ایلیا نبی کے دوبارہ آنے کے متعلق تھی۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ ایلیا آسمان کی طرف چڑھ گیا ہے اور مسیح کے ظہور سے پہلے وہی ایلیا آسمان سے نازل ہوگا۔ مسیح نے اُن کی اس غلطی کو ظاہر کیا اور فرمایا کہ ایلیا کے نازل ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہی ایلیا آسمان سے اُترے گا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو صفات میں ایلیا سے مشابہت رکھنے والا ہوگا۔ مسیحیوں کو بھی ایک ایسا ہی وعدہ دیا گیا تھا یعنی یہ وعدہ کہ مسیح پھر دنیا میں نازل ہوگا۔ مگر باوجودیکہ اُن کے سامنے ایلیا کے نازل ہونے کی پیشگوئی موجود تھی اور جو تاویل خود مسیح علیہ السلام نے اُس پیشگوئی کی کی اُس کا بھی اُن کو علم تھا اور وہ جانتے تھے کہ ایک شخص کے دوبارہ نازل ہونے سے الٰہی وعدوں میں یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہی شخص دوبارہ دنیا میں اُترتا ہے اُس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ ایک ایسا شخص دنیا میں ظاہر ہوگا جو اُس پہلے شخص سے روحانی مشابہت رکھتا ہوگا مگر باوجود اس علم اور اس تجربہ کے وہ بھی گمان کیئے ہوئے ہیں کہ مسیح آسمان پر چڑھ گیا تھا اور پھر وہی مسیح جو حضرت مریم صدیقہ کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا دوبارہ زمین پر نازل ہوگا اور یہ کہ جب وہ آئیگا تو اُس کی سلطنت صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی اور زمینی بھی ہوگی اگر وہ عقلمند ہوتے تو وہ یہود کے نمونہ سے دو نہایت ہی ضروری سبق حاصل کرتے یعنی اوّل وہ یہود کی طرح یہ گمان نہ کرتے کہ مسیح ظاہری طور پر بادشاہ ہوکر آئے گا اور ایک زمینی سلطنت کل روئے زمین پر قائم کرے گا دوسرے وہ یہود کی طرح یہ نہ سمجھتے کہ مسیح کے نزول ہی دوبارہ اُسی مریم کے بیٹے کا آنا مراد ہے بلکہ اُن کو چاہیئے تھا کہ وہ اس تاویل کو قبول کرتے جو ایک ایسی ہی پیشگوئی کی مسیح نے کی یہود اِن دو غلطیوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے مگر افسوس کہ مسیحی لوگوں نے بھی اُسی ہلاکت کی راہ پر قدم مارا بلکہ یہود کی نسبت مسیحیوں کی حالت زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اگر یہود نے غلطی کھائی تو وہ ایک حد تک اپنے آپ کو معذور بھی خیال کر سکتے تھے کیونکہ اُن کے پاس

پہلے کوئی ایسا نمونہ موجود نہیں تھا جس سے وہ ہدایت حاصل کرتے مگر مسیحیوں
کے پاس تو یہود کا نمونہ موجود ہے جنہوں نے یہی راہ اختیار کر کے اپنے تئیں
ہلاک کر لیا مگر پھر بھی مسیحی صاحبان نے اس نمونہ سے عبرت حاصل نہیں کی
اور جب خدائے تعالیٰ نے اپنے قدیم وعدوں کے مطابق اپنے برگزیدہ بندے
مسیح موعودؑ کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے اُس کے مقابل میں وہی راہ اختیار کی
جو پہلے مسیح کے مقابل میں یہود نے اختیار کی۔ ان دونوں غلطیوں نے انکو اندھا
اور بہرا کر دیا۔ انہوں نے احمد علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کی آواز کو نہ سنا جو
مسیح کی صفات کے ساتھ پیشگوئی کے مطابق ظاہر ہوا اور انہوں نے اُن زبردست
نشانات پر غور کرنے سے انکار کیا جن کے ذریعہ سے خدائے تعالیٰ نے اُس کی صداقت

مسیح موعود کا ایک نشان

یہ نشان اس قدر کثرت سے احمد علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کی
زندگی میں ظاہر ہوئے کہ اُن کا شمار بھی دشوار ہے اور آپ کی وفات کے بعد بھی
خدائے تعالیٰ نے بڑے بڑے زبردست نشانوں کے ساتھ آپ کی تصدیق کی
اور یہ نشان ایسے نہیں کہ کسی ایک ملک یا ایک قوم میں محدود ہوں بلکہ جیسا
آپ کا مشن عالمگیر تھا ایسا ہی آپکے نشان عالمگیر ہیں اور زمین کا کوئی حصہ ایسا
نہیں کہ وہاں کے لوگ حضرت مسیح موعود علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے نشانوں
کے گواہ نہ ہوں اور بعض نشان آپکے ایسے عظیم الشان ہیں کہ کل دنیا اُن کی گواہ ہے۔
مثلاً گذشتہ دسمبر میں جو خدائے تعالیٰ نے بمقام دہلی میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک نشان
دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ جارج پنجم کے ہاتھ سے پورا کرایا دنیا کا کونسا ملک ہے جو
اس نشان کا گواہ نہیں کیونکہ یہ نشان ایسے حالات کے ماتحت پورا ہوا کہ اُسکی دھوم
کُل دنیا میں مچ گئی۔ برٹش گورنمنٹ نے آج سے قریباً ۶ سال پہلے بنگال کے
دو حصے کر دیئے۔ جس پر بنگالیوں نے شور مچایا مگر کسی نے اُن کی بات کو نہ مانا۔
اُنہوں نے بہت زور لگایا کہ یہ تقسیم منسوخ کر دیجائے اور جس طرح پہلے بنگال ایک ہی
صوبہ تھا ایسا ہی وہ پھر ایک صوبہ کر دیا جاوے۔ مگر اُن کو صاف جواب دیا گیا کہ تمہاری

یہ درخواست ہرگز قابل پذیرائی نہیں۔ پارلیمنٹ میں ایک بار نہیں بلکہ بار بار کھلے لفظوں میں ذمہ وار وزراء نے کہہ دیا کہ یہ ایک فیصلہ شدہ امر ہے جس میں اب کسی قسم کی ترمیم یا تنسیخ نہیں ہو سکتی۔ لارڈ کرزن کے بعد لارڈ منٹو آیا۔ اس نے بھی بنگالیوں کو یہی سنایا کہ خواہ کچھ ہو تقسیم بنگال بحال رہے گی۔ اسمیں کوئی تغیر تبدل نہ ہوگا۔ غرض ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی نظر آتی تھی اور کوئی عقلمند اُسوقت یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ایک ایسا امر جس کو گورنمنٹ باوجود بنگالیوں کے شور مچانے کے کر گذری ہے اُس امر کو گورنمنٹ پھر واپس لے لے گی۔ جب بار بار خود پارلیمنٹ میں برملا کھلے الفاظ میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ یہ ایک ایسا فیصلہ ہے جو منسوخ نہیں ہو سکتا اور یہ بنگالیوں کی ایک ایسی درخواست ہے جسکو کسی طرح بھی گورنمنٹ منظور نہیں کر سکتی تو کس طرح کوئی شخص امید کر سکتا تھا کہ خدا ایک ایسا دن لائے گا جبکہ بنگالیوں کی مراد پوری ہو گی اور جس چیز کو وہ مانگتے ہیں اور جس کو دینے سے گورنمنٹ بار بار انکار کر چکی ہے وہ چیز بنگالی قوم کو حاصل ہو جائے گی۔ ایسے حالات میں آسمانی گورنمنٹ کی طرف سے زمین کے روحانی بادشاہ حضرت مسیح موعودؑ کی طرف ایک سرکاری پروانہ بھیجا گیا اور اُس میں حضرت خلیفۃ اللہ علی الارض کو کہا گیا کہ ہمارا یہ حکم کل دنیا کو سنا دو کہ پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب اُن کی دلجوئی ہو گی۔ یہ الٰہی حکم ۱۱۔ فروری ۱۹۰۶ء کو جاری ہوا مگر ظاہر میں کوئی صورت اس کے پورا ہونے کی نظر نہیں آتی تھی۔ ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی نظر آتی تھی۔ گورنمنٹ اس بات پر تُلی ہوئی تھی کہ تقسیم بنگالہ کو بحال رکھا جائے گا خواہ کچھ ہی ہو کیونکہ یہ فیصلہ نہایت سوچ بچار کے بعد کیا گیا تھا اور باوجود بنگالیوں کی مخالفت کے اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنایا گیا اس لیئے صرف لوگوں کی ناجائز ایجی ٹیشن کی وجہ سے اس تجویز کو منسوخ کرنا گورنمنٹ اپنے سلطانی اصول کے برخلاف سمجھتی تھی اور اُس کے نزدیک تقسیم بنگالہ میں کسی قسم کی تبدیلی کرنا اپنے شاہانہ رعب کو کم کرنا تھا اسی لیئے

بار بار وزراء نے پارلیمنٹ کی پلیٹ فارم پر اور وائیسراؤں نے اپنی وائیسرائی مسند پر کھڑا ہو کر نہ صرف بنگالیوں کو بلکہ کل دنیا کو یہ سنا دیا تھا کہ ہمارا یہ فیصلہ ایک قطعی فیصلہ ہے جس میں کسی قسم کی تبدیلی کی اُمید کرنا ایک خام خیال ہے اور بنگالیوں کو کہا گیا کہ سن رکھو اور یاد رکھو کہ یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ ان بار بار کے انکاروں نے اور بھی بنگالیوں کی کامیابی کو ناممکن کر دیا تھا کیونکہ کوئی شخص یہ گمان نہیں کر سکتا تھا کہ جس امر کے بارے میں گورنمنٹ اور اُس کے عالیجاہ افسر اس قدر زور اور تکرار کے ساتھ صاف اور مضبوط لفظوں میں انکار کر چکے ہیں اُس کو پھر وہی گورنمنٹ جلدی ہی تبدیل کر دیگی۔ اس بار بار کے انکار کے اعلانوں نے خود بنگالیوں کو نااُمید کر دیا اور وہ اس سے مایوس ہو گئے کہ گورنمنٹ تقسیم بنگالہ میں کوئی ایسی اصلاح کرے گی جس سے اُن کی دلجوئی ہو۔ مگر خدائے تعالیٰ کی حکومت کُل زمینی حکومتوں سے زبردست ہے۔ دنیا کی کُل حکومتیں اُس کی چاکر اور غلام ہیں۔ اب جب کہ مایوسی پرلے درجہ تک پہنچ چکی اور کسی سینہ میں رائی بھر بھی اُمید باقی نہ رہی اُس وقت خدائے تعالیٰ نے اپنی بات کے پورا کرنے کے خود ہی سامان پیدا کرنے شروع کیے۔ جب تقسیم بنگالہ وقوع میں آئی تھی اُسوقت ہمارا قیصر ایڈورڈ ہفتم ہم پر حکمران تھا۔ اور ہم اُمید رکھتے تھے کہ خدائے تعالیٰ اُن کے دنوں کو لمبا کرے گا مگر قضاؤ قدر نے ہمیں اُنکے سایۂ میں زیادہ دیر تک رہنے کا موقعہ نہ بخشا اور وہ اس جہان سے رحلت فرما گئے اُنکی وفات کے بعد اُن کا بیٹا جارج پنجم تخت پر بیٹھا۔ اور اُنکے دل میں خدا کے فرشتوں نے یہ تحریک پیدا کی کہ میں ملک ہند کے قدیمی پایۂ تخت دہلی میں اپنی تاجپوشی کا جشن مناؤں۔ یہ بالکل ایک نئی تحریک تھی اور دنیا کی تاریخ میں سراسر یہ ایک نرالا واقعہ تھا جسکی نظیر تاریخ کے صفحوں میں نہیں ملتی۔ اُس نے اپنے وزراء کو حکم دیا کہ تم میری تاجپوشی کا انتظام دہلی میں کرو میں بذات خود ہندوستان کی رعایا کے درمیان اپنی تخت نشینی کی رسم ادا کرنا چاہتا ہوں کس کی طاقت

تھی کہ ملک معظم کی اس تجویز سے اختلاف کرے۔ بلا چون وچرا آپ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کیا گیا اور فوراً ایک عالیشان دربار کے۔ لیئے دہلی میں تیاریاں شروع ہوئیں اس سے پہلے وزارت بھی بدل چکی تھی اور وہ وائیسرائے بھی ہندوستان سے رخصت ہو چکے تھے جنہوں نے تقسیم بنگالہ کے متعلق یہ عزم بالجزم ظاہر کیا تھا کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا تنسیخ نہیں کی جائے گی۔ ایک نیا وائیسرائے ہندوستان میں تشریف آور ہوا اور ولایت میں ایک نئے وزیر ہند نے عنان انتظام اپنے ہاتھ میں لی۔ لیکن اگر کوئی خاص موقعہ پیدا نہ ہوتا اور کوئی غیر معمولی تقریب پیش نہ آتی تو یہ نیا وائیسرائے اور یہ نیا وزیر ہند ہرگز کبھی گورنمنٹ کے پہلے فیصلہ کو برطرف کرنے کا خیال بھی نہ کرتے کیونکہ ایسا کرنا مصلحت ملکی کے سخت برخلاف تھا۔ جب پہلے گورنمنٹ بار بار یہ کہہ چکی تھی کہ یہ فیصلہ قطعی ہے تو پھر کس طرح ممکن تھا کہ کوئی بعد کا وائیسرائے یا وزیر ہند گورنمنٹ کے قطعی اور فیصلہ کن اعلانوں کے برخلاف کوئی کارروائی کرتا۔ کیونکہ ایسا کرنا گورنمنٹ کے اصول کے سخت برخلاف ہے۔ لیکن اگر دنیا کی نظر میں ایک گورنمنٹ کا ایسا فیصلہ جس کو وہ بار بار آخری فیصلہ اور قطعی فیصلہ کہہ چکی ہو اٹل ہے تو احکم الحاکمین کا حکم اُس سے بھی زیادہ اٹل ہے۔ اس لیئے اُس احکم الحاکمین نے زمینی گورنمنٹ کے فیصلہ کو ایسے عجیب طریق سے بدل دیا کہ دنیا دیکھ کر ششدر رہ گئی اُس خدا نے ملک معظم کو جو اُس کا ایک ادنیٰ چاکر اور غلام ہے پہلے دستور کے برخلاف ہندوستان میں بھیجا اور اُس نے دہلی کو جو بڑے بڑے جلیل القدر سلاطین کا تاریخی پایۂ تخت رہ چکا ہے اپنے شاہی دربار کے لیئے پسند کیا۔ اب ہندوستان کا نیا وائیسرائے اس فکر میں پڑ گیا کہ کوئی ایسی تجویز سوچی جائے جس سے ملک معظم کا قدوم میمنت لزوم صفحہ دنیا پر ہمیشہ کے لیئے یادگار رہے۔ جب وہ اس سوچ بچار میں مصروف تھا تو خدائے تعالیٰ نے اُس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ آؤ جس شہر میں حضور قیصر ہند تخت نشینی کا شاہی جشن منائیں گے اُسی شہر کو ہندوستان کا مستقل تخت گاہ قرار دیا جاوے اِس طرح جب تک

شہر دہلی کشور ہند کا دار السلطنت رہے گا اُس کا وجود ملک معظم قیصر ہند کی ہندوستان
میں تشریف آوری کا ہمیشہ کے لیئے یادگار رہے گا۔ اس تجویز کو وزیر ہند نے بھی
بہت پسند فرمایا مگر اس کے عملدرآمد میں ایک دِقّت بھی تھی۔ ملک معظم کی تشریف آوری
ایک عام خوشی کا موقعہ تھا اس لیئے مناسب نہ تھا کہ اس مبارک موقعہ پر کوئی
ایسی تجویز عمل میں لائی جائے جس سے ملک معظم کی رعایا کا کوئی حصّہ ناراض ہو۔
لیکن دہلی کو پایۂ تخت قرار دینا ایک ایسی تجویز تھی جس سے اگرچہ ہندوستان کے
اکثر باشندے ضرور خوش ہوتے مگر یہ خوف تھا کہ بنگالی لوگ اسپر ناراض ہونگے
کیونکہ ہندوستان کا پہلا پایۂ تخت کلکتہ تھا۔ اور بجائے کلکتہ کے دہلی کو پایۂ تخت
قرار دینا بنگالیوں کے لیئے نقصان کا موجب متصوّر ہو سکتا تھا۔ اسکے تدارک
کے لیئے یہ سوچا گیا کہ بنگالیوں کو جو پرانی رنجش تقسیم بنگالہ کے بارہ میں ہے
اُس کے متعلق اب اُن کی دلجوئی کیجائے۔ اسطرح جب وہ اپنی مراد کو حاصل کرلیں گے
تو اُنکو جو خوشی حاصل ہوگی اُس کی وجہ سے وہ اس رنج کو محسوس نہیں کرینگے جو کلکتہ
کے دار الخلافہ نہ رہنے کی وجہ سے انکو ہونے کا احتمال تھا۔ مگر پہلی تقسیم کو قطعاً منسوخ
کردینا بھی کسی صورت میں مناسب نہ تھا کیونکہ اُس کے متعلق گورنمنٹ بار بار یہ اعلان کرچکی
تھی کہ یہ ایک قطعی اور آخری فیصلہ ہے جو بدل نہیں سکتا۔ اس لیئے ایک ایسی راہ اختیار
کی گئی کہ بنگالیوں کی دلجوئی بھی ہوجائے اور تقسیم بھی قطعی طور پر منسوخ نہ ہو اسکے لیئے
حضور وائیسرائے لارڈ ہارڈنگ بالقابہ کی ذہن رسا نے ایک ایسی نئی تقسیم تجویز کی
جو اُن کو ملکی طور پر بھی بہت مناسب معلوم ہوئی اور اُس سے بنگالیوں کی بھی دلجوئی
ہوجاتی تھی۔ وہ تجویز یہ تھی کہ خاص بنگال کے تو دونوں حصوں کو ملا کر ایک صوبہ کر دیا گیا مگر مشرقی بنگال سے
آسام کو الگ کر کے ایک چیف کمشنری بنا دیا گیا اور بہار۔ چھوٹا ناگپور اور اوڑیسہ کا ایک الگ
صوبہ بنا کر اُسکے لیئے ایک الگ لفٹننٹ گورنر تجویز کیا گیا۔ اسطرح بنگالہ کی ایک نئی تقسیم کردی
گئی مگر وہ تقسیم ایسے طریق سے کی گئی کہ خاص بنگالیوں کے علاقہ کو ملا دیا گیا اور بعض دوسرے
صوبوں کو بنگالہ سے جدا کر دیا گیا۔ پھر اس سے بڑھکر بنگالیوں کی دلجوئی کے لیئے یہ تجویز

کی گئی کہ صوبہ بنگال کو بجائے ایک لفٹنٹی کے گورنری بنا دیا گیا یعنی پہلے وہ صوبہ ایک لفٹنٹ گورنر کے ماتحت تھا۔ اب وہاں ایک گورنر کا رکھا جانا تجویز کیا گیا اسطرح اُس صوبہ کی حیثیت کو بہت بڑھا دیا گیا۔ غرض جہانتک حالات وقتی کے ماتحت ممکن تھا بنگالیوں کی دلجوئی کی کوشش کی گئی۔ جب اس تجویز کو مرتب کرکے اور دلائل کے ساتھ مبرہن کرکے حضور وائیسرائے ہندنے وزیر ہند کے پاس بھیجا تو وزیر ہند نے اس تجویز کو منظور کیا۔ مگر یہ احتیاط کیگئی کہ اسکو پورے طور پر مخفی رکھا جائے اُسوقت تک کہ خود ملک معظم اپنی زبان جوہر فشاں سے اپنے دہلی کے قیصری تخت پر سے اس کا اعلان فرماوے۔ اس کے اخفاء میں ایک مصلحت تو یہ تھی کہ سب سے پہلے اس کا اعلان خود ملک معظم کی ہی طرف سے ہو تا اُسکا اثر لوگوں کے دلوں پر پڑے اور اس چونکا دینے والی خبر کا بادشاہ عالیجاہ کی زبان درفشان سے نکلنا شاہی جلسہ کی عظمت کو دوبالا کردے دوسرا فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں یہ بھی مدنظر رکھا گیا تھا کہ اگر اس تجویز کی خبر حضور وائیسرائے۔ وزیر ہند اور اُن کے خاص مشیروں کے علاوہ بیرونی دنیا تک پہنچائی گئی تو خطرہ تھا بلکہ یقین تھا کہ اس کے برخلاف مدبران ملک اور پارلیمنٹ کے ممبروں کی طرف سے اسقدر سخت مخالفت ہوگی اور اسقدر اعتراضات کی بوچھاڑ برسے گی کہ یہ تجویز کامیاب نہ ہوسکے گی۔ اس لیئے اس تجویز کو نہایت احتیاط کے ساتھ چھپایا گیا اور اُس لمحہ تک جبکہ خود شاہ انگلستان نے اپنے دربار کے خاتمہ پر اپنے تخت شاہی سے اس کا اعلان نہ کیا کسی کو اس کی خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ جو بڑے بڑے امراء۔ وزراء۔ رؤسا۔ وغیرہم خود دربار میں موجود تھے اُن کو بھی اس آنیوالے اعلان کی ذرا بھر خبر نہ تھی۔ ہندوستان میں جس قدر گورنر۔ لفٹنٹ گورنر چیف کمشنر اور دیگر بڑے بڑے عالیشان حکام ہیں وہ سب اس خبر سے بے خبر تھے۔ ولایت میں سوائے وزیر ہند کے چند مشیروں کے باقی سب لوگ اس خبر کے متعلق بالکل تاریکی میں تھے۔ پارلیمنٹ کے ممبروں تک کسی کو اس تجویز کی خبر نہ تھی۔ کُل دنیا اس سے بالکل ناواقف تھی۔ سُنا ہے کہ شاہی کیمپ دہلی میں دربار کے دن صرف اتنا پتہ چلا تھا کہ آج ایک عظیم الشان امر واقعہ ہونیوالا ہے مگر یہ کہ وہ عظیم الشان امر کیا ہے اس کی کسی کو خبر نہ تھی۔ آخر جب دربار کا وقت آیا اور

ایک دنیا بادشاہ کے تخت کے سامنے جمع ہوئی اور ایک ایسا مجمع اکٹھا ہوا کہ ہند کی سرزمین میں ایسا مجمع پہلے اُمید نہیں کہ کبھی ہُوا ہو۔ اور شاہی اعلان سنائے گئے اور تمام رسومات بڑے جاہ وحشم کے ساتھ ادا ہوئیں اور جو انعامات اس موقعہ کے لیئے تجویز کیئے گئے وہ حضور وائسرائے نے شاہی تخت کے آگے کھڑے ہو کر قیصر ہند کے حکم سے اُس عالیشان مجمع کے سامنے پڑھکر سُنائے۔ ان سب رسومات کے بعد جب جلسہ کے اختتام کا وقت آیا اُسوقت کنگ جارج دی ففتھ۔ ایمپرر آف انڈیا بذات نفیس خود اپنے قیصری تخت کے سامنے کھڑا ہوا اور اُس وقت اُس نے اُن نوابوں راجاؤں گورنروں۔ جرنیلوں۔ کرنیلوں۔ فوجی سپہ سالاروں۔ وزیروں۔ امیروں کے اُس بے نظیر مجمع کے سامنے اپنی مبارک زبان سے ایک اعلان کیا۔ وہ اعلان کیا تھا وہ وہی اعلان تھا جو اس دربار سے ٹھیک پانچ سال دس ماہ قبل خدا کے خلیفہ؏ نے اپنے دار الخلافت قادیان دارالامان سے شائع کیا تھا کہ پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب اُن کی دلجوئی ہوگی۔ پہلے سب اعلان اسکی طرف سے اُس کے نائب السلطنت نے کیئے مگر جب اس اعلان کی باری آئی جس کے لیئے زمین و آسمان کے بادشاہ نے یہ سارا سامان کیا تھا اور جس کے لیئے خود ملک معظم کو حقیقی شہنشاہ نے ہندوستان کی طرف سفر اختیار کرنے کا حکم دیا تھا جب اس اعلان کی باری آئی تو ملک معظم نے پسند نہ کیا کہ اس الٰہی پیغام کو وہ کسی دوسرے شخص کے ذریعہ اپنی ہند کی رعایا کو پہنچائے۔ اس لیئے شاہ انگلستان قیصر ہندوستان نے اس اعلان کو خود اپنی زبان سے ادا کیا اور حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاءؑ کے نشان کو اپنے ہاتھ سے پورا کیا۔ خدائے تعالیٰ نے یہ اس لیئے کیا تا کہ اُس کے نشان کی عزت ہو اور اُس کے صادق مسیح کی شان دنیا پر ظاہر ہو۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے خلیفہ کا اسقدر اکرام کیا کہ اُس کے مُنہ کی بات کو ایک ایسے عظیم الشان انسان کے ہاتھ سے پورا کیا جو آج دنیا میں سب سے بڑا بادشاہ ہے جس کی سلطنت اسقدر وسیع ہے کہ اسپر سورج کبھی غروب نہیں ہوتا اور جیسا کہ اُس کی سلطنت دنیا کے کُل حصوں پر

پھیلی ہوئی ہے اسی طرح اُس کا اعلان جو اُس نے دہلی کے پایۂ تخت سے بے نظیر شان و شوکت کے جلوس کے موقعہ پر کیا اور جو خدا کے مسیحؑ کے نشان کو پورا کرنے والا اعلان تھا دنیا کے کُل گوشوں پر سچ مُچ برقی تیزی کے ساتھ پھیل گیا۔ ملک معظّم نے اپنی تخت سے جس چونکا دینے والی خبر کا اعلان فرمایا وہ یہ تھی کہ آج سے مَیں اپنے وزراء کے مشورہ کے بعد اس شہر کو جہاں مَیں اس وقت کھڑا ہوں بجائے کلکتہ کے ہندوستان کا پایۂ تخت مقرر کرتا ہوں اور اسی کے ضمن میں یہ تبدیلی کیجاتی ہے کہ مشرقی و مغربی بنگال آیندہ کیلئے ایک ہی صوبہ ہوگا جس پر بجائے لفٹننٹ گورنر کے گورنر حکومت کرے گا۔ آسام ایک علیحدہ صوبہ ایک چیف کمشنر کے ماتحت ہوگا اور بہار۔ اوڑیسہ۔ چھوٹا ناگپور ایک جدا صوبہ ایک لفٹننٹ گورنر کے ماتحت ہوگا" چونکہ کسی کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ تقسیم بنگالہ کے متعلق جو پہلے حکم جاری کیا گیا تھا اس میں کوئی تبدیلی کیجاوے گی کیونکہ گورنمنٹ نے پہلے ہردو وائیسرائے یکے بعد دیگرے اور وزیر ہند بار بار اس بات سے انکار کر چکے تھے کہ اس فیصلہ میں کوئی تبدیلی کی جاوے اور اس فیصلہ کو قطعی الفاظ میں آخری فیصلہ کہہ چکے تھے۔ اس لیئے جب اس مجمع نے اس حیرت انگیز خبر کو سُنا تو وہ ششدر رہ گئے اور گورنمنٹ کے بڑے بڑے عہدہ دار جن کو اس آنیوالی تبدیلی کی ہوا بھی نہیں پہنچی تھی وہ حیرت کے گرداب میں غرق ہوگئے اور جب بادشاہ کا یہ اعلان اُسی تاریخ کو پارلیمنٹ میں سنایا گیا تو سب ممبروں پر ایک سنّاٹے کا عالم چھا گیا اُن کی اُسوقت کی حالت کا پورا پورا نقشہ کھینچنا میرے قلم کی طاقت سے بالاتر ہے۔ ایک طرف تو اُن کی طبیعت میں ایک اُبال اُٹھتا تھا کہ یہ کیا غضب ہوا۔ جس فیصلہ کو گورنمنٹ بار بار آخری اور قطعی فیصلہ کہہ چکی تھی اُسپر ایک دم میں پانی پھیر دیا گیا۔ اور جو کارروائی گورنمنٹ نے بڑے عزم اور بڑے استقلال کے ساتھ کی تھی اور جسپر وہ ابتک ایسے زور سے قائم تھی اُس کو ایک ہی آن میں نابود کر دیا گیا۔ دوسری طرف ایک زبردست طاقت تھی جو انکو زبان کھولنے سے روکتی تھی۔ یہ کلمے اگر کسی وائیسرائے یا کسی وزیر کے مُنہ سے نکلے ہوتے تو وہ اُنکو یک قلم فوراً منسوخ کر کے پہلے حکم کو قائم رکھتے مگر وہ کسی معمولی انسان کی زبان نہ تھی

جس سے یہ کلمات نکلے تھے وہ انگلستان کے بادشاہ اور ہندوستان کے قیصر کی زبان تھی جس نے یہ تہلکہ ڈالنے والے الفاظ بولے تھے اور شاہی عزت اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ اس کے اعلان کے مقابل میں مخالفت کی آواز اٹھائی جائے۔ مگر پھر بھی طبیعتوں میں اس قدر جوش تھا اور سینوں میں اس قدر ولولہ تھا کہ بادشاہی عزت کا پاس اور ادب بھی اُن کو زبان کھولنے سے روک نہ سکا۔ بعض نے تو غضب میں آکر کہا کہ ایسی اندھا دھند کارروائی روس میں بھی نہیں ہوسکتی لارڈ کرزن بھی اُس وقت پارلیمنٹ میں موجود تھا اُس کی زبان بھی اُس وقت بجلی کی طرح چمکی۔ لارڈ منٹو بھی موجود تھا اُس نے بھی سخت وار کیا مگر کیا ہوسکتا تھا۔ بعض ممبروں نے اُس وقت اُٹھکر کہا کہ یہ بات اب بادشاہ کے مُنہ سے نکل چکی ہے۔ اس لیئے وہ اب واپس نہیں ہوسکتی۔ پارلیمنٹ کے ممبروں نے اعتراض کیا کہ یہ سب کارروائی سلطنت برطانیہ کے قانون کے بالکل برخلاف ہے۔ ہمارے مسلّمہ قوانین اور قدیمی رواج کو پاؤں کے تلے روندا گیا ہے اور حضور وائسرائے اور وزیر ہند نے ایک باریک حکمت عملی سے کام لیکر ایک خلاف ضابطہ کارروائی کی ہے اور بادشاہ کی ذات کے پیچھے پناہ لے کر اپنے تئیں مخالفوں کے حملوں سے بچا لیا ہے۔ آخر یہ کہکر ممبروں کی زبانوں کو روکا گیا کہ حضور قیصر ہند ابھی ہندوستان میں تشریف رکھتے ہیں اس لیئے مصلحت ملکی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ایک ایسی بات پر جرح کیجاوے جو اُن کے مُنہ سے نکلی ہے۔ ہندوستان میں عوام الناس سلطنت برطانیہ کے قواعد سے آگاہ نہیں۔ چونکہ انگلستان کے لوگ قوانین ملکی سے پوری پوری واقفیت رکھتے ہیں اس لیئے وہ جانتے ہیں کہ ایسے اعلان اگرچہ بظاہر بادشاہ کی طرف سے ہوتے ہیں مگر در اصل ان اعلانوں کے ذمہ وار اُس کے وزراء ہوتے ہیں اس لیئے اُس ملک میں آزادی سے ایسے اعلانوں پر جرح ہوتی ہے اور اس میں کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہیں ہوتا کہ ایسا کرنے میں بادشاہ سلامت کی کوئی ہتک ہے۔ بلکہ یہ ایک معمولی سی بات سمجھی جاتی ہے اور ہر ایک شخص جانتا ہے کہ ایسی جرح بادشاہ پر نہیں بلکہ اُس کے وزراء پر ہے جو ایسے اعلانوں کے ذمہ وار ہیں۔ مگر ہندوستان کے حالات مختلف

ہیں۔ اس ملک کے عام لوگ ایسی باتوں کو نہیں سمجھتے۔ اُن کے خیالات بادشاہ کے متعلق پُرانے قسم کے ہیں اور بادشاہ کی ذات اُن کی نظر میں ایک خاص عزت اور منزلت رکھتی ہے۔ اگر پارلیمنٹ بادشاہ کے اعلان پر خصوصاً اُس اعلان پر جو اُنہوں نے تخت نشینی کے موقعہ پر اپنی رعایائے ملک ہند کو سنایا سخت نکتہ چینی کرتی تو ہند کی رعایا جو ایسی باتوں کی عادی نہیں اس میں بادشاہ کی ہتک سمجھتی۔ اگرچہ بادشاہ سلامت کے اعلان میں کمال عقلمندی اور دُور اندیشی سے وزراء کے مشورہ کا ذکر کر کے اس امر کو نہایت لطافت کے ساتھ ظاہر کر دیا گیا تھا کہ اس اعلان کے ذمہ وار در اصل وزراء ہیں مگر ہندوستان کی عام پبلک ایسے اشاروں کے سمجھنے کا مادہ نہیں رکھتی۔ اور اگر حضور ملک معظّم کے اعلان پر پارلیمنٹ میں سخت حملے ہوتے خصوصاً ایسے وقت میں جب ہندوستان کی وہم پرست قومیں اُن کے تخت کی پوجا کر رہی تھیں اور اُنکے قدموں کی گرد کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا اپنے لئے فخر سمجھتی تھیں تو ضرور ایسے حملوں کا اثر ہندوستان کی ناخواندہ پبلک پر اچھا نہ ہوتا۔ اس لئے اُسوقت تو اس اعلان پر زیادہ لے دے کرنا مناسب نہ سمجھا گیا اور اس بحث کو ملتوی کیا گیا۔ مگر جو لوگ قوانین سلطنت برطانیہ سے آگاہی رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جن بعض بڑے بڑے امور کا اعلان شاہی میں ذکر تھا اُنکو عملی جامہ پہنانے کے لئے یہ امر لازمی تھا کہ اُس کے لئے پارلیمنٹ کی حسب ضابطہ منظوری حاصل کیجاتی۔ اس لئے ضروری تھا کہ یہ امور باقاعدہ طور پر پارلیمنٹ میں پیش ہو کر پاس ہوں۔ اس لئے جب یہ امور پارلیمنٹ میں باقاعدہ منظوری کیلئے پیش کئے گئے تو ان کو ملک معظم کے اکرام اور اعزاز کی خاطر پاس تو کر دیا گیا مگر پاس کرتے ہوئے اس امر کو کھلے الفاظ میں ظاہر کر دیا گیا کہ یہ سب کارروائی سخت خلاف ضابطہ ہے مگر ایسے طریق سے اسکی منظوری حاصل کیجاتی ہے کہ اگر ہم اسکو ناپسند بھی کریں پھر بھی ہمیں چار و ناچار اس بل کو پاس ہی کرنا پڑے گا کیونکہ یہ وہ باتیں ہیں جو بادشاہ سلامت کے مُنہ سے پہلے نکلوالی گئیں ہیں اور بعد میں ہمارے سامنے منظوری کے لئے پیش کیجاتی ہیں۔ اب یہ ایسی صورت ہے کہ ہم مجبور ہیں کہ اِس بل کو پاس کریں۔ ایک طرف ہماری زبانوں کو بند کر دیا

گیا ہے دوسری طرف ہم سے منظوری کی درخواست کیجاتی ہے یہ عجیب پیچ ہے جس میں ہم ڈالے گئے ہیں اسلیئے ہم اس بل کو پاس تو کر دیتے ہیں مگر ساتھ ہی ہم اپنی نارضامندی کا اظہار بھی نہایت ہی پُر زور الفاظ میں کرتے ہیں تا یہ امر بطور یادگار کے آنیوالی نسلوں میں محفوظ رہے کہ ہمارے نزدیک سخت بے ضابطگی سے کام لیا گیا ہے اور یہ کہ بل کو صرف بادشاہ مکرم کی تکریم و تعظیم کی خاطر پاس کیا گیا ہے۔ اس بل کی مخالفت میں جو جو تقریریں کی گئیں اُن میں لارڈ کرزن کی تقریر آئندہ نسلوں میں بطور یادگار کے قائم رہنے والی ہے۔ لارڈ کرزن فن تقریر میں آج ایک عالمگیر شہرت رکھتا ہے مگر خود اُس کی اپنی تقریروں میں کوئی ایسی تقریر نہیں ملے گی جو اُس کی اُس تقریر کے ہم پلّہ ہو جو اس نے دہلی دربار کے عظیم الشان واقعہ کی مخالفت میں کی۔ اور جو جواب اس تقریر کا وزیر ہند کی طرف سے دیا گیا وہ اس کے مقابل میں بالکل ناقابل اطمینان تھا۔ مگر باوجود ان مخالفتوں کے جو کام ہونیوالا تھا وہ ہو گیا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔

میں نے یہ ساری تفصیل اس لیئے کی ہے تا ناظرین کو معلوم ہو کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی بات کو کس طرح پورا کیا پہلے اس معاملہ کو کامل مایوسی تک پہنچا دیا یہانتک کہ کوئی ایسا سینہ باقی نہ تھا جس میں یہ اُمید باقی رہی ہو کہ بنگالیوں کی مراد پوری ہوگی+ خدائے تعالیٰ نے مایوسی اور نا اُمیدی کو اس لیئے بڑھا دیا تا کہ اُسکا نشان اور بھی چمکے۔ اگر امید باقی رہتی تو یہ نشان ایسا عظیم الشان نہ ٹھہرتا۔ پھر پورا بھی اُس کو عجیب طریق سے کیا۔ اور ایسے اسباب پیدا کیئے جن کا کسی کو خواب و خیال بھی نہ تھا۔ کیا کسی بنگالی یا غیر بنگالی کے سر میں یہ خیال کبھی گذرا تھا کہ خدا خود بادشاہ کو ہندوستان میں بھیجکر اُس کے مُنہ سے یہ جان فزا خبر اُنکو سنائے گا۔ بلکہ خود بابو سریندرا ناتھ بینرجی کو بھی جس کو ہر وقت تقسیم بنگالہ کے ہی خواب آتے رہتے تھے کبھی یہ خیال نہ گذرا ہوگا۔ کہ خود شاہ انگلستان قیصر ہندوستان اپنی دار السلطنت لنڈن سے آکر اُس کو بذات خود یہ بشارت سنائیگا کہ تیری خواہش پوری ہوئی اور تیری مراد بر آئی۔ غرض خدائے تعالیٰ نے اپنے اُس کلام کو پورا کرنے کے لیئے جو اُس نے اپنے خلیفہ علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا تھا ایسے اسباب پیدا کیئے جو انسانی اُمیدوں سے بالاتر اور بالکل وہم و گمان سے برتر تھے۔ ظاہری حالات ہر طرف سے یاس کا فتویٰ دیتے تھے

+ دربار سے صرف چند روز ہی پہلے پاؤنیر نے اس خیال کی مخالفت کرتے ہوئے کہ شاید دربار کے موقعہ پر تقسیم بنگالہ کی تنسیخ یا ترمیم ہو جائے لکھا کہ یہ ایک بیہودہ خیال ہے۔ بادشاہ کو قانون کے رو سے یہ اختیار ہی حاصل نہیں

اور کوئی ایسی صورت انسانی دماغ تجویز نہیں کرسکتا تھا جس سے گورنمنٹ دونوں بنگالوں کو پھر ملاکر بنگالیوں کے دلوں کو خوش کرے۔ مگر غیب سے۔ ہاں بالکل غیب سے خدائے تعالیٰ نے اُمید کا ایک دریچہ کھولا اور ایک ایسی سمت سے کامیابی کی خوشخبری لانے والی نسیم چلائی جس طرف کسی متنفس کا وہم خواب میں بھی نہیں گیا تھا۔ یہ کیسی پوشیدہ بات تھی اور انسانی آنکھوں میں کیسی اَنہونی جسکو خدا کے برگزیدہ مسیح موعودؑ نے آسمان سے خبر پاکر پانچ سال قبل شائع کیا پھر دیکھو کیسی حیرت انگیز طرز سے خدائے تعالیٰ نے اس اَنہونی بات کو پورا کردیا۔ دیکھو پارلیمنٹ کے اراکین نے اور سلطنت کے مدبّروں نے شاہی اعلان کے بعد کیسی خفگی ظاہر کی اور کسطرح اُن شخصوں پر بڑھ بڑھ کر حملے کیئے جو اس اعلان کے ذمہ دار تھے۔ انہوں نے کہا ایسی اندھادھند کارروائی تو روس میں بھی ہونی ناممکن ہے یہ ہماری سلطنت میں کیونکر ہوگئی۔ انہوں نے کہا یہ ایک خلاف ضابطہ کارروائی ہے جس میں ملک کے قوانین کو پاؤں کے تلے روندا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وزیر ہند اور ہندوستان کے وائسرائے نے ایک ناجائز کارروائی کرکے بادشاہ کی ذات کی آڑ میں پناہ لے کر اپنے تئیں بچالیا ہے۔✣ انہوں نے کہا کہ ہمیں ایک ایسے پیچ میں ڈالدیا گیا ہے کہ سوائے اس کے کہ بادشاہ کے اعلان کے مطابق ہم نئی تجاویز کو پاس کردیں ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ ایک طرف ہمیں کہا جاتا ہے کہ یہ بات بادشاہ کے مُنہ سے نکل چکی ہے۔ یہ اب واپس نہیں ہوسکتی کیونکہ ایسا کرنا ہندوستانی رعایا پر خطرناک اثر ڈالے گا اور ملک معظم کی عزت کو ہندوستانی رعایا کی نظر میں کم کردے گا اور دربار بجائے ایک برکت ثابت ہونیکے ہماری سلطنت کیلیئے منحوس ثابت ہوگا۔ دوسری طرف ہمیں کہا جاتا ہے کہ ان تغیرات کو باقاعدہ منظور کرو۔ اب ہم منظور نہ کریں تو کیا کریں دیکھو خدائے تعالیٰ نے اپنی بات کو کس طرح پورا کیا باوجودیکہ ارکان سلطنت تقسیم بنگالہ میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کے سخت مخالف تھے اور بار بار یہ اعلان ہوچکا تھا کہ خواہ کچھ ہی ہو بنگالی ہزار دفعہ اپنا سر پٹخیں۔ اس تقسیم میں کوئی ترمیم و تنسیخ نہ ہوگی۔ مگر خدائے تعالیٰ کے کام عجیب اور اُس کی قدرت نرالی ہے۔ اُس نے انہی اراکین کو ایسا جکڑا اور ایسے پیچ میں ڈالا کہ اُنہی انکار کرنے والوں نے اپنے ہاتھوں

✣ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ ایسی کارروائی ہے جس سے گورنمنٹ کی کسی کارروائی پر کوئی اعتبار نہیں رہتا۔ منہ

سے یہ فیصلہ کر دیا کہ وہ نیا انتظام جس کے رو سے دو بنگال کسیقدر ترمیم کے ساتھ پھر ایک کر دیئے گئے ہیں منظور رہے۔ ہاں کیوں منظور نہ ہو۔ یہ وہ فیصلہ ہے جو آسمان پر احکم الحاکمین کئی سال پہلے کر چکا تھا زمینی پارلیمنٹ نے اس کا بہت مقابلہ کیا اور اس کے روکنے کے لیئے اپنا سارا زور لگایا مگر **بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے ؟** آخر پارلیمنٹ نے مجبور ہو کر وہی فیصلہ کیا جسکی خدا کا خلیفہ کئی سال پہلے خبر دے چکا تھا بس خدا کی بات پوری ہوئی اور دنیا میں خدا کے مسیح کی صداقت کا نشان ظاہر ہوا فالحمد للہ علیٰ ذلک

جب ہم اُس وحی الٰہی کے الفاظ پر غور کرتے ہیں تو ہمارا ایمان اور بھی ترقی کرتا ہے۔ اُس پاک وحی کے اصل الفاظ یہ ہیں **پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب اُنکی دلجوئی ہوگی**۔ اس الہام میں پہلے کا لفظ یہ بتاتا ہے کہ اس کے بعد ایک دوسرا حکم جاری کیا جائے گا جس سے بنگالیوں کی دلجوئی ہوگی۔ اور وہ دوسرا حکم بھی اُسی امر کے متعلق ہوگا جس کے بارے میں پہلا حکم جاری کیا گیا تھا یعنی بنگالہ کی تقسیم کے متعلق۔ یہ دلجوئی کسی اور ذریعہ سے نہیں بلکہ اُسی تقسیم بنگالہ کے متعلق ایک دوسرے حکم کے ذریعہ ہوگی۔ پہلا حکم جو بنگالہ کی نسبت دیا گیا تھا وہ ایسا تھا جس سے بنگالیوں کے دل کو رنج پہنچا تھا۔ دوسرا حکم ایسا ہوگا جس سے پہلا رنج دُور ہوگا اور اُس میں بنگالی قوم کی دلجوئی مدِنظر ہوگی الہام کے الفاظ میں کسی ایسی دلجوئی کا ذکر نہیں جس کو پہلے حکم سے کوئی تعلق نہ ہو بلکہ ایسی دلجوئی کا ذکر ہے جو پہلے حکم میں کسی قسم کی ترمیم کرنے کے ذریعہ حاصل کیجائیگی۔ پھر دوسرا امر جو اس کلام ربّانی سے مترشح ہوتا ہے یہ ہے کہ پہلا حکم کلی طور پر منسوخ نہ ہوگا یعنی ایسا نہ ہوگا کہ گورنمنٹ کھلے الفاظ میں یہ حکم دے کہ جو پہلے بنگالہ کی نسبت حکم جاری کیا گیا تھا وہ واپس لیا جاتا ہے اور جیسا بنگال کی تقسیم سے پہلے حالت تھی وہی حالت پھر بحال کی جاتی ہے۔ ایسا نہ ہوگا۔ دوسرا حکم بنگال کو اُس کی پہلی حالت میں واپس نہیں کریگا اور اُس دوسرے حکم کا یہ مضمون نہ ہوگا کہ بنگالہ کے جو دو ٹکڑے کیئے گئے تھے وہ پھر اُسی طرح دوبارہ جوڑ دیئے جاتے ہیں جس طرح کہ لارڈ کرزن کی تقسیم سے پہلے تھے دوسرے حکم میں بنگال کو اُس کی پہلی حالت میں بحال نہیں کیا جائے گا مگر وہ حکم اس قسم کا ضرور

ہوگا کہ اس سے بنگالیوں کی دلجوئی ہو جائیگی اور وہ خوش ہو جائیں گے۔ یعنی اس حکم میں ایک ایسی بات ہوگی جو اگرچہ بنگالہ کو اسطرح تو ایک نہیں کر دیگی جیساکہ وہ لارڈ کرزن کے حکم سے پہلے تھا مگر وہ بنگالیوں کو ضرور خوش کر دے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور ملک معظم نے وائسرائے اور وزیر ہند کے مشورہ کے مطابق ۱۲۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کو دہلی کے مشہور تاریخی مجمع میں جو حکم تقسیم بنگالہ کے متعلق دیا اُس میں یہ نہیں کہا گیا کہ بنگالہ آئندہ ایسا ہی ایک متحدہ صوبہ ہوگا جیساکہ وہ لارڈ کرزن کے حکم سے پہلے تھا بلکہ اُس میں پہلی تقسیم میں ایک ایسی ترمیم کیگئی جس سے بنگالی بھی خوش ہو گئے مگر بنگال بھی پہلے کی طرح ایک صوبہ نہ رہا بلکہ وہ تین مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے تو صرف اُس کے دو حصے تھے۔ (۱) مشرقی بنگال و آسام اور (۲) مغربی بنگال۔ اب اس کے تین حصے کر دیئے۔ مشرقی بنگال کے صوبہ میں سے آسام کو الگ کر کے ایک نیا صوبہ بنا دیا گیا اور مغربی بنگال میں سے تین علاقے یعنی بہار اڑیسہ۔ چھوٹا ناگپور ایک صوبہ میں وابستہ کیئے گئے اور بنگال خاص کے دونوں ٹکڑوں کو ایک کر کے بنگالیوں کی دلجوئی کی گئی۔ دیکھو پیشگوئی کے الفاظ میں آنیوالے واقعات کا کیسا صحیح صحیح نقشہ کھینچا گیا۔ اور یہ بتلایا گیا کہ بنگالہ پھر ایک بھی نہ ہوگا اور بنگالیوں کی دلجوئی بھی ہو جائیگی اور وہ دلجوئی کسی اور ذریعہ سے نہیں بلکہ اُس تقسیم بنگالہ کے بارے میں ایک نیا حکم جاری کرنے کے ذریعہ کیجائیگی۔ دلجوئی کے لفظ میں وہ دلجوئی بھی شامل ہے جو بنگال کے نئے صوبہ کو بجائے لفٹنٹ گورنر کے ایک گورنر دینے اور اسطرح اُن کے صوبہ کی حیثیت کو بڑھا دینے سے کی گئی۔ پھر ایک اور امر پر جب ہم غور کرتے ہیں تو اس پیشگوئی کی عظمت اور بھی ہویدا ہو جاتی ہے ہر ایک شخص جانتا ہے کہ جو اعلان بادشاہ سلامت نے دہلی میں دیا وہ کوئی معمولی اعلان نہ تھا بلکہ ایک تہلکہ خیز واقعہ تھا جس نے نہ صرف برطانیہ کی وسیع سلطنت میں بلکہ کُل دنیا میں اپنی عظمت کی وجہ سے ایک شور ڈالدیا دنیا میں بہت سے واقعات پیدا ہوتے ہیں مگر جلدی دنیا اُن کو بھول جاتی ہے مگر یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہیگا اور کبھی نہیں بھولیگا اور جب کوئی مؤرخ سلطنت برطانیہ کی تاریخ لکھنے کے لیئے قلم

اُٹھائے گا تو وہ اس حکم کا ذکر ضرور کرے گا جسکے ذریعہ بنگالیوں کی دلجوئی کی گئی اور پھر ایک اور امر جو اس واقعہ کو عظیم الشان بناتا ہے وہ وہ حالات ہیں جن کے ماتحت یہ حکم سنایا گیا نہ صرف یہ حکم ایک عظیم الشان حکم ہے بلکہ وہ دربار جس میں یہ حکم سنایا گیا ایک تاریخی دربار ہے جو اس حکم کی عظمت کو اور بھی دوبالا کرتا ہے۔ پس جب ہم سوچتے ہیں کہ جس واقعہ کی خدا تعالےٰ نے قبل از وقت خبر دی وہ ایسا عظیم الشان واقعہ نکلا جو تاریخ کے صفحہ میں ہمیشہ یادگار رہیگا تو ہمارا ایمان اس الہام کی عظمت کی نسبت اور بھی بڑھتا ہے کیونکہ ہمیں اس سے پتہ لگتا ہے کہ یہ ایک ایسی ذات کا کلام ہے جس کو علم تھا کہ ہندوستان کی سرزمین میں ایک عجیب واقعہ ہونے والا ہے جو نہ صرف اس زمانہ میں کل عالم میں شہرت حاصل کرے گا بلکہ آئندہ زمانوں کی نسلیں بھی اس کو یاد رکھیں گی یہ واقعہ ایسا ہے جس نے ایک نئے زمانہ کی بنیاد ڈالی ہے اور تاریخ کے صفحہ کو پلٹ کر ایک نیا صفحہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کر دیا ہے اور ممکن ہے کہ اس سے آئندہ اور بھی ایسے ایسے مہتم بالشان نتائج پیدا ہوں جو اس واقعہ کی اہمیت کو اور بھی بڑھا دیں اور آنیوالی نسلیں اس الہام ربانی پر تدبر کرکے اور بھی لذت اٹھائیں جس نے ایک ایسے واقعہ کی قبل از وقت خبر دی جس میں بڑے بڑے اور دُور تک پہنچنے والے نتائج مخفی تھے۔ غرض جس واقعہ کی نسبت قبل از وقت خبر دی گئی تھی اُس کا ایک نہایت ہی عظیم الشان واقعہ ثابت ہونا اُس الہام کی عظمت کو بڑھاتا اور اُس کی رونق کو دوبالا کرتا ہے اور اس سے ہمارا ایمان ترقی کرتا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس خبیر نے یہ خبر پہلے سے دے رکھی تھی اُس کو اس واقعہ کی عظمت کا علم تھا اس لیئے اُس نے اپنی پیشگوئی کے لیئے اس واقعہ کو منتخب کیا۔ یہ واقعہ کئی عظمتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ اوّل ملکی طور پر زبردست حقیقتیں اسکے اندر شامل ہیں جنکی وجہ سے پولیٹیکل دنیا میں یہ واقعہ بڑی عظمت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ دوم۔ یہ اعلان خصوصاً اس وجہ سے عظیم الشان ہے کہ اس اعلان کا سنانے والا آج دنیا کے بادشاہوں میں سب سے بڑا بادشاہ ہے۔ سوم۔ یہ اعلان معمولی طور پر نہیں سنایا گیا بلکہ ایک نہایت ہی عظیم الشان مجمع میں سنایا گیا جس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ چہارم۔ اس اعلان نے ہندوستان میں ایک برقی اثر پیدا کیا۔ اور اس کا چرچا اُس دن کل ہندوستان میں کیا کل جہان میں پھیل گیا۔ پنجم۔ یہ اعلان ناگہانی طور پر تمام اُمیدوں کے برخلاف ہوا جس کو سنکر ایک جہان چونک اٹھا۔

ششم ۔ یہ ایک ایسا عظیم الشان اعلان تھا جس نے اپنی عظمت کی وجہ سے خود دربار کی عظمت کو مات کر دیا اور جسقدر تقریریں اور اعلان شاہ انگلستان نے اپنے سفر ہندوستان اور دربار کے موقعہ پر کیئے وہ سب اس اعلان کے آگے فراموش ہو گئے اور لوگوں کو اور سب باتیں بھول گئیں ۔ ہفتم ۔ اس نے گورنمنٹ کے قطعی اور آخری فیصلوں کو ھباءً منثوراً کر دیا ۔ ہشتم ۔ بڑے بڑے مدبران سلطنت کے منشا اور رائے کے برخلاف یہ اعلان ہوا ۔ نہم ۔ اس نے پارلیمنٹ کو بے دست و پا کر دیا ۔ دہم ۔ اس واقعہ کی ایک نہیں بلکہ دو ظاہری یادگاریں بھی قائم کی گئیں ۔ ایک تو اُس قیصری تخت گاہ کو ہمیشہ کے لیئے محفوظ رکھنے کا فیصلہ کیا گیا جس پر کھڑے ہو کر ملک معظم نے وہ اعلان ایک جہان کو سنایا ۔ دوسرے دہلی شہر کے پاس ایک نیا پایۂ تخت کروڑوں روپیہ کے خرچ سے تیار کیا جاویگا جسمیں یہ کوشش کیجائیگی کہ وہ پُرانے سلاطین کی بنا کردہ یادگاروں سے اپنی خوبصورتی اور شان میں کہیں بڑھ چڑھ کر ہو ۔ پس جب تک یہ دونوں نشان دہلی کی سرزمین پر قائم رہیں گے وہ نہ صرف اس اعلان کو یاد دلاتے رہیں گے جو ملک معظم نے ۱۲ ۔ دسمبر کے مبارک دن کو لاکھوں دنیا کے چیدہ انسانوں کے تاریخی مجمع کے سامنے سنایا بلکہ یہ دونوں نشان مسیح موعود علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے اُس عظیم الشان نشان کے لیئے بھی بطور یادگار کے ہونگے جو خدائے تعالیٰ نے شاہ انگلستان کو ہندوستان میں بھیجکر اُس کے ہاتھ سے ایسی عظمت اور شوکت کے ساتھ پورا کیا ۔ پس بے شمار رحمتیں اور برکات اور سلام ہوں اُس احمدؐ پر جس کے ایک غلام کے ہاتھ پر خدائے تعالیٰ نے ایسا عالیشان نشان ظاہر کیا جو ایسی عظمت اور شان کے ساتھ پورا ہوا ۔ مبارک وے جو اس نشان پر ایمان لاکر اپنے لیئے نجات کا سامان تیار کریں ۔ اللّٰھم صل علیٰ محمد و علیٰ اٰل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم و علیٰ اٰل ابراھیم انک حمید مجید اللّٰھم بارک علیٰ محمد و علیٰ اٰل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم و علیٰ اٰل ابراھیم انک حمید مجید ؎

اب میں پھر مسیحیوں کو مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ جس نشان کا میں نے اوپر بیان کیا ہے وہ صرف ایک نشان ہے حضرت مسیح موعود علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے بے شمار نشانوں میں سے جن میں سے ہر ایک ایسا بین نشان ہے کہ وہ سب بے بنیاد قصے اور

کہانیاں جو تمھاری کتابوں میں مسیح کی نسبت پائی جاتی ہیں اُس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتیں مگر تم نے یہود کی سنت پر قدم مارا اور اُنکی طرح اُس مسیح کے قبول کرنیسے انکار کیا جسکے ہاتھ پر خدائے تعالیٰ نے ایسے زبردست نشان ظاہر کیئے۔ خدائے تعالیٰ نے تم پر اتمام حجت کردی ہے مگر آج اُسکو اپنے صادق کی صداقت ظاہر کرنے اور اپنے نبی اُمّی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان کو دنیا پر کھولنے اور اپنی ہستی کا زور آور حملوں کے ذریعہ ثبوت دینے کا اسقدر جوش ہے کہ اگرچہ وہ کئی بار نشان دکھا چکا ہے مگر ابھی اُس نے بس نہیں کی۔ ابھی وہ اور عجائب در عجائب کام دکھلاویگا اور زور آور حملوں سے اسلام کی صداقت کو دنیا پر ظاہر کریگا۔ آخر میں مسیح موعود علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کی ایک پیشگوئی جو تمھارے مناسب حال ہے سنا کر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں ؛ اور وہ پیشگوئی یہ ہے **یورپ اور دوسرے عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی طاعون پڑیگی جو بہت سخت ہوگی۔** واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین ؛

الہلال

اس نام کا ایک ہفتہ وار باتصویر رسالہ کلکتہ سے زیر ایڈیٹری جناب مولٰنا ابو الکلام صاحب آزاد شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ یہ ہندوستان میں اپنی طرز کا پہلا رسالہ ہے جو انگریزی رسالوں کی طرز پر جاری ہُوا ہے۔ زبان نہایت فصیح۔ مضامین بہت دلچسپ۔ تصویریں بہت دلکش۔ ٹائیپ خوبصورت اور کاغذ بہت اچھا ہے۔ اس میں علمی مضامین۔ اسلام کے مشہور نامور وں کے حالات۔ ایران۔ مراکش۔ اور طرابلس کے متعلق مضامین اور خبریں اور علاوہ اسکے عام اسلامی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اگر کاغذ۔ ٹائیپ۔ اور تصاویر کے اخراجات کو اور اُس محنت کو جو اس کے مضامین تیار کرنے میں خرچ کیجاتی ہے مدِّ نظر رکھا جاوے تو ایک اشرفی بھی زیادہ قیمت نہ ہوتی مگر مولٰنا ابو الکلام صاحب نے کثرت اشاعت کی غرض سے اس کی قیمت صرف آٹھ روپیہ مقرر کی ہے اور طلباء سے اس سے بھی نصف۔ شائقین نمونہ کا پرچہ ۲ کو منگوا کر رسالہ کی خوبی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مقام اشاعت ۷۔۱ مکلاوڈ سٹریٹ کلکتہ ؛

رپورٹ ماہوار صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ جولائی ۱۹۱۲ء

یتامیٰ ۔ آمد ما للعہ اور خرچ ما لعہ ہوا ۔ اور مندرجہ ذیل احباب نے یا انجمنوں نے دس روپے یا اس سے زائد رقوم یتامیٰ کیلئے عطا فرمائیں ۔ جماعت لائل پور عـــہ بابو محمد منور الدین بی ۔ اے گورداسپور عـــہ جماعت فیروزپور عـــہ

زکوٰۃ ۔ آمد ما لعہ اور خرچ ا لعہ ہوا ۔ اس ماہ خدا کے فضل سے گذشتہ تحریک پر گذشتہ مہینوں کی نسبت خاصی آمد ہوئی ۔ اور مندرجہ ذیل رقوم دس یا اس سے زیادہ کی ذیل کے احباب یا انجمنوں کی طرف سے موصول ہوئی ہیں ۔ بدر دین صاحب ہیڈ ماسٹر بکلوہ عـــہ ۔ بابو فضل الٰہی صاحب سٹیشن ماسٹر داؤد خیل ضلع میانوالی عـــہ ۔ منشی عطا محمد صاحب پاکپتن عـــہ ۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب سرسہ عـــہ ۔ عبد المنان خان مالاکنڈ عـــہ ۔ مستری محمد بخش صاحب کالا باغ عـــہ ۔ جماعت جالندھر للعہ ۔ منشی تصدق حسین و منشی علی مردان شاہ صاحب شاہپور عـــہ ۔ باقی تھوڑی تھوڑی رقوم آئیں ۔ جزاہم اللہ خیراً ۔ ذی استطاعت احباب کی خدمت میں التماس کی گئی تھی کہ وہ زکوٰۃ کا روپیہ اپنی اپنی جگہ پر خرچ کرنیکی بجائے یہاں مساکین مہاجرین نومسلموں مسافروں اور غریب طالب علموں کے خرچ کرنیکے لیے بھیجتے رہیں تو یہ مد مقروض نہ ہو گی ؛

صیغہ اشاعت اسلام ۔ ماہ جولائی کے آخر خریداران ریویو انگریزی میں ۹ کی بیشی ہوئی اور بابو فرزند علی صاحب نے تین ۔ ملک غلام محمد صاحب نے ۲ دو جناب امام خان صاحب نے دو نئے خریدار دیئے ۔ جزاہم اللہ خیرا ۔ بابو محمد صاحب ساکن لدھیانہ نے اصول اسلام یعنی لیکچر مولوی محمد علی صاحب جو الٰہ آباد پڑھا گیا تھا بادشاہوں کو بھیجنے کے لیئے اعلیٰ درجہ کا اپنے خرچ پر چھپوایا ہے ۔ بابو صاحب کو غیر زبانوں میں اشاعت اسلام کا بڑا شوق ہے چنانچہ وہ وقتاً فوقتاً اس کار خیر میں حصہ لیتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ انکی سعی میں برکت دے ؛

صیغہ تعلیم ۔ اس صیغہ کی آمد ۱۲۴۲ روپیہ جنمیں ۲۱۸ روپیہ ماہواری امداد گورنمنٹ ۳۷۶ روپیہ فیس مدرسہ اور ۱۵۶ روپیہ فیس بورڈنگ اور ۴۷۳ روپیہ چندہ کا ہے باقی متفرق رقوم ہیں اور خرچ ۹۱۱ روپیہ ہے جنمیں ۸۰۰ روپیہ خرچ ہائی سکول اور باقی اسکی شاخوں کا ہے تعداد طلبا ہائی سکول ۳۳۲ اور بورڈر ۱۵۳ ہیں امتحان انٹرینس میں زیر تجویز لڑکا بھی پاس ہو گیا ہے ہائی سکول ۱۱ ۔ اگست سے ۲۵ ستمبر تک بسبب

موسمی تعطیلات بند رہیگا عمارت مدرسہ کی بنیادی اینٹ ۲۵ - جولائی ۱۹۱۲ء کو بروز جمعرات حضرت خلیفۃ المسیح ؑ نے اپنے دست مبارک سے رکھی اسکے بعد آپنے ہر سہ صاحبزادگان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ایک ایک اینٹ رکھنے کا ارشاد فرمایا - یہ انیٹیں تین جگہ یعنی وسط میں اور مشرق اور مغرب میں رکھی گئیں اور چھ دفعہ بہت لمبی دعا کی گئی حضرت صاحب کے ساتھ بہت سے لوگ تھے ابتدا میں آپنے بہت ہی مختصر تقریر فرمائی کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر اکیلا آدمی چالیس دن تک یا چالیس آدمی ایک وقت میں ملکر کسی امر کے لیئے دعا کریں تو بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جاتی ہے اسوقت ہم چالیس سے بہت زیادہ ہیں خدا کی جناب میں سب ملکر دعا کرو کہ اس مدرسہ میں جسکی بنیادی اینٹ رکھنے کے لیئے آئے ہیں بڑے بڑے نیک اور خادم دین لڑکے تعلیم حاصل کرکے باہر نکلیں اور گندے اور شریر اور سیاہ کار لڑکے یہاں نہ آئیں اگر آئیں تو خدا ہدایت دے ✦

صیغہ تعمیر - عمارت بورڈنگ ہوس قریباً مکمل ہے ۔ اسکے دروازہ کے کتبہ کیلیئے حضرت خلیفۃ المسیح ؑ نے مندرجہ ذیل الفاظ تجویز فرمائے ہیں ماشاء اللہ - الحمد للہ الذی احلنا دار المقامۃ من فضلہ - عمارت بورڈنگ کی بقیہ امداد کا چھ ہزار دو سو روپیہ جو گورنمنٹ نے منظور کیا تھا وصول ہو گیا ہے گورنمنٹ کے جہاں ہم پر اور بہت سے احسان ہیں وہاں سلسلہ تعلیم میں ایک یہ بھی احسان ہے جسکے لیئے ہم سب دل سے دعا کرتے ہیں کہ اس سلطنت کو اللہ تعالیٰ ہمارے سر پر قائم رکھے اور اسکے ساتھ ہم اس گورنمنٹ کا اور جناب ڈائرکٹر صاحب بہادر کا بہت بہت شکریہ ادا کرتے ہیں - ہائی سکول کی ماہواری امداد مبلغ چوبیس سو روپیہ بابت سال گذشتہ کے لیئے درخواست کی ہوئی ہے جو امید ہے کہ انشاء اللہ عنقریب منظور ہو کر ملجائیگی مولوی محمد علی صاحب افسر تعمیر کی عدم موجودگی میں جو اڑھائی ماہ کیلیئے بوجہ علالت طبع کوہ مری تشریف لے گئے ہوئے ہیں اس صیغہ کے انچارج جناب خلیفہ رشید الدین صاحب ہیں - تعمیر مدرسہ شروع ہے ✦

دفتر محاسب - اس ماہ صدر انجمن کی کل آمدنی آٹھ ہزار پانچسو ستانویں روپے دس آنہ چھ پائی اور خرچ نو ہزار پینسٹھ روپیہ ہوا - صیغہ مدرسہ احمدیہ کی آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہے اسپر خاص توجہ ہونی چاہیئے کیونکہ زیادہ مقروض ہوتا چلا جاتا ہے - صیغہ متفرقات سے جو ایک ہزار روپیہ یونیورسٹی کو دیا گیا تھا اسکی وجہ سے ابتک مقروض چلا جاتا ہے کیونکہ کسی ذریعہ سے یہ کمی پوری نہیں کی گئی - لنگر خانہ کا فنڈ

درد سر و درد ریاح کی دوا ریاحی درد لحظہ میں پہاڑ ہو جاتا ہے۔ یہ دوا لحظہ میں اسکو پانی کر دیتا ہے۔ درد ریاح جیسے ٹیک چمک ٹیس۔ رگوں میں لہر کن کنی سے چاہے جسقدر تکلیف ہو۔ اِس دوا کے استعمال سے فوراً رفع ہوتی ہے درد سر کے واسطے بھی اس دوا کا ایسا ہی فائدہ ہے۔ نصف سر میں ہو یا تمام سر میں کسی وجہ سے کیسا ہی درد ہو اس دوا سے رفع ہو جاتا ہے صرف یہی نہیں اگر سر کٹا جاتا ہو پھٹا جاتا ہو۔ اُڑا جاتا ہو۔ اس دوا سے فوراً بند ہو جاتا ہے۔ ان دنوں لوگ ذرا ذرا باتوں میں سر دکھایا کرتے ہیں کام میں یا مفت کی باتوں میں فکر و تردد میں عیش و عشرت میں دن کو رات اور رات کو دن بنانے میں کل تسکائیتیں سر پڑ آجاتی ہیں اور ہائے درد سر پکارا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر برمن کی دوا ایسے لوگوں کیلئے ہے۔ دوا کے استعمال سے فوراً درد بند ہوتا ہے۔ اس لیئے ہر خاص و عام کو یہ دوا اپنے پاس رکھنا لازم ہے۔ قیمت ۱۲ ٹکیوں کی ایک شیشی چھ آنہ (۶؍) محصولڈاک ایک سے چھ ڈبیہ تک ۵؍ بارہ ڈبیہ تک ۶؍

داد کا مجرب مرہم ایک مرتبہ کے لگانے سے کھجلی اچھی ہو جاتی ہے دو تین مرتبہ کے لگانے سے ایک دم اچھا ہو جاتا ہے۔ قیمت فی ڈبیہ ۴؍ محصولڈاک ایک ڈبیہ سے ۲ ڈبیہ تک ۵؍ اور بارہ ڈبیہ تک ۶؍

فصلی بخار اور طحال کی دوا یہ دوا اُنتیس برس سال سے سارے ہندوستان میں استعمال کیجاتی ہے۔ اگر آپ بخار میں مبتلا ہوں اور سب قسم کے علاج کرا کے تنگ آگئے ہوں تو اِس مجرب دوا کو ایک مرتبہ ضرور منگا کر استعمال کریں اسمیں چند فائدے لاجواب ہیں یہ ملیریا کیڑوں کو مار دیتی ہے اسلیئے کہ اسکی چار پانچ خوراک پینے ہی بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے اور یہ خون کو گاڑھا کر دیتی۔ اور تلی کو گراتی ہے قیمت شیشی کلاں ۱۴؍ محصول ۶؍ دو شیشی تک ۸؍ قیمت شیشی خورد ۸؍ محصولڈاک ۵؍ دو شیشی تک ۶؍

کھانسی کی دوا یہ دوا اچھا ہے کیسی کھانسی و کف کی بیماری ہو اُسکو آرام کرتی ہے اسمیں یہ فوائد ہیں (۱) سردی کو بچانا (۲) کھانسی کو دبانا (۳) کف کو پتلا کرنا (۴) کف کو نکالنا (۵) سوکھا کھانسی کو روکنا قیمت بڑی شیشی بتیس خوراک قیمت عہ؍ پیکنگ و محصولڈاک ۶؍ دو شیشی تک ۸؍ چھوٹی شیشی سولہ خوراک قیمت ۸؍ پیکنگ محصولڈاک ۵؍ دو شیشی تک ۶؍ اس دوا پر مہاراجہ صاحب مہاراجہ لکھن سنگھ دیو بہادر فیوڈ بڑی جیف پٹنہ اسسٹنٹ بولانگر ضلع سمبھل پور سے لکھتے ہیں جناب من آپکی روانہ کردہ کھانسی کی دوا کیلیئے مشکور ہوں اس دوا سے ہماری کھانسی بالکل دفع ہو گئی۔ مجھے صرف سات خوراک سے زیادہ پینے کی درکار نہ ہوئی۔ کھانسی کو اس دوا نے بہت جلد اثر دکھلایا۔

ڈاکٹر۔ ایس۔ کے برمن نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

ریویو

ترکی ٹوپی عموماً جسقدر ٹوپیاں آجکل ہندوستان میں ترکی یا رومی ٹوپی کے نام سے بکتی ہیں اٹلی اور آسٹریا کی ساخت ہوتی ہیں۔ ابتک مسلمانوں نے اسکی چنداں پروا نہیں کی مگر اب زمانہ کے حالات کے ماتحت مسلمانوں میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ ٹوپیاں جو اسلامی نام سے مشہور ہیں اسلامی ممالک کی ساخت ہونی چاہئیں۔ اس ضرورت کو محسوس کر کے دہلی میں ایک ایجنسی کھولی گئی ہے جو مصر اور قسطنطنیہ کی ساخت کی ترکی ٹوپیاں فروخت کرتے ہیں۔ ہم نے بھی یہ ٹوپیاں دیکھی ہیں۔ عمدہ خوبصورت پائدار معلوم ہوتی ہیں۔ قیمت بھی دوسرے ممالک کی ٹوپیوں کی نسبت ارزاں ہے مفصل حالات ایس۔ ایف چشتی۔ اینڈ کمپنی منصل فتحپوری۔ چاندنی چوک دہلی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

اظہار حق اس کتاب میں بڑی وضاحت کے ساتھ حضرت باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح اور اقوال سے جو گرنتھ صاحب۔ جنم ساکھی تواریخ خالصہ اور سکھوں کی دیگر مستند کتابوں سے لئے گئے ہیں اور جنکے جابجا مفصل حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ باوا صاحب ہندوؤں کے عقائد سے بالکل بیزار تھے۔ مورتی پوجا۔ مسئلہ چھوت چھات۔ تیرتھوں۔ رسم جنیو اور تناسخ وغیرہ کا کھنڈن یعنی رد کرتے تھے۔ اسلام کے مشہور اولیاء کرام کے مقابر پر فیض حاصل کرنیکے لئے چلہ کشی کرتے رہے۔ عقائد اسلام کے پورے پابند تھے۔ تین سال اس کتاب کو شائع ہوئے ہوگئے ہیں۔ مگر اب تک کسی ہندو یا سکھ کو اسکا جواب لکھنے کی طاقت نہیں ہوئی۔ جن صاحبوں کو سکھ مذہب کی تحقیق یا باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح پڑھنے کا شوق ہو یا جن احباب کو سکھوں کے ساتھ کبھی بات چیت کرنے کا موقعہ ملتا ہو وہ ضرور یہ کتاب پڑھیں۔ شیخ محمد یوسف صاحب نو مسلم ایڈیٹر نور کی تحقیقات سکھ مذہب کے متعلق جسقدر وسیع ہے ہمارے اکثر احباب سے پوشیدہ نہیں یہ کتاب شیخ صاحب کی محنت اور جانفشانی کا نتیجہ اور عجیب معلومات کا ذخیرہ ہے جس کی خوبی دیکھنے پر منحصر ہے۔ خالصہ قوم میں تبلیغ کا بھی بڑا عمدہ ذریعہ ہے۔ تقریباً دو سو صفحہ کی کتاب ہے مگر قیمت محض تبلیغ اور اشاعت کی غرض سے بہت کم یعنی صرف ۵ رہے۔ ملنے کا پتہ مینیجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور

جواب اشتہار غلام سرور کانپوری منجانب صاحبزادہ محمد بشیر الدین محمود احمد سلمہ ربہ و ایدہ سولہ صفحہ کا اشتہار۔ دو حصوں پر منقسم ہے پہلے حصے میں ایک کانپوری اشتہار کا جواب ہے اس حصہ میں

ٹیچنگز آف اسلام

یعنی انگریزی ترجمہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کے اس عظیم الشان لیکچر کا جو ۱۸۹۶ء میں جلسہ مہوتسو میں چار پانچہزار کے مجمع میں پڑھا گیا تھا اور نہایت ہی دلچسپی اور قبولیت سے پبلک نے سنا۔ اس لیکچر میں مصنف موصوف نے اسلام کو نہایت ہی احسن پیرایہ میں صرف قرآن شریف سے استنباط کر کے بیان فرمایا ہے۔ اور تمام اعتراضات جو بڑے بڑے مخالفین و معاندین اسلام بڑی تحدی اور زور سے کرتے ہیں یا کرتے تھے۔ نہایت ہی سنجیدگی اور لطافت سے انکے جوابات اصولی طور پر بیان فرمائے ہیں جن سے خواہ کیسا ہی متعصب اور زود رنج مخالف کیوں نہ ہو کبیدہ خاطر نہیں ہو سکتا بلکہ سوائے سکوت کے اور کوئی جواب بھی پیش نہیں کر سکے گا اور ایک شریف الطبع اور حق جو مخالف اسلام کو سوائے تسلیم خم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہو سکتا۔

بڑی خوبی اور لطافت جو اس مضمون کو خاص فوقیت اور یکتائی دے رہی ہے یہ ہے کہ اول اس مضمون کو خدا تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن کریم سے بیان کیا گیا ہے۔ دوم اس مضمون میں باوجود اعتراضوں کا جواب دینے اور دوسرے مذاہب کا تذکرہ کرنیکے کسی قسم کی اشارۃً یا کنایۃً زد نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف اسلام کی سچی فلاسفی اور خوبیاں پبلک کے کانوں تک پہنچانیکی کوشش کی گئی ہے۔ اور توحید باری تعالیٰ اور رسالت مآب صلعم کی صداقت بیان کی گئی ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی بے نظیر تصنیفات اور تالیفات میں یہ ایک ایسا مضمون ہے جسمیں مکمل اور مختصر طور پر اسلام کی صداقت بیان کیگئی ہے اسلئے پبلک کے دینی اور روحانی فائدہ کو مدِ نظر رکھکر اور تبلیغ اسلام کا بڑا ذریعہ سمجھکر اسکو انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے ولایت میں چھپوایا گیا ہے اور اس کی بہت سی کاپیاں ولایت اور دیگر ممالک یورپ اور امریکہ، جاپان وغیرہ میں مفت تقسیم کی گئی ہیں۔ اور کچھ کاپیاں فروخت کیلئے بھی منگوائی گئی ہیں۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر ایک انگریزی خوان مسلمان کے ہاتھ میں ہو۔ احباب خود بھی خریدیں اور تبلیغ اسلام کیلئے چند کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کر کے اسکا اجر اللہ تعالیٰ سے لیں۔ قیمت بغرض توسیع اشاعت باوجود دو سو صفحہ اور عمدہ ولایتی کاغذ اور خوبصورت جلد کے بہت ہی تھوڑی رکھی ہے یعنی مجلد کی عہ اور بیجلد کی ۱۲؍ علاوہ محصولڈاک۔ جو صاحب منگوانا چاہیں دفتر ریویو آف ریلیجز۔ قادیان ضلع گورداسپور سے منگوالیں۔

مطبع میگزین قادیان میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے | لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۱ | بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۲ء | شوال سنہ ۱۳۳۰ھ | نمبر ۹

چندہ سالانہ ... عوام سے ۵ طلباء سے ۴

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ ستمبر ۱۹۱۲ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اختلافات بائیبل

زمانہ حال میں انجیل کی تعلیم پر جو اعتراضات وارد ہو رہے ہیں انہوں نے مسیحی دنیا میں ایک شور مچا دیا ہے۔ اس سے قبل نہ صرف اسے متبرک ہی سمجھا جاتا تھا بلکہ اسکا ہر ایک حرف اور شعشہ کلام الٰہی یقین کیا جاتا تھا۔ تمام یسوعی دنیا کا اسپر ایمان تھا اور وہ اسی بات کی تعلیم دیتی تھی کہ بائیبل کی ساری کتابیں اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں اور تمام کا اس بات پر اتفاق تھا کہ بائیبل کا ایک ایک لفظ سچا اور یقینی ہے:

زمانہ حال کے محققین نے ان تمام دعاوی کی جانچ پڑتال شروع کی۔ سب سے پہلی بات جس نے انکو حیرت میں ڈالدیا یہ تھی کہ خود ان کتابوں میں اس قسم کا کوئی دعویٰ موجود نہ تھا جن میں یہ بیان ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اسپر ثابت ہو گیا کہ بائیبل مروجہ بعض نامعلوم مصنفوں کی تصنیف ہے اور کہ اُن نامعلوم مصنفوں کو خدا قرار دینا سخت غلطی اور جہالت ہے۔ پھر اس کتاب کو پرکھنے سے اسپر واضح ہو گیا کہ چونکہ وہ مجموعہ اغلاط اور تناقضات ہے اس لیئے کلام الٰہی ہونا تو کجا تاریخی لحاظ سے بھی یہ ایک ناقابل اعتبار کتاب ہے۔ معترضین کے معقول اور ناقابل جواب اعتراضات نے بڑے بڑے کٹر مسیحیوں کے عقیدہ کو متزلزل کر دیا اس لیئے مسیحی دنیا کے قریباً تمام روشن خیال آدمی بائیبل کے کلام الٰہی ہونے پر ہرگز یقین نہیں رکھتے۔ اس کے خلاف عیسائیوں میں ایک پُرانے اور بھدّے خیالات کا گروہ ہے جو ان محققین کی بات کیطرف دھیان نہیں کرنا چاہتا اور اپنے باپ دادوں کی اندھی تقلید پر اڑا ہُوا ہے۔ انہیں میں ایک فرقہ رومن کیتھولک ہے جو

ابھی تک بائیبل کے ہر ایک لفظ کو خدا کا کلام مانے چلے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں چند اور بھی فرقے اسی قسم کے ہیں۔ مثلاً لیوتھرن چرچ نے ابھی حال ہی میں اپنے عقائد کو شائع کرکے بائیبل کے تقدس اور بے خطا ہونے کا اقرار کیا ہے۔ بقول اخبار ٹروتھ سیکر نیویارک اس فرقہ (لوتھرن چرچ) نے اپنی ایک بڑی مجلس میں جو سینٹ لوئیس میں منعقد کیگئی تھی اپنے عقائد کے بارے میں مندرجہ ذیل ریزولیوشن بالاتفاق پاس کر کے شائع کیا کہ یہ مجلس خداوند یسوع مسیح کو حاضر و ناظر جان کر اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ ہم بائیبل کو خداوند کا بے خطا اور غلطی سے مبرّہ و منزّہ کلام سمجھتے ہیں اور خداوند یسوع مسیح کی خدائی۔ کنواری سے پیدائش۔ جسمانی صعود اور خداوند کا بیٹا ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ روح القدس ہمیں کفار کی مانند عذاب میں مبتلا نہ کریگا۔ اس کے بعد دوسرا ریزولیوشن پاس ہؤا کہ ہم ایسے شخص کے ساتھ تعلق نہیں رکھیں گے جو اس کے خلاف ہمیں تعلیم دے۔ جس کے بعد پروفیسر ڈبلیو۔ ایچ۔ ٹی۔ ڈاؤ آف کنکارڈ یا سیمنری نے اپنے لیکچر میں لوتھرن مذہب کا خاکہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کھینچا ”ہمارا ایمان ہے اور ہماری تعلیم میں یہ بات داخل ہے کہ نیا اور پرانا عہد نامہ خدائے تعالیٰ کا الہامی نوشتہ ہے اور کہ خداوند نے اسکے ترتیب دہندوں کی روح القدس سے مدد کر کے اپنے پاک کلام کو انکے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ اور نہ صرف مضامین الہامی ہیں بلکہ الفاظ بھی الہامی ہیں۔ اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ بائیبل کی ۶۶ کتابیں خداوند کا سچّا اور بے عیب کلام ہیں۔ جنکی تعلیم کا اصل مدعا یہ ہے کہ یسوع مسیح سچا خدا۔ کامل انسان جو کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہؤا ہمارا مالک اور شفیع ہے۔ ہم اُن لوگوں کو بہت بُرا سمجھتے ہیں جن کو بائیبل کی کسی عبارت پر شک یا اعتراض ہے اور ہم اُن نادان عالموں کی اُن تمام سکیموں سے سخت اختلاف رکھتے ہیں جن کا مُدعا یہ ہے کہ موجودہ بائیبل کی بجائے ایک نئی بائیبل مرتب کیجاوے جو انسانوں کے لیئے زیادہ کارآمد ہو سکے“۔

مندرجہ بالا بیانات سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیحی ممالک میں جہاں بہت سے جاہل لوگوں کو پرانے عقائد پر قائم رکھنے کے لیئے کوشش کی جارہی ہے وہاں علماء کا ایک ایسا گروہ بھی پیدا ہوگیا ہے جو کہ بائیبل کے الہامی کلام ہونے۔ یسوع کی

خدائی۔ کفارہ۔ اور بائیبل کی ۶۶ کتابوں کے خدائے تعالیٰ کا آخری کلام ہونے سے انکاری ہے اور آخر الذکر گروہ ہی ہے جسے لوتھرن چرچ والوں نے نادان عالموں کا خطاب دیا ہے حالانکہ فی الحقیقت روشن ضمیر اور دانا گروہ وہ ہی ہے *

ہمیں تعجب آتا ہے کہ موجودہ زمانہ کے روشن خیال لوگوں کے زبردست اعتراضات کو دیکھکر بائیبل کو کن وجوہات کی بنا پر الہامی یقین کیا جا سکتا ہے اس بات کا ایک صریح ثبوت کہ موجودہ بائیبل خصوصاً نئے عہدنامے کا بڑا حصہ خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں یہ ہے کہ اس میں اتنا تضاد پایا جاتا ہے کہ جو ایک الہامی کتاب کی شان سے بعید ہے ہم ذیل میں بائیبل کے بعض اختلافات درج کرتے ہیں۔ یہ فہرست کسی صورت سے بھی مکمل نہیں کی جا سکتی کیونکہ قریباً تمام بائیبل خصوصاً چار اناجیل میں اسقدر تضاد پایا جاتا ہے کہ ایک آدمی کے لیئے یہ ناممکن محض ہے کہ وہ تمام اختلافات کو جمع کر سکے۔ تاہم اس فہرست سے بہت عمدہ طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ مسیحیوں کی موجودہ کتب مقدسہ کا اکثر حصہ انسانوں کا کلام ہے نہ کہ خدائے تعالیٰ کا *

"تم کیونکر کہتے ہو کہ ہم تو دانشمند اور خداوند کی شریعت ہمارے پاس ہے۔ دیکھ حقیقت میں اُس نے اُسے عبث بنا رکھا ہے نقل نویسوں کا قلم باطل ہے"۔

(یرمیاہ باب ۱۸ ورس ۸)

"اور جب یہ قوم یا نبی یا کاہن تجھ سے پوچھے اور کہے کہ خداوند کا بھاری پیغام کیا ہے تب تو انہیں کہے گا کیا ہی بھاری پیغام کہ میں نے تم کو ترک کیا ہے خداوند کہتا ہے اور نبی اور کاہن اور قوم جو کوئی کہے خداوند کا بھاری پیغام میں اُس شخص کو اور اُس کے گھرانے کو سزا دونگا چاہیئے کہ ہر ایک اپنے پڑوسی سے اور ہر ایک اپنے بھائی سے یوں کہے کہ خداوند نے کیا جواب دیا ہے اور خداوند نے کیا کہا ہے پر خداوند کے بھاری پیغام کا ذکر تم کو کبھی نہ کرنا ہوگا۔ کہ ہر ایک آدمی کا سخن اُسی کے لیئے بھاری پیغام ہوگا کیونکہ تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کی باتوں کو بگاڑ ڈالا ہے"۔ یرمیاہ باب ۲۳ ورس ۳۳ سے ۳۶ تک۔

اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ (مائدہ - ۳) (خدائے تعالیٰ کی) باتوں کو انکی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں اور جو پند انکو دی گئی تھی اُس کا بڑا حصہ یہ بھلا بیٹھے ہیں ؛ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْھِمْ ۔ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الخ (سورہ بقر آیت ۷۹) ہلاکت ہے اُن لوگوں کے لیئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ؛

فہرست اختلافات بائیبل

(۱) لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت سے نہ کھا کیونکہ جس دن تو اُس سے کھائیگا تو ضرور مرے گا (پیدائیش باب ۲ ورس ۱۷) مگر اس درخت کے پھل کو جو باغ کے بیچوں بیچ ہے خدا نے کہا کہ تم اُس سے نہ کھانا اور نہ اُسے چھونا ایسا نہ ہو کہ مرجاؤ (پیدائیش باب ۳ ورس ۳)

(۱) اور عورت نے جوں دیکھا کہ وہ درخت کھانے میں اچھا اور دیکھنے میں خوشنما اور عقل بخشنے میں خوب ہے تو اُس کے پھل میں سے لیا اور کھایا اور اپنے خصم کو بھی دیا اور اُس نے کھایا تب دونوں کی آنکھیں کھُل گئیں اور اُنہیں معلوم ہُوا کہ ہم ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتّوں کو سی کے اپنے لیئے لنگیاں بنائیں (پیدائیش باب ۳ ورس ۶-۷) اور آدم کی ساری عمر نو سو تیس برس کی ہوئی تب وہ مرگیا (پیدائیش باب ۵ ورس ۵)

نوٹ - ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم پھل کھاتے ہی اُسی دن مرجائیگا - دوسری طرف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہُوا بلکہ آدم نو سو تیس برس تک زندہ رہا ؛

(۲) اور خدا نے جنگلی جانوروں اور مویشیوں کو اُنکی جنس کے موافق اور زمین کے کیڑے مکوڑوں کو اُنکی جنس کے موافق بنایا اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بناویں کہ وے سمندر کی مچھلیوں پر اور

(۲) اور خداوند نے کہا کہ اچھا نہیں کہ آدم اکیلا رہے میں اس کے لیئے ایک ساتھی اُس کی مانند بناؤں گا - اور خداوند خدا نے میدان کے ہر ایک جانور اور آسمان کے پرندوں کو زمین سے بنا کر آدم کے پاس

آسمان کے پرندوں پر اور مویشیوں پر اور تمام زمین پر اور سب کیڑے مکوڑوں پر جو زمین پر رینگتے ہیں سرداری کریں اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا خدا کی صورت پر اسکو پیدا کیا نر و ناری انکو پیدا کیا (پیدائش باب ۱ ورس ۲۵-۲۷)

نوٹ۔ انسان حیوانات کے بعد پیدا کیا گیا تھا۔

(۳) جب ارفکسد پینتیس ۳۵ برس کا ہوا اس سے سلح پیدا ہوا۔

نوٹ۔ سلح کو ارفکسد کا بیٹا لکھا ہے۔

(۴) سب پاک جانداروں میں سے سات سات نر اور ان کی مادہ اور ان میں سے جو پاک نہیں ہیں دو دو نر اور انکی مادہ اپنے پاس لے (پیدائش باب ۷ ورس ۲)

نوٹ۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاک جانوروں میں سے سات سات نر و مادہ کشتی نوح میں چڑھائے گئے۔ مگر دوسری طرف کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پاک جانور بھی دو دو ہی چڑھائے گئے تھے۔ کیا یہ دونوں کلام خدائے تعالیٰ کا کلام ہو سکتے ہیں۔

پہنچایا تاکہ دیکھے کہ وہ اُن کے کیا نام رکھے سو جو آدم نے ہر ایک جانور کو کہا وہی اُسکا نام ٹھہرا اور آدم نے سب مویشیوں اور آسمان کے پرندوں اور ہر ایک جنگلی جانور کا نام رکھا پر آدم کو اُسکی مانند کوئی ساتھی نہ ملا۔ (پیدائش باب ۲ ورس ۱۸-۲۰)

نوٹ۔ انسان حیوانات سے پہلے پیدا کیا گیا۔

(۳) سلح۔ قینان کا اور وہ ارفکسد کا اور وہ سم کا اور وہ نوح کا اور وہ لمک کا (لوقا آیت ۳۶ باب ۳)

نوٹ۔ سلح کو قینان کا بیٹا لکھا ہے۔

(۴) اور سب جانوروں میں سے ہر جنس کے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے کہ وے بچ رہیں چاہیئے کہ وے نر و مادہ ہوں (پیدائش باب ۶ ورس ۱۹)

اور پاک چارپایوں میں سے اور اُن چارپایوں میں سے جو پاک نہیں اور پرندوں میں سے اور زمین پر کے ہر ایک رینگنے والوں میں سے۔ دو دو نر و مادہ نوح کے پاس کشتی میں جیساکہ خدا نے نوح کو فرمایا تھا داخل ہوئے (پیدائش باب ۷ ورس ۸-۹)

وے اور ہر ایک جانور اُسکی قسم کے مطابق اور ہر ایک مویشی اُسکی قسم کے مطابق اور ہر ایک رینگنے والا جو زمین پر رینگتا ہے اُسکی قسم کے مطابق اور ہر ایک پرندہ اُسکی قسم کے مطابق سب چڑیوں کی ہر ایک قسم کشتی میں داخل

ہوئے اور سبھو [illegible] جن میں زندگی کا دم ہے دو دو نوح کے پاس کشتی میں داخل ہوئے (پیدائش باب ۷ ورس ۱۴-۱۵)

(۵) اخزیاہ بائیس ۲۲ برس کا تھا جبکہ بادشاہ ہُوا (۲ سلاطین باب ۹-ورس ۲۶)

اور ایسا ہُوا کہ ایک مُدت میں روز بروز بدتر ہو کے دو برس کے بعد اُس کے روگ کے مارے اُسکی (اخزیاہ کے باپ یہورام کی) انتڑیاں نکل پڑیں اور وہ بُری بیماری میں مبتلا ہو کے مرگیا اور اُس کے لوگوں نے اُس کے باپ دادوں کی آتش کی مانند اُسکے لیئے آتش کی

وہ بتیس برس کی عمر میں بادشاہ ہُوا اور اُس نے آٹھ برس یروشلم میں بادشاہت کی اور وہ بغیر اُسپر ماتم کیئے ہوئے جاتا رہا.......اور یروشلم کے باشندوں نے اُسکے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اُسکی جگہ بادشاہ کیا (۲ تواریخ باب ۲۱ ورس ۱۹-۲۰)

(۲ تواریخ باب ۲۲ ورس ۱)

(۵) اخزیاہ بیالیس ۴۲ برس کی عمر میں بادشاہ ہُوا (۲ تواریخ باب ۲۲-ورس ۲)

نوٹ- دوسری طرف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اخزیاہ کا باپ یہورام جب مرا- تو اُسوقت اُسکی عمر ۴۰ سال تھی اور اُس کے مرتے ہی لوگوں نے اُسکے سب سے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اُسکی جگہ بادشاہ بنایا اور اُسوقت اُسکی عمر ۴۲ سال کی تھی یعنی وہ اپنے حقیقی باپ سے ۲ سال بڑا تھا اور یہ بھی یاد رہے کہ اخزیاہ - یہورام کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اُس کے دوسرے بیٹے تو اور بھی اپنے باپ سے بڑے ہونگے- کیا خدا تعالےٰ کے کام میں ایسی لغویت کا ہونا ممکن ہے۔

(۶) کیونکہ اُس نے پیتل ڈھال کے ۲ ستون بنائے ہر ایک ستون اٹھارہ ہاتھ اونچا تھا ایک ایک کا گھیر بارہ ہاتھ کے سوت سے اندازہ کیا جاتا تھا (۱ سلاطین باب ۷-۱۵)

(۶) اور اُس نے گھر کے سامنے پینتیس ۳۵ ہاتھ لمبے دو ۲ ستون بنائے اور ایک ایک کا سرا جو ایک ایک کے سرے کے اوپر تھا پانچ ہاتھ لمبا تھا۔ (۲ تواریخ باب ۳-ورس ۱۵)

نوٹ- اگر یہ دونوں عبارتیں خدا کا کلام ہوتیں تو ایک جگہ ۱۸ ہاتھ اور دوسری جگہ ۳۵ ہاتھ لمبائی کیوں بیان ہوتی۔

(۷) تب ساؤل نے اپنے سلاح بردار سے کہا اپنی تلوار کھینچ اور اُس سے مجھے چھید دے تا نہووے کہ یے نامختون آویں اور مجھے چھید

(۷) تب داؤد نے اُس جوان کو جس نے اُسکو یہ خبر دی کہا تو نے کیونکر جانا کہ ساؤل اور اُسکا بیٹا یونتن مرے؟ اُس جوان نے

لیں اور میرے ساتھ ٹھٹھا کریں پر اُس کے سلاح بردار نے قبول نہ کیا اس لیئے کہ وہ نہایت ڈرا تب ساؤل نے تلوار لی اور اسپر گرا اور جبکہ اُس کے سلاح بردار نے دیکھا کہ ساؤل مرگیا تو وہ بھی اپنی تلوار پر گرا اور اُس کے ساتھ مرگیا - اسموائیل باب ۳۱ ورس ۴ - ۵)

نوٹ - ایک جگہ لکھا ہے کہ ساؤل نے تلوار پہ گر کر خود کشی کر لی - اور وہ مرگیا - دوسری جگہ لکھا ہے کہ ایک عمالیقی آدمی نے جو اتفاقاً ساؤل کے پاس پہنچا اُس کو قتل کیا - دونوں بیانوں کا مقابلہ کیا جاوے تو کیسا اختلاف ہے - کیا ایسا اختلاف خدائے تعالیٰ کے کلام میں ہو سکتا ہے ؟

(۸) اور جب اُسکو لے جاتے تھے شمعون نام قرینی کو جو شہر کے باہر سے آتا تھا پکڑ کے صلیب اُسپر رکھدی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے لے چلے (لوقا باب ۲۳ - ورس ۲۶)

جو اُسے خبر دیتا تھا کہا کہ میں جلبوع کے کوہستان میں اتفاقاً وارد ہوا اور دیکھو اُس دم ساؤل اپنے نیزے پر تکیہ کیئے ہوئے تھا اور دیکھو کہ رتھوں اور سواروں نے اُسکا نہایت پیچھا کیا ...... سو اس نے مجھے کہا تو کون ہے مینے اُسے کہا کہ میں ایک عمالیقی ہوں پھر اس نے مجھے کہا میرے پاس کھڑا ہو کے مجھے قتل کر کہ میں بڑے عذاب میں ہوں اور اب تک میرا دم مجھ میں ہے تب میں اُس پاس کھڑا ہوا اور اُسے قتل کیا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اب جو وہ گرا ہے تو نہ بچے گا نہیں اور مینے اُس کے سر کا تاج اور کنگن جو اُسکے بازو پر تھا لیا سو میں اُنہیں اپنے خداوند پاس لایا ہوں -

(۲ سموائیل باب ۱ - ورس ۵ سے ۶ - ۸ سے ۱۰)

(۸) تب اُس نے اُسے اُنکے حوالے کیا کہ اُسے صلیب دیجاوے اور وے یسوع کو پکڑ کے لیگئے سو وہ اپنی صلیب اُٹھائے ہوئے اسجگہ کو جو کھوپری کا مقام کہلاتا ہے جس کا ترجمہ عبرانی میں گلگتھ ہے نکل گیا - (یوحنا باب ۱۹ - ورس ۱۶ - ۱۷)

نوٹ - ایک انجیل کہتی ہے کہ صلیب کو شمعون اُٹھا کر لے گیا تھا دوسری کہتی ہے کہ نہیں یسوع خود اُٹھا کر لے گیا - ان دونوں میں سے کونسی الہامی عبارت ہے ؟

(۹) اُسکے بیٹے اُسے (یعقوب کو) کنعان کی زمین میں لے گئے اور اُسے مکفیلہ کے کھیت

(۹) اور یعقوب مصر میں گیا وہاں وہ اور ہمارے باپ دادے مرگئے اور وے اُنکو سکم میں لیگئے

کے مغارے میں جسے ابرہام نے گورستان کی ملکیت کے لیئے عفرون حتّی سے ممرے کے مقابل مول لیا تھا گاڑا (پیدائش باب ۵۰ ورس ۱۳)

اور اس مقبرہ میں جسکو ابرہام نے بنی ہمور سکم کے باپ سے روپیہ دیکے مول لیا تھا گاڑا - (اعمال باب ۷ ورس ۱۵-۱۶)

نوٹ - مسیحی صاحبان بتلائیں کہ ان دونوں میں سے کونسی الہامی عبارت درست ہے پُرانے عہدنامہ کی یا نئے عہدنامہ کی ؟

(۱۰) اور قادس سے چل کے کوہ حور میں جو زمین ادوم کی سرحد میں ہے خیمہ گاہ کی۔ یہاں ہارون کاہن خداوند کے حکم کے مطابق کوہ حور پر گیا اور اُس نے بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے پیچھے چالیسویں برس کے پانچویں مہینے کی پہلی تاریخ وہاں دفات پائی (گنتی باب ۳۳ - ورس ۳۷-۳۸)

(۱۰) تب بنی اسرائیل نے بیرات بنی یعقان سے موسیرہ کو کوچ کیا وہاں ہارون کا انتقال ہُوا اور وہیں گاڑا گیا اور اُسکا بیٹا الیعزر کہانت کے منصب پر اُس کا قائم مقام ہُوا (استثناء باب۱۰ ورس ۶)

نوٹ - مسیحی صاحبان بتلائیں کہ اگر یہ دونوں عبارتیں الہامی ہیں تو انہیں یہ تناقض کیوں ہے ؟

(۱۱) کیونکہ خدا کے نزدیک شریعت کے سننے والے راستباز نہیں ٹھیرتے بلکہ شریعت پر عمل کرنے والے راستباز ٹھیرینگے۔ (رومیون باب ۲ - ورس ۱۳)

(۱۱) پس کوئی آدمی شریعت پر عمل کرنیسے اُسکے سامنے راستباز نہ ٹھیریگا کیونکہ شریعت کے وسیلہ سے گناہ کی پہچان ہی ہے۔ (رومیون باب ۳ - ورس ۲۰)

نوٹ - کیا یہ متضاد بیان الہامی کہلا سکتا ہے ؟

(۱۲) تب موسیٰ اور ہارون اور ندب اور ابیہو اور ستّر بزرگ اسرائیلی اوپر گئے اور انہوں نے اسرائیل کے خدا کو دیکھا اور اُسکے پاؤں کے تلے جیسے نیلم کے پتھر کی گچکاری اور اُسکی شفّافی جرم آسمان

(۱۲) خدا کو کسی نے کبھی نہ دیکھا - اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اُسی نے بتلا دیا (یوحنا باب۱ ورس ۱۸)

کی مانند تھی (خروج باب ۲۴ - درس ۹ - ۱۰)

اور یعقوب نے اُس جگہ کا نام فنی ایل رکھا اور کہا کہ مینے خدا کو روبرو دیکھا اور میری جان بچ رہی ہے (پیدائش باب ۳۲ - درس ۳۰)

اور خداوند موسیٰ سے روبرو ہمکلام ہوا جس طرح اپنے دوست سے کلام کرتا ہے اور وہ لشکر گاہ کو پھرا پر اُسکا خادم نوجوان یشوع بن نون خیمہ میں سے نہ نکلا (خروج باب ۳۳ - درس ۱۱)

اور یوں ہوگا کہ جب میرے جلال کا گذر ہوگا تو میں تجھکو اُس چٹان کی دراز میں رکھونگا اور جب تک نہ گذر لُوں تجھے اپنی ہتھیلی سے ڈھانپونگا اور پھر اپنی ہتھیلی اُٹھاؤنگا اور تو میرا پیچھا دیکھیگا لیکن میرا چہرہ ہرگز دکھائی نہ دیگا (خروج باب ۳۳ - درس ۲۲-۲۳)

اور بولا تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا اس لیئے کہ کوئی انسان نہیں کہ مجھے دیکھے اور جیتا رہے -
(خروج باب ۳۳ - درس ۲۰)

نوٹ - مسیحی صاحبان بتلائیں کہ ان متناقض بیانات میں سے کون سا بیان الہامی ہے -

(۱۳) میرے اور بنی اسرائیل کے درمیان یہ علامت ابدی ہے اسلیئے کہ چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا (خروج باب ۳۱ - درس ۱۷)

نوٹ - اس سے معلوم ہوا کہ خداوند تھک گیا اس لیئے اسکو آرام کرنے اور تازہ دم ہونے کی ضرورت پڑی -

(۱۳) کیا تو نے نہیں جانا کیا تو نے نہیں سُنا خداوند سو ابدی خدا ہے زمین کے کناروں کا پیدا کرنے والا وہ تھک نہیں جاتا اور ماندہ نہیں ہوتا اس کے فہم کی تھاہ نہیں ملتی -
(یسعیاہ باب ۴۰ - درس ۲۸)

تو نے روپے سے میرے لیئے خوشبودار دکھ نہیں خریدی اور تو نے مجھے اپنے ذبائح کی چربی سے سیر کیا لیکن تو نے اپنے گناہوں سے مجھے باربردار کرایا اور اپنی خطاؤں سے مجھے تھکایا - (یسعیاہ باب ۴۳ درس ۲۴)

تو نے مجھے ترک کیا ہے خداوند کہتا ہے تو

اسکے مقابل میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ - اللہ تعالیٰ کو نہ ذبائح کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ اُنکے خون ہی پہنچتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے -

نوٹ - بائبل کہتی ہے کہ خداوند نے زمین آسمان

پیچھے پھر گئی اس لیئے میں تجھ پر اپنا
ہاتھ بڑھاؤں گا اور تجھے برباد کروں گا
میں پچھتاتے پچھتاتے میں تھک گیا۔
(یرمیاہ باب ۱۵۔ ورس ۶)

(۱۴) مینے اپنی حیات کی قسم کھائی ہے کلام
صدق میرے منہ سے نکلا ہے اور نہ پھرے گا
کہ ہر ایک گھٹنا میرے آگے جھکیگا اور ہر ایک زبان
میری قسم کھائے گی۔ (یسعیاہ باب ۴۵ ورس ۲۳)

(۱۵) جب ابرام ننانوے برس کا ہوا تب خداوند
ابرام کو نظر آیا اور اس سے کہا کہ میں خدائی قادر
ہوں۔ تو میرے حضور چل اور کامل ہو (پیدائش
باب ۱۷ ورس ۱)

یسوع نے انپر نظر کر کے انہیں کہا یہ انسان سے
نہیں ہو سکتا پر خدا سے سب کچھ ہو سکتا ہے
(متی باب ۱۹۔ ورس ۲۶)

(۱۶) خدا انسان نہیں جو جھوٹھ بولے نہ آدمی
زاد ہے کہ پشیمان ہووے کیا اُسنے جو کچھ کہا ہے
سو بجا نہ لاویگا اور جو کچھ کہ فرمایا کیا اُسے پورا نہ کریگا
(گنتی باب ۲۳۔ ورس ۱۹)

سوا اسکے اسرائیل کا وفادار جھوٹھ نہیں بولتا

پیدا کر کے تھک گیا۔ اسلیئے اُس نے ایک دن آرام
کیا تا آرام لیکر پھر تازہ دم ہو جائے۔ خدائے تعالیٰ قرآن شریف
میں اسکی تردید فرماتا ہے ولقد خلقنا السموات
والارض وما بینہما فی ستۃ ایام وما مسنا
من لغوب (ق) ہم نے آسمان اور زمین کو اور
جو کچھ انکے درمیان ہے چھ وقتوں میں پیدا کیا اور
ہمکو کوئی ماندگی نہیں پہنچی۔

(۱۴) پر میں تمھیں کہتا ہوں ہرگز قسم نہ کھانا نہ تو
آسمان کی کیونکہ وہ خدا کا تخت ہے نہ زمین کی
کیونکہ وہ اُسکے پاؤں کی چوکی ہے اور نہ یروشلم کی
کیونکہ وہ بزرگ بادشاہ کا شہر ہے (متی باب ۵ ورس ۳۴-۳۵)

(۱۵) اور خداوند یہوداہ کے ساتھ تھا اور
اُس نے کوہستانیوں کو خارج کیا پر نشیب
کے رہنے والوں کو خارج نہ کر سکا کیونکہ
اُن کے پاس لوہے کی رتھیں تھیں۔
(قاضیوں باب اول۔ ورس ۱۹)

(۱۶) تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے
سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہُوا۔
(پیدائش باب ۶ ورس ۶)

تب خداوند اُس بدی سے جو چاہا تھا کہ

اور پشیمان نہیں ہوتا کیونکہ وہ انسان نہیں ہے کہ پچھتاوے (۱۔سموئیل باب ۱۵ ورس ۲۹)

(۱۷) باپ بیٹے کو پیار کرتا ہے اور سب چیزیں اُس کے ہاتھ میں دی ہیں۔

(یوحنا۔ باب ۳۔ ورس ۳۵)

(۱۸) سُن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے (استثناء باب ۶ ورس ۴)

نوٹ۔ توریت کی پانچویں کتاب میں لکھا ہے کہ خدا ایک ہے۔ پولوس کا الہام کہتا ہے کہ خدا دو ہیں۔ ایک باپ دوسرا یسوع مسیح۔

(۱۹) بعد اسکے خداوند کا غصہ اسرائیل پر پھر بھڑکا کہ اُس نے داؤد کے دلمیں ڈالا کہ انکا مخالف ہو کے کہے کہ جا اور اسرائیل اور یہوداہ کو گن۔ (۲۔سموئیل باب ۲۴۔ ورس اول)

اپنے لوگوں سے کرے پچھتایا۔ (خروج باب ۳۲۔ ورس ۱۴)

(۱۷) اور وہ (بیٹا) کوئی معجزہ وہاں نہ دکھلا سکا۔

(مرقس باب ۶ ورس ۵)

(۱۸) لیکن ہمارا ایک خدا ہے جو باپ ہے جس سے ساری چیزیں ہوئیں اور ہم اُسی کے لیئے ہیں اور ایک خداوند ہے جو یسوع مسیح ہے جسکے سبب سے ساری چیزیں ہوئیں اور ہم اُسی کے وسیلے سے ہیں (۱۔ قرنتیوں باب ۸ ورس ۶)

(۱۹) اور شیطان اسرائیل کے مقابلے میں اُٹھا اور داؤد کو اُبھارا کہ اسرائیل کو شمار کرے

(۱۔ تواریخ باب ۲۱۔ ورس اول)

نوٹ۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ خداوند نے داؤد کے دل میں ڈالا کہ اسرائیل کو شمار کر۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ شیطان نے داؤد کو اس کام کے لیئے اُبھارا۔

(۲۰) خدا کا ہر ایک سخن پاک ہے وہ اُن کے لیئے جن کا توکل اُس پر ہے ایک سپر ہے۔

(امثال باب ۳۰ ورس ۵)

(۲۱) ہزار پشتوں کیلئے فضل رکھنے والا گناہ اور تقصیر اور خطا کا بخشنے والا لیکن وہ ہر حال معاف نہ کریگا بلکہ باپوں کے گناہ کا انکے فرزندوں

(۲۰) خداوند کے کلام کا شروع جو ہوسیع کے وسیلے سے آیا خداوند نے ہوسیع کو فرمایا کہ جا اور ایک زنا کار عورت اور زنا کے لڑکے اپنے لیئے لے کیونکہ ملک نے خداوند کو چھوڑ کر بڑی زنا کاری کی ہے۔ (ہوسیع باب اول ورس ۲)

(۲۱) وہ جان جو گناہ کرتی ہے سو ہی مریگی بیٹا باپ کی بدکاری کا بوجھ نہیں اُٹھاویگا اور نہ باپ بیٹے کی بدکاری کا بوجھ اُٹھاوے گا

سے اور فرزندوں کے فرزندوں سے تیسری اور چوتھی پشت تک بدلا لے گا

(خروج باب ۳۴۔ ورس ۷)

اُسکے فرزندوں کے لیئے قتل کے سامان اُنکے باپ دادوں کے گناہوں کے سبب طیار کرو تاکہ وے برپا نہ ہوویں اور ملک کے مالک نہ ہو جاویں اور شہر بناکے دنیا کو آباد نہ کریں

(یسعیاہ باب ۱۴۔ ورس ۲۱)

(۲۲) تو اپنے لیئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمانپر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا۔

(خروج باب ۲۰۔ ورس ۴)

(۲۳) بقا فقط اُسی کو ہے وہ اُس نور میں رہتا ہے جس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اور اُسے کسی انسان نے نہ دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے اُسی کی عزت اور قدرت ابدی ہے آمین

(۱۔ طمطاؤس۔ باب ۶۔ ورس ۱۶)

(۲۴) یہویکین آٹھ برس کی عمر میں بادشاہ ہُوا اور اُسنے تین مہینے دس روز یروشلم میں سلطنت کی اور اُس نے وے کام کیئے جو خداوند کی نظر میں بُرے ہیں (۲۔ تواریخ باب ۳۶۔ ورس ۹)

صادق کی صداقت اُسی پر ہو گی اور شریر کی شرارت اُسی پر پڑے گی۔

(حزقی ایل باب ۱۸۔ ورس ۲۰)

اولاد کے بدلے باپ دادے مارے نہ جائیں نہ باپ دادوں کے بدلے اولاد قتل کیجائیں ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائیگا۔

(استثناء۔ باب ۲۴۔ ورس ۱۶)

نوٹ۔ مذکورہ بالا دونوں ورس مسیحی کفارہ کو باطل کرتی ہیں۔

(۲۲) اور تو سونے کے دو کروبی بنائیو انہیں گھڑ کر اُس کنارے کے سرپوش کی دونوں طرف میں بنائیو۔

(خروج باب ۲۵۔ ورس ۱۸)

(۲۳) تب سلیمان نے کہا کہ خداوند نے فرمایا تھا کہ میں گھٹا کی تاریکی میں رہونگا (۱۔ سلاطین باب ۸ ورس ۱۲) اُسنے تاریکی کو اپنا پردہ کیا اور اُسکے گرداگرد پانیوں کا اندھیرا اور بادلوں کی گھٹا اُس کا خیمہ تھا۔

(زبور باب ۱۸۔ ورس ۹)

(۲۴) اور یہویکین جب تخت پر بیٹھا تب اٹھارہ برس کا تھا اور یروشلم میں اُس نے تین مہینے بادشاہت کی۔

(۲۔ سلاطین باب ۲۴۔ ورس ۸)

نوٹ۔ مسیحی صاحبان بتلائیں کہ آٹھ برس والا الہام درست ہے یا اٹھارہ برس والا۔

(۲۵) اور اُس نے شہر میں ایک منصبدار کو جو سپہ سالار تھا اور پانچ شخص اُنہیں سے جو بادشاہ کا مُنہ دیکھتے تھے اور شہر میں موجود تھے اور لشکر کا بڑا محرر جو مملکت کی موجودات دیکھتا تھا اور ساٹھ آدمی اُس مملکت کے جو شہر میں موجود تھے پکڑے -
(۲-سلاطین باب ۲۵- ورس ۱۹)

(۲۵) اور ایک خوجے کو جو سپہ سالار تھا اور بادشاہ کے مصاحبوں میں سے سات شخص کو جو شہر میں پائے گئے اور لشکر کے سردار کے محرر کو جو مملکت کی موجودات کو دیکھتا تھا اور اُس ملک کے ساٹھ آدمیوں کو جو شہر میں تھے وہ شہر سے لے گیا - (یرمیاہ باب ۵۲- ورس ۲۵)

نوٹ- یہ کس طرح ممکن ہے کہ خداوند کے کلام میں ایسی فاش غلطی ہو کہ ایک جگہ پانچ شخص بیان کیئے جاویں دوسری جگہ سات۔

(۲۶) صادق کھجور کے درخت کی مانند لہلہائیگا وہ لبنان کے دیودار کی طرح بڑھیگا-
(زبور باب ۹۲- ورس ۱۲)

(۲۶) راستباز ہلاک ہوتا ہے اور کوئی اس بات کو اپنی خاطر میں نہیں لاتا ہے اور دیندار لوگ اُٹھائے جاتے ہیں اور کوئی نہیں سوچتا کہ راستباز اُٹھایا گیا کہ آنیوالی آفت سے بچو (یسعیاہ باب ۵۷ ورس ۱)
سب کچھ جو ہوتا سبھوں پر یکسان گذرتا ہے صادق اور شریر پر نیکوکار اور پاک اور ناپاک پر اُسپر جو قربانی لاتا اور اُسپر جو قربانی نہیں لاتا ایک ہی ماجرا واقع ہوتا ہے جیسا نیکوکار ہے ویسا خطاکار ہے جیسا وہ ہے جو قسم کھاتا ایسا وہ ہے جو قسم سے ڈرتا ہے
(واعظ باب ۹- ورس ۲)

(۲۷) صادق پر کوئی بُرا حادثہ نہ پڑیگا پر شریر کا سراسر زیان ہوگا
(امثال- باب ۱۲- ورس ۲۱)

(۲۷) کہ خداوند جسے پیار کرتا ہے اُسے تنبیہ کرتا ہے اور ہر ایک بیٹے کو جسے وہ قبول کرتا ہے پیٹتا ہے (عبرانیوں باب ۱۲- ورس ٦)

(۲۸) خداوند کا خوف عمر کو دراز کرتا ہے پر شریروں کی زندگی گھٹائی جاتی ہے-
(امثال باب ۱۰- ورس ۲۷)

(۲۸) شریر کیونکر جیتے رہتے ہیں بوڑھے بھی ہوتے اور زور میں بڑھتے جاتے ہیں اُن کے

پر اے خدا تو اُنکو ہلاکت کے گڑھے میں گرادیگا
خونی اور دغاباز لوگ اپنی آدھی عمر تک نہ پہنچیں گے
پر میرا اعتماد تجھی پر ہے۔

(زبور باب ۵۵- ورس ۲۳)

(۲۹) ہاں شریر کا چراغ ضرور بجھایا جائیگا اور
اُسکی آگ کا شعلہ نہ چمکے گا.... الخ
وہ اُجالے سے اندھیرے میں دھکیلا جائیگا اور
دنیا میں سے رگیدا جائیگا اُسکا نہ بیٹا نہ بھتیجا
اُسکے لوگوں میں رہیگا اور اُسکے مکانوں میں کوئی
باقی نہ ہوویگا (ایوب-باب ۱۸- ورس
۵ سے ۱۱- اور ۱۷ سے ۱۹)

(۳۰) مے مسخرہ بناتی ہے اور مست کرنے
والی ہر ایک چیز غضب آلودہ کرتی ہے
جو اُن کا فریب کھاتا وہ دانشمند نہیں ہے

(امثال باب ۲۰- ورس اول)

جب مے لال لال ہووے اور اُسکا عکس جام
پر پڑے اور جب وہ بہتے وقت اپنی خوبی دکھلاوے
تو اُسپر نظر مت کر۔ کہ انجام کار وہ سانپ کی
مانند کاٹتی ہے اور بچھو کی طرح ڈنک مارتی
ہے (امثال باب ۲۳- ورس ۳۱-۳۲)

(۳۱) سو ساؤل کی بیٹی میکل مرتے دم
تک بے اولاد رہی (۲- سموائیل باب ۶ ورس ۲۳)

دیکھتے ہوئے اُنکے فرزند اُنکے ساتھ موجود
ہوتے ہیں اور اُنکی آنکھوں کے سامنے اُنکی نسل
بڑھتی ہے اُنکے گھر سلامت اور بیخوف ہیں اور خدا
کا ڈنڈا اُنپر نہیں پڑتا (ایوب باب ۲۱- ورس ۷-۹)

(۲۹) کہ میں نادان گھمنڈیوں پر حسد کرتا تھا
جبکہ میں نے شریروں کی کامیابی دیکھی کہ اُنکے مرنے
تک کوئی عقدہ نہیں اور اُنکی قوت کامل ہے
اور آدمیوں کی طرح اُنپر بپت نہیں پڑتی۔
دیکھو یہ شریر جو سدا اقبالمند رہتے ہیں وے
اپنی دولت بڑھاتے جاتے ہیں)- (زبور
باب ۷۳- ورس ۳ سے ۵-۱۲)

(۳۰) اور اُس نقدی سے جس چیز کو تیرا جی چاہے
مول لے خواہ گائے بیل یا بھیڑ بکری یا مے
یا مسکرات* اور کچھ جس پر تیرا جی راغب ہو اور
وہاں خداوند اپنے خدا کے آگے کھانا کھا اور تو اور
تیرا سارا گھرانا خوشی کرے۔ (استثنا باب ۱۴ ورس ۲۶)

شراب اُس کو پلاؤ جو مرنے پر ہے اور
مے اُنکو جو شکستہ دل ہیں تاکہ وہ پیوے
اور اپنی تنگدستی فراموش کرے اور اپنی
تباہ حالی کو پھر یاد نہ کرے۔

(امثال باب ۳۱- ورس ۶-۷)

(۳۱) پر بادشاہ نے ساؤل کے بیٹے ایاہ کی
بیٹی صفہ کے دو بیٹے جو ساؤل کے لیے جنی تھی

* یعنی نشہ آور چیزیں

نوٹ۔ کیا اس قسم کا اختلاف خداوند کے کلام میں ہو سکتا ہے؟ ایک جگہ لکھا ہے کہ میکل مرتے دم تک بے اولاد رہی۔ دوسری جگہ لکھا یعنی ارمونی اور مفیبوست اور ساؤل کی بیٹی میکل کے پانچ بیٹے جو برزلی محولاتی کے بیٹے عدرایل کے لئے جنتی تھی پکڑ (۲۔ سموئیل باب ۲۱ ورس ۸)

(۳۲) پھر ڈھالا ہوا ایک بحر بنایا وہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک دس ہاتھ تھا وہ بالکل گول تھا اور بلندی اسکی پانچ ہاتھ تھی اور اسکا گھیر تیس ہاتھ کے سوت سے انداز کیا جاتا تھا اور گرداگرد اس کے کنارے کے نیچے گانٹھیں بنائیں جو اسکو گھیرتی تھیں ہر ایک ہاتھ میں دس دس تھیں اور وے بحر کو گھیرتی تھیں گانٹھوں کی دو قطاریں تھیں اور جسوقت وہ ڈھالا گیا یے بھی ڈالی گئی تھیں اور بحر بارہ بیلوں پر رکھا گیا تین کے چہرے اُتر کے مقابل اور تین کے چہرے پورب کے مقابل اور بحر انکے اوپر تھا اور انکی پیچھے کے سب عضو اندر کو تھے اور دَل اسکا چار انگشت کا اور اسکا کنارہ پیالے کے کنارے کی طرح اور اُنمیں سوسن کے پھول بنے تھے اور بحر میں دو ہزار بتھ کی گنجائش تھی۔ (۱ سلاطین باب ۷ ورس ۲۳ سے ۲۶)

(۳۲) پھر ایک ڈھالا ہوا بحر بنایا جو اردگرد گول تھا عرض اُس کا ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک دس ہاتھ تھا اور بلندی اسکی پانچ ہاتھ اور اُسکا گھیر تیس ہاتھ کے سوت سے انداز کیا جاتا تھا اور گرداگرد اُسکے نیچے بیلوں کی صورتیں تھیں جو اُس کے اردگرد تھیں ایک ایک ہاتھ میں دس تھیں اور اُس بحر کو چاروں طرف سے گھیرتی تھیں بیلوں کی دو قطاریں اُسکو ڈھالنے میں اُسی کے ساتھ ڈھالی گئی تھیں اور بحر بارہ بیلوں پر رکھا گیا تین کے چہرے اُتر کے مقابل اور تین کے چہرے پچھم کے مقابل اور تین کے چہرے دکھن کے مقابل اور تین کے چہرے پورب کے مقابل اور بحر اُنکے اوپر تھا اور اُنکے پیچھے کے سب اعضا اندر کو تھے اور دَل اُس کا چار انگشت کا تھا اور اُسکا کنارا پیالے کے کنارے کی طرح اور سوسن کے پھول کے مشابہ تھا اُس کی گنجائش تین ہزار بط کی تھی (۲ تواریخ باب ۴ ورس ۲ سے ۵)

نوٹ۔ پادری صاحبان بتلائیں کونسا لفظ الہامی ہے دو ہزار یا تین ہزار؟

(۳۳) دانائی اول چیز ہے سو تو دانائی حاصل کر اور اپنی سب حاصلات کے ساتھ

(۳۳) کیونکہ لکھا ہے کہ میں حکیموں کی حکمت کو نیست اور سمجھنے والوں کی سمجھ کو

فہمید پیدا کر (امثال باب ۴۔ ورس ۷)

(۳۴) کیا ہی مبارک ہے وہ انسان جس نے دانائی کو پایا ہے اور وہ آدمی جس نے عقلمندی کو حاصل کیا (امثال باب ۳۔ ورس ۱۳)

(۳۵) سو جاد داؤد پاس آیا اور اُسکو خبر دی اور اُس سے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے کیا تجھ پر تیرے ملک میں سات برس کا کال پڑے یا تو تین مہینے تک اپنے دشمنوں سے بھاگتا پھرے اور وے تجھے رگیدیں یا تیری مملکت میں تین دن تک وبا پڑے اب صلاح لے اور تجویز کر کہ میں اُسے جس نے مجھے بھیجا کیا جواب دوں (۲۔ سموائیل باب ۲۴۔ ورس ۱۳)

نوٹ۔ یہ عجیب الہامی کتاب ہے۔ ایک جگہ سات برس کا قحط بیان کرتی ہے اور دوسری جگہ تین سال کا

(۳۶) تب بادشاہ نے اروناہ سے کہا یوں نہیں بلکہ میں قیمت دے کے اُسکو تجھ سے مول لونگا اور میں اُن چیزوں کو لیکے کہ جنپر میرا کچھ خرچ نہ ہو خداوند اپنے خدا کو سوختنی قربانیاں نہ چڑھاؤں گا سو داؤد نے وہ کھلیہان اور وے بیل پچاس مثقال چاندی دیکے مول لیئے (۲۔ سموائیل باب ۲۴۔ ورس ۲۴)

(۳۷) اور یواب نے لوگوں کے شمار کی فرد بادشاہ کو دی سو اسرائیل کے آٹھ لاکھ

ہیچ کرونگا (قرنتیون باب اول۔ ورس ۱۹)

(۳۴) کیونکہ بہت حکمت میں بہت دقت ہے اور جس کا عرفان فراواں ہوتا اُس کا دکھ زیادہ ہوتا (واعظ باب اول۔ ورس ۱۸)

(۳۵) سو جاد داؤد پاس آیا اور اُسے کہا کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ انمیں سے چن لے کہ تین برس کا کال ہو یا تو اپنے بیریوں کے آگے تین مہینے تک ہلاک ہوتا جاوے اور تیرے دشمنوں کی تلوار تجھ پر آپڑے یا تین دن خداوند کی تلوار یعنی مری ملک میں چلے اور خداوند کا فرشتہ اسرائیل کی ساری سرحدوں میں فنا کرتا جائے اب سوچ لے بتا کہ میں اپنے بھیجنے والے کو کیا جواب دوں (۱۔ تواریخ باب ۲۱۔ ورس ۱۱-۱۲)

(۳۶) داؤد بادشاہ نے اُرنان سے کہا سو نہیں بلکہ میں پورا دام دیکے اُسے مول لونگا کیونکہ میں اُسے جو تیرا ہے خداوند کیلیئے نہیں لینے کا اور بغیر خرچ کیئے سوختنی قربانیاں نہ گذرانونگا سو داؤد نے اُرنان کو اُس جگہ کے لیئے چھ سو مثقال سونا تول کے دیا۔

(۱۔ تواریخ باب ۲۱۔ ورس ۲۴-۲۵)

(۳۷) تب یواب نے لوگوں کے شمار کی فرد داؤد کو دی اور سارے اسرائیل گیارہ لاکھ

بہادر مرد تلوار چلانے والے تھے اور یہوداہ کے مرد
پانچ لاکھ تھے۔

(۲-سموئیل باب ۲۴- ورس ۹)

(۳۸) اور ارامی اسرائیل کے سامنے سے
نکل بھاگے اور داؤد کے ارامیوں کی
سات سو گاڑیاں اور چالیس ہزار سوار کاٹ ڈالے
اور انکی فوج کے سردار سوبک کو مار لیا جو
وہیں مر گیا۔ (۲-سموئیل باب ۱۰- ورس ۱۸)

(۳۹) اور داؤد نے اُس سے ایک ہزار رتھ
اور سات ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے
گرفتار کر لیئے اور گاڑیوں کے سارے گھوڑوں کو
انکی ران کی نس کاٹ کر لنگڑا کیا مگر انہیں سے
سو گھوڑوں کو بچا رکھا۔

(۱- تواریخ باب ۱۸- ورس ۴)

(۴۰) اُسوقت فلسطیوں کے لشکر سے ایک
مرد سورما نکلا جسکا نام جاتی جولیت تھا اُسکا
قد چھ ہاتھ ایک بالشت لمبا تھا اور اُس کے
سر پر پیتل کا ایک خود تھا اور پیتل ہی کی
ایک زرہ پہنے ہوئے تھا جو تول میں پانچہزار
مثقال پیتل کی تھی۔ ...... اور اُس کے بھالے
کی چھڑ ایسی تھی جیسے جلاہے کا شہتیر اور
اُسکے نیزے کا پھل چھ سو مثقال لوہے کا تھا

تلواریئے اور یہوداہ چار لاکھ ستر ہزار تلواریئے تھے
لیکن اُسنے اُنمیں لاوی اور بنی بنیمین کا شمار شامل
نہ کیا کیونکہ بادشاہ کا حکم یوآب کے نزدیک مکروہ تھا۔

(۱- تواریخ باب ۲۱- ورس ۵-۶)

(۳۸) لیکن ارامی اسرائیل کے آگے سے
بھاگے اور داؤد نے ارامیوں کے سات ہزار
گاڑی کے سواروں کو اور چالیس ہزار پیادوں کو
مار ڈالا اور لشکر کے سردار سوفک کو قتل کیا۔

(۱- تواریخ باب ۱۹- ورس ۱۸)

(۳۹) اور داؤد نے اُسکے ایک ہزار رتھ
اور سات سو سوار اور بیس ہزار پیادے پکڑ لیئے
اور داؤد نے رتھوں کے سب گھوڑوں
کی کھونچیں ماریں پر اُنہیں سے سو رتھوں
کے لیئے چھوڑ دیئے۔

(۲- سموئیل باب ۸- ورس ۴)

(۴۰) اور پھر فلسطیوں سے جوب میں ایک اور
لڑائی ہوئی تب الحنان بن یعری آرجیم نے
جو بیت لحم کا تھا جاتی جولیت کو جس کا نیزہ
ایسا تھا جیسا کہ جولاہوں کا شہتیر ہوتا
ہے مارا۔ (۲-سموئیل باب ۲۱- ورس ۱۹)

نوٹ- ایک ہی شخص کو دو شخص کی طرح جان
سے مار سکتے ہیں۔ پہلے جاتی جالوت کو حضرت
داؤد علیہ السلام نے قتل کیا دوسری جگہ

اور ایک شخص سپر لیئے ہوئے اُسکے آگے چلتا تھا
.... سو داؤدؑ ایک فلاخن اور ایک پتھر سے
اُس فلسطی پر غالب ہؤا اور اُس فلسطی کو مارا اور قتل
کیا اور داؤدؑ کے ہاتھ میں تلوار نہ تھی۔

(۱ سموائیل باب ۱۷۔ ورس ۴۔ ۷۔ ۵۰)

(۴۱) آخر کو یسّی نے اپنے ساتوں بیٹوں کو
سموائیل کے سامنے حاضر کیا سو سموائیل نے
یسّی کو کہا کہ خداوند نے انہیں پسند نہیں کیا
اور سموائیل نے یسّی کو کہا کہ تیرے سب لڑکے
یہی ہیں وہ بولا کہ سب سے چھوٹا ابتک باقی ہے کہ دیکھو وہ
بھیڑ بکریاں چراتا ہے سو سموائیل نے یسّی کو کہا
کہ اُسے بلا بھیج کیونکہ جبتک وہ یہاں نہ آئیگا ہم
دسترخوان پر نہ بیٹھیں گے (۱ سموائیل باب ۱۶ ورس ۱۰-۱۱)

(۴۲) خدا کی محبت جو ہم سے ہے اس سے
ظاہر ہوئی کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے
(یسوع مسیح) کو دنیا میں بھیجا تاکہ ہم
اُس کے سبب سے زندگی پاویں۔

(۱۔ یوحنا۔ باب ۴۔ ورس ۹)

(۴۳) اور یسوع آپ برس تیس ایک کا ہؤا
جب شروع کیا اور (جیسا کہ گمان تھا) وہ
یوسف کا بیٹا تھا اور وہ ہیلی کا۔

(لوقا باب ۳۔ ورس ۲۳)

لکھا ہے کہ اس جاتی جالوت کو الحنان بن
یعری آرجیم نے قتل کیا۔ ان دونوں بیانوں
میں سے کونسا بیان درست اور
الہامی ہے؟

(۴۱) اور یسّی سے اُس کا پلوٹھا الیاب
پیدا ہؤا اور ابنداب دوسرا اور سمع تیسرا
نتنئیل چوتھا ردی پانچواں عوضم چھٹواں
داؤدؑ ساتواں - (۱۔ تواریخ باب ۲۔ ورس ۱۳-۱۵)

نوٹ۔ کتاب سموائیل کے رو سے داؤدؑ یسّی
کا آٹھواں بیٹا تھا اور تواریخ کے رو سے
وہ ساتواں بیٹا تھا۔ اب مسیحی صاحبان فیصلہ
کریں کہ وہ ساتواں بیٹا تھا یا آٹھواں۔

(۴۲) تو خدا کے بیٹوں نے آدمیوں
کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وے خوبصورت
ہیں اور اُن سبھوں میں سے جسے جو پسند
آئیں اپنے لیئے جورواں لیں۔

(پیدائش باب ۶۔ ورس ۲)

(۴۳) اور یعقوب سے یوسف پیدا ہؤا
جو شوہر تھا مریم کا جس سے یسوع جو مسیح
کہلاتا ہے پیدا ہوا۔

(متی باب ۱۔ ورس ۱۶)

نوٹ۔ لوقا کہتا ہے کہ حضرت مریم صدیقہ کے شوہر یوسف کا باپ ہیلی تھا۔ متی کہتا کہ ہیلی نہیں یعقوب تھا۔

(۴۴) اور جب وے خداوند کی شریعت کے موافق سب کچھ کر چکے تو جلیل میں اپنے شہر ناصرت کو پھر گئے۔ (لوقا باب ۲۔ ورس ۳۹)

نوٹ لوقا کہتا ہے کہ یروشلم سے فارغ ہو کر یوسف بمع اپنے بیوی بچے کے واپس اپنے گاؤں ناصرہ میں چلا گیا اور متی کہتا ہے کہ مصر کو بھاگ گیا۔

(۴۵) اور کوئی آسمان پر نہیں گیا سوا اُس شخص کے جو آسمان سے اُترا یعنی ابن آدم جو آسمان پر ہے (یوحنا باب ۳۔ ورس ۱۳)

نوٹ۔ یوحنا کہتا ہے کہ صرف مسیح آسمان پر گیا مگر بائیبل کے دوسرے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے زمانہ سے پہلے دو شخص زندہ آسمان پر جا چکے تھے ایک ایلیا۔ دوسرا حنوک۔ اب مسیحی صاحبان بتلائیں کہ یوحنا کا قول الہامی ہے یا دوسرے اقوال یا یہ کہ سب اقوال بے بنیاد اور بیہودہ ہیں۔

(۴۶) کیونکہ باپ کسی شخص کی عدالت نہیں کرتا بلکہ اُس نے ساری عدالت بیٹے کو سونپ دی

(یوحنا باب ۵۔ ورس ۲۲)

نوٹ۔ یہ دونوں قول مسیح کی طرف منسوب کیئے گئے ہیں پہلے وہ کہتا ہے کہ عدالت کرنا ص

(۴۴) تب وہ اُٹھ کے رات ہی کو لڑکے اور اُسکی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو روانہ ہوا اور ہیرودیس کے مرنے تک وہاں رہا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہو کہ میں نے اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا (متی باب ۲۔ ورس ۱۴-۱۵)

(۴۵) اور ایسا ہوا کہ جونہیں وے دونوں بڑھتے اور باتیں کرتے چلے جاتے تھے تو دیکھ کہ ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے درمیان آکے اُن دونوں کو جدا کر دیا اور ایلیاہ بگولے میں ہو کے آسمان پر جاتا رہا

(۲۔ سلاطین باب ۲۔ ورس ۱۱)

اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور غائب ہو گیا اسلیئے کہ خدا نے اُسے لے لیا (پیدائش باب ۵۔ ورس ۲۴)

ایمان کے سبب سے حنوک اُٹھایا گیا تا کہ موت کو نہ دیکھے اور نہ ملا اسلیئے کہ خدا نے اُسکو اُٹھا لیا تھا کیونکہ اُس کے اُٹھ جانیسے پیشتر اُسپر یہ گواہی دی گئی کہ وہ خدا کو پسند آیا تھا (عبرانیوں باب ۱۱۔ ورس ۵)

(۴۶) اور اگر کوئی شخص میری باتیں سُنے اور ایمان نہ لاوے تو میں اُسپر حکم نہیں کرتا کیونکہ میں اسلیئے نہیں آیا کہ جہان پر حکم کروں بلکہ اس لیئے کہ جہان کو بچاؤں۔

(یوحنا باب ۱۲۔ ورس ۴۷)

ص اور حکم کرنا باپ نے اس دنیا میں میرے سپرد کر دیا ہے دوسری جگہ کہتا ہے کہ عدالت کرنا اور حکم کرنا میرا کام نہیں۔ دونوں جگہ اصل میں ایک ہی لفظ ہے۔ ایک جگہ اسکا ترجمہ عدالت کیا گیا ہے دوسری جگہ حکم کرنا۔

(۴۷) یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا
صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں
(متی باب ۱۰۔ ورس ۳۴)

میں زمین پر آگ لگانے آیا ہوں اور میں
کیا ہی چاہتا ہوں کہ لگ چکی ہوتی ....کیا
تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر میل کروانے
آیا ہوں نہیں میں تمہیں کہتا ہوں بلکہ جدائی
(لوقا باب ۱۲۔ ورس ۴۹-۵۱)

(۴۸) اگر کوئی میرے پاس آوے اور اپنے
ماں باپ اور جورو لڑکے اور بھائی بہن بلکہ
اپنی جان کی دشمنی نہ کرے میرا شاگرد ہو نہیں سکتا۔
(لوقا باب ۱۴۔ ورس ۲۶)

(۴۹) اُس نے اپنے دل سے آہ کھینچ کے
کہا اِس زمانے کے لوگ کیوں نشان چاہتے
ہیں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اِس زمانے
کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائیگا اور وہ
اُنسے جُدا ہوکے پھر کشتی پر چڑھ کے پار گیا۔
(مرقس باب ۸۔ ورس ۱۲-۱۳)

(۵۰) اور حکم کیا کہ سفر کے لیئے سوا لاٹھی
کے کچھ نہ لو نہ جھولی نہ روٹی نہ اپنے کمر بند
میں پیسے (مرقس باب ۶۔ ورس ۸)

(۴۷) داؤد کے شہر میں آج تمھارے لیئے ایک
نجات دینے والا پیدا ہوا وہ مسیح خداوند ہے
خدا کو آسمان پر تعریف اور زمین پر سلامتی اور
آدمیوں سے رضامندی ہووے۔
(لوقا باب ۲۔ ورس ۱۱-۱۴)

پر اب مسیح یسوع میں ہو کے تم جو آگے دُور تھے
مسیح کے لہو کے سبب سے نزدیک ہو گئے..... اور
اُس نے آکے تمھیں جو دُور تھے اور اُنہیں جو
نزدیک تھے صلح کی خوشخبری دی۔
(افسیون باب ۲۔ ورس ۱۳-۱۷)

(۴۸) ہر ایک جو اپنے بھائی سے دشمنی رکھتا ہے
خونی ہے اور تم جانتے ہو کہ کوئی خونی حیات ابدی
کو نہیں رکھتا کہ اُس میں قائم رہے۔
(۱۔یوحنا باب ۳۔ ورس ۱۵)

(۴۹) اے اسرائیلی مردو یہ باتیں سنو کہ
یسوع ناصری ایک مرد تھا جس کا خدا کی
طرف سے ہونا تمپر ثابت ہوا اُن معجزوں اور
اچنبھوں اور نشانیوں سے جو خدا نے
اُسکی معرفت تمھارے بیچ میں دکھائیں
جیسا تم آپ جانتے ہو (اعمال باب ۲۔ ورس ۲۲)

(۵۰) نہ سونا نہ روپا نہ تامبا اپنی کمر میں رکھو
راستے کیلیئے نہ جھولی نہ دو کُرتے نہ جوتیاں نہ
لاٹھی لو کیونکہ خوراک مزدور کا حق ہے۔
(متی باب ۱۰۔ ورس ۹-۱۰)

نوٹ۔ مرقس کہتا ہے کہ مسیح نے سفر میں لاٹھی اُٹھانیکی اجازت دی۔ متی کہتا ہے کہ لاٹھی اُٹھانیکی اجازت نہیں دی۔

(۵۱) اسلیئے کہ جنھوں نے بغیر شریعت پائے گناہ کیئے وے بغیر شریعت کے ہلاک ہونگے اور جنھوں نے شریعت پاکے گناہ کیئے اُنکی سزا شریعت کے موافق ہوگی۔

(رومیوں باب ۲۔ ورس ۱۲)

(۵۱) کہ شریعت قہر کا سبب ہے اس لیئے کہ جہاں شریعت نہیں وہاں نافرمانی بھی نہیں

(رومیوں باب ۴۔ ورس ۱۵)

نوٹ۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ شریعت کی عدم موجودگی میں بھی گناہ ہوتا ہے اور لوگ ایسی گناہوں کے سبب ہلاک بھی ہوتے ہیں دوسری جگہ اسکی تردید ہے ان میں سے کونسا قول الہامی ہے۔

(۵۲) تم آپسمیں اپنی تقصیروں کا اقرار کرو اور ایک دوسرے کے لیئے دعا مانگو تاکہ تم شفا پاؤ راستباز کی منت جب استعمال کی جاتی بڑی تاثیر رکھتی ہے۔

(یعقوب باب ۵۔ ورس ۱۶)

(۵۲) جیسا لکھا ہے کہ کوئی راستباز نہیں ایک بھی نہیں (رومیوں باب ۳۔ ورس ۱۰)

نوٹ۔ یعقوب کہتا ہے کہ دنیا میں بہت راستباز ہوتے ہیں۔ پولوس کہتا ہے کہ راستباز ایک بھی نہیں۔

(۵۳) اُس نے زمین کو اُس کی بنیادوں پر بنایا کہ اُسے کبھی ابدالآباد جنبش نہیں

(زبور باب ۱۰۴۔ ورس ۵)

ایک پشت جاتی ہے اور دوسری پشت آتی ہے پر زمین ہمیشہ قائم رہتی ہے

(واعظ باب اول۔ ورس ۴)

(۵۳) لیکن خداوند کا دن جس طرح رات کو چور آتا ہے آویگا اور اُسی میں آسمان سناٹے کے ساتھ جاتے رہیں گے اور اجرام فلک جلکر گداز ہوجائینگے اور زمین اُن کاریگریوں سمیت جو اُسمیں ہیں بھسم ہوگی۔ (۲۔ پطرس باب ۳ ورس ۱۰)

اور یہ کہ اے خداوند تُو نے ابتدا میں زمین کی نیو ڈالی اور آسمان تیرے ہاتھ کی کاریگری ہیں وے نیست ہوجائینگے پر تو باقی ہے اور وے سب پوشاک کی مانند پرانے ہونگے

(عبرانیوں باب اول۔ ورس ۱۰-۱۱)

(۵۴) اے میرے بھائیو جب تم طرح طرح کی

(۵۴) اور ہمیں آزمائش میں نہ ڈال بلکہ

آزمائشوں میں پڑو تو اُسے کمال خوشی سمجھو
(یعقوب باب اول ۔ ورس دوم)

برائی سے بچا کیونکہ بادشاہت اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں آمین
(متی باب ۶ ۔ ورس ۱۳)

(۵۵) ہر ایک جو خدا سے پیدا ہُوا ہے گناہ نہیں کرتا کیونکہ اُس کا تخم اُس میں رہتا ہے اور وہ گناہ کر نہیں سکتا کیونکہ خدا سے پیدا ہُوا ہے۔ (۱۔ یوحنا باب ۳ ۔ ورس ۹)

(۵۵) اگر کہیں کہ ہم بے گناہ ہیں تو ہم اپنے تئیں فریب دیتے ہیں اور سچائی ہم میں نہیں۔ (۱۔ یوحنا باب اول ورس ۸)
اسلیئے کہ کوئی انسان زمین پر ایسا صادق نہیں کہ نیکی کرے اور خطا نہ کرے۔
(واعظ باب ۷ ۔ ورس ۲۰)

(۵۶) پر اُس کے لیئے جو کام نہیں کرتا بلکہ اُسپر جو گنہگار کو راستباز ٹھہراتا ایمان لاتا ہے اُسی کا ایمان راستبازی گنا جاتا چنانچہ داؤدؑ بھی اُس آدمی کی نیک بختی کا ذکر کرتا ہے جسکو خدا بغیر اعمال کے راستباز ٹھہراتا۔
(رومیوں باب ۴ ۔ ورس ۵ - ۶)
کیونکہ تم فضل کے سبب ایمان لا کر بچ گئے ہو اور یہ تم سے نہیں خدا کی بخشش ہے اور یہ اعمال کے سبب سے نہیں نہ ہو کہ کوئی فخر کرے۔
(افسیون باب ۲ ۔ ورس ۸ - ۹)

(۵۶) اے میرے بھائیو اگر کوئی کہے کہ میں ایماندار ہوں اور عمل نہ کرتا ہو تو کیا فائدہ کیا ایمان اُسے بچا سکتا ہے ...... اس طرح ایمان بھی اگر عمل کے ساتھ نہ ہو تو اکیلا ہوکے مردہ ہے ...... پس تم دیکھتے ہو کہ آدمی اعمال سے راستباز ٹھہرایا جاتا ہے اور صرف ایمان سے نہیں .... پس جیسا بدن بے روح مُردہ ہے ویسا ہی ایمان بھی بے اعمال مُردہ ہے۔
(یعقوب باب ۲ ۔ ورس ۱۴ - ۱۷ - ۲۴ - ۲۶)

نوٹ۔ پولوس اور یعقوب کی تعلیم میں وہی فرق ہے جو ظلمت اور نور میں ہوتا ہے۔ پولوس کہتا ہے کہ راستبازی کے لیئے کسی عمل کی ضرورت نہیں۔ بلکہ جو شخص کسی گنہ گار بدکار سیاہ کار آدمی کو راستباز ٹھہراتا ہے اُسکی بات پر بھی ایمان لانے والا راستبازوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ راستباز بننے کے لیئے یہ ضروری نہیں کہ ایمان کے ساتھ نیک عمل بھی ہوں۔ اسکے برخلاف یعقوب کہتا ہے کہ جس ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ نہ ہوں وہ ایمان مُردہ ہے وہ کچھ چیز نہیں۔ (باقی آیندہ)

اسرائیل کی گم شدہ بھیڑیں

رسالہ ہذا میں بارہا اس امر پر بحث ہو چکی ہے کہ افغان اور کشمیری دراصل اسرائیل کی کھوئی بھیڑیں ہیں۔ ہمارے ناظرین میں سے جو صاحب مضمون بالا کا مطالعہ کرنا چاہیں انکی خدمتمیں التماس ہے کہ ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ جون ۱۹۰۷ء ملاحظہ فرمائیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اہالیان افغانستان اور کشمیر درحقیقت اسرائیلی ہیں اور یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام اپنی گم شدہ بھیڑوں کی تلاش میں افغانستان ہوتے ہوئے کشمیر میں وارد ہوئے آخر کشمیر ہی میں اس دار فانی سے رخصت ہو کر عالم جاودانی کو سدھارے چنانچہ آجتک آپکا مقبرہ سری نگر کشمیر محلہ خانیار میں موجود ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل کی تمام قوموں کو مسیح موعود کی آمد کا وعدہ دیا گیا تھا اس لیئے افغانستان اور کشمیر کے اسرائیلی بوجوہات ذیل حضرت مسیح کی تشریف آوری کا زیادہ استحقاق رکھتے تھے۔

اوّل۔ مشرقی اسرائیلی یعنی افغان اور کشمیری مغربی اسرائیلیوں یعنے شامیوں کی نسبت تعداد میں زیادہ تھے کیونکہ ملک شام میں تو اسرائیل کی صرف دو قومیں رہتی تھیں اور اول الذکر باقی دس اقوام کی اولاد تھے۔

دوم۔ اصل وطن سے دور پڑے ہوئے لوگ اہل وطن کی نسبت زیادہ اصلاح کے محتاج ہوتے ہیں اسلیئے حضرت مسیح کے لیئے مشرقی اسرائیلیوں کی خبرگیری مغربی اسرائیلیوں کی نسبت زیادہ ضروری تھی۔

حضرت مسیح نے بقول متی باب ۱۵۔ ورس ۲۴ فرمایا تھا کہ "میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی پاس نہیں بھیجا گیا ہوں" اگر اس وعدہ کے باوجود وہ اپنی بعثت صرف شام کی دو اسرائیلی قوموں تک محدود رکھتے تو وہ اپنے فرض منصبی کی ادائگی میں قاصر رہتے۔ انجیل کی محولہ بالا ورس سے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ یسوع مسیح صرف اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش و خبرگیری کے لیئے مامور

ہوئے تھے۔ شامی اسرائیلیوں پر "کھوئی ہوئی بھیڑوں" کی مثال صحیح معنوں میں صادق ہی نہیں آسکتی کیونکہ کھوئی ہوئی بھیڑیں تو وہی ہوتی ہیں جو ریوڑ سے علیحدہ گھر سے دُور اور گلہ بان کی آنکھ سے اوجھل ہوگئی ہوں۔ شامی اسرائیل گھر میں اور ریوڑ کی اصل جگہ پر موجود تھے۔ وہ برسوں گلہ بان کی آنکھ کے نیچے رہے۔ اُنکو بھیڑیوں کے حملوں کا چنداں خوف وخطر نہ تھا اسلیئے اُنکو کھوئی ہوئی بھیڑیں کہنا ہی غیر موزون معلوم ہوتا ہے ہاں کھوئی ہوئی بھیڑیں وہ تھیں جو اصل گلہ اور گھر سے دُور افغانستان وکشمیر میں پڑی ہوئی تھیں اور احتمال تھا کہ مبادا وہ جنگلی جانوروں اور بھیڑیوں کا شکار ہو جائیں پس اپنی دُور افتادہ کھوئی ہوئی بھیڑوں کی خبرگیری موعودہ گلہ بان کا نصب العین تھی لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے جونہی صلیب کی لعنتی موت سے نجات پائی وہ فوراً اپنے معدودے چند شامی حواریوں سے رخصت ہو کر کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ اس سفر میں جسے مسیحؑ کی ہجرت کہنا بجا ہے خداوند تعالیٰ نے خود آپ کی رہنمائی کی اور آخر گلہ بان اپنی بھیڑوں کے پاس آپہنچا۔ اُنکے منزل مقصود پر پہنچنے کا بین ثبوت یہ ہے کہ ان مشرقی اسرائیلیوں کے درمیان ہم کو ایک نبی کا مقبرہ ملتا ہے جسکی نسبت یہ مشہور ہے کہ اسمیں ایک بزرگ نبی صاحب یا عیسیٰ صاحب مدفون ہیں جو ۱۹۰۰ برس گذرے کسی مغربی ملک سے یہاں تشریف فرما ہوئے تھے۔ اور اُس بزرگ کو عیسیٰ صاحب بھی کہتے ہیں یا بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ مسیح ناصری علیہ السلام واقعہ صلیب کے بعد کشمیر تشریف لائے اور عمر طبعی کو پہنچکر یہیں فوت ہوئے اور سری نگر محلہ خانیار کے مقبرہ میں مدفون ہیں۔

چونکہ اس مضمون پر ہم رسالہ ہٰذا کے گذشتہ نمبروں میں سیر کن بحث کر چکے ہیں لہٰذا اس کے بیئے مزید دلائل کا اعادہ غیر ضروری ہے۔ اسوقت ہم ایک نئی شہادت پیش کرتے ہیں جو افغانوں اور کشمیریوں کے اسرائیلی ہونے پر دلالت کرتی ہے وھوھٰذا ساحل مالابار پر ایک قوم آباد ہے جو اپنے تئیں بنی اسرائیل کہلاتی اور موسوی شریعت کی تابع ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد شام، عرب یا ایران سے نہیں بلکہ کسی شمالی

ملک سے آئے تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ شمالی ملک کشمیر یا افغانستان کے سوا اور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ساحل مالا بار سے شمالی جانب بحر منجمد شمالی کے کناروں تک محولہ بالا دو ملکوں کے سوا اور کوئی ایسا ملک نہیں جہاں کے باشندوں کے خط و خال اسرائیلیوں سے ملتے ہوں۔ اور جو بنی اسرائیل ہونے کا دعویٰ کرتے ہوں۔ الغرض ہم کو اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کا ایک ایسا حصہ ملتا ہے جنہوں نے افغانوں یا کشمیریوں کی طرح کوئی مذہب اختیار نہیں کیا بلکہ تاحال اپنے پرانے عبرانی مذہب کے چند اصولوں پر قائم ہیں۔ یہ لوگ افغانوں اور بعض دیگر شمالی ہندوستان کے لوگوں کی طرح بڑی تحدی سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اسرائیل کی اولاد سے ہیں۔ ان مالا باری بنی اسرائیلیوں میں سے ایک صاحب ایچ۔ ایس۔ رونبرز نامی ساکن بمبئی نے اتفاقاً ریویو آف ریلیجنز کا وہ مضمون مطالعہ کیا جس میں ہم نے افغانوں اور کشمیریوں کو اسرائیلی النسل ثابت کیا تھا اس مضمون سے متاثر ہو کر صاحب موصوف نے نہایت مہربانی سے ہمارے پاس ایک چھوٹی سی کتاب بھیجی ہے جس میں ان لوگوں کا ذکر درج ہے۔ اس کتاب کا نام "یہودی ہندوستان اور مشرق بعید میں" ہے۔

احاطہ بمبئی کے بنی اسرائیل کی آبادی تخمیناً دس ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ سلطنت انگلشیہ کی آمد سے قبل یہ لوگ احاطہ بمبئی کے جنوب مشرقی اضلاع میں آباد اور عام دیہاتیوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے چونکہ یہ لوگ عموماً تیل نکالنے کا کام کرتے اور شنوار یعنی ہفتہ کے دن سبت مناتے تھے اس لئے وہ شنوار تیلی یعنی سبت کے دن والے تیلی کہلاتے تھے۔ تیل نکالنے کے علاوہ یہ لوگ اور اور کام بھی کرتے تھے چنانچہ ان میں سے بعض تو ابتک مختصر سی کاشتکاری یا دوکانداری کا شغل رکھتے ہیں۔ اور بعض دستکار خصوصاً بڑھئی ہیں۔ برٹش نظام حکومت کا دور دورہ ہونے کے ساتھ ہی اس عجیب اور تاریخی قوم کی حالت میں بھی ایک تغیر پیدا ہوا ہے اور کثیر التعداد بنی اسرائیل اپنے سابقہ دیہات کو جہاں انکی باقی قوم ابتک آباد ہے ترک کر کے احاطہ بمبئی کے دارالخلافہ اور دیگر قصبہ جات مثل پونا۔ تھانہ۔ کراچی۔ احمد آباد اور دھارواڑ وغیرہ میں اقامت گزین ہوئے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دوران حکومت میں بہت سے بہادر سپاہی اس قوم میں سے بھرتی کیئے گئے تھے۔ جب ۱۷۹۰ء–۱۷۸۹ء میں میسور کی دوسری لڑائی ہوئی تو بہت سے بنی اسرائیل کو جو کمپنی کی افواج میں ملازم تھے سلطان ٹیپو

کے لشکر نے گرفتار کر لیا۔ جب ان قیدیوں کا اصل حال سلطان کی والدہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے اُنکو رہائی کے لیئے بدیں الفاظ سفارش کی کہ میَنے بنی اسرائیل کو ہندوستان میں پہلی مرتبہ دیکھا ہے یہ وہ قوم ہے جسکا ذکر بار بار قرآن کریم میں آتا ہے اس لیئے میں سفارش کرتی ہوں کہ انکو رہا کر دیا جاوے۔ جب سے اہل یوروپ کو اُس کا حال معلوم ہوا اور اُن کے اصلی حالات معلوم کرنیکی سعی ہونے لگی ہے اُسی وقت سے یہ لوگ معترض رہے ہیں کہ اُن کو 'یہودی' نہ کہا جائے بلکہ 'بنی اسرائیل' کے نام سے پکارا جائے۔ کیونکہ بقول اُن کے 'بنی اسرائیل' کے علاوہ اور کسی نام کا صحیح اطلاق اُنپر نہیں ہوسکتا اب یہ صاف ظاہر ہے کہ لفظ بنی اسرائیل کے معنے اسرائیل کی اولاد ہیں اور اگر تاریخ پر غور کیا جائے تو بنی اسرائیل کا لفظ یہودی کے لفظ کی نسبت قدیم تر اور زیادہ پرانا ثابت ہوتا ہے پس یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ اپنی قدیم اصل سے منسوب ہونا ہی افضل اور انسب خیال کرتے ہیں۔ اور اُنکا یہ فعل ہی ایک سمجھدار اور منصف محقق کے لیئے اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی اُن اقوام سے تعلق نہیں رکھتے جنکی اولاد عام یہودی ہیں بلکہ اُن کا تعلق اسرائیل کی گم شدہ قوموں سے ہے :۔

مالاباری بنی اسرائیل کے ناموں پر اگر غور کیا جائے تو بمشکل کوئی ایسا زن و مرد ہوگا جسکا نام بائیبل کے اسماء کی فہرست سے باہر ہو۔ البتہ اسقدر فرق ضرور ہُوا ہے کہ گو وہ اب بائیبل کے تمام اسماء استعمال کرتے ہیں مگر کچھ مُدّت پہلے اُنکے مردوں میں یہوداہ اور عورتوں میں آستر کا نام نہیں ہوتا تھا حالانکہ عام یہودی ان ناموں کو بہت ہی عزیز رکھتے ہیں اُنکے سابقہ ناموں میں روبن بکثرت اور عام طور پر رکھا جاتا تھا۔ اُنکے ناموں پر نظر ڈالنے سے ایک اور عجیب بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ ہندوستان کی آب و ہوا نے جہاں اُن کے رنگ پر اثر کیا ہے وہاں اس ملک کی بود و باش اور زبان نے اُنکے ناموں میں بھی تبدیلی پیدا کر دی ہے چنانچہ ذیل میں اُنکے چند ایک نام دیئے جاتے ہیں جو عبرانی سے ہندی بنائے گئے ہیں مثلاً باناجی (بن یامین) مُوسیٰ جی (موسیٰؑ) آباجی (ابراہیمؑ) ہاروجی (ہارونؑ) ساماجی (سموئیل) داؤدجی (داؤدؑ) ایساجی (اسحٰقؑ) اقروب جی (یعقوبؑ) الیسوب جی

(یوسفؑ) ایلوجی (الیاسؑ) حزؔ جی (حزقیلؑ) رو ماجی (رحامیم) ار بن جی (اربن) سلیمان جی (سلیمانؑ) شمشان جی (شمسون) شالوم جی (سلوم) وغیرہ وغیرہ۔ یہ مہند نام گو قصبات میں اب ترک کیئے جارہے ہیں اور انکی جگہ خالص ہندو ناموں کا رواج ہر دو مرد اور عورتوں میں ہورہا ہے تاہم دیہات میں ابھی تک وہی قدیم نام رکھے جاتے ہیں جو قدیم بنی اسرائیل میں رائج تھے؛

احاطۂ بمبئی کے بنی اسرائیل نے بھی افغانوں اور کشمیریوں کی طرح نہ صرف اپنی قدیم رسوم و عادات کو خیرباد کہا ہے بلکہ اپنے قدیم مذہب کو بھی بھلا دیا ہے۔ مزید براں وہ زبان عبرانی سے بھی نابلد و ناآشنا ہو گئے ہیں۔ انکو اپنی مقدس زبان سے اگر کچھ یاد ہے تو صرف یہودیوں کا ایک خاص کلمہ ہے۔ اہل یورپ نے جب انکے متعلق تحقیقات شروع کی تو انکی حالت میں اسقدر تغیر تھا کہ بظاہر انکی اصلیت کا پتہ لگانا محال معلوم ہوتا تھا۔ بعد غور چند ایک ایسی شہادتیں ملگئیں جن سے انکا گمشدہ اسرائیلی اقوام کی اولاد ہونا پایہ ثبوت کو پہنچگیا۔ محولہ بالا شہادتیں جو یوروپین محققین کے تیقن کا باعث ہوگئیں حسب ذیل تھیں۔

اوّل۔ انمیں ختنہ کا رواج تھا اور یہ رسم بچپن میں ادا کی جاتی تھی۔

دوم۔ وہ ہفتہ کے دن سبت مناتے اور اس دن کو متبرک سمجھے تھے۔

سوم۔ اگرچہ انکے پاس عبرانی زبان میں نہ کوئی صحیفہ تھا اور نہ کوئی اور قسم کی مذہبی کتاب تھی تاہم انکو شِمَع یِسرائیل یا یہودیوں کا بڑا کلمہ زبانی یاد تھا جسکے معنے یہ ہیں "سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے" (استثناء ۶: ۴) چونکہ انکو اور کسی قسم کی دعائیں یا نماز یاد نہ تھی اسلیئے وہ اسی کلمہ کو ہر ایک مذہبی رسم یعنی پیدائش۔ موت۔ شادی۔ روزہ اور دعوت غرض ہر موقعہ پر متواتر ورد زباں کیا کرتے تھے۔

چہارم۔ افغانوں کی طرح وہ بھی اسرائیلیوں کا امتیازی نشان یعنی زلفیں رکھا کرتے تھے اور بنی اسرائیل میں یہ رواج قدیم اور بائیبل کے مطابق ہے ملاحظہ ہو احبار باب ۱۹ ورس ۲۷)

پنجم۔ انکے ہاں تواتر سے یہ روایت چلی آتی تھی کہ ہم اسرائیل کی اولاد سے ہیں۔
ششم۔ یہ لوگ ٹانگ کی اُس رگ کا استعمال نہیں کرتے تھے جس کا کھانا پیدائش ۳۲:۳۲ کے مطابق ممنوع ہے اور سوئر کا گوشت کھانا انکے ہاں کبائر سے شمار ہوتا تھا۔

مذکورہ بالا شہادتوں پر نظر غائر ڈالنے سے محققین کو یقین ہو گیا کہ لاریب یہ قوم بنی اسرائیل ہیں اور اسرائیل کی اُن گم شدہ اقوام میں سے ہیں جو مدّتیں گذریں اپنے مولد اور اصل وطن سے دُور اور گھر سے باہر نکل چکی تھیں۔ مذکورہ بالا شہادتوں کے علاوہ اور بھی ایسے اسباب ہیں جو بمبئی کے بنی اسرائیل کو گم شدہ اقوام کی ایک شاخ ثابت کرتے ہیں مثلاً وہ ابتک موسوی شریعت کے مقرر کردہ روزے رکھتے اور قدیم عبرانی تہوار مناتے ہیں۔ اگرچہ انکو غیر ممالک میں بود و باش رکھتے ہوئے مدت مدید گذر چکی ہے تاہم وہ وہی ضروری تہوار اور روزے اپنے ہی خاص طریق پر ادا کرتے ہیں البتہ امتداد زمانہ اجنبی ممالک اور غیر اقوام میں رہنے سہنے اور اصل وطن سے علیحدہ اور دُور ہو جانے سے اسقدر فرق ضرور ہو گیا ہے کہ یہ تہوار اور روزے من وعن تورات کے مقررہ دستور کے موافق انجام پذیر نہیں ہوتے کیونکہ بعض بعض رسومات بالکل ہی ادا نہیں کی جاتیں۔ اس تفریق کے متعلق بعض محققین کا خیال ہے کہ ملاباری بنی اسرائیل کے رسوم وعادات مشنائی زمانہ کے مطابق ہیں اور ربیوں کی اصلاح کردہ یہودیت سے انکا کچھ تعلق نہیں۔ اس لئے ان محققین کی یہ رائے ہے کہ جو لوگ مشنائی زمانہ کے رسوم عادات سے ناواقف ہیں وہ ہندی بنی اسرائیل کی رسوم وعادات دیکھکر ان پر کفر و الحاد کا فتویٰ دینگے کیونکہ ان ہر دو زمانوں کی عبرانی رسوم وعادات میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ہندی بنی اسرائیل کے درمیان بعض ایسے مذہبی رسوم بھی رائج ہیں جن کی تلقین وقتاً فوقتاً نو وارد یہودی کرتے رہے ہیں البتہ اسقدر احتیاط سے کام لیا گیا ہے کہ بعد کی رائج شدہ رسومات کو تو ہندوستانی ناموں سے موسوم کیا گیا اور قدیم رسومات کو مرہٹی نام دیئے گئے ہیں۔ مرہٹی زبان کے استعمال کا سبب یہ تھا کہ علاقہ مہاراشٹر کی قدیم زبان ہونیکی وجہ سے بنی اسرائیل بھی عام طور پر یہی زبان بولتے ہیں۔ جس چھوٹی سی کتاب کا ہم پہلے حوالہ دے چکے ہیں اُس کا مصنف بمبئی کے

بنی اسرائیل کی پانچ ایسی رسومات منتخب کرتا ہے جو عوام یہود کے رسم و رواج کے مطابق ہیں اور ظاہر کرتا ہے کہ جہاں بنی اسرائیل میں دوسری یہودی اقوام کے سے قدیم رسوم و عادات کا رواج ہے وہاں انہیں ایسی رسوم بھی پائی جاتی ہیں جن سے موجودہ یہود تو محض ناآشنا ہیں۔ لیکن از روئے تحقیقات انکا نہایت قدیم اسرائیلی کتب میں پایا جانا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہی اس امر کی کافی دلیل ہے کہ مغربی ہند کے بنی اسرائیل اُن اسرائیلی اقوام کے جانشین ہیں جو بہت قدیم زمانہ میں اپنے وطن سے ہجرت کر گئی تھیں۔ یہ آخر الذکر رسومات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) لوبان کا استعمال (۲) گنتی ۶-۱۸ کے مطابق نذیر کی منت (۳) سبزہ - مالیدہ اور بکری کے جگر کا استعمال وغیرہ وغیرہ (۴) برکت کا پیالہ (۵) امن کا بوسہ۔ اب یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ رسومات طالمود کے قبل زمانہ کی تھیں کیونکہ طالمودی یہودیوں میں ان کا قطعاً رواج نہیں واضح رہے کہ آجکل کے یہود کا مذہب عموماً طالمود پر مبنی ہے اس لیئے لوبان کا استعمال وہ ناجائز قرار دیتے ہیں اور انہی کے کہنے سُننے سے مالاباری بنی اسرائیل نے بھی کچھ مدت سے اس رسم کو ترک کر دیا ہے۔ گو عام یہودی لوبان کے استعمال کو ناجائز قرار دیتے ہیں مگر جائے تعجب ہے کہ ہندی بنی اسرائیل کے علاوہ چینی بنی اسرائیل بھی۔ جنکا ایک حصہ ابتک کے فنگ فو میں آباد ہے اپنی عبادتوں میں بکثرت خوشبو کا استعمال کرتے تھے۔

یہاں پر اس امر کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا کہ جس طرح بمبئی کے بنی اسرائیل میں یہ روائیت چلی آتی ہے کہ اُنکے آباؤ اجداد شمال کی طرف سے ملک مالابار میں آئے تھے بعینہٖ چینی بنی اسرائیل میں بھی ایسی ہی روایت ہے کہ اُنکے بزرگ مغرب کی طرف سے چین میں داخل ہوئے تھے۔ اب اگر بہ نظر تعمق دیکھا جائے اور سمند فکر کو مالابار سے شمال اور چین سے مغرب کی طرف جولانی دیکر اُن تمام ممالک کی سیر کیجائے جو سمتہائے مذبورہ میں واقع ہیں تو ایک طرف تو مغربی گھاٹ صحرائے راجپوتانہ اور وادیٔ پنجاب کی سیر کے بعد اور دوسری طرف تبت کی سطح مرتفع کو عبور کرنے کے بعد ہم ایسے ممالک میں پہنچتے ہیں جہاں کے باشندے خط و خال میں اسرائیلیوں سے مشابہ نظر آتے اور بڑی تحدی سے اسرائیلی النسل ہونے کے مدعی ہیں یہاں ٹھہر کر اور ان لوگوں کے بنی اسرائیل ہونے کے دلائل کو سنکر اس امر میں قطعاً شبہ نہیں رہتا کہ ان

ممالک یعنی افغانستان اور کشمیر کے باشندے بنی اسرائیل ہیں اور چینی اور مالا باری بنی اسرائیل انہی ملکوں سے ہجرت کر کے جنوب و مشرق کی طرف چلے گئے تھے۔

افغانوں اور کشمیریوں کے اسرائیلی الاصل ہونے کی بہت سی دلائل ہیں منجملہ انکے ایک خاص اور ایسی زبردست دلیل ہے جو مالا باری یا چینی بنی اسرائیل کی تائید میں پیش نہیں ہو سکتی اور صرف اہالیان کشمیر و افغانستان کی ہی موید ہو سکتی ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کردستان کے بنی اسرائیل بھی جن کا ذکر مصنف نے کتاب مذکورۃ الصدر میں کیا ہے ہرگز ایسی زبردست دلیل نہیں پیش کر سکتے۔ ہم اپنے ناظرین کے صبر کا دیر تک امتحان کرنا نہیں چاہتے اور عرض کیے دیتے ہیں کہ یہ دلیل یا شہادت افغانستان اور کشمیر کے شہروں اور قصبات کے ناموں کی صورت میں ابتک موجود ہے۔ ان ممالک کے بعض شہروں کے نام وہی ہیں جو شام کے قدیم شہروں کے تھے۔ چنانچہ افغانستان کا موجودہ دارالسلطنت خود شام کے ایک قدیمی شہر کے نام پر ہے جس کا ذکر یوشع کی کتاب باب ۱۹ ورس ۲۷ میں ہے نیز ملاحظہ ہو سلاطین باب ۹ ورس ۱۳ جہاں لکھا ہے "اور بولا اے میرے بھائی یہ کیا شہر ہیں جو تو نے مجھے دیئے اور اُس نے اُن کا نام کابول کا ملک رکھا"۔ رسالہ ہٰذا کے ناظرین اگر تکلیف گوارا کریں اور قدیم ملک شام کے نقشہ پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو عرض البلد شمال درجہ ۳۲ دقیقہ ۵۱ طول البلد شرقی درجہ ۳۵ دقیقہ ۱۲ پر انکو شہر کابل ملیگا۔ غرض افغانوں اور کشمیریوں کے بنی اسرائیل ہونے میں قطعاً شک و شبہ کو گنجائش نہیں اور تھوڑے غور سے ایک طالب حق جان سکتا ہے کہ آبادکار جس نئے ملک میں جاتے ہیں وہاں وہ اکثر اپنے ملک کے پرانے شہروں اور قصبات کے نام پر نو آباد قصبات و شہروں کے نام رکھتے ہیں۔

یوروپین مشنری جو ان تمام واقعات سے آگاہ اور اس سچائی سے آشنا ہیں ضرور اس حقیقت کو شائع کرتے اور ڈنکے کی چوٹ سے دنیا میں پھیلاتے بشرطیکہ دو باتیں اُن کی سدِ راہ نہ ہوتیں۔ پہلی بات جو اُنکے جوش کو ٹھنڈا کرنے والی اور اُنکی ہمت کو پست کرنیوالی ہے وہ یہ ہے کہ ہردو افغان اور کشمیری اُس مذہب کے پیرو ہیں جو داعیان عیسائیت کی آنکھ کا خار اور سینے کا سانپ ہو رہا ہے اور جسکی مخالفت نے ہر چشم حاسدوں کی تنگ آنکھ کو راستی

کے نور سے محروم رکھتی اور انکی زبان کو حق کے اظہار سے باز رکھتی ہے۔ دوسرا امر جو مسیحی واعظین کو
مذکورہ بالا اقوام کے بنی اسرائیل تسلیم کرنے سے باز رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر وہ افغانوں اور
کشمیریوں کو اسرائیلی الاصل مان لیں تو پھر انکو اس خیال کے لوگوں کے سامنے زک اٹھانی
اور انکی تائید کرنی پڑتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یسوع مسیح صلیب کی لعنتی موت سے بچکر
اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں نکلے اور افغانستان ہوتے ہوئے کشمیر میں تشریف
لائے اور یہیں وصال فرما کر سری نگر محلہ خانیار میں مدفون ہوئے اور جو قدیم مقبرہ شہر مذکور
میں نبی صاحب یا عیسیٰ صاحب کے نام پر مشہور ہے وہ در اصل حضرت مسیح کا ہی مقبرہ ہے۔

پس بمبئی کے بنی اسرائیل کی روایت کہ انکے آبا و اجداد کسی شمالی ملک سے آئے تھے
اور چین کے بنی اسرائیل کی روایت کہ انکے بزرگ مغرب کی طرف سے چین میں داخل
ہوئے تھے اور افغانوں و کشمیریوں کے متعلق عقلی و نقلی داخلی و خارجی شہادتیں اس
مسئلہ کو روز روشن کی طرح بیّن کر دیتی ہیں کہ اسرائیل کی گم شدہ اقوام نے افغانستان
اور کشمیر کے ممالک کو اپنے اصل وطن یعنی شام کے مشابہ پاکر یہیں بود و باش اختیار
کر لی اور جب انکی آبادی میں ترقی ہوئی تو انہیں سے بعض کشمیر سے چین کو چلے گئے
اور بعض افغانستان سے چلکر ساحل مالابار پر جا آباد ہوئے اور اصل قوم سے علیحدہ ہو کر
اُس فضل سے محروم رہ گئے جسکی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے آسمانی گڈریہ نے دُور
و دراز کا سفر طے کر کے خود اپنی زبان سے بشارت دی تھی یعنی اسلام جیسی نعمت عظمیٰ سے
محروم رہ گئے جو انکی بڑی قوم کو مسیح کی دعاؤں کے باعث میسّر آگئی۔ ہم نے تا حال بمبئی
کے اسرائیلیوں کے رسومات۔ اسما اور اس امر پر بحث کی ہے کہ وہ کسی شمالی ملک سے
آکر یہاں آباد ہوئے تھے لیکن اب ہم انکے خط و خال کا مشاہدہ کرتے اور دیکھتے ہیں کہ
ہندوؤں اور انکے درمیان کیا امتیازی علامات ہیں۔ ماہرین علوم قیافہ کا خیال ہے کہ
گو کسی وقت ہندوستانی اور اسرائیلی خون میں باہم آمیزش ہوئی ہے لیکن بنی اسرائیل
کے چہروں پر نظر غائر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ایسی آمیزش کے ان کے
خط و خال میں ایسی امتیازی علامات موجود ہیں جو انکے اسرائیلی النسب ہونے پر دال ہیں

تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گو زمانہ سابق میں بنی اسرائیل کا خون آمیزش سے پاک نہیں رہا مگر اب عرصہ دراز سے کوئی ایسی آمیزشیں واقع نہیں ہوئیں کیونکہ یہ لوگ اب ایسے تعلقات کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور دوغلی اولاد کو نہائت ذلیل اور ہیچ سمجھتے ہیں اُنہیں ایک گروہ ایسا ہے جسے وہ "کالا" کے نام سے پکارتے ہیں اور لفظ کالا سے انکی مراد سیاہ فام لوگ نہیں بلکہ اسرائیلی باپوں کی ایسی اولاد مراد ہے جو سیاہ فام عورتوں کے بطن سے پیدا ہوئی تھی۔ جس کتاب سے ہم نے واقعات مذکورہ اخذ کیئے ہیں اُسکا مصنف کالا بنی اسرائیل کی نسبت لکھتا ہے "راقم الحروف کا اس شہادت سے کُلی اتفاق ہے جو ہمارے متوفی دوست اور تجربہ کار افسر ضلع مسٹر ڈبلیو۔ ایف سکلیر ممبر سول سروس بمبئی کے ہاتھ سے حوالہ قلم ہو چکی ہے صاحب موصوف نے ایکدفعہ مجھے لکھا کہ میری رائے میں ہر دو بنی اسرائیل اور کالا بنی اسرائیل کے چہروں کی بناوٹ خالص عبرانی طرز کی ہے۔ اور بائیس برس کے عرصہ میں جو مینے بنی اسرائیل کے درمیان گذارا ہے مجھے صرف ایک ہی مثال یاد ہے جہاں مجھے کالا بنی اسرائیل کے ایک فرد کی شناخت میں کیقدر دقّت کا سامنا ہوا"

اس امر کو مسیحی لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مغربی ہند کے بنی اسرائیل مسیح کی پیدائیش سے قبل اس علاقہ میں آباد ہو چکے تھے اور انکے مغربی ہندوستان میں آباد ہونے کی سب سے آخری تاریخ ۲۰۰ قبل مسیح بتائی جاتی ہے۔ چنانچہ مسٹر ایم سموئیل کینکار جو کتاب موسومہ "بنی اسرائیل کی مختصر تاریخ" کا مصنف ہے۔ لکھتا ہے کہ "دُمُکا ڈیڈیکیشن (ہنوکہ) کی عید اور ہیکل کی دوسری تباہی سے ناواقف ہونا اور شنائی زمانہ کی دنیوی اور دینی رسوم کے مطابق اپنا دستور العمل رکھنا۔ نذریں چڑھاتے وقت لوبان کا استعمال کرنا وغیرہ وغیرہ ثابت کرتے ہیں بنی اسرائیل کے آباواجداد قریباً مسیح سے دوسو برس قبل ہندوستان میں آچکے تھے"

جن بنی اسرائیل کا ہم نے ابتک ذکر کیا ہے انکے علاوہ ساحل مالابار پر یہودیوں کی ایک اور قوم بھی آباد ہے جنکی تعداد ۱۹۰۱ء کی آبادی کے مطابق ۱۱۴۷ نفوس ہے۔ وہ بیان

کرتے ہیں کہ پہلے اسیری کے وقت وہ اصل قوم سے علیحدہ ہوگئے تھے اگرچہ انکو عبرانی زبان کا بھی قدرے علم ہے مگر وہ بولتے ہندوستانی ملیالم ہیں۔ یورپین محققوں نے انکو دو فرقوں میں تقسیم کیا ہے سفید یہودی اور سیاہ یہودی۔ موخرالذکر گو سفید یہود کی نسبت رنگ میں کسیقدر سانولے ہیں لیکن انکا رنگ دکن کے اصل باشندوں سے بالکل مختلف ہے۔ ان سیاہ فام یہودیوں کی پھر اور دو اقسام ہیں اول میوکھاسیم یا بھورے یہودی جو اصل اسرائیلی آباد کاروں کی اولاد ہیں دوم غیر میوکھاسیم جنکی نسبت خیال ہے کہ وہ مخلوط النسل ہیں۔ مصنف کتاب موسومہ بہ " یہود ہند اور مشرق جدیدہ میں " خیال کرتا ہے کہ سفید یہودی نسبتاً بعد کے آئے ہوئے ہیں اور اس کا یہ بھی خیال ہے کہ بمبئی کے بنی اسرائیل اور یہ مالاباری یہودی دراصل ایک ہی قوم تھے جنہوں نے بعد میں ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرلی۔ مسیحی محققین نے اس سوال کے جواب میں کہ بمبئی کے بنی اسرائیل اور دوسرے اسرائیلی مہاجر ہند میں کیونکر آئے چار مختلف خیال پیش کیئے ہیں جنکو ہم مع جرح ذیل میں درج کرتے۔

اوّل۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ ہندی بنی اسرائیل یمنی یہودیوں کی ایک شاخ ہیں لیکن یہ خیال سراسر غلط ہے کیونکہ اکثر علماء کا خیال ہے کہ یمن کے یہودی بنی اسرائیل میں سے نہیں بلکہ عربی النسل نو یہودی ہیں اور انہوں نے سنہ ۳۰۰ء میں مذہب موسوی اختیار کیا تھا۔

ثانیاً بقول مسٹر ہیم سیموئیل کیہمکار یمنی یہودیوں اور ہندی بنی اسرائیل کے درمیان میل ملاپ یا سلسلہ آمدورفت کی کوئی علامات نہیں ملتیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا یمن کے یہود کی شاخ ہونا محض خیالی اور موہوم بات ہے کیونکہ رشتہ تعلق ہونے اور ایک ہی مذہب پر قائم رہنے کی وجہ سے ہر دو فریق کے باہم تعلقات میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیئے تھا۔

ثالثاً۔ ایسی شہادتیں ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل ہند کے سواحل پر ایسے وقت آباد تھے جبکہ یمنی یہودیوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ مزید برآں ہندی بنی اسرائیل کی دینی و دنیوی رسومات طالمود سے بھی پہلے زمانہ کی ثابت ہوتی ہیں اور یمنی یہود طالمودی تعلیم کے پیرو ہیں۔

چہارم۔ بنی اسرائیل کے ہاں کی روایت بتلاتی ہے کہ وہ کسی شمالی ملک سے آئے تھے لیکن یمن

احاطہ بمبئی سے مغرب کی طرف ہے۔

دوسرا خیال جس کے موید مسٹر ہیم ہیں یہ ہے کہ وہ براہ راست ملک فلسطین سے آئے تھے اور انکی قدیم روایت میں جن شمالی صوبجات کا ذکر ہے وہ دراصل اُن یہودی صوبجات سے مراد ہے جو مسیح کی پیدائش سے قبل ملک فلسطین کے شمال میں علاقہ گلیل کے اندر قائم کیئے گئے تھے لیکن ہمارا مصنف مسٹر ہیم کے اس خیال سے متفق نہیں اور لکھتا ہے کہ "ہم بلا رو رعایت کہتے ہیں کہ ہم اپنے معزز اور موقر دوست مسٹر ہیم سے اس خیال میں متفق نہیں کہ بنی اسرائیل کی روایت میں جن شمالی صوبجات کا ذکر ہے اُنسے فلسطین کے شمالی صوبے مراد ہیں"

تیسرا خیال یہ ہے کہ ہندی بنی اسرائیل عراق عرب کے یہودیوں کی اولاد ہیں۔ اور اس خیال کی تائید میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ چھٹی صدی مسیحی میں عراق عرب اور ہند کے درمیان براہ خلیج فارس تجارتی تعلقات تھے اسلیئے عراق عرب کے یہودیوں سے بعض لوگ آکر ہند کے مغربی ساحل پر آباد ہو گئے ہونگے لیکن یہ خیال بھی کئی وجوہات سے ناقابل تسلیم ہے اولاً ہندوستانی بنی اسرائیل جیسا کہ ہم بحوالہ مسٹر ایم سمیوئیل کیبنکار اوپر ظاہر کر چکے ہیں چھٹی صدی مسیحی سے صدہا سال پیشتر ہند کے مغربی ساحل پر آباد ہو چکے تھے۔ ثانیاً ہندی بنی اسرائیل کے ہاں ایک روایت ہے جس کی روسے اُنکی ہجرت کا باعث سیاسی بدامنی اور سخت گیری تھی نہ کہ تجارت چنانچہ ہمارا قابل مصنف اس روایت کے بارہ میں بدیں الفاظ رقمطراز ہے "بنی اسرائیل کا قول ہے کہ تخمیناً ۱۶ سو یا ۱۸ سو برس کا عرصہ ہوا جبکہ اُنکے بزرگ سیاسی بدامنی اور سخت گیری کے باعث شمالی علاقوں کی طرف سے ہجرت کر آئے تھے اور ساحل مالا بار پر اُنکے جہاز گرداب ہلاکت میں پڑکر پاش پاش ہو گئے اور ان مسافروں میں سے صرف ۱۴ نفوس بحر ہلاکت سے جانبر ہو کر کنارہ سلامتی پر پہنچے ان سلامتی یافتہ لوگوں میں سات مرد اور سات عورتیں تھیں۔ فرشتۂ امن نے جس مقام پر انکو تباہی کے طوفان سے نکالکر سلامتی کی زمین پر رکھا تھا اُسے نوگاؤں کہتے ہیں۔ اس مقام پر انہوں نے اپنے اُن تمام ساتھیوں کی لاشوں کو دفن کر دیا۔ جنہیں امواج بحر نے ساحل سمندر پر اگلدیا تھا جس مقام پر یہ لاشیں دفن کیگئی تھیں وہاں ابتک بطور یادگار دو پشتے بنے ہوئے ہیں اور اس مقام کے قریب ہی بنی اسرائیل کا قدیمی قبرستان ہے جسمیں قریباً ۰۰ ۵ قبریں ہونگی یہ پشتے

اور قبرستان گویا اس امر کا نشان ہیں کہ بنی اسرائیل کے غرقابشدہ بزرگ پہلے اسجگہ ہی مدفون ہوئے تھے۔
ہمارے لائق مصنف کا اپنا قیاس یہ ہے کہ بمبئی کے بنی اسرائیل ایرانی کردستان سے آئے تھے کیونکہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت قدیم الایام سے وہاں اقامت گزین ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر کردستان کو جہاں بنی اسرائیل کی مختصر سی جماعت رہتی ہے اور جو مالابار سے عین شمال میں بھی نہیں۔ بمبئی کے بنی اسرائیل کا سابق مسکن قرار دیا جاسکتا ہے تو کیوں ملک افغانستان و کشمیر جہاں اسرائیلیوں کی بڑی بڑی اقوام آباد ہیں جو مالابار سے عین شمال میں واقع اور ایک نہیں بلکہ کئی صوبوں پر مشتمل ہیں) ایسے ملک قرار نہیں دیئے جاسکتے جہاں سے بنی اسرائیل بھاگ آئے ہوں ایران میں اسرائیلی لوگوں کا موجود ہونا اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ ہندی بنی اسرائیل بھی وہاں سے ہی آئے ہوں۔ اگر ایرانی کردستان کی تائید میں بحر کسفر کی دلیل پیش کیجا سکتی ہے تو کیوں افغانستان کی تائید میں بھی ویسی دلیل نہیں لائی جاسکتی جبکہ دونوں ممالک سے ساحل مالابار تک خشکی اور تری کے دونوں راستے اب تک موجود ہیں اور ہر دو صورت میں تا حال تری کے راستہ کو ہی ترجیح دیجاتی ہے کیونکہ یہی آرام دہ اور مختصر ہے۔ گو ہمارے مصنف نے مذکورہ بالا ذاتی خیال پیش کیا ہے لیکن وہ اسپر مصر نہیں بلکہ اصل فیصلہ ناظرین کی اپنی رائے پر چھوڑتا ہے۔ وہ ہمارے خیال کے متعلق بھی چند کلمات لکھتا ہے اور ممکن سمجھتا ہے مالاباری بنی اسرائیل کا سابق مسکن افغانستان اور کشمیر ہو اُسکے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

"یہ خیال بہ تمام و کمال نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ شاید بنی اسرائیل افغانستان و بلوچستان کے باشندوں میں سے آئے ہونگے۔ مسٹر ای سلیمان کی طرف سے جوئش کرانیکل بابت ۲۱۔ اگست ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۲۰ پر ایک دلچسپ خط شائع ہوا ہے جو لارکانہ ملک سندھ سے لکھا گیا ہے اس خط میں نامہ نگار مذکور نے صادق علی صاحب کی ایک تصنیف کا ذکر کیا ہے جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ تین بڑی بڑی قومیں یعنی انصاری افغان یا پٹھان اور بیروبی در اصل یہودی اور اسرائیلی الاصل اقوام ہیں۔ مسٹر سلیمان نے ان قوموں اور بمبئی کے بنی اسرائیل کی شکل و شباہت اور خط و خال میں بہت سی ایسی مشابہت اور مماثلت کی علامات بیان کی ہیں جو اُنکے چہروں پر سرسری

نظر ڈالتے ہی فوراً معلوم ہوسکتی ہیں۔ مثلاً لمبی لمبی زلفیں جنکا بغدادی اور ہندوستانی یہودیوں میں عام طور پر رواج ہے آجتک ان گم شدہ اسرائیل اقوام کے افراد کی پیشانی اور کانوں پر لٹکتی اور جھومتی دکھائی دیتی ہیں مزید براں اُن کے چہرہ کی بناوٹ تقریباً یہود کی سی ہے، اور جب کوئی شخص اُنسے یہ کہے کہ میں اسرائیلی ہوں اور خصوصاً جب نو وارد اُنسے کہے کہ میں بنی اسرائیل سے ہوں تو وہ اسکی ایسی آؤ بھگت کرتے ہیں کہ گویا وہ انکا رشتہ دار ہے "۔

ہمارا مصنف ریو رنڈ ٹی۔ ایچ لارڈ مسٹر سلیمان کے محولہ بالا خیال کے متعلق آگے چلکر لکھتا ہے کہ مسٹر موصوف کے ایک دوست کو سندھ کے کسی اسلامی گھرانے میں دعوت پر مدعو کیا گیا تو اُس نے دیکھا کہ کھانے میں میٹھی روٹی۔ بکرے کا جگر اور خوشبو تھی اور میزبان نے اُسکو ایک عبرانی نماز کی کتاب بھی دکھائی۔ اس کتاب کے دیکھنے پر مہمان نے بصد منت درخواست کی کہ یہ کتاب مجھکو دیدیجائے مگر میزبان نے قطعاً اسی علیحدہ کرنا پسند نہ کیا۔

ایسا ہی مسٹر اے۔ کے جانسٹن نے اپنی کتاب موسومہ لغات الجغرافیہ میں افغانوں کی مفصلہ ذیل روایت نقل کی ہے جب نادر شاہ پشاور پہنچا تو یوسف زئی قوم کے خوانین نے شاہ موصوف کی خدمت میں عبرانی زبان میں لکھی ہوئی ایک تورات اور کئی ایک دوسری اشیاء پیش کیں جنکو انکے آبا و اجداد زمانہ قدیم میں متبرک اور قابل زیارت سمجھتے تھے اور جو کہ انہوں نے محفوظ کر رکھی تھیں ان اشیاء کو نادر شاہ کے ہمراہی یہودیوں نے فوراً پہچان لیا۔

ہمارا قابل مصنف جسکی کتاب کے حوالہ سے ہم نے یہ مضمون لکھا ہے تسلیم کرتا ہے کہ بنی اسرائیل کے شمالی صوبجات سے آنیوالی روایت کے مطابق بڑی صحت کے ساتھ یہ نتیجہ بھی مترتب ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ افغانستان یا بلوچستان کے راستہ سے آے ہوں۔ ہمیں تعجب ہے کہ یہانتک پہنچکر اور اسقدر بدیہی شہادتوں کی موجودگی میں ریو نڈ ٹی۔ ایچ لارڈ کیوں اصل نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے؟ اس کے اسباب ہمارے ذہن میں صرف دو ہی آسکتے ہیں اول یہ کہ صاحب موصوف کو افغانوں اور کشمیریوں کے متعلق صحیح علم نہ ہوگا۔ دوم یہ کہ عیسائی مشنری ہونیکی حیثیت سے اُنکو یہ کہاں گوارا ہوسکتا تھا کہ افغان اور کشمیری جو اب اسلام کے حلقہ بگوش ہیں مسیح کی کھوئی ہوئی بھیڑیں ثابت ہوں اور خانیار میں سونیوالے یوز آسف کا مقبرہ دراصل انکے اپنے خدا کی ہی قبر ہو۔ انکا یہ کہنا کہ بنی اسرائیل نے ہجرت کے وقت افغانستان وغیرہ کا راستہ اختیار کیا ہو کسی طرح قرین قیاس نہیں ہوسکتا کیونکہ کردستان۔ بغداد یا شام سے اگر ساحل مالابار پر آنا ہوتا تو بحری راستہ ہی قریب اور آسان تھا اور بہرصورت بنی اسرائیل انہی روایات کے مطابق سمندر کے راستہ سے ہی آئے تھے۔ اب جبکہ سمندر کا راستہ قریب تر تھا اور وہ خوشی سے تجارت وغیرہ اغراض کے سبب نہیں آئے تھے بلکہ یہی بدامنی کی طرح وہ فارقلیط کی پاک تعلیم سے بھی متمتع ہوے۔ والسلام

رپورٹ ماہوار صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ دار الامان قادیان

ماہ اگست ۱۹۱۲ء

یتامیٰ۔ آمد ۱۴۱ اور خرچ بوجہ موسمی تعطیلات بالفعل معلوم نہیں ہوا۔ موٹی رقوم سے دس روپے آٹھ آنے جماعت پشاور سے اور اٹھارہ دو آنے جماعت نرولی نے بھیجے باقی تھوڑی تھوڑی رقوم آئیں جو زیادہ تر پانچ کے اندر اندر ہیں۔

زکوٰۃ۔ آمد ۱۱۱ اور خرچ ۱۰۱ ہوا۔ بڑی رقوم میں سے ۸ جماعت فیروزپور صہ منشی عبد القادر مدرس منصوراں ضلع لدھیانہ۔ عہ چودھری غلام احمد صاحب بی۔ اے پوسٹماسٹر جالندھر۔ سہ جناب صالح محمد سٹیشن ماسٹر برالہ۔ عہ صوبیدار تاج شاہ صاحب گھبڑاں۔ صہ جماعت شملہ۔ ماصہ میاں محمد امین و محمد ابراہیم صاحب ساکن لاہور۔ سہ جماعت سیالکوٹ۔ للعہ جماعت منصوری۔ جزاہم اللہ خیراً۔ اگر سکرٹری صاحبان وقتاً فوقتاً اپنی اپنی جگہ احباب میں تحریک کرتے رہیں کہ یتامیٰ و زکوٰۃ کے لیئے روپیہ اکٹھا کر کے یہاں بھجوایا جاوے تا ایک جگہ جمع ہو کر بہتر صورت میں صرف ہو سکے تو اس طریق پر اخراجات بسہولت چل سکتے ہیں اور قرضہ اٹھانے کی ضرورت نہیں رہتی۔

اشاعت اسلام۔ ماہ اگست کے آخر خریداران ریویو انگریزی میں ایک کی بیشی اور ریویو اردو میں ۵ کی کمی اور تفسیر القرآن میں ۳ کی کمی ہوئی۔

تعلیم۔ بوجہ موسمی تعطیلات ہائی سکول بند ہے اس لیئے کوئی رپورٹ نہیں درج کی گئی۔

صیغہ تعمیر۔ عمارت مدرسہ کی بنیادوں کا کام چوتھائی کے قریب ہوا ہے اور عمارت بورڈنگ کا کام بہت تھوڑا باقی ہے۔ ڈیوڑھی کا پتھر تیار ہو کر آ گیا ہے۔ چندہ عمارت کا کام بہت سست پڑ گیا ہے بعض احباب نے پہلے پوری توجہ کی تھی مگر بعد میں رفتار اس اندازہ پر نہیں رہی بعض نے ابتک مطلق توجہ نہیں کی۔ سب احباب کی خدمت میں عرض ہے کہ اس کام کو سرگرمی سے جاری رکھیں ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ آپ اس طرح بے فکر ہو جاویں ابھی تو اس عمارت کی بنیادیں بھی نہیں رکھی گئیں ہیں۔ امید ہے کہ سب احباب سرگرمی دکھائیں گے اور عند اللہ ماجور ہونگے۔

کام تعمیر وسیع پیمانہ پر جاری کرنیکی وجہ سے ارادہ ہے کہ سرخی پسانے کے لیئے انجن و مشین منگائی جاوے
بھٹہ کا کام جاری ہونے والا ہے۔

مقبرہ بہشتی۔ اس ماہ میں ذیل کی رقوم قابل ذکر وصول ہوئی ہیں۔ عبداللہ خان صاحب بجاب
نبی بخش مرحوم چک نمبر ۱۰۸۔ جماعت احمدیہ سیالکوٹ بجاب مرزا خان صاحب۔ منشی مولاداد صاحب
سب انسپکٹر ریلوے پولیس سٹیشن۔ اہلیہ الٰہی بخش صاحب بہلول پور۔

قاضی خواجہ علی صاحب لدھیانوی جو مدت سے ہجرت کرکے قادیان میں مقیم تھے اور مہتمم لنگر خانہ کی
خدمات بجالا رہے تھے ۲۵ اگست ۱۹۱۲ء کو مقبرہ بہشتی میں دفن کیئے گئے۔

دفتر سکرٹری۔ خواجہ کمال الدین صاحب جو مجلس معتمدین کے ٹرسٹی اور مشیر قانونی ہیں۔ اور
جنہوں نے پنجاب و ہندوستان میں بہت کچھ تبلیغ اسلام و سلسلہ عالیہ احمدیہ کا حق ادا کیا ہے۔ اور اس کام کے
لیئے خدا نے انکو جہاں موقع عطا فرمایا ہے وہیں ساتھ اخلاص بھی بخشا ہے۔ ولایت تشریف لے گئے
ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خواجہ صاحب کا تبلیغ اسلام کا منشا رہے۔ احباب سے
التماس ہے کہ وہ دل سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انکو دین و دنیا میں بامراد کرکے واپس لائے۔ آمین

میاں محمد حسن بغرض فراہمی چندہ بعد عید الفطر ضلع جالندھر و ہوشیار پور جاویں گے ان اضلاع
کے احباب انکی مدد کریں۔ یہ امر قابل شکریہ ہے کہ جماعت ونجواں ضلع گورداسپور نے جو بہت ہی
چھوٹی سی جماعت ہے ایک سو روپے کے قریب گذشتہ فصل کے موقع پر میاں محمد حسن کی تحریک پر
چندہ جمع کرکے دیا۔ اللہ تعالیٰ وہاں کے احباب کو جزائے خیر دے۔ مالی سال صدر انجمن کا ختم ہونیوالا ہے
سکرٹری صاحبان حسب معمول رپورٹ سالانہ بہت جلد مرتب کرکے بھیجیں۔ سوالات دفتر سے روانہ ہونگے۔
مجھے امید ہے کہ سکرٹری صاحبان اس کام میں پہلے سے زیادہ دلچسپی لیکر پورا کرینگے اور وقت پر بھیجنے کی
کوشش کرینگے۔ یہ رپورٹ یکم اکتوبر ۱۹۱۱ء لغایت ۳۰ ستمبر ۱۹۱۲ء ہوگی اور مناسب ہے کہ پہلے اپنے متعلق
گذشتہ سال کی رپورٹ پڑھ لیجاوے اس سے بہت مدد ملجاتی ہے اور جن سکرٹری صاحبان نے گذشتہ سال رپورٹ
نہ بھیجی تھی اور مجھ کو ان پر شکایت تھی امید ہے کہ وہ رپورٹ اپنی انجمن کی بھیجکر میری شکایت کو رفع کریں گے۔
اور شکریہ کا موقع دینگے۔

دفتر محاسب۔ کل آمد ماہ اگست ۴-۳-۱۲۹۴۴ اور خرچ ۲-۹-۸۳۹۴ ہوا ہے۔ اس

ریویو

ہدایات دربارہ معاملات

اس نام کا مختصر مگر بلحاظ ضروری مضامین ایک مکمل رسالہ ہماری مکرم دوست قاضی اکمل کی تازہ تصنیف ہے۔ فاضل مصنف نے قرآن کریم اور احادیث نبوی سے موٹے موٹے مسائل، جمع کرکے یہ رسالہ چھوٹی تقطیع کے ۴۶ صفحوں پر ختم کیا ہے۔ ہم بعد مطالعہ بلا مبالغہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دریا کو کوزہ میں بند کرنے کی مثال کا صحیح معنوں میں یہاں اطلاق ہو سکتا ہے۔ اکمل صاحب کی اس سپارش سے ہمارا کلی اتفاق ہے کہ "اگر احباب اسے اپنا دستور العمل بنالیں تو دین و دنیا میں اُن کا بھلا ہو"

جو صاحب ان ہدایات سے متمتع ہونا چاہیں وہ رسالہ مذکور نور الدین و بشیر محمد احمدی تاجران قادیان ضلع گورداسپور سے ا/ (فی جلد) قیمت پر خرید سکتے ہیں۔ محصولڈاک ذمہ خریدار۔

خطبات نور

بابو عبد الحمید صاحب۔ آڈیٹر۔ پٹیالہ سٹیٹ۔ آر بی۔ ریلوے۔ نولکھا۔ لاہور نے حضرت خلیفۃ المسیح علیہ السلام کے خطبات۔ جمعہ۔ عیدین۔ نکاح وغیرہ جو وقتاً فوقتاً بدر۔ الحکم میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ایک جگہ جمع کرکے کتاب کی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ چنانچہ حصہ اوّل چھپکر تیار ہو گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح کے خطبات کسی ریویو یا تعریف کے محتاج نہیں۔ وہ حقائق و معارف جن سے آپکے خطبات پُر ہوتے ہیں کسی احمدی سے پوشیدہ نہیں۔ چھاپنے سے پہلے مسودہ حضرت صاحب کو دکھا لیا گیا تھا چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "بابو عبد الحمید صاحب نے میری اجازت سے اور مجھے مسودات دکھانے کے بعد میرے خطبات کو کتاب کی صورت میں شائع کرنے کا انتظام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اخلاص کے واسطے انہیں جزائے خیر دے اور اُنکے کام کو بابرکت کرے۔ آمین"

ہم بھی بابو صاحب موصوف کو اُنکے اس نیک اور بابرکت کام پر مبارکباد کہتے ہیں۔

جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

کتاب کا کاغذ تقطیع اور چھپائی بہت عمدہ ہے۔ ۱۱۲ صفحہ کی کتاب۔ قیمت صرف ۸/ براہ راست بابو صاحب موصوف سے یا قادیان میں محمد یمین دوکاندار سے مل سکتی ہے۔

درد سر و درد ریاح کی دوا

ریاحی درد لحظہ میں پہاڑ ہوجاتا ہے۔ یہ دوا لحظہ میں اسکو پانی کردیتا ہے۔ درد ریاح جیسے ٹیک چمک ٹیس۔ رگوں میں لہر۔ کن کنی سے چاہے جسقدر تکلیف ہو۔ اس دوا کے استعمال سے فوراً رفع ہوتی ہے درد سر کے واسطے بھی اس دوا کا ایسا ہی فائدہ ہے۔ نصف سر میں ہو یا تمام سر میں کسی وجہ سے کیسا ہی درد ہو اس دوا سے رفع ہوجاتا ہے صرف یہی نہیں اگر سر کٹا جاتا ہو پھٹا جاتا ہو۔ اڑا جاتا ہو۔ اس دوا سے فوراً بند ہوجاتا ہے۔ ان دنوں لوگ ذرا ذرا باتوں میں سر دکھایا کرتے ہیں کام میں یا مفت کی باتوں میں فکر و تردد میں عیش و عشرت میں دن کو رات اور رات کو دن بنانے میں کل شکایتیں سر پر آجاتی ہیں اور ہاڑرسے درد سر پکارا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر برمن کی دوا ایسے لوگوں کے لیئے ہے۔ دوا کے استعمال سے فوراً درد بند ہوتا ہے۔ اسلیئے ہر خاص و عام کو یہ دوا اپنے پاس رکھنا لازم ہے قیمت ١٢ ٹکیوں کی ایک شیشی ٦ر محصولڈاک ایک سے چھ ڈبیہ تک پانچ آنہ۔ (٥ر) بارہ ڈبیہ تک چھ آنہ (٦ر)

داد کا مجرب مرہم ایک مرتبہ کے لگانے سے کھجلی اچھی ہوجاتی ہے دو تین مرتبہ کے لگانے سے ایک دم اچھا ہوجاتا ہے۔ قیمت فی ڈبیہ ٤ر محصولڈاک ایک ڈبیہ سے ٦ ڈبیہ تک پانچ آنہ (٥ر) اور بارہ ڈبیہ کا ٦ر

فصلی بخار اور طحال کی دوا یہ دوا انتیس سال سے سارے ہندوستان میں استعمال کیجاتی ہے اگر آپ بخار میں مبتلا ہوں اور ہر قسم کے علاج کراکے تنگ آگئے ہوں تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ ضرور منگاکر استعمال کریں اس میں چند فائدے لاجواب ہیں یہ ملیریا کیڑوں کو ماردیتی ہے اسلیئے اسکی چار پانچ خوراک پیتے ہی بخار کا آنا بند ہوجاتا ہے اور یہ خون کو گاڑھا کردیتی۔ اور تلی کو گراتی ہے قیمت شیشی کلاں ١٤ر محصول ٦ر دو شیشی تک ٨ر قیمت شیشی خورد آٹھ آنہ (٨ر) محصولڈاک ٥ر دو شیشی تک ٦ر

کھانسی کی دوا یہ دوا چاہے کیسی کھانسی و کف کی بیماری ہو اسکو آرام کرتی ہے اسمیں یہ فوائد ہیں (١) سردی کے بچانا (٢) کھانسی کو دبانا (٣) کف کو پتلا کرنا (٤) کف کو نکالنا (٥) سوکھا کھانسی کو روکنا۔ قیمت بڑی شیشی بتیس خوراک قیمت عہ پیکنگ و محصولڈاک چھ آنے دو شیشی تک ٨ر چھوٹی شیشی سولہ خوراک قیمت ٨ر پیکنگ و محصولڈاک ٥ر دو شیشی تک ٦ر اس دوا پر مہاراجہ صاحب کی رائے مہاراجہ ککنجن سنگھ دیو بہادر فیوڈیٹری چیف پٹنہ اسسٹنٹ بولانگر ضلع سمبھل پور سے لکھتے ہیں جناب من آپکی روانہ کردہ کھانسی کی دوا کیلیئے مشکور ہوں اس دوا سے ہماری کھانسی بالکل دفع ہوگئی۔ مجھے صرف سات خوراک سے زیادہ پینے کی ضرورت نہ ہوئی۔ کھانسی کو اس دوا نے بہت جلد اثر دکھلایا۔

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ٥ و ٦ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

ٹیچنگز آف اسلام

یعنی انگریزی ترجمہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کے اس عظیم الشان لیکچر کا جو ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں چار پانچ ہزار کے مجمع میں پڑھا گیا تھا اور نہایت ہی دلچسپی اور قبولیت سے پبلک نے سنا۔ اس لیکچر میں مصنف موصوف نے اسلام کو نہایت ہی احسن پیرایہ میں صرف قرآن شریف سے استنباط کر کے بیان فرمایا ہے۔ اور تمام اعتراضات جو بڑے بڑے مخالفین و معاندین اسلام بڑی تحدی اور زور سے کرتے رہے یا اب کرتے ہیں۔ نہایت ہی سنجیدگی اور لطافت سے اُن کے جوابات اصولی طور پر بیان فرمائے ہیں جن سے خواہ کیسا ہی متعصب اور زود رنج مخالف کیوں نہ ہو کبیدہ خاطر نہیں ہو سکتا بلکہ سوائے سکوت کے اور کوئی جواب بھی پیش نہیں کر سکے گا اور ایک شریف الطبع اور حق جو مخالف اسلام کو سوائے سر تسلیم خم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہو سکتا۔

بڑی خوبی اور لطافت جو اس مضمون کو خاص فوقیت اور یکتائی دے رہی ہے یہ ہے کہ اوّل اس مضمون کو خدائے تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن کریم سے بیان کیا گیا ہے۔ دوم اس مضمون میں باوجود اعتراضوں کا جواب دینے اور دوسرے مذاہب کا تذکرہ کرنیکے کسی قسم کی اشارۃً یا کنایۃً رد نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف اسلام کی سچی فلاسفی اور خوبیاں پبلک کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور توحید باری تعالیٰ اور رسالتمآب صلعم کی صداقت بیان کی گئی ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی بے نظیر تصنیفات اور تالیفات میں ایک ایسا مضمون ہے جس میں مکمل اور مختصر طور پر اسلام کی صداقت بیان کی گئی ہے اسلیئے پبلک کے دینی اور روحانی فائدہ کو مدِ نظر رکھکر اور تبلیغ اسلام کا بڑا ذریعہ سمجھکر انکو انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے ولایت میں چھپوایا گیا ہے اور اُسکی بہت سی کاپیاں ولایت اور دیگر بلاد یورپ اور امریکہ جاپان وغیرہ میں مفت تقسیم کیگئی ہیں۔ اور کچھ کاپیاں فروخت کے لیئے بھی منگوائی گئی ہیں۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر ایک انگریزی خوان مسلمان کے ہاتھ میں ہو۔ احباب خود بھی خریدیں اور تبلیغ اسلام کیلیئے چند کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کر کے اسکا اجر اللہ تعالیٰ سے لیں۔ قیمت بغرض توسیع اشاعت باوجود دو سو صفحہ اور ولایتی کاغذ اور خوبصورت جلد کے بہت ہی تھوڑی رکھی ہے یعنی مجلد کی عہ اور بے جلد کی ۱۲ / علاوہ محصولڈاک۔

جو صاحب منگوانا چاہیں دفتر ریویو آف ریلیجنز قادیان ضلع گورداسپور سے منگوائیں۔

مطبع میگزین قادیان میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے | لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

بابت ماہ اکتوبر ۱۹۱۲ء | ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- اکتوبر ۱۹۱۲ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہو

اطلاع: خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت اپنے نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرمائیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کتب خانہ اسکندریہ

(ترجمہ مضمون انگریزی از مولوی محمد الدین بی۔اے)

عیسائی پادریوں نے جو اسلام پر بڑے بڑے اعتراضات کیئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلعم اور آپ کے جانشینوں کے براہ راست زیر اثر مسلمانوں سے بڑے بڑے وحشیانہ افعال سرزد ہوئے۔ خوبصورت عمارتیں منہدم کی گئیں کتب خانے جلا دیئے گئے۔ کتب خانہ اسکندریہ کا جلا دینا بھی اسی فہرست میں داخل کیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جہاں مسلمانوں نے اور تباہی اور بربادی ڈھائی ہے وہاں کتب خانہ اسکندریہ بھی انہوں نے جلا کر خاک سیاہ کر دیا؛

عیسائی پادریوں کو کہاں معلوم تھا کہ اس طرح اسلام کے پاک اور مقدس مذہب پر تہمت باندھتے ہوئے وہ خود اپنے مذہب کی جڑوں میں پانی دے رہے ہیں۔ یعنی انکا یہ کہنا کہ چونکہ اسلام جھوٹا مذہب ہے اس لیئے اس نے علمی خزانے تباہ کروا دیئے۔ لیکن جب حقیقت معلوم ہوئی تو پتہ لگا کہ مسلمان بیچارے تو یونہی بدنام ہیں اصل میں اس کتب خانہ کے تباہ کرنیوالے خود حضرت یسوع کے مقدس پیرو ہی ہیں۔ اس طرح اپنی طرف سے قائم کردہ معیار پر خود ہی پورے نہ اترے .... جھوٹ کی حمایت کرتے ہوئے انہوں نے سمجھا کہ ہم اپنے مذہب کی حمایت اور تائید کرتے ہیں مگر انہوں نے نہ سمجھا کہ اپنے پاؤں وہ خود کلہاڑے مار رہے ہیں۔ گبن (Gibbon) پہلا مورخ ہے

جس نے اس الزام کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس کے بعد علماء میں بڑی ردّ وکد ہوتی پھر کیا تھا۔ سچ جھوٹ سے بڑی سرگرمی سے علیحدہ کیا جانے لگا۔ آخر جو ہُوا سو ہُوا عیسائیوں کو سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ ع ہم الزام انکو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ آخر ہم نے پڑھا کہ خود آرکبشپ فیرر[1] نے اپنی کتاب موسومہ بہ سیکرز آفٹر گوڈ[2] میں مان لیا کہ کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کا الزام محض غلط اور صریح بہتان ہے۔ یہ آرکبشپ فیرر وہی ہیں جو دین عیسوی کے بڑے حامی ہیں چنانچہ یورپ میں جب بڑے بڑے علماء مثل سٹروس[3] اور رینن[4] نے جو اعلیٰ تنقید کے بانی مبانی سمجھے جاتے ہیں۔ مسیح کے سوانح اور کارناموں کے متعلق شکوک اور شبہات اُٹھانے شروع کیے اور اس پر انہوں نے مستقل کتابیں لکھیں تو اِس شخص نے ایک کتاب لکھی جس کا نام لائف آو جیزس[5] ہے اس میں اس نے اپنی طرف سے جیسا کہ ہر ایک دیندار عیسائی کا فرض ہے بہت کوشش کی ہے کہ ان اعتراضات کا جواب دیا جاوے جو مسیح کی لائف اور تعلیم پر کیے گئے۔ چونکہ کتب خانہ کے جلانے کا اعتراض بھی عیسائیوں کی طرف سے ہُوا تھا۔ لہٰذا ہم نے سمجھ لیا کہ جب اسقدر بڑا آدمی عیسائیوں میں سے اب اس بات کا مقر ہے کہ یہ واقعہ بالکل غلط ہے تو اب زیادہ بحث کی گنجائش نہیں رہی۔ مگر نہیں ع خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم ہم سمجھے سانپ مرگیا اور اس کا سر ابن آدم کے ہاتھوں کچلا گیا حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ صرف اس کے سر کو ٹھیس لگی تھی اور معمولی خراش سا ہوگیا تھا۔ اب زخم بھر گیا ہے اور ہم کیا دیکھتے ہیں کہ سلسلہ تعلیم کی کتابوں میں یہ سوال اُٹھا ہُوا پھر نظر آتا ہے۔ چنانچہ ہم ذیل کی عبارت کتاب موسومہ لائف آو کلیو پاٹرا آو ایجپٹ[6] مصنفہ فلپ ڈبلیو۔ سارجنٹ صفحہ ۱۱۱ سے نقل کرتے ہیں :-

"سراپی ام کے معبد کے متعلق ایک کتب خانہ تھا جس میں کتابیں موجود تھیں جو

---

[1] Archbishop Farrar. [2] Seekers after God. [3] Strauss. [4] Renan. [5] Life of Jesus.

[6] Life of Cleopatra of Egypt by Philip W. Sergeant.

بُرُوکی اَن لائبریری میں نہ سما سکتی تھیں۔ اسلامی فتح سے قریباً ۲۶۰ برس پہلے اس سرا پِی ام کے کتب خانہ کو عیسائی پادری تھیوفِلس نے چوتھی صدی مسیحی میں تباہ کردیا تھا۔ لیکن اصل کتب خانہ کو جو بروکی ان کے نام سے مشہور ہے اس واقعہ سے دو سو ساٹھ سال بعد مسلمانوں نے جلا کر راکھ کردیا اور مصر کی زمین میں جو علم ادب کے خزانے موجود تھے انکا صفحہ ہستی سے نشان معدوم کردیا"۔ یعنی مسیحیوں نے تو صرف فالتو کتب کو حوالہ عدم کیا لیکن مسلمانوں نے اصل کتب خانہ کو حوالہ نار کردیا۔ کیا خوب۔ تحریف اسی کو کہتے ہیں۔ واقعات کو کس خوبی سے توڑا مروڑا ہے بے شک ایسی تدلیس صرف عیسائی ہی کرسکتا ہے ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند ہم تو اس کی طرف توجہ بھی کرتے اور جاہلوں سے مخاطب بھی نہ ہوتے مگر کریں کیا زمانہ ایسا آرہا ہے کہ یورپ میں بعض لوگ ایسے بھی پیدا ہوگئے ہیں۔ کہ عربی قاعدہ پڑھکر اپنے آپ کو عالم فاضل سمجھنے لگتے ہیں۔ گویا تمام عربی علوم کی انکو تحصیل ہے اور مشرقی دنیا کا کوئی معاملہ ہو سب پر رائے قائم کرنے کا انکو حق حاصل ہے۔ اور جو نہ سنے وہ وحشی اور جاہل سمجھا جاتا ہے خاص کر پادری صاحبان نے تو یہ پیشہ بنا رکھا ہے۔ اب چونکہ مسلمانوں پر ادبار نے احاطہ کرلیا ہے جہاں انہوں نے اور بہت کچھ ضائع کیا وہاں عربی علوم خاصکر علم دین سے محض کورے ہوگئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر کہ و مہ جو اُٹھتا ہے وہی اسلام پر اعتراض جڑ دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ تمھاری کتاب میں یہ لکھا ہے مگر مسلمانوں کی یہ مجال نہیں کہ اس سے یہ پوچھیں کہ بھلے مانس یہ کہاں لکھا ہے کس نے لکھا ہے اور اس کے معنے تو کرو۔ یہی حال مسلمانان سنگلدیپ کا ہو رہا ہے۔ چنانچہ وہاں کے بعض دوستوں نے ہمیں لکھا کہ اگر انگریزی میں کوئی رسالہ یا مضمون اس بحث پر ہو تو پتہ دیویں تاکہ بعض پادریوں کا کم سے کم ہم ناطقہ بند کرسکیں ؛

ہمیں ضرورت نہیں کہ اس مضمون کو تفصیلاً تمام و کمال بیان کریں کیونکہ مولوی

ا ے Brucheion ۔ ث Serapeum ۔ ع Theophilus.

شبلی نے اپنے رسالہ کتب خانہ اسکندریہ میں اور مسٹر بٹلر[۱] نے اپنی کتاب دی ایرب کونکوسٹ آو ایجپٹ میں اسپر سیر کن بحثیں کی ہیں۔ اسلامی اور عقلی نکتہ خیال سے ہمارے نزدیک مولوی شبلی کا رسالہ بہت کافی ہے لیکن اس میں صرف یہ نقص ہے کہ وہ اردو میں ہے اور جو لوگ انگریزی جانتے ہیں اور اُردو سے محض نابلد ہیں وہ اس سے متمتع نہیں ہو سکتے۔ مسٹر بٹلر بھی اپنی طرز میں سیر کن بحث کرتا ہے اس لیئے سچائی کے طالبوں کے لیئے ہم ان ہر دو کی سپارش کرتے ہیں۔ اس مضمون میں ہم لمبی اور طویل بحثوں کو چھوڑ کر اختصاراً کچھ بیان کرتے ہیں لیکن پیشتر اس کے کہ ہم اصل بحث کو اٹھاویں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کہانی کو بتمام وکمال لکھدیں جسپر اس اعتراض کی بنا رکھی گئی ہے۔ وہ کہانی یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے حکم کے ماتحت عمرو ابن العاص نے مصر فتح کیا اسوقت ایک شخص موجود تھا جو عربی کتب میں یحییٰ نحوی کے نام سے مشہور ہے لیکن عیسائی کتب میں وہ جان[۲] فلپونس کے نام سے مشہور ہے (ملاحظہ ہو کر سچین بائیوگریفیکل ڈکشنری) وہ اسکندریہ کا رہنے والا قبطی عیسائی تھا۔ وہ عمرو کے پاس حاضر ہؤا اور اس سے رابطہ واتحاد بھی پیدا کیا۔ عمرو پر اس کا ایسا اثر ہؤا کہ وہ فریفتہ ہوگیا۔ اطرح اس کو بہت سی باتیں کہنے کی جرأت ہوگئی۔ ایک دن یحییٰ نے کہا کہ آپنے تمام شہر کی چھان بین کی ہے اور تمام قسم کی چیزوں پر آپ قابض ہیں۔ جو چیزیں آپکے کام کی ہیں ان سے میں کچھ تعرض نہیں چاہتا لیکن جو چیزیں آپکے لیئے بالکل ناکاری ہیں ممکن ہے کہ وہ ہمارے لیئے بہت مفید ہوں۔ عمرو نے کہا کہ تم کو کیا درکار ہے۔ یحییٰ نے کہا کہ فلسفہ کی وہ کتابیں جو شاہی کتب خانوں میں ہیں۔ عمرو نے کہا کہ اس امر کی نسبت میں امیر المومنین عمر بن الخطاب کی اجازت کے بغیر کوئی حکم نہیں دے سکتا۔ چنانچہ ایک خط حضرت عمرؓ کو بدین مضمون لکھا گیا اور اس معاملہ کے متعلق حضور سے استصواب کیا گیا۔ آپ نے جواب دیا کہ جن کتابوں کا تم نے ذکر کیا ہے اگر جو کچھ ان میں لکھا ہے وہ کتاب اللہ کے موافق ہے تو انکی حاجت نہیں وہ زائد از ضرورت ہیں اگر ان کتابوں کے مضامین کتاب اللہ کے مخالف ہیں۔ تب ان کو رکھنا اچھا نہیں اسلیئے انکو برباد کردو۔ جب عمرو بن العاص کو

---

[۱] Butler — The Arab Conquest of Egypt. [۲] Johannes Philoponus.

خلیفہ کا یہ فیصلہ موصول ہوا اس نے فوراً حکم دیا اور وہ کتابیں اسکندریہ کے حماموں میں تقسیم کردی گئیں اور پانی گرم کرنے کے لیئے ایندھن کے طور پر استعمال کی گئیں۔ چھ مہینے کی مدت میں وہ تمام جلکر راکھ ہوگئیں۔ (اے پڑھنے والے) جو کچھ ہوا اسکو سن اور تعجب کر (کہ کیسی وحشیانہ حرکت کی گئی)"۔

یہ ہے وہ کہانی جس کے اختراع کرنے والے ابو الفرج ہیں۔ اس کی مختصر کہانی یہ ہے کہ اس کا زمانہ تصنیف تیرھویں صدی کا آخری نصف ہے یا یوں سمجھئے کہ اسکندریہ کی فتح سے قریباً چھ سو سال بعد کا۔ وہ پہلا شخص ہے جس کے ذریعہ یہ بدخبر بسرعت کثیر یورپ میں مشہور ہوگئی جو آگے ہی ایسی خبروں کا بھوکا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ آرمینا کے شہر ملیشیا[1] میں قریباً ۱۲۲۶ء میں پیدا ہوا اُس کے باپ کا نام ہارون تھا جو کہ ایک یہودی طبیب تھا۔ لیکن بعد میں نصرانی ہوگیا۔ اُسنے اپنے باپ کے زیر اثر تعلیم پائی تھی اور اُسکی طرح طبابت پیشہ کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اُس کو عربی سریانی اور یونانی زبانیں خوب آتی تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ اسکو فلسفہ اور الٰہیات میں بہت دخل تھا لہٰذا اُس کی بہت زیادہ شہرت ہوگئی۔ اُس نے کئی ایک مضامین پر مختلف کتابیں لکھیں لیکن بحیثیت ایک مصنف ہونے کے جو شہرت اُس کو حاصل ہے اس کی وجہ اُس کی کتاب تاریخ دنیا ہے جو سریانی میں لکھی گئی۔ اس کتاب کے لکھنے کے بہت عرصہ بعد اُس نے اس کتاب کا ایک خلاصہ عربی میں شائع کیا (دیکھو انسائیکلو پیڈیا برٹینکا جلد اول) یورپ کے عالموں کے نزدیک اس کتاب کی تاریخی قدر و منزلت صرف اسقدر ہے کہ چونکہ وہ یورپ کی زبانوں سے بالکل ناآشنا تھا لہٰذا یورپ اور جسقدر مغربی ممالک کے متعلق اس کتاب میں لکھا ہے وہ پُر از اغلاط ہے باقی رہا وہ حصۂ کتاب جو مشرقی قوموں کے متعلق ہے اس کے متعلق ان کی رائے ہے چونکہ وہ بڑا عالم تھا اس لیئے جو کچھ مسلمانوں وغیرہ کے متعلق لکھا ہے وہ کالوحی من السماء کے طور پر ہے۔ اسی عربی خلاصہ کا لاطینی ترجمہ ڈاکٹر پوکاک[2] نے ۱۶۶۳ء میں آکسفورڈ میں شائع کیا پھر

[1] Malatia. [2] Dr. Pococke.

۱۸۸۶ء میں برن[1] اور ایف۔ ڈبلیو۔ کرسیح[2] نے کچھ اصل اور کچھ ترجمہ لائپزگ[3] میں شائع کیا۔ لیکن صحت کی طرف چنداں توجہ نہیں کی گئی ؛

کہانتک ابوالفرج کی کہانی درست ہے اس کے لیئے ہمیں تین باتوں کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ اوّل۔ اس کہانی کا ماخذ کیا ہے۔ دوم۔ ابوالفرج کہاں تک قابل اعتبار ہے۔ سوم۔ اندرونی اور بیرونی شہادتیں ؛

پہلے امر کی نسبت کہ ابوالفرج نے یہ کہانی کہاں سے لی ہے کوئی پتہ نہیں چلتا۔ خود اس نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اب اس پر کیا اعتبار ہو سکے۔ ایک شخص ایک واقعہ کے وقوع کے چھ سو سال بعد پیدا ہو کر لکھتا ہے اب جبکہ وہ یہ نہ بتلائے کہ ایک نئی بات جو گذشتہ واقعات کے متعلق وہ کہتا ہے اس کے لیئے اس کے پاس سند کیا ہے یعنی جب تک وہ سند نہ بتلاوے اس کی بات قابل اعتبار نہیں۔ چھ سو سال کا عرصہ گذرتا ہے۔ بیچ میں سینکڑوں مورخ اور مصنف پیدا ہوئے ہیں لیکن کوئی ایک بھی تو ذکر نہیں کرتا۔ خود مسیحی مورخین جان آونکیو[4] سے لیکر ابو صالح تک اس واقعہ کے متعلق بالکل خاموش ہیں۔ جان آونکیو ایک قبطی پادری تھا۔ جس نے ساتویں صدی عیسوی کے اخیر میں اپنی کتابیں لکھی ہیں اور وہ غالباً انہی دنوں میں پیدا ہوا تھا جن دنوں مسلمانوں نے مصر اور اسکندریہ کو فتح کیا۔ ذاتی طور پر اُسے بہت سے واقعات معلوم ہونے چاہیئے تھے۔ پھر اس کے پاس ذرا ذرا سی خبر حاصل کرنے کا ایک بہت عمدہ اور وسیع موقع تھا۔ پھر وہ مسیحی ہے مسلمانوں کا جانبدار نہیں کہیں ایک عیسائی مرجائے تو دس یا سو کر کے دکھانے والا ہے۔ اور جب کبھی مسلمانوں کا ذکر خیر بھی کر جائے تو اس سے بھی شرارے ٹپکتے ہیں۔ اور فاتحین کے لیئے ہر لفظ اس کا زہر میں بجھے ہوئے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ گو اس کی کتاب کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا ہے لیکن ہماری خوش قسمتی سے اس کی کتاب کا وہ حصہ محفوظ اور معنون ہے جو فتح مصر کے متعلق ہے

---

[1] Brun [2] F. W. Kirsch. [3] Leipsic.
[4] John of Nikio.

جس میں کہ اس نے پیٹ بھر کے مسلمانوں کو گالیاں دی ہیں۔ اور اپنے زعم میں قتل و غارت کی بہت سی مثالیں بھی دی ہیں لیکن کتب خانہ اسکندریہ کے متعلق وہ بھی خاموش ہے ایک لفظ تک نہیں لکھا پھر مسلمان مصنفین جنھوں نے اپنی تصنیفیں تمام دنیا میں ابوالفرج کی پیدائش سے کئی صدیاں پہلے دنیا میں شائع کر دیں ان کی تعداد تو سینکڑوں تک پہنچتی ہے ان میں سے تو کسی ایک نے بھی ذکر نہ کیا سوائے عبداللطیف کے جس کے متعلق ہم آگے چلکر کچھ لکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ابوالفرج کی کہانی کے ماخذ کا پتہ تک ندارد ہے ؛

باقی رہا۔ یہ امر کہ ابوالفرج پر کہاں تک اعتبار کیا جا سکتا ہے وہ انسائیکلوپیڈیا کے ایڈیٹرز کے ریمارکوں سے ظاہر ہو جاتا ہے ان کے بیان کے بموجب اس کی کتاب کا وہ حصہ جو مغربی قوموں کے متعلق ہے بالکل پایۂ اعتبار سے گرا ہوا ہے کیوں کہ مصنف مذکور یورپ کی زبانوں سے ناآشنا محض ہے لیکن چونکہ مشرق کے متعلق ایڈیٹرز مذکورین کا وہی حال ہے کہ وہ مشرق کی زبانوں سے ایسے ہی واقف ہیں جیسے کہ ابوالفرج مغربی زبانوں سے تھا۔ اس لیئے مشرق کے متعلق جو کچھ رطب و یابس اس نے لکھدیا اس کے متعلق بس یہ کہدیا کہ چونکہ مشرقی زبانوں سے واقف ہی اس لیئے مشرق کے متعلق اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ تاریخی لحاظ سے بہت ضروری حصہ ہے ہم پوچھتے ہیں کہ جب مغربی قوموں کے متعلق اس کا یہ حال ہے کہ اس کی کتاب پایۂ اعتبار سے گری ہوئی ہے حالانکہ وہ کم سے کم یونانی زبان تو جانتا تھا۔ لیکن مشرق جیسا وسیع براعظم اور اس کی محض ایک زبان اور وہ بھی ایسی جیسی کہ عیسائی جانتے ہیں کہاں تک کسی شخص کو اس قابل بنا سکتی ہے کہ کہ سکیں کہ مشرق کے متعلق اسکو پوری واقفیت حاصل ہے لیکن جو جھوٹ اور من گھڑت کہانیاں وہ از خود بناتا ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بڑے تاریخی پایہ کی چیزیں ہیں۔ کیونکہ یورپ کو مشرق سے بغض اور عداوت ہے۔ پھر اس پرطرہ یہ کہ ابوالفرج عیسائی ہی۔ اسلیئے اسکا جھوٹ کوئی تعجب خیز امر نہیں اوائل ایام سے ہی مسیحی بزرگان کا خیال تھا کہ دین کے لیئے جھوٹ۔ دھوکا بازی اور بددیانتی کر لینا کوئی جرم نہیں

چنانچہ بڑے بڑے بزرگان دین عیسوی سے کبھی کبھی ایسی چالبازیاں ہوجایا کرتی تھیں۔ بانیان دین کی کتابوں اور پہلی صدیوں کے بزرگ عیسائی مصنفوں کی کتابوں میں تحریف کرنیکے لیئے انہوں نے منشی متصدی ملازم رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ جس بات کے لیئے چاہتے وہ اپنی طرف سے سند گھڑ کے پیش کر دیتے تھے۔ اس لیئے مشرقی لوگوں سے اسکی محض عدم واقفیت اور پھر عیسائی اور عیسائی بھی متعصب عیسائی۔ یہ باتیں ہیں جو ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ جب تک کوئی اور شواہد نہ ملیں ہم اس کی باتوں پر کوئی اعتبار نہ کریں یا کوئی اس کا ہمعصر یا زمانہ ماقبل کا کوئی مستند گواہ نہ ملجائے۔ یعنی محض ابوالفرج کا قول کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اس کی بات کا صرف ایک ہی رد کافی ہے کہ وہ چھ سو سال بعد پیدا ہوا اسکو یہ بات کیسے معلوم ہوگئی جو پہلوں کو بالکل معلوم نہ تھی۔ ان پہلوں میں مسلمان اور عیسائی ہردو شامل ہیں ؛

ابوالفرج کے اس سوال پر غور کرنے کا ایک اور بھی پہلو ہے اس سے اور بھی انکشافات ہوتے ہیں۔ عربی تاریخ اس کی سریانی تاریخ کا خلاصہ ہے۔ اس لیئے زیادہ تعجب خیز امر جو ہے وہ یہ ہے کہ اصل سریانی میں اس واقع کا کہیں ذکر نہیں۔ اتنا بڑا عظیم الشان واقعہ جس کا اثر دور دور تک پہنچنے والا ہو اصل کتاب میں جو بڑے پیمانہ پر لکھی گئی ہے اور جسمیں ذرا ذرا سی تفصیل کا ذکر ہے۔ اس میں تو بالکل نہ ہو لیکن اسی کتاب کے خلاصہ میں اس واقعہ کو بڑی شدّ و مدّ سے ذکر کیا ہو (عربی خلاصہ میں اس کہانی کے آخری الفاظ یہ ہیں فاسمع ماجرے واعجب جس کے یہ معنے ہیں پس سنو اور تعجب کرو کہ وحشیوں نے کیا ظلم کیا کہ ایسے عظیم الشان علمی خزانے کو آگ میں جلاکر راکھ کر دیا) حالانکہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ جس امر کا خلاصہ میں اتنا ذکر ہو اس کا اصل میں تو اس سے کہیں وسیع پیمانے پر ہونا چاہیئے تھا۔ پس ہم کیا یہ نہیں کہہ سکتے کہ جب مصنف مذکور نے اصل کتاب سریانی میں لکھی تھی اس وقت تک اس واقعہ نے مصنف کے دماغ میں ابھی جگہ بھی نہ پکڑی تھی اور اس کہانی کا نام ونشان تک موجود نہ تھا۔ بلکہ اس واقعہ کی خیالی پیدائش بھی اصل سریانی کتاب کے زمانہ تصنیف کے بعد کی ہے۔ اگر ہم حسن ظن سے کام لیں تو کہہ سکتے ہیں۔

کہ عربی خلاصہ میں بھی مصنف مذکور نے اس واقعہ کو نہیں لکھا تھا بلکہ بعد میں کسی نے بڑی مہربانی سے ملا دیا ہے کیونکہ اس کتاب میں اور بھی دوسری جگہوں میں تحریف ہوئی ہے (دیکھو انسائیکلوپیڈیا)

پیشتر اس کے کہ ہم اندرونی اور بیرونی شہادتوں کو لیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس لائبریری کی بنیاد اور جو جو حادثات اسپر گذرے انکا مختصر طور پر بیان کر دیں۔ یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ جیسے اسکندریہ کے کتب خانے مشہور تھے ویسے ہی وہ بہت زیادہ ضروری بھی تھے۔ وہ بڑے بھاری اور عظیم الشان کتب خانوں میں سے تھے۔ یہ بھی یقینی طور پر معلوم ہے کہ اصل بانی مبانی اس کتب خانہ کا بطلیموس سوٹیر[1] تھا جس کو خیال اٹھا کہ ایسا کتب خانہ بنایا جائے اور اس امر کے لیئے اس نے ایک مجلس علماء کی قائم کی۔ جو اس کے دربار میں اس کے گرد ہر وقت رہتے تھے۔ اس کے بعد اس کے بیٹے فلاڈلفس[2] نے اس کتب خانہ کو پورے طور سے ساز و سامان سے مہیا کیا اور ترتیب دی اور اس نے اردگرد کے تمام ممالک مثلاً یونان اور ایشیا میں اپنے ایلچی اس امر کیلیئے روانہ کیئے کہ وہ علمی ذخائر کو جمع کر کے اس کے پاس روانہ کریں۔ یہ لائبریری غالباً ان شاندار عمارتوں کے اندر تھی جو میوزیم[3] کے نام سے مشہور ہیں)۔ اور وہ شاہی محلوں کے بالکل ساتھ تھی۔ یا یوں کہیں کہ لائبریری شاہی محلوں کے ایک حصہ میں واقع تھی۔ لائبریری کے اندر کس قدر کتابیں تھیں اس کے متعلق مختلف قول ہیں چار لاکھ سے لیکر سات لاکھ تک تعداد جلدوں کی بتائی جاتی ہے۔ اس لائبریری کے وجود سے اسکندریہ مرجع خلائق ہو گیا اور بہت عرصہ تک یہاں تعلیم و تعلم کا چرچا رہا۔ ۴۸ برس قبل از مسیح جب جولیس سیزر[4] یہاں آیا تو اسی محلہ میں جہاں کتب خانہ تھا اس کا محاصرہ کر لیا گیا محاصرہ کرنے والے خود مصری تھے جن کا سرگروہ ایکیلاس[5] تھا۔ خود حفاظتی کے طور پر جولیس سیزر نے حکم دیا کہ جس قدر جہازات وہاں سمندر کے کنارے موجود ہیں ان سب کو آگ لگوا دیجاوے۔ جب اس آگ کے شعلے بلند ہوئے تو شہر کے اس حصہ میں بھی آگ دوڑ گئی جہاں کہ کتب خانہ تھا۔ جہاں اور عمارتیں جلکر خاکستر ہو گئیں وہاں اس کتب خانہ کا بھی نام و نشان نہ رہا۔ سینیکا[6] جو ایک مشہور

---

1. Ptolemy Soter. 2. Philadephus. 3. Museum. 4. Julius Caesar. 5. Achillas. 6. Seneca.

رومی فلاسفر اور مصنف ہے اس کا بیان ہے کہ اس آتش زدگی میں قریباً ۴ لاکھ کے کتب جل گئیں۔ (دیکھو۔ پلوٹارک[1]۔ ڈایو کیسئی اس[2]۔ ایمی اینس مارسیلی نس[3] اور اوروسی اس[4]) اوروسی اس کے الفاظ تو بالکل صاف ہیں وہ کہتا ہے کہ "جولی اس سیزر نے حکم دیا کہ جسقدر جہاز کنارے کے نزدیک ہیں ان سب کو آگ لگا دو۔ یہ آتش زدگی فوراً شہر کے نزدیک حصہ تک پہنچ گئی اور چار لاکھ کتابوں کو جلا کر سیاہ کر دیا جو ایک عمارت کے اندر تھیں اور وہ عمارت بالکل نزدیک تھی۔ اس طرح ہمارے آباو اجداد نے جو کتب خانہ بڑی جانفشانی سے جمع کیا تھا جو گویا ان کے کارناموں کی ایک عجیب یادگار تھا۔ جلکر تباہ ہو گیا۔"

اس منحوس واقعہ کے سات یا آٹھ سال بعد مارک اینٹنی[5] نے پرگیمس[6] کے بادشاہ کا کتب خانہ اسکندریہ روانہ کیا۔ اس نئے کتب خانہ کے لیئے سیزرین[7] کے مندر میں جگہ بنائی گئی جو ملکہ کلیو پاٹرا۔ جولی اس سیزر کی یادگار میں تعمیر کرا رہی تھی۔ اس مندر کی تکمیل اگسٹس[8] کے ہاتھوں سے ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس مندر کی سب سے زیادہ مزین کرنے والی چیزوں میں سے ایک یہ کتب خانہ بھی تھا۔ جو کتابیں اس کتب خانہ سے بڑھ رہیں وہ سیراپی ام کو روانہ کر دی گئیں اور وہ بھی ایک معبد تھا جو سیراپس[9] کی یادگار میں قائم کیا گیا تھا۔ اس مندر کی بنیاد بھی فلاڈلفس کے ہاتھوں سے پڑی تھی۔ قریباً دو سو سولہ برس عیسوی میں کاراکلا[10] نے شہر میں خون کے دریا بہا دیئے تھیٹروں کو بند کر دیا۔ اور عام لوگوں کے جمع ہونے کے لیئے جو ہال تھا جو میوزیم میں واقع تھا اس کو بھی بند کر دیا۔ پھر ۲۷۳ء عیسوی میں میوزیم کی تمام عمارتیں شاہنشاہ اوریلی ان[11] کے حکم سے گرا کر میدان صاف کر دیا گیا۔* جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اہل اسکندریہ

* یوسی بی اس[12] کا خیال ہے کہ میوزیم کی شاندار عمارتوں کو کلاڈین[13] نے گرا دیا تھا۔ نہ کہ اوریلی ان[14] نے۔

1. Plutarch. 2. Diocassius. 3. Ammianus Marcellinus. 4. Orosius. 5. Mark Antony. 6. Pergamus. 7. Caesarian. 8. Augustus. 9. Serapis. 10. Caracalla. 11. Aurelian. 12. Eusebius. 13. Claudian. 14. Aurelian.

نے فرمس[1] کے ماتحت ہوکر بغاوت کی تھی اس لیئے اس کی سزا میں شہر کے اس مشہور حصّہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی ؛

پھر ۳۶۶ء عیسوی میں ایک بڑی خونخوار مذہبی معرکہ آرائی ہوئی۔ اور اس معرکہ آرائی کے اثنا میں سی زیرین کے مندر کو گراکر فنا کردیا گیا جس کی بنیاد ملکہ کلیو پاٹرا کے ہاتھوں پڑی تھی اور تکمیل آگسٹس کے ذریعہ ہوئی تھی (دیکھو فتح مصر مصنفہ مسٹر بٹلر صاحب)

اس معرکہ آرائی کا مختصر سا حال گبن بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "شاہنشاہ ولیرین[2] کی قید اور اس کے بیٹے کی بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے سلطنت کی باگیں ڈھیلی ہوگئیں پابندئ قانون اُٹھ گئی اور ہر جگہ فتنہ و فساد اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس بدامنی کے زمانے میں۔ اہل اسکندریہ نے بھی اپنے جذبات اور خواہشات کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں پھر کیا تھا ان کا تمام ملک فتنہ و فساد کا مقام بن گیا۔ اور ملک کی بدقسمتی کی یہ حالت (بہ استثناء چند دنوں کے جن میں برائے نام چند روز کے لیئے صلح ہوجاتی تھی۔) بدستور بارہ سال سے کچھ اوپر تک جاری رہی۔ بدقسمت شہر کے مختلف حصوں کے تعلقات بالکل ٹوٹ گئے۔ شہر کا ایک حصہ دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہوگیا۔ ہر بازار خون سے لتھڑ پتھڑ گیا۔ ہر بڑی عمارت تھوڑے عرصہ کے لیئے قلعہ بن گئی۔ یہ ہنگامہ بہت عرصہ تک جاری رہا یہانتک کہ شہر کا قریباً بہت بڑا حصہ ایسا ضائع ہوا۔ کہ آئندہ پھر کبھی پھلنے پھولنے کی امید نہ رہی شہر کا وہ حصہ جس کا نام بروکی اِن تھا جس کے اندر لائبریریاں تھیں اور جہاں تمام محلات شاہی اور میوزم واقع تھا۔

؞ اگر کوئی لائبریری مسلمانوں کے ملک میں داخل ہونے کے وقت موجود ہوتی تو کم سے کم اُسکا ذکر عمرو بن العاص کی اس چٹھی میں ضرور رہتا جو اس نے حضرت عمرؓ کو شہر کے فتح کرلینے کے بعد لکھی۔ اس خط کے الفاظ بالکل صاف ہیں۔ عمرو بن العاص لکھتے ہیں کہ "میں نے ایسا شہر فتح کیا ہے کہ جس کے متعلق بس اتنا کہنا ہی کافی ہوگا کہ اس میں چار ہزار قصرات۔ چار ہزار حمام۔ چار سو تھیٹر۔ بارہ ہزار سبزی فروش اور چالیس ہزار باج گذار یہودی ہیں"۔

1. Firmus. 2. Valerian.

جہاں کہ بادشاہ اور حکماء بود و باش کیا کرتے تھے تمام ایسے تباہ ...... ہوئے کہ ایک وحشت سرائے بن گئے۔ اور قریباً ایک صدی سے زائد اسی خراب و خستہ حالت میں رہے"

اس مختصر حال سے جس کا ہم ذکر کر آئے ہیں۔ پتہ چل جاتا ہے کہ اگر کوئی لائبریری برائے نام موجود تھی تو اس وقت تک تباہ ہو چکی تھی۔ بلکہ ان مکانات کا صفحہ ہستی سے نشان مٹ چکا تھا۔ صرف کھنڈرات موجود رہ گئے تھے۔ اب سیرا پی ام لائبریری کا حال بھی سن لیجئے۔ اس لائبریری کے تباہ کرنے والے بھی حضرات عیسائی صاحبان ہیں جن کا گرو تھیوفلس[1] تھا۔ اور دل نے جو کچھ تباہ کیا تھا سو کیا تھا۔ یہی حضرات ان پرانے کتب خانجات کے بقیہ کو قائم رہنے دیتے۔ لیکن نہیں عیسائیت کا اس وقت زور شور تھا۔ اور نیا نیا جوش غیر مذاہب کے مٹانے کو اُمڈا چلا آتا تھا شاہنشاہ تھیوڈوسی[2] اس نے اپنے تعصب بھرے جوش میں حکم دیا کہ بت پرستی قانونی جرم ہے اور بت پرست واجب القتل ہیں۔ بت پرست لوگ جو قربانیاں اور نذریں اور چڑھاوے اپنے بتوں کے آگے پیش کیا کرتے تھے سب کو یک قلم موقوف کر دیا اور حکم نافذ کر دیا کہ ایسا کرنا خلاف احکام سلطنت ہے۔ بت پرستوں کے مندر بند کر دیئے گئے یا تباہ کر دیئے گئے اور ان کے اندر جس قدر مال و متاع ملا سب ضبط کر لیا گیا۔ ادھر شاہنشاہ کا یہ حکم نافذ فرمانا تھا ادھر پادری تھیوفلس کے دندانِ آز ..... تیز ہو گئے۔ ہوشمند کی آنکھیں طمع سے بند ہو جاتی ہیں اور اس بچارے کو کچھ نہیں سوجھتا[5] لیکن پادری صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اس وقت اسکندریہ کی آرکی ایپسکوپل[4] گدی پر پادری تھیوفلس صاحب جلوہ افروز تھے سیراپس[5] کے معبد پر انکی نظر

---

1. Theophilus.
2. Theodosius. 4. Arch-episcopal.
5. Serapis.

۵ بدوزد طمع دیدۂ ہوشمند۔ در آرد طمع مرغ و ماہی بہ بند۔

مدّت سے تھی۔ گو آپ بظاہر امن کے شاہزادے کے قائم مقام تھے لیکن امن و امان اور
نیکو کاری کے جانی اور ابدی دشمن تھے۔ تاریکی کے فرزند ہمیشہ تاریکی پسند کرتے ہیں
بقول گبن "اس دلیر و بد آدمی" کے ہاتھ ہمیشہ کبھی سونے اور کبھی لہو میں لتھڑے پتھڑے
رہتے تھے۔ پس کیا تھا آپ نے مذہب کو آڑ بنا کر بناوٹی غصہ کا اظہار شروع کیا کہ
کیوں سی راپس[1] کے مندر کی اسقدر عزت کیجاتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے طرح طرح
سے بےحرمتی کرنی شروع کر دی۔ ابھی سی راپس کے مندر پر ہاتھ نہ ڈالا تھا لیکن
اصل مندر کو تباہ کرنے کے لیئے پہلے چھوٹے چھوٹے معبدوں پر دست تعدی دراز
کیا بُت پرستوں کو اس کی روش سے معلوم ہو گیا کہ اب وہ اصل مندر کی بیحرمتی
سے بھی باز نہیں رہے گا۔ اسکندریہ کا شہر فسادی شروع ہی سے مشہور تھا۔ چھوٹی
چھوٹی بات پر جنگ چھڑ جایا کرتی تھی۔ سی راپس کے جسقدر پجاری تھے اگرچہ ان کی تعداد
عیسائیوں سے بہت کم تھی تاہم خود حفاظتی کے طور پر انہوں نے ہتھیار اٹھائے کیونکہ انہوں
نے دیکھا کہ تھیوفلس یکے بعد دیگرے کُل بُت پرستوں کے معبدوں کو گراتا جاتا ہے۔ بت پرستوں
میں ایک مشہور فلاسفر مسمی اولمپس[2] انکا سرگروہ بن گیا۔ جس نے ان کو اکسایا کہ اس
زندگی سے تو بہتر ہے کہ ہم اپنے بتوں اور قربان گاہوں کے لیئے اپنی جانوں کو قربان کر دیں۔
پس سی راپس کے معبد کو ہی انہوں نے اپنا قلعہ بنا لیا۔ لیکن پیشتر اسکے کہ جنگ چھڑ جاتی
اور تلوار کے ذریعہ آخری فیصلہ ہو جاتا۔ اس پر فریقین نے اتفاق کیا کہ شاہنشاہ کی طرف
رجوع کیا جائے اور ان کے فیصلہ کا انتظار کیا جاوے۔ شاہنشاہ کے بال بال میں بتوں
کی مخالفت سمائی ہوئی تھی اس نے اسکندریہ کے بت خانوں کے خلاف حکم
جاری کر دیا عیسائیوں کی چڑھ مچ گئی اور بُت پرستوں کے معبدوں کے خلاف ان کے
جوش و غضب کی کوئی انتہا باقی نہ رہی برخلاف اس کے بت پرستوں کی قلیل جماعت کے

---

1. Serapis
2. Olympius.

حوصلے پست ہوگئے۔ دل ٹوٹ گئے۔ پہلے ہی ان میں عیسائیوں کے مقابلے کی سکت نہ رہی تھی۔ اب تو شاہنشاہی حکم بھی انکے خلاف جاری ہو چکا تھا۔ بچارے بڑی سراسیمگی میں بھاگے۔ ان کا بھاگنا تھا کہ عیسائی بھیڑیوں کی طرح لپکے اور چشم زدن میں سی راپس کے معبد میں گھس گئے۔ اور سارے معبد کو توڑ پھوڑ۔ . . . . دیا۔ اور وہی اس لکھتا ہے کہ کتب خانہ سی راپی ام[1] غارت کر دیا گیا اور اس واقعہ سے قریباً بیس سال بعد[2] اس شخص کا دل جس میں مذہبی تعصب اسقدر نہ تھا جیسا کہ ان عیسائیوں میں تھا۔ خالی الماریوں اور خانوں کو دیکھکر بڑے غصے اور پشیمانی اور تاسف سے بھر جاتا تھا" یہ واقعہ ۳۹۱ سنہ عیسوی میں ہوا اور اس کا انکار بالکل نہیں ہو سکتا (اس وحشیانہ حرکت کی تفصیل دیکھنی ہو تو گبن کی تاریخ پڑھنی چاہیئے)

اسکندریہ کے کتب خانہ کی تاریخ اس مذکورہ بالا مختصر بیان سے پتہ لگ جاتی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ عربوں کے ملک مصر میں بحیثیت فاتحین کے داخل ہونے سے قریباً اڑھائی سو سال پہلے اسکندریہ کے کل مشہور اور تاریخی کتب خانے معدوم ہو چکے تھے اور اس وقت ان کا نام و نشان تک مٹ چکا تھا۔ اب جائے غور ہے کہ کتب خانے تو موجود نہ تھے مسلمانوں نے کونسے کتب خانے آکر تباہ کرائے۔ اگر مسلمان تباہ کرنیوالے بھی ہوتے تو بھی عیسائیوں کی مہربانی سے ان کو یہ تکلیف کرنی نہ پڑتی کیونکہ راستہ انہوں نے بالکل صاف کر دیا تھا۔ مرے ہوئے کو مارنا یعنی چہ؟

اب ہم اندرونی اور بیرونی شواہد کو لیتے ہیں۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ تمام عیسائی مورخین جان آونکیو[2] سے لیکر **ابوصالح** تک اس کتب خانے کے متعلق خاموش ہیں۔ یہ تو ایسے لوگ ہیں۔ کہ جہاں وہم تک کے پر جلتے ہیں وہاں سے یہ مسلمانوں کی قتل و غارت کی کہانیاں گھڑ لیتے ہیں۔ پھر ایسے بدیہی واقعہ کو وہ کیوں اور کس طرح چھوڑ سکتے تھے۔

---

1. Serapium.
2. John of Nikio.

اور تواوٹیکی اس[1] جسکو مسلمان اپنی کتابوں میں سعید ابن بطریق کے نام سے یاد کرتے ہیں ایک عیسائی مصنف ہے۔ جو ۹۳۳ء عیسوی سے ۹۴۰ء عیسوی تک ملکائیٹ پیٹریارک[2] رہا ہے اور جس کی تصانیف میں اور بہت سی قابل تذکرہ باتیں درج ہیں۔ وہ بھی اپنے دیگر عیسائی بھائیوں کی طرح اس معاملہ کے متعلق کچھ نہیں لکھتا۔ کیا مسلمان جبریہ طور سے روکتے تھے کہ ایسی باتیں ان کے متعلق نہ لکھی جاویں۔ لیکن اس سے کہیں بڑھکر انپر الزام لگائے گئے اور ان کے مذہب اور بانیٔ مذہب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح طرح کی توہین توکتابوں میں جو اس زمانے کی تصنیف ہیں درج ہے پھر یہ کسطرح ہوسکتا ہے کہ عیسائی مورخ تمام کے تمام اس واقعہ کے لکھنے سے چوک گئے۔

پھر قابل غور امر یہ ہے کہ پانچویں اور چھٹی صدیوں کے اندر کسی مورخ نے ان لائبریریوں کا ذکر تک نہیں کیا اشارۃً یا کنایۃً بالکل نہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جو سی راپی ام کے معبد اور اسکے متعلقہ لائبریری کے تباہ ہونے اور مسلمانوں کے ملک کے اندر داخل ہونے کا درمیانی عرصہ ہے کیا اس اڑھائی صدیوں کے عرصہ کے اندر کوئی مورخ نہیں ہوا۔ ہوئے اور ضرور ہوئے۔ اور تو اور خود کتب خانوں کا ڈھونڈ ڈھونڈ کر کھوج نکالنے والے۔ ایک دو سال نہیں دس۱۰ بارہ۱۲ سال تک صرف اسکندریہ کے اندر قیام کرنے والے اور اس پر طرہ یہ کہ مذہب کے کٹر عیسائی۔ جان ماسکس[3] اور اس کا شاگرد اور دوست۔ ہر دو نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ جنوبی مصر کی خانقاہوں میں گزارا۔ اس کے بعد وہ اپنے وطن مالوف یعنی شام کو واپس روانہ ہوئے۔ مگر ۶۰۵ء عیسوی میں وہ اپنے ملک سے بدر کردیئے گئے اور اس کے بعد انہوں نے اپنی رہائش اسکندریہ میں اختیار کی۔ یہ زمانہ مسلمانوں کے حملۂ مصر کے بہت قریب کا ہے صرف پینتیس۳۵ یا چھتیس۳۶ سال کا فرق ہے۔ یہ ہر دو شخص اسکندریہ کے اندر آٹھ یا دس سال تک مقیم رہے

---

1. Eutychius. 2. Melkite Patriarch. 3. John Moschus.

دونوں بڑے ذہین اور فاضل تھے اور علم اور اہل علم سے محبت رکھنے والے اور کتابوں کے بڑے مشتاق تھے۔ دونوں نے بڑی ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ وہ لائبریریوں کی ٹوہ میں ہمیشہ لگے رہتے تھے۔ لیکن کوئی ان کی ساری کتابیں پڑھ جائے۔ کہیں بھی سی راپی ام لائبریری یا دوسری بروکی ان لائبریری کا نشان تک نہیں پائیگا۔ حالانکہ انہوں نے چھوٹی چھوٹی پرائیویٹ لائبریریوں کا ذکر بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔

لیکن اگر ہم بطور امکان کے مان بھی لیں کہ لائبریری عربوں کی فتح مصر کے وقت موجود تھی۔ تو پھر بھی بڑے مشکلات کا سامنا ہے تمام تاریخوں میں لکھا ہے کہ اہل اسکندریہ کو گیارہ یا تیرہ ماہ کی مہلت ملی تھی جس کے اندر اُس عہدنامہ کی تصدیق قیصر روم کو کرنی تھی۔ جو اہل اسکندریہ نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔ اس عرصہ میں بلکہ اس کے کئی سال بعد تک جبکہ اسکندریہ کو دوبارہ اہل روما نے مسلمانوں سے چھین لیا تھا اور پھر مسلمانوں نے دوبارہ اسے فتح کیا تھا۔ اس تمام عرصہ میں سمندر کی طرف سے اہل اسکندریہ یا رومیوں کو مسلمانوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ مسلمانوں کے پاس جہاز چھوڑ کشتیاں تک نادارد تھیں۔ اور شہر کا قریباً ۲/۳ حصہ اور بندرگاہ کُل کا کُل سمندر پر واقع تھا اور محفوظ و مصئون تھا۔ اب پہلے عہدنامہ کے رو سے اسکندریہ کم سے کم گیارہ ماہ بالکل اہل شہر کے ہاتھوں میں رہا اور مسلمان بموجب عہدنامہ کے شہر سے دور اپنا کیمپ ڈالے پڑے رہے۔ اس عہدنامہ میں ایک شرط یہ بھی تھی اور بڑے واضح طور پر لکھی گئی تھی کہ اس عرصہ کے اندر نہ صرف رومی اپنے مُلک کو واپس جا سکتے تھے بلکہ اپنا تمام مال و متاع تک لیجانے کی ان کو اجازت تھی۔ سمندر پر ان کی اپنی حکومت تھی عربوں کا کوئی کھٹکا تک نہ تھا۔ اور تجارتی جہازوں کے علاوہ جو ہزاروں کی تعداد میں ہر سال اسکندریہ آتے جاتے تھے۔ رومیوں کے پاس ایک زبردست جنگی بیڑہ بھی تھا۔ عربوں کا بیڑہ ابھی وجود میں نہیں آیا تھا۔ پھر اسکندریہ اور قسطنطنیہ کا راستہ بالکل کھلا تھا۔ کتابوں کی قیمت چڑھی ہوئی تھی اور جیسا کہ ان کی تعداد بتلائی جاتی ہے۔ کئی لاکھ تک ان کی قیمت پہنچتی تھی۔ بڑے بڑے فاضل اشخاص ان کے شائق اور قدردان موجود تھے

اگر ان کو پتہ ہوتا کہ ایسا کوئی کتب خانہ ہے تو یہ بھی نہوی تو مانگتا ہی لیکن وہ اپنی خواہش کو روپے کے رنگ میں اس سے پہلے ضرور پیش کر دیتے۔ اور عیسائیوں کے نزدیک عرب روپے اور دیگر قسم کے اموال کے زیادہ حریص تھے بہ نسبت علمی خزانوں کے۔ اس لیئے ان کتابوں کے بچانے کے لیئے ان کی کوشش زیادہ کارگر ہوتی اور ضرور ہوجاتی۔ پھر جبکہ گیارہ ماہ کی مہلت موجود تھی تو سب سے اوّل یہ فضلا کوشش کرتے کہ کسی نہ کسی طرح اس خزانہ کو بچا لیا جائے۔ عرب بھی اپنے وعدوں کے بڑے پکے تھے۔ ضرور ایفائے وعدہ کرتے اور کتابوں کے منتقل کرنے میں کسی طرح کی مزاحمت نہ کرتے۔ عیسائیوں کی طرح نہیں کہ غلیظ قسمیں کھانے کے بعد وعدہ شکنی کر دیتے ہیں۔[عـ۱]

اسی تذکرہ میں ہم عبد اللطیف کا ذکر کر چکے ہیں جب عیسائی پادریوں کو اپنے بے ثبوت بیانات کے لیئے اور کوئی حجت نہ ملی۔ تو انہوں نے یہ کوشش شروع کی کہ اس جھوٹ کا ثبوت مسلمان مصنفوں کی کتابوں سے ڈھونڈیں اس ضمن میں انہوں نے چار نام تلاش کیئے۔ عبد اللطیف۔ المقریزی۔ ابن خلدون اور حاجی خلیفہ۔ عبد اللطیف کو چھوڑ کر پہلے ہم المقریزی کو لیتے ہیں۔ یہ شخص ۱۳۶۵ء عیسوی کے قریب پیدا ہوا۔ اور ۱۴۴۱ء عیسوی کے قریب مر گیا۔ یعنی عبد اللطیف سے قریباً ایک صدی بعد میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنی کتاب خطط والاثار جلد اول میں عمود السواری کے بیان میں جو اسکندریہ کا ایک مشہور منارہ ہے (جسکو ڈایوکلی شی ان پلر بھی کہتے ہیں) عمود السواری کے نام سے ایک عنوان قائم کیا ہے اور حرف

عـ۱۔ دیکھو کتاب مورس ان سپین مصنفہ سٹینلے لین پول۔

بحرف وہ عبارت نقل کردی ہے جو اس مینار کے ذکر میں عبداللطیف نے لکھی تھی۔ اس لیئے ہم المقریزی کا نام کاٹ دیتے ہیں٭ اب ہماری سندیں تین رہ گئیں ؛

حاجی خلیفہ اور ابن خلدون کو اس ضمن میں پیش کرنا محض دھوکہ دہی ہے کیونکہ موخر الذکر بچارے نے کہیں یہ ذکر نہیں کیا کہ مسلمانوں نے اسکندریہ کے کتب خانے کو جلادیا۔ یہ سچ ہے کہ فارس کی فتح کا بیان کرتا ہوا وہ لکھتا ہے کہ مسلمان سپاہیوں کے ہاتھوں ایران کی لائبریری جل گئی۔ لیکن ایران کا کتب خانہ کہاں اور اسکندریہ کا کہاں۔ اگر مسلمان سپاہیوں نے ایران کا کتب خانہ جلادیا تو اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اسکندریہ کا کتب خانہ بھی جلادیا تھا۔ پھر اس پر ابن خلدون کا حوالہ دینا اور بھی صریح بہتان ہے۔ باقی رہا یہ معاملہ کہ ابن خلدون کا یہ بیان کہ مسلمان سپاہیوں نے کتب خانہ ایران جلادیا تھا خود محتاج ثبوت ہے اور کذب صریح ہے لیکن اس سوال کا یہاں کوئی تعلق نہیں اس لیئے اس بحث کو ہم نہیں چھیڑتے۔ ورنہ ہم بتلادیتے کہ جس طرح مسلمانوں کو اسکندریہ کے معاملہ میں متہم کیا جاتا ہے ویسے ہی وہ ایران کے کتب خانہ کے الزام میں بیجا طور پر متہم ہیں تاہم ایک کے وجود سے دوسرا وجود تصور کرلینا غلط منطق تو ضرور ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ للہی بغض برتا جاتا ہے ؛

اب ہم حاجی خلیفہ کا تھوڑا سا تذکرہ کردینا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے وہ الفاظ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں نقل کردیں جن سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے کتب خانہ اسکندریہ کو جلادیا تھا۔ چنانچہ حاجی خلیفہ جو اسی زمانے کے آدمی ہیں لکھتے ہیں :- فکانت العرب فی صدر الاسلام لا تعتنی بشیٔ من العلوم الا بلغتها ومعرفة احکام شریعتها۔ وصناعة الطب فانها کانت موجودة عند افراد منهم لحاجة الناس طرًا الیها وذلك منهم صونا لقواعد الاسلام وعقائد اهله عن تطرق الخلل من علوم الاوائل قبل رسوخ الاحکام حتی یروی

٭ کیونکہ وہ صرف عبداللطیف کی عبارت کو نقل کرتا ہے اور عبداللطیف کی روایت پر ہم الگ بحث کرینگے۔ منہ

انهم حرقوا ما وجدوا من الكتب فی فتوحات البلاد[*]- یعنی اہل عرب شروع اسلام میں تمام علوم میں سے بجز لغت و احکام شریعت وطب کے کسی علم کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے صرف یہ علوم بوجہ عام حاجت کے بعض لوگوں کے پاس موجود تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ چونکہ اسلام کے قواعد اور لوگوں کے عقائد مضبوط و راسخ نہیں ہو چکے تھے اس لیئے ڈر تھا کہ قدما کے علوم سے ان میں خلل نہ پیدا ہو۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے شہروں کے فتوحات میں جو کتابیں پائیں وہ جلا دیں۔

ایک معمولی سمجھ کا آدمی اس عبارت پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ کوئی خاص تاریخی واقعہ نہیں جس کی طرف کہ حاجی خلیفہ اشارہ کر رہا ہے۔ برخلاف اس کے یہ بیان محض علی سبیل التذکرہ معلوم ہوتا ہے جس کی کوئی خاص غرض نہیں بلکہ مصنف مذکور ایک بے بنیاد افواہ کا اعادہ کرتا ہے یا اسکی اپنی ذاتی رائے ہے جس کو اصل واقعہ سے تعلق نہیں۔ اس لیئے واقعہ اور رائے کو مخلوط کرنا مناسب نہیں۔ پھر مصنف کا آخری فقرہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ حاجی خلیفہ کا یہ تمام قول یُرویٰ کے تحت میں ہے جو کہ صیغہ مجہول ہے۔ جس سے کسی طرح یہ ظاہر نہیں ہو سکتا کہ وہ اس واقعہ کو مورخانہ حیثیت سے لکھتا ہے۔ یا اس کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ ایک مشہور قاعدہ ہے۔ کہ جب کسی مورخ کو کوئی صحیح سند کسی بات کے متعلق نہیں ملتی یا راوی معتبر نہیں ہوتا اور وہ ایک بات کا تذکرہ کرنا چاہتا ہے جو یونہی مشہور ہوتی ہے۔ تو پھر کسی ایسے مجہول فعل سے جیسے کہ یُرویٰ ہے۔ ذکر کر جاتا ہے۔ پس اس طرح سے حاجی خلیفہ کا ایک بازاری گپ کو بیان کر دینا ایک کہانی کے طور پر ہے۔ جو عام طور سے سُنی گئی ہو۔ لیکن اس کے لیئے کوئی مضبوط دلیل یا شاہد اس کی صداقت ظاہر کرنے کے لیئے کوئی نہیں ہے۔ یہاں تک ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ مقریزی نے صاف طور سے عبد اللطیف کے لفظ نقل کر دیئے ہیں۔ اور ابن خلدون اور حاجی خلیفہ کتب خانہ اسکندریہ کی تباہی کے متعلق صراحتاً تو کہیں رہا اشارۃً اور کنایۃً بھی کوئی ذکر نہیں کرتے۔ فی الحال ہم اس بحث کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ کہ ان میں سے کون مورخ ہیں۔ اور کون مورخ نہیں۔ اور یہ امر بھی کہ آیا انکی

[*] اس عبارت میں یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس میں اسکندریہ کا کوئی ذکر نہیں۔ منہ

کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے۔ سب کچھ صحیح ہے۔ یا اس میں بعض جگہ حرف رکھنے کی گنجائش
ہے۔ یہ ایک جدا مضمون ہو جاتا ہے۔ موجودہ مضمون کے لیئے ہم نے یہ کھول کر
ثابت کر دیا ہے۔ کہ مصنفین مذکور خواہ ان میں سے بعض کے متعلق یا انکی کتابوں
کے بعض حصّوں کے متعلق ہماری رائے کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن ان کے بیانات
اس بے بنیاد الزام کو ہرگز ثابت نہیں کرتے۔ اب صرف عبداللطیف بغدادی باقی
رہ گیا۔ یہ مصنف بارہ سو اکسٹھ[۱۲۶۱] عیسوی میں بغداد میں پیدا ہوا۔ اپنی زندگی میں
اس شخص کو صلیبی لڑائیوں میں تعلق رہا۔ اور حروب صلیبیہ میں اس نے بہت کچھ
حصہ لیا۔ اگرچہ وہ ایک عالم شخص تھا۔ لیکن تلوار سے اسکو نفرت نہ تھی۔ اس نے
تمام ملک شام میں سفر کیا اور بہت عرصہ مصر میں مقیم رہا۔ قریبًا بارہ سو[۱۲۰۰] عیسوی میں
اس نے مصر کی ایک تاریخ لکھی جس کا نام کتاب الافادة والاعتبار فی الامور
المشاهدة والحوادث المعاینة بارض مصر ہے۔ اس کتاب میں اسنے
صرف وہی حالات اور واقعات لکھے ہیں۔ جو اس نے مصر میں مشاہدہ کیئے۔ اس نے
ایک موقعہ پر عمود السواری جس کو یونانی اور رومی ڈایو کلیشن پلر کے نام سے موسوم
کرتے ہیں۔ اِس لفظ سے ایک عنوان قائم کیا ہے۔ اور اس مینار کا تمام حال لکھا ہے
اور اس کے متعلق جو کچھ لوگوں سے سنا وہ بھی لکھ لیا ہے۔ چنانچہ مینار کا ذکر کرتے
ہوئے وہ کہتا ہے۔ ویذکر ان هذا العمود من جملة اعمدة کانت تحمل
رواق ارسطاطالیس الذی کان یدرس به الحکمة و انه کان دار العلم
فیه خزانة کتب حرقها عمرو بن العاص باشارة عمر بن الخطاب۔
جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "اور کہا جاتا ہے۔ کہ یہ ستون منجملہ ان ستونوں کے ہے جسپر وہ
چھت قائم تھی جو ارسطو کا رواق تھا۔ اور جہاں ارسطو حکمت کا درس دیا کرتا تھا
اور یہ کہ وہ دار العلم تھا۔ اور اس میں وہ کتب خانہ تھا۔ جس کو عمرو بن العاص نے

عمر بن الخطابؓ کے اشارہ سے جلا دیا" اگر یہ عبارت بازاری گپ نہیں تو اور کیا ہے۔ نہ ارسطو کبھی اسکندریہ میں آیا۔ نہ اس نے کبھی اسکندریہ میں تعلیم دی اور نہ درس دیا۔ نہ اسکے لیئے کوئی مکان درس دینے کے لیئے تعمیر کیا گیا نہ ہی جیسا کہ ہم ثابت کر آئے ہیں کوئی لائبریری تھی۔ جسکو عمرؓ کے ہاتھوں نے تباہ کیا ہو۔ ذرا سی غور کرنے سے یہ صاف پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ ایں خانہ تمام آفتاب است پورے کا پورا جھوٹوں کا تودہٗ طومار ہے۔ جسکو اسلام کے دشمن بغیر سوچے سمجھے واقعہ سمجھکر پیش کر رہے ہیں۔ اتنا ہی دیکھ لیتے کہ عبد اللطیف کیا ذکر کر رہا ہے۔ اور کسطرح سے کرتا ہے۔ محض بازاری گپوں کو اس نے جمع کر دیا پھر وہ اس سارے بیان کو یذکر کے تحت میں لکھتا ہے۔ جو کہ صیغہ مجہول غائب ہے پس جبکہ معاملہ کی یہ صورت ہے۔ تو ان سندوں کی فہرست میں سے عبد اللطیف کا نام بھی خارج کر دیتے ہیں۔ اور چونکہ اس سارے کذب کی بنیاد عبد اللطیف کے بیان پر ہے۔ تو اس سے وہ سارا تانا بانا ٹوٹ جاتا ہے۔ جو ان مکڑیوں نے فاتح مصر کے گرد تننا چاہا ہے۔ اگر یہ بھی مان لیں کہ عبد اللطیف کو واقعی یقین تھا۔ کہ جو کچھ وہ لکھ رہا ہے صحیح ہے تو بھی ہم پوچھیں گے کہ اصل واقعہ سے تو وہ پانچ سو سال بعد پیدا ہُوا۔ اس کے پاس اس امر کی سند کونسی ہے۔ جب تک صحیح سند نہ بیان کرے تب تک ہم کسطرح مان لیں۔ کہ یہ واقعہ یوں ہُوا؟

اندرونی شواہد

غور کریں تو بہت سی باتیں اس کہانی کے اندر ایسی ہیں۔ کہ ذرا سی روشنی پڑنے سے انکی سب حقیقت کُھل جاتی ہے۔ چند امور جو غور طلب ہیں یہ ہیں۔ اوّل۔ کیا کوئی لائبریری موجود تھی بھی یا نہیں۔ دوسرا۔ یہ کہ یحییٰ نحوی کون تھا اور کس زمانہ میں ہُوا۔ تیسرے۔ اگر لائبریری موجود تھی۔ تو کہاں واقع تھی اور اس میں کس قدر کتابیں تھیں۔ پہلے سوال کا جواب ہم نفی میں دے چکے ہیں کہ کوئی ایسی لائبریری

موجود نہ تھی جب مسلمان فاتحین کی حیثیت سے اسکندریہ میں داخل ہوئے۔ اس ساری جھوٹی عمارت کے گرانے کے لیئے ہمارا صرف یہی بیان کافی ہے۔ لیکن مثل مشہور ہے۔ دروغ گو را تا بخانہ باید رسانید۔ اس لیئے ہم جدا جدا ہر پہلو کو لیتے ہیں۔ مان لیا کہ کوئی لائبریری تھی جس کو مسلمان تباہ کر سکتے تھے۔ جیسا کہ کہانی کے اندر مذکور ہے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ جس طرح کہانی میں ذکر ہے اُس طرح سے کتابیں کیوں تباہ کی گئیں۔ ابوالفرج کہتا ہے۔ کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اگر یہ کتابیں قرآن شریف کے مطابق ہیں۔ تو قرآن ہمارے لیئے کافی ہے ان کی ضرورت نہیں۔ اور اگر مخالف ہیں۔ تو بھی ضرورت نہیں۔ اسی لیئے اِن ہر دو پہلو سے اِن کو تباہ ہی کر دینا چاہیئے۔ ہم پوچھتے ہیں۔ کہ جب تباہ کرنا ہی مقصود تھا۔ تو تباہ کنندوں کو چاہیئے تھا۔ کہ ایسی راہ اختیار کرتے۔ کہ کوئی کتاب تلف ہونے سے بچ نہ جاتی۔ برعکس اس کے جو طریقہ تباہی اس کہانی میں مذکور ہے۔ اس سے بچانے کے لیئے تو عیسائیوں کو تھوڑی ہی سی عقل درکار تھی۔ ابوالفرج کہتا ہے کہ کتابیں ٹوکریوں میں ڈال ڈال کر بڑی محنت سے شہر کے تمام حماموں میں پہنچائی گئیں اور قریباً چھ مہینے ان حماموں کا پانی گرم کرنے میں صرف ہوتی رہیں"۔ اب جائے غور ہے۔ کہ کتابوں کا مانگنے والا یحییٰ نحوی بھی عیسائی۔ اور بڑا عالم عیسائی ہے پھر شہر کے تمام باشندے عیسائی ہیں۔ جو اپنے آپ کو مہذب اور عالم اور مسلمانوں کو وحشی اور غیر مہذب خیال کرتے ہیں۔ اور حماموں والے بھی۔ کٹر عیسائی ہیں۔ ایک تھوڑی سی کوشش سے یہ تمام علمی خزانہ عیسائی دانا لوگ بچا سکتے تھے۔ حمام والوں کو کم سے کم اور نہیں تو کتابوں کے وزن کی لکڑیاں ہی دیدیتے۔ ادھر عمر ابن العاص بھی ایسا ناسمجھ نہ تھا کہ اُسے یہ پتہ نہ لگتا کہ اس طرح حماموں میں بھیجنے سے اس کا منشاء فوت ہوتا ہے بس اگر کتابوں کو تباہ ہی کرنا تھا۔ تو ایک جگہ جمع کر کے سب کو آگ لگا دیجاتی ؛

پھر اور سنئے۔ ساتویں صدی مسیحی تک اکثر مصری کتابیں چمڑے پر لکھی جاتی تھیں۔ اب چمڑا ایک ایسی چیز ہے۔ جو کم سے کم ایندھن کا کام نہیں دے سکتا پھر سمجھ میں نہیں

آتا کہ تمام شہر میں چمڑے کی کتابیں چھ مہینے تک جلتی رہیں ۔ اور شہری زندہ رہتے ؟ ایک اور امر بھی قابل غور ہے شہر میں چار ہزار حمام تھے اور فی حمام ایک کتاب روزانہ کے حساب سے بھی چھ ماہ یعنی ایک سو اسّی دن کے لئے کم سے کم سات لاکھ بیس ہزار کتابیں چاہئیں ۔ لیکن کتابوں کی تعداد کے متعلق مختلف روایتیں بیان کیجاتی ہیں ۔ چار لاکھ سے سات لاکھ تک مختلف قول ہیں ۔ اب اگر یہ مان بھی لیا جائے ۔ کہ سات لاکھ کتابیں تھیں تو حساب کے رو سے فی حمام فی روز ایک کتاب بمشکل پڑتی ہے ۔ کسطرح ایک کتاب کے ذریعے سے تمام دن رات حمام گرم رہتا ہوگا ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں ۔ کہ ضخیم سے ضخیم کتاب بھی ہو ۔ تو اس سے ڈیڑھ آنہ کی کھچڑی نہیں پک سکتی ۔ کجا ایک حمام کا آٹھ پہر گرم رکھنا ۔ پس موجودہ صورت میں یہ ساری بات افسانہ اور مجموعۂ اکاذیب معلوم ہوتی ہے ٭

دوسرا سوال یہ ہے ۔ کہ کیا یحیٰی نحوی فتح سکندریہ کے وقت موجود بھی تھا یا نہیں ؟ یحیٰی نحوی کی پہلی تصنیف اس کا وہ رسالہ ہے ۔ جو اس نے جون سیپی کے خلاف لکھا ۔ یہ رسالہ غالباً ۵۶۸ء عیسوی میں لکھا گیا ۔ اس کی آخری کتاب اسکی وہ شرح ہے ۔ جو اس نے ارسطو کی طبعیات پر لکھی ۔ یہ کتاب غالباً ۶۱۷ء میں لکھی گئی ۔ یہ شخص غالباً ۵۲۵ء میں پیدا ہوا دیکھو ۔ کلینٹن (ایف ار نمبر ۲ ۶۴ ا ۶ ۱۷۶ ا ۳۳۱ سے ۳۴۲ تک) جس نے اس مضمون کی پوری پوری تحقیقات کی ہے ۔ اگر یحیٰی نحوی سکندریہ کی فتح کے وقت زندہ ہوتا ۔ تو اس کی عمر کم سے کم ۱۱۶ سال کی ضرور ہوتی ۔ اور یہ ممکن نہیں کہ اتنی لمبی عمر کا آدمی اسطرح بلا تذکرہ رہ جاتا ۔ ضرور ضرور اس کی طول عمر کے متعلق کہیں نہ کہیں تذکرہ ہوتا ۔ جیسا کہ اس زمانے کا قاعدہ تھا ۔ چونکہ تمام مصنف اس امر کے متعلق خاموش ہیں ۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں ۔ کہ اس زمانے سے وہ بہت عرصہ پہلے مرگیا جس میں ابوالفرج عمرو ابن العاص سے اس کی غیر معمولی ملاقات کراتا ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔ گبن جلد چھ اور بٹلر کی فتح مصر ٭

٭٭ چمڑا جلنے سے سخت بدبو پھیلتی ہے ۔ منہ

ایک جرمن محقق کی رائے ہے کہ ابو الفرج نے جن جن جگہوں کے پتے اپنی کتاب میں دیئے ہیں وہ تحقیقات کے بعد ثابت ہوئے ہیں کہ سب غلط ہیں۔ یعنی جہاں وہ لکھتا ہے کہ لائبریری اور دوسری عمارتیں موجود تھیں وہاں وہ عمارتیں بالکل نہ تھیں۔ دیکھو۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا۔

فی الحال ایک اور امر بیان کرنے کے بعد اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ وہ امر یہ ہے کہ ان شرائط کو دیکھا جائے جن کے ماتحت اسکندریہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اور جو شہر یا ملک اس طرح اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیتا تھا۔ اس کے ساتھ کیا سلوک برتا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کا ان معاملات میں معمول کیا تھا۔ اور پھر سب سے آخری بات یہ ہے کہ خود عمرو بن العاص کس قسم کا آدمی تھا۔ چونکہ یہ سب کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ماتحت ہوا۔ اس لیئے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ آپ مفتوح جگہوں سے کیسا سلوک کیا کرتے تھے۔ پھر مصر کے متعلق آپ کے احکام کیا تھے۔ اور خاصکر اسکندریہ کے متعلق آپنے کیا حکم جاری فرمایا تھا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب بیت المقدس فتح ہوا تو حضرت عمرؓ بذاتِ خود عہدنامہ کی تصدیق کرنے کیلیئے وہاں تشریف لے گئے۔ جن شرائط پر اہل بیت المقدس نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کی وہ ذیل میں درج ہیں۔ ان شرائط کو ہم یہاں اس لیئے درج کرتے ہیں کہ اور جسقدر مقامات میں اور لوگوں نے مسلمانوں کی فرمانروائی کے ماتحت رہنا چاہا۔ ان کو بھی اسی قبیل کی رعائیتیں دی گئیں۔ گویا عہدنامۂ بیت المقدس آئندہ کے تمام معاہدوں کیلیئے بطور ایک نمونہ کے ٹھہرایا گیا۔ وہ اصل عہدنامہ یہاں درج کیا جاتا ہے:۔

ھٰذا ما اعطی عبد اللہ عمر امیر المؤمنین۔ اھل ایلیا من الامان اعطاھم امانًا لانفسھم واموالھم۔ ولکنائسھم۔ وصلبانھم و سقیمھا و بریھا۔ وسائر ملتھا انہ لا یسکن کنائسھم ولا تھدم ولا ینتقض منھا ولا من خیرھا ولا من صلبھم ولا من شیٔ

من اموالهم ولا یکرهون علی دینهم ولا یضار احدٌ منهم ولا یسکن بایلیا معهم احدٌ من الیهود - علی اهل ایلیاء ان یعطوا الجزیة کما یعطی اهل المداین وعلیهم ان یخرجوا منها الروم واللصوت فمن خرج منهم فهو امنٌ علی نفسه وماله حتّٰی یبلغوا مامنهم ومن اقام منهم فهو امنٌ وعلیه مثل اهل ایلیاء من الجزیة ومن احب من اهل ایلیا ان یسیر بنفسه وماله مع الروم ویخلی بیعهم و وصلبهم حتّٰی یبلغوا مامنهم وعلی ما فی هذا الکتاب عهد الله وذمة رسوله و ذمة الخلفاء و ذمة المومنین اذا اعطوا الذی علیهم من الجزیة تشهد علی ذٰلک خالد ابن الولید وعمرو بن العاصی وعبد الرحمٰن بن عوف ومعاویة بن ابی سفیان وکتبه صفر ۱۵ھ هجری (دیکھو تاریخ ابو جعفر جریر طبری - فتح بیت المقدس)

یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی - یہ امان انکی جان - مال - گرجا - صلیب - تندرست بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کیلئے ہے اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں سکونت نہ کیجائے گی - نہ وہ گرائے جائیں گے - نہ اُن کو یا ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا - ایلیاء میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے - ایلیاء والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں اور رومیوں کو نکال دیں - ان یونانیوں یا رومیوں میں سے جو شہر سے نکلیگا اس کی جان اور مال کو امن ہے تا آنکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جاویں اور جو ان میں سے ایلیاء میں رہنا اختیار کرے تو اس کو بھی امن ہے اور اسکو جزیہ دینا ہوگا - اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لیکر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو اُسکو اختیار ہے ان کو اور انکے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے یہانتک کہ وہ اپنی جائے پناہ میں پہنچ جائیں - اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا - رسول خدا - خلفاء اور مسلمانوں کا ذمہ ہے - بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں ؛

اس معاہدہ پر گواہ ہیں خالد بن الولید۔ اور عمرو بن العاص و عبد الرحمن بن عوف و معاویہ بن ابی سفیان اور ۱۵ سنہ ھجری میں لکھا گیا۔ اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ ذمیوں کا جان مال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہیگا۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں حضرت عمرؓ کی مرتے وقت کی وصیت بھی دیکھ لینی چاہیئے۔ آپ فرماتے ہیں :۔ اوصی الخلیفة من بعدی بذمة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یوفی لھم بعھدھم وان یقاتل من ورائھم۔ ولا یکلفوا فوق طاقتھم۔ یعنی میرے بعد جو خلیفہ مقرر ہوگا اس کے لیئے میں رسول اللہؐ کے ذمہ پر وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے معاہدوں کو بجالائے۔ اور ان کی حفاظت کے لیئے ان کے دشمنوں سے لڑے اور جتنا وہ دینے کی طاقت رکھتے ہوں اس سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دیجاوے ۔

اب ہم کس طرح سمجھ لیں کہ ایسا شخص جس نے ہمیشہ دنیا کو فائدہ ہی فائدہ پہنچایا ہو اور جس کے احکام نیکدلی اور رحم دلی کی مثال ہوں وہ یہ حکم دے سکتا ہے کہ کتابیں جو اہل ملک کی ہیں انکو تباہ کر دیا جائے حالانکہ شرائط میں صاف لکھا ہے کہ ان کے اموال تک کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائیگا اور نہ وہ کم کیئے جائیں گے جلانا تو ایک جدا امر ہے۔ ہم حضرت عمرؓ کی خلافت کے ذرہ سے حال کو دیکھکر کہ سکتے ہیں کہ آپ ہرگز اس قسم کا کبھی حکم صادر نہ فرما سکتے تھے یہ آپ کی شان۔ تعلیم۔ رویہ اور معمول کے بالکل مخالف ہے۔✝

✝ جب اسکندریہ دوبارہ مسلمانوں نے فتح کیا۔ تو جسقدر لوگ دہانہ نیل اور اس کے اردگرد کے قطعہ کے رہنے والے تھے انہوں نے آکر عمرو بن العاص کے پاس شکایت کی کہ عہدنامہ کی شرائط کے رو سے مسلمانوں پر واجب تھا کہ ان لوگوں کی حفاظت کرتے اور انکی طرف سے ہوکر لڑتے۔ لیکن رومیوں اور مسلمانوں کے ساتھ جو لڑائی ہوئی تھیں رومیوں نے ان اہل مصر کے گھروں کو لوٹ لیا اور انکا مال و اسباب چھین کرے گئے اس واسطے ان اہل مصر نے دعویٰ کیا کہ انکا جو نقصان ہوا ہے اسکی تلافی کیجاوے اور اس کا بدلہ دیا جاوے۔ عمرو نے کہا کاش کہ ان رومیوں سے میری مٹھ بھیڑ ہوجاتی جبکہ وہ میرے ذمیوں کا مال لوٹنے کے لیئے اسکندریہ سے نکل کر حملہ آور ہوئے!! اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ جو جو ان لوگوں کا نقصان ہوا ہے وہ سب پورے کا پورا بھر دیا جائے۔ دیکھئے فتح مصر مصنفہ مسٹر بٹلر۔ غور کرنا چاہیئے ایسا آدمی کتب خانہ کے جلانیکا حکم دے سکتا تھا۔ کیا اس کو معلوم نہ تھا کہ یہ اہل ملک کا مال ہے ۔ منہ

ان عام شرائط کو چھوڑ کر اب ہم دیکھتے ہیں کہ کن شرائط پر اہل اسکندریہ نے اپنا شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا تھا۔ ذیل میں ہم صرف ابن خلدون سے ان شرائط کا ترجمہ لکھدیتے ہیں اور بخوف طوالت اصل عبارت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ دھو ھٰذا۔

"یہ وہ امان ہے جو عمرو ابن العاص نے اہل مصر کو ان کی جان ان کے اموال ان کے تندرست اور بیمار ان کے ہر فرد اور کل کے لیئے دی۔ اس امان سے کچھ گھٹا یا بڑھایا نہ جائیگا۔ اہل نوبہ کو مصر پر حملہ کرنے کی اجازت نہ دیجاویگی۔ مصریوں کا فرض ہے کہ جونہی یہ عہدنامہ تکمیل کو پہنچے اپنے تمام جزیہ کو ادا کر دیں۔ جو جزیہ ادا کر دیں گے ان کی حفاظت کرنا عمرو بن العاص کا فرض ہے۔ لیکن اگر کوئی اہل مصر میں سے اس عہدنامہ کو قبول نہ کرے اور جزیہ ادا نہ کرے تو اس کی حفاظت کے ہم ذمہ وار نہیں۔ اگر دریائے نیل جتنا ہمیشہ چڑھتا ہے اتنا کسی سال نہ چڑھے تو جزیہ میں بھی اسی نسبت سے تخفیف کر دی جائیگی جس نسبت سے دریائے نیل میں عام سالوں کی نسبت کم پانی آیا۔ تمام رومی اور اہل نوبہ جو اس عہدنامہ کے نیچے آنا چاہیں۔ ان کے مال انہیں کے پاس رہیں گے اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے گا۔ لیکن ان کو جزیہ ادا کرنا ضروری ہوگا۔ اگر وہ جزیہ ادا نہ کرنا چاہیں بلکہ ملک سے نکل جانا چاہیں تو ان کو بحفاظت تمام ان کی جائے امن میں پہنچا دیا جائیگا۔ خراج انہیں تین قسطوں میں ادا کرنا ہوگا۔ جو کچھ اس تحریر کے اندر ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا عہد اور اس کی حفاظت ہے اور آسکے رسولؐ اور خلفاء اور مومنین کا ذمہ ہے۔ اس عہدنامہ کے شاہد زبیرؓ اور اس کے دونوں لڑکے عبداللہ اور محمدؐ ہیں۔ وردان نے اسے لکھا"

اس عہدنامہ کی شرائط پڑھکر معلوم ہوتا ہے کہ کسطرح حضرت عمر کی شرائط کی پیروی کی گئی ہے۔ طبری میں لکھا ہے کہ تمام مومنین کو ذمہ وار بنانے کے لیئے حضرت عمرؓ نے تمام صحابہ کبارؓ سے اس عہدنامہ پر دستخط کروا لیئے تھے جو بیت المقدس میں آپنے اہل شہر کے ساتھ کیا تھا تاکہ ذمی لوگ ہمیشہ کے لیئے مسلمانوں کی حفاظت میں آجائیں اور کبھی بھی ان کو تکلیف نہ دیجاوے۔

بعض کتابوں مثلاً معجم البلدان میں یہاں تک الفاظ موجود ہیں۔ وان لھم ارضھم واموالھم لا یتعرضون فی شیء منھا۔ یعنی ان لوگوں کے املاک زمینیں اور تمام اموال انہیں کے قبضے میں رہیں گے اور ان چیزوں میں سے کسی کے ساتھ تعرض نہ کیا جاوے گا۔ خود مصر کے معاہدے میں یہ الفاظ بھی بعض کتب میں پائے جاتے ہیں۔ ھذا ما اعطی عمرو بن العاصی اھل مصر من الامان علی انفسھم ودمھم واموالھم وکنائسھم وصاعھم ومدھم وعددھم۔ یعنی عمرو بن العاص نے اہل مصر کو انکی جان۔ خون۔ مال۔ صاع۔ مد وغیرہ کو امان عطا کی۔"

عمرو بن العاص کے متعلق خود ابوالفرج مقر ہے کہ وہ دانا آدمی تھا اور بڑا صاحب تدبیر تھا۔ نظم ونسق سے خوب واقف تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے وکان عمرو عاقلاً حسن الاستماع صحیح الفکر ولزمہ وکلا یفارقہ۔ یعنی عمرو عاقل۔ خوش فہم صحیح الفکر شخص تھا۔ اس لئے اس نے یحییٰ کی صحبت کو لازم پکڑ لیا اور اس کو اپنے پاس سے جدا نہ کرتا تھا۔ پس جب ہم نے دیکھ لیا کہ عمرو کیسا شخص تھا۔ عمر بن الخطاب کیسا آدمی تھا۔ کس قسم کے عہدنامے ہوئے تھے اب اس کے بعد بھی اگر کوئی اپنی ہٹ پر اڑا رہے تو وہ جانے اور اُسکا خدا!

بالآخر ہم خلاصہ مضمون مسٹر بٹلر کے الفاظ میں نقل کر دیتے ہیں۔ وہ کہتا ہے "کہ اگر ہم مختصراً اپنی دلیل کی تمام شقوں کو یہاں بیان کر دیں تو کوئی بیجا امر نہ ہوگا۔ سوال یہ تھا کہ مسلمانوں پر جو الزام لگایا جاتا ہے وہ سچا ہے یا جھوٹا۔ میں بیان کر چکا ہوں۔ اولاً۔ کہ اصل واقعہ سے پانچسو سال سے بھی زیادہ عرصہ بعد یہ کہانی عدم سے وجود میں آئی۔ دوم۔ غور سے تحقیقات کرنے پر اس کہانی کا تانا بانا تمام اُدھڑ جاتا ہے۔ اور ایک لغو امر رہ جاتا ہے۔ سوم۔ فرضی راوی یحییٰ نحوی اسلامی فتح سے مدت دراز پہلے مر چکا تھا۔ اسکو خواہ مخواہ قبر سے اکھیڑا جاتا ہے۔ چہارم۔ دو بڑی لائبریریاں تھیں ایک میوزیم کی اور دوسری سی راپی ام کی۔ پہلی جولی اس سیزر کے عہد میں تباہ ہوئی۔ اور دوسری خود عیسائیوں کے ہاتھوں سے برباد ہوئی۔ پنجم۔ پانچویں۔ چھٹی اور ساتویں صدی کے

کسی مصنف کی کسی کتاب میں انکا ذکر تک نہیں۔ششم۔ اگر لائبریری موجود بھی ہوتی تو عہدنامہ کی رو سے مقوقس کو اختیار تھا کہ لفظ اموال کے ماتحت تمام کتابوں کو وہاں سے نکلوا کر اور جگہ بھجوا دیتا۔ اور گیارہ مہینہ کی مدت اس امر کے لیئے بہت کافی تھی۔ ہفتم۔ اگر لائبریری مسلمانوں کے ہاتھ سے تباہ ہوتی۔ تو کم سے کم جان آف نکیو اس کا ضرور ذکر کرتا۔ اس لیئے اس کہانی کے متعلق جو رائے ہونی چاہیئے وہ صاف ہے۔ گبن کا تامل اور رینوڈوٹ کا شک صحیح ہو گیا۔ اب اس کے سوائے کوئی چارہ نہیں کہ ابوالفرج کی بات محض ایک افسانہ ہے اور وہ بھی سراسر جھوٹ اور بے بنیاد ؛

اختلافات بائبل

(سلسلہ کے لیئے دیکھو نمبر ۹ جلد ۱۱)

(۵۷) اور جو مرد اُس کے ہمراہ تھے حیران کھڑے رہ گئے کہ آواز تو سُنتے پر کسو کو نہ دیکھتے تھے (اعمال باب ۹۔ ورس ۷)	(۵۷) اور میرے ساتھیوں نے نور تو دیکھا اور ڈر گئے لیکن اُس کی آواز جو مجھے بلاتا تھا نہ سنی۔ (اعمال باب ۲۲۔ ورس ۹)

نوٹ۔ یہ دونوں بیان ایک ہی واقعہ کے متعلق ہیں۔ یعنی پولوس کی اس کہانی کے متعلق جس میں وہ بیان کرتا ہے کہ بعد واقعہ صلیب یسوع اُسکو راستہ میں ملا اور اُسے کہا کہ تو مجھے کیوں ستاتا ہے اور پولوس یسوع کو دیکھ کر اندھا ہو گیا اور تین دن تک اُس کی آنکھیں بند رہیں۔ اب ایک بیان کے رو سے پولوس کے ساتھیوں نے یسوع کے نور کو نہ دیکھا مگر اسکی آواز کو سنا۔ اور دوسرے بیان کے رو سے انہوں نے نور دیکھا مگر آواز نہ سنی۔ اب ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے ایک غلط ہے یا دونوں غلط ہیں کیونکہ خلاف بیانی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سارا ماجرا بناوٹی ہے۔ بہرحال یہ خیال کرنا کہ یہ دونوں بیان خداوند کا کلام یا الہامی ہیں غلط ہے سچ تو یہ ہے کہ اس اختلاف کی موجودگی میں ہم دونوں میں کسی کو بھی الہامی نہیں کہہ سکتے

(۵۸) اور یسوع نے پاس آ کر اُن سے کہا کہ آسمان اور زمین کا سارا اختیار مجھے دیا گیا (متی باب ۲۸۔ ورس ۱۸)	(۵۸) اُسنے اُن سے کہا تم البتہ میرا پیالہ پیوگے اور وہ بپتسما جو میں پاتا ہوں پاؤ گے لیکن

نوٹ۔ دوسری طرف کے بیانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض باتیں ایسی بھی ہیں جو بیٹے کے اختیار میں نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ یسوع کا یہ دعویٰ کہ آسمان اور زمین کا سارا اختیار مجھے دیا گیا محض غلط ہے۔

میری دہنی اور میری بائیں طرف بیٹھنا میرے اختیار میں نہیں کہ کسی کو دوں مگر اُن کو جن کیلئے میرے باپ نے مقرر کیا۔ (متی باب ۲۰۔ ورس ۲۳)
پر اُس نے اُنہیں کہا تمھارا کام نہیں کہ اُن وقتوں اور موسموں کو جنہیں باپ نے اپنے ہی اختیار میں رکھا ہے جانو (اعمال باب اول۔ ورس ۷)

(۵۹) یسوع نے کہا مجھ کو مت چھو کیونکہ میں ہنوز اوپر اپنے باپ کے پاس نہیں گیا پر میرے بھائیوں کے پاس جا اور اُنہیں کہہ کہ میں اوپر اپنے باپ اور تمھارے باپ پاس اور اپنے خدا اور تمھارے خدا پاس جاتا ہوں۔
(یوحنا باب ۲۰۔ ورس ۱۷)

(۵۹) سبت کے بعد جب ہفتہ کے پہلے دن پو پھٹنے لگی مریم میگڈلینی اور دوسری مریم قبر کو دیکھنے آئیں جب وے اُس کے شاگردوں کو خبر دینے جاتی تھیں دیکھو یسوع اُنہیں ملا اور کہا سلام اُنہوں نے پاس آ کر اُسکے قدم پکڑے اور اُسے سجدہ کیا۔ (متی باب ۲۸۔ ورس ۱ اور ۹)

نوٹ۔ یوحنا کہتا ہے کہ یسوع نے مریم میگڈلینی اور دوسری مریم کو اپنا بدن چھونے نہیں دیا مگر متی کہتا ہے کہ انہوں نے اُس کے قدموں کو پکڑا اور سجدہ کیا۔

(۶۰) تب وہ اُنہیں وہاں سے باہر بیت عنیا تک لے گیا اور اپنے ہاتھ اُٹھا کے اُنہیں برکت دی اور ایسا ہوا کہ جب وہ اُنہیں برکت دے رہا تھا اُن سے جدا ہوا اور آسمان پر اُٹھایا گیا (لوقا باب ۲۴۔ ورس ۵۰-۵۱)
آخر وہ اُن گیارھوں کو جب وے کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا اور اُنکی بے ایمانی اور سخت دلی پر ملامت کی کیونکہ وے اُنکی باتوں پر جنہوں نے اُسکے جی اُٹھنے کے بعد اُسے دیکھا تھا یقین نہ لائے تھے .... غرض خداوند اُنہیں

(۶۰) اور وہ یہ کہکے اُنکے دیکھتے ہوئے اوپر اُٹھایا گیا اور بدلی نے اُسے اُنکی نظروں سے چھپا لیا اور اُس کے جاتے ہوئے جب وے آسمان کی طرف تک رہے تھے دیکھو دو مرد سفید پوشاک پہنے اُنکے پاس کھڑے تھے اور کہنے لگے اے جلیلی مردو تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہو یہی یسوع جو تمھارے پاس سے آسمان پر اُٹھایا گیا ہے اُسی طرح جس طرح تم نے اُسے آسمان کو جاتے دیکھا پھر آویگا تب وے اُس

ایسا فرمانے کے بعد آسمان پر اُٹھایا گیا اور خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھا۔
(مرقس باب ۱۶۔ ورس ۱۴ اور ۱۹)

پہاڑ سے جو زیتون کا کہلاتا جو یروشلم سے نزدیک بلکہ فقط ایک سبت کی منزل دور ہے یروشلم کو پھرے
(اعمال باب اول۔ ورس ۹ سے ۱۲)

نوٹ:۔ اناجیل مروجہ کے مندرجہ بالا اور دیگر مقامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع مندرجہ ذیل مختلف مقامات سے آسمان پر اُٹھایا گیا۔ (ا) بیت عینا سے (لوقا باب ۲۴۔ ورس ۵۱) (ب) کوہ زیتون سے (اعمال باب اول — ورس ۹-۱۲) (ج) یروشلم کے ایک گھر سے (مرقس باب ۱۶۔ ورس ۱۴-۱۹) (د) نیز جلیل سے (متی باب ۲۸۔ ورس ۱۶ سے ۲۰) اب یسوعی صاحبان بتلائیں کہ کیا ان سب مقامات سے مسیح آسمان کی طرف روانہ ہوا یا کسی ایک خاص مقام سے۔ یہ اختلاف بیان بتلاتا ہے کہ یہ سارا قصہ ہی ناقابل اعتبار ہے۔

(۶۱) سو اُس نے (یہوداہ نے) اپنی بدی کی مزدوری سے ایک کھیت مول لیا اور اوندھے مُنہ گرا اور اُسکا پیٹ پھٹ گیا اور اُس کی تمام انتڑیاں نکل پڑیں۔
(اعمال باب اول۔ ورس ۱۸)

نوٹ۔ مسیحی صاحبان فرماویں کہ ان دونوں بیانوں میں سے کونسا بیان الہامی اور صحیح ہے اور کونسا غیر الہامی اور غلط۔

(۶۱) تب وہ (یہوداہ) روپے ہیکل میں پھینک کر چلا گیا اور جاکے آپکو پھانسی دی پر سردار کاہنوں نے روپیہ لے کر کہا انہیں خزانہ میں ڈالنا روا نہیں کہ یہ خون کا دام ہے تب انہوں نے صلاح کر کے اُن روپیوں سے کمہار کا کھیت پردیسیوں کے گاڑنے کے لیئے خریدا۔
(متی باب ۲۷۔ ورس ۵ سے ۷)

(۶۲) کہ مسیح دُکھ اُٹھاویگا اور مردوں میں سے پہلا جی اُٹھے گا اور اس قوم اور غیر قوموں کو نور دکھلا دیگا (اعمال باب ۲۶۔ ورس ۲۳)
اور یسوع مسیح کی طرف سے جو سچا گواہ اور اُن میں جو مر کے جی اُٹھے پلوٹھا اور

(۶۲) تب وہ جو مر گیا تھا کفن سے ہاتھ و پاؤں بندھے ہوئے نکل آیا اور اُسکا چہرا گرد رومال سے لپٹا ہوا تھا یسوع نے اُنہیں کہا اُسے کھول دو اور جانے دو۔
(یوحنا باب ۱۱۔ ورس ۴۴)

دنیا کے بادشاہوں کا سلطان ہے اُسی کو
جس نے ہم کو پیار کیا اور اپنے لہو سے ہمکو
ہمارے گناہوں سے دھو ڈالا۔
(مکاشفات باب اول - ورس ۵)

نوٹ - اعمال اور مکاشفات کے روسے
یسوع پہلا شخص تھا جو مر کے جی اُٹھا مگر
دوسرے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ
اُس سے پہلے کئی اور شخص مردوں میں
سے جی اُٹھے تھے۔ مسیحی صاحبان بتلائیں
کہ ان دو مختلف بیانات میں سے کونسا
بیان غلط ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ سب بیانات
بے بنیاد ہیں۔

(۶۳) کیونکہ جیسا یونس تین رات دن
مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسا ہی ابن آدم
تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔
(متی باب ۱۲ - ورس ۴۰)

نوٹ - متی باب ۱۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح
تین رات اور تین دن قبر میں رہا۔ حالانکہ متی
خود ہی آگے چلکر بتاتا ہے اور ایسا ہی دوسرے
اناجیل نویس بھی بتلاتے ہیں کہ مسیح سبت کی رات کو
قبر میں رکھے گئے تھے اور سبت کے بعد جو رات آئی وہ
پوری نہیں گذری تھی کہ وہ قبر میں سے نکل گئے۔ یعنی صرف
وہ ایک دن اور ۲ راتیں قبر میں رہے۔

جد وہ اُس شہر کے پھاٹک کے نزدیک پہنچا
تو دیکھو ایک مردے کو باہر لیجاتے تھے جو
اپنی ماں کا کہ بیوہ تھی اکلوتا بیٹا تھا اور شہر
کے بہت سے لوگ اُس کے ساتھ تھے اور
اُسکو دیکھ کے خداوند کو اُسپر رحم آیا اور اُسے
کہا مت رو اور پاس آکے تابوت کو چھوا اور
اُٹھانے والے ٹھہر گئے تب اُس نے
کہا اے جوان میں تجھ سے کہتا ہوں اُٹھ
اور وہ مردہ اُٹھ بیٹھا اور بولنے لگا
اور اُس نے اُسے اُس کی ماں کو سونپا۔
(لوقا باب ۷ - ورس ۱۲ سے ۱۵)
نیز دیکھو (۲ سلاطین باب ۴ - ورس ۳۲ سے ۳۵)

(۶۴) سبت کے بعد جب ہفتہ کے پہلے
دن پو پھٹنے لگی مریم مگدلینی اور دوسری مریم
قبر کو دیکھنے آئیں اور دیکھو ایک بڑا بھونچال
آیا تھا کیونکہ خداوند کا فرشتہ آسمان سے
اُترکے آیا اور اُس پتھر کو قبر سے ڈھلکا کے
اُسپر بیٹھ گیا اُس کا چہرہ بجلی کا سا اور اُسکی
پوشاک برف کی سی تھی اور اُس کے ڈر سے
نگہبان کانپ اُٹھے اور مردے سے ہوگئے پر
فرشتے نے مخاطب ہو کر ان عورتوں سے کہا تم مت ڈرو
میں جانتا ہوں کہ تم یسوع کو جو صلیب پر کھینچا گیا
ڈھونڈتی ہو وہ یہاں نہیں ہے کیونکہ جیسا اُس نے
کہا تھا وہ اُٹھا ہے آؤ یہ جگہ جہاں خداوند پڑا تھا دیکھو

(متی باب ۲۸ - ورس ۱ سے ۶) نیز دیکھو (یوحنا باب ۲۰ - ورس ۱)

چندہ تعمیر کی تحریک

چندہ تعمیر کی فراہمی کے لئے ایک اشتہار بعنوان "تعمیر مدرسہ کے لیئے ایک لاکھ روپے کی فراہمی کی تحریک" ۱۶- اپریل ۱۹۱۲ء کو جاری کیا گیا تھا جس میں مینے احباب سے یہ استدعا کی تھی کہ اخیر ستمبر ۱۹۱۲ء تک چالیس ہزار روپیہ فراہم کر دیں اور تیس ہزار اکتوبر ۱۹۱۲ء سے مارچ ۱۹۱۳ء تک تاکہ تعمیر کا کام آسانی سے چل سکے۔ اس اشتہار کے بعد دو ماہ تک یعنی مئی اور جون کے مہینوں میں جو کچھ وصولی ہوئی تھی۔ اس کے متعلق مفصل ذکر رپورٹ ماہوار میں ہو چکا ہے۔ لیکن اب یہ ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ جو کچھ ہو چکا ہے اس کو احباب کے سامنے پیش کر دیا جاوے تا اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو دلوں میں اس تحریک کو اس وقت جبکہ سخت مشکلات کا سامنا ہے از سر نو تازہ کرے اور قوم پھر ایک مرتبہ ہمت کر کے میری اس تحریک پر توجہ کرے ؂

مطلوبہ چالیس ہزار روپے میں سے اخیر ستمبر تک سولہ ہزار روپے سے کچھ کم یا چندہ تعمیر مسجد کو شامل کر کے سولہ ہزار روپے سے کچھ زیادہ رقم وصول ہوئی ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ یعنی مئی میں ۴۶۵۱ روپے۔ جون میں ۳۷۲۶ روپے۔ جولائی میں ۲۵۹۰ روپے۔ اگست میں ۲۶۵۱ روپے۔ اور ستمبر میں ۲۵۴۳ روپے۔ اس قریباً سولہ ہزار روپے کی رقم میں سے قریباً ساڑھے بارہ سو روپیہ ایسا ہے جو فرداً فرداً احباب کی طرف سے پہنچا۔ اور باقی روپیہ جو پندرہ ہزار روپے سے کچھ کم ہے مختلف انجمنوں یا جماعتہائے احمدیہ کے حساب میں درج ہے پھر انجمنوں میں سے بعض انجمنیں اور جماعتیں تو ایسی ہیں کہ ان کی طرف سے کل رقم قابل وصولی کے وعدے ہو چکے ہیں اور کچھ ایسی ہیں جن کی طرف سے کل رقم موعودہ کی اطلاع صدر انجمن میں کوئی نہیں آئی۔ جن انجمنوں یا جماعتوں کی طرف سے وعدے ہوئے ہیں۔ ان کی کل رقم موعودہ کی میزان صرف ۱۶۴۹۵ روپے ہے

جس میں سے اخیر ستمبر تک ۷۴۰۶ روپے وصول ہو چکے ہیں ۹۰۸۹ روپے قابل وصول ہیں۔ اور جن انجمنوں یا جماعتوں کی طرف سے موعودہ رقم کی اطلاع نہیں ملی انسے کل رقم کی میزان جو اخیر ستمبر تک وصول ہو چکی ہے ۷۴۶۰ روپے ہے۔ جس میں سے ۳۲۶۷ روپے ضلع سیالکوٹ کی انجمن کے ہیں اور ۲۵۲۵ روپے شہر لاہور کی انجمن کے۔ اگر انجمن لاہور کا وعدہ دس ہزار روپے کے قریب سمجھ لیا جاوے جیسا کہ مجھے خیال ہے کہ اس کے قریب قریب تحریک کے ہونے پر وعدے ہوئے تھے اور انجمن سیالکوٹ کا کل رقم مطلوبہ کی چوتھائی پورا کرنے کا وعدہ سمجھ لیا جاوے جو ساڑھے سترہ ہزار روپیہ ہوتا ہے تو ساڑھے ستائیس ہزار روپے کی یہ اَور رقم موعودہ چندوں میں داخل ہو جاتی ہے مگر جبتک ان انجمنوں کے معزز سیکرٹری صاحبان کی طرف سے یہ اطلاع نہ ملے رجسٹرات میں مطالبہ کی غرض کے لیئے یہ رقوم داخل نہیں ہو سکتیں۔

گو اس لحاظ سے کہ چالیس ہزار کی مطلوبہ رقم میں سے اخیر ستمبر تک صرف سولہ ہزار یا نصف سے بھی کم روپیہ ابتک وصول ہوا ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس تحریک میں پوری کامیابی ہوئی ہے۔ تاہم جماعت پر دوسرے چندوں کے بوجھ کو مدِ نظر رکھکر مَیں اس قدر کو بھی بڑی کامیابی سمجھتا ہوں۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اگر جس طرح بعض جماعتوں کے مخلص احباب نے سرگرمی سے اس تجویز کے کامیاب کرنے میں حصہ لیا۔ اسی طرح ہر جگہ اس تجویز پر عملدرآمد کے لیئے سرگرمی دکھائی جاتی تو مطلوبہ رقم کا اخیر ستمبر تک پورا ہو جانا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ گوشوارہ جس میں وعدے اور وصولیاں دکھائی گئی ہیں۔ اور جو اس کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے اس سے معلوم ہوگا کہ بعض بڑی بڑی جماعتیں ابھی تک خاموش ہیں اور بعض نے جنپر بہت کچھ امید ہو سکتی تھی ابھی تک بہت تھوڑا حصہ لیا ہے۔ مثلاً ذیل کی جماعتوں کی طرف سے ابتک ایک پیسہ کا بھی نہ آنا بہت قابل افسوس امر ہے۔ یعنی جہلم۔ جموں۔ ایبٹ آباد۔ مانسہرہ ✤ دانہ۔ ہری پور۔ کپورتھلہ۔ سرگودھا۔ مدراس۔ شاہجہانپور۔ شاہ آباد۔ بھاگلپور۔

نوٹ۔ ✤ دانہ سے ۵؎ اور ہری پور سے ۱۰؎ وصول ہوئے ہیں جو اکتوبر کے مہینے میں داخل ہوئے۔

اور ذیل کی جماعتوں کے نام پر جو رقوم دکھائی گئی ہیں وہ بھی اسی بے توجہی کو ظاہر کر رہی ہیں۔ مثلاً دہلی ۔ صہ ۔ کانپور ۔ صہ ۔ مظفر گڈھ عہ ۔ وزیر آباد ۔ لے ۔ کوئٹہ ۔ ملے ۔ حیدر آباد دکن لعہ ۔ الہ آباد ۔ لعہ ۔ خوشاب عہ ۔ بنارس بہ ۔ راہوں ۔ عہ ۔ چندوسی عہ مالیر کوٹلہ عہ ۔ کاٹھ گڈھ ۔ عہ ۔ اٹاوہ ۔ سہ - - - - - - - - - - - - - - - - - - ایسا ہی جماعت بھیرہ کا وعدہ عہ اور وصول کچھ نہیں ۔ بنگلور کا وعدہ عہ وصول کچھ نہیں ۔ بتا رہے ہیں کہ ان احباب نے اس تحریک کی طرف توجہ نہیں کی ۔ اور ایسا ہی لدھیانہ کی کل رقم موعودہ صہ اور گوجرانوالہ کی رقم موعودہ عہ اور گجرات کی موعودہ رقم لے اور انبالہ کی رقم موعودہ عہ اور بمبئی کی کل رقم وصول شدہ لے ۔ لالہ موسیٰ کی رقم وصول شدہ سہ ۔ سامانہ کی صہ ۔ سنور کی صہ ۔ دوالمیال کی عہ قابل اطمینان حالت ظاہر نہیں کرتی ہیں۔ لہٰذا ان جماعتوں کے مخلص ممبران کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ فوری توجہ فراہمی چندہ کے لئے کریں۔ بالخصوص جہلم میں شیخ محمد حسین صاحب و سیٹھ احمد دین صاحب۔ جموں میں خواجہ جمال الدین صاحب و ملک شیر محمد خاں صاحب و خلیفہ نور الدین صاحب۔ ایبٹ آباد میں شیخ نور احمد صاحب وکیل۔ مانسہرہ میں شیخ ضیاء اللہ صاحب۔ داتہ میں سید سرور شاہ صاحب و میر حیات علی شاہ صاحب۔ کپورتھلہ میں منشی ظفر احمد و منشی عبد المجید خاں صاحب۔ سرگودھا میں میاں غلام رسول صاحب انسپکٹر و حافظ عبد العلی صاحب۔ مدراس میں جناب سیٹھ عبد الرحمٰن صاحب۔ شاہجہان پور و شاہ آباد میں مولوی مختار احمد صاحب و حکیم انوار حسین خاں صاحب۔ بھاگلپور میں مولوی عبد الماجد صاحب۔ دہلی میں میر قاسم علی صاحب و منشی احمد حسین صاحب۔ کانپور میں سید غلام غوث صاحب۔ وزیر آباد میں شیخ محمد جان صاحب و شیخ نیاز احمد صاحب۔ کوئٹہ میں منشی سلطان محمد صاحب۔ حیدر آباد دکن میں میر محمد سعید صاحب۔ الہ آباد میں مولوی علی احمد صاحب ایم ۔ اے ۔ بنارس میں بخشی عبد الرزاق صاحب۔ راہوں میں حاجی رحمت اللہ صاحب۔ چندوسی میں منشی طفیل احمد صاحب مالیر کوٹلہ میں منشی محمد نواب خاں صاحب ثاقب۔ کاٹھ گڈھ میں چودھری غلام احمد خاں صاحب

وحسین خاں صاحب پنشنر۔ اٹاوہ میں سید صادق حسین صاحب۔ کراچی میں میاں خداداد خاں صاحب
بھیرہ میں مستری احمد دین صاحب۔ گجرات میں ماسٹر ہدایت اللہ صاحب۔ گوجرانوالہ میں منشی
احمد دین صاحب۔ بمبئی میں سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب۔ لالہ موسیٰ میں حکیم محمد قاسم صاحب
انبالہ میں بابو عبدالرحمٰن صاحب۔ لدھیانہ میں میاں محمد شفیع صاحب۔ سامانہ میں جناب
محمد اکرم صاحب۔ سنور میں پیر کرامت علی صاحب توجہ فرمائیں۔

شاہپور میں بھی پانسو کا وعدہ صرف ڈاکٹر محمد شریف صاحب کا ہے انکی خدمت میں التماس ہے کہ وہ خود بھی اقساط مقررہ کو ادا کرنے کی طرف توجہ فرمادیں اور وہاں کے احمدی احباب کو بھی شامل کرکے ممنون فرمادیں۔ لاہور اور سیالکوٹ کے معزز احباب کو بہت زیادہ توجہ فرمانی چاہیئے کیونکہ اگر نصف نہیں تو کم از کم تہائی سے زیادہ رقم کا مدار انکی کوششوں پر ہے۔ ایسا ہی دوسری انجمنوں کے کارکن احباب بھی بہت توجہ کرکے اصل تحریک کے مطابق رقوم وصول کرنے کی کوشش فرمادیں۔ اس وقت کام کی حالت بہت نازک ہے۔ اور کافی روپیہ کا بہت جلد بہم پہنچایا جانا نہایت ضروری ہے ایک طرف بھٹہ کا کام جاری ہے۔ جس میں بیس لاکھ کے قریب اینٹ پکوانے پر بیس ہزار روپیہ مطلوب ہے۔ دوسری طرف عمارت کا کام شروع ہے۔ جسکو جنوری تک پورا کرنا ضروری ہے پھر لکڑی گرڈروں وغیرہ کے لیئے جبتک ابھی سے انتظام نہ کیا جاوے وقت پر نقصان اٹھانا پڑے گا اور اس کے لیئے ہزاروں روپے کی ضرورت ہے۔ عمارت کا ایک حصہ کرسی سے پانچ پانچ چھ چھ فٹ اونچا ہوچکا ہے۔ اور کچھ حصہ زمین کے برابر اور کچھ نیچے ہے۔ اگر پہلی تجویز کے مطابق چالیس ہزار روپیہ ستمبر تک جمع ہوگیا ہوتا تو دسمبر تک یعنی ایام جلسہ تک غالباً عمارت کا ایک حصہ مکمل ہوگیا ہوتا۔ اب بھی اگر احباب پوری سعی سے کام لیں تو بہرحال کام کو جو نقصان روپیہ کے وقت پر نہ ملنے سے پہنچنے کا خطرہ ہے وہ نہ رہے اور اطمینان سے کام چل سکے۔

میں اس بات کو خوب محسوس کرتا ہوں کہ احمدی قوم پر چندوں کا بہت بوجھ ہے لیکن ایسا ہونا بھی ضروری ہے۔ دنیا میں جو قوم بنتی ہے کارہائے نمایاں کرکے ہی بنتی ہے

اور جبتک وہ قوم اپنے آپ کو ان کاموں کے لیئے تیار نہ کرے اس کا ہر ایک فرد اپنے جان و مال کو قربان کرنے کے لیئے تیار نہ ہو اس وقت تک قوم سے کارہائے نمایاں کا ہونا محال ہے۔ احمدی قوم کو جس غرض کے لیئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اُٹھایا ہے وہ ایک بہت ہی عظیم الشان غرض ہے اور اس کو پورا کرنے کے لیئے اس کے افراد کو ہر قسم کی مصیبت اور مشکلات اُٹھا کر عظیم الشان قربانیاں کرنیکے لیئے تیار رہنا چاہیئے۔ غفلت سُستی لاپروائی یہ وہ امراض ہیں جو افراد اور قوموں کو کھو کھلا کر دیتی ہیں۔ ولا تھنوا ولا تحزنوا و انتم الاعلون سُست آدمی یا سُست قوم کسی بلند مقصد کو حاصل نہیں کر سکتی۔ پس ہمارے احباب غور کریں کہ کہانتک دینی کاموں میں وہ سرگرمی دکھا رہے ہیں اسی سے اپنی کامیابی کا اندازہ کریں۔ ہماری جماعت دنیا میں اشاعت اسلام جیسے اہم اور سخت ترین کام کے لیئے مامور ہو اور پھر اس میں داخل ہو کر ایک شخص چندوں کی زیادتی کی شکایت کرے یہ عملی طور پر اس دعویٰ کی مخالفت ہے۔ اس کی تو ایسی ہی مثال ہے کہ ایک فوج جو ملک کے امن کے لیئے اور اس کو دشمنوں سے بچانے کے لیئے مقرر ہے یہ شکایت کرے کہ دوسرے لوگ تو اپنے گھروں میں آرام سے سوتے ہیں اور ہمیں اپنی جان خطرہ میں ڈال کر دن رات مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہر ایک قسم کی آسایش کو چھوڑ کر ننگی بھوک پیاس میں گذران کرنی پڑتی ہے۔ پس جو شخص ہماری جماعت میں داخل ہوتا ہے اسے یہ پہلے سمجھ لینا چاہیئے کہ مرزا غلام احمد کو مسیح موعودؑ مُنہ سے مان لینے سے کچھ نہیں بنتا۔ بلکہ سلسلہ میں داخل ہونے سے اس کام کو تکمیل تک پہنچانا اصل غرض ہے جو مسیح موعودؑ نے اس جماعت کا کام ٹھہرایا ہے ؏

پس مَیں اپنے احباب کو دوبارہ اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ وہ دوسروں پر اپنا قیاس نہ کریں دوسرے جس کام کے قابل نہیں پائے گئے وہ اب تمھارے سپرد کیا گیا ہے۔ اگر تم بھی اپنے آپ کو اسکے قابل نہ بناؤ گے تو اوروں کے سپرد کیا جاوے گا۔ وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔

نام انجمنہائے	رقم وصول شدہ	نام انجمنہائے	رقم وصول شدہ
کوہاٹ	مہ صہ ۸/	اہرانہ	سہ ۶/
گلگت	سہ	وزیرآباد	لے
لالہ موسیٰ	یہ	گولیکی	ہہ عہ ۴/
محصلہ محمد حسن واعظ	ہے ۶/	چک شمالی	ما عہ
سامانہ	مہ صہ ۱۲/	رنمل	سہ عہ ۱۰/
سنور	ہہ صہ ۱۴/	منار	ما عہ
چک پنیار	ما ۱۰ صہ	میانوالی	ماا عہ
منی پور	صہ	یاڑی پورہ	صہ عہ ۵/
بھینی	صہ للعہ ۴/	کامل پور	عہ ۳/
بنارس	سہ	لائل پور	ماا سہ ۰۵/
خوشاب	عہ عہ ۵/	سڑوعہ	صہ ۸/
کوئٹہ	ہے ۰۱۲/	راہوں	ہہ عہ
الہ آباد	لہ عہ	اوجلہ	ہہ عہ
نابھہ	عہ ۱۴/	نیروبی	ما ہہ عہ ۸/
مظفر نگر	للو عہ ۱۲/	دوالمیال	ع عہ
رسول	و عہ	چندوسی	عہ
شادیوال	للو عہ	غوث گڈھ	عہ
لاہور	صما عہ ا عہ	مالیرکوٹلہ	عہ
حیدرآباد دکن	لہ عہ	کاٹھ گڈھ	ہہ عہ
لکھنؤ	سلعہ	تہال	۱۰/
کانپور	صمہ	تاسنور	ہہ سہ ۳/
مظفر گڈھ	عا ۱۲/	کھاریاں	للو عہ ۱۳/
کریم پورہ	للو عہ ۱۲/		
سیالکوٹ	سما ا عہ ہے		
اور جمہ	صہ		

خاکسار محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان ضلع گورداسپور

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ
بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۲ء

تعلیم الاسلام و مدرسہ احمدیہ ہائی سکول و مدرسہ احمدیہ موسمی تعطیلات کے بعد ۲۸ ستمبر سنہ ۱۹۱۲ء کو کھل گئے ستمبر کے اخیر پر ہائی سکول میں تعداد طلبا ۳۲۸ اور بورڈران ۱۴۵ تھی اور مدرسہ احمدیہ میں تعداد طلبا ۹۳ اور بورڈران ۵۶ تھی۔ ہائی سکول کی آمد اگست و ستمبر میں ۱۸۷۰ روپے ۸ آنہ ۴ پائی امداد از گورنمنٹ اور ۱۳۶۷ روپے ۱۵ آنہ ۲ پائی فیس مدرسہ و بورڈنگ ہوس کی رقوم قابل ذکر ہیں ہائی سکول کی ہر دو شاخوں اور گرلز سکول میں تعداد طلبا ڈیڑھ سو سے زیادہ ہے۔ اس سال دو مدرس ہائی سکول کی ترقی تعلیم کے لئے رخصت پر گئے ہیں یعنی ماسٹر عبد الرحمن صاحب بی۔ اے میں تعلیم پانے کے لئے اور قاضی عبد اللہ صاحب بی۔ اے ٹریننگ کالج کی بی ٹی کلاس میں تعلیم پانے کے لئے۔ امید کیجاتی ہے کہ ان ہر دو صاحبان کی خدمات اس تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ کے لئے اور بھی زیادہ مفید ہونگی۔ مدرسہ احمدیہ میں پچیس روپے حضرت خلیفۃ المسیح کی معرفت بورڈران کی دعوت کے لئے وصول ہوئے۔ بورڈنگ ہوسوں کے انتظام میں گو ہر طرح سے پوری کوشش کیجاتی ہے لیکن جہاں دو سو بورڈران کا انتظام کرنا ہو اور بہت سے ان میں سے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں اور پھر انکا ہر قسم کا حساب بھی علاوہ انکی تعلیم اور تربیت اور اخلاق کی نگرانی کے بورڈنگ ہوس کے منتظمین کے سپرد ہو وہاں یہ بہت قرین قیاس ہے کہ کچھ شکائتیں بھی پیدا ہو جائیں جو اکثر اوقات غلط فہمی سے پیدا ہوتی ہیں پس جب کسی صاحب کو جنکا بچہ یا عزیز یہاں تعلیم پاتا ہو کوئی ایسی شکایت لڑکے کی طرف سے پہنچے تو انہیں چاہیئے کہ اسکے متعلق پہلے ہیڈ ماسٹر صاحب سے خط و کتابت کرکے اور اصل معاملہ دریافت کرکے پھر کوئی رائے قائم کریں۔ اگر واقعی شکایت ہوگی تو اس کا ازالہ ہیڈ ماسٹر صاحب ضرور کر دیں گے۔ ورنہ اصل معاملہ سے اطلاع دیدینگے۔ مگر ساتھ ہی ایسے احباب کی خدمت میں یہ بھی التماس ہے کہ وہ بھی ان حقوق کی ادائگی کی طرف جو انکے ذمہ ہیں توجہ فرماویں۔ سب سے بڑی دقت انتظام میں مالی دقت ہے۔ جو احباب اپنے بچوں کو یہاں بھیجتے ہیں انکو یہ غور کر لینا بھی ضروری ہے کہ بورڈنگ ہوس کے اخراجات بدون پیشگی رقوم جمع کرانے کے چل نہیں سکتے۔ اس لئے عموماً بورڈنگ ہوسوں میں دو دو ماہ کا پیشگی خرچ لے لیا جاتا ہے۔ اور ہمارے

بورڈنگ ہوسوں میں بھی یہی قاعدہ ہے۔ مگر اس قاعدہ کو ہمارے بہت سے معزز احباب وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ حالانکہ بہت سی تنگائیں اسوجہ سے بھی پیدا ہوجاتی ہیں۔ جب ایک بورڈر کے ذمے بقایا بڑھتا چلا جاتا ہے اور مطالبات پر بھی توجہ نہیں ہوتی تو لازماً بورڈنگ کے منتظمین کو اس کی ساری ضروریات فراخدلی سے پورا کرنے میں مضائقہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ان بورڈروں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے جو مطالبات کو باقاعدہ ادا کرتے ہیں۔ انہی بقایوں کی وجہ سے بعض اوقات ایک بورڈنگ ہوس کا فنڈ تین ہزار تک کا مقروض ہوگیا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی دوسرے صیغے میں بھی ایسی گنجائش نہیں ہے جہاں سے اسقدر رقم قرضہ دیجا سکے پس احباب کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ وہ اس دقت کو رفع کرنے میں منتظمین کی مدد کریں۔ اور دو ماہ کا پیشگی خرچ جمع کرانے کے قاعدہ پر پوری توجہ سے عمل کریں۔ اور پھر ماہ بماہ جو مالی مطالبات ہوں انہیں ساتھ ساتھ ادا کرتے جاویں۔ اگر حساب میں کسی قسم کی غلطی ہو تو وہ معمولی خط وکتابت سے بڑی سہولت سے دور ہوسکتی ہے۔ اس بارے میں بالخصوص میرے مخاطب وہ معزز احباب بھی ہیں جن کی طرف بقایا کی رقم بیس بیس چالیس چالیس بلکہ سوسو تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ کاش کہ اسقدر بقایا ہونے کی بجائے اسقدر رقم پیشگی انکے بچوں کے حساب میں جمع ہوتی!

اشاعت اسلام:۔ خریداران ریویو انگریزی کی تعداد میں پانچ کی بیشی اور اردو میں ایک کی بیشی ہوئی تفسیر کے خریداران کی تعداد میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ کتاب ٹیچنگز آف اسلام کی بقیہ جلدیں بھی مجلد ہوکر ولایت سے روانہ ہوچکی ہیں:

یتامیٰ۔ زکوٰۃ۔ ان احباب کا جنھوں نے ان ہر دو مدات میں چندہ بھیجنے کی طرف توجہ فرمائی ہے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ ذیل میں صرف پانچ روپے یا اُس سے زیادہ رقوم کا اندراج ہے۔

یتامیٰ۔ شیخ مظفر الدین صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ڈیرہ اسمٰعیل خاں ...... عـہ۔ جماعت لاہور عـہ۔ میاں محمد امیر علی صاحب مانسہرہ سے ر۔ جماعت سیالکوٹ للعہ۔ محصلہ منشی محمد عبداللہ صاحب بیریوالہ صـہ ر منشی نور خاں صاحب سب انسپکٹر تھانہ پانڈو کا عـہ۔ بابو غلام مجتبیٰ صاحب ہانگ کانگ صـہ ر۔ جزاھم اللہ خیرا۔

زکوٰۃ۔ جماعت بیگم پور جینڈیالہ ۸؎ ۔ حاجی محمد صاحب پریم کوٹ صہ ۔ جماعت شملہ صہ
جناب عالم شیر خاں صاحب سب اوورسیر باندا داؤد شاہ ۱۰؎ ۔ سید تفضل حسین صاحب
پٹنہ عہ ۔ ابو عبداللہ غلام محمد صاحب شاہ پور کنڈی صہ ۔ نامعلوم الاسم عہ ۔
جماعت سیالکوٹ ۸؎ ۔ محصلہ منشی محمد عبداللہ صاحب بیریوالہ عہ ۔ جماعت چنیوٹ للعہ
جماعت سامانہ صہ ۔ جماعت ملتان ۸؎ ۔ جماعت گولیکی عہ ۔ جماعت ڈیرہ غازیخاں لعہ ۔
جماعت گوجرا عہ ۔ چودھری فضل الٰہی صاحب پٹواری ککرالی عہ ۔ شیخ محمد شفیع صاحب

جزاھم اللہ خیرا۔

متفرقات ۔ چونکہ کئی انجمنوں کی طرف سے یہ سوال پوچھا گیا تھا کہ کسی انجمن کی مقامی ضروریات کے لیے اس عام چندہ میں سے جو ہر دو مدرسوں اور لنگرخانہ اور اشاعت اسلام کے لیئے ہوتا ہے کوئی حصہ لینا یا کسی قسم کا لینا ٹھیک ہے یا نہیں اور اس لیئے بھی کہ بعض جگہ اصل اغراض سلسلہ پر مقامی ضروریات کو مقدم کر کے اس چندہ کا بہت سا حصہ وہیں صرف کر دیا گیا اس لیئے مجلس معتمدین نے ۶۔ اکتوبر کے اجلاس میں ریزولیوشن ۱۴۲ میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اگر کسی انجمن کو اپنی مقامی ضروریات کے لیئے کسی چندہ کی ضرورت ہو تو ایسا چندہ علیحدہ طور پر کر لیا جایا کرے اور صدر انجمن کے مستقل چندوں پر ضروریات مقامی کا کسی قسم کا بوجھ نہ ڈالا جاوے۔ ضروریات مقامی کو پورا کرنے کے لیئے جو ذرائع احسن طور پر اختیار کیئے جا سکتے ہیں ان پر گذشتہ سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ میں مفصل بحث ہے۔ امید ہے کہ جملہ انجمنیں ان اصول پر کاربند ہونیکی کوشش کرینگی۔

ریویو

سیرت مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نظامی۔ یہ کتاب نہایت محنت اور محبت سے لکھی گئی ہے۔ سوانح کے واسطے جو ضروری امور ہیں اُن کو تحقیقانہ رنگ میں اختصار کے ساتھ قلمبند کیا گیا ہے شروع میں بعض وہ بشارتیں بائبل میں سے نقل کی گئی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پوری ہوئیں چھپائی اور کاغذ بہت عمدہ اور خوبصورت ہے۔ کتاب قابل دید ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر دے انھوں نے یہ کتاب صرف تبلیغ اسلام کے جوش کے ساتھ لکھی ہے۔
قیمت ۸؍ ملنے کا پتہ منشی حیدر خاں صاحب نظامی مہتمم نظامیہ ایجنسی پچھواڑہ والا۔ مزنگ۔ لاہور

اظہارِ حق

اس کتاب میں بڑی وضاحت کے ساتھ حضرت باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح اور اقوال سنبہ جوگرنتھ صاحب یا جنم ساکھی۔ تواریخ خالصہ اور سکھوں کی دیگر مستند کتابوں سے لیئے گئے ہیں اور ان کے جا بجا مفصل حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ باوا صاحب ہندوؤں کے عقائد سے بالکل بیزار تھے۔ مورتی پوجا۔ مسئلہ چھوت چھات۔ تیرتھوں۔ رسم جنیو اور تناسخ وغیرہ کا کھنڈن یعنی ردّ کرتے تھے۔ اسلام کے مشہور اولیاء کرام کے مقابر پر فیض حاصل کرنے کے لیئے چلہ کشی کرتے رہے۔ عقائد اسلام پر پورے پابند تھے ؛

تین سال اس کتاب کو شائع ہوئے ہو گئے ہیں۔ مگر اب تک کسی ہندو یا سکھ کو اس کا جواب لکھنے کی طاقت نہیں ہوئی۔ جن صاحبوں کو سکھ مذہب کی تحقیق یا باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح پڑھنے کا شوق ہو یا جن احباب کو سکھوں کے ساتھ کبھی بات چیت کرنے کا موقعہ ملتا ہو وہ ضرور یہ کتاب پڑھیں ؛

ملنے کا پتہ۔ مینجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور۔

پارہ عم مترجم

چونکہ عموماً مسلمان قرآن شریف کی آخری سورتیں نماز میں پڑھتے ہیں۔ اور یہ صاف ظاہر ہے کہ صرف عربی عبارت ناظرہ یا حفظ پڑھ لینے اور مطلب نہ سمجھنے سے دلمیں خشوع خضوع نہیں پیدا ہوتا۔ اور اسی لیئے نماز ان وعدہ الٰہی کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ کے نیچے نہیں آتا۔ اس لیئے ہر ایک مسلمان پر لازمی ہے کہ کم سے کم آخری پارہ کو باترجمہ پڑھے اور حفظ کرے۔ اور اپنے بچوں کو بھی پڑھائے اور حفظ کروائے۔ ہمارے پاس پارہ عم مترجم۔ موٹے کاغذ پر عمدہ خوشخط صحیح چھپے ہوئے موجود ہیں۔ ہدیہ صرف ۲ر شائقین مینجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور سے طلب کریں ؛

تقریر جلسہ اعظم مذاہب یا لیکچر مہوتسو

یعنی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا عظیم الشان لیکچر جو ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا۔ چوتھی دفعہ نہایت عمدہ کاغذ پر خوب خوشخط لکھوا کر چھپوایا گیا ہے تقطیع بھی نہایت موزوں ہے اس کتاب میں حضرت اقدس نے ذیل کے پانچ امور پر فلسفیانہ رنگ میں بحث کی ہے۔ اور تمام دلائل قرآن شریف سے پیش کیئے ہیں۔ (۱) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتیں (۲) انسان کی زندگی کے بعد کیحالت یعنی عقبیٰ (۳) دنیا میں انسان کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب (۴) اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں (۵) علم اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے ؛ تقریباً ۱۵۰ صفحہ کی کتاب ہے قیمت ۵ر درخواستیں بنام مینجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہییں ؛

Reg. No. L. 103

ٹیچنگز آف اسلام

یعنی انگریزی ترجمہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کے اس عظیم الشان لیکچر کا جو سنہ ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں چار پانچ ہزار کے مجمع میں پڑھا گیا تھا اور نہایت ہی دلچسپی اور مقبولیت سے پبلک نے سنا۔ اس لیکچر میں مصنف موصوف نے اسلام کو نہایت ہی احسن پیرایہ میں صرف قرآن شریف سے استنباط کر کے بیان فرمایا ہے۔ اور تمام اعتراضات جو بڑے بڑے مخالفین معاندین اسلام بڑی تحدی اور زور سے کرتے رہے یا اب کرتے ہیں۔ نہایت ہی سنجیدگی اور لطافت سے انکے جوابات اصولی طور پر بیان فرمائے ہیں جنسے خواہ کیسا ہی متعصب اور زود رنج مخالف کیوں نہ ہو کبیدہ خاطر نہیں ہو سکتا بلکہ سوائے سکوت کے اور کوئی جواب بھی پیش نہیں کر سکے گا اور ایک شریف الطبع اور حق جو مخالف اسلام کو سوائے سر تسلیم خم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہو سکتا۔

بڑی خوبی اور لطافت جو اس مضمون کو خاص فوقیت اور یکتائی دے رہی ہے یہ ہے کہ اول اس مضمون کو خدائے تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن کریم سے بیان کیا گیا ہے۔ دوم اس مضمون میں باوجود اعتراضوں کے جواب دینے اور دوسرے مذاہب کا تذکرہ کرنے کے کسی قسم کی اشارۃً یا کنایۃً زد نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف اسلام کی سچی فلاسفی اور خوبیاں پبلک کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور توحید باری تعالیٰ اور رسالت آپ صلعم کی صداقت بیان کی گئی ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی بے نظیر تصنیفات و تالیفات میں یہ ایک ایسا مضمون ہے جس میں کمل اور مختصر طور پر اسلام کی صداقت بیان کی گئی ہے اس لیئے پبلک کے دینی اور روحانی فائدہ کو مدِ نظر رکھکر اور تبلیغ اسلام کا بڑا ذریعہ سمجھکر اسکو انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے ولایت میں چھپوایا گیا ہے اور اس کی بہت سی کاپیاں ولایت اور دیگر بلاد یورپ اور امریکہ جاپان وغیرہ میں مفت تقسیم کی گئی ہیں۔ اور کچھ کاپیاں فروخت کے لیئے بھی منگوائی گئی ہیں۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر ایک انگریزی خوان مسلمان کے ہاتھ میں ہو۔ احباب خود بھی خریدیں اور تبلیغ اسلام کیلیئے چند کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کر کے اسکا اجر اللہ تعالیٰ سے لیں قیمت بغرض تبلیغ اشاعت باوجود دو سو صفحہ اور عمدہ ولایتی کاغذ اور خوبصورت جلد کے بہت ہی تھوڑی رکھی ہے یعنی مجلد کی عہ اور بے جلد کی ۱۲ر علاوہ محصولڈاک۔

جو صاحب منگوانا چاہیں دفتر ریویو آف ریلیجنز قادیان ضلع گورداسپور سے منگوا لیں

ریگن ہیں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

نمبر ۱۱ | بابت ماہ نومبر ۱۹۱۲ء | ذوالحجہ سنہ ۱۳۳۰ھ | جلد ۱۱

چندہ سالانہ ۶؍ — طلباء سے

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تالیف کتابیں

ہمارے سید و مولیٰ امام مہدی علیہ السلام - فتح اسلام میں تحریر فرماتے ہیں۔ "اگر درحقیقت کمل اشاعت ہی ہماری غرض ہے۔ تو مدعا یہ ہونا چاہیئے کہ ہماری دینی تالیفات جو جواہرات تحقیق اور تدقیق سے پُر اور حق کے طالبوں کو راہ راست پر کھینچنے والی ہیں جلدی سے اور بکثرت ایسے لوگوں کو پہنچ جائیں۔ جو بُری تعلیموں سے متاثر ہو کر مہلک بیماریوں میں گرفتار یا قریب موت کے پہنچ گئے ہیں۔ ہماری مدِ نظر رہنا چاہیئے کہ جس ملک کی موجودہ حالت ضلالت کے سمِ قاتل سے نہایت خطرہ میں پڑ گئی ہو۔ بلا توقف ہماری کتابیں اس ملک میں پھیل جائیں اور ہر ایک متلاشی حق کے ہاتھ میں وہ کتابیں نظر آئیں"۔

اس ارشاد واجب الانقیاد کے ماتحت ہر احمدی فہرست مندرجہ ذیل سے حسب استطاعت کتابیں ضرور خرید لے۔ بعض پیش آمدہ حالات کی وجہ سے میں امید رکھتا ہوں۔ کہ وہ دوہرا ثواب حاصل کرے گا۔

نام کتاب	زبان	مضمون	قیمت عام
آئینہ کمالات اسلام	اردو عربی	حقیقت اسلام - تبلیغ رسالت۔	
انوار الاسلام	اردو	آتھم کی پیشگوئی کی تفصیل ردّ عیسائیت۔	۲/
ایام صلح	فارسی	دعویٰ مع دلائل و پیشگوئی طاعون۔	۸/
استفتاء	عربی	دعویٰ کا فصیح و بلیغ عربی میں ثبوت۔	۴/
استفتاء	اردو	لیکھرام کا قتل پیشگوئی سے ہوا۔	۱/
کرامات الصادقین	عربی	تفسیر سورہ فاتحہ۔	۸/
نور الحق حصہ اول و دوم	عربی مترجم	ردّ عیسائیت۔	۱/×۵/
حقیقۃ المہدی	اردو	آنے والا مہدی صلح کار ہے۔	۱۰/
ازالہ اوہام حصہ اول ۱۲/ - دوم ۱۴/	اردو	دعویٰ کا ثبوت مدلل مفصل۔	عہ/
فتح اسلام	اردو	بیان دعویٰ و تبلیغ شارع۔	۲/
توضیح مرام	اردو	حقیقت نزول ملائکہ۔	۳/
قادیان کے آریہ اور ہم	اردو	ردّ آریہ اور نظم۔	۳/
حقیقت الوحی	اردو	الہام و وحی کی تشریح ۲۰۸ نشانات۔	للعہ/
ضیاء الحق	اردو	ردّ عیسائیت جواب بعض اعتراضات متعلق آتھم	۲/
سر الخلافہ	عربی	ردّ شیعہ	۸/
رسالہ جہاد مع ضمیمہ	اردو	ممانعت جہاد	۱/
اعجاز احمدی	اردو	اردو اور عربی قصیدہ	۳/
کشتی نوحؑ	اردو	تعلیم حضرت مہدیؑ	۳/
خطبہ الہامیہ	عربی مع اردو	الٰہی نشان کا اظہار	ع/
تحفہ غزنویہ	اردو	جواب اشتہار مولوی عبد الحق غزنوی	۳/
تریاق القلوب	اردو	چند پیشگوئیوں کے پورا ہونے کی تفصیل۔	۳/
مسیح ہندوستان میں	اردو		۳/

درخواستیں بنام مہتمم کتب خانہ حضرت اقدسؑ - قادیان ضلع گورداسپور آ[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مسیحیت کی اشاعت آگ اور تلوار کے ذریعہ سے

مسیحی صاحبان کی عادت ہے کہ وہ اُن تکالیف اور مشکلات کا بہت ذکر کیا کرتے ہیں جو ابتدائی زمانہ میں مسیحیوں کے قول کے مطابق مسیحیت کے پیروؤں کو پیش آئیں مگر وہ اُن خونریزیوں۔ قتل عام۔ اور طرح طرح کی بے رحمیوں اور وحشیانہ کارروائیوں کا کبھی ذکر نہیں کرتے جو اُن کے بزرگان دین محض مسیحی مذہب کے پھیلانے کے لئے ہمیشہ اختیار کرتے رہے۔ یہ امر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تمام نئی مذہبی جماعتیں جو ایک قائم شدہ سلسلہ سے الگ ہو کر نئے خیالات کا اظہار کرتی ہیں اُن کو ضرور کچھ نہ کچھ تکالیف اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور جسقدر لوگوں کی اخلاقی حالت زیادہ گری ہوئی ہو اُسی قدر تکلیف زیادہ دی جاتی ہے مگر جب ہم مسیحی مذہب کی تاریخ پر نظر کرتے ہیں تو یہ امر روز روشن کی طرح ہم پر کُھل جاتا ہے کہ کسی مذہب اور کسی قوم نے مذہبی اختلاف کی وجہ سے اسقدر خونریزی اور بے رحمی سے کام نہیں لیا جسقدر کہ مسیحی مذہب کے پیروؤں نے لیا ہے۔ حالانکہ اس مذہب کے پیرو اپنے مذہب کو آشتی اور صلح کا مذہب کہتے ہیں +

آجکل کے مسیحی یہ سمجھتے ہیں کہ پہلے زمانوں میں نیک لوگ صرف مسیحی ہی ہوا کرتے تھے باقی سب لوگ بُرے تھے سوائے معدودے چند کے۔ مسیحیوں کے اس قسم کے خیالات کا پتہ ایسی کتابوں سے خوب ملتا ہے جیسی کہ کتاب سائین آف دی کراس

جو آجکل کے مسیحیوں میں بہت پسند کیجاتی ہے کیونکہ اُس میں اُن کے خیالات کا عکس پایا جاتا ہے۔ مگر جب ہم تاریخ کو پڑھتے ہیں تو یہ خیال بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ رومیوں نے جو ایک غیر مسیحی قوم تھی تمام غیر مذاہب کو جو اُن کی سلطنت میں پائے جاتے تھے پوری مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ چنانچہ متھرا ازم جو ایک مشرقی مذہب تھا اور جس میں سورج کی پرستش پائی جاتی تھی تمام رومی سلطنت میں پھیل گیا یہانتک کہ اس سلطنت کے دور دراز کناروں تک پہنچ گیا چنانچہ خود برطانیہ کے جزیرے میں اس مذہب کے نشان پائے جاتے ہیں۔ اور اس مذہب کی اشاعت رومی سلطنت میں ایسی وسیع تھی کہ اس کے بہت سے رسومات مسیحی مذہب میں بھی داخل ہوگئے اور اب تک وہ مسیحی مذہب کی جزو سمجھے جاتے ہیں ؛

جیسا متھرا ازم رومی سلطنت کے کناروں تک بلا روک ٹوک پھیل گیا۔ اسی طرح مسیحی مذہب بھی پوری آزادی کے ساتھ کل رومی سلطنت میں پھیل سکتا تھا۔ اگر بعض پولٹیکل وجوہات مانع نہ ہوتیں۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ جب کبھی شاہی احکام مسیحی لوگوں کے برخلاف جاری کیئے گئے تو اس کا سبب مذہبی اختلاف نہ تھا۔ بلکہ ملکی مصلحت اس بات کی محرک ہوئی۔ مگر باوجود اس کے مسیحیوں کے برخلاف باضابطہ اور باقاعدہ کارروائی (جیساکہ جے۔ ایم۔ رابرٹسن ایم پی بیان کرتا ہے) صرف پانچ مرتبہ کی گئی (۱) مصر میں سیویرس کے ماتحت (۲) میکس می نس کے زمانہ میں ایک محدود پیمانہ پر (۳) مشرق میں ڈی سی اس کے ماتحت (۴) ولی رین کے زمانہ میں (۵) ڈایو کلی شی ان کے عہد میں۔ یہ پانچویں کارروائی جو مسیحیوں کے برخلاف کیگئی سب سے زیادہ سخت اور سب سے زیادہ عام بیان کیجاتی ہے جس کا دائرہ کل رومی سلطنت میں پھیلا ہوا بیان کیا جاتا ہے مگر کل مسیحی جو اس آخری کارروائی کا شکار ہوئے اُن کی تعداد دو ہزار کے اندر اندر تھی حالانکہ یہ فرمان کل رومی سلطنت پر حاوی تھا۔ اس قدر وسیع سلطنت میں صرف دو ہزار آدمیوں کا شکار ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان شاہی احکام کی غرض یہ ہرگز نہ تھی کہ مسیحی مذہب کو جڑھ سے ہی اکھیڑ دیا جاوے

اور مسیحی مورخ خود اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ رومی سلطنت کے لوگ اپنی مسیحی دوستوں اور اقرباء کو اپنے گھروں میں پناہ دیتے تھے اور اُن کی جان کی حفاظت کرتے تھے۔ اب رومی سلطنت کے غیر مسیحی لوگوں کی اس ہمدردی کا مقابلہ اُس بے رحمی اور جنون کے ساتھ کرو جو اس کے بعد مسیحیوں کی طرف سے ظاہر ہوا جو انکوئیزیشن (مذہبی تفتیش ملحدوں کو قتل کرنے کے لیئے) کے دنوں میں اپنی نہایت ہی قریبی رشتہ داروں کو بھی پکڑوا دیا کرتے تھے ؛

علاوہ اس کے یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بسا اوقات خود مسیحی صاحبان رومی سلطنت کے دنوں میں ایسی کارروائیاں کرتے تھے کہ رومی مجبور ہوتے تھے کہ اُن کو پکڑ کر سزا دیں۔ مثلاً وہ رومیوں کے عبادت خانوں کی جان بوجھکر بے حرمتی کرتے تھے اور رومیوں کی نفیس یادگاروں کو خراب کرتے تھے اور اُن کی غرض ایسا کرنے سے یہ تھی کہ اس طرح رومی غیظ میں آکر ہمیں قتل کرینگے اور ہم شہادت کا مرتبہ حاصل کرینگے۔ جس زمانہ میں سپین میں اسلامی سلطنت کا دور دورہ تھا اور مسلمانوں کی طرف سے مسیحیوں کو پوری آزادی حاصل تھی اُس زمانہ میں بھی کئی مسیحی شہادت کے طالب مسلمان قاضیوں کے دربار میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برملا گالیاں دیتے تھے تا کسی طرح اُن کے عادل حکام کا غضب بھڑکے اور وہ اُن کو شہادت کا پیالہ پلا کر اُنکے زعم میں اُن کو بہشت میں پہنچا دیں۔ یا اُن کی شہادت کو دیکھکر اُنکے ہم مذہب مسیحیوں کا جوش مسلمانوں کے برخلاف بھڑکے کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ مسلمانوں کا انصاف اور رحم مسیحی رعایا کے دلوں کو فتح کر رہا ہے اور وہ اسلامی حکومت پر بہت خوش ہیں مگر متعصب عیسائی اس امر کی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ مسیحی رعایا اس طرح اسلامی سلطنت پر خوش ہو جاوے اس لیئے وہ عام لوگوں کو اسلامی سلطنت کا مخالف بنانے کے لیئے مسلمان قاضیوں کے غصہ کو طرح طرح کے حیلوں سے بھڑکاتے تھے تا وہ اُن کو قتل کریں اور اُن کے قتل کو دیکھکر مسیحی رعایا اسلامی حکومت سے برگشتہ ہو جاوے۔ یہ ایسی کارروائیاں ہیں جو صرف مسیحیوں کے ساتھ

خصوصیت رکھتی ہیں دنیا میں کسی اور قوم کے اندر ایسی مثال تلاش کرنا ایک محال امر ہے ان کارروائیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ان مسیحی بزرگوں میں تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور نفرت اور کینہ اور حسد کی آگ اُن کے تنگ سینوں میں بہت تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ ناظرین خود فیصلہ کریں کہ کیا ایسی کارروائیاں یہ ثابت نہیں کرتیں کہ اُن کا بغض اور اُن کا تعصب ایسے حد سے نکلے ہوئے تھے کہ انکی نظیر کسی اور مذہب وملت میں نہیں ملتی ؛

مسیحیوں کا یہ خیال کہ رومی سلطنت کے لوگ مسیحی حکومت قائم ہونے سے پہلے طرح طرح کی بدکاریوں اور برائیوں کے عمیق گڑھے میں گرے ہوئے تھے تاریخی محققوں کے نزدیک بالکل ناقابل پذیرائی ہے اور کل مستند مورخ اس خیال کی تردید کرتے ہیں۔ دراصل مسیحیوں کی غرض اس سے یہ ثابت کرنا ہے کہ تمام اخلاق کی بنا مسیحی مذہب نے ڈالی ہے اور یہ کہ یورپ نے جو ترقی کی ہے وہ سب مسیحی مذہب کی بدولت ہے مسیحیوں کے اس خیال کی تردید میں ڈاکٹر امیل ریک لکھتا ہے :-

"رومیوں کی (جن کو ایسا بدکار بیان کیا جاتا ہے) نہایت رحمدلی اور ہمدردی مخلوق کی مثالیں جمع کرنا ایک بڑا ہی آسان کام ہے۔ مثال کے طور پر اُن خیرات خانوں کو ہی دیکھو جو رومی قیصروں یعنی نروا۔ ٹرے جن اور ہیڈری ان نے جاری کر رکھے تھے اور جن میں تمام وسیع سلطنت کے یتیم اور کس مپرس چھوٹے بچے رکھے جاتے تھے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کے شریف رومیوں کی مثالیں اس کثرت سے ملتی ہیں کہ اُن کا شمار کرنا دشوار ہے۔ روما کو گلا سڑا ہوا اور گندا بیان کیا جاتا ہے مگر وہاں انصاف نہایت کامل طریق سے برتا جاتا تھا۔ ججوں یا شاہی مجلس کی بے انصافی کی کوئی شکایت ہم نہیں پاتے۔ مضبوط قوانین کے ذریعہ اہل ملک کی آزادی بلکہ بردوں کی ذات اور جان کی حفاظت کیجاتی تھی۔ ٹکس بہت ہلکے تھے اور بہت کم لگائے جاتے تھے۔ علی العموم رومی سٹوئک فرقہ کے فلاسفروں کے پاکیزہ مسائل کے معتقد تھے۔ (سٹوئک فرقہ کا بانی ایک فلاسفر زینو نامی تھا جو مسیح سے ۳۰۰ سال پہلے گذرا ہے۔ اُس کی تعلیم میں ایک

اصل یہ تھا کہ انسان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ خوشی یا غم سے مؤثر نہ ہو اور قسمت پر راضی رہے اور مصیبت کے وقت میں کسی قسم کی شکایت نہ کرے اور جو کچھ اُس پر واقع ہو اُس کو قبول کرے اور صرف نیکی کو سب سے اعلیٰ بات سمجھے) ان رومیوں نے جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عیش و عشرت اور غفلت کی زندگی میں غرق رہتے تھے - پہلی تین مسیحی صدیوں میں فرانس - برطانیہ - جرمنی - آسٹریا وغیرہ میں ہزارہا آباد شہروں کی بنیاد ڈالی - اور تمام یورپ - ایشیائے کوچک - اور افریقہ میں تازہ پانی کے لیئے کئی نہریں - بے شمار بند اور ہزارہا سڑکیں بنائیں - یہ (بقول مسیحیان) گندے رومی ہر ایک شخص کی حفاظت کرتے تھے اور کسی کو بہ سبب اختلاف رائے ایذا نہیں دیتے تھے - وہ علم ادب اور سائنس کو ترقی دیتے تھے - اور نہایت ہی عظیم الشان مصنفوں - فلاسفروں - سائنس دانوں کی ایک بھاری جماعت جو دنیا میں ایک بے نظیر شہرت رکھتے ہیں انہی رومیوں کے باامن عہد حکومت میں گذری ہے - تجارت کی حفاظت کیجاتی تھی اور ایک طرف ملک چین تک اور دوسری طرف سویڈن کی خلیجوں تک تجارتی تعلقات کی توسیع کی گئی - تمام وسیع سلطنت میں ڈاک کا بھی نہایت ہی قابل تعریف انتظام تھا - لنڈن میں بیٹھکر ایک انسان اسکندریہ (مصر) کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھ سکتا تھا - اور عام انسانوں کے لیئے خط وکتابت کا پورا سامان موجود تھا - وہ بے شمار قومیں جو رومی سلطنت کے ماتحت تھیں ایسی خوشی سے زندگی بسر کرتی تھیں کہ انہوں نے کبھی نہیں یا شاذ و نادر ہی ایسی نرم اور فیض رسان حکومت کے برخلاف بغاوت کا جھنڈا اکھڑا کرنیکا خیال کیا -

یہ ہے حقیقی تصویر رومی سلطنت کی (جسکو ایسا گندا بیان کیا جاتا ہے تا ثابت ہو کہ دنیا میں تہذیب کا پودا صرف مسیحیت کے ہاتھ سے لگایا گیا ہے اور کہ مسیحیت کے ظہور سے پہلے یورپ کی دنیا تہذیب اور شائستگی اور اعلیٰ اخلاق سے بے بہرہ تھی)

ہم سنا کرتے تھے اور اب بھی مسیحیوں کو یہ کہتے ہوئے سُنتے ہیں کہ مسیحیت ہی نے عورت کے پایہ کو بلند کیا ہے - مگر سچ بات یہ ہے کہ مسیحی سلطنتوں میں عورت کو

وہ درجہ حاصل نہیں ہے جو مسیحیت سے قبل رومی سلطنت میں عورت کو حاصل تھا۔ اور کئی صدیوں تک مسیحیت کی حکومت کے نیچے عورت کی حیثیت گاتھ کی وحشی قوم کے زمانہ سے بھی زیادہ گری ہوئی رہی ؛

اس بات کے ثابت کرنے کے بعد کہ مسیحیت کی آمد سے پہلے رومی ایسے گندے اور بُرے نہیں تھے جیسا کہ مسیحی صاحبان اُن کو اپنے مذہب کی بڑائی اور اُس کا پاک اثر ثابت کرنے کے لیئے ظاہر کرتے ہیں۔ اب میں اس امر کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ یورپ میں مسیحی مذہب کس طرح پھیلا۔ یہ نہایت ہی تعجب کی بات ہے کہ جس مذہب کو آج صلح اور آشتی کا مذہب بیان کیا جاتا ہے جب اُس کی تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ یورپ میں یہ مذہب تلوار کے زور سے پھیلایا گیا جب مسیحی بادشاہوں نے یورپ کی غیر مسیحی قوموں پر تلوار اور کلہاڑی چلاکر مسیحیت کا مذہب قبول کرنے پر اُن کو مجبور کیا تو ایسا کرنے میں اُن کی غرض صرف ملکی نہیں تھی بلکہ خود کلیسیا کے اشارے اور چرچ کے قانون کی اجازت سے انہوں نے ایسا کیا اس میں شک نہیں کہ کلیسیا کے افسروں نے اپنے مذہب کو پھیلانے کی زیادہ تر اس غرض سے کوشش کی کہ آمد بڑھے۔ اگرچہ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ کسی درویش نے کسی تنہا جگہ میں اپنا ڈیرہ جمایا اور اُس کی درویشانہ زندگی سے متاثر ہوکر بعض لوگ اُس کے معتقد ہوگئے اور مسیحی مذہب قبول کرلیا مگر عام طریقہ ترقی کے ابتدائی زمانہ میں یہ رہا ہے کہ سب سے پہلے کسی علاقہ کے حاکم یا بادشاہ کی طرف توجہ کی گئی اور چونکہ رومی قیصر مسیحی مذہب اختیار کرچکا تھا اس لیئے ایسے حاکم اپنے دنیوی فوائد کو مدِّ نظر رکھکر یعنی رومی سلطنت کی حمایت حاصل کرنے کے لیئے مسیحی مذہب اختیار کرلیتے تھے۔ تاکہ اس طرح اُن کی طاقت بڑھ جاوے اور اُن کے ملک کے حدود زیادہ وسیع ہوسکیں۔ جب بادشاہ یا حاکم مسیحی دین اختیار کرتا تو وہ اپنی رعایا کے نام حکم جاری کرتا کہ فلاں دن تمام رعایا بپتسمہ حاصل کرے۔ اُن دنوں میں یہ ایک قاعدہ تھا [illegible]ن بادشاہ کا ہو وہی دین رعایا کو بھی اختیار کرنا چاہیئے۔ اور اس قاعدہ کی بنا

مسیحی مذہب نے ہی ڈالی تھی اور مسیحی مذہب نے ہی اس قاعدہ کو کئی سو سال تک جاری رکھا۔ دیکھو پرانے رومیوں کے انصاف اور مذہبی آزادی کے قانون اور مسیحیوں کے اس رویہ میں کس قدر تفاوت تھا۔ (پھر بھی مسیحی صاحبان کہتے ہیں کہ رومی بگڑے ہوئے تھے اور مسیحیت نے آکر اُن کو سنوارا اور ہر ایک امر میں ایک پاک تبدیلی پیدا کی۔ کیا مسیحی بادشاہوں کے یہ اعلان اُس مذہبی آزادی سے بہتر تھے یا بدتر جو مسیحیت کی آمد سے پہلے رومیوں نے اپنی رعایا کو دے رکھی تھی۔ تاریخ میں ہم پڑھتے ہیں کہ بادشاہوں کے حکم پر کل ملک کی رعایا مسیحی مذہب اختیار کر لیتی تھی۔ اسی طریق سے ۲۵۔ دسمبر ۵۹۷ء کو دس ہزار اینگلی (انگریزوں کے بزرگوں) نے مقام کینٹ میں بپتسمہ لیا۔ اس واقعہ کے متعلق ایک مورخ لکھتا ہے:۔

"یہ ایک ایسی کارروائی تھی جس سے بپتسمہ کی حقیقت بالکل مفقود ہو جاتی ہے اور بپتسمہ قبول کرنے والے چارپایوں کے برابر ٹھہرتے ہیں"۔ ہسپانیہ اور گال (فرانس) میں گروہ کے گروہ جبر سے مسیحی مذہب میں داخل کئے جاتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ پہلے پہل لوگ پھر اپنے پرانے مذہب میں رجوع کر لیتے تھے۔ مگر آہستہ آہستہ لوگوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا اور کیوں نہ چھوڑتے جبکہ وہ دیکھتے تھے کہ بادشاہ کی شمشیر پادری کی مدد کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے:۔

جب تک مسیحیوں میں ملکی طاقت پیدا نہ ہوئی اُس وقت تک تو وہ چپ رہے اور اُن کی اندرونی حالت مخفی رہی مگر جونہی قیصرانِ روما کے عہد میں اُن کو طاقت حاصل ہوئی اور اُن کو قدرت مل گئی تو فوراً انہوں نے اپنے ہاتھ دکھلانے شروع کیئے اور دکھلا دیا کہ اگر انہوں نے اس سے پہلے خاکساری یا مسکینی کی زندگی بسر کی تھی اور جبر سے کام نہیں لیا تھا تو وہ صرف اس لیئے تھا کہ اُن کے ہاتھ میں جبر کرنے کی طاقت نہ تھی اور جونہی یہ طاقت مل گئی اُن کی مخفی حالت ظاہر ہو گئی۔ سچ ہے امتحان کے وقت ہی ہر ایک خوبی یا بدی ظاہر ہوتی ہے۔ جب طاقت مل گئی تو انہوں نے لوگوں کو درندوں کی طرح چیرنا پھاڑنا شروع کیا اور ایسے ایسے ظلم ڈھائے کہ الامان۔ تاریخ کے صفحہ پر بے رحمی اور

خونخواری کی کوئی اور ایسی مثال نہ ملے گی۔ طاقت حاصل کرتے ہی مسیحیوں نے ایسی بے رحمی۔ تندی اور بغض کے ساتھ غیر مسیحیوں کا تعاقب شروع کیا کہ غیر مسیحی قوموں میں اُنسے کبھی ایسی بے رحمی سے پیش نہیں آئی تھیں ؛

قسطنطین نے (جو پہلا قیصر تھا جس نے مسیحی دین قبول کیا اور جس نے ناحق خون بہا کر اپنے ہاتھوں کو خون آلودہ کیا) ایک فرمان جاری کیا جس کے رو سے ایسے تمام لوگوں کو جو اُس کے خیال میں ملحد تھے اس بات سے روکا گیا کہ وہ کسی جگہ پر جمع ہوں اُن کا مال اُن سے ضبط کر لیا گیا اور اُس مال کو کلیسیا کی آمد میں داخل کر دیا گیا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اُس فرمان کے ابتداء میں جو دیباچہ ہے وہ سراسر غضب اور نفرت سے لبریز ہے (ملاحظہ ہو گبن باب ۲۱)۔ قسطنطین کے فرمان کے بعد جو فرمان تھیوڈوسی اس نے جاری کیے اُن سے تو غیر مسیحی قوموں کی رہی سہی عمارت بالکل مسمار ہو گئی اور پھر یورپ میں وہ زمانہ شروع ہو گیا جو تاریخ میں ڈارک ایجز یعنی ایام ظلمت کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہ نام اُس زمانہ کے لیئے جو مسیحیت کے شائع ہونے کے بعد یورپ میں شروع ہؤا نہایت ہی موزون ہے۔ مشہور مورخ جے میکیبی اُس زمانہ کا نقشہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کھینچتا ہے :-

"یورپ کی تصویر نویں اور دسویں صدیوں میں نہایت ہی قابل نفرت ہے یہ مسیحی یورپ کا ایسا زمانہ تھا جس کو سیسے کے زمانہ کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ وہ آباد مدرسے۔ وہ چوڑی سڑکیں۔ وہ امن اور وہ ہنر کے خوبصورت خزانے جو مسیحیت کی آمد سے پہلے یورپ میں موجود تھے وہ اب بالکل نابود ہو چکے تھے۔ ظالم خونیوں کی جماعتیں تمام یورپ میں ایک جال کی طرح پھیلی ہوئی تھیں اور وبا اور قحط بڑے زور سے ملک میں نمودار تھے اور اُن کے روکنے کے لیئے کوئی تدبیر نہیں کیجاتی تھی۔ شہروں میں بدمزاج اور ناشائستہ لوگ میلے کچیلے جھونپڑوں میں بھیڑ بکریوں کی طرح اکٹھے رہتے تھے۔ کوچوں میں کوئی فرش نہ تھا اور نہ کوئی روشنی کا انتظام تھا اور وہ بہت میلی حالت میں رہتے تھے۔ ہاں وہ زمانہ وبا کے کیڑوں۔ لٹیروں اور وہم پرستی کے لیئے

ایک سنہری زمانہ تھا"۔

آج مسیحیت ہر ایک ترقی کو اپنی طرف منسوب کرتی ہے اور مغربی قوموں کے مادی عروج کو مسیحیت کا شیریں پھل بیان کرتی ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو کیا وجہ ہے کہ جب مسیحیت نے پہلے پہل یورپ میں اپنا قدم جمایا اور عنان حکومت غیر مسیحی قوموں سے لے کر اپنے ہاتھ میں لی تو کیوں اُسوقت یورپ میں ایک تاریکی اور ظلمت کا زمانہ شروع ہو گیا اور غیر مسیحی رومیوں کے زمانہ میں جو ملک میں امن اور آسایش اور آزادی اور شائستگی اور تہذیب تھی وہ سب کی سب نابود ہو گئی اور ہر ایک قسم کی خرابی مسیحی ممالک میں زور شور سے جاری ہو گئی؛

ہاں یورپ میں ایک گوشہ ایسا بھی تھا جہاں بجائے ظلمت کے روشنی تھی اور بجائے جہالت کے علم تھا اور بجائے وہم پرستی اور تعصب کے مذہبی آزادی اور خدا پرستی کا دور دورہ تھا اور بجائے بدامنی اور بدنظمی کے امن اور آسایش تھی اور بجائے وحشت کے شائستگی اور تہذیب تھی۔ وہ سپین کا ملک تھا جہاں اسلام کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ وہاں حفظ صحت کے قواعد کی پابندی تھی وہاں صفائی اور پاکیزگی کا راج تھا۔ علم کا چرچا تھا۔ حکمت و فلسفہ کا دور دورہ تھا۔ تجارت اور درس و تدریس عروج پر تھے۔ اور چونکہ لوگ امن کی زندگی بسر کرتے تھے اس لیئے شعر و سخن کا بازار بھی گرم تھا اور علم و ہنر کی تحصیل و ترقی میں لوگ شب و روز مصروف تھے۔ مسلمان یورپ کو تعلیم دے رہے تھے اور یورپ میں علم اور روشنی اور آزادی کے پھیلنے کے لیئے رستہ صاف کر رہے تھے۔ اور اسی طرح وہ ظلمت جو مسیحیت کے بعد یورپ میں پھیل گئی تھی اب مسلمانوں کی آمد کی برکت سے دور ہونی شروع ہو گئی چنانچہ رومن کیتھولک مذہب کے برخلاف جو ہل چل شروع ہو گئی اور پروٹسٹنٹ مذہب جاری ہُوا جس میں رومن کیتھولک کے بہت سے گندے عقائد اور اعمال کو ترک کر دیا گیا یہ مذہبی انقلاب بھی اسلام کی ہی بدولت پیدا ہُوا؛

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ غیر مسیحی سلطنت کے ماتحت جو کچھ تکلیف مسیحیوں کو پہنچی وہ ایسی سخت نہ تھی جیسی کہ مسیحی صاحبان بیان کیا کرتے ہیں اور یہ کہ جو تکلیف

مسیحیوں کو پہنچی اُس کے محرک بھی وہ ایک حد تک خود ہی تھے۔ اس سلطنت میں اور بھی مذہب تھے جو چپ چاپ امن کی زندگی بسر کرتے تھے اور اُن کی اشاعت بھی جاری رہتی تھی جیسا کہ متھرا ازم کل رومی سلطنت میں پھیل گیا۔ اگر مسیحی لوگ بھی دوسرے مذاہب کے پیروؤں کی طرح اپنی طرز پر اپنے خداوند کی پرستش میں مصروف رہتے تو وہ نسبتاً امن کی زندگی بسر کرتے۔ لیکن مسیحی لوگ تمام دوسرے مذاہب کا نام بت پرستی رکھتے تھے۔ اور چونکہ وہ دوسروں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس لیئے وہ نہایت دل دُکھانے والے طریق کے ساتھ دوسرے مذاہب پر حملہ کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے اُن کے مخالفین کے جوش بھڑکے اور عام لوگ اُن کے مخالف ہوگئے اور آخر ریاست کو بھی مخالفانہ پہلو اختیار کرنا پڑا۔ ٹرٹولین کے زمانہ میں مغربی ممالک میں مسیحیوں کو "دیوتوں۔ قیصروں۔ قانون۔ اخلاق اور تمام قانون قدرت کا دشمن" بیان کیا جاتا تھا۔ ممکن ہے کہ اس بیان میں بہت مبالغہ سے کام لیا گیا ہو مگر اس میں شک نہیں کہ جو کچھ غیر مسیحی کتب میں مسیحیوں کے اخلاق کے متعلق لکھا ہے اُس میں بہت کچھ سچ بھی ہے۔ جب قسطنطین نے لسی نس کا گلا گھونٹ کر اُس کو قتل کر دیا۔ اپنے بیٹے کرس پس اپنے بھتیجے اور اُس کی بی بی فوسٹا کو مار ڈالا تو مسیحی بزرگوں میں سے ایک شخص نے بھی اس خونریزی کے برخلاف آواز نہ اُٹھائی نہ قسطنطین کو کسی پادری نے ملامت کی اور نہ اُس کی اس کارروائی پر کسی نے نفرت کا اظہار کیا۔ وہی حال آجکل ہے۔ ہزاروں عورتوں بچوں بوڑھوں اور جوانوں کو اٹلی کے سپاہیوں نے بے رحمی سے بلاگناہ قتل کیا اور چار روز متواتر قتل عام جاری رکھا مگر کلیسیا کی طرف سے کسی نے اٹلی کو اس ظالمانہ کارروائی پر ملامت نہیں کی اور کسی گرجے میں سے یہ آواز نہیں اُٹھی کہ اٹلی والوں نے ظلم سے کام لیا ہے ایسا ہی اٹلی نے بلاوجہ ایک پڑوسی کے ملک پر حملہ کیا مگر کسی پادری نے یہ شور نہیں مچایا کہ اٹلی والوں نے تعدی کی راہ اختیار کی ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف یہ کہا جاتا ہے کہ

طرابلس کے ساحل پر تہذیب اور صلیب کا جھنڈا یسوع مسیح کے نام پر گاڑا گیا ہے
ایڈیٹر) اسی طرح جب قسطنطین نے عمداً اپنے باپ کے دو باقی ماندہ بھائیوں اور
اُن کے تمام بیٹوں کو سوائے گیلس اور جولی ان کے قتل کیا تو کسی بزرگ پادری
نے اُس کو ملامت نہ کی۔ اگر ایسا بادشاہ غیر مسیحی رومیوں کے عہد میں ہوتا تو لوگ اور اُنکے
مذہبی لیڈر ایسے بادشاہ کے برخلاف بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دیتے اور اُن کے مُلّا ایسے
شخص کے لیئے رسم مغفرت ادا کرنے سے انکار کرتے۔ مگر مسیحی بزرگوں کا یہ حال نہ تھا۔
اُن کی کانشنس مختلف قسم کی تھی۔ خونی بادشاہوں پر رسم مغفرت ادا کرنے میں وہ کوئی دِقت
نہیں دیکھتے تھے اور نہ اخلاقی طور پر اُن کا دل اُنکو کچھ ملامت کرتا تھا۔ کیونکہ ان قاتل
بادشاہوں کے وجود اور اُن کی کارروائیوں سے اُن کے مذہب کو تقویت پہنچتی تھی اور
اُن کے کلیسیا کو ایسے بادشاہوں کی طفیل سے ایک شاہی مذہب ہونے کی عزت
حاصل ہو گئی تھی۔ ہر ایک ظلم پر مسیحی صاحبان خاموش رہتے تھے کیونکہ ان مظالم کا
ارتکاب کرنے والے وہ شخص تھے جو اُن کے مسلمہ لیڈر تھے اور جنہوں نے اُن کے
مذہب کو سلطنت کا مذہب بنا دیا تھا۔ اب مسیحیت کو غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ اور اب
اس نے خود ظلم و تعدی کا طریق اختیار کر لیا تھا۔ جب کبھی ایک بشپ کے انتخاب کا
وقت آتا تو اُس وقت نہایت ہی خطرناک نظارے دیکھنے میں آتے تھے۔ کلیسیا میں وہ
لوگ ترقی کر سکتے تھے جن کے اختیار میں بہت سے خونی لوگ ہوتے تھے۔ اور جو
انتخاب کے موقعہ پر آوارہ لوگوں کی تلواروں کی امداد حاصل کر سکتے تھے۔

رابرٹسن اپنی کتاب موسومہ ہسٹری آف کرسچینٹی میں بیان کرتا ہے:۔
"جولین ہمیں بتلاتا ہے کہ کس طرح اُن لوگوں کی جماعتیں جن کو ملحد کے نام
سے پکارا جاتا تھا تہ تیغ کی جاتی تھیں۔ خصوصاً سائی ذی کس اور ساموساٹا
کے شہروں میں۔ اور پیفلاگونیا۔ بتھنیا۔ گیلیشیا اور بہت سے اور صوبجات
میں شہروں کے شہر اور گاؤں کے گاؤں بالکل نابود کر دیئے گئے۔ ۳۴۲ء میں شہر
قسطنطنیہ میں ایک ہی قتل میں ۳ ہزار سے زیادہ آدمی ہلاک ہوئے اور یہ تعداد

ان مسیحیوں کی تعداد سے زیادہ تھی جو غیر مسیحی حکومت کے نیچے آخری دہ سالہ تعدی کے زمانہ میں قتل ہوئے تھے۔ شہر کی آبادی کئی گروہوں میں تقسیم ہوگئی تھی اور وہ خود گرجوں کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کرتے تھے۔ آرمینیا کے مسیحی بادشاہ ٹری ڈےٹیز نے آگ اور تلوار کے ذریعہ سے مسیحیت کو پھیلایا۔"

ویلنس اور ویلنشین کے عہد میں مسیحیت نے دوبارہ فروغ پکڑا۔ مگر غیر مسیحی زمانہ کی آزادی۔ سقراط کی ہمدردی مخلوق کی تعلیم۔ فائیلو اور افلاطون اور ان کے ہمعصروں کا فلسفہ۔ زینو اور سٹوئکس کی اخلاقی تعلیم ان سب چیزوں کا نام نشان مٹ گیا۔ سلطنت ایک اکھاڑے کی طرح ہوگئی جس میں جذبات کو بہت ظاہر کیا گیا اس کی مثال اب تک دنیا میں نہیں پائی گئی اور خدا کرے کہ ایسی آفت پھر نسل انسان پر واقع نہ ہو۔ جب ڈےمےسس اور اُرسی نس کے درمیان روما کے عہدۂ بشپی کے لیئے مقابلہ شروع ہُوا تو ڈےمےسس نے اپنے مطلب کو حاصل کرنے کے لیئے شمشیر زنوں کو روپیہ دیکر اپنی مدد کے لیئے بلا لیا اور اُس موقعہ پر گرجا میں ۱۳۷ آدمیوں کی لاشیں شمار کی گئیں۔ شمالی افریقہ میں عام مسیحیوں اور ایک خاص فرقہ ڈوناٹسٹ نامی کے درمیان ایک نہایت وحشیانہ طرز کی لڑائی عرصہ تک جاری رہی جس میں پرلے درجہ کی بے رحمی اور درندگی کو برتا گیا۔ مشرق یعنی ایشیا میں اےرین فرقہ کے مسیحیوں اور اے تھے نےسی ان فرقہ کے عیسائیوں میں لڑائی جاری رہی یہانتک کہ ایک بیرونی آدمی یہ خیال کرتا ہوگا کہ کل مسیحی دنیا دیوانہ ہوگئی ہے۔"

تھیوڈوسی اس اوّل نے غیر مسیحیوں کے برخلاف نہایت ظالمانہ فرمان جاری کیئے اور اگر وہ فرمان پورے زور کے ساتھ جاری نہیں کیئے گئے تو اسکی وجہ بردباری یا رحم دلی نہ تھی بلکہ ملکی مصلحت۔ یہ شخص ایسا ظالم تھا کہ جب اُس کا ایک گورنر تھےسالونیکا میں ایک آوارہ گروہ کے ہاتھ سے غضب کی حالت میں قتل ہوگیا تو اُس نے ایک ایسا قتل عام تجویز کیا جس میں ۷ ہزار سے ۱۵ ہزار تک

مرد۔ عورتیں۔ بچے ہلاک ہوئے۔ جو شخص ایسا خونریز تھا وہ غیر مسیحیوں کے برخلاف اپنے ظالمانہ فرمانوں کو پورے طور پر جاری کرنے کی قابلیت رکھتا تھا اگر ایسا کرنا اُس کے لیئے مفید مطلب ہوتا؛

تھیوڈوسی اس دوم کا عہد حکومت تھیوڈوسی اس اول کے عہد سے کوئی اچھا نہ تھا۔ مصر میں بشپ سائرل یہودیوں کا دشمن ہوگیا اور اسکندریہ کے لوگوں میں جو زیادہ جوشیلے مسیحی تھے اُنہوں نے آوارہ لوگوں کے ساتھ ملکر مسیحی درویشوں کے زیر کمان یہودیوں کے محلہ کو خوب لوٹا اور یہودیوں کو شہر سے نکال دیا۔ وہاں کے حاکم نے اس فساد کو دبانا چاہا مگر اُس کی فوج جوشیلے مسیحیوں کے مقابل میں کچھ نہ کرسکی۔ اُس کی کوشش کا صرف یہی نتیجہ ہوا کہ پادری صاحبان اُس کو نفرت اور عداوت کی نظر سے دیکھنے لگ گئے؛

جب مسیحی صاحبان یہودیوں کا فیصلہ کرچکے تو اُنہوں نے اپنے غضب کی عنان دوسرے غیر مسیحی لوگوں کی طرف پھیر دی۔ نیم دیوانہ درویشوں کی ایک جماعت نے مشہور ریاضی دان تھیون کی لڑکی ہائی پے شیا پر حملہ کیا۔ اور اُن کے ساتھ ایک چلّانے والے۔ اور نعرہ مارنے والے مسیحیوں کا انبوہ تھا۔ اُس عورت کو سی زاری ام کے گرجے میں گھسیٹ کرلے گئے۔ اُسکی چھاتی اور بازوؤں اور ٹانگوں پر سے کپڑے پھاڑ کر اتار لیئے۔ اور گرزوں سے اُس کا سر کوٹ کوٹ کر اُس کا بھیجا نکالدیا۔ اُس کے بازوؤں اور ٹانگوں کو اُسکے بدن سے پھاڑ کر الگ کر دیا جس طرح کہ قصاب بکری اور بھیڑ کی ٹانگوں کو زور سے الگ کرتا ہے۔ اُس کے بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ سیپیوں کے ذریعہ اُس کی ہڈیوں سے اُس کا گوشت کاٹ کاٹ کر آگ میں ڈالا گیا یہ ایک ایسی انسانی سوختنی قربانی تھی جو مسیحیوں نے اپنے خداوند کے حضور میں اُسکی رضا کے لیئے ادا کی؛

جب وہ قومیں جن کو باربیرین (وحشی) کہا جاتا ہے یورپ میں داخل ہوئیں

اور اس سلطنت کا مذہب اختیار کر لیا جس کو انہوں نے مغلوب کیا تھا تو اُس وقت بھی کوئی اچھی حالت نہ تھی۔ وہ بھی جلدی پادریوں کے قابو میں آ گئے اور جو شرافت اُنہوں نے اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں لی تھی مثلاً عورتوں کی عصمت کا پاس وہ سب مسیحی ممالک کی اخلاقی ابتری میں پڑ کر کھو دی۔

الارک نے یونان میں ایلیوسی فین مسٹریز کو توڑ دیا اور مسیحی قوم وینڈل کی تلوار نے مے نی کین فرقہ کا نہایت بے رحمی اور تندی کے ساتھ تعاقب کیا۔ قوم فرینک کو جو ملک گال (فرانس) میں آباد تھی اور اُن کی مددگار قوموں کو صرف اُن کے بادشاہ کلووِس کے حکم سے مسیحیت میں داخل کیا گیا۔ مذہبی آزادی اور کانشنس مفقود تھیں۔ اور عقل مردہ تھی۔ لوگوں کو بپتسمہ پانے کے لیئے اس طرح ہانک کر لیجاتے تھے جس طرح چارپائیوں کو مذبح کی طرف دھکیل کر لیجاتے ہیں۔ سخت ابتری کا زمانہ شروع ہو گیا اور یورپ ایام ظلمت کے گہرے گڑھے میں ڈوب گیا۔

اگرچہ اب پُرانے رومی سلطنت کے مذہب نابود ہوتے جاتے تھے مگر مسیحیت نے ایسا نہیں کیا کہ پُرانے مذاہب کو بالکل ہٹا دے بلکہ اُس نے ان مذاہب کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ پُرانے رومی تہواروں کو اختیار کیا گیا۔ پُرانے بہادر مسیحی اولیاء اللہ اور شہداء کی فہرست میں داخل ہو گئے۔ پُرانے فال بینوں کا منحنی عصا جس کو اُن کی زبان میں لِٹواَس کہتے تھے اب مسیحی بشپ کا عصا بن گیا جس کو کروزی ار کہتے ہیں اور جس کا سرا لِٹواَس کی طرح منحنی بنایا جاتا تھا۔ پُرانے غیر مسیحی پروہتوں کی ٹوپیاں اور تاج بھی کلیسیا کے مقدس عہدہ داروں نے اختیار کر لیئے اور اُن کے مذہبی موکب بھی جہانتک ممکن تھا مصر اور مشرق کے بڑے بڑے شاندار مذاہب کے مواکب کے مشابہ بنائے گئے (ان واقعات کی تصدیق کے لیئے ملاحظہ ہو ہسٹری آف کرسچینٹی) خود پوپ بھی متھرا کے بڑے پروہت کا جانشین تھا اور وہ ویٹیکن پر سورج دیوتا کے لباس میں آراستہ ہو کر اور زبردست متھرا کے تمام خاص نشانات کو ہاتھ میں

پکڑے ہوئے متھرائی مسند پر جلوہ گزین ہوتا تھا (متھرا ایرانیوں کے سورج دیوتا کا نام ہے۔ یہ مذہب رومی سلطنت میں پھیل گیا تھا اور اس کی بہت سی رسوم کو مسیحی مذہب میں اختیار کر لیا گیا تھا)

وسطی زمانہ میں جو قوم بغیر خونریزی یا اکراہ کے مسیحیت میں داخل کی گئی وہ قریباً ایک ہی ہے یعنی گاتھ قوم۔ یہ قوم زیادہ تر ایک شخص وُلفلا کی کوششوں سے مسیحی مذہب میں داخل ہوئی۔ یہ شخص چوتھی صدی میں گذرا ہے۔ یہ زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا اور اس نے اپنی زندگی مذہب کے پھیلانے میں وقف کر دی تھی۔ اگرچہ کہیں کہیں کوئی شخص وُلفلا کی طرز کا پیدا ہو گیا ہو گا جس نے تارک دنیا ہو کر واعظانہ زندگی اختیار کر لی ہو مگر پادریوں اور مسیحی پروہتوں اور درویشوں میں کوئی ایسا شخص پیدا نہ ہوا جس نے عقلی اور علمی تاریکی کو دور کرنے کے لیئے کچھ کوشش کی ہو جو مسیحی یورپ میں پھیلنی شروع ہو گئی تھی یا اُس وحشت اور خونریزی کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کی سعی کی ہو جو (بقول مسیحیین) ملحدوں اور کفار کے برخلاف پیدا ہو گیا تھا اگرچہ وُلفلا نے اپنی زندگی وعظ میں گذار دی مگر اخلاقی ترقی کی راہ میں اُس نے کوئی کارروائی کر کے نہیں دکھلائی۔ باوجود اُس کے وعظ کے اب بھی مسیحی لوگ اس قابل تھے کہ یونان کو تاخت و تاراج کریں۔ روما کو لوٹیں۔ اور تخت پر سائی جیرک جیسے شخص کو بٹھا دیں جس نے چھ بچوں کو اس لیئے قتل کروا دیا کہ وہ اُس کے حریف تھے ؛

شارلیمین کے زمانہ میں سیکسٹن قوم کو آگ اور تلوار کے زور سے مسیحی مذہب میں داخل کیا گیا۔ ایک ہی موقعہ پر چار ہزار انسان قربان کیئے گئے۔ اور جب یہ دیکھا جائے کہ اُن کے مسیحی مذہب میں داخل کیا جانے سے پہلے ۳۲ سال تک جنگ جاری رہی تھی تو اس عرصہ میں جس قدر لوگ قتل کیئے گئے تھے اُنکا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ ناظرین خود سوچ لیں کہ کسقدر انسانوں کا خون بہایا گیا ہو گا۔ مسیحی لوگوں نے بعد میں شارلیمین کی بہت مدح سرائی کی ہے اور اُس کو تہذیب کا پھیلانیوالا قرار دیا ہے

مگر ہمارے نزدیک اُس کے کام کا صحیح اندازہ وہ ہے جو ڈرا بر ٹسن نے لگایا ہے وہ کہتا ہے کہ جو کام اُس نے کیا وہ زیادہ تباہی کے متعلق تھا اور جس کام کو تہذیب کا پیرایہ دیا جاتا ہے وہ بھی در اصل تباہ کرنے کا ہی کام تھا؛
یہی مورخ ایک نوٹ میں لکھتا ہے "کہ جو دینی خیال کی تحریک نویں مسیحی صدی میں پائی جاتی ہے وہ مسلمانوں کے ساتھ میل جول کرنے کا نتیجہ تھی۔ اُس وقت اگر شارلیمین کے خونی جنگوں کا وجود نہ ہوتا بلکہ امن ہوتا تو اس میل جول کا نتیجہ اور بھی زیادہ بابرکت ہوتا" (ملاحظہ ہو کتاب انٹروڈکشن ٹو پالیٹکس۔ صفحہ ۱۸۱ سے ۱۸۳ تک)

جب ہم مسیحیت کی بعد کی توسیع پر نظر کرتے ہیں تو اُس وقت بھی ہم یہی دیکھتے ہیں کہ مسیحی مذہب کے پھیلانے کا بڑا ذریعہ آگ اور تلوار ہی رہے ہیں۔ قوم سلاد کو جبراً مسیحیت میں داخل کیا گیا۔ اگر اس جبر سے اس قوم کا کوئی حصہ باہر رہا تو شاید وہ اس قوم کا وہ حصہ ہو جو اُس وقت روسی رعایا میں شامل تھا۔ انہی ذرائع سے بوہیمیا کو مسیحی بنایا گیا جبکہ تین نوابوں نے اپنی اپنی رعایا کے مسیحی بنانے میں کلیسا کی اپنی تلواروں کے ساتھ مدد کی۔ یہی کیفیت پولینڈ میں گذری وہاں کے حاکم نے پہلے خود مسیحی مذہب قبول کیا۔ اس کے بعد اپنی رعایا کو مسیحی بنانے کے لئے پوپ کے احکام کو سختی کے ساتھ جاری کیا۔ ناروے میں بھی یہی ماجرا گذرا۔ اس ملک میں اولف ٹرا ئیگویسن نے تلوار۔ آگ اور کلہاڑی کے ذریعہ وہاں کے باشندوں کے معبدوں کو تباہ کیا۔ اسی طریق سے وینڈ قوم کو مسیحیت کی برکات سے بہرہ مند کیا گیا اور اسی ذریعہ سے ملک ہنگری کے باشندے مسیحیت کی صداقت اور اُس کی خوبیوں اور اُس کی کریمانہ اور رحیمانہ تعلیم پر ایمان لائے۔ پروفیسر ویمبری شاہ سٹیفن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔
"جہاں وہ (سٹیفن) اپنی حواریانہ ترغیب کے جادو کے ذریعہ غالب نہیں ہو سکتا تھا وہاں وہ بلا تامل اپنی شاہی تلوار کا بوجھ ترازو کے پلڑے میں ڈال دیتا

تھا جب وہ صداقت کے ہتھیاروں کے ذریعہ جنگ کر رہا ہوتا تھا تو اگر صداقت کی خدمت کے لیئے تشدّد کی ضرورت پڑتی وہ اس کے استعمال کرنے سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ اُس نے اپنے رشتہ داروں کے برخلاف بھی تلوار اٹھائی۔ اگرچہ یہ ایک بے رحمی کا کام ہے مگر مذہب کی ضرورت نے اُس کو اس کام پر مجبور کیا"۔

ناظرین نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ یہ مورخ شاہ سٹیفن کی اس کارروائی کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ مسیحیوں کا تعصب اس درجہ تک بڑھا ہوا ہے کہ باوجودیکہ اُس نے ایسی بے رحمی سے کام لیا پھر بھی چونکہ اُس کی یہ بے رحمی مذہب کے پھیلانے کے لیئے تھی اس لیئے اُس کو نہ صرف نیک بلکہ ولی سمجھا جاتا ہے۔ جے۔ایم رابرٹسن لکھتا ہے :۔ "شمالی یورپ میں مسیحیت کی ہفت صد سالہ ترقی کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کام زیادہ تر تلوار کے ذریعہ سے کیا گیا۔ بادشاہ اور ظالم انسان اس خونی اشاعت کے مؤیّد تھے کیونکہ کلیسیا اُن کے نزدیک رعایا کے ماتحت کرنے کا اچھا ذریعہ تھا۔ عموماً غیر مسیحی قوموں کو نئے مذہب کی سچائی کا کوئی یقین نہیں دلایا جاتا تھا اور اُس کے نئے عقائد کو پیش کر کے لوگوں کو اُن کے قبول کرنے کے لیئے کوئی ترغیب نہیں دی جاتی تھی عام طریق اُن کے مسیحی مذہب میں داخل کرنیکے صرف دو ہی تھے۔ یا تو اُن کے بادشاہ مویشیوں کی طرح اُنکو گرجوں میں ہانک کر لیجاتے تھے یا کئی نسلوں تک اُنکو مار مار کر اور اُن کے خون بہا کر مسیحی مذہب میں اُنہیں داخل کیا جاتا تھا۔ جب یورپ کے پرانے مذہبوں کو خون کے دریاؤں میں غرق کر دیا گیا اور اُس سے کئی سو سال بعد سپین میں مسلمانوں کی سلطنت زوال پذیر ہو گئی تو اُس وقت بھی مسیحیوں نے سپین کی مسلمان آبادی اور یہودی قوم کو مسیحی مذہب میں داخل کرنے کے لیئے اسی طریق پر عمل کیا اور جو لوگ مسیحیوں کے جبر کے آگے دب جاتے تھے ۔۔ اپنا ایمان چھپا لیتے تھے اُن کو بھیڑوں کے ریوڑوں کی طرح

ہانک کر مسیحی مذہب میں داخل کرتی اور بپتسمہ دیتے اور لاکھوں انسانوں کو ملک میں سے صرف اسی لیئے خارج کر دیا کہ انھوں نے بپتسمہ لینے سے انکار کیا۔ اوّل سے آخر تک جو مصیبت اور خونریزی مسیحی مذہب کے ہاتھ سے واقع ہوئی وہ وہم وگمان سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر اس کے ساتھ اُس کارروائی کو بھی شامل کیا جاوے جو اہل سپین نے کلیسیا کی منظوری کے ساتھ جنوبی امریکہ کے ممالک میں پُرانے مذہبوں کو نابود کرنے کے لیئے کی تو میسل نہایت ہی ہیبت ناک بنجاتی ہے۔ کیونکہ سپین کا ایک کاہن لاس کلیسس نامی اندازہ لگاتا ہے کہ جنوبی امریکہ میں اُن لوگوں کی تعداد جنکو مسیحی صاحبان نے قتل کیا ایک کروڑ بیس لاکھ تھی۔ یہ سب خونریزی صرف مسیحی مذہب کے پھیلانے کے لیئے عمل میں لائی گئی اور یہ تعداد اُس خونریزی کے علاوہ ہے جو مسیحی مذہب کے قائم ہونے کے بعد صرف الحاد کے دبانے کے لیئے کی گئی یعنی ایسے لوگوں کی بیخکنی کے لیئے جو مسیحی مذہب رکھتے تھے مگر کلیسیا نے انکو اختلاف رائے کی وجہ سے ملحد قرار دیا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ باوجودیکہ مسیحیت نے مذہب کے پھیلانے اور الحاد کے دبانیکے لیئے خون کے دریا بہا دیئے مگر پھر بھی آجکل کے مسیحی اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کا مذہب ہے یعنی یہ مذہب تلوار کے ذریعہ پھیلایا گیا اور جب کبھی وہ اپنے مذہب کا ذکر کرتے ہیں تو یہی سناتے ہیں کہ ابتدائی زمانہ میں مسیحیوں کو فلاں موقعہ پر قتل کیا گیا مگر یہ نہیں بتاتے کہ جب انکے ہاتھ میں تلوار آگئی اور جب اُن کے بازو میں قوّت اور طاقت پیدا ہوگئی تو انھوں نے بے گناہ انسانوں کو اس کثرت سے قتل کیا اور اس بے رحمی سے اختلاف مذہب کی خاطر لوگوں کا خون بہایا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ایسی خونریزی اور ایسی بے رحمی کسی اور مذہب کے پیروؤں سے کبھی ظہور میں نہیں آئی۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ اگر اُس تمام خون کو جمع کیا جاوے جو مسیحیوں نے مذہب کی وجہ سے روئے زمین پر بہایا تو وہ ایک ایسا گہرا سمندر بنجائیگا کہ دنیا کا بڑے سے بڑا جہازوں کا بیڑا اُس میں بخوبی تیر سکے گا۔

(یحییٰ النصر پارکنسن)

ملک ہند میں روحانی فتوحات

اسلام کے مخالف اس بات کے ثابت کرنے کے لیئے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اکثر ہندوستان کو بطور مثال کے پیش کیا کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کسی کسی جگہ کوئی ایک آدھ ہندو خوف کے مارے اسلام میں داخل ہؤا ہو مگر یہ کہنا کہ ملک ہند میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا یا گیا یہ ایک نہایت ہی سیاہ جھوٹ ہے۔ اس بات کی شہادت کہ اسلامی بادشاہوں کے عہد میں ہندوستان کے رہنے والوں کو پوری پوری مذہبی آزادی حاصل تھی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود دہلی اور آگرہ کے اضلاع میں جو مسلمان بادشاہوں کے پایۂ تخت رہے ہیں اب تک ہندوؤں کی آبادی مسلمانوں کی نسبت زیادہ ہے چنانچہ سر ڈبلیو ڈبلیو منٹر اپنی کتاب دی ریلیجنز آف انڈیا میں لکھتا ہے کہ دہلی کے ضلع میں مسلمانوں کی آبادی ۱/۵ حصہ سے زیادہ نہیں اور آگرہ کے ضلع میں ۱/۸ حصہ سے بھی مسلمانوں کی آبادی کم ہے۔ اگر مسلمان بادشاہ جبر سے کام لیتے تو چاہیئے تھا کہ وہ علاقے جو اُن کی طاقت کا مرکز تھے سب کے سب مسلمان آبادی سے پُر ہوتے اور اُن میں ایک ہندو بھی نظر نہ آتا۔ مسلمان بادشاہوں میں سب سے زیادہ متعصب اورنگ زیب کو بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن تاریخ میں کہیں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ وہ بجبر لوگوں کو مذہب اسلام میں داخل کیا کرتا تھا اور یہ کہ اُس نے فلاں قوم یا فلاں شہر یا فلاں فلاں آدمی کو تلوار کے زور سے مذہب اسلام قبول کرنے کے لیئے مجبور کیا۔ برخلاف اس کے اُسکی سلطنت کے فرمان اور احکام ثابت کرتے ہیں کہ اُس کے عہد میں لوگوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی۔ مسٹر آرنلڈ اپنی کتاب پریچنگ آف اسلام میں لکھتا ہے:۔

"اورنگ زیب کے فرمانوں کے ایک دلچسپ مجموعہ میں جو ابھی تک مطبوع نہیں ہوئے

ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے ایک ایسے قاعدہ کو قائم کیا ہے جس کو ایک ایسے بادشاہ کے لیئے جو غیر مذہب کی رعایا پر حکومت کرتا ہو۔ اعلیٰ درجہ کا دستور العمل کہہ سکتے ہیں۔ اُس کے عہد میں دو پارسی تنخواہ تقسیم کرنے کے کام پر مقرر تھے بعض لوگوں نے بادشاہ کو ترغیب دی کہ انکو ہٹا کر اُن کی جگہ دو مسلمانوں کو رکھا جاوے اور اس درخواست کی تائید میں قرآن شریف کی یہ آیت پیش کی یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ ترجمہ۔ اے مومنو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ سورہ ممتحنہ (ان لوگوں نے آیت کے ایک ٹکڑے کو الگ کر کے غریب پارسیوں پر چسپاں کرنا چاہا مگر یہ نہ دیکھا کہ اسی آیت میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن کو خدا کے دشمن کہا گیا۔ اُن کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ یعنی یہ لوگ رسول کو اور تم کو تمھارے شہر سے نکالتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جو تمھارا رب ہے ایمان لاتے ہو۔ پس اسی آیت سے جس میں حکم دیا گیا ہے کہ خدا کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ وہ تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دوسرے مسلمانوں کو اُن کے وطن سے بغیر کسی قسم کے قصور کے صرف اسی وجہ سے نکالا کہ وہ ایک خدا پر ایمان لائے تھے جو انکا رب تھا۔ کیا اُن غریب پارسیوں پر جو بادشاہ کے ملازم تھے یہ امر صادق آتا تھا کیا اُنہوں نے بادشاہ اور اُس کے وزراء کو شہر سے یا ملک سے نکالنے کی کوشش کی تھی اسوجہ سے کہ بادشاہ اور اُس کے وزراء مذہب اسلام کے پیرو ہیں۔ پھر خدائے تعالیٰ اس سے دوسری آیت میں انہی لوگوں کا حال بیان کرتا ہے کہ وہ کس قسم کے آدمی تھے جن کو خدائے تعالیٰ اور مومنوں کے دشمن کہا گیا ہے اور جن کے ساتھ دوستی کرنے سے روکا گیا ہے۔ خدائے تعالیٰ اسی سورۃ کی دوسری ہی آیت میں فرماتا ہے۔ اِنْ یَّثْقَفُوْکُمْ یَکُوْنُوْا لَکُمْ

اَعۡدَاۤءً وَّ یَبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَہُمۡ وَ اَلۡسِنَتَہُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَ وَدُّوۡا لَوۡ تَکۡفُرُوۡنَ ؕ اگر وہ لوگ تم کو پالیں تو تمہارے دشمن ہوجاتے ہیں اور اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو بدی کے ساتھ تمہاری طرف کھولتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم اسلام چھوڑ کر کفر اختیار کرلو۔ اس آیۂ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جن کو خدائے تعالیٰ اور مومنوں کا دشمن کہا گیا ہے وہ اس قسم کے لوگ تھے کہ اگر کہیں اُن کو مسلمانوں کو اذیت پہنچانے کا موقعہ مل جاتا تو وہ انکو نقصان پہنچاتے اور زبان سے بھی ایذاء دیتے۔ اور ان کی غرض دکھ دینے سے یہ تھی کہ یہ لوگ اپنا مذہب ترک کرکے پھر بُت پرستی کا مذہب اختیار کریں۔ یعنی دکھ دے دیکر اُن کو پھر کافر بنانا چاہتے تھے غریب پارسیوں کے دشمنوں نے ایک آیت کا ٹکڑا دوسرے حصہ سے الگ کرکے تو پیش کرکے اُن پارسیوں کی جگہ دو مسلمانوں کو رکھوانے کی کوشش کی مگر یہ نہ دیکھا کہ اسی سورہ کی آٹھویں آیت میں صاف طور پر لکھا ہے کہ لوگ خواہ کسی مذہب کے پیرو ہوں اگر وہ مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں اور مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار اُٹھانے میں پیشدستی نہ کریں تو ایسے لوگوں سے نیکی کرنی چاہیئے اور جو ایسے لوگوں سے انصاف کا برتاؤ کرے گا وہ خدائے تعالیٰ کا محبوب ہوجائے گا۔ اگر اُن غریب پارسیوں کے دشمن اسی مختصر سی سورہ کا جس کی پہلی آیت کے ایک ٹکڑے کو پیش کرکے انہوں نے پارسیوں کو علیحدہ کرانے کی ناجائز کوشش کی مطالعہ کرتے تو وہ اس میں یہ آیت لکھی ہوئی پاتے۔ لَا یَنۡہٰىکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ لَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡہُمۡ وَ تُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ۝ اِنَّمَا یَنۡہٰىکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ قٰتَلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ اَخۡرَجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ وَ ظٰہَرُوۡا عَلٰۤی اِخۡرَاجِکُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡہُمۡ ۚ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝ اللہ تعالیٰ تمھیں ایسے لوگوں سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے

جنگ نہیں کیا اور نہ تم کو تمھارے گھروں سے نکالا یہ کہ تم اُن سے نیکی کرو اور اُنکے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تم کو ایسے لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ کی اور تم کو تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں مدد دی یہ کہ تم اُن کو دوست بناؤ۔ اور جو ایسے لوگوں کو دوست بناتا ہے وہ ظالم ہے۔ ان آیات میں نہایت ہی کھلے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن کو دوست بنانے کی ممانعت ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو ایسے لوگ ہیں جنھوں نے تمھارے ساتھ کوئی جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمھارے گھروں سے نکالا ایسے لوگوں سے بے شک تم نیک سلوک کرو اور اُن کے ساتھ اپنے معاملات قائم رکھو اور ایسے معاملات میں اُن سے نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو بلکہ یہ بھی خوشخبری سنائی کہ جو ایسے لوگوں کے ساتھ نیکی اور عدل کا برتاؤ کریگا خدائے تعالیٰ اُس سے پیار کریگا اور فرمایا کہ تمھیں صرف ایسے لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے سے روکا جاتا ہے جو تمھارے ساتھ جنگ کرتے ہیں بلکہ جنھوں نے تم کو تمھارے گھروں سے نکال دیا ہے۔ اس سے زیادہ واضح اور کیا حکم ہوسکتا ہے خدائے تعالیٰ صاف الفاظ میں بتاتا ہے کہ لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ کے حکم سے یہ نہ سمجھو کہ یہ حکم سب غیر مسلموں کے متعلق ہے بلکہ اس سے صرف وہی غیر مسلم لوگ مراد ہیں جو تمھارے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور اُن کی عداوت اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ وہ تم کو تمھارے وطنوں سے بھی نکالتے ہیں اور اُن کی عداوت کی وجہ صرف تمھارا اسلام قبول کرنا ہے اور کوئی نہیں۔ دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ بے شک اچھا سلوک کرو بلکہ جو دوسرے غیر مسلموں سے نیکی اور انصاف کے ساتھ پیش آئے گا خدائے تعالیٰ اُس سے پیار کریگا۔ ایڈیٹر) اورنگ زیب نے اُنکو جواب دیا کہ دُنیوی کاروبار سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں اور اس قسم کے معاملات میں تعصب کو دخل نہیں

دینا چاہیئے"۔ (کاش کہ اورنگ زیب اسی سورۃ کی وہ آیات پارسیوں کے دشمنوں کو سناکر اُن کو شرمندہ کرتا جن میں لکھا ہے کہ جو غیر مسلم لوگ تمہارے ساتھ جنگ نہ کریں اُن سے نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرنا چاہیئے اور یہ کہ دوست نہ بنانے کا حکم ایسے غیر مسلموں سے تعلق رکھتا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ مذہب کی خاطر جنگ کرنے میں پیشدستی کرتے ہیں! ایڈیٹر) اورنگ زیب نے بھی اپنی تائید میں قرآن شریف کی یہ آیت پیش کی لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ؏ یعنی تمہارے لیئے تمہارا دین ہے اور میرے لیئے میرا دین (اس آیت کو اورنگ زیب نے یہ امر ثابت کرنے کے لیئے پیش کیا کہ مذہب کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہر ایک شخص کو اختیار ہے جس دین کو چاہے اختیار کرے پارسی اپنے دین پر چلتے ہیں ہم اپنے دین پر چلتے ہیں مذہبی اختلاف کی وجہ سے ہمیں اُن کے ساتھ بے انصافی کا سلوک نہیں کرنا چاہیئے ایڈیٹر) اورنگ زیب نے درخواست کنندہ کو کہا کہ اگر تمہارے مشورہ پر عمل کیا جاوے تو ہمیں چاہیئے کہ ہندوستان میں جس قدر راجے اور اُن کی ہندو رعایا ہے سب کو تباہ کردیا جائے۔ سلطنت کے عہدے قابلیت کو مدِ نظر رکھکر دینے چاہیئے۔ نہ کسی اور لحاظ سے"۔ ملاحظہ ہو کتاب پریچنگ آف اسلام مصنفہ ٹی ڈبلیو آرنلڈ۔

جن لوگوں نے ملک ہند کے لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا اور جن کی بدولت اس ملک کی ہندو قوم نے اسلام کو قبول کیا وہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہ نہیں تھے۔ بے شک جن لوگوں نے ہند کی سرزمین میں اسلام کا نور پھیلایا وہ بھی بادشاہ ہی تھے مگر اُن کی مملکت ظاہری اور جسمانی نہ تھی بلکہ وہ روحانی اور باطنی سلطنت کے شاہزادے تھے ان روحانی شاہزادوں نے ملک ہند میں بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں اور اُن کی فتوحات ظاہری بادشاہوں کی فتوحات سے کئی درجے زیادہ شاندار تھیں اُن کی فتوحات خاموشی میں ہوئیں۔ اُن کے ساتھ ڈنکے کی چوٹ یا بگل کی آواز نہ تھی - اُن فتوحات کی یادگار اینٹ اور پتھر کے ساتھ نہیں بنائی گئی بلکہ

آج لاکھ در لاکھ مسلمان جو ہندوستان میں پایا جاتا ہے اور جن کے بزرگ ہندو مذہب کے پیرو تھے یہ سب لوگ اُن روحانی شاہزادوں کی شاندار فتوحات کی زندہ یادگار ہیں۔ وہ اپنے میدانِ کارزار کے لیئے ہندوستان کے ایسا قطعات کو انتخاب کرتے تھے جو ہندو مذہب کا مرکز تھے۔ ایسے مقامات پر وہ اپنا جھنڈا گاڑتے اور اُس جگہ سے الگ نہ ہوتے جبتک کہ وہ اپنے اردگرد ہزارہا ایسے آدمی نہ دیکھ لیتے جنہوں نے ہندو مذہب ترک کرکے اسلام کا پاک مذہب قبول کرلیا اسلام کے ایسے شاہزادوں میں سے ایک کا ذکر مسٹر مائیلز اِرونگ سی۔ ایس نے جون ۱۹۱۱ء میں شملہ کے پہاڑ پر ایک لیکچر میں کیا یہ لیکچر پاکپٹن کے مزار شریف پر تھا اور پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی کے زیر اہتمام یہ لیکچر دیا گیا۔ لیکچرار موصوف نے ثابت کیا کہ پاکپتن ابتدا میں ہندوؤں کا ایک مقدس مقام تھا اور اس وجہ سے ہندوؤں میں بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور اسلام کی جو لہر مغرب کی طرف سے آکر ہندوستان پر پھیل گئی۔ اُسکی مخالفت کے لیئے یہ مقام ایک مرکز تھا۔ لیکچرار موصوف نے بیان کیا کہ جب شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام کو فتح کیا تو اُس طرف کا سارے کا سارا ملک اُس کا تابع ہوگیا؛

حضرت باوا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی فتوحات کی مثال کو دیکھکر ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستان کو اسلام کے روحانی شہزادوں نے کس طریق سے فتح کیا یہ شاہزادے مسلمانوں میں اولیاء اللہ کے نام سے مشہور ہیں اور حضرت باوا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اور کئی اولیاء اللہ ہند میں صرف اس غرض سے تشریف لائے کہ ہند کو فتح کریں اور انہوں نے اس ملک کے مختلف حصوں میں اپنا اپنا جھنڈا کھڑا کیا۔ ہند کے نامور اولیاء اللہ میں سے ایک خواجہ معین الدین چشتی ہیں۔ یہ بھی اُن چیدہ شاہزادوں میں سے ہیں جنہوں نے ہند میں آکر بڑی بڑی روحانی فتوحات حاصل کیں اور اسلام کی اشاعت کے لیئے راستہ صاف کیا۔ انہوں نے اپنا ڈیرہ راجپوتانہ میں ہندو راجاؤں کے علاقہ میں بمقام اجمیر لگایا جہاں کفر کا بڑا زور تھا اور آپنے اجمیر میں ۱۲۳۶ء میں وفات پائی۔ آپ کا ماجرا نہایت ہی دلچسپ ہے۔ آپ سجستان کے

رہنے والے تھے جو ایران کے مشرقی حصہ میں واقع ہے۔ اور آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان میں اسلام کا نور پھیلانے کے لیئے متعین فرمایا۔ جب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی زیارت کے لیئے مدینہ شریف تشریف لے گئے تو وہاں آپکو ایک رؤیا ہوُا اور رؤیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ نے دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فرمایا کہ "خدائے تعالیٰ نے ہند کا ملک تیرے سپرد کیا ہے۔ اُس طرف جاؤ اور اجمیر میں ڈیرہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے دین اسلام تیرے اور تیرے اتباع کے تقویٰ کے ذریعہ اُس ملک میں پھیلے گا" خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی فوراً تعمیل کی اور اجمیر کی طرف روانہ ہوئے۔ اجمیر اُس وقت ایک ہندو راجہ کے زیر حکومت تھا اور بُت پرستی کُل ملک میں بڑے زور سے پھیلی ہوئی تھی۔ جن لوگوں نے اوّل اوّل آپ کے ہاتھ پر مذہب اسلام قبول کیا اُن میں ایک جوگی تھا جو راجہ اجمیر کا گُرو تھا۔ رفتہ رفتہ آپ کے گرد بہت سے مرید جمع ہوگئے جنھوں نے آپ کی تعلیم سے متاثر ہوکر ہندو مذہب کو ترک کرکے اسلام قبول کیا۔ آپ کی شہرت جلدی ہی ملک بھر میں پھیل گئی اور دُور دُور سے ہندو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے وعظ و نصیحت کو سُنکر اپنے آبائی مذہب کو خیرباد کہتے ہوئے اسلام میں داخل ہوجاتے۔ اجمیر کے سفر میں راستہ میں ہی بمقام دہلی آپ نے ۷۰۰ ہندوؤں کو مسلمان کیا؛

اُن تمام اولیاء اللہ کا تذکرہ اسجگہ کرنا دشوار بلکہ محال ہے جنھوں نے ہندوستان کے مختلف حصوں میں اپنے نمونہ اور تعلیم اور دعاؤں اور توجہ کی برکت سے ہزاروں ہندوؤں کو مشرف باسلام کیا۔ اُن کا تھوڑا سا ذکر آرنلڈ نے اپنی کتاب پریچنگ آف اسلام میں کیا ہے۔ یہاں صرف میں ایک اور بندۂ خدا کا ذکر کرونگا جو اُن اولیاء اللہ کے مقدس زمرہ میں شامل ہے جنھوں نے ایسے وقت میں ہند کی سرزمین کو اپنے پاک قدموں سے مشرف کیا جبکہ اس ملک میں بُت پرستی اور شرک کی گہری تاریکی ہر گوشہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس بندۂ خدا کا نام مبارک حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ یہ غزنی کے مشہور سادات میں سے تھے۔ آپ ایک برگزیدہ اسلامی مبلغ تھے جنھوں نے شہر لاہور میں اسلام کا وعظ کیا۔ آپ پانچویں صدی ہجری میں یہاں تشریف لائے آپ ظاہری

اور باطنی اور جسمانی اور دینی علوم کے زیور سے آراستہ تھے آپ کا وعظ سننے کے لیئے لوگ جوق در جوق جمع ہو جاتے اور آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنیوالوں کی تعداد روز بروز بڑے زور سے بڑھتی گئی۔ آپ کی ایک تصنیف فارسی زبان میں موجود ہے* جس کا حال ہی میں ایک انگریز نے انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ رادھا کرشن اینڈ سن کتب فروش انارکلی لاہور سے مل سکتا ہے آپکا مزار شریف اسوقت تک لاہور میں داتا گنج بخش کی خانقاہ کے نام سے مشہور ہے۔

ان مقدس مبلغین کے گروہ نے ہند کے تمام حصوں میں اشاعت اسلام کا کام سرانجام دیا۔ انہوں نے نہ صرف شمالی ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کی بلکہ دکن میں بھی اسلام کی روشنی کو پھیلایا۔ نہ صرف مغربی ہند میں انہوں نے اسلام کی صداقت ایک دنیا پر ظاہر کی بلکہ ہند کے مشرق اقصے میں بھی ان کی کوششوں کی برکت سے جو الٰہی تائید کے ساتھ مؤید تھیں اسلام کے سورج نے طلوع کیا۔ ہندوستان کا کوئی ایسا حصہ نہ ہوگا جہاں اس پاک گروہ میں سے کوئی بندۂ خدا تشریف نہ لے گیا ہو۔ ان میں سے ہر ایک نے اسلام کا بیج ہند کی زرخیز زمین میں بویا اور ہر ایک نے ایک بھاری کھیت تیار کیا اور کثرت سے پھل جمع کیا۔ اور ہند کے براعظم میں جو آج اسلام کے پیرو ہر طرف کثرت سے کروڑوں کی تعداد میں نظر آتے ہیں انکا اکثر حصہ انہی بزرگوں اور انکے پیروؤں کی کوشش کا ثمرہ ہے۔ خدائے تعالیٰ نے ان بزرگوں کی ایک جماعت ہندوستان میں بھیجی اور اس جماعت کے افراد ملک کے مختلف حصوں میں پھیل گئے اور چونکہ خدا کی مدد اور نصرت انکے ساتھ تھی۔ اس لیئے ہر ایک کی کوشش پھل لائی اور آج ملک ہندوستان میں اسلام کا ایک باغ کھلا ہوا نظر آتا ہے۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک۔

ان اسلام کے سپاہیوں میں سے ہر ایک اب اسی میدان میں اپنے آقا کی آغوش رحمت میں آرام کر رہا ہے جس میدان کو اُس نے ایسی جانفشانی سے جیتا۔ پس خدا کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں انکی روحوں پر کیونکہ انہوں نے خدا کے اذن سے کروڑوں روحوں کو آگ کے عذاب سے بچایا اور ایک ایسے ملک میں جو بت پرستی کا گھر تھا اللہ اکبر کی ندا کو کروڑوں میناروں سے بلند کرایا۔ اور محمد رسول اللہ (صلعم) کے پیارے کلمہ کو کروڑوں زبانوں پر جاری کرایا اور کروڑوں کانوں تک پہنچایا۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

* اس کتاب کا نام کشف المحجوب ہے کتب تصوف میں فارسی زبان میں اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔ منہ

اختلافات بائیبل

(سلسلہ کے لیئے ملاحظہ ہو نمبر ۱۰ جلد ۱۱)

(۶۴) اور نویں گھنٹے یسوع بڑی آواز سے چلّا کے بولا ایلی ایلی لما سبقتنی جسکا ترجمہ یہ ہے اے میرے خدا اے میرے خدا تُو نے مجھے کیوں چھوڑا

(مرقس باب ۱۵ ورس ۳۴)

(۶۴) مَیں اور باپ ایک ہیں

(یوحنا باب ۱۰- ورس ۳۰)

کیونکہ الوہیت کا سارا کمال اُس (یسوع) میں مجسم ہو رہا

(قلسیون باب ۲- ورس ۹)

نوٹ:- معلوم ہُوا کہ مسیح خدا نہیں بلکہ خدا کا ایک عبد ہے۔

(۶۵) اور تیسرا گھنٹہ تھا کہ انہوں نے اس کو صلیب دی۔

(مرقس باب ۱۵- ورس ۲۵)

نوٹ:- مسیحی صاحبان فیصلہ فرمادیں کہ جب مسیح کو صلیب دیگئی اُسوقت تیسرا گھنٹہ تھا یا اُس سے پہلے چھ گھنٹے گذر چکے تھے مرقس کہتا ہے کہ تیسرے گھنٹہ کے وقت مسیح صلیب پر تھا۔ یوحنا کہتا ہے کہ اُس سے تین گھنٹے بعد چھٹے گھنٹے کے وقت مسیح پلاطوس کی عدالت میں پیش تھا۔

(۶۵) اور مسیح کی تیاری کا دن تھا اور چھٹے گھنٹے کے قریب تھا پھر اُس نے یہودیوں کو کہا کہ دیکھو اپنا بادشاہ تب وے چلّائے کہ لیجا لیجا اُسے صلیب دے پلاطوس نے انہیں کہا کیا مَیں تمھارے بادشاہ کو صلیب دوں سردار کاہنوں نے جواب دیا کہ قیصر کے سوا ہمارا کوئی بادشاہ نہیں ہے تب اُس نے اُسے اُنکے حوالہ کیا کہ اُسے صلیب دیجاوے اور وے یسوع کو پکڑ کے لے گئے

(یوحنا باب ۱۹- ورس ۱۴ سے ۱۶)

(۶۶) یسوع نے اُسے کہا مَیں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج تو میرے ساتھ بہشت میں ہوگا (لوقا باب ۲۳- ورس ۴۳)

نوٹ:- یسوع نے یہ بات کہ آج تو میرے

(۶۶) یسوع نے کہا مجھکو مت چھو کیونکہ مَیں ہنوز اوپر اپنے باپ کے پاس نہیں گیا پر میرے بھائیوں پاس جا اور انہیں کہہ کہ مَیں اوپر اپنے باپ اور تمھارے

ساتھ بہشت میں ہوگا اس چور سے کہی جو کہ اس کے ساتھ صلیب پر لٹکایا گیا تھا پس اس بیان کے رو سے مسیح اسی دن بہشت میں داخل ہو گیا تھا اور چور بھی اسکے ساتھ تھا۔ حالانکہ مسیحیوں کا نئے عہدنامہ کے مطابق یہ عقیدہ ہے کہ وہ صلیب کے بعد دوزخ میں اتر گیا اور تین دن دوزخ میں رہا۔

باپ پاس اور اپنے خدا اور تمہارے خدا پاس جاتا ہوں

(یوحنا باب ۲۰۔ ورس ۱۷)

(۶۷) اور وہاں بہت سی عورتیں جو جلیل سے یسوع کے پیچھے پیچھے اس کی خدمت کرتی آئی تھیں دور سے دیکھ رہی تھیں انہیں مریم مگدلینی اور یعقوب اور یوسیس کی ماں مریم اور زبدی کے بیٹوں کی ماں تھیں۔ (متی باب ۲۷ ورس ۵۵-۵۶)

(۶۷) تب یسوع کی صلیب پاس اس کی ماں اور اس کی ماں کی بہن مریم کلیوپس کی جورو اور مریم مگدلینی کھڑی تھیں

(یوحنا باب ۱۹۔ ورس ۲۵)

نوٹ:۔ متی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کی ماں اور اسکی خالہ وہاں نہ تھیں حالانکہ یوحنا کہتا ہے کہ یہ دونوں اس وقت یہ دردناک نظارہ دیکھ رہی تھیں۔

(۶۸) تب اسنے کہا اے پطرس میں تجھ سے کہتا ہوں کہ آج مرغ بانگ نہ دیگا جبتک تو تین مرتبہ میرا انکار نہ کرے کہ میں اسے نہیں جانتا

(لوقا باب ۲۲۔ ورس ۳۴)

یسوع نے اسے جواب دیا کیا تو میرے لئے اپنی جان دیگا میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ مرغ بانگ نہ دیگا جبتک کہ تو تین مرتبہ میرا انکار نہ کرے۔

(یوحنا باب ۱۳۔ ورس ۳۸)

(۶۸) اور پطرس کو آگ تاپتے دیکھکر اسکی طرف نظر کرکے کہنے لگی تو بھی یسوع ناصری کے ساتھ تھا اس نے یہ کہہ کے انکار کیا کہ میں اسے نہیں جانتا اور نہیں سمجھتا کہ تو کیا کہتی ہے اور وہ باہر صحن میں گیا اور مرغ نے بانگ دی پھر وہ لونڈی اسے دیکھ کر انسے جو وہاں کھڑے تھے کہنے لگی یہ انہیں میں سے ایک ہے اسنے پھر انکار کیا اور تھوڑی دیر پیچھے پھر انہوں نے جو وہاں کھڑے تھے پطرس کو کہا سچ تو انہیں میں سے ہے کیونکہ

نوٹ ۔ مسیح نے کہا کہ پطرس جب تک تین
مرتبہ انکار نہ کرے گا ۔ مرغ بانگ نہ دیگا ۔
حالانکہ مرقس کہتا ہے کہ ابھی اُس نے
ایک ہی بار انکار کیا تھا کہ مرغ نے
بانگ دیدی ۔

(۶۹) لیکن یہ سب اس لیئے ہُوا تا کہ نبیوں کے
نوشتے پورے ہوں تب سب شاگرد اُسے چھوڑ کے
بھاگ گئے (متی باب ۲۶ ۔ ورس ۵۶)

(۷۰) عید فسح سے پہلے جبکہ یسوع نے جانا کہ میرا
وقت آپہنچا ہے کہ اس جہان سے باپ پاس جاؤں سو
جیسا وہ آگے اپنوں کو جو دنیا میں تھے پیار کرتا تھا ویسا
ہی آخر تک پیار کرتا رہا اور جب شام کا کھانا چنا گیا تھا
شیطان نے شمعون کے بیٹے یہوداہ اسکریوتی کے دل میں ڈالا
کہ اُسے پکڑوائے (یوحنا باب ۱۳ ۔ ورس اوّل و دوم)
تب سپاہی اور صوبہ دار اور یہودیوں کے پیادوں نے ملکے
یسوع کو پکڑا اور باندھا (یوحنا باب ۱۸ ۔ ورس ۱۲)
اور فسح کی تیاری کا دن تھا اور چھٹے گھنٹے کے قریب تھا
پھر اُس نے یہودیوں کو کہا کہ دیکھو تمہارا بادشاہ تب وے چلائے کہ
لیجا لیجا اُسے صلیب دے پیلاطوس نے اُنہیں کہا کیا میں
تمہارے بادشاہ کو صلیب دوں سردار کاہنوں نے جواب دیا
کہ قیصر کے سوا ہمارا کوئی بادشاہ نہیں ہے ۔
(یوحنا باب ۱۹ ۔ ورس ۱۴ و ۱۵)

تو جلیلی اور تیری بولی ویسی ہی ہے پر وہ لعنت کرنے
اور قسم کھانے لگا اور کہا کہ میں اُس شخص کو جسکا تم ذکر کرتے
ہو نہیں جانتا دوسری بار مرغ نے بانگ دی تب پطرس کو
وہی بات جو یسوع نے اُس کو کہی تھی یاد آئی کہ
پیشتر اُس سے کہ مرغ دو بار بانگ دے تو تین بار میرا
انکار کریگا تب اُسکا غور کرتے کرتے وہ رونے لگا
(مرقس باب ۱۴ ۔ ورس ۶۷ سے ۷۲)

(۶۹) یہ اس لیئے ہُوا تا کہ وہ کلام جو اُس نے کہا
پورا ہو کہ جنہیں تُو نے مجھے دیا میں نے اُنہیں سے
ایک کو بھی گم نہ کیا (یوحنا باب ۱۸ ۔ ورس ۹)

(۷۰) تب فطیر کا دن جسمیں فسح ذبح کرنا فرض تھا
آیا یسوع نے پطرس اور یوحنا کو بھیجا کہ تم جاؤ
ہمارے لیئے فسح طیار کرو تا کہ کھائیں .... اور
جب وقت آیا وہ اپنے بارہ رسولوں کے ساتھ
کھانے بیٹھا اور اُس نے کہا مجھے بڑی خواہش
تھی کہ دُکھ سہنے کے آگے یہ فسح تمہارے ساتھ
کھاؤں (لوقا باب ۲۲ ۔ ورس ۷ ۔ ۸ اور ۱۴ ۔ ۱۵)

نوٹ :۔ یوحنا کے مطابق وہ فسح کی تیاری
کے دن پیلاطوس کی عدالت میں پیش تھا
حالانکہ لوقا کے بیان کے مطابق وہ فسح
کے دن اپنے بارہ رسولوں کے ساتھ کھانا
کھا رہا تھا)

ریویو

لا الٰہ الا اللہ :- مولوی غلام محمد صاحب بی۔اے۔ اوّل مدرس عربی مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان نے ہستی باری تعالیٰ پر دس دلچسپ اور زبردست دلائل درج کیے ہیں۔ اس رنگ کے دلائل اس مضمون کی عام کتابوں میں کم ملیں گے کیونکہ یہ اُس جدید سرچشمہ سے نکلے ہوئے ہیں جو خدائے تعالیٰ نے آج قادیان میں جاری کر رکھا ہے۔ شائقین مؤلف سے طلب کریں قیمت [illegible]

حجۃ اللہ علی الارض :- حکیم محمد حسین صاحب قریشی موجد مفرح عنبری مالک کارخانہ رفیق الصحت حویلی کابلی مل - لاہور نے آجکل کی ضرورت کو مدِّنظر رکھکر حضرت اقدسؑ کی ایک تقریر کو نہایت خوبصورت رنگ میں چھاپا ہے۔ یہ تقریر مقام لاہور میں اس سوال کے جواب میں کی گئی تھی کہ جب مسلمان لَا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور حشر نشر پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر انہیں آپ کا ماننا کیوں ضروری ہے خدائے تعالیٰ حکیم صاحب کو جزائے خیر دے۔ دو پیسہ یا ایک آنہ (۱/) کا ٹکٹ بھیجکر ہر شخص اپنے دوستوں کے لیئے چند کاپیاں مذکورہ بالا پتہ سے منگوا سکتا ہے ؛

فیصلہ خدائی بر مسلمات ثنائی } یعنی رسالہ احمدی بابت جون۔ جولائی۔ اگست ۱۹۱۲ء۔ مصنفہ مولوی میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر اخبار الحق اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کی حیات کو مولوی ثناء اللہ کے مسلمات پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی دلیل ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۳/۰ مصنف سے مل سکتا ہے اس رسالہ کے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک لمبے خط کا جو آپ نے مولوی ثناء اللہ کے نام لکھا تھا صحیح فوٹو دیا ہے۔ جس کو دیکھکر ایک مخلص کا دل خوش ہوتا ہے ؛

روحانی طبیب :- مصنفہ جناب محمد ظہور الدین اکمل صاحب اس میں قابل مصنف نے بعض امراض روحانی مثلاً حرص۔ بخل۔ اکل حرام۔ زنا۔ غیبت۔ جھوٹ۔ حسد۔ تکبر۔ ریا کے دُور کرنے کے لیئے تدابیر اور علاج لکھے ہیں۔ اس طرز کی کتابیں اردو لٹریچر میں بہت کمیاب ہیں اخلاص سے یہ رسالہ لکھا گیا ہے۔ خدائے تعالیٰ اسکو مفید بناوے مسلمان بچے بچیوں اور

نوجوانوں کے لیئے اس کا پڑھنا امید ہے کہ خصوصاً مفید ہوگا۔ کاغذ اور چھپائی بہت عمدہ قیمت صرف ۱۰؍ ملنے کا پتہ منیجر تشحیذ الاذہان قادیان ؛

ازدفتر اخبار المعین امرتسر :- ۲- اکتوبر ۱۹۱۲ء کو ڈپٹی کمشنر امرتسر نے المعین اخبار سے پندرہ سو روپیہ کی ضمانت طلب کی اور تا ادخال ضمانت اخبار بند کر دیا ہے۔ اخبار کے دوبارہ جاری کرنے کی بہت پرزور تحریکوں کی بنا پر توکل بخدا المعین کا امدادی فنڈ کھولا گیا ہے۔ جبکہ میری ذاتی غرض خود طمع نفسانی کا اسمیں کوئی دخل نہیں اور اپنی گرہ سے سینکڑوں روپیہ اسکی بلا معاوضہ خدمت کرنے پر المعین پر قربان کر چکا ہوں۔ اس پر فیصلہ اب المعین کے ناظرین معاونین کی ضمیر پر ہو تو چھوڑ کہ اگر وہ المعین کا جاری رکھنا قومی پہلو سے مفید سمجھتے ہوں۔ تو دل کھولکر اسکی اعانت کریں۔ فنڈ کے اعلان سے پیشتر علی طور امداد مولوی ظفر علیخانصاحب بی۔ اے ایڈیٹر زمیندار مبلغ ۵۰ روپیہ اور شیخ عبدالحق خانصاحب بی۔ اے وکیل ملتان ایک سو روپیہ کی فرما چکے ہیں۔ فہرست معطیان قومی اخبار میں شائع کیجاویگی زرعطیہ بنام حکیم ایم معراج الدین احمد صاحب منیجر المعین ارسال فرمایا جاوے ؛ خاکسار سردار محمد اسلم خان بلوچ ایڈیٹر المعین - امرتسر

ایڈیٹر نوٹ — خواجہ دل محمد ایم اے

خواجہ دل محمد ایم۔ اے نے ایک مضمون جولائی کے مخزن میں شائع کیا تھا۔ جسمیں انہوں نے بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ رائے ظاہر کی تھی کہ " باوا نانک مذہب و ملت کی قیود سے پاک تھا۔ باوا صاحب کے نزدیک کوئی ہندو تھا اور نہ مسلمان سب یکساں ہی تھے " دراصل باباصاحب کی نسبت ایسی رائے ظاہر کرنا بابا صاحب کی تعریف نہیں ہے بلکہ مذمت ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کے یہ معنی ہیں کہ باباصاحب اس مثال کے مصداق تھے گنگا گئے تو گنگا رام جمنا گئے تو جمنی داس۔ ایسے لوگ ایک منافقانہ زندگی بسر کرتے ہیں اور دنیا کو ایسے لوگوں سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ دنیا کیلئے ہادی وہی لوگ ہوتے ہیں جو لوگوں کو انکی غلطیوں سے آگاہ کرتے ہیں اور جب قوم یا شخص کو سیدھی راہ سے بھولا ہوا اور گمراہ پاتے ہیں اسکو متنبہ کرتے ہیں اور راہ راست پر لانیکی کوشش کرتے ہیں۔ ؎ اگر بینم کہ نابینا و چاہ است۔ وگر خاموش بنشینم گناہ است۔ باباصاحب پر یہ ایک ایسا الزام لگایا گیا تھا کہ ضروری تھا کہ اس سے باباصاحب کے دامن کو پاک کیا جاتا۔ سو نہایت خوشی کی بات ہے کہ اس فرض کو شیخ محمد یوسف صاحب نے نہایت خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے اور وہی اس کام کے لائق تھے انہوں نے زبردست دلائل سے ثابت کیا ہے کہ باباصاحب ہندو مذہب سے سخت بیزار تھے اور اسلام مذہب کو انہوں نے قبول کر لیا تھا۔ اس مضمون کو پڑھکر کوئی شخص بھی خواجہ دل محمد صاحب کے صاحب کی طرح کے مسلمانوں سے باباصاحب کے متعلق گفتگو کرنے کا موقعہ پیش آتا ہے ؛ (ایڈیٹر)

ایک عجیب فیصلہ

رُوس سے ایک عجیب عدالت کے فیصلہ کی خبر آئی ہے - ایک یہودی ایک سرکاری مکان میں کسی سرکاری ضرورت کی وجہ سے داخل ہُوا - اُس عمارت میں کیو کے گورنر جنرل کا بھی دفتر ہے - سیڑھیوں پر بدقسمتی سے ایک مسیحی افسر شہزادہ ایرسٹاف نامی اُسکو مل گیا - شہزادہ یہودی کو دیکھکر بیتاب ہوگیا اور یہودی کو حکم دیا کہ اسی وقت اس مکان میں سے نکل جاؤ اور دربان کو حکم دیا کہ آئندہ کبھی کسی یہودی کو اس مکان کے اندر مت گھسنے دو - غریب یہودی نے اس ہتک آمیز حکم کی ناچار تعمیل کی مگر ساتھ ہی آہستہ سے یہ عرض کیا کہ آخر مسیح بھی تو ایک یہودی ہی تھا - (اُس غریب یہودی کی غرض یہ عرض کرنے سے یہ تھی کہ یہودی ہونا کوئی جرم نہیں ہے - اگر میں یہودی ہوں تو حضرت مسیح بھی تو آخر یہودی قوم میں سے تھے مگر معلوم نہیں کس وجہ سے) وہ شاہزادہ یہ الفاظ سنکر ایسا ناراض ہُوا کہ اُس نے فوراً حکم دیا کہ اس یہودی کو گرفتار کیا جاوے - اس نے مسیح کو یہودی کہکر اُس کی ہتک کی ہے - یہ مقدمہ عدالت میں پیش ہُوا اور تعجب ہے کہ عدالت نے بھی اُس غریب یہودی کو مجرم قرار دیا اور ایک ہفتہ کی قید کی سزا دی - (ٹروتھ سیکر - مورخہ ۱۲ - اکتوبر ۱۹۱۲ء)

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایک مسیحی کے نزدیک حضرت مسیح کو یہودی کہنا کس طرح ہتک کا موجب ہوسکتا ہے -

ہاں شاید اس وجہ سے مسیحی ناراض ہوتے ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام بلا باپ پیدا ہوئے اور چونکہ اُن کا باپ اسرائیلی نہ تھا اسلیئے وہ اسرائیلی یا یہودی نہیں کہلا سکتے اور انکو یہودی کہنا اُن کی ہتک کرنا ہے - بے شک یہ امر بہت درست ہے اور ہمیں اس دلیل سے پورا اتفاق ہے یہ امر کل قوموں اور خصوصاً بنی اسرائیل کے نزدیک مسلّم ہے کہ ایک شخص کی ذات اُسکے باپ کی طرف سے شمار کیجاتی ہے - ماں کی ذات کو نہیں دیکھا جاتا اگر ایک شخص کا باپ اسرائیلی ہو تو اُس کو اسرائیلی کہیں گے اور اگر اُسکا باپ اسرائیلی یا یہودی نہ ہو تو اُسکو یہودی یا اسرائیلی نہیں کہیں گے خواہ اُسکی ماں اسرائیلی قوم میں سے ہی ہو - پس اس قاعدہ کے لحاظ سے حضرت مسیح بھی بے شک اسرائیلی یا یہودی نہ تھے - یہ دلیل بہت درست اور ٹھیک ہے اور ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں مگر اس میں ایک اور دقت نظر آتی ہے اور وہ دقت خود مسیحیوں کو پیش آتی ہے اور وہ دقت یہ ہے کہ بائیبل کی پیشگوئیاں حضرت مسیح پر چسپاں نہیں ہوسکتیں کیونکہ انہیں لکھا ہے کہ آنیوالا مسیح داؤد کی نسل میں سے ہوگا بلکہ ایک جگہ تو یہ بھی لکھا ہے کہ وہ جسم کے رُو سے (نہ روحانی طور پر) داؤد کی نسل سے ہوگا (اعمال ۲ - ۳۰) اسلیئے واقعات عقل - اور رواج قومی کے برخلاف مسیحیوں کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسیح اسرائیلی یعنی یہودی تھا - پھر نہیں معلوم "یہودی" کا لفظ مسیح کے لیئے کیوں ہتک کا موجب سمجھا گیا جبکہ بائیبل کی پیشگوئیاں صرف اسی صورت میں اُسپر صادق آسکتی ہیں کہ اسکو یہودی قرار دیا جاوے -

اصلاح: ریویو آف ریلیجنز ماہ ستمبر ۱۹۱۲ء جلد ۱۱ نمبر ۹ میں چند حوالے سہواً ..... غلط لکھے گئے صفحہ ۳۴۳ سطر ۱۵ یرمیا باب ۸ درس ۶ کی بجائے باب ۱۲ لکھا گیا ہے - اور صفحہ ۳۴۵ کی سطر اول میں حوالہ لکھا ہی نہیں یہ حوالہ پیدائش باب ۱۱ درس ۱۲ میں ہے اور صفحہ ۳۴۶ کا سطر اول سطر دوم باب ۹ درس ۱۲ کی بجائے باب ۷ سے - خریداران ریویو درست کرلیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سالانہ جلسہ

برادران السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہمارا سالانہ اجتماع جو ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ - دسمبر کو ہوگا قریب آرہا ہے۔ اس سالانہ جلسہ کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اپنے ہاتھ سے رکھی تھی۔ اور ہم جو اس کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں یہ فرض ہے کہ آپ کی اٹھائی ہوئی بنیادوں کی تکمیل میں پوری ہمت اور عزم سے لگے رہیں۔ آپ کی غرض اس سالانہ اجتماع کی بنیاد ڈالنے سے آپکے ہی پاک الفاظ میں یہ تھی کہ تا ہماری جماعت کے لوگ "بہ نیت استفادہ ضروریات دین ومشورہ اعلائے کلمۂ اسلام" اکٹھے ہوا کریں سو بحمد اللہ یہی پاک مقصد ابتک اس اجتماع میں ہمارے مدنظر ہے۔ استفادہ ضروریات دین اور اعلائے کلمۂ اسلام یہ دونوں وہ پاک اغراض ہیں جن کے لئے قرون اولیٰ کے پاک لوگوں نے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں اور ہر قسم کی تکالیف اور مشکلات کو اٹھا کر ان اغراض کے حصول میں لگے رہتے تھے۔ جب سے مسلمانوں نے ان پاک مقاصد کو اپنی نظروں سے پرے ہٹا دیا اسی وقت سے انکے مصائب کا بھی آغاز ہوا۔ انہوں نے تو آرام طلبی کے لئے اس مشکل راہ کو چھوڑنا چاہا تھا مگر اس کو چھوڑ کر انہیں بہت بڑی بڑی مشکلات اٹھانی پڑیں اور دنیا میں سے ان کی سلطنت۔ انکی شوکت۔ انکی عزت سب کچھ اعلائے کلمۂ اسلام کے مقصد عالی کو چھوڑنے کے ساتھ ہی رخصت ہو گئے۔ پس یہ نہایت ہی تنگدلی اور ناسمجھی کے خیالات ہیں جو دلوں میں ایسے وساوس پیدا ہوتے ہیں کہ سالانہ جلسہ پر ہمارا اس قدر روپیہ خرچ ہو جاوے گا یا سفر میں ایسی ایسی تکالیف پیش آوینگی۔

خدا کی راہ میں ان باتوں کو خوشی سے برداشت کرنا سیکھو تا کہ تمہارے اندر ایک پاک روح پیدا ہو کر دنیا کو اسلام کی طرف کھینچے۔ گو آج کل دنیا میں بھی جو لوگ کچھ کام کرنا چاہتے ہیں وہ بھی اس اجتماع کے اصول کو سمجھکر اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ مگر مَیں آپ کو سچ سچ کہتا ہوں کہ ہمارے آقا و مرشد نے ہمارے لیئے اس سالانہ اجتماع میں شمولیت کو دنیا کے لوگوں کی تقلید میں ضروری قرار نہیں دیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس راہ پر چلایا۔ اور اب تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہر سال کسقدر نئے برکات کا موجب یہ ہمارا سالانہ اجتماع ہوتا ہے بات صرف یہ ہے کہ جب تک تم اس پاک نیت کو دل میں لے کر آتے ہو جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی بنا ڈالی تھی تو تمہارا ایک ایک قدم اللہ کی راہ میں اُٹھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کبھی اخلاص سے اُٹھائے ہوئے قدم کو ضائع نہیں کرتا۔ ہاں اگر "استفادہ ضروریات دین اور اعلائے کلمہ اسلام" کی نیت کو چھوڑ کر ادھر کا رُخ کرو تو بیشک تم نے اپنا وقت بھی ضائع کیا روپیہ بھی ضائع کیا اور تکالیف بھی ناحق اُٹھائی۔ مگر کس قدر فضل خدا کا ہم پر ہے کہ اس دوہری غرض کو پورا کرنے کے لیئے ہمیں اس نے کسقدر اچھا سامان عطا فرمایا ہے یعنی ایک طرف حضرت خلیفۃ المسیح کے پاک وجود سے ضروریات دین کے استفادہ کا کیسا اچھا موقعہ دیا ہے جس سے بہتر اور مخلص ناصح دنیا میں تمھیں کہیں نہیں مل سکتا۔ اور دوسری طرف اعلائے کلمہ اسلام کی جو عملی صورتیں ہیں ان کے متعلق اس سالانہ اجتماع میں تمھیں غور اور مشورہ کرنے کا موقعہ سلسلہ کے کاروبار کو دیکھکر اور اس کی گذشتہ کارروائی کو سنکر کیسا اچھا ملتا ہے۔ اور اس طرح پر تمھاری یہ دونوں ضروریات جو ایک سچے مسلمان کے مقاصد میں سب سے اول ہونی چاہئیں کس احسن طریق پر پوری ہو رہی ہیں ؛

جو لوگ ہمارے احباب میں سے اکثر قادیان آتے رہتے ہیں وہ یہاں آنے کے فوائد کو بھی خوب سمجھتے ہیں مگر جماعت کا بہت بڑا حصہ ایسا

ہے کہ انہیں سال میں اگر کوئی یہاں تک آنے کا موقعہ مل سکتا ہے تو وہ یہی سالانہ اجتماع کا موقعہ ہے۔ پس ہر جگہ کے مخلص احباب کی خدمت میں میری یہ درخواست ہے کہ وہ دوسرے احباب کو اس نیک کام میں شمولیت کے لیئے تحریک کریں۔ بعض احباب کو کئی کئی سال یہاں آئے ہوئے گذر گئے ہیں ان کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اس طرح پر سلسلہ سے ایک قسم کی اجنبیت سی دل میں پیدا ہوتی چلی جاتی ہے جس کا اثر گو پہلے کھلا کھلا محسوس نہ ہو مگر تھوڑے دنوں میں ہی طبیعت کا رنگ بالکل بدل جاتا ہے۔ اس لیئے سال میں ایک بار اس تعلق کو اس رنگ میں ضرور تازہ کرنا چاہیئے۔ میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے ہمارا یہ اجتماع ایک خاص غرض کے لیئے قائم کیا ہے۔ اور ہمارے ذمہ ایک نہایت ہی اہم ذمہ واری کا کام ڈالا گیا ہے۔ ہماری ذمہ واری دوسرے لوگوں کے برابر نہیں کہ ہم اگر خاموشی سے اپنے چند متعلقین کا پیٹ بھر دینے کا سامان کردیں تو ہماری غرض حاصل ہو گئی۔ نہیں بلکہ اس زمانہ میں اسلام کو دنیا کے چاروں کونوں میں پہنچانے کا کام اس سلسلہ کے ذمہ ڈالا گیا ہے اب غور کرو کہ اس ذمہ واری کو تم نے کہاں تک سمجھا ہے اور ابھی کون سا حصہ اس کا پورا کیا ہے۔ جو سست ہو رہے ہیں وہ خدا کے لیئے سستی کو چھوڑ دیں ورنہ ایسا نہ ہو کہ اس ذمہ واری کے ناقابل سمجھکر خدا کا ہاتھ انہیں الگ کر دے ؛

پس اس سالانہ اجتماع میں شمولیت کیلئے میں اپنے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بلند ہمتی سے کام لیں اور اگر کوئی مشکل نظر آئے تو اسپر غالب آنیکے لیئے اور بھی ہمت کو بلند کریں۔ بہت سے دوست ہیں جو چھوٹے چھوٹے عذروں کی وجہ سے اس بابرکت اجتماع میں شمولیت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ میرے دوستو! چھوٹی اغراض کو بڑے مقاصد کے سامنے قربان کرنا سیکھو جبتک اس گُر کو ہاتھ میں لیکر کام نہ کروگے۔ کامیابی کا منہ دیکھنا مشکل ہے۔ یاد رکھو کہ دنیا کی ہر ایک غرض دین کے مقاصد کے سامنے ایک حقیر چیز ہے۔

کیا ایک سال میں پانچ سات یا دس دنوں کے لئے تم اپنے وطنوں کو چھوڑ نہیں سکتے اور ایک نہایت خفیف حصہ اپنے مال کا اللہ کی راہ میں سفر کرنیکے لئے خرچ نہیں کرسکتے؟ جب تم ان باتوں کو مانتے ہو تو عملی طور پر انکو کرکے دکھاؤ ورنہ خالی مان لینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ موت ہر وقت سامنے کھڑی ہے۔ کون جانتا ہے کہ جب وہ ایک نیکی کے موقعہ کو ہاتھ سے دیدیگا تو اس کے کفارہ کے لئے پھر اسے دوسرا موقعہ بھی ملجائیگا۔ پس جو موقعہ ملتا ہے اسے غنیمت سمجھکر اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ کسی مشکل کو تمھاری راہ میں روک نہ ہونے دے۔

سالانہ جلسہ کی اطلاع کے ساتھ میں ایک دوسرے اہم امر کی طرف اپنے احباب کو متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ جلسہ سالانہ کے اخراجات کا سوال ہے۔ ۳۰ نومبر تک کافی روپیہ اخراجات جلسکے لئے ہمارے ہاتھ میں ہونا چاہیئے تاکہ اطمینان سے ضروری اشیاء مہیا کرلیجاویں۔ اخراجات جلسکا تخمینہ تین ہزار روپے سے کم کسی صورت میں نہیں۔ اور یہ اٹل ضرورت ہے اور اسے پورا بھی احمدی جماعت نے ہی کرنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ ان ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں انکے نام خدا کے دفتر میں ہی لکھے جاتے ہیں۔ اور نام بنام انکا شکریہ ہم لوگ ادا نہیں کرسکتے مگر ایسا کرنا ممکن بھی نہیں ہے۔

اس سے پہلے یہ تجویز کی گئی تھی کہ سب احباب ایک ایک روپیہ اخراجات جلسہ کے لئے دیں۔ مگر چونکہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر اسطرح پر چندہ فراہم کرنیکا نہ ہی موقعہ ہوتا ہے اور نہ ہی اسوقت ایسا انتظام ہوسکتا ہے اور علاوہ بریں اسوقت سب فنڈوں میں روپے کے کم ہونیکی وجہ سے بدون روپیہ جمع ہوئے اخراجات جلسکا انتظام پہلے سے ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا سب انجمنیں اس تجویز پر فوری عملدرآمد کریں۔ ایک روپیہ فی کس کم از کم چندہ وصول کیا جاوے۔ اور جو احباب زیادہ وسعت رکھتے ہیں وہ زیادہ دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔ اگر ساری جماعت میں چار سو آدمی پانچ پانچ روپے دینے والے کھڑے ہو جاویں اور ایک ہزار آدمی ایک ایک روپیہ تو یہ رقم آسانی سے پوری ہو سکتی ہے۔ اگر مخلص احباب توجہ فرماویں تو یہ تعداد جو اوپر لکھی ہے۔ کچھ زیادہ نہیں ہے۔ کانفرنسوں وغیرہ جلسوں میں شمولیت کے لئے پانچ پانچ روپے صرف ٹکٹ داخلہ کے بھی لوگ خوشی سے دیدیتے ہیں۔

انجمنہائے احمدیہ کے سکرٹری صاحبان کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اپنی انجمنوں کے ۴ اجلاس اس تحریک کے پہنچنے پر فی الفور کریں۔ اور فی الفور فہرستیں مرتب کرکے اور روپیہ وصول کرکے اطلاع دیں۔ ۳۰ نومبر تک جسقدر چندے وصول ہونگے انکی اطلاع انشاء اللہ تعالیٰ احباب ... کو دیجاویگی۔ مکرر التماس یہ ہے کہ اس تحریک پر فوری کارروائی ہو۔

محمد علی سکرٹری
صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۰- نومبر ۱۹۱۲ء

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۱۲ء

صیغہ تعلیم :- آمد ۲-۷-۱۳۱۳ اور خرچ ۹-۱-۸۵۰ ہے۔ تعداد طلباء ۳۳۱ ہے۔ شاخوں میں تعداد طلباء ۱۸۰ ہے آٹھ لڑکے سرکاری وظیفہ خوار ہیں۔ آمد میں قریباً سوا دوسو روپیہ فیس کا اور قریباً پونے پانچ سو روپیہ سرکاری گرانٹ کا ہے۔ اور دو سو چونسٹھ روپے عید فنڈ کے ہیں ؛

مدرسہ احمدیہ :- تعداد طلباء ۸۱ ہے۔ چند لڑکے اس ماہ خارج ہو گئے ہیں۔ مستری محمد موسیٰ صاحب نے اپنا ایک لڑکا داخل مدرسہ کرایا ہے۔ اگر دیگر احباب بھی توجہ کریں تو تعداد طلباء میں بہت ترقی ہو سکتی ہے۔ موجودہ صورت میں مساکین لڑکے زیادہ ہیں اور ذی ثروت کم جس سے فنڈ مقروض ہوتا ہے۔ چنانچہ اس وقت فنڈ اڑھائی سو کا مقروض ہے اور وظائف میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جو احباب وظائف کے لیئے درخواستیں بھجواتے ہیں وہ اس بات کو ملحوظ رکھیں ؛

اشاعت اسلام :- خریداران ریویو انگریزی و اردو میں دو دو کی بیشی ہوئی اور تفسیر کے اتنے ہی خریدار رہیں۔ تفسیر القرآن کی اشاعت میں چونکہ برابر کئی سال سے بے ترتیبی چلی آتی تھی اور اس سال میں چار نمبروں کی بجائے بمشکل دو ہی نمبر نکلنے کی امید ہے۔ اور چونکہ اس بے ترتیبی کے موجودہ حالات میں درست کرنیکا کوئی انتظام نہیں ہو سکتا اس لیئے گو تفسیر القرآن کا سلسلہ بند نہیں کیا جاویگا مگر آیندہ یہ موقت الشیوع نہ رہیگا یعنی یہ لازمی نہ ہوگا کہ ہر سہ ماہی کے اخیر پر پرچہ شائع کیا جاوے اور کل سال کی قیمت قبل از وقت وصول کیجاوے بلکہ جب ایک معتد بہ حصہ مثلاً ایک پارہ یا ایک سورۃ کی تفسیر مکمل ہو جائے اسی وقت بصورت کتاب وہ شائع کر دیجاویگی اور جن احباب کے نام اب بصورت رسالہ موقت الشیوع یہ پرچہ جاری ہے انکے نام اس قدر کی قیمت کے لیئے وی پی کر دیا جایا کرے گا ؛

مقبرہ بہشتی :- چودھری غلام احمد صاحب بی۔ اے موصی ۴۹۳ پوسٹماسٹر جالندھر بتاریخ ۱۶- اکتوبر ۱۹۱۲ء کو اپنے سکونتی موضع چھبور تحصیل ظفروال ضلع سیالکوٹ میں فوت ہو گئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون-اور امانتاً وہیں مدفون ہوئے ؛

تعمیر :- عمارت مدرسہ بڑے زور سے جاری ہے۔ اور خاصی تیار ہوچکی ہے۔ گرڈروں وغیرہ کیلئے یکمشت دس ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ بھٹہ کا کام تیزی سے چل رہا ہے- چار لاکھ اینٹ پک چکی ہے روپے کی اشد ضرورت ہے گذشتہ ماہ چندہ تعمیر کی وصولی کے لیئے احباب کو خاص طور پر توجہ دلائی تھی امید ہے اسپر پوری پوری توجہ فرمائی جاویگی گورنمنٹ سے بار بار چٹھیاں آرہی ہیں کہ ساٹھ ہزار خرچ کی تصدیق کراکر تیس ہزار روپیہ لیا جائے۔ مگر تاحال چونکہ اسقدر رقم صرف نہیں ہوئی اسلیئے انتظار ہے کہ روپیہ آنے پر خرچ کی تصدیق کراکر گرانٹ کا روپیہ لیا جائے۔ پس احباب خاص طور پر توجہ فرماویں تا اس سال گورنمنٹ سے روپیہ مل سکے۔ بابو برکت علی صاحب نے شملہ سے مالعہ کی رقم اپنی ساس کی طرف سے مسجد پر خرچ کرنے کے لیئے ارسال کی ہے جو عنقریب مسجد نور کے فرش کی توسیع پر صرف کیجاوے گی۔م ماہ اکتوبر میں جن احباب کی طرف سے دس روپے یا اس سے زیادہ رقوم چندہ تعمیر کی آئی ہیں انکے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں کل چندہ تعمیر اس ماہ ۳-۷-۱۸۴۶ وصول ہوا- پیشاور عہ- ہمبڑان عہ- لدھیانہ عہ امرتسر للعہ- راول پنڈی ہعہ- کلکتہ عہ- مردان ۱۱ عہ- میرٹھ عہ- قادیان عہ شاہ پور عہ- انبالہ عہ- داتہ عہ- ہری پور عہ- سیالکوٹ عہ- حیدرآباد دکن عہ- بمبئی عہ- میانوالی عہ- لنڈن عہ- منصوری ۱۱ عہ منشی عبداللہ خاں صاحب گرداور گگہ سرائے ضلع لاہور عہ- بابو دوست محمد خانصاحب کلرک نہر عہ میاں عبدالباری صاحب فتح عظیم صاحب بنوں عہ- حاکم علی صاحب دفعدار جھانسی عہ ؛

لنگرخانہ :- پھر اڑھائی ہزار کا مقروض ہوگیا ہے۔ اسکے جواب دہ وہ احباب ہیں جو اب تک چندوں کے دینے میں تساہل کرتے ہیں اگر باقاعدہ سب احباب چندہ ادا کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس قسم کے مشکلات ہر سال پیش آویں- اب ایک طرف لنگرخانہ پہلے ہی مقروض ہو رہا ہے اور دوسری طرف سالانہ جلسہ سر پر آرہا ہے جسکے لیئے تین ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ میں اس سلسلہ کے مخلصوں سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس پانچ چھ ہزار کی رقم کو پورا کرنیکی کوشش کریں

زکوٰۃ :- آمد ما [illegible] ہوئی اور خرچ ما [illegible] ہوا- ذیل کے احباب یا انجمنوں نے دس روپے یا

م اسی فرش کے لیئے ایک سو روپے کی اور ضرورت ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق دے تو [illegible]

اس سے زائد رقوم زکوٰۃ کی مد میں عطا فرمائیں۔ جزاہم اللہ خیراً۔ جماعت لدھیانہ [illegible]۔ میاں عبدالواحد صاحب خانساماں [illegible]۔ جماعت منصوری [illegible]۔ آٹھ روپیہ ماہوار کا وظیفہ

یتامیٰ:۔ اس مد میں مندرجہ ذیل احباب نے دس روپے یا اس سے زائد رقوم ارسال فرمائیں۔ محمد ابراہیم سکرٹری چک ۹۹ شمالی سرگودھا [illegible]۔ حاجی امیر دین صاحب بوساطت حضرت خلیفۃ المسیح [illegible] کل آمد اس ماہ [illegible] ہوئی۔

دفتر سکرٹری:۔ سالانہ جلسہ قریب آرہا ہے احباب مہربانی فرما کر اخراجات جلسہ سالانہ کے لئے روپیہ بھیجنے کی کوشش فرماویں علی الخصوص سکرٹری صاحبان بہت توجہ کریں۔ اسکے متعلق چٹھی علیحدہ لکھی گئی ہے۔ اسے بہت شائع کیا جائے۔

مجلس معتمدین نے اراضیات دارالعلوم میں سے بجانب شہر چند ٹکڑے زمین کے بغرض تعمیر مکانات مندرجہ ذیل شرائط پر اجارہ پر دینے منظور کئے ہیں:۔

(۱) جو مکان اس زمین پر بنائے جائیں گے وہ صدر انجمن احمدیہ کے منظور کردہ نقشہ کے مطابق ہونگے۔

(۲) اجارہ کی میعاد تیس سال ہوگی۔

(۳) اس میعاد کے گذرنے کے بعد انجمن کو اختیار ہوگا۔ کہ خواہ میعاد اجارہ میں انہی یا اور شرائط پر توسیع کردے۔ خواہ مالک مکان سے اس ٹکڑہ کی قیمت وصول کرلے۔ اور صورت پیش کردہ کے منظور نہ کرنے کی صورت میں مالک صرف ملبہ کا حقدار ہوگا۔

(۴) فی ٹکڑہ جو ۵۰ × ۱/۲ ۳۲ فٹ یعنی قریباً سوا سات مرلہ ہے اس کا کرایہ بحساب ۶ ر ماہوار ہوگا۔

(۵) جو صاحب بجائے ایک ٹکڑہ کے دو ٹکڑے لینا چاہیں انسے کرایہ اسی حساب سے زیادہ لیا جائیگا۔

(۶) تیس سال کی میعاد کے اندر یا توسیع میعاد اجارہ کی صورت میں اسکے بعد کوئی شخص مکان فروخت کرنا چاہے تو سب سے پہلے انجمن کا حق ہوگا۔ کہ ملبہ کی قیمت دیکر وہ مکان لیلے

(۷) کسی وقت تین سال کا کرایہ بقایا ہوجانے کی صورت میں انجمن کو اختیار ہوگا کہ تین ماہ کا نوٹس ملبہ اٹھانے کے لئے دے جسکی تعمیل نہ ہونیکی صورتمیں ملبہ کی قیمت

بعد وضع کرایہ دے کر انجمن مالک مکان متصوّر ہوگی ؛

امید ہے کہ ہمارے وہ احباب جن کی خواہش قادیان میں اپنے مکانات کے بنانے کی تھی وہ اس موقعہ سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ مکانات کے متعلق ہر قسم کا آرام ہوگا۔ بازار اور گلیاں کھلی مکانات کے درمیان چھوڑی جاویں گی۔ اور حفظ صحت کے لحاظ سے یہ مکانات بہت اچھے ہونگے کیونکہ ہر ایک چار مکان کے ٹکڑے کے ساتھ چاروں طرف بازار یا گلی ہوگی اور اس طرح پر ہر مکان دو طرف سے بالکل کھلا ہوگا۔ پانی کے لئے کنواں بھی قریب لگوا دیا جاوے گا۔ اس طرح پر یہ ایک بستی احمدیوں کی بنجاویگی جو باوجود شہر سے باہر ہونے کے شہر کے قریب ہوگی اور نیا شفا خانہ بھی اس کے پاس ہی ہوگا۔ مدرسہ اور بورڈنگ کی عمارتیں بھی شہر کی نسبت بہت قریب ہونگی۔ یہ انتظام محض اس لئے کیا گیا ہے کہ تا ایسے احباب جو یہاں رہ کر مکان کی وجہ سے تکلیف اُٹھاتے ہیں یا ایسے احباب جو چاہتے ہیں کہ انکے مکانات اور کسی جگہ ہونیکی بجائے قادیان میں ہوں تا جب وہ رخصت وغیرہ پر آویں تو سہولت سے اپنے مکانوں میں آکر ٹھہر سکیں ان سب احباب کی ضرورتیں پوری ہو جاویں۔ جو احباب ان ٹکڑوں میں سے ایک ایک یا دو دو ٹکڑے لینا چاہتے ہوں وہ فی الفور دفتر سکرٹری سے خط و کتابت کریں چونکہ ایسے قطعات کی تعداد تھوڑی ہے لہٰذا جو صاحب دیر سے درخواست کریں گے ممکن ہے کہ انہیں مایوس ہونا پڑے ؛

محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

ریویو

مزارات اولیاء دہلی حصّہ اوّل - مؤلفہ جناب مولوی محمد عالم شاہ صاحب فریدی دہلوی۔ مولوی صاحب موصوف نے بہت سی تاریخ کی کتابوں اور اولیاء اللہ کے حالات سے اور دیگر ذرائع سے جس قدر حالات جمع ہو سکتے تھے اُن کو نہایت صحت اور سعی کے ساتھ ایک جگہ جمع کیا ہے اور مزارات کا صحیح صحیح پتہ و نشان دیا ہے۔ اس کتاب کے دو حصّے ہیں۔ پہلے حصّہ میں جو شائع ہو چکا ہے مزارات دہلی کہنہ مع مضافات درج ہیں۔ اس میں ۱۰۶ بزرگوں کے مختصر حالات ہیں ۱۰۴ صفحہ کی کتاب قیمت ۱۰؍ دوسرے حصہ میں جو ابھی طبع نہیں ہوا مزارات دہلی شاہجہان آباد مع ملحقات درج ہیں۔ یہ کتاب زائرین کے لیئے ایک اچھی گائیڈ بک ہے اور مؤلف سے اس پتہ پر مل سکتی ہے۔

دہلی۔ ترا ہا بیرم خان محلہ فقی صاحب

ریویو

آئینہ حق نما: - یہ کتاب شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم نے مولوی ثناء اللہ امرتسری کی کتاب الہامات مرزا کے جواب میں لکھی ہے - اور جن پیشگوئیوں پر مولوی امرتسری نے اعتراض کیا ہے اُنپر سیر کن بحث کرکے اُن میں سے ہر ایک کا سچا ہونا ثابت کیا ہے - ہر پیشگوئی کے متعلق پورا مصالح جمع کیا گیا ہے - شیخ صاحب کی قلم کو خدائے تعالیٰ نے خاص قوّت اور بسط بخشا ہوا ہے - اللہ تعالیٰ اُن کو انکی اس سعی کی جزائے خیر دے - اس کتاب کو میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق دہلی نے جن کے پاس ثنائی اہلہ فریبیوں کی قلعی کھولنے کے لیئے کافی ذخیرہ موجود رہتا ہے چھاپ کر شائع کیا ہے درخواستیں میر صاحب موصوف کے پاس بھیجنی چاہییں - ۳۲۴ صفحہ کی کتاب ہے قیمت بلا جلد ۱۲/ مجلد عصم - مع محصولڈاک مجلد عہم - بلا جلد عہ/

مادہ فانی ہے یعنی دیانندی مت اور فلسفہ جدید - ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب ایل - ایم - ایس - احمدیہ بلڈنگس - لاہور نے اپنے اس جدید اور قیمتی مضمون کو عام فائدہ کے لیئے ایک چھوٹے رسالہ کی شکل میں شائع کیا ہے سید صاحب کو خدمت اسلام کے لیئے خدائے تعالیٰ نے خاص جوش اور توفیق بخشی ہے - اللہ تعالیٰ اس کام میں اُن کی مدد کرے

بھرت ملاپ - گیان اور دھرم کی ترقی - مہاپرشوں کی بانی - یہ تینوں کتابیں شری پرکاش دیو جی پرچارک براہمو دھرم لاہور نے بنگالی زبان سے اردو میں ترجمہ کی ہیں - پہلی کتاب میں بن باس میں رامچندر جی سے بھرت جی کی ملاقات کا دلچسپ قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہے - قیمت ۴ / دوسری کتاب میں شریمت پردھان آچاریہ دیویندر ناتھ ٹھاکر جی کے چودہ اُپدیش درج ہیں - جو انہوں نے علم اور مذہب کی ترقی کے متعلق براہمو دھرم اصول کے مطابق دیئے قیمت ۴/ - تیسری کتاب پنڈت شیوا ناتھ شاستری ایم اے کی تصنیف ہے یہ کتاب بھی براہمو سماج کے خیالات سے رنگین ہے قیمت ۳/ - یہ تینوں کتابیں مترجم صاحب

درد سر [illegible]

ریاحی درد لحظہ میں پہاڑ ہوجاتا ہے۔ یہ دوا لحظہ میں اس کو پانی کر دیتا ہے۔ درد ریاح جیسے ٹیک۔ چمک۔ ٹیس۔ رگوں میں لہر کن کنی سے چاہے جسقدر تکلیف ہو۔ اس دوا کے استعمال سے فوراً رفع ہوتی ہے درد سر کیواسطے بھی اس دوا کا ایسا ہی فائدہ ہے۔ نصف سر میں ہو یا تمام سر میں کسی وجہ کیسا ہی درد ہو اس دوا سے رفع ہوجاتا ہے صرف یہی نہیں اگر سر کٹا جاتا ہو پھٹا جاتا ہو۔ اڑا جاتا ہو اس دوا سے فوراً بند ہوجاتا ہے۔ ان دنوں میں لوگ ذرا باتوں میں سر دکھایا کرتے ہیں کام میں یا سفت کی باتوں میں فکر و تردد میں عیش و عشرت میں دن کو رات اور رات کو دن بنانے میں کل تکلیفیں سر پر آجاتی ہیں اور ہائے رے درد سر پکارا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر برمن کی دوا ایسے لوگوں کیلئے ہے۔ دوا کے استعمال سے فوراً درد بند ہوتا ہے۔ اسلیئے ہر خاص و عام کو یہ دوا اپنے پاس رکھنا لازم ہے۔ قیمت ۱۲ ٹکیوں کی ایک شیشی ۶؍ محصولڈاک ایک سے ۶ ڈبیہ تک ۵؍ بارہ ڈبیہ تک ۶؍

داد کا مجرب مرہم ایک مرتبہ کے لگانیسے کھجلی اچھی ہوجاتی ہے دو تین مرتبہ کے لگانیسے ایکدم اچھی ہوجاتا ہے۔ قیمت فی ڈبیہ ۴؍ محصولڈاک ایک ڈبیہ سے ۶ ڈبیہ تک ۵؍ اور ۱۲ ڈبیہ کا ۶؍

فصلی بخار اور طحال کی دوا یہ دوا انتیس سال سے سارے ہندوستان میں استعمال کیجاتی ہے اگر آپ بخار میں مبتلا ہوں اور سب قسم کے علاج کرکے تنگ آگئے ہوں تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ ضرور منگا کر استعمال کریں اسمیں چند فائدے لاجواب ہیں یہ ملیریا کیڑوں کو ماردیتی ہے اسلیئے اسکی چار پانچ خوراک پیتے ہی بخار کا آنا بند ہوجاتا ہے اور یہ خون کو گاڑھا کر دیتی۔ اور تلی کو گراتی ہے قیمت شیشی کلاں ۱۲؍ محصول ۶؍ دو شیشی تک ۸؍ قیمت شیشی خوردہ ۸؍ محصولڈاک ۵؍ دو شیشی تک ۶؍

کھانسی کی دوا یہ دوا چاہے کیسی کھانسی و کف کی بیماری ہو اس کو آرام کرتی ہے اس میں یہ فوائد ہیں (۱) سردی کو بچانا (۲) کھانسی کو دبانا (۳) کف کو پتلا کرنا (۴) کف کو نکالنا (۵) سوکھا کھانسی کو روکنا قیمت بڑی شیشی تیس خوراک ۱۲؍ پیکنگ و محصولڈاک چھ آنے دو شیشی تک ۸؍ چھوٹی شیشی سولہ خوراک قیمت ۸؍ پیکنگ و محصولڈاک ۵؍ دو شیشی تک ۶؍ اس دوا پر مہاراجہ صاحب کی رائے لکھنجن سنگھ دیو بہادر فیوڈیٹری چیف پٹنہ اسسٹنٹ بولانگر ضلع سنبھل پور سے لکھتے ہیں جناب من آپکی روانہ کردہ کھانسی کی دوا کے لیئے مشکور ہوں اس دوا سے ہماری کھانسی بالکل رفع ہوگئی مجھے صرف سات خوراک سے زیادہ پینے کی ضرورت نہ ہوئی کھانسی کو اس دوا نے بہت جلد اثر دکھلایا۔

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

مطبع میگزین میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۲ء ۔ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

فی [illegible] ۔ [illegible]

چندہ سالانہ [illegible] عوام سے … طلباء سے [illegible]

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ دسمبر ۱۹۱۲ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اختلافات بائبل

(سلسلہ کے لیئے دیکھو نمبر ۱۱ جلد ۱۱)

(۱ے) سب چیزیں جو باپ کی ہیں میری ہیں اس لیئے مَیں نے کہا کہ وہ میری چیزوں سے لیگی اور تمھیں دکھاوے گی۔

(یوحنا۔ باب ۱۶۔ ورس ۱۵)

کہ اُس (یسوع) نے خدا کی صورت میں ہو کے خدا کے برابر ہونا غنیمت نہ جانا۔

(فلپیون۔ باب ۲۔ ورس ۶)

(۱ے) مگر اُس دن اور اُس گھڑی کی بابت سوا باپ کے نہ تو فرشتے جو آسمان پر ہیں اور نہ بیٹا کوئی نہیں جانتا ہے۔

(مرقس باب ۱۳۔ ورس ۳۲)

تم سُن چکے ہو کہ مَیں نے تم کو کہا کہ مَیں جاتا ہوں اور تم پاس پھر آتا ہوں اگر تم مجھے پیار کرتے تو تم میرے اس کہنے سے کہ مَیں باپ پاس جاتا ہوں خوش ہوتے کیونکہ میرا باپ مجھ سے بڑا ہے۔ (یوحنا ۱۴: ۲۸)

نوٹ۔ اگر باپ کی سب چیزیں بیٹے کو حاصل تھیں تو باپ کا علم اُس گھڑی کی بابت بیٹے کو کیوں حاصل نہ تھا؟ پھر ایک طرف لکھا ہے کہ یسوع مسیح خدا کے برابر تھا دوسری جگہ لکھا ہے کہ نہیں باپ یسوع مسیح سے بڑا تھا۔

(۲ے) یسوع نے اُنہیں کہا مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم جو میرے پیچھے ہوئے جب نئی خلقت میں ابن آدم اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تم بھی بارہ تختوں پر بیٹھو گے اور

(۲ے) یسوع نے اُنہیں جواب دیا کیا مَیں نے تم بارھوں کو نہیں چُنا اور ایک تم میں سے شیطان ہے (یوحنا باب ۶۔ ورس ۷۰)

ابن آدم تو جیسا اُس کے حق میں لکھا ہے

اسرائیل کے بارہ گروہوں کی عدالت کروگے
(متی باب ۱۹- ورس ۲۸)

نوٹ- کیا یہوداہ اسکریوطی بھی تخت پر بیٹھے گا اور وہ شخص بھی جسکو مسیح نے شیطان کے لقب سے مخاطب کیا؟

(۴۷) پس کل کی فکر نہ کرو کیونکہ کل اپنی چیزوں کی آپ ہی فکر کرلیگا آج کا دُکھ آج ہی کے لیئے بس ہے۔ (متی باب ۶- ورس ۳۴)

جاتا ہے لیکن افسوس اُس شخص پر جس کے وسیلے ابن آدم پکڑوایا جاتا ہے اُس آدمی کے لیئے بہتر تھا کہ وہ پیدا نہ ہوتا (یہ یہوداہ اسکریوطی کی بابت فرمایا)
(مرقس باب ۱۴- ورس ۲۱)

(۴۷) اگر کوئی اپنوں کی اور خاصکر اپنے ہی گھر کی خبرگیری نہ کرے تو ایمان سے منکر اور بےایمان سے بدتر ہے (۱- تمطاؤس- باب ۵- ورس ۸)

نوٹ- کیا دنیا میں کوئی مسیحی یا کوئی مشنری اس تعلیم پر عمل کرتا ہے اگر پادری صاحبان اپنے مشنوں کے لیئے چندہ فراہم کرنے میں ہی اس تعلیم پر چلیں تو اُنکے سارے مشنوں کا آج ہی خاتمہ ہوجاوے پادریصاحبان کے لیئے بہت موزون ہوگا اگر وہ مسیح کا یہ قول اپنی مسیحی گورنمنٹوں کو سنائیں اور اُنکو تعلیم دیں کہ تم دُور اندیشی کو مدِ نظر کر جو بڑے بڑے بحری بیڑے اور مستقبل کی خیالی ضرورتوں کے لیئے جو طرح طرح کے سامان مہیا کرتے ہو ان سب کو چھوڑ دو کیونکہ یہ طریق مسیح کی تعلیم کے برخلاف ہے۔ غرض یسوع کا یہ قول ایسا لغو ہے کہ کوئی عقلمند اس پر عمل کرنے کے لیئے تیار نہیں۔ یسوع سے تو پولوس ہی اچھا رہا جس نے یہ تعلیم دی کہ جو شخص ہر طرح کے سامان مناسب وقت پر اپنے گھر والوں کے لیئے تیار نہیں کرتا وہ بےایمان سے بھی بدتر ہے۔ اگر کسان مسیح کی تعلیم پر عمل کریں تو جب اُنکے گھر میں ایک دن کا کھانا موجود ہو تو وہ ہرگز ہل چلانے اور کھیتی کرنے کی تکلیف گوارا نہ کریں کیونکہ کسان یہ محنت اس لیئے نہیں اُٹھاتا کہ آج اُسکے گھر میں اناج نہیں بلکہ اُس کو یہ فکر ہوتا ہے کہ اگر آج میں نے کل کے لیئے کوئی سامان نہ کیا تو موجودہ اناج کے ختم ہوجانے پر میرے بچے بھوکے مرجائینگے۔ اگر دنیا مسیح کی اس تعلیم پر آج عمل کرنا شروع کردے تو ایک دن میں ہی سارا انتظام درہم برہم ہوجاوے اور دنیا پر ہلاکت اور مصیبت نازل ہوجائے۔ اگر یہ بہت ہی بابرکت قاعدہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ نہ پادری صاحبان خود اسپر عمل کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس پر کاربند ہونیکی

ترغیب دیتے ہیں۔ دنیا میں کوئی قوم اس قاعدہ پر عمل نہیں کرتی اور نہ عمل کر سکتی ہے ہاں اگر کوئی قوم یسوع کی اس تعلیم پر عمل کرتی ہوئی نظر آتی ہے تو وہ بھیک مانگنے والوں کی قوم ہے مگر نہایت ہی عجیب بات یہ ہے کہ ایک ہی قوم دنیا میں مسیح کی تعلیم پر عمل کرتی ہے اور وہی قوم مسیحی ملکوں میں ایک مجرم قوم قرار دیجاتی ہے کیونکہ مسیحی ممالک میں گداگری ایک جرم ہے اور گداگر جیلخانہ میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اگر ہم یسوع کی تعلیم پر عمل کریں تو عقبیٰ کا بھی کوئی فکر نہ کریں۔ پادری صاحبان آجکل عمدہ عمدہ کوٹھیوں اور باغوں میں رہتے ہیں اگر یسوع کے سچے پیرو ہیں تو انکو چاہیئے کہ وہ آخرت کا کوئی فکر نہ کریں۔ آج وہ مزے کر رہے ہیں۔ کل کی فکر کرنا اُن کے مذہب میں منع ہے اس لیئے اُن کو چاہیئے کہ خوب گلچھرّے اڑائیں اور موت کو کبھی یاد نہ کریں۔ اور غالباً وہ کہیں گے کہ ہمارا پہلے سے اسی پر عمل ہے۔ یسوع کی تعلیم کے مقابل میں قرآن شریف کی پاک اور سلامتی کی تعلیم کو دیکھو۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ سورہ حشر رکوع ۲ یعنی ہر متنفس کو یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ اُس نے کل کے لیئے کیا تیاری کی۔ پس خدائے تعالیٰ ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر ایک امر میں انسان کو کل کیلیئے آج ہی تیار رہنا چاہیئے اور کل کے آرام کے واسطے پہلے سے فکر کرنا چاہیئے یہی وہ اصل ہے جسپر چلکر ہم دینی و دنیوی آرام حاصل کر سکتے ہیں اور اسی پر ہر ایک عقلمند انسان عمل کرے گا اور عملی طور پر داناؤں نے قرآنی تعلیم کو اختیار کیا ہے اور یسوع کی تعلیم کو خود یسوعی صاحبان عملی طور پر رد کر رہے ہیں۔ اگر دنیا یسوع کی تعلیم کو اختیار کرے تو اُس کا آج ہی بیڑا غرق ہو جاوے ۔

(۴۷) یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے کو آیا میں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جبتک آسمان اور زمین ٹل نہ جاویں ایک نقطہ یا ایک

(۴۷) سو اے میرے بھائیو تم بھی مسیح کے بدن کے سبب شریعت کی نسبت مر گئے ہو کہ تم دوسرے کے ہو جاؤ جو مردوں میں سے اُٹھایا گیا تاکہ ہم خداوند خدا کے لیئے پھل لاویں۔ (رومیوں باب ۷ درس ۴)

شوشہ توریت کا ہرگز نہ ٹلیگا جبتک سب
کچھ پورا نہ ہو پس جو کوئی اِن حکموں میں
سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے
اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھاوے آسمان
کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا
پر جو کہ عمل کرے اور سکھاوے وہی آسمان
کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا۔

(متی باب ۵ - ورس ۱۷ تا ۱۹)

(۵۷) یسوع نے جواب دیا اور انہیں کہا
اگرچہ مَیں اپنی بابت گواہی دیتا ہوں تو
بھی میری گواہی سچ ہے کیونکہ میں جانتا
ہوں کہ مَیں کہاں سے آیا ہوں اور مَیں کہاں
کو جاتا ہوں پر تم نہیں جانتے کہ مَیں
کہاں سے آیا ہوں اور کہاں کو جاتا ہوں
تم جسم کے مطابق حکم کرتے ہو مَیں کسی
پر حکم نہیں کرتا اور اگر مَیں حکم کروں تو
میرا حکم حق ہے کیونکہ مَیں اکیلا نہیں پر
مَیں اور باپ جس نے مجھے بھیجا تمہاری
شریعت میں یہ بھی لکھا ہے کہ دو آدمیوں
کی گواہی سچ ہے ایک تو مَیں ہوں جو اپنی
بابت گواہی دیتا ہوں اور ایک باپ جس نے مجھے
بھیجا ہے میرے لئے گواہی دیتا ہے۔

(یوحنا باب ۸ - ورس ۱۴ تا ۱۸)

چنانچہ اپنا جسم دے کے دشمنی کو یعنی
شریعت کے حکموں اور رسموں کو کھو دیا
تاکہ وہ صلح کروا کے دو سے آپ میں ایک
نیا انسان بناوے۔

(افسیون باب ۲ - ورس ۱۵)

سب (پیغمبر) جتنے مجھ سے آگے آئے چور
اور بٹمار ہیں پر بھیڑوں نے انکی نہ سنی

(یوحنا باب ۱۰ - ورس ۸)

(۵۷) اگر میں اپنے پر گواہی دوں
تو میری گواہی حق نہیں

(یوحنا باب ۵ - ورس ۳۱)

نوٹ - ایک طرف مسیح کہتا ہے کہ میری
گواہی اپنی نسبت سچ ہے بلکہ وہ دو
گواہوں کے برابر ہے کیونکہ مَیں اکیلا
نہیں بلکہ باپ بھی میرے ساتھ ہے۔
دوسری طرف کہتا ہے کہ میری گواہی
حق نہیں - عجیب اختلاف ہے۔

دوسرا ہے جو مجھ پر گواہی دیتا ہے اور
مَیں جانتا ہوں کہ وہ گواہی جو مجھ پر دیتا ہے
حق ہے تم نے یوحنا کے پاس پیام بھیجا
اور اُس نے حق پر گواہی دی لیکن
مَیں انسان کی گواہی نہیں چاہتا پر مَیں
یہ باتیں کہتا ہوں تاکہ تم نجات پاؤ
(یوحنا باب ۵ - ورس ۳۲ تا ۳۴)

(۷۶) اُس نے اُنہیں کہا کیا تم نے
کبھی نہیں پڑھا کہ داؤد نے جب وہ
اور اسکے ساتھی محتاج اور بھوکے تھے
کیا کیا وہ کیونکر سردار کاہن ابیاتر کے
وقت مَیں خدا کے گھر میں گیا اور نذر کی
روٹیاں جن کا کھانا کاہنوں کے سوا
کسی کو روا نہ تھا کھائیں اور اپنے
ساتھیوں کو بھی دیں
(مرقس باب ۲ - ورس ۲۵ - ۲۶)

نوٹ - مرقس کہتا ہے کہ داؤد نے سردار
کاہن ابیاتر کے وقت میں نذر کی روٹیاں
کھائی تھیں اور اُسوقت اسکے ساتھ بہت
سے ساتھی بھی تھے اور اُن ساتھیوں نے
بھی روٹیاں کھائیں اور ۱-سموئیل میں لکھا
ہے کہ ایسا نہیں بلکہ ابیاتر کے باپ کے زمانہ میں
ایسا ہوا اور اُسوقت داؤد تنہا تھا؛

اور تم بھی گواہی دو گے کیونکہ تم
شروع سے میرے ساتھ ہو
(یوحنا باب ۱۵ - ورس ۲۷)

(۷۶) اور داؤد نوب میں اخیملک کاہن
کے پاس آیا اور اخیملک داؤد کے
آنے سے ڈرا اور اُس سے کہا تو کیوں
تنہا ہے اور تیرے ساتھ کوئی مرد نہیں سو
کاہن نے مقدس روٹی اُسکو دی کہ وہاں
نذر کی روٹی کے سوا جو خداوند کے آگے
سے اُٹھائی گئی تھی تاکہ اُسکے عوض اُس
دن میں جب وہ اُٹھائی جائے گرم روٹی
رکھی جاوے اور روٹی نہ تھی
(۱-سموئیل باب ۲۱ - ورس ۱ - ۶)

اخیطوب کے بیٹے اخیملک کے بیٹوں
میں سے ایک شخص جس کا نام ابیاتر
تھا بچ نکلا اور داؤد کی طرف بھاگ
گیا -
(۱-سموئیل باب ۲۲ - ورس ۲۰)

(۷۷) اور مَیں اُنہیں ہمیشہ کی زندگی بخشتا ہوں اور وے کبھی ہلاک نہ ہونگی اور کوئی انہیں میرے ہاتھ سے چھین نہ لے گا

(یوحنا باب ۱۰۔ ورس ۲۸)

(۷۷) روح صاف فرماتی ہے کہ آخری زمانے میں کتنے لوگ گمراہ کرنیوالی روحوں اور دیووں کی تعلیموں سے جا لپٹکے ایمان سے برگشتہ ہونگے۔

(۱۔ تمطاؤس باب ۴۔ ورس ۱)

نوٹ۔ معلوم ہُوا کہ آخری زمانہ میں مسیح کی بھیڑیں اُس کے ہاتھ سے چھین لیجائیں گی۔

(۷۸) یسوع نے اُسے کہا راہ اور حق اور زندگی میں ہوں کوئی بغیر میرے وسیلے باپ کے پاس آ نہیں سکتا ہے

(یوحنا باب ۱۴۔ ورس ۶)

اور کسی دوسرے سے نجات نہیں کیونکہ آسمان کے تلے آدمیوں کو کوئی دوسرا نام نہیں بخشا گیا جس سے ہم نجات پاسکیں

(اعمال باب ۴۔ ورس ۱۲)

(۷۸) بلکہ ہر قوم میں جو اُس سے ڈرتا اور راستبازی کرتا اُسکو پسند آتا ہے۔

(اعمال باب ۱۰۔ ورس ۳۵)

(۷۹) مانگو کہ تمہیں دیا جائیگا۔ ڈھونڈھو کہ تم پاؤ گے کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائیگا۔ کیونکہ جو کوئی مانگتا ہے اُسے ملتا اور جو کوئی ڈھونڈھتا ہے سو پاتا ہے اور جو کوئی کھٹکھٹاتا اُسکے واسطے کھولا جائیگا

(متی باب ۷۔ ورس ۷۔ ۸)

(۷۹) جان سے کوشش کرو کہ تم تنگ دروازہ سے داخل ہو کیونکہ مَیں تم سے کہتا ہوں کہ بہتیرے چاہیں گے کہ اُس سے داخل ہوں پر نہ سکیں گے۔

(لوقا باب ۱۳۔ ورس ۲۴)

(۸۰) پھر وے یریحو میں آئے اور جب وہ اور اُسکے شاگرد اور ایک بڑی بھیڑ یریحو سے نکلتی تھی طمئی کا بیٹا برطمئی جو اندھا تھا راہ

(۸۰) جب وے اریحا سے روانہ ہونے لگے بڑی بھیڑ اُسکے پیچھے ہولی اور دیکھو دو اندھے جو راہ کے کنارے بیٹھے تھے جب سنا کہ یسوع

کے کنارے بیٹھا ہوا بھیک مانگتا تھا اور یہ سنکر کہ وہ یسوع ناصری ہے چلانے اور کہنے لگا اے داؤد کے بیٹے یسوع مجھ پر رحم کر

(مرقس باب ۱۰ - ورس ۴۶-۴۷)

چلا جاتا ہے پکارنے لگے کہ اے خداوند ابن داؤد ہم پر رحم کر۔

(متی باب ۲۰ - ورس ۲۹-۳۰)

نوٹ ۔ مسیحی صاحبان بتلائیں ایک تھا یا دو تھے؟

(۸۱) سو اس سبب سے کہ نبی تھا اور جانتا تھا کہ خدا نے اُس سے قسم کھائی ہے کہ میں تیری نسل سے مسیح کو جسم کے رو سے ظاہر کرونگا کہ تیرے تخت پر بیٹھے

(اعمال باب ۲ - ورس ۳۰)

(۸۱) اب یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی کہ جب اُسکی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو اُنکے اکٹھے آنیسے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی

(متی باب اول - ورس ۱۸)

نوٹ ۔ پس معلوم ہوا کہ جسم کے رو سے مسیح داؤد کی نسل سے نہ تھا۔

(۸۲) اور وے دریا کے پار گدرینیوں کے ملک میں پہنچے اور جیوں وہ کشتی سے اُترا وونہیں ایک آدمی جسمیں ایک ناپاک روح تھی قبروں سے نکلتے ہوئے اُسے ملا یسوع نے فی الفور اُنہیں اجازت دی اور وے ناپاک روحیں نکل کے سؤروں میں بیٹھ گئیں اور وہ غول کراڑے پر سے دریا میں کودا اور وے قریب دو ہزار کے تھے جو دریا میں ڈوب کے مرگئے

(مرقس باب ۵ - ورس ۱-۲- اور ۱۳)

(۸۲) جب اُس پار گرگیسنیوں کے ملک میں پہنچا دو شخص جن پر دیو چڑھے تھے قبروں سے نکل کر اُسے ملے وے ایسے تند تھے کہ کوئی اُس راستے سے چل نہ سکتا تھا سو دیووں نے اسکی منت کرکے کہا اگر تو ہم کو نکالتا ہے تو ہمیں اُن سؤروں کے غول میں جانے دے تب اُس نے اُنہیں کہا جاؤ اور وے نکل کے اُن سؤروں کے غول میں گئے اور دیکھو سؤروں کا سارا غول کراڑے پر سے دریا میں کودا اور پانی میں ڈوب مرا

(متی باب ۸ - ورس ۲۸ - اور ۳۱-۳۲)

نوٹ ۔ متی سچا ہے یا مرقس؟ مرقس کہتا ہے ایک آدمی تھا۔ متی کہتا ہے کہ نہیں دو آدمی تھے پھر مرقس کہتا ہے کہ اُس شخص میں ایک ناپاک روح تھی۔ متی کہتا ہے یہ غلط ہے۔ بلکہ بہت سی روحیں تھیں۔ پھر مرقس بھی آگے چلکر قبول کر لیتا ہے کہ ہاں بہت سی روحیں تھیں؟ پھر ملک کے نام میں بھی۔۔

(۸۳) اور تم ماں باپ اور بھائیوں اور رشتہ داروں اور دوستوں سے بھی گرفتار کیئے جاؤگے بلکہ وے تم میں سے بعضوں کو قتل کرینگے

(لوقا باب ۲۱ - ورس ۱۶)

(۸۳) اور میرے نام کے سبب سے سب لوگ تم سے کینہ رکھیں گے لیکن تمھارے سر کا ایک بال بھی گرایا نہ جائیگا

(لوقا باب ۲۱ - ورس ۱۷ - ۱۸)

(۸۴) پھر اُس نے اپنے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کے اُنہیں قدرت بخشی کہ ناپاک روحوں کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور دُکھ درد کو دُور کریں

بیماروں کو چنگا کرو کوڑھیوں کو پاک صاف کرو مُردوں کو جلاؤ دیووں کو نکالو تم نے مفت پایا مفت دیو۔

(متی باب ۱۰ - ورس اول - اور ۸)

(۸۴) تب یسوع نے دیو کو دھمکایا وہ اُس سے نکل گیا اور وہ چھوکرا اُسی گھڑی چنگا ہوگیا تب شاگردوں نے الگ یسوع پاس آکے کہا ہم کیوں اسکو نکال نہ سکے

(متی باب ۱۷ - ورس ۱۸ - ۱۹)

(۸۵) میں اُنپر عاشق ہوں جو مجھ پر عاشق ہیں اور وے جو مجھ کو سویرے ڈھونڈتے ہیں مجھکو پاوینگے۔

(امثال باب ۸ - ورس ۱۷)

کیونکہ جو کوئی مانگتا ہے اُسے ملتا اور جو کوئی ڈھونڈھتا سو پاتا ہے اور جو کوئی کھٹکھٹاتا اسکے واسطے کھولا جائیگا

(متی باب ۷ - ورس ۸)

(۸۵) تب وے مجھ کو پکاریں گے پر میں جواب نہ دونگا وے سویرے مجھ کو ڈھونڈیں گے پر مجھے نہ پاوینگے

(امثال باب اول ورس ۲۸)

(باقی آئندہ)

مسیحیت اور غلامی

(ترجمہ مضمون خالد شیلڈریک افندی۔ آنریری سیکرٹری اسلامک سوسائٹی لنڈن)

مَیں نے جاہل اور جوشیلے مسیحیوں کے مُنہ سے سنا ہے کہ اسلام غلامی کا حامی اور ذمہ وار ہے ایک غیر متعصب انسان پر تو یہ بات آسانی سے منکشف ہو جاتی ہے۔ کہ اصل واقعات کی پڑتال کرتے وقت شاید ان لوگوں نے انوکھے ذرائع سے کام لیا ہے۔ مَیں چونکہ ایک انگریز مسلمان ہوں۔ مجھے اس مسئلہ پر ہمیشہ اچھے سمجھدار لیکن بدقسمتی سے ایسا طور پر گم گشتہ لوگوں سے بہت کچھ سننا پڑتا ہے۔ نہایت کوشش سے مجھے ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔ کہ مَیں اب ایندھن دوزخ ہوں۔ اسلام جیسے پاک دین کو۔ جو کہ مَیں نے بصد غور و فکر قبول کیا ہے۔ اختیار کرنے کی پاداش میں خدائے عزّ وجل مجھے سخت سے سخت سزا دیگا۔ کیونکہ مَیں نے یسوع مسیح کے خون والی نجات سے انحراف و انکار کیا۔ میرے لئے انکی یہ جانفشانیاں عجیب پُر لطف ہیں۔ یہ لوگ فہیم و زکی بھی ہیں۔ گہرا شوق بھی ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اسلامی آزادی اسلامی وسیع الخیالی اور اسلامی علوّ کے منوّر آفتاب کی روشنی سے مستفیض نہیں ہوتے اور عیسائیت کے تنگ و تاریک راستہ میں مارے مارے پھرنے پر قانع ہیں۔ پھر مذہب کے پاس نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ اور یہ انکی کشادہ دلی کا ایک ادنیٰ شعبہ ہے۔ کہ روئے زمین کی باقی تمام مخلوق کو جو انکی خاص الخاص از خود تراشیدہ مسیحیت سے مُنہ پھیرتے ہیں۔ انکو جہنم میں جھونکتے ہیں :

اسجگہ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ ارشادات یا آپکے پاکیزہ نمونہ کو شرح و بسط سے درج کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ نہ ہی یہاں گنجائش ہے۔ کہ مَیں وہ تمام کے تمام لاجواب ثبوت ہدیہ ناظرین کرسکوں۔ جس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے۔ کہ غلاموں کی آزادی اور مالکوں کا ان سے اعلیٰ برتاؤ اسلام اور آنحضرت صلعم کے وجود باجود کی برکت ہے نہ بائبل یا مسیحیت سے۔ مَیں آنحضرت صلعم کے کلمات طیبات میں سے صرف ایک ہی حدیث درج کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ وَھُوَ ھٰذا۔ عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اخوانکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فمن جعل اللہ اخاہ تحت یدیہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا یکلفہ من العمل ما یغلبہ فان کلفہ ما یغلبہ فلیعنہ متفق علیہ۔ یعنی غلام تمہارے بھائی ہیں جنکو خدائے تعالیٰ نے تمہارے نیچے رکھدیا ہے پس اگر خدائے تعالیٰ تم میں سے کسی کے نیچے اُس کے بھائی کو رکھدے تو وہ شخص اُسکو ایسا ہی کھانا کھلائے جیسا وہ خود کھاتا ہے اور ایسے ہی کپڑے پہنائے جیسے وہ خود پہنتا ہے اور ایسا کام اُسکو کرنے کے لیئے نہ دے جو اسکی طاقت سے بالاتر ہو اور اگر کوئی ایسا کام اُسکو دے تو چاہیئے کہ خود اُس کام میں اُس کی مدد کرے ؂

بہت سے مورخ اس بات کو ثابت کر چکے ہیں۔ کہ اسلام غلامی کا نہیں بلکہ غلاموںکی آزادی کا مؤید ہے۔ کہ مسلمانوں نے غلاموں سے ہمیشہ وہی سلوک جائز رکھا۔ جو وہ اپنے جسم و جان سے کرتے ہیں۔ لہٰذا میں اس وقت مسیحیت اور غلامی پر مختصر بحث کروں گا۔ اولاً مسیحیوں کا دعویٰ ہے۔ کہ یسوع مسیح غلامی کی مخالفت میں وعظ کرتے رہے لیکن مجھے اس سے انکار ہے۔ اور میں ہر ایک مسیحی اور پادری کو چیلنج دیتا ہوں۔ کہ کہیں سے بھی وہ اس بارہ میں یسوع مسیح کا ایک لفظ ہی نکالکر دکھائیں۔ چونکہ بعض مسیحیوں کا خیال ہے۔ کہ عہد عتیق عہد جدید سے منسوخ ہو گیا ہے۔ اس لیئے میں عہد جدید میں ہی محدود رہکر ثابت کرونگا۔ کہ یسوع مسیح نے خود اور اُن کے جانشینوں نے غلامی کے جواز اور انکی سزا کے بارہ میں احکام نافذ کیئے۔ چند ایک عبارات درج ذیل ہیں:۔ ” وہ نوکر جس نے اپنے خاوند کی مرضی جانی پر اپنے تئیں تیار نہ رکھا اور اُس کی مرضی کے موافق نہ کیا بہت مار کھائیگا“ (لوقا ۱۲-۴۷) ”اے نوکرو تم اُن کے جو جسم کی نسبت تمہارے خاوند ہیں اپنے دلوں کی صفائی سے ڈرتے اور تھرتھراتے ہوئے ایسے فرمانبردار ہو جیسے مسیح کے“ (افسیوں ۶-۵) ”اے چاکرو کمال ادب سے اپنے خاوندوں کے تابع رہو۔ نہ صرف نیکوں اور حلیموں ہی کے بلکہ کج مزاجوں کے بھی“ (۱-پطرس ۲:۱۸) ”جتنے چاکر جوئے کے نیچے ہیں اپنے خاوندوں کو کمال عزت کے لائق جانیں“ (۱-تمطاؤس ۶:۱) یہی حوالے کافی ہیں۔ یقیناً مسیحی اسجگہ بول اُٹھیں گے

کہ یہاں نوکر اور چاکر کا لفظ ہے غلام کا لفظ نہیں۔ اس لئے ان عبارتوں سے غلامی کا جواز نہیں پایا جاتا۔ یہ بات درست ہے۔ ان عبارتوں میں لفظ غلام کا نہیں بلکہ نوکر اور چاکر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ مگر مسیحی صاحبان کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ کتابیں تراجم ہیں اور ان کا دعویٰ اصلی زبان میں ہونے کا نہیں ہے اسلئے ہمیں چاہیئے کہ ہم اصل کی طرف رجوع کریں اور دیکھیں کہ اصل زبان میں جو لفظ ہے اُس کے کیا معنے ہیں۔ سو مسیحی صاحبان یہ سُنکر بہت گھبرائیں گے کہ تمام لغت والوں نے Schleusner سے لیکر سکاٹ اور لڈل تک سب نے اصل یونانی لفظ کے معنے Slave یعنی **غلام** کے کئے ہیں۔ اس لئے ہمارا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ مندرجہ بالا عبارتوں میں لفظ servus کے معنے غلام ہی ہیں ہمارے اس معنی پر کوئی شخص اعتراض نہیں کرسکتا۔

اب ہم انگلستان کو لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ غلامی کا یہاں کیا حال رہا۔ یہ امر بہت ہی واضح ہے۔ کہ باوجودیکہ غلامی اس خطہ زمین پر موجود تھی۔ اور باوجودیکہ کلیسیا خود سب سے بڑھکر غلام رکھتی تھی۔ غلاموں کی آزادی کے بارہ میں اُس وقت تک کوئی کوشش نہیں کیگئی جبتک کہ یورپ میں سپین کے مسلمانوں کے ذریعہ اسلامی تہذیب داخل نہیں ہوئی۔ بلکہ آرکبشپ آف یارک یعنی یارک کے بڑے بشپ نے غلاموں کے آزاد کرنے سے منع کردیا۔ اور ایسی آزادی کو " زہد و تقویٰ سے گرا ہوا " تعبیر کیا۔ غلاموں کی تجارت کے لئے پہلی انگریزی مہم ۱۵۶۲ء میں جاہن ہاکنس کے ماتحت روانہ ہوئی اور یاد رکھو کہ یہ واقعہ پراٹسٹنٹ مذہب کے جاری ہونے کے بعد ہوا۔ اور اس مہم کو تیار کرنیوالے بھی پراٹسٹنٹ لوگ تھے۔ اور طُرفہ یہ ہے (مسلمان اسے ضرور مذہبی نقطہ خیال سے بہت گرا ہوا سمجھیں گے۔ اگرچہ مسیحی اس میں کچھ بُرائی نہیں سمجھتے) کہ ان تین جہازوں کا نام جیزس یعنی یسوع جاہن بپٹسٹ یعنی یوحنا بپتسما دینے والا اور سلیمان تھا۔ اور ۱۸۳۷ء میں غلاموں کے بھرے ہوئے ایک جہاز نے جس کا تذکرہ رائل کمشن نے بھی کیا اور اُس کی اس میں عزت افزائی سمجھی گئی۔ سات سو غلام مقام پونٹانگرا پر اُتارے۔ اس جہاز کا نام یہوداہ تھا جو بائیبل میں

خدائے تعالیٰ کا نام ہے) اے مسیحیت! شرم سے تیرا چہرہ سفید ہو جانا چاہیئے۔ تو نے بائیبل ہاتھ میں لیکر براعظم افریقہ کے لوگوں کی آزادی کو پامال کیا۔ اُن کے بچوں کو چُرایا۔ ان کو غلام بنایا۔ پھر بیچا اور خریدا۔ اسپر بھی قناعت نہ کی۔ تُو نے سترھویں صدی کے بھی ایک جہاز کا نام (جو غلاموں کی تجارت کے لیئے مقرر تھا) یسوع رکھا اور اُنیسویں صدی کے ایک ایسے ہی جہاز کا نام تُو نے یہوواہ رکھا اور اس طرح اس چیز کی جسکی تُو منافقانہ طور پر مذمت کرتی ہے تقدیس کی۔ ۱۷۱۳ء میں انگلستان نے فرانس کو غلاموں کے امریکہ لیجانے کی ٹھیکہ داری سے محروم کیا۔ اور ملکہ این نے اپنی ایک تقریر میں فخر سے پارلیمنٹ میں بیان کیا۔ کہ وہ انگریز قوم کے لیئے غلاموں کی ایک نئی منڈی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ پھر کئی مرتبہ سکاٹ لینڈ کے فرقہ Covenanter (کاوے ننٹر) اور انگلستان کے فرقہ Dissenter (ڈسنٹر) کے عیسائی غلامی میں بیچ گئے اور لادُو جانوروں کی طرح مشقت کرنیکے لیئے امریکہ دھکیلے گئے۔ جہاں امریکن خریداروں کا پُر غضب کوڑا اُن کی خاطر و مدارات کے لیئے ایستادہ رہتا تھا۔ ہاں۔ اگرچہ انگریز اب ان لفگار واقعات سے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں۔ مگر وہ خود انگریزوں کو غلاموں کی طرح بیچتے تھے۔ اور مسیحی لوگ مسیحیوں کو۔ اور ایسا انیسویں صدی تک ہوتا رہا۔ اے مسیحی انگلستان! کیا تو ان واقعات سے جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے انکار کر سکتا ہے؟ میں صرف ایک اور واقعہ بیان کرونگا ــــــــ دو سو سال گذرتے ہیں۔ جارج دوم کے عہد حکومت میں شاہی فوج نے بوتھ ویل (Bothwell) کی لڑائی پر کاوے ننٹر (Covenanter) لوگوں کو شکست دی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ انکا قتل عام کیا۔ سینکڑوں نے زبور گاتے ہوئے جان دیدی۔ لیکن بہت سے اسیر ہوئے۔ اور مقام (Edinburgh) ایڈنبرا پر گرے فرائیر چرچ میں بطور قیدیوں کے دھکیل دیئے گئے یہاں فرار ہونے کی ذراسی کوشش پر بھی گولیوں کی بارش برسائی جاتی تھی۔ یہاں انہیں قریباً پانچ ماہ تک (سکاٹ لینڈ جیسے سرد ملک کی) کھُلی ہوا میں رکھا گیا۔ بعض دیوانے ہوگئے۔ بعض گولی کے بھینٹ چڑھے۔ لیکن اگرچہ موت نے بذریعہ زخم یا بیماری اکثر

کو رہائی دی۔ تاہم ۲۵۷ نفوس میں جان رہی بس قالب ہی قالب۔ خوب ہی یاد رکھنے کی بات ہے۔ کہ یہ لوگ ایک بزرگ ولیم پیٹرسن نامی لیتھ کے ایک تاجر کے پاس بھیج دیئے گئے۔ اس شخص کے پاس Crown کرؤن نامی ایک جہاز تھا۔ جس میں اپنے ہم وطنوں کو اس نے سوار کر کے امریکہ پہنچانا چاہا تاکہ اُنکو وہاں جاکر غلاموں کی طرح فروخت کرے۔ اس جہاز میں بمشکل ایک سو سواری کی گنجائش تھی۔ لیکن اس میں دو سو ستاون بیکس جو یسوع مسیح کے لئے اور اپنے مذہب کیلئے لڑتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔ گھسیٹر دیئے گئے۔ موسم ایسا خراب۔ کہ لیتھ کے مقام سے چلکر ۱۵ دن کے عرصہ میں بمشکل جزائر آرکنی تک پہنچے۔ اب انکی تکالیف قابل غور ہیں۔ روشنی۔ آرام اور تمام ضروریات زندگی کا میسر ہونا ناممکن تھا۔ بہت کم خوراک پاتے تھے۔ البتہ کوڑا کرکٹ۔ سخت تیز سردی اور برف کی کثرت تھی۔ آخر ایک رات اہالیان جزائر آرکنی نے دیکھا۔ کہ وہ جہاز ساحل کی ایک ترچھی سی چٹان سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ غریب غلام اُسی جگہ زبور کے گیت گاتے ہوئے موت کا لقمہ ہو گئے۔ اے عیسائیت! کیا تو اپنی ایک آنکھ کا شہتیر نہیں دیکھ سکتی۔ میں اب کوارٹرلی ریویو ۱۸۵۵ء کے ایک دو اشتہارات کو نقل کیئے دیتا ہوں۔ "ایک حبشی لڑکا برائے فروخت۔ عمر ۱۱ سال۔ از انگوائر رو رجینیا کافی ہوس۔ تھریڈنیڈل اسٹریٹ لنڈن" "ایک سیاہ حبشی لڑکا۔ انڈین۔ عمر قریباً ۱۲ سال۔ ۸ ماہ حال کو ٹہنی سے فرار ہوا۔ اُسکے گلے میں ایک آہنی پٹہ ہے۔ جسپر یہ عبارت کندہ ہے۔ لنکلن ان فیلڈز کی لیڈی بروم فیلڈ کا حبشی غلام۔ جو شخص اُسے سر ایڈورڈ کے پاس پکڑ لاوے۔ ایک پونڈ انعام لے۔"

اب ناظرین کرام میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ لیکن میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں۔ .... کہ آیا غلاموں کی آزادی مسیحیت کی بدولت ہے؟ مشنری لوگ جو ٹیڑھا جواب دیں۔ دیں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ تمام مسلمان ایک پُرزور آواز میں نفی کا لفظ مُنہ سے نکالیں۔ مسیحیت ہمیشہ سے غلامی کی ثناخوانی

کرتی رہی ہے۔ اور غلاموں کی آزادی اُن لوگوں کی طفیل ہے جو اپنے مذہب میں انسے بہتر تھے۔ روح فرسا جور و ستم کا حال لکھکر جو امریکہ میں غلاموں پر کیئے گئے۔ میں صفحوں کے صفحے پُر کر سکتا ہوں۔ یہ جور و ستم غیر مسیحیوں کے ہاتھ سے نہیں۔ بلکہ انکے ہاتھ سے جنہوں نے یسوع مسیح کو پالیا اُن لوگوں کے ہاتھ سے جو بپٹسٹ تھے۔ ویزلین تھے۔ اپس کوپالین تھے۔ لیکن میں صرف انگلستان کی ہی تاریخ تک محدود رہا ہوں۔ مسیحیت کا بنی نوع انسان اور ابنائے وطن سے جو طرز عمل رہا ہے۔ وہ اعلیٰ ہونے سے کہیں نیچے اور بہت دُور رہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے ہرگز ہرگز لگا نہیں کھا سکتا۔ اور اگر کہیں اسلامی واعظ سرزمین انگلستان میں بھی مذہب اسلام کی اشاعت کے لیئے آتے۔ اور اسلامی اخوت۔ محبت اور رحم کے اصول سکھاتے۔ تو انگلستان مسیحی بزرگوں کے ناقابل ذکر جور و ستم اور کُشت و خون سے محفوظ رہتا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب بہت جلد لنڈن کی مسجد اپنے میناروں کو آسمان تک بلند کرے گی۔ اور مؤذن کی دلربا آواز گونجے گی۔ اور جہالت کے گھٹا ٹوپ بادلوں کو پھاڑ کر اُس کی جگہ توحید کی روشنی چمکائیگی؛

ریویو

سیر دیہات۔ یہ ایک دلچسپ ناول ہے جو سردار محمد اسلم خاں صاحب بلوچ ایڈیٹر المعین امرتسر نے حال میں تصنیف کیا ہے جس میں انہوں نے زمینداروں کی موجودہ حالت کا نقشہ کھینچا ہے اور اُن کی گری ہوئی حالت کے اسباب بیان کیئے ہیں۔ مثلاً مُشرکانہ رسومات۔ سودخوار بنیوں کے ہتھکنڈے۔ سرکاری اہلکاروں کے مظالم۔ وغیرہ۔ مصنف کی غرض جیسا کہ وہ بیان کرتے ہیں اپنے زمیندار بھائیوں کی اصلاح ہے اس لیئے زمینداروں کے لیئے اس کتاب کا پڑھنا بہت مفید ہے۔ اگر لائق مصنف اس رسالہ میں مسلمان زمینداروں کو خدائے تعالیٰ کے اُس حکم کی طرف پورے زور سے توجہ دلاتے جو لڑکیوں کے ورثہ کے متعلق ہے اور جسکو آجکل مسلمانوں نے اور خصوصاً زمینداروں نے بالکل ترک کر دیا ہے تو وہ بہت بڑے ثواب کے مستحق ہوتے۔ ایک امر میں قابل مصنف سے ہمارا اختلاف ہے۔ بے شک یہ درست ہے کہ دیہاتی آبادی جہالت میں گرفتار ہے مگر جو نقشہ اس ناول میں زناکاری کا کھینچا گیا ہے وہ درست نہیں۔ ہاں ممکن ہے کہ بعض خاص اضلاع میں ایسی حالت ہو؛

ہندو مذہب کی تعریف

ہر ایک مذہب کے بعض محکم اصول ہوتے ہیں۔ اور کچھ نہ کچھ مقررہ اعمال۔ جو اُس مذہب کا مابہ الامتیاز ٹھہرتے ہیں۔ اس عام قاعدہ سے مستثنٰی ایک مذہب ہے۔ جسے ہندو مذہب کہا جاتا ہے۔ اس مذہب کے کسی اعتقاد یا طرز عمل کا نام لینا جسے پیروان ہندو مذہب سب کے سب متفق طور پر مانتے ہوں۔ ایک غیر ممکن امر ہے اِس بات کی شہادت کے لیئے چند ایک سرکردہ ہندوؤں کے خطوط سے بہتر مثال شائد ہی کوئی ہو سکے۔ یہ خطوط انہوں نے اخبار لیڈر کے ایڈیٹر کو اُسکے اِس سوال کے جواب میں لکھے ہیں۔ "ہندو مذہب کے ایک پیرو کے لیئے کون کون سے اعتقادات اور اعمال ضروری و لابد ہیں اُن غیر ضروری عقائد اور اعمال کو چھوڑ کر جن کا ماننا نہ ماننا یا اُنپر عمل پیرا ہونا انسان کی مرضی پر منحصر ہے،" چار پختہ مغز ہندو اصحاب نے اس سوال کے جوابات لکھے ہیں لیکن ناظرین یہ دیکھکر حیران ہونگے۔ کہ اُن صاحبان میں سے کسی دو کے بیان کردہ اعتقادات بھی آپسمیں صحیح طور سے نہیں ملتے۔ اس مضمون پر رائے زنی کرنے والے اصحاب یہ ہیں (۱) سر گرو داس بنیر جی کے۔ ٹی۔ (۲) مسٹر سداسی ویئر۔ ڈسٹرکٹ وسشن جج گنجام۔ (۳) ستیندر ا ناتھ ٹاگور۔ آئی۔ سی۔ ایس (ریٹائرڈ) اور (۴) مسٹر پی۔ ٹی۔ سری نواس آئنگر پرنسپل مسنر اے۔ وی۔ این وزنگا پٹم۔ ان اصحاب کی قابلیت انکے اسمائے گرامی سے ظاہر ہے۔ یہ دیکھنا ایک دلچسپ امر ہے کہ ہر ایک نے ہندو مذہب کے ضروری و لابد اعتقادات و اعمال کی نسبت کیا کچھ رقم فرمایا ہے۔ سر گرو داس بنیر جی رقم طراز ہیں کہ اس سوال کے جواب میں اختصار و ایجاز سے کام لینا آسان نہیں ہے۔ لیکن تاہم آپ تین اعتقادات اور تین ہی اعمال درج فرماتے ہیں۔ جنہیں آپ ہندو مذہب کے ضروری خصوصیات قرار دیتے ہیں۔ تین اعتقادات جنکا آپ نے حوالہ دیا ہے۔ یہ ہیں :- (۱) ہستی باری کا اقرار۔

(۲) آیندہ زندگی کا اقرار۔ (۳) ویدوں کا اقرار۔ اور تین اعمال جو آپ کی رائے میں لابد ہیں: یہ ہیں:۔ (۱) غیر ذات سے شادی کی ممانعت پر عملدر آمد۔ (۲) نیچ ذات سے ملکر کھانا کھانے کی ممانعت پر عملدر آمد۔ (۳) ممنوعہ غذا کے استعمال سے اجتناب خصوصاً (گائے کا گوشت) لیکن اختتام خط سے پیشتر آپ اپنے ہاتھ سے ان تمام پر پانی بھی پھیر جاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔" عملاً اب ہندو قوم دائرہ مذہب میں ہر کس کو بشرطیکہ وہ پیدائشی ہندو ہو۔ داخل سمجھتی ہے۔ اُس کا طرز عمل یا اعتقادات خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں ہاں علی الاعلان اُس نے ہندو مذہب سے قطع تعلق بھی نہ کر لیا ہو۔ یا ہندو قوم سے باہر کہیں شادی نہ کر لی ہو" اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک ہندو کے لیئے کوئی ایسا اصل یا اعتقاد نہیں ہے۔ جسے ضروری اور لابد کہا جاسکے۔ اعتقاد بے شک ایک ہندو کچھ رکھے۔ اور جو چاہے کام کرے۔ ہندو کا ہندو رہ سکتا ہے۔ جو کچھ اُس کے لیئے ضروری ہو سکتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ ہندو مذہب سے علی الاعلان انکار نہ کرے یا کسی غیر ہندو قوم میں شادی نہ کرے ؛

انکے بعد مسٹر سداسی ویئر ڈسٹرکٹ وسشن جج گنجام آتے ہیں۔ آپکے خیال میں ایک ہندو کے لیئے ضروری اور لابد چیز یہ ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے۔ کہ سنکرت کے ہر چہار ویدوں میں روحانی و اخلاقی صداقتیں موجود ہیں۔ جو کسی دوسرے لکھے ہوئے یا بولے ہوئے الفاظ سے کم نہیں ہیں۔ آپ "کم نہیں ہیں"، کے الفاظ اس لیئے تحریر فرماتے ہیں کیونکہ اُن کے خیال میں ایک ہندو ویدوں کے مقابل میں کسی دوسری کتاب پر ایمان رکھ سکتا ہے۔ لیکن "(اگر وہ ہندو ہے) اُسے اس کتاب کو بلحاظ اخلاقی و روحانی طاقتوں کے ویدوں کے اپنیشد اور اخلاقی حصوں سے اعلیٰ نہیں سمجھنا چاہیئے۔" اس بیان کے لحاظ سے ایک ہندو بائیبل یا اوستا کو وید کے برابر تسلیم کر سکتا ہے۔ صرف اتنا ضروری ہے کہ ان کتابوں کو ویدوں سے اعلیٰ نہ سمجھے۔ پھر آپ نے "لکھے ہوئے یا بولے ہوئے الفاظ"

کی شرط لگائی ہے یعنی صرف لکھے ہوئے اور بولے ہوئے الفاظ کو ویدوں سے بہتر نہیں سمجھنا چاہیئے۔" سماوھی علم جب تک کہ وہ آواز یا حروف کی شکل اختیار نہ کرے۔ ویدوں سے کہیں اعلیٰ سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن جونہی کہ یہ الفاظ یا حروف کی شکل اختیار کرے۔ ایک ہندو کے نزدیک ان کا پایہ ویدوں سے کم ہوجانا چاہیئے" مسٹر سداسی وئیر نے انٹوشنل علم پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ کہ وہ کس طرح بولنے یا لکھنے سے ویدوں کی سطح پر آسکتے ہیں۔ لیکن یہ اس لیئے ہے۔ کہ اگر آپ کسی اور طرح کا خیال ٹھان لیں۔ ان کے ہندو رہنے کا خاتمہ ہوجاوے۔ ہندو کہلانے کے لیئے ایک چیز جو ویدوں سے حقیقتہً کہیں بڑھکر ہے۔ ان کے صرف ہمپایہ ہی سمجھنی چاہیئے ضروری اعمال کے متعلق مسٹر سداسی وئیر کچھ زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کرتے۔ آپنے ذکر نہیں کیا۔ کہ کونسے اعمال تمام ہندؤں کے نزدیک ضروری ہیں۔ شائد آپ کو کوئی عمل جس پر ہندو متفق طور پر عمل پیرا ہوں۔ معلوم نہیں ہوسکا۔ لہٰذا آپنے اس عام قاعدہ بیان کرنے پر ہی اکتفاء کیا ہے کہ "ایک ہندو کو اس بات پر عمل پیرا ہونا چاہیئے جسے وہ سمجھتا ہے کہ ویدوں کے مخالف نہیں بلکہ مطابق ہے۔ اور عام معاملات میں اُسکا اپنا ضمیر ہی رہنما ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کام ویدوں کے خلاف نہ ہو۔ چونکہ فطرت انسانی گناہ کا احتمال رکھتی ہے۔ اگر کوئی کبھی ویدوں کے خلاف کرے۔ لیکن وہ سمجھتا ہو کہ اسے وہ کام کرنے چاہیئیں جن کی ویدوں نے تاکید کی اور جو کہ ویدوں کے خلاف نہیں۔ تو وہ بھی ہندو ہی ہے۔ خواہ ایسا شخص ویدوں کا خود مطالعہ نہ بھی کرسکتا ہو۔ اگر (ویدوں کے سُننے یا پڑھنے یا ویددانوں کے وعظ و نصیحت سے کسی امر کے تسلیم کرنے سے) اسکا یہ اعتقاد ہے۔ کہ فلاں فلاں اعمال وید منع کرتے ہیں اور فلاں فلاں کی تاکید کرتے ہیں اور وہی اُسکو عزیز ہیں۔ اور اُنہیں کو وہ اپنا اصلی مقصد سمجھتا ہے۔ تو وہ ضرور ایک ہندو ہے"۔

ذرا غور سے دیکھا جائے۔ تو یہ جواب درست نہیں ہے۔ کیونکہ سوال تو یہ تھا کہ وہ کون کون سے اعمال ہیں جن کا کرنا ہر ایک ہندو پر فرض ہے۔ اس سوال کا تو مطلق

جواب نہیں دیا۔ کیونکہ کسی ایک عمل کا بھی ذکر نہیں کیا گیا۔ جس پر تمام ہندو عمل پیرا ہونا اپنا فرض سمجھتے ہوں۔ آپ کا جواب تب موزون اور درست ہوتا۔ اگر آپ بجائے یہ کہنے کے کہ ایک ہندو کو اُن باتوں کی پیروی کرنی چاہیئے۔ جو ویدوں میں لکھی گئی ہیں۔ کسی دیگر عمل کا نام بھی لے دیتے۔ تاکہ ہم بھی دیکھ سکتے کہ آیا وہ تمام افراد جنکو ہندو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسپر عمل بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں۔ تو آیا پُر عمل پیرا ہونا درست بھی سمجھتے ہیں؟

مسٹر ستندر ناٹاگور آئی۔ سی۔ ایس (ریٹائرڈ) اس بات سے بالکل انکاری ہیں کہ ہندو مذہب میں کوئی ضروری اعتقاد بھی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ مسٹر گرو داس بنرجی نے تین ضروری اعتقاد قرار دیئے ہیں یعنی ہستی باری کا تسلیم کرنا۔ آیندہ زندگی کا ماننا۔ اور ویدوں کو ماننا۔ اس طرح مسٹر ٹاگور کے مطابق تو ایک شخص خواہ پکّہ دہریہ بھی کیوں نہ ہو۔ اور روح کے فانی ہونیکا اعتقاد رکھے۔ وہ ایسا ہی پکّا ہندو ہے جیسا کہ ایک پارسا برہمن۔ آپ لکھتے ہیں کہ "ہندو مذہب کی کوئی ایسی بات بطور اعتقاد ضروری نہیں کہ جس کے ماننے سے ہی انسان ہندو بن سکے۔ تم کسی اصول کو جسے تم پسند کرو مان سکتے ہو۔ دہریت تک کو بھی۔ اور ہندو بھی رہ سکتے ہو" لیکن اب سوال ہے۔ کہ ویدوں کے احکام کو کدھر کیا جاوے؟ ایک شخص اگر اسقدر آزاد ہے۔ کہ وہ جو چاہے اعتقاد رکھے۔ یہانتک کہ وہ ہستی باری سے بھی منکر ہو۔ تو اُسے ویدوں کے ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ تاہم مسٹر ٹاگور کہتے ہیں۔ کہ ویدوں کے الہامی ہونیکا اعتقاد کم سے کم ضروری ہے۔ خواہ برائے نام ہی ہو۔ کیونکہ آپ لکھتے ہیں کہ "تم کو بوجہ ایک ہندو ہونے کے زبانی طور پر ویدوں کے الہامی ہونے کا اعتقاد رکھنا چاہیئے" افسوس ہے اسجگہ پر مسٹر ٹاگور سے سہواً شائد تضاد واقع ہوگیا ہے۔ جو شخص خدا کی ہستی کا منکر ہوگا وہ ویدوں کو الہامی کتاب کیوں مانیگا۔ کیونکہ الہام کے ماننے سے لازم ہے کہ خدا کی ہستی بھی مانی جاوے۔ اب اگر کوئی شخص ویدوں کو الہامی کتاب مانے۔ تو اُسکے مندرجہ احکام کو بھی ماننا چاہیئے۔ مسٹر ٹاگور خود اس مشکل کو محسوس کرتے ہیں اسکی آپنے حل کرنے کی بھی کوشش کی ہے "تمھیں اختیار ہے کہ ویدوں کی تفسیر اور تشریح جس طرح چاہو کرو" آپ لکھتے ہیں۔

کہ یہ تمھارے لیئے مذہب کی غلامی سے آزادی کا ذریعہ ہے۔ میں نہایت ادب سے مسٹر ٹاگور سے دریافت کرتا ہوں۔ کہ جس کتاب کی پیروی کا ارادہ ہی نہیں۔ اسکے ماننے ہی کی کیا ضرورت ہے؟ بجائے اپنے اعتقاد کو کتاب کے مطابق بنانیکے اگر کتاب کے معانی کو ہی اپنے مطلب کے مطابق الٹنا ہے۔ تو بہتر ہے۔ اُس کتاب کو ہی خیرباد کہدیا جاوے۔ کیونکہ ہمیں کتاب کی پیروی کرنی چاہیئے نہ کتاب کو ہماری۔ اگر ایک شخص وید کو الہامی کتاب مانتا ہے۔ تو اُسے اپنے خیالات کو وید کی تعلیم کے ماتحت کرنا چاہیئے۔ الہامی کتاب کو اپنے خیالات کے مطابق بنانا سخت بے ادبی ہے۔ میں اس بات کو سمجھ نہیں سکتا۔ کہ مسٹر ٹاگور نے مذہبی کتب کے ساتھ کیوں اسقدر آزادی کو جائز رکھا ہے۔ اگر وید سلیس زبان میں صحیح تعلیم بیان کرتا ہے۔ وید کا پیرو دہریہ نہیں ہو سکتا۔ اگر وید کو ماننے والا ہستی باری سے منکر ہے۔ تو اس سے لازمی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ یا تو وید واضح طور پر ہستی باری کی بابت کوئی تعلیم اپنے اندر نہیں رکھتے یا انکو ماننے والا انکی اس تعلیم کی صحت سے انکاری ہے۔ مسٹر ٹاگور کے الفاظ سے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ کہ وید ہی میں کوئی تعلیم اس مضمون کی نہیں پائی جاتی۔ آپ کا خیال ہے۔ کہ وید کا اپنے مطلب کا ترجمہ کرنے سے خدا کا انکار ہو سکتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس بارہ میں وید کی تعلیم واضح نہیں ہے۔ یا کم سے کم ایسی واضح نہیں۔ جیسی کہ قرآن کریم کی ہے۔ موخر الذکر کی تعلیم اس قدر مفصل ہے کہ کوئی بھی اس کا ایسا ترجمہ نہیں کر سکتا۔ جس سے اللہ تعالیٰ کے انکار کا موقعہ مل سکے۔ لیکن وید کے متعلق مسٹر ٹاگور خیال کرتے ہیں کہ ایک ہندو وید مقدس کا معتقد بھی رہے اور خدا کا انکار بھی کردے۔ یہی نہیں بلکہ اُن کے خیال میں ایک شخص یہاں تک کر سکتا ہے۔ کہ وید کی عبارتوں کو اپنے دلی ارادوں کے مطابق بنائے۔ مزید برایں مسٹر ٹاگور کا خیال ہے کہ ایک ہندو کے لیئے کوئی ضروری نہیں۔ کہ تمام کے تمام وید کو مانے۔ آپ لکھتے ہیں "تم اس کتاب کے ہر ایک پہلو کو ماننے کے لیئے مجبور نہیں ہو۔۔۔۔۔۔۔ چال چلن کی بابت بعض قانون بتاتی ہے۔ مثلاً نیوگ یعنی خاوند کا بھائی اولاد کے لیئے اُس کی جا بجا بیوی کے پاس بھیجا جا سکتا ہے۔ جو اس کل جگ کے زمانہ میں سخت نفرت کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ نہ ہی "ہوم" کی رسم ہی اس حد تک ادا کیجا سکتی ہے۔ جس تک ویدوں کا تاکیدی حکم ہے۔

ہاں ایک محدود سی رسم ادا بھی ہونی چاہئیے۔ برہمن کو گیتری منتر پڑھکر سندھیا (نماز) ادا کرنی چاہیئے لیکن میں خیال کرتا ہوں۔ کہ اس مسئلہ پر عملدرامد کی بجائے اسکا چھوڑ دینا فائق اور باعزت ہے"

یہ ظاہر کرکے کہ ہندو مذہب کوئی اعتقادی مذہب نہیں آپ، ہندو مذہب کے ضروری اعمال پر بحث کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں۔ کہ "بعض اعمال (رسم ورواج) کو ہندو مذہب ضروری جانتا ہے۔ بے شک ان میں سے بڑی رسم ورنا سرم ہے یعنی ذات کا خیال جس طرح کہ آجکل موجود ہے۔ اس میں سے ذراسی فروگذاشت ایک شخص کو قوم سے قطع کردیتی ہے" آگے چلکر آپ لکھتے ہیں۔ "اس بات کی آزمائش کیلئے کسوٹی وہ ہے جو ایک ہندو کو باقی قوم سے بے تعلق کردیتی ہے۔ وہ یقیناً کوئی اعتقادی چیز نہیں ہے۔ بلکہ کسی مسلمہ رواج ورسوم سے منحرف ہونا ہے۔ مثلاً ایک بیوہ عورت کا دوبارہ شادی کرنا وغیرہ" پوجا یعنی مورتی پوجا کے عام طریق کا ترک کرنے سے۔ خصوصاً شادی وغم کے موقعہ پر۔ بُرے نتائج پیدا ہونگے۔ ایسے ہی ذات کا خیال نہ رکھنا اور بین القومی شادی کردینی۔ سمندر کا سفر۔ برہمن کا جنیو نہ پہننا اور ایسے ہی دیگر رسوم وغیرہ"۔ "یہ سچ ہے کہ بعض اعتقادی امور ہندوؤں کے اکثر حصہ میں جڑھ پکڑ گئے ہیں۔ لیکن یہ کوئی عالمگیر یا ضروری نہیں کہلا سکتے۔ تم ایک اعتقاد کو چھوڑ سکتے ہو۔ بشرطیکہ تم اُس رسم پر عمل پیرا رہو۔ جو کہ ایسے اعتقاد سے پیدا ہوگئی ہے۔ مثلاً تم سرادھ کی رسم کو بُرا نہیں کہہ سکتے اگرچہ تمھارا روح کے غیر فانی ہونے پر اعتقاد بھی نہیں"

پس مسٹر ٹاگور کے بیان کے مطابق ہندو مذہب کے لئے کوئی ضروری اعتقاد ہی نہیں۔ اگرچہ بعض رسوم بیشک موجود ہیں۔ جسکو ایک ہندو ترک نہیں کرسکتا۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ بہت سے ہندوؤں نے ایسے رسم رواج کو صرف چھوڑا ہی نہیں ہے۔ بلکہ اکثر انکی مذمت بیان کرتے ہیں۔ مثلاً مورتی پوجا جسے آپ لکھتے ہیں۔ کہ ہندو مذہب کا یہ ایک ضروری عمل ہے اس زمانہ کے ہندوؤں نے خصوصاً برھمو سماج اور آریہ سماج نے اسے ترک کردیا ہے۔ سکھ لوگ جنہیں قانون نے بھی ہندو ہی قرار دیا ہے۔ اور جنہیں پیروان مذہب ہندو بھی اکثر ایسا ہی کہتے ہیں۔ مورتی پوجا نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ ویدوں کو زبان تک سے بھی الہامی کتاب نہیں ملنتے۔ نہ ہی وہ ذات کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اسی طرح مسٹر ٹاگور بیوہ کی دوبارہ شادی کو قوم سے قطع کرنیوالی چیز بیان کرتے ہیں۔ لیکن ہزاروں ہندو موجود ہیں۔ جو دوبارہ شادی کی

طرف لیتے ہیں۔ آریہ سماجی خوب زور شور سے اسکی خوبیاں بھی بیان کرتے ہیں۔ آریہ سماج نے سفر سمندر اور سرادھ کی امتناہی کا بھی اچھی طرح قلع قمع کیا ہے۔ لیکن سماج کے افراد ضرور ہندو ہیں۔ اور عملاً تو بہت سے دوسرے ہندوؤں نے بھی ایسی امتناہی سے دست برداری کر لی ہے۔ وہ چیز جسے مسٹر ٹاگور ضروری قرار دیتے ہیں یہ ہے۔ کہ بعض رسوم کی پابندی ہو۔ لیکن قسمت سے وہ رسوم جو آپ نے درج کی ہیں۔ ہر جگہ کے ہندو انکی پابندی نہیں کرتے۔ پس مسٹر ٹاگور کے خط کے ملاحظہ کے بعد جو نتیجہ ہم نکال سکتے ہیں یہ ہے۔ کہ کوئی نہ عمل ہے اور نہ ہی کوئی اعتقاد۔ جسے ہندو مذہب کے لئے ضروری اور لابد کہا جا سکے۔

چوتھے شخص جو مجوزہ سوال کا جواب لکھتے ہیں۔ ہندو مذہب سے ہی منکر ہیں۔ اور اسطرح پر اپنے خط کی ابتدا کرتے ہیں۔ "آپ کا سوال دکہ نسے ضروری اعتقادات یا اعمال ہیں جو پیروان ہندو مذہب کے لئے ضروری ہیں' اُس اصطلاح کی عمدہ مثال ہے جسے منطقی لوگ سفسطہ یا مغالطوں کا مجموعہ کہتے ہیں۔ آپ سمجھے بیٹھے ہیں کہ (۱) گویا لفظ ہندو کسی مذہب کا نام ہے۔ اور کہ (۲) بعض اعتقادات اور اعمال جس (آخری لفظ سے) آپ کا مطلب کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا ہے ہندو کہلانے والی قوم کے مذہب کی ضروری خصوصیات ہونی چاہیئے۔" آپ کی رائے ہے کہ ہندو مذہب کے مذہب ہونے کے غلط خیال کا باعث مسلمان اور عیسائی لوگ ہوئے ہیں لکھتے ہیں "یہ مسلمان اور عیسائی جن کے مذہب میں صحیح اور واضح اعمال یا اعتقادات موجود ہیں جن سے یہ اپنے مذہب کی تعریف کر سکتے ہیں۔ انکو خیال ہوا۔ کہ ہندو بھی بعض اعتقادات یا اعمال رکھتے ہیں جن سے ہندو مذہب مرتب ہوتا ہے" مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ کیوں ہندو بھی مسلمانوں اور عیسائیوں کی اس غلطی میں شامل ہو گئے ہم برہمو سماج اور سکھوں جیسے ہندو مذہب کے فرقوں کی وجہ تسمیہ کی بحث سنتے ہیں اگر ہندو مذہب فی الواقع کسی مذہب کا نام نہیں۔ تو ان ہندو فرقوں میں ایسے مباحثات کا ہونا ایک بے سروپا بات ٹھہرے گی۔ اخبار لیڈر کے ایڈیٹر صاحب کا سوال ہی اس بات کی کافی شہادت ہے۔ کہ باشندگان ہند ہندو مذہب سے عام طور پر کسی مذہب کا نام سمجھتے ہیں۔ لفظ "ہندو مذہب" کی کیفیت کے متعلق جو خیال مسٹر آئنگر نے جتایا ہوا ہے

اُس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ہندوازم نامی مذہب کا نہ کوئی عمل ہے۔ نہ اعتقاد۔ ذات کا سوال ہندو مذہب کا مابہ الامتیاز سمجھا جاتا ہے۔ لیکن مسٹر آئنگر لکھتے ہیں۔ "ذات کا انتظام اور اسکی بعد کی ترقی اُس اعلیٰ پیمانہ تک نہ پہنچ سکی کہ مذہب کی تعریف کرتے وقت اُسے ذکر کیا جاوے۔ کیونکہ برہمنوں کے واعظانہ طرز عمل سے جو ذات کے سوال کا بڑا حصہ ہے۔ لاکھوں آدمی بے خبر ہیں اور لاکھوں ہی اُسکو بُرا سمجھتے ہیں۔ بالفاظ دیگر جنوبی ہند کے لوگ جو خود بھی برہمن ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اور بہت سے دوسرے شودر ذات کے لوگ۔ لیکن یہ تمام یقیناً ہندو تسلیم کیئے جاتے ہیں" پھر کہتے ہیں "ایک اعتقاد یا عمل جسے ایک علاقہ کے ہندو نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ دوسرے علاقہ کے ہندو اُس سے بالکل بے خبر ہیں۔ مگر یہ سچ ہے۔ کہ ہندو فلسفہ کے مختلف مدرسے بعض اصولوں کو مسلم اصول تصور کرنے پر متفق ہیں۔ لیکن فلسفہ مذہب نہیں کہا جا سکتا...... ہندو مذہب کسی ایک فرد کی تعلیم سے پیدا نہیں ہوا۔ اور عیسائیت کی طرح اسمیں سینکڑوں قسم کے نشیب و فراز نہیں ہیں" مسٹر آئنگر ہندو قانون کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "مسلمانوں میں مذہب قانون اور تمدن ملے ہوئے ہیں۔ جو اسلام قبول کرتا ہے۔ وہ اسلامی قانون کو اختیار کر لیتا ہے۔ 'ہندو قانون' کے جملہ سے لوگوں کو خیال اُٹھتا ہے۔ کہ یہ بھی کوئی اسلامی قانون کا مترادف و متقابل جملہ ہے۔ لیکن جب یہ جملہ بنایا گیا اُسوقت کوئی ہندو قانون موجود نہ تھا...... جسطرح بچہ کہتا ہے کہ خدائے عزوجل نے مجھے بنایا۔ اور پھر میں نشو و نما پا گیا۔ اسی طرح ایک رشی نے اپنے پیرووں کے لیئے قانون بنایا۔ جس نے نشو و نما پا کر 'ہندو قانون' کا جامہ پہن لیا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے کہ اس قانون سے تمام ہندوؤں کی حد بندی ہو گئی۔ فی زمانہ لاکھوں شودر اور پاریاہ وغیرہ لوگ موجود ہیں جو کبھی کچہری کا مُنہ تک نہیں دیکھتے اور اپنی ذات کے ہی قانون پر عملدرآمد رکھتے ہیں۔ مسلمان اسلیئے ایک واحد جماعت ہیں کہ انکا مذہب اور قانون ایک ہی چیز ہے اور عیسائی اس لیئے کہ اُن سب کا کم سے کم ایک بات پر مشترکہ اعتقاد ہے۔ آخرش مسٹر آئنگر ایک ہندو کی تعریف کرتے بھی ہیں۔ لکھتے ہیں "کہ وہ زمین ہند میں پیدا ہوا ہو۔ اس کے والدین غیر ممالک کے نہ ہوں۔ یا مسلمانوں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے غیر مذاہب سے نہ ہوں۔

اُس نے خود بھی ان مذاہب کو اختیار نہ کر لیا ہو گا۔

اِن متضاد خیالات سے صرف ایک ہی نتیجہ نکل سکتا ہے۔ کہ ہندو مذہب مختلف فرقوں اور قوموں کا ایک مجموعہ ہے۔ جنہیں سے ہر ایک نہ صرف معمولی باتوں پر دوسروں سے مخالفت رکھتا ہے۔ بلکہ اصول میں بھی سخت مخالف ہیں۔ اور اس اختلاف کی یہ حد ہے کہ ایک دہریہ جو خدا کی ہستی اور ارواح کے غیر فانی ہونے سے بھی منکر ہے۔ ہندو کا ہندو ہے۔ بشرطیکہ وہ ہندو ازم سے علی الاعلان منکر نہ ہو گیا ہو۔ ہندو ازم میں کثیر التعداد فرقے ہیں۔ لیکن انہیں سے کسی ایک کا بھی کوئی اعتقاد مشترک نہیں۔ یہ بات بہت عجیب ہے۔ کہ اختلاف (دونوں نئے اور پُرانے) ہندو ازم میں موجود ہیں۔ اور ویدوں کے زمانہ میں بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔ اینسائکلوپیڈیا برٹیانیکا کی جلد ۱۳ صفحہ ۵۰۱ (گیارھویں ایڈیشن) میں تریموتی کی بابت درج ہے "اس اصول کی بابت کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ کہ اسکی بنا مذہب کی پاس نے ڈالی۔ اور اس سے مدِ نظر یہ امر تھا۔ کہ لوگ اسے بہت جلد قبول کر لینگے۔ کیونکہ اس میں وشنو اور شیوا جیسے پُرانے اور محبوب دیوتاؤں کو شامل کیا گیا ہے جس سے یہ بات عیاں ہے۔ کہ یہ دونوں دیوتا پُرانے زمانہ میں بھی عام طور پر اس زور سے پُوجے جاتے تھے۔ کہ بیچارے صلح کُل واعظ مشترکہ طرز پرستش کے خلاف کچھ نہ بول سکے۔ جب ہم ان دونوں دیوتاؤں کی خوبیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں سے ہر ایک بہت سے پُرانے دیوتاؤں کا جانشین تسلیم کیا جاتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ ویدوں کے زمانہ میں بھی لوگوں کے خیالات کچھ ایسے ہی ہونگے تھے۔ اور دیوتا کے تیسرے اوتار کا مسئلہ برہمن خیالات اور لوگوں کی طرز پرستش کے اکٹھا کرنے ہی سے پیدا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ لوگ تین کے عدد کو پوتر سمجھتے تھے۔ انکا یہ بھی اعتقاد تھا۔ کہ برہما پیدا کرنے والا (برہمنوں کا بلحاظ ذات موجب فخر) پرستش میں برائے نام بڑا خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن شوا بخلاف اسکے صرف مارنے والے کے علاوہ کائنات کو پیدا کرنیوالا اور مارنیوالا تسلیم کیا جاتا ہے۔ برھما اصل میں اپنا اصلی کام کر کے یعنی مخلوق کو پیدا کر کے اب خاموش بیٹھ گیا ہے۔ اور اُسے اب فنکٹس افشو خیال کرنا چاہیئے۔ جیسے کہ پہلے زمانہ میں ایک بزرگ گذرے ہیں۔ جنہیں ایک شاعر نے اپنے قصیدوں میں تپا ھا کے لفظ سے یاد کیا ہے .... اس قوم نے

بعض اوقات ملکی حالت سے فائدہ اُٹھا کر دوسری اقوام پر قسم قسم کی فوقیت جمانے کی بھی کوشش کی ہے۔ اور یقیناً اُس کوشش میں کامیابی بھی ہوئی۔ کیونکہ ہندوستان کے طول وعرض میں ہر جگہ انکی فوقیت تسلیم کیجاتی ہے۔ مگر قسمت نے کچھ ایسا ہی فیصلہ کیا۔ کہ اپنے اس رتبہ کو قائم نہ رکھ سکے ؛

مسٹر آئنگر ہندوؤں کے اختلاف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "آریوں سے پہلے لوگوں کا مذہب انکے اعتقادات اور اعمال کچھ اور تھے۔ اور آریوں کے اعتقاد وغیرہ کا اضافہ بعد میں ہوا۔ ویدوں کا زمانہ۔ ویدوں سے پہلا زمانہ۔ بُدھ کا زمانہ۔ اور پورن کے زمانہ میں بہت سی عادات اور بہت سے خیالات پیدا ہوئے۔ اور ہم میں سے ہر ایک کے مذہب میں ان عادات و اطوار کا حصہ ضرور شامل ہے۔ لیکن ان میں سے ایک کو بھی ہندو مذہب کا کوئی ضروری حصہ قرار نہیں دیا جا سکتا،، اس تشریح سے اگرچہ اسمیں سیکٹیرین ازم کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ آیا کوئی معیار بھی ہے جس سے ہم ہر ایک فرقہ کے الگ الگ مذہب کو دیکھ سکیں۔ اس صاحب نے اس زمانہ کے ہندو مذہب کے اختلاف کو درست بیان کیا ہے۔ مسٹر جی۔ ڈی بنیرجی تو لکھتے ہیں "ہندو قوم ہر ایک پیدائشی ہندو کو اگرچہ اسکے اعتقادات یا اعمال کچھ ہی کیوں نہ ہوں ہندو تسلیم کرتی ہے۔ بشرطیکہ اُس نے علی الاعلان ہندو مذہب کو ترک کر دیا ہو۔ یا ہندو قوم سے کہیں باہر شادی نہ کر بیٹھا ہو،، مسٹر ایس۔ این ٹاگور لکھتے ہیں "ہندو ازم میں کوئی خاص اصول نہیں۔ تم جو چاہو۔ اعتقاد رکھو۔ خواہ دہریت بھی مانو۔ تم ہندو کے ہندو رہ سکتے ہو،، مسٹر آئنگر نے اگرچہ ہندو مذہب کے اختلافات کا بیان کیا ہے۔ لیکن انہوں نے وہ باتیں جو مسٹر ٹاگور اور بنیرجی نے بیان کی ہیں۔ نہیں درج کیں۔ سیکٹیرین ازم کی بھی آپنے کوئی تسلی بخش تشریح نہیں کی۔ کیونکہ بہت سے نئے فرقے ایسے ہیں۔ جو وید کی تعلیم سے کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ لیکن ہندو تسلیم کئے جاتے ہیں ؛

ہر شخص جو ہندو اصحاب کے ان خطوط کا ملاحظہ کریگا۔ یہ نتیجہ نکالنے سے باز نہ رہ سکیگا۔ کہ روئے زمین کے مذاہب میں سے ہندو مذہب بہت کم خوبیاں یا کشش رکھتا ہے ؛

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ نومبر ۱۹۱۲ء

صیغہ تعلیم:- تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کا سالانہ معائنہ مسٹر گراس ایم۔ اے انسپکٹر مدارس حلقہ لاہور نے بمعیت اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس و ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ضلع گورداسپور ۲۸ اور ۳۰ نومبر ۱۹۱۲ء دو یوم کیا۔ عام رائے جو انسپکٹر صاحب بہادر نے دی ہے وہ یہ ہے کہ گو مدرسہ کا نتیجہ پہلے بھی اچھا رہا ہے مگر اس سال سکول بہت سے پہلوؤں کے لحاظ سے عمدہ حالت میں ہے۔ باقی امور کے متعلق کوئی رپورٹ نہیں پہنچی۔ بہ تقریب جلسہ سالانہ سکول ۲۰۔ دسمبر سے ۲۔ جنوری ۱۹۱۳ء تک بند رہے گا۔

مدرسہ احمدیہ:- تعداد طلباء ۸۸ ہے۔ سات نئے طالب علم آئے۔ دو اپنے خرچ پر اور باقی مساکین۔ مدرسہ ۲۰۔ دسمبر سے ۲۔ جنوری تک بند رہے گا۔

اشاعت اسلام:- ریویو انگریزی اور اردو میں دو دو کی اور تفسیر میں ایک کی بیشی ہوئی۔

مقبرہ بہشتی:- اس ماہ مولوی بدرالدین صاحب کی بہت سی کتب بحساب وصیت آئیں اور بیس وصیتیں اس ماہ نئی آئیں۔ اور مبلغ عا ماسہ حصہ جائداد قاضی خواجہ علی صاحب مرحوم سابق مہتمم لنگرخانہ اور عـہ حکیم غلام محی الدین صاحب بذریعہ حافظ تصور حسین صاحب اور سـہ منشی فضل کریم صاحب اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ صاحب وصول ہوئے۔

تعمیر:- ماہ نومبر ۱۹۱۲ء میں حسب ذیل رقوم چندہ تعمیر میں وصول ہوئی ہیں۔ اس میں انجمنوں اور جماعتوں کی سب چھوٹی بڑی رقوم لگئی ہیں اور فرداً فرداً جو رقوم آئی ہیں ان میں سے صرف وہ رقوم دکھائی گئی ہیں جو دس روپے یا اس سے زائد رقم کسی نے ارسال کی ہیں۔ کل آمد چندہ تعمیر اس ماہ ۳-۸-۷۷۱ ہوئی۔ ماسٹر محمد الدین صاحب ٹیلر ماسٹر کی ایک سو روپے کی رقم اس فنڈ میں قابل ذکر ہے۔ جزاہ اللہ خیرا۔

فہرست چندہ تعمیر جو انجمنوں اور جماعتوں کی طرف سے ہو

منکیرہ عا - قادیان [illegible] - سڑوعہ [illegible] - راہوں للعہ - کریام ا - پشاور [illegible] - میانوالی [illegible] لائل پور [illegible] - مرنج سے - مردان ما - گوریکی عہ - گجرات [illegible] - لاہور [illegible] - سیالکوٹ [illegible] داتہ للعہ - جہلم [illegible] - الہ آباد [illegible] - جموں [illegible] - چکسہ [illegible] - میرٹھ للعہ - سہارنپور ۸ پاکپٹن [illegible] - بہراور عا - انبالہ شہر [illegible] - لنگڑ [illegible] للعہ - متفرق احباب سے [illegible]

متفرق احباب میں سے جنہوں نے عہ یا عہ سے زیادہ رقم ادا کی

ماسٹر خیر الدین صاحب اسسٹنٹ ماسٹر امرادتی سے) - ڈاکٹر یعقوب خاں صاحب مونہ ریمونٹ ڈپو عہ
بابو کریم اللہ صاحب سب اوور سیر ناگپور عہ - میاں محمد الدین ٹیلر ماسٹر چھاؤنی دھرم سالہ مار
چودھری فیض احمد و نذیر احمد صاحبان طالب پور ضلع گورداسپور عہ - میاں احمد بخش صاحب
ڈوچی میرام شاہ عہ ؎

یتامیٰ :- آمد سالعہ خرچ ماعہ ہوا - دراصل باہر سے لعہ آمد ہوئی ہے اور اڑھائی سو روپیہ صیغہ مقبرہ بہشتی سے برائے امداد یتامیٰ منتقل ہوئے ہیں ایک یتیم پانچ روپے ماہوار وظیفہ والا چلا گیا اور ایک تین روپے ماہوار وظیفہ پر لیا گیا - مستری کرم الدین صاحب غیر احمدی نے اپنے لڑکے کے قرآن شریف ختم کرنے کی تقریب پر جو قاعدہ یسرنا القرآن پر کیا گیا ہے پانچ روپے اس مد میں بھیجے ؎

زکوٰۃ :- آمد لعہ اور خرچ ماعہ اور مندرجہ ذیل احباب یا انجمنوں نے دس روپے یا اس سے زائد رقوم عطا فرمائیں - جماعت سیالکوٹ عہ - جماعت جموں عہ - چودھری کریم بخش ساکن بہرام پور عہ ؎

شفاخانہ :- اس ماہ ۱۱۴۱ مریض علاج کے لئے آئے انمیں سے ۵۰۸ نئے بیمار تھے آٹھ ماشیز اپریشن ہیں ؎

دفتر محاسب :- کل آمد صیغہ جات صدر انجمن اس ماہ ۷-۱۰-۸۶۳۴ اور خرچ ۶-۱۳-۷۹۹۴ ہوا

محمد علی
سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

ٹیچنگز آف اسلام کا ترجمہ

یعنی انگریزی ترجمہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کے عظیم الشان لیکچر کا جو ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں چار پانچہزار کے مجمع میں پڑھا گیا تھا اور نہایت ہی دلچسپی اور قبولیت سے پبلک نے سنا۔ اس لیکچر میں مصنف موصوف نے اسلام کو نہایت ہی احسن پیرایہ میں صرف قرآن شریف سے استنباط کر کے بیان فرمایا ہے۔ اور تمام اعتراضات جو بڑے بڑے مخالفین و معاندین اسلام بڑی تحدی اور زور سے کرتے رہے یا اب کرتے ہیں۔ نہایت ہی سنجیدگی اور لطافت سے اُن کے جوابات اصولی طور پر بیان فرمائے ہیں جنسے خواہ کیسا ہی متعصب اور زرد رنگ مخالف کیوں نہ ہو کبیدہ خاطر نہیں ہو سکتا بلکہ سوائے سکوت کے اور کوئی جواب بھی پیش نہیں کر سکے گا اور ایک شریف الطبع اور حق جُو مخالف اسلام کو سوائے تسلیم خم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہو سکتا۔

بڑی خوبی اور لطافت جو اس مضمون کو خاص فوقیت اور یکتائی دے رہی ہے یہ ہے کہ اوّل اس مضمون کو خدائے تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن کریم سے بیان کیا گیا ہے۔ دوم اس مضمون میں باوجود اعتراضوں کا جواب دینے اور دوسرے مذاہب کا تذکرہ کرنے کے کسی قسم کی اشارۃً یا کنایۃً زد نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف اسلام کی سچی فلاسفی اور خوبیاں پبلک کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور توحید باری تعالیٰ اور رسالت مآب صلعم کی صداقت بیان کی گئی ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی بے نظیر تصنیفات اور تالیفات میں یہ ایک ایسا مضمون ہے جس میں مکمل اور مختصر طور پر اسلام کی صداقت بیان کی گئی ہے اسلیے پبلک کے دینی اور روحانی فائدہ کو مدّ نظر رکھکر اور تبلیغ اسلام کا بڑا ذریعہ سمجھکر اسکو انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے ولایت میں چھپوایا گیا ہے اور اُس کی بہت سی کاپیاں ولایت اور دیگر بلاد یورپ اور امریکہ جاپان وغیرہ میں مفت تقسیم کی گئی ہیں۔ اور کچھ کاپیاں فروخت کیلئے یہاں بھی منگوائی گئی ہیں۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر ایک انگریزی خوان مسلمان کے ہاتھ میں ہو۔ احباب خود بھی خریدیں اور تبلیغ اسلام کے لیے چند کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کر کے اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے لیں۔ قیمت بغرض توسیع اشاعت باوجود دو سو صفحہ اور عمدہ ولایتی کاغذ اور خوبصورت جلد کے بہت ہی تھوڑی رکھی ہے یعنی مجلد کی ۱۲ اور بے جلد کی ۱۲ علاوہ محصولڈاک۔

جو صاحب منگوانا چاہیں دفتر ریویو آف ریلیجنز قادیان ضلع گورداسپور سے منگوالیں۔

Reg. No L 303

درد سر و درد پلاح کی دوا

یہ یاحی درد لحظہ میں پہاڑ ہوجاتا ہے۔ یہ درد لحظہ میں اسکو پانی کردیتا ہے۔ درد پلاح جیسے ٹیک چمک ٹیس۔ رگوں میں لہر۔ کن کنی سے چاہے جسقدر تکلیف ہو۔ اس دوا کے استعمال سے فوراً رفع ہوتی ہے درد سر کے واسطے بھی اس دوا کا ایسا ہی فائدہ ہے۔ نصف سر میں ہو یا تمام سر میں کسی وجہ سے کیسا ہی درد ہو اس دوا سے رفع ہوجاتا ہے صرف یہی نہیں اگر سر کٹا جاتا ہو پھٹا جاتا ہو اڑا جاتا ہو۔ اس دوا سے فوراً بند ہوجاتا ہے ان دنوں میں ذرا باتوں میں سر دکھایا کرتے ہیں کام میں یا مفت کی باتوں میں فکر و تردد میں عیش و عشرت میں دن کو رات اور رات کو دن بنانے میں کل شکایتیں سر پر آجاتی ہیں اور ہاتھ لے درد سر کا پا کہتے ہیں۔ ڈاکٹر برمن کی دوا ایسے لوگوں کیلئے ہے۔ دوا کے استعمال سے فوراً درد بند ہوتا ہے۔ اس لیئے ہر خاص و عام کو یہ دوا اپنے پاس رکھنا لازم ہے۔ قیمت ۱۲ ٹکیوں کی ایک شیشی ۶ ر محصولڈاک ایک سے۔ ڈبیہ تک ۵ ر ۱۲ ڈبیہ تک ۶ ر

داد کا مجرب مرہم

ایکبار تبہ کے لگانے سے کھجلی اچھی ہوجاتی ہے دو تین مرتبہ کے لگانے سے ایکدم اچھا ہوجاتا ہے قیمت فی ڈبیہ ۴ ر محصولڈاک ایک ڈبیہ سے ۶ ڈبیہ تک ۵ ر اور ۱۲ ڈبیہ کا ۶ ر

فصلی بخار اور طحال کی دوا

یہ دوا اُنتیس سال سے سارے ہندوستان میں استعمال کیجاتی ہے۔ اگر آپ بخار میں مبتلا ہوں اور ہر قسم کے علاج کرکے تنگ آگئے ہوں تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ ضرور منگا کر استعمال کریں اسمیں چند فائدے لاجواب ہیں یہ ملیریا کیڑوں کو ماردیتی ہے اسلیئے اسکی چار پانچ خوراک پیتے ہی بخار کا آنا بند ہوجاتا ہے اور یہ خون کو گاڑھا کردیتی۔ اور تلی کو گراتی ہے قیمت شیشی کلاں ۱۴ ر محصولڈاک ۷ ر دو شیشی تک ۸ ر قیمت شیشی خورد ۸ ر محصولڈاک ۵ ر دو شیشی تک ۶ ر

کھانسی کی دوا

یہ دوا چاہے کیسی کھانسی و کف کی بیماری ہو اسکو آرام کرتی ہے۔ اسمیں یہ فوائد ہیں (۱) سردی کو بچانا (۲) کھانسی کو دبانا (۳) کف کو پتلا کرنا (۴) کف کو نکالنا (۵) سوکھا کھانسی کو روکنا قیمت بڑی شیشی تیس خوراک عہ ر پیکنگ و محصولڈاک چھ آنے دو شیشی تک ۸ ر چھوٹی شیشی سولہ خوراک قیمت ۱۰ ر پیکنگ و محصولڈاک دو شیشی تک ۶ ر اس دوا پر مہاراجہ صاحب کی رائے مہاراجہ لکھن سنگھ دیو بہادر فیوڈیٹری چیف پٹنہ اسٹیٹ بولانگر ضلع سنبھل پور سے لکھتے ہیں جناب من آپکی روانہ کردہ کھانسی کی دوا کیلئے مشکور ہوں اس دوا سے ہماری کھانسی بالکل دفع ہوگئی مجھے صرف سات خوراک سے زیادہ پینے کی ضرورت نہ ہوئی۔ کھانسی کی اس دوا نے بہت جلد اثر دکھایا۔

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبرہ ۱۰ تارا چند اسٹریٹ کلکتہ

مطبع میگزین میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

[illegible]

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۳ء | صفر ۱۳۳۱ ہجری

چندہ سالانہ عام [illegible] طلباء [illegible]

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - جنوری سنہ ۱۹۱۳ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

مذاہبِ عالم پر نظر

جلد (۱۲)

از جنوری ۱۹۱۳ء لغایت دسمبر ۱۹۱۳ء

ایڈیٹر: مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل بی

اسسٹنٹ ایڈیٹر۔ شیر علی۔ بی۔ اے

مطبع میگزین قادیان میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ منیجر میگزین کے اہتمام چھپکر شائع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اختلافات بائیبل

(سلسلہ کے لیئے دیکھو نمبر ۱۲ جلد ۱۱)

(۸۶) سب جیتے چلتے جانور تمھارے کھانے کے واسطے ہیں مَینے اُن سب کو نباتات کی مانند تمھیں دیا۔ (پیدائش باب ۹۔ ورس ۳)

نوٹ مسیحیوں کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکے نزدیک استثنا باب ۱۴ کا حکم منسوخ یا غلط ہے اور اُنکے نزدیک وہی صحیح ہے جو پیدائش باب ۹ میں لکھا ہے کیونکہ وہ سوٗر تک جسکو عہد عتیق میں ابدی حرام قرار دیا گیا ہے کھا جانے میں کوئی مضائقہ نہیں دیکھتے۔

(۸۷) پر مَیں تمھیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے

(۸۶) لیکن اُن میں سے کہ جُگالی کرتے ہیں یا اُنکے کُھر چِرے ہوئے ہیں تم اِنہیں مت کھائیو جیسے اونٹ اور خرگوش اور یربوع اس لیئے کہ یہ جگالی کرتے ہیں لیکن اُن کے کُھر چِرے ہوئے نہیں ہیں سو یہ تمھارے لیئے ناپاک ہیں اور سوٗر بھی کہ اُسکے کُھر چِرے ہوئے ہیں پر جگالی نہیں کرتا وہ تمھارے لیئے ناپاک ہے تم اُنکا گوشت نہ کھائیو نہ اُنکی لاش کو ہاتھ لگائیو۔

(استثناء باب ۱۴۔ ورس ۷ - ۸)

(۸۷) اُس نے اُنہیں کہا پر اب جس کے پاس بٹوا ہو لیوے اور اسی طرح جھولی بھی اور

دوسرا بھی اسکی طرف پھیر دے۔

(متی باب ۵- ورس ۳۹)

تب یسوع نے اُس سے کہا اپنی تلوار میان میں کر کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہیں تلوار ہی سے مارے جائیں گے (متی باب ۲۶- ورس ۵۲)

(۸۸) مَیں صرف تمھاری ہی جان کے لہو کا بدلا لونگا ہر ایک جانور سے اور ہر ایک آدمی کے ہاتھ سے اُسکا بدلا لونگا آدمی کی جان کا بدلا ہر ایک آدمی کے ہاتھ سے کہ اُسکا بھائی ہے لونگا جو کوئی آدمی کا لہو بہاوے آدمی ہی سے اُس کا لہو بہایا جائے گا کیونکہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔

(پیدائش باب ۹- ورس ۵-۶)

(۸۹) جب سبت کا دن گذر گیا مریم مگدلینی اور یعقوب کی ماں مریم اور سلومے نے خوشبودار چیزیں مول لیں تاکہ آن کر اُسپر ملیں اور ہفتے کے پہلے دن بہت سویرے سورج نکلتے ہوئے قبر پر آئیں (مرقس باب ۱۶- ورس ۱-۲)

(۹۰) اور اسا کی سلطنت کے پینتیسویں برس تک پھر جنگ نہ ہوئی (۲ تواریخ باب ۱۵- ورس ۱۹)

(۹۱) غرض بعشا اپنے باپ دادوں میں شامل ہو کے سویا اور ترضہ میں گاڑا گیا اور ایلاہ اس کا بیٹا اسکی جگہ بادشاہ ہوا۔

جس پاس نہیں اپنے کپڑے بیچکے تلوار خریدے

انہوں نے کہا کہ دیکھ اے خداوند یہاں دو تلوار ہیں اُس نے اُن سے کہا بہت ہے

(لوقا باب ۲۲- ورس ۳۶ اور ۳۸)

(۸۸) اور قاین نے اپنے بھائی ہابل سے باتیں کیں اور جب وے دونوں کھیت میں تھے تو یوں ہوا کہ قاین اپنے بھائی ہابل پر اُٹھا اور اُسے مار ڈالا۔

تب خداوند نے اُسے کہا نہیں بلکہ جو کوئی قاین کو مار ڈالیگا سات گنا بدلا اُس سے لیا جائیگا اور خداوند نے قاین پر ایک نشان لگایا کہ جو کوئی اُسے پاوے مار نہ ڈالے (پیدائش باب ۴- ورس ۸ اور ۱۵)

(۸۹) ہفتہ کے پہلے دن مریم مگدلینی تڑکے ایسا کہ ہنوز اندھیرا تھا قبر پر آئی اور پتھر کو قبر سے ٹلا ہوا دیکھا

(یوحنا باب ۲۰- ورس اوّل)

(۹۰) اور اسا اور شاہ اسرائیل بعشا کے درمیان اُنکی تمام عمر لڑائی ہو رہی (۱ سلاطین باب ۱۵- ورس ۳۲)

اسا کی سلطنت کے چھتیسویں برس میں اسرائیل کا بادشاہ بعشا یہوداہ پر چڑھ آیا اور رامہ کو بنایا تاکہ یہوداہ کے بادشاہ اسا کے

اور شاہ یہوواہ اسا کی سلطنت کے چھبیسویں برس بعشا کا بیٹا ایلاہ ترضہ میں بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا (۱ سلاطین باب ۱۶ - ورس ۶ اور ۸)

(۹۱) جا اور اُتر کی طرف پکار کے کہہ خداوند فرماتا ہے کہ اے برگشتہ اسرائیل پھر آؤ میں آگے کو تم پر نہ گھر کونگا کیونکہ خداوند فرماتا ہے میں رحیم ہوں میں سدا تک اپنا غضب نہ رکھ چھوڑوں گا۔

(یرمیاہ باب ۳ - ورس ۱۲)

(۹۲) خداوند کی توریت کامل ہے کہ دل کی پھیرنے والی ہے خداوند کی شہادت سچی ہے کہ سادہ دلوں کو تعلیم دینے والی ہے

(زبور باب ۱۹ - ورس ۷)

(۹۳) پر وہ مرد موسیٰ سارے لوگوں سے جو روئے زمین پر تھے زیادہ حلیم تھا (گنتی باب ۱۲ - ورس ۳)

یہاں کوئی شخص آنے اور جانے نہ پاوے

(۲ - تواریخ باب ۱۶ - ورس اول)

نوٹ - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعشا نے اپنی موت سے دس سال بعد

(۹۱) اور تو از خود اُس میراث سے جو میں نے تجھے دی اپنے قصور کے باعث ہاتھ اٹھائیگا اور میں اُس زمین میں جسے تو نہیں جانتا تجھ سے تیرے دشمنوں کی خدمت کراؤنگا کیونکہ تم نے جو میرے قہر کی آگ بھڑکائی سو ہمیشہ تک جلتی رہے گی (یرمیاہ باب ۱۷ - ورس ۴)

(۹۲) اگر توریت کامل تھی تو یسوع مسیح نے پہاڑی وعظ میں توریت کے حکموں پر اور حکم بڑھانے کی کیوں کوشش کی؟

(۹۳) اور موسیٰ لشکر کے رئیسوں پر اور اُنپر جو ہزاروں کے سردار تھے اور اُنپر جو سینکڑوں کے سردار تھے جو جنگ کر کے پھرے غصے ہوا اور اُن کو کہا کہ کیا تم نے سب عورتوں کو جیتا رکھا دیکھو یے بلعام کے کہنے سے فغور کی بابت خداوند کے آگے اسرائیل کے گنہگار ہونے کا باعث ہوئیں چنانچہ خداوند کی جماعت میں وبا آئی سو تم اُن بچوں کو جتنے لڑکے ہیں سب کو قتل کرو اور ہر ایک عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف تھی جان سے مارو۔

(گنتی باب ۳۱ - ورس ۱۴ تا ۱۸)

(۹۴) اور جس وقت ساؤل نے خداوند سے
مشورت پوچھی خداوند نے اُسے کچھ جواب نہ دیا
نہ تو خوابوں سے اور نہ اُریم سے اور نہ نبیوں
کی معرفت سے (۱ سموائیل باب ۲۸ - ورس ۶)

(۹۴) اور اُس نے (ساؤل نے) خداوند
سے سوال نہ کیا اسواسطے اُس نے اس کو
مار ڈالا اور مملکت کے لوگوں کو یسّی کے بیٹے
داؤد پر مائل کرایا (۱- تواریخ باب ۱۰- ورس ۱۴)

(۹۵) جب مردوں کی قیامت نہیں تو مسیح
بھی نہیں جی اُٹھا ...... ایک دم میں ایک
پل میں پچھلا نرسنگا پھونکتے وقت کہ نرسنگا
تو پھونکا جائیگا اور مُردے اُٹھ کے غیر فانی
ہونگے اور ہم بھی بدل جائیں گے
(۱- قرنتیوں باب ۱۵- ورس ۱۳ اور ۵۲)
اس سے تعجب نہ کرو کیونکہ وہ گھڑی آتی ہے کہ
جسمیں وے سب جو قبروں میں ہیں اُس کی آواز
سُنیں گے اور نکلیں گے جنہوں نے نیکی کی
ہے زندگی کی قیامت کے واسطے اور جنہوں نے
بدی کی ہے سزا کی قیامت کے لیئے
(یوحنا باب ۵- ورس ۲۸-۲۹)

(۹۵) جس طرح بدلی جاتی رہتی اور غائب
ہو جاتی ہے اِسی طرح جو گور میں اُترا پھر اوپر
نہ آوے گا - (ایوب ۷- ورس ۹)
اسلیئے کہ زندے جانتے ہیں کہ ہم مرینگے پر
مُردے کچھ بھی نہیں جانتے اور اُنکے لیئے
اور کچھ اجر نہیں کیونکہ اُنکی یادگاری جاتی رہتی
(واعظ باب ۹- ورس ۵)

(۹۶) اور جب یسوع کفرناحم میں داخل ہوا
ایک صوبہ دار اُس پاس آیا اور اُس سے
منت کرکے کہا کہ اے خداوند میرا چھوکرا جھولے
کا مارا گھر میں پڑا اور نہایت دکھ میں ہے
(متی باب ۸- ورس ۵-۶)

(۹۶) اور جب وہ (یسوع) لوگوں کو اپنی
ساری باتیں سُنا چکا تو کفرناحم میں آیا اور ایک
صوبہ دار کا غلام جو اُسکا بہت پیارا تھا بیماری
سے مرنے پر تھا اُس نے یسوع کی خبر سُن کے
یہودیوں کے کئی ایک بزرگوں کو اُس پاس بھیجکر
اُسکی منت کی کہ آکر اُسکے غلام کو چنگا کرے
(لوقا باب ۷- ورس اول تا ۳)

(۹۷) اسی طرح وے چور بھی جو اُس کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے اُسے طعنہ مارتے تھے

(متی باب ۲۷۔ ورس ۴۴)

اور انہوں نے بھی جو اُسکے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے اُسے ملامت کی

(مرقس باب ۱۵۔ ورس ۳۲)

(۹۷) اور ایک اُن بدکاروں میں سے جو صلیب پر لٹکائے گئے تھے اُسے طعنہ مارکے کہتا تھا کہ اگر تو مسیح ہے تو آپ کو اور ہم کو بچا دوسرے نے اُسے ملامت کرکے جواب دیا کیا تو بھی خدا سے نہیں ڈرتا جس حال کہ اسی سزا میں گرفتار ہے

(لوقا باب ۲۳۔ ورس ۳۹۔ ۴۰)

نوٹ۔ متی اور مرقس کہتے ہیں کہ دونوں چوروں نے مسیح کو طعنے مارے۔ لوقا کہتا ہے کہ دونوں نے طعنہ نہیں مارا صرف ایک نے مارا۔ بلکہ دوسرے نے بجائے طعنہ مارنیکے اپنے ساتھی کو جھڑکا کہ تو مسیح پر کیوں طعنہ مارتا ہے۔

(۹۸) تب شاگردوں نے الگ یسوع پاس آکے کہا ہم کیوں اسکو نکال نہ سکے یسوع نے اُنہیں کہا اپنی بے ایمانی کے سبب کیونکہ مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تمھیں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوتا تو اگر تم اِس پہاڑ سے کہتے کہ یہاں سے وہاں چلا جا تو وہ چلا جاتا اور کوئی بات تمھاری ناممکن نہ ہوتی

(متی باب ۱۷۔ ورس ۱۹۔ ۲۰)

(۹۸) اور جب وہ گھر میں آیا اُس کے شاگردوں نے خلوت میں اُس سے پوچھا کہ ہم اُسے کیوں نہ نکال سکے اُس نے انہیں کہا کہ یہ جنس سوا دُعا اور روزہ کے کسی اور طرح سے نکل نہیں سکتی

(مرقس باب ۹۔ ورس ۲۸۔ ۲۹)

نوٹ:۔ ایک ہی واقعہ کے متعلق متی اور مرقس کا بیان مختلف ہے۔ ایک میں مسیح اپنے شاگردوں کو کہتا ہے کہ اگر انہیں رائی بھر بھی ایمان ہوتا تو اس دیو کو نکالنا تو کیا بات ہے اس سے بھی زیادہ مشکل کام کرسکتے۔ دوسری کتاب میں اسکی وجہ بے ایمانی بیان نہیں کی گئی بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ یہ دیو خاص جنس کا تھا اسکے نکالنے کے لیئے دعا اور روزہ کی ضرورت تھی۔

(۹۹) تب پلاطوس نے اُس سے کہا کیا تو نہیں سُنتا کہ یے تجھ پر کتنی گواہیاں دیتے ہیں پر اُس نے اُسکی ایک بات کا بھی جواب نہ دیا

(متی باب ۲۷۔ ورس ۱۳-۱۴)

(۹۹) تب پلاطوس پھر دیوانخانہ میں داخل ہُوا اور یسوع کو بلاکے کہا کیا تُو یہودیوں کا بادشاہ ہے یسوع نے اُسے جواب دیا تو یہ بات آپسے کہتا ہے یا کہ اوروں نے میرے حق میں تجھ سے کہا ہے

(یوحنا باب ۱۸۔ ورس ۳۳-۳۴)

(۱۰۰) اور اُس وقت سردار کاہن اور بزرگ اُس پر فریاد کر رہے تھے پر وہ کچھ جواب نہ دیتا تھا

(متی باب ۲۷۔ ورس ۱۲)

(۱۰۰) تب سردار کاہن نے یسوع سے اُسکے شاگردوں اور اُسکی تعلیم کی بابت سوال کیا یسوع نے اُسے جواب دیا کہ مَینے آشکارا عالم سے باتیں کیں مَینے ہمیشہ عبادتخانوں اور ہیکل میں جہاں سب یہودی جمع ہوتے ہیں تعلیم دی اور پوشیدہ کچھ نہیں کہا

(یوحنا باب ۱۸۔ ورس ۱۹-۲۰)

(۱۰۱) تسپر بھی اے یہوداہ کے بادشاہ صدقیاہ خداوند کا کلام سُن خداوند نے تیری بابت یوں کہا ہے کہ تُو تلوار سے نہ مرے گا تو امن کی حالت میں مریگا

(یرمیاہ باب ۳۴۔ ورس ۴-۵)

نوٹ۔ ناظرین غور فرماویں صدقیاہ کیا ہی عجیب امن کی حالت میں مرا۔

(۱۰۱) اور بابل کے بادشاہ نے صدقیاہ کے بیٹوں کو اُسکی آنکھوں کے سامنے قتل کیا یہوداہ کے سارے سرداروں کو بھی ربلہ میں قتل کیا اور اُس نے صدقیاہ کی آنکھیں نکلوا ڈالیں اور بابل کے بادشاہ نے اُسکو پیتل کی زنجیروں سے جکڑا اور اُسے بابل لے گیا اور اُسکے مرنے کے دن تک اُسے قیدخانے میں رکھا

(یرمیاہ باب ۵۲۔ ورس ۱۰-۱۱)

(۱۰۲) اسلیئے یہوداہ کے بادشاہ یہویقیم

(۱۰۲) اور یہویقیم اپنے باپ دادوں

کی بابت خداوند یوں کہتا ہے کہ اُس کی
نسل میں سے کوئی نہ رہیگا جو داؤد کے
تخت پر بیٹھے اور اُسکی لاش پھینکی جائیگی
کہ دن کو گرمی میں اور رات کو پالے میں
پڑی رہے۔ (یرمیاہ باب ۳۶-ورس ۳۰)

میں شامل ہو کے سو رہا اور یہویکیں
اسکا بیٹا اُسکی جگہ بادشاہ ہُوا۔
(۲ سلاطین باب ۲۴- ورس ۶)

نوٹ - یرمیاہ میں لکھا ہے کہ یہویقیم کی
لاش کھلی پھینکدی جائیگی۔ سلاطین میں ص
ص لکھا ہے کہ وہ اپنے باپ دادوں میں مدفون ہُوا۔ پھر یرمیاہ میں لکھا ہے کہ اُس کی
نسل میں سے کوئی شخص اُسکا جانشین نہ ہوگا۔ سلاطین میں لکھا ہے کہ اُس کا بیٹا
اُس کا جانشین ہُوا۔

(۱۰۳) پس سب پُشتیں ابراہام سے
داؤد تک چودہ پُشتیں ہیں اور داؤد
سے بابل کو اُٹھ جانے تک چودہ پُشتیں
اور بابل کو اُٹھ جانے سے مسیح تک
چودہ پُشتیں ہیں
(متی باب اول- ورس ۱۷)

نوٹ - متی اپنی تردید آپ کرتا ہے۔
وہ لکھتا ہے کہ ابراہام سے داؤد تک
چودہ پُشتیں ہیں مگر شمار میں بجائے
۱۴ کے ۱۳ پُشتیں بیان کرتا ہے۔
ایک طرف وہ ابراہام سے بابل کو اُٹھ
جانے تک ۲۸ پُشتیں بیان کرتا ہے
مگر شمار کرتے وقت بجائے ۲۸ کے
۲۷ بیان کرتا ہے۔ پھر ایک طرف
کہتا ہے کہ بابل کو اُٹھ جانے سے

(۱۰۳) (۱) ابراہام سے اضحق پیدا ہُوا (۲) اضحاق
سے یعقوب پیدا ہُوا اور (۳) یعقوب سے یہوداہ
اور اُسکے بھائی پیدا ہوئے اور (۴) یہوداہ سے
پھارس اور زارح تمر کے پیٹ سے پیدا ہُوا اور
(۵) پھارس سے حصروم پیدا ہُوا اور (۶) حصروم
سے آرام پیدا ہُوا اور (۷) آرام سے عمیناداب
پیدا ہُوا اور (۸) عمیناداب سے نحسون پیدا ہُوا
اور (۹) نحسون سے سلمون پیدا ہُوا اور
(۱۰) سلمون سے بوعز راحب کے پیٹ سے
پیدا ہُوا اور (۱۱) بوعز سے عوبید روت کے
پیٹ سے پیدا ہُوا اور (۱۲) عوبید سے یسّی
پیدا ہُوا اور (۱۳) یسّی سے داؤد بادشاہ
پیدا ہُوا اور (۱۴) داؤد بادشاہ سے سلیمان
اُس سے جو اُوریاہ کی جورو تھی پیدا ہُوا اور
(۱۵) سلیمان سے رحبعام پیدا ہُوا اور (۱۶)

مسیح تک چودہ پشتیں ہیں مگر شمار
کرتے وقت پھر بھول جاتا ہے
اور بجائے ۱۴ کے ۱۳ ہی بیان کرتا
ہے۔ نیز ایک طرف لکھتا ہے کہ
ابراہام سے مسیح تک ۴۲ پشتیں
ہیں مگر شمار کرتے وقت وہ بھول
جاتا ہے اور بجائے ۴۲ کے صرف
۴۰ کا نام لیتا ہے۔ پادری صاحبان
فرمادیں کہ الہام الٰہی میں یہ غلطیاں
کیوں واقع ہوئیں۔

(باقی آیندہ انشاءاللہ تعالیٰ)

رجعام سے ابیاہ پیدا ہوا اور (۱۷) ابیاہ سے
آسا پیدا ہوا اور (۱۸) آسا سے یہوسفط پیدا
ہوا اور (۱۹) یہوسفط سے یورام پیدا ہوا اور
(۲۰) یورام سے عُزیاہ پیدا ہوا اور (۲۱) عُزیاہ
سے یوتام پیدا ہوا اور (۲۲) یوتام سے آخز
پیدا ہوا اور (۲۳) آخز سے حزقیاہ پیدا ہوا
اور (۲۴) حزقیاہ سے منسّی پیدا ہوا اور
(۲۵) منسّی سے امون پیدا ہوا اور (۲۶) امون
سے یوسیاہ پیدا ہوا اور (۲۷) یوسیاہ سے
یکونیاہ اور اُسکے بھائی جسوقت بابل کو اُٹھ
جانے پڑا پیدا ہوئے اور بابل کو اُٹھ جانے
کے بعد (۲۸) یکونیاہ سے سلتی ایل پیدا
ہوا اور (۲۹) سالتی ایل سے زروبابل پیدا
ہوا اور (۳۰) زروبابل سے ابیود پیدا ہوا
اور (۳۱) ابیود سے الیاقیم پیدا ہوا اور
(۳۲) الیاقیم سے عازور پیدا ہوا اور (۳۳)
عازور سے صدوق پیدا ہوا اور (۳۴) صدوق
سے اخیم پیدا ہوا اور (۳۵) اخیم سے الیود پیدا
ہوا اور (۳۶) الیود سے الیعزر پیدا ہوا اور (۳۷)
الیعزر سے متھان پیدا ہوا اور (۳۸) متھان سے
یعقوب پیدا ہوا اور (۳۹) یعقوب سے یوسف پیدا
ہوا جو شوہر تھا مریم کا جس (۴۰) سے یسوع جو مسیح
کہلاتا ہے پیدا ہوا (متی باب اول ۔ ورس ۲ تا ۱۶)

مسیحی مذہب کی صداقت کا ایک نرالا ثبوت

کچھ عرصہ سے مسیحی صاحبان اپنے مذہب کی سچائی ظاہر کرنے کے لئے ایک جدید دلیل پیش کر رہے ہیں۔ انہوں نے ایک طرف مغربی دنیا کو جو مسیحی دنیا کہلاتی ہے دیکھا کہ وہ مادی امور اور مشینوں کی ایجاد اور دولت کے جمع کرنے میں بہت ترقی کر گئی ہے۔ دوسری طرف مشرقی دنیا پر جو مسیحی مذہب کے سوا دوسرے مذاہب کی پیرو ہے نظر کی اور دیکھا کہ وہ ان امور میں مغربی دنیا سے بہت پیچھے ہے اور جسقدر جنگی بیڑوں۔ تار برقی۔ ہوائی جہازوں اور زمین کے خزانوں کا سامان آجکل مسیحی دنیا کے پاس ہے وہ مشرقی دنیا کے پاس نہیں ہے اس فرق کو دیکھکر مسیحی مشنریوں اور پادری مزاج مسیحیوں کو ایک نیا خیال سوجھا اور وہ نیا خیال یہ ہے کہ چونکہ مسیحی ممالک کے لوگ مذکورہ بالا امور میں جن کو مجموعی رنگ میں تہذیب یا سویلی زیشن کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے دوسرے ممالک سے بڑھے ہوئے ہیں اسلیئے یہ فرق مسیحی مذہب کی سچائی کا ایک ثبوت ہے یہ نیا خیال مسیحی صاحبان کو آجکل کچھ ایسا پسند آگیا ہے کہ جس رسالہ کو اُٹھا کر دیکھا جاوے اُس میں اسی بات پر زور دیا گیا ہے جس پادری کی تحریر کو پڑھا جاوے اُس میں وہ اس بات کو بڑے فخر سے پیش کرتا ہے اور جس مسیحی لیکچرار کو مسیحی مذہب پر لیکچر دیتے ہوئے سُنا جاوے وہ اسی دلیل کو مسیحی مذہب کی صداقت کا ایک بیّن ثبوت قرار دیتا ہے۔ چنانچہ گذشتہ دسمبر میں جولاہور میں امریکہ کے ایک سیاح پادری نے لیکچروں کا سلسلہ جاری کیا اُس نے بھی اہل ہند کو یہی سُنایا کہ چونکہ ہم لوگ تم سے زیادہ مہذب ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارا مذہب تمہارے مذہب سے بہتر اور ایک سچّا مذہب ہے اور مغربی دنیا کی ترقی مسیحی تعلیم کا ہی ایک نتیجہ ہے۔ چونکہ اس امر پر آجکل بہت زور دیا جاتا ہے اسلیئے مناسب ہے کہ اسپر غور کیا جاوے اور دیکھا جاوے کہ مسیحیوں کا یہ دعویٰ کہاں تک درست ہے۔

(۱) اس دعویٰ کو جانچنے کیلئے سب سے پہلے ہم مسیحیوں کی کتب مقدسہ کیطرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں

کہ کیا ان کتابوں کے رُو سے مسیحی اقوام کی مادی امور میں ترقی اور اُن کی دولت اُنکے مذہب
کی سچائی کا ثبوت ہو سکتا ہے اور کیا اُن کتابوں میں ایسی تہذیب کو جیسی مسیحی ممالک میں
نظر آتی ہے سچے ایمانداروں کا خاصہ بیان کیا گیا ہے۔ پس اس غرض سے جب ہم نئے
عہدنامہ کی کتابوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسی تہذیب اور ایسی ترقی کو سچے ایمان کا نتیجہ بیان
کیا ہُوا کہیں نہیں پاتے یعنی یہ کہیں نہیں لکھا کہ جو سچے مذہب کے پیرو ہوں اور حقیقی معنوں
میں ایماندار ہوں اُنکے لئے ضروری ہے کہ وہ بڑی بڑی ایجادیں کر سکیں اور بہت دولت
جمع کر سکیں اور مادی امور میں بڑی ترقی کر جائیں۔ پس یہ معیار جو آجکل مسیحی صاحبان پیش کر رہے
ہیں یہ اُن کا اپنا تجویز کردہ ہے۔ اُس کلام میں جسکو وہ خدا کا کلام کہتے ہیں ایسے معیار کا
کہیں ذکر نہیں۔ اُن کا فرض ہے کہ پہلے یہ دکھائیں کہ جو آجکل مسیحی دنیا کی حالت ہے
اُسکو اُن کی مقدس کتاب میں سچے ایمانداروں کا نشان قرار دیا گیا ہے۔ جب اس
حالت کو سچے ایمانداروں اور سچے عقیدہ کا معیار قرار ہی نہیں دیا گیا تو وہ اسکو کس
اختیار سے پیش کرتے ہیں؟

نہ کبھی مسیحؑ نے ایسی ترقی کو سچائی کا معیار قرار دیا اور نہ اُس کے حواریوں نے
اس کو بطور امتیازی نشان کے پیش کیا بلکہ اُس نے کہا کہ میری سلطنت اس دنیا
کی سلطنت نہیں پھر اس دنیا کی سلطنتوں اور اُنکی مادی ترقی کو مسیح کے مذہب کی
سچائی کا معیار قرار دینا اگر حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ اُس نے تو یہ کہا کہ مجھے زمین
کی سلطنتوں سے کچھ سروکار نہیں اور یہ کہ میری زندگی کا مقصد یہ ہے کہ مَیں آسمانی
سلطنت اور خداوندکی بادشاہت کی منادی کروں اور اپنے پیرؤوں کو ایک دعا سکھلائی
جس میں اُس نے کہا کہ تم ہر وقت خدائے تعالیٰ سے یہی مانگتے رہو کہ وہ آسمانی سلطنت
جلد دنیا میں ظاہر ہو۔ سو وہ روحانی سلطنت جس کی بشارت حضرت مسیحؑ نے سنائی تھی
وہ وہ سلطنت تھی جس کا بادشاہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی تھا پس اگر وہ اس سے
انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یسوع مسیح نے ایک ایسے دین کی بنیاد ڈالی جو ابد تک قائم
رہنے والا ہے اور وہ دین وہی ہے جس کو آجکل مسیحی دین کہا جاتا ہے تو اُن کو اس دین

کی سچائی ثابت کرنے کے لئے کسی روحانی سلطنت کا پتہ دینا چاہیئے زمینی سلطنتوں کا عروج مسیحی مذہب کی صداقت کا معیار ہرگز نہیں ٹھہر سکتا۔

(۲) مسیحیوں کی کتب مقدسہ میں جو ایمانداری کے معیار درج ہیں اُن میں یہ نہیں لکھا کہ سچّے ایماندار ایجادیں بہت کرینگے اور دولت بہت کمائیں گے اور ظاہری "تہذیب" میں اور مادی ترقی میں اور ملکی فتوحات میں دوسری قوموں سے آگے نکل جائیں گے بلکہ وہاں جو ایمانداری کے نشانات لکھے ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔ حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں "وے جو ایمان لائیں گے اُن کے ساتھ یے علامتیں ہونگی کہ وے میرے نام سے دیووں کو نکالیں گے اور نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو اُٹھا لینگے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پییں گے انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا وے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائیں گے۔"

پھر حضرت مسیحؑ بعض اور علامتیں بھی مقرر کرتے ہیں متی کی کتاب میں لکھا ہے "جب وے جماعت کے پاس پہنچے ایک شخص اُس (یسوع) کے پاس آیا اور اُس کے آگے گھٹنے ٹیک کے کہا اے خداوند میرے بیٹے پر رحم کر کیونکہ وہ سڑی ہے اور بہت دُکھ اُٹھاتا ہے کہ اکثر آگ میں گرتا اور اکثر پانی میں۔ اور میں اُس کو تیرے شاگردوں کے پاس لایا تھا پر وے اُسے چنگا نہ کر سکے۔ یسوع نے جواب میں کہا اے بے اعتقاد اور ٹیڑھی قوم میں کب تک تمھارے ساتھ رہونگا کب تک تمہاری برداشت کرونگا۔ اُسے یہاں میرے پاس لا۔ تب یسوع نے دیو کو دھمکایا وہ اُس سے نکل گیا اور وہ چھوکرا اُسی گھڑی چنگا ہو گیا۔ تب شاگردوں نے الگ یسوع پاس آکے کہا۔ ہم کیوں اسکو نکال نہ سکے۔ یسوع نے انہیں کہا اپنی بے ایمانی کے سبب۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوتا تو اگر تم اس پہاڑ سے کہتے کہ یہاں سے وہاں چلا جا تو وہ چلا جاتا اور کوئی بات تمہاری ناممکن نہ ہوتی" (متی باب ۱۷۔ درس ۱۴-۲۰)

پھر یسوع مسیح ایک اور موقعہ پر فرماتے ہیں "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم یقین کرو اور شک نہ لاؤ تو نہ صرف یہی کروگے جو انجیر کے درخت پر ہوا بلکہ اگر اس پہاڑ سے کہوگے تو ٹلکر دریا میں جا گر تو ویسا ہی ہوگا (متی ۲۱ باب۔ درس ۲۱)

پھر یسوع مسیح فرماتے ہیں "اگر تم میں خردل کے دانہ کے برابر ایمان ہو تو جب تم اس توت کے درخت کو کہو کہ جڑھ سے اکھڑ کے دریا میں لگ جا تو تمھاری مانیگا۔" (لوقا باب ۱۷۔ ورس ۶)

مرقس کی کتاب میں لکھا ہے "میں تم سے سچ کہتا ہوں جو کوئی اس پہاڑ کو کہے اُٹھ اور دریا میں گر پڑ اور اپنے دل میں شک نہ لاوے بلکہ یقین کرے کہ یہ باتیں جو وہ کہتا ہے ہو جائینگی تو جو کچھ وہ کہے گا سو ہوگا۔" (باب ۱۱۔ ورس ۲۳)

پولوس بھی یسوع مسیح کی تائید کرتا ہے کیونکہ وہ حقیقی معنوں میں پہاڑوں کو چلانا ایمان کامل کی علامت قرار دیتا ہے وہ قرنتیوں کی طرف اپنے پہلے خط میں لکھتا ہے "اگر میں نبوت کروں اور اگر میں غیب کی سب باتیں اور سارے علم جانوں اور میرا ایمان کامل ہو یہانتک کہ میں پہاڑوں کو چلاؤں" (۱۔ قرنتیوں باب ۱۳۔ ورس ۲)

متی لکھتا ہے "پطرس کشتی پر سے اُتر کے پانی پر چلنے لگا کہ یسوع کے پاس جائے پر جب دیکھا کہ ہوا تیز ہے تو ڈرا۔ اور جب ڈوبنے لگا چلا کے کہا اے خداوند مجھے بچا۔ وہیں یسوع نے ہاتھ بڑھا کے اُسے پکڑ لیا اور اُس سے کہا اے کم اعتقاد تو کیوں شک لایا؟"

ان سب مقامات سے یہ واضح ہے کہ مسیح نے اپنے سچے پیروؤں سے یہ وعدہ نہیں کیا کہ وہ اُس پر ایمان لا کر بڑے موجد بن جائیں گے اور بڑے بڑے جنگی بیڑے بنائیں گے اور رنگ رنگ کی فنا کرنے والی توپیں ایجاد کرینگے اور بڑے تاجر ہونگے۔ بڑی بڑی سلطنتیں قائم کرینگے دنیا کے خزانے اکٹھے کریں گے بلکہ اُس نے اپنے پیروؤں کے لیئے مندرجہ ذیل امتیازی نشانات مقرر کیئے ہیں:۔

(۱) دیوؤں کو نکالنا۔ (۲) نئی زبانیں بغیر سیکھنے کے معجزانہ طور پر بولنا۔ (۳) سانپوں کو بغیر ضرر کے پکڑنا۔ (۴) زہر کو بغیر نقصان کے پی جانا (۵) بیماروں کو صرف چھو کر چنگا کرنا (۶) پہاڑوں کو چلانا اور دریاؤں میں پہاڑوں کو گرانا (۷) انجیر یا کسی

اور سبز درخت کو اپنی لعنت کے ذریعہ خشک کر دینا۔(۸) درختوں کو چلانا (۹) پانی پر چلنا (۱۰) جو بات مُنہ سے مانگیں خواہ وہ کیسی ہی ناممکن کیوں نہ ہو اس کا حاصل ہو جانا ؛

یہ ہیں وہ دس امتیازی نشان جو مسیحیوں کی کتب مقدسہ میں درج ہیں اور خود یسوع مسیح نے ان نشانوں کو مقرر کیا پس اگر مسیحی صاحبان کا یہ ارادہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کی سچائی ثابت کریں تو اُن کو چاہیئے کہ وہ ان معیاروں کے ذریعہ سے اُس کی صداقت کو ثابت کریں جو خود یسوع مسیح نے مقرر کیئے اور جن کی پولوس نے تصدیق کی۔ جن امور کو یسوع مسیح نے نشان مقرر نہیں کیا اُن کو پیش کرنا اور یسوع مسیح کے مقرر کردہ اور پولوس کے مصدقہ نشانات کو نظرانداز کرنا یہ وہ راہ نہیں جس سے مسیحیت کی صداقت اور دوسرے مذاہب پر اُس کی فوقیت ثابت ہو۔ اگر مسیحی لوگ وہم پرست ممالک میں جاکر دیووں اور بھوتوں کو نکالتے اور انسانوں سے نکالکر اُنکو بے زبان جانوروں میں داخل کرتے اور پھر وہ بے زبان جانور سمندروں اور دریاؤں میں کود کر اپنے تئیں ہلاک کرتے تب سمجھا جاتا کہ مسیحی مذہب ایک سچا مذہب ہے کیونکہ یہ وہ نشان ہے جو یسوع مسیح نے خود مقرر کیا مگر بجائے اسکے کہ دیووں اور بھوتوں کو نکالا جاوے آج مہذب دنیا جسپر مسیحی لوگ فخر کرتے ہیں دیووں کے وجود سے ہی انکار کر رہی ہے اور ان کہانیوں کو جو اناجیل میں درج ہیں لغو اور بیہودہ قرار دیتی ہے اور مشنری صاحبان بھی ان دیووں کا کہیں پتہ و نشان نہیں بتلا سکتے۔ پھر مسیحی صاحبان کو چاہیئے تھا کہ ہسپتال اور میڈیکل کالج قائم کرنے اور ڈاکٹری محکمہ کھولنے کی بجائے صرف اپنے دم اور پھونک سے یا ہاتھ سے چھوکر بیماروں کو اچھا کرتے۔ مگر مغربی دنیا جسکی تہذیب کو آج پادری صاحبان مسیحیت کی صداقت کے لیئے ایک ثبوت کے طور پر پیش کر رہے ہیں صرف ہاتھ لگا کر بیماروں کو اچھا نہیں کرتی بلکہ اُس نے باقاعدہ علاج کرنے کا طریق اختیار کیا ہوا ہے جو یسوع مسیح کی آمد سے پہلے یونان کے بُت پرستوں میں اور ایسا ہی دیگر ممالک میں بڑے زور سے جاری تھا۔ پس اگر مغربی دنیا نے علاج کے فن میں

ترقی کی ہے اور اس ترقی کے ذریعہ مہذب کا خطاب حاصل کیا ہے تو یہ پادریوں کے لئے کوئی فخر کی جگہ نہیں کیونکہ یہ وہ فن ہے جو دنیا میں یسوع مسیح کی آمد سے پہلے رائج تھا اور جس میں یونان کے بُت پرست بڑی مہارت حاصل کر چکے تھے۔ اور مہذب دنیا نے یسوع کے طریق کو اختیار نہیں کیا بلکہ اُسکو ترک کر کے یونان و دیگر ممالک کے بُت پرستوں کے علم و عمل کو پسند کیا ہے۔ پس اس ترقی پر اگر بت پرست دنیا فخر کرے تو بجا ہے مگر یسوع مسیح کے پیروؤں کو کوئی حق نہیں کہ اس ترقی کو مسیحیت کی صداقت کا ایک ثبوت قرار دیں۔

اسی طرح اگر مغربی دنیا کے لوگ بجائے جہاز بنانے کے اس طرح سمندر پر چلتے جس طرح پطرس نے کشتی سے اُتر کر چلنا چاہا اور قریب تھا کہ ڈوب جاتا اگر خود یسوع مسیح اسکی مدد کیلئے نہ پہنچتا تب یہ امر مسیحیت کی صداقت کا ایک ثبوت ٹھہرتا اور پادریوں کو اُس صورت میں ضرور یہ حق پہنچتا کہ وہ اس امر کو مسیحیت کا ایک امتیازی نشان قرار دیتے مگر مغربی دنیا نے پطرس کے نمونہ پر چلکر مادی تہذیب میں ترقی نہیں کی بلکہ ان لوگوں نے اُس طریق کو اختیار کیا جو یسوع مسیح کی آمد سے پہلے بت پرست دنیا میں رائج تھا پس اگر مغربی دنیا نے جہاز رانی کے ذریعہ اپنی تجارت کو ترقی دی ہے اور ایک دنیا کو فتح کر لیا ہے تو یہ امر بھی مسیحیت کی صداقت کا کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا اور اسکو مسیحیت کے لئے ایک امتیازی نشان قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس میں مغربی دنیا نے مسیحیت کی تقلید نہیں کی بلکہ رومیوں اور دیگر بت پرست قوموں کی روش کو اختیار کیا ہے۔

اسی طرح اگر مغربی دنیا کے لوگ انجینئرنگ کے علم کی بجائے یسوع مسیح کے مقرر کردہ نشان کے مطابق پہاڑوں کو چلاتے اور اُن کے حکم سے پہاڑ اپنی جگہ سے خود بخود ہٹ کر سمندروں اور دریاؤں اور جھیلوں میں جا گرتے اور درخت بھی اپنی جگہ سے ہٹ جاتے تب ہم اس بات کے ماننے کے لئے مجبور ہوتے کہ بے شک یہ مسیحی مذہب کی صداقت کا ایک نشان ہے کیونکہ اسکو خود یسوع مسیح نے اپنے پیروؤں کے لئے ایک امتیازی نشان قرار دیا۔ اسی طرح اگر مسیحی قومیں زہریں نگل جاتیں اور اُن کو کچھ نقصان نہ ہوتا تو ہم اسکو مسیح کے قول کے مطابق مسیحیت کی صداقت کا ایک نشان قرار دیتے مگر ایسا

نہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسیحی شفاخانوں میں ہر ایک زہر کی شیشی پر سرخی سے زہر کا لفظ لکھا ہُوا ہوتا ہے تا ایسا نہ ہو کہ کوئی اُسکو پی کر ہلاک ہو جاوے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیحیوں پر زہر ایسا ہی اثر کرتی ہے جیسا کہ دوسرے لوگوں پر۔

(۳) صرف یہی نہیں کہ جس بات کو مسیحی لوگ آجکل مسیحیت کی صداقت کی دلیل ٹھہراتے ہیں اُس کو خود یسوع مسیح نے صداقت کی دلیل نہیں ٹھہرایا بلکہ وہ اسکو نہایت ہی نفرت اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ناظرین اُس کے مندرجہ ذیل اقوال پر غور فرماویں۔

(ا) مال اپنے واسطے زمین پر جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور مورچہ خراب کرتے ہیں اور جہاں چور سیندھ دیتے اور چراتے ہیں بلکہ مال اپنے لیئے آسمان پر جمع کرو جہاں نہ کیڑا نہ مورچہ خراب کرتے اور نہ وہاں چور سیندھ دیتے نہ چراتے ہیں (متی باب ۶- ورس ۱۹ و ۲۰)

(ب) کوئی آدمی دو خاوندوں کی خدمت نہیں کرسکتا اس لیئے کہ یا ایک سے دشمنی رکھیگا اور دوسرے سے دوستی - یا ایک کو مانیگا اور دوسرے کو ناچیز جانیگا۔ تم خدا اور مموّن دونوں کی خدمت نہیں کرسکتے۔ (متی باب ۶- ورس ۲۴)

(ج) غریبوں کو خوشخبری سنائی جاتی ہے (متی باب ۱۱- ورس ۶)

(د) دیکھو جو مہین پوشاک پہنتے بادشاہوں کے محلوں میں ہیں (متی باب ۱۱- ورس ۸)

(ھ) اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری تعریف کرتا ہوں کہ تُونے ان چیزوں کو داناؤں اور عقلمندوں سے چھپایا اور بچوں پر کھول دیا۔ متی $\frac{12}{25}$

(و) کسان کی تمثیل میں یسوع مسیح کہتا ہے "جو (بیج) کانٹوں میں بویا گیا وہ ہے جو کلام کو سُنتا پر اس دنیا کی فکر اور دولت کا فریب کلام کو دبا دیتے اور وہ بے پھل ہوتا ہے۔ (متی باب ۱۳- ورس ۲۲)

(ز) یسوع نے کہا اگر تو کامل ہُوا چاہے تو جا کے سب کچھ جو تیرا ہے بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے کہ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا - متی $\frac{19}{21}$

(ح) میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گذر جانا اُس سے

آسان ہے کہ ایک دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔ متی ۲۰ ۲۳ و ۲۴
مسیح کے مندرجہ بالا اقوال نہایت غور کے قابل ہیں ان سے یہ نتیجہ صریح طور پر نکلتا ہے کہ مغربی دنیا کی موجودہ حالت جس پر مسیحی پادری اسقدر فخر کرتے ہیں اور جس کو وہ مسیحیت کی برکت خیال کرتے ہیں وہ یسوع مسیح کے نزدیک آسمانی بادشاہت کی عین ضد اور بالکل مخالف اور یسوع مسیح کے منشاء کے بالکل الٹ اور اُسکی تعلیم کے برخلاف ہے۔ اُس نے کہا کہ مَیں غریبوں کو خوشخبری سنانے کے لیئے آیا ہوں۔ دولتمند کے لیئے آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گذر نا محال ہے اور اُس کی تعلیم یہ تھی کہ جو کچھ تمھارے پاس ہے اُسکو بیچ ڈالو اور غریبوں کو دیدو اور اُس نے حکم دیا کہ زمین پر دولت جمع نہ کرو کیونکہ یہاں کیڑا اُسکو کھا جاتا ہے اور چور اُسکو چرا لیجاتا ہے اور وہ اُن لوگوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا جو اچھے کپڑے پہنتے اور محلوں میں رہتے۔ نیز اُس نے کہا کہ جو لوگ دنیا کی فکر میں مصروف رہتے اور دولت کے دھندوں میں مبتلا رہتے وہ خدا کے کلام سے محروم رہتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ انسان کے لیئے یہ ناممکن ہے کہ خدا سے بھی محبت کرے اور ممّون یعنی دولت کی خدمت کرے یعنی دولت کے فکر میں لگا رہے جو دولت سے محبت کرتا ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔ پھر یسوع مسیح دنیا کے عقلمندوں یعنی فلاسفروں اور سائینس دانوں کو بھی نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا اور اسکے نزدیک یہ لوگ بھی دولتمند کی طرح آسمانی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اور ان کی عقل آسمان کی باتوں کے سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔
اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کو آجکل مغربی تہذیب کہا جاتا ہے وہ آسمانی بادشاہت سے بالکل دُور ہے۔ یسوع مسیح کے نزدیک یہ لوگ اس قابل ہی نہیں کہ خداوند کی سلطنت میں داخل ہوں۔ کون اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ مغربی مہذب دنیا ہر دم ممّون یعنی دولت کی خدمت میں لگی ہوئی ہے مگر یسوع مسیح کہتا ہے کہ جو لوگ ممّون کے خادم ہیں وہ خداوند کے دشمن ہیں اور ایک شخص دو خاوندوں

کی خدمت نہیں کرسکتا۔ کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ آج مسیحی دنیا ہر وقت دنیا
کی فکر میں مشغول ہے مگر یسوع مسیح کہتا ہے کہ جو لوگ دنیا کی فکر اور دولت کے
فریب میں ہیں اُن کے دل میں میرا کلام اثر نہیں کرسکتا۔ کون اس بات سے انکار
کرسکتا ہے کہ مسیحی دنیا کے پاس دولت ڈھیروں ڈھیر جمع ہے مگر مسیح کہتا ہے کہ
ایسے لوگ آسمان کی بادشاہت کے وارث نہیں ٹھہر سکتے اس لئے تم اپنا مال زمین پر
جمع نہ کرو۔ کون نہیں جانتا کہ آجکل مسیحی قومیں محلوں میں رہتی اور اچھے لباس پہنتی ہیں
اور خود پادریوں کی کوٹھیاں نہایت عالیشان ہوتی ہیں۔ مگر یسوع مسیح ایسے لوگوں کی
نسبت نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ مغربی مہذب دنیا کو آج بڑا فخر اپنے فلاسفروں اور
سائینس دانوں پر ہے مگر یسوع مسیح کہتا ہے کہ میری باتیں ان لوگوں سے پوشیدہ
رہتی ہیں۔ یسوع مسیح کہتا ہے کہ مَیں غریبوں کے لئے بشارت لایا ہوں نہ دولت
والوں کے لئے مگر جس کو آج مہذب دنیا کہتے ہیں وہ غریبوں سے نہیں بلکہ امیروں
سے بنی ہوئی ہے پھر مَیں تعجب کرتا ہوں کہ کیوں مغربی دنیا کی مادی ترقی اور جسمانی
تہذیب اور ظاہری شان و شوکت کو مسیحیت کا ثمرہ بیان کیا جاتا ہے؟ جو کچھ ہمیں
مغربی دنیا میں نظر آتا ہے یسوع مسیح ان سب چیزوں سے نفرت ظاہر کرتا ہے اور
اسکی تعلیم بالکل ان حالات کے مخالف ہے۔ اور جو کچھ مغربی دنیا نے حاصل کیا وہ مسیح
کی تعلیم پر عمل کرنے سے نہیں بلکہ اسکو ترک کرنے اور اُس کے مخالف راہ اختیار
کرنے سے حاصل کیا ہے مگر معلوم نہیں پادریوں کی عقل کو کیا ہو گیا وہ مسیح کی تعلیم
کے ہوتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں کہ مغربی دنیا نے جو ترقی کی وہ مسیحیت کی بدولت حاصل
کی۔ اگر انہوں نے ایسا کہنا تھا تو انکو چاہیئے تھا کہ پہلے اناجیل موجودہ میں سے مسیح
کی تعلیم کو نکال دیتے اور اُس کی جگہ یہ لکھتے کہ آسمان کی بادشاہت دولتمندوں اور
بڑے بڑے تاجروں کے لئے ہے جو دنیا کے خزانوں سے اپنی کوٹھیاں بھر دیتے ہیں
اور مبارک وے جو ہر وقت دنیا کی فکر میں لگے ہوئے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت
انہی لوگوں کے لئے ہے اور مبارک وے جو اس زمین پر اپنی دولت جمع کرتے

ہیں اور ایسے صندوقوں میں اپنا مال رکھتے ہیں جہاں نہ کیڑے کا ڈر ہے اور نہ چور کا خوف اور مبارک وے جو بڑی بڑی کوٹھیوں اور خوشنما باغوں میں رہتے ہیں کیونکہ بہشت ایسے لوگوں کے لیئے ہی بنایا گیا اور مبارک وے جو ممّون کی خدمت میں دن رات مصروف رہتے ہیں کیونکہ وہ خداوند کے بڑے پیارے ہیں اور مبارک وے جو بڑے فلاسفر اور سائنس دان ہیں کیونکہ خداوند نے آسمانی باتوں کو ان پر کھول دیا اور بچوں پر چھپایا *

(۴) مینے مسیحیوں کی کتب مقدسہ میں بہت دیکھا کہیں پتہ نہیں چلتا کہ یسوع مسیح نے دنیا کی سلطنتوں اور اُن کی شان و شوکت کو جو آج مسیحیوں کو حاصل ہیں سچائی کا معیار ٹھہرایا ہو۔ ساری اناجیل اور کل خطوط اور دیگر مسیحی نوشتوں میں صرف ایک ہی مقام مجھے ایسا نظر آیا جس میں دنیا کی سلطنتوں اور اُنکی شان و شوکت کے وعدہ کا کچھ پتہ چلتا ہے مگر افسوس ہے کہ وہ ایسا مقام ہے جس کو کوئی مسیحی پیش کرنا پسند نہیں کرے گا۔ مگر اگر اناجیل موجودہ اور دیگر مسیحی نوشتوں میں کوئی ایسا مقام ہے جہاں زمین کی بادشاہتوں اور اُن کی شان و شوکت کا وعدہ ہے تو وہ ایک ہی ہے مگر باوجود اسکے غالباً کوئی آجکل کا مسیحی اس مقام کو پیش کرنا پسند نہیں کرے گا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ مسیحی مذہب وہ مذہب نہیں جسکی یسوع مسیح نے تعلیم دی ہے بلکہ یہ کچھ اور ہی ہے۔ مقام مذکور متی کی کتاب کے چوتھے باب میں ہے اور وہ اس طرح پر ہے "پھر شیطان اُسے ایک بڑے اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی ساری بادشاہتیں اور اُن کی شان و شوکت اُسے دکھائیں اور اُس سے کہا کہ اگر تو گر کے مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دونگا تب یسوع نے اُسے کہا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اُس اکیلے کی بندگی کر۔ تب شیطان اُسے چھوڑ گیا"

اس مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے یسوع پر ظاہر ہوکر یہ کہا کہ اگر تو مجھے سجدہ کرے تو میں اس کے بدلہ میں دنیا کی ساری سلطنتیں اور اُنکی شان و شوکت

تجھے دونگا مگر معلوم ہوتا ہے کہ یسوع شریعت کا پابند تھا اس لیئے[*] اُس نے شیطان کو یہ جواب دیا کہ خداوند کے سوا کسی کے آگے سجدہ کرنا جائز نہیں اس لیئے شیطان ناکام ہو کر چلا گیا مگر معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اُس کے پیرووں نے شریعت کو ترک کر دیا اور ایسی راہ اختیار کی جو رحمان کی راہ نہیں بلکہ شیطان کی راہ ہے۔ اس لیئے شیطان نے بھی اپنے وعدہ کو پورا کیا اور دنیا کی سلطنتیں اور اُنکی شان و شوکت جس پر آج بعض مسیحی واعظ بہت فخر کرتے ہیں اُنکو دی۔ اسلیئے یہ ایک ایسا انعام ہے جو ہرگز انجیلی نقطہ خیال سے قابل فخر نہیں بلکہ اگر متی کی کتاب کا بیان درست لیں تو یہ دنیا کی سلطنتیں اور اُنکی شان و شوکت مسیحیوں کے لیئے مقام ننگ و عار ہونا چاہیئے اور بجائے اس کے کہ مسیحی پادری اسپر ناز کریں اور اُنکو مسیح کی تعلیم کا ثمرہ قرار دیں اُنہیں چاہیئے کہ اس کا نام تک نہ لیں اور دیگر مذاہب کو مخاطب کرتے ہوئے ان دنیا کی سلطنتوں اور اُنکی شان و شوکت کی طرف جو آج اُنکو حاصل ہیں اشارہ کرنے سے بھی گریز کریں کیونکہ ان سے تو اُنکی انجیل کے رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیشوا کی مثال کے برخلاف شیطان کے آگے سجدہ کیا اور اسکے عوض میں شیطانی وعدہ کے مطابق دنیا کی سلطنتوں اور اُنکی شان و شوکت کو حاصل کیا۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یسوع مسیح نے اپنی قوم کو دنیا کی فکر کرنے اور دنیا کا مال و متاع جمع کرنے سے بہت ڈرایا اور محلوں میں رہنے والوں کے متعلق بہت نفرت کا اظہار کیا اور کہا کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو سکتا ہے مگر دولتمند خداوند کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ مگر افسوس کہ باوجود یسوع مسیح کی اس تاکید کے آجکل مسیحیوں کے مقتدا اور رہنما خود بڑی شان و شوکت اور عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتے ہیں اور دولت کو اپنے پاس جمع کرتے ہیں اور جب مرتے ہیں تو بڑی بڑی دولت پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔

(۵) ہم پہلے دکھا چکے ہیں کہ یسوع مسیح کی تعلیم مسیحی ممالک کی موجودہ شان و شوکت و جاہ و حشمت اور مسیحی تہذیب کے بالکل اُلٹ پڑی ہوئی ہے مگر ہم ناظرین کو زیادہ

[*] یسوع کی آزمایش کا حال پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ یسوع نے شریعت کی پابندی کی بدولت شیطان سے نجات حاصل کی [illegible] جس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص شیطان کے پنجے سے رہائی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ شریعت کی پابندی اختیار کرے پس اُن لوگوں کی نسبت جنہوں نے شریعت کا جوا

یقین دلانے کے لیئے پھر یہ دکھاتے ہیں کہ مغربی دنیا نے جو ترقی کی ہے وہ مسیح کی تعلیم پر چلکر حاصل نہیں کی بلکہ انہوں نے یسوع مسیح کی تعلیم کو ترقی کے مانع دیکھ کر اُسکو ترک کردیا اور اگر وہ یسوع مسیح کی تعلیم پر عمل پیرا ہوتے تو ترقی کرنا تو کجا دنیا کا سارا انتظام درہم برہم ہوجاتا اور ایک دن کے لیئے مسیحی دنیا کے لیئے زندگی بسر کرنا محال ہوجاتا۔ دیکھو علاوہ اُس تعلیم کے جس کو میں اوپر بیان کرچکا ہوں یسوع مسیح کا ایک مقولہ یہ ہے:۔

(۱) "میں تمھیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی چاہے کہ تجھ پر نالش کرکے تیری قبا لے کُرتے کو بھی اُسے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار لیجاوے اُس کے ساتھ دو کوس چلا جا" (متی باب ۵۔ ورس ۳۹)

اب میں پادری صاحبان سے سوال کرتا ہوں کہ کیا مغربی دنیا کی ترقی کا راز یہی تعلیم ہے کیا یورپ اور امریکہ نے اسی تعلیم پر عمل کرکے ترقی حاصل کی۔ سچ کہو کیا یورپ اور امریکہ نے کبھی اس تعلیم پر عمل کیا یا کم از کم اس تعلیم پر عمل کرنا پسند کرتے ہیں۔ انگلینڈ کا جنگی بیڑا دنیا میں سب بیڑوں سے بڑا ہے کیا وہ بیڑا ظالم کا مقابلہ کرنیکے لیئے نہیں بنایا گیا۔ سچ بتاؤ مہذب دنیا جو آئے دن نئی توپیں ایجاد کرتی ہے اور نئے آلات نکالتی ہے کیا وہ اسی لیئے ایسا کرتی ہے؟ پھر کیا جب ہوائی جہاز تجویز ہوئے تو کیا پہلا کام جو مہذب دنیا نے اُن سے لیا وہ دشمن پر بمب پھینکنا نہ تھا۔ کیا مہذب دنیا ہوائی جہازوں کو جنگی اغراض کے لیئے نہیں بناتی ہے اور کیا اُن کے موجد ہر وقت اس فکر میں نہیں لگے رہتے کہ کونسا بہترین طریق ہے جس سے ہوائی جہاز جنگی اغراض کے لیئے کام میں لائے جاسکیں۔ غرض اس امر میں بھی مسیحی دنیا نے مسیح کی تعلیم کی پیروی نہیں کی بلکہ مسیح سے پہلے جو دنیا کا طریق تھا اُسی طریق پر چلکر اپنا قدم بڑھایا ہے۔

پھر میں یسوعی لوگوں سے سوال کرتا ہوں کہ یورپ اور امریکہ میں کونسی وہ مہذب قوم ہے جو یسوع مسیح کے اس قول پر ایک لحظہ کے لیئے بھی عمل کرنے کیلئے تیار ہو

کہ "جو تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے"۔ دیکھو ہندوستان میں ایک شریر گروہ ٹھیک ہے جو آئے دن کسی نہ کسی سرکاری افسر پر حملہ کا یہ وار کرتا رہتا ہے چنانچہ گذشتہ دسمبر میں دہلی میں حضور وائسرائے اور لیڈی ہارڈنگ پر اُس گروہ کے ایک ممبر نے بمب چلایا اور اب گورنمنٹ اور دیگر خیر خواہان ملک کی طرف سے قاتل کے گرفتار کرنے کے لیئے ہزار ہا روپیہ انعام مقرر کیا گیا ہے اور گرفتار کرنے سے گورنمنٹ کی یہ غرض نہیں کہ اُس ظالم کو انعام دیا جاوے یا اُسکے آگے دوسری گال بھی پھیر دی جاوے بلکہ گورنمنٹ کی غرض یہ ہے کہ اُس ظالم کو عبرتناک سزا دیجاوے اور آیندہ ایسے جرائم کا انسداد ہو۔ اب اگر اس صورت میں یسوع مسیح کے قول پر عمل کیا جاوے تو کیا یہ بے جا حرکت نہ ہوگی۔ کیا ایسی تعلیم پر عمل کرنے سے دنیا کا کاروبار ایک دن میں تباہ ہو جاسئے گا۔ کیا مہذب دنیا اس تعلیم پر عمل کرتی ہے۔ جب مہذب دنیا اس تعلیم سے کوسوں دُور بھاگتی ہے اور اس طریق کو ہلاکت کا باعث اور تمام ترقیوں کا ستیاناس کرنے والا عملی طور پر یقین کرتی ہے تو پھر پادری لوگ ہمیں یہ کیوں بار بار سناتے ہیں کہ مہذب دنیا نے جو ترقی کی ہے وہ یسوع مسیح کی تعلیم کا پھل ہے اور مسیحیت کا ثمرہ ہے۔

پھر یسوع مسیح نے تو یہ تعلیم دی تھی کہ جو کوئی تیری قبا لینا چاہے تو اُسے اپنا کُرتا بھی دیدے۔ کیا مسیحی دنیا اسپر عمل کرتی ہے۔ کیا اٹلی جس نے طرابلس کو ترکوں سے چھین لیا مہذب دنیا میں شامل نہیں؟

(ب) پھر یسوع مسیح کہتا ہے اپنے دشمنوں سے پیار کرو متی ۵/۴۴۔ کیا کوئی پادری مہذب دنیا میں کسی ایسی قوم کا پتہ دے سکتا ہے جو دشمنوں سے پیار کرتی ہو۔ بر خلاف اسکے اُن میں تو بعض ایسی قومیں بھی ہیں جو بے گناہ ہزاروں مردوں۔ عورتوں اور بچّوں کو تہ تیغ کرنے سے دریغ نہیں کرتیں۔ اگر کسی پادری کو اس سے انکار ہے تو وہ اٹلی والوں پر نظر کرے جنہوں نے خود مسیحی نامہ نگاروں کے بیان کے مطابق چار دن کے قتل عام میں چالیس ہزار بے گناہ مردوں۔ عورتوں اور بچوں کو نہایت

بے رحمی کے ساتھ تہ تیغ کیا اور ایسا ہی جنگ بلقان میں بلقانی ریاستوں کی طرف سے جو ظالمانہ کارروائیاں سرزد ہوئیں اُن کو دیکھ لے اور یہ سب قومیں نہ صرف مسیحی بلکہ مہذب بھی ہیں ۔

(ج) پھر یسوع مسیح کہتا ہے " میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی زندگی کے لیئے فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے اور کیا پییں گے نہ اپنے بدن کے لیئے کہ کیا پہنیں گے ..... ہوا کے پرندوں کو دیکھو وے نہ بوتے نہ لوتے نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمھارا آسمانی باپ اُن کو پالتا ہے ۔ کیا تم اُن سے بہت بہتر نہیں ہو ؟ تم میں کون ہے جو فکر کرکے اپنی عمر میں ایک گھڑی بڑھا سکتا ہے ؟ اور پوشاک کی کیوں فکر کرتے ہو ؟ جنگلی سوسنوں کو دیکھو کہ وے کس طرح بڑھتی ہیں ۔ وے نہ محنت کرتی نہ کاتتی ہیں ۔ پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ سلیمان بھی اپنی ساری شان و شوکت میں اُن میں سے ایک کی مانند پہنے نہ تھا ۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جاتی یوں پہناتا ہے تو کیا تم کو اے کم اعتقادو زیادہ نہ پہنائیگا ؟ اس لیئے یہ کہکے فکر مت کرو کہ ہم کیا کھائیں گے ؟ یا کیا پییں گے ؟ یا کیا پہنیں گے ؟ کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں رہتی ہیں اور تمھارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو گے ۔ متی ۶ - ۲۵ - ۳۲

دیکھو اس جگہ یسوع مسیح اپنے پیرووں کو یہ سکھاتا ہے کہ تم دنیا کی فکر بالکل نہ کرو ۔ تمھیں چاہیئے کہ نہ اپنے کھانے کا فکر کرو ۔ نہ پہننے کا اور نہ پینے کا تمھیں کوئی ضرورت نہیں کہ کوئیں کھودو یا نہریں نکالو یا دوسرے ملکوں سے اپنے ملک میں غلہ اور روئی وغیرہ لانے کے لیئے ریل گاڑیاں یا جہاز بناؤ ۔ یا پانی پینے کے لیئے واٹر ورکس کا کوئی انتظام کرو یا گھی اور دودھ کے لیئے مویشیوں کی پرورش کرو یا رات کی روشنی کے لیئے گیس اور تیل کا کوئی فکر کرو غرض کسی قسم کا دنیا کا فکر تمھیں ہرگز نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ان سب باتوں کو بالکل خدا پر چھوڑ دو ۔ اور اس طرح بے سروسامانی کی زندگی بسر کرو جس طرح کہ چڑیاں اور کوے زندگی بسر کرتے ہیں اور اس طرح بے دست و پا ہو کر بیٹھ جاؤ جس طرح کہ جنگل کی گھاس

اپنی جگہ سے نہیں ملتا۔

اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مغربی دنیا نے مسیحیت کی برکت سے یہ ساری ترقی کی اُن سے میں پوچھتا ہوں کہ کیا اُن کی ترقی کا یہی راز ہے جو اوپر بیان ہُوا کیا وہ یسوع کی تعلیم کے موافق اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ دعویٰ کرنا آسان ہے کہ مغربی دنیا نے جو ترقی کی ہے وہ مسیحیت کی بدولت ہے مگر جب اس دعویٰ کو اچھی طرح پر کھا جاوے اور ایک طرف یسوع کی تعلیم کو کھولکر آگے رکھا جاوے اور دوسری طرف مہذب دنیا کے رات دن کے عمل کو دیکھا جاوے تو یہ دعویٰ بالکل غلط اور سراسر باطل ثابت ہوتا ہے۔ یسوع مسیح کچھ تعلیم دیتا ہے اور مہذب دنیا کا طرز عمل بالکل کچھ اور ہے۔ پادری صاحبان کو چاہیئے کہ آنکھیں بند کرکے دعویٰ نہ کر دیا کریں بلکہ دعویٰ کرنے سے پہلے یہ بھی دیکھ لیا کریں کہ جب اُن کے دعویٰ کو امتحان کی کسوٹی پر پرکھا جاویگا اور واقعات کے معیار سے اُسکو جانچا جاوے گا تو کیا وہ اسوقت درست ثابت ہوگا یا نہیں۔ موجودہ صورتیں یسوع مسیح جو تعلیم دیتا ہے مہذب دنیا کا طریق عمل بالکل اُسکے مخالف پڑا ہُوا ہے مگر افسوس کہ پھر بھی پادری صاحبان یہی کہے جا رہے ہیں کہ مغربی قوموں کی ترقی مسیحیت کی بدولت ہے۔ اس لیئے مسیحی مذہب ایک سچا مذہب ہے مگر جب اُن کی اس دلیل کو غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ بالکل ایک دھوکہ ثابت ہوتا ہے ؛

(د) پھر یسوع مسیح کہتا ہے "کل کی فکر نہ کرو کیونکہ کل اپنی چیزوں کی آپ ہی فکر کریگا۔ آج کا دُکھ آج ہی کے لیئے بس ہے۔" متی $\frac{6}{34}$ یہ بھی یسوع مسیح کی بعینہ اُسی قسم کی تعلیم ہے جیسی کہ وہ تعلیم ہے جس کو مَیں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ خدا کے لیئے مجھے کوئی پادری صاحب سمجھاویں کہ ایسی تعلیم کس طرح مغربی دنیا کی موجودہ ترقی کا راز کہلا سکتی ہے۔ کیا مغربی دنیا اپنے مادی امور میں اسی لیئے ترقی کر رہی ہے کہ وہ کل کی بالکل فکر نہیں کرتی یا معاملہ بالکل دگرگوں ہے۔ اچھا پادری صاحبان مغربی دنیا کے دستور العمل کو نظر انداز کرکے مجھے یہی سمجھا دیں کہ اگر کوئی قوم یا کوئی

شخص اس وقت یسوع مسیح کی اس تعلیم پر عمل کرنا شروع کرے تو وہ ضرور ترقی کی اعلیٰ چوٹی تک پہنچ جائے گا اور یہ کہ یہی تعلیم ترقی کا زینہ اور کمال حاصل کرنے کی سیڑھی ہے۔ جب یسوع مسیح کی ساری تعلیم کو دیکھا جاتا ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ اگر کوئی قوم یسوع کی تعلیم پر عمل کرنا اختیار کرے تو فوراً اسے بھی پہلے ادبار اور ہلاکت کے گہرے گڑھے میں جا گرےگی چہ جائیکہ وہ کوئی قدم آگے بڑھائے۔ دیکھو ساری دنیا کا بقا اسی پر ہے کہ کل کی فکر آج کی جائے جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ولتنظر نفس ما قدمت لغد اگر آج دنیا کل کی فکر آج کرنا چھوڑ دے اور یسوع کے مشورہ کو اختیار کرے تو ایک دن میں کل دنیا ہلاک ہو جائے۔ خود پادری صاحبان ہی سچ سچ بتلا دیں کہ اگر کل کی فکر آج نہ کی جاوے جیسا کہ قرآن شریف حکم دیتا ہے تو کیا اس عالم کا کاروبار چل سکتا ہے؟ مگر یسوع مسیح نے ہر پہلو سے اس بات پر زور دیا کہ کل کی فکر آج نہ کرو بلکہ یہ سکھایا کہ آج کی فکر بھی نہ کرو اور چڑیوں اور سوسن کی مثالیں دے دیکر اپنے پیرؤں کو ایسی راہ پر چلانا چاہا جس کا نتیجہ سوائے تباہی کے اور کچھ نہ تھا حالانکہ چڑیوں اور سوسن کی مثال انسان پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ معاش کے معاملہ میں انسانوں کے حالات ان چیزوں کے حالات سے بالکل مختلف ہیں۔ مثالیں بھی اپنے ہی مطلب کی چنی گئیں۔ چیونٹیوں کو نہ دیکھا کہ کس طرح وہ کوٹھیوں میں دانے جمع کرتی ہیں اور پھر شہد کی مکھی اور بھڑ یعنی زنبور کو نہ دیکھا کہ وہ کیسی محنت سے شہد اور شکر اپنے لیئے تیار کرتی ہیں۔ اور کس طرح وہ کل کی فکر آج کرتی ہیں۔

(۵) پھر یسوع مسیح نے صرف انکو یہ تعلیم ہی نہ دی کہ کل کی فکر آج نہ کرو بلکہ جو دعا سکھائی اس میں بھی یہ سکھایا کہ "ہماری روزینہ کی روٹی آج ہمیں بخش" متی ۶/۱۱ یہ دعا بالکل یسوع مسیح کی تعلیم کا نقشہ ہے۔ دعائیں دل کے خیالات کا آئینہ ہوتی ہیں اور یسوع مسیح کی اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے دل میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ کھانے پینے۔ پہننے اور مکان کا بالکل فکر نہیں کرنا چاہیئے۔ کل کا فکر تو کجا آج کا فکر بھی آج نہیں کرنا چاہیئے بلکہ مجائے اسکے کہ آج کی روٹی کی کوئی فکر اور تلاش کیجائے آج کی روٹی

کے لیئے بھی صرف دعا ہی کرنی چاہیئے اور روزانہ کھانا بھی خدا سے ہی مانگنا چاہیئے۔۔
طرفہ یہ ہے کہ کل کے لیئے کسی قسم کی فکر کرنے کا یسوع مسیح اسقدر مخالف تھا کہ کل کی روٹی کے لیئے آج دعا کرنا بھی پسند نہ کیا اور دعا میں بھی صرف آج کی ہی روٹی مانگی ہے۔ جب یسوع مسیح کی تعلیم یہ تھی کہ نہ کل کی فکر آج کرو اور نہ آج کی فکر آج کرو بلکہ آج کی روٹی بھی خدا سے ہی مانگو اور خود کسی قسم کا فکر اور سعی نہ کرو اور جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مہذب دنیا ایسے طریق کو سخت کراہت کی نظر سے دیکھتی ہے اور اسکا رویہ بالکل اسکے اُلٹ ہے تو پھر کیوں کہا جاتا ہے کہ مغربی دنیا کی تہذیب اور ترقی مسیحیت کی تعلیم کا پھل ہے۔ اگر کوئی شخص یسوع کی تعلیم پر عمل کرے تو سوائے اسکے کہ یسوع کے شاگردوں کی طرح دوسرے لوگوں کے کھیتوں کی بالیاں توڑ توڑ کر کھائے اور کس طرح گذارہ کر سکتا ہے۔ مگر اگر ساری دنیا یسوع کی تعلیم پر جسکو عالمگیر بیان کیا جاتا ہے عمل کرے تو توڑنے کے لیئے بالیاں کہاں سے ملیں۔ مگر یسوع کا منشاء یہ تھا کہ غیر قومیں کمائیں اور اُسکے پیرو صرف توکل پر زندگی بسر کریں کیونکہ وہ کہتا ہے " ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں رہتی ہیں اور تمھارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو" (اس لیئے تم کچھ فکر نہ کرو۔ خدا پر چھوڑ دو) اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جو قومیں " ان سب چیزوں کی تلاش میں رہتی ہیں" وہ یسوع مسیح کی پیرو نہیں بلکہ یسوع مسیح کے نزدیک وہ غیر قوموں میں شامل ہیں۔ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ مغربی قومیں یسوع مسیح کے قول کے مطابق غیر قومیں ہیں مسیح کی پیرو نہیں پھر انکی ترقی کو یسوع مسیح کی تعلیم کا ثمرہ کیوں بیان کیا جاتا ہے۔

(۹) یسوع مسیح دنیا کی فکر کرنے کا ایسا مخالف تھا کہ اُس نے اپنے عزیز شاگردوں کو خصوصیت سے وصیت کی کہ " نہ سونا نہ روپا نہ تانبا اپنی کمر میں رکھو" سفر کے لیئے خصوصیت کے ساتھ انسان کو ضرورت ہوتی ہے کہ زادراہ اور کپڑوں اور دیگر ضروریات سفر کو اپنے ساتھ رکھے مگر یسوع مسیح ہر ایک قسم کی پیشبندی اور کل کا فکر آج کرنیکو ایسا برا سمجھتا تھا کہ اُس نے اپنے پیارے شاگردوں کو سفر کے متعلق کہا کہ " راستے کے لیئے نہ جھولی نہ دو کرتے

خود کو کسی قسم کی فکر کرنی چاہیئے۔

نہ جوتیاں نہ لاٹھی لو٭" یہ ایسی تعلیم ہے کہ باقی مسیحی دنیا تو الگ رہی خود پادری اور مشنری اس پر عمل نہیں کرتے اور اس طرح یسوع کی تعلیم کے ناقص ہونے کی اپنے عمل سے شہادت دیتے ہیں۔ پادریو! سچ بتاؤ کیا یہی تعلیم مغربی دنیا کی مادی ترقی کا راز ہے؟

(ز) مَیں بارہا کہہ چکا ہوں کہ اگر یسوع مسیح کی تعلیم پر دنیا عمل کرے تو آج ہی دنیا کا خاتمہ ہو جاوے یہ صرف اس لیئے نہیں کہ اُس نے کل کی فکر آج کرنے یا آج کی فکر سے بھی منع کیا اور ظالم کا مقابلہ کرنے سے روکا بلکہ کہا کہ جو کوئی قبا چھیننا چاہے اُسے کرتہ بھی اُتار دو اور جو کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے اُس کے آگے دوسری گال بھی پھیر دو بلکہ اس خطرناک تعلیم کے علاوہ اُس نے اور بھی ایسی باتیں سکھائیں کہ اگر نوع انسان اُنپر عمل کرنا چاہے تو بہت جلدی نسل انسان مفقود ہو جاوے مثلاً وہ کہتا ہے کہ "اگر تیرا ہاتھ یا تیرا پانوٗں تجھے ٹھوکر کھلاوے اُسے کاٹ ڈال اور اپنے پاس سے پھینک دے کہ لنگڑا یا ٹُنڈا ہو کر زندگی میں داخل ہونا تیرے لیئے اُس سے بہتر ہے کہ دوٗ ہاتھ یا دوٗ پانوٗں ہوتے ہمیشہ کی آگ میں ڈالا جاوے۔ اور اگر تیری آنکھ تجھے ٹھوکر کھلاوے اُسے نکال ڈال اور پھینک دے کیونکہ کانا ہو کر زندگی میں داخل ہونا تیرے لیئے اُس سے بہتر ہے کہ تیری دوٗ آنکھ ہوں اور تُو جہنم کی آگ میں ڈالا جاوے۔" متی $\frac{18}{9 \text{ و } 8}$ ؛ $\frac{5}{30 \text{ و } 29}$

(ح) ناظرین کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ یسوع نے زندگی میں داخل ہونے لیئے صرف ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھ وغیرہ عضوؤں کے کاٹنے ہی کی سفارش نہیں کی بلکہ اناجیل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اس سے بھی بڑھکر ایک امر کی سفارش کی ہے۔

وہ ایک موقعہ پر یہ تعلیم دے رہا تھا کہ "جو کوئی اپنی جورو کو سوا زنا کے٭٭ اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اُس چھوڑی ہوئی عورت کو بیاہے زنا کرتا ہے" جب اُس کے شاگردوں نے یہ تعلیم سُنی تو اُنھوں نے دیکھا کہ اسپر عمل کرنا بڑی بڑی دقتوں کا موجب ہوگا کیونکہ سوائے زنا کے کئی ایسی صورتیں ہوتی ہیں جب کہ مرد و عورت کا جدا ہونا ضروری ہوتا ہے مثلاً ایک عورت

٭ مرقس کے بیان کے مطابق یسوع مسیح حکم دیتا ہے کہ لاٹھی ساتھ لینی چاہیئے۔ دیکھو مرقس $\frac{6}{8}$ مسیحی صاحبان بتلائیں کہ ہم کس بیان پر اعتماد کریں۔ منہ

٭٭ دوسرے بیان کے مطابق وہ کسی صورت میں بھی طلاق کی اجازت نہیں دیتا۔ معلوم نہیں کہ کونسا بیان درست ہے۔ دیکھو مرقس $\frac{10}{11}$

اپنے خاوند کے خون کی پیاسی ہو گئی ہے۔ اور یقین ہے کہ وہ کسی وقت موقعہ پاکر اپنے خاوند کو زہر دیکر یا کسی اور ذریعہ سے جان سے مار ڈالے گی ایسی صورت میں اور ایسی ہی بہت سی اور صورتوں میں سوائے اسکے اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا کہ عورت کو خاوند سے جُدا کیا جائے چنانچہ ایسی ہی ضرورتوں سے مجبور ہو کر بہت سی مسیحی سلطنتوں نے جن کی تہذیب پر مسیحی پادری فخر کرتے ہیں اور اُسکو مسیحیت کی تعلیم کا ثمرہ بیان کرتے ہیں باوجود یسوع مسیح کی سخت ممانعت اور خطرناک فتویٰ کے اناجیل مروجہ کے قاعدہ کو عملی طور پر منسوخ کر دیا ہے اور اُس کی جگہ قانون طلاق پاس کر دیا ہے۔ یسوع مسیح کی اس تعلیم کی مشکلات کو دیکھکر اُسکے شاگرد خاموش نہ رہ سکے۔ اور اُنہوں نے اُس سے کہا "اگر مرد کا حال جورو کے ساتھ یہ ہے تو جورو کرنا اچھا نہیں" اب جو جواب یسوع مسیح نے دیا اُسکو سُنکر بہت سے لوگ حیران ہونگے۔ قرآن شریف کے پڑھنے والے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو جاننے والے تو شاید خیال کرینگے کہ یسوع مسیح نے اپنے شاگردوں کی اس رائے کو بہت ناپسند کیا ہوگا اور انہیں سمجھایا ہوگا کہ انسان کے تقویٰ کے لیئے نکاح نہایت لازمی چیز ہے بلکہ اگر تقویٰ تمھیں مجبور کرے تو تمھیں اجازت ہے کہ عدل کی پابندی کے ساتھ دو۔ تین یا چار بیوں سے بھی نکاح کر لو مثلاً اگر ایک بیوی دائم المریض ہے اور وہ تمھارے تقویٰ کے قائم رہنے کا ذریعہ نہیں ہو سکتی اور خوف ہے کہ اس صورت میں تمھارا دل پاکیزہ نہیں رہ سکے گا اور تمھاری آنکھ خیانت کریگی تو ایسی صورت میں یسوع مسیح کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم نہیں دی کہ تُو اپنی آنکھ نکال دے اور اُسے پرے پھینک دے بلکہ اُسکے لیئے یہ علاج سکھایا کہ اگر ایک بیوی بعض وجوہات سے تمھارے تقویٰ کے قائم رکھنے کا ذریعہ نہیں ہو سکتی تو تم دوسری بیوی بھی کر سکتے ہو اور یہ کہ تمھاری غرض نکاح سے تقویٰ کا حاصل کرنا ہونی چاہیئے اور چونکہ حالات مختلف ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ بعض صورتیں ایسی واقع ہو جاویں کہ دو بیویوں کا ہونا بھی تقویٰ کے حصول کی غرض کو

پورا نہ کرے اس لیئے خدائے تعالیٰ نے دو تک بھی حصر نہیں رکھا بلکہ اس سے بھی زیادہ کی اجازت دی ہے کیونکہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور یہ تمام انسانی ضروریات کا سامان مہیا کرتا ہے اسلیئے اس نے خاص خاص صورتوں کے لیئے بھی علاج بتایا ہے اور یسوع مسیح کی طرح انسان پر ایسا بوجھ نہیں ڈالا جسکی وہ برداشت نہیں کرسکتا اور اُس نے اناجیل مروجہ کی طرح یہ حکم نہیں دیا کہ اگر تمھاری آنکھ خیانت کرے تو اُسکو نکال دے اور اگر تمھارا ہاتھ تمھیں دکھ دے تو اُسے کاٹ دے بلکہ اُس نے وہ علاج بتائے ہیں جن سے آنکھ خیانت کرنے سے رُک جائے اور ہاتھ دکھ دینے سے باز رہے۔ یسوع مسیح کی مثال اُس ڈاکٹر کی طرح ہے جسکے پاس علاج کا سامان بہت ہی محدود ہے مگر ہاں اُس کے تھیلے میں ایک تیز چاقو ہے۔ جب ایک بیمار آنکھ اُس کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو وہ اپنے محدود ذخیرہ میں کوئی ایسی دوا نہیں پاتا جس سے اُس بیمار آنکھ کا علاج کرے اس لیئے دیکھتے ہی یہ کہتا ہے کہ اس آنکھ کو نکال کر پھینک دینا چاہیئے یہ نہیں کہ وہ آنکھ ناقابل علاج ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر نہیں جانتا کہ کس علاج سے یہ آنکھ اچھی ہو سکتی ہے۔ اس لیئے وہ مریض کو یہی مشورہ دیتا ہے کہ اس آنکھ کو نکالکر پھینک دو کیونکہ تیرا کانا ہو جانا اس سے بہت بہتر ہے کہ تو ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار رہے۔ مگر قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ایک ایسے حاذق طبیب اور تجربہ کار ڈاکٹر کی ہے جس کے شفاخانہ میں ہر بیماری کے لیئے دوا اور ہر طرح کے پھوڑے اور تمام قسموں کے زخموں کے لیئے مرہم۔ پٹی کا پورا پورا سامان موجود ہے اور جب ایک بیمار کی آنکھ اُسکو دکھائی جاتی ہے تو بجائے اسکے کہ وہ اسکو اپنے تیز چاقو سے نکالکر باہر پھینک دے وہ مریض کو وہ دوا بتلاتا ہے جس سے اُس کی آنکھ کا دُکھ جاتا رہے۔ اس لیئے قرآن شریف یسوع مسیح کی طرح یہ نہیں کہتا کہ اگر تیری آنکھ یا تیرا ہاتھ یا تیرا پاؤں تیرے لیئے ٹھوکر کا موجب ہوں تو انکو کاٹ کر دُور پھینک دے کیونکہ تیرا کانا یا ٹنڈا یا لنگڑا ہو جانا ہمیشہ کے دکھ سے بہتر ہے

بلکہ وہ بیمار کے لئے ایسے نسخے تجویز کرتا ہے جن کے استعمال سے آنکھ کان ہاتھ اور پاؤں صحت کی حالت حاصل کریں اور انسان اُن کے دُکھ سے محفوظ رہے۔

اور طرفہ یہ ہے کہ یسوع مسیح کی جو تعلیم اناجیل میں درج ہے وہ ایک ایسے طبیب کی ہدایات کی طرح ہے جو بیماریوں کا علاج کرنا تو کجا حفظان صحت کے قواعد سے بھی لوگوں کو آگاہ نہیں کرتا بلکہ ایسی ایسی ہدایتیں اُنکو دیتا ہے جن سے اُنکی صحت اور بھی بگڑ جائے۔ جب یسوع مسیح کے شاگردوں نے اُس سے کہا کہ جیسے قواعد آپ میاں بیوی کے تعلقات کے بارے میں بتلاتے ہیں وہ ایسے فوق الطاقت ہیں کہ اُنسے تو یہی بہتر ہے کہ انسان تجرد کی زندگی اختیار کرے تو اُس نے اُنکو جواب دیا "سب اس بات کو قبول نہیں کرتے مگر وے جنہیں دیا گیا" (متی $\frac{19}{11}$)

اس جواب سے پایا جاتا ہے کہ یسوع مسیح تجرد کی زندگی کو بہت پسند فرماتے تھے مگر انہوں نے اس لیئے تجرد کو اپنے پیرؤں کے لیئے لازمی نہیں ٹھہرایا کہ سب لوگ اس حکم کو قبول نہیں کرینگے تاہم وہ کہتے ہیں کہ تجرد کی زندگی کو وہ لوگ قبول کرینگے جنکو آسمانی باتوں کا فہم عطا کیا گیا ہے۔ پس اُنکے نزدیک تجرد کی زندگی نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی زندگی تھی اور انہوں نے اپنے پیرؤں کو یہ سنا کر کہ شادی کرنا ادنیٰ درجہ کے لوگوں کا کام ہے اور اعلیٰ پایہ کے انسان جن کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے علم اور حکمت عطا کی گئی ہے تجرد کی زندگی کو پسند کرینگے مجرد رہنے اور شادی نہ کرنے کی ترغیب دی۔ اور خود اناجیل کے بیان کے مطابق مجرد رہ کر اپنے شاگردوں کے سامنے تجرد کا ہی عملی نمونہ پیش کیا پس اُنکے بیان اور نمونہ سے کُھلے طور پر ہویدا ہوتا ہے کہ وہ مجردانہ زندگی کو بہت پسند کرتے تھے اور اُن کے نزدیک مجردانہ زندگی بسر کرنا انسانی کمال میں داخل تھا اس لیئے جو شخص یہ چاہے کہ یسوع مسیح کی تعلیم اور عمل پر پورے طور پر کاربند ہو سکے لیئے لازم ہے کہ وہ شادی نہ کرے اور ساری عمر مجردانہ زندگی کو اختیار کرے چنانچہ مسیحیوں میں ہزارہا انسانوں نے اس تعلیم اور نمونہ پر عمل کرنے کی کوشش کی ہے اور جو بد نتائج اس سے پیدا ہوئے ہیں اُسکے لیئے تاریخ کافی گواہ ہے۔ واقعات ثابت کرتے ہیں اور انسانی

فطرت شہادت دیتی ہے کہ جو تعلیم یسوع مسیح نے دی وہ انسان کے لیئے نہایت ٹھوکر کا موجب ہے۔ اب ایک طرف یسوع مسیح روحانی تکمیل کیلیئے وہ راہیں بتاتا ہے جو انسان کیلیئے ٹھوکر اور ابتلا کا موجب ہیں اور دوسری طرف وہ یہ سکھاتا ہے کہ اگر تیری آنکھ تیرے لیئے ٹھوکر کا موجب ہو تو اُسے نکال کر پھینک دے اور اگر تیرا ہاتھ تیرے لیئے ٹھوکر کا موجب ہو تو تُو اپنے ہاتھ کو کاٹ کر پھینک دے اور اگر تیری ٹانگ تیرے لیئے ٹھوکر کا موجب ہو تو تُو اپنی ٹانگ کو کاٹ کر پھینک دے۔ ان حالات میں اگر کوئی شخص یسوع مسیح کی تعلیم پر عمل کرنا چاہے اور جو راہیں کمال کی اُس نے بتائی ہیں اُن پر چلنے کی کوشش کرے تو اوّل تو اُسے چاہیئے کہ یسوع مسیح اور اُس کے بہت سے پیروؤں کی طرح عمر بھر شادی نہ کرے اور جب عمر بھر شادی نہ کریگا تو ضرور ہے کہ کسی نہ کسی وقت اُسکی آنکھ خیانت کرے یا اُس کا ہاتھ یا پاؤں بُری راہ کی طرف جھکنا چاہے پس ایسی صورت میں اگر وہ یسوع مسیح کی عملی ہدایات پر عمل کر کے بدی سے بچنا چاہے تو اُسے چاہیئے کہ اپنے ہاتھ اور پاؤں کو کاٹ کر پھینک دے اور اپنی آنکھوں کو نکال دے کیونکہ یہی علاج ہے جو اُس نے بیان کیا ہے۔ نہیں نہیں مَیں بھول گیا۔ یسوع مسیح نے ایک اور راہ بھی بیان کی ہے جو خصوصاً اُن لوگوں کیلیئے ہے جو عمر بھر کا تجرد اختیار کرنا چاہیں۔ اُسی موقعہ پر جب اُس نے اپنے شاگردوں کو کہا کہ مجردانہ زندگی بہت اعلیٰ درجہ کی زندگی ہے مگر "سب اس بات کو قبول نہیں کرتے مگر وے جنہیں دیا گیا" اُس نے ساتھ ہی اُس طریق کی طرف بھی اشارہ کر دیا جس پر چلکر انسان بڑی آسانی سے عمر بھر مجرد رہ سکتا ہے۔ وہ ساری عبارت مَیں بجنسہٖ ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

"بعضے خوجہ ہیں جو ماں کے پیٹ ہی سے ایسے پیدا ہوئے اور بعضے خوجہ ہیں جنہیں لوگوں نے خوجہ بنایا۔ اور بعضے خوجہ ہیں جنہوں نے آسمان کی بادشاہت کے لیئے آپ کو خوجہ بنایا۔ جو اُسکو قبول کر سکتا ہے سو کرے۔" متی ۱۹/۱۲

پہلے وہ اپنے شاگردوں کو کہتے ہیں کہ شادی نہ کرنا شادی کرنے کی نسبت بہت اچھا ہے مگر وہی لوگ اس امر کو قبول کرتے ہیں جنہیں خدائے تعالیٰ کی طرف سے علم

وحکمت دیا گیا پھر وہ ایک عملی طریق بھی بتاتے ہیں جس کو اختیار کرنے سے شادی کی ضرورت ہی نہ پڑے وہ کہتے ہیں کہ بعض تو وہ لوگ ہیں جو پیدائیش سے ہی خوجے ہوتے ہیں اور بعض کو لوگ اپنے گھروں میں داخل کرنیکے لیئے خوجہ بنا دیتے ہیں مگر سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لیئے اپنے آپ کو خوجہ بنا دیں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ جو شخص اسکو قبول کرسکتا ہے سو کرے۔ یعنی میننے ایک طریق بتلادیا ہے جو اسپر عمل کرسکتا ہے وہ عمل کرے اور آسمانی بادشاہت میں داخل ہو۔ ناظرین غور فرماویں۔ یہاں کوئی استعارہ نہیں ہے بلکہ یسوع مسیح ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جو واقعی طور پر خوجے ہوں اور اُن کی تین قسمیں بیان کرتے ہیں اوّل وہ جو پیدائیش سے ہی خوجے ہوتے ہیں دوم وہ جن کو دنیا دار لوگ اپنے محلوں میں داخل کرنے کے لیئے خوجہ بنا دیتے ہیں اور سوم وہ جو آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے کے لیئے خود اپنے تئیں خوجہ بنا دیتے ہیں اور اسطرح تمام قسم کی ٹھوکروں کا ایک قلم فیصلہ کر دیتے ہیں۔ ناظرین دیکھ چکے ہیں کہ پہلے یسوع مسیح کہتا ہے کہ اگر تیری آنکھ تیرے لیئے ٹھوکر کا موجب ہو تو تُو اپنے آنکھ کو نکال کر پھینک دے اور اگر تیرا ہاتھ یا پاؤں تیرے لیئے ٹھوکر کا موجب ہو تو تُو ان عضووں کو بھی کاٹ کر پھینک دے کیونکہ کانا اور ٹنڈا اور لنگڑا ہو کر آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا تیرے لیئے اس سے اچھا ہے کہ تُو جہنّم میں جائے اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہا کہ سب سے اچھا اور بہترین طریق تو یہ ہے کہ انسان آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے کے لیئے اپنے تئیں خوجہ ہی بنا دے اور اسطرح عمر بھر تجرد کی زندگی اختیار کرے اور جو اس کو قبول کرسکتا ہے سو کرے چنانچہ اُس کے پیرؤں میں بعض ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اس تعلیم پر عمل کر کے دکھا بھی دیا ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو مسیحیوں کے مشہور و معروف مقدس بزرگ آریجن کا حال ہی پڑھ لے ؏

اب یسوع مسیح کی دوسری تعلیموں کی طرح یہ تعلیم بھی ایسی ہے کہ اسپر کار بند ہونے سے انسانی نسل کا خاتمہ ہی ہو جاتا ہے۔ اگر خوجے ہونے کی نصیحت پر عمل نہ بھی کیا جاوے صرف تجرد کی تعلیم کو اختیار کیا جاوے تب بھی ایک ہی نسل میں کل نوع انسان کا خاتمہ

ہو جاتا ہے۔ اب میں اُن لوگوں سے جو یسوع مسیح کی تعلیم کو مغربی دنیا کی ترقی کا راز بیان کرتے ہیں پوچھتا ہوں کہ کیا یہی تعلیم جسکا میں اوپر بیان کر چکا ہوں مسیحی دنیا کی ترقی کا باعث ہوئی اور کیا مہذب دنیا اس تعلیم پر عمل کرنا پسند کرتی ہے اور اگر وہ اس تعلیم کو اختیار کرے تو کیا وہ ترقی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچ سکتی ہے۔ افسوس ہے کہ یسوع مسیح تو ایسی تعلیم دے جس سے ترقی کرنا تو الگ رہا نسلِ انسان کا خاتمہ ہی ہو جاتا ہے مگر مسیحی صاحبان ہمیں یہ سناتے ہیں کہ مسیح کی تعلیم ہی ہے جس کی بدولت مغربی دنیا روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔

(۶) یہ کہنا کہ مغربی دنیا نے یسوع مسیح کی تعلیم پر چلکر مادی ترقی میں آگے قدم بڑھایا ہے بالکل ایک دھوکہ ہے۔ دنیا جب سے پیدا ہوئی اُسی وقت سے اُس نے ان امور میں ترقی کرنی شروع کی ہے اور جس چیز کا نام مسیحی صاحبان تہذیب رکھتے ہیں اُس میں دنیا قدیم سے ترقی کرتی چلی آئی ہے۔ بہت سے ممالک کی بہت پرانی تہذیب کا پتہ ملتا ہے۔ مصر اور بابل کی پرانی تاریخ کو دیکھو۔ ہندو لوگ اپنی نہایت قدیمی تہذیب پر فخر کرتے ہیں۔ یہی حال چین اور ایران کا ہے اور سب سے عمدہ مثال رومی سلطنت کی ہے جسکی تہذیب کا کل یورپ گواہ ہے اور مسیحی صاحبان جانتے ہیں کہ یہ سب قومیں بت پرست اور دیوتا پرست تھیں پس اگر مسیحی صاحبان کے نزدیک مغربی دنیا کی ترقی مسیحیت کی بدولت ہے تو پھر انہیں یہ بھی ماننا چاہیئے کہ پہلی قوموں نے جو ترقی کی وہ بت پرستی کا ثمرہ تھا اور یہ کہ بت پرستی اور دیوتا پرستی بھی مسیح پرستی کی طرح سچا مذہب ہے۔

مسیحی صاحبان کو یہ بھی گمان نہیں کرنا چاہیئے کہ مغربی دنیا کی ایجادیں بھی مسیحیت کا ہی پھل ہیں۔ کیونکہ ایجاد کا سلسلہ بھی اُسی وقت سے جاری ہے جب سے کہ دنیا کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور مغربی دنیا کی ایجادوں سے پہلے جس قدر ایجادیں ہو چکی ہیں اُنکا شمار کرنا بھی محال ہے۔ اور وہ ایجادیں نہایت حیرت انگیز بھی ہیں۔ دیکھو کنوآں اور جس طریق اور جن مشینوں کے ذریعہ اُس سے پانی نکالا جاتا ہے کیا یہ ایک حیرت انگیز ایجاد

نہیں اور کیا جس شخص نے اس کو تجویز کیا وہ ایک اعلیٰ درجہ کا موجد نہ تھا۔ پھر یسوع مسیح سے پہلے لوگ کپڑا پہنتے تھے اور یہ بھی کئی حیرت انگیز ایجادوں کا نتیجہ تھا۔ اور ان مشینوں میں سے جن کے ذریعہ کپڑا تیار ہوتا تھا ایک چرخہ ہے۔ کیا اس کا تجویز کرنے والا ایک موجد نہ تھا۔ پھر کیا جلاہے کا سامان ایک عجیب ایجاد نہیں ہے۔ پھر چقماق میں سے آگ نکالنا کیا یہ ایک ایجاد نہیں ہے۔ غرض جب سے دنیا پیدا ہوئی ایجادوں کا سلسلہ برابر جاری ہے اور جب سے دنیا کا آغاز ہوا اُسوقت سے انسان نے تہذیب میں ترقی کرنی شروع کر دی اور جو شخص اس زمانہ کی ایجادوں اور ترقی کو مسیحیت کا پھل بیان کرتا ہے وہ یا تو خود ایک دھوکہ میں ہے یا دوسروں کو عمداً دھوکہ دیتا ہے۔

(۷) ہاں یسوع مسیح ضرور تعریف کا مستحق ٹھہرتا اگر وہ اُس قوم کو جس میں وہ پیدا ہوا ترقی کے کسی اعلیٰ درجہ تک پہنچا کر دکھا دیتا۔ تب ہم کہتے کہ واقعی یسوع مسیح کی بدولت اُسکی قوم نے ترقی کر لی۔ اگر یسوع مسیح کے حواری اور شاگرد اور وہ لوگ جو اُن کے تابع ہوئے یسوع مسیح کی تعلیم پر چلکر کسی نمایاں ترقی کا نمونہ پیش کرتے تب ہم ضرور کہتے کہ یہ یسوع مسیح کی تعلیم کا نتیجہ اور برکت ہے۔ مگر انہوں نے کوئی ایسا نمونہ نہیں دکھایا۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم میں پیدا ہوئے جو بالکل وحشی اور غیر مہذب تھے مگر آپ نے چند سال میں انکو با اخلاق اور باخدا انسان بنا کر دکھا دیا اور وحشت کے گڑھے سے نکالکر سچی تہذیب کے اعلیٰ مینار پر پہنچا دیا اور انکو تاریکی اور جہالت سے نکالکر نور اور علم کی روشنی میں داخل کیا اور آپ کی بدولت آپکی قوم نے ایک ایسا نور حاصل کیا جس سے نہ وہ صرف خود روشن ہوئے بلکہ ایک دنیا کو بھی روشن کر دیا اور انہوں نے مسیحی یورپ میں بھی جو اُسوقت خود مسیحیوں کے بیان کے مطابق سخت جہالت اور تاریکی میں پڑا ہوا تھا ایک چراغ روشن کیا اُس چراغ کی بدولت یورپ کو معلوم ہوا کہ مسیحیت نے ہمیں سخت اندھیرے میں رکھا ہوا تھا اور جہالت کی تاریکی میں ڈالا ہوا تھا اور وحشت کے گڑھے میں پھینکا ہوا تھا اس لیئے اسلام کی بدولت یورپ بیدار ہوا اور علم حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوا اور جو ترقی اُس نے کی وہ اُس وقت سے شروع ہوئی جبکہ اُس نے اسلام

کی مشعل سے روشنی حاصل کی اور علم کی طرف توجہ کی اور کلیسیا کے جُوئے کو اپنی گردن سے اُتار کر پھینکدیا۔ اور مسلمان جب تک اُس راہ پر چلتے رہے جس راہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکو چلایا تھا تو وہ ترقی کرتے گئے مگر جب اُنہوں نے اُن راہوں کو چھوڑ دیا اور آپکے احکام کی خلاف ورزی شروع کردی اور بجائے اتحاد کے تفرقہ اختیار کیا اور بجائے سعی کے کاہلی اور بجائے چستی کے سستی اور بجائے علم کے جہالت تو اسوقت سے اُن میں ادبار شروع ہوگیا ؁

(۸) اگر یورُپ کی تاریخ پر نظر کیجاوے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسیحیت بجائے اس کے کہ ترقی کا ذریعہ ٹھہری ہو وہ ہمیشہ ترقی کی مانع رہی ہے۔ اور بجائے اسکے کہ وہ یورُپ کو علم اور تہذیب کی راہ پر چلائے اُس نے اُلٹا یورُپ کو جہالت اور وحشت کے گڑھے میں پھینکدیا۔ اس کے ثبوت کے لیئے صرف یہی کافی ہے کہ یورُپ کی تاریخ میں ایک زمانہ Dark Ages ڈارک ایجز کے نام سے مشہور ہے اور وہ اُسوقت سے شروع ہوتا ہے جب رومی سلطنت تباہ ہوئی اور اُسوقت ختم ہوتا ہے جب کہ سپین کے مسلمانوں کے ذریعہ یورُپ میں علم کا چرچا شروع ہُوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ یورُپ میں مسیحیت کا دَور دَورہ تھا۔ اب اگر مسیحیت میں روشنی اور تہذیب کے اسباب موجود تھے تو چاہیئے تھا کہ اُس کے ساتھ ہی یورُپ میں روشنی اور علم پھیلنا شروع ہوجاتا اور اگر پہلے کچھ وحشت موجود تھی تو وہ مسیحیت کی برکت سے فوراً دُور ہونی شروع ہوجاتی اور لوگ مہذب ہونے شروع ہوجاتے مگر مسیحیت کی برکت کا یہ نتیجہ ہُوا کہ یورُپ میں ایک ظلمت اور وحشت کا دَور دَورہ شروع ہوگیا جو کئی صدیوں تک جاری رہا اور اُس کا خاتمہ اُسوقت ہُوا جب کہ مسلمانوں کی روشنی نے سپین سے نکلکر یورُپ کو روشن کرنا شروع کیا۔ اور یورُپ میں مسلمانوںکی بدولت علم کا چرچا شروع ہُوا۔ جو زمانہ ڈارک ایجز کے خاتمہ کے وقت شروع ہُوا اُسکو تاریخ میں رینے سنس Renaissance کا زمانہ یعنی علم و ہنر کے تازہ ہونیکا زمانہ کہتے ہیں جو ۱۴۷۰ء میں شروع ہُوا اور اُسی وقت یورپ کی ترقی شروع ہے اور تاریخ اس

بات کی گواہی دیتی ہے کہ یہ علم و ہنر کا چرچا یورپ میں سپین کے مسلمانوں کی بدولت شروع ہُوا۔ اگر مسیحیت میں ترقی کا کوئی راز تھا تو وہ ۱۴۰۰ سال تک کیوں مخفی رہا۔ اور کیا وجہ ہے کہ یوُرپ میں مسیحیت کے قدوم کے بعد جہالت اور وحشت کا دَور دَورہ شروع ہوگیا۔ اور مسیحیت بجائے اس کے کہ یورپ میں علم و تہذیب کی مشعل کو روشن کرتی جو تہذیب اور روشنی رومی سلطنت کے زمانہ میں موجود تھی اُسکو بھی قائم نہ رکھ سکی اور یوُرپ باوجود مسیحیت کے غلبہ کے اور باوجود کُل سلطنتوں کے مسیحی ہوجانے کے جہالت اور وحشت کے گہرے گڑھے میں جا پڑا اور مسیحیت بجائے اس کے کہ یوُرپ کو اس تاریکی سے نکالے خود اسکے پھیلانے اور قائم رکھنے میں مددگار رہوئی ؛

(۹) بے شک آجکل مغربی دنیا مادی امور میں بہت ترقی کر گئی ہے مگر ساتھ ہی اسکے یہ امر بھی درست اور صحیح ہے کہ جیسے مغربی دنیا علم و ہنر میں اور اپنے رنگ کی تہذیب میں ترقی کر رہی ہے ویسے ہی وہ یسوع مسیح اور مسیحیت کو ترک کر رہی ہے۔ پہلے کلیسیا کو حکومت میں بڑا دخل ہوتا تھا بلکہ کلیسیا کے عہدہ دار بادشاہوں پر حکومت کرتے تھے مگر اب یہانتک نوبت پُہنچ گئی ہے کہ بعض مہذب ملکوں میں جو سلطنت کی طرف سے گرجوں کو جائدادیں ملی ہوئی تھیں وہ بھی ضبط کی گئی ہیں اور کلیسیا کے عہدہ داروں کو جو تنخواہیں ریاست کی طرف سے ملتی تھیں وہ بھی بند کر دی گئی ہیں یہانتک کہ گرجوں کا سامان کرسیوں وغیرہ تک ریاست نے ضبط کر لیا ہے اور جن کوٹھیوں میں کلیسیا کے بزرگ بمع اپنے اہل و عیال بود و باش رکھتے تھے اُن کوٹھیوں سے بھی اُنکو نکالدیا ہے اور جن ملکوں میں گرجا کو کسی قدر امداد سلطنت کی طرف سے ملتی ہے اُن میں بھی ہزاروں لوگ ایسے پیدا ہوگئے ہیں جو اس امر پر سخت اعتراض کر رہے ہیں کہ کیوں ملک کا روپیہ گرجا پر خرچ کر کے ضائع کیا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ عام لوگ بائبل کے خدا کا کلام ہونے یا یسوع مسیح کی الوہیت اور کفارہ کے اعتقاد کو چھوڑ چکے ہیں اور کُھلے طور پر اپنے انکار کا اظہار کرتے ہیں اور مسیحیت پر اور بائبل پر ہزار ہزار اعتراض اپنے لیکچروں اور اخباروں میں شائع کرتے ہیں۔ گرجوں میں

لوگوں نے جانا چھوڑ دیا ہے اور ہزاروں نئے فرقے پیدا ہو گئے ہیں اور خود مسیحیت کے اندر سینکڑوں فرقے نمودار ہو گئے ہیں اور اہل علم اور سائنس اور فلسفہ کے ماہر اکثر نہ صرف مسیحیت سے بیزار بلکہ خود اُس خدا سے منکر ہیں جس کو مسیحیت پیش کرتی ہے۔ غرض اس میں کچھ شک نہیں کہ مسیحیت مسیحی ممالک میں سخت کمزور ہو گئی ہے اور اُس کا زوال روز بروز بڑھتا جاتا ہے اور وہ اس طرح گلتی جاتی ہے جس طرح کہ پانی میں نمک گل جاتا ہے اور خود پادری صاحبان اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ آجکل نہایت سخت حملے مسیحیت پر مسیحی ممالک میں ہو رہے ہیں اور اہل علم اور محققین نے بائیبل پر اسقدر اعتراضات کے تیر چلائے ہیں کہ اُس کو چھلنی کی طرح کر دیا ہے بلکہ اس کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ اگر کسی کو شک ہو تو وہ انسائیکلو پیڈیا ببلیکا کو دیکھ لے جس میں بڑے بڑے محققین کے مضامین درج ہیں۔ اناجیل کو تو ایسا ناقابل اعتبار کر دیا ہے کہ ایک گروہ ناول سے زیادہ انکی حیثیت نہیں سمجھتا اور اس لیئے بعض یسوع مسیح کے وجود سے ہی انکار کرنے لگ گئے ہیں۔ جب مہذب ممالک میں خود مسیحیت کا یہ حال ہے تو پھر اس صورت میں یہ کہنا کہ مغربی ممالک کی تہذیب مسیحیت کی پیروی کا نتیجہ ہے اگر مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور تو اور خود کلیسیا کے ممبروں میں ہزاروں ایسے لوگ ہیں جو اپنے دل میں یسوع کے کفارہ اور اُس کی الوہیت اور بائیبل کے کلام الٰہی ہونے کے عقیدہ کو چھوڑ چکے ہیں اور ان اعتراضات کا یہ نتیجہ ہے کہ خود پادری لوگ مسیحیت کے پرانے اعتقادات میں مناسب ترمیمیں کر رہے ہیں اور آجکل کی مسیحیت وہ مسیحیت نہیں رہی جو ابتدائی زمانہ کی مسیحیت تھی۔ غرض جس ترقی کے ساتھ خود مسیحی مذہب زوال میں ترقی کر رہا ہے اُس ترقی کو کوئی عقلمند مسیحیت کا پھل نہیں کہہ سکتا۔ اگر مسیحیت کے عروج کے ساتھ مسیحی دنیا عروج کرتی اور مسیحیت کے زوال کے ساتھ اُس کو زوال پہنچتا تو اُس صورت میں یہ کہنا بجا تھا کہ یہ ترقی مسیحیت کی بدولت تھی مگر یہاں تو معاملہ بالکل دگرگون ہے۔ مسیحیت کے دَور دَورہ کے دنوں میں تو مسیحی قوم سخت تاریکی اور ظلمت اور تنزل کی حالت میں رہی اور صدہا سال تک ترقی کرنا تو کجا تنزل

میں ہی قوم ترقی کرتی گئی۔ اور جب قوم نے ترقی کرنی شروع کی تو اُسوقت مذہب میں تنزل شروع ہو گیا اور جوں جوں قوم اوپر چڑھتی جاتی ہے مسیحی مذہب نیچے گرتا جاتا ہے تو پھر اس صورت میں کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ مغربی قوموں کی ترقی مسیحیت کی بدولت ہے۔ برخلاف اسکے تاریخ گواہ ہے اور جو لوگ واقعات سے آگاہ ہیں وہ اس بات کے شاہد ہیں کہ مسیحیت ترقی کی راہ میں ایک سدِّ راہ رہی ہے۔ بلکہ اس نے ایک دفعہ اس ترقی کو تباہ کر دیا جو دنیا پہلے کر چکی تھی اور قوم کو ایک دفعہ تو جہالت اور وحشت کے تاریک گڑھے میں گرا کر دکھا دیا آخر یورپ کی خوش قسمتی سے ایک قوم جس نے عرب کے مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتب میں تربیت حاصل کی تھی یورپ میں پہنچی اور اُس نے علم و ہنر کا چراغ اُن دیار میں روشن کیا اُسوقت یورپ کی آنکھ کھلی اور وہ کلیسیا کے جُوئے کو اپنی گردن سے پھینک کر علم و ہنر کی تحصیل کی طرف متوجہ ہُوا۔ مگر افسوس ہے کہ اُسوقت بھی مسیحیت نے یورپ کو اُس مشرقی نور سے پورے طور پر متمتع ہونے سے محروم ہی رکھا۔ اور جو تلوار مسیحیت نے پہلے یورپ میں چلائی تھی جس وجہ سے یورپ میں صرف مذہب کی خاطر خون کی ندیاں بہائی گئی تھیں افسوس کہ آخر اسلام بھی یورپ میں اُسی ظالم تلوار کا شکار ہُوا۔ اگر مسیحیت کی خونی تلوار نہ ہوتی (جو اُس وقت سے جب سے کہ وہ مسیحیوں کے ہاتھ میں آئی ہمیشہ صرف مذہبی اختلاف کی وجہ سے بے گناہ انسانوں کا خون بہاتی رہی) تو اسوقت یورپ دونوں قسم کی یعنی روحانی وجسمانی نعمتوں سے متمتع نظر آتا مگر یسوع مسیح کے پیروؤں نے اپنی تلوار کو سپین کے مسلمانوں پر بعد اس کے کہ سپین کے لاکھوں باشندے اسلام کا مذہب بطیب خاطر اختیار کر چکے تھے ایسا چلایا کہ ایک مسلمان متنفس بھی اُس ملک میں باقی نہ چھوڑا اور مسیحیوں نے مسلمانوں کے برخلاف اہل یورپ کے دلوں میں سخت نفرت اور عداوت اور بدظنی کی روح پھونک دی جسکے بُرے نتیجے اسوقت تک اسلام اور اہل اسلام بھگت رہے ہیں۔ خیر مسلمانوں کو تو جانے دو۔ مسیحیت نے جو تلوار خود یورپ کے لوگوں پر چلائی ہے اور جو آگ

انہوں نے یورپ میں جلائی ہے کیا پادری صاحبان اُس سے آگاہ نہیں۔ جو تہذیب یورپ اور امریکہ میں اب نظر آتی ہے پادری صاحبان بتلاویں کہ مسیحی تلوار اور آگ کہانتک اس تہذیب کے پھیلانے میں معاون و مددگار رہی ہیں۔ کیا اسی تلوار اور اسی آگ کی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ جو ترقی مغربی دنیا نے کی ہے وہ مسیحیت کا ہی ثمرہ ہے۔ ہاں اہل یورپ میں جو عقلمند ہیں مثلاً مدبران سلطنت برطانیہ انہوں نے ضرور ایک فائدہ مسیحیت کی تلوار اور آگ سے حاصل کیا ہے اور وہ سبق یہ ہے کہ اُن ظلموں اور بے رحمیوں کو دیکھ کر جو مسیحیت کی تلوار اور آگ کی بدولت ظہور میں آئیں وہ مذہب کی خاطر خونریزی کرنے سے سخت متنفر ہو گئے ہیں اور اب انہوں نے مسیحیت کی خونریزی کی بجائے قرآن شریف کے بہت سے دیگر اصول کے علاوہ لا اکراہ فی الدین کی تعلیم کو اختیار کر لیا ہے اور اب وہ اس مبارک اصل پر کاربند ہو کر بہت نفع حاصل کر رہے ہیں۔ پس یہ ایک فائدہ ہے جو اہل یورپ میں بعض نے خصوصاً انگریزی قوم نے مسیحیت سے سیکھا ہے یعنی اب وہ مسیحیت کی خونریزیوں سے تھک کر ایسی خونریزیوں کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھنے لگ گئے ہیں اِس سبق پر اگر پادری صاحبان فخر کریں تو ان کو حق پہنچتا ہے کیونکہ نفرت جو بعض اہل یورپ کے دل میں پیدا ہوئی ہے وہ اُسی تلوار کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے جو مسیحیت نے چلائی تھی :

(۱۰) اگر پادری صاحبان مادی ترقی کو اپنے مذہب کی سچائی کا معیار قرار دیں تو اُنکو بڑے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں بعض اور ایسی قومیں بھی ہیں جو مسیحیت کی پیرو نہیں مگر وہ اس تہذیب میں جس پر پادری صاحبان فخر کر رہے ہیں مغربی دنیا سے بھی آگے بڑھ رہی ہیں۔ کیا پادری صاحبان کو علم نہیں کہ جاپان بھی آج مہذب قوموں میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ بھی دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں میں داخل ہے۔ کیا پادری صاحبان کو جنگ روس و جاپان بھول گئی ہے کیا اُس جنگ میں انہوں نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ وہ بھی ایک مہذب قوم ہے۔

کیا انہوں نے یورپ کی ایک زبردست مسیحی طاقت کو اپنی تہذیب کے زور سے قابل شرم شکست نہیں دی۔ پھر اگر پادری صاحبان کا اصل درست ہے تو انہیں اس بات کا اقرار کرنا چاہیئے کہ جو مذہب جاپان میں پایا جاتا ہے وہ مسیحیت کی نسبت زیادہ اچھا اور اُس پر غلبہ رکھتا ہے۔ اب پادری صاحبان کو چاہیئے کہ مسیحیت کو ترک کرکے جاپانیوں کا مذہب اختیار کرلیں کیونکہ اُن کی تہذیب نے مسیحی تہذیب کو شکست دیدی ہے۔ جاپانیوں نے جو ترقی کی ہے وہ مسیحیت کی بدولت نہیں کی کیونکہ وہ مسیحیت کے پیرو نہیں ہیں۔ پس جب ایک قوم بغیر مسیحی مذہب کی پیروی کے ایسی ہی ترقی کرسکتی ہے جیسی کہ مغربی دنیا نے کی ہے بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر تو پھر کس طرح یہ ثابت ہُوا کہ جو ترقی مغربی دنیا نے کی ہے وہ مسیحیت کی بدولت کی ہے۔ افسوس پادری صاحبان کے اصول پر۔ جب کوئی سچا معیار صداقت کا ہاتھ میں نہیں رہا تو اب ڈوبتے ہوئے انسان کی طرح تنکوں کا سہارا لے رہے ہیں۔ خیر انکے اس نئے معیار کو جاپان نے خوب توڑ کر دکھا دیا ہے اگر کچھ شرم ہو تو پھر اس معیار کو اپنے مذہب کی صداقت کے ثبوت میں کبھی پیش نہ کریں۔

(۱۱) مذہب کا زیادہ اثر انسان کی اخلاقی اور روحانی حالت پر ہونا چاہیئے مذہب کا منشاء یہ ہے کہ انسان پاکیزہ زندگی اختیار کرے۔ پس اگر پادری صاحبان اپنے مذہب کی صداقت کو ثابت کرنا چاہتے تھے تو انہیں چاہیئے تھا کہ یہ دکھاتے کہ یورپ و امریکہ کے لوگ مشرقی ممالک کی نسبت زیادہ پاکیزہ زندگی بسر کرتے ہیں مگر پادری صاحبان خوب جانتے ہیں کہ اس معیار سے اُنکا مطلب حاصل نہیں ہوگا کیونکہ جسقدر بدکاری۔ شراب خوری۔ زناکاری۔ قماربازی اور بے حیائی مغربی ممالک میں عام طور پر پھیلی ہوئی ہے اسلامی ممالک میں اسقدر نہیں پائی جاتی ہے بلکہ اگر مغربی ممالک کے سامنے اسلامی ممالک کو رکھا جاوے تو ان امور میں اسلامی ممالک کو نسبتاً بالکل پاک کہا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پادری صاحبان اس معیار

کو کبھی پیش نہیں کرتے۔ مگر ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ اگر مادی ترقی مسیحیت کا ثمرہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ جو گندی زندگی کا نمونہ مسیحی ممالک میں پایا جاتا ہے اُسکو مسیحیت کا ہی ثمرہ نہ قرار دیا جاوے خصوصاً جب ہم دیکھتے ہیں کہ مسیحی عقائد اور مسیحی تعلیم میں بہت سے ایسے اسباب موجود ہیں جنکا یہ ضروری نتیجہ ہونا چاہیئے تھا کہ مسیحی ممالک میں ناپاکی اور بدکاری کی اشاعت ہو۔ اس مضمون میں یہ گنجائش نہیں کہ میں اُن سب اسباب کو بہ تفصیل بیان کروں جن کی وجہ سے یہ نتیجہ پیدا ہُوا مگر میں یہاں صرف چند امور پیش کرتا ہوں۔ اوّل یسوع مسیح کا وہ نمونہ جو اناجیل پیش کرتی ہیں۔ ....

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے سامنے دو پیالے پیش کیے گئے ایک دودھ کا پیالہ اور دوسرا شراب کا پیالہ مگر میں نے دودھ کا پیالہ پیا اور شراب کے پیالہ کو ردّ کر دیا۔ اُسوقت مجھے کہا گیا کہ اگر تُو اسوقت شراب کے پیالہ کو لیتا تو تیری اُمّت میں شراب خوری پھیل جاتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک فطرت نے تو شراب کو ردّ کیا مگر اناجیل مروّجہ ہمیں بتلاتی ہیں کہ یسوع شراب پیا کرتے تھے اور سب سے پہلا معجزہ جو انہوں نے دکھایا وہ شراب بنانے کا ہی تھا وہ ایک مجلس میں حاضر تھے جہاں شراب اس کثرت سے پیا گیا کہ جو شراب مالک خانہ نے اُس موقعہ کے لیئے مہیّا کیا تھا وہ ختم ہو گیا اور لوگ شراب پی پی کر مست ہو گئے۔ اُسوقت یسوع مسیح نے اپنی والدہ کی سفارش پر معجزانہ طور پر اور شراب بنائی جو نہایت پسند کی گئی۔ صرف یہی نہیں بلکہ یسوع مسیح نے اعشاء ربّانی میں شراب کا گھونٹ اپنے پیروؤں کے لیئے لازم کر دیا چنانچہ اگرچہ پروٹسٹنٹ قوم نے کیتھولک مسیحیوں کے بہت سے اعمال کو ترک کر دیا مگر انہوں نے بھی اعشاء ربّانی کے موقعہ پر شراب کے پینے کو ابتک لازم ٹھہرایا ہُوا ہے کیونکہ خود خداوند نے اسکی بنا ڈالی تھی اب ان دو متضاد نمونوں کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اسلامی ممالک کو خدائے تعالیٰ نے عام طور پر شراب خوری سے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی حرام کر دیا تھا اور جسے آپ نے جماع الاثم (تمام گناہوں کا جامع) قرار دیا تھا پاک رکھا مگر مسیحی ممالک میں شراب کی نہریں چل رہی ہیں اور دوسرے ممالک میں بھی جہاں جہاں مسیحی صاحبان تشریف لیجاتے ہیں شراب

کی بوتل کو اپنے ساتھ لیجاتے ہیں ہائے یورپ کی بدقسمتی کہ وہ اب تک اسلام جیسی دولت سے مسیحیت
کی تلوار اور آگ کی بدولت محروم رہا ورنہ جو مصیبت اسوقت یورپ اور دیگر مسیحی ممالک شراب کی وجہ سے
واقع ہے اور جو طرح طرح کی بدکاریاں اسکے سبب سے مسیحی ممالک میں پھیلی ہوئی ہیں اُن سے وہ بچ
جاتا۔ اب بھی اگر مغربی ممالک ان بدکاریوں اور اس شراب خوری کی لعنت سے نجات پائینگے
تو اسلام کی ہی بدولت پائینگے۔ مسیحیت ان بدیوں کے علاج سے عاجز ہے اور کیوں عاجز نہو
کیونکہ جس مصیبت میں اسوقت مغربی ممالک گرفتار ہیں یہ سب مسیحیت ہی کی طفیل ہے مسیحیت
کو اسلام سے کیا نسبت اور یسوع کے نمونہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ سے کیا تعلق۔ اوّل الذکر
نے شراب پی۔ خود شراب بنائی اور اپنے پیروؤں کے لیئے ایک مقدس رسم میں اُس کا پینا لازم
کردیا۔ مگر آخرالذکرؐ کی پاک فطرت اس ناپاک چیز سے ایسی متنفر تھی کہ آپنے عالم کشف میں بھی شراب
سے نفرت کی۔ اس کو قطعی طور پر حرام کیا اور اسکو سب بدیوں کی جڑھ قرار دیا۔ اوّل الذکر کے سامنے
شراب کے مٹکے کے مٹکے پیئے جاتے مگر جب آخرالذکرؐ کے مُنہ سے یہ نکلا کہ شراب حرام ہے تو ان لفظوں
کا نکلنا ہی تھا کہ شراب کے مٹکے اور تمام پیالے اور گلاس جن میں شراب پیا جاتا تھا اُسی وقت
توڑ دیئے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب اس طرح بہنے لگا جس طرح کہ یورپ کے
شہروں میں مسیحی تلوار کے ساتھ بے گناہ انسانوں کا خون بہایا گیا۔ اور اسکے بعد آپکے شاگردوں نے شراب
کو کبھی اپنے ہونٹوں سے نہ لگایا۔ بھلا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یسوع کا عمل کیا حقیقت رکھتا
ہے+ اوّل الذکر کے ملک میں دن رات میں پانچ وقت شراب خوری کے لیئے مخصوص تھے۔ آپنے اُسکی جگہ اُن
پانچ وقتوں میں نماز کا پڑھنا اپنے پیروؤں کیلیئے فرض کردیا۔ مگر یسوع مسیح نے جو عبادت اپنے پیروؤں کے
لیئے مقرر کی اُسمیں شراب کو ایک ضروری جزو مقرر کردیا۔ ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا۔ دوسرا
باعث مسیحی ممالک میں بدکاری کے عام طور پر پھیل جانیکا ہمارے نزدیک کفارہ کا مسئلہ ہے۔ مسیحیوں کا
عقیدہ ہے کہ ہمارے گناہوں کے عوض یسوع مسیح کفارہ ہو چکا ہے اسلیئے ہمیں گناہوں کی سزا نہیں ملیگی۔
اس عقیدہ نے ہماری رائے میں مسیحیوں کو گناہ کرنے پر دلیر کردیا ہے۔ تیسرا باعث کثرت
ازدواج کی ممانعت۔ یہ ممانعت یسوع مسیح کی طرف سے نہیں ہے۔ کثرت ازدواج پر یسوع
مسیح سے پہلے انبیاءِ بنی اسرائیل نے بھی عمل کیا اور اس کی بنی اسرائیل میں اجازت تھی

اور یسوع مسیح نے کہیں اسکو منسوخ نہیں کیا۔ مسیحیوں نے خود اپنی طرف سے ایک مسئلہ گھڑ لیا ہے اور اسکو ناجائز قرار دیدیا ہے۔ تعجب ہے کہ جو باتیں موسوی شریعت میں حرام تھیں اُن کو تو خود بخود جائز قرار دیدیا ہے مثلاً سؤر کا کھانا اور جو باتیں جائز تھیں اُنکو اپنے اوپر حرام کر دیا ہے۔ مگر من گھڑت مسئلے ضرور بُرے نتائج پیدا کرتے ہیں ایک طرف متی کے رو سے سوائے زنا کے طلاق دینا حرام ہے اور لوقا اور مرقس کے رو سے کسی صورت میں بھی طلاق دینا جائز نہیں دوسری طرف دوسرا نکاح کرنے کی خود بخود ممانعت تجویز کرلی ہے اس کا یہ نتیجہ ہُوا کہ بدکاری بڑھ گئی دوسری بیوی سے نکاح تو قانوناً حرام ہے اس لیئے بجائے نکاح کے بدکاری کے ذریعہ اپنی خواہشات کو پورا کر دیا گیا۔ رفتہ رفتہ یہ بدی بڑھتی گئی یہانتک کہ اسکو معمولی کام سمجھ لیا گیا اور بے حیائی بڑھ گئی۔ بے شک مسیحی قوم میں شرفا بھی بہت ہونگے جو ایسی بدیوں سے پاک ہونگے مگر ہم اسوقت عام حالت پر بحث کرتے ہیں۔ چوتھا باعث پردہ کا نہ ہونا ہے۔ یسوع مسیح نے صرف شہوت کی نظر سے دیکھنے کو منع فرمایا ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر محرم عورت کی طرف دیکھنا قطعاً روک دیا خواہ شہوت کی نظر سے یا غیر شہوت کی نظر سے یعنی آپ نے بدی کی جڑھ کو ہی کاٹ دیا ہے مگر یسوع مسیح نے جڑھ کو قائم رکھا ہے جب جڑھ قائم رہی تو جڑھ اپنا بُرا پھل بھی لاتی ہے جب دیکھیگا تو ضرور ہے کہ انسان لالچ میں گرفتار ہو اور پھر بدی میں ترقی کرے۔ اسلام نے امتحان کی راہ سے ہی بچانا چاہا ہے مگر یسوع مسیح نے امتحان میں ڈالکر پھر کہا ہے کہ اپنے آپ کو پاک رکھو اور یہ ناممکن ہے۔ غرض بے پردگی اور مردوں اور عورتوں کا بلا تکلف میل جول جسکی مسیحیت اجازت دیتی ہے اُس بدکاری کی ایک بڑی بھاری جڑھ ہے جو آج مسیحی ممالک میں نظر آتی ہے ؛

پس مَیں پادری صاحبان سے پوچھتا ہوں کہ اگر تہذیب مسیحیت کی تعلیم کا پھل ہے تو کیوں اُس بدکاری۔ شراب خواری اور طرح طرح کی بدیوں کو بھی مسیحیت کا ہی ثمرہ قرار نہ دیا جاوے جب کہ یسوع مسیح کی تعلیم اور مسیحیت کے عقائد میں ان سب بدیوں کا سامان مہیا پایا جاتا ہے۔

(۱۲) بالآخر مَیں یہ بھی ظاہر کرتا ہوں کہ ایک طرف تو ان سلطنتوں اور انکی شان و شوکت کو جو[*]

[*] مسیحیت کی برکت شمار کیا جاتا ہے دوسری طرف یہ خود مسیحیوں میں وہ علماء و فضلاء بھی پائے جاتے ہیں جو نئے اور پرانے عہد نامہ کی بنا پر یہ یقین رکھتے ہیں کہ سلطنتیں مسیحیت کی نعمت نہیں بلکہ مسیحیت کی دشمن اور شیطان کی حکومت کے نتیجے میں ... مسیح کی دوبارہ آمد کے وقت دجال ... [illegible] ... سلطنت فنا کر دیگا اور ... [illegible] وعلماء کا یہ عقیدہ ہے تو ان سلطنتوں اور انکی شان و شوکت کو ہم کس طرح مسیحیت کا ثمرہ قرار دیں ؛؛ واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بقایا صیغہ جات یکم جنوری سنہ ۱۹۱۳ء

صیغہ	رقم
تعلیم	۶۹۳۱-۱۵-۸
تعمیر	۴۴۱۵-۶-۳
اشاعت	۴۸۷۳-۳-۹
بورڈران احمدیہ	۴۷-۴-۶
مقبرہ بہشتی	۳۴۴۰-۹-۱
زکوٰۃ	۲۷۵۴-۲-۳
مساکین	۲۲۰۲-۱۱-۸
یتامیٰ	۳۹۷-۵-۹
امانت	۳۹۷۵-۱۲-۹
بیت المال	۳۷-۶-۴
مستقل فنڈ	۳۹۱۲-۲-۶
میزان	۳۲۹۸۷-۱۴-۶
منہاکردہ فاضل	۴۶۷۱-۱۵-۹
باقی	۲۸۳۱۵-۱۴-۹
پیشگی	۲۰۳۶۰-۹-۰
باقی نزد امین	۷۹۵۵-۵-۹
تفصیل فاضل بورڈران ہائی	۲۰۱-۷-۰
متفرقات	۴۲۳۷-۱-۵
مدرسہ احمدیہ	۲۳۳-۷-۴
میزان فاضل	۴۶۷۱-۱۵-۹

تفصیل پیشگی	رقم
تعمیر	۱۷۱۳۷-۹-۰
اشاعت	۳۰۰-۰-۰
بیت المال	۸۰۰-۰-۰
مقبرہ بہشتی	۳۱۰-۰-۰
متفرقات	۲۷۰-۰-۰
تعلیم	۱۲۴۳-۰-۰
مدرسہ احمدیہ	۳۰۰-۰-۰
میزان	۲۰۳۶۰-۹-۰

خلیفہ رشید الدین
محاسب

شیخ محمد نور
ناظر

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۲ء

صیغہ تعلیم:- اس ماہ اس صیغہ کی آمد ۳-۷-۱۸۸۷ اور خرچ ۹-۶-۱۰۱۸ ہوا۔ خرچ میں ہائی سکول۔ بورڈنگ شاخہائے بیرونی اور گرلز سکول کا خرچ شامل ہے۔ تعداد طلبا ہائی سکول ۳۵۹۔ بورڈران ۱۶۳ اور طلبائے شاخہائے گرلز سکول ڈیڑھ سو سے زیادہ ہے۔ سرکاری وظیفہ خوار ۸ طلبا رہیں۔ آمد مندرجہ بالا صرف ۲۰ یوم کی ہے۔ اسکے بعد کی آمد کی اطلاع بسبب جلسہ سالانہ نہیں پہنچ سکی۔ ہر دو مدارس کے بورڈنگ میں دیگر کالجوں سکولوں کی طرح اس جگہ بھی خرچ خوراک کی تعیین کیگئی ہے۔ تا عملہ بورڈنگ بجائے حساب کتاب کی طرف زیادہ توجہ کرنیکے انتظام کی طرف توجہ کرے۔ آئندہ ماہ مفصل ذکر ہوگا:

مدرسہ احمدیہ:- تعداد طلبا ۸۷ ہے یعنی دو خارج کیئے گئے اور ایک نیا آیا۔ اور کوئی امر قابل اندراج رپورٹ نہیں:

اشاعت اسلام:- ریویو انگریزی میں تین کی اردو میں اُنتیس کی کمی اور تفسیر میں چار کی بیشی ہوئی۔ کمی کی وجہ یہ ہے کہ سال کے آخر بعض خریدار رسالہ بند کرادیتے ہیں۔ آگرہ میڈیکل سکول کلب میں جہاں پرنسپل صاحب نے ایکدفعہ بعض خاص وجوہات پر تمام مذہبی پرچوں کے پڑھنے کی طلبا کو ممانعت کردی تھی انگریزی ریویو قیمتاً منگایا جاتا ہے۔ رسالہ اسلام انگریزی کی ایک ہزار کاپی ورلڈز مشنری کانفرنس کلکتہ میں مفت تقسیم کرنی منظور ہوئی ہے۔ اس کام میں بابو محمد بخش صاحب لدھیانہ نے ۹۶ روپیہ عطا فرماکر مدد کی ہے جزاہم اللہ خیرا۔ اگر اور صاحب بھی اشاعت اسلام کے اس کام میں مدد لیں تو اچھا ہے اور بقیہ رقم پوری ہو سکتی ہے مجلس معتمدین نے منظور کیا ہے کہ قاعدہ یسرنا القرآن کی طرز پر ایک ہزار کاپی قرآن مجید کی عمدہ خوشخط چھاپی جاوے جس سے بچوں کو سارا قرآن مجید پڑھنے میں سہولت ہو نیز ریویو انگریزی کے بعض ضروری مضامین جیسے پردہ۔ غلامی تعدد ازدواج اور طلاق وغیرہ رسالہ کی صورت میں چھاپنے کی تجویز منظور ہوئی ہے:

مقبرہ بہشتی:- اس ماہ تین موصیہ فوت ہوگئی ہیں ایک مقبرہ میں دفن ہو چکی ہے اور دو باہر دفن ہیں وصیت کا روپیہ وصول ہونے پر انکے کتبے مقبرہ میں نصب کیئے جاویں گے۔ چودھری غلام احمد صاحب مرحوم بی۔ اے انسپکٹر ڈاکخانہ جات جو باہر امانت کے طور پر دفن تھے۔ ایام جلسہ سالانہ میں انکا صندوق یہاں لاکر مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ بیس وصایا اس ماہ نئی آئیں۔ علاقہ پشاور و ہری پور ہزارہ کے لیئے میر مدثر شاہ صاحب واعظ مقرر کیئے گئے ہیں۔ اور انکو جہاں جائیں انجمنیں قائم کرنیکا اور وصولی چندہ کا اختیار رہے۔ احباب انکی انکے

کام میں مدد فرماویں - اس ماہ مندرجہ ذیل رقوم بحساب وصیت وصول ہوئی ہیں :-
مستری احمد دین صاحب بھیروی لـہ - ڈاکٹر غلام دستگیر صاحب بحساب وصیت والدمرحوم سـہ
ڈاکٹر غلام دستگیر صاحب وصیت خود سـہ - شیخ رحیم بخش صاحب دوکاندار جموں صـہ - غلام احمد خانصاحب
نمبردار کریام ﷲ - ڈاکٹر سید ستار شاہ صاحب بذریعہ سکرٹری انجمن احمدیہ سیالکوٹ - سـہ - میاں
نورالدین صاحب از کنجاہ ضلع گجرات ہ عـہ - بابو عبدالرحمٰن صاحب از شملہ عـہ - مرزا خانصاحب
از دبرہ سندہ - سیالکوٹ بحساب وصیت مرحومہ اہلیہ خود عـہ - حافظ تصور حسین صاحب بحساب
وصیت حکیم غلام محی الدین صاحب مرحوم عـہ - منشی محمد عبداللہ صاحب از پیراں کلی علاقہ سوات - عـہ
مہر محمد یوسف صاحب کمبوہ از سلے ونڈ تحصیل زیرہ مار - سکرٹری انجمن احمدیہ سیالکوٹ بحساب وصیت
محمد دین مرحوم اپیل نویس صـہ - شیخ فضل کریم صاحب اکونٹنٹ ملٹری ورکس صـہ - چودھری غلام محمد
صاحب بحساب وصیت والدہ از پوہلہ تحصیل رعیہ عـہ - مولوی سید انعام رسول صاحب کٹکی عـہ
مسمات بڈھی مرحومہ زوجہ کریم بخش متوفی بذریعہ محمد بخش صاحب از دھرم کوٹ بگہ - صـہ - محمد دین صاحب
ولد گوہر از لگرالی صـہ - محمد یوسف صاحب زرگر از پنڈی چیری - عـہ - عبداللہ صاحب بحساب وصیت
مہر سائیں مرحوم ساکن سیکھواں عـہ - صوفی کرم الٰہی صاحب بذریعہ سکرٹری محمد حسین صاحب قریشی از لاہور عـہ

تعمیر :- عمارت مدرسہ کا کام بڑی سرعت سے ہو رہا ہے - ۱۳ کمرے چھت تک پہنچ چکے ہیں ضروری مصالح وغیرہ پہنچ گیا ہے - اس طرح بھٹہ کا کام بھی بڑی تیزی سے چل رہا ہے - اور ہر قسم کی اینٹ تیار ہو رہی ہے - امید ہے کہ انشاء اللہ برسات سے پہلے پہلے عمارت تیار ہو جاویگی بورڈنگ ہوس کی عمارت کا کُل کام امید ہے کہ آئندہ ماہ میں مکمل ہو جاویگا مسجد نور کا صحن وسیع کیا گیا ہے - اسکے فرش کے اخراجات میں لکھا گیا تھا کہ کوئی اور صاحب بھی مدد دیں قریب ایک سو روپے کی کمی ہے - علاوہ ازیں ایک صاحب نے مسجد نور پر لگانے کیلئے ایک سو روپیہ دیا ہے - اور وسیع کردہ صحن میں پختہ فرش کیلئے قریباً پانچسو روپیہ بکار ہے - امید ہے کہ کوئی صاحب ہمت اس خرچ کو پورا کردیں گے - اس ماہ چندہ تعمیر ۹ - ۱۴ - ۴۶۲۳ ہُوا مندرجہ ذیل انجمنوں نے چندہ تعمیر حسب ذیل بھیجا :- قادیان ما ۱۵ - سٹروعہ ۴ - لاہور ۸ - ہوشیارپور ۸ - بھاگل پور ۱۲ - بھینی (شرقپور) ۸ - اجمیر (ہوشیارپور) - سامانہ - لدھیانہ - ونجواں (گورداسپور) ۱۴ - گجرات ۱۳ - بھیرہ - پشاور - شملہ - بنگلور ۸

حصار صمہ - امرتسر سے - فیروز پور ۸/ صہ - سیالکوٹ ۵/ الیہ - کریام لوعہ - داد پور گرو ۸/ -
چندوسی صمہ - ادرحمہ ۸/ عہ - ڈیرہ غازیخاں ۵/ لہ - جھانسی عا - بنگہ عہ - دہلی عہ - ایبٹ آباد ۱۲/
بنارس عہ - مردان صہ - کلکتہ لہ عسہ - زدمبا ۸/ محہ (افریقہ) - چک ۹۹ شمالی صعسہ - سنی پور ۳/ سے - راولپنڈی ۳/ للعہ
انبالہ ۵/ محہ - ہری پور صہ - ڈنگہ عا - سہانپور ۸/ - ملتان ہہعہ - وزیرآباد صامعسہ - مانگٹ اونچے لہ
لائل پور عہ - ادچ (بہاول پور) ۸/ لہ عہ - چک ۲۴ (حیدرآباد سندھ) سے - مردان پور (پٹیالہ) عہ
اہرانہ (بہاولپور) عہ - پٹیالہ عہ - محلانوالہ (امرتسر) عا - شاہجہانپور للعہ - ڈیرہ اسمٰعیل خاں ماصہ
شیخ پور (گجرات) ۱۲/ سے - داتہ صمہ - میرٹھ لہ - مالیر کوٹلہ ہہعسہ - لنگڑوعہ سے - کاٹھ گڈھ للعہ
منارہ عسہ - گولیکے صمہ -

اور مندرجہ ذیل احباب نے دس روپے یا اس سے زائد رقم چندہ تعمیر میں بھیجی جو رقوم اس سے کم پہنچی ہیں وہ اس رپورٹ میں نہیں دکھائی گئیں :- خواجہ بشیرالدین صاحب پوسٹماسٹر آرموڑا ۸/ صہ منشی محمد عبداللہ صاحب گرداور حلقہ کھائی ضلع لاہور عہ - میاں تاج الدین صاحب ساکن اودھو والی (گوجرانوالہ) عہ - بابو احمد دین صاحب سٹیشن ماسٹر پکھووال صعہ - سید عظیم الدین صاحب وکیل عثمان آباد عہ منشی محمد اسد اللہ صاحب مدرس سنام صعہ - محمد بخش صاحب پٹواری بھولیکے عہ - سید عابد حسین صاحب تحصیلدار بکسوا ڈاکخانہ گلگنج براہ چھترپور صمہ ؛

یتامیٰ :- ایک یتیم اس ماہ اہل اخراجات ماہوار پر لیا گیا - خارج کوئی نہیں ہوا - آمد تھوڑی ہے - احباب کی توجہ بکار ہے ؛
زکوٰۃ :- آمد صاللعہ اور خرچ ۱۵/ ماہہعہ ہے - آمد بوجہ جلسہ سالانہ زیادہ ہوئی - اور وظائف میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی ؛
شفاخانہ :- نئے مریض علاج کرانیکے لیئے ۶۸۹ آئے - مائنر اپریشن پندرہ ہوئے میجر اپریشن ۵ ہوئے یعنی ایک کی پتھری نکالی گئی - تین موتیا بند والے بنائے گئے اور ایک ہڈی کی بیماری والیکا اپریشن کیا گیا - چھ سو روپیہ ادویہ و اوزاروں کیلئے منظور کیا گیا ہے سلسلہ کے ڈاکٹر صاحبان شفاخانہ کے لیئے چندہ بھیجنے کی طرف خاص توجہ فرماویں آیندہ ہر ماہ ایسی فہرست شائع ہوتی رہے گی ؛
دفتر محاسب :- کل آمد اس ماہ ۸ - ۷ - ۱۶۳۵۵ اور خرچ ۱ - ۱۵ - ۱۰۵۵۳ ہوا - آمد میں جلسہ سالانہ کی وجہ سے ترقی ہوئی ؛
دفتر سکرٹری :- جلسہ سالانہ کے متعلق مفصل حالات اخباروں میں شائع ہو چکے ہیں - اس جگہ انکے دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے - صرف اتنا لکھنا کافی ہوگا کہ اس دفعہ جلسہ سالانہ پر

آنے والوں کی تعداد اُنیس سو کے قریب تھی۔ جن میں اُناسی عورتیں اور پچیس بچے ہیں۔ باقی سب مرد ہیں۔ جو تعداد شمار میں آئی وہ اٹھارہ سو تنتالیس ہے۔ اور جو لوگ کسی دوست یا رشتہ دار کے گھر میں اُترے وہ شمار میں نہیں آسکے ایسا ہی بعض جماعتیں بھی جہاں امیر و معاون کا انتظام نہ تھا۔ نہیں شمار ہو سکیں جیسے منصوری۔ کوٹلہ اور علیگڈھ کے لوگ۔ گذشتہ سال جلسہ پر آنے والوں کی تعداد پندرہ سو باون تھی۔ آمد جلسہ سالانہ ۰-۶-۱۸۷۲ ہوئی گو خرچ کا اسوقت تک پورا حساب نہیں ہو سکا مگر اڑھائی ہزار سے کم نہیں ہوگا۔ مہمان و کارکناں وغیرہ سمیت جلسہ پر کھانا کھانے والوں کی تعداد سوا دو ہزار سمجھنی چاہیئے۔ اور ۲۳۔ دسمبر ۱۹۱۲ء سے انتظام شروع ہو کر ۳۱۔ دسمبر ۱۹۱۲ء تک کم و بیش رہا۔

جلسہ سالانہ پر مخدوم و مکرم منشی غلام رسول صاحب انسپکٹر پولیس جو عرصہ تک ضلع فیروز پور میں متعین رہے اور اب سرگودہ میں ہیں اور جنہیں سلسلہ اور اسکے کاموں سے بڑا اخلاص اور محبت ہے۔ ہر سال گھی خرید کر اور اس میں اپنی طرف سے بھی خاصہ حصہ لے کر بھیجا کرتے تھے۔ اس دفعہ بوجہ بُعد گھی انسے نہ منگایا گیا۔ تاہم آپ نے جلسہ پر ایک ٹین گھی کا اپنی طرف سے روانہ فرمایا۔ جو انکے اخلاص کو بتا رہا ہے۔ ایسا ہی منشی ہاشم علی صاحب گرداور علاقہ ریاست پٹیالہ نے جلسہ کے نمک کا کُل خرچ ادا کیا اور ہر سال جلسہ پر کسی نہ کسی چیز کا خرچ اپنے ذمہ لیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے مخلصوں کو سلامت رکھے۔ آمین۔ آمد بالمقابل خرچ کم ہوئی ہے۔ اگر احباب یا جماعتیں مزید توجہ فرماویں تو کمی پوری ہو سکتی ہے۔ خصوصاً وہ انجمنیں جہاں احباب زیادہ آئے اور چندہ کم۔

ذیل میں ہر ضلع سے جلسہ پر آنے والوں کی تعداد دی جاتی ہے:۔

ضلع	تعداد	ضلع	تعداد
(۱) گورداسپور	۴۲۲	(۴) امرتسر	۱۴۷
(۲) سیالکوٹ	۲۸۶	(۵) گجرات	۱۰۰
(۳) لاہور	۱۹۶	(۶) جہلم	۶۶

نام	تعداد
(۷) جالندھر	۴۷
(۸) سرگودھ	۲
(۹) ہزارہ	۲۶
(۱۰) نابھہ	۳
(۱۱) بلوچستان	۲
(۱۲) کرنال	۱
(۱۳) گوجرانوالہ	۹۰
(۱۴) ہوشیارپور	۶۶
(۱۵) ہندوستان	۴۳
(۱۶) جموں کشمیر	۲۷
(۱۷) کلکتہ	۱
(۱۸) حصار	۶
(۱۹) لائل پور	۷۷
(۲۰) کامل پور	۱
(۲۱) پشاور	۴۴
(۲۲) پٹیالہ	۳۸
(۲۳) لدھیانہ	۳۴
(۲۴) فیروزپور	۲۹
(۲۵) منٹگمری	۸
(۲۶) حیدرآباد سندھ	۵
(۲۷) شاہ پور	۳۰
(۲۸) شملہ	۹
(۲۹) میانوالی	۴
(۳۰) راولپنڈی	۱۲
(۳۱) ملتان	۸
(۳۲) ڈیرہ غازیخاں	۹
(۳۳) بہاولپور	۴

رپورٹ سالانہ اور روئداد جلسہ جسمیں تمام تقریریں ہوں گی رسالہ کی صورت میں انشاءاللہ علیحدہ چھپیں گی۔ رپورٹ مفت شائع ہوگی اور روئداد تھوڑی سی قیمت پر۔ اس کے لیئے احباب درخواستیں بھیجدیں مگر یہ ضروری ہے کہ سکرٹری صاحبان فنڈ ضروریات مقامی سے حسب گنجایش کافی تعداد روئداد کی منگا کر اپنے شہر میں مناسب جگہ مفت شائع کریں۔ اور احباب اپنے لیئے علیحدہ کاپیاں منگائیں۔

چودھری حاکم علی صاحب چک پنیار ضلع شاہ پور نے زمیندار جیننگ کمپنی بھلوال ضلع شاہ پور میں پانچ سو روپے کے کچھ حصے رکھے ہوئے ہیں۔ جنپر انشاءاللہ منافع بھی ہوتا ہے۔ چودھری صاحب نے یہ حصے اپنی وصیت کے حساب میں

بنام صدر انجمن احمدیہ منتقل کر دیئے ہیں مگر مجلس معتمدین اسے فروخت کرنا چاہتی ہے۔ اگر کوئی صاحب خریدار ہوں تو سکرٹری صدر انجمن سے خط و کتابت کریں۔

باہر سے جو نئے لڑکے آتے ہیں وہ عموماً عربی و دینیات میں کمزور ہوتے ہیں اور جماعت کے ساتھ مدرسہ میں چلنا انکو مشکل ہوتا ہے۔ اسلیئے پہلے استاد کے علاوہ ایک اور مدرس رکھنے کی تجویز منظور ہوگئی ہے۔ جو ایسے طلباء کو علیحدہ پڑھائے اور وہ جماعت کے ساتھ چل سکیں لہٰذا احباب اپنے بچے بھیجنے کی طرف توجہ فرماویں۔

یہ معلوم کر کے کہ بعض انجمنیں ضروریات مقامی کو صدر مقام کی ضروریات پر باوجود اصل ضروریات سلسلہ ہیں مقدم کر رہی ہیں۔ مجلس معتمدین نے اپنے رزولیوشن ۵۸۵ مورخہ ۲۴۔ دسمبر سنہ ۱۹۱۲ء میں فیصلہ کیا ہے کہ جملہ انجمنوں کو ہدایت کی جاتی ہے۔ کہ مقامی ضروریات پر سلسلہ کے چندوں کو مقدم کیا جاوے۔ اور صدر انجمن کے لیئے جسقدر چندہ ہو اُس کے آٹھویں حصہ سے زیادہ مقامی ضروریات پر خرچ نہ کیا جاوے۔ مگر جیسے کہ پہلے اطلاع دی گئی ہے۔ یہ یاد رہنا چاہیئے کہ مقامی ضروریات پر صدر انجمن کے چندوں سے کچھ نہ خرچ کیا جاوے وہ رقم پوری کی پوری ہر ماہ یہاں پہنچنی چاہیئے۔ بلکہ مقامی ضروریات کے لیئے علیحدہ چندہ کیا جاوے جن میں سے سوائے کسی خاص ضرورت کے پیش آجانے کے عموماً اوپر کی نسبت سے زیادہ خرچ نہ کیا جاوے ؎ والسلام

محمد علی

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

کلکتہ کے نامی ڈاکٹر ایس کے برمن کی دوائیں مفید اثر

۲۸ برس سے ہندوستان میں جاری ہیں۔ آزمایش کیجئے

دانت درد کی دوا

لگاتے ہی درد مٹاتی ہے روتے کو ہنساتی ہے۔ کیسا ہی درد کیوں نہ ہو اس کے لگاتے ہی درد دور ہوتی ہے۔ قیمت ۴ر شیشی خرچ ۴۔ شیشی تک ۵ر

دمہ کی دوا

دم جاہے جسقدر زور سے پھولتا ہو اس دوا کی دوا ایک خوراک کے استعمال سے دب جاتا ہے ابتدائے عارضہ سے اگر یہ دوا استعمال کرائی جاوے تو دمہ ایک دم چلا جاتا ہے پرانے دمہ کے مریض یا جنکا دمہ دم کا ساتھی ہوگیا ہے وہ بھی اس دوا سے صحت پاتے ہیں قیمت عہ ر شیشی خرچ ۴ شیشی تک ۵ر

پین ہیلر

درد دور کرنے والی دوا

اندرونی درد پیچش پیٹ مروڑ اور بیرونی درد موچ اور چوٹ یا گٹھیا کے سبب جو ورم نہیں درد ہو اس کے استعمال سے فوراً دور ہوتی ہے قیمت ۱۲ر شیشی خرچ ۵ر

سینی لائن

خون بند کرنیکی اکسیر دوا خونی بواسیر کیلئے نہایت مفید ہے۔ ناک مسوڑے اور خون جہاں سے گرتا ہو اسکو فوراً بند کرتی ہے قیمت ۴ر شیشی خرچ ۵ر

ای اوڈائڈ سالسہ پیلا خون صاف کرنے کی اکسیر دوا

اس سالسہ کو صاف کرکے اسمیں پوٹاس ای اوڈائڈ وغیرہ کئی ایک آزمائی ہوئی دوا ملاکر یہ سالسہ بنا ہے اسلئے عام سالسوں سے زیادہ مفید اثر ہے۔ گرمی آتشک اور کسی سبب سے خون بگڑ گیا ہو تو اسکا استعمال جلد کرانا چاہیے قیمت ۲۴ خوراک کی شیشی عار خرچ ۶ر

کان بہنے کی دوا

کان کے اندر سے ریم آتا ہو پرانا یا نیا ہو دو تین مرتبہ کے استعمال سے بہنا بند ہوتا ہے قیمت ۴ر پچکاری کان صاف کرنیکی ۴ر خرچ ہر دو چیز کا ۵ر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

مطبع میگزین میں ناشر فقیر اللہ اسسٹنٹ مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا

فہرست مضامین رسالہ ریویو آف ریلیجنز۔ اُردو بابت ۱۹۱۲ء

...... لاہور- ۸۰- صحیح بخاری کا درس- ایک حق طلب کی فریاد ۱۷۴- مسیح مدرسکی فوٹو- احمدی خاتون-

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے | لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

بابت ماہ فروری ۱۹۱۳ء | ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

چندہ سالانہ | عام ۵ طلباء سے ۴

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ فروری ۱۹۱۳ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

یسوع۔ الوہیّت اور انسانیّت کا ایک نمونہ

(لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ)

(از خواجہ کمال الدین صاحب۔ بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔ (لنڈن) ✽

"میرے حضور تیرے لیئے دوسرا خدا نہ ہووے" (خروج 2/۲) یہ ارشاد خدائے اسرائیل نے موسیٰ کو فرمایا۔ اور جسقدر حکم ربی تاکیدی تھا۔ اس کی تعظیم اس کی تعمیل کی بجائے اس کی خلاف ورزی میں کی گئی۔ خدائے تعالیٰ کی طرف سے بُت پرستی کے خلاف بار بار تہدید ہوتی رہی۔ لیکن اسرائیل کے گھرانے نے" بیگانے اِلٰہوں کا پیچھا کیا اور اُن کی بندگی کی اور سجدہ کیا" وہ "غیور خدا" کے قہر وغضب کی توبرداشت رکھتے تھے۔ لیکن 'تراشی ہوئی مورت' کا چھوڑنا۔ اُنکے لیئے دشوار تھا۔ مگر اسرائیل ہی بنی نوع میں کا بد ترین نہ تھا۔ دنیا کے مختلف حصص میں جہاں کہیں انسان تھے۔ اُنہیں اپنی آتما گنتی اور اپنی روحانی ترقی۔ اپنے ہاتھ کی بنائی مورتوں کے آگے سر جھکانے میں ہی نظر آئی۔ ہندی۔ مصری۔ ایرانی سریانی۔ رومی یونانی۔ ان سبنے نوبت بہ نوبت مختلف علوم وفنون میں ترقی کی۔ لیکن خدائے واحد کی پرستش کی حقیقت جو چار ہزار برس ہوئے کوہ سینا پر تلقین کی گئی تھی اور جس کی گونج پھر کوہ زیتون پر سنائی دی گئی۔ اُن کے فہم سے بالا ہی رہی۔ مسیحی کلیسیا بھی مدّت تک

✽ حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے اس مضمون کو پڑھکر یہ تحریر فرمایا "مَیں نے اسے غور سے پڑھا۔ پسند کیا۔ خواجہ کے لیئے دعا کی والسلام"

ابتدا میں اپنے گلہ کو قدیم عادت بُت پرستی سے بچا نہ سکا۔ رومی یونانی افسانے کلیسیا
میں آگھسے۔ اور پُرانے دیوی دیوتاؤں نے رومن کیتھلک طریق تقدیس کے ذریعہ
بہ تبدیلی نام و مقام کلیسیا میں مقدس جگہ حاصل کر لی۔ شرک بہرحال ایک نہ ایک
رنگ میں انسانی طبائع پر غالب رہا۔ حتّٰی کہ جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا
میں مبعوث ہوئے۔ جن کے ہاتھ سے عرب میں شرک نے ہمیشہ کی موت دیکھی۔ ماسواء
اللہ کی پرستش ایسی مری کہ پھر نہ اُٹھی۔ اور خدا کے آخری کلام نے توحید کو اس طرح
کھول کھول کر بیان کیا کہ آج مشرکانہ فطرت والے بھی توحید کے آگے مجبورًا سر جھکاتے
ہیں ہاں اسکی خلاف ورزی میں جو اُن سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اُس کے لئے انہیں
ہر وقت ایک نہ ایک توجیہ کی ضرورت رہتی ہے۔

مضمون زیر قلم کے دائرہ سے ہمنے اس سوال کو باہر رکھا ہے کہ قدیم زمانہ میں
الوہیت مسیح کا کیا مفہوم تھا اور پھر زمانہ کے ساتھ ساتھ کس طرح وہ مفہوم بدلتا گیا۔
یہاں اسی قدر کہدینا کافی ہے کہ موجودہ طبائع نے مسیحی دنیا میں پرانے مسائل سب
ترک کر رکھے ہیں اور آجکل کے دل و دماغ ایک سے زیادہ خدا ماننے سے اب
بہت ارفع ہیں۔ بلکہ فی زمانا عیسائیوں کے متعلق یہ کہدینا کہ وہ قدیمی عیسائیوں کی طرح تین
خدا مانتے ہیں۔ خود ایک قسم کی ناواقفیت اُس عقیدہ سے ظاہر کرتی ہے جو انہوں نے
موجودہ علم الہیات مغربی کے ماتحت قائم کر رکھا ہے وہ تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایک خدا
اور صرف ایک ہی خدا کے قائل ہیں ہاں خداوند مسیح اُسی خدا واحد کے مظہر ہیں۔

بیشک یہ امر تو محالات سے ہے کہ محدود احساس کا انسان۔ لامحدود ذات کو سمجھ سکے۔
انسان کی اپنی کوشش کا انتہا تو یہی ہے کہ وہ ایک طاقت کا قائل ہو اور یہ سمجھ لے کہ ایک
لامحدود ابدی طاقت ان تمام اشیائے عالم کا ماخذ ہے اور اس امر سے نہ تو سائنس کو
اور نہ کسی متشکک طبع کو کبھی انکار ہوا ہے خود حکیم ہربرٹ سپنسر کا قول ہے کہ "ہم اسباب
وعلل کی تلاش میں جب تک مسئلہ علت اولیٰ کے قائل نہ ہوں ہم کسی نکتہ پر قائم نہیں ہو سکتے۔
اور فی الحقیقت علت اولیٰ کے ماننے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ اور ہم کو مجبورًا

اُسے لامحدود اور ابدی ماننا پڑتا ہے۔" لیکن کیا اِس علّت اولیٰ کا علم ہونا۔ محالات سے ہے؟ کیا اُس کے تمام کام میں حکمت علم اور ترتیب نہیں؟ اور اگر ہے تو کیا اِس علت اولیٰ کے لیئے یہ امر غیر اغلب ہے کہ وہ اپنے بعض صفات و حالات کا علم اپنی مخلوقات کو دے۔ جو علم وہ مخلوق از خود حاصل نہیں کر سکتی۔ اور کیا ایسا ہونا محال ہے۔ "اسکے برعکس قیاس کرنا" جیسے کہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے۔ "نہ صرف حکمت سے ہی دُور ہے بلکہ بیہودہ بھی ہے" وہ کہتا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ ٹھنڈے اور تعصب سے پاک دل کے ساتھ اُن تمام تاریخی واقعات کا امتحان کرے اور ایسا ہی عیسائیت کے اُن تمام تاریخی واقعات کا امتحان کرے اور ایسا ہی عیسائیت کے اُن تمام اندرونی اطوار کو دیکھے کہ جن پر عیسائیوں کے اِس عقیدہ کا مدار ہے کہ اُس عظیم علت العلل اور باعث اولیٰ نے۔ یسوع مسیح میں اپنے اخلاق کا اظہار کیا۔ اور اُس کے ذریعہ وہ بنی نوع کے ساتھ ہمکلام ہوا۔ اگر انسان صرف مادہ کا مادی مجموعہ نہیں بلکہ اس میں ذہنی اور اخلاقی قوی بھی ہیں اور اگر انسانی اخلاق اُسی خدا کے اخلاق ہیں کہ جس کی وہ تصویر ہے تو کیا یہ دل پسند امر نہیں کہ انسان کی پیروی اور تقلید کے لیئے بطور نمونہ خدا خود انسان میں ظاہر ہو۔ جس کی اتباع میں ہمارے کُل اخلاقی قوی مکمل نشو و نما پالیں۔

جب مسیح کی ذاتِ یکتا کو دیکھا جاوے۔ اُس کی معصوم اور گناہ سے پاک زندگی پر نگاہ ڈالی جاوے۔ اُس کا موت کے بعد جی اُٹھنا۔ اُس کے معجزات۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ امور بقول عیسائی صاحبان ایسی صفات الٰہیہ ہیں۔ جو مقدس کنواری کے مبارک فرزند میں ظاہر ہوئے ہیں۔

یہ چند باتیں۔ عیسائی صاحبان آجکل الوہیت مسیح کی توجیہ میں بیان کیا کرتے ہیں۔ نہ تو میں ان مذکورہ بالا مقدمات کی صحت پر کچھ کہنے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ اور نہ اُن صحائف کی اصلیت کے متعلق کوئی جرح کرنی ضروری ہے کہ جو امور بالا کے ماخذ ہیں۔ میں اِن تمام موجبات کو جس طرح پر پیش کیئے گئے ہیں سردست تسلیم کر لیتا ہوں۔ لیکن کیا اِن مسلمات سے وہ نتائج اخذ ہو سکتے ہیں جو نکالے گئے ہیں۔ یہ

ایک سوال ہے۔ کہ جس کا جواب اثبات میں دینے کے لیئے مجھے تامل ہے اور میں طیار نہیں پیغمبر ناصری کے معجزات یا اُس کی تعلیم یا اُس کی معصوم زندگی۔ یا اُس کے اپنے مُنہ بولے جلالی مقتدرانہ الفاظ۔ جو بناء الوہیت سمجھے گئے ہیں۔ ان باتوں کے متعلق مَیں بعد میں اپنی رائے ظاہر کروں گا۔ علاوہ ازیں ان وجوہ کی بُنیاد پر مسیح بے عدیل اور یکتا نہیں ہوسکتا۔ دنیا کی تاریخ نے بہتیرے عظیم الشان انسان دیکھ چھوڑے ہیں۔ جو ان وجوہ پر اگر یہ کافی ہوں۔ تو مسیح کے ساتھ ساتھ مدعی الوہیت ہوسکتے ہیں۔ مَیں سردست سب سے پہلی دلیل پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اور دلائل کے مقابل یہ دلیل مجھے زیادہ دل پسند ہے اور مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ بظاہر دیکھنے کو یہ یقین دلاتی نظر بھی آتی ہے۔

کیا مسیح صفات الٰہیہ کا مظہر ہے؟ اگر اپنے صفات کاملہ اور اپنے جلال کے ظہور کے لیئے خدا کو یہی پسند ہو کہ وہ انسانی پیدائش لے۔ اور اس قدر نیچے بھی اُتر آئے کہ اور انسانوں کی طرح کھائے اور پیئے اور پھر اس اکل و نوش کے نتائج بھی بھگتے تو پھر یہ امر بھی قابل توجیہ ہوسکتا ہے کہ اُس میں معمولی انسانوں کی سی معمولی نقص اور کمزوریاں بھی ہوں اور مَیں خیال کرتا ہوں کہ مجھے بھی اس قدر تو غیر معقول پسند نہ ہونا چاہیئے کہ مَیں عورت کے رحم سے نکلے ہوئے، خدا سے اُن صفات بےہمتا اور اُن فوق الانسان وراءالوراء اوصاف مثلاً۔ علم کل۔ قدرت تامہ۔ صفت حاضر ناظر وغیرہ وغیرہ کی توقع رکھوں۔ جو دنیا کے ہر حصہ میں ہر وقت درست طور پر خدا کے متعلق از قسم لازمات سمجھی گئی ہیں۔ بقول عیسائی صاحبان یہ بات تو ہمیں ہمیشہ ہی نصب العین رکھنی چاہیئے۔ کہ ابن آدم اگر خدا تھا تو انسانی جامہ میں تھا اور اگر خداوند کے جلال اور اُس کی صفات نے ظہور پایا تھا تو احاطہ انسانیت کے اندر اندر ظہور پایا تھا۔ اور ساتھ ہی زمان و مکان کے اُن بے رحمانہ اور پراز ظلم قیود کے ماتحت رہکر۔ جن کا شکار انسان جیسا ہیچکار اور بیکس مخلوق ازل سے ہوچکا ہے لہٰذا اُن حالات کے ماتحت، یہ امر کوئی حیرت بخش امر نہیں کہ خدا کو

جامہ مظہریت میں بہت سی باتوں کا علم نہ تھا مثلاً خداوند نے اعتراف کیا ہے کہ وہ آخری گھڑی سے بالکل ناواقف ہے۔ اُس گھڑی کا علم خدا کو بحیثیت باپ تو ہے لیکن جب وہ بیٹا بنا۔ تو نہ صرف اُسکو وہ گھڑی معلوم ہی نہ رہی بلکہ اُس آخری وقت کا علم اُس کے امکان سے بھی باہر ہوگیا۔ خدا کی اِن دو فطرتوں کی حقیقت سمجھنے کے لیئے شائد اُس کا واقعہ درخت انجیر بہترین تشریح ہے (مرقس ۱۱/۱۲)۔ خداوند کو بھوک لگی ایک انجیر کا درخت پاس تھا اُسپر پتے بھی تھے۔ خداوند اُس کے پاس اِس خیال سے گیا کہ شائد اُسے کھانے کو کچھ ملجاوے اور جب وہ درخت کے نزدیک گیا تو اس میں پتوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند صرف علم کُل سے ہی بے بہرہ نہ تھا بلکہ معمولی مشاہدہ انسانی سے بھی معرّا تھا۔ کیونکہ وہ وقت انجیر کے پھل دینے کا نہ تھا۔ لیکن خداوند تو انسان بھی تھا۔ اور اس لیئے اُس سے وہی صادر ہُوا جو کسی ہم جنس انسان سے بھوک سے تنگ آکر صادر ہُوا کرتا ہے۔ یہ کوئی عجیب بات ہے؟ ہم بھی بعض وقت کسی جذبہ یا خواہش سے مغلوب ہوکر معمولی عقل سے گری ہوئی باتیں کر دیا کرتے ہیں۔ ہُوا کیا اگر خداوند نے درخت جیسی بیجان چیز پر اپنی ناراضگی اسلیئے ظاہر کی کہ وہ اُس کی اشتہا کے دفعیہ کا سامان مہیا نہ کرسکا۔ یہ تو وہی بات ہے جو ہم سے بھی جب ہم اپنی امید یا توقع میں ناکام ہوتے ہیں بیجان چیزوں کے برخلاف صادر ہُوا کرتی ہے۔ لیکن یہ ساری باتیں عیسائی نکتہ خیال سے خداوندی جلال کے ظہور کے ضروری مقدمات تھے۔ جس نے خداوند کے اِس کلام میں ظہور پایا کہ آج سے بعد کوئی انسان تجھ سے پھل نہ کھاسکے گا۔ اور وہ درخت ہمیشہ کے لیئے مُرجھا گیا ہم یہ تو جانتے ہیں کہ عہد جدید میں یسوع کے متعلق بہت سی ایسی باتیں لکھی موجود ہیں جو کل دنیا کے مفہوم اُلوہیت کے قطعاً قطعاً منافی ہیں۔ لیکن الوہیت مسیح کی تو شان ہی اور ہے۔ وہ تو اس لیئے اپنے باپ کے ساتھ ہم جلیس ہے کہ اُسکی

...... ذات میں خدا کے بعض اخلاق نے ظہور اور نشو ونما پایا۔ والله اُن علوشان فوق الانسان صفات کو جو قادر مطلق خدا کی شان کے شایاں ہیں یسوع کو کوئی بھی تعلق نہیں۔

جب خدا میں شخصیت ہے۔ اور انسان اُس کی تصویر پر ہے۔ تو ربانی تصویر کے اخلاق و اوصاف کا ظہور بھی تو صرف اُسی خدا میں ہو سکتا ہے جو انسان بھی ہو اور خدا بھی ہو۔ لیکن کیا یسوع ان ربانی اخلاق کا مظہر تام تھا ایسا ہی اگر انسان کا اصل جس پر اُس کی ساخت ہے۔ خود خدا ہے۔ تو پھر جو اخلاق اور اوصاف انسان میں پائے جاتے ہیں وہ بالضرور اخلاق الٰہیہ ہیں۔ اور اگر انسان کے اخلاق۔ بذاتِ خود ایک حقیقت ہیں۔ جو باقاعدہ اصلاح پاکر کُل دنیا کے حکمران ہو جاتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا وہ تمام کے تمام انسانی اخلاق۔ یسوع کے اندر۔ تہذیب اور نمو حقیقی حاصل کر گئے۔ صبر۔ تحمل۔ حلم محبت۔ لاریب۔ انسان کے اعلیٰ اخلاق ہیں اور اپنے اندر ربانی فطرت بھی رکھتے ہیں۔ لیکن کیا یہ نرم بردبارانہ خلق کل کے کل انسانی اخلاق کی لمبی چوڑی فہرست پر حاوی ہیں۔ کیا انسانیت کے لوازمات میں بعض اور عاملانہ گرم اور تیز اخلاق شامل نہیں۔ مثلاً شجاعت۔ عدالت۔ سخاوت۔ امانت۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور کیا یسوع کو وہ مواقع نصیب ہوئے کہ جو اِن اخلاق کے ظہور کے لیئے لازمات سے ہیں۔ کیونکہ جب تک کسی اخلاقی جوہر کے عمل میں لانے کا موقعہ کسی کو میسر نہو۔ کسی میں کسی استعداد کا امکان اُس کی حقیقت کا کوئی ثبوت نہیں۔ خدا نہ کرے میں یسوع کی شان میں یہ کہوں کہ اُس سے وہ باتیں صادر ہوئیں جو صفات بالا کے خلاف ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ کسی میں منفی خلق کا ہونا یعنی اُس کا کسی خاص خلق کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ خصوصاً جب وہ معلم اخلاق بھی ہو۔ کوئی حقیقی خلق نہیں۔ ایسے منفی خُلق کے رکھنے میں کسی کا خرچ یا حرج ہی کیا ہوتا ہے اور علاوہ ازیں یہ اُس شخص کے لیئے کیا سبق ہو سکتا ہے جو عملی نمونہ کا محتاج ہے۔

کسی بزرگ کی زندگی کے اخلاقی پہلو پر محاکمہ کرتے ہوئے لوگوں سے عموماً ایک غلطی ہو جاتی ہے اور یہ غلطی کچھ اس قسم کی خطرناک غلطی ہے کہ نامعلوم طریق پر یہ غلطی اُن لوگوں کے محاکمہ پر بھی اثر ڈال دیتی ہے جو اور طرح اپنے بے تعصبانہ طریق تنقید کے لیئے مشہور معروف ہیں بعض وقت بعض معلم اپنے خطبات اور وعظوں میں اپنی سامعین کو بعض محاسن کی تاکید کرتے ہیں اور سمجھ لیا جاتا ہے کہ اُن معلمین میں وہ محاسن بھی تھے۔ لیکن یہ غلطی ہے اور بڑی فاش غلطی ہے۔ اور یوں تو کسی قوم کی ادبی کتابیں اخلاق کے سبق سے خالی نہیں۔ اِن کتابوں میں اخلاق کے بعض ایسے زرین اصول ہوتے ہیں کہ جو کسی پیغمبر یا خود خدا بجامہ انسان کے شایاں ہو سکتے ہیں۔ ان کتابوں میں جو لکھا ہوتا ہے۔ اگر اِن کے مصنفین کے اخلاق کی شہادت سمجھ لیجاوے تو پھر مجھے ڈر لگتا ہے کہ ہمیں لارڈ بیکن کے اخلاق کے متعلق اپنے موجودہ محاکمہ کو بدلنا پڑے گا۔ کسی معلمِ اخلاق کو خواہ اُسکے دعاوی کیسے ہی الوہیت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں اُن اخلاق کو رکھنے کی عزت نہیں دینی چاہیئے۔ جو وہ اوروں کو تعلیم و تلقین کرتا ہے جب تک کہ وہ خود اپنی مثال میں اپنے مواعظ کو عمل کا لباس نہ پہنا دے۔ اس صداقت کو شاید مصنف انوار سہیلی کی طرح نہ کسی نے کم سمجھا ہوگا اور نہ عملی رنگ میں دنیا پر ظاہر کیا ہوگا انوار سہیلی فارسی علم ادب میں ایک اخلاق پر مشہور کتاب ہے۔ اِس کتاب میں مصنف نے جو اخلاق ناظرین کتاب کو تعلیم کرنے چاہے ہیں اُنکو پرندوں اور جانوروں کے مُنہ میں ڈال دیا ہے۔ اور بات بھی سچ ہے اگر کوئی معلم اپنی تعلیم کو خود عمل میں نہیں لا سکتا تو پند بر دیوار یا پند بر لب میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اخلاق تو عمل کے ذریعہ ہی عمدہ طور پر سکھائے جا سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ضرب المثل کے طور پر مثال کو وعظ پر ترجیح دی گئی ہے۔

اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ ہر ایک انسان کی کوئی استعداد بعض حالات کے پیدا ہونے پر ہی حقیقت ہو سکتی ہے۔ ایک انسان بڑا اخلاق کے سبق دے اور یہ بھی ممکن ہو کہ اُس میں اُن تعلیم دادہ اخلاق کی استعداد بھی ہو لیکن

وہ اُن اخلاق کا مُدعی اسی وقت تک ہو سکتا ہے کہ جب اُسکی زندگی میں کسی خاص خُلق کے مناسب حال خاص حالات پیدا ہو گئے ہوں اور وہ خُلق عملاً اُس سے ظاہر ہوں۔ مثلاً یسوع کا ایک شاندار حلم کے ساتھ اسرائیلی ٹھٹھوں اور مذاقوں کو برداشت کرنا۔ اُس کا ایک حیرت بخش صبر کے ساتھ زندگی کے صعب ناک مصائب و ابتلا کو بطور ایک شہید صداقت اُٹھانا۔ یہ واقعات ہیں جن سے یسوع صبر۔ علم اور تحمل کا قابل رشک مالک سمجھا جا سکتا ہے۔ اور اگر یہ واقعات اُس کی زندگی میں پیدا نہ ہوتے تو وہ اِن نرم اخلاق کا ایک قصہ گو سمجھا جاتا۔ واقعی یہ ایک بڑی بھاری بدقسمتی ہے اور اسپر جسقدر رنج کیا جاوے تھوڑا ہے کہ بعض حالات نے جن پر افسوس ہے کہ خداوند کو بھی قابو نہ تھا۔ خداوند کے ایام بعثت کو مختصر کر دیا۔ اور دنیا کے ہاتھ سے ایک شاندار موقعہ جاتا رہا ممکن ہے بہت سے اخلاق الٰہیہ جو ممکن ہے کہ یسوع میں تھے۔ عملاً ظہور پا لیتے۔ اور تو اور وہ خاص صفت عفو۔ جس کا اس قدر چرچا۔ عیسائی علم ادب میں کیا جاتا ہے وہ بھی یسوع کے ہاتھ سے کامل نمونہ کو نہ پہنچ سکا۔ بات یہ ہے کہ خُلق عفو کا ظہور بھی اور خُلقوں کی طرح خاص حالات کی موجودگی چاہتا ہے اور جب تک وہ حالات کسی میں موجود نہ ہوں۔ انصاف اجازت نہیں دیتا کہ کسی کو اِس خُلق کا مالک ظاہر کیا جاوے۔ اس شریف خلق کے حاصل کرنے کے لئے تین شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ اوّل تو تمھارے بعض دشمن ہوں جنھوں نے بے رحمی اور ظلم سے تمھارے ساتھ سلوک کیا ہو۔ دوسرا یہ کہ حالات کے بدلنے پر تمھارے دشمن تو مغلوب ہو جاویں اور وہ دشمن تمھارے قابو میں آجاویں۔ اور سب سے آخر گو عظمت میں سب سے اوّل یہ کہ تمکو اپنے دشمن کو سزا دینے کی طاقت تو حاصل ہو لیکن تمھاری شریف فطرت تمھیں اُن کو معاف کر دینے پر طیار کر دے۔ صفت عفو کی طرح صفت رحم کا ظہور بھی اُسی سے ہو سکتا ہے اور وہی اِس خُلق کا بھی مالک ہے جس کے آگے کوئی رحم کا ملتجی ہو کر آوے۔ اور جب تک کسی کو یہ

مقدرت اور حیثیت حاصل نہو جس کا جی چاہے رحم کے خطبے اور وعظ سنا لے۔ یہ خالی الفاظ ہی ہیں جو بے حقیقت ہیں۔ علاوہ ازیں یہ تو ہمارا روزانہ تجربہ ہے کہ جب کوئی شخص صاحب طاقت ہو اور اُسکا ظلم رسیدہ حالت مظلومیت اور ساتھ ہی بیچارگی میں ظاہر کر دے کہ مینے اپنے ظلم رساں کو معاف کیا تو یہ اظہار معافی صاحب طاقت اپنے لیئے مہربانی نہیں بلکہ بے عزتی سمجھا کرتا ہے۔ ایسا عفو تو ہمیشہ حقارت سے دیکھا گیا ہے اور اِس کی کبھی بھی قدر نہیں کی گئی۔

اس میں شک نہیں کہ یسوع نے عین صلیب پر اپنے تکلیف دینے والوں کے لیئے عفو کی دعا مانگی اور اس سے یہ بھی ظاہر تو ہوتا ہے کہ اُسوقت اُس کے دل میں یہ کیفیت بھی تھی۔ لیکن جو خیالات اور کلمات یسوع کے مُنہ سے اپنے دشمنوں کے حق میں حالت صلیب میں نکلے وہی خیالات اور اُس قسم کے کلمات دنیا کے دیگر مشاہیر نے بھی ہیچ قسم مصائب کے ماتحت کہے اور ظاہر کیئے۔ اور اس معاملہ میں یسوع میں کوئی خاص یکتائی نہیں۔ بہر حال صفت عفو کا ظہور یسوع کی زندگی میں حقیقت کو نہ پُہنچ سکا۔ اس خُلق کے تین شرائط مذکورہ بالا میں صرف پہلی یسوع کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ لیکن باقی دو شرائط موجود نہیں۔ یہ صفت اور چھ سو برس تک پردہ کتم میں رہی جب اِس خُلق نے اپنے ظہور کا حقیقی موقعہ اور محل نبی عرب صلعم کے زمانہ میں پایا۔ جبکہ خداوند دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ بیت عتیق کے دروازوں پر محمدؐ کی شکل میں پُہنچا۔ قدیمی نوشتے پورے ہوئے اور مکّہ فتح ہوا جسکے فتح کرنے میں ایک قطرہ خون سے بھی زمین مکّہ ملوث نہ ہوئی اور یہ ایک واقعہ ہے جو کل دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ مکّہ میں دشمنان پیغمبر۔ اُسے اور اُس کے متبعین کو برابر تیرہ برس تک اس قسم کے وسیع سلسلہ مظالم کا زیر مشق کرتے رہے کہ جو اپنی کیفیت اور کمیت میں دوسروں کی زندگی کے صعب ناک ابتلا سے بھی بڑھ گئے آخر کار دشمنان پیغمبرؐ نے نیچا دیکھا۔ اور وہ سب کے سب اُسی کے رحم پر چھوڑے گئے جو مدتوں انکی

مظالم کا شکار رہا تھا یہ ظالم ہر ایک ایسی سزا کے بھی مستحق تھے جو انسانی وہم یا دماغ تصور میں لا سکتا ہو اور اُنکو اس قسم کی سزا دینا عین معدلت گستری اور نصفت شعاری تھی آنحضرت محمدؐ بھی اگر اپنے دشمنوں کو۔ رامچندر یا کرشن یا یوشع کی طرح سزا دیتا جیسے ان بزرگوں نے اپنے دشمنوں پر غلبہ پاکر دی تو بالکل حق بجانب ہوتا۔ لیکن وہ خلق عفو جس کو ابن اللہ بھی اپنے وجود میں ظاہر کر سکا (کیونکہ خداوند کا قابو بعض خاص حالات پر نہ رہا جنہوں نے خداوند کے مشن کو جلد ختم کر دیا) اپنا ظہور چاہتا تھا اور اگر محمدؐ صلعم کے ہاتھ سے اُس کا ظہور نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ ہمیشہ کے لیئے وہ پردہ کتمان میں رہتا خدا کی طرف سے مختلف اوقات میں مختلف انبیاءؑ آئے اور اُسکے بعض اخلاق اُن انبیا کے ذریعہ ظہور میں آتے رہے۔ محمدؐ۔ خاتم النبیین تھے اور ضرور تھا کہ وہ تمام اخلاق الٰہیہ جنہوں نے انسان میں نشو و نما نہ پایا تھا اور جن کے ظہور کے مناسب اور ضروری مواقع انبیاء سابقہ میں پیدا نہ ہوئے تھے۔ وہ آپ کی زندگی میں اپنا کامل ظہور دیکھیں اُن اخلاق میں ایک خُلق۔ خلق عفو تھا۔ اس کا خاص موقعہ و محل تھا وہ خاص محل و موقعہ یسوع کی زندگی میں تو پیدا نہ ہوا۔ اور اگر بعض اکابرین کی زندگی میں پیدا ہوا تو اُنہوں نے اِس موقعہ و محل کو استعمال نہ کیا اور خلق عفو ظہور کے بغیر رہا۔ ہاں آنحضرت صلعم کی زندگی میں وہ کمیاب موقعہ پیدا ہو گیا۔ اور آپ نے اُسے بوجہ احسن استعمال کیا۔ آپ کے دشمن جو بالکل مغلوب و خوار ہو چکے تھے آپ سے اُس سلوک کے ملتجی ہوئے جو کریم النفس انسان اپنے دشمنوں سے کیا کرتے ہیں۔ یہ اپیل کچھ ایسی برمحل تھی اور اس کا مخاطب بھی وہی تھا جسکے یہ شایاں تھی کہ فوراً ہی منظور ہو گئی۔

یہاں تک تو میںنے اُن نرم اور ملائم اخلاق کے متعلق کچھ کہا ہے جسکے متعلق ادعا کیا جاتا ہے کہ یسوع میں موجود تھے۔ لیکن ان کے علاوہ اور تیز اور مضبوط اخلاق بھی تو ہیں جو الٰہی اخلاق کا رنگ بھی اپنے اندر رکھتے ہیں۔ لیکن جنہوں نے مریم بتول کے بچّہ میں اپنا

ظہور نہ دیکھا۔یہی وہ گرم اخلاق ہیں کہ جو مہذب حالت میں انسانی سوسائٹی کی راحت کے
لیئے ازبس ضروری ہیں مثلاً غضب۔نفرت۔ اور ان دو پر میں خلق انتقام بھی ایزاد کرتا
ہوں۔یہ سب کے سب جان اور مال کی حفاظت اور امن کے لیئے ضروری ہیں انکو
حیوانی یا ادنیٰ جذبات کے نام سے موسوم کرنا غلطی ہے انکے صحیح استعمال کا بھی محل
وموقع ہے ہاں انکو بُرے طور سے جب استعمال کیا جاوے تو پھر یہ ادنیٰ جذبات
ہو جاتے ہیں۔کیا یہ اخلاق۔ اِس گنگ زبان صحیفۂ قدرت میں نظر نہیں آتے اور
میرے نزدیک تو اخلاق آلٰہیہ کی بہترین فہرست یہ صحیفۂ قدرت ہے۔ان مذکورہ بالا
اخلاق کا بطور اخلاق آلٰہیہ ذکر خود بائیبل میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں اِن جذبات کو
خود خدا نے انسان میں پیدا کر رکھا ہے۔کیا غضب اور نفرت۔ امور حقیقی نہیں۔کیا
اِن دو جذبات کا اثر گہرا۔انسانی معاملات وکاروبار پر نہیں پڑ رہا۔اور اگر انسان خدا
کی تصویر پر پیدا کیا گیا ہے تو ہم کو یہ قیاس کر لینے کا حق ہے کہ جو اخلاق اور جذبات
ہم انسان میں پاتے ہیں یہ خدائے تعالیٰ کے اپنے اخلاق وجذبات ہیں لہٰذا یہ
گرم اور تیز جذبات واخلاق بالضرور اخلاق آلٰہیہ ہیں اور ایسے نہیں کہ ہم انکو
نظر انداز کریں۔ لاریب اِن جذبات کی تعدیل اور تہذیب ضروری ہے اور ہم جو
اُن اکابرین کی زندگی کی طرف جن میں کہا جاتا ہے کہ خدا ظاہر ہُوا۔نگاہ اُٹھاتے
ہیں اور اُنہیں اُسوہ بنانا چاہتے ہیں تو صرف اس لیئے کہ ہم دیکھ لیں کہ اُن اکابرین نے
ان جذبات کو کس طرح اور کس محل وموقعہ پر استعمال کیا۔اگر اُن اخلاق کو جن کا
ہمیں خطبۂ کوہ زیتون میں سبق دیا گیا ہے اختیار کر لیا جاوے تو کیا وہ اِن تیز اور
گرم جذبات کی ہلاکت کے لیئے کافی نہیں حالانکہ یہ وہ جذبات ہیں کہ جنکو مَیں
ربانی جذبات کہتا ہوں اور وہ فی الواقعہ اخلاق آلٰہیہ میں سے ہیں خطبہ مذکور پر
چلنا گویا جان اور مال کو غیر مامون کرنا ہے۔ مجھے کچھ تامل سا ہے کہ شائد یہ
تعلیم خطبہ کچھ ایسی علوشان اپنے اندر رکھتی ہے کہ اسکو عمل میں لانا اب محالات سے
ہے اور مَیں تو یقین کرتا ہوں کہ قیامت کے دن تک یہ تعلیم ایسی ہی ناقابل عمل

رہیگی۔ لیکن کیا ان حالات کے ماتحت پھر بھی معلم خطبہ مذکور۔ ایک کامل اسوہ انسان اور مکمل مظہر اخلاق الٰہیہ ہونے کا مُدعی ہو سکتا ہے اور اگر کوئی اُسے مدعی سمجھتا ہے تو کیا اُس کا یہ دعویٰ۔ دعویٰ جائز ہے۔ مَیں نے تو ارادۃً یہاں اسلیئے اِن دو جذبات مذکورہ بالا کا ذکر کیا ہے کہ خطبۂ پیار کی تعلیم پر چلنے سے اِن جذبات کا تو عدم وجود برابر ہو جاتا ہے اگرچہ اس خطبہ کا معلم خود بھی بعض مواقع پر اِن دو جذبات کو استعمال کرنے سے رُک نہیں سکا۔ وِالّا اِن دو اخلاق کے علاوہ اور بے تعداد انسانی اور ربانی اخلاق ہیں۔ جنکے متعلق اگر مَیں نہایت ہی نرم اور رعایت کا پہلو اختیار کروں۔ تو یہ کہوں گا کہ یہ اخلاق پیغمبر ناصری کی زندگی میں اندر کے اندر ہی رہے اور اپنا ظہور نہ پا سکے۔ لہٰذا اِن حالات کے ماتحت۔ مَیں۔ الفاظ ذیل کی تائید میں حکیم رینان کا ہم آواز ہونے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ کہ مذہب نے اِس انسان (یسوع) کو انسانیت کا کامل مظہر اور رہنما اگر چنا ہے تو کوئی بُرا انتخاب نہیں کیا۔ حکیم رینان اپنی تمام معقول پسند اور آزاد طبیعت و تعلیم کے ساتھ اپنی ابتدائی خو کردہ عصبیت و میلان کا دراصل مقابلہ نہ کر سکا۔ وِالّا یہ جو اُس نے کہا یہ کسی خوض و فکر کا نتیجہ معلوم نہیں ہوتا۔ اُسے یہ تو سمجھ لینا چاہیئے تھا۔ کہ انسانی سوسائٹی کی ساخت اور اسکے ڈھانچ کو مضبوط کرنے کے لیئے انسانی زندگی کی بہت سی ضروری شاخیں اور بھی ہیں اور یسوع اُن شاخوں میں کسی کا رہنما نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک بادشاہ جو تخت پر ہے ایک جج جو کرسی عدالت پر بیٹھا ہُوا ہے۔ ایک مدبّر سلطنت جو امور ملک میں منہمک ہے۔ ایک جرنیل جو میدان جنگ میں موجود ہے کیا جس طرح انسانی سوسائٹی کے لئے ایک معلم اخلاق کی ضرورت ہے ویسے ہی اِن چار وجودوں کی ضرورت نہیں اور خدا نے بھی آخر کوئی نادانی کا اور غیر ضروری فعل تو نہیں کیا اگر اسرائیل کے خاندان میں۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ یوسفؑ اور یوشعؑ جیسے نبی پیدا کیئے۔ کیونکہ یہ بزرگ فرداً فرداً بادشاہ۔ جج۔ مدبر سلطنت اور فوجی جرنیل تھے۔ لیکن یہ تو آخر انسان تھے۔ اور بقول عیسائیاں انسے صرف غلطیاں ہی نہیں بلکہ بعض

. . . . گناہ بھی سرزد ہوئے۔ لیکن اگر خدائے تعالیٰ کو ضرورت ہی تھی کہ انسان کی شکل میں ’انسانیت کا کامل مظہر و رہنما‘ ہو کر آوے تو وہ شاید انسانی سوسائٹی کے لیئے کہیں زیادہ مفید ثابت ہوتا اگر وہ بادشاہ یا مدبر سلطنت ہو کر آتا۔ اور نہیں تو کم از کم یورپ کے عیسائی بادشاہوں اور عیسائی مدبران سلطنت کی ہدایت کے لیئے عملاً بعض قواعد ہی چھوڑ جاتا اور دنیا شاید جلدی ربانی سلطنت کے دن دیکھ لیتی کیونکہ دنیا کو یورپ کی اس آز و حرص اور اپنے اقتدار کے لیئے دوسروں کو تباہ کر دینے کی عادت سے نجات ہو جاتی بشپ معظم پوپ روما کو اور ایسا ہی شاہ عمانوئیل کو تو ’شہزادہ سلامتی‘ کی بجائے کسی ایسے خدا کی ضرورت تھی۔ جو کسی جرنیل کے وجود میں آتا۔ تاکہ ان بے ضرورت مہمات طرابلس میں وہ اُن کی رہنمائی کرتا۔ اُنکو وہ جنگ کے اخلاق سکھلاتا شاید اُس کا اپنا عملی نمونہ اور اسکے حربی وصایا اٹلی کی ظالمانہ بے رحمیوں کے لیئے جو طرابلس میں ظہور پذیر ہوئی ہیں زیادہ تر روک کا باعث ہوتے کیونکہ ہیگ کی کانفرنس کے اصول تو آخر کوئی روک کا موجب نہ ہو سکے۔ ہم کو بالمقابل بتلایا جاتا ہے کہ خداوند آخری ایام میں بادشاہ کے وجود میں ظاہر ہوگا جب مظلوم اپنا انصاف پاویں گے اور تمام ظلم دُور کیئے جاویں گے۔ لیکن اگر اُس کی آمد ثانی دنیا کے خاتمہ کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر ’انسانیت کے کامل رہنما و مظہر‘ کی ضرورت بھی تو اُسوقت ختم ہو رہے گی۔ بے شک یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی سلطنت دنیا کی سلطنت نہیں۔ اور نہ اس نے اپنے نوکروں کو اجازت دی کہ یہودیوں سے لڑیں اور اُن کو اُسے گرفتار نہ کرنے دیں (یوحنا ۱۸/۳۶) لیکن اگر دنیا کا تمدن اور اُس کی مدنی مصالح کسی نہ کسی قسم کی سلطنت کے متقاضی ہیں اگر انسانوں کے فیمابین ذمہ واریوں اور حقوق کا نفاذ جو بہبودی عامہ کی جڑھ ہے حکومت کی کوئی نہ کوئی شکل چاہتا ہے اور اگر انسان جونہی ابتدا سے ابتدائی نیچر کی حالت سے نکلتے ہی۔ ذاتی جائداد کے خیال کا احساس

اپنے سینہ میں موجزن پاتا ہے۔ اور ساتھ اسکے اپنی جان اور جائداد کی حفاظت کے
لیئے ایک نہ ایک پولیٹیکل ناظمانہ وجود کی ضرورت محسوس کرتا ہے خواہ وہ کیسی ہی ابتدائی
شکل میں ہو۔ اور اگر انگلستان کے تمدن کے لیئے ضروری سمجھا گیا ہے کہ قدیمی
وٹن ایجوموٹ کو موجودہ پارلیمنٹ کی صورت دیجاوے تو پھر ہم جیسے کہ رینان
کہتا ہے انسانیت۔ کے کامل رہنما اور مظہر کے لیئے کوہ زیتون کی طرف دیکھیں
یا کوہ فاران کی طرف نگاہ کریں جہاں ہمیں پیغمبر کے وجود میں ایک ہی وقت بادشاہ
مدبر سلطنت۔ مقنن۔ جج اور فوج کا جرنیل نظر آتا ہے۔

اگر ان واقعات پر جو ان صفحات میں ذکر کیئے گئے ہیں۔ حکیم رینان کی تصنیف
پڑھنے والا۔ ٹھنڈے اور تعصب سے معرّا دل کے ساتھ غور کرے تو مجھے یقین ہے
کہ وہ یہ مان لیگا کہ حکیم موصوف کا زیر بحث ریمارک وسعت نظر پر مبنی نہ تھا۔ یسوع
اپنے اقرار کے مطابق انسانی زندگی کے اعلیٰ طبقات کے لیئے نمونہ بنکر ہرگز نہیں آیا۔
لیکن کیا وہ معمولی طبقات زندگی کے رویہ میں ہماری مدد کر سکتا ہے؟ - اگر ہم
اپنی زندگی کے اشغال کی تقسیم کریں تو کیا معاملات خانہ داری زندگی کا بھاری اور
ضروری حصہ نہیں۔ کیا ان ایام میں ہمارے بہت سے گھر بدمزگی۔ مصیبت۔ پریشانی
اور اختلاف کا منظر نہیں۔ اور کیا یہ قابل افسوس حالت اُن شیریں تعلقات ھ کے باعث
عقد زوجیت ایک بہشتی گرہ ہو جاتی ہے۔ کیا لفظ 'گھر'۔ پیاری سے پیاری۔ اور
خوش کن سے خوش کن۔ یادآوریوں کا خزانہ نہیں جو بدقسمتی سے ہمارے ایام میں
مفقود ہوتی جاتی ہیں۔ کیا عورت۔ مرد کی معین و مددگار نہیں بنائی گئی۔ کیا مرد اور
عورت۔ زن و شوہر بننے کے لیئے پیدا نہیں ہوئے۔ اور کیا انکے باہمی تعلقات کے
اچھے یا بُرے ہونے پر ایک گھر بہشت یا دوزخ نہیں بنجاتا۔ اب اگر یہ امور کچھ حقیقت
رکھتے ہیں۔ اور یہی بہت حد تک ہماری خوشحالی یا تکلیف کے ذمہ دار ہیں۔ تو کیا ہم کو
ایسے رہنما کی ضرورت نہیں جو ہمیں روزانہ معاملات خانہ داری میں رہنمائی کرے۔ واقعی
یہ ایک بھاری بدقسمتی ہے کہ یسوع کے عنصر الوہیت نے اُسے اس قابل نہ چھوڑا کہ

ھ کے پیدا نہ ہونے کے باعث نہیں جو عورت و مرد میں ہونا چاہیئے اور جن شیریں تعلقات

وہ اس دنیا میں کسی عورت کے ساتھ بطور زن و شوہر ارضی تعلق قائم کرلیتا۔ اور ہم پھر مجبور ہو کر کسی اور سمت ہی نگاہ اُٹھاتے ہیں جہاں ہمیں ان معاملات کے لیئے کوئی "انسانیت کا کامل رہنما" ملے۔ بیشک یسوع کی ایک والدہ تو تھی لیکن پھر ماں بیٹے کے تعلقات میں وہی عنصر اُلوہیت مصیبت ڈالتا ہے۔ اور ایک عیسائی گھر میں ایک بیٹے کو گھر میں کے اخلاق سیکھنے کے لیئے یسوع سے کچھ میسر نہیں آتا۔ مقدس کنواری تو اپنے ربانی بیٹے کو دیکھکر کہ وہ جب اُسے مخاطب کرتا ہے تو 'عورت' کہکر ہی خطاب کرتا ہے شاید اسلیئے اطمینان قلب حاصل کرلیتی ہوگی۔ کہ وہ اپنے میں اور بیٹے میں فرق پاتی ہوگی۔ لیکن ایک معمولی انگلستان کی عورت تو شاید اپنے بیٹے کے لیئے یہ پسند نہ کرے اور یہی چاہے کہ اُس کا بیٹا کسی اور طریق پر اُسے خطاب کیا کرے۔

الغرض جسقدر اس سوال پر غور کیا جاوے۔ اُسی قدر رینان کا مقولہ زیر بحث مجھے صحیح نظر نہیں آتا۔ جس اخلاق کی تعلیم مسیح نے پہاڑی خطبہ میں کی اُس پر چلنا تو اُس کے پہلے شاگردوں نے بھی نہ چاہا۔ اور اب بھی جہاں تک الفاظ کے اندر اندر اخلاق کی تعلیم ہوسکتی ہے وہ تعلیم لفظاً تو ایک بہترین نمونہ ہیں۔ لیکن دنیا دو ہزار برس اور بوڑھی ہوگئی مگر آجتک اس تعلیم کو عمل میں لانے کا راستہ دنیا کو نظر نہ آیا۔ اس وقت بھی کلیسیا کے سرگرم سے سرگرم ممبر اور دنیا کو عیسائی بنانے کی مہم کے زبردست اراکین اپنے آپ کو ان اخلاق پر چلانے کے ناقابل پاتے ہیں اور صرف اُس وقت کو دیکھ رہے ہیں جب آمد ثانی پر خداوند کی سلطنت قائم ہوجاوے گی۔ جب محبت امن۔ اور آشتی پھیل جاوے گی۔ اور انسان اس تمام مضبوط اور تیز مگر مردانہ اوصاف سے اختہ ہو کر خود ہی اس قابل ہوجاویگا کہ اس تعلیم پر عمل کرے۔ مگر جب تک وہ وقت نہ آلے یہ تعلیم ایک مُردہ قانون ہے اگر اسے عالمگیر قانون بنایا جاوے اور خصوصاً عیسائی ممالک میں۔ شاید ہمالہ کی برفانی چٹانوں میں۔ کوئی قدیمی رشی اس تعلیم کا قدردان ملجاوے تو مل جاوے۔ لیکن مغرب میں تو ممکن نہیں کہ ایسا کوئی میسر آوے۔

اور دقت یہ ہے کہ یسوع کی اصلی مشن کو لوگوں نے سمجھا ہی نہیں اور نہ کوئی

اُس مدعا پر غور کرتا ہے جس کے لیئے اُسے اخلاق کے یہ سخت اصول سکھانے پڑے۔ میرے نزدیک اگر یسوع کو اُس کی اصلی حیثیت میں دیکھا جاوے۔ اور یہ وہ حیثیت ہے کہ جس کا وہ خود معترف اور مدعی ہے اور اُس کی ذات کو کلیسیائی عقاید کے جھلملاتے ہوئے پولوسی لباسوں سے معرّا کر دیا جاوے تو یسوع صاحب خود اپنی اِس بے معنی متناقض حیثیت سے نجات پا جاتے ہیں۔ اور اُنکی تعلیم کی ناممکن التعمیل حقیقت خود بخود عیاں ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اپنی اصلی حالت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

مسیح ایک نبی تھے جو اسرائیلی گھرانے کی اصلاح کے لیئے آئے تھے۔ اُس گھر کی بکھری ہوئی بھیڑوں کو ایک جا جمع کرنا اُنکا اصلی منصب تھا۔ اسرائیلیوں کی تہذیب نفس۔ اور اُن فریسی علماء کے علم کی پردہ دری کرنا اُنکا مقصد تھا۔ جو موسوی شریعت کے سمجھنے اور بیان کرنیوالے ہمہ دان اپنے آپ کو ظاہر کرتے تھے۔ موسوی شریعت ایک قسم کی شریعت انتقام تھی جس کو انہوں نے بُری طرح استعمال کر رکھا تھا۔ اور جناب مسیح اُس شریعت کا مغز بتلانے کے لیئے تشریف لائے تھے۔ آپ نے یہودیوں کو شریعت انتقام کا محل و موقعہ بتلایا اور اِس طرح شریعت کو توڑا نہیں۔ بلکہ پورا کیا۔

پیغمبر مسیح کی حقیقی چہرہ نمائی کے لیئے مجھے شاید زیادہ وضاحت کی ضرورت ہے اور اور اِس وضاحت کے لیئے مجھے اُن حالات کا بھی ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے جو شریعت موسوی کو وجود میں لانے کا باعث ہوئے۔ غلامی کے بچے (بنی اسرائیل) نہ صرف جسمانی بلکہ اخلاقی نجات کی بھی ضرورت رکھتے تھے۔ پُشتہا پُشت کی غلامی نے اُنکے تمام اخلاق ہلاک کر چھوڑے تھے۔ وہ بالکل کینہ صفت۔ مایوسی کا پُتلا اور بزدلی کی تصویر تھے۔ بحیرۂ قلزم (یا رود نیل) کے عبور کرنے نے انہیں مصری فرعونوں کی غلامی سے تو آزاد کر دیا۔ لیکن اُن کا یہ فعل اُنہیں غلامانہ عادات کی غلامی سے آزاد نہیں کر سکتا تھا۔ اُن کی اِس نجات کے لیئے قانون انتقام کی ضرورت تھی۔ "آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت" ہی ایک طریق زندگی تھا۔ جو مردہ اور مرجھائے ہوئے جوش کے روح کی نجات کا موجب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ یہ قانون اُنہیں تعلیم کیا گیا۔ اور

مفید ثابت ہُوا۔ اس قانون کی طفیل ۔ غلامی کے فرزند ۔ ہی چند نسلوں میں ۔ فاتح اور حکمران بن گئے۔ پھر ایک وقت آیا اور اِس قانون کی بد استعمالی شروع ہوگئی ۔ وہ لوگ حقیقت شریعت سے الگ ہو کر الفاظ پرست بن گئے ۔ انہوں نے مغز چھوڑ کر پوست پر زور دیا۔ وہ قانون انتقام کی لفظی پابندی پر اسقدر مُصر ہوئے کہ ایک مُدّت کے بعد وہ خود انتقام کا مجسمہ بن گئے ۔ ایک وقت اُن میں غلامانہ حلم تھا ۔ اور اب وہ مجسم غضب ہو گئے جب اُنکی نفرت مشتعل ہوتی ۔ تو پھر اُس کا کوئی اندازہ اور پیمانہ نہ رہتا تھا ۔ اس طرح وہ اخلاقاً گر گئے اور اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے دنیوی زوال بھی دیکھ لیا ۔ اُنپر غیر اقوام حاکم ہوگئیں وہ پھر روئے اور دست بدعا ہوئے اور غیروں کی حکومت سے نجات کے خواستگار ہوئے۔ اُن کو پھر ایک نجات دہندہ کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ یہوواہ کی جناب میں وہ اپنے انبیائ کے ذریعہ ملتجی ہوئے اور ایک منجی کا انہیں وعدہ ملا مسیح موعود آگیا ۔ اور اُن کی نجات کی کلید بھی لایا ۔ لیکن انہوں نے اُس کے مشن کی حقیقت نہ سمجھی ۔ اُنکی گذشتہ تاریخ اُن کے لیئے ایک عمدہ سبق تھی ۔ لیکن وہ خود غرضی اور نفس پرستی میں کچھ ایسے منہمک تھے کہ وہ گذشتہ حالات سے سبق آموز نہ ہوئے ۔ انکو سمجھنا چاہیئے تھا کہ اگر اُنکی نجات اولی شریعت کی اطاعت پر ہی منحصر تھی تو اُن کی نجات ثانی بھی شریعت کی پابندی پر ہی مبنی تھی اگر انکو غلامانہ عادت سے نکالنے کے لیئے شریعت انتقام کی ضرورت تھی ۔ اور یہ حالت اُنکے فاتح اور حکمران ہونیکے لیئے بطور مقدمہ تھی ۔ تو اب وہ چونکہ غضب و نفرت کی غلامی میں تھے تو اِس حالت سے نجات دینے کے لیئے اُنہیں شریعت رحم کی ازبس حاجت تھی اور یہ امر بھی ضروری تھا پیش ازیں کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی حیثیت کو پھر حاصل کر لیں ۔ اسرائیلی گھرانے کے منجی نے نہ صرف اُنکی نبض شناسی ہی کی بلکہ اُنکی مرض کے لیئے اس نے صحیح دوائی بھی تجویز کی جب اُس نے کہا ۔ تم نے تو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت ۔ لیکن مَیں تم کو کہتا ہوں کہ بدی کا مقابلہ نہ کرو ۔ اور جو تمھاری داہنی گال پر طمانچہ مارے ۔ اُس کے آگے بائیں گال بھی پھیر دو ۔ اور اگر کوئی آدمی تمہیں عدالت میں کھینچے ۔ اور تمھارا کوٹ لیجاوے تو

تم اپنا چغہ بھی اُس کو دیدو- اور جو تمہیں ایک میل لیجانا چاہے اُسکے ہمراہ دو میل چلے جاؤ- یہ تعلیم دنیا نے بے شک ناممکن التعمیل سمجھی- دنیا کا تمدن اور اُس کی عامہ بہبودی خواہ اس تعلیم کے مناسب حال نہ ہو- لیکن یہی نئی انجیل تھی اور اسی میں اُنکی نجات تھی جو نفرت اور غضب کے غلام تھے- یہی شریعت رحم جو کوہ زیتون سے آئی- نئی بشارت اور نیا عہد تھا اور نہ کہ وہ مفروضہ عقائد جو پولوس نے بعد میں تلقین کیئے اس شریعت پر کامل ایمان اور اس پر عمل پراگندہ گھرانے کی نجات کا موجب ہو جاتا- نہ کہ اسکے معلم کا خون جو اس تعلیم کے لیئے شہادت تک پہنچا- لیکن- "اپنے دشمنوں سے نفرت کرو" جنکا شعار ہو- اُنکو جو یہ تعلیم دے- کہ "اپنے دشمنوں سے پیار کرو- اُنکے لیئے برکت ڈھونڈھو- انپر لعنت نہ کرو- اُنسے نیکی کرو جو تم سے نفرت کرتے ہیں"- اُسے وہ کب قبول کرتے کہ وہ تخت داؤد کا وارث ہو کر اُنکی کھوئی ہوئی عظمت کو واپس لادے گا-

افسوس تو یہ ہے کہ یسوع- دوست دشمن دونوں کی طرف سے بدقسمت رہا- کسی نے بھی اُس عہد کو نہ سمجھا جس کی تجدید اُس نے کی- دونوں ہی سلطنت کے خواہاں رہے- آخرالذکر جب مایوس ہو گئے تو اُس کے جانی دشمن بنگئے اور انہوں نے اُسکا پیچھا اُسی وقت چھوڑا- جب اُسے صلیب پر دیکھا- اول الذکر کسی قدر زیادہ امیدیں رکھتے تھے- وہ آخری دم تک اُس وقت کو دیکھتے رہے جب اُنکے بیٹے خداوند کے ساتھ تخت سلطنت پر بیٹھینگے لیکن نہ دوست نہ دشمن کسی نے اُس کی تعلیم کو نہ سمجھا- یسوع خود شریعت اور عمل شریعت پر مضبوط ایمان رکھتا تھا- وہ یہ یقین رکھتا تھا کہ دنیا اور دنیا کی سلطنت اُنکے پیچھے جایا کرتی ہے جو اعلیٰ اخلاق رکھتے اور جذبات پر قابو پانا جانتے ہیں- وہ یہ بھی جانتا تھا کہ کوئی قوم جو دوسری قوم پر غالب آخر کار آجاتی ہے تو حربی تعلیم اور حربی آلات کے رکھنے سے نہیں بلکہ خاص قسم کے اخلاق پیدا کرنے اور اُنکی تربیت سے یہ امر حاصل ہو جایا کرتا ہے- اور وہ خوب سمجھتا تھا- کہ مطلوبہ اخلاق و کردار خاص شرائع پر ایمان رکھنے اور اسپر عمل کرنے سے پیدا ہوا کرتے ہیں- بالمقابل جن اسرائیلیوں کے ابھارنے کے لیئے وہ آیا تھا اُنکی کمزوریوں اور نقصوں سے وہ آگاہ تھا- اور جو شریعت الہٰی اغراض کے لیئے اوس پر نازل ہوئی وہ وہ تھی جسکا انکشاف

اُسکے خطبہ کوہ زیتون میں ہوا۔ یہی وہ نئی انجیل تھی۔ اور یہی وہ نیا عہد نامہ تھا جس میں کھوئے ہوئے گھرانے کی نجات تھی۔ اور جس کے قائم کرنے کے لیئے وہ صلیب تک پہنچا۔ نہ کہ اُسکے شہید ہونے پر۔ جیسے کہ بعد میں یقین کیا گیا۔ اس تجدید ادہ شریعت پر اُس قوم کی نجات تھی۔ لیکن قوم نے قبول نہ کیا۔ اور ایسی گری کہ ہمیشہ کے لیئے پھر اُبھر نہ سکی۔

بدقسمتی سے یسوع کی اصلی حیثیت اور اس کی تعلیم کی حقیقت جو ایک ایسے دل کے لیئے جو ابتدائی تعصبات سے معرا ہے۔ تو بالکل صاف ہے۔ لیکن اس کے پیروؤں کے لیئے ہمیشہ ایک راز سربستہ رہی ہے۔ یسوع کو اگر آپ بطور ایک نبی یا معلم یا خدا کا مقدس رسول تسلیم کرلیں۔ جو پراگندہ بھیڑوں کو جمع کرنے آیا۔ اور اُس گھرانے کو اُس کی کھوئی ہوئی عظمت واپس دلانے کے لیئے آیا جو مغضوب الٰہی تھا۔ اور اس غرض کے لیئے اُس نے اُنہیں وہ اخلاق تعلیم کیئے جو مکان و زمان کی موجودہ ضروریات کے مناسب حال تھے۔ تو یہ سارے کا سارا راز سربستہ کُھل جاتا ہے۔ اور ہر ایک کے دلمیں اُس کی وہ عزت و عظمت پیدا ہوجاتی ہے جو دنیا کے ایک عظیم الشان معلم اور صداقت کے شہید کی ہونی چاہیئے۔ لیکن اُسے اگر خدا سمجھکر دیکھا جاوے تو پھر لاینحل مشکلات کا سامنا ہے۔ اُسکی تعلیم کو آپ اُن واقعات کی روشنی میں پڑھیں جو مینے اوپر بیان کیئے ہیں تو وہ جو محال اور ناممکن التعمیل امر نظر آتا ہے۔ وہ ممکن اور ضرورت حقہ اور زمانی مکانی اور مخاطب قوم کی ضروریات کے مناسب حال امر ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا کہ چونکہ یہ تعلیم عامۃ الناس کے لیئے ناممکن التعمیل ہے اور آجکل کے دل و دماغ اِسے قابل توجہ نہیں سمجھتے اس لیئے ضرور ہے کہ اُلوہیت کے عنصر یہ اپنے اندر رکھتی ہوگی۔ ایسا خیال کرلینا تو صرف تدوین و وضع قوانین کے اصول انکی ترقی اور اُنکی ارتقائی حقیقت سے عدم واقفیت کا اظہار ہے۔

یسوع کے اخلاق کے دو پہلوؤں یعنی ربانی اور انسانی پہلوؤں میں سے انسانی پہلو پر ضروری حدود کے مقتضی۔ مینے بحث کردی ہے۔ لیکن دوسرے عنوان پر ابھی مجھے بہت کچھ کہنا باقی ہے۔ مسیح کی آمد سے پہلے بھی خدا اور خدا کی صفات کے مفہوم سے دنیا خالی نہ تھی

اور یہ مفہوم دو طریق پر دنیا کو حاصل ہو چکا تھا۔ بذریعہ الہام الٰہی۔ اور بذریعہ صحیفہ قدرت۔ اور ان ہر دو شہادتوں سے دنیا نے قادر مطلق خدا کو کل طاقتوں اور قدرتوں کا مالک خدا سمجھا ہوا تھا۔ دنیا کا ایمان تھا کہ خدا مغلوب و مفتوح نہیں بلکہ فاتح اور غالب ہوا کرتا ہے وہ اپنے دشمنوں سے ہلاک نہیں ہوتا بلکہ اُنکا ہلاک کرنیوالا ہوتا ہے۔ لیکن مشکل تو یہ پڑی ہے کہ ہمیں جو کچھ مریم کے بیٹے' میں نظر آتا ہے اُس سے ہمارے مدتوں سے دلوں میں جاگزین علوم تبت والے اُس خیال کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ جو ہم نے خدا کی حیثیت کا قائم کر رکھا ہے خدا خود انسان کی شکل میں آوے۔ اور یہودی اُسے گرفتار کریں اور باندھیں۔ کُل کائنات کا مالک خدا۔ اور یہودیوں سے چھپتا پھرے اور جب کبھی اپنی جان کے برخلاف یہودی منصوبہ سے واقف ہو۔ خائف اور ہراساں ہو جاوے۔ حالانکہ یہ وہ جان ہے جسکو وہ بخوشی خود قربان کرنے کے لیئے آیا تھا۔ اُسکو دھپڑ پڑیں اور گالیاں دیجاویں۔ غلیظ مذاق۔ اور دل خراش ٹھٹھوں کا زیر مشق بنایا جاوے اور گو اُسے انکار ہی ہو لیکن منشاء کے خلاف موت کا پیالہ پینے پر مجبور کیا جاوے کیا وہ یہودی منصوبہ سے واقف ہو کر جان چھپاتا نہ تھا۔ ہاں بیشک یسوع میں انسانی جوہر تھا شاید یہ خوف اسلیئے ہوگا۔ لیکن جب وہ پھر جی اُٹھا تھا۔ اور جس موت کا خطرہ تھا اُسپر وہ غالب آچکا تھا اور آسمانی زندگی پا چکا تھا۔ تو پھر کیا وجہ رہی تھی کہ وہ جان چھپاتا پھرا اور ڈرتا رہا۔ یہ چند ایک باتیں ہیں جو ایک مشرقی دل و دماغ کو خدا کے متعلق نہیں سمجھ آسکتیں پر تاہم ان امور کی ایک توجیہ تو ہوسکتی ہے خدا کے اخلاق میں سے ایک خلق صبر بھی ہے۔ اس کا اظہار ہونا ضروری تھا۔ اور خداوند میں اس خُلق صبر کے کامل طور پر ظہور پایا۔ میں اس بات کو تو مانتا ہوں کہ خدا ضرور صبور ہے۔ ہمیں دنیا میں الٰہی حلم ضرور نظر آتا ہے جب بعض وقت شرارت غلبہ پاتی نظر آتی ہے۔ گناہ مستولی ہو جاتا ہے۔ اور بدی حکومت کرنے لگ جاتی ہے۔ لیکن ہمیں ساتھ ہی خدا کا ہاتھ بھی نظر آجاتا ہے جب آخر کار بدی اور شرارت کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ یہ تو اس آخری غلبہ الٰہیہ کی بنا پر ہے کہ جس سے پہلے گناہ اور بدی کے مقابل ماسبق خاموشی ایک مدبرانہ صبر نظر آتی ہے اور ربانی روشنی کے ساتھ چمک اُٹھتی ہے۔ ورنہ اگر آخر پر غلبہ الٰہی نہ ہو تو پھر تو ہر ایک بیچارہ و بے کس مخلوق کو

مصائب سہنے کے وقت خدا کا ہی مظہر ماننا پڑیگا - یہی وہ بات ہے جو ہمیں ہر قوم کے مقدس لٹریچر میں نظر آتی ہے - یہی وہ بات ہے جو بعض وقت ہمیں بُت پرستوں اور یہاں کے قدیمی مذہب ڈروڈازم میں بھی نظر آتی ہے - اور تو اور یہ بے زبان کائنات بھی اِسی صداقت پر مُہر شہادت لگاتی ہے - بعض وقت مضر صحت مواد کثرت کے ساتھ اس لیئے جمع ہو جاتا ہے کہ آخر کار سب پر غالب آنیوالی قوت نامیہ اُس مواد کو قطعاً ہلاک کردے - یہ تو مانا کہ یسوع میں خدا نے اپنے صبر اور تحمل کو دکھلایا - لیکن اُس کی اوصاف میں جو نہ ہلاک ہونا موجود ہے اُسکی قدرت میں جو دوسروں کو ہلاک کرنا موجود ہے کیا یہ صفات بھی یسوع میں موجود ہیں - یسوع کے ماسوا بھی دنیا میں بہت سے صداقت کے جاں نثار پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے سچائی کے لیئے مسیح کی طرح مصائب دیکھے اور مصائب کے وقت مسیح کی طرح صبر دکھلایا - کیا یہ سب کے سب خدا کا مظہر تھے بہرحال کوئی مابہ الامتیاز انسان بشکل انسان اور خدا بشکل انسان میں ہونا چاہیئے - خدا کا جلال تو خدا کے دشمنوں کی ہلاکت میں زیادہ ظاہر ہو سکتا ہے نہ کہ خود ہلاکت کے دیکھنے سے اور وہ ہلاکت بھی بد قماش دشمنوں نے جلدی پیدا کر دی - اگر یسوع کے دشمن یسوع کے ہاتھ سے ہلاکت تک پہنچ جاتے تو خدا کا جلال بھی نجات پا جاتا - اور اگر مان لیا جاوے کہ اُسکے دشمن بعد میں ہلاک ہوئے تو اِس سے تو کچھ نہیں ثابت ہوتا - یسوع کے علاوہ کونسا شہید صداقت ہوا جس کے دشمن ہلاک نہیں ہوئے - کسی صادق کے دشمن کبھی بھی مدتوں تک نہ رہے - اور آخر کار اُنکی ذلت ہوئی اور صداقت ہر حالت میں غلبہ پاگئی - مغربی فاضل اٰلہیات کے مقابل غالباً ہندو حکما کا مفہوم الوہیت شاید بہت بلند وارفع تھا - اگر خداوند نے چرنی (کھرلی) میں ایک دفعہ پیدائش لی تو نصف درجن سے زیادہ دفعہ خداوند برہمنوں کی سرزمین میں پیدا ہوا - لیکن وہاں اُس کی پیدائش اُن علو مرتبت والے حالات کے ماتحت تھی جو خدا ذو الجلال کی شان کے شایاں تھی - یہ تو درست ہے کہ دونوں جگہ غلبہ محبت کے باعث خدا نے پیدائش لی - لیکن وہ ہندوستان میں تو شریروں اور ناراستبازوں کو ہلاک کرنے اور

انکو ہلاک کرکے اپنی سلطنت کو قائم کرنے آیا۔ اور گلیل کے کوچوں میں وہ انکے مقابل ایک عاجز شکار بنکر آیا۔ فطرۃً اُس کی پہلی حالت زیادہ تر قابل ترجیح ۔ اور اُس کی عزت و جلال کے مناسب شان ہے لیکن اس سے بھی چشم پوشی نہیں ہوسکتی کہ خدا میں نرم اخلاق بھی موجود ہیں میرے نزدیک تو اُسکے دونوں ظہور کیا ہندوستان میں اور کیا بیت اللحم میں۔ ہر دو جگہ ناقص اور ناکمل ہیں۔ اُس کا کامل ظہور تو اُس وقت ہوگا جب اُسکے سارے اخلاق جمع ہوجاویں۔ مثلاً اُس کا ظہور ایسے وقت ہو جب معصیت اور گناہ بدرجہ اتم پہنچا ہو۔ وہ ایسے وقت مسیح کی طرح نہایت ہی عاجز اور مسکین حالت میں ظاہر ہو۔ وہ صداقت کی حمایت میں کرشن کی طرح جنگ کرے اور رامچندر کی طرح آخر کار مظفر و منصور ہو۔ اور اگر خدا نے انسان میں ظہور کرنا ہی ہو تو یہ وہ حالات ہیں جو اُس کے شامل حال ہونے چاہییں۔ اور اگر یہ امر احاطہ امکان میں آسکتا ہے کہ خدا انسان میں ظاہر ہو تو پھر یہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہے اور نہ کوئی اور معزز رکن انبیاءؑ کی شریف اور مبارک جماعت کا جو ان تمام ضروریات کو اپنے ساتھ پورا کردیتا ہے ٭ (باقی آیندہ انشاءاللہ تعالےٰ)

آریہ سماج کی موجودہ حالت کا فوٹو
ایک دل جلے آریہ کی قلم سے

(منقول از بھارت ۔ مطبوعہ ۲۴ ۔ جنوری سنہ ۱۹۱۳ء)

ع ۔ کلیجے تھام لو ۔ اب دل جلے فریاد کرتے ہیں ٭

جو نظارہ آجکل آریہ سرکل میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ اس خیال کو یاد دلاتا ہے۔ کہ یا تو ہم آریہ لوگوں پر ویدک سنکاروں کا اثر نہیں ہوسکتا یا وید پوتر کا ہی اثر زایل ہوچکا ہے٭۔ کہ وید وید کہتے ہوئے بھی دھوکے کی ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلا جارہا ہے ...... اب آریہ سماج کا کیا حال ہے۔ پارٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ دو چار ادھر دو چار اُدھر جمع ہوکر لوگ آریہ سماج کی موت پیدا کر رہے ہیں۔ استیہ کی بندوقیں کسی ہوئی ہیں۔ ایک دوسرے پر وار شروع کردیئے گئے ہیں .... واہ رے دھرم اور واہ رے ہمارے چوٹی کے پرچارکو ان باتوں سے خوب ویدوں کا پرچار ہوگا۔ آریہ سماج مکہ میں قائم ہوگا اوم کا جھنڈا مدینہ میں لہرائیگا

٭ دوسری بات ہماری رائے میں درست معلوم ہوتی ہے۔ ایڈیٹر

اور تم دہلی کی شاہی مسجد میں اور روما کے عیسائی چرچ میں اپنا ہون کنڈ بناؤ گے اور سب کے سب ملکر
وہاں ہون کرو گے ... مَیں کہونگا اور زور سے کہونگا کہ اسوقت آریہ سماج کے برخلاف لوگوں کے
دلوں میں ایک سخت نفرت کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔ لوگ آریہ سماج کو برملا بچوں کا کھیل کہتے ہیں۔
اور ہنسی اڑاتے ہیں۔ اور مَیں سچ کہتا ہوں کہ لیڈروں کی یہ سرد مہری جسکا اظہار اسوقت ہو رہا ہے۔
ہمارے دلوں سے انکی عزت کو کم کر رہی ہے آریہ سماج کو بڑی سے بڑی مخالفت نے بھی جو نقصان
نہیں پہنچایا تھا وہ اب آریہ سماج کے بڑے بڑے لیڈروں کی سرد مہری پہنچا رہی ہے۔ کہا تو یہ جاتا تھا
کہ وید بھگوان کی تعلیم متر بنانیوالی ہے قرآن شریف† وغیرہ ان پستکوں کی تعلیم جہادی ہے۔ غضب ہے کہ
وید بھگوان کو ماننے والے لوگ اور سچے دل سے ماننے والے جہادی سپرٹ کا اپنے کرتویہ سے اظہار کریں۔
مَیں بڑے غور کے ساتھ آجکل آریہ سماج اور اسکے جھگڑے کو مطالعہ کر رہا ہوں افسوس کہ آریوں کی عالی
حوصلگی اُن کا سادھرم ویدک سچائی ان سب سے عنقا ہوگئی ہے یہ سب کرپا ہمارے مانے ہوئے چوٹی
کے بزرگوں کی ہے۔ یہ جنگ اُنکے درمیان ہے۔ جنھوں نے ہمارے سامنے ویدک معیار رکھنا ہے۔
اپنے چلن سے ویدک سچائی کو گرہن کروانا ہے۔ اسحالت میں اگر کوئی غیر آریہ سماج میں آوے تو کیونکر
اور کیا دیکھ کر آوے کیا ہماری یہ خانہ جنگی اسکی کشش کا باعث ہوسکتی ہے؟ ہمارے سامنے جو آدرش
رکھا جا رہا ہے وہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے؟ نہیں نہیں اور ہرگز نہیں۔ اسلیئے مَیں آریہ
پرشوں سے کہونگا کہ کرپا کر کے عام دعوت کو اسوقت تک بند رکھو۔ جبتک آپ خود آپس میں نہیں
نپٹ لیتے .... وید منتر پڑھ پڑھ کر ہمیں دھوکے میں نہ ڈالو پہلے اپنے آتما کو تو دیکھو۔ اے آریہ خیالات کا دم
بھرنیوالو۔ اور ہماری رہبری کے خواہش مندو۔ دیکھو کسقدر میل تمھارے اپنے ہردہ میں موجود ہے۔
کپٹ اور چھل نے تمھاری آنکھیں بند کردی ہیں اور آپ سچ کہنے سے خوف کھاتے ہیں۔ اے بزرگو
اور آریہ نوجوانو کب تک یہ نظارہ دیکھتے رہو گے۔ اس جنگ کا تو خاتمہ مشکل ہے .... کیا آپ اپنے
ذاتی تعلقات کی بنا پر آریہ سماج کا خون ہوتا دیکھو گے اور کچھ نہ کہو گے؟ آریہ ویرو اگر سچ مچ
آپکا خون اسقدر سرد ہوگیا ہے تو آریہ سماج پر کرپا کرو اسے اسکے حال پر چھوڑ دو اور اپنی شرارتوں
سے اسے موت کے کنارہ تک نہ پہنچاؤ .... آریہ پرشو! ذرا سوچو تو سہی کیا ہمارا موجودہ کام
قابل تسلی ہے .... نہیں اور ہرگز نہیں۔ اگر ہم نے ¼ شانتی پھیلائی ہے تو ¾ اشانتی کے

† ہم یہ دیکھکر نہایت خوش ہوئے کہ بھارت کے آریہ نامہ نگار نے ہماری کتاب کا نام ادب سے لیا ہے۔ ایڈیٹر

بھی ہم ذمہ وار ہیں۔ جمع اور تفریق کے طالب علم یہ جان سکتے ہیں۔ کہ ہمارا پرچار صرف اشانتی ہی اشانتی باقی رہ جاتا ہے۔ اگر ہم آج سے دس پندرہ سال پیچھے جاویں۔ تو وہاں بھی ہم کو یہی نظارہ چھلانگیں مارتا ہوا دکھائی دیگا۔ کہ فلاں پردھان فلاں دھرماتما اور فلاں لیڈر جو ویدک دھرم کے خیالات کا دم بھرتے ہیں۔ آپسمیں اُلجھے پڑے ہیں۔ شوک ہمیں دھوکا دیا جاتا رہا ہے کہ ویدک دھرم کو پھیلنے کے لیئے راستہ صاف ہو رہا ہے۔ مگر ذاتی رنجشوں کے سوا ہوا اور کچھ بھی نہیں.... ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہمارا دھن وید پرچار میں صرف ہوگا لیکن یہ خرچ کیا جا رہا ہے، فضول لڑائی جھگڑوں میں افسوس۔ اعلیٰ کیریکٹر کا دم بھرنیوالے صرف اعلیٰ خیالات ہی خیالات کو دکھلا سکتے ہیں۔ مگر کرتویہ کا انکے پاس نام و نشان بھی نہیں۔ آریہ سماج کا خون ہو رہا ہے۔ اور کسی کے دل ہیں خیال بھی پیدا نہیں ہوتا اگر آریہ بزرگ اس موجودہ جنگ کو بُرا سمجھتے تو کئی دن پہلے سے اس کا خاتمہ ہوگیا ہوتا۔ اور ایسا ہوتا کہ پھر کبھی کوئی پبلک روپیہ کو اس بیدردی کے ساتھ ضائع نہ کرسکتا۔ کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ ہم ایک ایسی بات کے لیئے لڑتے ہیں۔ جسکے لیئے خاموش رہنا ہمارا کرتویہ ہے.... پراچین آریہ لوگوں میں دھرم کے لیئے پالیسی نہ تھی۔ مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ چالوں سے ایک دوسرے کو زک پہنچانیکی کوشش کیجا رہی ہے.... اے آریہ سماج کے پرچار کا بیڑا اُٹھانیوالو میں آپسے نویدن کرتا ہوں کہ آریہ لوگوں کے ہاتھ میں گندا لٹریچر نہ دو۔ اُنکے خیالات کو پراگندہ نہ کرو... اے بزرگو اور پرجوش آریہ نوجوانو.... ثابت کردو دنیا کے لوگوں پر کہ تم ان لوگوں کے پیچھے چلنے والے نہیں ہو کہ جو دھرم کا نام لے کر ادھرم کرتے ہیں۔ اور دھرم کا ناش کرتے ہیں۔ آریہ نوجوانو... تمھاری آنکھوں کے سامنے آریہ دھرم! ویدک دھرم کا خون کیا جا رہا ہے.... اگر آپ اپنے کندھوں میں اسقدر طاقت نہیں سمجھتے کہ جو آریہ سماج کے پوتر اور مہان کام کو سہار سکیں تو اسے آہستہ سے زمین پر رکھدو۔ اپنی شیخی میں آکر اسے اس طرح نہ اُٹھاؤ کہ ایک دفعہ زمین پر مار کر چکنا چور کردو ؛

نوٹ: اس بیان میں ایک صاف گو آریہ مندرجہ ذیل امور کی صدق دل سے شہادت دیتا ہے:
(۱) آریہ سماجیوں نے اسوقت تک بجائے فائدہ کے نقصان زیادہ پہنچایا ہے (۲)

آریہ سماج کے لیڈروں کا چلن اُنکے قول کے مطابق نہیں۔ آریہ سماج میں سخت تفرقہ اور پھوٹ ہے پارٹیاں بنی ہوئی ہیں دو چار اُدھر دو چار اِدھر سیلنو نہیں کپٹ اور چالبازی ہے۔ دلوں میں میل ہے دھرم کے نام پر ادھرم کرتے ہیں۔ صرف خیالات ہی خیالات لوگوں کو دکھلا سکتے ہیں عمل کا نام و نشان نہیں۔ (۳) آریہ سماج کی خانہ جنگی آج سے نہیں بلکہ عرصہ دراز سے چلی آتی ہے۔ (۴) آریہ سماجیوں میں جہادی سپرٹ موجزن ہے۔ (۵) آریہ سماج کے بعض ممبر اپنی شرارتوں سے آریہ سماج کو موت کے کنارہ تک پہنچا رہے ہیں۔ (۶) لوگ آریہ سماج کو اب نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ گئے ہیں اور اسکو بازیچہ اطفال سمجھنے لگ گئے ہیں۔ (۷) لیڈروں کی عزت دلوں میں سے نکلتی جاتی ہے۔ (۸) آریہ سماج کو پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہیئے اُسکے بعد دوسروں کو شدھ کرنیکی کوشش کرنی چاہیئے۔ (۹) گند الٹریچر پھیلایا جاتا ہے (۱۰) افسوس ہے کہ وید منتر پڑھ پڑھ کر ہمیں دھوکہ دیا جاتا رہا ؛

ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے۔ اول۔ دیانند اپنی قوم پر کوئی نیک اخلاقی اثر ڈال نہیں سکا۔ دوم۔ ان حالات کے ماتحت آریہ سماج کی موت قریب ہے۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے ؛

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۳ء

صیغہ تعلیم:۔ اس ماہ کے اخیر تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ہاکی۔ فٹ بال اور رسہ کشی کی ٹیم ڈسٹرکٹ ٹورنیمنٹ پر گورداسپور بھیجی گئی جو خدا کے فضل سے اس ضلع کی جملہ ٹیموں پر کامیابی حاصل کرکے اوّل نمبر پر رہی۔ الحمد للہ ؛ چوہدری فتح محمد صاحب ایم۔ اے مدرسہ میں کام کر رہے ہیں۔ عملہ میں پہلے سے ترقی ہے۔ تعداد طلباء ہائی سکول ۳۵۹۔ بورڈران ۶۲ طلباء گرلز سکول ۷۵ شاخ تاونڈی ۶۹ اور تعداد سرکاری وظیفہ خواران ۸ ہے۔ گرلز سکول میں بیس روپے ماہوار کی دوسری اُستانی رکھی گئی ہے ؛

اشاعت اسلام:۔ ریویو انگریزی میں ۱۲ کی ریویو اُردو میں ۲۶ کی کمی ہوئی۔ وجہ یہ ہے کہ تمام خریداران کے نام رسالہ وی پی کیا گیا تھا۔ جن میں سے بعض نے پرچہ واپس کر کے

بند کرا دیا ؀

صیغہ مقبرہ بہشتی :- اس ماہ میں مندرجہ ذیل موصی دفن مقبرہ ہوئے۔ مسمات کنیز فاطمہ ہمشیرہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب۔ میاں محمد الدین صاحب ساکن چک علی ضلع گجرات۔ نو نئی وصایا اس ماہ آئیں۔ اور مندرجہ ذیل بڑی رقوم بحساب وصیت پہنچی ہیں۔ مہر گجن صاحب ساکن ڈوگری ضلع سیالکوٹ صہ۔ میاں نجم الدین صاحب قادیان للعہ/۲۔ میاں نوردین صاحب کنجاہ ضلع گجرات ہہ عہ/۸۔ بابو عبدالرحمٰن صاحب شملہ لعہ۔ بابا عبداللہ ہرسیانوالہ عہ۔

شفا خانہ :- اس ماہ مریض ۱۴۰۶ آئے۔ انہیں نئے مریض ۵۶۰ تھے مائنر اپریشن پندرہ ہوئے۔

دفتر محاسب :- آمد ماہ جنوری ۱۹۱۳ء ۱۹۶۱۰-۴-۷ اور خرچ ۱۸۹۵۲-۰-۶ ہوا۔ آمد میں پندرہ ہزار کی رقم سرکاری گرانٹ کی ہے۔ جو گورنمنٹ سے عمارت مدرسہ کی امداد کے لیئے موصول ہوئی۔ والا چندوں وغیرہ کی آمد اس ماہ بہت کم ہوئی ہے۔ اور خرچ زیادہ ہے۔ علی الخصوص چندہ عمارت کی آمد بہت کم ہے اور بالمقابل صرف تعمیر مدرسہ کے کام کے لیئے گیارہ ہزار چار سو روپیہ خزانہ سے دیا گیا ہے۔ لنگر خانہ پھر مقروض ہو گیا ہے۔ اور یتامیٰ کی مد میں بھی بہت کم آمد ہوئی ہے۔ اسلیئے احباب کی توجہ اس طرف مبذول کیجاتی ہے کہ وصولی چندہ کی طرف خاص کوشش سے کام لیں چونکہ تعمیر مدرسہ کا کام بڑے زور سے جاری ہے چھتوں پر گرڈر پڑ چکے ہیں۔ اسلیئے چندہ تعمیر کیلیئے جو وعدے کیئے گئے ہیں انکا ایفا فرمادیں۔ اور روپیہ وصول کرکے بھجوائیں تا ساٹھ ہزار کے خرچ کا سرٹیفکیٹ پیش کرکے بقیہ پندرہ ہزار کی رقم ۳۱- مارچ سے پہلے پہلے گورنمنٹ سے لیجا سکے۔

ایام جلسہ میں شیخ نیاز احمد صاحب سوداگر وزیرآباد نے اپنی جیب خاص سے مبلغ پانسو روپیہ چندہ تعمیر میں عطا فرمایا۔ جزاہُ اللہ خیرًا۔

دفتر سکرٹری :- فرش مسجد نور و مسجد اقصیٰ اور مسجد اقصیٰ میں وضو کرنے کیلیئے حوض تیار ہونے والے ہیں اس صدقہ جاریہ میں حصہ لینے والے احباب سبقت لے جائیں۔

رپورٹ سالانہ و روئداد جلسہ سالانہ علیحدہ علیحدہ چھپنی تجویز ہوئی ہے رپورٹ حسب معمول مفت شائع ہوگی۔ روئداد تھوڑی سی قیمت پر احباب درخواستیں بھیجدیں خصوصًا انجمنوں کے سکرٹری صاحبان مقامی ضروریات کے فنڈ سے حسب ضرورت کاپیاں منگا کر مفت تقسیم کریں۔

نومسلموں وغیرہ کی تعلیم کے لیئے ایک مدرس رکھا گیا ہے۔ اور اپریل ۱۹۱۳ء سے دردزیخانہ کی صنعتی شاخ کھولی جاوے گی۔ جہاں یتامیٰ مساکین کو یا اور جو کوئی چاہے کام سکھایا جاویگا۔

چونکہ چندہ تعمیر کی وصولی کی رفتار بہت دھیمی تھی اور مارچ سے پہلے پہلے پندرہ ہزار روپیہ گورنمنٹ عالیہ سے لینے کے لیئے ضروری تھا کہ ساٹھ ہزار روپے کا خرچ دکھایا جاوے اس لیئے ذیل کا سرکلر بخدمت سکرٹری صاحبان بھیجا گیا ہے۔ بغرض اطلاع خاص و عام رسالہ ریویو میں بھی شائع کیا جاتا ہے کہ مہربانی فرماکر بہت جلد توجہ فرماویں۔

سالانہ جلسہ میں جو ہیئت عمارت مدرسہ کی آپ دیکھ چکے ہیں وہی آپ کو اسکی تکمیل کیطرف توجہ دلانے کے لیئے کافی ہے۔ عظیم الشان کام ہمیشہ قوموں کے غیر معمولی عزم و ہمت سے ہُوا کرتے ہیں۔ ہماری چھوٹی سی قوم کے لیئے ایک لاکھ روپے کی عمارت کا ایک سال کے اندر بنا دینا کسقدر قربانی کو چاہتا ہے۔ اسکا اندازہ اسبات سے ہو سکتا ہے۔ کہ ہماری جماعت میں عملی طور پر جو اپنے عہد کے مطابق دینی ضرورتوں کو دنیوی ضرورتوں پر مقدم کر کے ہر ضرورت کے وقت چندوں میں شامل ہوتے ہیں چند ہزار سے زیادہ نہیں ہیں انہی پر ہر قسم کا بوجھ پڑتا ہے۔ گو گنتی میں لاکھوں کہلاتے ہوں۔ اب اسوقت جسقدر حصہ عمارت کا شروع ہے جسکی تکمیل برسات سے پہلے نہ ہو جانے میں نہ صرف نقصان کا خطرہ ہے بلکہ ہماری قومی ہمت پر یہ ایک سخت دھبہ ہوگا۔ گورنمنٹ کے تیس ہزار کی امداد کے علاوہ قریباً ساٹھ ہزار کی رقم بکار ہے۔ جسمیں سے اخیر دسمبر تک صرف للعہ (۲۴۱۵۰-۱۳-۶) روپیہ وصول ہُوا تھا۔ اور جنوری کا مہینہ اس وجہ سے کہ سالانہ جلسہ پر اکثر احباب چندہ دے گئے تھے قریباً قریباً خالی گذرا ہے اب بقیہ پینتیس ہزار کی رقم برسات سے پہلے کام کرنیکے لیئے مئی تک وصول ہونی چاہیئے۔ جس تکلیف کے ساتھ گذشتہ ماہ میں ہم نے کام چلایا ہے۔ اسکی اطلاع دیکر میں آپکے فکر کو بڑھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ صرف اسقدر التماس ہے کہ آٹھ نو ہزار روپے ماہوار کی رقم چندہ تعمیر میں آنے کے لیئے کارکن احباب کے لیئے دقت کی اور سب احباب کے لیئے مال کی عظیم الشان قربانی بکار ہے۔ اپنے دوستوں کو دین کو دنیا پر مقدم کرنیکا عہد یاد دلائیں یہ وقت ہے کہ ہم سب اپنی دنیوی ضرورتوں کو ایک وقت کے لیئے پیچھے ڈالکر زیادہ نہیں تو اسقدر فکر اس عمارت کی تکمیل کے لیئے کریں جسقدر اپنا گھر بنانے کے لیئے کسی کو ہوتا ہے جسے وہ شروع کر چکا ہو۔ جو

جوش اسوقت دل میں ہوتا ہے کہ خواہ کچھ ہی ہو جائے اس کام کو پورا کر کے چھوڑونگا۔ اور وہ پورا بھی ہو جاتا ہے وہی جوش جبتک اسوقت قوم کے سب افراد میں پیدا نہ ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ یکے نقصان مایہ ودیگر شماتت ہمسایہ کا مقولہ ہم پر صادق نہ آوے گذشتہ مئی سے لیکر اخیر جنوری تک صرف ۶-۵-۲۴۵۵۲ روپے کا چندہ تعمیر بحساب اوسط ۲۷۲۸ ماہوار رقم ہے اب اس کو تگنا یا چوگنا کرنے کے لیئے جماعت کو اپنی ہمت بھی گذشتہ کے مقابلہ میں اسی نسبت سے بڑھانی چاہیئے ہمارے ہندوستان کے احباب نے بالخصوص ابتک کافی توجہ نہیں کی بلکہ بعض جگہ تو مطلقاً نہیں کی خدا کے لیئے وہ غور کریں کہ اگر ضرورت کے وقت انکے مال کام نہیں آئینگے تو پھر وہ کس غرض کے لیئے سلسلہ میں شامل ہوئے ہیں ایسی شمولیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے حقیقت ہے وہ عملی شمولیت کو چاہتا ہے۔

کانفرنس انجمنہائے احمدیہ منعقدہ ۲۶- دسمبر ۱۹۱۲ء کی کارروائی منظور کردہ مجلس معتمدین در اجلاس ۱ مورخہ ۱۲- جنوری ۱۹۱۳ء ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ جو امور قابل تعمیل ہیں ہر احمدی اور پھر خصوصاً ہر انجمن کے پریذیڈنٹ و سکرٹری صاحبان اپنی انجمنوں میں ایسے پیش کر کے عمدرآمد کرائیں اور جو کارروائی ہو اس سے دفتر ہذا میں اطلاع فرماویں نمبر ایک کے متعلق کارروائی کی اشاعت سے قبل ہی تعمیل میں سبقت لیجانے والی انجمن احمدیہ سیالکوٹ ہے۔ جس نے دفتر سکرٹری کو اطلاع دی ہے کہ مدرسہ احمدیہ میں کسی مستحق طالب علم کو ... ماہوار کا باقاعدہ وظیفہ دینا منظور کیا گیا ہے اور یہ وظیفہ ایک طالب علم کے نام جو ضلع سیالکوٹ کا رہنے والا اور مستحق امداد ہے جاری کرنیکی رپورٹ مجلس معتمدین میں کیگئی ہے۔ دیگر وظائف کے متعلق بھی یہ امر ملحوظ رکھا جاویگا کہ اس ضلع کے مستحقین کو دیئے جاویں۔

رپورٹ سکرٹری کہ کارروائی کانفرنس انجمنہائے بیرونی منعقدہ ۲۶- دسمبر ۱۹۱۲ء بغرض منظوری و اطلاع پیش کیجاتی ہے (۱) بجٹ ۱۳-۱۹۱۲ء پیش ہو کر فیصلہ ہوا کہ (الف) سب انجمنیں اپنے اپنے مقامی چندوں میں سے ایک رقم مدرسہ احمدیہ کے وظائف کیلیئے دیں بہ تجویز سکرٹری صدر انجمن و بتائید میر حامد شاہ صاحب و اتفاق رائے ممبران کانفرنس۔ (ب) جملہ انجمنہائے احمدیہ کوشش کریں کہ مدرسہ احمدیہ میں اپنے خرچ پر تعلیم پانیوالے لڑکے بھجوائے جاویں۔ بہ تجویز سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

وبتائید منشی فرزند علی صاحب اتفاق رائے ممبران کانفرنس۔ (ج) جملہ انجمنہائے احمدیہ کو دو پیسے فی روپیہ والی تجویز چندہ پر عملدرآمد کرنے کیلئے از سر نو توجہ دلائی جائے بہ تجویز منشی فرزند علی صاحب وبتائید سکرٹری صدر انجمن احمدیہ و اتفاق رائے ممبران کانفرنس۔ (۲) تجویز میر حامد شاہ صاحب کہ بڑی بڑی انجمنوں میں حساب کے باقاعدہ رکھنے کیلئے کچھ الاؤنس دینا منظور کیا جاوے مع ریزولیوشن مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ کہ جن انجمنوں کی سالانہ آمد چندوں کی تین سو روپے سے زیادہ ہو وہاں اڑھائی فیصدی مقدار چندہ تک اس غرض کے لئے الاؤنس دینے کی اجازت دینا مناسب معلوم ہوتا ہے پیش ہو کر کسیقدر اختلاف رائے کے بعد فیصلہ ہوا کہ اگر کوئی انجمن تحصیل چندہ یا حساب کتاب درست رکھنے کیلئے یہ ضرورت محسوس کرے کہ الاؤنس یا تنخواہ پر کام لے تو اسے ایسا کرنے کی اجازت دیجانی مناسب ہے۔ بشرطیکہ تین سو روپے سے کم چندہ سالانہ اس انجمن کا نہ ہو اور اڑھائی فی صدی چندہ وصول شدہ سے زیادہ ایسا الاؤنس نہ دیا جاوے نیز یہ بھی فیصلہ ہوا کہ ایسا الاؤنس مقامی چندہ سے دیا جاوے۔ پیش ہو کر قرار پایا کہ اطلاع ہوئی ان ریزولیوشنوں کے مطابق عملدرآمد کیا جاوے ؛ امید ہے کہ جملہ احباب علی الخصوص سکرٹری صاحبان جو یہاں کانفرنس میں وعدہ فرما گئے تھے۔ اسکے مطابق کارروائی کر کے جلد اطلاع دینگے ؛ **محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان**

ریویو

خطبات نور حصہ دوم یعنی مجموعہ خطبات از حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ ربہ اید۔ خطبہ اس سے قبل شائع ہو چکا ہے۔ اب دوسرے حصہ کو شیخ عبد الحمید صاحب ڈیٹر راجپورہ بھٹنڈہ ریلوے لاہور نے بڑے اہتمام سے باجازت حضرت خلیفۃ المسیح شائع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انکو اس اخلاص کے واسطے جزائے خیر دے اور انکے کام کو بابرکت کرے۔ یہ خطبات میری کسی تعریف کے محتاج نہیں۔ یہ واقعی اسم بامسمی ہیں۔ اگر ہر روز ایک خطبہ پڑھ لیا جایا کرے تو خدائے تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ پڑھنے والے کو بہت سی بدیوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی توفیق ملے گی۔ قیمت حصہ اول ۸ر حجم ۱۱۲ صفحہ۔ قیمت حصہ دوم ۱۰ر حجم ۲۶۰ صفحہ۔ ہر دو حصوں کی قیمت عہ محمد یامین تاجر کتب قادیان سے مل سکتی ہے ؛

احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے یعنی وہ تقریر جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۲۶ دسمبر ۱۹۰۶ء کو فرمائی۔ اس رسالہ کو حضرت خلیفۃ المسیح نے بہت پسند فرمایا ہے اور علم و عمل کے لیئے اس کے پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ فخر الدین و احمد اللہ باریان قادیان سے بقیمت ار فی کاپی مل سکتا ہے۔

جواب شبہات:- یہ مولوی رشید احمد گنگوہی کے ایک رسالہ کا جواب ہے جسکا نام الخطاب المسیح فی تحقیق المہدی و المسیح اور جو مولوی صاحب موصوف کے خرافات کا مجموعہ ہے۔ یہ جواب حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیف براہین احمدیہ حصہ پنجم میں سے ییکر الگ عام اشاعت کے لیئے محمد یمین تاجر کتب قادیان نے شائع کیا ہے ۴۴ صفحے۔ قیمت ار چھپوائی اور کاغذ بہت عمدہ ہے۔ عہ ر کے خریدار کو ۱۶ نسخے ملیں گے۔

مجمع الاخوان لاہور:- چونکہ عام لوگ ضخیم کتابوں کو کم پڑھتے ہیں اسلیئے لاہور کے احمدی نوجوانوں نے ماہوار ایک ٹریکٹ شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے اور یہ ٹریکٹ سلسلہ احمدیہ کی خصوصیات پر خصوصاً اور عام اسلامی مسائل پر عموماً مشتمل ہوا کرینگے چنانچہ اسوقت تک چار نمبر شائع ہو چکے ہیں (۱) معیار الصادق عا (۲) معیار الصادق ع۲ یہ دونوں حضرت مولوی عبد الکریمؓ صاحب مرحوم کے دو زبردست خطبات سے اخذ کیئے گئے ہیں۔ (۳) کیا مسیح زندہ ہیں۔ قرآن شریف سے دفات مسیح کا ثبوت از قاضی ظہور الدین اکمل۔ مریم مرگیا حق کی قسم۔ احادیث اور علمائے سلف کے اقوال سے وفات مسیح کا ثبوت۔ یہ نوجوان تمام احمدیوں کی خدمت میں اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان ٹریکٹوں کو اصل لاگت پر (۸ ر فی سینکڑہ) خرید کر مفت شائع کرکے اس کار خیر میں انکی مدد کریں اور ہندوستان میں ان ٹریکٹوں کو شائع کرکے ان کے افادہ کو وسیع کریں۔ اس قسم کی اشاعت حضرت خلیفۃ المسیح کا عین منشاء اور آپ کی خوشی کا موجب ہے۔ صاحبان ان نوجوانوں کی اپیل پر توجہ فرمادیں اور مستقل خریدار بن کر اپنے شہروں میں مستقل تبلیغ کی بنیاد ڈالیں۔

بقایا صیغہ جات یکم فروری سنہ ۱۹۱۳ء

تعلیم ۰ — ۲ — ۹ — ۶۵۷۹

اشاعت ۲ — ۶ — ۲ — ۵۳۶۲

یتامیٰ ۲ — ۹ — ۲۰۶

تعمیر ۵ — ۱۳ — ۷۹۹۰

مساکین ۵ — ۱۰ — ۱۴۳۸

زکوٰۃ ۹ — ۶ — ۲۹۴۶

مقبرہ ۷ — ۱۲ — ۲۵۵

بورڈران احمدیہ ۹ — ۰ — ۱۱۰

امانت ۹ — ۱۲ — ۳۹۷۵

مستقل فنڈ ۶ — ۲ — ۳۹۱۲

میزان ۲ — ۱۳ — ۳۲۷۷۷

منہا کردہ فاضل ۴ — ۱۰ — ۳۸۰۳

باقی ۱۰ — ۲ — ۲۸۹۷۴

منہا کردہ پیشگی ۰ — ۶ — ۲۰۶۷۸

باقی نزد امین ۱۰ — ۱۲ — ۸۲۹۵

تفصیل فاضل

متفرقات ۱۰ — ۱۰ — ۱۶۰۹

مدرسہ احمدیہ ۱۰ — ۴ — ۶۳۶

بیت المال ۸ — ۱۱ — ۱۱۹۵

بورڈران ہائی ۰ — ۱۵ — ۳۶۱

۴ — ۱۰ — ۳۸۰۳

تفصیل پیشگی

تعمیر ۰ — ۶ — ۱۵۹۶۱

اشاعت ۰ — ۰ — ۱۲۰۰

بیت المال ۰ — ۰ — ۸۰۰

مقبرہ ۰ — ۰ — ۲۶۵

تعلیم ۰ — ۰ — ۱۲۸۶

مدرسہ احمدیہ ۰ — ۰ — ۳۰۰

متفرقات ۰ — ۰ — ۸۶۶

۰ — ۶ — ۲۰۶۷۸

ناظر
محمد اشرف

محاسب
خلیفہ رشید الدین

Reg No. 303

اطلاع - ڈاکٹر ایس. کے برمن کی خوبصورت تصویردار کافوری جنتری سنہ ۱۹۱۳ء کی متفرق جگہ کے ذی عزت شریف اور پڑھے لکھے آدمیوں کا نام اور پورا پتہ لکھنے پر بلا قیمت و محصول بھیجی جاتی ہے۔

روغن پیپرمنٹ اصلی

پیٹ کا درد - بدہضمی - اور ریاح میں یہ بہت مشہور دوا ہے - یہ امریکہ سے منگوایا جاتا ہے ولایتی پیپرمنٹ سے کہیں بہتر اور مفید ہے قیمت فی شیشی آدھ اونس دس آنہ (۱۰/) محصولڈاک وغیرہ ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ (۵/)

عرق پودینہ اصلی

ہر ایک بچہ دار کو یہ گھر میں رکھنا چاہیئے یہ عرق پودینہ کی ہری پتیوں سے بنایا گیا ہے اس کا رنگ بھی مثل پتی کے ہے اور خوشبو بھی دیتا ہے ڈاکٹر برمن کے صلاح سے دلایت کا نامی دوا فروش نے بنایا ہے پیٹ پھولنا ڈکار آنا - بدہضمی - پیٹ درد متلی - یہ سب کی علامت دور کرتی ہے قیمت ۸/ خرچ ۵/

ارے دوڑو جلدی دوڑو

جیسے بنے ڈاکٹر برمن کا عرق کافور لے آؤ

جب کسی کو ہیضہ ہوتا ہے اُس کے گھر میں ایسی ہی پکار پڑ جاتی ہے اور گھبرا کر یہی کہتے ہیں اگر پہلے ہی سے سوچو تو یہ تکلیف کیوں اُٹھانا پڑے کیوں نہیں ایک شیشی عرق کافور کی ہر گھر میں ڈالے رکھتے ہو۔ یہ اصلی کافور ۲۹ برس سے مشہور اور تجربہ کی ہوئی ہیضہ کی انمول دوا ہے گرمی کے دست پیٹ کا درد۔ مروڑ اور متلی کے لیئے اکسیر کا اثر رکھتی ہے قیمت فی شیشی ۴/ محصولڈاک ایک شیشی سے ۴ تک ۵/

جلاب کی گولیاں

رات کو سوتے وقت دو گولی کھا لینے سے صبح اجابت صاف ہوگا پیٹ میں درد مروڑ کچھ نہیں ہوگی حسب معمول نہانے کھانے پینے میں کوئی ممانعت نہیں ہے یہ گولیاں کل ملی ہوتی ہیں - وزن میں سب برابر ہیں - قیمت ۱۶ گولی ڈبیہ ۵/ خرچ ایک سے چھ تک ۵/

درد سر اور ریاحی درد کی دوا

ریاحی درد لحظہ میں پہاڑ ہو جاتا ہے اور یہ دوا لحظہ میں درد کو دور کر دیتا ہے درد ریاح جیسے ٹیس چنک ٹیک گوں میں لہر ٹیس کنکنی سی جو کہیں ہو اس سے دور ہوتی ہے اور نیم سر درد کو بھی دور کرتی ہے قیمت ۱۲ انگلیوں کی شیشی ۶/ محصولڈاک ایک سے ۶ شیشی تک - ۵/

ڈاکٹر ایس - کے برمن نمبر ۵و۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے | لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

نمبر ۳ | بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۳ء | ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۱ھ | ۶

چندہ سالانہ ے | عام ۲ طلباء ۱عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۱۳ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شایع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

اختلافاتِ بائبل

(سلسلے کے لیئے دیکھو جلد ۱۲ نمبر ۱)

(۱۰۴) جب اُنہوں نے نگاہ کی تو اُس پتھر کو اُنہوں نے ڈھلکا یا ہوا دیکھا.... اور قبر میں جاکر اُنہوں نے ایک جوان کو سفید پوشاک پہنے دہنی طرف بیٹھے ہوئے دیکھا۔ (مرقس $\frac{16}{5}$)

(۱۰۴) اور اُنہوں نے پتھر کو قبر پر سے ڈھلکا یا ہوا پایا اور اندر جاکے خداوند یسوع کی لاش نہ پائی.... اور دیکھو دو شخص چمچماتی پوشاک پہنے اُن کے پاس کھڑے تھے (لوقا $\frac{24}{4}$)

(نوٹ) مسیحی صاحبان فیصلہ کریں کہ ایک شخص تھا یا دو تھے اور بیٹھا تھا یا کھڑے تھے ؟

(۱۰۵) پس اے بھائیو یہ تمہیں معلوم ہو جاوے کہ اُسی کے (یسوع) وسیلے تم کو گناہوں کی معافی کی خبر دیجاتی ہے

(اعمال باب ۱۳ ورس ۳۸)

نوٹ۔ اعمال میں لکھا ہے کہ یسوع کی قربانی سے کل گناہ معاف ہو گئے۔ مگر عملی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ پیدائش میں جس گناہ کا ذکر ہے اُس کی سزا سے ابتک مسیحی قوم کو نجات

(۱۰۵) لیکن وہ جو روح قدس کے حق میں کفر بکے اسکی معافی ہرگز نہیں ہوتی بلکہ وہ ہمیشہ کے عذاب کا سزاوار ہو چکا

(مرقس باب ۳ ورس ۲۹)

اُس نے عورت سے کہا کہ میں تیرے حمل میں تیرے درد کو بہت بڑھاؤں گا اور درد سے تو لڑکے جنے گی اور اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا اور وہ

حاصل نہیں ہوئی اور نیز مرقس بھی ایک قسم کا گناہ بیان کرتا ہے جو یسوع کی زبانی سے معاف نہیں ہوسکتا۔

تجھ پر حکومت کرے گا۔

(پیدائش باب ۳۔ درس ۱۶)

(۱۰۶) وے سب کے سب جو یعقوب کے ساتھ مصر میں آئے اور اُسکے صُلب سے پیدا ہوئے انکے سوا جو یعقوب کے بیٹوں کی جوروان تھیں چھیاسٹھ شخص تھے اور یوسف کے دو بیٹے تھے جو زمین مصر میں پیدا ہوئے سو وے سب جو یعقوب کے گھرانے کے تھے اور مصر میں آئے ستر جانیں تھیں

(پیدائش باب ۴۶۔ ورس ۲۶-۲۷)

(۱۰۶) تب یوسف نے اپنے باپ یعقوب اور اُس کے سارے کنبے کو جو پچھتر شخص تھے بلا بھیجا۔

(اعمال ۷۔ ورس ۱۴)

اور ساری جانیں جو یعقوب کی صُلب سے پیدا ہوئیں ستر تھیں اور یوسف مصر میں تھا

(خروج باب ۱۔ ورس ۵)

نوٹ۔ یہ عجیب گڑبڑ ہے۔ کیا کوئی مسیحی اس گڑبڑ کو دُور کر کے مختلف بیانوں میں تطابق دکھا سکتا ہے۔

(۱۰۷) سو ساؤل نے ہرکاروں سے یسّی کو کہلا بھیجا کہ اپنے بیٹے داؤد کو جو بھیڑ بکریوں پر مقرر ہے مجھ پاس بھیج

اور داؤد ساؤل پاس آیا اور اُسکے حضور کھڑا ہوا اور اُس نے اُسے بہت پیار کیا سو وہ اُس کا سلح بردار ہوا اور ساؤل نے یسّی کو کہلا بھیجا کہ داؤد کو میرے حضور رہنے دیجئے کہ وہ میرا منظور نظر ہوا ہے

(۱ سموئیل باب ۱۶۔ ورس ۱۹ اور ۲۱-۲۲)

(۱۰۷) اور ساؤل نے جسوقت داؤد کو فلسطی کے سامنے جاتے دیکھا تو اُس نے لشکر کے سردار ابنیر سے پوچھا ابنیر یہ جوان کس کا بیٹا ہے ابنیر بولا اے بادشاہ تیری جان کی قسم مَیں نہیں جانتا تب بادشاہ نے کہا تو تحقیق کر کہ یہ جوان کس کا فرزند ہے۔

(۱ سموئیل باب ۱۷۔ ورس ۵۵-۵۶)

(۱۰۸) جھوٹی گواہی نہ دے

(مرقس باب ۱۰- درس ۱۹)

نوٹ- اگر مسیح کے شاگردوں سے کوئی شخص پوچھتا کہ یہ شخص کون ہے تو اسوقت مسیح کے شاگرد کیا جواب دیتے ؟

(۱۰۹) اپنے ماں باپ کی عزت کر

(مرقس باب ۱۰- درس ۱۹)

نوٹ:- غالباً اس کے جواب میں مسیحی صاحبان یہ عذر کرینگے کہ یہ اختلاف تاریخی واقعات یا تعلیم میں نہیں ہے بلکہ یہ مسیح کے قول و فعل میں اختلاف ہے۔ مگر یہ توجیہ عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے کیونکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسیح جو تعلیم دوسروں کو دیتا تھا خود اسپر عمل نہیں کرتا تھا خدائے تعالیٰ فرماتا ہے

اتأمرون الناس بالبر و تنسون انفسکم

(۱۱۰) میں (یسوع) تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں انگور کا رس جس دن تک خدا کی بادشاہت میں اُسے نیا نہ پیوں پھر نہ پیونگا۔

(مرقس باب ۱۴- درس ۲۵)

(۱۰۸) تب اُس نے اپنے شاگردوں کو حکم کیا کہ کسو سے نہ کہنا کہ میں یسوع مسیح ہوں

(متی باب ۱۶- درس ۲۰)

(۱۰۹) جب وہ (یسوع) جماعتوں سے یہ کہہ رہا تھا دیکھو اُس کی (یسوع کی) ماں اور اُس کے بھائی باہر کھڑے اُس سے بات کیا چاہتے تھے تب کسی نے اُس سے کہا کہ دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے تجھ سے بات کیا چاہتے ہیں پر اُس نے جواب میں خبر دینے والے سے کہا کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی

(متی باب ۱۲- درس ۴۶ تا ۴۸)

(۱۱۰) بھلا یہ ہے کہ تو گوشت نہ کھاوے مے نہ پیوے۔ (رومیوں باب ۱۴- درس ۲۱)

نوٹ- اس کا جواب شائد مسیحی صاحبان یہ دیں کہ مے نہ پیوے کا حکم یسوع مسیح کا نہیں بلکہ پولوس کا ہے جو مسیح کی صحبت سے بہرہ مند نہ ہوا تھا اور یسوع کے نزدیک شراب حرام نہ تھا کیونکہ یسوع کا پہلا معجزہ شراب کے بنانے کا تھا اور یہ شراب اُسوقت لوگوں کو پلائی گئی جبکہ وہ پہلے

(۱۱۱) پر اُس نے (یسوع نے) پھر کے پطرس سے کہا اے شیطان میرے سامنے سے دُور رہو تُو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے

(متی باب ۱۶ - ورس ۲۳)

(۱۱۱) پطرس کی طرف سے جو یسوع مسیح کا رسول ہے۔

(۱- پطرس باب - ورس ۱)

(۱۱۲) تب تُو فرعون کو یوں کہیو کہ خداوند نے یوں فرمایا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے

(خروج باب ۴ - ورس ۲۲)

نوٹ - مسیحی صاحبان فیصلہ فرماویں کہ پلوٹھا کون ہے اسرائیل یا افرائیم یا داؤد یا یسوع مسیح؟

(۱۱۲) کیونکہ مَیں اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم میرا پلوٹھا ہے کیا افرائیم میرا پیارا بیٹا ہے

(یرمیاہ باب ۳۱ - ورس ۹ - اور ۲۰)

مَیں اُسے (داؤد کو) اپنا پلوٹھا بھی ٹھہراؤں گا

(زبور ۸۹ - ورس ۲۷)

(۱۱۳) کیونکہ یہ میرا لہو ہے یعنی نئے عہد کا لہو جو بہتوں کے گناہوں کی معافی کے لیئے بہایا جاتا

(متی باب ۲۶ - ورس ۲۸)

نوٹ - ملاحظہ ہو اختلاف ۱۰۵

(۱۱۳) اُس نے (خدا نے) عورت سے کہا کہ مَیں تیرے حمل میں تیرے درد کو بہت بڑھاؤنگا اور درد سے تُو لڑکے جنیگی

(پیدائش باب ۳ - ورس ۱۶)

(۱۱۴) اور مَیں (یسوع) تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو سوا زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اُس چھوڑی ہوئی عورت کو بیاہے زنا کرتا ہے (متی باب ۱۹ ورس ۹)

(۱۱۴) اُس (یسوع) نے اُنہیں کہا جو کوئی جورو کو چھوڑے اور دوسری سے بیاہ کرے تو اُس کی نسبت زنا کرتا ہے

(مرقس ۱۰ - ورس ۱۱)

نوٹ - متی کہتا ہے کہ زنا کی صورت میں عورت کو طلاق دینا جائز ہے مگر مرقس کہتا ہے کہ جورو کو کسی صورت میں طلاق نہیں دینی چاہیئے - پھر متی کہتا ہے کہ یسوع نے یہ کہا تھا کہ جو شخص طلاق شدہ عورت سے نکاح کرتا ہے وہ زنا کرتا ہے اور مرقس کہتا ہے کہ یسوع نے اُنھوں نے صرف یہ کہا تھا کہ جو طلاق دینے والا مرد کسی دوسری عورت سے نکاح کرتا ہے وہ زنا کرتا ہے۔

(۱۱۵) اور جب تارہ ستر برس کا تھا اس سے ابرام نحور اور حاران پیدا ہوئے ..... اور تارہ کی عمر دو سو پانچ برس کی ہوئی تب تارہ حران میں مرگیا۔

(پیدائش باب ۱۱۔ ورس ۲۶ و ۳۲)

(۱۱۵) اور ابرام جب حران سے روانہ ہوا پچھتر برس کا تھا (پیدائش ۱۲۔ ورس ۴)
تب کھلدیوں کے ملک سے باہر جاکے حاران میں جا رہا وہاں سے اسکے باپ کے مرنیکے بعد اسکو اس ملک میں جس میں تم اب رہتے ہو پہنچایا۔ (اعمال ۷ ورس ۴)

نوٹ۔ پیدائش باب ۱۱ ورس ۲۶ و ۳۲ کے رو سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اپنے باپ تارہ کی وفات کے وقت ۱۳۵ برس کی تھی اور پیدائش ۱۲ ورس ۴ اور اعمال ۷ ورس ۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت انکی عمر ۷۵ برس کی تھی گویا ۱۳۵ برس کی عمر میں ابراہیمؑ ابھی صرف ۷۵ برس کے تھے۔

(۱۱۶) اور زمین مصر سے بنی اسرائیل کے نکلنے کے بعد چار سو اسی برس گذرے تھے کہ سلیمان کی سلطنت جو اسرائیل پر تھی اُس کے چوتھے سال زیو کے مہینے جو دوسرا مہینہ سال کا ہے ایسا ہوا کہ اُس نے خداوند کا گھر بنانا شروع کیا۔

(۱ سلاطین ۶ ورس ۱)

(۱۱۶) اور برس چالیس ایک وہ بیابان میں انکو دائی کی طرح لئے پھرا ..... اور بعد اُس کے ساڑھے چار سو برس کے قریب سموئیل نبی تک ان میں قاضی مقرر کیئے اسوقت سے انہوں نے بادشاہ چاہا تب خدا نے ایک مرد بنیامین کے گھر سے قیس کے بیٹے ساؤل کو چالیس برس تک انپر مقرر کیا پھر اسے اتار کے داؤد کو کھڑا کیا کہ انکا بادشاہ ہو۔ (اعمال ۱۳۔ ورس ۱۸-۲۲)

نوٹ:۔ کتاب سلاطین کے رو سے خداوند کا گھر خروج کے چار سو اسی برس بعد بننا شروع ہوا لیکن اعمال کی کتاب کے حساب کے بموجب اس کی تعمیر پانسو پچانوے برس بعد شروع ہوئی کیونکہ ۴۰+۴۵۰ یعنی ۴۹۰ میں ۲۱ سال عہد سموئل ۴۰ سال عہد ساؤل اور ۴۰ برس عہد داؤد یعنی ۱۰۱ برس اور جمع کیئے جائیں تو ۵۹۱ سال ہوتے ہیں اگر انہیں سلیمان کے ۴ سال اور ملائیں تو کل مجموعہ ۵۹۵ ہوا۔

(۱۱۷) پھر یوحنا کی گرفتاری کے بعد یسوع نے جلیل میں آکر خدا کی بادشاہت کی خوشخبری کی منادی کی۔

(مرقس باب ۱۔ ورس ۱۴)

(۱۱۷) بعد ان باتوں کے یسوع اور اس کے شاگرد یہودیہ کی سرزمین میں آئے اور وہ وہاں انکے ساتھ رہا کرتا اور بپتسما دیتا تھا اور یوحنا بھی بپتسما دیتا تھا کیونکہ یوحنا ہنوز قید خانہ میں ڈالا نہ گیا تھا (یوحنا باب ۳۔ ورس ۲۲ و ۲۴)

نوٹ۔ اسکے بعد شمعون (پطرس) اور اندریاس کے ایمان لانے کا ذکر ہے (مرقس باب ۱۔ ورس ۱۶ و ۱۷ و ۱۸) شمعون اندریاس پہلے بھی ایمان لا چکے تھے دیکھو یوحنا باب ۱۔ ورس ۴۰ و ۴۲۔

(۱۱۸) یسوع نے ناصرت جلیل سے آکر یردن میں یوحنا کے ہاتھ سے بپتسما پایا۔ اور جونہی وہ پانی سے باہر آیا اس نے آسمان کو کھلا اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر اُترتے دیکھا۔ اور روح اسی فی الفور بیابان میں لے گئی اور وہ وہاں بیابان میں چالیس دن تک رہ کر شیطان سے آزمایا گیا (مرقس باب ۱۔ ورس ۹-۱۳)

(۱۱۸) اور تیسرے دن (یعنی مسیح کے بپتسما لینے اور روح القدس کے کبوتر کی شکل میں اُترنے کے بعد) قانائے جلیل میں کسی کا بیاہ ہُوا۔ اور یسوع اور اُس کے شاگردوں کی بھی اس بیاہ میں دعوت تھی۔

(یوحنا باب ۲۔ ورس ۱ و ۲)

نوٹ۔ مرقس کہتا ہے کہ بپتسمہ پانے کے بعد فی الفور روح بیابان میں لے گئی اور مسیح چالیس دن بیابان میں رہا مگر یوحنا لکھتا ہے کہ نہیں بپتسمہ سے تیسرے دن مسیح ایک دعوت میں شریک تھا۔

(۱۱۹) اور ابراہام نے اس مقام کا نام یہواہ یری رکھا چنانچہ یہ آج تک کہا جاتا ہے کہ خداوند کے پہاڑ پر دیکھا جاوے گا۔

(پیدائش باب ۲۲۔ ورس ۱۴)

(۱۱۹) پھر خدا نے موسیٰ کو فرمایا کہ مَیں ابراہام اور اسحٰق اور یعقوب پر خدائے قادر مطلق کے نام سے اپنے تئیں ظاہر کیا اور یہوواہ کے نام سے انپر ظاہر نہیں ہُوا (خروج باب ۶۔ ورس ۲ و ۳)

نوٹ۔ کتاب پیدائش سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہوواہ نام معلوم تھا مگر کتاب خروج میں لکھا ہے کہ یہوواہ کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم نہ تھا یہ نام سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتلایا گیا۔

(۱۲۰) یہورام (بن اخی اب) شاہ یہوداہ یہورام بن یہوسفط کی سلطنت کے دوسرے سال اسکی جگہ بادشاہ ہوا

(۲۔ سلاطین باب۔ ورس ۱۷)

(۱۲۰) اور شاہ اسرائیل یورام (یہورام) بن اخی اب کی سلطنت کے پانچویں سال جس وقت یہوسفط شاہ یہوداہ تھا یہورام یہوسفط کا بیٹا تخت پر بیٹھا اور سلطنت کرنے لگا۔

(۲ سلاطین باب ۸۔ ورس ۱۶)

نوٹ۔ ۲ سلاطین باب کے رو سے یہورام بن یہوسفط۔ یہورام بن اخی اب سے ۲ سال پہلے حکومت کر چکا تھا مگر اسی کتاب کے باب میں لکھا ہے کہ یہورام بن اخی اب ۵ سال پہلے تخت پر بیٹھا۔

(۱۲۱) اور رحبعام ابی سلوم کی بیٹی معکہ کو اپنی ساری جوروں اور حرموں سے زیادہ پیار کرتا تھا.... اور رحبعام نے ابیاہ بن معکہ کو رئیس کیا کہ اپنے بھائیوں میں سردار ہوتا۔

(۲۔ سلاطین باب۱۱۔ ورس ۲۱-۲۲)

(۱۲۱) یربعام بادشاہ کی سلطنت کے اٹھارھویں برس میں ابیاہ یہوداہ میں تخت پر بیٹھا اس نے یروشلم میں تین برس بادشاہت کی اسکی ماں کا نام میکایاہ تھا جو اوری ایل جبیعی کی بیٹی تھی

(۲ تواریخ باب۱۳۔ ورس ۱-۲)

نوٹ۔ ۲۔ سلاطین کے رو سے ابیاہ کی ماں معکہ ابی سلوم کی بیٹی تھی مگر ۲۔ تواریخ کے رو سے ابیاہ کی ماں اوری ایل جبیعی کی بیٹی تھی۔ (شمس الدین مجاہد) از علیگڈھ

یسوع مسیح کا شجرہ نسب

اختلافات بائیبل میں سے تھوڑا سا حصہ ہدیہ ناظرین کیا گیا ہے۔ اور ہمارا ارادہ تھا کہ ہم ان

اختلافات کو مشتے نمونہ خرواری سمجھکر انہی پر بس کر دیتے۔ مگر ضلع گجرات (پنجاب) کے ایک قصبہ کا ایک مسیحی مدرس اس بات کا محرک ہُوا ہے کہ ہم بائیبل کی حقیقت کو کسی قدر زیادہ وضاحت سے کھولدیں مغربی ممالک میں تو بائیبل کی قلعی خوب اچھی طرح کھولدی گئی ہے مگر مشرق میں لوگ عام طور پر اُن اعتراضات کی بوچھاڑ سے پوری پوری واقفیت نہیں رکھتے جو مغرب میں بائیبل پر اسقدر اعتراضات کے تیر برسائے گئے ہیں کہ اُس کی حالت ایسی ہو گئی ہے جیسی چھلنی کی بلکہ اس سے بھی بدتر۔ غرض یورپ و امریکہ میں تو بائیبل کی دھجیاں اُڑا دی گئی ہیں۔ مگر ہندوستان کے مسیحی نادان لوگوں کو ابھی تک یہی سنا رہے ہیں کہ بائیبل کی ساری کتابیں اور ہر دو عہدناموں کا سارا مجموعہ بالکل خدا کا کلام ہے۔ مسلمان لوگ حقیقی اور لفظی معنوں میں قرآن شریف کو خدائے تعالیٰ کا کلام یقین کرتے ہیں اور جب مسیحی لوگ مسلمانوں کو سناتے ہیں کہ ہماری بغل میں جو کتابوں کا مجموعہ ہے یہ خدا کا کلام ہے تو مسلمان بچارے بھولے بھالے یہ سمجھتے ہیں کہ جیسا ہم قرآن شریف کو خدائے تعالیٰ کا کلام سمجھتے ہیں ایسا ہی مسیحی لوگ ان ۶۸ کتابوں کے مجموعہ کو جس کا نام وہ بائیبل رکھتے ہیں خدا کا کلام سمجھتے ہیں۔ یہ ایک دھوکہ ہے جو ہندوستان کے لوگوں کو دیا جا رہا ہے۔ ہاں بے شک ایک زمانہ تھا جب کہ کل مسیحی دنیا اِن سب کتابوں کے ہر ایک لفظ کو خدائے تعالیٰ کا کلام سمجھتی تھی اور اُنکا عقیدہ تھا کہ بائیبل کا ایک ایک لفظ خداوند کے مُنہ سے نکلا ہُوا ہے مگر اب وہ زمانہ جاتا رہا۔ اب محققین نے بائیبل پر ایسی روشنی ڈالی ہے کہ اس روشنی کے سامنے کوئی عقلمند بائیبل کے مجموعہ کو بتمامہ خدا کا کلام نہیں کہ سکتا اسلیئے جب یورپ و امریکہ کے پادریوں نے یہ حال دیکھا تو انہوں نے بائیبل کے لفظ لفظ الہامی ہونے کے عقیدہ کو ترک کر دیا ہے اور اسکو انسانوں کا کلام تسلیم کرنے لگ گئے ہیں اگرچہ وہ کہتے ہیں کہ اُنکی کلام میں کچھ روح القدس کا اثر تھا مگر یہ کلام انسانوں کا کلام ہونے کی وجہ سے غلطیوں سے پاک نہیں ہے۔ یہ نیا عقیدہ نئی تحقیق کی زبردست طاقت کے نیچے دب کر مغربی مسیحی دنیا نے اختیار کیا ہے اور اپنے پہلے عقیدہ کو ترک کر دیا ہے۔

جو پہلے لکھے گئے ہیں اور اکثر لوگ اس سے ناواقف ہیں کہ خود مسیحی ممالک میں بائبل پر

ہاں مغرب میں بھی بعض اندھے لوگ ایسے موجود ہیں جنکو باوجود نئی تحقیق کی روشنی کے اپنے دیرینہ عقائد کی غلطی نظر نہیں آئی اور وہ اب تک پرانے خیال پر جمے ہوئے ہیں۔ مگر ہمارا یہ خیال نہیں کہ ہندوستان میں جو پادری صاحبان وعظ کے لیئے تشریف لاتے ہیں وہ بالکل نادان ہیں وہ یقیناً اس نئی تحقیقات سے آگاہی رکھتے ہیں جو یورپ میں بائبل کے متعلق ہوئی ہے اور انکو اس بات کا بھی علم ہے کہ اب عام طور پر مسیحی علماء بائبل کو اُن معنوں میں خدا کا کلام نہیں سمجھتے جن معنوں میں کچھ عرصہ پہلے سمجھا جاتا تھا بلکہ وہ اسکو انسانوں کا کلام سمجھتے ہیں اور اُن میں غلطیوں اور اختلافات کا ہونا تسلیم کرتے ہیں کیونکہ صریح غلطیوں کے موجود ہوتے ہوئے اُن سے انکار کرنا اپنے تئیں ہنسی کا نشانہ بنانا ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے یوروپین پریچر نیٹو کرسٹانوں کو اُن تغیرات سے آگاہ نہیں کرتے جو یورپ میں بائبل کے بارہ میں واقع ہو رہے ہیں۔ وہ اس میں شائد یہ مصلحت سمجھتے ہیں کہ اگر یہاں یہ ظاہر کیا گیا کہ اب مسیحی علماء بائبل کے ہر ایک لفظ کو خدا کا کلام نہیں مانتے تو پھر ہندوستان کے لوگ ایسی کتاب کو تسلیم نہیں کرینگے اسلیئے یہی بہتر ہے کہ پہلے کی طرح بائبل کو خدا کا کلام ہی کہتے جائیں جب تک یہ لوگ تاریکی میں رہیں اتنا ہی غنیمت ہے مگر بکرے کی ماں کب تک خیر منائیگی اور ہندوستان کے عوام کو اور دیسی پادریوں کو دھوکہ میں رکھا جائیگا کب تک کوشش کیجائیگی نہاں کے ماند آں رازیکہ زو سازند محفلہا۔ جب یورپ کے اخباروں۔ رسالوں کتابوں اور جلسوں میں یہی چرچا ہو رہا ہے کہ بائبل کے مجموعے کا الہامی ہونا ایک غلط عقیدہ ہے اور جو پردہ اس کتاب پر ڈالا گیا تھا وہ اب اُسپر سے اُتار دیا گیا ہے تو ہندوستان کے لوگ کب تک اس کتاب پر پردہ ڈالے رکھیں گے جس مسیحی مدرس کا ذکر ہم نے اُوپر کیا ہے وہ بھی معلوم ہوتا ہے اُسی بدقسمت گروہ میں سے ہے جو زمانہ کی رفتار سے آگاہ نہیں اور جو ابھی تک پرانا راگ ہی گائے جا رہے ہیں یہ صاحب ریویو میں اختلافات بائبل کی ایک فہرست دیکھکر بہت تلملائے ہیں۔ انہوں نے سمجھا کہ بائبل کی بڑی ہتک کی گئی ہے۔ خدا کا کلام کہاں اور ایسی

فاش غلطیاں کہاں۔ اس بچارے کو معلوم نہیں کہ اب زمانہ بدل گیا ہے اور خود مسیحی مالک ہیں بائیبل کے الہامی ہونے سے انکار کیا جارہا ہے۔ اُسے چاہیئے تھا کہ پہلے کسی بزرگ مسیحی سے دریافت کرتا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اگر وہ ایسا کرتا تو اُمید تھی کہ اُسکو یہی مشورہ دیا جاتا کہ اسکے متعلق خاموشی ہی بہتر ہے کیونکہ اگر اس معاملہ کو چھیڑا گیا تو نتیجہ اچھا نہ ہوگا اور جو بائیبل پر پردہ پڑا ہُوا ہے وہ بالکل اُتر جائے گا۔ چنانچہ مسیحی مذکور کی خط و کتابت کا یہ نتیجہ ہُوا ہے کہ ہم نے جو پہلے ارادہ کیا تھا کہ انہی اختلافات پر بس کیجائیگی جو علیگڈھ کے ایک نامہ نگار نے تیار کرکے ہمارے پاس بھیجے تھے اب اس ارادہ کو ہم نے ترک کر دیا ہے اور ہمارا ارادہ ہے کہ مسیحی مذکور کی خاطر داری کے لیئے بائیبل کی حقیقت کو کسی قدر اور کھولا جاوے تا اُس کی آنکھ کھل جائے اور اُسکو معلوم ہو جاوے کہ اُسکا خدا کا کلام بہت سی غلطیوں سے بھرا ہُوا ہے۔ ہمارے اس ارادہ کو پورا کرنیوالا خدا ہے اور ہم اُسی سے توفیق مانگتے ہیں اور اُس سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کام میں ہماری مدد کرے۔ سچ ظاہر ہو اور جھوٹ کا پردہ فاش ہو ربنا ارنا الحق حقا و ارنا الباطل باطلا۔ رب تمم ما اردت واجعل برکۃ فی ما قصدت و اتنی ما فقدت۔ انت ولیّ فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصّٰلحین یاارحم الراحمین آمین۔ پہلے ہم مسیحیوں کی اُن پیاری کتابوں کو لیتے ہیں جن کا نام وہ چار انجیلیں رکھتے ہیں اور سب سے پہلے یسوع مسیح کے شجرہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ کس حد تک الہامی شجرہ کہلا سکتا ہے وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم؛

مسیحیوں کی مروجہ اناجیل میں یسوع مسیح کے دو شجرے دیئے گئے ہیں ایک متی کی انجیل میں۔ دوسرا لوقا کی انجیل میں۔ یہ دونوں شجرے اس بات کا قوی ثبوت ہیں کہ یہ کتابیں نہ خدا کا کلام ہیں اور نہ روح القدس کی تائید سے لکھی گئیں۔ کیونکہ نہ صرف یہ دونوں شجرے ایک دوسرے سے مختلف ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک اُن نسب ناموں سے بھی مختلف ہے جو پرانے عہد نامہ کے مختلف مقاموں میں

لکھے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ پہلے میں ان دو شجروں میں سے ہر ایک کو الگ الگ لیکر پرانے عہدناموں کے شجروں سے ان کا اختلاف انشاء اللہ تعالیٰ دکھاؤں گا اور پھر انکا باہمی تعارض بتوفیق ایزدی پیش کر دوں گا:

متی اپنے شجرہ کو لکھنے کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ میں اس کا خلاصہ نکالتا ہے "پس سب پشتیں ابراہام سے داؤد تک چودہ ۱۴ پشتیں ہیں اور داؤد سے بابل کو اٹھ جانے تک چودہ پشتیں اور بابل کو اٹھ جانے سے مسیح تک چودہ ۱۴ پشتیں ہیں"۔ آؤ ہم اس خلاصہ کا شجرہ مرتبہ متی کے ساتھ مقابلہ کریں۔ مگر مقابلہ کرنے سے پہلے یہ دیکھنا مناسب ہے کہ جب متی یہ کہتا ہے کہ ابراہیمؑ سے داؤدؑ تک چودہ پشتیں ہیں تو آیا وہ اس چودہ کے عدد میں داؤدؑ کو بھی شامل کرتا ہے یا داؤدؑ کو باہر رکھتا ہے۔ اس امر کے متعلق ہمیں کوئی فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ متی نے خود ہی اس کا فیصلہ کر دیا ہے کیونکہ جب وہ ان پشتوں کے دوسرے ٹکڑے کو لیتا ہے تو اسکو داؤدؑ سے شروع کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ داؤدؑ کو پہلے شمار میں داخل نہیں کرتا۔ کیونکہ داؤدؑ شمار میں ایک طرف ہی آسکتے ہیں جب وہ دوسرے شمار میں شامل کیئے گئے تو ضرور ہے کہ وہ پہلے شمار میں شامل نہ کیئے جاویں۔ جیسے پہلا شمار حضرت ابراہیمؑ سے شروع ہوتا ہے ایسا ہی دوسرا داؤدؑ سے شروع ہونا چاہیئے پس جب یہ فیصلہ ہو گیا کہ حضرت داؤدؑ دوسرے شمار میں داخل ہیں پہلے شمار میں داخل نہیں تو اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ آیا واقعی یہ شمار متی کے اپنے شجرہ کے رو سے صحیح اور درست ہے۔ شجرہ کے پہلے ٹکڑے میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے اور متی کے طریق شمار کے موافق داؤدؑ کے باپ یسّی پر ختم ہونا چاہیئے مندرجہ ذیل پشتیں متی کی کتاب کے رو سے شامل ہیں۔ (۱) ابراہیمؑ (۲) اضحاقؑ (۳) یعقوبؑ (۴) یہوداہ (۵) پھارس (۶) حصرون (۷) آرام (۸) عمیناداب (۹) نحسون (۱۰) سلمون (۱۱) بوعز (۱۲) عوبید (۱۳) یسّی۔ یسّی داؤدؑ کے باپ کا نام ہے اور ناظرین نے دیکھ لیا ہے کہ یہ ۱۳ پشتیں ہیں چودہ ۱۴ نہیں۔ اگر یہ کتاب خدا کا کلام ہے تو اس میں یہ غلطی کیوں

واقع ہوئی اگر کہا جاوے کہ ان چودہ پشتوں میں داؤد کو شامل کرنا چاہیئے اور داؤدؑ کو ملا کر ۱۴ ہی پشتیں بنتی ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ پھر دوسرے ٹکڑے کو داؤدؑ سے شروع نہیں کرنا چاہیئے تھا ... ... بلکہ سلیمانؑ سے شروع کرنا چاہیئے تھا۔ خیر ہم مان لیتے ہیں کہ خدا کے کلام میں یہ غلطی ہو گئی اور سہواً داؤدؑ کو دونوں طرف ملا لیا گیا مگر اس کو مانتے ہوئے بھی متی کی کتاب غلطی سے پاک نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ اس صورت میں پشتوں کے سلسلہ کے تیسرے ٹکڑے میں غلطی ثابت ہوتی ہے۔ اگر پہلے ٹکڑے کو حضرت داؤد علیہ السلام پر ختم کیا جاوے تو ۱۴ پشتیں بنتی ہیں۔ دوسرا ٹکڑا حضرت سلیمان سے شروع ہو کر یکونیاہ پر ختم ہوتا ہے جس کے بعد بابل کی طرف بنی اسرائیل جلاوطن کیئے گئے اور یہ بھی ۱۴ ہی پشتیں بنتی ہیں مگر تیسرا ٹکڑا ناقص رہ جاتا ہے یہ ٹکڑا یکونیاہ کے بیٹے سلتی ایل سے شروع ہوتا ہے اور اگر خود یسوع مسیح کو بھی ان پشتوں میں داخل کیا جاوے تو پھر بھی ۱۳ ہی پشتیں بنتی ہیں جو حسب ذیل ہیں ۱۔ سلتی ایل۔ ۲۔ زروبابل۔ ۳۔ ابیود۔ ۴۔ الیاقیم ۵۔ عازور۔ ۶۔ صدوق۔ ۷۔ اخیم۔ ۸۔ الیئود۔ ۹۔ العزر۔ ۱۰۔ متھان۔ ۱۱۔ یعقوب ۱۲۔ یوسف۔ ۱۳۔ یسوع مسیح۔ اس غلطی کو ڈھانپنے کے لیئے متی کی کتاب کو خدا کا کلام کہنے والے کہتے ہیں کہ یکونیاہ کو دو مرتبہ شمار کرنا چاہیئے تو اس طرح تیسرے ٹکڑے میں ۱۴ پشتیں بنتی ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ ایک بیہودہ چال ہے۔ اگر یکونیاہ ایک آدمی کا نام ہے تو اسکو ایک مرتبہ ہی شمار کرنا چاہیئے۔ اگر یکونیاہ نام کے دو آدمی تھے۔ ایک باپ اور ایک بیٹا تو پھر تمہارا اختیار ہے کہ اسکو دو مرتبہ گن لو۔ مگر کوئی مسیحی یہ نہیں کہتا کہ یکونیاہ دو آدمی کا نام تھا جن میں سے ایک باپ تھا اور دوسرا بیٹا اور نہ شجرہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ یکونیاہ کو دو مرتبہ شمار کیا جاوے۔ اور اگر دو مرتبہ شمار کرنے کے اصول کو صحیح تسلیم کر لیا جاوے تو یہی قاعدہ داؤدؑ پر لگانا چاہیئے اور اُنکو بھی دو مرتبہ ہی شمار کرنا چاہیئے لیکن اگر یہ قاعدہ جیسا یکونیاہ پر لگایا جاتا ہے ایسا ہی داؤدؑ پر لگایا جاوے تو پھر دوسرے ٹکڑے کی پشتیں بجائے ۱۴ کے ۱۵ ٹھہرتی ہیں جنکے

نام یہ ہیں ۱- داؤدؑ - ۲- سلیمانؑ - ۳- رجعام - ۴- ابیاہ - ۵- اسا - ۶- یہوسقط ۷- یورام - ۸- عزیاہ - ۹- یوتام - ۱۰- آخز - ۱۱- حزقیاہ - ۱۲- منسی - ۱۳- امون ۱۴- یوسیاہ - ۱۵- یکونیا -

غرض متی کی کتاب کے شجرہ میں یہ ایک لاینحل معمہ ہے اور ایک ایسی بجھارت ہے جس کا حل کرنا محال ہے - کیا پادری صاحبان کے زمرہ میں کوئی ایسا ریاضی دان ہے جو اس چیستان کو حل کر سکے - اس چیستان کا حل سوائے اسکے اور کوئی نہیں کہ اس خدا کے کلام میں جو ابتداء سے محفوظ و مصون چلا آتا ہے شمار میں غلطی واقع ہو گئی مگر سوال یہ ہے کہ کیا خدا گنتی میں غلطی کر سکتا ہے - متی کے نسب نامہ پر یہ ہمارا پہلا اعتراض ہے ؀

اب ہم متی کے شجرہ نسب کو اُن نسب ناموں سے ملا کر دیکھتے ہیں جن کا پتہ پرانے عہد نامہ کی کتابوں سے ملتا ہے - ابراہیمؑ سے لیکر زرو بابل اور اسکے بیٹیوں تک یعنی متی کی ۳۱ پشتوں کا پرانے عہد نامہ سے مقابلہ ہو سکتا ہے کیونکہ پرانے عہد نامہ کے مختلف مقامات سے زرو بابل کی اولاد تک جو پشتیں متی کی کتاب میں درج ہیں انکا پتہ چل سکتا ہے - اس سے نیچے کی پشتوں کا مقابلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ پشتیں پرانے عہد نامہ کی کسی کتاب میں درج نہیں ہیں - شائد براہ راست متی کو خدائے تعالیٰ سے بذریعہ وحی معلوم ہوئی ہونگی - مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زرو بابل کی اولاد تک جو نسب نامہ متی کی کتاب میں درج ہے اُسکا مقابلہ پہلی کتابوں کے نسب نامہ کے ساتھ ہو سکتا ہے - حضرت ابراہیمؑ سے یہوداہ - پھارس اور حصرون (حصرم) تک جو نسب نامہ ہے اُس کا پتہ کتاب پیدائش سے لگ سکتا ہے مثلاً دیکھو پیدائش باب ۴۶ درس ۱۲ - پھارس سے داؤدؑ تک کا شجرہ کتاب روت کے خاتمہ میں درج ہے - ایسا ہی ا تواریخ کے باب ۲ میں بھی یہی شجرہ موجود ہے - داؤد سے زرو بابل تک جو پشتیں ہیں اُنکا ذکر ا تواریخ باب ۳ میں ہے - علاوہ اسکے بعض اور مقامات بھی ہیں جن میں ان پشتوں کے بعض حصوں کا ذکر موجود ہے -

جب متی کے نسب نامہ کا پہلی کتابوں کے نسب ناموں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا ہے تو ہم پہلی ۱۴ پشتیں باہم مطابق پاتے ہیں گویا ایک دوسرے کی صحیح نقل ہے مگر ان میں بھی ایک سخت مشکل سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور وہ مشکل ایک عورت کے نام میں ہے۔ متی پہلے باب کی پانچویں درس میں کہتا ہے "سلمون سے بوعز راحب کے پیٹ سے پیدا ہوا"۔ اس طرح راحب حضرت داؤد علیہ السلام کے باپ یسّی کی پڑدادی ٹھہرتی ہے۔ راحب ایک مشہور عورت کا نام ہے اور یشوع کی کتاب کا دوسرا باب اسی کے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔ یہ ایک زانیہ عورت تھی جس نے دو اسرائیلی جاسوسوں کی جان بچائی تھی اور قرمزی رسی سے اپنی دوکان کے دریچہ کی راہ سے اسرائیلی جاسوسوں کو اتار دیا تھا۔ بنی اسرائیل میں یہ عورت بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے اور پولوس اور یعقوب دونوں اپنے خطوں میں اسکو راستبازوں میں اور نجات یافتوں میں شمار کرتے ہیں دیکھو عبرانیوں کا خط باب ۱۱ درس ۳۱ اور یعقوب کا خط عام باب ۲ درس ۲۵ چونکہ یہ عورت بنی اسرائیل میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسکو یسوع مسیح کی دادیوں میں داخل کرنا مناسب سمجھا گیا اور خصوصیت سے اس نامی عورت کا نام درج کیا گیا اگرچہ نسب نامہ میں یہ ضروری نہ تھا کہ عورت کا نام لکھا جاوے مگر چونکہ یہ عورت ایک خصوصیت رکھتی تھی اور بڑی عزت اور عظمت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی چنانچہ پولوس اور یعقوب حواری ہر دو نے اس کی راستبازی کو بطور مثال اور نمونہ کے پیش کیا ہے اس لئے متی نے یا جو کوئی اس کتاب کا بنانے والا ہے اس نے نسب نامہ لکھتے وقت خصوصیت کے ساتھ جتلا دیا کہ وہ نامی گرامی عورت جو بنی اسرائیل میں اسقدر شہرت رکھتی ہے اور جو اپنے کارنامہ کے بموجب نہ صرف بنی اسرائیل کی قوم میں بڑی عظمت سے دیکھی جاتی ہے بلکہ مسیحیوں میں بھی راستبازوں میں شمار کی جاتی ہے وہ نامی گرامی عورت بھی یسوع مسیح کی دادیوں میں شامل ہے۔ لیکن مسیحیوں سے اگر کوئی ثبوت اس امر کا طلب کیا جاوے کہ واقعی راحب کے پیٹ سے ہی بوعز پیدا ہوا تھا تو ان کے پاس کوئی ثبوت اس امر کا نہیں ہے پرانے عہد نامہ سے

کہیں اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی کہ بوعز کی ماں راحب تھی۔ اور یہ کہ بوعز کے باپ نے راحب سے شادی کی تھی۔ متی کے نسب نامہ پر یہ ہمارا دوسرا اعتراض ہے۔

علاوہ اس کے

یہاں ایک اور سخت اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ اعتراض یہ ہے کہ راحب اور حضرت داؤدؑ کے درمیاں چارسو سال کا فاصلہ ہے حضرت داؤدؑ کا زمانہ ۱۰۵۰ سال قبل یسوع مسیح ہے اور راحب کا زمانہ قریباً ۱۴۵۰ سال قبل یسوع مسیح۔ اب اس چارسو سال کے عرصہ میں صرف چار پشتیں بیان کی گئی ہیں۔ اول۔ بوعز۔ دوم عوبید۔ سوم۔ یسی۔ چہارم داؤد۔ اور یہ امر صریح طور پر باطل ہے کہ چارسو سال کے لمبے عرصہ میں صرف چار ہی پشتیں ہوں۔ سلمون کا باپ نحسون بیان کیا گیا ہے اور گنتی کی کتاب کے پہلے باب اور ساتویں ورس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص موسیٰؑ کے ساتھ اُسوقت تھا جب کہ بنی اسرائیل مصر کی زمین سے نکلے اور بیابان میں خیمے لگا کر رہتے تھے اور یہ اُسوقت اپنے خاندان کا سردار تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انجیلی شجرہ کے تجویز کرنے والے نے یہ مناسب سمجھا کہ نحسون کے بیٹے کو راحب کا خاوند قرار دے اور اس طرح راحب جیسی گرانقدر عورت بھی یسوع مسیح کے شجرہ میں داخل ہوکر بنی اسرائیل کی نظر میں نسب نامہ کی قدر و منزلت کے بڑھنے کا موجب ہو۔ یہ اعتراض کہ اسقدر لمبے عرصہ میں صرف چار پشتوں کا ہونا بالکل ناکافی ہے نہ صرف متی کی کتاب پر پڑتا ہے بلکہ روت کی کتاب پر بھی پڑتا ہے کیونکہ اُس نے بھی متی کی کتاب کی طرح سلمون کو نحسون کا بیٹا لکھکر سلمون کے زمانہ کو راحب کے زمانہ تک پہنچا دیا ہے اسلیئے چارسو سال کے عرصہ میں صرف چار پشتوں کے ہونے کا اعتراض جیسا متی کی کتاب پر پڑتا ہے ایسا ہی پُرانے عہدنامہ پر بھی پڑتا ہے اور یہ امر دونوں شجروں کے غلط ہونے کے لیئے ایک بیّن دلیل ہے۔ متی کے نسب نامہ پر ہمارا یہ تیسرا اعتراض ہے۔

اب ہم متی کے نسب نامہ کے دوسرے ٹکڑے کی طرف آتے ہیں۔ جو حضرت داؤدؑ سے شروع ہوکر یکونیاہ پر ختم ہوتا ہے اس ٹکڑے پر ہمارا بڑا اعتراض یہ ہے کہ ورس ۸ میں لکھا ہے کہ یورام سے عزیاہ پیدا ہوا

حالانکہ جب ہم ۱۔ تواریخ باب ۳ ورس ۱۱ و ۱۲ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ غزیاہ۔ یورام کا بیٹا نہیں تھا بلکہ اُس کے پوتے کا پوتا تھا۔ متی تین پشتوں کو اکٹھا ہضم کرگیا ہے۔ ۱۔ تواریخ باب ۳ ورس ۱۱ و ۱۲ میں یہ پشتیں اسطرح پر درج ہیں۔ یورام کا بیٹا اخزیاہ۔ اُس کا بیٹا یوآس۔ اُس کا بیٹا امصیاہ اُسکا بیٹا عزریاہ (جسکو متی میں بجائے عزریاہ کے غزیاہ لکھا ہے) پس متی کے نسب نامہ میں ۳ نام چھوڑ دیئے گئے ہیں ۱۔ اخزیاہ ۲۔ یوآس۔ ۳۔ امصیاہ۔ متی کے نسب نامہ پر ہمارا یہ چوتھا اعتراض ہے ۞ پھر متی ورس ۱۱ میں لکھتا ہے

یوسیاہ سے یکونیاہ اور اُسکے بھائی جسوقت بابل کو اٹھ جانا پڑا پیدا ہوئے مگر جب ہم ۱۔ تواریخ باب ۳ ورس ۱۶ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یکونیاہ یوسیاہ کا بیٹا نہیں تھا بلکہ اُسکا پوتا تھا یوسیاہ کا بیٹا یہویقیم تھا اور یہویقیم کا بیٹا یکونیا تھا۔ متی ایک پشت یعنی یہویقیم کو حذف کرگیا ہے۔ متی کے نسب نامہ پر یہ ہمارا پانچواں اعتراض ہے ۞ متی یکونیاہ کے بھائیوں کا

ذکر کرتا ہے مگر پرانے عہدنامہ میں یکونیاہ کے بھائیوں کا ذکر نہیں ہاں اُسکے باپ یہویقیم کے بھائیوں کے نام درج ہیں اور غلطی سے متی نے یا پہلی انجیل کے نامعلوم مصنف نے یہویقیم کے بھائیوں کو اُسکے بیٹے یکونیاہ کی طرف منسوب کردیا۔ متی کے نسب نامہ پر یہ ہمارا چھٹا اعتراض ہے ۞ اب ہم متی (متی سے ہماری مراد پہلی انجیل کا نامعلوم مصنف ہے جسکو ہم فرضی طور پر متی کے نام سے پکارتے ہیں) کے نسب نامہ کے تیسرے ٹکڑہ کی طرف آتے ہیں۔ ورس ۱۲ میں لکھا ہے "سلت ایل سے زروبابل پیدا ہوا" اب جب ہم ۱۔ تواریخ باب ۳ ورس ۱۹ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زروبابل۔ سلت ایل کا بیٹا نہیں تھا بلکہ فدایاہ کا بیٹا تھا۔ متی کے نسب نامہ پر یہ ہمارا ساتواں اعتراض ہے ۞ معلوم ہوتا ہے کہ متی نے اپنے نسب نامہ کا یہ ٹکڑا عزرا باب ۵ ورس ۲ اور حجی باب ورس ۱ سے نقل کیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ جب تواریخ کی کتاب بھی ایسی ہی الہامی ہے جیسی عزرا اور حجی کی کتابیں

تو پھر کیا وجہ ہے کہ متی کے الہام نے تواریخ کے الہام کو رد کر دیا اور عزرا اور حجی کے الہام کو پسند کر لیا اور نیز کیا وجہ ہے کہ ان الہاموں میں یہ اختلاف ہے۔

پھر متی کے نسب نامہ میں لکھا ہے کہ زروبابل سے ابیہود پیدا ہوا مگر ا۔ تواریخ باب ۳ ورس ۱۹ و ۲۰ میں زروبابل کی اولاد کی فہرست موجود ہے اس میں ابیہود کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ متی کے نسب نامہ پہ یہ ہمارا آٹھواں اعتراض ہے۔

باقی آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ

اورنگ زیب پر مہاراجہ بیکانیر کا حملہ

گذشتہ ماہ نومبر میں عالیجناب نواب وائسرائے بہادر ریاست بیکانیر کے ہاں مہمان تھے اور مہاراجہ صاحب بیکانیر نے حضور ممدوح کے ہاتھ سے ایک پبلک پارک کا افتتاح کرایا تھا۔ اس تقریب پر ریاست مذکور کے عالی مقام فرمانروا نے جو تقریر فرمائی تھی وہ خاص طور پر قابل توجہ ہے کیونکہ اس کے مطالعہ سے ہر ایک مسلمان کو سخت رنج پہنچتا ہے۔ مہاراجہ صاحب نے اگر تقریر میں سہواً کوئی معمولی الفاظ فرما دیئے ہوتے تو ہمیں شکوہ نہ تھا۔ لیکن افسوس کہ سہواً نہیں بلکہ عمداً اور عام نہیں بلکہ خاص تقریر میں ایسا کیا گیا ہے۔ پھر تقریر بھی وہ جو بحیثیت والیٔ ملک حضور ملک معظم کے نائب یعنی وائسرائے و گورنر جنرل ہند کی موجودگی میں کی گئی تھی۔ ہز ہائی نس نے اس تقریر میں نہ صرف اپنے خاندان کے محسن و مہربان بادشاہ یعنی حضرت عالمگیر اورنگ زیب کی ذات پر حملہ کیا ہے بلکہ مذہب اسلام پر بھی ایک بے جا چوٹ کی ہے اور افسوس ہے کہ ایسا کرنے میں مہاراجہ صاحب نے خود اپنی اور اپنے آقا یعنی قیصر ہند کی مسلمان رعایا کے احساس کا شمہ بھر پاس نہیں کیا۔

اس تقریر سے واضح ہوتا ہے کہ تعصب کی ہوا جو مدت سے دیسی سوسائٹی کے ادنیٰ طبقہ میں چل رہی ہے جس کے تیز جھونکوں کا اثر انکے افراد پر اس حد تک ہو گیا

ہے کہ ڈراموں اور ناولوں تک میں شاہ عالمگیر اور اُسکے متعلقین پر رکیک اور عامیانہ
حملے کرتے ہوئے اُنہیں مطلق شرم نہیں آتی۔ اُنکا اثر اب اعلیٰ طبقہ تک بھی پہنچ گیا ہے۔
اور جس طرح ادنیٰ طبقہ کے آدمی فضول اور لایعنی باتوں کو جلدی سے قبول کر لیتے ہیں اسی
طرح بڑے عظیم الشان آدمی بھی بعض اوقات اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مہاراجہ
صاحب بیکانیر بھی بعینہٖ ایسی ہی غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ آپنے اہل اسلام کے ایک
قابل عزت بادشاہ پر ایسے الفاظ میں ایک بے بنیاد الزام لگایا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے
کہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت نہایت حقارت آمیز اور نفرت انگیز وسائل سے
کی گئی ہے اور یہ کہ جن لوگوں کو اسلامی زہد و پرہیزگاری کا نمونہ سمجھا جاتا ہے وہ نعوذ باللہ
اپنے مذہب کی اشاعت کے لیئے ہر قسم کی شرارت اور کمینگی سے کام لے لیا کرتے ہیں
ہم اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مہاراجہ صاحب نے خود وائسرائے کے سامنے
ایسی تقریر کرنے میں کیا مصلحت دیکھی تھی۔ اور ہم متعجب ہیں کہ آپ نے کیوں شاہ عالمگیر
کے خلاف ایسا الزام لگایا جس کا پایہ ثبوت کو پہنچانا اُنکے لیئے مشکل ہے۔ پھر اس سے
بھی زیادہ قابل حیرت اور استعجاب یہ امر ہے کہ مہاراجہ صاحب اپنی تقریر کے ایک حصہ
میں تو شاہ اورنگ زیب کو فریب دہی کا ملزم ٹھہراتے ہیں۔ لیکن آپکی تقریر کے
دوسرے حصے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ ممدوح کے ریاست بیکانیر پر بہت احسان
ہیں اور یہ کہ ان احسانات کو محسوس کرکے مہاراجہ صاحب کے بزرگوں نے وفاداری سے
شاہ دہلی کی بہت سی خدمات انجام دی تھیں۔

ہز ہائی نس کی اس تقریر کے دونوں حصوں کا مطالعہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے
کہ جس اورنگ زیب کو متعصب بیان کیا گیا ہے وہ نکتہ چینوں کے اپنے ہی اقوال کے
مطابق نہایت ہی فراخدل اور وسیع النظر حکمران ثابت ہوتا ہے۔ جس پارک کے افتتاح
کی خاطر لارڈ ہارڈنگ بالقابہ کو بیکانیر میں مدعو کیا گیا تھا اُسکے متعلق مہاراجہ صاحب کے
بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جو علاقہ اب ریاست نظام حیدرآباد کے نام سے موسوم ہے
اسمیں بادشاہ اورنگ زیب نے مہاراجہ بیکانیر کے جد امجد راجہ کرن سنگھ جی کو ایک جاگیر

عطا فرمائی تھی۔ یہ جاگیر سنہ ۱۹۰۴ء میں گورنمنٹ ہند کو تفویض کر دی گئی اور اسکے بدلے میں گورنمنٹ کی طرف سے مہاراجہ بیکانیر کو مالی معاوضہ کے علاوہ ریاست بیکانیر کی سرحد پر دو گاؤں مرحمت کیئے گئے۔ اور چونکہ علاقہ نظام کی جاگیر اس امر کی یادگار تھی کہ راجہ کرن سنگھ جی نے شاہ اورنگ زیب کے عہد میں بھاری خدمات انجام دی تھیں اور یہ کہ بادشاہ کی آنکھ میں راجہ جی کی خاص وقعت تھی۔ اور چونکہ اب اصل جاگیر کا وجود نہیں رہا لہٰذا یہ تجویز کیا گیا کہ سابقہ جاگیر کی جگہ اس پارک کو از سر نو یادگار کے رنگ میں رکھا جائے۔

اگر پارک کی اصل کہانی کو اپنے ہی رنگ پر چھوڑ دیا جاتا تو صاف ظاہر تھا کہ شاہ عالمگیر دربار بیکانیر پر بڑے مہربان تھے اور یہ کہ مہاراجہ صاحب کے بزرگ مراحم خسروانہ کے مورد رہے تھے لیکن ریاست بیکانیر کے موجودہ حکمران بجائے اس کے کہ اپنے خاندان کے محسن کو اصل رنگ میں ظاہر کریں ہز ہائی نس نے بے موقعہ اور بے محل ایک بے ہنگم بے بنیاد روایت کا اپنی تقریر میں اضافہ فرمادیا۔ حیف ہے کہ جس بادشاہ کی شاہانہ فیاضی کے ثمرات سے بیکانیر کا خاندان اب تک بہرہ ور ہو رہا ہے اور جسکے بھاری احسانات کا مجسم اور زندہ ثبوت حق پر یجات (کیونکہ شہنشاہ اورنگ زیب کی عطا کردہ جاگیر واقعہ ریاست نظام حیدرآباد اس نام سے موسوم تھی) اور پارک ہیں۔ ایسے قدردان حق شناس اور محسن بادشاہ کی عنایات اور عطایات پر بے ثبوت روایات کی وجہ سے پانی پھیر دیا جاوے۔ ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب بیکانیر نے اپنی تقریر میں اس بات کا بھی اعتراف فرمایا کہ مہاراجہ کا موروثی خطاب بھی ریاست بیکانیر کے فرمانرواؤں کو اعلیٰ حضرت شاہ اورنگ زیب کی بارگاہ سے عنایت ہوا تھا۔ با ایں ہمہ ہز ہائی نس نے ۲۶- نومبر کو پارک کی افتتاح کے وقت حضور وائسرائے کی موجودگی میں فرمایا "اب میں مختصراً آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ اس پارک کا خیال مجھ کس طرح پیدا ہوا۔ اور اسکی توضیح کے لیئے میں آپ کو بادشاہ اورنگ زیب کے زمانہ تک واپس لے جاتا ہوں۔ ایک دفعہ اورنگ زیب نے ایک سازش کرکے راجپوتانہ

کے حکمرانوں کو دین محمدی اختیار کرنے پر مجبور کرنا چاہا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔ اور تمام ریاستوں کے نام احکام جاری کر دیئے کہ چونکہ شاہی فوج ایک مہم پر جارہی ہے لہٰذا تمام ریاستیں اپنی اپنی فوج لیکر اٹروٹی دریائے سندھ شاہی فوج کے ہمراہ چلیں - ان احکام سے غرض یہ تھی کہ جب راجا اور اُنکی فوجیں دریا کے پار چلے جائینگے تو وہاں وہ لاچار اور بے بس ہونگے اور ایسی حالت میں اُنکو حکم دیدیا جائیگا کہ یا تو مذہب اسلام اختیار کرلیں یا مرنے کے لیئے تیار ہوجائیں جو لوگ راجپوتوں کی تاریخ سے آشنا ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اس سازش کا نتیجہ کیا ہوتا - لیکن جب راجپوت فوجیں دریا کی طرف کوچ کررہی تھیں تو راستہ ہی میں اس سازش کا راز طشت از بام ہوگیا - اور راجپوت رؤسا نے خفیہ طور پر بحث و پز کرکے اس مشکل سے عہدہ برآ ہونے کا انتظام کرلیا - اور اپنے ارادوں میں کامیاب ہوگئے چنانچہ جب شاہی افواج دریا کو عبور کرچکیں اور راجپوت فوجوں کو لینے کے لیئے کشتیاں واپس آئیں تو راجپوتوں نے ان کشتیوں کو گرفتار کرکے غرق کردیا - لکھا ہے کہ اس حملہ میں میرے جد بزرگوار راجہ کرن سنگھ جی نے ابتدا کی اور اُن کے ہمراہی راجاؤں نے سابقہ قرارداد کے مطابق 'جے جنگل دھر بادشاہ' کا نعرہ لگاکر اُنکے اس فعل کو مستحسن قرار دیا - یہ الفاظ جنکے معنی ہیں 'جنگل کے بادشاہ کو فتح ہو' ابتک ہمارے ہاں کا طغرائے ریاست اور نشانات پر منقوش ہوتے ہیں - اور جن لوگوں نے اس سازش کی مخبری کی تھی اُنکی اولاد و احفاد تا ایں زمانہ بیکانیر میں آباد اور اُن مراعات سے مستفیض ہیں جو اس خدمت کے صلہ میں اُس وقت اُنکو عطا ہوئی تھیں اس واقعہ سے بادشاہ سخت ناراض ہوئے اور بیکانیر پر حملہ کرنے کے لیئے ایک فوج بھیجدی لیکن اس فوج کو فوراً ہی واپس کرلیا کیونکہ دکن میں شورش ہورہی تھی اور بادشاہ اورنگ زیب کو باوجود تعصب مذہبی بہادر اور دلیر آدمیوں کی اشد ضرورت تھی اور علاوہ ازیں لاریب بادشاہ کو وہ قابل قدر خدمات بھی یاد آگئی ہونگی جو ساموگڑھ ضلع آگرہ کی فیصلہ کن لڑائی میں

دارا شکوہ کے مقابل راجہ کرن سنگھ جی اور اُنکے جنگ آزما بیٹوں یعنی راجکمار پدم سنگھ جی اور راجکمار کیسری سنگھ جی نے سر انجام دی تھیں اور جن خدمات کے اعتراف میں مذکورہ بالا جنگ سے گرد آلود واپس آنے پر بادشاہ نے خود اپنے رومال کے ساتھ اُنکے چہروں پر سے گرد صاف کی تھی۔ لہٰذا ان وجوہات سے بادشاہ نے ان کو بلا شرط و شروط معاف کر دیا۔ اور شاہی فوج کے ساتھ دکن کی طرف روانہ فرما دیا۔ اسکے چار سال بعد راجہ کرن سنگھ جی کا تو اورنگ آباد میں جہاں وہ کار سرکار پر مامور تھے انتقال ہوگیا اور اسی طرح جب راجکمار پدم سنگھ جی دریائے تاپٹی کے قریب جادو رائے اور ساون رائے کے ساتھ مصروف پیکار تھے تو نہایت بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھا اور اپنے ہر دو حریفوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار کر خود بھی بادشاہ کے لیئے دشمن کی کثیر التعداد فوج کے ساتھ آخر دم تک لڑتے لڑتے کام آئے۔ ان قابل قدر خدمات کے باعث بادشاہ نے ریاست نظام کے عین مرکز میں اورنگ آباد کے قریب میرے جد بزرگوار راجہ کرن سنگھ جی کو وسیع قطعات زمین عطا فرمائے اور راجہ صاحب نے اس زمین میں تین گاؤں آباد کئے اور بیکانیر کے تین سورماؤں کے نام پر اُنکو کیسری سنگھ پورہ۔ پدم پورہ اور کرن پورہ کے ناموں سے موسوم کیا گیا۔ یہ جاگیر ۲۴۹ برس تک مہاراجگان بیکانیر کے زیر تصرف رہی۔ شاہ اورنگ زیب کی جو خدمات میرے بزرگوں نے کی ہیں اُسکے سلسلہ میں مَیں ایک واقعہ کا اضافہ کرتا ہوں وہ یہ کہ راجہ کرن سنگھ جی کے سب سے بڑے بیٹے راجکمار پدم سنگھ جی کے حقیقی بھائی مہاراجہ انوپ سنگھ جی نے گولکنڈہ کی تسخیر میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ اسکے اور نیز دوسری خدمات کے صلہ میں بادشاہ سے ہمارے خاندان کا موروثی خطاب مہاراجہ حاصل کیا تھا"

اسکے بعد مہاراجہ صاحب نے وہ تمام قصہ سنایا جسکے مطابق ریاست بیکانیر ۱۹۰۴ء میں گورنمنٹ ہند سے مالی معاوضہ اور سرحد بیکانیر پر دو گاؤں لیکر حق پرہ بجات کے قبضہ سے دست بردار ہوئی تھی۔

مہاراجہ صاحب کی تقریر کا مذکورہ بالا اقتباس بجائے خود اس الزام کی تردید ہے جو کہ مہاراجہ صاحب نے شاہ اورنگ زیب پر حضور وائسرائے کی موجودگی میں لگایا ہے۔ اس سے تو واضح ہوتا ہے کہ شاہ اورنگ زیب ہرگز متعصب نہ تھا۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ کیونکر خاندان بیکانیر کے ساتھ ایسی فراخدلی سے سلوک کر سکتا تھا۔ دوئم یہ کہ راجپوتوں کو جبراً مسلمان کرنے کی کمینہ سازش افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ کیونکہ مہاراجہ بیکانیر کے بہادر اور غیور بزرگ کیونکر اس امر کو گوارا کر سکتے تھے کہ جو شخص انکے دین و دھرم پر کمینگی سے حملہ کرے وہ اس سے معافی کے خواستگار ہوں اور پھر اسکے لیئے نہایت وفاداری اور پامردی سے اسکے ہندو دشمنوں سے لڑ کر جان تک نثار کر دیں۔ جو شخص راجپوتوں کی تاریخ سے واقف ہو وہ خوب جانتا ہے کہ اگر اورنگ زیب راجپوتوں کے مذہب اور قوم کو خفیہ سازشوں کے ذریعہ پامال و نابود کرنے کا منصوبہ کرتا تو کیا ممکن ہو سکتا تھا کہ جنگجو اور بہادر راجپوت ایسے بادشاہ کے سامنے گردن جھکاتے اور اپنی وفاداری کو ثابت کرنے کے لیئے اپنا خون بہاتے۔ مہاراجہ صاحب نے گو اپنے بزرگوں کی بہت تعریف کی ہے لیکن اس تعریف کے ساتھ بادشاہ پر بے بنیاد الزام لگا کر انہوں نے بیکانیر کے بہادر مہاراجوں کی ہتک کی ہے۔ وہ لاریب بہادر اور غیور تھے اور ان بہادر و غیرتمند راجپوتوں کا اپنے بادشاہ کے ساتھ وفاداری اور جاں نثاری سے پیش آنا ہی اس امر کی بیّن اور زبردست شہادت ہے کہ ان لوگوں نے اورنگ زیب کے وجود میں ایسے آقا کے اوصاف پائے تھے جو اپنی شرافت اور دریا دلی سے راجپوتوں کی سی بہادر قوم کو اپنا خادم بنا سکتا تھا۔ واضح رہے کہ بہادر راجپوتوں سے خدمت اور طاعت کا خراج لینا صرف اسی صورت میں ممکن تھا جبکہ انکا مخدوم شرافت اور عالی حوصلگی کے زیور سے آراستہ ہوتا۔ مہاراجہ صاحب نے فرمایا ہے کہ بادشاہ نے اپنے راجپوت جرنیلوں کے گرد آلود چہروں کو اپنے رومال سے صاف کیا تھا۔ اب اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی ایک بات صاف ظاہر کرتی ہے کہ شاہ اورنگ زیب اپنے راجپوت

جرنیلوں کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اُن کے راجپوت جرنیل اپنے بادشاہ
سے کامل اخلاص رکھتے تھے۔ ہمیں تعجب آتا ہے کہ خادم و مخدوم تو خوش ہیں اور
اگر خادم سے غلطی ہوئی ہے تو دوسرا معاف کرتا ہے۔ اور اگر خادم اپنی غلطی کی تلافی
کے لیئے اپنی وفاداری پر خون سے مہر ثبت کرتا ہے تو مخدوم اپنی خسروانہ مراعات
وعنایات سے اپنے با اخلاص سپہ سالاروں کو مرہون منت بناتا اور اُنکی آئندہ نسلوں کو زیر بار
احسان کرتا ہے لیکن بادشاہ کے مخلص وغیور اور بہادر و وفادار جرنیلوں کے جانشین
یعنی موجودہ مہاراجہ صاحب بیکانیر بادشاہ کو تعصب اور کینہ چالبازیوں کا ملزم ٹھہراتے
ہیں۔ مہاراجہ صاحب نے جہاں اپنے قابل ستائش بزرگوں کی بہادری وجانبازی
کی بار بار تعریف فرمائی ہے وہاں اُنکے مخدوم و آقا شاہ عالمگیر کی ذات ستودہ صفات
پر بدنما دھبّا لگانے کی کوشش کی ہے۔ اور افسوس ہے کہ اس طرح اُنہوں نے
خود اپنے بزرگوں کے روشن نام پر بھی داغ لگایا ہے۔ اگر مہاراجہ صاحب کا خیال
اورنگ زیب کی نسبت درست ہے تو گویا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سابق والیان
بیکانیر غیرت سے معرّا تھے کیونکہ وہ ایسے شخص کی خدمات کو حصول عزت کا ذریعہ سمجھے
جو کینہ چالوں سے اُنکے مذہب اور قومیت کو مٹانا چاہتا تھا۔ اور حالانکہ وہ جانتے
تھے کہ بادشاہ اپنی حملہ آور فوج کو بیکانیر سے صرف اسلیئے واپس کرتا ہے کہ اُسکو دکن
کے لیئے راجپوت سرداروں کی امداد درکار ہے۔ مگر اسپر بھی وہ جاگیر اور خطاب حاصل
کرنے کے لیئے اورنگ زیب کی لڑائیاں اور لڑائیاں بھی ہندوؤں سے لڑتے رہے۔
لیکن ہم کامل یقین اور پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ یہ الزامات محض بے بنیاد اور
قوّت متخیلہ کے ناجائز نتیجے ہیں۔ جن وجوہات کی بنا پر ہم ان الزامات کو ناقابل پذیرائی
سمجھتے ہیں اُن میں سے ایک مہاراجہ صاحب کے بزرگوں کا اپنا فعل ہے۔ اور سب
مہاراجہ بیکانیر کے بزرگ اصحاب شرافت وغیرت تھے اور اگر آج وہ زندہ ہوتے
تو وہ اپنے اقوال سے بھی اپنے موجودہ جانشین کی ویسے ہی تردید کرتے جس طرح
سنیں ماضیہ میں وہ اپنے افعال سے کر چکے ہیں ٭

راجہ کرن سنگھ جی اور اُنکے بہادر بیٹوں کا شاہ دہلی کی خاطر اپنی جانوں تک قربان کر دینا ایک ایسا امر ہے جو نہ صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ سابق والیان بیکانیر کو تخت دہلی سے کیسا اخلاص تھا بلکہ اس سے صریحاً یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ وہ لوگ اپنے موجودہ جانشین کی رائے سے متفق نہ تھے اور ان کے واہمہ میں بھی ان الزامات کا گذر نہیں ہوا تھا جو آج کئی سو برس بعد اُنکے بادشاہ کی نسبت بیان کیئے گئے ہیں اور ریاست بیکانیر کا موجودہ فرمانروا اُنکو قیصر ہند کے عالی مقام نائب کی موجودگی میں فخراً بیان کرتا ہے۔

ہم کو رہ رہ کر تعجب اور بار بار افسوس آتا ہے کہ مہاراجہ صاحب نے کیوں شاہ عالمگیر پہ نامناسب اور بے محل حملہ کیا اور اس حملہ کا یہ کونسا موقعہ تھا اسوقت تو اُمید تھی کہ مہاراجہ صاحب اورنگ زیب کے احسانات کا ذکر کرینگے اور اُس محسن بادشاہ کی تعریف میں کچھ کلمات کہیں گے۔ مہاراجہ صاحب کی تقریر سے صاف پایا جاتا ہے کہ شاہ اورنگ زیب علیہ الرحمۃ اور اُنکے ہمعصر راجپوت شہزادوں کے باہمی تعلقات نہایت دوستانہ تھے اور موخرالذکر کی خاصی تعداد شاہی فوج میں ملازم تھی۔ شاہ دہلی کو اپنے راجپوت جرنیلوں پہ بھروسہ تھا اور راجپوت شہزادوں نے اپنے وفادارانہ طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ اُنپر بادشاہ کا بھروسہ کرنا بے جا نہ تھا۔ جس پبلک پارک کے افتتاح کی غرض سے حضور وائسرائے کو مدعو کیا گیا تھا وہ جہاں راجہ کرن سنگھ کی بہادری کی یادگار ہے وہاں اورنگ زیب کی فیاضی کا بھی ایک بیّن نشان ہے۔ کیونکہ حیدرآباد کی جاگیر مسمّٰی بہ حق پہ بجارت اسی فیاض بادشاہ کا عطیہ تھی۔ مہاراجہ صاحب نے جیساکہ اُنکی تقریر سے ظاہر ہے یہ بھی فرمایا کہ مہاراجہ کا موروثی خطاب بھی اُنکے مورث اعلیٰ کو شاہ اورنگ زیب کی طرف سے عطا ہوا تھا ان خسروانہ عطیات اور نوازشات پر خاندان بیکانیر کو شاہ اورنگ زیب کا شکرگذار ہونا چاہیئے تھا اور اس فراخدل اور قدردان فرمانروا کو حضور وائسرائے کے سامنے اپنے اصلی رنگ یعنی خاندان بیکانیر کے مخدوم و محسن کی حیثیت میں

ظاہر کرنا مناسب تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ محبت کا جذبہ یا احسان کا احساس جو مہاراجہ صاحب کے بزرگوں کو شاہ عالمگیر کے متعلق تھا اُس کا کچھ بقیہ موجودہ والیٔے بیکانیر کے قلب میں نہیں ہے۔ آپ نے اپنی تمام تقریر میں ایک جملہ بھی ایسا نہیں کہا جس سے اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کی شکرگذاری مترشح ہو یا یہ ظاہر ہو کہ مہاراجہ صاحب کو شاہ عالمگیر کے احسانات کا احساس ہے۔ اور وہ اپنے بزرگوں کے محسن کو وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ گو مہاراجہ صاحب کو اپنے بزرگوں کی بہادری اور وفاداری کے ساتھ ہی اُنکے آقا کی شاہانہ عنایات کا بھی ذکر کرنا پڑا ہے لیکن شاہ اورنگ زیب کی خادم نوازی فراخدلی اور قدردانی پر پانی پھیرنے کے لیئے اسکے ساتھ ہی "باوجود تعصب مذہبی" کا فقرہ ایزاد کر دیا ہے۔ اس فقرہ کے اضافہ سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ گو ظاہرًا اورنگ زیب راجپوت شہزادوں پر مہربان تھا لیکن درپردہ وہ اُن سے نفرت رکھتا تھا۔ چنانچہ اسی الزام کی تقویت کے لیئے راجپوتانہ کو مسلمان بنانے کی 'سازش' کا افسانہ ایزاد کیا گیا ہے۔

ہم محو حیرت ہیں کہ مہاراجہ صاحب نے کیونکر سازش کے افسانہ کو حقیقت کا جامہ پہنا لیا حالانکہ ادنیٰ سی توجہ اسکی اصلیت کا اظہار کر سکتی تھی۔ جو حکمت عملی اس سازش کو عمل میں لانے کے لیئے اورنگ زیب کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ خصوصیت سے قابل غور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ راجپوت فوجوں کو سندھ پار لیجاکر اسلام کی دعوت دینی تھی اور اگر وہ نہ مانتے تو اُنکو موت کیلیئے تیار ہونا تھا۔ اس تجویز کی بیہودگی محتاج ثبوت نہیں اور نہ ہی پرلے درجے کے احمق اور بیوقوف کے سوا کوئی شخص ایسی تجویز پر عمل کر سکتا ہے جائے غور ہے کہ جنگجو بہادر راجپوتوں کی فوج کو۔ جنکے افسروں کے گردآلود چہروں کو خود بادشاہ نے اپنے رومال کے ساتھ صاف کیا ہو۔ دریائے سندھ پار صرف اس غرض سے بھیجا جائے کہ وہ اسلام اختیار کریں یا موت کے لیئے تیار ہوں اور لطف یہ کہ دکن میں اُنکی خدمات کی اشد ضرورت بھی موجود تھی۔ ایسی تجاویز کسی عقلمند کے دماغ کا نتیجہ نہیں ہو سکتیں

اور نہ ہی یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ اورنگ زیب اسقدر عقل و فہم سے بے بہرہ تھا۔ ہاں مہاراجہ صاحب نے یہاں پر یہ بھی فرمایا ہے کہ "جو شخص راجپوتوں کی تاریخ سے واقف ہے وہ جان سکتا ہے کہ اس تجویز کا کیا نتیجہ ہوتا"۔ اس جملہ سے مہاراجہ صاحب کا یہ مطلب ہے کہ راجپوت جبراً اسلام اختیار کرنے کی بجائے موت کو ترجیح دیتے یہ درست ہے بے شک راجپوت ایسا ہی کرتے لیکن کیا اورنگ زیب کو راجپوتوں کی حالت کا علم نہ تھا۔ یا کیا وہ راجپوتوں کے عادات و رسومات سے ناواقف تھا۔ وہ تو دوسروں کی نسبت راجپوتوں کو زیادہ سمجھتا تھا کیونکہ اسکی رگوں میں بھی تو آخر راجپوتی خون تھا۔ الغرض حضرت اورنگ زیب خوب جانتے ہونگے کہ آیا آں روئے دریائے سندھ لیجا کر راجپوتوں کی قوم کو جبراً مسلمان کیا جا سکتا ہے۔ ہم اس قصہ پر یقین کرنیوالوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر سندھ کے اس طرف شاہ عالمگیر کمزور اور ناتواں تھے تو سندھ کے پار وہ کیونکر طاقتور اور زبردست ہو سکتے تھے؟ انکا پایۂ تخت اور طاقت کا مرکز تو سندھ کے اس پار ہی تھا اور کیا راجپوت افواج کے لیئے سندھ پار جانا کوئی غیر معمولی بات تھی؟ کیا تاریخ کے پڑھنے والے یہ نہیں جانتے کہ سلاطین مغلیہ کابل میں راجپوت افواج کو بطور قلعہ گیر لشکر کے متعین رکھتے تھے؟ پھر یہ کونسی نئی اور انوکھی بات تھی کہ بادشاہ اورنگ زیب نے ایک مہم کے لیئے راجپوت افواج کو سندھ پار جانے کا حکم دیا۔ اس بے بنیاد الزام کے مصنفوں کو عقل سلیم سے کام لیکر سوچنا چاہیئے تھا کہ اگر سندھ پار جا کر راجپوتوں کو جبراً مسلمان بھی کر لیا جاتا تو کیا وہ سندھ کے اس طرف آ کر پھر ہندو نہیں ہو سکتے تھے؟ اور کیا جس خوف کی وجہ سے اورنگ زیب نے اُن راجپوتوں کو سندھ سے اسطرف مسلمان بنانا پسند نہیں کیا تھا وہی خوف پھر راجپوتوں کے واپس آنے پر قائم نہیں رہتا تھا؟ اور کیا اورنگ زیب جیسا مدبّر بادشاہ فہم سلیم سے ایسا مبرا تھا کہ یہ موٹی باتیں بھی اسکی سمجھ میں نہ آئیں؟ ہرگز نہیں۔ یقیناً نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ شاہ اورنگ زیب پر ایسا کریہہ الزام محض بے ہودہ اور قلت تدبر

کا نتیجہ ہے جس سے افسوس ہے کہ عالی مرتبہ اور روشن خیال اُمراء بھی متاثر ہوئے ہیں۔
مہاراجہ صاحب بیکانیر کی تقریر کو صحت کے قریب لانے اور قابل پذیرائی بنانے کیلئے
اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ بادشاہ نے کسی مہم پر شاہی افواج کو آنزوی دریائے سندھ کوچ
کر جانے کا حکم دیا اور حسب دستور سابق راجپوت رؤسا کی امدادی افواج کو بھی شاہی
فوج کی اعانت پر پہنچنے کے فرامین صادر کیئے راجپوت فوجیں روانہ تو ہوگئیں لیکن
دوران کوچ میں کسی توہم پرست ہندو کو اس مفروضہ سازش کا وہم ہوا اور اُس نے
خفیہ خفیہ اس جال کو اسقدر بڑھا کر پھیلایا کہ تمام لشکر اور خود راجپوت شہزادے بھی
دام تزویر میں اسیر ہو گئے اور غدر ۱۸۵۷ء کی طرح ایک بے بنیاد افواہ پر اپنی محسن
گورنمنٹ سے سرکشی کا ارتکاب کر بیٹھے۔ بادشاہ نے اس نافرمانی اور شوخی کی سزا
کے لیئے بیکانیر پر فوج کشی کا حکمدیا۔ لیکن اس مدت میں راجہ کرن سنگھ جی کو اپنی غلطی
کا علم ہو چکا تھا انہوں نے اپنے بادشاہ سے معافی کی درخواست کی اور بادشاہ نے
اپنے پرانے جان نثار سردار کو فراخدلی سے معاف فرما دیا۔ اسکے بعد راجہ جی نے اپنی
فروگذاشت کی تلافی اور بادشاہ کی خوشنودی مزاج حاصل کرنے کے لیئے نہایت
جانبازی سے جوہر مردانگی دکھائے اور بادشاہ سے جاگیر حاصل کی پھر ایک مخلص
ملازم کی طرح اپنے آقائے نامدار پر اپنی جان عزیز قربان کر کے ثابت کر دیا کہ شریف اگر
غلطی بھی کریں تو اس طرح اسکی تلافی کیا کرتے ہیں اور احسان کو کبھی فراموش نہیں کرتے۔
پس اگر اس واقعہ کی کوئی اصلیت ہے تو اس سے زیادہ نہیں اور یہی قرین قیاس
اور قابل تسلیم ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ سازش کے افسانے کو ذرا وضاحت سے بیان کر دیں اور اپنے
ناظرین کو یہ جتلا دیں کہ جس قوم کے افراد اس روشنی کے زمانہ میں بھی توہمات کا شکار
ہوں اور جن کے نزدیک آریہ ورت سے باہر قدم رکھنا گویا ہندو دھرم کو بگاڑنا ہے۔
کیا ان سے یہ بعید تھا کہ سندھ پار جانے کے فعل کو ہی دھرم کا بگاڑ سمجھ لیتے۔
.... پھر ۱۸۵۷ء کا خطرناک خونی منظر ابھی بہت پرانا نہیں ہوا کیا اس وقت

اسی توہم پرستی نے ملک میں خون کی ندیاں نہیں بہادی تھیں؟ کیا بے بنیاد اور بے ہودہ الزامات کی گورنمنٹ عالیہ کے خلاف ایسے رنگ میں اشاعت نہیں کی گئی تھی؟ کہ گویا وہ صحیح ہیں پھر کیا ان لغو مگر زہرآلود الزامات سے بڑے بڑے لوگ متاثر نہیں ہوئے؟ کیا ایک برہمن کی آواز پوربی سپاہیوں سے گذر رانی جھانسی اور نانا دھندوپنتھ تک کے کانوں میں نہیں پہنچی؟ پھر کیا یہ بڑے بڑے لوگ اس کے اثر سے محفوظ رہے؟ - اب ہم کہتے ہیں کہ اگر انیسویں صدی میں جبکہ توہم پرستی اُڑنی شروع ہوگئی تھی - یہ ممکن ہوگیا کہ ایک لغو افواہ نے بڑھتے بڑھتے اصلیت کا جامہ پہن لیا اور کشت و خون کا بازار گرم کرادیا - تو کیا بدرجہ اولیٰ یہ ممکن نہیں کہ ۱۸۵۷ء سے ڈیڑھ دو سو سال پیشتر توہمات نے اسی رنگ میں اپنا اثر کیا ہو - فرق صرف یہ ہوسکتا ہے کہ ایک صورت میں تو سندھ پار لیجا کر راجپوتوں کو جبراً مسلمان بنانے کا افسانہ وضع کیا گیا اور دوسری طرف چربی والے کارتوسوں کے ذریعہ ہندو مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی من گھڑت کہانی مشہور کی گئی -

الغرض مہاراجہ صاحب نے جو الزامات شاہ اورنگ زیب پر لگائے ہیں وہ دراصل اُس نوعیت کے ہیں جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی گورنمنٹ پر ۱۸۵۷ء میں لگائے گئے اور جس طرح موخر الذکر الزامات کا ماخذ ایک توہم پرست دماغ تھا اسی طرح یقیناً اول الذکر کی حالت میں بھی انہی توہمات کا گہرا اثر ہوا ہوگا - ہز ہائی نس نے ہمیں یہ بھی بتلایا ہے کہ کہ اورنگ زیب نے خفا ہوکر "بیکانیر پر حملہ کرنیکے لیئے ایک فوج بھیجی لیکن بعد ازاں راجپوت شہزادوں کو معاف فرمادیا" ہم کہتے ہیں کہ اگر بادشاہ نے کوئی سازش کی تھی اور اس سازش کا علم بروقت راجپوت شہزادوں کو ہوگیا تھا تو اورنگ زیب کو اپنی حرکت پر شرمندہ ہونا چاہیئے تھا نہ کہ اُلٹی خفگی کرتا - اور معاف کرنیکے کیا معنے اُسے تو خود اپنے راجپوت جرنیلوں سے معافی مانگنی چاہیئے تھی تاکہ اُنکا جائز غصہ کم ہوجاتا اور اُنکو یقین ہوتا کہ بادشاہ آئندہ کبھی اُنکے دھرم بگاڑنے کی کوشش نہ کرے گا - لیکن مہاراجہ صاحب کی تقریر سے تو صاف پایا جاتا ہے کہ نہ تو راجپوتوں کی طرف سے

کوئی شرائط پیش ہوئیں اور نہ ہی بادشاہ نے کسی شرط پر معاف کیا جسکے دوسرے الفاظ میں یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ راجپوت شہزادوں کو جب اپنی غلطی کا علم ہوا تو انہوں نے بغاوت کے سیاہ داغ کو جو انکی وفاداری کے سفید لباس پر بمنزلہ ایک بدنما دھبے کے تھا معافی کے صاف پانی سے دھوڈالنے کا عزم کر لیا اور قبل اسکے کہ شاہ عالمگیر کی آتش غضب ہر ایک چیز کو خاک سیاہ کرتی انہوں نے اپنی فروگذاشت کا اظہار اور سابقہ خدمات کا واسطہ دیکر اپنے جرم پر قلم عفو کھینچے جانے کی درخواست کی ہوگی جو بادشاہ کی پیشگاہ عالی سے منظور ہوئی ؛

المختصر اگر اس واقعہ کی کوئی حقیقت اور مہاراجہ صاحب کی تقریر میں کوئی اصلیت ہے تو وہ اسی قدر ہے جو ہم نے وضاحت سے اوپر بیان کردی۔ ہمیں یہانتک تو مہاراجہ صاحب سے اتفاق ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ بادشاہ پر سازش کا الزام لگایا گیا ہو اور یہ کہ راجپوتوں نے دریائے سندھ کے کنارہ پر پہنچکر بغاوت کردی ہو لیکن محض ایک الزام کی بنا پر یہ کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ واقعی سندھ پار لیجا کر راجپوتوں کو جبراً مسلمان بنانے کی سازش کی گئی تھی۔ ہم نے اس فرضی سازش کو ۱۸۵۷ء کی مفروضہ سازش سے تشبیہ دی ہے اور یہ مشابہت بالکل صحیح ہے۔ اگر خدانخواستہ اس زمانہ میں انگریزی سلطنت کی بجائے کوئی اور حکومت ہوتی اور اس حکومت کا حاکم اعلیٰ ریاست جھانسی وغیرہ میں مدعو کیا جاتا اور ریاست کا فرمانروا اُس نائب السلطنت کے سامنے تقریر کرتے وقت کہتا کہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے کارتوسوں میں سور اور گائے کی چربی لگا کر ہندوستانیوں کے مذہب کو بگاڑنے اور اُنکو عیسائی بنانے کی کوشش کی تھی لیکن اس سازش کا بروقت علم ہوگیا اور ہمارے بزرگوں نے یہ کیا وہ کیا وغیرہ وغیرہ۔

اب ہز ہائی نس خدارا یہ فرمائیں کہ ان دونوں سازشوں میں فرق کیا ہے؟ صرف اتنا کہ ایک میں گورنمنٹ مغلیہ اور دوسری میں گورنمنٹ انگلشیہ ہے ورنہ واقعات یکساں توہمات یکساں اور انکی اشاعت یکساں ہے۔ پھر کیا کوئی سلیم الفطرت

انسان غدر ۱۸۵۷ء کی مفروضہ سازش کو صحیح سمجھ سکتا ہے؟ اور اگر ایک کو صحت سے معرّا سمجھا جائے تو کیوں دوسری کو یہی پایہ نہیں دیا جاتا؟

یہ بے محل نہ ہوگا اگر ہم یہاں پر ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ کی کتاب الموسومہ بہ دعوت اسلام سے ایک واقعہ نقل کردیں اور دکھائیں کہ شاہ عالمگیر کے غیر مسلم لوگوں خصوصاً راجپوتوں کے متعلق کیا خیالات تھے اور یہ کہ مذہب اسلام کا پابند اورنگ زیب کس طرح قرآن پاک کے احکام پر عمل کرکے کسی کے مذہب میں دخل دینا ممنوع سمجھتا تھا۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ان سطور کا مطالعہ طالب حق پر مہاراجہ صاحب کی بیان کردہ مفروضہ سازش کا اصل راز افشا کردے گا۔ مسٹر آرنلڈ فرماتے ہیں "ایک دفعہ کوشش کی گئی کہ دو غیر مسلم ملازمین سرکار کو اس بنا پر علیحدہ کرا دیا جائے کہ وہ پارسی (آتش پرست) ہیں اور اُنکی جگہ مسلمانوں کا تقرر عمل میں آئے۔ شاہ اورنگ زیب نے جواباً فرمایا' عام دنیوی تعلقات میں کسی کے مذہب سے کیا سروکار ہے اور ایسے معاملات میں تعصب مذہبی کو ہرگز راہ نہیں دینی چاہیئے'۔ اپنے اس جواب کو تقویت دینے کے لیئے بادشاہ نے قرآن کریم کی یہ آیت سنداً پڑھی لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ۝ یعنی تمھارے لیئے تمھارا مذہب اور میرے لیئے میرا مذہب۔ اور اسکے بعد فرمایا "اگر ہم اس نصیحت پر عمل پیرا ہوتے تو چاہیئے تھا کہ تمام راجاؤں اور اُن کی رعایا کو تباہ کردیتے"۔ یہ ہیں اُس بادشاہ کے خیالات اور معتقدات جسپر کمال بے رحمی سے ایک کمینہ سازش کا الزام لگایا جاتا ہے واضح رہے کہ اورنگ زیب ایک پابند مذہب بادشاہ تھا اور وہ اپنی ہر رائے کو قرآن کے ماتحت رکھتا تھا جیسا کہ مذکورہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے لہٰذا ایسے بادشاہ پر کمینہ سازشوں اور جبراً مسلمان کرنے کا الزام ایسا ہی غلط اور بیہودہ ہے جیسا کہ اسلام کی تعلیم پر جبراً اشاعت مذہب کی اجازت دینے کا لغو الزام پایۂ صداقت سے گرا ہوا ہے۔

بالآخر ہم مکرّر اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب بیکانیر نے

شاہ اورنگ زیب پر بے جا اور بے بنیاد الزام لگا کر مسلمانوں کے قلوب کو سخت صدمہ پہنچایا ہے مناسب تو یہ تھا کہ جاگیر بریجات کے عطا کنندہ اور راجگان بیکانیر کو مہاراجہ کا خطاب دینے والے پادشاہ کی شکر گذاری کا موجودہ نائب السلطنت کی موجودگی میں اظہار کیا جاتا اور بتایا جاتا کہ ایشیا کی ایک بہادر قوم صدیاں گذر جانے پر بھی احسان کو فراموش نہیں کرتی۔ چونکہ مہاراجہ صاحب نے بادشاہ اورنگ زیب پر ایک سنگین اور دل دُکھانے والا الزام لگایا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس بات کے مطالبہ کا حق حاصل ہے کہ مہاراجہ صاحب اس دعویٰ کو پایۂ ثبوت تک پہنچائیں اور معتبر تاریخ سے اس بے ہودہ سازش کے الزام کو صحیح اور واقعی ثابت کریں۔ مہاراجہ صاحب نے راجپوت افواج اور راجہ کرن سنگھ جی کے مقابلہ کو 'بیکانیر کی تاریخ کا ایک سنہری باب' کہکر پکارا ہے کیونکہ انکے خیال میں یہ کارروائی اپنے دھرم کی حفاظت کے لیئے تھی۔ لیکن ہم مہاراجہ صاحب یا اُنکے ہر ایک ہم خیال سے دریافت کرتے ہیں کہ آپکے پاس اس بات کے باور کرنیکی کیا وجوہات ہیں کہ یہ سنہری باب توہم یا بناوٹ کے ہاتھ کا رقم زدہ نہیں ؟

اس مضمون کے خاتمہ پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ایک غلط تعبیر کا ازالہ کر دیں وہ یہ کہ مبادا ہمارے الفاظ سے کسی کو شبہ ہو کہ ہم تمام ہندو قوم کو اس غلطی کا گنہگار سمجھتے ہیں جسکے جال میں مہاراجہ صاحب بیکانیر پھنس گئے ہیں۔ نہیں نہیں ہمارا ہرگز ایسا خیال نہیں۔ ہندو قوم میں اورنگ زیب کے احسان کے قدردان اور حقیقت سے آشنا لوگ موجود ہیں۔ چنانچہ ہم کو یاد ہے کہ مسلم یونیورسٹی کی ابتدائی تحریک کے زمانہ میں راجہ برج نارائن صاحب نے یونیورسٹی کے چندہ میں ایک سو روپیہ ارسال کیا تھا اور اُسکے ساتھ ہی تحریر فرمایا تھا کہ ہمارا خاندان شاہ عالمگیر کا شکر گذار اور ہماری ریاست اُس تاجدار کی یادگار ہے۔ پھر بہت دیر نہیں گذری کہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے بنگالی سکرٹری نے بنارس سے شاہ اورنگ زیب کا ایک حکمنامہ نکالکر اپنے غلطی خوردہ بھائیوں کو سنایا تھا کہ

جب بادشاہ کو محاصل بنارس کے تشدد وسختی اور ہندوؤں کے مذہبی امور میں دست اندازی کا علم ہوا تو آپ نے محاصل مذکور کو یہ حکم لکھا کہ ہم نے سنا ہے تم ہندوؤں کے مذہبی امور میں مداخلت کرتے اور ان پر تشدد روا رکھتے اور مندر گرواتے ہو یہ امور ہمارے مذہب کی تعلیم کے خلاف ہیں اگر آئندہ شکایت ہوئی تو قرار واقعی سزا دیجائے گی وغیرہ وغیرہ۔

اے کاش مہاراجہ صاحب بیکانیر نے جہاں ایک فرضی اور بناوٹی سازش کی کہانی سنی تھی وہاں وہ علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ اور دوسرے اخبارات میں راجہ برج نارائن اور فاضل سکرٹری رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے خیالات کا بھی مطالعہ فرما لیتے اور بے وجہ ایک دل دکھانے والی کہانی حضور وائسرائے ہند کو سنانے کی تکلیف گوارا نہ کرتے ۔

مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ

احباب واہل اسلام اس چٹھی پر غور فرماویں ایک دردمند دل کی تحریر ہے۔ دردمند دل سے پڑھو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ پوری توجہ کریں۔ تین ہزار ایک پرچہ کے لئے۔ زیادہ نہیں۔ چاہو خریدار بنو۔ چاہو۔ امدادی رنگ میں دو۔ جس طرح ہو خواجہ صاحب کی ہمت بڑھاؤ۔ ولینصرن اللہ من ینصرہ۔ والسلام

نور الدین عفی اللہ عنہ ۲۶- فروری ۱۳ء

میرے مرشد و آقا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کئی سال ہوئے جب یہ آواز دی اور خدائے تعالیٰ نے اس آواز پر ایک جماعت انصار کی انہیں عطا کی۔ جنہوں نے وہ نمایاں اسلامی خدمت آج تک کی کہ جس کا اہل ہند نے اعتراف کیا۔ آج میں کئی ہزار میل پر بیٹھا ہوا نصاریٰ کی سرزمین سے پھر یہ آواز دیتا ہوں۔ اور خدائے تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ میری یہ صدا خالی نہ جاوے گی در اصل تو میری سب امیدوں اور آرزوؤں کو پورا کرنیوالا اور میرے مقاصد کو بر لانے والا۔ وہی سبحانہٗ تعالیٰ ہے جس نے مجھے اس سرزمین میں آناً فاناً بھیجکر میرے سامنے اعلائے کلمۃ اللہ کا

ایک وسیع میدان کھولدیا لیکن حالت اضطرار میں۔ من انصاری الی اللہ بھی پکار نامجھے اسی نے سکھلایا۔ یوں تو کوئی ہفتہ نہیں گذرتا کہ ابناء الدجال مسیح کے غلام سے ذلیل وخوار نہیں ہوتے۔ اور پرائیویٹ طور پر سلسلہ گفتگو بھی مفید پیمانہ پر جاری ہے۔ لیکن دیرپا تاثیرات پیدا کرنے کے لیئے کسی ایک مستقل کوشش کی ضرورت ہے۔ بلادِ غربیہ میں مسئلہ اشاعت اسلام پر جو مجھے سمجھ آیا۔ مینے اس چٹھی میں اسے لکھ بھیجا جو سالانہ جلسہ میں سنائی گئی۔ جسکی غرض یہ تھی کہ یہاں سے کوئی رسالہ جاری ہو۔ یا ریویو آف ریلیجز کو اس طرف منتقل کیا جاوے مجھے بعد میں معلوم ہوا۔ کہ قومی مصالح اور دیگر اخراجات کثیر۔ اس پندرہ بیس ہزار کے متحمل نہیں ہو سکتے جو ریویو آف ریلیجنز کا یہاں لایا جانا چاہتا تھا لہذا بعد از دعا استخارہ مشورہ مینے ارادہ کیا ہے کہ میں ایک ماہواری میگزین یہاں سے نکالوں ؛

میری مختصر رہایش نے مجھ پر یہ ثابت کردیا ہے کہ یہ دنیا مذہب سے کچھ ایسی بیزار ہے کہ کسی امر میں جس کو کچھ مذہب سے تعلق ہو۔ انکو اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ خالص مذہبی رسالہ کا خریدنا تو درکنار شاید مفت بھی اس کو پڑھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔ اس لیئے یہ پسند کیا گیا ہے کہ اس کا تھوڑا سا حصہ دیگر امور پر بھی مشتمل ہو۔ اخلاق۔ اقتصاد۔ تعلیم۔ امور سیاسی و مجلسی دراصل دنیا نے انکو مذہب سے الگ کر رکھا ہے۔ لیکن اسلام میں تو یہ سارے امور آجاتے ہیں۔ اسلیئے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس پرچہ کی اصل غرض وغائت تو مذہب ہی ہے۔ ہاں بعض طبائع کو پڑھنے کی تحریک دینے کے لیئے اس قسم کے امور بھی لکھ دیئے جاویں گے۔ لیکن انکو بھی اسلامی جھلک سے رنگین کر دیا جاوے گا۔ علاوہ ازیں میرے ایک خاص دوست ہیں وہ رسالہ میں اس قسم کے مضامین کے اندراج ہونے پر ایک خاص تعداد اس رسالہ کی اپنے خرچ پر مفت تقسیم کرا دیں گے۔ اُن کا ایک مقصد ہے خدائے تعالیٰ اُن کو انکے مقصد میں کامیاب کرے ؛

اس رسالہ کے اخراجات میں بحیثیت ایڈیٹر اپنی محنت اور بحیثیت مینجر اخویم ڈاکٹر عباد اللہ صاحب کی محنت میں شامل نہیں کرتا۔ خدائے تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو اجر عظیم اپنی جناب سے دے۔ صرف چھپائی۔ اشاعت۔ کاغذ۔ محصول ڈاک اور دیگر امور ضروری کے لحاظ سے اور اس امداد کو الگ کرکے جو میرے دوست نے دینی ہے میں چاہتا ہوں کہ ہمارے بھائی دو ہزار کاپی کی خریداری

سردست کریں - اس میں ایک ہزار میں یہاں امریکہ - افریقہ اور یورپ میں مفت تقسیم کرونگا -
اور یہ بالکل تھوڑا ہے یہاں تو کئی ہزار کاپی مفت تقسیم ہو تو پھر کوئی صورت پیدا ہوگی - اور متواتر
اور مستقل کوشش سے ہی کوئی نتیجہ مترتب ہوگا - میں چاہتا ہوں میرے بھائی خواہ وہ انگریزی
داں ہیں یا غیر انگریزی داں اسکے خریدار بنیں - اُردو داں اصحاب کی خدمت میں اس کا اردو ترجمہ
پُہنچا کریگا - میں نے قیمت اسکی پانچروپے سالانہ رکھی ہے اور حالات بالا کے لحاظ سے یہ بہت
نہیں - میں چاہتا ہوں کہ بعض بھائی قیمت کا لحاظ نہ کریں بلکہ عند اللہ جو کچھ اُن سے بن پڑے
اسوقت میری مدد میں ایثار کردیں - خدا کے فضل سے مَینے آجتک ہندوستان میں مختلف کتابیں
اس اصول پر شائع کیں - اور گذشتہ تین چار سال متواتر سلسلہ الٰہیہ کی خدمت میں کوشاں رہا -
بھائیوں کی امداد سے خدا نے میری محنت کو ضائع نہ کیا - ہندوستان میں راستہ صاف ہُوا -
اب مصلحت ربی مجھے یہاں لائی - میرے ہاتھ میں کسّی اور کندھے پر ربانی کندالی ہے -
لیکن یہاں تو بہت کھردرے میدان - سنگلاخ پہاڑ - خاردار جھاڑیاں اور ویرانے ہیں -
خدا ہی ہے جو میرے ہاتھ کو مضبوط اور میرے پاؤں کو طاقتور بنادے ؛

مَینے اپنے ایجنٹ منشی نور احمد صاحب کو مقرر کیا کہ وہ مختلف شہروں میں آپ صاحبان
کیخدمت میں آویں - اور میری طرف سے گدائی کریں اللہ تعالیٰ آپکے دلوں میں الہام کرے اور اگر
یہ کام محض اُسی کی مشیت اور منشاء کے ماتحت ہے تو آپ کے سینوں کو میری مدد کے لیئے
اور آپ کے ہاتھوں کو ایثار کے لیئے کھولدے - آمین - والسلام - پتہ نیشنل بنک آف انڈیا
۲۶ بشپ گیٹ کمال الدین

فٹ نوٹ :- ضروری نہیں کہ ہمارے بھائی شیخ نور احمد صاحب کی انتظار کریں بلکہ براہ راست
بذریعہ پوسٹل آرڈر امدادی رقم مجھے بھیجدیں - یا لاہور میں شیخ رحمت اللہ صاحب کیخدمت میں بھیجدیں ؛

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ فروری ۱۹۱۳ء

صیغہ زکوٰۃ :- آمد ۰-۰-۵۹۱ اور خرچ ۴-۹-۴-۱۷۴ ہوا۔ آمد میں پانچ سو کی رقم صرف جناب ابوبکر یوسف جمال صاحب نے جدہ سے روانہ فرمائی ہے۔ باقی روپے مختلف احباب کی طرف سے۔ یعنی جماعت احمدیہ شملہ نے عہ - چودھری حاکم علی صاحب چک پنیار ڈاکخانہ بھلوال نے للعہ جماعت منصوری نے عہ اور جماعت بنگہ نے ایک روپیہ بھیجا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

یتامیٰ :- آمد ۱۲ اور خرچ ۴ ہوا۔ آمد میں صرف ایک ہی رقم قابل ذکر ہے۔ جو بھائی ابوبکر یوسف جمال صاحب نے جدہ سے بیس روپے کی بھیجی۔ احباب یتامیٰ کی پرورش کی طرف خیال رکھیں۔

تعلیم :- خدا کا شکر ہے کہ جیسے کہ گذشتہ رپورٹ میں اطلاع کی گئی تھی کہ طلباء تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان ڈسٹرکٹ ٹورنمنٹ میں تمام کھیلوں میں ضلع گورداسپور میں اول رہے ہیں۔ ڈویژنل ٹورنمنٹ لاہور میں فٹ بال ہاکی میں اول نمبر پر رہے۔ جو ایک چاندی کا شیلڈ اور ہر ایک لڑکے کو ایک ایک تمغہ ملا۔ تعداد طلباء سکول ۳۵۷۔ سات سرکاری وظیفہ خواران ہیں ؛

صیغہ مقبرہ بہشتی :- دو موصیہ اس ماہ فوت ہوئیں۔ ایک قادیان میں ایک باہر۔ اول الذکر دفن مقبرہ بہشتی ہوئی۔ موخرالذکر کا کتبہ نصب کیا جاویگا۔ بارہ نئی وصایا آئیں۔ مد وصایا میں ذیل کے احباب کی طرف سے روپیہ آیا مسمات کنیز فاطمہ مرحومہ ہمشیرہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مدخلہ مولوی محمد علی صاحب ۱۰ - مولا داد صاحب سب انسپکٹر ریلوی پولیس گورداسپور ۸ - میاں نبی بخش صاحب رفوگر و سوداگر پشمینہ امرتسر ۸ - بابو عبدالرحمٰن صاحب شملہ ۸ - ڈاکٹر بشارت احمد صاحب راولپنڈی ۱۲ - حاجی عمر ڈار صاحب کشمیر ۸ - شیخ فضل کریم صاحب اسسٹنٹ اکونٹنٹ دہلی ۵ - بابو عبدالحی خانصاحب پوسٹماسٹر بحساب صاحب جان زوجہ خود عہ - دوست خان محرر پولٹیکل سیونگ عہ - ڈاکٹر غلام دستگیر صاحب بذریعہ جماعت مگوئی عہ - صاحبو زوجہ سندی شاہ بنگہ ضلع جالندھر عہ

جھنڈو زوجہ عبداللہ بنگہ ضلع جالندھر عہ - جانوں مرحومہ زوجہ مولا بخش صاحب بنگہ ضلع جالندھر عـ۸ـہ - شیخ محمد حسین صاحب بحساب عائشہ مرحومہ لائل پور دعہ
مولوی رحیم بخش صاحب تلونڈی جھنگلاں ضلع گورداسپور عـہ -

بعض احباب مسودہ وصیت نامہ غلط لکھتے تھے جسکے درست کرانے پر بہت عرصہ خط و کتابت میں صرف ہوجاتا تھا اسلیئے بمشورہ مشیر قانونی صاحب احباب کی سہولت کیلیئے وصیت کرنیکے لیئے مسودہ چھپوایا گیا ہے - لہٰذا دفتر مقبرہ سے منگواکر اسکے مطابق وصیت کیجاوے انجمنوں کے سکرٹری صاحبان کچھ فارمیں منگاکر اپنے پاس رکھ لیں تو بوقت ضرورت سہولت ہوسکتی ہے ؛

اشاعت اسلام :- خریداران ریویو انگریزی میں ۲۲ کی اور اردو میں ایک سو کی کمی واقع ہوئی جسکی وجہ یہ ہے کہ دسمبر جنوری گذشتہ میں جملہ خریداران کے نام وی - پی کیا گیا تھا - جسکا انکاری ہوکر آیا اسکے نام رسالہ بند کردیا گیا اس کمی کا زیادہ اثر ماہ فروری میں واقع ہوا کیونکہ رسالہ اس ماہ واپس آیا افسوس کا مقام ہے کہ جب احباب سے قیمت طلب نہ کیجاوے تو خریدار بڑھتے جاویں اور جب کبھی وصولی قیمت کا سوال اُٹھے تو خریدار کم ہونے لگیں - احباب غور فرماویں کہ ایسے خریدار بننے سے کیا فائدہ جبکہ دفتر کو اُلٹا نقصان پہنچے - اور کیا حضرت کے ارشاد کی تعمیل کرنیکے کہ ہر احمدی کو رسالہ کا خریدار ہونا چاہیئے - یہی معنے ہیں - نہیں ہرگز نہیں - اور مَیں زور سے کہتا ہوں کہ ایسے احباب بجائے فائدہ کے فنڈ کو زیربار کرتے ہیں - جو رسالہ جاری کراکر کچھ عرصہ وصول کرتے رہتے ہیں لیکن جب وی - پی بھیجا تو انکار کرکے واپس کردیا - اس لیئے یہ تجویز کی گئی ہے کہ حتی الوسع پیشگی قیمت لیکر رسالہ جاری کیا جاوے اور اس صورت میں تھوڑے خریدار جو پیشگی قیمت دینے والے ہوں قیمت نہ دینے والے بہت خریداران سے بہتر ہیں ؛

دفتر تعمیر :- عمارت بورڈنگ ہوس کا کام بجز روغن کے مکمل ہوا - عمارت مدرسہ کے نیچے کی منزل کی قریباً کل کمروں کی چھت پڑ چکی ہے - اندرونی پلستر اور برآمدہ کا کام بھی شروع کردیا گیا ہے - کام کی رفتار بہت تیز ہے - بھٹہ کا کام زور سے چل رہا ہے -

اس ماہ ۹-۵-۱۶۵۹ آمد اور ۹-۱۳-۲۰۸۳ خرچ ہوا۔ جنمیں سے ذیل کی قوم چندہ تعمیر میں وصول ہوئیں۔ قادیان ۱۱۸/ ۔ شملہ ۵/ ۔ حیدرآباد دکن لعمار مونگیر ۸/ ۔ لاہور ۸/ ۔ پشاور ۱۰/ ۔ منٹگمری ۔ پٹیالہ ۔ میرٹھ ۔ بنگہ ۔ لائل پور ۔ سڑدعہ ۸/ ۔ علیگڈھ ۔ ڈیرہ غازیخان ۔ منصوری ۔ گلگت ۔ غوث گڈھ ۔ انبالہ ۱۴/ بنگلور ۔ از مختلف احباب ۹/

گذشتہ دنوں جو اپیل چندہ تعمیر کی وصولی کے لیئے کی گئی تھی۔ اسپر جناب شیخ تیمور صاحب ایم۔اے۔ پروفیسر و اسسٹنٹ ٹیوٹر علیگڈھ کالج نے جو کارروائی کالج کے چند ایک احمدی طلباء میں جو اکثر انہیں سے غریب تھی کی وہ قابل رشک ہے۔ خصوصاً اس لحاظ سے بھی کہ طلباء خواہ امیر ہوں یا غریب انکی جیب اس قسم کے اخراجات کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ اسلیئے میں دیگر احباب کی اطلاع کے لیئے وہ چٹھی جو وہاں سے موصول ہوئی درج کرتا ہوں۔ تا احباب کو اللہ تعالیٰ کا شکریہ کرنیکا موقع ملے کہ ہر طبقہ میں اسکے فضل سے کیسے کیسے مخلص احباب موجود ہیں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جناب والا کی دردمند اپیل سکول کی عمارت کے بارے میں جناب شیخ صاحب کے پاس پہنچی۔ انہوں نے جمعہ گذشتہ میں بڑے زور سے تحریک فرمائی۔ اور احمدی طلبا کے ذہن نشین کیا۔ کہ جسطرح دنیا میں کھانا پینا اور دیگر ضروری چیزیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح قومی کام ایسی ہی اہمیت رکھتی ہیں۔ آپ سب کو چاہیئے کہ عمارت کے فنڈ میں پیٹ کاٹکر بھی چندہ دیں۔ انہوں نے چندہ کے ضروری مقاصد و اغراض کی طرف توجہ دلائی انہوں نے فرمایا کہ یہ قومی سکول کے لیئے آپکے چندہ مانگا جاتا ہے۔ وہ قومی سکول جس میں ہمارے بچے تعلیم پا رہے ہیں۔ جسمیں آئندہ تعلیم حاصل کرینگے وہ نامکمل ہے۔ آپنے بڑے زور سے اس بات کی طرف توجہ کرائی۔ کہ ہر ایک صاحب کو چاہیئے کہ اتنا چندہ دے۔ کہ اسکو دینے میں بھی تکلیف محسوس ہو۔ الغرض جناب شیخ صاحب کی تقریر اور جناب والا کی اپیل نے بڑا اثر کیا۔ چنانچہ شیخ صاحب نے مبلغ ۱۰۰ روپیہ جو بائیسکل کے لیئے رکھا ہوا تھا۔ کیونکہ انکو شہر سے کالج پیدل آتے تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ عمارت فنڈ میں دے دیا۔ اور کہا۔ کہ خدا تعالیٰ نے دو ٹانگیں دی ہوئی ہیں۔ وہ کافی ہیں۔ بائیسکل کی بابت پھر دیکھا جائیگا۔ چنانچہ ایک کمیٹی

چندہ کی بنائی گئی - چندہ فراہم کیا گیا - احمدی طلباء نے بھی ایثار کا پورا ثبوت دیا - اور بعض غریب طلباء نے اپنی حیثیت سے بہت ہی زیادہ چندہ دے دیا - بعض نے اپنا ناشتہ کم دیا - اور روپیہ عمارت فنڈ میں دیدیا - یہاں کُل احمدی طلباء سترہ ہیں - اور بعض ہم سے بہت ہی غریب ہیں تاہم کل چندہ بمع شیخ صاحب کے چندہ کے ۱۸۸ روپے ۸ آنہ کا وعدہ ہوا - امید ہے - کہ مبلغ ۲۰۰ روپیہ تک اسکی تعداد پہنچ جائیگی - جسمیں مبلغ ۲۶ روپیہ اسوقت فراہم ہوگیا جو آج کی ڈاک میں محاسب دفتر کی خدمتمیں بھیجا جاتا ہے - امید ہے - کہ باقی روپیہ یا تو مارچ کے شروع میں یا اسکے وسط میں بھیجدیا جائیگا - یعنی باقی روپیہ یا تو ایک قسط میں بھیجدیا جائیگا ورنہ دو میں - ہماری علیگڈھ کالج کی ایک چھوٹی سی انجمن ہے - لیکن یہاں کام بڑی سرگرمی سے ہو رہا ہے - دعا فرماویں کہ خدائے تعالیٰ ہمیں اپنے کاموں میں استقلال دے - آمین - ثم آمین ؛

خاکسار تابعدار غلام مصطفےٰ اسٹوڈنٹ بی - اے کلاس - سکرٹری انجمن احمدیہ علیگڈھ

مدرسہ احمدیہ :- اس ماہ ایک لڑکا نیا داخل ہوا تین خارج ہوئے - فروری کے اخیر تعداد طلباء ۸۹ تھی - امتحان مدرسہ شروع ہونے والے ہیں ؛

دفتر سکرٹری :- خدا کا شکر ہے کہ رسالہ "مسلم انڈیا" کا پہلا نمبر جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے ولایت میں ماہواری نکالنا شروع کیا ہے - آج ۱۶ - مارچ کے دن بفضلِ خدا پہنچ گیا ہے - خواجہ صاحب کا منشاء اسے اُردو میں بھی شائع کرنیکا ہے - اللہ تعالیٰ انکا حامی ہو اور اسمیں برکت ڈالے - آمین - یہ وقت ہے کہ احباب مال سے اور دعا سے اُنکی مدد فرماویں اسوقت تک جن احباب کی طرف سے اس رسالہ کی امداد میں دفتر سکرٹری میں روپیہ معہ وصول ہوا ہے اُنکے نام نامی حسب ذیل ہیں :- ڈاکٹر محمد یعقوب صاحب مونہ ریمونٹ ضلع شاہپور صہ منشی غلام علی صاحب مدرس حاصلانوالہ ضلع گجرات عہ - نامعلوم الاسم ۶ روپے - نامعلوم الاسم معرفت مولوی محمد علی صاحب قیمت زیور ۱۳ روپے - مولوی محمد الدین صاحب مقیم مسجد جامع میاں صاحب شادیوال خورد ضلع گجرات ۱ روپے - بابو فیروز علی صاحب اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر مسہ کسوال عہ - آئندہ ایسی رقوم اس جگہ درج ہوتی رہیں گی حضرت خلیفۃ المسیح ایک روز درس میں فرماتے تھے کہ اسوقت میری تین بڑی خواہشیں ہیں ایک (۱) یہ کہ قرآن مجید

کے درس کیلئے وسیع کمرہ ہوا سپر گیارہ ہزار کے قریب خرچ ہوتا ہے۔ (۲) ترجمہ قرآن مجید انگریزی میں چھپوانا ہے (جو مولوی محمد علی صاحب نے تیار کیا ہے) اسکے لئے پچیس ہزار روپے کی ضرورت ہے (۳) رسالہ "مسلم انڈیا" کی اشاعت کے لیئے تین ہزار روپیہ چاہیئے جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے ولایت میں نکالنا ہے۔ اور یہ جھوٹ ہے کہ وہ اپنے کسی کام و لایت گئے ہیں۔ یا در پردہ انجمن سے روپیہ لے کر گئے ہیں یا کسی تاجر نے پریوی کونسل میں کسی مقدمہ کیلئے بھیجا ہے مجھے سب حال اور اصل حال معلوم ہے۔ وہ محض دین کی خاطر وہاں ٹھہرا ہوا ہے سوائے اسکے اسکا وہاں کوئی کام نہیں ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے یہاں ہیں۔ انکے اخراجات کثیر میں ہوی ہے نہیں۔ پس میں جملہ احباب کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ اشاعت اسلام کے کام میں خواجہ صاحب کا ہاتھ بٹاؤ۔ آپ لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ اسلامی جھنڈا ولائت میں کھڑا کیا جاوے۔ خدا نے محض اپنے فضل سے یہ دن دکھایا۔ بلا صرف کثیر کے محض تھوڑی سی کوشش پر مفت میں اجر عظیم ملتا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ اور لاپروائی سے کام نہ لو۔

انجمن احمدیہ سیالکوٹ نے جس لڑکے کو مدرسہ احمدیہ میں سات روپے ماہوار کا وظیفہ دینا منظور کیا تھا اس کے متعلق یہ اطلاع دی ہے کہ سال بھر کا وظیفہ پیشگی جمع کرلنے کی تجویز منظور ہوئی ہے۔ ذیل میں احباب کی توجہ کے لیئے ایک سرکل کی نقل دیجاتی ہے۔ جو ہر انجمن میں علیحدہ بھی بھیجا گیا ہے۔ اور التماس ہے کہ جلد اسکے متعلق کارروائی کر کے مطلع فرماویں۔

(۱) مجلس معتمدین نے (یہ معلوم کر کے کہ بعض انجمنیں ضروریات مقامی کو صدر مقام کی ضروریات پر جو در اصل ضروریات سلسلہ ہیں۔ مقدم کر رہی ہیں)۔ اپنے رزولیوشن ۵۸۵ء مورخہ ۲۴۔ دسمبر ۱۹۱۲ء میں فیصلہ کیا ہے۔ کہ جملہ انجمنوں کو ہدایت کیجاوے کہ مقامی ضروریات پر سلسلہ کے چندوں کو مقدم کیا جاوے۔ اور صدر انجمن کیلئے جسقدر چندہ ہوا کرے۔ اسکے آٹھویں حصہ سے زیادہ مقامی ضروریات پر خرچ نہ کیا جاوے۔ مگر جیسے کہ پہلے اطلاع دیگئی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مقامی ضروریات پر

صدر انجمن کے چندوں سے کچھ نہ خرچ کیا جاوے۔ وہ رقم پوری کی پوری ہر ماہ یہاں پہنچنی چاہیئے اور مقامی ضروریات کیلیئے علیحدہ چندہ کیا جاوے۔ جنہیں سے سوائے کسی خاص صورت کے پیش آجانے کے عموماً اوپر کی نسبت سے زیادہ خرچ نہ کیا جاوے ؛

(۲) مندرجہ ذیل امور کانفرنس انجمن ہائے احمدیہ کے اجلاس منعقدہ ۲۶۔دسمبر سنہ ۱۹۱۲ء میں پیش ہوئے تھے۔ جنپر اکثر احباب نے بڑے زور سے تائید کی تھی۔ اور باتفاق رائے فیصلہ ہوا تھا۔ کہ سکرٹری و پریزیڈنٹ صاحبان اپنی اپنی انجمن میں واپس جاکر ان امور کو پیش کرکے فیصلہ سے اطلاع دیں۔ مگر سوائے اسکے کہ امر الف کے متعلق انجمن احمدیہ سیالکوٹ نے اطلاع دی ہے۔ کہ کانفرنس کی تجویز کے مطابق سات روپے ماہوار کا وظیفہ جاری کرکے سال بھر کا وظیفہ مبلغ للعہ پیشگی خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل کرنا منظور کرلیا ہے۔ اور کسی جگہ سے ابتک کوئی آواز نہیں اٹھی۔ میں علی الخصوص ان احباب کو اسوقت مخاطب کرتا ہوں۔ جو بحیثیت ریپریزنٹیٹو اپنی انجمن کی طرف سے کانفرنس میں ہی کل فیصلہ کرتے تھے۔ کہ ہماری انجمن کی طرف سے اسقدر ماہوار وظیفہ لکھ لیا جاوے۔ مگر اسوقت بہ نظر احتیاط و باتفاق رائے یہی مناسب سمجھا گیا۔ کہ مشورہ کرکے اطلاع دینی ممکن ہے۔ کہ مشورہ میں زیادہ رقم مقرر ہو اب مجھے امید ہے، کہ ہر جگہ توجہ کرکے بعد کارروائی اطلاع دیجاوے گی ؛

الف ۔ سب انجمنیں اپنے مقامی چندوں میں ایک رقم مدرسہ احمدیہ کے وظائف کے لیئے دیں؛

ب ۔ جملہ انجمنہائے احمدیہ کوشش کریں کہ مدرسہ احمدیہ میں اپنے خرچ پر تعلیم پانیوالے لڑکے بھجوائے جاویں۔

ج ۔ جملہ انجمنوں کو دو پیسے فی روپیہ والی تجویز چندہ پر عملدرآمد کرنیکے لیئے از سرِ نو کوشش کرنی چاہیئے۔

د ۔ تجویز میر حامد شاہ صاحب کہ بڑی بڑی انجمنوں میں حساب کتاب باقاعدہ رکھنے کے لیئے کچھ الاؤنس دیا جانا منظور کیا جاوے۔ پیش ہو کر قرار پایا کہ اگر کوئی انجمن تحصیل چندہ یا حساب و کتاب کے درست رکھنے کے لیئے یہ ضرورت محسوس کرے۔ کہ الاؤنس یا تنخواہ پر

کام لے - تو اسے ایسا کرنے کی اجازت دیجاتی مناسب ہے۔ بشرطیکہ تین سو روپے سے کم چندہ سالانہ اس انجمن کا نہ ہو - اور اڑھائی فیصدی چندہ وصول شدہ سے زیادہ ایسا الاؤنس یا تنخواہ نہ دیجاوے - نیز یہ بھی فیصلہ ہوا - کہ ایسا الاؤنس مقامی چندہ سے دیا جاوے -

(۳) چونکہ یہ ضروری ہے کہ جملہ انجمنوں میں ایک طرز پر حساب و کتاب رکھا جاوے - اسلیئے ہر انجمن میں روزنامچہ آمد و خرچ - کھاتہ ممبران - رسید بک یہ تین رجسٹر ضرور ہونے چاہییں - اس سے زیادہ حسب ضرورت رکھے جاسکتے ہیں - لہٰذا اسکے متعلق یہ ضروری ہدایت جاری کیجاتی ہے - کہ جہاں یہ رجسٹر نہیں ہیں وہاں منگوا کر رکھے جاویں - اور انہی پر حساب کھولا جاوے - قیمت روزنامچہ ۳ مر دستہ کھاتہ ممبران ۶ مر دستہ رسید بک علاوہ محصول ڈاک ۱۲ مر سو فارم اگر اپنی جگہ پر چھپوانا چاہیں - تو نمونہ کے فارم منگوالیں - مگر خرچ زیادہ ہوگا - بہر حال رجسٹر ضرور کھولے جاویں - اور یہاں سے مطبوعہ جملہ رجسٹر منگوائے جاویں - تو بہتر ہے - جملہ امور کے متعلق مناسب کارروائی کرکے جلد مطلع فرماویں ؛

دفتر محاسب :- کل آمد ۳-۳-۷۴۴۹ اور خرچ ۰-۱۰-۱۸۳۶۴ یعنی اڑھائی گنا کے قریب زیادہ ہوا - جسکی وجہ عمارت کا کام زور سے چلانا ہے - کیونکہ اس سال یعنی مارچ کے اندر اندر بقیہ پندرہ ہزار کی رقم گورنمنٹ سے ساٹھ ہزار کا خرچ دکھا کر حاصل کرنی تھی اور جب تک اسقدر رقم کا خرچ نہ دکھایا جاتا رقم نہ ملتی تھی اسلیئے بھی کام کو اعلیٰ پیمانہ پر رکھا گیا - چنانچہ خدا کے فضل سے سرٹیفیکیٹ حاصل کرکے بھیجا گیا - اور پندرہ ہزار کا بل موصول ہوگیا ہے - اور چند روز تک انشاء اللہ روپیہ پہنچ جانے کی امید ہے۔ میں ساری جماعت کی طرف سے گورنمنٹ عالیہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے چھبیس ہزار دو سو کی رقم عمارت بورڈنگ کے لیئے اور بیس ہزار کی رقم عمارت مدرسہ کے لیئے عطا فرما کر بڑی بھاری امداد کی اللہ تعالیٰ اسے قائم رکھے آمین - اب میں اپنے دوستوں کو مخاطب کرکے کہتا ہوں کہ اپنی ہمتوں کو بلند کرو - اور اس عمارت کو مکمل کرنے کی فکر کرو - جنہوں نے وعدے کیئے ہیں وہ ایفا کریں - اور جنہوں نے اب تک نہیں کیئے

وہ بھی مہربانی فرماکر عمارت کے لیئے چندہ دیکر ثواب حاصل کریں۔

جناب مولوی محمد سعید صاحب اول مدرس حیدرآباد نے گرد و نواح میں دورہ کرکے چندہ عمارت کے لیئے نوسو روپیہ جمع کرکے ارسال فرمایا ہے۔ اور ابھی اور بھیجنے کی اُمید دلائی ہے۔ اگر اور احباب بھی مولوی صاحب کی تقلید کریں اور ہمت بلند کرکے سفر کی تکلیف گوارہ فرماویں تو انشاءاللہ تعالیٰ کام جلد مکمل ہوسکتا ہے۔ مولوی صاحب موصوف کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرماوے۔

شفاخانہ:۔ اس ماہ کل مریض ۱۱۰۶ آئے۔ جن میں سے نئے مریض ۴۱۷ تھے مائینر اپریشن ۴ ہوئے۔

بیت المال:۔ روزانہ کھانا کھانے والوں کی تعداد قریباً ۴۶۴ ہے۔ لنگرخانہ کا قرضہ دن بدن بڑھ رہا ہے اسوقت قریباً اڑھائی ہزار سے زیادہ ہے۔ اسلیئے احباب سے التماس ہے کہ یکمشت چندہ سے لنگرخانہ کی امداد فرماویں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت میں بھی مقروض ہوجایا کرتا تھا تو آپ کے محب اسی طرح اسے اُتارنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ جلسہ سالانہ پر بھی قریباً ہمیشہ ایسا قرضہ بے باق کرنیکے لیئے یکمشت چندہ کیا جاتا رہا ہے جو اس سال نہیں کیا گیا یہ بھی قرضہ بڑھنے کی ایک وجہ ہے پس اگر وہی رقم اب بھیجدیں تو بوجھ ہلکا ہوسکتا ہے۔

محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

ریویو

مزارات اولیائے دہلی کرام حصہ اوّل۔ مؤلفہ جناب مولوی محمد عالم شاہ صاحب فریدی دہلوی مولوی صاحب موصوف نے بہت سی تاریخ کی کتابوں اور اولیاءاللہ کے حالات سے اور دیگر ذرائع سے جسقدر حالات جمع ہوسکتے تھے انکو نہایت صحت اور سعی کیساتھ ایک جگہ جمع کیا ہے اور مزارات کا صحیح صحیح پتہ و نشان دیا ہے اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں جو شائع ہوچکا ہے مزارات دہلی کہنہ مع مضافات درج ہیں۔ اس میں ۱۰۶ بزرگوں کے مختصر حالات ہیں ۱۰۴ صفحہ کی کتاب قیمت ۶/ ۔ دوسرے حصہ میں جو ابھی طبع نہیں ہوا مزارات دہلی شاہجہان آباد

بقایا صیغہ جات یکم مارچ سنہ ۱۹۱۳ء

تعلیم	۴۹۰۶-۱۰-۳
اشاعت	۵۳۹۵-۱۲-۹
مقبرہ	۵۴۷-۰-۱
یتامیٰ	۱۴۶-۲-۲
مساکین	۱۴۱۸-۱-۲
زکوٰۃ	۳۳۶۲-۱۳-۵
بورڈنگ ہائی	۱۶۱-۳-۱۱
ر احمدیہ	۱۷۹-۶-۹
امانت	۳۹۹۵-۱۲-۹
مستقل فنڈ	۳۹۱۲-۲-۶
میزان	۲۴۰۲۵-۲-۹
منہا کردہ فاضل	۵۹۶۶-۵-۸
باقی	۱۸۰۵۸-۱۲-۱
منہا کردہ پیشگی	۱۴۰۷۴-۹-۶
باقی نزد امین	۳۹۸۴-۲-۷

تفصیل فاضل

تعمیر	۱۹۹۴-۱۴-۸
متفرقات	۵۳۸-۲-۱۰
مدرسہ احمدیہ	۸۰۲-۲-۱۰
بیت المال	۲۶۳۱-۱-۴
میزان	۵۹۶۶-۵-۸

تفصیل پیشگی

تعمیر	۹۷۷۶-۹-۶
اشاعت	۱۲۰۰-۰-۰
بیت المال	۳۹۹-۰-۰
مقبرہ	۲۷۰-۰-۰
متفرقات	۸۴۵-۰-۰
تعلیم	۱۲۸۴-۰-۰
مدرسہ احمدیہ	۳۰۰-۰-۰
	۱۴۰۷۴-۹-۶

[illegible]

اطلاع :- خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرماویں ؛

اطلاع - ڈاکٹر ایس - کے برمن کی خوبصورت تصویر دار اُردو جنتری سنہ ۱۹۱۳ء کی متفرق جگہ کے دس (۱۰) شریف اور پڑھے لکھے آدمیوں کا نام اور پورا پتہ لکھنے پر بلا قیمت و محصول بھیجی جاتی ہے -

روغن پپرمنٹ اصلی

پیٹ کا درد - بدہضمی - اور ریاح میں
یہ بہت مشہور دوا ہے - یہ امریکہ سے
منگوایا جاتا ہے ولائیتی پپرمنٹ سے کہیں
بہتر اور مفید ہے - قیمت فی شیشی آدھ اونس
دس آنہ (۱۰/) محصولڈاک وغیرہ ایک سے
چار شیشی تک پانچ آنہ (۵/)

عرق پودینہ اصلی

ہر ایک بچہ دار کو یہ گھر میں رکھنا چاہئیے یہ عرق پودینہ
کی ہری پتیوں سے بنایا گیا ہے اسکا رنگ بھی مثل پتی
کے ہے اور خوشبو بھی دیتا ہے ڈاکٹر برمن کے صلاح
سے ولایت کے نامی دوا فروش نے بنایا ہے
پیٹ پھولنا ڈکار آنا - بدہضمی - پیٹ درد
متلی - یہ سب ریاح کی علامت دور کرتی ہے قیمت
[illegible]

ارے دوڑو جلدی دوڑو

جیسے سے ڈاکٹر برمن کا عرق کافور لے آؤ

جب کسی کو ہیضہ ہوتا ہے اُس کے گھر میں ایسی ہی پکار پڑجاتی ہے اور گھبرا کر یہی کہتے ہیں اگر پہلے ہی
سوچو تو یہ تکلیف کیوں اُٹھانا پڑے کیوں نہیں ایک شیشی عرق کافور کی اپنے گھر میں ڈالے رکھتے ہو -
یہ اصلی کافور ۲۹ برس سے مشہور اور تجربہ کی ہوئی ہیضہ کی انمول دوا ہے گرمی کے دست پیٹ کا درد
مروڑ اور متلی کے لیئے اکسیر کا اثر رکھتی ہے قیمت فی شیشی ۴/ محصولڈاک ایک شیشی سے ۴ تک ۵/

جلاب کی گولیاں

رات کو سوتے وقت دو گولی کھالینے سے صبح
اجابت صاف ہوگا - پیٹ میں درد مروڑ کچھ
نہیں ہوگی - حسب معمول نہانے کھانے پینے
میں کوئی ممانعت نہیں ہے یہ گولیاں گل میں
بنتی ہیں - وزن میں سب برابر ہیں - قیمت
۱۶ گولی ڈبیہ ۵/ خرچ ایک سے چھ تک ۵/

دردسر اور ریاحی درد کی دوا

ریاحی درد لحظہ میں پہاڑ ہوجاتا ہے اور یہ دوا لحظہ
میں درد کو دور کردیتا ہے درد ریاح جیسے ہسن چنبلیکہ
ٹیک رگوں میں لہرٹیس کنکنی سی جو گہیں ہوا ہے
دور ہوتی ہے اور نیم سر درد کو بھی دور کرتی ہے
قیمت ۱۲ ٹکیوں کی شیشی ۱/ محصولڈاک ایک سے
۶ شیشی تک ۵/

ڈاکٹر ایس - کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

مطبع میگزین میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا -

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے | لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۲ | بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۳ء | مطابق جمادی الاول سنہ ۱۳۳۱ھ | نمبر

چندہ سالانہ | عام عہ طلباء سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۱۳ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شایع ہوا

تقریر جلسہ اعظم مذاہب یا لیکچر مہوتسو

یعنی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا عظیم الشان لیکچر جو ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا۔ چوتھی دفعہ نہایت عمدہ کاغذ پر خوب خوشخط لکھوا کر چھپوایا گیا ہے تقطیع بھی نہایت موزون ہے اس کتاب میں حضرت اقدس ؑ نے ذیل کے پانچ امور پر فلسفیانہ رنگ میں بحث کی ہے۔ اور تمام دلائل قرآن شریف سے پیش کیئے ہیں۔ (۱) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتیں۔ (۲) انسان کی زندگی کے بعد کیحالت یعنی عقبیٰ (۳) دنیا میں انسان کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب (۴) اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں (۵) علم اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے ؛ تقریباً ۲۰۰ صفحہ کی کتاب ہے۔ قیمت ۵ر اس کتاب کا انگریزی ترجمہ

پارہ عم مترجم

چونکہ عموماً مسلمان قرآن شریف کی آخری سورتیں نماز میں پڑھتے ہیں۔ اور یہ صاف ظاہر ہے کہ صرف عربی عبارت ناظرہ یا حفظ پڑھ لینے اور مطلب سمجھنے سے دل میں خشوع خضوع نہیں پیدا ہوتا اور اسی لیئے نمازی وعدہ الٰہی کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ کے نیچے نہیں آتا۔ اس لیئے ہر ایک مسلمان پر لازمی ہے کہ کم سے کم آخری پارہ کو باترجمہ پڑھ لے اور حفظ کرے۔ اور اپنے بچوں کو بھی پڑھائے اور حفظ کروائے۔ ہمارے پاس پارہ عم مترجم موٹے کاغذ پر عمدہ خوشخط صحیح چھپے ہوئے موجود ہیں۔ ہدیہ صرف ۳ر

قصائد احمدیہ من الامام حجۃ الاسلام

حضرت اقدس کی اردو اور فارسی نظمیں تو پہلے الگ شائع ہو چکی ہیں مگر اب تک آپ کے عربی قصائد الگ رسالہ کی شکل میں شائع نہیں ہوئے تھے اب عربی قصائد بھی جمع کرکے ایک کتاب کی شکل میں شائع کیئے گئے ہیں یہ قصائد نہ صرف معارف واسرار سے لبریز ہیں بلکہ عربی سیکھنے کا بھی ایک اعلیٰ ذریعہ ہیں یہ کتاب ۱۵۸ صفحہ پر ختم ہوتی ہے قیمت صرف ۶ر ؛

اِن ہر سہ کے لیئے درخواستیں دفتر میگزین قادیان میں آنی چاہئیں ؛

رسالہ اسلام بزبان انگریزی

مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز اس رسالہ میں اصول اسلام کو نہایت احسن پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اسکی خوبی اور تعریف کیلیئے صرف مولوی صاحب کا نام ہی کافی دلیل ہے۔ ہر ایک انگریزی خواں مسلمان کے ہاتھ میں اس رسالہ کا ہونا ضروری ہے۔ قیمت ۱ر محصولڈاک ۱ر

درخواستیں بنام مینیجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

کونسا مذہب متضاد خیالات کا جامع ہے؟ اسلام یا مسیحیت؟

ناظرین کو معلوم ہے کہ یہ رسالہ ایک پودا ہے جس کو حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ہاتھ سے لگایا اور کئی مرتبہ اپنی قلم سے اسکی آبپاشی فرمائی۔ اب ہمارے لیئے اور ہمارے ناظرین کے لیئے نہایت خوشی کا مقام ہے کہ آپ کے صاحبزادہ حضرت مرزا حاجی بشیر الدین محمود احمد سلمہ اللہ وایدہ نے بھی اپنے مقدس باپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سُنت پر عمل کر کے اس رسالہ کے لیئے ایک مضمون لکھا ہے جس کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ناظرین اسکو پڑھیں اور اس سے حظ اُٹھائیں اور اس نوجوان کے لیئے دعا کریں کہ خدائے تعالیٰ اس کو باقبال اور باکمال اور اسکے وجود کو دنیا کے لیئے ہادی اور نمونہ بنائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

یعنی پادریوں کا اپنے عقیدوں کو مسلمانوں کے سر پر ٹھونسنا

مسلم ورلڈ کے جنوری کے نمبر میں ایک مضمون اس عنوان کے نیچے شائع ہوا ہے کہ "مسلمانوں کے درمیان رہنے سے ایک پادری پر کیا کیا اثر ہوتے ہیں" اور اس میں مضمون نگار ڈبلیو اے شیڈ نے بڑے زور سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ مسلمانوں کے علاقوں میں رہنے کی وجہ سے چند خطرناک بدنتائج سے متاثر ہوئے بغیر پادری نہیں رہ سکتے اسلیئے انکے دُور کرنے کی تدابیر استعمال میں لانی چاہیئیں۔ ہمیں اس بات سے کچھ غرض نہیں کہ پادری کن کن گناہوں میں مبتلاء ہیں اور کس قسم کے گندے اور ناقابل بیان طریقوں سے مسیحیت کے پھیلانے میں کوشاں ہیں کیونکہ یہ انکا ذاتی معاملہ ہے اور اس سے ہمیں کچھ تعلق نہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ پادری ڈبلیو اے شیڈ

نے اپنے گندوں اور عیبوں کو ناکردہ گنہ مسلمانوں پر تھوپنا چاہا ہے اور کوشش کی ہے کہ جو عیب اسوقت پادریوں میں پائے جاتے ہیں یا کم سے کم اسوقت تک جو طشت از بام ہوئے ہیں انہیں پادریوں کے سر سے اُٹھا کر غریب مسلمانوں کے سر تھوپدے ؟

اشاعت مسیحیت کیلئے ناجائز وسائل کا استعمال

بات یہ ہے کہ ایک مدت تک یورپ مسیحی مشنوں کی کارروایوں سے جو وہ مشرقی ممالک میں کر رہے تھے بے خبر تھا اور ان کی رپورٹوں پر اعتماد کر لیتا تھا کہ جسطرح وہ تحریر کرتے ہیں اسی طرح ایشیا میں مسیحیت کو کامیابی ہو رہی ہے اور خدا کا کلام سُنکر لوگ جوق در جوق مسیحیت میں داخل ہو رہے ہیں۔ لیکن اسے کچھ خیال نہ تھا کہ اول تو مسیحیت کو ایشیا میں کچھ کامیابی نہیں ہوئی اور جتنی ہوئی ہے وہ انجیل کی سچّائی ثابت کرنے سے نہیں بلکہ مختلف ناجائز وسائل کے ذریعہ سے ہوئی ہے کہیں روپیہ کے زور سے کہیں تعلیم کے لالچ سے کہیں خوبصورت عورتوں کے ذریعہ سے کہیں زبردستی سے اور کہیں نادان اور جاہل لوگوں کو یہ بتانے سے کہ حقیقت میں ان کے فرسودہ اور فراموش شدہ مذاہب مسیحیت ہی کی شاخیں ہیں چنانچہ بعض جگہ ہندوستان کی سب سے رذیل جماعت خاکروباں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ انکا اوتار لال بیگ بھی مسیح ہی کا ایک اوتار تھا۔ کہیں ہندوؤں کو بہلانے کیلئے یہ تدبیر اختیار کی گئی ہے کہ انکے ہاں جو برہما۔ شِو اور وشنو تین بڑے دیوتا ہیں تو یہ اصل میں باپ بیٹا روح القدس کے دوسرے نام ہیں۔ مگر جب رفتہ رفتہ یورپ کی آنکھوں سے یہ پٹّی اُتری تو مشرقی مشنوں نے اس خوف سے کہ انکی کروڑوں روپیہ سالانہ کی امداد بند ہی نہ ہو جائے یہ رویّہ اختیار کیا کہ ایک حد تک اپنی اِن کارروائیوں کا اقرار تو کیا لیکن یہ عذرِ لنگ تیار کیا کہ یہ عیب ہم میں ان ممالک میں رہنے کی وجہ سے پیدا ہوگئے ہیں اور چونکہ رات دن یہاں کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے اسلیئے ان سے اسقدر متاثر ہونا کچھ بعید امر نہیں۔ چنانچہ جہانتک مَیں خیال کرتا ہوں اسی قسم کی ایک کوشش ہے جو اس مضمون میں کیگئی ہے اور اسکی غرض سوائے اسکے کچھ نہیں کہ یورپ کی ناامیدی کے غضب کی آگ کو کسی طرح ٹھنڈا کیا جائے ؟

مسلم ورلڈ کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ اسلام ایک جامع الاضداد مذہب ہے اور اسکے بانی کے

آنحضرت صلعم پر ایک مسیحی کا حملہ

سوانح کی پیچیدگی نتیجہ ہے ان متضاد قویٰ کا جو اسکے اخلاق کا حصہ ہیں (نعوذ باللہ) مذہبی جوش کے ساتھ سیاسی انگیں تقویٰ کے جوش کے ساتھ اپنے مطالب کے پورا کرنے میں خلاف اخلاق ذرائع کا استعمال۔ بدی سے تنفر اور پھر ذاتی تعیش آپ ان باتوں کے (نعوذ باللہ) جامع تھے۔ متضاد قویٰ ہر آدمی کی زندگی میں پائے جاتے ہیں سوائے ایک (مسیح) کے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم و قبح اللہ وجہ مخالفیہ) کی زندگی میں ان قویٰ کا اظہار دائمی جنگ نہیں بلکہ صلح کے رنگ میں ہوا ہے۔ (علی القائل ما علیہ)

مسیحیوں کا پادریوں کی ناجائز کارروائیوں کے متعلق اقرار

اس بات سے نامہ نگار یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ چونکہ مسلمان ایسے پیشوا کے پیرو ہیں اسلیئے لازماً ان میں بھی اس قسم کے عیوب پائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ پادری جو ان میں رہتے ہیں سچائی کے طریقوں کو چھوڑ کر بعض دفعہ مکر و فریب سے مسیحیت کی اشاعت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ تبلیغ کا جوش انکے دلوں سے جاتا رہتا ہے کیونکہ وہ مصالحت اضداد کے عادی ہو جاتے ہیں ان اعتراضات کا جواب دینے سے پہلے میں اسقدر کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو عیوب نامہ نگار نے ہماری طرف منسوب کیئے ہیں وہ تو ابھی زیر بحث ہیں اور ہم انکے ماننے کے لیئے تیار نہیں لیکن کم سے کم ہمیں انکے مضمون کے پڑھنے سے اتنی خوشی ضرور ہوئی ہے کہ آخر کار کچھ نہ کچھ لوگ مسیحیوں میں ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو گو دلیری کے ساتھ نہیں لیکن دبے مُنہ سے پادریوں کی ان تلبیسانہ کارروائیوں کے اقرار کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ جن سے وہ مشرقی ممالک میں تبلیغ مسیحیت میں مدد لیتے ہیں۔ اور اسکے لیئے میں مسٹر ڈبلیو اے شیڈ کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آئندہ وہ بغیر مسلمانوں پر الزام دیئے اس قسم کے اقرار کرنیکی اخلاقی جرأت اپنے اندر پیدا کرینگے۔ اِس کے بعد میں اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ نامہ نگار مسٹر شیڈ نے رسول اللہ صلعم پر یہ الزامات لگا کر اس بات کا کافی ثبوت دیدیا ہے کہ وہ کن اخلاق کا آدمی ہے ایک ایسے انسان پر جو تیس کروڑ سے زائد انسانوں کا پیشوا اور سردار ہے جو اسکے نام پر جان دینے کے لیئے تیار ہیں ایسی دریدہ دلیری سے الزام لگانا اور الزام بھی وہ جو نہایت رذیل اخلاق کی قسم سے ہوں اور پھر ان کا کوئی ثبوت نہ دینا یہ مسٹر شیڈ

ہی کا کام تھا اور اب اگر مسلمان خود انہیں انکی آنکھ کے شہتیر کی طرف متوجہ کریں تو انہیں کوئی شکایت کی وجہ نہیں ہونی چاہیئے - ان بے ثبوت دعاوی میں سے پہلا دعویٰ یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نعوذ باللہ ایک طرف تو مذہبی جوش رکھتے تھے اور دوسری طرف انکا دل سیاسی امنگوں سے پر تھا - اور یہ دونوں متضاد جوش انکے اندر کام کر رہے تھے۔

فتوحات اور حکومت نبوت کے منافی نہیں

اگر نامہ نگار کی سیاسی امنگوں سے یہ مراد ہے کہ آپنے مختلف شہروں اور علاقوں کو فتح کیا اور تمام عرب کی اقوام کو اپنی اطاعت کے جھنڈے تلے لائے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس میں اعتراض کی کونسی وجہ ہے اور کیوں مذہبی جوش اس بات کا مقتضی ہے کہ فتوحات ملکی کو چھوڑ دیا جائے - دنیا کو گمراہی اور فساد میں دیکھکر اور طرح طرح کی بدکاریوں میں مبتلا پاکر اگر ایک نیک دل اور پاک انسان انکے عیوب کو دور کرنیکے لیئے اور انکے انتظام حکومت کو درست کرنیکے لیئے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے تو اس میں کونسی بات ہے جو مذہبی جوش کے برخلاف ہے - اگر حکومت اور سلطنت ایک مذہبی آدمی کے لیئے مناسب نہیں ہے اور اسکی لائن سے علیحدہ ہے تو موسیٰؑ سے شام کا خدانے کیوں وعدہ کیا اور کیوں یہ بتایا کہ جبتک بنی اسرائیل میرے احکام پر چلتے رہیں گے انہیں ان ممالک کی حکومت دیجائے گی اور کیوں حضرت داؤدؑ جو مسیحیوں کے مورث اعلیٰ ہیں سالہا سال تک یہوواہ کے فرمان کے ماتحت بنی اسرائیل پر حکومت کرتے رہے اور پھر بنی اسرائیل کی حکومت جانے پر کیوں یرمیاہ اور دانیال اور حزقیل وغیرہم انبیاء بنی اسرائیل رات دن بدرگاہِ قادر مطلق اس حکومت کی واپسی کے لیئے دعائیں کرتے رہے اور اگر حکومت کا اپنے ہاتھ میں لانا بشرطیکہ اشاعت نیکی مقصود ہو مذہبی جوش یا نبوّت کے منافی نہیں اور یہ دونوں باتیں متضاد نہیں تو ہمارے آنحضرتؐ پر کیا الزام ہے۔

نبی کریمؐ کی فتوحات کے وجوہات

اور ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلعم کے ہاتھ میں حکومت اس لیئے نہیں آئی کہ آپنے اسکی خواہش کی اور اسکے حصول کے لیئے کوششیں کیں بلکہ مجبوری آپ کو ایسا کرنا پڑا جب تیرہ سال تک اہل مکّہ کے مظالم برداشت کرتے کرتے مسلمان تنگ آگئے

اور حکمِ الٰہی کے ماتحت آپنے مدینہ منورہ کو ہجرت کی اور پھر بھی اہلِ مکّہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور وہاں بھی حملے کرنے شروع کیئے تو انہ فاعی طور سے خود حفاظتی کے لیئے آپنے اُن کا مقابلہ کیا اور ان مقابلوں میں خدائے تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی اور دشمنوں کو شکست ہوئی اور انہوں نے یکے بعد دیگرے اپنے علاقے آپکے ہاتھ میں چھوڑنے شروع کیئے تو کیا آپ اُن مفتوحہ علاقوں کو بھی کفارِ مکّہ کے سپرد کر دیتے یا یہودیوں کے یا قیصر و کسریٰ کے حوالہ کر دیتے ایسے انسان کی نسبت جس نے سالہا سال تک مظالمِ اعدا برداشت کیئے ہوں اور اُف نہ کی ہو اور آخر تنگ آکر خود حفاظتی کے لیئے تلوار اُٹھائی ہو یہ کہنا کہ اس کا دل سیاسی امنگوں سے پُر تھا اور یہ اُس کے مذہبی جوش کے منافی تھا کیسے ظلم کی بات ہے۔

کیا تلوار اُٹھانا سیاسی امنگوں کی خاطر تھا

اگر آپنے سیاسی امنگوں کی خاطر یہ سب کارروائیاں کی تھیں اور نعوذ باللہ آپ کا دل حصولِ جاہ و جلال کا خواہشمند تھا تو کس لیئے ان ترقیوں اور فتوحات سے اپنے لیئے کیا لیا۔ کیا کوئی جابرانہ حکومت قائم کی یا شہنشاہی کا لقب قبول کیا۔ اپنے لیئے دولت و مال جمع کر لیا یا آرام و آسائش کی زندگی کے سامان جمع کیئے اپنے رہنے کے لیئے عظیم الشان محل تیار کیئے؟ اپنے رشتہ داروں کے لیئے لاکھوں روپیہ کی جائدادیں وقف کر دیں؟ یا اپنے خاندان میں حکومت قائم کی آخر کونسا فائدہ تھا جو آپنے ان فتوحات یا ترقیات سے اُٹھایا سوائے اسکے کہ دشمن کے ظلم سے تنگ آکر تلوار اُٹھائی اور جب اسے مغلوب کر لیا تو ہر قسم کی مراعات و رحم سے اس کے ساتھ سلوک کیا۔ اور باوجود ان ترقیوں اور جاہ و جلال کے اپنا یہ حال تھا کہ بے بستر کے زمین پر لیٹتے تھے اور بعض دفعہ گھر میں کھانے کو روٹی تک نہ ہوتی تھی۔ اور بعض دفعہ صرف جو کی روٹی پر کفایت کرتے تھے گھر کے کام خود کر لیا کرتے تھے اور کچھ عار نہ تھا نہ کوئی باڈیگارڈ تھا اور نہ نوکر و چاکر نہ چوکی نہ پہرہ۔

اگر سیاسی اُمنگیں آپکے دل میں ہوتیں تو جسوقت اہلِ مکّہ نے ملکر آپ کے سامنے یہ بات پیش کی تھی کہ ہم آپ کی ہر خواہش کو منظور کرنے کے لیئے تیار ہیں

یہانتک کہ اپنا سردار اور بادشاہ بنانے سے بھی انکار نہیں، تو آپ فوراً اُنکی درخواست منظور کر لیتے لیکن شاید مسٹر شیڈ کو معلوم نہیں کہ اسوقت آپنے کیا جواب دیا آپنے یہی جواب دیا کہ اگر سورج کو میرے دائیں اور چاند کو بائیں لا کھڑا کرو تو بھی میں شرک کی مخالفت سے باز نہیں آسکتا میں تمھاری ان لالچوں کی کیا پرواکرتا ہوں۔ (دیکھو سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۵۶ برحاشیہ زاد المعاد)

پھر جب قبیلہ بنی عامر بن صعصعہ کے ایک سردار* نے آپ سے عرض کی کہ ہماری سب قوم آپکے ساتھ ہونیکو تیار ہے صرف آپ اتنا وعدہ کریں کہ اپنے بعد مجھے خلیفہ بنادیں تو آپنے کیا جواب دیا اسکی درخواست کو قطعاً نامنظور کر دیا اور قطعاً ایک لمحہ کے لیئے بھی اسکی طرف توجہ نہ کی اگر سیاسی امنگیں آپکے اندر کام کر رہی ہوتیں تو اس سے بہتر اور کیا موقعہ ہو سکتا تھا اس تجویز میں تو اپنے مذہب کے خلاف بھی کوئی بات نہیں ماننی پڑتی تھی بلکہ نہایت آسانی سے عرب پر حکومت کا ایک راہ نکل آتا تھا لیکن کیا آپنے اس لیئے انکار کر دیا کہ آپ اپنی اولاد کے لیئے حکومت کو رکھنا چاہتے تھے آپکے عمل نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ باعث نہیں تھا کیونکہ آپنے اپنا خلیفہ بنو ہاشم میں سے نہیں مقرر کیا۔ (دیکھو سیرۃ ابن ھشام صفحہ ۲۳۲ برحاشیہ زاد المعاد)

مگر میں مسیح کو دیکھتا ہوں تو اس میں یہ دونوں باتیں جمع ہیں وہ کہتا ہے کہ "اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں سے گذر جانا اُس سے آسان ہے کہ کوئی دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو" (لوقا باب ۱۸ ورس ۲۵)۔ لیکن اس بات کا اقرار کرتے ہوئے کہ دولت انسان کے دین کے لیئے مضر ہے اور اس سے وہ خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ کہتا ہے "اب جسکے پاس بٹوا ہو لیوے اور اسی طرح جھولی بھی اور جس پاس نہیں اپنے کپڑے بیچ کے تلوار خریدے" (لوقا باب ۲۲ ورس ۳۶) اور ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ "پلاطس نے اُس سے پوچھا کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے اُس نے جواب دیا کہ تو سچ کہتا ہے" (مرقس باب ۱۵ ورس ۲) پھر یہی نہیں بلکہ یوحنا باب ۲۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بادشاہت کے خلیفہ بھی مقرر کر چکا تھا اور بنی اسرائیل کی بارہ قوموں پر حکومت کرنیکے لیئے اس نے بارہ حواریوں کو بادشاہ مقرر کیا تھا۔ یسوع کا ایک طرف تو دنیا سے اسقدر اظہار نفرت دوسری طرف تلواروں کے خریدنے کا حکم دینا آسمانی بادشاہت کی تلقین بنی اسرائیل کی بادشاہت کا دعویٰ۔ داؤد کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا۔ کیا یہ باتیں ثابت

(حاشیہ: یسوع مسیح سیاسی امنگیں رکھتا تھا)

* اس کا نام بحیرۃ ابن فراس تھا۔

نہیں کرتیں کہ وہ مسٹر رشیدؔ ہی کی دلیل کے رُو سے متضاد قویٰ کا جامع تھا۔ اور گو ایک طرف
مذہبی تلقین میں مشغول تھا لیکن دوسری طرف یہودیوں کو حکومت کا جوا اُتار کر پھینک دینے کی
تعلیم دیتا تھا۔ یسوع نے گو بعد گرفتاری کہا ہے کہ اگر میری مراد بادشاہت سے دنیاوی
بادشاہت ہوتی تو میرے نوکر میرے گرفتار کرنیوالوں کا مقابلہ کیوں نہ کرتے لیکن یہ درست
نہیں کیونکہ اول تو بارہ آدمی ایک جم غفیر کا مقابلہ ہی کیا کر سکتے تھے اور پھر یہ دعویٰ ہی غلط ہے
پطرس نے ایک آدمی کے کان پر تلوار مار کر اسکا کان کاٹ دیا۔

دوسری بات جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چال چلن میں نامہ نگار مسلم ورلڈ کو عجیب نظر
آئی ہے یہ ہے کہ ایک طرف تو آپ میں تقویٰ کا خیال تھا لیکن ساتھ ہی اپنے مطالب کے حصول
میں ناجائز وسائل کی پروا نہ کرتے تھے لیکن آجتک کوئی تاریخ ایسی نہیں ہے کہ رسول کریمؐ
پر اس قسم کا الزام ثابت کر سکے۔ پہلے دو حوالہ ہی جو مَیں دے آیا ہوں اس بات کے ثابت
کرنیکے لیئے کافی ہیں کہ آپ ناجائز وسائل سے کیسے محترز تھے۔ جسوقت عربوں نے آپ سے شرک
کی مخالفت ترک کرنیکی درخواست کی تھی اور آپ کو اپنا بادشاہ بنا لینے کی لالچ دی تھی کیا
اسوقت ممکن نہ تھا کہ آپ عارضی طور سے انکی بات مان لیتے اور رفتہ رفتہ انپر اپنا رعب
بٹھا کر جو چاہتے منوا لیتے یا جب سردار قبیلہ بنی عامر بن صعصعہ نے آپ سے درخواست کی کہ وہ انکو
اس شرط پر ماننے کے لیئے تیار ہیں کہ آپ اپنے بعد اسے خلیفہ بنائیں تو ہو سکتا تھا کہ آپ
اُس کی بات کو قبول کر لیتے اور بعد میں جب دخل جم جاتا تو جو چاہتے کرتے لیکن یہ شرارت
آمیز خیالات آپکے دل میں پیدا تک نہیں ہوئے ناجائز وسائل سے کام لینے والے آدمی
ضرور پُر اسرار ہوتے ہیں لیکن آپ کوئی راز نہ رکھ سکتے تھے سب کارروائی کھلے بندوں
ہوتی تھی۔ آپ کا سخت مخالف ابو سفیان خود ایک مسیحی بادشاہ کے سامنے کہتا ہے کہ
آپ پر سوائے اس دعویٰ کے کبھی جھوٹ کی ...... تہمت نہیں لگی اور نہ آپنے کبھی
عہد کے خلاف کیا اور حکومتوں میں سب سے زیادہ ناجائز وسائل جن سے وہ کام لیتی ہیں
یہی ہوتے ہیں کہ جھوٹ بولا جائے اور عہدوں کی پابندی نہ کیجائے جس کا یورپ اسوقت
کامل نمونہ ہے۔ پھر آپنے بڑے زور کے ساتھ عربوں میں دعویٰ کیا کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ

ناجائز ذرائع استعمال کرنے کا الزام جھوٹا ہے۔

عمرًا میں تم میں اپنی زندگی گذار چکا ہوں میرے چال چلن پر کچھ اعتراض تو کرو مگر کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اعتراض کر سکے۔

ہاں اگر آپ یہ بات یسوع کی بابت کہتے تو ہم کسیقدر ماننے کے لیئے تیار بھی ہو جاتے کیونکہ یسوع نے اپنے دعاوی کے منوانے کے لیئے عجیب عجیب طریقے اختیار کیئے جن میں سے مردوں کا زندہ کرنا۔ پانی کا شراب بنا دینا (یوحنا باب ۲ ورس ۱۰) بھوتوں کا نکالنا (مرقس باب ۱ ورس ۲۳-۲۷) اور اسی طرح بھوتوں کا سؤروں کے گلہ پر چھوڑ دینا (مرقس باب ۵ ورس ۱۳-۲ لوقا ۸/۲۶-۳۴ متی ۸/۲۸-۳۲) ایسی باتیں نہیں کہ جن سے یسوعی ناواقف ہوں اور جو ایک شعبدہ باز کے شعبدہ سے زیادہ نہیں معلوم ہوتیں اور صرف اپنی تعلیم کے پھیلانے کے لیئے جہان کو دکھائی گئیں۔ ہمارے آنحضرت صلعم نے تو اپنے مقصد یعنی اشاعت توحید کے حصول کیلیئے جو طریق فیصلہ پیش کیا یعنی قرآن شریف وہ اب بھی موجود ہے اور اگر مسٹر شیڈ یا کسی اور پادری کو اس دعویٰ کے پرکھنے کا خیال ہو تو ہم بڑی خوشی سے صرف قرآن شریف سے ہی دلائل دیکر اسلام کے دعاوی کو ثابت کر سکتے ہیں واللہ المستعان۔

تیسری بات مسٹر شیڈ نے یہ لکھی ہے کہ آپ بدیوں سے متنفر بھی تھے لیکن پھر نعوذ باللہ ذاتی تعیش میں مبتلا تھے۔ جس شخص نے پچیس سال تک شادی نہ کی ہو اور باوجود جوان وطاقتور ہونیکے اسپر اسکے سخت سے سخت مخالف کوئی الزام نہ لگا سکے ہوں۔ جس نے شادی کرنے پر ایک اپنی عمر سے بڑی بیوہ سے نکاح کیا ہو۔ لاکھوں روپیہ جس کے ہاتھ میں سے گذرا ہو لیکن اس نے باوجود حق کے اس روپے کے استعمال سے قطعی پرہیز کیا ہو ایک عظیم الشان سلطنت کا مالک ہوتے ہوئے اسکے گھر میں ایک ملازم تک نہ ہو اسکی بیویاں خود ہی گھر کا کام کرتی ہوں۔ اور وہ بھی اس میں ہاتھ بٹاتا ہو جو کی رُوکھی روٹی اور صرف سکھائے ہوئے گوشت پر گذارہ کرتا ہو جسکے گھر میں کبھی تین دن متواتر آگ نہ جلی ہو۔ دنیا کے بادشاہ اس سے ڈرتے ہوں اور قوموں کا وہ فاتح ہو لیکن بجائے مخملی فرشوں نرم بستروں اور ایرانی قالینوں کے ننگے بورئے پر سوتا ہو

یسوع کے عجیب طریق اپنے دعاوی کے منوانے کے لیئے

ذاتی تعیش کا جھوٹا الزام

دن کو لوگوں کی خدمت اور رات کو کھڑے کھڑے خدا کی عبادت میں گذارتا ہو کیا اس کی نسبت ذاتی تعیش کا الزام لگایا جا سکتا ہے۔ اگر مسٹر شیڈ میں ذرا بھی قوت انصاف ہوتی تو وہ کبھی ایسا نہ کرتے۔ پھر جب خواہش تعیش یا آرام طلبی آپ میں تھی ہی نہیں تو اضداد کیونکر جمع ہوئے۔

ذاتی تعیش کا الزام یسوع پر لگ سکتا ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یسوع کی زندگی کو اگر ہم دیکھیں تو اس میں یہ اضداد بیشک مجتمع نظر آتے ہیں کیونکہ ایک طرف تو وہ قرار دیتا ہے کہ گنہ سے بچنے میں ہی نجات ہے اور بدیوں سے بچنے کی لوگوں کو ترغیب دیتا ہے اور دنیا سے بے توجہی ظاہر کرتا ہے اور دوسری طرف ہم اُسے دیکھتے ہیں کہ خوب شرابیں اُڑاتا ہے۔ اکثر عورتوں کی صحبت میں رہتا ہے اور بازاری عورتوں کے ہاتھوں عطر اور تیل لگواتا ہے حالانکہ خود انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مئے پینی نیکوں کا کام نہیں کیونکہ لکھا ہے "وہ (یوحنا) خدا کے حضور بزرگ ہوگا اور نہ مئے اور نہ کوئی نشہ پیئے گا" (لوقا باب ۱ درس ۱۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مئے سے بچنا پرہیز گاری میں داخل ہے اور یسوع نے تو نہ صرف خود پی بلکہ اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے اوروں کو بھی پلائی جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ صرف اپنا مال ہی نہیں دوسروں کے مال کے کھانے سے بھی اس نے پرہیز نہیں کیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "صبح کو جب وے بیت عینا سے باہر آئے اسکو بھوک لگی۔ اور دُور سے انجیر کا ایک درخت پتوں سے لدا ہُوا دیکھکے وہ گیا کہ شائد اس میں کچھ پائے۔ جب وہ اُس پاس آیا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا تب یسوع نے اس سے خطاب کر کے کہا کہ کوئی تجھ سے پھل کبھی نہ کھاوے اور اسکے شاگردوں نے یہ سُنا (مرقس باب ۱۱ درس ۱۲-۱۴) اور نہ صرف بغیر اجازت مالک درخت یسوع نے پھل کھانے چاہے بلکہ جب اسے بے ثمر پایا تو اسپر لعنت کی جو اسکے حد سے بڑھے ہوئے غضب پر دلالت کرتا ہے۔ پس اگر بدی سے تنفر اور ذاتی تعیش کی دو متضاد صفات کسی میں جمع ہیں تو وہ یسوع ہے نہ کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

یسوع کس طرح سے خدا کا بیٹا ہے

پھر مسٹر شیڈ نے لکھا ہے کہ مسلمان ایک طرف تو مسیح کو مانتے ہیں اور دوسری طرف اُسے جو کچھ وہ ہے۔ نہیں مانتے اور انجیل کو مانتے ہوئے اسکے خلاف عمل کرتے ہیں۔ اور یہ دو متضاد باتیں ہیں جن پر وہ اعتقاد رکھتے ہیں لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمان مسیح کو نبی مانتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ نبی تھا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ جو کچھ یسوعی صاحبان کہتے ہیں اسے بھی وہ مان لیں کسی شخص کے کسی درجہ پر یقین رکھنے سے یہ لازم کیونکر آتا ہے کہ اسکی نسبت جو کچھ دنیا نے کہا ہے اسے بھی مانیں اسوقت ہمارے پاس کوئی انجیل نہیں جسے مسیح کی انجیل کہا جا سکے کیونکہ موجودہ انجیلیں متی مرقس لوقا اور یوحنا کی بنائی ہوئی بیان کیجاتی ہیں لیکن پھر بھی ان اناجیل سے بھی اسکا خدا کا بیٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ وہ تو اپنے آپ کو ابن آدم کہکر پکارتا ہے اگر اسنے اپنے آپ کو ابن اللہ کہا ہے تو اس میں بھی اسکی کوئی خصوصیت نہیں خروج باب ۴ درس ۲۲ میں اسرائیل کو زبور ۸۹ باب درس ۲۶ و ۲۷ میں داؤد کو رومی باب درس ۱۴ میں سب بنی اسرائیل کو یسعیا باب ۳۰ درس ۱ میں سب بدکاروں کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے جیسے وہ لوگ خدا کے بیٹے تھے ویسے ہی مسیح بھی تھا۔ ہاں دوسری صدی مسیحی میں رومیوں کے میل جول سے متاثر ہو کر مسیحیوں نے مسیح کو خدا کا بیٹا بنایا ہے اور انکے اقوال کے ماننے کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔ باقی رہا توریت کا سوال۔ سو اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم اسے خدا کی طرف سے مانتے ہیں اور اسپر عمل بھی نہیں کرتے لیکن اس سے کوئی اختلاف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ہم مانتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے بنی اسرائیل کو شریعت ملی تھی لیکن ہمارے آنحضرت صلعم کے وقت آکر منسوخ کی گئی اور اب اسپر عمل کرنے کی کوئی حاجت نہیں اور اس عقیدہ میں کوئی متضاد بات نہیں ہے کیا دنیاوی گورنمنٹوں کے قوانین نہیں بدلتے اور کیا ایک قانون کے بدل جانے پر یہ کہا جاتا ہے کہ پہلا قانون گورنمنٹ کی طرف سے تھا ہی نہیں۔ اگر کوئی یہ کہے گا تو جھوٹا ہوگا وہ قانون بھی گورنمنٹ کی طرف سے تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا یہی ہمارا

توریت پر عمل کرنا ضروری نہیں

عقیدہ توریت کی نسبت ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے لیکن جس طرح اس نے اپنے سے پہلے صحیفوں کو منسوخ کر دیا اسی طرح قرآن شریف نے اسے منسوخ کر دیا۔ اب اس عقیدہ کو ماننے سے کونسی متضاد باتوں پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ ہاں اگر ہم مسیحیوں کی طرح توریت کو اب بھی درست اور قابل عمل سمجھیں اور پھر اس پر عمل نہ کریں تو شاید ہم پر الزام قائم ہو سکے لیکن موجودہ صورت میں مسلمانوں پر نہیں بلکہ خود اپنے ہم مذہبوں پر مسٹر شیڈ کو اعتراض کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ مسیح نے کہا ہے کہ "یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے کو آیا میں منسوخ کرنیکو نہیں بلکہ پوری کرنیکو آیا ہوں..... پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھاوے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا" (متی باب ۵ ورس ۱۷ و ۲۰) لیکن کیا مسیحی اب توریت پر عمل کرتے ہیں اور لوگوں کو اسپر عمل کرنیکی ہدایت کرتے ہیں مسیح کہتا ہے کہ توریت منسوخ نہیں ہوئی پھر مسیحیوں نے اس عقیدہ کے باوجود اسپر عمل کیوں چھوڑ رکھا ہے وہ تو کہتے ہیں کہ شریعت لعنت ہے۔ کیا یہ دو متضاد عقائد کا جمع کرنا نہیں ہے؟

نامہ نگار مسلم ورلڈ کو یہ بھی شکایت ہے کہ دلائل میں کمزوری اور غیر معتبر بیان مشرقی دماغ کا خاصہ ہے اور سطحی مشابہت اور خیال مشرقیوں کے نزدیک ثبوت اور شہادت کے قائم مقام ہیں اس شکایت میں ہم بھی نامہ نگار کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں کیونکہ اس نقص کی وجہ سے مسیحیوں کو بہت تکلیف پہنچی ہے اور بجائے اسکے کہ مسیحی ہم مشرقیوں سے اس نقص پر ہمدردی کریں انکا حق ہے کہ ان سے ہمدردی کیجائے کیونکہ انکا ابن اللہ مسیح اور اسکے حواری سب کے سب مشرقی تھے اور اس لیئے لازمی طور سے ان نقائص میں مبتلاء تھے جو نامہ نگار نے مشرقی دماغ کی طرف منسوب کیئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ موجودہ مسیحیت اسوقت جا کر تیار ہوئی جبکہ رومی بت پرست اس مذہب میں داخل ہونے شروع ہوئے اور ان مغربی محققین نے جو ثبوت اور دلائل سے کام لینے والے تھے تمام ان ثابت شدہ افسانوں کو

توریت کے متعلق مسیحیوں کے متضاد عقائد

مشرقی دماغ کے متعلق مسیحیوں کا شکوہ

جو بُت پرستوں میں رائج تھے نئے نام دیکر مسیحیت کے اصول میں داخل کیا۔ ورنہ مشرقی دماغ اس اعلیٰ درجہ کی پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی باتوں کو کہاں پیدا کرسکتا تھا جیسا کہ پول نیسٹ مدر زنائٹ ہتھراز برتھ ڈے سیکرڈ مسلٹو تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث کفارہ شریعت کا لعنت ہونا اور اسی قسم کے دیگر مسائل ہیں۔

دوسری رنجدہ بات جس کا اظہار کیئے بغیر پادری صاحب نہیں رہ سکے یہ ہے کہ پادریوں کو بہت دفعہ ایسے مسلمانوں سے مباحثہ کرنے کا موقعہ ملتا ہے جو نیکی پر کلام کرتے ہیں اور خود نیک نہیں ہوتے سچ پر بحث کرتے ہیں اور خود جھوٹ بولتے ہیں ظلم کو بُرا قرار دیتے ہیں اور خود ظالم ہیں رحم رحم پکارتے ہیں اور خود ان میں رحم نام کو نہیں ہے۔ ہر قوم میں بُرے بھلے لوگ ہوتے ہیں اور کچھ تعجب نہیں کہ بعض پادریوں کو ایسے لوگوں سے پالا پڑا ہو لیکن وہ غالباً اُن پادری صاحبان سے ان معاملات میں بہتر ہونگے۔ پادری صاحب کو کچھ نظیریں مسلمانوں میں ایسی دیکھکر کچھ شکایت کی وجہ نہیں کیا ہوا اگر چند مسلمان ایسے ہوں۔ یورپ میں انہیں لاکھوں چھوڑکر کروڑوں آدمی ایسے ملیں گے۔ اگر مسلمانوں میں کوئی ظالم بادشاہ ایسا بھی نظر آتا ہے تو اسوقت یورپ کے مدبرین صلح صلح کے نعرے مارتے ہوئے کروڑوں اربوں روپیہ اسلحہ جنگ پر خرچ کررہے ہیں اور جنگ کی تیاریاں اسقدر بڑھ گئی ہیں کہ ملک کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ اسپر خرچ ہوتا ہے ذرہ اٹلی کے بادشاہ کو ہی دیکھو کہ مشرق میں تہذیب اور انصاف پھیلانے کے بہانے سے اس نے طرابلس میں کسطرح ہزاروں لاکھوں بے گناہ انسانوں کا خون کروادیا جن میں صرف جنگی لوگ ہی نہ تھے بلکہ بے ضرر عورتیں اور بچّے بھی تھے۔ اب بلغاریہ سرویہ مانٹینگرو اور یونان کے بادشاہوں اور مدبرین نے یوروپین طاقتوں کی شہ سے انصاف قائم کرنیکے بہانے اور رحم رحم پکارتے ہوئے مشرقی یورپ میں جو قتل و غارت سے کام لیا ہے اور جسطرح عورتوں اور بچوں کو قتل کیا اور جو ان عورتوں کی عصمت دری کی ہے وہ مسٹر سٹیڈ کے چپ کرانیکے لیئے کافی سے زیادہ ہے اور کل یورپ اور امریکہ نے انکے اس قباسوز فعل پر تعریف و آفرین کے نعروں سے اپنی رحم دلی کا جو اظہار کیا ہے وہ ہم پر مخفی نہیں کیا یہ لوگ وہی نہیں جو گرجوں اور عام جلسوں کی سٹیجوں پر سے

قول و فعل کا اختلاف مسیحیوں کا ایک خاصہ ہے

خدا محبت ہے کے نعرے مارتے ہوئے دنیا کے سامنے یہ تعلیم پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی تیرا کرتہ اتارے تو اسے اپنی چدر بھی دیدے اور تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی پھیر دے کیا یورپ کے اہل السیاسہ حق گوئی اور دیانت داری کی تعریف کرتے ہوئے ڈپلومیسی کی آڑ میں سیاہ سے سیاہ جھوٹ بولنے کے عادی نہیں ہیں کیا یہ کل کی ہی بات نہیں کہ سفرائے دول نے ٹرکی کو یقین دلایا تھا کہ ہم بلقانی ریاستوں کو قطعاً جنگ نہ کرنے دینگی اور اسطرح انکی سپہ کو پراگندہ کروادیا اور پھر جنگ شروع ہونے پر بولے تک نہیں اور کیا جنگ کے شروع ہونے پر ترکوں کی فتح کے خیال سے معاہدہ برلن کو یاد کرا کے نتیجہ انکے خلاف دیکھکر یورپ نے اس معاہدہ کی یاد فراموش نہیں کردی پھر مسلمانوں میں ایسے آدمیوں کی نظیر جو منافقانہ کام کرتے ہیں تلاش کرنیکی کیا ضرورت پیش آئی تھی خود مسیحیوں میں کافی سے زیادہ مصالح انکے لیئے موجود تھا۔

مسیحی اصول میں متضاد عقائد کا نظارہ

اسکے بعد میں مسٹر شیڈ کی توجہ اس طرف منعطف کرانی چاہتا ہوں کہ اسلام پر جو اعتراض انہوں نے کیئے ہیں انکی دلیل وہ کوئی نہیں دے سکے اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے رد کر آیا ہوں ہاں مسیحیت کے اصول قریباً سب کے سب کمپرومائزنگ اصل پر مبنی ہیں اور انہیں تعصب کے جوش میں مسلمانوں کی آنکھ میں تنکا پیدا کرنیکی فکر تو ہوئی لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آیا۔

(۱) مسیحیت کا سب سے پہلا اصل تین ایک اور ایک تین کا مسئلہ ہے یہ خود کمپرومائز کے طریق پر ہے چونکہ رومی لوگ تین خدا کے قائل تھے اور بنی اسرائیل ایک کے اسلیئے جب رومیوں نے مسیحیت میں داخل ہونیکی آمادگی ظاہر کی تو انکی خاطر اپنے عقیدہ میں تبدیلی کرکے مذکورہ بالا رنگ دیدیا اور اسطرح دونوں عقیدوں کو ملادیا۔ لیکن کیا کوئی عقلمند انسان ان متضاد خیالات کو یکجا جمع کر سکتا ہے۔

(۲) مسیحیت کا دوسرا اصل جس میں متضاد خیالات جمع کیئے گئے ہیں یہ ہے کہ ایک طرف تو مسیح کو خدا کہا گیا ہے اور دوسری طرف اسے آدمی قرار دیا گیا ہے حالانکہ خالق و مخلوق ایک نہیں ہو سکتے پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ مسیح خدا بھی ہو اور پھر مخلوق بھی۔

(۳) تیسرا اصل جس میں مسیحیت نے متضاد خیالات کو جمع کیا ہے یہ ہے کہ ایک

طرف تو انجیل میں لکھا ہے کہ شریعت کے چھوٹے سے چھوٹے حکم کا انکار خدا سے دُوری کا باعث ہے اور دوسری طرف شریعت کو لعنت قرار دیا گیا ہے۔

(۴) چوتھا اصل جس میں مسیحیت نے متضاد خیالات کو جمع کیا ہے یہ ہے کہ ایک طرف اعتقاد کیا جاتا ہے کہ خدا گناہ معاف نہیں کر سکتا اور اسی لیئے ضرورت پیش آئی کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو لوگوں کی خاطر سولی پر چڑھوایا اور دوسری طرف لکھا ہے کہ ”اس لیئے کہ اگر تم آدمیوں کے گناہ بخشو گے تو تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے تمہیں بخشیگا۔“ (متی باب ۶ ورس ۱۵) اب یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا گناہ بخش بھی نہیں سکتا اور بخشتا بھی ہے اگر وہ گناہ بخش نہیں سکتا تو ہم کسی کے گناہ بخشیں یا نہ بخشیں وہ ہمارے گناہ نہیں بخش سکتا اور وہ گناہ بخشنے کی طاقت رکھتا ہے تو پھر کفارہ کی کچھ ضرورت نہیں۔

(۵) پانچواں اصل جس میں مسیحیت نے متضاد خیالات کو جمع کیا ہے یہ ہے کہ ایک طرف تو کفارہ کے مسئلہ سے یہ بتایا ہے کہ ہمارے سب گناہ مسیح نے اُٹھا لیئے دوسری طرف پھر اعمال پر زور دیا ہے جب ہمارے گناہ مسیح نے اُٹھا لیئے تو پھر ہم جو چاہیں کریں پھر ہمارے لیئے گناہ کرنا نہ کرنا ایک سا ہے لیکن نہیں ایک طرف تو مسیحیت کفارہ کے مسئلہ سے یہ ثابت کرتی ہے کہ سب مسیحیوں کے گناہ مسیح نے اُٹھا لیئے اور دوسری طرف پھر کچھ احکام انسان پر عائد کرتی ہے اور کئی قسم کے کاموں سے اسے روکتی ہے۔

(۶) چھٹا اصل جو مسیحیت پیش کرتی ہے یہ ہے کہ مسیح کو مصلوب ہو کر ملعون بھی قرار دیتی ہے اور پھر اسے خدا اور خدا کا پیارا بھی منواتی ہے۔ حالانکہ جو ملعون ہو کیونکر ممکن ہے کہ وہ خدا کا پیارا ہو لعنت یا کرس تو اظہار ناراضگی پر دلالت کرتا ہے پھر مسیح ملعون اور پیارا کیونکر ہو سکتا تھا اس میں بھی دو متضاد اصول کو جمع کیا گیا ہے۔

(۷) ساتواں اصل جس میں مسیحیت متضاد خیالات کو جمع کرتی ہے یہ ہے کہ مسیح کی نسبت لکھا ہے کہ وہ خدا کا بیٹا تھا اور پھر لکھا ہے کہ وہ داؤد کا بھی بیٹا تھا ایک شخص دو کا بیٹا کس طرح ہو سکتا تھا یا تو مسیح خدا کا بیٹا تھا یا داؤد کا ایک وقت میں دو کا بیٹا کیونکر بن گیا۔ یہ وہ متضاد خیال ہیں کہ جو

اواگون اور مسئلہ کرم

رقم زدہ ڈاکٹر جے۔ ایم پیبلس ایم۔ ڈی*

اصل مضمون کو شروع کرنے سے قبل ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنے ناظرین کا ڈاکٹر موصوف سے تھوڑا سا تعارف کرادیں۔ گو ڈاکٹر صاحب کے بعض عجیب حالات کے متعلق ہم نے رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی بابت ماہ مارچ ۱۹۱۲ء میں ایک مختصر سا نوٹ لکھا تھا تاہم ناظرین کی آگاہی کے لیئے لکھا جاتا ہے کہ ڈاکٹر ممدوح اُن شہرہ آفاق علماء کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے اس زمانہ میں علمی تحقیقات کے لیئے اپنی زندگیاں وقف کررکھی ہیں اور جنکو حق وحکمت کی باتوں کے ڈھونڈنے کا شوق رہتا ہے۔ آپ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے نامور فاضل اور نئی دنیا میں متشرقین کی جماعت کے ممتاز رکن ہیں۔ آپ نے ازراہ عنایت رسالہ ہذا میں درج کرنے کے لیئے ایک مضمون لکھا ہے جس میں تناسخ کے بیہودہ اور بودہ مسئلے کی قلعی کھولی ہے۔ آپکے مضمون اور خط کا اُردو ترجمہ ذیل میں ہدیہ ناظرین ہے۔ اُمید ہے کہ دلچسپی سے مطالعہ کیا جائیگا۔ ایڈیٹر ریویو

ڈاکٹر پیبلس صاحب کا خط

بخدمت ایڈیٹر صاحب ریویو آف ریلیجنز۔

قادیان ضلع گورداسپور پنجاب۔ انڈیا

جناب من۔

سنہ۱۸۶۹ء میں ریاستہائے متحدہ کے پریسیڈنٹ جنرل گرانٹ نے مجھے ایشیائے روم میں امریکن قونسل کی اسامی پر متعین کرکے بھیجا۔ اس اسامی کا زمانہ میں نے طرابزون اور قسطنطنیہ میں صرف کیا۔ اور اس زمانہ میں مجھے نہ صرف اُس ملک اور اہل ملک کے حالات سے دلچسپی رہی بلکہ میں مذہب اسلام کے اصول پر بھی غور کرتا رہا۔ میں بلاخوف لومۃ لائم کہہ سکتا ہوں کہ میرے خیال میں دین اسلام نے خدائے واحد اور نجات کے متعلق جو تعلیم پیش کی ہے وہ سچی نجات

* ماسٹر عبدالرحیم صاحب نے انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا ہے جزاہ اللہ خیرا لجزاء

وکفارہ کے عقیدہ سے کئی درجہ زیادہ قابل فہم و تسلیم ہے۔ جناب کو معلوم ہے کثیر التعداد ہندو۔ بعض بعض عیسائی اور تمام کے تمام تھیوسوفسٹ اواگون اور کرم کے مسئلہ کے قائل ہیں یعنی ان کا عقیدہ ہے کہ غیر فانی جیو عالم بالا سے واپس ہو کر اس سفلی جہان میں آتے اور بار بار گوشت و پوست کے اجسام اختیار کرتے رہتے ہیں۔ لیکن میری رائے میں اُن کا یہ عقیدہ بودہ اور غیر معقول اور راستی سے معرّا ہے۔

آج میں ایک مضمون خدمت والا میں ارسال کرتا ہوں جو کہ ردّ تناسخ میں میں نے لکھا ہے اُمید ہے کہ جناب اسے اپنے قابل تعریف رسالہ میں شائع فرمائیں گے۔

آپکا بہت مخلص جے۔ ایم پیبلس ایم ڈی

اواگون یا تناسخ کی تعریف

تناسخ کی تعریف کا سوال بجائے خود ایک مشکل اور پیچیدہ سوال ہے انسانی عقل محو حیرت ہے کہ اس کا جواب کس شعبۂ علم کی رو سے دیا جائے۔ اور کون ہے جو پورے وثوق سے یہ کہہ سکے کہ اواگون کے قصر کی دیواریں فلاں بنیادی اصول پر اور فلاں اغراض و مقاصد کے ماتحت اُٹھائی گئی تھیں۔ کیا جنوبی بدھ دھانما یا تبت کا لاما یا ہندوستان کا وہم پرست ہندو اس سوال کے جواب کا اہل ہو سکتا ہے؟ (ہرگز نہیں کیونکہ تناسخ کے ماننے والوں کا کسی ایک تعریف پر سرے سے اتفاق ہی نہیں) پھر ہم دریافت کرتے ہیں کہ آیا زندگی۔ پیدایش اور موت کے فلسفہ کو عالم سفلی کے زمانہ طفولیت (قدیم زمانہ) سے اخذ کرنا محض کم فہمی اور غلامانہ تقلید پر دلالت نہیں کرتا؟ واضح ہو کہ علم طبعی کسی شجرہ نسب کا محتاج نہیں اور نہ ہی عقل سلیم توہمات دبنا وٹوں کی سرزمین یعنی مشرق (ہندوستان) کے کرم خوردہ پارچہ ہائے چرم کو سامان آرائش بنا سکتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ مسئلہ تناسخ کو نہ تو علم طبعی تسلیم کر سکتا ہے اور نہ ہی عقل سلیم باور کر سکتی ہے ہاں اس اواگون کے چکّر کو ایک افسوسناک بدبختی ضرور کہا جا سکتا ہے۔

ایلن کارڈک ساکن پیرس اور مسئلہ تناسخ

زمانہ حال میں جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں اُن کے خیالات بھی اس مسئلہ میں اپنے قدیم اُستادوں کی طرح - بلحاظ اختلافات بعد المشرقین کا حکم رکھتے ہیں اور بلحاظ کثرت اشکال اُنکے مساوی ہیں - چنانچہ ایلن کارڈک صاحب (جنکا اصل نام ہیون ایچ - ڈی ریویل تھا) اور جو مغربی دنیا میں تناسخ کے سب سے اوّل معتقد نہیں تو اول حامی ضرور ہیں اپنی تحریرات میں فرماتے ہیں "روحوں کو یہ اختیار نہیں کہ وہ جس دنیا میں چاہیں سکونت پذیر ہو سکیں..... اس زمین کے بہت سے نفوس زحل میں دوبارہ جنم لیتے ہیں...... ایسے نوزائیدہ بچے موجود ہیں جنکے متعلق کسی روح کا تاحال تعین ہی نہیں ہوا...... پیدائش کے وقت تک نئے جسم میں روح کا حلول نہیں ہوتا.. جنین میں روح نہیں ہوتی.... ایک بیہودہ بے وقوف کے جسم میں ایسی روح ہو سکتی ہے جو پہلے جنم میں ایک عاقل و سمجھدار وجود کی سکونت اختیار کر چکی ہو۔ ایسے بیوقوف کی روح کو اس امر کا احساس ہو جاتا ہے کہ اُسکی کمزوری کا سلسلہ ہی اُسکا کفارہ ہے..... جو اخلاقی اوصاف کسی انسان سے ظہور میں آتے ہیں انکی فاعل وہ روح ہوتی ہے جو اسکے جسم میں حلول کرنے سے قبل کسی اور جگہ موجود تھی.... بعض اوقات کئی ایک روحیں ایک ہی وقت میں کسی نئے پیدا ہونیوالے جسم میں داخل ہونیکی کوشش کرتی ہیں"۔ اب ملاحظہ ہو کہ یہ اقتباس نیز اسی قسم کے اور بہت سے حوالجات صریحاً اس امر کے مظہر ہیں کہ یہ تمام سلسلہ محض دعاوی ہی دعاوی پر مشتمل ہے - اور دعاوی بھی جن کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی دلیل بھی نہیں دیگئی - پروفیسر فرفتھ نے سان ڈیوگو میں تقریر کرتے وقت کھلے کھلے الفاظ میں فرمایا کہ "آتمن یا انسان کی جان بچے کے دماغ میں سات برس کی عمر سے قبل داخل نہیں ہوتی"۔

اب یہ بات کسی تشریح کی محتاج نہیں کہ کارڈک کی پیش کردہ اشکال متعلق تناسخ باہم متضاد اور اہل تبت اور برہموؤں کی مسلّمہ اشکال سے مختلف ہیں - اور ایسا ہی تبت والوں اور برہموؤں کا آواگون کے مسئلہ میں تھیوسوفی کے معتقدوں اور امریکن محققین اجسام لطیفہ سے اختلاف ہے - لہٰذا (ان اختلافات کو مدِّ نظر رکھکر ہم بلا تامل کہتے ہیں کہ) تناسخ کا

عقیدہ ایک مضبوط اور واحد بنیاد سے خالی اور پارہ پارہ غیر ترکیبی اجزا کا مجموعہ ہے۔

انسان بھی حیوان بنجاتے ہیں

اکثر برہموؤں۔ بدھوں اور ہندو ویدانتیوں کا اعتقاد ہے کہ ادنیٰ طبقات کے انسانوں کی روحیں بذریعہ اواگون حیوانات کے اجسام میں داخل ہوجاتی ہیں۔ یعنے بذاتِ خود بمبئی۔ مدراس۔ مدورا۔ توتی کورن میں ویدانتیوں سے اور کولمبو و کانڈی واقعہ سیلون میں بدھوں سے اس موضوع پر گفتگو کی ہے اُنکو اس عقیدہ سے مطلق انکار نہیں بلکہ اُن لوگوں نے بڑے زور سے مجھے یقین دلایا کہ بدکار و ذلیل انسان شیروں گیدڑوں اور سانپوں تک کی صورت میں جنم لیتے ہیں اور یہ اُنکے کرموں کے نتائج کے مطابق ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ذیل میں چند حوالجات نقل کیئے جاتے ہیں جن سے میرے بیان کی تائید ہوتی ہے چنانچہ کولمبو کے رسالہ بدھ مت بابت ۲ ستمبر ۱۸۹۲ء میں سے مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو "سابقہ جنم کے تاثرات یا مجموعہ تجارب کو دوسرے جنم کے فیصلہ میں بہت بڑا دخل حاصل ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایک جنم میں شیر کی طرح گوشت خوری کا شیدائی ہو اور سشاہ حیوانات کی سی طاقت و قوت پیدا کرنے کی آرزو رکھتا ہو تو یہ ممکنات سے ہے کہ وہ دوسرے جنم میں شیرنی کے بطن سے پیدا ہو۔ اور واضح رہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شیر کی فطرت میں بھی اس تغیر سے کوئی ترقی واقع ہوگی"

پھر لاہور کے اخبار ہار بنجر میں ایک ہندو اہل قلم تحریر فرماتے ہیں "کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو انسانی جنم ہی میں تنزل کی حالت اختیار کر رہے ہیں یعنی وہ اُس حد تک پہنچ گئے ہیں جو کہ قریب قریب ادنیٰ طبقہ کے حیوانات کے مشابہ ہے پھر وہ اپنی بداعمالیوں کے باعث تنزل پکڑتے پکڑتے انسانیت کے دائرہ سے خارج ہوکر نیچے کے طبقہ میں جگہ لیتے اور درندوں یا بھائم کی صورت اختیار کرتے ہیں۔۔۔۔ ہماری کتب مقدسہ میں ایسے رشیوں کا ذکر پایا جاتا ہے جو کسی گناہ کا کفارہ دینے کے لیئے حیوانی اجسام میں داخل ہوئے تھے"

مسز کیتھرین کریسٹی ساکن ڈنی ڈن واقعہ نیوزیلنڈ ایک قابل تعریف خاتون اور تھیوسوفسٹ ہیں آپ نے ایک پبلک تقریر میں بڑی صراحت سے فرمایا کہ "قدیم قدآور گرانڈیل لوگوں کے

ادنیٰ طبقہ نے حیوانوں کے اجسام میں جنم لیا اور بعض ویدانتی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اپنے کرموں کے باعث ابھی تک اس تغیر کے عمل میں سے گذر رہے ہیں

کیا خوب! یہ ہے موجودزمانے کا تناسخ جسکے رو سے انسان باربار جنم لیتا اور انسانیت کے دائرہ اجسام سے نکلکر حیوانیت کے احاطہ میں داخل ہوتا ہے اور روح انسانی تنزل پذیر ہوکر ادنیٰ حیوانی اجسام میں حلول کرتی ہے یعنی کتے بھیڑئیے یا سانپ کے قالب کو اپنا مسکن بناتی ہے۔

چند سال کا عرصہ ہوا کہ میں مدراس کے ایک ہوٹل میں مقیم تھا اس ہوٹل کے متصل ایک بنگلہ تھا۔ اس بنگلہ سے ایک آدمی دوڑتا ہوا ہوٹل سے ایک انگریز طبیب کو بلانے آیا۔ اس جلدی اور ڈاکٹر کی طلبی کی وجہ یہ تھی کہ بنگلہ مذکور میں سانپ نے ایک بچہ کو کاٹا تھا انگریز طبیب بلاتاخیر ہوٹل سے چل پڑا لیکن جب وہ منزل مقصود پر پہنچا تو بچہ کا انتقال ہوچکا تھا اور بچے کی ماں نہایت بے تابی اور بے قراری سے درد انگیز لہجہ میں کہہ رہی تھی "میرے بچے ہاں میرے پیارے لال نے پہلے جنم میں کسی سانپ کو مارا ہوگا اور یہ اس کے سابقہ کرموں کا پھل ہے" کیا ان توہمات سے بڑھکر مضحکہ خیز اور نفرت انگیز کوئی اور بات بھی ہوسکتی ہے؟

تناسخ کا عمل کب اور کیونکر ظہور پذیر ہوتا ہے؟

کسی شکل کو قابل فہم وتسلیم بنانے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ اوّل تو کوئی حقیقی وجود ہو دوم کوئی خاص مدعا یا غرض مدِنظر ہو۔ سوم - ایک باقاعدہ نظام پر کام کرنیوالی طاقت ہو۔ آؤ اب دیکھیں کہ تناسخ کی شکل کو کسطرح قابل فہم بنایا جاتا اور اسکے عمل کو کسطرح تکمیل تک پہنچایا جاتا ہے۔ اوّل یہ دیکھنا ہے کہ وہ کونسا حقیقی وجود ہے - جو تناسخ کے عمل کی بنیاد ہے - کیا جیو یا آتمن اپنا نورانی لباس اُتار کر برہنہ ہوجاتا اور پہلے ہی مرحلہ میں اپنی لطافت کو خیرباد کہدیتا ہے؟ تناسخ کے عمل سے آتمن کا مدعا یا غرض کیا ہے؟ اور کونسی باقاعدہ طاقت اس عمل کی روح رواں ہے؟ اس کا جواب آتمن ہی کو معلوم ہوگا ہمارا ناقص فہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہاں ہم صرف یہ پوچھتے ہیں کہ کیا آتمن حصول مدعا کیلیئے

روشنی کی شعاع کی مانند رحم میں داخل ہوتا ہے؟ اور کیا رحم اسکے لیئے پہلے ہی سے منتظر ہوتا ہے؟ اور ہاں کیا آتمن اپنی لطافت کو برضا و رغبت کثافت سے مبدّل کرتا اور گوشت و پوست کے جسم میں داخل ہوتا ہے یا اسے پشت در پشت مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی اصلی لطافت اور آزادی کو ترک کرکے ماس اور ہڈیوں کی قید میں مقیّد ہوتا رہے؟ عجیب تر یہ امر ہے کہ تبت کا لاما ہو۔ خواہ سیلون کا بھکشو۔ بنارس کا ہندو ہو۔ خواہ قرون وسطی کے گیست علوم کا ماہر اور روحوں کی ہستی کا قائل فرانسیسی عالم ہو یا تھیوسوفیکل سوسائٹی کا ممبر ہر ایک تناسخ کے دعوی کی نوعیت اور اسکے وقوع میں آنیکے عمل کے متعلق ایک دوسرے سے اختلاف رکھتا بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہے۔ چونکہ علم کو اس جہان کا باجی کہا جاتا ہے لہٰذا اس بات کا علم حاصل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ آتما۔ بودہی۔ مَن کا ثالوث یعنی جیو کسطرح رحم مادر یا بچّہ دان میں داخل ہوتا ہے؟ اور آیا اس کا ورود عین حمل ٹھہرنے کے وقت ہوتا ہے یا پیدائش کے وقت؟ یا جیسا کہ بعض کا خیال ہے اسکی تشریف آوری کی تاریخ لمبی اور ساتویں سال پر پڑ جاتی ہے؟۔ واضح رہے کہ یہ تمام اوقات اواگون کے کاشتکاروں نے خود ہی تناسخ کا بیج بوئے جانے اور اسکے نازک پودے کی نشو و نما کے لیئے تجویز کئے ہوئے ہیں۔ اس میں کسی اور کا کوئی دخل نہیں ہاں ہر شخص کو یہ خیال ضرور پیدا ہوگا کہ یا تو اواگون کا پودا ہی سدا بہار ہے یا کاشتکار مغالطہ خوردہ ہیں۔

فصیح البیان مسز بیسنٹ اپنی کتاب موسوم بہ "تھیوسوفی کا خلاصہ" میں تحریر فرماتی ہیں کہ "تناسخ کے ذریعہ سے جو جنم ہوتے ہیں وہ ایک ہی مرتبہ ختم نہیں ہو جاتے بلکہ اُن کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور ہر ایک روح کو یکے بعد دیگرے آنیوالی نسلوں میں بیشمار جُونیں بدلنی پڑتی ہیں" پھر خاتون موصوفہ آگے چلکر ہمیں یقین دلاتی ہیں کہ "تناسخ کا عمل اپنی آہستہ خرامی سے بے شمار جنموں کا چکر کاٹتا رہتا ہے" ایک دفعہ ایک بدھ بھگشو نے جو کہ فی الواقعہ سیلون کا باشندہ تھا مجھ سے کہا کہ گوتم بدھ نے دُکھ سے نجات پانے یعنی نروان حاصل کرنے سے قبل ۵ ے ہزار دفعہ جنم لیا تھا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس تمام چکر اور سرگردانی کی علّت غائی کیا ہے؟ کیا یہ بے شمار جنم حصول علم کی خاطر ہیں؟ کیا ہمیں صرف اسی جہان

میں رہکر زیادہ تجربہ حاصل ہو سکتا ہے؟ اگر زیادہ تجربہ یا علم ہی اواگون کے چکر کی علت غائی ہے تو ہر ایک جیو یہ پسند کریگا کہ یا تو چاند کی پہاڑیوں پر چڑھے یا مریخ کی ندیوں پر کشتیوں میں سوار ہو کر سیر کرے یا پھر ستاروں کے وسیع صحن میں چہل قدمی کرنے کا لطف اُٹھائے۔ تناسخ کے ماننے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ بار بار جنم لینے سے رُوح اپنے قرض کے بوجھ سے سبکدوش ہوتی ہے۔ کوئی ان بزرگوں سے پوچھے کہ یہ قرض خوب ہے جس کا مقروض کو علم تک نہیں ہوتا۔ اور پھر ہم انجیل کی اس تمثیل پر نظر ڈالتے ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک فضول خرچ لڑکا اپنے گھر سے دُور بھاگتا ہے اور بھوک سے تنگ آ کر خود بخود باپ کے پاس واپس آجاتا ہے۔ باپ بیٹے کو معاف کرتا اور گلے سے لگاتا ہے۔ آہ۔ تناسخ کے شیدائی اس روزانہ تجربہ کی مثال کے خلاف ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ باپ گھر میں واپس آئے ہوئے بیٹے کو تھوڑا سا آرام دینے کے بعد سخت جگری سے واپس چلے جانے کا حکم دیتا اور سؤروں کا پس خوردہ یا اناج کا بھوسہ کھا کر مزید تجربہ اور علم حاصل کرنے کے لئے گھر سے بھگاتا ہے۔ حیرت ہے کہ اواگون کے معتقدوں کو نہ تو محبت کرنیوالے باپ کی محبت کا احساس ہے اور نہ ہی انکے قلب میں عفو اور رحم کے جذبات کا گذر ہے۔ انکے نزدیک کوئی غلطی بھی قابل عفو نہیں اور بس یہی یقیناً تناسخ کے خیال کی بنیاد ہے۔ کیونکہ تناسخ کا جزو لاینفک کرم کا مسئلہ ہے اور مسئلہ کرم کا مفہوم یہی ہے کہ عفو و رحم کوئی چیز نہیں ہر غلطی کی سزا ہونی چاہیئے۔ شائی لاک یہودی جبتک اپنے مقروض کے جسم سے پونڈ بھر گوشت نہ کاٹ لے اُسے چین نہیں آسکتی*۔

ہم آئے روز دیکھتے رہتے ہیں کہ گیہوں کا دانہ جب بالی سے علیحدہ ہو جاتا ہے تو پھر بالی میں واپس نہیں جاتا اور پرندہ انڈے کے خول سے آزاد ہو کر دوبارہ اسکی طرف منہ بھی نہیں کرتا۔ بڑ کا درخت ہرگز لوٹ کر ننھے بیج میں داخل نہیں ہوتا۔ انہی دلائل کے موجب ہم یقین کرتے ہیں کہ غیر فانی ارواح جن کو اپنے نیک و بد کی تمیز حاصل ہے ہرگز یہ گوارا نہیں کر سکتیں کہ جس گوشت و پوست کے

* یہ شیکسپیر کے ایک ڈرامہ کی طرف اشارہ ہے جس میں ایک یہودی شائی لاک نامی نے قرض کی میعاد مقررہ گذرنے کے بعد اس بات پر اصرار کیا کہ اب میں روپیہ نہیں لوں گا بلکہ فیصلہ شدہ شرط کے مطابق ایک پونڈ (نصف سیر) گوشت اپنے قرضدار کے جسم پر سے کاٹونگا۔

مجلس سے وہ ایکدفعہ نجات پاچکے ہیں دوبارہ اُسی میں مقید و محبوس ہوں۔ صحیفۂ قدرت میں جسقدر مثالیں پائی جاتی ہیں وہ سب بآواز بلند پکار رہی ہیں کہ انسانی روح اواگون کے چکّر میں پڑکر سوٗر۔ کتے اور بندر کی طرح جنم نہیں لے سکتی۔ مسز بیسنٹ کے نزدیک آتمن کا تناسخ کے چکّر میں پڑنا اشد ضروری اور اٹل امر ہے خاتون موصوفہ کی تمام تحریروں میں انہی زنگ خوردہ تار ولی کا جال تنا ہوٗا ہے۔ یہ معزز خاتون اپنی خداداد قابلیت اور زباندانی سے فائدہ اُٹھا کر متواتر اس عقیدہ کی اشاعت کرتی رہتی ہے۔ چنانچہ ایک رسالہ میں آپ یوں گوہرافشانی کرتی ہیں جس سچائی کا تھیوسوفی خصوصیت سے پرچار کرنا چاہتی ہے وہ "معمۂ زندگی" نامی کتاب میں فرماتی ہیں کہ عرصہ دراز تک آرام لینے اور تازہ دم ہونے سے جیو اپنے سابقہ جنم کے تجربات کو جو اُس نے دھرتی پر حاصل کیئے تھے جمع کرلیتا ہے اور پھر دوسرے جنم کے دروازہ سے سفلی عالم میں داخل ہوتا اور نیا جسم اختیار کرتا ہے۔" لیکن اگر یہ پوچھا جائے کہ بھلا روح کیونکر اور کب واپس ہوتی ہے؟ اور ہم یہ کیونکر معلوم کرسکتے ہیں کہ آیندہ جنم میں روح تنزل نہیں پکڑے گی؟ بلکہ اپنے تجربوں سے فائدہ اُٹھائے گی۔ افسوس کہ ان سوالوں کا جواب تناسخ کے ماننے والے بھی نہیں دے سکتے۔

اواگون مسئلہ ارتقا کی ضد ہے

ارتقا کا مسئلہ وہ اہم اور عظیم الشان علمی شکل ہے جس کے قائل نہ صرف اہل علم۔ فاضل اور بزرگ ہیں بلکہ بلند پرواز شاعر بھی اُنکا ہم آواز ہوکر کہتا ہے کہ "تمام اشیاء بتدریج زینہ ترقی پر چڑھ رہی ہیں"۔ جب ہم کرہ ارض پر نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ زمین ابتداءً شعلہ دار۔ آتشی مادہ کی شکل میں تھی پھر اسپر جمادات کا ظہور ہوٗا اور اُس کے بعد نباتات اور نباتات کے بعد حیوانات کے وجود ہستی پذیر ہوئے۔ حیوانات کے بعد اس زمین کا نہایت شاندار جلوہ تمام مخلوق کے تاجدار یعنی حضرت انسان کی شکل میں نمودار ہوٗا پھر گوشت و پوست اور تشخصات کے جامہ کو اُتار کر انسانی روح نے عالم بالا کو پرواز کیا جہاں اُسے نیک و بد کی شناخت اور اپنے افتخار و اعزاز کا احساس ہے۔ اب اگر نباتات لوٹکر جمادات کی شکل اختیار نہیں کرتیں اور نہ ہی حیوانات نباتات کے لباس میں ظاہر ہوتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ غیرفانی روح دوبارہ فانی جسم کی قید میں مقید و محبوس ہو یہ تو ارتقا نہیں بلکہ ایک ذلیل ترین تنزل اور رجعت ہے۔ یہ جینے اور مرنے کا چکّر جس میں جیو کو

ایک جسم سے دوسرے جسم میں داخل ہونا اور لطیف و غیر مرئی حالت سے کثیف ارضی اجسام میں بند ہونا پڑتا ہے۔ دراصل ایک اخلاقی تنزل اور رجعت ہے۔ اور اسکی مثال اُس پروفیسر کی سی ہے جس کو مجبور کیا جائے کہ تم کالج سے چلے جاؤ اور واپس اپنے پرانے سکول میں تعلیم حاصل کرو کیونکہ وہاں تم نے ایکدفعہ اجزائے ضرب کے پہاڑوں میں غلطی کی تھی اور اس غلطی کی اصلاح بغیر تمہاری واپسی کے نہیں ہو سکتی۔

تناسخ کی عجیب و غریب زندگی کا خیال جب میرے قلب میں گذرتا ہے اور مَیں عالم اجسام کے بحر بے پایاں و بے کنار میں غوطہ لگا کر اواگون کے مختلف سمندروں خلیجوں اور کھاڑیوں کی سیر کا خیال دلمیں لاتا ہوں تو بے اختیار میری آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھتی ہیں اور مَیں چمکتے ہوئے ستاروں کو مخاطب کرکے کہتا ہوں کاش کہ مَیں مادہ کی قید سے آزاد ہوتا! میرا واہمہ بھی ایک آن کے لیئے اس خیال کو اپنے اندر سے گذرنے نہیں دیتا کہ مَیں بار بار مادے کی جیل میں نظر بند کیا جاؤں۔ اس خیال سے میرے جسم میں ایک آگ سی بھڑک اُٹھتی ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ جسمانی قید کے باوجود مَیں بے تار خبر کے ذریعہ لنڈن میں بیٹھکر نیویارک کی خبر لے سکتا ہوں اور تار برقی کے ذریعہ امریکہ سے اسٹریلیا کو برقی پیام بھیج سکتا ہوں لیکن جب مَیں اس مادی و جسمانی قید سے آزاد ہوں گا تو اوہو مَیں کس قدر آزادی سے اور لاانتہا طاقتوں سے کام لے سکوں گا۔ ہاں اُسوقت مجھے اجازت ہوگی کہ مَیں غیر معلوم گنج ہائے قدرت کو دریافت کرلوں اور عالی شان اجسام فلکیہ کا موازنہ کرنیکے قابل ہو سکوں پھر ان سیاروں کی کُنہ کا علم اور تاریخ سے واقفیت حاصل کردں۔ میری دلی تمنّا ہے کہ میری قسمت میں ان آرزوؤں کا پورا ہونا مقدر ہو اور خدا نہ کرے کہ مَیں کولہو کے بیل یا گاڑی کے پہیّہ کی طرح اواگون اور کرم کے جسمانی چکر میں مبتلا ہو کر بار بار جینے اور مرنے کی دل شکن مصیبت میں بند رہوں۔

جس رُوح کو عقل و تمیز سے بہرہ اندوز کیا گیا ہو اُسکو اس سے بڑھکر اور کیا قابل نفرت اور گھناؤنی بات معلوم ہوگی کہ اُسکے لطیف اور آزاد جسم کو کسی غیر معلوم قانون کے ماتحت دوبارہ کرکے مہمل باتیں کرنیوالے بچے کے طور پر پیدا کر دیا جائے یا مجبور کیا جائے کہ قید میں ڈالا

موٹا اور رُوئے کا لباس پہنکر دنیا کے احاطہ میں چکر لگائے۔ پھر یہ بھی نہ بتایا جائے کہ اس چکر سے کب اور کیونکر نجات ہوگی؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ تناسخ کے مسئلہ میں راستی اور سچائی کو بھی دخل ہے؟ راستی کا تو یہ شعار ہونا چاہیئے کہ وہ انسانی روح کے لیئے اپنے اندر ایک کشش رکھے اور روح اسے اسطرح قبول کرنے کو تیار رہے جسطرح دھوپ اور بارش کو زمین جذب کرتی ہے۔ ہاں کیا تناسخ میں بھی انسانی روح کے لیئے ایسی کشش اور قبولیت کے جذبات ہیں؟ فطرت اس کا جواب نفی میں دیتی ہے تجربہ اس پر لا کہتا ہے۔

اواگون قانونِ قدرت کے بھی خلاف ہے

ایک موسم میں سیب کچا ہوتا ہے اور دوسرے میں وہ پک کر قدرے سرخی اختیار کر لیتا ہے گو اس کے رنگ و بو میں گونہ تغیر ہو جاتا ہے مگر اس کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں آتا وہ سیب کا سیب ہی رہتا ہے۔ بلکہ سیب سے اچھا سیب ہو کر کسی قدر ترقی کرتا ہے یہ تو ہے قانونِ قدرت۔ لیکن اواگون اس قانون کو جھٹلاتی اور کھلم کھلا اسکی مخالفت کرتی ہے ہم اوپر کئی ایک مثالیں دیکر بیان کر چکے ہیں کہ تناسخ ارتقا کی ضد ہے اور مسئلہ ارتقا قانون قدرت کے مشاہدوں اور تجربوں پر مبنی ہے۔ ہم آئے روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ مکئی کا زرد دانہ بھٹے میں واپس نہیں جاتا۔ اور نہ ہی چھلکے سے علیحدہ کیا ہوا گیہوں کا دانہ دوبارہ اپنی پوشش کو زیب تن کرتا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ پردار تیتری کو کرسلس کے خول میں واپس آنے کی خواہش ہوتی ہے۔ یا کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ برسات کا شاندار گویا اپنی خوش و خرم زندگی کو چھوڑ کر پھر وہی دم دار مینڈک بننا پسند کریگا؟ ہم علی وجہ البصیرت یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر انڈے سے نکلے ہوئے پرندے کو جو کسی گھن دار درخت پر بیٹھا ہوا سریلی آواز نکال رہا ہو یہ کہا جائے کہ تم پھر تھوڑی دیر کے لیئے انڈے میں داخل ہو جاؤ اور بوسیدہ گھونسلے میں ٹھہر کر طوفانِ باد سے تھپیڑے کھاؤ تو وہ ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیگا۔ اور اس تنزل کو گوارا نہ کریگا۔ جب ادنیٰ حیوانوں کی یہ حالت ہو تو ہم سوال کرتے ہیں کہ جیو کیوں ایکدفعہ درد اور دُکھوں سے نجات پاکر دوبارہ جسم خاکی اختیار کریگا؟ اور رحم مادر کی تاریک و تار کوٹھریوں میں بند ہو کر حیض کا خون کھانے پر رضامند ہوگا؟ یہ سوال ہی

خود اس سوال کا جواب ہے اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ روح کے اندرونی جذبات کیا ہیں؟ اسے نہ صرف اپنی دانش و ادراک کا علم ہے بلکہ اپنی ذات بغیر فانی ہستی اور عظیم الشان ممکنات سے بھی واقفیت ہے باایں ہمہ کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ جو روح ان اوصاف سے متصف ہے وہ قانونِ قدرت کے خلاف تنزل کے عمل میں گرفتار ہو کر اواگون کے بے اصول چکر میں مبتلا ہونا پسند کریگی۔

انسانوں کے مدارج پر تناسخ کا اثر

جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں وہ اواگون کا راگ گاتے وقت جس سُر کا سب سے پہلے الاپ لگاتے ہیں وہ یہی ہوتا ہے کہ انسانوں کے مختلف مدارج تناسخ کے عمل کی وجہ سے واقع ہوئے ہیں۔ اداگون کے معتقدین کو ہر وقت اسی ایک بات کا خواب اسی کا خیال رہتا ہے۔ اُنکی تحریر و تقریر میں اس کو اس کثرت سے دُہرایا گیا ہے کہ سُنتے سُنتے کان بھی تھک گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض کو اچھی حالت میں پیدا ہونے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔ بعض کو نیا جنم لیتے وقت ذہانت و قابلیت سے بہت تھوڑا حصہ دیا جاتا ہے حالانکہ انہی کے بھائی بند خداداد قابلیت و ذہانت کے زیور سے مزین ہوتے ہیں۔ پھر ایک بچہ امیر کے گھر میں پیدا ہوتا اور عالیشان محلوں میں پرورش پاتا ہے اور اسی کے ساتھ دوسرا ایک غریب نادار کے گھر میں جنم لیتا اور اُس کی غیر معلوم تاریک کُٹیا میں زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ آخر اس تفریق و تمیز کا سبب بھی تو ہونا چاہیئے؟ اس اعتقاد کے رکھنے والوں کو جان لینا چاہیئے کہ یہ تفریق بجائے خود ایک اعلیٰ درجہ کا فلسفہ ہے۔ اور لوحِ نیچر پر جو مختلف و متضاد نقش منقوش ہیں یا صحیفۂ قدرت میں جو تفریق و تمیز کو دخل ہے یہ سب اعلیٰ درجہ کی خوبیوں پر دال ہیں اور عظیم الشان رازہائے قدرت ان میں مضمر ہیں۔

اچھا ہم ایک آن کے لئے فرض کرتے ہیں کہ جنگل میں سب درخت ایک ہی قسم کے ہوں مثلاً سب کے سب بید مجنوں کے ہی پیڑ ہوں کیا انسانی آنکھ کو یہ منظر بھائیگا؟ یا یہ کہ اگر زمین کی سطح ایک وسیع ہموار میدان کی شکل میں ہو جائے تو کیا کسان کا کام چل سکیگا؟ اگر فرضاً کل اور کل کے بعد پیدا ہونے والے کروڑوں بچے آج ایک ساعت میں پیدا ہو جائیں اور سب کے سب نہ صرف ایک ہی جھتر کے زیر اثر ہوں بلکہ ایک جیسے قوائے اور یکساں مذاق بھی رکھیں مثلاً سب بچے سائنس کے شیدا اور کلیں وغیرہ بنانے کے مشتاق ہوں۔ تو

بھلا اس مساوات کو کیا سمجھا جائیگا؟ اور کیا ہر ایک صاحب فہم انسان اس مساوات کے نظارہ سے اُکتا نہ جائیگا؟ - لاریب اس قسم کی مساوات کو دوسرے الفاظ میں ایک اُکتاہٹ پیدا کرنے والے نظارے کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے اور یہ نظارہ اپنی نامرغوب حالت کے سبب دوزخ ثانی ہو جاتا ہے۔ غیر مساوات اور تفریق و تمیز کوئی قبیح امر نہیں ایک ہی قسم کا کھانا ہر روز کھاتے کھاتے طبیعت گھبراتی اور ایک قسم کا گانا سُنتے سُنتے کان اُکتا جاتے اور ایک سا ہی منظر دیکھتے رہنا آنکھیں ناپسند کرتی ہیں اسلیئے کسی چیز کو مرغوب خاطر بنانے کے لیئے تفریق کی سجاوٹ ناگزیر ہے۔ مانا کہ شہزادے اور دہقان زادے میں دنیوی حیثیت اور ظاہری جاہ و حشم کے لحاظ سے فرق ہے لیکن اُنکی روحانی حالت متشابہ ہے روحانی طبقہ میں محنتی کسان اور گرد آلود مزدور کا وہی درجہ ہے جو ایک کروڑ پتی امیر کا ہو سکتا ہے۔ قبر کی مٹی اور قبر کے اندر کی زندگی کا دونوں کے لیئے یکساں ہونا اس دعوٰی کی صداقت پر دال ہے۔ میری اپنی زندگی مجھے بتلاتی ہے کہ میں قصبہ ورمونٹ میں جو کوہ گرین کے دامن میں واقع ہے ایک غریب و مفلس خاندان کے ہاں پیدا ہوا تھا میرے والدین کا گھر یک منزلا اور غریبانہ تھا۔ ہمیں بعض اوقات کھانا بھی بمشکل ملتا تھا۔ میرے لباس میں دھجیاں لگی ہوتی تھیں لیکن مساعدت دیکھیئے کہ میں اس مشکل منزل کو طے کرنیکے بعد اس حالت میں ہوں کہ دنیا کی غیر مساوات اور امتیاز و تفریق پر شکریہ ادا کروں - اور مجھ پر ہی کیا انحصار ہے۔ دنیا میں بے شمار ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں مثلاً ہمارا نامور پریذیڈنٹ لنکن ایک ریلوے لائن پر کام کرنے والے مزدور کا لڑکا تھا گارفیلڈ ایک خچر سوار اور جنرل گرانٹ ایک چمڑا رنگنے والے کے گھر کا چراغ تھا۔ پھر کیا ان لوگوں کو کبھی یہ شکایت ہوئی کہ گذشتہ کرموں نے انہیں ترقی کا موقعہ ہی نہیں دیا؟ یا کیا غریب کے گھر میں پیدا ہونے اور غیر مساوات کے مسئلہ کی مجبوری کے باعث وہ آیندہ بام ترقی پر چڑھنے سے رُک گئے؟ نہیں ایسا نہیں ہوا - اور نہ ہوتا ہے۔ اگر سب انسان پیدائش سے ہی اپنے گذشتہ کرموں کے باعث شرابسے متنفر۔ اخلاق و اوصاف حسنہ سے مزین شدہ پیدا ہوتے تو پھر بلند خیال اور عالی ظرف مصلحین کی ضرورت ہی مفقود ہو جاتی - اور جو لوگ رفاہ عام و مفید انام کاموں میں دلچسپی لیکر ہر بات سے نیک اور کارآمد نتائج مترتب کرنا چاہتے ہیں وہ

بھی یہ خیال کر کے مایوس ہو بیٹھتے کہ اُن کی کوششیں رائیگاں و اکارت ہونگی کیونکہ ہر شخص نے کرما تو
وہی ہے جو سابقہ اعمال کے نتائج کی رو سے اُسکے کرموں کا پھل ہے۔ غرض یہ عقیدہ کہ مراتب کی
تمیز و تفریق سابقہ اعمال کا نتیجہ ہے دراصل آئیندہ ترقی سے روکنے والا اور تمام اصلاحات کے رستہ
کا روڑا ہے۔ اور جسقدر اسپر نظرِ امعان ڈالی جائے اُسی قدر اس کا بودا پن ظاہر ہوتا ہے اور ثابت
ہوتا ہے کہ مراتب کا زیر و بم تناسخ پر منحصر نہیں بلکہ یہ تفریق اس عالم اجسام کا زیور اور برکات کا
مجموعہ ہے۔ اور واضح رہے کہ یہ عدم مساوات نہ صرف اس دنیا میں بلکہ آئیندہ کے روحانی عالم
میں ضرور موجود ہوگی۔ اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ گھناؤنے کیچڑ میں سے گل نیلوفر پیدا ہوتا
اور باغ کو سیراب کرنیوالی میلی نالیوں کے کنارے پر خوشبودار گلاب کا پھول اُگتا اور اپنی
اعلیٰ خوشبو کو مسام دماغ میں پہنچاتا ہے تو بے ساختہ ہماری زبان سے نکلتا ہے کہ اے اختلاف
و تفریق تو باعثِ برکت ہے اگر تو نہ ہوتا تو کیچڑ اور گلِ نیلوفر کا مقابلہ کون کرتا اور مٹی کی نالی پر
گلاب کا پھول کیونکر باعثِ زینت و خوبصورتی قرار پاتا۔ لہٰذا یہ غلط ہے کہ سابقہ کرم غیر مساوات
اور تفریق مدارج کا باعث ہیں بلکہ یہ سب مصورِ عالم نے اپنی صنعت کی خوبصورتی اور تزئین کے
لئے نقش کیا ہے۔

کیا دوسرا جنم لینے کے سوا ترقی کی کوئی اور صورت ہی نہیں؟

تناسخ کی تائید میں ایک بڑی دلیل یہ دیجاتی ہے کہ جبتک روح اجسام کی قیود میں نہ آئے
وہ نہ تجربہ حاصل کرتی ہے اور نہ ہی وہ ترقی کے معراج پر پہنچنے کے قابل ہوسکتی ہے۔ یہ ایک ایسا
دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ اور نہ ہی کوئی ثبوت ہے۔ کیونکہ تناسخ کی رو سے جو شخص
آج علم و فضل کا تاج پہنے ہوئے ہو وہ کل دوسرا جنم لے کر ایک بے علم بچہ بنے گا اور دایہ کی
گود میں چھوٹی چھوٹی باتیں کرنی سیکھے گا۔ اس تغیر کو ترقی کا زینہ سمجھنا سخت غلطی ہے ہاں
ترقی معکوس البتہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ عجیب حصول تجربہ اور ترقی ہے کہ ایک شخص کو علم و فضل کی
زینت سے محروم کر کے اُسکے حافظہ کو بھی ساقط کیا جاتا ہے اور محض ایک کیڑے کی طرح دوبارہ گوشت
و پوست کی جیل میں بند کیا جاتا ہے۔ واضح رہے ہماری زمین اجرام فلکیہ کے بحرِ ناپیدا کنار میں
ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جس سے کئی گنا زیادہ بڑھ چڑھکر مہذب اور لطیف دوسرے اور

عالم بھی ہیں۔جن میں قدرت نے ایسے ایسے طبقات اور ایسی آب و ہوا رکھی ہے جن کا اثر روحانی اور جسمانی تعلیم پر بہت زیادہ ہے اور جو اس زمین کی نسبت روحانی تربیت کے لیئے زیادہ موزون ہیں۔ہماری زمین جس پر ہم اب عارضی سکونت رکھتے ہیں دراصل رنج و محن اور وحشت و بے رحمی کا گھر ہے پھر بھلا ہماری روح کسطرح ایسی زمین کی طرف لوٹنا پسند کریگی اور جب کہ ترقی کی شاہ راہیں دوسرے عالموں میں یہاں کی نسبت زیادہ فراخ۔ صاف اور سیدھی ہیں تو روحوں کو کیا پڑی ہے کہ وہ اس دنیا میں واپس آکر مقید و محبوس ہوں اور اجسام کے پنجرے میں بند ہوں۔ اگر روحوں کی واپسی کسی ادھورے کام کی تکمیل کے لیئے ہوتی ہے اور اس سے انکی ترقی مقصود ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ آزاد روح اس ترقی کو بآسانی حاصل کر سکتی ہے اسے ضرورت نہیں کہ اپنی اعلیٰ حالت کو ادنیٰ سے تبدیل کرے اور کثیف جسم اختیار کرکے رحم مادر میں مقید ہو پھر دانت نکالنے کی تکلیف اور بچپن کے عوارض کو برداشت اور اٹھتی جوانی کی تحریص و ترغیب کا مقابلہ کرے۔ہم اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جو روح اپنی لطافت کی وجہ سے اعلیٰ طبقات میں پرواز کرتی اور علو و بلندی کے قریب پہنچی ہوئی ہو وہ کیونکر محبوس ہو کر کسی ادھورے کام کی تکمیل کریگی یا ترقی کا کوئی درجہ طے کریگی۔اگر کوئی یہ کہے کہ جیو رحم مادر میں کہاں قید ہوتا ہے وہ تو بعد میں داخل ہوتا ہے تو ہم سوال کریں گے اچھا ایک بات بتاؤ کہ پھر جیو کسطرح۔کب اور کیوں جسمانی قید میں آتا ہے؟ ہر دعویٰ کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے لیئے دلائل اور براہین درکار ہوتے ہیں محض خیالی پلاؤ یا زبانی دعاوی کافی نہیں ہو سکتے۔ کاش کہ تناسخ کے ماننے والے اپنے دعاوی کے ساتھ دلائل اور بیّنات بھی پیش کر سکتے!

میرا ذاتی تناسخ کا چکر اور مختلف جنم

راقم الحروف کو مختلف اوقات اور مختلف ممالک میں دو تین ایسے شخصوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے جو روحوں سے باتیں کرنے کے مدعی ہیں اور میں نے کئی ایک ایسے تھیوسوفسٹ دیکھے ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اُن لطیف اجسام سے دوچار ہوتے اور مکالمہ و مخاطبہ کرتے ہیں جنکو عام انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ان لوگوں نے مجھے بتایا ہے کہ میں ہزاروں برس ہوئے تو ایک آرا

رشی کے جنم میں گنگا کے سرسبز کنارہ پر گیان دھیان میں مصروف رہتا تھا پھر تناسخ کے دوسرے
دَور میں مَیں ایک اسرائیلی نبی بنکر پیدا ہوا تھا اور میرا نام حبقوق تھا۔ تیسرے جنم میں مجھے
مصر کی سرزمین پر ایک مصری پجاری کے رُوپ میں ظاہر ہونا پڑا۔ چوتھی مرتبہ میں ہیروڈوٹس جیسے
یونانی مؤرخ اور سیاح کے بھیس میں وارد ہوا تھا پانچویں جنم میں مَیں مشہور مسیحی قسیس اوریجن
تھا وَاگون کے چھٹے چکر میں میرا نام راہب پطرس تھا اور مَیں ایک ہاتھ میں صلیب اور دوسرے
میں تلوار لیکر یورپ میں جوش کی آگ بھڑکا رہا تھا۔ اور میری آتشیں تقاریر سے متاثر ہو کر عیسائی
مجاہدین دیوانہ وار ارض مقدس کی طرف کوچ کر رہے تھے اور یسوع مسیح کے مقبرے کو مسلمانوں
کے ہاتھوں سے چھڑانے کیلئے سخت جدوجہد میں مصروف تھے۔

یہ سب کچھ صحیح ہو یا غلط لیکن میرے پاس اس کی صحت کا ذرا بھی ثبوت نہیں۔ بلکہ مجھے اسکی
صحت میں کلام اور اسکے وقوع میں سخت شکوک ہیں۔ مجھے خیال آتا ہے کہ اگر واقعی مَیں آریہ رشی۔
اسرائیلی نبی۔ مصری پجاری۔ یونانی مورخ۔ مسیحی قسیس اور راہب پطرس وغیرہ رہ چکا ہوں تو
میری موجودہ حالت سخت تنزل کردہ ہے کیونکہ موجودہ جنم میں مَیں محنت کش۔ سادگی پسند طبیب
اور مصنف پیبلز ہوں۔ میری نسبت جو کچھ کہا گیا ہے اگر اُسکا مَیں اپنی موجودہ حالت سے مقابلہ
کروں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسئلہ ارتقا کہاں ہے؟ میری ترقی عجیب ہے کہ مَیں اعلیٰ حالت سے ادنیٰ میں
گرایا گیا۔ ہاں پھر وہ میرے سابقہ استشراقی تجربات کیا ہوئے؟ اور میرے گذشتہ حافظہ اور یادداشت
کو کیا ہو گیا؟ میری پچھلی کامیابیوں کے نقش کیوں میرے دماغ سے محو ہو گئے؟ اور مَیں نے ان
تجربات سے کیا سیکھا؟ جہانتک مَیں خیال کرتا اور سوچتا ہوں مجھے یہ سب کچھ وہم و خیال ہی معلوم ہوتا ہے۔

تناسخ کے متعلق تعلیم یافتہ ہندوؤں کے خیالات

تناسخ کے مسئلہ کو کسی اعجوبہ۔ راز یا برہمنوں کے بنائے ہوئے مَن گھڑت افسانوں سے
کوئی تقویت نہیں پہنچ سکتی بلکہ اسے پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے لئے غیر مکدر ضمیر کے محسوسات
سائنس اور دلائل و براہین عقلیہ سے کام لینا ضروری ہے۔ لیکن جب ان سے کام لیا جائے
اور انہی کو ثالث مقرر کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو استخراجی اور استقرائی طرز دلائل
اس مسئلہ کو ناقابل تسلیم ٹھہراتے ہیں۔ مَیں نے کئی مرتبہ تناسخ کے ماننے والوں سے انکے

اس عقیدہ کا ثبوت مانگا ہے تو انہوں نے جواباً مجھ سے کہا ہے کہ "ہم تناسخ کو ثابت نہیں کرسکتے البتہ خیال میں اسکا احساس کرسکتے ہیں" بھلا جس عقیدہ کا دارومدار خیالی احساس امنگوں اور ناقابل اعتبار رہنماؤں پر ہو اُسے کون عقلمند ہے جو قابل پذیرائی ٹھہراسکے۔

تناسخ کے ایک معتقد سے ایک مرتبہ راقم الحروف کا مفصلہ ذیل مکالمہ ہوا۔

معتقد۔ "گذشتہ جنموں میں سے ایک جنم کے متعلق مجھے کچھ کچھ واقعات یاد ہیں"۔

راقم۔ کیا آپکو اپنی اس یادداشت پر یقین واثق ہے؟ کیا یہ اضغاث احلام خیالات پریشان یا مکدر واہمہ کا نتیجہ تو نہیں۔

معتقد۔ نہیں تو اور میں اکثر ایسے مقامات۔ منظر اور یادگاریں دیکھتا ہوں جنکی نسبت مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں پہلے بھی اُنکو دیکھ چکا ہوں حالانکہ اس سے قبل میں نے کبھی وہاں تک سفر نہیں کیا۔

راقم۔ بے شک آپ سچ کہتے ہیں۔ اکثر کمزور اور جلدی متاثر ہونیوالی طبیعتوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ میرا اپنا ذاتی تجربہ اسکا شاہد ہے۔ دُور دراز ممالک میں نے پہاڑ۔ دریا۔ مندر۔ اور خانقاہیں دیکھی ہیں جو مجھے ایسی معلوم دیں کہ گویا میں پہلے بھی اُنکو دیکھ چکا تھا۔

معتقد۔ کیا آپ اس سے قبل وہاں کبھی نہیں گئے تھے؟

راقم۔ جسمانی حالت میں کبھی نہیں گیا تھا۔

معتقد۔ پھر آپ کے نزدیک اس واقفیت کی کیا وجوہات ہیں۔

راقم۔ میں اسے عقلی دلائل کی رُو سے جانتا ہوں اور میرے نزدیک اس واقفیت کا ذریعہ وہ غیر مرئی لطیف جسم ہے جو دُور دراز ممالک میں دَورہ کرسکتا ہے اور جس نے کسی ایک گشت میں ان مقامات کی سیر کی ہو اور پھر میرے قلب پر روحانی طور پر اُس کا اثر اسطرح متمکن اور ثبت ہوگیا ہو کہ میں نے اس واقفیت کو واقعی سمجھ لیا ہو اور خیال کرنے لگوں کہ میں جسمانی طور پر اُن مقامات کو دیکھ چکا ہوں یہ کوئی انوکھا اور عجیب فلسفہ نہیں ہر ایک شخص جانتا ہے کہ عالم رؤیا میں ہم کیا کیا دیکھتے اور کس طرح جسمانی عالم میں لوٹ کر اُس روحانی نظارے سے متاثر رہتے ہیں۔ پس عالم رؤیا کا تجربہ میرے [illegible] قول کا مصدق ہے۔

اب ملاحظہ ہو کہ تعلیم یافتہ فاضل ہندو اس مسئلہ پر کیا رائے زنی کرتے ہیں۔ مسٹر للکل رکھبو داس
ایک مشہور قانون دان اور فاضل ہندو مصنف تحریر فرماتے ہیں ”زمانہ حال کا تناسخ دراصل
پُرانے جون بدلنے یا اواگون کے اعتقاد کی ذریت ہے۔ اور جنوبی ہند کے اکثر باشندے تو
ابھی تک پُرانی طرز پر اواگون کے قائل ہیں گو یہ عقاید قدیم ہند میں عالمگیر طور پر رائج تھے اور سب
ہندو انکے قائل تھے لیکن اب نئی تناسخ ہو یا پُرانی اواگون ہر دو کے حلقہ بگوشوں کی تعداد تنزل
پر ہے۔ انسانی حواس و قویٰ کا علم جسکی تعلیم انگریز یا فرانسیسی علما دیتے ہیں بڑی سرعت کے ساتھ
اس عقیدہ کی جڑھیں کھوکھلی کر رہا ہے۔ اور اس علم کے پڑھنے والے خوب سمجھنے لگ گئے ہیں کہ
تناسخ کا عقیدہ ہی ہندوستان کی توہم پرستی کی جڑھ ہے اور اسی کی بدولت حیوانوں سانپوں
اور کیڑے مکوڑوں کی پوجا ہوتی رہی ہے۔“

ہندوستان کے مشہور اہل قلم ہندو عالم عالی جناب پرتاب چندر معظم دار قابل قدر بنگالی
اہل الرائے نے مقام لادل پر ایک معرکۃ الآرا تقریر کے دوران میں فرمایا تھا ”قدیم ہندوستان
کے تمام مذہبی فرقوں کی تعلیم میں اواگون کا مسئلہ ایک جزو لاینفک کی طرح شامل تھا زمانہ حال میں
اس پُرانے اواگون کے نام میں کچھ تبدیلی کردی گئی ہے اور توہم پرست لوگوں کا ایک گروہ اسکا قائل
ہے لیکن تعلیم یافتہ آزاد خیال ہندو اس عقیدہ کو بوسیدہ اور زمانہ ماضی کی غیر معقول یادگار سمجھکر
خیر باد کہہ رہے ہیں۔“

ایک نیا مسیح اور تناسخ

اہل اسلام تناسخ کے اس بھوت کی ہستی سے واقف نہیں جو مسز بسنٹ اور اُنکے ساتھی
مسٹر لیڈ بیٹر صاحب نے تھیوسوفی کی تعلیم میں بند کر رکھا ہے۔ گو مسٹر لیڈ بیٹر کو کرنل اسکاٹ سابق
پریزیڈنٹ تھیوسوفی نے ہمیشہ کے لیئے اپنی سوسائٹی کی صفوں سے خارج کر دیا تھا لیکن مسز بسنٹ
موجودہ میر مجلس سوسائٹی نے نہ صرف کرنل اسکاٹ کی رائے کے خلاف مسٹر لیڈ بیٹر کو سوسائٹی کا کارکن
بنالیا ہے بلکہ اُنکی اعانت و معاونت کے ساتھ وہ تھیوسوفی کے مصفا خوشنما بھرے اصولوں کو
تناسخ کے رنگ میں گہرا رنگین کر رہی ہیں۔ وہ اپنی اس دھن میں سخت سرگرم ہیں اور سابقہ کوششوں
پر صابر نہیں بلکہ ہر طرح آگے ہی آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ گو مسز موصوف کی طبیعت

میں استقامت نہیں لیکن اُنکی فصاحت و بلاغت مسلّم ہے۔ ان ہر دو امور کے جمع ہونے سے اُنکی غیر مستقل طبیعت لسانی و لفاظی کے بازو لگا کر بڑی بڑی لمبی اُڈاریں لگاتی رہتی ہے وہ عیسائیت کی زمین کو عبور کرکے مادیت کے عالم میں آ پہنچیں۔ مادیت سے گذر کر انہوں نے سپرٹزم کے سمندر کی سیر کی۔ اس عالم میں روحوں کا تماشا ملاحظہ کرکے وہ تھیوسوفی کے ملک میں آبراجمان ہوئیں۔ اور اب آپنے دنیا کو ایک نئے مسیح کے جنم لینے کی خبر سنائی ہے اور کہا جاتا ہے کہ پہلے مسیح کی پیدائیش پر داناؤں نے مشرق میں ایک ستارہ دیکھا تھا بس اُس ستارہ کے زیر احکام یہ نیا مسیح پیدا ہوا ہے۔ اس نئے مسیح کی "محافظہ" خود مسز موصوفہ ہیں۔

آئندہ مسیح ہو کر ظاہر ہونے والے لڑکے کا اصل نام کرشنا مورتی ہے اور مسز بیسنٹ کے ہمخیال اُسے الکیون کے نام سے پکارتے ہیں۔ مسٹر لیڈ بیٹر اور مسز بیسنٹ نے اُسکے گذشتہ جنموں کی کیفیت معلوم کی ہے اور بخیال خویش گذشتہ ہزاروں برس کے زمانہ کو عبور کرکے یہ معلوم کیا ہے کہ کرشنا مورتی ابتک ۳۲۰ جنم لے چکا ہے۔ بنارس کے سالانہ جلسہ پر انگریزی بولنے والے تھیوسوفسٹوں نے تو اس لڑکے کی دو زانو ہو کر تعظیم کی اور ہندوؤں نے جنمیں الکیون کا بھائی میزار بھی تھا اسکے پاؤں پر سر رکھکر اُسے پرنام کیا۔

اس نئے مسیح کو تھیوسوفی کے تمام ممبروں نے تسلیم نہیں کیا چنانچہ بہت سے ہندو اور یوروپین جن میں مسز سنٹ بھی شامل ہیں اب کُھلم کُھلا مسز بیسنٹ کے مخالف ہیں اور علانیہ کہتے ہیں کہ موجودہ تھیوسوفی اب وہ نہیں رہی جو ۱۸۸۱ء میں تھی۔

مسز بیسنٹ کے نئے مسیح کے ساتھ ہی یسوع مسیح اور اُنکی تکالیف کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آتا ہے اسپر غور کرنے سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسیح جیسے نیک وجود کو کیوں اس قدر تکالیف برداشت کرنی پڑیں؟ تناسخ اور مسئلہ کرم کے معتقدین اس کا یہ جواب دینگے کہ وہ سب کچھ سابقہ جنم کی غلطیوں کا نتیجہ تھا یا یوں کہیں کہ انکو جسقدر صعوبتیں جھیلنی پڑیں وہ سب اُنکے سابقہ جنم کے کبیرہ گناہوں کا خمیازہ تھا اچھا پھر اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ واقعی ایسا ہی ہوگا تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ نپولین اعظم کا ہر میدان میں کامیاب ہونا اور ہر جگہ اور ہر میدان سے فتح و ظفر کا پرچم لہراتے ہوئے واپس آنا ظاہر کرتا ہے کہ فاتح

نپولین سابقہ جنم میں کوئی بہت ہی اچھا آدمی ہوگا۔ اگر تناسخ مسکین و غریب یسوع مسیح کو گنہگار اور خونخوار ملک گیر نپولین کو اچھا آدمی ثابت کرتا ہے اور اسی کا نام نصفت شعاری رکھا جاتا ہے تو اس کا دنیا نے بہت تجربہ کرلیا ہے اب ضرورت نہیں۔ معاف کیا جائے۔

تناسخ کے مسئلہ نے ہندوستان اور مشرق پر تاریکی کی چادر ڈال رکھی ہے اور تمام ترقیوں کے راستہ میں رکاوٹ ہے کیونکہ جب یہ عقیدہ ہو کہ فانی انسان مرکر اپنے تشخصات۔ یادداشت۔ اور معتقدات کو عالم ارواح میں بھی ساتھ لیجاتا ہے۔ مگر پھر بھی اسے ترقی کا کوئی موقعہ نہیں ملتا اور نہ ہی دوبارہ جنم لینے کے سوا نجات حاصل ہوتی ہے اور اس غرض سے جیو زمین کے قریب قریب گشت لگاتا اور ہر وقت اسی تلاش و کوشش میں منہمک رہتا ہے کہ کسی طرح کوئی جسم داخل ہونیکے لیئے ملجائے یا کوئی صورت رحم مادر میں جاکر دوبارہ پیدا ہونیکی نکل آئے وغیرہ وغیرہ۔ تو کیونکر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ انسان ترقی کے لیئے پیدا ہوا ہے اور ارتقا کے میدان میں تیز گام دوڑ رہا ہے

ریورنڈ ڈاکٹر سیموئیل ساکن نیویارک جو کہ ایک قابل و فاضل یونیٹیرین اور سپرچولسٹ ہیں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں "میرے نزدیک تناسخ کا مسئلہ ہر طرح سے ایک مایوسی افزا عقیدہ ہے۔ مجھے اسپر اسقدر حیرت و تعجب آتا ہے کہ اسکے بیان کرنے کو مجھے الفاظ تک نہیں ملتے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمام ہندو اور تمام بدھ اپنی تمام طاقت۔ فلسفہ اور مذہب سے اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ جسطرح ہوسکے جنم مرن کی قید سے نجات پائیں یا نروان حاصل کریں لیکن ہم پر افسوس ہے کہ ہم اس تناسخ کو ایک نو دریافت شدہ اور دل پسند اصل سمجھکر اپنے معتقدات میں داخل کر رہے ہیں قبل ازیں کہ اس اعجوبہ کو اختیار کیا جائے کیا ہمارا یہ فرض نہیں ؟ کہ ہم تناسخ کے اصل معتقدین یعنی ہندو اور بدھوں سے دریافت کریں کہ وہ کیوں اس چکر سے مخلصی کے لیئے سخت جدوجہد کر رہے ہیں ؟"

ذیل میں ہم چند ایک وجوہات درج کرتے ہیں جنکی بنا پر اہل علم و فہم نے تناسخ کو رد کیا ہے

۱- اس مسئلہ کی بنیاد کسی ایک مضبوط۔ مستقل۔ اور بادلائل واقعہ صحیحہ پر نہیں۔
۲- یہ عقیدہ ارتقا کے عظیم الشان اور اہم مسئلہ کا مخالف بلکہ ضد ہے۔
۳- تناسخ کے ۸۰ کروڑ معتقدین کی تعداد برہمنوں۔ بدھوں۔ تبتیوں اور جینیوں پر مشتمل ہے

اور یہی لوگ ہیں کہ روئے زمین پر اسوقت سب سے زیادہ جاہل - توہم پرست - اور وہمی ہیں -

۴ - اس مسئلہ پر اعتقاد رکھنے سے روح کی تذلیل ہوتی ہے کیونکہ اس کے ماننے سے روح کو بلندی سے پستی کی طرف آنا پڑتا ہے حالانکہ جسم کی قید سے آزاد ہو کر انسان کی روح کو روحانی لطیف عالم میں بلند پروازی کرنی اور فرشتوں یا آسمان کے نورانی .... باشندوں یا ان سے بھی آگے بڑھکر ان نورانی وجودوں کا سردار بننے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی -

۵ - تناسخ کا عقیدہ قوت حافظہ کو نیست و نابود یا عملاً ناکارہ بنا دیتا ہے کیونکہ اسکے ماننے سے جیو کی نسبت یہ گمان کرنا لازمی ہے کہ ایک جون سے دوسری جون بدلتے وقت آتمن اپنی قوت حافظہ کھو بیٹھتا ہے - حالانکہ قوت حافظہ کے بغیر کسی ترقی کا حاصل کرنا یا تجربہ سے فائدہ اٹھانا محال ہے اور قوت حافظہ ہی انسان کی ذاتی خصوصیت اور معرفت کے احساس کی عمارت کیلئے کونہ کا پتھر ہے -

۶ - تناسخ کا مسئلہ قانون قدرت کے مسلمہ دفعات کی خلاف ورزی کرتا ہے مثلاً تناسخ کے رو سے تو انسانی روح سوٴر اور کتے - بندر - سانپ کی صورت میں جنم لے سکتی ہے لیکن قانون قدرت یہ بتلاتا ہے کہ معدنیات ترقی کر کے نباتات - نباتات بتدریج حیوانات بنجاتے ہیں اور جنین بڑھکر بچہ - بچہ سے جوان مرد اور اس سے آگے آزاد روح کی حالت اختیار کر لیتا ہے اور اسی طرح ترقی کرتے کرتے نورانی طبقات کی سیاحت کرتا اور بے شمار خوبصورت و دلپذیر عالموں میں سے گذرتا ہے -

۷ - یہ تعلیم ہی سراسر غیر منصفانہ بلکہ کینہ توزی سکھانیوالی ہے کہ ایک روح سابقہ جنم کی غلطیوں پر موجودہ جنم میں گرفتار ہوتی اور صعوبتیں جھیلتی ہے - حالانکہ اُسے اپنے گناہوں کا نہ احساس ہے اور نہ اُنکے ارتکاب کی شمہ بھر یاد ہے -

۸ - یہ عقیدہ انسانی فطرت کی معقول پسندی اور رحم و عفو کے جذبات کا مخالف ہے کیونکہ کرم کا مسئلہ جسپر تناسخ کی بنیاد ہے رحم و محبت کی ضد اور عفو و ہمدردی کا دشمن ہے - اگر کوئی غمزدہ مصیبت کا مارا مدد کیلئے چلائے تو کرم کا بے رحم دیوتا اسے جواب دیگا کہ "تم نے گذشتہ جنم میں گناہ کیا تھا اسلئے تمھاری آہ و بکا گریہ وزاری جان کنی اور کراہنا سب بے سود ہیں نہ تمھاری کوئی شکایت مسموع ہو سکتی ہے اور نہ تمکو کوئی امداد دیجا سکتی ہے - صرف ایک ہی علاج ہے وہ یہ کہ پھر اور جنم لو دوسرا جسم دوسرا نام اختیار کرو تب شائد اس تکلیف میں کچھ تخفیف ہو سکے"۔

۹- یہ مسئلہ ریاضی کی سی صحت - استقرائی دلائل اور براہین بیّنہ کی جگہ۔ ایسا دقیانوسی فلسفہ اور ایسے ایسے ہندو قیاسات اور لا یعنی دعاوی پیش کرتا ہے جو ایک ہی نظر میں پایہ ثبوت سے خارج فہم و ادراک کی گرفت سے ساقط اور فلسفہ کے احاطہ سے باہر ہیں۔

۱۰- اس عقیدہ کی نہ کوئی پختہ بنیاد ہے اور نہ ہی اس کا مدار کسی سائنس کے دریافت یا تسلیم کردہ صحیح اصول پر ہے بلکہ مشرق و مغرب کے قیاسات کو ملا کر ایک مرکب تیار کر لیا ہے جس میں ہندو جادو کو قرون وسطیٰ کی الکیمیا میں حل کر دیا ہے اس معجون مرکب کے اثر سے روح کو بار بار جینے اور مرنے کا چکر کاٹنا پڑتا ہے اور آخر اس کا دماغ پراگندہ ہو جاتا اور مادے کے ایک مایوس کن گرہن میں چھپ جاتا ہے۔

۱۱- اواگون کا مسئلہ ہندوستان میں ہزارہا برس سے ایک ہر دلعزیز عقیدہ رہا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندو قوم عرصہ دراز سے روحانی فالج کے امید شکن مرض میں مبتلا ہے۔ جس کے متعلق کرنل اسکاٹ لکھتے ہیں "ہندوستان کے گہرے دوستوں اور اس ملک کے وطن پرست فرزندوں نے مجھ سے یہاں کے لوگوں کی قابل افسوس اخلاقی حالت اور عام تنزل کی شکایت کی ہے۔ دیسی ججوں نے مارے شرم کے اپنا سفید سر نیچا کر لیا ہے جبکہ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ ہمارے ہموطنوں میں جھوٹ بولنے کی قبیح عادت اور جعلسازی کا خوفناک جرم ایک اندیشناک حالت تک ترقی کر گیا ہے اور انہوں نے مجھ سے کہا غضب تو یہ ہے کہ لوگ اپنے جھوٹ کا اقرار کرتے وقت ذرا بھی آنکھ نیچے نہیں کرتے اور نہ ہی انکو سرمۂ بھر اس بات کا احساس ہے کہ انہوں نے کوئی قابل شرم حرکت کی ہے،، اب ہم تناسخ کے نتائج کی اور کیا تشریح کریں؟ ہمیں صرف اس خیال سے صدمہ ہوتا ہے کہ بعض وہمی - توہم پرست انگریز اور چند ایک ہمارے اپنے ہموطن اس کوشش میں مصروف ہیں کہ امریکہ کے ہوشیار معقول پسند اور بیدار مغز باشندوں کو اس غیر معقول عقیدہ کی غلامی کا طوق پہنائیں۔

۱۲- تناسخ کا عقیدہ علوم طبعی و ذہنی کے مخالف - فلسفہ روحانی اور فلسفہ تناسب کی ضد ہے۔ اور قوائے فطری جنکی روشنی کی شعاعیں آسمان کے اندرونی طبقات تک پہنچتی ہیں صاف طور پر اس مسئلہ کی تغلیط ...... کرتے ہیں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ تھیوسوفسٹ لوگوں کی ایک تعداد

اور وہ بھی بعض زمینی اور غیر ترقی یافتہ ہندو پتر ہیں۔ جو اس قابلِ افسوس اور تنزل پذیر شکل کی تصدیق کرتے اور عالمِ ارواح میں اسکی تعلیم دیتے ہیں۔ لیکن جوں جوں زمانہ گذرے گا وہ بھی اس عقیدہ کے جال سے نکل جائیں گے اور جسطرح ادنیٰ اشیاء ترقی کرکے اعلیٰ مدارج اختیار کر لیتی ہیں اسی طرح وہ بھی اس وہم کی قید سے آزاد ہو جائیں گے۔

ا۔ واضح رہے کہ تمام جرمن اور انگریزی زبان بولنے والے سائنس دان تناسخ کے منکر ہیں۔

ب۔ روحانی مسائل پر بحث و مباحثہ ہو کر جسقدر نتائج مرتب کیئے گئے ہیں وہ سب کے سب تناسخ کی تکذیب کرتے ہیں۔

ج۔ علمِ حواس و قوائے انسانی جس کی رُو سے استخراجی اور استقرائی مشاہدات کی بناء پر قلب کے فرائض تقسیم کیئے گئے ہیں صاف صاف اس عقیدہ کی لغویت پر دال ہے۔

د۔ یہ عقیدہ اُس فلسفہ کا بھی مخالف ہے جو سچائی کا ثمرہ اور دلائل کا سیراب کردہ ہے تناسخ اُس سخت منطق کی بھی مدمقابل ہے جسکی عمارت قانونِ قدرت کی محکم بنیادوں اور مضبوط اصول پر کھڑی کی گئی ہے۔

و۔ یہ مسئلہ ان علوم متعارفہ کی بھی خلاف ورزی کرتا ہے جن کے رُو سے یہ بتایا گیا ہے کہ (۱) جو اشیاء ایک ہی شئے کے ساتھ موجود ہوں وہ باہم یکدگر بھی اکٹھی موجود ہوتی ہیں۔ (۲) اور یہ کہ جو کچھ کُل کی نسبت صحیح ہو اُس کا اطلاق اسکے ہر جزو پر بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً انسانوں کی مختلف نسلیں اور سلسلے ایک ہی جماعت اور قانون کے تابع ہیں۔ یعنی ارتقا کا مسئلہ جسطرح جماعت پر اثر ڈالتا ہے اسی طرح وہ ہر جزو پر بھی عائد ہو سکتا ہے۔ اور اپنی زبردست عظیم الشان طاقت کے بل پر انسانی ضمیر اور روح کو اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج کی طرف رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ اور بس اسکی ایک ہی منزل مقصود ــ ایک ہی قاعدہ کلیہ۔ ایک ہی زندگی۔ ایک ہی اخوت اور ایک ہی انجام ہے یعنی ہمیشہ ہر حالت میں ترقی کی طرف لیجاتا اور تنزل سے بچاتا ہے۔

بالآخر میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ ہندو تناسخ یا ترمیم شدہ مسئلہ اواگون جسکی طرف اہل امریکہ کو دعوت دیجا رہی ہے دراصل ایک دعویٰ بے دلیل۔ ایک بے بنیاد خواب۔ ایک تاریک قیاس ہے جو سائنس اور فلسفہ کے ستاروں کی روشنی پہنچنے پر خود بخود فنا ہو جائیگا اور جسطرح موسم

بہار کی شبنم ماہ جون کے سورج کی آمد پر بلا تاخیر رخصت ہو جاتی ہے اسی طرح مسئلہ تناسخ کو سائنس اور فلسفہ کی مزید ترقی کے ظہور پذیر ہونے پر بلا حیلہ و حجت قعر گمنامی میں کودنا پڑیگا۔

اس تحریر کو ختم کرنے سے قبل میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے عمداً تناسخ کے خلاف تیز اور قدرے سخت الفاظ کا استعمال کیا ہے اور ایسا کرنے میں میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ مجھے معذور خیال فرمائیں گے کیونکہ میرے نزدیک یہ مسئلہ محض مشرقی ردّیات کا ایک جزو اعظم ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ یہ انسانی ترقی کے لیئے سدّ راہ ہے۔ ورنہ سچائی سے میری محبت سخت گہری اور ایسی وسیع ہے جیسی کہ دنیا کی مختلف اقوام ہیں۔ میں تمام بنی نوع انسان کو اپنے بھائی خیال کرتا ہوں میرا مقصد اعلیٰ صرف یہی ہے کہ میں چار دانگ عالم میں امن و سخاوت کی شرافت افزا زندگی پیدا کروں اور روحانیت و تناسب کی روشنی کو تیزی سے بڑھتا اور بنی نوع انسان کے دماغ و قلوب کو روشن و منور کرتا ہوا دیکھوں۔

نوٹ:۔ ہمیں امید ہے کہ ریویو کے ناظرین ڈاکٹر پیبلس کے عالمانہ مضمون کا مطالعہ کر کے محظوظ اور ہندوؤں بدھوں اور تھیوسوفی کے تعلیم کردہ مسئلہ تناسخ کی فاضلانہ تردیدی دلائل سے مستفیض ہوئے ہونگے۔ ہم ڈاکٹر صاحب کے دلائل اور خیالات متعلق تناسخ کو جائز اور حق بجانب سمجھتے ہیں لیکن یہ بتا دینا بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم کو فاضل مضمون نگار سے اُنکے بعض خیالات میں اتفاق رائے نہیں ہمیں یہاں تک تو ڈاکٹر صاحب سے اتفاق ہے کہ تمام اشیاء ترقی کی طرف جاتی ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ انسان کے لیئے ترقیات کی کوئی حد نہیں۔ اور شاہراہ ترقی پر وہ غیر محدود اور بیشمار منزلیں طے کر سکتا ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے اور ہم نے اس کی بارہا اس رسالہ میں توضیح بھی کی ہے کہ آئندہ کی زندگی اس دنیاوی زندگی کا تسلسل ہے اور اُس کے بعد انسانی روح ہمیشہ لا انتہا ترقیاں کرتی رہیگی۔ ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اس کثیف جسم کو چھوڑ کر روح ایک لطیف جسم اختیار کرتی ہے کیونکہ روح جسم کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔ ہمارا یہ بھی مذہب ہے کہ روح ازلی نہیں بلکہ رحم مادر میں جب بچہ چھٹے درجہ پر پہنچتا ہے تو اس میں روح پیدا ہوتی ہے (ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز انگریزی بابت جولائی و دسمبر ۱۹۱۲ء مضمون زیر عنوان روحانی اور جسمانی ترقی کرنیکے ذرائع) مگر انسانی ترقی اُسکے انسانی احاطہ سے ہی شروع ہوتی ہے اور ہمارا یہ مذہب نہیں کہ۔۔۔

نوٹ اور ریویو

صحیح بخاری کا درس آجکل حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے درس قرآن مجید کے ساتھ صحیح بخاری کا درس بھی شروع کیا ہوا ہے۔ شیخ یعقوب علی صاحب نے بیرونی دنیا کو اس دریائے معرفت سے بہرہ مند کرنیکے لیئے اس درس کے نوٹوں کو مرتب کرکے شائع کرنیکا ارادہ کیا ہے۔ پہلے پارہ کے نوٹ بالکل تیار ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے اپنی دلی آرزو ظاہر فرمائی ہے کہ یہ نوٹ شائع ہوں۔ خود بھی مدد دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور سلسلہ کے اخباروں میں اسکے متعلق اشتہار دینے کیلئے ہدایت فرمائی ہے۔ نوٹ کیا ہیں درحقیقت صحیح بخاری کی ایک عجیب غریب شرح ہے جسکی نظیر کم از کم اردو زبان میں نہیں ملے گی اور ان میں بعض ایسے دُرِّ بے بہا ہیں کہ عربی شروح میں بھی نہیں ملیں گے ہر ایک حدیث کا ترجمہ اردو میں دیا گیا ہے اور نیچے حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے بیان فرمائے ہوئے معارف ونکات غریبہ درج ہیں۔ شیخ صاحب کے نام اسکے متعلق خط وکتابت ہونی چاہیئے۔

ایک حق طلب کی فریاد یہ ایک خط ہے جو مولوی عبد المجید صاحب بی۔ اے گورنمنٹ پرشین ٹرنسلیٹر سکرٹیریٹ کلکتہ نے لکھا ہے اس خط کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا لکھنے والا ایک نہایت منصف مزاج اور بالکل تعصب سے خالی اور ساتھ اسکے فہیم اور دقیقہ رس انسان ہے انہوں نے نہایت متانت سے حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق چند دلائل کو پیش کرکے مخالفین سے نہایت سنجیدگی سے سوال کیا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ ایسے شخص کو صادق یقین نہ کیا جاوے۔ ایک حق طلب کی فریاد اس کتاب کا نہایت ہی موزون خلاصہ ہے۔ کاش کہ ہمارے مخالفین میں بھی کوئی ایسا منصف مزاج آدمی ہوتا جو ایسی ہی متانت سے ایسے حق طلب کی فریاد کی طرف توجہ کرتا۔ رسالہ تو سارا ہی لطیف ہے مگر ہم ناظرین کے فائدہ کیلیئے فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون پر جو ایک لطیف نوٹ انہوں نے لکھا ہے اسکو یہاں درج کرتے ہیں " کامل چور بننے کیلیئے پہلے اٹھائی گیرا۔ گرہ کٹ چھوٹی چھوٹی چیزوں کا چورانیوالا ہونا چاہیئے۔ چور جھوٹ پڑ نہیں نقب زنی کرتے کرتے آخر ترقی کرتا ہی تھا کہیں شاہی مکان یا سرکاری خزانہ میں نقب لگاتا ہے۔ یہی آئین اور دستور دنیا کا جاری ہے۔ ایسا کہیں نہیں دیکھا گیا ہے کہ ایک سیدھا سادا انسان چوری کرنے لگے تو پہلے بادشاہ کے گھر سے شروع کرے۔ اسیطرح اگر کوئی مفتری علی اللہ ہو سکتا ہے تو وہ پہلے بچپن سے ماں باپ بھائی خویش اقارب اپنے ہمسایوں پر بہتان باندھنا سیکھے گا تب کہیں خدا پر جھوٹ بولیگا

بقایا یکم اپریل ۱۹۱۳ء صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ

مد	رقم
تعلیم	۴۹۰۸۹ - ۱۴ - ۶
تعمیر	۷۲۴۶ - ۵ - ۳
اشاعت	۳۵۰۲ - ۵ - ۱۱
زکوٰۃ	۳۳۳۱ - ۱۱ - ۱
یتامیٰ	۱۸۲ - ۱ - ۷
مقبرہ	۸۲۲ - ۱۴ - ۱۰
مساکین	۱۴۲۴ - ۱۰ - ۵
امانت	۳۶۲۵ - ۱۲ - ۹
بورڈران	۱۸۵ - ۱ - ۶
مستقل فنڈ	۳۹۱۲ - ۲ - ۶
میزان	۲۹۲۲۳ - ۰ - ۴
منہا کردہ فاضل	۴۶۵۹ - ۱۲ - ۶
باقی	۲۴۵۶۳ - ۳ - ۱۰
منہا کردہ پیشگی	۱۵۵۷۰ - ۱۲ - ۳
باقی نزد امین	۸۹۹۲ - ۷ - ۷

تفصیل فاضل

مد	رقم
بیت المال	۲۸۷۲ - ۱۱ - ۳
متفرقات	۸۵۷ - ۱۲ - ۱۰
مدرسہ احمدیہ	۸۵۱ - ۹ - ۱
بورڈران ہائی	۷۷ - ۱۱ - ۴
میزان	۴۶۵۹ - ۱۲ - ۶

تفصیل پیشگی

مد	رقم
تعمیر	۹۳۹۹ - ۱۲ - ۳
اشاعت	۱۶۰۰ - ۰ - ۰
بیت المال	۳۹۹ - ۰ - ۰
مقبرہ	۵۶۵ - ۰ - ۰
متفرقات	۸۹۰ - ۰ - ۰
تعلیم	۲۲۱۰۷ - ۰ - ۰
مدرسہ احمدیہ	۵۰۰ - ۰ - ۰
میزان	۱۵۵۷۰ - ۱۲ - ۳

محاسب — خلیفہ رشید الدین

ناظر — محمد اشرف

بچوں کیلئے — لال شربت — بچوں کیلئے — لال شربت — بچوں کیلئے — لال شربت — بچوں کیلئے — لال شربت — بچوں کیلئے — لال شربت

ڈاکٹر ایس کے برمن کا بنایا ہوا
لال شربت ٭ لال شربت

ماں دینا میٹھا میٹھا لال شربت

بچے لڑکے اور پرسوتی کی طاقت بڑھنے کے ساتھ روزمرہ بدن میں نئے حصے یا ذرے بنتے اور بڑھتے ہیں اور نئے خون سے طاقت ہوتی ہے۔ اگر خون کمزور اور رقیق ہو جاوے تو بچے کو کئی بیماریاں ہوتی ہیں۔ پرسوتی کی بھی ایسی ہی حالت ہوتی ہے گود کا بچہ ماں کے دودھ سے جیتا ہے۔ اسلئے اسکی ماں کے بدن میں پورے طور پر تازہ خون ہونا چاہئے۔ اگر کمی ہوئی تو بچہ اور پرسوتی دونوں ہی مریض ہو جاتے ہیں۔ شیرخوارہ بچے کو اکثر بدہضمی رہتی ہے دودھ پیتے ہی قے کر دیتے ہیں۔ پاخانہ گاڑھا اور پتلا ہوتی پیٹ اونچا ہو جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں لاغر ہو جاتے ہیں۔ ایسی حالتمیں لال شربت کے استعمال سے کوئی شکایت نہیں رہتی۔ دانت جلد نکلتے ہیں اور نکلتے وقت کوئی تکلیف نہیں۔ زچہ کو دودھ زیادہ کرتا ہے سستی نہیں رہتی غذا ہضم ہوتی ہے۔ بخار وغیرہ کو روکتا ہے اگر بچہ کو کھانسی ہو جاوے تو لال شربت سے جاتی رہتی ہے۔

قیمت ۱۲ محصول ۴ ۔ محصول ۲ ۔ ۳ شیشی عام محصول ۱

بچوں کیلئے — لال شربت — بچوں کیلئے — لال شربت — بچوں کیلئے — لال شربت — بچوں کیلئے — لال شربت — بچوں کیلئے — لال شربت

ڈاکٹر ایس۔ کے برمن نمبر ۶۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

مطبع میگزین میں ماسٹر فیض اللہ اسسٹنٹ منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے | لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۲ | بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۳ء | جمادی الثانی سنہ ۱۳۳۱ ھجری | نمبر ۵

فہرست مضامین

تقریر جلسہ اعظم مذاہب یا لیکچر مہوتسو

یعنی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا عظیم الشان لیکچر جو ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا چوتھی دفعہ نہایت عمدہ کاغذ پر خوب خوشخط لکھوا کر چھپوایا گیا ہے تقطیع بھی نہایت موزوں ہے اس کتاب میں حضرت اقدس نے ذیل کے پانچ امور پر فلسفیانہ رنگ میں بحث کی ہے۔ اور تمام دلائل قرآن شریف سے پیش کیے ہیں۔ (۱) انسان کی جسمانی - اخلاقی اور روحانی حالتیں (۲) انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبیٰ۔ (۳) دنیا میں انسان کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب (۴) اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں (۵) علم اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے ۔ تقریباً ۱۵۰ صفحہ کی کتاب ہے۔ قیمت ۸/

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ جو ولایت سے چھپکر آیا ہے۔ نہایت خوبصورت جلد قیمت عہ

پارہ عم مترجم

چونکہ عموماً مسلمان قرآن شریف کی آخری سورتیں نماز میں پڑھتے ہیں۔ اور یہ صاف ظاہر ہے کہ صرف عربی عبارت ناظرہ یا حفظ پڑھ لینے اور مطلب نہ سمجھنے سے دل میں خشوع خضوع نہیں پیدا ہوتا اور اسی لیئے نمازی وعدہ الٰہی کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَر کے نیچے نہیں آتا۔ اسلیئے ہر ایک مسلمان پر لازمی ہے کہ کم سے کم آخری پارہ کو با ترجمہ پڑھ لے اور حفظ کرے اور اپنے بچوں کو بھی پڑھائے اور حفظ کروائے۔ ہمارے پاس پارہ عم مترجم موٹے کاغذ پر عمدہ خوشخط صحیح چھپے ہوئے موجود ہیں۔ ہدیہ صرف ۳/

قصائد احمدیہ من الامام حجۃ الاسلام

حضرت اقدس کی اردو اور فارسی نظمیں پہلے الگ شائع ہو چکی ہیں مگر ابتک آپکے عربی قصائد الگ رسالہ کی شکل میں شائع نہیں ہوئے تھے اب عربی قصائد بھی جمع کر کے ایک کتاب کی شکل میں شائع کیئے گئے ہیں یہ قصائد نہ صرف معارف و اسرار سے لبریز ہیں بلکہ عربی سیکھنے کا بھی ایک اعلیٰ ذریعہ ہیں یہ کتاب ۱۵۸ صفحہ پر ختم ہوتی ہے قیمت عہ /

رسالہ اسلام بزبان انگریزی

مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز اس رسالہ میں اصول اسلام کو نہایت احسن پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اسکی خوبی اور تعریف کے لیئے صرف مولوی صاحب کا نام ہی کافی دلیل ہے۔ ہر ایک انگریزی خوان مسلمان کے ہاتھ میں اس رسالہ کا ہونا ضروری ہے۔ قیمت ۱۰/ محصول ڈاک ۲

درخواستیں بنام مینیجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

یسوع مسیح کا شجرۂ نسب (نمبر۲)

(سلسلہ کے لیئے ملاحظہ ہو ریویو بابت مارچ ۱۹۱۳ء)

چونکہ ہندوستان کے ناواقف لوگوں کو مسیحی صاحبان یہ کہکر بہلاتے ہیں کہ ہمارے پاس جو چار "انجیلیں" ہیں یہ خدا کا کلام ہیں اس لیئے ہم نے اس دعویٰ کی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیئے مارچ کے رسالہ میں متی کے نسب نامۂ یسوع مسیح پر مختصر ریویو کیا تھا اور اُس پر آٹھ اعتراض کر کے یہ ثابت کیا تھا کہ یہ شجرہ الہامی نہیں بلکہ کسی نامعلوم الاسم انسان کی بناوٹ ہے۔ اب یسوع مسیح کے دوسرے الہامی نسب نامہ پر غور کرتے ہیں جو تیسری "انجیل" یعنی لوقا کی کتاب میں درج ہے اور جو متی کے "الہامی" نسب نامہ سے مختلف ہے مگر متی کے نسب نامہ کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے سے پہلے ہم اس نسب نامہ کا پُرانے عہدنامہ کے نسب ناموں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں کیونکہ پُرانے عہدنامہ کے نسب نامے بھی مسیحی عقیدہ کے رو سے الہامی ہی ہیں۔

پہلی بات جو ہمیں لوقا٭ کے نسب نامہ کا پُرانے عہدنامہ کے نسب نامہ سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ سے نیچے جو پشتیں پُرانے عہدنامہ میں درج

٭ اس مضمون میں جہاں لوقا اور متی کا نام آتا ہے اُس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ واقعی ان کتابوں کے لکھنے والے لوقا یا متی ہی ہیں بلکہ چونکہ یہ کتابیں اب ان ناموں سے موسوم ہیں اسلیئے ہم یہ نام ناظرین کی آسانی کے لیئے فرضی طور پر استعمال کرتے ہیں۔ منہ

ہیں لوقا کی بیان کردہ پشتیں اُن کے مطابق نہیں۔ سوائے دو ناموں کے یعنی سیالتی ایل اور زروبابل کے۔ بس سارے سلسلہ میں صرف یہی دو نام ہیں جو دونوں شجروں میں ملتے ہیں باقی نام پرانے عہدنامہ میں کچھ اور ہیں اور لوقا میں کچھ اور۔ ملاحظہ ہو۔ ۱۔ تواریخ ۳ باب۔ لوقا کے نسب نامہ پر یہ ہمارا پہلا اعتراض ہے۔

پھر ان دوناموں کے بارے میں بھی لوقا اور پرانا عہدنامہ باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ لوقا میں لکھا ہے سلاتی ایل۔ نیری کا بیٹا تھا مگر ۱۔ تواریخ ۳ باب ۷ ا ورس میں لکھا ہے کہ سلاتی ایل۔ یکونیاہ کا بیٹا تھا۔ لوقا کے نسب نامہ پر یہ ہمارا دوسرا اعتراض ہے۔

ایسا ہی دوسرے نام یعنی زروبابل کے متعلق بھی دونوں میں اختلاف ہے۔ لوقا کہتا ہے کہ زروبابل ایک شخص ریصا نامی کا باپ تھا۔ مگر ۱۔ تواریخ باب ۳ ورس ۲۰ میں جو زروبابل کی بیٹی بیٹوں کے نام لکھے ہیں اُن میں ریصا کا نام نہیں پایا جاتا۔ معلوم نہیں کس کی غلطی ہے لوقا کی یا ۱۔ تواریخ کے نامعلوم مصنف کی۔ لوقا کے نسب نامہ پر یہ ہمارا تیسرا اعتراض ہے۔

پھر لوقا کہتا ہے کہ زروبابل۔ سلاتی ایل کا بیٹا تھا۔ مگر ۱۔ تواریخ باب ۳ ورس ۱۹ میں لکھا ہے کہ زروبابل فدایاہ کا بیٹا تھا۔ لوقا کے نسب نامہ پر یہ ہمارا چوتھا اعتراض ہے۔

پھر ایک اور اختلاف جو لوقا کی کتاب اور پرانے عہدنامہ میں اس شجرہ کے بارہ میں پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ لوقا لکھتا ہے کہ ارفکسد کا بیٹا قینان اور قینان کا بیٹا سلح تھا مگر پیدائش باب ۱۰ ورس ۲۴ اور باب ۱۱ ورس ۱۲ وغیرہ میں جو شجرہ لکھا ہے اُس میں قینان کا نام ندارد ہے۔ لوقا کے نسب نامہ پر یہ ہمارا پانچواں اعتراض ہے۔

آؤ ہم اب لوقا کے شجرہ کا متی کے شجرہ کے ساتھ مقابلہ کرکے ان کی جانچ پڑتال کریں اور دیکھیں کہ ان کا باہمی تطابق کہانتک ان کے الہامی اور خدا کا کلام ہونے کی تائید کرتا ہے۔

لوقا یسوع مسیح کے شجرہ کو خود خدا تک پہنچاتا ہے اُسکے آخری الفاظ یہ ہیں..... وہ انوس کا اور وہ سیت کا اور وہ آدم کا اور وہ خدا کا تھا۔ متی نے حضرت ابراہیمؑ تک شجرہ نسب کو پہنچایا ہے اس سے آگے نہیں چلا۔ اس لیئے ان دونوں شجروں کا مقابلہ صرف حضرت ابراہیمؑ تک ہوسکتا ہے۔ ان دونوں شجروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نے یسوع مسیح کا شجرہ نسب یوسف نجار کے ذریعہ سے ابراہیمؑ تک پہنچایا ہے (اور لوقا نے آدم تک) اسکی تصدیق کے لیئے میں ہر دو کی عبارتیں پیش کرتا ہوں۔ متی کے شجرہ کے آخری الفاظ یہ ہیں "یعقوب سے یوسف پیدا ہوا جو شوہر تھا مریم کا جس سے یسوع جو مسیح کہلاتا ہے پیدا ہوا" (متی باب ورس۱۶) لوقا جو نیچے سے اُوپر کی طرف جاتا ہے اپنے شجرہ کو اسطرح شروع کرتا ہے "اور یسوع آپ برس تیس ایک کا ہوا جب شروع کیا اور (جیسا کہ گمان تھا) وہ یوسف کا بیٹا تھا اور وہ ہیلی کا" (لوقا باب۳ ورس ۲۳) ان دونوں عبارتوں سے یہ صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دو نے یسوع مسیح کا شجرہ نسب یوسف نجار کے ذریعہ سے بیان کیا ہے اور ایک نے یوسف نجار کے ذریعہ یسوع مسیح کا شجرہ بیان کرنے کی یہ وجہ لکھی ہے کہ وہ لوگوں کے گمان کے مطابق یسوع مسیح کا باپ تھا اور دوسرے نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ آپ کی والدہ مریم کا خاوند تھا۔ ہمیں یہاں اس بحث کی ضرورت نہیں کہ یہ تشریحیں بعد میں ملائی گئیں یا خود ان کتابوں کے لکھنے والوں نے لکھی تھیں۔ ہمیں یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ دونوں نے یسوع مسیح کا داؤدؑ اور ابراہیمؑ کی نسل سے ہونا یوسف نجار کی وساطت سے ثابت کیا ہے اور دونوں شجرے یوسف نجار کے نسب نامے ہیں۔ اس لیئے چاہیئے تھا کہ یہ بالکل مطابق ہوتے مگر جب ہم دونوں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھکر دیکھتے ہیں تو انکو عجیب بے ڈھنگے طور پر ایک دوسرے سے اُلٹ پلٹ پاتے ہیں۔

پہلا اختلاف جو ہمیں نظر آتا ہے یہ ہے کہ متی تو یسوع مسیح اور داؤدؑ کے درمیان ۲۸ پشتیں لکھتا ہے اور لوقا اتنے ہی عرصہ کے لیئے ۴۳ پشتیں لکھتا ہے۔ لوقا کے

نسب نامہ پر یہ ہمارا چھٹا اعتراض ہے۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ یہ دونوں نسب نامے ایک ہی شخص یعنی یوسف نجار کے ہیں مگر ان میں بعض حصوں کی نسلیں دوسرے نسب نامہ کی نسلوں سے بالکل مختلف ہیں۔ یعنی داؤدؑ سے نیچے یوسف نجار تک جتنی پشتیں ہیں وہ سب ایکدوسرے سے مختلف ہیں یعنی جو نام متی نے دیئے ہیں وہ وہ نہیں جو لوقا نے دیئے ہیں ہاں درمیان میں صرف دو نام ایسے پڑتے ہیں جو دونوں نسب ناموں میں باہم مطابق ہیں۔ اور یہ اختلاف یسوع مسیح کی دوسری پشت یعنی یوسف نجار کے باپ سے ہی شروع ہو جاتا ہے اور چلتا چلتا وسط کے قریب دو باپ بیٹے کے ناموں میں مطابق ہو کر پھر مختلف ہو جاتا ہے۔ متی تو کہتا ہے کہ یوسف نجار یعقوب کا بیٹا ہے اور لوقا کے نزدیک یوسف نجار کے باپ کا نام ہیلی ہے متی کے نزدیک یوسف نجار داؤدؑ کے بیٹے سلیمانؑ کی نسل سے ہے اور لوقا کے نزدیک یوسف نجار بے شک داؤدؑ کی نسل سے ہے مگر ان کے بیٹے سلیمانؑ کی پشت سے نہیں بلکہ انکے ایک اور بیٹے ناتن کی پشت سے ہے۔ متی نے یوسف نجار کو ایک ایسے نسب نامہ کے ذریعہ داؤدؑ تک پہنچایا ہے جو بادشاہوں اور حکمرانوں کا سلسلہ ہے اور جن پشتوں کی وساطت سے لوقا نے یوسف نجار کو داؤدؑ تک پہنچایا ہے وہ گمنام آدمیوں کا سلسلہ ہے صرف دو آدمیوں کے نام ملتے ہیں۔ یہ اختلافات اگرچہ تعداد میں ایک سے زیادہ ہیں مگر میں ان سب کو ایک اختلاف ٹھہرا کر اسکو لوقا کے نسب نامہ پر ساتواں اعتراض قرار دیتا ہوں۔

میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ داؤدؑ سے یوسف نجار تک متی اور لوقا کے شجروں میں سوائے دو ناموں سلاتی ایل اور زرو بابل کے باقی سب نام مختلف ہیں اور لطف یہ ہے کہ اس امر کے بیان کرنے میں کہ ان میں سے پہلے کا باپ کون تھا اور دوسرے کے بیٹے کا کیا نام تھا۔ متی اور لوقا آپس میں اتفاق نہیں کر سکتے۔ مثلاً متی کہتا ہے کہ سلت ایل یکونیاہ کا بیٹا تھا۔ لوقا اس کے خلاف کہتا ہے۔ اس کے

نزدیک وہ نیری کا بیٹا ہے۔ اسی طرح متی کہتا ہے کہ زروبابل سے ابیود پیدا ہُوا۔ لوقا کہتا ہے نہیں زروبابل سے ریصا پیدا ہُوا۔ لوقا کے نسب نامہ پر یہ ہمارا آٹھواں اعتراض ہے۔

متی اور لوقا کے نسب ناموں میں جو بدیہی اور چونکا دینے والا اختلاف پایا جاتا ہے اس سے مسیحی صاحبان بہت گھبرائے ہیں اور وہ ہمیشہ انکی تطبیق کے لیئے ہاتھ پیر مارتے رہے ہیں لیکن افسوس ہے کہ کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ خود ان کی کوششوں اور تاویلوں کی لغویت نے اس بات کو اور بھی بداہت کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ ان اختلافات کی تطبیق ایک محال امر ہے۔ ہمیں اسجگہ اس امر کے ذکر کرنیکی ضرورت نہیں کہ مسیحی صاحبان نے ان اختلافات کی تطبیق کے لیئے کیا کیا بیہودہ کوششیں کی ہیں اگر اسوقت ہمارے اس مضمون کے جواب میں کسی مسیحی نے قلم اٹھایا اور ان اختلافات کی جو یسوع مسیح کے شجروں میں پائے جاتے ہیں تطبیق کی کوشش کی تو ہم بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے امید کرتے ہیں کہ ناظرین کو انشاء اللہ تعالیٰ یہ دکھائیں گے کہ وہ اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہُوا ہے۔

ناظرین شاید تعجب کریں گے کہ انجیل نویسوں کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ یسوع مسیح کا نسب نامہ لکھکر خواہ مخواہ مسیحی قوم کو مشکلات میں ڈالدیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انکی غرض ایسا کرنے سے یہ تھی کہ وہ یسوع مسیح کا داؤدؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہونا ثابت کریں تا اُسپر بائیبل کی وہ پیشگوئیاں صادق آئیں جن میں لکھا تھا کہ آنیوالا مسیح داؤد کی نسل سے ہوگا اور داؤد کی تخت کو دوبارہ قائم کرے گا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں شجرے الگ الگ تجویز کیئے گئے اور ایک شخص کو دوسرے کا علم نہیں ہُوا ورنہ دونوں ملکر ایک رنگ کا شجرہ تجویز کرتے جو بالکل مطابق ہوتا۔ ایک نے ایسا شجرہ تجویز کیا جس میں بادشاہوں کے نام تھے شائد اس خیال سے کہ مسیح کے تخت داؤدی کے وارث ہونے کے دعوے کو تقویت پہنچے۔ دوسرے نے فرضی نام تجویز کر لیئے تا کسی کو یہ موقعہ نہ مل سکے کہ ان کی جانچ پڑتال کرے اور شجرہ پر کوئی نکتہ چینی کرے۔ مگر بنادٹ

آخر بناوٹ ہی ہوتی ہے۔ اگر ایک ہی بناوٹی شجرہ ہوتا تو شاید کسی حد تک پردہ ڈھکا رہتا۔ اب تو دو نکل آئے اور چونکہ ان دونوں میں اس قدر سخت اختلاف ہے اسلیئے ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ اگر دونوں نہیں تو کم از کم ایک ان دونوں میں سے بناوٹی ہے۔ ناظرین تعجب نہ کریں کہ ان میں اسقدر اختلاف کیوں ہے اور کیا وجہ ہے کہ ایک شجرہ میں جو نام ہیں وہ دوسرے میں نہیں بلکہ انکی جگہ کچھ اور ہی نام ہیں اسکی وجہ یہی ہے کہ یہ شجرے الہام کی بنا پر نہیں لکھے گئے بلکہ انسانوں کی بناوٹ ہیں خدائے تعالیٰ سچ فرماتا ہے لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا۔

اسلام اور مسیحیت

امریکہ کے ایک آزاد خیال ایڈیٹر کی قلم سے

مسیحیوں نے تو بہت ہی کوشش کی ہے کہ دنیا اسلام کی حقیقت سے بے خبر رہے اور انہوں نے اسلام کے متعلق نہایت ہی غلط اور بے جا امور شائع کر کے ایک دنیا کو اس کے متعلق بدظن کر رکھا ہے اور انکو اس کوشش میں بہت کامیابی ہوئی ہے اور یہ انہی کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ کروڑوں آدمی اسلام کے متعلق صحیح واقفیت نہیں رکھتے اور انکے دل میں وہ غلط خیال سمائے ہوئے ہیں جو مسیحی مشنریوں نے اسلام کی نسبت شائع کیئے ہیں مگر خدا کا فضل ہے کہ اب کچھ مطلع صاف ہوتا نظر آتا ہے اور مغرب میں بھی ایسے آدمی پیدا ہو گئے ہیں جو اس بات کو سمجھنے لگ گئے ہیں کہ مسیحیوں کے ذریعہ جو اطلاع مغربی دنیا کو پہنچی ہے۔ وہ نادرست ہے اور جو شکل مذہب اسلام کی پادریوں نے دنیا کے آگے پیش کی ہے وہ بگاڑ کر پیش کی ہے۔ ذیل میں ہم ایک آزاد خیال ایڈیٹر کی رائے اسلام اور مسیحیت کے بارہ میں نقل کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو ناجائز الزام اسلام کے متعلق مسیحی صاحبان اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ شائع کرتے رہتے ہیں اُن کا غلط ہونا مغرب میں بہت سے لوگوں پر ظاہر ہو گیا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اول تو اسلام کی طرف سے بھی بعض کتابیں اور رسالے ایسے شائع کیئے

گئے ہیں جن میں مسیحیوں کے غلط الزامات کی پردہ دری کی گئی ہے۔ اور بہت سے منصف مزاج مغربی علماء نے ان تحریروں کو پڑھ کر اسلام کے متعلق اپنی رائے کو بدل دیا ہے دوم بعض مغربی علماء نے مشرقی ممالک میں آکر مسلمانوں کے ساتھ میل جول کیا ہے اور اُنہوں نے اپنے ذاتی تجربہ سے یہ معلوم کیا ہے کہ جو بُری شکل اسلام اور مسلمانوں کی ہمارے سامنے کھینچی گئی تھی وہ بالکل غلط ہے اور یہ کہ اسلام اور مسلمانوں پر یہ ظلم کیا گیا ہے کہ اُنکو نہایت ہی بُرے پیرایہ میں دنیا کے آگے پیش کیا گیا ہے جس ایڈیٹر کی رائے کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں وہ شہر نیویارک امریکہ کا رہنے والا ہے اور ہمارا رسالہ ریویو آف ریلیجنز اُسکے پاس جاتا ہے اور بعض اوقات اُس نے ہمارے رسالہ کے مضامین کے متعلق اپنے اخبار میں نوٹ بھی لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس رسالہ کے مضامین کو توجہ سے پڑھتا ہے۔ وہ اپنے اخبار مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۱۲ء میں لکھتا ہے :-

بلقانی اتحادیوں نے جو یورش حال ہی میں ٹرکی پر کی ہے اس سے اہل امریکہ کے بحرِ خیالات میں ترکوں اور اُنکے عادات کے متعلق ایک تموج پیدا ہو گیا ہے۔ گو حال ہی میں تمام عیسائیوں کی ہمدردی بلغر۔ سردی اور یونانی مجاہدان صلیب کے ساتھ ہے لیکن یہ ہمدردی محض تعصب مذہبی کی بنا پر ہے انسانیت کے شریفانہ احساس سے اُس کا کوئی تعلق نہیں۔

ترکوں کے سیاسی معاملات اور اُنکے اخلاق وعادات کے روشن و تاریک ہر دو پہلوؤں پر بحث کرتے وقت اس امر کو پیش نظر رکھنا بھی لازم ہے کہ ترکوں کی جو تصویر ہمیں دکھائی گئی ہے وہ مسیحیوں کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہے اور مصوّر نے اپنے منشاء کے مطابق اسے تعصب کے رنگ میں رنگین کیا ہے ورنہ اصل کیفیت یہ ہے کہ مسلمان تُرک کا چہرہ ایسا ہی روشن ہے جیسا کہ اُسکے شمالی اور مغربی پڑوسی عیسائی کا ہے۔ یعنی تُرک بھی ایسا ہی مہذب۔ عالی حوصلہ اور ہمدرد بنی نوع ہے جیسا کہ بلقانی عیسائی کو خیال کیا جاسکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ محمدی مذہب کی اشاعت بزور شمشیر ہوئی ہے۔ لیکن تلوار اُٹھانے

سے پیشتر بھی کسی طاقت وجمعیت کی ضرورت ہوتی ہے بعلاوہ طاقت اور جمعیت اسلام
میں کیونکر پیدا ہوئی تھی؟ اور تلوار اٹھانے والوں پر کس نے جبر کیا تھا؟ وہ تو برضائے
رغبت مسلمان ہوئے ہونگے ۔ مذہب اسلام کی عمر عیسائیت سے کئی سو برس کم
ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام کے وجود میں آنے سے پیشتر عیسائیت کے تاجدار حامی
شہنشاہ قسطنطین سے لیکر تین سو برس بعد تک یسوع کے مذہب کی حمایت و تائید
میں شمشیر بکف تھے ۔

اسمیں کوئی شک نہیں کہ جب غیر مذاہب کے پیروؤں نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو مسلمانوں
نے اپنے مذہب کی طرف سے ایسے لوگوں کا مقابلہ کیا لیکن واضح رہے کہ اسلام گو ایک فاتح
مذہب ہے مگر موذی اور تکلیف رساں نہیں برعکس اسکے یسوعی مذہب فاتح ہونے میں تو
اسلام کے مشابہ اور موذی اور تکلیف رساں ہونے میں اس سے بڑھکر ہے عیسائیت
کی اشاعت تشدد و جبر اور ایذا رسانی کی مذموم تدبیر کے ماتحت ہوئی ہے۔ تاریخ کے
پڑھنے والے جانتے ہیں کہ محکمۂ تفتیش مذاہب اور اسکے مظالم عیسائیت کی ایجاد تھی نہ کہ
اسلام کی ۔

عثمانی ترکوں نے مشرقی یورپ میں اپنا تسلط بعینہٖ اسی طرح بزور شمشیر جمایا جس طرح
کہ عیسائی اقوام آج تک برابر مشرقی ممالک میں جما رہی ہیں ۔ البتہ فرق یہ ہے کہ عیسائیوں
کے برخلاف مسلمانوں نے مفتوحہ قوموں کے مذاہب میں دخل نہیں دیا چنانچہ جہاں جہاں
اسلام کا تسلط ہوا ہے اُن ممالک میں غیر مذاہب کو بدستور اپنے دینی امور میں پوری آزادی
رہی ہے ۔ مذہب اسلام کی ایک ممتاز خصوصیت یہ بھی ہے کہ مسلمان بلا تفریق قومیت
ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھتے ہیں اور برخلاف اسکے عیسائی قومیں اپنے ہم مذہبوں
کا گلا کاٹنے کے لیئے ہر وقت تیار رہتی ہیں اور انکی باہم معاندانہ رقابت سے واضح
ہوتا ہے کہ یسوع کے مذہب میں اخوت کا اصول عنقا کا حکم رکھتا ہے ۔ موجودہ جنگ
بلقان میں مسلمان ترکوں کو امید رکھنی چاہیئے کہ انکی حملہ آور عیسائی ریاستیں مال
غنیمت پر ایکدوسرے سے آویزش کرینگی مسلمانوں کے خلاف مال و جان کا خونبہا

بلقینوں کی باہمی خونریزی کی شکل میں ادا ہوگا۔

اکثر اوقات یہ امر ظریفانہ پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ یسوع کے مقبرہ پر جو عیسائی زائرین جاتے ہیں اُنکی باہمی عداوت کو روکنے اور امن قائم رکھنے کے لئے مسلمان پولیس کا کام دیتے ہیں۔ ترکی سپاہیوں کو سخت تندہی سے کام کرنا پڑتا ہے۔ اگر مسلمان پہرہ دار ذرا غفلت سے کام لیں تو یقیناً عیسائی خداوند کا مقبرہ انسانی خون سے رنگین ہوجائے۔ یہاں پر یہ بتا دینا بے محل نہ ہوگا کہ مقبرہ کا تو یونہی نام ہے اصل تنازعہ کی جگہ احاطہ مقبرہ کے اندر کی عبادتگاہیں ہیں مقبرہ کے اندر بہت سے چھوٹے چھوٹے گرجا ہیں جن میں سے ہر ایک پر ایک نہ ایک عیسائی فرقہ اپنے حق ملکیت کا بلا شرکت غیرے مدعی ہے۔ کلیسیائے یونانی کے پیرو۔ رومن کیتھلک۔ آرمینین۔ قبطی۔ شامی وغیرہم عیسائی فرقے اپنی اپنی جگہ پر دعویٰ کرتے ہیں کہ اصل مقام اُنکے ہی تصرف میں ہے۔ اور اپنی اپنی مقدس جگہ کی حفاظت کے لیئے اُنکو خون گرانے میں تامل نہیں۔ اصل مقبرہ کی اندرونی زمین کے بھی تین حصّے کیئے گئے ہیں جو علیحدہ علیحدہ یونانی۔ لاطینی اور آرمینیوں کے زیر تصرف ہیں اُنکے متعلق ہر ایک فریق کہتا ہے کہ بس اصل مقام جہاں یسوع مسیح کی لاش رکھی گئی تھی اُسی کے قبضہ میں ہے۔ غرض عیسائی قوموں کی باہمی عداوت اور نفرت کی بھی وہی کیفیت ہے جو عیسائیوں اور مسلمانوں کی باہمی دشمنی سے عیاں ہے۔ شہزادہ امن کے مقبرہ کا قرب عیسائی زائرین اور مجاوروں کو آپس میں لڑنے سے باز نہیں رکھ سکتا سنین ماضیہ میں اس مقدس مقبرہ پر بہت سا عیسائی خون عیسائی ہاتھوں سے گرایا جاچکا ہے اسلیئے مسلمان پہرہ دار کو عیسائیوں کی حفاظت کے لیئے اب چوکس رہنا پڑتا ہے۔ جائے تعجب ہے کہ یہ عیسائی فرقے جنکو باہمی کشت وخون سے ترک کا محافظ ہاتھ روکتا ہے اب آپس میں متفق ومتحد ہوکر اپنے ہی پہرہ دار پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ اور اپنے شہزادہ امن کے نام پر بے گناہ مسلمانوں کا خون گرا رہے ہیں کہتے ہیں کہ یسوع تو جنگ کی بجائے امن قائم کرنے آیا تھا لیکن یسوع کے نام لیوا خود امن قائم کرنیوالوں کو تلوار دکھاتے ہیں۔ موجودہ جنگ بلقان اور مسیحی درندگی کی تہ میں جو جوش اور جذبات کام کر رہے ہیں اُنکا مختصر علم حاصل کرنیکے لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک عیسائی بشپ کی نظم ہدیہ ناظرین کیجائے اسکے مصنف بشپ

لے گلیڈ لینڈ کو کئی ہیں کئی سال ہوئے اس متعصب پادری نے یہ جہاد پر ابھارنے والی نظم لکھی تھی۔

صلیب کو جنبش دو

(۱) خداوند خدا کی صور پھونکی جارہی ہے اور میں اُس کی آواز سُنتا ہوں
صلیب کو جنبش دو۔ دنیا کو معلوم ہو جائیگا
کہ بنی اسرائیل کے خدا کے بازو کس طرح دشمن کی گردن مروڑنے کو تیار ہیں
ملعون ہلال کو زوال ہوگا (نقل کفر کفر نباشد۔ ایڈیٹر ریویو) پس ہتھیار اُٹھاؤ ہتھیار اُٹھاؤ
اب خداوند خدا کی بھی مرضی ہے

(۲) خدا رُوس کی حمایت اور زار کو برکت دے۔
اُن تلواروں پر افسوس ہے جو مقدس جنگ کی سدِ راہ ہوں
اُن کاہل الوجود لوگوں پر شرم ہے جو خاموشی سے دُور بیٹھے ہیں
اور مقدس جنگ کے لیئے نہیں اُٹھتے۔ پس ہتھیار اُٹھاؤ ہتھیار اُٹھاؤ
ہماری رہنما صلیب ہوگی۔

(۳) اے منصف خدا اب دیر کیا ہے؟
ہم تجھ پر بھروسہ رکھتے ہیں بدلہ لینا تیرا کام ہے
جاگ اے خدا کے بازو اور شہوت پرست لٹیروں کے گروہوں کو
پیوستِ زمین کر دے۔ پس ہتھیار اُٹھاؤ ہتھیار اُٹھاؤ
اور زنگ آلودہ تلواروں کو جلا دو

(۴) صلیب کو جنبش دو اور تاریکی کے بادلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دو
گرج اور آگ سے انکو توڑ دو
نئے صلیبی جہادوں کی تحریک ہمارا جزوِ ایمان ہو جائے
ہلال کو پیوندِ گرد و خاک بنا دیں
ہاں ہتھیار اُٹھاؤ ہتھیار اُٹھاؤ اور انتقام لینے کو تیار ہو جاؤ

(۵) اسلامبول کی بلند دیواروں پر دوبارہ صلیب نصب ہوجائے
اور اپنے سابقہ جاہ وجلال کے ساتھ چمک دمک مارے
ترکوں کو تباہ کردو - اور یورپ کے کناروں سے
اس خونی کافر کو پیچھے ہٹا دو
ہاں ہتھیار اُٹھاؤ ہتھیار اُٹھاؤ اور ایک دفعہ پھر ہتھیار اُٹھاؤ ۔

مذکورہ بالا شر انگیز نظم میں ترکوں کے خلاف ظالم رُوس کے لیئے دعا کی گئی ہے اور تعجب کا مقام ہے کہ مہذّب امریکہ میں اسکے خلاف صرف دو آوازیں اُٹھائی گئی ہیں اور وہ بھی ایسے لوگوں کی طرف سے جنکو مسیح کے پیرو کافر و ملحد سمجھتے ہیں - اس جہاد پر اُبھارنے والی نظم پر سب سے پہلے معترض ڈاکٹر ڈبلیو - اے کرافٹ تھے اور دوسرے جان گرین لیف وہٹیر تھے یہ دونوں بزرگ آزاد خیال غیر عیسائی یا بقول مسیحی پادر کافر و ملحد ہیں - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بشپ کلیولینڈ گویا عام عیسائی خیالات کے ترجمان اور مسیحی امن پسندوں کی زبان تھے -

اکثر حلقوں میں ترکوں کو مذہبی مجنون کے نام سے پکارا جاتا - اور اسلامی جہاد یا مقدس جنگ پر آئے دن ماتم زنی کیجاتی ہے - لیکن بقول ڈاکٹر فٹ ایڈیٹر لنڈن فری تھنکر "کہنے کو بہت کچھ کہا جاسکتا ہے مگر واقعات یہی شہادت دیتے ہیں کہ تاریخ کی عظیم الشان مذہبی لڑائیاں عیسائیوں کے ہی ہاتھوں سے وقوع میں آئی ہیں" ڈاکٹر فٹ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اگر درخت کی شناخت اُسکے پھل سے ہوسکتی ہے یا اگر کھانے کا مزا اُسکے ذائقہ پر موقوف ہے تو ہم بلا تامل کہ سکتے ہیں کہ عیسائیت سخت ترین جابر مذہب ہے - وہ مذہبی جنگ ہی تھی جسمیں شارلیمین نے شمالی کافروں کو موت یا بپتسمہ لینے کا انذار حرب دیا تھا وہ بھی مذہبی جنگ ہی تھی جس میں پوپ کی شمشیر خون آشام نے بے گناہ البیجینیز کو تلوار کے گھاٹ اُتروا دیا تھا - پھر وہ بھی مذہبی لڑائی ہی تھی جب الوا نے ہالینڈ میں پروٹسٹنٹوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کیا اور ایندھن کی طرح جلایا تھا - اسپانیہ کا مشہور جنگی بیڑا بھی انگلستان پر مقدس جنگ کے حیلہ سے حملہ آور ہوا تھا - سینٹ بارتھی لومیو کا خوفناک قتل عام جس میں ارون

بے گناہ ہیوگوناٹ لوئیس چار دہم اور اُس کی ماں کے اشارہ پر متعصب کیتھولک عیسائیوں کے بے رحم ہاتھوں سے مقتول ہوئے تھے در اصل ایک مقدس جنگ ہی تھی۔ وہ بھی ایک مقدس جنگ ہی تھی جسمیں جرمن کا ملک تیس برس کے لیئے ویران و تباہ کر دیا گیا تھا۔ وہ بھی پاک مذہبی جنگ ہی تھی جسمیں پوپ کی منظوری سے امریکہ کے فاتح اہل ہسپانیہ نے غریب مہمان نواز اصل باشندگان امریکہ کو تلوار و آتش کا لقمہ بنایا تھا۔ ہاں وہ بھی مذہبی جنگ ہی تھی جسمیں مسلمانوں اور یہودیوں پر ہسپانیہ میں وحشیانہ مظالم توڑے گئے تھے اور اُنکو کمال سنگدلی سے جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ یہ مذہبی جنگ ہی تھی جبکہ عیسائی یورپ میں انگلستان سے لیکر پولینڈ تک کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ایک دوسرے کے خون سے ہاتھ رنگین کر رہے تھے۔ ہاں وہ بھی مقدس لڑائیاں ہی تھیں جبکہ کیتھولک پراٹسٹنٹوں کو اور پراٹسٹنٹ کیتھولک کو محض اختلاف رائے پر زندہ جلا دیتے تھے۔ پھر عیسائیوں نے جب کبھی یہودیوں پر دست تعدی دراز کیا اور غریب بے ضرر بنی اسرائیل کے قتل عام اور غارتگری کے مرتکب ہوئے تو اپنے اس فعل کا نام مقدس جنگ ہی رکھا"

تاریخ کے مطالعہ سے جس عظیم الشان مذہبی جنگ کا پتہ چلتا ہے وہ صلیبی جنگ ہیں جس کا سلسلہ دو صدیوں تک جاری رہا۔ اور انکے متعلق مشہور مورخ مسٹر فلر تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ جنگ بلحاظ مدت سب سے طویل اور بلحاظ خونریزی نہایت سفاکانہ۔ اور بلحاظ دعاوی سب سے مقدس تھی"

مسٹر فنٹ لکھتے ہیں کہ "عیسائیت نے متواتر نو مرتبہ مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کیا ہے ہر مرتبہ اُن کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسیح کے مقدس مقبرہ کو کافروں کے ہاتھ سے آزاد کرے۔ اِن لڑائیوں کے دَوران میں یروشلم پر صلیبی مجاہدین کا عارضی تسلط ہوا لیکن پھر ہمیشہ کے لیئے صلیب کو ہلال کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا۔ اور مسیح کا فرضی مقبرہ ابتک کافروں کی زیر نگرانی ہے"

اب اسلامیوں کی بردباری۔ تحمل اور مذہبی امور میں عدم مداخلت کو ملاحظہ فرمائیں کہ جب وہ یروشلم پر قابض ہوتے ہیں تو "عیسائیوں کی جان۔ مال۔ آزادی۔ عبادتگاہوں

کی حفاظت کرتے ہیں" لیکن جب مسیحی مجاہدین کا دَوران جہاد میں یروشلم پر عارضی قبضہ ہوتا ہے تو وہ شہر کے مسلمان باشندوں کو بے دریغ تہ تیغ کرتے اور شہر کو جلاکر راکھ کا ڈھیر بنا دیتے ہیں۔ اسکے بعد جب وہی شہر دوبارہ ہلال کی حکومت کے ماتحت ہوتا ہے تو "سلطان صلاح الدین نہ صرف غیر ضروری خون گرانے سے محترز رہتے ہیں بلکہ اسیران جنگ کے ساتھ کمال ملاطفت اور مہربانی سے پیش آتے ہیں" پس جہانتک انسانیت کا تعلق ہے وہاں تک ہر ایک بات اسلام کے موافق اور عیسائیت کے مخالف ہے۔ اور صرف گذشتہ تجربہ کی بنا پر ہم کہ سکتے ہیں کہ موجودہ جنگ بلقان میں تُرکوں کی شکست سے تہذیب و تمدن کو کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہوگا بلکہ ترکی علاقہ بلقانی ڈاکوؤں کی آماجگاہ بن جائے گا ؛

قرآن مجید کی ایک پیشگوئی مسیحی اقوام کے بارہ میں

ہماری پاک کتاب قرآن مجید ایسی کتاب نہیں کہ اسکو اپنی صداقت کے لیئے کسی دوسرے شخص کی ضرورت ہو۔ اس میں غور کرنیوالے کے لیئے خود ہزاروں نشان اسکی سچائی کے لیئے اور اسکے منجانب اللہ ہونیکے لیئے موجود ہیں۔ اسکے کلام الٰہی ہونے کا ایک نہایت ہی یقینی ثبوت یہ ہے کہ اسمیں بے شمار پیشگوئیاں ہیں جو ہر زمانہ میں تازہ بتازہ پوری ہوکر اس کے الہامی ہونے کا بیّن ثبوت پیش کرتی ہیں۔ اسی رسالہ میں ہم کئی مرتبہ اس امر کا ذکر کرچکے ہیں کہ قرآن شریف کی مکّی سورتیں عجیب در عجیب پیشگوئیوں کا ذخیرہ ہیں مکہ میں کفّار کا بہت زور تھا اور مسلمان سخت کمزور اُنکی تعداد بھی قلیل تھی اور اُنکے مخالف بڑا جتھا رکھتے تھے اور بڑی

طاقت رکھتے تھے ایسی حالت میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ مکہ کے یہ عمائد اور سردار سب کے سب ہلاک ہوجائیں گے اور مسلمانوں کا بے بس گروہ جنکو سر چھپانے کے لئے بھی جگہ نہیں ملتی تھی اور جو دشمن کے مظالم سے تنگ آکر کبھی حبشہ کی طرف بھاگتے تھے اور کبھی مدینہ کی طرف دوڑتے تھے وہ اپنے زبردست دشمن پر غالب آئیں گے اور نہ صرف مکہ میں انکی حکومت قائم ہوجائیگی بلکہ کل جزیرہ عرب مسلمان ہوکر ان کا منقاد اور فرمانبردار اور خادم ہوجائیگا۔ اسوقت کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کعبہ میں جو ۳۶۰ بُت دھرے ہیں وہ توڑ دیئے جائیں گے اور انکے پُجاریوں کا نام ونشان بھی نظر نہیں آئیگا۔ اسوقت جب مکہ کے مغرور دشمن اپنی طاقت کے نشہ میں سرشار تھے اور سارا ملک عرب انکو اپنا پیشوا سمجھتا تھا کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان مغرور دشمنوں کا وہی حشر ہوگا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل فرعون اور اُسکے لشکر کا ہُوا تھا اور سارے ملک عرب میں اسلام کا جھنڈا لہرائے گا اور کعبہ کی چھت سے وہی مسلمان جو اب صنادید مکہ کی غلامی میں طرح طرح کے دُکھ اور تکلیفیں جھیل رہے ہیں اللہ اکبر کی ندا بلند کرینگے۔ مگر یہ سب باتیں مکہ کے ابتدائی زمانہ میں جو نہایت ضعف اور کمزوری کا زمانہ تھا مکہ کی گلیوں اور کوچوں میں بڑے پرزور لہجہ میں سنائی گئیں اور قادر مطلق خدا کا وہ زبردست کلام جسمیں بُت پرستی کے سرداروں کی ہلاکت اور کمزور اسلام کی فتح وکامیابی کھول کھول کر بیان کی گئی تھیں مکہ کے کبراء اور رؤساء کو بلند آواز سے سنایا گیا مکی زمانہ کی سورتوں میں اس کثرت سے یہ زبردست پیشگوئیاں موجود ہیں کہ میں نہیں خیال کرتا کہ کسی دن کوئی ایسی وحی بھی نازل ہوئی ہو جس میں اسلام کی فتح اور دشمن کی ناکامی اور ہلاکت کا پیغام نہ سنایا گیا ہو حتیٰ کہ گذشتہ انبیاء اور اقوام کے جو حالات بھی مکہ میں نازل ہوئے وہ بھی بطور قصہ کہانی کے نہیں نازل ہوئے تھے بلکہ ان میں بھی دشمنانِ اسلام کو یہی سنایا گیا کہ تم اسی طرح ہلاک اور نابود ہوجاؤگے جسطرح موسیٰ علیہ السلام کے مقابل میں فرعون ہلاک ہُوا اور تمہارا اسی طرح نام ونشان مٹا دیا جائیگا جسطرح حضرت نوحؑ کے دشمنوں کا نام ونشان مٹا دیا گیا تھا غرض جسطرح پہلے نبی مظفر ومنصور اور انکے دشمن خائب وخاسر رہے یہی حال اب ہوگا اور اسی طرح یہ نبی اور اُسکی جماعت کامیاب ہوگی اور انکے دشمن ناکام ونامراد رہ جائیں گے۔ اگر ناظرین نے مکہ معظمہ میں مسلمانوں

کی کمزور حالت اور کفار کی طاقت اور غلبہ کا اندازہ کرنا ہو تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کی مکی زندگی کا مطالعہ کریں۔ جب آپ کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے پائے جاتے تو مغرور دشمن شرارت سے اونٹ کی اوجھری آپ کی گردن پر رکھدیتے جسکے بوجھ کی وجہ سے آپ سجدہ سے سر نہ اٹھا سکتے۔ جب آپ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھے جاتے تو آپکی گردن میں چادر ڈالکر بدذات دشمن آپ کا گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے اور آپکے اتباع کو دشمن کے آگے ان الفاظ میں اپیل کرنے کی ضرورت پڑتی اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ کیا تم ایک شخص کو اسلیئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کے سوا میرا کوئی رب نہیں۔ مکہ میں دشمن کا اسقدر زور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مع اپنی برادری اور مسلمانوں کے شعب ابی طالب میں پناہ لینی پڑی جہاں وہ ۳ سال تک قید رہے اور انمیں سے کسی کو سوائے ایام حج کے باہر نکلنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اور کسی تاجر کو اجازت نہیں تھی کہ انکے پاس کوئی چیز فروخت کرے اور کسی آدمی کی مجال نہ تھی کہ ان قیدیوں کو کھانا یا دانہ پہنچا سکے۔ اور وہاں محصورین کی حالت ایسی نازک ہوگئی تھی کہ بھوکے بچوں کی چیخیں شہر والوں کو سنائی دیتی تھیں۔ مسلمانوں کی حالت مکہ میں ایسی معرض خطر میں پڑی ہوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور آپکے داماد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو مکہ میں ایک زبردست قوم رکھتے تھے۔ اور آپکے چچازاد بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور بہت سے اور مردوں اور بچوں کو مکہ سے بھاگ کر بحیرہ قلزم سے پار بر اعظم افریقہ کے ایک ملک حبشہ نام میں ایک عیسائی بادشاہ کی سلطنت کی پناہ ڈھونڈنی پڑی اور پھر وہاں بھی اہل مکہ نے انکا پیچھا نہ چھوڑا اور انکے گرفتار کرنیکے لیے آدمی بھیجے مگر اس نیک دل بادشاہ کے انصاف کے آگے ان لوگوں کی کچھ دال نہ گلی اور ناکام واپس چلے آئے۔ اگر ناظرین یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں کس تکلیف سے زندگی بسر کرتے تھے تو وہ صرف آپ کا طائف کا سفر ہی کتب تواریخ میں مطالعہ کریں کہ کسطرح اہل مکہ کی طرف سے مایوس ہوکر آپ نے طائف والوں کو آزمانا چاہا اور اس لمبے سفر میں صرف ایک ہمراہی آپ کا آزاد کردہ غلام حضرت انسؓ آپکے ساتھ تھا۔ جو تکلیف آپ کو طائف میں پہنچی اور جو سلوک اس شہر کے

شریر لوگوں نے آپ کے ساتھ کیا اُسکو پڑھکر بدن کانپ جاتا ہے۔ اُس شہر کے بدمعاش لوگوں نے کئی میل تک آپ کا تعاقب کیا اور پتھروں سے آپ کا بدن مبارک زخمی کر دیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب طائف سے آپ واپس تشریف لائے تو آپ کیلئے شہر میں کوئی امن کی جگہ نہ تھی اور اس لیئے آپ شہر میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ آخر ایک شخص کا دل آپ کی اس حالت کو دیکھکر بھر آیا اور اُس نے آپکی حفاظت کا ذمہ لیا اور اپنے بیٹوں سمیت ہتھیار لگا کر نکل آیا اس طرح آپ شہر مکّہ میں جو آپ کا وطن تھا داخل ہوئے۔ پھر جب حج کے دن آتے۔ آپ عرب کے سب قبیلوں میں پھرتے کہ اب شہر مکّہ میں میرے لیئے رہنا محال ہو گیا ہے۔ کیا کوئی ہے جو مجھے اپنے ساتھ لیجائے اور جو جواب آپ کو ملتا وہ یہ تھا کہ ہم تمھاری خاطر کل عرب کے آگے اپنے سینوں کو نشانہ نہیں بنا سکتے۔ ایک طرف آپ کی اس حالت کو دیکھو دوسری طرف اُن پُر زور اور پُر شوکت مکّی آیات کو پڑھو تو تمھیں معلوم ہو جائیگا کہ واقعی یہ کلام اس بے کس انسان کا نہیں بلکہ کسی مقتدر ہستی کا کلام ہے جس کے تصرف سے کوئی چیز باہر نہیں اور جسکے آگے دنیا کی زبردست سے زبردست طاقتیں بالکل ہیچ ہیں۔ مَیں چند مکّی آیات اور مکّی زمانہ کی پُرشوکت پیشگوئیوں کو یہاں نقل کرتا ہوں تا آپ دیکھیں کہ واقعی یہ کیسا زبردست کلام ہے جسے مکّہ کا بظاہر بے کس نبی اپنے خونی دشمنوں کو سناتا ہے۔ ناظرین ان حالات کو جو اُوپر بیان ہوئے ہیں مدِّ نظر رکھکر آیات ذیل پر غور کریں تا اُنکو ان آیات کی عظمت ظاہر ہو۔

ان آیات میں سے جو مکّہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خون کے پیاسے اور متکبر دشمنوں کو سنائیں ایک یہ تھی۔ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْـتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (انعام۔۱۶) یعنی ان متکبر دشمنوں کو سنا دو کہ جس عذاب کا وعدہ تمھیں دیا گیا ہے وہ ضرور آنیوالا ہے اور تم خدا کو عاجز نہیں کر سکو گے۔ اپنی قوم کو کہدو۔ اے میری قوم جہانتک تمھارا بس چلتا ہے تم (میرے ہلاک کرنیکے لیئے) زور لگا لو۔ مَیں بھی اپنے کام میں لگا ہُوا ہوں

اور تمھیں جلدی معلوم ہو جائیگا کہ انجامکار کون کامیاب ہوتا ہے۔ ظالم آدمی کبھی مظفر و منصور نہیں ہو سکتے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے الفاظ کو نقل کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اتباع کو سنایا۔ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی قریب ہے کہ تمھارا رب تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے اور انکی جگہ زمین میں تمھیں جانشین بنا دے۔ پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (اعراف - ۱۵) یہ وہ الفاظ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہے تھے جب آپ کی قوم نے فرعون اور اس کی جماعت کی ایذا رسانیوں کی شکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس کی تھی۔ اور خدائے تعالیٰ نے یہ واقعہ نقل کر کے مسلمانوں کو بتایا کہ تم جو اپنے نبی کے پاس آکر ابوجہل اور اس کی قوم کی زیادتیوں کی شکایت کرتے ہو تم یاد رکھو کہ اسوقت بھی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا وہی حال ہوگا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں کا ہوا تھا۔ یعنی تمھارا رب تمھارے دشمنوں کو ہلاک کرے گا اور تمھیں انکی جگہ زمین کا وارث بنائے گا۔

مَیں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جو گذشتہ انبیاء اور ان کے دشمنوں کے حالات قرآن شریف میں مذکور ہیں وہ کہانیاں نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ خدائے تعالیٰ خود فرماتا ہے وہ پیشگوئیاں ہیں اور اہل مکہ کو یہ سنایا گیا ہے کہ یہ نبی بھی ایک ایسا ہی نبی ہے جیسا کہ اس سے پہلے نبی گذرے ہیں اور جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے پہلے نبیوں کو مظفر و منصور کیا اور انکے دشمنوں کو ہلاک و نابود کیا ایسا ہی اب بھی ہوگا۔ اب ناظرین غور فرماویں کہ کیا یہ ایک عجیب امر نہیں ہے کہ وہ نبی (فداہ ابی و امی) جسکی مختصر کیفیت ایام مکہ میں ۔ مَیں اوپر بیان کر چکا ہوں اپنی قوم کو کہتا ہے کہ اگر تمھارا دشمن تمھیں طرح طرح کے عذاب دیتا ہے تو تم مت گھبراؤ۔ خدائے تعالیٰ تمھارے زبردست دشمن کو ایسی ہی رسوائی کے ساتھ ہلاک کریگا جیسا کہ فرعون کو ہلاک کیا تھا اور پھر دشمن کی ہلاکت کے بعد اس ملک کے وارث تم ہی ہوگے۔

اب ناظرین خود ہی فیصلہ کریں کہ کیا مکہ کا وہ بظاہر بے کس نبی ایسی پیشگوئی شائع کر سکتا تھا۔ یقیناً ایسے بے بسی و بے کسی کے زمانہ میں اس قسم کی زبردست پیشگوئی کرنا

کسی انسان کا کام نہ تھا بلکہ یہ یقیناً ایک زبردست ہستی کا کلام تھا جس کا نام اللہ ہے اور اسکو پورا کرنا بھی اُسی کا کام تھا۔

پھر ایک اور چیلنج جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بُت پرست اہل شہر اور مغرور اہل وطن کو دیا یہ تھا۔ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ۝ اِنَّ وَلِيِّ َۧ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ښ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ۝ (اعراف - ۲۴) اے نبی اپنے مخالفوں کو کہہ دو کہ تم اپنے معبودوں کو اپنی مدد کے لیئے بلاؤ۔ اور پھر تم سب مل کر مجھ پر اپنا وار چلاؤ اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ میرا حامی وہ اللہ ہے جس نے یہ کتاب اُتاری اور وہ صالحین کی حمایت کرتا ہے۔ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو وہ تمھاری مدد نہیں کر سکتے۔ تمھاری مدد وہ کیا کریں گے وہ تو اپنی بھی مدد نہیں کر سکیں گے یعنی اب وقت آگیا ہے کہ تمام معبودان باطل کا نام ونشان مٹا دیا جاوے۔

اب ناظرین انصاف فرماویں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتے تو کیا وہ اُس ظاہری بے بسی کی حالت میں اپنے کثیر التعداد اور طاقتور دشمنوں کو اس قسم کا چیلنج دے سکتے تھے اگر خدا آپ کا حامی و مددگار نہ ہوتا تو وہ کسطرح اپنے دشمنوں کو یہ کہہ سکتے تھے کہ تم اپنے معبودوں کو بھی پکارو اور خود بھی میرے نابود کرنے کے لیئے زور لگا لو۔ اور مجھے کچھ مہلت نہ دو۔ ایسا کہنا تو اُنکے جوش کو بھڑکانا تھا اور جس شخص کے ساتھ خدا نہ ہو وہ کس طرح اس قسم کے اُکسانے والے الفاظ کہکر اپنے دشمنوں کو جوش دلا سکتا ہے اور اپنے ہاتھ سے اپنی تباہی کا سامان تیار کر سکتا ہے؟ ۔ غرض اس قسم کے الفاظ مخالفین کو کہنا جب کہ دشمن زبردست اور نبی تنہا اور بظاہر بے کس و بے بس حالت میں ہو اس بات کا ایک بیّن ثبوت ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے انسان کا کلام نہیں۔ پھر اس قسم کا چیلنج ایک ہی نہیں بلکہ قرآن شریف میں بار بار آیا ہے۔

پھر ناظرین مندرجہ ذیل مکی پیشگوئیوں پر غور فرماویں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ہود علیہ السلام کے لفظوں میں اپنی قوم کو سناتے ہیں وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (ہود - ۵) یعنی میرا رب تمھیں ہلاک کر کے تمھاری جگہ ایک اور قوم کو تمھارا جانشین بنائیگا۔ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ط (ابراہیم - ۳)

ہم ظالموں کو ہلاک کردینگے اور تمہیں (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو) اُن کے بعد زمین میں آباد کرینگے۔ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ (ابراہیمؑ - ۷) یہ مت گمان کرو کہ جو نصرت کے وعدے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں سے کئے ہیں وہ اُن کا خلاف کریگا۔ اللہ تعالیٰ زبردست ہے اور وہ انتقام لینے والا ہے۔ یعنی یہ مت گمان کرو کہ جو وعدے خدائے تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے ہیں اُن کو پورا نہیں کرے گا۔ وہ ان کو ضرور پورا کرے گا۔ وہ طاقت رکھتا ہے کہ اپنے رسول کی مدد کرے اور وہ انتقام لینے والا ہے یعنی وہ اس رسول کے دشمنوں سے ضرور سخت انتقام لے گا۔ پھر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ (انبیاء - ۲) ہم حق کو باطل پر پھینکیں گے اور حق باطل کا سر کچل دے گا۔ اور باطل فنا ہو جائیگا۔ پھر خدائے تعالیٰ اسی مکّی سورۃ میں آگے چلکر فرماتا ہے اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (سورہ انبیاءؑ - ۷) کہ میرے صالح بندے ملک کے وارث ہونگے۔ پھر خدائے تعالیٰ ایک اور مکّی سورۃ (سباء - ۳) میں فرماتا ہے قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ کفار مکّہ کو کہدو کہ ہمارا رب دونوں فریقوں کو ایک جگہ اکٹھا کرے گا اور پھر وہ دونوں میں سے اُس فریق کو فتح دیگا جو حق پر ہے (اس پیشگوئی کے مطابق خدائے تعالیٰ نے کفار مکّہ اور اہل اسلام کی بدر کے مقام پر مٹھ بھیڑ کرادی اور پھر اہل اسلام کو فتح دیکر اور صنادید قریش ابوجہل وغیرہ کو اُسی میدان میں ہلاک کرکے اپنی اس پیشگوئی کے مطابق یہ شہادت دیدی کہ اہل اسلام حق پر ہیں اور کفار مکّہ باطل پر)

پھر خدائے تعالیٰ سورہ قمر (رکوع ۳) میں جو ایک مکّی سورہ ہے فرماتا ہے وَلَقَدْ جَاۗءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰۗىِٕكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَاۗءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ فرعون کی قوم کے پاس ڈرانے والے آئے انہوں نے

ہمارے سب نشانوں کی تکذیب کی پس ہم نے اُنکو اس طرح پکڑا جس طرح ایک غالب قدرت والا پکڑتا ہے۔ کیا تمھارے کفار ان لوگوں سے اچھے ہیں یا الٰہی نوشتوں میں تمھارے لئے معافی لکھی گئی ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک بدلہ لینے والی جماعت ہیں۔ یہ جماعت ہزیمت اُٹھائیگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

ناظرین کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ مندرجہ بالا پیشگوئیوں پر غور کریں یہ سب پیشگویاں مکّہ مکرمہ میں ان حالات کے ماتحت شائع ہوئی تھیں جن کا مختصر ذکر میں اوپر کرچکا ہوں۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ ملک میں سے بت پرستی کا نام و نشان مٹ جائیگا۔ اور بت پرستی کی بجائے اسلام ہی اسلام نظر آئیگا۔ یہی چھوٹی اسلامی جماعت اپنے مغرور دشمنوں کو نیچا دکھائیگی۔ اور اُنکے نابود ہونے کے بعد یہی جماعت اس ملک کی وارث ہوگی۔ سچ بتاؤ کیا ایک عاجز انسان کی طاقت میں یہ ہوسکتا تھا کہ ایسی زبردست پیشگویاں بڑے دعوے اور بڑی تحدی کے ساتھ شائع کرسکے۔ دیکھو خدائے تعالیٰ کیسے کھلے الفاظ میں اہل مکّہ کو سناتا ہے کہ ہم نے فرعون کی قوم کو ہلاک کیا۔ کیا تم فرعون کی قوم سے بہتر ہو کہ تمھارے ساتھ وہی سلوک نہ ہو جو اُن کے ساتھ ہوا تھا یا الٰہی کتابوں میں تمھیں معافی دیگئی ہے۔ کیا تم کو اپنے جتھے اور اپنی طاقت کا گھمنڈ ہے سن لو اور یاد رکھو کہ وہ دن قریب آتا ہے جب کہ تمھارا جتھا سخت ہزیمت اُٹھائے گا۔ اور پیٹھ دیکر بھاگے گا۔ اب چونکہ یہ پیشگویاں پوری ہوچکی ہیں اور اسلام کا غلبہ قائم ہوچکا ہے اس لئے ایک شخص قرآن شریف کو پڑھتے ہوئے ممکن ہے کہ سرسری طور پر ان سے گذر جائے مگر انکی عظمت کا اندازہ لگانے کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ یہ الفاظ کب بولے گئے۔ اُسوقت دشمن کی طاقت کا کیا حال تھا اور اسلام کیسا کمزور تھا۔ مکہ کے دنوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے لاؤ اور پھر ان پیشگویوں کے الفاظ پر غور کرو۔ پھر تمھیں معلوم ہوگا کہ واقعی یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے بلکہ عزیز مقتدر کا کلام ہے۔ دشمن اسوقت ایسا زبردست تھا کہ کوئی شخص یہ گمان بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یہ پیشگویاں پوری ہونگی* ایک طرف اسلام کی کمزور حالت اور دشمن کے جتھے اور اُسکی قوّت و حشمت کو دیکھو دوسری طرف ان

* قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کو اپنے جتھے کا بہت گھمنڈ تھا اور مسلمانوں کو بوجہ انکی کمزوری کے وہ سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ قال الذین کفروا للذین اٰمنوا ای الفریقین خیر مقاما واحسن ندیا۔ انکی اس شیخی کا جواب خدائے تعالیٰ

پیشگویوں کے پُرشوکت الفاظ کا مطالعہ کرو اور پھر دیکھو کہ یہ پرشوکت الفاظ کس طرح حقیقی طور پر عجیب اور حیرت انگیز طریق سے لفظ بلفظ پورے ہوئے۔ اگر تم میں ذرہ بھر بھی انصاف ہوگا تو تم بلا اختیار بول اُٹھوگے کہ واقعی یہ پیشگوئیاں انسان کی طرف سے نہ تھیں بلکہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے تھیں اور اُسی کی طاقت اور کرشمہ نمائی سے یہ وعدے اور وعید پورے ہوئے۔ اسلام کی کمزوری اور دشمن کی طاقت کا تو یہ حال تھا کہ عین بدر کی لڑائی کے شروع ہونے کے وقت بھی کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آج سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّونَ الدُّبُرَ کا دن ہے اور آج وہ ساعت آگئی ہے جسکی نسبت خدائے تعالیٰ نے مکہ میں فرمایا تھا قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ اور جسکی نسبت یہ کہا گیا تھا قُلْ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ٭ بدر کے موقعہ پر مسلمانوں کی کمزور حالت کا خدائے تعالیٰ خود نقشہ کھینچتا ہے جب کہ وہ فرماتا ہے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ۔

ایسا ہی خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ۔ یعنی جب ہم نے تم سے وعدہ کیا کہ دو جماعتوں میں سے ایک پر تم فتح پاؤگے تو تم چاہتے تھے کہ وہ جماعت جس کا وعدہ دیا گیا ہے وہ اہل مکہ کا لشکر نہ ہو جو تعداد میں بہت زیادہ اور ہتھیاروں سے خوب مسلح تھا بلکہ وہ جماعت ہو جس کے پاس ہتھیار نہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی حالت اُسوقت کفار کے مقابل میں سخت کمزور تھی۔ قرآن شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ایک خاص تدبیر سے مسلمانوں کو کفار کے لشکر کے سامنے لاکر کھڑا کردیا تاکہ اُسکی باتیں پوری ہوں اور اُسکے کلام کی سچائی ثابت ہو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعَادِ۔ یعنی اگر تم کفار کے ساتھ جنگ کرنے کے لیئے کوئی

٭ انکو کہہ دے۔ تمھارے لیئے ایک دن کی میعاد ہے جس سے تم نہ پیچھے رہوگے اور نہ آگے نکل سکوگے۔

وقت اور مقام مقرر کرتے تو تمھاری حالت اُنکے مقابل میں ایسی کمزور اور ضعیف ہے کہ تم وقت مقررہ پر میدان جنگ میں دشمنوں کے مقابل پر آنے سے گریز کرتے۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر تک خود مسلمان بھی یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ خدا کی باتوں کے پورا ہونیکا وقت آگیا ہے۔ غرض جب ہم ان پیشگوئیوں کو اُس زمانہ کے حالات کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو ہم اس بات کا اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ کلام واقعی ایک قادر اور زبردست ہستی کا کلام ہے اور یہ کہ جس شخص کے ذریعہ یہ کلام مکّہ کی سرزمین پر سنایا گیا وہ خدا کا سچّا نبیؐ اور ایک صادق رسول تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

جب ہم ان پیشگوئیوں کو پڑھتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ خداوند خدا نے اُم القریٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دشمنوں کو کسطرح ذلیل کیا اور اپنے نبیؐ کے مُنہ میں جو کلام اس نے ڈالا تھا اُسکو کسطرح پورا کیا۔ تو ہمیں خدائے تعالیٰ کا وہ کلام یاد آجاتا ہے جو کوہِ طور پر بنی اسرائیل کے عظیم الشان نبی حضرت موسیٰ علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا اور اُس کلام کا اُردو ترجمہ یہ ہے:۔ "مَیں اُنکے لیئے اُنکے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ مَیں اُسے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہے گا۔ اور ایسا ہوگا ——— کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکر کہے گا نہ سنے گا تو مَیں اُس کا حساب اُس سے لونگا .... اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ مَیں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں؟ تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اُس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اُس نبی نے گستاخی سے کہی ہے۔ تو اُس سے مت ڈر"

جس خاص پیشگوئی کا ذکر مَیں اسوقت کرنا چاہتا ہوں وہ بھی نہایت عجیب ہے اور اس زمانہ کے لوگوں کیا مسلمانوں اور کیا غیر مسلمانوں کے لیئے قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونے کی ایک بیّن دلیل ہے۔ اسی رسالہ میں امریکہ کے ایک آزاد خیال ایڈیٹر کا مضمون نقل کرچکا ہوں جس میں وہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ مسیحی قوموں میں ایک لمبے زمانہ سے باہمی عداوت اور بُغض پایا جاتا ہے اور وہ ہمیشہ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کیلئے تیار رہے ہیں۔

جو لوگ یورپ کے پالیٹکس سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یورپ کی سلطنتوں میں باہمی سخت رقابت اور تحاسد پایا جاتا ہے۔ آجکل جو بلقان کا جھگڑا ختم ہونے میں نہیں آتا وہ بھی اخبار بین دنیا جانتی ہے کہ یورپ کی قوموں کی باہمی حسد و بغض کا نتیجہ ہے۔ اس عداوت و بغض کے متعلق جو مسیحی قوموں میں باہم پایا جاتا ہے جسکی کل دنیا اور تاریخ گواہ ہے قرآن شریف میں ایک عجیب پیشگوئی ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ؁ (مائدہ - ۳)

اور ہم نے اُن لوگوں سے جو اپنے تئیں نصاریٰ کہتے ہیں عہد لیا اور جو پند اُنکو دیگئی تھی اُس کا ایک بڑا حصہ اُنہوں نے بھلا دیا۔ اسلیئے ہم نے اُنکے درمیان عداوت اور بُغض بھڑکا دیا ہے جس کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا بلکہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اور انکو خدا اُنکے کاموں کی خبر دیگا۔ اس آیہ کریمہ میں بڑی صفائی سے یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ نصاریٰ کہلانیوالی قوموں کے مابین قیامت تک بُغض اور عداوت قائم رہے گی۔ اور جو مضمون ایک امریکہ کے ایڈیٹر کی قلم سے ہم اسی رسالہ میں نقل کرچکے ہیں اُسکے پڑھنے سے ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ یہ پیشگوئی کیسی سچی نکلی اور اسکی صداقت کا ہم کسطرح ہر روز مشاہدہ و معاینہ کررہے ہیں۔ کیا ایک انصاف پسند انسان کیلئے یہ پیشگوئی قرآن شریف کے خدا کا کلام ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونیکا ایک یقینی ثبوت نہیں۔ کیا ایک بشر کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت میں یہ تھا کہ وہ اس قسم کی خبر دے سکیں جس کا سلسلہ قیامت تک لمبا ہو اور وہ برابر ہر روز پورا ہوتا ہُوا دیکھا جاوے۔ دیکھو مسیحی صاحبان خود اپنے ہاتھوں سے قرآن شریف کی پیشگوئی کو پورا کررہے ہیں پھر بھی یہی اعتراض کیے جاتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام نہیں۔ پادری صاحبان جو فرمایا کرتے ہیں کہ قرآن شریف حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہودیوں اور مسیحیوں کی کتابوں سے مضامین نقل کرکے تیار کیا وہ ازراہِ مہربانی بتاویں کہ یہ پیشگوئی جو قرآن شریف میں خود مسیحی قوموں کی نسبت پائی جاتی

ہے اور جس کو وہ خود اپنے ہاتھوں سے پورا کر رہے ہیں یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کن یہودیوں یا مسیحیوں کی کتاب سے نقل کی تھی۔ اے مسیحی صاحبان تم جو کہتے ہو کہ قرآن شریف کے مضامین ایک مال مسروقہ ہے دیکھو خود تمہاری نسبت قرآن شریف ایک پیشگوئی بیان کرتا ہے اور پیشگوئی بھی ایسی جسکا سلسلہ کبھی ختم ہونیوالا نہیں اور خود تم اس پیشگوئی کو اپنے ہاتھوں سے پورا کر رہے ہو پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس کے منجانب اللہ ہونے سے انکار کرتے ہو۔ اگر یہ خدا کا کلام نہیں ہے تو تم اس پیشگوئی کو ذرا جھوٹا تو کر کے دکھلا دو حالانکہ یہ ایک ایسا امر ہے جو خود تمہارے متعلق ہے اور بظاہر تمہارے اختیار میں ہونا چاہیئے کہ تم اسکی عملی طور پر تکذیب کر دو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے نصاریٰ کہلانیوالی قوموں کے درمیان ہم نے قیامت تک عداوت اور بغض بھڑکا دیا ہے۔ اے پادری صاحبان اگر یہ خدا کا کلام نہیں تو ذرا زور لگا کر اس آگ کو بجھا کر تو دکھا دو۔ پادری صاحبان بتلاؤ۔ انگلینڈ کیوں ایسے زبردست بیڑے بنا رہا ہے اور جرمنی کیوں جنگی جہازوں کے تیار کرنے میں ایسی سرگرمی سے مصروف ہے۔ کیا اسکی یہی وجہ نہیں کہ ان کو ایک دوسرے کے حملہ کا خوف ہر وقت دامنگیر ہے۔ پادری صاحبان سچ بتاؤ کیا وجہ ہے کہ اگر جرمنی ہوائی جہازوں کا بیڑا تیار کرتا ہے تو انگلینڈ کے مدبرین کو فکر لگ جاتی ہے کہ ہم بھی ایک ایسا بیڑا تیار کریں۔ کیا وجہ ہے کہ یورپ کی بڑی بڑی قوموں کو یہ فکر دامنگیر ہے کہ زبردست فوجیں تیار کی جاویں اور ایک دوسرے سے بڑھ کر مہلک اور خونی توپیں ایجاد کی جاویں یہ سب چیزیں قرآن شریف کی اسی ایک پیشگوئی کو سچا ثابت کرنیکے لئے مہیا کی جا رہی ہیں پھر کیا تمھیں شرم نہیں آتی جب تم یہ کہتے ہو کہ قرآن شریف کے مضامین ہمارا ہی مال ہے جو ہماری کتابوں میں سے چرا لیا گیا۔ تمھاری اس ہرزہ درائی کا صرف یہی ایک آیت کافی ردّ ہے۔ اگر یہ خدا کا کلام نہیں تو تم اسکو جھوٹا کر کے تو ذرا دکھلاؤ۔ پھر ہم سمجھیں گے کہ یہ خدا کا کلام نہیں اور تمہارا کہنا درست ہے ٭

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ اپریل ۱۹۱۳ء

زکوٰۃ - آمد ماعہ ہوئی - بارہ روپیہ ماہوار کا وظیفہ دو نومسلموں کے نام جاری ہوا - عہ مساکین کے وظائف پر - عہ نومسلموں کے ماہواری وظائف پر - عہ نومسلموں اور مساکین کے متفرق ضروریات پر اور عہ مساکین کے زاد راہ پر اور عہ انتظامی اخراجات پر صرف ہوئے -

یتامیٰ - آمد امسال عہ ہوئی - اور ماعہ یتامیٰ کے اصل اخراجات ماہوار پر اور عہ یتامیٰ کے وظائف پر اور عہ انتظامی اخراجات پر صرف ہوئے - ایک ۱۲ کا اصل خرچ عہ لے کر درزی خانہ میں داخل کیا گیا -

تعلیم - ہائی سکول باہر مدرسہ کی نئی عمارت میں چلا گیا ہے گو وہ عمارت ابھی بہت نامکمل ہے صیغہ تعلیم میں درزی خانہ کی صنعتی شاخ کھل گئی ہے - ایسی صنعت حرفت کی شاخیں علی الخصوص ان یتامیٰ مساکین کے لئے بڑی مفید ہوتی ہیں - جو تعلیم کے اخراجات مہیا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رکھتے اور عمر ضائع کرتے ہیں - درزیخانہ میں علاوہ کام سکھانے کے دینی تعلیم کا انتظام بھی ہے ایک مدرس اور ایک درزی ملازم رکھے ہوئے ہیں - اور کام ہو رہا ہے -

تعمیر - عمارت مدرسہ کا کام زور سے چل رہا ہے انشاء اللہ ماہ مئی کے اخیر تک برآمدہ پر بھی چھت پڑ جائیگی - بھٹہ کا کام بند ہونیوالا ہے - پل مقبرہ بہشتی تیار ہو گیا ہے -

اشاعت اسلام - ماہ اپریل کے اخیر ریویو انگریزی کے خریداران میں ۸ کی اردو میں بھی آٹھ کی بیشی ہوئی -

دفتر محاسب - کل آمد صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ کی ۱۰-۵-۵۶۹۱ اور خرچ ۸-۱۵-۱۴۵۵۲ ہوا - زیادتی خرچ کی وجہ کام عمارت کا زور سے جاری رہنا ہے - لنگر خانہ مقروض ہو رہا ہے اور قرضہ بڑھ رہا ہے - عمارت کا کام جاری ہے مگر چندہ عمارت فنڈ اس ماہ بہت کم آیا -

بیت المال - ماہ اپریل میں لنگر سے کھانا لینے والوں کی روزانہ اوسط ۲۴۰ رہی - مہمانوں کے لیئے مہمانخانہ میں جگہ تنگ ہے علی الخصوص جب کوئی مہمان بمع عیال آوے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

شفاخانہ - اس ماہ کل مریض ۱۶۱۱ آئے - انمیں سے ۴۷ بچے تھے - مائینر اپریشن ۱۶ ہوئے -

دفتر سکرٹری - ذیل میں احباب کی توجہ کے لیئے ایک سرکل کی نقل دیجاتی ہے جو علیحدہ بھی بنام سکرٹری صاحبان بھیجا گیا مگر عام طور پر احباب کے ملاحظہ کی خاطر یہاں بھی نقل کیا جاتا ہے - "دو ضرورتوں کو اسوقت آپکی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ اپنے احباب کو ان امور کی طرف توجہ دلا کر عنداللہ ماجور ہونگے جسطرح ایک انسان کو جب اپنی ضروریات کی اطلاع ہوتی ہے - تو انکے پورا کرنیکی وہ کوشش کرتا ہے - اسی طرح مَیں امید کرتا ہوں کہ ہماری قوم اپنی ضروریات سے مطلع ہو کر اپنے آپکو پوری ہمت سے انکو پورا کرنیکی طرف لگا دیگی۔

۱ - سب سے پہلے مَیں تعمیر مدرسہ کے کام کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں - تعمیر مدرسہ کا کام انہی دنوں میں شروع کیا گیا تھا - اور آجکل ہی تحریک چندہ کیگئی تھی - عمارت کا تخمینہ ایک لاکھ کا تھا - جس پر بعد میں دس ہزار کا اضافہ برآمدہ کی عمارت کو چونہ میں کرنیکی وجہ سے ہو گیا - اس ایک لاکھ دس ہزار میں سے گورنمنٹ نے تیس ہزار کی امداد کا وعدہ کیا تھا جو کل کی کل رقم اخیر مارچ تک وصول ہو چکی ہے - مگر بقیہ اسی ہزار جسے قوم نے پورا کرنا تھا - اسمیں سے صرف چھبیس ہزار سات سو اٹھارہ روپیہ اخیر مارچ تک وصول ہوا - یعنی صرف ایک تہائی - چندہ کی رفتار کو کسی قدر سُست پا کر یہ ارادہ کر لیا گیا تھا - کہ سردست بالین منزل کے کام کو ملتوی کر دیا جاوے - البتہ صرف ہال کے ساتھ کے چار کمرے بنوا لیئے جاویں اسقدر حصہ کی تکمیل پر قریباً ۷۰۰۰۰ خرچ بکار ہے جسمیں سے تیس ہزار امداد کا روپیہ نکالکر باقی ۴۵۰۰۰ روپیہ پھر بھی قومی چندہ سے پورا ہونا چاہیئے جسمیں سے صرف ستائیس ہزار کے اندر اندر روپیہ وصول ہوا ہے - یا بحساب اوسط سوا دو ہزار روپے ماہوار اور آیندہ رفتار اور بھی دھیمی ہوتی جاتی ہے چونکہ ابھی ہمارے بہت سے احباب ایسے ہیں جنھوں نے اس چندہ کی طرف مطلقاً توجہ نہیں فرمائی - اور بہت سے ایسے ہیں جو وعدوں کا ایک حصہ پورا کر کے پھر سُست ہو گئے ہیں اسلیئے ان سب احباب کیخدمت میں یہ عرض ہے - کہ اگر توجہ یا ایفائے وعدہ میں انکی طرف سے اور تاخیر ہوئی تو

عمارت ایک بہت ہی نامکمل حالت میں رہ کر ہماری قوم پر یہ ایک بدنما دھبہ ہوگا۔ جو احباب ابھی تک خاموش ہیں یا پوری توجہ سے کام نہیں لے رہے وہ خدا کے لیئے اپنی ذمہ داریوں پر اپنے اقراروں پر غور کریں اور ہر جگہ اس تحریک پر از سر نو غور کر کے اسکو تازہ کیا جاوے۔ خرچ تو اسوقت بھٹہ کو ملاکر ساٹھ ہزار سے اوپر ہو چکا ہے۔ مگر آمدنی امدادی رقم کو ملاکر ابھی بہت کم ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فنڈ تعمیر مقروض ہو رہا ہے۔ اور عمارت کا ایک حصہ بدون تکمیل خود بوجہ آمد برسات خطرہ میں ہو رہا ہے۔ اگر واقعی چندہ کی رفتار پھر تیز نہ ہوگی تو مجھے ڈر ہے کہ ہمارا کام یکے نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ کا مصداق نہ ہو۔

۲۔ خیال تھا کہ ہائی سکول کے باہر جانے سے مہمانخانہ کے لیئے جگہ وسیع ہوسکے گی مگر مدرسہ احمدیہ کی ضروریات نے مہمانخانہ کو اس طرف وسیع نہیں ہونے دیا لہذا اسکے لیئے علیحدہ مکانات سابقہ مہمانخانہ کے متصل بنانے کی ضرورت پیش آئی ہے۔ چونکہ مہمانوں کو بہت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اسلیئے یہ کام بھی باوجودیکہ فنڈ تعمیر میں روپیہ نہیں حضرت خلیفۃ المسیح کے خاص ارشاد سے شروع کرا دیا گیا ہے اسکے لیئے کوئی دو ہزار روپے کا اندازہ ہے۔ اور اسکے لیئے خاص چندہ کی تحریک کی جاتی ہے۔ برسات سے پہلے پہلے اس کا ایک حصہ بن جانا ضروری ہے کیونکہ برسات کے موسم میں کچّی عمارت بن نہیں سکتی۔ پس جملہ انجمنیں اور احباب اس رقم کی بہت جلد پورا کرنے کی کوشش کریں۔

سالانہ رپورٹ تیار کرنے کی خاطر سال کے اخیر جب انجمنوں سے اور دفتر محاسب سے سالانہ آمد کا گوشوارہ طلب کیا جاتا تھا۔ تو اسمیں بڑا اختلاف ہوتا تھا۔ جسے دور کرنیکے لیئے دفتر محاسب و انجمنوں سے خط و کتابت کرنے میں بڑا وقت صرف کرنا پڑتا تھا اور رپورٹ سالانہ کی دیر سے شائع ہونے کی ایک یہ وجہ بھی رہی ہے۔ اس نقص کو رفع کرنیکے لیئے یہ تجویز کی تھی کہ چونکہ تھوڑے وقت کے حساب میں غلطی کم واقع ہوتی ہے۔ اور اگر ہو بھی تو جلد اور سہولت سے رفع ہوسکتی ہے ہر تین ماہ بعد دفتر محاسب انجمنیں اپنا حساب ملالیا کریں چنانچہ اس غرض کے لیئے دفتر محاسب سے دو بار سرکلر بھیجا گیا ہے کہ اپنے اپنے حساب سے جو دفتر محاسب میں بھیجا گیا ہے اطلاع دیں مگر ہر دو بار دفتر محاسب نے

شکایت کی ہے کہ بعض انجمنوں کے سکرٹری صاحبان ان خطوط کی مطلق پروا نہ کرکے جواب تک نہیں دیتے اور حساب درست نہیں ہوتا۔ اسطرح پر نہ صرف حساب غلط رہیگا بلکہ دفتر محاسب کی محنت اور خرچ بھی ضائع جاتا ہے۔ اسلیئے جملہ سکرٹری صاحبان کی توجہ اسطرف مبذول کیجاتی ہے۔ کہ ازراہ کرم اپنا حساب ملاکر ممنون فرمایا کریں۔ اگر اس تجویز پہ عملدرآمد رہے تو گویا سالانہ آمد کا حساب دفتر محاسب و انجمنوں کا بہت آسانی سے جلد اور صحیح طور پر تیار ہو سکے گا۔

یہ انتظام کیا گیا تھا کہ انجمنوں کے رجسٹر بذریعہ ڈاک منگا کر پڑتال کی جایا کرے کیونکہ ایک تو باہر جانے کے لیئے وقت میسر نہیں آتا دوئم خرچ پڑتا ہے اس تجویز کے مطابق انجمن سیالکوٹ فیروز پور اور پٹیالہ کے رجسٹر منگائے گئے تھے۔ پہلی دو انجمنوں کا حساب باقاعدہ پایا گیا ہے۔ انجمن پٹیالہ کو اپنے حساب درست رکھنے اور باقاعدہ کرنے کی مزید کوشش کرنی چاہیئے۔ اسی طریق پر تمام انجمنیں جب رجسٹر منگائے جاویں تو بھیجکر ممنون فرماویں؀

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

ریویو

مسیحی مذہب کا فوٹو ؛۔ رسالہ ریویو اُردو میں ایک مضمون بعنوان مسیحیت کا ایک نرالا ثبوت شائع ہوا تھا۔ جناب ایڈیٹر صاحب بدر نے اس کی قدردانی فرماکر اسکو بدر میں شائع فرمایا ہے اور تحریک کی ہے کہ یہ مضمون اس قابل ہے کہ اسکو ایک پمفلٹ کی شکل میں چھپوایا جاوے اور احباب اس کو خرید کر کے ملک میں مفت شائع کریں چنانچہ جناب محمد یمین صاحب مہاجر تاجر کتب قادیان نے اسکو الگ چھوٹے رسالہ کی شکل میں چھپوایا ہے ۳۲ صفحے کا رسالہ ہے قیمت ار ایک روپیہ میں بیس نسخے۔ بعض بزرگوں نے اس مضمون کو بہت پسند کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بابرکت کرے؀ (ایڈیٹر)

احمدی خاتون۔ اس نام کا ماہوار رسالہ شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم نے جاری کیا ہے۔ احمدی بی بیوں اور لڑکیوں کے لیئے یہ رسالہ بہت مفید ہے اور ایک ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ اس رسالہ کا مقصد عورتوں میں تعلیمی اور مذہبی مذاق اور دینداری کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ خدائے تعالیٰ اس کوشش میں اس رسالہ کو کامیابی عطا فرمائے۔ قیمت سالانہ عہ

البشریٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات۔ کشوف و رؤیا کا مجموعہ حصہ اول جناب بابو ابو الفضل محمد منظور الٰہی (لاہور) نے بہت محنت سے تیار کر کے شائع کیا ہے حضرت اقدس کے پرانے الہامات کو مختلف مقامات۔ کتابوں اور اخباروں میں سے تلاش کرکے جمع کیا ہے۔ خدا تعالیٰ انکو جزائے خیر دے۔ جناب کی آسانی کے لیئے انہوں نے قیمت بہت تھوڑی رکھی ہے۔ یعنی صرف ۴ر ملنے کا پتہ دفتر تشحیذ الاذہان قادیان۔

نمبر ۱ اسکے پڑھنے سے آپکا قیمتی وقت جو ضائع ہوگا اسکے عوض کئی چند معاوضہ ملجائے گا

(دو)

گرمی کے زمانہ میں یہ دوائیں آپکے دُکھ درد کے سچے دوست ہیں

وقت پر آپ کی خدمت پورے طور سے بجالائیں گی

عرق پودینہ

تازی ولایتی پودینہ کی ہری پتیوں سے یہ عرق بنا ہے۔ رنگ بھی پتیوں کے ایسا ہی۔ اور خوشبو بھی تازی پتیوں کی سی ہے۔ یہ عرق بچہ سے ضعیف تک کو ایکسان فائدہ کرتی ہے

پیتے ہی درد مٹاتی ہے
رونے کو ہنساتی ہے

مندرجہ ذیل امراض کیواسطے نہایت ہی مفید اور اکسیر ہے۔ نفق ہو جانا۔ کھٹا ڈکار آنا۔ درد شکم۔ بدہضمی اور متلی۔ اشتہا کم ہونا۔ ریاح کی علامت وغیرہ کو فورًا دُور کرتی ہے قیمت فی شیشی ۸ر آٹھ آنہ۔ ڈاک محصول ۵ر پانچ آنہ۔ پوری حالت فہرست بلا قیمت منگا کر دیکھیئے۔

سردرد و ریاح درد کی دوا

ہائے رے درد۔ سردرد۔ سر پھٹا جاتا ہے اُڑا جاتا ہے۔ ایسی دوا ملتی کہ استعمال کرتے ہی فورًا آرام ہوتا۔ ڈاکٹر برمن کے درد کی ٹکیہ ایسے ہی اتفاق وقت کے لیئے بنی ہے۔

درد لحظہ میں پہاڑ ہوجاتا ہے
یہ لحظہ میں پانی کر دیتا ہے

صرف یہی نہیں بلکہ بدن میں جہاں کہیں ریاح درد۔ جیسے ٹیس۔ چمک۔ ٹپک لہر۔ کنکنی سے چاہیئے جسقدر تکلیف ہو جلد دُور ہوتی ہے۔ قیمت ۱۲ ٹکیوں کی شیشی چھ آنہ ۶ر محصول ڈاک ایک سے ۶ شیشی تک ۵ر اور بارہ شیشی کا ۶ر

ڈاکٹر۔ ایس کے برمن نمبر ۵و۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

مطبع میگزین میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ مینجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے

لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۳ء

رجب سنہ ۱۳۳۱ ہجری

چندہ سالانہ

عام ... طلباء ...

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

انگلستان میں اسلام

(رقم زدہ خالد شلڈریک آفندی آنریری وائس پریزیڈنٹ اسلامک سوسائٹی لنڈن)*

حصہ اوّل

جہانتک میرا علم ہے آج تک اس موضوع پر کوئی مفصل و مبسوط مضمون شائع نہیں ہُوا کہ انگلستان میں اسلام کیونکر اور کن ذرائع سے پہنچا۔ بہت لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ جزائر برطانیہ کے اصل باشندوں میں سے کوئی بھی مشرف باسلام نہیں ہُوا۔ البتہ چند مشرقی مسلمان طلبا یا سوداگر ہیں جو مشاغل علمیہ یا تجارت کے سبب انگلستان میں اقامت اختیار کرتے اور اسلام کا نام لیتے رہتے ہیں۔ واضح رہے کہ اسلام کی خبر جزائر برطانیہ میں پہلے پہل فرانسیسی اور لاطینی ذرائع سے پہنچی تھی۔ اور رومن پادریوں نے نہایت حزم و احتیاط سے اسلام کو بگاڑ کر پیش کیا ان یسوعی واعظوں نے اہل برطانیہ کو بتایا کہ مسلمان اپنے نبی کو خدا سمجھتے ہیں اس لغو اور جھوٹے دعوےٰ کی تائید میں ایک بھجن بھی گھڑ لیا گیا اور انگریزوں کو کہا گیا کہ محمد کے پیرو اس بھجن کو گایا کرتے ہیں رومن پادریوں کی ہفوات کا یہ حصہ یعنی محولہ بالا بھجن تاریخ میں محفوظ ہے مشہور مورخ آرڈیکس وائی ٹیلس *Ordericus Vitalis* نے اسے مندرجہ ذیل الفاظ میں قلمبند کیا ہے۔

"ہمارے خدا محمد پر سلام ہو۔ خوشی کا باجہ بجاؤ اور منڈر چڑھاؤ تاکہ ہمارے دشمن مغلوب و نابود ہو جائیں"

* ترجمہ از ریویو انگریزی بابت جولائی سنہ ۱۹۱۲ء

یہ غلط فہمی تو مسلمانوں کے خدا کی نسبت پھیلائی گئی تھی اب ملاحظہ ہو کہ خنزیر کے گوشت
سے نفرت رکھنے کی نسبت کیا عجیب و غریب کہانی وضع کی گئی تھی - اور کس طرح فریب بازی
سے عوام الناس کو حق سے ناواقف رکھا گیا تھا - مورخ روجر Roger اپنی کتاب موسومہ
"تاریخ کے پھول" The Flowers of History حصہ اول میں لکھتا ہے کہ "محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) ایک مرتبہ مخمور ہو کر (نقل کفر کفر نہ باشد) گوبر کے ڈھیر پر گر پڑے وہاں سوروں
نے انکے جسم کا ایک حصہ کھا لیا" بس اس وجہ سے مسلمان سور کے گوشت سے متنفر ہیں۔
غرض اسلام کے متعلق ابتدا ہی میں اس قسم کی بے بنیاد اور لا یعنی کہانیاں عمداً شائع کی
جاتی تھیں اور اہل برطانیہ کے صداقت پسند قلب کو غلط بیانی کر کے اسلام کی مخالفت پر
آمادہ کیا جاتا تھا - بعض لوگوں کا خیال تھا کہ محمد ایک بت کا نام ہے (وہ اس مبارک نام کو
بگاڑ کر مھوند پکارتے تھے) جس میں ایک خبیث روح نے حلول کیا ہوا ہے اور عربی افواج
اس سے نیک و بد فال طلب کرتی ہیں - انکا یہ بھی خیال تھا کہ اہل عرب ایک ترموتی کی پرستش
کرتے ہیں جسکے اقنوم ثلاثہ مھوند، اپولین Apolyn (شیطان) ٹرماگینٹ Termagent
(ایک فرضی اسلامی دیوتا) ہیں وہ کہتے تھے کہ اہل اسلام اور "انکا نبی زہرہ کے پرستار
ہیں اسی لیئے اہل عرب جمعہ کے دن کو بہت مبارک سمجھتے ہیں" بس ایسی بیہودہ اور بے بنیاد
کہانیاں تھیں جو مسیحی واعظ اسلام کی نسبت شائع کرتے رہتے تھے - جب انکے بعد پراٹسٹنٹوں
کا دور دورہ ہوا تو یسوعی تعصب اور لاعلمی نے ان کو بھی رومن کیتھولکوں کے ہی نقش قدم
پر چلایا اور وہ بھی ہمارے مقدس نبی کو معاذ اللہ "جھوٹا نبی" یا "پوپ کا دوست" کہکر پکارتے
تھے چنانچہ مارٹن لوتھر Martin Luther پوپ پر اپنی خفگی کا اظہار بدیں الفاظ کرتا ہے
"اے شیطان ملعون - اے مردود ......" جہاں نقطے ڈالے گئے ہیں وہاں وہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لکھتا ہے - صلی اللہ علی محمد و علی آل محمد و بارک و سلم - اسکے جواب میں
پوپ نے لوتھر کے پیرووں کو قبول اسلام کا ملزم ٹھہرایا اور ہنری ہشتم شاہ انگلستان و مارٹن لوتھر
کو مسلمان کہکر پکارا - ذیل میں چند اشعار کا ترجمہ دیا جاتا ہے جو ملکہ الزبتھ Elizabeth
کے زمانہ میں رابرٹ وِزڈم Robert Wisdom نے تصنیف کیئے تھے اور جن میں

پوپ اور ترکوں سے امان چاہی گئی ہے ہُو ہذا۔

"اے خدا اپنے پاک کلام کی طفیل ہم کو ترک اور پوپ سے بچائیو کیونکہ یہ دونوں تیرے پیارے بیٹے یسوع مسیح کو تخت سے اُتارنا چاہتے ہیں"

جان بیل بشپ اوسوری John Bale Bish. Ossory (د ۱۴۹۵ء۔ ستنہ ۱۵۶۳ء)

اپنی ایک تحریر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور پوپ کے متعلق اس طرح دُرافشانی کرتا ہے "یہ بے نجات لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتارتے ہیں۔ وہ شیطان کے شرارت افزا نواب ہیں۔ اور خداوند جس نے دنیا کو نجات دی وہ اُسکے منکر ہیں"۔ ان مثالوں سے صاف عیاں ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق انگریز اور یوروپین کیسی افسوسناک غلطیوں میں مبتلا تھے۔ اور کس طرح جہالت کے خوفناک بادل راستی کے مطلع پر منڈلا رہے تھے۔ لیکن ایسی حالت میں بھی راستی اپنی جھلک دکھاتی ہے اور پُرانی تحریروں سے پایا جاتا ہے کہ بعض راستی پسند طبیعتیں پادریوں کی فراہم کردہ معلومات پر قانع نہ رہیں اپنی ذاتی تحقیقات سے حق کی متلاشی ہوئیں اور آخر گوہر مقصود سے بہرہ اندوز ہو کر دولت اسلام سے مالا مال ہو گئیں۔ چنانچہ لُوتھر اپنی کتاب القرآن (ستنہ ۱۶۴۲ء) فصل ۳۱ میں اسطرح رقمطراز ہے ان اہل یورپ میں سے جنہوں نے اسلام قبول کیا "ایک تو برنارڈی نس اوکی نس Bernardinus Ochinus ہے دُوسرا آدم نیوسی رس Adam hauserus ہیڈلبرگ Heidleberg کا پادری ہے۔ تیسرا شخص انڈریس والے نس Andreas Volanius نامی ایک مشہور پراٹسٹنٹ ہے۔ انکے علاوہ اور بھی بہت سے اشخاص ہیں"۔ ان لوگوں کے مشرف باسلام ہونے سے لیوتھر کے متبعین بہت گھبرائے اور اسلام و ترکوں کی نسبت سخت زہر اُگلنا شروع کر دیا انکی کتابوں میں اسلام و ترک کو مرادف قرار دیکر اُس کو مکاشفات کا حیوان۔ دجال۔ عربی خنزیر وغیرہ ناموں سے پکارا گیا۔ اور اُسکے نام کو ہی غیظ و غضب کے ہم معنی سمجھا گیا" ملاحظہ ہو سر والٹر ریلے ستنہ ۱۶۳۷ء۔

اس زمانہ کے بعد میں آنے والی صدیوں میں یہی حال رہا یہانتک کہ آخر انگریزی قوم کا یہ عقیدہ ہو گیا .... کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ ایک جھوٹے مدعی نبوت تھے۔ اس زمانہ میں صرف ایک کتاب اسلام کی تائید میں لکھی گئی تھی لیکن

عیسائیت کے تعصب اور اسلام سے عوام کے تنفر کا وہ زور و شور تھا کہ مصنف ڈاکٹر ہنری سٹبس Dr. Henry Stubbes (ستہ ۱۶۷۳ء) کو یہ جرأت نہ ہوسکی کہ اپنی تحریر کو شائع کرے۔ یہ کتاب اس زمانہ سے اب تک دست بدست چلی آئی حتّٰی کہ سال گذشتہ اسلامک سوسائٹی نے اس نسخہ کو چھاپ کر شائع کیا۔ جب حافظ محمود خاں شیروانی سکرٹری سوسائٹی نے اس کتاب کو شائع کیا تو عوام پر ایک سنسنی سی چھا گئی۔ حالانکہ اسلام کے خلاف گذشتہ افتراؤں کے علاوہ بعد کے زمانہ میں ہزاروں کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں باوجود زمانہ کی ترقی کے سابقہ مسیحی افترا پردازی کی جھلک موجود ہے۔ مثال کے طور پر سر ولیم میور کی تصانیف پیش کیجا سکتی ہیں۔ لیکن اس زمانہ میں جو مسرت افزا تغیر ہوا ہے وہ بھی کچھ کم قابل قدر نہیں چنانچہ مسٹر ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ کی کتاب "دعوت اسلام" زمانہ کی بدلی ہوئی حالت کا نتیجہ ہے اس میں مصنف نے اشاعت اسلام کے متعلق صحیح تاریخی واقعات کا اندراج کیا ہے۔

"دعوت اسلام" کے بعد جو عمدہ قابلِ مطالعہ کتاب میری نظر سے گذری ہے وہ ایڈون جانسٹن Edwin Johnston کی تصنیف "مسیحیت کا عروج" The Rise of Xendom ہے۔ گو مصنف نے کسی جگہ قبولیت اسلام کا اعتراف نہیں کیا تاہم کتاب کے مطالعہ سے روشن ہو جاتا ہے کہ اس قابل محقق نے اپنی فاضلانہ تصنیف کی تکمیل میں جس عرق ریزی اور تحقیق سے کام لیا ہے اور جس سے متاثر ہو کر وہ اسلام کو "نہایت ہی قابل تحسین مذہب" قرار دیتا ہے اُس نے ضرور اسکے قلب کو اسلام کے نور سے منور کیا تھا۔ اب میں یہاں پر اسلامی لٹریچر کے مضمون کو چھوڑتا اور اُنیسویں صدی کے واقعات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اس مبارک صدی میں اسلام کا علم انگلستان میں اس شان سے بلند ہوا ہے کہ جبتک انگریز مسلمانوں کا وجود ہے اور جبتک وہ اپنے مقدس مذہب کی حفاظت میں اپنا خون تک بہانے کو تیار اور زندہ ہیں اُسوقت تک کوئی طاقت اسے سرنگوں نہیں کر سکتی۔

حصہ دوم

اگرچہ سخت غلط فہمیوں کی اشاعت ہمارے اقدس مذہب کی ترقی کے راستہ میں کاوٹ رہی ہے اور گذشتہ زمانہ میں شاذونادر ہی کوئی انگریز اسلام کا حلقہ بگوش ہوا ہے تاہم

انیسویں صدی کے اختتام پر ایک معتدبہ تبدیلی رونما ہوئی اور اہل قلم نے کہیں کہیں اسلام کی حمایت میں قلم کو جنبش دینی شروع کی اور اس مذہب کی نسبت تحقیقات کرنے کا شوق بعض قلوب میں موجزن ہوا۔ اس شوق تحقیقات نے گذشتہ تعصب کے بادلوں کو پھاڑ ڈالا اور حقیقت کے آسمان کا مصفا چہرہ اکثر ارباب بصیرت کو نظر آگیا چنانچہ بعضوں نے علانیہ مسلمان ہونے کا اعلان بھی کر دیا۔ واضح رہے کہ یہ اعلان اگر کسی سابقہ دور میں ہوتا تو اسکی سزا زندہ جلانا یا کم از کم سوسائٹی سے خارج کر دینا ہوتی برٹش مسلمانوں کی سب سے پہلے باقاعدہ انجمن مقام لورپول ۱۸۸۱ء میں قائم ہوئی اسکے محرک در روح رواں ایک انگریز بارسٹر مسمی بہ ڈبلیو۔ ایچ قیولیم تھے صاحب موصوف نے دینی اقامت الجیریا کے زمانہ میں دین اسلام قبول کیا تھا۔ آپکا اسلامی نام عبداللہ تھا۔ مشرف باسلام ہونیکے بعد آپنے اکثر سلطان عبدالحمید کے حضور شرف باریابی حاصل کیا اور سلطان نے نہ صرف شیخ عبداللہ اور انکے خاندان پر شاہانہ عطایات کی بارش کی بلکہ شیخ موصوف کو بے کا خطاب بھی دیدیا۔ چونکہ مسٹر قیولیم کی نسبت بعض حلقوں میں غلط اور ناخوشگوار خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اسلیئے راقم الحروف اس امر کو بھی اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اپنے ذاتی معلومات اور گہرے تعارف کی بنا پر ناظرین کو یہ بتائے کہ شیخ عبداللہ قیولیم کو اشاعت اسلام کی غرض سے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور مصائب جھیلنی پڑیں۔ صاحب موصوف ایک وجیہ صورت۔ حاضر جواب۔ معقول پسند۔ مہربان طبیعت اور متحمل مزاج بزرگ تھے لورپول میں آپ کو "غریبوں کا بارسٹر" کہکر پکارا جاتا تھا۔ اس نام کی وجہ یہ تھی کہ آپ بسا اوقات غریب نادار لوگوں کے مقدمات کو بلا اجرت لے لیتے اور عدالت میں پیش ہوکر پیروی کرتے۔ آپ ایک عالم متبحر۔ قابل ماہر خواص زمین اور اعلیٰ درجہ کے زباندان تھے۔ مینکس Manx اور لورپول کی اکثر علمی مجالس اور انجمنوں نے آپکو میر مجلس منتخب کیا ہوا تھا۔ آپ کی تصنیف موسوم بہ "جزیرہ مین کے قدیمی آثار" آپکی اعلیٰ قابلیت اور فن جیولوجی کی مہارت کا بین ثبوت ہے اگرچہ وہ فاضل اور قابل قدر شیخ بد قسمتی سے آج ہم میں نہیں اور ایک قانونی اصطلاحی غلطی کی وجہ سے انکو انگلستان چھوڑنا پڑا ہے

لیکن وہ غلطی کوئی فعل مجرمانہ نہ تھی - راقم مضمون جسے مقدمہ کے تمام حالات سے آگاہی ہے بوثوق یہ کہہ سکتا ہے کہ اخلاقاً شیخ صاحب کا فعل مستحسن اور ناقابل الزام تھا اور اس سے صرف یہ واضح ہوتا تھا کہ اسلامی قانون جسکی بنیاد آج سے تیرہ سو برس پہلے ڈالی گئی تھی موجودہ انگریزی قانون سے بدرجہا بہتر ہے - اور انگریزی قانون باوجود ادعائے تہذیب و تمدن ابھی تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ معیار تک نہیں پہنچا - خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب اصل مضمون کو لیتا ہوں - اس قابل شیخ نے اسلام پر کئی ایک کتابیں تصنیف کیں مفصلہ ذیل کتب آپکے رشح قلم کا نتیجہ تھیں -

"دینِ اسلام" "سابقین کے نقوش قدم" "تلوار کا مذہب" "اسلام کا مطالعہ" وغیرہم - علاوہ ازیں آپ کریسنٹ .The Cres اور اسلامک ورلڈ Islamic Wor دو اخبار اپنے خرچ پر نکالتے تھے - آپ نے مسجد اور لیکچر ہال قائم کیے اور کل دنیائے اسلام نے انکی اعانت کی ۲۵ برس تک مسٹر عبداللہ قیولیم اسلام پر لکھتے اور بولتے رہے - مسجد کی کھڑکیوں کو مسیحی تعصب کے ہاتھوں ہر ہفتہ زخم اٹھانے پڑتے رہے - اور ہمارے قابل احترام شیخ کو ذلیل کرنے کے لیئے ہر ممکن کوشش سے کام لیا جاتا رہا ۱۹۰۳ء میں لورپول ٹاؤن ہال میں ایک جلسہ ہوا اس جلسہ میں شیخ صاحب گو تنِ واحد تھے لیکن آپنے کمال دلیری اور حوصلہ سے حمایت اسلام کا فرض ادا کیا اور اس واقعہ پر نہ صرف انگریزی اخبارات کے کالموں میں بحث کی گئی بلکہ دیگر ممالک یورپ میں بھی اس کا چرچا ہوا - یہ قابل تقلید مثال بے اثر نہ رہی کئی منصف مزاج انگریز مسٹر قیولیم کے ساتھ ہوگئے اور اب تک مسلمانوں کی ایک باقاعدہ جماعت لورپول میں موجود ہے جسکے جان نثار ممبروں میں مفصلہ ذیل اصحاب قابل ذکر ہیں الف جعفر مارٹی مور A. Djaffar Mortimore میر مجلس - پروفیسر سٹیفن Prof. Stephen حسن آرکولی Hasan Arculli رشید پی سٹینلی سابق مے ار اوف سٹینلی برج R. P. Stanley late mayor of Stanleybr انکے علاوہ ناظرین کی آگاہی کے لیئے ہم یحیی النصر پارکنسن Y. en. Nasr Parkinson ایف جی - ایس کا قابل احترام نام پیش کرتے ہیں

آپ بھی نومسلموں کی اُس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جو مسٹر عبداللہ قیولیم کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے تھے اس فاضل انسان کا وجود انگلستان میں اسلام کے لیے بہت فائدہ مند اور باعث فخر ہے۔ ان کا فصیح قلم آئے روز اسلام کی خدمت میں مصروف رہتا ہے اور چونکہ وہ شاعر بھی ہیں اسلیئے وہ مشہور عرب شاعروں کے کلام کو انگریزی کا لباس پہناتے رہتے ہیں۔ مَیں بھی اُنکی دوستی اور اخوت کے رشتہ پہ نازاں ہوں۔ اسوقت اڈنبرا۔ برسٹل۔ گلاسگو۔ اوکسفورڈ۔ کیمبرج۔ مانچسٹر اور کارڈف میں برٹش اسلامی جماعتیں موجود ہیں۔ ایک عیسائی اخبار انگلش اور سکاچ مسلمانوں کی تعداد دو ہزار نفوس بتلاتا ہے اور فری تھنکر اس پر رائے زنی کرتا ہُوا لکھتا ہے کہ یہ تعداد اُن تمام مسلمانوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے جنہوں نے کبھی اسلام چھوڑ کر دین مسیحی اختیار کیا ہو حالانکہ عیسائی واعظ تو اپنے مذہب کی اشاعت کے لیئے کروڑوں روپیہ خرچ کرتے اور بوقت ضرورت عیسائی یورپ کی بری و بحری افواج بھی اُنکی اعانت کے لیئے تیار رہتی ہیں لیکن برخلاف اسکے اسلام کی طرف سے نہ کوئی باقاعدہ کوشش اور نہ دباؤ ہے جو شخص مسلمان ہوتا ہے وہ اپنی آزادانہ تحقیقات اور ذاتی جوش کی بنا پر تبدیل مذہب کرتا ہے۔

اب لنڈن میں ایک انجمن موسوم بہ "اسلامک سوسائٹی" قائم ہے جسکا مَیں بھی وائس پریسیڈنٹ ہوں۔ اس مجلس کا نام انگلش سوسائٹی رکھنا محال ہے کیونکہ اسکے ممبروں کی بڑی تعداد ہندوستانی۔ مصری اور عثمانی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ یہ سوسائٹی بڑا شاندار کام کر رہی ہے اور مختلف اسلامی عناصر کو مذہبی فرائض مثل رمضان کے روزے اور عیدین وغیرہ کی ادائگی میں ایک مرکز پر جمع کرتی ہے۔ اس سوسائٹی کا سنگِ بنیاد ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی نے رکھا تھا ڈاکٹر صاحب پہلے مسلمان تھے جن سے میرا اول ہی اول تعارف ہُوا۔ وہ ایک پرجوش مسلمان تھے انہوں نے نہایت عمدہ کام کیا اور ایک چھوٹا سا اخبار الموسوم بہ "دنیا کی روشنی" جاری کیا۔ میرے خیال میں تو وہ اسلام کی ایک زندہ مثال تھے۔ اُنکے بعد مسٹر ایس۔ بی۔ احمد بی۔ اے ساکن حیدرآباد دکن ایک اور کارکن مسلمان تھے

انہوں نے کمال دانشمندی اور دُور اندیشی سے نہایت خطرناک ایام میں ہماری تائید و رہنمائی کی۔ پھر سوسائٹی کے سابق سکرٹری حافظ محمود شیرانی نے اسلام کی خاطر بہت بڑی جدوجہد کی اور جو لوگ حافظ صاحب سے واقف ہیں وہ ان کے مدّاح اور انکی خدمات کے معترف ہیں۔ دشمن کے مضبوط قلعہ کے اندر تنِ تنہا آمادہ جنگ ہونا بڑی جرأت اور بڑے حوصلے کا کام ہے اور جو مسلمان اسلامی ممالک میں رہتے ہیں وہ ان مشکلات کا اندازہ نہیں کر سکتے جو اِس ملک میں ہمیں پیش آتی ہیں۔ مسٹر شیرانی کا کتب خانہ بڑے بڑے انگریزی کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے اور اُس نے قیمتی کتابوں کے حاصل کرنے کے لیئے بہت سا روپیہ خرچ کیا ہے اور ان کتابوں سے ہمیں بہت مدد ملتی ہے۔ مَیں اپنی نسبت کچھ لکھ نہیں سکتا۔ مگر مَیں اتنا کہتا ہوں کہ مَیں ایک سچے مسلمان کی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور میرے نہایت ہی قریبی اور عزیز رشتہ دار مجھ سے صرف اسی وجہ سے مخالفت رکھتے ہیں کہ مَیں نے مذہب اسلام قبول کر لیا ہے۔ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر چلکر انکی ناراضگی کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ مَیں بہت سے عام جلسوں میں اسلام کی حمایت میں تقریریں کرتا ہوں اور اخباروں میں بھی مضمون بھیجتا ہوں جو میرے مضامین کو لینے میں بہت تامل کرتے ہیں اور میرے بعض مضامین چھاپ دیتے ہیں۔ میرے دوست اور معاون دو نومسلم ہیں ایک کا نام مسٹر عمر فلائیٹ ہر اور دوسرے کا نام مسٹر احمد بروُننگ ہے۔ مجھ سے درخواست کی گئی تھی کہ مَیں انگریز نومسلموں کا لیڈر بنوں اور مَیں نے یہ کام بہت تامل اور فکر کے بعد قبول کر لیا ہے۔

یہ ہے مختصر حال انگلستان میں اسلام کی ترقی کا۔ ہمارے سامنے ایک بہت مشکل اور دشوار کام ہے مگر ہم اپنا حوصلہ نہیں ہارتے۔ اللہ تعالیٰ تمام مشکلات اور امتحانوں میں ہماری مدد کرتا ہے۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ عنقریب ووکنگ کی مسجد کے علاوہ ایک مسجد خود شہر لنڈن میں انشاءاللہ تعالیٰ تیار ہوگی۔ جو اس بات کا نشان ہوگی کہ اسلام اس ملک میں قیام کرنے کے لیئے آیا ہے اور یہ کہ ہمارے کام کی بنیاد ایک مضبوط چٹان پر واقع ہے۔

مَیں ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز کا بہت ممنون ہوں کہ وقتاً فوقتاً اسلامی رسالے اور کتابیں میرے پاس بھیجتے رہتے ہیں اور مَیں وہ رسالے اور کتابیں ایسے لوگوں کو پڑھنے کے لیئے دیتا ہوں جو اسلام سے دلچسپی ظاہر کرتے ہیں۔ میری رائے میں یہ رسالہ اسلام کے لیئے مفید کام کر رہا ہے۔ اور مَیں ہر مہینہ میں اسکو پڑھکر بہت خوش ہوتا ہوں۔ اگر کوئی صاحب اسلامی مضامین پر رسالے اخبار اور کتابیں انگریزی زبان میں میرے پاس بھیجے تو مَیں بڑی خوشی سے ایسے تحائف کو قبول کرونگا۔ جب ایسے رسالے دست بدست لوگوں میں پھرتے ہیں تو انکے ذریعہ اسلام کے متعلق جو سب سے اعلیٰ مذہب ہے لوگوں میں زیادہ واقفیت پیدا ہوتی ہے۔

خدائے تعالیٰ کے نشانات اور منکرین کی جلد بازی

خدائے تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب خدائے تعالےٰ کے برگزیدہ نبی اللہ تعالیٰ سے الہام پاکر کسی خبر کو قبل از وقت شائع کرتے تو ایسی خبروں کو شائع ہوئے بہت عرصہ نہیں گذرنے پاتا تھا کہ مخالفین بے صبر ہوکر پوچھتے کہ تمھارا فلاں وعدہ کیوں اب تک پورا نہیں ہوا اور جلد بازی سے یہ کہہ اُٹھتے کہ فلاں پیشگوئی غلط نکلی۔ مگر آخر انکو شرمندہ ہونا پڑتا اور وہ پچھتاتے کہ افسوس ہم نے کیوں جلد بازی سے خدائے تعالیٰ کی باتوں کا انکار کر دیا اچھا ہوتا کہ ہم خاموش رہتے تا اس شرمندگی سے محفوظ رہتے جو اب ہم پر وارد ہوئی ہے۔ وہ نبیوں کی پیشگویوں کو جھٹلاکر ہنسی کرتے آخر جن باتوں پر وہ ہنسی اُڑاتے تھے وہی باتیں جب سچی نکلتیں تو انکے لیئے کوئی مفر نہ رہتا۔ جب قادر کے کاروبار نمودار ہوتے تو منکر شرمندہ و نگونسار ہوتے۔ خدائے تعالیٰ ان استہزا کرنے والوں کی نسبت فرماتا ہے ولقد استھزیٔ برسل من قبلك فحاق بالذين سخروا منهم ما كانوا به يستهزءون۔

خدائے تعالیٰ کے عجیب کاروبار ہیں اُس نے تمام گذشتہ زمانوں کا نقشہ اس زمانہ میں ہمیں دکھا دیا ہے اور جو کچھ قرآن شریف میں پہلے نبیوں اور اُنکے مخالفین کے حالات بیان کیئے گئے ہیں اُن کا نمونہ اس زمانہ میں ہم نے بچشم خود دیکھ لیا اور اس طرح قرآن شریف پر ہمارا ایمان اور بھی بڑھا اور اُس کی سچائی ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لی۔ خدائے تعالےٰ نے اس زمانہ میں گذشتہ راستبازوں کے نمونہ پر ایک راستباز کو کھڑا کیا اور ہم نے اُس کے حالات میں گذشتہ راستبازوں۔ صادقوں۔ نبیوں اور رسولوں کے حالات کا نمونہ دیکھ لیا۔ اور جو کچھ انبیائؑ کے بارہ میں قرآن شریف میں مذکور ہے اُن سب باتوں کو ہم نے اس زمانہ کے راستباز پر چسپاں پایا۔ اور نہ صرف یہ بلکہ جو کچھ گذشتہ زمانہ کے منکرین کے حالات خدائے تعالےٰ نے قرآن شریف میں فرمائے ہیں ان سب حالات کا مشاہدہ بھی ہم نے اس زمانہ کے مامور کے مخالفوں میں کر لیا اور اِن لوگوں نے وہ سارے کام کر دکھائے جو پہلے نبیوں کے دشمنوں نے کیئے تھے۔ مگر اس زمانہ کے اُن مسلمانوں پر ہمیں سخت افسوس ہے جنہوں نے قرآن شریف جیسی کتاب کے ہوتے ہوئے اُس راہ پر قدم مارا جو اُن سے پہلے انبیائؑ کے بدقسمت مخالفین نے اختیار کی تھی۔ اور جو سبق اُن کو قرآن شریف کے بیان کردہ حالات سے حاصل کرنا چاہیئے تھا وہ انہوں نے حاصل نہیں کیا۔ افسوس اُنہوں نے نیکوں اور بدوں کی راہوں کو قرآن شریف میں کھلے طور پر بیان شدہ پایا مگر بہت سے بدقسمت لوگوں نے بدوں کی راہ پر چلنا پسند کیا اور جو معیار صداقت قرآن شریف نے ایک راستباز کے پرکھنے کے لیئے بیان کیئے ہیں اُن سے قطعاً کچھ فائدہ نہیں اُٹھایا۔

ذیل میں ہم ایک مثال ایسے شخص کی پیش کرتے ہیں جو مولوی کہلاتا ہے بلکہ مولوی کے ساتھ فاضل کا لقب بھی اپنے نام کے ساتھ لگاتا ہے۔ یہ شخص حضرت مسیح موعود کی ایک پیشگوئی پر بعینہٖ اسی طرح اعتراض کرتا اور ہنسی اُڑاتا ہے جس طرح پہلی قوموں کے جاہل دشمن کیا کرتے تھے حالانکہ اگر قرآن شریف کو یہ شخص مدّنظر رکھتا تو ہرگز اعتراض کرنے کے لیئے اپنے قلم کو نہ اُٹھاتا۔ ۴۔ جنوری ۱۹۰۴ء کو خدائے تعالیٰ کے برگزیدہ حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ایک وحی الٰہی کو شائع کیا جسکے اصل الفاظ یہ ہیں غُلِبَتِ الرُّوْمُ

فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ - اس
وحی الٰہی کا مفہوم یہ تھا کہ سلطنت روم قریب کی زمین میں شکست کھائیگی مگر وہ مغلوب ہونیکے
بعد پھر غالب آئیں گے جسوقت یہ الہام شائع ہوا اُسوقت موجودہ جنگ بلقان و روم کا نام و
نشان بھی موجود نہ تھا - اس پیشگوئی کے شائع ہونے سے قریباً ۹ سال بعد ایک ایسی زمین میں جو
روم کی دارالسلطنت کے لحاظ سے ادنی الارض کہلانے کی ہر طرح مستحق ہے ایک جنگ شروع
ہوئی - اور اس جنگ میں ایسے دشمن کے ہاتھ سے جو سلطنت روم کے مقابل میں بالکل کوئی
حیثیت نہیں رکھتا تھا سلطنت روم کو ایک قابل افسوس اور نہایت ہی قابل شرم شکست پہنچی
اور دشمن کو ایسی فتوحات حاصل ہوئیں جو خود اُس کے اپنے اور دیگر قوموں کی اُمیدوں اور
وہم و گمان سے بڑھ چڑھ کر تھیں اور جس میدان جنگ میں روم کو یہ شکست پہنچی وہ دارالسلطنت
روم سے نہایت ہی قریب اور اسلیئے ادنی الارض کہلانے کا ہر طرح مستحق تھا - پس الہام الٰہی کا
ایک حصہ خلاف اُمید نہایت ہی حیرت انگیز طور پر پورا ہوگیا - سلطنت روم کی کثیر التعداد فوجوں نے
ایک ایسے دشمن کے ہاتھ سے جو اُسکے مقابل میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا تھا شکست پر شکست
کھائی اور ہزیمت پر ہزیمت اُٹھائی جس کو دیکھکر سلطنت روم کے دوست شرم اور غم کے دریا
میں غرق ہوگئے یہاں تک کہ بعض نے عید کے دن بھی ماتمی لباس پہنا اور سلطنت کے دشمن
خوشی کے مارے اپنے جاموں سے باہر ہوگئے - ایک دنیا ترکوں کو بلقانیوں کے ہاتھ سے شکست
پر شکست کھاتے ہوئے دیکھکر تعجب کے مارے انگشت بدنداں تھی - ترک سپاہی جو اپنی شجاعت اور
بہادری میں شہرہ آفاق تھے چھوٹی چھوٹی حقیر عیسائی ریاستوں کے آگے ہتھیار ڈالنے لگے اور
جن لوگوں کو سخت حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اُنہی لوگوں نے اُنکو پکڑنا اور قید کرنا شروع کیا -
غرض سلطنت روم کے بہادر سپاہیوں کی شکست نہایت ہی حقیر ریاستوں کے ہاتھ سے ایک ایسا
حیرت انگیز سانحہ ہے جس کو دیکھکر کل دنیا دنگ رہ گئی - مگر خدائے تعالی کی باتیں پوری ہوکر رہتی
ہیں خدائے تعالی نے قریباً ۹ سال پہلے یہ خبر دی تھی کہ رومی سلطنت قریب کی زمین میں ہزیمت
اُٹھائے گی اور خدا کی یہ بات لفظ بہ لفظ پوری ہوئی اور اگرچہ بلقان کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں
سلطنت روم کے مقابل میں کچھ ہستی نہیں رکھتی تھیں مگر خدائے تعالی نے ایسے اسباب

پیدا کر دیئے کہ سلطان روم کی بہادر فوجوں نے ذلیل دشمن کے ہاتھ سے شکست کھائی۔ اب اگر ہمارے مخالفوں میں انصاف ہوتا تو وہ اس پیشگوئی کی صداقت کی شہادت دیتے کہ کس طرح ایک حیرت انگیز اور خلاف امید واقعہ کی خدائے تعالیٰ نے ۹ سال قبل خبر دی مگر خدائے تعالیٰ سچ فرماتا ہے وکاین من اٰیۃ فی السموٰت والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون۔

اب چاہیئے تھا کہ ہمارے مخالف خدائے تعالیٰ کے کلام کی صداقت کا مشاہدہ کر کے خدائے تعالیٰ کے مرسل پر ایمان لاتے یا اگر خدائے تعالیٰ کے مامور کی صداقت پر اپنی پرانی عداوت اور ضد کی وجہ سے شہادت نہ دیتے تو کم از کم خاموش رہتے مگر افسوس کہ انہوں نے استہزاء کی زبان کو دراز کیا ہے اور اب ہم سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ اب تک پیشگوئی کا دوسرا حصہ پورا نہیں ہوا۔ چنانچہ اہل حدیث کے "مولوی فاضل" ایڈیٹر نے ابھی سے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ پیشگوئی غلط نکلی (اہل حدیث۔ ۲۳۔ مئی سنہ ۱۹۱۳ء) اسمیں شک نہیں کہ ترکوں میں اب کچھ طاقت نہیں رہی انہوں نے نہایت ہی قابل شرم ہزیمت اٹھائی ہے اور نہایت ہی سخت ذلت کے ساتھ صلح کی درخواست کی ہے اور اپنے تئیں کلیتہً یورپ کی مسیحی طاقتوں کے رحم پر چھوڑ دیا ہے۔ اب ظاہراً بالکل کوئی امید نہیں کہ ترک پھر غالب آئیں۔ مگر خدا کی باتیں بھی عجیب ہیں اور اُس کی قدرتیں بالکل نرالی ہیں وہ اپنے نشانوں کے لیئے انہونی باتوں کو منتخب کرتا ہے تا اُسکی قدرت ایک چمکار کے ساتھ ظاہر ہو اور دنیا بول اُٹھے کہ واقعی جس ذات نے یہ خبر اتنا عرصہ پہلے ظاہر کی تھی وہ نہ صرف پوشیدہ سے پوشیدہ اور مخفی در مخفی غیب کی خبروں کا علم رکھتا ہے بلکہ اُسکی قدرت بھی نہایت کامل اور اُسکی طاقتیں بالکل غیر منتہی ہیں۔

امرتسر کا ایڈیٹر "مولوی فاضل" کے لقب پر بڑا فخر کرتا ہے مگر وہ باوجود اپنے دعویٰ علمیت کے اس پیشگوئی پر ایک ایسا اعتراض کرتا ہے جو ایک جاہل انسان کی شان کے بھی لائق نہیں۔ وہ اپنے پرچہ مورخہ ۲۳ مئی سنہ ۱۹۱۳ء میں لکھتا ہے "قادیانی مشن نے یورپ میں مرزائیت کی اشاعت کا اچھا موقعہ پایا اور بڑی ہمت سے کام لیکر اس موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہ دیا مگر خدا نے اُسکا انتظام ایسا کیا کہ اُن کے منہ اور قلم سے ایسی باتیں مشہور کرائیں جن کی تکذیب علی الاعلان ہو رہی ہے۔" اُس کا اشارہ غُلِبَتِ الرُّوْمُ والی پیشگوئی کی طرف ہے مگر مولوی فاضل صاحب

اگر اُس پیشگوئی پر غور کرتے جو انہی الفاظ میں قرآن شریف میں درج ہے تو اعتراض کے لیئے اپنی زبان کو ہرگز نہ کھولتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قسطنطنیہ کے قیصر اور ایران کے کسریٰ کے درمیان سخت جنگ جاری تھی۔ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ میں ہی تھے کہ ایرانیوں نے رومیوں کو ملک شام میں ایک سخت شکست دی اور بیت المقدس کو فتح کرکے اُسکی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے تعالیٰ سے وحی پاکر یہ خبر شائع کی کہ اگرچہ رومی اسوقت قریب کی زمین (ملک شام) میں شکست پاچکے ہیں مگر بِضعِ سِنِینَ میں وہ غالب آجائیں گے۔ اس پیشگوئی کے شائع ہونیکے بعد بھی برابر ایرانیوں کی فتوحات روز بروز بڑھتی گئیں۔ شام کے بعد انہوں نے مصر فتح کیا جو اُسوقت رومی سلطنت میں شامل تھا پھر بڑھتے بڑھتے ایرانیوں کے لشکر سلطنت روم کے پایۂ تخت قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ گئے اور قیصر روم کی سلطنت کے قریباً کُل کے کُل صوبے دشمنوں کے پیروں کے نیچے روندے گئے۔ قیصر روم کا خزانہ بالکل خالی ہوگیا اور پُرانے سپاہی اکثر ہلاک ہوگئے۔ آخر قیصر روم کو سوائے اسکے اور کوئی راہ نہ سوجھی کہ اپنے پایۂ تخت سے بھاگ جائے اور افریقہ کے ایک دُور دراز شہر کارتھیج میں جاکر پناہ لے۔ چنانچہ اس نے اپنا سارا مال و اسباب جہازوں میں بھروادیا اور خود جہاز پر مع اپنے اہل و عیال کے سوار ہونے کو تھا کہ شہر کے بشپ نے قیصر کے آگے ہاتھ جوڑے اور شہر والوں نے عاجزی سے التجا کی کہ ہمیں اس حالت زار میں تنہا نہ چھوڑا جائے آخر قیصر ان عاجزانہ التجاؤں کا مقابلہ نہ کرسکا اور اُس نے اپنی رعیت کے ساتھ جینا یا مرنا قبول کیا۔ اب پیشگوئی کی معیاد بھی قریب الاختتام تھی اور بظاہر کوئی علامت نظر نہیں آتی تھی کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگی اور قیصر پھر اقبال کا منہ دیکھے گا۔ مگر جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں خدائے تعالیٰ کے کام عجیب اور اُسکی قدرتیں نرالی ہیں وہ اوّل یاس تک پہنچاتا ہے پھر اُسکی مدد غیب سے ہاں بالکل غیب سے نمودار ہوتی اور انہونے کام کر دکھاتی ہے تا معلوم ہو کہ وہ نہ صرف عالم الغیب ہے بلکہ مقتدر اور توانا بھی ہے چنانچہ اس قدر ذلّت اور رسوائی کے بعد جو فتح خدائے تعالیٰ نے ہرقل قیصر روم کو دی تاریخ میں اُسکو ایک اعجوبہ شمار کیا جاتا ہے اور کُل مؤرخین بالاتفاق اُسکو ایک تاریخی معمہ قرار دیتے ہیں اور اُسکے حل کرنے سے وہ اپنے تئیں عاجز قرار

دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر اب ترک پستی کے گڑھے میں گرے ہوئے نظر آتے ہیں اور انکی کامیابی کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی تو اس سے تعجب نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ضروری تھا کہ ایسا ہو کیونکہ ایسی ذلت اور رسوائی کے بعد اُن کا غالب آنا واقعی ایک معجزہ ہوگا جس سے پیشگوئی کی عظمت اور بھی بڑھیگی بلکہ اگر سلطان روم کی موجودہ حالت کا قیصر روم کی اُسوقت کی حالت کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو ذلت قیصر روم کو پہنچی تھی ابھی تک سلطان روم کو خدائے تعالیٰ نے اُس سے محفوظ رکھا ہُوا ہے مگر ہمیں "مولوی فاضل" کی جلدبازی پر تعجب آتا ہے۔ مَیں بیان کرچکا ہوں کہ قیصر روم کی صورت میں شکست کا دائرہ ادنی الارض تک محدود نہیں رہا تھا بلکہ ادنی الارض کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی وہ برابر کئی سال تک شکست پر شکست کھاتا رہا اور ہزیمت پر ہزیمت اُٹھاتا رہا اور اُسکے دشمنوں نے اسکی ساری سلطنت کو تہ و بالا کردیا مگر یہاں تو ابھی ادنی الارض سے دشمن نے آگے قدم نہیں رکھا اور ہمارے "مولوی فاضل" نے ابھی سے کہنا شروع کردیا ہے کہ علی الاعلان پیشگوئی کی تکذیب ہو رہی ہے ع برایں عقل و دانش بباید گریست۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ صرف بلقان میں شکست تام کھانے سے پیشگوئی کی تکذیب کس طرح ہوگئی۔ اس سے تو پیشگوئی کی تصدیق ہو رہی ہے کیونکہ اس شکست سے غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ کا الہام پورا ہو رہا ہے۔ بلکہ اگر خدانخواستہ دشمن اس سے بھی زیادہ فتوحات حاصل کرے اور سلطنت روم کے دوسرے علاقوں میں بھی ترک شکست کھاتے جائیں اور دشمن اسطرح فتح پر فتح حاصل کرتے جائیں جسطرح قیصر روم کے مقابل میں اہل ایران حاصل کرتے رہے تھے پھر بھی "مولوی فاضل" صاحب یہ اعتراض نہیں کرسکتے کہ پیشگوئی کی تکذیب ہو رہی ہے کیونکہ پہلے بھی ادنی الارض پر بس نہیں ہوئی تھی بلکہ کُل سلطنت روم اس مصیبت میں مبتلا ہوگئی تھی۔ اسلیئے اگر خدانخواستہ اب بھی ایسا ہو تو "مولوی فاضل" صاحب کو اعتراض کرنے کی کوئی گنجایش نہیں۔ "مولوی فاضل" صاحب گھبرائیں نہیں میں قرآن شریف کے الفاظ میں اُنکو کہتا ہوں تربصوا فانی معکم من المتربصین۔ اسجگہ یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ قرآن شریف کی آیت وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ

سَیَغۡلِبُوۡنَ کی ایک قرأت یہ بھی ہے وَھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیُغۡلَبُوۡنَ اور یہ دونوں آیتیں دو علیحدہ علیحدہ پیشگوئیاں ہیں پہلے خدائے تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ رومی ایرانیوں پر شکست کھانے کے بعد غالب آجائیں گے اور پھر ایک اور وحی نازل فرماکر یہ خبر دی کہ رومی غالب آنے کے بعد پھر مغلوب ہوجائیں گے چنانچہ یہ دونوں پیشگوئیاں پوری ہوگئیں - اول رومی شکست کھانے کے بعد ایرانیوں پر غالب آگئے پھر ایرانیوں پر غلبہ پانیکے بعد مسلمانوں کے سامنے مغلوب ہوگئے اور اسطرح دونوں پیشگوئیاں یکے بعد دیگرے پوری ہوگئیں۔ تعجب ہے کہ اسوقت بھی ایسے ہی دو الہامات ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی میں لکھے ہوئے پاتے ہیں - ۴ - جنوری ۱۹۰۴ء کا الہام یہ ہے غُلِبَتِ الرُّوۡمُ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ اور اسپر اسیطرح اعراب دیئے گئے ہیں ملاحظہ ہو ریویو اُردو بابت جنوری ۱۹۰۴ء پھر ۲ - جنوری ۱۹۰۸ء میں خدائے تعالیٰ کی ایکسا اور وحی نازل ہوئی اور اسکے الفاظ یہ ہیں وَھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیُغۡلَبُوۡنَ اور اسمیں یُغلبون کی یاء پر اسی طرح ضمہ دیا گیا ہے جسطرح یہاں دیا گیا ہے (دیکھو ریویو اُردو بابت جنوری ۱۹۰۸ء) خدائے تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہ باتیں کسطرح پوری ہونگی - اگر امرتسری "مولوی فاضل" ہماری اس تحریر سے اتفاق نہیں کرتا تو پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ وہ اس پیشگوئی پر اعتراض نہیں کرسکتا کیونکہ ایک رنگ میں یہ پیشگوئی پوری بھی ہوچکی ہے کیونکہ پہلے ترکوں کو ادنی الارض میں شکست فاش ہوئی پھر شتلجہ پر انکو فتوحات حاصل ہوئیں جنکا اقرار مخالفونکی تاروں میں بھی موجود ہے اسکے بعد کچھ عرصہ لڑائی بند رہی - اور جب پھر شروع ہوئی تو ترکوں کو پھر شکست ہوئی - اسطرح دونوں مندرجہ بالا الہام

حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کے آسمان پر جانیکا فیصلہ ہوگیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کے قبول کرنے کے لیئے سب سے پہلا امر جس کا فیصلہ کرنا ضروری تھا وہ عام مسلمانوں کا یہ زعم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے عنصری جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے اور اب تک اسی خاکی جسم کے ساتھ آسمانوں میں زندہ موجود ہیں یہ ایک نہایت ہی مُہم مرحلہ تھا جس کا فیصلہ کرنا سخت ضروری تھا - کیونکہ اگر یہ امر حق ہوکہ واقعی مریمؑ کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھ

گئے تھے اور اب تک آسمانوں میں اسی خاکی جسم کے ساتھ زندہ موجود ہیں اور دوبارہ دنیا میں اُترنے کے منتظر بیٹھے ہیں تو پھر کسی دوسرے مدعی کی بات کو ہم سُن بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ جب اصل شخص خود زندہ موجود اور دوبارہ اُترنے کا منتظر ہے تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ وہ تو آسمان پر بیٹھے کا بیٹھا رہ جائے اور کوئی دوسرا اُس کا عہدہ غصب کرے۔ پس حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ مسیحیت کا سارا دار و مدار اسی ایک عقیدہ پر تھا۔ کیونکہ اگر لوگوں کا یہ زعم واقعی ایک حقیقی اور سچّا امر تھا تو پھر حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ سراسر باطل ٹھہرتا تھا اور بالکل قابل شنوائی نہ تھا۔ چنانچہ جب حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے دعوائے مسیحیت کا اعلان فرمایا تو سب سے پہلے جو اعتراض کیا گیا تھا وہ یہی تھا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم زندہ اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے اور اسوقت وہ اسی خاکی جسم کے ساتھ زندہ موجود ہیں تو پھر اُنکی زندگی میں کسی اور شخص کی کیا مجال ہے کہ اُنکے مقام پر کھڑا ہو۔ چنانچہ شروع میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علمائے ہندوستان و پنجاب کے ساتھ جو مباحثات کرنے پڑے اُن میں اسی مسئلہ پر بڑا زور دیا گیا ہے اور اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کا صدق یا عدم صدق اسی مسئلہ سے وابستہ ہے کیونکہ اگر واقعی اسرائیلی مسیح عنصری جسم کے ساتھ آسمانوں میں دوبارہ اُترنے کا منتظر بیٹھا ہے تو پھر کسی اور شخص کے ظاہر ہونے کا سوال ہرگز اس قابل نہیں کہ اُس پر ذرا بھی توجہ کی جاوے لیکن اگر یہ خیال درست نہیں یعنی حضرت مسیح ناصری اس خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر نہیں چڑھے بلکہ طبعی موت سے مر گئے تو پھر اس امر کے ماننے کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ اسی اُمت میں سے جو خیر الامم کہلاتی ہے کوئی شخص ایسا پیدا ہو جس کا نام خدائے تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ ابن مریم ہو۔ پس واقعی یہ ایک بڑا اہم مسئلہ اور عظیم الشان سوال تھا۔ اِس سلسلہ کے مخالف مولویوں نے اس بات کو خوب سمجھا اسلیئے اُنہوں نے اسی ہتھیار سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کو توڑنے کی کوشش کی۔ وہ بڑی تیزی سے اس حربہ کی طرف دوڑے اور اُنہوں نے اپنے زعم میں یہ سمجھ لیا کہ بس اب ہم مرزا کے دعویٰ کا کام تمام کر دینگے۔ مگر جلدی ہی اُن کا دھوکہ دُور ہو گیا اور اُنہوں نے دیکھ لیا کہ جس چیز کو ہم نے ایک تیز حربہ سمجھا تھا

وہ تو ایک بوسیدہ مٹی کا ڈھیر ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں اوّل اوّل بڑے زور سے حیات عیسیٰ ابن مریم کو پیش کیا جاتا تھا اب اس مسئلہ سے وہ کوسوں دُور بھاگتے ہیں اور ہرگز پسند نہیں کرتے کہ اس مسئلہ پر بحث ہو کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ یہ ایک دھوکہ تھا جسمیں وہ مبتلا تھے اور یہ کہ قرآن شریف اور صحیح احادیث عیسیٰ ابن مریم کی وفات کی صریح الفاظ میں شہادت دے رہی تھا ہیں جس میں کسی قسم کے شک کرنے کی گنجائش نہیں اگر کسی نے میرے اس بیان کی تصدیق کرنی ہو تو وہ اہل حدیث امرتسر کے فائیل کو اُٹھا کر دیکھے - اس اخبار کا ایڈیٹر اس سلسلہ حقہ احمدیہ کا سخت دشمن ہے اور ہمیشہ اس کا یہی کام ہے کہ جس طرح بن پڑے اس سلسلہ کی تکذیب کرے۔ مگر باوجود اسکے تم نہیں دیکھو گے کہ وہ اپنے پرچہ میں مسیح ناصری کی حیات پر بحث کرتا ہو بلکہ اس نے اسکے متعلق ایک عقلمندانہ خاموشی کا طریق اختیار کر رکھا ہے اور جب کبھی اُسکے کسی بھولے بھالے خریدار نے اُسکی توجہ اس طرف پھیری ہے کہ وہ حیات مسیح ناصری پر کیوں پُرزور مضمون نہیں لکھتا تو وہ ہمیشہ یہ کہکر ٹال دیتا ہے کہ میں حیات مسیح پر اپنی تفسیر ثنائی میں بحث کر چکا ہوں - احمدیوں سے بحث کرتے وقت میں اس امر پر بحث کرنا ضروری نہیں سمجھتا - اُسکی اس حکمت عملی سے ایک عقلمند آدمی بخوبی دیکھ سکتا ہے کہ احمدی جماعت سے بحث کرتے وقت وہ اس پہلو کو بہت کمزور پاتا ہے اور اُسے نظر آتا ہے کہ اس پہلو سے میری دال نہیں گلے گی ورنہ اگر حیات مسیح کے متعلق کوئی مضبوط دلیل اُسکے ہاتھ میں ہوتی تو وہ کبھی اُسکے پیش کرنے سے نہ رُکتا - وہ خوب جانتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ چڑھ جانے اور خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر موجود ہونے کا خیال ایک لغو خیال ہے اسلیئے وہ اس پہلو پر آنے سے گریز کرتا ہے - حالانکہ اگر قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے روز روشن کی طرح یہ امر ثابت ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے اور یہ کہ وہ اسی جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تو یہ حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ مسیحیت کے مقابل میں ایک ایسا حربہ اور عوام کو سمجھانے کا ایک ایسا آسان ذریعہ تھا کہ وہ اس کے استعمال سے کبھی پہلو تہی نہ کرتا - غرض ہندوستان میں اور خصوصاً پنجاب میں وفات مسیح کا مسئلہ ایسا صاف ہو گیا ہے کہ مخالف خود سمجھ گئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر بجسدہ العنصری بیٹھا ہوا خیال کرنا ایک

لغو اور بیہودہ خیال ہے۔ مگر خوشی کی بات یہ ہے کہ اُن اسلامی ممالک میں بھی جہاں عربی ایک مادری زبان ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف وفات یافتہ یقین کیا جاتا ہے بلکہ علی الاعلان اخباروں میں بھی یہ عقیدہ شائع ہو رہا ہے کہ حضرت مسیح ناصری وفات پا چکے اور یہ کہ اُنکی رفع سے مراد یہ نہیں کہ وہ اپنے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے بلکہ اس سے صرف اُن کا قرب الٰہی ظاہر ہوتا ہے۔ جب حضرت صاحبزادہ صاحب گذشتہ سال حج پر تشریف لے گئے تو مصر کے ایک شیخ الاسلام سے اُنکی ملاقات ہوئی اور انہوں نے اُس سے حضرت مسیح ناصری علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سوال کیا کہ تمہارا عقیدہ اُنکی نسبت کیا ہے تو اُسنے صاف الفاظ میں اقرار کیا کہ ہم اُن کو وفات یافتہ یقین کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی مخالف اس خبر پر یقین نہ کرے اسلیئے ہم مصر کے ایک مشہور رسالہ المنار کی شہادت اس بارہ میں پیش کرتے ہیں۔ اس رسالہ کا ایڈیٹر وہی سید محمد رشید رضا ہے جسکو اہل الندوہ نے اپنے گذشتہ سالانہ اجلاس پر خصوصیت سے مصر سے بلایا اور اپنے اجلاس کا میر مجلس مقرر کیا تھا جس سے ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ ہندوستان کے علماء کے نزدیک اسکی قابلیت ایک مسلم امر ہے۔ اب دیکھئے کہ ایک ایسا عالم جسکو ہندوستان کے علماء نے مصر سے بلایا اور اپنے جلسہ کا صدر مقرر کیا وہ اس بارہ میں کیا لکھتا ہے۔ وہ اپنے رسالہ جلد ۱۵ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۱۴ پر لکھتا ہے:۔ واما قوله تعالٰى بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ فقد سبق نظيره فى سورة ال عمران وذلك قوله تعالٰى (۳: ۵۵ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) روى عن ابن عباس تفسير التوفى هنا بالاماتة كما هو الظاهر المتبادر وعن ابن جريج تفسيرها باصل معناها وهو الاخذ والقبض والمراد منه ومن الرفع انقاذه من الذين كفروا بعناية من الله الذى اصطفاه وقربه اليه۔ قال ابن جرير بسنده عن ابن جريج " فرفعه اياه توفيه اياه وتطهيره من الذين كفروا " اى ليس المراد الرفع الى السماء لا بالروح والجسد

ولا بالروح فقط - وعلی القول بان التوفی الاماتۃ لا یظھر للرفع معنی الا رفع الروح -

ناظرین دیکھیں اس جگہ سید محمد رشید رضا صاحب اسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں جسکو ہمارے مخالف اکثر اپنے اس دعوی کے ثبوت میں پیش کیا کرتے تھے کہ خدائے تعالی نے حضرت عیسی علیہ السلام کو زندہ اسی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھالیا تھا - وہ لکھتے ہیں کہ اسی مضمون کی آیت سورہ آل عمران میں گذر چکی ہے اور وہ آیت یہ ہے اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اس آیۂ کریمہ کا حوالہ دینے سے سید محمد رشید رضا صاحب کی غرض یہ ہے کہ جس رفع کا آیۂ کریمہ بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ میں ذکر ہے وہ وہی رفع ہے جو توفی کے بعد واقع ہوئی جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے - پھر توفی کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس جگہ توفی کے معنے اماتۃ (مارنا - موت دینا) کیئے ہیں اور یہی اس لفظ کے ظاہر اور مشہور اور مروجہ معنے ہیں - اور ابن جریج سے روایت ہے کہ یہاں توفی اپنے مادہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی اخذ و قبض (لینا - پکڑنا) اور توفی بمعنے قبض اور رفع سے مراد یہ ہے کہ خدائے تعالی نے اپنی عنایت سے حضرت عیسی علیہ السلام کو کافروں سے چھڑایا اور انکو برگزیدہ کیا اور اپنا قرب عطا فرمایا - ابن جریر - ابن جریج کی روایت کی بنا پر کہتا ہے کہ رفع کے معنے یہ ہیں کہ خدائے تعالی نے اسکی توفی کی اور اسکو کافروں سے پاک کیا - یعنی رفع سے یہ مراد نہیں کہ خدائے تعالی نے اسکو روح اور جسم کے ساتھ یا محض روح کے ساتھ آسمانوں کی طرف اٹھالیا - اور اگر توفی کے معنے اماتۃ (موت دینا) کے کیئے جائیں تو پھر رفع سے سوائے رفع روحانی کے اور کوئی معنے نہیں ہو سکتے ٭

ناظرین ملاحظہ فرماویں کہ سید محمد رشید رضا صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر توفی کے معنے قبض اور اخذ کے بھی کیئے جاویں اگرچہ یہ وہ معنے نہیں جن معنوں میں یہ لفظ اہل زبان میں رائج ہے مگر پھر بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسی علیہ السلام آسمان پر

اُٹھائے گئے جسم کے ساتھ یا محض روح کے ساتھ بلکہ اس سے مراد (جیسا ابن جریر لکھتا ہے) صرف یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دشمنوں کے پنجہ سے نجات دی۔ اور اس سے رفع جسمانی تو کجا رفع روحانی بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں اگر توفی کے وہ معنے کیئے جائیں جو معنے اہل زبان میں رائج ہیں یعنی اماتۃ تو اس صورت میں صرف روحانی رفع ثابت ہوتی ہے۔ رفع جسمانی کسی صورت میں بھی ثابت نہیں ہوتی خواہ توفی کے معنے قبض کرنیکے کیئے جائیں یا موت دینے کے۔ اسکے بعد سید محمد رشید رضا صاحب ان لوگوں کے قول کی تردید کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے وہ لکھتے ہیں:-

والمشھور بین المفسرین وغیرھم ان اللہ تعالیٰ رفعہ بروحہ وجسدہ الی السماء ویستدلون علیٰ ھذا بحدیث المعراج اذ فیہ ان النبی (ص) راٰہ ھو وابن خالتہ یحیی فی السماء الثانیۃ ولو کان ھذا یدل علیٰ انہ رفع بروحہ وجسدہ الی السماء لدل ایضاً علیٰ رفع یحیی وسائر من راٰھم من الانبیاء فی سائر السمٰوٰت ولم یقل بھذا احد - یعنی مفسرین اور دیگر لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اور جسم دونوں کے ساتھ آسمانوں کی طرف اٹھا لیا تھا اور معراج کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بمعہ جسم آسمان پر چڑھ گئے تھے کیونکہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انکے خالہ زاد بھائی حضرت یحیٰی علیہ السلام کے ساتھ دوسرے آسمان پر دیکھا تھا۔ لیکن اگر اس حدیث سے یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجسدہ العنصری آسمان پر اٹھا لیئے گئے تھے تو پھر اس سے یہ بھی استدلال کرنا چاہیئے کہ اسی طرح حضرت یحیٰی علیہ السلام بھی اور دیگر انبیاء بھی جنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات آسمانوں پر دیکھا اسی خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیئے گئے تھے مگر کوئی شخص اس کا قائل نہیں ہے (بلکہ اس حدیث سے تو اُلٹا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

بھی اُسی راہ اور طریق سے عالم ارواح میں تشریف لے گئے ہیں جس راہ اور طریق سے
دیگر انبیاء تشریف لیگئے یعنی موت کے دروازہ سے گذر کر۔ (ایڈیٹر ریویو)

اسکے بعد سید محمد رشید رضا صاحب امام رازی کے بیان کو اپنی تائید میں پیش کرتے
ہیں وہ لکھتے ہیں۔ وذکر الرازی ان المشبھۃ یستدلون بالآیۃ
علی اثبات المکان للہ تعالیٰ وذکر للرد علیھم وجوھا (منھا)
ان المراد برافعک الیّ الی محل کرامتی وجعل ذلک رفعا
للتفخیم والتعظیم ومثلہ قولہ تعالیٰ حکایۃ عن ابراھیم
انی ذاھب الیٰ ربی وانما ذھب من العراق الی الشام
(ومنھا) ان المراد رفعہ الی مکان لایملک الحکم فیہ علیہ
غیر اللہ۔

یعنی رازی لکھتا ہے کہ مشبہہ فرقہ آیۂ رافعک الیّ سے یہ استدلال کرتے
ہیں کہ اس آیۂ کریمہ سے خدائے تعالیٰ کے لیئے مکان کا ہونا ثابت ہوتا ہے اور رازی نے
اُن کے اس قول کو کئی وجوہ سے ردّ کیا ہے اور اُن میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ میں اپنی طرف
تجھے اُٹھاؤں گا سے مراد یہ ہے کہ میں اپنی عزت کے مقام کی طرف تجھے بلند کروں گا اور رفع
کا لفظ تعظیم و تکریم کے لیئے استعمال کیا ہے۔ رافعک الیّ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام کا قول قرآن شریف میں بیان کیا گیا انی ذاھب الیٰ ربی میں
اپنے رب کی طرف جاؤں گا۔ حالانکہ وہ آسمان کی طرف نہیں گئے تھے بلکہ ملک عراق سے
چلکر ملک شام کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ اور ایک اور وجہ یہ لکھی ہے کہ رفع سے مراد
ایسی جگہ پہنچانا ہے جہاں اللہ کے سوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور کسی شخص کی حکومت
نہ تھی۔

ہمارے مخالف آیۂ کریمہ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ
قَبْلَ مَوْتِہٖ کو بہت پیش کرتے ہیں اور اس کی نسبت کہتے ہیں کہ اس آیۂ کریمہ سے
قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی مرے نہیں ہیں بلکہ جب دوبارہ

آدیں گے تو پھر اسکے بعد اُنکی وفات ہوگی۔ اس آیۂ کریمہ پر بھی المنار کا ایڈیٹر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

وان من اهل الكتاب اى وما من اهل الكتاب احد الا ليؤمنن به اى يؤمن بعيسى ايمانا صحيحا وهو انه عبد الله ورسوله وآيته للناس قبل موته اى قبل موت ذلك الاحد الذى هو نكرة فى سياق النفى فيفيد العموم وحاصل المعنى ان كل احد من اهل الكتاب عند ما يدركه الموت ينكشف له الحق فى امر عيسى وغيره من امر الايمان فيؤمن بعيسى ايمانا صحيحا فاليهودى يعلم انه رسول صادق غير دعى ولا كذاب - والنصرانى يعلم انه عبد الله ورسوله فلا هو اله ولا ابن الله -

یعنی اس آیۂ کریمہ کے معنے یہ ہیں کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی شخص نہیں مگر وہ اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر صحیح ایمان لاتا ہے۔ یعنی ہر ایک صاحب کتاب پر موت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں حق ظاہر ہوجاتا ہے اور وہ اسوقت اُنپر صحیح ایمان لاتا ہے۔ یہودی کو اُسوقت معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ ایک سچا نبی ہے۔ جھوٹا نہیں ہے اور نصرانی کو معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ خدا کا ایک بندہ اور رسول ہے۔ خدا یا ابن خدا نہیں ہے۔
اسکے بعد وہ ہمارے مخالفین کے معنوں کی تردید کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

وذهب بعضهم الى ان المراد ان كل احد من اهل الكتاب يؤمن بعيسى قبل موت عيسى وهذا مبنى على القول بان عيسى لما يمت وانه رفع الى السماء قبل وفاته وهم الذين اوّلوا قوله تعالى انى متوفيك ورافعك الىّ وهم على هذا يحتاجون الى تاويل النفى العام هنا بتخصيصه بمن يكون منهم حيا عند نزوله فيقولون : المعنى وما من احد من

اھل الکتاب الذین ینزل المسیح من السماء الی الارض وھم احیاء الا لیؤمنن بہ و یتبعنہ والمتبادر من الایۃ المعنی الاوّل وھذا التخصیص لا دلیل علیہ وھو مبنی علی شیئ لا نص علیہ فی القراٰن حتّٰی یکون قرینۃ لہ والاخبار التی وردت فیہ لم ترد مفسرۃ للاٰیۃ۔

یعنی بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ اس آیۂ کریمہ سے یہ مراد ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی شخص نہیں مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیگا۔ یہ معنے اس قول پر مبنی ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک نہیں مرے اور یہ کہ وہ مرنے سے پہلے آسمان پر اُٹھائے گئے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آیۂ کریمہ انی متوفیک و رافعک الیّ کو ظاہر معنوں سے پھیرا ہے۔ مگر باوجود اسکے وہ مجبور ہوئے ہیں کہ وان من اھل الکتاب میں جو عام نفی ہے اُسکی تخصیص کریں۔ اور عام اہل کتاب کو خاص کرکے صرف وہ اہل کتاب مراد لیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت زندہ موجود ہوں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیۂ کریمہ کے یہ معنے ہیں۔ کہ اُن اہل کتاب میں سے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے زمین پر اُترنے کے وقت زندہ ہونگے اُنہیں سے کوئی شخص نہ ہوگا مگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا اور اُسکی اتباع اختیار کرے گا۔ مگر سچ یہ ہے کہ آیۂ کریمہ کے صاف اور ظاہر معنے وہی ہیں جو پہلے لکھے گئے ہیں اور ان لوگوں کے پاس تخصیص کی کوئی وجہ نہیں آیۂ کریمہ میں تو عام اہل کتاب مراد ہیں مگر یہ لوگ بلا کسی قرآنی قرینہ یا نص کے اور بدون کسی دلیل کے انکی تخصیص کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے صرف وہی اہل کتاب مراد ہیں جو نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت زندہ ہونگے اور جو حدیثیں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں آئی ہیں وہ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں وارد نہیں ہوئیں۔ اگر سید محمد رشید رضا صاحب دوسرے معنوں کی تردید اور اپنے معنوں کی تائید میں دو امر اور بڑھا دیتے تو بہت ہی اچھا ہوتا۔ قبل موتہ کی دوسری قرأت قبل موتھم بھی ہے جو اس بات کی یقینی دلیل ہے کہ قبل موتہ

کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نہیں پھرتی بلکہ صاحب کتاب کی طرف پھرتی ہے۔ دوسرے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ[۲] ان آیات کریمہ سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ غلطی پر ہیں جو آیۂ کریمہ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الخ کے یہ معنے کرتے ہیں کہ سب کے سب اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاکر اسلام میں داخل ہو جائیں گے کیونکہ مذکورہ بالا آیات سے پایا جاتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا وجود قیامت تک رہے گا۔ اور نہ کبھی پہلے کسی نبی کے وقت میں ایسا

سید محمد رشید رضا صاحب اپنے معنوں کی تصدیق میں بہت سے دلائل اور قرائن پیش کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں ؎

اما المعنی الاوّل الذی ھو الظاھر المتبادر من النظم البلیغ فیؤیدہ ما ورد من اطلاع الناس قبل موتھم علی منازلھم من الاخرۃ ومن کونھم یبشرون برضوان اللہ وکرامتہ او بسخطہ وعقوبتہ۔ ففی حدیث عبادۃ بن الصامت فی الصحیحین ان المؤمن اذا حضرہ الموت بشر برضوان اللہ وکرامتہ وان الکافر اذا حُضِر (بضم الحاء ای حضرہ الموت) بُشّر بعذاب اللہ وعقوبتہ۔ وروی احمد والنسائی من حدیث انس وغیرھما من حدیث عبادۃ بن الصامت و عن عائشۃ زیادۃ فی حدیث (من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقاءہ) الذی فی الصحیحین وغیرھما وھی انھم قالوا یا رسول اللہ کلنا نکرہ الموت فقال "لیس ذالک کراھیۃ الموت ولکن المؤمن اذا حضر جاءہ البشیر من اللہ بما ھو صائر الیہ فلیس شیئ احب الیہ من ان یکون قد لقی اللہ فاحب لقاءہ۔ وان الفاجر اذا حضر جاءہ البشیر من اللہ بما ھو صائر الیہ من الشر فکرہ لقاء اللہ فکرہ اللہ لقاءہ"

۱؎ اور پھر فرماتا ہے وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

وروی ابن مردویہ و ابن مندہ بسند ضعیف عن ابن عباس (ما من نفس تفارق الدنیا حتی تری مقعدھا من الجنۃ أو النار) وروی مثلہ ابن ابي الدنیا عن رجل لم یسم عن علیّ مرفوعا۔ فھذہ الاحادیث تؤید ماروي عن ابن عباس وغیرہ في تفسیر الآیۃ من کون الملائکۃ تخاطب من یموت من اھل الکتاب قبل خروج روحہ بحقیقۃ امر المسیح، مع الانکار الشدید والتقبیح، ومما یؤید ھذہ الحقیقۃ النص فی سورۃ یونس علی تصریح فرعون بالایمان حین ادرکہ الغرق۔ ولھا دلائل اخری کالاحادیث الواردۃ في عدم قبول التوبۃ عند الغرغرۃ واللہ اعلم۔

یعنی جو معنے پہلے لکھے گئے ہیں وہ ایسے معنے ہیں جو قرآن شریف کے الفاظ کی اعلیٰ درجہ کی ترکیب و ترتیب سے کھلے طور پر نکلتے ہیں اور وہ احادیث بھی ان معنوں کی مؤید ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ مرنے سے پہلے آدمیوں کو اس سے اطلاع دیجاتی ہے کہ آنیوالی زندگی میں اُنکو کیا پیش آنیوالا ہے۔ نیکوں کو رضاء الٰہی اور اعزاز خداوندی کی بشارت دیجاتی ہے اور بدوں کو خدائے تعالیٰ کے عذاب اور سزا سے خبر دیجاتی ہے احمد اور نسائی انسؓ کی حدیث اور ان دد کے سوا اور عبادہ بن صامت کی حدیث سے روایت کرتے ہیں اور صحیحین میں جو یہ حدیث ہے کہ " جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہیگا خدائے تعالیٰ اُس سے ملنا چاہے گا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ملنا ناپسند کریگا اللہ تعالیٰ بھی اُس سے ملنا ناپسند کریگا " اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بڑھاتی ہیں کہ صحابہؓ نے کہا کہ ہم میں سے کوئی بھی موت کو پسند نہیں کرتا۔ اسپر آپ نے جواب دیا کہ یہاں موت کی کراہت کا ذکر نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اُسکے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بشارت دینے والا آتا ہے اور جو کچھ اُسکو ملنے والا ہے اُس سے اُسکو اطلاع دیتا ہے پس اُسوقت مومن کو کوئی چیز ایسی پیاری نہیں

ہوتی جیسا کہ خدا سے ملنا۔ اور خدائے تعالیٰ بھی اُس سے ملنا پسند کرتا ہے۔ اور جب فاجر کو موت آتی ہے تو اُس وقت اُسکے پاس بھی ایک فرستادہ آتا ہے اور جو عذاب اُسکو ملنے والا ہوتا ہے اُس سے اُس کو آگاہ کرتا ہے پس وہ خدائے تعالیٰ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے اور خدائے تعالیٰ بھی اُس سے ملنا پسند نہیں کرتا۔ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کوئی شخص اس دنیا سے جدا نہیں ہوتا جب تک کہ وہ بہشت یا دوزخ میں اپنی جگہ کو دیکھ نہیں لیتا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک ایسی ہی مرفوع حدیث مروی ہے۔ پس یہ تمام حدیثیں اُس تفسیر کی تائید کرتی ہیں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیۂ کریمہ زیر بحث کی کی ہے یعنی یہ کہ جب کوئی اہل کتاب میں سے مرتا ہے تو اُسکی روح کے نکلنے سے پہلے فرشتے حضرت مسیح علیہ السلام کی حقیقت کے بارہ میں اُس سے گفتگو کرتے ہیں اور اس حقیقت کی نص قرآنی بھی تائید کرتی ہے یعنی سورہ یونسؑ کی وہ آیت جس میں غرق ہونے کے وقت فرعون کے ایمان لانیکا ذکر ہے۔ اسکے سوا اور دلائل بھی ہیں مثلاً وہ احادیث جو غرغرہ کی حالت میں ایمان کے قبول نہ ہونے کے بارہ میں ہیں۔

دیکھو۔ اب یہ مسئلہ کیسا صاف ہو گیا کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر نہیں چڑھے بلکہ وہ اپنی طبعی موت سے مر چکے ہیں۔ یہ وہی مسئلہ ہے جسپر ہمارے مخالفین حضرت مسیح موعودؑ کے ابتدائے دعویٰ میں اسقدر شور مچایا کرتے تھے۔ اب تو ہندوستان کے باہر سے بھی یہی آواز آنے لگ گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور یہ کہ انکا اسی جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر جانا ایک خیال باطل ہے اور خود ہندوستان کے مولوی بھی خوب سمجھ گئے ہیں کہ سچ یہی ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام آسمان پر نہیں چڑھے بلکہ قرآن شریف کے رُو سے وہ وفات پا چکے ہیں۔ اسلئے مباحثہ میں اُنکو کھلے الفاظ میں اقرار کرنے سے تو شرم آتی ہے کہ حضرت مسیح وفات پا چکے مگر اپنے بدلے ہوئے عقیدہ کو اپنی منطقیانہ طرز سے اس رنگ میں ظاہر کرتے ہیں کہ ہم فرض کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ امر واقعہ نہ ہوتا تو فرض کے

رنگ میں بھی اسکو کبھی قبول نہ کرتے۔ چونکہ ایک طرف حیات مسیح کو ثابت کرنے سے اپنے تئیں عاجز پاتے ہیں دوسری طرف کھلے الفاظ میں اپنے عجز کا اقرار کرنے سے گھبراتے ہیں اسلیئے یہ کہکر اپنا بچاؤ کرتے ہیں کہ ہم نے فرض کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں۔ یہ بھی حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا ایک نشان اور آپ کا ایک معجزہ ہے کہ جن صداقتوں کے انکار کرنے میں لوگوں نے آپکے مقابل میں اسقدر شور مچایا تھا اب وہی صداقتیں دنیا میں قبولیت حاصل کر رہی ہیں فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ یہ ہیں حضرت مسیح موعود کی فتوحات جنکے سامنے تلوار اور توپ کی فتوحات کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ ہم رسالہ المنار جلد ۱۶ نمبرا صفحہ ۱۰ سے ایک اور اقتباس یہاں درج کرتے ہیں جس سے ہماری اس تحقیق کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ صلیب سے زندہ اترے اور زندہ ہی قبر میں رکھے گئے اور زندہ ہی حضرت یونس علیہ السلام کی طرح قبر کے پیٹ سے نکل آئے۔ ہمارے ملک کے مولوی صاحبان ذرا ذیل کے اقتباسات کو غور سے پڑھیں:۔

ویروی عن بعض المدققین من علماء اوربة الاحرار وکذا الذین یسمون المسیحیین العقلیین ان الذي صلب لم یمت بل أغمی علیه فلما انزل ولف باللفائف ووضع في ذالك الناووس افاق وألقی اللفائف حتی اذا جاء الذین رفعوا الحجر لافتقاده خرج واختفی عن الناس حتی لا یعلم به أعداؤه۔ ومما اوردوا من التقریب علی هذا ان المصلوب لم یجرح منه الا کفاه ورجلاه وهي لیست من المقاتل ولم یمکث معلقا الا ثلاث ساعات وکان یمکن ان یعیش علی هذه الصفة عدة ایام وانه لما جرح بالحربة خرج منه دم وماء والمیت لا یخرج منه ذلك، بل قالوا ان ذلك لم یکن صلبا تاما کالمعتاد في تلك الأزمنة

ومن النقول المصرحة بشیوع هذا الرأي ماجاء في

(ص ۵۶۳ من کتاب ذخیرۃ الالباب ، فی بیان الکتاب)
وھو: " فللکفرۃ والجاحدین فی تکذیب تلک المعجزۃ
مذاھب شتی ... فمنھم من استفزتھم مع بھرد واکّ و
بولس غنلب حماقۃ الجھل ووساوس الکفر الی أن قالوا
أن یسوع نزل عن الصلیب حیا ودفن فی القبرحیا "
یورُپ کے بعض آزاد خیال محققین اور مسیحیوں کے ریشلنسٹ فرقہ کا یہ قول ہے کہ
جب یسوع کو صلیب پر لٹکایا گیا تو وہ مرا نہیں بلکہ اُس پر غشی طاری ہوگئی اور جب اُسکو اتارا
گیا اور کفن میں لپیٹا گیا اور قبر میں رکھا گیا (جو ایک چھوٹی کوٹھری کی طرح تھی) تو اُس کو
ہوش آگئی اور اُس نے کفن کے کپڑے اُتار دیئے اور جو لوگ اُس کا حال دریافت کرنے
کے لیئے آئے جب اُنہوں نے قبر کے مُنہ سے پتھّر کو ہٹایا تو یسوع باہر نکل گیا۔ اور
اُس نے اپنے تئیں لوگوں سے مخفی رکھا تا اُس کے دشمن اُسکو معلوم نہ کرلیں اور جو امور
اس عقیدہ کی تائید میں پیش کیئے جاتے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ یسوع کی صرف
ہتھیلیاں اور پاؤں زخمی ہوئے تھے اور یہ زخم ایسے نہیں کہ انکے سبب ایک انسان
ہلاک ہوجائے۔ اور وہ صلیب پر صرف ۳ گھنٹے لٹکا رہا اور اگر وہ اس طرح کئی دن
بھی لٹکا رہتا پھر بھی زندہ رہ سکتا تھا۔ اور جب ایک حربہ کے ذریعہ اُسکو زخم دیا گیا
تو اُسکے بدن میں سے خون اور پانی نکل آیا اور مردہ میں سے اس کا نکلنا محال ہے۔
ان لوگوں کا قول ہے کہ وہ صلب تام نہیں تھا جیسا کہ اُس زمانہ میں رواج تھا۔
اس امر کی کہ یہ عقیدہ عام طور پر رائج تھا ایک نقلی شہادت کتاب ذخیرۃ الالباب
فی بیان الکتاب کے صفحہ ۵۶۳ پر ملتی ہے جہاں لکھا ہے کہ اس معجزہ کے منکرین کئی
مذہب رکھتے ہیں اُنہیں سے ایک گروہ وہ ہے جو بہرد واکّ اور بولس غنلب
کی طرح اپنی جہالت اور وسوسہ شیطانی کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ یسوع صلیب سے
زندہ ہی اُترا اور قبر میں زندہ ہی رکھا گیا۔ "
ناظرین غور فرمادیں کہ جو کچھ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا اُسکی کسطرح ہرطرف سے

تصدیق ہو رہی ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ وہ زمانہ بہت قریب ہے جب کہ آپ کے عقائد ہی دنیا میں سچے عقائد یقین کیئے جاوینگے۔ کیا ہی اچھا ہو تاکہ اس ملک کے لوگ حضرت مسیح موعودؑ کی بیان کردہ صداقتوں پر سب سے اوّل ایمان لانے والے ہوتے۔

مسیحی انجیلوں کا ایک جدید نسخہ

مجھے یہاں اس بحث کے چھیڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس طرح ۳۲۵ء میں ایک کونسل میں بیٹھکر مسیحی لوگوں نے بہت سی انجیلوں میں سے صرف چار انجیلوں کو منتخب کیا اور نہ مجھے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت ہے کہ یہ چاروں انجیلیں ایسے گمنام آدمیوں کی تحریریں ہیں جنکے ناموں سے کوئی آگاہ نہیں اور یہ کہ یہ انجیلیں لکھنے والوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک لمبا عرصہ بعد لکھیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ یہ چار انجیلیں بھی اصلی حالت میں نہیں یعنی جس حالت میں انکے لکھنے والوں نے انکو لکھا اُس حالت میں ہمارے پاس محفوظ ہو کر نہیں پہنچیں بلکہ بگڑی ہوئی حالت میں پہنچی ہیں۔ (اور ان میں بہت سی باتیں بڑھائی گئی ہیں) یا دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ محرف و مبدل ہیں اس کا ایک آسان ثبوت یہ ہے کہ جو پرانے نسخے دستیاب ہوئے ہیں اُن میں اور موجودہ مروجہ نسخوں میں کلی تطابق نہیں ہے۔ اور نہ اُن پرانے نسخوں میں باہم کلی مطابقت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ گڑبڑ ابتداء سے چلی آئی ہے۔ بعض مشہور پرانے نسخے جو اسوقت موجود ہیں اور جو ایک دوسرے کے ساتھ اختلافات رکھتے ہیں یہ ہیں:-

۱- کوڈیکس سینیٹی کس۔ (چوتھی صدی کا نسخہ)
۲- " وے ٹی کے نس (" ")
۳- سکندریہ کا نسخہ (پانچویں صدی کا نسخہ)
۴- کوڈیکس افریمی (" ")

نوٹ:- نسخہ ۴ کو درمیانی زمانہ کے ایک کاتب نے عمداً ایسا بگاڑا ہے کہ اب وہ پڑھا بھی نہیں جاتا۔

۵ - کوڈیکس بےزی جو اسوقت کیمبرج میں موجود ہے (چھٹی صدی)
علاوہ اُنکے اور بہت سے سریانی اور لاطینی زبان کے نسخے ہیں جن کے ذکر کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔

ان نسخوں کے علاوہ حال میں ایک جدید نسخہ چار انجیلوں کا مصر سے دستیاب ہُوا ہے جسکی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ چوتھی یا پانچویں صدی کا لکھا ہُوا ہے اسکے ظہور نے موجودہ اناجیل کے محرف و مبدل ہونے کو اور بھی آشکارا کر دیا ہے اور بعض اسمیں ایسی عبارتیں ہیں جو کسی دوسرے نسخے میں نہیں پائی جاتیں۔ چھ سال ہوئے کہ یہ نسخہ ملا تھا۔ اُسوقت اتفاق سے مصر میں ایک امریکہ کا تعلیم یافتہ اور دولتمند امیر مسٹر سی ایل فری آر موجود تھا اُس نے بہت سا روپیہ دیکر یہ نسخہ خرید لیا۔ اس جدید نسخہ کے ابتدائی حالات تو اُسی وقت شائع ہو گئے تھے اور اُسکے چند صفحوں کے عکس سے یہ تو ثابت ہو گیا تھا کہ یہ نسخہ بہت پُرانا ہے غالباً چوتھی یا پانچویں صدی کا اور یہ بھی ثابت ہو گیا تھا کہ اسکی عبارتیں بھی موجودہ انجیلوں اور دوسرے نسخوں سے نرالی ہیں خصوصاً مرقس کی انجیل کے آخر میں بہت سے ایسے فقرے ہیں جو دنیا کے کسی دوسرے نسخے میں نہیں پائے جاتے مگر پوری رائے ظاہر کرنے کے لیئے یہ ضروری تھا کہ یہ سارا نسخہ پورے کا پورا ہمارے سامنے ہو۔ مسٹر فری آر نے اس نسخہ کے شائع کرنے کا کام میچیگن یونیورسٹی کے سپرد کیا۔ اور اس یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ایچ۔ اے سینڈرس نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

اب جب یہ جدید نسخہ تمام شائع ہو چکا ہے تو موجودہ مروّجہ نسخوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے دیکھا گیا ہے کہ اس جدید نسخے اور مسیحیوں کی اُن انجیلوں میں جن کو وہ مستند کہتے ہیں اور جو اُن میں آجکل رائج ہیں سخت اختلاف ہے۔ اس نسخہ میں اناجیل کو حسب ذیل طریق سے ترتیب دی گئی ہے۔ ۱۔ متی کی انجیل۔ ۲۔ یوحنا کی انجیل۔ ۳۔ لوقا کی انجیل۔ ۴۔ مرقس کی انجیل۔ موجودہ نئے عہدنامہ میں ترتیب حسب ذیل ہے۔ ۱۔ متی۔ ۲۔ مرقس۔ ۳۔ لوقا۔ ۴۔ یوحنا۔ خیر یہ تو کوئی بڑا اختلاف نہیں۔ اگرچہ اگر کوئی پُرانا قرآن شریف کا نسخہ ایسا ملجاتا جس میں سورتوں کی ترتیب وہ نہ ہوتی جو صحیح قرآن شریفوں میں ہے۔ تو مسیحی لوگ کبھی ہمیں آرام نہ لینے دیتے۔

متی کی موجودہ انجیل اور جدید نسخہ میں ۱۱ باب میں کئی ایک ورسوں کا اختلاف ہے۔
وے ٹی کے نس اور سینیٹی کس کے نسخے مروّجہ متی کی انجیل سے بہت اختلاف رکھتے ہیں۔
یوحنا کی انجیل اور جدید نسخے میں بڑا فرق ہے۔ ....

....

حوض کا نام موجودہ یوحنا کی کتاب میں بیت حسدا ہے (دیکھو ۵ باب۔ ورس ۲)
اس انجیل میں حوض کا نام بیت صیدا ہے اور یہی نام نسخہ وے ٹی کے نس میں ہے۔
موجودہ انجیل یوحنا باب ۵ ورس ۴ میں یہ فقرہ ہے جو پانی کے ہلنے کے منتظر تھے۔
وے ٹی کے نس کے نسخہ میں یہ عبارت ندارد ہے۔ موجودہ یوحنا کی کتاب باب ۵ ورس ۴
میں لکھا ہے کہ "ایک فرشتہ بعضے وقت اُس حوض میں اتر کے پانی کو ہلاتا تھا اور پانی
کے ہلنے کے بعد جو کوئی کہ پہلے اُس میں اترتا کیسی ہی بیماری میں گرفتار ہوا ہو اُس سے
چنگا ہو جاتا تھا۔" وے ٹی کے نس کے نسخہ میں اس فرشتہ کا ذکر بالکل ندارد ہے اور
ایسا ہی اس نئی انجیل میں بھی یہ ذکر بالکل مفقود ہے۔ اس کے بعد آخر تک جہاں جہاں
نسخہ وے ٹی کے نس اور دیگر نسخوں میں اختلاف ہے وہاں یہ نئی انجیل زیادہ تر
وے ٹی کے نس کے متروک نسخہ کے مطابق ہے۔ اسکی ایک مشہور مثال یوحنا کا باب ۱۹
ورس ۳۹ یہاں یہ نسخہ وے ٹی کے نس اور سینے ٹی کس سے ملتا ہے اور باقی تمام
نسخوں اور موجودہ مروجہ انجیل سے مختلف ہے۔
لوقا کی انجیل کے پہلے ۶ بابوں میں یہ نیا نسخہ بجائے مروجہ انجیل اور دیگر نسخوں کے
وے ٹی کے نس کے متروک نسخہ کے مطابق ہے مثلاً باب اول ورس ۲۹ میں جو یہ فقرہ ہے
"تو عورتوں میں مبارک ہے" یہ اس نئے نسخہ میں بالکل ندارد ہے ایسا ہی وے ٹی کے نس
اور سینے ٹی کس کے نسخوں میں یہ فقرہ ندارد ہے۔ باب ۲ ورس ۲۴ لوقا کی مروجہ انجیل میں
حسب ذیل ہے "زمین پر سلامتی اور آدمیوں سے رضامندی ہووے" مگر نئی
انجیل لوقا میں یہ عبارت حسب ذیل ہے "زمین پر آدمیوں کے درمیان سلامتی ہووے
جن پر وہ راضی ہے۔" اسی طرح ۶ باب۔ ورس اوّل کے الفاظ "دوسرے بڑے سبت کو"

اس نئی انجیل میں ترک کر دیئے ہیں۔

لوقا کے آٹھویں باب سے لیکر آخر تک یہ نئی انجیل اسکندریہ کے نسخے سے زیادہ مطابق ہے۔ لوقا کے آخری بابوں میں جو خونی پسینہ کے واقعہ کا ذکر ہے* اس نئی انجیل میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ ایسا ہی سکندریہ کے نسخے اور وے ٹی کے نس میں بھی اس کا ذکر ندارد ہے۔ ایسا ہی جس فقرہ پر مسیحی صاحبان بہت فخر کیا کرتے ہیں کہ صلیب پر لٹکے ہوئے یسوع مسیح نے یہ دعا کی تھی کہ اے باپ ان لوگوں کو بخشدے جنہوں نے مجھے صلیب پر لٹکایا ہے اور اس امر کو مسیح کے اعلیٰ اخلاق کے ثبوت میں پیش کیا کرتے ہیں یہ فقرہ بھی اس نئی انجیل میں ندارد ہے ایسا ہی وے ٹی کے نس اور بے زی کے نسخوں میں یہ فقرہ پایا نہیں جاتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے یہ فقرہ یسوع مسیح کی بڑائی ظاہر کرنیکے لیئے جعلی طور پر درج کر دیا اور اس فقرہ کے جعلی ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اس دعا نے اپنی قبولیت کا کوئی اثر ظاہر نہیں کیا بلکہ برخلاف اسکے اس فعل کی سزا میں یہود مورد غضب الٰہی ہوئے اور واقعہ صلیب کو ابھی بہت عرصہ نہیں گذرا تھا کہ رومیوں کے ہاتھ سے خدائے تعالیٰ نے یروشلم کے یہود کو عبرتناک سزا دی۔ مسیحیوں کے اعتقاد کے بموجب یسوع مسیح خود خدا تھا۔ پس اگر یہ کلمات یسوع مسیح نے واقعی بولے تھے تو پھر کیوں اپنے قول کے برخلاف یہود کو سزا دی۔

لوقا باب ۲۴ ورس ۳۶ کے مقابل میں نئی لوقا کی انجیل میں ایک بالکل نیا فقرہ ہے جو مروّجہ لوقا کی کتاب میں ندارد ہے اور وہ فقرہ یہ ہے۔ "میں ہوں۔ ڈرو مت"۔

اس نئے اناجیل کے مجموعے میں جو لوقا کی کتاب ہے اُس میں کئی ایسی عبارتیں ہیں جو بالکل نئی ہیں اور کسی دوسرے نسخے میں اُنکا پتہ نہیں چلتا۔ اور نہ مروّجہ لوقا کی انجیل میں اُن کا نام و نشان پایا جاتا ہے۔ مرقس باب ۱۔ ورس ۲۷ کی عبارت مروّجہ کتاب میں اور طرز پر ہے اور اس نئی لوقا کی کتاب میں اور طرز پر ہے۔ اسی طرح مرقس باب ۹۔ ورس ۲۴ میں یہ لفظ ہیں۔ "اس لڑکے کا باپ چلّایا" نئی مرقس میں لکھا ہے "اس لڑکے کی روح چلائی"۔ اس نئی انجیل کی سب سے عجیب اور دلچسپ خصوصیت یہ ہے کہ لوقا کی مروّجہ انجیل کے

* لوقا باب ۲۲ ورس ۴۴

آخری باب کی ۱۴ ورس کے آگے اس نے ایک بہت لمبی عبارت درج کی ہے جو مروّجہ مرقس کی انجیل میں بالکل ندارد ہے ۱۴ ورس جس کے بعد یہ جدید عبارت نئی انجیل میں پائی جاتی ہے اس طرح پر ہے آخر وہ ان گیارھوں کو جب وے کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا اور انکی بے ایمانی اور سخت دلی پر ملامت کی" اسکے بعد یہ نئی انجیل ایک بہت طویل عبارت درج کرتی ہے جو مروّجہ انجیل مرقس میں بالکل مفقود ہے اُس عبارت کا اردو ترجمہ یہ ہے "اُنہوں نے عذر کیا اور کہا کہ یا حضرت اور کفر کا زمانہ شیطان کے تحت میں ہے جو ناپاک روحوں کی وساطت سے اجازت نہیں دیتا کہ خداوند کی سچی طاقت فہم میں آجائے۔ اُنہوں نے مسیح کو کہا کہ آپ فوراً اپنی راستبازی کا انکشاف فرمادیں اور مسیح نے اُنکو جواب میں کہا "شیطان کے غلبہ کا زمانہ ابھی پورا نہیں ہوا اگرچہ اُس کا خاتمہ قریب آرہا ہے۔ اُن لوگوں کی خاطر جنھوں نے گناہ کیئے ہیں میں موت کے حوالے کیا گیا تھا تاکہ وہ حق کی طرف واپس آویں اور پھر گناہ نہ کریں۔ بلکہ آسمان میں صداقت کے لازوال جلال کے وارث ہوں۔ لیکن تم تمام دنیا میں وغیرہ وغیرہ"

اب دیکھو نئی انجیل مرقس کی جو اسوقت نکلی ہے اس میں یسوع مسیح اور اُنکے شاگردوں کا یہ کیا ہی دلچسپ مکالمہ درج ہے جس سے اسوقت تک مسیحی دنیا محروم رہی۔ اب چاہیئے کہ کلیسیا ان قیمتی کلمات کو جو اُنکے خداوند اور بزرگ رسولوں کے مُنہ سے نکلے اپنی مرقس کی انجیل میں درج کرکے اس کتاب کی تکمیل کریں۔ کیا اب بھی پادری صاحبان ناواقف لوگوں کو یہی کہیں گے کہ خداوند کا کلام جو ہمارے پاس ہے بالکل غیر مبدل اور پورا پورا مستند ہے اور مسلمانوں کا یہ کہنا کہ یہ کتابیں محرف و مبدل ہیں غلط ہے اگر مسیحیوں کی موجودہ کتابیں بالکل درست اور صحیح اور کامل تھیں تو اُنکی پردہ دری کے لئے یہ نئے نسخے کیوں نکلتے آتے ہیں جن میں بالکل نئی عبارتیں درج ہیں۔ کیا اب بھی تحریف ثابت نہیں ہوئی ؟ -

رپورٹ ماہوار صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ مئی ۱۹۱۳ء

زکوٰۃ:- آمد ۱۲ للعہ اور خرچ ۴ ہ ما ہے ہوا -

یتامیٰ:- آمد ۱۱۰؍ اور خرچ ۶۴؍۵ ہوا۔ ایک لڑکا یتیم درزی خانہ میں کام سیکھنے کے لیئے اصل اخراجات پر لیا گیا۔

تعلیم:- امتحان انٹرنس کا نتیجہ نکل گیا۔ گیارہ طلباء میں سے سات کامیاب ہوئے درزی خانہ میں ۱۴ طلباء کام سیکھ رہے ہیں۔

اشاعت اسلام:- ماہ مئی ۱۹۱۳ء کے اخیر خریداران ریویو انگریزی میں چار کی ریویو اردو میں ۱۰ کی بیشی ہوئی فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ اور تعداد خریداران تفسیر القرآن میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔

مقبرہ:- اس ماہ ایک موصیہ عورت اہلیہ منشی محمد وزیر خاں صاحب فوت ہو کر دفن مقبرہ ہوئی انا للہ و انا الیہ راجعون۔ تیرہ وصایا آئیں۔ اور مندرجہ ذیل موصیوں نے بحساب وصیت ذیل کی رقوم بھیجیں۔

(۱) ولایت بی بی زوجہ میاں کریم بخش صاحب مرحوم ساکن قادیان عہ

(۲) ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اسسٹنٹ سرجن راولپنڈی ما ۱۰؍

(۳) چودھری نصر اللہ خاں صاحب وکیل سیالکوٹ سعہ

(۴) دولت خاں صاحب محرر پولٹیکل ایجنٹ ستونگ دعہ

(۵) نور محمد صاحب محافظ دفتر گلگت سہ

(۶) ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب کوئٹہ ۶عہ

(۷) چودھری عبد الحی خاں صاحب پوسٹماسٹر دیپالپور عہ

(بحساب اہلیہ مرحومہ)

(۸) بابو عبد الرحمٰن صاحب قسملہ ۱۰؍۶عہ

جملہ سکرٹری صاحبان کسی موصی کا روپیہ بھیجتے وقت اطلاع دیا کریں کہ کس صاحب کی وصیت کے حساب میں وہ رقم بھیجتے ہیں تا اسکے کھاتہ میں اندراج ہو ورنہ غیر محل پر اندراج ہو کر حساب غلط ہوتا ہے۔

بیت المال:- اس ماہ مہمان بکثرت حیدر آباد۔ کٹک۔ ایران۔ شام۔ عراق۔ مدینہ منورہ

ہانگ کانگ۔ کابل۔ لاہور۔ فیروزپور۔ وغیرہ سے تشریف لائے۔ دونوں وقت کھانا کھانے والوں کی تعداد ساڑھے چار سو کے قریب ہے۔ لنگر کا خرچ یوماً فیوماً ترقی پر ہے مگر آمد کم چنانچہ اسی وجہ سے لنگر کا قرضہ بڑھ رہا ہے۔ احباب توجہ فرماویں اور اس قرضہ کی ادائگی کی کوئی راہ سوچیں اگر مقامی ضروریات کے فنڈ سے تھوڑا تھوڑا روپیہ سب انجمنیں بھیجدیں تو یہ قرضہ کم ہو سکتا ہے۔

دفتر سکرٹری:۔ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے سکرٹری صدر انجمن احمدیہ ترجمۃ القرآن کی تکمیل کی غرض سے کچھ عرصہ کے لئے مری جگہ تشریف لے گئے ہیں جملہ احباب کی اطلاع کے لیئے اُن کا اعلان ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ضروری اطلاع

سب احباب کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ میں یکم جون سے حضرت خلیفۃ المسیح کی اجازت سے تکمیل ترجمہ قرآن کریم کی غرض سے کوہ مری پر چلا گیا ہوں۔ اور ہر قسم کی خط وکتابت جس کا تعلق میری ذات سے نہ ہو۔ وہ سکرٹری صاحب صدر انجمن احمدیہ قادیان سے کرنی چاہیئے۔ میرے پاس خطوط یہاں آنے سے علاوہ اسکے کہ جس غرض کیلئے میں آیا ہوں یعنی ساری توجہ ترجمہ پر صرف کرنیکی غرض مفقود ہوتی ہے۔ یہ بھی نقصان ہوتا ہے کہ ایک تو ان خطوط کی جلد تعمیل نہیں ہو سکتی دوسرے محصول ڈاک کا دو بار خرچ پڑتا ہے۔ اگر کوئی میرے احباب سے پرائیوٹ خط لکھنا چاہیں تو میرا پتہ پنجاب ڈیری ہوس۔ مال روڈ مری ہے۔

تعمیر:۔ قبل ازیں حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان دو تین بار بذریعہ سرکلر احمدیہ انجمنوں کے پریزیڈنٹوں اور سکرٹریوں کو فنڈ عمارت کی نازک حالت سے آگاہ کر چکے ہیں۔ اسوقت صرف اس فنڈ میں ہی روپیہ نہیں بلکہ عمارت پر دوسرے فنڈوں کا روپیہ خرچ کر دینے کی وجہ سے وہ بھی اسوقت خالی ہو گئے ہیں۔ کیونکہ گورنمنٹ سے تیس ہزار روپیہ لینے کی خاطر عمارت کا کام توجہ سے اور اعلیٰ پیمانہ پر جاری رکھنا پڑا اور اس فنڈ کے روپے کے علاوہ دیگر مدات کا روپیہ صرف کر دینے میں بھی دریغ نہیں کیا چنانچہ

مارچ ۱۹۱۳ء کے گذرنے سے پہلے پہلے تیس ہزار روپیہ لیا گیا۔ علاوہ اسکے سکول کے آئے دن کی ضروریات اس امر کی متقاضی تھیں کہ جس طرح ہو سکے عمارت مدرسہ کو جلد مکمل کیا جاوے اسلئے ابھی نیچے کی منزل پورے طور پر مکمل نہ ہوئی تھی کہ مدرسہ وہاں لگا یا گیا۔ فنڈ کی یہ نازک حالت ہے کہ کئی دنوں سے عمارت کا ایک ہزار کا ایک بل پڑا ہے جو ابتک ادا نہیں ہوسکا اور اگر برسات سے پہلے پہلے نیچے کی منزل تیار نہ ہوئی تو جسقدر کام ہوچکا ہے اسے برآمدہ کے بغیر برسات سے سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے ہمارے سب کام خدا کے سپرد ہیں اور اسی پر ہمارا توکل وبھروسہ ہے جس طرح وہ پہلے اپنے فضل سے پورے کرتا رہا ہے۔ اب بھی کریگا۔ مگر انسان کا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرکے پوری کوشش کرے۔ اسوقت فی الواقع اضطراری حالت ہے۔ مگر ہم خدا کی رحمت سے ناامید نہیں۔ بلکہ اسکی نصرت کے امیدوار ہیں حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی ذات بابرکات نے بھی اسکے متعلق باہر بعض احباب کو خطوط تحریر فرمائے ہیں تاکسی طرح کام جاری رہے۔ اور کام میں حرج نہ ہو۔ اسلئے میں بھی اس کے ذریعہ آپکی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ جس طرح سے ہوسکے آپ خود بھی ایسے نازک موقعہ پر امداد سے دریغ نہ فرمائیں اور دیگر احباب کو بھی پورے زور سے ساتھ شامل ہونیکے لئے کہیں۔ یہ وقت ایسا ہے کہ اسوقت کا خرچ کرنا ایک خاص درجہ رکھتا ہے۔ امید ہے کہ آپ ضرور توجہ فرما دینگے۔ اور اُن احباب سے جنکے چندہ تعمیر کے متعلق وعدے ہیں چندہ وصول فرماکر جلد روپیہ بھیجیں گے۔

دفتر محاسب:۔ اس ماہ کُل آمد ۴-۸-۶۱۲۵ اور خرچ ۷-۲-۹۷۷۶ ہُوا یعنی خرچ آمد سے تین ہزار چھ سو پچاس کے قریب زیادہ ہُوا۔ لنگرخانہ ومدرسہ احمدیہ بہت مقروض ہورہے ہیں

شفاخانہ:۔ تعداد کل مریضان ۱۸۱۳ اس ماہ تھی۔ انمیں ۸۰۶ نئے مریض آئے مائیز اپریشن ۱۲ ہوئے۔

شیر علی قائم مقام سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

ریویو سے ہمدردی کا عملی ثبوت	بابو محمد منظور الٰہی صاحب احمدی۔ احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور تحریر فرماتے ہیں کہ جو بھائی ریویو کی خریداری منظور کرکے سالانہ قیمت نقد

ادا کردیگا۔ یا جو پرانا خریدار ایک نیا خریدار پیدا کرکے اُسکی سالانہ قیمت دفتر ریویو میں

ادا کروا دیگا۔ انکے لیئے البشرے یعنی مجموعہ الہامات حضرت مسیح موعودؑ جلد اوّل و آثار مبارکہ یعنی ڈائری حضرت مسیح موعودؑ جلد اول جن کی مجموعی قیمت ۵۰ ر ہے۔ کی خریداری میں خاص رعایت کر دیگا۔ یعنی اُنسے بجائے ۵۰ ر کے ۴ر ۲ر دو کتب کے علاوہ محصولڈاک لیئے جاوینگے۔ ایسے دوست جو۔ نئے خریدار ریویو کے بنیں یا نیا خریدار پیدا کریں درخواست خریداری کتب کے ہمراہ رسید دفتر ریویو مجھے بھیجدیں۔ امید ہے کہ احباب اس نادر موقعہ کو رائگاں نہ جانے دینگے۔ اور اس رعایت سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرینگے۔ ایسی تمام درخواستیں بابو صاحب موصوف کے نام مذکورہ بالا پتہ پر جانی چاہئیں۔

ریویو

الفضل:۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا نام نامی اور اسم گرامی ہماری تعریف اور توصیف کا محتاج نہیں۔ جس قدر روحانیت میں آپ کو خداتعالےٰ نے کمال دیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ آپنے خداداد علمی لیاقت ورثہ میں پائی ہے۔ قوم کا سچا درد اور اسکا درمان سوچنا آپ کا رات دن کا شغل ہے۔ اس برگزیدہ انسان کے لخت جگر نے اپنی قوم کی بڑھتی ہوئی مزورتوں کو دیکھکر باجازت حضرت خلیفۃ المسیحؑ یہ ارادہ کیا ہے۔ کہ ایک ہفتہ وار اخبار بنام الفضل جاری کرکے قوم کو اپنے روحانی فیض اور مفید مشوروں سے بہرہ اندوز کرے۔ اخبار کیسا ہوگا؟ اور اس کے اغراض و مقاصد کیا ہوں گے؟ اسکے متعلق اخبار کا پراسپکٹس قاضی اکمل صاحب مینجر تشحیذ سے منگوا کر ملاحظہ فرمادیں ہم صرف اتنا کہہ دیتے ہیں۔ کہ اخبار اپنی شان میں انشاء اللہ تعالیٰ نرالا ہوگا۔ قیمت اخبار پیشگی للعہ رسالانہ ہے۔ پہلا پرچہ امید ہے کہ اس رسالہ کے نکلنے تک شائع ہوچکا ہوگا۔

پیغام صلح:۔ آجکل تعلیم یافتہ اصحاب کے دماغوں پر جسقدر پریس کی حکومت ہے۔ وہ کوئی پوشیدہ بات نہیں۔ اسلیئے اپنے خیالات اور اسلام کی سچی تعلیم کا اخبار کے ذریعے لوگوں تک پہنچانا بہت مفید اور کارآمد کام ہے۔ اسی غرض کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمارے محترم لاہور کے اصحاب نے پیغام صلح سوسائٹی قائم کرکے اسکے زیر اہتمام اخبار پیغام صلح جاری کرنیکا اعلان کیا ہے۔

جس کے آنریری ایڈیٹر جناب خواجہ کمال الدین صاحب ہونگے۔ ہمیں اس بات کا اظہار کرنے میں کچھ بھی تامل نہیں۔ کہ آجتک تمام ہندوستان میں ہندوؤں مسلمانوں کا ایک بھی ایسا اخبار نہیں۔ جو ہفتہ میں تین بار نکلتا ہو۔ اور پھر اتنی کم قیمت چارج کرتا ہو۔ پیغام صلح سوسائٹی نے پانچ پانچ روپے کے حصص مقرر کیئے ہیں۔ ہر ایک حصہ دار پیغام صلح کا ممبر ہوگا۔ اخبار کی سالانہ قیمت ۳؎ روپے اور طلباء سے للعہ وصول کی جاویگی۔ مفصل حالات کے لیئے ناظرین جناب شیخ رحمت اللہ صاحب مالک انگلش ویر ہوس و آنریری جنرل سکرٹری پیغام صلح سوسائٹی لاہور سے اخبار کا پراسپکٹس منگوا کر ملاحظہ فرماویں ؎

مہدی و مسیح آگیا:۔ جناب قاضی فضل کریم صاحب نے اس نام کا ایک ٹریکٹ شائع کرکے قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے روسے ثابت کیا ہے۔ کہ مسیح موسوی دوبارہ کبھی بھی نازل نہیں ہونگے۔ کیونکہ وہ من بعد موسیٰ تھے۔ من بعد محمدؐ کیسے ہوسکتے ہیں صرف بنی اسرائیل کے نبی تھے کافۃ للناس کیسے کہلاسکتے ہیں۔ بلکہ امّت محمدیہ میں سے ہی ایک ایسا بشر پیدا ہوگا جسکا درجہ مسیح موسوی سے ارفع اور اعلیٰ ہوگا۔ کیونکہ وہ انی رسول اللہ الیکم جمیعا کے تحت میں ہوگا۔ مفید اور جامع ٹریکٹ ہے۔ بڑے سائز کے رنگین کاغذ کے تین ورقوں نہایت اعلیٰ اور خوشخط چھپوا کر مفت تقسیم کیا گیا ہے۔ شائقین قاضی فضل کریم صاحب احمدی لنڈا بازار نولکھا۔ لاہور سے منگوا کر مخالفین میں تقسیم کرکے اجر حاصل کریں ؎

حضرت مسیح موعودؑ کا دو عیسائیوں میں محاکمہ' کے نام سے جناب محمد یمین صاحب احمدی تاجر کتب قادیان نے چودہ صفحے کا ایک ٹریکٹ از کلمات طیبات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام چھپوا کر شائع کیا ہے۔ جس میں انجیل کی خام اور خلاف فطرت تعلیم اور اسکے مقابلہ میں قرآن شریف کی مکمل تعلیم کا پُرزور دلائل سے ثبوت دیا گیا ہے۔ دو پیسے قیمت ہے باہمت اصحاب متعدد کاپیاں منگوا کر ملک میں مفت تقسیم کریں۔ اور اجر عظیم حاصل کریں ؎

عیسائی مذہب کا فوٹو:۔ جناب محمد یمین صاحب قادیان سے طلب فرماکر اور مفت تقسیم فرماکر ثواب حاصل کریں قیمت ا/ عہ میں ۲۰ نسخے ؎

بقایا صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم جون ۱۹۱۳ء

صیغہ	رقم
تعلیم	۴۷۱۶-۱۲-۸
اشاعت	۲۲۳۳-۶-۸
تعمیر	۶۲۶-۱۰-۲
یتامیٰ	۴۹۷-۶-۸
مساکین	۷۸۳-۱۳-۱۱
امانت	۱۴۱۳-۱۲-۹
زکوٰۃ	۳۱۰۵-۱۳-۸
بورڈران احمدیہ	۴۴-۱۰-۶
ہالی	۱۱۳-۲-۵
مستقل فنڈ	۳۹۱۲-۲-۶
	۱۷۴۴۷-۱۱-۱۱
منہا کردہ فاضل	۵۳۹۵-۱۳-۲
	۱۲۰۵۱-۱۴-۹
منہا کردہ پیشگی	۱۱۳۳۲-۷-۹
	۷۱۹-۷-۰

تفصیل پیشگی

صیغہ	رقم
تعمیر	۵۶۱۰-۰-۳
تعلیم	۲۲۰۳-۰-۰
مدرسہ احمدیہ	۵۰۰-۰-۰
متفرقات	۱۰۴۱-۷-۶
مقبرہ	۳۸۵-۰-۰
بیت المال	۳۹۳-۰-۰
اشاعت	۱۲۰۰-۰-۰
میزان	۱۱۳۳۲-۷-۹

تفصیل فاضل

صیغہ	رقم
متفرقات	۷۴۲-۱۳-۸
بیت المال	۳۵۴۲-۱۴-۱۰
مدرسہ احمدیہ	۹۵۴-۶-۹
مقبرہ	۱۵۵-۹-۱۱
	۵۳۹۵-۱۳-۲

محمد اشرف — ناظر

خلیفہ رشید الدین — محاسب

تقریر جلسہ اعظم مذاہب یا لیکچر مہوتسو یعنی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا عظیم الشان لیکچر جو ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا۔ چوتھی دفعہ نہایت عمدہ کاغذ پر خوب خوشخط لکھوا کر چھپوایا گیا ہے تقطیع بھی نہایت موزون ہے اس کتاب میں حضرت اقدس نے ذیل کے پانچ امور پر فلسفیانہ رنگ میں بحث کی ہے۔ اور تمام دلائل قرآن شریف سے پیش کیئے ہیں (۱) انسانی کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتیں (۲) انسان کی زندگی کے بعد کیحالت یعنی عقبیٰ (۳) دنیا میں انسان کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب۔ (۴) اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں (۵) علم اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے ÷ تقریباً ۱۵۰ صفحہ کی کتاب ہے۔ قیمت ۵ر اس کتاب کا انگریزی ترجمہ جو ولایت سے چھپکر آیا ہے۔ نہایت خوبصورت جلد قیمت عہ

پارہ عم مترجم چونکہ عموماً مسلمان قرآن شریف کی آخری سورتیں نماز میں پڑھتے ہیں۔ اور جیسا ظاہر ہے کہ صرف عربی عبارت ناظرہ یا حفظ پڑھ لینے اور مطلب نہ سمجھنے سے دل میں خشوع خضوع نہیں پیدا ہوتا اور اسی لیئے نمازی وعدہ الٰہی کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ کے نیچے نہیں آتا۔ اسلیئے ہر ایک مسلمان پر لازمی ہے کہ کم سے کم آخری پارہ کو با ترجمہ پڑھ لے اور حفظ کرے اور اپنے بچّوں کو بھی پڑھائے اور حفظ کروائے۔ ہمارے پاس پارہ عم مترجم موٹے کاغذ پر عمدہ خوشخط صحیح چھپے ہوئے موجود ہیں۔ ہدیہ صرف ۳ر

پارہ الٓمٓ مترجم ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح قیمت ۳ر

رسالہ اسلام بزبان انگریزی مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز۔ اس رسالہ میں اصول اسلام کو نہایت احسن پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کی خوبی اور تعریف کے لیئے صرف مولوی صاحب کا نام ہی کافی شہادت ہے۔ ہر ایک انگریزی خوان مسلمان کے ہاتھ میں اس رسالہ کا ہونا ضروری ہے۔ قیمت ۱؍ محصولڈاک ۰؍

درخواستیں بنام مینجر میگزین قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں

اطلاع:۔ خریداران ریویو کیخدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرماویں

مطبع میگزین قادیان میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے | لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۳ء | مطابق شعبان المعظم سنہ ۱۳۳۱ ہجری | نمبر ۷

چندہ سالانہ عام عا طلباء عے

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۱۳ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شایع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

یسوع کی پیشگویاں*

انبیاء کیوں آتے ہیں؟ صحیفۂ نیچر کی آیات کو غور سے تلاوت کریں یا قانون قدرت کی دفعات کا بنظر امعان مطالعہ کریں ہر صورت میں خداوند تعالیٰ کا ایک خاص قانون خاص حالات کے ماتحت کام کرتا ہوا دکھائی دیتا اور صانع حقیقی کی یکتائی اور وحدانیت پر شاہد عادل کی طرح زبان حال سے بول رہا ہے کہ تغیر سے بری۔ فنا سے پاک۔ ازلی۔ ابدی اور بے ہمتا ایک ہی ذات وحدہٗ لاشریک ہے اجرام فلکیہ کی روشن انجمن میں سے کسی ایک . . . . ممبر کو لے لو یا باران رحمت کے چھوٹے سے چھوٹے موتی کو جوہری مشاہدہ کی آنکھ کے سامنے لا دیکھو ہر حالت میں تم پر ظاہر ہوگا کہ علیٰ کل شیٔ محیط کے حکم کا اطلاق جس ہستی پر ہوتا ہے وہ شریک رکھنے سے بری اور واحد و بے مثل ہے اس ہستی کے قائل گو فلاسفر بھی ہیں اور اس "سبب اعظم" کو واحد ماننے میں انبیاء علیہم السلام کے گروہ کی تائید کرتے ہیں لیکن خدا کے نبی تو دنیا میں آتے ہی اس غرض سے ہیں کہ بھولے بھٹکے لوگوں کو شرک کی تاریکی سے نکالیں اور خدائے واحد کے چمکتے ہوئے چہرے کا جوئیندگان حق کو جمال کرائیں۔

اس زمانہ کا شرک ہر زمانہ کا شرک علیحدہ ہوتا ہے اسلیئے مامور من اللہ بھی نئے رنگ

* مترجمہ ماسٹر عبد الرحیم صاحب۔

میں ہی آتا ہے اور نئے نئے حربوں سے اصنام پرستی کے لشکر کو شکست دیتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں گو ایک دھات کے بچھڑے کو خدا بنالیا تھا لیکن وہ لوگ اسقدر ترقی یافتہ باخبر اور متمدن نہ تھے جیسے کہ آجکل ہیں۔ تعجب تو اس زمانہ کی متمدن اقوام پر ہے جنہوں نے ایک یہودی عورت کے بیٹے کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیا ہے اور نہ خود گمراہ ہوئے ہیں بلکہ اقوام عالم کو راہ مستقیم سے ہٹانے کے لیئے پانی کی طرح روپیہ بہا رہے ہیں۔ پس لازم تھا کہ اس شرک عظیم کو دُور کرنے کے لیئے کوئی کلیم خدا پیدا ہوتا اور آسمانی نشانوں اور دلائل کے زبردست عصا سے اس صلیبی طلسم کو توڑتا۔ سو وہ کلیم جس کو خدائے تعالیٰ نے اس زمانہ کا مصلح کرکے بھیجا مرزا غلام احمدؐ ہے۔ مرزا غلام احمدؐ کون ہے؟ اس کا جواب ہم یسعیاہ نبی کے مفصلہ ذیل الفاظ میں حوالہ قلم کرتے ہیں "سنو! اے آسمانو اور کان لگا اے زمین کہ خداوند یوں فرماتا ہے کس نے اُس راستباز کو پورب کی طرف سے برپا کیا" یسعیاہ ۱-۲ و ۴۱-۲
پھر اس سوال کا جواب ہم قرآن کریم کے الفاظ میں دیتے ہیں یأتی من بعدی اسمہ احمد اور سب سے اخیر اس سوال کا جواب حضرت احمدؐ علیہ السلام کے خود اپنے الفاظ میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں فرمایا۔

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم ٭ عیسیٰ کجاست تا بنہد پا بمنبرم

دیگر

منم مسیح بہانگ بلند میگویم ٭ منم خلیفہ شاہے کہ بر سما باشد

دیگر

ابن مریم ہوں مگر اُترا نہیں میں چرخ سے ٭ نیز مہدی ہوں مگر بے تیغ اور بے کارزار

ہم جانتے ہیں کہ ہماری یہ تمہید ایک عیسائی کے لیئے سخت غیر مطبوع ہوگی کیونکہ اُس کے نزدیک مریم کا بیٹا یسوع مسیح خدا باپ کا اکلوتا بیٹا اور خود خدا بھی ہے پھر اس سے برتر تو در کنار اُسکی برابری کا ادعا بھی عیسائی وہم کے تنگ راستہ میں سے نہیں گذر سکتا۔ لیکن ہمارے مسیحی دوستوں کو جان لینا چاہیئے کہ مسیح بھی دوسرے انسانوں کی طرح انسان تھا جسے بعد میں آنیوالے لوگوں نے خدائی کا لباس پہنا دیا۔ اور دنیا کو ایک بڑی

اس زمانہ کا مصلح

عظیم الشان شرک میں مبتلا کردیا۔ اور گذشتہ صدی سے اس شرک نے اپنی سرحدوں کو وسیع اور قلعجات کو مستحکم کرنا شروع کردیا تھا اسلیئے خداوند تعالیٰ نے حضرت احمد کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ دلائل کے توپخانہ سے ان قلعوں پر گولہ باری کرکے ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں اور آسمانی نشانات کے طیاروں سے آیات بینہ کے گولے گراکر انکے خرمنِ زور و کذب کو بھسم کرڈالیں۔ چنانچہ حضرت موصوف نے اپنی حینِ حیات میں یہ جہاد پورے زور سے جاری رکھا اور حضور کے بعد آپکے خدام اس خدمت کو بفضلہٖ تعالیٰ انجام دے رہے ہیں اور یسوع مسیح پر سے الوہیت کے لباس کو اتار کر انکو ایک راستباز کے پیرایہ میں دکھانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

یسوع مسیح خدا نہیں ہوسکتا ہم مسیحی صاحبان سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کرشن دیو کا پرستار اپنے مولا کو خداوند یا بھگوان سمجھتا ہے تو آپ اُسے کیوں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں؟ جبکہ آپ خود بعینہٖ اُسی طرح مسیح کی پرستاری کے دام میں مبتلا ہیں۔ اگر کرشن کا سیوک اس خیال سے موردِ الزام ہوسکتا ہے کہ وہ ایک عاجز انسان کو قادر مطلق خدا کی کرسی پر بٹھاتا ہے تو پھر ایک مسیحی کیوں اس ملامت کا ہدف نہیں ہوسکتا جبکہ وہ مریم کے غریب بے زبان بیٹے کو زمین و آسمان کے خالق خدائے قدوس کے برابر رتبہ دے رہا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ہندی۔ یونانی۔ مصری یا رُومی عورت کا بچہ خدائی کا تاج زیبِ سر نہیں کرسکتا تو پھر ایک عبرانی عورت کا لڑکا کیوں اور کس طرح اس اعزاز کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ مسیح کے معجزات جو انجیل میں درج ہیں قانونِ قدرت سے بالا اور عقل انسان کو متحیر کرنے والے ہیں اسلیئے وہ خود بھی انسانیت کے سفلی درجہ سے برتر و بلند ہے۔ لیکن اگر یہی معیار ہو اور اسی سے کسی شخص کو خدائی کا لباس پہنایا جاسکے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ دوسری اقوام کے معبودوں کو کیوں خدائی کا درجہ نہ دیا جائے کیونکہ جو کچھ عیسائی کتب میں مسیح کی نسبت لکھا ہے اس سے بڑھ چڑھکر دوسرے مذاہب کی کتب مقدسہ میں اُنکے معبودوں کی نسبت تحریر کیا گیا ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ ان معجزات کی جو دوسری کتب میں مسطور ہیں تاریخ سے تصدیق نہیں ہوتی تو پھر اس کا کیا ثبوت ہے کہ انجیلی معجزات کی تاریخ مصدق ہے۔ اگر تاریخ ایک جگہ ایسے قصوں کو صداقت کے پایہ سے

ساقط قرار دیتی ہے تو دوسری جگہ بھی اس کا یہی حال ہے اسلیئے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ اگر دریائے یردن کی وادی میں ایک خدا یا خدا کا بیٹا پیدا ہوا تھا تو ضرور بھگوان یا بھگوان کے پُتر نے گنگا مائی کے تیر بھی جنم لیا ہوگا۔ یا یسوع مسیح کی الوہیت سے انکار کرنا پڑیگا۔

اس کے معجزات خدائی کا ثبوت نہیں ہو سکتے

اچھا اگر بفرض محال اس بات کو مان بھی لیا جائے کہ مسیح نے واقعی بڑے بڑے خارق عادت کام کیئے تھے اور عظیم الشان معجزات دکھائے تھے تو بھی اُنکی خدائی کے دعویٰ کو کوئی تقویت نہیں پہنچتی کیونکہ بائیبل میں بعض ایسے معجزات کا ذکر ہے جنکے سامنے مسیح کے معجزات کی کوئی حقیقت ہی نہیں رہتی پس اگر یہ معجزات ہی خدائی کا معیار ہوں اور بائیبل کے قصوں کو ہی صحیح مان لیا جائے تو پھر بہت سے انسان خدائی کے دعوے دار ہو سکتے ہیں۔ مسیحی صاحبان بائیبل کو خدا کا کلام مانتے اور اسرائیلی نبیوں کے معجزات کو حق سمجھتے ہیں اور یہ بھی اُن کا ایمان ہے کہ اسرائیلی نبی انسان تھے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر انسان بڑے بڑے معجزات کر سکتے ہیں تو پھر یسوع مسیح کو بھی کیوں انسان نہ مانا جائے یا بصورت دیگر ایلیاہ اور الیسع کو اور ملک صدق سالم کو بھی خدا ماننا مناسب ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے بائیبل کی رو سے بڑے بڑے عجائبات دکھائے ہیں چنانچہ اُنکے معجزات ناظرین کی ضیافت طبع کے لیئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ایلیاہ کے معجزے

(۱) ایلیاہ نبی نے آسمان کے دروازوں کو بند کر دیا اور بارش کو روک دیا اور بڑی جلالی آواز سے فرمایا ”اب ان برسوں میں نہ اوس پڑیگی نہ مینہ برسیگا“ .... سلاطین اول ۱۷-۱

(۲) آپنے ایک بیوہ کے لڑکے کو جلایا ”خداوند نے ایلیاہ کی دعا سنی۔ لڑکے کی جان اس میں پھر آئی کہ وہ جی اُٹھا“ سلاطین اول ۱۷-۲۲

(۳) آسمان سے آگ اُتاری ”تب خداوند کی طرف سے آگ نازل ہوئی“ سلاطین اول ۱۸-۳۸

(۴) ایک بیوہ کے آٹے اور تیل کو برکت دی اور جبتک بارش نہ ہوئی اُسکا آٹا اور تیل ختم نہ ہوا ”کہ مٹکے کا آٹا چُک نہ جائے گا۔ اور لوٹے کا تیل تمام نہ ہوگا مگر اُس دن کہ خداوند زمین پر مینہ برساوے“ سلاطین اول ۱۷-۱۴

(۵) آسمان پر بادل کا نام و نشان نہ تھا اُسوقت ایلیاہ نے فرمایا "بڑی بارش کی آواز ہے" اسکے بعد فوراً ہی "ایسا ہُوا کہ آسمان بدلیوں سے اور آندھیوں سے سیاہ ہوگیا اور شدت کی بارش ہوئی" سلاطین اول ۱۸-۲۲ و ۴۵

(۶) ایلیاہ نے دو سرداروں پر آسمان سے آگ اُترو ائی "دیکھ کہ آسمانی آگ نے اگلے پچاسوں کے دو سرداروں کو اُنکے پچاسوں سمیت کھالیا" سلاطین دوئم - ۱-۱۴

(۷) اپنی چادر سے دریائے یردون کے پانی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا "ایلیاہ نے اپنی چادر کو لیا اور لپیٹ کے پانی پر مارا کہ پانی دو حصے ہوکر اِدھر اُدھر ہوگیا اور وہ دونوں خشک زمین پر ہوکے پار گئے سلاطین دوئم - ۲ - ۸

واضح رہے کہ ایلیاہ نبی کے یہ تمام معجزات عیسائیوں کی کتاب مقدس میں موجود ہیں اور بلحاظ شوکت مسیح سے کم نہیں تاہم اس نبی کو خدا نہیں مانا جاتا اور لطف یہ کہ اگر آسمانپر چڑھنا خدائی کی علامت ہوسکتا ہے تو ایلیا بھی آسمان پر گئے ہیں اور اُنکا صعود مسیح کے صعود سے بدرجہا بڑھکر ہے کیونکہ لکھا ہے (۸) "اور یوں ہُوا کہ جب خدا نے چاہا کہ ایلیاہ کو ایک بگولے میں اُڑا کر آسمانپر لے جاوے تب ایلیاہ الیسع کے ساتھ جلجال سے چلا"...... "اور ایسا ہُوا کہ جونہی وہ دونوں بڑھتے باتیں کرتے چلے جاتے تھے تو دیکھو کہ ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے درمیان آکے اُن دونوں کو جُدا کردیا اور ایلیاہ بگولے میں ہوکر آسمانپر جاتا رہا ...... اُس نے ایلیاہ کی چادر کو بھی جو اس پر سے گر پڑی تھی اُٹھا لیا" سلاطین دوئم ۲-۲ و ۱۱ و ۱۳

الیسع نبی کے معجزات

ایلیاہ نبی کے معجزات کی نوعیت تو ناظرین نے ملاحظہ فرمالی اب ایلیاہ کے نوکر الیسع کے اعجازی کارنامے مشاہدہ فرمائیں اور دیکھیں کسطرح مسیحی صاحبان کے خداوند پر آقا اور نوکر دونوں کے معجزات درجہ فوقیت رکھتے ہیں چنانچہ لکھا ہے کہ (۱) یریحو کے "چشموں پر گیا"...... "اور اس طرح بولا خداوند یوں فرماتا ہے کہ مَیں نے ان پانیوں کو اچھا کیا ہے اب آگے کو موت اور بنجر پنا نہ ہوگا" سلاطین دوئم ۲-۲۱

(۲) "شہر کے چھوٹے لڑکے نکلے اور اُسے چڑانے لگے اور اُسے کہا چلا جا اے

گنجے سر والے! چلا جا اے گنجے سر والے! تب اُس نے خداوند کا نام لیکر اُنپر لعنت بھیجی۔
سو وہیں بن سے دو ریچھنیاں نکلیں اور اُنہوں نے اُن میں سے بیالیس چھو کرے
پھاڑ ڈالے" سلاطین دوئم ۲-۲۳ و ۲۴ و ۲۵
(۳) شاہ اسرائیل - اور یہو سفط اور شاہ ادوم اُسکے ہاں اُترے ..... الیسع بولا ...
"کہ خداوند فرماتا ہے تم نہ ہوا آتی دیکھو گے نہ مینہ دیکھو گے تب بھی یہ وادی پانی سے
بھر جائیگی تاکہ تم پیو - تم اور تمھارے مویشی اور تمھارے چار پائے بھی" ... "دیکھو
اُدوم کی راہ سے پانی بہتا آیا اور زمین پانی سے بھر گئی" سلاطین دوئم ۳-۱۷ و ۲۰
(۴) ایک بیوہ عورت کو اُسکا قرضخواہ ستاتا ہے وہ الیسع کے پاس آتی ہے الیسع اُسکے
تیل کو اسقدر بڑھاتے ہیں کہ وہ تیل کی فروخت سے مالا مال ہو جاتی ہے " الیسع
نے اُسے فرمایا ..... تجھ پاس گھر میں کیا ہے ..... وہ بولی ایک پیالہ تیل کے سوا کچھ
نہیں تب اُسنے کہا جا اور باہر سے اپنے ہمسایوں سے برتن عاریتہً لے اور وہ سب خالی
ہو ویں اور تھوڑے برتن مت مانگ - اور جب تو پھر اندر آئے تو اپنے پر اور اپنے دو
بیٹوں پر دروازہ بند کر اور ان سب برتنوں میں انڈیل دے اور جو بھر جاوے
اُسے اُٹھا کے الگ رکھ ..... اور ایسا ہُوا کہ وہ سب برتن معمور ہو گئے .....
تب وہ بولا جا اور تیل بیچ اور آخراد اکر اور باقی جو ہے اُس سے تُو اور تیرے فرزند
گزران کریں" سلاطین دوئم باب ۴ : ۱ - ۶
(۵) ایک عورت مسماۃ شونمیت کے ہاں کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اور اُس کا شوہر
بوڑھا تھا الیسع نے اپنے خادم جیحازی سے کہا "اُسے بلا اُس نے اُسے بلایا تب
وہ دروازے پر کھڑی ہوئی تب وہ بولا اسی وقت کے قریب مطابق زندگی کی
عادت کے تُو ایک بیٹا گود میں لیگی" ..... "سو وہ عورت پیٹ سے ہوئی اور اُسی وقت
جو الیسع نے اُس سے کہا تھا زندگی کی عادت کے مطابق بیٹا جنی" سلاطین دوئم ۴: ۱۶ و ۱۷
(۶) کچھ مدت بعد شونمیت کا لڑکا مر گیا تو الیسع نے اُسے زندہ کر دیا "جب الیسع اس
گھر میں پہنچا تو دیکھ وہ لڑکا مرا ہُوا اُسکے پلنگ پر پڑا تھا - سو وہ اندر گیا اور اپنے

دونوں پر دروازہ بند کرکے خداوند سے دعا مانگی...... تب اُس لڑکے کا بدن گرم ہونے لگا ..... وہ لڑکا سات بار چھینکا اور لڑکے نے اپنی آنکھیں کھول دیں" سلاطین دوئم ۴ : ۳۲ - ۳۵

(۷) " بعل سلیہ سے ایک شخص .... جو کے پہلے پھلوں کی روٹیوں کے بیس گردے اور اناج کی بھری ہوئی بالیں چھلکے سمیت لایا۔ وہ بولا ان لوگوں کو دے کہ وہ کھاویں۔ اس دم اُس کا خادم بولا اسے سو آدمیوں کے سامنے رکھوں۔ تب اُس نے پھر کہا کہ لوگوں کو دے تا کہ کھاویں کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ وہ کھائیں گے اور اُس میں سے بھی چھوڑیں گے۔ .... اور اُنہوں نے کھایا اور جیسا خداوند نے فرمایا تھا اُس میں سے بھی کچھ چھوڑا" سلاطین دوئم ۔ ۴ : ۴۲-۴۴

(۸) " اور نعمان جو شاہ ارام کے لشکر کا سردار تھا ... وہ کوڑھی تھا۔ نعمان اپنے گھوڑوں اور اپنے گاڑی سمیت آیا الیسع کے گھر کے دروازے پر ٹھہرا۔ تب الیسع نے اُسے کہلا بھیجا جا اور دن میں سات بار غوطہ مار کہ تیرا بدن بھی بحال ہو جائیگا اور تو پاک صاف ہوگا .... تب وہ اُتر گیا اور جیسا مردِ خدا نے کہا تھا یردن میں سات غوطے مارے اور اُس کا بدن چھوٹے بچے کے بدن کی مانند ہو گیا اور وہ پاک ہوا" سلاطین دوئم ۔ ۵ : ۱ و ۹ و ۱۰ و ۱۴

(۹) " ایک کی کلہاڑی میں کا لوہا لکڑی کاٹتے ہوئے پانی میں گر گیا ... مرد خدا بولا کس جگہ گرا؟ اُس نے اُسے وہ جگہ بتلائی تب اُس نے ایک چھڑی کاٹ کے اُس جگہ ڈال دی اور لوہا تیرنے لگا ... سو اُس نے ہاتھ بڑھا کے اسے اُٹھا لیا" سلاطین دوئم ۔ ۶ : ۵ و ۷

(۱۰) شاہ آرام نے " وہاں گھوڑے اور گاڑیاں ایک بڑے لشکر کے ساتھ بھیجیں" ..... تب الیسع نے دعا کی " اور خداوند نے اُس جوان کی آنکھیں کھولیں اور اُس نے جو نگاہ کی تو دیکھا کہ الیسع کے گرداگرد کا پہاڑ آتشی گھوڑوں اور گاڑیوں سے بھرا ہوا ہے" تب الیسع نے خداوند سے دعا مانگی اور کہا ان لوگوں کو مہربانی کرکے اندھا کر دیجے سو اُس نے جیسا الیسع نے کہا تھا انکو اندھا کر دیا" سلاطین دوئم ۔ ۶ : ۱۴ و ۱۷ و ۱۸

(۱۱) الیسع کو غیب کی خبر ہو جاتی تھی چنانچہ شاہ آرام نے الیسع کو قتل کرنیکی قسم اُٹھالی اور" اپنے حضور کا ایک شخص بھیجا۔ پر اُس سے پہلے کہ وہ قاصد اُس تک پہنچے اُس نے بزرگوں سے کہا تم دیکھتے ہو کہ اُس قاتل زادے نے بھیجا ہے کہ میرا سر کاٹ ڈالے سو دیکھو جب وہ

قاصد آوے تو دروازہ بند کرلو اور اُسے مضبوطی سے دروازہ پر پکڑے رہو۔ کیا اُسکے پیچھے اُس کے صاحب کے پاؤں کی آہٹ نہیں؟" سلاطین دوئم باب ۶: ۳۱

(۱۲) جب شاہ آرام نے "سمرون کو جا گھیرا۔ تب سمرون میں بڑا کال پڑا" اور عورتوں نے اپنے بیٹوں تک کو پکا کر کھالیا اُسوقت الیسع نے کشائش ۔۔ ۔۔ کی پیشگوئی کی اور کہا "کل اسی وقت کے قریب سمرون کے دروازے ۔۔ ۔۔ ۔۔ پر مہین آٹے کا ایک پیمانہ ایک مثقال کو اور جو کے دو پیمانے ایک مثقال کو بکیں گے" یہ پیشگوئی لوگوں کو ایسی ناممکن الوقوع معلوم ہوئی کہ ایک امیر جھٹ بول اُٹھا "دیکھ اگر خداوند آسمان میں کھڑکیاں لگا دے تو یہ حال ہو سکتا ہے" اس کا جواب مرد خدا نے اس طرح دیا "دیکھ تو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا پر اُس میں سے نہ کھائیگا" اب یہ پیشگوئی بڑی شان و جلال سے تعجب انگیز طور پر پوری ہوئی۔ چنانچہ "خداوند نے گاڑیوں کا سناٹا۔ اور گھوڑوں کا سناٹا بلکہ ایک بڑی فوج کا سناٹا آرامی لشکر کو سنایا تھا سو اُنہوں نے آپسمیں کہا تھا کہ دیکھو شاہ اسرائیل نے حتی بادشاہوں اور مصری بادشاہوں کو اجرہ دیکے بلایا تاکہ وہ ہم پر چھوڑ آویں تب وہ اُٹھکے شام کو بھاگ نکلے" اور تمام سامان امداد خوراک پیچھے اپنے ڈیروں میں چھوڑ گئے "تب لوگوں نے نکل کر آرامیوں کے لشکر گاہ کو لوٹا سو مہین آٹے کا ایک پیمانہ ایک مثقال کو اور جو کے دو پیمانے ایک مثقال کو بکے جیسا خداوند نے فرمایا تھا" جس منصدار نے الیسع سے سوال کیا تھا اُسے بادشاہ نے "مقرر کیا کہ دروازے کی نگہبانی کرے اور لوگوں نے اُسے لتاڑ ڈالا اور وہ مرگیا جیسا کہ مرد خدا نے کہا تھا کہ تو آنکھوں سے دیکھے گا پر اس میں سے نہ کھائیگا" سلاطین دوئم باب ۷: ۱-۲۰

(۱۳) الیسع نے کہا کہ "زمین پر سات برس تک کال رہیگا" سلاطین دوئم ۸: ۲

(۱۴) حضرت الیسع نے اپنی حین حیات میں تو یسوع سے بڑھ چڑھکر معجزات دکھائے تھے لیکن عجب ترین یہ بات ہے کہ اس نبی نے اپنی وفات کے بعد بھی ایک بڑا معجزہ دکھایا چنانچہ سلاطین کتاب دوئم کا گمنام مصنف رقمطراز ہے کہ "بعد اُسکے کہ الیسع نے انتقال کیا اور اُنہوں نے اُسے دفن کیا اور نئے سال کے شروع میں مواب کی فوجیں ملک میں

گئیں۔ اور ایسا ہُوا کہ جس وقت وہ ایک مُردے کو گاڑا چاہتے تھے تب دیکھو ایک فوج نظر آئی اور انہوں نے اُس شخص کو الیسع کی قبر میں ڈالدیا اور جب وہ شخص گرایا گیا اور الیسع کی ہڈیوں سے لگا تو وہ جی اُٹھا اور پاؤں پر کھڑا ہُوا" سلاطین دوئم۔۱۳: ۲۰و۲۱

ایک مقابلہ اور تنقیدی نظر مذکورہ بالا معجزات اسرائیلی انبیاء کے اعجازی کارناموں کا نمونہ ہیں جو کہ ہم نے عہد عتیق کی کتابوں سے نقل کئے ہیں مسیحی صاحبان گو ان معجزات کو بھی صحیح اور درست مانتے ہیں لیکن ان معجزات کے دکھانے والوں کو انسانیت کے درجہ سے بالا خیال نہیں کرتے۔ ہمیں اس امر مطلق بحث نہیں کہ آیا یہ جو کچھ بیان ہُوا ہے درحقیقت یہ واقعات بھی ہیں یا نہیں اگر واقعات ہوں تو پھر واقعی معجزات ہیں ورنہ بصورت دیگر الف لیلہ کے مفروضہ قصوں سے بڑھکر انکی وقعت نہیں ہو سکتی بہرحال خواہ کچھ بھی ہو ہم کو اس سوال سے سروکار نہیں ہم تو صرف اسقدر جانتے ہیں کہ مسیحی لوگ ان قصوں کو بھی ایسا ہی صحیح سمجھتے ہیں جیسے کہ عہد جدید کے مصنفین کی بیان کردہ روایات کو اور یہ کہ ایک عیسائی اگر مسیح کے معجزات پر ایمان رکھتا ہے اور بائیبل کو کتاب مقدس کہتا ہے تو لازماً عہد عتیق کے انبیاء کے معجزات کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ اور یہ ظاہر کہ اسرائیلی انبیاء کے معجزات یسوعی معجزات سے کسی طرح کم پایہ کے نہیں بلکہ اول الذکر تو بعض صورتوں میں موخر الذکر پر فوقیت رکھتے ہیں۔ پس ان معجزات کی بنا پر اگر یسوع مسیح کو خدا یا ابن اللہ کا تاج پہنایا جاتا ہے تو کیوں ایلیاہ اور الیسع وغیرہ اسرائیلی نبی اس منصب کے مستحق قرار نہیں دیئے جاتے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یسوع مسیح نے تو اپنی زندگی میں ہی چند عجائبات دکھائے تھے لیکن الیسع نبی کی ہڈیوں نے بھی ایک عالیشان معجزہ دکھایا اور ایک مردہ کو زندگی بخشی پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے مسیحی دوست ابن مریم کو تو ابن اللہ اور خداوند کے لقب سے ممتاز کرتے ہیں لیکن الیسع کو اس عزت سے محروم رکھتے ہیں حالانکہ اگر یسوع مسیح ان لقبوں کے مستحق ہیں تو وہ اس سے بھی برتر لقب پانے کے مستحق ہیں۔ الغرض معجزات کی بنا پر یسوع مسیح کو خدا یا ابن اللہ قرار دینا غلطی اور بیہودگی ہے اور اگر اناجیل کے قصص کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی اس بات کی کوئی معقول وجہ نہیں کہ مسیح کو کیوں مقدس

تثلیث کا ایک رکن سمجھا جائے؟ اور کیوں اسکی جگہ ایلیاہ یا الیسع کو نہ دیجائے۔ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ یسوع مسیح اپنے دشمنوں کے سامنے عاجز ہے اور باوجود خواہش اُنکے پنجہ سے نہ نکل سکے بلکہ اُلٹے اخیر وقت مایوس ہوکر فرمانے لگے۔ ایلی۔ ایلی لما سبقتانی اے میرے خدا اے میرے خدا تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اور برعکس اس کے اسرائیلی نبیوں نے اپنے دشمنوں کو مغلوب کیا اور اُن کو بھی اپنا اعجاز دکھایا۔ چنانچہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ الیسع کو گرفتار کرنے کے لیئے جو فوج آئی تھی وہ اندھی ہوگئی۔ حالانکہ مسیح کو گرفتار کرنے والے سپاہیوں کا بال بینکا نہ ہوا۔ اور نہ ہی مسیح نے اُن کو کوئی اعجاز دکھایا۔ یسوع نے رات بھر دعا مانگی لیکن بقول مسیحی صاحبان یہ دُعا قبول نہ ہوئی اور وہ گرفتار ہوکر صلیب پر کھینچے گئے اور ان سے کوئی معجزہ سرزد نہوا حالانکہ اسرائیلی نبیوں کی بہت دعائیں قبول ہوئیں۔ اور اُنھوں نے ہر موقعہ پر معجزات دکھائے۔ بایں ہمہ اگر یسوع خدا ہے تو برعکس عقل و دانش......

ملک صدق اور یسوع مسیح کا مقابلہ

مسیحیوں کے صحائف مقدسہ میں ایک اور عجیب و غریب ہستی کا ذکر ہے جس کے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد خیال پیدا ہوتا ہے کہ یسوع جیسے کمزور انسان کو خدا بنانے والوں نے کیوں اس نرالی شخصیت کو الوہیت کی خلعت سے ممتاز نہیں کیا۔ اس اعجوبہ روزگار شخص کا نام مسیحی کتب کی رو سے "ملک صدق سالیم کا بادشاہ خداتعالیٰ کا کاہن" ہے۔ جب ابراہیم بادشاہوں کو قتل کرکے واپس آتا تھا تو اسی نے اُس کا استقبال کیا اور اس کے لیئے برکت چاہی اسی کو ابراہیم نے سب چیزوں کی دہیکی دی" اور پولوس صاحب اس شخص کی نسبت فرماتے ہیں۔ "یہ اول تو اپنے نام کے معنے موافق راستبازی کا بادشاہ ہے پھر سالیم یعنی صلح کا بادشاہ ہے۔ یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ ہے نہ اُس کی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا" آگے چلکر پولوس اس شخص کی طرف لوگوں کو اس طرح متوجہ کرتے ہیں:۔ "پس غور کرو کہ یہ کیسا بزرگ تھا جس کو قوم کے بزرگ ابراہیم نے لوٹ کے عمدہ سے عمدہ مال کی دہیکی دی" عبرانیوں ۷: ۱-۴ ۔ جائے تعجب و حیرت ہے پولوس اس شخص کو صرف "بزرگ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بھلا ایسا شخص کہ نہ جس کی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر ہو کیونکر صرف بزرگ

. . . .

. . . انسان ہو سکتا ہے؟ ۔ انسان تو فانی ہے اور وہ جس کی زندگی کا اخیر ہو ہرگز فانی نہیں ہو سکتا۔ اور جو ہستی فنا سے بری ازلی و ابدی ہے وہ صرف خدائے تعالیٰ کی ذات واحد ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جب مسیحی لوگوں نے مریم کے بیٹے کو (جس کی عمر کا شروع اور زندگی کا آخر) ہوا ابن اللہ ازلی۔ابدی۔ خدائے قدوس کا ہم پلہ و شریک بنا لیا تو پھر ملک صدق کی ذات کو جس کی کہانت کے طریقے پر اُن کا خداوند پیدا ہوا تھا کیوں طاق نسیان میں رکھدیا ہے۔یسوع مسیح کی کہانت بھی بقول پولوس ملک صدق کی پیروی سے ہے اور وہ ملک صدق کے طریقے کا ابد تک کاہن ہے "عبرانیوں ۷ : ۱۷۔ جب یہ حال ہو تو کیا وجہ ہے کہ " ملک صدق کے کاہن یعنی مسیح کو خود خدا تعالیٰ کے کاہن یعنی ملک صدق پر ترجیح دیجائے۔ اور مرید طریقت کو تو خدا کہا جائے لیکن پیر طریقت اس اعزاز سے محروم رکھا جائے۔ پولوس نے ملک صدق کو خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرایا ہے۔ مگر یہ سخت غیر منصفانہ کارروائی ہے کیونکہ اس صورت میں یسوع کو جو فانی انسانوں کی طرح مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا اور فانی لوگوں کی طرح اُس کی روح نے قفس عنصری سے پرواز کیا ایک ایسے شخص پر فائق قرار دیا جاتا ہے جس کی پیدائش یا موت فانی وجودوں سے نرالی ہے پس اگر کوئی شخص خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا جا سکے تو سب سے مقدم اور سب سے زیادہ مستحق ملک صدق ہے ایسے وجود کی نسبت یہ کہنا کہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ہے انصاف کا خون کرنا ہے ناظرین خود فیصلہ کریں مشبہ کون اور مشبہ بہ کون ہو سکتا ہے؟

یسوع کی الوہیت محض ایک توہم ہے

ہمارے اکثر ناظرین ملک صدق کے قصہ کو پڑھ کر خیال کرینگے کہ یہ محض ایک افسانہ ہے ہم اُن کے اس خیال سے متفق ہیں اور علی وجہ بصیرت کہہ سکتے ہیں کہ واقعی یہ ایک من گھڑت کہانی ہے ۔ لیکن ہم ساتھ ہی اس امر کے اظہار سے بھی باز نہیں رہ سکتے کہ جس طرح ملک صدق کا قصہ ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اسی طرح یسوع کا خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ بھی انسانی دماغ کی اختراع سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا کوئی زیرک انسان ہرگز اسے باور کرنے کو تیار نہیں کہ ایک عورت کا بیٹا بھی خدا یا خدا کا بیٹا کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے ۔ اس خیال پر ہی انسانی فطرت بغاوت کا اظہار کرتی اور ایسے گمان

بیہودہ کو سخت وہم اور بگڑے دلوں کی لغزش کا نتیجہ تصور کرتی ہے پس یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح کی الوہیت بھی اُسی قسم کے وہم و مردم پرستی کا نتیجہ ہے جو عیسائی مشنری کرشن کو بھگوان جاننے والوں یا دوسرے بُت پرست لوگوں کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں اور انصاف بھی اس امر کا مقتضی ہے کہ اگر ایک مسیحی ایک یہودی خاتون کے نورچشم کو یہوواہ کے عرش عالی پر بٹھا کر مورد طعن نہیں ہو سکتا تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک ہندو کو نند گوپال کے پرورش کردہ لال کی نسبت بھگوان کا عقیدہ رکھنے پر توہم پرست خیال کیا جائے؟ اگر ایک مسیحی کے نزدیک مقدس مریم کا بیٹا اپنی آسمانی طاقتوں کے سبب عرش معلی کا جائز مسند نشین قرار دیا جا سکتا ہے تو پھر اسی طرح ایک ہندو بھی ماتا دیکی کے بلوان پُتر اور بجے سودھامیا کے گوپال کرشن کو انتریامی پربھو کہکر پکارنے میں حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اگر ناصرت وگلیل کی بستیوں اور یردن کے کناروں پر یہودی عورتیں مسیح کے معجزات کے نظارے دیکھتی تھیں تو بعینہٖ گوکل و متھرا کے نگر اور جمنا کے کناروں پر کرشن کی بنسی ہزاروں گوپیوں سے اطاعت کا خراج وصول کرتی اور اُس کی شکتی و بل کے غیر انسانی اعجاز برہم رشی دیش کے باشندوں کو یقین دلاتے کہ کرشن بھگوان خود ہی سب کچھ ہیں۔ لہٰذا اگر مسیحی مدعی آج ایک ہندو سے یہ کہے کہ کرشن کو بھگوان ماننا وہم ہے تو ہم اپنے دوست کی خدمت میں عرض کرینگے کہ جیسا کہ کرشن کو بھگوان ماننا وہم ہے ایسا ہی یسوع کو خدا ماننا بھی وہم و توہم ہے۔ نہ کرشن غیر فانی تھا اور نہ مسیح دونوں فانی انسان تھے۔ ہاں اُنکو خاص طور پر راستباز اور مطہر ہونے میں عوام پر ایک فوقیت تھی اور وہ دنیا کو سچائی و راستی کی تعلیم دینے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے اگر اس فوقیت کو غلطی سے بڑھا چڑھا کر بت پرست ہندو نے راجہ رامچندر جی اور کرشن جی کو بھگوان کا اوتار بنا لیا تو اس فعل کے لئے جس طرح وہ قابل ملامت ہیں اسی طرح مریم کے بے زبان بیٹے کو خدا بنانے والے اس ہدف ملامت کا نشانہ ہیں۔ اور ایک خطرناک وہم میں مبتلا ہیں ؎

اپنی آنکھ کا شہتیر دیکھو شاید ہماری کھری کھری اور صاف باتیں یسوع مسیح کے پرستاروں کو ناگوار گذریں کیونکہ سچائی ہمیشہ تلخ معلوم ہوتی ہے سو واضح رہے کہ ہم کسی کی دل آزاری نہیں چاہتے لیکن اظہار حق سے بھی باز نہیں رہ سکتے۔ ہم نے اس مضمون میں

متواتر کہا ہے اور ایک دفعہ پھر گوش گذار کئے دیتے ہیں کہ یسوع مسیح کی خدائی اور دوسری قوموں کے معبودوں کی خدائی میں مطلق فرق نہیں اگر ایک کو خدا مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ دوسرے کو بھی وہی رتبہ دیا جاوے۔ ہمکو معلوم ہے کہ یسوعی داعیان جب مسیح کی الوہیت پر تقریر کرنے کھڑے ہوتے ہیں تو فصاحت و بلاغت سے کام لیکر لفاظی کے پُل باندھ دیتے ہیں۔ مگر یہ لفاظی یہ فصاحت ایک کمزور انسان کو خدا نہیں بنا سکتی۔ ہر ایک ذی فہم اور صاحب عقل جان لیتا ہے کہ پادری صاحب گو بات بات پر مثالیں دے رہے ہیں لیکن اس تمام تقریر کے اندر جان نہیں اور ان کی وعظ کا مندر ریت کی بنیادوں پہ اُٹھایا جا رہا ہے۔ جب ایک مسیحی منادی پکار پکار کر دوسرے مذاہب کے توہمات اور باطل پرستی کا ذکر کرتا ہے تو وہ اپنے عقاید کی کمزوری کو فراموش کر دیتا ہے۔ ورنہ جو شخص ایک کمزور انسان کو خدا اور خدا کا بیٹا مانتا ہو اُسے کیونکر یہ جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ دوسرے مذاہب پر محض اس لئے زبان طعن دراز کرے کہ وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کو خدا سمجھتے ہیں دراصل بات یہ ہے کہ مسیح کی خدائی کا عقیدہ ایسے لوگوں کا اختراع کردہ ہے جو ملک صدق کے سے افسانوں کے قائل تھے جو لوگ ایسے قصوں پر ایمان لا سکتے تھے کہ ایک شخص ازلی و ابدی تھا۔ اُن کو یسوع کی الوہیت اور کفارہ وغیرہ مسائل پر ایمان لاتے کیا دیر لگتی تھی اور یسوع کی الوہیت کا عقیدہ پہلے پہل ایسے ہی لوگوں میں رائج ہوا جو ان بیہودہ قصوں کے قائل تھے چنانچہ جیسا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں پولوس عبرانیوں کے خط میں اس توہم پرستی سے فائدہ اُٹھا کر اُن کی مسلمہ کہانیاں اُنکو سُناتا اور مسیحیت کیطرف بلاتا ہے۔ خیر یہ تو پولوس اور پولوس کے زمانہ کا حال تھا۔ قابل افسوس امر تو یہ ہے کہ اس روشنی کے زمانہ میں بھی اس نادانی و توہم پرستی کو ایمان کا جزو سمجھا جاتا ہے اور ماننے بھی وہ ہیں جو زیادہ مہذب ہونے کے مدعی ہیں۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بیشک مسیحی ممالک میں ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو ان توہمات پر ایمان نہیں رکھتے اور اُن کی تعداد شمار کی حد سے نکل گئی ہے اُن کا ضمیر یسوع کی خدائی کے لغو اور بیہودہ پھندے کی اطاعت سے بغاوت کر چکا ہے تاہم کثیر التعداد ایسے اشخاص موجود ہیں جو اس باطل عقیدے پر قائم ہیں۔ اس کہنہ توہم نے بنی نوع انسان پر اس قدر رعب ڈال رکھا ہے اور اس طرح لاکھوں انسانوں کی گردنوں کو اپنی غلامی کے جوے تلے دبایا ہوا ہے کہ آج ہزاروں ایسے لوگ ہیں جو اگرچہ دل سے اس عقیدے

کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن ظاہراً اس کے سامنے سرِتسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔ اور حضرات پادری کو بھی گو دل میں اپنی کمزوری کا احساس ہے اور انسان کو خدا بناتے وقت ان کا ضمیر ضرور ان کو توہم پرست قرار دیتا ہے لیکن یہ لوگ دوسری اقوام کو برابر توہم پرست کے نام سے یاد کئے جارہے ہیں اور اپنے عظیم الشان توہم کو نظرانداز کر دیتے ہیں اور اُن کو مسیح کی خدائی کا شہتیر نظر نہیں آتا اور اُن کی غیر اقوام کے تنکوں پر نظر پڑ جاتی ہے۔

مسیح کی نبوت اناجیل سے ثابت نہیں۔ گو عیسائی واعظ اپنے خداوند کی حمد و ثنا کا گیت گاتے وقت شاعری کے تمام مبالغات کو پیچھے چھوڑ جائیں اور خیالات کے بحرِ ناپیدا کنار کی شناوری میں فوقیت لیجائیں۔ لیکن واضح رہے کہ یہ شاعری یا شناوری واقعات کے بحرِ عروض یا بحرِ حقیقت کی موجوں کے مقابلہ میں کوئی کام نہیں دے سکتی وہاں محض معتقدات اور خیالات کو مدنظر نہیں رکھا جاتا بلکہ ثبوت اور دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ مسیح کی الوہیت یا اُن کا ابن اللہ ہونا تو در کنار اناجیل کی رو سے تو وہ ایک اولوالعزم نبی بھی ثابت نہیں ہو سکتے۔ ان الفاظ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت کے قائل نہیں اور اُن کو ہم اللہ تعالیٰ کے راستباز فرستادوں کے زمرہ سے خارج سمجھتے ہیں۔ حاشا و کلا ہمارا یہ اعتقاد نہیں بلکہ اس عبارت سے محض اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ مسیح کی نبوت کا جو ثبوت مسیحی کتب اور مسیحی واعظ پیش کرتے ہیں وہ ناکافی اور ناقابلِ قبول ہے اور اُس کی بنا پر ہم انھیں نبی ماننے کو طیار نہیں۔ اور اگر خدا تعالیٰ کا ایک مقدس اور راستباز نبی حضرت مسیح اور اُن کی پاکباز والدہ کے متعلق شہادت نہ دیتا اور اُن کی نبوت اور صداقت کی تائید نہ فرماتا تو لاریب ہم کو اُن کے نبی ماننے میں تامل ہوتا کیونکہ بڑی سے بڑی شہادت جو ایک مسیحی پیش کر سکتا ہے وہ اناجیل اربعہ کے قصص ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ اناجیل تو خود پایہ اعتبار سے ساقط ہیں اور اُن کے بیانات قابلِ اعتبار نہیں۔ حضرت احمد علیہ السلام نے اپنی حینِ حیات میں اس بات کو بڑی تحدی سے پیش کیا تھا کہ اگر کوئی یہ بات ثابت کر دے کہ یسوع مسیح نے واقعی اتنے بڑے اور عظیم الشان معجزے دکھلائے ہیں جو بہ لحاظ شوکت و جلال میری آیات و نشانات سے بڑھے ہوئے ہیں تو میں اُسے ایک معقول انعام دونگا۔ لیکن ہندوستان کے کسی مسیحی کو

جرأت نہ ہوئی کہ اس مشتہرہ انعام کو حاصل کرتا۔ اس میں کلام نہیں کہ اناجیل میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ یسوع نے بہت سے نشانات دکھلائے اور خوارق عادت امور اُن سے سرزد ہوئے مگر اُس کا کیا ثبوت کہ یہ بیانات صداقت کے زیور سے مزین ہیں۔ بلکہ برعکس اس کے ہمارے پاس زبردست شہادتیں موجود ہیں جنکے رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصص من گھڑت غیر معتبر اور صداقت سے مُعرا ہیں۔ حضرت احمد کا انعامی اشتہار دینے سے بھی یہی مدعا تھا کہ مسیحی لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اُن کے ہاتھ میں کوئی ایسی شہادت اور ثبوت نہیں جس کی بنا پر وہ یہ کہہ سکیں کہ عہد جدید کی کتابوں میں جو مسیح کے معجزات مذکور ہیں وہ صحیح اور قابل اعتبار ہیں ٭ ہوشیار مسیحی جانتے تھے کہ کوئی قانونی عدالت انجیلوں کی غیر معتبر شہادت پر مشتہرہ انعام کی ڈگری نہیں دیسکتی اور اُن کا قلب مانتا تھا اور مانتا ہے کہ انجیلی شہادت کو کوئی عقلمند آدمی تسلیم نہیں کرسکتا اگر یہ بات نہوتی تو وہ لوگ جو ہزاروں روپیہ خرچ کر کے اور سمندر چیر کر گنگا جمنا کے کناروں پر مسیح کی خدائی کا وعظ کرنے آتے ہیں وہ کس طرح خاموش رہ سکتے تھے اور ایسے نادر موقع کو اپنے ہاتھ سے کیونکر دیتے جبکہ ایک طرف تو ہندوستان کے لوگوں کو یقین دلایا جاسکتا تھا کہ مسیح کی نسبت جن معجزات کا ذکر اناجیل میں ہے وہ صحیح ہیں اور دوسری طرف روپیہ بھی مفت میں ہاتھ آتا تھا۔ حضرت مسیح موعود کے مقابلہ میں مسیحی لیڈروں کی خاموشی اور عدم جرأت اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اُن کے پاس یسوع مسیح کی بنوت کو ثابت کرنے کے لئے بھی کوئی زبردست ثبوت نہیں۔

موجودہ اناجیل کی تاریخی حیثیت

حقیقت یہ ہے کہ یہ اناجیل مسیح کے معجزات اور بنوت کا یقینی اور زبردست ثبوت تو کیا دکھا وینگی ان کے شہادت سے تو یہ بھی نہیں پتہ چلتا کہ آیا جس شخص کا قصہ ان انجیلوں میں درج ہے وہ واقعی کوئی تاریخی آدمی بھی تھا یا نہیں۔ یا جس طرح ناولوں میں کسی فرضی شخص کو نیک ہیرو بنایا جاتا اور اُس کی نسبت غیر معقول اور لاطائل افسانے گھڑے جاتے ہیں یہاں بھی اُسیطرح کسی فرضی یسوع مسیح کو فرضی ہیرو بنا لیا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر فہیم اور عقلمند معترضین کی ایک جماعت اب یہ کہہ رہی ہے کہ یسوع نام کا جو شخص عہد جدید میں مذکور ہے وہ کبھی پیدا ہی نہیں ہوا ٭ یہ تو الف لیلہ کے الہ دین کی طرح ایک فرضی

نام ہے۔ الف لیلہ کے مصنف نے الہ دین کے لیمپ اور جنّوں کے بیہودہ قصے تراشے تھے اسی طرح اناجیل کے مصنفین نے یسوع کے معجزات کی نسبت چند کہانیاں وضع کر لی ہیں۔ مسیحی لوگوں سے یہ بات پوچھنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ آپ لوگ رامائن۔ مہابھارت کے قصوں کو کیوں خلاف از عقل مانتے ہیں؟ جبکہ اُن کے ماننے والے بھی آپ کی طرح ان کتابوں کو مقدس کتب سمجھتے اور جو معجزات رام کرشن بھیم اور ہنومان کی نسبت ان کتابوں میں درج ہیں ان کو حق سمجھتے ہیں۔ پھر اگر لوقا یا مرقس کو رسول کہکر اُن کے بیانکردہ قصص کو صحیح مانا جاوے تو کیوں والمیک اور بیاس کو رشی ماننے والوں اور اُن کی بیانکردہ کتھاؤں کو صحیح جاننے والوں پر طعن کیا جاوے۔

غرض اگر الہ دین کے لیمپ کا قصہ بھیم کے ہاتھیوں کی کہانی۔ ہنومان کے پہاڑ کی داستان۔ کرشن کے شیش ناگ کی کتھا اور راجہ رامچندر کی لیلا شاعرانہ اختراع اور بے بنیاد قصوں کا مجموعہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ اناجیل میں جو عجوبے درج ہیں وہ بھی خیالی اور فرضی افسانے قرار نہ دئے جاویں۔

کیا یسوع واقعی کوئی تاریخی شخص تھا

یہ سوال آجکل مسیحی مذہب کے معترضین اور محافظین ہردو کی توجہ کو منعطف کر رہا ہے کہ آیا یسوع کبھی کوئی تاریخی وجود تھا یا نہیں؟ یہ بحث کچھ مدت سے ایک قلمی جنگ کا موضوع ہو رہا ہے جس میں طرفین اپنی اپنی دلائل کے گولہ بارود کا استعمال کر رہے ہیں ہم اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ خواہ یسوع کوئی تاریخی وجود ہو یا نہو کم از کم یہ ضرور معلوم ہوگیا کہ عہد جدید کی کتابیں تاریخی کتب کے پایہ سے ضرور گری ہوئی ہیں اور اُن کے مصنف معتبر وقائع نگاروں میں جگہ لینے کے قابل نہیں کیونکہ اگر یہ کتابیں اپنی تاریخی حیثیت کو قائم رکھ سکتیں اور اُن کے بیان کردہ قصص تاریخی معیار پر صحیح نکلتے تو پھر جس شخص کی کہانی ان کتابوں میں درج ہے اُس کے وجود پر کسیکو کیا شبہ ہو سکتا تھا اور کس طرح شک کی گنجائش ہوتی۔

یہانپر اگر ہم یہ کہدیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے تاریخی وجود پر کسیکو مطلق شبہ نہیں اور لاریب آپؐ تاریخی نبی ہیں۔ لیکن آپ کے مقابل میں جس شخص کو خدائی کا جبہ پہنایا جاتا ہے اُسکی

الوہیت اور نبوت کا تو ذکر ہی کیا اسکے تاریخی وجود پر ہی شبہات وارد ہوئے ہیں اور اگر ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کریں کہ اگر قرآن کی طرح اناجیل بھی واقعات کا مجموعہ ہوتیں تو اوّل الذکر ہی کی طرح موخر الذکر وجود کے متعلق کبھی شکوک پیدا نہ ہوتے۔ جائے تعجب ہے کہ یسوع سے پہلے ہزاروں آدمی ایسے ہوئے ہیں جن کو تاریخی اشخاص میں شمار کیا جاتا ہے اور اُنکی ہستی کی نسبت کسی کو شبہات لاحق نہیں ہوتے اور یسوع سے پہلے لوگوں کا کیا ذکر خود اُنکے معاصرین بکثرت ایسے ہیں جنکی تاریخی ہستی مسلّم ہے۔ پھر سوائے اسکے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اناجیل مروجہ کی پیش کردہ کہانیاں صداقت اور اعتبار کے رنگ سے رنگین نہیں لہٰذا اُنکے معتبر اور صحیح ہونے میں لوگوں کو کلام پیدا ہُوا اور اس سے جرأت پکڑ کر وہ ایک قدم آگے بڑھے اور خود مسیح کے تاریخی وجود پر شک کرنے لگ گئے۔ اب جبکہ یہ کتابیں خود مسیح کی ہستی پر شکوک پیدا کرانے کا موجب ہوئیں اور انکے مطالعہ سے مسیح کے تاریخی وجود پر ہی شبہات وارد ہوتے ہیں تو بھلا جو بیانات انمیں یسوع مسیح کے معجزات کے متعلق ہیں اُنکو کیونکر معتبر قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور کیونکر یسوع کے تاریخی وجود سے انکار کرنے والوں کا مُنہ بند کیا جا سکتا ہے؟

الہامی کتابوں کی صداقت کا معیار

ہم نے مذکورہ بالا سطور میں یورپ کے آزاد محققین کی تحقیقات کو بنا قرار دیکر اناجیل کے تاریخی کتب ہونے پر اعتراض کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ علمائے یورپ گھر کے بھیدی ہونے کے سبب عیسائی کتب مقدسہ کی چھان بین کا اہم فرض ادا کرنیکی اہلیت رکھتے ہیں۔ لیکن ہم نہیں چاہتے کہ ایسی کتب کو جنکی نسبت آسمانی ہونیکا دعویٰ کیا جاتا ہے محض ایک زمینی معیار سے ہی جانچیں کیونکہ آسمانی اور زمینی کتب میں لاریب آسمان و زمین کا فرق ہوتا اور اول الذکر موخر الذکر پر ایک خاص درجہ امتیاز اور فوقیت رکھتی ہیں۔ آسمانی کتب کا آسمان سے تعلق ہوتا ہے اور وہ خدائے تعالیٰ کے کسی پاک بندے کی معرفت غیب کے خزائن کو عالم سفلی کے باشندوں میں تقسیم کرتی ہیں

لہٰذا اُن میں جو خصوصیت ہوتی ہے وہ "نبوت" کا شعبہ یا پیشگوئیوں کا سلسلہ ہے۔
لہٰذا آسمانی یا الہامی کتب کی شناخت کے لیئے یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کتاب میں جو
نبوت یا نبوتیں کی گئی ہیں وہ کہاں تک عظمت و جبروت و صداقت کے مرصع زیور سے
آراستہ ہیں اور آیا کہ وہ احاطہ تحریر میں آنے یا اشاعت پانے کے بعد لفظ بہ لفظ
پوری بھی ہوئیں یا نہیں؟۔ پس اگر کسی کتاب میں درج شدہ نبوت یا نبوتیں اپنے
وقت پر پوری ہو جائیں تو اُنکا پورا ہونا اس امر کی علامت ہے کہ کتاب زیر بحث میں
خدائے تعالیٰ کا کلام ضرور موجود ہے۔ ایسی کتاب کو کلیتہً رد کرنا ایمانداری کا
شیوہ نہیں ہو سکتا البتہ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک کتاب ابتداءً خدائے تعالیٰ کی
طرف سے ہو لیکن فن تحریر کی عدم موجودگی یا عدم سہولیت کے باعث نازل شدہ کلام
الٰہی، صاحب کتاب کی حین حیات میں قلمبند نہ ہو سکا ہو اور اُسکی وفات کے بعد
طویل مدت گذرنے پر اُسکے پیروؤں میں سے دو چار ہوشیار اشخاص نے سُنی سُنائی
باتوں کو جمع کرکے کتابی صورتیں مرتب کر دیا ہو۔ ایسی حالت میں بھی ہم ان کتابوں کو
کلیتہً غلط نہیں ٹھہرائیں گے بلکہ یہ کہیں گے کہ اگر ان کتابوں میں درج شدہ کوئی
ایک "نبوت" بھی پوری ہو جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ کتاب دراصل خدائے تعالیٰ
کی طرف سے تھی مگر بعد میں اس کی عبارتوں کو محرف و مبدل کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ کس طرح
ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک غیر ملہم مصنف آیندہ آنیوالے واقعات کو ایک کتاب میں لکھدے
اور پھر وہ بعینہٖ بعد میں اُسی طرح پورے بھی ہوں جس طرح کہ کتاب میں پہلے لکھا جا چکا ہو
غرض ایک الہامی کتاب کے منجانب اللہ ہونے کا یہ معیار ہونا چاہیئے کہ اُس میں جو
"نبوتیں" لکھی ہوئی ہیں وہ لکھے جانے کے بعد نبوت کے مطابق پوری ہوں ہاں اگر
یہ پیشگوئیاں سُنی سُنائی کہانیوں کے مطابق کسی کتاب یا کتابوں میں پورا ہونے کے
بعد لکھی جائیں اور کہا جائے کہ فلاں شخص نے یہ پیشگوئی کی تھی جو فلاں وقت پوری ہوئی
لیکن پورا ہونے سے قبل وہ نبوت یا پیشگوئی حوالۂ قلم ہو کر شائع نہیں ہوئی تھی تو ایسی کتاب کا
[illegible] اللہ ہونا مشکوک ہوگا پس الہامی کلام کا یہ معیار ہونا چاہیئے کہ آیندہ آنیوالے

واقعات کی نسبت اُس میں نبوت کی گئی ہو اور پھر وہ نبوت یا نبوتیں پورا ہونے سے قبل تحریر میں آچکی ہوں اور نبوت کا وقت بھی ایسا ہو جب ظاہری حالات پر نظر کرکے کسی فانی انسان کے وہم میں بھی نہ آسکے کہ آئندہ واقعات وہ صورت اختیار کرینگے جو پیشگوئی میں مرقوم ہے۔ اب اس بات کو مدِ نظر رکھکر دیکھ لینا چاہیئے کہ آیا ایک کتاب من وعن خدا کا کلام ہے یا اُس میں خدائی کلام کے ساتھ انسانی بناوٹیں بھی مخلوط ہیں۔

اناجیل مروّجہ اور پیشگوئی کا معیار

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ آیا اناجیل مروّجہ بھی اس معیار کے مطابق خدا کا کلام ثابت ہوتی ہیں یا نہیں؟ اگر یہ ثابت کیا جاسکے کہ اناجیل میں ایسی پیشگوئیاں موجود ہیں جو پورا ہونے سے قبل تحریر میں آچکی تھیں تو ہر ایک طالب حق کا فرض ہوگا کہ کم از کم ان عبارتوں کو تو کلام الٰہی تصوّر کرلے اور مان لے کہ واقعی وہ کلام ہے جو یسوع مسیح پر نازل ہُوا تھا اور یسوع مسیح خدا کا نبی تھا۔ لیکن یہ نبوتیں، خدائی کی دلیل نہیں ہوسکتیں۔ اور نہ ہی ان چار کتابوں کے مصنفین کے اقوال کی بنا پر کوئی فیصلہ ہوسکتا ہے۔ ان لوگوں نے یقیناً مسیح سے مُدّت بعد موجودہ کتابیں لکھی ہیں اور اگر انمیں سے کوئی یہ کہے کہ فلاں پیشگوئی مسیح نے کی تھی جو اُسی طرح بعد میں پوری ہوئی تو یہ قول اس بات کا ثبوت نہیں ہوسکتا کہ واقعی حضرت مسیحؑ نے ایسی پیشگوئی فرمائی تھی۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ہر ایک پیشگوئی کی صداقت کے لیئے معیار یہ ہونا چاہیئے کہ وہ پیشگوئی پورا ہونے سے قبل قلم و کاغذ سے بغلگیر ہوچکی تھی یا ملہم کی اپنی لکھی ہوئی یا لکھائی ہوئی یادداشت اس کے پورا ہونے سے قبل موجود تھی۔ اسکے علاوہ یہ بھی دیکھنا لازم ہے کہ اس پیشگوئی کے اصل الفاظ کیا تھے اور آیا کہ وہ الفاظ واقعات پیش کردہ کے ساتھ کہاں تک مطابقت رکھتے ہیں؟ اگر اناجیل کی نبوتیں، ان شرائط کے معیار پر صادق آئیں تو ہم کو ضرور ماننا پڑیگا کہ اگر کُل نہیں تو اناجیل کے بعض حصص ضرور حضرت مسیح پر نازل شدہ الہامات ہیں اور صاحب الہامات یعنی یسوع مسیح خدائے تعالیٰ کے صادق نبی تھے۔

اناجیل اس معیار کے مطابق صداقت سے معرّا ہیں

آؤ اب ہم عہد جدید کی کتابوں کو بغور ملاحظہ کریں اور دیکھیں کہ آیا انہیں مذکورہ بالا شرائط کے مطابق کوئی پیشگوئی یا پیشگوئیاں پائی بھی جاتی ہیں یا نہیں؟ تمام اناجیل کو خواہ مصدقہ ہوں یا غیر مصدقہ متفق علیہ طور پر مانا جاتا ہے کہ وہ سب حضرت مسیح علیہ السلام کے واقعہ صلیب سے بہت دیر بعد لکھی گئی تھیں۔ گو مسیح اس واقعہ کے بعد بھی مدت تک زندہ رہے لیکن ملک شام سے انکا قطع تعلق ہو چکا تھا اور اہل شام کے نزدیک وہ اس زمین سے ہمیشہ کے لیئے رخصت ہو چکے تھے اسلیئے انجیلوں کی تمام تحریریں حضرت مسیح علیہ السلام کے جدا ہونے کے وقت سے بہت دیر بعد قلم و قرطاس کے سپرد ہوئی تھیں۔ اور یہ بھی مسلم امر ہے کہ اناجیل میں جو "نبوتیں" کی گئی ہیں اُن میں سے اکثر ایسی ہیں جو اناجیل کی تحریر میں آنے سے قبل ہی وقوع میں آچکی تھیں یا یوں کہو کہ جو واقعات نبوتوں کے متعلق پیش کیئے گئے ہیں اُنسے بہت مدت بعد انجیلیں لکھی گئی تھیں گویا دنیا کو ان واقعات کے بعد علم ہوا کہ ان امور کے متعلق یسوع مسیح نے کوئی پیشگوئی کی تھی۔ اگر ان اناجیل کی تحریر سے قبل کوئی یادداشت بھی ہوتی تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ حضرت مسیح کی نبوتیں اُسی وقت نوٹ کی گئی تھیں جب خدائے تعالیٰ نے اُنکو خبر دی تھی لیکن افسوس کوئی ایسی یادداشت موجود نہیں لہٰذا ہمارے پاس اس امر کے باور کرنے کا کوئی ثبوت نہیں کہ اناجیل کے مصنفین جن گذشتہ واقع شدہ پیشگوئیوں کا ذکر کرتے ہیں وہ در اصل مسیح علیہ السلام پر نازل شدہ الہامات کے مطابق وقوع میں آئیں تھیں یا عقیدت مند مریدوں نے اپنے پیر کی طرف یونہی منسوب کر دیں۔ اس نوعیت کی پیشگوئیاں بھی اناجیل میں کثیر التعداد نہیں بلکہ معدودے چند ہیں اور اُنکے متعلق جن واقعات کا ذکر ہے وہ انجیلی پیشگوئیوں کی اشاعت سے مدت مدید پہلے عدم سے وجود میں آچکے تھے۔ اور ان پیشگوئیوں کو بھی اگر ناقدانہ نظر سے دیکھا جائے تو "نبوت" اور واقعہ میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ لکھا ہے کہ جب فریسیوں نے مسیح سے نشان طلب کیا تو اُس نے کہا

"اس زمانے کے بد اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان اُنہیں دکھایا نہ جائے گا۔ کیونکہ جیسا یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا" متی ۱۲: ۳۹ و ۴۰ اور متی باب ۱۶: ۴ لوقا باب ۱۱ اور مرقس ۸: ۱۱ وغیرہ۔ اب یہ کہا جاتا ہے کہ جب یسوع کو قبر میں ڈالا گیا اور اسکے بعد وہ تیسرے دن جی اُٹھا تو یہ واقعہ اس پیشگوئی کے مطابق عمل میں آیا تھا۔ لیکن اس توضیح سے ہم کو اتفاق نہیں بلکہ اسپر دو سخت اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

اوّل۔ جو وقت 'نبوت' کے الفاظ میں دیا گیا ہے وہ اصل وقت سے تطابقت نہیں کھاتا۔ پیشگوئی میں تین دن اور تین راتیں مندرج ہیں مگر وقوع میں اسکے خلاف آیا ہے یعنی مسیح زمین کے اندر، صرف ایک دن اور دو راتیں رہے۔ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ اس پیشگوئی کو غلط قرار دیں اور سمجھیں کہ مسیح کی ایک 'نبوت' غلط نکلی۔

دوم۔ ہمارے پاس اس امر کے باور کرنیکے لیئے کوئی یقینی وجہ موجود نہیں کہ آیا یہ پیشگوئی مسیح نے کی تھی یا کسی زید بکر کی بناوٹ ہے کیونکہ یہ انجیلیں اس واقعہ کے بعد لکھی گئیں۔

اناجیل کی چند اور پیشگوئیاں

اس ایک نمونہ کے بعد ہم اناجیل کی باقیماندہ پیشگوئیوں پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں چنانچہ مرقس لکھتے ہیں (۱) "پھر وہ اُنہیں تعلیم دینے لگا کہ ضرور ہے کہ ابن آدم بہت دُکھ اُٹھائے اور بزرگ اور سردار کاہن اور فقیہ اسکو رد کریں اور وہ قتل کیا جائے اور تین دن کے بعد جی اُٹھے" مرقس ۸: ۳۱

(۲) "ابن آدم آدمیوں کے ہاتھ میں حوالے کیا جائیگا اور وہ اُسے قتل کرینگے اور وہ تیسرے دن زندہ کیا جائیگا" متی ۱۷: ۲۳

(۳) "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑوائیگا" متی ۲۶: ۲۱

(۴) "تم سب اسی رات میری بابت ٹھوکر کھاؤ گے" متی ۲۶: ۳۱

(۵) "میں تجھ (پطرس) سے سچ کہتا ہوں کہ اسی رات مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تو تین بار میرا انکار کریگا" متی ۲۶ - ۳۴

ان "نبوتوں" کے مطالعہ سے ناظرین پر یہ امر بخوبی روشن ہو جائے گا کہ محولہ بالا انجیلی عبارتیں یسوع مسیح کے شاگردوں کی بے وفائی - یسوع مسیح کی تکالیف - قبر سے نکالنے وغیرہ کے متعلق ہیں اور یہ تمام واقعات اس زمانہ سے مدتوں پہلے وقوع میں آ چکے تھے جبکہ اناجیل موجودہ کے مصنفین نے ان اناجیل کو قلمبند کیا تھا لہٰذا یہ پیشگوئیاں اُس معیار کے مطابق جو ہم نے مقرر کیا ہے پیشگوئیاں قرار نہیں دیجا سکتیں کیونکہ "نبوت" یا پیشگوئی کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی واقعہ کے عمل میں آنے سے پیشتر اسکی خبر دیجائے لیکن یہاں تو معاملہ ہی برعکس ہے اناجیل کے مصنف جو ان پیشگوئیوں کو مسیح کی طرف منسوب کرتے ہیں مسیح کے بعد گذرے اور شنی سنائی باتوں کو انہوں نے لکھ مارا اور اغلباً یہ ہُوا ہو گا کہ جذبات عقیدت سے متاثر ہو کر انہوں نے لکھدیا کہ مسیح کو جو دُکھ پہنچا اُس کی خبر انہوں نے پہلے سے دیدی تھی - اگر بفرض محال یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ مسیح نے ان واقعات کے متعلق پہلے سے خبر دی تھی تو ہمارے پاس یا مسیحی لوگوں کے پاس اس بات کے معلوم کرنے کا کیا ذریعہ ہے کہ یہ الفاظ وہی ہیں جو مسیح پر نازل ہوئے تھے - یا یہ کہ صلیبی واقعہ بعینہٖ حضرت مسیح کے الفاظ کے مطابق ظہور پذیر ہُوا ؟ کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا اور قیاس اس کی تصدیق نہیں کرتا کہ اناجیل کے مصنفوں نے صلیب کے واقعہ کو مسیح کے الفاظ سے تطابق دینے کے لئے الفاظ کو بدل دیا ہو؟ فتدبروا یا اولی الابصار

(باقی آیندہ انشاء اللہ)

حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق ایک اور پیشگوئی کا پورا ہونا

خدائے تعالیٰ نے اس اُمت مرحومہ کے اولیاء پر بھی عجیب در عجیب انعام کیئے ہیں جنکو

دیکھکر ایک انسان کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہو اور انسان بلا اختیار بول اُٹھتا ہے کہ اُس نبی کی کیا ہی شان ہے جسکے اتباع پر خدائے تعالیٰ کے اسقدر بڑے فضل ہیں اُن بڑے بڑے انعامات میں سے جو خدائے تعالیٰ نے اس اُمت کے صلحاء پر کیئے ہیں ایک کشف و الہام کا انعام بھی ہے اور اس اُمت کے بعض اولیاء اللہ کے الہامات و کشوف ایسے ہیں اور اُن کا دامن ایسا وسیع ہے کہ انسان کی عقل دیکھکر دنگ رہ جاتی ہے حتیٰ کہ اُن کے کشوف و الہامات اپنی صراحت اور وسعت اور تبیّن میں اگر کُل نہیں تو اکثر انبیاء بنی اسرائیل کے کشوف و الہامات پر کئی درجے سبقت لیجاتے ہیں۔ اِس اُمت مرحومہ کے صلحاء کے کشوف کی ایک عجیب مثال حضرت نعمت اللہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کا حیرت انگیز کشف ہے جس کا نظارہ انہوں نے ایک دلکش قصیدے میں کھینچا ہو اور چونکہ خدائے تعالیٰ کا منشاء تھا کہ یہ قصیدہ ہمیشہ کے لیئے محفوظ رہے اسلیئے خدائے تعالیٰ نے اس قصیدہ کو لوگوں میں ایک شہرت بخشدی۔ اور اُنہوں نے بڑی محبت کے ساتھ اس کو محفوظ رکھا اور شائع کرتے رہے اور جب خدائے تعالیٰ نے قلمی خزانوں کی حفاظت کا ایک نیا ذریعہ یعنی مطابع کا سلسلہ پیدا کیا تو قصیدہ مطبوع ہوگیا چنانچہ پہلے پہل اسکو مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید نے اپنی کتاب اربعین فی احوال المہدیین کے ساتھ شائع کیا۔ یہ کتاب ۲۵ محرم الحرام سنہ ۱۲۶۸ء میں شائع ہوئی۔ یعنی حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ مسیحیت سے بہت عرصہ پہلے۔ اور خود اس صاحب کشف بزرگ کو جس نے اپنے عجیب و غریب کشف کا نقشہ اس قصیدہ میں کھینچا ہے فوت ہوئے کئی سو سال ہوگئے یہ مرد با خدا ہندوستان میں اپنی ولایت اور اہل کشف ہونے کا شُہرہ رکھتا ہے اور ہندوستان کے اولیاء کاملین میں سے ہے۔ یہ دہلی کے نواح کے رہنے والے تھے۔ اُن کا زمانہ ۵۶۰ ہجری اُن کے دیوان کے حوالہ سے بتایا گیا ہے اور یہی زمانہ اس قصیدہ کی تصنیف کا ہی ہمیں یہاں اس قصیدہ کو تمام نقل کرنے کی ضرورت نہیں جو صاحب چاہیں

اربعین فی احوال المہدیین میں اسکو دیکھ سکتے ہیں اور حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اسکو اپنی کتاب نشان آسمانی میں جس کا دوسرا نام شہادۃ الملہمین بھی ہے شائع کیا ہے۔ ہمیں یہاں اس قصیدہ کی ایک ایسی پیشگوئی کا ذکر کرنا مقصود ہے جو آجکل پوری ہوئی ہے۔ جسوقت حضرت مسیح موعودؑ نے اس قصیدہ کو شائع کیا اُسوقت یہ پیشگوئی ابھی ظاہر نہیں ہوئی تھی مگر تعجب کی بات ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس خاص شعر پر جس میں یہ آنیوالی پیشگوئی درج ہے الٰہی تحریک سے ایک حاشیہ لکھا ہے جس میں آپنے کھولکر بیان فرمایا ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے جو آیندہ پورا ہوگا اور بڑی بسط سے اُسکی تفصیل بھی بیان فرمادی ہے کہ وہ اس رنگ میں پورا ہوگا چنانچہ جس رنگ سے حضرت مسیح موعودؑ نے اس نشان کا ظاہر ہونا بیان فرمایا ہے ہو بہو اُسی رنگ سے یہ پیشگوئی آج پوری ہوگئی ہے۔

قصیدہ کے ابتداء میں یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ مَیں ایک عجیب نظارہ دیکھتا ہوں اور ایک آنیوالے زمانہ کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے لایا گیا ہے پھر فرماتے ہیں کہ مَیں نجوم کی بنا پر یہ پیشگوئی نہیں کرتا بلکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ نظارہ مجھے دکھایا گیا ہے۔ وہ دو شعر جن کے ساتھ وہ اپنی پیشگوئی کو شروع کرتے ہیں یہ ہیں :-

قدرتِ کردگار مے بینم ❊ حالتِ روزگار مے بینم

از نجوم ایں سخن نمے گویم ❊ بلکہ از کردگار مے بینم

واقعی ہم تصدیق کرتے ہیں کہ اس بزرگ نے بناوٹ یا کسی زمینی علم کی بنا پر نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ سے علم پاکر اس عجیب قصیدہ کو شائع کیا ہے جس میں کئی عجیب و غریب واقعات کا انکشاف کیا گیا ہے جو آج سات آٹھ سو سال بعد پورے ہو رہے ہیں۔ اتنے بعید زمانہ کے واقعات کا ایسے بیّن اور روشن الفاظ میں نقشہ کھینچنا سوائے ایسے شخص کے جو خدا سے الہام پاکر بولتا ہو یا جسکی آنکھوں کو خود خدائے تعالیٰ

نے آنیوالے واقعات کا نظارہ کرا دیا ہو اور کسی متنفس کا کام نہیں ہو سکتا - اور یہ عجیب انکشافات خدائے تعالیٰ کی ہستی کا ایک زبردست ثبوت ہیں -

یہ بزرگ آگے چلکر فرماتے ہیں :-

غین و رے سال چوں گذشت از سال
بوالعجب کاروبار مے بینم

یعنی ۱۲۰۰ھ ہجری کے بعد عجیب و غریب کاروبار کشفی نظر میں مجھے دکھائی دیتا ہے اسکے بعد وہ تیرھویں صدی کے فتنوں کا نقشہ کھینچتے ہیں - اور پھر فرماتے ہیں

غم نخور ز انکہ من دریں تشویش ؛ خرمی وصل یار مے بینم

یعنی جن فتنوں اور تشویش کا نظارہ کھینچا گیا ہے جو ۱۲۰۰ھ کے بعد یعنی تیرھویں صدی میں ظاہر ہوں گے اُنکو سُنکر مت گھبراؤ کیونکہ اُن کے ظہور کے بعد ان فتنوں کو دُور کرنے کے لیئے دلبر کے ظہور کی خوشبو مجھے آتی ہے - وہ فرماتے ہیں

چوں زمستانِ بیچمن بگذشت ؛ شمس خوش بہار مے بینم

یعنی جب فتنوں اور تشویش کا زمانہ جو تیرھویں صدی کا زمانہ ہے گذر جائیگا تو تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کے سر پر مشرق سے ایک آفتاب طلوع کریگا - پھر نہایت ہی پیارے شعروں میں اُس دلبر کی شان کو بیان کیا گیا ہے بلکہ یہاں تک بھی لکھدیا گیا ہے کہ اُسکا نام احمد ہوگا اور وہی مہدی اور وہی عیسیٰ ہوگا - اُسکے وجود سے دین کا باغ رونق پکڑیگا اور دشمن ذلیل ہوگا - شان نبوت اُس میں نمایاں ہوگی اور علم و حلم اُس کا شعار ہوگا - اور پھر لکھا ہے

دور او چوں شود تمام بکام ؛ پسر او یادگار مے بینم

ان سب باتوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب نشان آسمانی میں بیان کر دیا ہے - ناظرین اُس جگہ ملاحظہ فرماویں - میری غرض اس جگہ ایک اور پیشگوئی کا بیان کرنا ہے جو اس قصیدہ کے آخر میں ہے اور جو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد آجکل پوری ہوئی ہے - یہ پیشگوئی قصیدہ

مذکورہ کے آخری شعر سے پہلے شعر میں ہے اور وہ شعر یہ ہے :-

ترکِ عیّار سُست مے نگرم

خصم او در خمار مے بینم

اس شعر کا مطلب جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اُسی وقت کتاب مذکور کے دیباچہ صفحہ د (طبع باردوم - جنوری ۱۸۹۶ء) پر لکھا ہے یہ ہے کہ اُس مسیح کے ظہور کے بعد تُرک کی سلطنت کچھ سُست ہو جاویگی اور سلطنت کا مخالف بھی فتح یابی کا کچھ اچھا پھل نہیں دیکھے گا - اور آخرکار فتح کا سرور جاتا رہیگا - اور خمار رہ جائے گا - چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات سے چار پانچ سال بعد یہ پیشگوئی ٹھیک اُسی طرح پوری ہو گئی جس طرح کہ حضرت نعمت اللہ ولی رحمۃ اللہ علیہ نے سات آٹھ سو سال قبل بیان فرمائی تھی اور اُسی تشریح کے مطابق جو ۱۸۹۶ء میں حضرت مسیح موعودؑ نے اس شعر کی بیان فرمائی - حضرت مسیح موعودؑ اُن معنوں کی نسبت جنکو مَیں نے اوپر نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ یہی "اس شعر کے صحیح معنے ہیں" اور عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ اٹلی والوں نے طرابلس میں اور بلقانی ریاستوں نے (جو قومیت کے لحاظ سے روسیوں کے بھائی بند ہیں اور در اصل یہ ایک ہی قوم کے لوگ ہیں اور اس قوم کا نام سلاونک Slav ہے اور اُنہوں نے روسیوں کی شہ اور امداد سے تُرکوں کے ساتھ جنگ کی ہے) مشرقی یوُرپ میں تُرکوں کو سخت شکست دیکر انکو ان ملکوں سے نکالدیا ہے اور انکی طاقت کو سخت کمزور کر دیا ہے - مگر پھر بھی حضرت نعمت اللہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کی پیشگوئی اور حضرت مسیح موعودؑ کی تشریح کے مطابق ان مسیحی قوموں کو اپنی فتح کا سرور جاتا رہا ہے اور صرف خمار ہی باقی رہ گیا ہے۔ اٹلی والوں نے فتح تو حاصل کی مگر کچھ فائدہ حاصل نہیں کیا بلکہ نقصان

اُٹھایا ہے اور ابتک طرابلس کے عربوں نے ناک میں ان کا دم کر رکھا ہے اور ساحل سے آگے بڑھ نہیں سکے اور ابھی تھوڑے دن ہوئے ہیں کہ درنہ کے مقام پر ۲۶ مئی کو عربوں نے اٹلی والوں کو بھاری شکست دی اور انکے کئی افسر میدان جنگ میں کام آئے۔ اور جانوں کا سخت نقصان ہوا۔ آخر اٹلی والوں کو اپنے مردے اور زخمی سپاہی اور افسر اور سارا سامانِ جنگ میدان میں ہی چھوڑ کر بھاگنا پڑا اور پھر بھی عربوں نے پیچھا نہ چھوڑا اور بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو تہ تیغ کیا آخر بڑی مشکل سے اٹلی والے ساحل کے قریب اپنے مورچوں میں آکر پناہ گزین ہوئے۔٭ تب اُن کے دم میں دم آیا۔ غرض اس بات میں کچھ شک نہیں کہ اٹلی والوں کا فتحیابی کا سرور بالکل جاتا رہا ہے۔ صرف خمار ہی خمار رہ گیا ہے۔ بلقانی ریاستوں کا بھی یہی حال ہے فتحیابی کے بعد آپس میں لڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے کو تہ تیغ کر رہے ہیں اور کئی ہزار آدمی انکی باہمی جنگ کی وجہ سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ دیکھیئے کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ مگر اس بدمزگی اور باہمی کشیدگی اور جنگ وجدل سے فتحیابی کا سرور تو انکا بھی جاتا رہا ہے۔ صرف خمار باقی ہے۔

اس نوٹ میں حضرت مسیح موعود نے ایک اور بھی لطیف بات لکھی ہے اور وہ بھی پوری ہو رہی ہے۔ آپ اس شعر کی تشریح کے بعد تحریر فرماتے ہیں "اور حدیثوں کے رُو سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مہدی کے ظہور کے وقت ترکی سلطنت کچھ ضعیف ہو جائے گی۔ اور عرب کے بعض حصوں میں نئی سلطنت کے لیئے کچھ تدبیریں کرتے ہونگے اور ترکی سلطنت کو چھوڑنے کے لیئے تیار ہونگے۔ سو یہ علامات مہدی موعود اور مسیح موعود کی ہیں۔ جس نے سوچنا ہو سوچے" یہ علامات بھی صریح طور پر آج پوری ہو رہی ہیں کُل دنیا جانتی ہے کہ ترکی سلطنت ضعیف ہو چکی ہے اور یہ ضعف اُسکو خصوصاً سنہ ۱۹۱۲ء میں پہنچا ہے اور عرب کے بعض حصوں میں ترکی سلطنت سے آزادی حاصل کرنے اور آزاد خود مختار حکومت قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

٭ اس مضمون کے لکھنے کے بعد اٹلی والوں کو طرابلس میں ایک اور سخت شکست پہنچی ہے جسمیں بہت سے اٹالوی افسر اور سپاہی ہلاک ہو گئے ہیں۔ [illegible] ۵ جولائی ۱۹۱۳ء

چنانچہ اٹلی کی جنگ سے پہلے اپنی آزادی کے لیئے اہل عرب نے ترکی فوجوں کا مقابلہ کیا اور اس جنگ میں ترکوں کو سخت زکیں پہنچیں - اب بلقان کی لڑائی کے ختم ہونے کے بعد عرب پھر ترکوں کا جوآ اپنے سروں پر سے پھینک دینے کی فکر میں ہیں - اور بعض حصوں میں تو انہوں نے ترکوں کا مقابلہ بھی کیا ہے اور عربوں میں ترکوں سے آزادی حاصل کرنے کے لیئے ہل چل جاری ہے اور ابھی چند دنوں کی بات ہی کہ دو ترکی افسر عربوں کے ہاتھ سے بصرہ کے قریب قتل کیئے گئے - ذیل میں اخبار پاؤنیر کے تازہ پرچوں میں سے چند اقتباسات نقل کیئے جاتے ہیں تا ناظرین کو معلوم ہو کہ واقعی بعض حصوں میں جنگلی عرب ترکوں کی حکومت کا جوآ اپنی گردنوں پر سے اُتار پھینکنے کی کوشش میں ہیں -

پاؤنیر ۲۵ - مئی ۱۹۱۳ء رقمطراز ہے :-

"شمال مشرقی عرب کے متعلق جو خبر بصرہ سے شائع کی گئی ہے اُسکو پڑھکر تعجب ہوتا ہے - بیان کیا گیا ہے کہ عرب کے ایک شیخ - بن سعود نامی نے دو قلعوں القطیف اور الحصان پر حملہ کیا اور جتنی ترکی سپاہ ان دو قلعوں میں موجود تھی - اُن سب نے عربوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے - اور شیخ مذکور نے ساری ترکی سپاہ کو پکڑ کر ایک انگریزی جہاز میں سوار کر کے بحرین میں بھیجدیا ہے"

پاؤنیر مورخہ ۲ جون ۱۹۱۳ء عرب میں بے چینی - بنی عکوف کے قبیلہ کی بابت خبر پہنچی ہے کہ وہ مکہ معظمہ اور جدہ کے مابین سات سو آدمی کی تعداد میں جمع ہے اور جدہ سے خبر آئی ہے کہ تمام سڑکیں جو جدہ سے ملک کے اندر جاتی ہیں انکو انہوں نے روک رکھا ہے "

پاؤنیر مورخہ ۲۰ - جون ۱۹۱۳ء -

"چند سالوں سے نہ صرف جزیرہ نمائے عرب میں بلکہ عراق عرب میں بھی قسطنطنیہ کی حکومت کے برخلاف سخت نفرت محسوس کی جا رہی ہے - یمن میں جو بار بار بغاوتیں ہوتی رہیں وہ اسی نفرت کا ثبوت تھیں - اور جزیرہ نمائے عرب

کے مشرق میں امیرِ نجد اور دیگر شیخ گاہے گاہے اپنی آزادی اور خود مختاری کا عملی اظہار کرتے رہتے ہیں۔ دجلہ و فرات کی وادی میں جو عربی قبائل بود و باش رکھتے ہیں وہ اس وقت بھی وقتاً فوقتاً بغاوت کا جھنڈا کھڑا کرتے رہے جبکہ نظام پاشا مرحوم بغداد میں حاکم تھا اور عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک وسیع بےچینی علاقہ بغداد میں پھیلی ہوئی تھی۔ نوجوان ترکوں کی حکومت کے آنیسے کوئی نیک نتیجہ .. .. پیدا نہیں ہوا۔ جب پہلے اٹلی کے ساتھ اور پھر بلقانی ریاستوں کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی تو تھوڑے عرصہ کے لیئے بغاوت رُکی رہی۔ اور اس اپیل نے کہ سب مسلمانوں کو ایک ہو جانا چاہیئے عربوں پر بھی اثر کیا اور اسلیئے اُنہوں نے اس عرصہ میں بغاوت کے خیال کو ملتوی کر دیا۔ اب جبکہ جنگ کا زمانہ گذر چکا ہے اہل عرب پھر سلطنت روم کے برخلاف بےچینی کا اظہار کر رہے ہیں اور اگر آستانہ علیا سخت شورش کو روکنا چاہتا ہے تو اُسکو چاہیئے کہ عربوں کے ساتھ اپنی حکومت کی پالیسی میں کچھ اصلاح کرے۔ چونکہ یورپ کے بہت سے صوبے اب ترکوں کے ہاتھ سے نکل چکے ہیں اسلیئے اب سلطنت روم کو یہ ضرورت پیش آئی ہے کہ جو ترک حکام اور عہدہ دار۔ پہلے یورپ کے علاقوں میں مختلف مقامات پر متعین تھے اُنکو یا تو پنشن دیکر رخصت کرے یا ایشیائی صوبوں میں اُنکو بھرتی کرے اور ایسے عہدہ داروں کی تعداد کچھ کم نہیں جو یورپ کے صوبجات کے نکل جانے کے سبب اب بیکار ہو گئے ہیں۔ مالی حالت اجازت نہیں دیتی کہ ان بیکار عہدہ داروں کو پنشن دیکر رخصت کر دیا جاوے۔ اسلیئے اس عہدہ داروں کی فوج کے لیئے ایشیائی صوبوں میں جگہ تلاش کی جا رہی ہے اور اس کا ایک نتیجہ اب یہ ہوگا کہ جو عہدے پہلے عربوں کو اپنے اپنے علاقوں میں ملتے تھے اب وہ ترکوں کو دیئے جائیں گے اور یہ امر آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس سے عربوں میں ضرور ناراضگی پھیلے گی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ نتیجہ عرب کے شمال مغربی حصہ میں ابھی سے ظاہر ہونا شروع ہو گیا ہے اور بعض عرب کے

قبائل اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور جو راستہ حاجیوں کا جدہ سے مکہ معظمہ کی طرف جاتا ہے اُس راستہ میں لوگوں کی آمد و رفت کو روک رکھا ہے۔ امید کیجاتی ہے کہ اب پھر اس امر کا تقاضا شروع ہوگا کہ عرب ترکوں سے آزاد ہونا چاہیئے اور اس میں ایک خود مختار حکومت قائم کی جانی چاہیئے۔ عرب کے مشرقی حصہ میں نجد کے امیر نے کوئی بہت لمبا انتظار نہیں کیا اُس نے کویت سے القطیف تک جہاں جہاں ترکی فوج موجود تھی اُسکو بالکل نکال دیا ہے اور اس علاقہ کو ترکوں سے بالکل صاف کر دیا ہے۔ اور ترکی بندرگاہ پر اپنا پورا قبضہ جما لیا ہے۔ ہمیں اس وقت پورے طور پر معلوم نہیں کہ عراق عرب و میسوپٹومیا میں کیا ہو رہا ہے۔ مگر یہ کہا جاتا ہے کہ وہاں کے ترکی حکام عربوں کی حالت پر بالکل مطمئن نہیں ہیں نجد کے امیر کی کامیابی کی خبر اس علاقہ کے عربوں پر اثر ڈالنے کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ غرض بہیئت مجموعی موجودہ حالت دلچسپی سے پُر ہے اور اس قابل ہے کہ اسپر احتیاط سے نظر رکھی جائے۔ کہ واقعات کیا رنگ اختیار کرتے ہیں۔"

پائونیر مورخہ ۲۵۔ جون ۱۹۱۳ء۔ "بصرہ میں عربوں کی ایک جماعت نے ایک ۔۔ ترکی فوجی افسر کو قتل کر دیا ہے جبکہ وہ ۲۰ ماہ حال کو رات کے وقت جہاز سے خشکی پر اُتر رہا تھا۔"

"ابھی تک یہ خبر نہیں پہنچی کہ بغداد ۔۔ سے جنوب کی طرف عربوں میں بغاوت کہاں تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بصرہ کے گرد و نواح میں سخت بے چینی اور ناراضگی پھیلی ہوئی ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ فوجی افسر کے علاوہ متصرف یعنی ضلع کے حاکم کو بھی قتل کیا گیا ہے۔ بظاہر قتل کے معاملہ میں عرب بھی ترکوں کے قدم بقدم چل رہے ہیں۔"

پائونیر مورخہ ۲۶ جون ۱۹۱۳ء "بصرہ کے قریب جو عربوں میں بغاوت برپا ہوئی ہے اُسکی نسبت بعد کی خبر یہ ہے کہ مذکورہ بالا فوجی افسر مارا مارس

جہاز پر ۲۰- جون کو بوشہر سے روانہ ہوا۔ اور جہاز واپسی پر یہ خبر لایا کہ افسر مذکور کو عربوں نے قتل کر دیا ہے"۔

پائونیر مورخہ ۲۷- جون ۱۹۱۳ء "عربوں کے ہاتھ سے دو ترکی افسروں کے قتل کی خبر جو بصرہ سے آئی ہے وہ کوئی ایسی خبر نہیں جس کو سنکر انسان حیران ہو۔ کچھ عرصہ سے یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ اس علاقہ کے عربوں میں ترکی سلطنت کے برخلاف بے چینی پائی جاتی ہے۔ اور ترکوں نے انکی بغاوت کو روکنے میں سُستی کی۔ ترکوں کے برخلاف امیر نجد کو جو حیرت انگیز طور سے پوری کامیابی حاصل ہوئی ہے اُس سے اِن عربوں کا حوصلہ بھی بڑھ گیا ہے۔ بصرہ میں جو عربوں کو کامیابی حاصل ہوئی ہے اور جس طرح انہوں نے دو ترکی افسروں کو قتل کر دیا ہے۔ اس سے خطرہ ہے کہ یہ بغاوت ملک عرب کے دوسرے حصوں میں بھی پھیل جاویگی یہ واقعہ اس بات کا ایک اور ثبوت ہے کہ عربوں اور ترکوں کے درمیان سخت عداوت ہے اور ترکی کے جو صوبے ایشیا میں ہیں انپر اس عداوت کا سخت بُرا اثر پڑنے کا امکان نظر آتا ہے۔ عربوں اور ترکوں کے درمیان جو اسلامی اخوت کا رشتہ ہے وہ بھی اسوقت بے اثر نظر آتا ہے اور ممکن ہے کہ جلدی ہی ایک ایسی عام تحریک قائم ہو جاوے جسکی کوشش یہ ہو کہ نہ صرف جزیرۂ نما عرب میں خود مختار حکومت قائم کی جاوے بلکہ شمالی اضلاع بھی ترکی حکومت سے آزاد کیئے جاویں"۔

ناظرین غور فرماویں کہ پائونیر کے مذکورہ بالا نوٹوں سے حضرت نعمت اللہ ولی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کی کیسی تصدیق ہوتی ہے جسکا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور جس ہیں لکھا ہے کہ ترکی سلطنت میں سُستی پیدا ہو جائیگی اور عرب کے بعض حصوں میں آزاد خود مختار حکومت قائم کرنیکی کوششیں شروع ہو جائینگی - اب بعینہٖ ایسا ہی ہو رہا ہے۔ کیا اب بھی تمہیں اس مسیح موعود و مہدی مسعودؑ کے ماننے میں کچھ تامل ہو سکتا ہے

جسکے نشان اس طرح کھلے طور پر پورے ہو رہے ہیں۔ اس سے زیادہ بین تصدیق کیا ہو سکتی ہے۔

پھر پاؤنیر مورخہ ۲۸۔ جون ۱۹۱۳ء میں ایڈیٹر لکھتا ہے:۔

"خلیج فارس سے جو خبریں آتی ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ترکی سلطنت الحصا کے صوبہ میں اپنا تسلط دوبارہ قائم کرنے کے لیئے کوئی کوشش نہیں کر رہی اور اب امیر نجد کا تسلط اُس علاقہ میں پورے طور پر قائم ہو چکا ہے۔"

کیا اب بھی مخالفین کو اس امر کے ماننے میں کچھ تامل ہو سکتا ہے کہ ترکی سلطنت سُست ہو چکی ہے اور عرب کے شیخ اور امیر ترکی حکومت سے آزاد ہوکر خود مختار ریاستیں قائم کر رہے ہیں۔ ناظرین کی خدمت میں میں دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ دیکھو کہ حضرت نعمت اللہ ولی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی اور آپ کے نشان کیسے کھلے طور پر پورے ہو رہے ہیں۔ کیا یہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا ایک بیّن نشان نہیں ہے؟

فرقہ پراٹسٹنٹ کی بائیبل

پراٹسٹنٹوں کی کتاب مقدس کے متعلق رومن کیتھولک فرقہ کے مسیحیوں کے عقیدہ کو معلوم کرنا ناظرین کے لیئے خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ پہلے اشخاص جنہوں نے اضلاع متحدہ کی سلطنت امریکہ میں قائم کی وہ پراٹسٹنٹ فرقہ کے مسیحی تھے انہوں نے انگلستان میں اس امر کا تجربہ کر لیا تھا کہ مذہب کی خاطر دوسروں کو ایذا دینا کیسی قابل نفرت چیز ہے کیونکہ یہی ایذا رسانی اُنکے وطن چھوڑنے اور ایک بڑے لمبے چوڑے سمندر کو عبور کرکے بحر اوقیانوس کے پار امریکہ کے جنگلوں اور درندوں کے درمیان بود و باش اختیار کرنے کا باعث ہوئی تھی۔ اسی لیئے جب انہوں نے

امریکہ کے ساحل پر ایک خودمختار ریاست قائم کی تو اُنہوں نے اپنی حکومت کے اصول میں مذہبی آزادی کو داخل کیا۔ اب اس آزادی کا نتیجہ یہ ہُوا ہے کہ وہاں رومن کیتھولک فرقہ بہت بڑھ رہا ہے اور یہاں تک ترقی کر گیا ہے کہ اضلاع متحدہ میں کثیر التعداد لوگ اس مذہب میں داخل ہو گئے ہیں۔ اسکے عروج نے بہت سے پراٹسٹنٹوں اور نیز بہت سے فری تھنکروں کو جو اسے آزادی اور ترقی کا حارج گمان کرتے ہیں نہایت خوف زدہ کر دیا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ رومن کیتھولک فرقہ کا ستارہ اگرچہ پُرانی دنیا کے ممالک میں دن بدن زوال پذیر ہو رہا ہے لیکن نئی دنیا میں عروج پر ہے بہت عرصہ گذرا ہے جب یہ مذہب انگلستان سے نابود ہو گیا اور تھوڑے ہی عرصہ کا ذکر ہے جب فرانسیسیوں نے اسکا بیڑا غرق کر دیا۔ اہل پرتگال نے ابھی بادشاہ اور پوپ ہر دو کو برطرف کر دیا ہے اور ہسپانیہ والے بھی پوپ کے برخلاف ہیں۔ جرمنی میں اسکی طاقت کو زوال شروع ہو گیا ہے۔ خود اٹلی میں جو پوپ کا صدر مقام ہے پوپ کی طاقت بہت کمزور ہے۔ اگرچہ رومن کیتھولک مذہب خود اپنے ممالک میں زوال پر ہے لیکن مغربی دنیا کے کناروں پر ترقی کر رہا ہے اور مسیحیت کے دوسرے فرقے اسکی طاقت کے بڑھنے سے دُکھ میں ہیں۔ پراٹسٹنٹ مذہب کے مختلف فرقے جو قریب دوسو کے ملک امریکہ میں پائے جاتے ہیں اسکے برخلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں کیونکہ رومن کیتھولک لوگوں کی موجودگی میں وہ اپنی راہ پر آزادی سے نہیں چل سکتے۔ اور انکی دخل اندازی سے گاہ گاہ مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا امر ذیل کے واقعات سے بخوبی ظاہر ہو سکتا ہے۔

نیو آرلیانز کے پراٹسٹنٹ منسٹرز اسوسی ایشن نے مدرسوں میں بائیبل کا پڑھایا جانا لازمی قرار دیا اور انکا یہ گمان تھا کہ مسیحیت کا کوئی فرقہ اس تجویز کی مخالفت نہیں کرے گا۔ اسپر کیتھولک آگے بڑھے اور ذیل کی حجت پیش کی "اگر پراٹسٹنٹ منسٹرز اسوسی ایشن مدرسوں میں بائیبل کا ہونا ضروری سمجھتی ہے تو کیتھولک کا یہ دعویٰ ہے کہ ہماری ہی بائیبل ہو اور ہمارے ہی پادری لڑکوں کو مدرسوں میں بائیبل کی تعلیم دیں۔ پراٹسٹنٹ بائیبل کا ہمارے لڑکوں کے ہاتھ میں ہونا ہم کو ناگوار معلوم

ہوتا ہے۔ ہم یہ صاف الفاظ میں کہدیتے ہیں کہ پراٹسٹنٹ بائیبل کا ہمارے شہر کے مدرسوں میں رائج ہونا ہم کو منظور نہیں "۔

ہم کو معلوم نہیں کہ پراٹسٹنٹوں کے کثیر التعداد فرقے اس حجت کا کیا جواب دینگے۔ مدرسوں میں بائیبل کے رائج کرنے کی بڑی دلیل یہ پیش کی جاتی تھی کہ یہ کتاب مسیحیت کے سب فرقوں کے نزدیک مسلم ہے اسلیئے اسکے رائج کرنے میں کسی فریق کو اعتراض نہیں ہوگا۔ اب یہ دلیل بھی ٹوٹ گئی۔ کیونکہ اب یہ سوال پیدا ہوگیا ہے کہ اگر بائیبل کو رائج کیا جاوے تو کونسی بائیبل جاری کیجاوے۔ پراٹسٹنٹ بائیبل رومن کیتھولک کے عقائد میں غلط اور نادرست ہے اور قابل تسلیم نہیں ہے اور انکی بائیبل پراٹسٹنٹوں کے عقائد کے رُو سے ناقابل تسلیم ہے اور تعجب یہ ہے کہ دونوں فریق اپنی اپنی بائیبلوں کو خدا کا کلام بتاتے ہیں۔ ان دونوں فرقوں کو چاہیئے کہ پہلے آپس میں فیصلہ کرلیں کہ کونسی کتاب سچی ہے اور پھر متفق ہوکر دنیا کے آگے سچی بائیبل اور خدا کا کلام پیش کریں۔ اور فریقین کیتھولک بائیبل کے ان حصوں کا بھی فیصلہ کرلیں جنکو پراٹسٹنٹوں نے اپنی بائیبل سے خارج کردیا ہے :

ماہوار رپورٹ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ جون ۱۹۱۳ء

صیغہ یتامیٰ :- آمد ۱۵/ ... اور خرچ ... ہوا۔ اس فنڈ میں یکم جولائی کو صرف ... بقایا رہا ہے۔ یتامیٰ کو پورا خرچ ملتا ہے جسکی ماہوار اوسط ... ہوتی ہے۔ اور یتامیٰ کو ... ماہوار کے وظائف ملتے ہیں۔ یتامیٰ کو نجاری کا کام اور ... کو درزی کا کام سکھایا جاتا ہے۔

صیغہ زکوٰۃ :- آمد ... اور خرچ ... ہوا۔ یکم جولائی کو اس فنڈ میں ۷-۶-۳۱۲۵ بقایا تھا۔ اس ماہ ... مساکین مسافروں کو زادِ راہ کے لیئے ... مساکین کو متفرق امداد کے لیئے ... مساکین کو بطور وظائف ... نومسلموں وغیرہ کے وظائف پر

اور للعہ ۵ انتظامی اخراجات پر خرچ ہوئے۔

صیغہ تعلیم:- ہائی سکول ۲- اگست ۱۹۱۳ء سے بوجہ موسمی تعطیلات ڈیڑھ ماہ کے لیئے بند رہے گا۔ اگر کسی صاحب نے تعلیم کے لیئے اپنے بچے یہاں بھیجنے ہوں تو بہتر ہے کہ بعد گذرنے تعطیلات کے بھیجیں۔ مدرسہ احمدیہ بھی ان ایام میں بند رہے گا۔ ہائی سکول میں قاضی عبد اللہ صاحب بی۔ اے لاہور سے بی۔ ٹی کلاس کا امتحان دیکر واپس آ گئے ہیں۔ اسوقت عملہ مدرسہ میں پانچ بی۔ اے کام کر رہے ہیں اور ایک مدرس باہر کے کالج میں بی۔ اے کا امتحان دینے کی غرض سے رخصت پر ہیں۔ اس فنڈ میں ۴-۱۱-۷۶۲ یکم جولائی ۱۹۱۳ء کو بقایا ہے۔ اس سال کے لیئے سالانہ امتحان کے نتیجہ کے بعد ما۱۱ ماہوار کی امداد گورنمنٹ سے منظور ہوئی۔ گذشتہ سال ما۱۱ تھی۔ درزیخانہ سے ۵ کی پارچات کی سلائی کی آمد ہوئی اور للعہ عملہ و دیگر اخراجات پر صرف ہوئے۔

صیغہ مقبرہ:- اس ماہ سید گلزار حسین صاحب کاتب فوت ہوئے اور مقبرہ میں دفن کیئے گئے انا للہ وانا الیہ راجعون ۷ وصایا جدید پہنچی ہیں۔ اور اس ماہ مندرجہ ذیل احباب کی طرف سے ذیل کی بڑی بڑی رقوم وصول ہوئیں۔

(۱) وزیر خاں صاحب قادیان بحساب وصیت اہلیہ خود (۲) چودھری محمد حسین صاحب قانونگوئی۔ سیالکوٹ (۳) چودھری غلام سرور صاحب قانونگوئی۔ سیالکوٹ (۴) شیخ محمد فقیر اللہ صاحب از مظفر نگر (۵) شیخ فضل کریم صاحب از دہلی (۶) ڈاکٹر بشارت احمد صاحب از راولپنڈی (۷) بابو بشیر الدین صاحب پوسٹماسٹر از مس بیلہ (۸) میاں غلام احمد صاحب تلونڈی جھنگلاں (۹) ڈاکٹر غلام دستگیر صاحب (۱۰) بابو عبد الرحمن صاحب از شملہ

حکیم فضل الدین صاحب مرحوم کی موہومہ اراضی کی ما اور حافظ نور محمد صاحب ساکن فیض اللہ چک کی اور میاں احمد الدین صاحب برانچ پوسٹماسٹر کی زمین کی آمد اس ماہ ہوئی۔ فنڈ صیغہ مقبرہ ۳۰- جون ۱۹۱۳ء کو ما۱۱ کا مقروض تھا۔ اس ماہ سا آمد اور صما خرچ ہوا۔ خرچ میں چارسو پانچ روپے صرف تبلیغ اسلام

کے کام پر صرف ہوئے۔ جنہیں سے اڑھائی سو روپیہ کے قریب چار واعظین کے بہمن بڑیہ ملک بنگال بھیجنے پر صرف ہوا۔

صیغہ بیت المال:۔ مہمان بکثرت آتے ہیں۔ موسمی تعطیلات میں کالجوں سے احمدی طلباء بغرض حصول تعلیم قرآن مجید یہاں آکر رخصت گذارتے ہیں۔ اور بجائے اپنے گھروں میں رخصت گذارنے کے قادیان میں دینی تعلیم کے لئے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

یکم جولائی ۱۹۱۳ء کو یہ فنڈ ۹-۱۵-۳۷ ۳۷ کا مقروض تھا۔ اور یہ قرضہ یوماً فیوماً بڑھ رہا ہے احباب ضرور توجہ کریں۔

صیغہ تعمیر:۔ تعمیر کا کام برابر سرگرمی سے جاری ہے۔ گو فنڈ اجازت نہ دیتا تھا کہ یہ کام جاری رہے۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح نے پانچ ہزار روپیہ بطور قرض بعض احباب سے منگا کر دیا ہے۔ جس سے کام جاری ہے۔ اور علاوہ اس امر کے کہ اس قرضہ کی بے باقی کے لئے روپیہ چاہیئے۔ تکمیل کام کے لئے ابھی بہت سے روپے کی اشد ضرورت ہے۔ گذشتہ تحریکوں پر اس مد میں جماعت لاہور نے تیرہ سو روپیہ وصول کرکے ارسال کیا ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ اگر دیگر احباب بھی اسی طرح چندہ تعمیر کے وعدوں کا روپیہ اسوقت بھیجدیں۔ تو کام بآسانی ہو سکتا ہے۔ اسلئے جملہ احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ از راہ کرم چندہ عمارت کے وعدوں کا ایفا کرکے ممنون فرماویں۔ ایسے ضرورت کے موقع پر اللہ کی راہ میں صرف کرنا بڑا درجہ رکھتا ہے۔ عمارت کے اس غیر معمولی خرچ نے سب صیغوں کے بقایا پر اثر ڈالا ہوا ہے۔ اور جن مدوں میں روپیہ تھا وہ بھی اس کام پر صرف ہونیکی وجہ سے خالی پڑی ہیں اور صرف کاغذات میں ہی ہزاروں کی تعداد میں بقایا نظر آرہا ہے۔ ورنہ ملازمین کی تنخواہوں کا بعض وقت ادا ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ آپ اس بات سے اندازہ لگا سکیں گے کہ کسقدر دقت کا سامنا ہے جسکی طرف آپ لوگوں کی فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ یکم جولائی کو خزانہ میں ۱۰-۹-۲۲۸۹ بقایا تھا۔ جبکہ ابتدائی ماہ میں جملہ ملازمین کی تنخواہیں۔ بل سائر اخراجات وغیرہ ادا کرنے ہوتے ہیں۔ تو یہ روپیہ کسی طرح پر کافی نہیں ہو سکتا۔ ان ضروریات کے لئے قریباً سات آٹھ ہزار روپیہ ہر ماہ خزانہ میں موجود ہو تو بہت آسانی سے تمام مدوں کا روپیہ ادا ہو سکتا ہے

اور یہ سب دِقّت صرف اسلیئے پیش آئی ہے کہ گورنمنٹ سے تیس ہزار روپیہ گرانٹ کا لینے کی خاطر عمارت مدرسہ پر بہت سا روپیہ صرف کرنا پڑا۔ پس مَیں جملہ احباب کیخدمت میں یہ التماس کرتا ہوں۔ کہ وہ چندہ تعمیر بھیجنے کی طرف خاص توجہ سے کام لیں۔ اس سے نہ صرف خاص صیغہ تعمیر میں ہی سہولت ہوگی بلکہ دیگر صیغوں میں بھی انشاء اللہ تعالےٰ تکالیف رفع ہوجاویں گی۔

دفتر محاسب :۔ اس ماہ کل آمد ۶-۶-۴-۶۹۷ اور کل خرچ ۷-۳-۳۰۸-۶ ہُوا۔

شفاخانہ دارالعلوم :۔ اس ماہ ۱۰۷۸ مریض علاج کے لیئے جنمیں ۶۰۳ نئے تھے مائینر اپریشن ۴ ہوئے۔

شفاخانہ اندرون قصبہ :۔ کُل مریض ۱۵۸۷ آئے۔ انمیں ۵۰۷ نئے تھے مائینر اپریشن ۱۳ تھے۔

دفتر سکرٹری :۔ چودھری فتح محمد صاحب ایم۔ اے کو ۲۸۔ جون ۱۹۱۳ء کو خواجہ صاحب کی امداد کے لیئے حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے روانہ کیا ہے۔ ایسا ہی خواجہ صاحب نے اپنے منشی شیخ نور احمد صاحب کو بھی بُلا بھیجا ہے اور وہ بھی ماہ جون میں روانہ ہوگئے ہیں۔ خواجہ صاحب اشاعت اسلام کے کام میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اور خدا کے فضل سے یہ سلسلہ اشاعت دن بدن بڑھتا جاتا ہے خدائے تعالیٰ اس میں ترقی دے اور ان تمام لوگوں کا حافظ و ناصر ہو۔ ذیل میں خواجہ صاحب کا تازہ خط درج کیا جاتا ہے۔

خواجہ صاحب کا خط بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بحضور حضرت خلیفۃ المسیح بحضور والا سلمہ اللہ تعالےٰ ۔ نوازشنامہ مل گیا۔ خدا کے فضل کے دروازے کھلتے جاتے ہیں اور یہ تحریک موجودہ کسی قدر مرکزی حیثیت اختیار کرتی جاتی ہے اسوقت شمالی امریکہ۔ جنوبی امریکہ۔ چین۔ بخارا۔ سنگاپور۔ پنانگ سیلون۔ آسٹریلیا۔ گویا مسلمانان عالم کے خطوط برابر شروع ہو رہے ہیں اور چاروں طرف سے امداد اور حوصلہ افزائی کے لیئے لکھ رہے ہیں۔

اگرچہ اصل فضل اور برکت تو آسمان سے آنی چاہیئے۔ مجھے بلجیم بلایا گیا ہے جس وقت یہ خط پہنچیگا اگر خدا کو منظور ہوا تو اسوقت مَیں بلجیم میں ہونگا؛ لندن کے ایک مشہور اخبار نے جس کا ایڈیٹر ایک ممبر پارلیمنٹ ہے اور وجیہ اخبار ہے اُس نے اسلامک ریویو پر ریویو کرکے حیرت ظاہر کی ہے کہ اسلام میں اسقدر خوبیاں ہیں اور ہمیں علم تک نہیں۔

انگلستان میں پانچوقت اذان برادران انشاءاللہ اب وقت بہت قریب ہے جب یہ خوشخبری مجھ سے سنوگے کہ اب مَیں نے ایسی جگہ مستقل ڈیرہ جمایا ہے جہاں باآواز بلند پانچوقت اذان اور نماز ہوگی رب لا تذرنی فرداً وانت خیرالوارثین والی دعا ضرور سُنی جاوے گی۔ میری دعائیں جو متصل مسجد ووکنگ میں چھ ماہ ہوئے ہیں اُنکا ابتدائی حصہ عنقریب شرف قبولیت حاصل کرنے کو ہے۔ ہاں وقت دعا ہے۔ خدا سامان کر رہا ہے کہ جب یہ ہیمپر ایک ایسی جگہ بیٹھے جہاں دعوت اسلام کی ہیمپر جگہ کل دنیا کو نظر آویں۔ آجتک تو ایک پرائیویٹ حیثیت رہی ہے جس کی کماحقہ حقیقت شائد ایک ہمسایہ کو بھی معلوم نہ ہو۔ مفصل نہیں لکھ سکتا۔ شیطان ہمیشہ کمین میں ہے۔ لیکن دعا دعا دعا۔ آئندہ ایک بڑے انسان کی تبلیغ کے لیئے ملک بلجیم چلا ہوں۔ دعا دعا۔ (خاکسار کمال الدین۔ معرفت نیشنل بنک آف انڈیا ۲۶۔ بشپ گیٹ لندن)

اشاعت اسلام:۔ ماہ جون ۱۹۱۳ء کے اخیر خریداران ریویو انگریزی۔ اُردو۔ اور تفسیر میں بالترتیب ۴۔ ۷۔ اور ایک کی بیشی ہوئی فالحمد للہ علیٰ ذٰلک اس ماہ میں مندرجہ ذیل اصحاب نے توسیع اشاعت میں مدد فرمائی۔ جزاہم اللہ۔ امید ہے کہ دیگر احباب بھی اس نیک نمونہ کی تقلید کریں۔ چودھری فتح محمد صاحب ۲ انگریزی۔ قاضی محمد یوسف صاحب پشاور ۲ انگریزی ۲ اُردو۔ بابو فضل احمد صاحب کوہ مری ایک اُردو۔ میاں غلام حسین صاحب ایک اُردو۔ میاں غلام رسول صاحب از چینوالی ایک اُردو۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اسسٹنٹ سکرٹری انجمن احمدیہ پٹیالہ ۳ اُردو۔ منشی فضل کریم صاحب احمدی ملا لعلی انگریزی ایک۔ غلام رسول صاحب انسپکٹر پولیس سرگودھا ایک اُردو۔

بقایا صیغہ جات یکم جولائی سنہ ۱۹۱۳ء

صیغہ			
تعلیم	۴	۱۱	۴۷۶۲
اشاعت	۴	۱۴	۶۸۸
تعمیر	۴	۱۵	۳۰۱۳
مساکین	۲	۹	۷۵۹
یتامیٰ	۱	۲	۳۸۵
زکوٰۃ	۷	۶	۳۱۲۵
بورڈران ہائی	۸	۱۰	۸۸۲
〃 احمدیہ	۶	۵	۴۶۶
امانت اندرونی	۰	۱۳	۲۲۳
〃 بیرونی	۹	۱۲	۱۴۱۳
مستقل فنڈ	۶	۲	۳۹۱۲
میزان	۳	۷	۱۹۶۳۴
منہا کردہ فاضل	۸	۵	۶۱۹۱
باقی	۷	۱	۱۳۴۴۳
منہا کردہ پیشگی	۹	۷	۱۱۱۵۳
باقی نزد امین	۱۰	۹	۲۲۸۹
تفصیل فاضل متفرقات	۳	۷	۸۹۳
مدرسہ احمدیہ	۰	۱۳	۱۲۷۷
مقبرہ	۸	۱	۲۸۲
بیت المال	۹	۱۵	۳۷۳۷
	۸	۵	۶۱۹۱

تفصیل پیشگی صیغہ جات

صیغہ			
اشاعت	۰	۰	۳۰۰
بیت المال	۰	۰	۳۸۷
متفرقات	۶	۷	۱۰۴۱
مدرسہ احمدیہ	۰	۰	۶۲۰
تعلیم	۰	۰	۲۲۰۶
تعمیر	۳	۰	۶۱۱۰
مقبرہ	۰	۰	۴۸۹
میزان	۹	۷	۱۱۱۵۳

خلیفہ رشید الدین
محاسب

محمد اشرف
ناظر

تقریر جلسہ اعظم مذاہب یا لیکچر مہوتسو | یعنی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا عظیم الشان لیکچر جو ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا۔ چوتھی دفعہ نہایت عمدہ کاغذ پر خوب خوشخط لکھوا کر چھپوایا گیا ہے تقطیع بھی نہایت موزون ہے اس کتاب میں حضرت اقدس ؑ نے ذیل کے پانچ امور پر فلسفیانہ رنگ میں بحث کی ہے۔ اور تمام دلائل قرآن شریف سے پیش کیئے ہیں (۱) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتیں (۲) انسان کی زندگی کے بعد کیحالت یعنی عقبیٰ (۳) دنیا میں انسان کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب۔ (۴) اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں (۵) علم اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے۔ تقریباً ۲۰۰ صفحہ کی کتاب ہے۔ قیمت ۱۰؍

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ جو ولایت سے چھپکر آیا ہے۔ نہایت خوبصورت جلد قیمت عہ

پارہ عم مترجم | چونکہ عموماً مسلمان قرآن شریف کی آخری سورتیں نماز میں پڑھتے ہیں۔ اور یہ صاف ظاہر ہے کہ صرف عربی عبارت ناظرہ یا حفظ پڑھ لینے اور مطلب نہ سمجھنے سے دل میں خشوع خضوع نہیں پیدا ہوتا اور اسی لیئے نمازی وعدہ آیکریمہ انّ الصّلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر کے نیچے نہیں آتا۔ اسلیئے ہر ایک مسلمان پر لازمی ہے کہ کم سے کم آخر پارہ کو باترجمہ پڑھ لے اور حفظ کرے اور اپنے بچوں کو بھی پڑھائے اور حفظ کروائے۔ ہمارے پاس پارہ عم مترجم موٹے کاغذ پر عمدہ خوشخط صحیح چھپے ہوئے موجود ہیں۔ ہدیہ صرف ۳؍

پارہ الٓمّ مترجم | ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح ؑ قیمت ۳؍

رسالہ اسلام بزبان انگریزی | مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل۔ بی ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز۔ اس رسالہ میں اصول اسلام کو نہایت حسن پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کی خوبی اور تعریف کے لیئے صرف مولوی صاحب کا نام ہی کافی شہادت ہے۔ ہر ایک انگریزی خوان مسلمان کے ہاتھ میں اس رسالہ کا ہونا ضروری ہے۔ قیمت ۱۰؍ محصولڈاک ۱؍

درخواستیں بنام مینیجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں

اطلاع:۔ خریداران ریویو کیخدمت میں التماس ہے کہ خط وکتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہوجائے تو معاف فرماویں۔

نمبر ۶

بری حالت ہے - روگ کا گھر کھانسی

بچے ضعیف ہر ایک کے لیئے کھانسی باعث ہلاکت ہی شروع ہی میں اگر یہ کھانسی کی خبر نہیں لیجاوے تو یہ اچھے بدن ہی کو ایک دم ضعیف الجثہ بنا دیتی ہے۔ بعدہٗ اسی سے دمہ اور سل وغیرہ کا مہلک عارضہ ہوجاتا ہے۔ اسلیئے کھانسی ہوتے ہی اس کی تدبیر کرنی چاہیئے۔ اور تدبیر بھی بہت ہی سہل ہے۔ ڈاکٹر ایس کے برمن کی **کف**

و کھانسی کی دوا

ایک شیشی لیکر گھر میں رکھدو اس میں یہ فوائد ہیں (۱) سردی کو ہضم کرنا - (۲) کھانسی کو دبانا - (۳) کف کو تپلا کرنا (۴) کف کو نکالنا (۵) سستی کو روکنا سردی کھانسی کے لیئے یہ نہایت ہی اکسیر دوا ہے قیمت شیشی کلاں عہ محصولڈاک ۶ر چھوٹی شیشی ۸ر محصولڈاک ۵ر

اس دوا پر مہاراجہ صاحب کی رائے - مہاراجہ دل گنجن سنگھ دیو بہادر فیوڈٹری چیف پٹنہ اسٹیٹ بولانگیر ضلع سمبھلپور سے کہتے ہیں جناب من آپ کی روانہ کردہ کھانسی کی دوا کے لیئے مشکور ہوں اس دوا سے ہماری کھانسی بالکل دفع ہو گئی - مجھے صرف سات خوراک سے زیادہ پینے کی درکار نہ ہوئی کھانسی نے مجھے بہت دنوں سے تکلیف دے رہی تھی اس وجہ سے دوبارہ آپکا شکریہ ادا کرتا ہوں -

نوٹ - ہر جگہ اور ہر شہر میں ایجنٹ یا مشہور دوا فروشوں سے ملتی ہے

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

مطبع میگزین قادیان میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے | لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۲ | بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۱۳ | مطابق رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۱ھ | نمبر ۸

چندہ سالانہ | عام عہ طلباء سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- اگست سنہ ۱۹۱۳ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلّی علےٰ رسولہ الکریم

قیامت کا ثبوت

اللہ لا الٰہ الّا ھوط لیجمعنکم الیٰ یوم القیامۃ لاریب
فیہ ط ومن اصدق من اللہ حدیثا ہ نساء ع ۱۱

قیامت کیا ہے؟ ایک دن ہے جس میں تمام اوّلین وآخرین جن اور انس اس فانی دنیا سے گذر جانے کے بعد اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا بھگتنے کے لیئے جمع ہونگے اگر کوئی روح اپنے نیک کاموں سے اس چند روزہ زندگی میں ممتاز رہی تو وہاں دائمی راحت میں داخل ہوکر ہمیشہ کے لیئے رنج ومحن سے چھوٹ جائیگی اور اگر برخلاف اسکے بُرے کاموں میں زندگی بسر کی اور خدا کی درگاہ سے تعلق عبودیت نہ باندھا تو وہ اپنے اعمال کے مطابق سزا اور شدید عذابوں کی مستحق ہوگی۔ یہ مسئلہ قریباً تمام مذاہب عالم میں مسلّم ہے اور سب کے نزدیک انسان اس دنیا میں کام کرنے کے لیئے اور اگلے جہان کے لیئے توشہ اکٹھا کرنیکے لیئے پیدا کیا گیا ہے چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا۔ یعنی یہ سلسلہ حیات اور پھر اسکے بعد سلسلہ موت جو قائم کیا گیا ہے اس کی غرض یہ ہے کہ تا تمام لوگوں میں نیک اور بد۔ متقی اور فاجر کی تفریق ہوکر جزا و سزا دیجاوے۔ لیکن ہر زمانہ میں بعض بدبخت ایسے پیدا ہوتے آئے ہیں جو اس عظیم الشان

مسئلہ کے کافر اور یوم قیامۃ کے سرے سے ہی منکر چلے آئے ہیں اس لئے قرآن مجید نے قیامت کے متعلق ایسی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور ایسے ایسے اعلیٰ دلائل دیئے ہیں کہ یہ بات خیال میں نہیں آسکتی کہ کسی اور مذہب نے اسکے پاسنگ برابر بھی ذکر کیا ہو علاوہ ازیں قرآن مجید نے منکرین قیامت کے تمام دلائل کا ذکر کرکے انکا مسکت جواب دیا ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جسکی نظیر کسی الہامی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ یہ مضمون نہایت وسیع پیمانہ پر قرآن مجید میں آیا ہے لیکن میں نمونہ کے طور پر پہلے قیامت کی چند دلیلیں نقل کرکے پھر منکرین کے بڑے بڑے اعتراضات کا جواب درج کرونگا۔ وما توفیقی الا باللہ

دلیل اوّل

پہلی دلیل قرآن مجید اس طرح پر بیان فرماتا ہے لا اقسم بیوم القیامۃ ولا اقسم بالنفس اللوامۃ اس آیت میں قرآن مجید نے قیامت کے دن کو نفس لوامہ کے ذریعہ ثابت کیا کہ ہر ایک انسان میں یہ بات طبعی طور پر رکھی گئی ہے کہ جب وہ کوئی برا کام کرتا ہے تو اُس کا نفس اندر ہی اندر اسے ملامت کرتا ہے اور وہ شخص ایسا کام کرکے کبھی حقیقی راحت اور خوشی محسوس نہیں کرتا گو ایک ڈاکو نفسانی حرص وطمع کے زور سے کسی شخص کو قتل کرکے اسکے مال سے اپنا گھر بھرے لیکن تخلیہ میں اسکا نفس اسے ضرور ملامت کرتا ہے اور اسے وہ خوشی کبھی نصیب نہیں ہوسکتی جو ایک تاجر کو ایمانداری کے ساتھ تجارت کرتے ہوئے مالدار ہونے کی وجہ سے ہوسکتی ہے یہی حال تمام چوروں اور ناجائز طریقوں سے کام کرنیوالوں کا ہے سو یہ اندرونی ملامت اور افسوس ہی دلالت کرتے ہیں کہ ایک دن ضرور آنیوالا ہے جب دن ہم کو اس بُرے کام کا نتیجہ ملیگا کیونکہ اگر بُرے کام کا بدلہ بُرا نہیں اور بدیوں کا نتیجہ خوفناک نہیں تو پھر یہ نفس میں ملامت کیوں پیدا کی گئی ہے اس ملامت سے ہی پتہ چلتا ہے کہ آگے ایک خطرہ کا مقام ہے جس سے ہمارا نفس لوامہ ہم کو روکنا چاہتا ہے یہ بات تجربہ سے معلوم کی گئی ہے کہ ایک بکری جس نے عمر بھر بھیڑیا نہیں دیکھا اگر ایک بھیڑیئے کے سامنے لیجاوے تو وہ خوف کے مارے ہلاکت تک پہنچ جاتی ہے اسکی وجہ بھی وہی فطرتی تقاضا ہے بھیڑیا اسکے

خون کا پیاسا ہے اور اس کا جانی دشمن ہے اس لیئے اس کی فطرت میں رکھا گیا ہے
کہ وہ اس سے لرزاں و ترساں رہے اسی طرح ایک دن بُرے کاموں کی سزا کے
لیئے مقرر ہے اسلیئے ہم میں نفس لوامہ رکھا گیا تا کہ وہ گناہ کے وقت ہمیں ملامت
کرکے آگاہ کرتا ہے کہ یہ کام آئندہ مت کرنا اس کا نتیجہ آگے چلکر بُرا نکلے گا۔

دلیل دوم

اسی طرح ایک اور مقام پر قیامت کی ایک اور دلیل دیتا ہوا فرماتا ہے :-
اللہ لا الٰہ الا ھو لیجمعنکم الیٰ یوم القیامۃ لا ریب
فیہ ومن اصدق من اللہ حدیثا۔ اس آیت میں قیامت کا
ایک عجیب ثبوت بیان فرمایا ہے کہ اے لوگو! میں خدا ہوں اور میرے سوا اور
کوئی شخص خدائی کا دم نہیں مار سکتا چونکہ میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ قیامت کا دن ضرور
آنیوالا ہے اسلیئے میرا کہنا ہی ایک کافی دلیل ہے کیونکہ میں نے یہ قرآن نازل کرکے
اس میں ہزاروں پیشگوئیاں کیں جو پوری اتریں اور ہزاروں علوم بیان کیئے
جس کی سچائی روز روشن کی طرح ظاہر ہوئی جو حکم دیا وہ حق و حکمت پر مبنی ثابت ہوا
اور جس بات سے روکا وہ واقعی تمھارے لیئے مضر پائی گئی اور جو خبر دی وہ سچی نکلی
تو کیا جب ہزاروں باتوں میں تم نے میرے علم میری قدرت میری سچائی کا مشاہدہ کیا
اس بات میں شک کر سکتے ہو کہ باوجود میرے دعویٰ کرنے کے پھر قیامت نہ آوے
غرض اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے قیاس استقرائی کے طور پر قیامت کا ثبوت
دیا ہے کہ جب تم نے ہمیشہ میرے دعاوی کو پورا ہوتے دیکھا اور ہزاروں خبروں کو
درست نکلتے ملاحظہ کیا اور میری سچائی کا کامل طور پر مشاہدہ کیا تو اس کا لازمی نتیجہ ہے
کہ میری یہ خبر بھی درست نکلے کیونکہ تم پر اچھی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ میری ذات پاک
جیسا کوئی سچا اور سچائی کا حامی نہیں۔

دلیل سوم

پھر تیسری دلیل قرآن حکیم اس طرح پر فرماتا ہے ان ربک ھو یفصل

بینھم یوم القیامۃ فیما کانوا فیہ یختلفون ۰ اولم یھد لھم کم اھلکنا من قبلھم من القرون یمشون فی مساکنھم ان فی ذلک لآیات افلا یسمعون.* یعنی جسقدر مذاہب اسوقت روئے زمین پر موجود ہیں خواہ سچے ہوں یا جھوٹے سب کا حقیقی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا اور جو لوگ سچائی کے حامی اور حق پر ہوں گے وہ کامیاب اور مظفر و منصور ہوں گے اور جو ناراستی کے شیدا اور حق کے مخالف ہوں گے اُنہیں جہنم میں داخل کیا جاویگا - اس کا ثبوت کیا ہے؟ وہی گذشتہ تجربے جو آدمؑ کے وقت سے لیکر ابتک کرتے آئے ہو یعنی دنیا میں بڑی قومیں آباد ہوئیں اور مضبوط سے مضبوط حکومتوں کی بنیادیں پڑیں لیکن خدا کے نبی آئے اور نہایت بے سروسامانی کیحالت میں آئے انہوں نے آکر بڑے بڑے لوگوں کو سمجھایا کہ تم خدا سے تعلق باندھو تو تمھاری حکومتیں برقرار رہیں گی اور تمھاری جاہ و عزت قائم رہے گی لیکن اگر تم نے ہماری بات کی پروا نہ کی اور خدا کے احکام سے مُنہ موڑا تو ہماری پیشگوئی یاد رکھو کہ تم اسی دنیا میں ہماری آنکھوں کے سامنے تباہ ہو جاؤ گے تمھاری حکومتیں جاتی رہیں گی تمھاری عزت و عظمت برباد ہو جائیگی اور تم مصیبتوں میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو جاؤ گے پھر اِسی پر بس نہیں بلکہ مرنے کے بعد تم پھر زندہ کئے جاؤ گے اور ایک دن ایسا آئیگا جس میں ابدی دکھوں اور عذابوں میں ڈالے جاؤ گے -

اب ہم نبیوں کے اس دعویٰ کو واقعات کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر ملک میں ایسے برگزیدہ لوگ آئے اور نہایت غربت اور تنہائی کیحالت میں آئے اور ایسے مخالفوں میں آئے جنہیں عزت اور حکومت مال اور دولت کسی بات کی کمی نہیں تھی. طاقت و قدرت کا یہ عالم ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا کو ایک دم میں فنا کر دیں سلطنتوں کی سلطنتیں نیست و نابود کر دیں مگر پھر باوجود اِن سامانوں اِن حکومتوں اور دولتوں کے وہ نبیوں کے کہنے کے مطابق بالکل ہلاک ہو گئے تو کیا وجہ ہے کہ ہم ان راستبازوں کی ایک پیشگوئی کو

* سورہ سجدہ رکوع ۳

تو سچ مان لیں اور دوسری خبر کو غلط۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ فرعون جیسے بادشاہ کی ایک ادنیٰ اور ذلیل رعایا میں سے پیدا ہو کر نبوت کے منصب پر قائم ہوئے اور اپنے بھائی سمیت اس جبار بادشاہ کے پُرہیبت دربار میں آئے اور فرعون کو کہا کہ دیکھ سچی راہ اختیار کر خدا کے احکام پر چل اور بنی اسرائیل کو ارضِ مقدس میں جانے دے تیرا بھلا ہوگا ورنہ خدا کا قہر سر پر کھڑا ہے تو اس دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی ذلیل اور رسوا ہوگا۔ پھر آپ ہی بتاویں کہ فرعون کا کیا حال ہوا کیا اُسکی حکومت برقرار رہی؟ یا کیا اسکی عزت و عظمت کچھ کام آئی؟ تو کیوں نہ ہم یقین رکھیں کہ قیامت کے دن بھی موسیٰؑ کی پیشگوئی فرعون کے بارے میں پوری ہوگی۔ اور مرنے کے بعد بھی وہ اپنے اعمال کی سزا بھگتے گا اسی طرح عرب کے ظالم وحشیوں کے پاس ایک شریف دل آیا اور کہا کہ تم یہ بداخلاقیاں چھوڑ دو اور یہ بدعملیاں ترک کر دو اور مَیں خدا کی طرف سے آیا ہوں مجھے قبول کر لو خدا کا منشاء تم کو بڑا بنانے کا ہے تم ذلیل ہو معزز ہو جاؤ گے جاہل ہو عالم بنجاؤ گے ورنہ دیکھو تم باوجود اتنی بڑی قوم ہونیکے تباہ و ہلاک ہو کر اس دنیا سے کوچ کر جاؤ گے اور مَیں باوجود ایک کمزور اور اکیلا ہونے کے تم پر غالب آجاؤنگا پھر یہ سلسلہ یہاں پر ہی منقطع نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی تم میری مخالفت کا مزہ چکھو گے کیا دنیا نے اس پاک انسان کی باتوں کو پورا اُترتے نہیں دیکھا کیا وہ کامیاب نہیں ہُوا کیا اسکے مخالفین اسکی آنکھوں کے سامنے ہلاک نہیں ہوئے کیا اُسکی پیشگوئی درست نہیں نکلی؟ جب کہ آپ لوگ میرے اِن سوالوں کا جواب اثبات میں دینے کے لیئے تیار ہیں تو کیا وجہ کہ اسکی اُخروی پیشگوئی کو سچا نہ سمجھا جاوے غرض اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے قیامت کا بڑا بھاری ثبوت یہ دیا ہے کہ گذشتہ زمانہ پر نظر ڈالو۔ ہر قوم اور ہر ملک میں انبیاءؑ آئے اور متفق اللسان ہو کر دعویٰ کرتے تھے کہ قیامت کا دن آنیوالا ہے اسمیں ہمارے مخالف ذلیل و رسوا ہوں گے اس کا ثبوت یہ ہے کہ

اس دنیا میں ہمارے مخالف باوجود ظاہری سامانوں کے اور بے شمار مادی اسباب کے۔ پھر محض آسمانی نصرت سے ہمارے مقابل میں ہلاک ہو جاوینگے تو یہ دلیل ہوگی اس بات کی کہ وہ قیامت کے دن بھی جہاں کہ انکے پاس سامان کا نشان تک نہ ہوگا ہماری مخالفت کا پھل پائیں گے۔

دلیل چہارم

اس کے بعد میں ناظرین کو قرآن شریف کی ایک اور آیت کی طرف توجہ دلاتا ہوں افحسبتم انما خلقنٰکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون ۝ فتعٰلی اللہ الملک الحق۔ یعنی کیا تم لوگوں نے یہ گمان کر رکھا کہ ہم نے تم کو بغیر کسی غرض و غایت کے پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم مرنے کے بعد زندہ نہیں کیئے جاؤ گے ایسا خیال مت کرنا کیونکہ حق و حکمت والی قدوس ذات کے یہ بات شایاں نہیں کہ وہ ایسا کام کرے۔

اس چوتھی دلیل کو اللہ تعالیٰ اس طرح پر بیان فرماتا ہے کہ نظام عالم پر اگر غور سے نظر ڈالی جاوے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں جسقدر سامان اور اسباب مہیا کیئے گئے ہیں وہ سب انسان کے بقا کے لیئے ہیں۔ آسمان اور زمین دریا اور پہاڑ حیوانات اور نباتات غرض جو کچھ اس دنیا و مافیہا میں پیدا کیا گیا ہے وہ سب اس لیئے ہی تا کہ انسان انسے منتفع ہو کر دنیا میں اپنی ہستی قائم رکھ سکے اب جبکہ یہ بات معلوم ہوگئی کہ تمام اشیاء انسان کے لیئے ہیں اور انکے وجود کی غرض یہ ہے کہ انسان یہاں زندگی بسر کر سکے تو سوچنا چاہیئے کہ انسان کے پیدا کرنے کی بھی کوئی غرض و غائیت مدنظر ہوگی ہمیں اپنے قیاس دوڑانے کی ضرورت نہیں خود خدائے تعالیٰ بیان فرماتا ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۝ یعنی بنی نوع انسان کو اس لیئے پیدا کیا گیا ہے تا کہ وہ خدائے تعالیٰ کی رضا میں محو ہو کر اپنے تمام قویٰ کو ہمیشہ کے لیئے اسکی فرمانبرداری میں لگا دیں لیکن برخلاف اسکے اگر فرض کیا جاوے کہ انسان صرف یہی چندروزہ زندگی بسر کرنیکے لیئے پیدا کیا گیا ہے اور مرنیکے بعد اسے دائمی زندگی نہیں ملے گی تو یہ خدائے تعالیٰ کی

ذاتِ پاک پر ایک اعتراض پڑتا ہے کہ ادھر تو خدائے تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اس کے قیام کے لیئے کروڑوں اربوں سامان پیدا کیئے ہیں اور پھر بقا کا یہ حال کہ چند روز زندہ رہکر ہمیشہ کے لیئے فنا ہو جاتا ہے۔ غرض خدائے تعالیٰ اس آیت میں ہمیں توجہ دلاتا ہے کہ اگر انسان اس پنجروزہ زندگی کے بعد پھر زندہ نہیں کیا جاویگا تو انسان کی پیدائش عبث ٹھہرتی ہے اور خدائے تعالیٰ کا فعل لغو ٹھہرتا ہے۔ بلکہ خدائے تعالیٰ کے افعال سے اور انسان کی ربوبیت عظیمہ سے اور ان سامانوں سے پتہ چلتا ہے کہ انسان ایک ایسی ہستی ہے جس کا پیدا کرنا اور ہمیشہ کیلیئے باقی رکھنا مقصود ہے ورنہ پھر اسقدر سامانوں اور اسباب کا فائدہ کیا تھا۔ ان اسباب کا ہونا اور تمام مخلوقات کا انسان کی خدمت میں لگا رہنا اور زمین و آسمان و مافیہا کا صرف انسان کے لیئے ہونا دلالت کرتا ہے کہ انسان ضرور ہمیشہ کے لیئے باقی رکھا جاوے گا اور انسانی ہستی ایک ابدی بقا کے لیئے پیدا کی گئی ہے۔ غرض اس آیت میں خدائے تعالیٰ اپنی پاک صفات کا حوالہ دیتا ہوا فرماتا ہے کہ میں کوئی لغو کام نہیں کرتا یا ایک وقتی تفریحی کھیل میرا کام نہیں بلکہ میرا ہر ایک کام ایک حکمت پر مبنی ہوتا ہے اسی طرح مینے انسانی نسل کا پودا زمین میں لگایا ہے اور ہزاروں سامان اسکی حفاظت کیلیئے مہیا کیئے ہیں صرف اسی لیئے کہ وہ میری مرضی کے مطابق ابدی عبودیت میں داخل ہو جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص نادانی سے یہ خیال کرے کہ اس جہان سے گذر جانیکے بعد پھر انسان زندہ نہیں کیا جاویگا اور قیامت نہیں آئیگی تو ایسا شخص انسان پر نہیں بلکہ میری ذات پر حملہ کرتا ہے گویا کہ اسکے نزدیک مینے انسان کو صرف عبث طور پر پیدا کیا کہ چند روز زندہ رکھکر پھر اسے اسی طرح معدوم کر دیا جاوے اور ایک وقتی ڈراما دکھا کر ڈراپ سین کر دیا جاوے۔ (میر محمد اسحٰق) باقی آیندہ انشاءاللہ

امریکہ کے ایک ڈاکٹر کا لیکچر اسلام اور نبی اسلام پر

ڈاکٹر جارج بیکر (شہر فلیڈلفیا۔ اضلاع متحدہ۔ امریکہ) نے ہمارے پاس اپنے

لیکچر کی ایک نقل بھیجی ہے جو انہوں نے کوپر لٹریری انسٹیٹیوٹ فیلڈلفیا کے سامنے اسلام اور نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر دیا۔ اس لیکچر کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جاوے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون تھا۔ تو اسکا جواب نام کے مسیحی ممالک میں یہ دیا جائیگا۔ کہ وہ (نعوذ باللہ) ایک مفتری تھا جس نے مذہب اسلام کو صرف اسلیئے جاری کیا۔ کہ وہ اپنی حکومت ملک میں قائم کرے۔ اب ہم اس دعوے پر غور کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ کہاں تک سچ ہے۔ اگر ہم مسیحی مصنفین کی طرف توجہ کریں تو وہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ واقعات کو بگاڑ کر پیش کیا گیا ہے اور بعض جگہ تو محض جھوٹ سے کام لیا گیا ہے۔ کوئی مسیحی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت انصاف سے رائے نہیں دے سکتا۔ بلکہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو الگ رہے وہ دنیا کے کسی اور مصلح مثلاً چین کے مصلح کنفیوشس یا ہندوستان کے مصلح بدھ یا ایران کے مصلح زردشت کی نسبت بھی منصفانہ رائے زنی نہیں کر سکتا۔ مسیحیوں کا تعصب تو اس سے بھی ظاہر ہے کہ اگر کسی رومن کیتھولک مسیحی سے سوال کیا جاوے کہ وہ لوتھر کو کیسا سمجھتا ہے تو وہ کہے گا کہ وہ کیرٹ پر عاشق تھا۔ اور اس سے شادی کرنیکی خاطر اس نے تارک الدنیا مسیحیوں کی خانقاہ کو چھوڑ دیا اور رومن کیتھولک مذہب سے اپنے تئیں آزاد کر دیا۔ اور پراٹسٹنٹ مذہب کی بنیاد ڈالی۔ مگر ہم میں سے جن لوگوں نے تاریخ کو پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ الزام جھوٹا ہے۔

جب میں جوان تھا میں نے یسوع مسیح کی ایک سوانح عمری پڑھی جو ایک یہودی کی لکھی ہوئی تھی۔ یہ کتاب عبرانی قوم کے نوجوانوں کیلیئے تالیف کیگئی تھی۔ جو ایک یہودی فاضل نے مجھے پڑھنے کے لیئے دی۔ اس کتاب میں ہر ایک بری بات یسوع مسیح اور اسکی والدہ کی طرف منسوب کی گئی تھی۔ یسوع مسیح کو ایک فریبی انسان۔ دغا باز اور مفتری اور ملک گیری کا خواہاں بیان کیا گیا تھا۔ اور اسکی والدہ کو (نعوذ باللہ) بدکار عورت بیان کیا گیا تھا۔ مسیحیوں نے حضرت محمد

(صلی اللہ علیہ سلم) کی نسبت لکھا ہے وہ بھی قریباً قریباً اُسی رنگ سے رنگین ہے جس رنگ سے یسوع مسیح کی نسبت یہودیوں کی تحریریں رنگین ہیں۔ سر ولیم میور اور دیگر مسیحی مصنفین جنہوں نے سر ولیم میور کے قدم پر قدم مارا ہے انکی تحریریں اُسی تعصب کی ملونی اپنے اندر رکھتی ہیں جو یہودی مصنفین کی تحریروں میں پایا جاتا ہی پہلا مصنف جسکو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت حق کہنے کی جرأت ہوئی وہ گبن تھا جسکی تصنیف ڈیکلائین اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر ایک مشہور کتاب ہے۔ اُسکے بعد جس مصنف نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ سلم) کی نسبت حق کہنے میں جرأت سے کام لیا وہ ٹامس کارلائیل تھا۔ اُس نے جو مضمون حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت لکھا اُسکو پڑھکر کل انگریزی دان دنیا حیران رہ گئی۔ اسکے بعد باسورتھ سمتھ اور عمنوائیل ڈیوچ (ایک نوجوان یہودی) نے حق گوئی کام لیا۔ اسکے بعد بہت سے ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت تقریر و تحریر میں اچھی رائے ظاہر کی اور بہت سے انگریزوں۔ فرانسیسیوں۔ جرمنوں نے برملا دین اسلام قبول کیا۔

جو کچھ میں اس لیکچر میں بیان کرونگا۔ اُسکی بنا زیادہ تر دو مصنفوں پر ہے، ایک محمد باقر مصنف حیات القلوب۔ دوسرا البردی۔ جو کہ مصر کا ایک بشپ ہے جس نے باوجود مسیحی ہونیکے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت صحیح واقعات درج کیئے ہیں۔ گبن نے بھی اپنی مشہور کتاب ڈیکلائین اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر میں زیادہ تر اسی مصنف سے واقعات کو اخذ کیا ہے کتاب حیات القلوب میں آنحضرت (صلعم) کا پورا شجرہ نسب حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) تک اور حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) تک اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے حضرت آدم (علیہ السلام) تک پہنچایا ہے۔ اُس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مکہ کی حکومت میں آپکے بزرگوں کا کیا درجہ تھا اور آپکے اور آپکے بزرگوں کی پیدائش کے حالات اور آپکے اور آپکے بزرگوں کے ماں و باپ کے نام بھی درج ہیں۔

آپکے آباؤ اجداد میں سے ہاشم نام ایک نہایت مشہور و معروف آدمی تھا۔ جو آپکا جدّ امجد تھا۔ ہاشم کی شادی مدینے کی ایک نجیب الطرفین خاتون کے ساتھ ہوئی تھی جس کا نام سلیمہ تھا۔ وہ اسباب سوداگری لیکر شام (دمشق) میں گیا۔ وہاں پہنچکر اپنا مال بیچا اور نیا مال خرید کر گھر کو لوٹا۔ حدود شام سے باہر اربہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے یہاں پہنچکر ہاشم بیمار ہوگیا۔ اور اگلے روز اسے یہ دکھائی دینے لگا۔ کہ میری وفات کا وقت آپہنچا ہے۔ اُس نے وصیت لکھنے کے لیئے کاغذ مانگا۔ اس میں اپنی بیوی سلیمہ کو اپنے آئندہ پیدا ہونیوالے لڑکے کی نسبت جس کا نام اسکی ماں نے شیبہ رکھا خاص ہدایات تحریر کیں۔ اور اپنے بھائی مطلب کو بھی ہدایت کی۔ کہ اس لڑکے کو مکہ میں رہ کر خانہ کعبہ کے جوار میں پرورش کرے۔

ہاشم اسی شہر اربہ میں مرگیا۔ اور وہیں دفن کیا گیا۔ جب یہ لڑکا چھ برس کا ہوا تو اس کا چچا اسکو مکہ میں لے گیا اور وہیں اسکی تربیت کی۔ سن بلوغ کو پہنچکر لڑکا اپنی وراثت جدی پر قابض ہوگیا۔ گیا معنی۔ خانہ کعبہ کا متولی ہوگیا۔ (اس لڑکے کا نام عبد المطلب تھا)

اس عبد المطلب کے ہاں دس لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ابوطالب محمد صلعم کا چچا اور عبد اللہ آپکے والد دونوں ایک ہی ماں کے بطن سے تھے۔ عبد اللہ نے جو عبد المطلب کے سب بیٹوں سے عمر میں چھوٹا تھا۔ مکہ کی ایک عالی خاندان خاتون سے شادی کی۔ اس خاتون کے والد کا نام وہب تھا۔ اور ماں کا نام بیراہ۔ عبد المطلب نے اپنے بیٹے کے لیئے خود آمنہ کے نکاح کی درخواست کی تھی۔ اور شادی کا انتظام بھی اس نے خود ہی کیا تھا۔ یہ خاندان بھی قریشی تھا۔ اور یہ لوگ بھی عبد اللہ کے دادا ہاشم کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ اسوقت مکہ میں یہودی لوگ نہیں تھے۔ کیونکہ مکہ ہمیشہ صرف عربوں ہی کے رہنے کے لیئے مخصوص رکھا ہوا تھا۔ اور آجتک ایسا ہی ہے۔ پس یہ بھی ایک عیسائی پادری اپنے لیکچر میں جو اس نے حال ہی میں محمد صلعم اور آپکے مذہب کے متعلق دیا ہے۔ بیان کرتا ہے۔ کہ محمد صلعم کی ماں یہودی الاصل

تھی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ انجیل کے شیدائی مسیحی جس وقت محمد صلعم کے متعلق لیکچر دیتے ہیں۔ سچ بولنے کی چنداں پرواہ نہیں کرتے۔

محمد صلعم کے والد عبد اللہ ایک نہایت ہی حسین اور صالح عربی جوان تھے۔ آپکا انتقال مدینہ میں محمد صلعم کی پیدائش سے پیشتر ہی ہوچکا تھا۔ محمد صلعم ۵۷۰ء میں تولد ہوئے۔ اسوقت جیسا کہ شہر کے آسودہ حال گھروں میں رواج تھا قبیلہ بنی سعد بن بکر میں سے حلیمہ نام ایک دائی آپ کو دودھ پلانے پر نوکر رکھی گئی پانچ برس دو یوم تک محمد صلعم اسی کے گھر میں رہے۔ وقتاً فوقتاً دائی آپ کو مکہ میں لے آتی تھی۔ تاکہ لڑکے کی والدہ اور دادا اسکو دیکھتے رہیں۔ دائی کو خاطر خواہ معاوضہ دیا گیا۔ اور یوں بھی اللہ نے انکے گھر میں بڑی برکت ڈالی۔ جب وہ لڑکے کو اپنے گھر لیگئی تھی۔ تو اسکے ہاں صرف تیس بھیڑیں تھیں۔ لیکن جب لڑکے کو واپس دینے آئی۔ تو اسوقت انکے گھر میں ہزار بھیڑیں اور تیس اونٹ تھے۔ جب محمد صلعم کی عمر چھ برس کی ہوئی۔ تو آپکی والدہ ماجدہ انکو انکے والد ماجد کی قبر کی زیارت اور اپنے رشتہ داروں کے ملنے کے لیئے مدینہ میں لے گئی۔ ماں بیٹا دو ماہ تک وہاں ٹھہرے اور پھر مکہ کو لوٹے۔ ابھی رستے ہی میں تھے۔ کہ آپ کی والدہ صاحبہ بیمار ہوگئیں۔ اور وہیں مرگئیں۔ اور وہیں انکو دفن کیا گیا۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے وسط میں تھی۔ ایک نوکر انکے ہمراہ تھا۔ اس نے مکہ پہنچکر آمنہ کی وفات کا سارا حال عبد المطلب کو سنایا۔ عبد المطلب کو یہ خبر سنکر سخت رنج ہوا۔ اب اس نے محمد صلعم کو اپنے گھر میں رکھنا شروع کیا۔ اور وہ آپ کو خانہ کعبہ میں لیجایا کرتا تھا۔ جب آپ کی عمر آٹھ برس کی ہوئی۔ تو آپکے دادا کا بھی انتقال ہوگیا۔ اپنی وفات کے وقت اس نے اپنے ننھے یتیم پوتے کو اپنے بیٹے ابوطالب کے سپرد کیا۔ ابوطالب نے آپکی پرورش کا خوب حق ادا کیا۔ اور مرتے دم تک آپ کا ساتھ دیا۔

ابوطالب کچھ بہت آسودہ حال نہ تھا۔ لہذا محمد صلعم مکہ کے ... ... گردنواح کی پہاڑیوں پر چرایا کرتے۔ جب آپکی عمر بارہ برس کی ہوئی۔ تو

ابوطالب ایک قافلے کے ہمراہ شام کو گیا۔ محمد صلعم نے درخواست کی کہ چچا مجھے ضرور اپنے ہمراہ لے چلو۔ چچا نے ساتھ لیجانا منظور کر لیا۔ یہ سفر خیر و خوبی سے ختم ہوا۔ وہاں سے پھر کر آپنے بھیڑ بکریں چرانے کا کام از سرِ نو شروع کر دیا۔

اس وقت مکہ میں ایک خاتون خدیجہ نام تھی۔ بڑی دولتمند اور صاحب جاہ و ثروت۔ اُسنے شام میں بھیجنے کے لیئے ایک قافلہ تیار کیا۔ آنحضرت صلعم کی عمر اسوقت ۲۴ سال کی تھی۔ آپکے چچا نے آپ سے کہا۔ کہ اگر آپ خدیجہ کی ملازمت اختیار کر لیں۔ تو آپکے لیئے بہت بہتر ہو۔ خدیجہ نے خوشی سے آپ کو ملازم رکھ لیا۔ آپنے مالِ سوداگری عمدہ منافع پر فروخت کیا۔ اور واپسی کے وقت نیا مال خرید کر لائے۔ یہ سفر بڑا سود مند ثابت ہوا۔ اور خدیجہ بڑی خوش ہوئی۔ ایک تو آپکی لیاقت خرید و فروخت کیوجہ سے اور دوسرے اس وجہ سے کہ آپ حسین اور جوان صالح تھے۔ اُسکو آپ سے محبت ہوگئی۔ اور خود ہی اس نے آپ سے نکاح کی درخواست کی۔ اور تھوڑے عرصہ کے بعد دونوں کی شادی رچائی گئی۔ خدیجہ کے والد نے بھی اس نکاح کو بہت پسند کیا۔ اس سے پہلے دو دفعہ خدیجہ کی شادی ہو چکی تھی۔ لیکن اسکے دونوں سابقہ خاوند فوت ہو چکے تھے۔ اور اسوقت اسکے ہاں پہلے نکاحوں سے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں تھیں۔ اس شادی خانہ آبادی سے ہر کہ و مہ کو خوشی ہوئی۔ حالانکہ خدیجہ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اور آنحضرتؐ کی عمر صرف پچیس سال کی تھی۔ خدیجہ کے بطن سے آنحضرتؐ کے ہاں دو لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ لڑکے تو بچپن ہی میں فوت ہوگئے۔ لڑکیاں جوان ہو کر بیاہی گئیں۔ ان چاروں میں سے فاطمہ نہایت مشہور گذری ہے۔ فاطمہ کی شادی آنحضرت کے عمزاد بھائی علی ابن ابی طالب سے ہوئی تھی۔

جب آنحضرت صلعم پر یہ فضل الٰہی ہوا۔ کہ آپ کی شادی مکہ کی سب سے بڑی دولتمند خاتون سے ہوگئی۔ تو آپنے اپنی بیوی کے کاروبار کی نگرانی شروع کی۔ لیکن اس تعلق کی وجہ سے آنحضرتؐ کو ذکر اذکار کی طرف متوجہ ہونیکے لیئے وقت ملنے لگ گیا۔ آنحضرتؐ کی

عادت تھی۔ کہ جنگلوں اور ویرانوں میں اکیلے تشریف لیجاتے۔ اور کئی کئی دن اور ہفتے ذکر و فکر میں مصروف رہتے۔ رات کے وقت آپ غارِ حرا میں چلے جاتے۔ ان خلوتگاہوں میں گاہ گاہ خدیجہ بھی آپکے ہمراہ چلی جاتی۔ آنحضرتؐ کا برتاؤ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ایسا اچھا تھا۔ کہ مکہ کے سب لوگ آپکو امین کہتے۔ اور اس وجہ سے اگر آنحضرت صلعم مکہ کے رئیس اعظم نہ تھے۔ تو رئیس ضرور تھے۔ جب علیؓ کی عمر سات برس کی ہوئی۔ تو وہ آنحضرتؐ کے ہمراہ رہنے لگے۔ اسوقت کے بعد علیؓ ہمیشہ آپکے طرفدار رہے۔ آنحضرتؐ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ کہ حضرت جبرائیل آپکے سامنے آئے۔ اور عہدۂ رسالت آپکے سپرد ہوا۔

اسوقت سب سے اول حضرت خدیجہ نے اور انکے بعد آپکے چچازاد بھائی علیؓ اور آپکے متبنیٰ زید اور آپکے دوست ابوبکرؓ نے (جو آپکی وفات پر آپکے خلیفہ مقرر ہوے) آپ کی بیعت کی۔ علیؓ کو ارشاد ہوا۔ کہ ابوطالب کے گھر میں چھوٹے پیمانے پر ایک دعوت کا سامان تیار کرے۔ اس دعوت میں آپنے قریبی رشتہ دارونکو بلایا۔ آنحضرتؐ نے انکو اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسالت پر مامور کیا ہے۔ لیکن وہ آنحضرتؐ پر ایمان نہ لائے اور چپ چاپ چلے گئے۔

تین سال تک آنحضرتؐ نے آہستگی کے ساتھ ایک خدا کی عبادت کے مسئلہ پر وعظ و تلقین کی۔ لیکن اس عرصہ میں دین اسلام میں زیادہ آدمی داخل نہ ہوئے تین سال کے اختتام پر قریش کو کھلم کھلا پیغام دیا گیا۔

ایک دن آنحضرتؐ خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے۔ اور حضرت اسمٰعیل کے پتھر پر کھڑے ہوکر آپنے علانیہ خدا کی وحدانیت کا وعظ کیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔ کہ مَیں خدا کا رسول ہوں۔ اب آپکے پیروؤں کی تعداد یکے بعد دیگرے بڑھنے لگی۔ پانچ سال کے گذرنے کے بعد قریش کو بھی اندیشہ پیدا ہوگیا اور انہوں نے آنحضرتؐ کو ایذا اور موت کی دھمکی دینی اور آپکے مریدوں کو مارنا پیٹنا شروع کردیا۔ رسول خدا صلعم نے بعض مسلمانوں سے کہا۔ کہ تم

ابی سینیا (حبش) میں جاکر پناہ گزین ہو جاؤ۔ نجاشی شاہ حبش نے ان مسلمانوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ اور خود بھی مسلمان ہو گیا۔ اور جب قریش نے مسلمانوں کے پیچھے ایک وفد بھیجا۔ تو شاہ نجاشی نے انکو واپس دینے سے انکار کر دیا۔ یہ وفد کفار مکہ نے اس غرض سے بھیجا تھا۔ کہ مسلمانوں کو مکہ میں واپس لاکر اس امر کی سزا دیجائے۔ کہ کیوں وہ ایک خدا اور اسکے رسول پر ایمان لائے۔

جب مشرکان مکہ نے دیکھا کہ اسلام سب طرف ترقی کر رہا ہے اور نہ صرف شہر مکہ میں بلکہ صحرا کے بعض لوگ اس دین کو قبول کر رہے ہیں اور کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا حضرت حمزہ (علیہ السلام) نے اپنے بھتیجے کے دین کو اختیار کر لیا ہے اور کہ ابوطالب اور اکثر بنو ہاشم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حمایت کرتے ہیں تو از سر نو انکے سینوں میں غضب اور بت پرستی کی حمایت کی آگ بھڑک اٹھی۔ انہوں نے ملکر ایک معاہدہ کیا کہ بنو ہاشم کے ساتھ کھانے۔ پینے۔ بولنے۔ تجارت۔ شادی وغیرہ کے تمام تعلقات قطعاً بند کر دیئے جاویں یہانتک کہ بنو ہاشم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو موت کے حوالے کرنے پر مجبور ہوں۔ کفار مکہ نے یہ بھی ارادہ کر لیا کہ جب کبھی موقعہ ملجائے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا جاوے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بمع اپنے چچے ابو طالب کے ایک تنگ پہاڑی وادی میں جس کو شعب ابی طالب کہتے تھے پناہ گزین ہوئے۔ اس درہ کے راستوں پر پہرہ رکھا جاتا تھا تا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس پہاڑی خلوت گاہ میں رہتے ہوئے جب زیادہ دن ہو گئے تو اس پناہ گزین قوم کو بھوک کی تکالیف بھی اٹھانی پڑیں۔ مکہ میں آنیوالے کسی عرب کو یہ جرأت نہ تھی کہ انکے پاس کوئی چیز فروخت کرے۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کرتا تو مکہ کے قریش اس کا مال و اسباب لوٹ لیتے تھے۔ اس پہاڑی خلوت گاہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بمع اپنے ساتھیوں کے تین سال تک قید رہے۔ صرف حج کے دنوں میں آپ اس جگہ سے باہر قدم رکھ سکتے تھے کیونکہ ان دنوں میں کسی کو قتل کرنا جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ حج کے دنوں میں نکلکر آپ لوگوں میں اسلام کی تبلیغ

کرتے تھے۔ اور اسلام دن بدن ترقی کرتا گیا۔ آخر وہ کاغذ جسپر مشرکین مکہ نے بنی ہاشم کے برخلاف عہد کیا تھا کعبہ سے لایا گیا اُسپر جسقدر تحریر تھی اُسکو مورچہ نے کھالیا تھا۔ صرف اللّٰہ کا نام باقی رہ گیا تھا۔ یہ واقعہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپکے ساتھیوں کے نکلنے کا ذریعہ ہُوا۔ اس سے دو ماہ بعد ابو طالب بیمار ہو کر فوت ہو گئے۔ اور اس سے جلدی ہی بعد حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کا انتقال ہو گیا۔ اور اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دشمنوں کے غضب کا پہلے سے بڑھ کر نشانہ بنگئے۔ مدینہ سے آئے ہوئے حاجیوں کے ساتھ آپ کی گفتگو ہوئی اور اُنھوں نے عہد کیا کہ اگر آپ ہجرت فرما کر ہمارے شہر میں تشریف لاویں تو ہم بڑی خوشی سے آپکا خیر مقدم کرینگے۔ اور یہ کہ اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ آپ کی حفاظت کریں گے۔ اسلئے اُن واقعات کے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے تھوڑا ہی عرصہ بعد آپ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لے گئے اور آپکے وفادار رفیق ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آپکے ساتھ تھے۔ آپ شام کے وقت مکہ سے نکلے اور علی (رضی اللہ عنہ) نے آپکی جگہ آپکے بستر پر لیٹنا منظور کیا۔ جن لوگوں نے قتل کرنیکا منصوبہ کیا تھا وہ اپنے ہتھیار لیکر آئے اور جب دیکھا کہ یہ علیؓ ہیں تو اُن کو تو کچھ نقصان نہ پہنچایا مگر اُن سے یہ سوال کیا کہ بتاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ تم اُنہیں میرے سپرد نہیں کر گئے تھے۔ تم چاہتے تھے کہ وہ چلے جائیں پس وہ چلے گئے ہیں۔ تیسرے دن غار کے پاس دو اونٹ لائے گئے۔ ایک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور راستہ دکھانیوالے کے لیئے اور دوسرا ابو بکرؓ اور اُنکے ملازم کے لیئے۔

آپ صحیح سلامت مدینے پہنچ گئے اور مدینہ کے مسلمانوں نے بڑی خوشی سے آپ کا استقبال کیا۔ مکہ میں جو طرح طرح کے ظلم آپ پر اور آپکے صحابہؓ پر توڑے جاتے تھے اب اُن سے آپ کو نجات ہو گئی جب حبشہ کے مہاجرین کو خبر پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے صحابہؓ کے مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے ہیں تو وہ بھی مدینہ میں آ گئے۔ آپنے مدینہ پہنچکر سب سے پہلے یہ کام کیا کہ ایک زمین کا ٹکڑا جسپر آپ کا اونٹ بیٹھا تھا

مسجد کے لیئے خرید لیا۔ یہ دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی۔ آپ نے انکو اسجگہ کی قیمت ادا کر دی۔ اس قطعہ زمین پر ایک بڑی مسجد بنائی گئی اور اس کے ساتھ ملحق چاروں طرف حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابو بکرؓ۔ حضرت علی۔ حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے مکانات تھے۔ اس ہجرت سے مسلمانوں کا سن شروع ہوتا ہے۔ آپ کی بی بیوں کے مکانات اسی مسجد کے ساتھ ایک لائین میں بنے ہوئے تھے آپ کی بی بیاں سب کی سب سوائے عائیشہؓ و ماریہؓ کے یا تو بیوہ یا ثیبہ تھیں۔ ماریہؓ کو مقوقس۔ شاہ مصر نے آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس سے آپکا بیٹا ابراہیم پیدا ہُوا جو چھوٹی عمر میں فوت ہو گیا۔ ان بی بیوں سے بعض کے خاوندوں نے خدا کی راہ میں اپنی جانیں دی تھیں۔ انمیں.....ایک یہودی عورت تھی۔ جس کو آپنے غلامی میں جانے سے بچایا۔

آجکل کے مسیحیوں کی نظر میں چھٹی صدی اور بیسویں صدی رسم درواج میں بالکل مطابق اور یکساں معلوم ہوتی ہیں جس سے ان مسیحی مصنفین کی حماقت ظاہر ہوتی ہے پہلی بی بی جس سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خدیجہؓ کی وفات کے بعد شادی کی سودہؓ تھی۔ جس کا خاوند حبشہ سے واپس آکر فوت ہو گیا تھا۔ اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آگے اپیل کی اور آپنے اسپر رحم کھا کر اُس سے نکاح کر لیا ایسا ہی بہت سی اور بی بیوں کا حال ہے۔ اُنکے پہلے خاوندوں نے خدا کی راہ میں دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کیں۔ اُن دنوں میں کم از کم عرب میں یہ ضروری تھا کہ ہر ایک عورت ایک گھر رکھتی ہو اور کسی کے نکاح میں ہو۔ آجکل امریکہ میں اس قسم کے حالات ہیں کہ ہر ایک عورت کے لیئے ضروری نہیں کہ اُسکا ایک مستقل گھر ہو۔ کیونکہ آجکل وہ بورڈنگ ہوسوں میں رہ سکتی ہیں یا جیسا کہ آجکل عام طور پر مغربی ممالک میں دیکھا جاتا ہے رات کے وقت شہروں کے کوچوں اور گلیوں میں پھر سکتی ہیں۔ نیز اُس زمانہ میں آجکل کی طرح کوئی ایسی پیشے اور ایسی تجارتیں اور ایسے دفتر نہ تھے جہاں عورتیں کام کر سکتیں

اُس زمانہ میں کوئی ایسی دوکان نہ تھی جہاں عورت سودا بیچ سکتی اور نہ کوئی ایسا کارخانہ تھا جہاں وہ خریداروں کی آؤ بھگت کرسکتی۔ اُس زمانہ کی عورتیں آجکل کی عورتوں کی طرح کسی مشین کے چلانے پر متعین نہیں ہوسکتی تھیں نہ ریل گاڑی کی ڈرائیوری کا کام کرسکتی تھیں۔ نہ دخانی کشتی کی ملاحی کرسکتی تھیں۔ مسیحی ممالک میں ایک بے شوہر عورت خانقاہ میں رہ سکتی تھی (اگرچہ یہ خانقاہیں پاکیزگی کی جگہیں نہ تھیں) مگر عرب میں کوئی ایسی خانقاہیں نہ تھیں۔

ان بیواؤں میں سے اکثر آپ کے لئے ایک بوجھ تھیں۔ آپ اب بڑھاپے کی طرف جارہے تھے۔ اور کفایت شعاری سے آپ گذران کرتے تھے۔ شراب پینا آپ کی عادت نہ تھی۔ اسلئے انکا وہ حال نہیں ہوسکتا تھا جو آجکل مسیحی ممالک میں لوگوں کا حال ہے کیونکہ یہ لوگ عمدہ عمدہ غذائیں کھاتے ہیں۔ گوشت اور مختلف قسم کے شراب مثلاً وائین۔ وسکی۔ بی ار وغیرہ تمام دن استعمال کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شہوانی خیالات اور جذبات کا ان میں جوش رہتا ہے۔ پھر علاوہ اسکے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا صرف یہی کام نہیں تھا کہ قرآن شریف کی وحی کی حفاظت کا انتظام کریں بلکہ اسکے سوا اور بھی کئی قسم کے افکار اور انتظامات میں آپکو منہمک رہنا پڑتا تھا۔ ایسے شخص پر ہرگز تعیش کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ نکاح کے وقت عائشہؓ کی عمر پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ مگر مسیحیوں کو خود انگلینڈ کے قانون کی خبر نہیں۔ مسٹر چٹی نے اس قانون کو اپنی کتاب میڈیکل جورس پروڈنس میں درج کیا ہے۔ انگلینڈ میں اور بعض اضلاع متحدہ کی ریاستوں میں آجکل بھی ۱۲ سال کی لڑکی اور ۱۴ سال کے لڑکے کی شادی ہوسکتی ہے اور یہ شادی قانونی طور پر جائز ہے۔ اور ریفارمیشن سے پہلے ۷ سال کے لڑکے اور ۷ سال کی لڑکی کی شادی ہوسکتی تھی اور ایسی شادیوں کو شرعی شادیاں کہا جاتا تھا۔ اور مسیحیوں کی تحریروں اور تقریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اب بھی چھوٹی عمر کے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی عام طور پر رائج ہے۔ مسیحیوں کو چاہیئے کہ پہلے اس امر کے متعلق اپنی تاریخ کا مطالعہ کریں ورنہ خاموش رہیں۔ کثرت ازدواج پر وہ کثرت سے اعتراض کرتے ہیں

مگر اُن کو چاہیئے کہ گبن نے جو مسیحی بادشاہ وے لین ٹی نین کا حال لکھا ہے اُسکو پڑھیں۔ پہلے اُسکی شادی قسطنطین اعظم کی پوتی سے ہوئی۔ بعد میں اُس نے ایک دوسری عورت سے نکاح کرلیا جس کا نام جسٹینا تھا۔ علاوہ اُس کے اس مسیحی بادشاہ نے ایک عام اعلان کے ذریعے اپنی کل رعایا کو یہ اجازت دی کہ وہ ایک سے زیادہ بیویاں کر سکتے ہیں۔ اُس نے طلاق کی قدیمی اجازت کو بھی از سرِ نو تازہ کر دیا۔ اُسکی دونوں بی بیوں سے اولاد ہوئی۔ پہلی کے بیٹے کا نام گریشین تھا۔ اسکو سولہ سال کی عمر میں بادشاہ بنایا گیا۔ جسٹینا کا بیٹا ابھی ۳ سال کا تھا کہ فوج نے

اسلامی قانون اسکے متعلق وہ ہے جو سورہ نسا کے ابتدا میں ہے اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم دو۔ تین یا چار عورتوں سے شادی کر سکتے ہو مگر اس سے زیادہ نہیں۔ اور اگر تم ان میں انصاف کا برتاؤ نہیں کر سکتے تو پھر تمھیں صرف ایک بی بی سے نکاح کرنا چاہیئے۔ اس سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ نکاح کے بارہ میں اسلامی قانون کا کمال ایک ہی بیوی پر ہوتا ہے۔

میرا ایک دوست مسٹر سٹڈرڈ جس نے کل دنیا کی سیر کی قسطنطنیہ میں اپنے ایک پرانے فرانسیسی دوست سے ملا۔ یہ فرانسیسی ایک پاشا کے بیٹے کا اتالیق تھا۔ مسٹر سٹڈرڈ نے پاشا سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اتالیق نے پاشا سے ملاقات کرانے کا وعدہ کیا۔ دونوں ملکر پاشا کے مکان پر گئے۔ دوسرے نادان مسیحیوں کی طرح اُس کا خیال تھا کہ پاشا کے حرم میں درجن کے قریب بیویاں ہونگی۔ مگر اُس فرانسیسی اتالیق نے جلدی ہی اُس کی اس غلطی کو دور کر دیا۔ اُنکو ملاقات کے کمرہ میں جس کا نام سلام علیک تھا داخل ہونے کی اجازت دی گئی۔ اور یہاں پاشا کے بیٹے سے اُنکی ملاقات ہوئی۔ پاشا کا حرم مکان کی دوسری طرف تھا۔ اُسکو بتلایا گیا کہ حرم کے معنے ہیں ایک مقدس اور عزت کی جگہ اور ہر ایک ناپاک چیز حرم سے ہمیشہ دور رکھنی چاہیئے۔ حرم میں پاشا کی بیوی ہے جسکو اُس مکان میں پورا پورا اختیار حاصل ہے چھوٹے بچے۔ چند خادمہ عورتیں۔ پاشا کی ماں اور پاشا کی بیوی کی ماں ان سب کے متعلق ہر ایک انتظام اُسی کے سپرد ہے جبکہ لڑکا ۱۷ سال کا ہو جاتا ہے تو اُسکو بلا اجازت

حرم سرائے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ ایسا ہی خود پاشا بھی اجازت لیکر داخل ہوتا ہے یا جب پاشا کی بیوی اُس کو بلائے۔ کوئی اجنبی آدمی کبھی اس مکان میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اتنے میں پاشا خود آگیا اور مسٹر سٹنڈرڈ کو اُس سے انٹروڈیوس کیا گیا۔ مہمان کے سامنے قہوہ اور حقّہ فوراً لائے گئے۔ اور تھوڑی سی گفتگو کے بعد مسٹر سٹڈرڈ اور فرانسیسی اتالیق وہاں سے رخصت ہو گئے۔ یہ سب کچھ دیکھکر امریکہ کا سیّاح دنگ رہ گیا۔ اُسکا خیال حرم کی نسبت اُس سے بالکل مختلف تھا جو اُس نے دیکھا۔ اُسکو یہ بھی اطلاع دی گئی کہ اگر پاشا چاہے تو وہ چار بیویاں رکھ سکتا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ سب بی بیوں کے مکانات۔ فرنیچر۔ خدام وغیرہ بالکل برابر اور یکساں ہوں۔ اور تھوڑے ہی لوگ ایسے دولت مند ہیں کہ وہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکیں۔ مسٹر سٹڈرڈ نے اپنے فرانسیسی دوست سے پوچھا کہ آیا وہ استنبول میں کسی ایسے آدمی کو جانتا ہے جسکی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں۔ یہ فرانسیسی اتالیق بوجہا پنی حیثیت کے استنبول کے لوگوں کے حالات سے بخوبی آگاہ تھا۔ اُس نے جواب دیا۔ ہاں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ جو شخص ایک سے زیادہ بیویوں کا خاوند ہے وہ نہ تو ترک ہے نہ عرب بلکہ میری طرح ایک فرانسیسی عیسائی ہے۔

ایک رات ایک جہاز کا انگریز کپتان قسطنطنیہ کی گلیوں میں جا رہا تھا اس جستجو میں کہ کوئی عورت پا دے جسکے ساتھ رات عیش وعشرت میں بسر کرے۔ بہت سرگردان ہو کر اُسکو اپنی خواہش کے مطابق ایک عورت ملی مگر وہ انگریز عورت تھی۔ ترک عورتیں رات کو مردوں کی تلاش میں مارے مارے نہیں پھرتیں جیسے کہ ہمارے ملکوں کی عورتیں کرتی ہیں۔

یہ بھی قابل توجہ امر ہے کہ مسلمان عورتوں کو مسیحی عورتوں سے زیادہ حقوق ہوتے ہیں۔ اسلامی قانون میں وہ مردوں کے ساتھ برابر حصّہ لیتی ہیں۔ وہ اپنی جائداد اپنے نام پر رکھتی ہیں اور اُنکے خاوند اُس سے ایک درم تک بھی خرچ نہیں کر سکتے۔ جیسے انگلستان میں مرد کرتے ہیں کیونکہ وہاں عورتوں کے بہت تھوڑے حقوق ہیں۔ اور جہاں کہ بیوی اکثر دفعہ اپنے ظالم خاوند کی غلام ہوتی ہے مگر قانون اُسکو شکایت کرنیکا موقع نہیں دیتا۔ بلکہ تمام کا تمام قانون

خاوند کے حق میں ہی ہے - امریکہ میں قانون کا خاصہ حصہ عورت کے حق میں ہے - وہاں عورت اپنی جائداد رکھ سکتی ہے اور کاروبار اپنے نام پر کر سکتی ہے - انگلستان میں ایک منکوحہ عورت ایسا نہیں کر سکتی - اسلامی ملکوں میں جب ایک عورت شادی کرتی ہے تو اس کے خاوند کو مہر دینا پڑتا ہے - یہ مہر عورت کی ملکیت ہوتا ہے اور خاوند اسکو ہاتھ تک بھی نہیں لگا سکتا - اگر خاوند عورت کو طلاق بھی دیدے تو مہر عورت کے پاس رہتا ہے - عورت نالش کر سکتی ہے اور اس پر بھی نالش ہو سکتی ہے اور اسکو عدالت میں حاضری کے لیئے خاوند یا والد کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ انگلستان میں رواج ہے - اگرچہ قرآن طلاق کی اجازت دیتا ہے مگر وہ شاذونادر وقوع میں آتی ہے ۱۸۸۵ سے ۱۹۰۵ تک صوبجات متحدہ میں دس لاکھ طلاقیں واقع ہوئی ہیں - میں دعویٰ سے کہ سکتا ہوں کہ اسقدر طلاقیں تمام مسلمان دنیا میں پچھلے ایک ہزار سال میں واقع نہ ہوئی ہونگی - اور ضروری امور بھی ہیں جن کے متعلق بولنے کے لیئے میرے پاس وقت نہیں ہے -

اب ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مدینہ میں دیکھتے ہیں جہاں یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی سلطنت قائم کی - بے شک جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلے پہل سچائی کا وعظ کیا - تو آپ کا مذہب کے لیئے لڑنے کا ذرا بھی ارادہ نہ تھا - آپ نے قریش کے مظالم ایسے صبر سے برداشت کیئے جس کی نظیر ملنی محال ہے - اب وہاں سے آپ ہجرت کر آئے اور ان کی زد سے دور تھے - مگر اس سے وہ اور بھڑکے - اب انہوں نے ایک لشکر لیکر مدینہ جانے کا فیصلہ کیا - اور ارادہ کیا کہ آپ کو اور آپکے ہمراہیوں کو قتل کر کے ان کا خاتمہ کر دیں - محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ خبر سنی اور ایک گروہ ۳۰۰ آدمیوں کا اکٹھا کیا اور ان کے مقابلے کے لیئے آئے - بدر پر لڑائی ہوئی محمد (صلعم) مظفر و منصور ہوئے - اب اس موقع پر ریاکار و متعصب عیسائی شور مچاتے ہیں کہ مذہب اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا - جو کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس موقع پر اور دوسرے موقعوں پر کیا صرف دفاعی تھا - اگر آپ اس موقع پر خاموش رہتے اور دشمن آپ کو اور آپکے وفادار اصحاب کو بے روک ٹوک آزادی سے قتل کرتے تو عیسائی بہت خوش ہوتے اور خوشی کے گیت گاتے - مگر محمد (صلعم)

ایسے بے غیرت انسان نہ تھے وہ ہرگز گوارا نہ کرسکتے تھے کہ دشمن مسلمانوں کو ایک چوہے کی طرح پامال
کرڈالیں جیسا کہ اُن کا ارادہ تھا - آپ نے اُنکے مظالم مکہ میں بہت برداشت کیئے آخر وہ اُٹھے
اور دشمنوں کو ہر جگہ کہ اُنہوں نے حملہ کیا نیچا دکھایا - وہ خدا کی مدد سے ہر جگہ اُن پر مظفر و منصور
ہوئے - آپ ہمیشہ شکر گذاری کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے احسانات اور تائیدات کا ذکر فرماتے
تھے آخر مکہ نے اطاعت قبول کی - اور کعبہ کو بتوں سے صاف کیا گیا - تمام عرب ایک ہو گیا -
اور خدا اور اسکے رسول کے آگے تن واحد کی طرح ہو گیا - جب تمام عرب نے اسلام قبول کر لیا -
اُسوقت نجران میں ابھی کئی نصرانی قبائل موجود تھے - انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
کے پاس ایک وفد بھیجا - مسیحیوں کو اپنے مذہب پر رہنے کی اجازت دیگئی - اور اُنکے لیئے
ایک خفیف ٹیکس تجویز کیا گیا یہ ٹیکس اُس امن وحفاظت کے عوض میں لیا گیا جو اُن کو
سلطنت مدینہ کے ماتحت حاصل تھا - حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے وقت تک بلا کسی
قسم کی تکلیف کے یہ لوگ ملک عرب میں رہے - حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے عہد میں اُنسے
درخواست کی گئی کہ وہ ملک شام میں جا کر آباد ہوں اور یہ علاقہ بھی سلطنت اسلامی
میں ہی داخل تھا - ملک عرب کے لیئے یہ پسند کیا گیا کہ یہ ملک اسلام کے لیئے خاص رہے
(تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ جب مختلف مذاہب کے پیرو ایک ملک میں باہم میل جول رکھتے
ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مذہب کے رسوم و عادات وعقائد دوسرے مذہب میں
داخل ہو جاتے ہیں - چنانچہ مسیحیت اس امر کا ایک عمدہ نمونہ ہے - یہ مذہب دوسری
اقوام کے میل جول سے ایسا متاثر اور متغیر ہو گیا ہے کہ اب بالکل ایک نیا مذہب
ہو گیا ہے جس میں اُس دین کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا جس دین کی تعلیم حضرت
مسیح علیہ السلام نے دی تھی یہ دین ایک بالکل نیا دین ہو گیا ہے اور اگر یسوع مسیح اور
آپکے حواریوں کے لیئے یہ ممکن ہو کہ وہ دوبارہ دنیا میں آئیں تو بڑے زور سے اس دین سے
جسے آجکل دین مسیحی کہا جاتا ہے اپنی بیزاری ظاہر کریں اور اس سے انکار کریں کہ یہ دین اُنکا
دین ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ نے ایسی کامیابی عطا فرمائی کہ
کُل جزیرہ عرب نے بلا جبر و اکراہ دین اسلام قبول کیا جیسا کہ قرآن شریف جس سے زیادہ

معتبر کوئی اسلامی تاریخ نہیں ہو سکتی اس بارہ میں فرماتا ہے اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا۔ جب اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح آگئی اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔ اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ لوگوں نے خود بخود بلا جبر و اکراہ اسلام میں فوج در فوج داخل ہونا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ یہاں یَدْخُلُوْنَ کا لفظ ہے کہ لوگ خود بخود داخل ہو رہے ہیں یہ نہیں فرمایا کہ لوگوں کو اسلام میں داخل کیا جا رہا ہے اور لوگوں کے قبول اسلام کی وجہ بھی اسی آیۂ کریمہ میں بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے اذا جاء نصر اللہ والفتح۔ یعنی لوگوں کے اسلام کی طرف فوج در فوج رجوع کرنے کی وجہ وہ نصرت ہے جو خدائے تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو عطا فرمائی ہے اور اسکی وجہ وہ فتح نمایاں ہے جو خدا کی طرف سے حاصل ہوئی۔ یعنی لوگوں نے اس نصرت الٰہی اور فتح کو دیکھکر یہ یقین کر لیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت خدا کا مرسل ہے۔ مکّہ کا فتح کرنا بھی اُن کے لیئے ایک یقین دلانیوالا نشان تھا کیونکہ اُن کا ایمان تھا کہ کعبہ خدائے تعالیٰ کا مقدس مقام ہے اور وہ اسکو بیت اللہ کہکر پکارتے تھے۔ اور اُن کا یہ ایمان تھا کہ کوئی کاذب بیت اللہ کو فتح نہیں کر سکتا اور اُنہوں نے تھوڑا ہی عرصہ اس سے پہلے اصحاب فیل کا واقعہ دیکھ لیا تھا کہ وہ کس طرح بیت اللہ پر قبضہ کرنیکی کوشش میں ہلاک ہو گئے۔ پس فتح مکّہ کل اہل عرب کے لیئے ایک ایسا یقینی نشانِ صداقت تھا کہ اُسکے بعد اُن کے دل میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ سکتا تھا۔ پس اس نصرت الٰہی اور فتح کو دیکھکر اہل عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے یہانتک کہ کل عرب مسلمان ہو گیا۔ جب خدا کی حیرت انگیز تائید و نصرت سے یہ حالت ہو گئی اور صرف معدودے چند اہل کتاب جو طرح طرح کی غلطیوں میں گرفتار تھے باقی رہ گئے تو یہ ضروری دیکھا گیا کہ جس سرزمین کو خدائے تعالیٰ کے زبردست ہاتھ نے پاک صاف کر دیا ہے اب اسمیں یہ ملونی بھی نہیں رہنے دینی چاہیئے جبرًا اسلام میں داخل کرنا تو مسلمانوں کا کام نہ تھا۔ اس لیئے اُنہوں نے ان لوگوں کو کہا کہ تم کو شام کے سرسبز ملک میں جہاں تمھاری

ہم مذہب لوگ بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں جگہ دی جاتی ہے اور وہ ملک بھی اسلامی سلطنت ہی کا ایک حصہ ہے۔ اسلیئے تم عرب کے ریگستان سے نقل مکان کر کے شام کے سرسبز علاقے میں اپنے ہم مذہب لوگوں کے قرب وجوار میں اپنا مسکن بناؤ۔ اسکی غرض صرف یہ تھی کہ کم از کم ایک خطہ زمین ایسا رہنا چاہیئے جہاں اسلام بیرونی اثر سے محفوظ رہ کر بگڑنے سے بچ جائے اور چونکہ خدائے تعالیٰ نے خود اپنی غیر معمولی قدرتوں کے کرشمے دکھا کر عرب کے جزیرہ کو پاک وصاف کر دیا تھا اور یہی ملک تھا جہاں اسلام کا پودا خود نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے لگایا اور خود اسکی آبپاشی اور حفاظت کی تھی اسلیئے اسی ملک کو اس غرض کے لیئے منتخب کیا گیا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو جیسا اب مسیحی مذہب بگڑ کر مسخ ہوگیا ہے یہی حالت اسلام کی ہو جاتی۔ (ایڈیٹر ریویو)

تمام منافق مزاج مسیحی مصنف بدر کی لڑائی پر آکر بغلیں بجاتے ہیں کہ دیکھو اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین تلوار کا دین ہوگیا۔ یہ لوگ اپنے نئے عہد نامے اور مسیحیت کی تاریخ سے محض بے خبر ہیں۔ آؤ ہم دیکھیں کہ اپنے مذہب کے متعلق یسوع مسیح تلوار کے بارہ میں کیا کہتا ہے۔ متی باب ۱۰ ورس ۳۴ میں یسوع مسیح کہتا ہے "یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں" پھر لوقا باب ۱۲ ورس ۴۹ میں یسوع کہتا ہے "میں زمین پر آگ لگانے آیا ہوں اور میں کیا ہی چاہتا ہوں کہ لگ چکی ہوتی" پھر اسی کتاب کے باب ۱۲ ورس ۵۱ میں ہے "کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر میل کروانے آیا ہوں؟ نہیں میں تمہیں کہتا ہوں بلکہ جدائی" پھر لوقا باب ۱۴ ورس ۲۶ میں لکھا ہے "اگر کوئی میرے پاس آوے اور اپنے ماں باپ اور جورو لڑکے اور بھائی بہن بلکہ اپنی جان سے دشمنی نہ کرے میرا شاگرد ہو نہیں سکتا" اور پھر اسی کتاب کے باب ۲۲ ورس ۳۶ و ۳۸ میں لکھا ہے۔ "جسکے پاس بٹوا ہو لیوے اور اسی طرح جھولی بھی۔ اور جس پاس نہیں اپنے کپڑے بیچکے خریدے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
اُنہوں نے کہا کہ دیکھ اے خداوند یہاں دو تلوار ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اُس نے کہا بہت ہیں"۔

یہ ہرگز خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ مسیحیوں نے کبھی تلوار سے کام نہیں لیا جیسا کہ آجکل کے مسیحی مشنری دنیا کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں ہرگز ایسا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ چوتھی صدی مسیحی میں سائی رل نامی ایک مسیحی بزرگ اسکندریہ میں بشپ کے عہدہ پر ممتاز تھا۔ اس نے سنہ ۳۱۰ء میں چالیس ہزار یہودیوں کو ایک ہی رات میں صرف اسلیئے قتل کروا دیا کہ انہوں نے مسیحیت کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس بات کو یاد رکھو کہ سنہ ۳۲۵ء سے لیکر آجتک مسیحی تلوار لوگوں کو مسیحیت میں داخل کرنیکے مقدس کام میں مصروف رہی ہے۔ جو خون مسیحی تلوار نے بہایا ہے اگر اسکو جمع کیا جاوے تو وہ ایک اتنا بڑا سمندر بنجائے کہ روئے زمین کا بڑی سی بڑا بحری بیڑا بآسانی اس میں تیر سکے۔ مگر ابھی اس خونریزی کا خاتمہ نہیں ہوا۔ جب سے دنیا شروع ہوئی کسی مذہب میں اسقدر ظلم سے کام نہیں لیا گیا جسقدر کہ مسیحیت میں لیا گیا ہے۔ اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسکی تعدی کو روکنے کے لیئے نہ آتے تو اب بھی وہ اپنی ظالمانہ کارروائی کو بند نہ کرتے۔ مسیحی صاحبان اسلامی فاتحین پر اسلیئے اعتراض کرتے ہیں کہ وہ تین تجویزیں دشمن .. .. .. کے سامنے پیش کرتے تھے۔ ۱۔ اسلام قبول کرکے اسلامی اخوت میں داخل ہو جاؤ۔ ۲۔ یا اپنے مذہب پر قائم رہو اور ٹیکس ادا کرو۔ ۳۔ یا ہمارے ساتھ جنگ کرلو۔ ان نادان مسیحیوں کو شائد اُس طریق کا علم نہیں جس طریق سے شارلیمین نے ان کے آباؤ اجداد کو مسیحیت میں داخل کیا۔ وہ صرف دو باتیں پیش کرتا تھا۔ یعنی بپتسمہ قبول کرو ورنہ تمہارا سر تلوار سے اُڑا دیا جائے گا۔ سیکسن قوم کے ۴ ہزار آدمیوں کے سر اس نے ایک ہی دن میں صرف اس وجہ سے قلم کر دیئے کہ انہوں نے بپتسمہ لینے سے انکار کیا۔ علاوہ انکے جرمنی میں اُس نے کئی لاکھ آدمی تہ تیغ کر دیئے۔ وہ مسیحی مذہب کا سب سے بڑا مشنری تھا اُس نے اپنی تلوار سے اسقدر لوگوں کو مسیحی کیا کہ اُسوقت سے لیکر آجتک دوسرے مسیحی مشنریوں نے اسقدر آدمیوں کو مسیحی مذہب میں داخل نہیں کیا۔ مسلمانوں میں کبھی محکمہ تفتیش قائم نہیں کیا گیا جیساکہ مسیحیوں نے مذہبی اختلاف رائے رکھنے

والوں کو طرح طرح کے عذاب دینے کے لیئے قائم کیا تھا۔ اور جس طرح مسیحی کلیسیا بے گناہ عورتوں کو جادو کے شبہ پر زندہ جلاتی رہی ہے۔ ایسا اسلام میں کبھی نہیں ہوا۔ اور وہ بے رحمی کے کام صرف مسیحی کلیسیا ہی نے کیئے ہیں کسی اور مذہب میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔ اسپر طرفہ یہ ہے کہ اسی مذہب کے پیرو اسلام کو تلوار کا مذہب کہنے میں اس قدر اصرار کرتے ہیں۔ جیسا کہ تاریخ سے نہایت صفائی سے ثابت ہوتا ہے دنیا میں ایک ہی مذہب ہے جو آگ اور تلوار کا مذہب ہے۔ اور وہ مسیحی مذہب ہے۔ نفرت اور تفرقہ کا مذہب جیسا کہ تاریخ ظاہر کرتی ہے مسیحیت ہی ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عرب کے رہنے والے۔ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کے فرزند تھے۔ اور اس لیئے اُنکے قلب کی بناوٹ ایک رومی یا یونانی کے قلب کی طرح نہ تھی۔ نیز وہ ہمارے جارج واشنگٹن کی طرح پرلے درجے کے محب الوطن تھے۔ اور آپ کا ایک مدعا یہ بھی تھا کہ کل اہل عرب میں اتحاد کی روح پھونک کر اُن کو ہمیشہ کے لیئے ایک مضبوط قوم بنا دیں۔ عرب میں بے شمار قبائل موجود تھے اور اگر یہ لوگ مسیحی مذہب اختیار کر لیتے تو ان میں وحدت کی وہ روح کبھی نہ پھونکی جاتی جو اسلام کے ماتحت اُن میں پھونکی گئی۔ تمام عرب اور تمام مسلمان جو روئے زمین پر پائے جاتے ہیں وہ حضرت مسیحؑ کی نبوت پر ایسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ موسیٰؑ اور داؤدؑ پر اور وہ اُنکو دوسرے انبیاءؑ کی طرح ایک خدا کا رسول مانتے ہیں اور اُنکی ایسی ہی عزت کرتے ہیں جیسی دوسرے نبیوں کی۔ حضرت مسیحؑ نے بھی دوسرے انبیاءؑ کی طرح توحید کی ہی تعلیم دی۔ اور نجات کے لیئے اعمال صالحہ کو ضروری ٹھہرایا۔ متی کے باب ۲۵ میں جو مثال حضرت مسیحؑ نے دی ہے وہ ہمارے قول کی تائید کرتی ہے۔ اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی یہی تعلیم دی اور اس سے بڑھکر سچی اخوت کا سبق دیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے حالات پیدائش سے لیکر وفات تک سب مشہور و معروف ہیں مگر مسیح کی زندگی میں کئی سالوں کے وقفے ایسے واقع ہوئے ہیں جو بالکل تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں اور جن کی نسبت کچھ بھی معلوم نہیں۔ جن کتابوں کو

اناجیل کہا جاتا ہے انکا ایک لفظ بھی اُس نے نہیں لکھا - اور یہ کتابیں ڈیڑھ سو سال بعد تحریر میں آکر شائع ہوئیں - اور جو پُرانے نسخے اسوقت موجود ہیں وہ بھی کئی سو سال کے بعد کے لکھے ہوئے ہیں اور انہیں باہم سخت اختلاف ہے - قلمی نسخوں کے لکھنے والوں نے بہت سی باتیں بدل ڈالیں اور بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملادیں - اسلیئے جو نسخے اناجیل کے آجکل ہمارے پاس موجود ہیں انکو یسوع مسیح کی انجیل نہیں کہہ سکتے - اور اگرچہ ان کتابوں پر متی - مرقس - لوقا - اور یوحنا کے نام لکھے ہوئے ہیں مگر آجکل کوئی محقق قسم نہیں کھا سکتا کہ ان کتابوں کے لکھنے والے یہی لوگ ہیں جن کی طرف یہ کتابیں منسوب ہیں - دنیا میں قرآن ہی ایک ایسی مقدس کتاب ہے جسکی نسبت کوئی شک نہیں٭ - ہر ایک کلمہ جو اُس میں درج ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے تحریر میں لایا گیا اور آپ کی وفات سے ایک سال بعد آپکے خلیفۂ اوّل ابوبکر رضؓ نے اسکو جمع کیا - حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) توحید کے واعظ تھے اور اس عقیدہ کو دنیا میں دوبارہ زندہ کرنیوالے تھے اور آپکے اندر خالص دینی جوش کام کر رہا تھا - اور آپنے اپنی قوم میں ایسی تبدیلی پیدا کردی کہ آپ کی وفات سے ایک سو سال بعد اسلامی تہذیب نے یونانی اور رومی تہذیب کو بھی مات کردیا - آجکل بھی مہذب انسانوں کے خیالات میں جو تبدیلی ہورہی ہے وہ اسلامی تعلیم کے موافق ہے -

ہورے شی اس بونر جو سکاٹلینڈ کا ایک مشہور بزرگ اور مذہبی گیتوں کا مصنف ہے مصر اور کنعان میں سفر کرنے کے بعد اسلام کے بارے میں مندرجۂ ذیل رائے ظاہر کرتا ہے :-

"ہم نے کئی مسجدیں اندر کی طرف سے اور باہر کی طرف سے دیکھیں - سب بالکل سادہ تھیں - مگر ہمارے گرجے کیا شرقی ممالک میں اور کیا مغربی ممالک میں ایسے نہیں ہوتے

٭ ڈاکٹر بیکر صاحب نے یہ کیا ہی سچا کلمہ کہا ہے - خدائے تعالیٰ فرماتا ہے - ذالک الکتٰب لاریب فیہ - (ایڈیٹر - ریویو)

مسجد میں بُت برستی کا کوئی نشان نہیں ہوتا - کوئی تصویر یا بُت یا اعشاء ربانی کی روٹی مسجد میں نہیں ہوتی جیسی کہ ہمارے گرجاؤں میں ہوتی ہیں - اسلام سے پہلے یعنی پانچویں اور چھٹی صدی میں مسیحیت کی حالت بُت پرستی سے بدتر تھی - اور اسلام کا مذہب مسیحیت کے بگاڑ کی وجہ سے پیدا ہُوا - اس مذہب میں اُن غلطیوں اور بدیوں کی اصلاح کی گئی ہے جو مشرقی ممالک کی مسیحیت میں داخل ہوگئی تھیں - اُس زمانہ کے مسیحی نہایت ہی کمینہ قسم کے شرک میں مبتلا تھے مثلاً مریم صدیقہ اور اولیاء کی پرستش - جس قسم کی مسیحیت کو اسلام نے جڑ سے اُکھیڑا اُسکی جگہ اس سے بہتر مذہب جاری کیا - ایک مسلمان بُت پرستی سے سخت نفرت کرتا ہے اور وہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتا کہ لاطینی یا یونانی فرقہ کے گرجا میں داخل ہو جہاں ہر ایک گوشے اور ہر ایک کونے میں بُت پرستی کے نشان نظر آتے ہیں - وہ کسی تصویر کے آگے نہیں جھک سکتا - اور نہ کسی بُت کے پاؤں پر بوسہ دے سکتا ہے - اور نہ کسی تصویر کے آگے خوشبو جلا سکتا ہے " یروشلم کے پاشا نے بونر سے کہا " جب مسیح کی قبر کے گرجے میں لاطینی - یونانی - قبطی اور آرمینی مسیحی شور مچاتے - لڑائی کرتے اور فساد کرتے ہیں درحالیکہ مقدس روٹی کے معبود اُنکے مُنہ میں ہوتے ہیں اور اُنکے بُت خوشی سے اُنکے جنگ کا نظارہ کر رہے ہوتے ہیں اُسوقت مجھے مجبوراً امن قائم رکھنے کے لئے اسجگہ موجود رہنا پڑتا ہے اور اس بُت پرستی کا نظارہ کرنا پڑتا ہے مگر مَیں اسکی برداشت نہیں کر سکتا " مسٹر بونر کہتا ہے کہ واقعی جب انسان ان گرجوں کو دیکھکر مسجد میں جاتا ہے تو اُس کی طبیعت کو بہت آرام اور سکون پہنچتا ہے - مسٹر سٹڈرڈ نے جو لیکچر یروشلم پر دیا ہے وہ بھی قابل دید ہے - اس میں مسٹر بونر کے بیان کی تصدیق پائی جاتی ہے -

اِسلام سچائی - ہاں نہایت ہی اعلیٰ سچائی کا ایک زندہ مرکز ہے - بُت پرست دنیا اس سچائی سے بالکل بے خبر تھی اور مسیحیت نے اس سچائی کو دبا دیا تھا - وہ سچائی توحید کی تعلیم ہے - یہ وہی سچائی ہے جسکی ابراہیمؑ - موسیٰؑ - داؤدؑ اور مسیحؑ نے تعلیم دی -

توریت میں لکھا ہے سُن لے اسرائیل - خداوند ہمارا خدا ایک خدا ہے - اور یہی تعلیم ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دی - یہ کوئی نئی بات نہ تھی - اور حقیقت یہ ہے کہ آپ جہان کے لیئے خدائے واحد کے رسولؐ تھے یہی خدا تعالےٰ کے متعلق اعتقاد جو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اہل عرب کے دل میں قائم کیا آج قرآن کے شاگردوں میں کانگو (مغربی افریقہ) سے لیکر دریائے گنگا اور دریائے ینگ سے (چین) تک پایا جاتا ہے بلکہ تمام جہان میں اسلامی عمارات پر بھی نمایاں ہے - مسلمان خدائے واحد پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت اور صداقت پر ایسا پکّا اور مستحکم ایمان رکھتے ہیں کہ اُنکو عیسائیت کی طرف لانا ایک بے سود کوشش ہے - اسلام نے پہلے بھی ایک بڑا مفید کام کیا ہے اور جبتک مسیحیت کے بڑے بڑے فرقے شرک کا کچھ شائبہ بھی اپنے اندر رکھتے ہیں - اسلام مسیحیت کے راستے میں ایک ناقابل گذر رکاوٹ رہے گی - اور اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کے لیئے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے - مَیں بڑے زور سے کہونگا کہ رومن کیتھولک چرچ کے لیئے جو کہ مریمؑ کو خدا کی صفات دیتا ہے اور قسم قسم کے شرکوں میں مبتلا ہے - اسلام پر فتح پانا ناممکن ہے جو کہ خالص وحدانیت اور سچی روحانیت کے ساتھ مسیحیت کا مقابلہ کر رہا ہے - مذہب اسلام میں کوئی ایسے واعظ اور مشنری نہیں ہیں جیسے کہ عیسائیوں میں ہیں - مسلمان خدا کی عبادت بالواسطہ نہیں کر سکتے ہر ایک کو خدائے تعالےٰ کی عبادت خود کرنی پڑتی ہے - اسواسطے ہر ایک سچا مسلمان اپنے نفس کے لیئے خود ذمہ وار ہے اور سچے خدا کی عبادت دن میں پانچ دفعہ کرتا ہے اُن کے مسجدوں میں کوئی گھڑیال نہیں ہوتا - مؤذن اپنی زندہ آواز سے مومنوں کو نماز کی طرف بلاتا ہے - جو جا سکتے ہیں وہ مسجد میں جاکر نماز پڑھتے ہیں اور جو نہیں جا سکتے وہ جس جگہ ہوتے ہیں اُسی جگہ نماز پڑھ لیتے ہیں - بازار میں - گلی میں - کھیت میں یا اور کسی جگہ جہاں اُنہیں جانیکا اتفاق ہو - وہ مسیحیوں کی طرح کھُلم کھُلا لوگوں کے سامنے نماز پڑھنے سے نہیں شرماتے - جہاں مسجد ہوتی ہے اُسکے ساتھ چھوٹے لڑکوں کے لیئے ایک درس گاہ بھی ہوتی ہے - اور ایسے مسلمان کم نظر آتے ہیں جو کم از کم اپنی مقدس کتاب پڑھ نہ سکتے ہوں - اُنکو

بہت سے کالج اور یونیورسٹیاں ہیں اور سب سے بڑی یونیورسٹی قاہرہ میں ہے جہاں کہ ۱۲ ہزار طالب علم اسلامی دنیا کے مختلف حصوں سے آکر تعلیم پاتے ہیں۔ یہ یونیورسٹی آکسفورڈ اور ہیڈلبرگ کی یونیورسٹیوں سے بھی پرانی ہے۔ اسکے علاوہ کارڈوا (سپین) اور دمشق کے دار العلوم اور کتب خانے اُسوقت موجود تھے جبکہ یورپ زمانۂ ظلمت کی گہری نیند سویا پڑا تھا۔ اور جب مسیحی بادشاہ بشپ اور ملّاں اپنا نام تک لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اسلام آج بھی بڑی تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ ہم کروڑہا روپیہ ہر سال مشنوں پر ہندوستان۔ چین۔ افریقہ وغیرہا میں خرچ کرتے ہیں اور ہزاروں اچھی اچھی تنخواہیں پانیوالے مشنری دُور دراز ملکوں میں کام کرتے ہیں مگر باوجود اسکے غیر مذہب کے لوگوں کو مسیحی بنانے کے کام میں کوئی معتدبہ ترقی نہیں ہوئی۔ چین کے دار الخلافہ پیکن میں آج ۲۵ بڑی بڑی مسجدیں ہیں اور ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی ہے۔ مسیحی مشنوں کے نتائج نہایت ہی ناقابل اطمینان ہیں۔ صرف ہندوستان میں ۲ ہزار سے زیادہ مسیحی مشنری کام کر رہے ہیں اور اچھی اچھی تنخواہیں پا رہے ہیں مگر گذشتہ سال میں صرف نوسو آدمی اور وہ بھی ادنیٰ ذاتوں کے مسیحی مذہب میں داخل ہوئے۔ مگر اسلام کا یہ حال ہے کہ گذشتہ دس سال میں پچاس لاکھ سے زیادہ آدمی مشرف باسلام ہوئے۔ حالانکہ مسلمانوں میں کوئی تنخواہ دار مشنری اس کام کے لیئے مقرر نہیں ہیں۔

مَیں اس مضمون پر زیادہ بحث کر سکتا تھا۔ مگر جو کچھ مَیں بیان کر چکا ہوں انہیں بھی بہت سی ایسی باتیں ہیں جو اکثر سامعین کے لیئے نئی ہیں۔ آپ گھر جاکر ان باتوں پر غور فرماویں۔ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اگر اسکا ایک حصّہ بھی آپ صاحبان یاد رکھینگے تو مَیں سمجھونگا کہ میری محنت کا بدلہ مجھے مل گیا ہے۔

اے۔ جارج۔ بیکر
فیلیڈلفیا۔ اضلاع متحدہ
امریکہ

چین پر مسیحی دنیا کی دعا کا اُلٹا اثر

کُل دنیا اسلام کی صداقت کا ایک روشن نشان بلقان میں حال میں ہی دیکھ چکی ہے۔ کہ کس طرح اسلام کے ایک خادم نے ۹ سال پہلے خدائے تعالیٰ سے الہام پاکر یہ پیشگوئی شائع کی کہ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ۔ اور کس طرح اس پیشگوئی کے مطابق پہلے سلطنت روم نے اپنے دار الخلافہ سے قریب کی زمین میں بلگیریا کے ہاتھ سے قابل شرم شکست کھائی اور پھر کس طرح محض آسمانی اسباب کے پیدا ہونے سے باوجود اپنی ناتوانی اور کمزوری کے بغیر لڑائی کے اپنے دشمن پر پیشگوئی کے منشا کے مطابق بہت جلدی دوبارہ فتح حاصل کی مغرب میں تو اسلام کی صداقت کے آفتاب نے اس آسمانی نشان کی شکل میں طلوع کیا مگر افسوس ہے کہ مشرق میں انہی دنوں میں مسیحیت کی بدقسمتی سے ایک امر واقع ہوا جس سے اس مذہب کا ایک مردہ اور بے جان مذہب ہونا روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا۔ چونکہ اسلام اور مسیحیت میں آجکل بڑا سخت مقابلہ جاری ہے اور مسیحی مذہب کے شیدائی چاہتے ہیں کہ جس طرح ہو سکے اسلام کی بیخ کنی کیجاوے مگر خدائے تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسلام کا غلبہ ہو اور مسیحیت کا باطل ہونا دنیا پر ظاہر ہو اسلیئے جب اُس نے مغرب میں اسلام کی صداقت کا ایک چمکتا ہوا نشان ظاہر کیا تو مشرق میں ایک ایسا امر ظاہر کیا جس سے بدیہی طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ مسیحیت کے واعظ صرف ایک جھوٹ کی تائید کر رہے ہیں اور یہ کہ یہ مذہب روحانیت سے خالی ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں کہ چین میں ایک جمہوری سلطنت قائم کی گئی ہے۔ اسپر چینی گورنمنٹ نے مسیحی لوگوں کے آگے نہایت سنجیدگی سے یہ التجا کی کہ چین کی اس نئی جمہوری سلطنت کی بہتری

کے لیئے مسیحی گرجاؤں میں دعا کی جاوے کہ خداوند خدا اس زمین پر اپنی برکت اور رحمت نازل فرمائے اور ملک میں امن ہو۔ اور سلطنت میں صلح اور آشتی کا دور دورہ ہو۔ مسیحی مشنری تو مارے خوشی کے اپنے جاموں سے باہر ہو گئے اُنہوں نے گمان کیا کہ بس اب ہمارا جادو چل گیا۔ چین کی قدیمی سلطنت اب ہماری طرف مائل نظر آتی ہے اور اُنکی اس درخواست سے کہ مسیحی ہماری جمہوری سلطنت کے لیئے دعا کریں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چینی لوگوں کے دلوں میں خداوند یسوع مسیح کی محبت جاگزین ہو چکی ہے اور انکی یہ اپیل ہماری کامیابی کا بڑا بھاری نشان ہے اور اُمید پڑتی ہے کہ عنقریب چینی لوگ کل کے کل مسیحی دین میں داخل ہو جائیں گے۔ اور ان کی یہ درخواست ایک پہلا قدم ہے جو اُنہوں نے ہمارے دین کی طرف اُٹھایا ہے۔ اس خوشی کو مسیحیوں نے اپنے دلوں تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ اخباروں میں بھی بڑے فخر سے اپنی اس کامیابی کا اظہار کیا۔ اُنکو چینیوں کی اس اپیل سے اسقدر خوشی ہوئی کہ ریوٹر کی ایجنسی پر بھی جو بڑے بڑے اہم واقعات کو بذریعہ تار برقی دنیا کے کل حصوں میں شائع کرتی ہے اِس عام خوشی کا اثر ہوا اور اُس نے بھی اس خوشی کو ایسا عظیم الشان خیال کیا کہ تار کے ذریعہ اُس نے مسیحیوں کی اِس خوشی کو دنیا کے کناروں تک پہنچایا مگر بچارے مسیحیوں کو کیا معلوم تھا کہ اُنکی اس خوشی کے نیچے ایک ماتم پوشیدہ ہے اور جس امر کو وہ اپنی کامیابی کا نشان گمان کر رہے ہیں وہ درحقیقت اُن کے لیئے ایک امتحان ہے جس سے دنیا پر اور خصوصاً چینیوں پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ان مسیحیوں کے پاس سوائے لفظوں کے اور کچھ بھی نہیں اور یہ کہ اُنکو خدا سے کوئی تعلق نہیں اور اُنکا مذہب روحانیت سے بالکل خالی ہے اور یہ کہ اُنکی ظاہری پارسائی صرف ایک دھوکہ ہے اور اُنکی دعا محض ایک فیشن ہے اُس میں ذرا بھی قبولیت کا نشان باقی نہیں اور اُن کا یہ کہنا کہ یسوع مسیح ہمارا خدا ہے جو ہماری دعاؤں کو سُنتا ہے ایک گپ ہے جسمیں صداقت کی بُو بھی نہیں پائی جاتی۔

ریوٹر نے ۱۸- اپریل ۱۹۱۳ء کو خبر دی کہ کل یعنی ۱۷- اپریل ۱۹۱۳ء کو چین کی گورنمنٹ نے بذریعہ تار مسیحی مذہب کے تمام لیڈروں سے درخواست کی کہ ہماری سلطنت اور قوم کے لیئے ملک کے تمام گرجوں میں ۲۷- اپریل ۱۹۱۳ء کو دعا کیجائے اور اس دعا میں نہ صرف مشنری صاحبان شریک ہوں بلکہ جسقدر مسیحی لوگ ہماری سلطنت میں موجود ہیں اُن سب کی خدمت میں ہماری درخواست ہے کہ وہ بھی سب کے سب اس دعا میں شامل ہوں اور یہ دعا ملک کے تمام گرجاؤں میں کیجائے اور ساتھ ہی اسکے چینی گورنمنٹ نے اپنے ملک کے تمام صوبہ داروں کے نام حکم بھیجا کہ جب مسیحی صاحبان ہماری سلطنت اور قوم کے لیئے دعا کریں تو اس موقعہ پر سرکاری افسر بھی حاضر ہوں۔ اس سے پہلے ۱۳- اپریل ۱۹۱۳ء کو گورنمنٹ کی درخواست پر ایک خاص جلسہ مسیحیوں نے گرجا میں کیا تھا جس میں نئی قائم شدہ پارلیمنٹ کے لیئے دعا کی گئی تھی۔ ریوٹر تار دیتا ہے کہ چینی گورنمنٹ کی درخواستوں سے مسیحی قوم غایت درجہ خوش ہوئی ہے اور بیرونی لوگ جو چین میں رہتے ہیں وہ یہ رائے ظاہر کر رہے ہیں کہ گورنمنٹ کی اس درخواست سے صریحاً پایا جاتا ہے کہ حیرت انگیز تیزی کے ساتھ چینی لوگ مسیحی مذہب کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

پھر ۲۱- اپریل ۱۹۱۳ء کو ریوٹر نے بذریعہ تار خبر دی کہ چین کی گورنمنٹ نے جو مسیحیوں سے دعا کی درخواست کی ہے اس سے برطانیہ کے لوگوں میں چین کے ساتھ خاص ہمدردی پیدا ہو گئی ہے اور تمام مسیحی فرقوں کے لیڈر اس امر کا انتظام کر رہے ہیں کہ ۲۷- اپریل کو ملکہ چینی سلطنت کے امن و آرام کے لیئے دعا کیجاوے۔ امریکہ سے بھی خبر آئی ہے کہ وہاں بھی ۲۷- اپریل ۱۹۱۳ء کو چینی سلطنت کے لیئے دعا کرنیکی تیاری ہو رہی ہے اور یہ دن اس دعا کے لیئے مخصوص کیا گیا ہے۔ ریوٹر نے ۲۳- اپریل کو تار دیا کہ آرچ بشپ آف کینٹربری اور بشپ آف لنڈن نے عام جلسوں میں چینیوں کے ساتھ بہت ہمدردی ظاہر کی ہے اور اُن کی درخواست سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اب مسیحیت کے لیئے چین میں بڑی کامیابی حاصل کرنے کی اُمید ہے۔ اور حکم دیا ہے

کہ تمام گرجاؤں میں چینی سلطنت کی بہبودی کے لیئے شفاعت کی جاوے۔

ریوٹر نے ۲۴- اپریل ۱۹۱۳ء کو تار دیا کہ آرچ بشپ آف کنیٹر بری نے ایک خاص دعا تیار کی ہے جو سب گرجاؤں میں چین کی جمہوری سلطنت کے امن و امان کیلیئے ۲۷- اپریل ۱۹۱۳ء کو کیجائے گی۔ آرچ بشپ آف یارک نے اپنے علاقہ کے تمام مسیحیوں کے نام حکم جاری کیا ہے کہ وہ مقررہ تاریخ کو چین کے امن و سلامتی کیلیئے دعا کرنے میں شریک ہوں۔ مکتی فوج کے افسر جنرل بریمول بوتھ نے چین کے پریسیڈنٹ کے نام تار بھیجا ہے کہ دنیا بھر کی مکتی فوج ملکر تمھارے ملک کے امن و آرام کیلیئے دعا کریگی۔ برطانیہ اور آئرلینڈ کے پراٹسٹنٹ مشنری سوسائٹیوں کی کانفرنس کے میر مجلس نے چین کے پریسیڈنٹ کو مبارکباد کا تار بھیجا ہے۔

۲۶- اپریل کو ریوٹر نے تار دیا کہ چین کے مشنریوں کی اپیل کے جواب میں آسٹریلیا کے تمام گرجے چین کی پارلیمنٹ اور قوم کے لیئے دعائیں کر رہے ہیں۔

۲۸- اپریل کو ریوٹر نے لنڈن سے تار دیا کہ کل ۲۷- اپریل ۱۹۱۳ء کو تمام برطانیہ کے ملک میں چین کی بہبودی اور امن کے لیئے دعائیں کی گئیں۔ ایک عام جلسہ میں چینی وزیر نے ان دعاؤں سے متأثر ہو کر کہا کہ اب مجھے چین میں ایک بالکل نئے زمانہ کے شروع ہونے کے آثار نظر آتے ہیں۔

مندرجہ بالا تاروں سے ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح مسیحی دنیا نے چین کے لیئے دعا کرنیکا جوش ظاہر کیا۔ برطانیہ کے گرجاؤں میں چین کے لیئے دعائیں کی گئیں۔ امریکہ میں دعائیں کی گئیں۔ آسٹریلیا میں دعائیں کی گئیں۔ ہندوستان میں دعائیں کی گئیں۔ ۲۷- اپریل کو کروڑہا مسیحیوں کی آواز روئے زمین کے گرجاؤں میں چین کے لیئے شفاعت کر رہی تھی۔ مسیحی کلیسیا کے ہزارہا بزرگ اپنے خداوند یسوع مسیح کے آگے پورے زور سے التجا کر رہے تھے کہ اے خداوند تو اس نئی جمہوری سلطنت میں امن قائم کر۔ چین کے لوگ چین سے زندگی بسر کریں۔ ملک میں اندرونی طور پر بھی امن ہو اور بیرونی طور پر بھی امن ہو۔ اے خداوند۔ اس قوم نے تیری طرف رُخ کیا ہے۔ تو اُنکو ایک نشان دکھا۔ ہماری متحدہ دعاؤں کو سُن۔ اور اُن کو امن اور چین بخش تا یہ اس بات کا ایک نشان ہو کہ خداوند یسوع مسیح

ایک زندہ خدا ہے جو اپنے بندوں کی دعاؤں کو سُنتا ہے۔ اور چینی قوم اس نشان کو دیکھ کر تیری طرف زیادہ تیزی سے قدم اُٹھائے اور چین کی سرزمین میں تیرا جلال ظاہر ہو۔ اے خداوند یسوع مسیح۔ اِس قوم کو اب ہمارے مذہب کے متعلق بڑا حسن ظن ہے۔ اور اُنکا گمان ہے کہ ہم خدا رسیدہ اور برگزیدہ لوگ ہیں۔ اسی لیئے انہوں نے دنیا کے کُل مذاہب کو چھوڑ کر ہماری طرف رجوع کیا ہے اور اپنے دیوتاؤں اور خود بُدھ پر ای خداوند تجھے ترجیح دی ہے۔ پس اے خداوند ایسا نہ ہو کہ یہ موقعہ ہاتھ سے جاتا رہے۔ تُو اپنی قدرت کا ایک کرشمہ دکھا اور چینیوں پر اور دنیا کی دوسری قوموں پر اسوقت ثابت کر دے کہ دنیا میں آج ایک ہی سچا مذہب ہے اور ایک ہی ایسا دین ہے جسمیں مقدس لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ مسیحیوں نے ۲۷۔ اپریل کا نام شفاعت کا دن رکھا اور سب نے ملکر ایک وقت اپنی آواز کو آسمانوں کی طرف اُٹھایا۔ مگر افسوس یہ دن مسیحیت کے لیئے نہایت ہی نامبارک ثابت ہُوا کیونکہ بجائے اسکے کہ سلطنتِ چین میں امن اور چین ترقی کرے جس قدر امن پہلے اس درخواست کے وقت موجود تھا وہ بھی جاتا رہا اور اس دعا پر ابھی بہت عرصہ نہیں گذرا تھا کہ چین میں سخت خانہ جنگی شروع ہو گئی جو اسوقت تک جاری ہے۔ اپریل کے آخر میں چین کے امن کیلیئے مسیحی گرجاؤں میں دعا نہیں بلکہ شفاعت کی گئی اور اس مذہب میں جو لوگ بڑے مقدس اور پاک اور یسوع مسیح کے جانشین سمجھے جاتے ہیں اُن سب نے اپنا پورا زور لگایا مگر اُن کی دعا کا اُلٹا اثر پڑا اور اس شفاعت پر ابھی دو مہینہ ہی گذرے تھے کہ چین کی ساری ولایت میں جنوب سے لیکر شمال تک ایک خطرناک جنگ برپا ہو گئی جس میں لڑنے والے دو گروہ ہیں۔ ایک شمالی گروہ اور ایک جنوبی گروہ۔ اسوقت تک کئی لڑائیاں ہو چکی ہیں اور ہزارہا انسانوں کا خون بہایا جا چکا ہے اور جب ایک ملک کے لوگ خود آپسمیں جنگ کر رہے ہوں تو اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کہاں تک اِس ملک کے لوگ امن اور چین سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ یہ عجیب شفاعت ہے جسکا اثر یہ ہُوا کہ پہلا امن بھی جاتا رہا اور خدا کا رحم غضب سے بدل گیا۔ اس سے آپ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ شفاعت کرنیوالے لوگ کہاں تک

مقربان بارگاہ الٰہی ہیں اور انکے مذہب میں کہانتک روحانیت پائی جاتی ہے۔ مسیحیوں نے تو اس موقعہ کو خوشی کا موقعہ سمجھا تھا مگر یہ دن یعنی ۲۷۔ اپریل کا دن انکے لیئے اور انکے مذہب کے لیئے ایک منحوس دن ثابت ہوا اور انکی خوشی ماتم سے بدل گئی اور وہ عزت پانے کے امیدوار تھے مگر نتیجہ اسکے برعکس نکلا۔ اور دنیا پر قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ اس مذہب میں کچھ بھی روحانیت نہیں بلکہ یہ ایک مردہ مذہب ہے۔ اگر یہ لوگ خدا کے نزدیک ذرا بھی قبولیت رکھتے تو انکی یہ شفاعت جو کل ملکوں میں کروڑہا مسیحیوں نے ملکر کی ضرور قبول ہوتی مگر بجائے اسکے کہ اس شفاعت کے جواب میں چینیوں کو چین ملتا۔ الٹی بے چینی پیدا ہوگئی اور امن بدامنی سے بدل گیا۔ غور کرنیوالوں کے لیئے یہ عجیب موقعہ ہے۔ ایک طرف خدائے تعالیٰ اسلام کے ایک خادم کی پیشگوئی کو عجیب طور سے لوگوں کی توقع کے برخلاف پورا کرکے اسلام کی صداقت کو دنیا پر ظاہر کرتا ہے دوسری طرف کل مسیحی دنیا کی متحدہ سفارش کو رد کرکے بجائے رحم کے غضب ظاہر کرتا ہے اور جس قوم کے لیئے کل مسیحیوں نے اور بڑے بڑے بشپوں اور آرچ بشپوں اور دیگر مسیحی بزرگان دین نے ملکر اپنے خداوند یسوع مسیح کے آگے شفاعت کی تھی خداوند الٹا اُس قوم پر ناراض ہوا ہے اور اُن میں ایک خانہ جنگی چھیڑ دی ہے جو اسوقت تک ختم نہیں ہوئی۔ ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا۔ اب ناظرین خود فیصلہ کرلیں کہ کس مذہب کے پیرو روحانیت کا ثبوت اپنے پاس رکھتے ہیں اور کس مذہب کے پیرو روحانیت سے بالکل خالی بلکہ مقہور بارگاہ الٰہی ہیں۔

شاید مسیحیوں کی شفاعت کا الٹا اثر اسلیئے ہوا ہو کہ انہوں نے امن کے لیئے یسوع مسیح کے آگے شفاعت کی تھی مگر یسوع مسیح کہتا ہے "یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں" (متی ۱۰/۳۴) "میں زمین پر آگ لگانے آیا ہوں۔ اور میں کیا ہی چاہتا ہوں کہ لگ چکی ہوتی" (لوقا ۱۲/۴۹) "کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر میل کروانے آیا ہوں۔ نہیں میں تمہیں کہتا ہوں بلکہ جدائی" (لوقا ۱۲/۵۱) معلوم ہوتا ہے کہ یسوع مسیح انکی اس شفاعت

پر ناراض ہوا ہے کہ باوجود اسکے کہ بائبل ہر وقت انکے ہاتھ میں رہتی ہے پھر بھی انکو خبر نہیں کہ میں زمین پر صلح کروانے نہیں آیا بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔

کچھ عرصہ ہوا مسیحیوں نے اسلامی سلطنتوں کے لیئے بھی ایک شفاعت کا دن مقرر کیا تھا اس کا نتیجہ بھی یہ ہوا کہ لاکھوں معصوم بچے۔ بے گناہ عورتیں اور بوڑھے مرد نہایت بے رحمی سے ظالم مسیحیوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے۔ مسیحیوں کی شفاعت عجیب حیرت انگیز نتیجے پیدا کرتی ہے اللہ تعالیٰ ایسی شفاعت سے دنیا کو محفوظ رکھے۔

ریویو

واقعہ صلیب مسیح کی چشم دید شہادت:- یسوع مسیح کے واقعہ صلیب کے چشم دید حالات ایک انگریزی کتاب میں شائع ہوئے ہیں۔ جس کا عام فہم اور سلیس ترجمہ میاں معراج الدین صاحب عمر نے بڑی خوبی اور عمدگی سے چھپوا کر شائع کیا ہے۔ اصل انگریزی کتاب پر اس رسالہ میں پہلے مفصل ریویو ہو چکا ہے۔ اس کتاب کے مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا بلکہ بیہوشی کی حالت میں اُتارا گیا۔ ۱۰۵ صفحے کی کتاب مع مفید اور پُر از معلومات دیباچہ کے ۱۲/ روپیہ پر منیجر صاحب بدر بک ایجنسی سے مل سکتی ہے۔

قدیم ہندوستان کی روحانی تعلیم:- شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور نے بڑی محنت اور کوشش سے قدیم ہندوستان کی روحانی تعلیم نام کتاب لکھ کر ہندوؤں کی مستند کتب ویدوں۔ شاستروں رامائن اور مہابھارت وغیرہ کے حوالجات سے اسبات کو پایۂ ثبوت تک پہنچایا ہے۔ کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوؤں کی مذہبی۔ اخلاقی اور تمدنی حالت بہت گری ہوئی تھی۔ اہل اسلام نے آکر انکو ظلمت سے نکالا۔ اور اوہام پرستی کے خطرناک عقیدے سے نجات دلائی۔ کتاب واقعی ویدک زمانہ کا نقشہ اور شاستروں کا ہو بہو مرقع کہے جانے کے قابل ہے۔ ۱۴۴ صفحے کی کتاب قیمت صرف ۸/ ہے۔ شائقین منیجر صاحب نور۔ قادیان سے طلب فرماویں۔

تقریر جلسہ اعظم مذاہب یا لیکچر مہوتسو | یعنی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا عظیم الشان لیکچر جو سنہ ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا۔ چوتھی دفعہ نہایت عمدہ کاغذ پر خوب خوشخط لکھوا کر چھپوایا گیا ہے تقطیع بھی نہایت موزون ہے اس کتاب میں حضرت اقدس نے ذیل کے پانچ امور پر فلسفیانہ رنگ میں بحث کی ہے۔ اور تمام دلائل قرآن شریف سے پیش کیے ہیں (۱) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتیں (۲) انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبیٰ (۳) دنیا میں انسان کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب۔ (۴) اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں (۵) علم اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے۔ تقریباً ۱۵۰ صفحہ کی کتاب ہے۔ قیمت ۵ر

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ جو ولایت سے چھپکر آیا ہے۔ نہایت خوبصورت جلد قیمت عہ

پارہ عم مترجم | چونکہ عموماً مسلمان قرآن شریف کی آخری سورتیں نماز میں پڑھتے ہیں۔ اور یہ صاف ظاہر ہے کہ صرف عربی عبارت ناظرہ یا حفظ پڑھ لینے اور مطلب سمجھنے سے دل میں خشوع خضوع نہیں پیدا ہوتا اور اسی لیے نمازی وعدہ الٰہی کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ کے نیچے نہیں آتا۔ اسلئے ہر ایک مسلمان پر لازمی ہے کہ کم سے کم آخری پارہ کو باترجمہ پڑھ لے اور حفظ کرے اور اپنے بچوں کو بھی پڑھائے اور حفظ کروائے۔ ہمارے پاس پارہ عم مترجم موٹے کاغذ پر عمدہ خوشخط صحیح چھپے ہوئے موجود ہیں۔ ہدیہ صرف ۳ر

پارہ الٓمٓ مترجم | ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح قیمت ۳ر

رسالہ اسلام بزبان انگریزی | مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز۔ اس رسالہ میں اصول اسلام کو نہایت احسن پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اسکی خوبی اور تعریف کیلئے صرف مولویصاحب کا نام ہی کافی شہادت ہے۔ ہر ایک انگریزی خوان مسلمان کے ہاتھ میں اس رسالہ کا ہونا ضروری ہے۔ قیمت ۱ر محصولڈاک ۱ر

درخواستیں بنام منیجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں

ضرورت ہے ۱۔ دفتر میگزین کیلئے ہیڈ کلرک کی۔ کم سے کم انٹرنس پاس انگریزی میں خط و کتابت کر سکتا ہو۔ ٹائپ رائٹنگ جاننے والے کو ترجیح دیجائے گی۔ تنخواہ حسب لیاقت۔

درخواستیں مع نقول سرٹیفکیٹ منیجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور کو آنی چاہئیں

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے | لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۲ | بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۳ء | مطابق شوال المکرم ۱۳۳۱ ہجری | نمبر ۹

چندہ سالانہ | عام [illegible]

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ ستمبر ۱۹۱۳ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

یسوع کی ہستی کا سوال
ارواح کی شہادت
اور
صلیبی واقعہ پر بحث

پیبلز پبلشنگ کمپنی (۵۱۹ فے ایٹ سٹریٹ - لاس اینگلیز کیلیفورنیا اضلاع متحدہ - امریکہ) نے ہمارے پاس ایک رسالہ بھیجا ہے جس میں اس امر پر بحث کیگئی ہے کہ آیا یسوع واقعی دنیا میں گذرا ہے یا یہ صرف ایک خیالی انسان کا نام ہے اس رسالہ میں ایک مضمون پر دو تحریریں ہیں۔ ایک تحریر ڈاکٹر جے ایم پیبلز کی طرف سے ہے اور دوسری ڈاکٹر ڈے وِڈ ڈبلیو ہل کی طرف سے ہے۔ یہ دونوں تحریریں رسالہ پراگریسو تھنکر کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ جس میں ڈاکٹر ایچ - وِی - سویزیگن کی طرف سے ایک مضمون چھپا ہے جس میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کیگئی ہے کہ یسوع ایک خیالی انسان کا نام ہے۔ اور یہ شخص درحقیقت کوئی ہستی نہیں رکھتا۔ اور اناجیل مروجہ کے یسوع کی وہی ہستی ہے جو ایک ناول کے ہیرو کی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر پیبلز اور ڈاکٹر ہل نے اپنی تحریروں میں یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ یسوع کسی فرضی انسان کا نام نہیں بلکہ اس نام کا انسان

فی الواقعہ دنیا میں گذرا ہے۔ اسوقت ڈاکٹر سویرنگن کے دلائل ہمارے سامنے موجود نہیں۔ اسلیئے ہم اس امر کا فیصلہ نہیں کر سکتے کہ یہ دونوں صاحب ڈاکٹر سویرنگن کے دلائل کو توڑنے میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ نیز ڈاکٹر سویرنگن اپنا مضمون لکھنے کے بعد جلدی ہی اس جہان سے رحلت کر گئے۔ اسلیئے انکو یہ موقعہ نہیں ملا کہ وہ ان تحریروں کو پڑھکر ان کا جواب دیتے۔

ڈاکٹر پیبلز اپنے مضمون کے ابتداء میں لکھتے ہیں کہ پہلے اُن کا بھی وہی خیال تھا جو ڈاکٹر سویرنگن صاحب کا ہے لیکن بعد میں انہوں نے اپنی رائے کو بدل دیا۔ اور اب اُن کے خیال میں یہ کہنا کہ یسوع صرف ایک خیالی وجود ہے ایک دعویٰ بلا دلیل ہے۔ ڈاکٹر پیبلز نے جو دلائل یسوع کی ہستی کے ثبوت میں دیئے ہیں وہ تین حصوں میں منقسم ہیں۔

۱۔ ارواح کی شہادت اس بارہ میں کیا ہے؟

۲۔ یہودی علما اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

۳۔ تاریخ اس بارے میں کیا کہتی ہے؟

روحوں کے بیانات

یہ تینوں ڈاکٹر یورپ و امریکہ کے بہتسے دوسرے لوگوں کی طرح سپرچوئلزم کے معتقد ہیں۔ یعنی اُن کا یہ اعتقاد ہے کہ وفات یافتہ لوگوں کی روحیں انسانوں سے ملاقات کرتی ہیں اور زندہ انسان اُن سے بہت سی چیزوں کی نسبت علم حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس بحث میں ڈاکٹر پیبلز نے سب سے پہلے ارواح کی شہادت کو اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کیا ہے اور اُن کا یہ نرالا طرز ثبوت بہت دلچسپ ہے وہ لکھتے ہیں کہ میں نے سپرچوئلزم کی تحقیق میں ۶۰ سال تک بلکہ اس سے بھی زیادہ محنت کی اور اس عرصہ دراز میں مجھے اس علم کا ماہر اور اس فن میں ید طولیٰ رکھنے والا ایک بھی ایسا شخص نہیں ملا جو یسوع کی ہستی سے انکار کرتا ہو۔ انصاف اور عقل

کی عدالت کے سامنے ڈاکٹر پیبلز مندرجہ ذیل گواہوں کو پیش کرتا ہے۔

۱۔ اے۔ جے۔ ڈیوس۔ نے بیان کیا کہ قدیمی زمانہ کے ارواح کے مجمع میں میں نے یسوع شامی کو دیکھا جو مسیح کے نام سے مشہور ہے وہ اپنی روحانی تعلیم میں فرقہ اسینین سے بہت اختلاف نہیں رکھتا تھا۔

۲۔ نیویارک کے جج ایڈمنڈس نے بیکن۔ سویڈن بارگ اور مشرق کے ایک حکیم کے ساتھ کلام کیا۔ اس حکیم نے جج مذکور کے سامنے بیان کیا کہ مجھے یہودیہ کے معلم یسوع سے روحانی آسمانوں میں کئی بار ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔

۳۔ مسز کورا ایل وی رچمنڈ سے تعلق رکھنے والی روحوں نے بارہا بیان کیا ہے کہ یسوع مسیح اب ابدیت کی ولائیت میں ایک عالیشان فرشتہ ہے۔

۴۔ جے۔ جے۔ مارس سے تعلق رکھنے والی روح۔ یعنی مشہور چینی حکیم ٹین سن نامی نے اُسکو خبر دی کہ یسوع ناصری سے میںنے کئی بار ملاقات اور گفتگو کی ہے۔

رسالہ مذکور سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض روحوں نے ایسی شہادت بھی دی ہے جو مذکورہ بالا روحوں کی شہادت کے برخلاف ہے مگر ڈاکٹر پیبلز اور ڈاکٹر ہل ان روحوں کی شہادت کو اسلیئے رد کرتے ہیں کہ یہ روحیں ادنیٰ درجہ کی ہیں اور جن لوگوں کے ساتھ ان روحوں نے کلام کیا ہے وہ کمتر پایہ کے انسان ہیں اور انکے بیان قابل اعتماد نہیں۔ مثلاً اُن روحوں میں جو مذکورہ بالا ارواح کے برخلاف گواہی دیتے ہیں ایک اپولونی اس کی روح ہے جس نے الفریڈ جیمس کے ذریعہ یہ شہادت دی ہے کہ "جو کچھ عالم ارواح میں آکر مجھے علم حاصل ہوا ہے اُس سے میں نتیجہ نکالتا ہوں کہ جس یسوع اور پولوس کا نئے عہدنامہ میں ذکر ہے وہ یسوع اور پولوس میں ہی ہوں" مگر ڈاکٹر پیبلز کا اسپر یہ اعتراض ہے کہ اپولونی اس ایک شیخی باز روح ہے اور کہ الفریڈ جیمس ایک ناقابل اعتبار انسان ہے۔

اپولونی اس ایک فلاسفر کا نام ہے جو پہلی صدی مسیحی میں گذرا۔ ارواح کے ساتھ کلام کرنے والوں میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ یسوع عیسوی سن سے ایک سو سال پہلے گذرا ہے اور وہ ایک شخص پینڈیری نام کا.... بیٹا تھا۔ یونانی زبان میں مسیح کو کرستو کہتے ہیں

اور یہ لفظ انگریزی میں آکر کرائیسٹ ہوگیا ہے۔ بعض سپر چوالسٹ (عالم ارواح سے تعلق رکھنے والے) لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ لفظ کرشنا سے نکلا ہے۔ جارج ایس سلائی نے اس مضمون کا ۳۵ سال مطالعہ کیا ہے اور اس کا بیان ہے کہ ۱۸ئہ میں مارکی ان نے لفظ کرشنا کو یونانی زبان میں ترجمہ کیا اور یہی نام مختلف اناجیل کی بنا ٹھہرا۔ کرشنا کو کرستو سے بدل دیا گیا اور ہندوستان کی جگہ فلسطین کا ملک تجویز کیا گیا۔ اس انجیل کو مارکی ان کی انجیل کہتے تھے۔ یسوع کی ہستی کا انکار کرنیوالے سپر چوالسٹ لوگوں نے اپنے خیالات ایک کتاب سے اخذ کیئے ہیں جس کا نام "عصر قدیم کا انکشاف" ہے اور جسکو بقول مصنف پرانی روحوں نے جو کہ مسیح کی ہمعصر تھیں تحریر کروایا تھا۔ ان روحوں میں سے تو قریباً ہر ایک نے یہی لکھوایا کہ کرستو (مسیح) کا نام ہندوؤں کے کرشن کے نام سے لیا گیا ہے۔ کتاب مذکور کی شہادت کے متعلق ڈاکٹر ہل تحریر فرماتے ہیں۔ "غالباً کسی سادہ لوح روح نے برادر رابرٹس (مصنف کتاب) کو یہ حکایات سنائی ہیں جو مسیح کے زمانۂ مخالفت کے مشاہیر کی طرف سے حقیقی گفتگو سمجھی گئیں مگر برادر رابرٹس نے مسیح کی نفرت کے سبب سے ان کو مان لیا۔" ڈاکٹر پیبلز اور ڈاکٹر ہل جسقدر چاہیں ان روحوں اور ان روحوں سے تعلق رکھنے کے مدعیوں کے بیانات کے تناقص کو رفع کرنے کی کوشش کریں ہر ایک فرد بشر اس نتیجہ پہ پہنچے گا کہ ان روحوں اور ان کے ساتھ مکالمہ کرنیکا دعویٰ کرنے والوں کی شہادت ہرگز قابل پذیرائی نہیں ہے۔ یہ روحیں نہ صرف ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں بلکہ کوئی نئی بات بھی نہیں بتاتیں وہ صرف اُن خیالات کی تائید کرتی ہیں جنپر وہ لوگ جو اُن کے ساتھ مکالمہ کا دعویٰ کرتے ہیں قائم ہیں۔ ہم اُنکے بیانات کو تسلیم کر لیتے اگر وہ کوئی ایسی بات لاتیں جو کبھی کسی انسان کے وہم وگمان میں نہ آئی ہوتی اور پھر اُن بیانات کا ثبوت بھی مہیا کرتیں۔ انسانوں نے بہت سے امور ایسے معلوم کیئے ہیں جو پہلے نامعلوم تھے۔ اور اُنکی تائید میں قابل وثوق ثبوت بھی پیش کیئے ہیں۔ مگر کوئی روح اس قسم کی بات نہیں لائی۔ مثلاً یسوع کا حال ہی لو۔ روحیں کوئی نئی بات بالکل نہیں لائیں۔ مختلف روحوں کے مسیح کے متعلق

مختلف بیانات ہیں اور یہ بیانات وہی ہیں جو کہ آگے ہی لوگوں کو معلوم ہیں۔
یسوع کے متعلق لوگوں کے مختلف خیالات مفصلہ ذیل ہیں۔
(۱) کہ وہ ایک پاک انسان تھا اور مسیحیت کا بانی تھا۔
(۲) کہ اناجیل کا یسوع ایک فرضی انسان ہے۔
(۳) کہ اُس کی تعلیم فرقہ اسین کے خیالات کے موافق تھی اور وہ فرقہ اسین کا ایک ممبر تھا
(۴) کہ کرسٹو (مسیح) کا لفظ کرشن سے بگڑا ہوا ہے۔
(۵) کہ یسوع صرف اپولونیس آف ٹائنین کا دوسرا نام ہے۔
(۶) چند شریر لوگ بکتے ہیں کہ یسوع پنڈیرا کا (نعوذ باللہ) ناجائز فرزند تھا۔ جو کہ سن عیسوی سے ایک سو سال پہلے تھا۔

اب صاف ظاہر ہے کہ روحوں کی شہادت مذکورہ بالا خیالات میں سے کسی نہ کسی کی تائید ضرور کرتی ہے۔ اِس سے یہ نتیجہ صاف صاف طور پر نکلتا ہے کہ روحوں کی مفروضہ شہادتیں صرف اُن انسانوں کی رائیں ہیں جو اُن کے ساتھ مکالمہ کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہم اُن کی بات ضرور تسلیم کر لیتے اگر روحیں کوئی نئی بات لاتیں اور پھر ثبوت بھی اُسکا پیش کرتیں۔

یسوع مسیح کے متعلق حیران کرنے والے تازہ حالات

حال میں یسوع مسیح کے متعلق ایک حیران کرنیوالی بات معلوم ہوئی ہے۔ یسوع مسیح کی قبر سری نگر کشمیر میں پائی گئی ہے اور فیصلہ کن شہادت سے یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچ گیا ہے کہ صلیب سے بچ جانیکے بعد مسیح دوبارہ گرفتاری کے ڈر سے اپنا وطن چھوڑ کر بھاگ آئے اور مشرقی ملک افغانستان اور کشمیر میں تشریف لائے جہاں کہ اسرائیل کی گم شدہ قومیں آباد تھیں۔ اور آخر کار اِس غیر علاقہ میں فوت ہو گئے اور یہاں ہی سری نگر میں مدفون ہوگئے۔ یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ جب صلیب سے وہ اُتارے گئے تو وہ مردہ نہ تھے بلکہ حالت غشی میں تھے۔ صلیب پر تین گھنٹے رہنے سے وہ مر نہ سکتے تھے۔ پلاطوس نے تعجب ظاہر کیا کہ مسیح کس طرح اتنے تھوڑے

سے عرصہ میں فوت ہو سکتا تھا۔ دو چور جو مسیح کے ساتھ لٹکائے گئے تھے زندہ اُتارے گئے۔ مگر چونکہ وہ بے ہوش نہ تھے اُن کی ہڈیاں توڑ ڈالی گئیں۔ مگر مسیح کی ہڈیاں نہ توڑی گئیں۔ ایک سپاہی نے مسیح کے پہلو میں نیزہ چبھویا تو خون بہ نکلا جو کہ زندگی کا کافی ثبوت ہے۔ صلیب سے اُتارنے کے بعد آپ کا جسم مبارک دُشمنوں کو نہیں بلکہ دوستوں کو دے دیا گیا۔ مسیح کے دوستوں نے جسم کو لینے کے لئے ایسی سرعت کی کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس کے بچانے کیلئے کوشاں تھے۔ اور اُسکو مردہ نہیں تصوّر کرتے تھے۔ یہودیوں نے قبر کے مُنہ پر پہرا کھڑا کر دیا تھا جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ بھی اُسکی موت پر پورا یقین نہیں رکھتے تھے۔ رومی حاکم مسیح کی موت ہرگز نہ چاہتا تھا اسلئے اس سے بڑھکر اُسکے لیئے اور کیا خوشی ہو سکتی تھی کہ مسیح بچ جاوے۔ بلکہ ممکن ہے کہ اُس نے مسیح کے زندہ بچ نکلنے پر چشم پوشی کی ہو یا اُس کے زندہ بچنے میں سرًّا یا علانیۃً مدد بھی کی ہو۔ رومی حاکم نے اُن سپاہیوں کو سزا دینے سے احتراز کیا جنہوں نے پہرہ کے وقت مغلوب نوم ہو جانیکا بہانہ کیا تھا اور اِس عرصہ میں مسیح کا جسم اُڑ گیا تھا۔ اِن امور سے صاف پتہ لگتا ہے کہ اُس حاکم کا مسیح کے متعلق کیا عندیہ تھا۔ مسیح کو بچانیکا صاف صاف منصوبہ معلوم ہوتا ہے۔ پلاطوس کی بیوی کے خواب سے بھی یہ معاملہ حد یقین تک پہنچتا ہے کہ پلاطوس نے مسیح کو بچانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا تھا۔ سپاہی اور صوبہ دار بھی پلاطوس کے ممد و معاون معلوم ہوتے ہیں کیونکہ صوبہ دار نے مسیح کی موت کا یقین کرنے کے لیئے اُسکی ہڈیاں نہ توڑیں۔ اور سپاہیوں نے سو جانیکا بہانہ کیا۔ انجیل متی باب ۲۷ ورس ۵۴ سے صاف ظاہر ہے کہ صوبہ دار اور سپاہی مسیح کو ایک مقدس انسان سمجھتے تھے۔

جب مسیح کو یہودیوں نے کہا کہ کوئی نشان دکھلاؤ تو مسیح نے کہا اُس زناکار نسل کو سوائے یونسؑ کے نشان کے اور کوئی نشان نہ دکھلایا جاویگا۔ جس کا یہ مطلب تھا کہ جس طرح یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں تین دن زندہ رہا تھا اُس طرح وہ بھی تین دن زندہ بطن زمین میں رہیگا۔ مسیح کا یہ قول اِس معاملہ کا آخری فیصلہ کر دیتا ہے۔ یہودی حضرت

یونس نبی سے مشابہت

مسیح کو مارنا چاہتے تھے مگر وہ بطور معجزہ کے بچ گئے۔ یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کو
مار ڈالنے کے لیئے تمام کوششیں کیں۔ مگر خدائے تعالیٰ نے انہیں بچا لیا اس طرح
اُن کا زندہ رہ جانا یہودیوں کے لیئے ایک نشان ہے۔ حضرت مسیحؑ کے الفاظ بھی
صاف ظاہر کرتے ہیں کہ کس طرح نشان پورا ہوگا۔ اور کس طرح وہ اُن زناکار لوگوں
کے ہاتھ سے صاف بچ جاوینگے۔ الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ حضرت مسیحؑ زمین کے اندر
مردہ کی طرح تین دن رہیں گے۔ مگر اُن کی حالت یونسؑ نبی کی طرح ہوگی جو کہ مچھلی کے
شکم میں رہے۔ اب موخرالذکر مچھلی کے پیٹ میں زندہ تھے نہ کہ مردہ۔ اسی طرح مسیحؑ
بھی زمین کے اندر زندہ تھے نہ کہ مردہ۔ اپنے آپ کو یونسؑ نبی سے تشبیہ دیکر یہودیوں
کو صاف بتا دیا کہ کس طرح وہ بچ جاوینگے۔ آپ نے زمین کے اندر زندہ داخل ہوکر زمین سے
زندہ ہی نکلنا تھا جیسے کہ یونسؑ نبی کی حالت تھی۔ قبر جس میں کہ مسیح رکھا گیا تھا ایسی
تنگ نہ تھی کہ آپ کا دم گھٹ جاتا اور آپ مر جاتے۔ قبر ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جو چٹان میں کھودا

وہ قبر جس میں حضرت مسیحؑ کو رکھا گیا

ہوا تھا اور اُس کا ایک دروازہ تھا جو ایک بھاری پتھر سے بند ہوتا تھا۔ یہ قبر اسقدر
کشادہ تھی کہ چند انسان اُس میں بغیر دم گھٹنے کے رہ سکتے تھے۔ پھر یہ قبر ایک باغ
میں واقع تھی جو کہ حضرت مسیحؑ کے ایک گہرے دوست کی ملکیت تھا جس نے ضرور
مسیح کو ہوش میں لانے کے لیئے ہمہ تن کوشش کی ہوگی۔ حضرت مسیحؑ قبر سے تیسرے
دن نکل گئے۔ اُن عورتوں نے جو کہ مسیحؑ کے جسم کو خوشبو لگانے کیلیئے گئیں دیکھا کہ
پتھر ہٹا ہوا ہے اور حضرت مسیحؑ قبر میں نظر نہیں آتے۔ وہ جسم جو کہ صلیب پر کیلوں
سے لٹکایا گیا اب قبر میں نہ تھا اس سے اس کہانی کی بھی تردید ہو جاتی ہے جس میں
یہ کہا گیا ہے کہ مسیحؑ کا جسم روحانی تھا مادی نہ تھا ——— اگرچہ حضرت مسیحؑ قبر میں

حضرت مسیحؑ باغبان کے لباس میں

نہ تھے مگر وہ قبر سے دُور فاصلہ پر بھی نہ تھے۔ جب عورتیں مسیحؑ کے گم ہوجانے پر
حیران کھڑی تھیں ایک ایسی آواز پیچھے سے آئی جس سے وہ پہلے آشنا تھیں اور
اُنہوں نے مڑ کر دیکھا کہ حضرت مسیحؑ جن کو خوشبو لگانے کیلیئے وہ آئی تھیں اُنکے
پیچھے کھڑے ہیں۔ مگر اُن کا لباس معمولی لباس نہ تھا بلکہ ایک مالی کا لباس تھا۔ اس

تبدیل لباس کا سبب ظاہر ہے۔ وہ موت کے مُنہ سے بچے تھے۔ اگر یہودی آپ کو پھر دیکھ لیتے تو وہ پھر گرفتار ہو جاتے اور پھر دوبارہ صلیب پر لٹکائے جاتے۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی یہودی آپ کو شناخت نہ کر سکے۔ آپ کے حواری ابھی یروشلم میں ہی تھے۔ مگر آپ نے اُن کو وہاں ملنا مناسب نہ سمجھا۔ اِس لیئے آپ نے اُنکو خفیہ پیغام بھیجا کہ وہاں سے گلیل کے دُور دراز علاقے میں آجاویں اور وہاں اُن سے ملنے کا وعدہ کیا آپنے یروشلم چھوڑنے کے لیئے بہت جلدی کی۔ دیر لگانا خوف وخطر کا باعث تھا۔ آپنے عورتوں سے کہا کہ مَیں حواریوں سے پہلے جاؤنگا۔+ یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ وہ اِس قدر جلدی یروشلم سے چلا جانے پر کیوں آمادہ تھے۔ کیا کوئی عیسائی صاحب اِس سوال کا جواب دینگے۔ آپ جانتے تھے کہ یہودی معلوم کرلیں گے کہ قبر سے نکل گئے ہیں اور اس لیئے تلاش کریں گے آپ کی حالت ایسی تھی جیسی کہ کوئی آدمی جیل سے بھاگ نکلے اور پھر اُسکا ہر وقت یہی کام ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح دُور دراز ملک میں بھیس بدلکر بھاگ جاوے تاکہ شناخت ہو کر دوبارہ گرفتار نہ ہو جاوے۔ پھر جلیل تک سارا راستہ آپنے پاپیادہ طے کیا۔ اگر اُسوقت آپ کا جسم خاکی نہ ہوتا بلکہ کوئی روحانی اور جلالی جسم ہوتا تو آپ کو ضرورت نہ تھی کہ اسقدر فاصلہ پاپیادہ طے کریں۔ علاوہ ازیں آپنے وہ راستہ اختیار نہ کیا جو جلیل کی طرف سیدھا جاتا تھا بلکہ ایک ایسی سڑک اختیار کی جو سیدھی جلیل کی طرف نہ جاتی تھی۔ کیونکہ عمواس کا گاؤں جہاں آپنے اپنے شاگردوں کے ساتھ پہلی رات گذاری جلیل کی سیدھی راہ پر واقع نہ تھا۔ ملاحظہ ہو قدیم شام کا نقشہ۔ سیدھی راہ کو چھوڑنے اور لمبی اور ٹیڑھی راہ کے اختیار کرنے سے صریحاً آپ کی غرض یہ تھی کہ ایسا نہ ہو کہ یہود اُنکا تعاقب کرکے اُنکو پکڑ لیں جس شخص کو یہ خوف ہو کہ لوگ اُس کا تعاقب کرکے اُسکو پکڑنیکی کوشش کرینگے ایسا شخص ضرور سیدھی راہ سے پرہیز کرتا اور ٹیڑھی راہ کو اختیار کرتا ہے۔ چونکہ حضرت مسیحؑ کو یہ خوف تھا کہ ایسا نہ ہو یہود خبر پاکر اُن کا

یروشلم سے آپ کا فرار

آپ کا سفر پاپیادہ

ٹیڑھی سڑک

+ دیکھو متی باب ۲۸ ورس ۷ و ۱۰

تعاقب کریں اور جلیل کی راہ پر اُن کو پھر پکڑ لیں اسلیئے اُنہوں نے سیدھی راہ کو چھوڑا اور ٹیڑھی راہ کو اختیار کیا - پھر انا جیل سے معلوم ہوتا ہے کہ راہ میں بھی آپنے اپنے بھیس کو نہیں اُتارا - آپنے ایسی احتیاط سے اپنا بھیس بدلا اور ایسی کوشش سے اپنے چہرہ کو چھپایا کہ آپکے وہ دو شاگرد جو آپ کو راستہ میں ملے وہ بھی آپ کو پہچان نہ سکے - یہ بھیس بدلنا بھی ظاہر کرتا ہے کہ آپ یہودیوں سے بچنا چاہتے تھے اور آپ کا منشاء یہ تھا کہ کوئی شخص آپ کو پہچان کر پکڑ نہ لے - پھر جس جس جگہ آپنے اپنے شاگردوں سے ملاقات کی وہ بھی مخفی طور پر - آپ یہود سے ایسا مخفی رہنا چاہتے تھے کہ جلیل میں بھی جا کر آپ کھلے طور پر ظاہر نہیں ہوئے - اور سوائے اپنے شاگردوں کے اور کسی سے ملاقات نہیں کی اور شاگردوں سے بھی بہت کم ملاقات کی ہے اور وہ بھی چھپ چھپکر بند کمروں کے اندر - اسقدر اخفا اور احتیاط کی سوائے اسکے اور کوئی وجہ نہ تھی کہ یہود کو علم ہو گیا تھا کہ آپ قبر سے نکل گئے ہیں اور آپ کو ہر وقت یہ ڈھرکا لگا رہتا تھا کہ یہود ضرور اُن کی تلاش میں ہونگے - ایسا نہ ہو کہ یہود اُنکو کہیں پہچان کر پکڑ لیں - اور شاگردوں سے بھی وہ ضرورةً چندمرتبہ ملے -

نبی کو اپنے اتباع کے ایمان کا بڑا فکر ہوتا ہے اُسکے دل میں ہمدردی اور رحم کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہوتے ہیں اُسکے لیئے اس سے زیادہ اور کوئی امر تکلیف دہ نہیں ہوتا کہ کوئی شخص ایمان لا کر پھر ٹھوکر کھا جائے - وہ تو اس غم میں بھی پگھلتے رہتے ہیں کہ کیوں دنیا ایمان لا کر عذاب سے نجات حاصل نہیں کرتی - اس قسم کا غم سب سے بڑھکر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ٥ شاید تو اس غم میں کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے اپنی جان کو ہلاک کر دیگا (شعراء - ع) پھر فرماتا ہے - فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ٥ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا بہت غم تھا - کہ کیوں لوگ حق کو قبول کر کے نجات حاصل نہیں کرتے - اس ہمدردی نوع انسان سے تمام انبیاء کو حصہ دیا جاتا ہے اور چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی خدائے تعالیٰ کے پاک اور مقدس

حضرت مسیح بدلے ہوئے بھیس میں

نبی کامل کی ہمدردی بنی نوع سے

نبی تھے اس لیئے انمیں بھی یہی انسانی ہمدردی اور یہی تڑپ موجود تھی اور جب غیروں کے ساتھ بھی یہ لوگ اسقدر ہمدردی کرتے ہیں کہ انکی فکر میں اپنی جان کو دکھ میں ڈالدیتے ہیں تو پھر وہ اپنوں کو کس طرح اپنی اس ہمدردی سے محروم رکھ سکتے ہیں ؎

دوستاں راکجا کنی محروم ٭ توکہ با دشمناں نظر داری

حضرت مسیح علیہ السلام اپنے شاگردوں کی حالت سے خوب واقف تھے۔ اور انکی کمزوریوں اور شبہات سے پوری آگاہی رکھتے تھے۔ گرفتاری سے پہلے جب آپ ساری رات گریہ وزاری میں لگے رہے آپکے شاگرد اسی باغ میں آرام سے سوئے رہے۔ حضرت مسیحؑ بار بار خود آکر انکو بیدار کرتے اور دردناک الفاظ میں انکو کہتے کہ اٹھکر دعا کرو مگر جب آپ یہ کہکر چلے جاتے تو پھر وہ شاگرد اسی جگہ سو جاتے اور جب آپ دوبارہ انکے پاس تشریف لاتے تو انکو سویا ہوا پاتے۔ اور جب آپکے ہی ایک شاگرد نے آپ کو پکڑوایا اور سپاہی اور یہودی آپکے پکڑنے کیلیئے آئے تو جتنے شاگرد تھے سب کے سب آپ کو تنہا چھوڑکر بھاگ گئے۔ ان میں سے ایک جو تمام شاگردوں میں اوّل نمبر پر تھا عام گروہ میں ملکر سردار کاہن کے مکان پر آیا جہاں حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتاری کے بعد لایا گیا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ شاید مجھے یہاں کوئی نہیں پہچانیگا۔ مگر اسکی بدقسمتی سے ایک عورت اسکو دیکھکر بول اٹھی کہ اس شخص کو مَینے یسوع کے ساتھ دیکھا تھا۔ پہلے تو اس شاگرد نے جھوٹ بولکر اپنا پیچھا چھڑانا چاہا کہ مَیں یسوع کو نہیں جانتا کہ یہ کون شخص ہے مگر جب جھوٹ سے بھی کام نہ بنا تو اس نے تین بار حضرت مسیح علیہ السلام پر لعنت کی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنے شاگردوں کی ان کمزوریوں کا پورا علم تھا اور صلیب پر کھینچا جانیکے وقت آپ کو اتنا اپنی جان کا فکر نہ تھا جتنا کہ لوگوں کے ابتلا اور خصوصاً اپنے شاگردوں کے ایمان کا فکر تھا۔ اسمیں شک نہیں کہ انکو اپنی جان کا بھی ضرور فکر تھا کیونکہ اناجیل میں جو انکی آہ وزاری اور گریہ و بکا کا ذکر ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ آپ ضرور جسمانی طور پر بھی صلیب پر کھینچا جانے سے خوف کرتے تھے اور یہی خوف بڑی حد تک انہیں دعا کا جوش

حضرت مسیحؑ کے شاگردوں کی کمزوری کا قابل افسوس نمونہ

کپتان سکاٹ اور یسوع

پیدا کر رہا تھا اگر ہمارا انحصار صرف مروّجہ اناجیل پر ہی ہوتا تو ہم ضرور یہ نتیجہ نکالتے کہ ان ۱۲ شاگردوں کا اُستاد واقعی ایک کمزور انسان تھا اور اُس نے بہادری اور دلیری کے ساتھ موت کا مقابلہ نہیں کیا۔ سچ پوچھو تو جس اطمینان قلب اور جس حوصلہ کے ساتھ گذشتہ سال مارچ کے مہینہ میں کپتان سکاٹ نے بحرِ منجمد جنوبی میں موت کا مقابلہ کیا اُس حوصلہ کے ساتھ یسوع نے موت کا مقابلہ نہیں کیا۔ ایک طرف یسوع کے اُس اضطراب کو دیکھو جو اناجیل مروّجہ کے آخری بابوں میں مذکور ہے دوسری طرف کپتان سکاٹ کے اُن آخری الفاظ کو دیکھو جو اُس نے ۲۵۔ مارچ ۱۹۱۲ء کو اپنی ڈائری کے خاتمہ پر لکھے۔ وہ الفاظ یہ ہیں "ہم کمزور ہیں۔ لکھنا مشکل ہے۔ لیکن مَیں خود اِس سفر پر افسوس نہیں کرتا۔ کیونکہ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگلستان کے باشندے تکالیف کو برداشت کر سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مدد کے لئے تیار ہیں اور اب بھی وہ ایسی ہی استقامت کے ساتھ موت کا مقابلہ کر سکتے ہیں جیسا کہ وہ گذشتہ زمانہ میں کیا کرتے تھے۔ ہم نے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالا اور ہمیں اس بات کا علم تھا کہ ہم اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں۔ حالات ہمارے برخلاف پیدا ہو گئے مگر ہمیں کوئی شکایت نہیں ہم خدا کی مرضی پر بالکل راضی ہیں۔ .... اگر ہم زندہ رہتے تو میرے ہمراہیوں کی جفاکشی۔ استقلال اور دلیری کی کہانی سُنکر انگلستان کا ہر ایک باشندہ جوش سے بھر جاتا۔"

اس اطمینانِ قلب اور حوصلہ کا اُس اضطراب اور بے چینی کے ساتھ مقابلہ کرو جو یسوع سے صلیب کے واقعہ سے پہلے ظہور میں آیا۔ اور تمھیں اس بات کے قبول کرنے کے بغیر چارہ نہ ہوگا کہ واقعی جو حوصلہ کپتان سکاٹ نے بحرِ منجمد جنوبی کے بھیانک برفانی بیابان میں دکھایا اُس کا نمونہ اناجیل مروّجہ کے بیانات میں نہیں پایا جاتا۔ غرض اناجیل سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یسوع مسیح کو اپنی جان کا بہت فکر تھا اور اپنی جان کے غم میں آپ بہت روئے اور بہت دعائیں کیں مگر ہمیں یقین ہے کہ اتنا اُنکو اپنی جان کا فکر نہیں تھا جتنا کہ اپنی قوم اور خصوصاً اپنے شاگردوں کا تھا کہ

ایسا نہ ہو کہ میری ایسی موت کو دیکھکر جو توریت کے رو سے ایک لعنتی موت ہے میری قوم ہمیشہ کے لئے ہدایت پانے سے محروم ہو جاوے اور میرے شاگرد جو ابھی بہت کچے ہیں ٹھوکر کھا کر میری نسبت بد اعتقاد ہو جاویں۔ یہی سبب تھا کہ جب وہ صلیبی موت سے بچے تو سب سے پہلا امر جس کی طرف وہ متوجہ ہوئے یہ تھا کہ اپنے شاگردوں کو .... اپنے زندہ ہونے کا پیغام بھیجیں اور انکو ہدایت کریں کہ وہ یروشلم سے دُور جلیل کے علاقہ میں جا کر اُس سے ملاقات کریں۔

حضرت مسیحؑ کی مخفی [illegible]

پھر ایک اور امر جو حضرت مسیحؑ کے صلیب سے زندہ بچنے کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ وہ صرف شاگردوں سے ملے ہیں عام لوگوں کے سامنے وہ ظاہر نہیں ہوئے۔ اگر واقعی وہ مر کر زندہ ہوئے تھے اور اُن کا جسم خاکی نہ تھا بلکہ جلالی جسم تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ لوگوں سے چھپتے پھرے۔ قبر سے بھی نکلے تو چھپکر عورتوں کو بھی ملے تو مالی کا لباس پہنکر۔ سفر بھی کیا تو بھیس بدلکر۔ شاگردوں سے بھی ملے تو مخفی طور پر۔ اگر جلالی طور پر دوبارہ مُردوں سے جی اُٹھے تھے تو اسقدر اخفا کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ کیوں برملا۔ سب لوگوں کی آنکھوں کے سامنے اپنے اس معجزے کو ظاہر نہ کیا۔ کیوں ایسے لوگوں کی طرح بھاگتے اور چھپتے رہے جو جیلخانہ سے سزائے قید سے بھاگ جاتے ہیں یا جن کو موت کا حکم سنایا جاتا ہے اور وہ کسی طرح اپنے پہرہ داروں کے ہاتھوں سے نکل جاتے ہیں اور پھر ہر وقت اُنکو یہ فکر لگا رہتا ہے کہ کوئی ہمیں دیکھ نہ لے۔ حضرت مسیحؑ کی تمام کارروائی اس امر کا ایک یقینی ثبوت ہے کہ وہ صلیبی موت سے بچ گئے تھے اسلئے اُنہوں نے دوبارہ گرفتاری کے خوف سے اپنے تئیں یہودیوں سے چھپائے رکھا۔

حضرت مسیحؑ کی بھوک اور پیاس

ایک اور انجیلی ثبوت اس امر کا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر نہیں مرے یہ ہے کہ قبر سے نکلنے کے بعد بھی بھوک اور پیاس آپکے ساتھ ایسے ہی لازم رہے جیسے کہ دوسرے انسانوں کے ساتھ لازم ہیں۔ جب تنہائی میں آپ اپنے شاگردوں سے ملتے تو آپ اُن سے پوچھتے کیا تمھارے پاس کھانے کے لئے کچھ چیز ہے اور اُن سے

کھانے کی چیزیں لیکر کھاتے۔ اس سے صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت آپ بھوکے ہوتے تھے۔ آپکے ساتھ بھوک پیاس کا لازم ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا جسم کوئی جلالی جسم نہ تھا۔ بلکہ وہی خاکی جسم تھا جو صلیب پر لٹکایا گیا تھا اور جو قبر میں رکھا گیا تھا اور جس سے آخر قبر کو خالی پایا گیا۔ پھر جو چیزیں آپ کھاتے وہ بھی اسی زمین کی چیزیں تھیں۔ یعنی مچھلی۔ شہد وغیرہ۔ ان چیزوں کا آپکے حلق کے اندر جانا اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ آپ کا وہی خاکی اور زمینی جسم تھا کسی اور قسم کا جسم نہیں تھا۔

حضرت مسیحؑ کی ملاقات دو شاگردوں سے

مَیں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ قبر سے نکلنے کے بعد آپنے جو شاگردوں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی وہ اس غرض سے تھی کہ وہ کہیں بداعتقاد ہو کر مرتد نہ ہو جاویں اور انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکا خوف بیجا نہ تھا کیونکہ جب وہ بھیس بدل کر عمواس کی سڑک پر جا رہے تھے تو راستہ میں اُنکو اپنے دو شاگرد ملے جو اسی واقعہ صلیب پر گفتگو کرتے جاتے تھے۔ اُنکے ایمان متزلزل ہو چکے تھے اور اُنہوں نے صلیب کے واقعہ سے یہ نتیجہ نکال لیا تھا کہ جس شخص کو اُنہوں نے اپنا اُستاد بنایا تھا وہ موعود مسیح نہ تھا اور جو اُمیدیں اُنکو اپنے اُستاد کے متعلق تھیں کہ وہ داؤدی تخت کو دوبارہ قائم کریگا اور بنی اسرائیل کو غیر قوموں کی ماتحتی سے چھڑائیگا اُن کی وہ ساری اُمیدیں خاک میں مل گئی تھیں جب حضرت مسیح علیہ السلام نے جو بھیس بدلکر اُن کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے اُنکی گفتگو کو سنا تو وہ خاموش نہ رہ سکے۔

اگر بینی کہ نابینا و چاہ است + وگر خاموش بنشینی گناہ است

جب آپنے دیکھا کہ اُن کے شاگرد سخت ابتلا میں پڑ گئے ہیں اور اُنکے ایمان خطرہ میں ہیں بلکہ وہ بداعتقاد ہو چکے ہیں اور یہ خیال کر رہے ہیں کہ ہم نے غلطی کی کہ اس شخص کو مسیح موعود سمجھ لیا تو آپنے اُن کو سمجھانا شروع کیا اور پہلی کتابوں کے حوالہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جو واقعات تمہارے اُستاد کو پیش آئے ہیں پرانے نوشتوں کے رو سے ضروری تھا کہ یہ سب باتیں ظہور میں آتیں۔ لیکن اگرچہ آپنے اُنکو بہت سمجھایا مگر آپ کو یہود کا اسقدر خوف تھا اور دوبارہ پکڑا جانیکا اسقدر ڈر تھا کہ

یسوع کی مشابہت قیدیا پھانسی سے بھاگے ہوئے انسان سے

آپ نے اُنکے سامنے بھی اپنے بھیس کو نہ اُتارا اور کچھ تو صلیب کی تکالیف اور موت کے مُنہ سے نکلنے کی وجہ سے آپ اسقدر کمزور ہو گئے تھے کہ آپ کی آواز میں بھی تغیر آگیا تھا اور کچھ عمداً اُنہوں نے اپنی آواز کو بدلا لیا ہوگا۔ اسلیئے اُن کے شاگرد اُنکو پہچان نہ سکے اور آپکو یہودیوں کے تعاقب کا اسقدر خوف تھا اور آپ یروشلم سے دُور بھاگ جانے کے اسقدر خواہشمند تھے کہ جب آپکے شاگردوں نے عمواس کے گاؤں میں رات گذارنی چاہی تو آپ اُس گاؤں کی طرف نہ مڑے بلکہ آگے بڑھنا چاہا۔ آپکا ارادہ تھا کہ رات کو بھی چلتے جائیں تا یروشلم سے دُور نکل جائیں اور یہودیوں کی گرفت سے بہت جلدی باہر ہو جاویں۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ آپ کی یہ کارروائی صریحاً اس امر کی ایک دلیل ہے کہ آپ صلیب کی موت سے بچ گئے تھے اور قبر میں سے زندہ نکل آئے تھے اور اُن کو خوف تھا کہ جب یہود کو یہ خبر ہو جائیگی کہ وہ قبر میں سے نکل گئے ہیں تو ممکن ہے کہ وہ اُنکا تعاقب کریں اور اُنکی تلاش میں اُنکے پیچھے دوڑیں اسلیئے آپ نے باوجود اسکے کہ آپ کو آرام کی سخت ضرورت تھی۔ آپ نے قبر سے نکلنے کے بعد یروشلم میں آرام نہیں لیا اور شاگردوں سے بھی ملنے کے لیئے انتظار نہیں کیا بلکہ اُن کو یہ پیغام بھیجکر کہ مَیں تمھارے آگے آگے جلیل کی طرف جاتا ہوں آپ فوراً وہاں سے روانہ ہو گئے اور بڑی احتیاط سے اپنے بھیس کو بدل لیا اور ایسے غریبانہ کپڑے پہنے اور ایسی احتیاط سے اپنے وجود کو چھپایا کہ یروشلم کے قرب وجوار میں کوئی شخص آپکو پہچان نہ سکا بلکہ آپکے شاگرد بھی آپ کو پہچان نہ سکے اور آپنے اسقدر اخفاء اور احتیاط سے کام لیا کہ آپنے راستہ میں اپنے شاگردوں پر بھی اپنے تئیں ظاہر نہ کیا اور عمواس کے گاؤں میں بھی رات گذارنی پسند نہ کی بلکہ چاہا کہ رات کو بھی چلتے ہی جائیں۔ مَیں ناظرین سے سوال کرتا ہوں کہ کیا حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ کارروائی صریحاً اور یقیناً ایک ایسے آدمی کی کارروائی کی طرح نہیں جو پھانسی یا جیلخانہ سے بھاگ جاتا ہے اور پھر اُسکی یہی کوشش ہوتی ہے کہ جس طرح ہو سکے گرفتاری کے مقام سے وہ دُور بھاگ جائے۔ نہ وہ رات کی پرواہ کرتا ہے اور نہ وہ دن کو آرام لیتا ہے

اور نہ وہ اپنے زخموں اور اپنی کمزوری کی کچھ حقیقت سمجھتا ہے اور نہ اپنے وجود کو کسی پر ظاہر کرتا ہے بلکہ جسقدر جلدی اُس سے ہوسکتا ہے وہ اخفاء اور احتیاط سے کام لیتا ہوا دُور نکل جانیکی کوشش کرتا ہے اور سیدھے راستوں کو چھوڑ کر ٹیڑھی راہوں کو اختیار کرتا ہے۔ بعینہٖ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ پھر بھی یہ کہا جاتا ہے کہ آپ کو یہود کا کوئی خوف نہ تھا بلکہ آپ جلالی جسم کے ساتھ مُردوں سے دوبارہ زندہ ہوگئے تھے۔ اگر آپ کا جسم جلالی تھا اور آپ موت پر غالب آکر دوبارہ زندہ ہوئے تھے تو پھر کیا وجہ تھی کہ آپ اس طرح بھاگتے پھرتے تھے جسطرح ایک چور جیلخانہ سے نکلکر بھاگتا پھرتا ہے۔ (باقی آئندہ انشاءاللہ تعالیٰ)

قیامت کا ثبوت نمبر ۲

دلیل پنجم

پانچویں دلیل دو قضیوں پر مشتمل ہے جنہیں ذیل میں درج کر کے ایک نتیجہ ناظرین کے سامنے پیش کروں گا جو فی نفسہٖ قیامت کے وجود پر ایک برہان اور اس کے اثبات کے لیئے ایک کافی شہادت ہوگا۔

قضیہ اوّل۔ یہ بات تمام مذاہب عالم کے نزدیک مسلّم ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور کسی شخص کے حقوق کا پائمال کرنا اس کی صفات قدسیہ اور اسمائے حسنہ کے منافی ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص اسکی راہ میں کوشش کرے سعی بجالاوے اور اسکے احکام کے ماتحت گردن تسلیم خم کرے۔ مگر خدائے تعالیٰ اسکی کوششوں اور محنتوں کو رائگاں جانے دے کیونکہ کسی کی جدوجہد پر عمدہ نتائج مرتب نہ کرنا اور سعی کو بے اجر چھوڑ دینا ظلم کے مترادف ہے اس کا نام رحیم ہے وہ سچی محنتوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا وہ کریم ہے اسکے کرم کی کوئی حد نہیں قرآن حکیم

اسکے منہ کا کلام اس مضمون کو اس طرح پر بیان فرماتا ہے ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ و ان تک حسنۃ یضعفہا و یؤت من لدنہ اجرًا عظیماً یعنی خدائے تعالیٰ کا اپنے بندوں سے یہ دستور ہے کہ وہ ایک ذرہ کے برابر بھی کسی کا حق اپنے ذمہ نہیں رکھتا اور رائی کے برابر ظلم بھی اس کی قدوسیت کے خلاف ہے بلکہ وہ تو ایسا شفیق مہربان رب ہے کہ اگر بندہ ذرا سا نیک کام بھی کرے وہ اسکو اسقدر اجر سے متمتع کرتا ہے کہ بندہ کی نیکی اسکے آگے ہیچ ہے اور بندہ کا کام اسکے سامنے لاشئی محض۔ وہ بندہ کو اس کے حق سے بڑھکر دیتا ہے اور بہت بڑھکر دیتا ہے۔ ایک جگہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ اگر بندہ ایک نیکی کرے تو خدائے تعالیٰ کم سے کم دس گنا سے لیکر سات سَو گنا تک ثواب عطا کرتا ہے اور خصوصیت سے دینے لگے تو کوئی حساب ہی نہیں۔ علاوہ ازیں انسانی ضمیر اور فطرت سلیمہ اس بات کے ماننے پر مجبور ہے کہ وہ قادر ہستی جس نے محض اپنی ربوبیت سے انسان کو عدم سے وجود بخشا ہے کبھی بھی ظلم اور حق تلفی اسکی طرف منسوب نہیں ہو سکتی اور حقوق کی پائمالی کو اسکی ذات اقدس سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ غرض عقل اور نقل دونوں اسبات پر متفق ہیں کہ جو انسان اعمال صالحہ بجالاتا ہے خدا اسے بیش از بیش اجر اور ثواب عطا فرماتا ہے یہ بات تو نیکی کے متعلق تھی بدی اور بدعملی کے متعلق بھی تمام مذاہب کا اتفاق ہے کہ کوئی انسان بدی کرکے نیک انجام کا امیدوار نہیں ہو سکتا ہے جو ایک فرمانبردار کیلئے مقدر ہے بلکہ خلاف ورزی اور قانون شکنی کی سزا اسے ضرور مل کر رہے گی۔ کیونکہ جیسا کہ وہ قدوس غفور الرحیم ہے اسی طرح شدید العقاب اور ذو انتقام بھی اسی کی صفات ہیں قرآن حکیم اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتا ہے ایحسب الانسان ان یترک سدی یعنی انسان کی یہ بڑی غلطی ہے کہ وہ یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ میں بدی اور بدعملیوں میں بیشک ترقی کرتا جاؤں مجھ سے کوئی بازپرس نہ ہوگی غرض قرآن مجید کی رو سے نیکی اور بدی دونوں کا بدلہ ملنے والا ہے اور حسنات اور سیئات دونوں نتیجہ خیز کام ہیں۔

قضیہ دوم۔ ہمارا مشاہدہ شاہد ہے کہ اس دنیا میں انسانوں کے اعمال کی جزا اور سزا پورے طور پر کبھی نہیں ملتی ایک شخص ساری عمر نیکی اور طہارت میں زندگی بسر کرتا ہے اور خدا کے احکام بجالانے میں وہ ہمہ تن سعی بنا ہوا ہے مگر دنیوی مشکلات اور مصائب میں اسی طرح گرفتار ہے جس طرح ایک معمولی دنیادار خود قرآن شریف فرماتا ہے تلک الایام نداولھا بین الناس یعنی موت اور فوت۔ بیماری اور صحت۔ خوشحالی اور تنگحالی عسر اور یسر جس طرح خدا سے ایک غافل انسان کو لاحق ہوتی ہیں اسی طرح ایک نیک آدمی کو بھی انسے پالا پڑتا ہے نیک آدمی بے شک ہزاروں نیک کام کرتا ہے مگر انکا پورا پورا اجر اس دنیا میں نہیں ملتا جیسا کہ قرآن حکیم بیان فرماتا ہے انما توفون اجورکم یوم القیامۃ انما حصر کا کلمہ ہے یعنی اس دنیا میں نیک کاموں کا اجر پورا پورا کبھی نہیں ملتا اسی طرح بدی کی سزا بھی اس جہان میں پوری طرح نہیں ملتی ایک کافر نبیوں کا دشمن خدا کا منکر بدعمل بھی انہیں اسباب اور سامانوں سے متمتع ہے جو مومنوں کے استعمال میں آتے ہیں ہزاروں بے ایمان خدا سے غافل دنیا کے لحاظ سے بڑے عروج پر قدم جمائے کھڑے ہیں دنیوی وجاہت انہیں حاصل ہے مال و دولت انکے ہاتھ میں ہے سلطنتیں انکے قابو میں ہیں قرآن میں بیسیوں جگہ اس بات کا ذکر ہے کہ کفار کے لیئے دنیا میں متاع اور فائدہ مقدر ہے حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی کہ الٰہی مکہ کے مومنوں کو اعلیٰ رزق دے خدا نے جواب دیا کہ دنیوی رزق تو میں مومنوں اور کافروں دونوں کو دوں گا۔ مومنوں کی کوئی تخصیص نہیں۔ ایک جگہ فرمایا کہ اگر ابتلاء کا خیال نہ ہوتا تو کفار کو اسقدر مال و دولت عطا ہوتا کہ وہ سونے چاندی کے مکانات بنواتے۔ اگر اس دنیا میں جزا اور سزا ملا کرتی تو کبھی مومن تنگدست اور کافر راحت سے نہ رہتے مگر یہاں تو برخلاف اسکے کافر مومنوں سے بڑھکر آرام میں ہیں کیونکہ وہ جائز اور ناجائز دونوں طریقوں سے آرام و آسائش مہیا کرنے میں تامل و دریغ نہیں کرتے۔

(نتیجہ)

ان دونوں قضیوں کو منطقی ترتیب دینے سے ہر عقلمند ایک صریح اور بین نتیجہ پر پہنچ

جاوے گا کہ قیامت ضرور آنے والی ہے اور مرنے کے بعد حیات ثانیہ ضرور ہونیوالی ہے کیونکہ جب ہر نیکی کا ثواب اور ہر بدی کا بدلہ ملنے والا ہے اور ادھر اس دنیا میں نہیں ملتا تو ضرور ایک دن دنیا سے گذرنے کے بعد ایسا آنا چاہیئے جس میں نیک اپنی نیکی کا اور بد اپنی بدی کا نتیجہ بھگتنے۔ پہلا قضیہ تو یہ ثابت کرتا ہے کہ نیکی ضائع نہیں ہوگی اور بدی کا بدلا بھگتنا ہوگا۔ دوسرا قضیہ کہتا ہے کہ اس دنیا میں نہ نیکی کا بدلہ کامل طور پر ملتا ہے نہ بدی کا تو ایک سلیم العقل انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ مرنیکے بعد ایک دن ایسا تجویز کرے جس میں نیکی کا اجر کامل طور پر اور بدی کی سزا بھی پوری طرح انسان کو دیجاوے کیونکہ یہ بات اس موجودہ دنیا میں حاصل نہیں۔ اسی لیئے قرآن حکیم نے فرمایا وانما توفون اجورکم یوم القیامۃ یعنی چونکہ نیکی بدی ضائع نہیں ہوتیں اور دنیا میں ان کا بدلہ پورے طور پر نہیں ملتا اس لیئے مرنیکے بعد لوگ زندہ کیئے جاویں گے اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق ان سے سلوک کیا جاوے گا۔

دلیل ششم

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ اور اسکی رحمانیت پر جب انسان غور کرے تو ایک حیرت کے دریا میں ڈوب جاتا ہے کہ کسقدر احسان اور انعام اس نے ہم پر کیئے ہیں اور کیسی کیسی مہربانیاں اسکی ذات بابرکات سے ہم پر ہوئی ہیں ہم کیا ہمارا واہمہ بھی اس کی حدبست سے عاجز ہے وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا۔ ہماری کوئی ایسی خواہش نہیں جو اُس نے پوری نہ کی ہو کوئی تقاضا نہیں جسمیں ہم خائب و خاسر رہے ہوں ہماری ہر فطری خواہش کو اُس نے پورا کیا ہر طبعی تقاضے کو اس نے شرفِ قبولیت بخشا۔ یہ بات قاعدہ کلیہ کے رنگ میں ہے انسان نظر دوڑا کر دیکھ لے کہ خدائے تعالیٰ نے اسکی ہر خواہش کو بشرطیکہ وہ طبعی و فطری ہو ضرور پورا کیا ہوگا جیساکہ وہ خود فرماتا ہے واتاکم من کل ما سألتموہ یعنی ہر خواہش جو تم نے مجھ سے کی اور ہر درخواست جو تم نے میرے حضور گذرانی میری درگاہ سے

جائے تو بیت ہی پہن کر گئی غرض اس قرآنی آیت میں بارگاہ ربوبیت سے ایک عظیم الشان خوشخبری دی گئی ہے کہ انسان کی ہر فطری خواہش اور ہر طبعی تقاضا کے پورا ہونیکے سامان ہمنے مہیا کیئے ہیں اس قرآنی آیت کو ہم معیار ٹھہرا کر اپنی فطرت کو ٹٹولتے ہیں تو منجملہ اور خواہشات کے ایک بڑی بھاری خواہش ہماری فطرت میں یہ ہے کہ یہ جو مذاہب میں اختلاف پڑا ہوا ہے اور سینکڑوں جھوٹے مذہب روئے زمین پر موجود ہیں کسی طرح ایسا فیصلہ ہو جاوے کہ سچے مذہب کی صداقت روز روشن کی طرح کھل جائے۔ اور جھوٹے مذاہب کا بطلان اظہر من الشمس ہو جاوے یہ خواہش ہر فرد بشر کے دل میں ہے جسطرح ایک مسلمان چاہتا ہے کہ اسلام کی صداقت تمام دنیا پر ظاہر ہو جاوے اور کوئی شخص بھی کسی غیر مذہب پر نہ رہے اسی طرح ایک عیسائی کی فطرت بھی تقاضا کرتی ہے کہ یسوع مسیح کی خدائی ساری خدائی مان لے اور تمام دنیا کے نزدیک یہ امر فیصل شدہ سمجھا جاوے کہ نصرانیت ہی صرف صداقت پر مبنی ہے غرض مومن و کافر صادق و کاذب سب کی یہ فطرتی خواہش ہے کہ ہمارے مذہب ہمارے طریقہ کی سچائی تمام دنیا مان لے اور ایسا فیصلہ ہو کہ کوئی شخص اس سے بے خبر نہ رہے یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ قرآن حکیم سے بیان کرتے ہیں چنانچہ مومن کی قلبی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق و انت خیر الفاتحین یعنی مومن مسلمانوں کی یہ فطرتی خواہش ہے کہ خدائے تعالیٰ انکے اور انکے مخالفوں کے درمیان ایسا فیصلہ فرماوے کہ حق اور باطل میں تمیز ہو جاوے اور تمام دنیا پر آشکارا ہو جاوے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے اسیطرح قرآن مجید میں ایک کافر کی فطرت کے تقاضا کا ذکر بھی ہے و اذ قالوا اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم یعنی جب مکہ کے کفار نے اسلام کو اپنے پرانے مذہب کے خلاف بڑھتے اور ترقی کرتے دیکھا تو وہ دبدہ میں پڑ گئے ادھر بچپن سے اپنے مذہب کی صداقت پر یقین ادھر اسلام کی سچائی پر روزمرہ کے اعجازی نشان دیکھکر ان کی فطرت تڑپ اٹھی کہ کسی طرح ہم میں اور مسلمانوں میں ایک ایسا فیصلہ

ہو جاوے کہ سچائی پر ذرا بھی خفا کا پردہ نہ رہے اور تمام دنیا ایک مذہب پر ہو جاوے اس خواہش میں انہوں نے اپنی ہلاکت تک کی پرواہ نہ کی اور دعا کی کہ اگر یہ مذہب سچا ہے تو ہمیں ہلاک کر کے ہماری ہلاکت کو لوگوں کے لیئے ایک فیصلہ کن معیار بنا کر لوگوں کو شک وشبہ سے نکال کر یقین کی راہ تک پہنچاوے غرض مومن ہو یا کافر دیندار ہو یا بے دین ہر شخص کے دل میں خواہش ہے کہ ایسا صاف فیصلہ ہو جاوے کہ پھر کسی کو اختلاف کی ذرا بھی گنجائش باقی نہ رہے اب جبکہ خدا کا ہم سے وعدہ ہے کہ وہ ہماری ہر فطرتی خواہش کو پورا کرے گا تو ہمیں امید کرنی چاہیئے کہ ضرور وہ خود ایسا فیصلہ کرے گا کہ پھر کوئی ایک فرد بشر بھی سچائی کا منکر باقی نہ رہے مگر جب ہم دنیا کے موجود حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ایک قسم کی مایوسی ہوتی ہے کہ اس دنیا میں تو کوئی ایسا فیصلہ نہیں ہوا ہزاروں جھوٹے مذہب روئے زمین پر موجود ہیں اور کروڑوں آدمی ایسے پائے جاتے ہیں جو باطل مذاہب کو سچا اور سچے اسلام کو جھوٹا خیال کیئے ہوئے ہیں معبودان باطلہ کی تائید میں اربوں روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے لاکھوں بندگان خدا کو شرک وکفر کے درطہ میں دھکیلدیا گیا ہے اور اسلام سے متنفر کیا گیا ہے اگر دنیا ہی دار الفیصلہ ہے تو کیا یہی فیصلہ کا طریق ہے ہم مانتے ہیں کہ اسلام نے اپنی سچائی کے دلایل بے شمار دیئے ہیں اور براہین قاطعہ وساطعہ سے اپنی سچائی منوائی ہے اور ہزاروں لاکھوں ثبوت اسکے سچا ہونے پر موجود ہیں اگر ایک سلیم العقل شخص غور کرے تو والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا کے مطابق وہ ضرور راہ حق پالے گا مگر باوجود ان دلائل کے ایسا فیصلہ نہیں کیا گیا کہ کوئی شخص بھی اس کی سچائی کا منکر نہ رہے اور تمام لوگوں کے دلوں سے شک وشبہ دور ہو کر صرف اسلام کی صداقت کا یقین ہو جاوے دلائل ہیں مگر مشاہدہ نہیں پھر سب کو دلائل کی اطلاع بھی کہاں ہے لاکھوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ اسلام بھی کوئی مذہب دنیا میں ہے فیصلہ تو اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ تمام لوگوں کو ایک مقام پر جمع کر کے اپنے منہ سے فرما دے کہ اسلام سچا مذہب ہے اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور مذہب کو اختیار کرے وہ فوراً مر جاوے گا پھر یہ بات پوری بھی ہو جاوے اور جو شخص ہندو یا عیسائی ہو وہ فوراً ہلاک ہو جایا کرے اور

اسلام لاتے ہی عیش و تنعم حاصل ہو جاوے تو میرے خیال میں یہ ایک کافی فیصلہ ہے اس کے بعد کسی شخص کو جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی اور مذہب کا پیرو ہو یا اسی طرح اگر دوزخ بہشت کے نظارے کفار کی آنکھوں کے سامنے کیئے جاویں اور وہ دیکھ لیں کہ کس مذہب کے لوگ بہشت میں اور کس ملّت کے افراد دوزخ میں داخل ہوں گے تو یہ بھی فیصلہ کی ایک راہ ہے پھر کبھی کوئی شخص اس نظارہ کو دیکھکر دوزخی ملّت کا پیرو بننے کی کوشش نہیں کرے گا۔ مگر یہ فیصلہ اس دنیا میں نہیں خدا کا ہمکلام ہونا عام نہیں دوزخ اور بہشت کے نظارے لوگوں نے مشاہدہ نہیں کیئے ایک پردۂ خفا پڑا ہوا ہے اس لیئے اس دنیا میں ہماری وہ فطرتی خواہش کہ حقیقی فیصلہ ہو جائے کبھی پوری نہیں ہوئی اور نہ ہوگی اسلیئے ہمیں ماننا پڑے گا کہ مرنیکے بعد ایک دن ایسا ضرور آنا چاہیئے جس دن خدائے تعالیٰ تمام مذاہب میں فیصلہ فرماوے اور مُنہ سے بیان فرماوے کہ فلاں مذہب سچا ہے اور باقی سچائی سے خالی ہیں پھر اس طرح پر ہماری فطرتی خواہش پوری ہو جاوے اور ہر فرد بشر کو معلوم ہو جاوے کہ عدالت عالیہ نے مذاہب کے متعلق کیا فیصلہ فرمایا ہے اس مضمون کو اللہ تعالیٰ سورہ حج میں اس طرح پر بیان فرماتا ہے ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والصّٰبئین والنصٰرٰی والمجوس والذین اشرکوا ان اللہ یفصل بینھم یوم القیامۃ ان اللہ علیٰ کلشیٔ شہید ۔ یعنی اسوقت جسقدر مذاہب روئے زمین پر موجود ہیں سب کا حقیقی فیصلہ اس دنیا میں نہیں ہوگا اور چونکہ ہر شخص کے دل میں ایسے فیصلہ کی خواہش ہے اسلیئے ہم اس فطرتی خواہش کو پورا کرنیکے لیئے مرنے کے بعد ایک دن سب کو زندہ کرکے وہ فیصلہ صادر فرمادیں گے اس دن کا نام قیامت ہے :۔ (میر محمد اسحٰق)

یسوع کی پیشگوئیاں

اناجیل کی رو سے یسوع کی نبوت ثابت نہیں

مضمون ہذا کے پہلے نمبر میں ہم نے اس امر پر زور دیا تھا کہ اناجیل کی پیشگوئیوں کی بنا پر یسوع مسیح کی نبوّت ثابت نہیں ہو سکتی

کیونکہ عہد جدید کی کتابیں مسیح علیہ السلام کی وفات کے مدّت بعد لکھی گئی ہیں پس جو کتابیں کسی شخص کی زندگی کے بعد لکھی جائیں اور گو انہیں اسکے نبوت کرنے اور نبوت کے پورا ہونیکا تذکرہ بھی ہو تاہم ایسی کتابوں کو معتبر سمجھنے کے لیئے کسی سند کی ضرورت ناگزیر ہوتی ہے۔ مثلاً انجیلوں کا یہ کہنا کہ یسوع مسیح نے اپنے شاگردوں کی غدّاری۔ اپنے گرفتار ہونے اور صلیب پر لٹکائے جانے اور مُردوں میں سے جی اُٹھنے وغیرہ کی پیشگوئیاں کی تھیں ہرگز اس امر کی دلیل نہیں کہ واقعی مسیح نے اس قسم کی نبوتیں کی تھیں۔ اور اگر بالفرض انہوں نے کوئی ایسی پیشگوئی بھی کی تھی تو اُسکے اصل الفاظ معلوم کرنیکا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ لہٰذا ان اناجیلی نبوّتوں کی رو سے ہم یسوع کی نبوّت کے قائل نہیں ہو سکتے۔

انجیلوں کے مصنّف گمنام ہیں۔ پھر ان پیشگوئیوں کو پایۂ اعتبار سے ساقط ٹھہرانے کا ایک اور محرک بھی موجود ہے یعنی عیسائیوں کی مروّجہ اناجیل جنمیں یہ پیشگوئیاں درج ہیں دراصل گمنام مصنّفین کی تحریریں ہیں۔ جنکو یونہی بعض لوگوں کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ پس ایسی حالت میں ان کتابوں کی شہادت کیونکر معتبر ہو سکتی ہے اور کیونکر بغیر کسی سند کے اُنکے بیانات کو شرف قبولیت بخشا جا سکتا ہے۔

متی کی انجیل کا مصنّف مروّجہ اناجیل اربعہ میں سے اوّل و چہارم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انکے مصنّف یسوع مسیح کے حواری تھے یعنی متی اور یوحنا۔ لیکن یہ خیال محض گمان اور وہم ہے اور اس کی عدم صحت کے لیئے ہمارے پاس مضبوط دلائل اور قوی ثبوت ہیں۔ چنانچہ ہم متی کی انجیل کو ہی لیتے ہیں اس انجیل کی نسبت خوش اعتقاد مسیحی علماء کا خیال ہے کہ یہ محصل لاوی کی تحریر ہے۔ جسکو بعد میں متی کے نام سے پکارا گیا اور لاوی نے اس کتاب کو مسیح کے صعود سے کچھ عرصہ بعد عبرانی یا سریانی یا کلدانی زبان میں حوالہ قلم کیا تھا۔ لیکن واقعات نے بوضاحت و صراحت اس مسیحی قیاس کا بطلان ثابت کر دیا ہے اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب متی کی تصنیف نہیں۔

انجیل متی کی نسبت قدیم ترین شہادت متی کی کتاب کا ذکر سب سے اول یوسی بی اس نے

چوتھی صدی میں کیا ہے اور یوسی بی اس کی اطلاع کا ماخذ پے پی اس ہے۔ پے پی اس نے ایک کتاب کو بیان کیا ہے جس کا زمانہ تصنیف ۱۴۰ء عیسوی ہے۔

یوسی بی اس بحوالہ پے پی اس لکھتا ہے "متی نے خدائی باتوں کو جمع کر کے عبرانی زبان میں تحریر کیا اور ہر ایک شخص نے ان باتوں کا مطلب اپنی اپنی سمجھ کے مطابق نکالا"۔ اس اقتباس کے سرچشمہ کے متعلق یوسی بی اس اور پے پی اس دونوں خاموش ہیں لہٰذا ہم کو معلوم نہیں کہ پے پی اس کی اطلاع کے ذرائع کیا تھے۔ اور کن راویوں نے متی کا ذکر اس مورخ تک پہنچایا تھا۔ مگر یوسی بی اس نے محولہ بالا عبارت کے علاوہ پے پی اس کی کتاب میں سے مرقس کی ایک تحریر کے متعلق بھی کچھ کیفیت نقل کی ہے اور اس کیفیت کی نسبت ظاہر کیا ہے کہ پے پی اس کو یہ باتیں ایک ایسے راوی کی معرفت پہنچی ہیں جس نے کئی بار قرن اول کے ایک مسیحی بزرگ کی زبان سے یہ کیفیت خود سُنی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ متی کی تحریر کی بابت بھی جو کچھ پے پی اس نے لکھا ہے وہ بھی اسی روایت کے ذریعہ اُس کو پہنچا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پے پی اس اور یوسی بی اس کی تمام تحریروں کا دار و مدار صرف ایک نا معلوم الاسم مسیحی بزرگ کی شہادت پر ہے۔ اور اس شہادت کا راوی بھی کوئی غیر معروف گمنام شخص ہے یہاں پر قابل غور بات یہ ہے کہ نہ تو اس مسیحی بزرگ کا نام دیا گیا ہے۔ اور نہ راوی کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اور اگر مسیحی احباب کی خاطر یہ بھی فرض کر لیا جاوے کہ پے پی اس نے متی کی تحریر کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اُس کا منبع یہی مسیحی بزرگ تھا اور وہ ایک راستباز انسان تھا۔ تو بھی اصل بحث پر روشنی نہیں پڑتی اور کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ موجودہ انجیل متی کا مصنف متی ہی تھا۔ کیونکہ یوسی بی اس نے جو مختصر سا حوالہ دیا ہے اسکی عبارت کا مطالعہ کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچاتا۔ یہ ظاہر ہے کہ پے پی اس یونانی تھا اور یوسی بی اس نے اسکی یونانی کتاب سے وہ حوالہ لیا ہے۔ پس اس صورت میں اس مسیحی بزرگ کی شہادت بھی اصلی الفاظ میں محفوظ نہ ہوتی۔ اس حوالہ کے الفاظ یہ ہیں "متی نے ان آسمانی باتوں کو عبرانی زبان میں جمع کیا" ہم نے

ان الفاظ پر غور کیا اور خوب غور کیا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس عبارت سے یہ معنے کیونکر نکالے گئے ہیں کہ موجودہ انجیل متی جو عہد جدید کا ایک حصہ ہے یہ در اصل متی لاوی کی تحریر ہے۔ اس حوالہ سے تو صرف اسقدر واضح ہوتا ہے کہ متی نے مسیح کے بعض اقوال کو جمع کیا تھا اور بس یہ بیان موجودہ انجیل متی پر چسپاں نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ کتاب صرف مسیح کے بعض اقوال کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ یہ مسیح کے زمانہ نبوت کی پوری تاریخ ہے جسمیں علاوہ تعلیم کے بہت سے دیگر حالات اور واقعات ایک سوانح عمری کے رنگ میں درج ہیں۔ چند اقوال کا مجموعہ اور چیز ہے اور پوری اور

زمانہ حال کے محققین اور انجیل متی

یہ کہ متی کا مصنف کون تھا۔ اسپر لوگوں نے بڑی بڑی موشگافیاں کی ہیں۔ اور محققین نے جن جن الفاظ میں اسپر اعتراض اور نکتہ چینیاں کیں اور اپنے خیالات اور رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس کا لب لباب ذیل کے اقتباس سے جو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مطبوعہ بار یازدہم سے لیا گیا ہے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ یہ بیان کرکے کہ "پندرھویں صدی کے آخر تک تو لوگوں کا یہی خیال تھا کہ یونانی زبان میں لکھی ہوئی انجیل متی کی عبرانی کتاب کا ترجمہ ہے مگر پندرھویں صدی کے بعد مذہب پراٹسٹنٹ کے مصنفین نے اس خیال کو کسی حقیقت اور سچائی پر مبنی نہ پاکر ترک کر دیا اور بیان کیا کہ موجودہ یونانی انجیل جو متی کی طرف منسوب ہے یہ کسی عبرانی انجیل کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ متی نے یونانی زبان میں ہی اس کتاب کو لکھا تھا" انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے فاضل مؤلف لکھتے ہیں کہ جب ہم موجودہ پہلی انجیل کی حالت پر غور کرتے ہیں اور ان سرچشموں پر نظر کرتے ہیں جن سے اس انجیل کے مضامین اخذ کئے گئے ہیں تو ہم کسی طرح یہ بات مان نہیں سکتے کہ مذکورہ بالا اقوال میں سے کوئی ایک قول بھی صحیح ہو یعنی نہ یہ درست ہے کہ یہ کتاب در اصل عبرانی میں تھی جسکو یونانی میں ترجمہ کیا گیا اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ یہ یونانی کتاب کسی حواری کی تصنیف ہے۔ یہ ایک مرکب کتاب ہے جس کے مضامین دو مختلف سرچشموں سے اخذ کئے گئے ہیں۔ یہ دونوں سرچشمے یونانی زبان میں تھے اور انکے علاوہ بعض اور جگہوں سے بھی اسکے مضامین اخذ کئے گئے ہیں اور یہ بات ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی کہ مسیح کے بارہ حواریوں

میں سے کسی کو یہ ضرورت تھی کہ اپنے استاد کے حالات جمع کرنیکے لیئے ایسے سرچشموں کی طرف رجوع کرتا۔ اسلیئے مجبوراً یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ کتاب مسیح کے کسی حواری کی تصنیف ہرگز نہیں ہے "

متی کی انجیل کا زمانہ تصنیف

اس کتاب کی تصنیف کے زمانہ کے متعلق انسائیکلو پیڈیا مذکور لکھتا ہے " اس کتاب کی اندرونی شہادت سے پتہ لگتا ہے کہ یہ پہلی صدی کے اواخر میں لکھی گئی۔ اور اغلب یہ ہے کہ لوقا کی کتاب سے بھی یہ کتاب بعد میں لکھی گئی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مرقس کی ایک تحریر سے لوقا کی کتاب اور متی کی کتاب دونوں کے مصنفوں نے مضامین اخذ کیئے ہیں مگر مرقس کی تحریر کا جو نسخہ متی کی انجیل کے مصنف نے استعمال کیا اُس میں بعض ایسی عبارتیں ہیں جو اُس نسخہ میں نہیں ہیں جس سے لوقا کی انجیل کے مؤلف نے کام لیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوقا کی انجیل کے مؤلف نے مرقس کی تحریر کو پہلے استعمال کیا۔ بعد میں اس تحریر میں اور عبارتیں داخل ہوگئیں اور جب لوقا کے مصنف کے بعد متی کے مصنف نے مرقس کی تحریر سے کام لیا تو اُس میں زاید عبارتیں داخل ہوچکی تھیں۔ متی کی کتاب غالباً ۸۰ء و ۱۰۰ء کے درمیان کسی وقت میں لکھی گئی" مندرجہ بالا عبارت سے یہ بھی

انجیل متی کے مصنف کا پتہ لگانا مشکل ہے

اب کوئی محقق اس انجیل کو نہ تو متی کی کسی تحریر کا ترجمہ تسلیم کرتا ہے اور نہ اس امر کے ماننے کے لیئے طیار ہے کہ حواری مذکور نے اسی کو یونانی زبان میں لکھا تھا۔ برعکس اسکے اب اس بات پر اتفاق کرلیا گیا ہے کہ یہ تو کسی ایسے مصنف کی تحریر ہے کہ جس نے اسکو کسی یونانی تحریر کی مدد سے یونانی میں لکھا تھا مگر اُسکا نام تاریکی میں پڑکر نسیاً منسیا ہوگیا۔ اور اب کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون تھا۔ (دیکھو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۷۔ صفحہ ۸۹۸)

یوحنا کی انجیل

دوسری انجیل جسکے مصنف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مسیح کا ایک حواری تھا چوتھی انجیل ہے۔ مسیحیوں کا بیان ہے کہ اس انجیل کا مصنف یوحنا پسر زبدی تھا۔ لیکن انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ نہ تو یوحنا زبدی کا بیٹا اسکا مصنف

تھا۔ اور نہ کوئی اور ایسا شخص اس کا مصنف تھا جس نے مسیح کی زمانۂ حیات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو کیونکہ اِن ہر دو امور کے ثبوت میں اسقدر دلائل ساطعہ اور حجج قاطعہ موجود ہوگئے ہیں کہ اُن کے خلاف کوئی عقیدہ بنانا بالکل ناقابل عمل ہوگیا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بیان کرتا ہے۔ کہ اس حیرت انگیز اور یقینی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ایک ناقابل تردید شہادت ہمارے پاس موجود ہے۔ اور اس شہادت کا وجود ملک شام کے مسیحیوں کے وجود سے ہمیں ملتا ہے جنہوں نے سنہ ۱۶۵ عیسوی میں اس انجیل کے متعلق حتمی فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ یہ لاریب یوحنا کی تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ یہ کسی اور شخص کی لکھی ہوئی ہے۔ اور اُنکے نزدیک اس انجیل کا لکھنے والا سیرنتھس تھا۔ اس میں شک نہیں کہ سیرنتھس کی طرف اس کتاب کو منسوب کرنے میں اُنکو غلطی لگی مگر اُن کا اُس ابتدائی زمانہ میں یہ دعویٰ کرنا کہ اس کتاب کا مصنف زبیدی کا بیٹا یوحنا حواری نہیں ہے صاف طور پر ثابت کرتا ہے کہ چوتھی انجیل کا یوحنا کی تصنیف ہونا یقینی امر نہیں ہے۔ اس فرقہ کے لوگ کثرت سے ملک شام میں پائے جاتے تھے۔ وہ پہلی تین انجیلوں کو ترجیح دیتے تھے اور دوسرے فرقوں کے عیسائیوں کے ساتھ ہمیشہ مقابلہ کرتے رہتے تھے اور اُس فرقہ کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ سینٹ اپی فنی اس کو سنہ ۳۷۴ء میں اس فرقہ پر لمبی بحث کرنی پڑی۔ چوتھی صدی تک اس رائے کے لوگ عام عیسائیوں میں شامل تھے اور کسی خاص نام سے مشہور نہیں تھے۔ آخر چوتھی صدی کے آخر میں اُنکو "الوگیو" کا لقب دیا گیا۔ جسکے معنے ہیں یوحنا کی انجیل کا انکار کرنے والے۔ اگر چوتھی انجیل کا یوحنا کی تالیف ہونا ایک ثابت شدہ اور یقینی امر ہوتا تو اتنے بڑے فرقہ کو اس کے انکار کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوتی

کیا یوحنا کی انجیل کے مصنف اور اسکی تاریخ تحریر کا پتہ مل سکتا ہے

محققین کا اس امر پر اب اتفاق ہوچکا ہے کہ یوحنا حواری یقیناً چوتھی انجیل کا مصنف نہیں تھا۔ اُس کا مصنف کوئی غیر معروف شخص تھا۔ جسکے متعلق یہ عام رائے ہے کہ وہ زمانہ انتشار کا ایک یہودی تھا یا اس کے والدین یہودی النسل مسیحی تھے۔ پھر اس انجیل کی تصنیف کے متعلق بہت سی تاریخیں ایک دوسری سے مختلف بتائی گئی ہیں۔ بور کہتا ہے کہ غالباً یہ سال ۱۶۰-۱۷۰

کے درمیان لکھی گئی۔ زیلر کہتا ہے نہیں یہ ۱۵۰ء میں حوالہ قلم ہوئی۔ کیم کہتا ہے ۱۳۰ء میں احاطۂ تحریر میں آئی۔ اور رینن لکھتا ہے کہ ۱۱۰ء اور ۱۱۵ء کے درمیان کسی وقت تصنیف ہوئی تھی۔ سب سے قریب زمانہ جو چوتھی انجیل کی تصنیف کے لیئے بتایا گیا ہے وہ ۹۵ء ہے۔ ان اقوال کے مقابل میں پے پی اس لارڈز سے انگس (خدا کے اقوال) کے دوسرے حصہ میں لکھتا ہے کہ زبیدی کے دونوں بیٹوں کو یہود نے قتل کر دیا تھا۔ اور اسلیئے یوحنا حواری بھی ۷۰ء سے پہلے پہلے ضرور مر چکا تھا پھر وہ چوتھی انجیل کا کس طرح مصنف ہو سکتا ہے۔

الغرض اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی۔ کہ ہر دو اناجیل مذکورہ میں سے جو حواریوں کی طرف منسوب ہیں اور انکی تصنیف سمجھی گئی ہیں کوئی انجیل بھی کسی حواری کے قلم سے نہیں نکلی تھی۔ اُن کے راقم کوئی ایسے اشخاص تھے۔ جنکے نام اب بالکل تاریکی اور گمنامی میں پڑے ہیں۔ اور کوئی شخص نہیں بتا سکتا کہ وہ کون تھے۔

مرقس کی انجیل باقی کی دو اناجیل تو رسولوں سے نامزد ہی نہیں۔ ان میں سے ایک تو مرقس کی طرف منسوب ہے اور دوسری لوقا سے۔ پہلے ہم مرقس ہی کو لیں گے۔ اور بتائیں گے کہ وہ کون تھا۔ اور اسکو انجیل زیر بحث کے ساتھ کیا تعلق تھا۔ کہتے ہیں کہ مرقس پطرس کا شاگرد اور ترجمان تھا۔ پے پی اس کی ایک تحریر سے یہ گمان کیا گیا ہے کہ مرقس کا کوئی تعلق اور علاقہ انجیل دوم سے ہے۔ اس تحریر کو یوسی بی اس نے کسی کتاب سے نقل کیا ہے۔ جسکی تصنیف غالباً ۱۴۰ء میں ہوئی۔ پے پی اس کی اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ پطرس کے انتقال کے بعد مرقس نے یسوع کے بعض الفاظ کو قلم بند کیا۔ اور پھر اس میں اس نے یسوع کے بعض اعمال اور کارگذاریوں کا بھی ذکر کیا جو اس نے پطرس کے منہ سے سنی تھیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ترتیب وار ان تمام واقعات کو قلمبند نہ کر سکا۔ کیونکہ وہ بذاتِ خود یسوع کا کوئی حواری نہ تھا۔ پے پی اس لکھتا ہے کہ اس نے مذکورہ بالا بات ایک راوی سے سنی تھی اور پھر اس راوی نے بھی اس روایت کو اپنا چشم دید واقعہ نہیں بتایا۔ بلکہ اتنا کہکر ٹالدیا تھا۔ کہ اس نے بھی اس روایت کو اپنے کسی بزرگ سے سنا تھا۔

جو سب سے پہلے دَور کا مسیحی تھا۔

ہم انجیل متی کی تصنیف کے متعلق بحث کرتے ہوئے اِس بات کو بدلائل واضح کر چکے ہیں کہ .... ایک گمنام راوی کا بیان کوئی قطعی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر بالفرض اسکو صحیح مان لیا جاوے تو بھی کئی مشکلات کا سامنا آپڑتا ہے۔ کیوں؟ اسلیئے کہ مرقس کی تصنیف اور ترتیب کے متعلق جو راوی کا بیان ہے۔ انجیل زیر بحث سے یقیناً یقیناً اُسکا تطابق نہیں ہو سکتا۔ پَے پی اَس کی تحریر سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مرقس مسیح کے اقوال اور افعال کو ترتیب وار قلمبند کرنے سے قاصر رہا۔ کیونکہ وہ یسوع کا بذاتِ خود مصاحب نہ تھا۔ لیکن انجیل موجودہ میں جو مسیحیوں کے خیال کے مطابق مرقس کی اپنی تصنیف ہے تاریخی نکتۂ خیال سے ایسی ہی عمدہ ترتیب ہے جیسی دوسری اناجیل میں ہے بلکہ کئی باتوں میں اُن سے بھی اعلیٰ ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ انجیل دوم یعنی مرقس کی انجیل پطرس کے ترجمان کی تصنیف نہیں ٹھہر سکتی۔ یہ کسی اور کی تصنیف ہو گی۔ خواہ وہ ایک شخص ہو یا کئی ایک اشخاص ہوں۔ یہ شخص یا اشخاص کون ہیں؟ اس سوال کا جواب محال ہے۔

لوقا کی انجیل کس نے لکھی انجیل سوم کا مصنف کون تھا۔ کیا لوقا اس کا مصنف تھا؟ اس کے متعلق بھی محققین کا اتفاق رائے نہیں ہے اور محققین کا ایک بھاری گروہ اس سے انکار کرتا ہے کہ یہ کتاب لوقا کی تالیف ہے۔ اور پھر مصنف بھی خود اپنا نام کہیں نہیں لکھتا۔ اور اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ اس کا مصنف لوقا ہی تھا تو پھر کیا ہوا۔ اس کا نام تو مسیح کے ان اقوال اور کلمات کے لیئے جو اسکی انجیل میں درج ہیں کوئی وثوق اور اعتبار پیدا کرنے کے لیئے کافی نہیں ہے کیونکہ نہ تو وہ خود یسوع کا ذاتی شاگرد تھا۔ اور نہ وہ یسوع کے کسی حواری کا پیرو تھا کہتے ہیں کہ وہ پولوس کا ایک مصاحب تھا۔ لیکن یسوع کے اقوال و افعال کے لیئے پولوس کوئی سند نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ پولوس خود مسیح کے حواریوں میں شامل نہیں۔ پھر بلحاظ اس امر کے کہ اس انجیل کی تصنیف کب ہوئی۔ سب سے قریب تاریخ اسکی تحریر کی محققین ۸۰ عیسوی بتاتے ہیں۔ (باقی آئندہ انشاء اللہ)

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ اگست ۱۹۱۳ء

صیغہ بیتامی:- آمد مالل عسہ اور خرچ للعسہ ہوا۔ کمی خرچ کی وجہ ہر دو مدرسوں کا بند رہنا ہے۔

صیغہ زکوٰۃ:- آمد سا عسہ اور خرچ اا لعسہ ہوا۔

تعلیم الاسلام و مدرسہ احمدیہ:- ہر دو مدرسے ۱۷ ستمبر کو کھلنے والے ہیں جو لوگ اپنے بچے بھیجنا چاہیں وہ انکو جلدی روانہ کر دیں

اشاعت اسلام:- خریداران ریویو میں اس ماہ انگریزی میں ایک کی کمی اردو میں چار کی بیشی ہوئی۔ میاں نذیر محمد صاحب ٹھیکہ دار و میاں عبد الرحمن صاحب نے کوسمبو سے اردو ریویو کا ایک ایک خریدار اور سید سعید الدین صاحب نے کوسمبی سے ایک خریدار تفسیر کا بہم پہنچایا۔* جزاھم اللہ خیراً۔

مقبرہ:- اس ماہ ایک موصی مسمی نتھو ولد عمر بخش ساکن پھیرو چیچی ضلع گورداسپور مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ آمد سالعہ اور خرچ اسا عسہ ہوا۔

مندرجہ ذیل رقوم اس ماہ بحساب وصیت وصول ہوئیں۔

(۱) بابو عبد الرحمن صاحب شملہ ۱ عسہ	(۷) چودھری دوست خاں صاحب قلات ۵عسہ
(۲) چودھری شاہ محمد صاحب سیالکوٹ للعہ	(۸) کرایہ دو دکانات حکیم محمد دین صاحب مرحوم سیالکوٹ عہ
(۳) میاں شاہ دین صاحب بذریعہ جماعت ۱۲ لعسہ	(۹) منشی طفیل احمد صاحب چندوسی عسہ
(۴) مسمات بھاگن دختر کرمداد ۱ عسہ	(۱۰) مسمات رحیمن اہلیہ شیخ قدرت اللہ صاحب سنور سہ
(۵) مولوی یحییٰ صاحب دیپگراں سہ	(۱۱) میاں احمد الدین صاحب زرگر قادیان عسہ
(۶) خواجہ بشیر الدین صاحب عہ	(۱۲) میاں نور الدین صاحب کنجاہ ضلع گجرات عسہ

متفرقات:- اس ماہ ہر قسم کی آمد ۶-۷-۵۹۲۰ اور خرچ ۱-۴-۵۵۴۶ ہوا۔

شفا خانہ میں اس ماہ کل مریض ۱۳۸۳ آئے انمیں سے ۲۶۸ نئے تھے۔ مائنر اپریشن ۲۳ ہوئے

اس مہینہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اخبار الفضل میں چندہ کے لیئے خاص تحریک کی اور سکرٹری کے دفتر سے یہ اخبار مختلف انجمنوں کے سکرٹریوں کے

*گذشتہ ماہ میں ریویو اردو کے خریداروں میں ۶ کی بیشی ہوئی۔ ای۔ عبد القادر گھٹی زگون نے ۳۔ اردو ایک انگریزی۔ ۔۔۔ برہمن بڑیا۔ عبد العزیز صاحب لکھنؤ۔ بابو فضل احمد صاحب مری۔ نے ایک ایک خریدار اردو اور غلام اکبر خاں صاحب وکیل اورنگ آباد نے ایک انگریزی کا خریدار بہم پہنچایا۔ جزاہم اللہ خیراً۔

نام بھیجا گیا اور لکھا گیا کہ یہ مضمون احباب کو اکٹھا کر کے سنا دیا جائے۔ اس تحریک کا نتیجہ بہت اچھا ہوا ہے امید ہے کہ احباب اپنی سعی کو جاری رکھیں گے۔ اس تحریک پر کوہ مری کی بہت چھوٹی اور عارضی جماعت نے جہاں آجکل مولوی محمد علی صاحب تشریف رکھتے ہیں قریباً ڈیڑھ سو روپیہ چندہ جمع کیا۔ اور یہ ان تمام احباب کے اخلاص کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو جزائے خیر عطا فرماوے۔ اسکے علاوہ مندرجہ ذیل انجمنوں اور احباب سے حسب ذیل رقوم پہنچی ہیں۔ جماعت مانگٹ اونچے ۱۰ ۔ پریم کوٹ ۱۵ کولوتارڑ ۱۲ ۔ پیرکوٹ ۸ ۔ گجوچک ۸ ۔ ترگڑی ۔ تلونڈی کھجوروالی ۵ انجمن اجنیانوالہ ۔ متفرق معرفت چودھری حیات محمد صاحب ۴ ۔ جماعت اٹاوہ جماعت حصار ۔ حاجی عمر ڈار صاحب ۹ ۔ بابو اختر علی صاحب از سہسرام معرفت محمد نواب خاں صاحب دسوہہ ۔ انجمن احمدیہ بھلول پور ۸ انجمن لدھیانہ منشی اللہ دتا صاحب لاہور ۔ مرزا حسین بیگ صاحب لاہور ۔ جماعت مردان جماعت الہ آباد ۔ سید رسول بخش صاحب ۔ سید عابد حسین صاحب ماسٹر خیر الدین صاحب ۔ جماعت ملو ۔ حافظ نور احمد صاحب اکولا جماعت سانگلہ مرسلہ حکیم محمد صالح صاحب ۔ جماعت شادیوال خورد ۔ عمر الدین صاحب سکرٹری ۴ ۔ عنایت علیخاں قانونگوے حلقہ مردان پور ۔ حافظ محمد عالم صاحب چک سکندر ۴ جماعت گجرات معرفت شیخ رحیم بخش صاحب ۸ ۔ انجمن احمدیہ سرہند معہ سلطان محمد صاحب بابو محلہ ۸ ۔ جماعت امرتسر معرفت ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب ۔ جماعت مردان معرفت منشی محمد یوسف صاحب ۴ ۔ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو نیک جزا عطا فرماوے اور انکی کوششوں میں برکت دے آمین۔

ان رقوم میں بڑی قابل رشک رقم جماعت مانگٹ اونچے کی ہے۔ باوجود اسکے کہ وہاں تھوڑے احباب ہیں۔ اور زراعت پیشہ اور غریب۔ مگر اس جگہ کی جماعت کو سلسلہ کے کاروبار سے بڑا اخلاص ہے۔ اور سبقت لے جانے کا شوق یہ سوا دو سو سے زائد رقم ان لوگوں کی ہمت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جزاہم اللہ خیراً۔

جماعت پشاور معرفت مولوی نذر علی صاحب ۱۰ روپیہ نقد اور ماہوار روپیہ وعدہ ۔ دھرم سالہ از طرف مرزا رحیم بیگ صاحب ۴

پھر اس کام میں چودھری محمد حیات صاحب ساکن پیر کوٹ جماعت مانگٹ اونچے اور چودھری محمد الدین صاحب ساکن پریم کوٹ سے انجمن گوجرانوالہ کو بہت مدد پہنچی ہے اللہ تعالیٰ اُن تمام احباب کو جنہوں نے اس کارِ خیر میں حصہ لیا ہے۔ جزائے خیر عطا فرماوے اور نیکی و اخلاص میں ترقی دے آمین۔

میں امید رکھتا ہوں کہ یہ سب احباب اس کام میں مزید سعی کرکے باقاعدہ کوشش جاری رکھیں گے اور مزید ثواب حاصل کرینگے۔ اگر ہر جگہ کی انجمن ضلع اپنی ضلع میں شاخیں قائم کرے اور باقاعدہ وصولی چندہ کا انتظام کرے تو بار بار تحریک کرنے کی ضرورت بھی باقی نہ رہے۔

جناب شیخ رحمت اللہ صاحب مالک انگلش ویرہوس لاہور نے پچھلے دنوں حضرت خلیفۃ المسیح کی معرفت ایک ہزار روپیہ اخراجات تعمیر کے لیئے قرض دیا تھا اسکی نسبت آپنے اطلاع دی ہے کہ مجھے واپس نہ دیا جاوے بلکہ میرے حساب میں چندہ میں وضع کرلیا جاوے۔ جزاہ اللہ خیراً۔

انجمن احمدیہ گوجرانوالہ نے اپریل گذشتہ سے از سرِ نو انتخاب عہدہ داران کرکے کام باقاعدہ شروع کیا اور وصولی چندہ کا کام باضابطہ کرنے کی سعی کی چنانچہ چند آدمیوں کا وفد مفصلات گوجرانوالہ میں تکلیف اٹھا کر بغرض فراہی چندہ گیا اگرچہ کل ضلع میں سب کمیٹیاں قائم نہ ہوئی تھیں تاہم اپنے ضلع کی انجمنوں یا جماعتوں سے اسالہ کی رقم جمع کرکے بھیجی ہے۔ اس رقم کی تفصیل کیلیئے ملاحظہ ہوں فہرست صفحہ ۳۴۴ کی عمارت مدرسہ کی تعمیر کے لیئے روپے کی اشد ضرورت ہے۔ احباب توجہ کرکے جو موعودہ چندے قابل وصولی ہوں وہ وصول کرکے بھیجنے کی کوشش کریں تا کام نہ رُکے۔ اور نئے چندے بھی جمع کرنیکی کوشش فرماویں۔

مولوی محمد علی صاحب سکرٹری صدر انجمن تا حال کوہ مری پر ہیں۔ بابو فضل محمد صاحب مری سے لکھتے ہیں کہ وہاں قرآن مجید کا درس ہوتا ہے

ہماری زمین

تبلیغ اسلام ممالک غیر میں

جناب خواجہ کمال الدین صاحب اپنا کام سرگرمی سے ولایت میں کر رہے ہیں چودھری فتح محمد صاحب ایم ۔ اے اور شیخ نور احمد صاحب جو خواجہ صاحب کے منشی تھے انکے پاس پہنچ گئے ہوئے ہیں اور کام میں شریک ہیں ۔

ماہ جولائی میں ایک مذہبی کانفرنس میں شامل ہونے کے لیئے خواجہ صاحب پیرس تشریف لے گئے ۔ اس عیسائی فرقہ جات کی کانفرنس میں جس میں کل مغربی اقوام یعنی امریکہ ۔ جرمنی ۔ ہالینڈ ۔ بلجیم ۔ روس ۔ فرانس ۔ انگلینڈ ۔ اسپین کے پروفیسر اور فاضل الٰہیات شریک تھے ۔ جناب خواجہ صاحب نے لیکچر دیا تقریر کے لیئے بیس منٹ مقرر تھے مگر انکو تیس منٹ دیئے گئے ۔ اسلام کے محاسن بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا کا آیندہ مذہب اسلام ہوگا ۔ جب آپنے لکل امۃ رسول اور وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر پر بحث کی تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا ۔ یہ لوگ چرچ کی قیود سے آزاد ہو چکے ہیں ۔ اور موجودہ مذہب کی شکل سے غیر مطمئن ۔ ان کے نزدیک مذہب آیندہ وہ ہونا چاہیئے جو انسان کے اعمال و اخلاق پر گہرا اثر ڈالکر حقیقی ربانی زندگی پیدا کر دے ۔ الوہیت مسیح و کفارہ کے قائل نظر نہیں آتے ۔ پولوس سے نرم الفاظ میں بیزاری ظاہر کی ہے ۔ اور مسیح کے اصول اخلاق غیر مکتفی سمجھے گئے ۔ اور انہیں نئے اصول کو شامل کرنا ضروری سمجھا گیا ۔ اس بحث پر کہ دیگر مذاہب سے کیا تعلق ہونا چاہیئے قرار پایا کہ دیگر مذاہب میں صداقتیں ہیں ہمیں ٹھنڈے دل سے کل مذاہب کا مطالعہ کر کے عمدہ اصول لینے چاہیئیں ۔ دیگر مذاہب کی بیخکنی چھوڑ دیجاوے ۔ بلکہ انکو بڑھنے دیا جاوے ۔ مشنری کاروبار کو ناپسند کیا گیا ہے ۔ الغرض اس کانفرنس کی کارروائی کا خلاصہ یہ ہے کہ آیندہ کوئی ایسا مذہب ہو جس کا اثر انسان کی عملی زندگی پر ہو جو محض ایمان پر محدود نہ ہو ۔ اخلاق کے اصول تلاش کیئے جاویں کل مذاہب کا مطالعہ دوستانہ اور محبت کی نگاہ

سے کیا جاوے۔ موجودہ یوروپین زندگی سے نفرت ظاہر کیجاوے۔ مشنری تحریک کم ہو۔ مطالعہ مذاہب سے جہاں کہیں عمدہ اصول ملیں وہ لیئے جاویں۔ مذہب وہ ہو جو روحانیت کو عملی روزانہ زندگی سے الگ نہ کرے۔ ایک دن سابق پریزیڈنٹ نے کہا کہ دنیا کا آیندہ مذہب "خدا اور اسکی مخلوق سے محبت" ہوگا۔ اسپر خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ فقرہ ادب کے خلاف ہے۔ دنیا کا آیندہ مذہب "خدا کی اطاعت اور مخلوق خدا سے شفقت" ہوگا اور رسول کریم صلعم نے اسلام کے یہی تعریف کی ہے۔ یہ لوگ جس مذہب کی تلاش میں ہیں دراصل وہ اسلام ہے۔ جو تجاویز اس کانفرنس نے کی ہیں خدا کرے کہ ان پر عمل ہو عمل ہونے کے ساتھ ہی اسلام کی ترقی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جب چاہے اسلام کو ان مغربی قوموں کا محبوب مذہب بنادے احمدی قوم کو ایسی مجالس اور کانفرنسوں میں مذہب اسلام پیش کرنے کا موقع خدانے دیا ہے۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک۔ قوم کو دعا سے اور مالی امداد سے مدد کرنی چاہیئے۔

۲۲۔ اگست کے خط میں خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ جرمن سے ایک دوست نے لکھا ہے کہ ہم تو سب مسیح کی یکتائی سے الگ ہو کر اسے حضرت محمد صلعم کے برابر سمجھتے ہیں اور اسے ہی ایک الہام الٰہی کا مورد نہیں مانتے بلکہ اوروں کو بھی شریک کرتے ہیں اور ہر جگہ سے تعلیم لینے کے لیئے تیار ہیں

۳۔ اگست کو ایک لیڈی خواجہ صاحب کو لکھتی ہے کہ بہت سے وعظ سنے مگر کسی کا وعظ بھی میری روح کو بیدار کرنے کا باعث نہ ہوا۔ لیکن آپ کی تقریر کا مجھ پر ایک خاص اثر ہوا مجھ پر ایک قسم کی محویت کا عالم تھا۔ وہ دن میری بیداری کا پہلا دن تھا۔ آپ کے رسالہ کے پڑھنے نے مجھ پر اعجازی اثر کیا۔ اس نے مجھے غفلت سے جگا کر میرے دل میں خدا اور اسکے عظیم الشان احمد جناب محمد صلعم کی محبت پیدا کر دی۔ میرا دل اسلام کی طرف جانے لگا اور میں دل سے مسلمان ہوگئی۔

ہماری لندن کی جماعت نے آجکل مسجد ووکنگ میں ڈیرہ لگایا ہوا ہے خدا کے کنفضل

فضل کی بات ہے کہ پینتالیس لاکھ روپیہ ہندوستان کا خرچ ہوا اس سے ایک عمارت بنے ایک مسجد ایک ہال - پھر ہمارے احباب کے وہاں جانے سے چند ماہ قبل از سر نو اُسی بطور وقف کیا جاوے اور اب وہ محض خدا کے فضل سے ہمارے احباب کے چارج میں آوے - مسجد اور مسلم انڈیا کے دفتر کے اردگرد ایک خوبصورت اور وسیع باغ ہے -

ہمارے احباب مصر میں :- سید ولی اللہ شاہ صاحب اور شیخ عبدالرحمن صاحب مولوی فاضل بخیریت مصر میں پہنچ گئے ہیں - خدائے تعالیٰ اُن کا ناصر و مددگار ہو اور مصر کی زمین میں اُن کا قیام اسلام کے لیئے بہت مبارک ہو - آمین -

ترجمہ قرآن شریف اُردو میں :- صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام کے ماتحت سید مولوی محمد سرور شاہ صاحب نے قرآن شریف کا ترجمہ اور نوٹ لکھنے کا کام شروع کر دیا ہے - ایک پارہ بمع نوٹوں کے مکمل ہو چکا ہے - اللہ تعالیٰ اس کام میں برکت ڈالے آمین

دنیا کے بادشاہوں کو تبلیغ :- کتاب ٹیچنگز آف اسلام جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُس معجزانہ مضمون کا انگریزی ترجمہ ہے جو جلسہ اعظم مذاہب لاہور کے موقعہ پر پڑھا گیا - اسکی نہایت ہی نفیس اور اعلیٰ درجہ کی جلدیں بندھوا کر دنیا کے دس بڑے بادشاہوں کے نام بھیجی گئی ہیں - نیز رسالہ اسلام کی ایک سو کاپیاں نہایت ہی اعلیٰ جلدیں بندھوا کر دنیا کے ایک سو بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے نام بھیجی گئیں - رسالہ اسلام کی چھپوائی اور جلد بندی وغیرہ پر جو خرچ آیا اُس کو ہمارے ایک احمدی محترم بزرگ نے جو ہمیشہ اشاعت اسلام میں بڑی فراخدلی سے حصہ لیتے ہیں اپنی گرہ سے ادا کیا - جزاہ اللہ خیراً

رسالہ اسلام میں مولوی محمد علی صاحب کے اُس مضمون کو کسی قدر اضافہ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے جو اُنہوں نے الہ آباد کی مذہبی کانفرنس کے لیئے لکھا تھا اور جس میں اصول اسلام کو بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے

شیر علی قائم مقام سکرٹری

ریویو

اثبات کفارہ :- پادری ٹامس ہاول صاحب نے جناب مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر کے رسالہ کفارہ کے جواب میں بڑی جد و جہد کے بعد "اثبات کفارہ" ۱ و ۲ و ۳ شائع کیئے ہیں۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ پادری صاحب نے جو چال چلی ہے۔ وہ حق جو اور معقول پسند انسان کی شان سے بہت بعید ہے۔ یعنی رسالہ کفارہ کے اعتراضوں کے آسان اور مفید مطلب ٹکڑے لیکر جواب لکھے ہیں۔ اور چونکہ پورے اعتراض کی بجائے اس کا ایک حصہ نقل کرنیکی وجہ سے زمین آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اسلیئے ہم پادری صاحب کو رسالہ کفارہ کا جواب اس طریق پر لکھنے سے محقق اور حق پسند انسان نہیں کہہ سکتے۔ نیز بعض سوالوں کے جواب ایسی وارفتگی اور خود فراموشی سے دیئے گئے ہیں۔ جو بجائے خود اعتراض کی پختگی پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً آپ اعتراض نقل کرتے ہیں۔ کہ "بیٹے نے کہا میں بے گناہ ہو کر انسان کے بدلے سزا بھگتتا ہوں" اور جواب لکھتے ہیں۔ "ہمارا خداوند یسوع مسیح جو بے گناہ ہے اس نے اپنی مرضی سے ہم گناہ گاروں کے بچانے کیلیئے اپنی جان کفارہ میں دیکر فی الحقیقت گناہ گاروں کو بچالیا ہے" ذرا پادری صاحب اپنے اس جواب پر دوبارہ غور فرماویں۔ کہ سوال اور جواب میں کیا فرق ہے۔ تاکہ جوابوں کی معقولیت کا انہیں خود بھی یقین ہو جائے۔

سی حرفیاں پنجابی :- ماسٹر محمد علیخاں صاحب اشرف نے اپنے خیالات کو پنجابی مذاق کے موافق نظم کیا ہے۔ اور اشعار میں تبلیغ سلسلہ احمدیہ کی غرض کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ اہل مذاق اصحاب منگوا کر پڑھیں۔ اور اپنے دوستوں میں تقسیم کریں۔ شعرخوانی کے شوق سے امید ہے کہ غیر احمدی اصحاب بھی محظوظ ہونگے۔ قیمت ۱ر محمد یمین تاجر کتب قادیان یا دفتر تشحیذ الاذہان سے مل سکتی ہیں۔

فصل الخطاب :- حضرت خلیفۃ المسیح کی وہ نادر تصنیف فصل الخطاب جو آپ نے حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد کے بموجب رد نصاریٰ میں تحریر فرمائی تھی ختم ہو جانے کی وجہ سے مدت سے نایاب تھی۔ میاں محمد یٰمین صاحب تاجر کتب قادیان نے اسکو دوبارہ چھاپنے کا ارادہ کیا ہے۔ نیز حضرت صاحب نے وعدہ فرمایا ہے کہ بعض کمزوریاں اور حوالوں میں غلطیاں جو پہلے رہ گئی تھیں۔ وہ خود اپنے دست مبارک سے صحیح فرمادیں گے۔ ۶۰۰ صفحے کی کتاب ہوگی۔ اور قیمت غالباً وہی ہوگی جو پہلے تھی یعنی عہ ۴۰۰ درخواستیں موصول ہونے پر کام شروع کرادینگے۔ شائقین جلد درخواستیں بھیجکر انکی ہمت بندھائیں تاکہ جلدی کتاب شائع ہو سکے۔

وہ نبی :۔ قاضی ظہورالدین صاحب اکمل کا وہ مضمون جو تشحیذ الاذہان ماہ اکتوبر ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا تھا اور جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے متعلق۔ تورات اور انجیل کی پیشگوئیوں سے بڑی شرح اور بسط سے یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ وہ تمام نشانات جو ان پیشگوئیوں میں درج ہیں۔ آنحضرت صلعم ہی کے وجود باجود پر پورے ہوئے ہیں۔ آپ ہی کو حضرت موسیٰؑ کے بعد روشن شریعت دیگئی۔ آپ ہی کے ساتھ فتح مکہ کے دن جب مظہر الوہیت بڑی شان وشوکت کے ساتھ فاران کی چوٹی پر نمودار ہوا۔ دس ہزار جاں نثار پاکباز قدوسی تھے۔ مضمون قابل قدر اور لائق اشاعت ہے۔ جسکو انجمن شبان الاحمدیین پشاور نے ایک ٹریکٹ کی صورت میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔ احباب خان زادہ محمد دلاور خاں صاحب متعلم ایڈورڈ کالج پشاور سے منگوا کر تقسیم کریں۔

صادق کلمات بجواب ثنائی ہفوات	سید صادق حسین صاحب مختار کلکٹری اٹاوہ نے مولوی ثناء اللہ ایڈیٹر اہل حدیث کے رسالہ ہفوات کے جواب میں مکمل و مدلل مضمون تحریر فرمایا ہے۔ جسکو میر قاسم علی صاحب نے چھپوا کر شائع

کیا ہے۔ قابل مضمون نویس نے معترض کے اعتراضوں کا جواب اسی کی تصنیف کردہ کتب وغیرہ سے دیا ہے۔

سو صفحہ سے زائد کی کتاب قیمت صرف ۴؍ رہے۔ اور میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر "الحق" دہلی سے مل سکتی ہے۔

شائقین ریویو کے لئے ضروری اطلاع

بعض احباب ہم سے ریویو کے گذشتہ مضامین کے متعلق دریافت کرتے ہیں پس ہم تمام ناظرین کی اطلاع کیلئے ذیل میں ریویو کی گذشتہ جلدوں میں بعض ضروری مضامین کی فہرست درج کرتے ہیں جو خالی از دلچسپی نہ ہوگی۔

اُردو ریویو کی تمام گذشتہ جلدیں دفتر میگزین سے مل سکتی ہیں۔ جلد اول کی قیمت للعہ ہے کیونکہ اُسکے صرف چند مکمل نسخے باقی ہیں۔ اور دوسری جلدیں عہ فی جلد کے حساب سے انگریزی ریویو کی بعض جلدیں ختم ہو گئی ہیں۔ جو موجود ہیں اُنکی قیمت دفتر میگزین سے بذریعہ

سنہ ۱۹۰۲ء

(۱) گناہ سے کیونکر نجات مل سکتی ہے
(۲) تثلیث اور توحید۔
(۳) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتیں
(۴) عصمت انبیاء علیہم السلام۔
(۵) ہستی باری تعالےٰ۔
(۶) صفات الٰہیہ۔
(۷) موت کے بعد انسان کی کیا حالت ہوتی ہے۔
(۸) فارقلیط۔
(۹) روحوں کا انادی اور غیر مخلوق ہونا۔
(۱۰) دنیا میں زندگی کے مدعا کیا ہیں اور انکا حصول کس طرح ہوتا ہے
(۱۱) زندگی میں اور زندگی کے بعد عملی شریعت کا فعل کیا ہے۔
(۱۲) وحی کے منجانب اللہ ہونے کے نشان۔ (۱۳) تناسخ۔
(۱۴) یسوع کی عصمت کے متعلق انجیل کی تعلیم (۱۵) قرآن شریف اور انجیل کی تعلیم کا مقابلہ۔
(۱۶) قرآن شریف اور انجیل کی دعا کا مقابلہ۔

سنہ ۱۹۰۳ء

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں کیا تبدیلی کی۔
(۲) حضرت مسیح کا دس گم شدہ فرقوں کی طرف جانا (۳) بادوانانک صاحب کا چولہ (۴) قرآن شریف کی حقانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک دلیل۔
(۵) مسیح موعود کی لائف اور مشن۔ (۶) استغفار۔
(۷) تبدیل مذہب کی فلاسفی اور آریہ سماج۔ اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ۔
(۸) ضرورت قرآن۔
(۹) معرفت الٰہی کے ذرائع۔
(۱۰) عصمت انبیاء پر بحث
(۱۱) کیا سب مذاہب خدا کی طرف سے ہوسکتے ہیں؟
(۱۲) مسلمانوں کا اعتقاد دوزخ کے متعلق (۱۳) عیسائی مذہب پر ایک خاص ریویو۔

(۱۴) مسیح کی آمد ثانی۔
(۱۵) عیسائی مذہب کا زوال۔
(۱۶) تذکرۃ الشہادتین۔
(۱۷) حضرت عیسیٰ کی قبر۔

سنہ ۱۹۰۴ء

(۱) نماز کی حقیقت اور برکات
(۲) انسان کی کتاب۔
(۳) مسیح کی بے نظیری
(۴) اسلام کی حقیقت اور برکات
(۵) سلسلہ احمدیہ کے کل تعلقات۔
(۶) احیائے موتی
(۷) نجات کے لیے کس قسم کی قربانی کی ضرورت ہے
(۸) حضرت مسیح کی قبر سری نگر میں
(۹) بے عیب نبی اور زندہ نبی
(۱۰) افغانوں اور کشمیریوں کی اصل
(۱۱) یسوع کی صلیبی موت پر علمی نظر
(۱۲) روح القدس۔
(۱۳) خدا کی ہستی۔
(۱۴) عیسوی مذہب کی اشاعت میں رکاوٹیں۔
(۱۵) وحی الٰہی کی ضرورت۔
(۱۶) لیکھرام کی موت اور ایک عظیم الشان پیشگوئی کا پورا ہونا۔
(۱۷) اسلام اور اس ملک کے دیگر مذاہب کا مقابلہ
(۱۸) کیا اصول اسلام حقیقی تہذیب کے موافق نہیں؟
(۱۹) مصلح کا پہلا فرض کیا ہونا چاہیئے؟
(۲۰) کیا ہم ایمان رکھتے ہیں؟
(۲۱) حضرت مسیح اور کرشن علیہما السلام
(۲۲) قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ثبوت۔

سنہ ۱۹۰۵ء

(۱) پردہ
(۲) عیسائیت کے فرقے مارمن کے اعتقادات۔
(۳) مسلم ریفارم کے نماز پر حملوں کا جواب
(۴) کیا قرآن شریف تاریخ کے خلاف کہتا ہے؟
(۵) تعدد ازدواج
(۶) یہودیوں اور عیسائیوں کا اتحاد۔
(۷) ایک عیسائی گورنمنٹ اور مسلمان
(۸) کیا یسوع کی موت انشقاق القلب سے واقع ہوئی تھی؟
(۹) زلزلہ کا دھکا۔
(۱۰) الندا من وحی السماء
(۱۱) مہذب ممالک کی عورتیں۔
(۱۲) طلاق
(۱۳) برہمو سماج کی ناکامی
(۱۴) غلامی۔
(۱۵) مذہب اسلام کے متعلق پادری سیل کے اعتراضات کا جواب
(۱۶) انگلستان میں اخلاق اور مذہب کا جواب
(۱۷) الدجال

سنہ ۱۹۰۶ء

(۱) سود
(۲) انسانی نسل کشی اور حفاظت اولاد کا مقابلہ
(۳) سلسلہ احمدیہ کے مختصر حالات اور عقاید۔
(۴) عیسائی مذہب میں ریوائول یا نئی زندگی
(۵) حضرت مسیح موعود کے مختصر حالات۔
(۶) اسلامی قانون وراثت۔
(۷) آخرت کے متعلق دہریوں کے خیالات۔
(۸) الٰہی سلسلے اور ارتداد۔
(۹) عکس مکتوب مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنام مقوقس شاہ مصر اور احادیث کی صداقت پر بے نظیر شہادت
(۱۰) مذہب کے اہم اصول
(۱۱) آریہ سماج کی موت
(۱۲) اسلامی بنک کی تجویز۔

(۱۳) اسلامی اور مسیحی جنگوں کا مقابلہ
(۱۴) اشاعت اسلام۔
(۱۵) حقیقت کتاب اللہ والنبوۃ المحمدیہ۔
(۱۶) عیسائی مذہب کا انجام۔
(۱۷) شرقیوں اور غربیوں میں اخلاق کے مفہوم کا فرق۔

سنہ ۱۹۰۷ء

(۱) عملی تصوف۔
(۲) مسیحؑ کی آمد ثانی۔
(۳) التبیان فی تفسیر مقطعات القرآن
(۴) آخری زمانہ کا مصلح۔
(۵) قرآن کریم حفاظت اور جمع۔
(۶) ناسخ و منسوخ کی بحث۔
(۷) طاعون (۸) عیسائی مشنوں کے بد اثر۔
(۹) مذہبی بے چینی۔
(۱۰) پادری صاحبان کی تہذیب
(۱۱) عیسائی دین میں سلب امراض کے معجزات (۱۲) تجلی اور القاء شیطانی
(۱۳) بابی یا بہائی مذہب
(۱۴) مسلمان اور جہاد۔
(۱۵) عقیدہ مہدی میں مولوی محمد حسین بٹالوی کی دو رخی
(۱۷) ہندوستان میں عیسائی مذہب پھیلانے کی نئی تجاویز۔

سنہ ۱۹۰۸ء

(۱) حضرت مسیحؑ کے بارہ میں قرآنی فیصلہ (۲) برنباس کی انجیل
(۳) بابی مذہب۔ (۴) آریہ سماج اور مذہبی کانفرنس (۵) اسلام
(۶) عذاب جہنم غیر منقطع نہیں
(۷) مذہب اسلام کے متعلق ایک دہریہ کے خیالات
(۸) اسلامی تعلیم کی خوبی۔
(۹) ہندوستان میں مرتدین کے احکام
(۱۰) حیات الانبیاء فی وفات الانبیاء
(۱۱) حضرت مسیح موعودؑ۔
(۱۲) حضرت مسیح موعودؑ کے وصال پر چند نوٹ۔
(۱۳) مہدی آخر زمان

سنہ ۱۹۰۹ء

(۱) مذہبی فرقوں کا تباغض و تحاسد اور محکمہ تفتیش پر ایک سرسری نظر۔ (۲) خونی مہدی
(۳) تاریخی یسوع اور خیالی مسیح۔
(۴) عیسائیت اور دوسرے مذاہب
(۵) سکھ مذہب کا تعلق اسلام سے
(۶) ہندوستان میں دہریت۔
(۷) صلیب کے صحیح واقعات۔
(۸) تناسخ۔ (۹) انسانی روح کے متعلق ویدک فلاسفی۔
(۱۰) اسلام کی تعلیم جو سلسلہ احمدیہ پیش کرتا ہے۔
(۱۱) آریہ سماج کے اندرونی اور بیرونی جھگڑے۔
(۱۲) زلزلہ اور عار۔
(۱۳) اشاعت اسلام۔
(۱۴) اظہار حق۔
(۱۵) اسلام کی اخلاقی طاقت
(۱۶) آریہ سماج کے اصول۔
(۱۷) وید

سنہ ۱۹۱۰ء

(۱) آریہ سماج دوسرے مذاہب کو کس نظر سے دیکھتی ہے
(۲) ینابیع الاسلام پر ریویو۔
(۳) اشاعت اسلام۔
(۴) اسرائیل کی گم شدہ بھیڑیں
(۵) قرآن مجید پر ڈاکٹر کرمل کم

کے حملے کا جواب۔
(۶) واقعہ صلیب کے متعلق ایک محقق امریکن کی رائے
(۷) الوہیت مسیحؑ کے برخلاف آسمانی کتب کی شہادت
(۸) گوتم بدھ کی ہڈیاں اور حضرت مسیحؑ ناصری کی قبر۔
(۹) انبیاء عالم۔
(۱۰) ایک جھوٹے بابی مدعی کی پردہ دری۔
(۱۱) ایک نشان

سنہ ۱۹۱۱ء

(۱) اسلام (خواجہ کمال الدین صاحب)
(۲) ابطال کفارہ۔
(۳) قرآن مجید کے الہامی ہونے پر بائیبل کی شہادت
(۴) حقیقی سکھ کی راہ۔

(۵) دانیال نبی کی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی۔
(۶) ایک بدھ اڈیٹر اور اسلام۔
(۷) خاتم الانبیاءؐ اور خاتم الخلفاءؑ
(۸) مسیحی معجزات۔
(۹) اسلام کے اصول۔
(۱۰) طریق وصول الی اللہ
(۱۱) نماز جمعہ کی ادائگی کے لیئے میموریل۔

سنہ ۱۹۱۲ء

(۱) اسلام اور علوم جدیدہ
(۲) حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کی ایک شہادت
(۳) اسلام میں عورت کیا حیثیت رکھتی ہے۔
(۴) حضرت مریم صدیقہ کا درد زہ اور مسیحی مذہب کا بطلان۔
(۵) کیا احکام قرآنی دربارہ جہاد منسوخ شدہ ہیں۔

(۷) الکتاب۔ (یعنی قرآن شریف کے کامل ہونے اور اسکی ترتیب اور اسکے بعض معجزات اور دیگر امور متعلقہ پر دلچسپ بحث
(۸) مسیحیوں کا آنیوالا مسیح۔
(۹) مسیح موعودؑ کا ایک نشان۔
(۱۰) کتب خانہ اسکندریہ کے جلایا جانیکے متعلق ایک محققانہ بحث۔
(۱۱) مسیحیت کی اشاعت آگ اور تلوار کے ذریعہ۔
(۱۲) ملک ہند میں روحانی فتوحات
(۱۳) مسیحیت اور غلامی۔
(۱۴) ہندو مذہب کی تعریف کرنا محال ہے۔
(۱۵) مسیحی واعظ انجیل پر عمل کرنے سے عاجز ہیں۔

جو احباب مختلف پرچے خریدیں انہیں اردو ریویو ۳ر فی پرچہ کے حساب سے اور انگریزی ریویو ۶ر فی پرچہ کے حساب سے دیا جائیگا

تمام درخواستیں بنام منیجر میگزین۔ قادیان۔ پنجاب آنی چاہیئیں۔

بقایا صیغہ جات یکم اگست

مد	پائی	آنہ	روپے
تعلیم	۶	۱	۵۷۵۷
اشاعت	۰	۱۲	۵۰۱
تعمیر	۸	۲	۳۴۷۴
یتامے	۰	۸	۴۷۵
زکوٰۃ	۳	۲	۳۱۲۵
امانت بیرونی	۹	۱۲	۱۴۱۳
" اندرونی	۰	۵	۵۲۷
مساکین	۵	۵	۷۷۱
مستقل فنڈ	۶	۲	۳۹۱۲
میزان	۱	۴	۱۹۹۵۸
منہا کردہ فاضل	۴	۱۴	۷۹۰۰
باقی	۹	۵	۱۲۰۵۷
منہا کردہ پیشگی	۹	۷	۱۱۴۸۶
باقی نقد نزد امین	۰	۱۴	۵۷۰
تفصیل فاضل			
مدرسہ احمدیہ	۹	۵	۱۱۸۶
متفرقات	۲	۱۵	۴۱۴
مقبرہ	۲	۱۳	۱۴۰۹
بورڈنگ ہائی	۷	۹	۵۹۳
" احمدیہ	۹	۹	۱۳۲
بیت المال	۱۱	۸	۴۱۶۴
میزان فاضل	۴	۱۴	۷۹۰۰
تفصیل پیشگی صیغہ جات			
اشاعت	۰	۰	۳۰۰
بیت المال	۰	۰	۳۸۱
متفرقات	۶	۷	۱۰۴۱
مدرسہ احمدیہ	۰	۰	۶۳۵
تعلیم	۰	۰	۲۳۲۸
تعمیر	۳	۰	۶۳۱۰
مقبرہ	۰	۰	۴۹۱
میزان پیشگی	۹	۷	۱۱۴۸۶

خلیفہ رشید الدین
محاسب

محمد اشرف
ناظر

بقایا ماہینہ بابت یکم ستمبر سنہ ۱۹۱۳ء

مد			
تعلیم	۳	۶	۵۲۴۴
اشاعت	۴	۹	۲۴۳
زکوٰۃ	۱۱	۱۵	۳۲۲۷
تعمیر	۵	۱۱	۴۳۳۱
یتامیٰ	۸	۱۴	۵۰۹
مساکین	۱۱	۱۲	۷۷۲
مستقل فنڈ	۶	۲	۳۹۱۲
امانت بیرونی	۹	۱۲	۱۶۱۵
" اندرونی	۰	۷	۴۸۸
بورڈران احمدیہ	۶	۱۱	۹۷
میزان	۳	۸	۲۰۴۶۴
منہا کردہ فاضل	۱	۱۵	۸۰۳۲
باقی	۲	۹	۱۲۴۳۱
منہا کردہ پیشگی	۳	۳	۱۰۱۶۲
نقد باقی نزد امین	۱۱	۵	۲۲۶۹
تفصیل فاضل متفرقات	۱۰	۱	۱۲۶۲
بیت المال	۳	۶	۳۷۶۱
مقبرہ	۴	۱۱	۱۴۲۷
مدرسہ احمدیہ	۳	۱۴	۱۵۴۳
بورڈران ہائی	۷	۱۳	۳۸
میزان فاضل	۱	۱۵	۸۰۳۲
تفصیل پیشگی اشاعت	۰	۰	۳۰۰
بیت المال	۰	۰	۳۷۵
متفرقات	۰	۰	۴۸۶
مدرسہ احمدیہ	۰	۳	۴۳۶
تعلیم	۰	۰	۱۸۷۱
تعمیر	۳	۰	۶۳۱۰
مقبرہ	۰	۰	۳۸۴
میزان پیشگی	۳	۳	۱۰۱۶۲

خلیفہ رشید الدین
محاسب

تقریر جلسہ اعظم مذاہب یا لیکچر مہوتسو

یعنی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا عظیم الشان لیکچر جو ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا چوتھی دفعہ نہایت عمدہ کاغذ پر خوب خوشخط لکھوا کر چھپوایا گیا۔ تقطیع بھی نہایت موزوں ہے اس کتاب میں حضرت اقدس نے ذیل کے پانچ امور پر فلسفیانہ رنگ میں بحث کی ہے۔ اور تمام دلائل قرآن شریف سے پیش کیے ہیں۔ (۱) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتیں۔ (۲) انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبیٰ۔ (۳) دنیا میں انسان کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب۔ (۴) اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں۔ (۵) علم اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے۔ تقریباً ۱۵۰ صفحہ کی کتاب ہے۔ قیمت ۵ر

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ جو ولایت سے چھپ کر آیا ہے۔ نہایت خوبصورت جلد قیمت عمر

قصائد احمدیہ من الامام حجۃ الاسلام

حضرت اقدس کی اردو اور فارسی نظمیں تو پہلے الگ شائع ہو چکی ہیں مگر اب تک آپ کے عربی قصائد الگ رسالہ کی شکل میں شائع نہیں ہوئے تھے اب عربی قصائد بھی جمع کر کے ایک کتاب کی شکل میں شائع کیے گئے ہیں یہ قصائد نہ صرف معارف و اسرار سے لبریز ہیں بلکہ عربی سیکھنے کا بھی ایک اعلیٰ ذریعہ ہیں یہ کتاب ۱۵۸ صفحہ پر ختم ہوتی ہے قیمت صرف ۱۰ر

پارہ الم مترجم:۔ ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح قیمت ۳ر

رسالہ اسلام بزبان انگریزی

مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز۔ اس رسالہ میں اصول اسلام کو نہایت احسن پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کی قبولیت اور تعریف کیلئے صرف مولوی صاحب کا نام ہی کافی شہادت ہے۔ ہر ایک انگریزی خوان مسلمان کے ہاتھ میں اس رسالہ کا ہونا ضروری ہے۔ قیمت ۱ر محصولڈاک ۲ر

درخواستیں بنام منیجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں

اطلاع:۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرمادیں

Reg. NO L 303

نمبر ۸

یہ کیا؟ اِس کا نصف صفحہ کیوں خالی ہے؟
رہنے دیجیئے اس میں کیا ہے۔
سبب ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بچوں سے ضعیف تک کے لیئے
ڈاکٹر ایس کے برمن کی ایجاد کی ہوئی چالیس مختلف امراض کی ان ادویات
کی پوری فہرست اپنے پاس کیوں نہیں رکھتے۔
اسکے رکھنے سے سوائے نفع کے نقصان نہیں ہو سکتا۔
کیا ایک فہرست آپکی خدمت میں روانہ کر سکتا ہوں۔
ادویات ہر موضع ہر قصبہ و ہر شہر میں مل سکتی ہیں۔

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۱۶ تارا چند دت

اسٹریٹ کلکتہ

مطبع میگزین میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ مینجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے | لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

بابت ماہ اکتوبر ۱۹۱۳ء | مطابق ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

چندہ سالانہ

عام طالبعلموں سے

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰-اکتوبر ۱۹۱۳ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

مسیحیت کا شہتیر ٹوٹ گیا

مسیحیت کا شہتیر وہ صلیب کی لکڑی ہے جس پر حضرت مسیحؑ کو لٹکایا گیا تھا مسیحی مذہب کا سارا دار و مدار اسی کمزور لکڑی پر ہے کیونکہ اُن کا عقیدہ ہے کہ مریم کا بیٹا یسوع۔ خدا کا بیٹا اور خدا تھا۔ اُس کے دل میں گنہگاروں کے لیئے رحم نے جوش مارا مگر خدا باپ کا انصاف اس بات کا مقتضی تھا کہ گناہ گار کو سزا دیجائے۔ اِس مشکل کو بیٹے نے اس طرح حل کیا کہ وہ خود اِس بات پر تیار ہو گیا کہ کُل بنی نوع انسان کے گناہوں کی سزا خود بھگتے اور گناہ گاروں کو سزا سے نجات ملجائے۔ اس طرح خدا باپ کا انصاف بھی پورا ہو گیا۔ اور خدا بیٹے کا رحم بھی پورا ہو گیا۔ یعنی خدا باپ نے گناہوں کی سزا بھی دیدی اور بنی آدم گناہوں کی سزا سے بچ بھی گئے۔ خدا بیٹے نے اس سزا کو اس طرح اپنے پر اٹھایا کہ وہ انسان بنکر زمین پر اُترا۔ یہودیوں کے درمیان مسیح اور خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا۔ انہوں نے اُسکو جھوٹا سمجھ کر پکڑا اور صلیب پر کھینچ کر اُس کو مار ڈالا اور تورات کے رو سے صلیبی موت لعنتی موت ہے۔ اسلیئے اُس نے نوع انسان کے گناہوں کی سزا میں صلیبی موت کی لعنت کو قبول کیا اور تین دن دوزخ میں رہا۔ تیسرے دن سزا بھگتنے کے بعد وہ پھر اپنی خدائی طاقت سے پھر زندہ ہو گیا۔ اسلیئے جو شخص اُسکے صلیب پر مرنے اور بنی آدم کی طرف سے اپنے نفس کی قربانی ادا کرنے پر ایمان لاتا ہے وہ گناہوں کی سزا سے بچایا گیا کیونکہ خدا بیٹا خود اُسکی طرف سے قربان ہو کر سزا بھگت چکا ہے۔ یہ ہے مسیحی مذہب کا خلاصہ۔ اور یہی عقیدہ ہے جو مسیحیوں میں کفارہ کے نام سے

مشہور ہے۔ غرض مسیحیوں کے سارے مذہب کا انحصار اسی امر پر ہے کہ خدا بیٹے نے صلیب کی
لعنتی لکڑی پر نوع انسان کے لیئے اپنی جان قربان کر دی اور انکے گناہوں کی سزا کو اپنے سر پر
اُٹھا لیا۔ پس یہی صلیب کی لکڑی مسیحی مذہب کا شہتیر ہے۔ اسلیئے قرآن شریف نے ما قتلوہ
و ما صلبوہ کہکر مسیحی مذہب کی ساری عمارت کو گرا دیا ہے۔ یعنی یہودیوں نے مسیح کو قتل
نہیں کیا اور نہ صلیب کے ذریعے اُس کی موت واقع ہوئی۔ اور چونکہ اس صلیب پر مسیحیت کا سارا
انحصار تھا اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب آنیوالے مسیح کی خبر دی تو اُس کی
نسبت یہی فرمایا یکسر الصلیب کہ مسلمانوں کا امام مسیح موعودؑ مسیحیت کی بیخکنی کریگا
اور وہ بیخکنی اس طرح پر واقع ہوگی کہ وہ صلیب کے عقیدہ پر ایسا وار کریگا کہ اُسکو پاش پاش کر دیگا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ مسیح موعودؑ مسیحیت کی تردید کریگا بلکہ فرمایا کہ وہ صلیب
کو توڑے گا۔ اس میں یہ اشارہ تھا کہ اُس کا حملہ صلیبی عقیدہ پر ہوگا جو مسیحیت کا بنیادی عقیدہ
ہے۔ اور صلیب کے ٹوٹنے سے مسیحی مذہب کی موت واقع ہوگی۔ آپ نے یکسر الصلیب فرما کر
وہ طریق بتلا دیا جس کے ذریعہ مسیح موعودؑ نے مسیحی مذہب کو جڑھ سے اُکھیڑنا تھا۔ یعنی مسیح
موعودؑ کے ہاتھ پر مسیحیت کی موت واقع ہوگی اور وہ اس طرح ہوگی کہ وہ صلیبی عقیدہ کو پاش
پاش کر دیگا اور چونکہ یہی عقیدہ مسیحی مذہب کی بنیاد ہے اسلیئے اس بنیاد کے گرنے سے
مسیحیت کی ساری عمارت زمین سے پیوست ہو جائیگی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق
مسیح موعودؑ نے اپنے حملہ کے لیئے صلیب کو ہی منتخب کیا۔ اور اسے پاش پاش کر دیا مسیحیوں کا سارا
فخر یہ تھا کہ خدا بیٹا صلیب پر مر گیا۔ آپ نے قرآن شریف سے رہنمائی حاصل کر کے خود اناجیل
مروجہ کے ذریعہ یہ امر روز روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ مسیحؑ نے صلیب پر جان نہیں دی بلکہ
زندہ اُترا اور پھر زندہ ہی قبر سے نکلا اور اپنے شاگردوں سے ملاقات کی۔ کھانا کھایا زخم
دکھائے اور پھر افغانستان اور کشمیر کی طرف ہجرت کی جہاں بنی اسرائیل کے باقی فرقے
آباد تھے آخر سری نگر میں وفات پائی* اور اب تک آپ کی قبر محلہ خانیار میں محفوظ چلی آتی ہے
جو نبی صاحب اور عیسیٰ صاحب کی قبر کے نام سے مشہور ہے مسیحیوں نے لاجواب ہو کر یہی جواب
دیا کہ یہ عقیدہ کروڑوں انسانوں کے عقیدہ کے برخلاف ہے اسلیئے قابل پذیرائی نہیں

* یوز آسف کے حالات میں لکھا ہے کہ "وہ آخر کشمیر پہنچا اور مرنے سے پہلے اس نے اپنا سر مغرب کیطرف کیا اور پاؤں مشرق کیطرف"۔ بنی اسرائیل میں یہ رسم ہے کہ وہ اپنے مُردوں کے سر مغرب کیطرف کرتے ہیں اور پاؤں مشرق کیطرف۔ پس یہ امر بھی ہماری تحقیقات کا مؤید ہے (کتاب بہ لام دیوزاسف صفحہ و ص)

اور افسوس ہے کہ بہت سے مسلمانوں نے بھی اس انکشاف عظیم کی کما حقہ قدردانی نہ کی مگر حق آخر غالب آتا ہے اور سچائی دنیا پر ظاہر ہونے کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اگرچہ پادری صاحبان نے اس انکشاف میں اپنے مذہب کی موت دیکھکر اپنی آنکھوں کو عمداً بند کر دیا اور اُس سورج کی طرف دیکھنا پسند نہ کیا جس نے مشرق سے طلوع کیا تھا اور اس طرح اپنے دل کو تسلّی دی کہ چونکہ ہم نے اپنی آنکھوں کو میچ لیا ہے اسلیئے گویا سورج موجود ہی نہیں مگر کب تک آنکھوں کا میچنا مفید ہوگا۔ آخر سورج کی گرمی اُنکے بدنوں کو تپائیگی اور اُنہیں ماننا پڑیگا کہ واقعی سورج چڑھ آیا اور ہم نے جو اپنی آنکھوں کو میچکر ایک بناوٹی رات بنا رکھی تھی وہ ہماری ایک بیہودہ کوشش تھی۔ مشرق میں تو پادریصاحبان اس انکشاف سے روگردانی کرکے یہ چاہتے ہیں کہ یہ خبر دنیا میں شہرت حاصل نہ کرے مگر خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ مغرب میں کئی ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اس سچائی کی قدر کی ہے اور اُن میں سے بعض نے ہمیں لکھا ہے کہ جو کچھ تم نے مسیح کے صلیب سے بچنے اور اُس سے بعد کے واقعات کے متعلق لکھا ہے یہ ایک سچائی ہے جسکو ہر ایک انصاف پسند انسان قبول کریگا اور یہ اس قابل ہے کہ اسکو ایک پمفلٹ کی شکل میں چھاپ کر دنیا کے کل حصوں میں شائع کیا جاوے۔ دنیا کو اس سچائی کی اِسوقت سخت ضرورت ہے۔ اب عام طور پر بعض اخبارات میں بھی مسیح کے صلیب سے بچنے کے متعلق بعینہٖ وہی رائے ظاہر کی جارہی ہے جو ہماری تحقیقات ہے۔ ذیل میں ہم شہر نیویارک (امریکہ) کے اخبار ٹروتھ سیکر مورخہ ۲۳۔ اگست ۱۹۱۳ء میں سے ایک صاحب مارشل جے گاون کے مضمون کا اقتباس نقل کرتے ہیں جو ہماری تحقیقات کے ساتھ ایسی کلّی مطابقت رکھتا ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں یہ گمان گذرتا ہے کہ یہ کسی احمدی کی تحریر ہے وہ لکھتا ہے:-

"مسیحیت کا کونے کا پتھر مسیح کے جی اُٹھنے کا مسئلہ ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ مسیح مردوں سے جی نہیں اُٹھا تو مسیحیت خاک سے ملجاتی ہے۔ لیکن اس بات کے ثبوت میں کہ مسیح واقعی مرنے کے بعد پھر زندہ ہوگیا ذرہ بھی شہادت موجود نہیں۔ کیونکہ اسکے ثابت کرنے کے لیئے پہلے یہ امر ثابت کرنا ضروری ہے کہ واقعی وہ صلیب

مر چکا تھا۔ لیکن اُس کا صلیب پر مرنا ہرگز ثابت نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ وہ غشی کی حالت میں ہو گیا تھا۔ اور اُس کو ایک ہوادار قبر میں زندہ مگر بے ہوشی کی حالت میں داخل کیا گیا۔ اگر وہ درحقیقت قبر میں داخل کیا جانے کے بعد اپنے شاگردوں سے ملا تو اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس سے پہلے مر چکا تھا بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مرا ہی نہیں تھا۔ اگر اس سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا تو پھر دنیا میں کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ فرض کرو کہ ایک شخص کو آج پھانسی دی گئی ہے اور کل وہ اپنے دوستوں کے ساتھ میل ملاپ کرتا ہوا دیکھا جاتا ہے تو وہ کونسا مسیحی ہے جو یہ یقین کرے گا کہ وہ شخص درحقیقت مر گیا تھا؟ جہاں تک انسانی عقل کام دے سکتی ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جس چیز میں جان موجود ہو اُس پر ابھی موت وارد نہیں ہوئی۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مسیح اُس جسم کے ساتھ جو گوشت و پوست سے بنا ہوا تھا اور جس پر میخوں کے نشان موجود تھے پھر جی اُٹھا اور جی اُٹھنے کے بعد اُس نے شہد بھی کھایا اور مچھلی بھی کھائی اور ہمیں بتلایا جاتا ہے کہ اس جسم کے ساتھ جو مادّی اور انسانی جسم تھا مسیح آسمان پر چڑھ گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ آسمان کس جگہ پر واقع ہے جس کی طرف مسیح کا صعود ہوا۔ سب سے قریب ستارہ الفا سنٹوری زمین سے ۲ نیلم میل کے فاصلہ پر واقع ہے کیا مسیح ایک انسانی جسم کے ساتھ اتنی دُور چلا گیا۔ ستاروں کے درمیان جو جگہ واقع ہے وہ ایسی سخت سرد ہے کہ اُس کے مقابل میں یخ آگ کے شعلوں سے بھی زیادہ گرم ہے۔ ایسی قاتل سردی میں مسیح کس طرح اپنے تئیں گرم رکھ سکتا اگر صلیب کے ذریعہ وہ موت تک پہنچ سکتا تھا تو کیا ایسی سردی میں وہ منجمد نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر سوال یہ ہے کہ اس لمبے سفر میں اُس نے خوراک کس طرح مہیا کی؟ اور آخر اپنے انسانی جسم کو کیا کیا؟ کیا کسی نے اسکو آسمان پر چڑھتے ہوئے دیکھا بھی تھا؟ اس قسم کی چڑھائی کے لئے ضروری تھا کہ کم از کم اُس کی کوئی شہادت موجود ہوتی۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ آیا کوئی شہادت موجود ہے۔ متی نے تو مسیح کے آسمان پر چڑھنے کا ذکر ہی نہیں کیا۔ اسی طرح یوحنا نے بھی اس واقعہ کا کوئی حال بیان نہیں کیا۔ مرقس کی وہ

؎ ۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ میل

ورس جس میں آسمان پر چڑھنے کا ذکر ہے اسکی نسبت یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ جعلی ہے۔ لوقا صرف ایک ورس میں اس کا ذکر کرتا ہے مگر وہ رویت کا گواہ نہیں ہے۔ اس واقعہ کی نسبت کسی ایسے آدمی نے جو اُسوقت موجود تھا۔ ایک لفظ بھی اپنے مُنہ سے نہیں نکالا۔ مسیحیت ایک ایسی عمارت ہے جسکی بنیاد سُنی سنائی اور فرضی باتوں اور دھوکہ پر ہے۔"

یہودیوں میں جو قربانیوں کا رواج تھا اُس کا ذکر کرنے کے بعد صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

"ابتدائی صدیوں کے مسیحیوں میں قربانی کے مسئلہ نے ایک نیا رنگ اختیار کیا مسیح ایک ایسا برّہ ٹھہرا جو قربان کیا گیا۔ اُس کا خون تمام بنی آدم کے لئے کفارہ ہوگیا۔ اسلیئے اب زیادہ خون بہانے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ خدا (باپ) کی غرض پوری ہوچکی ہے۔ اُس نے بے گناہ مسیح کی موت کو گناہ گار دنیا کے گناہوں کے بدلے میں قبول کرلیا ہے۔ مسیح کی موت کے بعد جو بے گناہ تھا خدا نے نہایت ہی کمینہ گناہ گار پر مہربانی کے ساتھ نظر کی۔ ایک دنیا جو ہلاکت کی سزاوار تھی بچ گئی کیونکہ ایسا شخص جو کسی سزا کا سزاوار نہ تھا قتل کیا گیا۔ یہ ہے مسیحیوں کا مسئلہ کفارہ کیا یہ کفارہ انصاف پر مبنی ہے۔ اور کیا یہ درست ہے؟ کیا وجہ ہے کہ خدا نیکوں کو سزا دے اور بدوں کو انعام۔ مسیحی بزرگ اسکی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ضروری تھا کہ خدا کا انصاف پورا ہو۔ مگر سوال یہ ہے کہ بے گناہ کی موت خدا کے انصاف کو کسطرح پورا کرسکتی ہے۔ اگر یہ ضروری تھا کہ دنیا کو سزا دیجائے تو انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ جو سزا کا مستحق ہے اُسکو سزا دیجاوے۔ یہ کیسا انصاف ہے کہ مجرم کو چھوڑ دیا جاوے اور اُسکے بدلے میں ایک بے گناہ کو سزا دیجاوے۔ ایک بے گناہ انسان کو دوسروں کے گناہوں کی سزا میں قتل کرنا سخت بے انصافی ہے۔ خدا کا انصاف بے انصافی کے ذریعہ کسطرح پورا ہوسکتا تھا۔ اور انصاف اور بے انصافی میں تطبیق کرنے کے لیئے اور بھی زیادہ بے انصافی کرنیکی کیوں ضرورت پیش آئی؟"

"اگر مسیح کے قاتل صلیب دینے سے پہلے مجرم تھے تو کیا جب تک وہ اور جرم نہ کر لیتے خدا اُنکو معاف نہ کر سکتا تھا۔ کیا خدا اُسی وقت گناہ معاف کرنیکے قابل ہو سکتا تھا جب کہ ایک اور جرم کا ارتکاب کیا جاتا۔ یعنی یہودی مسیح کے قتل کے مرتکب ہوتے۔ کیا جرموں کی معافی کے لیئے جُرم کا ارتکاب لازمی تھا۔ کیا جبتک یہودی مسیح کے قتل کے جرم کا ارتکاب نہ کر لیتے دنیا کے گناہ معاف نہ ہو سکتے تھے؟ ایسے عقیدہ کو کس طرح انصاف پر مبنی کہا جا سکتا ہے جسکے رو سے بے گناہوں کو سزا ملے اور مجرموں کو انعام۔ مسٹر جونز ایک انسان کو قتل کرتا ہے۔ اور قانون اُسکو بری کرتا ہے۔ اور جونز کے جرم کے بدلے میں حکام مسٹر سمتھ کو پھانسی پر چڑھاتے ہیں۔ کیا یہ انصاف ہے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ مسیحیت کے رُو سے خدا نے مسیح سے قربانی طلب کی۔ اور یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح خدا تھا۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ قربانی بھی خدا کے ہی آگے کی گئی۔ پس کفّارہ کے مسئلہ کے رو سے خدا نے اپنے انصاف کو پورا کرنیکے لیئے اپنے ہی آگے اپنی ہی قربانی کی۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی غیر معقول بات وہم میں آسکتی ہے۔ اور یہ سب کچھ دنیا کو ایک ایسے دوزخ کی آگ سے بچانیکے لیئے کیا گیا جو خود خدا نے ہی بنایا تھا۔ اب غور کرو۔ کیا یہ عقیدہ رکھنا کوئی عقلمندی ہے کہ خدا نے خود ہی پہلے دوزخ بنایا اور پھر دنیا کو اُس سے نجات دینے کے لیئے اپنے آپ پر موت وارد کر لی۔ کیا ایسا غیر معقول فعل خدا کی طرف منسوب ہو سکتا ہے؟ اور پھر اس پر طرفہ یہ کہ اسقدر کارروائی کے بعد بھی دنیا نے نجات حاصل نہیں کی۔ صرف وہی لوگ نجات پا سکتے ہیں جو اس قسم کے کفّارہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو لوگ اس عقیدہ کو انسانی عقل و فطرت کے مخالف پا کر ترک کر دیتے ہیں اُنکے لیئے ایک ایسا عذاب تجویز کیا گیا ہے جو ابدالآباد تک رہے گا اور کبھی بھی اُس کا خاتمہ نہ ہوگا کیا اپنی فطرت کے مطابق ایمان رکھنا اور خلاف فطرت باتوں کو ترک کرنا بھی کوئی جرم ہے"

"صدہا سال تک مذہب کی وجہ سے دنیا کو طرح طرح کے خوفناک عذابوں میں ڈالا گیا۔

اور مذہب کی خاطر دیوانہ وار جنگ وجدال کا بازار گرم رکھا گیا۔ غور کرو۔ لاکھوں آدمیوں کے گھر تباہ کیئے گئے اور لاکھوں چہرے خون کے آنسوؤں سے آلودہ کیئے گئے غرض مسیحیت نے زمین پر ہی دنیا کو جہنّم کا مزہ چکھا دیا مگر وہ اس زمین کو جہنّم بنا کر بھی ابھی خوش نہیں ہوئی اور وہ پیشگوئی کرتی ہے کہ آنیوالے عالم میں بھی دنیا کے لیئے ایک غیر منقطع عذاب انتظار کر رہا ہے" (اسلیئے کہ دنیا نے مسیح کے کفّارہ کو خلاف فطرت اور خلاف عقل پاکر اسپر ایمان لانے سے انکار کیا ہے۔ ایڈیٹر)

"مسیحیت میں کچھ خرابی ضرور ہے اور وہ خرابی صرف یہی ہے کہ یہ سچّا مذہب نہیں۔ اسکا تثلیث فی التوحید کا عقیدہ نادان ملّاؤں کی ایجاد ہے۔ اسکے اصول خدا سے اُسکی خدائی صفات چھین کر اُسکو ایک بے رحم ظالم کے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ اسکے عقاید مشرقی قصّے ہیں جو یہودی قوم کے وجود میں آنے سے پہلے ہی ایک پُرانی چادر کی طرح بیکار ہو چکے تھے۔ اس کا مسئلہ کفارہ لغویت، اور بے انصافی کا نچوڑ ہے۔ مسیح کا جی اُٹھنا اور آسمانوں پر چڑھ جانا۔ اس قسم کے افسانے پہلے ہی مشرقی قوموں میں عام طور پر مروّج اور مشہور تھے۔ آخرت میں غیر منقطع عذاب کا عقیدہ بچارے حد سے زیادہ جوشیلے مسیحیوں کا ایک خواب ہے۔ اگر مسیح اس دنیا میں گذرا ہے تو وہ صرف ایک بشر تھا۔ اگر وہ بشر نہ تھا تو پھر مسیح ایک خیالی وجود کا نام ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ موجودہ مسیحی مذہب جھگڑالو مُلّاؤں کے دماغوں سے پیدا ہُوا۔ اور اسکا غلبہ دنیا کے لیئے ایک مصیبت ثابت ہُوا۔ اگر اب دنیا دانائی اور رحمدلی اور اخلاق میں ترقی کر رہی ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ مسیحیت اسکے دماغ سے مٹ رہی ہے"

جو شخص مسٹر گاڈون صاحب کی مندرجہ بالا تحریر کو انصاف کی نظر سے دیکھے گا وہ ضرور یہ اقرار کریگا کہ صاحب موصوف نے مسیح کے صلیب سے زندہ بچنے اور مسئلہ کفّارہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ایسا معقول ہے کہ کسی مسیحی میں یہ طاقت نہیں کہ اسکی تردید کر سکے۔ اس نے صلیب کے واقعہ اور مسئلہ کفّارہ کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ ہو بہو وہی ہے جسکی سلسلہ احمدیہ خدا کے مسیحؑ کی بتائی ہوئی راہ پر قدم مار کر تبلیغ کر رہا ہے۔ نیک دل لوگ اس تعلیم کو خوشی کے ساتھ لبّیک کہہ رہے ہیں اور صحیح الفطرت انسان اسکو خندہ پیشانی

کے ساتھ قبول کر رہے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ کے فرشتے دُور دراز ملکوں میں سعید روحوں کے اندر تحریک کر رہے اور اُن کو سلسلہ احمدیہ کی تعلیم کے قبول کرنے کے لئے مستعد کر رہے ہیں اب وقت آگیا ہے کہ حق ظاہر ہو اور باطل کا بطلان دنیا پر کھل جائے۔ پادری صاحبان ہزار کوشش کریں اب روئے زمین پر حق کی طرف ایک ایسی رَو چلنی شروع ہوگئی ہے کہ کوئی انسانی کوشش اُسکو روک نہیں سکتی۔ پادری صاحبان تو گھر سے نکلکر بیرونی دنیا کو مسیحیت کی طرف لانے کے لئے طرح طرح کے حیلے اور رنگ برنگ کی کوششیں کر رہے ہیں مگر ان بچاروں کو خبر نہیں کہ گھر میں مسیحیت کا کیا حال ہو رہا ہے۔ کس طرح خود مسیحی دنیا اب مسیحیت سے متنفر ہو رہی ہے اور عقلمند لوگ کس طرح کے زبردست حملے مسیحیت پر کر رہے ہیں جنکے آگے ہرگز مسیحیت ٹھہر نہیں سکتی۔ اب پادری صاحبان کو چاہیئے کہ غیر ملکوں کی فکر چھوڑ کر اپنے گھر کی خبر لیں کہ خود اُنکے گھر میں آگ لگ گئی ہے پہلے اپنے گھر کو بچائیں پھر غیروں کو نجات کی طرف بلائیں۔ کیا جن مسیحی ممالک میں مسٹر گاون جیسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں وہاں مسیحیت کو مدت تک بقا حاصل رہ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ سچائی کے حملے بہت زبردست ہوتے ہیں۔ اور حق کا ایک ہی دھکا باطل کو بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دیتا ہے۔ سچائی ایک آن میں سعید فطرتوں پر ایک برقی اثر پیدا کرتی ہے اور باطل کی سالہا سال کی ظلمت کو ایک لمحہ میں دُور کر دیتی ہے۔ ہم خدا کے فضل سے اُمید کرتے ہیں کہ جو لوگ محض حق پسندی کی خاطر اپنے آبائی مذہب سے سخت متنفر ہو رہے ہیں۔ جب یہ لوگ اسلام کی سچائی سے آگاہ ہونگے تو پیاسوں کی طرح اسکی طرف دوڑیں گے اور ایسے شوق اور ایسی محبت کے ساتھ اسکو گلے لگائیں گے جس طرح ایک انسان ایک ایسے عزیز کو گلے لگاتا ہے جو سالہا سال سے مفقود الخبر ہو یہاں تک کہ اُس کی زندگی سے بھی لوگ مایوس ہو چکے ہوں اور آخر وہ اچانک اپنے گھر میں آموجود ہو ؎

مسیحی کلیسیا کی راہ میں مشکلات

مرقومہ جے۔ پارکنسن

(شہر بلفاسٹ۔ ملک آئرلینڈ)

بعض لوگ یہ سُنکر تعجب کرینگے کہ ہیں! مسیحی کلیسیا اور مشکلات؟ مسیحی کلیسیا تو ایک ایسے منجی کی پیروی کا دعویٰ کرتی ہے جو خدا اور خدا کا بیٹا تھا اور اس کا سارا دارومدار الہام الٰہی پر ہے۔ پھر وہ کونسے مشکلات ہیں جن کا مسیحی کلیسیا کو سامنا کرنا پڑا ہے۔ یہ تو بالکل ناممکن ہے۔ مسیح کلیسیا میں تو روح القدس کام کررہا ہے اور خدا کا فضل اسکے ساتھ ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ اسکی راہ میں کوئی ایسے مشکلات واقع ہوں جن کا دور کرنا اسکے لیئے مشکل ہو؟

مگر خواہ کچھ ہی ہو۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ مسیحی کلیسیا کی راہ میں ایسے سخت مشکلات آگئے ہیں جن سے خود کلیسیا کی زندگی معرض خطر میں ہوگئی ہے۔ مسیحیت کے لیئے یہ زمانہ ایک نہایت ہی نازک زمانہ ہے اور یہ مشکلات آج ہی پیدا نہیں ہوئے بلکہ انکا آغاز ایک مدت پہلے ہو چکا تھا۔ یہ مشکلات رفتار زمانہ کے سبب پیدا ہوگئے ہیں۔ انسان ترقی کررہا ہے اور علم و ہنر عروج پر ہے۔ تعلیم پھیل رہی ہے۔ روشنی بڑھتی جاتی ہے۔ لوگوں کی عقل اور فطرت جاگ اٹھی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ مسیحیت مشکلات میں پڑ گئی ہے اور یہ مشکلات اب ایک ایسے نکتہ تک پہنچ گئے ہیں کہ مسیحیت اب زیادہ دیر تک انکو نظر انداز نہیں کرسکتی۔

اب لوگ تعلیم کی اُس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ مسیحی کلیسیا کے مسائل انکی نظروں میں قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کرسکتے۔ اور اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ لوگوں نے مسیحیت کے عقائد سے روگردانی اختیار کرلی ہے اور انکے دلوں میں ان عقائد کی نسبت نفرت اور حقارت پیدا ہوگئی ہے۔ اور جب ان لوگوں کے سامنے مسیحی اصول کا ذکر ہوتا ہے تو وہ

انپر ہنسی اُڑاتے ہیں۔ اگر ایک شخص اپنے باپ کے مذہب پر اور اُس مذہب پر جسپر خود پہلے کاربند رہ چکا ہے ہنسی اُڑائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اب وہ اُس کو ہمیشہ کے لیئے خیرباد کہہ چکا ہے۔

گرجاؤں کے پادریوں کا اب قوم پر کوئی اثر نہیں۔ اور نو اور۔ خود گرجاؤں میں جانیوالے لوگوں پر بھی اُن کا کوئی اثر نہیں۔ لوگ اپنے روحانی رہنماؤں کی بات کو بھی بغیر ردّ وکد کے قبول کرنے کے لیئے تیار نہیں ہیں۔ جب پادری لوگ گرجا کی پلیٹ فارم پر کھڑے ہوکر موروثی گناہ۔ کفّارہ۔ خدا کے تجسّم۔ اور مسیح کے مردوں سے جی اُٹھنے کا ذکر کرتے ہیں۔ تو لوگ ان باتوں کو سُنکر مسکراتے ہیں۔ آجکل کوئی ثقہ آدمی یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ انسان کی نجات کے سلسلہ میں مسیح کے خون کو بھی کچھ دخل ہے۔ یہ خیال کہ خدا کا بیٹا مصلوب ہُوا۔ اب مدرسوں کے طلباء بھی اسے بچّوں کا کھیل سمجھتے ہیں۔

تعلیم کا ایک نتیجہ یہ ہُوا ہے کہ عام لوگ بھی اس امر سے آگاہ ہو گئے ہیں کہ گذشتہ زمانہ میں مسیحی کلیسیا ہمیشہ کُبرا یعنی بڑے لوگوں کی طرفدار رہی ہے اور اُس نے ہمیشہ ترقی کی مخالفت کی ہے۔ کبھی اُس نے عام لوگوں کا ساتھ نہیں دیا اور نہ کبھی ترقی اور علم اور تہذیب کی حمایت کی ہے جو باتیں اخلاقی اور تمدنی طور پر عام لوگوں کی بہبودی اور آزادی کی ممد ہیں اُن کی کلیسیا ہمیشہ دشمن رہی ہے۔ اُس نے نہ صرف جہالت اور وہم پرستی کو بڑھایا بلکہ اسکا گذارہ ہی جاہل اور وہم پرست لوگوں کی فیاضی پر رہا ہے دوسرے لوگ محنت کرتے تھے۔ گرجا کے مقدّس لوگ بے کار رہ کر اپنا وقت ضائع کرتے۔ دوسرے لوگ بھوکے رہتے اور یہ لوگ گلچھرے اُڑاتے۔ اپنے عروج اور طاقت کے دنوں میں کلیسیا۔ لوگوں کی کانشنس کو زنجیروں میں جکڑتی اور انسانی آزادی کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالتی۔ لیکن آخر انسانی عقل کلیسیا پر غالب آگئی۔ کلیسیا لوگوں کے خیالات کو قتل کرنے میں ناکام رہی۔ اُس نے ترقی میں التوا تو ڈالدیا مگر اُس کو روک نہ سکی۔ خیالات کبھی مر نہیں سکتے۔ اگرچہ آبادی بڑھ رہی ہے مگر گرجاؤں کے ممبروں کی تعداد روز بروز کم ہو رہی ہے۔ اور ان ممبروں میں سے جو لوگ گرجوں میں ساتویں دن حاضر ہوتے ہیں اُن کی تعداد اور بھی کم ہوتی ہے۔ لوگ گرجاؤں کی کرسیوں کو اب تک

کر رہے ہیں۔

اب ایک سوال کلیسیا کے سامنے یہ ہے کہ کس طرح موجودہ ممبروں کی تعداد کو قائم رکھا جاوے اور اگر ممکن ہو تو اس تعداد کے بڑھانے کی کوشش کیجاوے اور نیز کیا تجویز کیجاوے کہ ممبر صرف برائے نام ممبر نہ ہوں بلکہ گرجا میں حاضر بھی ہوا کریں۔ جو لوگ چھوٹے قصبوں اور دیہات میں رہتے ہیں وہ کھیتوں اور وادیوں کو گرجا پر ترجیح دیتے ہیں اور جو لوگ شہروں اور بڑے بڑے قصبوں میں بود و باش رکھتے ہیں انکو باغوں میں ٹہلنا اور تازہ ہوا کھانا زیادہ پسند آتا ہے بہ نسبت اسکے کہ گرجاؤں میں اکٹھے ہوکر پادریوں کے وعظوں کو سنیں جنکے عقائد پر اب انکو ایمان نہیں رہا۔ پبلک کو گھروں سے گرجا کی طرف کھینچنے کے لیئے قسم قسم کے حیلے برتے جاتے ہیں۔ مثلاً باجا بجانا تھیٹر پر خوشی کے سامان مہیا کرنا۔ گیت گانا وغیرہ مگر یہ سب تدبیریں بالکل بے فائدہ ثابت ہوئی ہیں۔ باوجود ان تمام تدبیروں کے گرجاؤں میں کرسیاں خالی پڑی رہتی ہیں اور ممبروں کی تعداد گھٹتی جاتی ہے۔ اور جو لوگ گرجاؤں میں جاتے بھی ہیں وہ بھی زیادہ تر اس وجہ سے جاتے ہیں کہ گرجاؤں میں جانا بھی ایک حد تک فیشن میں داخل ہے۔ گرجے کی حاضری اب مذہبی فرض نہیں سمجھا جاتا بلکہ ایک رواج کی بات رہ گئی ہے۔

بائیبل بھی اب اپنی الہامی حیثیت کھو چکی ہے۔ اب گرجاؤں کے پادریوں کی نظر سے بھی یہ کتاب گر چکی ہے پہلے اسکی نسبت یہ عقیدہ رکھا جاتا تھا کہ یہ ایک محفوظ کتاب ہے جو تمام غلطیوں سے پاک ہے لیکن اب یہ عقیدہ متروک ہو چکا ہے۔ یہ کتاب اختلافات اور اغلاط سے پر ہے اور نہ صرف علمی غلطیاں اس میں جابجا پائی جاتی ہیں بلکہ تاریخی غلطیاں بھی اس میں بے شمار ہیں۔ وہ مختلف گمنام مصنفوں کی تحریروں کا ایک مجموعہ ہے۔ پہلے یہ جائز نہیں سمجھا جاتا تھا کہ اسپر کوئی نکتہ چینی کیجائے مگر اب اسپر کھلے دل سے نکتہ چینی کی جاتی ہے اور محققین نے اب اسکو نکتہ چینی کی مقراض کے ساتھ ٹکڑی ٹکڑے کر دیا ہے۔ اب کلیسیا کی شوکت جاتی رہی ہے۔ بے شک اب بھی کلیسیا موجود ہے مگر اب یہ صرف لنگڑے کی لکڑی کے سہارے چل رہی ہے۔ اب بائیبل

کی زیادہ سے زیادہ یہ حیثیت باقی رہ گئی ہے کہ یہ ایک قوم کی تاریخ کا محض ایک خاکہ ہے اور وہ خاکہ بھی صحیح نہیں بلکہ اُس میں کئی غلطیاں ہیں۔ بائیبل کی پہلی پانچ کتابیں جو موسیٰؑ کی کتابیں کہلاتی ہیں۔ اب اُنکو موسیٰؑ کی تالیف نہیں سمجھا جاتا بلکہ اُنکی نسبت یہ فیصلہ ہوچکا ہے کہ یہ بہت سے ہاتھوں اور بہت سے مختلف خیالات کا نتیجہ ہیں۔ پہلی پانچ کتابوں کے دو بڑے سرچشمے ہیں ایک کو ایلوہسٹک کہتے ہیں اور دوسرے کو یہوسٹک اور محققین نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ بائیبل کا ایک بڑا حصہ بابل کے بادشاہ ہمارابی کے قانون سے اخذ کیا گیا ہے جو عبرانیوں کی کتابوں کی تالیف سے ایک ہزار سال پہلے گذرا ہے۔

یسعیاہ جو پُرانی تحریروں میں سے سب سے زیادہ دلچسپ ہے غالباً چار مختلف انسانوں کے اقوال اور تحریروں کا بقیہ ہے۔

نیا عہدنامہ۔ علمی تحقیقات کا ایک عرصہ تک مقابلہ کرتا رہا۔ مسیحی محققین نے سب سے اوّل پُرانے عہدنامہ کی تحقیقات شروع کی۔ اور اُسکی حقیقت کو فاش کرنا شروع کیا۔ مگر چونکہ نئے عہدنامہ کو پُرانے عہدنامہ کی نسبت زیادہ مقدّس سمجھا جاتا تھا اسلئے کچھ مدت تک تو محققین اسکے قریب آنے سے ڈرتے رہے۔ مگر جوں جوں تعلیم بڑھتی گئی نئے عہدنامہ کی تقدیس کا خیال لوگوں کے دلوں سے نکلنا شروع ہوگیا۔ اور پھر آخر نئے عہدنامہ کے چیرنے پھاڑنے کے لئے بھی اسی طرح تحقیق کے چاقو سے کام لیا گیا جس طرح کہ پُرانے عہدنامہ کی تشریح میں اُس سے کام لیا گیا تھا۔ اور اس تحقیق کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مسیحی مذہب کی بنیاد بالکل کھوکھلی کردی گئی ہے اور مسیحیت کی ساری عمارت اب گر کر کھنڈر بن رہی ہے۔ اب یہ دعویٰ بالکل باطل ثابت ہوگیا ہے کہ مسیحی مذہب کسی تاریخی بنیاد پر کھڑا ہے۔ اور اُسکے عقائد اب افسانوں کی فہرست میں داخل کیئے گئے ہیں۔ وان مینن جے۔ ایم رابرٹسن پروفیسر سمتھ۔ پروفیسر ڈریوز وغیرہم نے مسیحی مذہب کو مشرق و مغرب کی متھالوجی کے ساتھ برابر کرکے دکھا دیا ہے۔

مسیحیت کو ترازو میں تولا گیا ہے اور وہ ناقص ثابت ہوئی ہے۔ جو معجزات

مسیحیت نے مسیح کی طرف منسوب کیئے ہیں وہ محض قصے کہانیاں ہیں اور اس قسم کے قصے مشرق کے سورج دیوتاؤں کی نسبت بہت بیان کیئے جاتے تھے۔ مسیحیت کے وجود سے پہلے ہی یہ قصے ایشیا اور یورپ کے مذہبی سلسلوں میں مروّج تھے۔

مسیحیت نے اُن مذاہب کے اعتقادات اور اصول کو جو اُس کے پیدا ہونے کیوقت موجود تھے مٹایا نہیں بلکہ اپنے اندر جذب کرلیا ہے۔ اور انکی اخلاقی تعلیم اُن کے افسانوں اور اُنکے رسوم مذہبی کو اپنے اندر شامل کرلیا ہے اور یہ اُن مذاہب کی ایک معجون مرکب ہے جو اُس کی پیدائش کے وقت موجود تھے۔

یورپ میں روشنی اور علم و ہنر کا زمانہ جب کہ پراٹسنٹ مذہب کی بنیاد ڈالی گئی اور پوپ کی طاقت کمزور ہوگئی مسیحیت کی بدولت شروع نہیں ہوا بلکہ اسکی وجہ بیرونی تہذیب کے اثر تھے اور ان اثروں میں سب سے بڑا اثر اسلام کا تھا جسکی تہذیب اُسوقت دنیا میں اوّل درجہ کی تہذیب تھی۔ ان دونوں مذہبوں کی مخالفت نے انکے پیروؤں کو صلیبی جنگوں کی تقریب پر ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کا موقعہ دیا۔ اور اُسوقت مسیحیوں نے بچشم خود مشاہدہ کیا کہ اسلام کی تہذیب۔ اسلام کی مذہبی آزادی اور اسلام کی تمدنی۔ اور ملکی حالت مسیحیت سے بڑھی ہوئی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ ملنے سے مسیحیوں کے خیالات میں ایک وسعت پیدا ہوگئی اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ نے پوپ کے تحکّم سے آزادی حاصل کرلی اور پراٹسٹنٹ مذہب کی بنیاد پڑی۔ اور یورپ ملکی اور مذہبی معاملات میں پہلے کی نسبت زیادہ آزاد ہوگیا۔ اور یورپ کی پراٹسٹنٹ اقوام اُن راہوں کی طرف متوجہ ہوئیں جو ترقی اور عروج کی راہیں ہیں۔

پراٹسٹنٹ مذہب میں بائیبل کے مطالعہ کے لیئے زیادہ آزادی حاصل ہوگئی اور ہر ایک شخص کو یہ حق حاصل ہوگیا کہ وہ اپنی سمجھ کے مطابق بائیبل کی عبارتوں کا ترجمہ کرے۔ اسلیئے اب تحقیق کی راہ کھل گئی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک نسل پہلی نسل سے زیادہ آزاد خیال اور حق پسند ہوگئی اور جس قسم کی مسیحیت پر

ہمارے آباؤ اجداد کاربند تھے یا تو وہ بالکل بدل گئی یا اُس کی ایسی بیخکنی کی گئی کہ اب وہ گرنے کو تیار ہے۔ اس کارروائی کو بعض مسیحی الہامی تکمیل کے نام سے تعبیر کرتے ہیں یعنی ہر زمانہ میں جو مسیحی مذہب میں تغیرات واقع ہو رہے ہیں اور عقائد و اصول نیا رنگ اختیار کر رہے ہیں یہ سب کچھ الٰہی رہنمائی کے ذریعہ ہو رہا ہے اور مذہب کے عقائد زمانہ کے نئے حالات کے مطابق بدل رہے ہیں۔

آجکل مسیحی مذہب کی حالت ایسی ہو رہی ہے کہ اب مسیحیت کی تعریف محال ہو گئی ہے یعنی عقائد اور اصول میں اس قدر اختلاف ہو گیا ہے کہ اب یہ کہنا مشکل ہو گیا ہے کہ مسیحیت کس چیز کا نام ہے کیونکہ کوئی ایسا اصول نہیں جو مسیحیت کے تمام فرقوں میں مشترک سمجھا جا سکے۔ پراٹسٹنٹ مذہب ہی کو لو اس میں سینکڑوں نئے نئے فرقے قائم ہو گئے ہیں۔ اور سینکڑوں مختلف قسم کے عقائد اور اصول اختیار کیے گئے ہیں۔ ایک مکتی فوج اور پلے منتھ برادران کا فرقہ ہے جو اب بھی بائیبل کو لفظ بلفظ خدا کا کلام کہتے ہیں اور اسکو ہر ایک قسم کے نقص۔ عیب اور غلطی سے پاک یقین کرتے ہیں موروثی گناہ۔ خدا کے تجسم۔ مسیح کے مردوں سے جی اٹھنے اور نجات فضل سے ہے وغیرہ عقائد پر ایمان رکھتے ہیں دوسرے یونی ٹے ری ان فرقہ کے مسیحی ہیں جو مسیح کو صرف ایک انسان سمجھتے ہیں جو اخلاقی تعلیم دینے والا۔ اور ایک مذہب کا بانی اور بنی آدم کے لیئے ایک نمونہ تھا۔

مسیحیت کی جو حالت اوپر بیان کی گئی ہے مغربی ممالک میں اس کا عام طور پر لوگوں کو علم ہو چکا ہے اور مغربی دنیا مسیحیت کی اس ناقابل اطمینان حالت سے بخوبی آگاہ ہے اور اب دقت ہے کہ مشرق میں بھی یہ حالات عام طور پر معلوم ہوں یورپ و امریکہ میں تو اب مسیحیت کو شکست مل رہی ہے اسلیئے مسیحی مشنری اس بات کی کوشش میں ہیں کہ ایشیا و افریقہ میں مسیحیت کو پھیلائیں تاکہ جو کمی مسیحی ممالک میں واقع ہو رہی ہے۔ غیر ممالک میں اُسکی تلافی ہو جاوے۔ جب ایشیا اور افریقہ کے باشندوں کو اس امر کا علم ہو جائیگا کہ مسیحیت کو خود مسیحی قومیں ترک کر رہی ہیں

اور اُس میں اب یہ طاقت نہیں کہ لوگوں کی رہبری کرے اور اُنپر اپنا اثر قائم رکھے اور یہ کہ جو جو حملے مغربی ممالک میں مسیحیت پر کیئے جا رہے ہیں مسیحیت انکا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے تو اسوقت مشرقی ممالک میں بھی مسیحیت کو ناکامی حاصل ہوگی۔ جب ایشیا اور افریقہ کے لوگ یہ معلوم کرینگے کہ جن عقائد اور اصول کی طرف مسیحی مشنری اُنکو بلاتے ہیں خود مسیحی لوگ اُن عقائد سے بیزار ہو رہے ہیں اور یہ کہ علمی نکتہ چینی نے مسیحی صاحبان کو مشکلات میں ڈال رکھا ہے تو پھر مسیحی مشنوں کا تمام کارخانہ درہم برہم ہو جائیگا۔ اور کوئی سمجھدار آدمی ایسے سلسلہ میں داخل ہونا پسند نہیں کریگا جسکے اصول کو اہل علم رد کر رہے ہیں۔

سچائی کی صبح کا ستارہ اب مشرقی مطلع پر نمودار ہو گیا ہے اور ایک نئے زمانہ کی پو پھٹ رہی ہے۔ وہم پرستی اور ضلالت مٹ رہی ہیں۔ رات اور ظلمت کے ساتھ انکا بھی خاتمہ ہو رہا ہے۔ ہر ایک دس سال کے عرصہ کے بعد ایک نیا پہلو اختیار کیا جا رہا ہے۔ آج کی مسیحیت وہ مسیحیت نہیں رہی جو آج سے ایک سو سال پہلے تھی۔ جیسا کہ اٹھارویں صدی کی مسیحیت وہ مسیحیت نہیں تھی جو زمانہ وسطی میں تھی۔ لیکن اگرچہ کلیسیا نے کسی قدر آگے قدم بڑھایا ہے مگر تاہم وہ باقی دنیا سے ابھی کئی سو سال پیچھے ہے۔ اسلیئے ہر ایک سال لوگ اسکا ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں اور سمجھدار آدمی یکے بعد دیگرے اسکے جھنڈے سے الگ ہو کر صفِ اوّل میں شامل ہو رہے ہیں۔ مسیحی کلیسیا کی راہ میں یہ ایسی مشکلات ہیں جنکا حل کرنا اُسکے لیئے محال ہے۔ ضروری ہے کہ حق کی فتح ہو اور باطل شکست کھا کر بھاگ جائے۔ خدا کی چکی آہستہ آہستہ پیستی ہے مگر پیستی ضرور ہے ؂

اسلام محمد خلیل الرحمٰن صاحب احمدی بنارس کا لیکچر جو انہوں نے بمقام کراکت دیا تھا۔ مولوی عبدالعزیز صاحب احمدی محلہ انصاریاں۔ سہارنپور نے چھپوا کر شائع کیا ہے۔ جسمیں اسلام کی تعلیم کو عقلی و نقلی دلائل سے پایۂ ثبوت کو پہنچایا گیا ہے کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو فطرت کے عین مطابق ہے۔ احباب تقسیم کرنیکے لیئے صرف محصولڈاک بھیجکر حسب ضرورت نسخے مولوی صاحب موصوف سے منگوالیں۔ یہ رسالہ ۱ر کو میاں محمد یٰسین تاجر کتب قادیان سے بھی مل سکتا ہے ؂

اسلام کی خصوصیّات

[ترجمہ مضمون خواجہ کمال الدین صاحب جو انہوں نے ۱۹۔ جولائی ۱۹۱۳ء کو چھٹی مذہبی کانگریس کے سامنے بمقام پیرس پڑھکر سنایا۔]

ایسے زمانہ میں جب یوُرپ جہالت اور ظلمت کے غلاف میں لپٹا ہوا تھا اسلام نے مغرب میں نور کی شعل کو روشن کیا۔ اور جن چند اسباب سے رفتہ رفتہ یوُرپ کی موجودہ ترقی اور تہذیب پیدا ہوئی اُن میں سے ایک سبب بلاریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع بھی تھے۔ اگر اور سب باتوں کو نظر انداز بھی کر دیا جائے پھر بھی آپ لوگوں پر اسلام اور اہل اسلام کا یہی ایک احسان اس امر کے لیئے کافی وجہ ہے کہ آپ اسلام کے حق کو یاد رکھیں اور اُسکے ساتھ انصاف کا برتاؤ کریں۔ مگر یہ کیسے افسوس کی بات ہے کہ اگرچہ یورُپ میں علم کا اسقدر چرچا ہے اور اس قدر کتابیں۔ رسالے اور اخبار شائع ہوتے ہیں پھر بھی اُس غلط بیانی اور جہالت کے بادل کو دور کرنے کے لیئے کوئی مناسب کوشش نہیں کی جاتی جو مغرب میں نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کے متعلق چھایا ہوا ہے آپ لوگ اس امر کے لیئے تو بالکل تیار ہیں کہ بحر منجمد جنوبی کے بھیانک اور اُجاڑ میدانوں کی تلاش میں اور قطب جنوبی تک پہنچنے کی سعی میں سینکڑوں جانیں اور لاکھوں روپیہ قربان کر دیں۔ لیکن تمھیں اس روحانی سمندر کی تحقیقات کی طرف ذرا توجہ نہیں جسکا اثر نوع انسان کے ایک بڑے حصہ کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالت پر پڑ رہا ہے۔ تاہم یہ ایک خوشی کی بات اور ایک عمدہ شگون ہے کہ تمھاری کانگریس ایک ایسا مذہب تجویز کرنا چاہتی ہے جو کُل دنیا کے لیئے ایک ہی ہو اور اُسکی یہ بھی خواہش ہے۔ کہ دنیا کے مختلف مذاہب اور متفرق فرقوں کے پیروؤں کے درمیان نیک تعلقات ہوں۔ لیکن کیا مختلف مذاہب کے درمیان ایک اوسط راہ ڈھونڈنے اور مذہبی خیالات کے متضاد اجزاء میں یگانگت پیدا کرنے کے لیئے یہ ضروری نہیں کہ

کم از کم ایک ایسے مذہب کے متعلق صحیح حالات دریافت کیئے جائیں جو اسوقت ایک زندہ طاقت ہے اور لاکھوں ایسے انسانوں کے مہذب بنانے میں حصہ لے رہا ہے جو ابھی تک جہالت اور وحشت کی سطح پر کھڑے ہیں۔ یہ تمہاری بڑھتی ہوئی تہذیب کے بالکل منافی ہے کہ اسلام کے متعلق تمہاری واقفیت صرف فاسد ذرائع سے ہو اور ایسے واعظوں کے ذریعہ سے جو اسلام کے مخالف ہیں۔ اور اس بارہ میں ہماری شکایت یہ نہیں کہ اسلام کے بارہ میں غلط فہمی ہوئی ہے یا اُس کا غلط مطلب بیان کیا گیا ہے یا اُس کا غلط ترجمہ کیا گیا ہے بلکہ ہمیں جس بات کا دُکھ ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کے متعلق غلط بیانی کی گئی ہے اور عمداً غلط اطلاع دی گئی ہے۔ ایسی باتیں جو ہماری تعلیم اور ہمارے تمدن میں کوئی وجود نہیں رکھتیں اُنکو ہماری طرف منسوب کیا گیا ہے اور اسلام پر محض بے بنیاد الزام لگائے گئے ہیں۔ نہیں بلکہ وہ باتیں جن کو ہم اسلام کی خاص خوبیوں میں شمار کرتے ہیں اور جو سوائے اسلام کے اور کسی مذہب میں نہیں پائی جاتیں اُن سے اسلام کو خالی بیان کیا گیا ہے اور جن بدیوں کی بیخکنی کے لیئے اسلام آیا اور جن کو اُس نے جڑھ سے اکھیڑ کر دکھا بھی دیا وہی اسلام پر تھوپی جاتی ہیں۔ کیا آج اس آزاد خیال کانگریس میں موحدانہ خیالات کی طرف تمہاری تقریروں کا رُخ نہیں ہے۔ پس کیا تمہیں اُس مذہب کے دائمی احسان کا اقرار نہیں کرنا چاہیئے۔ جو نہایت ہی کھلے اور واضح الفاظ میں خدا کی توحید اور تمام انسانوں کی مساوات کا وعظ کرنے میں سب مذاہب میں یگانہ ہے۔

صاحبان! وقت کی کمی مجھے اجازت نہیں دیتی کہ میں اپنے مذہب کا ایک سرسری خاکہ بھی آپ صاحبان کے آگے پیش کروں مگر میں تمہاری مہربانی سے فائدہ اُٹھا کر چند ایسی باتیں بیان کرنے کی اجازت چاہتا ہوں جو میری نظر میں صرف اسلام میں پائی جاتی ہیں اور دوسرے مذاہب میں نہیں پائی جاتیں۔

اسلام دوسرے مذاہب کو کس نظر سے دیکھتا ہے

قرآن شریف کی پہلی ہی آیت مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتی ہے کہ تمہارے خیالات غیر مذاہب کے متعلق نہایت ہی فیاضانہ ہونے چاہیئے۔ قریباً تمام وہ مذاہب جو اسلام سے پہلے پیدا ہوئے اگرچہ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہماری بنا الہام الٰہی پر ہے مگر جو حیثیت قرآن شریف دوسرے مذاہب کو دیتا ہے انہوں نے یہ حیثیت غیر مذاہب کو نہیں دی۔ اُنکے رُو سے گویا دوسری قومیں ایسی ہیں جیسے ایک انسان کے سوتیلے بیٹے ہوتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ آسمانی باپ نے اُنکے پیدا ہونیکے بعد اُن سب کو بالکل فراموش کر دیا۔ اس تنگدلی کا یہ نتیجہ ہُوا کہ قوموں کے مابین نفرت اور حقارت پیدا ہوگئی اور خدا کی مخلوق کے مختلف رکنوں میں تفرقہ پڑ گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ لڑائیاں اور جنگ چھڑ گئے جن سے وہ تمام چیزیں جو انسانیت میں اعلیٰ اور ادنیٰ ہیں تباہ ہوگئیں۔ لیکن اسلام نے اس خیال کو جڑھ سے اُکھیڑ دیا۔ ... ...

... ... اسلام نے یہ تعلیم دی کہ ہر ایک قوم میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہادی آئے*۔ قرآن شریف میں دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کا آغاز الہام سے ہونا تسلیم کیا گیا اور جو غلطیاں اُن میں بعد میں داخل ہوگئیں اُن کو حسب ضرورت بیان کیا گیا۔ قرآن شریف کی سورہ فاتحہ ان الفاظ کے ساتھ شروع ہوتی ہے الحمد لِلّٰہ ربّ العٰلمین یعنی تمام حمد اور بڑائی اللہ کے لیئے ہے جو تمام جہان کا پیدا کرنے والا۔ قائم رکھنے والا اور پرورش کرنے والا ہے۔ کیا خدائے تعالیٰ کی جسمانی پرورش تمام انسانوں کے لیئے عام نہیں خواہ وہ کالے ہوں یا گورے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے روحانی انعامات کسی خاص قوم تک محدود رہے ہوں اور دوسری قومیں

---

* ولقد بعثنا فی کل اُمّة رسولًا ان اعبدوا اللّٰہ واجتنبوا الطاغوت (نحل - ۵)

انما انت منذر و لکل قوم ھاد (رعد - ۱)

انا ارسلنٰک بالحق بشیرا و نذیرا وان من اُمّة الا خلا فیھا نذیر۔ (فاطر - ۳)

اُس سے بالکل محروم رہیں - اگر قدرت کی تمام چیزیں سب قوموں کی جسمانی ضروریات
کو یکساں طور پر پورا کرنے کے لیئے پیدا کی گئی ہیں تو پھر سب قوموں کی روحانی ضروریات
کا پورا کرنا بھی ایسا ہی ضروری تھا - اسلیئے خدائے تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید نے یہ اعلان
کیا کہ دنیا کی مختلف قوموں کے تمام نبی خدائے تعالیٰ کی طرف سے تھے - اور وہ ایک ہی
سرچشمہ سے نور اور ہدایت اپنے ساتھ لائے - اسلام نے کوئی نیا دین ہونے کا دعویٰ نہیں
کیا - بلکہ وہ دین کی تکمیل کرنے کا دعویٰ کرتا ہے ٭ یہ الٰہی قانونوں کی فرمانبرداری کا صحیفہ
ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت مسیح علیہ السلام تک بذریعہ الہام نازل
ہوتا رہا (اور آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اسکی تکمیل ہوئی) اس بارہ میں قرآن
شریف فرماتا ہے - قولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ
ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب و الاسباط وما اوتی
موسیٰ و عیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم ج لا نفرق بین
احدٍ منھم ونحن لہٗ مسلمون (بقرہ - ۱۶) کہو! ایمان لائے ہم
اللہ پر اور اُس وحی پر جو ہماری طرف اُتاری گئی اور اُس وحی پر جو ابراہیمؑ - اسمٰعیلؑ
اسحاقؑ - یعقوبؑ اور اُس کی اولاد کی طرف اُتاری گئی - اور اُس وحی پر جو موسیٰؑ
عیسیٰؑ - کو دی گئی اور اُس وحی پر جو تمام نبیوں کو اُنکے رب کی طرف سے دی گئی -
ہم ان نبیوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے - اور ہم خدا کے فرمانبردار ہیں -
اس آیۂ کریمہ کے رُو سے ایک مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہونے کے علاوہ
حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور دنیا کے تمام نبیوں کا غلام بن جاتا ہے اور
سب کی وہ سچے دل سے عزت کرتا ہے - بے شک مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن
شریف ہے مگر دوسری مقدس کتابوں پر بھی ایک مسلمان کا ایسا ہی حق ہے جیسا دوسری

٭ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت
لکم الاسلام دینا - (مائدہ - ۱)

قوموں کا۔

مذہب ایک عملی زندگی ہے

اسلام کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے پیروؤں کے آگے مذہب کی ایک جُدا حقیقت پیش کرتا ہے۔ اسلام رسوم اور آئین کو مذہب کی لازمی جزو نہیں ٹھہراتا۔ اسمیں ایسا کوئی رواج نہیں جیسا اصطباغ اور اعشائے ربانی کی رسم ہے۔ اسلام تو رہبانیت سکھاتا اور نہ خالص دنیا داری۔ یہ مذہب کو ایک سادہ عملی زندگی بنا دیتا ہے۔ اپنے ہر ایک قول اور فعل اور خیال میں ایک مسلمان کو اپنے مذہب کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اسلیئے اسلام روزانہ زندگی کے عملدرامد کے لیئے مختلف ہدائتیں اور دستور العمل بیان کرتا ہے۔ اور کیا ہماری روزانہ زندگی کا اثر ہماری روح اور اخلاق پر نہیں پڑتا؟ جو شخص روحانیت کو اعتدال پر لائے ہوئے اخلاق اور جذبات کا نتیجہ نہیں سمجھتا اُس نے انسانی فطرت کو نہیں سمجھا۔ اسلیئے ایک مسلمان کی روحانیت کا عمل صرف اُسوقت شروع نہیں ہوتا جبکہ وہ ایک عبادت خانہ کی چار دیواری میں داخل ہو اور نہ اُسکو اپنی روح کی ترقی کے لیئے مہینہ یا ہفتہ میں کسی خاص گھڑی کا منتظر رہنا پڑتا ہے۔ اُسکو یہ تعلیم دیگئی ہے کہ اُس کا ہر ایک فعل اور قول خواہ وہ کیسا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اور خواہ وہ بُرا ہو یا بھلا اُسکی زندگی پر ضرور ایک گہرا اثر ڈالتا ہے ؎ اور وہ اپنے اُس قول اور فعل کے لیئے اپنے علیم و خبیر خدا کے آگے جواب دِہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے رُو سے اسلام کا خلاصہ ایک لفظ میں بیان ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے تعظیم لامر اللہ وشفقت علیٰ خلق اللہ اور یہی دین ہے جو دنیا کا آیندہ مذہب بن سکتا ہے اور بننا چاہیئے۔ اسلام بعض ایمانیات کی بھی تعلیم دیتا ہے اور بعض اعمال کا بھی حکم دیتا ہے۔ ان کو ارکانِ اسلام کہتے ہیں۔ ان اعمال کا بجا لانا لازمی ہے۔ کیونکہ

؎ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہ ۰ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرًا یرہ ۰ (زلزال)

ایمانیات کے لیئے ضروری ہے کہ اُن کا نتیجہ عمل ہو۔ اور عمل کے بغیر انسان کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ قرآن شریف کے رُو سے ظاہری آئین کوئی حقیقت نہیں رکھتے جب تک کہ اُنکے ساتھ ایمان صحیح اور اعمال صالحہ نہ ہوں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملئکۃ والکتٰب والنبیّن واٰتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب۔ واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصٰبرین فی البأساء والضراء وحین البأس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون (بقرہ - ۲۲)
نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق اور مغرب کی طرف مُنہ پھیرو بلکہ نیکی یہ ہے کہ انسان خدا پر۔ یوم آخرۃ پر۔ فرشتوں۔ الہامی کتابوں۔ اور نبیوں پر ایمان لائے اور خدا کی محبت کے ساتھ رشتہ داروں۔ یتیموں۔ مسکینوں۔ مسافروں۔ اور سائلوں کو مال دے اور گردنوں کے آزاد کرنے میں مال خرچ کرے۔ نماز کو قائم رکھے۔ زکوٰۃ ادا کرے اور جب عہد کریں تو ان عہدوں کو پورا کریں اور فقیری اور بیماری کی حالتیں اور لڑائی کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو راستباز ہیں اور یہی متقی ہیں۔

اسلامی عبادت

اس جگہ یہ بیان کرنا بیجا نہ ہوگا کہ اسلام میں خدائے تعالیٰ کی عبادت اور اُسکی تقدیس کے کیا معنے ہیں۔ اسلام کی تعلیم کے رُو سے خدا اس سے بلند ہے کہ وہ انسان کی عبادت کا محتاج ہو۔* انسان کی اطاعت یا عدم اطاعت سے خدائے تعالیٰ کے جلال میں

* انما تنذر الذین یخشون ربھم بالغیب واقاموا الصلوٰۃ ط ومن تزکّٰی فانما یتزکّٰی لنفسہ ط والی اللہ المصیر ٥ (فاطر - ۳)
ومن یشکر فانما یشکر لنفسہ ج ومن کفر فان اللہ غنی حمید ٥ (لقمٰن - ۲)

کچھ کمی بیشی نہیں ہوتی وہ غنی اور حمید ہے اسلام کے رو سے اگر انسان خدائے تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتا ہے تو وہ خود پاک اور محمود بنایا جاتا ہے۔ اگر انسان خدا کی تقدیس کرتا ہے تو وہ خود مقدس بنایا جاتا ہے۔ عبادت کی بڑی غرض اُن اعلیٰ اور شریف قوتوں کو جو انسان کے اندر مخفی ہیں عملی رنگ میں ظاہر کرنا ہے۔ لیکن ایسا کرنے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ اُس خدا کی طرف سے جو ہمارے قویٰ کا پیدا کرنیوالا ہے بعض قانون اور ہدایتیں ہمیں بذریعہ الہام بتائی جائیں۔ اسلیئے ایسے قوانین اور ہدایات کی پابندی کرنا عبادت کے مفہوم میں داخل ہوگیا۔ نیز۔ انسان میں اطاعت اور فرمانبرداری کی روح پیدا کرنے کے لیئے بعض عقائد اور اعمال کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ خدائے تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو۔ اور خدائے تعالیٰ کے احکام کا منشاء یہ ہے کہ انسان میں آخر ایک نئی زندگی پیدا ہو۔ اسلیئے عام بول چال میں نماز۔ روزہ۔ اور ایسا ہی بعض اور کاموں کا کرنا عبادت کے نام سے مشہور ہے۔ خدائے تعالیٰ کی عبادت اور تسبیح کی حقیقی غرض یہ ہے کہ انسان ترقی کرے اور اُس میں ایک تبدیلی پیدا ہو۔ جو شخص اپنے اندر تبدیلی نہیں کرتا وہ عبادت کی غرض کو نہیں سمجھتا۔ اسی طرح اگر اسلام خدا کی وحدانیت پر خاص زور دیتا ہے اور شرک کی بیخکنی کرتا ہے اسکی غرض بھی یہی ہے کہ انسان خدائے تعالیٰ ہی کو شریعت کا منبع ٹھہرائے چونکہ خدا ہی ہمارے قویٰ کا خالق اور اُن تمام چیزوں کا صانع حقیقی ہے جو انسانی ترقی میں مدد دینے کے لیئے پیدا کی گئی ہیں اسلیئے وہی ترقی کی حقیقی راہ ہمیں بتلا اور دکھا سکتا ہے اور وہی شریعت نازل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر انسان ایک سے زیادہ معبودوں کے آگے سر جھکائے تو ضرور ہے کہ الٰہی شریعت کی اطاعت میں فرق آئے۔ اسلیئے ایک واحد خدا پر ایمان لانا انسانی زندگی کی اصلاح و تربیت کے لیئے لازم ہے۔ علاوہ ازیں خدا کی وحدانیت کا عقیدہ دو ایسے امور کو قائم کرتا ہے جو ہماری تہذیب ترقی کے لیئے بطور بنیاد کے ہیں ایک انسانی مساوات دوسرا تمام کائنات کا انسان کے لیئے مسخر ہونا۔ اور انسان کے لیئے بطور خادم

کے ہونا۔ (مشرک انسان کائنات کی چیزوں کو اپنا مخدوم بلکہ معبود بناتا ہے) پہلا امر ہر ایک انسان کے لیئے یکساں طور پر ترقی کی راہ کھولتا ہے (ہر ایک شخص یہ جان لیتا ہے کہ میرے لیئے بھی ترقی کی راہ اسی طرح کھلی ہے جس طرح دوسرے انسانوں کے لیئے کھُلی ہے) اور دوسرا امر علمی تحقیقات کی طرف رہنمائی کرتا ہے (جب انسان یہ جانتا ہے کہ زمین و آسمان کی تمام چیزیں میری معبود اور مخدوم نہیں بلکہ میری خادم ہیں اور میری خدمت کے لیئے پیدا کی گئی ہیں تو وہ اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ ان چیزوں سے وہ اپنی ترقی کے لیئے کام لے اسلیئے وہ علمی تحقیقات میں لگ جاتا ہے اور ہوا۔ پانی اور دنیا کی دوسری چیزوں سے طرح طرح کے کام لینے کی سعی میں مصروف ہوتا ہے) قرآن شریف میں یہ دونوں امر صریح الفاظ میں بیان کیئے گئے ہیں اور انکو توحید کا ثمرہ بیان کیا گیا ہے۔

اسلام۔ زندگی کا ایک کامل ضابطہ ہے۔

جب مذہب یا خدائے تعالیٰ کی عبادت ہماری ترقی کے ساتھ ایسا گہرا تعلق رکھتی ہے تو کیا یہ ضروری نہیں کہ ہماری رہنمائی کے لیئے قوانین اور ہدایات بھی ہوں۔ ہماری جسمانی حالتیں ہمارے اخلاق پر ایک گہرا اثر ڈالتی ہیں اور اعلیٰ اخلاق روحانیت کو پیدا کرتے ہیں۔ ہمارا علم اخلاق اور تمدن بھی ہماری روحانی ترقی میں بڑا حصہ لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہم اپنے ارد گرد کی چیزوں کے بھی زیر اثر ہیں۔ جو لوگ ہمارے آس پاس ہوتے ہیں وہ بھی ہم پر اثر ڈالتے ہیں۔ انکے بغیر ہمارا گذارہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے یہ ضروری ہے کہ ہمارے پاس ایک کامل ضابطہ ہو جس میں ہماری باہمی تعلقات کے بارہ میں ہدایات ہوں۔ جو زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیئے موزون ہوں اور ہماری کوششوں میں ہماری مدد ہوں۔ ایسی تربیت

اور تادیب کے بغیر روحانیت کا حاصل کرنا محال ہے۔ جو لوگ روحانیت کو ہمارے باہمی روزانہ تعلقات سے بالکل بے تعلق سمجھتے ہیں وہ اُسکی حقیقت سے بیخبر ہیں۔

اسلام نے اس فطرتی ضرورت کو بھی پورا کیا ہے اور یہ اسلام کی ایک اور خصوصیت ہے۔ اسلام ایسے قانون اور ہدایات مہیا کرتا ہے جو انسان کے تمام حالات کے لیئے موزون ہیں۔ انسان خواہ کس حیثیت اور درجہ میں ہو۔ وہ ضرور قرآن شریف میں اپنے حال کے مناسب ہدایات پائیگا۔ مذہب ایسی چیز نہیں جو انسانوں کی کسی خاص جماعت کے ساتھ خاص ہو۔ اور انسان ذوق اور تہذیب کے درجوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جو لوگ وسط افریقہ میں رہتے ہیں اُن میں اور یورپ کے رہنے والوں میں ذہنی۔ اخلاقی اور تمدنی امور میں اسقدر فرق ہے جتنا کہ قطبین میں فرق ہے لیکن اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ان سب کے لیئے ہدایات اور قواعد مہیا کرتا ہے۔ اگر وسط افریقہ کے وحشیوں کے لیئے ایسی ابتدائی ہدایتیں دیتا ہے جن سے اُنکی جسمانی اور تمدنی حالت درست ہو تو وہ نسبت ترقی یافتہ انسانوں کو بھی اعلیٰ اخلاق سکھاتا ہے اور بلند روحا[نی] کا سبق دیتا ہے اور اُنکو انسانی ترقی کے اُس اعلیٰ منزل مقصود تک پہنچاتا ہے جہاں انسان خدا سے ملتا ہے

موروثی گناہ

اسلام کی یہ تعلیم نہیں کہ انسان کوئی گناہ ورثہ میں لیکر پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کے رُو سے گناہ انسان کی فطرت میں داخل نہیں۔ بلکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جسکو انسان پیدا ہونے کے بعد خود کماتا ہے۔ گناہ کس چیز کا نام ہے۔ یہ صرف نافرمانی کا نام ہے حقیقی مُسلم گنہگار نہیں ہوتا کیونکہ مُسلم کے معنے ہیں خدائے تعالیٰ کے احکام کا فرمانبردار۔ اور گناہ نافرمانی کا نام ہے۔ اسلیئے حقیقی اسلام اور گناہ

دو متضاد چیزیں ہیں۔ گناہ ایک کسبی چیز ہے اور اس سے انسان پاک ہو سکتا ہے۔ میں خدا کے آگے ایک بیٹے کی طرح ہوں۔ جیسا کہ یسوع مسیح کی دعا کا آغاز مجھے سکھاتا ہے۔ مگر "کھویا ہوا بیٹا" بھی بن سکتا ہوں لیکن میں پھر اپنے باپ کے پاس واپس آسکتا اور اس سے اپنا رشتہ لے سکتا اور اُس کا بیٹا کہلا سکتا ہوں۔ مگر میں خدا سے کس طرح مل سکتا ہوں اگر گناہ میری فطرت کا حصہ ہو۔ اگر میں گناہ سے پاک نہیں ہو سکتا تو میں خدا سے کس طرح مل سکتا ہوں۔ اس امر میں خدا کی کتاب قرآن شریف نے نسل انسان پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اس نے انسان کے دل میں یہ احساس پیدا کیا ہے کہ اُس میں نہایت ہی اعلیٰ قابلیتیں موجود ہیں اور غیر محدود ترقی کا میدان اُسکے آگے کھلا ہے۔ اس بارہ میں خدا کی کتاب فرماتی ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ ہم نے انسان کو نہایت احسن ترکیب میں پیدا کیا (اُسکو نہایت ہی عمدہ قویٰ عطا کیئے) پھر اُسکو سب نیچوں سے نیچے کر دیا (وہ پست ترین مقام کی طرف جھکنے کا میلان رکھتا ہے) سوائے اُن لوگوں کے جو (سچائیوں پر) ایمان لاتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں جو درست اور ٹھیک ہیں۔ اُنکے لیے غیر منقطع اجر ہے (التین)

آجکل ریشنلزم کا بڑا اصول جسپر فخر کیا جاتا ہے اور جو بہت دلکش معلوم ہوتا ہے یہی ہے کہ انسان کو نہایت ہی اعلیٰ قویٰ عطا کیئے گئے ہیں اور اُس میں غیر محدود ترقی کا مادہ رکھا گیا ہے۔ لیکی کہتا ہے کہ "متواتر اور جاری رہنے والی ترقی کا خیال ایک ایسا خیال ہے جو اس زمانہ میں سب خیالات پر غالب ہے۔ کسی مضمون پر کوئی اعلیٰ درجہ کی کتاب کھولو۔ اُس میں اسی خیال کو کسی نہ کسی صورت میں پاؤ گے۔ اس خیال نے تمام علوم میں ایک گہری تحریک پیدا کر دی ہے اور یہ تمام تاریخی لٹریچر میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر رہا ہے" مگر وہ کون ہے جو سب سے پہلے ترقی کے اس سنہری اصل کو دنیا میں لانیکا مدعی ہو سکتا ہے۔ گذشتہ تیرہ سو سال سے یہ اصل نہایت ہی کھلے الفاظ میں قرآن شریف

میں موجود ہے اور ریشنلزم حال ہی کی پیدائش ہے۔ نہیں بلکہ جن الفاظ میں یہ اصل قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے وہ نہایت بہتر شکل میں ہے۔ کیونکہ قرآنی آیت انسانی فطرت کے ہر ایک پہلو کی پوری ماہیت ہم پر کھولتی ہے۔ ہم میں بے شک نہایت ہی اعلیٰ قویٰ رکھے گئے ہیں مگر ہم ترقی کے مخالف عنصروں سے بھی کلی طور پر خالی نہیں۔ اگر ہم میں اوپر چڑھنے کی قابلیت رکھی گئی تو پستی کی طرف جھکنے کا میلان بھی ہم میں پایا جاتا ہے۔ ہماری حالت کے دو پہلو ہیں ایک روشن اور دوسرا تاریک۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے لیکن اگر وہ ہمارے اچھے قانونوں کی پابندی نہ کرے اور اچھے کام نہ کرے تو ہم اُسکو نہایت ہی گہری پستی میں گرا دیتے ہیں۔ یہ کیسی سچی بات ہے جس کا ہم ہر روز اپنی زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ کئی انسان ایسے ہوتے ہیں جو ایک ہی جیسے حالات میں پیدا ہوتے ہیں اور جنکے گرد و پیش کے حالات بھی مساوی ہوتے ہیں مگر وہ اپنی زندگی میں بالکل اُلٹی راہیں اختیار کرتے ہیں۔ ایک زینہ کی چوٹی کی طرف چڑھتا ہے اور دوسرا نیچے کی طرف اُترتا ہے۔ اُنکی طرز زندگی کو غور سے دیکھو۔ اور جس حقیقت کو قرآنی آیت میں بیان کیا گیا ہے اُسکی صداقت تم پر ظاہر ہو جاویگی۔ ایک نے صحیح راہ اختیار کی اور دوسرے نے خطا کی راہ پر قدم مارا اسلیئے بھاگ گیا۔ ریشنلزم صرف ہمیں ایک پہلو کا پتہ دیتی ہے۔ اور تصویر کا ایک ہی رخ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے مگر قرآن مجید پوری حقیقت کا انکشاف کرتا ہے اور ضروری احتیاط کی طرف متوجہ کرکے ہمیں ہوشیار کرتا ہے (تا ایسا نہ ہو کہ ہم دوسرے پہلو سے غافل ہو کر پستی میں گر جائیں)۔ اسی سنہری اصل کو ہمیشہ اپنی نظر کے سامنے رکھنے کے لیئے ہمیں مندرجہ ذیل دعا سکھائی گئی ہے جو ہم ہر نماز کے شروع میں پڑھتے ہیں اور یہ دعا مسیحیوں کی اُس دعا کے مقابل میں سمجھی جاسکتی ہے جو یسوع مسیح نے اُنکو (روزانہ روٹی مانگنے کے متعلق) سکھائی۔ وہ دعا یہ ہے:۔ اھدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم ۝ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۝ آمین

یعنی اے رب ہمیں سیدھی راہ پر چلا جو تیری طرف ہمیں لیجاتی ہے اور ایسا ہو کہ ہم تیری راہ پر مضبوط رہکر ان لوگوں کے نقش قدم پر چلیں جنپر تیرے انعام اور تیری برکتیں نازل ہوئیں۔ اے خدا تو ہمیں اُن لوگوں کی راہ سے بچا جنپر تیرا غضب ہوا ہے اور اُن لوگوں کی راہ سے بھی بچا جو غلطیوں میں پڑ کر سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں اور تجھ تک نہیں پہنچ سکے۔ اے خدا۔ ایسا ہی ہو۔

جو لوگ سیدھی راہ پر قدم مارتے اور اُس راہ پر استقامت اختیار کرتے ہیں وہ "متواتر اور جاری رہنے والی" ترقی حاصل کرتے ہیں۔ اور اُنکے اندر جو اعلیٰ درجے کی قابلیتیں اور قوتیں رکھی ہوئی ہیں وہ عملی صورت میں ظاہر ہو کر واقعات کا لباس پہنتی ہیں۔ اور اس طرح وہ خدائے تعالیٰ کے انعامات اور برکات کے مورد بنتے ہیں۔ لیکن جو لوگ غلطیوں میں پڑتے ہیں وہ سیدھے راستے سے بھٹک جاتے ہیں اور اسفل سافلین میں چلے جاتے ہیں اور بجائے انعام حاصل کرنیکے مورد غضب الٰہی ہوتے ہیں۔

مکالمہ الٰہی

مندرجہ بالا دعا میں انعمت کا لفظ قابل توجہ ہے۔ یہ لفظ بہت وسیع ہے اور ہر ایک اچھی اور عمدہ چیز پر حاوی ہے۔ اور ہر ایک ایسی چیز اس میں شامل ہے جو انسان کے لئے ضروری اور مفید ہے۔ لفظ خود واضح ہے اور اُسکی تشریح کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہاں میں اُس سب سے بڑے انعام کا کچھ ذکر کرنا چاہتا ہوں جو خدائے تعالیٰ نے انسان پر کیا اور یہ ایک ایسا الٰہی عطیہ ہے جسکو قرآن شریف کی رُو سے ہر ایک انسان حاصل کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ یہ انعام یہ ہے کہ انسان خدا سے ملجاتا ہے وہ خدا سے کلام کرتا ہے اور خدا اُسکے ساتھ کلام کرتا ہے۔ اور یہ بات ناممکن نہیں۔ الٰہی صفات کبھی معطل نہیں ہوئیں اور نہ وہ معطل ہو سکتی ہیں۔ اگر خدا نے گذشتہ زمانوں میں انسان سے کلام کیا تو یہ خیال کرنا بھی کفر ہے کہ اب وہ نعوذ باللہ گونگا ہو گیا ہے۔ اگر گذشتہ زمانہ کے انسانوں میں یہ قابلیت رکھی گئی تھی کہ خدا اس سے ہم کلام ہو تو انسان ہیں ....

یہ قابلیت اب بھی ضرور موجود ہے کیونکہ انسان کے قویٰ اور قابلیتوں میں سے کوئی قوت یا قابلیت کم نہیں کی گئی۔

اگر دنیا اپنی مادی ترقی میں اب بھی نیوٹن۔ ہرشل اور ایڈیسن جیسے انسان پیدا کر سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اب یسوع مسیح۔ کرشن اور بُدھ جیسے انسان دنیا میں پیدا نہ ہوں۔ کیا اب ہماری خُلق وہی نہیں جو پہلے انسانوں کی ہوا کرتی تھی۔ اور کیا جسمانی بناوٹ میں مساوات اس بات کی مقتضی نہیں کہ روحانی بناوٹ میں بھی ہم پہلے انسانوں کے مساوی ہوں۔ اور یہ بات کہ اب بھی یسوع مسیح۔ کرشن۔ بُدھ جیسے انسان پیدا ہو سکتے ہیں یہ بات قرآن شریف میں صریح الفاظ میں بتائی گئی ہے اور قرآن شریف کے علاوہ اور جگہ بھی ہمیں یہی وعدہ دیا گیا ہے۔ کیا یسوع مسیح۔ کرشن اور بُدھ نے اپنی دوبارہ آمد کی پیشگوئیاں نہیں کیں؟ اور یسوع مسیح نے تو اس امر کی تشریح بھی کر دی ہے کہ یہ دوبارہ آمد کس طرح واقع ہوگی۔ دوبارہ آمد کا یہ مطلب نہیں کہ وہی پہلا انسان پھر دوبارہ دنیا میں آئے بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ ایک اور آدمی پیدا ہو جو روحانیت میں پہلے کا مثیل ہو۔ اگر یوحنا بپتسمہ دینے والا الیاس تھا (اور وہ ضرور الیاس تھا کیونکہ یسوع مسیح کا قول ہم ردّ نہیں کر سکتے) تو پھر ان بزرگوں کی دوبارہ آمد بھی اسی طرح وقوع میں آنی چاہیئے جس طرح کہ الیاس کی دوبارہ آمد وقوع میں آئی۔ اسلئے جب میں یہ دعا کرتا ہوں کہ مجھے وہ راہ دکھائی جائے جس پر چلکر میں وہی انعام حاصل کروں جو پہلے منعم علیہ گروہ کو ملا۔ تو میں بادشاہت یا سپہ سالاری یا کوئی اور دنیا کا عہدہ نہیں مانگتا۔ یہ میری خواہش نہیں۔ یہ معمولی چیزیں ہیں جن کو انسان حاصل کرتا ہے۔ جس ورثہ کا ایک مسلمان خواہاں ہوتا ہے۔ وہ انبیاء کا ورثہ ہے۔ مذکورہ بالا دعا میں اھدنا الصراط المستقیم کے الفاظ بھی بہت قابل غور ہیں۔ ہم خدا سے یہ نہیں مانگتے کہ ہمیں فلاں چیز دے[*] بلکہ ہم خدا سے

[*] یسوع مسیح کی اُس دعا کی طرف سے اشارہ ہے جسمیں یہ مانگا گیا ہے کہ ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے (ایڈیٹر)

ہدایت مانگتے ہیں۔ اور اگر ہماری دعا قبول ہو تو ہمیں بھی ہمارے استحقاق کے مطابق الہام اور مکالمہ آلٰہی کا انعام مل سکتا ہے۔

اسلام کی تعلیم عقل کے موافق ہے

ایک اور خصوصیت اسلام کی یہ ہے کہ جن راستیوں کی یہ تعلیم دیتا ہے انکی سچائی عقلی پہلو سے بھی ثابت کر کے دکھا دیتا ہے۔ وہ کونسی بات ہے جسکی وجہ سے آجکل مذہب کی گرفت انسانوں کے دلوں پر ہر روز زیادہ اور زیادہ کمزور ہو رہی ہے اُس کی وجہ عقلی دلائل کی کمی ہے ہر ایک مذہب اپنے پیروؤں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ بعض چیزوں پر ایمان لاویں۔ مثلاً۔ خدا کا وجود۔ ملائکہ۔ الہام۔ نبوت۔ حیات بعد ممات۔ یوم آخرۃ۔ جزاء و سزا۔ یعنی بہشت و دوزخ وغیرہ۔ یہ ایسے مسائل ہیں جنہیں مختلف مذاہب میں حق سمجھا جاتا ہے ان امور کے متعلق تفصیلی باتوں میں تو اختلاف ہے مگر اصولاً ان امور پر سب مذاہب کا اتفاق ہے۔ لیکن کیا خدائے تعالیٰ نے ہمیں عقل عطا نہیں کی۔ کیا خدائے تعالیٰ نے مختلف قویٰ انسان کو نہیں بخشے۔ اور کیا خدا نے ہماری مختلف خواہشوں کے پورا کرنیکے لیئے سامان مہیا نہیں کیئے۔ مَیں احساس رکھتا ہوں۔ مَیں جذبات رکھتا ہوں لیکن مَیں عقل بھی رکھتا ہوں۔ اگر میرے دل کی خواہشیں پوری ہو سکتی ہیں۔ تو میری عقل کے تقاضاؤں کو کیوں روکا جائے۔ اگر میرے جذبات سیر ہو سکتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ میری عقل کے آگے روک ڈالی جائے۔

جن عقائد کی فہرست مَیں نے اوپر دی ہے سب مذاہب میں انکو بطور اصول موضوعہ کے تسلیم کیا گیا ہے لیکن ایک شک کرنیوالے دل کو انکے متعلق کس طرح اطمینان دلایا جائے۔ مگر قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس میں ان سب عقاید کو عقلی طور پر ثابت کیا گیا ہے۔ انکے ثبوت میں زبردست دلائل دیئے گئے ہیں اور انکی توضیح کے لیئے صحیفہ قدرت سے موزون مثالیں پیش کی گئی ہیں یہ بات

یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خدا کی کامل کتاب کو اپنے پیروؤں کی وکالت کا محتاج نہیں ہونا چاہیئے - میری مشکلات کامل الہامی کتاب کو خود حل کرنی چاہیئیں نہ کہ کتاب کے واعظ کو۔ اسلام کی کتاب نہ صرف ہماری خواہشات۔ ہمارے احساس اور ہمارے خیالات کے آگے اپیل کرتی ہے بلکہ وہ ہمارے دل اور ہماری عقل سے بھی اپیل کرتی ہے پہلی کتابیں اگرچہ وہ بھی قرآن کی طرح الہامی تھیں مگر وہ عقلی پہلو سے مذہبی اصول کی توضیح نہیں کرسکتی تھیں کیونکہ پہلے انسانی عقل ایسی ترقی یافتہ نہ تھی کہ وہ ان لطیف دلائل کو پورے طور پر سمجھ سکے جن سے باریک مذہبی حقایق ثابت ہوتے ہیں۔ یسوع نے سب باتیں "تمثیلوں میں کہیں اور بغیر تمثیل کے وہ اُن سے کچھ نہ کہتا تھا" (متی ۱۳: ۳۴) کیونکہ وہ "بے سمجھ" تھے (متی ۱۵:۱۶)

اسلام کا علم اخلاق

ایک اور بات جو دنیا کی دوسری اخلاقی کتابوں سے بڑھکر اسلام کی مقدس کتاب میں پائی جاتی ہے یہ ہے کہ اس نے انسان کی طبعی جذبات اور اخلاقی حالتوں میں ایک امتیاز قائم کیا ہے۔٭ ہم میں مختلف جذبات اور صفات رکھی گئی ہیں مثلاً محبت۔ حلم۔ رحم۔ تواضع وغیرہ۔ لیکن قرآن شریف کے رُو سے یہ صفات اخلاق کی فہرست میں داخل نہیں ہو سکتیں۔ جب تک کہ عقل اور معرفت کی رہنمائی کے ماتحت انکا ظہور نہ ہو۔ یہ صرف طبعی اور فطرتی جذبات ہیں مثلاً وہ محبت جو کُتا یا ایک بکری اپنے آقا کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں اُنکو تہذیب یا خوش خلقی کے نام سے تعبیر نہیں کرسکتے۔ اسی طرح بھیڑیے یا شیر کی درندگی بد تہذیبی یا بدخلقی نہیں کہلا سکتی۔ صرف چند صفات کے وجود سے جو طبعی تحریکوں کا

٭ دیکھو کتاب ٹیچنگز آف اسلام (تقریر جلسہ مہوتسو) مصنفہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

نتیجہ ہوں انسان کی روحانی زندگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ مثلاً دل کی حلیمی۔ اور ترک شر انسان کی طبعی حالتیں ہیں اور ایک ادنیٰ درجے کے آدمی میں بھی جو نجات کے منبع سرچشمہ سے بالکل بے خبر ہو پائی جا سکتی ہیں۔ کئی حیوانات بالکل بے ضرر ہوتے ہیں اور بجائے اسکے کہ وہ کسی کو دکھ دیں اُلٹا وہ دوسروں کے ہاتھ سے دکھ اٹھاتے ہیں۔ اور جب وہ پالتو ہو جاتے ہیں تو ذرا بھی اُن میں ایذا رسانی باقی نہیں رہتی چابکوں سے اُن کو مارا جاتا ہے مگر وہ ہرگز مقابلہ نہیں کرتے۔ مگر باوجود ان صفات کے کوئی آدمی ایسا بے وقوف نہیں جو ان حیوانوں کو نیک انسان تو کجا انسان بھی کہے۔ ایک بکری بہت سے انسانوں کی نسبت زیادہ دل کی حلیم ہوتی ہے۔ اسیطرح بعض جرائم پیشہ لوگ بھی بعض اوقات ایسے صفات ظاہر کرتے ہیں جو نہایت ہی مہذب انسانوں کے شایاں ہوتی ہیں۔ رابن ہوڈ امرا کو لوٹتا اور غربا کی مدد کرتا۔ یورپ کتوں پر شفقت کرتا اور بے زبان جانوروں پر ترس کھاتا ہے مگر جب حال ہی میں مختلف اسلامی اقوام کو بے رحمی سے ذبح کیا گیا اور اُن کے گلوں پر چھری پھیری گئی تو یورپ کی رحم کی حس کو ذرا بھی چوٹ نہیں لگی۔ پس ایک ایسا معلم جو اخلاق پر ہمیں وعظ سُناتا ہے اور بعض صفات کو اچھا کہتا اور بعض کو بُرا کہتا ہے وہ صرف ہمارے قدرتی جذبات کو گنا تا ہے جو تعدیل اور محل شناسی کے محتاج ہیں۔ اسلام کی یہ ایک اور خصوصیت ہے کہ اسکی مقدس کتاب میں انسان کے طبعی جذبات اور اعلیٰ اخلاق میں فرق کیا گیا ہے۔ قرآن شریف مختلف اخلاقی حالتوں کا صرف علیحدہ علیحدہ ذکر ہی نہیں کرتا بلکہ انکے استعمال کا محل اور موقعہ بھی بتلاتا ہے۔ کیا مختلف حالات کے ماتحت ہمارے افعال کا نتیجہ مختلف نہیں ہوتا کیا ایسا نہیں ہوتا کہ ایک صورت میں ایک کام نیکی ہو اور دوسری صورت میں وہی کام بدی ہو جائے؟ ایک مجرم کو سزا دینا سوسائٹی پر رحم کرنا ہوتا ہے۔ اگر ایک فوجداری مقدمہ میں مجسٹریٹ مجرم کی خواہش کے مطابق کام کرے تو کیا اس سے امن عامہ کو سخت نقصان نہیں پہنچیگا؟ اس امر کے متعلق میں اخلاق کے واعظوں کی ایک اور غلطی بھی ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ انکی رائے میں صرف نرم صفات ہی اخلاق حسنہ کی فہرست

کو پورا کردیتی ہیں۔ گویا نعوذ باللہ خدائے تعالیٰ نے غلطی کی کہ ہم میں بعض سخت صفات مثلاً غضب۔ انتقام اور غیرت جیسی صفتیں رکھدیں۔ انکو معلوم ہونا چاہیئے کہ صفت انتقام ہی ہے جو جب مناسب طریق سے مجسٹریٹ کے ذریعہ برتی جاتی ہے تو اس سے لوگوں کے مال اور جان کی حفاظت حاصل ہوتی ہے اور اس طرح انتقام کی صفت ایک نیکی بنجاتی ہے۔ غیرت اور منافست جب مناسب موقعہ پر استعمال کی جائیں تو ہم میں ترقی کی خواہش اور اعلیٰ مدارج پر پہنچنے کا ایک جوش پیدا کرتی ہیں۔ ان طبعی میلانوں کو روکنا کوئی نیک خلق نہیں جب انکو تعدیل کے ساتھ برتا جاتا ہے تو یہ ضروری قومی نیکیاں قرار پاتی ہیں اسلیئے قرآن شریف صرف یہی نہیں کہتا کہ سخاوت۔ شجاعت۔ رحم۔ احسان۔ صدق۔ انصاف۔ استقامت اعلیٰ اخلاق ہیں بلکہ وہ یہ بھی کہتاہے کہ جسقدر انسان کے دل میں قوتیں پائی جاتی ہیں جیساکہ رفق۔ قول حسن۔ حیا۔ دیانت۔ مروّت۔ غیرت۔ صبر۔ عفّت۔ غضب۔ زہادت۔ اعتدال۔ مواسات۔ حوصلہ۔ عفو۔ انتقام شجاعت۔ وفا وغیرہ جب یہ تمام طبعی حالتیں عقل اور تدبر کے مشورہ سے اپنے اپنے محل اور موقعہ پر ظاہر کیجائیں گی تو سب کا نام اخلاق ہوگا۔ قرآن مجید ان سب صفات کا ذکر کرتاہے اور اُن کا مناسب محل بھی بیان کرتاہے۔ اور وہ ایسے ذرائع بھی بتاتاہے جو ان اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کیلیئے ہمیں اختیار کرنے چاہیئے۔ اس جگہ یہ بھی بیان کردینا مناسب ہوگا کہ جب ہمارے طبعی جذبات جب مناسب موقع اور محل پر استعمال کیئے جاویں تو اعلیٰ اخلاق بنجاتے ہیں۔ اسی طرح ہماری اخلاقی اور روحانی حالتوں کے درمیان کوئی ایسا خط نہیں کھینچا جاسکتا جو دونوں کے درمیان حدفاصل کہلاسکے۔ ہماری تمام حالتیں جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی۔ ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں اور ایک دوسرے پر اثر ڈالتی ہیں۔ کوئی آدمی اپنی جسمانی حالتوں اور اخلاقی صفات کی تادیب و تعدیل کے بغیر روحانیت کے اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچ سکتا اسلیئے اُن تمام احکام اور ہدایات کی پابندی ضروری ہے جو ہماری روزانہ زندگی کے متعلق قرآن شریف میں پائی جاتی ہیں۔ یہ مضمون ایک مفصل بحث چاہتا ہے مگر وقت اسکی اجازت نہیں دیتا۔

اسلام میں عورت کی حیثیت

میں ڈرتا ہوں کہ میں نے پہلے ہی آپکا وقت بہت زیادہ لے لیا ہے مگر ایک بات اور کہکر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اسلام کی ایک خاص اور بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اُس نے عورت کی حیثیت کو بہت بڑھا دیا ہے۔ اور اس نے عورت کو ایک ایسی حیثیت دی ہے جو اُسکو پہلے کبھی حاصل نہ تھی۔ اسلام کے آنے تک عورت کوئی مستقل شخصیت نہیں رکھتی تھی۔ اسلام نے ہی آکر اسکو ذاتی حقوق دیئے۔ نہیں میں اس سے بھی آگے بڑھکر یہ کہوں گا کہ اس زمانہ کی مہذب قوموں کے لیئے بھی ابھی بہت منزلیں طے کرنی باقی ہیں تب وہ جاکر کہیں تہذیب کے اُس درجہ تک پہنچیں گی جس کے رو سے عورت کو وہ حیثیت دی گئی ہے جو قرآن شریف کی اس آیت میں بیان کیگئی ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ یعنی جیسے مردوں کے حقوق عورتوں کے ذمہ ہیں ایسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں کے ذمہ ہیں۔ پسندیدہ طریق کے ساتھ۔ اسلام عورت کو مرد کے برابر علمی۔ اخلاقی اور روحانی ترقی کا موقعہ دیتا ہے۔ وہ اسکو ایک جدا اور مستقل شخصیت دیتا ہے اور اُسکو اُس ذلت سے اوپر اُٹھاتا ہے جس میں وہ جہالت پر مبنی اعتقادات اور غلط خیالات کی وجہ سے گری ہوئی تھی۔

ریویو

مکاشفات مع تعبیر نامہ خواب | حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جملہ رؤیا و کشوف کو بابو محمد منظور الٰہی صاحب احمدی نولکھا۔ لاہور نے جمع و مرتب کرکے شائع کیا ہے۔ یہ مجموعہ جسقدر مفید اور با برکت ہے اسکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت صاحب سے عشق رکھنے والے اصحاب منگوا کر لطف اُٹھائیں قیمت عہر بڑی تقطیع کے ۲۷ صفحے کی کتاب ہے۔ بابو صاحب موصوف سے یا دفتر تشحیذ الاذہان قادیان سے مل سکتی ہے۔

کشف الدجیٰ | مولوی عبدالعزیز صاحب احمدی سہارنپوری کی تصنیف ہے جسمیں مصنف صاحب نے منطقی رنگ میں قرآن کریم کی آیات سے مسیح علیہ السلام کی وفات پر بحث کی ہر مخالفین

سلسلہ احمدیہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پہ زندہ جانے کی نسبت جب کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ تو منطقی پہلو پر اُتر آتے ہیں۔ جس سے بعض دفعہ کم علم لوگوں کو مغالطہ میں ڈال دیتے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے اس غرض کو مدِ نظر رکھکر یہ رسالہ لکھا ہے۔ جو کہ امید ہے۔ کہ انشاءاللہ کئی سعید روحوں کے لیئے مفید ثابت ہوگا۔ میاں محمد یٰسین تاجر کتب قادیان سے ۱ر پر مل سکتا ہے۔

النبوۃ میر قاسم علی صاحب اڈیٹر الحق دہلی نے آیت خاتم النبیین کے معنی اور تفسیر بہت عمدہ پیرائے میں بیان کرکے قرآن اور احادیث کی رو سے ثابت کیا ہے۔ کہ رسول کریم کا ایک اُمتی آپکی کامل پیروی سے درجہ نبوت غیر تشریعی تک مثل انبیاء بنی اسرائیل کے پہنچ سکتا ہے۔ مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کے متعلق نہایت قوی دلائل سے ثابت کیا ہے۔ کہ اے مخالفان سلسلہ جبکہ تم رسول کریمؐ کی اس حدیث کے مصداق ہو رہے ہو کہ لتتبعن سنن من قبلکم شبراً بشبر و ذراعاً بذراع کہ تم لوگ یہود و نصاریٰ کی ذرا ذرا بات میں پیروی کروگے۔ اور جب تم رسول اللہ صلعم کی اُمت میں ہوتے ہوئے یہود اور نصاریٰ کی مطابقت دکھا رہے ہو۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ اِس اُمت میں لوگ یہودی اور نصرانی تو بن جائیں مگر اس میں موسیٰ و عیسیٰ بننے کی اہلیت نہ ہو۔ اسی اہلیت کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کتاب نہایت مفید اور اس قابل ہے۔ کہ کثرت سے اسکی اشاعت کیجاوے۔ قیمت فی نسخہ ۴ر فی روپیہ نسخے بغرض تقسیم مفت۔ میر صاحب موصوف سے مل سکتی ہیں۔

برق آسمانی رسالہ ہذا میں فیصلہ آسمانی مؤلفہ ابو احمد رحمانی کے اعتراضوں کے جوابات مولوی خلیل احمد صاحب احمدی سکرٹری انجمن احمدیہ مونگھیر نے لکھے ہیں۔ مصنف فیصلہ آسمانی کی علمیت اور اعتراضوں کی معقولیت کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ کہ باوجود بصد اصرار اور بسیار تکرار کے تاحال وہ پردہ سے باہر نہیں آئے۔ انکے زیادہ تر اعتراضات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں پر ہیں۔ لیکن جس شخص کا یہ مذہب ہو۔ کہ پیشگوئی کا صحیح ہونا صداقت کی نشانی نہیں اُس کا کسی پیشگوئی پر اعتراض کرنا بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ دوسرا جو شخص قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ کا قائل ہو۔ اسکو کسی پیشگوئی کے ٹل جانے یا منسوخ ہو جانے پر اعتراض کرنیکا کونسا حق حاصل ہے۔ جبکہ مصنف صاحب خود ان دونوں باتوں کے قائل ہیں۔ تو انکا کسی

پیشگوئی اعتراض کرنا محض تعصب پر مبنی ہے۔ مصنف فیصلہ آسمانی نے دھوکہ دہی میں کمی نہیں کی۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء اور مفہوم کے خلاف آپکی عبارت کی طرف ایسی باتوں کو منسوب کیا ہے۔ جو کہ آپکی تحریر میں ہرگز نہیں پائی جاتیں۔ رسالہ زیر ریویو میں ان تمام باتوں کو واضح کیا گیا ہے۔ رسالہ مفید اور قابل اشاعت ہے قیمت ۲؎ ملنے کا پتہ سید محمد عبد الغفار صاحب احمدی تاجر کتب بڑا بازار۔ مونگھیر۔

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۳ء

مدرسہ احمدیہ:۔ اس مدرسہ میں ۱۴ ماہ حال سے سہ ماہی امتحان شروع ہے رخصتوں کے بعد ماسٹر عبد الرحیم صاحب مدرس دیگر مضامین کی اسامی پر متعین ہوئے ہیں۔ ماسٹر صاحب جے۔ اے۔ وی پاس اور ٹرینڈ ہیں۔ اور پہلے ہائی سکول میں بہت عرصہ تک مدرس انگریزی رہ چکے ہیں۔ اُمید ہے کہ انکا وجود مدرسہ کے لیئے بہت مفید اور بابرکت ہوگا انشاء اللہ

تعلیم الاسلام ہائی سکول:۔ افسر تعلیم نے لوئر پرائمری کے چھوٹے لڑکوں کیلیئے اراضی دار العلوم میں شہر کے نزدیک ایک کچا مدرسہ بنانے کی تجویز کی ہے۔ جسپر مجلس معتمدین نے تخمینہ پیش کرنے کے لیئے حکم صادر کیا ہے۔

اشاعت اسلام:۔ خریداران ریویو اردو میں اس ماہ پندرہ کی بیشی اور ریویو انگریزی میں پانچ کی بیشی ہوئی۔ تفسیر القرآن میں کوئی کمی بیشی اس ماہ میں نہیں ہوئی اس ماہ میں سید غلام محی الدین صاحب۔ مولوی عبد الواحد صاحب و بابو اختر علی صاحب و مسٹر اے کٹی نے ایک ایک نیا خریدار بہم پہنچایا۔ جزاہم اللہ احسن الجزا۔

مقبرہ بہشتی:۔ اس ماہ میں دو موصی ایک مرد و ایک عورت یعنی شریف احمد مرحوم ولد جمال الدین صاحب ساکن سیکھواں ضلع گورداسپور۔ و مسمات صالحہ بی بی بنت خیر الدین ساکن سیکھواں ضلع گورداسپور مقبرہ بہشتی میں مدفون ہوئے۔ آمد اسباب ۵؎ ہوئی۔ مندرجہ ذیل رقوم اس ماہ میں بحساب وصیت وصول ہوئیں۔

(۱) منشی خدا بخش صاحب - اد رحمہ للہ عہ	(۸) قاضی غلام حسین صاحب حصار عہ
(۲) چودھری نبی بخش صاحب مرحوم بذریعہ غلام حسن صاحب تلونڈی پکٹ ۱۰۸ صہ	(۹) اہلیہ " " " للعہ
(۳) معرفت رحمت علی صاحب بحساب نتھو مرحوم - پھیرو چیچی عہ	(۱۰) میاں حیات کمہار - گوبیکے - عہ
(۴) بابو عبدالرحمن صاحب - شملہ عہ	(۱۱) میاں محمد دین صاحب " عہ
(۵) بابو فضل کریم صاحب دہلی عہ	(۱۲) میاں سبحان بخش صاحب سہارنپور عہ
(۶) میاں احمد دین صاحب زرہ گرقادیان عہ	(۱۳) جماعت راولپنڈی بذریعہ محمد اشرف صاحب راولپنڈی عہ
(۷) بابو فضل احمد صاحب - مری - للعہ ۲	(۱۴) جناب نور محمد صاحب - گلگت - سہ
	(۱۵) چودھری شاہ محمد صاحب - سارجنٹ - سیالکوٹ عہ ۱

صیغہ متفرقات

شفاخانہ میں اس ماہ کل مریض ۱۴۱۲ آئے انمیں سے نئے ۶۵۶ تھے۔ مائنر اپریشن ۱۴ ہوئے۔ شفاخانہ دارالعلوم کے ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب آجکل رخصت پر ہیں۔ اور ہردو شفاخانہ کے میڈیکل آفیسر ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اسسٹنٹ سرجن پنشنر مریضوں کو بڑی محنت اور خلوص کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اور بڑی دلداری کرتے ہیں۔ اور ہائی سکول کے بیمار لڑکوں کا خود جاکر روزمرہ ملاحظہ فرماتے اور علاج کرتے ہیں۔ خدا انکو جزائے خیر دیوے۔

دفتر سکرٹری:- صدر انجمن احمدیہ نے اراضی دارالعلوم میں سے جو ٹکڑے اجارے پر دینے منظور کیئے تھے چونکہ اب انجمن کو زمین کی خود بڑی ضرورت تھی۔ اسواسطے مجلس معتمدین نے اپنے رزولیوشن ۵۲۲ مورخہ ۶ - اکتوبر ۱۹۱۳ء میں اجارہ والی تجویز کو منسوخ کردیا ہے۔ پچھلے ماہ حضرت صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اپنے اخبار الفضل میں چندہ کے متعلق جو تحریک خاص فرمائی تھی۔ اسپر جن احباب - جماعتوں یا انجمنوں نے جو رقوم ارسال فرمائی ہیں - انکی فہرست گذشتہ ماہ میں شائع کی گئی تھی بعض رقوم جو آخر ستمبر تک بعد میں وصول ہوئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

۱۶ - ستمبر ۱۹۱۳ء جماعت لالہ موسیٰ معرفت منشی قاسم صاحب } ۱۴ عہ	۲۳ - ستمبر ۱۹۱۳ء جماعت سٹرہ معرفت نور احمد خانصاحب صہ ۱۰

۲۳ ستمبر ۱۹۱۳ء جماعت پشاور معرفت مولوی نذر علی صاحب } ۱۰لعه
۲۷ ستمبر ۱۹۱۳ء جماعت پاک پٹن معرفت نیاز احمد صاحب } ۸عہ

اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو نیک جزائے عطاء فرمائے اور انکی کوششوں میں برکت دیوے۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ تمام احباب چندہ کے جمع کرنے میں مزید سعی کرکے باقاعدہ کوشش جاری رکھیں گے۔

تعمیر:۔ عمارت مدرسہ کے برآمدوں کا کام سوائے ہال کے تمام ختم ہوگیا ہے۔ کمروں کے اندر ¾ کے قریب سفیدی ہوگئی ہے۔ اور ٹیپ کے کام کا بہت سارا حصہ بھی ختم ہوگیا ہے۔ برآمدہ میں فرش لگانے کے لیئے کنکریٹ نصف کے قریب ڈلوائی گئی ہے۔ غالباً اکتوبر ۱۹۱۳ء میں تمام کام سوائے ہال کے انشاء اللہ تعالیٰ تکمیل کو پہنچ جاویگا اور پھر جلدی ہی انشاء اللہ ہال کا کام بھی شروع کردیا جاویگا۔ لیکن عمارت کے لیئے روپیہ کی سخت ضرورت ہے احباب توجہ فرماویں۔ ایسا نہ ہو کہ عمارت کا کام احباب کی تھوڑی سی بے توجہی سے رُک جائے۔ ہال کی تعمیر صرف روپیہ کی کمی کی وجہ سے رُکی ہوئی ہے مدرسہ کی تکمیل کے لیئے قریباً پندرہ ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔ احباب کو چاہیئے کہ ہمت کریں اور کوشش کرکے اس روپیہ کو پورا کردیں۔ ہال کی تعمیر کے بعد مدرسہ کی تعمیر کا کام بند کردیا جائیگا۔

حضرت مولوی محمد علی صاحب ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۱۳ء تک انشاء اللہ مری سے واپس قادیان پہنچ جائیں گے۔ مگر ابھی کچھ عرصہ تک ترجمۃ القرآن کے کام میں بہت مصروف ہونے کی وجہ سے سکرٹری کے کام کا وہ چارج نہیں لے سکیں گے۔

بیت المال:۔ لنگر کے چندے کی طرف احباب نے بہت کم توجہ کی ہے اب جلسہ سالانہ آرہا ہے۔ اور جلسہ کے موقعہ پر صیغہ بیت المال کو بہت بوجھ اُٹھانا پڑتا ہے اور وہ پہلے ہی مقروض ہے۔ اسلیئے بیرونی انجمنوں کے سکرٹری صاحبان کو یاد دہانی کراتا ہوں کہ اپنی اپنی مقامی انجمنوں میں تحریک کرکے جلسہ سالانہ کے اخراجات کے لیئے جو تین ہزار تک ہونگے اور گذشتہ قرضہ کے ادا کرنے کے لیئے جو چار ہزار روپیہ تک ہے۔ خاص چندہ کرنا شروع کردیں۔ ایسی تمام رقوم ماہ نومبر کے آخر تک خزانہ صدر انجمن میں پہنچ جانی چاہئیں

تا بعد میں مشکلات نہ واقع ہوں۔

احمدی احباب کی خدمت میں ایک اپیل

مَیں نہیں جانتا کہ کن الفاظ سے احباب کو سلسلہ کی ضروریات کی طرف توجہ دلاؤں۔ اُنکو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قادیان میں جو سلسلہ جاری ہے اُسکے اخراجات کے لیئے سامان کرنا اُن کا ایک بہت بھاری فرض ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ اُنپر طرح طرح کے بوجھ پڑے ہوئے ہیں اور کئی راہوں میں اُنکو روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے مگر اس کا یہ نتیجہ نہیں ہونا چاہیئے کہ قادیان کے ضروری اخراجات کو وہ فراموش کر دیں۔ لنگر روز بروز مقروض ہو رہا ہے۔ تعمیر قریب الاختتام ہُو صرف روپیہ کے نہ ہونیکی وجہ سے نامکمل پڑی ہے اور اسوقت کام بند کر دینا نہ صرف قابل افسوس بلکہ نقصان دہ امر ہے۔ مدرسہ احمدیہ بھی خاص امداد کا محتاج ہے۔ میگزین کی توسیع کا حکم خود تمھارا امام تمھیں دے گیا ہے اور اُس کا ارشاد اسوقت تک تمھارے ہاتھوں میں ہے۔ تمھاری جماعت کے مساکین اور یتامیٰ یہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ہزاروں آدمی حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں فیض حاصل کرنے کے لیئے حاضر ہوتے ہیں۔ پس مَیں احمدی احباب سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ اُن کا فرض نہیں کہ ان ضروریات کے لیئے جس صرف کثیر کی ضرورت ہے اُسکو وہ ہمیشہ مدنظر رکھیں اور کبھی یہ اخراجات اُنکی نظر سے دُور نہ ہوں۔ اگر احمدی جماعت ان اخراجات کو ادا نہ کریگی تو وہ دوسری کونسی جماعت ہے جو ان اخراجات کو ادا کریگی۔ ہاں خدا قادر ہے کہ وہ اس کام کے لیئے ایک اور جماعت پیدا کر دے کیونکہ یہ اُسکا اپنا کام ہے اور وہ اسکو ضرور چلائیگا۔ لیکن اگر ہم غفلت کریں تو ہم پر افسوس۔ تمھیں اپنے پیارے امام کا قول یاد نہیں۔ جس میں وہ فرماتے ہیں ؎

بمفت ایں اجر نصرت را دہندت اے اخی ورنہ
قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا

پس سکرٹری صاحبان اپنی اپنی جماعتوں کو جمع کر کے اُن کے آگے یہ سوال پیش کریں کہ کیا وجہ ہے کہ سلسلہ کی ضروریات کی طرف ہماری توجہ کم ہے۔ کیا وجہ ہے کہ

لنگر مقروض ہو رہا ہے اور ہم اُس کے قرض کے ادا کرنے کی فکر نہیں کرتے سالانہ جلسہ کے اخراجات درپیش ہیں اور ہمیں اُنکا کوئی فکر نہیں۔ مدرسہ کا حال بزبان حال روپیہ روپیہ پکار رہا ہے اور ہم اُس کی پکار کو نہیں سُنتے۔ کب تک ہم اس خواب غفلت میں سوئے رہیں گے اور کب تک ہم اپنے امام کے قائم کردہ سلسلہ کی ضروریات کو نظرانداز کرتے رہیں گے۔ مَیں نہیں کہتا کہ تم دوسرے نیک کاموں میں روپیہ خرچ نہ کرو۔ بے شک کرو اور جہانتک تمھاری طاقت ہے خرچ کرو۔ لیکن مَیں یہ کہتا ہوں کہ لنگر خانہ کو دوسری ضروریات پر قربان نہ کرو۔ مدرسہ احمدیہ تمھارے احمدؑ کے نام پر جاری ہے اُسکی ضروریات کو مقدم رکھو۔ تعمیر کا کام شروع ہو چکا ہے اور اب قریب الاختتام ہو کر رُکا پڑا ہے اُسکو پورا کرو۔ قادیان کی ضروریات کو نہ بھلاؤ اُسکے بعد جو چاہو کرو۔

ممالک غیر میں تبلیغ:- ولایت کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شریف النسب لارڈ نے اور ایک نوجوان انگریز نے ہمارے مبلغین کے پاس قبول اسلام کا اظہار کیا ہے اگرچہ ابھی تک اُنہوں نے عام طور پر اپنے مشرف باسلام ہونیکا اعلان نہیں کیا۔ ایک ہندوستانی طالب علم نے جو ولایت میں انجنیئرنگ کلاس میں تعلیم پاتا ہے حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی خدمت میں بیعت کا خط لکھا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

مصر میں ہمارے نوجوان بھائی علاوہ تعلیم کے تبلیغ کے کام میں بھی مصروف ہیں۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مولوی فاضل قاہرہ سے لکھتے ہیں وہ اس ہفتہ مَیں نے تبلیغ کا کام بھی کچھ کچھ شروع کر دیا ہے۔ ایک آدمی کو مَیں نے کھولکر تمام مسائل سمجھا دیئے حتّٰی کہ نبوت کا مسئلہ بھی بہت کچھ مان گیا۔ مگر جب بیعت میں داخل ہونیکے لیئے کہا گیا تو کچھ اڑا اور ایک دو اعتراض کیئے جواب تسلی بخش دیئے گئے۔ ابھی خاموش ہے ... آج یہاں کے ایک بڑے شیخ سے ملاقات کرنے کا وعدہ ہے۔ شام کو جاؤں گا۔ جن لوگوں کو ہم نے بعض اعتراضات عیسائیوں کی طرف سے جو مسیحؑ کو زندہ مان کر نبی کریمؐ پر پڑتے ہیں سنائے تھے۔ انہوں نے شیخ کو بلایا ہے۔ اور آج انشاء اللہ اس سے گفتگو ہوگی۔ خدا کرے کہ نتیجہ نیک نکلے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے پیارے مسیحؑ کا نام روشن کرے۔

سید ولی اللہ شاہ صاحب کی طرف مصر کے انگریزی دان نوجوان خدائے تعالیٰ کے فضل سے بہت مائل ہو رہے ہیں سید صاحب لکھتے ہیں "یہاں کے نوتعلیم یافتہ نوجوان انگریزی کے بہت شائق معلوم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ میرے ساتھ حسن سلوک سے زیادہ پیش آئے یہاں تک کہ چار اُستادوں نے جنہیں سے دُو تو انگریزی کے اُستاد تھے اور دُو عربی کے مجھے مفت پڑھانے کے لیئے وعدہ کیا مگر ایک نے یہ کہا کہ مجھے ایک گھنٹہ انگریزی پڑھا دیا کرو تین اور افندیوں نے مجھے کہا کہ روز ایک گھنٹہ ہمیں پڑھاؤ یا ہفتہ میں تین دن ہی سہی۔ ایسا ہی جب کبھی مجھے مصری کلب میں جانیکا اتفاق ہوا تو بہت سے نوجوان میرے اردگرد جمع ہو گئے۔ اور ہر ایک کو یہی شوق رہا کہ مجھ سے مخاطب ہو اور گفتگو کرے۔ اور میں نے خدائے تعالیٰ کے فضل سے دیکھا کہ میں بڑی صفائی سے صحیح زبان انگریزی میں اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرتا رہا اور دو دو گھنٹہ تک۔ اور مجھے خود اس بات پر سخت تعجب ہے کہ اسقدر صفائی صحت اور تیزی میری زبان میں کہاں سے آگئی۔ ایسا ہی ڈاکٹر زومر نے میرے متعلق سُنکر مجھے امریکن مشن چرچ میں اُسکے انگریزی لیکچروں کو سننے کے لیئے دو بار مدعو کیا اور میں نے بہت سے شائقین انگریزی کو وہاں پایا۔ اگرچہ وہ کم سمجھ سکتے تھے۔ میں ان پادریوں کی اس کارروائی پر حیران رہ گیا۔ اس سے میرے دل میں خیال آیا کہ میں بھی ریویو کے مضامین کا خوب مطالعہ کر کے یا یاد کر کے جمعہ کے دن ان صاحبوں کو تعلیمی بہانہ سے تبلیغ کروں جو میرے مکان پر صرف اس غرض کیلیئے آنا چاہتے ہیں۔ اور میں نے تین ایسے افندیوں کو تو بحث کے بعد وفاتِ مسیح کا (خدا کے فضل سے) بالکل مقر کرا دیا ہے یہاں تک کہ ایک افندی دوسرے روز آ کر کہنے لگا کہ میں نے اس پر جب غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ خاتم النبیین صلعم کے بعد وہ مسیح کیسے آسکتا ہے۔ غرض یہ ایک نہایت مفید اور

قرآن شریف کا اُردو ترجمہ :- قرآن شریف کا اُردو ترجمہ اور نوٹ چھپوانے کا کام حضرت میر ناصر نواب صاحب نے اپنے ذمہ لیا ہے اور قرآن شریف کا جو ترجمہ اور نوٹ شائع ہونگے وہ حضرۃ خلیفۃ المسیح کی منظوری اور پسندیدگی کے بعد آپ کی اجازت سے ہی شائع ہونگے۔ حضرت میر صاحب اس غرض کے لیئے روپیہ جمع کر رہے ہیں۔ جو صاحب اس ترجمہ کو خریدنا چاہتے ہیں وہ صہ روپیہ پیشگی بھیجکر

حضرت میر صاحب کی اس کارِ خیر میں مدد کریں یا محض بطور امانت اپنی وسعت کے مطابق امداد کریں
شیر علی عفی اللہ عنہ
قائم مقام سکرٹری

Reg. NO.L. 303

نمبر ۸

یہ کیا؟ اس کا نصف صفحہ کیوں خالی ہے!

رہنے دیجئے اس میں کیا ہے۔

سبب ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بچوں سے ضعیف تک کے لیئے ڈاکٹر ایس کے برمن کی ایجاد کی ہوئی چالیس مختلف امراض کی ان ادویات کی پوری فہرست اپنے پاس کیوں نہیں رکھتے۔

اسکے رکھنے سے سوائے نفع کے نقصان نہیں ہو سکتا۔

کیا ایک فہرست آپکی خدمت میں روانہ کر سکتا ہوں

ادویات ہر موضع ہر قصبہ و ہر شہر میں مل سکتی ہیں۔

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

مطبع میگزین میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے | لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۲ | بابت ماہ نومبر ۱۹۱۳ء | مطابق ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ | نمبر ۱۱

چندہ سالانہ
عام عہ طلباء عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - نومبر ۱۹۱۳ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

یسوع کی پیشگویاں نمبر (۳)

(سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو۔ ریویو بابت ستمبر ۱۹۱۳ء)

گرفتاری ۔ موت اور دوبارہ جی اُٹھنے کی پیشگوئی

اس مضمون کے گذشتہ نمبر میں یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ مسیحیوں کی چاروں کتابیں جو متی ۔ مرقس ۔ لوقا اور یوحنا کی انجیلیں کہلاتی ہیں واقعہ صلیب سے سالہا سال بعد لکھی گئی تھیں اور یہ کہ ان میں سے کسی کی نسبت یہ امر بالاتفاق تسلیم نہیں کیا جاتا کہ اس کتاب کا لکھنے والا فلاں آدمی تھا ۔ مگر یہ امر ثابت شدہ ہے کہ ان گمنام مصنفین میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو اُن واقعات کا جو ان کتابوں میں درج ہیں رویت کا گواہ ہو یعنی اُس نے ان واقعات کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہو یا یسوع کے اقوال کو اپنے کان سے سُنا ہو ۔ اسلیئے ہم مجبور ہیں کہ اُن پیشگوئیوں کو کوئی وقعت نہ دیں جو یسوع کی طرف ان کتابوں میں منسوب کی گئی ہیں اور جن میں ایسے واقعات کی خبر دیگئی ہے جو ان کتابوں کی تصنیف سے پہلے واقع ہو چکے تھے ۔ کیونکہ جب ایک امر واقع ہو چکے اور اُس کے بعد ہمیں بتلایا جائے کہ اس واقعہ کے متعلق کسی نے پیشگوئی کی تھی اور اُس واقعہ کے ظہور سے پہلے اُس پیشگوئی کے وجود کا ثبوت نہ مل سکے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایسی پیشگوئی کی گئی تھی وہ بھی گمنام لوگ ہوں اور ہمیں اس امر کا علم نہ ہو کہ جو لوگ ایسا بیان کرتے ہیں وہ کون لوگ تھے اور اُنکا کیا نام تھا اور وہ کس حیثیت اور کس منزلت کے انسان تھے تو پھر ہم ایسی پیشگوئی کو کیا کریں وہ کس کام کی چیز

ہے ۔ اور ہم ایسی پیشگوئیوں کی بنا پر کسی مدعی کی راستبازی یا عدم راستبازی کا کیا فیصلہ کر سکتے ہیں ہاں اگر ہمیں اتنا بھی معلوم ہوتا کہ جو لوگ ان پیشگوئیوں کی خبر دیتے ہیں وہ معتبر اور ثقہ انسان تھے اور یہ کہ جن ذرائع سے ان پیشگوئیوں کا اُن کو علم ہُوا وہ ذرائع بھی بالکل قابل اعتبار تھے اور یہ کہ درمیانی عرصہ میں کسی قسم کی دست اندازی اور کمی بیشی ان پیشگوئیوں میں نہیں کی گئی تھی اور جو تحریریں یہ لوگ اپنے قلمی نوشتوں میں چھوڑ گئے وہ بھی بالکل محفوظ ہیں اور اُن میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی تب بھی یہ پیشگوئیاں قابل توجہ ہو سکتی تھیں مگر موجودہ صورت میں تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ان پیشگوئیوں کی خبر دینے والے کون لوگ تھے اور کن ذرائع سے یہ پیشگوئیاں اُن تک پہنچیں اور نہ اُن کی تحریریں دست بُرد سے محفوظ ہیں۔ پھر ہم کس طرح ان پیشگوئیوں کو سچا سمجھ لیں۔ مسیحی کہتے ہیں کہ متی کی انجیل سب انجیلوں سے پرانی ہے مگر محققوں نے یہ امر ثابت کر دیا ہے کہ پہلی تین انجیلوں میں سے متی کی کتاب سب کے بعد لکھی گئی اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان انجیلوں میں تغیر و تبدل ابتداء سے ہی شروع ہو گیا تھا یہ امر محققین کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ متی اور لوقا نے اپنی اپنی کتابوں کے واقعات ایک نوشتے سے اخذ کیئے جو مرقس کی موجودہ کتاب کے مشابہ تھا پہلے لوقا نے اُس نوشتے سے نقل اُڑائی اور کچھ عرصہ بعد متی نے اُسی کتاب سے مضامین کو اخذ کیا مگر لوگوں کی دستبرد سے اتنے عرصہ میں ہی اس کتاب میں تغیر تبدل ہو چکا تھا۔ کیونکہ جب لوقا نے اس سے مضامین نقل کیئے تو اُسوقت اُس کی صورت کچھ اور تھی اور جب متی نے اُسی کتاب کو اپنے سامنے رکھا تو اُس کی شکل کچھ اور تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کتابوں میں قطع برید ابتداء سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ اور نہ معلوم کہ جب لوقا نے اس کتاب کو اپنے پیش نظر رکھا اُسوقت سے پہلے اس میں کیا کیا تبدیلیاں واقع ہو چکی تھیں۔ اور جب لوقا کے بعد متی نے اس کتاب کی نقل اُتاری تو اُسکے بعد بھی اس میں تغیر و تبدل کا سلسلہ جاری رہا۔ علاوہ ازیں اس بات کا

٭٭٭ نوٹ :۔ اس مضمون میں جہاں کہیں متی یا لوقا۔ یوحنا یا مرقس کا ذکر آتا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ واقعی یہ لوگ ان کتابوں کے لکھنے والے ہیں۔ یہ نام صرف فرضی طور پر لکھے جاتے ہیں کیونکہ اب یہ کتابیں انہی لوگوں کے نام سے مشہور ہیں۔ منہ

قطعاً کوئی ثبوت ہمارے پاس موجود نہیں کہ وہ نوشتہ جس سے پہلے لوقا نے اور پھر متی نے نقل اڑائی وہ کوئی قابل وثوق تحریر تھی جس میں حضرت مسیح کے اقوال اور افعال درست اور صحیح طور پر درج تھے۔ اور پھر جب اس امر پر نظر کیجاتی ہے کہ یہ قابل اعتبار تحریریں واقعہ صلیب سے سالہا سال بعد لکھی گئیں تو انکا رہا سہا اعتبار بھی اڑ جاتا ہے۔ جب ان کتابوں کا یہ حال ہے۔ تو پھر ہم ان پیشگوئیوں کو کیا وقعت دیں جو یسوع کی گرفتاری۔ موت اور دوبارہ جی اٹھنے کے بارہ میں ہیں۔ ہمارے پاس اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ سچ مچ یہی لفظ جو ان چار کتابوں میں درج ہیں یسوع کے منہ سے نکلے تھے۔ جب ان پیشگوئیوں کا وجود ہی ثابت نہیں ہوسکتا تو انسے مدعی نبوت کی صداقت کس طرح ثابت ہوسکتی ہے۔ جو چیز خود ثبوت کی محتاج ہے وہ کسی دوسری چیز کے ثبوت میں کس طرح پیش ہوسکتی ہے۔

علاوہ ازیں ناظرین پر واضح ہو کہ ہم ان پیشگوئیوں کو جو یسوع کے پکڑا جانے صلیب پر مرنے اور مر کر جی اٹھنے کے بارہ میں ہیں صرف اسلیئے رد نہیں کرتے کہ جن کتابوں میں یہ پیشگوئیاں درج ہیں وہ کتابیں بعد میں لکھی گئیں اور یہ سارے واقعات ان کتابوں کے لکھا جانے سے پہلے ظاہر ہو چکے تھے اس لیئے پیشگوئی کا لفظ انپر صادق ہی نہیں آسکتا بلکہ اگر انکو پس گوئی کہا جائے تو زیادہ درست ہے اور ہمارے پاس شمہ بھر بھی اس امر کا ثبوت نہیں کہ واقعی یہی الفاظ یسوع کے منہ سے نکلے تھے بلکہ بالکل ممکن ہے کہ واقعات کے بعد واقعات کے مطابق یہ پیشگوئیاں گھڑ لی گئی ہوں کیونکہ ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ ان کتابوں کے گمنام مصنف معتبر اور راستباز انسان تھے اور کہ معتبر وسائل سے انکو ان پیشگوئیوں کا علم ہوا تھا اور اگر فرض بھی کرلیا جاوے کہ یسوع نے کوئی پیشگوئی ان واقعات کے بارہ میں کی تھی تو معلوم نہیں ہوسکتا کہ اسکے اصل الفاظ کیا تھے اور آیا واقعات ان الفاظ کے مطابق ظاہر ہوئے یا نہ اور یہ کہ ان الفاظ کو واقعات کے مطابق کرنیکے لیئے اس میں کیا کیا تحریف کی گئی۔ غرض ہم صرف متذکرہ بالا وجوہات کے سبب ہی ان پیشگوئیوں کو ناقابل تسلیم قرار نہیں دیتے بلکہ خود ان کتابوں کے اندر کئی ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان پیشگوئیوں کے بارے میں انجیل نویسوں نے

بناوٹ سے کام لیا ہے اور گرفتاری - موت اور دوبارہ جی اٹھنے کے متعلق جو پیشگوئیاں یسوع کی طرف منسوب کی گئی ہیں اُن کو ہم صحیح اور اصلی پیشگوئیاں قرار نہیں دے سکتے۔

موت کی پیشگوئیوں میں اختلافات

اس امر کو واضح کرنے کے لئے پہلے ہم اُن پیشگوئیوں کو لیتے ہیں جو یسوع کی موت کے بارہ میں ہیں - چاروں انجیلوں میں یسوع مسیح کی طرف اس امر کی پیشگوئی منسوب کی گئی ہے کہ ایک ناگہانی حادثہ کے ذریعہ اُس کی زندگی کا بہت جلدی خاتمہ ہونیوالا ہے۔لیکن جب چاروں انجیلوں کے بیانات کو غور سے دیکھا جاوے تو ان پیشگوئیوں میں بہت اختلاف نظر آتا ہے سب سے پہلا اختلاف تو یہ ہے کہ پہلی تین انجیلوں میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یسوع نے زمانہ تبلیغ کے آخری ایام میں اس آنیوالے حادثہ کی خبر دی تھی (مثلاً ملاحظہ ہو متی ۱۶: ۲۱) حالانکہ چوتھی انجیل میں یہ دکھایا گیا ہے کہ یسوع ابتداء زمانہ بعثت سے لیکر آخر تک اس جانکاہ حادثہ کی خبر دیتا رہا۔چنانچہ سب سے پہلے اُس نے اُسوقت خبر دی جب کہ اُس نے بیل - اور بھیڑ اور کبوتر فروشوں اور صرّافوں کو رسّی کے کوڑے کے ساتھ ہیکل سے نکال دیا (دیکھو یوحنا باب ۲: ۱۳-۲۲) اور ایسا ہی یہودیوں کے سردار نقودیمس کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اُس نے اپنے آخری ایام کے واقعات کی خبر دی (دیکھو یوحنا باب ۳: ۱۳-۱۵)۔پس پہلا اختلاف ان انجیلوں میں یہ ہے کہ پہلی تین انجیلوں کے رُو سے اُس نے اپنے زمانہ تبلیغ کے آخری ایام میں آنیوالے حادثات کی خبر دی مگر یوحنا کہتا ہے کہ ابتدائے زمانہ میں ہی اُس نے خبر دیدی تھی چنانچہ یوحنا نے اپنی کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں ہی اس پیشگوئی کا دو مرتبہ ذکر کیا ہے۔

دوسرا اختلاف ان پیشگوئیوں میں یہ ہے کہ پہلی تین انجیلوں میں اس حادثہ کی خبر کے ساتھ بہت سی باریک تفصیلات بھی دی گئی ہیں - مثلاً (۱) یہود - یسوع کو دُکھ کی موت سے مارنے کی کوشش کرینگے (متی ۱۷: ۱۲) (۲) یسوع کو دشمن کے ہاتھ میں حوالہ کیا جائیگا (متی ۱۷: ۲۲) (۳) غیر قوموں کے لوگ یسوع کو ٹھٹھوں میں اڑاوینگے - کوڑے مارینگے اور صلیب پر کھینچیں گے (متی ۲۰: ۱۸) (۴) یسوع کو کفن میں لپٹیا جائے گا (متی ۲۶: ۱۲) (۵) یسوع تیسرے دن

پھر جی اُٹھے گا۔ مگر جو پیشگوئی یوحنا کی انجیل میں دی گئی ہے اُس میں کہیں ایسی باریک تفصیلات نہیں دی گئیں۔

تیسرا اختلاف پہلی تین انجیلوں اور یوحنا کی انجیل میں اس پیشگوئی کے متعلق یہ ہے کہ پہلی تین انجیلوں میں پیشگوئی کھُلے اور صریح الفاظ میں بیان کی گئی ہے اور یسوع کے شاگرد یسوع کے الفاظ کا مطلب سمجھتے ہیں مگر یوحنا کی انجیل میں یہ پیشگوئی مبہم الفاظ میں بیان کی گئی ہے اور اُس کے شاگرد بالکل سمجھ نہیں سکتے کہ یسوع کا ان الفاظ سے کیا مطلب ہے۔ مثلاً یوحنا کی انجیل کے دوسرے باب میں جو یسوع نے اپنی موت اور دوبارہ جی اُٹھنے کے متعلق پیشگوئی کی ہے۔ وہ اس طرح پر ہے کہ جب یسوع نے رسّی کے کوڑے کے ساتھ کبوتر فروشوں اور دوسرے بیوپاری لوگوں سے ہیکل کو صاف کر دیا تو یہودیوں نے اُسے کہا "کیا نشان تو ہمیں دکھلاتا ہے جو یہ کام کرتا ہے۔ یسوع نے جواب دیکر انہیں کہا کہ اس ہیکل کو ڈھادو اور مَیں اُسے تین دن میں کھڑا کروں گا۔ یہودیوں نے کہا چھیالیس برس سے یہ ہیکل بن رہی ہے اور تو اُسے تین دن میں کھڑا کریگا" اس پر انجیل نویس نوٹ چڑھاتا ہے کہ اُس نے اپنی بدن کی ہیکل کی بابت کہا تھا اسلیئے جب وہ مردوں میں سے جی اُٹھا تو اُس کے شاگردوں کو یاد آیا کہ اُس نے یہ کہا تھا اور وے کتاب اور یسوع کے کلام پر ایمان لائے" (یوحنا ۲: ۲۲) اسی طرح جب یسوع نقودیمس کے ساتھ گفتگو کی تو اُسوقت بھی نہایت ہی مبہم الفاظ میں اپنے خاتمہ کے متعلق پیشگوئی کی جس کو نقودیمس سمجھنے سے قاصر رہا۔ چنانچہ یسوع۔ نقودیمس کو کہتا ہے "جس طرح موسیٰ نے سانپ کو بیابان میں بلندی پر رکھا۔ اُسی طرح سے ضرور ہے کہ ابن آدم بھی اُٹھایا جاوے" (یوحنا۔ ۳: ۱۴) پس پہلی تین انجیلوں اور یوحنا کی انجیل میں تیسرا اختلاف اس پیشگوئی کے متعلق یہ ہے کہ پہلی تین کتابوں میں یہ پیشگوئی سیدھے سادے اور کھُلے کھُلے الفاظ میں ہے مگر یوحنا کی انجیل میں گول مول۔ اور مبہم الفاظ میں اور ایسے استعاروں کے پیرایہ میں ہے کہ سُننے والے اسکے سمجھنے سے بالکل قاصر رہے اور نہ سمجھ سکے کہ یسوع کیا کہتا ہے۔

چوتھا اختلاف جو اس پیشگوئی کے متعلق یوحنا کی انجیل اور باقی تین انجیلوں میں پایا جاتا ہے یہ ہے کہ یوحنا کی انجیل کی رُو سے اُس نے آنیوالے مصائب کو اپنے شاگردوں سے مخفی رکھا لیکن باقی تین کے رُو سے اُس نے ان مصائب کو اپنے شاگردوں سے نہیں چھپایا بلکہ ایک ایک بات

اُن کو قبل از وقت لکھو لکر سُنادی۔

پانچواں اختلاف ان انجیلوں میں اس پیشگوئی کے بارہ میں یہ ہے کہ پہلی تین انجیلوں کے رُو سے یسوع نے اپنے مخالفوں کے سامنے آنیوالے واقعات کا اعلان نہیں کیا لیکن یوحنا کی انجیل کے رو سے اُس نے اپنے دشمنوں کے سامنے اس بات کا علی رؤس الاشہاد اعلان کر دیا کہ مَیں اپنی جان اپنی بھیڑوں کے لیئے دونگا۔ اور مرکر پھر جی اُٹھوں گا۔ یسوع نے عبادت کرنیوالے یہودیوں کے ایک مجمع کو جس میں اُس کے بہت سے دشمن کھڑے تھے مخاطب کر کے کہا کہ ” اچھا گڈریا مَیں ہوں۔ اور اپنوں کو پہچانتا ہوں۔ اور مَیں بھیڑوں کے لیئے اپنی جان دیتا ہوں اور میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑ خانہ کی نہیں۔ ضرور ہے کہ مَیں اُنہیں بھی لاؤں اور وے میری آواز سُنیں گی اور ایک ہی گلہ اور ایک ہی گڈریہ ہوگا۔ باپ مجھے اسلیئے پیار کرتا ہے کہ مَیں اپنی جان دیتا ہوں تاکہ مَیں اُسے پھر لوں۔ کوئی شخص اُسے مجھ سے نہیں لیتا۔ پر مَیں اُسے آپ سے دیتا ہوں۔ میرا اختیار ہے کہ اُسے پھر لوں۔ یہ حکم مَیں نے اپنے باپ سے پایا۔“

جو اختلافات اوپر بیان ہوئے ہیں وہ بالکل ظاہر اور کھلے کھلے ہیں۔ اگر ہم یوحنا کی انجیل کو سچا سمجھیں تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ (۱) یسوع نے اپنی تکالیف اور موت کی ابتداء میں ہی خبر دیدی تھی (۲) اُس نے آنیوالے حادثہ کی تفاصیل کو بیان نہیں کیا تھا (۳) اُس نے اپنی تکالیف کو اپنے شاگردوں سے مخفی رکھا (۴) اُس نے اپنے دشمنوں کے سامنے آنیوالے حادثہ کا اعلان کر دیا (۵) اُس نے اپنی موت کی خبر دیتے ہوئے مبہم اور ذو معنی الفاظ استعمال کیئے۔ لیکن اگر ہم پہلی تین انجیلوں کو سچا سمجھیں تو پھر ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ (۱) اُس نے ابتداء میں اپنے خاتمہ کی خبر نہیں دی بلکہ اپنے زمانہ تبلیغ کے آخری ایام میں اس واقعہ کی اطلاع دی۔ (۲) کہ اُس آنے والے حادثہ کی تفاصیل کو کھولکر بیان کر دیا۔ (۳) اُس نے اس واقعہ کو اپنے شاگردوں سے مخفی نہیں رکھا (۴) اُس نے اپنے دشمنوں کے سامنے اس خبر کا اعلان نہیں کیا۔ (۵) اُس نے اس واقعہ کی خبر دیتے ہوئے ذو معنی اور مبہم الفاظ کو استعمال نہیں کیا۔

ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ یہ اختلافات بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اختلاف بھی اہم امور کے متعلق ہیں۔ اور یہ ناممکن ہے کہ دونوں بیانوں کو صحیح تسلیم کیا جاوے۔ یہ ناممکن ہے

کہ یسوع نے دونوں کام کیئے ہوں - اب ہم دو راہوں میں سے ایک راہ اختیار کر سکتے ہیں یعنی یا تو سارے قصے کو ہی غیر معتبر قرار دیکر رد کر دیا جائے یا دونوں بیانوں میں سے ایک کو جھوٹا قرار دیا جائے اور دوسرے پر غور کیا جاوے ہم مسیحیوں کی خاطر دوسری راہ اختیار کرتے ہیں یعنی ایک بیان کو جھوٹا قرار دیکر دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کہاں تک قابل اعتبار کہلا سکتا ہے - چونکہ یوحنا کا بیان مسیحیوں کے لیئے زیادہ مفید نہیں اور باقی تین انجیلوں کا بیان مسیحیوں کے لیئے زیادہ مفید مطلب ہے اسلیئے ہم یوحنا کے بیان کو رد کر کے باقی تین انجیلوں کے بیانات پر بحث کرتے اور دیکھتے ہیں کہ یہ بیانات کہاں تک درست اور صحیح ہیں -

پہلی تین انجیلوں کے بیانات کی جانچ پڑتال

اب ان تینوں انجیلوں میں یہ لکھا ہے کہ یسوع نے آنیوالے حادثہ سے تھوڑے دن ہی پہلے اس کی اپنے شاگردوں کو خبر دیدی تھی اور صرف خبر ہی نہیں دی تھی بلکہ ہر ایک تفصیل بھی کھول کر بیان کر دی تھی - مگر جب ہم گہری نظر سے ان انجیلوں کو دیکھتے ہیں تو ہم یہ معلوم کر کے حیران رہ جاتے ہیں کہ اگرچہ ایک طرف ان انجیلوں میں بیان کیا گیا ہے کہ یسوع نے سارے واقعات کھولکر اپنے شاگردوں کو سنا دیئے تھے اور اُسکے شاگرد بخوبی سب باتوں کو سمجھ گئے تھے اور کسی امر میں شک و شبہ باقی نہیں رہا تھا اور اُس نے یہ واقعات اپنی زندگی کے خاتمہ کے قریب ہی اپنے شاگردوں کے سامنے بیان کیئے تھے مگر پھر بھی سخت حیرانی کی بات ہے کہ جب اُسکے تمام کے تمام شاگردوں کے عمل کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ان پیشگوئیوں کو کبھی خواب میں بھی نہیں سُنا تھا - انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یسوع کی موت کیلیئے بالکل تیار نہ تھے - برخلاف اُسکے یہ امر اُنکے گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ یسوع اپنے دشمنوں کے قبضہ میں آجائے اور جونہی کہ یسوع کو گرفتار کیا گیا وہ سب کے سب بھاگ گئے اور یسوع کا ساتھ چھوڑ گئے - اور اُس کے دو شاگردوں کی نسبت جو اماؤس کو جا رہے تھے لکھا ہے کہ اُنہوں نے کہا " سردار کاہن اور ہمارے سرداروں نے اُس کو قتل کے حکم کے لیئے حوالہ کیا اور صلیب دی پر ہم امید رکھتے تھے کہ یہی اسرائیل کو مخلصی دینے کو تھا " (لوقا ۲۴ : ۲۰) یہ الفاظ

کبھی یسوع کے شاگردوں کے مُنہ سے نہ نکلتے اگر یسوع نے پہلے اُن کو کہہ دیا ہوتا کہ اُسکا انجام اب قریب ہے اور عنقریب اُسے دشمنوں کے حوالہ کیا جائے گا اور اُسے قتل کیا جائیگا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انجیلوں کا یہ بیان کہ یسوع نے اپنی گرفتاری اور قتل کی قبل از وقت خبر دیدی تھی اور شاگردوں کو بتلا دیا تھا کہ اب وہ خونی دشمنوں کے حوالہ کیا جائے گا ہرگز درست اور صحیح نہیں ہے۔ اگر واقعی یسوع اپنے شاگردوں کو یہ بتلا چکا تھا کہ "ضرور ہے کہ مَیں یروشلم کو جاؤں اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں سے بہت دُکھ اُٹھاؤں اور مارا جاؤں" تو پھر اُسکے شاگردوں نے اُسکے پکڑا جانے اور "مارا جانے" پر کیوں حیرت ظاہر کی اور کیوں یہ کہا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ یسوع ہمیں رومیوں کی سلطنت سے نجات دیگا مگر ہماری امیدیں خاک میں مل گئیں اور یسوع ہماری امیدوں اور ہمارے وہم وگمان کے برخلاف پکڑا گیا اور قتل کیا گیا۔ اُن کی یہ حیرت ظاہر کرتی ہے کہ اُن کو پہلے خبر نہ تھی کہ وہ پکڑا جائیگا اور اُسے قتل کیا جائے گا۔ اگر یسوع نے اُنہیں خبر دی ہوتی تو وہ حیرت ظاہر نہ کرتے۔ بلکہ اس واقعہ کے لئے پہلے ہی سے تیار ہوتے اور یہ نہ کہتے کہ ہمیں یہ گمان نہیں تھا کہ وہ اس طرح یروشلم میں جاکر بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں سے سخت دُکھ اُٹھاکر مارا جائیگا۔ اُن کا تعجب ظاہر کرتا ہے کہ یسوع نے اس حادثہ کی پہلے سے خبر دیکر اس واقعہ کے لیئے اُن کو تیار نہیں کر رکھا تھا۔

یسوع کے دوبارہ جی اُٹھنے کی پیشگوئی

اب ہم یسوع کی اُس پیشگوئی کو لیتے ہیں جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے اپنے دوبارہ جی اُٹھنے کی خبر دی تھی۔ انجیلوں کا بیان ہے کہ یسوع نے پیش از وقت اپنے شاگردوں کو صرف یہی خبر نہیں دی تھی کہ وہ دُکھ اُٹھائیگا اور قتل کیا جائیگا بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ وہ تیسرے دن پھر جی اُٹھے گا۔ متی لکھتا ہے "اُسوقت سے یسوع اپنے شاگردوں کو خبر دینے لگا کہ ضرور ہے کہ مَیں یروشلم کو جاؤں اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں سے بہت دُکھ اُٹھاؤں اور مارا جاؤں اور تیسرے دن جی اُٹھوں" (۱۶: ۲۱) پھر اُسی کتاب میں لکھا ہے "جب وے جلیل میں پھرا کرتے تھے۔

یسوع نے انہیں کہا کہ ابن آدم لوگوں کے ہاتھ میں حوالہ کیا جائے گا - اور وے اُسے قتل کرینگے - پھر وہ تیسرے دن جی اُٹھے گا - تب وے نہایت غمگین ہوئے" (۱۷: ۲۲-۲۳) - اب یسوع کی یہ باتیں ایسی چونکا دینے والی تھیں کہ یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ اُس کے شاگردوں نے اُن کو فوراً بالکل بھلا دیا ہو - اس لئے جب یسوع کو یروشلم میں صلیب پر لٹکایا گیا اور پھر اُسے قبر میں رکھا گیا تو ضرور انکو یسوع کی پیشگوئی یاد آگئی ہوگی اور وہ ضرور اس بات کے منتظر ہونگے کہ یسوع اب تیسرے دن زندہ ہو جائیگا - یسوع کی ساری باتیں بقول انجیل نویسان اب پوری ہو چکی تھیں - وہ دشمنوں کے حوالہ کیا گیا تھا - اور اُسکی پیشگوئی کے مطابق اُسکے ایک شاگرد نے اپنے آقا کو چومکر پکڑوا دیا اور یسوع کو سردار کاہنوں اور فقیہوں کے حوالے کیا گیا اور اُنھوں نے یسوع پر قتل کا حکم دیا اور یسوع کو ٹھٹھوں میں اڑایا گیا اور اُسے کوڑے مارے گئے اور صلیب پر کھینچا گیا - ان باتوں کو دیکھکر ضروری تھا کہ یسوع کے شاگردوں کو یسوع کے وہ الفاظ یاد آجاتے جو کہ اُس نے یروشلم کو جاتے ہوئے راہ میں بارہ شاگردوں کو الگ لیجا کے کہے تھے کہ "دیکھو ہم یروشلم کو جاتے ہیں - اور ابن آدم سردار کاہنوں اور فقیہوں کے حوالے کیا جاویگا - اور وہ اُسپر قتل کا حکم دینگے اور اُسے غیر قوموں کے حوالے کرینگے کہ ٹھٹھوں میں اڑاویں اور کوڑے ماریں اور صلیب پر کھینچیں - پر وہ تیسرے دن پھر جی اُٹھیگا" جب یروشلم کو جاتے ہوئے راہ میں یہ سب باتیں یسوع نے اپنے شاگردوں کو کہی تھیں تو کبھی ممکن نہ تھا کہ دین والی باتیں اُنکو بھول جاتیں اور جب یہ سب کچھ واقع بھی ہو گیا اُسوقت بھی اُنکو یاد نہ آتیں جب یہ سب باتیں وہ یسوع کے مُنہ سے یروشلم کو آتے ہوئے راہ میں سُن چکے تھے اور اُنکا مشاہدہ بھی کر چکے تھے تو ضروری تھا کہ اب وہ اس بات کے امیدوار بھی ہوتے کہ یسوع اب مُردوں سے جی اُٹھے گا اور وہ ضرور یسوع کے دوبارہ جی اُٹھنے کی انتظار میں اُسکی قبر کے ارد گرد گھات لگا کر بیٹھے رہتے - خصوصاً تیسرے دن تو وہ ضرور قبر کے ارد گرد گھومتے اور دیکھتے کہ یسوع کس گھڑی قبر سے نکلتا ہے - مگر بجائے اسکے کہ وہ یسوع کے جی اُٹھنے کا انتظار کرتے اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وطن کی طرف جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے اور بعض تو جلیل کی طرف روانہ بھی ہو گئے - ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ یسوع کے سارے کے سارے

شاگرد ایسا کمزور حافظہ رکھتے تھے کہ اُن کو یسوع کی وہ چونکا دینے والی پیشگوئیاں بالکل بھول گئیں اور جو باتیں اُنہوں نے یروشلم کی طرف آتے ہوئے راہ میں سُنی تھیں وہ سب اُن کے دماغ سے نکل گئی تھیں اور جب اُنہوں نے اُن واقعات کا بھی مشاہدہ کر لیا جن کے متعلق یسوع نے راستہ میں پیشگوئی کی تھی تب اُنکو وہ پیشگوئی یاد نہ آئی اگر یسوع نے فی الواقعہ اپنے پکڑا جانے۔ دکھ اُٹھانے اور صلیب پر کھینچا جانے کی پیشگوئی اُنکے سامنے یروشلم کو آتے ہوئے کی تھی تو جب وہ اس پیشگوئی کے مطابق گرفتار کیا گیا اور اُسے طرح طرح کے دُکھ بقول مسیحیان دیئے گئے اور آخر صلیب پر بھی کھینچا گیا تو اگر بفرض محال پہلے اُن کو یہ پیشگوئی بھول بھی گئی تھی تو اُسوقت فوراً اُن کو یاد آ جانی چاہیئے تھی۔ اور ضروری تھا کہ وہ بڑی خوشی کے ساتھ یسوع کے دوبارہ جی اُٹھنے کا انتظار کرتے اور قبر سے نکلتے وقت اپنے اُستاد کا بڑے تپاک کے ساتھ استقبال کرنے کے لیئے تیار کھڑے رہتے۔ لیکن اُنہوں نے ایسا نہیں کیا۔

انجیلوں سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو بالکل یہ امید نہ تھی کہ یسوع پھر قبر سے نکلے گا۔ وہ یسوع کی طرف سے اب بالکل نا امید ہو چکے تھے اور اُنکی مایوسی غایت درجہ تک پہنچ چکی تھی۔ انجیلوں میں لکھا ہے کہ جب یسوع کو قبر میں رکھا گیا تو اُسکے بعد بعض عورتیں اُس کی لاش کو خوشبو لگانے کے لیئے اُس کی قبر پر آئیں۔ انجیل میں یہ نہیں لکھا کہ وہ اس امید پر آئیں کہ یسوع کو قبر سے نکلتے ہوئے دیکھیں بلکہ اُنکو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ وہ پھر جی اُٹھے گا وہ اُسکو اب ہمیشہ کے لیئے وفات یافتہ یقین کر چکی تھیں لوقا میں لکھا ہے کہ "وے عورتیں بھی جو اُسکے ساتھ جلیل سے آئی تھیں پیچھے پیچھے چلیں اور قبر کو اور اُس کی لاش کو کہ کس طرح رکھی گئی دیکھتی تھیں اور پھر کے خوشبوئیں اور عطر طیار کیا لیکن شرع کے موافق سبت کے دن آرام کیا۔ اور وے اتوار کے دن بڑے تڑکے اُن خوشبوؤں کو جو طیار کی تھیں لیکے قبر پر آئیں اور اُنکے ساتھ کئی اور بھی تھیں۔" اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دل میں یہ گمان بھی نہ تھا کہ آج کا دن یسوع کے جی اُٹھنے کا دن ہے بلکہ اُن کو یقین تھا کہ وہ قبر میں جا کر یسوع کی مردہ لاش دیکھیں گی اور اُسکو خوشبو اور

مُر لگاکر ثواب دارین حاصل کرینگی - اگر انہوں نے یہ سُنا ہوتا کہ یسوع تیسرے دن دوبارہ جی اُٹھے گا تو وہ اسکو خوشبو لگانے نہ جاتیں بلکہ زندہ یسوع کا استقبال کرنیکے لیئے خوشی خوشی جاتیں - لیکن انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ یسوع کے استقبال کے لیئے نہیں گئی تھیں بلکہ اُسکی مُردہ لاش کو خوشبو اور مُر لگانے کے لیئے گئی تھیں - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی ایسی پیشگوئی کو نہیں سُنا تھا - لیکن اگر یسوع نے کوئی ایسی پیشگوئی کی ہوتی تو ضرور انہوں نے بھی سُنی ہوتی کیونکہ جس طرح یسوع کے شاگرد سفر وحضر میں یسوع کے ساتھ رہتے اسی طرح یہ عورتیں بھی ہر وقت یسوع کے ساتھ رہتی تھیں اور یروشلم کے سفر میں بھی وہ یسوع کے ساتھ تھیں - اور اُن کو یسوع کے ساتھ بہت محبت تھی -

بجائے اس کے کہ وہ یہ امید رکھتیں کہ وہ یسوع کو زندہ دیکھیں گی اور یسوع اپنی معجزانہ طاقت اور قدرت کے ساتھ پھر زندہ ہو کر قبر سے نکل آئیگا اُن کو تو یہ خوف لگا ہُوا تھا کہ ہم یسوع کی مُردہ لاش کو کس طرح خوشبو لگائیں گی کیونکہ قبر کے دروازہ پر ایک بھاری پتھر ہے - مرقس لکھتا ہے "ہفتہ کے پہلے دن بہت سویرے سورج نکلتے ہوئے قبر پر آئیں اور آپس میں کہنے لگیں کہ ہمارے لیئے پتھر کو قبر کے دروازے سے کون ڈھلکائیگا"

پھر جب انہوں نے پتھر کو ڈھلکا ہُوا پایا اور اندر جھانک کر دیکھا کہ یسوع کی لاش قبر کے اندر نہیں ہے، تو اُسوقت بھی اُن کو یہ خیال نہ آیا کہ یسوع دوبارہ جی اُٹھا ہے بلکہ انہوں نے خیال کیا کہ کوئی شخص یسوع کی لاش کو چُرا کر لے گیا ہے اور وہ قبر پر کھڑی ہو کر رونے لگیں - یوحنا لکھتا ہے "مریم باہر قبر پر روتی کھڑی رہی اور روتے ہوئے جبکہ قبر میں جُھک کے نظر کی تو دو فرشتے ..... دیکھے (دوسری انجیل میں ایک فرشتہ لکھا ہے) جنھوں نے اُسے کہا اے عورت تو کیوں روتی ہے - اُس نے انہیں کہا اسلیئے کہ وے میرے خداوند کو لے گئے اور مَیں نہیں جانتی کہ انہوں نے اُسے کہاں رکھا"

ممکن ہے کہ کوئی مسیحی یہ عذر کرے کہ یہ عورتیں تھیں - راز کی باتیں ان سے مخفی رکھی جاتی تھیں - مردوں کو یسوع کے پکڑا جانے - مرنے اور مر کر جی اُٹھنے کی پیشگوئی کی خبر تھی - عورتوں کو اس پیشگوئی سے بے خبر رکھا گیا تھا - اسلیئے وہ گھبرا گئیں اگر انکو اس پیشگوئی کی خبر ہوتی تو وہ ضرور فوراً یہ نتیجہ نکالتیں کہ یسوع پھر جی اُٹھا ہے اور وہ بجائے رونے کے خوش ہوتیں - لیکن مسیحی صاحبان کو معلوم ہونا چاہیئے

کہ صرف عورتیں ہی اس پیشگوئی سے بے خبر نہ تھیں بلکہ یسوع کے حواری اور حواریوں میں سے خاص الخاص حواری بھی اس پیشگوئی سے محض ناآشنا تھے۔ کیونکہ انجیل نویس لکھتا ہے کہ "ہفتہ کے پہلے دن مریم مگدلینی تڑکے ایسا کہ ہنوز اندھیرا تھا قبر پر آئی اور پتھر کو قبر سے ٹلا ہوا دیکھا تب وہ شمعون پطرس اور اُس دوسرے شاگرد کے پاس جسے یسوع پیار کرتا تھا دوڑی آئی اور انہیں کہا کہ خداوند کو قبر سے نکال لے گئے اور ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اُسے کہاں رکھا۔ پھر پطرس اور وہ دوسرا شاگرد نکلے اور قبر کی طرف گئے۔ چنانچہ وے دونوں اکٹھے دوڑے پر دوسرا شاگرد پطرس سے بڑھ گیا اور قبر پر پہلے پہنچا...... اور دیکھ کے یقین کیا اس اقتباس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے وہ عورتیں یسوع کی مفروضہ پیشگوئی سے بے خبر تھیں ویسے ہی یسوع کے شاگرد بھی اس پیشگوئی سے بالکل بے خبر تھے کہ یسوع مُردوں میں سے جی اٹھیگا۔ جیسا عورتوں نے یہ خیال کیا کہ یسوع کی لاش کو لوگ چرا کر لے گئے ہیں ایسا ہی اُسکے شاگردوں نے بھی دیکھ کے یہی یقین کیا کہ ضرور یسوع کی لاش چرائی گئی ہے۔ اگر یسوع نے اُنکے سامنے یہ پیشگوئی کی ہوتی کہ میں پھر جی اُٹھوں گا تو وہ ہرگز یہ خیال نہ کرتے کہ یسوع کی لاش چرائی گئی ہے بلکہ وہ جھٹ یہ سمجھ جاتے کہ یسوع اپنی پیشگوئی کے مطابق پھر جی اُٹھا ہے۔ مگر انہوں نے ایسا خیال نہیں کیا جس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یسوع نے اُنکے سامنے ہرگز یہ نہیں کہا تھا کہ میں پھر جی اُٹھوں گا اور انجیلوں کا یہ کہنا کہ یسوع نے ایسی پیشگوئی کی تھی بالکل غلط ہے۔

پھر اس سے بڑھ کر اور ثبوت لو۔ لوقا لکھتا ہے کہ جب مریم مگدلینی اور دوسری عورتیں قبر پر یسوع کی لاش کو خوشبو لگانے کے لئے گئیں تو اُن کو دو فرشتے نظر آئے اور اُنہوں نے اُن سے کہا "تم کیوں زندہ کو مُردوں میں ڈھونڈتی ہو۔ وہ یہاں نہیں ہے بلکہ اُٹھا ہے۔ یاد کرو کہ ہنوز جب جلیل میں تھا تم سے کیا کہا تھا کہ ضرور ہے کہ ابن آدم گنہگاروں کے ہاتھ میں حوالہ کیا جائے اور صلیب دیا جائے اور تیسرے دن اُٹھے" انجیل نویس کہتا ہے کہ جب اُنہوں نے فرشتوں کی یہ بات سنی تو وہ دوڑتی ہوئی یسوع کے شاگردوں کے پاس گئیں اور لوقا کے بیان کے مطابق "ان گیارہ کو اور سب باقی توموں کو ان سب باتوں کی خبر دی اور مریم مگدلینی اور یوحنا اور مریم یعقوب کی ماں اور دوسری عورتیں جو ساتھ تھیں اُنہوں نے رسولوں سے

یہ باتیں کہیں پر انکی باتیں انہیں کہانی سی سمجھ پڑیں اور اُن کا اعتبار کیا" اب ناظرین غور کریں۔ رسولوں کو بتلایا جاتا ہے کہ یسوع مردوں سے جی اُٹھا ہے۔ پھر یہ ماجرا انکو کہانی سی معلوم ہوا اور انکو اعتبار نہ آیا۔ مگر باوجود اسکے یہ کہا جاتا ہے کہ یسوع نے کئی مرتبہ اپنے شاگردوں کو اپنے مرکز جی اُٹھنے کی خبر دی تھی اور یروشلم کو آتے ہوئے راستہ میں بھی یہ خبر ہر ایک شاگرد کو سنائی تھی پھر رسولوں کو اعتبار نہیں آتا اور وہ اسکو ایک بیہودہ کہانی سمجھتے ہیں۔ فرشتے بھی اُن عورتوں کی معرفت انکو یسوع کا وعدہ یاد دلاتے ہیں پھر بھی وہ اعتبار نہیں کر سکتے حالانکہ اگر واقعی یسوع نے کوئی ایسا وعدہ دیا تھا تو فرشتوں کی یاد دہانی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ یہ ایسا وعدہ نہ تھا کہ جھٹ بھول جاتا۔ جب یسوع پہلے مرحلے طے کر چکا تھا تو اب ضروری تھا کہ اسکے شاگرد یسوع کے جی اُٹھنے کے خود بخود منتظر ہوتے مگر یہاں تو معاملہ ہی اُلٹا ہے۔ منتظر ہونا تو کجا۔ جب اُن کو بتایا جاتا ہے کہ یسوع مُردوں سے جی اُٹھا ہے تو وہ اسکو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ محض ایک افسانہ ہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو یسوع کے جی اُٹھنے کا قطعاً کوئی انتظار نہ تھا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ انکو یسوع نے اپنے جی اُٹھنے کی کوئی خبر قبل از وقت نہیں دی تھی۔ اگر یسوع نے انکو یہ بتلایا ہوتا کہ میں پکڑا جاؤنگا۔ گنہگاروں کے حوالے کیا جاؤنگا اور صلیب پر کھینچا جاؤنگا کفن میں لپیٹا جاؤنگا قبر میں رکھا جاؤں گا اور تیسرے دن جی اُٹھونگا تو اُن کو یسوع کی ساری باتیں لفظ بلفظ پوری ہوتے ہوئے دیکھنے کے بعد اس بات کا یقین ہو جانا چاہیئے تھا کہ جب باقی سب باتیں ہو بہو پوری ہو گئی ہیں تو آخری بات بھی ضرور پوری ہو کر رہے گی۔ لیکن انجیلوں کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکے وہم و گمان میں یہ نہیں تھا کہ یسوع پھر جی اُٹھے گا بلکہ جب اُن کو بتایا گیا تو پھر بھی اُنہوں نے اسکو افسانہ کہکر رد کر دیا اس سے صریحاً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یسوع نے ہرگز انکو کوئی خبر پہلے نہ دی تھی اور انجیلوں میں جو یہ لکھا ہے کہ اس نے کئی موقعوں پر اور خصوصاً یروشلم کو آتے ہوئے سفر میں یہ کہدیا تھا کہ فلاں فلاں امر مجھے پیش آئیگا۔ اور آخر میں تیسرے دن پھر جی اُٹھونگا یہ محض ایک بناوٹی بات ہے جو بعد میں گھڑی گئی ہے۔ اور یسوع کے شاگردوں کے طرز عمل نے اس واقعہ کا بے بنیاد ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے۔

یسوع کے شاگردوں کا تو یہ حال ہے کہ جب خود یسوع اُنکے سامنے آیا اور اُنہوں نے اُسے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا۔ پھر بھی اُنکو یہ یقین نہ آیا کہ یسوع زندہ ہے آخر یسوع نے اپنے زخموں میں اُن کی اُنگلیاں ڈلوائیں اور اُن کے سامنے مچھلی اور شہد کھایا تا اُن کو کسی طرح اس بات کا یقین ہو کہ مَیں کوئی بھُوت نہیں بلکہ وہی یسوع اپنے پہلے خاکی جسم میں اُنکے سامنے کھڑا ہوں جس جسم کے ساتھ مجھکو صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ اب ناظرین ہی انصاف کریں کہ کیا ان لوگوں کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ یسوع کے دوبارہ جی اُٹھنے کے منتظر تھے۔ اگر یہ لوگ یسوع کے دوبارہ جی اُٹھنے کے منتظر ہوتے تو وہ کبھی بھی یسوع کو زندہ ماننے میں اسقدر انکار اور اصرار سے کام نہ لیتے۔ لیکن اگر وہ یسوع کے جی اُٹھنے کے منتظر نہ تھے تو پھر معلوم ہُوا کہ اُنکو یسوع نے پہلے تمام واقعات کی خبر نہیں دی تھی اور جو کچھ انجیلوں میں اس امر کے متعلق لکھا ہے وہ محض ایک افسانہ ہے۔

مسیحیوں کو مجبورًا اب دو راہوں میں سے ایک راہ اختیار کرنی پڑیگی یا تو اُن کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یسوع نے کوئی پیشگوئی اس امر کی نسبت نہیں کی تھی کہ مَیں گنہ گاروں کے ہاتھ میں حوالہ کیا جاؤنگا۔ فریسی اور فقیہ مجھ پر قتل کا فتویٰ دینگے۔ مجھ پر ہنسی اُڑائی جائیگی اور مجھے طرح طرح کے دُکھ دیئے جاوینگے۔ آخر صلیب پر کھینچا جاؤنگا اور مَیں تیسرے دن جی اُٹھونگا یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ یسوع کے حواریوں کا جو طرزِ عمل انجیلوں میں لکھا ہے وہ غلط ہے۔ اُنہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اُنکو یسوع کی پیشگوئی جو یروشلم میں داخل ہونے سے پہلے اُس نے اُنکو سُنائی تھی وہ اُنکو خوب یاد تھی اور اُس کا ایک ایک لفظ اُنکے پیشِ نظر تھا اور کوئی لمحہ اُنپر ایسا نہ گذرتا تھا جب کہ یہ خبر اُن کے دلوں سے دُور ہو اور جب اُنہوں نے اُس پیشگوئی کے تمام مرحلے حرف بہ حرف پورے ہوتے دیکھ لیئے تو اُنکو یقین کامل ہو گیا کہ اب یسوع کے جی اُٹھنے کی باری آئی ہے اُنکو یسوع کی راستبازی کا پہلے ہی یقین تھا کیونکہ وہ ہزاروں باتیں اُس کی پوری ہوئی ہوئی دیکھ چکے تھے اور اُن کو اُسکی باتوں میں ذرہ بھی شک نہیں تھا اور جب اُنہوں نے یسوع کی پیشگوئی کے پہلے سارے مرحلے لفظ بلفظ پورے ہوتے ہوئے دیکھ لیئے تو اُنکا یقین اور بھی بڑھ گیا اور اُنکو اس امر میں ذرہ بھر بھی

شک باقی نہ رہا کہ یسوع تیسرے دن جی اُٹھے گا اور جو کچھ انجیلوں میں اس کے خلاف لکھا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ غرض مسیحی صاحبان دو راہوں میں سے ایک راہ اختیار کر سکتے ہیں۔ یا تو وہ یہ کہیں کہ یسوع نے دوبارہ جی اُٹھنے اور دیگر متعلقہ امور کی نسبت کوئی پیشگوئی نہیں کی تھی یا یہ کہیں کہ اناجیل میں جو حواریوں کا طرز عمل لکھا ہے وہ غلط ہے۔ ان دونوں راہوں میں سے جو راہ چاہیں اختیار لیں مگر دونوں صورتوں میں جو نتیجہ نکلے گا وہ یہی ہے کہ مسیحیوں کی کتب مقدسہ قابل اعتبار نہیں۔

ایک اور تماشہ کی بات سنئے۔ یہ انجیلیں عجیب کتابیں ہیں۔ ان سے یسوع کے شاگردوں کی نسبت تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع کی پیشگوئی ان کے دماغ سے بالکل نکل گئی تھی اور وہ بالکل بھول گئے کہ یسوع نے اپنے جی اُٹھنے کے متعلق کوئی خبر دی تھی چنانچہ لکھا ہے کہ "وے ہنوز اس نوشتہ کو نہ جانتے تھے کہ مردوں میں سے اُس کا جی اُٹھنا ضرور ہے" لیکن تعجب کی بات ہے کہ اناجیل کے بیان کے مطابق یسوع کے دشمن یسوع کی اس پیشگوئی کو خوب جانتے تھے۔ متی کی انجیل میں لکھا ہے کہ "دوسرے روز جو طیاری کے دن کے بعد کا ہے سردار کاہنوں اور فریسیوں نے ملکر پلاطس کے پاس جمع ہو کے کہا کہ اے خداوند ہمیں یاد ہے کہ وہ دغا باز اپنے جیتے جی کہتا تھا کہ میں تین دن بعد جی اُٹھوں گا اسلیئے حکم کر کہ تیسرے دن قبر کی نگہبانی کریں"۔ ناظرین غور فرماویں شاگرد تو اس پیشگوئی سے بالکل بے خبر ہوں کہ یسوع تیسرے دن مردوں سے جی اُٹھے گا اور اُس کے دشمن یہ کہیں کہ ہمیں یاد ہے کہ یہ دغا باز کہتا تھا کہ میں تین دن بعد جی اُٹھوں گا۔ ایسی کتابوں پر کیا اعتبار کیا جائے جس میں ایسی متضاد باتیں درج ہوں۔ اب میں اس بات کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتا ہوں کہ کیا انجیل کی بیان کردہ پیشگوئیوں کی بنا پر یسوع کی نبوت ثابت ہو سکتی ہے۔ جتنا زیادہ ہم ان انجیلوں کے بیانات پر غور کرتے ہیں اُتنا ہی زیادہ انکی ناقابل اعتباری ظاہر ہوتی ہے۔

(باقی آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

آئندہ دنیا کا مذہب کیا ہوگا؟ مسیحیت یا اسلام؟

(ترجمہ مضمون خالد شیلڈرک افندی۔ آنریری سکرٹری اسلامک سوسائٹی لنڈن)

اگلے دن میرے ایک دوست نے کہا " مَیں تعجب کرتا ہوں کہ ایک سو سال بعد کونسا مذہب دنیا میں سب سے بڑا مذہب ہوگا۔ مَیں نے بلا تأمل جواب دیا کہ اسلام۔ اور اب مَیں اس مضمون میں وہ دلائل بیان کرنے کی کوشش کروں گا جن کی وجہ سے مَیں نے یہ قطعی رائے ظاہر کی۔ جب ہم یورپ کی گذشتہ تاریخ پر نظر کرتے ہیں تو ہم یہ دیکھکر حیران رہ جاتے ہیں کہ باوجودیکہ قریباً دو ہزار سال سے مسیحیت یورپ میں موجود ہے پھر بھی ابھی تک جو انسانیت کے اصول یورپ نے قائم کیے ہیں وہ نہایت ہی ابتدائی درجہ کے ہیں۔ ایک انسان یہ سوال کرتا ہے کہ کیا یورپ کی موجودہ تہذیب مسیحیت کی برکت سے ہی؟ اسکا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ یورپ نے مسیحیت کی بدولت ترقی نہیں کی بلکہ جو کچھ ترقی اس نے کی ہے وہ مسیحیت کا مقابلہ کرکے کی ہے۔ گذشتہ زمانہ میں ہر ایک چیز میں کلیسیا کو ہی بڑا بھاری دخل تھا اور طبعاً انسان امید کرتا ہے کہ اسوقت تک یورپ اطمینانِ قلب۔ راحت۔ اخلاق اور اخوت کا ایک بہشت بن گیا ہوگا (کیونکہ مسیحیوں کا یہ دعوٰی ہے کہ مسیحیت سے یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں) لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یورپ واقعی اطمینانِ قلب۔ راحت۔ اخلاق اور اخوت کا بہشت بنا ہوا ہے؟ مسیحی کہتے ہیں کہ یسوع امن کا شاہزادہ تھا لیکن وہ کہتا ہے کہ مَیں امن لانے کے لیئے نہیں بلکہ تلوار چلانے کے لیئے آیا ہوں اور اس تلوار کو اسوقت تک مسیحی یورپ نے کھینچا ہوا ہے اسکے مقابل میں قرآن شریف کے وہ الفاظ دیکھو جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین کہا گیا ہے۔ مَیں ناظرین کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ وہ ایک لمحہ کے لیئے تعصب سے خالی ہوکر بتائیں کہ ان دونوں قوموں میں سے کس میں نوع انسان کے لیئے ہمدردی اور شفقت پائی جاتی ہے۔ کیا کوئی شخص اس بات سے انکار کرسکتا ہے کہ لاکھوں بے گناہ انسان مسیح کے نام پر ذبح کیئے گئے ہیں۔ کیا یورپ کی

خوفناک جنگیں اس وجہ سے ۔۔۔۔۔۔ واقع نہیں ہوئیں کہ یسوع کی تعلیم کے معنے کرنے میں اختلاف ہوا۔ محکمہ تفتیش کے خوفناک مظالم کا خیال کرو جبکہ مذہبی اختلاف کی وجہ سے ایک فرقہ کے مسیحی تمام دوسرے فرقوں کے لوگوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر طرح طرح کے عذاب دیتے تھے۔ کیا یورپ کے یہودی اُن ہولناک خونریزیوں کو بھلا سکتے ہیں جو گیارھویں صدی مسیحی میں یورپ کے مسیحیوں نے اُنپر وارد کیں۔ کیا یہودی اس بات کو فراموش کرسکتے ہیں کہ کس طرح انگلستان میں اُن کو لوٹا جاتا تھا۔ اور ہمارے زمانہ میں بھی مسیحیوں کے گروہ کے گروہ یہودیوں کا اس طرح میلوں تک تعاقب کرتے ہیں جس طرح شکاری کتّے شکار کا تعاقب کرتے ہیں۔ اور اُن کو گالیاں دیتے ہیں اور طرح طرح کے الفاظ اُن کے حق میں استعمال کرتے ہیں۔ کیا لوگوں کو اطمینانِ قلب حاصل ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہر ایک طرف سے بے چینی اور ہڑتالوں کی خبر آتی ہے۔ کیا لوگوں کو راحت حاصل ہے۔ اور کیا لوگ خوش ہیں؟ تعجب کی بات ہے کہ جو لوگ خوش معلوم ہوتے ہیں وہ صرف وہی لوگ ہیں جو مسیحیت کو ترک کر بیٹھے ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ جو نجات یافتہ ہونے کا دعوی کرتے ہیں وہ ہمیشہ اُداس اور ایسے پژمُردہ نظر آتے ہیں کہ ایک بیرونی آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ اگر مسیحیت اس سے زیادہ خوش انسان پیدا نہیں کرسکتی تو وہ اس قابل نہیں کہ اسکو قبول کیا جائے۔ کیا یورپ کے انسان بااخلاق انسان ہیں۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مَیں کاغذ کے کئی ریم خرچ کرسکتا ہوں اور اہل یورپ کی زندگی سے ایسے واقعات پیش کرسکتا ہوں جنکو پڑھکر نہایت سخت دل انسان بھی کانپ اُٹھے گا۔ بااخلاق؟ نہیں۔ ہزار دفعہ نہیں۔ اہل یورپ کی زندگی جڑھتک گلی ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ کم از کم انگلستان کی حالت ایسی بُری نہیں جیسی کہ برِاعظم یورپ کی ہے۔ مگر مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ انگلستان دوسرے ملکوں سے نمود میں بڑھا ہوا ہے۔ اور اس ملک کے لوگ ہر بُرائی پر نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن انگلستان کے ہر ایک شہر میں بدکاری کا ایک محلہ ہوتا ہے۔ اور رات کے وقت ہمارے شہروں میں کوئی شریف بی بی بازاروں اور کوچوں میں حفاظت کے ساتھ نہیں گذر سکتی۔ کام کاج میں بھی لوگ بااخلاق نہیں ہیں۔ دھوکہ دینا ایک لطیف ہنر سمجھا جا

ہے اور جو شخص غبن اور غدّاری میں کامیاب ہو جائے اُسکو ایک ہُشیار انسان سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر وہ کافی روپیہ جمع کرے تو جس درجہ تک چاہے ترقی کر سکتا ہے اور نہایت اعلیٰ درجہ کی سوسائٹی میں داخل ہو سکتا ہے۔ اور جو لوگ اُس کی عیّاری سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں وہ اپنی بیٹیاں اُسکو نکاح میں دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا بردہ فروشی کا ایک بازار گرم ہے اور جو شخص سب سے زیادہ مالدار ہو وہ سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی کو خرید سکتا ہے۔ یورپ کی سوسائٹی کا خدا روپیہ ہے اور محبت کو اُس پر قربان کیا جاتا ہے۔ بہت سے ایسے ہیں جو ایک بیوی رکھتے ہیں اور اُس بیوی کے علاوہ وہ کئی عورتوں سے آشنائی کا تعلق رکھتے ہیں اور اسکے مقابل پر اُن کی بی بیاں دوسرے لوگوں سے آشنائی رکھتی ہیں۔ اسکے بعد طلاق واقع ہوتی ہے اور چند دن تک چرچا ہوتا ہے۔ پھر سوسائٹی اس معاملہ کو فراموش کر دیتی ہے اور پھر زانیہ عورت سوسائٹی میں وہی عزت رکھتی ہے جو اُسے پہلے حاصل تھی گویا اُس سے کوئی ناجائز امر سرزد ہی نہیں ہوا تھا۔ کیا یورپ با اخلاق ہے؟ خدائے تعالیٰ ایشیا اور افریقہ کو مسیحی یورپ کے اخلاق سے محفوظ رکھے۔ کیا یورپ کے مسیحیوں میں اخوت کا تعلق پایا جاتا ہے؟ یورپ کی نسبت ایسا سوال کرنا ہی گویا ایک استہزاء ہے۔ چار سَو سے زیادہ فرقے یورپ کے مسیحیوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور ہر ایک کا یہ اعتقاد ہے کہ ان تمام فرقوں میں سے صرف ہمارا فرقہ ہی راہِ راست پر ہے اور باقی تمام گمراہ ہیں۔ ایک انسان خیال کرتا ہے کہ مسیحی ہونے سے تمام رکاوٹیں دُور ہو جاتی ہیں۔ اخوّت قائم ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے مسیحی اُسکے ساتھ دوستانہ اور برادرانہ تعلق رکھ سکتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ سب سے پہلا سوال یہ پوچھا جاتا ہے کہ کیا وہ گرجا میں حاضر ہوتا ہے؟ کیا اُس کی قوم کے لوگ خوش حال ہیں؟ کیا وہ مالدار ہے؟ اگر وہ اِن امور کے رُو سے ایک مناسب آدمی ہے۔ تب اُس کی طرف توجہ کیجائے گی لیکن اگر وہ کسی اور فرقہ کے گرجا میں حاضر ہوتا ہے۔ مثلاً وہ بپٹسٹ ہے یا رومن کیتھولک ہے یا میتھوڈسٹ ہے اور تم ان فرقوں میں سے نہیں ہو تو تم اُسکے ساتھ ہاتھ نہیں ملا سکتے۔ مسیحیت کے یہ تمام فرقے ایک دوسرے کے ساتھ سخت عداوت اور بغض رکھتے ہیں اور

اگر ممکن ہو تو وہ ایک دوسرے کو تلوار سے قتل کر دیں یا آگ سے جلاویں جیسا کہ وہ گذشتہ زمانہ میں کرتے رہے ہیں۔ ان حالات کو مدِ نظر رکھکر ہم مسیحیت کے لیئے ناکامی محض کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔ ڈاکٹر مارٹی نو نے جو ایک مشہور یونی ٹے ری ان ہے خوب کہا ہے "مسیح زمین پر آگ جلانے آیا۔ اور آج ۱۸ سو سال کے بعد بھی اُس کے پیرو یہی سوچ رہے ہیں کہ آگ جلانے کے لیئے کوئی نہایت ہی عمدہ دیا سلائی تجویز کی جاوے"۔ کلیسیا کا اب لوگوں کے دلوں پر بالکل کوئی اثر نہیں۔ اور تثلیث۔ کفارہ اور الوہیت مسیح کے عقائد کی وجہ سے بہت سے لوگ دہریوں کی جماعت میں داخل ہو گئے ہیں۔ درحقیقت اب لوگوں نے عام طور پر مسیحیت سے منہ پھیر لیا ہے اور اس طرح ایک عجیب نظارہ ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے ایک طرف تو ہم دیکھتے ہیں کہ مسیحی مشنریوں کی ایک فوج غیر ممالک کے لوگوں کو مسیحی بنانے کے لیئے باہر جاتی ہے اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ خود انگلستان و یورپ میں اکثر لوگ مسیحیت کے معتقد نہیں رہے۔ پھر مختلف فرقوں کے مسیحی واعظ مختلف باتوں کو پیش کر کے ہر ایک اُن میں سے کہتا ہے کہ جو بات میں پیش کرتا ہوں یہی حق ہے اور اسکے سوا سب کچھ باطل ہے اس اختلاف کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ سننے والوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اُن کا اپنا ہی مذہب اُس مذہب سے بدرجہا بہتر ہے جسے مسیحی واعظ پیش کرتے ہیں۔ کلیسیا ہمیشہ ترقی کی دشمن رہی ہے اور ہمیں اُن بڑے آدمیوں کی ضرور عزت کرنی چاہیئے۔ جنہوں نے مذہبی اور سوشل آزادی قائم کرنے کے لیئے مسیحیت کا مقابلہ کیا ہم انگریز اُن آزاد خیال لوگوں کے بہت ممنون ہیں جنہوں نے کلیسیا کا سخت مقابلہ کر کے ملک میں آزادی قائم کی کلیسیا نے اُن کی مخالفت کی مگر وہ کلیسیا پر غالب آئے۔ آج گرجے خالی نظر آتے ہیں۔ اور باقی دنوں کی طرح اتوار کے دن بھی تصویروں کے محل۔ تھی اے ٹر۔ اور گانے بجانے کے ہال تماشہ بینوں سے پُر رہتے اور ہزاروں آدمی اتوار کے دن سیر کے لیئے سمندر کے کنارہ پر چلے جاتے ہیں یا باغوں میں باجا کی دلکش آواز کو سننے کے لیئے جمع ہو جاتے ہیں۔ مسیحیت بُرے طور سے ناکام ہوئی ہے اور اب ضرور ہے

کہ وہ اسی طرح گھٹتی گھٹتی آخر فنا ہو جائے۔ اور اب جو لوگ اس کو ہلاکت سے بچانیکی کوشش کرینگے وہ عام لوگ نہیں ہونگے بلکہ وہ ایسے لوگ ہونگے جن کا ذریعہ معاش مذہب ہے یعنی جو مذہب کی بدولت روٹی کما کر کھاتے ہیں۔ روپیہ۔ اہل یورپ کا معبود ہے اور نفاق ان کا عمل ہے۔ کیا ایسے مذہب سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ دنیا میں امن پھیلائے گا؟ کیا یورپ کی اکثر طاقتیں کمزور ریاستوں کو اپنے پاؤں تلے روند نہیں رہی ہیں؟ کیا ہم الجزائر۔ مراقس۔ کریمیا کی چھوٹی ریاستوں یا طرابلس کو بھلا سکتے ہیں؟ کیا یہ سب علاقے یورپ کی خوفناک وحشت کے نشان نہیں ہیں؟ اور اب بھی مسیحی لوگ ہمیں یہی سناتے ہیں کہ مسیحیت نے یورپ کو مہذب بنایا۔ اگر تہذیب اسی چیز کا نام ہے تو خدا کرے کہ مشرقی ممالک ایسی تہذیب سے محفوظ ہی رہیں!! آؤ ہم اس امر پر غور کریں کہ کیوں مسیحیت کو کل دنیا قبول نہیں کر سکتی۔ سب سے پہلے تو الوہیت مسیح کا اعتقاد ایک ایسا اعتقاد ہے جس کو کوئی قوم جو ایک خدا کو مانتی ہے ہرگز قبول نہیں کر سکتی۔ مسلمان۔ یہودی۔ بدھ۔ یسوع کو خدا کا بیٹا یا خدا ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے۔ مسیحیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے کام خواہ کیسے ہی نیک ہوں۔ ہماری زندگی خواہ کیسی ہی پاک ہو۔ اور ہم نے خواہ ہزاروں آدمیوں کی مدد کی ہو۔ پھر بھی ہم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ہم اس بات پر ایمان نہ لائیں کہ خدا کا بیٹا یسوع ہمارے لئے قربان ہوا۔ کیا ایسے عقیدہ سے انسانوں کے اخلاق پر اچھا اثر پڑ سکتا ہے؟ اسکے مقابل میں سچا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی نجات کے لئے خود فکر کرنی چاہیئے اور وہ خود اپنے کاموں کا ذمہ وار اور جوابدہ ہے۔ اگر ایک انسان کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ یسوع کے کفارہ پر ایمان لا کر نجات حاصل کر لیگا تو وہ جو گناہ چاہے کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ یسوع نے تمام گناہ اپنے اوپر اٹھا لیئے ہیں نہیں نہیں مسیحیت دنیا کا مذہب نہیں ہو سکتا۔ کیا کوئی اور مذہب اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ وہ دنیا کا مذہب ہو۔ آؤ ہم دیکھیں۔ یہودی مذہب کو تو ایک طرف رکھدو۔ ایسا ہی زرتشتی مذہب کو۔ کیونکہ یہ دونوں مذہب قومی مذہب ہیں اور یہ غیر قوموں کو اپنی طرف نہیں بلاتے اور نہ اپنے اندر کسی غیر کو شامل کرتے ہیں۔ کیا ہندو مذہب دنیا کا مذہب ہو سکتا ہے جس کے عقائد میں

بہت سی ناپاک باتیں شامل ہیں۔ جسکے دیوتوں کی تعداد بیشمار ہے۔ اور جس میں ذات پات اور چھوت چھات کا مسئلہ مذہب کی جزو سمجھا جاتا ہے۔ ایسا مذہب کسی طرح دنیا کا مذہب نہیں ہو سکتا۔ کیا بدھ مذہب دنیا کا مذہب ہو سکتا ہے؟ خالص بدھ مذہب۔ اخلاقی پہلو سے ہمارے نزدیک چنداں قابل اعتراض نہیں۔ مگر عملاً یہ مذہب خدا کی ہستی اور آخرت سے انکار کرتا ہے۔ بدھ مذہب اور کنفوسش کا مذہب بے شک اخلاقی لحاظ سے تو اچھے ہیں مگر کل دنیا انکو مذہب کے طور پر قبول نہیں کر سکتی۔ اب ہمارے غور کے لیئے صرف اسلام باقی رہتا ہے۔ کیا اسلام اس بات کا حقدار ہو سکتا ہے کہ وہ کل دنیا کا مذہب ہو۔ مسیحیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عبرانی اور مسیحی صحیفوں سے نقل اتاری ہے۔ یہ پرلے درجے کا جھوٹ ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ اسلام کا مسیحیوں پر احسان ہے اور مسیحیوں کا اسلام پر کوئی احسان نہیں۔ کیا مسیحی صاحبان کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ ان کی کتابیں فلاں سال اور فلاں تاریخ کو لکھی گئیں۔ بائیبل کی کسی کتاب کے متعلق کوئی یقینی تاریخ نہیں بتائی جا سکتی کہ وہ کب لکھی گئی۔ اور ہم جانتے ہیں کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے بائیبل کی ان کتابوں کو نہیں لکھا جن کو موسیٰ کی پانچ کتابیں کہا جاتا ہے۔ اور نہ یوشع۔ سموئیل۔ روت۔ اور یسعیاہ نے ان کتابوں کو لکھا جو ان کی طرف منسوب کیجاتی ہیں۔ درحقیقت اگر ہم یہ کہیں کہ پرانے عہدنامہ کی تمام کتابیں گمنام مصنفوں کی تحریریں ہیں تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ جب ہم نئے عہدنامہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ مسیحیوں کے پاس کوئی ایسی تحریر نہیں جس کا مصنف خود یسوع مسیح ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ جب یسوع کی اپنی کوئی تصنیف موجود نہیں۔ تو پھر اسکے الفاظ کس ذریعے سے آیندہ نسلوں تک پہنچائے گئے۔ کیا متی۔ مرقس۔ لوقا۔ اور یوحنا نے خود وہ کتابیں لکھیں جو اب چار انجیلوں کے نام سے مشہور ہیں۔ محققین کہتے ہیں کہ نہیں۔ پھر ہم یہ پوچھتے ہیں کہ کتابیں کب گھڑی گئیں۔ ایڈون جانسن اپنی مشہور تصنیف دی رائیز آف کرسٹن ڈم میں اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ زمانہ وسطی کے حجرہ نشین درویش ان کتابوں کے تیار کرنیوالے ہیں۔ لیکن خواہ کچھ ہی ہو۔ ہم بائبل کو اعتبار کی نظر سے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ جو مختلف کتابیں اس مجموعہ میں پائی جاتی ہیں ان کے لکھنے والے

کون لوگ ہیں۔ اور چونکہ یہ بات صاف ہے کہ بہت سی نام کی پیشگوئیاں واقعات کے ظہور کے بعد لکھی گئیں اور یہ کہ خود لوتھر کے زمانہ میں بھی ان کتابوں میں کئی باتیں بڑھائی جارہی تھیں۔ تو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتابیں قدیمی صحیفے کہلانے کے قابل نہیں۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیئے یہ ممکن نہ تھا کہ ان کتابوں میں سے کوئی مضمون اخذ کرتے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے اور مکّہ میں کوئی ایسا کتب خانہ موجود نہ تھا جس میں وہ تمام مختلف مذاہب کی کتابیں جمع ہوں جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ آپ نے فلاں فلاں کتاب سے قرآنی مضامین اخذ کیئے۔ اور آپ کے پاس ان کتابوں کو مختلف زبانوں سے عربی میں ترجمہ کرانے کا سامان بھی موجود تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا حق ادا کیا۔ اور قرآن مجید کی معجزانہ کلام نے اپنی صداقت کا کل اہل ملک کو یقین دلادیا۔ (یسوع مسیح ایسا کرنے سے عاجز رہا) اسلام کی صداقتوں کے سامنے تمام بطلان نابود ہوگئے۔ قرآن شریف سچ کہتا ہے کہ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ یعنی حق آیا اور باطل بھاگ گیا۔ تحقیق باطل بھاگنے والا ہی تھا۔ یہ نظارہ دنیا نے عرب میں رسول عربی کے ہاتھ پر پورا ہوتا ہوا دیکھ لیا ہے۔ اور صرف عرب پر ہی موقوف نہیں۔ جن جن ملکوں نے اسلام قبول کیا ہے پھر اُن میں سے ایک نے بھی اسلام کو چھوڑ کر دوبارہ اپنے آبائی مذہب یا مسیحیت کو اختیار نہیں کیا۔ اسلام ایک عالمگیر اخوت کا وعظ کرتا ہے۔ اسلام میں کالا اور گورا اور سُرخ اور سفید سب برابر ہیں۔ اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو عالمگیر مذہب کے لیئے ایک محکم بنیاد کا کام دیتا ہے۔ تمام مسیحی دنیا کو اس بات کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ اسلام اپنے تمام پیرووں میں خواہ وہ کسی ملک میں آباد ہوں ایک وحدت کی روح پھونک دیتا ہے۔ مِس اینی سمال۔ اپنی کتاب مسمّٰی بہ اسلام میں لکھتی ہے کہ ”اس آواز پر کہ خدا کی راہ میں جنگ کرو۔ تمام اہل اسلام ایک انسان کی طرح ہو جاتے ہیں اور دین کے دشمنوں کا سخت مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیئے طیار ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جو مسیحیت میں مفقود ہے۔“ اور پھر وہ لکھتی ہے کہ ”اسلام کی تاریخ میں جس نے مسیح کے کلیسیا کے سامنے ترقی کی ہے ایسی باتیں کثرت سے پائی جاتی ہیں جو اگر مسیحیت میں پائی جاتیں

تو جو ناکامی مسیحی کلیسیا کو خداوند کی بادشاہت قائم کرنے میں ہوتی ہے وہ ناکامی اُسے نصیب نہ ہوتی "

مندرجہ بالا تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود مسیحی لوگ بھی اسلام کے مدّاح اور مسیحیت کی ناکامی کے قائل ہیں۔ اسلام دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور ٹمپرنس سوسائٹی ہے۔ اسلام شراب خواری اور قمار بازی ہر دو کو منع کرتا ہے اور یہ ایسی دو بدیاں ہیں جن کی بدولت یورپ میں ہزارہا مسیحی ہلاکت کے گڑھے میں گر چکے ہیں۔ کیا مسیحیت میں شراب خواری اور قمار بازی کی ممانعت پائی جاتی ہے۔ بالکل نہیں۔ یہ ایک اور کمی ہے جو اسلام کے مقابل میں مسیحیت میں پائی جاتی ہے۔

پھر ایک اور بات جو صرف اسلام میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام میں ایک ایسی کتاب ہے جس کی نسبت اسلام کا سخت دشمن سر ولیم میور بھی قبول کرتا ہے کہ وہ بالکل محفوظ چلی آتی ہے اور اب بھی وہ بعینہٖ اسی حالت میں ہے جس حالت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقت تھی۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا کمی بیشی واقع نہیں ہوئی اور اسکے مستند ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کیا مسیحی صاحبان بائیبل کے متعلق بھی ایسا کہہ سکتے ہیں۔ افسوس کہ یہاں بھی نفی میں ہی جواب دینا پڑتا ہے

پھر اسلام ایک خدا کا وعظ کرتا ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ مگر اسکے مقابل میں مسیحیت تین خداؤں کو پیش کرتی ہے اور یہ تین خدا بھی صرف مسیحیوں کے خدا ہیں۔ کل عالم کے خدا نہیں۔ پس یہ ایک اور امر ہے جس میں اسلام کو مسیحیت پر فوقیت حاصل ہے۔

اسی طرح اسلام کے رُو سے نجات کے لیئے صرف ایمان لانا ہی کافی نہیں جیسا مسیحی لوگوں کا عقیدہ ہے بلکہ اعمال صالحہ کا ہونا بھی ضروری ہے (قرآن شریف میں جابجا اٰمنوا کے ساتھ وعملوا الصّٰلحٰت بھی لگا یا گیا ہے) ایسا ہی اسلام تمدنی قواعد کی بھی تعلیم دیتا ہے اور اسلام میں تمدنی سلسلہ ایسا مکمل ہے کہ یورپ نے موجودہ صدی میں بھی اس سے سبق حاصل کیئے ہیں بلا ابھی تک یورپ اسلامی معیار سے بہت

گرا ہوا ہے۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس پر اُسکے پیرو صدق دل سے ایمان لاتے ہیں جیسا کہ کارلائیل نے اپنے تیز فہم کے ذریعہ اس امر کو محسوس کیا۔ اسلام میں ہم لوگ خوش رہتے ہیں۔ اور اس نہیں رہتے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور اُس کے نبیؐ سے ہم اخلاص رکھتے ہیں۔ اور ہمارا مذہب ہمیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ ہم سب انبیاءؑ پر ایمان لاویں بلکہ ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی وسیع رحمت نے وحی کی نعمت کو ایک چھوٹی سی قوم تک محدود نہیں رکھا جیسا کہ مسیحیوں کا عقیدہ ہے بلکہ خدائے تعالیٰ نے تمام اُمتوں کی طرف نبی اور رسول مبعوث فرمائے۔ مسیحیت صرف اُن نبیوں کو قبول کرتی ہے جن کا ذکر بائیبل میں ہے اور یہودی قوم میں پیدا ہوئے مگر اسلام جیسا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت موسیٰؑ۔ اور حضرت عیسیٰؑ کو سچے نبی قرار دیتا ہے۔ ایسا ہی اسلام کے رُو سے بُدھ۔ زرتشت۔ کنفوشس۔ کرشن علیہم السلام بھی خدائے تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہیں۔ مسیحیت صرف بنی اسرائیل کے انبیاءؑ کو مانتی ہے مگر اسلام روئے زمین کے تمام راستبازوں کو قبول کرتا ہے۔ اور اسلام کی یہ تعلیم اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے کا راز ہے۔ اسلام سب کو قبول کرتا ہے اسلیئے تمام مذاہب بغیر اپنے ہادیوں کو چھوڑنے کے اسلام کو قبول کر سکتے ہیں۔ حالانکہ مسیحیت کے قبول کرنے کے لیئے غیر مذاہب کے لوگوں کو اپنے ہادیوں کا۔۔۔ انکار کرنا پڑتا ہے۔ ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے جب بدھ۔ ہندو اور پارسی اسلام کے سائے میں آجائیں گے اور اپنے اپنے ہادیوں کی بدستور عزت کرتے ہوئے اور اُنکو نبی مانتے ہوئے اسلام کے نبیؐ کو بھی قبول کرینگے جس نے یہ تعلیم دی کہ ان سب مذاہب کے بانی خدا کے راستباز رسول اور برگزیدہ نبی تھے۔ اسلام نے ایک ایسی بنیاد ڈالی ہے جس پر روئے زمین کے مذاہب متفق ہوکر اور اپنے رسولوں اور ہادیوں کی سچی اور صحیح تعلیم کی طرف رجوع کر کے سب کے سب اسلام کا مذہب اختیار کر سکتے ہیں کیونکہ یہ کسی خاص قوم یا خاص ملک کا مذہب نہیں بلکہ وہ پاک اور خالص اور قدیمی مذہب ہے جس کی سب انبیاءؑ نے تعلیم دی اور اس مذہب کا اختیار کرنا دنیا کے تمام برگزیدہ نبیوں کی صحیح اور سچی تعلیم کو اختیار کرنا ہے محمد

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں اور میں کوئی نیا مذہب نہیں لایا بلکہ میرا مذہب نوع انسان کا فطری مذہب ہے جس کی طرف روئے زمین کے کُل انبیاء لوگوں کو بلاتے چلے آئے۔ روئے زمین کے تمام انبیاء کی سچی تعلیم اُس ہدایت نامہ میں جمع کی گئی ہے جس کا نام قرآن ہے۔ اسلیئے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اسلام کے قبول کرنے میں ذرا بھی دِقت نہیں کیونکہ اسلام کو قبول کرنا دراصل اُس سچی تعلیم کو قبول کرنا ہے جو دنیا کے تمام نبی لائے اور اُن غلطیوں کو چھوڑنا ہے جو بعد میں پیدا ہوگئیں اور ایک ایسا مذہب اختیار کرنا ہے جو تمام سچائیوں کا جامع ہے اور جس میں تمام ضرورتوں کے لئے سامان مہیا کیا گیا ہے۔ ایڈیٹر)

بظاہر اسوقت یورپ اسلام سے دُور نظر آتا ہے مگر اب مسیحیت مر رہی ہے۔ اور چونکہ انسان کی بہتری کے لیئے مذہب کا ہونا لازمی ہے اسلیئے ایک انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ جب آخر یورپ بھی اسلام کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہوگا اور اُسپر اسلام کی حقانیت روز روشن کی طرح ثابت ہو جائے گی۔ تب انشاءاللہ تعالیٰ کُل دنیا صرف ایک اللہ کی پرستار ہوگی اور اسلام کی تعلیم کُل دنیا کا دستورالعمل بنے گی۔ اُسوقت دنیا میں امن و عدل اور خوشی کا دَور دَورہ ہوگا۔ اور پھر موعودہ ساعة قریب آجائیگی۔ اسوقت ہم انگریز مسلمان تعداد میں بہت قلیل ہیں لیکن اسلام ہمارے لیئے ایک مضبوط قلعہ ہے اور خدائے تعالیٰ کے فضل سے ہم امید کرتے ہیں کہ کفر کی زمین میں اسلام کا قدم آگے بڑھیگا۔ اسلام افریقہ میں ترقی کر رہا ہے۔ امریکہ میں بھی بہت سے آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تطلع الشمس من مغربہا کی پیشگوئی پوری ہو۔ کیونکہ اس پیشگوئی میں جس سورج کا ذکر ہے وہ اسلام کا سورج ہے جو مغرب میں طلوع کرکے اُس تمام تاریکی کو دُور کر دیگا جو اس وقت مغرب میں چھائی ہوئی ہے۔

پس دنیا کا آیندہ مذہب انشاءاللہ تعالیٰ اسلام ہی ہوگا۔

ثبوتِ قیامت نمبر ۳

اس سے پہلے دو نمبروں میں مَیں نے مختصر طور پر ان دلائل کا ذکر کیا تھا جو قیامت کے وجود

قرآن مجید نے دی ہیں اور ان بے شمار دلیلوں میں سے جو قرآن شریف میں پائی جاتی ہیں نمونہ کے طور پر چند دلیلیں تحریر کی تھیں اب اس نمبر میں میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی الہامی کتاب کسی مسئلہ کے متعلق اپنی طرف سے کتنی ہی بحث کرے اور کسقدر ہی دلائل کیوں نہ دے لیکن اگر مخالفین کے اعتراضات کا جواب نہ دے جو اس مسئلہ پر کیئے جاتے ہیں تب تک اس کتاب کا بیان ناقص ہے اور کسی صورت سے بھی ہم اسے مرتبۂ کمال تک پہنچی ہوئی نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی معترضین پر حجت پوری ہو سکتی ہے اسلیئے ضروری ہے کہ کامل کتاب دونوں پہلوؤں پر حاوی ہو یعنی آپ دلائل بھی دے اور مخالفین کے شکوک و شبہات کو بھی دفع کرے اسلیئے ہم قرآن مجید سے نمونہ کے طور پر وہ جوابات درج کرتے ہیں جو مخالفین کے ان اعتراضوں کے دیئے گئے ہیں جو انہوں نے قیامت کے متعلق کیئے تھے تاکہ ناظرین کو قرآن مجید کے کمال اور اس کی صداقت کا یقین ہو جائے۔

اعتراض اوّل۔ وضرب لنا مثلا ونسي خلقه قال من يحي العظام وهي رميم ٥ پہلا اعتراض کفار کی طرف سے یہ کیا جاتا تھا کہ مُردوں کا زندہ کرنا ایک عظیم الشان کام ہے اور ہمیں تو کوئی ایسی ہستی نظر نہیں آتی جو ایسا اہم کام سرانجام دے سکے انسان تمام حیوانوں سے زیادہ فہیم اور عقلمند ہے مگر وہ بھی اس کام سے عاجز ہے اور اسکے اختیار سے بھی باہر ہے اسلیئے کفار حیران ہوکر پہلا سوال یہ کرتے تھے کہ اگر مُردے زندہ بھی ہونگے تو کریگا کون؟ اس کا جواب خدائے تعالیٰ اسی آیت میں آگے چلکر فرماتا ہے قل يحييها الذي انشأها اول مرة وهو بكل خلق عليم یعنی اگر تمہیں مُردوں کو زندہ کرنیوالی ہستی نظر نہیں آتی اسلیئے تم مُردوں کے زندہ ہونیکا انکار کرتے ہو تو بتاؤ کہ اب تم ایک پیدا شدہ مخلوق ہو یا نہیں پھر تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم کو کسی انسان نے نہیں بنایا تو کیا اس لیئے کہ اپنے خالق کو نہیں جانتے تم اپنے پیدا کرنیوالے کا انکار کردوگے یا اس بات کے منکر ہو جاؤ گے کہ تم بھی پیدا ہوئے تھے؟ لیکن تم اس بات کے منکر نہیں اور تم مانتے ہو کہ تم ایک پیدا شدہ مخلوق ہو اور تمہیں کسی نے پیدا کیا ہے پس ہماری طرف سے بھی یہی جواب ہے کہ تم کو زندہ بھی وہی کرے گا

جس نے تم کو پیدا کیا اگر تم ہم سے اس زندہ کرنیوالے کا نام پوچھتے ہو تو ہم تم سے تمہارے پیدا کرنے والیکا نام پوچھتے ہیں جو نام تم اپنے خالق کا بتاؤ گے وہی ہماری طرف سے زندہ کرنیوالے کا نام پیش کیا جاویگا اور اگر تمہارا یہ دعویٰ ہو کہ ہمیں کسی نے پیدا نہیں کیا ہم خود بخود موجود ہو گئے ہیں تو ہماری طرف سے بھی وہی جواب ہے کہ تم خود بخود زندہ ہو جاؤ گے اگر یہ کہو کہ خود بخود زندہ کوئی نہیں ہو سکتا تو ہم بھی وہی کہیں گے کہ خود بخود زندہ ہونا ممتنع ہے تو خود بخود پیدا ہونا کیوں نہ ممتنع سمجھا جاوے؟ غرض اس سوال کا جواب کہ مرنے کے بعد ہمیں کون زندہ کریگا نہایت ہی اعلیٰ یہی ہے کہ وہی جس نے پہلی مرتبہ تم کو پیدا کیا تھا۔

اعتراض دوم۔ وھی رمیم ہ دوسرا اعتراض قیامت کے وجود پر یہ کیا جاتا ہے کہ جب ہمارے جسم گل سڑ جائیں گے اور ہماری ہڈیوں کا چورا ہو جائیگا اور ہمارے اجسام کے ذرات پراگندہ ہو جائیں گے اور یہ نظام بدن موجودہ شکل میں نہیں رہے گا تو کس طرح ایک مدت کے بعد پھر ذرات جمع ہو کر ایک جسم بنکر قیامت کے میدان میں چلے پھریگا اس اعتراض کے کئی جواب اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں جنمیں سے دو جواب ہدیۂ ناظرین ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ اولیس الذی خلق السموات والارض بقادر علیٰ ان یخلق مثلھم اس آیت میں استدلال بالاولیٰ کے ذریعہ جواب دیا ہے فرماتا ہے کہ ایک کام آسان ہوتا ہے دوسرا مشکل تو جو شخص مشکل سے مشکل کام سنوار سکتا ہے اسکے لیئے آسان کام کرنا کوئی مشکل نہیں اب تم انسانی خلقت کے حجم اور اندازہ اور قویٰ وغیرہ کا خیال کرو اور دوسری طرف آسمان زمین چاند ستاروں کے نظام پر غور کرو اور جو قوتیں اور خاصیتیں ان اجسام میں رکھی گئی ہیں اور جو بے نظیر کاریگری ان کرّ جات میں دکھائی گئی ہے وہ انسانی بناوٹ میں نہیں تو جب وہ اعلیٰ سے اعلیٰ نظام ایک ہستی نے پیدا کر دیئے اور ہمیشہ انہیں ایک باقاعدہ کام کرنیکا سلسلہ رکھدیا اور ایسی ایسی عظیم الشان صنعتیں اس نظام عالم میں کیں تو کیا وہ ہستی اس بات پر قادر نہیں کہ وہ انسان کے متفرق شدہ اجزاء کو پھر ایک جگہ

جمع کر دے۔

دوسرا جواب یہ فرماتا ہے بلیٰ وھو الخلاق العلیم۔ اس جواب کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ اگر کوئی کام کسی شخص سے اتفاقیہ ہو جاوے تو پھر وہی کام دوبارہ کرنا اس کے لیئے مشکل ہوتا ہے جس طرح کہ کسی شخص کو بندوق کا نشانہ لگانا نہیں آتا لیکن جنگل میں اتفاقیہ اسکی بندوق کی گولی چلکر ایک شیر کو لگ گئی اور وہ شیر مر گیا یہ بات ممکن ہے لیکن دوسری دفعہ وہ شست بھی باندھے گا لیکن اس کی گولی نشانہ پر نہیں لگے گی کیونکہ پہلی دفعہ اسکا نشانہ اس کے علم اور اس کی واقفیت کی وجہ سے نہیں لگا تھا بلکہ اتفاقیہ چانس تھا لیکن جس نے نشانہ لگانے کی مشق کی ہوئی ہو اور وہ اس علم میں کامل ہو تو جب وہ پہلی دفعہ بندوق چھوڑے گا تب بھی نشانہ پر گولی لگے گی اور جب وہ دوسری دفعہ سر کریگا تب بھی نشانہ ٹھیک بیٹھے گا کیونکہ اس نے وہ کام علم کی بنا پر اور اس کے ذریعہ کیا تھا اسی طرح خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم بھی لوگوں کو مرنے کے بعد زندہ کریں گے کیونکہ ہم خلاق علیم ہیں یعنی پہلی دفعہ جو ہم نے تم کو پیدا کیا تھا تو ہم اتفاقیہ خلاق نہ تھے بلکہ خلاق علیم تھے یعنی اپنے علم کی رو سے ہم نے یہ خلقت پیدا کی تھی سو جس طرح ایک کاریگر کمہار ایک دفعہ برتن بنا کر پھر دوبارہ سہ بارہ بھی بنا سکتا ہے اسی طرح ہم بھی ایک دفعہ پیدا کر کے دوسری دفعہ پھر پیدا کر سکتے ہیں آگے چلکر فرماتا ہے فسبحان الذی بیدہٖ ملکوت کل شئ و الیہ ترجعون یعنی اللہ تعالیٰ تمام نقصوں اور کمزوریوں سے پاک ہے اور ہر ایک عیب اور منقصت سے وہ منزہ ہے اگر یہ فرض کیا جاوے کہ وہ ایک دفعہ تو پیدا کر سکتا ہے لیکن دوسری دفعہ پیدا کرنا اس کے لیئے محال ہے تو یہ ایک نقص ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات میں ماننا پڑیگا۔ اور چونکہ وہ پاک ہے اور ہر ایک عیب و نقص سے منزہ ہے اس لیئے اس نقص سے بھی وہ پاک ہے۔

پھر ایک مقام پر کافروں کا اعتراض نقل کرتا ہوا فرماتا ہے ءاذا متنا و کنا ترابا وعظاما ءانا لمبعوثون۔ اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے کفار کے تین اعتراض نقل کیئے ہیں۔ میں نمبروار ہر ایک کا جواب قرآن شریف سے بیان کرتا ہوں۔

اعتراض سوم۔ ءاذا متنا اس اعتراض کی تفصیل یہ ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے اور

روح اس کے بدن سے مفارقت کرجاتی ہے اور زندگی کے آثار مفقود ہوجاتے ہیں اور وہ خواص جو انسان میں ودیعت ہوتے ہیں سب معدوم ہوجاتے ہیں جیسے سُننا بولنا سوچنا محسوس کرنا چلنا پھرنا وغیرہ وغیرہ سب قوٰی زائل ہوجاتے ہیں اور انسانی جسم محض لاشئی لاشہ رہ جاتا ہے تو پھر کس طرح روح عود کریگی اور مردہ زندہ ہوجائیگا اس اعتراض کے بہت سے جواب قرآن مجید نے دیئے ہیں جن میں سے دو درج ذیل ہیں۔

جواب اوّل کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون یعنی پہلا جواب تو تمھیں یہ دیا جاتا ہے کہ اپنے پچھلے حالات پر ایک نظر ڈالو اور یاد کرو کہ تم ایک زمانہ میں میّت تھے کوئی زندگی یا اسکے آثار تم میں نہ تھے انسانی خواص و قوٰی کا تم میں نام و نشان بھی نہ تھا لیکن پھر تم کو اللہ نے زندگی بخشی اور کچھ قوٰی اور خواص عطا کیئے اور متاع حیاۃ سے تم کو متمتع کیا اور تم زندہ کہلانے کے مستحق ہوئے اسی طرح جب ایک حیاۃ بعد الممات کا تم تجربہ کرچکے ہو اور مردہ ہونے کے بعد زندہ ہونیکا مزہ چکھ چکے ہو اور عدم کے بعد وجود کا مشاہدہ کرچکے ہو تو پھر تمھیں قیامت اور بعث بعد الموت پر کیوں اعتراض اور شبہات اُٹھتے ہیں۔ تم جو کہتے ہو کہ مُردہ ہونیکے بعد زندہ نہیں کیئے جاؤگے تو بتاؤ تو سہی کہ تم اس زندگی سے پہلے مُردہ نہ تھے پھر اس مردہ ہونے کی حالت کے بعد تم اب زندہ نہیں ہو جب تم اس حقیقت سے منکر نہیں ہو تو بعث بعد الموت کو کیوں ناممکن خیال کرتے ہو۔

جواب دوم۔ وتری الارض ھامدۃ فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت و ربت و انبتت من کل زوج بھیج ۵ ذٰلک بان اللہ ھو الحق و انہ یحیی الموتیٰ و انہ علیٰ کلشیٔ قدیر و ان الساعۃ اٰتیۃ لا ریب فیھا و ان اللہ یبعث من فی القبور۔ یعنی تمھارا جو اعتقاد ہے کہ جب انسان کے قوٰی باطل ہوجاتے ہیں اور اسکے خواص زائل ہوجاتے ہیں پھر کس طرح وہ قوٰی اور خواص جسم انسانی میں عود کر آئیں گے تو کیا تم زمین کی حالت مشاہدہ نہیں کرتے کہ اس کے کیسے عجیب

خواص اور قویٰ ہوتے ہیں کہ ذرا سا دانہ پڑ جاوے تھوڑے دنوں میں ایک لہلہاتا پودہ ہماری آنکھوں کو تراوت پہنچانے کے لیئے خزانۂ غیب سے نمودار ہوجاتا ہے ایک ذرہ کے برابر بیج سے سینکڑوں فٹ لمبے دچوڑے عظیم الشان آسمان سے باتیں کرنے والے درخت اُگتے ہیں جدھر دیکھو سبزہ جدھر نظر اُٹھاؤ بہار ہے لیکن موسم خزان آتا ہے یا بارش نہیں ہوتی قحط پڑتا ہے تو سب قویٰ اور خواص کا لعدم ہوجاتے ہیں نہ سبزہ نہ اسکی تراوت خشک بنجر زمین رہ جاتی ہے ہر طرف گرد و غبار گرمی اور تپش ہی جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ زمین کی ساری قوتیں معدوم ہوجاتی ہیں سب خاصیتیں باطل ہوجاتی ہیں زمین مرجاتی ہے اس کی زندگی جاتی رہتی ہے لیکن خدا کی قدرت دیکھو فاذا انزلنا علیھا المآء اھتزت وربت و انبتت من کل زوج بھیج جب ذرا پانی کا چھینٹا پڑ جاتا زمین میں ایک حیرت انگیز تبدیلی واقع ہوتی ہے وہ سب مُردنی جاتی رہتی ہے تمام ضائع شدہ قوتیں پھر آب و تاب سے جلوہ گر ہوتی ہیں تمام زائل شدہ خاصیتیں پھر عود کر آتی ہیں وہی زمین جو کل تک بنجر پڑی ہوئی تھی آج سرسبز و شاداب نظر آتی ہے اور وہی قطعہ جو کل مُردہ تھا آج زندہ ہوجاتا ہے تھوڑے سے بیج بکھیر دو تھوڑے سے عرصہ میں چمن اور گلزار لگ جاتا اور جنگل میں منگل کا لُطف آنے لگتا ہے۔ جب تم اس زمین کو دیکھتے ہو کہ یہ مر کر زندہ ہوجاتی ہے تو کیوں نہیں مانتے کہ وہ قادر جس نے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندگی بخشی ہمیں بھی مرنے کے بعد زندہ کرے گا اور وہ ہستی جو زمین کی زائل شدہ قوتوں کو واپس لاتی ہے ہمارے ضائع شدہ قویٰ کو دوبارہ ہم میں قائم کرے گی اور وہ ذات پاک جو زمین کے باطل شدہ خواص دوبارہ پیدا کرنے کی موجب ہے وہی ہمارے خواص دوبارہ ہمیں عطا کرسکتی ہے۔

اعتراض چہارم۔ وکنا ترابا چوتھا اعتراض کافر یہ کرتے تھے کہ جب ہمارے اجسام کے گوشت پوست نہیں رہیں گے اور خون و عروق وغیرہ کا نام و نشان نہیں رہیگا بلکہ ہمارا یہ جسمانی نظام لحمی شحمی حالت سے مٹی میں تبدیل ہوجاوے گا اور ہم بالکل

خاک بنجاویں گے پھر ہماری بعثت کس طرح ہوگی اس کا جواب اسطرح پر دیتا ہے خلقکم من تراب ثم اذا انتم منہ تخرجون ۔ یعنی بے وقوفو! تم تعجب کرتے ہو کہ ہم جب مٹی ہوجائیں گے پھر مٹی سے کسطرح مجسم ذی روح مخلوق بنیں گے خیال تو کرو کہ اب جو تم زندہ ہو اس سے پہلے کیا تھے اسکے جواب میں وہی کہوگے اور یہی تمہارا مسلمہ عقیدہ بھی ہے کہ ہم مٹی تھے پس جب پہلے تم مٹی تھے پھر زندہ ہوگئے اسی طرح یقین کرلو کہ اب مرکر مٹی ہوکر تم پھر زندہ کیئے جاؤگے جب ایک دفعہ مٹی سے بنے تھے تو کیا دوبارہ مٹی سے بننا مستبعد ہے۔

پانچواں اعتراض وکنا عظاماً أئنا لمبعوثون ۔ پانچواں اعتراض یہ کیا جاتا تھا کہ ہم ہڈیاں بنجاویں گے اور جو رگوں اور گوشت وخون کا مجموعہ تھا وہ متفرق ہوجائیگا پھر یہ ہڈیاں کس طرح وجود پذیر ہونگی اسکے متعلق فکسونا العظام لحما فرمایا یعنی تمہارے مرنے کے بعد ہڈیاں رہ جاتی ہیں گوشت پوست جلدی اُترجاتا ہے تم انکو دیکھکر ان ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھنا ناممکن خیال کرتے ہو کیا جب تم ماں کے پیٹ میں تھے اسوقت تمہارے جسم کی ہڈیوں پر گوشت چڑھایا گیا تھا یا نہیں پھر تم ایک کامل مجموعہ بنگئے تھے یا نہیں تم اس کا جواب اثبات میں دوگے تو اسی طرح ممکن ہے کہ جس ذات نے تمھاری ماں کے پیٹ میں فی ظلمات ثلاث تمھارے جسم کی ہڈیوں پر گوشت چڑھایا وہ اس موجودہ گوشت کے اُترجانے کے بعد ان ہڈیوں پر گوشت چڑھاوے غرض قرآن مجید نے بعث بعد الموت کے متعلق عام طور پر یہی پہلو اختیار کیا ہے کہ انہیں پچھلے نظائر کی طرف توجہ دلائی جاوے اگر انھوں نے یہ کہا کہ ہم ہڈیاں ہوجاویں گے تو گوشت پوست کسطرح چڑھے گا تو فرمایا کہ اسی طرح جس طرح کہ ماں کے پیٹ میں ایک دفعہ چڑھ چکا ہے اگر انھوں نے یہ اعتراض کیا کہ ہم مٹی ہوجاویں گے پھر کسطرح زندہ ہونگے تو فرمایا کہ اب جو تم پیدا ہوئے ہو اس سے پہلے تم مٹی تھے پس جسطرح اب تم مٹی سے بنے ہو اسی طرح مٹی بنکر پھر زندہ ہوسکتے ہو اگر انھوں نے یہ سوال کیا کہ ہم مرجاویں گے ہماری روح نکل جاوے گی

تو کس طرح روح عود کرے گی فرمایا کہ اس موجودہ زندگی سے پہلے کیا تم مُردہ نہ تھے جس طرح اس مردگی کے بعد زندگی ہوئی اسی طرح آئندہ موت کے بعد حیات اور عدم کے بعد وجود ملے گا اگر انہوں نے یہ پوچھا کہ مرنے کے بعد ہمارے جسم کے تمام حواس تمام قوتیں تمام خاصیتیں زائل ہو جائیں گی پھر یہ کس طرح ہمارے جسموں کی صفات بن سکتے ہیں تو اس کا یہ جواب دیا کہ قحط کے ایام اور خزاں کے دنوں میں زمین کی ربودگی اس کی تر و تازگی اسکی خاصیتیں زائل ہو جاتی ہیں تو کیا بارش سے اس کی قوتیں لوٹ نہیں آتیں اسی طرح جو اپنے حکم سے زمین کی قوتیں اور خواص واپس لا سکتا ہے وہی تمھارے اجسام کے خواص بھی لوٹا سکتا ہے ۔ و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین -

(میر محمد اسحٰق)

ریویو

ادب :- یہ ایک اُردو علم ادب کا ماہوار رسالہ زیر ایڈیٹری جناب مصطفٰے خانصاحب بی۔اے لاہور سے بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ جو نہ صرف بلحاظ عمدہ کاغذ - اعلیٰ لکھائی اور صاف چھپائی کے قابل قدر ہے بلکہ اپنے اعلیٰ مضامین اور مؤثر غزلیات کیوجہ سے اُردو خوان پبلک کے مطالعہ کے لئے بہت مفید ہے۔ رسالہ واقعی ادب کے نام سے موسوم ہونا ضروری تھا۔ اسکے مضمون نگاروں کی فہرست مطالعہ کرنے سے اچھی طرح پتہ لگ سکتا ہے کہ خانصاحب کو رسالہ مرتب کرنے میں بڑی محنت سے کام لینا پڑتا ہے - یہ رسالہ اس قابل ہے کہ اُردو زبان کے ساتھ مذاق رکھنے والے احباب اس کی اعانت کریں - عوام سے ۳ ؎ اور طلباء سے عہ

ملنے کا پتہ - ادب ایجنسی - پٹیالہ -

امریکہ کی چٹھی

بعض لوگوں نے لکھا تھا کہ خواجہ صاحب پیرس کی کانگریس میں بولائے نہیں گئے تھے بلکہ خود بخود گئے تھے۔ ایسے لوگوں کے اطمینان کے لیئے ہم ذیل میں اس کانگریس کے جنرل سکرٹری کی ۱۲۔ ستمبر ۱۹۱۳ء کی لکھی ہوئی چٹھی کا اقتباس درج کرتے ہیں۔

بخدمت اسسٹنٹ ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان۔ ضلع گورداسپور

جناب عالی

آپکی چٹھی مورخہ یکم جون ۱۹۱۳ء کے مطابق ہم نے آپکے فیلو اڈیٹر مسٹر کمال الدین صاحب کو مذہبی ترقیات کی کانگریس منعقدہ پیرس میں شمولیت کے لیئے مدعو کیا۔ مَیں یہ بخوشی ظاہر کرتا ہوں کہ انہوں نے ہماری اس دعوت کو قبول کیا۔ اور ہماری کارروائی میں شریک ہوئے۔ اور دو موقعوں پر تقریر کی انہوں نے دوسرے موقعہ پر ایک بہت ہی پسندیدہ اور قیمتی مضمون اسلام کی روح اور اغراض پر پڑھا جو کہ ہماری مطبوعہ رپورٹ میں چھپے گا۔ ہمارے تمام اجلاس میں انکو نہایت تپاک سے خوش آمدید کہا گیا اور وہ بھی ہمارے ساتھ میل جول کرتے ہوئے بہت خوش معلوم ہوتے تھے۔ مَیں انسے خط و کتابت کر رہا ہوں اور جہاں تک مجھ سے ہو سکا مَیں انکو انکے کام میں مدد دینے سے دریغ نہیں کرونگا اور اُن کا کام یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدائے واحد کی مشترکہ تلاش میں جو سب کا باپ ہے اور عالم انسانی اخوت کو ترقی دینے کی کوشش میں جسکے ساتھ انصاف۔ ہمدردی اور نیکی کی زندگی ملی ہوئی ہو۔ دنیا کے بڑے بڑے مذاہب اور اپنے مذہب کے مابین توفیق و تطبیق کرکے دکھلا دیں۔ اسکے متعلق مَیں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں۔ کہ ہم میں سے بعض جو اس مقصد میں زیادہ حصہ لیتے ہیں۔ اور یقین رکھتے ہیں۔ کہ اتحاد بین الاقوام کے لیئے راہ مستقیم یہ ہے۔ کہ ہم ایک دوسرے کے حالات سے زیادہ واقفیت پیدا کریں اور ایک دوسرے کی قدر کریں۔ اور چونکہ خصوصیت کے ساتھ اس بات کا تعلق ہمارے مذہبی اعتقادات اور ضروریات سے ہے۔ اسلیئے ہمارا ارادہ ہے۔ کہ ایک خدا ماننے والوں کی

کانگریس کے اجلاس کا سلسلہ جاری رہے۔ اور یہ اجلاس دنیا کی موحد قوموں کے مشہور مقامات مثلاً قسطنطنیہ۔ یروشلم۔ قاہرہ۔ بمبئی۔ دہلی۔ کلکتہ۔ شانگھی اور جاپان میں ہوں۔ اس مقصد کو مدِّ نظر رکھکر ہمیں دس بیس ایسے نمایندوں کی ضرورت ہے۔ جو کہ آٹھ یا دس بڑے بڑے مذاہب کی طرف سے جو ایک خدا کو مانتے ہیں۔ بطور وکیل ہوں جن میں عیسائیوں کا یونیٹیرین فرقہ بھی شامل ہے۔ یہ وکیل تمام دنیا کا دَورہ کریں اور مذکورہ بالا مقامات پر یکے بعد دیگرے جمع ہوکر مذہب توحید کے بنیادی اصول پر غور کریں۔ یہ وکلاء موجودہ مذاہب میں بغیر کسی قسم کا دخل دینے کے وہ ذرائع معلوم کرینگے۔ جو کہ انسانی برادری کے واسطے ضروری ہیں تاکہ اس طرح سے توحید کے سچے عقیدے کو دنیا میں ترقی دیں۔ اور اس مقصد کے لیئے ہم نے ایک مشہور موحد ریورنڈ۔ ڈاکٹر جے۔ ٹی سنڈرلینڈ کو جو کہ قبل ازیں بھی ہندوستان میں ایک سال تک رہ آئے ہیں۔ بھیجا ہے۔ جہاں وہ مجوزہ کانگریس کے لیئے جہانتک ممکن ہے راستہ صاف کرینگے ہمارے لیئے یہ ناممکن ہے۔ کہ ہم اسلامی دنیا کے ساتھ ملکر کام کرنیکے بغیر کسی حد تک تسلّی یا کامیابی کے ساتھ اس کام کو سرانجام دے سکیں۔ اسلیئے مَیں ملتجی ہوں کہ آپ اگر ممکن ہو۔ تو ڈاکٹر موصوف سے خط وکتابت کریں۔ اور اُسے مشورہ دیں۔

ہمارا منشاء یہ نہیں کہ ہم دنیا کو کسی نئے مذہب کی دعوت دیں بلکہ ہمارا منشاء یہ ہے کہ موحّد قوموں کے بڑے بڑے مرکزوں میں عام اتحاد و اخوت پیدا کریں۔

ہماری صدر کمیٹی نے جو کہ گذشتہ ایّام میں پیرس میں ہوئی تھی۔ لنڈن کے ایک مشہور یہودی کلاڈ مانٹی فیر اور برہمو سماج میں سے کلکتہ کے پرنسپل ایچ۔ سی متراکو کونسل میں داخل کیا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں۔ کہ کسی دن کوئی وسیع خیال مسلمان بھی بطور نمایندہ اسلام ہماری کونسل میں شامل ہوگا ۔

آپکا نیازمند چارلس۔ ڈبلیو ونڈی
بتاریخ ۱۳۔ ستمبر ۱۹۱۳ء

ایک اور چٹھی میں وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے اس دَورہ کی اصل غرض ہستی باری تعالےٰ کی وحدانیت اور اللہ تعالیٰ کے باپ ہونے کے مسائل پر غور کرنا اور اسی ذیل میں الہام۔ وحی۔ دعا۔ کتب سماوی۔ انبیائؑ۔ رسلؑ۔ اخلاق زندگی (کا مدار ہستی باری تعالیٰ پر ایمان لانا ہے)۔ عام اخوت انسانی۔ باہمی امن اور اتحاد وغیرہ مسائل پر بحث کرنا ہوگا ۔

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

قادیان بابت ماہ اکتوبر ۱۹۱۳ء

یتامیٰ- اس ماہ میں یتامیٰ کی صرف ۸ر۲پہ آمد ہوئی ہے احباب کو ان بچوں کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے جن بیچاروں کا نہ ماں نہ باپ اور نہ کوئی رشتہ دار ہے۔ بالکل بے بوستہ پا ہوکر وہ انجمن کی زیر نگرانی پرورش پاتے ہیں۔

زکوٰۃ- اس ماہ میں ۱۸عہ۲ آمد ہوئی ہے۔ مسلمانوں اور خاصکر احمدی احباب کو زکوٰۃ کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔ زکوٰۃ کے واسطے خدائے تعالیٰ اپنے قرآن کریم میں ہر مومن کو بار بار تاکید فرماتا ہے۔

ہائی سکول- مدرسہ تعلیم الاسلام کے طلبار کی جس طرح دینی اور دنیاوی تعلیم میں خاص طور سے نگرانی ہوتی ہے ویسے ہی جسمانی تعلیم میں بھی بچوں کی صحت کو قائم رکھنے کے لیئے اُنکو [illegible] ورزش میں شامل کرنیکا انتظام ہے۔ اور اس ضروری حصہ کی طرف بھی پوری توجہ سے کام لیا جاتا ہے۔

صیغہ اشاعت اسلام- ریویو انگریزی اُردو اور تفسیر القرآن کی تعداد میں گذشتہ ماہ کی نسبت کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ احباب کو توسیع اشاعت میں ہمت کرنی چاہیئے۔

لارڈ ہیڈلے جنکے متعلق گذشتہ پرچہ میں بھی لکھا گیا تھا کہ جناب خواجہ صاحب کے پاس اُنھوں نے اپنے قبول اسلام کا اظہار کیا ہے۔ اب تار آگیا ہے کہ اُنھوں نے قبولیت اسلام کا اعلان کر دیا ہے۔ اللّٰھم زد فزد۔

صیغہ تعمیر - عمارت مدرسہ دار العلوم کے برآمدوں کا فرش اور پلستر تقریباً مکمل ہو گیا ہے۔ اور سفیدی تقریباً نصف کمروں اور برآمدوں میں ہو گئی ہے۔ ہال کمرہ کا کام ایک منزل تک قریب الاختتام ہے۔ اور ٹیپ کا کام کُل ختم ہو گیا ہے۔ بورڈنگ ہوس ہائی سکول میں روغن کا کام ہو رہا ہے۔ ہال کی ہر دو گیلریوں اور برآمدہ کی چھت کے لیئے سامان کی ضرورت ہے۔ لیکن خزانہ میں روپے کی کمی کی وجہ سے کام کے رُک جانے کا خطرہ ہے۔ اگر چلتا ہوا کام بند ہو گیا۔ تو بڑی نقصان کا ڈر ہے۔ احباب کو موعودہ وعدوں کی ادائیگی کے لیئے ہمت کرنی چاہیئے۔ اس ماہ میں اس صیغہ تعمیر کی آمد صرف [illegible] ہوئی اور خرچ [illegible] روپے ہوا۔ احباب کو اس تناسب کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ اور خاص چندوں سے مدد کرنی چاہیئے۔

دفتر محاسب - ستمبر کے گوشوارہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صیغہ اشاعت اسلام بھی تقریباً ایک ہزار روپیہ کا مقروض ہو گیا ہے۔ اور دیگر صیغہ جات مثلاً لنگر مدرسہ احمدیہ تو پہلے سے ہی مقروض چلے آتے ہیں۔ اور اب صیغہ تعمیر بھی چار ہزار کا مقروض ہو گیا ہے۔

مقبرہ بہشتی - چار اس ماہ میں مندرجہ ذیل بڑی رقومات داخل خزانہ ہوئیں۔

(۱) بابو عبد الرحمٰن صاحب شملہ - [illegible]
(۲) شیخ عبد الرحیم صاحب نومسلم محرر دفتر تشحیذ قادیان [illegible]
(۳) خواجہ بشیر الدین صاحب پوسٹماسٹر لس بیلہ [illegible]
(۴) ڈاکٹر بشارت احمد صاحب - راولپنڈی [illegible]
(۵) ڈاکٹر سید غلام حسین صاحب حصار - [illegible]
(۶) بابو عبد الاکبر خانصاحب - پشاور - [illegible]
(۷) بابو غلام رسول صاحب - پشاور - [illegible]
(۸) ڈاکٹر محمد اشفاق صاحب - حصار - [illegible]

ریویو - کتاب القادیانی :- علامہ محمد عبد الماجد صاحب پروفیسر ٹی - ان - جوبلی کالج کی محنت شاقہ کی تصنیف ہے۔ علامہ موصوف کا نام نامی کتاب کی خوبیوں کی کافی شہادت ہے۔ ابو احمد کی غلطبیانیوں کا جیسا کہ چاہیئے تھا۔ ویسا ہی رد کیا ہے۔ احمدی احباب خصوصاً علاقہ بھاگلپور کیلیئے بوقت ضرورت کام آنیوالی رہنما ہے۔ مخالف کیلیئے اسمیں تسکین ہی خوبی ہے۔ کہ متانت اور تہذیب کا کماحقہ لحاظ رکھا ہے جسکے لیئے دل سے دعا نکلتی ہے۔ حوالجات کو بہ کمال وضاحت دکھا دیا ہے۔ خدا کرے سلیم دلوں کے لیئے باعث رہنمائی ہو۔ مصنف ماجور عند اللہ ہے۔ خوب ہی مدلل لکھا ہے۔ محنت کاغذ۔ لکھائی چھپائی --- ضخامت کے مقابل قیمت ۶ر بہت حد تک واجبی ہے ملنے کا پتہ :- مینیجر تشحیذ الاذہان قادیان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

احمدی احباب کی خدمت میں ایک اپیل

بخدمت سکرٹری صاحبان انجمنہائے احمدیہ و دیگر احمدی احباب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میں اس مطبوعہ چٹھی کے ذریعہ تمام جماعت احمدیہ کی توجہ اس طرف منعطف کرانی چاہتا ہوں کہ اسوقت خزانہ انجمن میں روپیہ کی سخت کمی ہے اور عمارت کے اخراجات کا اداکرنا تو الگ رہا ماہواری اخراجات کا پورا ہونا بھی مشکل ہو رہا ہے اسکی زیادہ تر وجہ یہی ہے کہ پچھلے دو تین سالوں سے عمارت کا کام شروع ہونے کی وجہ سے قوم پر چندوں کا بہت بوجھ رہا ہے اور بار بار جماعت میں چندوں کی تحریکیں ہوتی رہی ہیں علاوہ ان تحریکوں کے بعض بیرونی تحریکوں کے لئے بھی چندے ہوتے رہے ہیں جس کی وجہ سے روپیہ میں کمی آگئی اور اب تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحم ہے کہ ایسی چھوٹی سی جماعت میں اس نے ایسی برکت دی اور غریبوں کے ہاتھ سے اس نے ایسا عظیم الشان کام کروادیا جو بڑے بڑے امرا کو نصیب نہیں اور یہ اس کے مامور کی سچائی کا ایک نشان ہے جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ قادیان جیسے گاؤں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسکے وعدوں کے ماتحت بورڈنگ ہوس اور ہائی سکول کی عالیشان عمارتیں تیار ہو گئیں ہیں اور دیکھنے والوں پر ہر وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی روشن کرتی ہیں کیونکہ انہوں نے قبل از وقت حالت گمنامی میں ان ترقیات کا وعدہ شائع فرمایا تھا جو آج انہی غریب اور کمزور جماعت کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ پورا کروا رہا ہے وذٰلک فضل اللہ۔

اگرچہ ان عمارتوں کی تیاری میں قوم پر بہت بوجھ پڑا ہے اور بار بار کی تحریکوں سے شاید بعض لوگ اکتا بھی گئے ہوں اور کہتے ہوں کہ جب روپیہ نہ تھا تو پھر یہ کام ہی کیوں

شروع کیا اور کیوں نہ پہلے سامان مہیّا کر لیا۔ لیکن در اصل یہ بوجھ چند دن کا ہے اور یہ مشکل عارضی ہے خدا کے فضل سے جب یہ عمارتیں تکمیل کو پہنچ جائیں گی تو یہ وقت یاد بھی نہ رہیگا ہاں خدائے تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے حصول میں کوشش کرنے والے ان انعامات کے مستحق ہوجائیں گے جو وہ اپنے بندوں کو عطا فرمایا کرتا ہے۔

ہم پر ایک بوجھ رکھا گیا ہے جس کا اُٹھانا ہمارا کام ہے اور ہمیں ایک امانت دی گئی ہے جسے حفاظت سے ادا کرنا ہمارا فرض ہے ہم سے ایک وعدہ لیا گیا ہے جس کا پورا کرنا ہمارے لیئے ضروری ہے خدائے تعالیٰ نے دین اسلام کی خدمت اور اس کی دوبارہ ترقی کے کام پر ہمیں مقرر فرمایا ہے اور یہ اُس کا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں اس کام کے لیئے چنا ورنہ ہزاروں ہیں جو اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں۔ پس ہمارا فرض ہونا چاہیئے کہ جس طرح بھی ہوسکے اس کام کو پورا کریں۔ دنیا غافل ہے اور ہماری آنکھیں خدائے تعالےٰ نے کھولدی ہیں لوگ سو رہے ہیں لیکن خدا نے ہمیں جگا دیا ہے پھر باوجود اس ہوشیاری و بیداری کے اگر دوسروں کی طرح ہم بھی سُست و کاہل رہیں تو کیسے افسوس کی بات ہوگی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مدعا اور مقصود کو پورا کرنے کے لیئے جس کے لیئے آپ مبعوث فرمائے گئے تھے کچھ تجاویز کیں اور خدا نے چونکہ آپ کو دین کی عظمت کو دوبارہ قائم رکھنے کے لیئے مبعوث فرمایا تھا ضرور ہے کہ آپ کی تجاویز میں برکت دے۔ اب ہمارے لیئے راستہ صاف ہے مشکل کام خدا کا نبی کر گیا اب اسکے لگائے ہوئے پودہ کی آبیاری ہمارا فرض ہے تقویٰ کا بیج دنیا سے نابود تھا اُس نے ثریا سے وہ بیج لاکر زمین میں بویا اور اس کی حفاظت کا خدا نے وعدہ کیا ہمارا کام اس کی آبپاشی ہے۔ اور اس کام میں حصہ لینے والے خدا کے ہاں اجر کے مستحق ہیں ہمارا کام پہلوں سے بہت آسان ہے ہم پر صرف چندوں کا بوجھ رکھا گیا ہے پہلوں کو اپنی جانیں بھی قربان کرنی پڑتی تھیں خود ہمارے بھائیوں میں سے دو کو افغانستان میں جان و مال کی قربانی دینی پڑی۔ پھر کیا ہم اس آسانی کے

باوجود اپنے بھائیوں سے پیچھے رہیں۔

جیساکہ پہلے یاد دہانی کیجا چکی ہے اس وقت بعض ناتمام کاموں کے لیئے روپے کی ضرورت ہے اور لنگر مقروض ہے جس کی وجہ کچھ تو چندہ کی کمی اور کچھ مہمانوں کی زیادتی ہے اور اس کمی کی وجہ سے بہت سے کاموں میں رکاوٹ پیش آرہی ہے سالانہ جلسہ قریب آرہا ہے اور اس کے اخراجات کے لیئے بھی تین ہزار روپیہ کی ضرورت ہے جو پہلے مہیا ہو تو انتظام کیا جائے عمارت کے لیئے مجبوراً چھ سات ہزار روپیہ قرض لینا پڑا جس کی ادائگی کا وقت آگیا ہے اور اس کا ادا کرنا نومبر میں ضروری ہے اس کے لیئے تیرہ ہزار روپیہ کی ضرورت ہے اور گو چندوں کا بوجھ بہت پڑ چکا ہو مگر اس ضرورت کو پورا کرنا بھی جماعت کا ہی فرض ہے۔ عمارت اب ختم ہونے والی ہے اور تعمیر فنڈ کے چندہ سے کچھ مدت کے لیئے سبکدوشی ہوجائے گی مگر جو خرچ ہو چکا ہے اس کا ادا کرنا تو ضروری ہے اس لیئے جس طرح بھی ہوسکے اس رقم کو پورا کرنا چاہیئے خدائے تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے وہ جماعت کی کوششوں کو ضائع نہ کرے گا۔ انشاءاللہ تعالےٰ جو لوگ خدائے تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین کی مدد کرتے ہیں خدا اُن کی مدد کرتا ہے ولینصرن اللہ من ینصرہ دین کی مدد کرنا اپنی مدد کرنا ہے ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم۔ امید ہے کہ احباب اس طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور اس رقم کو جلد پورا کر دیں گے۔ کیونکہ تینوں ضروریات فوری توجہ چاہتی ہیں جو قرضہ کہ جماعت کے اعتبار پر لیا گیا ہے اس کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ سالانہ جلسہ کے لیئے انتظام بھی ضروری ہے اور لنگر کا کام بھی بند نہیں کیا جا سکتا۔

جن سکرٹریان انجمنہائے احمدیہ اور دوستوں کی خدمت میں یہ چٹھی پہنچے وہ فوراً اپنے اور اپنے دوستوں کے چندے محاسب صاحب کے

نام بھجوادیں اور اس رقم کے پورا کرنے کے لیئے پوری سعی فرمادیں۔

جزاھم اللہ خیراً۔

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

نوٹ:۔ جلسہ سالانہ انشاء اللہ تعالےٰ ۲۶-۲۷-۲۸۔ دسمبر کو ہوگا مفصل پروگرام بعد میں شائع کیا جائیگا۔ تمام انجمنہائے احمدیہ کے سکرٹری صاحبان کی خدمت میں التماس ہے کہ جس جس جگہ سے جس جس قدر احباب جلسہ میں شریک ہونے والے ہوں اُس کی اطلاع فوراً دفتر سکرٹری صدر انجمن احمدیہ میں بھیجدیں۔ تا اُن کی رہائش کا مناسب انتظام کیا جاوے۔ اور تمام احباب کو اطلاع کردیں بستر ے ضرور ہمراہ لائیں۔ بٹالہ سٹیشن پر گڈہ وغیرہ کا انتظام انشاء اللہ ہوگا

بقایا صیغہ جات یکم نومبر ۱۹۱۳ء

صیغہ			
تعلیم	۶	۲	۵۸۷۸
یتامیٰ	۱۰	۵	۶۴۱
مساکین	۸	۱۰	۱۷۴۴
مستقل فنڈ متفرقات	۶	۲	۳۹۱۲
بورڈران ہائی	۲	۱۲	۷۱۱
زکوٰۃ	۳	۱۲	۴۵۰۸
امانت اندرونی	۰	۵	۶۷۵
" بیرونی	۹	۱۲	۱۷۹۳
میزان	۸	۱۵	۱۹۸۶۵
منہا کردہ فاضل	۰	۱۰	۱۳۱۴۵
باقی	۸	۵	۶۷۲۰
منہا کردہ پیشگی	۶	۸	۲۵۴۴
باقی نزد امین	۲	۱۳	۴۱۷۵

تفصیل فاضل

صیغہ			
اشاعت	۳	۱۰	۴۷۳
تعمیر	۹	۵	۳۶۳۵
بیت المال	۳	۱۲	۳۸۸۹
متفرقات	۱	۱۲	۱۲۸۹
مدرسہ احمدیہ	۳	۷	۱۲۷۸
بورڈران احمدیہ	۹	۴	۳۶۱
مقبرہ	۸	۵	۲۲۱۷
میزان فاضل	۰	۱۰	۱۳۱۴۵

تفصیل پیشگی

صیغہ			
تعلیم	۶	۷	۶۶۳
بیت المال	۰	۰	۴۶۳
مقبرہ	۰	۱	۴۲۳
متفرقات	۰	۰	۴۴۵
اشاعت	۰	۰	۳۰۰
مدرسہ احمدیہ	۰	۰	۲۵۰
میزان	۶	۸	۲۵۴۴

تقریر جلسہ اعظم مذاہب یا لیکچر مہوتسو

یعنی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا عظیم الشان لیکچر جو ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں مولوی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا۔

چوتھی دفعہ نہایت عمدہ کاغذ پر خوب خوشخط لکھوا کر چھپوایا گیا ہے تقطیع بھی نہایت موزوں ہے۔ اس کتاب میں حضرت اقدسؑ نے ذیل کے پانچ امور پر فلسفیانہ رنگ میں بحث کی ہے۔ اور تمام دلائل قرآن شریف سے پیش کیے ہیں۔ (۱) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتیں (۲) انسان کی زندگی کے بعد کیحالت یعنی عقبیٰ (۳) دنیا میں انسان کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب (۴) اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں (۵) علم اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے۔ تقریباً ۲۰۰ صفحہ کی کتاب ہے قیمت ۸ر

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ولایت سے چھپکر آیا ہے۔ نہایت خوبصورت جلد قیمت عہ

قاعدہ یسرنا القرآن نو ترمیم

یہ قاعدہ جسقدر مفید اور مقبول ثابت ہوا ہے محتاج بیان نہیں عام طور پر کئی کئی سال تک بچوں کی عمریں ضائع ہو جاتی تھیں اور قرآن شریف ختم نہیں ہوتا تھا۔ اور جو کسی بچے نے قرآن شریف ختم بھی کیا تو ایسا کہ دوبارہ پڑھاؤ تو ایک سطر رواں اور صاف نہیں پڑھ سکتا۔ مگر اس قاعدہ کے پڑھانے سے ایک بچہ چھ ماہ میں قرآن شریف ختم کر لیتا ہے۔ اور اس میں اسقدر طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ عربی کی کوئی کتاب جس پر اعراب دیئے ہوں بلا تکلف پڑھ لیتا ہے۔ اس قاعدہ کے چار ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔ مصنف صاحب قاعدہ مذکور نے نہایت محنت اور جانفشانی سے سابق قاعدہ میں ترمیم کر کے بہت مفید باتیں اور ایزاد کی ہیں اور جا بجا اساتذہ کے لیئے کار آمد نوٹ دیئے ہیں۔ لکھائی اور چھپائی عمدہ ہے۔ کاغذ بھی اعلیٰ لگایا گیا ہے۔ جو احباب اپنے عزیز بچوں کو صحیح قرآن شریف پڑھانے کے خواہشمند ہوں وہ یہ قاعدہ شروع کروائیں قیمت مکمل قاعدہ عربی ۲ر صرف حصہ اول۔ ۱ر اردو قاعدہ ۱ر محصولڈاک ۱ر درخواستیں بنام مینجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں۔

اطلاع:- خریداران ریویو کیخدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرماویں۔

مطبع میگزین ۲۰۱۰۲ بواسطہ فقۃ اللہ اسسٹنٹ منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے
لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۳ء
مطابق محرم الحرام سنہ ۱۳۳۲ ھجری

چندہ سالانہ
عام طلباء سے عہ

فہرست مضامین

خریداران ریویو کی خدمت میں ضروری اطلاع

جن خریداروں کی قیمت دسمبر میں ختم ہوتی ہے۔ مہربانی کرکے ۱۵۔ جنوری تک ۱۹۱۴ء کی پیشگی قیمت ارسال فرمادیں یا اگر کسی خاص وجہ سے اس تاریخ تک قیمت ادا نہ کرسکیں تو اطلاع دیں کہ کب تک قیمت ادا کرینگے۔ ورنہ جن اصحاب کی طرف سے اس تاریخ تک نہ قیمت وصول ہوئی اور نہ کوئی جواب آیا جنوری کا پرچہ اُن کے نام وی پی ہوگا مہربانی کرکے وصول فرمادیں تا دفتر کو خواہ مخواہ کا نقصان برداشت کرنا نہ پڑے ؛

مینجر ریویو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

الفوائد العائدہ فی تفسیر آیت المائدہ

اللّٰھم الھمنی علماً افقہ بہ اوامرك و نواھیك وارزقنی فھماً اعلم بہ کیف اناجیك یا ارحم الرّاحمین۔ اللّٰھم ارزقنی فھم النّبیّین وحفظ المرسلین۔ و الھام الملٰئکۃ المقرّبین۔ برحمتك یا ارحم الرّاحمین۔ اللّٰھم اکرمنی بنور الفھم واخرجنی من ظلمات الوھم وافتح لی ابواب رحمتك وانشر علیّ من خزائن علمك یا ارحم الراحمین۔[۵۱] اٰمین ثم اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم۔[۵۲] **اِذْ قَالَ** الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا

سہ ۵۱ یا اللہ مجھکو وہ علم عنایت فرما جس سے تیری حکموں کو اور تیری ممنوعات کو سمجھوں اور عطا کر مجھکو ایسا فہم جس سے جان لوں میں تجھ سے مناجات کرنیکو اے سب رحم کرنیوالوں سے بڑے رحم کرنیوالے یا اللہ عطا کر تو مجھکو سمجھ نبیوں کی سی اور حفظ رسولوں کا سا اور الہام فرشتوں جیسا بسبب رحمت اپنی کے ارحم الراحمین۔ یا اللہ میرا اکرام کر ساتھ نور فہم کے نکال دے مجھکو اندھیروں وہم سے اور کھولدے تو میرے واسطے اپنی رحمت کے دروازے اور پھیلا دے مجھ پر اپنے علم کے خزانہ میں سے یا ارحم الراحمین۔ آمین۔

سہ ۵۲ پناہ مانگتا ہوں [illegible]

وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ؏ [۱] (پارہ ۷ - رکوع ۴)

یہ آیۃ کریمہ سورہ مائدہ کے آخر میں ہے۔ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں بہت کثرت کے ساتھ اقوال مختلف لکھے ہیں۔ کسی نے تو حضرت عیسیٰؑ کے ہی وقت میں اس مائدہ مندرجہ آیت کا نزول اپنے زعم میں ثابت کیا ہے۔ اور پھر اس مائدہ کے بارہ میں اسقدر اقوال مختلف لکھے ہیں کہ مصداق ہیں ع شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا کے اور بعض مفسرین نے حضرت عیسیٰؑ کے وقت میں عدم نزول مائدہ کا قسمہائے غلیظ کھا کر انکار محض کیا ہے۔ جیساکہ امام حسن بصری و مجاہد رضی اللہ عنہما وغیرہ لکھتے ہیں کہ جب لوگوں نے ناشکری پر سخت عذاب آنیکی وعید سنی تو پھر درخواست نہ کی۔ اس لیئے مائدہ نہیں نازل ہوا۔ کیونکہ اگر ہوتا تو اس کے نازل ہونیکا دن نصارٰی میں عید کا دن ہو جاتا حالانکہ نہیں قرآن شریف سے بھی صرف دعا کرنا ثابت ہے انتہٰی اور تفسیر کشاف میں انکا یہ قول لکھا ہے۔ عن الحسن وَاللّٰهِ مَا نَزَلَتْ وَلَوْ نَزَلَتْ لَكَانَ عِيْدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ [۲] ۔ غرض بوجوہات اس عدم نزول مائدہ کو ثابت

[۱] اور یاد کر جب کہا حواریوں نے کہ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے کیا تمھارے پروردگار سے ہو سکے گا کہ اتارے ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے۔ کہا ڈرو اللہ سے اگر تم مومن ہو کہا انہوں نے ہم چاہتے ہیں کہ کھاویں اسمیں سے اور چین پاویں ہمارے دل اور ہم جانیں کہ تو نے ہم کو سچ بتایا اور ہوویں ہم اسپر گواہ کہا عیسیٰ بن مریم نے اے اللہ پروردگار ہمارے ہمپر اتار ہم پر ایک خوان بھرا ہوا آسمان سے کہ وہ دن عید ہے ہمارے پہلو اور پچھلوں کو اور نشانی ہو تیری طرف سے اور روزی دے ہمکو اور تو ہی سب سے روزی دینے والا ہے۔ کہا اللہ نے میں اتارنے والا ہوں وہ خوان تم پر پھر جو کوئی تم میں ناشکری کرے اسکے پیچھے تو میں اسکو وہ عذاب کرونگا۔ جو نہ کرونگا کسی کو جہان میں سے۔ ۱۲

[۲] حسن بصری سے روایت ہے کہا انہوں نے قسم ہے اللہ کی وہ مائدہ نہیں نازل ہوا اگر وہ نازل ہوتا تو وہ دن نزول کا عید ہو جاتا اولین و آخرین کے لئے۔ ۱۲

کیا ہے ان اقوال مختلفہ مفسرین سے آیت کریمہ کی وہ عظمت شان جو کلام الٰہی کے لیئے لازم ہے ضائع ہوئی جاتی ہے۔ و نعوذ باللہ منہ غور فرمایا جاوے۔ کہ اوّل تو اسی آیت کے مضمون ہدایت مشحون کی وجہ سے اس سورۃ کا نام سورہ مائدہ رکھا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سورۃ کے کُل مضامین میں یہی ایک مضمون ایسا اصل الاصول اور عظیم الشان ہے کہ اسکی عظمت شان کی وجہ سے اس سورۃ کا نام بھی سوہ مائدہ رکھا گیا ہے۔ ورنہ اس سورۃ میں صدہا احکام اور مضامین بیان فرمائے گئے ہیں۔ اگر یہ مضمون مائدہ کا اصل الاصول اور عظیم الشان نہ ہوتا تو کسی دوسرے مضمون کے ساتھ اس سورۃ کا نام رکھا جاتا پس معلوم ہوا کہ تمام احکام کا لب لباب اور اصل الاصول یہی مضمون مائدہ کا ہے۔ علاوہ یہ کہ قائلین نزول مائدہ کے اقوال نہ کہیں قرآن مجید سے ثابت ہیں نہ احادیث صحیحہ سے اور نہ دلائل عقلیہ سے بلکہ دلائل عقلیہ اُن اقوال کو رد کر رہے ہیں۔ کہ ایسا معجزہ یعنی نزول خوان ظاہری من السماء حکمت ایمان بالغیب کے خلاف ہے اور منکرین نزول مائدہ کے اقوال عظمت شان آیت اور اعجاز کلام الٰہی اور الفاظ تاکیدی مندرجہ آیت کو عبث اور لغو قرار دے رہے ہیں۔ مثلاً لفظ اِذْ ہے جو اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ میں ہے اُسکے پہلے لفظ اُذْكُرْ مقدر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم کو حکم ہے کہ اس قصہ کو یاد کرتے رہیں۔ پس جو امر کہ واقع ہی نہ ہوا ہو اور ایک فرضی بات ہو اُسکے یاد رکھنے سے کیا فائدہ اور اگر واقع ہوا تو محض خلاف عقل کے اور نہ قرآن شریف میں اس کی تصریح اور نہ احادیث میں اس کا ذکر ہے۔ پھر ایسے مضمون خلاف کے یاد رکھنے سے بجز اسکے اور کیا نتیجہ ہے کہ کلام الٰہی جو معجزہ عظیم الشان ہے عبث اور لغو ہوا جاتا ہے و نعوذ باللہ منہ۔

واضح ہو کہ حواریوں نے اس معجزہ کی طلب میں چار امور یعنی اکل اطمینان قلب اور حصول علم صدق نبوت کا اور شاہد ہونا دوسروں کے لیئے بطور نتیجہ بیان کیئے ہیں۔ اور حضرت عیسیٰؑ نے اُنکے سوال پورا کرنیکے لیئے اس معجزہ کے وقوع کے واسطے بلفظ اللّٰھم اور ربنا دعا بھی کی جو مقتضی ہے ربوبیت روحانی و جسمانی کو اور تمام اوّلین اور آخرین کے لیئے عید قرار دیا ہے جو لفظ عَوْد سے مشتق ہے اور اس مائدہ کو

ایک نشان عظیم صداقت کا قرار دیا ہے اور آخر میں اللہ تعالیٰ کا خیر الرازقین بھی ہونا بیان کیا جو مقتضی ہے نزول مائدہ ظاہری و روحانی کو اور بعد اس دعا کے اللہ تعالیٰ نے بطور قبولیت دعا کے بڑی تاکید کے ساتھ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا بھی فرمادیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسے الفاظ تاکیدی کسی امر غیر واقع کے لئے نہیں آسکتے۔ یا ایسے امر کے لیئے جو خلاف عقل ہو اور نہ قرآن مجید اور احادیث میں اُسکا ذکر ہو اور نہ اناجیل میں اُسکی تصریح ہو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک میں کیا مذکور ہو سکتے ہیں۔ کلا وحاشا[۱]۔

اور مزید براں یہ ہے کہ اناجیل وغیرہ میں بھی یہ قصہ مندرجہ قرآن مجید اور گفتگو حواریوں اور حضرت عیسیٰؑ کی کہیں مذکور نہیں۔ مفسرین نے اپنے قیاس سے بعض واقعات مندرجہ اناجیل کو اس قصہ پر منطبق کرنا چاہا ہے جس کا پورا انطباق قصہ مندرجہ آیت کریمہ پر نہیں ہو سکتا اندریں صورت بھی یہ قصہ مندرجہ قرآن کریم جو اصل الاصول کل مضامین سورۃ کا ہے اور اعظم المقاصد ہے مثل طوطا کہانی کے ہوا جاتا ہے۔ تَعَالٰی شَانَ کَلَامِهٖ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا[۲]۔ یہ تو ظاہر ہے کہ پانچ روٹیاں اور دو مچھلیوں کو مصداق اس مائدہ کا قرار دینا جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے گو اُنسے کتنے ہی آدمی سیر ہو گئے ہوں ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نزول اس مائدہ کا اولین و آخرین کے لیئے قیامت تک کا عید ہونا حضرت عیسیٰؑ کی دعا میں مندرج ہے اور ایسی دعا کی قبولیت بتاکید تمام انّی منزّلھا میں فرمائی گئی ہے کیونکہ ضمیر ھا کی اُسی مائدہ کی طرف رجوع ہوتی ہے جو موصوف ہے بصفات مذکورہ الفاظ دعا اور واقعہ انجیل یوحنا باب ۶ کو جو اس مائدہ کا مصداق گردانا گیا ہے۔ اُس میں مضمون مندرجہ الفاظ دعا حضرت عیسیٰؑ کے مذکور نہیں اور نہ الفاظ قبولیت دعا منجانب اللہ اُس میں مندرج ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور جو مفسرین واسطے تطبیق الفاظ قرآنی کے اپنے من گھڑت قصے لکھتے ہیں۔ وہ اناجیل اربعہ میں سے کسی انجیل میں مذکور نہیں ثانیاً اگر تسلیم کیا جاوے کہ واقعہ مندرجہ یوحنا باب ۶ یا کوئی دیگر قصہ اُس کا مصداق ہو تو پھر نہ کتب عیسائیوں میں روز نزول اس مائدہ کا عید قرار دینا مرقوم ہے اور نہ عیسائیوں متقدمین و متاخرین نے

---

[۱] ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ ۱۲ [۲] برتر ہے شان کلام اللہ کی ایسے لغو سے نہایت برتر ہونا۔ ۱۲

اس نزول مائدہ کو عید قرار دیا۔ ثالثاً خود حضرت عیسیٰؑ کے ہی حیات میں بعد نزول اس مائدہ کے وہ کفر و انکار کیا گیا۔ کہ الاماں الاماں نظر کرو واقعہ صلیب پر جو ایک بڑا کفر ہے وہ ۳۳ء میں واقعہ ہوا ہے اور باب ۶ یوحنا کا واقعہ ۳۲ء میں واقع ہوا ہے با ایں ہمہ عذاب موعود موافق وعید مندرجہ قرآن مجید کے اُنپر نازل نہیں ہوا ھٰذا خُلفٌ اور نہ بعد رفع یا توفی حضرت عیسیٰ کے آنحضرت صلعم تک کسی عیسائی مورخ نے کہیں لکھا ہے کہ کوئی عذاب موعود مندرجہ آیت مائدہ کا نازل ہوا جو واقعہ مندرجہ باب ۶ یوحنا کے نتیجہ کفر کا مصداق ہوا اور نہ کسی اور مؤرخ غیر عیسائی نے لکھا اور جو عذاب نازل ہوئے ہیں اُنکو اس کفر مائدہ پر کسی نے مترتب نہیں کیا ومن ادّعیٰ فعلیہ البیان۔ ہاں ہم جس مائدہ کو مصداق ان آیات کا قرار دینگے وہ دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہے جس کا بیان ذیل میں انشاء اللہ تعالیٰ کیا جائیگا۔ تو پھر اُسکے خلاف کسی کا قول یا کسی کی تفسیر مقبول نہیں ہوسکتی عرب کہتا ہے۔ اذا جاء نہر اللہ بطل نہر معقل[۱] ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی دعا میں گو لفظ اَنزِل کا ہے جو دفعۃً نزول پر دال ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے الفاظ قبولیت میں لفظ منزّل کا ہے جس میں نزول بتکرار کی طرف اشارہ ہے جو عید اوّلین و آخرین کے لیئے شامل ہے۔ ثانیاً۔ لفظ من السّمآء کا ہے جس سے مراد مائدہ روحانی وجسمانی دونوں ہیں۔ کیونکہ نعمتوں جسمانی کا نزول بھی آسمان سے ہے۔ جو اپنے محل پر ہم نے ثابت کر دیا۔ ثالثاً اُس مائدہ کا اوّلین و آخرین کے لیئے عید ہونا یعنی موجب خوشی وخرّمی کا مومنین کے لیئے ہونا لازم ہے رابعاً نشانات کا واقع ہونا بھی ضروری ہے جسکی طرف وآیۃ منک ناظر مشعر ہے۔ خامساً رزق روحانی وجسمانی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونا چاہیئے۔ جو مقتضی ہے صفت خیر الرازقین کا اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کی اُسی دعا کو بتمامہٖ قبول کر کے فرماتا ہے کہ انّی منزّلھا جو اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ نزول مائدہ کا اوّلین و آخرین کے واسطے ضرور موجب خوشی و عید کا ہوتا رہے گا۔ سادساً۔ علاوہ اس قبولیت دعا کے یہ ہوگا کہ بعد اس نزول مائدہ کے جو کوئی کفر و تکذیب اُسکی کریگا۔ تو اُسپر ایسے عذابہائے شدید نازل ہونگے جو سابق ازمنہ میں کسی اُمّت پر عالمین میں سے واقع

[۱] معقل ایک نام صحابی کا ہے جو بصرہ کے انہار میں سے ایک نہر اُسکی طرف منسوب کی جاتی ہے حاصل مثل کا یہ ہے کہ امر اللہ کے مقابلہ میں کوئی شخص غالب نہیں آسکتا۔ ۱۲

نہ ہوئے ہونگے۔ اب ہم اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ شریعتِ اسلام کو مائدہ کے ساتھ بڑی مناسبت اور مشابہت ہے۔ اور خود اس سورۃ کے کل مضامین میں بہت سی مناسبات ایسی مذکور ہیں جو مائدہ جسمانی میں پائی جاتی ہیں اس لیئے ہم بڑے زور سے دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ مراد اللہ تعالیٰ کی اس مائدہ مندرجہ آیت سے شریعتِ اسلام ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً اور نجماً نجماً آنحضرت سید المرسلین وخاتم النبیین پر نازل فرمایا پس تنزیل مائدہ جو انی منزلہا میں مندرج ہے۔ ایک پیشین گوئی عظیم الشان ہے جو بذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پوری ہوئی۔ اہل بصیرت پر ظاہر ہوگا کہ شریعتِ اسلام کو مائدہ قرار دینا کچھ مستبعد نہیں ہے خصوصاً جبکہ اُس میں کثرت سے مائدہ کے ساتھ مناسبات موجود ہوں دیکھو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بھی زمین کو مائدہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ؎

ادیم زمین سفرہ عام اوست ❊ برین خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست
چناں پہن خوانِ کرم گسترد ❊ کہ سیمرغ در قاف روزی خورد[۵۱]

بیان چند مناسبات کا مناسبت اوّل اس سورۃ کے اوائل میں سید الطعام کے اقسام بیان فرمائے گئے ہیں۔ جو نہایت درجہ مائدہ سے مناسبت رکھتے ہیں اور یہود نے جو اونٹ وغیرہ کا گوشت حرام کر رکھا تھا۔ اُسکو بہیمۃ الانعام میں داخل فرما کر حلال کر دیا۔ مناسبت دوم چونکہ یہ مائدہ جسمانی اور روحانی دونوں قسم کو شامل تھا اس لیئے جو لحوم روح اور جسم دونوں کو مضر تھے خصوصاً روح انسانی کو سخت مضرت پہنچاتے تھے جن کو نصاریٰ نے حلال کر رکھا تھا۔ اُنکو حرام فرما دیا

---

[۵۱] اور خود حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاءؑ ارشاد فرماتے ہیں ؎

مائدہ[۱] چیزیست دیگر خشک نان چیزے دگر ❊ خوردنی ہرگز نباشد نانِ خشک بے ہنر
دوستاں[۲] را مائدہ بدہند از مہر وکرم ❊ پارہ ہائے خشک نان بیگانگاں را نیز ہم
نیز[۳] ہم پیشِ سگاں آں خشک نان می افگنند ❊ مائدہ از لطف ہا پیشِ عزیزاں مے برند
ترک کُن ایں خشک نان را ہوش کن فرزانہ باش
گر خردمندی پےِ آں مائدہ دیوانہ باش

اور دیگر اوامر جو روح بلکہ جسم کے واسطے بھی مفید دارین تھے اور نواہی جو جسم اور روح دونوں کے لئے مضر تھے۔ اُنکو بھی بخوبی بیان فرما دیا گیا تاکہ یہ مائدہ آسمانی کامل و مکمل ہو جاوے اور کسب اموال کے جو طریقے ناجائز تھے اور اموال مکسوبہ جو اُن طریقوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ اُن کا اکل بھی بنی آدم کے لئے سخت مضر تھا۔ جیسا کہ خمر وغیرہ اُنکو بھی حرام فرما دیا اور احکام شکار کے جس سے کھانے طیار کیئے جاتے ہیں وہ بھی اس سورہ میں مذکور فرمائے گئے اور اُس کے طرق ناجائز بھی۔ مناسبت سوم۔ چونکہ یہ مائدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت عظیم الشان ہے اس لیئے اس نعمت کا ایسا پورا اور کامل ہونا تاقیامت چاہیئے کہ کوئی دوسری شریعت اُسکی نظیر نہ ہو سکے۔ اسلیئے فرمایا گیا کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ[1] لفظ اتمام نعمت کا مائدہ کے ساتھ نہایت مناسبت رکھتا ہے۔ اسلیئے اس سورۃ میں متعدد جگہ وارد ہُوا ہے ایضاً فرمایا اللہ تعالیٰ نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[2] اور ماکولات کے علاوہ مستلذّات غیر ماکولہ کی حلّت و حرمت کا بیان بھی اس سورۃ میں فرمایا گیا ہے تاکہ یہ مائدہ مستلذّات غیر ماکولہ سے بھی خالی نہ ہے۔ جیسا کہ نکاح وغیرہ ہے اور جو مستلذّات محرّمہ ہیں اور روح انسانی کو ضرر پہنچاتے ہیں اُس کا بھی ذکر فرمایا گیا۔ جیسا کہ عورتیں محرّمات وغیرہ ہیں۔ اور چونکہ اہل کتاب نے چند بہیمۃ الانعام کو اور اُن سے تحصیل فوائد کو اپنی طرف سے حرام کر رکھا تھا۔ جیسا کہ بحیرہ وغیرہ یہ تشدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھا۔ اُسکو حلال کر دیا اور فرمایا کہ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا[3] (پارہ ۷ رکوع ۴) الی آخرہ اور چونکہ اس مائدہ سے استفادہ بغیر طہارت جسمانی کے حاصل نہیں ہو سکتا اس لیئے ضروری ہُوا کہ تشددات طہارت

[1] آج کے دن تمھارے لیئے اسلام کو مَیں کامل کر چکا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا۔ ۱۲

[2] بے شک ہم ہی نے اُتارا قرآن مجید کو اور ہم ہی اُس کے حفاظت کرنیوالے ہیں قیامت تک۔ ۱۲

[3] بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام کوئی چیز خدا نے نہیں ٹھہرائی الی آخرہ

یہود کے دور کر کے مسائل طہارت جسمانی کے بھی بیان کیئے جاویں اور جو تشدد یہود کے یہاں تھا اُس تشدد کو رفع کیا جاوے چنانچہ مسئلہ وضو وغسل وتیمم بیان فرما کر ارشاد فرمایا گیا۔ مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ؁ (پارہ ۶ رکوع ۵) مناسبت چہارم اور چونکہ آخر آیت مائدہ میں وعید عذاب سخت کی ارشاد فرمائی گئی ہے اسلیئے مومنین کے واسطے آپ کا اسم مبارک بشیر اور منکرین کے لیئے آپکا نام نذیر اس سورہ میں مذکور ہوا ہے کما قال اللہ تعالےٰ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ؁ تاکہ منکرین کو اس عذاب موعود سے انذار فرماویں۔ مناسبت پنجم۔ اور چونکہ اس مائدہ کے انزال سے مقصود اصلی یہ ہے۔ کہ بنی آدم کو حیات جاودانی حاصل ہو جیساکہ مائدہ جسمانی سے حیات جسمانی کا ابقاء علت غائی ہے اسلیئے حضرت آدمؑ کے بیٹوں کا قصہ بیان فرما کر باہمی قتل کا وبال ونکال بھی بیان کرنا ضروری ہوا تاکہ مائدہ روحانی کی مناسبت جو موجب ابدیت حیات ہے مائدہ جسمانی کے ساتھ حاصل ہو جاوے۔ جو موجب ابقاء حیات جسمانی ہے۔ مناسبت ششم۔ حواریونکی درخواست میں اَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا بھی مذکور تھا۔ اس لیئے اسی سورۃ میں ارشاد فرمایا گیا۔ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ؁ پارہ ۷ رکوع ۱) مناسبت ہفتم چونکہ اس مائدہ محمدی میں بہت سی اشیاء کو حرام فرمایا گیا ہے اور اُن کے کھانے اور ارتکاب سے روکا گیا ہے گو بعض خبیث الطبائع کو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ نصاریٰ کے ہاں ان اشیاء محرمہ سے نہیں روکا گیا۔ اور تمھارے ہاں یہ اشیاء حرام کردی گئیں۔ تو مائدہ محمدی ناقص رہا جاتا ہے تو اُس شبہ کے دفعہ کے لیئے ارشاد

؁ نہیں چاہتا ہے اللہ کہ کوئی تنگی تم پر ڈالے اور لیکن چاہتا ہے وہ کہ تم کو پاک وصاف کردے اور پوری کردے اپنی نعمت کو تم پر تاکہ تم شکر کرو۔ ۱۲

؁ جیساکہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے پس تحقیق آگیا تمھارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔ ۱۲

؁ اور کھاؤ تم جو تمکو اللہ تعالیٰ نے رزق دیا ہے دراں حالیکہ حلال اور طیب ہو اور ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے جس پر تم ایمان لا رہے ہو۔ ۱۲

فرماتا ہے۔ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۵ ؎۱ (پارہ ۷ رکوع ۲) اور مضر کھانوں سے پرہیز کرنا مائدہ جسمانی میں ضروری ہے۔ مناسبت ہشتم۔ اور دائرہ حلت کے وسیع کرنے کے لیئے ایک ایسا اصول بیان فرمایا گیا ہے جس سے ایک بڑی وسعت اور آسانی اہل اسلام کیلیئے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۵ ؎۲ (پارہ ۷ رکوع ۳) اور اسی مقام سے علم اصول میں یہ مسئلہ مقرر ہو چکا ہے کہ اصل اشیاء میں حلت ہے پس جس کو شارع علیہ السلام نے حرام فرما دیا وہ حرام ہے باقی اشیاء حلال ہیں۔ مناسبت نہم۔ اور چونکہ مقدمہ اموال میں جو تحصیل اطعمہ کے لیئے اسباب ہیں انسانوں میں باہمی خیانت اور تنازعات بھی واقع ہو جاتے ہیں۔ اسلیئے انفصال مقدمہ کے لیئے قانون شہادت اور حلف لینے کا اور وصیت کا بیان فرمایا ہے۔ کما قال اللّٰہ تعالیٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ ؎۳ (پارہ ۷ رکوع ۳) مناسبت دہم۔ منکرین اس مائدہ محمدی کے لیئے قرآن شریف میں ناراضمندی اور سخط الٰہی وارد ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ أَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ۵ ؎۴ (پارہ ۷ رکوع ۱۴) اور

؎۱ کہ ترکہ اموال خبیث جو مضر جسم و روح کے ہیں اور اموال طیب جو روح اور جسم کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ برابر نہیں ہو سکتے اور اگرچہ خوش معلوم ہو تجھکو کثرت خبیث اشیاء کی پس ڈرو تم اے عقل والو تاکہ تمکو کامیابی دین دنیا

؎۲ اے ایمان والو مت سوال کرو تم ایسی چیزوں سے کہ اگر وہ ظاہر کیجاویں تو بُری لگیں تم کو اور اگر تم پوچھو گے انکو جبکہ پیام نازل کیا جاتا ہے ظاہر کیجاویں گی تم کو معاف کر دیا اللہ تعالیٰ نے اُنکے سوالات سے کیونکہ اللہ مغفرت کرنیوالا اور بردبار ہے۔ ۱۲

؎۳ اے ایمان والو جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو تو وصیت کرتے وقت تم میں گواہی تم میں سے دو معتبر کی ہو یا اگر تم کہیں کو سفر کرو اور تم پر موت کی مصیبت آپڑے تو تم مسلمانوں کے سوا دو گواہ۔ ۱۲

؎۴ بدیں وجہ ناراض ہوا اللہ تعالیٰ اُنپر اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ۱۲

جو شخص مائدہ ظاہری و جسمانی قائم کرتا ہے اور صلائے عام دیدیتا ہے کہ جو چاہے اس مائدہ سے فوائد اکل حاصل کرے پس اگر کوئی شخص اس کی اس دعوت کو قبول نہیں کرتا اور توہین اور تحقیر اس مائدہ کی کرتا ہے تو وہ داعی بھی اس منکر سے ناراض ہو جاتا ہے - بالفعل یہ دس مناسبتیں کافی ہیں علیٰ ہذا القیاس سخط الٰہی اس مائدہ کے مکذب پر ضرور وارد ہوگا - وَتِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ اور سامائدہ محمدی اور مائدہ جسمانی میں بسبب ان وجوہ شبہ کے ایک مشابہت تامہ ہے پس شریعت محمدی کو مائدہ قرار دینا کونسا استبعاد رکھتا ہے جس کے سبب اسکو مائدہ نہ کہا جاوے -

اب ہم اُس عذاب کا بیان کرینگے انشاءاللہ تعالیٰ جس کا اشارہ اس آیت ذیل سورہ مائدہ میں مندرج ہے - کما قال اللہ تعالےٰ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ؀ (پ ۶ رکوع ۸) ان عذابوں مندرجہ آیت مائدہ کے وقوع کی تفصیل تو قرآن مجید کی اکثر آیات میں موجود ہے جس کا بیان کرنا ایک دفاتر طویلہ کو چاہتا ہے - اب ہم یہاں پر چند آیات کی طرف اشارہ کیئے دیتے ہیں - ناظرین اصل واقعات اور اُنکے اسباب کو کتب تفاسیر اور احادیث اور سیر میں ملاحظہ فرمالیویں مثلاً ایک غزوہ بدر ہے جس میں مشرکین اور مکذبین پر سخت عذاب نازل ہوا اور اُسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ایک آیت قرار دیا ہے قال اللہ تعالےٰ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؀ الی اٰخرہ (پارہ ۳ رکوع ۹) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واقعہ جنگ بدر کو ایک نشان عظیم الشان صداقت رسالت آنحضرت سید المرسلین ؐ کا قرار دیا ہے کیونکہ

۱؎ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے فساد کی غرض سے ملک میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں اُنکی سزا تو بس یہی ہے - قتل کر دیئے جائیں یا سولی دی جاوے اُنکو یا اُنکے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں - یا اُنکو دیس نکالا دیا جاوے - یہ تو دنیا میں اُنکی رسوائی ہوئی اور آخرت میں اُنکے لیئے عذاب ہے - ۱۲

۲؎ تحقیق ہے تمہارے لیئے ایک بڑا نشان دو گروہوں میں کہ وہ دونوں آپسمیں بھڑے ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں - ۱۲

آیۃً میں تنوین تعظیم کے لیئے ہے اور فی الحقیقت فتح جنگ بدر ایسی عظیم الشان فتح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم اور الہام سے بحیثیت کذائی مندرجہ احادیث واقع نہیں ہوئی اُسکی وجہ موجہ یہ ہے کہ اہل اسلام مخالفین کو قریب اونیس سو کے دکھائی دیئے حالانکہ اہل اسلام صرف تین سو تیرہ اور مخالفین قریب ایک ہزار کے تھے۔ کما قال اللہ تعالےٰ یَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ[۵۱]۔ پس یہ نصرت اور تائید الٰہی بذریعہ فرشتوں کے واقع ہوئی اور ستر سرداران قریش مقتول ہوئے اس میں ابوجہل سب کا سردار تھا اور ستر سردار قید میں آئے اور قبل اس فتح کے پیشگوئی کے طور پر فرمایا گیا تھا۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ[۵۲] (پ ۳ ع ۹) پھر دیکھو اس پارہ میں احادیث کو اگر کسی کو دعوی ہو کہ جنگ بدر کی مانند بحیثیت مذکورہ بالا کسی وقت میں کوئی فتح واقع ہوئی ہے۔ تو وہ ثابت کرے یعنی پہلے سے ایسی فتح کی خبر قطعی طور پر دی گئی ہو اور مومنین بقدر تہائی کے ہوں۔ مخالفین کی فوج سے اور ہر ایک کافر کے مقتول ہونے کی جگہ بتلادی گئی ہو اور مخالفین کی فوج تمام ساز و سامان جنگ سے مسلح اور مزین ہو اور مومنین کی جماعت اقل قلیل نہایت درجہ بے ساز و سامان ہو۔ وکذا وکذا۔ پس اس سے بڑھکر نشان صداقت رسالت کا اور کیا ہو گیا۔ کہ ان تین سو تیرہ میں صرف دو سوار اور چند زرہ پوش تھے اور اسّی کے پاس تلواریں تھیں۔ باقی للّٰہ پتھر لیئے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے نصرت اہل اسلام کے لیئے آسمان سے فرشتے نازل فرمائے جو سواروں کی صورت میں تھے۔ اس لیئے اللہ تعالےٰ نے کفار کی آنکھوں میں مسلمانوں کی جماعت دوچند کفار کی فوج سے دکھائی دی۔ فرشتوں کے ذریعہ سے دیکھو سورہ انفال۔ جس سے کفار کے دل میں رعب پیدا ہو گیا۔ اور اہل اسلام کے ہاتھ سے شکست فاش کھائی۔ اس فتح جنگ بدر سے تمام کفار یہود و نصاری وغیرہ پر ایسا رعب چھا گیا کہ وقتاً فوقتاً مغلوب ہونے چلے گئے۔ گو دعوی بڑے بڑے کرتے

---

[۵۱] مسلمانوں کا گروہ اپنے سے دوچند دکھائی دے رہا تھا۔ ۱۲

[۵۲] کہدے کافروں سے کہ ضرور تم مغلوب ہو جاؤ گے اور اُٹھائی جاؤ گے تم طرف جہنم کی اور بُرا ٹھکانا ہے۔ ۱۲

رہے - اور چند بے سروسامان عرب کے ہاتھ سے قیصر و کسریٰ کی قدیم سلطنتیں جو دنیا کو گھیرے ہوئے تھیں - اور اسوقت اُنکے برابر دنیا میں کوئی بادشاہت نہ تھی اُکھاڑ کر پھنکوا دیں اور اپنے قبضہ میں لے آئے جیسا کہ سفر مثنیٰ باب ۱۸ میں موجود ہے پس جو پیشین گوئی استیصال مکذبین کی تھی وہ بہمہ وجوہ واقع ہوگئی - اور یہ سفر مثنیٰ کی پیشن گوئی اعمال باب ۳ میں بایں عبارت مندرج ہے - لِاَنَّ مُوسٰی قَالَ لِلْاٰبَاءِ اِنَّ الرَّبَّ اِلٰهَکُمْ سَیُقِیْمُ لَکُمْ مِنْ اِخْوَتِکُمْ نَبِیًّا مِثْلِیْ فَاسْمَعُوْا لَهٗ فِیْ جَمِیْعِ مَا یُخَاطِبُکُمْ بِهٖ وَسَتَکُوْنُ کُلُّ نَفْسٍ لَا تَسْمَعُ لِذٰلِكَ النَّبِیِّ وَتُطِیْعُهٗ تُسْتَاصَلُ مِنْ شَعْبِهَا - الیٰ آخرہ - اور اردو اعمال باب ۳ میں موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ اللہ جو تمھارا خدا ہے تمھارے بھائیوں میں سے تمھارے لیئے میری مانند ایک نبی پیدا کرے گا - جو کچھ وہ تم سے کہے سب سنیو اور جو شخص کہ اُس نبی کی نہیں سنیگا - اپنے لوگوں میں سے (ہلاک اور تباہ) ہو جائیگا - الیٰ آخرہ -

اور پھر دیکھو سورہ حشر اور اُس کی تفسیر کو جو اشارتاً چند آیات اُسکی یہاں پر لکھی جاتی ہیں - قال اللہ تعالےٰ - وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ[۵] (پ ۲۸ ع ۳)

تنبیہ - سرکش یہود جب اپنی شرارت میں حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے - اور بالآخر اُنکی شرارت کی سزا کے لیئے اُنکی گڑھی مستحکم کا گیارہ روز تک سخت محاصرہ کیا گیا - تو وہ غیظ میں آکر اس جلن کے مارے کہ بعد میں مسلمان ہمارے گھروں میں نہ رہیں - اور اس لالچ سے بھی کہ اپنا لکڑی کاٹھ کیوں چھوڑ دیں مکانوں کو گرانا شروع کر دیا - آپ بھی ڈھانے میں مصروف تھے اور مدینہ کے مسلمانوں سے بھی اس کام میں مدد لیتے تھے یہ ہے تفسیر یخربون بیوتھم بایدیھم وایدی المؤمنین کی دیکھو شرح اسکی کتب احادیث اور کتب تفاسیر میں - ایضاً فرمایا اللہ تعالےٰ نے

---

[۵] فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ڈالدیا اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ایسا رعب کہ اُجاڑتے تھے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور مومنین کے ہاتھوں سے پس عبرت پکڑو اے بصیرت والو - ۱۲

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۝ (پ ۲۸ رکوع ۳) یہود کے نخلستان کا کاٹنا اور اُنکے کھیتوں کا برباد کرنا یا جلا دینا فی الحقیقت ایک ایسا عذاب ہے کہ اُسکی نظیر پہلے جہادوں میں نہیں پائی جاتی۔ اور اسی لیئے مخالفین اسلام ایسے عذابوں پر جو باذن اللہ اور موافق پیشین گوئی بائیبل کے واقع ہوئے اعتراض کرتے ہیں۔ مگر ان عذابوں کا وقوع بموجب پیشگوئی مندرجہ بائیبل کے بہت ہی ضروری تھا۔ اور ان عذابوں کے اسباب تو یہ اہل کتاب کی نہایت درجہ کی سخت شرارتیں تھیں جو علل موجبہ ان عذابوں کے وقوع کے لیئے ہو گئیں۔ اور ایسے اشد باغیوں کی سزا ہر ایک قانون سلطنت میں ایسی ہی ہُوا کرتی ہے۔ معترضین اگر انکی سخت شرارتوں کا معائنہ کرتے تو پھر ہرگز اعتراض نہ کرتے۔ اور پیشین گوئی مندرجہ قرآن مجید کے کہ لا اعذبه احدًا من العالمین موافق اُن ہی پیشین گوئیوں بائیبل کے پورے طور پر وقوع میں آئیں۔ اسی شبہ کے دفع کے لیئے فرمایا گیا کہ یہ سب باتیں باذن اللہ ہوئیں اور ایسے فاسقین کی یہی سزا تھی۔ اب میں مختصراً باب ۴۲ یشعیا کی عبارت لکھے دیتا ہوں۔ تاکہ ناظرین کو ظاہر ہو کہ اس قسم کے عذاب جو بظاہر مخالفین کے نزدیک مظنہ اعتراض ہیں۔ وہ ضروری الوقوع تھے۔ دیکھو کتاب یسعیاہ نبی باب ۴۲ "خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا۔ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت کو اُکسائیگا۔ وہ چلائیگا۔ ہاں وہ جنگ کے لیئے بلائیگا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا۔ وہ شریعت کو بزرگی دیگا اور اُسے عزت بخشے گا۔ لیکن یہ ایک گروہ ہے جو لوٹی گئی اور غارت کی گئی وہ شکار ہوئے اور کوئی نہیں بچاتا وہ لوٹے گئے اور کوئی نہیں کہتا۔ پھیر دو اسلیئے اس نے اپنے قہر کا شعلہ اور جنگ کا غضب ڈالا اُسپر گرداگرد آگ لگی۔ انتہی ملخصاً۔ دیکھو کل باب ۴۲ کو۔ اگر مجھکو بسبب طوالت کے ناظرین کی ملالت کا خیال نہ ہوتا تو مفصل طور پر عبارات بائیبل سے نقل کر کے دکھلاتا۔ کہ یہ عذاب جو محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے موافق پیشگوئیوں مندرجہ بائیبل کے واقع ہوئے ہیں جسکی تصدیق لا اعذبه احدًا من العلمین میں موجود ہے

ف ۱ اُن کا نخلستان جو تم نے کاٹ ڈالا یا اُن کی جڑوں سمیت کھڑے رہنے دیا تو یہ خدا ہی کے حکم سے تھا اور اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔ ۱۲

مگر خوف ملالت سامعین مانع اسکی تفصیل کا ہوگیا ہے۔ اور اسی لیئے اس سورۃ مائدہ میں
اللہ تعالیٰ اُس شہادت اہل کتاب کو یاد دلاتا ہے۔ جس کا اقرار حواری کر چکے ہیں کہ نکون
علیہا من الشاھدین چنانچہ فرماتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ
لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ[1] پارہ ۶ رکوع ۵ - اب اس مقام پر مومنین مائدہ کے
لیئے ثابت کرنا باقی رہا ہے کہ نزول اس مائدہ کا اولین و آخرین کے لیئے موجب عید و خوشی کا ہوگا
سو یہ امر ظاہر ہے کہ اوّل تو خود اللہ تعالیٰ و تبارک نے فرمادیا کہ انّا نحن نزّلنا الذّکر و انّا لہٗ
لحافظون ۰ جو دوام اس مائدہ پر دلالت کرتا ہے اور آخرین قیامت تک اس سے مستفیض
ہوتے رہیں گے۔ ایضاً وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ۔
اور حضرت نبی کریمؐ نے تاکید ہر صدی کے سر پر ایک مجدد دین اسلام کا مبعوث ہونا بطور
پیشگوئی کے ارشاد فرمایا ہے۔ اور یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی
حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَھُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ[2] وغیرہ وغیرہ من الآیات والاحادیث۔
خصوصاً اس چودھویں صدی میں مسیح موعود اور مہدی معہودؑ کا جو مبعوث ہونا علم الٰہی میں
تھا جس کی بعثت بڑی عظمت و شان سے واقع ہونے والی تھی۔ اور احادیث صحیحہ میں
نبی کریمؐ نے اُسکو اپنا سلام بھی پہنچایا تھا۔ اور بالفاظ نبی اللہ اُس کا لقب ارشاد فرمایا تھا۔
اور اُسکی بعثت کا زمانہ ایک بڑی عید کا دن تھا۔ جو آخرین کے واسطے علم الٰہی میں مقرر
ہوا تھا۔ اسلیئے مکذبین اسلام اور منکرین اُس کی بعثت کے لیئے بھی ایسے ایسے عذاب
واقع ہوئے کہ جو مصداق لا اعذبہ احدًا من العٰلمین کے ہیں۔ طاعون
زلازل۔ طوفان۔ اور دیگر وبائیں قحط شدید وغیرہ وغیرہ۔ جنسے ہر کہ ومہ واقف ہے
عیاں را چہ بیان۔ اسلیئے میں اسکی تفصیل یہاں پر نہیں کرتا۔ دیکھو سلسلہ احمدیہ کے
رسالجات اور اشتہارات اور کتب مؤلفہ خاکسار کو اگر اُن پر اعتبار نہ ہو تو اخبارات دنیا کو
انگریزی ہوں یا اُردو فارسی ہوں یا عربی۔ اس امر کا تو ہر ایک ذو الرائے کو اقرار ہے کہ

---

[1] اے ایمان والو خدا کی گواہی کیلیئے مستعد کھڑے رہو یعنی عدل و انصاف کے ساتھ گواہی دو۔ ۱۲

[2] اور اگر ہوتے موسیٰ اور عیسیٰ زندہ تو اُنکو سوا میری پیروی کے کچھ مجال اور گنجائش نہیں ہوتی۔ ۱۲

یہ تمام عذاب غیر معمولی طور پر واقع ہوئے ہیں۔ گو وہ مسیح موعودؑ کی تصدیق اپنے تعصب و عناد کی وجہ سے نہ کریں بیان مذکورہ بالا سے ہر چہار امر تو ثابت ہو گئے یعنی تا کل منہا کیونکہ سلطنتیں کی سلطنتیں اہل اسلام کے قبضہ میں آگئیں اور اطمینان قلب کیونکہ پچھلی پیشگوئی بائیبل کی تصدیق واقعات محمدیہ نے فرما دی اس سے بڑھکر اطمینان قلب اور کیا ہوگا۔ اور صدق رسالت کا علم اہل بصیرت کو حاصل ہو گیا گو معاندین کو حاصل نہ ہو اب جو کوئی نزول اس مائدہ کے صدق سے انکار کرے اور نکون علیہا من الشاہدین میں داخل نہ ہو تو اُس کی بے ایمانی اور ہٹ دھرمی میں کیا شک ہے اور حضرت عیسیٰؑ کے الفاظ دعا میں جو اس مائدہ کا نزول اوّلین و آخرین کے لیئے عید ہونا عرض کیا گیا تھا۔ اُسکو واقعات مجددین خصوصاً حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاءؑ کے معجزات نے ثابت کر دیا۔ تو اب بخوبی ثابت ہو گیا کہ حضرت عیسیٰؑ کی دعا کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بالفاظ انی منزلها بطور پیشگوئی کے قبول فرمایا تھا۔ وہ واقع ہو گئی۔ کما قال المسیح موعودؑ ؎

چوں بیاید بہار باز آید ٭ موسم لالہ زار باز آید
وقت دیدار یار باز آید ٭ بیدلاں را قرار باز آید
ماہروی نگار باز آید ٭ خور بہ نصف النہار باز آید
باز خندد نباز لالہ و گل ٭ باز خیزد ز بلبلاں غلغل

ایّہا الاحباب اس عید آخرین کو جو حضرت عیسیٰؑ اوّل کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء عیسیٰ ثانی کے زمانہ بعثت میں تمہارے لیئے بحکم واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم کے وہ عود کر آئی ہے کیا تم نہ منا ؤ گے خوشی سے دن میں جسکو حضرت جری اللہؑ نے اس اپنے کلام پاک میں بہار اور موسم لالہ زار وغیرہ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے اُسکے پودوں شاخوں اور پھلوں اور پتوں اور پھولوں کی سرسبزی اور سیرابی کے لیئے اپنے زخارف دنیوی کو جو تم سے قریب جدا ہونے والے ہیں۔ اور تم اُن تمام زخارف سے جدا ہونے والے ہو کیا تم نچھاور کرو گے۔ اور اسکی جزا میں تو تم کو ابدالآباد کے لیئے عیش جاودانی اور جنات رحمانی حاصل ہونگی۔ والاٰخرۃ خیر و ابقیٰ۔

مجھکو تو اپنی جماعت کے احباب سے بعید معلوم ہوتا ہے کہ ایسی سعید روحیں جو حضرت
مسیح موعود پر ایمان لائے ہیں۔ وہ اس ادانی زخارف کو اس باغ کے اشجار کی سیرابی
کے لیئے جو حضرت مسیح موعودؑ نے بموجب دعا مسیحؑ اوّل لگائے ہیں۔ اُس میں صرف
نہ کروگے۔ وہ اشجار کیا ہیں دیکھو یہ ہیں لنگرخانہ تعلیم علوم دینی کے مدارس اشاعت
اسلام صیغہ تعمیر وغیرہ وغیرہ اور تمھارے سامنے موجود ہیں۔ اور اب ایام عید کے
ہیں۔ اور تم اُن کو مشاہدہ کر رہے ہو پس ضرور بالضرور زخارف فانیہ کو خرچ کر کے جنات
اور بہار جاودانی خریدو اور اسکے خریدنے میں ہرگز دریغ نہ کرو - یہ عید کے دن تم کو
پھر نہ ملیں گے۔ اور تمھارے ہاتھ سے یہ موقعہ جاتا رہیگا۔ اور تم کو کف افسوس مل مل
کے ان زخارف فانیہ کو چھوڑنا پڑیگا۔ اور یہ باغ تو سرسبز ہوکر ہی رہیگا۔ ؎
بمفت این اجر نصرت را دہندت ای اخی ورنہ ❊ قضائے آسماں است این بہر حالت شود پیدا
دیکھو صیغہ تعمیر کی آیت ذیل میں۔ تبارك الذی انشاء جعل لك خیرًا
من ذٰلك جناتٍ تجری من تحتہا الانہٰر و یجعل لك قصورا
اور اس عمارت کا بھی اب ملاحظہ کرلو کہ اس کو اب کیا کیا حاجتیں درپیش ہیں۔ کیا
اسرار الٰہی ہیں کہ مسیحؑ اسرائیلی نے تو اس مائدہ کے نزول کے لیئے دعا کی اور اللہ تعالےٰ
نے اُسکو قبول فرمایا۔ اور مسیحؑ محمدی کو رؤیا میں اس مائدہ جسمانی کے بھی قائم کرنیکے
لیئے حکم ہوا۔ پھر مسیح موعودؑ محمدی نے اُس مائدہ جسمانی کو زیر سایہ گورنمنٹ عالیہ
جو مسیح اوّل کے نام لیوا ہیں بطور نشان کے قائم کیا جسکا دوسرے لفظوں میں
لنگرخانہ اور مہمانخانہ نام رکھا سبحان اللہ اللہ اکبر و الحمد للہ۔ نکتہ ہاست بسے
محرم اسرار کجا است۔ کیونکہ ضمیر ہا کی اُسی مائدہ کی طرف راجع ہے کہ جو بصفات
مذکورہ موصوف ہے اور یہ بھی ثابت ہوگیا۔ کہ اوّلین و آخرین میں سے جن مکذبین
نے اس مائدہ کا کفر کیا اُنپر عذاب ہائے شدید بھی ایسے واقع ہوگئے۔ جو پچھلے زمانوں
میں اُنکی نظیر نہیں ملتی پس مراد اس مائدہ سے یہی شریعت کاملہ اسلامیہ ہے جو
موجب دخول جنت ہے۔ جسکی حقیقت بدلائل عقلیہ و نقلیہ بحولہٖ و قوتہٖ ہم نے

ثابت کردی۔ اب ہم احادیث صحیحہ سے شریعت اسلامیہ کا مادہ ہونا بزبان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کرتے ہیں انشاءاللہ کہ جن کا انکار کوئی مشرک نہ کر سکے مثل مشہور ہے سہ

اذا جاء منہر اللہ بطل نہر معقل ۔ وھو ھذا۔ عن جابر قال جاءت الملئکۃ الی النبی صلعم وھو نائم فقالوا ان لصاحبکم ھذا مثلاً فاضربوا لہ مثلاً قال بعضھم انہ نائم وقال بعضھم ان العین نائمۃ والقلب یقظان فقالوا مثلہ کمثل رجلٍ بنی دارًا وجعل فیھا مادبۃً وبعث داعیًا فمن اجاب الداعی دخل الدار واکل من المادبۃ ومن لم یجب الداعی لم یدخل الدار ولم یاکل من المادبۃ فقالوا اوّلوھا لہ یفقھھا قال بعضھم انہ نائم وقال بعضھم ان العین نائمۃ والقلب یقظان فقالوا الدار الجنۃ والداعی محمد[۲] فمن اطاع محمداً فقد اطاع اللہ ومن عصی محمداً فقد عصی اللہ ومحمد فرق بین الناس۔ رواہ البخاری باب اعتصام بالکتاب والسنۃ۔ ومشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۹۔

[۲] فمن اطاع محمداً فقد اطاع اللہ ومن عصی محمداً

سلہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہا انہوں نے کہ درحالیکہ نبی کریم سوئے تھے کچھ فرشتے آپ کے پاس حاضر ہوئے پس کہا انہوں نے کہ اس تمہارے صاحب کے لیے ایک مثل ہے اس مثل کو تم بیان کرو اسکے لیے بعضوں نے کہا کہ آنحضرت سورہے ہیں۔ اور بعض نے کہا آپ کی آنکھ سورہی ہے لیکن دل آپ کا جاگ رہا ہے پس کہا انہوں نے اسکی مثل ایسی ہے کہ کسی بڑے آدمی نے ایک مکان بنایا اور اس مکان میں ایک عام خوان اقسام اقسام کے طعام کا طیار کیا اور بھیجا ایک دعوت کے اذن دینے والے کو پس جس شخص نے اس داعی کی دعوت کو قبول کیا تو اس مکان میں داخل ہوا اور اس خوان سے کھانا کھایا اور جس شخص نے اس داعی کی دعوت کو قبول نہ کیا نہ وہ اس خوان سے کھانا کھا سکا اور مکان میں بھی داخل نہیں ہو سکا۔ پس کہا انہوں نے اس حکایت اور مثل کی تعبیر بیان کرو تاکہ وہ اسکو سمجھ لے پس بعض نے کہا کہ تحقیق آپ سورہے ہیں اور بعض نے اس کا وہی جواب دیا کہ بے شک آپکی آنکھ سورہی ہے اور آپکا دل جاگ رہا ہے پس بیان کیا انہوں نے کہ تعبیر مکان کی جنت ہے اور مراد داعی سے محمد صلعم ہیں جس شخص نے فرمانبرداری کی محمد صلعم کی پس تحقیق اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی اور جس شخص نے نافرمانی کی محمد صلعم کی اس نے نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کی اور محمد صلعم فرق کرنے والے ہیں مومن کو کافر سے درمیان تمام آدمیوں کے روایت کیا اس حدیث کو صحیح بخاری نے باب الاعتصام بالکتاب والسنہ میں صفحہ ۱۷ اور مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۹۔ ۱۲

عن ربیعة الجرشی - قال اتی نبی اللہ صلعم فقیل لہٗ لتنم عینک و
لتسمع اُذُنک و لیعقل قلبک قال فنامت عینی وسمعت اذنای و
عقل قلبی قال فقیل لہٗ سیّدٌ بنیٰ دارًا فصنع فیها مادبة وارسل
داعیاً فمن اجاب الدّاعی دخل الدّار واکل من المادبة ورضی عنه
السیّد ومن لم یجب الدّاعی لم یدخل الدّار ولم یاکل من المادبة
وسخط علیه السّیّد و محمد صلی اللہ علیه واٰله وسلم الدّاعی والدّار
الاسلام والمادبة الجنّة - [۱] رواه الدارمی و مشکوٰة شریف صفحہ ۲۱ -

ان دونوں احادیث میں جو لفظ مادبہ کا ہے اُسکے معنی اور مائدہ کے معنی مترادف ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ بوقت پیشگوئی جب تک کہ واقع نہیں ہوئی تھی - اُسکو مائدہ ہی کہنا مناسب تھا - کیونکہ مائدہ کے معنی اُس خوان کے ہیں کہ جسپر اقسام اقسام کے طعام موجود ہوں لیکن جبکہ اُس مائدہ کے واسطے کوئی شخص لوگوں کو دعوت کرنیوالا اور بلانیوالا موجود ہو جاوے تو پھر اُس مائدہ کو مادبہ کہنا ہی لازم ہے چنانچہ مادبہ کے معنی صراح وغیرہ میں جو لکھے ہیں وہ مہمانی کے معنی ہیں - اور اُسکے مادّہ میں لوگونکو مہمانی کے واسطے بلانا داخل ہے - آدبٌ مؤدبٌ بمہمانی خوانندہ ویقال منه آدب القوم یودبه ایه ابًا مادبه بفتح الدّال ومہمانی مادب جمع انتہی بلفظ الصراح پس جب کہ ان حدیثوں سے یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ جب آنحضرت صلعم کو اللہ تعالےٰ

[۱] اور حضرت ربیعة الجرشی ثقہ سے روایت ہے کہا اُنہوں نے نبی صلعم کے پاس آ کہا گیا واسطے آنحضرت صلعم کے اور چاہیے کہ سوتی رہیں آپکی دونوں آنکھیں اور چاہیے کہ سُنتے رہیں آپکے کان اور چاہیے کہ سمجھے آپکا دل فرمایا آپنے سوتی ہیں دونوں آنکھیں میری اور سُنتے ہیں دونوں کان میرے اور سمجھتا ہے دل میرا کہا راوی نے پس کہا گیا میرے لیئے - کہ ایک سردار ہے بنایا اُس نے ایک مکان پس طیار کیا اُس مکان میں ایک خوان طرح طرح کے کھانوں کا اور بھیجا ایک دعوت کرنیوالے کو پس جس شخص نے قبول کیا داعی کی دعوت کو داخل ہوا مکان میں اور کھایا اُس خوان میں اور خوشنود ہوا اُس سے اور جس شخص نے کہ داعی سردار کی دعوت کو قبول نہ کیا نہ وہ داخل ہو سکا مکان میں اور کھانا بھی اُس خوان میں سے کچھ نہ کھا سکا اور بہت ناراض ہوا اُسپر سردار فرمایا اللہ تو سردار ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داعی ہیں اور مکان دین اسلام ہے اور خوان جنت ہے روایت کیا اُسکو دارمی شریف نے اور مشکوٰة شریف نے صفحہ ۲۱ میں - ۱۲

نے داعی مقرر کرکے اس مادبہ کے واسطے دنیا میں مبعوث کیا تو وہی مائدہ جسکی پیشگوئی قرآن مجید
میں بلفظ مائدہ موجود ہے اُسکی تعبیر بلفظ مادبہ کرنا ہی مقتضائے فصاحت و بلاغت ہے سبحان اللہ
کسقدر اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت ہے کہ جس وقت میں اُس خوان کو مائدہ کہنا چاہیئے تھا جو
قبل وقوع پیشگوئی کا وقت تھا۔ اُس وقت میں اُس خوان کو مائدہ کہا گیا اور جس وقت میں کہ وہ
پیشگوئی پوری ہوئی اور اُس خوان کے واسطے مہمانی کیلئے بلانیوالا مبعوث ہوگیا۔ تب اُسی
خوان کو مادبہ کہا گیا۔ پس نبی کریم صلعم کی زبان مبارک سے بذریعہ احادیث صحیحہ صحیح بخاری وغیرہ کے
بخوبی ثابت ہوگیا۔ کہ مراد مائدہ سے بذریعہ احادیث اسلام کی شریعت ہی ہے جو موجب دخول جنت ہے
جسپر تمام مناسبات سورہ مائدہ میں مذکور فرمائے گئے ہیں۔ اور اپنے وقت خاص پر بذریعہ بعثت
آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے یہ پیشگوئی عظیم الشان واقع بھی ہوگئی۔ جسکے پورے ہونیکی شہادت
واقعات نے اس وقت تک دیدی جو زمانہ بعثت جری اللہ فی حلل الانبیاءؑ کا ہے والحمد للہ ثم الحمد للہ

سوال:۔ اگر کوئی شخص شبہ کرے کہ سلطنت عیسائیوں کی جو تمام دنیا کو گھیرے ہوئے
ہے یہی وہ مائدہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

الجواب:۔ اس کا جواب شافی وکافی ہمارے کُل مضمون ماسبق سے معلوم ہوسکتا ہے۔
جس کا مختصر بیان یہ ہے۔ یہ امر تو مسلّم ہے کہ دنیاوی نعمتیں اور دولتیں انتہا درجہ کی سریع الزوال
ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت ازلی ابدی ہے پس مقتضائے ربوبیت جو حضرت عیسیٰؑ
کی دعا میں ربّنا کے ساتھ ذکر ہوئی ہے وہ ربوبیت ابدالآباد تک ضروری ہوگی۔ اور یہ امر ثابت
ہوچکا کہ بوقت نزول اس مائدہ کے جس نے اُسکی توہین اور تکذیب کی وہ فانی اعذّبہ عذابا لا
اعذبہ احدًا من العٰلمین کا مصداق ہوگیا۔ پس اس سے یہ تو ثابت ہُوا کہ مکذبین اس
مائدہ کے آخرت میں جسکی نسبت والاخرۃ خیرٌ و ابقٰی وارد ہے۔ فلاح نہیں پاسکتے۔ پس یہ
سلطنت دنیاوی جو چند روزہ اور سریع الزوال ہے اس مائدہ کی مصداق کیونکر ہوسکتی ہے۔
اور حضرت عیسیٰؑ کی دعا میں لفظ خیر الرّازقین کا بھی موجود ہے۔ جو مقتضی ہے کہ اُس کی
رزّاقیت آخرت میں بھی دائم قائم رہے لیکن مکذّبین بوقت نزول اس مائدہ کے حسب وعید
جب دنیا ہی میں ناکامیاب رہے۔ تو آخرت میں خیر الرّازقین کی رزّاقیت سے حصہ یاب

کیونکر ہو سکتے ہیں۔ پس ممکن نہیں کہ سلطنت دنیا کی جو چند روزہ اور سریع الزوال اس مائدہ کی
مصداق ہو سکے۔ ہاں اگر اس سلطنت کے ساتھ آخرت کی سلطنت بھی حاصل ہو۔ تو اللہ تعالےٰ
کی صفت ربوبیت اور صفت رزاقیت جو دعا میں مندرج ہے وہ صحیح ہو سکتی ہے والا فلا۔
جواب دوم۔ خود حواریوں کی درخواست میں اطمینان قلب اور حصول علم موجود ہے جس کے
حصول کے بعد نکون علیہا من الشاھدین کا ظہور ہو سکتا ہے اور یہ اطمینان قلب اور علم
کما ینبغی صداقت رسالت کا اور پھر اسپر شاہد ہونا بغیر حصول الہام اور وحی و مکاشفات کے
حاصل نہیں ہو سکتا۔ لیکن الہام اور وحی کا ہونا بغیر تصدیق اس مائدہ کے ممکن نہیں۔ جیسے
کہ اس ثبوت آنحضرت صلعم کے وقت سے لیکر آجتک حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء نے تمام
عالم پر ظاہر فرما دیئے اور بخوبی ثابت کر دیا۔ کہ بغیر تصدیق اس مائدہ کے الہام اور وحی سوائے
اتباع کتاب و سنت کے ہرگز ہرگز ممکن نہیں ہے۔ دیکھو اشتہارات رسائل اور کتب حضرت اقدس
کو۔ ہاں ہماری گورنمنٹ عادلہ ادام اللہ اقبالہا نے جو تعلیمات اصلاح دنیوی قرآنی کو بڑے
شد و مد کے ساتھ اخذ فرما لیا ہے اسی لیئے اسکی ترقی روز افزوں اور شوکت و جلال از حد
بیرون وقتاً فوقتاً ہوتی چلی جاتی ہے جیسا کہ صیغہ شفاخانہ صیغہ تعلیم و امالۃ الاذی عن الطریق
خبر گیری یتامی و مساکین رفاہ خلائق آزادی مذاہب انصاف عدل مجالس شوریٰ وغیرہ وغیرہ
جنکی تاکیدات شدیدہ کتاب و سنت میں وارد ہیں اور ہم نے آیت الیوم اکملت لکم دینکم
میں تفصیل سے بیان کی ہیں اللھم زد اقبالہا و شوکتہا و زد اجلالہا و دولتہا
قال اللہ تعالےٰ من کان یرید الحیوۃ الدنیا و زینتہا نوف الیہم اعمالہم فیہا
وھم فیہا لا یبخسون الی آخرہ ؛

ھذا ما الھمنی اللہ تعالےٰ فی تفسیر آیت المائدۃ و آخر دعوانا ان
الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ علی نبی المرسلین صلوۃ دائمۃ الی یوم الدین ؛ [1]

---

[1] یہ وہ مضمون ہے کہ جو الہام کیا ہے مجھکو اللہ تعالیٰ نے آیت مائدہ کی تفسیر میں اور اخیر میں دعا ہماری یہ ہے
کہ تمام تعریفیں اور خوبیاں واسطے اللہ تعالیٰ کے ہیں جو پروردگار تمام عالموں کا ہے اور رحمت کاملہ نازل ہووے اوپر [illegible]

احسن البیان فی تفسیر ففہمناھا سلیمان

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

وداؤد وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیہ غنم القوم وکنا لحکمھم شاھدین ففہمناھا سلیمان وکلا اٰتینا حکما وعلما وسخرنا مع داؤد الجبال والطیر وکنا فاعلین ۝ [۱۷]

مقدمہ اوّل:- ایہا الاحباب قرآن مجید میں جن انبیاء کے قصص بیان فرمائے گئے ہیں انکے بیان کی علت غائی اور مقصود الٰہی یہ ہے کہ انکے جملہ صفات کمالیہ کا مجموعہ آنحضرت صلعم کی ذات جامع الکمالات ہے بلکہ بحکم ومنھم من لم نقصص علیک کے جو انبیاء قرآن مجید میں بیان نہیں فرمائے گئے انکے صفات کمالیہ بھی حضرت سید المرسلین میں موجود ہیں ورنہ انکا ذکر بطرز مندرجہ قرآنی عبث اور لغو ہوجاویگا پس انبیاء کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ جملہ صفات انبیاء کے آنحضرت صلعم میں موجود ہیں پس ثابت ہوا کہ ابتداء سے لیکر خاتم النبیین صلعم کے زمانہ بعثت تک ہر ایک امت یا ہر ایک بستی اس دنیا میں جو نبی گذرا ہے ان سب کے صفات حمیدہ کا مجموعہ آپکی ذات پاک میں ہے اور کوئی صفت کاملہ نبوت کی ایسی باقی نہیں رہی جو آنحضرت صلعم میں پائی نہ جاتی ہو اور یہی مراد ہے آپکے خاتم النبیین ہونے سے اور لم نقصص علیک اسی لیئے فرمایا گیا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ انبیاء مذکورین فی القرآن ہی کے کمالات آپ میں موجود ہیں بلکہ غیر مذکورین کے کمالات بھی آپ میں موجود ہیں۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ❊ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

شاعر نے بھی اول مصرعہ میں تین انبیاؤں کا ذکر کرکے دوسرے مصرعہ میں تمام انبیاؤں کا احاطہ کرلیا۔

مقدمہ ثانی:- اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ جس طرح پر اولاد جسمانی اپنے باپ کے مال میں وارث ہوا کرتی ہے اسی طرح پر اولاد روحانی علوم روحانی اور فیوض رحمانی کی وارث ضرور ہونی چاہیئے جیسا کہ فرمایا کہ وورث سلیمان داؤد تفسیر فتح البیان میں لکھا ہے ای ورثہ العلم والنبوۃ والکتب دون باقی اولادہ قال قتادہ والکلبی کان لداؤد تسعۃ

عشر ولداً ذکرًا فورث سلیمان عن بینہم نبوۃ ولو کان المراد وراثۃ المال لم یخص سلیمان بالذکر لان جمیع اولادہ فی ذلک سواء وکذا قال جمہور المفسرین فہذہ الوراثۃ وراثۃ مجازیۃ کما فی قولہ صلعم العلماء ورثۃ الانبیاء الیٰ اٰخرہ پس آپکی امت مرحومہ میں بھی جو لوگ مومنین اولاد روحانی ہونگے وہ بھی بالضرور ظلّی طور پر آپکے کمالات سے مستفیض ہوویںگے وما ارسلناک الّا رحمۃ للعٰلمین وصدق رسولہ الکریم وما من نبی الّا نظیرلہ فی امتی اور سراس وراثت روحانی کا یہ ہے کہ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے کیونکہ صرف آپکے زمانہ بعثت میں جو ۲۳ سال ہی ہے اگر اس قلیل مدّت میں ان جملہ انبیاؤں کے کمالات ظہور پذیر ہو جاویں تو آخرین کے لیئے اس دعوے کا کیا ثبوت ہوتا اور دعائے درود شریف بھی اسی امر کی طرف ناظر ہے کیونکہ اگر صلوٰۃ اور رحمت سے نبوۃ کی مراد نہ ہووے تو پھر اور کونسی رحمت مراد ہو سکتی ہے پس بحکم من یطع اللہ والرسول فاؤلٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین کے یہ صیغہ قیامت تک جاری رہیگا اسی لیئے فرمایا گیا کہ نحن نزّلنا الذکر وانّا لہٗ لحافظون اگر یہ نہ ہوتا تو ثبوت دعویٰ بھی نہ ہو سکتا۔

مقدمہ سوم :۔ اسی لیئے آنحضرت صلعم کے وقت سے لیکر آجتک وقیامت تک آپکی امت مرحومہ میں متبعین کتاب وسنت میں سے ایسے ربانی اولیا اور الہامی مجددین ہوتے رہے ہیں جو انبیاء ماضین کی نظیر تھے چنانچہ اسی حدیث میں نبی کریم صلعم اپنے زمانہ بعثت کے انبیاء کی نظیروں کو اس طرح پر بیان فرماتے ہیں وابوبکر نظیر ابراھیم وعمر نظیر موسیٰ و عثمان نظیر ھارون وعلی بن ابی طالب نظیری ومن سرہ ان ینظر الی عیسیٰ بن مریم فلینظر الی ابی ذر الغفاری ابن عساکر عن انس حدیث ۳۳۰۷ کنز العمال صفحہ ۱۹۳ جلد ششم۔ بعد آپکے باقی امت مرحومہ میں سے ایسے مجددین اور مامورین ملہمین گذرے ہیں جن کا ذکر کتب علم تواریخ میں جو تذکرہ اولیا میں تصنیف ہوئی ہیں مذکور ہے ورنہ پھر ہر زمانہ میں آپکے دعاوی کا ثبوت نہیں ہو سکتا اور چند ایسے مکمل اولیاء کا ذکر جنکی سخت مخالفت کی گئی ہے ہم نے تحذیر المومنین میں بھی کیا ہے۔ اور

اس رسالہ سے وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۵۳ میں حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاءؑ نے تحریر فرمائی تھی۔

مقدمہ چہارم:۔ یہ زمانہ جس میں ہم ہیں بلحاظ اپنے واقعات اور اپنے زمانیات کے مقتضی اس امر کا ہے کہ کوئی ایسا شخص عظیم الشان مبعوث ہو جو وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین کا ظل ہو کر جری اللہ فی حلل الانبیاء کا منجانب اللہ مصداق ہو سکے کیونکہ دنیا میں کل اہل مذاہب کا بھی اسوقت جوش و خروش ہو رہا ہے اور کل دنیا بذریعہ ٹیلیگراف وغیرہ کے مثل ایک شہر کے ہو رہی ہے۔ اس لئے پیشین گوئی لیظھرہٗ علی الدّین کلّہٖ کے پورے ہونیکا وقت کسی کی ذات بابرکات سے پورا ہونا ضروری ہے تا کہ مضمون ما ارسلناک الّا رحمۃ للعلمین کا عالمین پر واضح ہو جاوے۔ اور جو وعدہ آیت ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصّلحین الایہ میں مندرج ہے اُسکا ایفاء بھی واقع ہو جاوے کیونکہ تبلیغ دین اسلام کے ذرائع اب موجود ہیں جو سابق میں کسی نبی کے زمانہ میں موجود نہیں ہوئے تھے اگر باوجود ہونے ان واقعات کذائیہ اور زمانیات قضائیہ کے اگر کوئی ایسا شخص عظیم الشان اس زمانہ میں بھی مبعوث نہ ہو تو نعوذ باللہ وعدہ الٰہیہ میں خلف لازم آتا ہے۔ وھو باطل ان اللہ لا یخلف المیعاد اور نیز پھر کیا سبیل ہے کہ آنحضرت صلعم کی ذات بابرکات تمام انبیاءؑ کے کمالات کی جامع تھی۔ اور قرآن مجید تمام صداقتوں صحف انبیاء کا جامع اور مہیمن ہے۔ فیھا کتب قیمہ وغیرہ وغیرہ پھر اس دعوی آنحضرت صلعم کا کیا ثبوت ہے کہ لو کان موسیٰ وعیسیٰ حیین لما وسعھما الا اتّباعی وغیرہ من الاحادیث وقال اللہ تعالےٰ ومن یتبع غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخسرین ایضاً وکان فضل اللہ علیک عظیما۔ پس حالات زمانہ اور زمانیات نے خود ثابت کر دیا کہ الہام جری اللہ فی حلل الانبیاء کلام الٰہی ہے اور صادق اور مصدوق ہے اور الہام وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین جو اس بروز محمد پر نازل ہوا وہ بھی نہایت درجہ صادق اور

مصدوق ہے والحمد للہ۔ اور حضرت سید المرسلین کے دعاوی خواہ مندرجہ قرآن مجید ہوں یا احادیث صحیحہ میں مذکور ہوں۔ وہ سب صادق اور مصدوق ہیں۔ کیونکہ متبع نائب کے صفات کمالیہ منیب کی صفات کمالیہ کا ظل ہوتے ہیں کما ثبت فی محلہ اور متکلمین کا یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہی ہوتی ہے لاغیر۔ ہمارے مخالفین صرف اسی دعویٰ مسیح موعود پر ہی رو پیٹ رہے ہیں۔ لیکن یہاں پر تو الہام جری اللہ فی حلل الانبیاء کی صداقت واضح ہو رہی ہے خاکسار کو ان چند اوراق میں الہام ففھمنٰھا سلیمان کی صداقت کا بیان کرنا مقصود ہے اور پھر یہ ثابت کرنا منظور ہے کہ آپ سلیمان وقت ہیں جنکی وجوہ موجہ حسب ذیل بیان کی جاتی ہیں۔

وجہ اوّل:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واتبعوا ما تتلوا الشیٰطین علی ملک سلیمان ولکن الشیٰطین کفروا یعلمون الناس السحر۔ سحر کے کوئی معنی لو تاہم ناولز دل لبھانے والی باتیں قصہ کہانیاں دجل دفریب شعبدے ٹوٹکے مسمریزم اور انواع انواع کے باجے فونوگراف اور دیگر تمام لغویات جو جہلا اور عوام کے دلوں کو لبھاتے ہیں سب مفہوم سحر میں داخل ہیں۔ جن کا ایک عالم گرویدہ ہو رہا ہے اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم کو چھوڑ کر ان کا ایسا متبع ہو گیا ہے۔ کہ مضمون ولما جاءھم رسول من عند اللہ مصدق لما معھم نبذ فریق من الذین اوتوا الکتٰب کتاب اللہ وراء ظھورھم کانھم لا یعلمون کا پورا پورا نظارہ اہل بصیرت کے مشاہدہ میں آ رہا ہے یہ حال اہل اسلام کا ہے باقی رہے غیر اسلام انکا تو ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ عیاں را چہ بیان کیونکہ انکا انہماک تو ایسا ہے کہ شب و روز ایسے ایسے ہی عجائب وغرائب امور کی ایجاد میں مصروف اور مشغول رہتے ہیں اور چونکہ سحر کے معنی یہی ہیں کہ اسباب خفیہ کے ذرائع سے افعال عجیبہ پر قدرت حاصل کرنا خواہ انکی تاثیرات روحانیات کے واسطے سے ہو یا جسمانیات کے وساطت سے جو بسبب ترکیب واجتماع کیفیات مختلفہ کے حاصل ہوتی ہے یہ کل امور مفہوم سحر میں ہی داخل ہیں جن کا زور و شور کثرت کے ساتھ اس زمانہ پر فتن

میں شائع و ذائع ہے اور میرے نزدیک باذن اللہ ان سے اثر بھی پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ جادوگروں کی لاٹھیوں کا سانپ بن جانا قرآن مجید میں بھی مذکور ہے گو بحکم فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعٰی کے اُسکی کوئی حقیقت نہیں خصوصًا مامور من اللہ کے مقابلہ میں یہ تمام شعبدات نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور قائم نہیں رہ سکتی کما قال اللہ تعالیٰ والق مافی یمینک تلقف ما صنعوا ان ما صنعوا کید ساحر ولا یفلح الساحر حیث اتی اور چونکہ اہل دنیا کا شغف اس زمانہ میں ان امور کی طرف بکثرت و بشدّت ہے اسی لیئے حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کو کسی نے مسمریزم کی طرف منسوب کیا اور کسی نے جفر کی طرف اور کسی نے نجوم وغیرہ کی طرف اور کسی نے دیگر امور باطلہ کی طرف ونعوذ باللہ منہ جیسا کہ حضرت موسیٰ اور نیز حضرت سلیمان وغیرہما علی نبینا وعلیہم السلام کو بھی سحر ہی کی طرف منسوب کیا تھا۔ جسکا رد اللہ تعالیٰ اسی آیت کریمہ میں اور دیگر آیات میں فرمارہا ہے۔ کہ وما کفر سلیمان ولٰکن الشیٰطین کفروا اور پھر علاوہ اسپر یہ ہے کہ اہل زمانہ قرآن مجید کو متروک کرکے انہیں امور مذکورہ میں اپنا انہماک بہتر اور اچھا سمجھتے ہیں صدق اللہ تعالیٰ الذین ضلّ سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا اولٰئک الذین کفروا بآیات ربھم ولقائہ فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا ذٰلک جزاءھم جھنم بما کفروا واتخذوا اٰیاتی ورسلی ھزوا نتیجہ اس مضمون کا یہ ہوا کہ زمانہ اور اُسکے زمانیات بموجب مقدمات اربعہ مذکورہ کے مستلزم ہیں اس امر کو کہ کوئی مامور من اللہ اُمت محمدیہ میں سے ایسا مبعوث ہو جو سلیمان وقت بھی ہو۔ اور اس سلیمان وقت کے ذریعہ سے اُمت محمدیہ میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہو جاویں کہ انّ الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت کانت لھم جنّٰت الفردوس نزلا خٰلدین فیھا لا یبغون عنھا حولا کے مصداق ہوں پس زمانہ اور زمانیات مقتضی ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اسوقت کوئی سلیمان وقت اُمت محمدیہ میں سے مبعوث ہو گیا ہے جو الہام ففھمنٰھا سلیمان نے اُسکی تصدیق

قرار دی اور وہ یہی مرزا غلام احمد قادیانی ہیں۔

وجہ ثانی۔ مناسبت دوم:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وداؤد وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیہ غنم القوم وکنا لحکمھم شاھدین ففھمناھا سلیمان وکلا اٰتینا حکما وعلما ۱۷ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ہر زمانہ کے لوگوں کو خصوصاً اس زمانہ آخری جری اللہ فی حلل الانبیائؑ کے مخالفین کو قصہ داؤد وسلیمان کا یاد دلا کر یہ تنبیہ فرماتا ہے کہ تمہارے یہ اعتراض سرتاپا غلط ہیں کہ تیرہ سو برس سے اکثر علما مجددین اور مامورین مسیح کو زندہ مان کے اُنکے نزول جسمانی کے قائل چلے آئے ہیں آج جو حضرت مرزا صاحب اور احمدیوں کے نزدیک مسیح فوت ہو گئے اور خود مرزا صاحب بھی مسیح موعود بن گئے یہ مسئلہ کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اُسکے تسلیم سے اُن تمام علماء اور اولیاء کا غلطی پر ہونا ماننا پڑے گا پھر حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کو ہم کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں تفصیلی جواب مندرجہ آیت یہ ہے کہ دیکھو حضرت داؤد اور سلیمان کیسے عظیم الشان نبی تھے اور مع ہذا اُن دونوں کو کیسے ثروت شوکت اور حکومت اللہ تعالیٰ نے دے رکھی تھی۔ کہ پہاڑ اور چرند و پرند اور جن و شیاطین جو کچھ اُن سے مراد ہو اُنکے زیر حکم تھی ایک مقدمہ میں جو ایک قوم کی بکریوں بھیڑوں نے دوسری قوم کے کھیت کا نقصان کر دیا تھا۔ اُس مقدمہ کا فیصلہ جو حضرت داؤدؑ نے کیا اُسکے بالمقابل حضرت سلیمانؑ نے دوسرا فیصلہ اُس سے عمدہ فرمایا اور حضرت داؤدؑ نے اُسی کے بموجب حکم نافذ کر دیا اور حضرت سلیمانؑ نے بھی اپنے ایسے معزز باپ کے اختلاف کرنیکی کچھ پروا نہ کی اور اُس فیصلہ میں اپنے باپ کی پیروی نہ کی اور نہ باپ نے اپنے بیٹے کے اختلاف کرنے پر کچھ بُرا مانا پھر تم باوجودیکہ نہ پہلے علماء کا سا علم رکھتے ہو اور نہ ملہمین مقبولین میں سے ہو پھر جری اللہ کے فیصلہ پر جو حَکَم عدل ہو کر اُس نے فیصلہ کیا ہے تکذیب پر کیوں مصر ہو رہے ہو واضح ہو کہ یہاں پر مفسرین کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہ قول ہے کہ فیصلہ حضرت داؤدؑ کا اجتہادی تھا۔ اور غلط واقع ہُوا۔ مگر بسبب اجتہاد کے

ایک اجر کے ساتھ ماجور ہو سکتے ہیں۔ اور فیصلہ حضرت سلیمانؑ کا وحی سے تھا اور وہی صحیح تھا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں صحیح اور درست تھے مگر حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ زیادہ تر عمدہ اور مفید طرفین تھا۔ اس صورت میں فیصلہ ہر دو صاحبان کا صحیح اور جائز تھا۔ اسکی وجہ یہ ہے اللہ تعالیٰ اس جگہ پر فرماتا ہے کہ کنا لحکمھم شاھدین و نیز فرماتا ہے وکلّا اٰتینا حکما و علما پس دونوں فیصلوں میں فرق صرف اسقدر ہوگا۔ جیسا کہ مسائل دین اسلام میں مثلاً ایک رخصتی مسائل ہوتے ہیں اور دوسرے بطور عزیمت اور فضیلت کے ہوتے ہیں لیکن دونوں یعنی رخصت اور عزیمت حق اور درست ہوتے ہیں اندریں صورت ہم کہتے ہیں کہ یہاں پر بھی محققین علمائے اُمت تو حضرت عیسیٰ کی موت ہی کے قائل تھے کما ثبت فی محلہ مگر عیسائیوں کے مذہب باطل کا ردّ دوسرے طرز سے کرتے رہتے تھے اور حضرت جری اللہ نے اُن تمام طرزوں کو ترک کر کے ابطال مذہب عیسوی کے لیئے اسی موت عیسیٰؑ کو اصل الاصول قرار دیا پس اس ہمارے بیان سے ثابت ہوا کہ حضرت جری اللہ کا منہاج ابطال مذہب عیسوی میں حق اور صحیح رہا۔ کیونکہ حضرت جری اللہ کا منہاج تفہیم الٰہی سے ہے اور وہ مذہب عیسوی کا ایک تسمہ بھی باقی نہیں چھوڑتا اور دین اسلام اُس سے زندہ ہوتا ہے چونکہ بعض مفسرین کا قول آیت زیر بحث میں یہ بھی ہے کہ حضرت داؤدؑ کا فیصلہ صحیح نہیں تھا اور حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ راست اور درست تھا۔ اس صورت میں حضرت داؤدؑ کا فیصلہ اجتہادی ہوا اور حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ وحی الٰہی سے واقعہ ہوا تھا۔ پس بناءً علیٰ ہٰذا بعض علماء کا قول بھی جو نسبت حیات مسیحؑ کے تھا وہ بھی غلط ہوا لیکن اس غلطی میں بسبب ہونے پیشین گوئی کے جو مسیحؑ کی نسبت احادیث صحیحہ میں موجود تھی۔ وے علماء قبل از وقت وقوع معذور تھے کیونکہ پیشین گوئی کی حقیقت قبل وقوع منکشف نہیں ہوا کرتی ہے۔ بلکہ ممکن ہے کہ خود ملہم پر بھی اُسکی جزئیات کی تفصیل بلکہ خود پیشگوئی کی حقیقت معلوم نہ ہووے جیسا کہ ہم نے اپنے رسائل میں اس امر کو بخوبی ثابت کر دیا ہے۔ پس بموجب اس

تقریر کے بھی اُن علماء دواولیاء کے منصب فضل وعلم ہیں یا اُنکے دیگر کمالات میں کوئی نقصان وارد نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اُسکی تحصیل علم کے لیئے قبل از وقوع مکلف ہی نہیں تھے اُسکی تفہیم تو مسیح موعودؑ کو ہی ہوئی تھی پس اس صورت میں اُن علماء پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا اور نہ اُنکے علم اور فضل میں کوئی نقصان عائد ہوسکتا ہے بایں سبب ہم اُنکے علم اور فضل کے بھی قائل ہیں ؎

نام نیک رفتگان ضائع مکن ❊ تا بماند نام نیکت یادگار

لیکن اُنکی اس غلطی کو ہم ہرگز ہرگز نہیں تسلیم کرسکتے اور جو اُس پر اصرار کرکے سراسر تکذیب کرے وہ ایک قسم کا کفر ہے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات نصوص قطعیہ شرعیہ سے ثابت ہوچکی ہے اور نشانات آسمانی اور آیات رحمانی جو حضرت جری اللہ کے ہاتھ پر نازل ہوئے اُنہوں نے ہی قطعی طور پر وفات مسیحؑ کو بخوبی ثابت کردیا والحمد للہ والحق اکبر نتیجہ اس تقریر کا یہ ہے کہ انہیں وجوہ ومناسبات کے سبب اللہ تعالیٰ نے حضرت جری اللہ کو سلیمان وقت قرار دیکر بدیں عبارت پر بشارت الہام نازل فرمایا۔ قل ھو اللہ عجیب کل یوم ھو فی شان ففھمنا سلیمان وجد وبھا واستیقنتھا انفسھم ظلماً وعلوا الحاصل بدیں وجہ مناسبت حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاءؑ نے سلیمان کے حلہ میں بھی ظہور فرمایا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

اور غنم القوم میں اشارہ اس طرف ہے کہ نصاریٰ پادریوں نے جو بظاہر بہت نرمی سے پیش آتے ہیں اور ظاہر میں بھیڑیے ہیں قوم اہل اسلام کی کتب کو نقصان عظیم الشان پہنچایا ہے جو مصداق کزرع اخرج شطئہ الآیہ کا ہے وہ بغیر اس فیصلہ کے جو سلیمان وقت کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً سمجھا دیا ہے وہ نقصان رفع ہی نہیں ہوسکتا اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے ہزاروں نشانات زمینی اور آسمانی اس فیصلہ کے حق ہونے پر نازل فرمائے کیونکہ دین اسلام کی زندگی اور مذہب باطل عیسائیوں کی موت اسی فیصلہ پر موقوف تھی۔ پس یہ ہے حقیقت الہام ففھمنا سلیمان کی ثم الحمد للہ۔

وجہ ثالث مناسبت سوم ۱۔ حضرت جری اللہ کو ایسے الہامات ہوئے ہیں جن سے آپکی شان سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام سے بھی بہت ارفع اور عظیم الشان معلوم ہوتی ہے چنانچہ وہ الہامات ذیل میں ہیں۔ حکم اللہ الرحمٰن لخلیفۃ اللہ السلطان۔ یوتی لہ الملک العظیم وتفتح علی یدہ الخزائن ذلک فضل اللہ وفی اعینکم عجیب انا فتحنا لک فتحا مبینا لولاک لما خلقت الافلاک انا اعطیناک الکوثر۔ اراد اللہ ان یبعثک مقاما محمودا الحمد للہ الذی اذھب عنی الحزن واتانی مالم یوت احد من العلمین وغیرہ من الالہامات پس یہ تو ہمارا اعتقاد ہونا چاہیئے کہ آپ کی شان عند اللہ حضرت سلیمان سے بھی ارفع ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی شان کل صحف انبیاؑ اور توریت وانجیل سے بڑھکر ہے اور ہمارے حضرت سید المرسلینؐ کی فضیلت تمام انبیاؤں سے زیادہ تر ہے کما ثبت فی محلہ پس غلام احمدؑ کی شان کیونکر بڑھکر نہ ہوویگی مگر ظاہر پرست اسجگہ پر یہ اعتراض کرینگے کہ حضرت سلیمانؑ کی سی شوکت اور سلطنت اور دولت حضرت مرزا صاحب کے پاس کہاں تھی افسوس کہ یہی اعتراض آنحضرت صلعم پر وارد ہوتا ہے کہ حضرت سید المرسلینؐ کے پاس بھی وہ عظمت اور شوکت ظاہری نہیں تھی۔ بلکہ وھب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی کی نسبت تو خود حضرت سید المرسلینؐ کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ آپکو وہ ملک سلیمانی اور بادشاہت ظاہری حاصل نہیں ہوئی تھی لہٰذا آپ حضرت سلیمان سے فضیلت میں فریقین کے نزدیک مسلّم زیادہ تر ہیں۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا علاوہ اسپر یہ کہ یہ ظاہری شوکت وعظمت کی وقعت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہے۔ بلکہ کُل دنیا کے سامان اور اسباب عند اللہ ایک پرپشہ کی برابر بھی نہیں۔ کما فی الحدیث کیونکہ یہ جملہ کارخانہ دنیاوی جو حضرت سلیمانؑ کو حاصل تھا وہ بسبب فانی ہونیکے کوئی حقیقت نہیں رکھتا قال اللہ تعالےٰ بل توثرون الحیٰوۃ الدنیا والاخرۃ خیر وابقی۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

نہ بر باد رفتی سحرگاہ وشام ✤ سریر سلیمان علیہ السلام

ــ زدنیا وفاداری امید نیست ÷ آخر دیدی کہ بر باد رفت
خنک آنکہ با دانش داد رفت ÷ حضرت سلیمان کے ملک و دولت کی قدر و

عزت تو ہم اسی لیئے کرتے ہیں کہ باوجود اس عظمت اور شوکت کے اللہ تعالیٰ کی محبت اور یاد سے وہ غافل نہ رہتے تھے بلکہ اسی کی محبت اور یاد میں مستغرق رہتے تھے اگر انکو یہ محبت اور یاد الٰہی حاصل نہ ہوتی تو پھر ان سے تو ہماری برٹش گورنمنٹ ہی افضل ہوتی کیونکہ حضرت سلیمان کے قبضہ میں تو صرف اسی قدر ملک تھا جو بقدر مسافت غدوہا شہر و رواحہا شہر کے اس زمین کی مسافت پا پیادہ طے ہو سکتی تھی اور ہماری گورنمنٹ عالیہ کے قبضہ میں اس سے اضعاف در اضعاف ملک ہے اور صنائع بدائع زمینی و آسمانی میں جو یورپ وغیرہ نے اسوقت ترقی کی ہے اسکا عشر عشیر بھی حضرت سلیمان کے وقت میں موجود نہیں ہوا تھا ان کا ملک لا ینبغی لاحد من بعدی کا مصداق تو تب ہی ہو سکتا ہے جبکہ بعد الوفات بھی انکو وہی ملک حاصل رہے والا فلا۔ اسی لیئے حضرت سید المرسلینؐ اور نیز بروز محمدی نے اس مادی شوکت و عظمت کو ہرگز ہرگز نہیں چاہا۔ کیونکہ یہ تو ایک ایسی بلائے جان ہے۔ کہ حضرت سلیمان کو بھی اس سے ایک قسم کا ابتلا پیش آگیا جیسا کہ آگے آتا ہے اور آنحضرت صلعم کے دعا کے یہ الفاظ ہیں کہ اللّٰھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین اور حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کے شرائط بیعت میں سے یہ شرط ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کروں گا غور فرمانیکی جگہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ جیسے مقرب کو یہ کہنا پڑا کہ انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب یعنی تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ مجھکو مال کی محبت اپنے نفس کی وجہ سے ہے بلکہ کل محبت واسطے اپنے رب کے ہے اس لیئے غفلت نہ ہووے۔ ہم جو بعض عظمتوں دنیاوی حضرت سلیمان کا ذکر کرتے ہیں یا کریں گے تو وہ اس لیئے کہ ہمارے سلیمان کو حضرت سلیمانؑ ابن داؤدؑ سے جو مناسبت حاصل ہے وہ باعتبار زمانہ اور زمانیات حضرت سلیمانؑ کے حاصل ہے ورنہ بلحاظ حضرت نبی کریمؐ کی غلامی کے آپ کا درجہ حضرت سلیمانؑ سے

بڑھا ہُوا ہے جیسا کہ خود فرماتے ہیں حضرت عیسیٰؑ کی نسبت ؎

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو ❊ اُس سے بہتر غلام احمدؐ ہے

کیوں اس لیئے کہ ؎

لاکھ ہوں انبیائؑ مگر بخدا ❊ سب سے بڑھکر مقام احمدؐ ہے

نتیجہ اس تقریر کا یہ ہے کہ قطع نظر الہامات مذکورہ کے بلحاظ زمانیات کے بھی آپکے زمانیات کو حضرت سلیمانؑ کے زمانیات کے ساتھ بہت مناسبت ہے اس لیئے یہ الہام الٰہی نازل ہُوا کہ ففھمناھا سلیمان۔

وجہ رابع مناسبت چہارم:۔ حضرت سلیمانؑ کے زیر حکم منجملہ جنات کے ایک عفریت من الجن بھی تھا اور دوسرے عالم ربانی منجملہ دیگر علمائے ربانی کے ایسا عالم بھی تھا کہ جو مصداق الذی عندہ علم من الکتٰب کا تھا۔ یہاں بھی حضرت جری اللہ کے زیر حکم ایک عفریت بھی تھا۔ ایہاالاحباب جو صفات لغوی عفریت کے لکھے ہیں اُن کا وہ پورا مصداق تھا۔ فتح البیان میں عفریت کے معنوں میں لکھا ہے والعفریت المارد الغلیظ الشدید القوی قال النحاس یقال للشدید اذا کان معہ خبث۔ اور یہ عفریت حضرت اقدسؑ کا ایک خادموں کے طور پر خادم تھا مگر بسبب اپنے تمرد اور غلظت قلب اور شدید اور قوی ہونیکے خبث میں حضرت جری اللہ اور نیز خاکسار عاجز سے متمرد ہوگیا اور خبث کا اُسکے یہاں بیان نہیں ہوسکتا چونکہ حضرت جری اللہ کو یہ الہام ہُوا ہے کہ آسمان سے کئی تخت اُترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا اور نیز یہ الہام مدت کا ہے کہ یٰعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ یہ رفعت خاص منجانب اللہ تھی۔ لیکن یہ عفریت کہتا رہا بلکہ اپنے رسالہ میں شائع کر دیا کہ مینے ہی انکو اونچا کیا تھا اور میں ہی انکو نیچا کر دوں گا۔ وغیرہ وغیرہ من المفوات۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدسؑ کو بموجب اپنے کلام اور الہام کے مرفوع کیا کہ ہر کہ ومہ اُسکا مشاہدہ کر رہا ہے اور اُس عفریت کو ایسا نیچا کیا کہ اُسکے حالات ذلت کو سُنکر اور دیکھکر یہ دعا کیجاتی ہے کہ اللّٰھم احفظنا من کل بلاء الدنیا و

عذاب الآخرة جن صاحبوں کو اُسکے ذلیل اور نیچے ہونیکے حالات دیکھنے مطلوب ہوں وہ پرچہائے الحق کے چند نمبروں سنہ ۱۹۱۳ء کو مطالعہ کرے صدق اللہ تعالےٰ ومن یشرك بالله فكانما خرّ من السماء فتخطفه الطیر او تھوی به الریح فی مکان سحیق اور آنحضرت کی جماعت میں منجملہ دیگر علمائے محققین کے ایک وہ مجسم اور عالم ہیں جو ابتدائے سن سے لیکر اس آخری عمر تک کتاب اللہ کے ایسے عاشق زار ہیں کہ انکے رگ و ریشہ سے کلام الٰہی کی ہی آواز نکل رہی ہے اور پورے مصداق ہیں الذی عندہ علم الکتاب کے ہمیشہ قرآن مجید کے درس کے دور ہوتے رہتے ہیں اور ہر دور میں قرآن مجید کے معانی اور تفاسیر جدیدہ بیان فرماتے رہتے ہیں جس سے سامعین کو ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی و لو جئنا بمثله مددا۔ کا مصداق ہے اگر کوئی کہے کہ اس نور مجسم نے کون سا تخت اس سلیمانؑ کے روبرو بنا کر لا حاضر کیا ہے جیسا کہ حضرت سلیمانؑ کے وقت میں طیار کیا گیا تھا تو واضح ہو کہ اوپر کے بیان سے یہ امر تو واضح ہو چکا ہے کہ تخت سے مراد یہ تخت جسمانی اور مادّی تو ہے نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے وہ روحانی تخت مراد ہے جو اس دنیا میں بشکل براہین احمدیہ وغیرہ کے متمثل ہوا ہے پس اس نور مجسم نے تصدیق براہین احمدیہ میں ایسی کتاب معجز لکھی ہے جسکی تکذیب کے سبب ایک بہت بڑا خنزیر حربہ آسمانی سے قتل کیا گیا اُسکی تاریخ ہمارے رسالہ چہل حدیث عرف مسک العارف میں حسب ذیل لکھی ہے۔

لیکھرام پشاوری کی موت ؛ اور جو اُسکو آنی تھی کلفت ؛ قبل از چند سال مہدی نے ؛ کردیا سبکو اُس سے باخبرت اُنہی مقتول کے جو نکلا تو ؛ ہوئی تاریخ قتل از سمت ؛ یعنی اُنیس سو ترپن میں ؛ ۱۹۵۳ ما تفرعون هذه الامة اور یکسر الصلیب و یقتل الخنزیر میں قصہ آتھم اور لیکھرام دونوں کی تاریخ ہجری نکلتی ہے۔ ۱۸۹۷ اگر کوئی کہے کہ یہ مضامین تمہارے شاعری خیالات ہیں جنکا خارج میں کوئی ظہور نہیں معلوم ہوتا تو جواباً عرض ہے کہ نبی کریم کی حدیث جو اوپر لکھی گئی ہے اُسکے

کیا معنی ہیں جس میں خلفائے اربعہ کو آنحضرت صلعم نے انبیائے ابراہیم موسیٰ و ہارونؑ کا نظیر قرار دیا ہے۔ اور حضرت علیؓ کو اپنا نظیر اور اس حدیث کے کیا معنی ہونگے جس میں ابوجہل کو فرعون کہا گیا ہے۔ کہ مات فرعون ھٰذہ الامۃ اصل بات یہ ہے کہ نظیر میں چند مناسبات کا ہونا علم معانی اور بیان میں کافی سمجھا گیا ہے نہ یہ کہ کل تشخصات مشبہ کے اسمیں موجود ہوں زید کو جو شیر کہا جاتا ہے تو کیا اُسکے پنجہ اور دم اور انیاب پھاڑنے والے اور ڈاڑہیں چابنے والے شکار کے بھی ہوتے ہیں ہرگز نہیں۔ نتیجہ اس تمام تقریر کا یہ ہے کہ اس مناسبت سے بھی ففھمناھا سلیمان الہام کی صداقت ثابت ہوتی ہے اور یہی مدعا تھا۔

وجہ خامس مناسبت پنجم۔ ۱۔ حضرت سلیمان کے زمانہ میں جو زمانیات موجود تھے اُس سے مضاعف در مضاعف زمانیات اسوقت میں بھی موجود ہیں دیکھو چڑیا خانے جن میں از قسم حیوانات درندہ و چرندہ و طیور کل جاندار ہوتے ہیں حتّٰی کہ حیات اور اژدہے بھی اور دیگر عجائب غرائب حیوانات اور پرندوں میں سے ایسے ایسے پرند مختلف سینکڑوں رنگوں کے اسوقت اُسمیں موجود ہیں کہ انکا شمار بھی نہیں ہوسکتا ہم نے کلکتہ میں واجد علی شاہ کا جو چڑیا خانہ دیکھا تھا تو اُسکی تمام سیر ایک دو روز میں بھی تمام نہیں ہوسکتی تھی بلکہ چند روز میں کیجا سکتی تھی۔ اگرچہ نام اُس کا چڑیا خانہ تھا لیکن پرندہ جانوروں کے سوا دیگر حیوانات چرندو پرندا سقدر رکھے تھے کہ اگر انکی تفصیل لکھی جاوے تو ایک کتاب طویل صرف انکی اسماء سے طیار ہو جاوے اس لیئے یہ امر بھی ٹھیک ہو گیا کہ قرآن مجید میں جو صرف الطیر ہی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے اُس سے سوائے پرندوں کے دیگر حیوانات بھی تغلیباً مراد ہوسکتے ہیں علیٰ ہذا القیاس۔ دیگر زمانیات کہ لوہے اور تلنبے اور پیتل کی نہریں مثل پانی کے جو جاری تھیں یہاں پر اُس سے بڑھکر ہیں و اسلنالہ عین القطر اور النالہ الحدید کا نظارہ ادنیٰ ادنیٰ شہروں میں جیسا کہ رڑکی وغیرہ میں ہر کہ و مہ کو مشاہدہ ہو رہا ہے سوئی سے لیکر بندوق توپ اور گاڈر تک اور اوزار اور زرہیں اور ہتھیار اسمیں ڈھالے جاتے ہیں ان کارخانوں کا جس کسی نے تماشا دیکھا ہے

اُسکو قرآن مجید کے مضامین کی صداقت کالشمس فی نصف النہار ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہاں پر تو یہ جملہ سامان اور اسباب اسقدر کثرت کے ساتھ نظر آتا ہے کہ سامان و اسباب وقت سلیمان کا جو قرآن مجید میں مندرج ہے وہ سب کا سب ان کارخانوں زمانے حال کا عشر عشیر ہی معلوم ہوتا ہے افسوس ہے اول نیچریوں پر جنہوں نے بعض ایسے مضامین مندرجہ قرآن مجید کا انکار کر دیا ہے صرف اسوجہ سے کہ اس تفصیل مندرجہ قرآنی کے مطابق بائبل میں مذکور نہیں ہوا لاحول ولاقوۃ الا باللہ اور پھر ہمکو اپنے علاتی بھائیوں غیر احمدیوں پر یہ افسوس آتا ہے کہ جو اس سلیمانؑ وقت کے مکذب ہیں کیا قرآن مجید میں جو حضرت سلیمان کے زمانیات و واقعات کے قصے بیان فرمائے گئے ہیں اُن کے بیان میں کوئی حقیقت مندرج نہیں نہ کوئی مجاز ہے نعوذ باللہ لغو قصے ہیں اور جسقدر کہ گلستاں اور بوستاں کی حکایات میں عبرت اور نصیحت حاصل ہوتی ہے قرآنی قصص میں وہ بھی موجود نہیں صدق اللہ تعالیٰ۔ حاکیاً عن رسولہ یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا۔ ہمارا تو ایمان ہے کہ جسقدر قصص انبیاءؑ سابقین کے قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں اُنکی مثل کچھ تو حضرت سید المرسلینؐ کے وقت میں اور کچھ اُنکی اُمت کے مجددین کے وقت میں وہ واقعات ہونے والے تھے چنانچہ ویسے ہی حالات اور زمانیات کچھ آپکے زمانہ بعثت میں واقع ہوئے اور کچھ مجددین کے زمانہ بعثت میں واقع ہوئے۔ اور خصوصاً اس آخری زمانہ بروز محمدی میں تو اکثر واقعات انبیائے ماضین کے اور زمانیات سلیمانی واقع ہوگئے اور ہو رہے ہیں اور ہوویں گے انشاءاللہ پس جبکہ حضرات انبیاءؑ اور حضرت سلیمانؑ کے زمانہ کے زمانیات بڑی کثرت اور شدت کے ساتھ اس زمانہ میں واقع ہو رہی ہیں تو اسکے کیا معنی کہ اس اُمت خیر الامم میں کوئی سلیمانؑ وقت مبعوث نہ ہوا ہو پس جس طرح پر دلائل انیہ سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پہچانی جاتی ہے یعنی آثار سے موثر کی شناخت حاصل ہوتی ہے اُسی طرح پر ہم کو ان آثار سے سلیمان وقت کا موجود ہونا معلوم ہوتا ہے پس الہام ففھمناھا سلیمان صادق و مصدوق ہے اور حضرت جری اللہ سلیمان وقت بھی موجود ہیں۔

وجہ سادس مناسبت کی:- حضرت سلیمانؑ کے زمانہ مین ایک عورت بلقیس نام نام بادشاہ تھی اور آپنے اسکو ایک نامہ ارسال کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
اذهب بكتابي هٰذا فالقه اليهم ثم تول عنهم فانظر ماذا يرجعون قالت يا ايها الملأ اني القي الي كتاب كريم انه من سليمان وانه بسم الله الرحمن الرحيم ان لا تعلوا علي واتوني مسلمين۔
یہ نامہ تھا جو حضرت سلیمان کی طرف سے ملکہ سبا کو روانہ کیا گیا تھا لیکن ہمارے سلیمانؑ کے وقت میں ملکہ سبا سے بہت درجہ بڑھکر ملکہ معظمہ تھیں جنکے عہد سلطنت عدل مہد میں رفاہ عام کے لیئے وہ کارہائے نمایاں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیئے ہیں جو دنیا میں کسی وقت میں پیدا نہ ہوئے ہونگے ہمارے سلیمان وقت نے بھی ایک صحیفہ گرامی بنام ملکہ معظمہ آنجہانی موسوم تحفہ قیصرہ ارسال فرمایا تھا جسمیں بہت بڑھکر تبلیغ اسلام کی کی تھی اور حضرت ملکہ معظمہ آنجہانی نے بہت اکرام و تکریم آپکی کتابوں کی فرماتی تھیں پس ایک طرح سے انی القي الي كتاب كريم کا مضمون واقع ہوگیا۔ شاہ عبد القادر صاحب بلقیس کے بارہ میں صرف اتنا ہی لکھتے ہیں کہ بلقیس ملک یمن میں اپنے دیس کو خوب بسا گئی تھی پانی جھیلوں کا سب سمیٹ کر ایک جگہ روکا اور بیچ میں کھڑکیاں رکھیں اونچی اور نیچی زمینوں کے واسطے سارے برس مینہ کا پانی موجود رہتا جتنا چاہتے خرچ کرتے خوب سرسبز ملک آباد ہوا تھا انتہی اب اس سلیمان وقت کی ملکہ کے ملک میں پانی کی نہریں اور پل وغیرہ کو دیکھو کہ کسقدر مضاعف در مضاعف انکے کارخانہ موجود ہیں جو انکا عشر عشیر بھی ملکہ سبا کے وقت میں موجود نہیں تھا پس جبکہ حضرت سلیمان کے وقت کے اسقدر کثرت زمانیات موجود ہیں تو کیا اُمت مرحومہ میں کوئی سلیمان وقت موجود نہ ہوگا تو پھر یہ اُمت خیر الامم کیونکر ہوسکتی ہے صدق رسوله الكريم۔
وما من نبي الا نظيرله في امتي۔
مناسبت ہفتم:- ملک ہندوستان جو ملکہ معظمہ آنجہانی کا قلمرو ہے اُسکے تمام ملک سے اور شہر نہایت زرخیز آب و ہوا عمدہ رکھتے ہیں اور صفائی کے محکمات جا بجا موجود ہیں اور علاوہ ریلوے کی سڑکوں کے اور سڑکوں کے ہر دو طرف سایہ دار درخت موجود ہیں اور اکثر مقاموں پر چوکیاں

بھی پائی جاتی ہیں اور مکانات اور شہروں کی خوبی کا تو ذکر ہی کیا کیا جاوے کہ عیاں راچہ بیاں اور
خصوصاً جبکہ مسیح موعودؑ اور سلیمانِ وقت اس ملک میں مبعوث ہوئے تو گویا یہ تمام بلدے اور انکے اطراف
مصداق اس آیت کے ہوگئے تھے کہ لقد کان لسبأ فی مسکنھم اٰیة جنتان عن یمین
و شمال کلوا من رزق ربکم واشکروا له بلدة طیبة و رب غفور ہاں جبکہ اکثر
لوگوں نے اس سلیمانِ وقت کی تکذیب کی تو پھر دیکھو کیسے کیسے سیلاب اور طوفان اور دیگر عذاب دنیا
میں آئے اور طاعون و زلزلوں نے ایک عالم کو کھا لیا کہیں کثرت سے آتش زدگی واقع ہوئی کہیں
کوئی عذاب آیا اور کہیں کوئی عذاب بپا ہوا۔ مگر اسکا بلدہ یعنی قادیان ایسے عذابوں سے جو بالکل ہلاک
کر دیوے محفوظ و مصئون رہا۔ لولا الاکرام لھلک المقام۔ کیا سچ فرما دیا حضرت نے پیشتر
نزول ان عذابوں کے۔ کما قال ؎ سونیوالو! جلد جاگو یہ نہ وقتِ خواب ہے ٭ جو خبر دی وحیِ حق نے اس سے دل بیتاب ہے
زلزلے سے دیکھتا ہوں میں زمیں زیر و زبر ٭ وقت اب نزدیک ہے آیا کھڑا سیلاب ہے ٭ ہے سرِ راہ پر کھڑا
نیکوں کے وہ مولا کریم ٭ نیک کو کچھ غم نہیں ہے گو بڑا گرداب ہے ٭ کوئی کشتی اب بچا سکتی نہیں اس سیل سے ٭
حیلے سب جاتے رہے اک حضرتِ تواب ہے + صدق اللہ تعالیٰ وما کنا معذبین حتیٰ نبعث
رسولا۔ اگر کوئی صاحب ان عذابوں کے کوئی صنف دیکھنا چاہیں تو وہ دیکھے اس حصہ
حیدرآباد کو جو چھوٹی سی موسیٰ ندی کے طوفان سے غرق ہو گیا صدق الہام المسیحؑ۔ زلزلہ در گور نظامی فگند
دیر بہ خسرویم شد بلند + اور دوسرے اصناف عذابوں کا کہاں تک ذکر کیا جاوے کہ تمام دنیا میں تہلکہ برپا
ہو گیا ہے اور یہ نتیجہ صرف انکے ظلم کا واقع ہوا ہے کما قال اللہ تعالیٰ وظلموا انفسھم فجعلناھم
احادیث ومزقناھم کل ممزق ان فی ذٰلک لاٰیات لکل صبار شکور

مناسبت ہشتم:۔ قال اللہ تعالیٰ۔ والقینا علیٰ کرسیه جسدًا ثم اناب۔ اس آیت
کی تفسیر میں مفسرین کا بہت اختلاف ہے کوئی کچھ تفسیر کرتا ہے اور کوئی کچھ کرتا ہے ہم کو اس اختلاف
کی کچھ پروا نہیں ہم صرف الفاظ مضمون کو لئے لیتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کی کرسی یعنی تخت پر ایک
جسد ڈالا گیا تھا خواہ وہ کچھ ہی ہو اور کسی طرح پر ہو اور پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر دعا
کی تھی قال رب اغفر لی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انك
انت الوهاب اور حضرت سلیمانؑ وقت کے الہامات میں گذر چکا ہے کہ آپکا تخت

سب سے اونچا پہنچایا گیا ہے اور مراد تخت سے اس دنیا میں خواہ براہین احمدیہ ہو یا حقیقت الوحی
مگر یہاں پر ہم مراد تخت سے حقیقت الوحی لیتے ہیں کیونکہ اس میں صدہا مکذبین کی ہلاکت بموجب
الہامات ملاحظہ مصدقہ کے لکھی ہوئی ہے منجملہ اُن مکذبین کے جو بموجب الہامات کے ہلاک ہوئے ہیں
ایک سخت مخالف اور مکذب کی ہلاکت بموجب الہامات متعدد بیان کی گئی ہے جو بڑے زور و شور سے واقع ہوئی
ہے اور اُن الہامات میں بڑی تحدی بھی کی گئی تھی اور ملائکہ کی توجہ بھی اسکی ہلاکت کی طرف عالم روحانی
میں بڑی شدت کے ساتھ تھی اور اُس کی شکل واضح بھی اور وقت بھی بتلا دیا گیا تھا جو قصیدہ
الاسلام دشمن نادان و بے راہ + بترس از تیغ بران محمد وغیرہ میں مذکور ہے سو کرامت گرچہ بے نام
نشان است + بیا بنگر ز غلمان محمد + وبشرانی ربی رقال مبشرا + ستعرف یوم العید و العید اقرب +
تمام ہندوستان میں اسکی ہلاکت کا بڑا شور و غل بھی مچا تھا اور اس الہام میں عجلا جسد الله خوار بھی
اسکے لیئے وارد ہوا تھا بعد اسکی ہلاکت کے اس کے جسد کی تصویر اسی شان سے کہ جس شان سے
وہ ہلاک ہوا تھا اس تخت پر دو جگہ پر موجود ہے اصل مضمون والقینا علی کرسیه جسدا
تھا ان کا اس شان سے واقع ہو گیا اور نظیر ہیں نہ کچھ ضرورت نہیں ہے کہ تمام تخصیصات مشبہ کے
مشبہ میں موجود ہوں علاوہ یہ کہ القاء جسد کی تفسیر میں (جو حضرت سلیمان کے تخت پر واقع ہوا
تھا) مفسرین کا اختلاف بھی بہت ہے پس ہم نے اگر یہاں پر صرف الفاظ آیت کے مضمون سے
جو مناسبت موجود ہے اس مناسبت کی وجہ سے حضرت کو سلیمان وقت قرار دیا تو کیا حرج شرعاً واقع
ہو سکتا ہے وہما من نبی الاله نظیر فی امتی۔

مناسبت نمبر ۱ – حضرت سلیمانؑ کے لیئے یہ تمام عطائیں اور ملک اور شہنشاہی اللہ تعالیٰ عطا فرما کر
ارشاد فرماتا ہے کہ ھذا عطاؤنا فامنن او امسک بغیر حساب ہمارے سلیمان وقت
کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہت کثرت سے اموال اور طبعیات اور مدیے تائید اسلام کے واسطے عطا
فرمائے تھے جسکی نسبت الہام ہوتا ہے کہ یاتیک من کل فج عمیق وغیرہ وغیرہ من الالہامات۔
اپنے لیئے اس میں سے کوئی جاگیر خرید نہیں فرمائی اور اسقدر کثرت سے اموال کو فی سبیل اللہ صرف فرمایا
کہ مخالفین بلکہ بعض موافقین نے اسراف کا الزام آپ پر لگایا۔ اور بعض اموال کا حساب طلب کرنا چاہا۔
لیکن آپکی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے حساب و کتاب رکھنے کا مادہ ہی نہ رکھا تھا اور کسی اموال مصروفہ کا
حساب کتاب نہیں کیا کیونکہ آپ بروز تھے اس سید الانبیاء کے جس نے ارشاد فرمایا ہے کہ نحن
امة امیة لا نکتب ولا نحسب ہم نے دیکھا ہے کہ جس اشتہار کی طبع میں چند
روپیہ صرف ہو سکتے تھے آپکے فوٹو وغیرہ کے لیئے میں صدہا روپیہ خرچ فرما دیا ہے اور کچھ پروا نہیں
فرمائی اور ہزاروں کتابیں اور رسالے مفت تقسیم فرمائے ہیں اور مخالفین بیرونی اندرونی کیلیئے
ہزاروں روپیہ عطا فرمانیکا اشتہار دیا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی واقع ہوا ہے کہ روپیہ موجود نہیں
مگر آپ نے ہزاروں کا اشتہار دیدیا اور مخالف نے روپیہ موعودہ کا لینا قبول بھی کر لیا بدیں وجہ کہ وہ ظاہر بینی
جانتا تھا کہ روپیہ میسر نہ ہوگا اور پھر مجھ پر کوئی اتمام حجت بھی واقع نہ ہو گا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وہ سب
روپیہ دفعتاً فراہم کر دیا۔ اور مخالف فرار کر گیا جیسا کہ اندرمن مراد آبادی کا قصہ اشتہاروں اور رسالوں
میں بین العوام والخواص مشہور ہے پس چونکہ حساب کتاب آپکی فطرت اور جبلت کے خلاف تھا
اس لیئے اس آیت کا مضمون آپ پر صادق ہوا کہ ھذا عطاؤنا فامنن او امسک بغیر
حساب۔ البتہ یہ مضمون آپکی حیات تک باقی رہا بعد آپ کے چونکہ بموجب مصلحت اور حکمت الٰہی
کے ان تمام اموال کا حساب و کتاب صدر انجمن احمدیہ کے سپرد کیا گیا جو آپکی وصی ہے تو حساب و
کتاب کے دفاتر موجود ہو گئے ہیں مگر تاہم اب بھی اموال کثیرہ تائید دین اسلام کے لیئے صرف ہو رہے
ہیں چنانچہ اس سال کا بجٹ دو لاکھ کے قریب ہو گیا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ یہ مصارف کثیرہ دوسری
جگہ پر بھی ہوئے ہیں بلکہ اس سے مضاعف در مضاعف ہوتے ہیں دیکھو ایجوکیشنل کانفرنس اور
مسلم لیگ وغیرہ کو جو مصارف مسلمانوں ہی کی طرف سے ہوتے ہیں پس تمہارے ایسے مصارف
سے حضرت مرزا صاحب کیونکر سلیمان بن گئے تو جواب یہ ہے کہ معترض بڑا نادان ہے وہ بتائے
کہ کون سے لیڈر کو وہ الہامات کذائے قبل سے ہوئے ہیں جو حضرت جری اللہ کو ہوئے اور
مصارف ہشت گانہ مندرجہ قرآن مجید کے کس جگہ پر ہوئے ہیں جو حضرت جری اللہ کے یہاں جاری
ہیں اور دعوت اسلام یا تبلیغ اسلام کی کتابیں کہاں شائع ہوتی ہیں اور حقائق و معارف
قرآنی کا بیان کس جگہ ہو رہا ہے جیسا کہ یہاں پر جاری ہو رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہم تو تمام دنیا کو اگر بغیر

ذکر اللہ اور ان تینوں امور دینی کے ہوتے تو اس تمام دنیاوی اسباب و سامان کو ایک پر پشہ کی برابر بھی نہیں سمجھتے
ان دونوں صیغوں مذکورہ کا تعلق تو ان امور سے گانہ دینی سے مطلق نہیں ہے ہاں البتہ اہل اسلام کی دنیاوی امور کی اصلاح
میں کوشش کیجاتی ہوگی دشتان بینہما کجا دینی امور میں سعی اور کوشش کرنا اور کجا دنیاوی امور میں بہ بیں تفاوت
رہ از کجا است تا بکجا۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ الوصیت میں تحریر فرماتے ہیں کہ (مجھے اس بات کا غم نہیں کہ یہ اموال
کیونکر جمع ہو وینگے اور ایسی جماعت کیونکر پیدا ہوگی جو ایمانداری کے جوش سے یہ مردانہ کام دکھلاوے بلکہ یہ فکر ہے کہ
ہمارے زمانہ کے بعد وہ لوگ جنکی سپرد ایسے مال کیئے جاویں وہ مال کو دیکھکر ٹھوکر نہ کھاویں اور دنیا سے پیار نہ کریں
سو میں دعا کرتا ہوں کہ ایسے امین ہمیشہ اس سلسلہ کو ہاتھ آتے رہیں جو خدا کے لیئے کام کریں انتہی بلفظہ اور
شرائط بیعت میں سے دین کو دنیا پر مقدم کرنا ضروری ہے۔

مناسبت دہم:۔ ہم حضرت سلیمانؑ کی دنیاوی شوکت و دولت کا جو ذکر کرتے ہیں وہ صرف اسلیئے کہ آپ مقرب الٰہی تھے۔ حضرت سلیمان نے مسجد اقصیٰ تعمیر کی تھی۔ جو تمام انبیائے بنی اسرائیل کا قبلہ رہی تھی اس سلیمان وقت نے بھی ایک مسجد کی ترمیم فرمائی اور یہ ثابت کیا کہ یہ مسجد بھی مسجد اقصیٰ ہے چنانچہ منارۃ المسیح میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔ فحاصل البیان ان الزمان زمانان زمان التائیدات و دفع الآفات و زمان البرکات والطیبات والیہ اشار عزّ اسمہ بقولہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ فاعلم ان لفظ مسجد الحرام فی قولہ تعالےٰ یدل علےٰ زمانا فیہ ظہرت عزۃ حرمات اللہ بتائید من اللہ و ظہرت عزۃ حدودہ واحکامہ و فرائضہ وتزاوت بشوکۃ دینہ ورعب ملتہ وھو زمان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم والمسجد الحرام البیت الذی بناہ ابراھیم علیہ السلام فی مکۃ وھو موجود الیٰ ھذا الوقت حرسہ اللہ من کل آفۃ واما قولہ عزّ اسمہ بعد ھذا القول اعنی المسجد الاقصےٰ الذی بارکنا حولہ فیدل علیٰ زمان فیہ یظھر برکات فی الارض من کل جہۃ کما ذکرناہ آنفا وھو زمان المسیح الموعود والمہدی المعہود والمسجد الاقصےٰ ھو المسجد الذی بناہ المسیح الموعود فی القادیان سمی اقصیٰ لبعدہ من زمان النبوۃ ولما وقع فی اقصےٰ طرف من زمن ابتداء الاسلام فتدبّر ھذا المقام فانہ اودع اسرارًا من اللہ العلام
خلاصہ کلام یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کا معراج تین قسم پر منقسم ہے۔ سیر مکانی اور سیر زمانی اور سیر لامکانی ولازمانی۔ سیر مکانی میں اشارہ ہے طرف غلبہ اور فتوحات کے یعنی یہ اشارہ کہ اسلامی ملک مکہ سے بیت المقدس تک پھیلے گا۔ اور سیر زمانی میں اشارہ ہے طرف تعلیمات اور تاثیرات کے یعنی یہ کہ مسیح موعودؑ کا زمانہ بھی آنحضرت صلعم کی تاثیرات سے تربیت یافتہ ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے و اخرین منھم لما یلحقوا بھم اور سیر لامکانی ولازمانی میں اشارہ ہے طرف اعلیٰ درجہ کے قرب اللہ اور مدانات کے جسپر دائرہ امکان قرب کا ختم ہے فافہم۔ اور نیز دوسرے مقام میں بھی اسی رسالہ کے مسجد کلاں قادیان کا مسجد اقصیٰ ہونا حضرت اقدسؑ نے ثابت فرمایا ہے بسبب طوالت کے ہم اسکو نقل نہیں کر سکے غرضکہ یہ دس مناسبتیں آپکے سلیمان وقت ہونیکے لیئے کافی ووافی ہیں وتلک عشرۃ کاملۃ اور نظیر کے لیئے ایک دو مناسبتیں کافی ہو جاتی ہیں چہ جائیکہ دس مناسبتیں موجود ہو جاویں۔
صدق رسولہ الکریم وما من نبی الا نظیر لہ فی امتی

رپورٹ ماہوار صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ نومبر ۱۹۱۳ء

صیغۂ یتامیٰ اس ماہ میں آمد ما ۲ہ ہوئی جو بمقابلہ خرچ کے بہت ہی تھوڑی ہے۔ اسوقت انجمن پندرہ ۱۵ یتیموں کو عللعہ کے وظائف اور بیس ۲۰ یتیم لڑکوں کو اصل اخراجات جنکی اوسط ماسہ ماہوار ہوتی ہے دے رہی ہے۔ یعنی یتامیٰ پر کل ما ۲عہ ماہوار خرچ ہوتا ہے۔ میں احباب کو حضرت خلیفۃ المسیح کے ایک ضروری اعلان کی طرف توجہ دلاتا ہوں جس میں آپ نے تمام احمدی احباب کو یتامیٰ و مساکین کے چندوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم روپے کو معبود مت بناؤ۔ یہ تمھارے کچھ کام نہیں آویگا۔ جس نفس کی خاطر کے لیئے جس اہل و عیال کے لیئے جن دوستوں کے لیئے خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے رُکوگے۔ وہ تمھیں کبھی فائدہ نہیں دینگے۔ اور اس طرح سے تمھارے دل کو کبھی اطمینان اور خوشی نصیب نہیں ہوسکتی بلکہ حرص کی جلن دن بدن ترقی کرتی چلی جاویگی اور تمھارے ایمان کو بھی برباد کرکے چھوڑے گی۔ اگر احمدی احباب اپنے اوپر حسب استطاعت ایک رقم مقرر کرکے اسے باقاعدہ ادا کریں۔ تو اس صیغہ کے اخراجات بآسانی چل سکتے ہیں۔

زکوٰۃ۔ آمد بابت ماہ نومبر صرف للعہ ہے۔ جو اخراجات کے مقابل میں بہت ہی کم ہے ایسے روپے سے ان غریب لوگوں کی جو بیچارے دین سیکھنے کے لیئے دارالامان میں کتنے ہیں۔ اور اپنے واپسی کے اخراجات اور کرایہ ادا کرنیکی طاقت نہیں رکھتے۔ یا جو مساکین گذارہ کی طاقت نہیں رکھتے یا ایسے بچے جنکے قریبی رشتہ تعلیم وغیرہ کے اخراجات کو برداشت کرنیکی طاقت نہیں رکھتے مدد کیجاتی ہے جس کا کل خرچ اس ماہ میں ماہ ۱۵ ہے۔ ذی وسعت احباب توجہ فرماویں ہماری جماعت میں خدا کے فضل سے بہت سے احباب ایسے ہیں جن پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اگر وہ زکوٰۃ کا روپیہ صدر انجمن احمدیہ کے خزانہ میں داخل کرنیکا باقاعدہ انتظام فرماویں توکمی آمد کا سوال خدا کے فضل سے بہت جلد دُور ہوسکتا ہے۔

مقبرۂ بہشتی۔ (۱) اس ماہ میں ذیل کی دو موصیہ مقبرہ میں مدفون ہوئیں۔

۱۔ مسمات امیر بی بی مرحومہ والدہ مرزا محمد اسمٰعیل بیگ صاحب قادیان۔ ۲۔ مسمات ہاجرہ مرحومہ زوجہ عبدالستار

کشمیری ساکن سعہل ضلع گورداسپور

(۲) اس ماہ میں پندرہ نئی وصیتیں درج رجسٹر وصایا ہوئی ہیں - اور ذیل کی قوم پہلی وصیتوں کی طرف سے داخل خزانہ ہوئی ہیں

(۱) میاں عبداللہ زرگر صاحب ساکن پیر چھپیی ۵ (۲) بابو غلام رسول صاحب از پشاور عہ (۳) مسماۃ پناہ بی بی زوجہ بدر الدین صاحب ساکن شیخ عماد تحصیل قصور ضلع لاہور ۵ (۴) سردار خداداد خانصاحب رسالدار چھاؤنی کراچی ہے (۵) ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب - نور الائی ہے (۶) ڈاکٹر بشارت احمد صاحب - راولپنڈی عہ

(۷) مسماۃ بی بی رانی صاحبہ ساکن ... والہ تحصیل قصور ضلع لاہور - مہ

سیسپیسہ اشاعت اسلام - اس ماہ میں بھی پیسہ فنڈ اور انگریزی ترجمۃ القرآن کی تعداد خریداران میں کچھ ترقی نہیں ہوئی ہے تاہم انہوں اور جماعتوں کو حضرت قدس کی اس فرمان کی طرف جو انحضرت نے ریویو کی توسیع اشاعت کے لیے بڑے زور سے فرمایا ہے - توجہ دلاتا ہوں - دوستو! اٹھو اور ہمت کرو - اور اپنے رہبر کی ہدایت کے مطابق رسالہ کی توسیع اشاعت میں کوشش فرما کر اپنا فرض ادا کرکے سبکدوشی حاصل کرو (۲) حضرت مولوی محمد علی صاحب آجکل ترجمۃ القرآن کے انگریزی ترجمہ ختم کرنے کے لیے دن رات کام میں لگے ہوئے ہیں ترجمۃ القرآن تو خدا کے فضل سے مولوی صاحب نے ختم کر لیا ہے اب نوٹ لکھ رہے ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ پانچ چھ ماہ میں ختم ہو جاویں گے - مولوی صاحب روزانہ ظہر سے نماز عصر تک حضرت خلیفۃ المسیح کو یہ نوٹ حاضر ہو کر سناتے ہیں - ولایت سے خواجہ کمال الدین صاحب کا تازہ خط آیا ہے جس میں انہوں نے کئی خوشخبریاں جو ۲۰ - نومبر ۱۹۱۳ء کو وقوع میں آئیں درج فرمائی ہیں - (۱) جناب وائی کونٹ ڈی ... سے بلجیم نے جو ایک فرانسیسی نواب زادی ہیں اسلام لانیکا اعلان فرمایا ہے اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا (۲) مس للی پرنسیم صاحبہ آپ متوسط طبقہ کی خاتون ہیں - ایک عیسائی سے آپکی نسبت ٹھہری تھی - وہ چونکہ بہت متعصب تھا اور اس کا مسلمان ہونا نامکن تھا اسلیے مس ممدوحہ نے مذہب اسلام کی سچائی کے مقابلہ پر منگنی کو فسخ کر دینا بہتر سمجھا - اور آپ مسلمان ہو گئیں اور آپکا نام فاطمہ رکھا گیا - (۳) کپتان سٹینلے مارگریٹ آپکا اسلامی نام عبد الرحمٰن رکھا گیا - (۴) مسز کلفورڈ - آپ بھی متوسط طبقہ کے اعلیٰ حصہ کی خاتون بیوہ ہیں اور آپکے چار بچے ہیں جو سب کے سب مسلمان ہو گئے ان کا اسلامی نام عائشہ رکھا گیا - ان کے علاوہ ایک اور بھی اعلیٰ طبقہ کی خاتون جو رتبہ میں لارڈ ہیڈلے سے بھی اعلیٰ ہیں انہوں نے بھی بطیب خاطر اظہار اسلام فرمایا ہے -

شفاخانہ - اس ماہ میں نئے اور پرانے مریضوں کی تعداد ۹۳۲ ہے جسکی اوسط ۳۱٫۰۶ روزانہ ہے -

ڈاکٹر ... ہوئے -

متفرقات

دفتر محاسب - ۱۵ نومبر تک ۹-۹-۱۳۲۱۹ آمد اور خرچ ۸-۴-۲۰۵۰۰ ہے - اس ماہ میں آمد کی رفتار

... اندر اندر اپنے اجارہ کو رجسٹری

	روپے	آنے	پائی
تعلیم	۶۳۰۷	۱۲	۴
امانت اندرونی	۶۵۴	۱۵	۰
〃 بیرونی	۱۷۹۳	۱۲	۹
مستقل فنڈ	۳۹۱۲	۲	۶
یتامیٰ	۵۴۵	۶	۴
مساکین	۱۳۰۷	۶	۵
زکوٰۃ	۴۳۹۱	۵	۲
بورڈران ہائی	۱۳۲۷	۱	۸
میزان	۲۰۲۳۹	۱۴	۲
منہا کردہ فاضل	۱۴۷۵۶	۳	۵
پیشگی	۵۴۸۳	۱۰	۹
	۴۶۷۵	۱۰	۶
باقی نزد امین	۸۰۸	۰	۳
تفصیل فاضل اشاعت	۷۸۶	۵	۸
بیت المال	۴۵۳۲	۸	۵
مقبرہ	۲۳۸۰	۳	۸
متفرقات	۱۳۴۲	۰	۶
مدرسہ احمدیہ	۱۱۸۲	۱	۳
تعمیر	۴۳۳۴	۵	۲
بورڈران احمدیہ	۱۹۸	۱۰	۹
میزان فاضل	۱۴۷۵۶	۳	۵
تفصیل پیشگی تعلیم	۲۱۳۵	۱۳	۶
بیت المال	۷۵۷	۰	۰
مقبرہ	۴۶۳	۱	۰
اشاعت	۳۰۰	۰	۰
متفرقات	۴۴۵	۰	۰
تعمیر	۳۰۰	۰	۰
مدرسہ احمدیہ	۲۷۴	۱۲	۰
میزان	۴۶۷۵	۱۰	۶

برائے محاسب عبداللہ — ناظر محمد اشرف

تقریر جلسہ اعظم مذاہب یا لیکچر مہوتسو

یعنی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا عظیم الشان لیکچر جو ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں مولوی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا۔
چوتھی دفعہ نہایت عمدہ کاغذ پر خوب خوشخط لکھوا کر چھپوایا گیا ہے تقطیع بھی نہایت موزون ہے
اس کتاب میں حضرت اقدسؑ نے ذیل کے پانچ امور پر فلسفیانہ رنگ میں بحث کی ہے۔ اور تمام دلائل قرآن شریف سے پیش کئے ہیں (۱) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتیں (۲) انسان کی زندگی کے بعد کیحالت یعنی عقبیٰ (۳) دنیا میں انسان کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب (۴) اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں (۵) علم اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے ۔ تقریباً ۱۵۰ صفحہ کی کتاب ہے۔ قیمت ۵/
اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ولایت سے چھپکر آیا ہے۔ نہایت خوبصورت جلد قیمت عہ

قاعدہ یسرنا القرآن نو ترمیم

یہ قاعدہ جسقدر مفید اور مقبول ثابت ہوا ہے محتاج بیان نہیں عام طور پر کئی کئی سال تک بچوں کی عمریں ضائع ہو جاتی تھیں اور قرآن شریف ختم نہیں ہوتا تھا۔ اور جو کسی بچے نے قرآن شریف ختم بھی کیا تو دوبارہ پڑھاؤ تو ایک سطر رواں اور صاف نہیں پڑھ سکتا مگر اس قاعدہ کے پڑھانے سے ایک بچہ چھ ماہ میں قرآن شریف ختم کر لیتا ہے۔ اور اُس میں اسقدر طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ عربی کی کوئی کتاب جسپر اعراب دئے ہوں بلا تکلف پڑھ لیتا ہے۔ اس قاعدہ کے چار ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔ مصنف صاحب قاعدہ مذکور نے نہایت محنت اور جانفشانی سے سابق قاعدہ میں ترمیم کر کے بہت مفید باتیں اور ایزاد کی ہیں اور نیز جابجا اساتذہ کے لئے کارآمد نوٹ دئے ہیں۔ لکھائی اور چھپائی عمدہ ہے۔ کاغذ بھی اعلیٰ لگایا گیا ہے۔ جو احباب اپنے عزیز بچوں کو صحیح قرآن شریف پڑھانے کے خواہشمند ہوں وہ یہ قاعدہ شروع کروائیں
قیمت مکمل قاعدہ عربی ۲/ صرف حصہ اول ۱/ اردو قاعدہ ۱/ محصولڈاک ۱/
درخواستیں بنام مینیجر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں۔

اطلاع :۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرماویں۔

Reg. NO. L. 303

قیمت ۸؍ ‏ | چھ مشہور دوایوں کا بکس | قیمت ۸؍

نمبر ۹

آزمائش کیلیئے ‏ آزمائش کیلیئے

ڈاکٹر ایس کے برمن کی مجرب دوائیں گذشتہ ۳۰ سال سے تمام ہندوستان میں استعمال ہوتی رہی ہیں۔ اس لیئے قدیم خریدار کو مخاطب کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ صرف نئے اصحاب کے لیئے جو اشتہاری ادویات سے متنفر ہوگئے ہوں۔ یقین دلانے اور آزمائش کے لیئے یہ مندرجۂ ذیل چھ مشہور اور مجرب ادویات کا (نمونہ بکس) بنا ہے۔ جس میں اسقدر کافی ہر ایک ادویہ ہیں کہ آزمائش پورے طور سے ہوسکتی ہیں۔ یہ پیٹنٹ شیشیوں میں بھری ہوئی خوبصورت کاغذ کے بکس میں بند رہتی ہیں جن کے ساتھ انکے حالات کی چھپی ہوئی کتاب اور استعمال ترکیب بھی رہتی ہے گھر باریوں کے لیئے یہ انمول ہے۔ اور مسافرت کی حالت میں بہت کام دیتی ہے۔ تھوڑے خرچ میں ڈاکٹر ایس کے برمن کی خاص مفید دواؤں کا فائدہ ملتا ہے۔ اپنی خواہ دوسروں کی تھوڑے ہی خرچ میں بہت بہتری ہوسکتی ہے ہر ایک پوری شیشی کے دام الگ ہیں۔

دواؤں کا نام

عرق کافور۔ ہیضہ اور گرمی کے دست کی ایک ہی دوا۔

دمہ کی دوا۔ دمہ کیسا ہی زور میں ہو فوراً دباتی ہے۔

کولاٹانک۔ ہر ایک کے لیئے طاقت بڑھانے کی دوا۔

مقوی باہ کی گولیاں۔ جیسا نام ویسا فائدہ۔

جلاب کی گولیاں۔ شب کو سوتے وقت کھا لینے سے صبح کو خلاصہ اجابت ہوتا ہے۔

عرق پودینہ سبز۔ درد شکم وریاحی درد کی دوا۔

پوری حالت فہرست بلاقیمت طلب کرکے دیکھیئے۔ ادویات ہر جگہ دوکاندار یا دوافروشوں کے

ایجنسی کی شرائط بذریعہ خط طلب کیجیئے

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵و۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

مگر ... [illegible] یکتا نکلا
ہے تصور اپنا ہی اندھوں کا ذکر نہ وہ نور
جنکا اس نور کے ہوتے بھی دل اعمیٰ نکلا

پہلے ... تجھے کہ موسیٰ کا ... فرعون
ایسا چمکا ہے کہ صد تیر بیضا نکلا
جلنے سے آگے ہی یہ لوگ تو جل جاتے ہیں

پھر جو سوچا تو ہر ایک نقطہ میں نکلا
زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دنیا میں
جن کی ہر بات فقط جھوٹ کا پتلا نکلا

ان کو سودا چڑھا ہے ویدوں کا
کیا نظر آگیا ہے ویدوں کا
عقل سکھتے ہو آپ بھی سوچو
یہ سرا سر خطا ہے ویدوں کا

ان کا دل مبتلا ہے ویدوں کا
نہ کیا ہے نہ کر سکے پیدا
کیوں بھروسا کیا ہے ویدوں کا
ناشکست کے وید ہیں حامی

آریو! اسقدر کرو کیوں جوش
سوچ لو یہ خدا ہے ویدوں کا
بے خدا کوئی چیز کیوں کر ہو
بس یہی مدعا ہے ویدوں کا

ایسے مذہب کبھی نہیں چلتے
وبال سر پہ کھڑا ہے ویدوں کا

کبھی نصرت نہیں ملتی در مولا سے گندوں کو
وہی اس کے مقرب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اس سے قربت کو

کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
نہیں رہ اس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو
اسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

(المشتہر محمد رشید خاں ادنیٰ خادم مسیح الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ گوجرہ)

(مطبوعہ بدر پریس۔ قادیان)

دو تو ہر باتیں ہر وصف میں یکتا نکلا
پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقان
پھر جو سوچا تو ہر ایک لفظ مسیحا نکلا

ہے قصور اپنا ہی اندھو نکلا ورنہ وہ نور
ایسا چمکا ہے کہ صد نیر بیضا نکلا
زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دُنیا میں

جبکہ اس نور کے ہوتے بھی دل اعمیٰ نکلا
جلنے سے آگے ہی یہ لوگ تو جل جاتے ہیں
جن کی ہر بات فقط جھوٹ کا پُتلا نکلا

ان کو سودا چڑھا ہے ویدوں کا
ان کا دل مبتلا ہے ویدوں کا
آریو! اسقدر کرو کیوں جوش

کیا نظر آگیا ہے ویدوں کا
نہ کیا ہے نہ کر سکے پیدا
سوچ لو یہ خدا ہے ویدوں کا

عقل رکھتے ہو آپ بھی سوچو
کیوں بھروسا کیا ہے ویدوں کا
بے خدا کوئی چیز کیوں کر ہو

یہ سراسر خطا ہے ویدوں کا
ناستک مت کے وید ہیں حامی
بس یہی مدعا ہے ویدوں کا

ایسے مذہب کبھی نہیں چلتے
کال سر پہ کھڑا ہے ویدوں کا

کبھی نصرت نہیں ملتی در مولا سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

وہی اس کے مقرب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں رہ اس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو

یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اس سے قربت کو
اسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

(المشتہر محمد رشید خاں ادنیٰ خادم مسیح الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ گوجرہ)

(مطبوعہ بدر پریس۔ قادیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ورودل نمبر ۳

یارو جو مرد آنیکو تھا وہ تو آچکا

یہ راز تم کو شمس و قمر بھی بتا چکا

حضرت مسیح موعود والمہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کیطرف سے

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں غور کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلام پاک رحماں ہے

بہار جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے
کلام پاک یزداں کا نہیں ثانی کوئی ہرگز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعل بدخشاں ہے

خدا کے قول سے قول بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے
ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرار لاعلمی
سخن میں اس کے ہمتائی کہاں مقدور انساں ہے

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نور حق کا اس پہ آساں ہے
ارے لوگو کرو کچھ پاس شان کبریائی کا
زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے

خدا سے غیر کو ہمتا بنانا سخت کفراں ہے
خدا سے کچھ ڈرو یارو یہ کیسا کذب و بہتاں ہے
اگر اقرار ہے تم کو خدا کی ذات واحد کا
تو پھر کیوں اس قدر دل میں تمہارے شرک پنہاں ہے

یہ کیسے پڑ گئے دل پر تمہارے جہل کے پردے
خطا کرتے ہو باز آؤ اگر کچھ خوف یزداں ہے
ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اس پہ قرباں ہے

نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا

یا الٰہی ترا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ورود ل نمبر ۴

[illegible]

حضرت مسیح موعود والمہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے	قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے	نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلام پاک رحماں ہے	بہار جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں	نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے
کلام پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز	اگر لولوئے عماں ہے وگر لعل بدخشاں ہے	خدا کے قول سے قول بشر کیونکر برابر ہو
یہاں قدرت وہاں درماندگی فرق نمایاں ہے	ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرار لاعلمی	سخن میں اس کے ہمتائی کہاں مقدور انساں ہے
بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز	تو پھر کیونکر بنانا نور حق کا اس پہ آساں ہے	ارے لوگو کرو کچھ پاس شان کبریائی کا
زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے	خدا سے غیر کو ہمتا بنانا سخت کفراں ہے	خدا سے کچھ ڈرو یارو یہ کیسا کذب و بہتاں ہے
اگر اقرار ہے تم کو خدا کی ذات واحد کا	تو پھر کیوں اس قدر دل میں تمہارے شرک پنہاں ہے	یہ کیسے پڑ گئے دل پر تمہارے جہل کے پردے
خطا کرتے ہو باز آؤ اگر کچھ خوف یزداں ہے	ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ	کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اس پہ قرباں ہے
نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا	پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا	حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودہ
ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا	یا الٰہی ترا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے	جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں	مے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا	کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۴ء مطابق صفر سنہ ۱۳۳۲ھ

چندہ سالانہ

عام و طلباء سے

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جنوری سنہ ۱۹۱۴ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۞ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

یا قومنا اجیبوا داعی اللہ

تصدیق المسیح

بجواب "حقیقۃ المسیح"

جس طرف نظر اُٹھا کر دیکھو اور جس پہلو پر غور کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کی صداقت ہی صداقت نظر آتی ہے جب حضرت مسیح موعودؑ نے خدائے تعالیٰ سے الہام پاکر اپنے خدا کی طرف سے مامور ہونے اور حسب بشارات اپنی آمد کا اعلان کیا تو خدائے تعالیٰ کی قدیمہ سُنّت کے مطابق پنجاب کے اکثر مولویوں نے مخالفت کا جھنڈا اکھڑا کیا اور ایک بڑا فتنہ برپا کر دیا جس طرح مکّہ کے صنادیدنے اس کوشش میں کہ جس طرح ہوسکے اسلام کا پودہ عرب کی سرزمین میں یا کسی اور جگہ جڑھ پکڑنے نہ پائے مخالفت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اسی طرح پنجاب کے مخالف مولویوں نے ناخنوں تک زور لگا یا کہ قادیان کے مدّعی مسیحیت و مہدویت کا سلسلہ اس ملک یا دیگر بلاد میں پھیلنے نہ پائے لیکن جس طرح مکّہ کے مخالفین اسلام کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں اور باوجود اُنکی سخت جدوجہد کے اسلام ایک محکم بنیاد پر قائم ہوگیا۔ اسی طرح دشمنان سلسلہ احمدیہ کی ساری کوششیں برباد ہوگئیں اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کی بنیاد ایک محکم چٹان پر خدائے تعالیٰ کے فضل اور رحم سے قائم ہوگئی۔ فسبحان الذی بیدہ ملکوت کلّ شیءٍ۔ آخر جس طرح مکّہ کے دشمن

کوشش کرتے کرتے تھک گئے اور ناکامی کے طمانچے کھا کھا کر آخر مایوس ہو گئے اسی طرح پنجاب کے مخالف بھی آخر ہار گئے کئی ناکامی کے دکھ میں ہی مر گئے۔ اور کئی مایوس ہو کر خاموش ہو گئے اور جس فتنہ کی آگ کو ان لوگوں نے بھڑکایا تھا وہ آگ بجھ گئی اور احمدی جماعت کے لیئے عام طور پر ملک پنجاب میں چین اور راحت کے دن آ گئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ وہ شور و غوغا جو ابتداء میں مخالفوں نے مچایا تھا وہ اب مٹ گیا ہے۔ اور جن لوگوں نے ابتداء میں مخالفت کا بیڑا اُٹھایا تھا وہ اب نابود ہو چکے ہیں اور اگر کبھی کبھی کوئی شخص اب مخالفت کی آواز اٹھاتا ہے تو یہ شاذ و نادر کی طرح ہے اور خدائے تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ جس ہاتھ نے پہلے مخالفوں کا منہ بند کیا وہی ہاتھ اب ان لوگوں کے منہ بھی بند کر دیگا۔ اور اس رہی سہی مخالفت کا بھی نام و نشان نہ رہے گا۔ ابتدائی زمانہ سے اسوقت تک ایک عجیب تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب ہمارے برخلاف کافر کافر کی آواز بلند کیجاتی تھی اور اب ایک یہ زمانہ ہے کہ ہماری نسبت یہ شکایت ہے کہ یہ لوگ۔ غیر احمدی مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب میں لوگوں کے خیالات میں ایک حیرت انگیز تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔ اگر اسوقت اُنکی نظروں میں احمدی جماعت کی وہی حیثیت ہوتی جو ابتدائی زمانہ میں وہ ہماری حیثیت سمجھتے تھے تو اُن کو اس بات کی کیا پروا تھی کہ ہم اُنکو کافر سمجھتے ہیں یا مسلمان اگر ہم انکی نظر میں کافر تھے تو خواہ ہم اُنکی نسبت کیسا ہی بُرا خیال رکھتے اُنہیں ہمارے خیال کی کچھ پروا نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ اور ہمارے فتوے کی اُنکی نظر میں کچھ حقیقت نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن اب دیکھا جاتا ہے کہ وہ اس خیال پر بہت گھبراتے ہیں اور اُن کی خواہش ہے کہ اُنکی نسبت ایسا فتوی جماعت احمدیہ کی طرف سے نہیں ہونا چاہیئے۔ اگرچہ اُن کی یہ گھبراہٹ بے جا ہے اور اُنہیں کسی جماعت کے فتوے کی پروا نہیں کرنی چاہیئے بلکہ خدا کے فتوے سے ڈرنا چاہیئے تا ایسا نہ ہو کہ وہ خدا کے فرستادہ نبیوں کے موعود۔ مسیح معہود۔ مہدی مسعودؑ کا انکار کرکے خدا کے نزدیک مجرم ٹھہرائے جائیں اور آیت لا نفرق بین احد من رسلہ کا عملی رنگ میں انکار کرکے ایمان کی دولت سے محروم رہ جائیں۔ مگر پھر بھی اُن کی یہ گھبراہٹ ظاہر کرتی ہے کہ اب ہماری جماعت کا اُن کے دلوں پر ایک رُعب ہے اور اب اس جماعت کو اُس نظر سے نہیں دیکھا جاتا جس نظر سے اس سے پہلے دیکھا جاتا تھا یعنی اس جماعت کی نسبت اب خیالات میں ایک تغیر عظیم واقع ہو چکا ہے اور بجائے اسکے

کہ لوگ ہم سے نفرت کا اظہار کریں وہ ہمارے ساتھ ملاپ کی خواہش کرتے ہیں۔ چند سال میں اسقدر تغیر کچھ تھوڑی کامیابی نہیں۔ پس پنجاب کا میدان جماعت احمدیہ کے لیئے صاف ہو چکا ہے۔
لیکن جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پہلے مسلمانوں کو گھر کے دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا اور جب گھر میں کوئی قوم اسلام کا مقابلہ کرنے والی نہ رہی تو پھر دُور دُور کی قوموں نے مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار اُٹھائے اور خلفائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُور دُور کے علاقوں میں فوجیں بھیجنی پڑیں۔ اسی طرح اس زمانہ میں بھی جب پنجاب کا میدان صاف ہوگیا اور پنجاب کے پُرانے دشمن مغلوب ہوگئے تو پھر دُور دُور کے علاقوں کے مخالفوں نے سر اُٹھایا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح کو یہ ضرورت پیش آئی کہ وہ دُور کے علاقوں میں وفد بھیجکر مخالفین کے حملوں کا جواب دیں۔ اور حق کا پیغام پہنچا کر خدا کے فضل و رحم کے ساتھ فتوحات کا دروازہ کھولیں۔ سو ان دُور دراز علاقوں میں سے ایک بنگال و بہار کا علاقہ ہے اب اس علاقہ کے مولوی صاحبان کی باری آئی ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی قدیم سُنت کے مطابق خدائے تعالیٰ کے مامور کا مقابلہ کریں۔ اُس علاقہ میں احمدیت کو بڑھتے ہوئے دیکھکر بعض مولوی صاحبان بہت گھبرائے ہیں اور پنجاب کے مولویصاحبان کی طرح وہ اب اس کوشش میں ہیں کہ جس طرح ہو سکے لوگوں کو خدا کے مامور مسیح موعود و مہدی معہود کی طرف آنے سے روکیں اور جو جو طریق صدّ عن سبیل اللہ کے لیئے بعض مولویان پنجاب نے اختیار کیئے تھے وہی اب ان علاقوں میں اختیار کیئے جارہے ہیں تکفیر کے فتوے جاری ہو رہے ہیں۔ غلط بیانیوں اور طرح طرح کے حیلوں سے عوام کو دھوکہ دینے اور سلسلہ احمدیہ کے برخلاف اُنکے جذبات کو اکسانے کی کوشش کیجارہی ہے مگر پنجاب میں جس طرح یہ سب کوششیں ناکام رہیں اسی طرح خدا کے فضل و رحم سے اُمید ہے کہ ان علاقوں میں بھی ان لوگوں کی کوششیں ناکام رہیں گی اور جس طرح پنجاب میں باوجود سخت کوشش مخالفانہ کے سلسلہ حقہ احمدیہ پھیلنے سے رُک نہ سکا ایسا ہی انشاء اللہ تعالیٰ ان علاقوں میں ہوگا۔
ان مولویصاحبان میں سے جو آجکل بنگال و بہار کی طرف سلسلہ احمدیہ کی ترقی کو روکنے کے لیئے بہت کوشش کر رہے ہیں ایک صاحب ابو احمد رحمانی نام ہیں جنہوں نے چند رسالے حضرت مسیح موعودؑ مہدی مسعودؑ کی مخالفت میں تحریر کیئے ہیں۔ اسوقت اُن کا ایک رسالہ حقیقۃ المسیح ہمارے سامنے ہے۔ اس میں اُنہوں نے عجیب طور سے حق کی مخالفت کی ہے اور حق کی مخالفت

میں وہ اس قدر حد سے بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ انکی تحریر سے خود قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کی تکذیب ہوتی ہے۔

ذیل میں ہم مصنف حقیقۃ المسیح کے وہ بڑے بڑے اعتراضات درج کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ پر کیئے ہیں اور ناظرین دیکھیں گے کہ جو اعتراض وہ اپنے زعم میں حضرت مسیح موعودؑ پہ کرتے ہیں اگر انکو درست اور صحیح مانا جائے تو نعوذ باللہ قرآن شریف غلط ٹھہرتا ہے اور تمام انبیاءؑ کی صداقت پر حرف آتا ہے۔

وہ اپنی کتاب کو ان الفاظ کے ساتھ شروع کرتے ہیں "مسلمانوں کے لیئے اور انکے مقدس مذہب کے لیئے یہ وقت کسقدر نازک ہے اور کس کس طرح سے اس پر حملے ہو رہے ہیں اور کتنے دشمنان اسلام اُس کے مٹا دینے کے فکر میں ہیں"۔ مصنف حقیقۃ المسیح کا یہ بیان بالکل درست ہے مگر انہوں نے غلطی کی کہ ایسے الفاظ کے ساتھ اپنی کتاب کو شروع کیا کیونکہ ان الفاظ سے تو حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے کی تصدیق اور تائید ہوتی ہے۔ جب اسلام پر یہ ایک نازک وقت تھا جسکی نظیر گذشتہ زمانوں میں نہیں مل سکتی تو کیا یہ ضروری نہ تھا کہ ایسے وقت میں خدائے تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق چودھویں صدی کے سر پر ایک مجدد کو مبعوث فرماتا۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون اسی وعدہ کے مطابق خدائے تعالیٰ ہمیشہ اپنے پاک کلام کی حفاظت فرماتا رہا ہے اور یہ حفاظت دو طرح کی ہے ایک ظاہری اور دوسری معنوی۔ ظاہری حفاظت تو خدائے تعالیٰ نے حفاظ اور قرّاء کے ذریعہ کی اور معنوی حفاظت کے لیے مجددوں کا سلسلہ قائم کیا مگر مصنف حقیقۃ المسیح کا یہ دعویٰ ہے کہ اگرچہ اسوقت اسلام اور قرآن شریف پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں مگر خدا کی طرف سے اس صدی کے سر پر اسلام کی حمایت کے لیئے کوئی مامور مبعوث نہیں کیا گیا اور اس صدی کا تیسرا حصہ گذر چکا ہے مگر ابھی تک کوئی مجدد ظاہر نہیں ہوا اور جو شخص آیا ہے وہ (نعوذ باللہ) کاذب ہے۔ یہ خوب حفاظت اسلام ہے شائد مصنف حقیقۃ المسیح خود مدعی مجددیت ہوں کیونکہ انکی کتاب کے سرورق پر انکے نام کے ساتھ مجدد دوران کا لقب لگایا گیا ہے اور وہ قوم کو یا قومنا اجیبوا داعی اللہ کے الفاظ کے ساتھ مخاطب کرتے ہیں اور چونکہ قرآن شریف میں یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں آئے ہیں جو خدا کے برگزیدہ نبی تھے اسلیئے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف حقیقۃ المسیح بھی اس زمانہ میں نبی یا مامور من اللہ ہونیکا

دعویٰ کرتے ہیں لیکن چونکہ انہوں نے کھولکر اپنے دعویٰ کو پیش نہیں کیا اسلیئے ہم اسوقت کچھ رائے زنی نہیں کرسکتے۔ مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اُنکو مامور من اللہ اور مجدد دوران بننے کا شوق ضرور ہے غرض اُنکا یہ کہنا کہ یہ زمانہ اسلام کے لیئے ایک نازک زمانہ ہے اور کہ اُسپر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں اس بات کی ایک شہادت ہے کہ مسیح موعود عین وقت پر ظاہر ہوئے۔ اور یہ کہ آپ کا یہ فرمانا کہ

آسماں بارد نشاں الوقت مے گوید زمین

بالکل درست ہے اور مؤلف حقیقۃ المسیح دوسرے لفظوں میں خود اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ عین وقت پر ظاہر ہوئے۔ مگر ایک بڑی وجہ جو مصنف حقیقۃ المسیح حضرت مسیح موعودؑ کے نہ ماننے کے لیئے پیش کرتے ہیں یہ ہے کہ اُنکے آنے سے مسلمانوں کی نکبت و ادبار میں کچھ کمی واقع نہیں ہوئی وہ پوچھتے ہیں کہ "مرزا صاحب دعوے کے بعد عرصہ تک دنیا میں رہے اتنے عرصہ میں مسلمانوں کو کیا عروج ہوا؟" پھر لکھتے ہیں کہ "مسلمانوں کو دینی اور دنیاوی ہر قسم کا تنزل ہوا اور ہو رہا ہے۔ اسلامی حکومتیں جہاں تھیں اُن کا خاتمہ اُنہیں کے عہد میں گویا ہوگیا اور ہو رہا ہے۔ مسلمان رئیس کسقدر تباہ ہوگئے اور اُن کی ریاستیں غیروں کے پاس چلی گئیں اور جارہی ہیں" پھر لکھتے ہیں "مسلمانوں کی دینی اور دنیوی حالت روز بروز بدتر ہوتی جاتی ہے" مصنف صاحب ان باتوں سے یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نعوذ باللہ سچے نہ تھے۔ حالانکہ یہی باتیں اُنکی صداقت کا ثبوت ہیں۔ مصنف صاحب خود ہی بتلائیں کہ خدائے تعالیٰ کے مرسلین کے منکروں کا کیا حال ہوا کرتا ہے اور اُنکو اُنکے انکار کا کیا پھل ملا کرتا ہے۔ کیا یہی کہ دنیا میں اُنکی عزت زیادہ ہو اور اُنکی سلطنت زمین پر مستحکم ہو جائے یا یہ کہ ذلیل ہوں اور ناکامی کا مزہ چکھیں۔ قرآن شریف رسل و انبیاء کے مخالفین کا کیا نقشہ کھینچتا ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرکے کیا دیکھا۔ ابوجہل کی جماعت نے کیا ترقی کی۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے زمانہ کے یہود نے کونسی عزت حاصل کی۔ مصنف حقیقۃ المسیح مجدد دوران اور داعی اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اُنکو اتنا بھی علم نہیں کہ انکار کی سزا عزت نہیں بلکہ ذلت ہوتی ہے اور انبیاء کی مخالفت کا پھل کامیابی نہیں بلکہ ناکامی ہوتا ہے۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ ایک طرف تو وہ یہ لکھتے ہیں کہ سوائے ایک تھوڑی سی جماعت کے باقی مسلمانوں نے حضرت مسیح موعودؑ کا انکار کیا دوسری طرف وہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا

مسلمانوں کا ادبار

تنزل کیوں ہو رہا ہے۔ ترقی کیوں نہیں ہوتی۔ کیا قرآن شریف میں سچائی کا یہی معیار لکھا ہوا ہے کہ انبیاءؑ کے انکار اور اُنکی مخالفت سے مخالفین اور منکرین کی عزت بڑھتی اور اُنکی شوکت ترقی کرتی ہے۔ کیا خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں یہ نہیں فرماتا اوفوا بعھدی اوف بعھدکم کیا اس زمانہ میں خدائے تعالیٰ کی سُنّت بدل گئی تھی۔ اگر خدا کے مرسلوں کے انکار سے دینی اور دنیوی ترقی حاصل ہوتی ہے تو پھر اُن کو ماننے کی کیا ضرورت اور اُن کو قبول کرنے کی کیا حاجت؟ مولوی صاحب بتلائیں کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا انکار کرکے اُسکی قوم نے کیا فائدہ حاصل کیا تھا۔ کیا اُنکی قوم کو دینی و دنیوی ترقی حاصل ہوئی تھی یا تنزل؟ اگر اُنکو مسیح کے انکار سے دینی و دنیوی ترقی حاصل ہوئی تھی تو پھر بے شک مولوی صاحب (مصنف حقیقۃ المسیح) کو یہ ضرور حق پہنچتا تھا کہ وہ پوچھیں کہ مسیح اسرائیلی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے منکروں کو تو دینی و دنیوی ترقی حاصل ہوئی تھی مگر مسیح محمدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے منکروں کو دینی و دنیوی ترقی حاصل نہیں ہوئی بلکہ اُسکی بجائے تنزل و ادبار شروع ہو گیا ہے۔ غالباً حضرت مسیح ناصری علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی بعض یہودی مولویوں نے مولانا ابو احمد رحمانی کی طرح یہ اعتراض کیا ہوگا کہ یہ مسیح کس طرح سچا ہو سکتا ہے جبکہ اسکے آنے سے ہمیں کوئی عروج اور ترقی حاصل نہیں ہوئی اور بنی اسرائیل کی نکبت و ادبار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اگر مولوی ابو احمد صاحب اپنی اعتراض کی لغویت کو دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ تھوڑی دیر کے لیئے اپنے تئیں ایک اسرائیلی مولوی قرار دیں اور پھر یہی اعتراض اسرائیلی مسیح کے حق میں کریں تب اُنپر یہ کھل جائیگا کہ اُن کا یہ اعتراض کیسا بیہودہ ہے۔ حضرت مسیح اسرائیلی اور حضرت مسیح محمدی علیہما السلام کے حالات بالکل مشابہ ہیں۔ یعنی جس طرح مولوی ابو احمد صاحب اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے آنے سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا۔ بلکہ اُنکے آنے کے بعد اُنکے ادبار و نکبت میں ترقی ہوئی۔ اسی طرح یہودی مولوی بھی بالکل یہی اعتراض کر سکتے تھے کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی آمد سے ہماری قوم کو کیا فائدہ پہنچا بلکہ الٹا اُنکی آمد کے بعد ہمارے ادبار و نکبت نے ترقی کی۔ پس اگر مولوی ابو احمد صاحب کا اعتراض بجا ہے تو پھر ایک یہودی مولوی کا اعتراض بھی بجا سمجھنا چاہیئے کیونکہ دونوں صورتیں یکساں ہیں۔ اگر ایک صورت میں اعتراض درست

تو دوسری صورت میں بھی درست سمجھنا چاہیئے۔ مولوی صاحب فرمادیں کہ کیا حضرت مسیح اسرائیلی کی آمد سے یہودی قوم کا ادبار بڑھا تھا اور تاریخ زمانہ اور موجودہ حالات اسکی گواہی دیتے ہیں پس مولویصاحب فرمادیں کہ کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح نعوذ باللہ سچے نبی نہیں تھے۔ اگر یہ ثابت نہیں ہوتا تو پھر آپ کیوں مسلمانوں کے ادبار کو اس دعوے کی تائید میں پیش کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نعوذ باللہ سچے نہ تھے۔ مولوی صاحب! کیا آپ کو معلوم ہے کہ کیوں یہود کا ادبار بڑھا؟ اسلیئے کہ اُنہوں نے خدا کے مرسل کا انکار کیا اور اُسپر طرح طرح کے بہتان لگائے اور بجائے اسکے کہ اُسکی پیروی کرتے اُسکی مخالفت کی۔ کیا یہودی قوم کو حضرت مسیح اسرائیلی کی آمد پر بڑی بڑی اُمیدیں نہ تھیں۔ کیا وہ آپ کی طرح یہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ جب مسیح موعود آئے گا تو یہودی قوم کو دینی دنیاوی عروج حاصل ہوگا اور اُن کا سارا ادبار جاتا رہیگا اور وہ دین و دنیا میں عزت حاصل کرینگے کیا اُنکی کتابوں میں مسیح اسرائیلی کی آمد کے متعلق بڑے بڑے وعدے موجود نہ تھے؟ مگر کیا یہ سارے وعدے اور یہ ساری اُمیدیں مسیح کو قبول کرنے اور اسکی اتباع کے بغیر پوری ہوسکتی تھیں۔ اگر یہود حضرت مسیح کو قبول کرتے تو ضرور وہ دین و دنیا میں عزت پاتے۔ اور اے مولوی صاحب! اگر آپ لوگ بھی دین و دنیا میں عزت حاصل کرنا چاہتے ہو اور اُن وعدوں کے وارث بننا چاہتے ہو جو مسیح موعودؑ کے متعلق تم پیش کرتے ہو تو آؤ حضرت مسیح موعودؑ کو قبول کرو۔ قبول کرنے کے بغیر تم اپنے حق میں ان وعدوں کے پورا ہونے کے کس طرح امیدوار ہوسکتے ہو۔ مولویصاحب کے فہم پر مجھے تعجب آتا ہے آپ مسیح موعودؑ کو قبول کرنے سے تو انکار کرتے ہیں پھر پوچھتے ہیں کہ ہم دین و دنیا میں کیوں تنزل کر رہے ہیں اور کیوں ہمارا ادبار ترقی پر ہے۔ مولوی صاحب! آپ ذرا سوچکر بات کریں۔ کیا خدا کے مرسلین کے انکار کا یہی ثمرہ ہوتا ہے کہ دین و دنیا میں ترقی ہو کیا آنیوالے مسیح موعودؑ کے لیئے یہ امر بطور نشان کے بتلایا گیا تھا کہ اُسکے انکار سے دینی و دنیوی ترقی ملے گی اور اقبال بلند ہوگا۔ کیا قرآن شریف نے مرسلین کی صداقت کی یہی علامت بیان فرمائی ہے کہ اُنکے انکار پر انعام ملے گا اور اُنکے قبول کرنیوالے مستوجب سزا ٹھہرینگے۔ کیا ایسا معیار قائم کرنے سے قرآن شریف کی تصدیق ہوتی ہے یا تکذیب۔ مولویصاحب! کیا آپ کو اوفوا بعھدی اوف بعھدکم کا الٰہی فرمان بھول گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے مامور کے انکار سے ان

کہ وہ معلوم ہوا تھا قرآن شریف تو کئی شہادت دیتا ہے کہ یہودی قوم کا ادبار بڑھا تھا

لوگوں کی عقلوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ افلا یتدبرون القرآن ام علیٰ قلوب اقفالھا؟

پھر ایک اور اعتراض مولوی صاحب موصوف نے یہ بیان کیا ہے کہ "مرزا صاحب کو دعویٰ نبوت ہے تو انبیائے کرام کی حالت کو دیکھنا چاہیئے۔ اولیائے کرام کی روش پر نظر کرنا چاہیئے کہ انکی کیا حالت تھی۔ جتنے انبیاء گذرے اور جسقدر اولیائے ذی شان ہوئے سب کی مخالفت کی گئی اور بہت زور کے ساتھ مقابلہ کیا گیا اور کوئی دقیقہ اُن کی ایذا دہی میں اٹھا نہیں رکھا گیا مگر اس مقدس گروہ نے بجز صبر و تحمل کے کچھ نہیں کیا۔ نہ کسی نے اپنی تعریف اور مدح کے الہامات جمع کر کے لوگوں کو دکھلائے نہ اپنے دعووں کے ثبوت میں دلیلیں لکھکر مشہور کرائیں۔ نہ مخالفین کے ردّ و کدّ میں رسالوں کی بوچھاڑ کی نہ اپنی تحریروں میں خدا اور رسول کے ماننے والوں پر موٹے موٹے اور لمبے حرفوں میں لعنتوں کی قطار برسائی۔ نہ کسی مخالف کو بندر اور سور بنایا۔"

ہمارے مخالف مولوی علم قرآن و حدیث کا بڑا دعویٰ کرتے ہیں مگر جب کسی بیان کے لیئے اپنی زبان کھولتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے قرآن کو کبھی دیکھا بھی نہیں۔ جب علماء کا یہ حال ہے تو عوام الناس کا کیا حال ہوگا۔ پھر بھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سب کچھ ہے۔ ہمیں مامور اور معلم کی کیا ضرورت۔ جب علم کا یہ حال ہے تو عمل اور ایمان کا کیا حال ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جب کہ قرآن زمین پر سے اٹھا لیا جائیگا۔ یہ علماء اپنے حال سے شہادت دے رہے ہیں کہ واقعی قرآن اور ایمان زمین پر سے اٹھا لیے گئے تھے اور کہ درحقیقت اب ضرورت تھی کہ ان چیزوں کو پھر زمین پر قائم کرنے کے لیئے خدا کی طرف سے کوئی شخص مامور ہو کر کھڑا ہوتا۔ مولوی صاحب کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہر ایک نبی جو دنیا میں آیا اُس نے خدا کی طرف سے اپنے مامور ہونیکا نہایت ہی کھلے اور پُر زور الفاظ میں دعویٰ پیش کیا اور اپنی قوم کو کھولکر سنایا کہ خدا نے مجھے تمہاری طرف رسول کر کے بھیجا ہے اور پھر صرف دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ اپنے دعوے کی تائید میں بڑے بڑے زبردست ثبوت بھی پیش کیئے یہ کہنا انبیاء کے حق میں ایک سخت بے ادبی ہے کہ انہوں نے اپنے رسول اور مامور ہونیکا اعلان نہیں کیا اور اپنی نبوت کا دعویٰ پیش نہیں کیا۔ یا دعویٰ تو کیا مگر اسکی تائید میں کوئی ثبوت پیش نہیں کیئے۔ گویا اُنکا دعویٰ ایک دعویٰ بے دلیل تھا۔ سب نے بڑے زور سے اپنے رسول ہونیکا

نئے مامور کی ضرورت

دعویٰ کیا اور بڑی تحدی سے کہا کہ جو شخص ہمارا انکار کریگا وہ ہلاک ہوگا اور یہ کہ ہمارے ماننے اور ہماری اطاعت اختیار کرنے کے بغیر کوئی شخص نجات حاصل نہیں کرسکتا۔

قرآن شریف میں صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ ہر ایک نبی نے بڑے زور سے اپنی قوم کے سامنے اپنے مامور اور مرسل ہونیکا دعویٰ پیش کیا اور نہ صرف دعویٰ ہی پیش کیا بلکہ اُس دعوے کی سچائی کے دلائل اور ثبوت بھی ساتھ ہی پیش کیے۔ دیکھو حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو کہتے ہیں یٰقوم ارأیتم ان کنت علیٰ بینة من ربی و اٰتنی رحمة من عندہٖ فعمیت علیکم (سورہ ہود رکوع ۳) پھر حضرت صالح فرماتے ہیں یٰقوم ارأیتم ان کنت علےٰ بینة من ربی و اٰتنی منہ رحمة فمن ینصرنی من اللہ ان عصیتہ (سورہ ہود رکوع ۶) پھر حضرت شعیب فرماتے ہیں یٰقوم ارأیتم ان کنت علیٰ بینة من ربی ورزقنی منہ رزقاً حسناً (سورہ ہود رکوع ۸) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ولقد ارسلنا موسیٰ باٰیٰتنا و سلطٰن مّبین۔ ان آیات بیّنات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ کسی نبی نے اپنا دعویٰ بلا دلیل پیش نہیں کیا بلکہ سب نے اپنے دعوے کی تائید میں بینہ۔ سلطٰن اور آیات پیش کیے۔ اسی سورہ ہود میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے افمن کان علےٰ بیّنة من ربہ (سورہ ہود رکوع ۲) خدائے تعالیٰ کُل انبیاء کی نسبت فرماتا ہے کہ انہوں نے صرف دعویٰ بلا دلیل ہی پیش نہیں کیا بلکہ اپنے دعوے کو مبرہن و مدلل کرکے پیش کیا۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فان کذّبوک فقد کذّب رسل من قبلک جاؤ بالبینات والزبر والکتٰب المنیر۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں "جتنے انبیاء گذرے اور جسقدر اولیا ذی شان گذرے (انہوں نے) نہ اپنے دعووں کے ثبوت میں دلیلیں لکھکر مشہور کرائیں نہ مخالفین کے ردّ و کد میں رسالوں کی بوچھاڑ کی" اولیائے [illegible] تو یہاں بحث نہیں۔ انبیاءؑ کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ جاؤ بالبینٰت والزبر [illegible]ب المنیر۔ یعنی انبیاءؑ نے واضح دلائل بھی پیش کیے۔ چھوٹے رسالے اور بڑی کتابیں [illegible]ائع کیں۔ پھر مولوی صاحب کیوں فرماتے ہیں کہ گذشتہ انبیاءؑ نے اپنے دعووں کے

ثبوت میں دلیلیں مشہور نہ کرائیں اور نہ رسالے شائع کیئے اور مرزا صاحب اپنے دعوے کے ثبوت میں دلائل مشہور کراتے ہیں اور رسالے شائع کرتے ہیں۔ مولویصاحب! اگر آپنے پہلے کبھی قرآن شریف نہیں پڑھا تھا تو کم از کم اس رسالہ کے لکھنے سے پہلے تو ایک نظر دیکھ لیتے تا ایسی فاش غلطیوں سے محفوظ رہتے۔ مولویصاحب حضرت مسیح موعودؑ کے رسالوں پر اسقدر کیوں چڑتے ہیں۔ شائد دل میں یہ غصہ ہے کہ مسیح موعود تو چاہیئے تھا کہ تلوار لیکر آتا۔ جو تمام منکران اسلام کا سر قلم کر دیتا۔ یہ سلطان القلم مسیح کیسے پیدا ہو گیا۔ مولوی صاحب۔ قلم خدا کی نظر میں ایسی حقیر چیز نہیں جیسی آپنے سمجھ رکھی ہے - آپ رسالوں کی بوچھاڑ اور دلائل کے لکھنے کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مگر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اقرا باسم ربك الذي خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقرا وربك الاكرام الذي علم بالقلم۔ علم الانسان مالم یعلم۔ سب سے پہلی آسمانی آواز جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں پُہنچی۔ وہ یہی تھی کہ اقراء پڑھ۔ اور پڑھی وہی چیز جاتی ہے جو لکھی ہوئی ہو۔ مگر یہ مولوی صاحب ہیں جو لکھنے کو اسقدر حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور رسالوں کی بوچھاڑ کو بُرا سمجھتے ہیں۔ پھر خدائے تعالیٰ اپنی مدح میں فرماتا ہے کہ تیرا صاحب اکرام رب وہ ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور قلم کے ذریعے انسان کو وہ وہ چیزیں سکھائیں جن کا اُسکو علم نہ تھا۔ مولوی صاحب۔ جب قلم ایسی چیز ہے تو کیا یہ ضروری نہ تھا کہ اس علم و ہنر کے زمانہ میں جو اذا الصحف نشرت کا زمانہ ہے مسیح موعودؑ بھی قلم کے ساتھ ظاہر ہوتا اور قلم کے ہی ذریعہ دنیا کو تعلیم دیتا۔ پھر قلم کا درجہ اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو وہ سورۃ تلاوت فرما دیں جس کو قلم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ وہ سورہ اس طرح پر شروع ہوتی ہے ن والقلم و مایسطرون اس میں خدائے تعالیٰ نے قلم کی اور لکھے ہوئے علوم کی قسم کھائی ہے۔ مگر ہمارے ملک کے مولوی کچھ تلوار کے ایسے دلدادہ ہیں کہ جب اُنکو قسم کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ اس غلبۂ قلم کے زمانہ میں بھی سیف و سنان کی ہی قسم کھاتے ہیں۔

غرض مولوی صاحب کا یہ اعتراض کرنا کہ یہ اپنے دلائل کو لکھکر کیوں شائع کرتے ہیں اور کیوں رسالوں کی بوچھاڑ برساتے ہیں نہایت ہی حیرت انگیز امر ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

طریق نہیں ہے۔ دوسرے انبیاء کا ذکر تو فی الحال چھوڑ دو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر غور کرو۔ سارا قرآن آپکی رسالت کے دعوے اور دلائل سے بھرا ہُوا ہے اور مخالفوں پر بھی آیاتِ قرآنی کی ایک سخت بوچھاڑ برسائی گئی ہے اور ان آیات کو صحابہؓ نوک زبان یاد کیا کرتے اور اس طرح ان دلائل اور اس بوچھاڑ کی خوب اشاعت کیجاتی تھی۔ پھر بھی مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ انبیاء کا طریق نہیں ہے اگر مولوی صاحب کو اس بات کا علم نہیں کہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے دلائل سے بھرا ہُوا ہے اور دشمنوں پر بھی خوب بوچھاڑ برسائی گئی ہے، تو وہ چند روز قادیان دارالامان میں آکر حضرت خلیفۃ المسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درسِ قرآن سنیں تا اُنپر یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ قرآن شریف میں نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوئ نبوت کا ذکر ہے بلکہ اس دعویٰ کو نہایت ہی پُر زور اور پُر شوکت دلائل کے ساتھ مبرہن بھی کیا گیا ہے۔

قرآن شریف کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُسکے رسولوں پر بھی ایمان لانا لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ اگر ایک شخص خدائے تعالیٰ کو ماننے کا دعویٰ کرتا ہے مگر اُس کے کسی رسول کا انکار کرتا ہے تو وہ قرآن شریف کے رُو سے مومن کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ اگر کسی کو میرے اس بیان پر شک ہو تو وہ قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ کرے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا اولئک ھم الکفرون حقا واعتدنا للکفرین عذابا مھینا۔ والذین امنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا بین احد منھم اولئک سوف یؤتیھم اجورھم وکان اللہ غفورا رحیما۔ ان آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا کے ماننے کے مدعی ہیں مگر خدا کے رسولوں کا یا اُن میں سے بعض رسولوں کا انکار کرتے ہیں تو وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک مومن نہیں کہلا سکتے۔ جب رُسل کا ماننا ایسا ضروری ہے تو پھر یہ کیسا ضروری ہے کہ خدا کا رسول صرف اپنے دعوے نبوت ورسالت کو ہی پیش نہ کرے بلکہ اپنے دعوے کے دلائل کو کھولکر

بیان کرے۔ اور اُن دلائل کو خوب شائع کرے اور جہاں تک اُس سے ہو سکے انکا اعلان کرے اور جو جو ذرائع اُن دلائل کی اشاعت کے ہو سکتے ہیں اُن سب کو کام لے تا لوگ اُسپر ایمان لا کر نجات حاصل کریں۔ اور جو جو اُنپر اعتراضات کیے جاتے ہیں اُن سب کو دفع کرنے کی کوشش کرے تا لوگ شبہ میں پڑ کر ہلاک ہو جاویں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ۔ یعنی ہم رسولوں کو اسلیئے بھیجتے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اذن کے ساتھ ان کی اطاعت اختیار کریں جب لوگوں پر رسولوں کی اطاعت کرنا فرض ہے، تو اُن رسولوں کے لیئے یہ لازمی ہے کہ وہ تمام لوگوں کو کھولکر اپنی رسالت کا پیغام پہنچاویں اور اپنے رسول ہونے کے ثبوت بھی واضح اور مکمل طور پر شائع کر دیں۔ کیونکہ جب لوگوں پر اُنکی اطاعت فرض ہے تو لوگوں کا یہ بھی حق ہے کہ جسقدر دلائل اپنی رسالت کے رسولوں کے پاس ہوں وہ جس طرح ہو سکے لوگوں میں شائع کر دیئے جاویں اور جو جو شبہات لوگوں کو انکی رسالت کے بارہ میں پیدا ہوتے ہیں اُنکا ازالہ بھی خوب کھولکر کر دیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو وہ اپنے فرض کو ادا کرنے والے نہیں کہلا سکتے۔ مگر مولوی ابو احمد صاحب نے رسالت کا عجیب معیار ٹھہرایا ہے۔ وہ اسی بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ واقعی خدا کے رسول تھے اور خدا کی طرف سے نبی ہو کر آئے تھے تو اُنہوں نے کیوں "اپنے دعووں کے ثبوت میں دلیلیں لکھکر شائع کرائیں" اور کیوں "مخالفین کے ردّ و کد میں رسالوں کی بوچھاڑ کی"۔ مولوی صاحب کی اس بات پر ہمیں بار بار تعجب آتا ہے۔ کیونکہ جس بات کا کرنا ایک نبی اور رسول کے لیئے لازم ہے اُسی کے متعلق مولوی صاحب اعتراض کرتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ خدائے تعالیٰ کے رسول اور نبی تھے تو انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ انکو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ایسا کرنا اُنکی صداقت کا ایک نشان ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرتے تو پھر اُنپر الزام آسکتا تھا کہ اگر وہ نبی اور رسول تھے تو انہوں نے کیوں اپنے دعووں کے ثبوت میں دلیلیں لکھکر شائع نہ کرائیں اور کیوں مخالفین کے ردّ و کد میں رسالوں کی بوچھاڑ نہ کی۔ دیکھو ہمارے مسلمانوں کی ناواقفیت کس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اُنکو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہر ایک نبی اور رسول اپنے دعوے کو علی الاعلان پیش کیا کرتا ہے اور اپنی صداقت کے دلائل کو خوب شائع کرتا ہے اور مخالفوں کے اعتراضات سُنکر خاموش نہیں بیٹھ رہتا بلکہ جہاں تک

اُس سے بن پڑتا ہے اُن کا جواب دیتا ہے مگر ہمارے زمانہ کے مولوی صاحب ہیں جو کہتے ہیں کہ نبی ایسا نہیں کیا کرتے اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا کیا اسلیئے وہ نبی نہیں ہو سکتے۔ جب اس زمانہ کے علماء کے علم و معرفت کا یہ حال ہے تو کیا اب بھی وہ یہ کہیں گے کہ اس زمانہ میں کسی مرسل من اللہ کی ضرورت نہ تھی۔

اولیائے کرام اور انبیاءؑ

پھر مولوی صاحب لکھتے ہیں "مرزا صاحب کو دعویٰ نبوت ہے تو انبیائے کرام کی حالت کو دیکھنا چاہیئے۔ اولیائے کرام کی روش پر نظر کرنا چاہیئے کہ اُن کی کیا حالت تھی" یہ تو مولوی صاحب نے بالکل ٹھیک فرمایا کہ چونکہ مرزا صاحب کو دعویٰ نبوت ہے اسلیئے انکی صداقت کی پہچان اس طرح ہو سکتی ہے کہ انبیائے کرام کی روش کو دیکھا جاوے اور منہاج نبوت کی کسوٹی پر آپکے دعوے کو پرکھا جاوے مگر مولویصاحب کا یہ فرمانا کہ اُنکے دعویٰ نبوت کے جانچنے کے لیئے اولیاء کے حالات پر نظر کیجائے نہائت ہی تعجب انگیز ہے۔ ایک نبی اور رسول کا ایک غیر مامور بزرگ پر قیاس کرنا یہ مولوی ابو احمد صاحب کا ہی کام ہے۔ مولوی صاحب کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ نبی اور رسول خدا کی طرف سے مامور ہوتا ہے اور وہ حکم است ز آسماں بزمیں مے رسانمش پر عمل کرتا ہے اسلیئے اُن کی حالت کا ایسے لوگوں پر قیاس کرنا جو خدا کی طرف سے رسول اور نبی ہو کر کھڑے نہیں ہوتے قیاس مع الفارق ہے۔ شائد مولویصاحب کو میری یہ بات اچھی طرح سمجھ میں نہ آئے اسلیئے میں ایک ایسی مثال سے اُن کو یہ بات سمجھاتا ہوں جس سے انشاء اللہ تعالیٰ اُنکو بخوبی سمجھ آجائے گا کہ خدا کے نبیوں اور مشائخ کے گروہ میں کیا فرق ہے۔ غالباً مولوی صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے تو انکار نہ ہوگا۔ لیکن اگر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روش کا مشائخ اور پیران طریقت کے حالات سے مقابلہ کریں اور ان بزرگوں کی روش کے معیار پر آپکی نبوت کو جانچنا چاہیں تو پھر آپکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ماننا بھی دشوار ہو جائے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے منکر تو وہ پہلے ہی سے ہیں۔ پھر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی اُنکو انکار کرنا پڑے گا کیونکہ اولیائے کرام اور سلسلہ مشائخ میں ہم یہ طریق نہیں دیکھتے کہ زرہ بکتر پہنکر میدان میں نکلیں۔ تلواروں اور نیزوں بھالوں کو تیز کریں اور دشمن کے خون سے زمین کو سُرخ کر دیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ سب کام خود بھی کیئے اور دوسروں سے بھی کرائے۔ پس اگر وہی نبی سچا ہو سکتا ہے

جس کی روش صوفیا و مشائخ کرام اور اُس گروہ کے مطابق ہو جو مسلمانوں کی اصطلاح میں اولیاء کے نام سے مشہور ہے تو پھر نہ صرف آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کا انکار کرنا پڑیگا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے مُنکر ہونا پڑیگا۔ جب سکھوں کے برخلاف حضرت سید احمد صاحب بریلوی اور حضرت محمد اسمٰعیل صاحب شہید نے علم جہاد کھڑا کیا تو آپ بتائیں کہ اُس زمانہ کے مشائخ اور گدی نشینوں میں سے کسقدر اُن کے ساتھ شامل ہوئے۔ بلکہ حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض بھی کیا گیا کہ سکھوں کی ظالم قوم مسلمانوں کو اذان تک دینے پر قتل کرتی ہے آپ بھی اپنے مریدوں سمیت ان کے برخلاف جنگ کرنے میں ہمارے ساتھ شامل ہوں تو جو جواب حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا وہ یہ تھا کہ یہ کام آپ کو ہی مبارک ہو۔ میں نے تو کبھی اپنے ہاتھ سے ایک چڑیا کا بھی خون نہیں بہایا۔ اولیائے کرام کا وجود بے شک اسلام کے لیئے بہت مبارک ہے مگر اُنپر انبیاء اور مامورین من اللہ کا قیاس کرنا سخت غلطی ہے۔ انبیاء کا درجہ اولیاء سے بڑھکر ہے اور بعض کام انبیاء کے متعلق ایسے ہوتے ہیں جو اولیائے کرام کے دائرہ سے بالکل الگ ہیں۔ مولوی ابو احمد صاحب تو اعتراض کرتے ہیں کہ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مخالفین کے ردّ و کدّ میں رسالوں کی بوچھاڑ برسائی اسلیئے وہ نبی نہیں ہوسکتے کیونکہ یہ طریق اولیائے کرام کی طرز کے موافق نہیں ہے مگر کیا اُنکو معلوم نہیں کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ نے مخالفین کے ردّ و کدّ کے لیئے رسالوں کی بوچھاڑ برسائی ہے تو آپکے مطاع حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وخلفاءہٖ وبارک وسلم نے تو مخالفین کے قلع وقمع کے لیئے تیروں کی بوچھاڑ برسائی تھی۔ مولوی صاحب فرمادیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کس کی روش پر عمل کرتے۔ گوشہ نشین درویشوں اور تارک الدنیا بزرگوں کی روش پر یا خاتم النبیین اور سید المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر۔ شائد مولوی صاحب کا یہ منشاء ہے کہ مخالف تو اعتراض پر اعتراض کرتے جلتے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش بیٹھے رہتے۔ یہی اعتراض مسیحی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کرتے ہیں کہ دشمن تو بے شک مسلمانوں پر وار پر وار کرتے رہتے مگر آپ اُنکے جواب میں تلوار نہ اُٹھاتے اور بقول مولوی ابو احمد صاحب رحمانی گوشہ نشین درویشوں کے نمونہ پر عمل کرکے خاموش بیٹھے رہتے مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جو حق وہ

لائے تھے اُس کی اشاعت نہ ہوتی اِسی طرح اگر حضرت مسیح موعود مخالفوں کے مقابل میں خاموش رہتے اور بقول مولوی ابو احمد صاحب رحمانی اُنکے ردّ وکدّ میں رسالوں کی بوچھاڑ نہ کرتے تو پھر جس حق کی اشاعت کیلئے وہ مامور کیئے گئے تھے وہ مخفی رہتا اور جس طرح اب اُسکی اشاعت ہوئی ہے یہ اشاعت نہ ہوتی۔ مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رسالوں کو دیکھ کر کیوں گھبراتے ہیں۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ نے مخالفوں کے ردّ وکدّ میں رسالے پر رسالے مدینۃ المسیح سے تمام اطراف عالم میں جاری کیئے تو کیا آپ کے مطاع حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی سرکوبی کے لیئے رسالے پر رسالے مدینۃ النبی سے تمام اطراف عالم میں نہیں بھیجے تھے؟ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مشائخ کی طرز کے برخلاف اپنے مطاع خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر عمل کیا تو کیا بُرا کیا؟۔

ابنیاء کی مخالفت

پھر مولوی ابو احمد صاحب رحمانی فرماتے ہیں۔ کہ جتنے انبیاء گذرے "سب کی مخالفت کی گئی اور بہت زور کے ساتھ مقابلہ کیا گیا اور کوئی دقیقہ اُن کی ایذادہی میں اٹھا نہیں رکھا گیا مگر اس مقدس گروہ نے بجز صبر وتحمل کے کچھ نہیں کیا" مولویصاحب کا یہ فرمانا بالکل درست ہے۔ واقعی جسقدر انبیاء گذرے سب کی مخالفت کیگئی۔ سب کے ساتھ استہزا کیا گیا اور جسقدر دشمنوں سے بن سکتا تھا انہوں نے انبیاء و رسل کو دُکھ دیا بلکہ انکو اور اُنکی جماعت کو جڑھ سے اکھیڑنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن یہ تمام کوششیں اکارت گئیں اور باوجود کفار کی تمام جد وجہد کے نبی کامیاب ہوئے اور دشمن اپنے ارادوں میں ناکام رہے۔ اور ذلیل وخوار اور آخر ہلاک ہوئے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے یٰحسرۃً علی العباد ما یأتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون افسوس بندوں پر۔ جو رسول اُنکے پاس آتا ہے وہ اُسکے ساتھ استہزا ہی کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے ولقد استھزئ برسل من قبلک فاملیت للذین کفروا ثم اخذتھم فکیف کان عقاب۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ تجھ سے پہلے بھی رسولوں پر ٹھٹھا اُڑ چکا ہے تو مینے کافروں کو ڈھیلا چھوڑ دیا پھر اُنکو دھر پکڑا تو میرا عذاب کیسا سخت تھا! اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے واذا راٰک ان یتخذونک الا ھزوا۔ اھذا الذی بعث اللہ رسولا۔ اور (اے پیغمبر) جب یہ لوگ تجھ کو دیکھتے ہیں تو تجھ

سے ٹھٹھا ہی کرتے ہیں یہی وہ (حضرت) ہیں جن کو اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ سنو جناب مولویصاحب! آپ کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ جتنے رسول آئے سب کی شدّو مد سے مخالفت کی گئی۔ اور اُن پر ٹھٹھا بھی اڑایا گیا۔ خدا کا کوئی رسول بھی اس قاعدہ سے مستثنےٰ نہیں رہا اور اسی سُنّت مستمرہ کے موافق اس زمانہ کے مامور کی بھی مخالفت کی گئی اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کی نسبت لکھا ہے وَاِذَا رَاَوْکَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا ھُزُوًا۔ اَھٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰہُ رَسُوْلًا۔ اسی طرح جب اس زمانہ کے اکثر مولوی اور اُنکے پیرو اور اتباع حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھتے تو اُن پر ہنسی اُڑاتے اور کہتے اَھٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰہُ رَسُوْلًا۔ سو اے مولوی صاحب حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا ایک نشان تو خود آپ لوگوں نے اپنے ہاتھ سے پورا کر دیا اور خدا کے برگزیدہ کی اُسی طرح مخالفت کی جس طرح پہلے انبیاء و رسل کی کی گئی۔ اُس کا دعویٰ کرنا ہی تھا کہ آپ لوگوں نے خدائے تعالیٰ کی قدیم سُنّت کے موافق اُسکی مخالفت شروع کر دی اور جس طرح آپ فرماتے ہیں کہ "جتنے انبیاء گذرے اور جسقدر اولیائے ذی شان ہوئے سب کی مخالفت کی گئی اور بہت زور کے ساتھ مقابلہ کیا گیا اور کوئی دقیقہ اُنکی ایذا دہی میں اُٹھا نہیں رکھا گیا"۔ اسی طرح اب ہوا اور آپکے قول کے عین مطابق اس زمانہ کے مامور کی بھی "مخالفت کی گئی اور بہت زور کے ساتھ مقابلہ کیا گیا اور کوئی دقیقہ اُس کی ایذا دہی میں اُٹھا نہیں رکھا گیا"۔ آپ لوگوں نے اُسکے برخلاف ایک کفر کا فتویٰ تیار کیا۔ جس پر آپکے اکابر نے مہریں ثبت کیں۔ لوگوں کو اُسکی مخالفت پر بھڑکایا اور نہ صرف اُس مامور کے برخلاف طرح طرح کے فتوے جاری کیئے گئے بلکہ اُسکی جماعت کے متعلق بھی آپ لوگوں نے فتوے شائع کیئے یہانتک کہ قتل کا فتویٰ بھی شائع کیا گیا اور اُسی فتوے کے ماتحت اُسکے دو پیرو ایک اسلامی ریاست میں شہید بھی کیئے گئے۔ اور اگر اس ملک میں خدائے تعالیٰ جماعت احمدیہ کی حفاظت کے لیئے انگریزوں کو نہ لاتا تو تم عملی طور پر اس جماعت سے وہی سلوک کرتے جو تمھارے بھائیوں نے ایک ایسے ملک میں کیا جہاں تمھارا فتویٰ چل سکتا ہے۔ مگر خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس ملک میں ایک ایسی قوم بھیجا جسکی تلوار سے تم لوگ ڈرتے ہو اسلیئے اِس جگہ تمھارا بس نہیں چل سکتا۔ پھر بھی تم اپنی طاقت کے مطابق خدا کے مامور کی ایذا دہی سے باز نہ آئے۔ تمھارے مولوی عیسائیوں کے طرفدار ہو کر سنگین مقدموں میں مسیح موعودؑ کے برخلاف شہادت دینے کے لیئے آئے۔ سرکار انگریزی کو بھی اس سلسلہ کی نسبت بدظنی کرنیکی

بے سود کوشش کی گئی۔ اور کوئی ایسا طریق ایذا دہی کا نہیں جو تمہارے بس میں ہو اور تم نے مسیح موعودؑ اور اُس کی جماعت کے برخلاف استعمال نہ کیا ہو۔ حال میں ہی تحصیل صوابی ضلع پشاور میں ہمارے مخالف مسلمانوں نے ہمارے دو بھائیوں کے گھروں پر ایک ہی رات میں ڈاکہ مارا اور جو کچھ اُن کا مال و متاع تھا سب لوٹ کر لے گئے آخر سرکار انگریزی نے انصاف کیا اور ہمارے مظلوم بھائیوں کی داد رسی کی۔ اے مولوی صاحب۔ آپ کو یہ شکایت ہے کہ جب پہلے انبیاء کو دُکھ دیا گیا تو انہوں نے صبر سے کام لیا مگر جب حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا تو انہوں نے صبر سے کام نہیں لیا بلکہ مخالفوں کے ردّ و کد میں رسالوں کی بوچھاڑ کی۔ مگر آپ کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ مخالفوں کی ایذا دہی کے مقابل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے صبر سے کام نہیں لیا۔ آپ نے نہایت صبر و تحمل سے مولوی صاحبان کی ایذا دہی کو برداشت کیا اور قوم کو بھی صبر کی ہی نصیحت فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں۔

گالیاں سُن کے دعا دیتا ہوں اُن لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

پھر آپ فرماتے ہیں وقد زادنی فی العلم والحلم جہلہم + وسکنت نفسی عند غیظ ایکرام مولویصاحب خیال کرتے ہیں کہ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے مخالفین کے ردّ و کد میں رسالوں کی بوچھاڑ کی۔ اسلئے گویا انہوں نے دشمنوں کی ایذا رسانی کو صبر و تحمل سے برداشت نہیں کیا۔ مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایذا رسانی پر صبر کرنا الگ چیز ہے اور مخالفین کے اعتراضات کا ردّ کرنا اور انکی غلط بیانیوں اور افترا پردازیوں کو کھولنا دوسری چیز ہے۔ مولوی صاحب قرآن کا مطالعہ فرماویں کیا اسمیں مخالفین کے اعتراضات کا جواب نہیں دیا گیا اور مشرکین۔ یہود اور نصاریٰ کے ساتھ مباحثہ کا رنگ اختیار نہیں کیا گیا۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی ایذا رسانیوں کو صبر کے ساتھ برداشت نہیں کیا تھا۔ ہمارے مخالف مولوی صاحبان کو حضرت مسیح موعودؑ کے تحمل اور بردباری کا خوب علم تھا۔ اسی لئے وہ آپ کی نسبت ایسی تحریریں اور تقریریں بھی شائع کر دیا کرتے تھے جن کو اگر وہ کسی دوسرے شخص کی نسبت شائع کرتے تو ضرور انکو جیلخانہ میں بھجوایا جاتا مگر وہ بخوبی جانتے تھے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے اُن کے حق میں ایسی کارروائی نہیں کی جائیگی اسلئے وہ بعض اوقات مجرمانہ تحریروں سے بھی نہیں رُکتے تھے۔

اگر آپ کو اسکے متعلق شک ہو تو اپنے بھائی مولوی محمد حسین بٹالوی سے دریافت کر لیجیے۔ اگر آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کی بردباری اور عفو کا تحریری ثبوت درکار ہے۔ تو ڈاکٹر کلارک والے مقدمہ کی مسل منگوا کر مطالعہ کر لیجیئے۔ یہ سنگین مقدمہ ایسے لوگوں کی طرف سے بنایا گیا تھا جنہوں نے آپ کی عداوت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا آخروہ مقدمہ جس میں آپ پر اقدام قتل کا الزام لگایا گیا تھا بعض مسیحیوں کی قابل شرم بناوٹ ثابت ہوُا اور آپ سے مجسٹریٹ نے دریافت کیا کہ کیا آپ ان لوگوں پر کوئی قانونی کارروائی کرنا چاہتے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ میں انکو معاف کرتا ہوں اور انکے برخلاف کوئی قانونی کارروائی کرنا نہیں چاہتا۔ کیا یہ عفو کا ایک اعلیٰ نمونہ نہ تھا؟

پھر اسی مقدمہ کے اثنا میں آپ نے اپنے ایک اور شخص سے جو مسلمانوں میں سے تھا مگر آپ سے سخت عداوت رکھتا تھا اعلیٰ درجہ کے عفو کا سلوک کیا۔ یہ صاحب جیسا کہ مَیں اوپر بیان کر چکا ہوں عیسائیوں کی طرف سے حضرت مسیح موعودؑ کے برخلاف شہادت دینے کے لیئے پیش ہوئے اور مولوی فضل دین صاحب وکیل نے اُنپر جرح کرتے ہوئے ایک سخت حملہ اُنپر کرنا چاہا مگر حضرت مسیح موعودؑ نے وکیل مذکور کو رُوک لیا آپ ایسے رحیم و کریم تھے کہ آپ نے پسند نہ کیا کہ اُن کا ایسا سخت دشمن بھی جو بوجہ سخت عداوت کے عدالت میں عیسائیوں کا حامی ہو کر ایک سنگین مقدمہ میں آپکے برخلاف شہادت دینے کے لیئے آیا تھا مجسٹریٹ اور دیگر معزز حاضرین کے سامنے کسی قسم کی خجالت میں گرفتار ہو وہ وکیل غیر احمدی ہے اور اسوقت تک لاہور میں زندہ موجود ہے۔ اور وہ گواہی دے سکتا ہے کہ کس طرح حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے شدید ترین دشمن کے بارے میں عفو اور ستاری سے کام لیا۔

اگر جناب مولوی ابو احمد صاحب رحمانی کو یہ اعتراض ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان مخالفوں کی تردید کیوں کی تو یہ اعتراض اُنکو قرآن شریف پر بھی کرنا چاہیئے کیونکہ اگر اُنہوں نے تردید کی تو قرآن شریف بھی مخالفانِ اسلام کی تردید کرتا بلکہ اُنکے متعلق سخت الفاظ بھی استعمال کرتا ہے اور یہ سخت الفاظ بالکل سچے تھے کیونکہ وہ عین واقعات کے مطابق تھے۔ مولوی صاحب کی آگاہی کے لیئے میں یہاں قرآن شریف کی ایسی چند آیات نقل کرتا ہوں جو کفار مکہ کے حق میں مکّی زمانہ میں نازل ہوئیں۔ مولوی صاحب کو اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سورۃ المدثر کی ذیل کی آیات کریمہ ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ ذرنی ومن خلقت وحیدا

وجعلت له مالا ممدودا و بنین شھودا و مھدت له تمھیدا ثم یطمع ان ازید کلا انه کان لاٰیتنا عنیدا سارھقه صعودا انه فکر و قدر فقتل کیف قدر ثم قتل کیف قدر ثم نظر ثم عبس و بسر ثم ادبر و استکبر فقال ان ھذا الا سحر یؤثر ان ھذا الا قول البشر سا صلیه سقر - ان آیات کا ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے اسکے دو لقب مکہ میں مشہور تھے ایک وحید - اور دوسرا ریحانہ قریش یہ اپنے شعر و سخن اور منطق کی خوشنمائی میں شہرت رکھتا تھا - مال و فرزند بھی اُسکے زیادہ تھے - چونکہ نامی شاعر تھا اسلئے جب لوگوں نے اس سے قرآن شریف کی نسبت پوچھا تو اس نے اٹکل دوڑائی - اور کہا کہ یہ تو جادو ہے - اسکے حق میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وہ تو ہماری آیتوں کا منکر ہے میں اسکو عنقریب دوزخ میں صعود پر چڑھاؤں گا کیونکہ (جب اس سے قرآن کے بارہ میں پوچھا گیا تو) سوچنے لگا اور اٹکل دوڑائی - اسپر خدا کی مار کیا اٹکل دوڑائی - پھر اسپر خدا کی مار کیسی اٹکل دوڑائی پھر سوچا - پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھا لیا پھر پیٹھ پھیر کر چلتا ہوا اور شیخی میں آگیا کہنے لگا یہ قرآن جادو ہے - یہ آدمی کا کلام ہے - میں عنقریب اسکو دوزخ میں جھونک دونگا -

پھر ولید بن مغیرہ کی طرف سورہ القلم میں مندرجہ ذیل الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے ولا تطع کل حلاف مھین ھماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذلک زنیم ان کان ذا مال و بنین اذا تتلی علیه اٰیتنا قال اساطیر الاولین سنسمه علی الخرطوم (ترجمہ) اور اسکی بات مت سن جو بہت قسمیں کھاتا ہے - جھوٹا یا بدکار یا ذلیل عیب جو یا طعنے مارنے والا چغلخور اچھے کام سے روکنے والا - حد سے بڑھ جانیوالا - بڑا گنہگار - اکھڑ (ظالم یا بہت کھانیوالا) ان سب باتوں کے سوا بدذات - یہ ساری باتیں اس وجہ سے ہیں کہ وہ پیسے والا ہے بیٹے رکھتا ہے جب ہماری آیتیں اسکو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ہم اب اسکی سونڈ (ناک) پر داغ لگائیں گے -

مجھے قرآن شریف سے اس قسم کی اور آیتیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں - مولوی صاحب خود قرآن شریف کا مطالعہ فرما سکتے ہیں -

ہاں میں مولوی صاحب کی خدمت میں اتنا عرض کرتا ہوں کہ آپ یہ تو شکایت کرتے ہیں کہ حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مخالفوں کی ایذا دہی اور استہزاء کے مقابل میں تحمل اور بردباری سے کام نہیں لیا مگر یہ خیال نہیں کیا کہ وہ ایذا دینے والے اور استہزاء کرنیوالے کون لوگ ہیں۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اگرچہ اس ایذا دہی اور استہزاء میں دوسری قومیں بھی شریک ہیں مگر جسقدر حصہ اس کام میں مسلمانوں نے اور خصوصاً مولوی صاحبان نے لیا ہے اُسقدر حصہ اور کسی قوم نے نہیں لیا۔ مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تو بڑھ بڑھ کر اعتراض کرتے ہیں مگر اپنے بھائیوں کی کارروائی پر نظر نہیں کرتے کہ انہوں نے اس زمانہ میں وہی کام کیا جو حضرت مسیح ناصری علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یہودیوں نے کیا تھا۔ استہزاء کرنیوالے کیسے لوگ ہوتے ہیں اُن کی نسبت میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔ خدائے تعالیٰ کا کلام مولوی صاحب کو سُناتا ہوں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وما یأتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون کذلک نسلکہ فی قلوب المجرمین اور جب اُنکے پاس کوئی رسول آتا ہے تو وہ اُس سے استہزاء سے پیش آتے رہے۔ ایسے ہی ہم مجرموں کے دلوں میں (استہزاء) ڈال دیتے ہیں۔ اب مولوی صاحب فرمادیں کہ آپکے بھائی صاحبان نے کن لوگوں کا حصہ لیا۔ متقیوں کا یا مجرموں کا۔

پھر مولوی ابو احمد صاحب رحمانی فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کا دعویٰ نبوت درست نہیں ہو سکتا کیونکہ انہوں نے اپنے مخالفوں پر موٹے موٹے اور لمبے حرف میں لعنتوں کی قطار برسائی اور اُن کو بندر اور سؤر بنایا۔ مولوی ابو احمد صاحب کے معیار بالکل نرالے ہیں۔ مولوی صاحب! آپنے کہاں پڑھا کہ نبی اور رسول اپنے منکرین پر لعنت نہیں کیا کرتے اور جو بھی اپنے مخالفین کے حق میں سند لعن کے الفاظ استعمال کرتا ہے وہ سچا نبی نہیں ہو سکتا۔ معلوم نہیں ہمارے زمانہ کے مولوی قرآن شریف سے ایسے بے خبر کیوں ہیں۔ اگر مولوی صاحب کو خبر نہیں تو میں اُن کو قرآن شریف کی ایک آیت سناتا ہوں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لُعِنَ الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داوٗد وعیسی ابن مریم ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون۔ دیکھئے یہاں ایسے دو نبیوں کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی قوم پر لعنت کی تھی اور یہ لوگ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اور لعنت کی وجہ خدائے تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے نکلنے والے تھے اب میں مولوی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ دونوں نبی سچے نبی نہ تھے

نبی اور لعنت

اور کیا وہ لوگ جنپر یہ لعنت پڑی توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانیکے مدعی نہ تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ کے رسول کا انکار کیا اور پھر اسی پر بس نہ کی بلکہ عصیان اور اعتداء کے مرتکب ہوئے تب خدا کے دو برگزیدہ نبیوں نے انپر لعنت کی اگر وہ صرف انکار پر اکتفا کرتے اور عصیان اور اعتداء کے مرتکب نہ ہوتے تو اگرچہ وہ اپنے زمانہ کے رسول کے منکر ہونے کی وجہ سے کفر کے فتوے کے نیچے آگئے تھے مگر نبی کی طرف سے لعنت کا تحفہ انکو نہ دیا جاتا پس ایسا ہی اگر اس زمانہ کے بعض لوگ اعتداء اور عصیان کے مرتکب ہوکر لعنت کے نیچے آگئے تو اس میں خدا کے مسیح کا کیا قصور۔ یہ لعنت تو لوگوں نے خود حاصل کی۔ اور اس طرح نہ صرف حضرت مسیح موعود کی حضرت مسیح ناصری علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مماثلت ثابت کر دی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کو بھی پورا کر دیا جس میں آپ نے خبر دی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں میری اُمت کے بعض لوگ یہودیوں سے مشابہت تامہ حاصل کرینگے اور کوئی کام ایسا نہ رہے گا جو یہودیوں میں سے کسی فرد نے کیا ہو اور اس اُمت کے بعض لوگ اُس کو نہ کریں۔ سو اس پیشگوئی کا پورا ہونا ضروری تھا اور چونکہ یہود میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے عصیان اور اعتداء کی وجہ سے حضرت مسیح ناصری علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر لعنت کیے گئے اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق اس اُمت میں بھی بعض افراد ایسے بدقسمت نکلے جنہوں نے مسیح قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابل میں عصیان اور اعتداء سے کام لیکر وہی حصہ پایا جو حضرت مسیح ناصری علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے یہود نے حاصل کیا پس مولویصاحب۔ یہ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی ایک دلیل ہے اگر آپ اس وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار کرتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ حضرت مسیح ناصری علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت سے انکار کریں۔ آخر یہ مسیح تو اُسی پہلے مسیح کے نقش قدم پر آیا ہے اسلیئے اُس سے مماثلت ضروری تھی پس اگر اس زمانہ کے بعض بدقسمت لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر وہی چیز حاصل کی جو پہلے زمانہ کے یہود نے حضرت مسیح اسرائیلی علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر حاصل کی تھی تو انہوں نے نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو پورا کیا بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت مسیح اسرائیلی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا مثیل ہونا ثابت کر دیا۔ تعجب ہے کہ مولوی صاحب اُسی بات کو اعتراض کے رنگ میں پیش کرتے ہیں جو حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک ثبوت ہے۔ باقی رہا یہ کہ ایسے لوگ خدا اور رسول کے ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ سو اس کے متعلق عرض ہے کہ کیا وہ یہود جن پر حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور ان کے بعد حضرت مسیح ابن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام نے لعنت کی تھی خدا اور رسول کے ماننے کے مدعی نہ تھے۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کی طرح وہ بھی یہی دعویٰ کرتے تھے کہ ہم خدا کو مانتے ہیں اور اُسکے رسول موسیٰ علیہ السلام کو سچا نبی قرار دیتے ہیں۔ مگر باوجود اس دعوے کے وہ لعنت کے مستحق ہو گئے مولویصاحب! صرف زبان سے دعویٰ کرنا اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ ایسا دعویٰ کرنیوالا واقعی سچا مومن ہے۔ کیا قرآن شریف میں ایسے لوگوں کا ذکر آپ نہیں پاتے جن کی نسبت خدائے تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور رسول کو بھی ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر خدا کے نزدیک وہ مومن نہیں۔ مولوی صاحب۔ آپنے سورۃ البقرۃ کا دوسرا رکوع تو ضرور پڑھا ہوگا کیا اس میں خدائے تعالیٰ یہ نہیں فرماتا ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین۔ پھر ایک اور سورۃ میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشھد ان المنفقین لکذبون۔ پھر مولوی صاحب! بتلایئے کہ جن لوگوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ انہیں یہود کے صفات پیدا ہو جائیں گے اور یہودیوں کے تمام افعال اُن سے سرزد ہونگے کیا وہ لوگ یہ دعویٰ کرنے والے نہ ہونگے کہ ہم اللہ اور رسول کو مانتے ہیں پس جب یہودی بننے والے وہی لوگ تھے جو اللہ اور رسول پر ایمان لانے کے مدعی تھے تو لعنت حاصل کرنیوالے بھی ایسے ہی لوگ ہونے چاہئیں تھے۔ کیونکہ لعنت کا حاصل کرنا اُنکے یہودی بننے کا ایک ثمرہ تھا جو انہیں حاصل ہوا۔

پھر کیا مولوی صاحب کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ لعنت کی قطاریں کن لوگوں کے برخلاف لکھی گئیں اور ان کا واقع ہونا کن شرائط کے ساتھ مشروط کیا گیا۔ جہاں تک مجھے اسوقت یاد ہے تین کتابوں میں ایسی لعنتیں لکھی گئی ہیں ایک نور الحق میں اور دو مسیحیوں کے برخلاف ہیں۔ اور جن حالات کے ماتحت وہ لکھی گئیں وہ یہ ہیں کہ بعض پادریوں نے جو اسلام سے مرتد ہو کر مسیحی گروہ میں داخل ہو گئے تھے امریکہ کی ایک مذہبی کانگریس میں یہ مضمون پیش کیا کہ ہم لوگ پہلے

مسلمان تھے اور ہم عربی زبان سے خوب آگاہی رکھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ قرآن شریف کا ایک بے نظیر
کلام ہونے کا دعویٰ بالکل جھوٹا ہے۔ بے نظیر ہونا تو کجا وہ فاش غلطیوں سے بھرا ہوا ہے اور وہ کسی
طرح خدا کا کلام نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک سخت دھوکہ تھا جو مغربی لوگوں کو دیا گیا۔ گویا انکو سنایا کہ ہم عربی
زبان کے ماہر ہیں اور ہم علی بصیرت جانتے ہیں کہ یہ ایک غلط اور غیر فصیح عبارت ہے اور اسی لئے ہم نے
اسلام کو اور اسلام کے نبی کو ترک کیا اور یسوع مسیح کی خدائی پر ایمان لائے۔ اس کے مقابل پر حضرت
مسیح موعودؑ نے ایک کتاب عربی زبان میں تصنیف فرمائی اور ان پادریوں کو جو مولوی ہونیکا دعویٰ
کرتے تھے اور اپنے آپ کو اس قابل ظاہر کرتے تھے کہ قرآن شریف کی زبان پر نکتہ چینی کریں یہ
چیلنج دیا کہ اگر تم واقعی عربی جانتے ہو اور اپنے تئیں اس قابل سمجھتے ہو کہ قرآن شریف کی فصاحت
و بلاغت پر اعتراض کرو تو آؤ قرآن شریف کے ایک ادنیٰ غلام کے ساتھ مقابلہ کرو اور میری
اس کتاب کے مقابل میں ایک فصیح عربی میں کتاب لکھو تا یہ ثابت ہو کہ واقعی تم عربی زبان میں مس
رکھتے ہو اور فی الحقیقت تم اس قابل ہو کہ قرآن شریف کی زبان پر نکتہ چینی کرو۔ لیکن اگر تم قرآن شریف
کے ایک خادم اور رسول عربی صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ و خلفاءہ و بارک وسلم کے ایک غلام کے
مقابل میں بھی نہ نکلو گے تو پھر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ تم اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہو اور تمہارا یہ ظاہر کرنا
کہ ہم اس قابل ہیں کہ قرآن شریف کے کلام پر نکتہ چینی کر سکیں ایک دھوکہ ہے۔ اور اگر تم اسکے بعد بھی
اپنی دروغ گوئی سے باز نہ آئے اور لاجواب ہونیکے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ
و خلفاءہ و بارک وسلم کی توہین اور قرآن شریف کے بارہ میں اپنی ہرزہ درائی سے باز نہ آئے تو پھر
ان لعنتوں سے جو ذیل میں لکھی جاتی ہیں ڈرو۔ مولویصاحب فرمائیے کہ کیا یہ لوگ بھی آپکے نزدیک
اللہ اور رسول کے ماننے والے ہیں۔ آپ خود ہی فرماویں کہ ایسے لوگوں کی نسبت قرآن شریف کا کیا
فتویٰ ہے۔ دوسری کتاب جسمیں حضرت مسیح موعودؑ نے دس لعنتیں لکھی ہیں وہ آئینہ کمالات اسلام ہے
اسمیں ایک شخص کے سامنے جس نے آپ کو کاذب اور دجال مشتہر کیا۔ قرآن شریف کی بنا پر ایک
طریق فیصلہ پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر وہ اس کھلے کھلے فیصلہ کو منظور نہ کریں اور بھاگ جائیں
اور خطا کا اقرار بھی نہ کریں تو انکے لئے خدائے تعالیٰ کی عدالت سے دس لعنتوں کا انعام ہے۔ اب
مولویصاحب فرماویں کہ ایک شخص دوسرے کو جھوٹا اور دجال قرار دیتا ہے اور اس طرح خلق خدا کو

گمراہ کرتا ہے اور پھر طریق فیصلہ کی طرف بھی نہیں آتا اور نہ اپنے خطا کا اقرار کرتا ہے تا لوگ دھوکہ سے
بچ جاویں تو پھر ایسے آدمی کی نسبت قرآن شریف کا کیا فتویٰ ہے۔ مامور من اللہ کو اس بات کا
طبعاً بڑا فکر ہوتا ہے کہ لوگ گمراہی سے بچ جاویں اسلیئے وہ ایسا طریق اختیار کرتا ہے جس سے لوگوں کے
سامنے حق اور باطل میں فرق ظاہر ہو جاوے اور لوگ دھوکہ کھانے سے بچ جائیں۔ ایسا شخص
خدا کی نظر میں کسقدر گنہگار ٹھہرتا ہے جو لوگوں کا لیڈر ہونیکا مدعی ہے اور عالم و فاضل کے نام سے
مشہور ہے اور وہ لوگوں کو کہتا ہے کہ یہ مدعی نبوت مفتری اور دجال ہے اسکے نزدیک مت جاؤ۔
اس صورت میں کیا مامور من اللہ کا یہ فرض نہیں کہ وہ کوئی ایسی راہ تجویز کرے جس سے افترا کا الزام
لگانیوالے کا کذب ظاہر ہو جاوے اور لوگوں پر یہ امر واضح ہو جاوے کہ خدا کے مامور کو دجال کہنے
والا جھوٹا ہے۔ پس اگر حضرت مسیح موعودؑ نے ایک ایسے ہی شخص کو مجبور کیا کہ وہ ایسے فیصلہ کی طرف
آئے جس سے حق و باطل میں فرق ہو جاوے اور لوگوں کو معلوم ہو جاوے کہ صادق کون ہے
اور دجال کون ہے کیا ایک دنیا کا گمراہ ہو جانا ایک چھوٹی سی بات ہے۔ کیا مامور من اللہ کا یہ فرض
نہیں ہے کہ وہ دجال کہنے والوں کا جھوٹ ظاہر کر دے تا لوگ دھوکہ سے بچ سکیں اور گمراہی میں نہ
پڑیں اور ان پر کھل جائے کہ جس نے دجل اور افترا کا الزام لگایا تھا وہ اپنے بیان میں جھوٹا تھا۔
پس اسی فرض کو ادا کرنے کے لیئے حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے بعض خاص دشمنوں کو جنکا اثر
بہت لوگوں پر پڑ سکتا تھا ایک فیصلہ کے لیئے بلایا اور ان کو سنا دیا کہ اگر تم کھلے کھلے فیصلہ کی
طرف نہ آؤ گے اور نہ دجال و مفتری کہنے سے رکو گے تو یاد رکھو کہ خدائے تعالیٰ کے دربار سے لعنت
کا انعام تمکو دیا جائے گا۔ اس طریق میں دو قسم کا فائدہ عظیم تھا ایک فائدہ تو اس الزام لگانیوالے
کے نفس کے لیئے تھا تا وہ خدائے تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے اور خدا کے مامور کو دجال اور کاذب
کہنے میں جلدی نہ کرے بلکہ تقوے سے کام لے تا ایسا نہ ہو کہ کہیں خدائے تعالیٰ کی لعنت کے نیچے
آجائے۔ پس حضرت مسیح موعودؑ کا اپنے بعض مخالفین کو یہ کہنا کہ اگر تم طریق فیصلہ کی طرف آؤ گے
اور نہ اپنی روش کو چھوڑو گے تو خدا کی لعنت سے ڈرو یہ ان مخالفوں پر ایک قسم کا رحم تھا تا وہ غور
کریں اور جلدی کر کے اپنے تئیں اور نیز دوسرے لوگوں کو ہلاکت کے گڑھے میں نہ پھینک دیں۔ یہی وجہ
ہے کہ قرآن شریف میں خدائے تعالیٰ منکروں کو بار بار عذاب سے ڈراتا ہے اور نبی بھی اسی لیئے

آتے ہیں تا لوگوں کو خدا کے عذاب اور لعنت سے ڈرائیں اور کئی لوگ اس سے فائدہ بھی اُٹھاتے ہیں۔ پس اگر حضرت مسیح موعودؑ نے اسی طریق پر عمل کیا تو مولوی ابو احمد صاحب کیوں اعتراض کرتے ہیں پس ایک فائدہ تو اس سے یہ ہے افترا کا الزام لگانے والا خود خدا سے ڈرے اور تقویٰ سے کام لے تا لعنت کا شکار نہ ہو جاوے دوسرا فائدہ اس طریق میں یہ ہے کہ حق کے طالبوں پر حق کھل جاتا ہے۔ یا تو وہ شخص جو جرأت کر کے افترا اور دجل کا الزام لگاتا ہے خدا کی لعنت سے ڈر کر تقویٰ سے کام لیتا ہے اور اپنی خطا کا اقرار کر لیتا ہے جس سے حق کے طالبوں پر کھل جاتا ہے کہ اُس کا الزام جھوٹا تھا اور اگر وہ شخص اپنی خطا کا اقرار نہ کرے تو پھر دو صورتیں ہونگی یا تو وہ اُس کھلے کھلے فیصلہ کی طرف آجائے گا اور اس طرح حق اور باطل میں فرق ہو جائے گا اور اگر وہ اُس کھلے فیصلہ کی طرف نہ آئے تو اُس کا گریز کرنا حق کے طالبوں پر یہ ظاہر کر دیگا کہ وہ حق پر نہیں ہے کیونکہ اگر وہ حق پر ہوتا تو ہرگز گریز اختیار نہ کرتا خصوصاً جبکہ گریز کی صورت میں لعنت جیسا خطرناک انعام اُسکے آگے پیش کیا گیا ہو۔ پس باوجود لعنت کے خوف کے اُس کا گریز کرنا حق کے طالبوں پر اُس کا باطل پر ہونا ظاہر کر دیتا ہے۔

تیسری کتاب جس میں ذیل لعنتوں کی فہرست دی گئی ہے وہ اعجاز احمدی ہے اور وہ بھی بعینہٖ اُسی قسم کی صورت ہے جیسے اوپر مذکور ہوئی۔

مدح کے الہامات کیوں شائع کیے

پھر ایک اور اعتراض مولوی ابو احمد صاحب حضرت مسیح موعودؑ پر یہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی مدح کے الہامات شائع کرتے ہیں حالانکہ یہ طریق انبیاء کا نہیں ہے۔ معلوم نہیں مولویصاحب نے نبوت کے یہ معیار کہاں سے جمع کیے ہیں اور کس الہامی کتاب میں انہوں نے یہ پڑھا ہے کہ جو نبی اپنی مدح کے الہامات لوگوں میں شائع کرتا ہے وہ سچا نبی نہیں ہو سکتا۔ مولویصاحب! اگر آپ کا یہ معیار درست ہے تو پھر اور تو اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے آپکو انکار کرنا پڑیگا کیونکہ قرآن شریف میں ایسے الہامات موجود ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح پائی جاتی ہے۔ اُمید ہے کہ مولوی صاحب کو اس امر سے انکار نہیں ہوگا۔ اگر انکو انکار ہو تو ایسی آیات قرآنی پیش کیجا سکتی ہیں۔ پھر کیا مولویصاحب آپ کو قرآن شریف کا یہ حکم یاد نہیں وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کیا آپ کو اُن احادیث کا علم نہیں جن میں آپ نے اس امر الٰہی کی تعمیل فرمائی۔ اور ایسی نعمتوں کا اظہار فرمایا جو دوسرے لوگوں اور دیگر انبیاء سے بڑھکر آپ کو خصوصیت کے ساتھ عطا کی گئی تھیں۔ کیا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ فرمانا یاد نہیں انا سید ولد آدم ولا فخر۔ تعجب ہے خدائے تعالیٰ تو یہ فرمائے واما بنعمت ربك فحدث۔ اور مولویصاحب اعتراض کریں کہ مدح کے الہامات شائع کرنیوالا نبی نہیں ہوسکتا۔

بندر اور سوٗر

پھر ایک اور اعتراض مولویصاحب یہ کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مخالفوں کو بندر اور سوٗر کہا اسلیئے وہ سچے نبی نہیں ہوسکتے۔ مولویصاحب کے اعتراضات کو پڑھکر شک گذرتا ہے کہ شائد مولویصاحب نے کبھی قرآن شریف کو پڑھا ہی نہیں اور اگر کبھی پڑھا ہے تو اب بالکل دماغ سے نکل گیا ہے اور بالکل نسیًا منسیا ہوگیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جتنے انبیاءؑ گذرے انہیں سے کسی نے موٹے موٹے اور لمبے حرفوں میں لعنتوں کی قطار نہیں برسائی ”نہ کسی مخالف کو بندر اور سوٗر بنایا“ حالانکہ انبیاءؑ کے مخالفوں کا بندر اور سوٗر بننا قرآن شریف میں کھُلے الفاظ میں لکھا ہوٗا ہے۔ اگر مولویصاحب کو معلوم نہیں تو مَیں انکو سُنا دیتا ہوں قل یاھل الکتٰب ھل تنقمون منا الا ان اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل من قبل وان اکثرکم فسقون۔ قل ھل انبئکم بشر من ذٰلك مثوبة عند اللہ من لعنہ اللہ وغضب علیہ وجعل منھم القردة والخنازیر وعبد الطاغوت اولٰئك شر مکانا واضل عن سواء السبیل (اے پیغمبرؐ) کہدے کتاب والو تم ہم میں کچھ نہیں مگر یہی عیب نکالتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو ہم پر اُترا اُسپر اور جو ہم سے پہلے اُترا اُسپر ایمان لائے اور یہی کہ تم میں اکثر فاسق ہیں (اے پیغمبرؐ) کہدے میں تمکو وہ دین والے بتلاؤں جن کو اللہ تعالےٰ کے پاس سے بُرا بدلہ ملنے والا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اُنپر غصہ ہوٗا اور اُن میں سے کتنوں کو بندر اور سوٗر بنا دیا اور جنھوں نے شیطان کو پوجا (مائدہ - ۹) دیکھیئے مولویصاحب! یہاں خدا تعالےٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ تو اہل کتاب کو سُنا دے کہ تمپر خدا کی لعنت اور خدا کا غضب ہوٗا اور خدا نے تمھیں بندر اور سوٗر بنا دیا۔ اب کیا اُس زمانہ کے اہل کتاب آپ کی طرح یہ اعتراض کر سکتے تھے کہ یہ کیسے سچا نبی ہوسکتا ہے یہ تو اپنے مخالفوں کو ملعون اور بندر اور سوٗر کہتا ہے کیا اب بھی آپ یہی کہیں گے کہ آپ کا یہ اعتراض بالکل بجا ہے اور جو مامور من اللہ اپنے مخالفوں کو ملعون اور بندر اور سوٗر کہے وہ سچا نبی نہیں ہوسکتا۔ مولویصاحب! کچھ تو سوچکر بات کرنی

چاہیئے۔ آپ کی باتیں تو دُور چلی جاتی ہیں۔ پھر مولوی صاحب! آپ نے یہ بھی سوچا کہ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانہ کے اہل کتاب کو آیات مندرجہ بالا کے الفاظ میں مخاطب کر سکتے تھے ایسا ہی حضرت مسیح موعودؑ بھی اس زمانہ کے مسلمانوں کو یہ کہہ سکتے تھے ھل تنقمون منا الا ان اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل من قبل وان اکثرکم فسقون ۵ یعنی تم ہم میں کچھ نہیں مگر یہی عیب نکالتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر[۴] اور جو الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے یہود کو فرمائے بعینہٖ وہی الفاظ حضرت مسیح موعودؑ اس زمانہ کے مسلمانوں کو کہہ سکتے تھے۔ اور پھر مولوی صاحب! میں آپ سے ایک اور بات دریافت کرتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی تھی کہ آپ کی اُمت کے بعض لوگ ایک زمانہ میں یہودی صفت ہو جاوینگے اور جو کام پہلے یہود نے کیئے تھے وہ سب کام یہ لوگ بھی کرینگے۔ جب یہ بات ہے تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ اس اُمت میں بھی بعض بدقسمت لوگ ایسے پیدا ہوتے جن پر پہلے زمانہ کے یہود کی طرح وجعل منھم القردۃ والخنازیر کی آیت کریمہ صادق آتی۔ تو جب یہ امر ضروری تھا تو پھر آپ کیوں اعتراض کرتے ہیں کہ مسیح موعودؑ نے اپنے بعض مخالفوں کی نسبت یہ الفاظ کیوں استعمال کیئے! مولوی صاحب! اس میں حضرت مسیح موعود کا کیا قصور! ان سب باتوں کی تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳۰۰ سال قبل خبر دیدی تھی۔ اور یہ سب امور حضرت مسیح موعودؑ کے وجود کی ضرورت کے شاہد اور اُس کی صداقت کے نشان ہیں اور آپ کو یہی پیرایہ اعتراض کے رنگ میں نظر آتی ہیں۔ آپ کو تو چاہیئے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سُنکر حضرت مسیح موعودؑ کے وجود کی ضرورت کو تسلیم کر لیتے۔ کیونکہ بیماروں کے لیئے مسیحا کی ضرورت ہے۔ مولوی صاحب یہ اُمت خیر الامم کس طرح کہلا سکتی ہے جبکہ یہودی تو اسی قوم میں سے پیدا ہوں اور مسیح باہر سے آئے۔ اگر اس اُمت میں مسیحا پیدا کرنے کا مادہ نہیں تو پھر تو یہ اُمت سب سے گری ہوئی ٹھہری۔ کیونکہ یہود خواہ کیسی ہی بُری حالت میں ہو گئے تھے مگر پھر بھی اُن میں ایک ایسی عورت تھی جس کے پیٹ سے ایک مسیحا پیدا ہو گیا۔ تو کیا اُمت محمدیہ اُس سے بھی گئی گذری ہے کہ یہود تو ان میں پیدا ہوں مگر مسیحا کیلیئے بنی اسرائیل کی طرف دیکھنا پڑے افسوس آپکی مولویت پر۔

پھر مولوی صاحب ایک اور بڑا بھاری اعتراض پیش کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں " بھلا یہود ذرا نظر

[۴] اور اُس وحی پر جو ہماری طرف اُتاری گئی اور اُس پر جو پہلے اُتاری گئی ایمان لاتے ہیں اور تم میں سے اکثر فاسق ہیں

قیاد اور وبار

اُٹھا کر دیکھو کہ پچاس برس پہلے یعنی مرزا صاحب کی کمسنی میں غلّہ کس بھاؤ سے فروخت ہوتا تھا اور اب کیا نرخ ہے۔ مثلاً دودھ اور گھی پہلے کئے سیر بکتا تھا اور مرزا صاحب کی مسیحیت میں کسقدر ہو گیا۔ اُسوقت سیروں کا انداز تھا۔ اور اب چھٹاکوں کا انداز ہے۔" مولوی صاحب! اگر آپ کو قرآن شریف کی خبر ہوتی تو آپ یہ اعتراض نہ کرتے۔ کیونکہ قرآن شریف کے رُو سے سچّے رسول کی ایک یہ بھی علامت ہے کہ اُسکے عہد میں گرانی ہو اور وبائیں پڑیں سو ایک نشان کی آپ خود تصدیق فرما رہے ہیں دوسرے نشان کی زمانہ گواہی دے رہا ہے۔ اگر آپ پوچھیں کہ وہ کونسی قرآنی آیت ہے جس میں مرسلین کیلئے یہ دو امر بطور نشان کے بیان کیئے گئے ہیں۔ تو اُسکے جواب میں عرض ہے کہ مندرجہ ذیل آیت میں یہ دونوں نشان ہر ایک مرسل من اللہ کے لئے بیان کیئے گئے ہیں۔ اور وہ آیت کریمہ یہ ہے وما ارسلنا فی قریة من نبی الا اخذنا اھلھا بالبأسآء والضرآء لعلھم یضرّعون (اعراف - ۱۲) اس آیت کا مولوی وحیدالزمان صاحب جو مولوی ابو احمد صاحب رحمانی کی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالف ہیں اس طرح ترجمہ کرتے ہیں (جو خطوط وحدانی کے اندر تشریحی الفاظ لکھے گئے ہیں وہ بھی مولوی وحیدالزمان صاحب ہی کی طرف سے ہیں)

ترجمہ" اور ہم نے جب کبھی کسی بستی میں کوئی پیغمبر بھیجا تو وہاں کے رہنے والوں پر ہم نے محتاجی (مثلاً قحط وغیرہ) اور بیماری (طاعون وغیرہ) بھیجی اسلیئے کہ وہ گڑگڑائیں" دیکھیئے اس آیہ کریمہ میں خدائے تعالیٰ یہ اپنی سنت بیان فرماتا ہے کہ ہر ایک رسول کے زمانہ میں ہم دو چیزیں بھیجتے رہے ہیں۔ ایک قحط سالی دوسرے وبا پس اسی سُنت کے مطابق اس زمانہ کے رسول کے وقت میں بھی خدائے تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو بھیجا۔ اگر آپ صاحبان غور کرتے تو یہ امر حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا ایک زبردست نشان تھا مگر پہلے زمانہ کے لوگوں کی طرح آپ لوگوں نے بھی اس نشان سے کچھ فائدہ نہ اُٹھایا بلکہ اسی امر کو اعتراض کے رنگ میں پیش کرتے ہو۔ آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت ورسالت کا دعویٰ کرتے ہیں اسلیئے ان کے دعوے کو گذشتہ انبیاء کے حالات کے مطابق کر کے دیکھنا چاہیئے۔ پس میں کہتا ہوں کہ آپ مقابلہ کر کے دیکھ لیں حضرت مسیح موعودؑ میں تو نبیوں اور رسولوں کی ساری شانیں چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مگر پھر بھی آپ لوگ نہیں مانتے۔ بلکہ اُنکے مقابل میں وہی باتیں کہتے ہو جو پہلے لوگ کہ گئے جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے

بل قالوا مثل ما قال الاولون۔ خدائے تعالیٰ سچ فرماتا ہے۔ کذلک قال الذین من قبلھم مثل قولھم تشابھت قلوبھم قد بینا الاٰیٰت لقوم یوقنون۔ مولویصاحب! آپ لوگ تو اپنی ہی باتوں اور کارروائیوں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی گواہی دے رہے ہو۔ کیونکہ آپنے اس مامور من اللہ کے مقابل میں وہی کچھ کرکے دکھا دیا جو پہلے مامورین کے مخالف کیا کرتے تھے۔ پس اگر آپ صاحبان نے مسیح موعودؑ کی صداقت کا نشان دیکھنا ہے تو اپنے نفسوں پر غور کرو جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون

مسیحی دنیا کا ایک تنگ و تار ایک پہلو

(ایک احمدی کے قلم سے)

خودکشی بھی مسیحی دنیا کی تہذیب کا ہی ایک کرشمہ ہے۔ مہذب عیسائیوں میں اس مرض کی گرم بازاری بڑی تحیر خیز ہے۔ مثال کے طور پر میں ناظرین کے سامنے اخبار لینیسٹ کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ جس میں صرف شہر وی آنا میں اس مرض کے بھینٹ چڑھنے والوں کا اندازہ کیا گیا ہے۔ اخبار مذکور کا ایک نامہ نگار لکھتا ہے " نقشہ تعداد و شمار اموات خودکشی ظاہر کرتا ہے۔ کہ صرف شہر وی آنا میں خودکشی سے اس سال ۱۵۵۰ جانیں تلف ہوئیں۔ سال گذشتہ کی تعداد ۱۴۷۰ تھی۔ قابل ذکر بات یہ ہے۔ کہ اس اضافہ کی ذمہ وار زیادہ تر عورتیں ہیں۔ جنکی تعداد گذشتہ سال کی تعداد ۵۱۰ کے مقابل امسال ۶۲۷ ہے۔ مردوں نے بھی اضافہ تو کیا مگر صرف ۳۵ جانوں کا " اس سے بظاہر نتیجہ نکل سکتا ہے۔ کہ عورتیں بیشک و شبہ مردوں کے مقابل جسمانی و روحانی تکالیف کی برداشت میں زیادہ نازک اور کمزور واقع ہوئی ہیں۔ اور وہ روزانہ زندگی کے بوجھ کی تحمل نہیں ہو سکتیں۔ لیکن اس نقشہ کا ایک دوسرا روح فرسا پہلو یعنی چھوٹے بچوں کا بھی اس مہلک مرض میں گرفتار ہونا ہمیں اوپر کے نتیجہ پہنچے رہنے سے باز رکھتا ہے۔ سن و سال پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر عمر کے لوگ اس بلائے نابکار کا شکار ہوتے ہیں سب سے بڑا آدمی

جو اس مرض کا شکار ہوا ۸۸ سال کا بوڑھا تھا اور سب سے چھوٹا ۹ سال کا ایک بچہ تھا۔"

جو صاحب مہذب عیسائی دنیا کی ترقی کو عیسائیت کی پُر اثر تعلیم کا نتیجہ سمجھتے ہیں میں ان سے پوچھنا کرنیکا ضرور مجاز ہوں۔ کہ صاحب۔ ممالک مسیحیہ میں خودکشی کی یہ نوبت۔ بہ کثرت اس کو عیسائیت ہی کا ثمرہ کیوں نہ کہا جائے۔ مسیحی مذہب ایسا کمزور ثابت ہوا ہے کہ ایک معمولی سے معمولی اور خفیف سے خفیف قباحت کی روک تھام بھی اسکے ضبط اختیار سے باہر نظر آتی ہے۔ اب تو یہ قباحت انکی تہذیب کا ایک دھبہ ہے۔ بھلا جو مرض اس کے اندر سے پھوٹے وہ خود ہی اسکا علاج کرے یہ کیسے ممکن ہے۔ عیسائیوں میں مرض خودکشی کی یہ کثرت۔ کیا اس امر کا ثبوت نہیں۔ کہ ان لوگوں کو کسی آئندہ زندگی کا یقین نہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ عملی طور پر انکا مذہب یہاں تک ہی پہنچتا ہے۔ کہ موت کے ساتھ انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس زندگی کے بعد کوئی ایسا عالم نہیں جہاں اعمال کی جزا و سزا ملتی ہو۔ پس کیا ضرور کہ دنیاوی و سفلی مشکلات میں کوئی ہمت دکھاویں۔ ذرا مشکل کا سامنا ہوا۔ اپنا کام آپ تمام کر دیا۔ گلا ہاتھ سے گھونٹ لیا۔ نہ کوئی مشکل۔ نہ کوئی غم۔ اگر انکو اس بات کا یقین ہو کہ مرنے کے بعد ایک اور زندگی ہوگی جس میں انکے اس فعل کی انکو سزا دیجاویگی تو وہ ہرگز ایسے فعل کا ارتکاب نہ کریں۔

دوسرا امر جو خودکشی کے رواج سے مستنبط ہوتا ہے یہ ہے کہ ان لوگوں کو خدا کی قدرت اور طاقت پر ایمان نہیں اور نہ اس بات پر یقین ہے کہ ایک ایسی ہستی ہے جو انکی دعا کو سن سکتی ہو اور ہر ایک مشکل سے ان کو نجات دے سکتی ہے۔ ذرا سا سفلی اشکال دیکھا۔ نظر دوڑائی۔ دل نے فیصلہ کیا اب راستہ بچنے کا نہیں۔ عالم یاس میں گھر گئے۔ موت کے سوائے انہیں چھٹکارا کون دے سکتا ہے۔ اگر عیسائیت نے اپنے پیرووں کے دلوں میں قبولیت دعا اور خدا کی قدرت کا یقین مضبوط طور پر گاڑ دیا ہوتا تو اس مرض کا عیسائیت میں نام و نشان نہ ہوتا۔ ایک انسان جسے یہ ایمان نصیب ہے کہ خدائے قدوس کی ذات اس بات پر قادر ہے کہ اسے ہر مشکل سے نجات دے سکے اور یہ کہ وہ اسکی آواز کو اور اسکی دعا کو سنتی اور قبول کرتی ہے تو بھلا اسکے پاس یاس پھٹکنے بھی کیوں پا سکتی ہے رسول مقبول کے۔ کفار مکہ تنگ و تار غار کے منہ پہ آ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس غار میں دو پاکیزہ نفس حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پناہ گزین ہیں۔ آپ دونوں باہر کفار کے پاؤں تک آنکھ سے دیکھ رہے ہیں۔ مکہ کا کھوجی غار کے منہ پہ اپنا سامنے کے آسمان کی طرف تکتا رہ جاتا ہے

اور مُنہ اُٹھا کے کہہ دیتا ہے۔ کہ جن کی ہمیں تلاش ہے وہ یا تو اس غار کے اندر ہیں یا آسمان کی طرف اُٹھائے گئے ہیں۔ اس موقعہ پر جبکہ دشمن اپنے شکار کو غار کے اندر تھوڑی سی نظر دوڑانے سے پا سکتے ہیں۔ رسول خدا اپنے ساتھی کو یہ کہکے تسلّی دیتے ہیں لا تحزن ان اللہ معنا۔

اسی طرح حضرت موسیٰ کے ساتھی سامنے سمندر اور عقب میں خونی دشمن فرعون گھوڑوں گاڑیوں اور فوجوں کے ساتھ چڑھا آرہا دیکھکر کہہ اُٹھتے ہیں انا لمدرکون۔ ہم تو پکڑے گئے حضرت موسیٰ کمال اطمینان سے فرماتے ہیں کلا ان معی ربی سیھدین۔ ہرگز نہیں۔ میرا مولیٰ میرے ساتھ ہے۔ وہ مجھے ضرور کوئی راستہ دکھا دیگا۔

ان دونوں ہی موقعوں پر بظاہر بچ نکلنے کی ذرا گنجایش باقی نہیں۔ اوّلاً پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھی کے ہمراہ غار میں ہیں اور دشمن غار کے مُنہ پر۔ ثانیاً ایک نبی اللہ اور اسکے ہمراہیوں کے سامنے تو ایک بحر متلاطم موجزن ہے۔ اور پیچھے دشمن غضب میں بھرا ہوا ما دھاڑ کرتا چلا آرہا ہے۔ ہر دو موقعہ پر تباہی کی تصویر سامنے لٹکتی ہے۔ تاہم اللہ کے دونوں پیارے اپنے مولیٰ کی ذات کامل الصفات پر پورا بھروسہ اور یقین واثق رکھے ہوئے ہیں۔ کہ وہ ذات انہیں دشمن کے ہاتھ پڑنے سے محفوظ رکھے گی۔ اور پھر لطف یہ ہے۔ کہ بظاہر بچنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ اگر کوئی اُمید ہے تو یہی ہے۔ کہ مولیٰ انکے لیئے راہ کھول دے گا۔ اگرچہ آنکھ سے وہ راستہ سردست مخفی ہے۔

یہ دو مثالیں اس بات کے ثبوت میں کیا کم ہیں کہ اللہ کے پیاروں کا اللہ تعالیٰ پر۔ اللہ تعالیٰ کی مدد پر۔ اللہ تعالیٰ کی دستگیری پر کیسا غیر متزلزل ایمان ہوتا ہے۔ اور یہی لوگ اس اعلےٰ شخصیت کی تصویر و خاکہ ہوتے ہیں۔ جو ہمارے لیئے قابل تقلید نمونہ ہوتی ہے۔ رسول مقبولؐ کی نسبت قرآن کریم فرماتا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ قرآن کریم ایک جگہ اور رقم فرماتا ہے لا تایئسوا من روح اللہ انہ لا یایئس من روح اللہ الا القوم الکفرون لیکن عیسائی اقوام میں خودکشی کی یہ کثرت زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔ کہ الرحمٰن الرحیم خدا کے رحم پر وہ ایمان جس کی قرآن مجید میں خاص طور پر تاکید ہے ت میں وہ مفقود ہے۔ ممالک عیسویہ میں اس جرم کی خصوصیت سے بلاد اسلامیہ میں اسکا عنقا ہونا اس مقابلہ کو دیکھکر فطرت طبعاً ہمیں اس فیصلہ پر

پہنچاتی ہے۔ کہ الرحمٰن خدا کے رحم پر جو ایمان کی روح اسلام اپنے معتقدین میں پھونک سکتا ہے۔ اسے عیسائیت (عیسائیوں میں پھونکنا تو کیا اسکے سامنے پیش کرنے سے بھی عاجز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صرف یہی نہیں کیا کہ اپنے پیرووں کے دلوں میں خدا کی قدرت اور اُسکے مجیب الدعوات ہونے کا یقین ڈالدیا۔ بلکہ بخلاف حضرت مسیح علیہ السلام کے آنحضرت صلعم نے بوضاحت اس خطرناک جرم سے اپنے پیرووں کو روک بھی دیا آپ فرماتے ہیں من قتل نفسہ بشیئ فی الدنیا عُذّب بہ یوم القیٰمہ۔ جو شخص دنیا میں کسی چیز کے ساتھ اپنے تئیں قتل کرتا ہے وہ اُسی چیز کے ساتھ قیامت کے دن عذاب دیا جائیگا۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔ من تردّی من جبل فقتل نفسہ فھو فی نار جھنم یتردّی فیہ خالداً مخلداً فیھا ابداً ومن تحسی سمًّا فقتل نفسہ فسمہ فی یدہٖ یتحساہ فی نار جھنم خالداً مخلداً فیھا ابداً ومن قتل نفسہ بحدیدۃ فحدیدتہ فی یدہٖ یجابھا فی بطنہ فی نار جھنم خالداً مخلداً فیھا ابداً (بخاری جلد ۴۔ صفحہ ۱۵) یعنی جو شخص پہاڑ سے گرکر اپنے تئیں قتل کرے وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہے گا اور جس نے زہر کھا کر خودکشی کی تو دوزخ میں وہی زہر اُسکے ہاتھ پر ہوگی اور وہ اُسکو ہمیشہ کھاتا رہے گا۔ اور جس نے کسی آلہ سے اپنا کام تمام کیا تو دوزخ میں وہی آلہ اُسکے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اُسکو ہمیشہ اپنے پیٹ میں گھونپتا رہیگا۔ رسول اللہ صلعم نے یہانتک تو اپنی اُمت کو منع فرمادیا۔ کہ کوئی شخص مصیبت میں موت اپنے منہ سے نہ مانگے۔ موت کی دعا نہ کرے۔ موت کی آرزو کا کلمہ مُنہ سے نہ نکالے۔ آپنے ارشاد فرمایا لا یتمنین احدکم الموت من ضر اصابہ فان کان لا بد فاعلا فلیقل اللھم احینی ما کانت الحیاۃ خیرا لی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیرا لی۔ یعنی تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے جب اُسکو کوئی تکلیف پہنچے اور اگر اُس نے ضرور دعا کرنی ہی ہو تو اس طرح دعا کرے۔ اے اللہ جب تک جینا میرے لیئے اچھا ہے اُسوقت تک مجھے زندہ رکھ۔ اور جسوقت مرنا میرے لئے اچھا ہو اُسوقت مجھکو موت دے۔

جو برکات ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حاصل کیں۔ انکا گننا محال ہے۔ اور خودکشی کی وبا سے جس کا مسیحی اقوام میں یہ زور ہے مسلمان خدا کے فضل سے بالکل پاک ہیں۔ اور یہ فخر کائنات محسن خلق اللہ رسول عربی کا طفیل ہے۔ اور ان احسانات و برکات میں سے دیکھتے ہیں۔ کہ مسیحیوں میں تو اس مرض کی حد ہی نہ رہی۔ اور مشرقی اقوام بھی اسی طرف جا رہی ہیں

بلکہ اسے استحسان کی نظر سے دیکھتے ہیں تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ جاپان کے اُس بہادر جرنیل نے جس نے روس کو شکست دی تھی اپنے بادشاہ کی موت پر خود بھی خودکشی کر لی اگر اُس ملک میں اسلام کا مذہب ہوتا تو ایسی قیمتی جان ایسی جہالت کا شکار نہ بنتی۔ ہندو عورتیں اپنے خاوندوں کی موت پر خودکشی کر لیتی ہیں اور یہ بڑی نیکی سمجھی جاتی ہے۔ پر ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔ اُس پاک وجود نے اس مرض کا بیج اُکھیڑ دیا۔ اور ہمیں صاف بتا دیا۔ کہ ہم کریں تو وہ جو بھلا ہو۔ نہ کریں تو وہ جو بُرا ہو۔ بجز رسول اکرمؐ کے کسی اور کا نام لینا جس نے اسقدر جامع خیر احکام نافذ کیئے ہوں حد امکان سے باہر ہے۔ جو کچھ انسان کے لیئے مفید ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ بھی چھوڑا نہیں گیا۔ اور غیر مفید نقصان دہ چیزیں مطلقاً شامل ہی نہیں کوئی ایسی نیکی نہیں جس کے کرنیکا اُس رحمۃ للعٰلمین نے حکم نہیں دیا اور کوئی ایسی بُرائی نہیں جس سے آپ نے منع نہیں فرمایا۔ ہر بھلائی جو غیر مذاہب میں کہیں ڈھونڈے سے مل سکتی ہے۔ قرآن کریم اسے اپنے اندر کہیں بڑھ چڑھ کر لیئے ہوئے ہے۔ اور ہر بُرائی کی جڑھ تک کھول کھول کر پیش کر دی گئی ہے۔ کہ ہم اس سے بچیں۔

اس زمانہ کی مسیحی تہذیب بجنسہ ایک پھوڑے کے مشابہ ہے۔ جو بظاہر خوشنما اور چمکیلا اور بدن کے سب باقی حصّے سے اچھا دکھائی دیتا ہے۔ مگر اندر گندے مواد سے پُر ہے۔ بے انتہا بُرائیاں ہیں جو مسیحی تہذیب کے چہرے کو سیاہ کر رہی ہیں اور افسوس ہے کہ عیسائیت اس بدی کا علاج کرنے سے بالکل عاجز ہے۔ اسلام کے معجزنما پاکیزہ دست شفا کے ماسوا اس بدی کا علاج ہونا خیال است و محال است و جنوں۔ مسیحیوں کا سچّا نجات دہندہ تو رسول عربی ہی ہو سکتا ہے۔ اچھا اسی مرض کو دیکھ لو جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے یعنی منحوس خودکشی۔ ہم قرآن مجید فرقان حمید اور رسول اکرم صلعم کے اقوال و احادیث میں صاف کھلے احکام پاتے ہیں جو ہمیں خودکشی سے منع کرتے اور اس جرم کو کبیرہ گناہ ظاہر کرتے ہیں۔ جسکا مرتکب دائمی عذاب میں گرفتار ہوگا۔ اگر حضرت مسیحؑ نے بھی اس فعل قبیح سے بچنے کا حکم نافذ کر دیا ہوتا۔ تو کیا مجال تھی کہ یہ بیہودہ مرض مسیحیوں میں اس کثرت سے پھیلتا۔ خود مَیں نے ایک مسلمان عورت کو یہ کہتے سنا۔ کہ مجھے کئی دفعہ اپنا کام تمام کرنے کا خیال آیا مگر رسول اکرم صلعم کے اس فرمان نے کہ جو شخص اپنے تئیں زہر نگلنے سے تباہ کریگا۔ اُسکے ہاتھ میں زہر کا ایک پیالہ پکڑا دیا جائیگا جسے وہ جہنم کی آگ میں جلتے ہوئے پیا کریگا۔ اس جرم کے ارتکاب سے باز رکھا۔ کیونکہ مجھے فکر ہوئی کہ

افکار و اندوہ کا خاتمہ کرنا تو کہیں رہا خودکشی انہیں مجھے ان میں دوام کے لیئے گاڑ دیگی۔ یہی وہ خوف تھا جس نے اس عورت کو خودکشی سے باز رکھا۔ اور یہ عورت آخرت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھنے سے ایک مہلک قدم اٹھانے سے محفوظ رہی۔ ہر ایک شخص کے دل میں یہ خواہش ضرور پیدا ہو گی۔ کہ یہ مسیحی مرد اور عورتیں جو اپنی اس دنیا کی زندگی کو اپنے ہاتھوں ختم کر دینے سے اپنی مصائب کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کاش یہ لوگ اس مسلمان عورت کے ایمان سے حصہ لیتے۔ اگر عیسائیوں کو اس عورت جتنا ایمان بھی نصیب ہوتا۔ تو وہ اس سے محفوظ رہتے۔ لیکن یہ ایمان اس سردار انبیاء کی حلقہ بگوشی کی بدولت ہی نصیب ہو سکتا ہے۔ جو تیرہ سو سال ہوئے جزیرہ نما عرب کی صحرا میں ظاہر ہوا۔ اس نے عملی طور پر دکھا دیا کہ دنیا کا نجات دہندہ وہ تھا۔ نہ کوئی اور۔ اور اگر مسیحی ممالک ان امراض سے پاک ہونا چاہیں جو انکی درباآبادیوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تو کیا ہے۔ اسلامی نبی کی حلقہ بگوشی اختیار کریں نجات دروازہ پر کھڑی ہے۔۔ (راقم ایک احمدی)

رپورٹ ماہوار صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۳ء

صیغہ یتامیٰ۔ آمد ماہ نومبر ۱۹۱۳ء ماہیے آمد ماہ دسمبر ۱۹۱۳ء ۱۱۱ مدرسہ۔ صیغہ یتامیٰ کی آمد اس ماہ میں بہ نسبت گذشتہ ماہ کے پستی کی حالت میں ہے گذشتہ ماہ میں حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد کی طرف احباب اور اخوان کو متوجہ کیا گیا تھا کہ خرچ ماہوار یتامیٰ کا دو سو روپیہ سے اوپر ہو رہا ہے اور آمد ماہیے ہے جس کا کوئی اثر نہیں ہوا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔ مگر ہماری دینی توجہ اس بات پر منحصر نہیں ہونی چاہیئے کہ کسی کی یاد دہانی یا تاکید اسکی محرک ہو سب دوست خوب جانتے ہیں کہ قادیان میں یتامیٰ اور مساکین کی پرورش کا ایک خاص اہتمام ہے پھر اگر ہم دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے ہیں تو کیوں اپنے اخراجات میں سے یتامیٰ اور مساکین کا حصہ نہیں نکالتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان لوح قلب پر آب اخلاص سے لکھنے کے قابل ہے کہ انا و کافل الیتیم کھاتین فی الجنۃ یعنی آپ فرماتے ہیں کہ میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور یتیم کا متکفل ۔۔۔ ان دو انگلیوں کی طرح (دو شادوش) جنت میں رہیں گے یعنی جس طرح

یہ دو اُنگلیاں سبابہ اور میانہ ہیں اسی طرح متکفل یتیم میرے ساتھ ہوگا اسی بنا پر حضرت خلیفۃ المسیح یتامٰی سے جو اُنسے پرورش پاتے ہیں ایسا سلوک فرماتے ہیں کہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے یہ نبوی فرمان کی قدر ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی قدر دانی کی توفیق بخشے۔ آمین

صیغہ زکوٰۃ کی آمد اس ماہ میں قابل شکر گذاری ہے گذشتہ ماہ سے ایک سو کی بیشی ہے مگر گذشتہ سے پیوستہ مہینہ کی نسبت ایک سو کے قریب کمی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ماہ اکتوبر کی آمد ۱۱۲۰۰ اور دسمبر کی ۱۲۱ ہے اللہ تعالیٰ ہماری قوم کو اپنے فضل سے وسیع پیمانہ پر کام کرنیکی توفیق عطا فرمادے تاکہ ان مدات میں اخراجات سے زیادہ آمد نظر آوے و باللہ التوفیق۔

مقبرہ بہشتی) اس ماہ میں کوئی میت مقبرہ بہشتی میں مدفون نہیں ہوئی اور صرف ایک وصیت سڑوعہ ضلع ہوشیارپور سے درج رجسٹر ہوکر وصیت حوالہ صدر انجمن ہوا مگر میت قبرستان میں ابھی نہیں پہنچ سکی۔ اس ماہ میں کل آمد مقبرہ بہشتی کے صیغہ میں ۱۰۱۴ ہوئی اور بالمقابل خرچ ۱۲ ہوا مندرجہ ذیل بڑی رقوم اس ماہ میں داخل خزانہ ہوئیں۔

(۱) ڈاکٹر غلام دستگیر صاحب۔ مگوئی عہ (۲) بابو عبد الرحمٰن صاحب۔ شملہ۔ عہ (۳) منشی غلام نبی صاحب مدرس۔ رامپور۔ عہ۔ (۴) مسمات بیگم زوجہ مولا بخش صاحب بھاگی ننگل ضلع گورداسپور عہ۔ (۵) منشی طفیل احمد صاحب چندوسی۔ عہ۔ (۶) محمد یوسف صاحب زرگر۔ پنڈی چیری ضلع منٹگمری عہ (۷) دوست خانصاحب قلات عہ (۸) مولا داد خانصاحب انسپکٹر پولیس پٹیالہ عہ (۹) اکبر خانصاحب خادم حضرت اقدس علیہ السلام سنور۔ عہ۔ (۱۰) مولوی عظیم اللہ صاحب۔ نابھہ ریاست عہ (۱۱) جماعت فیروزپور بحساب میاں نور محمد مرحوم۔ فیروزپور۔ عہ۔ (۱۲) منشی محمد دین صاحب مدرس۔ کرالی۔ عہ (۱۳) مستری احمد دین صاحب۔ بھیرہ عہ (۱۴) میاں عبد اللہ صاحب بھڈوی مرحوم بذریعہ غلام محمد صاحب پڈہلوی عہ (۱۵) ڈاکٹر بشارت احمد صاحب از راولپنڈی عہ

صیغہ اشاعت اسلام۔ اس ماہ میں ریویو اردو کی اشاعت میں ایک سو کی بیشی ہوئی اور ریویو انگریزی میں ۷ کی کمی اور تفسیر القرآن کی اشاعت میں ۱۸ کی کمی واقعہ ہوئی اُردو ریویو بھی ریویو انگریزی کی تقویت کے لئے ہے اصل علت غائی تو اسکی ممالک مغربی

میں (جو زیادہ تر انگریزی زبان کے زیر اثر ہیں) اشاعت و تبلیغ اسلام ہے۔ اب سال کا شروع ہے لہٰذا بر فرض ہے کہ وہ ریویو کی اشاعت کی طرف خاص توجہ کریں اور احمدی جماعتوں کے پُر جوش ممبر دوسروں کو بھی اس کی خریداری کے لیئے تحریک کریں۔ اُمید ہے کہ ابھی تک حضرت مسیح موعودؑ کا ارشاد اُنکو نہیں بھولا ہوگا لیکن اُنکو دوبارہ توجہ دلانے کے لیئے اُس ارشاد میں سے چند سطریں بطور یاددہانی یہاں نقل کیجاتی ہیں:۔

"چونکہ ہماری تمام جماعت کو معلوم ہوگا کہ اصل غرض خدائے تعالیٰ کی میرے بھیجنے سے یہی ہے کہ جو جو غلطیاں مذہب نے پھیلائی ہیں اُنکو دُور کر کے دنیا کے عام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جاوے۔۔۔۔ اور انہیں اغراض کے پورا کرنیکے لیئے رسالہ انگریزی جاری کیا گیا ہے۔۔۔۔ اگر خدانخواستہ یہ رسالہ کم توجہی اس جماعت سے بند ہوگیا تو یہ واقعہ اس سلسلہ کے لیئے ایک ماتم ہوگا۔ اسلیئے مَیں پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت اور مالی امداد میں جہان تک انسے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلادیں۔۔۔۔۔۔ اگر اس رسالہ کی اعانت کے لیئے اس جماعت میں دس ہزار خریدار اردو یا انگریزی کا پیدا ہوجائے تو یہ رسالہ خاطر خواہ چل نکلیگا اور میری دانست میں اگر بیعت کرنے والے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں تو اسقدر تعداد کچھ بہت نہیں" اب یہ احباب کے اختیار میں ہے کہ جہانتک چاہیں اس ارشاد کی تعمیل کریں۔

ٹیچنگ آف اسلام کا ترجمہ گجراتی زبان میں شائع کرنے کے لیئے مسرز اللہ دین اینڈ سنز۔ سوداگران۔ سکندرآباد نے صدر انجمن سے اجازت حاصل کی تھی۔ اب اُنکی اطلاع آئی ہے کہ ترجمہ مکمل ہوگیا ہے۔ جو عنقریب چھپکر تیار ہوجائیگا۔ اللہ تعالیٰ کس طرح دلوں میں مسیح موعودؑ کی صداقت کی تحریک کر رہا ہے سبحان اللہ و بحمدہ ولایت میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ سرگرمی سے شروع ہے۔ نومسلمین کے لیئے حضرت خلیفۃ المسیح نے خواجہ صاحب صاحب کی معرفت کچھ ہدایات لکھی ہیں۔ کہ انکو بعد اسلام قبول کرنیکے کیا کرنا چاہیئے۔

شفاخانہ اس ماہ اندرون قصبہ میں تعداد مریضان جدید و قدیم ۱۶۷ اہے جسکی اوسط روزانہ ۸۴ر۴۷ ہے ۱۱ مائنر اوپریشن ہوئے بیرون قصبہ یعنی دارالعلوم میں تعداد جدید و قدیم ۹۴۹ ہے اوسط روزانہ ۶۱ر۳۰ ہے مائنر اوپریشن ۵ ہوئے۔

صیغہ عمارت میں رنگ اور روغن بورڈنگ کا کام ختم ہوگیا ہے عمارت کے بالائی حصہ پر

ٹیوٹر ہوس بنوانے شروع ہو گئے یہ عمارت اب مکمل ہو گئی ہے سکول کی عمارت کی تکمیل باقی ہے اللہ تعالیٰ توفیق بخشے اور مدد فرمائے آمین۔

تعلیم الاسلام مقابلہ ٹورنیمنٹ میں پچھلے سالوں کی طرح ہماری ٹیمیں ڈسٹرکٹ ٹورنیمنٹ پر اول رہکر انعام لائیں علاوہ ازیں دو عدد کپ ملے اور ایک کپ بسبب متواتر چار سال جیتنے کے ہمیشہ کے لیئے سکول کی ملکیت ہو گیا اس سال ٹورنیمنٹ بٹالہ میں ہوا جو مولوی محمد حسین کا وطن ہے وہاں دیسی اور انگریز ہندو اور مسلمان قادیان کے طالبعلموں کی تعریف نہ صرف کھیل کے متعلق کرتے تھے بلکہ اخلاق پر بھی بہت تحسین کرتے تھے مولویصاحب محمد حسین کے خاص کوچہ میں ایک رئیس نے ہمارے طالبعلموں کو دعوت دی جہاں حضرتؑ کے خدام چالیس کے قریب گئے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کے متعلق وہاں تبلیغ بھی کر آئے اور کھانا بھی خوشی سے کھا کر آئے اللہ تعالیٰ یہ فتح احمدی جماعت کو مبارک کرے۔ آمین۔

صیغہ متفرقات۔ دفتر محاسب کی آمد اس ماہ میں [illegible] روپے اور خرچ [illegible] ہوا جلسہ سالانہ کی وجہ سے جو چندہ وصول ہوا اسلیئے آمد میں نمایاں تبدیلی معلوم ہوتی ہے:

جلسہ سالانہ۔ جلسہ امسال اللہ تعالیٰ کے فضل سے رونق اور کامیابی سے ہوا۔ اس دفعہ ۲۵ دسمبر کو ہی تعداد مہمانان دو ہزار کے قریب ہو گئی تھی۔ اور ۲۶ کو اندازاً تین ہزار سے زائد آدمی جمع ہو گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ظہور کا ایک بیّن نشان دکھائی دیتا تھا۔ غرضکہ جلسہ سالانہ بڑا ہی خیر و خوبی کے ساتھ ختم ہوا۔

شبیر علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

ریویو

البلاغ المبین۔ یہ کتاب مندرجہ ذیل مضامین کا مجموعہ ہے جسکو قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل نے جمع کرکے شائع کیا ہے۔ (۱) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے آخری لیکچر جو رؤسائے لاہور کے سامنے ۱۷ مئی کو دیا۔ اور (۲) ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء بوقت عصر کی تقریر (۲۶ مئی کو بوقت ۱۰½ بجے صبح آپنے انتقال فرمایا) اور (۳) حضرت خلیفۃ المسیح کی سب سے پہلی تقریر جو

حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد جماعت احمدیہ سے بیعت لینے وقت فرمائی۔ اور (۴) آپ کے لکھے ہوئے جماعت احمدیہ کے عقائد پھر (۵) ثبوت صداقت۔ یہ ایک بیش بہا مجموعہ ہے جسکی قیمت قاضی صاحب نے صرف ۸/ رکھی ہے۔ مؤلف سے مل سکتی ہے۔

آیات بینات :۔ یہ کتاب شیخ رحیم بخش صاحب (راجپال) نومسلم محمڈن مشنری قادیان نے میتھوڈسٹ مشنری سوسائٹی لکھنؤ کے ایک رسالہ بنام آیات اللہ یعنی معجزات کے جواب میں لکھی ہے جسمیں انہوں نے قرآن شریف کے رُو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم بھی دوسرے انبیاء کی طرح ایک نبی تھے۔ انہیں اس سے زیادہ کوئی فضیلت نہیں۔ اسکا پڑھنا اور شائع کرنا انشاءاللہ تعالیٰ مفید ہوگا۔ اسمیں اسلامی فائدہ بھی ہے اور شیخ صاحب کی حوصلہ افزائی بھی۔ خدائے تعالیٰ شیخ صاحب کو انکی اس محنت اور اسلامی جوش کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ قیمت ۲ر مصنف سے مل سکتی ہے۔

مسیح پر خیال۔ یہ رسالہ مرزا عبدالغنی صاحب (قادیان) نے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ آج مسیح ابن مریم کی بابت تمہارا کیا خیال ہے۔ یہ سوال ایک پادری نے آپ پر کیا تھا جسکا انہوں نے نہایت معقول جواب دیا ہے مصنف صاحب نے اس چھوٹے سے رسالہ میں بہت سی سچائیاں جمع کر دی ہیں اگرچہ عبارت بعض جگہ پیچیدہ ہے۔ یہ رسالہ مصنف سے بقیمت ۱ر مل سکتا ہے۔

کلمہ طیبہ :۔ ضرورت قرآن۔ المسیح المہدی والمسیح الدجال۔ یہ تین رسالے حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ منزل نولکھا۔ لاہور نے شائع کیے ہیں۔ اور انکا ارادہ ہے کہ اس قسم کے ۴۰ ٹریکٹ شائع کریں جنکے مضامین کی فہرست انہوں نے شائع کردی ہے۔ انکا یہ ارادہ نہایت ہی نیک ہے اور خدائے تعالیٰ انکو اس ارادہ میں کامیاب کرے اور اس سلسلہ کو نہایت ہی بابرکت بنادے جن تین ٹریکٹوں کے نام اوپر لکھے گئے ہیں انمیں سے ہر ایک کی قیمت ۔ ہے۔ ملنے کا پتہ محمد یٰسین صاحب تاجر کتب قادیان۔ احباب بہت سے ٹریکٹ خریدکر اور عام لوگوں میں شائع کرکے ثواب حاصل کریں۔

اقبال :۔ اس نام کا رسالہ حال میں زیر ایڈیٹری شہزادہ محمد صابر صاحب درانی لدھیانہ سے نکلنا شروع ہوا ہے پہلے نمبر کے مضامین پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ موجودہ اردو لٹریچر میں یہ رسالہ ایک مفید اضافہ ثابت ہوگا۔ اچھے اچھے اہل قلم کے مضامین اور چیدہ چیدہ اہل سخن کا کلام اسمیں درج کیا گیا ہے اور ایڈیٹر خود ایک باا ثر مضمون نگار ہیں۔ خدائے تعالیٰ اس رسالہ کو اہل ملک کے لیے مفید بنائے۔ قیمت ؏ سالانہ ایک پرچہ کی قیمت ۳ر۔ ترسیل زر

تقریر جلسہ اعظم مذاہب یا لیکچر مہوتسو — یعنی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا عظیم الشان لیکچر جو ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا۔ چوتھی دفعہ نہایت عمدہ کاغذ پر خوب خوشخط لکھوا کر چھپوایا گیا ہے تقطیع بھی نہایت موزون ہے اس کتاب میں حضرت اقدس نے ذیل کے پانچ امور پر فلسفیانہ رنگ میں بحث کی ہے۔ اور تمام دلائل قرآن شریف سے پیش کیے ہیں (۱) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتیں (۲) انسان کی زندگی کے بعد کیحالت یعنی عقبیٰ (۳) دنیا میں انسان کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب (۴) اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں (۵) علم اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے۔ تقریباً ۱۵۰ صفحہ کی کتاب ہے۔ قیمت ۵ر

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ جو ولایت سے چھپکر آیا ہے۔ نہایت خوبصورت جلد قیمت عہ ر

قاعدہ یسرنا القرآن
نو ترمیم

یہ قاعدہ جسقدر مفید اور مقبول ثابت ہوا ہے محتاج بیان نہیں۔ عام طور پر کئی کئی سال تک بچوں کی عمریں ضائع ہو جاتی تھیں اور قرآن شریف ختم نہیں ہوتا تھا۔ اور جو کسی بچے نے قرآن شریف ختم بھی کیا تو ایسا کہ دوبارہ پڑھاؤ تو ایک سطر رواں اور صاف نہیں پڑھ سکتا۔ مگر اس قاعدہ کے پڑھانے سے ایک بچہ چھ ماہ میں قرآن شریف ختم کر لیتا ہے۔ اور اس میں اس قدر طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ عربی کی کوئی کتاب جسپر اعراب دیئے ہوں بلا تکلف پڑھ لیتا ہے۔ اس قاعدہ کے چار ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔ مصنف صاحب قاعدہ مذکور نے نہایت محنت اور جانفشانی سے سابق قاعدہ میں ترمیم کر کے بہت سی مفید باتیں اور ایزادیاں کی ہیں اور جابجا اساتذہ کیلئے کارآمد نوٹ دیئے ہیں۔ لکھائی اور چھپائی عمدہ ہے۔ کاغذ بھی اعلیٰ لگایا گیا ہے۔ جو احباب اپنے عزیز بچوں کو صحیح قرآن شریف پڑھانے کے خواہشمند ہوں۔ وہ یہ قاعدہ شروع کروائیں قیمت مکمل قاعدہ عربی ۲ر صرف حصہ اول ۱ر اردو کا قاعدہ محصولڈاک ۱ر

پارہ اول دوم سوم — چونکہ ایسے قرآن شریف یا علیحدہ پارے بہت کم ملتے ہیں جنپر اعراب صحیح لکھے ہوں اور قاعدہ یسرنا القرآن ختم کر کے بچے بآسانی قرآن شریف پڑھ سکیں۔ ہم نے یہ دقت محسوس کر کے قاعدہ یسرنا القرآن کی طرز پر پارہ اول۔ دوم سوم خاص اہتمام سے چھپوائے ہیں۔ جو احباب اپنے بچوں کو قاعدہ یسرنا القرآن شروع کرواتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ قاعدہ ختم ہونے پر پہلے یہ پارے پڑھائیں تا بچوں کو قرآن شریف [illegible] پڑھانے کیلئے بھی مفید ہیں جو دوسرے قاعدے پڑھتے ہیں کیونکہ ان پر اعراب بہت صحیح [illegible] ہیں قیمت فی پارہ ۱ر۔ درخواستیں بنام منیجر میگزین قادیان آنی چاہیئیں۔

اطلاع:- خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرما دیں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۳ | بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۴ء | مطابق ربیع الاول سنہ ۱۳۳۲ ھجری | نمبر ۲

فہرست مضامین

چندہ سالانہ
عام ع۴ طلباء سے ع۲

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- فروری ۱۹۱۴ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

خدارا یکزماں بردار از رخ پردہ اے لیلیٰ
کہ ناصح پر ملامت میکند مجنونِ شیدارا

یہ انسانی فطرت ہے کہ جن لوگوں کے نام دنیا میں شہرتِ تام رکھتے ہیں اُن کے حالات زندگی تفصیلی طور پر معلوم کرنے اور سُننے کی خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سلطان صلاح الدین اور نپولین کی سوانح عمریاں جس شوق سے مطالعہ کیجاتی ہیں کسی معمولی آدمی کی لائف کو ہرگز یہ بات میسّر نہیں ہوسکتی۔ اور اسی تقاضائے فطرت کا نتیجہ ہے کہ لوگوں نے شیطان علیہ اللعن کو مشہور آفاق دیکھکر اُس کی بھی فرضی سوانح عمری لکھ ڈالی اور وہ بھی بہت سے احمقوں کا شغلِ بیکاری بنی لیکن شائع اور متداول ہونے والی سوانح عمریوں میں بہت ہی تھوڑی ایسی ہوتی ہیں جو لوگوں کو بہت زیادہ نفع پہنچاسکتی ہیں اسوقت مَیں لوگوں کو ایک ایسی لائف کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو اپنے ایک ایک صفحہ میں جواہرات کے انبار رکھتی ہے۔ مصنف نے ٹائٹل پیج پر یہ شعر لکھا ہے جو اس اعلان کا ہیڈنگ ہے اور اس شعر سے سوانح عمری کی صرف ایک ہی خوبی کی طرف اشارہ ہوتا ہے یعنی سلسلۂ احمدیہ کے موجودہ امام کی سوانح عمری کو پڑھکر مخالفین و معاندین سلسلہ شرمندہ ہوجائینگے اور تبلیغ سلسلہ کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ اس کتاب کو غیر احمدیوں میں بکثرت شائع کیا جائے لیکن اسی قسم کی اور اس سے بھی بڑھ چڑھکر اور بہت سی خوبیاں اس سوانح عمری میں

جس کا نام

مرقاۃ الیقین فی حیوۃ نور الدّین ہے

اکبر نجیب آبادی مؤلف کتاب کی کوششوں سے جمع ہوگئی ہیں اور تمام خوبیوں کا اندازہ صرف کتاب کے مطالعہ پر منحصر ہے۔

یہ کتاب دفتر میگزین سے سوا روپیہ (عہ) قیمت پر ملتی ہے اور تعداد میں بہت تھوڑی چھپی ہے۔ دوسرے ایڈیشن کے لیئے خدا جانے کسقدر انتظار کرنا پڑے۔ درخواستیں بنام منیجر میگزین قادیان ضلع گورداسپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تصدیق المسیحؑ نمبر۲

بجواب

حقیقۃ المسیحؑ

(سلسلہ کے لیئے ملاحظہ ہو ریویو بابت جنوری ۱۹۱۴ء)

پیداوار - دودھ اور گھی کی کثرت

مولوی ابو احمد صاحب فرماتے ہیں کہ مسیح کے زمانہ میں تو چاہیئے تھا زمین کی پیداوار کی کثرت اور دودھ اور گھی کی زیادتی ہوتی - مولوی صاحب - اگر آپ کا یہ بیان درست ہے تو یہ نشان بھی موجود ہے اس زمانہ میں اس مسیح موعودؑ کے زمانہ میں خدائے تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کیئے ہیں کہ ویران زمینیں آباد ہو گئی ہیں جہاں مسیح کے زمانہ سے پہلے بیابان پڑے تھے اب وہاں نہریں چلتی ہیں کھیتیاں لہلہاتی ہیں - اور سبزہ زار کا خوشنما نظارہ آنکھوں کو خوش کرتا ہے - اور جہاں کانٹے دار جھاڑیاں اور ویرانے تھے - اب وہاں باغ اور آبادیاں دکھائی دیتی ہیں اور جہاں مسیح کے زمانہ سے پہلے میلوں آب و دانہ کا نشان نظر نہیں آتا تھا اب وہاں چشمے جاری ہیں اور نہریں چلتی اور پھولوں اور پھلوں کے باغ لہلہاتے ہوئے نظر آتے ہیں - اور اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ اب زمین کی پیداوار بہت بڑھ گئی ہے اور جب زمین آباد ہو گئی تو اس کا ضروری نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ دودھ اور گھی بھی اسی

نسبت سے بڑھ جائے۔ پس یہ نشان تو خدا نے پورا کر دیا۔ پس اے مولوی صاحب۔ اگر آپ اس امر کو واقعی مسیح موعودؑ کے زمانہ کا نشان سمجھتے ہیں تو پھر یہ نشان تو کھلے طور پر پورا ہو گیا پھر آپ کو اس مسیح کے ماننے میں کیا تامل ہے۔ اگر آپ نے پیداوار کا نشان دیکھنا ہو تو آپ مسیح موعودؑ کے ملک یعنی ملک پنجاب میں تشریف لا کر بچشم خود اس نظارہ کا تماشا کریں اور پنجاب کی نو آبادیوں کی سیر کر کے اپنے ایمان کو زندہ کریں اور یہ امر صرف پنجاب تک ہی محدود نہیں بلکہ دنیا کے مختلف حصوں میں یہ نشان اپنا جلوہ دکھا رہا ہے اور غیر آباد علاقے آباد کئے جا رہے ہیں اور بنجر زمینیں مرغزار کا نمونہ بن رہی ہیں۔ مگر مولویصاحب۔ آپ ایک اور تماشا دیکھیئے کہ باوجود اس کثرت پیداوار کے پھر بھی آپ کو گرانی کی مصیبت میں گرفتار کر رکھا ہے اور جو چیز پہلے منوں کے حساب سے ملتی تھی اب وہ سیروں کے حساب سے ملتی ہے اور یہ دکھ آپ کو اسلئے دے رکھا ہے تا آپ تضرع سے کام لیں آپ کو اس امر کا بہت دکھ ہے کہ اگرچہ "ہندوستان زمین کی پیداوار کا مخزن" ہے مگر اس سے یہاں کے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ "اکثر پیداوار دوسرے ملک کو دوسری قومیں لیجاتی ہیں" آپ فرماتے ہیں کہ یہ ساری مصیبت "مرزا صاحب کے قدوم میمنت لزوم کی برکت ہے"۔ ہاں مولوی صاحب! پہلے بھی ایک قوم تھی جس نے آپکی مانند کہا انا تطیرنا بکم۔ اسکے آپ جیسے مہذب لوگوں کی زبان میں یہی معنے ہیں کہ یہ مصیبت آپکے قدوم میمنت لزوم کی برکت ہے۔ مگر مولویصاحب! آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ مرسلین نے ایسا کہنے والوں کو کیا جواب دیا۔ وہی جواب آپ بھی سمجھ لیجئے۔ اس سے زیادہ آپ کو ہم کیا جواب دیں سورہ یٰس تو اکثر ملا صاحبان کو یاد ہوتی ہے کیونکہ اکثر انکو اپنے کاروبار میں اسکے پڑھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پس میں امید کرتا ہوں کہ آپ کو بھی یاد ہو گی ورنہ آپ قرآن شریف کھولکر دیکھ لیں کہ خدا تعالیٰ نے انا تطیرنا بکم کہنے والوں کو کیا جواب دیا۔ وہی جواب آپ اپنے حق میں سمجھ لیجئے۔

"۲۳ کروڑ مسلمانوں کا کفر"

پھر مولویصاحب حضرت مسیح موعودؑ کے مقابل میں اپنے خیال میں ایک بڑا بھاری اعتراض پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ کس طرح سچے نبی ہو سکتے ہیں "انکی ذات مبارک سے ۲۳ کروڑ کے قریب مسلمان کافر ہو گئے"۔ اس اعتراض کی تفصیل مولویصاحب اسطرح فرماتے ہیں "۲۳ کروڑ مسلمانوں میں سے بعض نے انہیں مانا۔ انکی تعداد ان کے بیان کے بموجب چار لاکھ ہے۔ اب مرزا صاحب اور انکے خلیفہ صاحب کا ارشاد ہے کہ

جو مرزا صاحب پر ایمان نہیں لایا وہ مردہ اور کافر ہے اور مثل یہود کے ہے جو حضرت مسیحؑ پر ایمان نہیں لائے" (اسکے ساتھ مولویصاحب یہ الفاظ بڑھاتے ہیں نعوذ باللہ من ھذہ الکفریات) اور پھر لکھتے ہیں "اس کا حاصل یہ ہوا کہ دنیا میں جو تیرہ سو برس کے عرصہ دراز میں جسقدر مسلمانوں کی تعداد ہوئی تھی وہ نیست و نابود ہوگئی اور ۲۳ کروڑ میں سے مرزا صاحب کی کوشش سے چار لاکھ مسلمان رہے اور سب کافر ہو گئے" مولویصاحب نے اس اعتراض کو لکھکر بہت واویلا کیا ہے اور عام مسلمانوں کو جماعت احمدیہ کے برخلاف بہت اکسانے کی کوشش کی ہے۔ آپ گویا روتے ہوئے فرماتے ہیں" انہوں نے تو گویا اسلام کو مٹادیا اور اُس کی تیرہ سو برس کی عمارت کو ڈھادیا۔ اب دوسری عمارت بنانا چاہتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔ بھائیو۔ کچھ تو غور کرو۔ جماعت احمدیہ ایسی بدیہی باتوں کو نہیں دیکھتی اور اندھی بنکر دھکتی آگ میں گری پڑتی ہے" مولوی صاحب نے اسی مضمون کے متعلق اپنے رسالہ کے آخر میں ایک تتمہ بھی لگایا ہے۔ گویا اس اعتراض کو بڑی وقعت دی ہے۔ اور یہ اعتراض اُنکے نزدیک بالکل ناقابل جواب ہے۔ لیکن اگر انہوں نے اپنے اعتراض کا بودا پن دیکھنا ہو تو وہ یہ دیکھ لیں کہ ایک اسرائیلی بھی حضرت مسیح ناصری کی نسبت بعینہٖ یہ اعتراض کرسکتا تھا کہ یہ کیسا مسیح ہے۔ اس نے تو ساری قوم بنی اسرائیل کا خاتمہ ہی کردیا اور ساری قوم کو مغضوب علیہم بنا دیا اور اُنکو لعنت کا تمغہ عطا کر دیا۔ اُس نے آکر سارے نبیوں کی محنت پر پانی پھیر دیا اور جس باغ کی آبپاشی کے لیئے اسقدر نبی اور رسول بھیجے گئے تھے اُسکو جڑھ سے کاٹ دیا۔ لاکھوں بنی اسرائیل میں سے صرف معدودے چند کو راہ راست پر لایا باقی سب کو مردہ اور کافر بنادیا۔ انجیل میں لکھا ہے کہ مسیح کے ایک شاگرد نے اُس سے اجازت مانگی کہ اُسکا ایک رشتہ دار فوت ہو گیا ہے۔ اُسے اجازت دی جاوے کہ وہ جاکر اسکی تجہیز و تکفین میں شریک ہو تو مسیح نے اُسے جواب دیا کہ تو مجھے چھوڑ کر اُنکے پاس کیوں جاتا ہے۔ مردے اپنے مردوں کو دفن کرلیں گے۔ اس میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اُن بنی اسرائیل کا نام جنھوں نے اُنکو قبول نہیں کیا تھا مُردے رکھا پس اگر محمدی مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے منکروں کا نام مُردہ رکھا تو مولوی صاحب اسقدر شور کیوں مچاتے ہیں۔ مولوی صاحب حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف یہ قول منسوب کرکے کہ جو شخص حضرت مسیح موعودؑ کا منکر ہے وہ مثل یہود کے ہے لکھتے ہیں نعوذ باللہ من ھذہ الکفریات مگر مولویصاحب کو اعوذ پڑھتے وقت یہ خیال نہیں رہا کہ مثل یہود کا لفظ حضرت مسیح موعودؑ یا حضرت

خلیفۃ المسیح علیہما الصلوٰۃ والسلام نے ایجاد نہیں کیا بلکہ یہ لفظ تو پہلے کسی اور مُنہ سے نکل چکا ہے اور حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اگر یہ لفظ حضرت مسیح موعودؑ کے منکروں کی نسبت استعمال کیا تو اپنی طرف سے تجویز نہیں کیا بلکہ ایک مبارک وجود کا بولا ہوُا لفظ دُہرایا ہے۔ غالباً مولویصاحب کو نعوذ باللہ کہتے وقت یہ امر خیال میں نہیں آیا ورنہ نعوذ باللّٰہ من ھٰذہ الکفریات کا کلمہ مُنہ سے نکالنے کی جرأت نہ کرتے مگر اب تو یہ کلمہ اُن کے مُنہ سے نکل چکا ہے اور ایسے فعل کا جو نتیجہ ہونا چاہیئے اُسکو وہ خود سوچ سکتے ہیں۔ مولوی صاحب جس قول کو آپ کفریات میں داخل فرماتے ہیں وہ حضرت مسیح موعود یا حضرت خلیفۃ المسیح علیہما الصلوٰۃ والسلام کا قول نہیں بلکہ یہ تو حضرت خاتم النبیین سید المرسلین حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وخلفائہٖ وبارک وسلم کا قول ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث معلوم نہ ہو جس میں آپنے یہودی صفت لوگوں کی خبردی ہے پس آپ کو تو اس امر سے خائف ہونا چاہیئے تھا کہ کہیں آپ ہی اُن لوگوں میں شامل نہ ہوں جو اُس حدیث کا مصداق بننے والے تھے۔ مگر آپ کی جرأت یہ ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک مُنہ سے نکلی ہوئی بات کو کفریات میں داخل فرماتے ہیں۔ مولویصاحب! اب بھی وقت ہے۔ آپ سچّے دل سے توبہ کرلیں اور اپنے اس قول سے رجوع کرلیں۔ یہ ایک بہت بڑی بات ہے جو آپکے مُنہ سے کسی منحوس گھڑی میں نکلی ہے۔ آپنے ایک ایسی بات کو جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک مُنہ سے نکلی ہے کفریات میں داخل کردیا ہے۔ مولویصاحب۔ توبہ کرو۔ توبہ کرو۔ آپنے ایک ایسا کلمہ مُنہ سے نکالا ہے جو جہنّم میں اوندھا گرا سکتا ہے۔ آپ تو فرماتے ہیں کہ جماعت احمدیہ ایسی بدیہی باتوں کو نہیں دیکھتی اور اندھی ہوکر دھکتی آگ میں گری پڑتی ہے۔ مگر آپنے یہ نہ دیکھا کہ جماعت احمدیہ اگر کچھ کہتی ہے تو وہی کہتی ہے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں۔ مگر آپ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اقوال کو کفریات میں داخل فرماتے ہیں۔ مولوی صاحب! آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ جن کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردی ہے کہ وہ یہودی صفت ہو جاویں گے وہ خود اپنے یہودی صفت بنجانے کا اقرار نہیں کرینگے اور یہ ضروری تھا کہ اُنکی نسبت جب مسیح موعود یا اُس کا خلیفہ علیہما الصلوٰۃ والسلام یہ کہتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو اِن لوگوں نے پورا کردیا ہے تو وہ ناراض ہوتے اور کہتے کہ ہم تو کلمہ گو ہیں ہمیں کیوں یہودی صفت کہا جاتا ہے اور یہ مسیح کیسا ہے کہ ایسے لوگوں کو جو مسلمان ہونے کا اقرار کرتے ہیں یہودی صفت

قرار دیتا ہے۔ آپ شکایت کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے بعض الہامات میں آپ کی نسبت کفر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اس کی شہادت میں آپ ازالہ اوہام میں سے یہ الہام پیش کرتے ہیں قل یا ایہا الکفار انی من الصادقین فانظروا اٰیاتی حتی حین ایسا ہی حضرت مسیح موعودؑ کا ایک اور الہام بھی ہے اور وہ یہ ہے انی جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیٰمۃ۔ مولوی صاحب۔ غالباً آپ عربی زبان سے واقف ہونگے آپ ہی فرمائیے کہ کفر کے کیا معنے ہیں۔ کیا اسکے معنے انکار کے نہیں۔ پس اگر ایک عربی الہام میں آپکی نسبت کفار یا کفروا کا لفظ آگیا تو اس میں کونسی غلطی ہے؟ کیا آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منکر نہیں؟ پھر آپ اس لفظ کو کیوں بُرا مناتے ہیں؟ اگر ایک شخص حضرت مسیح موعودؑ کو قبول کریگا اور اُنپر ایمان لائیگا تو وہ اٰمنوا میں داخل ہوگا ورنہ جو لفظ اُسکے بالمقابل ہے وہ اُس پر صادق آئے گا۔ جو شخص لغت عرب سے واقفیت رکھتا ہے اور حضرت مسیح موعودؑ کا منکر ہے وہ خود اس بات کا اقرار کریگا کہ مندرجہ بالا الہام میں جو کفروا کا لفظ ہے وہ اُسکے متعلق جائز طور سے استعمال کیا گیا ہے دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر خود اپنے تئیں کافر کہتے تھے۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کے ہر ایک رسولؑ نے اپنی قوم کو کہا اولو جئتکم باھدی مما وجدتم علیہ اٰباءکم۔ یعنی کیا اس صورت میں بھی جب کہ میں اُس راہ سے جسپر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا زیادہ اچھی راہ لایا ہوں تم اپنے باپ دادوں ہی کی راہ کو اختیار کرو گے۔ تو اسکے جواب میں اُنکی قوم نے کہا۔ انا بما ارسلتم بہ کافرون یعنی ہم اُس ہدایت کے کافر ہیں جو تم لائے ہو (زخرف۔ رکوع ۲) اسی طرح قوم عاد اور ثمود کی نسبت لکھا ہے کہ اُنہوں نے اپنے نبیوں کو کہا۔ لو شاء ربنا لانزل ملٰئکۃ فانا بما ارسلتم بہ کٰفرون (فصلت۔ ۲) اسی طرح خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وما ارسلنا فی قریۃ من نذیر الا قال مترفوھا انا بما ارسلتم بہ کٰفرون (سبا۔ ۴) اسی طرح خدا تعالےٰ سورہ ابراہیم رکوع ۲ میں فرماتا ہے جاءتھم رسلھم بالبینٰت فردوا ایدیھم فی افواھھم وقالوا انا کفرنا بما ارسلتم بہ وانا لفی شک مما تدعوننا الیہ مریب۔ یہ سب قومیں اپنے تئیں راہِ راست پر یقین کرتی تھیں اور اُنکو اپنے جہنمی ہونیکا خیال تک بھی نہ تھا۔

پھر بھی قرآن شریف کی مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خود اپنا نام کافر رکھا۔ تعجب ہے
مولوی صاحبان ایک طرف عربی دان ہونے کے مدعی ہیں دوسری طرف حضرت مسیح موعودؑ کے عربی الہامات
میں اپنی نسبت کفر کا لفظ دیکھ کر آگ بگولا ہو جاتے ہیں اُس وقت ساری عربی اُنکو بھول جاتی ہے۔ مولوی
صاحب سے میں پوچھتا ہوں کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات میں آپ صاحبان کی نسبت کفر کا لفظ
نہ ہو تو دوسرا کونسا لفظ ہے جو آپ لوگوں کی نسبت استعمال ہونا چاہیئے تھا۔ اگر آپ اس لفظ کو ناپسند
فرماتے ہیں تو پھر آپ حضرت مسیح موعودؑ پر ایمان لائیں تب آپ اٰمنوا کے مصداق ہو جاوینگے لیکن جب تک
آپ اُنکے منکر ہیں تب تک آپ پر وہ دوسرا لفظ ہی چسپاں ہوگا کیونکہ اُسکے معنے ہی منکر کے ہیں۔
یہ تو ایک امر واقعہ کا بیان ہے۔ اسمیں کسی کی ہتک ہی کیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پہلے انبیاء کے منکر
خود اپنے تئیں کافر کیوں کہتے۔ اور اگر آپ بھی اُس لفظ کے معنوں کو مدنظر رکھتے تو اس لفظ پر گھبراتا تو کجا خود پہلے
منکرین کی طرح اپنے حق میں یہ لفظ بلا تامّل استعمال کرتے۔ باقی رہا یہ سوال کہ اس انکار کا کوئی نتیجہ بھی بھگتنا
پڑیگا۔ یا نہیں؟ تو اس سوال کا جواب میں آپ پر ہی چھوڑتا ہوں۔ آپ خود ہی فیصلہ فرما دیں۔ آپ ایسے
لوگوں کی نسبت کیا فتویٰ دیتے ہیں جو مسیح موعودؑ کے ظہور پر اُسکو قبول کرنے سے انکار کریں اور اُس پر
کفر کا فتویٰ جاری کریں اور کذّاب و دجّال اُس کا نام رکھیں۔ آپ حضرت مرزا صاحب کی ذات کو جانے
دیں۔ آپ سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جسکو تم سچّا مسیح سمجھو اُسکو کاذب اور دجّال کہنے والے کی نسبت آپ کی کیا
رائے ہے مولوی صاحب۔ ہمارا کام لوگوں پر کفر کا فتویٰ جاری کرنا نہیں یہ تو آپنے ہی اپنے ذمہ لیا ہوا ہے
ہمارا کام سمجھانا اور تبلیغ کرنا ہے اور اسی غرض کو مدّنظر رکھکر ہم آپ لوگوں کو متنبہ کرتے ہیں اور بتاتے ہیں
کہ وعدے کا مسیح آگیا۔ تم اُسکو قبول کرو۔ خدائے تعالیٰ نے تمہاری بہتری کے لیئے مسیح موعودؑ کو مبعوث
فرمایا ہے اور اگر تم اپنی بہتری چاہتے ہو تو اُس کیطرف دوڑو اور اُس کے سلسلہ میں اپنے تئیں منسلک کرو۔
اور اگر تم اس مسیح کو ردّ کرو تو اسکا نتیجہ بھی ہوگا جو مسیح ناصری علیہ السلام کے ردّ کرنے کا ہوا تھا۔ ہم تو صرف
ہمدردی اور خیر خواہی کی نیت سے تمھیں حضرت مسیح موعودؑ کی طرف بلاتے ہیں۔ اگر ہم تمھیں یہ بتلاتے
ہیں کہ خدا کے رسول کا انکار تمھارے دین و دنیا کے لیئے اچھا نہ ہوگا تو اس سے ہماری یہ غرض نہیں ہوتی
کہ ہم تمھارے دلوں کو دُکھائیں بلکہ صرف تمھیں جگانا اور بیدار کرنا ہمارا مقصد ہوتا ہے۔ اگر ہم قرآن شریف
کی آیات کو تمھارے سامنے پیش کرکے تمام رسولوں کے ماننے کی ضرورت کو تم پر ثابت کرتے ہیں تو یہ

صرف اسلیئے کہ تم اپنی غلطی سے آگاہ ہو جاؤ تا ایسا نہ ہو کہ بعد میں پچھتاؤ۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم تمھیں خوش کرنے کے لیئے یہ کہیں کہ خدا کے مسیحؑ کی تمھیں کوئی ضرورت نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہم تمھارے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ اسلیئے ہم تمھیں صاف الفاظ میں سناتے ہیں کہ مسیح موعودؑ کا ماننا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکے آنے کی خبر دی اور اُسکے قبول کرنے کا حکم دیا۔ اور اُس کا انکار گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمائی ہوئی باتیں پوری ہوتی ہیں اور آپ اُنکا انکار کرتے ہیں بلکہ میں اس سے بھی بڑھ کر کہونگا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا انکار خود خدائے تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ آسمانی نشانوں کے ذریعہ سے اُس کی تصدیق کرتا ہے اور تم اُن الٰہی نشانوں کا انکار کرکے آیات اللہ کے مکذب بنتے ہو۔ پس کیا ہم آپ کو متنبہ نہ کریں۔ کیا ہم آپ صاحبان کو اُن الٰہی نشانوں کی طرف متوجہ نہ کریں جو خدائے تعالیٰ اپنے پیارے مسیح کی تائید و تصدیق میں ظاہر فرما رہا ہے۔ غرض جو کچھ ہم تمھیں کہتے ہیں وہ تمھیں متنبہ اور ہوشیار کرنے کیلیئے کہتے ہیں نہ دل دکھانے کے لیئے ہمدردی کی راہ سے کہتے ہیں نہ عداوت کی وجہ سے۔ تمھاری بھلائی کے لیئے کہتے ہیں نہ بُرائی کے لیئے۔ تمھیں خدا کی رضا کی راہ کی طرف بلاتے ہیں اور ہم نہیں چاہتے کہ تم مسیح موعودؑ کا انکار کرکے خدا کے غضب کے نیچے آجاؤ۔ اگر تم قبول کرو گے تو تمھارا اپنا فائدہ ہے اور اگر نہیں مانو گے تو اسکا نتیجہ تمھیں خود بھگتنا پڑیگا۔ قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا۔

حضرت مسیح موعودؑ مسلمان بنانے آئے یا کافر

مولویصاحب کے تتمہ کا عنوان ہے "چودھویں صدی کے مسیح کا آنا اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو کافر بنانا" مولوی صاحب۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو ایک مسلمان کو بھی کافر نہیں بنایا۔ آپ کا الہام ہے چو دور خسروی آغاز کردند۔ مسلماں را مسلماں باز کردند۔ پس حضرت مسیح موعودؑ تو مسلمانوں کو مسلمان بنانے کے لیئے آئے تھے اور اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ اگر کسی نے اُنکو کافر و دجال کہکر بموجب حدیث نبوی کفر خریدا یا خدائے تعالیٰ کے نشانات کا منکر ہوا یا خدا کے مامور کا انکار کیا تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ اس میں حضرت مسیح موعودؑ کا کیا قصور۔ ہاں اگر آپ یہ فرمادیں کہ اگر حضرت مسیحؑ موعودؑ ظاہر نہ ہوتے تو اُنکو کافر و دجال کہنے والے بھی پیدا نہ ہوتے اور نہ اُن کے نشانوں کا انکار ہوتا اور نہ کوئی اُنکی تکذیب کرتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس طرح

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراض وارد ہوتا ہے تو یہی اعتراض تمام انبیاءؑ پر بھی وارد ہوگا کیونکہ اُن کے آنے پر ہزاروں لاکھوں لوگوں نے اُن کی مخالفت کی اور اُن کے منکر یعنی کافر ہوگئے بنی اسرائیل حضرت مسیحؑ کی مخالفت کرکے اور اُن کے ساتھ عداوت اور بغض کا برتاؤ کرکے خدائے تعالیٰ کے غضب کے مورد بنگئے پس کیا یہ کہنا جائز ہے کہ وہ نعوذ باللہ سچے نبی نہیں تھے کیونکہ اُن کے آنے سے ہزاروں لاکھوں آدمی کافر ہوگئے۔

اولیاء اللہ اور کافر بنانا

مولوی ابو احمد رحمانی صاحب حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور بعض دیگر بزرگوں کا ذکر لکھتے ہیں کہ "اُن کی ذات سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہُوا" مَیں اوپر لکھ چکا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو مسلمانوں کو مسلمان بنانے کے لیئے آئے تھے نہ کہ کافر اور یہ کہ اگر کوئی کافر بنا تو یہ اُس کا اپنا قصور ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اُس میں کوئی قصور نہیں۔ مگر جسطرح مولویصاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آنے سے لاکھوں آدمی کافر ہوگئے اس قسم کے کافر بنانے میں تو تمام انبیاءؑ شریک ہیں بلکہ اولیاءؒ اور صلحاءؒ بھی حصہ دار ہیں مولوی ابو احمد صاحب رحمانی ایسے آدمی کے حق میں کیا فتویٰ دیتے ہیں جو ایک مومن کو کافر کہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایسے آدمی کو کافر ہی ٹھہرایا ہے۔ اب جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے بموجب ایک شخص ایک مومن کو کافر کہکر کافر ہوجاتا ہے تو ایسے آدمی کی نسبت مولوی ابو احمد صاحب کیا فتویٰ دیتے ہیں جنہوں نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ کی تکفیر کی۔ کیا مولویصاحب ایسے آدمی کی نسبت کفر کا فتویٰ نہیں دینگے؟ مَیں یقین کرتا ہوں کہ مولویصاحب ایسے انسان کی نسبت ضرور کفر کا فتویٰ دینگے۔ اب مولویصاحب بعض اولیاءؒ اور صلحاءؒ کا ذکر کرکے تسلیم کرتے ہیں کہ "لوگوں نے انہیں کافر کہا" پس کیا وہ لوگ جنہوں نے ان بزرگوں کو کافر کہا خود کافر ہوئے یا نہ؟ اور کیا یہ سب لوگ کلمہ گو تھے یا نہیں؟ اس سے معلوم ہُوا کہ صرف حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہی کلمہ گو لوگ منکر نہیں بنے بلکہ گذشتہ اولیاء اللہ کے زمانہ میں بھی کئی کلمہ گو لوگ منکر بنے۔ اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جس میں اس قسم کے منکر نہیں بنتے رہے۔ اور نہایت افسوس کی بات ہے کہ اسطرح کا انکار اکثر اُسی گروہ کے حصہ میں آرہا ہے جس گروہ میں مولوی ابو احمد صاحب رحمانی شامل ہیں ہمیشہ یہ گروہ اپنی بدقسمتی سے مسلمانوں اور خصوصاً صلحاء اور اولیاء اللہ کی مخالفت

مولویصاحبان کی ایک بڑی تعداد نے اسی سُنت پر عمل کرکے دکھادیا۔ اور ہر روز تازہ بتازہ کفرنامہ جاری کرتے رہتے ہیں تا یہ سُنت کہیں

حیٰوۃِ نورِ دین پر سرسری نظر

{ذیل کا ریویو ہمیں جناب خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب نے مرحمت فرمایا ہے جو ہم بڑی خوشی سے درج ریویو کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آیندہ بھی آپ ریویو کیلئے اپنے مضامین ارسال فرما کر ہمیں شکریہ کا موقعہ دیتے رہینگے- } ایڈیٹر

بیانِ شوق چہ حاجت کہ حالِ آتشِ دل ٭ تواں شناخت ز سوزیکہ در سخن باشد

ہم جس دنیا یا جس کائنات میں رہتے ہیں وہ مختلف سانحات اور واقعات کا ایک ایسا مجموعہ ہے کہ جسے ایجازاً کیا تفصیلاً بھی بیان کرنا ہمارے اختیار سے باہر ہے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ہی روزمرہ کیا ہر ساعت اور ہر منٹ اور سیکنڈ ایسے ایسے واقعات گذر جاتے ہیں جو اپنی دلچسپی دلاویزی اور ندرت کی وجہ سے اُس کائنات کے لیئے جو کچھ بھی شعور اور فہم فراست رکھتی ہے صدہا نکات اور ہزاروں عبرتوں کا زندہ مجموعہ ہوتے ہیں شب و روز اگرچہ ہمارے مشاہدہ میں ایسے واقعات اور سانحات آتے رہتے ہیں لیکن ہم میں سے بہت تھوڑے ہیں جو انہیں ضمیری مشاہدہ اور عبرت کی نگاہوں سے دیکھنے کے عادی ہوں یا اُن کے دلوں پر اُن کا کوئی اثر پڑتا ہو۔ ہم اکثر سرسری رنگ میں واقعات اور سانحات کا مشاہدہ یا مطالعہ کرنے کے عادی ہیں وہ لاپروائی اور وہ غفلت جو ہماری زندگی کا رفتہ رفتہ لازمہ ہوتی جاتی ہے ہمیں بسا اوقات اُن واقعات اور اُن سانحات سے محض خالی اور کورا واپس لے جاتی ہے جو ہماری زندگی کے واسطے ایک قیمتی سبق ہوتے ہیں بعض وقت ہم کہا کرتے ہیں کہ ایسی غفلت نہ ہوتی تو ہماری چہیتی دنیا کا کام ہی نہ چلتا۔ شاید یہ کسی حد تک درست بھی ہو مگر اگر یوں کہا جاوے تو زیادہ تر درست ہوگا کہ ان حالات میں ہماری زندگیوں کی داغ بیل کی روش کچھ اور ہی ہوتی۔ انسان میں یہ طبعی یا فطرتی خاصہ ہے کہ وہ مختلف مشاہدات میں سے ایک حد تک انتخاب کرنے کا عادی ہے اور اکثر اوقات نظائر اور تماثیل سے اُس کا دل اور دماغ بہت کچھ حاصل کرتا ہے اسی خیال سے وہ چیدہ چیدہ مشاہدات اور واقعات کے جمع کرنے کا عادی ہے تاریخ اور تذکرات کی یہیں سے بنیاد پڑی ہے۔ جب عام طور پر بعض واقعات کا بیان ہوتا ہے تو وہ ایک تاریخ یا تذکرہ ہوتا ہے تحریر ہی ان کی حامل نہیں ہوتی حافظہ بھی بہت کچھ محفوظ رکھتا ہے سوانح عمریوں کی بنیاد بھی یہی ہے لوگ عموماً اس امر کے مشتاق ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ہی ابنائے جنس کی زندگی کے حالات سے واقفیت پیدا کریں اور دیکھیں کہ اُن کی زندگیوں اور دوسروں کی زندگیوں میں کیا کچھ فرق ہے اسی لیئے اور اسی شوق میں

ہر ملک اور ہر قوم میں صدہا سوانح عمریاں لکھی گئیں کچھ دوسروں نے لکھیں اور کچھ خود ہی لکھنے والے لکھ گئے ہر سوانح عمری ایک خاص شخص کی زندگی اور رفتارِ زندگی کا ایک فوٹو ہوتا ہے ممکن ہے کہ اُس فوٹو کے کھینچنے یا کھنچانے میں کوئی خامی اور نقص ہی رہ گیا ہو اور اس وجہ سے اُس پر نکتہ چینی ہو سکتی ہو۔ لیکن باوجود اسکے بھی اگر کوئی سوانح عمری نیک نیتی اور احتیاط سے لکھی گئی ہے تو اُس سے دوسرے ابنائے جنس اخذ اور ترک کے سلسلہ یا شکل میں بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں بعض لوگ کبھی کبھی سوانح عمریوں کے پڑھنے سے اسواسطے اُکتاتے اور دل چُراتے ہیں کہ اُن کے خیال میں سوانح عمری وہی پڑھنے کے قابل ہوتی ہے جو کسی پہلو سے بھی نکتہ چینی کی زد میں نہ آسکتی ہو یا اُن کے خیالات کے موافق ہو۔ یہ خیال درست نہیں اختلافِ خیالات اور متضاد مذاق ہونے کی وجہ سے کوئی بھی ایسی سوانح عمری نہیں مل سکتی ہے جو سب قسم کے خیالات کا مجموعہ ہو۔ اور جس کو سب لوگ ہی پسند کریں۔ سوانح عمری میں ایک خاص شخص کے چیدہ واقعات اور رفتار یا افتادِ زندگی کا ذکر ہوتا ہے وہ بجائے خود اُس شخص کی زندگی کا ایک ریویو یا ایک تنقید ہے ہمارا فرض ہے کہ اپنے مطبوعہ اور پرستیدہ خیالات یا عقیدت کو چھوڑ کر فطرت اور انسانیت کے اعتبار سے اُن کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ باوجود تضادِ خیالات کے ایسے شخص کی زندگی اور زندگی کے کارنامے کیا کچھ کیفیت اور قیمت رکھتے ہیں پڑھنے سے پہلے ہی اپنے پرستیدہ خیالات کے ہجوم سے دین مبیح نکالنا رہ تحقیق سے بعید ہے انسانیت کا یہ فرض ہے کہ وہ پوری طمانیت سے حسنات کے اخذ کی کوشش کرے نکتہ چینی کا میدان اسقدر وسیع ہے کہ اُس سے انسانی ذات کیا ملکوتی ذات بھی نہیں بچ سکی۔

جو شخص کسی کی زندگی کا ریویو کرتا ہے وہ دراصل پیش کردہ معلومات کے مطابق ایسی زندگی کے مختلف واقعات کیفیات اور سانحات سے ایک مجموعی نتیجہ نکالتا ہے۔ یہ جُدا بات ہے کہ بعض لوگ اُس سے اتفاق نہ کریں لیکن واقعات کے پیش کرنے میں بہت کم اختلاف کی نوبت آتی ہے اس میں کچھ بھی شک و شبہ نہیں کہ انسانوں کی زندگیوں کے مختلف واقعات ایک ہی خیال یا تنقید کے تابع نہیں رہ سکتے لیکن بایں ہمہ واقعات اور افتادِ زندگی خود ہی ایک فیصلہ کُن فیصلہ ہوتا ہے۔

معشوقہ عیاں مے گزرد بر تو و لیکن
اغیار ہمے بینند ازاں بستہ نقاب است

زندگی یا زندگیاں جن جن خوفناک گردابوں میں سے گذرتیں اور جو جو طوفان اُن کی رہ میں آتے ہیں اور جن جن آزمائشوں اور مشکلات میں اُن کا امتحان ہوتا ہے وہ ایسی نہیں ہیں کہ اُن کی واجبی قیمت لگائی جائے اگر کوئی زندگی کسی حد تک ایسے تلاطم اور ایسے گرداب سے محفوظ گزر گئی ہے تو وہ واقعی تعریف اور حوصلہ افزائی کے قابل ہے۔ جن لوگوں نے زندگی کے گردابوں اور تلاطموں کا خوفناک سماں دیکھا اور مشاہدہ کیا ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ ساحل مقصود پر پہنچنا کسقدر مشکل ہے۔

شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابِ چنیں ہائل
کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا

وہ لوگ جو زندگی کی ایسی مشکلات کا شعور اور احساس نہیں رکھتے وہ دراصل زندگی کے مفہوم اور زندگی کی مشکلات سے واقف ہی نہیں ہیں وہ صرف نام کے انسان ہیں ورنہ اُن میں انسانیت اور انسانی فطرت بوجوہ مردہ ہو رہی ہے وہ زندہ نہیں بلکہ مردہ ہیں۔

خیالِ زلف تو پختن نہ کارِ خامان است
کہ زیرِ سلسلہ رفتن طریقِ عیاری است

وہ زندگیاں جو شروط انسانیت اور قواعد فطرت کے ماتحت گذرتی ہیں وہ زندگیاں جو اپنی راہ میں جیسے پُرخار ہی نہیں بلکہ خارستان پاتی ہیں جو پھونک پھونک قدم رکھنا زندگی کا پہلا اصول خیال کرتی ہیں اُن کا صحیح و سالم اور مامون رہنا بہت ہی قیمت رکھتا ہے اگر ہم فرائض کے ساتھ ساتھ تدین اور حزم و احتیاط بھی رکھنے کے عادی ہیں تو ہماری زندگیوں اور دوسروں کی زندگیوں میں ضرور فرق ہونا چاہیئے ایک طرف ہمارے سامنے ہمارے ارد گرد لاکھوں قسم کی تحریکات کا ہجوم ہے اور دوسری طرف ہم سے یہ عہد و پیمان لیا جاتا ہے کہ ہمارا پاؤں نہ پھسلے اور ہم لغزش نہ کھائیں۔

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

جو لوگ یہ ذمہ واری سمجھتے اور جو لوگ عہد و پیمان نباہنے والے ہیں وہی جانتے ہیں کہ اس گرد و غبار اور ان تحریکات میں سے صحیح و سالم نکلنا کیسا مشکل ہے۔

باستان تو مشکل توان رسید آرے ❊ عروج بر فلک سروری بدشواری است

لوگ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں صرف زندہ رہنا ہی زندگی ہے بول چال پھرنا چلنا اٹھنا بیٹھنا ہی انسانیت اور زندگی کا بڑا لازمہ یا بڑا کارنامہ ہے ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا شیخی تکبر و رعونت وغیرہ ہی سامان زندگی ہے نہیں نہیں زندگی ہاں سچی زندگی کا سماں اور روپ ہی کچھ اور ہے اگر زندگی میٹھی ہے تو ہم سے جانوروں کی زندگیاں سو درجہ اچھی ہیں سانس اور دم تو وہ بھی لیتے ہیں اُن کی بعض طاقتیں ہم سے کہیں سبک دلچسپ اور بہتر ہیں نہیں نہیں زندگی اس سامان کا نام نہیں ہے وہ کچھ اور ہی ہے اُسے صدہا میں سے کوئی ایک آدھ ہی حاصل کرتا ہے اور وہ بھی بصد مشکل اور فضل باری سے زندگی صادقہ یا حیات نوری کی راہوں سے کوئی بندہ ہی بہ سلامت جاتے ہیں۔

جمال شخص نہ چشم است نہ زلف و عارض و خال
ہزار نکتہ دریں کار و بار دلداری است۔

ایسی زندگیاں جو ان مشکلات اور ان خوفناک یورشوں سے کسی حد تک بھی صحیح وسالم اپنے تئیں لے نکلتی ہیں وہ ادرا بنائے جنس کے واسطے ایک فخر اور ایک پاک نمونہ ہوتی ہیں ایسا نمونہ جس پر اور زندگیوں کی رفتار رفتہ رفتہ اُسی راہ پر آسکتی ہے زندگیوں پر ریویو کرتے ہوئے وہ خیالات دماغ سے نکالنے ہی پڑینگے جو بعض وجوہ سے پہلے ہی سے متموج ہو رہے ہیں کیونکہ ریویو میں پرستیدہ خیالات دور ہی رہنے چاہیئے اگر پہلے کے متموجہ خیالات کی پابندی سے ہم کسی زندگی اور اُس کے واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اپنے تئیں ایک فریب دہ راہ پر ڈالتے ہیں اس صورت میں اور زندگیوں اور اُن کے مختلف واقعات سے جو سبق ہمیں لینے چاہیئے اُن کی نوبت نہیں آتی یہ تمام باتیں ایسی ضروری ہیں جنہیں ہمیں سوانح عمریوں پر ریویو کرنے کے وقت یاد رکھنا چاہیئے۔

خموش حافظ و ایں نکتہ ہائے چوں زر سرخ
نگاہ دار کہ قلاب شہر صراف است

جس سوانح عمری کا نام عنوان میں لکھا گیا ہے وہ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیحؑ کی سوانح عمری ہے جو جلد اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے وہ پہلی جلد ہے یہ جلد اول بہ فضل خدائے کریم مولوی صاحب کی زندگی ہی میں لکھی گئی ہے ہمیں حضرت اکبر نجیب آبادی کا بدل مشکور ہونا چاہیئے کہ اُن کی بدولت یہ بے بہا سوانح عمری ہمارے ہاتھوں میں پھر رہی ہے مولوی نورالدین صاحب کے

انٹروڈیوس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ ایک عرصہ دراز سے اپنی بعض خصوصیات علمی۔ طبی۔ مذہبی اتقار کی وجہ سے کافی سے بھی زیادہ شہرت حاصل کر چکے ہیں بلکہ یہ کہ اُن کی شہرت اُن کے نام سے ایک ممتاز شہرت کا درجہ رکھتی ہے۔

ایسی ہی زندگیاں اپنے مختلف واقعات میں مختلف جذبات اور تصرفات رکھتی ہیں اگر ہم چشم انصاف سے دیکھیں گے تو یہ ماننا پڑیگا کہ اکثر مشاہیر اسلام کی زندگیاں اس نمونہ کی تھیں۔ جنپر ہمیں بہت کچھ فخر اور ناز ہے۔ ؎

جاں پرور است قصۂ ارباب معرفت ⁂ رمزے برو بپرس و حدیثے بیا بگو

سوانح عمری زیر ریویو میں صفحہ ۳۰ سے ۵۳ تک مولوی صاحب کے عقاید کا خاکہ کھینچا گیا ہے ہمارا یہ کام نہیں کہ عقائد کی نسبت فروعی بحث کریں اصولی رنگ میں ناظرین بانصاف فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اُن کے عقائد باوجود احمدی کہلانے کے اسلاف اور مشاہیر اسلام سے کہاں تک ملتے ہیں اگر بعض امور میں اعتقادی اور اجتہادی تفاوت ہے تو اُسی حد تک ہے جتنا اور مشاہیر اسلام کے عقائد میں پایا جاتا یا زیر بحث چلا آتا ہے فروعی اجتہادات کی رُو ہم کبھی بند نہیں کر سکتے اصولی عقائد کی اہم ضرورت ہے کیونکہ اسلام کی بنیاد فروعات پر نہیں ہے بلکہ اصول پر۔ ۵۵ صفحہ سے لیکر ۱۴۱ صفحہ تک ولادت عنفوان شباب سیاحت طالب علمی تعلیم۔ سفر مکہ و مدینہ حج وغیرہ وغیرہ کے حالات قلم بند ہوئے ہیں ان حالات یا ان کیفیات کے پڑھنے سے پڑھنے والے پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی اور عجیب نکات سے آشنا ہونے کا موقعہ ملتا ہے پڑھنے کے بعد یہ کہنا ہی پڑیگا کہ علامہ نورالدین کی فطرت شروع ہی سے ایک انوکھا یا نرالا ڈھنگ یا سماں رکھتی تھی طالب علمی کے زمانہ ہی میں مولوی صاحب کی طبیعت میں غیرت دینی محبت رسول اکرم عزم راست گوئی صاف بیانی جرأت کا پایا جانا زندہ دلیل اس امر کی ہے کہ قدرت نے اُن کا وجود خاص اغراض اور خاص مقاصد کے تابع بنایا تھا اُن سے وہ کام لینے تھے جو خواص ہی سے لیئے جاتے ہیں رام پور اور لکھنؤ کے سفر الیٰ الله میں مولوی صاحب نے ساتھیوں سے یہ ٹھہرالیا کہ اسلامی شعائر کے مطابق سفر میں ضرور ایک امیر قافلہ ہونا چاہیئے یہ وہ تجویز اور وہ خیال تھا جو انضباط افراد مختلفہ کے واسطے ایک تمدنی گر ہے مسلمانوں نے جب سے یہ روش چھوڑی اُنکی امارت اور تمکنت میں قریباً فرق ہی آگیا جب طب پڑھنے کے

واسطے حکیم علی حسین صاحب کے پاس شہر لکھنؤ میں گئے تو ایک معترض نکتہ چینی پر اس جرأت اور اس صفائی سے ایسا خوش آیند اور مسکت جواب دیا۔ جو اسلام کی تعلیم کا ایک جوہر بے بہا یا صرف اُسی کا خاصہ ہے ہمیشہ اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ اسلام میں جسقدر جذب اور جس حد تک مساوات ہے وہ کسی اور مشرب یا مذہب میں نہیں ہے مولوی صاحب نے عملی رنگ میں اسکے ثبوت میں کمال ہی کیا کس خوبصورتی سے فرمایا۔ "یہ بے تکلّفیاں اور السلام علیکم کی بے تکلف آوازوادی غیر ذی زرع کے اُمّی اور بکریوں کے چرواہے کی تعلیم کا نتیجہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و اُمّی"۔

یہ وہ جواب تھا جو ہزاروں دلائل اور صدہا براہین پہ ایک عاملانہ زندگی کے رنگ میں برتری اور فوقیت رکھتا ہے یہ وہ جواب تھا جو ہر مُنہ سے نہیں نکل سکتا۔ یہ وہ الفاظ تھے جنہیں اسلامی جوش بھرا ہُوا تھا اس پُرجوش پُرصداقت جواب سے ثابت ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے باوجود فرق مراتب اور حالات ہم سرانہ یا آزادانہ گفتگو کرنے کی رُوح کہاں تک رکھتا ہے جو جذب اور مساوات کا ایک پہلا زینہ ہے روشن دل حکیم اس روشن فقرہ کے سننے سے وجد ہی میں تو آگئے ایک طالب علم وہ بھی صدہا کوس کا مسافر اور یہ جرأت اللہ اللہ اسلامی تعلیم کی کیسی اعلیٰ شان ہے یہ روشن فقرہ اُس جرأت حوصلہ اور عزم کا اثر تھا جو اسلام کی مقدس تعلیم سے اُن کی پاک طبیعت میں شروع ہی سے منقوش ہو چکا تھا اور جو کبھی بھی جھلک مارنے سے نہیں رُک سکتا تھا۔ ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمے بریم ❊ با پادشہ بگو کہ روزی مقدر است

اس عزم اور اس جرأت کے ساتھ بھی حکیم صاحب کو خدا پر جو اعتماد تھا اور دعا کی فلسفی جس رنگ میں اُن کے ذہن نشین تھی وہ ثابت کرتی ہے کہ اُن کی گھٹی ہی میں یہ باتیں رکھی گئی تھیں مختلف مواقع پر اُنہیں اپنی دعاؤں کی قبولیت کا ثمرہ اُٹھانا پڑا ہے اور اس جرأت سے اُس کا اعلان اور اظہار کیا جاتا رہا ہے کہ کوئی کوئی ہی کر سکتا ہے طالب علمی ہی میں اُن کا یہ خیال یا عقیدہ تھا کہ جب ہم قرآن مجید کو سمجھ سکتے ہیں تو اور علوم کیا ہیں یہی ہمّت اُنہیں بہت سی مشکلات سے نکال کر لے گئی اور اُستادوں کو بھی اُن کی ذہانت اور محنت کا اعتراف کرنا پڑا۔ اُن کی اس ہمت نے آپ کی اکثر موقعوں پر بہت کچھ مدد بھی کی اور اُن کی پارسایانہ زندگی بہتوں کے واسطے ایک نظیر ہو گئی

جب کبھی اُن کی کسی نے مخالفت کی تو خداوند کریم نے اُن کی مدد اور فتح کے واسطے غیب ہی سے سامان مہیّا کر دیئے دیکھو رام پور میں عبدالقادر خاں اور کلّن خاں کے درمیان کیا کچھ گذرا اور کلّن خاں کس طرح ایک مسافر طالب علم کا حامی بن گیا اور کس ہمت اور استقلال سے نورِ دین کی کلّن خاں نے مدد کی اور اخیر تک کیسا مستقل رہا۔

نورِ دین کا یہ استقلال اور حمیّت یا غیرت مکتبوں ہی تک نہ رہی بلکہ راجوں اور نوابوں کے درباروں میں بھی اُس کے یہی دم وخم رہے مہاراجہ کشمیر کے روبروئے نذر دکھاتے جو استقامت جو حوصلہ نورِ دین نے دکھایا وہ کوئی کوئی ہی دکھلا سکنے کا دل و گردہ رکھتا ہے یہ اسی راستبازی اور استقامت کا نتیجہ تھا کہ خدا اُن کی وقت پر مدد کرتا رہا۔

رام پور میں ایک بیمار زیر علاج کے ناگہانی حادثہ نے جس کش مکش میں مولویصاحب کو ڈالا انکی ہمت اور اُن کا استقلال اور خدا پر توکّل اُنہیں اس مخمصے سے کس خوبصورتی سے نکال لے گیا ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں ایسے وقتوں یا ایسی حالتوں میں قائم رہنا سوائے اسکے نہیں ہو سکتا کہ خدا پر پورا بھروسہ اور یقین ہو ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء استقامت اور بھروسہ اور بھی کرتے ہیں لیکن جو استقامت اور بھروسہ خدائی رنگ رکھتا ہو وہ کچھ اور ہی ہے۔ مکہ اور مدینہ کا سفر جس عقیدت سے مولوی صاحب نے کیا ہے وہ اُن کے حُسن عقیدت پر ایک نیک شہادت ہے جس شخص کے دل و دماغ میں نام کو بھی فریب دِہ فلسفہ کا غبار ہوتا ہے وہ سو سو باتیں نکالتا ہے مولوی صاحب ایسا حکیم مزاج انسان جس عجز و نیاز سے باب سلام پر جھکتا ہے وہ اللہ ہی کا فضل و کرم ہے باوجود اس عقیدت کے بھی مولوی صاحب کی نظروں میں جو باتیں قابل جرح قدح معلوم ہوئیں اُنپر نوٹس لینے سے اخیر تک نہیں چوکے جب دوسری مرتبہ مکّہ میں جا کر ایک عرب کو ننگے نہاتے دیکھا تو ٹوک ہی دیا مذہب میں فضول اور تکلیف دِہ بحثیں جب کبھی سُنیں اُن سے نہ رہا گیا مولویصاحب کی کشادہ دلی اور حق پسندی ہمیشہ اُنہیں کامیاب بناتی رہی وہ باوجود اسقدر پابند مذہب ہونے کے بھی کشادہ دل رہے اُن کے مباحثات نے کبھی بھی مجادلانہ رنگ اختیار نہیں کیا لطیفوں ہی میں وعظ و رشد کی لطیف راہ نکالتے رہے بڑے بڑے سخت دل باحث بھی حکمت نما بحث سے اُن کا لوہا مان گئے۔

مکّہ جانیوالے اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ مکّہ والوں میں اُلفت اور محبت نہیں مولوی صاحب نے کیا عمدہ نتیجہ نکالا ہے فرماتے ہیں جب ہر سال نئے حاجی آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں اُن سے مکّہ والوں کی محبت اور راہ و رسم کیا ہو چونکہ وہاں خدائی محبت کا زور ہے اسواسطے انسانی محبت قدم نہیں جما سکتی سچ ہے ایسے گھمسان میں کوئی کسی سے محبت کیا کرے پھر اُن لوگوں سے جو مختلف ملکوں کے رہنے والے اور بھانت بھانت بولیاں بولنے والے ہوں۔ اسحالتیں تو واقفیت بھی مشکل ہو سکتی ہے گاڑی کے کمرےمیں اُترنے کے بعد کوئی کسی کا واقف اور روشناس بھی نہیں رہتا اور آپسمیں مسافر محبت نہیں کرتے تو اُس کی بھی وہی صورت ہو گی جو سفر مکّہ کی ہے۔ طبیعت میں استقامت اور عزم اسقدر ہے جس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ بھیرہ میں کمیٹی کے حدود میں مکان بنانے اور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کی ملاقات کی کیفیت استقامت اور بھروسہ خدا کا ایک زندہ نمونہ ہے اور اُس پر صحیح عزم دیکھنے والے دیکھ سکتے ہیں کہ پھل بھی کیسا ملتا رہا ہے۔

ہر دم چو بے وفایاں نہ تواں گرفت یارے
مائیم و آستانش تا جاں ز تن بر آید

اگر اس قسم کے واقعات اور تصرفات کو کم سے کم شرح صدر اور عزم ہی کہ لو تو وہ بھی اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اعترافِ احسان شکریہ اظہارِ حق اعتراف حسنات سے طبیعت مخمر ہے جسکے ساتھ کشادہ دلی گذر اور ہی رنگ پیدا کرتا ہے تھوڑی سی نیکی اور احسان بھی اعتراف اور شکریہ کے بغیر نہیں رہا بڑی بڑی باتوں کا تو ذکر ہی کیا اور پھر لطف یہ ہے کہ احسان اور نیکی کو ہمیشہ بحیثیت احسان اور نیکی کے تسلیم کیا جاتا ہے مذہب اور قومیت کا شائبہ بھی نہیں اغیار کے صفات حسنہ اور احسان و مروت کو جس کشادہ دلی سے مانا ہے وہ ایک بڑے وسیع الظرف دل و دماغ کا ثبوت دیتا ہے ملک فتح خاں پادری گوکل ناتھ اور بعض ہندو و آریہ دوستوں کی خوبیوں اور حسنات کا جن الفاظ میں اعتراف کیا گیا ہے وہ مولوی صاحب کی کشادہ دلی پر ایک زندہ نظیر ہے یہ وہ زندہ دلی ہے جو اسلام ہر مسلمان کو سکھاتا ہے غیروں اور دیگروں کی خوبیوں کا

اُسی رنگ میں تسلیم اور تصدیق کرنا بڑی خوبی اور بڑی جوانمردی کا کام ہے یکم فروری ۱۹۱۴ء کا ذکر ہے کہ مَیں نے مولویصاحب کی خدمت میں مولوی محرم علی چشتی صاحب کا السلام علیکم کہا بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ چشتی میرے دیرینہ دوست ہیں وہ بڑی خوبیوں کے انسان ہیں اُن میں تین باتیں خاص ہیں اور مَیں اُن کی بڑی قدر کرتا ہوں۔

(الف) اخفائے راز یا حفظ اسرار۔ (ب) محبت و ہمدردی صادق۔ (ج) استقلال۔

یہ ظاہر ہے کہ مولوی صاحب اور چشتی صاحب کے عقاید فروعی یا اجتہادی میں ایک حد تک اختلاف ہے باوجود ان اختلافات کے بھی مولویصاحب کا اس وسعتِ قلبی اور اس کشادہ دلی سے چشتی صاحب کی ان خوبیوں کا اعتراف جو واقعی اُنکی ذات میں پائی جاتی ہیں اُن کی روشن دماغی پر ایک عملی دلیل ہے اور اس بات کا سبق کہ اسی روشن دماغی اور کشادہ دلی سے ہم سب کو پیش آنا چاہیئے۔ جیسے اور انسان ابتلاء اور تکلیف میں پڑتے ہیں ایسے ہی مولویصاحب بھی مبتلا ہوتے رہے ہیں کبھی کسی تکلیف میں پڑے اور کبھی کسی میں کبھی قرضہ کی وجہ سے حیرانگی ہوئی کبھی دشمنوں نے گھیرا اور کبھی مار دینے کی خبریں اُڑیں یا اُڑائی گئیں ان حالات میں بھی مولویصاحب نے حوصلہ نہیں ہارا وہی آن بان رہی جو تھی غیرت اور حمیت سے جو کبھی بھی نہ سرکے۔ ہمیشہ خدا ہی کا بھروسہ رہا۔

مسلماناں مرا وقتے دلے بود
کہ با وے گفتمے گر مشکلے بود

جب پہلے سفر کے وقت ۱۲سو قرضہ ہوگیا دل چل نکلے پانچ سو روپیہ ملنے پر دل میں یہ آیا کہ رقم پوری نہیں آئی ابھی وہاں جاتا ہے جہاں یہ کمی پوری ہوگی۔ بھیرہ میں تحصیل دار کو جب پچھاڑا کہاں؟ ایک بڑی کثیر جماعت میں جب جموں سے حکماً استعفا لیا گیا ایک مہاجن نے جو کچھ کہا اور جو کچھ کہتا تھا اُسکے اعادہ سے طبیعت جس استقلال جس ہمت میں اور جس توکل پر رہی باوجودیکہ اُس شہر میں ہزاروں روپیہ قرضہ بھی دینا تھا وہ اُس استقلال اور توکل کا عملی ثبوت ہے جو بعض طبائع ہی رکھتی ہیں۔ یہ نورالدین کی ہمت نہ تھی بلکہ اُس توکل اُس خدا پرستی کا اثر جو نورالدین کی فطرت عالیہ میں مودعہ ہے۔ نورالدین باتیں نہیں کرتا بلکہ عمل بھی کر کے دکھاتا ہے اُس کی پاک فطرت میں جوہر عمل رکھا گیا ہے

سخن عشق نہ آن است کہ آید بزباں ❊ ساقیا مے دہ و کوتاہ کن این گفت و شنود

چونکہ تدین اور تبحر کے ساتھ طبیعت فلسفی رنگ میں بھی ڈوبی ہوئی ہے اسواسطے بعض وقت وعظ و نصیحت میں اس قسم کے نکات فاضلہ سے کام لیا گیا ہے کہ منصف طبائع عش عش کر اُٹھتی ہیں۔ وزیر لعل دین کے مکان پر جاکر جس پیرایہ میں نصیحت کی اور جس جرأت کے ساتھ۔ وہ خاص طبائع کا ہی حصہ ہو سکتا ہے کیا جامع نکتہ بیان ہوا ہے کہ ہر شخص کے واسطے اپنی زندگی میں کوئی نہ کوئی واعظ موجود ہوتا ہے اگر ایک امیر کے گھر کے پاس کسی دوسرے امیر کا اُجڑا ہوا گھر موجود ہے تو موجودہ امیر کے واسطے اُس کا نظارہ بھی ایک واعظ ہی ہے کیا دل ہلا دینے والا نکتہ اور مسکت استدلال ہے اگر اسی پر انسان دھیان رکھے تو چند در چند منہیات سے باز رہ سکتا ہے۔

چہ فرصت ہا کہ گم کردم دریں راہ
ز بخت خواب ناک غافل خویش

راست گوئی میں مولوی صاحب کی طبیعت بالکل نڈر واقع ہوئی ہے اور اب تک اُسی پیمانہ پر چلی جاتی ہے باوجودیکہ ضعف و ناتوانی نے جسم میں گھر کر لیا ہے مگر روح اور حوصلہ ناتوان اور ضعیف نہیں ہوا ہے اُسی آن بان میں ہے صداقت کے اظہار میں صداقت ہی سے صادقانہ کام لیا جاتا ہے کشمیر میں دیوان لچھمن داس صاحب ایسے جری افسر کو پشتونیوں کی دست برد سے جس ہمت اور جس حوصلہ سے روکا وہ مولوی صاحب کی جرأت کی ایک زندہ مثال ہے اسی طرح صد امیروں۔ نوابوں اور راجوں سے یہ جرأت و ہمت خطاب اور سلوک رہا۔

صفحہ ۱۷۰ سے صفحہ ۲۶۹ تک عطر مجموعہ ہے یہ مجموعہ یا یہ گلدستہ واقعی عطر بیز یا عطر فشاں ہے اور یہ مجموعہ نادرات اُن ہی الفاظ میں قلمبند ہوا ہے جو خود مولوی صاحب کی اپنی زبان کے ہیں اس مجموعہ میں ناظرین کو بیسیوں ایسی باتیں ملیں گی جو بڑے بڑے حکیموں اور فلاسفروں کے حصہ میں بھی بمشکل آئی ہیں یہ گراں بہا نکات یا قیمتی باتیں چند لفظوں میں بیان کر دی گئی ہیں ایسے روپ میں کہ غبی سے غبی طبیعت اور متعصب سے متعصب انسان بھی اثر کے بغیر نہیں رہ سکتا یہ باتیں اور یہ نکات مشاہداتی ہی نہیں ہیں بلکہ تجربی بھی فلسفی ہی نہیں ہیں بلکہ روحانی بھی۔ اخلاقی ہی نہیں بلکہ تمدنی بھی تمدنی ہی نہیں ہیں بلکہ سوشل اور سیاسی بھی ان نکات سے کیا کھلتا ہے

" مولوی صاحب کی زود رسی - توکل - خدا پر اعلیٰ بھروسہ تدیّن -
" ذہانت -
" حاضر جوابی -
" موقعہ شناسی -
" حسن جواب حسن تبلیغ -
" کشادہ دلی -
" وسعت قلبی -

یہ وہ باتیں اور یہ وہ نکات ہیں جو بعض ہی کا حصّہ ہوتے ہیں ع
این سعادت بزور بازو نیست

اس عطر مجموعہ سے ناظرین مندرجہ ذیل باتیں خصوصیت سے دیکھ سکتے ہیں کہ ان میں مولوی صاحب کی روش کیا رہی ہے -

(الف) اہل خاندان کے ساتھ - (ب) اہل و عیال کے ساتھ (ج) اپنے شباب کے ساتھ (د) احباب کے ساتھ - (ھ) اہل وطن کے ساتھ -

ان شعبوں میں آپ کو بہت سی اس مجموعہ میں سے ایسی باتیں ملیں گی جو ملکی اور قومی حمیت غیرت اور دُور اندیشی کے گُر ہوں گے ساتھ ہی اس کے آپ کو یہ بھی پتہ لگ جائے گا کہ مولوی صاحب کی پاک طبیعت بناوٹ تصنع فریب دہی خوشامد معیوب وجاہت جاہ طلبی خودغرضی خودپسندی سے کہاں تک نافر رہی ہے اور نافر ہے - اور خدا کا فضل و کرم یہ ہے کہ وہی روش اب تک بھی چلی جاتی ہے علم دوستی علم پروری علم ثروہی ہیں گویا اُن کی طبیعت اور اُن کا مذاق اپنی آپ ہی نظیر ہے ہزاروں روپے کا کتب خانہ اُن کی اپنی ہی خرید ہے اور اب تک وہ سلسلہ جاری ہے اور دوسری طرف کھانے پینے اور لباس کا یہ حال ہے کہ دیکھنے سے کوئی اجنبی نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی نورِ دین ہے جو زمانہ بھر میں شہرت رکھتا ہے - اُن کی بیرونی وجاہت اندرونی وجاہت اور اندرونی عظمت اور علو شان کا عکس ہے کیونکہ باایں حالات رعب اور وہی شان لیے ہوئے ہے ایک طرف احسان پروری کی کوئی حد نہیں اور دوسری جانب احسان فراموشی اور احسان خواہی

سے طبیعت کوسوں بھاگتی ہے یہ بات کسی نمائش کی غرض سے نہیں بلکہ طبیعت بھی مستغنی واقع ہوئی ہے اور یہ کہ کوئی دوسرا کیوں تکلیف میں پڑے۔ بے مورخہ ندارد ایک رقعہ مجھے لکھتے ہیں جس کی میں ذیل میں نقل دیتا ہوں۔

مکرم معظم مرزا

یہ کتاب خاکسار نے مرزا محمود احمد سے لیکر کسی ملا کو دی اُس نے وہ غیر ناقص کتاب گم کردی اب مجھے محمود احمد سے حجاب آتا ہے اُن کی کتاب کیوں گم ہوئی۔ لکھنؤ کان پور دہلی میں بہت جستجو کی مگر عمدہ بے نقص کتاب نہیں ملی بہاولپور میں شائد اس کا نسخہ مل سکے عہ روپے تک میں دے سکتا ہوں۔ آپ لاہور میں سید نادر شاہ کیپر باسٹیخر سے پتہ لگائیں کتاب بے نقص ملجائے

(نورالدین)

جس کتاب تہذیب النحو کا رقعہ بالا میں ذکر کیا گیا ہے وہ حجم میں ۱۴ صفحے کی ہے میری رائے میں ار حد ۲ر سے اُسکی قیمت زیادہ نہیں ہے جس کے بدلہ میں مولویصاحب عہ روپیہ تک بھی خرید لینا چاہتے ہیں تاکہ میاں محمود صاحب کو واپس دیجائے اللہ اللہ کیسی آزاد کیسی غیرت پسند کیسی پُرحق کیسی خیر جو طبیعت واقعہ ہوئی ہے۔ اس رقعہ نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ مَیں ایسے شخص کی سوانح عمری دیکھوں۔ ایک فلاسفر کا قول ہے کہ بعض اوقات معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتیں اور چھوٹے چھوٹے واقعات ہی بڑی بڑی باتوں اور بڑے بڑے واقعات کی راہ دکھاتے ہیں۔ فتدبر۔

مشکل سے ایسے لوگوں کے ایسے افعال اور ضبط افعال کو کوئی خودغرضانہ نکتہ چینی سے بدنام کرسکتا ہے اگرچہ نورِدین بھی انسان ہے اور انسانوں ہی میں سے ہے مگر اُن انسانوں میں سے جو جامہ انسانیت رکھتے ہیں یا جو انسانیت شناس اور انسانیت کے دلدادہ ہیں۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بین
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

۲۔ فروری ۱۹۱۴ء کا ذکر ہے کہ مولوی صاحب نے یہ فرمایا کہ انسان کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہمارے بعد ہماری اولاد کی امداد چندوں۔ زکوٰۃ۔ اور صدقات سے نہ کی جائے جس طرح

میرا حامی خود خدا رہا ہے اسی طرح میری اولاد اور میرے وابستہ گان کا بھی رہے گا۔

یہ وہ بات وہ توکل وہ بھروسہ اور وہ قربانی ہے جو ہر کسی سے نہیں ہو سکتی یہ وہ دردناک اور نتیجہ خیز حکایت ہے جو ہر کوئی نہیں سنا سکتا یا ہر منہ اس قابل نہیں خدا پر بھروسہ اور توکل ہو تو ایسا ہی ہو یہی شعائر اسلام اور روش مشاہیر اسلام ہے ایسے ہی لوگ عملی رنگ میں اسلام کے واسطے ارکان عزم اور اصحاب ارادہ ہیں۔

روزِ نخست چوں دم رندی زدیم و عشق
شرط آں بود کہ جز رہ ایں شیوہ نسپریم

ادھر یہ صورت اور ادھر یہ کہ اگر کوئی اپنی کمزوری بھی ہے تو چھپائی تک نہیں عطر مجموعہ کے حصہ میں دیکھ لوگے کہ جب کوئی وسوسہ خطیر خاطر ہوا یا کوئی اور ایسی ہی صورت پیش آئی ہے تو اُس کا بھی ذکر کر ہی دیا گیا ہے۔

صوفیائے کرام اور حضرات اولیائے عظام کی خدمت میں جو کچھ عقیدت ہے اُس کا ہر رنگ میں اعتراف ہے چار مشاہیر اسلام سے بیعت ہے اور چاروں سے اب تک وہی عقیدت ہے اور اُسی ادب و عزت سے اُن کا ذکر کیا جاتا ہے جو شروع میں تھا ایک وہ لوگ بھی ہیں جو ایک پیر کے چھوڑنے یا مرنے پر اُس کی نسبت عقیدت رکھنا تو درکنار ادب سے نام لینا بھی گوارا نہیں کرتے۔

سوچنے والے سوچیں کہ مولوی صاحب کو بزرگانِ دین سے کہاں تک عقیدت اور محبت ہے اور مختلف انساب صوفیائے عظام سے اُنہیں کیسی اعلیٰ نسبت ہے اسی حسن عقیدت کا یہ اثر اور یہ نتیجہ ہے کہ خود مولویصاحب بھی اُسی سلسلہ عظام سے وابستہ ہو چکے ہیں۔

ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء

ز محرماں سراپردۂ وصال شوم
ز بندگان خداوندگار خود باشم

حیوۃ نورالدین کی قیمت عہ ہے ہماری رائے میں ہر مذاق کا آدمی ایسی

سوانح عمریوں سے ایک مبلغ فائدہ اُٹھا سکتا ہے کیونکہ اُس میں بہت سی باتیں ایسی بیان ہوئی ہیں جو ہر صحیح مذاق کے مطابق ہیں اور جن سے نہایت کشادہ دلی اور انتقار کی مثالیں ملتی ہیں۔ جہاں سے عمدگی اور خوبی مل سکتی ہے وہ ہمیں لینی چاہیئے صداقت کا میدان بہت وسیع ہے صداقت کسی کی ملکیت نہیں ہر شخص کا حق ہے۔

خلقے زبان بہ دعوئے عشقش کشادہ اند
اے من غلام آن کہ دلش با زبان یکے است

تمام دنیا اسلام کی طرف آرہی ہے

(ترجمہ مضمون ڈاکٹر اے جارج بیکر۔ شہر فلیڈلفیا۔ اضلاع متحدہ۔ امریکہ)

آج تمام دنیا ایک بڑے شہر کی طرح ہے۔ چھاپہ اور بجلی نے تمام دنیا کے لوگوں کو ایک دوسرے سے ایسا قریب کردیا ہے کہ گویا وہ ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ بڑے بڑے واقعات جو ہندوستان۔ سیام۔ جاپان۔ روس۔ عرب۔ مصر یا امریکہ میں آج واقع ہوئے ہیں۔ وہ ... تار برقی اور اخبارات کے ذریعہ ۲۴ گھنٹہ کے اندر کل دنیا میں مشہور ہو جاتے ہیں۔ اور یہی امر ایک ایسی چیز ہے جس نے تمام قوموں میں خواہ وہ کسی مذہب کی پیرو ہوں ایک قسم کی اخوت اور رشتہ داری کا احساس پیدا کردیا ہے۔ ہاں صرف ایک قوم ہے جو یہ خیال کرتی ہے کہ تمام دوسری قومیں اُس کے ماتحت ہونی چاہئیں اور وہ مسیحیوں کی قوم ہے۔ ستمبر ۱۹۱۰ء میں گلاسگو و گیلو وے (سکاٹلینڈ) کے بشپ نے ایک جماعت کو مخاطب کرکے مندرجہ ذیل تقریر کی ۔

"مغربی لوگوں کو دوسری قوموں کی نسبت زیادہ اس امر کے سیکھنے کی ضرورت ہے کہ یہودیوں۔ مسلمانوں اور دیگر غیر مسیحی قوموں سے بہت سی ایسی چیزیں وہ حاصل کرسکتے ہیں جو اُن کی تکمیل کے لیئے ضروری ہیں۔ مغربی لوگ اپنے دنیاوی کاروبار کے لیئے راتھ شائلڈ یہودی کو اپنا ساہوکار اور ڈسرائیلی یہودی کو اپنا وزیر اعظم بنانے کے لیئے تو تیار ہیں۔ لیکن وہ یہودیوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیئے تیار نہیں۔

"اگر مغرب کا کوئی انسان ان مشرقی ممالک میں سیاحت کے لیئے جاتا ہے تو وہ اسلام کے پیروؤں کی تعریف کرنے کے لیئے تیار ہے مگر خود اُس کو اُن چیزوں سے جن کے لیئے وہ مسلمانوں کی تعریف کرتا ہے کوئی سروکار نہیں وہ یہ دیکھکر بہت خوش ہوتا ہے کہ مسلمان باقاعدہ اپنے ربّ کی عبادت کرتے ہیں اور جب عبادت کا وقت آجاتا ہے تو خواہ وہ کسی جگہ ہوں اپنی نماز کو ادا کرتے ہیں۔ وہ یہ دیکھکر خوش تو ہوتا ہے اور اسے پسند کرتا ہے مگر وہ یہ امر صرف دوسروں کے لیئے پسند کرتا ہے۔ اور اُسے یہ کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ اس امر میں اُسکو مسلمانوں سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ وہ خود اپنے تئیں ان باتوں سے بلند تر سمجھتا ہے۔ وہ جب مسلمانوں کی مذہبی سرگرمی کو دیکھتا ہے تو اُن کی مدح میں رطب اللسان ہوتا ہے اور جب وہ مسلمانوں کو باقاعدگی کے ساتھ رمضان کے روزے رکھتا ہوا دیکھتا ہے تو اُس کا دل اُن کی مدح سے بھر جاتا ہے مگر خود وہ کبھی ایک وقت کا کھانا بھی ترک نہیں کرتا۔ اور مسلمانوں کے اس فعل سے کبھی اُس کے دل میں یہ تحریک پیدا نہیں ہوتی ہے کہ وہ خود بھی اپنے مذہب کے مطابق لینٹ کے چالیس دن روزے رکھے۔

"مغربی لوگ غیر مسیحی قوموں کی صفات کی بہت زور سے تعریف کرتے ہیں اور اُن کا بیان ہے کہ جب یہ لوگ مسیحی مشنریوں کے اثر کے نیچے آجاتے ہیں تو پھر ان کی یہ صفات حمیدہ جاتی رہتی ہیں اور وہ بگڑ جاتے ہیں اور وہ پھر اس قابل نہیں رہتے کہ اُنکو ملازم رکھا جائے مگر ساتھ ہی اسکے اُن کی یہ دلی تمنا ہوتی ہے کہ دیسیوں کو اپنے نمونہ کے مطابق مہذب بنایا جائے۔ (حالانکہ اسی تہذیب کی وجہ سے انگلستان اور امریکہ کے شہروں میں گندے لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں) مگر مغربی انسان کے دل پر اسقدر پردے پڑے ہوئے ہیں کہ یہ خیال اُسکے دل میں کبھی نہیں گذرتا کہ یہ صفات حمیدہ اُس کو غیر مسیحی اقوام سے حاصل کرنی چاہیئیں۔ ایک مغربی آدمی افریقہ کے حبشی کے پاس جاتا ہے (اور اُسکے جانے کی یہ غرض نہیں ہوتی کہ اُسکو اپنا بھائی بنائے بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ اُسکو اپنا غلام بنائے) اور اُسے کہتا ہے "تم ایک غریب جاہل کالے آدمی ہو جو وحشت کی تاریکی میں پھنسے ہوئے ہو۔ آؤ۔ مہذب بنجاؤ" یہ غریب حبشی پہلے تو ایسا نادان تھا کہ اپنے قبیلہ کے فائدہ کو اپنے ذاتی فائدہ پر مقدم رکھتا تھا اور انگریزی بولنے والا

گورا آدمی اُس کو تہذیب کا پہلا سبق سکھانا شروع کرتا ہے یعنی یہ کہ ایک کے عدد کو ہمیشہ مدِ نظر رکھو۔
خود غرضی کے عالیشان اصل الاصول کو یاد رکھو۔ اُس غریب حبشی کو پہلے یہ تعلیم دی گئی تھی کہ
جب تک اُس کے قبیلہ کا سردار اجازت نہ دے وہ لقمہ مُنہ میں نہ ڈالے۔ لیکن مغربی تہذیب یافتہ
مسیحی اُسکو سمجھاتا ہے "میرے غریب نادان دوست۔ تیری سادگی پر مجھے تعجب آتا ہے۔
اور تیری جہالت کو دیکھکر مجھے سخت حیرت ہوتی ہے۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ ہر ایک عقلمند
مسیحی اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنا مال فروخت کرے۔ مسٹر چسٹرٹن
جو ینگ مینز کرسچن اسوسی ایشن۔ امریکہ کا ایک ممبر ہے کہتا ہے کہ ہمیشہ اپنے ساتھی سے
آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

"ایک اور بات جو مغربی لوگوں کو سیکھنی چاہیئے یہ ہے کہ خدا نے زمین کی تمام قوموں کو ایک
ہی خون سے پیدا کیا ہے۔ ہم نے ابھی یہ بات سیکھنی ہے کہ مسلمانوں۔ یہودیوں اور دوسری
غیر مسیحی قوموں کے پاس بھی ایسے ہدیے ہیں جو الٰہی خزانے میں قبول کیے جانے کے قابل
ہیں۔ مثلاً ایک حبشی بچہ کو خدائے تعالیٰ کی ہستی پر اس قسم کا گہرا ایمان ہے جو ایک انگریز کو
حاصل نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں سے ہم یہ سبق سیکھ سکتے ہیں کہ اُن کے ایمان کا اثر اُن کے
فعلوں اور اُن کی روزانہ زندگی میں ظاہر ہوتا ہے اور اُن کی تعلیم کا اثر اُن کی عملی زندگی میں نظر
آتا ہے اور خدائے تعالیٰ کی مالکیت پر اُن کو ایک زندہ ایمان ہوتا ہے اور سب سے بڑھکر
یہ کہ اسلام نے اُن میں ایک اخوت کی روح پھونک دی ہے اور اسلام کے رُو سے تمام انسان
ایک دوسرے کے بھائی ہیں"

یاد رہے کہ جس تقریر کا اقتباس مَیں نے اوپر درج کیا ہے وہ ایک ایسے مجمع میں کی گئی تھی جس
میں دنیا کے تمام حصوں کے مشنری موجود تھے۔ اور بشپ موصوف کی جرأت بے شک قابل داد
ہے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کے مضبوط ایمان۔ اُن کی عالمگیر اخوت۔ اُن کی پاک عملی زندگی۔ اُنکی
شرافت اور اُن کے چال چلن کے بارہ میں سچی سچی شہادت دے دی اور کسی کی پروا نہیں کی۔
اور اُس نے مسلمانوں کے نیک نمونہ کو مسیحیوں کے آگے ایک ایسے آئینہ کی طرح پیش کیا
جس میں وہ اپنے نقص اور اپنے عیوب دیکھ سکیں +

مسیحی لوگ تثلیث کو ترک کر رہے ہیں

اب ایک ایسا زمانہ ہے جس میں تمام قوموں کی کتابوں اور تاریخ کا اہل علم لوگ غور سے مطالعہ کر رہے ہیں۔ اور مسیحی مشنریوں نے جو جو دھوکے دیئے تھے وہ اب سب طشت از بام ہو رہے ہیں اور انکے سارے فریب اب کھل رہے ہیں اور اس تحقیق کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بہت سے عقلمند انسانوں نے مسیحی عقائد کو ترک کر دیا ہے۔ اضلاع متحدہ میں ایک بہت بڑا گروہ ایسے لوگوں کا ہے جو اپنے تئیں موحد کہتے ہیں۔ یعنی وہ ایک خدا کو مانتے ہیں اور تثلیث کے عقیدہ کے دشمن ہیں۔ وہ حضرت مسیحؑ کو صرف ایک عظیم الشان نبی اور نیک انسان سمجھتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ ہمارا سابق پریسیڈنٹ مسٹر ٹیفٹ بھی اس جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے واشنگٹن میں اس موحد جماعت کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا "مجھے ہمیشہ اس بات پر تعجب آتا ہے کہ کیوں تمام دنیا موحد نہیں بنتی۔ مگر میں یہ دیکھتا ہوں کہ تمام دنیا اس عقیدہ کی طرف آرہی ہے" موحد مسیحی۔ مسیح کو صرف ایک انسان سمجھتے ہیں۔ وہ موروثی گناہ۔ اور مسیحیت کے اس حصہ کے منکر ہیں جس کا تعلق معجزات سے ہے۔ دوسرے مسیحی فرقوں میں بھی کثرت سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو موحدانہ اعتقادات رکھتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے پرانے تعلقات کو توڑنا پسند نہیں کرتے۔ اسلیئے پریسیڈنٹ ٹیفٹ کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ "بڑی شکایت یہ ہے کہ دوسرے گرجاؤں میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے اعتقادات ہماری طرح موحدانہ ہیں۔ لیکن وہ ہمارے گرجے میں نہیں آتے۔ لیکن اس سے یہ امید پڑتی ہے کہ آخر وہ ایک دن ہمارے ساتھ شامل ہو جاوینگے" ہمیں بہت قوی امید ہے کہ پریسیڈنٹ ٹیفٹ کا یہ کہنا صحیح ثابت ہوگا۔

مسیحیت کا زوال

چارلس ایلیٹ پریسیڈنٹ ہارورڈ یونیورسٹی اپنی کتاب "آیندہ کا مذہب" میں لکھتا ہے کہ آیندہ دنیا کا جو مذہب ہوگا اس میں کسی پوپ یا بادشاہ کی تقلید نہ ہوگی آنیوالے مذہب میں صحیفہ فطرت کی کسی چیز کو خدا نہیں بنایا جائے گا۔ اور کسی انسان کو خواہ وہ کیسا ہی عالیشان کیوں نہ ہو الوہیت کا لباس نہیں پہنایا جائے گا۔

پھر وہ مسیحیت کے بڑھتے ہوئے ضعف کی طرف اشارہ کر کے لکھتا ہے کہ جن لوگوں کے عزیز چھوٹی عمر میں اُن سے جُدا ہو جاتے ہیں یا کسی بیماری کی وجہ سے اُن کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے مسیحیت اُن کو کسی طرح تسلّی نہیں دے سکتی"

"مسیحیت کے زوال کی ایک اور علامت یہ ہے کہ لوگ یہ دیکھ کر کہ مسیحیت ان کی ضروریات کو پورا نہیں کرسکتی ہے۔ اپنی بہتری کے لیئے خود راہیں سوچ رہے ہیں اور اپنی فطرتی خواہشوں اور جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی ضروریات کے پورا کرنے کے لیئے خود طرح طرح کی سوسائٹیاں قائم کررہے ہیں۔ اور نئے نئے فرقے بنا رہے ہیں۔ مثلاً سپرچوالسٹ۔ کرسچن سائنٹسٹ اور مینٹل ہیلر فرقے لوگوں کو پرانی مسیحیت سے نکال کر اپنے ساتھ ملا رہے ہیں"

پریسیڈنٹ ایلیٹ نے اپنی رائے کا جو اظہار کیا ہے اس کی بنا یہ ہے کہ مسیحیت کے مسلّمہ عقائد کو اب لوگ کثرت سے ترک کررہے ہیں۔ اور نئی نئی اصلاحوں کی ایک لہر بعض اوقات مسیحی کلیسیا کے اندر سے ہوکر اور بعض اوقات اس کے اوپر سے ہوکر چل رہی ہے۔ زمانہ حال کا فلسفہ۔ اخلاقی مسائل۔ سوشل امنگیں اور جمہوری اصول مسیحی کلیسیا پر اپنا اثر ظاہر کررہے ہیں اور مسیحی ممالک میں بہت سے لوگوں نے گرجاؤں میں جانا چھوڑ دیا ہے۔

یہ دو رائیں ہیں جو امریکہ کے دو مشہور پریسیڈنٹوں نے ظاہر کی ہیں۔ ایک تو اضلاع متحدہ کا پریسیڈنٹ ہے اور دوسرا ہماری سب سے قدیمی اور سب سے مشہور یونیورسٹی کا پریسیڈنٹ ہے۔ اس لیئے ان ہر دو صاحبان کی رائیں اس قابل ہیں کہ ہم ان کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھیں۔

مسیحی کلیسیا کی اندرونی نزاعیں اور باہمی بغض و عداوت

اضلاع متحدہ کے پراٹسٹنٹ فرقوں کو اب اتحاد کے خواب آرہے ہیں۔ یہ فرقے تعداد میں ایک سو سے بھی زیادہ ہیں۔ اگر یہ آج سب اکٹھے ہو جاویں تو ضرور ہے کہ کل ان میں ایک نیا تفرقہ پیدا ہو جائے۔ دنیا میں کسی اور مذہب کے پیروؤں میں باہم اسقدر نزاع نہیں ہے جتنا کہ مسیحی مذہب کے پیروؤں میں ہے اور ان سب کو ایک جماعت میں اکٹھا کرنا ایک محال امر ہے۔ وہ پھر ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی کرنا اور ایک دوسرے کو آگ میں جلانا شروع کردیں گے۔ اور اس وقت ان کی پچھلی حالت پہلی حالت سے بدتر ہوگی۔

قرآن شریف میں لکھا ہے ومن الذین قالوا انا نصٰرٰی اخذ نا میثاقھم فنسوا حظا مما ذکروا بہ فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیٰمۃ (مائدہ۔ رکوع ۳) قرآن شریف کی اس آیت کے مطابق یہ بغض اور عداوت

ہمیشہ سے مسیحیوں میں چلی آتی ہے۔ مسیحی تاریخ قرآن شریف کے اس بیان کی پوری تصدیق کرتی ہے۔

طرفہ یہ ہے کہ مسیحی لوگ ایک دوسرے کے متعلق بھی حق گوئی سے کام نہیں لیتے پھر یہ دوسرے مذاہب کے متعلق کس طرح سچی شہادت دے سکتے ہیں۔ مسیحی اختلافات اور نزاعوں کا نمونہ خود ہندوستان میں موجود ہے۔ وہاں جب پراٹسٹنٹ واعظ رومن کیتھولک مشنریوں کو کافر کہتے ہیں تو ہندو اُن سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے مسیحی بننے سے کیا فائدہ جب خود مسیحی دنیا کا ¾ حصہ ہمارے مذہب سے بہتر مذہب نہیں رکھتا۔ جیمز دی ایٹ فرقہ کے مسیحیوں نے ایک جعلی وید بنایا جس کا نام انہوں نے ازور ویدم رکھا۔ ڈچ قوم کے مسیحیوں نے تھوما حواری کی تصویر کا ناک کاٹ دیا۔ (یہ وہ حواری ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ واقعہ صلیب کے بعد ہندوستان کی طرف آیا اور وہ اس ملک میں مسیحی مذہب کا بانی ہوا) اور ڈچ نے صرف اُس کا ناک ہی نہ کاٹا بلکہ اس میں میخیں ٹھوک ٹھوک کر اسکو میخوں سے بھر دیا پھر ایک توپ کے آگے اُسکو رکھکر اُڑا دیا۔ پھر طرفہ یہ کہ مسیحی ایک طرف ہندو مذہب کو بُرا اور رُوح کے لیئے مہلک کہتے ہیں پھر اُسی مذہب کو روپیہ کمانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ کرشن کی چھوٹی چھوٹی پیتل کی تصویریں جن کے آگے ہندو استریاں ماتھا ٹیکتی ہیں انگلستان کے شہر برمنگھم میں لاکھوں کی تعداد میں تیار ہوتی ہیں۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں صاحبِ اختیار تھی تو اُسوقت اُس نے جگن ناتھ کے مندر کو ایک آمد کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔

اور صرف رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ فرقوں میں ہی باہم عداوت اور بُغض نہیں بلکہ خود پراٹسٹنٹ مذہب کے مختلف فرقوں کے درمیان سخت عداوت اور دشمنی ہے مثلاً ایپس کوپے لی اَن۔ پریز بی ٹی ری اَن۔ میتھوڈسٹ اور بیپ ٹسٹ اور دیگر فرقوں میں باہم جنگ و جدال جاری رہتا ہے اور یہ بالکل ناممکن ہے کہ یہ فرقے کبھی باہم ملکر ایک ہو جاویں۔

مشرقی ممالک کی قدیمی تہذیب

قدیمی دنیا مثلاً چین۔ ہندوستان۔ جاپان۔ ایران وغیرہ نے پُرانے زمانہ میں جسقدر ترقی کی ہے مغربی دنیا نے اُس کی پوری قدر شناسی نہیں کی۔ اور نہ اُس اعلیٰ پایہ کی تہذیب کی قدر شناسی کی گئی ہے جو اسلامی سلطنت کو حاصل تھی۔ حالانکہ جو ترقی یورپ اور امریکہ نے اس وقت تک کی ہے وہ اسی اسلامی تہذیب کی بدولت ہے۔ گذشتہ نومبر میں ہی میننے پبلک لیکچر میں

ایک خدا ماننے والوں کی تعداد

مسلمانوں کے برخلاف ایک مضمون پڑھا۔ میں اسی وقت بیٹھ گیا اور اُس کا جواب لکھا۔ مَیں نے پہلے روئے زمین کے مسلمانوں کی تعداد پیش کی جو حسب ذیل ہے۔ ہندوستان سات کروڑ ۵۰ لاکھ۔ افریقہ دس کروڑ۔ مڈل ایشیا ۲ کروڑ۔ ٹرکی ۲ کروڑ۔ ایران۔ روس۔ افغانستان۔ بلوچستان۔ وسطی ایشیا۔ ۵ کروڑ۔ چین ۷ کروڑ۔ کل میزان تقریباً ۴۲ کروڑ۔ انکے علاوہ ایک کروڑ ۸۰ لاکھ یہودی ہیں جو ایک خدا کو مانتے ہیں انکے علاوہ مسیحیوں میں لاکھوں آدمی ایسے ہیں جو تثلیث کے منکر اور ایک خدا کے ماننے والے ہیں مثلاً فری مے سن۔ شرائی نز۔ تُوتُو۔ اور یونی ٹے رین۔ یہ سب اعلیٰ طبقے کے لوگ ہیں اور ہمارے شہروں کی آبادی کا سمجھدار حصہ ان میں شامل ہے اور یہ سب ایک خدا کو مانتے ہیں۔ میں نے رسالہ مذکور کے ایڈیٹر سے یہ بھی سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ مسیحی لوگ ہمیشہ ایسے آدمیوں کی تعداد کم دکھانے کی کوشش کرتے ہیں جو اسلامی معنوں میں ایک خدا کو مانتے ہیں۔ مگر ایڈیٹر نے میرے جواب کو اپنے رسالہ میں شائع کرنے سے پہلو تہی کیا۔ مگر اس سے یہ فائدہ ضرور حاصل ہُوا کہ ایڈیٹر مذکور نے اس کے بعد کبھی مسلمانوں یا دیگر ایک خدا ماننے والے لوگوں کے برخلاف کوئی مضمون شائع نہیں کیا تھوڑا عرصہ ہوا نیویارک چرچ مین میں ایک نہایت ہی عجیب مضمون شائع ہوا جس کا عنوان یہ تھا ”اسلام میں ایک نئی روح“۔ اُس مضمون میں سے تھوڑا سا حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے ”دنیا کے مختلف حصوں میں اسلام کی حیرت انگیز ترقی زمانہ حال کا ایک نہایت ہی عجیب نظارہ ہے۔ اسلام چین پر حملہ آور ہُوا ہے۔ مجمع الجزائر ملیے پر قبضہ کر چکا ہے۔ وسطی افریقہ میں نہایت تیزی سے قدم آگے بڑھا رہا ہے۔ اور اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدام رُوس کے جنوب میں بھی اشاعتِ اسلام کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اسلام میں تمام قسم کے لوگوں کو اپنے اندر ملانے کی ایک حیرت انگیز قُوت پائی جاتی ہے۔ جو جو قومیں اس کی راہ میں آتی ہیں یہ اُن سب کو اپنے اندر جذب کر لیتا اور اُن کو بالکل اپنا گرویدہ بنالیتا ہے۔ جہاں کہیں اسلام نے قدم رکھا ہے۔ اس نے ہمیشہ لوگوں سے بزبانِ حال یہ خطاب کیا ہے ”مَیں تمہارے ساتھ بالکل مل جاؤں گا۔ مَیں تمہارے خون کا جزو بنوں گا۔ مَیں تمہاری تمام سوشل لائیف کو لیکر اپنا بنالوں گا۔ اور تم ایک بڑی بھاری برادری میں شامل کیے جاؤ گے یہانتک کہ ہم سب یک جان ہو جائینگے اور ہمارا ایک ہی مرکز ہوگا اور ہم سب میں ایک ہی روح کام کرے گی اور

اسلام ایک زندہ اور طاقتور مذہب ہے

ایک ہی طاقت پر ہماری زندگی کا مدار ہوگا" اسلام میں یہ ایک نہایت عجیب اور حیرت میں ڈال دینے والی طاقت ہے۔ اسلام جہاں جاتا ہے لوگوں کے رگ و ریشہ میں داخل ہوجاتا ہے اور یہ امر ظاہری فتوحات کے ذریعہ نہیں ہوتا کیونکہ اس نے ایسے ممالک میں بھی بڑی بڑی فتوحات حاصل کی ہیں جہاں اس کو کوئی ظاہری حکومت نہیں۔ اس میں ایک ایسی طاقت ہے جو لوگوں کے دلوں کو فتح کرتی ہے۔ اور ایک مسیحی ایڈیٹر کا اسلام کی اس طاقت کو تسلیم کرنا ایک بہت بڑی بات ہے کیونکہ مسیحیوں کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ اسلام کی ہر ایک خوبی کو لوگوں کی نظر سے غائب رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ یہی دکھانا چاہتے ہیں کہ دنیا میں صرف مسیحیت ہی ایک زندہ اور طاقتور مذہب ہے۔

اسلام کی تعریف سے مسیحیوں کی کیا غرض ہوتی ہے

لیکن جب مسیحی اسلام کی تعریف کرتے ہیں جیسا کہ مشنری کانگریس میں گلاسگو کے بشپ نے کی یا جیسا کہ نیویارک چرچ مین کے مسیحی ایڈیٹر نے کی تو اس سے ان لوگوں کی اصل غرض اپنی قوم کے لوگوں کو اکسانا اور سکھانا ہوتا ہے کہ وہ بھی مسیحی مذہب کے پھیلانے میں اسلام کے نمونہ پر عمل کریں اور مسلمانوں کو مسیحی مذہب میں داخل کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن افسوس ان کو یہ سمجھ نہیں آتا کہ کوئی حقیقی مسلمان مسیحی مذہب میں داخل نہیں ہوسکتا مسیح یوحنا باب ۱۷ ورس ۳ میں کہتا ہے کہ "یہ ابدی زندگی ہے تا وے تجھے پہچانیں جو ایک ہی سچا خدا ہے اور یسوع مسیح کو پہچانیں جس کو تو نے بھیجا (یعنی جو تیرا رسول ہے)" اس مقام سے اور ایسا ہی اور بہت سے مقامات سے یہ کھلے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یسوع مسیح نے خدا ہونیکا دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن مسیحی لوگ ایسے مقامات پر غور کرنا پسند نہیں کرتے کیونکہ یہ مقامات ان کے منشاء کے مخالف ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ تین خدا کی جگہ ایک خدا کو مانیں۔

نیویارک چرچ مین کا ایڈیٹر جس کے الفاظ کو ہم اوپر درج کرچکے ہیں اپنے مضمون کے اندر اپنے ہم مذہب لوگوں کو یہ سکھاتا ہے کہ کس راہ سے وہ مسلمانوں پر فتح پاسکتے اور ان کو مسیحیت میں داخل کرسکتے ہیں۔ افسوس کہ مسیحی لوگ گذشتہ تجربہ سے کچھ سبق حاصل نہیں کرنا چاہتے۔

مشن یونین کی ناکامی

دیکھو کس قدر روپیہ انہوں نے مسلمانوں اور یہودیوں کو مسیحی بنانے کے لئے خرچ کردیا ہے مگر انکو اس کوشش میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ شہر نیویارک میں ۱۲ لاکھ پچاس ہزار

اور یہاں فلیڈلفیا میں چار لاکھ یہودی رہتے ہیں۔ اور جس قدر کوشش مسیحیوں نے انکو مسیحی بنانے کے لئے کی ہے وہ سب رائگاں ثابت ہوئی ہے۔

یہودیوں سے مسیحیوں کا سفاکانہ سلوک

گذشتہ زمانہ میں مسیحی لوگوں نے یہودیوں سے نہایت ہی سفاکانہ سلوک کیا ہے۔ اور اُن کو طرح طرح کے عذابوں کا نشانہ بنایا ہے اور اُن کے مال و متاع کو لوٹا اور اُنکے مَردوں اور عورتوں اور بچّوں کو قتل کیا ہے تا کسی طرح صفحہ ہستی سے ان کا نشان مٹ جائے شہر کیڈز اور سیول (ملک ہسپانیہ) میں صرف ایک سال یعنی ۱۴۸۱ء میں ۲ ہزار یہودیوں کو رحم مجسم مسیحیوں نے جلتی ہوئی آگ میں ڈالکر راکھ کر دیا لیکن اگرچہ اُنہوں نے یہودیوں کو جڑھ سے اُکھیڑ دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا مگر پھر بھی یہودی نابود نہیں ہو سکے بلکہ انکی تعداد اب پہلے کی نسبت زیادہ ہے۔

تمام یورپ کے مسیحیوں نے مسلمانوں اور یہودیوں کی بیخکنی کے لئے صلیبی جنگوں کا سلسلہ جاری کیا اور اس مذہبی جنون میں لاکھوں آدمی اور کروڑوں روپے خرچ ہوئے مگر آخر ناکام ہو کر واپس جانا پڑا۔

تثلیث کا عقیدہ نبیوں کی تعلیم کے خلاف ہے

مسلمان ایک خدا پر ایمان رکھتا ہے۔ اور حضرت مسیح کو بھی وہ خدائے تعالیٰ کا ایک عظیم الشان نبی مانتا ہے۔ مسیحی کہتا ہے کہ مَیں بھی ایک خدا مانتا ہوں لیکن خدا کے تین اقنوم ہیں جن میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ قادر مطلق ہے۔ باپ خدا قادر مطلق۔ بیٹا خدا قادر مطلق۔ روح القدس خدا قادر مطلق۔ لیکن پھر بھی تین خدا نہیں کہنے چاہیئے۔ خدا ایک ہے۔ یہ مسیحی تثلیث ہندوؤں کی تری مورتی کا گویا ایک دوسرا نام ہے۔ یہودی مذہب میں کسی تثلیث کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا پھر بھی مسیحی صاحبان فرماتے ہیں کہ ہمارے مذہب کی بنا یہودی مذہب پر ہے۔ یہودی مذہب خدائے تعالیٰ کے سوا اور کسی نجات دینے والے کا قائل نہیں۔ دیکھو یسعیاہ نبی باب ۴۳ ورس ۳ "مَیں خداوند تیرا خدا ہوں۔ اسرائیل کا مقدس۔ تیرا نجات دینے والا" اور یسعیاہ باب ۴۲ ورس ۸ میں لکھا ہے "مَیں رب ہوں۔ یہ میرا نام ہے اور مَیں اپنا جلال کسی اور کو نہ دوں گا۔ اور نہ مَیں اپنی ستائش کھودے ہوئے بتوں کو دوں گا" اور پھر یسعیاہ باب ۴۳ ورس ۱۱ میں لکھا ہے "مَیں۔ ہاں مَیں ہی رب ہوں اور میرے سوا کوئی نجات دینے والا نہیں" اور

پھر یسعیاہ باب ۴۴ ورس ۶ میں لکھا ہے "خداوند۔ اسرائیل کا بادشاہ اور اُس کا نجات دہندہ۔ رب الافواج یوں کہتا ہے۔ مَیں اوّل ہوں اور مَیں آخر اور میرے سوا اور کوئی خدا نہیں"۔ یسعیاہ اور پُرانے عہدنامہ کی دوسری کتابوں میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جو بڑے زور سے اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ خدائے واحد کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ اور وہی نجات دہندہ اور مُکتی دینے والا ہے۔ اُسکے سوا اور کوئی نہیں۔ اسلیئے مسیحی لوگ جو مسیح کو اپنا منجی قرار دیتے ہیں الہامی کتابوں کے عہد کے اندر شامل نہیں ہو سکتے اور یہ وہ کتابیں ہیں جنکو وہ خود خدا کا کلام کہا کرتے ہیں۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ پُرانے عہدنامہ کی یہ ساری شہادتیں اور خود نئے عہدنامہ کے وہ مقامات جہاں مسیح بڑی صفائی سے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہے مسیحیوں کی تسلّی کے لیئے کافی نہیں ہیں۔

اسلام کس طرح پھیل رہا ہے

ذویمبر (جو ایک مشہور اور متعصب مسیحی ہے) اپنی ایک تصنیف میں لکھتا ہے:۔
"ملک برہما میں (جہاں ہندوستانی تاجر اشاعت اسلام کا کام کرتے ہیں) مسلمانوں کی آبادی میں گذشتہ دس سال کے عرصہ میں ۳۰ فیصدی کے حساب سے ترقی ہوئی۔ مغربی سوڈان اور نائیجیریا میں سارے کے سارے اضلاع جو پہلے مشرک تھے اب وہ مسلمان ہیں۔ اور یہ کام اسلامی مشنریوں نے نہیں بلکہ تاجروں۔ سیاحوں اور پیشہ وروں نے کیا ہے یہ کہنا تو مبالغہ ہوگا کہ ہر ایک مسلمان ایک اسلامی واعظ ہوتا ہے لیکن اسمیں کچھ شک نہیں کہ درویشوں کی چند جماعتوں کے سوا اشاعت اسلام کا کام کرنے والے تمام کے تمام عام مسلمان ہیں جو کسی خاص پیشہ یا درجہ سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ ہر درجہ اور ہر پیشہ کے مسلمان اسلام کی اشاعت کا کام کر رہے ہیں۔ مثلاً ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے کہ بحرین کے ایک جواہرات کے تاجر نے قرآن کی ایک مکمل تفسیر مفت اشاعت کے لیئے شائع کی۔ لاہور اور کلکتہ میں مسلمان کلرک۔ تاجر۔ اور جلد ساز اور عام مزدور بھی سر بازار اسلام کا وعظ کرتے ہوئے، یا مسیحیت کے ابطال کے لیئے دلائل دیتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ جو تاجر جاوا سے حج کے لیئے مکہ جاتے ہیں وہ جب واپس آتے ہیں تو کوہستانی قبائل میں آکر اسلام کا وعظ کرتے ہیں۔ سوڈان میں ایک خاص تاجروں کا گروہ ہے جو اپنے

ساتھ قرآن لیئے پھرتے ہیں اور جس جس جگہ وہ اپنا مال تجارت لے جاتے ہیں۔ اُس کے ساتھ ہی قرآن شریف بھی لیجاتے ہیں۔ اور جہاں کہیں وہ ایک گاؤں میں سر بازار اپنی دوکان کھولتے ہیں اُسی جگہ بازار کے سر پر وہ ایک مسجد بھی کھڑی کردیتے ہیں“۔

مسیحی تاجروں اور مشنریوں کا مسلمان تاجروں سے مقابلہ

مندرجہ بالا بیان سے بصراحت یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اسلام مسیحیت پر بہت فوقیت رکھتا ہے۔ مسلمان تاجروں کے مقابل میں مسیحی تاجروں کا حال نہایت ہی قابل افسوس ہے۔ اگر کوئی صاحب مسیحی تاجروں کے حالات سے آگاہی حاصل کرنا چاہے تو وہ جنوبی جزائر کی تاریخ کا مطالعہ کرے۔ اور دیکھے کہ کسطرح مسیحی تاجروں نے ان جزائر کے باشندوں کو لوٹا اور اُنکو طرح طرح کے دُکھ دیئے اور بائیبل کی بجائے وسکی کی بوتل اور مسیحی یورپ کی تمام گندی بیماریاں اپنے ساتھ لے گئے۔

مسیحی تاجر یہ امر سمجھ ہی نہیں سکتے کہ کس طرح ایک آدمی محض صداقت اور دین کی خاطر بغیر کسی دولتمند جماعت کی امداد کے غیر ممالک میں جاکر مشنری کا کام کرسکتا ہے مسلمان تاجر اور دوسرے پیشہ ور جو اسلامی مشنریوں کا کام کرتے ہیں وہ اپنی اس خدمت دینی کیلیئے مسیحی مشنریوں کی طرح کسی مالدار سوسائٹی سے ہزار ڈالر (یعنی سوا تین ہزار روپیہ) یا اس سے بھی زیادہ سالانہ تنخواہ حاصل نہیں کرتے۔ وہ یہ سب کام سچائی کی خاطر۔ انسانی ہمدردی کی خاطر اور ایک خدا پر ایمان لانے کی خاطر کرتے ہیں۔ خیال کرو ۲ کروڑ ۵۰ لاکھ ڈالر (یعنی قریباً ۸ کروڑ ½ ۱۲ لاکھ روپیہ) ہر سال مسیحی پادریوں پر خرچ ہوتا ہے۔ جو دنیا کے مختلف حصوں میں کام کررہے ہیں اور اگر ان لوگوں کو تنخواہ نہ دی جاوے تو یہ لوگ ہرگز بیرونی ممالک میں وعظ کے لیئے نہ جائیں۔

مشنریوں کی ناکامی کے متعلق مصر کے ایک عیسائی کی شہادت

قریباً ۲۰ سال کا عرصہ ہُوا ہے کہ یونائٹیڈ پریزبٹیرین چرچ نے مصر میں ۶ یا ۸ پادری اس غرض کے لیئے بھیجے کہ وہ مسلمانوں کو عیسائی بنائیں۔ مگر وہاں جاکر جو کارروائی اُنہوں نے کی ہے اُس کے متعلق ڈاکٹر جارج پی۔ ایس۔ سابق جو قاہرہ کے مدرسہ طبی کا پروفیسر اور مصر کے قبطی کلیسیا کا ایک رکن ہے مندرجہ ذیل شہادت دیتا ہے:۔ ”وہ ہم کو (یعنی قبطی کلیسیا کے ممبروں کو) متعصب کہتے ہیں لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ ہم نے کس کے ساتھ

تعصب کا برتاؤ کیا ہے۔ ہم نے مصر میں بے شمار مشنوں کو خوش آمدید کہا اور اُن کے ساتھ معانقہ کیا ہے اور اپنی تعلیم اور حیثیت کے مطابق اُن کے ساتھ مل کر کام کیا ہے۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ یہ مشن مسیحی ممالک سے اس لئے بھیجے گئے تھے کہ مسلمانوں میں جا کر کام کریں۔ لیکن جب وہ مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکے تو انہوں نے اُدھر سے توجہ ہٹا کر ہم پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ اور اس کوشش میں لگ گئے کہ ہمارے کلیسیا کے ممبروں کو ملازمت کا لالچ دیکر اپنے ساتھ ملانا شروع کر دیا اور جو ہم میں سے غریب اور جاہل تھے انہیں طرح طرح کے لالچ دینے شروع کر دیئے . . . .

. . . .

. . . . انہوں نے ہمارا نام بت پرست اور ملحد رکھا۔ انہوں نے ہماری کلیسیا کی نسبت کہا کہ یہ ایک نہایت ہی مخذول و مردود جماعت ہے۔ اُن کو ہماری حالت پر اس قدر رحم آیا کہ جس کام کے لیئے وہ بھیجے گئے تھے اُسکو چھوڑ کر ہمیں اپنی فرقہ میں داخل کرنا شروع کر دیا۔“

تعجب کی بات ہے کہ قدیمی قبطی کلیسیا کے بانی خود حواری تھے مگر آجکل کے مسیحی اُن کو مردود۔ مخذول اور ملحد قرار دیتے ہیں۔ مصر کے قبطی کلیسیا اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات بہت ہی قابل تعریف ہیں۔ ان میں سے کوئی دوسرے کو دکھ نہیں دیتا۔ اور دونوں فریق ایک دوسرے کے پڑوس میں امن سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ ایک مشہور بات ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلے سے مصر کے فتح ہونے کی اپنے پیروؤں کو خبر دیدی تھی اور آپ نے اُن کو وصیّت فرمائی تھی کہ اہل مصر سے نیک سلوک کیا جاوے۔ کیونکہ حضرت ہاجرہ والدہ اسمٰعیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) مصر کی رہنے والی تھی۔ اسلام کے آنے سے پہلے مصر کے مسیحیوں میں باہم خوب جنگ ہو رہی تھی اور قبطی۔ یعقوبی اور دوسرے مسیحی صدہا سال سے باہم لڑ رہے تھے۔ اسلام نے آکر انکو باہم لڑنے سے روک دیا اور اسکے بعد یہ چین سے زندگی بسر کرنے لگے یہ راحت انکو اسلام کی برکت سے صدہا سال کی کشمکش کے بعد نصیب ہوئی۔

اسکندریہ کا کتب خانہ کس نے جلایا

بہت سے نادان مسیحی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عمرو بن العاص نے امیر المومنین حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے حکم سے سکندریہ کے مشہور کتب خانہ کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ لیکن یہ ایک بہتان ہے جو مسیحیوں نے مسلمانوں پر باندھا ہے۔ اور اسپر کیا بس ہے مسیحیوں نے ایسے ہی کئی اور جھوٹے الزام مسلمانوں پر لگائے ہیں۔ اسکندریہ کی لائبریری حضرت عمرو بن العاص کے مصر میں داخل ہونے سے

بہت عرصہ پہلے تباہ ہو چکی تھی۔ یہ کتب خانہ مسیحی قیصر تھیوڈوسی اُس کے حکم سے تباہ کیا گیا۔ یہ مسیحی قیصر بہت متعصب تھا اس نے رومی سلطنت میں تمام غیر مسیحی مذاہب کی بیخکنی کر دی۔ اس نے حکم دیا کہ سِراپی اُس کا معبد جڑھ سے اُکھیڑ دیا جاوے اور یہ کتب خانہ بھی اسی معبد کے ساتھ تھا۔ اسکے تباہ کر دینے کا بھی حکم جاری کیا گیا اور مصر کی نہایت ہی قدیمی اور بیش قیمت کتابیں اُسکے حکم سے جلا دی گئیں تا ایسا نہ ہو کہ اہل مصر ان کتابوں کو پڑھکر پھر اپنا قدیمی مذہب اختیار کر لیں۔ یہ واقعہ ۳۹۱ء میں ہوا یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے قریباً پونے دو سو سال پیشتر۔ دیکھو

سبِل کی کتابیں بھی اسی قیصر کے حکم سے تمام رومی سلطنت میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جلائی گئیں۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ ان واقعات کی موجودگی میں یورپ و امریکہ کے مسیحیوں کو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے خلفاء کے متعلق جھوٹی تہمتیں ایجاد کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ گبن نے بھی اپنی کتاب ڈیکلائین اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر میں مسلمانوں کو اس بہتان سے بری کیا ہے۔

مسلمانوں کا علمی مذاق اور ان کا احسان علمی دنیا پر

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمانوں نے دنیا کا سب سے بڑا دار العلوم جسمیں بارہ ہزار سے زیادہ کتابیں موجود ہیں قاہرہ (ملک مصر) میں قائم کیا اور یہ دار العلوم یورپ کی اسی قسم کی یونیورسٹیوں کے وجود میں آنے سے صدہا سال پہلے موجود تھا۔ ہاں اُسوقت یورپ میں اگر کوئی دار العلوم قاہرہ کے دار العلوم کے بالمقابل موجود تھے تو وہ وہی دار العلوم تھے جو ہسپانیہ اور دیگر مفتوحہ ممالک میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اتباع اور خدام نے قائم کیئے تھے۔ یہی اسلامی یونیورسٹیاں تھیں جنھوں نے یورپ کو جہالت کی نیند سے بیدار کیا۔ اور اگر ان اسلامی عظیم الشان درسگاہوں کا وجود نہ ہوتا تو غالباً مسیحی قومیں اب بھی اُسی ظلمت میں گرفتار ہوتیں جس میں وہ مسلمانوں کے یورپ میں قدم رکھنے سے پیشتر مبتلا تھیں۔ انہی اسلامی یونیورسٹیوں کے محقق فضلاء نے یورپ میں علمی تحقیق کی بنیاد ڈالی اور سائنس کے مختلف شعبوں سے جو فائدہ مغربی دنیا آج حاصل کر رہی ہے یہ اُنہی اسلامی یونیورسٹیوں کی بدولت ہے جنھوں نے اہل یورپ کو سائنس کا سبق پڑھایا اور علمی تحقیق کی راہ پر چلایا۔

[illegible]

اسلام کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ سائنس کو گناہ قرار نہیں دیتا اور نہ اُن لوگوں کی نسبت جو علمی تحقیق میں

لگے رہتے ہیں یہ فتویٰ دیتا ہے کہ یہ لوگ شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہیں۔ لیکن مسیحی کلیسیا نے یہ فتویٰ دیا ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب جری اللہ فی حلل الانبیاء

یہی محققانہ روح اور کشادہ دلی تھی جسکی بدولت ملک ہند میں حضرت مرزا غلام احمد نبیوں کی طرز پر کام کرکے کامیاب ہوگئے اور اُن کا یہ کام نہ صرف مسلمانوں کے فائدہ کے لیئے تھا بلکہ کل نوع انسان کے فائدہ کے لیئے تھا۔ الحمد للہ علےٰ ذٰلک۔ یہی مرزا صاحبؑ تھے جنہوں نے اُن غلطیوں اور دھوکوں کو ظاہر کیا جن میں مسیحی اور ہندو مبتلا تھے۔ اور آپ نے یہ کام نہایت ہی نرم طریق سے پورا کیا۔ تا بیجا طور پر کسی کا دل نہ دکھایا جائے۔

پس ہم یقینی اور قطعی طور پر دیکھتے ہیں کہ دنیا آگے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اور یہ کہ آخر خدائے واحد اور اسلام کا علم زمین کی تری اور خشکی پر پھیل جائے گا۔

جارج بیکر از فلیڈلفیا۔ اضلاع متحدہ۔ امریکہ

ماہوار رپورٹ بابت ماہ جنوری ۱۹۱۴ء صدر انجمن احمدیہ قادیان

یتامیٰ۔ اس ماہ میں آمد صرف [illegible] کل خرچ [illegible] جس میں سے [illegible] اصل خرچ [illegible] وظائف یتامیٰ ہے۔ یتامیٰ کی آمد بمقابلہ خرچ کے بہت کم ہے۔ احباب کو توجہ کرنی چاہیئے۔

شفاخانہ:۔ اس ماہ میں آمد [illegible] اور خرچ [illegible] ہوا۔ نئے اور پرانے مریضوں کی تعداد اندرون قصبہ میں ۹۳۹ اور دارالعلوم میں ۸۶۳ ہے۔ مائنر اپریشن ۲۹ و ۵ علی الترتیب ہوئے۔

اشاعت اسلام:۔ اس صیغہ کی آمد [illegible] اور خرچ [illegible] ہے۔ اس ماہ کے اخیر پر خریداران ریویو انگریزی میں گذشتہ ماہ کی نسبت دو کی بیشی ریویو اردو میں پانچ کی بیشی اور تفسیر القرآن میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔

دفتر محاسب:۔ آمد ۰۰-۱۵-۸۲۵۷ خرچ ۱۰-۳-۶۸۳۶ ہے اس ماہ کی آمد میں جلسہ سالانہ کی ایسی رقوم بھی شامل ہیں۔ جو بلا تفصیل ہونیکی وجہ سے امانت میں رکھی گئی تھیں اور جنوری میں تفصیل آنے پر داخل خزانہ کی گئیں۔ آمد امانت کے سوا تین ہزار کے قریب ہے۔

تعمیر:۔ روپیہ کی کمی کے لحاظ سے عمارت کا کام بند پڑا ہے۔ جلسہ پر ہال کی تکمیل کے لیئے تحریک کی گئی تھی۔ چنانچہ جو روپیہ اسوقت ہال کی تکمیل کے لیئے ہُوا تھا وہ دفتر تعمیر میں ہی دیا گیا تھا تاکہ اس جگہ صرف ہو۔ گرڈر آئے ہوئے ہیں۔ جماعت روپیہ کا وعدہ تکمیل ہال کے لیئے جلسہ پر ہُوا تھا۔ وہ روپیہ وصول ہونے پر مزید کام ہو سکتا ہے۔ عمارت مدرسہ و بورڈنگ کے لیئے چندہ کا بقایا جن جن احباب کے نام ہے وہاں کے سکرٹری صاحبان بقایا وصول کرکے بھیجنے کی سعی کریں۔ کیا یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ عمارت کے درمیان کی میلی دیواریں (جو ہال کی تعمیر نہ ہونیکی وجہ سے نامکمل پڑی ہیں۔ اور عمارت کو بدنما ظاہر کر رہی ہیں) جلد مکمل ہوکر ساری عمارت خوشنما دکھائی دے۔ یہ حصہ گویا زبان حال سے جماعت احمدیہ کی ہمت اور ایثار پر داغ لگا رہا ہے میں امید کرتا ہوں کہ سب احباب توجہ کرینگے خصوصاً وہ لوگ جن کے ذمہ عمارت فنڈ کا بقایا ہے۔ اور سکرٹری صاحبان:

بیت المال:۔ لنگر کا خرچ بڑھ رہا ہے۔ اور آمد کم ہے جسکی وجہ سے لنگر مقروض رہتا ہے۔ گو جلسہ سالانہ پر گذشتہ قرضہ کی ادائگی کا انتظام ہو گیا تھا۔ مگر آئندہ لنگر مقروض نہ ہو جماعت کو لنگر کا چندہ باقاعدہ دینے کی فکر کرنی ضروری ہے۔ یہ وہ مدرسہ ہے جسے حضرت صاحبؑ نے خود جاری کیا اور جہاں حق کے طالب امیر و غریب سب دین حاصل کرتے ہیں۔ اسکے بغیر سلسلہ کی اشاعت کا کام ادھورا رہتا ہے۔ پھر اکثر مساکین مہاجرین ہیں جن کی پرورش ہوتی ہے:

مدرسہ احمدیہ:۔ مدرسہ احمدیہ میں مبلغ و واعظ پیدا کرنے کے لیئے ہفتہ میں دو جلسے کیئے جاتے ہیں ایک میں طلبار کو مختلف مضامین پر لکچر دیئے جاتے ہیں۔ دوسرے میں طلبار سے لکچر سُنے جاتے ہیں تا وہ اس کام کو نباہ سکیں۔ دوسری قسم کا جلسہ جمعہ گذشتہ کو ہُوا۔ ایک بزرگ نے جو جلسہ میں تشریف فرما تھے دس روپے۔ شیخ نور احمد مختار صاحبزادہ صاحب نے ایک روپیہ طلبار کی شیرینی کے لیئے دیا۔ اور صاحب موصوف نے ان طلبار کو جو مدرسہ سے تحصیل علوم سے فارغ ہوکر تبلیغ کریں دس روپے ماہوار کا وظیفہ دینے کا وعدہ کیا ہے:

جلسہ سالانہ:۔ جلسہ سالانہ پر جن جماعتوں یا افراد نے جن جن صیغوں کے قرضوں کی ادائگی کا ذمہ حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ پر لیا تھا۔ انکو اپنے وعدے بھول نہ جانے چاہئیں۔ اور خدا کرے کہ ایسا نہ ہو کہ جلسہ میں وہ صرف وعدہ ہی وعدہ رہیں۔ اور عملی جامہ نہ پہنیں۔ بلکہ ابھی سے اسی جوش کے ساتھ

جسکو دل میں رکھکر وعدہ کیا تھا جبتک کہ وعدہ پورا نہ ہوجاوے کارروائی ہوتے رہنی چاہیئے - حضرت خلیفۃ المسیح کی کسقدر خوشی کا موجب یہ ایفا رو عدہ ہو سکتا ہے - جو آپکے ساتھ آپ لوگوں نے کیا تھا۔ لیکن اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہوا اور حضور کی خدمت میں صیغوں کے بدستور مقروض رہنے کی خبر پہنچی - تو آپ کو از حد رنج بھی ہوگا - اسلیئے میں امید کرتا ہوں کہ وعدہ کرنے والے بے فکر نہ ہونگے - خاص قادیان میں اسکے متعلق کارروائی ہورہی ہے - ایک ہزار روپیہ میں سے نصف خاص قادیانی احباب پر اور نصف ضلع ہذا کی بیرونی جماعتوں پر ڈالا گیا ہے - باہر وصولی کا انتظام ہوگیا ہے - اور ساٹھ کے قریب وصولی بھی ہو چکا ہے - خاص قادیان میں احباب کی آمد کے لحاظ سے پانچ سو روپیہ تقسیم کیا جاوے گا - جسے انشاء اللہ ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑے گا - اور اس طرح پر کسی کو اپنے لیئے خود کوئی رقم مقرر کرنے کی ضرورت نہ ہوگی - اگر دوسری جگہ بھی جہاں کہ اس طرح تقسیم ہو سکتی ہو کریں تو بہتر ہوگا - اور دیہات میں زراعت پیشہ احباب اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق لکھا سکتے ہیں ؛

دفتر سکرٹری :- صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ قادیان کے اخراجات کو جہاں تک ممکن تھا کم کرنے کے لیئے کچھ ملازمین تخفیف میں لائے گئے ہیں - بعض ملازمین کے گریڈ کم کیئے گئے - بعض کی تنخواہ معین کی گئی ہے - اور کل ملازمین صدر انجمن کی ترقیاں سال ۱۹۱۴ء کے لیئے روکی گئی ہیں - اور حقوق ترقی کے لیئے اس سال کو سروس میں شمار نہیں کیا گیا - جن کی ترقیاں سالانہ تھیں دو سال کی گئی ہیں - اگر کل احباب باقاعدہ چندہ بھیجنے کا التزام کریں - تو یہ ساری دقتیں رفع ہو سکتی ہیں ؛

نور افشاں کا اسسٹنٹ اڈیٹر قادیان میں آکر مشرف باسلام ہوا اور اس جگہ مقیم ہے ایسے ہی ایک اور انگریز نومسلم قادیان میں رہائش رکھتا ہے ؛

بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام } جناب خواجہ کمال الدین صاحب کا ایک تازہ خط ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے - جو بڑی مسرت کا موجب ہوگا - اور وہ یہ ہے -

برادران :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ -

اس جمعہ برادر شیخ عبد الرحمن کپتان سٹینلے مسگریڈ صاحب شریک جمعہ ہوئے - جمعہ کی نماز

حسب معمول لنڈسی ہال میں قریباً پچاس مقتدیوں کے ساتھ ادا کی گئی۔ کپتان موصوف بہت ہی وجیہ اور خوبصورت پُر رعب آدمی ہیں۔ آپ لنڈن میں بغرض انتخاب پارلیمنٹ تشریف لائے تھے۔ مَیں نے اُن کو بہت تاکید کی ہے کہ وہ ضرور پارلیمنٹ کی ممبری کے لئے کوشش کریں۔ یہ معاملہ آئندہ ماہ تک ختم ہوجائے گا۔ اس کے بعد آپ کا مستقل ارادہ ہے کہ کچھ عرصہ میرے پاس رہکر قرآن شریف کی تعلیم حاصل کریں۔ اور پھر تبلیغ اسلام کے لیئے تیار ہوجاویں اللہ تعالیٰ ان کو توفیق عطا فرماوے۔ جس نوجوان خاتون کے متعلق لکھا تھا۔ کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتی ہے۔ الحمد للہ کہ وہ اس جمعہ کو خطبہ سے پہلے مشرف با اسلام ہوگئی ہے اس کا اسلامی نام زرینہ بیگم رکھا گیا ہے۔ خطبہ جمعہ میں چھ عیسائی انگریزی خاتونیں بھی موجود تھیں۔ جو نیک اثر لیکر گئیں۔

سب سے بڑھکر خوشی اس بات کی ہے۔ کہ تمام نو مسلموں میں اسلام کی تبلیغ کا جوش شروع ہوگیا ہے۔ خالد شیلڈرک صاحب نو مسلم مجھے بار بار کہہ چکے ہیں۔ کہ لنڈن میں تبلیغ اسلام کا کام مستقل طور پر شروع ہونا چاہیئے۔ مَیں خود بھی اسی فکر میں ہوں۔ کل ایک مکان دیکھا تھا۔ ارادہ ہے کہ لنڈن میں کوئی وسیع مکان مستقل طور پر لیا جاوے۔ جہاں نماز جمعہ کے علاوہ ہر ہفتہ کی شام کو باقاعدہ لیکچر اور جلسے کیئے جایا کریں۔ ایک کلب بھی قائم کیا جائے۔ پھر نووارد مسلمانوں کے لیئے جائے قیام کا کام بھی دے سکے۔ لنڈن میں بکثرت ایسے لوگ ہیں جو اسلام کے بارہ میں وقتاً فوقتاً معلومات حاصل کرنیکے شائق ہیں۔ لنڈن کی مستقل رہائش سے انکو بہت فائدہ پہنچیگا۔ ووکنگ کی رہائش اس معاملہ میں حارج ہے۔ ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے۔ جو دفتر اور خطوکتابت کو سنبھال لے۔ اور مَیں کچھ آزاد ہوجاؤں۔ والسلام۔ کمال الدین از مسجد فضل (ووکنگ) ۲۰ جنوری ۱۹۱۴ء

روحانی ٹیلیفون:۔ اس رسالہ میں سورہ فاتحہ سے دلچسپ ...... طور پر ثابت کیا گیا ہے۔ کہ تمام روحانی وجسمانی ترقیات کے دروازے کھولنے کا یہی ایک آلہ ہے نیز انجیلی تعلیم کو عقلی نقلی دلائل کے ذریعہ قرآن شریف وحدیث کے مقابل میں ناقص ثابت کیا گیا ہے مالی طاقت والوں کو قیمتہً اور جو اتنی بھی طاقت نہیں رکھتے انکی معدقہ درخواست آنے پر مفت ارسال کیا جاویگا۔ درخواست بنام میرزا عبد الغنی قادیان ضلع گورداسپور۔

اخبار شمشیر قلم۔ جو پہلے ہفتہ وار نکلتا تھا۔ چند دنوں سے روزانہ کردیا گیا ہے۔ اسکے چند نمبر ہماری

مکمّل نوٹ درس قرآن شریف

حضرت خلیفۃ المسیح والمہدی مولوی حکیم نورالدین صاحب کی ساری عمر قرآن شریف کے پڑھنے اور پڑھانے میں گذری ہے۔ زمانہ حال میں جو اعتراض غیر مذاہب کے لوگ قرآن شریف پر کرتے ہیں ان کے جواب آپ نے ہمیشہ تائیدِ الٰہی سے دیئے ہیں کہ مخالف لاجواب ہوئے آپ جو روزانہ درس قرآن شریف کا دیا کرتے ہیں اُس کے ایک دَور کے نوٹ سورہ الحمد سے لے کر سورۂ الناس تک جو اخبار بدر کے ساتھ آہستہ آہستہ تین سال میں تیار ہوئے ہیں حقائق و معارف کا بڑا بھاری ذخیرہ ہیں۔ قیمت اصلی فی نسخہ پانچ روپے۔ رعائتی چار روپے تھوڑے سے نسخے باقی رہ گئے ہیں ۞ ملنے کا پتہ۔ بدر ایجنسی۔ قادیان۔ ضلع گورداسپور۔

شرح اُجرت اشتہارات در رسالہ ریویو آف ریلیجنز

میعاد	پورا صفحہ		نصف صفحہ		چوتھائی صفحہ		ایک سطر	
	انگریزی	اُردو	انگریزی	اُردو	انگریزی	اُردو	انگریزی	اُردو
سالانہ	للعہ	صہ	صعہ	سہ	صعہ	عہ	سے/	للعہ/
ششماہی	صعہ	سہ	صعہ	عہ	عہ	عہ	عہ/۱۲	عہ/۸
سہ ماہی	صعہ	عہ	عہ	عہ	ہہ/	ملے/	عہ/	عہ/۸
ایک دفعہ	بے/۸	ملے/	للعہ/	الہ/	سے/	بے/۸	۸/	۱۰/

تمام درخواستیں بنام مینیجر میگزین قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں

اطلاع

خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرمادیں ۞

مطبع میگزین قادیان میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۳ | بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۴ء | مطابق ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۲ ہجری | نمبر ۳

چندہ سالانہ
عام ۲ع طلباء سے ۱ع

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۱۴ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلامی طریق عبادت

اس مختصر مضمون سے میری غرض یہ ہے کہ یورپ کے ان نیک دل اور حق پسند لوگوں کو جو اپنی خداداد عقل اور دانائی سے اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ اسلام کے متعلق اس وقت تک جو کچھ ہم کو سنایا گیا ہے چرچ کے ہیڈ ایجنٹوں کے تعصب کا نتیجہ ہے۔ اور جو اسلام کے متعلق تازہ اور سچی اطلاع حاصل کرنا چاہتے ہیں اسلام کے اس لاثانی اصل کی نسبت واقفیت بہم پہنچاؤں جسے اسلام کے عملی حصہ کا پہلا اصل کہا جاتا ہے۔ میری مراد اس سے نماز ہے۔

مگر پیشتر اسکے کہ میں پورے طور پر نماز میں ایک مسلمان کو جو کچھ کرنا پڑتا ہے بیان کروں اور اس کے ادا کرنے میں جو عبارتیں اسکو کہنی پڑتی ہیں ان کا ترجمہ لکھوں۔ دو ضروری امور کا بیان کردینا مناسب سمجھتا ہوں:-

اوّل امر

عبادت کی غرض عبادت کی غرض ایک طرف تو اس پاک ہستی کے حضور اپنے جذبات شکر کا اظہار ہوتا ہے جسے عربی زبان میں اللہ اور انگریزی میں گاڈ کہتے ہیں کیونکہ انسان فطرتاً اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنے پر مجبور ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جبلت القلوب علیٰ حب من احسن الیھا انسانی دل کی بناوٹ ہی

ایسی ہے کہ اپنے محسن سے محبت کرنے پر مجبور ہوتا ہے پس نماز کی ایک بہت بڑی غرض تو یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے رب کے سامنے اس کے احسانوں کا اپنی زبان سے اقرار کرتا ہے۔

مگر اسکے علاوہ عبادت کی ایک اور بھی غرض ہے اور وہ گناہوں اور بدیوں سے پاک کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ انسانی عبادتوں کا محتاج نہیں بلکہ جسقدر احکام اس نے انسان کو دیئے ہیں ان میں اصل غرض اس کا پاک کرنا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ ناپاک سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔ اور پسند فرماتا ہے کہ اس سے تعلق کرنے والا بھی پاک ہو پس تمام عبادات میں یہ مدِّنظر رکھا گیا ہے کہ ان سے نفس انسانی بدیوں اور شرارتوں سے پاک ہو اور اسکے ذریعہ اسے ایسی طاقت ملجائے کہ وہ مختلف قسم کی ہوا و ہوس کو چھوڑنے کے قابل ہو جائے اور ایک طرف اللہ تعالیٰ سے اس کے تعلقات درست ہو جائیں اور دوسری طرف مخلوق الٰہی سے بھی اس کے معاملات بالکل ٹھیک ہوں چنانچہ اسلام نے مذہب کی تعریف ہی یہی کی ہے کہ وہ بندہ کے خدائے تعالیٰ سے تعلقات کو مضبوط کرتا ہو اور بندوں سے اُس کے تعلقات کو سنوارتا ہو اور اگر کوئی مذہب ان دونوں باتوں میں سے ایک کے پورا کرنے سے بھی قاصر ہے تو وہ مذہب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے مذہب کی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ پس جس قدر عبادات مقرر کی جاتی ہیں ان کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ بندہ کو خدائے تعالیٰ کے نزدیک کر دیا جائے اور گناہوں سے بچنے کی طاقت پیدا کی جائے اور جو عبادت ان دونوں باتوں کے حصول کے ذرائع پیدا کرے وہی مفید عبادت ہے ورنہ اس میں مشغول ہونا اپنے وقت کو ضائع کرنا ہے۔ قرآن شریف نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ نماز بدیوں اور گناہوں سے روکتی ہے یعنی عبادت کی غرض کو پورا کرتی ہے۔

عبادت کی غرض کے پورا کرنے کیلئے کن باتوں کی ضرورت ہے

دوسرا امر

جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ نماز کی اصل غرض اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنا اس کا شکر ادا کرنا اور نفس کی اصلاح

کرنا ہے تو جس طریق عبادت سے یہ دونوں باتیں حاصل ہوتی ہوں وہی عبادت سچی عبادت ہے اور اس عبادت کی طرف ہدایت کرنے والا مذہب ہی سچا مذہب ہے۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کے لیئے جو طریق عبادت رکھا ہے اس میں ان اغراض کو پورا کرنے کے لیئے جو ذریعے استعمال کیئے ہیں وہ اور کسی مذہب نے نہیں کیئے اور ہر ایک انسان ذرا غور سے کام لے کر معلوم کرسکتا ہے کہ وہی ذرائع اس قابل ہیں کہ عبادت کی غرض کو پورا کرسکیں۔ وہ ذرائع یہ ہیں:۔

۱۔ جسم وروح کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے جس طرح غم کی خبر سُنکر جسم ایسا متاثر ہوتا ہے کہ اسپر اُداسی کے آثار ہویدا ہوجاتے ہیں اسی طرح جسم کو جب کوئی صدمہ پہنچتا ہے تو روح بھی غمگین ہوجاتی ہے اور یہی حال خوشی کا ہے پس قلب کو خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کے لیئے ایک یہ بھی طریق ہے کہ عبادت کے وقت جسم کو بھی کسی ایسی حالت میں رکھا جائے جس سے تذلّل پیدا ہو اور اس کا اثر روح پر پڑکر دل میں بھی رِقّت اور نرمی پیدا ہوجائے۔ اور انسان خدائے تعالیٰ کی طرف ایک جوش کے ساتھ متوجہ ہوجائے۔ تذلّل کے اظہار کے لیئے دنیا میں مختلف صورتوں کو اختیار کیا گیا ہے کسی ملک کے لوگ جُھک جاتے ہیں کسی ملک میں ہاتھ باندھکر کھڑا ہونا تذلّل کا نشان قرار دیا گیا ہے کسی میں گھٹنوں کے بَل گرنے کو کسی میں سجدہ کرنے کو۔ اسلام چونکہ خالقِ فطرت کی طرف سے ہے اس نے تمام فطرتوں اور عادتوں کا خیال رکھتے ہوئے نماز میں ان سب نشانات کو جمع کردیا ہے اور مختلف المذاق لوگ جس جس حالت میں بھی تذلّل کا اظہار کرتے ہیں نماز ان کے مذاق کے مطابق ہر اور ان مختلف اشکالِ تذلّل کے اثر سے انسانی قلب جوش سے بھر جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ کے حضور میں جُھک جاتا ہے درحقیقت وہ ایک قابل دید نظارہ ہوتا ہے جب ایک مسلمان رب العالمین خدا کے حضور کبھی ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا ہے کبھی جُھک جاتا ہے کبھی ہاتھ کھولکر کھڑا ہوجاتا ہے کبھی سجدہ میں گرجاتا ہے کبھی گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتا ہے اور اس کا دل اس محبت سے پُر ہوتا ہے جو ایک مذاق کو نماق سے

ہو سکتی ہے اور وہ زبان حال سے اقرار کرتا ہے کہ دنیا کی مختلف اقوام جس جس طریق میں بھی اپنی عبودیت کا اظہار کرتی ہیں اے خدا میں تیرے سامنے مجموعی طور پر ان سب طریقوں سے اپنی عبودیت کا اقرار کرتا ہوں یہ نظارہ نماز ادا کرنے والے کو ہی نہیں بلکہ اس کے دیکھنے والے کے دل کو بھی متاثر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دیتا ہے ؛

۲۔ دوسرا اصل اسلام نے نماز کی غائیت کو حاصل کرنے کا یہ تجویز کیا ہے کہ دعا کو نماز کا مغز قرار دیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے الدعاء مخ العبادة دعا نماز کا مغز ہے اور دعا اپنے اندر ایک ایسا مقناطیسی اثر رکھتی ہے کہ ایک طرف تو بندے کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتی ہے اور دوسری طرف اس کے لیئے ایسی آسانیاں بہم پہنچا دیتی ہے کہ جن سے وہ گناہوں سے محفوظ رہ سکے۔ جب ہماری استدعاؤں اور التجاؤں کو والدین اور حکام دنیا قبول کرتے ہیں تو کیونکر خیال کیا جائے کہ خدائے تعالیٰ جو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے اپنے بندوں کی دعاؤں کو رد کر دیگا پس نماز کیا ہر دعاؤں کا ایک مجموعہ ہے جس سے ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف دعائیں قبولیت حاصل کر کے انسان کی ہدایت اور ترقی کا ذریعہ بن جاتی ہیں ؛

۳۔ تیسرا طریق اسلام نے یہ بتایا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طاقتوں کا معائنہ کیا جائے کیونکہ جب تک کسی چیز کا کامل علم انسان کو نہ ہو اس سے اس کا تعلق کُمل نہیں ہو سکتا مثلاً جس انسان کو علم کی خوبی معلوم نہیں وہ اس کے حصول کی کوشش نہیں کر سکتا اسی طرح جو شخص زہر کے اثر سے ناواقف ہے وہ زہر سے نہیں ڈر سکتا۔ پس اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے اور بدیوں سے بچنے کے لیئے اس بات کی نہایت ضرورت ہے کہ خدائے تعالیٰ کی کامل معرفت ہو جسکے لیئے اسلام نے نماز میں ایسی عبارتوں کا پڑھنا ضروری رکھا ہے جن سے انسان پر اللہ تعالیٰ کا پُر جلال اور قابل محبت ہونا ظاہر ہوتا ہے اور وہ بے اختیار اسکے حضور گر جاتا ہے اور اس کا دل محبت اور خوف سے بھر جاتا ہے کیونکہ جب اسکے سامنے ایک ہی وقت میں اللہ تعالیٰ کے احسانات پیش کیئے جاتے ہیں اور نافرمانی اور

قطع تعلق کے نتائج سے آگاہی دیجاتی ہے تو اسپر ایک ایسی انقطاعی حالت طاری ہوتی ہے کہ بے اختیار اللہ تعالیٰ کے قریب ہوجاتا ہے چنانچہ ناظرین نماز کے ترجمہ سے معلوم کرسکینگے کہ اس بات کو کس حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے اور کس طرح نماز میں انسان کو خدائے تعالیٰ کی پاک اور بےعیب ذات کی معرفت پیدا کراکے اسکے دل کو محبت الٰہی سے بھرنے اور بدیوں سے بچنے کی سہولتیں بہم پہنچائی گئی ہیں جس کی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں مل سکتی۔ اسلام نے جو طریق عبادت بتایا ہے وہ ایسا مکمل اور ضرورت کے مطابق ہے کہ کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور اگر کوئی شخص اسلام کی اس عبادت کا ہی بہ نظر غائر مطالعہ کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کو دوسرے مذاہب پر کس قدر فضیلت ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس موضوع پر تفصیل سے نہیں لکھ سکتا کیونکہ میری غرض اس مختصر مضمون سے نماز کے ادا کرنے کا طریق بتانا ہے۔

نماز شروع کرنے سے پہلے مسلم کیا کرتا ہے مسلمان جب نماز ادا کرنیکے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اسے ایک تیاری کرنی پڑتی ہے جسے وضو کہتے ہیں وضو اس طرح کیا جاتا ہے۔ پہلے ہاتھ دھوئے جائیں پھر تین دفعہ کلی کیجائے پھر تین دفعہ ناک میں پانی ڈالا جائے اسکے بعد تین دفعہ ہاتھ میں پانی لیکر منہ دھویا جائے اسکے بعد پہلے دایاں اور پھر بایاں ہاتھ کہنیوں تک دھویا جائے پھر ہاتھ تر کرکے تین انگلیوں کو سر پر پھیرا جائے جسکے بعد انگوٹھے کے ساتھ کی انگلی کو کان میں اور انگوٹھے کو کان کے باہر پھیرا جائے۔ پھر پہلے دایاں اور پھر بایاں پاؤں دھویا جائے اس تمام کام کو وضو[۵۱] کہتے ہیں اور یہ نماز سے پہلے ضروری ہوتا ہے۔

نماز

وضو کے بعد مسلم کعبہ[۵۲] کی طرف منہ کرکے کھڑا ہوجاتا ہے اور اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے)

---

۵۱ وضو سے ایک غرض یہ ہے کہ وہ اعضاء جو عادتاً ننگے رہتے ہیں انکو دھویا جائے اور ظاہری صفائی کرکے عبادت ادا کیجائے جس سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب عبادت میں ظاہری پاکیزگی کا اسقدر خیال رکھا گیا ہے تو باطنی طہارت کا ایک مسلم کو کسقدر خیال رکھنا چاہیئے اور کس طرح اپنے دل کو گناہوں سے پاک کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا چاہیئے۔ منہ

۵۲ کعبہ کی طرف منہ کرنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ اسے مسلمان قابل عبادت قرار دیتے ہیں بلکہ اس لئے کہ حضرت

کہکر اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر اپنے سینہ پر رکھ لیتا ہے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا جاتا ہے اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے بائیں ہاتھ کو کہنی کے قریب سے پکڑ لیتا ہے اسوقت سے اسے کسی سے بولنا یا اِدھر اُدھر دیکھنا یا اپنی جگہ سے ہلنا منع ہے جبتک نماز ختم نہ کرلے۔

ہاتھ سینہ پر رکھنے کے بعد وہ کہتا ہے

سبحانك اللّٰھمّ وبحمدك وتبارك اسمك وتعالیٰ جدك ولا الٰه غيرك

اے اللہ تو پاک ہے اور حمد کا مستحق ہے اور تیرا نام برکت والا ہے تیری شان بہت بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے

اس کے بعد کہتا ہے

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم

میں* اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان سے جو کہ درگاہ الٰہی سے دور پھینکا گیا ہے

(بقیہ حاشیہ ۵۲ متعلقہ صفحہ ۸۰۵) ابراہیم نے کعبہ کی تعمیر کے وقت دعا کی تھی کہ الٰہی اس ملک میں ایک نبی مبعوث کر جو انکی ہدایت کرے اور انکو پاک کرے سو چونکہ آنحضرتؐ کو دعویٰ تھا کہ آپ وہ نبی ہیں اسلیئے نماز میں اس طرف منہ کرنیکی یہ حکمت ہے کہ مسلمانوں کو وہ وعدہ یاد آتا ہے اور وہ اپنے اعمال کو درست کرتے رہیں ورنہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ليس البر ان تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من اٰمن بالله واليوم الاٰخر والملائكة والكتٰب والنبيّن واٰتى المال علىٰ حبه ذوى القربىٰ واليتمىٰ والمسٰكين وابن السبيل والسائلين وفى الرقاب واقام الصلوٰة واٰتى الزكوٰة والموفون بعهدهم اذا عاهدوا والصٰبرين فى البأساء والضراء وحين البأس اولٰئك الذين صدقوا واولٰئك هم المتقون ٭ نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو (یعنی کعبہ کی طرف منہ کرنیکو نیکی سمجھو) بلکہ نیکی تو اسکے کام میں ہے جو اللہ پر اور قیامت پر اور ملائکہ پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر ایمان لاتا ہے اور باوجود مال کی محبت کے رشتہ داروں یتیموں مسکینوں مسافروں سوالیوں اور قیدیوں کی دستگیری کرتا ہے اور خدائے تعالیٰ کیلیئے بدنی عبادتیں بجالاتا ہے اور اسکے راستہ میں مال دیتا ہے اور انکے کاموں میں جو لوگ جب عہد کرتے ہیں تو انہیں پورا کرتے ہیں اور جو لوگ مالی تنگیوں بیماریوں اور جنگوں میں صبر سے کام لیتے ہیں یہی لوگ ہیں جو اپنے دعویٰ میں سچے ہیں اور یہی لوگ خدا سے ڈرنے والے ہیں ٭ منہ

* قرآن شریف کے کسی حصہ کے پڑھنے سے پہلے اس دعا کے مانگنے کا حکم ہے۔ منہ

اس کے بعد نماز ادا کرنے والا قرآن شریف کی سب سے پہلی سورۃ پڑھتا ہے جسے سورۃ فاتحہ کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۞ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۞ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۞ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۞ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۞ اِہۡدِ نَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۞ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۞ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ۞

مَیں شروع کرتا ہوں اللہ کا نام لیکر جو بے محنت دیتا ہے (جیسے سورج کی روشنی یا ہوا) اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور اقرار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جو کُل مخلوقات کی ربوبیت کرتا ہے ہر قسم کی تعریفوں کا مستحق ہے وہ بغیر محنت کے بھی انعام کرتا ہے اور محنت کا اجر بھی بڑھ چڑھ کر دیتا ہے کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا اور نیکی اور بدی کے نتایج اسی کے حکم کے ماتحت مرتب ہوتے ہیں اور (مَیں کہتا ہوں کہ اے وہ خدا جس کا مَیں نے ذکر کیا ہے) ہم تیری ہی فرمانبرداری کرتے ہیں اور تجھی سے اپنے ہر ایک کام میں مدد مانگتے ہیں تُو ہمیں ہر کام میں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جنپر تیرا انعام ہُوا ہے اور ایسا مت کیجئیو کہ ہم تیرے پیارے بنکر بھی کسی وجہ سے تیرے غضب کو اپنے اوپر بھڑکا لیں یا خود ہی تجھے چھوڑ کر اِدھر اُدھر متوجہ ہو جائیں۔

اس سورۃ کے پڑھنے پر مسلم کہتا ہے آمین یعنی الٰہی میری اس دعا کو قبول فرما۔

اس کے بعد نماز پڑھنے والا قرآن شریف کا کوئی حصہ پڑھتا ہے خواہ تھوڑا خواہ زیادہ۔*

ا ہر ایک مذہب نے اپنے پیروؤں کے لئے ایک آئیڈیل مقرر کیا ہے مگر اسلام کا آئیڈیل سب سے اعلیٰ ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس دعا میں مسلمان کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ صراط الذین انعمت علیھم کی دعا کرے یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے کہ اسے وہی درجہ دیا جائے جو منعم علیہ گروہ کو ملا ایک دوسری جگہ منعم علیہ کا ذکر فرما کر قرآن شریف نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد انبیاء اور صدیق اور شہدا اور صالحین کا گروہ ہے ایک دوسری جگہ قرآن شریف میں ہے و اذ قال موسیٰ لقومہٖ یا قوم اذکروا نعمت اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم

*ہم نے قرآن شریف کے چند ٹکڑے ایک دوسری جگہ دئیے ہیں تاکہ وہ لوگ جو سارا قرآن شریف نہیں جانتے انکو نماز میں پڑھ سکیں۔ منہ

پھر وہ اپنے ہاتھ چھوڑ کر کہتا ہے اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) اور جھک جاتا ہے حتیٰ کہ اسکا سر اور کمر ایک لیول میں آجاتے ہیں اور وہ اپنے ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑ لیتا ہے اور کم از کم

(بقیہ حاشیہ ۵ متعلقہ صفحہ) ملوکا و اتاکم مالم یؤت احدا من العلمین ○ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو (یعنی اسوقت کو) جب تم میں انبیاء بھیجے اور تمہیں بادشاہت عطا کی اور تم کو وہ دیا جو اور کسی کو نہیں دیا تھا۔ اسی طرح اور جگہوں پر فرمایا ہے کہ منعم علیہ سے مراد انبیاء ہیں پس اسلام ہر ایک مسلمان کا آخری منشار نظر نبوت رکھی یعنی وہ دعا کرتا ہے کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نبیوں والے کے سلسلہ میں داخل کرے یہ وہ آئیڈیل ہے جو اور کسی مذہب نے مقرر نہیں کیا بلکہ ہر ایک مذہب الہام کا دروازہ بند کر چکا ہے اور صرف اسلام ہی ہے جو اپنی پیروؤں کو سکھاتا ہے کہ الہام کا دروازہ بند نہیں ہو سکتا اور یہ ممکن نہیں کہ جو خدا کسی زمانہ میں بولتا تھا اور بنی اسرائیل کے مردوں اور عورتوں سے کلام کرتا تھا اب اس نے اپنی مخلوق کی ہدایت بند کر دی ہو اور کلام کرنا بند کر دیا ہو اور یہ ایک ایسا آئیڈیل ہو جو باہمت انسان کو ہر وقت اوپر اور اوپر ہی اُٹھاتا ہے اور بجائے کسی ادنیٰ خیال کے اسکے مدِ نظر یہ ہوتا ہے کہ میں اس خالق ارض وسما سے جو بادشاہوں کا بادشاہ اور محبت کامل کا مالک ہے ہم کلام ہو سکتا ہوں چنانچہ مسلمانوں نے اس آئیڈیل کو مدِ نظر رکھکر ہمیشہ ایسے نمونے پیش کیے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے براہِ راست تعلق رکھتے رہے ہیں اور ایک عظیم الشان ملہم کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر بھی دی تھی جس کا نام آپنے مہدی اور مسیح رکھا ہے مہدی اس لحاظ سے کہ وہ اسوقت کے مسلمانوں کو جو دین اسلام کی حقیقت کو بھول کر گمراہی میں پڑ جائینگے اور انکے اعمال واقوال کو دیکھکر کوئی شخص اسلام کی خوبیوں کا پتہ نہ لگا سکیگا درست کریگا اور مسیح اس لحاظ سے کہ وہ مسیح کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کو پورا کریگا اور مسیحی دنیا کو جو مسیح کی حقیقی تعلیم کو چھوڑ چکی ہوگی راہِ راست پر لائیگا چنانچہ وہ شخص ہندوستان کے مقام قادیان میں ظاہر بھی ہو چکا ہے اور اپنے دعویٰ کی تیس سالہ زندگی میں اس نے خدائے تعالیٰ کے تازہ نشانات سے اسلام کی صداقت کو ثابت کر دیا ہے اور اسکی تربیت سے اسوقت اسکے مریدوں میں سے ہزاروں ایسے ہیں جو خدائے تعالیٰ کے الہام سے مشرف ہیں اور اس نے اپنی جماعت میں تبلیغ کی ایک ایسی روح پیدا کر دی ہے کہ وہ بہت جلد دنیا کو اپنے اندر شامل کر رہے ہیں چنانچہ اسکے مریدوں میں سے اسوقت خواجہ کمال الدین صاحب رسالہ اسلامک ریویو کے ذریعہ انگلستان میں تبلیغ اسلام کر رہے ہیں اور اسی طرح چودھری فتح محمد صاحب ایم۔ اے بھی وہاں اس کام میں مشغول ہیں۔ درحقیقت الہام کا ہر زمانہ میں جاری رہنے کا اعلان ایک ایسا ہمت افزا امر ہے جسکی وجہ سے ایک سچے مسلمان کی ہمت کبھی شکست نہیں کھاتی اور یہ بات مختلف مذاہب میں فیصلہ کرنیکا ایک آسان راہ ہے کیونکہ سچا مذہب وہی ہو سکتا ہے جو ہمیشہ ثمرات دیتا رہا ہے اور مذہب کا ثمرہ الہام ہی ہے پس اسلام نے اپنے پیروؤں کا منتہائے نظر دوسرے مذاہب کی نسبت بہت اعلیٰ رکھا ہے جو کہ فطرت کے تقاضے کو پورا کرتا ہے دہریوں کا سب سے بڑا اعتراض بھی مذاہب پر یہی ہوا کرتا ہے

امر مسیح و مہدی کے حالات سے زیادہ واقفیت بہم پہنچانا چاہیں تو ہم بڑی خوشی سے ایسا کر سکتے ہیں وہ اس پتہ پر خط وکتابت کریں

تین دفعہ یہ الفاظ کہتا ہے سبحان ربی العظیم میرا بڑی عظمتوں والا رب پاک ہے
پھر یہ الفاظ کہتا ہوا کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے ہاتھ اپنے پہلوؤں کے ساتھ لٹکا دیتا ہے

سمع اللہ لمن حمدہ

جو شخص اللہ تعالیٰ کے محامد کا اقرار کرے اللہ تعالیٰ اسکی دعاؤں کو قبول کرتا ہے

پھر کہتا ہے

ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ

اے ہمارے رب تو خوبیوں والا ہے بہت خوبیاں والا ہے جو پاک اور برکت والا ہے
پھر اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں گر جاتا ہے اور کم از کم تین دفعہ یہ الفاظ کہتا ہے

سبحان ربی الاعلیٰ

میرا بڑی شان والا رب پاک ہے

پھر اللہ اکبر کہتا ہوا اٹھکر گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتا ہے اور دائیں پاؤں کو انگلیوں کے بل کھڑا رکھتا ہے لیکن بائیں پاؤں کو زمین پر بچھا کر اسپر بیٹھ جاتا ہے

اور کہتا ہے

اللھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وعافنی واجبرنی وارزقنی

اے اللہ میرے گناہوں کو بخش اور مجھ پر رحم کر اور مجھے ہدایت دے اور ہر ایک شر سے محفوظ رکھ اور میری اصلاح کر اور [illegible]

اس کے بعد پھر اللہ اکبر کہکر سجدہ میں چلا جاتا ہے اور وہی الفاظ کہتا ہے جو پہلے سجدہ میں کہے تھے اور پھر اللہ اکبر کہکر کھڑا ہو جاتا ہے (اس حد تک جتنی نماز ہو چکی ہے اسے ایک رکعت کہتے ہیں اور نمازیں دو رکعت کی بعض تین کی اور بعض چار رکعتوں کی ہوتی ہیں) اور جس طرح پہلی رکعت پڑھی تھی اسی طرح پھر پڑھتا ہے لیکن پہلی رکعت میں جو یہ دعا پڑھی تھی کہ سبحانک اللھم وبحمدک اسے نہیں پڑھتا بلکہ سورۃ فاتحہ سے ابتدا کرتا ہے اور اس کے بعد کوئی حصہ قرآن شریف کا پڑھتا ہے اور پھر سب کچھ اسی طرح کرتا ہے جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا۔

جب دوسری رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہو چکتا ہے تو پہلی رکعت کی طرح کھڑا نہیں ہو جاتا بلکہ جس طرح دونوں سجدوں کے درمیان گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا تھا بیٹھ جاتا ہے اور یہ دعا پڑھتا ہے

التحیات للّٰہ والصّلوات والطیبات السلام علیک ایّھا النّبیّ ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ السلام علینا وعلٰی عباد اللّٰہ الصّٰلحین اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد انّ محمّدًا عبدہٗ ورسولہ[1]

تمام عبادتیں خواہ زبان کی ہوں یا جسم کی یا مال کی اللہ کے لیئے ہی ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ہستی کی عبادت کسی رنگ میں بھی نہیں کرنی) اے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی نازل ہو اور اس کی رحمت اور برکت (یعنی بڑھوتی) اور ہم پر بھی سلامتی نازل ہو اور جس قدر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں سب پر سلامتی نازل ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اسکے خادم اور مخلوق ہیں (خدا نہیں ہیں) نہ اسکے بیٹے) اور اسکے ایک رسول ہیں اس حصہ کو تشہد کہتے ہیں۔

---

[1] چونکہ ہر ایک قوم نے اپنے رسول کو اس قدر عظمت دے دی تھی کہ اسے خدا یا اس کا شریک یا اس کا بیٹا بنا لیا تھا اس لیئے اسلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید کے اقرار کے ساتھ اپنے مخلوق ہونے کا اقرار کرنا بھی ہر ایک متبع پر ضروری کر دیا تاکہ ایسا نہ ہو کسی وقت مسلمان بھی اپنے رسول کو خدا یا اس کا بیٹا سمجھ لیں بلکہ اپنی عبادت میں اقرار کرتے رہیں کہ ان کا رسولؐ اللہ کا ایک بندہ تھا ہاں اسے صرف یہ امتیاز حاصل تھا کہ اور بہت سے رسولوں کی طرح وہ بھی ایک رسول تھا۔

منہ

اس کے بعد وہ اسی طرح بیٹھا ہوا یہ پڑھتا ہے

اللّٰھمّ صلّ علٰی محمّدٍ وعلٰی اٰل محمّدٍ کما صلیت علٰی ابراھیم وعلٰی اٰل ابراھیم انک حمیدٌ مجیدٌ۔ اللّٰھمّ بارک علٰی محمّدٍ وعلٰی اٰل محمّدٍ کما بارکت علٰی ابراھیم وعلٰی اٰل ابراھیم انک حمیدٌ مجید۔

اے اللہ محمدؐ پر اور اس کے سچے متبعین پر تو اسی طرح رحمتیں نازل کر جس طرح ابراہیمؑ اور اس کے متبعین پر رحمتیں نازل کیں تو بڑی تعریف اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ تو محمدؐ اور اس کے سچے متبعین کو درجوں میں بڑھا جس طرح تو نے ابراہیمؑ اور اسکے سچے متبعین کو درجوں میں بڑھایا تھا تو بڑی بڑی حمد والا اور بزرگی والا ہے؎

اس حصہ کو درود کہتے ہیں

۳۔ پھر اسی حالت میں بیٹھا ہوا یہ دعائیں یا ان میں سے کوئی دعا پڑھتا ہے۔

(الف) اللّٰھمّ انی ظلمت نفسی ظلمًا کثیرًا ولا یغفر الذّنوب الّا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم ٥ (ب) اللّٰھمّ انّی اعوذ بک من الھم والغم واعوذ بک من الجبن والبخل واعوذ بک من العجز والکسل واعوذ بک من غلبۃ الدین وقھر الرجال۔ (ج) رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء (د) ربنا اغفرلی ولوالدیّ وللمؤمنین یوم یقوم الحساب ٥ (ھ) ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار ٥

(الف) اے اللہ میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیے ہیں اور کوئی گناہ نہیں معاف کرسکتا مگر تو پس تو اپنے رحم سے مجھے بخشدے اور مجھ پر رحم کر تو بخشنے والا اور مہربان ہے

(ب) اے اللہ میں تجھ سے ہم اور غم سے پناہ مانگتا ہوں اور تجھ سے بزدلی اور بخل سے پناہ مانگتا ہوں اور تجھ سے اس بات کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں اپنے کاموں میں

سامان ہی مہیا نہ کرسکوں اور اس بات کی بھی کہ سامان موجود ہوں اور مَیں ان سے کام نہ لے سکوں اور تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ مَیں ایسا مقروض ہوجاؤں جسے ادا نہ کرسکوں اور اس بات سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ میری آزادی جاتی رہے اور کوئی شخص مجھ پر جابرانہ حکومت کرے۔ (ج) اے میرے ربّ مجھے نماز پڑھنے کی توفیق دے اور میری اولاد کو بھی اے میرے ربّ اور تُو میری دعا کو قبول کرلے۔ (د) اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے والدین کو بھی اور مومنوں کو اس دن کہ حساب لیا جائے گا۔ (ھ) اے ہمارے ربّ ہمیں اس دنیا میں بھی سُکھ کے اسباب دے اور اگلے جہان میں بھی اور دوزخ کے عذاب سے ہمیں بچالے۔

اس کے بعد[ا] وہ یہ الفاظ کہتا ہُوا دائیں طرف مُنہ پھیر لیتا ہے

السّلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ

تم پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت

اور اسی طرح یہی الفاظ کہتا ہُوا بائیں طرف مُنہ پھیر لیتا ہے اور نماز ختم ہو جاتی ہے اب اسے اجازت ہوتی ہے کہ جو چاہے کرے پوری طرح ان ہدایات پر عمل کرے تو اتنی نماز پر چھ سات منٹ خرچ ہوتے ہیں۔

نماز کے اوقات

نماز کے اوقات پانچ ہیں اوّل پَو پھوٹنے سے لیکر سورج نکلنے تک ایک نماز ہوتی ہے اس کی دُو رکعتیں ہیں جن سے پہلے دُو اور رکعتیں الگ پڑھی جاتی ہیں۔ دوسرا وقت سورج ڈھلنے کے وقت سے

[ا] یہ اس صورت میں ہے کہ دُو رکعت کی نماز ہو اگر تین یا چار رکعت کی نماز ہو تو تشہد پڑھکر کھڑا ہو جانا چاہیئے اور باقی ایک یا دُو رکعتیں پڑھکر پھر اسی طرح بیٹھکر وہ سب عبارتیں پڑھکر جو اوپر لکھی گئیں وہ الفاظ کہتے ہوئے جو بتائے گئے ہیں اور اسی طریق سے جو بتایا گیا ہے نماز ختم کرے۔ منہ

شروع ہوتا ہے اور قریباً گھنٹہ تک رہتا ہے اس وقت چار رکعت پڑھی جاتی ہیں اور ان سے پہلے بھی اور بعد میں بھی چار اور رکعتیں پڑھنی مسنون ہیں اس کے بعد ہی عصر کا وقت شروع ہوتا ہے جس میں چار رکعت نماز ادا کی جاتی ہے سورج ڈوبنے کے ساتھ ہی ایک نماز ادا کیجاتی ہے اس میں تین رکعت پڑھی جاتی ہیں قریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد غروب سے پانچویں نماز کا وقت شروع ہوتا ہے جسے عشا کہتے ہیں یہ چار رکعت ہے اور اس کے ساتھ دو رکعت ایک اور تین رکعت ایک ادا کی جاتی ہیں اور اس نماز کا وقت آدھی رات تک رہتا ہے ان نمازوں کے علاوہ مسلمانوں کو ترغیب دلائی گئی ہے کہ وہ آدھی رات کے بعد پو پھٹنے سے پہلے کسی وقت اُٹھکر آٹھ رکعت نماز دو دو رکعت کر کے ادا کریں اور یہ نماز تہجد کہلاتی ہے یہ نماز ہر مسلم پر فرض نہیں جو چاہے پڑھے ؞

نماز میں دُعا

ان دعاؤں کے علاوہ جو نماز میں پڑھنی مسلمان کے لئے ضروری ہیں اور جو کہ عربی زبان میں ادا کی جاتی ہیں اجازت ہے کہ نماز پڑھنے والا اپنی اپنی زبان میں اپنی ضروریات کے لئے دعا کرے اور یہ دعا قیام رکوع سجدہ قعدہ جلسہ ہر ایک موقعہ پر ہو سکتی ہے ؛

چند آیات قرآنی

ہم نے بتایا تھا کہ سورہ فاتحہ کے بعد چند آیات قرآنی کا پڑھنا ضروری ہوتا ہے اس لئے ہم قرآن شریف کے مختلف مقامات سے چند آیات قرآنیہ دیتے ہیں جو نماز میں پڑھی جا سکتی ہیں :-

(۱) اللّٰہ لا الٰہ الّا ھو الحیّ القیّوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لہٗ ما فی السّمٰوٰت وما فی الارض من ذا الذی یشفع عندہٗ الّا باذنہ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بشیئ من علمہ الا بما شاء وسع کرسیہ السمٰوات و الارض ولا یؤدہ حفظھما وھو العلیّ العظیم ٥

(۱) ترجمہ۔ اللہ وہ ذات ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہ زندہ ہے وہ بغیر کسی کی مدد کے خود قائم ہے نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند اس کے لیئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے کون ہے جو اس کے پاس شفاعت کر سکے مگر اسی کے حکم سے ایسا کر سکتا ہے وہ خوب جانتا ہے جو کچھ لوگ کر چکے ہیں اور جو کچھ کریں گے اور اس کے علم کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا ہاں جس قدر علم وہ خود دے اسی قدر انسان کو اسکی نسبت علم ہو سکتا ہے اس کا علم تو آسمانوں اور زمینوں پر حاوی ہے اور اسے آسمانوں اور زمین کی حفاظت تھکاتی نہیں اور وہ بڑا ہے اور عظمت والا ہے ؏

(۲) قل هو الله احدٌ الله الصّمد لم يلد ولم يولد ولم يكن لهٗ كفوًا احدٌ۔

(۲) ترجمہ۔ کہ دے کہ اللہ ایک ہے اللہ وہ ہے کہ اس کی مدد کے بغیر کوئی چیز قائم نہیں رہ سکتی نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور اس کا برابر والا کوئی نہیں ؏

(۳) يآايّها الذين اٰمنوا لا يسخر قوم من قوم عسٰى ان يكونوا خيرًا منهم ولا نسآء من نسآء عسٰى ان يكنّ خيرًا منهن ولا تلمزوا انفسكم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الايمان ومن لم يتب فاولٰٓئك هم الظّٰلمون ۝

(۳) ترجمہ۔ اے مومنو! ایک قوم دوسری قوم کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور اس سے ہنسی نہ کرے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اس سے بہتر ہو اور عورتیں دوسری عورتوں سے ایسا کریں کیونکہ ممکن ہے کہ دوسری عورتیں ان سے بہتر ہوں (یعنی نیکی کے لحاظ سے) اور نہ آپسمیں ایک دوسرے کی عیب چینی کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو سخت [illegible] پکارا کرو (یعنی گالیاں مت دیا کرو) (کیونکہ یہ خدا سے عہد شکنی ہوگی) اور یہ بُرا نام ہے کہ ایمان کے بعد فسق کہا جائے اور جو اس کام سے باز نہ آئیگا وہ ظالم ہوگا ؏

(۴) یا ایّھا الّذین اٰمنوا لا یحلّ لکم ان ترثوا النّساء کرھًا ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اٰتیتموھن الا ان یاتین بفاحشة* فعسٰے ان تکرھوا شیئًا ویجعل اللہ فیہ خیرًا کثیرًا۔

(۴) ترجمہ۔ اے مومنو! تمھیں ہرگز جائز نہیں کہ تم اپنی بیویوں کا مال جبرًا لے لو اور نہ تم کو جائز ہے کہ جو کچھ تم ان کو دے چکے ہو اس کا کوئی حصّہ واپس لینے کے لیئے تم ان سے الگ ہو جاؤ (تاکہ تمھارے غصّہ سے ڈر کر وہ مال تمھارے سپرد کر دیں) ہاں اس وقت بے شک ان سے الگ ہو سکتے ہو جب وہ کھلے کھلے گناہ کا ارتکاب کریں اور ان سے ہمیشہ نیک سلوک کیا کرو اور اگر ان کی کوئی بات تم کو ناپسند ہو تو اس کی وجہ سے ان سے بدسلوکی نہ کرو) یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ تم کو کوئی بات ناپسند ہو اور اللہ تعالیٰ اس میں بڑی بڑی بھلائیاں پیدا کر دے (یعنی اگر تم عورتوں کی ناپسند حرکات دیکھکر بھی ان سے نیک سلوک کرو گے تو خدا تمھارے لیئے سُکھ کا سامان کر دینے کا خود ذمہ لیتا ہے۔

(۵) انّ اللہ یأمر بالعدل والاحسان** وینھٰی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون واوفوا بعھد اللہ اذا عاھدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا وقد جعلتم اللہ علیکم کفیلًا ان اللہ یعلم ما تفعلون۔

(۵) ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ تم عدل سے کام لو اور لوگوں سے احسان کرو اور ایسا احسان کرو کہ تم کو کسی نفع کا خیال نہ ہو اور منع کرتا ہے اس بات سے کہ تم وہ بدیاں کرو جو تمھاری جان کے متعلق ہوں یا وہ بدیاں جن کا اثر لوگوں پر پڑتا ہو اور بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنے سے اور تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم عمل کرو اور خدا سے جو عہد تم نے باندھا ہے اسے پورا کرو اور مضبوط قسم کھا کر اسے توڑا نہ کرو اور

* مبینة وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن

** وایتاءِ ذی القربیٰ

تم ایسا کیونکر کر سکتے ہو) اور تم سنے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے کو ضامن کیا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے افعال کو جانتا ہے ۔

(۶) لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ وما من الٰہ الا الٰہ واحد وان لم ینتھوا عما یقولون لیمسن الذین کفروا منھم عذاب الیم ۔ افلا یتوبون الی اللہ ویستغفرونہ واللہ غفور رحیم ۔ ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کانا یأکلان الطعام انظر کیف نبین لھم الآیات ثم انظر انی یؤفکون ۔

(۶) ترجمہ۔ ہدایت سے دور ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ تین خداؤں میں سے ایک ہے اور معبود تو صرف ایک ہی ہے اور اگر تین خدا کہنے والے اپنے اقوال سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں سے جو لوگ اپنے اس عقیدہ پر قائم رہیں گے ان کو دردناک عذاب پہنچے گا کیا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں جھکتے اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور اللہ تعالیٰ تو بخشنے والا مہربان ہے مسیح نہیں تھے مگر ایک رسول اور ان سے پہلے اور رسول گذر چکے ہیں (ان سے ان کی زندگی ملا کر دیکھ لو بالکل مشابہ ہے پھر ان کی خدائی کہاں سے ثابت ہوئی) اور ان کی ماں ایک نیک بخت عورت تھیں وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے (اور خدا کھانے سے پاک ہے) دیکھ ہم کس طرح انکے لیئے دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھ کہاں سے پھرتے جاتے ہیں۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد

انجیلی کفارہ (نمبر ۱)

اس مضمون کے ۴ نمبر ہمارے ایک مہربان مشہور اہل قلم نے ریویو میں اندراج کے لئے بھیجے ہیں جو ہم انشاء اللہ بالترتیب شائع کرتے رہیں گے۔ نیز صاحب موصوف نے اپنے فاضلانہ مضامین سے وقتاً فوقتاً ریویو کی امداد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ہم اپنے فاضل دوست کی اس عنایت کے تہ دل سے مشکور ہیں۔

مضمون کو درج کرنے سے پہلے ہم اس جگہ اپنی اور اپنے فاضل مضمون نگار کی پوزیشن کو صاف کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ ہم حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کو (جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے) اللہ تعالیٰ کا ایک برگزیدہ نبی یقین کرتے ہیں اور جس طرح پر دوسرے انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ معصوم تھے اسی طرح حضرت مسیح ابن مریم رسولاً الیٰ بنی اسرائیل کو بھی معصوم یقین کرتے ہیں۔ لیکن مذہبی آزادی کے اس دور میں جبکہ ہر مذہب کو حق حاصل ہے کہ وہ دیگر مذاہب کے مسلمہ عقائد پر رائے زنی کرے۔ اور مسیحی حضرات آئے دن اپنے اخباروں اور رسالوں میں ایسے مضامین لکھتے ہیں جو اسلام پر نکتہ چینی کی حد سے بڑھے ہوتے ہیں۔ تو ایسی حالت میں اگر انجیلی مسلمات کی بنا پر ہم کوئی تنقید کریں تو اس سے ہماری غرض طالبان حق کو تلاش حق میں مدد دینا ہے۔ جو کچھ بھی ان مضامین میں درج ہے وہ صرف انجیلی حوالجات کی بنا پر ہے۔ اگر ان بیانات سے کوئی بات ایسی پائی جاوے جو کسی مسیحی عقیدہ کو کمزور یا بے اصل ثابت کرے تو اسکی جوابدہ انجیل موجودہ ہوگی ہم اسکے لئے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ (ایڈیٹر)

مسیحی مذہب کی بنیاد مندرجہ ذیل مسائل یا اعتقادات پر ہے اگر یہ مسائل نکال دیئے جائیں یا انکی صداقت میں شبہ ہو جائے تو مذہب مسیحی باقی نہیں رہ سکتا۔

(الف) الوہیت مسیح۔ (ب) تثلیث۔ (ج) کفارہ۔

اور ان میں سے کفارہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو ان سب عقیدوں کی روح رواں ہے۔ جو

عیسائی کفارہ نہیں مانتا وہ صادق عیسائی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ کفارہ کے انکار سے نہ تو الوہیت کا کچھ باقی رہتا ہے اور نہ تثلیث محفوظ رہتی ہے اسکے نکالنے سے سارے مثلث عقیدہ کی چولیں ڈھیلی پڑجاتی ہیں۔ جو لوگ صرف ایک ہی خدا کو مان کر بھی کفارہ سے انکار کرتے ہیں وہ اگرچہ خدا پرست اور موحد تو ہوں گے لیکن مسیحی نہیں رہ سکتے کفارہ کی بابت اکثر تو نہیں پر بہتوں کا یہ مذہب ہے کہ وہ عہد عتیق توریت وغیرہ میں بھی بیان ہُوا ہے اور عہد جدید میں بھی اُس کی تعلیم دی گئی ہے۔

قبل اسکے کہ غیر لوگ یا غیر تو میں متلاشی کی صورت میں بائیبل یعنی عہد عتیق کو دیکھیں لازمی ہے کہ اناجیل ہی سے کفارہ کا پتہ لگائیں کیونکہ توریت زبور وغیرہ میں جو کچھ بیان ہُوا ہے یا جن آیات اور احکام کا حوالہ کفارہ کے متعلق دیا جاتا ہے وہ بمقابلہ اُن آیات اُن احکام کے واضح نہیں ہو سکتے جو خود حضرت مسیح علیہ السلام نے بیان کیئے ہیں اور جن کا ذکر اناجیل میں کیا گیا ہے استثنا و اناجیل کے بعد دیکھا جائے گا کہ عقلی معیار پر کفارہ کی دھات کہاں تک کھری اُترتی ہے اور توریت کے حوالجات سے کیا کچھ نسبت رکھتی ہے۔ ہمارے ہاتھ میں اسوقت منجملہ متعدد انجیلوں کے چار انجیلیں یعنی انجیل متی۔ مرقس۔ لوقا اور یوحنا ہیں یہ وہ اناجیل ہیں جو اسوقت ایک کثیر التعداد عیسائیوں کی مسلمہ ہیں ہم اسوقت یہ بحث نہیں کرینگے کہ ان چار اناجیل کا متعدد انجیلوں سے انتخاب کس اصول پر ہُوا ہے اور مقابلتاً انکی صحت اور وقعت پر کیا کچھ دلائل لائے گئے ہیں اور کس حد تک انہیں خالی از سقم مانا جا سکتا ہے۔

ہم سب سے اوّل انجیل متی سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں اور یہ دکھانیکی کوشش کرتے ہیں کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اس اہم اور بڑے مسئلہ پر کہاں تک اور کن الفاظ میں روشنی ڈالی اور اُسوقت کی مخلوق۔ شاگردوں اور نو مریدوں نے اُنکے الفاظ اور احکام سے اسکے متعلق کیا کچھ سمجھا اور اخیر تک حضرت مسیح علیہ السلام نے کن کن وسائل۔ تماثیل اور تذکرات سے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی اور اُنکے مصلوب ہونے تک نتیجہ کیا رہا۔

ہم یہ دلچسپ بحث اس التزام سے کرنا چاہتے ہیں کہ انجیل متی میں کفارہ کے بارہ میں

کنایتاً یا صراحتاً اشارتاً یا بداہتاً جو کچھ آیا ہے اُسے نمبروار شروع ہی سے نقل کریں اور پھر اس پر بحث کر کے دکھائیں کہ طرز کلام ۔ طرز بیان سے کیا کچھ ظاہر ہوتا یا کیا کچھ سمجھنا چاہیئے ہم کوشش کریں گے کہ انجیل متی کی کوئی آیت بھی کفارہ کے متعلق باقی نہ رہ جائے اور اسی طرح وہ احکام وہ آیات وہ کلام بھی باقی نہ رہے جو دوسری طرف کفارہ یا اغراض کفارہ کے منافی واقعہ ہوا ہے کیونکہ اگر ایک ہی انجیل میں ایسے بڑے معرکۃ الآرائے اور اہم مسئلہ کی نسبت کسی دوسری قسم کا بھی کلام ہے تو اس کا دکھایا جانا بھی لازمی ہے تاکہ سوچنے والے آسانی سے مقابلتاً سوچ کے بعد کوئی فیصلہ کرنے کے قابل ہوسکیں ہمیں شوق اور پوری دلچسپی سے دیکھنا چاہیئے کہ ایسے عظیم الشان ادعا کے بارہ میں حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا کچھ کہا اور کن الفاظ اور کن فقرات میں گفتگو کی اور لوگوں کو تعلیم دی ہے یہ عقیدہ سب عقاید کی چوٹی اور راس العقاید ہے ہو نہیں سکتا کہ محض چیستانوں میں اس کا ذکر کیا جائے کیونکہ اگر بائیبل میں شروع ہی سے اس کی پیشین گوئیاں ہوتی آئی ہیں اور اسی پر ساری دنیا کی نجات کا مدار رکھا گیا ہے تو ضرور ہے کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ گتھی بوجہ احسن سلجھائی گئی ہو اور صدیوں کا معما اُن کی اپنی ہی زبان فیض ترجمان سے حل ہو کر دنیا کی طمانیت کا باعث ہو سکے اگرچہ تثلیث کا عقیدہ باوجود اپنی اہمیت اور عظمت کے اب تک سلجھا نہیں اور انسانی سمجھ سے ایک حد تک باہر ہے لیکن کفارہ ایسے مسئلہ کے واسطے خاص وضاحت لازمی ہے اگر محض چند تاویلات اور تعبیرات کے ذیل میں کفارہ کی تصدیق کی جائے تو ہمیں اُسکے مقابلہ میں اسی قسم کے اور مسائل بھی ماننے پڑیں گے جنہیں محض اس وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ عام عقل و فراست کی محک پر پورے نہیں اُترتے عیسائی مذہب جس شد و مد سے کفارہ کی ضرورت پر زور دیتا ہے اور جس زور سے یہ کہتا ہے کہ اگر کفارہ نہ مانا جائے تو خدا کی قدوسیت خدا کا عدل خدا کا رحم باقی نہیں رہتا اور باوجود قادر مطلق ہونے کے بھی خدا حرف گیری سے نہیں بچ سکتا اُس شد و مد سے خود حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے کفارہ کی صراحت اور وضاحت ہونی چاہیئے ہم امید کرتے ہیں کہ دنیا اور عیسائی بھی اس ضرورت سے انکار نہیں کریں گے کیونکہ جب ایک طرف انکی ہر ایک منادی میں کفارہ پر زور دیا جاتا ہے تو دوسری طرف خود

اناجیل میں سے کبھی تو اسی زور سے اُس کی تائید اور تصدیق ہونی لازمی ہے۔

تائید اور تصدیق بھی ایسی جس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہ ہے اور کوئی تاویل ہی نہ ہو سکے کیونکہ اگر تاویل کی گنجائش باقی رہے تو ایسے اہم مسئلہ کی عظمت اور وقعت مخدوش ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکتی اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ فرض یا یہ کام تھا کہ کفارہ کی بابت پوری وضاحت سے تعلیم دیتے اور شروع ہی سے لوگوں کو سمجھا دیتے کہ

"میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے۔

"اور میں یہ بار اُٹھا کر آیا ہوں۔

"اور خدا یہ چاہتا ہے۔

"اصلی عقیدہ یا اصلی دین یہ ہے۔

"اسکے سوائے اور سب فضول اور عبث ہے۔

جو لوگ اس قسم کی وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھتے وہ مہربانی کرکے یہ تو کہیں کہ اسقدر اہم مسئلہ کی صورت میں اس سے اور کم وضاحت کیا ہو سکتی ہے۔

انتخاب آیات مخالف و موافق مسئلہ کفارہ

(۱) باب ۴ - ورس ۱۷ - **مضمون** - اُسی وقت سے یسوع نے منادی کرنی اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آ گئی۔

تنقید - حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ منادی شروع شروع کی تھی اس میں اصل عقیدہ پر روشنی ڈالنے اور زور دینے کی بجائے صرف توبہ پر زور دیا گیا ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ شروع ہی میں یہ کہا جاتا کہ اس قسم کی توبہ کرو مسیح کے خون پر یقین لاؤ توبہ کی منادی کا مفہوم اُن پر یہی ہو سکتا ہے کہ گناہوں سے توبہ کرو اس میں اقرار کفارہ کی شرط نہیں ہے اور اگر اس منادی کے مطابق بعض لوگوں نے توبہ بھی کی ہو گی تو اُسکی دو ہی حالتیں ہونگی یا تو کفاری توبہ اور یا عام توبہ اگر عام توبہ کی گئی ہے تو وہ کفاری توبہ سے منافی ہونیکی وجہ سے کوئی وقعت اور کوئی اثر نہیں رکھتی اور اگر کفاری توبہ تھی تو اسوقت کفارہ کا وجود ہی نہ تھا کیونکہ کفارہ سوائے مصلوب ہونے کے کس طرح وجود پذیر ہو سکتا تھا اور اگر ایسی

عام توبہ کوئی اثر رکھتی ہے تو کفارہ من وجہٖ باطل ہے اور اگر کسی اور موقعہ پر اسی انجیل میں کفارہ کی بابت کوئی قول ہے تو وہ اسکے منافی ہوگا۔

(۲) باب۵ - ورس ۳ تا ۱۲ - **مضمون** - "مبارک وے جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت اُن ہی کی ہے"

"مبارک وے جو غمگین ہیں کیونکہ وے تسلّی پاویں گے"

"مبارک وے جو حلیم ہیں کیونکہ وے زمین کے وارث ہوں"

"مبارک وے جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وے آسودہ ہونگے"

"مبارک وے جو رحم دل ہیں کیونکہ اُن پر رحم کیا جائے گا"

"مبارک وے جو پاک دل ہیں کیونکہ وے خدا کو دیکھیں گے"

"مبارک وے جو صلح کرنیوالے ہیں کیونکہ وے خدا کے فرزند کہلائیں گے"

"مبارک وے جو راستبازی کے سبب ستائے جاتے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت اُن ہی کی ہے مبارک ہو تم جب میرے واسطے تمھیں لعن طعن کریں اور ستاویں اور ہر طرح کی بُری باتیں جھوٹ سے تمھارے حق میں کہیں خوش ہو اور خوشی کرو کیونکہ آسمان پر تمھارے لیئے بڑا بدلا ہے اسلیئے کہ اُنہوں نے اُن نبیوں کو جو تم سے آگے تھے اسی طرح ستایا ہے"

تنقید - حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ وہ تعلیم ہے جو ایک کثیر بھیڑ اور شاگردوں کے سامنے پہاڑ پر چڑھکر دی گئی یہ وہ منادی ہے جن میں نجات اور رضائے مولائے کریم کے گُر بتائے گئے ہیں یہ وہ ارشادات ہیں جن میں سننے والوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح خدا کی بادشاہت ملتی اور کس طرح آسمانی برکتیں آتی اور کسطرح نیک انسان خدا کے فرزند کہلائے جاسکتے ہیں اور کن اعمال اور افعال کے معاوضہ میں آسمان پر ایک عظیم الشان جزا کی امیدیں کی جاسکتی ہیں - اس وعظ میں حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے جو لوگ پاک دل ہیں وہ خدا کو دیکھیں گے اس سے ثابت ہوا کہ اُنکی نگاہوں میں اُس وقت بہت سے لوگ پاک دل بھی رکھتے تھے اور اُس کا معاوضہ یہ بتایا گیا کہ وہ خدا کو دیکھ بھی سکتے ہیں یہ تمام باتیں اور

تمام انعامات اُس وقت بتائے گئے تھے جب کفارہ کا وجود ہی نہ تھا کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ موجود تھے جو لوگ ان اعمال اور ان اوصاف کے کفارہ سے پہلے ہی وفات پا گئے وہ ضرور ان انعامات کے مستحق ہوں گے کیونکہ حضرت ممدوح اپنی پاک زبان سے اُنہیں ایسا یقین دلاتے ہیں جن انعامات کا اس وعظ میں ذکر کیا گیا ہے وہ موجب نجات ہیں جو پاک ہیں جو خدا کو اپنی انسانی آنکھوں سے دیکھنے لگ گئے جو خدا کے فرزند بن گئے جنہیں خدا کی بادشاہت میں داخل کیا گیا وہ نجات نہ پائیں تو اور کون پائے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس وعظ میں کفارہ کا ذکر تک نہیں فرمایا حالانکہ سب سے اول کفارہ ہی کا ذکر لازمی تھا کیونکہ حضرت ممدوح اُسی کے واسطے اس دنیا میں مبعوث ہوئے تھے اور وہی اُن کی اہم منزل تھی ضرور تھا کہ اُس کا نشان دیا جاتا ایک حرف بھی اُسکی بابت ذکر نہ کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ کفارہ اُن کے مزعوم نہ تھا بلکہ وہی طریقہ جو ہر ایک نبی اور مرسل کی جانب سے شروع ہی سکھایا جاتا رہا ہے چنانچہ اسی باب کے درس ۱۶ میں اسکی تصریح مزید بھی کر دی گئی ہے:-

"اسی طرح تمھاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وہ تمھارے نیک کاموں کو دیکھیں اور تمھارے باپ کی جو آسمان پر ہے ستائیش کریں"

اس آیت میں اُن ہی نیک کاموں کا حوالہ دیا گیا ہے جو شروع کی آیتوں میں ذکر ہوئے ہیں فتدبر۔[1]

---

[1] جواب میں یہ کہا جائیگا کہ کفارہ نیک کاموں سے منع نہیں کرتا یا اعتراف کفارہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان نیکیاں نہ کرے یا نیک اعمال نہ ہو ہم یہ کہیں گے کہ اصل سوال یہ ہے کہ نجات بغیر اقرار کفارہ کے ازروئے مذہب عیسائی کے ممکن نہیں چاہے نیک اعمال کیسے ہی ہوں اگرچہ ایسے نیک اعمال تمدنی۔ تہذیبی سوشل سیاسی رنگ میں کیسے ہی اعلیٰ اور عظیم القیمت ہوں مگر مذہبی رنگ میں اُنکی قیمت بغیر اعتراف کفارہ کے کچھ بھی نہیں پڑ سکتی اگرچہ زید کیسا ہی نیک ہو پھر بھی وہ جب تک کفارہ کا عقیدہ رکھ کر گناہوں کا اعتراف نہ کرے اُسے نیکی اور سعادت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام کا اس وعظ سے یہ مطلب پایا جاتا ہے کہ جن لوگوں کے ایسے اعمال ہوں گے وہ خدا کی رضا اور خدا کی بادشاہت میں داخل ہونیکا حق رکھتے ہیں اور وہ خدا کے فرزندوں میں سے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس وعظ میں یہ کہیں نہیں کہا کہ ایسے اعمال کی صورت میں بھی کوئی نجات ابدی نہیں پا سکے گا طرز کلام بمفہوم فقرات

(۳) باب ۵ - ورس ۱۷ تا ۲۰ - **مضمون :-** "یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب کو منسوخ کرنے آیا میں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ **پوری کرنیکو** آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جاویں ایک شوشہ یا ایک لفظ توریت کا ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے اور ایسا ہی آدمیوں کو سکھا دے سب سے چھوٹا کہلائیگا پر جو کہ عمل کرے اور سکھلا دے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا کیونکہ میں تمھیں کہتا ہوں کہ اگر تمھاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی سے زیادہ نہ ہو تو تم آسمان کی بادشاہت میں کسی طرح داخل نہ ہو گے"

تنقید :- اس مقدس وعظ سے بہت سی باتوں کی حقیقت ملتی ہے اور سوچنے والے سوچ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم اور منادی کن اغراض کو لیئے ہوئے تھی اور انکا مدعا کیا تھا توریت شریف موسوی یا ابراہیمی شریعت تھی اُسکی نسبت صاف الفاظ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اُس کا ایک شوشہ اور ایک لفظ بھی منسوخ نہیں ہوگا **جبتک کہ سب کچھ پورا نہ ہو۔**

فقرہ سب کچھ پورا نہ ہو ایک تشریح طلب فقرہ ہے حضرت مسیح علیہ السلام کے الہامی مُنہ سے اس فقرہ کا نکلنا ایک بڑی اہم خوشخبری یا پیشین گوئی ہے اور اس سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت اور بعثت پر بھی سب کچھ پورا نہیں ہوا تھا یعنی جو کچھ مذہبی اور روحانی رنگ میں پورا ہونا ضروری تھا اُس میں ابھی تک کمی تھی اس فقرہ کا دوسرے الفاظ میں مطلب یہ تھا کہ جب تک قدرت کی جانب سے سب کچھ پورا نہ ہولے تب تک توریت کا ایک شوشہ اور ایک

بقیہ حاشیہ - سے ثابت ہے کہ ایسے اعمال کے لوگ نجات کے وارث ہیں کسقدر زور اور یقین سے کہا گیا ہے۔

" ایسے ہی لوگ پاک دل ہیں۔

" ایسے ہی فرزندان خدا ہوں گے۔

" ایسے ہی لوگوں کے واسطے خدا کی بادشاہت ہے۔

" ایسے ہی لوگ راستباز ہیں۔

" ایسے ہی لوگوں کے واسطے آسمان پر بڑا بدلا ہے۔

آیات اور کلام بہت صاف ہے کسی تاویل بعیدہ کی ضرورت نہیں ہے صرف اس خیال سے ایسی آیتوں کی تاویل رکیک کرنا کہ کفارہ کسی نہ کسی رنگ میں ثابت ہو یا اُسکی تائید ہو سکے درست نہیں عیاں راچہ بیاں - ۱۲ -

لفظ بھی ٹل نہیں سکتا اگرچہ زمین اور آسمان ہی نہ بدل جائیں ہاں جب سب کچھ مذہبی اور الہامی رنگ میں پورا ہو جائیگا اُسوقت توریت کی بجائے کوئی اور مجموعہ لیا جا سکتا ہے انجیل میں ایسی طاقت اور قدرت یا جامعیت نہیں کہ یہ لقب لے سکے جب حضرت مسیح علیہ السلام یہ شرط لگاتے ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ اور کس مجموعہ یا کس نبی نے اس پیشین گوئی کو پورا کیا وہ صرف اسلام اور قرآن و محمد صلعم ہی ہے محمد صلعم کی بعثت پر ہی توریت کی بجائے ایک دوسرا مجموعہ قرآن مجید کے نام سے پیش کیا گیا اور اُسکے سر پر روحانی سہرا بندھا۔

اسی وعظ یا انہی آیات میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تمھاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں سے بڑھ چڑھکر نہ ہوگی تو تم خدا کی بادشاہت میں کسی طرح داخل نہ ہو گے دیکھو مقابلتاً اعمال ہی کو مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ فقیہی اور فریسی تو اعمال ہی پر زور دیتے تھے اور شریعت ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا چاہے اُنکی اندرونی حقیقت کچھ ہی ہو اگر کفارہ ہی مراد ہوتا تو بجائے اسکے یوں کہنا چاہیئے تھا کہ اگرچہ نیک اعمال ہی ضروری ہیں لیکن اصل اصول حصول نجات کا کفارہ ہے اور کفارہ ہی کی تعلیم مقدم اور لازمی ہے اور آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونیکے واسطے صرف یہی ایک کنجی اور ذریعہ ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ممدوح کی مراد اس سے یہ تھی کہ کفارہ پر ایمان لاؤ اُسی صورت میں تمھاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں سے زیادہ رہے گی تو یہ تاویل ایک بے موقعہ تاویل ہو گی کیونکہ اول تو یہ بات بوجہ اپنی اہمیت کے بیان کرنا ضروری تھی اور دوسرے یہ کہ فقیہوں اور فریسیوں سے ایمان بالاعمال کا مقابلہ تھا نہ کہ کسی عقیدہ محض کا۔ ان آیات میں دو باتیں بالخصوص تائید سے بیان کی گئی ہیں۔

"جو کہ عمل کرے۔" "اور سکھلاوے۔"

لفظ عمل کرنے اور سکھلانے کی اور کیا کچھ تاویل ہو سکتی ہے دونوں لفظ ظاہر اور روشن ہیں اگرچہ سکھلانے میں کسی حد تک کفارہ کا عقیدہ آسکتا ہے لیکن عمل کرنے میں عقیدت کفارہ نہیں آسکتی ہے عمل عمل ہی سے مراد ہے اگر کفارہ بھی اس میں آسکتا ہے تو پھر ہر شخص کو بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح مصلوب ہونیکی ضرورت پڑیگی کیونکہ عمل تو حضرت

مسیح ہی نے کر کے دکھایا تھا عمل سے مراد وہی عمل ہے جو فقیہی اور فریسی بہ تبعیت قوانین توریت شریف اپنے رنگ میں کرنے کے عادی تھے فقیہوں اور فریسیوں کا ذکر ہی اس بات کی دلیل اور شہادت ہے کہ شاگردوں اور سامعین کو اُنہی کے عملی رنگ میں رنگا جائے اور اُنہی کے نقش قدم پر چلنے کی اُنہیں ترغیب دیجائے۔

(۴) باب ۵ ورس ۲۱ تا ۲۶ **مضمون**:- تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تو خون مت کر اور جو کوئی خون کرے عدالت میں سزا کے لائق ہوگا پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر بے سبب غصہ ہو عدالت میں سزا کے قابل ہوگا اور جو کوئی اپنے بھائی کو رو کا کہے عدر مجلس میں سزا کے لائق ہوگا اور جو اُس کو مورہ کہے **جہنم کی آگ کا سزاوار ہوگا**۔

تنقید:- اس وعظ میں حضرت مسیح علیہ السلام نے مختلف بداخلاقیوں اور گناہوں کی سزاؤں کا توریت شریف کے مقابل موازنہ کر کے دکھایا ہے اور نہایت نزاکت سے اقدام اور ارتکاب جرائم کی صورتیں بیان کی ہیں اور واقعی جرائم اور بداخلاقیوں کی معمولی صورتوں کو بھی اخلاقی رنگ میں ایک بڑی ذمہ واری کے ماتحت قرار دیکر لوگوں کو خوف دلایا ہے اور یہ سب عملی صورتیں ہی بیان کی گئی ہیں اگر یہ کہا جائے کہ گناہوں کی سزائیں اہل سیاست یا اہل تمدن کی جانب سے بھی ملتی ہیں لیکن قدرت بھی سزا دے گی اس واسطے سیاسی یا سوشیل سزائیں اُن سزاؤں کی نفی نہیں کر سکتی ہیں جو قدرت سے مقرر ہیں اور جن کے واسطے حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہوئے ہیں ہم مان لیتے ہیں کہ گناہوں کی دوہری سزائیں مل سکتی ہیں ایک اہل دنیا کی جانب سے یا دنیاوی سیاستوں کی طرف سے اور دوسری قدرت بھی دے گی لیکن اس وعظ میں حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اپنے بھائی کو مورہ کہے گا تو وہ جہنم کی آگ کا سزاوار ہوگا یہ سزا ایک عمل کے ماتحت رکھی گئی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ایسا شخص ضرور جہنم میں جائے گا یہ شرط نہیں لگائی گئی ہے کہ اگر ایسا شخص کفارہ کا عقیدہ رکھتا ہوگا تو اُسکو جہنم نصیب نہ ہوگا یہ ایک قطعی وعید ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتی جیسے اہل سیاست کی جانب سے ازالہ حیثیت عرفی کے استغاثہ ہونے پر ملزم سزایاب ہو سکتا ہے ایسے ہی عدالت قدرت سے بھی اُسکو کسی صورت میں

معافی نہیں دی جا سکتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام بالمقابل توریت شریف کے جرائم کی خوفناک سزاؤں اور نزاکت کا سلسلہ تاکیداً بیان کرتے آئے ہیں اور ایک قطعی وعید کی صورت میں لوگوں کو متنبہ اور آگاہ کر رہے ہیں اگر کفارہ کی بدولت یہ سزائے قدرت ٹل سکتی ہو اور جہنم کی آگ سے ایسے ملزم محفوظ رہ سکتے ہیں تو حضرت ممدوح کی یہ قطعی وعید باطل ہوتی ہے اور اگر باطل نہیں ہوتی تو عقیدہ کفارہ باقی نہیں رہتا۔

اسی سلسلہ میں ایک دوسرے رنگ میں یہ وعید حتمی قرار دی گئی ہے فرماتے ہیں۔

"اگر تو قربان گاہ میں اپنی نذر لے جاوے اور وہاں تجھے یاد آوے کہ تیرا بھائی تجھ سے کچھ مخالفت رکھتا ہے تو وہاں اپنی نذر قربان گاہ کے سامنے چھوڑ کے چلا جا پہلے اپنے بھائی سے میل کر تب آ کے اپنی نذر گزران"

"میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک کوڑی کوڑی ادا نہ کرے تو وہاں سے کسی طرح نہ چھوٹے گا۔"

دونوں آیتوں میں عمل پر زور دیا گیا ہے اور یہ شرط لگائی گئی ہے کہ جب تک بھائی کو راضی نہ کیا جاوے۔ قرضہ ادا نہ ہو تب تک چھٹکارا نہ ہوگا حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم اور منادی کے مطابق بھائی کو راضی نہ کرنا اور قرضہ کا بے باق نہ کیا جانا دونوں جرم اور گناہ ہیں اگر زید اپنے بھائی خالد کو راضی نہیں کرتا اور کفارہ پر یقین رکھتا ہے تو کیا اسکو بموجب اس وعید کے سزا ملے گی اگر سزا ملے گی تو کفارہ باطل ہے اور اگر سزا نہیں ملے گی تو وعید باطل ہوتی ہے اسی طرح اگر زید عمرو ساہوکار کا قرضہ ادا نہیں کرتا ہے اور کفارہ کا بھی معتقد ہے تو حسب قول حضرت مسیح علیہ السلام کسی طرح رہائی نہیں پا سکے گا اور اگر حسب عقیدہ کفارہ رہائی پا سکتا ہے تو وعید باقی نہیں رہتی اور اگر دیوانی میں نالش کر کے زید پر ڈگری کرا کر عمر قرضہ یا فتنی وصول کر لیتا ہو تو اس صورت میں بھی گتھی نہیں سلجھے گی کیونکہ زید نے رضامندی سے قرضہ نہیں دیا ہے نہ ہی سزا باقی ہو ادھر سے زید کفارہ کا عقیدہ بھی رکھتا ہو اور دوسری طرف ادائگی بھی ہو چکی ہے اور وعید میں ادائگی ہی کی اہم شرط تھی دونوں صورتوں میں زید کی پوزیشن دائرہ گرفت اور جوابدہی سے نکل نہیں سکتی ؎ ع دوگونہ رنج وعذاب است جان مجنوں را ؎

(باقیدارد)

رپورٹ ماہوار صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان

بابت ماہ فروری ۱۹۱۴ء

صیغہ یتامیٰ:- آمد ۳-۷-۱۳۴ اور خرچ ۰-۸-۴۷۸ ہوا۔ بقایا جو یکم فروری کو خزانہ میں تھا وہ صرف ۷-۱۴-۳۴ ہے۔ اس لیئے جملہ ان احباب کیخدمت میں جو یتامیٰ کی پرورش کو ضروری سمجھتے ہیں التماس ہے کہ چندہ یتامیٰ کے لیئے روپیہ بھیجکر ممنون فرمادیں۔ یتامیٰ کا خرچ ماہ فروری اوپر دکھایا گیا ہے جو پونے چار سو سے زائد ہے۔

صیغہ زکوٰۃ:- آمد ۴-۴-۱۵۹ اور خرچ ۶-۶-۲۷۵ ہوا۔ زکوٰۃ کا روپیہ بھی اسی جگہ پہنچے تاکہ سلسلہ کے مرکزی مقام میں یکجائی طور پر صرف ہو۔

صیغہ اشاعت اسلام:- خریداران ریویو اردو و انگریزی میں پانچ پانچ کی کمی ہوئی۔

صیغہ مقبرہ بہشتی:-

(۱) اس ماہ میں کوئی موصی مقبرہ بہشتی میں نہ دفن ہوا اور نہ کوئی فوت ہوا۔ (۲) پندرہ عدد وصایا جنکی مالیت کا بباعث اختلاط اندازہ لگانا از بس دشوار ہے۔ درج رجسٹر وصایا ہوئی ہیں۔

(۳) مندرجہ ذیل بڑی رقومات جو اس ماہ میں موصیان نے ارسال کی ہیں ملاحظہ فرمادیں۔

(۱) نواب الدین ارائیں بابت اراضی ادجلہ موہوہ محمد حسن صاحب۔ للعہ (۲) بابو فضل کریم صاحب اکونٹنٹ ملٹری لعہ
(۳) ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اسسٹنٹ سرجن۔ عہ۱۲ (۴) ناصر شاہ صاحب برادر فضل شاہ صاحب ماعہ
(۵) مسمات گلاب بی بی مرحومہ بذریعہ عبداللہ حجام پسر خود ساکن قادیان عہ۸ (۶) بابو امام الدین صاحب پنشنر بھیرہ عہ
(۷) مسمات تابی زوجہ امام بخش گمہار ساکن دھرم کوٹ بگہ۔ ۸ (۸) غلام نبی صاحب سیٹھی راولپنڈی۔ صہ
(۹) بابو عبدالرحمٰن صاحب لورالائی۔ عہ (۱۰) منشی غلام حسین صاحب امرتسری ۔للے
(۱۱) بابو دلاور خاں صاحب۔ پشاور للعہ (۱۲) خواجہ بشیر الدین صاحب پوسٹماسٹر بستی مندہ عہ
(۱۳) ڈاکٹر محمد اشفاق صاحب حصار۔ للے (۱۴) ڈاکٹر قاضی غلام حسین صاحب حصار ۔للے

(۱۵) بابو غلام رسول صاحب۔ پشاور۔ ہیر (۱۶) منشی عبدالعزیز صاحب سہارنپور۔ لے ر
(۱۷) ڈاکٹر غلام دستگیر صاحب۔ گگوئی۔ عہ۔

شفاخانہ:۔ تعداد نئے مریض ۲۵۹ مائینر اپریشن چار ہوئے۔

صیغہ تعمیر:۔ عمارت بورڈنگ مکمل ہوگئی ہے۔ اور عمارت مدرسہ کا ہال طیار ہو رہا ہے اسکے لیئے گورنمنٹ نے پانچ ہزار روپیہ اور منظور فرمایا ہے۔ جس کے لیئے گورنمنٹ کا علی الخصوص انسپکٹر مدارس حلقہ لاہور کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محسن گورنمنٹ کو سلامت رکھے۔ اس حال میں ضروری ہے کہ احباب بھی چندہ بھیجکر ممنون فرماویں۔ تاکہ پہلی منزل مکمل ہو جاوے۔

دفتر محاسب:۔ اس ماہ کل آمد ۵-۱۱-۴۸۶۷ اور خرچ ۳-۱۵-۷۷۰۶ ہوا۔ یعنی تین سو روپے کے قریب زیادہ خرچ ہوا۔ اس آمد میں تین ہزار کی رقم ایسی ہے جو ریویو اردو و انگریزی کی قیمت ہے۔ باقی ساڑھے چار ہزار روپیہ رہ جاتا ہے۔ جس میں بورڈران ہائی سکول و مدرسہ احمدیہ کے اخراجات کا روپیہ شامل ہے جسکے ساتھ انجمن کو کوئی تعلق نہیں۔ اس صورت میں قریباً ساڑھے سات ہزار کی آمد انجمن کی نہیں ہوتی جو اوپر دکھائی گئی ہے۔ بلکہ بہت تھوڑا روپیہ اصل آمد کا رہ جاتا ہے جو ماہواری اخراجات کو پورا کرنے کے لیئے بالکل ناکافی ہے۔ اور اس طرح پر انجمن کے کام رکے رہتے ہیں۔

جن لوگوں نے جلسہ سالانہ پر چندہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ انکو ادائگی چندہ کیلیئے توجہ دلائی جاتی ہے:

صدرالدین
سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

کل من علیہا فان

مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

(قرآن کریم)

خدائے تعالیٰ کی رضا کے ماتحت اُس کے قدیم قانون اور سُنت کے مطابق اللہ کا پیارا محمد رسول اللہ کا محبوب۔ عمرؓ کا فرزند۔ مسیح موعودؑ کا جانشین صدیق ثانی سیدنا حاجی حافظ مولٰنا مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ ۱۳ مارچ بروز جمعہ ۲ بجکر ۲۰ منٹ پر عین حالت نماز میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہوکر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون اور ۱۴- مارچ کو بعد نماز عصر آپکی نعش مبارک مقبرہ بہشتی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے داہنے ہاتھ دفن کی گئی۔

اُس مقدس وجود کا ایثار۔ اُس کی زندگی۔ اُس کی موت اُسکے اعمال اُسکے اقوال اُس کا تجربہ اُس کا تبحرِ علمی اپنی نظیر آپ تھے زمانہ ایسے وجود روز پیدا نہیں کرتا آسمان ایسے مزکّی نفوس کو آئے دن زمین پر نہیں بھیجتا دنیا ایسے منبعِ فیوض وعلوم سے ہر وقت متمتع نہیں ہُوا کرتی۔

آہ۔ زمین ایک عالم سے۔ مسلمان ایک ہادی سے۔ احمدی اپنے پیشوا اپنے آقا اپنے مطاع اپنے مقدس امام کے وجود باجود سے محروم ہوگئے وہ قرآن کا خادم قرآن کا اُستاد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدا حدیث کا والا اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا فرقہ ذکور گریاں ہے کہ ہائے وہ بوڑھا تجربہ کار قرآن سنانے والا کہ وہ امیر وغریب کا خیر خواہ ہمارے درمیان سے اُٹھ گیا۔ فرقہ اناثہ میں شور و بکا ہے کہ آہ وہ عورت کی عزت کرنے والا۔ وہ کمزوروں کا حامی وہ حقوق انسان کا مؤید و نگہبان اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو سدھار گیا۔

یہ آسمانی انسان زمین پر رہتا تھا لیکن اُس کا تعلق آسمان سے ایک لمحہ کے لیے بھی

نہیں دیتا تھا۔ اُس کو چلتے پھرتے لیٹے بیٹھتے ہر گھڑی خدا اور اُسکے رسولؐ کی یاد و محبت کا ازدیاد عشق کا جام سرشار رکھتے رہتا تھا خدا کی کتاب اُس کی محبوب اُس کا ذکر اُس کی غذا تھی قرآن کی آیات جیسے دلربا خد و خال نظر آتے اور اس کتاب کے معانی میں اُسے چشمہ حیوان کے حیات جاوید بخشنے والے پانیوں کا ذخیرہ معلوم ہوتا تھا۔ اُس کی زندگی ہی قرآن تھی اور جب اُس کی عمر طبعی کا پیمانہ لبریز ہونے کو تھا تو خدا نے حی و قیوم کے پاس سے بھی ختم قرآن کی مبارک آگئی اور ذات باری و صمد نے فرمایا "خلیفۃ المسیح کو ختم قرآن مبارک ہو"

وہ خضر تھا لیکن اُس نے کئی ایک سکندر صفت طالبان حق کو آب حیات پلایا اور کسی سے تا دم مرگ بخل نہیں کیا۔

اُس کا ایثار اُس کا جود اُس کا کرم اُس کی خدا پرستی غریب نوازی اور احسان اپنی نظیر آپ تھے وہ سب کا خیر خواہ تھا وہ عمیم الاحسان اور ہر دل عزیز تھا اُس کی سخاوت یا اُس کا فیض کسی ایک ملت کے افراد تک محدود نہ تھا بلکہ عام مخلوق خدا تک وسیع تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اس آقائے مغفور کو غریق رحمت کرے اور آپ کے پس ماندگان کو صبر جمیل عنایت کرکے دنیا و آخرت میں اپنے فضل و کرم کا مورد کرے۔ اُن کی اولاد پھلے پھولے اور خادم دین ہو۔ آمین ثم آمین (ایڈیٹر)

ریویو

تقویم عمری:۔ یعنی ایک سو پچیس برس کی جنتری۔ جسمیں ۱۷۸۳ء سے لیکر ۱۹۰۶ء تک سنہ عیسوی ہجری فصلی اور سمت کی مفصل تاریخیں ایکدوسرے کے بالمقابل دی ہیں۔ جن لوگوں کو گذشتہ تاریخوں کی تطبیق دینے کی ضرورت پڑتی ہو اُن کیلئے بہت مفید ہے۔ اصل قیمت ۱ر تھی۔ مگر اب رعایتی قیمت عہ مقرر کردیگئی ہے ملنے کا پتہ بدر ایجنسی۔ قادیان ضلع گورداسپور

چمکار احمدی:۔ یعنی سوانح عمری حضرت رسول مقبول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منظوم پنجابی مصنفہ منشی جھنڈے خانصاحب میر مدرس۔ بے بالی۔ ضلع گورداسپور۔ پنجابی زبان میں ایسی تصانیف کی بڑی ضرورت ہے۔ جو احباب پنجابی زبان پڑھ سکتے ہوں وہ ضرور اس کتاب کا ایک نسخہ خرید لیں۔ قیمت بھی زیادہ نہیں۔ ۱۵۰ صفحہ کی کتاب ہے قیمت ۸ر مصنف مذکور سے طلب کیجاوے۔

شرح اجرت اشتہارات در رسالہ ریویو آف ریلیجنز

میعاد	پورا صفحہ		نصف صفحہ		چوتھائی صفحہ		ایک سطر	
	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو
سالانہ	للعہ	للعہ	دعہ	صعہ	دعہ	صعہ	سے/	سے/
ششماہی	صعہ	دعہ	دعہ	صعہ	عہ	عہ	عہ ۱۲/	عہ ۱۲/
سہ ماہی	صعہ	صعہ	عہ	عہ	ہہ/	ہہ/	عہ/	عہ/
ایک دفعہ	سے ۸/	سے ۸/	للعہ/	للعہ/	سے/	سے/	۸/	۸/

تمام درخواستیں بنام منیجر میگزین قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہیئیں

اطلاع

خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرماویں ؛

نوٹ۔ ڈاکٹر ایس کے برمن کی کافوری جنتری ۱۹۱۴ء کی خوبصورت تیار ہو گئی ہے۔ ذیل شریف پڑھے لکھے اشخاص کا نام اور پورا پتہ لکھنے پر جنتری ہذا بلا قیمت و محصول بھیجی جاتی ہے

وقت پر صلاح

جو دوست ہوتے ہیں وہ خطرہ سے بچنے کے لیئے وقت سے پہلے نیک صلاح دیتے ہیں۔ ڈاکٹر ایس کے برمن۔ کی یہ صلاح ہے کہ موسم گرما آگیا ہے۔ اس موسم میں کھانے پینے یا رہنے کے باعث ہیضہ ہونے کا خوف رہتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیئے پہلے ہی ایک شیشی اصل عرق کافور منگوا کر اپنے گھر میں ڈال رکھیں۔ جس سے اپنے پڑوسیوں کی وقت پر حفاظت ہو سکے۔ یہ اصل عرق کافور عرصہ تیس سال سے تمام ہندوستان میں جاری ہے۔ یہ عرق گرمی کے دست، پیٹ کے درد شل کیلیئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ قیمت ایک شیشی ۴؍ چار آنہ محصولڈاک ایک سے ۲ شیشی تک ۵؍ ۸ شیشی تک ۸؍

پلیگ سے کیوں ڈرتے ہو

سوائے اور سب بیماریوں کے اس سے ڈرنے کا سبب یہ ہے کہ آجتک لاکھوں انسان اس موذی عارضہ کے پنجہ ظلم سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ گاؤں کے گاؤں اُجاڑ ہو گئے۔ شہر کے شہر تباہ ہوئے۔ اس وجہ سے اس کے نام ہی سے دہشت ہوتی ہے پلیگ میں مبتلا ہو جانے کے بعد پھر کوئی علاج نہیں ہے۔ لیکن بنظر حفظ ماتقدم۔ ڈاکٹر ایس کے برمن۔ کی پلیگ روکنے والی گولیاں منگوا کر ضرور رکھیں۔ ان گولیوں کے استعمال سے جسم کے خون میں کچھ ایسا اثر ہوتا ہے جس سے پلیگ کے کیڑے ٹھہر نہیں سکتے۔ اور نہ اُس کا زہر اثر کر سکتا۔ وقت پر ان گولیوں کے استعمال سے ہزاروں انسان پلیگ سے محفوظ رہتے ہیں۔ آپ بھی غافل نہیں رہیں۔ ایک گولی روزانہ ساتھ ٹھنڈے پانی کے نگل جانا چاہیئے۔

بچوں کو نصف یا چوتھائی۔ قیمت ۳۶ گولیوں کی ڈبیہ ۸؍ ۶۰ گولیوں کی ڈبیہ ۱۲؍ محصولڈاک ایک سے ۶ ڈبیہ تک ۵؍

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

مطبع میگزین قادیان میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ مینجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے

یٰلیتہا کانت القاضیۃ

(اے کاش موت کے ساتھ ہی قصہ چُک گیا ہوتا)

یہ سچ ہے کہ عقل انسانی نے اس زمانہ میں نہایت ترقی کی ہے اور صدہا قسم کے علوم اس کے ذریعہ سے دنیا کو ملے ہیں اور چونکہ خود بھی وہ ایسا اپنے تئیں سمجھتی ہے اسلیئے اس نشہ تکبر و انانیت میں سرشار ہو کر کبھی کبھی وہ یہ بھول جاتی ہے کہ میں کسی محدود ہستی کی محدود قوت ہوں اور میں باوجود اس ترقی کے بھی اپنے تئیں کامل و اکمل نہیں کہہ سکتی پس اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی کبھی وہ خیالی تکے چلانے لگتی ہے۔ اور ان مقامات میں جہاں اُسے رسائی نہیں اٹکلیں دوڑانے لگتی ہے عقل نے مادی ترقی جس قدر کی ہے وہ وہیں تک ہے جہاں تک حواس ظاہری کام کر سکتے ہیں۔ باطنی قویٰ کی طرف موجودہ زمانہ کی توجہ بہت کم ہے اور یہ قانونِ قدرت ہے کہ جن قوتوں سے زیادہ کام لیا جائے وہی بڑھتی ہیں اور جن کو معطل اور بیکار چھوڑا جائے وہ گھٹتے گھٹتے بعض دفعہ معدوم بھی ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا کسی انسان یا قوم کا محض مادی ترقی میں یدِ طولیٰ حاصل کر کے کوئی حق نہیں کہ وہ روحانی یا باطنی ترقی کا بھی دم مار سکے اور اُس میں اپنی اٹکل کے مطابق جو چاہے من گھڑت باتیں پیدا کرے۔ بلکہ اُس کی ایک طرفہ توجہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دوسرا پہلو کمزور ہو گیا یعنی یہ کہ روحانی قویٰ کی نشوونما سے محروم ہو گئی۔ پس ایک تو عقل کی توجہ مادی ترقی کی طرف پھر جانے سے روحانی قویٰ میں انحطاط کا آجانا لازم ہے۔ دوسرے خواہ عقل کتنی ہی جولانیاں کرے۔ بہرحال وہ ایک محدود چیز ہے کیونکہ اُس کا ماخذ و منبع ایک محدود ہستی ہے جس طرح انسان کی تمام قوتیں محدود ہیں اور وہ ایک حد سے آگے کام نہیں کر سکتیں اسی طرح انسانی عقل بھی ایک حد کے اندر محدود ہے اور جس طرح دوسری قوتوں کے لیئے اگر ان سے اس قدرتی حد سے زیادہ بڑھکر کام لینا ہو تو خارجی مدد کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح ماننا پڑے گا کہ عقل سے اگر اسکی حد سے

زیادہ بڑھکر کام لینا چاہیں تو خارجی مدد کی ضرورت پڑیگی۔ مثلاً آنکھ کی بینائی ایک قوّت ہے چونکہ محدود ہستی کی ایک قوّت ہے اس لیئے ایک حد سے آگے کام نہیں کرتی۔ کچھ فاصلے کے آگے پھر دیکھ نہیں سکتی یا ایک خاص حد سے اگر کسی چیز کی مقدار چھوٹی ہو تو پھر اُسے دیکھ نہیں سکتی۔ پس جب بینائی کی حد سے زیادہ فاصلہ کی دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے تو ہمیں خارجی مدد کی ضرورت پڑتی ہے اور ہم دُوربین استعمال کرتے ہیں۔ دنیا نے بڑی بڑی طاقتوں کی دُوربینیں ایجاد کی ہیں مگر چونکہ موجد محدود۔ چیز ایجاد شدہ محدود۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ مدد ایک حد تک پہنچ کر آگے چلنے سے رہ جاتی ہے۔ اور دُوربین کی مار ایک حد پر جاکر ختم ہو جاتی ہے اسیطرح بینائی کی حد سے زیادہ چھوٹی چیز کو دیکھنے کے لیئے ہم خارجی مدد لیتے ہیں چنانچہ اُسکے لیئے خوردبین استعمال کرتے ہیں۔ مخلوق نے بڑی بڑی تیز خوردبینیں ایجاد کی ہیں۔ مگر ایک حد پر جاکر وہ بھی ختم۔ اسی طرح عقل کی محدود اور ناقص حالت کی تکمیل کے لیئے دنیا نے تعلیم و تعلم کا سلسلہ شروع کیا۔ اور بڑی بڑی یونیورسٹیاں اور لیبوریٹریاں قائم کیں۔ مگر سچ یہی ہے کہ ابھی بہت کچھ پڑا ہے۔ بقول نیوٹن کے ابھی تو سمندر کے کنارے گھونگھے چن رہے ہیں بحر ذخار اُسی طرح پڑا ہے۔ اور یہ اُس کا حال ہے جس میں عقل کی تگ و دو دن رات جاری ہے۔ اور جسکی تحقیقاتوں پر اُسکو بڑا ناز ہے اور ایک حد تک بجا بھی ہے۔ مگر اُن علوم کا کیا حال جس طرف اُسکو مادی شغلوں اور انہماک سے توجہ کے لیئے فرصت ہی نہیں اور توجہ بھی ہو تو وہاں تک سچ پوچھو تو رسائی ہی نہیں۔ بڑے سے بڑے پروفیسر کے آگے بھی ہزار زانوے شاگردی تہ کرو۔ اور اُسکے خیالات سے فائدہ اُٹھاؤ۔ مگر آخر اُس کی عقل بھی تو محدود ہے۔ ایک حد تک جاکر وہ بھی رہ جائیگی جسطرح دوربین اور خوردبین رہ گئی تھی۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ ہر ایک معاملہ میں محض عقل ہماری کامل رہبر نہیں ہو سکتی۔ اور بالخصوص اُن مسائل میں جہاں وہ ایسی عاجز رہ جاتی ہے کہ محض تحیر ہی تحیر اُسکے حصہ میں رہ جاتا ہے مثلاً انسان کیا ہے اُسکی ہستی کا مقصد کیا ہے۔ کدھر سے آیا اور کدھر کو اُس کا رُخ ہے۔ جن دُکھوں اور خوف و حزن میں مبتلا ہے اور جن تغیرات کے ماتحت اُسے کسی پہلو چین نصیب نہیں اُس سے چھٹکارا اُسے ہو سکتا ہے یا نہیں کیا فنا کے ہاتھ سے وہ بچ سکتا ہے کیا وہ ابدی ترقی اور ابدی سُکھ کا وارث ہو سکتا ہے؟ خلاصہ یہ کہ نجات جس کے معنے ابدی زندگی ابدی سُکھ اور ابدی ترقی کے ہیں اور جو انسانی فطرت کا صحیح تقاضا اور عین خواہش

ہے وہ اُسے نصیب بھی ہو سکتی ہے یا نہیں اور اگر ہو سکتی ہے تو کن راہوں سے ہو سکتی ہے؟ ان معاملات پر عقل کے پاس سوائے ظنیات اور تخیل کے طوفان بے تمیزی کے اور نری اٹکلیں دوڑانے کے کچھ بھی نہیں اسی لیے جتنے مُنہ اُتنی ہی باتیں جسے دیکھو اپنی ہی راگنی الاپ رہا ہے کوئی یقینی علم نہیں اور ہو بھی کیسے سکتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ عقل کے حدود سے باہر نکل جاتا ہے یاد رہے کہ عقل میں اور تخیل کی جولانیوں میں فرق ہے۔ عقل کا کام ہے اپنی بنیاد صحیح اور یقینی علوم پر رکھنا۔ اسی لیئے جہاں سے ظنیات کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ وہاں عقل کے اصلی حدود ختم ہو جاتے ہیں محض ظنیات پر جس علم کی بنا ہوتی ہے اُسے ہم معقول نہیں کہہ سکتے اور نہ وہ انسان کو کچھ نفع دے سکتا ہے اور نہ کوئی عقلمند انسان اُسپر کسی اہم مسئلہ کا مدار رکھ سکتا ہے۔ پس اسجگہ آکر انسانی ہستی اور نجات کے راز سربستہ کی عقدہ کشائی کے لیئے انسانی عقل کو خارجی مدد کی ضرورت اور پیاس محسوس ہوتی ہے اور مدد بھی کسی اپنے جیسے محدود عقل والے انسان کی نہیں۔ بلکہ خود خالق فطرت کی جس نے اُس کی ہستی کو پیدا کیا اور اس تمام گورکھ دھندے کو جو نظام عالم کی شکل میں ہمارے سامنے ہے پیدا کیا۔ کیونکہ کسی مشین کے موجد کو ہی صحیح طور پر علم ہوتا ہے کہ فلاں فلاں پرزے کن کن کاموں کے لیئے ہیں اور اُنکا کیا مقصد ہے۔ باقی سب اٹکل ہے اور انسان کیلیئے ظلم ہوتا اگر وہ بے علمی کی حالت میں ہی چھوڑ دیا جاتا اور خالق فطرت اپنے علم کُل سے مدد نہ کرتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ جس طرح ایک بچہ کسی مشین کے کمرہ میں گھس کر اُسکے پرزوں کے غلط استعمال سے اپنے تئیں ہلاک کر لیتا یا کم سے کم نقصان پہنچا لیتا ہے اسی طرح وہ بھی اپنے تئیں تباہ کر لیتا۔ لہذا قدرت کے فیاض ہاتھ نے جہاں تمام کاموں میں اُسکی مدد کی تھی یہاں بھی اُسکی مدد کی اور سچ بھی یہی ہے کہ انسان بغیر قدرت کی فیاضی کے کہیں بھی اپنی کسی قوت سے کام نہیں لے سکتا۔ سورج کی روشنی نہ ہو تو آنکھ بے کار ہے۔ ہوا نہ ہو تو کان بیکار ہیں۔ اسی قانون کے مطابق عقل کی بھی قدرت نے الہام سے مدد کی۔ یعنی انسانی فطرت کے عین اس تقاضے کے مطابق خدا کی طرف سے انسان کو علم عطا ہوتا ہے اسے الہام کہتے ہیں اور چونکہ عقل کی جولانیوں کی ان مسائل میں رسائی نہیں ہوتی اسلیئے یہ علم بغیر کسی سوچ اور تردد اور تفکر اور تدبر کے جو عقل کی جولانی کی مختلف راہیں ہیں حاصل ہوتا ہے اور ایک القاء غیبی ہوتا ہے جو ایک واضح اور منکشف احساس سے کہ جیسے سامع کو متکلم سے یا مضروب کو ضارب یا ملموس کو لامس سے ہو محسوس ہوتا ہے۔

اور اس سے نفس کو مثل حرکات فکریہ کے کوئی الم روحانی نہیں پہنچتا۔ بلکہ جیسے عاشق اپنے معشوق کی رویت سے بلا تکلف انشراح اور انبساط پاتا ہے۔ اسی طرح نفس بھی اپنے اس فطرتی تقاضے کے پورا ہونے پر لذت اٹھاتا ہے۔ اور یہ قانونِ قدرت ہے کہ نفس اپنے فطرتی تقاضے کے ہی پورا ہونے پر کچی لذت پاتا ہے۔ جیسے کہ پیاس میں سرد پانی لذت دیتا ہے اور بھوک میں مرغوب کھانا خوشی پیدا کرتا ہے۔ اور یہ بھی قانونِ قدرت ہے۔ کہ انسان کے اندر جسقدر تقاضائے فطرت بھی موجود ہیں اُن سب کے پورا ہونیکا سامان نظام عالم میں موجود ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ انسانی ہستی اُنہی فطرتی تقاضاؤ کو اپنے اندر لیکر پیدا ہوتی ہے جو پہلے سے نظام عالم میں موجود ہیں۔ کیونکہ انسان اس تمام کائنات کا ایک جزو ہے اور جو کل میں موجود ہی نہیں اُس کا تقاضا ہی فطرت میں کہاں سے پیدا ہوسکتا ہے غرض الہام کا وجود عین تقاضائے فطرت کے مطابق پڑا ہے لہٰذا اس کے وجود سے انکار نہیں ہوسکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس فطرتی تقاضے کے پورا کرنے کی کوشش کیجائے اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک بدی اور گند سے علیحدہ ہوکر خالقِ فطرت کے ساتھ تعلق جوڑا جائے اور اُس کی یاد میں لگا رہے اور اُسے اور صرف اُسے اپنا مقصود و معبود بنا دے۔ قرآن کریم جو خدا کی کامل کتاب ہے مذکورۂ بالا مضمون کو کسقدر لطیف اور جامع اور مختصر الفاظ میں بیان فرماتا ہے وہو ہذا ومالهم به علمٍ ان یتبعون الا الظن ۚ وان الظن لا یغنی من الحق شیئًا ۚ فاعرض عن من تولّٰی ۵ عن ذکرنا ولم یرد الا الحیٰوۃ الدنیاہ ذٰلك مبلغهم من العلمٍ ان ربك هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بمن اهتدیٰ ۵ اس آیت کا ترجمہ مع تفسیر یُوں ہے کہ بوجہ عقل کے محدود ہونے کے علوم الٰہیات و روحانیات میں انسان کو یقینی علم تو حاصل ہو نہیں سکتا البتہ اٹکلیں ہیں اس لیئے یہ لوگ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور یہ سچ ہے کہ ظن حقیقت کے مقابلہ میں کوئی ہستی نہیں رکھتا اور کچھ بھی چیز نہیں۔ پھر اُس شخص کی بات تو ہرگز بھی قابل توجہ نہیں جس نے ہماری یاد سے (جو الہام اور انکشاف حقیقت کی کنجی تھا) مُنہ پھیرا اور دنیا کی زندگی کے سوا اور کچھ نہ چاہا کیونکہ دنیا کی طرف تمام توجہ ہو جانے سے قوائے روحانیہ کو کھو بیٹھا۔ اور اس طرح ان علوم میں وہ تھوڑی بہت کچھ بھی دسترس نہیں رکھتا۔ انکے علم کی رسائی تو یہاں تک ہے کہ دنیا کو جو صرف ترقی کے لیئے ایک زینہ تھا اپنا مقصود بنا بیٹھے۔ پس اے انسان تُو محتاج ہے اپنے رب سے علم پانے کا یعنی

الہام کا کیونکہ بیشک تیرا رب ہی جو تیرا پیدا کرنیوالا ہے اور جس نے تجھے ابدی ترقی کی طرف لے چلنے کے لیئے پیدا کیا ہے ہاں وہی ٹھیک ٹھیک جانتا ہے کہ کون اُسکی راہ سے جو ابدی ترقی کے کے لیئے اُس نے بنائی ہے بھٹک گیا اور وہی ہاں وہی جانتا ہے کہ کون اُس راہ راست پر پڑ لیا۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ الہام کیا ہے۔ عقل کا رہبر۔ عقل کا ہادی۔ جہاں عقل عاجز رہ جاتی ہے وہاں الہام دستگیری فرماتا ہے اور وہ عین عقل بلکہ خود عقل کو تکمیل پر پہنچانیوالا ہوتا ہے۔ یہ غلط بات ہے کہ الہام کچھ ایسی باتیں بیان کرتا ہے جو خلاف عقل ہیں۔ بلکہ وہ اُن باتوں کی عقدہ کشائی کرتا ہے جو بالاتراز عقل ہیں۔ اور بالاتراز عقل ہونے میں اور خلاف عقل ہونے میں فرق ہے۔ جو ظاہر ہے۔ خلاف عقل یہ ہے کہ کوئی کہے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں یا ایک برابر تین کے یا تین برابر ایک کے۔ یہ باتیں الہام بھی نہیں بتاتا۔ الہام تو ان باتوں کی جو عقل کی رسائی سے باہر ہیں حقیقت کے راستہ سے عقدہ کشائی فرماتا ہے اور عقل کو اُس عالی مقام کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جہاں آپ سے اُسکو پہنچنا ناممکن تھا عقل کو دھکے نہیں دیتا بلکہ اُسکی دستگیری کرتا ہے۔ اسی لیئے عقل جوں جوں ترقی کریگی الہام ربانی کی ہمیشہ تائید کریگی۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ اُن تمام علوم الٰہیات و روحانیات میں جن کے ساتھ انسانی ہستی کے راز کی عقدہ کشائی وابستہ ہے اور جنپر نجات کا دار و مدار ہے محض عقل رہبر نہیں ٹھہر سکتی جب تک الہام کی دستگیری ساتھ نہ ہو کیونکہ جب سے انسانی ہستی معرض وجود میں آئی۔ اور اُس میں خود شناسی و خود اختیاری کا مادہ پیدا ہوا۔ وہ اپنے افعال کا جہاں تک اُسکو وسعت اور مقدرت دیگئی ہے ذمہ وار ٹھہرا۔ پس جیساکہ نجات کے صحیح اور یقینی علوم کا دنیا میں سب سے پہلا انسان محتاج تھا ویسا ہی بعد میں مختلف ازمنہ میں نسل انسانی کو اُس کی ضرورت رہی اور ویسی ہی ضرورت آج بھی ہے اور آیندہ بھی رہیگی۔ عقل انسانی جب اسوقت تک ناقص اور ناکمل ہے تو پہلے زمانوں کا پوچھنا ہی کیا ہے اور آیندہ نقص اور تکمیل کا سلسلہ جاری ہے۔ پس بنابریں نجات کی راہ جسے مذہب کہنا چاہیئے بغیر الہام کی مدد کے محض عقل سے انسان نہیں پا سکتا تھا اور نہ اب پا سکتا ہے اور نہ آیندہ کبھی پانے کی توقع عقلاً ہو سکتی ہے۔ پس مذہب کی بنیاد الہام پر ہوئی ہاں یہ سچ ہے کہ الہام عقل کے خلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ عقل کے نقصوں اور کمزوریوں کو دور کرنیوالا اور

اُس کی رہنمائی کرنیوالا ہوتا ہے اور اُسکو اُن مقامات عالیہ پر پہنچانیوالا ہوتا ہے جہاں وہ از خود پہنچنے سے عاری تھی۔ پس ان معاملات میں الہام کی گواہی کو سب پر مقدم اور فائق سمجھنا ضروری اور لازمی ہے اور عقل کی گواہیاں اُسکی تائید میں ہونی چاہئیں۔ یہ مسئلہ کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں یہ بھی ہمچو ایک مسئلہ ہے جہاں الہام کی گواہی سب سے مقدم اور عقل کی گواہی اُس کی تائید میں اُسکی مصدق سمجھی جانی چاہئیے اتنا سمجھ لینے کے بعد اب اصل مسئلہ پر غور کرنا چاہئیے وما توفیقی الا باللہ وما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اس مسئلہ (یعنی موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے) میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے عقل کے ہاتھ میں یقین کے طور پر تو کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ حق الیقین کے طور پر تو جبھی معلوم ہو سکتا ہے جب کوئی خود مر کر تجربہ کرے۔ البتہ قوانین نیچر کی موجودہ تحقیقات جہاں تک پہنچی ہے اُس کی بنا پر عقل ایک نتیجہ نکالتی ہے جسے ظن غالب سے بڑھکر درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ بعض قوانین نیچر اور بھی ایسے باریک اور مخفی در مخفی ہوں کہ اُن تک ابھی تحقیقات کی رسائی نہیں ہوئی اور اس وجہ سے نتیجہ غلط نکلے۔ اور یہی وجہ ہے کہ علوم مروجہ سائنس میں بھی بعض دفعہ نتائج نکالنے میں غلطی لگ جاتی ہے بہت سے باریک در باریک اسباب ایسے ہوتے ہیں جن پر نظر تحقیق نہ پڑنے کی وجہ سے بعض دفعہ نتیجہ غلط نکل آتا ہے جنکو واقعات جھٹلا دیتے ہیں۔ پس جب یہ بالکل ممکن ہے کہ علم روحانیات کے بعض قوانین پر عقل کی ابھی تک رسائی نہ ہوئی ہو اور جیسا کہ واقعات میں ہے بھی یونہی۔ تو پھر عقل کے نتیجہ کو ظن غالب سے ہرگز ہرگز زیادہ درجہ نہیں دیا جا سکتا یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قوانین نیچر کی موجودہ تحقیقات کے مطابق ایسا ہونا چاہئیے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ضرور ایسا ہی ہے۔ پس یہاں عقل کی اس کمی کو الہام ہی ہے جو پورا کرتا ہے جو بتلاتا ہے کہ واقعات میں ایسا ہی ہے۔ کیونکہ یہ بالکل سچ ہے کہ خود خالق کائنات ہی بتلائے تو بتائے کہ موت زندگی کا خاتمہ ہے یا نہیں اور اُسی کا ارشاد یقینی ہو سکتا ہے باقی سب تکے اور ڈھکو سلے ہیں پس پہلے ہمیں عقل کے استدلال اور اخذ نتائج پر غور کرنا چاہئیے اور بعد ازاں الہام کا آخری اور یقینی فتویٰ حاصل کرنا چاہئیے وباللہ التوفیق۔

(۱) سلسلہ اسباب و نتائج

یہ امر مسلّم ہے کہ تمام کائنات مجموعہ اسباب و نتائج ہے۔ ہر ایک نتیجہ کا ایک سبب ہے اور ہر ایک سبب کا ایک نتیجہ ہے۔ اور یہ امر بھی مسلّم ہے کہ دنیا میں نیکی و بدی کا وجود بھی ہے۔

اب یہ امر ہمارے مشاہدہ میں داخل ہے کہ بدی کا نتیجہ ہم بعض وقت بُرا دیکھتے ہیں اور اسکو انصاف و عدل شمار کرتے ہیں اور جانتے ہیں .... کہ یہ بُرائی کا لازمی نتیجہ ہے۔ مگر یہ بات بھی روز کا مشاہدہ ہے کہ بہت سے اُسی قسم کی بدی میں مبتلا لوگ کوئی بُرا نتیجہ اس عالم میں نہیں پاتے اور اپنی شرارتوں ہی میں مبتلا اور ظلموں میں رنگ رلیاں مناتے دنیا کو چھوڑ جاتے ہیں۔ بدی ایک سبب ہے اور قوانین نیچر کے مطابق عقل بتلاتی ہے کہ اس کا نتیجہ لازماً بُرا ہونا چاہیئے اور ہمارا مشاہدہ اور تجربہ بھی یہی بتلاتا ہے کہ بدی کا جب کوئی نتیجہ ہمارے سامنے وقوع پذیر ہوتا ہے تو وہ بُرا ہی ہوتا ہے۔ پس یہ امر علم الیقین سے گذر کر عین الیقین اور حق الیقین تک پہنچ چکا ہے کہ بدی کا نتیجہ بُرا ہے۔ اب بعض لوگوں کو جو بدی کا نتیجہ اس عالم میں نہیں ملتا تو اس کی وجہ یہ تو نہیں ہو سکتی کہ اس کا کوئی نتیجہ ہی نہیں کیونکہ یہ مسلمہ قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے کہ بعض دفعہ اسباب سے نتائج نہیں نکلا کرتے اور ایسا اندھیر بھی ہُوا کرتا ہے کہ خواہ ایک ہی قسم کے سبب ہوں مگر بعض دفعہ نتیجہ نکلتا ہے اور بعض دفعہ نہیں۔ جس کا دوسرے لفظوں میں مطلب یہ بھی ہُوا کہ اشیاء اپنے خواص کے ظہور کو جو بطور نتائج ہُوا کرتے ہیں چھوڑ سکتی ہیں تو پھر تمام علوم اور سائنس کی جڑھ کٹ گئی کیونکہ ہر ایک سبب اور نتیجہ سے امان اُٹھ گیا۔ اور تمام قوانین نیچر باطل ہو گئے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض دفعہ جو بُرا نتیجہ بدی پر مترتب ہونا اس عالم میں نظر نہیں آتا اُس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ اس کا کوئی نتیجہ ہی نہیں۔ عقل کہتی ہے۔ قوانین نیچر کہتے ہیں کہ نتیجہ نکلنا لابد ہے۔ تو پھر لازمی طور پر یہ ماننا پڑیگا کہ یہ سلسلہ اسباب و نتائج کا اسی عالم تک ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی اور عالم بھی ہے جہاں ان اسباب کا نتیجہ اور بدی کی سزا ملیگی۔ اسی طرح نیکی کا حال ہے۔ نیکی کا نیک نتیجہ بعض دفعہ ہمارے سامنے ملتا ہے۔ اور اُس سے ہمیں تعجب نہیں ہوتا کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اسکا یہی نتیجہ قانونِ قدرت کے مطابق ہونا لابد تھا اور ہُوا۔ مگر بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک نیک انسان دُکھوں میں مبتلا دنیا سے گذر جاتا ہے اسکی نیکیوں کا کوئی نتیجہ اس زندگی میں نہیں نکلتا۔ اگر سلسلہ اسباب و نتائج اور قوانین قدرت صحیح ہیں تو پھر یہ بھی

صحیح ہے کہ زندگی کا موت کے ساتھ ہی خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ بلکہ صرف شکل بدل جاتی ہے اور ایک نئی قسم کی زندگی اور عالم شروع ہو جاتا ہے جو اس موجودہ زندگی کے لیئے بطور نتیجہ کے ہے عقل کے مذکورہ بالا نتیجہ پر ہمیں حق الیقین تک پہنچنے کے لیئے الہام کی شہادت کی ضرورت ہے۔ عقل نے تو فتویٰ دیدیا کہ نیکی اور بدی کی جزاؤ سزا ملنے کے لیئے زندگی کا یہیں تک خاتمہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ لازم طور پر ایک اور عالم ہونا چاہیئے۔ مگر اس امر کے لیئے کہ واقعات لامر ضرور ضرور یونہی ہیں الہام کی رہبری کی ہمیں ضرورت ہے۔ الہام سے مستفید ہونے کے لیئے ہمیں کوئی ذریعہ ہونا چاہیئے اور وہ الہامی کتابیں ہیں۔ مگر دنیا میں جسقدر الہامی کتابیں ہیں وہ بدقسمتی سے سب کی سب سوائے قرآن مجید کے انسانی دستبرد سے تاریخی طور پر محفوظ نہیں رہیں۔ بعض کی نسبت تو یہ پتہ بھی نہیں لگتا کہ وہ دراصل کس زبان میں تھیں یا اگر زبان کا پتہ بھی لگا تو وہ زبانیں مردہ ہو کر اب انکا سمجھنا محال ہو گیا اور ہر طرح کی تاویلوں اور کاٹ چھانٹ کی گنجائش نکل آئی مثلاً وید یا ژندا وستا وغیرہ۔ اور بعض تو صرف تراجم ہی رہ گئے اور اصل کتاب مفقود ہو گئی مثلاً بائیبل وغیرہ اور ظاہر ہے کہ ترجمہ مترجم کے خیالات کا آئینہ ہوتا ہے۔ پھر ان تمام کتابوں کی نسبت کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں کہ یہ محفوظ ہیں۔ بلکہ بعض کی نسبت تو محققین نے صاف طور پر کہدیا کہ یہ انسانی بناوٹ ہے۔ مثلاً اناجیل وغیرہ پس الہامی کتابوں میں قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو الہامی ہونے کے ساتھ کل کی کل محفوظ ہے اور تاریخی طور سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے اور اس زمانہ کے ایک ملہم حضرت میرزا غلام احمد نامی نے بھی جنکے ملہم ہونے کا ثبوت بہت سے نشانات اور تائیدات آسمانی سے ثابت ہو چکا ہے یہی گواہی دی کہ قرآن ہی ایک کتاب ہے جو محفوظ اور خدا کی کامل اور جامع کتاب ہے۔ پھر اس کتاب قرآن مجید میں یہ کمال ہے۔ کہ یہ دوسری الہامی کتب کی طرح صرف دعویٰ ہی دعویٰ نہیں پیش کرتی بلکہ دلائل بھی ساتھ دیتی ہے۔ اور اسلیئے عقل اور الہام کے باہمی تطبیق کے لیئے اس سے بہتر اور کوئی کتاب نہیں ہو سکتی۔ پس ہم ہر ایک عقل کے فتوے پر الہامی شہادت کے لیئے قرآن مجید کو لیں گے اور اُس سے فیصلہ کرینگے۔ چنانچہ موجودہ مسئلہ پر قرآن مجید کا فیصلہ مختلف آیات پر یکجائی طور پر نظر ڈالنے سے حسب ذیل ہے:۔

وخلق اللّٰہ السمٰوات والارض بالحق ولتجزیٰ کل نفس بما کسبت وھم

لا یظلمون ۰ و اللہ لا یضیع اجر العاملین ۰ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ۰ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ۰ وما خلقنا السموات والارض وما بینھما لعبین ۰ ماخلقنھما الا بالحق و لکن اکثرھم لا یعلمون ۰ قل امر ربی بالقسط ۰ ملک یوم الدین ۰ ترجمہ مع تفسیر۔ اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق و حکمت اور مقاصد کے ساتھ پیدا کیا اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر ایک نفس یعنی ہر ایک شخص جو وہ کماتا اور عمل کرتا ہے اسکا اسے بدلہ دیا جائے اور انپر کسی طرح بھی ظلم نہ ہو۔ اور اللہ عمل کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اور جو کوئی ذرہ کے برابر نیک عمل کرتا ہے اسے بھی دیکھ لیگا اور جو ذرہ برابر برا عمل کرتا ہے اسے بھی دیکھ لیگا۔ یہ اس لیئے ہے کہ ہم نے آسمان اور زمین اور جو انکے درمیان ہے بطور کھیل کے بے حقیقت نہیں پیدا کیا بلکہ ہم نے تو انکو حقیقت کے ساتھ پیدا کیا۔ اور قوانین و اسباب و نتائج سے وابستہ کیا۔ اگر قوانین اور سلسلہ اسباب و نتائج سے انکار کر دیا جائے تو پھر تمام چیزیں بے حقیقت اور لغو ہو جاتی ہیں لیکن چونکہ کثرت سے لوگ ان امور کو نہیں سمجھتے اسلیئے جلدی سے انکار کر دیتے ہیں یہ بھی بتلا دو کہ میرے رب کے تمام کام عدل اور انصاف پر مبنی ہیں۔ پس اگر نیکی کا نیک اور بدی کا بد بدلہ نہ ملے تو عدل اور انصاف کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ایک ظالم کو اسکے ظلم کی پاداش کا نہ ملنا اور ایک مظلوم کو اسکے صبر کی جزا نہ ملنا یہ خدا کا انصاف کب گوارا کر سکتا ہے۔ پس خدا کے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ نیکی و بدی کا بدلہ ضرور ملے۔ ہاں اس صفت کے کامل ظہور کیلیئے یہ عالم کافی نہیں اس لیئے ایک دوسرا عالم ہے جس میں اسکی صفت ملک یوم الدین کا پورا پورا ظہور ہوگا۔ اور ہر ایک کو اپنے عمل کا بدلہ ملیگا اور وہ عالم اس عالم کیلیئے بطور نتیجہ کے ہوگا کیونکہ جب ہر ایک سبب کا نتیجہ ہے تو یہ عالم جو مجموعہ اسباب ہے بحیثیت ایک سبب کے ضرور ہے کہ کوئی دوسرا عالم بطور نتیجہ کے رکھے۔

(۲) مسئلہ ارتقا۔

یہ مانا جاتا ہے کہ انسان مادہ کی ترقی کا ایک مقام اور ایک شکل ہے۔ گویا زندگی کیا ہے۔ مادہ کی ترقی کرنے سے ایک خاص حالت اور کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مادہ کی ترقی کا مقصد اور سبب بقا کی کوشش ہے۔ بقا کیلیئے ضروری بلکہ لازم ملزوم کی طرح ہے کہ مادہ سکون کیحالت میں نہ ہو بلکہ حرکت میں ہو اور یہ حرکت کی لہر ترقی کی طرف ہو۔ اسی لیئے ابتدائے عالم میں

بھی جب کچھ نہ تھا اور صرف ذرات ہی موجود تھے یہ مانا جاتا ہے کہ وہ ذرات حرکت میں رہتے تھے کیونکہ بقا کے لیئے اس حرکت کی ضرورت تھی۔ یہ مادہ کی ترقی کا پہلا زینہ اور زندگی کی صفت کا ایک پرتو تھا۔ چونکہ یہ حرکت بقا کے لیئے تھی اسلیئے لازماً ترقی کی طرف مادہ کی رو چلی۔ ترقی کے مختلف مراتب طے کر کے سب سے پہلے نباتات پیدا ہوئی جو بیّن طور پر زندگی کے ظہور کا پہلا درجہ تھا۔ زندگی کی تعریف یورپ کے مشہور فلاسفر ہربرٹ اسپنسر نے یوں کی ہے کہ یہ ایک طاقت ہے جس چیز میں کہ وہ موجود ہو اسکی حالت کو وہ گرد اگرد کی چیزوں آب و ہوا اور تمام کائنات سے مطابق رکھنے کی کوشش کرتی ہے اور کوئی حصہ اس چیز کا جس میں کہ یہ ہے نقصان ہو جائے تو اُس کی تلافی کرنے کی کوشش کرتی ہے مثلاً جسم کی حرارت کو موسم کی سردی یا گرمی کے مطابق رکھتی ہے یا اگر کوئی زخم جسم پر پیدا ہو جائے تو اُسکی اندمال کی کوشش کرتی ہے۔ اب اس تعریف سے جو کہ زندگی کی گئی اور جیسا کہ فی الواقعہ مشاہدہ میں بھی پایا جاتا ہے یہی نکلتا ہے کہ در اصل زندگی کا مقصد اس چیز کی بقا کی کوشش ہے جسمیں کہ وہ پائی جاتی ہے جسم کی حرارت کو باہر کی آب و ہوا سے مطابق کرتے رہنا اور جسم کے نقصانوں مثلاً زخم وغیرہ کی تلافی کرتے رہنا اور انہیں اندمال کی طرف لانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ زندگی کا مقصد یہی ہے کہ جس چیز میں کہ پائی جائے اُسکی بقا کی کوشش کرے۔ چونکہ زندگی مادہ سے پیدا ہوئی ہے یا یوں کہو کہ مادہ کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ اسلیئے معلوم ہُوا کہ زندگی اُسی خاصیت مادہ کا ظہور ہے جو بقا کے حصول کے لیئے مادہ کی شکلیں بدلتی - اور ترقی کی طرف لے چلتی ہے۔ پھر جس جس طرح مادہ ترقی کرتا ہے اور زندگی ترقی یافتہ شکلیں اختیار کرتی جاتی ہے اُس اُسی طرح بقا کے حصول کی کوشش بڑھتی اور مقابلۃً کامیاب ہوتی نظر آتی ہے۔ نباتاتی زندگی ادنیٰ شکل زندگی کی تھی۔ اور اس میں ابھی اتنی طاقت بھی نہ تھی کہ مرکز خاکی کے ساتھ گہرا تعلق رکھنے کے بغیر زندہ بھی رہ سکے اسلیئے مادہ نے اس سے آگے ترقی کی اور حیوانات کی شکل اختیار کی پہلے ادنیٰ حیوانات کی جو پانی میں اور مٹی میں رہتے تھے وہ گو حرکت کرتے تھے مگر مرکز خاکی سے ابھی گہرا تعلق چلا جاتا تھا۔ اسکے بعد اعلیٰ حیوانات پیدا ہوئے جو زمین پر چلتے پھرتے اُڑتے ہیں انکا تعلق گو مرکز خاکی سے رہا مگر نسبتاً کم ہو گیا۔ اور یہ زندگی پہلی زندگیوں سے اعلیٰ تھی مگر ابھی ناقص تھی کیونکہ اس میں خود شناسی اور خود اختیاری پیدا ہوئی تھی اور ابھی تک حیوانات کے افعال محض انسٹنکٹ (عقل حیوانی)

کے نیچے تھے۔ جب مادہ نے اس سے آگے ترقی کی تو انسان بنا یعنی زندگی نے یہاں تک ترقی کی کہ نہ صرف جسم کی حالت کو گرد و نواح کی حالت سے مطابق رکھ سکے اور اُس کے نقصانات کی تلافی کرتی ہے بلکہ اس میں خود شناسی اور خود اختیاری پیدا ہو کر اس قابل ہوگئی کہ وہ اپنی ہستی کو پہچانے اور علاوہ فطرتی افعال کے جو اسکے بقا کے لیئے دن رات لگے رہتے ہیں خود اپنے اختیار سے بھی اپنے بقا کے حصول کی کوشش کرے۔ طب۔ جراحی۔ حفظان صحت اور روحانیات کی تمام ترقیاں صرف حصول بقا کی کوشش کا کرشمہ ہیں۔ اس حالت زندگی کا نام نفس انسانی ہے۔ لیکن کیا یہاں آکر سلسلہ ترقیات کا بند ہوگیا۔ اگر ایسا ہے تو حصولِ بقا کے لیئے مادہ کی ترقی کی رفتار تمام اکارت گئی۔ اور مسئلہ ارتقا کا باطل ہوگیا۔ پس بات حقیقت میں یوں ہے۔ کہ مادہ کی ترقی کی لہر ایک لامحدود ترقی کی طرف ہے۔ اور حصولِ بقا کی یہی ایک راہ ہے۔ مگر مادہ کی جسمانی شکل چونکہ مکان اور زمان کی قید میں مقید ہے اسلیئے لامحدود ترقی کی طرف نہیں چل سکتی یہی وجہ ہے کہ مادہ اپنی ترقی کی رَو میں غیر مادی اطوار اختیار کرتا جاتا ہے۔ جسے زندگی یا جان کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ غیر مادی لطیف حالت میں مکان اور زمان کی قید باقی نہیں رہتی۔ اور ترقی لامحدود کا رستہ کھل جاتا ہے۔ جو بقا کے حصول کے لیئے ضروری ہے۔ پس زندگی کی حالت میں جہاں مادہ کے حصولِ بقا کی خاصیت کا ظہور ہوتا ہے اور جو اس بات کا ثبوت ہے کہ مادہ کی ترقی حصولِ بقا کے لیئے ہے۔ وہاں ساتھ ہی مادہ بھی وہ شکل اختیار کرتا چلا جاتا ہے جو لامحدود ترقی کے لیئے ضروری ہے۔ نباتاتی زندگی میں زندگی کا جزو بہت نمایاں نہیں ہوتا۔ حیوانوں میں البتہ زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ مگر صرف انسان میں آکر جو مادہ کی کثیف حالت کی ترقی کی انتہا ہے وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اپنی ہستی کو کثیف مادہ یعنی جسم سے علیحدہ پہچاننے لگتا اور اس سے جُدا ہونیکے بعد بھی قائم رکھ سکتا ہے۔ پس مسئلہ ارتقا اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ ہم سے منوائے کہ مادہ کی ترقی لامتناہی کی رفتار میں انسان ایک ایسا مقام ہے جہاں پر اگر ایک طرف مادہ کا کثیف حصہ بوجہ اپنی محدود حالت کے آگے ترقی نہیں کر سکتا تو دوسری طرف مادہ کا غیر مادی لطیف حصہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ جسمانی کثیف مادہ سے اپنی ہستی علیحدہ قائم کر سکے اور اپنے لیئے لامتناہی ترقی کے لیئے قید زمان و مکان سے آزاد ہو کر راہ نکال لے۔ چنانچہ موت جسے کہتے ہیں وہ کیا ہے؟ یہی کہ مادہ کا

لطیف غیر مادی حصہ جو اب ایک علیحدہ ہستی بن چکا ہے مادہ کثیف جسم کی قید سے آزاد ہو کر لامتناہی ترقی کی رفتار میں آزادی سے چلتا ہے اور یہی مادہ کی ترقی کا منشاء اور تقاضہ تھا گویا موت ایوولیوشن (ارتقاء) کی رفتار میں ترقی کا ایک زینہ ہے۔

اب قرآن کریم کی مختلف آیات کو یکجائی طور پر نظر کرتے ہیں۔

لقد خلقنا الانسان من صلصال من حما مسنون ۰ والله انبتکم من الارض نباتا ۰ الذی احسن کل شیء خلقه و بدا خلق الانسان من طین ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهین ۰ ثم جعلنه نطفة فی قرار مکین ۰ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشانه خلقا اخر فتبارک الله احسن الخالقین ۰ الله یتوفی الانفس حین موتها الحمد لله رب العلمین الرحمن الرحیم ۰ تفسیری ترجمہ۔ بے شک ہم نے انسان کو سڑے ہوئے کیچڑ یعنی گیلی مٹی کے خلاصہ در خلاصہ سے پیدا کیا۔ ظاہر ہے کہ انسان خلاصہ در خلاصہ ہے نطفہ کا اور نطفہ خون کا اور خون غذا سے اور غذا خواہ حیوانی ہو یا نباتاتی ابتداءً نباتات سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اور نباتات جب تک زمین پر ہل جوت کر اس میں پانی اور کھاد ڈالکر اُسے سڑا ہوا کیچڑ نہ بنائیں نہیں پیدا ہوتی چنانچہ آگے فرماتے ہیں اور اللہ نے اُگایا تمہیں زمین میں اُگانا یعنی زمین سے اور مٹی سے تمہیں نشو و نما اور بتدریج ترقی دیتے دیتے موجودہ حالت کو پہنچایا۔ پھر فرمایا۔ کہ خدا وہ ہے جس نے ہر چیز کو نہایت عمدہ خلقت عطا فرمائی ہے اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔ پھر اُسکی نسل کو حقیر رطوبت یعنی نطفہ کے خلاصہ سے چلایا۔ پھر نطفہ کی حالت میں بناکر باوجود حقیر چیز ہونے کے جو کہ اسپرمیٹوزا اور اووم کے ملنے سے پیدا ہوا ہے اُسے حفاظت کی جگہ یعنی رحم میں رکھا۔ پھر ہم نے نطفہ کو رحم سے تعلق پکڑنے والا اور لٹکنے والا بنایا۔ پھر اُسے گوشت کی ایک بوٹی بنایا۔ اور بوٹی سے ہڈیاں پیدا کیں اور ہڈیوں کو گوشت سے جو پہلے موجود ہے ڈھانپ دیا۔ علاوہ اسکے ہم نے انسان کو مذکورہ بالا پیدائش سوا ایک اور ہی قسم کی خلقت میں ترقی دینی شروع کی یعنی نفس انسانی کو پیدا کر کے پرورش کرنا اور ترقی

دینا شروع کیا۔ پس بہت برکت والا ہے اللہ جو نہایت ہی عمدہ پیدا کرنے والا ہے۔ اس لیئے جب
وہ کسی کو پیدا کرکے پرورش کرے اور ترقی دے تو جیسی اُس کی برکتیں لا انتہا ہیں ویسے ہی ترقی
کی بھی کوئی انتہا نہ ہوگی۔ اللہ ان نفسوں کو جو انسانی نفوس ہیں موت کے وقت قبض کر لیتا ہے
یعنی موت دراصل نفس انسانی کا ملاء اعلیٰ کی طرف جانیکے لیئے ایک دروازہ ہے۔ تمام
تعریفیں اللہ کے لیئے ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ انسان کو نیست سے ہست
کرکے جمادات و نباتات و حیوانات کے تمام عالموں سے بتدریج ترقی دیتا ہوا موجودہ حالت
میں لایا ہے کیونکہ اُس کی ربوبیت کا یہ تقاضا ہے۔ کہ وہ ادنیٰ سے اعلیٰ حالت کی طرف ترقی
دے اور ہمیشہ کمال کی طرف لیجائے۔ اور جیسے خدا کی صفت ربوبیت کا کوئی انتہا نہیں۔
اسی طرح ترقی اور تکمیل کی بھی کوئی انتہا نہیں پس ضرور ہے کہ انسان موجودہ حالت سے آگے
ترقی کرے۔ اُسکے لیئے رحمٰن صفت نے انسان کی موجودہ حالت خودشناسی و خود
اختیاری سے قبل ترقی کے تمام اسباب مہیا کیئے اور موجودہ حالت میں بھی محض اپنے
فضل سے تمام سامان ظاہری اور باطنی ترقی کے مہیا کیئے اور جب اُس نے اُن سامانوں
سے فائدہ اُٹھایا تو رحیم صفت نے اُس کی کوشش کو بار ور کیا اور نیز ترقی کے اور سامان
عطا کیئے اور اس طرح اسکو ابدی ترقی کا موقع دیا۔

(۳) قدرت کے موجودہ قوانین کے ماتحت کسی چیز کا فنا ہونا اُسکی حالت موجودہ
کا بدل جانا ہے۔ اور یہ سائنس کا مسئلہ ہے کسی کو اس سے انکار نہیں۔
مثلاً لکڑی کو جلایا جائے تو وہ فنا نہیں ہوگئی بلکہ شکل بدل گئی۔ کچھ راکھ بن گئی کچھ
کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس بنکر ہوا میں مل گئی۔ پس یہی قانون انسان کے بارے میں
بھی لگنا چاہیئے کہ جسے موت کہتے ہیں وہ دراصل ایک حالت بدل جانے کا نام ہے۔
جسمانی جسم کے ذرات اگرچہ خاک میں مل جاتے ہیں مگر انکی ہستی مٹ نہیں جاتی۔ اور عالم
کثیف کے ساتھ مل جاتے اور موجود رہتے ہیں اسی طرح نفس انسانی جو ایک لطیف چیز ہے
وہ بھی باقی رہتا ہے مٹ نہیں جاتا۔ اور عالم لطیف میں داخل ہوجاتا اور مسئلہ ارتقاء یعنی
ربوبیت الٰہی کے ماتحت ابدی ترقی کرتا ہے۔ کثیف چیزیں تو صاف نظر آتی

رہتی ہیں۔ مگر چونکہ لطیف چیزیں نظر نہیں آتی ہیں۔ اسلیئے مشاہدۂ قدرت میں سے میں ایک لطیف چیز کی مثال لیتا ہوں۔ مثلاً سورج کی روشنی۔ ایک لطیف چیز ہے۔ نفس انسانی کی طرح اس کا مبدأ بھی مادہ ہے۔ جب سبز درخت اسکو جذب کر لیتے ہیں تو بظاہر اس کا کہیں نام ونشان نہیں نظر آتا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسکی ہستی مٹ گئی۔ مگر جب وہ لکڑی خشک ہو کر یا کوئلہ کی شکل میں آ کر جلائی جاتی ہے تو وہی روشنی جو جذب ہوئی تھی اب دوبارہ ظہور پکڑتی ہے۔ اور آگ کی روشنی نام رکھاتی ہے۔ اسی لیئے سائنس دان کوئلہ کو باٹلڈ سن شائین (بوتل میں بند کی ہوئی سورج کی روشنی) کہتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ لطیف چیزیں بھی ہرگز ہرگز نیست نہیں ہو جاتی ہیں۔ بلکہ کسی اور حالت میں موجود ہوتی ہیں گو ہمیں نظر نہ آئیں۔

قرآن کریم بھی فرماتا ہے۔ اولم یر الانسان انّا خلقنٰہ من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین ۝ وضرب لنا مثلاً ونسی خلقہٗ قال من یحی العظام وھی رمیم ۝ قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃٍ وھو بکل خلقٍ علیمٌ ۝ الذی جعل لکم من الشجر الاخضر ناراً فاذا انتم منہ توقدون ۝

تفسیری ترجمہ۔ کیا انسان نے نظر نہیں کی کہ ہم نے اُسکو ایک حقیر چیز سے پیدا کیا اور ترقی دیکر موجودہ کمال پر پہنچایا۔ بایں ہمہ وہ جھگڑتا اور ہم سے قطع تعلق کرتا ہے۔ اور ہماری نسبت باتیں بناتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ کہ خدا تو ادنیٰ سے اعلیٰ حالت کی طرف ترقی دیتا ہے۔ پس اس امر پر غور نہ کیا اور جسم کی ظاہری حالت پر نظر کر کے کہنے لگا کہ ان ہڈیوں کو جب یہ سڑ گل کر ریزہ ریزہ ہو گئیں کون زندہ کر سکتا ہے؟ کہدے وہی انہیں زندہ کر سکتا ہے جس نے پہلے پیدا کی تھیں اگر پہلے اسباب ایسے پیدا ہو گئے جن سے مٹی سے ترقی کر کے زندہ ہڈیاں پیدا ہو گئیں تو پھر وہی قدرت کیا دوبارہ نہیں زندہ کر سکتی اور وہ خدا تو ہر قسم کی پیدائش کا علم رکھتا ہے۔ اُسکے علم اور قدرت کی کوئی حد بستگی نہیں۔ مگر وہ خدا تمھاری جانوں اور نفوس کو کب فنا ہونے دیتا ہے جب کہ وہ سورج کی روشنی کو سبز درختوں میں محفوظ رکھتا اور پھر اُسے تمھارے فائدہ کے لیئے آگ کی شکل میں نکالتا ہے جس سے تم آگ روشن کرتے ہو۔ پس جب روشنی سبز درختوں میں محفوظ رہتی اور نیست

نہیں ہو جاتی ہے تو تمھارے نفوس کیوں نیست ہو جائیں۔ خدا کا قانون تو ایک ہی ہے۔

(۴) قلب یعنی نفس انسانی گواہی۔

نفس انسانی خود شناسی وخود اختیاری کی حالت پا لینے کے بعد اپنے قلب کے اندر یہ فطرتی آواز محسوس کرتا ہے۔ کہ وہ جسم سے ایک علیحدہ ہستی ہے۔ یہ کہ وہ فنا نہیں ہو گا اور یہ کہ اُس نے اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتنا ہے۔ یہ فطرت کی آواز اور قلب کی گواہی کیا ہے؟ وہی اِنسٹنکٹ (فہم حیوانی) ہے جو حیوانوں میں پایا جاتا ہے اور جس کے ماتحت وہ چلکر اپنے کُل کام اپنے طبائع کے مطابق کرتے اور کبھی غلطی نہیں کرتے ہیں۔ یعنی حیوانات اگرچہ خود شناسی اور خود اختیاری کامل طور پر نہیں رکھتے مگر فطرت کے ماتحت وہ اپنے تمام کام نہایت صحت کے ساتھ کرتے ہیں۔ مثلاً دیکھا گیا ہے کہ کُتا بعض بیماریوں میں ایک خاص قسم کی گھاس کھالیتا ہے جس سے اُسے قے ہو جاتی ہے۔ اس نے اس گھاس کے یہ خواص کسی مدرسہ میں نہیں پڑھے۔ یا بیا ایک گھونسلا بناتی ہے یا شہد کی مکھی شش پہلو خانے بناتی ہے جو اصول مساحت کے رُو سے اپنے اندر سب سے زیادہ چھوٹی جگہ میں سب سے زیادہ ذخیرہ جمع کر سکتے ہیں یہ اصول تعمیر کے ان جانوروں نے کسی انجنیرنگ کالج میں نہیں پڑھے صرف اِسٹنکٹ یعنی فطرت ہے۔ کسی بکری نے اگر شیر تمام عمر بھی نہ دیکھا ہو اُسے اگر شیر کے سامنے لاؤ گے تو وہ بے اختیار فوراً اپنی جان بچانے کے لیئے بھاگنے کی کوشش کریگی یہ سب کچھ اِنسٹنکٹ کا کرشمہ ہے۔ بغیر غور و فکر مشاہدہ یا تجربہ کے محض فطرت کی رہبری کے ماتحت یہ افعال سرزد ہوتے ہیں۔ اور سب درست ہوتے ہیں۔ انسان تو چونکہ ترقی یافتہ ہے اور خود شناسی و خود اختیاری کا مادہ اپنے اندر رکھتا ہے اسلیئے اسکے اندر ایک اور قوت ہے جسے ریزن (عقل) کہتے ہیں اور یہ اسکے ماتحت چلتا اور غور و فکر کرتا اور اپنے افعال میں ذمہ وار ٹھہرتا ہے۔ گر اسکے اندر وہ قوت بھی موجود ہے جو بحیثیت حیوان ہونے کے دوسرے حیوانوں سے کے ساتھ مشترک ہے۔ یعنی قلب اور فطرت کی آواز جسے اِنسٹنکٹ کی ایک ترقی یافتہ شکل کہیں گے۔ پس قلب کا ایک بات کو مسلّم طور پر بلا تامّل صحیح جاننا اور ماننا یہ فطرت کی آواز اور ترقی یافتہ اِنسٹنکٹ ہے اور جو ہمیشہ بعد میں تجربہ سے صحیح ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ

تمام علوم کے اصول متعارفہ اسی بات پر مبنی ہیں۔ مثلاً فطرت پہلے سے مانتی ہے کہ ایک چیز ایک ہی وقت میں دو جگہ نہیں ہو سکتی۔ یا ایک چیز ایک جگہ سے دوسری جگہ نصف فاصلہ طے کرکے نہیں پہنچ سکتی۔ یا متوازی خطوط آپس میں نہیں مل سکتے۔ یا جو دو چیزیں الگ الگ ایک ہی چیز کے برابر ہوں تو آپس میں بھی برابر ہونگی وغیرہ وغیرہ۔ ان باتوں کو بعد میں تجربہ بھی صحیح ثابت کرتا ہے۔ اسی طرح قلب بے اختیار ہمیشہ خوشی کو پسند کرتا اور غم کو ناپسند کرتا ہے۔ مگر یہ تو بعد میں تجربہ نے ثابت کیا کہ خوشی زندگی کو بڑھاتی ہے اور غم زندگی کو کم کرتا اور تباہ کرتا ہے۔ پس اسی طرح قلب کے اندر یہ ایک فطرتی آواز ہے کہ وہ جسم سے ایک علیحدہ ہستی ہے اور یہ کہ وہ ہمیشہ رہے گا اور یہ کہ اُس نے اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتنا ہے۔ جس کو بعد میں تجربہ بلازماً صحیح ثابت کریگا۔ اور جوں جوں نفس انسانی ترقی کرتا ہے یہ آواز تیز اور صاف ہوتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ پروفیسر گیٹ بھی اپنے مضمون **حیات بعد الموت** میں مندرجہ بالا بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔ [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا ارشاد لکھدوں وھو ہذا۔ لا اقسم بیوم القیٰمۃ ۵ ولا اقسم بالنفس اللوامۃ ۵ ..... بل الانسان علیٰ نفسہٖ بصیرۃ ۵ ولو القیٰ معاذیرہٗ ۵

تفسیری ترجمہ۔ میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی جو جزا سزا کا دن ہے یعنی بطور گواہ کے جزا سزا کے دن کو پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ بقائے روح کے لیئے گواہ جزا سزا ہے۔ کہ نیکی کا نیک اور بدی کا بدنتیجہ ملنے کے لیئے ضرور ہے کہ کوئی عالم اور وقت ہو۔ (جیسا کہ علّت و معلول کے مضمون میں تفصیل سے ذکر ہو چکا) اور میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنیوالے نفس کی یعنی بطور گواہ کے پیش کرتا ہوں اُس نفس کو جو انسان کو جب وہ کوئی بُرا کام کرتا ہے تو اندر ہی اندر ملامت کرتا ہے۔ اور کوئی شخص بُرا کام کرکے حقیقی خوشی اور سچی راحت کبھی محسوس نہیں کرتا۔ اگر بُرے کام کا بدلہ بُرا نہیں اور بدی کا نتیجہ خوفناک نہیں تو پھر نفس میں یہ ملامت کیوں موجود ہے۔ یہ ملامت ہی اس بات پر گواہ ہے کہ نفس اپنے اندر بصیرت رکھتا ہے (جسے انسٹنکٹ کہتے ہیں) اور جو بدی کے نتیجہ میں آنیوالے خطرہ کے مقام کو معلوم کرتا ہے اور ہم کو اُس سے روکنا چاہتا ہے تاکہ ہماری بقا کی راہ میں روک اور حرج نہ واقع ہو۔ (یہ روکنا ٹھیک ویسے ہی ہے جیسے ایک بکری جس نے عمر بھر بھیڑیا نہیں دیکھا اگر ایک بھیڑیئے کے سامنے کیجاوے تو وہ اُس سے ڈرے گی اور اُس سے بچنے کے لیئے

ہر طرح کی کوشش کو کام میں لاویگی اس کی وجہ وہی نفس کی بصیرت یعنی اِنسٹنکٹ ہے جو معلوم کر لیتی ہے کہ بھیڑیا مجھے ہلاک کر دیگا۔ چونکہ بھیڑیا اُس کا دشمن ہے اس لیئے اُسکی فطرت میں رکھا گیا ہے کہ وہ اس سے خائف رہے۔ اسی طرح چونکہ ایک دن بُرے کاموں کی سزا ملنی لابدی ہے اور بدی انسان کی دشمن ہے اسی لیئے انسان کا نفس اپنی بصیرت سے بطور تقاضائے فطرت کے اُس سے ڈرتا اور انسان کو ملامت کرتا ہے تاکہ انسان بُرے نتیجہ سے بچ جائے) پس قرآن فرماتا ہے کہ بات یونہی ہے کہ انسان اپنے نفس پر بصیرت رکھتا ہے خواہ وہ عذر اور بہانے پیش کرتا ہے۔ یعنی انسان اپنے نفس کو دیکھتا ہے۔ اور سمجھتا ہے اور اُسکی آواز کو محسوس کرتا ہے خواہ وہ بہانہ بازیوں سے ٹال مٹول کیوں نہ کرے۔ ڈاکوؤں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ دوسرے کا مال تو ناحق چھینتے ہیں مگر آپسمیں مال کی تقسیم کے وقت بڑی دیانتداری کو کام میں لاتے ہیں۔ کوئی ڈاکو اگر چوری کے مال میں خیانت کرے تو وہ نکالدیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکا نفس مال کے ناحق کھانے کو بُرا سمجھتا ہے خواہ وہ اپنے ڈاکہ مارنے کے لیئے کچھ ہی بہانہ کیوں نہ پیش کریں۔

اسکے بعد میں نفس کی گواہی کو جو مختلف شکلوں میں ہمارے پیش نظر ہوتی ہے بیان کرتا ہوں۔

(۲) نفس انسانی اس بات کو بالکل فطرتی طور پر بلا تامل سمجھتا اور محسوس کرتا ہے کہ مَیں جسم سے ایک علیحدہ ہستی ہوں۔ خواہ کوئی کتنا ہی اس بات کا منکر ہو یہی کہتا ہے۔ اور فطرتی طور پر کہتا ہے۔ میرا ہاتھ۔ میرا پاؤں۔ میرا سر۔ میرا دماغ۔ میرا دل۔ میرا جسم۔ اگر ہاتھ کٹ جائیگا تو کہے گا میرا ہاتھ کٹ گیا۔ مگر اس کے ساتھ نفس میں یہ کبھی خیال نہیں پیدا ہوگا کہ مَیں کچھ کم ہو گیا۔ ہاتھ کے کٹنے سے پہلے نفس انسانی اپنی ہستی کو جیسی کامل سمجھتا تھا۔ ویسی ہی ہاتھ کے کٹ جانے کے بعد بھی سمجھتا ہے۔ ٹانگ کٹ جائے۔ تلی نکال دیجائے۔ بلکہ بعض دفعہ اعضائے رئیسہ میں سے بھی کچھ نکال دیا جاتا ہے مگر باوجود ان تمام کمی ہوجانے کے نفس انسانی اپنی ہستی میں کمی نہیں پاتا بلکہ ویسا ہی کامل سمجھتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔ اگر نفس انسانی علیحدہ ہستی نہیں تو پھر لازماً کسی عضو کے کم ہوجانے سے نفس اپنی ہستی میں کمی پاتا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ پس ان مذکورہ بالا باتوں سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ نفس انسانی ایک علیحدہ

ہستی ہے وہاں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جسم کے کٹ جانے اور اُسکی علیحدگی سے نفس انسانی میں کمی یا خلل واقع نہیں ہوتا بلکہ وہ ویسے ہی کامل اور باقی رہتا ہے۔

(ب) قاعدہ ہے کہ کسی چیز کی ہستی اُسکی صفات سے پہچانی جاتی ہے۔ نیز یہ بھی مسلّم ہے کہ انسان گو ایک ترقی یافتہ حیوان ہے۔ مگر اسکے حیوان ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اب اگر انسان کی ہستی پر غور کیا جائے تو اس میں دو زندگیوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک تو وہ جو تمام حیوانات کے ساتھ مشترک ہے۔ اور جس میں طبائع کے ماتحت کام ہوتا ہے اس میں انسان کسی امر کا ذمہ دار نہیں۔ مثلاً سانس لینا۔ بھوک کا لگنا۔ پیاس کا معلوم ہونا۔ غذا کا ہضم ہونا وغیرہ وغیرہ کوئی انسان اس امر پر سزا نہیں دیا جاتا کہ وہ سانس کیوں لیتا ہے۔ اُسے بھوک اور پیاس کیوں لگتی ہے۔ اُسکی غذا کیوں ہضم ہو جاتی ہے اس کا دل کیوں حرکت کرتا ہے آنکھوں سے دیکھتا کیوں ہے۔ پیروں سے چلتا کیوں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ یہ فطرتی تقاضے ہیں۔ ان باتوں میں انسان تمام حیوانات سے اشتراک رکھتا ہے اگرچہ اسکی ہر چیز ترقی یافتہ ہے مگر ہے مشترک۔ اسے حیوانی طبعی تقاضا کہا جائیگا۔ مگر انسان میں ایک دوسری ہستی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جسکے ظہور کو ریزن (عقل) کہتے ہیں۔ یعنی انسان علاوہ فطرتی حیوانی طبعی تقاضاؤں اور قوتوں کے دوسری خاص قسم کی قوتیں بھی رکھتا ہے جو ان سب سے مختلف ہیں۔ اور ان قوتوں کے ماتحت وہ اپنے تئیں پہچانتا۔ سمجھتا۔ فہم و ادراک رکھتا۔ تمیز رکھتا۔ غور و فکر کرتا۔ اپنے ارادہ سے سمجھ بوجھکر ایک کام کرتا اور اس کا بُرا بھلا نتیجہ سمجھتا اور جانتا اور اپنے کاموں کا ذمہ وار ٹھہرتا ہے وغیرہ وغیرہ یہ وہ صفات ہیں جن سے وہ صحیح معنوں میں انسان کہلاتا ہے۔ اور انہی صفات پر تمام قانونی ذمہ واریاں عائد ہوتی ہیں۔ خواہ وہ قوانین مذہبی ہوں یا سیاسی۔ تمدنی و معاشرتی یا کسی سوسائٹی کے۔ مثلاً محض کھانے پر تو گرفت نہیں۔ مگر ناجائز چیزیں کھانے پر سزا دی جاتی ہے۔ دیکھنا تو جرم نہیں۔ مگر ناجائز نگاہ گناہ ہے۔ غرضیکہ تمام دنیا میں انسان کی فطرتی حیوانی ہستی اور ارادی انسانی ہستی میں فرق کیا جاتا ہے اور خود نفس انسانی بھی اپنی ارادی انسانی ہستی کو اپنی فطرتی حیوانی ہستی سے الگ سمجھتا ہے اور دونوں بالکل علیحدہ علیحدہ صفات رکھتی ہیں۔ اگر صفات سے ہی کسی ہستی کا وجود ثابت ہوا کرتا ہے تو پھر انسان میں ایک اور علیحدہ ہستی کا

ثبوت ظاہر ہے جو اپنے قول و فعل کی ذمہ وار اور جزا سزا کی محل ہے۔

(ج) کسی بدی پر نفس کی ملامت۔ ثابت کرتی ہے کہ نفس اپنے اندر بصیرت رکھتا ہے کہ میں نے بدی کا بدلہ بُرا پانا ہے اگر ایسا نہیں تو نفس اُس کو بُرا کیوں سمجھتا اور اُس سے کیوں ڈرتا ہے اور نفس بُرا اُسی کو سمجھتا ہے جو اُسکی ترقی اور بقا میں حارج ہو۔ گویا نفس ٹھیک ویسے ہی بدی سے ڈرتا اور اُس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جیسے کہ ایک بکری جس نے تمام عمر بھیڑیا نہ دیکھا پھر بھی اُس کے سامنے لائے جانے پر اُس سے محض فطرتی طور پر ڈرے اور بھاگیگی۔ گویا اُسکی فطرت کی نگاہ دیکھ رہی ہے کہ بھیڑیا اُسے ہلاک کر دیگا اسی طرح نفس انسانی کی بصیرت محسوس کرتی ہے کہ بدی کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ اسی لیئے وہ انسان کو بدی سے بچنے کے لیئے اندر ہی اندر ملامت کرتی ہے تاکہ اُسکی بقا کی راہ میں حرج نہ ہو۔ پس نفس کا بدی پر ملامت کرنا بقائے نفس پر دلیل ہے۔

(د) تخیل۔ لوگ تو کہدیتے ہیں کہ خواب خیال واہیات بات ہے مگر در اصل قوت متخیلہ ہی تمام علوم کی جڑھ ہے۔ خیال کی وسعت سے کسی کو انکار نہیں۔ اور وسعت کیوں ہے؟ اس لیئے کہ وہ جسم کا پابند نہیں۔ جسم سے علیحدہ ہو کر ہی وہ تمام آسمانوں ستاروں بادلوں کی سیر کرتا اور طبقات الارض کی خاک چھانتا۔ سمندر کی تہ میں غوطہ لگاتا اور ان باریک در باریک چیزوں کی تہ تک پہنچتا ہے جہانتک کہ تیز سے تیز دُوربین یا خوردبین بھی نہیں پہنچ سکتی۔ اور اسطرح طرح طرح کے گوہر مقصود ہاتھ میں لاتا اور علوم ظاہری و باطنی کو مالا مال کر دیتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ خیال نیستی تو نہیں بلکہ ہستی ہے۔ کھٹی چیز کا خیال کرو تو مُنہ میں پانی بھر آتا ہے۔ پھر اسی قوت متخیلہ اور قوت ارادی کو ترقی دینے سے مسمریزم کا علم پیدا ہوتا ہے۔ ان باتوں سے صاف ثابت ہے کہ خیال ایک ہستی رکھتا ہے چونکہ اس کا مبدا ہی جسم اور نفس انسانی ہے۔ اسلیئے خیال کی ہستی نفس انسانی کا ہی ایک ظہور ہوا جو کہ جسم سے ایک خاص رنگ میں علیحدگی بھی پکڑ سکتا ہے۔ اگر نفس انسانی کی علیحدہ ہستی نہ ہوتی اور وہ جسم سے علیحدہ نہ رہ سکتا تو خیال کی یہ جولانیاں بھی نہ ہوتیں کہ جسم سے الگ وہ بطور خود دُور دراز ملکوں کی سیر ہی کرتا۔ یہ خیال آسکتا ہی نہ تھا کہ اگرچہ جسم اِس جگہ ہی موجود ہے۔ مگر میں فلاں دُور دراز مقام میں ہوں۔ یہ بھی نفس کی ایک بین شہادت ہے کہ وہ خود اپنے تئیں جسم سے علیحدگی میں محسوس کرتا ہے۔

(۳) رؤیا۔ کشف۔ رؤیا کا بھی ایک سلسلہ ہے جس میں یہ نظارہ ہر ایک نفس انسانی نہ صرف محسوس کرتا بلکہ کھلے طور پر دیکھتا ہے کہ اس ظاہری جسم سے علیحدہ صاف طور پر چلتا پھرتا۔ کھاتا پیتا۔ کام کرتا۔ خوشی وغم۔ لذت اور درد کو محسوس کرتا ہے۔ رؤیا کو خواہ قوّت متخیلہ کا نتیجہ کہو خواہ الہام کا ایک شائبہ کہو۔ دونوں صورتوں میں نفس کی گواہی قائم رہتی ہے۔ یعنی نفس انسانی اس ظاہری جسم سے علیحدہ ایک اور ہی ہستی میں ہوکر خوشی وغم۔ لذّت و درد کو محسوس کرتا۔ کھاتا پیتا اور کام کرتا ہے۔ گویا اپنی علیحدہ ہستی رکھتا ہے جو اس ظاہری جسم کو چھوڑ کر بھی قائم رہتی ہے۔ یہ مشاہدہ اور تجربہ ہے اور کشف تو عین بیداری کے وقت ہوتا ہے اور اس میں انسان صاف طور پر اپنے تئیں اس ظاہری جسم سے علیحدہ ایک اور ہی لطیف محض ہستی میں پاتا ہے۔ یہ ہزارہا راستبازوں کا تجربہ ہے کہ سلسلہ کشوف و رؤیا الہامی بھی ہوتا ہے۔ جو صدہا غیبی اور باطنی علوم کو کھولتا ہے۔ اور جس کے ذریعہ قبل از وقوع کسی امر کا پتہ لگ جاتا ہے۔ اگر کسی شخص نے خود تجربہ نہیں کیا تو اس سے واقعات کا انکار نہیں ہو سکتا۔ تجربوں کا انکار سائنس کا انکار ہے۔ کیونکہ سائنس کے تجربے بھی ہر ایک نہیں کیا کرتا۔ پھر ایسے راستباز لوگوں کے تجربوں کا انکار تو عقل کا انکار ہے جو کسی حالت میں بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں سمجھتے خواہ اُنکی جان چلی جائے یا دنیا غرق ہو جائے۔ مگر میں اس شخص سے پوچھتا ہوں جو الہام کا منکر ہے اور جو رؤیا کو محض نفس کا نتیجہ مانتا ہے کہ وہ رؤیا جو صحیح نکلتی ہیں کیا اُن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو کچھ رؤیا میں دیکھا گیا وہ صحیح تھا۔ اگر رؤیا نے عالم ظاہر میں پورا ہو کر ثابت کر دیا کہ رؤیا میں جو کچھ دیکھا گیا صحیح تھا۔ چنانچہ جو کچھ دیکھا گیا وہ پورا ہو کر رہا۔ تو کیا یہ بھی رؤیا میں نہ دیکھا گیا تھا کہ نفس انسانی ایک علیحدہ ہستی جسم ظاہر سے رکھتا اور اُس سے علیحدہ اپنے وجود کو قائم رکھتا اور تمام لذّات و درد و خوشی وغم کو محسوس کرتا ہے۔ اور جو کچھ دیکھا گیا ہے پورا ہو کر رہے گا یعنی نفس انسانی جسم ظاہر سے علیحدہ ہو کر اپنی ہستی کو قائم رکھے گا اور لذات و درد خوشی وغم سب کو محسوس کریگا۔

(۴) اسپرچولزم اور کشف قبور۔ زمانۂ قدیم سے مشرق کے بعض صوفیوں سے یہ بات چلی آتی ہے کہ وہ لوگ مجاہدات سے نفس کیجائی کو اس قابل بنا لیتے تھے کہ دوسرے

نفوس یعنی ارواح سے جو جسم خاکی چھوڑ چکی ہیں ملاقات کرلیا کرتے تھے - اور اسکو کشف قبور کہا کرتے تھے اس زمانہ میں مغرب میں بھی یہ علم پھیل گیا ہے - چنانچہ اسپریچولسٹ لوگ امریکہ اور یورپ میں روحوں سے ملاقات کرتے اور اس کا نام اسپریچولزم رکھتے ہیں اور اس طرح پر بقائے نفس پر گواہی دیتے ہیں۔

(ص) وہ لوگ جو راستباز ہوتے ہیں اور خدا کے برگزیدہ ہوتے ہیں اور بوجہ کمال نیکی اور تقویٰ اور مجاہدات کے نفس کی حالت کو نہایت ترقی دیتے اور اُسے ہر قسم کی کثافت اور کدورت سے پاک رکھتے ہیں وہ سب کے سب خواہ کسی ملک اور زمانہ میں ہوں اس بات کے قائل پائے جاتے اور گواہی دیتے ہیں کہ نفس انسانی فنا نہیں ہوتا بلکہ موت نفس کی ترقی اور آزادی کے لیئے ایک دروازہ ہے۔ اُنکی گواہی دوسرے انسانوں سی بہت زیادہ قابل قدر ہے۔ کیونکہ انکا نفس بہت ترقی یافتہ اور انکے اندر نفس کی آواز نہایت صاف اور ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہوتی ہے۔

(۵) خالقِ کائنات یعنی خدا کی گواہی

الہام کی ضرورت پر مَیں پہلے تفصیل سے لکھ چکا ہوں - اور یہ ثابت کرچکا ہوں کہ جن معاملات میں عقل کی رسائی پوری طرح سے مشکل ہوتی ہے انہیں یقین پر پہنچنے کیلیئے الہام کی رہبری کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اسی لیئے الہام کی ضرورت ہے - ہاں کسی الہام کے منجانب اللہ ہونے کے ثبوت کے لیئے یہ ضروری ہے کہ مدعی الہام راستباز ہو - اور الہام سے الٰہی علم اور قدرت ظاہر ہوتی ہو - یعنی ایسے علوم صحیحہ پر مشتمل ہو کہ انسان اس کی مثال لانے سے عاجز ہو اور ایسے امور غیبیہ بطور پیشین گوئیوں کے اس میں مندرج ہوں کہ انسانی علم وہاں تک پہنچنے سے عاجز و قاصر ہو - اور اُن باتوں یا پیشین گوئیوں کے پورا کرنیکے لیئے باوجود بے سروسامانی کے خدا کی طرف سے ایسے اسباب اور سامان ہو جائیں جو کہ انسان اپنی کوشش سے مہیا کرنے کے ناقابل ہو اور پھر کوئی انسانی کوشش انہیں نہ ٹال سکے تا ظاہر ہو کہ یہ کام کاروبار انسانی نہیں بلکہ خود خدا کی قدرت نمایاں ہیں - مَیں پہلے ثابت کرچکا ہوں کہ کوئی الہامی کتاب انسانی دستبرد سے محفوظ ہونے کا دعویٰ سوائے قرآن کریم کے نہیں کر سکتی۔

اور کوئی ملہم من اللہ دنیا میں سوائے محمد مصطفےٰ صلعم کے نہیں جس کی تاریخ زندگی اور سوانحعمری تمام وکمال محفوظ اور دنیا کے سامنے ہو تاکہ اُسپر غور کیا جا سکے۔ پس ایسی صورت میں ہم قرآن کریم کو ہی لیں گے اور اُسے مذکورہ بالا معیار سے پرکھیں گے۔

(ا) مدعی الہام کی راستبازی۔ یہ امر تاریخ سے ثابت ہے کہ حامل قرآن حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی زندگی ایسی پاک اور بے لوث اور معصوم تھی اور آپ راستبازی کے ایسے اعلیٰ معراج پر تھے کہ قوم کی طرف سے دعوائے رسالت سے پہلے صادق اور امین کہلاتے تھے چنانچہ قرآن کریم بھی فرماتا ہے کہ فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہٖ افلا تعقلون ہ یعنی اس سے پہلے ایک عمر یعنی چالیس سال تک تم میں زندگی بسر کی پھر کوئی تم نے میرا جھوٹ یا افترا آجتک دیکھا۔ پھر کیوں نہیں عقل سے کام لیتے؟ کیا اب میں خدا پر افترا باندھونگا جس سے بڑھکر کوئی ظلم نہیں۔ یاد رہے کہ چالیس سال تک جس چیز کا انسان پابند رہے وہ اُس انسان کی عادت کیا بلکہ فطرت ثانیہ ہوجاتی ہے۔ اُس کے برخلاف کرنا اُسکے لیئے محال ہوتا ہے۔ ایک قوم جس کے درمیان آپنے لڑکپن اور جوانی گذاری ہو۔ اور جو آپکے تمام حالات سے خوب واقف ہوں اُن کے سامنے بطور دلیل کے اپنی پاک اور معصوم زندگی کو پیش کرنا اور پھر تحدی کرنا کہ میرا کوئی گناہ یا جھوٹ یا افترا بھلا بتلاؤ تو یہی ایسا کام ہے کہ حیرت ہوجاتی ہے اور کسی انسان کا حوصلہ نہیں کہ ایسا کر سکے جب تک اُس کو پورا یقین اپنی عصمت پر نہ ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ مکہ کے منکرین اس دعوے کو نہ توڑ سکے پس ایک شق یعنی مدعی الہام کی راستبازی تو ثابت ہو چکی۔

(ب) علم اور قدرت۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ "وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہٖ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین ہ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ۔ اور اگر تمھیں شک ہو اُس چیز سے جو ہم نے اپنے بندہ (محمد مصطفےٰ صلعم) پر نازل کی تو پس لے آؤ اس کی مانند ایک سورۃ۔ اور خدا کے سوا جتنے تمھارے مددگار ہوں سب کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم ایک سورۃ بھی اسکی مثل نہ لاسکے اور تم ہرگز ہرگز نہیں لاسکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں"۔ یہ تحدی اُسی وقت کیلیئے نہیں تھی

بلکہ تیرہ سو برس گذر گئے اور یہ ابھی تک اُسی طرح موجود ہے۔ قرآن کے مخالفوں نے قرآن کی تکذیب اور تردید کے لیئے ناخنوں تک زور لگائے مگر اس تحدی کو نہ توڑ سکے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ اور تحدی جناب الٰہی کے علم اور قدرت سے تھا۔ ورنہ انسانی دعوے کو توڑ دینا کونسی بڑی مشکل بات ہوا کرتی ہے اور پھر جبکہ کثرت سے لوگ مخالفت کرتے رہتے ہوں اور ہر طرح کی زک دینے کی کوشش میں لگے رہتے ہوں۔

پھر جو پیشین گوئیاں قرآن کریم نے فرمائیں وہ ایسی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ انسانی علم سے نہ تھیں کیونکہ وہ ایسے امور غیبیہ پر مشتمل تھیں جو بظاہر انسانی نگاہ اور عقل سے بالکل دُور تھے بلکہ عقل تو اس کے برخلاف فتویٰ دیتی تھی۔ مثلاً جناب محمد مصطفٰے صلعم جب مبعوث ہوئے تو آپ اُس وقت بالکل بے کس و بے بس تھے نہ روپیہ نہ پیسہ۔ نہ دولت نہ خزانہ۔ نہ فوج نہ ہتھیار نہ جماعت نہ سلطنت۔ محض یکہ و تنہا مکہ کی گلیوں میں وعظ کرتے پھرتے تھے اور لوگ اس میں بھی حارج ہوتے تھے۔ آپکی مخالفت کرنیوالے جو لوگ تھے وہ روپیہ۔ حکومت۔ جتھا۔ سپاہ سب ہی کچھ رکھتے۔ اور سوا خدا کے تمام زمانہ آپکا دشمن تھا۔ کفار مکہ کے علاوہ یہود و نصاریٰ۔ خاص عرب سرداروں اور قبائل کے علاوہ اردگرد کی سلطنتیں ایران و روم و مصر کے بادشاہ سب ہی تو چاہتے تھے کہ آپکے دین کو ملیامیٹ کر دیں اور آپ کو نیست و نابود کر دیں۔ اُس وقت آپنے پیشین گوئی کی میں بشیر و نذیر ہوں جو میری اتباع کریگا وہ کامیاب ہوگا اور جو میری مخالفت کرے گا وہ ذلیل و ہلاک ہوگا چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے قل للذین کفروا ستغلبون و تحشرون الی جھنم و بئس المھاد ۰ انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد ۰ کہدے اُن لوگوں کو جو منکر ہیں اور تیری مخالفت کرتے ہیں کہ عنقریب تم مغلوب کیئے جاؤ گے اور ہلاک ہوکر جہنم کی طرف جمع کیئے جاؤ گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ بے شک ہم اپنے مرسلوں اور کامل مومنوں کو جو ہمارے کہے پر چلتے اور ہمیں مانتے ہیں نصرت و امداد و تائید دیتے رہے اور دیتے رہیں گے اس دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی اسی قسم کی اور بھی آیات ہیں جن میں صاف صاف فرما دیا ہے کہ تم ہلاک اور ذلیل و خوار ہوگے اور مَیں اور میرے متبعین کامیاب اور مظفر و منصور ہوں گے۔ ان پیشین گوئیوں سے مخالفین

بھڑک اٹھے اور انہوں نے نبی کریم صلعم کے مار ڈالنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ اور آپ کے متبعین کو نہایت سخت دکھ دیکر مجبور کیا کہ وہ لوگ وطن چھوڑ کر غیر ممالک کو نکل جائیں۔ مگر وہ تو اس طرف اپنی کوششوں میں ناخنوں تک زور لگا رہے تھے اور ادھر پیشین گوئیوں میں تحدی کا رنگ اور بڑھ گیا۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ واللہ یعصمک من الناس۔ یعنی اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ کوئی تجھے مار نہ سکیگا۔ پھر فرماتا ہے والذین ھاجروا من بعد ما ظلموا۔ لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الاخرۃ اکبر۔ اور جن لوگوں کو مخالفین کے ظلم کی وجہ سے گھر چھوڑ کر نکل جانا پڑا۔ ہم ضرور ضرور اسی دنیا میں انہیں اچھے ٹھکانے سے بٹھا دینگے اور دنیا میں وہ عمدہ اور اعلیٰ ہو کر رہیں گے اور ضرور آخرت کا اجر بہت بڑھ چڑھکر ہوگا۔ کیا یہ انسان کا کام ہو سکتا ہے کہ جس وقت چاروں طرف سے ماریں پڑ رہی ہوں اور سر چھپانے کو جگہ نہ ملتی ہو اسوقت اس قسم کی پیشین گوئی کرے اور پھر تحدی کرے اور بعد میں باوجود ہر قسم کی مخالف طاقتوں کی سر توڑ کوششوں کے وہ باتیں سچ ثابت ہوں اور وہ لوگ جن کو گھر چھوڑ کر بھاگنا پڑا جیسا کہ پہلے سے کہا گیا تھا مظفر و منصور ہوں۔ اور دنیا میں خدا انہیں ایسے عمدہ طریق پر متمکن کرے کہ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں انکے قدموں پر آکر پڑیں اور وہ شہنشاہ بنجائیں اور ظاہر و باطن دونوں کے لیئے دنیا کے پیشوا ہوں۔ پس ظاہر ہے کہ یہ کلام جو ایسی عجیب و غریب پیشین گوئیاں اپنے اندر رکھتا ہو اور جن کے پورا کرنیکے لیئے ایسی عظیم الشان قدرتیں نمایاں ہوں وہ خدا کے سوا اور کسی کا کلام نہیں ہو سکتا جو علم تام اور قدرت کاملہ کا مالک ہے اور مسبب الاسباب اور علیٰ کل شئ قدیر ہے۔

پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ خدا کا کلام ہے تو پھر اگر خدا کے کلام سے یہ ثابت ہو جائے کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ موت کے بعد ایک اور عالم ہے جو دار الجزا ہے تو پھر انکار اور عذر کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ مگر قرآن کریم ایک اور بھی التزام کرتا ہے کہ مابعد الموت زندگی کے لیئے ریاضی کے مسلمہ قاعدہ اربعہ متناسبہ کو کام فرماتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیات ہی پر غور کرو۔

(۱) قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الی جھنم و بئس المھاد ۰

(۲) انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد ۰

(۳) والذین ھاجروا من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الآخرۃ اکبر

(۱) کہدے کافروں کو عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور ہلاک ہو کر جہنم کی طرف جمع ہو گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

اس میں دو خبریں دی ہیں ایک دنیا کے متعلق اور دوسری آخرت کے متعلق۔ دنیا میں مغلوب ہونا اور آخرت میں عذاب ہونا۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ قومیں سب کی سب بارعب صاحب حشم صاحب جاہ و مالکِ حکومت و سپاہ تھیں اور مخالفت میں سر توڑ کوششیں کر رہی تھیں۔ مگر آخر وہ سب کی سب ناکام و نامراد خائب و خاسر اور مغلوب ہو گئیں۔ دیکھو دنیوی خبر اور اخروی خبر دو خبریں تھیں اور انکے مقابلے میں دو واقعات تھے جن کے متعلق وہ خبریں تھیں۔ ایک خبر نے اپنے واقعہ کے ساتھ صداقت کی مہر لگا دی ہے کہ دوسری خبر عذاب قیامت بھی اپنے واقعہ کو ضرور لائے گی۔

(۲) بے شک ہم اپنے رسولوں اور کامل مومنوں کی ضرور دنیا میں بھی مدد کرینگے اور قیامت میں بھی۔

(۳) اور جن لوگوں کو مخالفوں کے ظلم سے گھر بار خدا کے لئے چھوڑنا پڑا ہم دنیا میں انہیں نہایت عمدہ اور اعلیٰ ٹھکانے سے بٹھائیں گے اور آخرت کا بدلہ تو بہت بڑھ چڑھ کر ہوگا۔

اب دیکھو ان میں دو خبریں ہیں ایک یہ کہ دنیا میں خدا کی نصرت اور تائید رسول اور اسکے متبعین کے ساتھ اور مہاجرین کے لئے عمدہ شوکت و سلطنت ہو۔ دوسرا عظیم الشان اجر قیامت کے دن کا۔ یہ خبر اسوقت دیگئی جبکہ رسول۔ اور انکے متبعین اور مہاجرین کی حالت نہایت بیکسی اور بے بسی کی تھی۔ اور وہ چاروں طرف سے دُکھ دیئے اور پیسے جا رہے تھے۔ اب دنیا کے متعلق جو خبر تھی وہ اسی طرح جس طرح پہلے سے بتلایا گیا تھا پوری ہوتی ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دوسری خبر بھی جو در اصل پہلی خبر کا ہی پچھلا نصف حصہ تھا۔ وہ بھی پورا ہو کر رہیگا۔

پس قرآن کریم نے باوجود اپنے الہامی ہونے پر بیّن نشان اور دلائل پیش کرنیکے اور اس طرح اسکے الہامی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہونیکے صرف یہی نہیں کیا اس بات کو بڑے زور و شور اور تاکید سے پیش کیا کہ موت کے بعد زندگی ہر جواب دہی ہے بلکہ اسے ارجہ متناسبہ کے رنگ میں ان پیشگوئیوں کے ساتھ بھی بیان کرکے جو اسی دنیا کے متعلق تھیں اور جو من وعن پوری ہوئیں اسے اور زیادہ مدلل اور ......

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

انجیلی کفّارہ

(نمبر ۲)

(۵) - باب ۵ - ورس ۲۷ تا ۳۲ - **مضمون**: - تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تو زنا نہ کر پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ جو کوئی شہوت سے کسی عورت پر نگاہ کرے وہ اپنے دل میں اُس کے ساتھ زنا کر چکا سو اگر تیری داہنی آنکھ تیرے ٹھوکر کھانے کا باعث ہو اُسے نکال اور اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے انگوں میں سے ایک کا نہ رہنا تیرے لیئے اس سے بہتر ہے کہ تیرا سارا بدن جہنم میں ڈالا جائے یا اگر تیرا دہنا ہاتھ تیرے لیئے ٹھوکر کھانے کا باعث ہو اُس کو کاٹ ڈال اور اپنے پاس سے پھینکدے کیونکہ تیرے انگوں میں سے ایک کا نہ رہنا تیرے لیئے اس سے بہتر ہے کہ تیرا سارا بدن جہنم میں ڈالا جائے - یہ بھی لکھا گیا کہ جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑ دے اُسے طلاق نامہ لکھدے پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوائے چھوڑ دیوے اُس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اُس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے -

تنقید - اس تعلیم اور اس وعظ سے بھی بہت سی باتوں پر روشنی پڑتی ہے حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے -

(الف) اگر تیری دہنی آنکھ -

(ب) تیرا دہنا ہاتھ -

تیری ٹھوکر کا باعث ہو تو اُسے نکال اور کاٹ ڈال اگر ہم یہ مان لیں کہ کفارہ ماننے والوں سے بلحاظ بشریت ایسی غلطیاں نہیں ہوتی ہیں تب تو کوئی مزید بحث ہو ہی نہیں سکتی لیکن اگر یہ نہ مانا جائے تو یہ کہا جائیگا کہ کفارہ پرست کی اگر آنکھ یا ہاتھ کوئی لغزش کھائے تو اُس کے واسطے سب سے پہلی صورت تو یہ ہے کہ آنکھ نکال دے اور ہاتھ کاٹ ڈالے کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہی حکم ہے اور اگر کفارہ پر عقیدہ ہونے کی وجہ سے ایسا نہ کیا جائے تو پھر اس حکم کی تعمیل کیسے ہو لازمی ہے کہ آنکھ نکال دی جائے اور ہاتھ کاٹ ڈالیں اگر ایسا ہو تو کفارہ باطل ہے کیونکہ وہ کفیل

ہو چکا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ آنکھ نکالنے اور ہاتھ کاٹنے سے ملزم اُس سزا سے بچ جائینگے جو قدرتی سزا ہے جو کفارہ کا اثر ہے تو کہا جائے گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جو یہ سزائیں مقرر کی ہیں وہ قطعی نہیں کیونکہ جس آنکھ اور جس ہاتھ نے قصور کیا تھا وہ سزا پا چکے ہیں اور اسی لیئے فرمایا گیا ہے کہ ایسا کرنے سے سارا جسم جہنّم میں نہیں جائے گا ہاں اگر آنکھ اور ہاتھ نکالی اور کاٹا نہ گیا تو اُس صورت میں سارا جسم جہنّم میں جائے گا اس فقرہ نے فیصلہ ہی کر دیا ہے جس کا قصور تھا اُس نے سزا پالی اگر کہا جائے کہ روح کو سزا ملے گی تو کہا جائے گا کہ جب باقی کا جسم محفوظ رہا تو روح کیوں نہ محفوظ رہے مجبور کی تمثیل سے بھی کفارہ باقی نہیں رہتا فرض کر لیا جائے) کفارہ پرست ہے وہ ایک ایسی عورت سے شادی کرتا ہے جسکو محض زنا کی وجہ سے طلاق نہیں دی گئی اُس صورت میں اُس کا کیا حشر ہوگا کفارہ اُسکو بچا نہیں سکتا کیونکہ وہ خلاف تعلیم حضرت مسیح علیہ السلام کے شادی کر چکا ہے اگر کہا جائے کہ عیسائیوں میں زنا کے سوائے طلاق نہیں تو یہ صحیح اور راست نہیں کیونکہ اس وقت امریکہ اور دیگر حصص یورپ میں اور وجوہ سے بھی طلاق ہو سکتی ہے۔

(٦) باب ٦ - درس ۲ و ۳ - مضمون - خبردار ہو کہ تم اپنے نیک کاموں کو لوگوں کے سامنے دکھلانے کے لیئے نہ کرو نہیں تو تمہارے باپ سے جو آسمان پر ہے اجر نہ ملے گا۔

تنقید - حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں اگر تم ریا سے عبادت کرو گے تو خداوند کریم کی درگاہ سے تمہیں اجر نہیں ملے گا اس حکم و اس وعظ میں یہ مان لیا گیا ہے کہ جو عبادت خالصاً للہ کی جائے گی اُس کا بارگاہ صمدی سے اجر ملے گا اس میں کفارہ کی شرط نہیں ہے اگر یہ کہا جائے

ـــــ

لہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک موقعہ پر حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ وقت مقررہ تک توریت شریف کا ایک شوشہ اور ایک نقطہ بھی نہیں ٹل سکتا اور اس وعظ میں شوشہ اور نقطہ تو چند را طلاق کے متعلق حکموں کو ہی تبدیل کیا جاتا ہے توریت میں یہ حکم ہے کہ طلاق دی جائے اور حضرت ممدوح فرماتے ہیں کہ سوائے زنا کے طلاق ہو ہی نہیں سکتی اگر یہ تبدیلی نہیں ہے تو اور کیا ہے کیونکہ طلاق کے بارہ میں توریت شریف کی تعلیم اور احکام [illegible] واضح تر اور روشن ہیں اُن میں ترمیم کرنا اُن کو بدلنا اور ٹلانا ہے جو پہلے حکم مسیحی کے متضاد ہے فافہم۔

کہ ضمناً کفارہ ہی سے مراد ہے تو کہا جائے گا کہ اول تو کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے جو کفارہ پر دال ہو اور اگر یہ کھینچا تانی سے بن بھی سکتا ہے تو پھر یہ کہا جائیگا کہ جو لوگ قبل از مصلوبیت حضرت مسیح علیہ السلام کے جہان سے گذر گئے اور ریا سے عبادت نہیں کرتے تھے انکو اس حکم کے مطابق اجر ملے گا یا نہیں اگر ملے گا تو کفارہ باطل ہوتا ہے اور اگر نہیں ملے گا تو حضرت مسیحؑ کا ارشاد نعوذ باللہ کوئی معنے نہیں رکھتا۔

(۷)۔ باب ۶ - ورس ۱۴ - **مضمون** - اس لیئے کہ اگر تم آدمیوں کے گناہ بخشوگے تو تمھارا باپ بھی جو آسمان پر ہے تمھیں بخشے گا پر اگر تم آدمیوں کو اُن کے گناہ نہ بخشوگے تو تمھارا باپ بھی تمھارے گناہ نہ بخشے گا۔

تنقید۔ یہ ہدایات بہت واضح اور صاف ہیں ٹھنڈے دل سے ہر سوچنے والا سوچ سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا ان ہدایات سے کیا مدعا اور کیا مطلب تھا دور از قیاس تاویلات نے معاملہ ایک اُلجھن میں جا پڑتا ہے ان آیات میں صاف طور پر یہ کہا گیا ہے کہ اگر تم اس دنیا میں اپنے ابنائے جنس گنہگاروں کے گناہ بخشوگے تو تمھارا باپ (خدا) بھی آسمان پر تمھارے گناہ بخشے گا اور اگر تم ایسا نہیں کروگے تو تمھارے گناہ بھی تمھارا باپ آسمان پر نہیں بخشے گا کفارہ کی صورت میں بصورت بحث عدل۔ رحم اور قدوسیت کے بڑا اہم سوال یہی ہے کہ بغیر کفارہ یا مصلوبیت حضرت مسیح علیہ السلام کے قادر مطلق اور غفور الرحیم گنہگاروں کے گناہ بخش ہی نہیں سکتا اور ان آیات میں حضرت مسیح علیہ السلام خداوند کریم کے یا اختیارات باقی اور برقرار رکھتے ہیں شرط یہ ہے کہ اگر اس دنیا میں لوگ ایک دوسرے کے گناہ بخشیں تو خدا بھی انکو بخش دے گا ایک شخص جو کفارہ پر اقرار اور ایمان نہیں رکھتا اگر اپنے بھائیوں اور ابنائے جنس کے گناہ بخشتا ہے تو ضرور ہے کہ آسمان پر بھی خدا اُس کے گناہ بخشے کیونکہ خداوند کریم کے ان اختیارات کے نفاذ کے واسطے کفارہ کی شرط نہیں لگائی گئی ہے اور اگر خداوند کریم قادر مطلق نہیں بخش سکتا تو جو وعدہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان آیات میں کہا ہے وہ کالعدم ٹھہرتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ خداوند کریم کے ایسے اختیارات صرف اسی دنیا میں نفاذ پذیر ہو سکتے ہیں قیامت یا حشر اور زندگی ثانی سے انکا کوئی تعلق

نہیں ہے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ خداوند کریم اس دنیا میں جب گنہگاروں کے گناہ بخش سکتا ہے تو کیوں زندگی ثانی میں بخش نہیں سکتا اور ان حالات میں کفارہ کی عظمت بھی وہ نہیں رہتی جو رہنی چاہیئے کیونکہ خداوند کریم کے اختیارات بخشش کسی نہ کسی صورت میں باقی رہ جاتے ہیں ان سب آیات میں شرطیہ بیان کیا گیا ہے جس سے ظاہر اور ثابت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدائی اختیارات کے نفاذ میں اسقدر تنگدل نہ تھے جسقدر کفارہ کا مسئلہ یقین دلاتا ہے۔

(۸) باب۔ ورس ۲۱ تا ۲۳۔ **مضمون**۔ نہ ہر ایک جو مجھے خداوند خداوند کہتا ہے آسمان کی بادشاہت میں شامل ہوگا مگر وہی جو میرے باپ کی جو آسمان پر ہے مرضی پر چلتا ہے اُس دن بہتیرے مجھے کہیں گے اے خداوند اے خداوند کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے دیوؤں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سی کرامات ظاہر نہیں کیں اور اس وقت میں ان سے صاف کہوں گا کہ میں کبھی تم سے واقف نہ تھا اے بدکارو میرے پاس سے دور ہو۔

تنقید۔ ان آیات میں حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں صرف مجھے خداوند خداوند کہنے سے ہر کوئی آسمان کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا مگر وہی جو خدا کی مرضی پر چلتا ہے مرضی سے مراد عمل اور نیکی ہے جیسے کہ دوسری آیات ۲۴ لغایت ۲۹ اسی باب میں کہا گیا ہے کہ "پر جو کوئی میری باتیں سنتا اور اُن پر عمل نہیں کرتا وہ بے وقوف آدمی کی مانند ٹھہرے گا"

دیکھو کس صفائی سے اعمال پر نجات اور خوشنودی کا مدار رکھا گیا ہے جو لوگ اسکے خلاف خیال رکھتے تھے اُنہیں ایک سخت لفظ بدکاروں سے مخاطب کیا گیا ہے خداوند خداوند کہنے سے مطلب یہی تھا کہ بعض لوگ محض انہی الفاظ کے رٹنے سے خود کو نیکوں میں شمار ہونے کی خواہش کرتے تھے حضرت ممدوح نے اُن کا خیال توڑنے کے واسطے اس علم پر سے پردہ اُٹھا دیا اور یہ سمجھا دیا کہ نرے خداوند خداوند کہنے سے آسمانی بادشاہت نہیں مل سکتی عمل کی بھی ضرورت ہے اگر یہ کہا جائے کہ عمل سے مراد اعتراف کفارہ ہی ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ کفارہ عمل نہیں ہے بلکہ ایک عقیدہ اور اگر یہ کہا جائے کہ اعتراف کفارہ کی صورت میں بھی نیک اعمال کی ضرورت باقی رہتی ہے تو پھر سوال ہوگا کہ پھر کفارہ کی قیمت باقی نہیں رہتی کفارہ پر جو انحصار تھا وہ اٹھ جاتا ہے جب انحصار نہ رہا تو کفارہ نہ رہا۔

(۹) باب۸ - ورس ۱۶ و ۱۷ - **مضمون** - جب شام ہوئی اُسکے پاس بہتوں کو جن پر دیو چڑھے تھے لائے اور اُس نے اُن روحوں کو کلام ہی سے دُور کیا اور سب کو جو بیمار تھے چنگا کیا تاکہ جو یسعیا نبی نے کہا تھا پورا ہوئے کہ اُس نے آپ ہماری ماندگیاں لے لیں اور ہماری بیماریاں اُٹھالیں۔

تنقید - اس آیت سے کفارہ کا استدلال کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت یسعیا علیہ السلام نے جو پیشین گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی بجائے اسکے کہ اس ورس سے کفارہ کا ثبوت ملے اُلٹا اُسکی تردید ہوتی ہے اوّل تو اس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بزور کلام بہتوں کو جن پر دیو چڑھے تھے چنگا کیا بیماری اور گناہ میں فرق ہے دیو اور بھوت کے سایہ کو دُور کرنا گناہ کا لینا یا اٹھانا نہیں ہے بلکہ ایک علاج اگر ایسا ہی تھا تو ضرور تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خود بھی اُسی بیماری میں مبتلا ہو جاتے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ گناہوں ہی کو حضرت مسیح علیہ السلام نے اُٹھا لیا تھا تو یہی خدشہ پیش ہوگا کہ مسیح علیہ السلام خود بھی گناہ معاف کر سکتے تھے اور قبل از تکمیل کفارہ کے ایسا ہوتا تھا جس سے ضرورت کفارہ کی باقی نہیں رہتی کیونکہ جب بلا وجود پذیر ہونے کفارہ کے بھی گناہ معاف ہو سکتے ہیں تو پھر کفارہ کی کیا ضرورت ہے اور جب حضرت مسیح علیہ السلام اپنے اختیارات سے لوگوں کی ماندگیاں اور بیماریاں بہ معنے گناہ لے اور اُٹھا سکتے ہیں یعنی اُن کو معاف کر سکتے ہیں تو خدائے کریم ایسا کیوں نہیں کر سکتا اگر معاف کرنیکے معنوں پر یہ آیتیں محمول ہوں تو کفارہ باقی نہیں رہتا اور اگر دوسرا پہلو لیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ جو شخص دوسرے کا گناہ اُٹھاتا اور اپنے سر پہ بار لیتا ہے وہ خود گنہگار ہو جائیگا دیکھو ضامن بھی ملزم کی غیر حاضری پر زیر مواخذہ آجاتا ہے - اس صورت میں نعوذ باللہ خود حضرت مسیح علیہ السلام بھی ناکردہ گنہگار رہے اور گنہگار ہونے یا گناہ اُٹھانے کی صورت میں کفارہ کس طرح صحیح رہ سکتا ہے اور یہ بھی کہ ان آیتوں میں صرف ماندگیاں اور بیماریاں مراد ہیں نہ کہ گناہ۔

(۱۰) باب۹ - ورس ۲ تا ۶ - **مضمون** - اور دیکھو ایک جھولے کے مارے کو جو چارپائی پر پڑا تھا اس پاس لائے یسوع نے اُن کا ایمان دیکھ کے اُس جھولے کے مارے سے

کہا اے بیٹے خاطر جمع رکھ تیرے گناہ معاف ہوئے اور دیکھو بعضے فقیہوں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ کفر بکتا ہے یسوع نے اُن کے خیال دریافت کر کے کہا تم کیوں اپنے دلوں میں بدگمانی کرتے ہو کیا کہنا آسان ہے یہ کہ تیرے گناہ معاف ہوئے یا یہ کہ اُٹھ اور چل سکیں تاکہ تم جانو کہ ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے۔

تنقید۔ کفارہ کی بحث میں انجیل متی کی یہ آیات ایک بڑی حد تک قابل بحث ہیں ان آیات سے یہ باتیں نکلتی ہیں۔

(الف) حضرت مسیح علیہ السلام نے لوگوں کے گناہ بخشے۔

(ب) ابن آدم یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو زمین پر گناہ بخشنے کا اختیار دیا گیا تھا۔

(ج) یہ اختیار خدا کی جانب سے دیا گیا تھا۔

(د) بعض لوگوں نے شک کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام نے با اختیار ہونے کی وجہ سے اُنکا شک دُور کرنے کی کوشش کی۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے زمین پر قبل از مصلوب ہونیکے لوگوں کے گناہ بخشے پہلا سوال یہ ہے کہ جب ابن آدم کو زمین پر گناہ بخشنے کا اختیار حاصل رہا ہے تو خدائے کریم کو آسمان پر کیوں نہیں ہے کیونکہ جب خدا نے ابن آدم کو ایسے اختیارات دیئے تھے تو خود اُسکو ایسے اختیارات کے عمل میں لانے سے کونسی طاقت مانع ہوتی ہے اور اگر اُسکے اپنے اختیارات ایسے ہی محدود ہیں تو پھر وہ زمین پر ابن آدم کو ایسے اختیارات کے دینے کا کیا اختیار رکھتا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے انہی آیات میں شبہ بھی صاف کر دیا ہے فرماتے ہیں گناہ معاف کرنے بہ نسبت اس کہنے کے کہ اُٹھ اور چل بہت آسان ہے اس سے ظاہر اور ثابت ہے کہ اُنہیں زمین پر گناہوں کے بخشنے کا اختیار حاصل تھا اور یہ اختیار قبل از مصلوب ہونیکے حاصل تھا جب اُنہیں یہ اختیار حاصل تھا تو یہ کہنا کہ سوائے اقرار کفارہ کے بخشش ہو ہی نہیں سکتی درست نہیں ہے جسطرح مسیح گناہ معاف کر سکتے تھے اُسی طرح خدا بھی کر سکیگا اُنہوں نے زمین پر یہ اختیارات برتے اور خدائے لایزال آسمان پر برتے گا۔

(۱۱) باب ۔ ورس ۱۰ تا ۱۳۔ **مضمون** ۔ اور یوں ہوا کہ جب یسوع گھر میں کھانے بیٹھا دیکھو بہت سے محصول لینے والے اور گنہگار آ کے اُسکے اور اُسکے شاگردوں کے ساتھ کھانے بیٹھے جب فریسیوں نے یہ دیکھا اُسکے شاگردوں سے کہا تمہارا اُستاد محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ کیوں کھاتا ہے یسوع نے یہ سنکر اُنہیں کہا بھلے چنگوں کو حکیم درکار نہیں بلکہ بیماروں کو پر تم جاکے اس کے معنے دریافت کرو میں قربانی کو نہیں بلکہ رحم کو چاہتا ہوں کیونکہ مَیں راستبازوں کو نہیں بلکہ گنہگاروں کو توبہ کے لیئے بلانے کو آیا ہوں۔

تنقید۔ ان آیتوں پر اگر سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو ثابت ہے کہ کفارہ کی نہ تو کوئی ضرورت ہے اور نہ حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ کی غرض سے مصلوب ہوئے تھے جب حضرت مسیح گنہگاروں سے مل کر کھانے لگے تو فریسیوں نے اعتراض کیا کہ کیوں گنہگاروں کے ساتھ کھاتا پیتا ہے حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ جو لوگ بھلے چنگے یعنی نیک ہیں اُنکو حکیم کی ضرورت نہیں یعنی کسی قربانی کی ضرورت نہیں بلکہ اُنہیں جو بیمار ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ جو لوگ نیک ہیں اُنہیں کفارہ کی ضرورت نہیں ۔ انہی آیات میں آگے چلکر فرماتے ہیں مَیں قربانی کے لیئے نہیں آیا ہوں بلکہ رحم چاہتا ہوں کفارہ بھی ایک قربانی ہی ہے دیکھو حضرت مسیح علیہ السلام خود ارشاد فرماتے ہیں کہ مَیں قربانی کے واسطے نہیں آیا ہوں بلکہ رحم کے واسطے اب یہ تاویل کیجاتی ہے کہ خدائے رحیم رحم کسطرح کر سکتا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام رحم ہی کے واسطے آئے تھے اگر رحم ثابت ہے تو کفارہ باطل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ کفارہ ہی رحم ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ کفارہ میں قربانی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ مَیں قربانی کے واسطے نہیں آیا ہوں اور دوسرے یہ کہ رحم نہ صرف اور لوگوں کے واسطے ہی مخصوص ہے بلکہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات اقدس بھی اس میں شامل ہے حضرت مسیح معصوم تھے باوجود اس معصومیت کے اُنہیں صلیب دیا جانا رحم یا شان رحم کے خلاف ہے عدالت اور انصاف تو یہ صورت اور ہی نہیں رکھتا خود رحم بھی اسکے منافی ہے اسی کلام میں یہ طے کر دیا گیا ہے کہ راستبازوں کے واسطے تو اور کسی قربانی یا کفارہ کی ضرورت نہیں ہے حضرت ممدوح فرماتے ہیں مَیں راستبازوں کو نہیں بلکہ گنہگاروں کو توبہ کے لیئے

بلانے کو آیا ہوں اس سے دو باتیں ثابت ہیں اوّل یہ کہ بلا اعتراف کفارہ کے بھی راستباز ہو سکتے ہیں جنہیں توبہ کی ضرورت نہیں اور یہ کہ اُس وقت بقول حضرت ممدوح راستباز بھی تھے حالانکہ بقول عیسائیوں کے آدم کا گناہ مسلسل چلا آتا تھا جب راستباز موجود تھے تو پھر گناہ نسلی نہیں ہو سکتا ان فقرات میں راستبازی سے مراد نیکی ہے اور دوسرے یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام گنہگاروں کے واسطے بھی صرف ایک ہی طریقہ توبہ کا بتاتے ہیں نہ کہ کوئی دوسرا طریقہ یا کفارہ۔ توبہ میں کفارہ نہیں آتا ہے کفارہ صرف یہ اعتراف ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام لوگوں کے گناہوں کے بدلے صلیب دیئے گئے توبہ میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی عمل کی بھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ نتیجہ پانے کے وقت گناہوں کا اعتراف کیا جاتا ہے جو ایک قسم کی توبہ ہی ہے تو کہا جائے گا کہ خود اناجیل سے توبہ کا اس شرط سے مشروط ہونا ثابت نہیں ہے اور نہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان آیات میں توبہ کی یہ تعریف کی ہے راستبازوں کو بقول حضرت ممدوح نہ تو توبہ کی ضرورت ہے اور نہ کسی کفارہ کی۔ اگر کہا جائے کہ تمام انسان گنہگار ہیں تو یہ باطل ہے کیونکہ خود حضرت موصوف علیہ السلام یہ فرما چکے ہیں کہ اس دنیا میں گنہگار اور راستباز دونوں پائے جاتے ہیں اور میں راستبازوں کے واسطے نہیں آیا ہوں فتدبر۔

(۱۲) باب ۱۱۔ ورس ۲۶۔ **مضمون**۔ میرے باپ سے سب کچھ مجھے سونپا گیا۔

تنقید۔ اگر اس آیت سے کفارہ کا استدلال کیا جائے تو درست نہیں اس میں حضور علیہ السلام صرف اُن عنایات کا ذکر فرماتے ہیں جو خداوند کریم کی طرف سے اُنپر بسلسلہ نبوت نازل ہوئی تھیں جیسے کہ اس آیت کے شروع ہی میں یہ کہا گیا ہے "وہ چیزیں جو داناؤں اور عقلمندوں پر چھپائی گئیں وہ بچوں پر کھول دی گئیں" بطریق شکریہ کے یہ کلمات حضرت ممدوح علیہ السلام کے مُنہ سے نکلے ہیں نہ کہ کفارہ کے رنگ یا تبلیغ میں۔

(۱۳) باب ۱۲۔ ورس ۷ و ۸۔ **مضمون**۔ پر اگر تم اسکے معنے جانتے کہ میں قربانی کو نہیں بلکہ رحم کو چاہتا ہوں تو تم بے گناہوں کو گنہگار نہ ٹھہراتے۔

تنقید۔ اس آیت میں بھی اس عقیدہ کو توڑ دیا گیا ہے کہ شروع ہی سے حضرت آدم علیہ السلام

کے گناہ کی وجہ سے گناہ چلا آیا ہے کیونکہ اس ایں اعتراف کیا گیا ہے کہ انسانوں میں سے بے گناہ بھی ہوتے ہیں اور تاکید سے کہا گیا ہے کہ بے گناہوں کو گنہگار قرار دینا درست نہیں اور یہ کہ میں قربانی کے لیئے نہیں آیا ہوں بلکہ رحم کے واسطے۔ ہم باادب دریافت کرینگے کہ فقرہ بے گناہوں سے حضور علیہ السلام کا مطلب کیا تھا کیا معصوم اور بے گناہ یا کچھ اور۔ اور اگر بے گناہ ہی مراد تھے تو پھر کفارہ باقی نہیں رہتا۔ اور اگر یہ مراد نہ تھی تو ایسے استدلال پر دلیل کیا ہے کیونکہ آیت کے الفاظ سے تو یہ نکلتا نہیں تاویل کا دائرہ الفاظ سے بالکل ہی نکل جانا صحیح نہیں۔

(۱۴) باب ۱۲۔ ورس ۳۱ و ۳۲۔ **مضمون**۔ اسلیئے میں تمھیں کہتا ہوں کہ لوگوں کو ہر طرح کا گناہ و کفر معاف کیا جائے گا مگر وہ کفر جو روح کے حق میں ہو لوگوں کو معاف نہ ہوگا جو کوئی ابن آدم کے حق میں برا کہے اُسے معاف ہو سکے گا پر جو روح قدس کے حق میں برا کہے اُسے ہرگز معاف نہ ہوگا۔

تنقید۔ سب سے پہلے یہ بحث طلب ہے کہ روح یا روح قدس سے کیا مراد ہے خود حضرت مسیح علیہ السلام ہی کے کلام سے روح یا روح قدس سے مراد ذاتِ خدائی ہے دیکھو اسی باب کی آیت ۲۸ میں فرمایا گیا ہے۔

”اگر میں خدا کی روح سے دیووں کو نکالتا ہوں تو البتہ خدا کی بادشاہت تم پاس آ پہنچی“۔

ان آیتوں میں حضرت مسیح علیہ السلام نے گناہوں اور کفر کی معافی کا اعلان کیا ہے اور بغیر کسی شرط کفارہ کے ہاں یہ شرط جو کفر روح کے حق میں ہو وہ لوگوں کو معاف نہ ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہرگز معاف نہ ہوگا جیسے کہ قرآن مجید میں بھی کہا گیا ہے کہ جو لوگ خدا کے ساتھ شرک کرتے ہیں وہ معاف نہیں ہوگا۔ یہاں بھی یہی مراد ہے اللہ اکبر حضرت مسیح علیہ السلام تو شرک تک ناقابل معافی قرار دیں اور دوسری طرف سے انہیں خدا کا بیٹا اور خدا کا جوڑ قرار دیا جائے۔

اگر ایک عیسائی باوجود اعتراف کفارہ کے روح کے حق میں برا کہے تو ان کلمات کے

روسے وہ معاف نہیں ہوسکتا اور اس صورت میں رشتہ کفارہ ٹوٹ جائیگا یا یہ کہ کفارہ جامع نہیں رہے گا کیونکہ کفارہ کے ساتھ یہ شرط نہیں لگائی گئی ہے کہ فلاں گناہ کی بابت وہ چل سکتا ہے اور فلاں کی بابت ساکت ہے وہ ہر ایک قسم کے گناہوں کا فدیہ ہے جس میں گناہ روح بھی شامل ہے اگر یہ قسم گناہ کی وہ اُٹھا نہیں سکتا تو وہ کامل نہیں ہے جب کامل نہیں تو باطل ہے۔

(۱۵) باب ۱۲۔ ورس ۳۲۔ **مضمون**۔ پر میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر ایک بیہودہ بات جو کہ لوگ کہیں عدالت کے دن اُس کا حساب دیں گے کیونکہ تو اپنی باتوں ہی سے راستگار گِنا جائے گا اور اپنی باتوں ہی سے گنہگار ٹھہرے گا۔

تنقید۔ اللہ اکبر کس صفائی اور کس خوبصورتی سے اُس رہ مستقیم اور شریعت کی تصدیق اور تائید کی گئی ہے جو مذاہب کا نچوڑ ہے اور کس عمدگی سے عقیدہ کفارہ کو باطل ٹھہرایا گیا ہے جو عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے فرماتے ہیں یوم قیامت یا یوم حساب میں ہر ایک بیہودہ بات ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے گناہ کا بھی حساب دیا جائے گا کیونکہ ہر انسان اپنے ہی اعمال یا اپنی ہی باتوں سے نیک اور گنہگار ٹھہرتا ہے اگر کفارہ درست اور صحیح ہے تو یوم قیامت میں کسی باز پرس اور کسی حساب کتاب کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ سب حساب اور مطالبہ اعمال نامہ حضرت مسیح علیہ السلام میں لکھا جا چکا ہے اور کفارہ ماننے والے بریت پا چکے ہیں اور اگر حساب نہیں لیا جاوے گا تو حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ وعید یا یہ قول باطل جاتا ہے کیونکہ حضرت ممدوح تاکیدی رنگ میں فرماتے ہیں کہ چھوٹی سے چھوٹی بُری بات کی بھی باز پُرس ہوگی چاہے کفارہ ہو یا نہ ہو یہ ایک ایسی مشکل ہے جو کفارہ سے بھی حل نہیں ہوسکتی یادہ مانو یا دہ۔ دوسرے فقرہ میں فرماتے ہیں آخر ماتے کیا یہ فیصلہ ہی فرمادیا ہے کہ ہر انسان صرف اپنی ہی باتوں اور اپنے ہی اعمال کی وجہ سے راستباز سمجھا جائیگا اور اپنی ہی باتوں سے گنہگار بھی ٹھہریگا اس صورت میں کفارہ یا کفارہ کی ضرورت بالکل اڑ جاتی ہے اور مطلع صاف ہوجاتا ہے جس ذات اقدس سے کفارہ نکلا وہی ان کلمات عظیمہ سے اُسکی تردید کرتی ہے

اگر یہ کہا جائے کہ کفارہ کی صورت میں بھی ایک گنہگار گنہگار رہتا ہے لیکن بوجہ اقرار کفارہ اسکی بخشش ہو جاتی ہے تو درست نہیں ہوگا کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام انہی آیات میں فرماتے ہیں کہ اپنی ہی باتوں کی وجہ سے انسان راست گار یا راستباز بھی ٹھہرتا ہے جب اپنی ہی باتوں سے انسان نیک ہو سکتا ہے تو پھر اُسپر مواخذہ کیا ہوگا اور کفارہ کی ضرورت کیا رہے گی۔

(ہر کہ را کہ حساب پاک از محاسبہ چہ باک)

لفظ اپنی ہی پر بہت زور دیا گیا یا زور ڈالا جا سکتا ہے صرف اپنی ہی کرتوتوں کی وجہ سے انسان مبتلائے عذاب ہوگا اور اپنی ہی نیکیوں اور عمدہ باتوں کی وجہ سے نجات پائیگا یہ تائیدی فقرہ مؤید عمل ہو کر کفارہ کی رسّیاں توڑ ہی نہیں دیتا بلکہ اسکی ہستی بھی مٹا دیتا ہے غور کرنیوالے غور کریں اور سوچنے والے سوچیں کہ ان آیات سے کیا کچھ نکلتا ہے شاید کہ اُن کے واسطے کوئی اور سیدھی راہ نکل آئے۔

در بیاباں فنا شدن آخر تا چند
رہ بہ پرسیم مگر بہ مہمات بریم

(۱۶) باب ۱۳۔ درس ۴۳ و ۴۹۔ **مضمون**۔ تب راستباز اپنے باپ کی بادشاہت میں آفتاب کی مانند نورانی ہونگے۔ اس جہان کے آخر میں ایسا ہوگا کہ فرشتے آئیں گے اور راستبازوں میں سے شریروں کو الگ کریں گے۔

تنقید۔ باب ۱۳ میں حضور علیہ السلام نے بہت اچھی تعلیم دی ہے نجات پانے کے واسطے نہایت ہی کمالیت سے تمثیلات دی ہیں ان آیتوں میں یہ کہا ہے کہ جو راستباز ہیں وہ خدا کی بادشاہت میں نورانی ہونگے راستبازی کی بابت حضرت موصوف کے طرز کلام سے اعمال ہی کی نیکی پائی جاتی ہے نہ کہ اقرار کفارہ۔ ۴۹ آیت میں کہا گیا ہے کہ اخیر پر فرشتے راستبازوں کو شریروں سے الگ کریں گے گویا اعتراف کفارہ بالائے طاق رہ جائے گا اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ جو لوگ معترف کفارہ نہیں ہیں انکو کفارہ ماننے والوں سے الگ کر دیا جائے گا تو یہ نہیں ہو سکتا کہ کفارہ ماننے والوں میں بھی گناہ ہوتے اور بدیاں پائی جاتی ہیں اگر انکو بھی جماعت شریروں ہی میں رکھا گیا تو پھر

کفارہ کی خبر نہیں اور اگر اُن سے بوجہ اقرار کفارہ در
پیشین گوئی کالعدم ہو جاتی ہے اور یہ وعید کسی
(۱۷) باب ۱۶ ۔ ورس ۲۷ ۔ **مضمون** ۔ کیونکہ
فرشتوں کے ساتھ آویگا تب ہر ایک کو اُسکے اعما
تنقید ۔ اس آیت میں بھی اعمال ہی کے موافق
آخری دنوں میں حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں آ
اُنکے حضور میں پیش ہونگے نہ کہ صرف اعتراف کف
تو یہ کل سیدھی نہیں رہتی ۔ کفارہ عمل نہیں ہے بد
میں عمل کی بات کونسی ہے کفارہ میں صرف یہ ہوتا
بے گناہ معصوم نبی کے کندھوں پر رکھ دیا جاتا ہے
رکھنا وغیرہ وغیرہ عمل ہیں اور خدا کو ایک جاننا ایک
دراصل مستغنی کرتا ہے کیونکہ اگر ایک شخص عیسا
عبادت نہیں کرتا روز کی دعا نہیں مانگتا تو ملزم نہیں
کا انکاری نہیں ہے لیکن اگر ایسے شخص پر دعا اور عبا
ٹوٹ نہیں جاتا تو اُسکی چولیں ڈھیلی ضرور ہو جاتی ہیں
ایک عیسائی مقر کفارہ پر عبادت لازمی ہے یا نہیں
وہ مورد الزام ٹھہرتا ہے یا نہیں اگر ٹھہرتا ہے تو کفارہ کی
ٹھہرتا تو ان آیتوں میں جس طریق سے آخری دنوں میں را
کیا جائیگا وہ خدشہ سے خالی نہیں ۔

(۱۸) باب ۱۸ ۔ ورس ۱ تا ۳ ۔ **مضمون** ۔ اُس وقت شاگر
اُس سے پوچھا کہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے بڑا کون ہے یسو
بلا کے اُسے اُن کے بیچ میں کھڑا کیا اور کہا مَیں تم سے سچ کہتا ہو
چھوٹے لڑکوں کی مانند نہ ہو تو آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخ

نوں میں تھا کہ آسمان کی بادشاہت میں یا خدا کے نزدیک
ے انسان کا مفہوم مذہبی رنگ میں سوائے
ے الفاظ میں اس کا یہ مطلب تھا کہ کس طرح پر انسان
امتیاز روحانی پاسکتا ہے حضرت مسیح علیہ السلام نے
تک اس کی مانند خود کو نہ بناؤ تب تک تم خدا کی
ئے اور یہ بھی اس شرط سے کہ تو بہ کرو ایک چھوٹا
اسطے کہ چھوٹے لڑکے عموماً بے گناہ اور معصوم
یہ بھی عام طور پر کہا جاتا ہے یہ ایک معصوم بال اور
بالکل چھوٹے لڑکوں کے مجرمانہ افعال کو تعذیب اور
طے سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔
صوم اور پاک باز بناؤ۔
تے ہیں۔
ضرت مسیح علیہ السلام اُنکو وعظ میں نمونہ صادق کے
ن ثابت ہوا کہ انسان پشتی گنہگار نہیں ہے کیونکہ
ے چھوٹے لڑکے یا انسان کے لڑکے کا پیش نہ کرتے
ٹے لڑکوں کی مانند ہو اگر یہ کہا جائے کہ یہ صرف بطور
ا کا جو نشار لیا جاتا ہے وہ درست نہیں ہے تو کہا جائیگا
نہ پیش کرنا اس بحث میں کہ کس طرح کوئی انسان خدا کی
ہے کیسے بے معنے اور بے محل ہو سکتا ہے اور اگر یہ
یل سے یہ مراد تھی کہ ایسے سادہ ہو کر کفارہ پر یقین لاؤ تو
سوال شاگردوں نے کیا تھا اُس کا یہ جواب نہیں ہو سکتا اور
ٹکے کو بطور ایک پاکیزہ نمونہ کے پیش کیا گیا ہے اور یہ عملی رنگ
کے رنگ میں اور ساتھ ہی لڑکے تو بہ کی بھی شرط ہے جو عقیدہ

کفارہ کے صراحتاً و بداہتاً خلاف ہے۔

(۱۹) باب۱۸ - ورس ۸ تا ۹ - **مضمون**

کھلاوے اُسے کاٹ ڈال اور اپنے پاس سے پھی
میں داخل ہونا تیرے لیئے اس سے بہتر ہے
کی آگ میں ڈالا جائے اور اگر تیری آنکھ تجھے
پھینکدے کیونکہ کانا ہوکر زندگی میں ہونا تیرے
آنکھ ہوں اور تو جہنم کی آگ میں ڈالا جا

تنقید - یہ وعظ ایک بڑا بسیط اور پُر مع
نہیں کھلتی ہیں ذرا تامل اور تحقق سے پڑھنے
کھل سکتے ہیں خلاصہ اس وعظ کا یہ ہے کہ جو ع
ہے کہ وہ ترک کر دیجائے مثلاً ایک انسان کے دل
ہوں تو لازم ہے کہ اُنہیں چھوڑ دیا جائے اگر حر
ہے اگر غفلت روکتی ہے تو چھوڑ دی جائے اگر
لے جائیگا اور اُسی کی وجہ سے باب نجات بند
پڑتی ہے اور کفارہ کی راہیں بند ہوتی ہیں کیونکہ
گو آنکھ اور کان کے پیرایہ میں تمثیل دی گئی ہے
یہی مراد تھی تو پھر لازم آتا ہے کہ جب کوئی عضو
حضرت مسیح علیہ السلام کاٹ ہی دیا جائے حالا
کرتے رہزن ڈاکے مارتے اور بدبین بُری نگا
اور بد کہتے ہیں نہ تو انکی آنکھیں - کان - (
اُنہیں جسم سے دُور کیا جاتا ہے اگر
بھی لازمی ہے اور اُس صورت میں
کیونکہ باوجود تسلیم کفارہ کے بھی

رہبی رنگ میں ان سزاؤں کا بیان کیا ہے نہ کہ سیاسی
سیاسی قانون دان کے پیرایہ میں اخلاقی رنگ
ہی جواب ہوگا جو برنگ سیاسی دیا گیا ہے دونوں
رہیں گی اور گناہ ہر حالت میں بغیر رنگ لائے اور
بیت اور عدل و انصاف بھی معرض بحث میں

مرنیوالی قوم

ی ہفتہ وار اخبار ہے اور لاہور سے شائع ہوتا ہے اس کے
۔ آرٹیکل ہے جس کا عنوان ہے ایک مرنیوالی قوم۔
وہ اس وجہ سے اسکو ایک مرنیوالی قوم قرار دیتا ہے۔
ے کہ ہندوؤں کی تعداد میں بجائے اسکے کہ ترقی ہو یا کم از کم
۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ سنہ ۱۸۸۱ع کی مردم شماری میں دس ہزا
ے اور باقی دوسرے مذاہب کے پیرو۔ سنہ ۱۹۱۱ع کی مردم شماری
ہے کہ اب دس ہزار میں چھ ہزار نو سو انتیس ہندو رہ گئے ہیں
ں کے مختلف صوبجات میں ہندوؤں کی آبادی کس قدر

سنہ ۱۹۰۱ع	سنہ ۱۹۱۱ع
۴۴ فیصدی	۴۴ فیصدی
۸[illegible] فیصدی	۸۲ فیصدی
[illegible]صدی	۸۸ فیصدی
[illegible]ی	۳۲ فیصدی
[illegible]	۸۵ فیصدی
	۷۵ فیصدی
	۸۲ فیصدی
	۶۶ فیصدی